دروسِ شرحِ ملا جامی

(القوائد الضیائیۃ ــــ تراکیب نحویہ، خطبہ، معرب ومبنی، غیر منصرف، مرفوعات، منصوبات، مجرورات وتوابع)

مکمل ۲۱۶ اسباق کا مستند درسی متن، توضیحی ونحوی حواشی، ویکٹر نقشہ جات ونحوی جداول

افادات وتدریس:

حضرت مولانا **محمد زہیر روحانی بازی** مدظلہ العالی

ابنِ شیخ الحدیث والتفسیر **موسیٰ روحانی بازی** رحمہ اللہ تعالیٰ

جامعہ محمد موسیٰ روحانی بازی، رائیونڈ لاہور

طالبِ دعا، مرتب ومحشی: **محمد ساجد اکرم**

جامعۃ التوحید، چک کانی پور (پاکپتن، پنجاب، پاکستان)

دروسِ شرحِ ملا جامی (الفوائد الضیائیۃ)

(مکمل ۲۱۶ اسباق: تراکیبِ نحویہ، خطبہ، معرب و مبنی، غیر منصرف، مرفوعات، منصوبات، مجرورات و توابع)

مستند صوتی دروس، توضیحی و نحوی حواشی، ویکٹر نقشہ جات و نحوی جداول

افادات و تدریس:

حضرت مولانا محمد زہیر روحانی بازی مدظلہ العالی

ابنِ شیخ الحدیث والتفسیر حضرت مولانا محمد موسیٰ روحانی بازی رحمہ اللہ تعالیٰ

جامعہ محمد موسیٰ روحانی بازی، رائیونڈ روڈ، لاہور

طالبِ دعا، مرتب و محشی:

محمد ساجد اکرم

جامعۃ التوحید، چک کانی پور (پاکپتن، پنجاب، پاکستان)

التماسِ دعا و ایصالِ ثواب

اس علمی خدمت سے استفادہ کرنے والے تمام معزز اساتذہ، علماء اور طلبۂ کرام سے عاجزانہ گزارش ہے کہ مرتب کی والدۂ مرحومہ اور ہمشیرۂ مرحومہ کے لیے دعائے مغفرت فرمائیں:

«یا اللہ! ان کی چھوٹی بڑی تمام لغزشوں کو معاف فرما، ان کی قبروں کو نور سے منور کر، اور جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام نصیب فرما۔ نیز میرے تمام علمی محسنین اور اساتذہ کے درجات بلند فرما۔ آمین!»

اللہ تبارک و تعالیٰ استاذِ محترم حضرت مولانا محمد زہیر روحانی بازی مدظلہ العالی کے علم، عمر اور فیوض و برکات میں بے پناہ ترقی عطا فرمائے، اور ان کے والدِ گرامی شیخ الحدیث والتفسیر حضرت مولانا محمد موسیٰ روحانی بازی رحمہ اللہ تعالیٰ، صاحبِ کافیہ علامہ جمال الدین عثمان بن عمر ابن الحاجب رحمہ اللہ تعالیٰ (متوفی ۶۴۶ھ) اور شارحِ کتاب علامہ نور الدین عبدالرحمن بن احمد ملا جامی رحمہ اللہ تعالیٰ (متوفی ۸۹۸ھ) کی قبور کو نور سے بھر دے اور ان کے درجات بلند فرمائے۔ آمین یا رب العالمین۔

طالبِ دعا، مرتب و محشی:

محمد ساجد اکرم

جامعۃ التوحید، چک کانی پور (پاکپتن، پنجاب، پاکستان)

اجمالی فہرستِ ابواب و فصولِ شرحِ ملا جامی (کل ۲۱۶ اسباق)

(ہر عنوان اور صفحہ نمبر کلک ایبل ہے — تفصیلی فہرستِ مضامین کتاب کے آخر میں صفحہ ۴۷۳۲ پر ملاحظہ فرمائیں)

شمار	باب / فصل / حصہ	شامل اہم مباحث، ویکٹر نقشہ جات و نحوی جداول	اسباق	صفحہ
۱	تمہید و تراکیبِ نحویہ	تعارفِ شرحِ جامی، جملہ اسمیہ و فعلیہ، موصوف صفت، متعلقاتِ جار مجرور، موصول صلہ	۱ تا ۱۳	۳
۲	خطبۂ کتاب، کلمہ و کلام	خطبۂ کتاب، تعریفِ کلمہ و لفظ، مصور نقشۂ عقودِ انامل (۴۰ تصاویر)، وضع و دلالت، اقسامِ کلمہ (نقشہ)، تعریفِ کلام	۱۴ تا ۲۷	۲۲۶
۳	تعریفِ اسم، معرب و اعراب	تعریفِ اسم، خواصِ اسم، معرب و مبنی، تعریفِ اعراب، انواعِ اعراب (نقشہ)، اسمائے ستہ	۲۸ تا ۵۱	۶۱۹
۴	بابِ غیرِ منصرف	اسبابِ تسعہ (نقشہ)، عدل، وصف، تانیث، عجمہ، جمع، ترکیب، الف نون و وزنِ فعل	۵۲ تا ۷۶	۱۰۳۸
۵	مرفوعات (۱): فاعل و تنازع	تعریفِ مرفوعات (نقشہ)، تعریفِ فاعل، تنازعِ فعلان، نائبِ فاعل	۷۷ تا ۹۲	۱۵۱۲
۶	مرفوعات (۲): مبتدا و خبر	مبتدا و خبر، تعددِ خبر، وجوبی حذف، خبرِ إنَّ، خبرِ لائے نفیِ جنس	۹۳ تا ۱۱۲	۱۸۸۳
۷	منصوبات (۱): مفاعیل و منادیٰ	منصوبات (نقشہ)، مفعولِ مطلق، منادیٰ (نقشہ)، ترخیم، اشتغال، فیہ، لہ، معہ	۱۱۳ تا ۱۴۰	۲۳۴۵
۸	منصوبات (۲): حال و تمییز	تعریف و اقسامِ حال، جملہ حالیہ، تمییز عن ذات و نسبت، تمییزِ اعداد	۱۴۱ تا ۱۵۳	۳۰۶۵
۹	منصوبات (۳): مستثنیٰ و نواسخ	اعرابِ مستثنیٰ (نقشہ)، مفرغ، خبرِ کان، اسمِ لائے نفیِ جنس، خبرِ ما و لا	۱۵۴ تا ۱۸۲	۳۴۴۸
۱۰	مجرورات اور اضافت	مجرورات (نقشہ)، اضافتِ معنویہ، اضافتِ لفظیہ، یائے متکلم کی طرف اضافت	۱۸۳ تا ۱۹۶	۳۹۷۲
۱۱	توابعِ خمسہ	توابع (نقشہ)، نعتِ حقیقی و سببی، عطفِ نسق، تاکید، بدل (نقشہ)، عطفِ بیان	۱۹۷ تا ۲۱۶	۴۲۶۱

فہرستِ خصوصی ویکٹر نقشہ جات (۱۱ نقشے) اور نحوی جداول (۲۶ جداول)

(مکمل کتاب میں شامل تمام ۱۱ ویکٹر نقشہ جات اور ۲۶ نحوی جداول کا کلک ایبل اشاریہ)

ویکٹر نقشہ / نحوی جدول کا عنوان	سبق	صفحہ	ویکٹر نقشہ / نحوی جدول کا عنوان	سبق	صفحہ
نقشۂ اول (۱): مصور عقودِ انامل (۴۰ تصاویر)	۱۸	۳۶۷	نقشۂ ہفتم (۷): منادیٰ کے احکامِ اعراب و بناء	۱۱۹	۲۴۹۰
نقشۂ دوم (۲): تعریف و اقسامِ کلمہ کا شجرہ	۲۴	۵۲۲	نقشۂ ہشتم (۸): مستثنیٰ کا اعراب (مکمل تفصیل)	۱۵۴	۳۴۵۰
نقشۂ دوم (۲): انواعِ اعراب (بالحرکۃ و بالحرف)	۴۶	۹۳۸	نقشۂ ہفتم (۷): مستثنیٰ کا اعراب (مکمل تفصیل)	۱۵۴	۳۴۵۰
نقشۂ سوم (۳): اسبابِ منعِ صرفِ تسعہ کا شجرہ	۵۲	۱۰۳۹	نقشۂ ہشتم (۸): مجرورات و اضافت (معنویہ و لفظیہ)	۱۸۳	۳۹۷۳
نقشۂ چہارم (۴): مرفوعاتِ ثمانیہ کا جامع شجرہ	۷۷	۱۵۱۳	نقشۂ نہم (۹): توابعِ خمسہ کا جامع شجرہ	۱۹۷	۴۲۶۲
نقشۂ پنجم (۵): منصوباتِ اسم (بارہ اقسام)	۱۱۳	۲۳۴۶	نقشۂ دہم (۱۰): بدل کی چار اقسام کا شجرہ	۲۱۴	۴۶۶۳
جدول (۱): جملہ اسمیہ و فعلیہ کے بنیادی ارکان	۳	۲۹	جدول (۱۴): حروفِ مشبہ بالفعل اور ان کا عمل	۱۰۹	۲۲۶۴
جدول (۲): متعلقاتِ جار مجرور (آٹھ چیزیں)	۱۰	۱۵۳	جدول (۱۵): مفعولِ مطلق کی تین اقسام	۱۱۴	۲۳۶۴
جدول (۳): تعارفِ ابن الحاجب و ملا جامی رحمہما اللہ	۱۴	۲۲۷	جدول (۱۶): ترخیمِ منادیٰ کی شرائط و لغات	۱۲۷	۲۷۰۵
جدول (۴): اسم، فعل اور حرف کا باہمی فرق	۲۸	۶۲۰	جدول (۱۷): بابِ اشتغال کے چار احکام	۱۳۰	۲۷۷۹
جدول (۵): خواصِ اسمِ خمسہ اور امثلہ	۳۶	۷۵۴	جدول (۱۸): مفعولِ فیہ (ظرفِ زمان و مکان)	۱۳۶	۲۹۲۶
جدول (۶): اسمائے ستہ مکبرہ کی چار شرائط	۴۷	۹۵۵	جدول (۱۹): حال کی اقسام و شرائطِ رابط	۱۴۱	۳۰۶۶
جدول (۷): عدلِ تحقیقی اور عدلِ تقدیری	۵۷	۱۱۱۲	جدول (۲۰): تمیز عن ذاتِ مبہم و عن نسبت	۱۴۸	۳۲۴۳
جدول (۸): تانیث کی تین اقسام اور شرائط	۶۳	۱۲۳۰	جدول (۲۱): افعالِ ناقصہ (کان و اخواتہا)	۱۶۹	۳۷۳۰
جدول (۹): صیغۂ منتہی الجموع اور منقوص	۶۶	۱۲۸۶	جدول (۲۲): لائے نفیِ جنس اور اسمِ لا کے احوال	۱۷۱	۳۷۶۹
جدول (۱۰): فاعل کے قواعد اور تقدیم و تاخیر	۷۹	۱۵۵۶	جدول (۲۳): اضافتِ معنویہ کی تین اقسام	۱۸۵	۴۰۲۱
جدول (۱۱): تنازعِ فعلان (بصریین و کوفیین)	۸۶	۱۷۱۷	جدول (۲۴): یائے متکلم کی طرف اضافت کا اعراب	۱۹۵	۴۲۲۳
جدول (۱۲): نکرہ کے بتدا بننے کے مسوغات	۹۳	۱۸۸۴	جدول (۲۵): نعتِ حقیقی و سببی میں مطابقت	۲۰۱	۴۳۵۱
جدول (۱۳): خبر کے وجوبی حذف کے ۴ مواضع	۱۰۵	۲۱۸۷	جدول (۲۶): الفاظِ تاکیدِ معنوی کے ضوابط	۲۱۰	۴۵۷۱

الْبَابُ الْأَوَّلُ: الْمُقَدِّمَةُ وَالتَّرَاكِيبُ النَّحْوِيَّةُ التَّمْهِيدِيَّةُ

تمہیدی مباحث و تراکیبِ نحویہ: مقدمۂ شرحِ جامی، جملہ اسمیہ و فعلیہ، موصوف صفت، جار مجرور اور موصول صلہ کی ترکیب — اسباق ۱ تا ۱۳

سبق نمبر ۱: تمہیدی درس: شرحِ جامی کا تعارف، نصاب اور مطالعہ کا منہج

تمہیدی و تعارفی درس — بتاریخ: ۹ جون ۲۰۲۱ء

▪ تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث

اچھا بھئی آج ہم شرحِ جامی شروع کریں گے اور نصاب کے اندر تو شرحِ جامی مرفوعات سے لے کر مبنیات تک شامل ہے لیکن ہم کوشش کریں گے کہ ان شاء اللہ جس قدر زیادہ سے زیادہ حصہ کتاب کا کر لیں، ان شاء اللہ آغاز سے کتاب کو شروع کریں گے، ابتدا سے، اور کوشش کریں گے کہ زیادہ سے زیادہ کتاب کا حصہ ہو جائے۔ دعا کرو اللہ تعالیٰ توفیق دے اور ہر قسم کی رکاوٹوں سے حفاظت فرمائے کہ ہم کتاب کو اختتام تک مکمل طور پر پڑھ لیں۔ کتاب کا لطف ہی تب آتا ہے جب انسان اس کو مکمل پڑھ لیتا ہے ابتدا سے انتہا تک اور جان لیتا ہے کہ اس کے اندر مصنف نے کیا کیا باتیں کی ہیں بھئی۔

اور پھر یاد رکھنا یہ شرحِ جامی میں وہ قدم قدم پر ترکیب کی بات کرتے ہیں، تو آپ کو ترکیب آنی چاہیے۔ اور ترکیب سے پہلے صرف بہت ضروری ہے بھئی۔ جس طالبِ علم کو صرف آتی ہو گی وہ آرام سے نحو کا بھی ماہر بن جاتا ہے، اور جس طالبِ علم کو صرف اچھی نہ آئے وہ نحو بھی پوری کوشش بھی کر لے تو اس میں مہارت حاصل نہیں کر سکتا۔ تو صرف آپ کی اچھی ہونی چاہیے اور اس کے ساتھ ہم ان شاء اللہ یہ شروع میں کچھ دن ہم نحوی ترکیب کر لیں گے۔ دس پندرہ سبق تقریباً کر لیں گے نحوی ترکیب کے، اور وہ میرا خاص طریقہ ہے ترکیب کروانے کا، بہت آسان ہے، ان شاء اللہ وہ شروع کریں گے تو آپ کو اندازہ ہو گا کہ ترکیب تو بہت آسان ہے۔ طلبہ بڑے پریشان ہوتے ہیں ترکیب میں۔ لیکن اس طریقے سے آپ بہترین ترکیب سیکھ جائیں گے، آپ کی بہترین بنیاد بن جائے گی۔ اور پھر اس کے بعد جب ہم آگے جامی کو پھر حل کریں گے تو جامی کی باتیں آپ کو سمجھ میں آئیں گی۔ اگر آپ کو ترکیب ہی نہیں آتی تو پھر جامی آپ کی سمجھ میں نہیں آسکتی، کیونکہ وہ قدم قدم پر ترکیب کی بات کرتے ہیں۔ تو لہٰذا آج ہم کتاب کا آغاز کریں گے اور پھر کل سے ان شاء اللہ ہم کوشش کریں گے کہ ترکیب کے سبق چند دن چلا لیں تاکہ آپ کی بنیادی ترکیب ٹھیک ہو جائے اور اس کے بعد پھر ہم کتاب کو چلائیں گے ان شاء اللہ۔

تو ہمارے تمام اساتذہ اور بزرگوں کا طریقہ ہے، وہ کتاب کے شروع میں دعا پڑھتے ہیں، خود بھی پڑھتے ہیں اور ان کے ساتھ تمام طلبہ بھی پڑھتے ہیں، اور بزرگوں کے ہر طریقے میں اللہ نے بڑی برکات، انوارات اور رحمتیں رکھی ہیں۔ تو ہم بھی کتاب کے شروع میں اسی طرح دعا پڑھ لیتے ہیں، میرے ساتھ ساتھ آپ بھی پڑھیے:

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ۔ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَعَلٰى آلِهِ وَأَصْحَابِهِ وَبَارِكْ وَسَلِّمْ۔ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَعَلٰى آلِهِ وَأَصْحَابِهِ وَبَارِكْ وَسَلِّمْ۔ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَعَلٰى آلِهِ وَأَصْحَابِهِ وَبَارِكْ وَسَلِّمْ۔ رَبَّنَا يَسِّرْ لَنَا هٰذَا الْكِتَابَ وَلَا تُعَسِّرْهُ وَتَمِّمْهُ بِالْخَيْرِ وَبِكَ نَسْتَعِيْنُ يَا فَتَّاحُ يَا عَلِيْمُ۔ رَبَّنَا يَسِّرْ لَنَا هٰذَا الْعِلْمَ وَلَا تُعَسِّرْهُ وَتَمِّمْهُ بِالْخَيْرِ وَبِكَ نَسْتَعِيْنُ يَا فَتَّاحُ يَا عَلِيْمُ۔ رَبَّنَا يَسِّرْ لَنَا هٰذَا الْكِتَابَ وَلَا تُعَسِّرْهُ وَتَمِّمْهُ بِالْخَيْرِ وَبِكَ نَسْتَعِيْنُ يَا فَتَّاحُ يَا عَلِيْمُ۔ آمِيْنْ، آمِيْنْ، ثُمَّ آمِيْنْ۔ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَعَلٰى آلِهِ وَأَصْحَابِهِ وَبَارِكْ وَسَلِّمْ۔ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَعَلٰى آلِهِ وَأَصْحَابِهِ وَبَارِكْ وَسَلِّمْ۔ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَعَلٰى آلِهِ وَأَصْحَابِهِ وَبَارِكْ وَسَلِّمْ۔

اچھا بھئی اب کتاب کی عبارت بھی تھوڑی سی دیکھ لیجیے۔ دیکھیے بھئی کتاب پر:

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ۔ اَلْحَمْدُ لِوَلِيِّهِ، وَالصَّلٰوةُ عَلٰى نَبِيِّهِ، وَعَلٰى آلِهِ وَأَصْحَابِهِ الْمُتَأَدِّبِيْنَ بِآدَابِهِ۔ أَمَّا بَعْدُ فَهٰذِهِ فَوَائِدُ وَافِيَةٌ، بِحَلِّ مُشْكِلَاتِ الْكَافِيَةِ، لِلْعَلَّامَةِ الْمُشْتَهِرِ فِي الْمَشَارِقِ وَالْمَغَارِبِ، الشَّيْخِ ابْنِ الْحَاجِبِ، تَغَمَّدَهُ اللّٰهُ بِغُفْرَانِهِ، وَأَسْكَنَهُ بُحْبُوْحَةَ جِنَانِهِ، نَظَمْتُهَا فِيْ سِلْكِ التَّقْرِيْرِ، وَسِمْطِ التَّحْرِيْرِ، لِلْوَلَدِ الْعَزِيْزِ ضِيَاءِ الدِّيْنِ يُوْسُفَ، حَفِظَهُ اللّٰهُ سُبْحَانَهُ عَنْ مُوْجِبَاتِ التَّلَهُّفِ وَالتَّأَسُّفِ، وَسَمَّيْتُهَا بِالْفَوَائِدِ الضِّيَائِيَّةِ، لِأَنَّهُ لِهٰذَا الْجَمْعِ وَالتَّأْلِيْفِ كَالْعِلَّةِ الْغَائِيَّةِ، نَفَعَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى بِهَا وَسَائِرَ الْمُبْتَدِئِيْنَ مِنْ أَصْحَابِ التَّحْصِيْلِ، وَمَا تَوْفِيْقِيْ إِلَّا بِاللّٰهِ وَهُوَ حَسْبِيْ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ۔

کلام دو قسم پر ہے: ایک ہے نظم اور ایک ہے نثر۔ نظم جو ہے اشعار کو کہتے ہیں، اور نثر یہ جو عام کلام ہے، جو عام کتابوں میں آپ دیکھتے ہیں، خود بھی جو تحریر وغیرہ آپ لکھتے ہیں یہ سب کیا ہے؟ نثر ہے۔ اور نثر کے اندر یاد رکھو کلام کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے جو ایک جیسے وزن اور ایک جیسے حروف پر ختم ہوں تو ان کو فقرے کہا جاتا ہے۔ ان کو کیا کہتے ہیں؟ فقرے۔ فَقْرَةٌ۔ فا ہے، قاف دو نقطوں والا، را اور گول تا بھئی، فَقْرَةٌ۔ تو یہ فقرے جو ہیں، ان کا اختتام ایک جیسے وزن اور ایک جیسے حروف پر ہوتا ہے، جیسے اشعار کا اختتام ایک جیسے وزن اور ایک جیسے حروف پر ہوتا ہے۔ تو نثر کے اندر بھی اس طرح کیا جاتا ہے، بعض اوقات کلام کے اندر چھوٹے چھوٹے ٹکڑے لائے جاتے ہیں جن کا اختتام ایک جیسے وزن اور ایک جیسے حروف پر ہوتا ہے اور اس سے کلام میں حسن پیدا ہو جاتا ہے۔ اور یہ جو چھوٹے چھوٹے فقرے ہیں، ٹکڑے

ہیں کلام کے، ان کو پڑھنے کا طریقہ یہ ہے کہ ان کے آخر میں وقف کیا جائے بھئی۔ تاکہ ایک جیسی آواز کے ساتھ ایک جیسے وزن پر، ایک جیسے حرف پر یہ ختم ہوں۔ ورنہ کہیں پر کچھ اعراب وغیرہ یا حرکت میں فرق آجائے گا، لیکن جب سکون کے ساتھ پڑھا جائے گا تو پھر ایک جیسا ان کا وزن برقرار رہے گا۔

جیسے یہاں پر اگر دیکھو، اب ملا کر پڑھیں تو یوں پڑھیں گے: اَلْحَمْدُ لِوَلِيِّهِ وَالصَّلٰوةُ عَلٰى نَبِيِّهِ وَعَلٰى آلِهِ وَأَصْحَابِهِ الْمُتَأَدِّبِيْنَ بِآدَابِهِ، أَمَّا بَعْدُ فَهٰذِهِ فَوَائِدُ وَافِيَةٌ بِحَلِّ مُشْكِلَاتِ الْكَافِيَةِ۔ دیکھا؟ فَهٰذِهِ فَوَائِدُ وَافِيَةٌ، یہاں پر دیکھو تنوین آرہی ہے، ضمہ ہے، اور آگے آرہا ہے بِحَلِّ مُشْكِلَاتِ الْكَافِيَةِ، وہاں تا کے نیچے زیر ہے، تو دونوں میں دیکھو فرق آگیا۔ حالانکہ یہ فقرہ ہے، فقرے کا اختتام کیا ہے؟ ایک جیسے حروف اور ایک جیسے وزن پر ہوتا ہے، تو وزن ٹوٹ جائے گا اگر ہم اس کو یوں پڑھیں: فَهٰذِهِ فَوَائِدُ وَافِيَةٌ بِحَلِّ مُشْكِلَاتِ الْكَافِيَةِ۔ توجہ ہے؟ وَافِيَةٌ پر ضمہ بھی آئے گا اور تنوین بھی آئے گی، اور كَافِيَةِ پر تنوین نہیں آئے گی کیونکہ الف لام داخل ہے اور زیر آجائے گی، تو وزن ایک جیسا نہیں رہے گا۔ تو ان میں پھر کیا کیا جاتا ہے؟ ساکن کر کے پڑھا جاتا ہے ان کو، تو یوں پڑھیں گے: فَهٰذِهِ فَوَائِدُ وَافِيَةٌ، بِحَلِّ مُشْكِلَاتِ الْكَافِيَةِ (وقف کے ساتھ: وَافِيَهْ، الْكَافِيَهْ)۔ دیکھا، اب وزن بالکل ایک جیسا ہے۔ طریقہ سمجھ میں آیا؟ تو بہرحال جیسے بھی آپ پڑھ لیں ٹھیک ہے، لیکن فقروں میں مناسبت کے لیے بہتر یہ ہے کہ اس طریقے سے اس کو پڑھا جائے۔ طریقہ سارا سمجھ میں آگیا؟

یہ جامی جو ہے یہ شرح ہے کافیہ کی۔ اس کے اندر ایک تو متن آئے گا اور اس کے ساتھ ساتھ اس کی شرح ہوگی۔ متن جو ہے یہ کافیہ ہے۔ اور کافیہ آپ پڑھ چکے ہیں کہ یہ علامہ ابنِ حاجب کی کتاب ہے بھئی، علامہ ابنِ حاجب۔ ابنِ حاجب رحمہ اللہ کے بارے میں ایک بات جو عام کتابوں میں درج ہے وہ ذکر کر دیتا ہوں۔ حاجب عربی زبان میں دربان کو کہتے ہیں، اور اسی طرح سیکرٹری کو بھی کہتے ہیں۔ تو عام جتنی اردو کی شروحات آپ اٹھائیں گے انہوں نے لکھا ہوتا ہے کہ علامہ ابنِ حاجب چونکہ دربان کے بیٹے تھے تو اس لیے ان کو ابنِ حاجب کہا جاتا ہے بھئی۔ حالانکہ یہ بات درست نہیں ہے بھئی۔ دربان کا معنیٰ تو ہے چوکیدار بھئی، جو دروازے پر کھڑا ہوتا ہے۔ حاجب کا دوسرا معنیٰ ہے سیکرٹری بھئی۔ علامہ ابنِ حاجب کے والد چونکہ اس شہر کا جو گورنر تھا اس کے سیکرٹری تھے، اور یہ بہت بڑا عہدہ ہوتا ہے بھئی۔ دربان کا تو چھوٹا سا عہدہ ہے بھئی، اور سیکرٹری کا بہت بڑا عہدہ ہوتا ہے۔ بادشاہ کا سیکرٹری بھی بادشاہ کی طرح ہوتا ہے، لوگ اس سے ڈرتے ہیں بھئی۔ اور کسی نے بادشاہ سے ملنا ہو تو سیکرٹری سے وقت لینا پڑے گا، اور وہ نہیں ملائے گا تو بادشاہ سے ملاقات نہیں ہو سکتی بھئی۔ وہی وقت بھی دے گا، وہی بادشاہ سے ملاقات بھی کروائے گا۔ تو یہ بہت بڑا عہدہ ہے بھئی۔ چونکہ وہ ایک بڑے باپ کے بیٹے تھے اور اسی وجہ سے وہ ابنِ حاجب کے نام سے مشہور ہوئے بھئی۔

سمجھ میں آیا؟ اور ہوتا بھی اسی طرح ہے، اب آپ بھی دیکھتے ہیں کہ طلبہ مدرسے میں پڑھنے والے، بھئی ظاہر سی بات ہے ان میں سے کوئی تاجر کا بیٹا ہوگا، کوئی دکاندار کا بیٹا ہوگا، کوئی اسی طرح اور مختلف، کوئی کسان کا بیٹا ہوگا، لیکن دیکھو

یہ کوئی بڑے مناصب نہیں ہیں، لہٰذا اس نام سے طلبہ مشہور نہیں ہوتے۔ لیکن اگر کوئی گورنر کا بیٹا مدرسے میں پڑھ رہا ہو تو سارے اس کو اسی نام سے یاد کریں گے کہ وہ گورنر کا بیٹا ہے، آج گورنر کا بیٹا بھی سبق میں تھا یا سبق میں نہیں تھا۔ تو چونکہ ان کے والد کا عہدہ بڑا تھا، اونچا مقام تھا، گورنر کے سیکرٹری تھے اور گورنر کا سیکرٹری بھی اسی طرح ہوتا ہے جیسے گورنر، تو اسی لیے وہ ابنِ حاجب کے نام سے مشہور ہوئے۔ بات سمجھ میں آگئی؟

تو یہ متن ان کا ہے بھئی، اور بڑا عظیم متن ہے جس میں انہوں نے دریا کو کوزے میں بند کر دیا بھئی۔ پورے نحو کا خلاصہ اور نچوڑ ایک چھوٹے سے رسالے میں لکھ دیا انہوں نے۔ آپ نے جو کافیہ پڑھی وہ تو موٹے موٹے حروف میں لکھی ہوئی ہو گی، ایک سطر میں زیادہ سے زیادہ تین چار لفظ ہوں گے، اور پورے صفحے پر زیادہ سے زیادہ تین چار سطریں ہوں گی یا پانچ سطریں ہوں گی۔ اگر اس کو عام خط کے ساتھ لکھا جائے تو یہ پوری کافیہ شاید دس بارہ صفحے بھی مشکل سے بنے۔ تو آپ اندازہ لگائیے کہ دس بارہ صفحوں میں پوری نحو کو سمیٹ دینا اور بڑی ہی خوبصورت عبارت کے ساتھ، ایسی کتاب جس نے بے انتہا مقبولیت حاصل کی علماء و طلبہ میں بھئی۔ تو اس کافیہ کی شرح ہے یہ جامی بھئی، اور یہ بھی بڑی پیاری اور بڑی قیمتی شرح لکھی صاحبِ جامی نے۔

آگے لکھ لیجیے بھئی، صاحبِ جامی کے احوال لکھ لیجیے۔ لکھیے بھئی: صاحبِ جامی کے احوال۔ لکھو بھئی، آپ کیوں نہیں لکھ رہے بھئی؟ کوئی ویسے نہ بیٹھے، قلم ساتھیوں سے لو۔

صاحبِ شرحِ جامی کا نام نورالدین ابوالبرکات عبدالرحمٰن ابنِ احمد ہے۔ بھئی یہ نام کی ترتیب آپ کو سمجھ میں آرہی ہے؟ نورالدین، ابوالبرکات، عبدالرحمٰن۔ نورالدین جو ہے یہ ان کا لقب تھا۔ یہ کیا تھا ان کا؟ لقب تھا۔ قدیم زمانے میں علماء کو قوم کی طرف سے اور بادشاہ وغیرہ کی طرف سے مختلف القاب دیے جاتے تھے بھئی۔ بات سمجھ میں آگئی؟ جتنا بڑا عالم ہوتا اسی طرح کا اس کی شان کے مطابق ان کو لقب دیا جاتا تھا اور اسی سے لوگ ان کو ذکر کرتے تھے۔ تو ان کا لقب کیا تھا؟ نورالدین۔ اور یہ ابوالبرکات، یہ ان کی کنیت ہے بھئی۔ وہ نام جس کے شروع میں اَبْ، اُمّ وغیرہ آئے اس کو کیا کہتے ہیں؟ کنیت۔ تو ابوالبرکات کیا ہے ان کی؟ کنیت ہے۔ اور عبدالرحمٰن ان کا نام ہے بھئی، اور یہ بیٹے ہیں احمد کے بھئی۔

جی آگے لکھیے: اسی طرح آپ کا لقب عمادالدین بھی ہے، البتہ آپ کا لقب نورالدین زیادہ مشہور ہے۔

الگ سطر میں لکھیے بھئی۔ الگ سطر میں جب بھی لکھیں، جب بھی یاد رکھیں ویسے بھی کوئی مضمون لکھیں دونوں طرف کچھ جگہ چھوڑ دیا کریں بھئی۔ ایک کنارے سے دوسرے کنارے تک مسلسل لکھیں بڑا برا معلوم ہوتا ہے۔ تو دونوں طرف کوئی ایک ایک انچ جگہ چھوڑ دیا کریں صفحے کے، اور پھر اس میں پیرے بنایا کریں بھئی، ہر دو چار چھ سطروں کے بعد نیا پیرا

بنا دیا کریں، نئی سطر سے شروع کیا کریں اور یہ جو پھر نئی سطر شروع کریں اس میں مزید پھر ایک ڈیڑھ انچ اور جگہ چھوڑ دیا کریں تاکہ پتہ لگے کہ یہاں سے نیا پیرا شروع ہو رہا ہے۔ اس سے تحریر جو ہے خوشنما معلوم ہوتی ہے۔ آپ بھی کتابوں میں دیکھیں گے جتنی بھی کتابیں آپ دیکھیں گے آپ کو اسی طرح تحریر آپ دیکھیں گے کہ مختلف پیرے بنے ہوتے ہیں، اس طرح کلام کے حصے بن جاتے ہیں، کلام کا سمجھنا بھی آسان ہو جاتا ہے اور تحریر بھی خوشنما معلوم ہوتی ہے۔

جی تو آگے الگ سطر لکھیے: آپ کے والد کا وطنِ اصلی ایران کا علاقہ اصفہان ہے۔ اصفہان ص کے ساتھ ہے بھئی۔ ایران کا علاقہ اصفہان ہے۔ اصفہان کی ایک بستی دشت میں، دشت بھئی دال، شین، تا لمبی دو نقطوں والی، دال، شین اور تا دو نقطوں والی بھئی، لمبی تا، اصفہان کی ایک بستی دشت میں آپ کے آبا و اجداد آباد تھے۔ پھر کسی وجہ سے آپ کے والد صاحب خراسان کے ایک قصبے جام میں منتقل ہو گئے۔ بات سمجھ میں آ رہی ہے بھئی؟ جام، اسی نسبت سے آپ جامی کہلاتے ہیں۔ تو جام منتقل ہو گئے۔ افغانستان کا مغربی حصہ خراسان کہلاتا تھا۔ آج کل وہ علاقہ جہاں جام بستی ہے وہ افغانستان کا صوبہ غور کہلاتا ہے، غور غین واو را، غور کہلاتا ہے۔ تو ملا عبدالرحمٰن جامی صوبہ غور کی اس بستی جام میں پیدا ہوئے ۲۳ شعبان ۸۱۷ ہجری مطابق ۱۴۱۴ عیسوی۔

الگ سطر: اسی جام بستی کی نسبت سے آپ نے اپنا تخلص جامی رکھا۔ تخلص بھئی وہ نام جو شعراء اشعار میں استعمال کرتے ہیں۔ تو جامی آپ کا تخلص بھی ہے، تخلص ص کے ساتھ ہے بھئی، تو جامی آپ کا تخلص بھی ہے اور آپ کی جائے پیدائش کی طرف نسبت بھی۔ بات سمجھ میں آ رہی ہے بھئی؟ جیسے لاہوری کا کیا معنیٰ؟ لاہور والا، لاہور کی طرف منسوب۔ تو جامی آپ کا تخلص بھی ہے اور آپ کے علاقے کی طرف نسبت بھی ہے یعنی جام کا رہنے والا۔

آگے الگ سطر لکھیے: آپ کی پیدائش کے چند برس بعد آپ کے والد صاحب اس علاقے کے مشہور شہر ہرات منتقل ہو گئے، ہرات، ہا، را، الف اور لمبی تا، ہرات منتقل ہو گئے اور وہیں سکونت اختیار کر لی۔ ہرات میں عالمِ اسلام کی مشہور یونیورسٹی مدرسہ نظامیہ تھی، نظامیہ نون ہے اور ظا ہے بھئی، طا ظا، نظامیہ۔ لکھ لیا؟ ہرات میں عالمِ اسلام کی مشہور یونیورسٹی مدرسہ نظامیہ تھی۔ اپنے والدِ بزرگوار سے ابتدائی صرف و نحو پڑھنے کے بعد یہاں پر ملا جامی کو اللہ نے یہ موقع نصیب فرمایا کہ عالمِ اسلام کی اس عظیم یونیورسٹی میں اپنے وقت کے بڑے بڑے علماء اور اساتذہ سے علوم حاصل کریں۔ بعد میں آپ علوم کی تکمیل کے لیے سمرقند بھی تشریف لے گئے، سمرقند سین میم را قاف نون دال، بعد میں آپ علوم کی تکمیل کے لیے سمرقند بھی تشریف لے گئے۔

آگے الگ سطر میں لکھیے: آپ کے اساتذہ میں خواجہ علی سمرقندی بھی شامل ہیں جو شاگرد تھے میر سید السند کے۔ میر سید السند تو آپ جانتے ہیں بھئی، نحو میر کتاب آپ ان کی پڑھ چکے ہیں، بہت بڑے عالم گزرے ہیں بھئی۔ آگے لکھیے: اسی

طرح مولانا شہاب الدین محمد جاجری بھی آپ کے اساتذہ میں سے ہیں، جاجری جیم الف جیم را یا، یہ شاگرد تھے علامہ سعدالدین تفتازانی کے، سین عین دال، علامہ سعدالدین تفتازانی، تفتازان دونوں جگہ تا دو نقطوں والی ہے بھئی۔ یہ علامہ سعدالدین تفتازانی بھی بھئی بہت بڑے عالم گزرے ہیں اور ان کی بہت سی کتابیں داخلِ درس ہیں۔ ایک کتاب آپ شرحِ تہذیب پڑھ چکے ہیں ثالثہ میں، اس کا جو متن ہے تہذیب وہ علامہ تفتازانی کا ہے بھئی۔ اسی طرح مختصر المعانی آپ خامسہ میں پڑھیں گے، وہ بھی علامہ سعدالدین تفتازانی کی ہے۔ اور اسی طرح آپ شرحِ عقائد پڑھیں گے، وہ بھی علامہ سعدالدین تفتازانی کی ہے۔ تو ان کی کئی کتابیں داخلِ درس ہیں، اسی طرح توضیح تلویح ہے بھئی۔ آگے لکھیے: اسی طرح مولانا جند اصولی، جیم نون دال، مولانا جند اصولی بھی آپ کے اساتذہ میں سے تھے۔ یہ بھی بہت بڑے عالم گزرے ہیں بھئی۔

ملا جامی کو اللہ جل شانہ نے بے انتہا ذہانت و فطانت نصیب فرمائی تھی۔ یہ مشہور و معروف اساتذہ بھی آپ کی ذہانت پر حیرت کا اظہار کرتے۔ بات سمجھ میں آرہی ہے بھئی؟ بہت ذہین تھے یہ بھئی، اللہ نے ان کو عجیب ذہن نصیب فرمایا تھا بھئی۔ یہ ان کے اساتذہ بڑے بڑے جبال العلوم ہیں، لیکن یہ بھی ملا جامی کی ذہانت پر حیران رہ جاتے تھے بھئی، اللہ نے ان کو ایسا ذہن نصیب فرمایا تھا۔

آگے لکھیے الگ سطر: تکمیلِ علوم کے بعد ایک مرتبہ خواب میں آپ کو ایک بزرگ کی زیارت ہوئی جنہوں نے آپ کو نصیحت کی کہ کسی اللہ والے کا دامن تھام کر ان سے ہدایت و رہنمائی حاصل کرو۔ چنانچہ ملا جامی نے اس زمانے کے عظیم ولی اللہ خواجہ عبیداللہ احرار، احرار الف حا ہے حا را الف را، اس زمانے کے عظیم ولی اللہ خواجہ عبیداللہ احرار کی بیعت کرلی اور ان کے حلقہ سلوک میں داخل ہو گئے، سلوک سین لام واو اور چھوٹا کاف ہے۔ حضرت خواجہ عبیداللہ احرار رحمہ اللہ کی صحبت اور ان کے فیوض و برکات نے بہت جلد آپ کو روحانیت کے اعلیٰ مقام پر پہنچا دیا۔ اسی طرح ملا جامی رحمہ اللہ نے شیخ سعدالدین کاشغری رحمہ اللہ اور دیگر بڑے بڑے مشائخ سے بھی استفادہ کیا۔

آگے الگ سطر بھئی: علوم و فنون میں اللہ جل جلالہ نے ملا جامی کو بڑا اونچا مقام نصیب فرمایا تھا۔ علمِ تفسیر، علمِ حدیث، علمِ صرف، علمِ نحو، علمِ منطق، علمِ ہیئت، علمِ ہیئت بھئی ہا دو آنکھوں والی، یا اور پھر ہمزہ اور پھر لمبی تا ہے، علمِ ہیئت یہ ستاروں وغیرہ کا جو علم ہے، علمِ فلکیات جس کو کہتے ہیں، علمِ ادب، شعر و شاعری اور تصوف میں، ص کے ساتھ ہے تصوف، تصوف میں آپ بہت بلند مقام رکھتے تھے جس کا اندازہ آپ کی تصانیف سے لگایا جا سکتا ہے۔ آپ کی زندگی میں ہی آپ کی شہرت پورے عالمِ اسلام میں پھیل گئی تھی۔ علماء و طلبہ کی زبانوں پر آپ کے صوفیانہ اشعار جاری تھے۔

الگ سطر: علماء نے مختلف علوم و فنون میں آپ کی تصانیف کی تعداد ۵۴ ذکر کی ہے، ۵۴ بھئی پانچ چار، ۵۴ ذکر کی ہے، جبکہ بعض علماء لکھتے ہیں کہ آپ کی تصانیف کی تعداد ۸۰ سے زیادہ ہے، ۸۰ بھئی آٹھ صفر، ۸۰ سے زیادہ ہے۔

الگ سطر: علمِ نحو میں آپ کی مشہور و معروف کتاب شرحِ جامی کافیہ کی شرح ہے، جو آپ نے اپنے بیٹے کو پڑھانے کے لیے تحریر فرمائی۔ آپ کے تمام بیٹے بچپن ہی میں وفات پا گئے تھے سوائے ایک بیٹے کے جس کا نام ضیاء الدین یوسف تھا۔ اسی کے لیے آپ نے شرحِ جامی تصنیف فرمائی اور بیٹے کی نسبت سے اس شرح کا نام اَلْفَوَائِدُ الضِّیَائِیَّۃُ رکھا۔ بات سمجھ میں آئی بھئی؟ تو یہ شرحِ جامی کا اصل نام کیا ہے؟ اَلْفَوَائِدُ الضِّیَائِیَّۃُ، لیکن یہ مشہور شرحِ جامی کے نام سے ہے۔ آگے لکھیں: مگر اس کتاب کی زیادہ شہرت شرحِ جامی کے نام سے ہے۔

الگ سطر: کافیہ کی بہت سی شروحات لکھی گئیں مگر سب سے زیادہ شہرت کافیہ کی دو شرحوں کو حاصل ہوئی: ایک علامہ رضی کی شرحِ کافیہ، رضی را ضاد اوریا ہے، را ضاد بھئی ص ض، را ضادیا، ایک علامہ رضی کی شرحِ کافیہ اور ایک علامہ جامی کی شرحِ کافیہ۔ شرحِ جامی سینکڑوں سالوں سے علماء و طلبہ کی توجہ کا مرکز ہے اور اولیاء اللہ اسے پڑھ رہے ہیں اور پڑھا رہے ہیں، جس سے اس کتاب کی عِنْدَ اللّٰہِ قبولیت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

الگ سطر لکھیے: ملا جامی کی وفات جمعہ کے روز ۱۸ محرم ۸۹۸ ہجری، ۸۹۸، ۸۹۸ ہجری مطابق ۱۴۹۲ عیسوی، ۹۴۱، ۱۴۹۲ عیسوی کو ہرات شہر میں ہوئی اور یہیں پر آپ کو دفنایا گیا۔ بس بھئی، ملا جامی کے احوال مکمل ہوئے۔

ملا جامی کو اللہ نے بڑی قبولیت نصیب فرمائی بھئی، اور یہ بڑے اللہ والے تھے، عظیم ولی اللہ تھے بھئی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ملا جامی کو والہانہ محبت و عقیدت تھی بھئی، حد سے زیادہ محبت۔ ویسے تو ہر مسلمان کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بے انتہا محبت ہے، لیکن کچھ لوگوں کے افعال سے باقاعدہ یہ محبت جھلکتی ہوئی نظر آتی ہے بھئی۔ تو ملا جامی بھی ایسی ہی شخصیت تھے۔ چنانچہ علامہ شامی لکھتے ہیں کہ ملا جامی نے ایک مرتبہ اپنے شہر سے مدینہ منورہ کا سفر کیا صرف حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ مبارک کی زیارت کے لیے بھئی، بغیر حج کے، صرف جو روضہ اقدس کی زیارت مقصود تھی بھئی۔ اور اس سلسلے میں بزرگوں نے بہت سے واقعات بھی نقل کیے ہیں۔

ایک عجیب واقعہ انسان سن کر حیران رہ جاتا ہے۔ ملا جامی حج کے لیے تشریف لے گئے اور حج کے بعد پھر ارادہ کیا کہ اب مسجدِ نبوی میں حاضری دوں، مدینہ کی طرف جاؤں بھئی۔ تو جو مکہ کا گورنر تھا اس کو خواب میں حضور علیہ السلام کی زیارت ہوئی اور حضور نے فرمایا کہ یہ ملا جامی آئے ہوئے ہیں مکہ مکرمہ میں اور اب یہ میرے پاس مدینہ آنا چاہتے ہیں، ان کو روکو بھئی میرے پاس نہ آئیں، میرے پاس نہ آئیں۔ تو مکہ کے گورنر نے آپ کو منع کر دیا کہ آپ نے مدینہ کا سفر نہیں کرنا۔ اور ادھر ملا جامی، وہ تو حضور علیہ السلام سے عشق کی حد تک محبت تھی بھئی ان کی، اور میں نے جیسے بتایا کہ صرف حضور کے روضے کی زیارت کے لیے ہی ایک مرتبہ سفر کیا تھا انہوں نے مدینہ کا، حالانکہ اس زمانے میں سفر کتنا مشکل کام تھا بھئی، کئی کئی مہینے لگتے تھے بھئی اور جنگلوں سے گزرنا پڑتا تھا اور کوئی آرام ٹھکانہ وغیرہ راستے میں نہیں ہوتا تھا بھئی۔

چنانچہ گورنر نے منع کر دیا لیکن ملا جامی پھر چھپ کر چل پڑے بھئی۔ پھر خواب میں حضور علیہ السلام کی زیارت ہوئی، مکہ کے گورنر کو حکم دیا کہ بھئی ان کو میں نے کہا تھا ان کو منع کرو وہ چل پڑے ہیں بھئی۔ تو گورنر نے آدمی پیچھے دوڑائے اور پھر وہ ملا جامی کو پکڑ کر لے آئے۔ گورنر نے ان کو قید میں ڈال دیا کہ میں نے منع کیا تھا آپ پھر مدینہ جا رہے ہیں؟ تو تیسری رات پھر خواب میں حضور علیہ السلام کی زیارت ہوئی اور وہ مکہ کے گورنر سے فرمانے لگے: بھئی میں نے ان کو جو منع کیا یہاں آنے سے اس وجہ سے نہیں کہ میں ان سے ناراض وغیرہ تھا، وجہ صرف یہ تھی کہ انہوں نے کچھ اشعار لکھے ہیں نعتیہ میری مدح کے اندر، اور وہ اشعار وہ آکر میرے روضے پر وہ اشعار پڑھتے تو ایسے اشعار تھے کہ روضے سے میرا ہاتھ نکلتا ان سے مصافحہ کرنے کے لیے، اور جس سے فتنہ پھیلنے کا خطرہ تھا، اس لیے میں نے منع کیا کہ ان کو نہ آنے دو۔ دیکھو یہ کتنا اونچا مقام تھا، تو گورنر نے پھر قید سے ان کو نکالا اور ان کا بڑا اعزاز و اکرام کیا بھئی۔

اسی طرح والد صاحب رحمہ اللہ سے ایک مرتبہ یہ واقعہ سنا کہ ملا جامی جب حاضر ہوتے حضور علیہ السلام کے روضے پر تو یہ شعر پڑھا کرتے تھے بڑے ناز سے:

بَہ سَفَر مِیْ رَوَم چہ فَرْمَائِیْ

▪ متنِ کتاب و تحقیقِ مسائلِ نحویہ

سَیِّدِیْ وَمُرْشِدِیْ وَمَوْلَائِیْ

کہ میں سفر پر جا رہا ہوں، اے میرے آقا، اے میرے سردار، آپ کیا فرماتے ہیں؟

تو جواب میں حضور علیہ السلام کی طرف سے روضے سے وہ جواب سنتے تھے باقاعدہ حضور علیہ السلام کا۔ اور حضور فرماتے:

بَہ سَفَر رَفْتَنَتْ مُبَارَکْ بَاد

بَہ سَلَامَتْ رَوِیْ وَبَازْ آئِیْ

کہ تمہارا سفر پر جانا مبارک ہو، سلامتی کے ساتھ جاؤ اور پھر آؤ۔

تو چنانچہ جب بھی وہ حج کے لیے تشریف لے جاتے تو حضور کے روضے پر یہ شعر پڑھا کرتے تھے اور جواب میں حضور علیہ السلام کی طرف سے یہ شعر سنتے تھے۔ اور باقی افراد نہیں سنتے تھے، صرف جامی سنا کرتے تھے۔ سمجھ میں آیا؟ تو چنانچہ جب آخری حج کے لیے تشریف لے گئے تو وہاں پر پھر اسی طرح روضے پر جب حاضری ہوئی تو یہ شعر پڑھ رہے تھے کہ:

بَہ سَفَر مِیْ رَوَم چہ فَرْمَائِیْ

▪ متنِ کتاب و تحقیقِ مسائلِ نحویہ

سَیِّدِیْ وَمُرْشِدِیْ وَمَوْلَائِیْ

تو جواب آیا: بَہ سَفَر رَفْتَنَتْ مُبَارَکْ بَاد۔ غور کیا، دوسرا مصرعہ نہیں سننے میں آرہا۔ پھر دوبارہ شعر پڑھا، پھر وہی جواب آیا: بَہ سَفَر رَفْتَنَتْ مُبَارَکْ بَاد، سفر پر جانا آپ کا مبارک ہو۔ دوسرا مصرعہ نہیں سن رہے جس میں ذکر تھا: بَہ سَلَامَتْ رَوِیْ وَبَازْ آئِیْ، سلامتی سے جاؤ اور پھر واپس آؤ۔ تو جامی سمجھ گئے کہ معلوم ہوا یہ میرا آخری سفر ہے، مجھے پھر یہاں آنا میری قسمت میں نہیں، پھر دوبارہ یہاں آنے کا موقع نہیں ملے گا۔ چنانچہ ایسے ہی ہوا، پھر اس کے بعد حج کا موقع نہیں ملا اور آپ انتقال فرما گئے بھئی۔

تو یہ اللہ والے ہیں بھئی۔ سمجھ میں آیا؟ جو اللہ اور رسول کے راستے پر چلتے ہیں وہ باقاعدہ حضور علیہ السلام کے جواب کو سنتے ہیں، جب وہاں روضے پر حاضر ہو کر سلام کہتے ہیں تو باقاعدہ حضور کے جواب کو سنتے ہیں بھئی، اور یہ تو روایات میں بھی ہے کہ حضور علیہ السلام سب کا جواب دیتے ہیں بھئی۔ لیکن جن کو اللہ نے سننے والے کان دیے ہوں وہ سنتے بھی ہیں۔

والد صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ، شیخ الحدیث والتفسیر حضرت مولانا محمد موسیٰ روحانی بازی رحمہ اللہ تعالیٰ، وہ عجیب ان کی شخصیت تھی۔ انہوں نے اپنے آپ کو تمام زندگی بہت چھپا کر رکھا لیکن کبھی کبھار کوئی ایک آدھ بات زبان پر ان کے آجاتی۔ طلبہ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ فرمانے لگے کہ مجھے ہر رات حضور علیہ السلام کی زیارت ہوتی ہے بھئی۔ اور والد صاحب کو بھی اللہ نے ایسا عشقِ نبی نصیب فرمایا تھا جسے لفظوں میں بیان نہیں کیا جا سکتا۔

چنانچہ ایک مرتبہ وہ عمرے کے لیے تشریف لے جانے لگے تو ترمذی شریف کے درس میں طلبہ سے فرمایا کہ بھئی میں عمرے کے سفر پر جا رہا ہوں اور پندرہ بیس دن بعد میری واپسی ہو گی تو آپ لوگوں کے لیے کیا لاؤں بھئی وہاں سے؟ والد صاحب کی بڑی جلالی طبیعت تھی بھئی، ایک عجیب اللہ نے رعب دیا تھا، مِنْ جَانِبِ اللّٰہِ رعب تھا جسے لفظوں میں بیان نہیں کیا جا سکتا بھئی۔ اتنا رعب کہ جس کا آپ تصور بھی نہیں کر سکتے۔ اس سے اندازہ لگا لیجیے والد صاحب رحمہ اللہ کا درسِ ترمذی روزانہ ظہر کے بعد شروع ہوتا تھا عصر تک بھئی، تو روزانہ دو ڈھائی گھنٹے تقریباً ترمذی شریف کا سبق ہوتا تھا۔ اور کتنے ہی طلبہ نے، آپ کے کتنے ہی تلامذہ نے ہمیں وفات کے بعد آکر بتلایا کہ میں حضرت کے سامنے پہلی صف میں بیٹھتا تھا، صرف حضرت سے ایک ڈیڑھ گز کے فاصلے پر، اور پورا سال میں یہاں پہلی صف میں بیٹھتا رہا لیکن پورے سال میں اتنی ہمت کبھی نہیں ہوئی کہ نظر بھر کے حضرت کے چہرے کو دیکھ لوں بھئی۔ آپ سوچ سکتے ہیں کہ ایک سال کوئی کسی کے سامنے بیٹھا رہے اور کہے کہ میں نظر بھر کے حضرت کے چہرے کو نہیں دیکھ سکا؟ تو وہ اللہ کی طرف سے ایک عجیب رعب آپ کو نصیب فرمایا گیا تھا بھئی۔

تو طلبہ بتلاتے ہیں کہ وہ فرمانے لگے کہ میں بھئی عمرے کے سفر پر جا رہا ہوں آپ کے لیے کیا لاؤں؟ تو حضرت کا جلال، رعب بہت زیادہ تھا، سارے خاموش ہیں۔ آپ پھر مسکرائے اور فرمایا کہ بھئی کیا لاؤں آپ لوگوں کے لیے؟ سینکڑوں طلبہ بیٹھے ہیں، ایک طالبِ علم نے ہمت کر کے درمیان میں سے بولا کہ استاذ جی وہاں روضہ اقدس پر ہمارا سلام عرض کر دیجیے گا۔ پھر تو سارے ہی بول پڑے کہ استاذ جی ہمارا بھی سلام، ہمارا بھی سلام۔ فرمایا ٹھیک ہے بھئی۔ چنانچہ سفر پر چلے گئے بھئی۔ اور پھر واپس آئے۔ جب عمرے اور حج وغیرہ کے سفر سے واپس آتے تو ہمیشہ طلبہ سے بڑی عجیب محبت ہوتی تھی جو علمِ دین پڑھنے والے طلبہ تھے، تو ان سب کو مدینہ منورہ کی کھجوریں بھی کھلاتے اور آبِ زمزم بھی پلاتے تھے۔ تو واپس آئے اور وہاں درس میں پھر طلبہ سے فرمانے لگے: میں نے وہاں روضہ رسول پر آپ لوگوں کا سلام پیش کیا، اور میں نے کہا کہ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ! وہ جو غریب اور مسکین طلبہ ہیں جو سارا سال قَالَ اللّٰہُ قَالَ الرَّسُوْلُ پڑھتے ہیں، یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ! وہ آپ کی خدمت میں سلام پیش کر رہے تھے۔ اور پھر آگے فرمانے لگے کہ وَاللّٰہِ ثُمَّ وَاللّٰہِ میں نے اپنے کانوں سے سنا کہ حضور علیہ السلام نے تمہارے سلام کا جواب دیا بھئی۔ طلبہ کی چیخیں نکل گئیں بھئی، رونے لگ پڑے سب بھئی۔

تو ان کی ایک عجیب شخصیت تھی والد صاحب کی، اور والد صاحب کو اللہ نے ایسا عشقِ نبی نصیب فرمایا تھا جسے لفظوں میں بیان نہیں کیا جا سکتا۔ آپ کے جتنے تلامذہ آپ کو ملیں گے ان کے وہ سب ذکر کرتے ہیں کہ جو عشقِ نبی ہم نے حضرت میں دیکھا وہ عشقِ نبی اور ہم نے کہیں نہیں دیکھا۔ آپ کے ایک ایک عمل سے عشقِ نبی ٹپکتا ہوا معلوم ہوتا تھا۔ روزانہ درسِ ترمذی کے ساتھ شمائلِ ترمذی، جس میں حضور علیہ السلام کی عادات وغیرہ ذکر ہیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عادات، حلیہ مبارک اور اسی طرح وفات وغیرہ ان چیزوں کا ذکر ہے، وہ شمائلِ ترمذی بھی والد صاحب پڑھاتے تھے۔ اولاً درسِ ترمذی ہوتا اور پھر آخر میں تھوڑی دیر کے لیے شمائل کا بھی سبق ہوتا تھا۔ طلبہ بتلاتے ہیں کہ شاید ہی شمائل کا کوئی سبق ایسا گزرا ہو جس میں خود بھی نہ روئے ہوں اور طلبہ کو بھی نہ رلایا ہو بھئی۔ اور خاص طور پر جب وَفَاۃُ النَّبِیِّ کا ذکر آتا تھا تو اس کا ذکر ایسے عجیب الفاظ میں کرتے تھے کہ طلبہ کی چیخیں نکل جاتی تھیں، دارالحدیث میں ایک عجیب ایک چیخ و پکار کا سماں ہوتا تھا جسے لفظوں میں بیان نہیں کیا جا سکتا بھئی۔

تو یہ ملا جامی جن کی یہ عظیم شرح اب ہم شروع کریں گے، اور یہ بڑے اللہ والے تھے، اور بہت اللہ نے ان کو عجیب مقام اور عجیب شہرت نصیب فرمائی جسے لفظوں میں بیان نہیں کیا جا سکتا۔ اور ہونا تو یہ چاہیے تھا بھئی یہ پوری کتاب آغاز سے اختتام تک ہم پڑھتے، لیکن نصاب کے اندر یہ صرف مرفوعات سے جو حصہ ہے وہ شامل ہے، تو ہم کوشش کریں گے کہ جتنا زیادہ سے زیادہ ہم حصہ پڑھ لیں، اگر اللہ نے وقت میں برکت دی اور موقع ملا تو اسی سال کوشش کریں گے کہ جتنا نصاب سے زائد حصہ ہے اس کو بھی ہم پڑھ لیں جس قدر پڑھ سکیں بھئی۔

اور اس کتاب کے آغاز میں ایک حاصل محصول کی بحث آتی ہے بھئی، حاصل محصول۔ تقریباً یہ بڑا نسخہ ہو کتاب کا

تو اس میں تقریباً ایک ڈیڑھ صفحے کی بحث ہے حاصل محصول، اور وہ بڑی مشکل اور پیچیدہ بحث ہے، حتیٰ کہ بڑے بڑے اساتذہ اس کو پڑھاتے ہوئے پریشان ہوتے ہیں بھئی۔ والد صاحب رحمہ اللہ نے اس حاصل محصول کی شرح لکھی بھئی۔ یہ ڈیڑھ صفحے کی بحث ہے اور اس کی شرح کی تقریباً کوئی پانچ سو کے لگ بھگ صفحات میں بھئی۔ اور یہ والد صاحب رحمہ اللہ کی پہلی تصنیف تھی طالبِ علمی کے بعد۔ جب والد صاحب رحمہ اللہ نے دورہ حدیث کیا تو ابھی آپ کی داڑھی بھی پوری طرح نہیں آئی تھی، انتہائی کم عمری میں، اور پھر دورہ حدیث کے بعد آپ نے جو پہلی تصنیف کی وہ اس حاصل محصول کی شرح کی جس کا نام ہے بُغْيَةُ الْكَامِلِ، بُغْيَةُ الْكَامِلِ السَّامِيْ فِيْ شَرْحِ الْمَحْصُوْلِ وَالْحَاصِلِ لِلْجَامِيْ۔ تو بُغْيَةُ الْكَامِلِ کے اندر وہ اس حاصل محصول کی بحث کی شرح کرتے ہیں اور بڑی مشکل اور پیچیدہ کتاب ہے بھئی بُغْيَةُ الْكَامِلِ۔ خود والد صاحب رحمہ اللہ بُغْيَةُ الْكَامِلِ کے مقدمے میں لکھتے ہیں کہ یہ نحو کی مشکل ترین کتابوں میں سے ہے اور اسے ہر ایک نہیں سمجھ سکے گا بھئی، ہر ایک نہیں سمجھ سکے گا۔

اور ایسی عجیب کتاب ہے انسان حیران رہ جاتا ہے۔ علامہ شمس الحق افغانی رحمہ اللہ، جو بہت بڑے عالمِ دین گزرے ہیں اور برصغیر کے علماء ان کے نام سے بخوبی واقف ہیں، تو جب والد صاحب نے یہ بُغْيَةُ الْكَامِلِ لکھی تو شروع میں تقریظ لکھوانے کے لیے ان کے پاس لے گئے۔ اور علامہ شمس الحق افغانی علوم و فنون میں بڑی مہارت رکھتے تھے۔ انہوں نے تقریظ لکھی اور تقریظ میں وہ لکھتے ہیں کہ میں سالہا سال تک نحو کی تدریس کرتا رہا ہوں، نحو کے تمام مسائل میں جانتا ہوں، اور پاکستان و بیرونی دنیا میں جہاں کہیں بھی میں سفر کرتا ہوں تو جو مکتبہ وغیرہ ہو، جو اس علاقے میں جو مکتبے ہوں میں ان میں ضرور جاتا ہوں اور وہاں کتابوں کا مطالعہ کرتا ہوں۔ لیکن میرا ذہن اب یہ بن گیا تھا کہ نحو کی کتابیں اب شاید مجھے فائدہ کبھی نہیں دیں گی، کیونکہ میں نحو کی جو بھی کتاب اٹھاتا اور اس کا مطالعہ کرتا تو اس میں جو بھی باتیں لکھی ہوتیں وہ پہلے سے ہی ساری مجھے معلوم ہوتی تھیں۔ تو میرے ذہن میں تھا کہ اب شاید ہی کوئی نحو کی کتاب ایسی ملے جو جس سے مجھے کوئی فائدہ ہو جائے۔ لیکن پھر آگے فرماتے ہیں: یہ جو کتاب ہے بُغْيَةُ الْكَامِلِ، اس نے میرے علم میں بے انتہا اضافہ کیا۔ انسان حیران رہتا ہے! ایک طالبِ علم دورہ حدیث کرنے کے بعد ایک کتاب لکھ کر لا رہا ہے اور ایک علم کا پہاڑ کہہ رہا ہے کہ اس کتاب نے میرے علم میں بے انتہا اضافہ کیا بھئی۔ اور پھر لکھتے ہیں کہ اس کتاب کو اس مصنف نے ایسی ترتیب دی ہے، اس کی ترتیب بھی ایسی ہے کہ یہ عقلِ انسانی کی انتہا ہے بھئی، اس سے بہتر ترتیب ہو ہی نہیں سکتی۔ اور پھر فرماتے ہیں کہ یہ مبالغہ نہ سمجھنا، مبالغہ میری عادت نہیں ہے، اور یہ اس عالم کے علم کا یہ حال ہے جوانی میں، بلکہ نوجوانی میں (یہ ان کے الفاظ ہیں کہ اگر یہ اس عالم کے علم کا یہ عالم ہے جوانی میں بلکہ نوجوانی میں) تو میں پیشین گوئی کرتا ہوں، امید کرتا ہوں کہ یہ شخص اپنے زمانے کے علماء کا امام بنے گا بھئی۔ تو یہ انہوں نے ابتدائی زمانے میں والد صاحب کے بارے میں پیشین گوئی کی تھی کہ اللہ نے ایسا علم دیا ہے انسان حیران رہ جاتا ہے۔

اور والد صاحب رحمہ اللہ فرماتے تھے کہ جب میں نے کتاب لکھی تو مفتی محمود رحمہ اللہ کے ساتھ ایک مرتبہ انہی دنوں ٹرین میں سفر کرنے کا موقع ملا، اور مفتی محمود رحمہ اللہ کے ساتھ ایک اور بڑے بوڑھے عالم بھی تھے۔ تو ٹرین چل پڑی، سفر شروع ہوا، اچانک مجھے خیال آیا کہ میرے پاس تو یہ بُغْيَةُ الْكَامِلِ کا نسخہ موجود ہے، میں اٹھا بیگ میں سے وہ کتاب نکالی اور وہ عالم کو تحفے کے طور پر دے دی کہ یہ میں نے کتاب لکھی ہے۔ وہ جو عالم تھے انہوں نے کتاب کھولی اور ایک آدھ صفحہ ہی پڑھا تھا ابھی کہ اٹھے اور اٹھ کر آئے اور مجھے دس روپے انعام دیے۔ دس روپے تو اس زمانے میں تنخواہ ہوا کرتی تھی بھئی، اتنے زیادہ پیسے! تو دس روپے مجھے انہوں نے انعام میں دے دیے۔ تو مفتی محمود رحمہ اللہ حیران رہ گئے کہ بھئی ابھی آپ نے کتاب کھول کر ایک آدھ صفحہ نہیں پڑھا اور آپ اتنا بڑا انعام دے رہے ہیں؟ تو وہ عالم کہنے لگے کہ میں چالیس سال سے شرحِ جامی پڑھا رہا ہوں، اور اس کتاب کے پہلے صفحے پر جو بات لکھی ہے مجھے اس کا علم نہیں تھا بھئی۔ تو یہ والد صاحب رحمہ اللہ کو اللہ نے عجیب علوم نصیب فرمائے تھے بھئی اور عجیب سنت کی محبت ان کو نصیب فرمائی تھی۔ تو ان کی یہ کتاب ہے بُغْيَةُ الْكَامِلِ بھئی۔

لیکن بہرحال وہ حصہ تو اب نصاب میں شامل ہی نہیں ہے، اور میں نے بتایا کہ شروع میں یہ چونکہ جامی میں ساری ترکیبوں کی بات ہو گی تو ہم چند دن ترکیب کر لیں گے، جب آپ کی بنیادی ترکیب آپ کو آجائے گی ان شاء اللہ پھر جامی میں وہ جو بھی بات کریں گے آپ کو سمجھ میں آتی جائے گی۔ تو شروع میں چند دن ہم ترکیب کریں گے پھر اس کے بعد ان شاء اللہ کتاب شروع کر دیں گے۔ اگر دس بارہ دن ہم پندرہ دن ترکیب کر لیں اور اتنا ہی توفیق اللہ دے دیں دو دو تین تین گھنٹے، ان شاء اللہ بہترین ترکیب، عبارت آپ پڑھنا آپ کو آجائے گی کہ عبارت پڑھتے کیسے ہیں۔ چلیے بس بھئی، ہٰذَا هُوَ الْمَرَامُ وَاللّٰهُ أَعْلَمُ بِحَقِيْقَةِ الْكَلَامِ۔

سبق نمبر ۲: تراکیبِ نحویہ (۱): جملہ اسمیہ اور جملہ فعلیہ کے بنیادی اصول

تراکیبِ نحویہ (ابتدائی مشق) – بتاریخ: ۱۰ جون ۲۰۲۱ء

▪ تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث

اچھا بھئی میں نے کل آپ سے ذکر کیا تھا کہ شرحِ جامی کتاب کو شروع کرنے سے پہلے کچھ دن ہم ترکیب کریں گے۔ ان شاء اللہ آپ دیکھیں گے ترکیب بہت آسان ہے، اور بنیادی ترکیب جب آپ سیکھ جائیں گے پھر آپ کے لیے جامی کا سمجھنا بہت آسان ہو جائے گا۔ اس کے بغیر جامی سمجھ میں نہیں آئے گی، رٹا تو آپ لگا سکتے ہیں لیکن جامی آپ کو سمجھ میں نہیں آئے گی۔ تو آج ہم ترکیب شروع کرتے ہیں بھئی، لکھیے بھئی۔

لکھیے بھئی: ایک ہے جملہ اسمیہ اور ایک ہے جملہ فعلیہ۔ جملہ اسمیہ وہ ہے جس کا پہلا جز اسم ہو۔ اور جملہ فعلیہ وہ ہے جس کا پہلا جز فعل ہو۔

تو ہم سب سے پہلے جملہ اسمیہ کی ترکیب کریں گے۔ لکھیے بھئی: تو ہم سب سے پہلے جملہ اسمیہ کی ترکیب کریں گے۔

جملہ اسمیہ میں دو چیزیں ہوتی ہیں: نمبر ایک مبتدا اور نمبر دو خبر۔ مبتدا ہمیشہ معرفہ ہوتا ہے اور خبر ہمیشہ نکرہ ہوتی ہے۔ کبھی کبھار مبتدا نکرہ بھی آتا ہے، لیکن چند شرائط کے ساتھ۔

تو آپ نے پڑھا بھئی کہ مبتدا میں اصل کیا ہے؟ وہ معرفہ ہونا چاہیے۔ معرفہ، تو اب آپ کو معرفہ کی قسمیں بھی یاد ہونی چاہئیں، تو معرفہ کی قسمیں لکھ لیجیے:

معرفہ سات قسم پر ہے: نمبر ایک تمام ضمیریں۔ نمبر دو عَلَمْ، عَلَمْ یعنی نام، زَیْدٌ عَمْرٌو بَکْرٌ وغیرہ۔ نمبر تین اسمائے اشارہ۔ نمبر چار اسمائے موصولہ۔ نمبر پانچ معرفہ بندا، جیسے یَا رَجُلُ۔ نمبر چھ معرفہ بالف لام، جیسے اَلرَّجُلُ۔ نمبر سات وہ اسم جو ان میں سے کسی ایک کی طرف مضاف ہو، علاوہ معرفہ بندا کے۔

یہاں تک بات سمجھ میں آگئی؟ آپ نے کیا پڑھا کہ مبتدا جو ہے وہ معرفہ ہوتا ہے اور خبر نکرہ۔ اور اب آپ کو معرفہ اور

نکرہ کی پہچان ہونی چاہیے تو میں نے معرفہ کی اقسام آپ کو لکھوا دیں بھئی۔ بات سمجھ میں آگئی؟

اس کے بعد یاد رکھنا، آگے لکھیے کہ اسم دو قسم پر ہے: معرب اور مبنی۔ آگے لکھیے: مبنیات کل آٹھ ہیں اور ان کے علاوہ باقی اسماء معرب ہیں۔

وہ آٹھ مبنیات یہ ہیں: نمبر ایک تمام ضمیریں۔ نمبر دو اسمائے اشارہ۔ نمبر تین اسمائے موصولہ۔ نمبر چار کچھ مرکبات یعنی مرکبِ بنائی، جیسے أَحَدَ عَشَرَ۔ نمبر پانچ اصوات بھئی، صاد کے ساتھ ہے اصوات، الف، صاد، واو، الف اور لمبی تا، اصوات یعنی آوازیں۔ بات سمجھ میں آرہی ہے؟ جیسے بھئی اردو میں ہم مختلف چیزوں کی آواز حکایت کرتے ہیں کہ بکری میں میں کرتی ہے، بلی میاؤں میاؤں کرتی ہے، کوا کائیں کائیں کرتا ہے، تو یہ جو اصوات ہیں اسی طرح عربی میں بھی حیوانات کی آوازوں کو مختلف طریقے سے نقل کیا جاتا ہے وہ اصوات ہیں، آوازیں، اور یہ بھی مبنیات میں سے ہیں۔ نمبر چھ کچھ ظروف ہیں، ظا کے ساتھ ہے، جیسے قَبْلُ بَعْدُ وغیرہ بعض صورتوں میں یہ کیا ہوتے ہیں؟ مبنی ہوتے ہیں، اسی طرح إِذْ ہے، إِذَا ہے، مَتٰی ہے، أَيْنَ وغیرہ بھئی، یہ بھی کس میں سے ہیں؟ مبنیات میں سے۔ نمبر سات اسمائے افعال۔ اسمائے افعال بھئی، بھئی نام سے ہی پتہ چل رہا ہے یہ کچھ اسم ہیں جو فعل والا معنیٰ ادا کرتے ہیں، جیسے رُوَيْدَ، بَلْهَ وغیرہ بھئی۔ اور آٹھویں قسم ہے کنایات بھئی، کنایات بھئی، جیسے كَمْ اور كَذَا۔

تو یہ آٹھ مبنیات ہو گئے بھئی۔ اور پریشان نہیں ہونا آپ نے، ان شاء اللہ ان چیزوں کا ہم بار بار تکرار کریں گے ان شاء اللہ آپ کو ازبر ہو جائیں گی۔ اور یہی یاد کرنے والی چیزیں تھیں جو میں نے لکھوا دیں بھئی۔ معرفہ کی قسمیں آپ کو یاد ہونی چاہئیں، مبنیات آپ کو یاد ہونے چاہئیں، اور وہ جو سولہ قسمیں ہیں اعراب کے اعتبار سے جو نحو میر میں آپ نے پڑھی ہیں یا جو ہدایۃ النحو میں آپ نے پڑھی ہیں۔ بات سمجھ میں آرہی ہے؟ بس وہ قسمیں یاد ہوئیں تو آپ کو ان شاء اللہ آپ چند دنوں میں ان شاء اللہ بہترین عبارت پڑھنے لگیں گے اور ترکیب اچھی خاصی آپ سیکھ لیں گے۔

اچھا اب ذرا پھر ان کو ذرا دہرا لیں بھئی، یہ بار بار ہم دہراتے رہیں گے بھئی، یہ آپ کو ازبر ہونی چاہئیں۔ معرفہ کتنی قسمیں؟ سات قسمیں۔ نمبر ایک تمام ضمیریں، ادھر دیکھیے میری طرف زبانی دہراؤ، معرفہ کی کتنی قسمیں؟ سات قسمیں۔ نمبر ایک تمام ضمیریں، نمبر دو عَلَمْ، نمبر تین اسمائے اشارہ، نمبر چار اسمائے موصولہ، نمبر پانچ معرفہ بندا، نمبر چھ معرفہ بالف لام، اور نمبر سات... ہاں، اسمائے افعال؟ اوہو! مبنی پہ چلے گئے ہو، معرفہ کی قسمیں میں پوچھ رہا ہوں۔ وہ اسماء جو ان میں سے کسی ایک کی طرف مضاف ہوں علاوہ معرفہ بندا کے۔ تو معرفہ بندا یہاں سے خارج ہے کیونکہ ہم مبتدا خبر کی بحث کر رہے ہیں۔ تو اس کو اب ہم بار بار ذکر نہیں کریں گے بھئی۔ تو معرفہ کی کل کتنی قسمیں ہیں؟ پھر دہراؤ: سات قسمیں۔ نمبر ایک تمام ضمیریں، نمبر دو عَلَمْ، نمبر تین اسمائے اشارہ، نمبر چار اسمائے موصولہ، نمبر پانچ معرفہ بندا، نمبر چھ معرفہ بالف لام، اور

نمبر سات وہ اسم جو ان میں سے کسی ایک کی طرف مضاف ہو بھئی۔

اچھا اس کے بعد مبنی بھئی: اسم دو قسم پر ہے، ایک معرب اور ایک مبنی۔ مبنی کتنی قسم پر؟ آٹھ قسم پر۔ کون کون سے؟ تمام ضمیریں ہیں اور اسمائے اشارہ، اسمائے موصولہ اور کچھ مرکبات ہیں، اور کچھ ظروف ہیں اور اصوات ہیں، اسمائے افعال ہیں اور کنایات ہیں۔

اب یاد رکھو، بس اب آگے باتیں سمجھتے جاؤ۔ یاد رکھو یہ جو اسم ہے اس کا اعراب تین قسم پر ہوگا: کبھی اعراب لفظاً ہوتا ہے، کبھی تقدیراً ہوتا ہے، اور کبھی محلاً ہوتا ہے۔ توجہ ہے؟ اسم کا اعراب کتنی قسم پر؟ تین قسم پر۔ نمبر ایک لفظاً، نمبر دو تقدیراً، نمبر تین محلاً۔ بات سمجھ میں آگئی؟

لفظاً اعراب کا معنیٰ یہ ہوتا ہے کہ آپ اس اعراب پر باقاعدہ تلفظ کرتے ہیں، سننے سے، تلفظ سے ہی دوسرے کو پتہ چل جاتا ہے کہ آپ کون سا اعراب پڑھ رہے ہیں۔ مثلاً مجھے آپ بتائیے میں نے کون سا اعراب پڑھا: زَيْدٌ؟ لفظاً، رفع ہے بھئی، کیا ہے؟ رفع ہے لفظاً، تلفظ سے ہی آپ کو پتہ چل رہا ہے کہ میں نے رفع پڑھا ہے۔ زَيْداً، اب میں نے کون سا اعراب پڑھا؟ نصب پڑھا ہے، تو یہ نصب کون سا ہے؟ لفظاً ہے، یعنی لفظاً کا کیا معنیٰ کہ جس پر ہم اعراب پر تلفظ کرتے ہیں۔ ایک تو ہے لفظ، لفظ پر تو کرتے ہی تلفظ ہیں، لفظ کہتے ہی کس کو ہیں جس پر کیا کیا جائے؟ تلفظ کیا جائے، زید، عمرو، بکر، خالد، دیکھو یہ جتنے لفظ میں بولتا جا رہا ہوں زبان سے یہ سب لفظ ہیں، لیکن میں لفظ کی بات نہیں کر رہا میں اعرابِ لفظی کی بات کر رہا ہوں، وہ اعراب جس پر آپ تلفظ کرتے ہیں سننے سے دوسرے کو پتہ چل جاتا ہے۔ زَيْدٌ میں نے کیا پڑھا؟ رفع۔ زَيْداً میں نے کیا پڑھا؟ نصب۔ زَيْدٍ میں نے کیا پڑھا؟ جر پڑھا۔ دیکھا تلفظ سے ہی آپ کو پتہ چل گیا۔

تو اب جتنے اسم آئیں گے آپ نے غور کرنا ہے، جب بھی کوئی اسم آئے سب سے پہلے آپ نے یہ دیکھنا ہے یہ معرب ہے یا مبنی ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ اور پھر آپ نے غور کرنا ہے کہ اعراب لفظاً ہے، تقدیراً ہے یا محلاً ہے۔ اعراب کتنی قسم پر؟ تین قسم پر: نمبر ایک لفظاً، نمبر دو تقدیراً، نمبر تین محلاً۔ یاد رکھو اعراب لفظاً اور تقدیراً یہ معرب کے اندر آئے گا، کس کے اندر؟ معرب، وہ سولہ قسمیں جو آپ نے پڑھی تھیں نحو میر کے اندر، ان میں سے کسی کا اعراب لفظاً تھا، کسی کا اعراب تقدیراً تھا۔ توجہ ہے؟

جَاءَنِيْ مُوْسٰى، رَأَيْتُ مُوْسٰى، مَرَرْتُ بِمُوْسٰى۔ دیکھا تینوں حالتوں میں ایک جیسا لفظ ہے مُوْسٰى، اس میں کوئی تبدیلی نہیں آرہی۔ کوئی اعراب کا پتہ چلتا ہے سننے سے؟ مثلاً اب مجھے بتاؤ میں نے کون سا اعراب پڑھا: مُوْسٰى؟ کوئی پتہ نہیں چلا۔ تو اس پر اعراب تقدیری آتا ہے، کیا آتا ہے؟ تقدیری۔ قَدَّرَ يُقَدِّرُ تقدیر کا معنیٰ ہے فرض کرنا، فرض کر لو اس پر رفع آگیا جب رفع والے مقام میں یہ آئے، جب رفع والے مقام میں یہ آئے تو فرض کر لو اس پر کیا آیا؟ رفع۔ جَاءَنِيْ مُوْسٰى، دیکھو مُوْسٰى یہاں فاعل ہے اور فاعل مرفوع ہوتا ہے، تو یہ مرفوع ہے تقدیراً۔ مرفوع ہے تقدیراً۔ تقدیراً کا کیا معنیٰ؟ فرض کر لو

اس پر رفع آگیا، آیا تو نہیں لیکن آپ کیا کر لو؟ فرض کر لو رفع آگیا۔ رَأَیْتُ مُوْسٰی، یہاں مُوْسٰی مفعول بہ واقع ہو رہا ہے اور مفعول بہ منصوب ہوتا ہے، لیکن کیا نصب سننے سے پتہ چلا آپ کو؟ نہیں، تو یہاں یہ منصوب ہے اور کون سا منصوب؟ تقدیراً ہے، تقدیراً کیا معنیٰ؟ فرض کر لو کہ اس پر کیا آگیا ہے؟ نصب آگیا ہے، آپ نے نصب پڑھا ہے۔ اور تیسرا کیا ہے؟ مَرَرْتُ بِمُوْسٰی، یہ دیکھو با جارہ ہے اور با جارہ کیا کرتی ہے؟ جر دیتی ہے۔ جی تو اب مُوْسٰی اس کا اعراب بتاؤ؟ مجرور تقدیراً۔ مجرور ہے لیکن کیا لفظوں سے پتہ چل رہا ہے یہ مجرور ہے؟ نہیں، تلفظ سے پتہ نہیں چل رہا تو یہ مجرور کون سا ہوا؟ تقدیراً، یعنی فرض کر لو اس پر جر آگیا ہے۔

اور جَاءَنِیْ زَیْدٌ، رَأَیْتُ زَیْداً، مَرَرْتُ بِزَیْدٍ، دیکھا؟ زَیْدٌ، اعراب کا پتہ چلا؟ تو یہ اعراب کون سا ہوا؟ لفظاً، تو یہ مرفوع ہے لفظاً۔ اور رَأَیْتُ زَیْداً، یہ منصوب ہے لفظاً۔ مَرَرْتُ بِزَیْدٍ، یہ مجرور ہے لفظاً۔ فرق سمجھ میں آیا؟ وہ جو سولہ قسمیں آپ نے پڑھی تھیں وہ معرب کی اقسام ہیں، اور ان میں سے بعض کا اعراب لفظاً آتا ہے اور بعض کا اعراب تقدیراً آتا ہے۔ تو یہ معرب میں اعراب کبھی لفظاً آتا ہے اور کبھی تقدیراً۔ لفظاً کا کیا معنیٰ کہ اس اعراب پر ہم کیا کرتے ہیں؟ تلفظ، پھر دہراؤ کہ اس اعراب، ہاں یہ صرف آپ نے یوں نہیں کہنا کہ ہم تلفظ کرتے ہیں بھئی کیا معنیٰ تلفظ تو لفظ پہ بھی کرتے ہیں، آپ کہیں اس اعراب پر ہم کیا کرتے ہیں؟ تلفظ کرتے ہیں۔ اور تقدیراً کا کیا معنیٰ؟ فرض کر لو کہ اس پر رفع، نصب یا جر آگیا ہے۔ تو فرض اس لیے کرنا پڑتا ہے کیونکہ وہاں کوئی رکاوٹ ہوتی ہے، کوئی مانع ہوتا ہے جس کی وجہ سے اعراب آنہیں سکتا لفظوں میں۔ جیسے مُوْسٰی کے آخر میں الف ہے اور الف ہمیشہ ساکن ہوتا ہے عربی میں۔ الف پر اگر کوئی حرکت آجائے تو وہ دراصل الف نہیں ہے وہ ہمزہ ہے۔ وہ کیا ہے؟ وہ ہمزہ ہے۔ جَاءَ، دیکھا آخر میں ہمزہ کے اوپر زبر ہے اور جَاءَ کے درمیان میں الف ہے یہ الف کیا ہے؟ ساکن، تو الف ہمیشہ ساکن ہوتا ہے، الف پر اعراب آ ہی نہیں سکتا۔ اور مُوْسٰی کے آخر میں کیا ہے؟ الف ہے، تو لہٰذا یہاں رکاوٹ آگئی، اس پر اعراب ظاہر نہیں ہو سکتا۔ اگر یہ الف نہ ہوتا یہاں تو اعراب ظاہر ہو جاتا کیونکہ یہ معرب ہے، اور معرب کہتے ہی کس کو ہیں جو اعراب کو جگہ دیتا ہے، جس پر اعراب آتا ہے۔

جبکہ تیسرا، اعراب کی تیسری قسم ہے محلاً بھئی۔ محل کا معنیٰ ہے جگہ۔ جیسے جَاءَ هٰؤُلَاءِ، هٰؤُلَاءِ۔ تو دیکھو جیسے جَاءَ هٰؤُلَاءِ، دیکھو هٰؤُلَاءِ کے آخر میں کیا ہے؟ ہمزہ، اور ہمزہ کے نیچے کیا ہے؟ زیر، لیکن یہ اسمِ اشارہ ہے اور مبنیات کے اندر میں نے آپ کو لکھوایا کہ دوسری قسم کیا ہے مبنیات کی؟ اسمائے اشارہ، تو اسمائے اشارہ کیا ہیں؟ مبنی، لہٰذا یہ هٰؤُلَاءِ مبنی ہے۔ یہ ہر جگہ اسی طرح رہے گا، یہ ہمزہ کے نیچے زیر ہی پڑھنا پڑے گی: جَاءَ هٰؤُلَاءِ، رَأَیْتُ هٰؤُلَاءِ، مَرَرْتُ بِهٰؤُلَاءِ۔ جَاءَ هٰؤُلَاءِ، یہ هٰؤُلَاءِ فاعل بن رہا ہے اور فاعل کیا ہوتا ہے؟ مرفوع، فاعل کیا ہوتا ہے؟ مرفوع، تو یوں کہیں گے یہ هٰؤُلَاءِ مرفوع ہے محلاً۔ جَاءَ هٰؤُلَاءِ، توجہ ہے؟ جَاءَ فعل، هٰؤُلَاءِ اس کا فاعل اور فاعل کیا ہوتا ہے؟ مرفوع، اور یہاں پر هٰؤُلَاءِ کے نیچے میں کیا پڑھ رہا ہوں؟ زیر، تو یہ یاد رکھو یہ ہمزہ کے نیچے جو زیر پڑھ رہے ہیں یہ ہمزہ کی حرکت ہے، اعراب نہیں ہے۔ اعراب اس پر نہیں ظاہر ہو سکتا۔

کیوں نہیں ہو سکتا؟ کیونکہ یہ مبنی ہے۔ تو یہ محلاً مرفوع ہے، کیا ہے؟ محلاً مرفوع۔ کیا معنیٰ محلاً مرفوع؟ محل کا معنیٰ ہے جگہ، یعنی یہ جگہ رفع والی ہے کیونکہ یہ فاعل بن رہا ہے اور فاعل کی جگہ کیا ہے؟ رفع والی ہوتی ہے، تو یہ جگہ رفع والی ہے لیکن چونکہ یہ مبنی ہے اور مبنی پر اعراب نہیں آسکتا تو اس کو کہیں گے محلاً مرفوع، یعنی محل کے اعتبار سے یہ مرفوع ہے، لفظوں کے اعتبار سے یا تقدیراً مرفوع نہیں۔

اور دیکھو: جَاءَ مُوْسٰی، رَأَیْتُ مُوْسٰی، مَرَرْتُ بِمُوْسٰی۔ جَاءَ هٰؤُلَاءِ، رَأَیْتُ هٰؤُلَاءِ، مَرَرْتُ بِهٰؤُلَاءِ۔ دونوں ایک جیسے ہیں، نہ مُوْسٰی کے آخر میں کوئی تبدیلی آرہی ہے نہ هٰؤُلَاءِ کے آخر میں، لیکن مُوْسٰی کو آپ کہتے ہیں معرب اور هٰؤُلَاءِ کو آپ کیا کہتے ہیں؟ مبنی۔ یہ کیا وجہ ہے؟ وجہ یہ کہ بھئی مبنی ویسے کوئی چیز نہیں بنتی، مبنی کے لیے کوئی مبنی الاصل کے ساتھ مشابہت وغیرہ چاہیے بھئی۔ اور تو مُوْسٰی مبنی نہیں ہے بھئی، اس میں کوئی مشابہت وغیرہ مبنی کے ساتھ نہیں، مبنی الاصل کے ساتھ اس کی کوئی مشابہت اور مناسبت نہیں، تو وہ معرب ہے۔ ہاں وہاں الف آخر میں آگیا، میں نے بتایا اگر یہ آخر میں الف نہ ہوتا تو رفع، نصب اور جر ظاہر ہوتے۔ رکاوٹ کیا آئی؟ مانع کیا بنا؟ یہ الف۔ جَاءَ مُوْسٰی، الف پڑھ رہا ہوں میں یا نہیں؟ آپ یہ نہ کہیں اس کے آخر میں تو یا ہوتی ہے اور اوپر کھڑی زبر، بھئی یہ یا کس سے بدل چکی ہے؟ الف سے بدل چکی ہے۔ اور عربی رسم الخط میں اس کو اسی طرح لکھتے ہیں، اوپر کھڑی زبر لکھ دیتے ہیں لیکن دراصل یہ کیا ہے؟ یہ یا الف سے بدل چکی ہے۔ جیسے قَالَ اصل میں کیا تھا؟ قَوَلَ، واو کس سے بدل چکا؟ الف سے: قَالَ۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو یہاں پر بھی یہ جو یا ہے الف سے بدل چکی ہے لیکن عربی زبان میں جب کوئی یا الف سے بدل جائے اور آخر میں ہو تو اس کو لکھتے یا ہی کی صورت میں ہیں البتہ پڑھتے الف کی صورت میں ہیں، جیسے مُصْطَفٰی، اس کے آخر میں بھی یا الف سے بدل گئی ہے، لکھیں گے یا ہی لیکن پڑھیں گے کیا؟ الف۔

اور یہاں ایک اور بات بتلا دوں، آج کل جدید کتابوں میں آپ دیکھیں گے، عربی زبان کی جو بھی کتابیں اٹھائیں، آپ دیکھیں گے بعض یا ایسی ہوتی ہیں ان کے نیچے دو نقطے لگے ہوتے ہیں جیسے فِیْ، عَلِیٌّ، یہ یا کے نیچے آپ کو دو نقطے ملیں گے۔ اور کچھ یا ایسی ہوں گی کتابوں میں جن کے نیچے نقطے نہیں ہوں گے جیسے عَلٰی، اس کے نیچے نقطے نہیں ہوں گے۔ عَلِیّ لکھا ہو تو یا کے نیچے نقطے ہوں گے، عَلٰی لکھا ہو تو یا کے نیچے نقطے نہیں ہوتے۔ وجہ یہ کہ جو یا الف سے بدل جائے اس کے نیچے نقطے نہیں لکھتے۔ اس سے پتہ لگ جاتا ہے کہ یہ یا کس سے بدل چکی؟ الف سے۔ عَلٰی، آخر میں یا الف سے بدلی ہے یا نہیں؟ تو یا لکھیں گے تو لیکن نیچے دو نقطے نہیں لگائیں گے، اس سے پڑھنے والا سمجھ جائے گا یہ عَلِیّ نہیں لکھا بلکہ کیا لکھا ہے؟ عَلٰی۔ بھئی دیکھو عین، لام، یا، زیریں زبریں اگر نہ لگی ہوں تو ہو سکتا ہے یہ عَلِیّ ہو، ہو سکتا ہے یہ عَلٰی ہو، فرق کیسے پتہ چلے گا؟ یا کے نیچے اگر دو نقطے ہوئے تو سمجھ جاؤ یہ کیا لکھا ہے؟ عَلِیّ، اور یا کے نیچے دو نقطے نہ ہوئے تو سمجھ جاؤ کیا لکھا ہے؟ عَلٰی۔ اسی طرح مُصْطَفٰی، اس کی آخر میں جو یا ہے دو نقطے لکھیں گے یا نہیں لکھیں گے؟ نہیں لکھیں گے کیونکہ یا کس سے بدل چکی؟

الف سے۔ فِیْ، فِیْ کے نیچے دو نقطے لکھیں گے یا نہیں؟ لکھیں گے کیونکہ یا اب اپنی اصل حالت پر ہے۔ بات سمجھ میں آ گئی؟ تو یہ جدید کتابوں میں آپ کو عام اب آج کل اسی طرح ملے گا بھئی۔

تو مبنی کا اعراب دیکھو محلاً آتا ہے۔ اب دیکھو مُوْسٰی کے آخر میں تو الف تھا، الف رکاوٹ بن گیا اعراب کے آنے سے، اس کے ظاہر ہونے سے۔ جبکہ هٰؤُلَاءِ، جَاءَ هٰؤُلَاءِ، رَأَيْتُ هٰؤُلَاءِ، مَرَرْتُ بِهٰؤُلَاءِ، دیکھو آخر میں ہمزہ ہے اور ہمزہ پر زبر زیر پیش آ سکتا ہے یا نہیں آ سکتا؟ آ سکتا ہے، مَجِیْءٌ، مَجِیْئًا، مَجِیْءٍ، آخر میں ہمزہ ہے نا، ہمزہ پر تو زبر بھی آ سکتا ہے، زیر بھی آ سکتا ہے، پیش بھی آ سکتا ہے، لیکن هٰؤُلَاءِ اس کے آخر میں ہمزہ ہے اور وہ بدل نہیں رہا، کوئی مانع نہیں، کوئی رکاوٹ نہیں، وہاں تو الف رکاوٹ تھی، یہاں کوئی رکاوٹ نہیں لیکن پھر بھی نہیں بدل رہا، معلوم ہوا یہ مبنی ہے۔ اگر مبنی نہ ہوتا پھر تو اعراب لفظوں میں آنا چاہیے تھا، کوئی رکاوٹ نہیں ہے۔

تو اعراب کتنی قسم پر ہوا؟ تین قسم پر: لفظاً، تقدیراً اور محلاً۔ لفظاً اور تقدیراً کس میں آئے گا؟ معرب میں، اور محلاً کس میں آئے گا؟ مبنی میں۔ اعراب لفظاً کا کیا معنیٰ کہ اس اعراب پر ہم کیا کرتے ہیں؟ تلفظ، ہاں پھر آدھی بات کر رہے ہو، اس اعراب پر، اس اعراب پر ہم کیا کر رہے ہیں؟ تلفظ، یا یوں کہو اس رفع پر ہم کیا کر رہے ہیں؟ تلفظ، اس نصب پر ہم کیا کر رہے ہیں؟ تلفظ، اور اس جر پر ہم کیا کر رہے ہیں؟ تلفظ۔ اور تقدیراً کا کیا معنیٰ؟ فرض کر لو کہ اعراب آ چکا ہے۔ بات سمجھ میں آ رہی ہے؟

سوال: یہ فرض کیوں کرتے ہو؟ فرض کیوں کرتے ہو؟ جَاءَ مُوْسٰی مرفوع ہے تقدیراً، توجہ ہے؟ مرفوع ہے تقدیراً۔ آپ کہتے جی فرض کر لو اس پہ رفع آ گیا ہے، یہ مرفوع ہے تقدیراً۔ تقدیراً کا معنیٰ تو بتلا دیا میں نے نا، کیا معنیٰ ہوتا ہے؟ فرض کر لو، تو یہ مرفوع ہے تقدیراً، فرض کر لو یہ کیا ہے؟ مرفوع۔ سوال یہ کیوں فرض کر لیں ہم، وجہ کیا ہے بھئی؟ بھئی وجہ یہ کہ اگر یہ فرض نہیں کرتے تو سارا مسئلہ خراب ہو جائے گا، کیونکہ یہ معرب ہے، اور معرب کسے کہتے تھے؟ جس کا آخر بدلتا ہے عوامل کے بدلنے سے، اور جَاءَ مُوْسٰی رَأَيْتُ مُوْسٰی مَرَرْتُ بِمُوْسٰی یہ تو بدل ہی نہیں رہا، تو اس کو تو کیا کہنا پڑے گا؟ مبنی کہنا پڑے گا، اور مبنی کوئی خود بخود ہوتا ہے یا مبنی الاصل کے ساتھ مشابہت ضروری ہے؟ مبنی الاصل کے ساتھ مشابہت ضروری ہے، بغیر ویسی وجہ کے کوئی مبنی نہیں بنتا۔ تو اب جَاءَ مُوْسٰی رَأَيْتُ مُوْسٰی مَرَرْتُ بِمُوْسٰی اس کا آخر نہیں بدل رہا اور یہ مبنی بھی نہیں ہے، معلوم ہوا یہ کیا ہے؟ معرب ہے، اور معرب تو کس کو کہتے ہیں جس کا آخر بدلتا ہے، اور اس کا آخر تو نہیں بدل رہا، یہ تو معرب سے خارج ہو رہا ہے اور مبنی میں بھی نہیں داخل ہو رہا۔ بات سمجھ میں آ رہی ہے؟ تو ہم اس کو معرب میں برقرار رکھنا چاہتے ہیں، اگر یہ معرب بھی نہ ہو مبنی بھی نہ ہو پھر تو کوئی تیسری قسم بنے گا اور تیسری قسم کوئی ہے؟ نہیں، اسم کی تو دو ہی قسمیں ہیں، یا معرب ہے یا مبنی۔ تو لہٰذا ہم اس کو معرب ہی رکھنا چاہتے ہیں، یہ معرب ہی ہونا چاہیے، تو ہم یوں کہتے ہیں بھئی اس کا آخر بدل رہا ہے، آپ کہیں گے نہیں بدل رہا، ہم کہیں گے فرض کر لو بدل رہا ہے۔ جَاءَ مُوْسٰی فرض

کر لو کیا آگیا؟ رفع، رَأَیْتُ مُوْسٰی فرض کر لو کیا آگیا؟ نصب، مَرَرْتُ بِمُوْسٰی فرض کر لو کیا آگیا؟ جر آگیا۔ بدل رہا ہے آخر یا نہیں بدل رہا؟ فرض کر لیا ہے بدل رہا ہے، اور جب بدل رہا ہے تو معرب کے اندر داخل ہے کیونکہ معرب بھی اس کو کہتے ہیں جس کا آخر بدلتا ہو عوامل کے بدلنے سے۔ بات سمجھ میں آگئی اچھی طرح؟

اچھا جی اب ہم شروع کرتے ہیں ترکیب بھئی۔ ہاں مبتدا کی ایک آسان تعریف یاد رکھو۔ مبتدا اور خبر، طلبہ بڑے پریشان ہوتے ہیں مبتدا کسے کہتے ہیں خبر کسے کہتے ہیں بھئی۔ آسان لفظوں میں جو آپ کو ان شاء اللہ کبھی نہیں بھولے گا۔ مبتدا اسے کہتے ہیں جس کے بارے میں بات کی جائے۔ وہ چیز جس کے بارے میں بات کی جائے اسے کیا کہتے ہیں؟ مبتدا، اور جو بات کی جائے اس کو خبر کہتے ہیں۔ جس کے بارے میں بات کی جائے وہ ہے مبتدا، اور جو بات کی جائے وہ ہے خبر۔ زَیْدٌ عَالِمٌ، کس کے بارے میں میں نے بات کی؟ زید کے بارے میں، تو زید کیا ہوا؟ مبتدا، اور کیا بات کی؟ کہ وہ عالم ہے، تو عَالِمٌ کیا ہے؟ خبر ہے۔ طریقہ سمجھ میں آیا؟ آپ اپنی باتوں پر غور کر لیں، آپ جب بھی کوئی بات کرتے ہیں کسی کے بارے میں کوئی بات کرتے ہیں، تو جس کے بارے میں کریں وہ کیا ہے؟ مبتدا، اور جو بات کریں وہ کیا ہے؟ خبر۔ طریقہ سمجھ میں آگیا؟ زَیْدٌ قَائِمٌ، کس کے بارے میں بات کی؟ زید کے بارے میں، تو وہ کیا ہے؟ مبتدا، اور کیا بات کی؟ کہ وہ کھڑا ہے، تو یہ کیا ہے؟ خبر ہے۔

اور دوسری بات یہ یاد رکھنا: یاد رکھو مبتدا بھی مرفوع ہوتا ہے اور خبر بھی مرفوع ہوتی ہے۔ توجہ ہے؟ مبتدا بھی مرفوع ہوتا ہے، خبر بھی مرفوع ہوتی ہے۔ جب بھی کسی لفظ کے بارے میں آپ کو پتہ چل جائے کہ یہ مبتدا ہے، چاہے آپ نے خود غور کیا، چاہے آپ کو حاشیے میں کوئی لفظ مل گیا، یا چاہے کسی دوسرے نے بتا دیا کہ یہ کیا ہے؟ مبتدا، تو ساتھ ہی ایک اور بات آپ کو خود بخود پتہ چل گئی: اس پر کون سا اعراب پڑھنا ہے؟ رفع۔ توجہ ہے؟ جیسے ہی آپ کو پتہ چلا یہ مبتدا ہے ساتھ ہی کیا پتہ چل گیا؟ اس پر ہم نے رفع پڑھنا ہے۔ توجہ ہے؟ پھر دہراؤ: جیسے ہی کسی لفظ کے بارے میں پتہ چلے کہ یہ کیا ہے؟ مبتدا ہے تو ساتھ ہی پتہ چل گیا کہ اس پر کیا پڑھنا ہے؟ رفع پڑھنا ہے۔ ہاں پھر غور کرنا کہ وہ رفع اس پر لفظاً آئے گا، تقدیراً آئے گا یا محلاً۔ اس لفظ میں غور کرنا، یہ مبنی ہے؟ اگر مبنی نہیں تو معلوم ہوا کیا ہے؟ معرب ہے، جب معرب ہے تو اعراب کیسے آئے گا؟ لفظاً یا تقدیراً، وہ سولہ قسموں میں غور کر لینا، اور اگر مبنی ہے تو اعراب کیسے آئے گا؟ محلاً۔ اسی طرح خبر بھی مرفوع ہوتی ہے۔ جب بھی آپ کو یہ پتہ چل جائے کسی لفظ کے بارے میں کہ یہ خبر ہے، ساتھ ہی ایک اور بات کا بھی فوراً پتہ چل گیا کہ کیا اس پر کیا پڑھنا ہے؟ رفع پڑھنا ہے۔ مبتدا پر بھی رفع، خبر پر بھی رفع۔ بات سمجھ میں آگئی اچھی طرح؟

اب ترکیب شروع کیجیے بھئی۔ لکھیے بھئی جملہ: اَللّٰهُ أَحَدٌ۔ یہ پورا جملہ ہے بھئی، پورا جملہ ہے اور اس کا پہلا جز اسم ہے۔ پہلا جز اسم ہے، معلوم ہوا یہ کون سا جملہ ہے؟ جملہ اسمیہ ہے۔ اَللّٰهُ أَحَدٌ، کیا معنیٰ؟ اللہ ایک ہے، اللہ یکتا ہے۔ أَحَدٌ ایسا

ایک جس کا دوسرا کوئی نہ ہو۔ وَاحِدٌ کے بعد تو اِثْنَانِ دو آجاتا ہے لیکن أَحَدٌ ایسا ایک جس کا کوئی دوسرا نہ ہو بھئی۔ تو اَللّٰهُ أَحَدٌ، کیا ترجمہ؟ اللہ ایک ہے، کس کے بارے میں بات کی؟ اللہ تعالیٰ کی ذات کے بارے میں، اور کیا بات کی؟ ایک ہے۔

جی ترکیب کیجیے بھئی۔ جی آپ شروع کیجیے ترکیب بھئی۔ لفظِ اللہ بتدا۔ یوں کہو: لفظِ اللہ سب سے پہلے یہ لفظِ اللہ اور پھر اس کے بعد اعراب بتاؤ۔ جی اعراب۔ لفظِ اللہ... پھر بولو: لفظِ اللہ... ہاں اعراب پہلے بولو۔ ہاں مرفوع، کون سا مرفوع؟ مرفوع تو تین قسم پر ہوتا ہے: لفظاً، تقدیراً اور محلاً۔ لفظاً ہے شاباش، مرفوع انہوں نے کہا: لفظِ اللہ مرفوع لفظاً بتدا۔ آپ نے تین باتیں کیں: مرفوع، لفظاً، بتدا، ہر ایک کی وجہ آپ کو بتانی پڑے گی۔ مرفوع کیوں؟ یہ بتاؤ۔ بھئی رفع کیوں مرفوع کیوں پڑھا آپ نے؟ نصب یا جر کیوں نہیں پڑھا؟ آپ بتائیے بھئی۔ کیونکہ یہ بتدا ہے، اور بتدا ہمیشہ کیا ہوتا ہے؟ مرفوع، تو جی تو یہ مرفوع اور کون سا مرفوع؟ لفظاً۔ اچھا آپ نے کہا یہ مرفوع لفظاً ہے، لفظاً کیوں کہا؟ جو میں نے بات کی اس طرح دہراؤ کہ اس کے رفع پر ہم تلفظ کر رہے ہیں۔ تلفظ کر کے دکھاؤ اس کے رفع پر: اَللّٰهُ۔ اس کے نصب پہ ذرا تلفظ کر کے دکھاؤ: اَللّٰهَ۔ جی اس کے جر پہ تلفظ کر کے دکھاؤ: اَللّٰهِ۔ معلوم ہوا لفظِ اللہ پر تینوں طرح کے اعراب لفظاً آتے ہیں، رفع بھی لفظاً، کیا معنیٰ اس پر ہم تلفظ کرتے ہیں، نصب بھی لفظاً، جر بھی لفظاً۔ بات سمجھ میں آگئی؟

تو جب بھی کوئی لفظ آئے سب سے پہلے یہ دیکھو کہ یہ معرب ہے یا مبنی، معرفہ ہے یا نکرہ۔ بتائیے لفظِ اللہ معرفہ ہے یا نکرہ؟ لفظِ اللہ عَلَمْ ہے، نام ہے اللہ تعالیٰ کی ذات کا، یہ معرفہ ہے، بلکہ یہ أَعْرَفُ الْمَعَارِفِ ہے، تمام معرفوں سے زیادہ تعریف اس کے اندر ہے۔ امام سیبویہ رحمہ اللہ وہ فرماتے تھے کہ لفظِ اللہ أَعْرَفُ الْمَعَارِفِ ہے، سب سے زیادہ تعریف لفظِ اللہ کے اندر ہے۔ وفات کے بعد کسی نے ان کو خواب میں دیکھا تو پوچھا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے ساتھ کیا معاملہ فرمایا؟ کہا اللہ تعالیٰ نے میری مغفرت فرما دی۔ پوچھا کس وجہ سے؟ کہا اس وجہ سے کہ میں اس بات کا قائل تھا کہ لفظِ اللہ أَعْرَفُ الْمَعَارِفِ ہے، تمام معرفوں سے زیادہ تعریف اس میں ہے۔ معرفہ اس کو کہتے ہیں جس کی انسان کو پہچان ہو بھئی، نکرہ وہ ہے جس کی پہچان نہ ہو۔ آپ کا ایک ساتھی ہے زید، میں نے جیسے ہی زید کہا آپ کے ذہن میں زید کی صورت آگئی فوراً، آپ پہچان گئے کہ میں کس کی بات کر رہا ہوں؟ زید کی۔ دیکھا؟ یہ ہے معرفہ وہ ہے جس کی انسان کو پہچان ہو۔ اور میں نے کہا رَجُلٌ، کوئی خاص آدمی آپ کے ذہن میں آیا؟ نہیں، معلوم ہوا یہ نکرہ ہے۔ تو معرفہ وہ ہے جو متعین ذات پر دلالت کرے، اور نکرہ وہ ہے جو ذاتِ غیرِ معین پر دلالت کرے۔ آپ کا ایک ساتھی ہے عبداللہ، میں نے جیسے ہی عبداللہ کہا آپ کی فوراً پہچان گئے، آپ کے ذہن میں اس کی صورت آگئی، معلوم ہوا عبداللہ کیا ہے؟ معرفہ ہے بھئی۔

تو لفظِ اللہ کیا ہے؟ أَعْرَفُ الْمَعَارِفِ، اور بتدا میں بھی اصل کیا ہے وہ کیا ہونا چاہیے؟ معرفہ ہونا چاہیے۔ تو لفظِ اللہ معرفہ ہے، اور معرفہ کی سات قسموں میں سے یہ کون سی قسم ہے؟ عَلَمْ ہے، نام ہے اللہ تعالیٰ کی ذات کا۔ اور تو یہ مرفوع ہے،

مرفوع ہے، مبتدا ہے۔ یاد رکھو آپ کے پاس جب دو لفظوں سے جملہ بن رہا ہو، کتنے لفظ ہیں آپ کے پاس؟ دو: ایک اَللّٰہُ اور ایک أَحَدٌ۔ اور ایک ان میں سے معرفہ ہے اور دوسرا نکرہ ہے، تو معرفہ کو کیا بناؤ؟ مبتدا، اور نکرہ کو کیا بناؤ؟ خبر بناؤ، جب دو لفظوں سے جملہ پورا ہو رہا ہو اور ان میں سے ایک معرفہ ہو اور ایک نکرہ تو معرفہ کو کیا بناؤ؟ مبتدا، اور نکرہ کو کیا بناؤ؟ خبر بناؤ۔ جی تو اَللّٰہُ: لفظِ اللہ مرفوع لفظاً مبتدا۔ پھر دہراؤ: لفظِ اللہ مرفوع لفظاً مبتدا۔ مرفوع کیوں؟ کیونکہ مبتدا ہے۔ لفظاً کیوں؟ اس کے رفع پر ہم تلفظ کر رہے ہیں، کر کے دکھاؤ: اَللّٰہُ۔ اس کے نصب پر کرو تلفظ: اَللّٰہَ۔ جر پہ تلفظ کرو: اَللّٰہِ۔ اس سے ایک اور بات بھی پتہ چل گئی کہ لفظِ اللہ پر تینوں طرح کے اعراب لفظاً آتے ہیں، لہٰذا جہاں کہیں عبارت میں لفظِ اللہ آئے تو آپ نے اس پر باقاعدہ اعراب کا تلفظ کرنا ہے، جو اعراب ہو گا وہ تلفظ کرنا ہے: رفع والا ہو تو رفع کا تلفظ کرو، نصب والا ہو تو نصب کا تلفظ کرو، جر والا ہو تو جر کا۔

آگے بھئی أَحَدٌ۔ جی ترکیب کیجیے بھئی۔ أَحَدٌ خبر، لفظِ اللہ کی خبر۔ أَحَدٌ پر اعراب کے ساتھ اس کو تلفظ کرو۔ یہ تو آپ کو پتہ چل گیا یہ خبر ہے، اور جیسے ہی آپ کو پتہ چلا یہ خبر ہے ساتھ ہی ایک اور بات بھی سمجھ میں آ گئی، کیا؟ مرفوع ہے، تو رفع کا تلفظ کرو اس پر: أَحَدٌ، أَحَدٌ، أَحَدٌ، تنوین آئے گی، تنوین آئے گی اگر الف لام ہوتا تو پھر تنوین نہ آتی: اَلْأَحَدُ، اور اگر مضاف ہوتا آگے مضاف الیہ آ رہا ہوتا پھر بھی تنوین نہ آتی، تو ویسے یہ تنوین آئے گی۔ تو أَحَدٌ بولو بھئی کیسے پڑھیں گے اس کو؟ ترکیب میں کیسے بتائیں گے؟ أَحَدٌ مرفوع لفظاً خبر۔ مرفوع لفظاً خبر۔ اچھا اب بتاؤ: مرفوع کیوں؟ خبر ہے، خبر کیا ہوتی ہے؟ مرفوع۔ لفظاً کیوں؟ پھر کہہ رہے ہو اس پر ہم تلفظ، نہیں نہیں یوں نہیں کہنا، اس کے رفع پر یا اس کے اعراب پر ہم کیا کر رہے ہیں؟ تلفظ کر کے دکھاؤ: أَحَدٌ۔ تو اس کے رفع پر تلفظ کریں: أَحَدٌ، اس کے نصب پر تلفظ کریں: أَحَداً، جر پر تلفظ کریں: أَحَدٍ۔ اس سے ایک اور بات پتہ چل گئی کہ یہ جو أَحَدٌ کا لفظ ہے اس پر تینوں طرح کے اعراب لفظاً آتے ہیں۔ بات سمجھ میں آ گئی؟ تو آپ نے کیا کہا: أَحَدٌ مرفوع لفظاً خبر۔ مرفوع کیوں؟ خبر ہے۔ لفظاً کیوں؟ اس کے رفع پر ہم تلفظ کر رہے ہیں۔ اور خبر، آپ کو کیسے پتہ چلا یہ خبر ہے؟ کیونکہ مبتدا کے بعد ایک ہی لفظ ہے اسی نے خبر بننا ہے۔ اب روانی سے پڑھو اس کو پورے جملے کو، ایک ایک لفظ کا اعراب آپ نے نکال لیا یا نہیں؟ اب اس کو روانی سے پڑھ دو: اَللّٰہُ أَحَدٌ۔ شاباش، اَللّٰہُ أَحَدٌ۔ جی ترجمہ کیجیے: اللہ ایک ہے، اللہ یکتا ہے۔ تو مبتدا اپنی خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔ توجہ ہے؟ مبتدا اپنی خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔

تو جملہ اسمیہ میں میں نے آپ کو بتایا تھا کتنی چیزیں ہوتی ہیں؟ دو چیزیں، کون کون سی؟ مبتدا اور خبر۔ یہاں تو لفظ ہی دو ہیں، کبھی لفظ زیادہ ہوتے ہیں لیکن وہ آپس میں جڑ جڑ کر دو ہی چیزیں بن جاتے ہیں: ایک مبتدا اور ایک خبر۔ مبتدا کس کو کہتے ہیں؟ جس کے بارے میں بات کی جائے، اور خبر کسے کہتے ہیں؟ جو بات کی جائے۔

اگلا جملہ لکھیے: هٰذَا عَالِمٌ۔ چلیے بھئی اب آپ ترکیب کیجیے۔ هٰذَا مبتدا۔ اعراب بھئی، پہلے ہم اعراب حل کر رہے ہیں عبارت کا۔ هٰذَا مرفوع... کون سا؟ لفظاً؟ مرفوع، شاباش، هٰذَا مرفوع لفظاً مبتدا۔ آپ نے تین باتیں کیں: مرفوع، لفظاً، مبتدا، ہر ایک کی وجہ آپ کو بتانی پڑے گی۔ مرفوع کیوں؟ منصوب یا مجرور کیوں نہیں کہا؟ شاباش کیونکہ یہ مبتدا ہے، یہ کیا ہے؟ مبتدا ہے۔ اور آپ نے کہا لفظاً، مرفوع لفظاً، لفظاً کیوں کہا آپ نے؟ کیونکہ اس کے اعراب پر تلفظ کر رہے ہیں، ہاں کیونکہ اس کے رفع پر ہم تلفظ کر رہے ہیں، تلفظ کر کے دکھاؤ: هٰذَا۔ جر کا تلفظ کرو: هٰذِهِ؟ وہ تو هٰذِهِ تو مؤنث والا اسمِ اشارہ بن جائے گا۔ جب بھی کوئی اسم آئے سب سے پہلے یہ دیکھو یہ معرب ہے یا مبنی، پھر معرفہ ہے یا نکرہ۔ جی مجھے بتائیے یہ معرب ہے یا مبنی ہے؟ مبنی کی آٹھ قسمیں دیکھو ان میں سے کوئی نہیں ہے یہ؟ یہ مبنی ہے، کیا ہے یہ؟ مبنی۔ کون سی قسم ہے؟ اسمِ اشارہ ہے بھئی مبنی ہے۔ اور جب مبنی ہے تو اس کا اعراب کیسے ہو گا؟ محلاً ہو گا، تو کیسے پڑھیں گے؟ هٰذَا مرفوع محلاً مبتدا۔ جَاءَ هٰذَا، رَأَيْتُ هٰذَا، مَرَرْتُ بِهٰذَا، دیکھو نہیں بدل رہا، یہ اسمِ اشارہ ہے۔ مبنیات کی آٹھ قسمیں تو ہیں، یہ تین قسمیں تو مبنیات کی ہر جگہ ہر وقت آپ کے ذہن میں ہوں: اسمِ اشارہ، اسمِ موصول اور ضمیریں۔ اسمائے اشارہ، اسمائے موصولہ اور ضمیریں، یہ تو جہاں آجائیں، اسمِ اشارہ آجائے فوراً سمجھ جائیں اعراب محلاً آئے گا، اسمِ موصول آجائے فوراً سمجھ جائیں اعراب محلاً آئے گا، اور ضمیریں آجائیں تو اعراب محلاً آئے گا۔ یہ تو مبنیات ہیں، ان میں سب سے زیادہ یہ تین استعمال ہوتے ہیں۔ تو پھر بولو: هٰذَا مرفوع محلاً مبتدا۔ اچھا آپ نے کہا مبتدا، آپ کو کیسے پتہ چلا یہ مبتدا ہے؟ میں نے کہا تھا جب دو لفظوں سے جملہ پورا ہو رہا ہو، یہاں پورا ہو رہا ہے کہ نہیں؟ اور دونوں میں سے ایک معرفہ ہو اور ایک نکرہ تو مبتدا کس کو بناؤ؟ معرفہ کو، اور هٰذَا اسمِ اشارہ معرفہ کی اقسام میں سے ہے کہ نہیں ہے؟ معرفہ کی اقسام میں سے ہے تو یہ کیا بنے گا؟ مبتدا، اور آگے جو عَالِمٌ آیا، عَالِمٌ معرفہ ہے یا نکرہ؟ نکرہ، غور کر لو، ضمیر ہے عَالِمٌ؟ نہیں، اسمِ اشارہ ہے؟ نہیں، اسمِ موصول ہے؟ نہیں، کسی کا نام ہے؟ نہیں، معرفہ بنداہے؟ نہیں، بلکہ معرفہ بنداکو تو اب میں ذکر ہی نہیں کروں گا بات سمجھ میں آگئی وہ یہاں اس بحث سے خارج ہے، یہ مبتدا خبر کی بات چل رہی ہے۔ اور یہ معرف باللام ہے، اس پر الف لام ہے عَالِمٌ پر؟ نہیں۔ اچھا یہ ان میں سے باقیوں میں سے کسی کی طرف مضاف ہو رہا ہے، آگے کوئی مضاف الیہ ہے؟ نہیں، معلوم ہوا یہ کیا ہے؟ نکرہ۔ تو هٰذَا ہوا معرفہ اور عَالِمٌ ہوا نکرہ، اور ان دونوں سے جملہ پورا ہے، بات پوری ہے کہ نہیں؟ بات جب پوری ہو تو سمجھ جاؤ جملہ پورا ہے۔ هٰذَا عَالِمٌ کا کیا معنیٰ؟ یہ عالم ہے، دیکھو بات پوری ہے۔ تو اس میں ایک معرفہ لفظ ہے ایک نکرہ ہے، تو معرفہ کو کیا بناؤ؟ مبتدا، اور نکرہ کو کیا بناؤ؟ خبر۔ جی اب بولیے: هٰذَا مرفوع محلاً مبتدا۔ مرفوع کیوں؟ مبتدا ہے، مرفوع کیوں؟ مبتدا ہے۔ اور محلاً کیوں؟ مبنی ہے، جی تو مرفوع محلاً مبتدا۔ آگے کیجیے ترکیب بھئی عَالِمٌ۔ شاباش، عَالِمٌ مرفوع محلاً خبر۔ شاباش عَالِمٌ مرفوع محلاً خبر، اب تین لفظ آپ نے بولے: مرفوع، محلاً، خبر، ان تینوں کی وجہ بیان کرنا پڑے گی۔ مرفوع کیوں؟ خبر ہے، خبر کیا ہوتی ہے؟ مرفوع، جب ایک لفظ کے بارے میں آپ کو پتہ چل جائے کہ یہ خبر ہے تو سمجھ جاؤ اس پر کیا پڑھنا ہے؟ رفع، کیا

پڑھنا ہے؟ رفع، نصب بھی نہیں پڑھنا، جر بھی نہیں پڑھنا، ہاں رفع پھر غور کرنا ہے کہ یہ مبنی ہے تو رفع کیسا آئے گا؟ محلاً، اور اگر یہ معرب ہے تو رفع کیسا آئے گا؟ لفظاً یا تقدیراً آئے گا۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو عَالِمٌ مرفوع محلاً خبر، مرفوع کیوں؟ خبر ہے۔ محلاً کیوں ہے؟ پریشان نہیں ہونا، ایک دو دن میں آپ بہترین ترکیب کریں گے، شروع میں غلطیاں ہوں وہ بہترین ہے اس سے زیادہ اچھی اصلاح ہوتی ہے تو اس پہ پریشان نہیں ہونا۔ جی مرفوع محلاً کیوں؟ آپ بتائیے: کیونکہ یہ مبنی ہے۔ مبنی ہے شاباش، مبنی کی کون سی قسم ہے یہ؟ جی کون سی قسم ہے مبنی کی؟ اسمِ اشارہ ہے؟ اسمِ موصول ہے؟ ضمیر ہے؟ مرکبات میں سے ہے، مرکبِ بنائی ہے؟ یہ تو مرکب ہے ہی نہیں، عَالِمٌ اکیلا لفظ ہے۔ اچھا اصوات میں سے ہے، کسی چیز کی آواز ہے یہ؟ نہیں۔ اچھا ظرف ہے یہ؟ نہیں۔ اچھا پھر اسمِ فعل ہے؟ اسمائے فعل میں سے نہیں ہے یہ تو اسمِ فاعل کا صیغہ ہے۔ اور کنایات کَمْ اور کَذَا میں سے بھی یہ نہیں، معلوم ہوا یہ تو مبنی ہے ہی نہیں، بولو جب مبنی نہیں ہے تو ظاہر سی بات ہے معرب ہوگا اور معرب کا اعراب کیسے آتا ہے؟ لفظاً یا تقدیراً۔ عَالِمٌ پر رفع کا تلفظ کرو بھئی: عَالِمٌ، واضح پڑھو: عَالِمٌ، نصب: عَالِماً، جر: عَالِمٍ۔ عَالِمٌ، عَالِماً، عَالِمٍ، تلفظ کر رہے ہو یا نہیں؟ تو پھر مرفوع محلاً کیوں کہتے ہو؟ بولو جلدی کرو کون سا مرفوع ہے؟ پھر سوچ میں ڈوب گئے! لفظاً ہے، تلفظ کر رہے ہو۔ عَالِمٌ کیا پڑھا میں نے؟ رفع، عَالِماً کیا پڑھا میں نے؟ نصب، عَالِمٍ کیا پڑھا؟ جر، دیکھا تلفظ سے ہی آپ کو پتہ چل رہا ہے تو یہ مرفوع ہے لفظاً۔ تو مرفوع لفظاً خبر، مرفوع لفظاً خبر۔ جی جوڑو اب پورا جملہ بناؤ۔ مبتدا اپنی خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔ ایک ایک لفظ کا اعراب نکال لیا یا نہیں؟ اب جملے کو روانی سے پڑھ دو: هٰذَا عَالِمٌ۔ ترجمہ کیجیے: یہ عالم ہے، شاباش، یہ عالم ہے، بات سمجھ میں آگئی۔

ایک اور ترکیب کر لیجیے: هُوَ رَجُلٌ۔ جی ترکیب کیجیے بھئی۔ هُوَ مبتدا۔ اعراب، ہم اعراب حل کر رہے ہیں پہلے اعراب چاہیے۔ اعراب کتنی قسم پر ہے؟ رفع، نصب، جر۔ مرفوع ہے شاباش، کون سا مرفوع ہے؟ مرفوع لفظاً شاباش، مرفوع لفظاً مبتدا۔ اچھا بھئی بتائیے بھئی مرفوع کیوں؟ مرفوع کیوں؟ جو میں پوچھوں اسی کا جواب۔ مرفوع کیوں کہا؟ منصوب یا مجرور کیوں نہیں کہا؟ کیونکہ یہ ضمیر ہے... تو ضمیر مرفوع ہوتی ہے ہمیشہ؟ مرفوع کیوں؟ جی: مبتدا ہے۔ مرفوع کیوں؟ مبتدا ہے۔ اور لفظاً کیوں؟ اس کے اعراب پر تلفظ کر رہے ہیں، شاباش لفظاً اس لیے کیونکہ ہم اس کے اعراب پر کیا کر رہے ہیں؟ تلفظ۔ کر کے دکھاؤ رفع پر تلفظ: هُوَ، نصب پہ تلفظ کرو... میں نے بتایا جو اسم آئے سب سے پہلے یہ دیکھو یہ معرب ہے یا مبنی۔ جی معرب ہے مبنی ہے هُوَ؟ مبنی۔ تو پھر لفظاً کیوں کہا؟ محلاً ہے شاباش، یہ ضمیر ہے اس پر رفع بھی محلاً آئے گا، نصب بھی محلاً، جر بھی محلاً کیونکہ یہ مبنی ہے۔ اور هُوَ، واو پر زبر ہے یہ اس کی حرکت ہے، یہ اعراب نہیں ہے یہ اسی طرح رہے گی ہر جگہ، تو یہ ہر جگہ اسی طرح رہے گی، تو یہ حرکت ہے اعراب نہیں۔ هٰؤُلَاءِ اس میں ہمزہ کے نیچے زیر تھی یا نہیں؟ وہ جر تھا یا وہ اس کی حرکت تھی؟ حرکت تھی کیونکہ مبنی ہے، مبنی کے آخر میں جو کچھ ہو وہ اس کی حرکت ہوتی ہے اعراب نہیں، کیونکہ مبنی تو اعراب کو جگہ ہی نہیں دیتا بھئی، مبنی کو مبنی کہتے ہی اسی لیے ہیں کہ وہ اعراب کو جگہ نہیں دیتا۔

جی کیجیے ترکیب: هُوَ بتدا... پھر اعراب، پہلے اعراب حل کیا کرو بھئی، بتدا سب سے آخر میں بولو پہلے کیا بولو: مرفوع محلاً بتدا، شاباش مرفوع محلاً بتدا۔ مرفوع کیوں؟ بتدا ہے، محلاً کیوں؟ مبنی ہے شاباش۔ آگے، پھر آپ نے کہا بتدا ہے، آپ کو کیسے پتہ چلا یہ بتدا ہے؟ ہاں دو لفظ ہیں، شاباش هُوَ معرفہ ہے ضمیر ہے معرفہ کی ان سات قسموں میں سے پہلی قسم کیا تھی؟ ضمیریں، تو یہ معرفہ ہے اور آگے کیا ہے رَجُلٌ وہ کیا ہے؟ نکرہ، تو دو لفظوں سے جملہ پورا ہو رہا ہے اور ایک معرفہ ہے ایک نکرہ ہے تو معرفہ کو کیا بنائیں گے؟ بتدا، اور دوسرے کو کیا بنائیں گے؟ خبر بنائیں گے، شاباش۔ تو هُوَ مرفوع محلاً بتدا، آگے: رَجُلٌ۔ ہاں شاباش اعراب کے ساتھ پڑھو، پھر پڑھو: رَجُلٌ، اعراب بولو: مرفوع محلاً خبر۔ شاباش رَجُلٌ مرفوع محلاً خبر۔ مرفوع کیوں؟ مرفوع کیوں؟ خبر ہے، بتدا بھی مرفوع ہوتا ہے اور خبر بھی۔ جب کسی لفظ کے بارے میں پتہ چل جائے بتدا ہے، ساتھ ہی پتہ چل جاتا ہے اس پر کیا پڑھنا ہے؟ رفع۔ جب بھی کسی لفظ کے بارے میں پتہ چل جائے یہ خبر ہے، ساتھ ہی کیا پتہ چل گیا اس پر کیا پڑھنا ہے؟ رفع، تو مرفوع ہے۔ محلاً کیوں کہا بھئی؟ محلاً اعراب کس پر آتا ہے؟ مبنی پر، کس پر؟ مبنی پر آتا ہے۔ یہ مبنی کی کون سی قسم ہے؟ یہ ضمیر ہے؟ اسمِ اشارہ ہے؟ اسمِ موصول ہے؟ بولو بھئی کون سی، ضمیر ہے یہ؟ رَجُلٌ، رَجُلٌ پر ذرا رفع کا تلفظ کرو بھئی: رَجُلٌ، رفع کا، رفع کا، رَجُلٌ۔ نصب کا تلفظ کرو: رَجُلاً۔ جر کا کرو: رَجُلٍ۔ تلفظ بھی کر رہے ہو اور محلاً بھی کہہ رہے ہو؟ یہ معرب ہے، ہاں شاباش اس پر تلفظ کر کے دیکھ لیا کرو جلدی سے، تو رَجُلٌ مرفوع لفظاً خبر، مرفوع لفظاً خبر۔ مرفوع کیوں؟ خبر ہے، لفظاً کیوں؟ اس کے رفع پر ہم تلفظ کر رہے ہیں، کر کے دکھاؤ رفع پر تلفظ: رَجُلٌ، نصب پر تلفظ کرو: رَجُلاً، جر پہ: رَجُلٍ، شاباش، اور مرفوع لفظاً خبر۔ اب جملے کو جوڑو بھئی: هُوَ رَجُلٌ، نہیں پہلے ترکیب پوری کرو: بتدا اپنی خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔ روانی سے پڑھو: هُوَ رَجُلٌ، ایک ایک لفظ کا اعراب پتہ چل گیا: هُوَ رَجُلٌ، ترجمہ کرو: وہ ایک آدمی ہے، ہاں وہ ایک آدمی ہے، وہ مرد ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟

تو یہ کل پھر ذرا خوب اس کو دہرا کر آئیں بھئی ان باتوں کو، ان شاء اللہ تعالیٰ ایک دو دن میں ہی آپ کے لیے یہ آسان ہو جائے گا کہ کس طرح ترکیب کرنی ہے۔ ہم نے جملہ اسمیہ کی ترکیب کی۔ جملہ اسمیہ میں دو چیزیں ہوتی ہیں: ایک بتدا اور ایک خبر۔ بتدا بھی کیا ہوتا ہے؟ مرفوع، خبر بھی مرفوع۔ جیسے ہی کسی لفظ کے بارے میں کوئی آپ کو بتائے یہ بتدا ہے ساتھ ہی کیا پتہ چل گیا اس پر کیا پڑھنا ہے؟ رفع پڑھنا ہے۔ اور جیسے ہی کوئی بتائے یہ خبر ہے فوراً پتہ چل گیا کیا پڑھنا ہے؟ رفع پڑھنا ہے۔ پھر آپ نے غور کرنا ہے یہ مبنی ہے یا معرب۔ مبنی کی وہ سات آٹھ قسموں میں سے ہر ایک دیکھ لو یہ ان میں سے ہے یا نہیں۔ مبنی کی بھی یاد رکھو: اس میں ضمیریں، اسمائے اشارہ، اسمائے موصولہ، یہی تین زیادہ تر استعمال ہوتے ہیں اور ابھی ابتدا میں یہی زیادہ استعمال ہوں گے، آگے چل کے اور ظروف وغیرہ بھی زیادہ آجائیں گے لیکن بہرحال یہ زیادہ ہیں۔ تو کہ معرب ہے یا مبنی؟ جیسے ہی پتہ چلے یہ مبنی ہے، ضمیر ہے، یہ اسمِ اشارہ ہے، یہ اسمِ موصول ہے، تو اعراب کیسے ہوگا؟ محلاً۔ اور اگر یہ نہ ہو تو پھر اعراب لفظاً یا تقدیراً، وہ سولہ قسمیں آپ کو آنی چاہئیں۔ اور میں نے بتایا آسان لفظوں میں بتدا کسے کہتے

ہیں؟ جس کے بارے میں بات کی جائے، اور جو بات کی جائے اسے کیا کہتے ہیں؟ خبر کہتے ہیں۔ صرف ایک ہفتے کی محنت کر لو آپ عبارت پڑھنا سیکھ جاؤ گے ان شاء اللہ بہترین بھئی۔ چیزیں سب آپ نے پڑھی ہوئی ہیں اب بس اجرا ہو رہا ہے اس کا، اجرا ہو رہا ہے۔ کوئی مشکل نہیں ہے آپ نے پریشان نہیں ہونا ذرا بھی۔ چلیے بس بھئی، ہٰذَا هُوَ الْمَرَامُ وَاللّٰهُ أَعْلَمُ بِحَقِيْقَةِ الْكَلَامِ۔

سبق نمبر ۳: تراکیبِ نحویہ (۲): بتدا و خبر کی اقسام اور جملہ اسمیہ کی مشق

تراکیبِ نحویہ (ابتدائی مشق) — بتاریخ: ۱۲ جون ۲۰۲۱ء

▪ تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث

گزشتہ سبق میں ہم نے جملہ اسمیہ کی ترکیب شروع کی تھی۔ میں نے آپ کو بتلایا تھا کہ ایک ہوتا ہے جملہ اسمیہ اور ایک ہوتا ہے جملہ فعلیہ۔ جملہ اسمیہ وہ ہے، وہ جملہ جس کا پہلا جز اسم ہو۔ جملہ فعلیہ جس کا پہلا جز فعل ہو۔ اور پھر جملہ اسمیہ کی ترکیب ہم نے شروع کی تھی۔ اور میں نے آپ کو بتایا کہ جملہ اسمیہ میں دو چیزیں ہوتی ہیں: ایک ہے بتدا اور ایک ہے خبر۔ آسان لفظوں میں بتدا اسے کہتے ہیں جس کے بارے میں بات کی جائے، اور جو بات کی جائے اس کو خبر کہتے ہیں۔ جس کے بارے میں بات کی جائے اسے بتدا، اور جو بات کی جائے اسے خبر کہتے ہیں۔ زَیْدٌ قَائِمٌ، میں نے کس کے بارے میں بات کی؟ زید کے بارے میں، تو زید ہے بتدا، اور کیا بات کی؟ کہ وہ کھڑا ہے، تو یہ قَائِمٌ ہے خبر۔ آپ اپنے کلام میں بھی غور کر لیں، آپ جب بھی بات کرتے ہیں کسی چیز کے بارے میں بات کرتے ہیں، ایک تو وہ چیز ہوتی ہے جس کے بارے میں بات کرتے ہیں اور ایک آگے جو بات آپ کرتے ہیں۔ تو جو بھی چیز جس کے بارے میں بات کی جائے وہ ہوتی ہے بتدا، اور جو بات کی جائے وہ ہوتی ہے خبر جملہ اسمیہ میں۔[1]

اور بتدا بھی مرفوع ہوتا ہے اور خبر بھی مرفوع۔ رفع، نصب، جر، آپ نے پڑھا یا نہیں؟ تو یاد رکھو یہ جو بتدا ہوتا ہے یہ ہمیشہ مرفوع ہوتا ہے۔ اسی طرح خبر ہمیشہ مرفوع ہوتی ہے۔ جیسے ہی ایک لفظ کے بارے میں آپ کو پتہ چل جائے کہ یہ

[1]

جدول — جملہ اسمیہ اور جملہ فعلیہ کے بنیادی ارکان و اعراب:

قسمِ جملہ	بنیادی ارکان	اعراب و مثال
جملہ اسمیہ	بتدا (مسند الیہ) + خبر (مسند)	دونوں مرفوع: زَیْدٌ قَائِمٌ
جملہ فعلیہ (معروف)	فعلِ تام + فاعل (+ مفعول بہ)	فاعل مرفوع، مفعول منصوب: ضَرَبَ زَیْدٌ عَمْرًا
جملہ فعلیہ (مجہول)	فعلِ مجہول + نائبِ فاعل	نائبِ فاعل مرفوع: ضُرِبَ زَیْدٌ

بتدا ہے، تو ساتھ ہی ایک اور بات فوراً پتہ چل گئی کہ اس پر کیا پڑھنا ہے؟ رفع پڑھنا ہے۔ توجہ ہے؟ اس پر رفع پڑھنا ہے۔ اور جیسے ہی کسی لفظ کے بارے میں آپ کو پتہ چلے کہ یہ خبر ہے، تو ساتھ ہی ایک اور بات کا بھی پتہ چل جاتا ہے کہ اس پر بھی رفع پڑھنا ہے۔ تو بتدا بھی کیا ہو گا؟ مرفوع، خبر بھی کیا ہو گی؟ مرفوع۔ دیکھو کچھ چیزیں ہیں جن سے اعراب کا پتہ چلتا ہے، کچھ چیزیں ہیں جن سے اعراب کا پتہ نہیں چلتا۔ میں کہوں ضمیر، کوئی اعراب کا پتہ نہیں چلتا کیونکہ ضمیر مرفوع بھی ہو سکتی ہے، منصوب بھی، مجرور بھی۔ میں کہوں اسمِ اشارہ، کچھ پتہ نہیں چل رہا اعراب کا کیونکہ اسمِ اشارہ مرفوع بھی ہو سکتا ہے، منصوب بھی اور مجرور بھی۔ اور اسی طرح میں کہوں مثلاً اسمِ موصول، تو کچھ پتہ نہیں چلے گا کہ یہ مرفوع ہے، منصوب ہے یا مجرور، کیونکہ اسمِ موصول پر رفع بھی آسکتا ہے، نصب بھی اور جر بھی آسکتا ہے۔ لیکن کچھ چیزیں ہیں جو نحو کی کتابوں میں وہ آپ کو بتلاتے ہیں کہ یہ ہیں مرفوعات، یہ ہیں منصوبات اور یہ ہیں مجرورات۔ ان میں سے جب کوئی چیز آ جائے تو اس کے ساتھ ہی اعراب کا بھی پتہ چل جاتا ہے۔

مثلاً میں نے آپ کو بتا دیا: بتدا بھی کیا ہوتا ہے؟ مرفوع، خبر بھی کیا ہوتی ہے؟ مرفوع۔ اب جیسے ہی ایک لفظ کے بارے میں آپ کو پتہ چلے یہ بتدا ہے، ساتھ ہی ایک اور بات بھی پتہ چل گئی کہ اس پر کیا پڑھنا ہے؟ رفع، چاہے وہ ضمیر ہو، چاہے وہ اسمِ اشارہ ہو، چاہے اسمِ موصول ہو، چاہے کسی کا نام ہو، کچھ بھی وہاں پر آرہا ہو جو بتدا ہے اس پر کیا پڑھیں گے؟ رفع پڑھیں گے۔ اور جو خبر ہو گی اس کی جگہ پر جو بھی لفظ آرہا ہے اس پر بھی کیا پڑھیں گے؟ رفع پڑھیں گے۔ بات سمجھ میں آ گئی؟ تو بتدا بھی مرفوع، خبر بھی مرفوع۔ تو جیسے ہی ایک لفظ کے بارے میں آپ کو پتہ چلے یہ بتدا ہے ساتھ ہی کیا پتہ چل جاتا ہے؟ کہ مرفوع ہے۔ جیسے ہی ایک لفظ کے بارے میں پتہ چلے یہ خبر ہے تو کیا پتہ چلتا ہے؟ یہ مرفوع ہے۔

اور پھر میں نے بتلایا تھا آپ کو کہ یہ رفع، نصب اور جر یہ تین تین قسم پر ہیں۔ یہ رفع، نصب یا جر جو بھی اعراب ہو وہ یا لفظاً ہو گا یا تقدیراً ہو گا یا محلاً ہو گا۔ بلکہ اس سے پہلے میں نے ایک اور بات بتائی تھی کہ بتدا میں اصل یہ ہے کہ وہ معرفہ ہو، بتدا ہمیشہ کیا ہوتا ہے؟ معرفہ ہوتا ہے، اور خبر نکرہ ہوتی ہے۔ ہاں کبھی کبھار بتدا نکرہ بھی آجاتا ہے لیکن وہ خاص جگہیں ہیں، خاص شرطیں ہیں، انہی کے ساتھ آئے گا۔ اور کبھی کبھار خبر بھی معرفہ آجاتی ہے۔ تو بتدا میں اصل کیا ہے اس کو کیا ہونا چاہیے؟ معرفہ، اور خبر میں اصل کیا ہے کہ وہ کیا ہو؟ نکرہ ہو۔ معرفہ اور نکرہ کی آپ کو پہچان ہونی چاہیے بھئی۔ تو معرفہ میں نے آپ کو گنوائے تھے کہ سات چیزیں ہیں۔

لیکن پہلے یہ سمجھ لیں کہ معرفہ کہتے کسے ہیں اور نکرہ کہتے کسے ہیں۔ معرفہ، معرفت سے ہے، معرفت کا کیا معنیٰ؟ پہچان، جس کی آپ کو پہچان ہو۔ متکلم اور جو مخاطب ہے، متکلم بات کرنے والا، مخاطب جو سامنے ہے جس سے بات کی جا رہی ہے، ان دونوں میں کوئی ایک چیز متعین ہے، متکلم جب اس کو ذکر کرتا ہے تو مخاطب سمجھ جاتا ہے کہ کس کی بات ہو رہی

ہے، تو اس کو کہیں گے معرفہ۔ اور اگر اس کو پتہ نہیں چلتا تو اس کو کیا کہیں گے؟ نکرہ۔ تو آسان لفظوں میں معرفہ وہ ہے جس کی آپ کو پہچان ہو، اور نکرہ وہ ہے جس کی آپ کو پہچان نہ ہو۔ میں آپ سے کہتا ہوں: جَاءَنِیْ رَجُلٌ أَمْسِ، کل میرے پاس ایک آدمی آیا تھا، جَاءَنِیْ رَجُلٌ أَمْسِ، أَمْسِ گزشتہ کل، کل میرے پاس ایک آدمی آیا تھا۔ جی آپ کو پتہ چلا کون آیا تھا؟ نہیں، آپ کو نہ اس کے نام کا پتہ، نہ اس کی شکل و صورت کا پتہ، نہ اس کے کپڑوں کا پتہ، نہ اور کسی چیز کا پتہ۔ تو یہ ہے نکرہ، اسی لیے میں نکرہ لایا: جَاءَنِیْ رَجُلٌ، رَجُلٌ، کیونکہ آپ کو اس آدمی کی پہچان نہیں ہے۔ ہاں اس کے بجائے مثلاً آپ کا ایک ساتھی ہے زید، میں جیسے ہی زید کہتا ہوں فوراً آپ کے ذہن میں ایک شخص کی صورت آگئی یا نہیں آگئی جس کو آپ پہچانتے ہیں، جو آپ کے ساتھ پڑھتا ہے؟ آپ اپنے کسی ساتھی کا نام لے کر دوسرے سے ذکر کرتے ہیں، دوسرے کے ذہن میں فوراً پہچان آجاتی ہے کہ اچھا یہ اس کی بات کر رہا ہے، اس کی بات کر رہا ہے۔ تو دیکھو معرفہ کس سے ہے؟ معرفت سے۔ معرفہ کسے کہیں گے؟ جس کی آپ کو پہچان ہو۔ اور اگر ایک چیز کو ذکر کیا جائے اور آپ کو اس کی پہچان نہ ہو تو سمجھ جائیں وہ نکرہ ہے۔ نکرہ ہے۔ اب بتدا میں اصل ہے معرفہ ہونا اور خبر میں اصل ہے نکرہ ہونا، تو آپ کو معرفہ نکرہ کی پہچان ہونی چاہیے۔

یہ بار بار میں تکرار کرواؤں گا آپ نے ان کو زبانی یاد کرنا ہے بھئی، ہر وقت آپ کے ذہن میں ہوں کہ معرفہ کون کون سے ہیں۔ تو وہ سات تھے: نمبر ایک تمام ضمیریں۔ نمبر دو عَلَمْ۔ نمبر تین اسمائے اشارہ۔ نمبر چار اسمائے موصولہ۔ نمبر پانچ معرفہ بندا۔ نمبر چھ معرفہ بالف لام۔ اور نمبر سات جو ان میں سے کسی کی طرف مضاف ہو علاوہ معرفہ بندا کے۔ معرفہ بندا ہماری بحث سے خارج ہے کیونکہ ہم بتدا خبر کی بحث کر رہے ہیں، لہٰذا اس کو بے شک بار بار ذکر بھی نہ کریں۔ تو اس کے ساتھ بنتے ہیں سات، اس کے بغیر کتنے بنتے ہیں؟ چھ۔ تو ساتویں قسم یہ ہے جو پانچ میں سے کسی ایک کی طرف مضاف ہو۔ ساتویں قسم کون سی پڑھی؟ ان میں سے، ان میں سے کتنے مراد ہیں؟ پانچ۔ ان پانچ میں سے کسی ایک کی طرف مضاف ہو، چھٹا تو معرفہ بندا تھا اس کو ہم نے نکال دیا۔ ان پانچ، یعنی ضمیر کی طرف کوئی اسم مضاف ہو جائے، یا عَلَمْ کی طرف مضاف ہو جائے، یا اسمِ اشارہ کی طرف مضاف ہو جائے، یا اسمِ موصول کی طرف مضاف ہو جائے، یا معرف باللام کی طرف کوئی اسم مضاف ہو جائے تو وہ بھی معرفہ بن جاتا ہے۔ غُلَامٌ نکرہ ہے، لیکن اس کی اضافت کر دو ہا ضمیر کی طرف: غُلَامُهُ، اب یہ کیا بن گیا؟ معرفہ، غُلَامُهُ اس کا غلام، زید کا غلام۔ دیکھا؟ جیسے ہی میں نے کہا زید کا غلام، آپ اس کو جانتے ہیں مثلاً زید کو بھی جانتے ہیں زید کے غلام کو بھی جانتے ہیں، تو جیسے ہی میں کہوں گا زید کا غلام آج آیا تھا آپ فوراً سمجھ گئے کہ کس کی بات ہو رہی ہے۔ تو کسی ضمیر کی طرف جو اسم مضاف ہو جائے وہ بھی کیا بنتا ہے؟ معرفہ۔ اسی طرح عَلَمْ کی طرف کوئی اسم مضاف ہو جائے وہ بھی کیا بن جاتا ہے؟ معرفہ۔ مثلاً غُلَامُ زَیْدٍ، غُلَامُ زَیْدٍ، دیکھو بے شک آپ نے زید کے غلام کو نہ بھی دیکھا ہو لیکن غُلَامُ زَیْدٍ سے آپ سمجھ گئے کہ نہیں سمجھ گئے کس کی بات ہو رہی ہے؟ زید کے غلام کی بات ہو

رہی ہے، عمر یا بکر کے غلام کی بات نہیں ہو رہی۔ اسی طرح اسمِ اشارہ کی طرف کوئی مضاف ہو: غُلَامُ هٰذَا، اس آدمی کا غلام۔ اسمِ موصول کی طرف مضاف ہو جائے: غُلَامُ الَّذِیْ ضَرَبَكَ، اس شخص کا غلام جس نے آپ کی پٹائی کی تھی۔ اور اسی طرح غُلَامُ الرَّجُلِ، اس آدمی کا غلام۔ دیکھو یہ سب میں غُلَام کا لفظ کیا بن گیا ہے؟ معرفہ بن گیا ہے۔ تو جو بھی اسم، جو بھی نکرہ جب کسی معرفہ کی طرف مضاف ہو جائے تو وہ بھی کیا بن جاتا ہے؟ معرفہ بن جاتا ہے۔ تو معرفہ کسے کہتے ہیں جس کی آپ کو پہچان ہو، اور جس کی پہچان نہ ہو وہ کیا ہے؟ نکرہ ہے بھئی نکرہ ہے۔

اب طلبہ کو عموماً بڑی مشکل پیش آتی ہے کہ کوئی اسم آتا ہے تو وہ حیران ہوتے ہیں کہ یہ معرفہ ہے یا نکرہ؟ بھئی معرفہ کی قسمیں آپ کو یاد ہو گئیں، کوئی اسم آجائے فوراً اس کو دیکھو: یہ ضمیر تو نہیں؟ یہ عَلَمْ تو نہیں، کسی کا نام تو نہیں؟ یہ اسمِ اشارہ تو نہیں؟ یہ اسمِ موصول تو نہیں؟ یہ معرف باللام تو نہیں، اس پر الف لام تو نہیں؟ یا ان میں سے کسی کی طرف مضاف تو نہیں؟ یہ پانچ چھ چیزیں آپ نے اس پر فوراً لاگو کیں، دیکھا ان میں سے کوئی بھی نہیں ہے یہ، تو سمجھ جائیں یہ کیا ہے؟ نکرہ ہے۔ نکرہ ہے، تو لہٰذا آپ کو یہ معرفہ کی قسمیں یاد ہونی چاہئیں۔

اور اس کے بعد پھر میں نے آپ کو بتایا کہ اعراب تین قسم پر ہے: رفع، نصب اور جر۔ اور پھر ان میں سے ہر ایک تین تین قسم پر ہے: یا تو یہ رفع، نصب یا جر یا یہ لفظاً ہو گا یا تقدیراً ہو گا یا محلاً ہو گا۔ محلاً جو اعراب آتا ہے یاد رکھنا وہ مبنی میں آتا ہے، وہ کس میں آتا ہے؟ مبنی میں، ہاں تو یہ محلاً اعراب کس میں آتا ہے؟ مبنی میں۔ اور یہ لفظاً اور تقدیراً معرب میں آئے گا۔ اعراب کتنی قسم پر؟ تین قسم پر۔ چاہے رفع ہو، چاہے نصب ہو یا جر، یا تو وہ لفظاً ہو گا یا تقدیراً ہو گا یا محلاً ہو گا۔ محلاً کس میں؟ مبنی میں، اور لفظاً اور تقدیراً کس میں؟ معرب میں ہو گا۔ زبان سے دہراؤ بھئی، زبان سے دہراؤ بھئی میں تکرار کروا رہا ہوں، زبان سے دہراؤ گے تو چیز یاد ہو گی۔ تو یا لفظاً ہو گا یا تقدیراً ہو گا یا محلاً ہو گا۔ محلاً کس میں؟ مبنی میں، اور لفظاً اور تقدیراً کس میں؟ معرب میں۔

تو اب آپ کو مبنی کی پہچان ہونی چاہیے۔ تو میں نے آپ کو مبنیات بھی لکھوائے تھے کہ مبنیات آٹھ ہیں: نمبر ایک تمام ضمیریں، نمبر دو اسمائے اشارہ، نمبر تین اسمائے موصولہ، نمبر چار کچھ مرکبات ہیں، نمبر پانچ اصوات ہیں کچھ بھئی، کچھ اصوات، آوازیں ہیں، اور اس کے بعد نمبر چھ کچھ ظروف ہیں بھئی جیسے إِذَا وغیرہ، اور نمبر سات اسمائے افعال ہیں، اسمائے افعال، اور نمبر آٹھ کنایات ہیں بھئی، كَمْ اور كَذَا۔ یہ آٹھ مبنیات ہیں، یہ آپ کو ہر وقت یاد ہونے چاہئیں۔ اور خاص طور پر ان میں سے پہلے تین تو ہر جگہ استعمال ہوتے ہیں اس کا تو آپ نے بہت لحاظ رکھنا ہے: تمام ضمیریں، اسمائے اشارہ اور اسمائے موصولہ۔ یہ تین تو جگہ جگہ آئیں گے، اور یہ جیسے ہی کوئی ضمیر آئے آپ سمجھ جائیں اس کا اعراب کیا آئے گا؟ محلاً۔ اسمِ اشارہ ہو تو اعراب کیسے ہو گا؟ محلاً۔ اور اسمِ موصول ہو تو اعراب محلاً ہو گا۔ یعنی چاہے رفع ہو، نصب ہو یا جر،

تو ان کا اعراب محلاً آئے گا۔

میں نے بتلایا تھا بھئی محلاً کا کیا معنیٰ؟ محل جگہ کو کہتے ہیں، یعنی یہ جگہ تو مثلاً بتدا کیا ہوتا ہے؟ مرفوع ہوتا ہے، مرفوع ہوتا ہے۔ لہٰذا مثلاً میں ایک جملہ بناتا ہوں: هٰذَا رَجُلٌ، یہ آدمی ہے۔ هٰذَا کیا ہے؟ بتدا، اور رَجُلٌ کیا ہے؟ خبر ہے۔ اور هٰذَا کیا بن رہا ہے؟ بتدا، اور بتدا کیا ہوتا ہے؟ مرفوع، اتنا تو آپ کو پتہ چل گیا کہ هٰذَا بھی مرفوع ہے رَجُلٌ بھی مرفوع۔ اب ان میں سے ہر ایک میں غور کر لو کہ یہ هٰذَا پر کون سا اعراب، رفع آئے گا لیکن کون سا رفع؟ لفظاً، تقدیراً یا محلاً؟ آپ نے غور کیا تو سب سے پہلے جب بھی کوئی اسم آئے پہلے یہ دیکھو کہ یہ معرفہ ہے یا نکرہ اور ساتھ یہ مبنی ہے یا معرب ہے۔ تو آپ نے هٰذَا میں غور کیا تو پتہ چلا یہ مبنی ہے، یہ اسمِ اشارہ ہے۔ جیسے ہی مبنی ہونے کا پتہ چلا ساتھ ہی ایک اور بات بھی پتہ چل گئی آپ کو کہ اس پر رفع کون سا آئے گا؟ محلاً آئے گا۔ محلاً کا کیا معنیٰ؟ یعنی یہ جگہ رفع والی ہے کیونکہ یہ بتدا بن رہا ہے بھئی، اور بتدا پر کیا آتا ہے؟ رفع، لیکن یہ مبنی ہے اور مبنی تو رفع کو جگہ نہیں دیتا، تو یوں کہیں گے یہ مرفوع ہے محلاً، یہ مرفوع ہے محلاً۔ مرفوع کیوں؟ بتدا ہے، محلاً کیوں؟ کیونکہ مبنی ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟

اب ہم جب ترکیب کریں گے آپ نے سب سے پہلے اعراب بتانا ہے، کوئی بھی لفظ آئے: مرفوع ہے، منصوب ہے یا مجرور۔ دوسری بات پھر آپ نے یہ بتانی ہے کہ لفظاً ہے، تقدیراً ہے یا محلاً ہے، اور تیسرے نمبر پر پھر بتانا ہے کہ یہ ہے کیا: بتدا ہے یا خبر ہے، فاعل ہے، مفعول ہے، کیا ہے۔ تو هٰذَا رَجُلٌ، کیسے ترکیب کریں گے؟ هٰذَا مرفوع محلاً بتدا۔ مرفوع کیوں؟ بتدا ہے۔ محلاً کیوں؟ مبنی ہے۔ اور بتدا آپ نے کہا، بتدا آپ کو کیسے پتہ چلا؟ میں نے آپ کو بتایا تھا اگر آپ کے پاس دو لفظ ہوں اور دونوں سے جملہ پورا ہو رہا ہو، دونوں اسم ہیں اور دونوں سے جملہ پورا ہو رہا ہے، تو ان میں سے دیکھو معرفہ کون سا ہے نکرہ کون سا ہے، تو جو معرفہ ہو اس کو کیا بناؤ؟ بتدا، جو نکرہ ہو اس کو کیا بناؤ؟ خبر۔ تو عموماً بتدا معرفہ ہی پہلے ہو گا اور خبر بعد میں ہو گی، تو اس کو بتدا بناؤ اور خبر۔ لیکن غور آپ نے ضرور کرنا ہے، آنکھیں بند کر کے کہیں ترکیب نہیں کرنی، خود بات کو سمجھنا ہے، پھر چاہے غلطی ہو جائے وہ غلطی بہتر ہے بجائے اس کے کہ آپ رٹے کی طرح ترکیب کریں۔

تو مبنی کا اعراب ہو گا محلاً۔ هٰذَا بتدا بنے تو بھی اس کا اعراب محلاً، مرفوع ہو گا محلاً۔ اگر یہ خبر بنے تو بھی یہ مرفوع ہو گا محلاً۔ یہ جو آٹھ مبنیات ہیں ان کے علاوہ جو اسماء ہیں وہ معربات ہیں، وہ معرب ہیں۔ اور معرب کا اعراب یا لفظاً آتا ہے یا تقدیراً۔ وہ سولہ قسمیں آپ نے نحو میر میں پڑھی ہوں گی وہ آپ نے یاد کرنی ہیں۔ بلکہ وہ سولہ قسمیں ہم ابھی کر لیتے ہیں، بعد میں پھر آپ نے ان کو یاد کرنا ہے، تکرار کرنا ہے۔ بس یہ تین چیزیں یاد کر لو، تین چار چیزیں آئیں گی ساری ترکیب میں: ایک آپ کو معرفہ کی قسمیں یاد ہونی چاہئیں، ایک آپ کو یہ مبنیات یاد ہونے چاہئیں، ایک وہ سولہ قسمیں ہوں گی یہ، اور کوئی ایک آدھ بات اگر آگے آگئی۔ بس یہ تین چار چیزیں آپ یاد کر لیں اور پھر آپ دیکھیں آپ عبارت حل کرتے چلے جائیں

گے ان شاء اللہ۔

تو جو معرب ہے اس کا اعراب یا لفظاً آتا ہے یا تقدیراً آتا ہے، تقدیراً بھئی۔ اب وہ سولہ قسمیں جو ہیں ان میں آپ غور کریں بعضوں کا اعراب لفظاً ہے اور بعضوں کا تقدیراً۔ لفظاً اعراب کا معنیٰ یہ ہے کہ آپ اس اعراب پر باقاعدہ تلفظ کرتے ہیں، سننے والے کو سنتے ہی پتہ چل جاتا ہے کہ آپ رفع پڑھ رہے ہیں یا نصب پڑھ رہے ہیں یا جر۔ مثلاً اب آپ مجھے بتائیے میں نے کیا پڑھا: رَجُلٍ؟ رفع، نصب یا جر؟ جر، دیکھا تلفظ سے ہی آپ کو پتہ چل گیا۔ رَجُلاً؟ نصب، دیکھا سننے سے تلفظ سے ہی پتہ چل گیا۔ رَجُلٌ؟ رفع، دیکھا یہ اعرابِ لفظی کہلاتا ہے جس میں تلفظ سے ہی دوسرے کو اعراب کا پتہ چل جاتا ہے۔ یہ اعراب کیا ہے؟ لفظی۔ تو یہ جو سولہ قسمیں ہیں آپ دیکھیں گے ان میں اکثر اعراب لفظی ہیں، چند ایک ہیں ان کا اعراب تقدیری ہے، تقدیری۔ جیسے مُوْسٰی: جَاءَ مُوْسٰی، رَأَیْتُ مُوْسٰی، مَرَرْتُ بِمُوْسٰی۔ جَاءَ مُوْسٰی اس میں لفظِ مُوْسٰی فاعل بن رہا ہے، رَأَیْتُ مُوْسٰی اس میں لفظِ مُوْسٰی مفعول بن رہا ہے، مَرَرْتُ بِمُوْسٰی یہ با جارہ لفظِ مُوْسٰی پر داخل ہے۔ تو یہ تینوں حالتیں ہیں اور ایک میں یہ مرفوع ہے، ایک میں منصوب ہے، ایک میں مجرور۔ لیکن تلفظ سے نہیں پتہ چل رہا: جَاءَ مُوْسٰی، رَأَیْتُ مُوْسٰی، مَرَرْتُ بِمُوْسٰی، دیکھا تلفظ سے پتہ نہیں چل رہا تو یہ اعراب تقدیری ہے۔ تقدیری، قَدَّرَ یُقَدِّرُ تقدیر کا معنیٰ ہوتا ہے فرض کر لیں۔

بھئی یہ بار بار میں تکرار کرواؤں گا، بار بار، آپ کے ذہن میں یہ چیزیں جم جائیں، چند دن ہیں ہمارے پاس آٹھ دن دس دن تب بس یہ ترکیب کریں گے پھر ان شاء اللہ ہم شرحِ جامی شروع کر دیں گے۔ اور یہ چیزیں آپ کو آتی ہوں گی، آپ کے ذہن میں جم جائیں گی تو آپ جامی بہترین سمجھ سکیں گے، اس لیے بار بار میں تکرار کرواؤں گا۔

تو قَدَّرَ یُقَدِّرُ تقدیر، تقدیر کا معنیٰ ہے فرض کرنا، فرض کرنا۔ تو جَاءَ مُوْسٰی، آپ سے کوئی اعراب پوچھے آپ کہیں گے کہ یہ مرفوع ہے تقدیراً۔ رَأَیْتُ مُوْسٰی، آپ سے اعراب پوچھے تو آپ کیا کہیں گے یہ منصوب ہے تقدیراً۔ اور مَرَرْتُ بِمُوْسٰی، یہ اس پر با جارہ داخل ہے تو یہ مجرور ہے تقدیراً۔ تو اس لفظِ مُوْسٰی پر اعراب جو ہے رفع بھی تقدیراً، نصب بھی تقدیراً اور جر بھی تقدیراً آئے گا۔ اور تقدیراً کا کیا معنیٰ؟ فرض کر لو۔ بھئی کیا وجہ، کیوں فرض کر لیں؟ وجہ یہ کہ اگر آپ یہ فرض نہیں کرتے تو پھر مسئلہ مشکل ہو جائے گا، کیونکہ پھر یہ معرب سے خارج ہو جائے گا۔ معرب آپ نے پڑھا، معرب کسے کہتے ہیں؟ جس کا آخر بدلتا ہو عوامل کے بدلنے سے۔ اب یہ لفظِ مُوْسٰی معرب ہے اور اس کا آخر تو نہیں بدل رہا، لیکن ہے کیا؟ معرب۔ اب معرب کی تعریف میں اس کو داخل رکھنا ہے، مبنی نہیں ہم اس کو کہہ سکتے۔ یاد رکھو مبنی وہ ہے جس کی مبنی الاصل کے ساتھ مشابہت ہو بھئی، اور مبنی الاصل کتنی چیزیں ہیں؟ تین چیزیں ہیں، تین چیزیں یاد رکھنا مبنی الاصل: نمبر ایک فعلِ ماضی، نمبر دو فعلِ امر، اور تمام حروف۔ پھر دہراؤ: مبنی الاصل کیا ہیں، کتنی چیزیں ہیں؟ تین: نمبر ایک فعلِ ماضی، نمبر دو فعلِ امر، اور نمبر تین تمام حروف بھئی، یہ سب مبنی ہیں۔ دیکھو ان میں سے اسم کوئی بھی نہیں ہے، ایک فعلِ ماضی ہے، ایک فعلِ امر ہے، ایک تمام حروف۔ ہاں ان کے ساتھ کوئی اسم مشابہ ہو جائے گا تو وہ بھی مبنی بن جائے گا، کیا بن جائے گا؟ مبنی۔

تو مبنی الاصل کے ساتھ مشابہت ضروری ہے تب ہی کوئی اسم مبنی بنتا ہے، ویسے نہیں۔ اور یہ جو آٹھ چیزیں میں نے ذکر کیں ان کی مشابہت ہے: تمام ضمیریں، اور اسمائے اشارہ، اسمائے موصولہ، اور کچھ مرکبات ہیں، اور اسمائے اصوات ہیں، اور اسمائے ظروف ہیں، اور اسمائے افعال ہیں، اور کچھ کنایات ہیں بھئی۔ یہ آٹھ چیزیں ان کو مبنی ویسے نہیں قرار دیا، ان کی مشابہت ہے ان مبنی الاصل کے ساتھ، یعنی فعلِ ماضی کے ساتھ یا فعلِ امر کے ساتھ یا حروف کے ساتھ ان کی مشابہت ہے، تو مشابہت کی وجہ سے ان کو بھی کیا کہہ دیتے ہیں؟ یہ بھی کیا ہیں؟ مبنی، اور ان پر پھر اعراب نہیں ظاہر ہوتا۔

تو ان کے بارے میں جب اعراب بتلانا ہو تو محلاً کہیں گے، یعنی یہ جگہ تو رفع والی ہے یا نصب والی ہے یا جر۔ جیسے دیکھو هٰؤُلَاءِ، هٰؤُلَاءِ اسمِ اشارہ ہے: یہ سب۔ اور اسمِ اشارہ بھی کس میں سے ہے؟ مبنیات میں سے ہے، لہٰذا جَاءَ هٰؤُلَاءِ، رَأَيْتُ هٰؤُلَاءِ، مَرَرْتُ بِهٰؤُلَاءِ۔ جَاءَ هٰؤُلَاءِ یہاں هٰؤُلَاءِ فاعل بن رہا ہے، رَأَيْتُ هٰؤُلَاءِ یہاں هٰؤُلَاءِ مفعول بن رہا ہے، اور مَرَرْتُ بِهٰؤُلَاءِ یہاں با جارہ داخل ہے تو هٰؤُلَاءِ مجرور۔ لیکن تینوں حالتوں میں آپ دیکھ رہے ہیں کہ ہمزہ کے نیچے زیر ہے: هٰؤُلَاءِ، آخر میں جو ہمزہ ہے اس کے نیچے زیر ہے، نہیں بدل رہا۔ کیوں نہیں بدل رہا؟ کیونکہ یہ مبنی ہے۔ اور مبنی کی کون سی قسم ہے؟ اسمِ اشارہ ہے۔ یہ کیا ہے؟ اسمِ اشارہ، اور اسمِ اشارہ ہے جیسے ہی آپ کو پتہ چلا اسمِ اشارہ ہے تو ساتھ ہی اس پر اعراب کون سا آئے گا؟ محلاً: رفع بھی محلاً، نصب بھی محلاً، جر بھی محلاً۔ محلاً کیا معنیٰ؟ یہ جگہ رفع والی ہے، اگر کوئی معرب آتا تو رفع ظاہر بھی ہو جاتا لیکن یہ مبنی ہے اس پر ظاہر نہیں ہو گا۔ تو جَاءَ هٰؤُلَاءِ یہ اس وقت کیا ہے؟ مرفوع محلاً۔ رَأَيْتُ هٰؤُلَاءِ یہ کیا ہے؟ منصوب محلاً۔ مَرَرْتُ بِهٰؤُلَاءِ یہ کیا ہے؟ مجرور محلاً، با جارہ موجود ہے۔

اور آپ دیکھ رہے ہیں هٰؤُلَاءِ کے آخر میں ہمزہ ہے اور ہمزہ پر رفع بھی آسکتا ہے، نصب بھی اور جر بھی، جیسے شَیْءٌ، شَيْئًا اور شَيْءٍ۔ دیکھو اس کے آخر میں ہمزہ ہے اور ہمزہ پر تینوں طرح کے اعراب آسکتے ہیں: رفع بھی آسکتا ہے شَیْءٌ، نصب بھی آسکتا ہے شَيْئًا، جر بھی آسکتا ہے شَيْءٍ۔ اور هٰؤُلَاءِ کے آخر میں بھی کیا ہے؟ ہمزہ ہے، تو اگر یہ معرب ہوتا تو اعراب آنا چاہیے تھا لیکن اعراب نہیں آرہا تو یہ کیا ہے؟ مبنی ہے۔ اور اسی طرح لفظِ مُوْسٰی آپ نے پڑھا، مُوْسٰی یا عِيْسٰی، جَاءَ مُوْسٰی، رَأَيْتُ مُوْسٰی، مَرَرْتُ بِمُوْسٰی، تو آپ کے ذہن میں اشکال آئے گا کہ یہ بھی نہیں بدل رہا اس کو معرب قرار دے دیا اور هٰؤُلَاءِ نہیں بدل رہا اس کو مبنی قرار دے دیا۔ توجہ ہے؟ مُوْسٰی کا لفظ بھی نہیں بدل رہا، نہ رفع نہ نصب نہ جر کچھ نظر نہیں آرہا، اور هٰؤُلَاءِ بھی اسی طرح ہے، تو میں نے آپ کو بتلایا تھا کہ کسی لفظ کو مبنی ویسے نہیں قرار دیا جاتا جب تک اس کی مبنی الاصل کے ساتھ مشابہت نہ ہو جائے، اور یہ جو هٰؤُلَاءِ ہے اس کی مبنی الاصل کے ساتھ مشابہت ہے، تو لہٰذا یہ تو مبنی ہے۔ لیکن مُوْسٰی یا عِيْسٰی اس کی مبنی الاصل کے ساتھ کوئی مشابہت نہیں ہے، یاد رکھنا ہر مشابہت مراد نہیں ہے، کچھ خاص مشابہتیں مراد ہیں جو آگے چل کر آپ پڑھیں گے ان شاء اللہ۔ تو لہٰذا مُوْسٰی اور عِيْسٰی اس کو ہم مبنی قرار نہیں دے سکتے۔ جب مبنی نہیں قرار دے سکتے تو یہ معرب ہے، تیسری کوئی صورت ہے؟ نہیں، اسم دو ہی قسم پر ہے نا یا معرب

ہے یا مبنی، تو پھر اس کو معرب قرار دینا پڑے گا۔ اور معرب کی تعریف تو آپ نے یہ کی جس کا آخر عوامل کے بدلنے سے بدلتا ہو، لیکن مُوْسٰی اور عِیْسٰی ان کا آخر عوامل کے بدلنے سے نہیں بدل رہا۔ تو میں نے آپ کو وجہ بتلائی تھی کہ اس کا آخر بھی بدلتا کیونکہ یہ معرب ہے لیکن یہاں ایک رکاوٹ آگئی، اور وہ یہ کہ اس کے آخر میں الف ہے بھئی۔ مُوْسٰی کے آخر میں کیا ہے؟ الف، وہ یا کس سے بدل چکی؟ الف سے۔ الف ہے اور الف کے اوپر کوئی اعراب نہیں آسکتا، نہ رفع نہ نصب اور نہ جر، تو مانع آگیا، رکاوٹ آگئی۔ لیکن ہے تو یہ معرب، اور معرب کی تعریف کیا کی جس کا آخر بدلتا ہو، تو اس کا آخر بدل نہیں سکتا ایک رکاوٹ کی وجہ سے، تو کہتے ہیں بھئی اس کا اعراب تقدیری ہے، یعنی فرض کر لو اس پر رفع آگیا ہے۔ جَاءَ مُوْسٰی یہ مرفوع ہے تقدیراً، کیا معنیٰ؟ فرض کر لو اس پر رفع آگیا۔ رَأَیْتُ مُوْسٰی یہ منصوب ہے، کون سا منصوب؟ تقدیراً، فرض کر لو اس پر نصب آگیا ہے۔ اور مَرَرْتُ بِمُوْسٰی با جارہ آگئی تو یہ کیا ہے؟ مجرور ہے تقدیراً، فرض کر لو۔ بھئی کیوں فرض کر رہے ہیں؟ کیونکہ معرب ہے یہ، کیا ہے؟ معرب، اور معرب کسے کہتے ہیں؟ جس کا آخر بدلتا ہو۔ اگر اس کا آخر آپ کہیں گے نہیں بدل رہا پھر تو اس کو معرب نہیں کہہ سکتے، تو اب بدل تو نہیں رہا، تو کہتے ہیں بھئی آپ فرض کر لو بدل رہا ہے۔ جب رفع والی جگہ پر آئے تو فرض کر لو کیا آچکا؟ رفع آچکا۔ نصب والی جگہ آئے تو فرض کر لو کیا آچکا؟ نصب آچکا۔ جر والی جگہ آئے تو فرض کر لو کیا آچکا؟ جر۔ تو بدل رہا ہے یا نہیں بدل رہا؟ چاہے تقدیراً ہے لیکن بدل تو رہا ہے، تو یہ معرب ہی ہے کیونکہ معرب بھی اسی کو کہتے ہیں جس کا آخر عوامل کے بدلنے سے بدلتا ہو۔ تو اس کی تو تینوں حالتیں جو ہیں وہ تقدیری ہیں: رفع بھی تقدیراً، نصب بھی تقدیراً، جر بھی تقدیراً۔ اور یاد رکھو اس کو کہتے ہیں اسمِ مقصور بھئی۔ مقصور: میم، قاف دو نقطوں والا، صاد اور واو، را، مقصور، کیونکہ اس کے آخر میں الفِ مقصورہ ہے۔ توجہ ہے؟ اس کے آخر میں کیا ہے؟ الفِ مقصورہ ہے۔ الفِ مقصورہ کسے کہتے ہیں؟ ہاں طلبہ عموماً یہی سمجھتے ہیں کھڑی زبر کو الفِ مقصورہ کہتے ہیں، نہیں بھئی یہ جو عام الف ہے اس کو الفِ مقصورہ کہتے ہیں۔ ایک الفِ ممدودہ ہوتا ہے جس میں الف کے بعد ہمزہ آئے اس کو خوب لمبا کرتے ہیں: بَنِیْ إِسْرَائِیْلَ، دیکھا إِسْرَائِیْلَ، یہاں را کے بعد الف ہے اور اس کے بعد کیا ہے؟ ہمزہ، تو یہاں آپ قرآن میں دیکھیں گے اوپر مد لکھی ہوئی ہے، یہ الفِ ممدودہ ہے اس کو لمبا کریں گے خوب بھئی۔ تو یہ جو عام چھوٹا الف ہوتا ہے اس کو کیا کہتے ہیں؟ الفِ مقصورہ، اور دوسرا جس کو لمبا کرتے ہیں وہ الفِ ممدودہ ہے۔ تو یہ کھڑی زبر کو نہیں الفِ مقصورہ کہتے، لیکن دیکھو مُوْسٰی اس کے آخر میں یا الف سے بدل گئی اور کون سا الف ہے؟ ممدودہ ہے یا عام الف ہے؟ عام الف ہے اس لیے کیا کہیں گے الفِ مقصورہ ہے۔ بات سمجھ میں آرہی ہے؟ تو یہ اسمِ مقصور کہلاتا ہے، جس اسم کے آخر میں الف ہو اسے کیا کہتے ہیں؟ اسمِ مقصور بھئی۔ اور اس کا اعراب تینوں حالتوں میں تقدیری ہوتا ہے: اگر یہ رفع والی جگہ پر آئے تو رفع بھی تقدیری، نصب والی جگہ آئے تو نصب بھی تقدیری، جر والی جگہ آئے تو جر بھی تقدیری۔

اور ایک اسی طرح ہے اسمِ منقوص بھئی، جیسے قَاضِیْ۔ منقوص: میم، نون، قاف دو نقطوں والا ہے، واو اور صاد۔

منقوص دیکھو ذرا لفظوں پہ غور کرو، لفظ پہ غور کرو، ناقص سے ہے، کس سے؟ ناقص کسے کہتے ہیں؟ جس کے آخر میں کیا آئے؟ حرفِ علت، رَمٰی، رَمٰی کیا تھا؟ رَمٰی یَرْمِیْ یہ ناقص ہے، تو ناقص۔ تو یہ جو قَاضِیْ ہے یہ اسمِ منقوص ہے، اسمِ منقوص کسے کہتے ہیں؟ جس کے آخر میں یا ہو اور یا سے ماقبل کسرہ ہو، قَاضِیْ آخر میں کیا ہے؟ یا، اور یا سے ماقبل کسرہ، تو یہ اسمِ منقوص کہلاتا ہے۔ تو اسمِ مقصور میں تو تینوں حالتوں کا اعراب کیا ہو گا؟ تقدیری۔ لیکن یہ جو قَاضِیْ جیسے لفظ ہیں یعنی اسمِ منقوص جو ہیں، ان میں دو حالتوں میں اعراب تقدیری ہے اور ایک حالت میں اعراب لفظی ہے۔ ذرا اس پر الف لام لے آؤ: جَاءَ الْقَاضِیْ۔ دیکھو یہ مرفوع ہے، فاعل ہے جَاءَ کے لیے۔ اور فاعل یاد رکھنا مرفوعات میں سے ہے آپ آگے چل کر پڑھیں گے۔ جب ایک لفظ کے بارے میں پتہ چل جائے کہ یہ فاعل ہے، ساتھ ہی ایک اور بات کا بھی آپ کو پتہ چل گیا کہ اس پر کیا پڑھنا ہے؟ رفع پڑھنا ہے۔ تو جَاءَ الْقَاضِیْ اصل میں تھا جَاءَ الْقَاضِیُ، لیکن آپ نے صرف میں پڑھا ہے یا پر ضمہ ثقیل ہے، وہ گر گیا تو جَاءَ الْقَاضِیْ پڑھیں گے۔ اسی طرح یاد رکھو یہ جو یا ہے اس پر کسرہ بھی ثقیل ہے: مَرَرْتُ بِالْقَاضِیِ، دیکھا یا کے نیچے زیر ثقیل ہے لہٰذا اس کو گرا دیں گے، کیسے پڑھیں گے؟ مَرَرْتُ بِالْقَاضِیْ۔ تو دیکھو جر بھی تقدیراً، اور رفع بھی تقدیراً: جَاءَ الْقَاضِیْ، مَرَرْتُ بِالْقَاضِیْ۔ ہاں فتحہ یہاں پر پڑھ سکتے ہیں: رَأَیْتُ الْقَاضِیَ۔ توجہ ہے؟ تو یہ اسمِ منقوص ہے۔ اسمِ مقصور میں کیا ہے؟ تینوں حالتوں میں اعراب تقدیری۔ اور اسمِ منقوص میں اعراب دو حالتوں میں تقدیری ہے: رفع بھی تقدیری، جر بھی تقدیری، اور نصب کیا ہے؟ لفظی ہے: رَأَیْتُ الْقَاضِیَ۔ جی اعراب کا پتہ چلا یا نہیں؟ کیا پڑھا میں نے؟ نصب، دیکھا یہ نصب لفظی ہے جس پر ہم تلفظ کر رہے ہیں، تو اعرابِ لفظی کا کیا معنیٰ جس اعراب پر ہم باقاعدہ تلفظ کریں بھئی تلفظ کریں۔

اسی طرح اگر کوئی اسم مضاف ہو جائے یائے متکلم کی طرف، علاوہ جمع مذکر سالم کے۔ جمع مذکر سالم یعنی مُسْلِمُوْنَ، مُسْلِمُوْنَ جیسے لفظوں کے علاوہ کوئی اور اسم ہو اور وہ مضاف ہو کس کی طرف؟ یائے متکلم، جیسے کِتَابِیْ، قَلَمِیْ، غُلَامِیْ۔ توجہ ہے؟ تو اب اس کو اسمِ منقوص نہ سمجھنا، طلبہ کو عموماً پتہ ہی نہیں چلتا بھئی۔ قَاضِیْ، قَاضِیْ کے آخر میں یا ہے یہ یا قَاضِیْ لفظ کی اپنی ہے یا متکلم کی ضمیر ہے؟ یہ یا اپنی ہے۔ اور غُلَامِیْ اس کے آخر میں جو یا ہے؟ یہ متکلم کی ضمیر ہے۔ غُلَامِیْ کا کیا معنیٰ؟ میرا غلام، اور قَاضِیْ کا کیا معنیٰ تھا؟ میرا قاضی؟ نہیں، اس کا معنیٰ صرف قاضی ہے بھئی۔ غُلَامِیْ کا کیا معنیٰ؟ میرا غلام۔ قَلَمِیْ کا کیا معنیٰ؟ میرا قلم۔ کِتَابِیْ کا کیا معنیٰ؟ میری کتاب۔ دیکھا یہاں یا متکلم کی ضمیر ہے، تو یہاں دو لفظ ہیں دراصل کِتَابِیْ: کِتَاب کا اعراب الگ نکالیں گے اور آگے یا وہ ضمیر وہ بھی اسم ہے نا، اس کا اعراب الگ ہو گا۔ ایک قسم آپ نے یہ پڑھی تھی کہ علاوہ جمع مذکر سالم کے جب بھی کوئی اسم مضاف ہو کس کی طرف؟ یائے متکلم کی طرف تو اس کا اعراب تینوں حالتوں میں تقدیری ہو گا: جَاءَ غُلَامِیْ، رَأَیْتُ غُلَامِیْ، مَرَرْتُ بِغُلَامِیْ، دیکھو تینوں حالتوں میں یکساں ہے۔ جی بتائیے جَاءَ غُلَامِیْ اس میں غُلَام کیا واقع ہو رہا ہے؟ فاعل ہے، مضاف ہے اور یا مضاف الیہ، تو یہ مضاف مضاف الیہ

مل کر فاعل ہے۔ تو جَاءَ غُلَامِیْ یا کو نہ دیکھو، یا الگ لفظ ہے، غُلَام لفظ کو دیکھو۔ جی فاعل کیا ہوتا ہے؟ مرفوع، جَاءَ غُلَامِیْ میں کوئی رفع پڑھ رہا ہوں؟ نہیں، تو یہ مرفوع ہے تقدیراً، فرض کر لو رفع آگیا۔ فرض کیوں کر رہے ہو بھئی؟ کیونکہ یہ معرب ہے بھئی مبنی نہیں ہے۔ اچھا رَأَیْتُ غُلَامِیْ، جی یہاں غُلَام کا اعراب بتاؤ۔ یا کو نہ دیکھو یا مضاف الیہ ہے اور مضاف الیہ ہمیشہ مجرور ہوتا ہے آپ نے پڑھا ہے، مجرورات دنیا میں دو ہی ہیں ایک جس پر حرفِ جر داخل ہو ایک مضاف الیہ۔ اس یا کا اعراب الگ ہو گا، ہاں غُلَام جو ہے اس کا اعراب پوچھ رہا ہوں: رَأَیْتُ غُلَامِیْ۔ غُلَام پر کون سا اعراب؟ نصب، اور میں نصب پڑھ رہا ہوں؟ نہیں، تو یہ منصوب ہے تقدیراً۔ اور مَرَرْتُ بِغُلَامِیْ یہاں پھر غُلَام بھی کیا ہے؟ مجرور ہے اور یہ مجرور تقدیراً ہے، یہ مجرور تقدیراً ہے۔ آپ کہیں گے بھئی با بھی جر دیتی ہے اور مَرَرْتُ بِغُلَامِیْ یہاں میم کے نیچے بھی زیر ہے تو آپ اس کو مجرور لفظاً کہہ دیں؟ اعتراض سمجھ میں آرہا ہے؟ با بھی کیا کرتی ہے؟ جر دیتی ہے، اور مَرَرْتُ بِغُلَامِیْ اس میم کے نیچے بھی کیا ہے؟ زیر ہے، تو اس کو آپ مجرور لفظاً کہہ دیں؟ تو جواب آپ کو پھر وہاں نحو میں آپ نے پڑھا ہو گا کہ یہ پہلے غُلَام کا لفظ یا ضمیر سے ملا، جب مل گیا تو یا اپنے سے ماقبل کیا چاہتی ہے؟ کسرہ، تو وہ کسرہ آگیا۔ تو یہ جو غُلَامِیْ میں میم کے نیچے کسرہ ہے یہ با جارہ کے داخل ہونے سے پہلے کا آیا ہوا ہے۔ یہ کسرہ با جارہ سے پہلے کا ہی یہ کسرہ تھا، دیکھو رَأَیْتُ غُلَامِیْ، دیکھو کسرہ ہے یا نہیں؟ جَاءَ غُلَامِیْ وہاں بھی کسرہ، تو یہ کسرہ پہلے کا آیا ہوا ہے، با جارہ کی وجہ سے یہ کسرہ نہیں آیا۔ تو لہٰذا یہ میم کی حرکت ہے اعراب نہیں۔

ہاں ایک اور بات: جَاءَ مُوْسٰی، اعراب بولو لفظِ مُوْسٰی مرفوع تقدیراً۔ رَأَیْتُ مُوْسٰی، اعراب بولو لفظِ مُوْسٰی منصوب تقدیراً۔ اور مَرَرْتُ بِمُوْسٰی، یہ بھی کیا ہے؟ مجرور تقدیراً۔ اور جَاءَ هٰؤُلَاءِ، اعراب بولو: مرفوع محلاً، مبنی ہے۔ آپ پھر کہیں گے یہ هٰؤُلَاءِ کی ہمزہ کے نیچے زیر ہے اس کو کیا کہیں؟ تو یاد رکھو یہ اس کی حرکت ہے، اعراب نہیں۔ اعراب وہ ہے جو عامل کی وجہ سے آئے، ایک حرکت ہوتی ہے۔ زَیْدٌ، زَیْدٌ کی زا پر زبر پڑھتے ہو یا نہیں پڑھتے؟ تو جہ ہے؟ زَیْدٌ، زا پر کیا پڑھا میں نے؟ زبر، اعراب ہے؟ نہیں، یہ اس کی حرکت ہے۔ اسی طرح هٰؤُلَاءِ کے آخر میں بھی ہمزہ کے نیچے حرکت ہے، تو اعراب تو بالکل آخر میں آتا ہے باقی لفظوں پر جو ہوتی ہیں وہ اس کی حرکات و سکنات ہوتی ہیں۔ تو مبنی کے اندر وہ آخر والے پر بھی حرکات و سکنات آئیں گی، وہاں اعراب نہیں آئے گا۔ کوئی یہ نہ کہے نا جَاءَ هٰؤُلَاءِ، هٰؤُلَاءِ کے نیچے کیا ہے؟ زیر ہے، تو یہ اس کی حرکت ہے اعراب نہیں ہے۔

اس کے بعد ہم نے ترکیب شروع کی تھی بھئی، اور تین چار جملے ہم نے کر لیے تھے۔ پہلی ترکیب، پہلا جملہ ہم نے لکھا تھا: اَللّٰهُ أَحَدٌ۔ لفظِ اللہ مرفوع لفظاً مبتدا۔ یاد رکھو کبھی ترجمے سے ترکیب کا پتہ چلتا ہے اور کبھی ترکیب سے ترجمے کا پتہ چلتا ہے۔ اَللّٰهُ أَحَدٌ، ترجمہ سمجھ میں آرہا ہے؟ کیا؟ اللہ ایک ہے۔ کس کے بارے میں بات کی؟ اللہ تعالیٰ کے بارے میں، معلوم ہوا مبتدا ہے، اور کیا بات کی؟ ایک ہے، تو یہ خبر ہے۔ دیکھا ترجمے سے ہی آپ کو ترکیب سمجھ میں آگئی کہ لفظِ اللہ کیا ہے؟ مبتدا، اور أَحَدٌ کیا ہے؟ خبر ہے۔ اور مبتدا پر کون سا اعراب آتا ہے؟ رفع، خبر پر بھی رفع، معلوم ہوا دونوں پر رفع آئے گا،

لیکن اب کون سا رفع آئے گا لفظاً، تقدیراً یا محلاً؟ وہ آپ نے غور کرنا ہے۔ جی لفظِ اللہ مرفوع ہے لفظاً، یہ مبنی کی کوئی قسم نہیں، یہ ضمیر نہیں، اسمِ اشارہ نہیں، اسمِ موصول نہیں، مرکب نہیں، تو یہ سب قسموں میں سے کوئی بھی قسم نہیں، یہ عَلَمْ ہے نام ہے اور یہ معرفہ ہے، اور أَحَدٌ یہ نکرہ ہے۔ تو لفظِ اللہ کا اعراب بولو: مرفوع لفظاً بتدا۔ مرفوع کیوں؟ بتدا ہے۔ پھر دہراؤ: مرفوع کیوں؟ بتدا ہے، بتدا مرفوع ہوتا ہے۔ لفظاً آپ نے کہا، لفظاً کیوں کہا؟ ہاں زبان سے کہو: اس کے رفع پر ہم باقاعدہ تلفظ کر رہے ہیں، پھر دہراؤ مرفوع لفظاً کیوں؟ ہاں یوں کہو ہم اس کے اعراب پہ تلفظ کر رہے ہیں یا یوں کہو ہم اس کے رفع پر تلفظ کر رہے ہیں۔ صرف یہ نہیں کہنا ہم تلفظ کر رہے ہیں، نہیں نہیں تلفظ نہیں، تلفظ تو لفظ پر بھی ہوتا ہے۔ یوں کہو ہم اس کے اعراب پر یا اس کے رفع پر۔ رفع پر تلفظ کر کے دکھاؤ اس کے: اَللّٰہُ، پھر کرو: اَللّٰہُ۔ اس کے نصب پر تلفظ کرو: اَللّٰہَ۔ جر پہ کرو: اَللّٰہِ۔ دیکھا معلوم ہوا یہ جو لفظِ اللہ ہے اس پر تینوں طرح کے اعراب لفظاً آتے ہیں یعنی ان پر باقاعدہ تلفظ ہوتا ہے۔ بات سمجھ میں آرہی ہے؟

آگے أَحَدٌ بھئی، اس کا اعراب بولو: مرفوع لفظاً خبر۔ پھر بولو وہ لفظ بھی بولو: أَحَدٌ، ہاں اس کو اعراب کے ساتھ بولنا ہے: أَحَدٌ مرفوع لفظاً خبر۔ اب بتاؤ مرفوع کیوں؟ خبر ہے، اور خبر کیا ہوتی ہے؟ مرفوع۔ اچھا لفظاً کیوں کہا؟ اس کے رفع پر ہم تلفظ کر رہے ہیں، کر کے دکھاؤ: أَحَدٌ۔ نصب پہ تلفظ کرو: أَحَداً۔ جر پر کرو: أَحَدٍ۔ معلوم ہوا اس پر بھی تینوں طرح کے اعراب کیسے آتے ہیں؟ لفظاً آتے ہیں۔ جی اب جوڑو: بتدا اپنی خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔ اب ایک ایک لفظ کا اعراب پتہ چل گیا، اب اعراب سمیت اس کو روانی سے پڑھو: اَللّٰہُ أَحَدٌ۔ ترجمہ کرو: اللہ ایک ہے، یا زیادہ بہتر: اللہ یکتا ہے۔ وَاحِدٌ کے بعد اِثْنَانِ آتا ہے لیکن أَحَدٌ ایسا ایک جس کا کوئی دوسرا نہ ہو بھئی، تو اردو میں اس کے لیے یکتا لفظ ہے۔

اس کے بعد ایک اور ترکیب ہم نے کی تھی، کیا ترکیب تھی؟ هٰذَا عَالِمٌ۔ ترجمہ سمجھ میں آرہا ہے؟ جی، ترکیب اس سے کچھ سمجھ میں آرہی ہے؟ هٰذَا یہ، ایک چیز کی طرف آپ نے اشارہ کیا، ایک شخص کی طرف، عَالِمٌ کیا ہے؟ عالم ہے۔ دیکھا کس کے بارے میں بات کی؟ یہ شخص، تو یہ هٰذَا کیا ہوا؟ بتدا، اور کیا بات کی؟ کہ عالم ہے، تو یہ کیا ہوئی؟ خبر، اور بات پوری ہے۔ میں نے یہ بھی بتایا تھا جب آپ کے پاس دو لفظ ہوں اور دو لفظوں سے بات پوری ہو رہی ہو، جملہ پورا ہو، تو اس میں سے دیکھو معرفہ کو کیا بنا دو؟ بتدا، اور نکرہ کو کیا بناؤ؟ خبر۔ تو هٰذَا معرفہ ہے، معرفہ کی کون سی قسم ہے؟ اسمِ اشارہ ہے۔ اور عَالِمٌ یہ نکرہ ہے تو هٰذَا کو بناؤ بتدا۔ جی اب بتائیے اعراب بتائیے: هٰذَا مرفوع محلاً بتدا۔ مرفوع کیوں؟ بتدا ہے۔ اور کون سا مرفوع ہے؟ محلاً ہے۔ محلاً کیوں ہے؟ شاباش کیونکہ یہ کیا ہے؟ مبنی، دیکھا اعراب اتنا آسان ہے! هٰذَا کا آپ کو پتہ چل گیا یہ کیا ہے؟ بتدا، اب صرف یہ دیکھ لو معرب ہے یا مبنی۔ مبنی ہو تو اعراب محلاً، اور اگر معرب ہے تو وہ سولہ قسمیں آپ کو یاد ہونی چاہئیں، ان میں سے فوراً دیکھ لو کہ کون سی قسم ہے اور اس کے مطابق لفظاً ہے یا تقدیراً ہے بھئی۔ وہ سولہ قسمیں بھی ابھی ہم کر لیتے ہیں تاکہ آپ کے ذہن میں تازہ ہو جائیں بھئی۔ ان شاء اللہ ایک ہفتے بعد آپ اچھی خاصی عبارت حل

کرنے کے قابل ہو جائیں گے ان شاء اللہ۔

هٰذَا عَالِمٌ: هٰذَا مرفوع محلاً بتدا۔ مرفوع کیوں؟ بتدا ہے۔ محلاً کیوں؟ مبنی ہے، شاباش۔ اور بتدا آپ نے کہا، آپ نے اس کو بتدا کیوں بنایا؟ کیونکہ یہ معرفہ ہے اور دوسرا اسم نکرہ ہے اور انہی سے بات پوری ہو رہی ہے، یہ پورا جملہ ہے، دونوں میں سے ایک معرفہ ایک نکرہ ہے تو معرفہ کو کیا بنائیں گے؟ بتدا اور نکرہ کو کیا بنائیں گے؟ خبر۔ آگے عَالِمٌ بھئی، اعراب بولو: مرفوع لفظاً خبر۔ مرفوع کیوں؟ خبر ہے، شاباش، اور لفظاً کیوں کہا؟ اس کے رفع پر ہم کیا کر رہے ہیں؟ تلفظ، شاباش شاباش۔ رفع پہ تلفظ کر کے دکھاؤ اس کے: عَالِمٌ، نصب پہ کرو: عَالِماً، جر پر کرو: عَالِمٍ، دیکھا معلوم ہوا اس پر تینوں طرح کے اعراب لفظی آتے ہیں۔ اس لفظ، یہ جو لفظِ عَالِم ہے اس پر رفع بھی لفظاً، نصب بھی لفظاً اور جر بھی لفظاً آتا ہے، تلفظ سے ہی پتہ چل جاتا ہے۔

پھر میں نے ایک ترکیب کروائی تھی، کیا تھی اگلی ترکیب؟ هُوَ رَجُلٌ۔ جی هُوَ بتائیے بھئی اعراب بتائیے، بولو بھئی۔ ترجمہ سمجھ میں آرہا ہے هُوَ رَجُلٌ، کیا ترجمہ ہے؟ وہ مرد، کیا ترجمہ ہے؟ وہ مرد ہے، پوری بات ہے یہ کیا ہے؟ پوری بات ہے، بات سمجھ میں آرہی ہے؟ اچھا جی هُوَ کا اعراب بولو۔ بتدا تو ہے لیکن پہلے اعراب بتاؤ۔ ابھی بتایا جیسے ہی کسی لفظ کے بارے میں پتہ چلے وہ بتدا یا خبر ہے ساتھ ہی کیا پتہ چل جاتا ہے؟ ہاں بھئی، مرفوع ہے، جیسے ہی کسی لفظ کے بارے میں پتہ چلے یہ بتدا ہے ساتھ ہی کیا پتہ چل جاتا ہے؟ کیا معنیٰ اس پر کیا پڑھنا ہے؟ رفع پڑھنا ہے۔ جیسے ہی کسی لفظ کے بارے میں پتہ چلے یہ خبر ہے ساتھ ہی کیا پتہ چل جاتا ہے؟ مرفوع ہے اس پر کیا پڑھنا ہے؟ رفع۔ جی بولو اب هُوَ کا اعراب بولو۔ مرفوع ہے ٹھیک ہے، مرفوع کون سا مرفوع؟ بتدا تو ہے وہ ابھی آخر میں آپ نے ہمیں بتانا ہے وہ ابھی دل میں رکھیں۔ مرفوع ہے، پھر مرفوع کون سا ہے لفظاً ہے تقدیراً ہے محلاً ہے یہ ہمیں بتاؤ۔ یہ لفظاً... هُوَ مرفوع لفظاً... جی مرفوع کیوں؟ بتدا ہے۔ لفظاً کیوں؟ اعراب پر تلفظ کر رہے ہیں ہم۔ جی کر کے دکھاؤ هُوَ کے رفع پر تلفظ بھئی۔ جی آپ بتائیے: مرفوع یہ کون سا مرفوع ہے؟ محلاً کیوں ہے؟ وہ تو کہہ رہے ہیں لفظاً ہے۔ سب آپ کو آتا ہے صرف مشق نہیں ہے، صرف مشق نہیں ہے۔ ہاں بھئی... سارے غلط بتا رہے ہو ہاں بھئی آپ بتاؤ: محلاً... سارے تم بھی سب کے ساتھ ہو گئے ہو؟ کیوں؟ کیونکہ ضمیر ہے... ہاں شاباش! دیکھا پختہ علم اس کو کہتے ہیں میں غلط کہہ رہا ہوں وہ کہہ رہا ہے نہیں جی اعراب محلاً ہی آئے گا، کیوں؟ کیونکہ مبنی ہے، میں نے ضابطے بتا دیے مبنی، یہ تین مبنی ہر وقت یاد رکھو: تمام ضمیریں، اسمائے اشارہ، اسمائے موصولہ۔ یہ تو بالکل جگہ جگہ پر آئیں گے۔ جیسے ہی کوئی ضمیر آئے سمجھ جاؤ اعراب کون سا ہو گا؟ محلاً، چاہے رفع ہو چاہے نصب ہو جر ہو وہ بعد میں دیکھیں گے، ہو گا کیا؟ محلاً۔ کوئی بھی اسمِ اشارہ آجائے ساتھ ہی آپ کو پتہ چل جائے کہ اس پر کون سا اعراب پڑھنا ہے؟ محلاً پڑھنا ہے، چاہے رفع ہو چاہے نصب ہو چاہے جر۔ اب بتائیے هُوَ کا اعراب بولو: مرفوع محلاً، شاباش مرفوع محلاً، وجہ بتاؤ محلاً کیوں ہے؟ مبنی ہے شاباش۔ دیکھا بالکل آسان ہے ترکیب ان شاء اللہ، ابھی یہ کچھ طلبہ آپ کا پہلا دن ہے،

ان شاء اللہ آپ دیکھیں گے کہ آپ بہترین عبارت ایک ہفتہ، ایک ہفتہ ان شاء اللہ زیادہ نہیں، زیادہ نہیں، آپ کو کچھ نہ کچھ ترکیب کی سمجھ آنا شروع ہو جائے گی، بہترین بلکہ۔ اچھا جی تو هُوَ رَجُلٌ: هُوَ مرفوع محلاً بتدا۔ اور رَجُلٌ: مرفوع لفظاً خبر۔ مرفوع کیوں؟ خبر ہے، اور خبر کیا ہوتی ہے؟ مرفوع۔ لفظاً کیوں؟ اس کے رفع پر ہم کیا کر رہے ہیں؟ تلفظ کر رہے ہیں۔ تلفظ کر کے دکھاؤ رفع پر: رَجُلٌ۔ نصب پر تلفظ کرو: رَجُلاً۔ جر پہ کرو: رَجُلٍ۔ دیکھا معلوم ہوا یہ جو لفظِ رَجُل ہے اس پر تینوں طرح کے اعراب لفظاً آتے ہیں یعنی سننے سے ہی پتہ چل جاتا ہے، تلفظ سے ہی پتہ چل جاتا ہے۔

اب ہم یوں کرتے ہیں وہ سولہ قسمیں کر لیتے ہیں جو نحو میر میں آپ نے پڑھی تھیں بھئی، وہ سولہ قسمیں۔ تو صاحبِ نحو میر نے آپ کو بتایا تھا کہ اسمِ متمکن جو ہے اعراب کے اعتبار سے سولہ قسم پر ہے۔ سولہ قسمیں: پہلی قسم تھی مفرد منصرف صحیح۔ مفرد کا کیا معنیٰ؟ یعنی تثنیہ جمع نہ ہو، تثنیہ کا اعراب الگ آئے گا، جمع کا اعراب الگ آئے گا۔ اچھا مفرد ہو، منصرف ہو، غیر منصرف نہ ہو، اور صحیح ہو، یعنی آخر میں حرفِ علت نہ ہو۔ جیسے زَیْدٌ، اس کا اعراب تینوں حالتوں میں لفظی ہو گا: زَیْدٌ، زَیْداً، زَیْدٍ۔

اسی طرح مفرد منصرف جاری مجرائے صحیح: مفرد ہو، منصرف ہو یعنی غیر منصرف نہ ہو، اور جاری مجرائے صحیح ہو۔ صحیح تو وہ ہے جس کے آخر میں حرفِ علت نہ ہو، لیکن یہ جو جاری مجرائے صحیح ہے اس کے آخر میں حرفِ علت آتا ہے۔ جب آخر میں حرفِ علت آیا تو صحیح تو نہیں، لیکن اس حرفِ علت سے ماقبل ساکن حرف آجاتا ہے جیسے دَلْوٌ، آخر میں واو ہے تو حرفِ ناقص آگیا، لیکن واو سے ماقبل لام کیا ہے؟ ساکن ہے، تو اس سکون کی وجہ سے بھی اس واو یا یا پر اعراب پڑھنا آسان ہو جاتا ہے: دَلْوٌ، دَلْواً، دَلْوٍ، دیکھا اس پر بھی تینوں اعراب کون سے ہیں؟ لفظاً۔ رفع کا تلفظ کرو: دَلْوٌ۔ نصب کا: دَلْواً۔ جر کا: دَلْوٍ۔ جی دَلْوٌ، دَلْواً، دَلْوٍ، تو یہ تینوں اعراب لفظی ہیں۔

تیسرا ہے جمع مکسر منصرف۔ جمع کا صیغہ ہو، مکسر ہو یعنی اس میں مفرد کا وزن ٹوٹ گیا ہو، اور منصرف ہو یعنی غیر منصرف نہ ہو، جیسے رِجَالٌ بھئی۔ اس پر بھی تینوں اعراب لفظی آئیں گے۔ رفع کا تلفظ کرو رِجَال پر: رِجَالٌ۔ نصب کا کرو: رِجَالاً۔ جر کا کرو: رِجَالٍ۔ جی، تو ان تینوں کا رفع ضمہ کے ساتھ، نصب فتحہ کے ساتھ اور جر کسرہ کے ساتھ۔

یہاں نام ہیں دو تین قسم کے وہ بھی سمجھ لو بھئی: ایک ہے رفع، ایک ہے نصب، ایک ہے جر۔ رفع، نصب، جر۔ اور اسی طرح ایک ہے ضَمٌّ، فَتْحٌ، کَسْرٌ بغیر گول تا کے، ضَمٌّ ضاد کے ساتھ ہے، ضَمٌّ، فَتْحٌ، کَسْرٌ۔ اور ایک انہی کے ساتھ گول تا بھی ملا دو: ضَمَّةٌ، فَتْحَةٌ، کَسْرَةٌ۔ توجہ ہے؟ کتنی قسم کے نام ہو گئے؟ تین: نمبر ایک رفع، نصب، جر۔ نمبر دو ضَمٌّ، فَتْحٌ، کَسْرٌ۔ نمبر تین ضَمَّةٌ، فَتْحَةٌ، کَسْرَةٌ۔ یاد رکھو: رفع، نصب، جر یہ خاص ہے معرب کے ساتھ۔ اور ضَمٌّ، فَتْحٌ، کَسْرٌ یہ خاص ہے مبنی کے ساتھ۔ اور گول تا ساتھ جوڑ دو: ضَمَّةٌ، فَتْحَةٌ، کَسْرَةٌ یہ دونوں کے ساتھ بولا جاتا ہے، معرب کے ساتھ بھی اور مبنی کے ساتھ بھی۔ بات سمجھ میں آگئی؟ پھر دہراؤ کتنی قسم کے نام؟ تین: نمبر ایک رفع، نصب، جر۔ نمبر دو ضَمٌّ، فَتْحٌ، کَسْرٌ۔ اور نمبر

تین ضَمَّۃٌ، فَتْحَۃٌ، کَسْرَۃٌ۔ پریشان کہیں نہیں ہونا میں بار بار تکرار کرواؤں گا ان شاء اللہ ذہن میں چیزیں جم جائیں گی لیکن بس آپ نے توجہ سے بیٹھنا ہے اور اس کو دہرانا ہے ساتھ ساتھ۔ جی کتنی قسم کے نام؟ تین: نمبر ایک رفع، نصب، جر۔ نمبر دو ضَمٌّ، فَتْحٌ، کَسْرٌ۔ نمبر تین ضَمَّۃٌ، فَتْحَۃٌ، کَسْرَۃٌ۔ رفع، نصب، جر کس کے ساتھ؟ معرب کے ساتھ۔ ضَمٌّ، فَتْحٌ، کَسْرٌ مبنی کے ساتھ۔ اور ضَمَّۃٌ، فَتْحَۃٌ، کَسْرَۃٌ دونوں کے ساتھ بولا جاتا ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟

لہٰذا یہ تین قسمیں ذکر ہو گئیں سولہ میں سے، کون کون سی؟ مفرد منصرف صحیح، نمبر دو مفرد منصرف جاری مجرائے صحیح، اور نمبر تین جمع مکسر منصرف۔ ان تینوں کا اعراب: رفع ضمہ کے ساتھ، نصب فتحہ کے ساتھ، جر کسرہ کے ساتھ۔ رفع ضمہ کے ساتھ (ضَمَّۃٌ گول تا ہے نا)، رفع کس کے ساتھ؟ ضمہ کے ساتھ، نصب فتحہ کے ساتھ (فَتْحَۃٌ دیکھو وہ گول تا آگئی)، نصب فتحہ کے ساتھ اور جر کسرہ کے ساتھ۔ جی تین لفظ ہیں: زَیْدٌ، دَلْوٌ اور رِجَالٌ۔ زید کیا ہے؟ مفرد منصرف صحیح۔ دَلْوٌ کیا ہے؟ مفرد منصرف جاری مجرائے صحیح، جاری مجرائے کا معنیٰ ہوتا ہے قائم مقام، یعنی ہے تو صحیح تو نہیں ہے آخر میں واو یا یا آئے گی، لیکن واو یا یا سے ماقبل کیا ہو گا؟ ساکن، جس کی وجہ سے اس واو یا یا پر رفع نصب جر تینوں کا پڑھنا آسان، تو یہ بھی اسی کے قائم مقام ہو گیا جیسے مفرد منصرف صحیح پر تینوں اعراب تھے یہ بھی اس کا قائم مقام ہے اس پر بھی کیا ہیں تینوں اعراب آسکتے ہیں۔ تو پڑھو رفع پڑھو سب پر زَیْدٌ، دَلْوٌ اور رِجَالٌ پر: زَیْدٌ وَدَلْوٌ وَرِجَالٌ، پھر پڑھو: زَیْدٌ وَدَلْوٌ وَرِجَالٌ۔ اب تینوں پر نصب پڑھو: زَیْداً وَدَلْواً وَرِجَالاً۔ تینوں پر جر پڑھو: زَیْدٍ وَدَلْوٍ وَرِجَالٍ۔ دیکھا تینوں پر اعراب لفظی ہیں، تلفظ سے پتہ چل رہا ہے یا نہیں؟ مجھے بتانا میں نے کیا پڑھا ہے: دَلْواً؟ نصب۔ دَلْوٍ؟ جر۔ رِجَالٌ؟ رفع پڑھا۔ زَیْداً؟ نصب۔ دیکھا ان میں تلفظ سے ہی پتہ چل رہا ہے یہ تینوں اعراب ہیں۔

اگلی قسم آگئی، اگلی قسم ہے جی جمع مؤنث سالم۔ جمع مؤنث سالم جس کے آخر میں الف اور لمبی تا آئے، مُسْلِمَۃٌ کی جمع کیا ہے؟ مُسْلِمَاتٌ۔ یہ جو جمع مؤنث سالم ہے اس پر صرف دو طرح کے اعراب آتے ہیں: اس پر رفع آئے گا ضمہ کے ساتھ، مُسْلِمَاتٌ، اور اس کا نصب اور جر دونوں کسرہ کے ساتھ آئیں گے۔ نصب پڑھو: مُسْلِمَاتٍ، جر پڑھو: مُسْلِمَاتٍ۔ مُسْلِمَاتاً یہاں نہیں پڑھنا۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو گویا یوں کہو اس کا نصب بھی جر کے تابع ہے، جر جیسا ہے۔ توجہ ہے؟ دہراؤ زبان سے: اس کا نصب بھی جر جیسا ہے، جر کے تابع ہے یوں کہو، جر جیسا ہے۔ تو اس کا رفع کس کے ساتھ آئے گا؟ ضمہ کے ساتھ، نصب اور جر کسرہ کے ساتھ۔ پڑھو رفع پڑھو: مُسْلِمَاتٌ، نصب پڑھو: مُسْلِمَاتٍ، پھر پڑھو رفع پڑھو: مُسْلِمَاتٌ، نصب پڑھو: مُسْلِمَاتٍ، اور جر پڑھو: مُسْلِمَاتٍ، شاباش۔ رَأَیْتُ مُسْلِمَاتٍ یہ کون سی حالت ہے؟ منصوب ہے۔ آپ کا ایک ساتھی آپ پر فوراً اعتراض کرتا ہے کہ بھئی یہ مفعول ہے، مُسْلِمَاتٍ کیا ہے؟ مفعول، اور مفعول منصوب ہوتا ہے، آپ مجرور کیوں پڑھ رہے ہو؟ کیا جواب دو گے؟ ہاں ہاں ہاں تقدیری نہیں کہنا، تقدیری نہیں کہنا، پڑھ رہے ہو یا نہیں پڑھ رہے؟ مُسْلِمَاتٍ تو پڑھ رہے ہو کہ نہیں؟ مُسْلِمَاتٌ تو نہیں پڑھا نا؟ بات سمجھ میں آگئی؟ تقدیراً جس کے تو تقدیراً تو صرف فرض کر لیں، لیکن

یہاں باقاعدہ تبدیلی آ رہی ہے: جَاءَتْ مُسْلِمَاتٌ، رَأَيْتُ مُسْلِمَاتٍ، تبدیلی آ گئی یا نہیں آ گئی؟ تو دیکھا؟ ہاں اب ساتھی نے آپ سے سوال کیا کہ یہ تو منصوب ہے آپ نے اس پر کیا پڑھا؟ جر، آپ کیا کہیں گے؟ کہ یہ جر نہیں ہے، یہ نصب ہی ہے، اس کا نصب آتا ہی اس شکل میں ہے۔ دو بھائی اگر جڑواں ہوں زید اور عمر، تو کیا زید عمر بن گیا اور عمر زید بن گیا ہے؟ نہیں، زید الگ ہے، عمر الگ، شکلیں بے شک ایک جیسی ہیں کپڑے بالکل ایک جیسے ہیں لیکن دونوں الگ الگ ہیں۔ یہاں بھی ایسا ہے: اس کا نصب کس کے جیسا؟ جر جیسا، لیکن نصب الگ ہے جر الگ ہے۔ نصب والا عامل آئے گا تو نصب پڑھو گے، جر والا عامل آئے گا تو جر پڑھو گے۔ مَرَرْتُ، با جارہ کے ساتھ کیسے پڑھیں گے؟ مَرَرْتُ بِمُسْلِمَاتٍ۔ بات سمجھ میں آ گئی؟ پھر سنو: جَاءَتْ مُسْلِمَاتٌ، رَأَيْتُ مُسْلِمَاتٍ، مَرَرْتُ بِمُسْلِمَاتٍ۔ اب مجھے اعراب بتاؤ: جَاءَتْ مُسْلِمَاتٌ کون سا اعراب ہے؟ مرفوع، کون سا مرفوع ہے؟ لفظاً ہے، تلفظ سے پتہ چل رہا ہے یا نہیں؟ رَأَيْتُ مُسْلِمَاتٍ کون سا اعراب ہے؟ منصوب ہے، کون سا منصوب؟ لفظاً ہے، تلفظ سے پتہ چل رہا ہے یا نہیں؟ تلفظ کر رہے ہیں ہم باقاعدہ اس پر۔ اور مَرَرْتُ بِمُسْلِمَاتٍ یہ بھی کیا ہے؟ مجرور، کون سا مجرور؟ لفظاً ہے۔ تو یہ جو جمع مؤنث سالم ہے اس پر بھی تینوں طرح کے اعراب لفظاً آتے ہیں، لیکن اس کا نصب کس جیسا ہوتا ہے؟ جر جیسا ہوتا ہے۔ اعراب تینوں ہی آئیں گے، تقدیراً نہیں کہنا لفظاً ہی کہنا۔

اس سے اگلی قسم تھی غیر منصرف۔ غیر منصرف انہوں نے آپ کو بتلایا کہ وہ ہے جس میں دو اسبابِ منع صرف پائے جائیں یا کوئی ایک سبب جو دو کے قائم مقام ہو۔ اور غیر منصرف پر کسرہ بھی نہیں آتا اور تنوین بھی نہیں آتی۔ جَاءَ عُمَرُ، رَأَيْتُ عُمَرَ، مَرَرْتُ بِعُمَرَ، مَرَرْتُ بِعُمَرَ، کسرہ بھی نہیں آئے گا، تنوین بھی نہیں، جَاءَ عُمَرٌ تنوین نہیں پڑھنی، جَاءَ عُمَرُ، رَأَيْتُ عُمَرَ، اور مَرَرْتُ بِعُمَرَ۔ غیر منصرف جو ہے وہ جمع مؤنث سالم کے برعکس ہے۔ جمع مؤنث سالم میں نصب تابع تھا کس کے؟ جر کے، جبکہ غیر منصرف میں جر تابع ہے نصب کے۔ نصب میں بھی زبر آئے گا اور جر میں بھی زبر آئے گا۔ تو اس کا جر کس کے جیسا؟ نصب جیسا ہے، بات سمجھ میں آ رہی ہے؟ جمع مؤنث سالم میں کیا تھا؟ نصب کس جیسا تھا؟ جر جیسا تھا، اور غیر منصرف میں جر کس جیسا ہے؟ نصب جیسا ہے، لیکن ہے جر ہی، ہے جر ہی۔ جی اب مجھے اعراب بتاؤ: جَاءَ عُمَرُ، مرفوع لفظاً شاباش۔ مرفوع کیوں؟ فاعل ہے، اور لفظاً کیوں؟ اس کے رفع پر ہم باقاعدہ تلفظ کر رہے ہیں، کر کے دکھاؤ: عُمَرُ۔ جی رَأَيْتُ عُمَرَ اعراب بتاؤ: منصوب لفظاً۔ منصوب کیوں؟ مفعول ہے، لفظاً کیوں؟ اس کے اعراب پر ہم کیا کر رہے ہیں؟ تلفظ کر رہے ہیں۔ مَرَرْتُ بِعُمَرَ اعراب بولو: مجرور لفظاً، مجرور لفظاً۔ تو یہ نہ کہنا کہ اس پر تو جر... نہیں بھئی یہ جو آپ زبر پڑھ رہے ہیں اس کا جر آتا ہی زبر کی صورت میں ہے، یہ زبر خود بخود آیا یا مجرور ہونے کی وجہ سے آیا؟ مَرَرْتُ بِعُمَرَ، مَرَرْتُ بِعُمَرُ کیوں نہیں پڑھا آپ نے؟ پیش کیوں نہیں پڑھی آپ نے، زبر کیوں پڑھی؟ کیونکہ یہ کیا ہے؟ با جارہ آ گئی اور با جارہ کیا کرتی ہے؟ جر دیتی ہے، اور غیر منصرف کا جر آتا ہی کس شکل میں ہے؟ نصب کی صورت میں آتا ہے، یعنی فتحہ کے ساتھ آتا ہے۔ بات سمجھ میں آ گئی؟ تو جَاءَ عُمَرُ، رَأَيْتُ عُمَرَ، مَرَرْتُ بِعُمَرَ، تینوں اعراب کیا ہیں؟ لفظی ہیں، تینوں اعراب لفظی ہیں۔

اگلی قسم آگئی تھی اسمائے ستہ مکبرہ۔ یاد رکھو اسمائے ستہ مکبرہ موحدہ مضافہ الیٰ غیرِیاءِ المتکلم، یہ پوری قیدیں آپ نے یاد کرنی ہیں۔ اسمائے ستہ مکبرہ موحدہ مضافہ الیٰ غیرِیاءِ المتکلم۔ پھر دہراؤ: اسمائے ستہ مکبرہ موحدہ مضافہ الیٰ غیرِیاءِ المتکلم۔ دیکھو اسمائے ستہ ہوں، ان کے علاوہ نہ ہوں۔ مکبرہ ہوں یعنی ان کی تصغیر نہ ہو۔ ایک ہوتا ہے عام اسم، ایک اس کی تصغیر ہوتی ہے: رَجُلٌ کا معنیٰ آدمی اور ایک اس کی تصغیر پھر بناتے ہیں فُعَیْلٌ وزن پر رُجَیْلٌ، رُجَیْلٌ چھوٹا سا آدمی۔ کِتَابٌ کتاب، اور اسی کی تصغیر بناتے ہیں کُتَیِّبٌ چھوٹی سی کتاب۔ تو یہ جو عام اسم ہے اس کو اسمِ مکبر کہتے ہیں، اور ان کی پھر تصغیر بھی آتی ہے لیکن یہاں ہم نے بتا دیا اسمائے ستہ مکبرہ ہوں، تصغیر نہ ہو ان کی، تصغیر نہیں اس کا اعراب الگ ہے۔ اسمائے ستہ ہوں یعنی وہ چھ اسم ہیں، مکبرہ ہوں یعنی مصغرہ نہ ہوں، اور موحدہ ہوں یعنی مفرد کے صیغے ہوں تثنیہ یا جمع نہ ہوں۔ أَبٌ، أَبٌ کی تثنیہ کیا آئے گی؟ أَبَوَانِ۔ دیکھو تثنیہ نہ ہو، تثنیہ کا اعراب الگ آئے گا، جمع نہ ہو جمع کا اعراب الگ ہو گا۔ تو اسمائے ستہ ہوں، مکبرہ ہوں اور موحدہ ہوں، اور نیز یہ مضاف ہوں الیٰ غیرِیاءِ المتکلم، یائے متکلم کے علاوہ کسی اور اسم کی طرف مضاف ہوں۔ یا کی طرف مضاف ہوں تو ابھی آپ نے پڑھا تھا یا کی طرف جو اسم بھی مضاف ہو جائے علاوہ جمع مذکر سالم کے اس کا اعراب تینوں حالتوں میں تقدیری، جَاءَ غُلَامِیْ، رَأَیْتُ غُلَامِیْ، مَرَرْتُ بِغُلَامِیْ، دیکھو تینوں حالتوں میں اعراب تقدیری ہے، اس لیے کہا یا کی طرف مضاف نہ ہو، کسی اور اسم کی طرف مضاف ہو۔ پھر دہراؤ قیدیں: اسمائے ستہ مکبرہ موحدہ مضافہ الیٰ غیرِیاءِ المتکلم۔ جی یہ تین چاروں شرطیں پوری ہوں گی پھر اعراب کی یہ قسم بنے گی، اگر ان میں سے ایک بھی شرط ختم ہوئی تو اعراب کی قسم بدل جائے گی۔

اس کا رفع واو کے ساتھ، نصب الف کے ساتھ، جر یا کے ساتھ: جَاءَ أَبُوْكَ، رَأَیْتُ أَبَاكَ، مَرَرْتُ بِأَبِیْكَ، دیکھا؟ أَبُوْكَ، أَبَاكَ، أَبِیْكَ، تلفظ سے پتہ چل رہا ہے یا نہیں میں کون سا اعراب پڑھ رہا ہوں؟ أَبُوْكَ کون سا اعراب ہے؟ واو یعنی رفع ہے۔ أَبِیْكَ؟ جر ہے۔ أَبَاكَ؟ نصب ہے۔ دیکھا تلفظ سے ہی پتہ چل رہا ہے، تو اس کا اعراب واو الف یا کے ساتھ آئے گا لیکن تینوں اعراب لفظی ہیں بھئی، تینوں اعراب کیا ہیں؟ لفظی ہیں۔

سات، آٹھ اور نویں قسم جو تھی: تثنیہ، تثنیہ جیسے رَجُلَانِ، کِلَا کِلْتَا جب یہ ضمیر کی طرف مضاف ہوں۔ کتنی قسمیں گزر گئیں؟ چھ قسمیں گزر گئیں: پہلی کیا تھی؟ مفرد منصرف صحیح، دوسری کیا تھی؟ مفرد منصرف جاری مجرائے صحیح، تیسری کیا تھی؟ جمع مکسر منصرف، ان تینوں کا اعراب ایک جیسا تھا: رفع ضمہ کے ساتھ، نصب فتحہ کے ساتھ، جر کسرہ کے ساتھ۔ اس کے بعد چوتھی قسم آئی تھی جمع مؤنث سالم، اس کا رفع ضمہ کے ساتھ، نصب اور جر کسرہ کے ساتھ۔ اس کے بعد غیر منصرف آیا تھا، اس کا رفع ضمہ کے ساتھ، نصب اور جر فتحہ کے ساتھ۔ اس کے بعد اسمائے ستہ مکبرہ آئے، ان کا رفع واو کے ساتھ، نصب الف کے ساتھ، جر یا کے ساتھ۔ اب آگئیں ساتویں، آٹھویں اور نویں قسم: تثنیہ، کِلَا اور کِلْتَا جب وہ مضاف ہوں کسی ضمیر کی طرف، اور اِثْنَانِ اور اِثْنَتَانِ۔ تثنیہ، رَجُلَانِ، یہ حالتِ رفعی میں یوں پڑھیں گے رَجُلَانِ الف کے

ساتھ، اور حالتِ نصبی اور جری دونوں میں پڑھیں گے رَجُلَيْنِ، دونوں میں کیا پڑھیں گے؟ رَجُلَيْنِ، دیکھا یا ماقبل مفتوح۔ تو تثنیہ کا اعراب کیا ہے؟ حالتِ رفعی الف کے ساتھ، حالتِ نصبی جری یا کے ساتھ جس کا ماقبل مفتوح ہوگا۔ توجہ ہے؟ تثنیہ کا یہ اعراب ہے۔ اسی طرح كِلَا اور كِلْتَا کا بھی یہی اعراب ہے لیکن شرط یہ ہے وہ مضاف ہوں ضمیر کی طرف۔ وہ مضاف ہوں کس کی طرف؟ ضمیر کی طرف: كِلَاهُمَا، كِلْتَاهُمَا، دیکھا ضمیر کی طرف مضاف ہے۔ تو حالتِ رفعی میں الف کے ساتھ پڑھیں گے: كِلَاهُمَا، لام کے بعد الف پڑھ رہا ہوں یا نہیں میں؟ كِلَاهُمَا، اور حالتِ نصبی جری میں: یا ماقبل مفتوح، كِلَيْهِمَا، كِلَيْهِمَا، توجہ ہے؟ كِلَيْهِمَا، اسی طرح كِلْتَيْهِمَا۔ وہی تثنیہ والا اعراب ہے، تثنیہ کا اعراب حالتِ رفعی میں کس کے ساتھ؟ الف کے ساتھ، نصب اور جر یا ماقبل مفتوح۔ اسی طرح كِلَا اور كِلْتَا بھی ہیں لیکن کب؟ یہ جب مضاف ہوں کس کی طرف؟ ضمیر کی طرف، یہ قید ساتھ ضرور یاد رکھنا، جیسے اسمائے ستہ مکبرہ میں چار پانچ قیدیں تھیں ان میں سے ایک بھی قید کم ہو جائے تو قسم ہی بدل جائے گی، لہٰذا وہ قیدیں ساتھ ذکر کرنی ہیں: اسمائے ستہ مکبرہ موحدہ مضافہ الیٰ غیرِ یاءِ المتکلم۔ اور یہ كِلَا اور كِلْتَا جب مضاف ہوں کس کی طرف؟ ضمیر کی طرف، یہ قید ضرور یاد رکھنا۔ تو تثنیہ کا بھی یہی اعراب، كِلَا اور كِلْتَا جب مضاف ہوں کس کی طرف؟ ضمیر کی طرف اس کا بھی یہی اعراب، اور اِثْنَانِ اور اِثْنَتَانِ ان کا بھی یہی اعراب ہے: حالتِ رفعی الف، حالتِ نصبی جری یا ماقبل مفتوح ہے۔ جَاءَ رَجُلَانِ، کون سی حالت ہے؟ رفعی، دیکھو تلفظ سے ہی آپ کو پتہ چل گیا، کیسے پتہ چلا؟ فاعل ہے لیکن پتہ کیسے چلا کہ یہ مرفوع ہے؟ الف، الف پر ہم تلفظ کر رہے ہیں: رَجُلَانِ، توجہ ہے؟ آپ کا ایک ساتھی آپ کو کہتا ہے کہ رَجُلَانِ اعراب بولو: مرفوع لفظاً۔ بھئی مرفوع کیسے، رَجُلَانِ نون کے نیچے تو میں زیر پڑھ رہا ہوں، یہ تو مجرور ہے؟ آپ کیا کہیں گے؟ کہ یہ نون کے نیچے جو ہے یہ اعراب نہیں ہے یہ حرکت ہے، یہ اعراب نہیں یہ حرکت ہے نون کی، اعراب نون سے پہلے جو الف آیا ہے یہ اعراب ہے: رَجُلَانِ، توجہ ہے؟ یہ نون سے پہلے جو الف آیا ہے یہ اعراب ہے اور اس پر ہم باقاعدہ تلفظ کر رہے ہیں، لہٰذا یہ مرفوع لفظاً ہے۔ تلفظ کر رہا ہوں یا نہیں؟ رَجُلَانِ، پتہ چلا میں نے کیا پڑھا؟ رَجُلَيْنِ، کچھ پتہ چلا میں نے کیا پڑھا؟ دیکھا تلفظ سے ہی آپ کو پتہ چل رہا ہے۔ تو رَجُلَانِ اب بھی نون کے نیچے زیر، رَجُلَيْنِ اب بھی نون کے نیچے زیر، تو نون کو نہیں دیکھنا، نون نہیں ہے اعراب بھئی، یہ نون کے نیچے جو حرکت ہے یہ اعراب نہیں ہے یہ نون کی حرکت ہے، اعراب وہ ہے جو عامل کے آنے سے بدلتا ہو اور عامل کے آنے سے اس کا الف اور یا یہ بدلتے ہیں، اور چیزیں نہیں بدلتیں۔ تو رَجُلَانِ کون سی حالت؟ رفعی حالت، اور رَجُلَيْنِ نصبی اور جری دونوں حالتوں میں اسی طرح آئے گا۔ تو کل نو قسمیں ہو گئیں بھئی: تثنیہ، كِلَا اور كِلْتَا جب وہ مضاف ہوں ضمیر کی طرف، اور اِثْنَانِ اور اِثْنَتَانِ، ان تینوں قسموں کا اعراب ایک جیسا ہے۔

اس کے بعد دسویں قسم تھی، دسویں، گیارہویں اور بارہویں، ان کا بھی اعراب ایک جیسا ہے۔ وہ مُسْلِمُوْنَ ہے جمع، جمع مذکر سالم۔ حالتِ رفعی میں کیسے پڑھتے ہیں؟ مُسْلِمُوْنَ، اس میں بھی دیکھو نون پر زبر ہے۔ اور حالتِ نصبی جری میں

کیسے پڑھتے ہیں؟ مُسْلِمِيْنَ، اب بھی نون پر زبر ہے، تو نون اعراب نہیں ہے نون سے ماقبل جو واو یا یا ہے وہ ہے اعراب۔ مُسْلِمُوْنَ، میں نے کون سا اعراب پڑھا؟ رفع، تو کون سا رفع ہے؟ لفظی ہے، تقدیری ہے، محلی ہے؟ لفظاً ہے اعراب، رفع لفظاً ہے۔ اور مُسْلِمِيْنَ یہ منصوب یا مجرور ہے لفظاً، توجہ ہے؟ آپ کہیں گے بھئی اس کا نصب اور جر ایک جیسے ہیں، رَجُلَيْنِ اس کا بھی نصب اور جر ایک جیسے ہیں، بھئی وہ جس جملے میں آئے گا عامل سے آپ کو پتہ چل جائے گا، کس سے پتہ چلے گا؟ عامل سے۔ اگر کوئی ان پہ حرفِ جر داخل ہو گا تو پھر مجرور ہوں گے، اور اگر یہ مفعول بن رہے ہیں تو پھر کیا ہوں گے؟ منصوب ہوں گے، تو وہ عامل سے آپ کو پتہ چل جائے گا کہ بے شک دیکھو ان کا نصب اور جر سب کا ایک جیسا ہے: نصب بھی رَجُلَيْنِ اور جر بھی رَجُلَيْنِ، لیکن پتہ کس سے چلے گا؟ عامل سے، پیچھے دیکھو کون ہے نصب دینے والا عامل ہے یا جر دینے والا، تو اس سے آپ کو پتہ چل جائے گا بھئی۔ رَجُلَيْنِ اکیلا تو کہیں نہیں آئے گا نا؟ نصب یا جر خود آتا ہے یا عامل چاہیے؟ عامل چاہیے، تو عامل ضرور ہو گا جہاں بھی آئے گا، وہ آپ کو بتا دے گا یہ اس وقت منصوب ہے یا مجرور ہے، بے شک شکل ایک جیسی ہی کیوں نہ ہو بھئی۔

اگلے تین ہیں دس، گیارہ اور بارہویں بھئی: سب سے پہلے جمع مذکر سالم ہے، مُسْلِمُوْنَ، رفع کس کے ساتھ؟ واو کے ساتھ۔ میں نے پڑھا جَاءَ مُسْلِمُوْنَ، اعراب بولو: مرفوع لفظاً۔ آپ کا ایک ساتھی کہتا ہے نہیں بھئی منصوب ہے، مُسْلِمُوْنَ کے نون پہ میں زبر پڑھ رہا ہوں، آپ کیا کہیں گے؟ یہ حرکت ہے اعراب نہیں، اعراب کیا ہے؟ واو ہے اور اس پر ہم تلفظ کر رہے ہیں تو مرفوع ہے لفظاً۔ رَأَيْتُ مُسْلِمِيْنَ، یہ کیا ہے؟ منصوب لفظاً۔ اور مَرَرْتُ بِمُسْلِمِيْنَ؟ مجرور لفظاً ہے۔ توجہ ہے؟ یا پڑھ رہے ہو یا نہیں، تلفظ کر رہے ہو یا نہیں اس پر؟ تو یہ مجرور لفظاً ہے یا منصوب لفظاً جو بھی ہو گا، تو یہ لفظاً اعراب ہے اس کا۔

اچھا اسی طرح أُوْلُوْ بھئی۔ ذُوْ، جیسے تھا ذُوْ مَالٍ، ذُوْ مَالٍ کا کیا معنیٰ؟ مال والا، تو یہ جمع کے لیے پھر أُوْلُوْ ہے، أُوْلُوْ مَالٍ کیا معنیٰ؟ مال والے۔ یہ بھی اسی طرح ہے: حالتِ رفعی میں أُوْلُوْ، یہ جو لام کے بعد واو ہے، حالتِ نصبی جری میں أُوْلِيْ۔ أُوْلُوْ مَالٍ اور أُوْلِيْ مَالٍ۔ جَاءَ أُوْلُوْ مَالٍ کون آئے؟ مال والے آئے۔ رَأَيْتُ أُوْلِيْ مَالٍ، میں نے دیکھا کس کو؟ مال والوں کو۔ اور مَرَرْتُ بِأُوْلِيْ مَالٍ، دیکھا وہی مُسْلِمُوْنَ جیسا اعراب ہے: رفع کس کے ساتھ ہے؟ واو کے ساتھ، اور نصب اور جر یا کے ساتھ۔

اور اسی طرح ہے عِشْرُوْنَ سے لے کر تِسْعُوْنَ تک یہ جو دہائیاں ہیں: عِشْرُوْنَ کا معنیٰ بیس، ثَلَاثُوْنَ کا معنیٰ تیس، أَرْبَعُوْنَ کا معنیٰ چالیس، خَمْسُوْنَ پچاس، سِتُّوْنَ ساٹھ، اور سَبْعُوْنَ ستر، ثَمَانُوْنَ اسی، تِسْعُوْنَ نوے۔ تو یہ عِشْرُوْنَ سے لے کر تِسْعُوْنَ تک یہ جو دہائیاں ہیں ان کا بھی یہی اعراب ہے: حالتِ رفعی کس کے ساتھ؟ واو کے ساتھ: تِسْعُوْنَ، ثَلَاثُوْنَ، أَرْبَعُوْنَ وغیرہ، اور حالتِ نصبی جری میں یا کے ساتھ: عِشْرِيْنَ، ثَلَاثِيْنَ، أَرْبَعِيْنَ۔ تو ان تینوں کا اعراب بھی کیا ہے؟ لفظاً ہے۔ ابھی تک جتنی بارہ قسمیں گزریں سب کا اعراب لفظاً تھا، آپ غور کر رہے ہیں؟ سب قسموں کا اعراب لفظاً۔

اب آنے لگی ہیں آگے وہ قسمیں جن کا اعراب جو ہے وہ تقدیراً ہوتا ہے، اب وہ بیان کرتے ہیں کس کے اندر؟ نحو میر میں سولہ قسمیں ہم پڑھ رہے ہیں بھئی۔ اگلی قسم تھی اسمِ مقصور بھئی۔ اسمِ مقصور کسے کہتے ہیں؟ جس کے آخر میں کیا آئے؟ الفِ مقصورہ۔ الفِ مقصورہ کسے کہتے ہیں؟ یہ عام الف کو، عام الف کو کیا کہتے ہیں؟ الفِ مقصورہ، دوسرا اس کے مقابلے میں کیا ہوتا ہے؟ الفِ ممدودہ۔ تو الفِ مقصورہ، اور جس اسم کے آخر میں الفِ مقصورہ آئے اس کا اعراب تینوں حالتوں میں تقدیری ہے: رفع بھی تقدیری، نصب بھی تقدیری، جر بھی تقدیری: جَاءَ مُوْسٰی، رَأَیْتُ مُوْسٰی، مَرَرْتُ بِمُوْسٰی۔

اگلی قسم: اگلی قسم علاوہ جمع مذکر سالم کے جب وہ مضاف ہو یائے متکلم کی طرف۔ جمع مذکر سالم یعنی مُسْلِمُوْنَ کے علاوہ کوئی اور لفظ مضاف ہو کس کی طرف؟ یائے متکلم، اس کا اعراب بھی تینوں حالتوں میں تقدیری ہے: جَاءَ غُلَامِیْ، رَأَیْتُ غُلَامِیْ، مَرَرْتُ بِغُلَامِیْ۔ یہ دو قسمیں تھیں: ایک اسمِ مقصور، ایک وہ اسم جو مضاف ہو یائے متکلم کی طرف علاوہ جمع مذکر سالم، ان میں تینوں حالتیں تقدیری ہیں۔

اگلی قسم ہے اسمِ منقوص بھئی، اسمِ منقوص جیسے قَاضِیْ، یعنی ایسا اسم جس کے آخر میں یا ہو اور یا سے ماقبل کسرہ ہو، یہ ہے اسمِ منقوص، ناقص سے ہے۔ اسمِ منقوص کے اندر رفع بھی تقدیری اور جر بھی تقدیری، لیکن نصب لفظی ہو گا: جَاءَ الْقَاضِیْ، رَأَیْتُ الْقَاضِیَ، مَرَرْتُ بِالْقَاضِیْ، دیکھا رفع بھی تقدیری اور جر بھی، لیکن نصب لفظی ہے یعنی ہم اس پر باقاعدہ تلفظ کرتے ہیں۔

اگلی قسم ہے سولہویں قسم، آخری قسم: جمع مذکر سالم جب وہ مضاف ہو یائے متکلم کی طرف۔ ابھی کہا تھا نا کوئی بھی اسم جب مضاف ہو کس کی طرف؟ یائے متکلم کی طرف، علاوہ کس کے؟ علاوہ جمع مذکر سالم کے، کیونکہ اس کا اعراب یہ اب آگیا سولہویں قسم: جب جمع مذکر سالم مضاف ہو کس کی طرف؟ یائے متکلم کی طرف تو اس کا کیا اعراب ہو گا؟ اب وہ آپ نے مجھے بتانا ہے۔ مُسْلِمُوْنَ، میں اس کی اضافت کرتا ہوں یا کی طرف، اور آپ نے پڑھا ہے کہ نونِ جمع اور نونِ تثنیہ اضافت کے وقت گر جاتے ہیں، تو مُسْلِمُوْنَ کا نون گر گیا، آگے کیا آگئی یا، مُسْلِمُوْیَ، اور پھر کیا کرتے ہیں واو اور یا جب جمع ہو جائیں اور اول ان میں سے ساکن ہو تو اس واو کو یا کر کے یا میں کیا کرتے ہیں؟ ادغام، تو مُسْلِمُیَّ، اب یا کو یا کر میں ادغام کر دیا لیکن ماقبل میں میم پر پیش تھا اور یا تو اپنے سے ماقبل کیا چاہتی ہے؟ کسرہ، لہٰذا اس ضمہ کو کسرہ سے بدل دیا، کیا بن گیا؟ مُسْلِمِیَّ۔ اب یہ اسی طرح رہے گا تینوں حالتوں میں: جَاءَ مُسْلِمِیَّ، رَأَیْتُ مُسْلِمِیَّ، مَرَرْتُ بِمُسْلِمِیَّ۔ لیکن یہاں دو لفظ ہیں ایک نہیں ہے، ایک مُسْلِمُوْنَ ہے اور ایک یا ہے، مُسْلِمُوْنَ کا اعراب الگ بتانا ہے یا کا اعراب الگ۔ کیوں؟ کیونکہ وہ مضاف ہے اور یہ مضاف الیہ، اور میں نے آپ کو بتایا تھا ابھی کہ مضاف الیہ ہمیشہ کیا ہوتا ہے؟ مجرور۔ دنیا میں دو ہی مجرور ہیں: ایک جس پر کیا داخل ہو؟ حرفِ جر، ایک مضاف الیہ۔ تو مُسْلِمُوْنَ اور آگے یا ہے، یا تو مجرور ہے ہر حال میں۔ کیوں مجرور ہے؟ مضاف الیہ ہے، مُسْلِمُوْنَ مضاف اور یا ضمیر مضاف الیہ۔ یا کا اعراب بولو: کون سا اعراب؟ مجرور،

کون سا مجرور؟ محلاً، تقدیراً، لفظاً؟ محلاً کیوں ہے؟ شاباش بنی ہے بھئی۔ ضابطے میں نے سارے آپ کو بتا دیے بس اب یہ اب مشق ہم نے کرنی ہے کہ آپ اس کے ماہر بن جائیں۔ یا کیا ہے؟ مضاف الیہ ہے، مضاف الیہ کیا ہوتا ہے؟ آپ نے پڑھا یا نہیں؟ مجرور ہوتا ہے، تو یا کیا ہے؟ مضاف الیہ مجرور۔ اب کون سا مجرور ہے؟ سب سے پہلے دیکھا کرو بنی ہے یا معرب ہے، دیکھتے ہی پتہ لگ گیا یہ تو ضمیر ہے، متکلم کی ضمیر ہے، تو یہ کیا ہے؟ بنی ہے، تو مجرور محلاً۔ تو یا تو مجرور محلاً ہے، ہاں یہ مُسْلِمُوْنَ جو ساتھ جڑا ہے یا کے، پڑھ ہم کیا رہے ہیں؟ مُسْلِمِیَّ، پڑھیں گے اسی طرح لیکن اعراب کیا ہو گا تینوں حالتوں میں؟ اب آپ کو پوری سمجھ میں آگئی ہے بات، اب اس کو حل کر کے دکھائیں بھئی۔

جَاءَ مُسْلِمِیَّ، رَأَیْتُ مُسْلِمِیَّ، مَرَرْتُ بِمُسْلِمِیَّ، رہے گا تینوں حالتوں میں ایک جیسا۔ اب مجھے بتائیے: جَاءَ مُسْلِمِیَّ، اعراب بولو۔ مرفوع کیوں؟ فاعل ہے شاباش، کیا ہے؟ فاعل ہے، پتہ چل رہا ہے یا نہیں؟ فاعل کیا ہوتا ہے؟ مرفوع۔ اب کون سا مرفوع ہے مجھے بتاؤ۔ مُسْلِمُوْنَ اور یا، یا کا اعراب بتا چکے یا نہیں؟ کس کا اعراب باقی؟ بس میں مُسْلِمُوْنَ کا اعراب پوچھ رہا ہوں آپ سے، مُسْلِمُوْنَ۔ جَاءَ مُسْلِمِیَّ اس کے اندر شروع میں کیا ہے؟ مُسْلِمُوْنَ ہے، میں اس کا اعراب پوچھ رہا ہوں۔ اعراب بولو مرفوع... مرفوع کیوں ہے؟ فاعل ہے، کون سا مرفوع؟ مُسْلِمُوْنَ کا رفع کس کے ساتھ آتا ہے؟ واو، میں پڑھ رہا ہوں؟ جَاءَ مُسْلِمِیَّ میں واو پڑھ رہا ہوں؟ نہیں، معلوم ہوا رفع تقدیری ہے۔ بات سمجھ میں آگئی کہ نہیں آگئی؟ واو پڑھ رہا ہوں میں؟ مُسْلِمُوْنَ کا رفع ابھی ہم نے بتایا تھا رفع کس سے؟ واو، نصب اور جر یا کے ساتھ۔ واو میں پڑھ رہا ہوں جَاءَ مُسْلِمِیَّ میں؟ نہیں، تو معلوم ہوا رفع کیا ہے؟ تقدیری ہے۔ اچھا رَأَیْتُ مُسْلِمِیَّ، اب یہ مفعول ہے اعراب بولو: منصوب ہے، کون سا منصوب ہے؟ کس کا اعراب بتا رہے ہو؟ مُسْلِمُوْنَ کا، کس کا اعراب بتا رہے ہو؟ مُسْلِمُوْنَ کا، جی مُسْلِمُوْنَ کا نصب کس کے ساتھ آتا ہے؟ یا کے ساتھ، رَأَیْتُ مُسْلِمِیَّ یا پڑھ رہے ہو یا نہیں پڑھ رہے؟ یائے مشدد ہے یا نہیں؟ یائے مشدد میں کتنی یا ہوتی ہیں؟ دو، ایک یا تو متکلم کی ضمیر ہے اور اس سے ماقبل بھی یا پڑھ رہے ہو یا نہیں پڑھ رہے؟ اور تو یہ کون سا اعراب ہے؟ جس پہ تلفظ ہو رہا ہے اس کو کیا کہتے ہیں؟ لفظاً، تو یہ کیا ہے؟ منصوب ہے لفظاً۔ مَرَرْتُ بِمُسْلِمِیَّ، بولو کون سا اعراب؟ مجرور، کون سا مجرور؟ لفظاً ہے شاباش کیونکہ یا پڑھ رہے ہو۔ بات سمجھ میں آرہی ہے سب کو؟ سب کچھ آسان ہے آپ سب پڑھ چکے ہیں اب صرف مشق کرنی ہے، چند دن میں آپ ماہر ہو جائیں گے۔

تو یہ سولہویں قسم تھی، یہ سولہ قسمیں پڑھ لیں آپ نے نحو میر کی۔ یہ آپ کو یاد ہونی چاہئیں بھئی، اگر نہیں ہیں تو آج ہی ان کو زبردست یاد کر لو، سولہ قسمیں ہیں میں نے سمجھا بھی دیں، اور اگر ازبر نہیں ہوتیں روز ان کو دہراتے رہو، ان شاء اللہ آپ دیکھیں گے آپ زبردست ترکیب کر... بس یہ سولہ قسمیں یاد کرو، وہ مبنیات کی آٹھ قسمیں یاد کرو، اور وہ معرفہ کی چھ سات قسمیں یاد کرو، پھر آپ ان شاء اللہ بہترین چلتے رہیں گے۔ معلوم ہوا جمع مذکر سالم (مضاف الیٰ یاءِ المتکلم) اس کا اعراب کیا ہے؟ رفع ہے تقدیری، نصب اور جر لفظی ہے۔ رفع ہے تقدیری۔ اس کو دہرانا بھئی ساتھیوں کے ساتھ بھی

آپ لوگوں نے پھر اس کو دہرانا ہے، یہ سولہ قسمیں ہیں بھئی۔

چلو کل بھئی پھر ان شاء اللہ موصوف صفت کی ترکیب وغیرہ شروع کریں گے، آج تو کچھ آپ طلبہ گزشتہ سبق میں نہیں تھے اس لیے میں نے ساری ترکیب دوبارہ دہرا دی، اب کوشش کریں بھئی باقاعدگی سے آئیں اور یہ ان شاء اللہ آٹھ دس دن میں آپ بہترین عبارت پڑھنے کے قابل ہو جائیں گے۔ باتیں اچھی طرح سمجھ میں آگئیں؟ چلیے بس بھئی، ہٰذَا هُوَ الْمَرَامُ وَاللّٰهُ أَعْلَمُ بِحَقِيْقَةِ الْكَلَامِ۔

سبق نمبر ۴: تراکیبِ نحویہ (۳): موصوف اور صفت کی ترکیب کے قواعد

تراکیبِ نحویہ (ابتدائی مشق) — بتاریخ: ۱۳ جون ۲۰۲۱ء

▪ تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث

اچھا بھئی ہم ترکیب کر رہے ہیں بھئی۔ آج ہم موصوف صفت کی ترکیب کریں گے۔ لیکن پہلے گزشتہ سبق کا خلاصہ سن لیں جلدی جلدی۔ یہ سارا سبق جو چل رہا ہے بار بار تکرار ہے، آپ بھی اس کا بار بار تکرار کریں۔ یہ جتنا آپ تکرار کریں گے، یہ چار چھ دن آٹھ دس دن تک، ان شاء اللہ اتنی ہی تیزی سے آپ کی ترکیب بہتر ہو جائے گی۔ اس طرح ذہن میں جم جائیں کہ ذہن سوچنا نہ پڑے زیادہ بھئی، سوچنا نہ پڑے۔ اور یہ بار بار مشق کرنے سے چند دنوں میں آپ دیکھیں گے کہ آپ کی رفتار بہت تیز ہو گئی ہے۔

سب سے پہلے ہم نے جملہ اسمیہ کی ترکیب شروع کی تھی۔ میں نے آپ کو بتلایا تھا کہ جملہ اسمیہ کے اندر دو چیزیں ہوتی ہیں: ایک ہے مبتدا اور ایک ہے خبر۔ چاہے دس لفظ ہوں چاہے بیس لفظ ہوں لیکن مل جل کر بالآخر دو چیزیں بنیں گی: ایک مبتدا اور ایک خبر۔ مبتدا آسان لفظوں میں وہ چیز جس کے بارے میں بات کی جائے، اور خبر وہ جو بات کی جائے۔ مبتدا وہ جس کے بارے میں بات کی جائے اور خبر جو بات کی جائے۔ اور مبتدا بھی مرفوع ہوتا ہے اور خبر بھی مرفوع ہوتی ہے۔ تو جیسے ہی کسی لفظ کے بارے میں آپ کو پتہ چلے کہ یہ مبتدا ہے ساتھ ہی ایک اور بات کا بھی آپ کو فوراً پتہ چل جاتا ہے، اور وہ کیا؟ کہ اس پر رفع پڑھنا ہے۔ اور اسی طرح جیسے ہی کسی لفظ کے بارے میں آپ کو پتہ چلتا ہے کہ یہ خبر ہے تو ساتھ ہی ایک اور بات کا بھی پتہ چل جاتا ہے کہ اس پر کون سا اعراب پڑھنا ہے؟ رفع پڑھنا ہے۔ مبتدا بھی مرفوع اور خبر بھی مرفوع۔ ہاں پھر آپ نے اس میں غور کرنا ہے کہ یہ مرفوع کون سا ہو گا: لفظاً، تقدیراً یا محلاً؟ لفظاً اور تقدیراً یہ معرب کے اندر آئے گا وہ جو سولہ قسمیں پڑھی ہیں آپ نے نحومیر کے اندر، اور جو محلاً اعراب ہے وہ مبنی کے اندر آئے گا بھئی۔

لہٰذا جب بھی کوئی لفظ آئے کوئی اسم آئے تو سب سے پہلے فوراً یہ دیکھیں کہ یہ معرب ہے یا مبنی ہے۔ تو اگر وہ مبنی ہے ان آٹھ چیزوں میں سے کوئی ایک ہے تو اس پر اعراب محلاً آئے گا۔ اور ان آٹھ میں سے اس وقت کم از کم تین تو ہر وقت

آپ کے ذہن میں ہونے چاہئیں: تمام ضمیریں، اسمائے اشارہ اور اسمائے موصولہ۔ یہ تین تو ہر وقت ذہن میں رکھیں، یہ تینوں کیا ہیں؟ مبنی ہیں۔ کون کون سے؟ نمبر ایک تمام ضمیریں، نمبر دو اسمائے اشارہ، نمبر تین اسمائے موصولہ۔ یہ کثرت سے استعمال ہوتے ہیں، جیسے ہی ان میں سے کوئی ایک آئے آپ فوراً سمجھ جائیں کہ اس پر اعراب محلاً آئے گا، پھر چاہے وہ مرفوع ہو تو مرفوع محلاً ہو گا، منصوب ہو تو منصوب محلاً ہو گا، اور مجرور ہو تو مجرور محلاً ہو گا۔ تو مرفوع، منصوب، مجرور: مرفوعات میں سے ہم نے دو پڑھ لیے، ایک ہے مبتدا اور ایک ہے خبر۔ اور مجرورات بھی اسی طرح میں نے آپ کو بتا دیے کہ دنیا میں دو ہی چیزیں مجرور ہیں: نمبر ایک جس پر حرفِ جر داخل ہو، اور نمبر دو مضاف الیہ، یعنی مضاف کے بعد جو مضاف الیہ آتا ہے وہ مجرور ہوتا ہے، تو دو ہی مجرور ہیں، دو ہی مجرور۔

اس کے بعد آپ کو میں نے یہ بتلایا تھا کہ مبتدا کے اندر اصل یہ ہے کہ وہ معرفہ ہو، اور خبر کے اندر اصل یہ ہے کہ وہ نکرہ ہو۔ تو مبتدا میں اصل یہ ہے کہ معرفہ ہو، البتہ کبھی کبھار مبتدا نکرہ بھی آجاتا ہے لیکن وہ کچھ خاص جگہیں ہیں کچھ خاص شرطیں ہیں۔ اور اسی طرح خبر جو ہے اس کے اندر اصل یہ ہے کہ وہ نکرہ ہو لیکن کبھی کبھار خبر معرفہ بھی آجاتی ہے۔

اچھا اب آئیے آگے بھئی، موصوف صفت کی ترکیب کرتے ہیں۔ یاد رکھو معرفہ کے بعد معرفہ آجائے چاہے ایک ہو، دو، تین یا چار جتنے بھی معرفہ آجائیں، تو عموماً پہلا معرفہ بنے گا موصوف اور بعد والے بنیں گے صفت۔ اگر ایک معرفہ کے بعد دوسرا معرفہ آجائے یا ایک سے زیادہ معرفہ آجائیں تو پہلا کیا بنے گا؟ موصوف، اور باقی کو کیا بناؤ؟ صفت بناؤ۔ تو موصوف صفت میں تعریف و تنکیر میں مطابقت ہوتی ہے۔ اگر موصوف معرفہ ہو تو صفت بھی ہمیشہ کیا ہو گی؟ معرفہ۔ اگر موصوف نکرہ ہو تو صفت بھی ہمیشہ کیا ہو گی؟ نکرہ ہو گی۔ نیز یاد رکھو صفت پر وہی اعراب آتا ہے جو موصوف پر آتا ہے: موصوف پر اگر رفع ہو تو صفت پر بھی رفع، موصوف پر اگر نصب ہو تو صفت پر بھی نصب، اور موصوف پر اگر جر ہو تو صفت پر بھی جر۔ توجہ ہے؟ موصوف اگر معرفہ ہو تو صفت بھی کیا ہو گی؟ معرفہ۔ موصوف اگر مرفوع ہو تو صفت بھی مرفوع، اگر منصوب ہو موصوف تو صفت بھی منصوب، اور مجرور ہو موصوف تو صفت بھی مجرور۔

تو معرفہ اگر ایک معرفہ کے بعد آگے پھر کوئی ایک یا زیادہ معرفہ آجائیں تو اول کو کیا بناؤ؟ موصوف، اور باقیوں کو کیا بناؤ؟ صفت۔ اسی طرح نکرہ کے بعد اگر نکرہ آجائے ایک یا زیادہ، تو پھر اول کو بناؤ موصوف اور بعد والوں کو بناؤ صفت، لیکن شرط یہ ہے کہ آخری نکرہ کے بعد کوئی معرفہ نہ آئے۔ دو یا تین نکرہ اکٹھے آگئے تو آپ فوراً موصوف صفت نہ بنائیں بلکہ یہ بھی دیکھیں کہ کہیں آخری نکرہ کے بعد کوئی معرفہ تو نہیں آرہا؟ کبھی کبھار آخر میں معرفہ آجاتا ہے، دو یا تین یا چار نکرہ ہوتے ہیں اور اس کے بعد کیا آجاتا ہے؟ معرفہ، تو پھر وہ آپس میں موصوف صفت نہیں بنتے بلکہ مضاف اور مضاف الیہ بنتے ہیں۔ پہلا والا نکرہ مضاف ہوتا ہے دوسرے کی طرف، دوسرا والا پہلے کے لیے مضاف الیہ بن جاتا ہے اور اگلے کے لیے پھر مضاف بن جاتا ہے، پھر تیسرا والا دوسرے نکرہ کے لیے مضاف الیہ بنتا ہے اور مابعد کے لیے مضاف بنتا ہے، اس طرح ترتیب بن جاتی ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ پھر یہ جو علامتیں میں لکھواؤں گا اور جو علامتیں میں بتا رہا ہوں یہ اکثری ہیں، کلی نہیں،

ہر جگہ ایسا ہی نہیں ہوگا، لیکن اس کے ذریعے آپ کی اکثر مثالیں حل ہو جائیں گی، باقی پھر جب آپ کو طریقہ آجائے گا آپ خود غور کر کے اس میں ترکیب کر سکیں گے۔ تو معرفہ کے بعد معرفہ آئے تو وہ آپس میں کیا بنیں گے؟ موصوف صفت، اور اگر نکرہ کے بعد نکرہ آئے تو وہ بھی آپس میں کیا بنیں گے؟ موصوف صفت، بشرطیکہ آخری نکرہ کے بعد کوئی معرفہ نہ آئے، اگر آخر میں معرفہ آجائے پھر کیا بنیں گے؟ مضاف مضاف الیہ بنیں گے۔

اب موصوف صفت کے ترجمے کا طریقہ سمجھ لو بھئی، یہ ہر کتاب میں ہر جگہ آپ کو کام آئے گا۔ یاد رکھو عربی میں صفت مؤخر ہوتی ہے، لیکن اردو میں صفت مقدم ہوتی ہے۔ رَجُلٌ شُجَاعٌ: رَجُلٌ موصوف، شُجَاعٌ اس کی صفت، شُجَاعٌ کا معنیٰ بہادر۔ رَجُلٌ شُجَاعٌ، دیکھو رَجُلٌ پہلے ہے اور شُجَاعٌ صفت بعد میں، اور اردو میں اس کا ترجمہ کریں تو صفت کو مقدم کر دیں: بہادر آدمی، بہادر آدمی، دیکھو بہادر پہلے آگیا اور آدمی بعد میں۔ تو عربی میں صفت مؤخر ہوتی ہے اور اردو میں صفت مقدم ہوتی ہے۔ یہ ایک طریقہ ہے موصوف صفت کے ترجمے کا، ایک طریقہ۔ لہٰذا ترجمہ کرو بھئی: رَجُلٌ شُجَاعٌ، بہادر آدمی۔ اور اَلرَّجُلُ الشُّجَاعُ اگر معرفہ ہو، اَلرَّجُلُ تو صفت بھی معرفہ آئے گی اَلشُّجَاعُ، اَلرَّجُلُ الشُّجَاعُ اس کا ترجمہ کریں گے: وہ بہادر آدمی، کیونکہ معرفہ ہے نا اور معرفہ میں کیا ہوتا ہے کسی خاص اور کوئی خاص اور متعین ذات مراد ہوتی ہے۔ رَجُلٌ شُجَاعٌ کا کیا معنیٰ تھا؟ بہادر آدمی، وہ کوئی بھی ہو سکتا ہے زید بھی عمرو بکر کوئی بھی مراد ہے یہاں نکرہ ہے بھئی نکرہ، کوئی متعین ذات نہیں مراد یہاں۔ لیکن جب میں کہوں اَلرَّجُلُ الشُّجَاعُ، معلوم ہوا میں کسی متعین شخص کی طرف اشارہ کر رہا ہوں اور کیا کہہ رہا ہوں؟ وہ بہادر آدمی۔ متکلم کسی کی طرف اشارہ کر رہا ہے اور سننے والے سمجھ رہے ہیں کہ کس کی طرف اشارہ ہے، اگر وہ نہیں سمجھ رہے پھر تو یہ معرفہ ہے ہی نہیں پھر۔

چلو الف لام کی قسمیں بھی سن لو ایک دفعہ، آپ نے کئی دفعہ پڑھی ہوں گی۔ یاد رکھو الف لام دو قسم پر ہے: ایک الف لام اسمی ہے اور ایک الف لام حرفی۔ الف لام اسمی وہ ہے جو اسمِ فاعل اور اسمِ مفعول کے صیغوں پر داخل ہو۔ اَلضَّارِبُ، یہ ضَارِبٌ کون سا صیغہ ہے؟ اسمِ فاعل، اسمِ فاعل وہ جو گردانوں میں آپ نے صیغے پڑھے ہیں ضَارِبٌ، مَانِعٌ، فَاتِحٌ، مُکْرِمٌ، مُسْتَخْرِجٌ وغیرہ، یہ کیا ہیں؟ اسمِ فاعل۔ اور اسمِ مفعول وہ جو گردانوں میں آپ نے مخصوص صیغے پڑھے ہیں: مَضْرُوْبٌ، مَنْصُوْرٌ، مَفْتُوْحٌ، مُکْرَمٌ، مُسْتَخْرَجٌ، مُقَاتَلٌ، یہ سارے کیا ہیں؟ اسمِ مفعول۔ توجہ ہے؟ تو اسمِ فاعل اور اسمِ مفعول کے صیغوں پر جو الف لام داخل ہو اس کو الف لام اسمی کہتے ہیں۔ یاد رکھو یہ جو الف لام اسمی ہوتا ہے یہ دراصل اسم ہے، یہ اسمِ موصول ہے، اَلضَّارِبُ، یہ الف لام کیا ہے؟ اسم، صورت حرف جیسی ہے لیکن ہے کیا؟ اسم ہے، یہ اسمِ موصول ہے، اسمِ موصول ہے۔ چنانچہ کافیہ میں آپ نے پڑھا ہوگا جہاں پر اسمائے موصولہ کی بحث آتی ہے وہاں وہ باقاعدہ اسمائے موصولہ میں الف لام کو شمار کرتے ہیں کہ یہ بھی کیا ہے؟ اسمِ موصول۔ تو اَلضَّارِبُ یہ الف لام کون سا ہے؟ اسمی، اور یہ دراصل کیا ہے؟ اسمِ موصول۔ اور اَلضَّارِبُ بمعنیٰ ہے اَلَّذِیْ یَضْرِبُ، اَلضَّارِبُ الف لام بمعنیٰ اَلَّذِیْ اور ضَارِبٌ بمعنیٰ یَضْرِبُ

کے ہے، تو اَلضَّارِبُ کا کیا معنیٰ ہوا؟ اَلَّذِیْ یَضْرِبُ، وہ جو پٹائی کرتا ہے، وہ جو پٹائی کرتا ہے۔ اور اسی طرح اَلْمَضْرُوْبُ اس میں یہ الف لام یہ بھی کیا ہے؟ اسمی ہے یعنی اسمِ موصول ہے، تو اَلْمَضْرُوْبُ بمعنیٰ اَلَّذِیْ یُضْرَبُ کے ہے، وہ جس کی پٹائی کی جاتی ہے۔ توجہ ہے؟ تو الف لام اسمی کون سا ہے؟ جو اسمِ فاعل اور اسمِ مفعول کے صیغوں پر داخل ہوتا ہے اور یہ دراصل اسمِ موصول ہے۔ تو اَلضَّارِبُ کس معنیٰ میں؟ اَلَّذِیْ یَضْرِبُ، اور اَلْمَضْرُوْبُ کس معنیٰ میں؟ اَلَّذِیْ یُضْرَبُ۔ اَلْفَاتِحُ کس معنیٰ میں؟ اَلَّذِیْ یَفْتَحُ، اور اَلْمَفْتُوْحُ کس معنیٰ میں؟ اَلَّذِیْ یُفْتَحُ۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو یہ الف لام اسمی دراصل اسم ہے۔

دوسری قسم ہے الف لام حرفی۔ اسمِ فاعل اور اسمِ مفعول کے صیغوں کے علاوہ کسی لفظ پر بھی جو الف لام آتا ہے وہ دراصل الف لام حرفی ہے بھئی۔ توجہ ہے؟ الف لام حرفی ہے۔ اور الف لام حرفی جو ہے یاد رکھو اس کے ذریعے کسی چیز کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے۔ الف لام حرفی کے ذریعے کسی چیز کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے، اور یہ جس لفظ پر داخل ہوتا ہے اس کو معرفہ بنا دیتا ہے۔ جیسے اَلْکَلِمَۃُ، اس پر الف لام آگیا، اور کلمہ اسمِ فاعل یا اسمِ مفعول ہے؟ نہیں، معلوم ہوا یہ الف لام کون سا ہے؟ حرفی ہے۔ اور یہ الف لام حرفی کیا ہوتا ہے اس کے ذریعے کسی چیز کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے اور یہ جس لفظ پر داخل ہوتا ہے اس کو معرفہ بنا دیتا ہے، معرفہ بنا دیتا ہے۔ جبکہ وہ الف لام اسمی جو تھا وہ خود معرفہ تھا، وہ کسی اور کو معرفہ نہیں بناتا وہ اسمِ موصول تھا اور معرفہ کی اقسام میں اسمائے موصولہ پڑھے یا نہیں آپ نے؟ تو وہ اسمِ موصول، وہ خود معرفہ تھا، اَلضَّارِبُ یہ الف لام نے ضَارِبٌ کو معرفہ نہیں بنایا یہ الف لام خود ہی کیا ہے؟ معرفہ ہے۔ جبکہ اَلْکَلِمَۃُ میں اس الف لام نے لفظِ کلمہ کو کیا بنا دیا؟ معرفہ بنا دیا۔ تو الف لام حرفی وہ ہے جس کے ذریعے کسی چیز کی طرف اشارہ کیا جائے، اور اشارہ جنس اور ماہیت اور حقیقت کی طرف بھی ہو سکتا ہے اور افراد کی طرف بھی۔ توجہ ہے؟ جنس اور ماہیت، کسی چیز کی جو حقیقت ہوتی ہے یا یوں کہو کسی چیز کا جو میٹیریل ہے جس سے وہ چیز بنی ہے اس کو، اس کی طرف بھی اشارہ ہو سکتا ہے اور افراد کی طرف بھی اشارہ ہو سکتا ہے کس کے ذریعے؟ الف لام حرفی کے ذریعے۔

اگر اشارہ ہو جنس کی طرف تو اس کو الف لام جنسی کہیں گے۔ الف لام جنسی، یہ وہی الف لام حرفی کی تقسیم چل رہی ہے۔ الف لام حرفی کے ذریعے کیا ہوتا ہے کسی چیز کی طرف اشارہ، اشارہ جنس اور حقیقت کی طرف بھی ہو سکتا ہے اور افراد کی طرف بھی ہو سکتا ہے۔ جیسے انسان، انسان کی حقیقت کیا ہے؟ حیوانِ ناطق، اور انسان کے افراد کون ہیں؟ زید، عمر، بکر، خالد اور آپ سارے، یہ سب کیا ہیں؟ انسان کے افراد۔ تو حقیقت انسان کی کیا ہے؟ حیوانِ ناطق، اور افراد کون ہیں جو خارج میں انسان موجود ہیں۔ تو الف لام حرفی کے ذریعے کسی چیز کی طرف اشارہ ہوتا ہے اور یہ اشارہ جنس اور ماہیت اور حقیقت کی طرف بھی ہو سکتا ہے اور افراد کی طرف بھی۔ اگر اشارہ جنس اور حقیقت کی طرف اور ماہیت کی طرف ہو تو اس کو الف لام جنسی کہتے ہیں۔ اگر افراد کی طرف ہو تو پھر یہ دو حال سے خالی نہیں، اس میں دو صورتیں ہیں:

یا تو تمام افراد کو اشارہ ہو گا یا بعض کو۔ اگر تمام افراد کو اشارہ ہو تو اس کو الف لام استغراقی کہتے ہیں۔ استغراق کا معنیٰ یاد رکھو پھر مشکل پیش نہیں آئے گی: استغراق کا معنیٰ ہے گھیر لینا، یہ بھی کیا کر لیتا ہے اس ماہیت کے تمام افراد کو گھیر لیتا ہے، سارے مراد ہوتے ہیں اس سے۔ تو الف لام کے ذریعے اگر افراد کی طرف اشارہ ہو تو تمام افراد کو اشارہ ہو گا یا بعض کو، اگر تمام کو اشارہ ہو تو یہ الف لام استغراقی، اگر بعض کی طرف اشارہ ہو تو وہ بعض خارج میں متعین ہوں گے یا متعین نہیں ہوں گے۔ اگر وہ بعض افراد خارج میں متعین ہیں تو اس کو الف لام عہدِ خارجی کہتے ہیں، اس کو الف لام عہدِ خارجی کہتے ہیں۔ عہد کا معنیٰ ہے متعین ہونا، عہدِ خارجی کیا معنیٰ؟ جو خارج میں متعین ہیں، اور اگر خارج میں متعین نہیں تو پھر وہ الف لام عہدِ ذہنی ہے، یعنی جو ذہن میں متعین ہیں۔

پھر دہرا لیں بھئی، پھر دہرا لیں: الف لام کی دو قسمیں، ایک الف لام اسمی، الف لام اسمی وہ ہے جو اسمِ فاعل اور اسمِ مفعول کے صیغوں پر داخل ہو اور یہ دراصل اسمِ موصول ہے، تو اَلضَّارِبُ کس معنیٰ میں اَلَّذِیْ یَضْرِبُ، اور اَلْمَضْرُوْبُ کس معنیٰ میں اَلَّذِیْ یُضْرَبُ۔ جبکہ دوسرا الف لام حرفی ہے، الف لام حرفی وہ ہے جس کے ذریعے کسی چیز کی طرف اشارہ کیا جائے اور یہ جس لفظ پر داخل ہوتا ہے اس کو معرفہ بنا دیتا ہے۔ اگر اشارہ جنس اور حقیقت کی طرف ہو تو اس کو کیا کہیں گے؟ الف لام جنسی۔ اور اگر افراد کی طرف ہو تو پھر تمام افراد مراد ہوں گے یا بعض: اگر تمام افراد مراد ہوں تو یہ الف لام استغراقی ہے، اگر بعض مراد ہیں تو پھر وہ بعض خارج میں متعین ہیں یا متعین نہیں، اگر وہ خارج میں متعین ہیں تو وہ الف لام عہدِ خارجی اور اگر خارج میں متعین نہیں وہ بعض تو وہ الف لام عہدِ ذہنی ہے۔

مثالوں سے دیکھو بات اور واضح ہو جائے گی: جیسے میں کہتا ہوں اَلرَّجُلُ خَیْرٌ مِنَ الْمَرْأَةِ۔ تو یاد رکھو یہ الف لام جنسی ہے۔ سب سے پہلے یہ دیکھو: اَلرَّجُلُ اور اَلْمَرْأَةُ پر الف لام داخل ہے، جی رَجُلٌ اسمِ فاعل یا اسمِ مفعول کا صیغہ ہے؟ نہیں، معلوم ہوا یہ الف لام حرفی ہے۔ اَلْمَرْأَةُ اس کے اندر بھی الف لام اسمِ فاعل یا اسمِ مفعول پر نہیں داخل ہو رہا تو معلوم ہوا یہ بھی الف لام کون سا ہے؟ حرفی ہے۔ یہ دونوں الف لام حرفی ہیں، اور الف لام حرفی کے بارے میں تو ابھی آپ نے پڑھا اس کے ذریعے کیا کیا جاتا ہے؟ کسی چیز کی طرف اشارہ ہوتا ہے اور یہ جس لفظ پر داخل ہوتا ہے اس کو کیا بنا دیتا ہے؟ معرفہ۔ اب یہ اشارہ کس کی طرف ہے؟ تو یاد رکھو یہاں اشارہ ہے جنس اور حقیقت کی طرف اور ماہیت کی طرف۔ اَلرَّجُلُ، جنسِ رجل جو ہے خَیْرٌ یہ افضل ہے، بہتر ہے، مِنَ الْمَرْأَةِ، تو جنسِ رجل بہتر ہے، افضل ہے مِنَ الْمَرْأَةِ جنسِ عورت سے۔ دیکھو یہاں افراد نہیں مراد ہو سکتے، آپ یہ نہیں کہہ سکتے کہ رجل کے افراد بہتر ہیں امراۃ کے افراد سے، جو خارج میں مرد ہیں وہ بہتر ہیں کس سے؟ خارج میں جو عورتیں ہیں ان سے، نہیں بھئی، اس لیے کیونکہ پھر یہ کلام درست نہیں رہتا۔ دیکھو ایک ایمان والی عورت ہے اور ایک کافر مرد ہے، کون افضل ہے؟ ایمان والی عورت افضل ہے، پھر تو یہ کلام غلط ہو جائے گا، یا اسی طرح ایک نیک عورت ہے اور ایک فاسق مرد ہے، کون افضل ہے؟ نیک عورت افضل ہے، تو پھر تو یہ

کلام درست نہ رہے گا، معلوم ہوا یہاں افراد مراد نہیں، افراد کی طرف اشارہ نہیں بلکہ کس کی طرف ہے؟ جنس حقیقت اور ماہیت کی طرف ہے۔ تو معنیٰ کیا ہوا کہ جنسِ رجل، یہ جو مرد ہے اس جنس کو فضیلت ہے کس پر؟ جنسِ عورت پر، مردوں کو اللہ نے فضیلت دی ہے دنیا کے اندر ان کو طاقت نصیب فرمائی ہے بھئی ان کو فضیلت ہے، تو آپ بھی دیکھتے ہیں دنیا میں لوگ کیا چاہتے ہیں ان کے ہاں بیٹے زیادہ ہوں یا بیٹیاں زیادہ ہوں؟ بیٹے زیادہ ہوں بھئی۔ اسی طرح انبیاء جو ہیں وہ بھی سارے مرد تھے، تو جنسِ رجل کو کیا ہے؟ جنسِ امراۃ پر فضیلت حاصل ہے۔ تو اَلرَّجُلُ خَيْرٌ مِنَ الْمَرْأَةِ، اَلرَّجُلُ میں جو الف لام ہے یہ کون سا ہے؟ الف لام جنسی، اسی طرح اَلْمَرْأَةُ پر جو الف لام ہے وہ بھی کون سا ہے؟ جنسی ہے، تو جنسِ رجل افضل ہے کس سے؟ جنسِ امراۃ سے بھئی۔

اور کبھی کبھار اس الف لام حرفی کے ذریعے تمام افراد کی طرف اشارہ ہوتا ہے، جیسے قرآن میں اللہ فرماتے ہیں: وَالْعَصْرِ إِنَّ الْإِنْسَانَ لَفِيْ خُسْرٍ۔ یہ اَلْإِنْسَانُ پر الف لام داخل ہے، اور یاد رکھو یہ الف لام استغراقی ہے، اس کے ذریعے اشارہ ہے تمام افرادِ انسان کی طرف۔ إِنَّ الْإِنْسَانَ لَفِيْ خُسْرٍ، تمام افرادِ انسان خسارے میں ہیں، إِنَّ بے شک کہہ لو یا یقیناً کے ساتھ ترجمہ کر لو، یقیناً تمام انسان خسارے میں ہیں، نقصان میں ہیں۔ یہاں دیکھو اب میں ترجمہ کیا کر رہا ہوں؟ تمام انسان، کوئی آپ کو کہے اعتراض کرے کہ اَلْإِنْسَانُ یہاں پر تو كُلُّ إِنْسَانٍ کا لفظ نہیں ہے پھر یہ تمام آپ کس چیز کا ترجمہ کر رہے ہیں؟ تو آپ کیا کہیں گے کہ میں یہ الف لام کا ترجمہ کر رہا ہوں، یہ الف لام کون سا ہے؟ استغراقی اور اس کا ترجمہ تمام اور کل کے ساتھ کیا جاتا ہے، تو تمام افرادِ انسان خسارے میں ہیں۔ یہ الف لام اس کو استغراقی لینا پڑے گا اس لیے کیونکہ آگے استثنا آ رہا ہے: إِلَّا الَّذِيْنَ آمَنُوْا، سوائے ان لوگوں کے جو ایمان لائے، تو یہ استثنا تبھی صحیح ہو گا جب پہلے تمام انسانوں کے بارے میں ایک بات ذکر کی جائے: تمام انسان خسارے میں ہیں سوائے ان میں سے وہ لوگ جو ایمان لے کر آئے، وہ خسارے میں نہیں۔ تو یہ الف لام کون سا ہوا؟ استغراقی، اور اس کا ترجمہ تمام اور کل کے ساتھ کیا جاتا ہے۔

اور تیسری قسم ہے الف لام عہدِ خارجی۔ الف لام عہدِ خارجی وہ ہے جس کے ذریعے بعض افراد کی طرف اشارہ ہو اور وہ افراد خارج میں متعین ہوں۔ مثلاً میں آپ سے کہتا ہوں: جَاءَنِيْ رَجُلٌ أَمْسِ، کل میرے پاس کوئی ایک آدمی آیا تھا۔ کوئی آدمی آیا تھا آپ اس کو نہیں جانتے آپ کو اس کا علم نہیں، جب آپ اس کو نہیں جانتے تو میں اب رَجُلٌ کا لفظ لاؤں گا نکرہ، کیونکہ معرفہ وہ ہے جس کی آپ کو پہچان ہو اور نکرہ وہ ہے جس کی آپ کو پہچان نہ ہو۔ تو میں آپ سے پہلے نکرہ ذکر کرتا ہوں: جَاءَنِيْ رَجُلٌ أَمْسِ، میرے پاس کل ایک آدمی آیا تھا یا کوئی آدمی آیا تھا۔ اب میں آپ کو بتانا چاہتا ہوں کہ میں نے اس آدمی کا اکرام کیا، اس آدمی کا، تو اب ایک دفعہ جب چیز ذکر ہو گئی اب آگے میں کہتا ہوں: فَأَكْرَمْتُ الرَّجُلَ، تو پھر میں نے اس آدمی کا اکرام کیا۔ اس آدمی، دیکھو میں اشارہ کر رہا ہوں یا نہیں کر رہا؟ اور آپ سمجھ گئے یا نہیں سمجھ گئے کون سا

آدمی مراد ہے؟ آپ سمجھ گئے وہی آدمی جو کل آیا تھا جس کا ابھی ذکر ہوا۔ اگرچہ آپ کو اس کے نام کا بھی نہیں پتہ، آپ کو اس کی شکل کا بھی نہیں پتہ، آپ نے اس کو دیکھا بھی نہیں ہے، تو متعین ہونے کا یہ معنیٰ نہیں کہ ایک چیز کو آپ نے دیکھا ہو، ہاں متعین ہونے کا یہ معنیٰ ہے کہ ایک چیز کو جب ذکر کیا جائے آپ سمجھ جائیں کس کی بات ہو رہی ہے، وہ کون سی چیز ہے۔ جَاءَنِیْ رَجُلٌ أَمْسِ کل میرے پاس ایک آدمی آیا تھا فَأَکْرَمْتُ الرَّجُلَ تو میں نے اس آدمی کا اکرام کیا۔ توجہ ہے؟ میں نے اس آدمی کا اکرام کیا، آپ سمجھ گئے یا نہیں سمجھ گئے؟ اس آدمی، دیکھو میں اشارہ کر رہا ہوں اور تو یہ کس آدمی کی طرف اشارہ ہے؟ جو کل آیا تھا۔ تو ایک دفعہ جب چیز ذکر ہو جائے تو وہ متعین ہو جاتی ہے۔ اب دیکھو میں آگے اس آدمی، یہ اس تو اشارے کے لیے آتا ہے، میں آپ سے عربی میں کیا کہہ رہا ہوں: جَاءَنِیْ رَجُلٌ أَمْسِ فَأَکْرَمْتُ الرَّجُلَ، تو میں نے اس آدمی کا اکرام کیا۔ کوئی آپ پر اعتراض کرے کہ یہ اس کا لفظ آپ کہاں سے لے آئے؟ تو آپ کیا کہیں گے یہ میں کس کا ترجمہ کر رہا ہوں؟ یہ الف لام کا، کیونکہ الف لام کے ذریعے اشارہ ہوتا ہے۔ اور یہ اشارہ ہے تمام افراد کی طرف یا بعض کی طرف؟ بعض کی طرف، وہ بعض ایک بھی ہو سکتا ہے دو بھی ہو سکتے ہیں دو سے زیادہ بھی ہو سکتے ہیں۔ مثلاً میں آپ سے کہتا ہوں کل میرے پاس دو آدمی آئے تھے: جَاءَنِیْ رَجُلَانِ أَمْسِ فَأَکْرَمْتُ الرَّجُلَیْنِ، تو میں نے ان دو آدمیوں کا... دیکھا؟ اَلرَّجُلَیْنِ وہ دو آدمی، جی اشارہ ہے، جنس کی طرف یا افراد کی طرف؟ افراد، اور تمام افراد یا بعض افراد؟ بعض افراد کو اشارہ۔ جمع بھی ہو سکتے ہیں: جَاءَنِیْ رِجَالٌ أَمْسِ کل میرے پاس کچھ آدمی آئے تھے فَأَکْرَمْتُ الرِّجَالَ تو میں نے ان آدمیوں کا اکرام کیا، تین تھے چار تھے پانچ تھے جتنے بھی تھے ان سب کی طرف اشارہ ہو گیا۔ تو بعض کا لفظ عام ہے: اس میں ایک بھی داخل، دو بھی داخل، اور دو سے زائد بھی، ہاں یہ کل نہیں ہے کیونکہ کل اور بعض ایک دوسرے کی ضد ہیں، کل کا معنیٰ سارے اور بعض کا معنیٰ کچھ بھئی ان میں سے کچھ بھئی۔

تو الف لام کی قسمیں سمجھ میں آگئیں؟ تو الف لام حرفی یا تو اس کے ذریعے اشارہ ہو گا کس کی طرف؟ جنس کی طرف، اور یا افراد کی طرف۔ اگر جنس کی طرف اشارہ ہو اسے کیا کہیں گے؟ الف لام جنسی۔ اگر افراد کو اشارہ ہو تو پھر اس کی دو صورتیں ہیں: یا تو تمام افراد کو اشارہ ہو گا یا بعض کو۔ اگر تمام کو اشارہ ہے تو وہ الف لام استغراقی۔ اگر بعض کو اشارہ ہے تو وہ بعض خارج میں متعین ہوں گے یا متعین نہیں: اگر وہ خارج میں متعین ہیں تو وہ الف لام عہدِ خارجی، اور اگر خارج میں متعین نہیں تو عہدِ ذہنی۔ دیکھا کل میرے پاس ایک آدمی آیا تھا یہ خارج میں ایک آدمی متعین ہے: فَأَکْرَمْتُ الرَّجُلَ تو میں نے اس آدمی کا اکرام کیا، دیکھو خارج میں وہ ایک فرد متعین ہے، یا فَأَکْرَمْتُ الرَّجُلَیْنِ تو میں نے ان دو آدمیوں کا اکرام کیا دیکھو وہ دو متعین ہیں، یا فَأَکْرَمْتُ الرِّجَالَ میں نے ان سب آدمیوں کا اکرام کیا دیکھو وہ متعین ہیں بھئی۔ تو یہ اس کو الف لام عہدِ خارجی کہتے ہیں کہ وہ بعض جو ہیں خارج میں متعین ہوں ان کی طرف اشارہ ہو۔

اور آخری قسم ہے الف لام عہدِ ذہنی: اگر وہ بعض جن کی طرف اشارہ کیا گیا ہے وہ خارج میں متعین نہ ہوں تو وہ الف لام عہدِ ذہنی ہے۔ اور اس کی مثال قرآن میں ہے بڑی پیاری بھئی: حضرت یعقوب علیہ السلام کے پاس ان کے بیٹے آئے اور حضرت یوسف علیہ السلام کے بارے میں کہا کہ ان کو ہمارے ساتھ بھیج دیں جنگل میں کھیلنے کے لیے۔ حضرت یعقوب علیہ السلام کو حضرت یوسف علیہ السلام سے بڑی محبت تھی، ان کے محبوب بیٹے تھے۔ اور جو باقی بھائی تھے وہ حسد کرتے تھے کہ اس بیٹے سے اتنی زیادہ محبت کیوں کرتے ہیں والد صاحب۔ چنانچہ انہوں نے ارادہ کیا کہ ان کو جنگل میں لے جائیں، قتل کریں یا ان سے جان چھڑوائیں کسی طرح۔ چنانچہ والد صاحب کے پاس آئے اور کہا کہ حضرت یوسف علیہ السلام کو ہمارے ساتھ بھیج دیجیے۔ تو حضرت یعقوب علیہ السلام فرمانے لگے بھئی: إِنِّیْ أَخَافُ أَنْ یَّأْکُلَهُ الذِّئْبُ. مجھے خوف ہے أَنْ یَّأْکُلَهُ کہ ان کو یعنی یوسف کو کھا لے گا اَلذِّئْبُ. اَلذِّئْبُ پر، ذِئْبٌ بھیڑیے کو کہتے ہیں، اس پر الف لام داخل ہے اور یاد رکھو یہ الف لام عہدِ ذہنی ہے بھئی۔ الف لام عہدِ ذہنی یاد رکھو یہ جس لفظ پر داخل ہوتا ہے اس کو معرفہ تو بنا دے گا: اَلذِّئْبُ کا لفظ معرفہ تو ہے کیونکہ اس پر کیا داخل ہے؟ الف لام۔ لفظوں کے اعتبار سے یہ معرفہ ہے لیکن معنیٰ کے اعتبار سے یہ نکرہ ہے، اور اس کا نکرہ والا ترجمہ کریں گے۔ رَجُلٌ کا کیا معنیٰ تھا؟ کوئی آدمی، اور اَلرَّجُلُ کا معنیٰ؟ وہ آدمی، کوئی خاص آدمی ہے جس کی طرف اشارہ ہو رہا ہے الف لام کے ذریعے۔ تو یہاں پر بھی ایک ہے ذِئْبٌ اور ایک ہے اَلذِّئْبُ. ذِئْبٌ کا کیا معنیٰ؟ کوئی بھیڑیا، اور اَلذِّئْبُ کا کیا ترجمہ؟ وہ بھیڑیا ہونا چاہیے، لیکن یہ الف لام کون سا ہے؟ عہدِ ذہنی ہے، اور الف لام عہدِ ذہنی نے لفظ کو تو معرفہ بنا دیا لیکن معنیٰ میں ابھی بھی یہ کیا ہے؟ نکرہ، لہٰذا اس کا وہی نکرہ والا ترجمہ کرو: اَلذِّئْبُ کا کیا ترجمہ ہو گا یہاں؟ کوئی بھیڑیا۔ إِنِّیْ أَخَافُ مجھے یہ خوف ہے أَنْ یَّأْکُلَهُ الذِّئْبُ کہ ان کو کوئی بھیڑیا کھا جائے گا۔ دیکھو بہترین ترجمہ ہو گیا یا نہیں؟

آپ خود ذرا غور کر لیں، مجھے بتائیے: اَلذِّئْبُ پر الف لام آیا یہ اسمی ہے یا حرفی ہے؟ یہ اسمِ فاعل یا اسمِ مفعول کا صیغہ ہے؟ نہیں، معلوم ہوا یہ الف لام حرفی ہے۔ یہ آپ چند دن مشق کریں گے آپ دیکھیں گے آپ کو فوراً پتہ چلتا جائے گا۔ تو یہ الف لام اسمی نہیں ہے۔ اچھا الف لام حرفی ہے، تو الف لام حرفی کے ذریعے یا تو اشارہ ہوتا ہے جنس کی طرف یا افراد کی طرف۔ تو یہ الف لام جنسی ہے؟ الف لام جنسی نہیں ہے، کسی چیز کی حقیقت اور ماہیت یا جنس جو اس کا میٹیریل ہوتا ہے وہ نہیں کسی چیز کو کھاتا بلکہ اس کے افراد، بھیڑیے کا جو میٹیریل ہے اس کی حقیقت ہے وہ نہیں چیزوں کو کھاتی، بھیڑیے کے جو خارج میں افراد ہیں وہ کیا کرتے ہیں چیزوں کو کھاتے ہیں۔ جیسے حیوانِ ناطق، انسان کی حقیقت کیا ہے؟ حیوانِ ناطق، تو حیوانِ ناطق یہ جو انسان کی حقیقت ہے یہ لوگوں کی مدد نہیں کرتی بلکہ انسان کے جو خارج میں افراد ہیں وہ ایک دوسرے کی کیا کرتے ہیں؟ مدد کرتے ہیں۔ تو اَلذِّئْبُ اس میں معلوم ہوا الف لام اسمی نہیں، اور پھر حرفی ہے تو حرفی میں پھر ہم نے غور کیا کہ الف لام جنسی ہے کہ نہیں، تو آپ نے دیکھا کہ الف لام جنسی نہیں، کیونکہ کیا فرما رہے ہیں

حضرت یعقوب علیہ السلام؟ إِنِّیْ أَخَافُ أَنْ یَّأْکُلَهُ الذِّئْبُ، مجھے خوف ہے کہ ان کو بھیڑیے کی ماہیت کھا جائے گی، اس کی جو جنس ہے وہ حقیقت ہے وہ کھا جائے گی؟ نہیں بھئی حقیقت بھیڑیے کی جو حقیقت ہے اور ماہیت ہے وہ چیزوں کو نہیں کھاتی بلکہ اس کے افراد کھاتے ہیں جو خارج میں موجود ہیں، معلوم ہوا یہ الف لام جنسی بھی نہیں۔ اس سے افراد مراد ہیں، تو اس سے تمام افراد مراد ہیں یا بعض؟ اگر تمام افراد مراد ہوں تو الف لام کون سا ہے؟ استغراقی، پھر کیا ترجمہ ہوگا؟ مجھے خوف ہے کہ ان کو تمام بھیڑیے مل کر کھا جائیں گے۔ بھئی ساری دنیا کے بھیڑیے وہاں اکٹھے ہو سکتے تھے؟ نہیں بھئی کوئی دنیا کے کس کنارے میں ہے کوئی کس کنارے میں۔ تو معلوم ہوا الف لام استغراقی بھی نہیں، معلوم ہوا تمام افراد بھی نہیں مراد، تو پھر بعض افراد مراد ہوں گے۔ وہ بعض بھی اگر خارج میں متعین ہوں تو الف لام عہدِ خارجی۔ اگر الف لام عہدِ خارجی ہو معلوم ہوا خارج میں کوئی خاص بھیڑیا مراد تھا اور اس صورت میں ترجمہ یہ ہوگا: حضرت یعقوب علیہ السلام فرما رہے ہیں کہ مجھے خوف ہے کہ وہ بھیڑیا جو ہے (کسی متعین بھیڑیے کی طرف اشارہ کیا) وہ بھیڑیا ان کو کھا جائے گا۔ کوئی متعین بھیڑیا تھا وہاں پر؟ نہیں، معلوم ہوا یہ الف لام عہدِ خارجی بھی نہیں۔ تو آخری صورت یہی ہے کہ یہ الف لام عہدِ ذہنی ہو۔ الف لام عہدِ ذہنی یہ ہے، عہد کا کیا معنیٰ؟ مقرر ہونا۔ عہدِ ذہنی یعنی ذہن میں بھیڑیے کا کوئی، اس کی جنس کا ایک فرد تصور کر لیا اور الف لام کے ذریعے اس کی طرف اشارہ کر دیا، اور یہ میں نے بتایا لفظوں میں تو معرفہ بن جاتا ہے لیکن معنیٰ کے اعتبار سے کیا ہے؟ نکرہ کا نکرہ ہی ہے، لہٰذا اس کا ترجمہ نکرہ والا کریں گے: إِنِّیْ أَخَافُ أَنْ یَّأْکُلَهُ الذِّئْبُ۔ یہاں تک بات سمجھ میں آ گئی؟ الف لام کی ساری قسمیں پتہ چل گئیں؟ تو معلوم ہوا کہ یہ الف لام کے ذریعے کسی چیز کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے۔

تو بات چل رہی تھی رَجُلٌ شُجَاعٌ اور اَلرَّجُلُ الشُّجَاعُ موصوف صفت کی۔ رَجُلٌ شُجَاعٌ، میں نے بتایا عربی میں صفت مؤخر ہوتی ہے لیکن اردو میں صفت مقدم، اور نکرہ کی صفت نکرہ آتی ہے اور معرفہ کی صفت معرفہ۔ جی رَجُلٌ شُجَاعٌ ترجمہ کرو: بہادر آدمی، شاباش۔ اَلرَّجُلُ الشُّجَاعُ، دونوں معرفہ آ گئے: وہ بہادر آدمی۔ دیکھو اتنی لمبی میں نے تقریر کی، الف لام کی ساری قسمیں آپ کو بتائیں، کیوں؟ کیونکہ آپ کے ذہن میں آئے گا اَلرَّجُلُ الشُّجَاعُ، وہ بہادر آدمی، یہ وہ کہاں سے آپ لے آئے؟ اب آپ کو بات سمجھ میں آ گئی یہ کس کا ترجمہ ہوا؟ الف لام کا، اَلرَّجُلُ کے ذریعے کسی متعین آدمی کی طرف میں اشارہ کر کے آپ کو بتا رہا ہوں کہ وہ کیا ہے؟ بہادر، تو اَلرَّجُلُ الشُّجَاعُ ترجمہ کرو: وہ بہادر آدمی، وہ بہادر آدمی۔

اب اس میں پھر یاد رکھو یہ ایک طریقہ ہے موصوف صفت کے ترجمے کا اور یہ مختصر ہے: جہاں موصوف صفت آ جائیں آپ اردو میں صفت کو کیا کر دو؟ موصوف پر مقدم کر دو۔ لیکن بعض جگہ یہ مشکل ہو جاتا ہے، تو وہاں پھر دوسرا طریقہ آپ اختیار کر سکتے ہیں۔ دوسرا طریقہ یہ ہے موصوف صفت کے ترجمہ کرنے کا کہ موصوف صفت اگر نکرہ ہیں (پہلا طریقہ کیا تھا رَجُلٌ شُجَاعٌ، کیا طریقہ تھا؟ بہادر آدمی، صفت کو آپ نے کیا کر دیا مقدم) دوسرا طریقہ یہ ہے کہ ترتیب نہ بدلو: عربی میں موصوف مقدم ہے اردو میں بھی موصوف کو مقدم رکھو، البتہ اس سے پہلے ایسا یا ایسی کا لفظ لے آؤ۔ ایسا یا ایسی: رَجُلٌ

شُجَاعٌ، ایسا آدمی جو کہ بہادر ہے، ایسا آدمی جو کہ بہادر ہے۔ یہ تھا نکرہ میں، نکرہ میں دوسرا طریقہ کیا ہے موصوف سے پہلے کیا لے آؤ؟ ایسا یا ایسی۔ اور معرفہ میں طریقہ یہ ہے کہ وہ یا اس یا اس جیسا کوئی لفظ لے آؤ جس سے اشارہ ہو: اَلرَّجُلُ الشُّجَاعُ ترجمہ کرو: وہ آدمی جو کہ بہادر ہے، دیکھو آدمی کو پہلے ہی رکھا اور بہادر کو ابھی بھی میں آخر میں، اَلرَّجُلُ الشُّجَاعُ مقدم کون ہے عربی میں؟ اَلرَّجُلُ مرد اور اَلشُّجَاعُ کیا ہے؟ مؤخر، اردو میں بھی اسی طرح کرو: وہ آدمی جو کہ بہادر ہے۔ اور نکرہ ہو رَجُلٌ شُجَاعٌ، پھر: ایسا آدمی جو کہ بہادر ہے۔ طریقے سمجھ میں آگئے؟ جی اب مجھے کر کے دکھاؤ ترجمہ: رَجُلٌ شُجَاعٌ پہلا طریقہ؟ بہادر آدمی۔ رَجُلٌ شُجَاعٌ دوسرا طریقہ؟ ایسا آدمی، بہادر کو نہیں لانا مقدم، ایسا آدمی جو کہ بہادر ہے۔ اب معرفہ میں آجاؤ: اَلرَّجُلُ الشُّجَاعُ پہلا طریقہ؟ وہ بہادر آدمی، بہادر کو آپ مقدم لے آئے۔ دوسرا طریقہ؟ وہ آدمی جو کہ بہادر ہے، وہاں تھا ایسا آدمی یہاں کیا ہے؟ وہ آدمی، وہ آدمی جو کہ بہادر ہے۔ طریقہ اچھی طرح سمجھ میں آگیا؟

پھر دہراؤ: رَجُلٌ شُجَاعٌ پہلا طریقہ؟ بہادر آدمی۔ دوسرا طریقہ؟ ایسا آدمی جو کہ بہادر ہے۔ اچھا اب مجھے بتاؤ: ایسا آدمی جو کہ بہادر ہے، یہ پورا جملہ ہے یا ادھورا جملہ ہے؟ جی: ہاں، پورا جملہ ہے؟ طلبہ عموماً ہے اور تھا کو دیکھتے ہیں، جہاں آخر میں ہے آجائے کہتے ہیں یہ پورا جملہ ہے، حالانکہ یہ پورا جملہ نہیں ہے یہ موصوف صفت کا ترجمہ میں کر رہا ہوں۔ جملہ اس کو کہتے ہیں جس میں بات پوری ہو۔ اس میں بات پوری ہے؟ نہیں۔ وہ آدمی جو کہ بہادر ہے، میں دس دفعہ کہتا رہوں آپ کہیں گے بات تو پوری کریں وہ ایسا آدمی جو بہادر ہے اس کو کیا ہوا؟ مر گیا ہے، زندہ ہے، چلا گیا ہے، آگیا ہے، بات تو پوری کریں، یہ تو میں آپ کو صرف اس آدمی کی پہچان کروا رہا ہوں۔ ایسا آدمی جو کہ بہادر ہے وہ میرا دوست ہے، اب دیکھو بات پوری ہو گئی یا نہیں؟ اور اسی طرح اَلرَّجُلُ الشُّجَاعُ: پہلا طریقہ؟ وہ بہادر آدمی۔ دوسرا طریقہ؟ وہ آدمی جو کہ بہادر ہے، یہ پورا جملہ ہے کہ نہیں؟ نہیں ہے بھئی، بات سمجھ میں آگئی؟ وہ آدمی جو کہ بہادر ہے میں دس دفعہ بھی کہوں آپ کے سامنے آپ کہیں گے ہمیں بات نہیں سمجھ میں آئی، بات پوری کریں آپ، وہ آدمی جو کہ بہادر ہے وہ آیا ہے یا چلا گیا ہے پوری بات کریں۔ تو ہے یا تھا وغیرہ سے آپ نے دھوکے میں نہیں پڑنا، آپ نے اس بات پر غور کرنا ہے کہ اس میں بات پوری ہے یا پوری نہیں۔ یہاں تک بات سمجھ میں آگئی؟

اب آئیے ترکیب کریں بھئی۔ لکھیے بھئی، پہلے ضابطہ لکھ لو جلدی جلدی بھئی، یہ پھر آپ کو دہرانے میں آسانی ہو گی:

ضابطہ: معرفہ کے بعد اگر معرفہ آجائے، چاہے ایک ہو یا زیادہ، تو اول عموماً موصوف بنے گا اور بعد والے صفت۔

اگلا ضابطہ: اگر ایک نکرہ کے بعد آگے دوبارہ ایک یا ایک سے زیادہ نکرے آجائیں، تو اول موصوف بنے گا اور بعد والے صفت، بشرطیکہ آخری نکرہ کے بعد کوئی معرفہ نہ آئے، ورنہ عموماً مضاف مضاف الیہ بنیں گے۔

اگلی سطر میں لکھیے: موصوف صفت کا ترجمہ کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ صفت کو اردو میں مقدم کر دیں۔ دوسرا طریقہ یہ ہے کہ موصوف کو مقدم ہی رکھیں اور صفت کو مؤخر ہی رکھیں، البتہ نکرہ کے اندر موصوف سے پہلے ایسا یا ایسی کا لفظ لے آئیں،

اور معرفہ میں موصوف سے پہلے وہ یا اس جیسے لفظ لے آئیں۔ تو رَجُلٌ شُجَاعٌ کا ایک ترجمہ ہو گا بہادر آدمی، اور دوسرا ترجمہ ہو گا ایسا آدمی جو کہ بہادر ہے۔ اور اَلرَّجُلُ الشُّجَاعُ کا ترجمہ ہو گا وہ بہادر آدمی، یا دوسرا ترجمہ وہ آدمی جو کہ بہادر ہے۔

لکھ لیا؟ جی تفصیل مکمل ہوئی، اب ترکیب کرتے ہیں۔

لکھیے بھئی جملہ: زَيْدٌ رَجُلٌ عَالِمٌ۔ اعراب میں نہیں بول رہا، اعراب آپ نے مجھے پھر بتانے ہیں۔ اب جوں جوں ہم آگے چلیں گے جملے لمبے ہوتے جائیں گے، ابھی تک دو لفظوں کے جملے آپ نے کیے، اب دو سے زیادہ ہو گئے: زَيْدٌ رَجُلٌ عَالِمٌ۔ چلیے بھئی ترکیب کیجیے بھئی۔ زید مبتدا۔ بھئی اعراب ہم حل کر رہے ہیں، پہلے اعراب، اس کے بعد پھر کیا ہے وہ آخر میں بتانا ہے۔ زید کا اعراب بولو، منصوب ہے، مجرور ہے، مرفوع ہے وہ بتاؤ۔ مرفوع، زَيْدٌ مرفوع۔ مرفوع کون سا؟ لفظاً، تقدیراً، محلاً؟ لفظاً، جی زَيْدٌ۔ سب نے اسی طرح بتانا ہے توجہ سے سنتے جاؤ بھئی، بار بار ترتیب بتانے کی ضرورت نہ ہو: سب سے پہلے کیا بتانا ہے؟ اعراب، پھر بتانا ہے لفظاً ہے تقدیراً ہے یا محلاً، اور پھر آخر میں بتانا ہے کہ یہ کیا بن رہا ہے، مبتدا ہے، خبر ہے، فاعل ہے، مفعول ہے وہ بتانا ہے۔ جی کیجیے ترکیب: زَيْدٌ مرفوع لفظاً مبتدا، شاباش۔ مرفوع کیوں؟ آپ نے تین لفظ کہے مرفوع، لفظاً، مبتدا، ہر ایک کی وجہ بتانی پڑے گی۔ مرفوع کیوں؟ مبتدا ہے، کیونکہ مبتدا ہے۔ لفظاً کیوں کہا آپ نے؟ اس کے اعراب، یا یوں کہو اس کے رفع پر ہم کیا کر رہے ہیں؟ تلفظ کر رہے ہیں، کر کے دکھاؤ اس کے رفع پر تلفظ: زَيْدٌ، اس کے نصب پر تلفظ کرو: زَيْداً، جر پر کرو: زَيْدٍ، معلوم ہوا اس پر تینوں طرح کے اعراب لفظی آتے ہیں۔ اعرابِ لفظی کا کیا معنیٰ؟ جس اعراب پر ہم زبان سے کیا کریں؟ تلفظ کریں وہ ہے اعرابِ لفظی، سننے سے ہی پتہ چل جائے۔ زَيْداً میں نے کیا پڑھا؟ نصب، دیکھا تلفظ سے ہی آپ کو پتہ چل گیا۔ تو زَيْدٌ مرفوع لفظاً اور آپ نے کیا کہا؟ مبتدا۔ اچھا مبتدا کیوں کہا مجھے یہ بتاؤ بھئی؟ ہاں یہ معرفہ ہے، رَجُلٌ وہ بھی نکرہ، عَالِمٌ وہ بھی نکرہ، تو جب جملے میں معرفہ بھی ہو اور نکرہ بھی ہوں تو مبتدا کس کو بناتے ہیں؟ معرفہ کو، اور خبر کسے بناتے ہیں؟ نکرہ کو، شاباش۔ تو زَيْدٌ مرفوع لفظاً مبتدا۔ آگے: رَجُلٌ مرفوع لفظاً خبر۔ اچھا مرفوع کیوں؟ خبر ہے، اور خبر کیا ہوتی ہے؟ مرفوع۔ لفظاً کیوں کہا آپ نے؟ اس کے رفع پر ہم تلفظ کر رہے ہیں، کر کے دکھاؤ: رَجُلٌ، نصب پر تلفظ کرو: رَجُلاً، جر پر کرو: رَجُلٍ، معلوم ہوا اس پر تینوں طرح کے اعراب لفظی آتے ہیں۔ جی خبر، آپ کی بات ٹھیک ہے خبر لیکن آگے بھی جوڑنا ہے ہم نے بھئی۔ چلو خبر، آگے چلو آگے ترکیب کریں: رَجُلٌ مرفوع لفظاً خبر، جی عَالِمٌ مرفوع لفظاً خبرِ ثانی؟ دو خبریں بھئی... نہیں یہ ترکیب ابھی ہم نے شروع ہی نہیں کی دو جملوں، دو خبر آئیں جہاں، جو ہم پڑھ چکے ہیں انہی ضابطوں سے حل کرنے کی کوشش کریں بھئی۔ رَجُلٌ مرفوع لفظاً موصوف۔ آپ کو کیسے پتہ چلا کہ یہ موصوف ہے؟ ضابطے جو میں نے لکھوائے ہیں: دو نکرے اکٹھے آ گئے، رَجُلٌ بھی نکرہ عَالِمٌ بھی نکرہ۔ غور کیا آپ نے؟ رَجُلٌ، معرفہ کی قسمیں لگاؤ اس پر فوراً بھئی، عادت بناؤ اپنی تیزی سے اس پہ دیکھو رَجُلٌ کسی کا نام ہے؟ ضمیر ہے؟ اسمِ اشارہ ہے؟ اسمِ موصول ہے؟

اس پر الف لام ہے؟ یہ کسی کی طرف مضاف ہے؟ نہیں، ان میں سے کوئی نہیں، معلوم ہوا نکرہ ہے۔ اب عَالِمٌ پر بھی یہی چیزیں لگاؤ آپ دیکھیں گے وہ بھی کیا ہے؟ نکرہ ہے، دو نکرے اکٹھے آ گئے، جب دو نکرے آئیں تو عموماً، ہمیشہ نہیں ہوتا لیکن عموماً پہلے کو کیا بناتے ہیں؟ موصوف، بعد والے کو کیا بناتے ہیں؟ صفت۔ جی کیجیے ترکیب: رَجُلٌ مرفوع لفظاً موصوف، مرفوع کیوں؟ اوہو، موصوف تو منصوب بھی ہو سکتا ہے مجرور بھی ہو سکتا ہے، مرفوع کیوں؟ خبر ہے، یہ کیا ہے؟ خبر، توجہ ہے؟ یہ خبر ہے لیکن ابھی خبر کہنا نہیں، ساری چیزیں خبر کے ساتھ جو جڑ جائیں گی پھر اس کو ہم خبر کہیں گے، ہے ویسے خبر ہی، رَجُلٌ کیا ہے؟ خبر، لیکن ہمارے ہاں جو ترکیب رائج ہے اس میں ساری چیزوں کو جوڑ کر پھر اس کو خبر بناتے ہیں خبر کہتے ہیں، ورنہ یہ ہے خبر آپ کی بات بالکل ٹھیک ہے، اس پر رفع کیوں آیا کیونکہ یہ کیا ہے؟ خبر ہے۔ جی آگے: مرفوع لفظاً... ہاں تو یہاں اس کو رَجُلٌ کو یوں کہو: مرفوع لفظاً موصوف۔ مرفوع کیوں؟ خبر ہے، ابھی آپ نے زبان سے نہیں کہا لیکن یہ آپ کو پتہ ہے کہ یہ کیا ہے؟ خبر، اسی لیے رفع آیا، رفع کے لیے وجہ چاہیے بغیر وجہ کے رفع نہیں آئے گا، ورنہ کوئی کہہ سکتا ہے نصب کیوں نہیں پڑھتے جر کیوں نہیں پڑھتے، آپ کیا کہیں گے یہ کیا ہے؟ خبر، اور ہم نے پڑھا ہے خبر بھی مرفوع ہوتی ہے اور مبتدا بھی مرفوع۔ تو رَجُلٌ مرفوع لفظاً موصوف، خبر ابھی آپ نے کہا ہی نہیں لیکن آپ کو دل میں پتہ ہے یہ کیا ہے؟ خبر، باقی کو جوڑ کر آپ کہیں گے۔ تو اب میں نے پوچھا مرفوع کیوں، اب آپ جواب دیں گے کہ یہ کیا ہے؟ خبر ہے۔ لفظاً کیوں؟ اس کے رفع پر ہم تلفظ کر رہے ہیں، کر کے دکھاؤ: رَجُلٌ، نصب پہ تلفظ کرو: رَجُلاً، جر پر کرو: رَجُلٍ، دیکھا معلوم ہوا اس پر تینوں طرح کے اعراب لفظی آتے ہیں۔ جی آگے موصوف، آپ کو کیسے پتہ چلا یہ موصوف ہے؟ نکرہ کے بعد پھر نکرہ آیا تو یہ آپس میں کیا ہیں؟ معلوم ہوا موصوف صفت۔ اچھا آگے چلیے: عَالِمٌ مرفوع لفظاً صفت، شاباش عَالِمٌ مرفوع لفظاً صفت۔ اچھا مرفوع کیوں؟ کیا معنیٰ صفت ہے؟ بات پوری کریں، صفت ہمیشہ مرفوع ہوتی ہے؟ ہاں موصوف مرفوع ہو تو صفت بھی مرفوع، موصوف منصوب ہو تو صفت بھی منصوب، موصوف مجرور ہو تو صفت بھی مجرور، تو یہ صفت ہے اور اس پر وہی اعراب آئے گا جو موصوف پر تھا۔ اب جوڑیے ان کو: موصوف صفت مل کر خبر، مبتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔ دیکھا موصوف صفت مل کر کیا بن گئے؟ خبر، ایک تھا مبتدا اور ایک خبر، دو ہی چیزیں بن گئیں بھئی، تو مبتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔ ایک ایک لفظ کا آپ نے اعراب نکال لیا، اب اس کو ذرا روانی سے پڑھ دو، جملے کو روانی سے پڑھ دو: زَيْدٌ رَجُلٌ عَالِمٌ، زَيْدٌ رَجُلٌ عَالِمٌ۔

آپ نے صرف میں يَرْمُلُوْنَ والا ایک قانون پڑھا ہو گا کہ نونِ ساکن اگر حروفِ يَرْمُلُوْنَ سے پہلے آجائے، یعنی نونِ ساکن آئے اس کے بعد يَرْمُلُوْنَ یعنی یا، را، میم، لام، واو، نون آجائے، یا، را، لام، میم، واو، نون آجائے، پہلے کون آئے؟ نون، یعنی يَرْمُلُوْنَ والے حروف سے پہلے کون آجائے؟ نونِ ساکن، تو نون کو بھی اسی حرف کی جنس سے بدل کر اس میں ادغام کرتے ہیں۔ تو زَيْدٌ کے بعد یہاں کیا ہے؟ را، زَيْدٌ رَجُلٌ، را ہے نا رَجُلٌ کی؟ اور زَيْدٌ کے آخر میں کیا ہے؟ نونِ ساکن ہے تنوین

والا، تو حروفِ یَرْمُلُوْنَ سے پہلے کیا آگیا؟ نونِ ساکن، تو اس نون کو بھی را کر کے را میں کیا کریں گے؟ ادغام، کیسے پڑھیں گے؟ زَیْدُرَّجُلٌ عَالِمٌ، اور ویسے اسی طرح بھی پڑھ دیں: زَیْدٌ رَجُلٌ عَالِمٌ، اس طرح بھی پڑھ سکتے ہیں۔ طریقہ سمجھ میں آیا بھئی؟

اب آپ نے عبارت حل کر لی، اعراب حل کر لیا، اب اس کا ترجمہ کیجیے: ہاں بھئی ترجمہ کیجیے۔ زید ایسا عالم ہے... پھر ایسا؟ موصوف صفت آئے یا نہیں اس جملے میں؟ اور وہ موصوف صفت معرفہ ہیں یا نکرہ ہیں؟ نکرہ ہیں، تو نکرہ کے ترجمے کے دو طریقے تھے: پہلا کیا طریقہ تھا؟ صفت کو کیا کر دو؟ مقدم کر دو۔ رَجُلٌ عَالِمٌ اردو ترجمہ کرو: عالم آدمی، صفت کو مقدم کر دو۔ رَجُلٌ عَالِمٌ پھر دہراؤ ترجمہ کرو: عالم آدمی۔ دوسرا طریقہ؟ ایسا آدمی جو کہ عالم ہے۔ اب سارے کا ترجمہ کرو: زَیْدٌ رَجُلٌ عَالِمٌ، پہلے طریقے کے مطابق کرو: زید عالم آدمی ہے، بھئی رَجُلٌ عَالِمٌ کا کیا ترجمہ کیا؟ عالم آدمی، بس اس کو زید کے ساتھ جوڑ دو: زید عالم آدمی ہے، زید عالم آدمی ہے، لہٰذا دوسرے طریقے کی طرف جانے کی ضرورت ہی نہیں ہے، یہ بہترین ترجمہ ہو گیا زید عالم آدمی ہے۔ لیکن اگر آپ کرنا چاہتے ہیں کر کے دیکھ لیں، دوسرا طریقہ لے آؤ: دونوں نکرہ ہیں، نکرہ میں کیا کرتے ہیں؟ موصوف سے پہلے کیا لے آتے ہیں؟ لفظ پورے پھر دہراؤ کس سے پہلے؟ موصوف سے پہلے ایسا یا ایسی، اب بولو: زید ایسا آدمی ہے جو کہ عالم ہے، دیکھو دونوں بہترین ترجمے ہو گئے یا نہیں؟ یہ طریقہ ہے حل کرنے کا۔

اگلا جملہ لکھیے: زَیْدٌ الْعَالِمُ شَاعِرٌ۔ جی توجہ سے ہاں بھئی ترکیب کیجیے: زَیْدٌ مرفوع لفظاً بتدا، شاباش زَیْدٌ مرفوع لفظاً بتدا۔ مرفوع کیوں؟ آپ نے تین لفظ کہے: مرفوع، لفظاً، بتدا، ہر ایک کی وجہ بتانی پڑے گی۔ مرفوع کیوں؟ بتدا ہے۔ لفظاً کیوں کہا؟ کیونکہ اس کے رفع پر ہم تلفظ کر رہے ہیں، کر کے دکھاؤ: زَیْدٌ، شاباش، بتدا۔ جی آگے: اَلْعَالِمُ مرفوع لفظاً صفتِ اول، شاباش۔ ہاں اس میں اسمِ فاعل کی ترکیب ہم گہرائی میں جا کر کریں گے ابھی یہ بتانا چھوڑ دیں کہ یہ اسمِ فاعل ہے یا کیا ہے۔ اَلْعَالِمُ، شاباش، اَلْعَالِمُ مرفوع لفظاً صفتِ اول۔ جی مرفوع کیوں؟ ہاں کیونکہ یہ صفت ہے اور صفت پر وہی اعراب آتا ہے جو کس پر آتا ہے؟ موصوف پر، توجہ ہے؟ تو مرفوع، اور کون سا مرفوع؟ لفظاً، لفظاً مرفوع کیوں کہا؟ اس کے رفع پر تلفظ کرو: اَلْعَالِمُ، اَلْعَالِمُ۔ اچھا بھئی موصوف ہے زَیْدٌ اس پر تنوین آ رہی ہے اور اَلْعَالِمُ اس کی صفت ہے اس پر تنوین کیوں نہیں لا رہے؟ کیونکہ اس پہ الف لام داخل ہے، شاباش تو آپ نے یہ نہیں کہنا موصوف پہ تنوین ہے تو صفت پہ بھی تنوین آئے گی، یا موصوف پہ تنوین نہیں ہے تو صفت پہ بھی تنوین نہیں آئے گی، نہیں نہیں اعراب ہر لفظ پر اس کے مطابق آئے گا، زَیْدٌ پر تنوین آسکتی ہے تو آگئی، اَلْعَالِمُ پر تنوین نہیں آسکتی تو نہیں آئی، ہاں رفع دونوں پر ہونا چاہیے۔ پھر وہ رفع چاہے لفظاً ہو کسی پر، کسی پر تقدیراً ہو، کسی پر محلاً ہو اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا لیکن ہونا رفع چاہیے۔ تو زَیْدٌ مرفوع لفظاً بتدا... اچھا آپ اَلْعَالِمُ کو آگے صفت بنا رہے ہیں تو بتدا نہ کہو نا موصوف کہو، ہے تو بتدا ہی لیکن ساری چیزیں جوڑنے کے بعد اس

کو ہم مبتدا کہیں گے، ہے ویسے مبتدا اس پر رفع آیا ہی کیوں ہے کیونکہ یہ کیا ہے؟ مبتدا ہے، موصوف ہونے سے اعراب کا پتہ نہیں چلتا مبتدا ہونے سے اعراب کا پتہ چلتا ہے، تو یہ ہے مبتدا لیکن جب آپ آگے صفت جوڑ رہے ہوں تو اس وقت وہ مبتدا کی بات ابھی دل میں رکھیں ہمیں صرف یہ بتا دیں یہ موصوف ہے، تو زَیْدٌ مرفوع لفظاً موصوف، توجہ ہے؟ زَیْدٌ مرفوع لفظاً موصوف، اَلْعَالِمُ مرفوع لفظاً صفتِ اول شاباش۔ آگے: شَاعِرٌ مرفوع لفظاً صفتِ ثانی؟ شَاعِرٌ مرفوع لفظاً صفتِ ثانی؟ ہاں بھئی یہ ترکیب ٹھیک کر رہے ہیں؟ جی آپ بتائیے بھئی یہ ترکیب ٹھیک کر رہے ہیں؟ خود غور کرو۔ بھئی میں نے کہا تھا موصوف صفت میں مطابقت ہوتی ہے: موصوف معرفہ ہو تو صفت بھی کیا ہوگی؟ معرفہ، موصوف نکرہ ہو تو صفت بھی کیا ہوگی؟ نکرہ۔ تو زید ہے معرفہ یا نکرہ؟ معرفہ۔ اَلْعَالِمُ کیا ہے معرفہ یا نکرہ؟ معرفہ۔ اور شَاعِرٌ معرفہ ہے یا نکرہ؟ نکرہ ہے بھئی، اس کو صفت بنا ہی نہیں سکتے آپ کوئی صورت ہی نہیں ہے۔ کیجیے ترکیب: ہاں شاباش یہ کیا بنے گی؟ خبر۔ اگر آپ دونوں کو صفت بنا دیں گے تو خبر محذوف نکالنا پڑے گی۔ ترکیب تقریباً حل ہو گئی، اب دوبارہ کرو اور ٹھیک طریقے سے ترکیب کیجیے شاباش: زَیْدٌ مرفوع لفظاً موصوف، شاباش۔ اَلْعَالِمُ مرفوع لفظاً صفت۔ ہاں صفت نہ کہو، صِفَۃٌ کہو، عربی میں گول تا آتی ہے اس کے، صفت کو کیسے لکھتے ہیں آخر میں گول تا، اور عربی میں جہاں بھی گول تا آئے اس کے ماقبل والے حرف پر ہمیشہ زبر ہوتی ہے: صِفَۃٌ، ضَارِبَۃٌ، قَائِمَۃٌ، غور کر رہے ہیں؟ تو اس گول تا سے ماقبل ہمیشہ مفتوح ہوتا ہے۔ اَلْعَالِمُ مرفوع لفظاً صفت شاباش۔ آگے: موصوف صفت مل کر مبتدا، کیونکہ آگے نکرہ شروع ہو رہے ہیں وہ تو صفت نہیں بن سکتے، تو یہ موصوف صفت مل کر مبتدا۔ یہ زَیْدٌ پر رفع کیوں آیا تھا؟ کیونکہ یہ کیا ہے؟ مبتدا ہے، لیکن ہم نے صفت کو جوڑ کر اب بتا دیا کہ یہ سارا کیا ہے؟ مبتدا ہے، حقیقت میں زید ہے مبتدا عَالِمٌ اس کی صفت ہے، لیکن ہمارے ہاں یوں رائج ہے یوں کہتے ہیں کہ موصوف اپنی صفت سے مل کر کیا ہوا؟ مبتدا ہوا حالانکہ حقیقت میں مبتدا کون ہے؟ زید ہے، عَالِمٌ اس کی صفت ہے۔ جی موصوف صفت مل کر مبتدا، آگے: شَاعِرٌ مرفوع لفظاً خبر، جی جوڑیے سب کو: مبتدا اپنی خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔ ایک ایک لفظ کا اعراب آپ سب کو پتہ چل گیا، اب اس کو روانی سے پڑھ دو اعراب کے ساتھ: زَیْدٌ... دیکھو اس کے آخر میں نون ہے، نونِ ساکن تنوین ہے، اور اَلْعَالِمُ اس کے شروع میں الف تو گر گیا آگے لام ساکن، اَلْعَالِمُ میں ہمزہ وصلی ہے نا الف لام کا ہمزہ وصلی درمیانِ عبارت میں گر جاتا ہے تو آگے لام ساکن اور اس سے ماقبل زَیْدٌ کا نون ساکن، تو اجتماعِ ساکنین آگیا۔ اور اجتماعِ ساکنین جب بھی آجائے تو اول اگر حرفِ مدہ ہو تو اس کو گرا دیتے ہیں۔ اور حروفِ مدہ کون کون سے ہیں؟ واو، الف، یا جب ماقبل کی حرکت ان کے موافق ہو، یعنی واو سے پہلے ضمہ ہو، الف سے پہلے فتحہ ہو، یا سے پہلے کسرہ ہو، تو پھر یہ ان کو حروفِ مدہ کہتے ہیں۔ توجہ ہے؟ توجہ سے سنو بھئی پھر سن لو صرف کی بات: واو، الف اور یا ان سے ماقبل کی حرکت ان کے موافق ہو تو ان کو حروفِ مدہ کہتے ہیں۔ مد، دیکھو خود غور کر لو ترجمے پہ غور کر لو آپ کو یاد ہو جائے گا، مد کا معنیٰ ہے کھینچنا، اگر واو سے پہلے پیش ہو تو اسی پیش کو لمبا کر دیتا ہے واو، حَضْرَمَوْتُ، میم واو اور لمبی تا ہے،

حَضْرَمُوْتُ، واو ساکن ہے اور ماقبل میم پر کیا ہے؟ پیش، تو اس واو نے یہ کیا ہے؟ حرفِ مدہ، اس نے کیا فائدہ دیا؟ اسی پیش کو لمبا کر دیا، مَدٌّ کا معنیٰ ہے کھینچنا اس کو کیا کر دیتا ہے؟ کھینچ کر لمبا کر دیتا ہے۔ الف سے ماقبل تو ہمیشہ فتحہ آئے گا اور کچھ نہیں آسکتا، لیکن واو اور یا سے ماقبل حرکت ان کے موافق بھی ہو سکتی ہے اور فتحہ بھی آسکتا ہے۔ جیسے حَضْرَمُوْتُ واو سے ماقبل میم پر پیش ہے یہ حرکت واو کے موافق ہے، اور واو سے ماقبل زبر بھی آسکتا ہے فتحہ بھی آسکتا ہے: مَوْتٌ، اور اسی طرح یا، یا سے ماقبل کسرہ بھی آسکتا ہے اور فتحہ بھی آسکتا ہے۔ الف، پھر دہراؤ الف سے ماقبل صرف کیا آئے گا؟ فتحہ، واو سے ماقبل ضمہ بھی آسکتا ہے اور فتحہ بھی، اور یا سے ماقبل کسرہ بھی آسکتا ہے اور فتحہ بھی۔ تو واو سے ماقبل اگر ضمہ ہو، الف سے ماقبل فتحہ ہو، اور یا سے ماقبل کسرہ ہو تو ان کو حرفِ مدہ کہیں گے، یہ اسی حرکت کو لمبا کر دیتے ہیں، جیسے حِیْنٌ، حا، یا اور نون، حِیْنٌ، حا کے نیچے کیا ہے؟ زیر، آگے یا ہے، تو اس یا کو حرفِ مدہ کہیں گے اس نے اسی کسرہ کو کیا کر دیا؟ کھینچ کر لمبا کر دیا، حِیْنٌ کہا آپ نے حِیْنٌ بھئی۔ لیکن اگر واو یا یا سے ماقبل فتحہ ہو پھر ان کو حرفِ مدہ نہیں کہیں گے، پھر ان کو حرفِ لین کہیں گے، لام یا نون، حرفِ لین: مَوْتٌ، جی واو سے ماقبل کیا؟ فتحہ، لہٰذا اس کو لمبا نہیں کرنا، یہ حرفِ مدہ نہیں ہے: مَوْتٌ۔ چنانچہ اسی لیے اذان دیتے ہیں فجر کی: اَلصَّلٰوۃُ خَیْرٌ مِّنَ النَّوْمِ، واو سے ماقبل کیا ہے؟ فتحہ ہے، لیکن اذان دینے والے عموماً اس کو لمبا کرتے ہیں: نَوْوْمِ، بھئی یہ حرفِ مدہ ہی نہیں ہے لمبا کیوں کر رہے ہو؟ عرب کی اذان آپ سنیں وہ کہیں گے: اَلصَّلٰوۃُ خَیْرٌ مِّنَ النَّوْمِ، ذرا بھی نہیں لمبا کریں گے، اَلصَّلٰوۃُ خَیْرٌ مِّنَ النَّوْمِ۔ تو یہ نَوْم یہ واو کیا ہے؟ حرفِ مدہ نہیں ہے۔ اسی طرح یا سے ماقبل اگر کسرہ ہو تو وہ یا کیا ہے؟ حرفِ مدہ، اور اگر یا سے ماقبل فتحہ ہو تو پھر وہ حرفِ لین ہے جیسے مَیْتٌ، میم یا تا، مَیْتٌ۔ تو واو الف اور یا جب ساکن ہوں اور ماقبل کی حرکت ان کے موافق ہو تو ان کو کیا کہیں گے؟ حروفِ مدہ، اور واو اور یا سے ماقبل اگر حرکت فتحہ کی ہو تو پھر ان کو کیا کہیں گے؟ حرفِ لین کہیں گے۔

اچھا کیا بات چل رہی تھی؟ ہاں زَیْدُنِ الْعَالِمُ شَاعِرٌ ترکیب ہم کر رہے تھے۔ زَیْدٌ کے آخر میں کیا ہے؟ نونِ ساکن، تنوین ہے نا تنوین کس کا نام ہے؟ نونِ ساکن، دیکھو یاد رکھو تنوین نونِ ساکن کا نام ہے۔ میں آپ کے سامنے کچھ حروف لکھوں گا آپ نے اس کو پڑھنا ہے: زا، یا، دال اور دال کے اوپر میں نے دو پیش بھی ڈال دیے، اب اس کو پڑھو ذرا: زَیْدٌ، بھئی میں نے تو زا یا دال لکھا ہے آپ یہ نون کیوں پڑھ رہے ہیں؟ تو آپ جواب میں کیا کہیں گے؟ یہ وہ تنوین ہے جو آپ نے اوپر دال کے اوپر لکھی ہے، تو تنوین دراصل کس کا نام ہے؟ نونِ ساکن کا نام ہے۔ تو زَیْدٌ کے آخر میں تنوین آگئی یعنی نونِ ساکن، آگے اَلْعَالِمُ اس کی صفت ہے اور اس میں ہمزہ کون سا ہے؟ وصلی، وہ گر گیا، اب آگے لام بھی ساکن ماقبل میں نون بھی ساکن اور آگے لام بھی ساکن، تو اجتماعِ ساکنین آگیا، دو ساکن جمع ہو گئے۔ اور اجتماعِ ساکنین جب آئے اور ان میں سے اول حرفِ مدہ ہو تو اس کو گرا دیتے ہیں، لیکن نون اور لام ان میں سے اول کیا ہے؟ نون، کیا یہ حرفِ مدہ ہے؟ نہیں

یہ تو حرفِ مدہ ہی نہیں ہے، حرفِ مدہ تو واو الف اور یا کو کہتے ہیں، تو جب اول حرفِ مدہ نہ ہو تو پھر اس کو کسرہ کی حرکت عموماً دے دیتے ہیں۔ تو پھر اس نون کو کون سی حرکت دے دیں گے؟ کسرہ والی، کیسے پڑھیں گے؟ زَيْدُنِ الْعَالِمُ، توجہ ہے؟ پڑھیے بھئی: زَيْدُنِ الْعَالِمُ شَاعِرٌ۔ طریقہ سمجھ میں آگیا؟ زَيْدُنِ الْعَالِمُ شَاعِرٌ۔ ترجمہ کیجیے: ہاں بھئی ترجمہ کیجیے: وہ زید جو کہ عالم ہے وہ شاعر ہے، اور پہلے طریقے سے کر لو تو ترجمہ زیادہ اچھا ہو جائے گا: وہ عالم زید شاعر ہے، بلکہ وہ ہم کس لیے لاتے ہیں؟ اشارہ کرنے کے لیے کسی متعین کی طرف، لیکن جب نام ہے نام تو ویسے ہی متعین ہوتا ہے تو یہاں وہ لانے کی ضرورت بھی نہیں، یوں ترجمہ کرو: عالم زید شاعر ہے، عالم زید شاعر ہے۔ طریقہ سمجھ میں آگیا؟

آگے لکھیے بھئی: زَيْدٌ الْعَالِمُ رَجُلٌ كَرِيْمٌ، جی جملہ مکمل ہوا اب اعراب اور ترکیب آپ نے کرنی ہے۔ چلیے بھئی ترکیب کیجیے بھئی۔ جب کوئی جملہ آئے سب سے پہلے ذرا جلدی جلدی غور کر لیا کرو: معرفہ کون سے ہیں، نکرہ کون سے ہیں، پھر دیکھ لیا کرو معرب کون سے ہیں مبنی کون سے ہیں۔ بالکل آسان ہے چند دن مشق کریں گے فوراً آپ کے لیے آسان ہو جائے گا معرفہ اور نکرہ کی پہچان، معرفہ کی وہ چھ سات قسمیں دیکھو ان میں سے کون کون سی ہے اور کون سی نہیں، اور مبنی، مبنی میں نے بتایا کہ ابھی صرف وہ تین یاد رکھو کون سے؟ تمام ضمیریں، اسمائے اشارہ اور اسمائے موصولہ بس، اگر وہ نہیں تو معلوم ہوا یہ معرب ہیں بھئی۔ جی کیجیے ترکیب: زَيْدٌ مرفوع... تلفظ کرو مرفوع ہے تو تلفظ کر کے بتایا کرو: زَيْدٌ مرفوع لفظاً موصوف، شاباش۔ مرفوع کیوں؟ مبتدا ہے، انہوں نے کہا زَيْدٌ مرفوع لفظاً موصوف، مبتدا کا لفظ انہوں نے نہیں کہا لیکن ان کو پتہ تھا کہ یہ کیا ہے؟ مبتدا ہے، کیونکہ رفع، موصوف کہنے سے رفع کا پتہ نہیں چلتا، موصوف تو منصوب بھی ہو سکتا ہے مجرور بھی ہو سکتا ہے، تو مبتدا البتہ مرفوع ہوتا ہے، تو وہ پھر آخر میں جوڑ کر یہ بتائیں گے۔ تو زَيْدٌ مرفوع لفظاً موصوف۔ اب بتائیے مرفوع کیوں؟ مبتدا ہے۔ لفظاً کیوں کہا؟ اس کے رفع پر ہم تلفظ کر رہے ہیں، کر کے دکھاؤ: زَيْدٌ، نصب پہ تلفظ کرو: زَيْداً، جر پر کرو: زَيْدٍ، اس پر تینوں طرح کے اعراب لفظی آتے ہیں۔ تیسرا لفظ آپ نے کہا تھا موصوف، اب ہمیں بتائیں موصوف آپ نے کیوں کہا؟ بھئی آپ بتائیے موصوف کیوں ہے؟ کیونکہ معرفہ کے بعد معرفہ آرہا ہے، زَيْدٌ عَلَمٌ ہے وہ بھی معرفہ اَلْعَالِمُ یہ الف لام اس پر ہے یہ بھی معرفہ، اور میں نے آپ کو بتایا تھا جب ایک معرفہ کے بعد دوسرا معرفہ یا تیسرا معرفہ آجائے تو وہ عموماً کیا بنیں گے؟ موصوف صفت بنیں گے، بات سمجھ میں آگئی؟ تو زَيْدٌ مرفوع لفظاً موصوف۔ آگے چلیے: اَلْعَالِمُ مرفوع لفظاً صفت، مرفوع کیوں؟ صفت ہے، اور صفت پر وہی اعراب آتا ہے جو کس پر آتا ہے؟ موصوف پر، اگر ماقبل میں موصوف پر نصب ہوتا تو اس پر بھی کیا پڑھتے؟ نصب، اگر اس پر جر ہوتا تو اس پر بھی کیا پڑھتے؟ جر۔ تو اَلْعَالِمُ مرفوع لفظاً صفت۔ لفظاً کیوں کہا؟ اس کے رفع پر ہم کیا کر رہے ہیں؟ تلفظ کر رہے ہیں، کر کے دکھاؤ: اَلْعَالِمُ، نصب پر تلفظ کرو: اَلْعَالِمَ، جر پہ تلفظ کرو: اَلْعَالِمِ۔ جی اب جوڑیے بھئی: موصوف صفت مل کر مبتدا، کیونکہ آگے نکرہ شروع ہو رہے ہیں وہ تو صفت نہیں بن سکتے، تو یہ

موصوف صفت مل کر بتدا۔ آگے کیجیے ترکیب: رَجُلٌ مرفوع لفظاً موصوف، توجہ ہے؟ مرفوع لفظاً موصوف۔ اب بتاؤ مرفوع کیوں؟ کیونکہ خبر ہے، خبر کیا ہوتی ہے؟ مرفوع، وہ ترکیب کر رہے ہیں تو صرف سنا نہ کریں خود حل کرتے رہیں، ادھر سنتے بھی رہیں حل بھی کوشش بھی کریں کہ آپ ترکیب جلدی حل کر لیں۔ جی رَجُلٌ مرفوع لفظاً موصوف۔ مرفوع کیوں؟ کیونکہ خبر ہے۔ لفظاً کیوں؟ اس کے رفع پر ہم تلفظ کر رہے ہیں، کر کے دکھاؤ: رَجُلٌ، نصب پہ تلفظ کرو: رَجُلاً، جر پر کرو: رَجُلٍ، معلوم ہوا اس پر تینوں طرح کے اعراب لفظی آتے ہیں یہ جو رَجُلٌ کا لفظ ہے۔ تیسری بات آپ نے کہی تھی موصوف، مرفوع لفظاً موصوف، موصوف کیوں کہا آپ نے؟ کیونکہ دو نکرے اکٹھے آ گئے تو دوسرا کیا بنے گا؟ صفت بنے گا، دو معرفے اکٹھے آئے تھے زَیْدٌ اور اَلْعَالِمُ تو زَیْدٌ موصوف اَلْعَالِمُ اس کی صفت، دو نکرے اکٹھے آ گئے رَجُلٌ اور کَرِیْمٌ تو رَجُلٌ موصوف اور کَرِیْمٌ اس کی صفت۔ تو رَجُلٌ مرفوع لفظاً موصوف۔ آگے ترکیب کیجیے: کَرِیْمٌ مرفوع لفظاً صفت، شاباش مرفوع لفظاً صفت، رفتار آپ کی ان شاء اللہ ایک آدھ دن میں آپ دیکھیں گے بڑھ جائے گی، اب باقاعدہ ترکیبیں شروع ہو گئی ہیں۔ تو مرفوع لفظاً صفت، اب وجہیں بتاؤ: مرفوع کیوں؟ خبر تو رَجُلٌ تھی، یہ صفت ہے اور صفت پر وہی اعراب آتا ہے جو کس پر آتا ہے؟ موصوف پر، اور رَجُلٌ پر کیا تھا؟ وہ رفع تھا اس پر تو اس پر بھی کیا آئے گا؟ رفع آئے گا بھئی۔ تو یہ مرفوع لفظاً صفت۔ لفظاً کیوں؟ اس کے رفع پر ہم تلفظ کر رہے ہیں، کر کے دکھاؤ: کَرِیْمٌ، نصب پر تلفظ کرو: کَرِیْماً، جر پر کرو: کَرِیْمٍ، معلوم ہوا یہ جو کَرِیْمٌ لفظ کہیں کبھی عبارتوں میں آ جائے تو اس پر تینوں طرح کے اعراب لفظی ہوتے ہیں یہ آپ نے یاد رکھنا ہے۔ جی جوڑیے اب: موصوف اپنی صفت سے مل کر خبر، پہلے زید اپنی صفت سے مل کر بتدا بن گیا تھا اب یہ رجل اپنی صفت موصوف اپنی صفت سے مل کر خبر، دو چیزیں بن گئیں، تو بتدا اور خبر مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔ اب ایک ایک لفظ کا اعراب نکل آیا، اب اس جملے کو روانی سے پڑھ دو، عبارت اس طرح حل ہوتی ہے: ایک ایک لفظ کا اعراب جلدی جلدی نکالتے جاتے ہیں اور پھر اس کو روانی سے پڑھ دیتے ہیں۔ جی پڑھیے بھئی سارے جملے کو روانی سے پڑھ دیں: زَیْدُنِ الْعَالِمُ رَجُلٌ کَرِیْمٌ، شاباش دیکھا زَیْدُنِ الْعَالِمُ رَجُلٌ کَرِیْمٌ، دیکھو وہ نون کے نیچے یہ زیر بھی لے آئے۔ طریقہ سمجھ میں آ گیا؟ اس طرح عبارت کوئی مشکل نہیں ہے آپ ان شاء اللہ ایک ہفتے میں اچھی عبارت پڑھنے لگیں گے۔ زَیْدُنِ الْعَالِمُ رَجُلٌ کَرِیْمٌ: زید بھی مرفوع، العالم بھی مرفوع، رجل بھی مرفوع، کریم بھی مرفوع، اور وجہ میں پوچھتا ہوں تو آپ ہر ایک کی وجہ الگ بتاتے ہیں: زید کے بارے میں پوچھتا ہوں تو آپ کہتے ہیں یہ مرفوع ہے کیونکہ بتدا ہے، اور عالم کے بارے میں پوچھتا ہوں تو آپ کیا کہتے ہیں کہ یہ مرفوع ہے کہ یہ کیا ہے؟ صفت ہے، اور رجل کے بارے میں میں پوچھتا ہوں تو آپ کہتے ہیں یہ مرفوع ہے خبر ہے، اور کریم کے بارے میں پوچھتا ہوں تو آپ کہتے ہیں یہ کریم کیا ہے؟ رجل کی صفت ہے اس لیے مرفوع ہے۔ تو زَیْدُنِ الْعَالِمُ رَجُلٌ کَرِیْمٌ، جی ترجمہ کیجیے۔ زَیْدُنِ الْعَالِمُ موصوف صفت ہیں ان کا الگ ترجمہ کر لو، رَجُلٌ کَرِیْمٌ یہ بھی موصوف صفت ہیں ان کا الگ

ترجمہ کر لو، پھر دونوں کو جوڑ کر پورے جملے کا ترجمہ کر لو۔ زَيْدُنِ الْعَالِمُ ترجمہ کرو: عالم زید، یہ پہلے موصوف صفت کا ترجمہ ہو گیا۔ دوسرے کا ترجمہ کرو: رَجُلٌ كَرِيْمٌ، کریم کا ترجمہ کر لیں معزز: معزز آدمی، توجہ ہے؟ پہلے موصوف صفت کا کیا ترجمہ؟ عالم زید، دوسرے کا کیا ترجمہ؟ معزز آدمی، اب ان کو جوڑ دو: عالم زید معزز آدمی ہے، یہ آخر میں ہے لے آئے اس سے جملہ پورا ہو گیا، عالم زید معزز آدمی ہے۔ بات سمجھ میں آگئی اچھی طرح؟

تو حاصلِ کلام یہ آج آپ نے پڑھا: آج آپ نے موصوف صفت کی ترکیب پڑھی، اور موصوف صفت عربی میں آپ جانتے ہیں کہ صفت مؤخر ہوتی ہے لیکن اردو میں صفت کو کیا کر دیتے ہیں؟ مقدم، ایک طریقہ یہ ہے، دوسرا طریقہ یہ ہے کہ عربی میں صفت مؤخر تھی تو اردو میں بھی صفت کو مؤخر ہی رہنے دو البتہ موصوف سے پہلے معرفہ کے اندر وہ یا اس کا لفظ لے آؤ اور نکرہ میں ایسا یا ایسی کا لفظ لے آؤ۔ توجہ ہے؟ جی تو خوب اس کا ذرا پڑھ کر آئیں میں نے قانون لکھوا بھی دیا، اور یہ ترکیبوں پر ذرا دوبارہ نظر ڈالنا خود اس کو حل کرنا، جتنی محنت کرو گے اتنی جلدی سیکھ جاؤ گے بھئی، اتنی جلدی سیکھ جاؤ گے ایک ہفتے میں فرق دیکھنا کتنا پڑ جاتا ہے۔ چلیے بس بھئی، ہٰذَا هُوَ الْمَرَامُ وَاللّٰهُ أَعْلَمُ بِحَقِيْقَةِ الْكَلَامِ۔

سبق نمبر ۵: تراکیبِ نحویہ (۴): جملہ اسمیہ اور موصوف صفت کی تطبیق

تراکیبِ نحویہ (ابتدائی مشق) — بتاریخ: ۱۴ جون ۲۰۲۱ء

▪ تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث

اچھا بھئی، ہم ترکیب کر رہے تھے بھئی۔ سب سے پہلے ہم نے جملہ اسمیہ کی ترکیب شروع کی۔ میں نے آپ کو بتایا تھا ایک ہے جملہ اسمیہ اور ایک ہے جملہ فعلیہ۔ جملہ اسمیہ وہ ہے جس کا پہلا جز اسم ہو۔ جملہ فعلیہ وہ ہے جس کا پہلا جز فعل ہو۔ پھر ہم نے جملہ اسمیہ کی ترکیب شروع کی۔ اور میں نے آپ کو بتلایا کہ جملہ اسمیہ کے اندر دو چیزیں ہوتی ہیں۔ ایک ہے بتدا اور ایک ہے خبر۔ آسان لفظوں میں بتدا وہ جس کے بارے میں بات کی جائے، اور خبر وہ جو بات کی جائے۔ آپ بھی اپنے کلام میں غور کر لیں آپ جب بھی بات کرتے ہیں کسی چیز کے بارے میں کرتے ہیں اور کوئی بات کرتے ہیں۔ کوئی نہ کوئی چیز جو ہوتی ہے آپ کے کلام، اردو کے کلام میں بھی کیا ہوگی؟ بتدا یعنی مسند الیہ ہوگی، اور کوئی نہ کوئی آگے خبر یعنی مسند آئے گا بھئی۔

بتدا کے اندر جو ہے اصل ہے کہ وہ معرفہ ہو، کبھی کبھار بتدا نکرہ بھی آجاتا ہے لیکن وہ خاص خاص جگہیں ہیں، خاص شرطیں ہیں۔ اور خبر کے اندر اصل یہ ہے کہ وہ نکرہ ہو بھئی، اور کبھی کبھی خبر بھی معرفہ آجاتی ہے۔ تو اب آپ کو معرفہ اور نکرہ کی پہچان ہونی چاہیے۔ تو میں نے آپ کو بتلایا تھا کہ معرفہ کل کتنے ہیں؟ سات ہیں۔ یاد رکھو اس ترکیب میں میں جو کچھ بتاؤں بہت ہی ضروری باتیں میں بتاتا ہوں، بہت ہی ضروری۔ ان میں سے کوئی ایک بات بھی ایک دفعہ آجائے تو آپ نے اس کو بھولنا نہیں ہے، ٹھیک ہے؟ اس کو بھولنا نہیں ہے، اس کا پھر تکرار کرو، بار بار تکرار کرو۔ میری بھی کوشش ہوتی ہے کہ چیزوں کا بار بار تکرار کرواتا رہوں، کرواتا رہوں یہاں تک کہ آپ کے ذہن میں جم جائیں، لیکن اصل چیز ہوتی ہے طالب علم کی اپنی محنت۔ تو آپ جب بعد میں وقت ملے تو اس کو پھر دہرائیں، ان سارے ضابطوں کو بھی دہرائیں، ان ساری باتوں کو بھی دہرائیں، جو ترکیبیں آپ نے کی ہوتی ہیں جو میں کروا دیتا ہوں پھر ان کو دوبارہ کیا کریں بھئی تاکہ آپ کی زبان پر رواں ہو جائے، آپ کو مہارت آپ کی بڑھتی چلی جائے۔ اور میں بہت ہی کوئی ضروری بات ہوتی ہے وہ کرتا

ہوں، عام ادھر ادھر کی باتیں اس ترکیب میں میں نہیں کرتا ورنہ بڑی لمبی تفصیل ہو سکتی ہے۔ تو جو کچھ میں بتا دوں اس کو آپ نے اچھی طرح سمجھنا ہے۔ اگر سمجھ میں نہ آئے تو مجھ سے پوچھیں۔ اور اگر مجھ سے نہیں پوچھا، اپنے ساتھیوں سے پوچھیں، جب تک حل نہ ہو اس کو چھوڑیں نہ۔

تو بتدا کے اندر اصل ہے معرفہ ہونا، اور خبر میں اصل ہے نکرہ ہونا۔ تو اب آپ کو معرفہ اور نکرہ کی پہچان ہونی چاہیے۔ اور معرفہ کل سات ہیں: نمبر ایک تمام ضمیریں، نمبر دو عَلَم، نمبر تین اسمائے اشارہ، نمبر چار اسمائے موصولہ، نمبر پانچ معرفہ بندا، نمبر چھ معرفہ بِاَلِف لَامْ، اور نمبر سات جو ان میں سے کسی ایک کی طرف مضاف ہو، علاوہ معرفہ بندا کے، اس کے علاوہ ان باقی پانچ میں سے کسی کی طرف جو مضاف ہو۔ اور میں نے آپ کو یہ بھی بتلایا تھا کہ بتدا بھی مرفوع ہوتا ہے اور خبر بھی مرفوع۔ جہاں بھی بتدا آجائے آپ سمجھ جائیں اس پر کیا پڑھنا ہے؟ رفع۔ اسی طرح جس لفظ کے بارے میں بھی آپ کو پتہ چل جائے کہ یہ خبر ہے، ساتھ ہی ایک اور بات کا بھی آپ کو پتہ چل جانا چاہیے کہ اس پر کیا پڑھنا ہے؟ رفع۔ پھر میں نے آپ کو یہ بھی بتلایا تھا کہ چاہے رفع ہو، چاہے نصب ہو، چاہے جر، وہ لفظاً بھی ہو سکتا ہے، تقدیراً بھی، اور محلاً بھی، محلاً بھی۔

تو اب آپ نے غور کرنا ہے کہ جو لفظ مثلاً بتدا آگیا، آپ کو پتہ چل گیا کہ اس پر رفع ہی پڑھنا ہے۔ کوئی ہزار دفعہ آپ کو کہے اس پر نصب یا جر پڑھنا ہے، آپ نے کہنا، آپ کہیں گے کہ نہیں، اگر یہ بتدا ہے تو بتدا پر کیا پڑھنا ہے؟ رفع پڑھنا ہے۔ ہاں، پھر غور کرنا ہے کہ یہ بتدا جو ہے یہ مبنی ہے یا معرب۔ اگر مبنی ہو تو اعراب محلاً ہوتا ہے، اور اگر معرب ہو تو پھر اعراب کبھی لفظاً ہوتا ہے اور کبھی تقدیراً۔ تو لفظاً اور تقدیراً وہ سولہ قسمیں جو نحو میر میں آپ نے پڑھی تھیں، جو ہم نے بھی گزشتہ سے پیوستہ سبق میں ہم نے کر لی تھیں، اس کو بار بار دہرائیں بھئی۔ یہ دو چار چیزیں ہیں یاد کرنے والی، آپ ان شاء اللہ بہترین عبارت حل کرنے لگیں گے بھئی۔

تو مبنی کا اعراب ہمیشہ کیا آئے گا؟ محلاً۔ محلاً کا کیا معنی؟ محل جگہ کو کہتے ہیں، یعنی یہ جگہ رفع والی ہے لیکن یہاں مبنی آ گیا۔ اگر معرب آتا تو رفع ظاہر ہو جاتا۔ تو مبنی کو کیا کہیں گے؟ کہ مثلاً یہ مرفوع ہے محلاً، یعنی یہ محل کے اعتبار سے مرفوع ہے، لفظوں کے اعتبار سے مرفوع نہیں، یہ رفع کو جگہ نہیں دیتا۔ اور پھر آپ کو مبنیات کی پہچان ہونی چاہیے تاکہ آپ مبنی اور معرب میں فرق کر سکیں۔ مبنیات تو ویسے آٹھ ہیں، لیکن کم از کم تین تو آپ کو ہر وقت یاد ہونے چاہئیں۔ ویسے تو آٹھ یاد کر لیں کوئی مشکل نہیں ہے، آٹھ چیزیں ہیں، آٹھ نام ہیں، لیکن تین تو ہر وقت آپ کے ذہن میں ہوں: نمبر ایک تمام ضمیریں، نمبر دو اسمائے اشارہ، اور نمبر تین اسمائے موصولہ۔ ضمیر آجائے، اسم اشارہ آجائے، یا اسم موصولہ آجائے، آپ سمجھ جائیں اس پر اعراب محلاً آئے گا۔ چاہے رفع ہو، چاہے نصب ہو، چاہے جر ہو، جس جگہ پر یہ آئیں گے لیکن ہوں گے محلاً ہی بھئی، ان کا اعراب محلاً ہوگا۔ اور اس کے علاوہ جو معرب کی باقی قسمیں ہیں ان کا اعراب یا لفظاً ہوگا یا تقدیراً۔

لفظاً کا کیا معنی؟ کہ ہم اس اعراب پر باقاعدہ تلفظ کرتے ہیں۔ رفع ہو تو رفع پر تلفظ ہوگا، نصب ہو تو نصب پر تلفظ ہوگا، جر ہو تو جر۔ تلفظ کا معنی یہ کہ سننے سے ہی دوسرے کو پتہ چل جائے گا کہ آپ اس پر رفع پڑھ رہے ہیں، نصب یا جر۔ رَجُلٌ، میں نے کیا پڑھا؟ رفع۔ دیکھو تلفظ سے سننے سے ہی آپ کو پتہ چل گیا۔ رَجُلًا، میں نے کیا پڑھا؟ نصب۔ رَجُلٍ، جر۔ دیکھا، یہ ہے اعرابِ لفظی۔ اور کبھی اعرابِ لفظی معرب پر نہیں آسکتا، وہاں تقدیراً اعراب آتا ہے۔ تقدیراً کا معنی ہے فرض کر لو، فرض کر لو۔ جیسے جَاءَ مُوْسٰی، رَاَیْتُ مُوْسٰی، مَرَرْتُ بِمُوْسٰی۔ دیکھو یہ ایک میں مرفوع ہے، ایک میں منصوب، ایک میں مجرور، لیکن ایک جیسا رہتا ہے، بدلتا نہیں۔ تو ہے تو یہ معرب۔ میں نے آپ کو بتلایا تھا کہ یہ جو مبنیات ہیں، یہ جو آٹھ مبنیات ہیں، یہ مبنی کیوں ہیں؟ کیونکہ ان کی مشابہت ہے مبنی الاصل کے ساتھ۔ ان کی، مبنی کوئی چیز ویسے کوئی لفظ مبنی نہیں بنتا، جب اس کی مشابہت ہو جاتی ہے مبنی الاصل کے ساتھ پھر وہ مبنی کہلاتا ہے۔ اور مبنی الاصل تین چیزیں ہیں، کون کون سی؟ فعل ماضی، نمبر دو فعل امر، اور نمبر تین تمام حروف۔ فعل ماضی، فعل امر اور تمام حروف، یہ ہیں مبنی الاصل، یعنی ذات کے اعتبار سے ہی مبنی ہیں۔ اور ان کے ساتھ جس کی مشابہت، جس اسم کی، دیکھو یہ جو تین ہیں ان میں سے اسم کوئی نہیں: ایک فعل ماضی ہے، ایک فعل امر ہے، اور نمبر تین حروف ہیں، اسم کوئی نہیں۔ لیکن اسم میں جو آٹھ قسم کے مبنی آتے ہیں وہ کیوں مبنی ہیں؟ ان کی ان کے ساتھ مشابہت ہے۔ اور ہر مشابہت نہیں مراد، کچھ خاص مشابہتیں ہیں جن کا ذکر علمائے نحو اپنی کتابوں میں کرتے ہیں بھئی۔ تو یہ آٹھ مبنی ہیں۔

اور پھر میں نے آپ کو بتلایا تھا کہ یہ اعرابِ تقدیری جو ہے، قَدَّرَ یُقَدِّرُ التَّقْدِیْرُ کا کیا معنی ہے؟ فرض کرنا۔ قَدَّرَ یُقَدِّرُ التَّقْدِیْرُ کا معنی ہے فرض کرنا۔ تو جَاءَ مُوْسٰی، رَاَیْتُ مُوْسٰی، مَرَرْتُ بِمُوْسٰی، اس پر رفع، نصب، جر تینوں تقدیری ہیں۔ جَاءَ مُوْسٰی، رفع تقدیری۔ رَاَیْتُ مُوْسٰی، نصب تقدیری۔ مَرَرْتُ بِمُوْسٰی، با جارہ داخل ہو گئی تو یہ مجرور ہے تقدیراً۔ مجرور تقدیراً کا کیا معنی؟ کہ فرض کر لو اس پر جر آگیا ہے۔ منصوب تقدیراً ہو تو فرض کر لو اس پر نصب آگیا ہے۔ بھئی کیا وجہ ہے، فرض کیوں کرتے ہو؟ میں نے وجہ بتائی تھی کہ مبنی اعراب کو جگہ ہی نہیں دیتا، اور معرب وہ ہے جس کا آخر عوامل کے بدلنے سے بدلتا ہے۔ اب دیکھو یہ مُوْسٰی اور عِیْسٰی جیسے الفاظ، ان کی مبنی الاصل کے ساتھ مشابہت نہیں۔ جب مشابہت نہیں تو یہ مبنی ہیں؟ نہیں۔ جب مبنی نہیں ہیں تو معرب ہیں، تیسری تو کوئی صورت نہیں۔ اور معرب اس کو کہتے ہیں جس کا آخر عوامل کے بدلنے سے بدلتا ہو، اور ان کا آخر بدل نہیں رہا۔ تو یہاں نحویوں پر اعتراض ہوتا تھا کہ بھئی یہ تو معرب ہیں، ان کا آخر تو نہیں بدل رہا، پھر یہ کیسے معرب ہیں؟ یہ تو معرب نہیں ہیں۔ معرب کی تو آپ نے کیا تعریف کی؟ جس کا آخر بدلتا ہو عوامل کے بدلنے سے۔ تو وہ پھر مجبور ہو گئے اس کو معرب میں داخل رکھنے کے لیے، انہوں نے کہا کہ فرض کر لو بدل گیا ہے۔ جَاءَ مُوْسٰی، فرض کر لو رفع آچکا۔ رَاَیْتُ مُوْسٰی، فرض کر لو نصب آچکا۔ مَرَرْتُ بِمُوْسٰی، فرض کر لو جر آچکا۔ تو رفع نصب جر آرہا ہے یا نہیں آرہا؟ آرہا ہے، تو یہ معرب کے اندر داخل ہے۔ معرب بھی وہ ہے جس کا آخر بدلتا ہے، اس کا آخر بھی بدل رہا ہے، اگرچہ لفظاً نہیں بدل رہا لیکن تقدیراً بدل رہا ہے، فرض کر لیا آپ نے بدل رہا ہے۔ تو اب یہ معرب

کی تعریف میں داخل ہے۔

اس کے بعد گزشتہ سبق میں ہم نے موصوف صفت کی ترکیب شروع کی تھی۔ میں نے آپ کو بتلایا کہ معرفہ کے بعد معرفہ ایک آئے یا دو یا تین، تو عموماً پہلا معرفہ موصوف بنتا ہے اور بعد والے اس کی صفت بنتے ہیں۔ اسی طرح ایک نکرہ کے بعد آگے ایک نکرہ آئے یا زیادہ آجائیں تو پہلا موصوف بنتا ہے اور بعد والے صفت بنتے ہیں عموماً، ہمیشہ نہیں، لیکن عموماً، اور بشرطیکہ آخری نکرہ کے بعد کوئی معرفہ نہ آئے، کیونکہ اگر آخری نکرہ کے بعد کوئی معرفہ آگیا تو پھر وہ مضاف مضاف الیہ بھی بن سکتے ہیں۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ اور پھر میں نے موصوف صفت کے ترجمہ کرنے کا طریقہ سکھایا تھا۔ میں نے بتلایا تھا کہ عربی کے اندر موصوف مقدم ہوتا ہے اور صفت مؤخر ہوتی ہے۔ رَجُلٌ شُجَاعٌ، رَجُلٌ موصوف ہے اور شُجَاعٌ صفت۔ لیکن اردو میں صفت مقدم ہوتی ہے، تو رَجُلٌ شُجَاعٌ، یہ ترجمہ کرو، کیا ترجمہ ہوگا؟ بہادر آدمی۔ یہ ہے نکرہ میں، دیکھو بہادر آدمی کوئی بھی ہو سکتا ہے زید، عمر، بکر، خالد کوئی بھی۔ تو یہ نکرہ ہے، ہر ایک پر یہ صادق آسکتا ہے ہر بہادر آدمی پر۔ لیکن جب معرفہ ہو اَلرَّجُلُ الشُّجَاعُ، تو اب اس کا کیا ترجمہ ہوگا؟ وہ بہادر آدمی۔ دیکھو الف لام کے ذریعے کیا ہوتا ہے؟ کسی چیز کی طرف اشارہ ہوتا ہے۔ تو یہ کوئی متعین آدمی ہے جس کا آپ ذکر کر رہے ہیں۔ مثلاً میں آپ سے کہتا ہوں جَاءَنِيْ رَجُلٌ شُجَاعٌ، کل میرے پاس کوئی ایک بہادر آدمی آیا تھا، فَاَكْرَمْتُ الرَّجُلَ الشُّجَاعَ، تو میں نے اس بہادر آدمی کا اکرام کیا۔ دیکھو ایک خاص بہادر آدمی کی طرف اشارہ ہے، تو یہ کیا ہے؟ معرفہ۔ تو اس کا ترجمہ کیا کریں گے اَلرَّجُلُ الشُّجَاعُ؟ وہ بہادر آدمی یا اس بہادر آدمی، موقع کے مطابق جس طرح بھی ترجمہ مناسب بنتا ہو، لیکن کریں گے معرفہ والا ترجمہ۔

دوسرا طریقہ یہ ہے موصوف صفت کے ترجمہ کرنے کا کہ جیسے عربی میں موصوف مقدم تھا، آپ اردو میں بھی موصوف کو کیا کریں؟ مقدم ہی رکھیں، لیکن نکرہ کے لیے موصوف سے پہلے ایسا یا ایسی کا لفظ لے آئیں اور معرفہ کے لیے موصوف سے پہلے وہ کا لفظ لے آئیں یا اس کا لفظ لے آئیں۔ جی، تو رَجُلٌ شُجَاعٌ پہلا ترجمہ: بہادر آدمی۔ رَجُلٌ شُجَاعٌ نکرہ ہے، دوسرا ترجمہ: ایسا آدمی جو کہ بہادر ہے۔ بات پوری نہیں ہوئی، ایسا آدمی جو کہ بہادر ہے، آپ کہیں گے اس کو کیا ہوا، بات تو پوری کریں۔ تو آپ جب دوسرا کہے گا میرا، وہ میرا دوست ہے، ایسا آدمی جو کہ بہادر ہے میرا دوست ہے۔ دیکھا اب بات پوری ہو گئی۔ اور معرفہ ہو اَلرَّجُلُ الشُّجَاعُ، پہلا ترجمہ کرو: وہ بہادر آدمی۔ اور دوسرا ترجمہ کرو اَلرَّجُلُ الشُّجَاعُ: وہ آدمی جو کہ بہادر ہے۔ دیکھو آدمی کو پہلے رکھا اور جو کہ بہادر ہے، بہادر اب بھی مؤخر ہے۔ تو یہ دونوں طریقے ہیں جہاں آپ کو جیسا ترجمہ مناسب لگے ویسا کیا کریں بھئی۔

اس کے بعد گزشتہ سبق میں ہم نے ترکیبیں شروع کی تھیں بھئی، ترکیبیں۔ اب ایک اور چھوٹا سا ضابطہ لکھ لو بھئی۔ ضابطہ: جس اسم کے ساتھ ضمیرِ متصل آجائے، جس اسم کے ساتھ ضمیرِ متصل آجائے، تو وہاں ہمیشہ مضاف مضاف الیہ کی ترکیب ہوگی، تو وہاں ہمیشہ مضاف مضاف الیہ کی ترکیب ہوگی۔ ضابطہ سمجھ میں آگیا؟ جس اسم کے ساتھ ضمیرِ متصل آ

جائے تو وہ ہمیشہ کیا ہوں گے؟ مضاف مضاف الیہ۔ پھر آپ نے زیادہ نہیں سوچنا بھئی، بس فوراً مضاف مضاف الیہ والی ترکیب کر دیں۔ مثلاً غُلَامُكَ، یہ آپس میں کیا بنیں گے؟ مضاف مضاف الیہ۔ دیکھو غُلَامُ اسم ہے، اور جس اسم کے ساتھ کیا آجائے؟ ضمیرِ متصل، كَافْ ضمیر ساتھ جڑی ہوئی ہے، تو یہ آپس میں کیا بنیں گے؟ مضاف مضاف الیہ۔ غُلَامُ مضاف، كَافْ ضمیر مضافٌ الیہ۔ مضاف پر تو کوئی بھی اعراب آسکتا ہے، وہ پیچھے عامل کو دیکھنا پڑے گا کہ عامل نصب والا ہے یا رفع والا ہے یا جر والا۔ تو غُلَامُكَ مثلاً پیچھے رفع والا عامل تھا تو غُلَامُ پر کون سا اعراب ہوگا؟ رفع۔ توجہ ہے؟ رفع۔ لیکن كَافْ ضمیر کا اعراب آپ کو دیکھتے ہی پتہ چل گیا تھا، اور وہ کیا؟ وہ مجرور ہے کیونکہ مضاف الیہ ہے بھئی۔ جب بھی، توجہ ہے، جب بھی کوئی اسم کس کے ساتھ جڑا ہو؟ ضمیرِ متصل، فعل کی بات نہیں کر رہا، حرف کی بات نہیں کر رہا، کس کی بات کر رہا ہوں؟ اسم کس کے ساتھ جڑے؟ ضمیرِ متصل کے ساتھ، متصل جو جڑی ہوئی ہو۔ جب بھی کوئی اسم ضمیرِ متصل کے ساتھ جڑے تو آپس میں کیا بنیں گے؟ مضاف مضاف الیہ۔ وہ اسم ہوگا مضاف اور ضمیر ہوگی مضافٌ الیہ۔ مضاف پر تو کوئی بھی اعراب آسکتا ہے، پیچھے عامل کو دیکھنا پڑے گا کوئی رفع دینا چاہ رہا ہے یا نصب یا جر، لیکن مضاف الیہ کا اعراب ابھی سے آپ کو پتہ چل گیا اس پر کیا پڑھنا ہے؟ وہ مجرور ہوگا۔ اور کون سا مجرور؟ محلاً، کیونکہ ضمیر کی بات کر رہا ہوں۔ کس کی بات کر رہا ہوں؟ اور ضمیر پر اعراب کون سا آتا ہے ہمیشہ؟ محلاً، کیونکہ مبنیات میں سے ہے۔ لہٰذا جَاءَ غُلَامُكَ، جی، یہ غُلَامُ کیا ہوگا؟ یہ فاعل بن رہا ہے تو اعراب بولو: غُلَامُ مرفوع لفظاً مضاف، اور كَافْ ضمیر مجرور محلاً مضاف الیہ، مضاف اپنے مضاف الیہ سے مل کر فاعل۔ آپ نے کہا غُلَامُكَ، كَافْ ضمیر مجرور محلاً ہے۔ آپ کا ایک ساتھی آیا اور اس نے کہا نہیں بھئی، یہ مجرور نہیں ہے یہ تو منصوب ہے، اس پر كَافْ پر آپ زبر پڑھ رہے ہو غُلَامُكَ، یہ تو منصوب ہے۔ آپ جواب میں کیا کہیں گے؟ شاباش، یہ اس کی حرکت ہے، یہ اعراب نہیں ہے، کیونکہ یہ تو مبنی ہے اور مبنی تو اعراب کو جگہ دیتا ہی نہیں۔ بات سمجھ میں آگئی؟

اچھا، غُلَامُهُ، غُلَامُ مضاف اور ہَا ضمیر، ہَا ضمیر مجرور محلاً مضاف الیہ۔ غُلَامُهُ، غُلَامُ مضاف، ہَا ضمیر مجرور محلاً مضاف الیہ۔ مجرور کیوں؟ مضاف الیہ ہے، پھر بولو مجرور کیوں؟ مضاف الیہ ہے، مضاف الیہ ہمیشہ مجرور ہوتا ہے۔ مجرور دنیا میں کتنے ہیں؟ دو ہی تو مجرور ہیں: ایک جس پر حرف جر داخل ہو اور دوسرا مضافٌ الیہ۔ تو یہ غُلَامُهُ کی ہَا ضمیر مجرور۔ اور کون سا مجرور؟ محلاً، کیوں محلاً؟ مبنی ہے، ضمیر ہے۔ ضمیر ہے مجرور محلاً۔ اب آپ کا ایک ساتھی کہتا ہے غُلَامُهُ، بھئی میں تو ہَا کے اوپر پیش پڑھ رہا ہوں، یہ مرفوع ہے، مرفوع، آپ اس کو مجرور کیسے کہہ رہے ہیں؟ تو آپ جواب میں کیا کہیں گے؟ یہ اس کی حرکت ہے، یہ اعراب نہیں ہے، یہ مبنی ہے، مبنی پر تو اعراب ظاہر ہی نہیں ہوتا۔ تو مبنی پر چاہے حرکت ہو یا سکون ہو وہ اس کی اپنی حرکت یا سکون ہوگا، اعراب کی وجہ سے کوئی عامل کی وجہ سے اس پر رفع نصب یا جر نہیں آسکتا۔

جی، آگے ترکیب کیجیے بھئی: غُلَامِيْ رَجُلٌ كَاتِبٌ، غُلَامِيْ رَجُلٌ كَاتِبٌ۔ ہاں بھئی، آپ کرو ترکیب بھئی۔ جو میں نے

ضابطے لکھوا دیے انہی کے مطابق میں ترکیبیں لکھوا رہا ہوں بھئی، کوئی زائد ترکیبیں نہیں ہیں۔ جو جو ضابطے پڑھ چکے ہیں وہی سارے لگیں گے۔ بولیے جی: غُلَام مرفوع لفظاً موصوف۔ غُلَام، توجہ سے بھئی۔ میں نے ترکیب جملہ لکھوایا غُلَامِيْ رَجُلٌ فَاضِلٌ، اب یہ ترکیب کر رہے ہیں، کہتے ہیں غُلَام مرفوع، کون سا مرفوع؟ لفظاً موصوف۔ شاباش۔ جی، آپ نے تین لفظ کہے، اب ایک ایک کی وجہ بیان کرتے جاؤ۔ مرفوع کیوں؟ کیونکہ مبتدا ہے۔ شاباش، کیونکہ یہ کیا ہے؟ مبتدا ہے۔ اچھا، لفظاً کیوں؟ کیونکہ اس کے رفع پر ہم تلفظ، اس کے رفع پر تلفظ کرتے ہیں، کر کے دکھاؤ: غُلَامٌ۔ شاباش، غُلَامٌ۔ نصب پر تلفظ کرو: غُلَامًا۔ غُلَامًا۔ جر پر کرو: غُلَامٍ۔ شاباش۔ اعرابِ لفظی کا ان کو پتہ چل چکا ہے بات، بات سمجھ میں آگئی۔ لیکن اس وقت غُلَام کے آگے يَا ضمیر ہے، پڑھو اس کو ذرا يَا کے ساتھ ملا کر: غُلَامِيْ۔ غُلَامِيْ کدھر ہے رفع؟ ہاں بھئی، آپ بتائیے۔ مضاف ہے، یہ تو ٹھیک ہے پتہ چل گیا۔ آپ کو کیسے پتہ چلا یہ مضاف ہے؟ شاباش، پوری بات کیا کرو کہ اس کے بعد ضمیرِ متصل آرہی ہے اس لیے یہ کیا ہے؟ مضاف۔ ابھی ہم نے ضابطہ پڑھا کہ جس اسم کے بعد بھی کیا آجائے؟ ضمیرِ متصل، وہ آپس میں کیا بنتے ہیں؟ مضاف مضاف الیہ۔ معلوم ہوا آپ نے جو کہا موصوف وہ بات صحیح نہیں بلکہ کیا بنے گا یہ؟ مضاف بنے گا۔ اچھا، اعراب بولو اس کا بھئی، اعراب، غُلَام کا۔ يَا کا اعراب چلو بولو۔ غُلَامِيْ، يَا ہے کہ نہیں؟ اس کا اعراب بولو، آپ بولو اعراب اس کا۔ مرفوع لفظاً، شاباش، مرفوع کیوں؟ مرفوع کیوں؟ ہاں بھئی، آپ بتاؤ۔ مجرور کیوں؟ شاباش، ابھی تو میں نے ضابطہ لکھوایا کہ جو اسم، جو اسم کسی ضمیر کے ساتھ جڑے گا وہ آپس میں کیا بنیں گے؟ تو اسم ہوگا مضاف اور ضمیر ہوگی، اور جب ضمیر مضاف الیہ ہے تو مضاف الیہ کا کیا اعراب ہوتا ہے؟ مجرور ہے یہ مضاف الیہ ہے۔ جب آپ نے یہ بتا دیا کہ یہ مضاف الیہ ہے تو ساتھ ہی پتہ چل گیا کہ اس پر کون سا اعراب پڑھنا ہے؟ یہ سب چیزیں آپ کو آتی ہیں، بس چند دن میں آپ دیکھیں گے بہترین آپ ترکیب کریں گے۔ تو يَا ضمیر مجرور، کون سا مجرور؟ محلاً کیوں؟ لفظاً کیوں نہیں؟ شاباش یہ مبنی ہے، ضمیر ہے، اس کا اعراب محلاً آتا ہے۔ تو يَا ضمیر کا اعراب تو آپ کو پتہ چل گیا کہ مجرور ہے محلاً۔ غُلَام کا اعراب بتاؤ بھئی۔ مرفوع لفظاً کیسے ہے؟ پڑھو ذرا اس کو، پڑھو ذرا روانی سے۔ يَا بھی کوئی ملا کر پڑھو: غُلَامِيْ، رفع پڑھ رہے ہو آپ؟ اکیلا غُلَام ہوتا پھر تو بات ٹھیک تھی، غُلَامٌ ہوتا، لیکن یہ اب آپ پڑھو غُلَامِيْ، میں نے کوئی رفع پہ تلفظ کیا؟ رفع پہ میں نے تلفظ کیا؟ بات تو تلفظ کی چل رہی ہے، اعرابِ لفظی اس کو کہتے ہیں جس میں ہم باقاعدہ اس پر تلفظ کرتے ہیں اعراب پر۔ ہاں بھئی، آپ بتائیے غُلَام کا اعراب۔ مجرور لفظاً، مجرور کیوں؟ ہاں بھئی یہ مجرور ہو سکتا ہے یہ غُلَام؟ کیوں نہیں؟ مضاف کیوں نہیں مجرور ہو سکتا؟ مضاف منصوب بھی ہو سکتا ہے، مرفوع بھی ہو سکتا ہے، مجرور بھی، پیچھے عامل کو دیکھنا پڑے گا۔ یہ مجرور ہو سکتا ہے؟ ہاں بھئی یہ مجرور ہو سکتا ہے؟ کیوں؟ ہاں بولو بولو کوئی بات نہیں۔ جر ویسے ہی آتا ہے یا عامل کی وجہ سے آتا ہے؟ غُلَام سے پہلے کوئی عامل ہے؟ چلو عامل کو بھی چھوڑو، مجرور کتنے ہیں؟ میں نے بتایا ہے، بار بار بتا رہا ہوں، مجرور کتنے ہیں؟ ایک جس پر کیا آئے؟ حرفِ جر۔ غُلَام پہ کوئی حرفِ جر ہے؟ بَا يا لَامْ يا اِلٰى يا فِيْ ہے؟

نہیں۔ دوسرا مضاف الیہ، کیا غُلَام مضاف الیہ ہے؟ نہیں، اس سے پہلے کوئی مضاف نہیں ہے۔ تو مجرور تو ہو ہی نہیں سکتا، قطعی بات ہے، طے شدہ بات ہے، مجرور نہیں ہو سکتا۔ مرفوع اور منصوب رہ گئے، اس کی بات کریں۔ مرفوع لفظاً مرفوع کیوں؟ غُلَامٌ تھا، تھا کی بات نہ کریں، اس وقت بتائیں کیا ہے۔ غُلَامٌ ہوتا تو پھر آپ اس پر لفظاً کہتے۔ وجہ بتاؤ۔ کیوں تقدیری؟ پھر اسم منقوص کی بات کر رہے ہیں، اسم منقوص کسے کہتے ہیں؟ جس کے آخر میں کیا ہو؟ یَا، اور یَا سے ماقبل کیا ہو؟ کسرہ، جیسے قَاضِيْ۔ قَاضِيْ کی یَا اپنی ہے یا ضمیر ہے؟ قَاضِيْ کے تو لفظ کی یَا اپنی ہے، اور یہ غُلَامِيْ میں غُلَام کی یَا اپنی ہے یا یہ ضمیر ہے؟ یہ ضمیر ہے، اسم منقوص کہاں سے؟ یاد رکھو اس کا اعراب تقدیری ہے غُلَامِيْ۔ آپ نے پڑھا تھا نحو میر کے اندر، کوئی بھی اسم جب مضاف ہو یائے متکلم کی طرف علاوہ جمع مذکر سالم، اس کا اعراب تینوں حالتوں میں کیا ہوتا ہے؟ تقدیری۔ جَاءَ غُلَامِيْ، رَاَيْتُ غُلَامِيْ، مَرَرْتُ بِغُلَامِيْ۔ تو اس کا اعراب تقدیری ہے تینوں۔ کوئی بھی اسم، دہراؤ بھئی، کوئی بھی اسم جب کیا ہو؟ مضاف ہو، کس کی طرف؟ یائے متکلم کی طرف، علاوہ کس کے؟ جمع مذکر سالم کا اعراب یہ نہیں ہے، اس کا اعراب وہ اگلی قسم آخری قسم پڑھی تھی آپ نے۔ تو جب بھی کوئی اسم مضاف ہو یائے متکلم کی طرف علاوہ جمع مذکر سالم کے اس کا اعراب تینوں حالتوں میں تقدیری ہوتا ہے۔ اور پھر یہاں ایک غُلَامِيْ، ایک ہے غُلَام ایک ہے یَا، غُلَام کا اعراب الگ بتانا ہے اور یَا کا اعراب الگ بتانا ہے۔ اب بتاؤ غُلَام کا اعراب بھئی۔ غُلَام کا اعراب بتاؤ۔ مرفوع تقدیراً، ابھی تو بتایا تینوں حالتوں میں کہ اعراب کیا ہوگا؟ تقدیری۔ مرفوع تقدیراً۔ غُلَام پر تو ویسے رفع آتا ہے، یہاں رفع پڑھ رہا ہوں میں غُلَامِيْ؟ تو کیا ہوا اعراب؟ تقدیری ہوا، بات سمجھ میں آگئی؟ تو یہ مرفوع ہے تقدیراً مضاف۔ پھر دہراؤ: مرفوع تقدیراً مضاف۔ مرفوع کیوں؟ مبتدا ہے۔ تقدیراً کیوں؟ کیونکہ یہ متکلم کی ضمیر کی طرف مضاف ہے۔ اور مضاف آپ کو کیسے پتہ چلا یہ مضاف ہے؟ کیونکہ اس کے ساتھ ضمیرِ متصل ہے۔ دیکھو ضابطے لگاتے جاؤ آپ حل کرتے جائیں گے۔ تو غُلَامِيْ، اس کے اندر جو غُلَام ہے وہ مرفوع تقدیراً مضاف۔ آگے کیجیے ترکیب: یَا ضمیر، شاباش، مجرور محلاً مضاف الیہ۔ یَا ضمیر مجرور محلاً مضاف الیہ۔ مجرور کیوں؟ کیونکہ مضاف الیہ ہے، مضاف الیہ مجرور ہوتا ہے۔ محلاً کیوں؟ کیونکہ مبنی ہے، ضمیر ہے۔ تو مضاف اپنے مضاف الیہ سے مل کر مبتدا۔ مضاف اپنے مضاف الیہ سے مل کر مبتدا۔ غُلَامِيْ، ترجمہ کرو: میرا غلام۔ اور آپ کو میں نے بتلایا تھا معرفہ کی سات قسموں میں سے آخری قسم کیا تھی؟ کوئی اسم باقی پانچ معرفہ میں سے کسی کی طرف مضاف ہو جائے وہ کیا بن جاتا ہے؟ معرفہ۔ تو یہ غُلَام مضاف ہے کس کی طرف؟ ضمیر۔ معرفہ کی اقسام میں پہلی قسم کیا تھی؟ ضمیریں۔ ان کی طرف کوئی مضاف ہو جائے گا وہ بھی کیا بن جائے گا؟ معرفہ بن، تو یہ غُلَامِيْ یہ معرفہ ہے۔ اس لیے اس کو ہم نے مبتدا بنایا، اور آگے دونوں لفظ نکرہ ہیں، تو جب معرفہ اور نکرہ آپ کے پاس ہوں اور جملہ پورا ہو رہا ہو تو مبتدا کس کو بناؤ؟ معرفہ کو۔

جی، آگے ترکیب کیجیے بھئی: رَجُلٌ مرفوع لفظاً خبر۔ تو غُلَامِيْ رَجُلٌ كَاتِبٌ، اچھا جی ترکیب کیجیے رَجُلٌ: مرفوع لفظاً موصوف۔

شاباش، رَجُلٌ مرفوع لفظاً موصوف۔ مرفوع کیوں؟ خبر ہے، اور خبر کیا ہوتی ہے؟ مرفوع۔ لفظاً کیوں؟ اس کے رفع پر ہم تلفظ کر رہے ہیں، کر کے دکھاؤ: رَجُلٌ۔ نصب پر: رَجُلًا۔ جر پر: رَجُلٍ۔ معلوم ہوا اس پر تینوں طرح کے اعراب لفظی آتے ہیں۔ مرفوع لفظاً موصوف۔ آپ کو کیسے پتہ چلا یہ موصوف ہے؟ ہاں یہ بھی نکرہ ہے اور اس کے بعد ایک اور نکرہ ہے تو عموماً یہ آپس میں کیا بنتے ہیں؟ موصوف صفت۔ یاد رکھنا یہ جتنے میں ضابطے لکھوا رہا ہوں یہ اکثری ہیں، کلی نہیں، اکثر مثالیں آپ کی اس سے حل ہو جائیں گی، لیکن اس کا یہ معنی نہیں کہ جہاں بھی دو نکرہ آئیں آپ آنکھیں بند کر کے موصوف صفت بنانے کی کوشش کریں، آپ نے کچھ ترجمے میں بھی غور کرنا ہے، وہ آہستہ آہستہ آپ کو طریقہ آجائے گا بھئی۔ جی آگے کیجیے رَجُلٌ مرفوع لفظاً موصوف، آگے کَاتِبٌ مرفوع لفظاً صفت۔ شاباش، کَاتِبٌ مرفوع لفظاً صفت۔ مرفوع کیوں؟ کیونکہ یہ صفت ہے اور صفت پر وہی اعراب آتا ہے جو کس پر آتا ہے؟ موصوف پر۔ موصوف پر رفع تھا اس لیے کَاتِبٌ پر بھی رفع، اگر اس پہ نصب ہوتا تو اس پر بھی نصب، اگر اس پر جر ہوتا تو اس پر بھی جر ہوتا۔ آگے لفظاً کیوں کہا؟ کیونکہ اس کے رفع پر ہم تلفظ کر رہے ہیں، کر کے دکھاؤ: کَاتِبٌ۔ نصب پر تلفظ کرو: کَاتِبًا۔ جر پر تلفظ کرو: کَاتِبٍ۔ معلوم ہوا یہ جو کَاتِبٌ لفظ ہے یہ جہاں کہیں عبارتوں میں آگیا اس پر تینوں طرح کے اعراب لفظی ہوتے ہیں۔ جی اب جوڑیے بھئی: موصوف اپنی صفت سے مل کر خبر، بھئی موصوف اپنی صفت سے مل کر خبر۔ ابتدا اپنی خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔ ایک ایک لفظ کا اعراب آپ نے نکال لیا، اب اس کو ذرا روانی سے پڑھ دو: غُلَامِيْ رَجُلٌ كَاتِبٌ، غُلَامِيْ رَجُلٌ كَاتِبٌ۔ ترجمہ کیجیے: بولو بھئی، موصوف صفت والا ترجمہ پہلے کر لو، رَجُلٌ كَاتِبٌ ترجمہ کرو: ہاں ایسا کی طرف جاتے ہو وہ لمبی بات ہے، آسان طریقہ پہلے اختیار کرو: کاتب آدمی، کاتب کو کاتب ہی رہنے دو۔ کاتب آدمی، ہاں، میرا غلام کاتب آدمی ہے۔ رَجُلٌ كَاتِبٌ، رَجُلٌ موصوف كَاتِبٌ اس کی صفت، اور اردو میں صفت کو کیا کرتے ہیں؟ مقدم کرتے ہیں، تو میرا غلام کاتب آدمی ہے، دیکھو کاتب مقدم اور آدمی مؤخر، میرا غلام کاتب آدمی ہے۔ دوسرے طریقے سے بھی ترجمہ کر لو: میرا غلام ایسا آدمی ہے، آدمی کو اب مقدم کرنا ہے موصوف کو، میرا غلام ایسا آدمی ہے جو کاتب ہے۔ یہاں تک بات سمجھ میں آگئی؟

ایک اور جملہ کیجیے، ترکیب کیجیے: غُلَامُ زَيْدٍ رَجُلٌ قَوِيٌّ، غُلَامُ زَيْدٍ رَجُلٌ قَوِيٌّ، قَافْ دو نقطوں والا، وَاوْ اور يَا، اور يَا پر شد بھی ڈال دیں، يَا پر شد بھی ڈال دیں۔ غُلَامُ زَيْدٍ رَجُلٌ قَوِيٌّ۔ چلیے بھئی ترکیب کیجیے: اعراب سب سے پہلے، سب سے پہلے اعراب بولو۔ غُلَامُ مرفوع لفظاً مضاف۔ شاباش۔ غُلَامُ مرفوع لفظاً مضاف۔ مرفوع کیوں؟ مرفوع کیوں؟ میں نے لفظاً کی وجہ نہیں پوچھی، مرفوع کی وجہ پوچھ رہا ہوں۔ یہ کیا بنے گا؟ ابتدا، اور ابتدا کیا ہوتا ہے؟ مرفوع۔ مرفوع لفظاً کہا، لفظاً کیوں؟ اس کے اعراب پر ہم تلفظ کر رہے ہیں، کر کے دکھاؤ: غُلَامٌ۔ ہاں اضافت کے ساتھ پڑھو: غُلَامُ زَيْدٍ، نصب پہ تلفظ کرو: غُلَامَ زَيْدٍ، جر پہ کرو اضافت کے ساتھ، ویسے اکیلا کرو تو غُلَامٌ، غُلَامًا، غُلَامٍ، اور اضافت کی صورت میں تنوین گر جاتی ہے، تو غُلَامُ

زَیْدٍ۔ اچھا، تو غُلَامُ مرفوع لفظاً مضاف۔ آپ کو کیسے پتہ چلا یہ مضاف ہے؟ ابھی میں نے آپ کو ضابطہ لکھوایا تھا کہ ایک نکرہ کے بعد آگے مزید نکرہ آجائیں تو وہ آپس میں کیا بنیں گے؟ موصوف صفت، بشرطیکہ آخر میں کوئی معرفہ نہ آئے، اگر معرفہ آ جائے تو کیا بنیں گے؟ مضاف مضاف الیہ۔ یہاں پر بھی دیکھو غُلَامُ ہے نکرہ اور آگے زَیْدٌ آگیا معرفہ، عَلَم ہے، تو نکرہ کے بعد جب معرفہ آئے تو وہ عموماً آپس میں کیا بنتے ہیں؟ مضاف اور مضاف الیہ بنتے ہیں، جی۔ تو غُلَامُ مرفوع لفظاً مضاف۔ آگے زَیْدٍ، ٹھیک ہے اعراب بولو۔ شاباش، زَیْدٍ، مرفوع کیوں؟ معرفہ ہو تو مرفوع ہوتا ہے؟ سب کچھ پڑھا ہوا ہے بس مشق نہیں ہے، پریشان نہیں ہونا۔ ہاں اعراب بولو زید کا، مجرور ہے، ہاں بھئی مجرور ہے، کیوں؟ شاباش یہ کیا ہے؟ مضاف الیہ ہے، اور ہم نے پڑھا ہے مضاف الیہ کیا ہوتا ہے؟ مجرور ہوتا ہے۔ کون سا مجرور ہے؟ مجرور لفظاً، لفظاً کیوں؟ گھبرایا نہ کریں، غلط ہوگا لیکن جواب دیا کریں فوراً۔ مجرور کیوں؟ مجرور کون سا؟ ہاں بھئی آپ بتائیے مجرور کون سا؟ لفظاً کیوں؟ اس کے جر پر ہم کیا کر رہے ہیں؟ تلفظ کر رہے ہیں، کر کے دکھاؤ: زَیْدٍ۔ زَیْدٍ، شاباش۔ جی جوڑو اب: مضاف اپنے مضاف الیہ سے مل کر بتدا۔ آگے رَجُلٌ مرفوع لفظاً موصوف۔ شاباش، رَجُلٌ مرفوع لفظاً موصوف۔ دیکھا بالکل آسان ہے آپ بڑی رفتار سے کرتے چلے جائیں گے۔ مرفوع کیوں؟ ہاں یہ کیا ہے؟ خبر، مرفوع۔ لفظاً کیوں؟ اس کے رفع پر ہم تلفظ کر رہے ہیں، کر کے دکھاؤ: رَجُلٌ۔ شاباش، مرفوع لفظاً موصوف۔ آپ نے کہا موصوف ہے، موصوف کیسے پتہ چلا آپ کو؟ نکرہ کے بعد آگے پھر کیا آرہا ہے؟ نکرہ، تو جب دو نکرہ اکٹھے ہوں تو پہلے کو عموماً موصوف بناتے ہیں دوسرے کو صفت، اور ترجمے میں بھی آپ نے غور کرنا ہے کہ ترجمہ بھی ٹھیک ہو رہا ہے یا نہیں۔ رَجُلٌ قَوِيٌّ ترجمہ کرو: طاقتور آدمی، ترجمہ ٹھیک ہو رہا ہے یا نہیں؟ اگر یہ موصوف صفت نہ ہوتے تو ترجمہ ہی ٹھیک نہ ہوتا، رَجُلٌ آدمی مرد اور قَوِيٌّ مضبوط، طاقتور، طاقتور، اور اردو میں کیا کرتے ہیں صفت کو مقدم کرتے ہیں: طاقتور آدمی۔ جی آگے کیجیے: قَوِيٌّ، جی قَوِيٌّ اعراب بولو: اعراب اعراب، مرفوع لفظاً صفت۔ مرفوع لفظاً صفت، مرفوع کیوں؟ شاباش یہ صفت ہے اور موصوف صفت کا اعراب ایک جیسا ہوتا ہے، رَجُلٌ مرفوع تھا تو قَوِيٌّ بھی مرفوع۔ اچھا مرفوع لفظاً، لفظاً کیوں؟ تلفظ کر رہے ہیں، کر کے دکھاؤ: قَوِيٌّ۔ نصب پہ تلفظ کرو: قَوِيًّا۔ جر پر کرو: قَوِيٍّ۔ جی، تو مرفوع لفظاً صفت۔ آگے اب جوڑو: موصوف اپنی صفت سے مل کر خبر، پھر جوڑو آگے مزید: بتدا اپنی خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔ ایک ایک لفظ کا اعراب آپ نے نکال لیا، اب اس کو روانی سے پڑھ دو: غُلَامُ زَیْدٍ رَجُلٌ قَوِيٌّ، غُلَامُ زَیْدٍ رَجُلٌ قَوِيٌّ۔ ترجمہ کرو: غُلَامُ زَیْدٍ کا ترجمہ کیا ہوگا؟ زید کا غلام، اور رَجُلٌ قَوِيٌّ کا کیا ترجمہ؟ طاقتور آدمی۔ اب جوڑ دو: زید کا غلام طاقتور آدمی ہے۔ طریقہ سمجھ میں آیا؟

تو یہ ایک ایک لفظ کا دیکھو غُلَامُ بھی مرفوع تھا، رَجُلٌ بھی مرفوع تھا، قَوِيٌّ بھی مرفوع تھا، لیکن ہر ایک کی وجہ آپ الگ الگ بیان کر رہے ہیں۔ غُلَامُ میں نے پوچھا کیوں مرفوع؟ آپ نے کہا بتدا ہے۔ رَجُلٌ میں نے کہا کیوں مرفوع؟ آپ نے کہا خبر ہے۔ اور قَوِيٌّ میں نے پوچھا کیوں مرفوع؟ آپ نے کہا یہ رَجُلٌ کی صفت ہے۔ اچھا، قَوِيٌّ دیکھو اس کے آخر میں

یائے مشدد آگئی، یائے مشدد۔ قَوِيٌّ پر رفع پڑھو: قَوِيٌّ۔ نصب پڑھو: قَوِيًّا۔ جر پڑھو: قَوِيٍّ۔ معرب ہے مبنی ہے؟ معرب ہے ظاہر سی بات ہے۔ معرب کی کون سی قسم ہے وہ سولہ قسمیں آپ نے پڑھیں؟ شاباش یہ جاری مجرائے صحیح ہے۔ جس اسم کے آخر میں یائے مشدد آجائے یا واوِ مشدد آجائے، وہ کیا ہوگا؟ جاری مجرائے صحیح۔ اور جاری مجرائے صحیح پر تینوں طرح کے اعراب لفظی آتے تھے: دَلْوٌ، دَلْوًا، دَلْوٍ، اسی طرح قَوِيٌّ، قَوِيًّا، قَوِيٍّ۔ لَاهُوْرِيٌّ یہ بھی کیا ہے؟ جاری مجرائے صحیح۔ جاری مجرائے صحیح کسے کہتے تھے؟ جس کے آخر میں یَا یا وَاوْ ہو اور ماقبل کیا ہو؟ ساکن۔ لَاهُوْرِيٌّ، لَاهُوْرِيٌّ یہ تو رَا کے نیچے تو زیر ہے، حالانکہ جاری مجرائے صحیح مفرد منصرف جاری مجرائے صحیح اس میں تو آخر سے ماقبل ساکن ہوتا ہے۔ دَلْوٌ، وَاوْ سے ماقبل لَامْ کیا ہے؟ ساکن۔ تو یہاں پر تو ہے لَاهُوْرِيٌّ یَا سے ماقبل رَا کے نیچے تو زیر ہے۔ ہاں شاباش، آپ جواب میں کہیں کہ یہ جو یائے مشدد ہے، یہ جو مشدد حرف ہوتا ہے یہ دو حرف ہوتے ہیں، تو یہ جو یَا ہے کتنی یَا ہیں؟ دو۔ ان میں سے پہلی ساکن ہے دوسری پر حرکت ہے۔ دیکھا، آخری جو متحرک یَا ہے اس سے ماقبل والی یَا کیا ہے؟ ساکن۔ لَاهُوْرِيْيٌّ، دیکھا پہلی یَا ساکن دوسری پر حرکت۔ تو یہ ہمیشہ یاد رکھنا جس اسم کے آخر میں کیا ہو؟ یائے مشدد یا واوِ مشدد ہو وہ دراصل وہ جاری مجرائے صحیح مفرد منصرف جاری مجرائے صحیح اور اس پر تینوں طرح کے اعراب آتے ہیں۔

اب ہم جملہ فعلیہ کی ترکیب کرتے ہیں بھئی۔ جملہ فعلیہ، توجہ سے سنو بھئی۔

یاد رکھو فعل جب بھی آجائے، چاہے فعل معروف ہو چاہے فعل مجہول، وہ ہمیشہ چاہے گا کہ میں کسی ایک اسم کو رفع دے دوں۔ فعل جب بھی آئے گا وہ کیا چاہے گا؟ کہ میں کسی ایک اسم کو رفع، زبان سے دہراؤ بھئی، فعل جب بھی آئے وہ کیا چاہے گا؟ کہ میں کسی ایک اسم کو رفع دے دوں۔ جس اسم کو وہ فعل رفع دے گا وہ اگر فعل معروف ہے تو اس کا فاعل کہلائے گا اور اگر فعل مجہول ہے تو وہ اس کا نائب فاعل کہلائے گا۔ تو فعل جب بھی آئے اس نے کسی نہ کسی ایک اسم کو رفع ضرور دینا ہے، چاہے فعل معروف ہو چاہے فعل مجہول۔ اور جس اسم کو یہ رفع دے گا، تو اگر یہ فعل معروف تھا تو وہ اسم اس کا کیا کہلائے گا؟ فاعل، اور اگر یہ فعل مجہول تھا تو وہ اسم کیا کہلائے گا؟ نائب فاعل کہلائے گا۔ اور یاد رکھنا کہ فعل دو قسم پر ہے: ایک فعل لازم ہے اور ایک فعل متعدی ہے۔ فعل لازم وہ ہے جہاں فاعل پر بات پوری ہو جائے، مفعول کی ضرورت نہ ہو، اور فعل متعدی وہ ہے جو فاعل کے ساتھ ساتھ مفعول کو بھی چاہے۔ توجہ ہے؟ فعل لازم جس میں بات صرف کس پر پوری ہو جائے؟ فاعل، اور فعل متعدی جو فاعل کے علاوہ مفعول کو بھی چاہے۔ جیسے فَرَّ زَيْدٌ، فَرَّ يَفِرُّ کے معنی ہیں بھاگنے کے، فَرَّ زَيْدٌ زید بھاگا، زید دوڑا۔ جی، کسی مفعول کی ضرورت نہیں، معلوم ہوا یہ فعل لازم ہے۔ فَرَّ زَيْدٌ زید بھاگا، مفعول کی ضرورت ہے؟ نہیں۔ اور جبکہ ضَرَبَ جو ہے یہ فعل متعدی ہے۔ ضَرَبَ زَيْدٌ زید نے پٹائی کی، بھئی کس کی پٹائی کی؟ کوئی مفعول چاہیے یا نہیں چاہیے؟ کوئی نہ کوئی مضروب بھی چاہیے بھئی۔ تو ضَرَبَ کیا ہے؟ فعل متعدی،

اور فَرَّ کیا ہے؟ فعل لازم۔ ضَرَبَ زَيْدٌ عَمْرًا، توجہ ہے؟ ضَرَبَ زَيْدٌ عَمْرًا ترکیب کیجیے: ضَرَبَ فعل، زَيْدٌ اعراب بولو، اعراب بولو، مرفوع لفظاً فاعل۔ جی، مرفوع کیوں؟ فاعل ہے، فاعل ہمیشہ کیا ہوتا ہے؟ مرفوع۔ جب بھی عبارت میں کسی لفظ کے بارے میں آپ کو پتہ چل جائے کہ یہ فاعل یا نائب فاعل ہے، ساتھ ہی ایک اور بات بھی پتہ چل گئی کہ اس پر کیا پڑھنا ہے؟ رفع پڑھنا ہے۔ تو ضَرَبَ زَيْدٌ عَمْرًا، ضَرَبَ فعل، زَيْدٌ مرفوع لفظاً فاعل، مرفوع کیوں؟ فاعل ہے، لفظاً کیوں؟ اس کے رفع پر ہم تلفظ کر رہے ہیں، تو مرفوع لفظاً فاعل۔ عَمْرًا منصوب لفظاً مفعول بہ، مفعول بہ منصوب ہوتا ہے، مفعول بہ منصوب ہوتا ہے، تو عَمْرًا مفعول بہ ہے، مفعول بہ ہے، اور تو یہ منصوب ہے، اور کون سا منصوب؟ لفظاً ہے، کیوں لفظاً؟ اس کے نصب پر ہم تلفظ کر رہے ہیں، تلفظ کر رہے ہیں۔ عَمْرًا لکھیں گے کیسے؟ عَيْنْ مِيْمْ رَا وَاوْ اَلِفْ؟ ہاں عموماً طلبہ یوں ہی کہتے ہیں کہ عَيْنْ مِيْمْ رَا وَاوْ اور اَلِفْ۔ نہیں بھئی، یہاں وَاوْ نہیں لکھیں گے۔ یاد رکھو یہ عَمْرٌ اور عُمَرُ میں فرق کرنے کے لیے عَمْرٌ کے ساتھ وَاوْ لکھتے ہیں۔ عُمَرُ اور عَمْرٌ: عُمَرُ میں بھی عَيْنْ مِيْمْ رَا، عَمْرٌ میں بھی عَيْنْ مِيْمْ رَا، اور قدیم زمانے میں قدیم عربی کے اندر یہ اعراب نہیں تھے، یہ بعد میں مسلمان علماء نے یہ شکل دی ان اعراب کو۔ عرب کے لیے اپنی زبان تھی وہ پڑھنا مشکل نہیں تھا، لیکن غیر عرب کے لیے کہاں زبر پڑھنی ہے کہاں زیر وہ مشکل تھا تو انہوں نے یہ اعراب اور یہ حرکات جو ہیں ان کو بنایا، اور اب آپ دیکھو کسی کو عربی سمجھ میں آئے یا نہ آئے لیکن اعراب لگے ہوں تو وہ بہترین عبارت پڑھتا ہے، قرآن دیکھ لیں، قرآن ترجمہ آئے یا نہ آئے بچہ بچہ بہترین قرآن پڑھتا ہے کیونکہ ہر حرف پر حرکت یا سکون لگا ہوتا ہے کہ اس کو کس طرح پڑھنا ہے۔ تو یہ مسلمان علماء نے محنتیں کیں بھئی۔ تو اب قدیم زمانے میں یہ اعراب نہیں تھے، تو عَمْرٌ اور عُمَرُ اس میں بھی عَيْنْ مِيْمْ رَا، عُمَرُ میں بھی اور عَمْرٌ میں بھی، تو فرق نہیں ہوتا تھا، تو دونوں میں فرق کرنے کے لیے عَمْرٌ کے آخر میں وہ وَاوْ لکھتے تھے۔ اس سے پتہ چل جاتا تھا کہ یہ عُمَرُ نہیں ہے بلکہ کیا ہے؟ عَمْرٌ ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ اور یہ جو عُمَرُ ہے یہ غیر منصرف ہے: جَاءَ عُمَرُ، رَاَيْتُ عُمَرَ، مَرَرْتُ بِعُمَرَ، یہ غیر منصرف ہے۔ اور عَمْرٌ جو ہے منصرف ہے: جَاءَ عَمْرٌو، رَاَيْتُ عَمْرًا، مَرَرْتُ بِعَمْرٍو، اس پر تنوین آتی ہے، غیر منصرف پر کسرہ اور تنوین نہیں اور منصرف پر کسرہ اور تنوین آتی ہے۔ تو عُمَرُ اور عَمْرٌ میں فرق کرنے کے لیے وَاوْ لکھتے ہیں۔ لیکن جب عَمْرٌ پر نصب آتا ہے تو رَاَيْتُ عَمْرًا، رَاَيْتُ عَمْرًا، جب عَمْرًا لکھیں گے تو آخر میں وَاوْ نہیں لکھنا اَلِفْ بس لکھ دیں گے۔ اَلِفْ لکھ دیں گے۔ اس اَلِفْ کی وجہ سے پتہ چل گیا کہ یہاں تنوین پڑھنی ہے، کیا پڑھنی ہے؟ عَمْرًا پڑھنا ہے یا نہیں پڑھنا؟ اور عُمَرُ، عُمَرُ پر تو تنوین آتی ہی نہیں ہے، لہٰذا یہاں یہ اَلِفْ سے ہی فرق ہو جائے گا۔ حالتِ رفعی اور جری میں وَاوْ کے ذریعے فرق کریں گے اور حالتِ نصبی میں صرف کس کے ذریعے؟ اَلِفْ۔ جَاءَنِيْ عُمَرُ، رَاَيْتُ عُمَرَ، اَلِفْ ہے؟ جَاءَنِيْ عُمَرُ، رَاَيْتُ عُمَرَ، جی عُمَرَ نصب ہے، اَلِفْ لکھیں گے؟ نہیں، تو یہاں اَلِفْ نہیں ہے۔ اور رَاَيْتُ عَمْرًا، اَلِفْ لکھیں گے، یہ اَلِفْ سے فرق ہو جائے گا۔ عُمَرَ اس میں اَلِفْ نہیں، اور عَمْرًا اس میں کیا ہے؟ تو یہ وَاوْ کس لیے لکھتے ہیں؟ فرق کرنے کے لیے، تو یہ صرف کون سی حالتوں میں لکھیں گے؟ رفعی اور جری حالت

میں وَاوْ لکھیں گے، اور نصبی حالت میں اَلِفْ لکھیں گے، وَاوْ اور اَلِفْ دونوں نہیں لکھیں گے۔

تو ترکیب ہم کر رہے تھے ضَرَبَ زَيْدٌ عَمْرًا۔ ضَرَبَ فعل، زَيْدٌ مرفوع لفظاً فاعل، عَمْرًا منصوب لفظاً مفعول بہ، مفعول بہ کیا ہوتا ہے؟ منصوب بھئی۔ فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ ہوا۔ ضَرَبَ زَيْدٌ عَمْرًا ترجمہ کرو: زید نے مارا عمر کو، زید نے عمر کی پٹائی کی۔ ضَرَبَ زَيْدٌ عَمْرًا، جی ضَرَبَ کون سا فعل ہے؟ فعل متعدی ہے، یہ کس کا تقاضا کرتا ہے؟ مفعول کا۔ مفعول کا۔ اچھا، دوسری ترکیب کرو: ضَرَبَ زَيْدٌ، میں نے عَمْرًا کو ختم کر دیا، لفظوں میں نہیں ذکر کیا، ضَرَبَ زَيْدٌ۔ جی، اب یہ فعل لازم ہے یا فعل متعدی ہے؟ ہاں مفعول کو نہیں ذکر کیا۔ ہاں شاباش، طلبہ پھر کہتے ہیں فعل لازم ہے۔ بھئی یاد رکھو مفعول کو ذکر کریں یا نہ کریں اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا، جو متعدی ہے وہ متعدی رہے گا، جو لازم ہے وہ لازم رہے گا۔ لہٰذا ایک شخص مفعول کو ذکر کرتا ہے ضَرَبَ زَيْدٌ عَمْرًا تو آپ کہتے ہیں یہ ضَرَبَ کیا ہے؟ فعل متعدی ہے، توجہ ہے؟ اور ایک مفعول کو ذکر نہیں کرتا ضَرَبَ زَيْدٌ تو آپ یہ نہ کہیں یہ فعل لازم ہے، بلکہ یہ بھی کیا ہے؟ یہ بھی فعل متعدی ہی ہے۔ تو مفعول کو ذکر کریں یا نہ کریں اس سے عبارت پر کوئی فرق نہیں پڑتا، اور فعل متعدی ہے تو متعدی ہی رہے گا۔ تو فعل متعدی کا یہ معنی نہیں کہ اس کے آگے مفعول ذکر ہوگا، توجہ ہے؟ فعل متعدی کا یہ معنی نہیں کہ اس کے آگے مفعول ذکر ہوگا، بلکہ آپ اس فعل کے مفہوم پہ غور کریں ذہن میں کہ اس فعل کا وقوع بغیر مفعول کے ہو سکتا ہے یا نہیں۔ مجھے بتائیے بغیر مضروب کے، بغیر مفعول کے ضَرْب ہو سکتی ہے؟ کوئی مضروب نہ ہو، آپ مجھے ضرب لگا کر دکھا سکتے ہیں؟ ضرب کے لیے ہمیشہ کیا چاہیے؟ مضروب، معلوم ہوا یہ فعل متعدی ہے۔ شُرْب کے لیے ہمیشہ کیا چاہیے؟ مشروب کے بغیر شُرْب کر سکتے ہو؟ نہیں بھئی، معلوم ہوا شُرْب کیا ہے؟ فعل متعدی ہے۔ مشروب کو ذکر کریں یا نہ کریں، شَرِبْتُ میں نے پیا، کیا پیا میں نے بے شک ذکر نہیں کیا لیکن یہ فعل کون سا ہے؟ متعدی ہے، کیونکہ شُرْب کے لیے ہمیشہ کیا چاہیے؟ مشروب چاہیے۔ ضَرْب کے لیے ہمیشہ کیا چاہیے؟ مضروب چاہیے۔ ضَرَبْتُ میں نے پٹائی کی، کس کی کی میں نے نہیں ذکر کیا لیکن فعل کون سا ہے؟ متعدی ہے۔ تو فعل متعدی میں آپ نے لفظوں میں نہیں دیکھنا کہ مفعول ہے یا نہیں، اس کے مفہوم پر ذہن میں غور کرو کہ اس کے مفعول کے بغیر یہ فعل ہو سکتا ہے یا نہیں۔ اگر نہیں ہو سکتا تو معلوم ہوا یہ فعل متعدی ہے، اور اگر ہو سکتا ہے تو یہ فعل لازم۔ فَرَّ زَيْدٌ زید بھاگا، اس کے لیے کسی مفعول کی ضرورت نہیں۔ مَاتَ زَيْدٌ زید مر گیا، اس کے لیے کسی مفعول کی ضرورت نہیں۔ ضَحِكَ زَيْدٌ زید ہنسا، اس کے لیے کسی مفعول کی ضرورت نہیں۔ لیکن ضَرَبَ زَيْدٌ مفعول بے شک ذکر نہیں لیکن بغیر مضروب کے ضرب نہیں۔ شَرِبَ زَيْدٌ بے شک مشروب ذکر نہیں لیکن شُرْب بغیر مشروب کے نہیں ہو سکتا۔ اور اسی طرح اَكْل، ہَمْزَہ، چھوٹا كَافْ اور لَامْ، اَكْل یعنی کھانا، اَكْل بغیر مأکول کے نہیں ہو سکتا۔ بات سب کو سمجھ میں آگئی؟ تو فعل لازم کس کو کہتے ہیں؟ جس کے لیے مفعول کی ضرورت نہ ہو، اور فعل متعدی کسے کہتے ہیں؟ جس کے لیے مفعول کی ضرورت ہو۔ کیا مفعول کا ذکر بھی ضروری ہے؟ نہیں، ذکر ہو یا نہ ہو اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ بات سمجھ میں آگئی؟ پھر

بعض افعال ایک مفعول چاہتے ہیں، بعض دو مفعول چاہتے ہیں، بعض تین مفعول چاہتے ہیں۔ عام افعال ایک ہی مفعول چاہتے ہیں، کچھ افعال ہیں جو دو مفعول چاہتے ہیں، اَعْطَیْتُ زَیْدًا دِرْھَمًا، میں نے عطا کیا، میں نے دیا زَیْدًا کس کو؟ زید کو، دِرْھَمًا کیا؟ درہم۔ دیکھا اَعْطَیْتُ یہ فعل بفاعل ہے، اور زَیْدًا مفعول ہے، مفعولِ اول ہے اور دِرْھَمًا کیا ہے؟ مفعولِ ثانی۔ تو عام افعال جو ہیں وہ ایک مفعول چاہتے ہیں، کچھ افعال ہیں وہ دو مفعول چاہتے ہیں، اور بہت تھوڑے سے افعال ہیں جو تین مفعول چاہتے ہیں، تین مفعول۔

تو ہم جملہ فعلیہ کی ترکیب کر رہے تھے۔ تو ایک فعل لازم ہے اور ایک فعل متعدی۔ فعل لازم صرف فاعل پر بات پوری ہو جاتی ہے اور فعل متعدی میں فاعل کے ساتھ ساتھ مفعول کی بھی ضرورت ہوتی ہے، لیکن مفعول کا عبارت میں ذکر ہونا ضروری نہیں۔ اکثر مفعول حذف بھی کر لیتے ہیں، کبھی مفعول ذکر کر دیتے ہیں اور کبھی اس کو حذف کر دیتے ہیں، لیکن حذف کرنے کا یہ معنی نہیں کہ وہ فعل لازم بن گیا، بلکہ وہ فعل متعدی ہی ہے البتہ مفعول کو حذف کر لیا، کیونکہ مفعول فضلہ ہوتا ہے۔ فَا، ضَادْ، لَامْ اور گول تَا، مفعول کیا ہوتا ہے؟ فضلہ، فضلہ فَا کے فتحہ کے ساتھ، فضلہ کا معنی زائد چیز، زائد چیز، تو مفعول فضلہ ہوتا ہے۔ تو فعل لازم اور متعدی یہ ہیں بھئی۔ ہاں، اردو میں بھی ان کی ایک پہچان ہے، کہیں آپ کو پریشانی ہو کہ یہ فعل لازم ہے یا متعدی۔ فعل متعدی کا جب ترجمہ کریں گے تو اس کے اردو ترجمے میں عموماً نے کا لفظ آئے گا، عموماً نے کا لفظ آئے گا۔ زید نے کھانا کھایا، دیکھو نے آیا یا نہیں؟ معلوم ہوا کھانا کھانا یہ کون سا فعل ہے؟ لازم یا متعدی؟ متعدی ہے کیونکہ ترجمے میں کیا آیا؟ نے۔ زید نے پٹائی کی، یہ پٹائی کرنا کیا ہے؟ ضَرَبَ زَیْدٌ ترجمہ کرو: زید نے پٹائی کی، نے آ گیا، معلوم ہوا یہ کون سا فعل ہے؟ فعل متعدی۔ اَکَلَ زَیْدٌ زید نے کھایا، یہ کون سا فعل ہے؟ متعدی۔ فَرَّ زَیْدٌ زید بھاگا، فعل لازم۔ شَرِبَ زَیْدٌ زید نے پیا، فعل متعدی۔ تو یہ اردو میں لفظِ نے آئے گا اس کے ترجمے میں عموماً بھئی، یہ ایک نشانی ہے۔

یاد رکھو فعل جب بھی جملے میں آئے گا وہ ایک اسم کو ضرور رفع دے گا، چاہے وہ فعل لازم ہو چاہے فعل متعدی، چاہے وہ فعل معروف ہو چاہے فعل مجہول۔ فعل جب بھی کلام میں آئے گا وہ ہمیشہ کیا کرے گا؟ کسی ایک اسم کو رفع دے گا۔ اور جس اسم کو وہ رفع دے گا وہ اس کا فاعل یا نائب فاعل ہوگا۔ فعل معروف ہو تو یہ اس کا فاعل، اور اگر وہ فعل مجہول ہوا تو یہ اس کا نائب فاعل کہلائے گا۔ ضَرَبَ زَیْدٌ، یہ زید کیا ہے؟ فاعل ہے۔ ضُرِبَ زَیْدٌ، یہ زید کیا ہے؟ نائب فاعل ہے۔ تو فعل جب بھی آتا ہے وہ ہمیشہ کیا کرتا ہے؟ کسی نہ کسی ایک اسم کو رفع دیتا ہے، جس اسم کو وہ رفع دے وہ اس کا فاعل یا نائب فاعل ہے۔ فعل معروف ہے پیچھے تو یہ کیا کہلائے گا؟ فاعل، فعل معروف اگر پیچھے ہو تو یہ کیا کہلائے گا؟ فاعل، اور اگر فعل مجہول ہے پیچھے تو یہ نائب فاعل کہلائے گا۔ یہاں تک بات سمجھ میں آ گئی؟

پھر یاد رکھنا فعل کا فاعل یا نائب فاعل ضمیر بھی ہو سکتی ہے اور اسم ظاہر بھی۔ ضمیر بھی ہو سکتی ہے اور اسم ظاہر

بھی۔ یاد رکھو ایک ہے اسم ضمیر، ایک ہے اسم ظاہر، یہ دونوں ایک دوسرے کے مقابل ہیں۔ ضمیریں آپ پڑھ چکے ہیں کہ پانچ قسم کی ہیں: مرفوع متصل، مرفوع منفصل، منصوب متصل، اور منصوب منفصل، جبکہ مجرور صرف متصل ہوتی ہے منفصل نہیں۔ تو یہ پانچ قسم کی ضمیریں ہیں اور باقی تمام اسم ان کے علاوہ وہ اسم ظاہر کہلاتے ہیں۔ ضمیر بھی اسم ہے اور باقی بھی اسم ہیں، دنیا کے سارے اسم اکٹھے کر لیں اس میں سے ضمیروں کو نکال دیں یہ ستر ضمیریں ہیں بس، باقی سارے اسم اسمِ ظاہر کہلاتے ہیں۔ باقی سارے اسم، جی، هُوَ ضمیر ہے یا اسم ظاہر ہے؟ ضمیر ہے۔ اَنْتَ، ضمیر ہے۔ کِتَابٌ، اسم ظاہر، جو ضمیر نہیں وہ اسم ظاہر ہے۔ کِتَابٌ، اسم ظاہر۔ قَلَمٌ، اسم ظاہر۔ زَیْدٌ، اسم ظاہر۔ عَمْرٌو، اسم ظاہر۔ بَکْرٌ، اسم ظاہر۔ اَنَا، ضمیر۔ نَحْنُ، ضمیر۔ اَنْتَ، ضمیر۔ دیکھا تو جو بھی ضمیر نہ ہو وہ اسم کیا کہلاتا ہے؟ اسمِ ظاہر۔

اب یاد رکھنا فعل کے لیے ہمیشہ فاعل یا نائب فاعل ضرور چاہیے۔ ایسا کبھی نہیں ہو سکتا کہ فعل آئے اور آگے فاعل یا نائب فاعل نہ آئے۔ فعل جب بھی آئے گا وہ چاہے گا میں ایک اسم کو رفع دے دوں۔ توجہ ہے؟ فعل جب بھی آئے گا وہ کیا کرے گا؟ ایک اسم کو رفع دے گا۔ اور وہ فعل اگر معروف ہوا تو یہ اسم اس کا فاعل کہلائے گا، اور اگر وہ فعل مجہول ہوا تو یہ اسم اس کا نائب فاعل کہلائے گا۔ ایسا کبھی نہیں ہو سکتا فعل آجائے آگے فاعل یا نائب فاعل نہ آئے۔ تو فعل جب بھی آئے گا کس کا تقاضا کرے گا؟ فاعل یا نائب فاعل کا۔ فعل معروف ہو تو کس کا؟ فاعل کا، فعل مجہول ہو تو؟ نائب فاعل کا تقاضا کرے گا۔ اب یہ جو فاعل یا نائب فاعل ہے یہ اسم ظاہر بھی ہو سکتا ہے اور ضمیر بھی، لیکن ہوگا ایک ہی۔ اگر ضمیر فاعل آگئی تو اسم ظاہر نہیں آسکتا آگے، اور اگر اسم ظاہر فاعل آگیا تو ضمیر فاعل نہیں آسکتی۔ فعل کتنی چیزوں کو رفع دیتا ہے؟ ایک چیز کو، توجہ ہے؟ فعل کتنی چیزوں کو رفع دے گا؟ ایک چیز کو۔ اور وہ ایک جو ہے اسم ظاہر بھی ہو سکتا ہے اور ضمیر بھی۔ جب ضمیر آجائے تو اسم ظاہر فاعل نہیں، اور اگر اسم ظاہر فاعل آجائے تو ضمیر فاعل یا نائب فاعل نہیں آسکتی۔ ضابطہ سمجھ میں آیا؟ پھر دہراؤ۔ فعل معروف ہو چاہے فعل مجہول، یہ ہمیشہ کس کا تقاضا کرے گا؟ فاعل یا نائب فاعل۔ یعنی فعل جب بھی آتا ہے وہ چاہتا ہے میں ایک اسم کو رفع دے دوں، جس اسم کو وہ رفع دے وہ اس کا فاعل یا نائب فاعل ہوگا۔ فعل معروف ہے تو فاعل ہوگا، فعل مجہول ہے تو نائب فاعل ہوگا۔ اور یاد رکھو فاعل یا نائب فاعل کے علاوہ باقی جتنے لفظ جملے میں آئیں گے وہ یا منصوب ہوں گے یا مجرور ہوں گے۔ فعل جب جملے میں آجائے تو وہ صرف فاعل یا نائب فاعل کو رفع دے گا، باقی آگے جتنے لفظ آئیں گے وہ کیا ہوں گے؟ منصوب یا مجرور، اور مجرور بھی آپ آرام سے پہچان سکتے ہیں، مجرور تو دو ہی ہیں، معلوم ہوا باقی سارے کیا ہوں گے؟ منصوب ہوں گے۔ طریقہ سمجھ میں آگیا؟

ضَرَبَ زَیْدٌ، ترکیب کریں: ضَرَبَ فعل، زَیْدٌ مرفوع لفظاً فاعل، فعل اپنے فاعل سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہوا۔ ضَرَبَ زَیْدٌ ترجمہ کریں: زید نے مارا، زید نے پٹائی کی۔ آپ کا ایک ساتھی کہتا ہے بھئی ضَرَبَ کے اندر هُوَ ضمیر ہوتی ہے وہ آپ نے

نہیں نکالی، آپ کی ترکیب غلط ہے، ضَرَبَ کے اندر کیا ہوتی ہے؟ هُوَ ضمیر ہوتی ہے۔ تو آپ جواب میں کیا کہیں گے؟ کہ بھئی فاعل یا نائب فاعل ایک آسکتا ہے، دو نہیں آسکتے۔ جب ضَرَبَ نے زَيْدٌ کو رفع دے دیا اب اس کے اندر ضمیر نہیں ہے یہ اس کو رفع نہیں دے سکتا۔ اور اگر اس کے اندر ضمیر نکالتے ہو تو یہ زَيْدٌ اس کا فاعل نہیں بن سکتا، فاعل یا نائب فاعل ایک آتا ہے ایک سے زیادہ نہیں۔ تو اگر صرف ضَرَبَ ہو تو پھر اس کے اندر هُوَ ضمیر ہے، اور اگر ضَرَبَ زَيْدٌ ہو پھر اس کے اندر هُوَ ضمیر نہیں۔ طریقہ سمجھ میں آگیا؟

ضَرَبَ عَمْرًا، ضَرَبَ عَمْرًا ترکیب کرو: ضَرَبَ فعل، آگے هُوَ اس کے اندر فاعل، بھئی هُوَ ضمیر فاعل کیوں نکال رہے ہو؟ کیونکہ آگے کوئی فاعل نہیں ہے اور فعل جب بھی آئے ہمیشہ کس کا تقاضا کرتا ہے فاعل یا نائب فاعل۔ یہ فعل معروف ہے یا مجہول؟ معروف، تو اس کے لیے کیا چاہیے؟ فاعل، اور فاعل آگے کوئی ہے؟ نہیں، عَمْرًا فاعل نہیں کیونکہ فاعل تو کیا ہوتا ہے؟ مرفوع ہوتا ہے، یہ تو منصوب ہے۔ جب فاعل نہیں ہے تو فاعل تو ہر حال میں چاہیے، تو اسی کے اندر کیا کر لو؟ ضمیر نکال لو۔ طریقہ سمجھ میں آیا؟

اچھا، فعل جب بھی آئے گا کس کا تقاضا کرے گا؟ فاعل یا نائب فاعل کا تقاضا کرے گا۔ اور یہ فاعل یا نائب فاعل ضمیر بھی آسکتی ہے اور اسم ظاہر بھی، لیکن آئے گا ایک ہی۔ اگر فاعل یا نائب فاعل ضمیر آگئی تو اسم ظاہر نہیں آسکتا، اور اسم ظاہر آجائے تو ضمیر نہیں آسکتی۔ اب ہم دیکھتے ہیں کہ کن صیغوں میں فاعل اسم ظاہر آسکتا ہے اور کن میں نہیں۔ تو یاد رکھو پہلا اور چوتھا صیغہ جو ہے، چاہے ماضی کا ہو چاہے مضارع کا ہو۔ پہلا صیغہ ماضی کا مثلاً کیا ہے؟ ضَرَبَ، اور چوتھا کیا ہے؟ ضَرَبَتْ، جس کے آخر میں لمبی تَا ہے، ضَرَبَ اور ضَرَبَتْ۔ اسی طرح مضارع کے اندر پہلا صیغہ کیا ہے؟ يَضْرِبُ، اور چوتھا کیا ہے؟ تَضْرِبُ۔ یعنی پہلا صیغہ یعنی واحد مذکر غائب، اور چوتھا صیغہ یعنی واحد مؤنث غائب۔ تو پہلا اور چوتھا صیغہ، ان دو صیغوں کا فاعل اسم ظاہر آسکتا ہے۔ ان دو صیغوں کا فاعل اسم ظاہر آسکتا ہے۔ باقی بارہ صیغے جو ہیں ان کا فاعل ہمیشہ ضمیر ہوتی ہے، کبھی بھی اسم ظاہر نہیں آئے گا۔ پہلا یا چوتھا صیغہ ان کا فاعل کیا آسکتا ہے؟ ضمیر بھی اور اسم ظاہر۔ ضَرَبَ پہلے اور چوتھے صیغے میں سے ہے کہ نہیں ہے؟ ہے، جب ہے تو اس ضَرَبَ کے لیے فاعل ضمیر بھی آسکتی ہے اور اسم ظاہر۔ آگے ضَرَبَ زَيْدٌ یہ اسم ظاہر ہے، یہ بھی فاعل بن سکتا ہے۔ اور اگر یہ نہ ہو تو پھر اسی کے اندر کیا کریں گے؟ ضمیر۔ تو ضَرَبَ کے لیے فاعل ضمیر بھی آسکتی ہے اور اسم ظاہر بھی، لیکن آئے گا ایک ہی۔ اسی طرح ضَرَبَتْ ہے چوتھا صیغہ واحد مؤنث، ضَرَبَتْ کے اندر هِيَ ضمیر ہے اور اگر آگے فاعل ظاہر آگیا زَيْنَبُ، ضَرَبَتْ زَيْنَبُ، تو اب ضَرَبَتْ کے اندر کوئی ضمیر نہیں ہے، توجہ ہے؟ اور اگر آگے زینب کوئی اسم ظاہر نہ ہو پھر ضَرَبَتْ کے اندر کون سی ضمیر ہے؟ هِيَ۔ تو پہلا اور چوتھا صیغہ، پہلا صیغہ ہے مذکر کا، چوتھا صیغہ ہے مؤنث کا، یہ دو صیغے جو ہیں ان کا فاعل اسم ظاہر بھی آسکتا ہے اور ضمیر بھی۔ یہ جب آجائیں تو آپ نے پھر غور کرنا ہے۔ جبکہ باقی بارہ صیغے آجائیں چاہے ماضی کے چاہے مضارع کے، ان میں فاعل ہمیشہ ضمیر ہوگی جو

اسی لفظ کے ساتھ جڑی ہوئی ہوگی یا اسی کے اندر چھپی ہوئی ہوگی، تو وہاں پھر آپ کو اسم ظاہر کو تلاش کرنے کی ضرورت نہیں۔ توجہ ہے؟

ایک جملہ آیا، اس جملے کے شروع میں ہے ضَرَبَ۔ جب ضَرَبَ ہے تو ضَرَبَ کے لیے فاعل اسم ظاہر آسکتا ہے یا نہیں آسکتا؟ آسکتا ہے۔ تو اب اگلے لفظوں میں تلاش کریں کوئی اسم ظاہر اس کا فاعل تو نہیں بن رہا۔ اگر فاعل بن رہا ہو تو اس کو رفع دے دیں، اگر نہیں بن رہا تو اسی کے اندر کیا نکال لو؟ ضمیر نکال لو۔ اسی طرح ضَرَبَتْ کا صیغہ آیا کسی جملے کے شروع میں، تو ضَرَبَتْ کون سا صیغہ ہے؟ چوتھا۔ پہلے اور چوتھے کا فاعل ضمیر بھی آسکتی ہے اور اسم ظاہر بھی، تو یہ ضَرَبَتْ چوتھا صیغہ ہے، لہٰذا آگے جملے کے اندر جو لفظ ہیں ان میں تلاش کرو کہ کوئی اس کا فاعل تو نہیں آرہا۔ اگر کوئی فاعل اسم ظاہر ہے یہ اس کو کیا کرے گا؟ رفع دے گا، اگر کوئی اسم ظاہر فاعل نہیں تو اسی کے اندر کیا کر لو؟ ضمیر نکال لو۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو حاصلِ کلام یہ: پہلا یا چوتھا صیغہ آئے تو اگلے لفظوں میں فاعل تلاش کرو، پہلا یا چوتھا صیغہ آئے تو اگلے لفظوں میں کس کو تلاش کرو؟ فاعل یا نائب فاعل، اگر فعل معروف ہے تو فاعل کو تلاش کرو، فعل مجہول ہے تو نائب فاعل کو۔ لیکن اگر پہلے یا چوتھے صیغے کے علاوہ باقی بارہ صیغوں میں سے کوئی صیغہ ہے تو پھر آگے تلاش کرنے کی ضرورت ہی نہیں ہے، اسی صیغے کے ساتھ جڑی ہوئی یا اس کے اندر چھپی ہوئی ضمیر فاعل یا نائب فاعل کی ہوگی، اسی کے اندر ضمیر جڑی ہوئی یا چھپی ہوئی فاعل یا نائب فاعل کی ہوگی۔ ہاں، پھر دہراؤ: فعل معروف کے لیے ہمیشہ کیا چاہیے؟ فاعل، فعل مجہول کے لیے ہمیشہ کیا چاہیے؟ نائب فاعل۔ کیا کبھی ایسا ہو سکتا ہے کہ فعل معروف آجائے اور فاعل نہ آئے؟ نہیں ہو سکتا۔ کیا کبھی ایسا ہو سکتا ہے فعل مجہول آجائے اور فاعل نہ آئے؟ نہیں۔ فعل معروف آئے یا فعل مجہول یہ ہمیشہ کس کا تقاضا کرتے ہیں؟ فاعل یا نائب فاعل کا، اور فاعل ایک ہی آسکتا ہے دو یا زیادہ نہیں۔ اور فاعل یا نائب فاعل ضمیر بھی ہو سکتی ہے اور اسم ظاہر بھی۔ اسم ظاہر کسے کہتے ہیں؟ جو بھی اسم ہو لیکن ضمیر نہ ہو وہ کیا ہے؟ اسم ظاہر۔ اور یہ اسم ظاہر کتنے صیغوں کے لیے فاعل بن سکتا ہے؟ دو صیغے، کون کون سے؟ پہلا اور چوتھا، چاہے ماضی میں ہو چاہے مضارع میں۔ جبکہ باقی بارہ صیغوں میں فاعل ہمیشہ، فاعل یا نائب فاعل ہمیشہ کیا ہوگا؟ ضمیر ہوگی۔

آئیے اب ماضی کے چودہ صیغے اور مضارع کے چودہ صیغے ان میں فاعل کی پہچان کر لیتے ہیں۔ جی، ضَرَبَ اس کے اندر فاعل کیا ہے؟ هُوَ ضمیر، شاباش۔ تو اس کا اعراب بولو: مرفوع محلاً۔ مرفوع کیوں؟ فاعل ہے، فاعل مرفوع ہوتا ہے۔ محلاً کیوں؟ ضمیر ہے، مبنی ہے۔ جی، دوسرا صیغہ ضَرَبَا اس میں کیا ہے فاعل؟ یہ اَلِف ہے، اَلِف ہے ضَرَبَا، یہ اَلِف کیا ہے؟ فاعل۔ اس اَلِف کا اعراب بولو: مرفوع محلاً، شاباش۔ مرفوع کیوں؟ فاعل ہے۔ محلاً کیوں؟ مبنی ہے۔ ضَرَبُوْا اس کے اندر فاعل بولو: وَاوْ ضمیر ہے، اعراب بولو: مرفوع محلاً۔ ضَرَبَتْ اس کے اندر: هِيَ ضمیر، یہ جو تَا ہے نا تَا یہ تانیث کی علامت ہے، یہ ضمیر نہیں ہے۔ باقی جتنے صیغوں کے ساتھ جو جو حروف جڑے ہیں وہ ساری ضمیریں ہیں، لیکن یہ جو چوتھے صیغے کے ساتھ

تَا جڑ جاتی ہے یہ تانیث کی علامت ہے، ضمیر نہیں۔ ضَرَبَا میں دیکھو اَلِف کیا تھا؟ فاعل۔ ضَرَبُوْا میں وَاوْ کیا تھا؟ فاعل، لیکن ضَرَبَتْ میں یہ تَا فاعل نہیں، یہ تانیث کی علامت ہے، یہ صرف اتنا بتاتی ہے کہ یہ فعل جس ذات کی طرف اس کی نسبت، جس چیز کی طرف اس کی نسبت کی جا رہی ہے وہ مؤنث ہے۔ اچھا اگلا صیغہ ضَرَبَتَا، اس میں اَلِف ہے، یہ تَا وہی والی ہے ضَرَبَتْ والی تَا ہے آخر میں اَلِف بھی جڑ گیا، تو یہ اَلِف تثنیہ کی ضمیر ہے۔ اچھا پھر دوبارہ دیکھو: ضَرَبَ کے اندر کون سی ضمیر؟ هُوَ، یہ کون سی ضمیر ہے؟ واحد مذکر غائب۔ ضَرَبَا اس میں فاعل کیا ہے؟ اَلِف، یہ اَلِف کون سی ضمیر؟ جو صیغہ ہو وہ بول دیا کرو، یہ اَلِف کون سی ضمیر؟ تثنیہ مذکر غائب، وہ دو آدمی۔ اچھا ضَرَبُوْا اس میں فاعل کیا؟ وَاوْ، یہ وَاوْ کون سی ضمیر ہے؟ جمع مذکر غائب، وہ سب آدمی۔ ضَرَبَتْ اس کے اندر: هِيَ، هِيَ کون سی ضمیر؟ واحد مؤنث غائب۔ ضَرَبَتَا اس میں: اَلِف، یہ اَلِف کون سی ضمیر؟ تثنیہ مؤنث غائب۔ دیکھا ضَرَبَا میں ایک اَلِف تھا وہ تثنیہ مذکر غائب کا تھا اور ضَرَبَتَا میں جو اَلِف ہے وہ تثنیہ مؤنث غائب۔ ضَرَبْنَ اس میں فاعل کیا؟ نُوْنْ ہے، اس میں کیا ہے؟ نُوْنْ ہے، ضَرَبْنَ، توجہ ہے؟ اس کا اعراب بولو: مرفوع محلاً، مرفوع کیوں؟ فاعل ہے، محلاً کیوں؟ مبنی ہے، اور یہ نُوْنْ کون سی ضمیر ہے؟ جمع مؤنث غائب۔ ضَرَبْتَ اس کے اندر تَا ضمیر ہے، تَا ضمیر ہے۔ تَ نہ کہنا، تَ نہیں، تَا ضمیر ہے۔ وہ اسم جو ایک حرف پر مشتمل ہو جب اس کا نام لینا ہو تو وہ نام لیتے ہیں جو حروفِ تہجی میں تھا۔ ضَرَبْتَ اس کے آخر میں یہ جو حرف جڑا ہوا ہے اس کا نام کیا ہے؟ تَا ہے، تو بعض کہتے ہیں تَ فاعل، تَ نہیں بھئی، تَا فاعل، کیا ہے؟ تَا فاعل۔ دیکھو ضَرَبَ، ضَرَبَا، جی فاعل کیا ہے؟ اَلِف۔ آ کیوں نہیں کہتے؟ ضَرَبْتَ میں بعض تَ کہتے ہیں، تو ضَرَبَا میں کیا کہنا چاہیے؟ آ فاعل، کیا کہنا چاہیے؟ آ فاعل۔ میں نے بتایا جو اسم ایک حرف پر مشتمل ہو آپ اس کا نام لینا چاہتے ہیں تو کون سا نام لیں گے؟ حروفِ تہجی میں۔ حروفِ تہجی میں یہ ضَرَبَا کے آخر میں کیا ہے؟ اَلِف۔ ضَرَبُوْا اس میں کیا ہے؟ وَاوْ، دیکھا۔ اچھا تو ضَرَبْنَ تک ہم پہنچ گئے تھے، ضَرَبْتَ اس میں فاعل کی ضمیر کون سی؟ تَا ضمیر، اور اعراب بولو: مرفوع محلاً، مرفوع محلاً۔ تو کوئی کہنے والا کہتا ہے کہ مرفوع نہیں یہ منصوب ہے ضَرَبْتَ، دیکھو میں تَا پر زبر پڑھ رہا ہوں، تو آپ کیا کہیں گے؟ یہ تَا کی حرکت ہے، یہ اعراب نہیں، تو یہ مرفوع محلاً۔ اور یہ کون سی ضمیر ہے؟ واحد مذکر حاضر۔ ضَرَبْتَ، ضَرَبْتُمَا یہ تُمَا کون سی ضمیر؟ تثنیہ مذکر حاضر۔ اور اعراب بولو: مرفوع محلاً۔ ضَرَبْتُمْ اس کے اندر فاعل کی ضمیر کون سی ہے؟ تُمْ ضمیر، اعراب بولو: مرفوع محلاً، اور یہ ضمیر کون سی ہے؟ جمع مذکر حاضر۔ ضَرَبْتِ اس کے اندر فاعل کیا ہے؟ تَا ضمیر، یہاں بھی تَا۔ دیکھو ایک حرف ہے نا تو نام لینا ہے وہ جو حروفِ تہجی میں اس حرف کو کیا کہتے ہیں؟ تَا کہتے ہیں، تو اس کا فاعل بھی تَا، اور اعراب بولو: مرفوع محلاً، اور یہ جو زیر ہے یہ اس کی حرکت ہے، اعراب نہیں، اور یہ کون سی ضمیر ہے؟ واحد مؤنث حاضر، جو صیغہ ہے وہ بول دیا کریں۔ اور ضَرَبْتُمَا یہ کون سی ضمیر ہے؟ تثنیہ مؤنث حاضر، اور یہ فاعل ہے اس کا اعراب بولو: مرفوع محلاً۔ ضَرَبْتُنَّ اس میں فاعل کیا؟ تُنَّ ضمیر، اس کا اعراب بولو: مرفوع محلاً، اور یہ کون سی ضمیر؟ جمع مؤنث حاضر۔ ضَرَبْتُ، ضَرَبْتُ میں تَا ضمیر، یہ تَا جڑی ہوئی ہے ساتھ یہ کہو اَنَا نہیں تَا ہے۔ ضَرَبْتُ میں تَا ضمیر۔ میں نے بتایا تھا یہ جتنے صیغے ہیں جو جو حرف ان کے ساتھ جڑتے جا رہے ہیں یہ سب ضمیریں ہیں سوائے ضَرَبَتْ کی تَا کے، صرف ضَرَبَتْ

کی جو تَا ہے وہ تانیث کی علامت ہے وہ ضمیر نہیں، باقی چاہے اَلِف جڑ رہا ہے چاہے وَاوْ، چاہے نُوْنْ، چاہے تَا یہ سب کیا ہیں؟ ضمیریں ہیں، ضمیریں ہیں۔ تو ضَرَبْتُ میں فاعل کیا ہے؟ تَا ضمیر، اور اس کا اعراب بولو: مرفوع محلاً۔ کوئی کہے گا کہ مرفوع محلاً کیسے ضَرَبْتُ میں تو باقاعدہ رفع کا تلفظ کر رہا ہوں، یہ مرفوع لفظاً ہے، آپ کیا کہیں گے؟ یہ حرکت ہے، یہ مبنی ہے، ضمیر ہے، ضمیر مبنیات میں سے ہے بھئی۔ اور کون سی ضمیر ہے؟ واحد متکلم۔ اور ضَرَبْنَا اس میں فاعل کیا؟ نَا ضمیر، اعراب بولو: مرفوع محلاً، اور یہ کون سی ضمیر؟ جمع متکلم کی۔ طریقہ سمجھ میں آگیا؟

اب اسی میں ذرا فعل مجہول لے آؤ: ضُرِبَ اس کے اندر کون سی ضمیر؟ هُوَ، اعراب بولو: مرفوع محلاً، کیوں؟ مرفوع کیوں؟ ہاں نائب فاعل ہے، یہ کیا ہے؟ نائب فاعل۔ ضُرِبُوْا اس کے اندر: وَاوْ، یہ کیا ہے؟ مرفوع محلاً، مرفوع کیوں؟ نائب فاعل۔ بس یہ آپ نے خیال رکھنا ہے فعل معروف کے لیے کیا چاہیے؟ فاعل، فعل مجہول کے لیے کیا چاہیے؟ نائب فاعل۔ اسم ظاہر کتنے صیغوں کے لیے فاعل یا نائب فاعل بن سکتا ہے؟ دو صیغے، کون کون سے؟ پہلا اور چوتھا۔ یہ تو تھا ماضی، اب مضارع میں ذرا آجاؤ، مضارع میں: یَضْرِبُ، اس کے اندر هُوَ ضمیر، یہ یَا کو کیوں نہیں فاعل بناتے؟ یاد رکھو ایک اور قیمتی بات: یاد رکھو فاعل یا نائب فاعل جب بھی آئے گا فعل کے بعد آئے گا، فعل پر مقدم نہیں ہو سکتا۔ مفعول فعل پر مقدم ہو سکتا ہے، فاعل یا نائب فاعل فعل پر مقدم نہیں ہو سکتا۔ دیکھو کتنی قیمتی باتیں ہیں، یہ چار چھ قیمتی باتیں ان کو ذہن میں رکھو پھر کوئی مشکل نہیں فعل کی ترکیب۔ فعل کے لیے ہمیشہ کیا چاہیے؟ فاعل یا نائب فاعل، اور وہ فاعل یا نائب فاعل ایک ہی ہو سکتا ہے ایک سے زیادہ نہیں ہو سکتے، اور فاعل یا نائب فاعل ضمیر بھی ہو سکتی ہے اور اسم ظاہر بھی ہو سکتا ہے، لیکن اسم ظاہر صرف کتنے صیغوں کے لیے آسکتا ہے؟ دو صیغے، وہ پہلا اور چوتھا۔ اگر وہ صیغے آئیں تو پھر آگے تلاش کرو کوئی اسم ظاہر تو نہیں فاعل یا نائب فاعل بن رہا، اگر آگے کوئی فاعل یا نائب فاعل نہ ملے پھر انہی کے اندر کیا نکال لو؟ ضمیر۔ جبکہ باقی صیغے جب آجائیں تو پھر آپ کو فاعل یا نائب فاعل آگے تلاش کرنے کی ضرورت ہی نہیں۔ نیز ایک اور قیمتی ضابطہ کہ یہ جو فاعل یا نائب فاعل ہے کبھی بھی فعل پر مقدم نہیں ہو سکتا، ہمیشہ فعل کے بعد آئے گا، ہمیشہ فعل کے بعد آئے گا۔ جس کو فعل نے رفع دینا ہے، فعل معروف کس کو رفع دیتا ہے؟ فاعل کو، فعل مجہول کس کو رفع دیتا ہے؟ نائب فاعل، یہ جو فاعل یا نائب فاعل ہیں یہ فعل کے بعد آتے ہیں کبھی اس پر مقدم نہیں۔ لہٰذا اگر کوئی اعتراض کرے یَضْرِبُ، اس کے اندر کون سی ضمیر؟ هُوَ ضمیر۔ ضَرَبَ، ضَرَبَا، ضَرَبُوْا، ضَرَبُوْا میں کون سی ضمیر؟ وَاوْ، دیکھا ایک حرف کا اضافہ ہوا آپ نے کہا یہ فاعل کی ضمیر ہے، اور یَضْرِبُ کے شروع میں یَا ہے اس کو کیوں نہیں فاعل بناتے؟ ہاں شاباش، آپ جواب دیں گے کہ یہ علامتِ مضارع ہے فاعل نہیں، کیونکہ یہ یَا ضَرَبَ پر مقدم ہو گئی، اور فاعل یا نائب فاعل کبھی بھی فعل پر مقدم نہیں ہو سکتا، فعل کے بعد آکر جڑ سکتا ہے فعل سے پہلے نہیں آسکتا۔ تو یَضْرِبُ کے اندر کون سی ضمیر؟ هُوَ۔ یَضْرِبَانِ، اس میں یاد رکھو یہ کچھ

صیغوں میں نونِ اعرابی آتا ہے، نونِ اعرابی، یہ ضمیر نہیں ہے یَضْرِبَانِ یہ نونِ اعرابی ہے، اور یہ اَلِف جو ہے فاعل کی ضمیر ہے۔ یہ نونِ اعرابی دیکھو حالتِ نصبی اور جزمی میں گر جاتا ہے: لَمْ یَضْرِبْ، لَمْ یَضْرِبَا، نون گر گیا یا نہیں؟ تو اس کا اگر یہ ضمیر ہوتا پھر تو فاعل کے بغیر فعل آجاتا، اور فاعل کے بغیر فعل آسکتا ہے؟ نہیں، معلوم ہوا یہ نون اعرابی۔ اسی طرح لَنْ یَضْرِبَا دیکھو اب بھی نون گر گیا، لَنْ یَضْرِبَ، لَنْ یَضْرِبَا وہ نون گر گیا۔ تو یہ نون کیا ہے؟ اعرابی۔ اور نونِ اعرابی سات صیغوں میں آتا ہے، جمع مؤنث کے جو دو صیغے ہیں ان میں جو نون ہے وہ ضمیر ہے باقی جتنے نون ہیں وہ سب کیا ہیں؟ نونِ اعرابی۔ کون سے دو صیغوں میں نون ضمیر ہے؟ جمع مؤنث۔ یَضْرِبْ یَضْرِبَانِ یَضْرِبُوْنَ تَضْرِبُ تَضْرِبَانِ یَضْرِبْنَ، یہ جمع مؤنث غائب کا صیغہ۔ اسی طرح آگے تَضْرِبُ تَضْرِبَانِ تَضْرِبُوْنَ تَضْرِبِیْنَ تَضْرِبَانِ تَضْرِبْنَ، یہ جمع مؤنث کا صیغہ جو ہے۔ تو جمع مؤنث کے جو دو صیغے ہیں: ایک جمع مؤنث غائب، ایک جمع مؤنث حاضر، یہ دو جو نون ہیں یہ دونوں نون ضمیریں ہیں، باقی جتنے نون ہیں وہ کیا ہیں؟ اعرابی ہیں۔ وہ صرف بتلاتے ہیں کہ یہ فعل مرفوع ہے، منصوب یا مجزوم نہیں۔ اسم میں آتا ہے رفع، نصب، جر۔ فعل مضارع میں آتا ہے رفع، نصب، جزم۔ رفع، نصب، جزم: یَضْرِبُ رفع، لَنْ یَضْرِبَ نصب، اور لَمْ یَضْرِبْ جزم۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو یَضْرِبُ میں کون سی ضمیر؟ هُوَ۔ یَضْرِبَانِ میں؟ اَلِف اور نون اعرابی۔ یَضْرِبُوْنَ میں؟ وَاوْ اور نون اعرابی۔ تَضْرِبُ میں؟ هِيَ ضمیر۔ تَضْرِبُ دیکھو تَضْرِبُ، تَا ہے پھر ضَادْ رَا بَا، بھئی ضَادْ رَا بَا یہ تو فعل کا مادہ ہے، اس کے بعد کوئی اور حرف ہے؟ نہیں، لہٰذا ضمیر اس کے اندر چھپی ہوئی ہے۔ پھر آگے تَضْرِبَانِ اس میں: اَلِف۔ یَضْرِبْنَ اس میں: نُوْنْ ہے، یہ نونِ اعرابی نہیں ہے یہ جمع مؤنث کے صیغے میں۔ پھر آگے تَضْرِبُ، تَضْرِبُ ساتواں صیغہ، تَضْرِبُ، تَا ضَادْ رَا بَا، تَا تو فعل پر مقدم ہے وہ فاعل ہو سکتی ہے؟ نہیں، وہ علامتِ مضارع ہے۔ ضَادْ رَا بَا یہ تو فعل کا مادہ ہے، اس کے بعد کوئی حرف جڑا ہوا ہے؟ نہیں جڑا ہوا، اور صیغہ کون سا؟ واحد مذکر حاضر، تو اسی کے اندر ضمیر نکال لو جو چھپی ہوئی ہے: اَنْتَ ضمیر ہے۔ تَضْرِبُ کے اندر اَنْتَ۔ تَضْرِبَانِ میں: اَلِف ہے اور نون اعرابی۔ تَضْرِبُوْنَ: وَاوْ، اور یہ نون اعرابی۔ تَضْرِبِیْنَ اس میں یَا ہے نون اعرابی ہے، تَضْرِبِیْنَ، یہ جمع مؤنث کا صیغہ ہے؟ نہیں، جمع مؤنث کے تو دو ہی صیغے ہیں نا، چھٹا اور بارہواں، وہ دو نون جو ہیں وہ ضمیریں ہیں، باقی نون کیا ہیں؟ اعرابی۔ تو تَضْرِبِیْنَ اس کے اندر ضمیر کیا ہے؟ یَا، اور نون اعرابی۔ بھئی آپ اس کو حالتِ نصبی جزمی میں لے جاؤ آپ کو خود پتہ چل جائے گا: تَضْرِبِیْنَ اور لَمْ لے آؤ، لَمْ تَضْرِبِيْ نون گر گیا یا نہیں؟ اور لَنْ تَضْرِبِيْ دیکھو نون گر گیا۔ ضمیر، اگر یہ فاعل ہوتا، ضمیر ہوتی تو یہ تو فاعل ہوتی اور فاعل کے بغیر فعل رہ جاتا، اور فاعل کے بغیر فعل رہ سکتا ہے؟ نہیں، معلوم ہوا یہ نونِ اعرابی تھا، تو ضمیر کیا ہے؟ یَا۔ تَضْرِبَانِ: اَلِف۔ تَضْرِبْنَ: نُوْنْ۔ اَضْرِبُ: اَنَا، اَضْرِبُ، ضَادْ رَا بَا کے بعد کوئی حرف ہے؟ نہیں، تو صیغہ کون سا؟ واحد متکلم، تو اس کی اندر ضمیر چھپی ہوئی نکال لو: اَنَا ضمیر۔ اور نَضْرِبُ: نَحْنُ۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو یہ فعل کے اندر ضمیریں ہیں، فعل معروف ہو تو یہی فاعل بنیں گے اور فعل مجہول ہو تو یہی نائب الفاعل بنیں گے۔ طریقہ سمجھ میں آگیا؟

چلیے بس کرتے ہیں بھئی، بات اچھی طرح سمجھ میں آگئی؟ کل پھر یہ جملہ فعلیہ کی باقاعدہ ہم ترکیب شروع، جملے لکھ کر

ان کی ترکیب شروع کر دیں گے۔ تو یہ ایک مرتبہ پھر یہ دہرا لینا یہ جتنی باتیں میں نے کی ہیں۔ چلیے بس بھئی، هٰذَا هُوَ الْمَرَامُ وَاللّٰهُ أَعْلَمُ بِحَقِيْقَةِ الْكَلَامِ۔

سبق نمبر ٦: تراکیبِ نحویہ (٥): فعلِ لازم و متعدی اور جملہ فعلیہ کی ترکیب

تراکیبِ نحویہ (ابتدائی مشق) — بتاریخ: ١٥ جون ٢٠٢١ء

▪ تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث

گزشتہ سبق میں ہم نے جملہ فعلیہ کی ترکیب شروع کی تھی۔ آپ نے پڑھا تھا کہ فعل دو قسم پر ہے: ایک فعلِ لازم ہے اور ایک فعلِ متعدی۔ فعلِ لازم وہ ہے جہاں صرف فاعل پر بات پوری ہو جائے۔ اور فعلِ متعدی وہ ہے جو فاعل کے ساتھ ساتھ مفعول کا بھی تقاضا کرے۔ اور مفعول کو آپ نے لفظوں میں نہیں دیکھنا کہ فعل کے ساتھ مفعول ذکر ہے یا نہیں، بلکہ فعل کے مفہوم میں آپ خود غور کر کے دیکھ لیں کہ یہ فعل بغیر کسی مفعول کے ہو سکتا ہے یا نہیں۔ جیسے ضرب بغیر مضروب کے نہیں ہو سکتی۔ شرب بغیر مشروب کے نہیں ہو سکتا۔ اکل بغیر ماکول کے نہیں ہو سکتا۔ بات سمجھ میں آ رہی ہے؟ تو اس طرح آپ نے ایک ایک فعل میں غور کرنا ہے کہ یہ فعلِ لازم ہے یا فعلِ متعدی۔

اور پھر مفعول چاہے عبارت میں ہو یا نہ ہو، وہ فعل متعدی ہی رہے گا۔ مثلاً ضرب بغیر مضروب کے نہیں ہو سکتی۔ اب وہ مضروب میں عبارت میں ذکر کروں یا نہ کروں اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا، فعل متعدی ہی کہلائے گا۔ «ضَرَبَ زَيْدٌ»، زید نے پٹائی کی۔ کس کی پٹائی کی؟ اس مفعول کو ذکر نہیں کیا، اس کو حذف کر دیا، اس سے کوئی اثر نہیں پڑتا۔ ضرب بغیر مضروب کے نہیں ہو سکتی تو یہ فعل متعدی ہے، اگرچہ دیکھو عبارت میں مفعول ذکر نہیں۔ تو آپ نے عبارت میں نہیں دیکھنا کہ مفعول ہے یا نہیں، آپ نے اس فعل کے مفہوم میں اور معنی میں خود غور کر لینا ہے کہ بغیر مفعول کے یہ فعل ہو سکتا ہے یا نہیں۔

ضرب بغیر مضروب کے ہو سکتی ہے؟ کوئی صورت سوچ لو، ضرب ہو، مضروب کوئی نہ ہو، نہیں ہو سکتا۔ شرب بغیر مشروب کے ہو سکتا ہے؟ نہیں۔ آپ شرب والا فعل کر لیں اور مشروب کچھ بھی نہ ہو، یہ ہو ہی نہیں سکتا بھئی، کچھ نہ کچھ مشروب ضرور ہو گا تب ہی شرب ہو سکتا ہے۔ اسی طرح اکل کا معنی ہے کھانا کھانا، اکل بغیر ماکول کے نہیں ہو سکتا۔ کوئی چیز نہ کھائی جائے اور کھانے کا فعل پایا جائے، یہ نہیں ہو سکتا بھئی۔ تو معنی میں خود غور کر لیا کریں۔ طریقہ سمجھ میں آ گیا؟

اور پھر میں نے آپ کو یہ بھی بتلایا تھا کہ بعض فعل ایک مفعول چاہتے ہیں، بعض دو مفعول چاہتے ہیں اور بعض تین مفعول چاہتے ہیں۔ ایک مفعول جیسے «ضَرَبَ زَيْدٌ عَمْرًا»، ضرب کے لیے ایک مضروب چاہیے، دو یا تین کی ضرورت نہیں۔ شرب کے لیے ایک مشروب چاہیے، اکل کے لیے ایک ماکول چاہیے۔ تو یہ عام جتنے افعال ہیں یہ ایک مفعول چاہتے ہیں۔ ہاں کچھ افعال ہیں جو دو مفعول چاہتے ہیں۔ جیسے «أَعْطَيْتُ زَيْدًا دِرْهَمًا»، میں نے عطا کیا۔ تو اس کے لیے کیا چیز عطا کی وہ بھی چاہیے اور کس کو عطا کی یہ بھی چاہیے بھئی، دونوں چاہئیں۔ تو یہ اعطاء والا فعل دو مفعول چاہتا ہے۔ «أَعْطَيْتُ زَيْدًا دِرْهَمًا»، میں نے زید کو درہم دیا۔

یا «سَمَّيْتُ الرَّجُلَ زَيْدًا»۔ «سَمَّيْتُ» میں نے نام رکھا۔ «الرَّجُلَ» اس آدمی کا۔ «زَيْدًا» کیا نام رکھا؟ زید۔ یہ بھی دو مفعول چاہتا ہے۔ «سَمَّيْتُ الرَّجُلَ زَيْدًا»۔ تو «الرَّجُلَ» اس کے لیے مفعولِ اول اور «زَيْدًا» اس کے لیے مفعولِ ثانی ہے۔ نام رکھا، تو کوئی شخص ہو گا جس کا نام رکھا، اور کیا نام رکھا وہ بھی آگے چاہیے، تو یہ بھی دو مفعول چاہتا ہے۔ اسی طرح افعالِ قلوب ہیں: «عَلِمْتُ زَيْدًا كَاتِبًا» یا «عَلِمْتُ زَيْدًا شَاعِرًا»۔ میں نے زید کو شاعر جانا، یا یوں ترجمہ کریں: میں نے یقین کر لیا کہ زید شاعر ہے، یا میں نے جان لیا کہ زید شاعر ہے۔ تو دیکھو کس کے بارے میں یقین کیا؟ زید کے بارے میں، یہ مفعولِ اول۔ اور کیا یقین کیا کہ وہ کیا ہے؟ شاعر، تو یہ بھی کتنے مفعول چاہتا ہے؟ دو۔

تو بہرحال عام افعال جو ہیں وہ ایک ہی مفعول چاہتے ہیں، کچھ افعال ہیں وہ دو مفعول چاہتے ہیں، اور بہت ہی تھوڑے سے ہیں جو تین مفعول چاہتے ہیں۔ جیسے «أَعْلَمْتُ عَمْرًا زَيْدًا فَاضِلًا»، تین مفعول آ گئے۔ «أَعْلَمْتُ» میں نے بتلایا، «عَمْرًا» کس کو؟ عمرو کو۔ کیا بتلایا؟ «زَيْدًا فَاضِلًا» کہ زید کیا ہے؟ فاضل ہے۔ تو دیکھو تین مفعول آ گئے: ایک عمرو جس کو بتایا، اور کس کے بارے میں بتایا؟ زید کے بارے میں، یہ دوسرا مفعول، اور کیا بتایا کہ وہ فاضل ہے، یہ تیسرا مفعول۔ لیکن یہ تین مفعول والے افعال بہت تھوڑے سے ہیں۔ عام افعال ایک ہی مفعول چاہتے ہیں۔

اور پھر آپ کو اردو میں بھی اس کی ایک نشانی میں نے بتلائی تھی کہ فعلِ متعدی جو ہے اس کے ترجمے میں عموماً «نے» کا لفظ آئے گا۔ «نے» کا لفظ۔ زید نے پٹائی کی، معلوم ہوا پٹائی کرنا کیسا فعل ہے؟ متعدی ہے۔ «ضَرَبَ زَيْدٌ»، زید نے پٹائی کی، تو «ضَرَبَ» کیسا فعل ہے؟ متعدی۔ زید نے پیا، کیا پیا یہ ذکر نہیں لیکن زید نے پیا، «شَرِبَ زَيْدٌ»، معلوم ہوا شرب کیا ہے؟ متعدی ہے۔ اور «أَكَلَ زَيْدٌ»، زید نے کھایا، یہ بھی کیا ہے؟ اکل بھی فعلِ متعدی ہے۔ جبکہ فعلِ لازم جو ہے اس کے اندر «نے» نہیں آتا عموماً۔ «ضَحِكَ زَيْدٌ»، زید ہنسا، دیکھو یہاں «نے» کی ضرورت نہیں اور نہ کسی مفعول کی ضرورت ہے۔ «مَاتَ زَيْدٌ»، زید مر گیا، یہاں کسی مفعول کی ضرورت نہیں، یہاں «نے» نہیں آیا ترجمے میں۔ اور «فَرَّ زَيْدٌ»، زید بھاگا، یہاں «نے» کی ضرورت نہیں اور کسی مفعول کی ضرورت نہیں، تو یہ کیا ہیں؟ فعلِ لازم۔

اس کے بعد پھر آپ کو میں نے بتلایا تھا کہ ہر فعل چاہتا ہے کہ وہ اپنے بعد کسی نہ کسی اسم کو رفع دے۔ چاہے وہ فعلِ

لازم ہو چاہے فعلِ متعدی، چاہے فعلِ معروف ہو چاہے فعلِ مجہول، «ضَرَبَ» ہو چاہے «ضُرِبَ»۔ تو فعلِ لازم ہو چاہے متعدی، چاہے فعلِ معروف ہو چاہے فعلِ مجہول، وہ ہر صورت میں چاہتا ہے کہ میں کسی ایک اسم کو رفع دے دوں۔ اور جس اسم کو وہ فعل رفع دیتا ہے وہ اس کا فاعل کہلاتا ہے اگر یہ فعلِ معروف ہو، اور وہ اس کا نائب فاعل کہلاتا ہے اگر یہ فعلِ مجہول ہو۔ «ضَرَبَ زَيْدٌ»، یہ زید کیا ہے؟ فاعل ہے، فعلِ معروف ہے۔ اور «ضُرِبَ زَيْدٌ»، یہ زید کیا ہے؟ نائب فاعل کیونکہ فعلِ مجہول ہے بھئی۔ تو فعل جب بھی عبارت میں آئے گا وہ چاہے گا میں ایک اسم کو رفع دے دوں، اور وہ اسم اس کا فاعل یا نائب فاعل کہلائے گا۔

اور فاعل یا نائب فاعل ایک ہی آ سکتا ہے، ایک سے زیادہ نہیں۔ لہٰذا فعل کے آنے کے بعد جب ایک اسم پر رفع آ جائے، آپ کو پتہ چل جائے یہ اس کا فاعل یا نائب فاعل ہے، تو باقی جتنے اسم عبارت میں آئیں گے وہ یا منصوب ہوں گے یا مجرور، مرفوع نہیں ہوں گے۔ توجہ ہے؟ فعل کے آنے کے بعد کتنے مرفوع آ سکتے ہیں؟ ایک ہی، وہ اس کا فاعل یا نائب فاعل۔ باقی سب کیا ہوں گے؟ منصوب یا مجرور۔ پھر اس میں سے مجرور کو پہچاننا بھی بڑا آسان، کیونکہ مجرور تو دو ہی ہیں: ایک کیا جس پر حرفِ جر داخل ہو، اور دوسرا جو مضاف الیہ ہو، تو باقی سارے منصوب ہوں گے۔

اور یہ فاعل یا نائب فاعل ہمیشہ فعل کے بعد آتا ہے، کبھی بھی یہ فعل پر مقدم نہیں ہو سکتا۔ اگر فاعل یا نائب فاعل فعل پر مقدم ہو جائے تو پھر وہ ترکیب میں کچھ اور بنیں گے، فاعل یا نائب فاعل نہیں بن سکتے بھئی۔ «ضَرَبَ زَيْدٌ»، «ضَرَبَ» فعل، «زَيْدٌ» مرفوع لفظاً اس کا فاعل۔ مرفوع کیوں؟ فاعل ہے۔ لفظاً کیوں؟ اس کے رفع پر ہم تلفظ کر رہے ہیں۔ فعل اپنے فاعل سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہوا۔ آپ کا ساتھی کہتا ہے آپ نے «ضَرَبَ» میں ضمیر کیوں نہیں نکالی؟ «ضَرَبَ» کے اندر تو ضمیر ہوتی ہے۔ آپ جواب میں کیا کہیں گے؟ کہ فاعل یا نائب فاعل ایک آ سکتا ہے، دو یا زیادہ نہیں۔ جب آگے زید اسمِ ظاہر فاعل آ گیا تو اس «ضَرَبَ» کے اندر اب ضمیر فاعل کی نہیں نکال سکتے۔ تو فاعل یا نائب فاعل ایک ہی آتا ہے، اور وہ ضمیر بھی ہو سکتی ہے اور اسمِ ظاہر بھی۔

تو ابھی جملہ کیا تھا؟ «ضَرَبَ زَيْدٌ»۔ اب میں اس زید کو اٹھا کر ذرا «ضَرَبَ» پر مقدم کر دیتا ہوں۔ «زَيْدٌ ضَرَبَ»۔ اب کوئی ترکیب شروع کرتا ہے: «زَيْدٌ» مرفوع لفظاً فاعل۔ مرفوع کیوں؟ فاعل ہے۔ لفظاً کیوں؟ اس کے رفع پر ہم تلفظ کر رہے ہیں۔ تو آپ فوراً کیا کہیں گے؟ کہ فاعل نہیں ہو سکتا۔ کیوں نہیں ہو سکتا؟ کیونکہ فاعل یا نائب فاعل کبھی فعل پر مقدم نہیں ہو سکتا۔ یہ ترکیب میں کچھ اور تو بن سکتا ہے لیکن اتنی بات طے ہے کہ یہ فاعل یا نائب فاعل نہیں بن سکتا۔

پھر ہم اس کو جملہ اسمیہ بنائیں گے۔ کیسے؟ «زَيْدٌ» کو بنا دو بتدا۔ «زَيْدٌ» مرفوع لفظاً بتدا۔ مرفوع کیوں؟ بتدا ہے۔ اور لفظاً کیوں؟ اس کے رفع پر ہم تلفظ کر رہے ہیں۔ آگے ہے «ضَرَبَ»۔ «ضَرَبَ» فعل۔ اور فعل جیسے ہی آئے، فعلِ معروف

آئے تو کس کا تقاضا کرتا ہے؟ فاعل کا۔ فعلِ مجہول آئے تو؟ نائب فاعل۔ «ضَرَبَ» کے آگے کوئی اسم ہے؟ نہیں۔ تو معلوم ہوا کوئی آگے اسمِ ظاہر تو نہیں آرہا لیکن فاعل تو ہمیں ہر حال میں چاہیے۔ کبھی ایسا نہیں ہو سکتا کہ فعلِ معروف آجائے اور فاعل نہ آئے، یا فعلِ مجہول آجائے اور نائب فاعل نہ آئے۔ پھر کیا کریں گے؟ اسی کے اندر ضمیر نکالیں گے۔ «ضَرَبَ» کے اندر کون سی ضمیر؟ «ہُوَ» ضمیر۔ اور اس کا اعراب بولو: مرفوع محلاً فاعل۔ مرفوع کیوں؟ فاعل ہے، شاباش۔ محلاً کیوں؟ مبنی ہے، ضمیر ہے، تو یہ مرفوع محلاً فاعل۔ فعل اپنے فاعل سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر خبر، مبتدا اپنی خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔ طریقہ سمجھ میں آیا؟

اس کے بعد آپ نے یہ بھی پڑھا تھا کہ فاعل یا نائب فاعل ایک ہی آئے گا، ایک سے زیادہ نہیں آسکتے۔ فاعل یا نائب فاعل ایک ہی آئے گا۔ اور فاعل یا نائب فاعل ضمیر بھی ہو سکتی ہے اور اسمِ ظاہر بھی ہو سکتا ہے، لیکن آئے گا ایک ہی۔ اگر ضمیر آگئی فاعل یا نائب فاعل تو اسمِ ظاہر نہیں آسکتا فاعل یا نائب فاعل، اور اگر اسمِ ظاہر فاعل یا نائب فاعل بن گیا تو پھر ضمیر فاعل یا نائب فاعل نہیں بن سکتی۔ توجہ ہے؟ لہٰذا «ضَرَبَ زَيْدٌ»، اس میں «زَيْدٌ» کو آپ نے فاعل بنایا تو «ضَرَبَ» کے اندر اب ضمیر نہیں ہے۔ اور «زَيْدٌ ضَرَبَ»، اس کے اندر زید تو فاعل نہیں بنا کیونکہ وہ تو مقدم ہے، تو پھر «ضَرَبَ» کے لیے کیا چاہیے تھا؟ فاعل، تو آپ نے اس میں ضمیر نکال لی۔ طریقہ سمجھ میں آرہا ہے؟

پھر میں نے آپ کو بتلایا تھا کہ یہ ضمیر اور اسمِ ظاہر کسے کہتے ہیں؟ ضمیر تو آپ کو پتہ ہے کہ ستر ضمیریں ہیں کل بھئی، ستر۔ اس کے علاوہ باقی جتنے اسم ہیں وہ اسمِ ظاہر کہلاتے ہیں۔ تو اسمِ ظاہر ضمیر کے مقابلے میں ہے، جو اسم ضمیر نہیں وہ کیا ہے؟ اسمِ ظاہر ہے۔ ساری دنیا کے اسم آپ اکٹھے کر لیں، اس میں سے یہ ستر ضمیریں نکال لو، باقی جتنے ہزاروں اسم ہیں وہ سارے کیا ہیں؟ اسمِ ظاہر ہیں۔ تو اسمِ ظاہر کس کے مقابلے میں ہے؟ اسمِ ضمیر کے مقابلے میں۔ تو فعل کا فاعل یا نائب فاعل ایک ہی آسکتا ہے، اگر ضمیر آگئی تو اسمِ ظاہر نہیں آسکتا، اور اگر اسمِ ظاہر آیا تو ضمیر نہیں آسکتی۔

اس پر آپ کہیں گے کہ ہم تو عبارتوں میں دیکھتے ہیں ایک فعل کے کئی فاعل آجاتے ہیں: «ضَرَبَ زَيْدٌ وَعَمْرٌو وَبَكْرٌ وَخَالِدٌ»۔ پٹائی کی زید نے اور عمرو نے اور بکر نے اور خالد نے۔ دیکھا یہ سارے فاعل ہیں، ان سب نے پٹائی کی ہے۔ نہیں بھئی، یہ معنی کے اعتبار سے بے شک فاعل ہیں لیکن لفظوں میں یہ فاعل نہیں کہیں گے ان کو۔ «ضَرَبَ زَيْدٌ»، «ضَرَبَ» فعل، «زَيْدٌ» مرفوع لفظاً اس کا فاعل۔ آگے «وَ» حرفِ عطف، اور «عَمْرٌو» یہ کیا ہے؟ معطوف بھئی، کیا ہے؟ معطوف۔ آگے «وَبَكْرٌ»، وہ «بَكْرٌ» بھی کیا ہے؟ معطوف۔ اور «خَالِدٌ» بھی کیا ہے؟ معطوف۔ اور معطوف پر وہی اعراب آتا ہے جو کس پر آتا ہے؟ معطوف علیہ پر، جیسے صفت پر وہی اعراب آتا ہے جو کس پر آتا ہے؟ موصوف پر۔ تو یہ سارے معطوف ہیں، فاعل یا نائب فاعل لفظوں کے اعتبار سے ایک ہی بنے گا بھئی۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو یہ اس پر معطوف ہیں۔ معنی

کے اعتبار سے یہ سب فاعل ہیں کیونکہ یہ سب اس فعل کو سرانجام دینے والے ہیں، کرنے والے ہیں۔

پھر میں نے آپ کو فعل کے جو چودہ صیغے ہیں ماضی اور مضارع، ان میں ضمیروں کی پہچان کروائی تھی۔ «ضَرَبَ» کے اندر کون سی ضمیر؟ «ہُوَ»۔ «ضَرَبَا» میں الف۔ «ضَرَبُوْا» میں واو۔ «ضَرَبَتْ» میں «ہِیَ»۔ تا کو فاعل نہ سمجھنا، یہ طلبہ اکثر غلطی کرتے ہیں: جس فعل کے آخر میں بھی کسی حرف کا اضافہ ہے وہ فاعل یا نائب فاعل ہے، فعلِ معروف ہے تو وہ فاعل، فعلِ مجہول ہے تو نائب فاعل۔ لیکن یہ تا جس کا اضافہ فعل کے آخر میں ہوتا ہے یہ ضمیر نہیں ہے، یہ تانیث کی علامت ہے، یہ تا صرف اتنا بتا رہی ہے کہ یہ فعل کرنے والی ذات مؤنث ہے، مذکر نہیں۔ تو «ضَرَبَتْ» کے اندر «ہِیَ» ضمیر ہے فاعل، اور یہ تا کیا ہے؟ تانیث کی علامت۔

«ضَرَبَتَا» اس میں الف ہے، تا وہی والی ہے تانیث والی، لیکن الف کیا ہے؟ ضمیر۔ کون سی ضمیر ہے الف؟ جو صیغہ ہو وہ بول دیا کریں: تثنیہ مؤنث غائب۔ اچھا، «ضَرَبْنَ» اس میں نون ہے۔ «ضَرَبْتَ» تا ضمیر۔ «ضَرَبْتُمَا» تما ضمیر۔ «ضَرَبْتُمْ» تم ضمیر۔ «ضَرَبْتِ» تا ضمیر۔ «ضَرَبْتِ» تا ضمیر، تی نہ کہنا بھئی۔ عموماً طلبہ «ضَرَبْتَ» میں کہتے ہیں تا ضمیر، «ضَرَبْتِ» میں کہتے ہیں تی ضمیر، «ضَرَبْتُ» میں کہتے ہیں تو ضمیر۔ نہیں بھئی، جو کلمہ ایک حرف پر مشتمل ہو، کلمہ کسے کہتے ہیں؟ بامعنی لفظ۔ ضمیروں کا کوئی معنی ہے یا نہیں؟ ضمیروں کا معنی ہے۔ ایک تو حروفِ تہجی پڑھے ہیں الف با تا ثا، ان کا تو کوئی معنی نہیں۔ لیکن یہ جو ضمیریں ہیں، «ضَرَبَا» یہ الف یہ ضمیر ہے یا نہیں؟ اور کون سی ضمیر ہے؟ تثنیہ مذکر غائب۔ «ضَرَبَا» تو اس کا کیا معنی؟ پٹائی کی ان دو مردوں نے، دیکھا یہ الف کا معنی ہے وہ دو مرد، تو یہ کلمہ ہیں۔ یہ کیا ہیں؟ کلمہ۔ معلوم ہوا یہ جو ضمیریں ہیں ان کا معنی ہے بھئی، یہ کلمہ ہیں، بامعنی لفظ ہیں، اور کتنے حروف پر مشتمل؟ ایک حرف پر۔ اور جب بھی کوئی کلمہ ایک حرف پر مشتمل ہو اور آپ نے اس کا نام لینا ہو تو وہ نام لیتے ہیں جو حروفِ تہجی میں اس کا نام تھا۔ یہ «ضَرَبَا»، یہ با کے بعد جو حرف ہے، اس کو حروفِ تہجی میں آپ کیا کہتے ہیں؟ الف، تو یوں کہیں گے «ضَرَبَا» اس کے اندر یہ الف کیا ہے؟ ضمیر۔ اسی طرح «ضَرَبْتَ» اس کے آخر میں بھی یہ ایک حرف ہے، اس کا نام لینا ہو تو کیا کہیں گے؟ تا، الف با تا، یہ تا ہے، یہ تا ضمیر ہے۔ «ضَرَبْتِ» میں بھی کیا ہے؟ تا ضمیر ہے۔ «ضَرَبْتُ» میں بھی کیا ہے؟ تا ضمیر ہے۔

پھر دہراؤ: «ضَرَبَ» کے اندر کون سی ضمیر؟ «ہُوَ»۔ «ضَرَبَا» میں الف، دیکھا آپ نے وہ ایک حرف ہے اس لیے آپ نے الف کہا۔ «ضَرَبُوْا» میں واو، دیکھا یہاں ایک حرف ہے تو آپ نے واو کہا۔ «ضَرَبَتْ» میں «ہِیَ» وہ اس کے اندر چھپی ہوئی ہے۔ «ضَرَبَتَا» میں الف۔ «ضَرَبْنَ» میں نون، دیکھا یہاں بھی ایک حرف ہے تو آپ نے اس کا وہ نام لیا جو حروفِ تہجی میں ہے، یہ حرف کیا کہلاتا ہے؟ نون، تو آپ نے کہا نون ضمیر ہے۔ «ضَرَبْتَ» میں تا، «ضَرَبْتُمَا» میں تما، «ضَرَبْتُمْ» میں تم، «ضَرَبْتِ» میں تا ضمیر، «ضَرَبْتُمَا» میں تما ضمیر، «ضَرَبْتُنَّ» میں... ہاں «ضَرَبْتُنَّ» میں؟ تُنَّ ضمیر۔ «ضَرَبْتُ» میں تا ضمیر۔ «ضَرَبْنَا» میں نا ضمیر۔ دیکھا جو دو دو حرف والے ہیں ان کا اسی طرح آپ نا کہہ دیتے ہیں، تما کہہ دیتے ہیں، لیکن جو ایک ایک حرف والے ہیں ان کا آپ وہ نام لیتے ہیں جو حروفِ تہجی میں ہے۔

یہ تو تھے فاعل، اگر یہ فعلِ مجہول ہوتا تو یہی نائب فاعل کہلاتے۔ «ضُرِبَ» میں «ہُوَ» ضمیر کیا ہے؟ نائب فاعل۔ «ضُرِبَا» میں الف کیا ہے؟ نائب فاعل۔ «ضُرِبُوْا» میں واو کیا ہے؟ نائب فاعل۔ اب فعلِ مضارع میں آجائیں۔ «یَضْرِبُ» کے اندر فاعل کیا؟ «ہُوَ»۔ «یَضْرِبَانِ» الف، اور نون کیا ہے؟ اعرابی۔ «یَضْرِبُوْنَ» میں واو ضمیر، اور نون کیا ہے؟ اعرابی۔ «تَضْرِبُ» «یِ» ضمیر۔ «تَضْرِبَانِ» الف ضمیر۔ «یَضْرِبْنَ» نون ضمیر۔ «تَضْرِبُ» «أَنْتَ» ضمیر۔ «تَضْرِبَانِ» الف ضمیر۔ «تَضْرِبُوْنَ» واو ضمیر۔ «تَضْرِبِیْنَ» یا ضمیر۔ «تَضْرِبَانِ» الف ضمیر۔ «تَضْرِبْنَ» نون ضمیر۔ «أَضْرِبُ» «أَنَا»، اور «نَضْرِبُ» «نَحْنُ»۔ یہ ہیں ضمیریں فاعل کی، اور اگر یہی فعلِ مجہول ہو تو یہی کیا کہلائیں گی؟ نائب فاعل۔ فاعل بھی مرفوع ہوتا ہے اور نائب فاعل بھی مرفوع۔

اور میں نے آپ کو بتایا تھا کہ یہ جو چودہ صیغے ہیں ماضی اور مضارع کے، ان میں سے صرف دو دو صیغے ہیں، یعنی پہلا اور چوتھا، چاہے ماضی میں ہو چاہے مضارع، پہلا اور چوتھا صیغہ، ان کا فاعل اسمِ ظاہر آسکتا ہے۔ باقی جو بارہ صیغے ہیں ان سب کے ساتھ ضمیریں جڑی ہوئی ہیں یا ان کے اندر ضمیریں چھپی ہوئی ہیں۔ تو صرف یہ پہلا اور چوتھا صیغہ ہے ان کا فاعل یا نائب فاعل اسمِ ظاہر آسکتا ہے اور کسی صیغے کا نہیں۔ اور پہلا صیغہ کون سا ہے؟ ماضی میں «ضَرَبَ» اور چوتھا «ضَرَبَتْ»۔ اسی طرح مضارع میں پہلا کیا «یَضْرِبُ» اور چوتھا کیا «تَضْرِبُ»۔ یہ جو دو دو صیغے ہیں ان کا فاعل اسمِ ظاہر آسکتا ہے۔ باقی بارہ صیغوں کا فاعل کیا ہو گا؟ ضمیر، جو لفظ کے ساتھ جڑی ہوئی ہو گی یا اس کے اندر چھپی ہوئی ہو گی۔ «أَضْرِبُ» اس کے ساتھ ضمیر جڑی ہوئی ہے یا اس کے اندر چھپی ہوئی ہے؟ جڑی ہے لیکن اندر چھپی ہوئی ہے، ظاہر نہیں ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو جڑی تو ہوئی ہے، جب اندر چھپی ہوئی ہے تو جڑی ہوئی ہے لیکن ظاہر نہیں، بارز نہیں ہے، مستتر ہے۔ بارز کا کیا معنی؟ ظاہر، مستتر کا کیا معنی؟ چھپی ہوئی۔

تو پہلا اور چوتھا صیغہ، صرف ان کے لیے فاعل اسمِ ظاہر آسکتا ہے اور کسی کے لیے فاعل اسمِ ظاہر نہیں آسکتا۔ لہٰذا آپ جملہ بناتے ہیں «ضَرَبَ زَیْدٌ»۔ «ضَرَبَ» یہ ان بارہ صیغوں میں سے ہے یا ان دو صیغوں میں سے ہے؟ دو صیغوں میں سے، یہ پہلا صیغہ ہے۔ اور اس کے لیے زید کو کیا بنانا چاہتے ہیں؟ فاعل۔ اور زید ضمیر ہے یا اسمِ ظاہر؟ اسمِ ظاہر۔ اور اسمِ ظاہر کے لیے کون سا فعل چاہیے؟ پہلا یا چوتھا، کسی اور فعل کے لیے یہ فاعل نہیں۔ اور ہم بھی پہلا لے آئے: «ضَرَبَ زَیْدٌ»۔ «ضَرَبَ» فعل، «زَیْدٌ» مرفوع لفظاً اس کا فاعل۔

اب میں لانا چاہتا ہوں «اَلزَّیْدَانِ»، وہ دو زید۔ اس کے لیے کیا فعل لے کر آؤں گا میں؟ جی؟ «اَلزَّیْدَانِ» کو میں فاعل... پہلے میں نے کس کو فاعل بنایا تھا؟ «زَیْدٌ» کو۔ اب میں کس کو بنانا چاہتا ہوں؟ «اَلزَّیْدَانِ»۔ تو فعل کیا لاؤں گا؟ جی، کیا لائیں گے؟ ہاں یہ «اَلزَّیْدَانِ» یہ اسمِ ظاہر ہے یا ضمیر ہے؟ اسمِ ظاہر ہے۔ اور اسمِ ظاہر صرف کتنے صیغوں کے لیے فاعل بن سکتا ہے؟ دو صیغے، پہلا اور چوتھا۔ اور آپ غور کر لیں پہلا صیغہ بھی مفرد کا ہے، واحد مذکر غائب، اور چوتھا صیغہ بھی مفرد کا ہے، واحد مؤنث غائب۔ توجہ ہے؟ اس سے پتہ چل گیا فاعل جب بھی اسمِ ظاہر ہو گا فعل کو ہمیشہ مفرد رکھیں گے۔

فاعل یا نائب فاعل جب بھی کیا ہو؟ اسمِ ظاہر ہو، فعل کو ہمیشہ کیا رکھیں گے؟ مفرد۔ اب مجھے بتائیے «اَلزَّیْدَانِ» اس کو میں فاعل بنانا چاہتا ہوں، ضمیر ہے یا اسمِ ظاہر ہے؟ اسمِ ظاہر، بے شک تثنیہ ہو جمع ہو اس کو نہیں دیکھنا، بس یہ دیکھو ضمیر ہے یا اسمِ ظاہر؟ اسمِ ظاہر۔ اور اسمِ ظاہر کو میں کیا بنانا چاہتا ہوں؟ فاعل۔ تو فعل کو ہمیشہ کیا رکھو؟ مفرد۔ اور فعل مفرد کون سا ہے؟ پہلا صیغہ «ضَرَبَ»۔ اگر مؤنث ہوتا تو کیا لاتے؟ «ضَرَبَتْ» لاتے۔ پھر سنو: «ضَرَبَ زَیْدٌ» اور «ضَرَبَ الزَّیْدَانِ»۔ میں جمع لانا چاہتا ہوں، «اَلزَّیْدُوْنَ» کو فاعل بنانا چاہتا ہوں۔ «اَلزَّیْدُوْنَ» مفرد ہے، تثنیہ ہے یا جمع؟ جمع، لیکن یہ نہیں دیکھنا آپ نے کہ تثنیہ ہے جمع ہے جو بھی ہے، یہ دیکھنا ہے ضمیر ہے یا اسمِ ظاہر ہے؟ اسمِ ظاہر۔ اسمِ ظاہر جب ہو فعل کو ہمیشہ کیا رکھتے ہیں؟ مفرد رکھتے ہیں۔ تو کیسے کہیں گے؟ «ضَرَبَ الزَّیْدُوْنَ»۔ ملا کر کیسے پڑھیں گے؟ «ضَرَبَ الزَّیْدُوْنَ»۔ طریقہ سمجھ میں آگیا؟ فاعل جب بھی کیا ہو؟ اسمِ ظاہر، فعل کو ہمیشہ کیا رکھتے ہیں؟ مفرد۔

اسی طرح «ہِنْدٌ»، ہند عورتوں کا نام تھا بھئی، قدیم عرب میں عام استعمال ہوتا تھا۔ اب میں کہنا چاہتا ہوں ہند نے پٹائی کی، کیسے کہوں گا؟ «ضَرَبَتْ ہِنْدٌ»۔ ہند مؤنث ہے نا تو فعل بھی کیا لائیں گے؟ مؤنث۔ اب میں کہنا چاہتا ہوں وہ دو جو ہند ہیں، «اَلْہِنْدَانِ»، اس کو فاعل بنانا چاہتا ہوں تو کیسے کہوں گا؟ جی؟ «ضَرَبَتْ» یا «ضَرَبَتَا»؟ «ضَرَبَتْ»۔ کیوں؟ کیونکہ «اَلْہِنْدَانِ» کیا ہے؟ اسمِ ظاہر۔ اور اسمِ ظاہر کو جب بھی فاعل بنانا ہو فعل کو کیا رکھتے ہیں؟ مفرد۔ اور وہ کون سا صیغہ ہے مؤنث والا؟ چوتھا۔ تو «ضَرَبَتِ الْہِنْدَانِ»، روانی سے پڑھو «ضَرَبَتِ الْہِنْدَانِ»۔ اب میں جمع لاتا ہوں «اَلْہِنْدَاتُ»، اس کو میں فاعل بنانا چاہتا ہوں، کیسے کہوں گا؟ «ضَرَبَتِ الْہِنْدَاتُ»۔ ملا کر پڑھیں «ضَرَبَتِ الْہِنْدَاتُ»۔ دیکھا فاعل چاہے مفرد ہو تثنیہ ہو جمع ہو آپ نے یہ نہیں دیکھنا، آپ نے کیا دیکھنا ہے یہ ضمیر ہے یا اسمِ ظاہر؟ اگر اسمِ ظاہر ہے تو فعل کو ہمیشہ مفرد رکھنا ہے یعنی پہلا یا چوتھا صیغہ، اور اگر مذکر ہے تو پہلا صیغہ لے آؤ، مؤنث ہے تو چوتھا صیغہ لے آؤ۔ طریقہ سمجھ میں آگیا اچھی طرح؟

آپ کا ایک ساتھی ترکیب کرتا ہے، جملہ بناتا ہے اور کہتا ہے «ضَرَبَا»، تثنیہ والا فعل لے آیا، «ضَرَبَا» تثنیہ والا فعل اور آگے کہتا ہے «اَلزَّیْدَانِ»۔ «ضَرَبَا الزَّیْدَانِ»۔ تو آپ کہتے ہیں بھئی «اَلزَّیْدَانِ» فاعل کو بنا رہے ہو تو «ضَرَبَا» نہ لاؤ بلکہ کیا لاؤ؟ «ضَرَبَ» لاؤ۔ وہ کہے گا نہیں بھئی فاعل تثنیہ ہے اس لیے فعل کو بھی کیا لائیں گے؟ تثنیہ۔ تو آپ کیا کہیں گے؟ «ضَرَبَا الزَّیْدَانِ» جی، آپ کے سامنے وہ ترکیب کرتا ہے، یہ جملہ بناتا ہے، آپ کیا کہیں گے اس کو؟ کہ فاعل یا نائب فاعل ایک آ سکتا ہے دو یا زیادہ نہیں۔ اگر «ضَرَبَا» لاؤ گے تو یہ الف کیا بنے گا؟ فاعل بنے گا، اب آگے «اَلزَّیْدَانِ» فاعل نہیں بن سکتا، کیونکہ فاعل یا نائب فاعل ایک آتا ہے، ضمیر بھی بن سکتی ہے اور اسمِ ظاہر بھی لیکن ایک آئے گا، اور «ضَرَبَا» کے اندر تو کون ہے؟ الف، لہٰذا اس کے لیے «اَلزَّیْدَانِ» فاعل نہیں بن سکتا۔ اسی طرح وہ کہتا ہے «ضَرَبُوا الزَّیْدُوْنَ» واو کے ساتھ، وہ کہتا ہے بھئی «اَلزَّیْدُوْنَ» جمع ہے لہٰذا میں فعل بھی کیا لاؤں گا؟ جمع۔ آپ کیا کہیں گے؟ کہ فعل کو ہمیشہ کیا رکھیں گے؟ مفرد، کیونکہ اگر آپ «ضَرَبُوْا» لائیں گے تو فاعل کون بن جائے گا؟ واو ضمیر بن جائے گی، آگے «اَلزَّیْدُوْنَ» فاعل نہیں

بن سکتا کیونکہ فاعل یا نائب فاعل ایک آتا ہے دو نہیں آتے۔ طریقہ سمجھ میں آگیا؟

تو لہٰذا پہلا یا چوتھا صیغہ عبارت میں آجائے، توجہ ہے؟ پہلا یا چوتھا صیغہ عبارت میں آجائے تو ان کا فاعل اسمِ ظاہر آ سکتا ہے، لہٰذا اگلے لفظوں میں غور کرو کوئی اسمِ ظاہر ان کے لیے فاعل یا نائب فاعل تو نہیں بن رہا؟ اگر آگے فاعل یا نائب فاعل مل جائے پھر اس کے اندر ضمیر نہ نکالو۔ توجہ ہے؟ پہلا یا چوتھا صیغہ شروع میں آگئے تو اب اگلے لفظوں میں کیا تلاش کرو؟ فاعل یا نائب فاعل، کیونکہ پہلے یا چوتھے صیغے کے لیے فاعل یا نائب فاعل اسمِ ظاہر آسکتا ہے اور کسی صیغے کے لیے نہیں۔ تو اگلے لفظوں میں تلاش کرو کہ کوئی فاعل یا نائب فاعل تو نہیں؟ اگر کوئی اسمِ ظاہر مل جائے تو اس پر کیا پڑھو؟ رفع، اور پھر فعل کے اندر ضمیر نہ نکالو کیونکہ فاعل یا نائب فاعل ایک آسکتا ہے دو یا زیادہ نہیں آسکتے۔ اور اگر پہلے یا چوتھے صیغے کے علاوہ کوئی اور صیغہ آجائے عبارت میں، تو پھر آگے اسمِ ظاہر کو تلاش کرنے کی ضرورت ہی نہیں ہے کہ کیا ہے اس کا فاعل یا نائب فاعل، کیونکہ باقی بارہ صیغوں میں انہی کے ساتھ جڑی ہوئی یا انہی کے اندر چھپی ہوئی کوئی ضمیر ہو گی، آگے اسمِ ظاہر اس کے لیے فاعل یا نائب فاعل نہیں۔ بات سمجھ میں آگئی؟ جی، اب کیجیے ترکیب بھئی۔ لکھیے بھئی۔

یہ چھوٹے چھوٹے چند ضابطے ہیں بس ان کو یاد کر لو، ان کا بار بار تکرار کرو آپ کے ذہن میں جم جائیں۔ یہ بنیاد ہیں ترکیب کی بھئی۔ دیکھو آسان باتیں ہیں لیکن بار بار میں تکرار کروا رہا ہوں، آپ نے خود بھی اس کو یاد کرنا ہے، جتنی باتیں میں نے لکھوائی ہیں شروع سے روز ان کو دیکھا کریں، جو ترکیبیں ہم کرتے ہیں پھر دوبارہ اس کو خود کیا کریں، بار بار اس کو دہرائیں بھئی۔

جی، «قَامَ زَيْدٌ»۔ چلیے بھئی ترکیب کیجیے بھئی۔ «قَامَ» فعل۔ «زَيْدٌ» مرفوع لفظاً فاعل۔ شاباش۔ جو بھی اسم آجائے اس کا اعراب ہم نے نکالنا ہے۔ تو «زَيْدٌ» مرفوع لفظاً فاعل۔ تین باتیں آپ نے کہیں، ان کا اب جواب دینا پڑے گا۔ جی، مرفوع کیوں کہا آپ نے زید کو؟ کیونکہ یہ فاعل ہے اور فاعل کیا ہوتا ہے؟ مرفوع۔ لفظاً کیوں کہا؟ کیونکہ اس کے رفع پر ہم تلفظ کر رہے ہیں۔ کر کے دکھاؤ: «زَيْدٌ»، نصب پر: «زَيْدًا»، جر پر: «زَيْدٍ»۔ شاباش۔ پھر آپ نے کہا یہ فاعل ہے، آپ کو کیسے پتہ چلا یہ فاعل ہے؟ آپ کہیں پہلا یا چوتھا صیغہ آیا ہے اور اس کے لیے اسمِ ظاہر فاعل بن سکتا ہے، تو زید کو اس کے لیے کیا بنا دیں گے؟ فاعل۔ جی، آگے سمیٹیے۔ ہاں فعل اپنے فاعل سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہوا۔ روانی سے پڑھ دو پورا جملہ: «قَامَ زَيْدٌ»۔ ترجمہ کرو: زید کھڑا ہے، یا زید کھڑا ہوا۔ بات سمجھ میں آگئی؟ زید کھڑا ہوا۔

اچھا آپ کا ایک ساتھی ہے وہ کہتا ہے بھئی «قَامَ» کے اندر آپ نے ضمیر کیوں نہیں نکالی بھئی؟ «قَامَ» کے اندر تو ضمیر ہے، ہم نے گردانوں میں پڑھا ہے «قَامَ قَامَا قَامُوْا»، «قَامَ» کے اندر کون سی ضمیر ہوتی ہے؟ «ہُوَ»، وہ آپ نے نہیں نکالی، آپ نے ترکیب غلط کی ہے۔ آپ کیا کہیں گے؟ ہاں، آپ کہیں گے کہ فاعل یا نائب فاعل ایک آسکتا ہے، ایک سے

زیادہ نہیں، آگے زید اگر فاعل ہے تو اس کے اندر ضمیر نہیں۔ اور اگر ضمیر کو فاعل بناتے ہو تو زید کو فاعل نہیں بنا سکتے۔

جی، اگلا جملہ لکھیے: «قَامَا الزَّيْدَانِ»۔ جی، کیجیے آپ ترکیب بھئی۔ «قَامَا» فعل، الف ضمیر... اعراب بولو: مرفوع محلاً اس کا فاعل۔ شاباش۔ الف ضمیر مرفوع محلاً اس کا فاعل، شاباش۔ مرفوع کیوں؟ فاعل ہے، شاباش۔ محلاً کیوں؟ ضمیر ہے، مبنی ہے، اور فاعل ہے، شاباش۔ آگے: «اَلزَّيْدَانِ»... جی: مفعول بہ۔ مفعول بہ؟ مفعول بہ! بھئی میں نے بتایا ایک فعلِ لازم ہوتا ہے، ایک فعلِ متعدی، «قَامَ» پہ ذرا غور کرو، بلکہ اس کا اردو میں ترجمہ کرو۔ «نے» لفظ آرہا ہے؟ نہیں، تو پھر تو یہ فعلِ متعدی نہیں ہے۔ زید کھڑا ہوا، کسی مفعول کی ضرورت ہے؟ نہیں۔ جی، آگے آپ بتائیے۔ «قَامَا» فعل، «اَلزَّيْدَانِ» مرفوع محلاً فاعل۔ ہاں بھئی آپ بتائیے، «اَلزَّيْدَانِ» فاعل بن سکتا ہے؟ نہیں، کیوں نہیں بن سکتا؟ کیونکہ یہ تثنیہ کا صیغہ ہے۔ شاباش، ہمارے پاس نحوی تیار ہو رہے ہیں آہستہ آہستہ، آپ کی غلطیاں نکالیں گے بھئی۔ جی، آپ بتائیے: جملہ یہ ٹھیک بھی ہو سکتا ہے، بھئی کئی کئی ترکیبیں ہوتی ہیں تو ابھی آپ وہاں تک نہیں پہنچے کہ یہ ترکیب یہ بھی ٹھیک ہو سکتی ہے، الف کو مبدل منہ بنا دو «اَلزَّيْدَانِ» کو اس سے بدل بنا دو، لیکن یہ ترکیب ابھی ہم نے نہیں کی، جو ضابطے کیے ہیں ہم اس کے مطابق کر رہے ہیں۔ بس آپ اتنا کہیں کہ «اَلزَّيْدَانِ» کو کیا بنانا چاہتے ہو؟ فاعل، تو «قَامَا» نہیں لا سکتے، تثنیہ نہیں لاؤ گے، جب فاعل اسمِ ظاہر ہو فعل کو ہمیشہ کیا لاتے ہیں؟ مفرد، تو کیا کہو؟ «قَامَ»، الف کو ختم کر دو، «قَامَ الزَّيْدَانِ»۔ «قَامَ» فعل، آگے «اَلزَّيْدَانِ» اعراب بولو: مرفوع لفظاً فاعل۔ دیکھا فاعل جب اسمِ ظاہر ہو فعل کو ہمیشہ کیا رکھنا ہے؟ مفرد رکھنا ہے۔ تو فعل اپنے فاعل سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہوا، روانی سے پڑھ دو اس کو: «قَامَ الزَّيْدَانِ»۔

آپ نے کیا کہا «اَلزَّيْدَانِ» مرفوع لفظاً ہے، «اَلزَّيْدَانِ»، میں تو نون کے نیچے زیر پڑھ رہا ہوں، یہ مرفوع کہاں سے ہو گیا؟ یہ اس کی حرکت ہے اعراب نہیں۔ اعراب کیا ہے؟ آپ نے کیا کہا مرفوع کون سا ہے؟ مرفوع لفظاً کہا۔ مرفوع کیوں کہا؟ فاعل ہے، شاباش۔ لفظاً کیوں کہا؟ اعراب پر ہم کیا کر رہے ہیں؟ تلفظ، یا یوں کہو رفع پر ہم کیا کر رہے ہیں؟ تلفظ۔ کر کے دکھاؤ: «زَيْدَانِ»، نصب پر تلفظ کرو، جی آپ؟ یہ کون سا مرفوع ہے؟ «اَلزَّيْدَانِ» مرفوع ہے کون سا مرفوع؟ لفظاً ہے، لفظاً کیوں؟ مرفوع ہے فاعل ہے، پھر انہوں نے کہا لفظاً، لفظاً کی وجہ بتاؤ؟ اس کے رفع پر ہم کیا کر رہے ہیں؟ تلفظ۔ کر کے دکھاؤ: «اَلزَّيْدَانِ»۔ اس کے نصب پر تلفظ کرو۔ ہاں بھئی، سب آپ نے پڑھا ہوا ہے بس مشق نہیں ہے دیکھو۔ جی بولیے: محلاً کیوں؟ علمائے نحو کا دوسرا قول آگیا بھئی۔ ہاں بھئی آپ بتائیے: مرفوع محلاً کیوں ہے وجہ بتاؤ بس؟ تقدیراً ہے۔ تقدیراً ہے، یہ کون سی قسم ہے سولہ قسموں میں سے؟ تثنیہ ہے، تثنیہ کا اعراب لفظاً ہوتا ہے تقدیراً ہوتا ہے؟ حالتِ رفعی میں کیسے پڑھتے ہیں؟ «زَيْدَانِ»، نصبی جری میں کیسے پڑھتے ہیں؟ «اَلزَّيْدَيْنِ»، «رَجُلَانِ» اور «رَجُلَيْنِ»۔ تثنیہ کا رفع کس کے ساتھ آتا ہے؟ الف، نصب اور جر یا۔ تو ہم الف پر تلفظ کر رہے ہیں یا نہیں کر رہے؟ کر رہے ہیں، تو یہ مرفوع ہے لفظاً۔ اگر یہ منصوب ہوتا تو کیسے پڑھتے؟ «اَلزَّيْدَيْنِ»۔ مجرور ہوتا تب بھی ہم کیسے پڑھتے؟ «اَلزَّيْدَيْنِ»۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو یہ جو نون

کے نیچے ہے یہ نون کی حرکت ہے یہ اعراب نہیں، تثنیہ کا اعراب الف اور یا کے ساتھ آتا ہے اور الف رفع کی حالت میں آتا ہے اور یا نصب اور جر کی حالت میں آتی ہے، اور اس وقت الف ہے تو یہ مرفوع ہے لفظاً، اس الف پر میں تلفظ کر رہا ہوں یا نہیں کر رہا؟ پڑھ رہا ہوں یا نہیں؟ «اَلرَّجُلَانِ»، دیکھو میں اس کو باقاعدہ پڑھ رہا ہوں۔ تو «قَامَ» فعل کو مفرد لائیں گے، «قَامَ» فعل، «اَلرَّجُلَانِ» مرفوع لفظاً فاعل، فعل اپنے فاعل سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہوا، روانی سے پڑھ دو: «قَامَ الزَّيْدَانِ»۔ ترجمہ کیجیے: وہ دو زید کھڑے ہوئے۔

یاد رکھو فعل کے اندر جو الف، واو اور یا...

آئیں وہ ضمیریں ہوتی ہیں۔ فعل کے اندر الف، واو اور یا آئیں یہ ضمیریں ہوتی ہیں۔ «ضَرَبَ ضَرَبَا» یہ الف کیا ہے؟ ضمیر۔ «ضَرَبَ ضَرَبُوْا» یہ واو کیا ہے؟ ضمیر۔ اور اسی طرح «يَضْرِبُ يَضْرِبَانِ يَضْرِبُوْنَ، تَضْرِبُ تَضْرِبَانِ يَضْرِبْنَ، تَضْرِبُ تَضْرِبَانِ تَضْرِبُوْنَ، تَضْرِبِيْنَ» اس کے اندر یہ یا کیا ہے؟ ضمیر ہے۔ توجہ ہے؟

لیکن یہ جو تثنیہ کے اندر الف اور یا آتے ہیں یا جمع کے اندر واو اور یا آتے ہیں، یہ ضمیریں نہیں ہیں، ضمیریں نہیں ہیں۔ «مُسْلِمٌ» کی تثنیہ کیا؟ «مُسْلِمَانِ»۔ جمع کیا؟ «مُسْلِمُوْنَ»۔ یہ جو الف اور واو ہیں یہ صرف تثنیہ اور جمع کی علامتیں ہیں، یہ ضمیریں نہیں۔ «رَجُلَانِ» کے اندر جو الف آیا یہ کیا ہے؟ تثنیہ کی علامت ہے، ضمیر نہیں۔ دلیل بھی یاد کر لو، دلیل یاد ہو گی تو آپ کو بھولے گا نہیں۔ «رَجُلَانِ»، نصبی جری میں کیسے پڑھتے ہیں؟ «رَجُلَيْنِ»، وہ الف کس سے بدل گیا؟ یا سے۔ اگر ضمیر ہوتی، ضمیر تو مبنی ہوتی ہے، وہ تو بدلتی نہیں ہے، اور یہ بدل رہا ہے، الف کس سے بدل رہا ہے؟ یا سے، تو معلوم ہوا یہ ضمیریں نہیں ہیں۔ «مُسْلِمُوْنَ» حالتِ نصبی جری میں لے جاؤ، «مُسْلِمِيْنَ»، وہ واو کس سے بدل گیا؟ یا سے، معلوم ہوا یہ ضمیریں نہیں ہیں۔ بات سمجھ میں آ گئی؟ تو معلوم ہوا فعل کے اندر الف، واو اور یا جو آتے ہیں وہ کیا ہوتی ہیں؟ ضمیریں۔ اور تثنیہ اور جمع کے اندر جو الف، واو اور یا آتے ہیں وہ تثنیہ اور جمع کی علامتیں ہوتی ہیں، ضمیریں نہیں۔

اگلا جملہ لکھیے: «سَمِعْتُ صَوْتٌ»۔ صَوْت صَاد کے ساتھ ہے، «سَمِعْتُ صَوْتٌ»۔ صَاد، وَاو، تَا، صَاد وَاو اور لمبی تَا ہے، «صَوْت»۔ صَاد کیسا لکھا ہے؟ ہاں اس نے صَاد کا دندانہ ڈالا ہے، شاباش۔ صَاد کا اپنا ایک دندانہ ہوتا ہے، میں نے بتایا ہے آپ کو، صَاد کا۔ تو صَاد کا ایک دندانہ ہوتا ہے، صَاد اور وَاو کے درمیان ایک دندانہ لکھا کریں۔ صَاد، ضَاد۔ کچھ طلبہ بے حساب دندانیں لکھتے ہیں، سِین کے دندانیں، سِین لکھنا پڑ جائے تو چار پانچ لکھ دیں گے، کوئی پروا ہی نہیں۔ سِین کے تین دندانیں ہوتے ہیں، گن کے لکھنے ہیں۔ باقی بَا، تَا، ثَا آئیں ان کا ایک دندانہ ہوتا ہے، زیادہ نہیں لکھنے۔ صَاد کا ایک دندانہ ہوتا ہے۔

اچھا جی، «سَمِعْتُ صَوْتٌ»۔ چلیے بھئی ترکیب کیجیے۔ صَوْت آواز کو کہتے ہیں۔ کیجیے ترکیب۔ «سَمِعْتُ» فعل، شاباش، آگے؟ تَا ضمیر، شاباش، فاعل۔ اعراب بولو، اعراب، اعراب سب سے ضروری ہے۔ «ہُوَ» ضمیر فاعل؟ جی، تَا ضمیر کیا

ہے؟ فاعل۔ اعراب بولو: تَا ضمیر مرفوع... ہاں مرفوع کون سا؟ مرفوع... نحوی بیٹھے ہوئے ہیں فوراً آپ کی غلطی نکالیں گے یہاں بھئی۔ محلاً۔ شاباش، تَا ضمیر مرفوع محلاً فاعل۔ محلاً کیسے بھئی؟ تَا پر تو باقاعدہ میں تلفظ کر رہا ہوں پیش پر، «سَمِعْتُ»، تو یہ مرفوع لفظاً ہے؟ مرفوع لفظاً ہے؟ جی آپ بتائیے؟ نہیں، محلاً۔ کیوں مرفوع، تَا پر میں پیش پڑھ رہا ہوں باقاعدہ؟ یہ ضمیر ہے۔ جی، ضمیر ہے، مبنی ہے، اور مبنی پر اعراب ہمیشہ محلاً آتا ہے، تو پھر یہ پیش کیوں پڑھ رہا ہوں میں؟ یہ حرکت ہے اعراب نہیں ہے۔ یاد رکھو جب بھی فعل کے ساتھ ضمیر جڑی ہوئی ہو یا فعل کے اندر ضمیر چھپی ہوئی ہو، تو پھر اس کو ذکر یوں کیا کرو: «سَمِعْتُ» فعل با فاعل۔ «سَمِعْتُ» فعل با فاعل، یعنی فعل فاعل کے ہمراہ، فعل فاعل کے ساتھ، یعنی فاعل بھی ساتھ ہی ہے۔ تو اس کو کیسے تعبیر کرو؟ فعل با فاعل، پھر اس کے بعد الگ سے بتایا بھی کرو کہ کیا چیز ہے فاعل، کون سی ضمیر ہے۔ پھر کرو ترکیب جلدی جلدی۔ «سَمِعْتُ» فعل با فاعل، جی اب فاعل بتاؤ: تَا ضمیر مرفوع محلاً فاعل۔ شاباش، آگے؟ «صَوْتٌ»۔ جی، مفعول۔ «صَوْتٌ» اعراب بولو: مرفوع لفظاً... ہاں شاباش جی؟ لفظاً، مرفوع لفظاً مفعول۔ مرفوع کیوں؟ مرفوع کیوں؟ ہاں بھئی مرفوع کیوں؟ «سَمِعْتُ» فعل، جی، «صَوْتٌ» فاعل۔ «صَوْتٌ» فاعل، شاباش۔ «صَوْتٌ» ضمیر ہے یا اسمِ ظاہر ہے؟ اسمِ ظاہر ہے۔ اسمِ ظاہر کتنے صیغوں کے لیے فاعل بن سکتا ہے؟ پہلا اور چوتھا۔ پہلا اور چوتھا۔ «سَمِعْتُ» پہلا صیغہ ہے؟ نہیں۔ چوتھا ہے؟ نہیں۔ تو پھر اس کے لیے معلوم ہوا «صَوْتٌ» فاعل بن ہی نہیں سکتا۔ ضابطے یاد رکھو، سمجھ میں آئی بات؟ کوئی مشکل نہیں، بس چند دن مشق اور پھر آپ دیکھیں گے عبارت خود حل کرتے ہیں۔ جی، پھر کیا کریں؟ نہیں نہیں، یہ تو جملہ فعلیہ چل رہا ہے، یہاں مبتدا خبر نہیں، جملہ اسمیہ ہوتا وہاں مبتدا خبر آتے ہیں، جملہ فعلیہ میں فعل کے بعد فاعل یا نائب فاعل آیا کرتے ہیں۔ ہاں بھئی آپ بتائیے، آپ۔ میں نے آپ کو بتایا تھا فعل صرف ایک اسم کو رفع دے سکتا ہے، باقی سارے کیا ہوں گے؟ منصوبات یا مجرورات۔ ایک سے زیادہ فاعل یا نائب فاعل آسکتے ہیں؟ نہیں۔ تو ایک فاعل یا نائب فاعل تو آگیا، «سَمِعْتُ» تَا کیا آگئی؟ فاعل۔ یہ «سَمِعْتُ» ان دو صیغوں میں سے ہے یا بارہ میں سے ہے؟ بارہ میں سے۔ جب بارہ میں سے ہے تو بارہ کے اندر آگے اسمِ ظاہر کوئی فاعل بن ہی نہیں سکتا، اسی کے ساتھ جڑی ہوئی یا اس کے اندر چھپی ہوئی ضمیر ہوگی، تو وہ انہوں نے بتلا دی کہ یہ تَا ضمیر کیا ہے؟ فاعل۔ جب ایک فاعل یا نائب فاعل آجائے آگے صرف یا منصوب آئیں گے یا مجرور آئیں گے۔ اور مجرور تو دو ہی ہیں جس پر یا تو حرفِ جر داخل ہو یا مضافٌ الیہ ہو، وہ بھی یہ نہیں ہے، تو پھر کیا رہ گیا؟ جی، منصوب، یہ کیا ہے؟ منصوب۔ تو آپ کہیں گے کہ یہ «صَوْتٌ» یہاں نہیں ہو سکتا۔ بھئی ترجمے پہ بھی غور کرو نا، ترجمے سے ترکیب سمجھ میں آجاتی ہے۔ «سَمِعْتُ» ترجمہ کرو: میں نے سنا۔ معلوم ہوا سننے والا میں ہوں، میں فاعل ہوں اس فعل کا۔ اور کس چیز کو سنا؟ آواز، وہ معلوم ہوا کیا ہے؟ مفعول ہے۔ «میں نے سنا»، دیکھو یہ «نے» ہی بتلا رہا ہے کہ یہ فعل کون سا ہے؟ متعدی، اس کے لیے مفعول آسکتا ہے۔

تو کیسے پڑھیں گے؟ «صَوْت» کا بتاؤ اب اعراب: منصوب لفظاً، جی، نصب کا تلفظ کرو اس پر: «صَوْتًا»۔ نصب کیا

ہے؟ «صَوْتًا»۔ رفع کا تلفظ کرو: «صَوْتٌ»۔ جر کا کرو: «صَوْتٍ»۔ دیکھا یہ میں تینوں اعراب آپ کو بتلا دیتا ہوں، یہ «صَوْت» کا لفظ دنیا کی کسی اور عبارت میں آجائے، معلوم ہوا اس پر تینوں طرح کے اعراب کون سے آتے ہیں؟ لفظی آتے ہیں، اگر وہ رفع والا مقام ہوا تو رفع لفظاً پڑھ دینا، نصب والا ہوا تو نصب لفظاً پڑھ دینا، جر والا ہوا تو جر لفظاً۔ یہاں کیا پڑھنا ہے؟ نصب، تو نصب پڑھو: «صَوْتًا»۔ تو یہ منصوب لفظاً مفعول بہ۔ اب سمیٹو بھئی: فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہوا۔ روانی سے اب پورے جملے کو پڑھ دو: «سَمِعْتُ صَوْتًا»۔ ترجمہ کرو: میں نے سنا، میں نے ایک آواز سنی، یا میں نے کوئی آواز سنی۔

آگے جملہ لکھیے بھئی: «سَمِعَ زَيْدٌ صَوْتٌ» («سَمِعَ زَيْدٌ صَوْتًا»)۔ صَاد، وَاو اور لمبی تَا ہے، «صَوْت»۔ «سَمِعَ زَيْدٌ صَوْت»۔ چلیے بھئی ترکیب کیجیے۔ «سَمِعَ» فعل، شاباش، «سَمِعَ» فعل۔ «زَيْدٌ» لفظوں سے ترجمے پہ غور کر لیا کرو، ترجمے سے ہی آپ کو آدھی ترکیب کا پتہ چل جائے گا، کبھی کبھار نہیں پتہ چلے گا، ترجمہ آپ سے ٹھیک نہیں ہو سکے گا لیکن اکثر ذرا سا غور کرنا ترجمے سے ہی آپ کو ترکیب کا پتہ چل جائے گا۔ «سَمِعَ» فعل، «زَيْدٌ» مرفوع لفظاً، شاباش، «زَيْدٌ» مرفوع لفظاً فاعل۔ مرفوع کیوں؟ کیونکہ فاعل ہے۔ لفظاً کیوں؟ اس کے رفع پر ہم تلفظ کر رہے ہیں۔ کر کے دکھاؤ: «زَيْدٌ»۔ نصب پر: «زَيْدًا»۔ جر پر: «زَيْدٍ»۔ فاعل بھئی، فاعل۔ ہاں بھئی، یہ زید «سَمِعَ» کے لیے فاعل بن سکتا ہے؟ جی۔ کیوں بن سکتا ہے؟ کیونکہ «سَمِعَ» فعل ہے، ہاں کیونکہ «سَمِعَ» پہلا اور چوتھا ان دو صیغوں میں سے ہے اور اس کے لیے اسمِ ظاہر فاعل آسکتا ہے، شاباش۔ آگے بھئی: «صَوْتًا» مفعول بہ، اعراب بولو: «صَوْتًا» منصوب لفظاً مفعول بہ۔ شاباش، دیکھو میں نے «صَوْت» لکھوایا تھا، انہوں نے عبارت کی بھی اصلاح کر لی، «صَوْتًا»۔ کیوں؟ کیونکہ فعل کے آنے کے بعد ایک ہی اسم مرفوع آسکتا ہے اور وہ فاعل یا نائب فاعل ہوتا ہے، فعلِ معروف ہو تو فاعل ہوتا ہے، فعلِ مجہول ہو تو نائب فاعل، باقی سارے کیا ہوتے ہیں؟ منصوب یا مجرور، تو لہٰذا آگے پھر مرفوع نہیں آسکتا، اور ترجمے پہ غور کیا اس سے ان کو اندازہ ہو گیا۔ تو «صَوْتًا» منصوب لفظاً مفعول بہ۔ منصوب کیوں؟ کیونکہ مفعول بہ ہے۔ لفظاً کیوں؟ اس کے نصب پر ہم تلفظ کر رہے ہیں۔ تلفظ کر کے دکھاؤ نصب پر: «صَوْتًا»، شاباش۔ جی، اب جوڑو سارے لفظوں کو: فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہوا۔ اب روانی سے پڑھ دو: «سَمِعَ زَيْدٌ صَوْتًا»۔ شاباش، دیکھا اس طرح عبارت حل ہوتی ہے: «سَمِعَ زَيْدٌ صَوْتًا»۔

اچھا، آگے لکھیے: «جَاءَ زَيْدٌ الْعَالِمُ»۔ «جَاءَ زَيْدٌ الْعَالِمُ»۔ چلیے بھئی ترکیب کیجیے آپ بھئی۔ «جَاءَ» کا ترجمہ آتا ہے؟ جی، کیا معنی؟ آنا، آیا، وہ آیا۔ جی، «جَاءَ» کیجیے ترکیب: «جَاءَ» فعل، «زَيْدٌ» مرفوع لفظاً فاعل۔ شاباش، «زَيْدٌ» مرفوع لفظاً فاعل۔ مرفوع کیوں؟ کیونکہ فاعل ہے۔ لفظاً کیوں؟ کیونکہ اس کے رفع پر ہم تلفظ کر رہے ہیں۔ کر کے دکھاؤ: «زَيْدٌ»، شاباش۔ اور فاعل۔ آگے: «الْعَالِمُ» جی، مرفوع لفظاً، جی، موصوف۔ مرفوع لفظاً صفت، شاباش۔ تو پھر یوں بتاؤ زید کے بارے میں: «زَيْدٌ» مرفوع لفظاً موصوف۔ مرفوع لفظاً موصوف۔ اچھا آپ کو کیسے پتہ چلا یہ موصوف ہے؟ یہ دونوں معرفہ ہیں۔ شاباش،

دو معرفہ اکٹھے آ گئے تو پھر عموماً پہلے کو کیا بناتے ہیں؟ موصوف، اور دوسرے کو کیا بناتے ہیں؟ صفت۔ تو ترجمہ بھی کرنا ہے، یہ نہیں کہ دو معرفہ آ جائیں تو آپ آنکھیں بند کر کے کیا بنا دو؟ موصوف۔ سمجھ میں آیا؟ ایک لفظ زید آ رہا ہو، ایک آگے ہاتھی کا ذکر آ رہا ہو، آپ کہیں زید ہاتھی ہے بھئی۔ نہیں بھئی، موصوف صفت بنا کے دیکھا کرو، یہ موصوف صفت بنتے بھی ہیں یا نہیں۔ «زَیْدٌ» اور «اَلْعَالِمُ»، موصوف صفت والا ترجمہ کرو: عالم... ہاں ایسا تو نکرہ میں کہتے ہیں: عالم زید، یا وہ زید جو عالم ہے۔ تو معرفہ والا ترجمہ، شاباش، تو یہ عالم زید ترجمہ درست ہوتا ہے۔ تو «زَیْدٌ» مرفوع لفظاً موصوف، اور «اَلْعَالِمُ» مرفوع لفظاً صفت۔ مرفوع کیوں؟ یہ صفت ہے اور موصوف صفت کا اعراب ایک ہوتا ہے۔ لفظاً کیوں؟ اس کے رفع پر ہم تلفظ کر رہے ہیں۔ تلفظ کر کے دکھاؤ رفع پر: «اَلْعَالِمُ»، شاباش۔ سمیٹیے، جوڑیے بھئی: موصوف اپنی صفت سے مل کر یہ «جَاءَ» کے لیے فاعل ہوا۔ شاباش، موصوف اپنی صفت سے مل کر فاعل، فعل اپنے فاعل سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہوا۔ اب روانی سے پڑھ دو اس کو: «جَاءَ زَیْدٌ الْعَالِمُ»۔ ہاں پھر، «جَاءَ زَیْدٌ الْعَالِمُ»۔ ہمزہ وصلی تو گر جائے گا، الف لام کا ہمزہ گر جاتا ہے، کیسے پڑھیں گے؟ «جَاءَ زَیْدُنِ الْعَالِمُ»۔ نحوی ہم تیار کر رہے ہیں، ان شاء اللہ آپ کی غلطیاں وہ نکالیں گے۔ «جَاءَ زَیْدُنِ الْعَالِمُ»۔ ترجمہ کرو: آیا میرے پاس وہ زید جو کہ عالم ہے؟ ہاں میرے پاس یہ کس کا ترجمہ کر رہے ہو؟ «جَاءَ زَیْدُنِ الْعَالِمُ»، آیا وہ زید جو کہ عالم ہے، شاباش، آیا وہ زید جو کہ عالم ہے، یا یوں کہو عالم زید آیا۔ عالم زید آیا، فعل کو آخر میں لے جاؤ۔

اگلا جملہ لکھیے بھئی: «اِشْتَرَیْتُ ہٰذَا الْبَیْتَ»۔ بَا، یَا اور لمبی تَا ہے، «اَلْبَیْتَ»۔ چلیے بھئی ترکیب کیجیے۔ «اِشْتَرَیْتُ» فعل، تَا ضمیر... محلاً فاعل۔ تَا ضمیر مرفوع محلاً فاعل۔ مرفوع کیوں؟ یہ فاعل ہے۔ محلاً کیوں؟ یہ ضمیر ہے، شاباش۔ اچھا میں نے آپ کو بتایا تھا جب بھی فعل کے ساتھ فاعل کی ضمیر جڑی ہوئی ہو یا اس کے اندر چھپی ہوئی ہو، تو اس کو کیسے تعبیر کرنا ہے؟ فعل با فاعل۔ تو یوں کہو: «اِشْتَرَیْتُ» فعل با فاعل، اور تَا ضمیر اس کے اندر مرفوع محلاً اس کا فاعل۔ پھر دہراؤ اس کو: «اِشْتَرَیْتُ» فعل با فاعل۔ فعل با فاعل، پھر دہراؤ، اونچا دہراؤ مجھے بھی آواز سنائی دے آپ کیا کہہ رہے ہیں: «اِشْتَرَیْتُ» فعل با فاعل، فعل بَا، بَا کے ساتھ الف بھی ہے، فعل با فاعل۔ شاباش۔ اب تَا ضمیر... پھر دوبارہ بتانے کی ضرورت نہیں ہے کہ یہ «اِشْتَرٰی» فعل ہے، بس صرف فاعل کا الگ بتاؤ۔ یوں کہو: «اِشْتَرَیْتُ» فعل با فاعل، اور اس کے اندر تَا ضمیر مرفوع محلاً اس کا فاعل۔ آگے بھئی: «ہٰذَا» اسمِ اشارہ؟ یہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ اسمِ اشارہ ہے، اعراب بتاؤ: مرفوع محلاً بتدا؟ بتدا؟ جملہ فعلیہ کی ترکیب کر رہے ہیں، بتدا کہاں سے آ گیا؟ وہ تو جملہ اسمیہ میں ہوتا ہے۔ جملہ اسمیہ میں بتدا اور خبر آتے ہیں، جملہ فعلیہ میں بتدا خبر نہیں آئیں گے، یہاں فاعل یا نائب فاعل آئے گا، مفعول آئے گا، مجرورات آئیں گے۔ «ہٰذَا» مضاف؟ اعراب... ترجمے پہ غور کرتے ہو کہ نہیں کرتے؟ ترجمے پہ غور کر لو، ترکیب آدھی وہیں حل ہو جاتی ہے۔ «ہٰذَا» مرفوع محلاً مضاف؟ مرفوع کیوں؟ یہ مضاف ہے۔ مرفوع کیوں؟ مضاف مرفوع ہوتا ہے؟ مضاف پر تو کوئی بھی عامل آئے گا اس کے مطابق اس پر اعراب آئے گا۔ ہاں بھئی آپ بتاؤ: «اِشْتَرَیْتُ» کا کیا معنی ہوتا ہے؟ میں نے خریدا۔ تو پھر،

پھر تو عبارت حل ہونی چاہیے۔ آپ بتائیے بھئی، «ہٰذَا»: «ہٰذَا» مرفوع محلاً۔ مرفوع کیوں؟ اسمِ اشارہ۔ اسمِ اشارہ ہوا تو کیا ہوا؟ اسمِ اشارہ تو منصوب بھی ہو سکتا ہے، مرفوع بھی ہو سکتا ہے، مجرور بھی، جیسا عامل آئے گا ویسے ہی ہو گا: «جَاءَ ہٰذَا»، «رَأَیْتُ ہٰذَا»، «مَرَرْتُ بِہٰذَا»۔ آپ بتائیے بھئی: منصوب محلاً۔ منصوب کیوں ہے؟ مفعول بنے گا۔ آپ کو میں نے ضابطہ بتایا ہے فعل کے آنے کے بعد صرف ایک مرفوع آتا ہے اور وہ کون ہے؟ فاعل یا نائب فاعل، وہ گزر گیا یا نہیں؟ آگے مرفوع آسکتا ہے؟ نہ، آگے کون آئیں گے؟ منصوب یا مجرور۔ اور مجرور تو دو ہی ہیں: ایک جس پر کیا داخل ہو؟ حرفِ جر، اس پر حرفِ جر داخل ہے؟ یا مضاف الیہ ہو، یہ مضاف الیہ ہے؟ اس سے پہلے کوئی مضاف بھی آیا ہے؟ نہیں ہے۔ تو یہ کیا ہے؟ منصوب۔ اور ترجمے پہ غور کر لو، ترجمہ نہیں سمجھ میں آرہا؟ کیا ترجمہ ہے «اِشْتَرَیْتُ ہٰذَا الْبَیْتَ»؟ میں نے خریدا یہ گھر، یا یہ کمرہ۔ تو فاعل خریدنے والا کون؟ متکلم۔ اور خریدا کس کو؟ اس کو، تو کیا بنے گا؟ مفعول۔ ترجمے سے ہی آدھا حل ہو جاتا ہے بھئی، ترجمے سے ساری ترکیب حل ہو جاتی ہے۔ جی کیجیے ترکیب بھئی: «اِشْتَرَیْتُ» فعل با فاعل، تَا ضمیر مرفوع محلاً فاعل۔ آگے: «ہٰذَا» منصوب محلاً موصوف۔ «ہٰذَا» منصوب، توجہ سے، «ہٰذَا» منصوب محلاً موصوف۔ منصوب کیوں؟ یہ مفعول بہ ہے۔ محلاً کیوں؟ یہ مبنی ہے، اسمِ اشارہ ہے۔ اور موصوف، آپ کو کیسے پتہ چلا یہ موصوف ہے؟ دو معرفہ یہ ہوئے۔ دو معرفہ اکٹھے آگئے، اسمِ اشارہ بھی معرفہ، آگے معرف باللام «اَلْبَیْتُ» بھی کیا ہے؟ معرفہ، دو معرفہ اکٹھے آجائیں تو پھر کیا بنتے ہیں آپس میں عموماً؟ موصوف صفت۔ آگے: «اَلْبَیْتَ» جی، منصوب لفظاً صفت۔ شاباش، «اَلْبَیْتَ» منصوب لفظاً صفت۔ منصوب کیوں؟ یہ صفت ہے اور موصوف صفت کا اعراب ایک ہوتا ہے۔ لفظاً کیوں؟ اس کے نصب پر ہم تلفظ کر رہے ہیں۔ کر کے دکھائیے: «اَلْبَیْتَ»۔ رفع پہ کرو: «اَلْبَیْتُ»۔ رفع پہ تلفظ کرو: «اَلْبَیْتُ»۔ اس کے جر پر تلفظ کرو: «اَلْبَیْتِ»، شاباش۔ تو یہ صفت، موصوف صفت مل کر مفعول بہ ہوا کس کے لیے؟ «اِشْتَرَیْتُ» فعل کے لیے۔ آگے سمیٹو: فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہوا۔ ترکیب سمجھ میں آرہی ہے؟ صفت کو ہم نے کس سے جوڑ دیا؟ موصوف سے، اور موصوف صفت مل کر کیا بن گئے؟ مفعول بن گئے، مفعول بہ، اور فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر کیا بنا؟ جملہ فعلیہ خبریہ ہوا۔ روانی سے پڑھو اس کو: «اِشْتَرَیْتُ ہٰذَا الْبَیْتَ»۔ ترجمہ کیجیے: میں نے خریدا یہ گھر، میں نے یہ گھر خریدا، شاباش، یا میں نے یہ کمرہ خریدا۔ بَیْت کمرے کو کہتے ہیں، بَاتَ یَبِیْتُ سے ہے، رات گزارنا، جہاں رات گزاری جاتی ہے، تو یہ کمرے کو کہتے ہیں۔

آگے جی، «رَأَیْتُ»، اگلا جملہ لکھیے بھئی: «رَأَیْتُ الْقَاضِیَ الْیَوْمَ»۔ «رَأَیْتُ الْقَاضِیَ الْیَوْمَ»۔ چلیے بھئی آپ ترکیب کیجیے۔ «رَأَیْتُ» فعل با فاعل، شاباش۔ جی، اب فاعل بھی بتاؤ اس میں: تَا ضمیر... اعراب پہلے بولو: تَا ضمیر مرفوع محلاً فاعل۔ شاباش، تَا ضمیر مرفوع محلاً فاعل۔ مرفوع کیوں؟ فاعل ہے۔ محلاً کیوں؟ مبنی ہے، ضمیر ہے، شاباش۔ آگے، ترجمے پہ غور کر لیا کرو بھئی، فوراً۔ «اَلْقَاضِیَ» موصوف؟ اعراب بولو، جو اسم آجائے اس کا اعراب نکالتے جاؤ بھئی، عبارت حل کر رہے ہیں

ہم۔ «اَلْقَاضِیَ» مرفوع لفظاً؟ شاباش، «اَلْقَاضِیَ» مرفوع لفظاً موصوف؟ توجہ ہے؟ «اَلْقَاضِیَ» مرفوع لفظاً موصوف؟ مرفوع کیوں؟ آپ بتائیے بھئی، مرفوع کیوں؟ موصوف مرفوع ہوتا ہے؟ مرفوع کیوں؟ جی، منصوب بھئی انہوں نے... منصوب، پھر بولو، اچھا تو منصوب ہے، منصوب کیوں؟ شاباش، یہ کیا بنے گا؟ مفعول بہ۔ میں نے بتایا تھا فعل کے آنے کے بعد صرف ایک اسم مرفوع آسکتا ہے ایک سے زیادہ نہیں، اور «رَأَیْتُ» میں تَا مرفوع آگئی یا نہیں؟ باقی سارے آگے کیا آئیں گے؟ منصوب یا مجرور، تو مجرور تو یہ ہے نہیں، تو لہٰذا یہ کیا ہوا؟ منصوب۔ اب کون سا منصوب ہے وہ آپ نے پہچاننا ہے۔ تو «اَلْقَاضِیَ» منصوب کون سا منصوب؟ تقدیراً؟ شاباش، تقدیراً کیوں بھئی؟ سولہ قسموں میں سے یہ کون سی قسم ہے؟ اسمِ منقوص ہے، جس کے آخر میں یا ہو اور یا سے ماقبل کسرہ ہو۔ اس کا اعراب کیا ہوتا ہے؟ اس کا رفع تقدیراً، اور نصب لفظاً ہوتا ہے، اور جر بھی تقدیراً ہوتا ہے۔ رفع بھی... بھئی آپ خود غور کر لو آپ تو صرفی ہیں بھئی، «قَاضِی» اگر یا پر ضمہ پڑھیں تو ضمہ بھی ثقیل، یا پر کسرہ بھی ثقیل، لیکن یا پر کبھی آپ نے پڑھا ہے فتحہ ثقیل ہے؟ نہیں۔ تو فتحہ آسکتا ہے یعنی نصب آسکتا ہے، رفع اور جر نہیں آسکتا وہ تقدیری ہے۔ تو یہاں پر یہ منصوب ہے تو کون سا منصوب ہو گا؟ لفظاً ہو گا، شاباش۔ تلفظ بھی کر کے دکھاؤ: «رَأَیْتُ الْقَاضِیَ»۔ «اَلْقَاضِیَ»، دیکھا منصوب لفظاً ہے۔ جی، منصوب لفظاً۔ اور کیا بنا؟ آپ نے کیا کہا موصوف، آپ کو کیسے پتہ چلا یہ موصوف ہے؟ دو اسم ہیں دونوں پر الف لام ہے، دو معرفہ آگئے لہٰذا پہلے کو کیا بناؤ موصوف، بعد والے کو کیا بناؤ صفت۔ میں نے بتایا تھا آپ نے آنکھیں بند کر کے موصوف صفت نہیں بنانا، دو معرفہ آجائیں اب آپ نے ہر حال میں موصوف صفت بنانا ہے؟ نہیں بھئی، معنی میں بھی غور کرو۔ آگے لفظ آرہا ہے «اَلْیَوْمَ»۔ یوم کا معنی ہے دن، الیوم کا معنی ہے آج۔ یوم پر جب الف لام داخل ہو جائے اس کا کیا معنی ہوتا ہے؟ آج۔ آج۔ الیوم، وہ دن نہیں وہ دن الف لام کے ذریعے آپ اشارہ کریں مخصوص دن کی طرف، وہ بعض جگہ وہ بھی استعمال ہو گا، بات سمجھ میں آگئی؟ لیکن الیوم عربی میں عام آئے تو کس معنی میں ہوتا ہے؟ آج۔ اور مجھے بتائیے قاضی ایک ذات کا نام اور الیوم کس کا نام؟ زمانے کا نام۔ تو یہ اس کی صفت نہیں بن سکتا، ایسا قاضی جو آج ہے، وہ قاضی جو آج، یہ آج اس کی صفت بن جائے، نہیں بھئی۔ تو یاد رکھو جس لفظ میں زمانے یا جگہ والا معنی پایا جائے وہ ظرف بنتا ہے، مفعول فیہ بنتا ہے۔ جس لفظ میں زمانے یا جگہ والا معنی پایا جائے تو وہ کیا بنتا ہے؟ ظرف بنتا ہے، مفعول فیہ بنتا ہے۔ تو «اَلْقَاضِیَ» بنا مفعول بہ، اور یہ کیا بنے گا؟ مفعول فیہ۔ مفعول بہ بھی منصوب ہوتا ہے اور مفعول فیہ بھی منصوب ہوتا ہے۔ جی، اب کیجیے ترکیب بھئی۔ «اَلْقَاضِیَ» منصوب لفظاً مفعول بہ، اور آگے «اَلْیَوْمَ» منصوب، شاباش، لفظاً، جی، مفعول فیہ، شاباش۔ «اَلْیَوْمَ» منصوب لفظاً مفعول فیہ، مفعول فیہ۔ منصوب کیوں؟ کیونکہ یہ مفعول فیہ ہے۔ لفظاً کیوں؟ اس کے نصب پر ہم کیا کر رہے ہیں؟ تلفظ، تلفظ کر کے دکھائیں: «اَلْیَوْمَ»۔ رفع پر کرو: «اَلْیَوْمُ»۔ جر پہ کرو: «اَلْیَوْمِ»۔ اس پر تینوں طرح کے اعراب آسکتے ہیں لیکن یہ مفعول فیہ بنتا ہے، یہ کیا بنتا ہے؟ مفعول فیہ، تو لہٰذا اس پر کیا پڑھتے ہیں؟ نصب۔ بات سمجھ میں آگئی؟ ہاں جہاں رفع کے مقام میں آئے یا

جر کے مقام میں تو ویسا ہی اعراب آئے گا۔ جی، اب سمیٹو سب کو بھئی: فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ اور مفعول فیہ سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہوا۔ اب سب کو روانی سے پڑھ دو پورے جملے کو: «رَأَيْتُ الْقَاضِيَ الْيَوْمَ»، شاباش، «رَأَيْتُ الْقَاضِيَ الْيَوْمَ»۔ ترجمہ کیجیے، کیا مشکل ہے کیا سوچ رہے ہیں جلدی کر دیں۔ «رَأَيْتُ» کا کیا ترجمہ؟ میں نے دیکھا، پھر کیا سوچ رہے ہو؟ میں نے دیکھا قاضی کو، الیوم آج، آج میں نے آج قاضی کو دیکھا۔ بلکہ «اَلْقَاضِيَ» ہے کیا معنی؟ القاضی، کیا ترجمہ ہو گا؟ ہاں وہ قاضی یا اس قاضی، موقع کے مطابق جو اچھا ترجمہ ہو: میں نے آج اس قاضی کو دیکھا، یا میں نے آج وہ قاضی دیکھا، کوئی متعین قاضی ہے بھئی۔ بات سمجھ میں آگئی؟

چلو ایک ترکیب اور کر لیجیے: «بَاعَ زَيْدٌ غُلَامِيْ»۔ بَا، الف، عَین، «بَاعَ»، زَیْد، زا یا دال زید، «بَاعَ زَيْدٌ غُلَامِيْ»۔ بَاعَ يَبِيْعُ کا کیا معنی ہوتا ہے؟ بیچنا، جی۔ ترکیب تبھی آپ کر سکیں گے جب آپ کو ایک ایک لفظ کا معنی آتا ہو، اگر کسی لفظ کا معنی نہیں آتا تو پھر کیسے ترکیب آپ کریں گے بھئی؟ بعض اوقات ایک آدھ لفظ کا معنی نہ آئے باقی اکثر لفظوں کا آتا ہو تو بھی ترکیب کچھ نہ کچھ حل ہو جاتی ہے، لیکن معنی ضروری ہے پھر ہی آپ کو پوری ترکیب سمجھ میں آئے گی اور پھر پورا معنی بھی سمجھ میں آئے گا۔ جی کیجیے ترکیب بھئی: «بَاعَ» فعل، «زَيْدٌ» مرفوع لفظاً فاعل، پھر بولو «زَيْدٌ» مرفوع لفظاً فاعل۔ مرفوع کیوں؟ کیونکہ فاعل ہے۔ لفظاً کیوں؟ اس کے رفع پر ہم تلفظ کر رہے ہیں، شاباش۔ آگے: «غُلَامِيْ» مضاف، اعراب بولو: مرفوع لفظاً مضاف، شاباش۔ «غُلَام» مرفوع لفظاً مضاف؟ مرفوع کیوں؟ کیونکہ مضاف ہے؟ مضاف مرفوع ہوتا ہے؟ مضاف پر تو کوئی بھی اعراب آسکتا ہے۔ منصوب ہے، منصوب کیوں ہے؟ شاباش، یہ کیا ہے؟ مفعول بہ، فعل کے آنے کے بعد ایک فاعل آسکتا ہے ایک مرفوع، زیادہ مرفوع نہیں آسکتے۔ «غُلَام» اعراب بولو: منصوب لفظاً مضاف، منصوب لفظاً مضاف۔ منصوب کیوں؟ کیونکہ مفعول بہ ہے۔ لفظاً کیوں؟ اس کے نصب پر تلفظ کرو: «غُلَام»... ہاں اضافت کے ساتھ ملا کر پڑھو، اضافت سے کاٹ کے پڑھو گے؟ «غُلَامَ»؟ یا کے ساتھ ملا کر پڑھو: «غُلَامِيْ»۔ ہاں کدھر ہے نصب؟ اس کا اعراب تقدیری ہے، شاباش۔ آپ کو میں نے بتایا تھا یہ قسم اکثر طلبہ پریشان ہوتے ہیں، اس کو ذہن میں جما لو بٹھا لو بھئی۔ جو بھی اسم علاوہ جمع مذکر سالم کے جب مضاف ہو کس کی طرف؟ یائے متکلم کی طرف، اس پر تینوں طرح کے اعراب کیسے آتے ہیں؟ تقدیری آتے ہیں۔ تو یہ «غُلَام» کیا ہے؟ «غُلَامِيْ» میں «غُلَام» منصوب تقدیراً مضاف۔ آپ کو کیسے پتہ چلا یہ مضاف ہے؟ اس کے بعد مجرور... آپ کو کیسے پتہ چلا یہ مضاف ہے؟ کل میں نے ضابطہ لکھوایا تھا، جس اسم کے ساتھ بھی ضمیرِ متصل آجائے وہ آپس میں کیا بنتے ہیں؟ مضاف مضاف الیہ۔ تو «غُلَام» کے ساتھ یا ضمیر آرہی ہے متصل، تو یہ کیا بنیں گے؟ مضاف مضاف الیہ۔ تو «غُلَام» منصوب تقدیراً مضاف۔ آگے: یا ضمیر مجرور محلاً مضاف الیہ، شاباش۔ یا ضمیر مجرور محلاً مضاف الیہ، دیکھا سب آپ کو آتا ہے صرف مشق نہیں ہے۔ تو مجرور محلاً مضاف الیہ۔ مجرور کیوں؟ کیونکہ مضاف الیہ ہے۔ محلاً کیوں؟ کیونکہ مبنی ہے، ضمیر ہے، مضاف الیہ۔ اب سمیٹو: مضاف اپنے مضاف الیہ سے مل

کر مفعول بہ ہوا فعل کے لیے۔ اب باقی کو سمیٹو: فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہوا، شاباش۔ فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہوا۔ اب سب ایک ایک لفظ کا اعراب پتہ چل گیا، اب اس کو روانی سے پڑھ دو پورے جملے کو: «بَاعَ زَيْدٌ غُلَامِيْ»۔ جی، ترجمہ کیجیے: زید نے بیچا میرے غلام کو۔ شاباش، زید نے میرا غلام بیچا، یا زید نے میرے غلام کو بیچا۔ بات سمجھ میں آگئی؟ اچھی طرح؟

تو حاصل کیا، آج ضابطے آپ نے پڑھے وہ پھر دہرا لیں: ہر فعل کے لیے ہمیشہ کیا چاہیے؟ فاعل یا نائب فاعل۔ فعلِ معروف ہو تو کیا چاہیے؟ فاعل۔ فعلِ مجہول ہو تو کیا چاہیے؟ نائب فاعل۔ اور فعل کے آنے کے بعد ایک ہی مرفوع آسکتا ہے، اور وہ اس فعل کا فاعل ہو گا یا نائب فاعل، باقی سارے کیا ہوں گے؟ منصوبات یا مجرورات، اور مجرورات تو دو ہی ہیں: ایک جس پر کیا داخل ہو؟ حرفِ جر، اور دوسرا مضافٌ الیہ بھئی۔ اور فعل جو ہے، فعل کا فاعل یا نائب فاعل ایک آئے گا، اور فعل کا فاعل یا نائب فاعل ہمیشہ فعل کے بعد آئے گا، کبھی بھی فعل پر مقدم نہیں ہو سکتا۔ اور فعل کا فاعل یا نائب فاعل ضمیر بھی آسکتی ہے اور اسمِ ظاہر بھی آسکتا ہے۔ اسمِ ظاہر کسے کہتے ہیں؟ جو اسم تو ہو لیکن ضمیر نہ ہو، وہ کیا ہے؟ اسمِ ظاہر ہے۔ اور تو فعل کا فاعل ضمیر بھی آسکتی ہے اور اسمِ ظاہر بھی، لیکن آئے گا ایک ہی۔ اگر ضمیر فاعل آگئی یا نائب فاعل تو اسمِ ظاہر نہیں آسکتا، اور اگر اسمِ ظاہر آگیا تو ضمیر نہیں آسکتی۔ اور اسمِ ظاہر کتنے صیغوں کے لیے فاعل آ سکتا ہے؟ دو صیغے، کون سا؟ پہلا اور چوتھا، اور کسی صیغے کے لیے اسمِ ظاہر فاعل نہیں بن سکتا۔ لہٰذا جب بھی فعل آئے پہلے یہ غور کر لیا کرو کہ یہ ان دو صیغوں میں سے ہے یا باقی بارہ میں سے ہے؟ اگر دو میں سے ہو تو پھر آگے تلاش کرو کوئی اسمِ ظاہر فاعل تو نہیں بن رہا؟ اگر آگے کوئی اسمِ ظاہر فاعل بنے تو اس کو فاعل بنا دو یا نائب فاعل بنا دو، ورنہ اسی کے اندر پھر کیا نکال لو؟ ضمیر نکال لو۔ جبکہ باقی بارہ صیغے جب آجائیں تو پھر انہی کے ساتھ جڑی ہوئی یا انہی کے اندر چھپی ہوئی کوئی ضمیر فاعل یا نائب فاعل ہو گی، آگے اسمِ ظاہر کبھی بھی فاعل یا نائب فاعل نہیں آسکتا۔ اور فعل کے آنے کے بعد ایک ہی اسم مرفوع آئے گا وہ جو فاعل یا نائب فاعل ہو گا، وہ اگر ضمیر آگئی یا اسمِ ظاہر آگیا تو باقی سارے کیا ہوں گے؟ منصوب یا مجرور ہوں گے بھئی۔

اور پھر میں نے آپ کو یہ بھی بتایا کہ جب ترکیب کرو تو ترجمے کے اندر غور کرو بھئی، کس کے اندر؟ ترجمے کے اندر غور کرو۔ ترجمہ آپ کو سمجھ آگیا تو ترکیب آپ کو سمجھ میں آگئی۔ دیکھو «بَاعَ زَيْدٌ غُلَامِيْ»، اعراب ابھی نہیں نکالا لیکن ترجمے سے آپ کو کیا پتہ چل رہا ہے؟ بیچا کس نے؟ زید نے، کس کو؟ میرے غلام کو۔ ویسے ہی ترجمے پہ غور کر لیا کرو۔ اس کا برعکس نہیں ہو سکتا، میرے غلام نے کس کو بیچ دیا زید کو؟ نہیں، بلکہ کس نے؟ زید نے بیچا، معلوم ہوا زید فاعل ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ اچھی طرح؟ چلیے بس بھئی۔ ہٰذَا هُوَ الْمَرَامُ، وَاللّٰهُ أَعْلَمُ بِحَقِيْقَةِ الْكَلَامِ۔

سبق نمبر۷: تراکیبِ نحویہ (٦): فاعل، نائبِ فاعل اور مفعول کی پہچان

تراکیبِ نحویہ (ابتدائی مشق) — بتاریخ: ١٦ جون ٢٠٢١ء

▪ تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث

گزشتہ سبق میں ہم جملہ فعلیہ کی ترکیب کر رہے تھے۔ آپ نے پڑھا کہ ہر فعل کے لیے فاعل یا نائب فاعل ضرور چاہیے۔ ایسا کبھی نہیں ہو سکتا کہ فعل تو آجائے اور آگے فاعل یا نائب فاعل نہ آئے۔ فعل جب بھی آئے آپ نے اس کے لیے فاعل یا نائب فاعل تلاش کرنا ہے۔ فعلِ معروف جو ہے وہ فاعل کا تقاضا کرتا ہے، اور فعلِ مجہول نائب فاعل کا تقاضا کرتا ہے۔ اور فاعل یا نائب فاعل ضمیر بھی آسکتی ہے اور اسمِ ظاہر بھی۔ لیکن آئے گا ایک ہی۔ اگر اسمِ ظاہر فاعل یا نائب فاعل آگیا تو ضمیر نہیں آسکتی۔ اور اگر ضمیر آگئی تو اسمِ ظاہر جو ہے وہ فاعل یا نائب فاعل نہیں بن سکتا۔

دوسرے لفظوں میں یوں کہو: فعل جب بھی آتا ہے وہ تقاضا کرتا ہے کہ کسی ایک اسم کو رفع دے دیں۔ فعل جب بھی کلام میں آتا ہے وہ کیا تقاضا کرتا ہے؟ کسی ایک اسم کو رفع دے دے۔ جس اسم کو وہ رفع دیتا ہے وہ اگر فعلِ معروف ہے تو وہ اس کا فاعل کہلاتا ہے، اور اگر وہ فعلِ مجہول ہے تو وہ اس کا نائب فاعل کہلاتا ہے۔ تو فعل کا فاعل یا نائب فاعل ضمیر بھی آسکتی ہے اور اسمِ ظاہر بھی۔ اب اسمِ ظاہر کتنے صیغوں کے لیے فاعل آسکتا ہے؟ میں نے آپ کو بتلایا تھا کہ پہلا اور چوتھا صیغہ، یعنی واحد مذکر غائب اور واحد مؤنث غائب، یہ دو صیغے ہیں ان کے لیے فاعل اسمِ ظاہر آسکتا ہے۔ باقی جتنے صیغے ہیں بارہ، ان میں فاعل یا نائب فاعل ہمیشہ ان کے ساتھ ضمیر جڑی ہوئی ہو گی یا ان کے اندر چھپی ہوئی ہو گی۔ یعنی ضمیرِ متصل ہو گی، البتہ کبھی وہ بارز ہو گی اور کبھی مستتر ہو گی۔

تو کیا کبھی ایسا ہو سکتا ہے فعل آجائے اور فاعل یا نائب فاعل نہ آئے؟ نہیں۔ فعل کے آنے کے بعد آپ نے ہمیشہ کس کو تلاش کرنا ہے؟ فاعل یا نائب فاعل۔ فعلِ معروف کے لیے فاعل، فعلِ مجہول کے لیے نائب فاعل بھئی۔ اور فاعل یا نائب فاعل ہمیشہ فعل کے بعد آئے گا، کبھی بھی فعل پر مقدم نہیں ہو سکتا۔ «ضَرَبَ زَيْدٌ»، «ضَرَبَ» پہلے ہے اور «زَيْدٌ»

بعد میں، لہٰذا زید کو فاعل بنا سکتے ہیں۔ لیکن اگر یہی زید مقدم ہو جائے «ضَرَبَ» پر، اب «زَيْدٌ ضَرَبَ»، اس میں زید جو ہے وہ «ضَرَبَ» کے لیے فاعل نہیں بن سکتا۔ کیوں نہیں بن سکتا؟ کیونکہ یہ فعل پر مقدم ہے اور فاعل یا نائب فاعل کبھی بھی فعل پر مقدم نہیں ہوتا۔

اور میں نے آپ کو پھر یہ بھی بتلایا تھا کہ یہ جو دو صیغے ہیں پہلا یا چوتھا، اگر یہ کلام کے اندر آجائیں، توجہ ہے؟ یہ دو صیغے ہیں پہلا اور چوتھا، اگر یہ کلام کے اندر آجائیں تو آگے دیکھو کوئی اسمِ ظاہر تو ان کے لیے فاعل نہیں بن رہا؟ اگر اسمِ ظاہر بنے تو اس کو فاعل بنا دو، اور پھر ان کے اندر ضمیر نہیں نکالنی کیونکہ فاعل یا نائب فاعل ایک ہی آتا ہے، دو نہیں آتے۔ اور اگر آگے اسمِ ظاہر نہ ملے پھر انہی کے اندر ضمیر نکال لو۔ اور اگر ان کے علاوہ کوئی صیغہ آجائے کلام کے اندر تو پھر آگے اسمِ ظاہر تلاش کرنے کی ضرورت ہی نہیں، کیونکہ باقی بارہ صیغوں کے ساتھ ضمیر ہوتی ہے ان کے لیے اسمِ ظاہر فاعل یا نائب فاعل نہیں بن سکتا، پھر اسی کے ساتھ ضمیر کو فاعل یا نائب فاعل بناؤ۔

اور یہ بھی میں نے آپ کو بتایا کہ فعل کے آنے کے بعد جملے میں صرف ایک مرفوع آئے گا، اور وہ کیا ہے؟ فاعل یا نائب فاعل۔ باقی جتنے ہوں گے وہ منصوب ہوں گے یا مجرور۔ اور مجرور تو دو ہی ہیں: ایک جس پر حرفِ جر داخل ہو، اور دوسرا مضافٌ الیہ۔ تو باقی پھر ان میں آپ دیکھ لیں گے مجرور کون سے ہیں، اور باقی سارے کیا رہ جائیں گے؟ منصوب۔ پھر وہ منصوبات آپ نے پہچاننے ہیں کہ کون سا لفظ کس وجہ سے منصوب ہے؟ کوئی مفعول بہ بنے گا، کوئی مفعول فیہ بنے گا، کوئی مفعول معہ بنے گا، کوئی حال بنے گا، کوئی تمییز بنے گا، وہ پھر آپ نے خود غور کرنا ہے۔

اب یہاں دو تین ضابطے مزید لکھ لیں بھئی۔ دو تین ضابطے لکھ لیں۔ ابتدا کی خبر کبھی کبھار جملہ بھی آتی ہے۔ وہ چاہے جملہ اسمیہ ہو چاہے جملہ فعلیہ۔ اور جملے کے اندر بات پوری ہوتی ہے، وہ کسی سے جڑنے کا محتاج نہیں۔ لہٰذا جب خبر پورا جملہ ہو تو اس کو ابتدا سے جوڑنے کے لیے ربط چاہیے۔ ربط عموماً غائب کی ضمیر کے ذریعے دیا جاتا ہے، جسے عائد کہتے ہیں، عین الف اور دندانہ ملا کر دال کے ساتھ لکھیں اور اوپر ہمزہ لکھ دیں: «عائد»۔ عین الف ہمزہ دال، عائد، البتہ ہمزہ کو دال کے ساتھ ملا کر دندانوں کی شکل میں لکھنا ہے اور اس دندان کے اوپر ہمزہ ڈالنا ہے۔ اسی طرح جملہ کبھی صفت بنتا ہے، کبھی حال بنتا ہے، اور کبھی صلہ بنتا ہے۔ بہرحال جملے کو جس چیز سے بھی جوڑا جائے ربط ضروری ہے۔

ضابطہ نمبر دو: جس طرح فعل کے لیے فاعل یا نائب فاعل کا ہونا ضروری ہے، اسی طرح صفت کے صیغے، یعنی اسمِ فاعل، اسمِ مفعول، صفتِ مشبہ، اسمِ تفضیل، اور مبالغے کے صیغے وغیرہ، ان کے لیے بھی فاعل یا نائب فاعل ضرور چاہیے۔ باقیوں کے لیے فاعل اور اسمِ مفعول کے لیے نائب فاعل چاہیے۔ اور یہ صفت کے صیغے اپنے فاعل یا نائب فاعل سے مل کر شبہِ جملہ کہلاتے ہیں، شین با ہا، شبہِ جملہ۔ اور جیسے جملے کو جوڑنے کے لیے ربط ضروری، اسی طرح شبہِ جملہ کو

جوڑنے کے لیے بھی ربط ضروری ہے۔

لکھ لیا؟ چلیے بس یہ ضروری باتیں لکھ لیں، کچھ باتیں تفصیل میں بیان کروں گا اس میں آجائیں گی۔

بھئی دیکھیے، ابھی تک آپ نے جو ترکیبیں کیں جملہ اسمیہ اور جملہ فعلیہ کی بھئی، اس میں جو جملہ اسمیہ تھا اس کی خبر مفرد ہوتی تھی: «زَيْدٌ رَجُلٌ»، «هٰذَا كِتَابٌ»۔ اب ایسے جملہ اسمیہ کی ترکیب کریں گے جس کی خبر جملہ ہو گی۔ بتدا آئے گا، توجہ ہے؟ اور آگے پھر پورا جملہ اسمیہ دوبارہ آئے گا، اور جملہ اسمیہ میں کیا کیا ہوتا ہے؟ بتدا خبر۔ یعنی ایک دفعہ پھر بتدا اور خبر آئیں گے، اور یہ بتدا اور خبر مل کر پورا جملہ بنیں گے، اور جملہ بن کر پھر یہ خبر بنیں گے پہلے بتدا کے لیے۔ توجہ ہے؟ پہلے کیا آئے گا؟ بتدا، اور اس کے بعد پھر آگے پورا جملہ آئے گا، وہ جملہ اسمیہ بھی ہو سکتا ہے جملہ فعلیہ۔ اگر جملہ اسمیہ آگے آیا تو جملہ اسمیہ میں کیا کیا ہوتے ہیں؟ بتدا اور خبر۔ تو آگے پھر بتدا اور خبر آئیں گے، وہ مل کر پورا جملہ بنیں گے اور جملہ بن کر وہ خبر بنیں گے پہلے بتدا کے لیے۔ اسی طرح کبھی ایسا ہو گا بتدا آئے گا اور آگے پھر جملہ فعلیہ آجائے گا، یعنی فعل آئے گا، اور فعل کے لیے ہمیشہ کیا چاہیے؟ فاعل یا نائب فاعل، تو اس کے لیے فاعل یا نائب فاعل تلاش کریں گے، پھر وہ جملہ فعلیہ بنے گا، اور جملہ فعلیہ بن کر پہلے بتدا کے لیے خبر بن جائے گا۔ طریقہ سمجھ میں آیا؟

تو اب ہم وہ ترکیب کریں گے جس میں پورا جملہ خبر بنے گا۔ اور میں نے آپ کو بتلایا کہ جملہ جو ہے اس میں بات پوری ہوتی ہے۔ یاد رکھو جملہ من حیث الجملہ اس میں بات پوری ہوتی ہے، وہ کسی سے جڑنے کا محتاج نہیں۔ «زَيْدٌ رَجُلٌ» پورا جملہ ہے کہ نہیں؟ پورا جملہ ہے، اس میں بات پوری ہے کہ زید آدمی ہے۔ اب اس کو کسی سے جڑنے کی حاجت نہیں، اس میں بات پوری ہے۔ لیکن آپ اس کو اٹھا کر کسی بتدا کے لیے خبر بنانا چاہتے ہیں تو درمیان میں ربط چاہیے بھئی۔ درمیان میں کیا چاہیے؟ ربط چاہیے۔ اور ربط کی مختلف صورتیں ہیں، ایک صورت آج آپ کو میں نے بتا دی کہ کوئی غائب کی ضمیر ہونی چاہیے جو اس بتدا کی طرف لوٹے۔ تو یہ ضمیر جو ہے غائب کی یہ ربط دے گی۔ بغیر ربط کے پورا جملہ خبر نہیں بنے گا۔

یاد رکھو یہ پورا جملہ کبھی خبر بنتا ہے، کبھی پورا جملہ مل کر صفت بنتا ہے، کبھی پورا جملہ مل کر حال بنتا ہے، اور کبھی پورا جملہ صلہ بنتا ہے۔ کیا بنتا ہے؟ صلہ بنتا ہے۔ پھر سنو: کبھی جملہ کیا بنے گا؟ خبر۔ دہراؤ بھئی، کیا بنے گا؟ خبر۔ کبھی جملہ کیا بنے گا؟ صفت بنے گا۔ کبھی حال بنے گا۔ کبھی صلہ بنے گا۔ پھر دہراؤ: کبھی جملہ کیا بنے گا؟ خبر، کبھی صفت، کبھی حال، اور کبھی صلہ۔ اور خبر کو کس سے جوڑتے ہیں؟ بتدا سے۔ صفت کو کس سے جوڑتے ہیں؟ موصوف سے۔ حال کو کس سے جوڑتے ہیں؟ ذو الحال سے۔ اور صلہ کو کس سے جوڑتے ہیں؟ موصول سے۔ توجہ ہے؟ صلہ کو کس سے جوڑتے ہیں؟ موصول سے۔ تو جس سے بھی جملے کو جوڑنا ہے ربط ضرور چاہیے، بغیر ربط کے وہ نہیں جڑے گا۔ اور ربط کی سب سے آسان صورت میں نے بتا دی کہ کوئی غائب کی ضمیر ہونی چاہیے جو اس چیز کی طرف لوٹے جس کے ساتھ آپ اس جملے کو جوڑنا چاہتے ہیں۔

اگر جملے کو آپ خبر بنا رہے ہیں تو خبر کو کس سے جوڑتے ہیں؟ مبتدا سے، تو اس جملے میں ایک ضمیر چاہیے جو کس کی طرف لوٹے؟ مبتدا کی طرف۔ اگر پورا جملہ صفت بنے، صفت کو کس سے جوڑتے ہیں؟ موصوف سے، تو اس جملے میں ایک ضمیر چاہیے جو کس کی طرف لوٹے؟ موصوف کی طرف۔ اگر پورا جملہ حال بنے، حال کو کس سے جوڑتے ہیں؟ ذو الحال سے، تو اس میں ایک ضمیر چاہیے جو کس کی طرف لوٹے؟ ذو الحال کی طرف۔ اور اگر پورا جملہ صلہ بن رہا ہے، صلہ کو کس سے جوڑتے ہیں؟ موصول سے، تو اس کے اندر ایک ضمیر چاہیے جو اسمِ موصول کی طرف لوٹے۔

بات سمجھ میں آرہی ہے؟ یہ بنیادی ترکیب کے ضابطے ہیں اور ان میں سے ہر ایک کو بھئی بار بار دہراؤ، جس قدر ہو سکے زبان سے بعد میں دہرایا کرو۔ یہ بنیادی ضابطے آپ کو آ گئے تو پھر ساری ترکیب آسان ہو جائے گی۔

تو جملے میں بات پوری ہوتی ہے، جملہ من حیث الجملہ مستقل ہوتا ہے، اس کو کسی سے جڑنے کی ضرورت نہیں، لیکن آپ جوڑنا چاہتے ہیں تو پھر کیا چاہیے؟ ربط چاہیے۔ جیسے بھئی ریل گاڑی کا ایک انجن ہے اور ریل گاڑی کے ڈبے ہیں، انجن اور ڈبوں میں ہمیشہ کیا چاہیے؟ ربط چاہیے، پھر ہی انجن ان ڈبوں کو لے کر چلے گا، اگر ربط نہیں تو انجن ان کو لے کر نہیں چل سکتا۔ اسی طرح آپ پورے جملے کو ایک چیز سے جوڑنا چاہتے ہیں تو درمیان میں کیا چاہیے؟ ربط چاہیے، پھر ہی جڑے گا، ویسے نہیں جڑے گا۔

اس کے بعد ایک اور گہری بات میں نے آپ کو بتلائی کہ جیسے فعل کے لیے ہمیشہ فاعل یا نائب فاعل ضرور چاہیے، فعلِ معروف کے لیے فاعل چاہیے، فعلِ مجہول کے لیے نائب فاعل۔ اسی طرح یہ جو صفت کے صیغے ہیں، یعنی اسمِ فاعل، اسمِ مفعول، صفتِ مشبہ، اور اسمِ تفضیل ہے، اسی طرح مبالغے کے صیغے وغیرہ، ان کے لیے بھی کیا چاہیے؟ ان کے لیے بھی ہمیشہ فاعل یا نائب فاعل ضرور چاہیے بھئی۔ «ضَرَبَ» آپ ترکیب کرتے ہیں کیسے کرتے ہیں؟ «ضَرَبَ» فعل، اس کے اندر «ہُوَ» ضمیر فاعل، فعل اپنے فاعل سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہوا۔ پہلے تو یہ سمجھ لیں، میں نے بتایا صفت کے صیغے کون کون سے ہیں: اسمِ فاعل، اسمِ مفعول، صفتِ مشبہ، اسمِ تفضیل، مبالغے کے صیغے وغیرہ۔

تو ایک ہے فاعل، ایک ہے اسمِ فاعل۔ ایک ہے مفعول، اور ایک ہے اسمِ مفعول۔ فرق جانتے ہو؟ «ضَرَبَ زَيْدٌ»، یہ «زَيْدٌ» «ضَرَبَ» کے لیے کیا ہے؟ فاعل ہے۔ تو جس کو فعل یا صفت کا صیغہ رفع دے، فعلِ معروف، وہ کیا ہے؟ وہ فاعل ہے۔ اور ایک ہے اسمِ فاعل بھئی، وہ جو گردانوں میں آپ نے مخصوص صیغے پڑھے: «ضَارِبٌ»، «مَانِعٌ»، «فَاتِحٌ»، «مُكْرِمٌ»، «مُسْتَخْرِجٌ»، «مُقَاتِلٌ»، یہ سارے کیا ہیں؟ اسمِ فاعل ہیں۔ یہ کیا ہیں؟ اسمِ فاعل۔ اب بتائیے، فاعل کسے کہتے ہیں؟ جس کو فعل یا صفت کا صیغہ رفع دے۔ اور اسمِ فاعل کسے کہتے ہیں؟ وہ مخصوص صیغہ جو آپ نے گردانوں میں پڑھا۔ اسی طرح ایک ہے مفعول اور ایک ہے اسمِ مفعول۔ مفعول وہ ہے جس کو فعل کیا کرے؟ نصب دے۔ «ضَرَبْتُ زَيْدًا»، یہ «زَيْدًا» کیا ہے؟ مفعول، اس کو «ضَرَبْتُ» کیا کر رہا ہے؟ نصب دے رہا ہے۔ اور ایک ہے اسمِ مفعول، وہ جو گردانوں میں آپ

نے پڑھا: «مَضْرُوْبٌ»، «مَفْتُوْحٌ»، «مُكْرَمٌ»، «مُسْتَخْرَجٌ» وغیرہ۔ یہاں تک بات سمجھ میں آ گئی؟ پھر دہرائیں: فاعل کسے کہتے ہیں؟ فعل یا صفت کا صیغہ رفع دے۔ اور اسمِ فاعل کسے کہتے ہیں؟ وہ صیغہ جو آپ نے گردانوں میں پڑھا۔ اور ایک ہے مفعول اور ایک ہے اسمِ مفعول، مفعول کسے کہتے ہیں؟ جس کو فعل یا صفت کا صیغہ نصب دے۔ اور اسمِ مفعول کسے کہتے ہیں؟ وہ صیغہ جو آپ نے گردانوں میں پڑھا «مَضْرُوْبٌ»، «مَفْتُوْحٌ» وغیرہ۔

اور فعل اپنے فاعل یا نائب فاعل سے مل کر جملہ بنتا ہے، اس میں بات پوری ہوتی ہے، لیکن صفت کے صیغے اپنے فاعل یا نائب فاعل سے مل کر شبہِ جملہ کہلاتے ہیں، جملہ نہیں، شبہِ جملہ یعنی جملے جیسے ہیں، جملہ نہیں، تو وہ شبہِ جملہ کہلاتے ہیں۔ اور جیسے جملے کو کسی چیز سے جوڑنے کے لیے ربط چاہیے، اسی طرح شبہِ جملہ کو بھی کسی چیز سے جوڑنے کے لیے ہمیشہ ربط چاہیے۔

اب ہم ترکیبیں کریں گے۔ یاد رکھنا اب جب صفت کے صیغے آئیں تو وہاں ان کے لیے بھی آپ نے فاعل یا نائب فاعل ضرور نکالنا ہے۔ اچھا کیجیے ترکیب کیجیے بھئی: «زَيْدٌ ضَرَبَ عَمْرًا»۔ «زَيْدٌ ضَرَبَ عَمْرًا»۔ یہ سبق دہرایا بھی ہے کل کہ نہیں؟ جی، اس کو بار بار دہراؤ بس، یہ چند دن خوب محنت کر لو آپ کو ترکیب آ جائے گی بھئی، ترکیب آ جائے گی۔ اور اگر ابھی بھی محنت نہیں کرتے اس کا مطلب ہے سیکھنے کا ارادہ نہیں ہے۔

چلیے بھئی آپ ترکیب کیجیے: «زَيْدٌ ضَرَبَ عَمْرًا»۔ اعراب میں خود ذکر نہیں کر رہا، وہ اب آپ نے بتانے ہیں، اس کو حل کرنا ہے، کیجیے ترکیب بھئی۔ «زَيْدٌ» مرفوع لفظاً بتدا، شاباش، «زَيْدٌ» مرفوع لفظاً بتدا۔ «ضَرَبَ» فعل، اس کے اندر ضمیر فاعل، ضمیر بولو کون سی؟ «ہُوَ» ضمیر، اس کے اندر «ہُوَ» ضمیر۔ «ہُوَ» ضمیر ہے، اسم ہے، جو اسم آ جائے آپ نے ہمیں اس کا اعراب بتانا ہے بھئی۔ مرفوع محلاً فاعل۔ شاباش، «ضَرَبَ» اس کے اندر «ہُوَ» ضمیر مرفوع محلاً فاعل۔ مرفوع کیوں؟ کیونکہ فاعل ہے۔ محلاً کیوں؟ کیونکہ مبنی ہے، شاباش۔ جی آگے: «عَمْرًا» منصوب لفظاً مفعول بہ۔ شاباش، «عَمْرًا» منصوب لفظاً مفعول بہ بھئی۔ منصوب کیوں؟ کیونکہ مفعول بہ ہے۔ لفظاً کیوں؟ کیونکہ اس کے نصب پر ہم تلفظ کر رہے ہیں۔ شاباش، اس کے نصب پر ہم تلفظ کر رہے ہیں، تلفظ کر کے دکھاؤ: «عَمْرًا»، رفع پہ تلفظ کرو: «عَمْرٌو»، جر پہ کرو: «عَمْرٍو»۔ معلوم ہوا یہ جو «عَمْرٌو» لفظ ہے کہیں بھی عبارتوں میں آ جائے اس پر تینوں طرح کے اعراب لفظی ہوں گے۔ جی، آپ نے لکھا کیسے «عَمْرًا» کو بھئی؟ عین، میم، را، اور؟ ہاں واو نہیں لکھنا، «عَمْرًا» اب منصوب ہو تو صرف کیا لکھیں گے؟ الف۔ میں نے بتلایا تھا یہ واو کیوں لکھتے ہیں عمر کے آخر میں؟ عمر سے تاکہ فرق ہو جائے، اور عمر پر تو تنوین نہیں آتی، عمرو پر کیا آتی ہے؟ تنوین، تو «عَمْرٌو» یہ واو سے فرق ہو جائے گا، «عَمْرٍو» اس واو کے ذریعے کیا ہو جائے گا؟ فرق۔ تو رفعی اور جری حالت میں واو لکھنا ہے اور نصبی حالت میں صرف الف لکھنا ہے واو نہیں لکھنا بھئی۔ کیونکہ عمر کے آخر میں تنوین

آتی ہے؟ نہیں، لہٰذا نصب کی صورت میں وہاں الف آئے گا؟ «رَأَيْتُ عُمَرَ» الف آئے گا آخر میں؟ نہیں، لیکن «رَأَيْتُ عَمْرًا» آخر میں کیا آئے گا؟ الف۔ تو یہ الف سے ہی فرق ہو جائے گا، لہٰذا اب یہاں واو لکھنے کی ضرورت نہیں ہے۔ بات سمجھ بھی آئی کہ نہیں آئی؟

جی، اب ایک ایک لفظ کا اعراب بتا دیا، اب سمیٹو اس کو۔ فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ... یہ «عَمْرًا» اس کو نصب کس نے دیا؟ «ضَرَبَ» نے، «ضَرَبَ» جیسے فاعل کو رفع دیتا ہے اسی طرح مفعول کو نصب بھی دیتا ہے، تو یہ «عَمْرًا» اس کے لیے مفعول۔ فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر، زید کے لیے خبر۔ شاباش، فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر یہ خبر ہوئی کس کے لیے؟ بتدا زید کے لیے۔ لیکن میں نے آپ کو ضابطہ بتلایا تھا کہ جملے کو جب بھی کسی چیز سے جوڑنا ہو درمیان میں کیا چاہیے؟ ربط۔ آپ «ضَرَبَ عَمْرًا» اس پورے جملے کو جوڑنا چاہتے ہیں کس سے؟ زید سے، تو درمیان میں کیا چاہیے؟ ربط چاہیے، اور ربط آپ نے بتایا نہیں، بغیر ربط کے یہ خبر نہیں بن سکتا۔ ربط بتائیے۔ ربط کیا کہ اس «ضَرَبَ» کے اندر جو «ہُوَ» ضمیر ہے وہ کس کو لوٹ رہی ہے؟ زید کو۔ بس اتنا بتا دیں یہ «ہُوَ» ضمیر کس کو لوٹ رہی ہے؟ زید کو، اس نے ربط دے دیا۔ اور ضمیر مرجع میں مطابقت بھی دیکھ لیا کرو، زید بھی مفرد مذکر، «ہُوَ» ضمیر بھی مفرد مذکر، «ہُوَ» ضمیر زید کو لوٹ سکتی ہے یا نہیں؟ تو یہ لوٹ سکتی ہے، تو یہ «ہُوَ» ضمیر نے کیا کیا؟ ربط دے دیا۔ تو جملہ فعلیہ یہ خبر ہوا کس کے لیے؟ بتدا کے لیے، بتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔ یہ ایسا جملہ اسمیہ ہے جس کی خبر کیا ہے؟ جملہ فعلیہ ہے۔ «زَيْدٌ ضَرَبَ»، یہ ایسا جملہ اسمیہ ہے جس کی خبر کیا ہے؟ جملہ فعلیہ ہے۔ کبھی ایسا جملہ اسمیہ آئے گا جس کی خبر بھی جملہ اسمیہ ہو گی بھئی، بات سمجھ آ رہی ہے؟

اب ایک ایک لفظ کا اعراب نکال لیا، اب اس کو روانی سے پڑھو: «زَيْدٌ ضَرَبَ عَمْرًا»۔ شاباش، «زَيْدٌ ضَرَبَ عَمْرًا»۔ ترجمہ کیجیے: زید نے عمرو کو مارا۔ شاباش، دیکھو لفظوں کے اعتبار سے سنو ترجمہ: زید کہ پٹائی کی اس نے (وہ ضمیر کس کو راجع؟ زید)، زید کہ پٹائی کی اس نے عمرو کی۔ زید کہ اس نے پٹائی کی عمرو کی، اور بامحاورہ ترجمہ یوں کریں گے کہ زید نے عمرو کی پٹائی کی۔ طریقہ سمجھ میں آگیا؟

اس جملے پہ ذرا نظر رکھو۔ انہوں نے کیا کہا: «زَيْدٌ ضَرَبَ عَمْرًا»۔ ترجمہ کیا کیا؟ زید نے عمرو کی پٹائی کی۔ آپ کا ایک ساتھی ہے وہ آپ پر اعتراض کرتا ہے، کہتا ہے بھئی کیوں آپ نے «ضَرَبَ» کے اندر ضمیر کیوں نکالی؟ آپ آگے «عَمْرٌو» کو اس کے لیے فاعل بنا دو۔ آپ کیا کرو؟ اعتراض سمجھ میں آ رہا ہے؟ «ضَرَبَ» ان دو صیغوں میں سے ہے یا بارہ میں سے ہے؟ دو میں سے، یعنی پہلے یا چوتھے میں سے، اور اس کے لیے فاعل اسمِ ظاہر آسکتا ہے یا نہیں؟ اس کے لیے فاعل اسمِ ظاہر آسکتا ہے، تو آگے عمرو آ رہا ہے اسمِ ظاہر، تو اس کو فاعل کیوں نہیں بناتے؟ تو آپ کیا جواب دیں گے؟ «عَمْرٌو» کو فاعل بنا سکتے ہیں یا نہیں؟ تو بنانا چاہیے یا نہیں، یہ مجھے بتائیے۔ اگر ہم عمرو کو فاعل بنائیں دیکھو ترکیب کیسے ہو گی، سنو: «زَيْدٌ»

مرفوع لفظاً بتدا، «ضَرَبَ» فعل، «عَمْرٌو» مرفوع لفظاً فاعل۔ توجہ ہے؟ فعل اپنے فاعل سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر اب میں اس کو کیا بنانا چاہتا ہوں؟ خبر، کس کے لیے؟ زید کے لیے۔ اور جملہ بغیر ربط کے خبر بن سکتا ہے؟ نہیں۔ اور «ضَرَبَ» کے اندر «ہُوَ» ضمیر ہم نکال سکتے ہیں؟ نہیں نکال سکتے۔ کیوں؟ کیونکہ فاعل یا نائب فاعل ایک آتا ہے ایک سے زیادہ نہیں، جب عمرو کو آپ نے فاعل بنا دیا تو اب اس کے اندر «ہُوَ» ضمیر نہیں۔ جب «ہُوَ» ضمیر نہیں ہے تو اب ربط کی کوئی صورت نہیں، ربط ہم نہیں دے سکتے، لہٰذا یہ ترکیب درست نہیں۔ زید کو بتدا بناتے ہو اور «ضَرَبَ عَمْرٌو» کو آپ اس کے لیے خبر بناتے ہو، بغیر ربط کے خبر بن سکتی ہے؟ نہیں، خبر نہیں بن سکتی۔ اسی لیے «عَمْرًا» کو فاعل نہیں بنایا بلکہ کیا بنایا؟ مفعول، اور «ضَرَبَ» کے اندر کیا نکالی؟ ضمیر۔ یہ ضمیر کس کی طرف لوٹ رہی ہے؟ زید کی طرف، اس نے ربط دے دیا۔ بات سمجھ میں آ رہی ہے؟ تو معلوم ہوا جملے کو جب بھی کسی چیز سے جوڑنا ہو درمیان میں کیا ضروری؟ ربط ضروری ہے۔

چلیے آگے بھئی: «بَكْرٌ قَامَ»۔ چلیے بھئی ترکیب کیجیے: «بَكْرٌ» بتدا، اعراب بولو: لفظاً... لفظاً کیا؟ مرفوع... ہاں مرفوع، بتاؤ جو ترتیب میں نے سب بتا رہے ہیں اس ترتیب سے چلو۔ سب سے پہلے کیا بتانا ہے؟ اعراب، پھر بتانا ہے لفظاً ہے یا تقدیراً یا محلاً، اس کے بعد بتانا ہے کہ یہ کیا بن رہا ہے۔ بولو: «بَكْرٌ» مرفوع لفظاً بتدا۔ مرفوع کیوں؟ بتدا ہے۔ لفظاً کیوں؟ اس کے رفع پر ہم تلفظ کر رہے ہیں۔ اچھا، تو «بَكْرٌ» مرفوع لفظاً بتدا، شاباش۔ آگے: «قَامَ» جی، فعل، «ہُوَ» ضمیر فاعل... اعراب بولو اسی طرح۔ ہاں بھئی آپ نے اس کا تکرار کیا تھا کل بیٹھ کر خود سارا؟ ہاں بولو۔ پھر کرو دوبارہ سے: «بَكْرٌ» مرفوع لفظاً بتدا۔ شاباش، «بَكْرٌ» مرفوع لفظاً بتدا۔ مرفوع کیوں؟ بتدا ہے۔ لفظاً کیوں؟ اس کے رفع پر ہم تلفظ کر رہے ہیں، شاباش۔ آگے: «قَامَ» فعل، «ہُوَ» ضمیر مرفوع محلاً فاعل۔ مرفوع کیوں؟ فاعل ہے۔ محلاً کیوں؟ مبنی ہے۔ شاباش، دیکھا رفتار بڑھنی چاہیے، رفتار بڑھتی جائے اس کا مطلب ہے آپ محنت کر رہے ہیں۔ علم محنت سے آتا ہے اور آہستہ آہستہ آتا ہے، ایک دم نہیں آتا، ایک دم آئے تو وہ ایک دم چلا بھی جاتا ہے۔ یہ سارے ضابطے میں آج آپ کو پڑھا بھی دوں گا تو دو دن بعد آپ کو ایک بھی نہیں یاد ہو گا۔ اور تھوڑا تھوڑا پڑھیں گے اور اس کو روز دہراتے رہیں، جیسے صرف میں آپ نے طریقہ سیکھ لیا کیسے چیزوں کو یاد کرتے ہیں، روز دہراتے جاؤ اور آگے چلتے جاؤ، روز شروع سے دہراؤ اور چلتے جاؤ، آپ دیکھیں گے کبھی آپ کو وہ چیز پھر بھولتی نہیں ہے۔

اچھا جی، «قَامَ» فعل، اس کے اندر «ہُوَ» ضمیر مرفوع محلاً اس کا فاعل۔ شاباش، مرفوع کیوں؟ کیونکہ فاعل ہے۔ محلاً کیوں؟ مبنی ہے ضمیر ہے۔ جی، اب سمیٹو: فعل اپنے فاعل سے مل کر... ہاں ایسے نہیں، فعل اپنے فاعل سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر، یا یوں کہو جملہ فعلیہ ہو کر یہ خبر کس کے لیے؟ بتدا کے لیے۔ ہاں بھئی، یہ خبر بن سکتی ہے بتدا کے لیے؟ جی بن سکتی ہے؟ بولو: ربط نہیں دیا! بغیر ربط کے جملہ کسی سے نہیں جڑ سکتا۔ ربط دیا آپ نے؟ «قَامَ» جملہ ہے یا مفرد ہے؟ ابھی بتایا «قَامَ» اپنے فاعل سے مل کر کیا ہوا؟ جملہ فعلیہ۔ تو «قَامَ» مفرد ہے یا جملہ ہے؟ جملہ، اور جملے کو کسی بھی چیز سے جوڑنا

ہو کیا چاہیے؟ ربط چاہیے، ربط نہیں دیں گے تو نہیں جڑے گا۔ تو ربط دیں، ربط بتائیں، کس سوچ میں ڈوب گئے؟ ہاں بھئی ربط بتائیے، «ہُوَ» ضمیر کو، بس اتنا کہہ دو یہ جو «ہُوَ» ضمیر ہے کس کو لوٹ رہی ہے؟ بتدا کی طرف، تو «قَامَ» کے اندر ایک ضمیر ہے جو لوٹ رہی ہے «بَکْرٌ» کی طرف جو بتدا ہے، اس ضمیر نے ربط دے دیا جملے کا کس کے ساتھ؟ بتدا کے ساتھ۔ تو فعل اپنے فاعل سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر خبر، بتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔ روانی سے پڑھو: «بَکْرٌ قَامَ»۔ ترجمہ کیجیے: بکر کھڑا ہوا، شاباش۔ طریقہ سمجھ میں آ رہا ہے؟ ترکیب مشکل ہے؟ بالکل نہیں مشکل، بس یہ ضابطے آپ اس کو ذرا دہرا لیں خوب اچھی طرح اور چلتے جائیں۔

اچھا جی، اگلا جملہ لکھیے: «طَعَامٌ أَکَلَ خَالِدٌ» («طَعَامًا أَکَلَ خَالِدٌ»)۔ طا کے ساتھ ہے، طا عین الف میم، طَعَام، أَکَلَ، الف ہے کاف چھوٹا اور لام یعنی ہمزہ کاف اور لام، خَالِد۔ «طَعَام أَکَلَ خَالِد»۔ چلیے بھئی ترکیب کیجیے۔ طَعَام کھانے کو کہتے ہیں، جو کھانا کھاتے ہیں آپ اس کو کیا کہتے ہیں؟ طَعَام۔ أَکَلَ کا معنی ہے کھانا، یہ وہ فعل ہے۔ «طَعَامٌ» مرفوع لفظاً بتدا۔ شاباش، طعام پہ وقف پھر نہ کرو نا، اس پہ مرفوع بھی لفظاً بھی کہہ رہے ہیں تو پڑھ کے بھی دکھاؤ: «طَعَامٌ»۔ پھر پورا پڑھو: «طَعَامٌ» مرفوع لفظاً بتدا۔ مرفوع کیوں؟ بتدا ہے۔ لفظاً کیوں؟ اس کے رفع پر ہم تلفظ کر رہے ہیں، کر کے دکھاؤ: «طَعَامٌ»، نصب پر: «طَعَامًا»، جر پر: «طَعَامٍ»، شاباش۔ آگے: «أَکَلَ» فعل با فاعل، «ہُوَ» ضمیر... ہاں شاباش، میں نے بتایا تھا جب فعل کے اندر یا ساتھ جڑی ہوئی ضمیر ہو تو آپ نے کیسے بولنا ہے؟ فعل با فاعل، تو «أَکَلَ» فعل با فاعل، اس کے اندر «ہُوَ» ضمیر مرفوع محلاً فاعل۔ مرفوع کیوں؟ فاعل ہے۔ محلاً کیوں؟ مبنی ہے ضمیر ہے، شاباش۔ جی، «خَالِدًا»۔ شاباش، «خَالِدًا» اعراب بولو: منصوب لفظاً مفعول بہ۔ شاباش، «خَالِدًا» منصوب لفظاً مفعول بہ بھئی۔ منصوب لفظاً مفعول، منصوب کیوں؟ مفعول بہ ہے۔ لفظاً کیوں؟ اس کے نصب پر ہم کیا کر رہے ہیں؟ تلفظ کر رہے ہیں: «خَالِدًا»۔ جی، اب جوڑیے، سمیٹیے: «أَکَلَ» فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر یہ خبر ہوا کس کے لیے؟ «طَعَامٌ» بتدا کے لیے، «طَعَامٌ» آپ نے پڑھا تھا، اسی طرح پڑھیں، «طَعَامٌ» کے لیے یہ کیا ہوا؟ خبر۔

آپ بتائیے بھئی، یہ خبر بن سکتا ہے بتدا کے لیے؟ نہیں بن سکتا۔ کیوں نہیں بن سکتا؟ ربط نہیں دیا، شاباش، ربط نہیں دیا۔ ہاں ربط صرف بتا دو: «أَکَلَ» کے اندر «ہُوَ» ضمیر جو کس کو لوٹ رہی ہے؟ «طَعَامٌ»۔ معلوم ہوا «ہُوَ» سے کون مراد ہے؟ طعام۔ جی شاباش، تو یہ عائد بھی بتا دیا۔ فعل اپنے فاعل سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر یہ خبر، بتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ خبریہ۔ روانی سے پڑھو: «طَعَامٌ أَکَلَ خَالِدًا»۔ ترجمہ کیجیے: خالد نے کھانا کھایا؟ کھانا کھانے والا کون؟ توجہ ہے؟ کھانا کھانے والا کون؟ خالد، اور کس کو کھایا؟ کھانے کو۔ لیکن آپ نے تو «أَکَلَ» کی ضمیر کس کو لوٹائی؟ طعام کو۔ معلوم ہوا کھانے والا کون ہے؟ طعام کھانے والا ہے اور کس کو اس نے کھایا ہے؟ خالد کو کھایا ہے، خالد مفعول ہے بھئی۔ طعام نے کھا لیا

کس کو؟ خالد کو! دیکھا میں آپ کو کہتا ہوں آپ نے کچھ معنی پہ بھی غور کرنا ہے، معنی سے ہی آپ کو سمجھ میں آجائے گا فعل کرنے والا کون ہے، واقع کس پر ہو رہا ہے۔ کیا خرابی آئی؟ کس کو فاعل بنانا چاہیے؟ فاعل کس کو بنانا چاہیے؟ خالد کو، وہ ہے کھانے والا۔ اور مفعول کس کو بنانا چاہیے؟ طعام کو مفعول بنانا چاہیے۔ توجہ ہے؟ لہٰذا یہ طعام کو بتدا نہ بناؤ، اس کو کیا بنا دو؟ مفعول بہ بنا دو۔ مفعول۔ اور میں نے آپ کو بتلایا تھا فاعل یا نائب فاعل فعل پر مقدم نہیں ہو سکتا، البتہ مفعول مقدم ہو سکتا ہے۔ مفعول فعل پر مقدم ہو سکتا ہے۔ توجہ ہے؟ تو اس کو مفعول بناؤ بھئی، اگر آپ اس کو بتدا بنا...

وَ گے، فاعل بناؤ گے تو پھر تو معنی غلط ہو جائے گا بھئی۔ اب پھر کرو ترکیب بھئی شاباش۔

«طَعَامًا» منصوب لفظاً مفعول بہ۔ شاباش، «طَعَامًا» منصوب لفظاً مفعول بہ۔ آگے: «أَكَلَ» فعل۔ جی آگے: «خَالِدٌ» مرفوع لفظاً فاعل۔ شاباش، «خَالِدٌ» مرفوع لفظاً فاعل۔ اب سمیٹو: «أَكَلَ» فعل اپنے فاعل اور مفعول سے مل کر... ہاں شاباش، «أَكَلَ» فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہوا۔ روانی سے پڑھو: «طَعَامًا أَكَلَ خَالِدٌ»۔ بات سمجھ میں آگئی؟ ہاں طعام ویسے مؤخر ہی ہوتا ہے، ویسے ہی میں نے مقدم کر دیا تاکہ ذرا آپ کا ذہن بیدار ہو جائے بھئی۔ مطلب یہ ہے آپ نے معنی میں غور کرنا ہے۔ طعام ہی کھایا خالد نے۔ طعام ہی کھایا خالد نے۔ مفعول مؤخر ہوتا ہے، اس کو میں نے مقدم کر دیا، یہ حصر کا فائدہ دے گا۔ کیا معنی؟ طعام ہی کھایا خالد نے، کوئی اور چیز نہیں کھائی بھئی۔ اور آپ یہ نہ کہیں اب کوئی ضمیر چاہیے؟ نہیں بھئی، ہم «أَكَلَ خَالِدٌ» کو کسی کے لیے خبر بنا رہے ہیں؟ نہیں۔ جملے کو خبر بناؤ تو کیا چاہیے؟ ربط۔ جملے کو صفت بناؤ تو کیا چاہیے؟ ربط۔ جملے کو حال بناؤ تو کیا چاہیے؟ ربط۔ اور جملے کو صلہ بناؤ تو کیا چاہیے؟ ربط۔ یہاں تو ہم نے جملے کو کچھ بھی نہیں بنایا، فعل کو کچھ بھی نہیں بنایا، یہ فعل ہے، اس کے آگے فاعل ہے، مفعول اس پر مقدم ہے، تو فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہوا۔ «طَعَامًا أَكَلَ خَالِدٌ»، کھانا ہی کھایا خالد نے۔ کھانا ہی کھایا خالد نے۔ جیسے قرآن میں ہے: «إِيَّاكَ نَعْبُدُ»۔ اصل میں تو مفعول مؤخر ہوتا ہے «نَعْبُدُكَ»۔ «نَعْبُدُ» فعل، اس کے اندر «نَحْنُ» ضمیر فاعل، «نَحْنُ» ضمیر مرفوع محلاً فاعل، اور آگے «كَ» ضمیر منصوب محلاً مفعول بہ۔ پھر اس «كَ» ضمیر مفعول کو کیا کر دیا گیا؟ مقدم کر دیا گیا۔ تو وہ «كَ» بھی ضمیر ہے، «إِيَّاكَ» بھی ضمیر ہے۔ «كَ» ہے ضمیرِ متصل، «إِيَّاكَ» ہے ضمیرِ منفصل۔ جب لفظ پر مقدم ہو گئی اب تو متصل ہم نہیں لا سکتے تو کون سی لانا پڑے گی؟ منفصل ضمیر لے آئے۔ وہ بھی منصوب ضمیر، یہ بھی کون سی ضمیر؟ منصوب ضمیر ہے۔ تو اسی لیے وہاں بھی حصر ہے: «إِيَّاكَ نَعْبُدُ»، اے اللہ ہم آپ ہی کی عبادت کرتے ہیں۔ یہاں بھی اسی طرح: «طَعَامًا أَكَلَ خَالِدٌ»، کھانا ہی کھایا خالد نے۔

اگلا جملہ لکھیے بھئی۔ جی لکھیے بھئی: «عَمْرٌو ضَرَبَ زَيْدًا»۔ چلو بھئی ترکیب کرو بھئی۔ «عَمْرٌو» مرفوع لفظاً بتدا۔ شاباش، «عَمْرٌو» مرفوع لفظاً بتدا۔ مرفوع کیوں؟ بتدا ہے۔ لفظاً کیوں؟ اس کے رفع پر ہم تلفظ کر رہے ہیں، کر کے دکھاؤ: «عَمْرٌو»، شاباش۔ آگے: «ضَرَبَ» فعل با فاعل، شاباش۔ اس میں ضمیر مرفوع... اس کے اندر کون سی ضمیر؟ «هُوَ» ضمیر۔ اس کے

اندر «ہُوَ» ضمیر مرفوع محلاً اس کا فاعل، شاباش۔ مرفوع کیوں؟ فاعل ہے اور فاعل کیا ہوتا ہے؟ مرفوع۔ محلاً کیوں؟ مبنی ہے، شاباش۔ «زَیْدًا» مفعول بہ، اعراب بولو: «زَیْدًا» منصوب لفظاً مفعول بہ۔ شاباش، «زَیْدًا» منصوب لفظاً مفعول بہ۔ منصوب کیوں؟ مفعول بہ ہے۔ لفظاً کیوں؟ اس کے نصب پر ہم کیا کر رہے ہیں؟ تلفظ کر رہے ہیں، کر کے دکھاؤ: «زَیْدًا»، شاباش۔ جی اب سمیٹو بھئی، جمع کرو... جوڑو ان کو: فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہوا؟ بس صرف کہو: فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر، اس میں «ضَرَبَ» میں «ہُوَ» ضمیر جو لوٹ رہی ہے کس کی طرف؟ بتدا کی طرف۔ شاباش، یہ انہوں نے ربط بھی بتا دیا، ربط بھی دے دیا۔ جی، فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر خبر، بتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔ روانی سے پڑھ دو پورے جملے کو: «عَمْرٌو ضَرَبَ زَیْدًا»۔ شاباش، «عَمْرٌو ضَرَبَ زَیْدًا»۔ ترجمہ کیجیے: عمرو نے مارا زید کو۔ ہاں، «ضَرَبَ» کے اندر «ہُوَ» ضمیر ہے، وہ ہے فاعل، اس نے پٹائی کی ہے، اور وہ کس کو لوٹ رہی ہے؟ عمرو کو، معلوم ہوا پٹائی کرنے والا کون ہے؟ عمرو ہے بھئی۔ تو «عَمْرٌو ضَرَبَ زَیْدًا»، عمرو نے زید کی پٹائی کی۔ یا لفظی ترجمہ کرنا آپ چاہتے ہیں تو یوں ترجمہ کریں: عمرو اور «ضَرَبَ» کے درمیان «کہ» کا لفظ لے آئیں: عمرو کہ پٹائی کی اس نے «زَیْدًا» کس کی؟ عمرو، «ضَرَبَ» کا کیا ترجمہ؟ پٹائی کی اس نے۔ عمرو کہ پٹائی کی اس نے «زَیْدًا» کس کی؟ زید کی۔ شاباش بھئی۔

طریقہ سمجھ میں آگیا؟ یہاں ایک اور قیمتی بات یاد رکھنا۔ یاد رکھو ضمیریں تین قسم کی ہیں: ایک متکلم کی ضمیر ہوتی ہے، ایک مخاطب کی، اور ایک غائب کی۔ تین قسم کی ضمیریں ہیں: متکلم کی ضمیریں اور مخاطب کی ضمیریں اور غائب کی ضمیریں۔ توجہ ہے؟ یاد رکھنا مرجع جو ہوتا ہے صرف غائب کی ضمیر کا ہوتا ہے، متکلم اور مخاطب کی ضمیر کا مرجع نہیں ہوتا۔ کیونکہ متکلم تو خود بات کر رہا ہے، مخاطب اس کے سامنے موجود ہیں۔ اب مثلاً آپ بیٹھے ہوئے ہیں میں «أَنَا» «أَنَا» کے ساتھ بات کر رہا ہوں: «أَنَا حَاضِرٌ»، «أَنَا جَالِسٌ»۔ آپ کو کوئی شک پڑ رہا ہے کہ یہ «أَنَا» سے کون مراد ہے؟ نہیں۔ میں اب مثلاً اردو میں کہتا ہوں: میں آپ کے سامنے بیٹھا ہوا ہوں۔ اس «میں» سے آپ کو کوئی شبہ پڑا اس سے کون مراد ہے؟ نہیں، اتنا پتہ لگ گیا یہ جو بات کر رہا ہے اس کی اپنی ذات مراد ہے۔ تو متکلم میں کبھی شبہ نہیں ہوتا وہ سامنے ہوتا ہے۔ مخاطب جو اس کے سامنے جس سے وہ بات کر رہا ہے۔ تو میں آپ سے کہتا ہوں: «أَنْتُمْ طَلَبَةٌ» (آپ لوگ طلبہ ہو)۔ جی یہ «أَنْتُمْ» میں کوئی شبہ پڑا آپ کو اس سے کون مراد ہے؟ نہیں، آپ کو پتہ ہے کہ یہ ہم مخاطب ہیں، ہم سے بات کی جا رہی ہے۔ تو متکلم اور مخاطب ایک دوسرے کے سامنے ہوتے ہیں، وہاں «أَنَا» یا «نَحْنُ» کہا جائے یا «أَنْتَ» یا «أَنْتُمْ» کہا جائے اس سے اس میں کوئی اشتباہ نہیں ہوتا۔

لیکن جب غائب کی ضمیر لائی جائے، مثلاً میں کہتا ہوں: «ہُوَ رَجُلٌ عَالِمٌ»، وہ عالم آدمی ہے۔ تو اب اشتباہ ہوتا ہے کہ بھئی «ہُوَ» سے کون مراد ہے، پتہ تو چلے، کیونکہ «ہُوَ» ہو سکتا ہے مراد زید ہو، ہو سکتا ہے کون مراد ہو؟ عمرو ہو، ہو سکتا ہے خالد ہو، ہو سکتا ہے بکر ہو، تو «ہُوَ» ضمیر تو کسی بھی چیز کی طرف لوٹ سکتی ہے تو اس کے لیے مرجع چاہیے۔ تو مرجع صرف

کون سی ضمیر کا ہوتا ہے؟ غائب کی، چاہے مذکر ہو چاہے مؤنث ہو، چاہے تثنیہ ہو چاہے جمع ہو، تو مرجع صرف کس کا تلاش کیا جاتا ہے؟ غائب کی ضمیر کا، اور متکلم اور مخاطب کی ضمیروں کا مرجع تلاش نہیں کیا جاتا۔ متکلم اور مخاطب ایک دوسرے کے آمنے سامنے ہوتے ہیں۔ جو بات کر رہا ہوتا ہے وہ ہے متکلم اور دوسرا کیا ہے؟ مخاطب۔ میں اس وقت بول رہا ہوں میں کیا ہوں؟ متکلم، اور آپ کیا ہیں؟ مخاطب۔ لیکن اگر آپ سوال کرتے ہیں درمیان میں، تو آپ بول رہے ہیں تو آپ کیا بن گئے؟ متکلم، اور باقی کیا بن گئے؟ مخاطب بن گئے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو مرجع صرف کس ضمیر کا ہوتا ہے؟ غائب کی ضمیر کا، متکلم اور مخاطب کی ضمیر کا مرجع نہیں ہوتا۔ لہٰذا کبھی بھی عبارت میں متکلم یا مخاطب کی ضمیر آئے اور کوئی آپ کو پریشان کرنے کے لیے پوچھ لے بھئی کہ اس «أَنَا» کا مرجع بتاؤ، یا اس «أَنْتَ» یا «أَنْتُمَا» کا مرجع بتاؤ، اور آپ سوچ میں ڈوب جائیں، وہ سمجھ جائے گا اس کو نحو کا ذرہ بھی پتہ نہیں ہے بھئی، ویسے ہی کچھ چیزیں رٹ لی ہیں۔ کیوں؟ کیونکہ مرجع صرف کس کا ہوتا ہے؟ غائب کی ضمیر کا۔ اگر وہ پوچھے یہ «أَنْتَ» کا مرجع بتاؤ، کہیں بھئی «أَنْتَ» تو مخاطب ہے جس سے بات کی جا رہی ہے اس کا کیا مرجع تلاش کرنا ہے؟ اور «أَنَا» تو متکلم ہے جو بات کر رہا ہے اس کا کیا مرجع تلاش کرنا ہے؟ بات سمجھ میں آگئی؟ تو یہ متکلم بات کرنے والا ہوتا ہے اور مخاطب جس سے بات کی جائے، مرجع صرف غائب کی ضمیر کو دیکھا جاتا ہے کہ یہ کس کو لوٹ رہی ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟

آگے لکھیے بھئی: «زَيْدٌ قَائِمٌ»۔ چلیے بھئی ترکیب کیجیے، توجہ سے بھئی آپ لوگوں نے اب غلطیاں نکالنی ہیں۔ «زَيْدٌ» مرفوع لفظاً بتدا، شاباش، «زَيْدٌ» مرفوع لفظاً بتدا۔ جی: «قَائِمٌ» مرفوع لفظاً خبر۔ شاباش، «قَائِمٌ» مرفوع لفظاً خبر۔ مرفوع کیوں؟ کیونکہ خبر ہے۔ لفظاً کیوں؟ اس کے رفع پر ہم تلفظ کر رہے ہیں، کر کے دکھاؤ: «قَائِمٌ»۔ نصب پر: «قَائِمًا»۔ جر پر: «قَائِمٍ»۔ شاباش۔ بھئی انہوں نے «قَائِمٌ» کو براہِ راست خبر بنا دیا: «زَيْدٌ» بتدا، «قَائِمٌ» اس کی خبر۔ اگر اس کے بجائے ہوتا «زَيْدٌ قَامَ» تو پھر کیسے ترکیب ہوتی؟ «زَيْدٌ» بتدا، «قَامَ» فعل اور آگے «هُوَ» ضمیر، پھر آپ «هُوَ» ضمیر نکالتے، اور «قَائِمٌ» میں آپ «هُوَ» ضمیر نہیں نکال رہے۔ یہ عام رائج غلطی ہے ہمارے ہاں۔ میں نے ابھی آپ کو بتایا جیسے فعل کے لیے فاعل یا نائب فاعل چاہیے، صفت کے صیغوں کے لیے بھی ہمیشہ کیا چاہیے؟ فاعل یا نائب فاعل۔ تو لہٰذا یوں کہیں گے: «قَائِمٌ» مرفوع لفظاً صیغہ اسمِ فاعل۔ صیغہ اسمِ فاعل۔ اور اسمِ فاعل کے لیے ہمیشہ کیا چاہیے؟ فاعل۔ اسمِ مفعول کے لیے ہمیشہ کیا چاہیے؟ نائب فاعل۔ صفتِ مشبہ کے لیے کیا چاہیے؟ فاعل۔ اسمِ تفضیل کے لیے بھی کیا چاہیے؟ فاعل۔ پھر دہراؤ: اسمِ فاعل کے لیے ہمیشہ کیا چاہیے؟ فاعل۔ اسمِ مفعول کے لیے نائب فاعل۔ صفتِ مشبہ کے لیے فاعل۔ اسمِ تفضیل کے لیے فاعل چاہیے۔ تو اسمِ فاعل کے لیے بھی فاعل چاہیے، اسمِ مفعول کے لیے بھی نائب فاعل چاہیے۔ تو یہ کیا ہے؟ اسمِ فاعل۔

اور پھر یاد رکھنا: فعل کے لیے فاعل یا نائب فاعل ضمیر بھی آسکتی ہے اور اسمِ ظاہر بھی۔ دہراؤ زبان سے: فعل کے لیے فاعل یا نائب فاعل ضمیر بھی آسکتی ہے اور اسمِ ظاہر بھی۔ ضمیر آجائے تو اسمِ ظاہر نہیں آسکتا، اسمِ ظاہر آجائے تو ضمیر نہیں آسکتی، ایک ہی آئے گا۔ اسی طرح بالکل اسی طرح صفت کے صیغے بھی ہیں، ان کے لیے بھی ہمیشہ کیا چاہیے؟ فاعل یا نائب فاعل۔ ان کا فاعل یا نائب فاعل ضمیر بھی آسکتی ہے اور اسمِ ظاہر بھی۔ ضمیر آجائے فاعل یا نائب فاعل تو اسمِ ظاہر نہیں آسکتا، اور اسمِ ظاہر آجائے فاعل یا نائب فاعل تو پھر ان کے اندر ضمیر نہیں آسکتی۔ اور جیسے فعل کے لیے فاعل یا نائب فاعل وہ ہمیشہ فعل کے بعد آئے گا، کبھی بھی فعل پر مقدم نہیں ہو سکتا۔ مفعول تو فعل پر مقدم ہو سکتا ہے، فاعل یا نائب فاعل فعل پر مقدم نہیں۔ اسی طرح یہ جو صفت کے صیغے ہیں ان کا بھی فاعل یا نائب فاعل ان کے بعد ہی آئے گا، کبھی ان پر مقدم نہیں ہو سکتا۔

نیز میں نے بتایا تھا اسمِ ظاہر جب بھی فعل کے لیے فاعل بنے گا یا نائب فاعل، فعل ہمیشہ کون سا صیغہ ہونا چاہیے؟ پہلا یا چوتھا۔ پہلا صیغہ بھی مفرد کا، چوتھا صیغہ بھی مفرد کا۔ اس سے ایک اور قیمتی بات آپ کو پتہ چل گئی کہ فعل کا فاعل یا نائب فاعل جب بھی اسمِ ظاہر ہو فعل ہمیشہ پہلا یا چوتھا صیغہ یعنی مفرد رہے گا۔ «ضَرَبَ زَيْدٌ»، «ضَرَبَ الزَّيْدَانِ»، «ضَرَبَ الزَّيْدُوْنَ»، دیکھا «ضَرَبَ» مفرد ہی رہے گا۔ «ضَرَبَتْ ہِنْدٌ»، «ضَرَبَتِ الْہِنْدَانِ»، «ضَرَبَتِ الْہِنْدَاتُ»، دیکھا آگے چاہے مفرد ہو تثنیہ ہو جمع ہو اس کو نہیں دیکھنا، آپ نے صرف یہ دیکھنا ہے کہ یہ اسمِ ظاہر ہے یا نہیں۔ مفرد ہو تو بھی کیا ہے؟ اسمِ ظاہر، تثنیہ ہو تو بھی کیا ہے؟ اسمِ ظاہر، جمع ہو تو بھی کیا ہے؟ اسمِ ظاہر، اور جب اسمِ ظاہر فاعل یا نائب فاعل ہو فعل کو ہمیشہ کیا رکھتے ہیں؟ مفرد رکھتے ہیں۔ اسی طرح صفت کے صیغے بھی ہیں: ان کا فاعل یا نائب فاعل ضمیر بھی آسکتی ہے اور اسمِ ظاہر بھی، لیکن اسمِ ظاہر آجائے آگے پھر چاہے وہ مفرد ہو چاہے تثنیہ ہو جمع ہو یہ آپ نے نہیں دیکھنا، آپ نے صفت کے صیغے کو مفرد رکھنا ہے جب اس کا فاعل یا نائب فاعل کیا آجائے؟ اسمِ ظاہر آجائے۔ آگے مشق ہو جائے گی، ہم مثالیں کر لیں گے کوئی مشکل نہیں ہے، بس ذہن میں چیزیں بٹھاتے جائیں اور ان کا روزانہ ذرا تکرار کریں۔ جتنا تکرار کرو گے، یہ نہ سوچو کہ آپ کو آگئیں، چار باتیں یا چھ باتیں پورے گھنٹے میں تو ہم چند باتیں کرتے ہیں، یہ نہ سوچیں آپ کو آگئیں بس کافی ہیں، نہیں نہیں نہیں۔ زبان سے اس کو دہراؤ بار بار، بار بار دہراؤ، بات سمجھ میں آگئی؟ بار بار دہراؤ۔ جتنی دفعہ دہرا سکو کم ہے۔ دہرانے کا مطلب یہ ہے کہ اس طرح آپ کے ذہن میں جم جائیں جیسے «قُلْ ہُوَ اللّٰہُ»۔ آپ نیند سے بھی اٹھیں نا اور کوئی کہے قل ہو اللہ سناؤ، آپ فوراً سنا دیں گے، کوئی پریشانی نہیں ہوگی کیونکہ وہ آپ کے ذہن میں جم چکی ہے۔ اسی طرح یہ ضابطے ایسے ہوں کہ ہر وقت آپ کے ذہن میں جم جائیں، ہر وقت آپ کے ذہن میں ہوں، اور کہیں پر کوئی عبارت پڑھنے لگے ایسی غلطی کرے آپ فوراً کہیں بھئی یہ نہیں ہو سکتا جو آپ پڑھ رہے ہیں، تو فوراً آپ غلطی کی نشاندہی کریں بھئی۔

اب کیجیے ترکیب: «زَیْدٌ قَائِمٌ»۔ جی، «زَیْدٌ» مرفوع لفظاً بتدا، «قَائِمٌ» اعراب بولو: «قَائِمٌ» مرفوع لفظاً صیغہ اسمِ فاعل، اس کے اندر ضمیر... اس کے اندر «ہُوَ» ضمیر، اعراب بولو، جو بھی اسم آئے آپ نے اس کا اعراب بتانا ہے: اس کے اندر «ہُوَ» ضمیر مرفوع محلاً اس کا فاعل۔ اوریہ ضمیر کس کو لوٹ رہی ہے؟ زید۔ دیکھا جب بھی غائب کی ضمیر آئے فوراً اس کا مرجع دیکھا کرو۔ جب آپ مرجع تلاش کر لیں گے پھر، جیسے ہی مرجع ڈھونڈیں گے عائد تو آگیا، ربط تو آگیا، پھر آپ کی ترکیب میں غلطی نہیں ہوگی۔ جیسے ہی غائب کی ضمیر آئے آپ نے فوراً کیا تلاش کرنا ہے؟ مرجع تلاش کرنا ہے۔ اچھا تو «قَائِمٌ» اس کے اندر «ہُوَ» ضمیر مرفوع محلاً اس کا فاعل جو کس کو راجع؟ زید کو۔ ضمیر مرجع میں مطابقت بھی دیکھنی ہے: زید کیا ہے؟ مفرد مذکر، «ہُوَ» ضمیر بھی کیا ہے؟ مفرد مذکر، شاباش۔ اسمِ فاعل اپنے فاعل سے مل کر جملہ؟ ہاں نہیں، فعل اپنے فاعل یا نائب فاعل سے مل کر جملہ بنتا ہے، اوریہ صفت کے صیغے شبہِ جملہ بنتے ہیں۔ «ضَرَبَ» بات پوری ہے یا نہیں؟ «ضَرَبَ» کے اندر «ہُوَ» ہے نا، پٹائی کی اس نے، «ضَرَبَ» بات پوری ہے۔ لیکن «قَائِمٌ» یہ بات پوری نہیں ہے، مفرد ہے۔ فعل جو ہوتا ہے وہ اپنے فاعل یا نائب فاعل سے مل کر جملہ بنتا ہے، اوریہ صفت کا صیغہ مفرد ہی رہتا ہے، مفرد ہی۔ اچھا تو یہ اسمِ فاعل اپنے فاعل سے مل کر شبہِ جملہ ہو کر خبر۔ اسمِ فاعل اپنے فاعل سے مل کر شبہِ جملہ ہو کر خبر، بتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔ روانی سے پڑھ دو: «زَیْدٌ قَائِمٌ»۔ شاباش، ترجمہ کرو: زید کھڑا ہے، زید کھڑا ہے، بات پوری ہے۔ دیکھو زید آیا زید بھی مرفوع تھا، «قَائِمٌ» آیا وہ بھی مرفوع تھا، «ہُوَ» ضمیر آئی وہ بھی مرفوع، لیکن ہر ایک کی وجہ آپ الگ الگ بیان کر رہے ہیں۔ میں نے کہا زید کیوں مرفوع؟ آپ نے کہا بتدا ہے۔ میں نے کہا «قَائِمٌ» کیوں مرفوع؟ آپ نے کہا خبر ہے۔ میں نے کہا «ہُوَ» کیوں مرفوع؟ آپ نے کہا یہ فاعل ہے بھئی۔ طریقہ سمجھ میں آرہا ہے بھئی؟

اگلا جملہ لکھیے: «زَیْدٌ ضَارِبٌ عَمْرًا»۔ چلیے بھئی ترکیب کیجیے: «زَیْدٌ» مرفوع لفظاً بتدا۔ شاباش، «زَیْدٌ» مرفوع لفظاً بتدا۔ مرفوع کیوں؟ بتدا ہے۔ لفظاً کیوں؟ اس کے رفع پر ہم تلفظ کر رہے ہیں، کر کے دکھاؤ: «زَیْدٌ»۔ آگے: «ضَارِبٌ» دیکھو یہ میں بار بار تکرار کروا رہا ہوں، دیکھو یہ نہیں کہ اب آپ کو آتا ہو گا، کئی چیزیں آپ کو یاد ہو گئی ہیں لیکن بار بار، بار بار اتنی جم جائیں کہ دس سال بعد بھی کوئی پوچھے آپ کے ذہن میں اسی طرح تازہ ہوں جس طرح آپ نے آج ہی پڑھی ہیں۔ «زَیْدٌ» مرفوع لفظاً بتدا، آگے: «ضَارِبٌ» مرفوع لفظاً صیغہ اسمِ فاعل۔ شاباش، «ضَارِبٌ» مرفوع لفظاً صیغہ اسمِ فاعل، جی۔ اس کے اندر «ہُوَ» ضمیر مرفوع محلاً اس کا فاعل، جو لوٹ رہی ہے زید کی طرف۔ شاباش، «ضَارِبٌ» کے اندر «ہُوَ» ضمیر مرفوع محلاً اس کا فاعل، جو لوٹ رہی ہے کس کو؟ زید بتدا کو، دیکھو انہوں نے ربط بھی دے دیا۔ آگے: «عَمْرًا» منصوب لفظاً مفعول بہ۔ شاباش، «عَمْرًا» منصوب لفظاً مفعول بہ۔ منصوب کیوں؟ مفعول بہ ہے۔ ہاں بھئی یہ «عَمْرًا» کو نصب کس نے دیا؟ «ضَرَبَ» نے؟ «ضَارِبٌ» نے، کس نے نصب دیا؟ «ضَارِبٌ» نے، شاباش۔ دیکھا جو جو عمل فعل کرتا ہے صفت کے صیغے بھی اسی طرح عمل کرتے ہیں: فعل فاعل کو کیا کرتا ہے؟ رفع دیتا ہے، تو صفت کا صیغہ بھی کیا کرے گا؟ فاعل کو رفع۔

فعل مفعول کو نصب دیتا ہے، تو صفت کا صیغہ بھی کیا کرے گا؟ مفعول کو نصب دے گا۔ تو یہاں «عَمْرًا» منصوب لفظاً یہ مفعول ہے اور اس کو نصب کس نے دیا؟ «ضَارِبٌ» نے۔ جی سمیٹیے بھئی: صیغہ اسمِ فاعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر شبہِ جملہ ہو کر مبتدا کے لیے خبر۔ مبتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔ روانی سے پڑھو: «زَيْدٌ ضَارِبٌ عَمْرًا»۔ شاباش، «زَيْدٌ ضَارِبٌ عَمْرًا»۔ ترجمہ کرو: زید نے مارا عمرو کو؟ جی ترجمہ ٹھیک کر رہے ہیں؟ کیا ترجمہ ہو گا؟ زید مارنے والا... ہاں شاباش، دیکھا طلبہ عموماً یوں ترجمہ کرتے ہیں، اسمِ فاعل کا ترجمہ اسمِ فاعل کے مطابق کرتے ہیں: «زَيْدٌ ضَارِبٌ عَمْرًا»، زید پٹائی کرنے والا ہے عمرو کی، نہیں بھئی یہ مناسب ترجمہ نہیں ہے، مناسب ترجمہ نہیں ہے۔ کبھی کبھی ایسا بھی ترجمہ موقع کے مطابق دیکھا جائے گا پھر ترجمہ ہو گا۔ «زَيْدٌ ضَارِبٌ عَمْرًا» ترجمہ ہو گا: زید پٹائی کر رہا ہے عمرو کی۔ موقع کو دیکھا جائے گا، اگر ابھی پٹائی کر رہا ہے ترجمہ کیا کریں گے؟ زید پٹائی کر رہا ہے عمرو کی۔ اور اگر زید نے صرف کہا ہے اس کا ارادہ ہے کل پٹائی کرے گا تو کیا ترجمہ کریں گے؟ زید پٹائی کرے گا عمرو کی۔ اور اگر زید نے کل پٹائی کر دی تھی ماضی کے اندر کیا ترجمہ کریں گے؟ زید نے پٹائی کی ہے کس کی؟ عمرو کی۔ تو اسمِ فاعل کا ترجمہ «پٹائی کرنے والا» نہیں بھئی یہ ترجمہ نہیں، بعض جگہیں ایسی بھی آئیں گی وہاں یہی ترجمہ آپ کو کرنا پڑے گا، لیکن عموماً ضارب کس کو کہتے ہیں؟ جو پٹائی کر رہا ہو۔ زید کو میں ضارب تب ہی کہوں گا جب وہ کیا کر رہا ہو؟ پٹائی۔ تو حقیقت میں ضارب وہ ہے جو اس وقت پٹائی کر رہا ہے، اگر زید پٹائی سے رک گیا، زید نے ایک آدمی کی پٹائی کی اور رک گیا، اب وہ ضارب ہے؟ نہیں۔ تو ضارب وہ ہے اسمِ فاعل، یہ صفت اسی کی بنتی ہے جو اس وقت اس زمانے کے اندر کیا کر رہا ہو؟ اس فعل کو کر رہا ہو۔ ہاں لیکن ماضی اور مستقبل والے کو بھی ضارب کہہ دیا جاتا ہے: ایک آدمی نے کل پٹائی کی تھی میں پھر بھی کہہ سکتا ہوں زید ضارب ہے بھئی، کس نے پوچھا ضارب عمرو ہے یا زید ہے، میں کیا کہتا ہوں؟ زید، اس وقت زید ضارب ہے؟ نہیں، ماضی میں زید ضارب تھا تو میں ماضی کے اعتبار سے کہہ رہا ہوں کہ زید کیا ہے؟ ضارب، تو یہ مجازاً کہہ رہا ہوں حقیقت نہیں۔ حقیقت میں ضارب وہ ہے جو اس وقت پٹائی کر رہا ہو، ماضی میں کوئی پٹائی کر چکا وہ اس وقت ضارب نہیں ہے لیکن ماضی کے اعتبار سے اس کو بھی کبھی ضارب کہہ دیا جاتا ہے، ایک آدمی مستقبل میں اس کا ارادہ ہے پٹائی کرنے کا تو مستقبل کے اعتبار سے اس کو بھی ضارب کہہ دیا جاتا ہے، لیکن یہ حقیقت نہیں، حقیقت میں ضارب کس کو کہیں گے؟ جو اس وقت پٹائی کر رہا ہے، ماضی اور مستقبل کے اعتبار سے جب ضارب کسی کو کہا جائے تو وہ مجازاً کہا جاتا ہے وہ حقیقت نہیں، حقیقت میں وہ ضارب اس وقت نہیں ہے، جب پٹائی کرے گا تب بنے گا ضارب یا جس وقت کر رہا تھا اس وقت ضارب تھا اب تو نہیں ہے۔ تو ماضی اور مستقبل کے اعتبار سے اسمِ فاعل جو ہے مجازاً کسی پر بولا جاتا ہے، اور حال کے اعتبار سے کام کو کر رہا ہو تو وہ حقیقت میں ہے۔ بات سمجھ میں آ گئی؟

چنانچہ قرآن میں اللہ فرماتے ہیں: «وَالسَّمَآءَ بَنَيْنٰهَا بِأَيْدٍ وَإِنَّا لَمُوْسِعُوْنَ»۔ «لَمُوْسِعُوْنَ» میں «مُوْسِع» کون سا صیغہ ہے؟

اسمِ فاعل ہے، کیا ہے؟ اسمِ فاعل ہے۔ اور اسمِ فاعل ماضی یا مستقبل کے معنی میں ہو تو کیا ہوتا ہے؟ مجاز، اور حال کے معنی میں ہو تو حقیقت۔ عجیب قرآن کا... قرآن کے جو عجائبات ہیں ختم نہیں ہوتے بھئی۔ جوں جوں وقت آگے گزر رہا ہے قرآن کی نئی نئی باتیں کھلتی جا رہی ہیں۔ آج آکر سائنس اس قابل ہوئی، آج آکر سائنسدانوں کو پتہ چلا کہ یہ جو کائنات ہے یہ پھیلتی جا رہی ہے، جیسے غبارے میں ہوا بھرو اور غبارہ بڑا ہوتا چلا جاتا ہے، یہ کائنات اس طرح اتنی رفتار سے پھیل رہی ہے کہ جس کا تصور نہیں کیا جا سکتا بھئی، پھیلتی جا رہی ہے۔ اور قرآن میں اللہ کیا فرما رہے ہیں: «وَإِنَّا لَمُوْسِعُوْنَ»۔ اب تک مفسرین جو اس کا ترجمہ کرتے تھے وہ ماضی کے اعتبار سے کرتے تھے کہ ہم نے اس میں وسعت پیدا کی، ہم نے اس میں وسعت... اور مجھے بتاؤ یہ حقیقی معنی یا مجازی؟ ماضی کے اعتبار سے ہے «ہم نے اس میں وسعت پیدا کی»، یہ مجازی معنی تھا۔ لیکن اب سائنس نے آکر بتلایا کہ نہیں، ماضی میں نہیں اس وقت بھی اس کائنات کو اللہ کیا فرما رہے ہیں؟ وسیع فرما رہے ہیں، تو اللہ نے وہاں لفظ بھی کیا استعمال کیا؟ اسمِ فاعل استعمال کیا کہ ہم اس میں وسعت پیدا کر رہے ہیں یعنی فی الحال، یہ حقیقی معنی میں ہے یہاں پر «مُوْسِعُوْنَ»، مجازی معنی میں نہیں ہے بھئی۔ بات سمجھ میں آگئی؟ اس وقت بھی یہ کائنات پھیل رہی ہے، بڑھتی چلی جا رہی ہے بھئی۔

ترکیب سمجھ میں آگئی؟ ابھی انہوں نے جو ترکیب کی «زَيْدٌ ضَارِبٌ عَمْرًا» توجہ ہے؟ «زَيْدٌ ضَارِبٌ عَمْرًا»۔ انہوں نے «ضَارِبٌ» میں ضمیر نکالی اور وہ ضمیر کس کو لوٹ رہی ہے؟ زید کو اور وہ ربط دے رہی ہے۔ اگر یہاں کوئی اعتراض کرے کہ بھئی «ضَارِبٌ» صیغہ اسمِ فاعل ہے اور اسمِ فاعل کے لیے ہمیشہ کیا چاہیے؟ فاعل، اور وہ فاعل ضمیر بھی ہو سکتی ہے اور اسمِ ظاہر بھی، تو ضمیر نہ نکالو، آگے «عَمْرٌو» آرہا ہے اسی کو فاعل بنا دو، اسی کو کیا کر دو؟ فاعل بنا دو، فاعل تو بن سکتا ہے کیونکہ «ضَارِبٌ» اسمِ فاعل ہے اور «عَمْرٌو» اسمِ ظاہر کیا ہے اس کے لیے فاعل بن سکتا ہے، کیونکہ میں نے آپ کو بتایا تھا فاعل جب اسمِ ظاہر ہو فعل کو ہمیشہ کیا رکھتے ہیں؟ مفرد، اسی طرح فاعل جب اسمِ ظاہر ہو صفت کے صیغے کو بھی کیا رکھیں گے؟ مفرد، اور «ضَارِبٌ» مفرد ہے یا نہیں؟ مفرد ہے، تو اس کے لیے عمرو فاعل بن سکتا ہے۔ تو اگر عمرو کو فاعل بنا دیں تو پھر کیا خرابی لازم آئے گی؟ ربط نہیں آئے گا، اور بغیر ربط کے یہ خبر نہیں بن سکتی۔ تو اگر کوئی یہ ترکیب کرے: «زَيْدٌ» مبتدا، «ضَارِبٌ» صیغہ اسمِ فاعل، اور «عَمْرٌو» اس کے لیے فاعل، تو آپ کہیں گے بھئی پھر ربط کیسے دو گے؟ اور ربط بھی ضروری ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟

اگلا جملہ لکھیے بھئی: «زَيْدٌ ضَارِبٌ أَبُوْهُ عَمْرًا»۔ چلیے بھئی ترکیب کیجیے آپ: «زَيْدٌ» مرفوع لفظاً مبتدا۔ ہاں جب اعراب بتانے لگے ہیں اور اعراب بھی لفظاً آپ بتا رہے ہیں تو پھر اس لفظ پہ بھی وہی پڑھا کریں اعراب بھئی: «زَيْدٌ» مرفوع لفظاً مبتدا۔ شاباش، «زَيْدٌ» مرفوع لفظاً مبتدا۔ جی مرفوع کیوں؟ مبتدا ہے۔ لفظاً کیوں؟ اس کے رفع پر ہم تلفظ کر رہے ہیں، کر کے دکھاؤ: «زَيْدٌ»۔ آگے: «ضَارِبٌ» مرفوع لفظاً صیغہ اسمِ فاعل۔ شاباش، «ضَارِبٌ» مرفوع لفظاً صیغہ اسمِ فاعل۔ مرفوع کیوں؟

کیونکہ یہ خبر ہے بتدا کے لیے، شاباش۔ اور لفظاً کیوں؟ اس کے رفع پر ہم تلفظ کر رہے ہیں، کر کے دکھاؤ: «ضَارِبٌ»۔ نصب پر تلفظ کرو: «ضَارِبًا»۔ جر پر کرو: «ضَارِبٍ»۔ معلوم ہوا یہ ضارب کا لفظ کہیں عبارتوں میں آجائے تو اس پر اعراب لفظی آئے گا، آپ نے موقع کے مطابق رفع، نصب یا جر لفظی پڑھنا ہے۔ جی آگے: «أَبُوْهُ»، «أَبُوْ» اعراب بولو: مرفوع... شاباش سب آپ کو آتا ہے ذرا بھی نہیں پریشان ہونا، جی، مرفوع لفظاً مضاف۔ شاباش، «أَبُوْ» مرفوع لفظاً مضاف۔ مرفوع کیوں؟ اس کے رفع پر... مرفوع کیوں؟ فاعل ہے، یہ «ضَارِبٌ» کے لیے کیا ہے؟ فاعل ہے، اور فاعل کیا ہوتا ہے؟ مرفوع، تو مرفوع لفظاً۔ لفظاً کیوں کہا آپ نے؟ رفع پر تلفظ کر رہے ہیں، کر کے دکھاؤ: «أَبُوْهُ»، تلفظ کر کے دکھاؤ: «أَبُوْهُ»۔ نصب پہ تلفظ کرو: «أَبَاهُ»۔ ضمیر ساتھ جوڑو بھئی ضمیر ساتھ جوڑو: «أَبَاهُ»۔ جر پہ تلفظ کرو: «أَبِيْهِ»۔ اسمائے ستہ مکبرہ موحدہ مضافہ الی غیر یاء المتکلم، اسمائے ستہ ہوں، مکبرہ ہوں یعنی ان کی تصغیر نہ ہو، موحدہ ہوں یعنی کیا ہوں؟ مفرد ہوں تثنیہ جمع نہ ہوں، اور مضاف ہوں یائے متکلم کے علاوہ کی طرف۔ یا کی طرف مضاف جو ہوتا ہے اس کا اعراب تینوں حالتوں میں تقدیری ہوتا ہے، تو یا کے علاوہ کسی اور چیز کی طرف کیا ہوں؟ مضاف، اور یہ ہا ضمیر کی طرف مضاف۔ تو اگر یہاں ہا ضمیر نہ ہوتی تو «أَبٌ»، «أَبًا»، «أَبٍ»، واو الف یا کے ساتھ نہیں آنا تھا اعراب اس کا۔ دیکھا اسمائے ستہ میں نے بتایا تھا یہ ساری شرطیں پوری ہوں گی تو پھر رفع آئے گا واو کے ساتھ، نصب آئے گا الف کے ساتھ، جر آئے گا یا کے ساتھ۔ اگر یہ اضافت ختم کر دو تو «جَاءَنِيْ أَبٌ»، «رَأَيْتُ أَبًا»، «مَرَرْتُ بِأَبٍ»، دیکھا پھر اعراب بدل جائے گا، پھر واو الف یا نہیں آئیں گے۔ تو اسمائے ستہ ہوں، مکبرہ ہوں یعنی تصغیر نہ ہو۔ میں نے بتایا تھا یہ عام اسم جو ہو اس کو اسمِ مکبر کہتے ہیں: کتاب کیا ہے؟ اسمِ مکبر ہے، ہاں اس کی پھر تصغیر لائی جاتی ہے «كُتَيْبٌ» یعنی چھوٹی کتاب۔ «رَجُلٌ» کیا ہے؟ اسمِ مکبر، اس کی تصغیر لائی جاتی ہے «رُجَيْلٌ» کیا معنی؟ چھوٹا آدمی۔ تو یہ جو عام اسم استعمال ہوتے ہیں یہ سب مکبر ہیں اور ان کی پھر آگے کیا لائی جاتی ہے؟ تصغیر۔ تو اسمائے ستہ ہوں، مکبرہ ہوں، موحدہ ہوں یعنی تثنیہ جمع نہ ہوں، اور مضاف ہوں کس کی طرف؟ غیر یائے متکلم کی طرف، تو یہ چار پانچ چیزیں سب پوری ہوں گی تو پھر رفع واو کے ساتھ، نصب الف کے ساتھ اور جر یا کے ساتھ۔ تو «أَبُوْهُ» میں «أَبُوْ» مرفوع لفظاً مضاف۔ مرفوع کیوں؟ فاعل ہے۔ اور لفظاً کیوں؟ اس کے رفع پر ہم تلفظ کر رہے ہیں، کیا ہے اس کا رفع؟ واو ہے، شاباش، اور وہ ہم پڑھ رہے ہیں: «أَبُوْهُ»۔ نصب پہ تلفظ کرو: «أَبَاهُ»۔ جر پہ کرو: «أَبِيْهِ»۔ تو یہ اضافت کے ساتھ آپ نے بولنا ہے۔

جی آگے چلیے آگے: ہا ضمیر مضاف الیہ، اعراب بولو: مجرور محلاً... شاباش، دیکھا کتنا مشکل اعراب انہوں نے بتا دیا: ہا ضمیر مجرور محلاً مضاف الیہ۔ مجرور کہہ رہے ہو «أَبُوْهُ» میں تو اس پر پیش پڑھ رہا ہوں، یہ مرفوع ہے؟ ہاں شاباش، آپ کہیں یہ مبنی ہے یہ اس کی حرکت ہے یہ اعراب نہیں ہے، اس کے ماقبل واو تھا تو ہم نے پیش پڑھ دی، ماقبل یا ہوتی تو ہم کیا پڑھتے؟ زیر پڑھ دیتے، تو لیکن وہ اعراب نہیں تھا: «أَبُوْهُ»، «أَبَاهُ»، «أَبِيْهِ»، دیکھا زیر آگئی یا نہیں؟ لیکن یہ اعراب نہیں ہے

یہ کیا ہے اس کی؟ حرکت ہے۔ تو ہا ضمیر مجرور محلاً مضاف الیہ۔ مجرور کیوں؟ مضاف الیہ ہے شاباش۔ محلاً کیوں؟ مبنی ہے شاباش۔ تو مضاف الیہ۔ سمیٹو: مضاف اپنے مضاف الیہ سے مل کر یہ فاعل ہوا کس کے لیے؟ «ضَارِبٌ» کے لیے۔ آگے: «عَمْرًا» منصوب لفظاً مفعول بہ۔ شاباش، «عَمْرًا» منصوب لفظاً مفعول بہ۔ منصوب کیوں؟ مفعول بہ ہے۔ لفظاً کیوں؟ اس کے نصب پر ہم تلفظ کر رہے ہیں، کر کے دکھاؤ: «عَمْرًا»۔ جی اب سمیٹو، جوڑیے بھئی: «ضَارِبٌ» اسمِ فاعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر شبہِ جملہ ہو کر زید مبتدا کے لیے خبر۔ ہاں بھئی یہ مبتدا کے لیے خبر بن سکتا ہے؟ نہیں، کیوں؟ اس کے لیے ربط... دیکھا ہم نحوی تیار کر رہے ہیں آپ کی غلطی نہیں نکلنے دیں گے بھئی، ربط نہیں دیا آپ نے۔ «أَبُوْهُ» کی ہا ضمیر زید کی طرف۔ «أَبُوْهُ» کی جو ہا ضمیر ہے وہ کس کو لوٹ رہی ہے؟ زید کی طرف۔ «هُ» ضمیر نہ کہنا، اکثر طلبہ کہتے ہیں یہ «أَبُوْهُ» کی «هُ» ضمیر۔ کیوں «هُ» کیوں نہیں کہیں گے «ہا» کیوں کہیں گے؟ جو کلمہ، کلمہ کس کو کہتے ہیں؟ بامعنی لفظ، «أَبُوْهُ» کے آخر میں یہ جو ہا ہے اس کا کچھ معنی ہے یا نہیں؟ تو یہ کلمہ ہے، اور جو کلمہ کتنے حروف پر مشتمل ہو؟ ایک حرف پر، «أَبُوْهُ» یہ ہا میں زیادہ حروف ہیں یا ایک ہی ہے؟ تو اس کا نام لینا ہو تو کیسا نام لیں گے؟ وہ جو الف باتا میں اس حرف کا کیا نام ہے؟ ہا نام ہے، تو یہ «أَبُوْهُ» کی ہا ضمیر کس کو لوٹ رہی ہے؟ زید کی طرف۔ جی شاباش ربط آگیا۔ تو اسمِ فاعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر شبہِ جملہ ہو کر خبر، مبتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔ روانی سے پڑھ دو سارا: «زَيْدٌ ضَارِبٌ أَبُوْهُ عَمْرًا»۔ ترجمہ کرو، توجہ سے ترجمہ توجہ سے سمجھو اس کا، جی: زید مارتا... جی، زید پٹائی کر رہا ہے، آپ کے ذہن میں یہ آئے گا۔ نہیں بھئی، پٹائی کرنا کس کا معنی ہے؟ کس کا معنی ہے پٹائی کرنا؟ «ضَارِبٌ» کا، اور «ضَارِبٌ» کا فاعل کون ہے؟ «أَبُوْهُ» ہے، ضارب کون ہے؟ «أَبُوْهُ» اس کا باپ، کس کا باپ؟ زید کا باپ، تو پٹائی کس نے کی ہے؟ زید کے باپ نے پٹائی کی ہے، زید نے پٹائی نہیں کی۔ لہٰذا شروع سے زید کو ختم کر دو، ترجمہ کرو باقی کا: زید کا باپ پٹائی کر رہا ہے کس کی؟ عمرو کی۔ اب زید کو بھی شروع میں لے آؤ: زید کہ اس کا باپ پٹائی کر رہا ہے عمرو کی۔ ترجمہ سمجھ میں آرہا ہے؟ زید کہ اس کا باپ پٹائی کر رہا ہے کس کی؟ عمرو کی۔ یہ اس وقت ہے جب حال ہو، اس وقت پٹائی کر رہا ہے۔ میں نے بتایا اسمِ فاعل حال کے معنی میں ہو تو حقیقت ہے، ماضی یا مستقبل کے معنی میں ہو تو مجاز ہے۔ تو ماضی اور مستقبل کے لیے بھی یہ استعمال ہو جاتا ہے، پھر ترجمہ کیا ہو گا اگر ماضی میں ہو؟ زید کہ اس کے باپ نے پٹائی کی تھی عمرو کی۔ اور اگر مستقبل کے حوالے سے ہے کہ اس کا ارادہ ہے تو پھر کیا ترجمہ کریں گے؟ زید کہ اس کا باپ پٹائی کرے گا عمرو کی۔ بات سمجھ میں آرہی ہے؟ «زَيْدٌ قَائِمٌ» کیا ترجمہ کرتے تھے؟ زید... دیکھا عام طالبِ علم ترجمہ کرتے ہیں زید کھڑا ہونے والا ہے۔ نہیں نہیں یہ غلط ترجمہ ہے، کھڑا ہونے والا ہے یوں لگتا ہے ابھی کھڑا نہیں ہوا ابھی کھڑا ہو گا۔ زید کھڑا ہے، «زَيْدٌ قَائِمٌ» کیا ترجمہ؟ زید کھڑا ہے، تب ہی آپ کہہ رہے ہیں کہ زید قائم ہے، ابھی کھڑا نہیں ہوا کھڑا ہونے والا ہے تو پھر تو قائم نہیں ہے وہ۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو یہ ترجمہ آپ نے خاص خیال رکھنا ہے، اسمِ فاعل کا موقع کے مطابق آپ نے ترجمہ کرنا ہے۔

تو دیکھو «زَيْدٌ ضَارِبٌ أَبُوْهُ عَمْرًا»، «زَيْدٌ» بھی مرفوع تھا میں نے وجہ پوچھی تو آپ نے کہا مبتدا ہے، «ضَارِبٌ» بھی مرفوع تھا میں نے وجہ پوچھی تو آپ نے کہا خبر ہے، «أَبُوْهُ» بھی مرفوع تھا میں نے وجہ پوچھی تو آپ نے کیا کہا؟ یہ «ضَارِبٌ» کے لیے فاعل ہے۔ یہ اچھی خاصی مشکل ترکیب آپ نے حل کر لی بھئی، ذرا تھوڑی سی اور محنت کرو ان شاء اللہ اور رفتار آپ کی تیز ہو جائے گی۔ یہاں تک بات اچھی طرح سمجھ میں آگئی؟ چلیے بس بھئی، ہٰذَا هُوَ الْمَرَامُ، وَاللّٰهُ أَعْلَمُ بِحَقِيْقَةِ الْكَلَامِ۔

سبق نمبر ۸: تراکیبِ نحویہ (۷): معرفہ و نکرہ اور مبتدا و خبر کے باریک نکات

تراکیبِ نحویہ (ابتدائی مشق) — بتاریخ: ۱۹ جون ۲۰۲۱ء

▪ تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث

جملہ اسمیہ کی ترکیب ہم نے سب سے پہلے شروع کی تھی، اور میں نے آپ کو بتلایا تھا کہ جملہ اسمیہ میں دو چیزیں ہوتی ہیں: ایک کو مبتدا کہتے ہیں، دوسری کو خبر۔ اور مبتدا جو ہے اس کے اندر اصل یہ ہے کہ وہ معرفہ ہونا چاہیے اور خبر کے اندر اصل یہ ہے کہ وہ نکرہ ہونی چاہیے۔ تو لہٰذا آپ کو معرفہ اور نکرہ کی پہچان ہونی چاہیے۔ معرفہ کل کتنے ہیں؟ سات ہیں: نمبر ایک، تمام ضمیریں۔ نمبر دو، عَلم۔ نمبر تین، اسمائے اشارہ۔ نمبر چار، اسمائے موصولہ۔ نمبر پانچ، معرفہ بندا۔ نمبر چھ، معرفہ بالف لام۔ اور نمبر سات، ان میں سے کسی ایک کی طرف جو مضاف ہو۔ پھر دہرائیے بھئی، پھر دہرائیے، یہ خوب یاد کریں روزانہ، روزانہ۔ جی، معرفہ کی کل کتنی اقسام ہیں؟ سات: نمبر ایک تمام ضمیریں، نمبر دو عَلم، نمبر تین اسمائے اشارہ، نمبر چار اسمائے موصولہ، نمبر پانچ معرفہ بندا، نمبر چھ معرفہ بالف لام، اور نمبر سات ان میں سے کسی ایک کی طرف کیا ہو؟ مضاف ہو بھئی۔

اور پھر میں نے آپ کو یہ بھی بتلایا تھا کہ اسم یا تو مرفوع ہو گا یا منصوب یا مجرور، یعنی اس پر رفع، نصب یا جر آئے گا۔ اور یہ رفع، نصب اور جر لفظاً بھی ہو سکتا ہے، تقدیراً بھی ہو سکتا ہے اور محلاً بھی۔ لفظاً اور تقدیراً کس کے اندر ہو گا؟ معرب کے اندر، اور محلاً کس میں ہو گا؟ مبنی۔ لہٰذا آپ کو مبنی کی بھی پہچان ہونی چاہیے تاکہ عبارت میں مبنی کے آتے ہی آپ پہچان جائیں کہ اس پر محلاً اعراب آئے گا، لفظاً یا تقدیراً نہیں۔ تو مبنیات کل کتنے ہیں؟ آٹھ ہیں۔ میں نے بتایا یہ وہ چیزیں ہیں بنیادی چیزیں، آپ کو ہر وقت یاد ہونی چاہئیں بھئی۔ تو مبنیات کل آٹھ ہیں: نمبر ایک تمام ضمیریں، نمبر دو اسمائے اشارہ، نمبر تین اسمائے موصولہ، نمبر چار کچھ مرکبات ہیں، نمبر پانچ اسمائے اصوات، نمبر چھ اسمائے ظروف، نمبر سات اسمائے افعال، اور نمبر آٹھ کنایات ہیں بھئی۔ تو یہ ہر وقت آپ کو یاد ہونے چاہئیں، کم از کم یہ جو تین ہیں تمام ضمیریں، اسمائے اشارہ اور اسمائے موصولہ، یہ مبنی ہیں یہ تو ہر وقت آپ کے ذہن میں ہونا چاہیے بھئی۔

اور پھر میں نے آپ کو بتلایا تھا کہ مبتدا بھی مرفوع ہوتا ہے، خبر بھی مرفوع ہوتی ہے۔ جب بھی عبارت میں کوئی لفظ آ جائے اور آپ کو کہیں سے پتہ چل جائے یا آپ کو خود غور کرنے سے اندازہ ہو جائے کہ یہ مبتدا ہے، تو ساتھ ہی پتہ چل جاتا ہے کہ اس پر کون سا اعراب پڑھنا ہے، کیا اعراب آئے گا مبتدا پر؟ رفع آئے گا۔ اسی طرح خبر بھی ہمیشہ کیا ہوتی ہے؟ مرفوع۔ اسی طرح فاعل بھی کیا ہوتا ہے؟ مرفوع۔ نائب الفاعل بھی کیا ہوتا ہے؟ مرفوع۔ تو مبتدا بھی مرفوع اور خبر بھی مرفوع ہوتی ہے۔ پھر آپ نے اس میں غور کرنا ہے کہ یہ مبنی تو نہیں؟ اگر مبنی ہو تو وہ رفع محلاً آئے گا، اور اگر وہ مبنی نہیں ہے تو معرب ہے اور معرب کے وہ سولہ قسمیں آپ پڑھ چکے ہیں، بعض میں اعراب لفظاً ہے اور بعض میں تقدیراً ہے۔

اس کے بعد موصوف صفت کی ترکیب ہم نے شروع کی تھی۔ میں نے آپ کو بتلایا تھا کہ ایک معرفہ کے بعد پھر ایک یا زیادہ معرفہ اکٹھے آجائیں تو اول کو کیا بناؤ؟ موصوف، باقیوں کو کیا بناؤ؟ صفت۔ اور موصوف پر جو بھی اعراب ہو چاہے رفع ہو، نصب ہو یا جر ہو، صفت پر بھی وہی اعراب آئے گا۔ موصوف صفت میں اعراب کے اندر بھی مطابقت ضروری ہے اور اسی طرح تعریف و تنکیر میں بھی، موصوف معرفہ ہو تو صفت بھی ہمیشہ کیا آئے گی؟ معرفہ۔ تو ایک معرفہ کے بعد آگے ایک یا زیادہ معرفہ آجائیں تو اول کو بناؤ موصوف اور باقیوں کو بناؤ صفت۔ اسی طرح نکرہ کے بعد اگر ایک یا زیادہ نکرہ آ جائیں تو اول بنے گا موصوف اور بعد والے بنیں گے صفت، لیکن شرط یہ ہے کہ آخری نکرہ کے بعد کوئی معرفہ نہ آئے، ورنہ پھر غور کریں کہیں وہ آپس میں مضاف مضاف الیہ نہ بن رہے ہوں۔ اور میں نے آپ کو بتلایا تھا کہ یہ جتنے ضابطے ہیں یہ اکثری ہیں کلی نہیں، اس سے آپ کی اکثر مثالیں حل ہو جائیں گی، آپ کو طریقہ آجائے گا کہ ترکیب کیسے کرتے ہیں، اس کے بعد پھر آپ خود ترکیب کر سکتے ہیں۔

پھر میں نے موصوف صفت کے ترجمہ کرنے کا طریقہ بھی بتلایا تھا کہ عربی میں صفت مؤخر ہوتی ہے لیکن اردو میں صفت مقدم۔ تو نکرہ کے اندر مثلاً «رَجُلٌ شُجَاعٌ» اس کا ترجمہ کیا کریں گے؟ پہلا طریقہ کیا ہے؟ بہادر آدمی، دیکھو بہادر کو مقدم کر دیا آدمی پر اردو میں۔ اور معرفہ میں کیسے ترجمہ کریں گے؟ «اَلرَّجُلُ الشُّجَاعُ» کیا ترجمہ ہو گا؟ وہ بہادر آدمی، دیکھو معرفہ کے یہ الف لام کے ذریعے اشارہ ہو رہا ہے کسی متعین مرد کی طرف، «اَلرَّجُلُ الشُّجَاعُ» وہ بہادر آدمی۔ دیکھو یہ موصوف صفت والا ترجمہ ہے اس میں بات پوری نہیں، «وہ بہادر آدمی»، تو اس کے لیے پھر آگے خبر بھی چاہیے جس سے بات پوری ہو۔ پھر دوسرا طریقہ یہ تھا کہ عربی میں موصوف مقدم ہوتا ہے، آپ اردو میں بھی کیا کریں؟ موصوف کو مقدم ہی رکھیں، البتہ نکرہ کے اندر موصوف سے پہلے «ایسا» یا «ایسی» لے آئیں، اور معرفہ کے اندر موصوف سے پہلے «وہ» کا لفظ لے آئیں۔ «رَجُلٌ شُجَاعٌ» دوسرا طریقہ کیا ترجمہ ہو گا نکرہ ہے؟ ایسا آدمی جو کہ بہادر ہے۔ اور «اَلرَّجُلُ الشُّجَاعُ» دوسرے طریقے سے اس کا ترجمہ کریں دونوں معرفہ ہیں: وہ آدمی جو کہ بہادر ہے بھئی۔

اس کے بعد پھر ایک اور چھوٹا سا ضابطہ ذکر ہوا تھا کہ جس اسم کے ساتھ بھی ضمیرِ متصل آجائے وہ ہمیشہ آپس میں کیا

بنیں گے؟ مضاف مضاف الیہ۔ «کِتَابُہٗ» یہ آپس میں کیا ہیں؟ مضاف مضاف الیہ۔ «غُلَامِیْ» یہ کیا ہیں آپس میں؟ مضاف مضاف الیہ۔ یہاں میں نے آپ کو بتلایا تھا کہ بھئی یہ جو «غُلَامِیْ» کوئی بھی اسم مضاف ہو یائے متکلم کی طرف علاوہ جمع مذکر سالم، یہ طلبہ عموماً اس سے بہت پریشان ہوتے ہیں، یہ یاد رکھو یہ «غُلَامِیْ» میں «غُلَام» کا اعراب الگ بتانا ہے اور یا کا اعراب الگ۔ «غُلَام» پر عامل کے مطابق اعراب آئے گا لیکن جب یہ یائے متکلم کی طرف مضاف ہو تو پھر تینوں حالتوں میں اعراب کیا ہو گا؟ تقدیری ہو گا، کیا ہو گا؟ تقدیری ہو گا۔ جبکہ یا جو آگے ضمیر ہو گی وہ مضاف الیہ ہو گی اور مجرور ہو گی محلاً کیونکہ وہ مبنی ہے۔

اس کے بعد پھر ہم نے جملہ فعلیہ کی ترکیب شروع کی تھی۔ میں نے بتلایا تھا کہ چاہے فعلِ معروف ہو چاہے فعلِ مجہول، وہ جب بھی کلام میں آئے گا وہ چاہے گا ایک اسم کو رفع دے دے۔ ہر حال میں وہ ایک اسم کو رفع دے گا، اور باقی جملے کے اندر جتنے اسم آئیں گے وہ سارے یا منصوب ہوں گے یا مجرور، اور مجرور تو دو ہی ہیں دنیا کے اندر: ایک جس پر حرفِ جر داخل ہو اور دوسرا مضافٌ الیہ۔ تو ان کو بھی الگ کر لیں گے تو باقی سارے منصوب ہوں گے، پھر آپ نے ان کو پہچاننا ہے کہ یہ منصوب کس وجہ سے ہے؟ مفعول بہ ہے یا مفعول فیہ ہے؟ مفعول فیہ وہ جس کے اندر زمانے یا جگہ کا معنی پایا جائے، وہ کیا بنتا ہے؟ مفعول فیہ بنتا ہے۔

تو فعلِ معروف ہو یا فعلِ مجہول یہ ہمیشہ تقاضا کریں گے کہ ایک اسم کو رفع دیں۔ اگر فعلِ معروف ہو تو جس اسم کو وہ رفع دے گا وہ اس کا فاعل کہلائے گا، اور اگر فعلِ مجہول ہو تو جس اسم کو وہ رفع دے وہ اس کا نائب فاعل کہلائے گا۔ فاعل بھی مرفوع ہوتا ہے اور نائب الفاعل بھی مرفوع۔ جیسے ہی ایک لفظ کے بارے میں آپ کو پتہ چلے کہ یہ فاعل بن رہا ہے، ساتھ ہی اس کا اعراب بھی پتہ چل گیا کہ اس پر رفع پڑھنا ہے۔ اب پھر آپ مزید غور کر لیں کہ یہ معرب ہے یا مبنی؟ اگر مبنی ہے تو یہ رفع محلاً ہو گا، اور اگر معرب ہے تو لفظاً ہو گا یا تقدیراً، وہ سولہ قسموں کے اندر آپ غور کر لیں گے بھئی۔

تو لہٰذا فعل کے لیے ہمیشہ آگے فاعل یا نائب فاعل ضرور چاہیے۔ اور یہ فاعل یا نائب فاعل ایک ہی آ سکتا ہے، ایک سے زیادہ نہیں آ سکتے۔ اور یہ فاعل یا نائب فاعل جو ہے ہمیشہ فعل کے بعد آئے گا، کبھی بھی فعل پر مقدم نہیں ہو سکتا۔ «ضَرَبَ زَیْدٌ»، یہ «زَیْدٌ» «ضَرَبَ» کے لیے فاعل ہے، لیکن اسی «زَیْدٌ» کو جب «ضَرَبَ» پر مقدم کر دیں اب یہ «ضَرَبَ» کے لیے فاعل نہیں بن سکتا، بات سمجھ میں آ رہی ہے؟ تو یہ فاعل نہیں بن سکتا۔ اور پھر فاعل یا نائب فاعل ایک ہی آئے گا، ایک سے زیادہ نہیں آ سکتے۔ اور فاعل یا نائب فاعل ضمیر بھی آ سکتی ہے اور اسمِ ظاہر بھی۔ تو اسمِ ظاہر کسے کہتے ہیں میں نے آپ کو بتلایا تھا، یہ اسمِ ضمیر کے مقابلے میں ہے۔ ساری دنیا کے اسم آپ اکٹھے کر لیں اور اس میں سے وہ ستر ضمیریں نکال لیں تو باقی سارے اسم کیا کہلائیں گے؟ اسمِ ظاہر۔ لہٰذا کوئی بھی اسم آپ کے سامنے آئے تو اس میں غور کر لیں، اگر وہ ضمیر نہ ہو تو وہ کیا ہو گا؟ اسمِ ظاہر۔ زید، عمرو، بکر، کتاب، قلم، یہ سب کیا ہیں؟ اسمِ ظاہر ہیں بھئی۔ تو فعل کا فاعل یا نائب

فاعل ضمیر بھی آسکتی ہے اور اسمِ ظاہر بھی، لیکن آئے گا ایک ہی ایک وقت میں۔ اگر ضمیر فاعل یا نائب فاعل ہے تو اسمِ ظاہر فاعل یا نائب فاعل نہیں آسکتا، اور اگر اسمِ ظاہر فاعل یا نائب فاعل بن رہا ہے تو پھر اس فعل کے اندر ضمیر نہیں ہو گی، وہ فاعل یا نائب فاعل نہیں بن سکتی۔

تو فعل کے لیے ہمیشہ فاعل یا نائب فاعل ضرور چاہیے، لیکن آئے گا ایک ہی۔ تو پھر اسمِ ظاہر کن صیغوں کے لیے فاعل یا نائب فاعل آسکتا ہے میں نے آپ کو بتلایا تھا: کہ پہلا اور چوتھا صیغہ، چاہے ماضی ہو چاہے مضارع۔ پہلا صیغہ کون سا ہے؟ واحد مذکر غائب۔ چوتھا صیغہ کون سا ہے؟ واحد مؤنث غائب۔ ان دونوں کے لیے فاعل یا نائب فاعل اسمِ ظاہر آسکتا ہے۔ باقی صیغے جو بارہ ہیں، چاہے ماضی کے ہوں چاہے مضارع، فاعل یا نائب فاعل کی ضمیر انہی کے ساتھ جڑی ہوئی ہو گی، ہاں پھر کبھی وہ بارز ہو گی اور کبھی مستتر اس کے اندر چھپی ہوئی ہو گی۔ تو فاعل یا نائب فاعل کتنے صیغوں کے لیے اسمِ ظاہر آسکتا ہے؟ دو صیغے، پہلا اور چوتھا۔ لہٰذا عبارت میں پہلا یا چوتھا صیغہ آجائے تو پھر آگے آپ اسمِ ظاہر کو تلاش کریں۔ فاعل یا نائب فاعل اگر کیا آجائے؟ پہلا یا چوتھا صیغہ آجائے، پھر آپ آگے لفظوں میں تلاش کریں کوئی اسمِ ظاہر اس کے لیے فاعل یا نائب فاعل تو نہیں بن رہا؟ اگر بن رہا ہو تو اس کو بنا دو، اگر نہ ہو تو پھر انہی میں کیا نکال لو؟ ضمیر نکال لو۔ اور اگر ان دو صیغوں کے علاوہ کوئی اور صیغہ آجائے پھر تو آگے تلاش کرنے کی ضرورت ہی نہیں ہے، انہی دو صیغوں کے ساتھ کیا ہو گی؟ فاعل کی ضمیر ہو گی، ہاں کبھی وہ بارز ہو گی نظر آئے گی اور کبھی مستتر ہو گی چھپی ہوئی ہو گی۔

اس کے بعد پھر ایک دو اور ضابطے ذکر ہوئے تھے، کہ جملہ اسمیہ جو ہے جس میں بتدا اور خبر آتے ہیں، بتدا کی خبر جو ہے کبھی مفرد ہوتی ہے اور کبھی جملہ۔ یعنی پورا جملہ مل کر یہ بتدا کی خبر بنے گا۔ مثلاً یہ ایک اسم آیا، آگے پورا جملہ آکر وہ اس کی خبر بنے گا۔ پورا جملہ اس کی خبر بنے گا، اور وہ جملہ اسمیہ بھی ہو سکتا ہے اور جملہ فعلیہ بھی۔ جملہ اسمیہ ہو تو اس خبر کے اندر کیا کیا ہو گا؟ وہ جو خبر جو جملہ اسمیہ بن رہی ہے، وہ جب جملہ اسمیہ ہے تو جملہ اسمیہ میں کیا کیا ہوتا ہے؟ بتدا اور خبر، لہٰذا اس میں پھر بتدا اور خبر آئیں گے اور پھر یہ پورا جملہ ہو کر پہلے بتدا کے لیے کیا بنے گا؟ خبر۔ اور اگر وہ جملہ فعلیہ ہو تو جملہ فعلیہ میں فعل، فعلِ معروف ہو تو آگے فاعل آتا ہے اور فعلِ مجہول ہو تو نائب فاعل، تو وہ پھر جملہ فعلیہ ہو کر خبر بنے گی بتدا کے لیے۔

اور میں نے آپ کو بتلایا کہ جملہ من حیث الجملہ مستقل ہوتا ہے، اس میں بات پوری ہوتی ہے، وہ کسی سے جڑنے کا محتاج نہیں۔ لیکن اگر آپ پورے جملے کو کس سے جوڑ رہے ہیں؟ بتدا سے، اس کے لیے خبر بنا رہے ہیں، تو درمیان میں ربط چاہیے۔ اور جو چیز ربط دیتی ہے عموماً وہ کیا ہوتی ہے؟ غائب کی ضمیر ہوتی ہے۔ اور یاد رکھو یہ پورے جملے کو آپ نے کس سے جوڑا؟ بتدا سے، یہ پورا جملہ بتدا کے لیے کیا بنا؟ خبر بنا۔ اسی طرح یاد رکھو یہ جملہ جیسے کبھی بتدا کے لیے خبر بنتا ہے،

اسی طرح پورا جملہ جو ہے وہ موصوف کے لیے صفت بنتا ہے، اسی طرح پورا جملہ کبھی ذو الحال کے لیے حال بنتا ہے، اور اسی طرح پورا جملہ کبھی جو ہے موصول کے لیے صلہ بنتا ہے۔ تو جب بھی جملے کو کسی چیز سے جوڑیں درمیان میں ربط ضرور چاہیے، اور ربط کی ایک صورت میں نے بتلا دی کہ غائب کی ضمیر ہونی چاہیے جو اس چیز کی طرف لوٹے جس کے ساتھ آپ اسے جوڑ رہے ہیں۔ تو اگر پورا جملہ خبر بن رہا ہے، توجہ ہے؟ تو خبر کو کس سے جوڑتے ہیں؟ مبتدا سے، تو اس جملے میں ایک ضمیر چاہیے جو مبتدا کو لوٹے۔ اگر پورا جملہ صفت بن رہا ہے، صفت کو کس سے جوڑتے ہیں؟ موصوف سے، تو اس جملے میں ایک ضمیر چاہیے جو کس کو لوٹے؟ موصوف کو۔ اور اگر پورا جملہ جو ہے وہ حال بن رہا ہو، تو اس میں ایک ضمیر چاہیے جو کس کو لوٹے؟ ذو الحال کو۔ اور اگر پورا جملہ صلہ بن رہا ہے، تو اس کے اندر ایک ضمیر چاہیے جو کس کو لوٹے؟ موصول کو۔ تو جملے کو جب بھی آپ نے کسی چیز سے جوڑنا ہے ربط ضرور دینا ہے، ورنہ وہ جڑے گا نہیں۔

اسی طرح یہ جو صفت کے صیغے ہیں، جیسے فعل کے لیے ہمیشہ فاعل یا نائب فاعل چاہیے، اسی طرح یہ جو صفت کے صیغے ہیں: اسمِ فاعل، اسمِ مفعول، صفتِ مشبہ، اسمِ تفضیل اور مبالغے کے صیغے وغیرہ، یہ سارے بھی ہمیشہ فاعل یا نائب فاعل چاہتے ہیں۔ اسمِ مفعول کے لیے نائب فاعل چاہیے، اور اسمِ فاعل، صفتِ مشبہ، اسمِ تفضیل وغیرہ کے لیے فاعل چاہیے۔ اور جیسے فعل اپنے فاعل یا نائب فاعل سے مل کر جملہ بنتا تھا، اسی طرح یہ بھی اپنے فاعل یا نائب فاعل سے جڑیں گے، لیکن یہ جملہ نہیں کہلائیں گے بلکہ شبہِ جملہ کہلائیں گے۔ اور جیسے جملے کو جوڑنے کے لیے ربط ضروری، اسی طرح شبہِ جملہ کو جوڑنے کے لیے بھی ربط ضروری ہے۔

تو اب ہم ترکیبیں کر رہے تھے، کیجیے بھئی کچھ اور ترکیبیں تاکہ اور مشق ہو جائے آپ کی بھئی: «عَمْرٌو ذَاہِبٌ»۔ ذَاہِب، ذَال الف ہَا اور بَا بھئی، «ذَاہِب»، ذَہَبَ یَذْہَبُ کے معنی ہیں جانا۔ چلیے بھئی آپ ترکیب کیجیے بھئی۔ «عَمْرٌو» مرفوع لفظاً مبتدا۔ شاباش، «عَمْرٌو» مرفوع لفظاً مبتدا۔ مرفوع کیوں؟ کیونکہ مبتدا ہے۔ لفظاً کیوں؟ اس کے رفع پر ہم تلفظ کر رہے ہیں، کر کے دکھاؤ: «عَمْرٌو»، شاباش۔ آگے بھئی: «ذَاہِبٌ» صیغہ اسمِ فاعل۔ اعراب بولو: «ذَاہِبٌ» مرفوع لفظاً صیغہ اسمِ فاعل۔ شاباش، مرفوع کیوں؟ کیونکہ خبر ہے۔ شاباش۔ اور لفظاً کیوں؟ اس کے رفع پر ہم تلفظ کر رہے ہیں، تلفظ کر کے دکھاؤ: «ذَاہِبٌ»، شاباش۔ نصب پر: «ذَاہِبًا»۔ جر پر تلفظ کریں: «ذَاہِبٍ»، شاباش۔ جی آگے: اس کے اندر ضمیر فاعل، ضمیر بولو: «ہُوَ» ضمیر مرفوع محلاً فاعل۔ شاباش، اس کے اندر «ہُوَ» ضمیر مرفوع محلاً اس کا فاعل۔ وہ ضمیر کیوں مرفوع ہے؟ کیونکہ فاعل ہے، فاعل مرفوع ہوتا ہے۔ محلاً کیوں کہا؟ کیونکہ مبنی ہے، شاباش۔ اسمِ فاعل اپنے فاعل سے مل کر شبہِ جملہ ہو کر مبتدا کے لیے خبر۔ اسمِ فاعل اپنے فاعل سے مل کر شبہِ جملہ ہو کر خبر، مبتدا کے لیے خبر۔ ہاں بھئی، یہ خبر ٹھیک بنا رہے ہیں؟ یہ خبر بنے گی مبتدا کے لیے؟ جی؟ آپ بتائیے بھئی: ربط نہیں دیا، ربط نہیں دیا، بات سمجھ میں آگئی؟ ہاں ربط دیجیے بتائیے بھئی: اس میں

«ہُوَ» ضمیر ہے یہ عمرو کی طرف... شاباش اس کے اندر «ہُوَ» ضمیر ہے جو لوٹ رہی ہے عمرو کی طرف، اور یہ ربط آگیا۔ اور ضمیر مرجع میں مطابقت بھی دیکھا کرو: ضمیر بھی مفرد مذکر، پیچھے مرجع بھی مفرد مذکر، لہٰذا یہ ضمیر عمرو کی طرف لوٹ سکتی ہے۔ تو یہ ربط دے دیا۔ اسمِ فاعل اپنے فاعل سے مل کر شبہِ جملہ ہو کر خبر، مبتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔ روانی سے پڑھیے بھئی: «عَمْرٌو ذَاہِبٌ»۔ ترجمہ کیجیے: عمرو جانے والا ہے؟ عمرو جانے والا ہے، جی ترجمہ کیجیے: عمرو جا رہا ہے۔ میں نے بتایا تھا جانے والا، کھانے والا، کھڑا ہونے والا، اس طرح کا ترجمہ نہ کریں، ہاں کبھی ایسی بھی جگہیں آئیں گی جہاں یہی ترجمہ اچھا لگے گا، مناسب رہے گا۔ «عَمْرٌو ذَاہِبٌ»، کیا ترجمہ ہے؟ عمرو جا رہا ہے، ہاں دیکھا «عَمْرٌو ذَاہِبٌ» بس عمرو جانے والا ہے یہ تو یوں لگتا ہے ابھی گیا نہیں ابھی جانے والا ہے اردو میں لگتا ہے یا نہیں؟ اور «عمرو جا رہا ہے»، دیکھا معلوم ہوا اس وقت وہ ذَاہِب ہے۔ مستقبل میں ہو تو ذَاہِب مجاز بن جائے گا۔ جیسے «عَمْرٌو قَائِمٌ»، دیکھو اس سے اتنی وضاحت نہیں ہوتی، «عَمْرٌو قَائِمٌ» کیا ترجمہ؟ عمرو کھڑا ہے، دیکھا معلوم ہوا اس وقت وہ قائم ہے۔ اور ایک ترجمہ کیا کریں: عمرو کھڑا ہونے والا ہے، اس سے تو لگتا ہے ابھی کھڑا نہیں ہوا کھڑا ہونے والا ہے، تو کون سا ترجمہ بہتر ہے؟ دیکھو آپ خود غور... تو اسمِ فاعل کا ترجمہ ماضی، حال، مستقبل موقع کے مطابق آپ جو بھی ہو آپ ترجمہ کریں گے۔

اگلا جملہ لکھیے بھئی: «بَکْرٌ آکِلٌ»۔ بکر، بَا کاف رَا بکر، آکِل، الف مد آ اور کاف چھوٹا اور لام، أَکَلَ یَأْکُلُ سے اسمِ فاعل ہے، آکِل۔ چلیے بھئی آپ ترکیب کیجیے بھئی: «بَکْرٌ» مرفوع لفظاً مبتدا۔ «بَکْرٌ» مرفوع لفظاً مبتدا۔ مرفوع کیوں؟ مبتدا ہے۔ لفظاً کیوں؟ اس کے رفع پر ہم تلفظ کر رہے ہیں، شاباش۔ آگے: «آکِلٌ» صیغہ اسمِ فاعل، اعراب بولا کریں: مرفوع لفظاً صیغہ اسمِ فاعل۔ مرفوع کیوں؟ خبر ہے، شاباش۔ لفظاً کیوں؟ اس کے رفع پر ہم تلفظ کر رہے ہیں، کر کے دکھاؤ: «آکِلٌ»۔ نصب پر تلفظ کریں: «آکِلًا»۔ جر پر: «آکِلٍ»، شاباش۔ آگے: اس کے اندر ضمیر... کون سی ضمیر؟ «ہُوَ» ضمیر۔ شاباش اس کے اندر «ہُوَ» ضمیر مرفوع محلاً اس کا فاعل۔ مرفوع کیوں ہے؟ فاعل ہے، فاعل مرفوع ہوتا ہے۔ محلاً کیوں؟ ضمیر ہے مبنیات میں سے ہے تو مرفوع محلاً، شاباش۔ آگے: اسمِ فاعل اپنے فاعل سے مل کر شبہِ جملہ ہو کر مبتدا کے لیے خبر۔ اسمِ فاعل اپنے فاعل سے مل کر شبہِ جملہ ہو کر خبر۔ ہاں بھئی یہ شبہِ جملہ خبر بن سکتی ہے؟ یہاں پر ضمیر نہیں نکالا؟ ربط نہیں دیا، کیا نہیں دیا؟ ربط۔ یہ سب سے ضروری چیزوں میں سے ہے نحو کے اندر، ربط دینا ہے، جملہ اور شبہِ جملہ اس کو جب بھی کسی چیز سے جوڑنا ہے کیا چاہیے؟ ربط۔ جی، تو اس کے اندر «ہُوَ» ضمیر جو کس کو راجع؟ مبتدا کی طرف راجع ہے، ضمیر مرجع میں مطابقت ہے، بکر بھی مفرد مذکر «ہُوَ» ضمیر بھی مفرد مذکر، لہٰذا ربط آگیا۔ تو مبتدا اپنی خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔ روانی سے پڑھ دو: «بَکْرٌ آکِلٌ»۔ ترجمہ کیجیے، أَکَلَ یَأْکُلُ کا معنی ہوتا ہے کھانا کھانا: بکر کھانا کھا رہا ہے۔ ہاں، بکر کھا رہا ہے، بکر کھا رہا ہے، کیا چیز کھا رہا ہے وہ ذکر نہیں یعنی مفعول ذکر نہیں، لیکن اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا یہ فعلِ متعدی ہے، مفعول چاہے ذکر ہو یا ذکر نہ ہو۔

جی، اگلا جملہ لکھیے: «خَالِدٌ أَخُوْکَ»۔ چلیے ترکیب کیجیے بھئی۔ «خَالِدٌ» مرفوع لفظاً بتدا۔ «خَالِدٌ» مرفوع لفظاً بتدا، شاباش۔ مرفوع کیوں؟ بتدا ہے۔ لفظاً کیوں؟ اس کے رفع پر ہم تلفظ کر رہے ہیں، کر کے دکھاؤ: «خَالِدٌ»۔ نصب پر: «خَالِدًا»۔ جر پر: «خَالِدٍ»، شاباش۔ آگے: «أَخُوْ» مضاف، اعراب بولو: مرفوع لفظاً مضاف۔ شاباش، «أَخُوْکَ» اس میں «أَخُوْ» مرفوع لفظاً مضاف۔ مرفوع کیوں؟ مضاف ہے؟ مرفوع کیوں؟ مضاف پر تو کوئی بھی اعراب آسکتا ہے، مضاف الیہ مجرور ہوتا ہے، مضاف پر تو کوئی طے نہیں ہے کہ وہ منصوب ہو گا، مجرور ہو گا، مرفوع ہو گا۔ آپ نے مرفوع کہا تو مرفوع کیوں ہے؟ خبر ہے، یہ کیا ہے؟ خبر ہے، شاباش۔ لفظاً کیوں کہا؟ اس کا واو پر... اس کے رفع پر ہم کیا کر رہے ہیں؟ تلفظ، اس کا رفع کس کے ساتھ آتا ہے؟ واو، اور واو میں پڑھ رہا ہوں یا نہیں «أَخُوْکَ»؟ اگر یہ واو نہ ہوتا میں کیسے پڑھتا؟ «أَخُکَ»، «أَخُکَ»۔ لیکن واو ہے میں کیسے پڑھ رہا ہوں؟ «أَخُوْکَ»، دیکھو ضمے کو میں لمبا کر رہا ہوں۔ تو یہ مرفوع ہے لفظاً، میں اس پر باقاعدہ تلفظ کر رہا ہوں۔ مرفوع لفظاً مضاف۔ آپ کو کیسے پتہ چلا یہ مضاف ہے؟ آگے ضمیر ہے، ہاں شاباش جس اسم کے ساتھ بھی کیا آ جائے؟ پوری بات دہرایا کریں: جس اسم کے ساتھ بھی کیا آجائے؟ ضمیرِ متصل، تو وہ آپس میں کیا بنتے ہیں؟ مضاف مضاف الیہ۔ آگے بھئی: کاف ضمیر مضاف الیہ، اعراب بولو: کاف ضمیر مجرور محلاً مضاف الیہ۔ شاباش، مجرور کیوں؟ یہ مبنی ہے؟ مجرور مضاف الیہ ہے۔ محلاً کیوں؟ مبنی ہے شاباش، اور مضاف الیہ ہے۔ جی اب سمیٹیے بھئی: مضاف اپنے مضاف الیہ سے مل کر خبر۔ بتدا اپنی خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔ روانی سے پڑھ دیجیے: «خَالِدٌ أَخُوْکَ»۔ بھئی «أَخُوْکَ» خالد کے لیے خبر بن سکتی ہے؟ انہوں نے تو کوئی ربط نہیں دیا، کوئی عائد نہیں بتلایا۔ کاف ضمیر راجع ہے؟ پھر وہی بات کر رہے ہو، مرجع صرف کون سی ضمیر کا ہوتا ہے؟ غائب کی، مخاطب اور متکلم کی ضمیر کا مرجع ہوتا ہے؟ نہیں۔ پھر؟ آپ بتائیے: جی خبر ہو سکتی ہے، کیوں انہوں نے تو ربط نہیں دیا؟ بولیے بھئی، یہ چھوٹے چھوٹے سوال ہیں کوئی آپ سے پوچھے آپ اس کو جواب دے سکیں۔ جی آپ بتائیے ربط انہوں نے نہیں دیا؟ اس میں... یہ خود خالد کی طرف... پھر راجع ہے! مرجع صرف کس کا ہوتا ہے؟ غائب کی ضمیر کا ہوتا ہے، مخاطب اور متکلم کی ضمیر مخاطب اور متکلم تو آمنے سامنے ہوتے ہیں۔ اسم ہے... کیا ہوا؟ فعل نہیں ہے... جی شاباش، دیکھو میں نے بتایا تھا جملے کو جب بھی کسی چیز سے جوڑیں کیا چاہیے؟ ربط، «أَخُوْکَ» جملہ ہے؟ یا شبہِ جملہ ہو تو کیا چاہیے؟ ربط، «أَخُوْکَ» شبہِ جملہ ہے؟ نہیں، یہ تو مضاف مضاف الیہ ہیں، شبہِ جملہ تو صفت کے وہ صیغے ہوتے ہیں۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو آپ کہیں کہ یہ جو خبر ہے نہ یہ جملہ ہے نہ شبہِ جملہ، لہٰذا یہاں کسی ضمیر اور ربط کی ضرورت نہیں۔ جیسے «زَیْدٌ رَجُلٌ»، زید بتدا، «رَجُلٌ» اس کی خبر۔ اب کوئی کہے بھئی «رَجُلٌ» کے لیے تو ربط آپ نے نہیں دیا؟ آپ کہیں گے «رَجُلٌ» نہ جملہ ہے نہ شبہِ جملہ، اگر جملہ ہوتا پھر ربط چاہیے تھا، یا شبہِ جملہ ہوتا تو کیا چاہیے تھا؟ ربط۔ بات سب کو سمجھ میں آگئی؟

اگلا جملہ لکھیے بھئی: «اَلرَّجُلَانِ قَائِمَانِ»۔ چلیے بھئی ترکیب کیجیے: «اَلرَّجُلَانِ» مرفوع لفظاً بتدا۔ شاباش، توجہ سے بھئی آپ لوگوں نے غلطیاں نکالنی ہیں۔ «اَلرَّجُلَانِ» مرفوع لفظاً بتدا۔ مرفوع کیوں؟ کیونکہ بتدا ہے۔ مرفوع کہہ رہے ہو «اَلرَّجُلَانِ»، میں تو اس پر کسرہ پڑھ رہا ہوں؟ اس کی حرکت ہے۔ یہ کیا ہے؟ یہ اس کی حرکت ہے۔ پھر اعراب کیا چیز ہے؟ الف۔ یہ الف ہے شاباش، تثنیہ کے اندر حالتِ رفعی میں وہ کس کے ساتھ آتا ہے؟ الف، اور نصب اور جریا کے ساتھ، تو یہ مرفوع ہے کون سا مرفوع؟ لفظاً، ہم اس الف پر کیا کر رہے ہیں؟ تلفظ کر رہے ہیں، مرفوع لفظاً بتدا۔ آگے بھئی: «قَائِمَانِ» مرفوع لفظاً خبر۔ «قَائِمَانِ» مرفوع لفظاً خبر، مرفوع کیوں؟ خبر ہے، خبر کیا ہوتی ہے؟ مرفوع۔ لفظاً کیوں؟ اس کے رفع پر ہم تلفظ کر رہے ہیں، کر کے دکھاؤ: «قَائِمَانِ»۔ نصب پر تلفظ کرو: «قَائِمَيْنِ»۔ دیکھا اس کا بھی رفع کس کے ساتھ؟ الف کے ساتھ، نصب اور جریا کے ساتھ، اور ہم اس وقت الف یعنی رفع پر تلفظ کر رہے ہیں تو مرفوع لفظاً۔ آگے آپ نے کیا کہا؟ خبر۔ ہاں بھئی یہ خبر بن سکتا ہے؟ نہیں۔ کیوں؟ یہ صفت کا صیغہ ہے۔ شاباش، یہ صفت کا صیغہ، یہ وہی «قَائِمٌ» ہے اس کی تثنیہ والی حالت آگئی، تو جو مفرد میں کرتے تھے وہی تثنیہ میں کرنا پڑے گا، کیا کرنا پڑے گا؟ ربط دینا پڑے گا، کیا کرنا پڑے گا؟ ربط دینا۔ بتائیے ربط بھئی اب آپ: الف ضمیر... جی الف ضمیر کس کو راجع؟ «اَلرَّجُلَانِ» کو۔ ہاں بھئی آپ بتائیے: «ہُمَا» ضمیر، الف کو کیوں نہیں ضمیر بنایا؟ یہ تثنیہ کی علامت ہے۔ شاباش، میں نے آپ کو بتلایا تھا فعل کے اندر الف اور واو آجائیں وہ تثنیہ اور جمع کی ضمیریں ہیں، «ضَرَبَ ضَرَبَا ضَرَبُوْا»، یہ الف کیا ہے؟ تثنیہ کی ضمیر، «ضَرَبُوْا» یہ واو کس کی ضمیر؟ جمع۔ لیکن یہ جو صفت کے صیغوں میں الف اور واو آتے ہیں: «قَائِمَانِ»، «قَائِمُوْنَ»، «ضَارِبَانِ»، «ضَارِبُوْنَ»، یہ جو صفت کے صیغوں میں الف اور واو آتے ہیں یہ ضمیریں نہیں ہیں، یہ تثنیہ اور جمع کی علامتیں ہیں بس۔ اور میں نے دلیل بھی بتلائی تھی کہ یہ دلیل یاد رکھو پھر آپ کو بھولے گا نہیں بھئی۔ کیا دلیل ہے بھئی کہ یہ ضمیریں نہیں ہیں؟ یہ حالتِ نصبی جری میں الف کس سے بدل جاتا ہے؟ یا سے، اگر یہ ضمیر ہوتی تو بدلتی؟ ضمیر تو مبنی ہے وہ تو بدلتی نہیں ہے اس کی صورت ایک جیسی رہتی ہے، بات سمجھ میں آگئی؟ یہ حالتِ رفعی میں ہے «قَائِمَانِ»، حالتِ نصبی جری میں کیا ہوگا؟ «قَائِمَيْنِ»۔ اگر وہ ضمیر تھی تو کدھر چلی گئی بھئی؟ معلوم ہوا وہ ضمیر نہیں تھی وہ صرف کیا تھی؟ تثنیہ کی علامت۔ لہٰذا «قَائِمَانِ» کے اندر یوں نہیں کہیں گے کہ الف فاعل ہے، بلکہ یوں کہیں گے کہ اس کے اندر «ہُمَا»، یہ جو صیغہ ہے اس کے مطابق ضمیر نکال لیں گے، اس کے اندر «ہُمَا» ضمیر ہے، اس ضمیر کا اعراب بتاؤ بھئی۔ «قَائِمَانِ» کے اندر «ہُمَا» ضمیر نکالی اس... جی: مرفوع محلاً۔ مرفوع محلاً، مرفوع کیوں؟ کیونکہ فاعل ہے۔ کیونکہ فاعل ہے، «قَائِمَانِ» صیغہ صفت کا ہے اس کے لیے کیا چاہیے؟ فاعل۔ «قَائِمَانِ» مرفوع لفظاً صیغہ اسمِ فاعل، اس کے اندر «ہُمَا» ضمیر مرفوع محلاً اس کا فاعل۔ «ہُمَا» مرفوع کیوں؟ فاعل ہے۔ محلاً کیوں؟ مبنی ہے، شاباش۔ آگے کیجیے ترکیب پوری کیجیے: «ہُمَا» ضمیر راجع ہے «اَلرَّجُلَانِ» کی طرف۔ شاباش، یہ «ہُمَا» ضمیر راجع ہے کس کو؟ «اَلرَّجُلَانِ»۔ ضمیر مرجع میں مطابقت ہے؟ وہ بھی تثنیہ مذکر، «ہُمَا» ضمیر بھی کیا ہے؟ تثنیہ مذکر، ضمیر مرجع میں مطابقت

ہے یہ اس کو لوٹ سکتی ہے۔ تو یہ عائد آگیا، ربط انہوں نے دے دیا بھئی۔ اب آگے: اسمِ فاعل اپنے فاعل سے مل کر شبہِ جملہ ہو کر خبر۔ مبتدا اپنی خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔ ترکیب سمجھ میں آگئی؟ بھئی محنت کر لو یہ چند دن ہیں جامی، جامی پھر جلد سے جلد ہم شروع کریں، بہت بڑی کتاب ہے بھئی وقت تھوڑا ہے، تو اس میں ذرا محنت کرو بھئی اس کو بار بار دہراؤ۔ اچھا مبتدا اپنی خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا، اب روانی سے پڑھو اس کو: «اَلرَّجُلَانِ قَائِمَانِ»۔ ترجمہ کیجیے: وہ دو آدمی کھڑے ہیں۔ شاباش، وہ دو آدمی کھڑے ہیں۔ وہ دو آدمی، یہ آپ نے یہ «وہ» کس کا ترجمہ کیا؟ ہاں یہ الف لام آیا، یہ جو الف لام ہے اس کا ترجمہ میں نے بتایا تھا الف لام کے ذریعے کسی چیز کی طرف اشارہ، معلوم ہوا کوئی دو خاص آدمی مراد ہیں۔ چنانچہ آپ اصولِ شاشی میں آپ مثال پڑھیں گے کہ خاوند اپنی بیوی سے کہتا ہے: «إِنْ دَخَلْتِ الدَّارَ فَأَنْتِ طَالِقٌ»۔ تو یہاں عموماً ترجمہ طلبہ کرتے ہیں کہ اگر تو گھر کے اندر داخل ہوئی تو تجھے طلاق ہے۔ کوئی خاوند اپنی بیوی... بس یہ سمجھانے کے لیے ایک مثال ہے کہ خاوند اپنی بیوی سے اگر یہ الفاظ کہے «اگر تو گھر کے اندر داخل ہوئی تو تجھے طلاق»، تو یہاں دیکھو «إِنْ دَخَلْتِ الدَّارَ»، «اَلدَّارَ» آرہا ہے، «اَلدَّارَ»۔ تو لہٰذا «اَلدَّارَ» پر الف لام ہے اور اس کے ذریعے کسی معین چیز کی طرف اشارہ ہے، کسی معین گھر کی طرف، تو ترجمہ یوں نہیں کریں گے کہ اگر تو گھر میں داخل ہوئی، اگر تو اس گھر میں داخل ہوئی، کسی معین گھر کی طرف اشارہ کر کے کہا، بات سمجھ میں آگئی؟ کہ اگر تو اس گھر میں داخل ہوئی تو تجھے طلاق۔ یہ ہے وہ معرفہ والا ترجمہ بھئی۔ «اَلرَّجُلَانِ قَائِمَانِ»، وہ دو آدمی کھڑے ہیں۔

اگلا جملہ لکھیے بھئی: «غُلَامِیْ شَاعِرٌ»۔ «غُلَامِیْ شَاعِرٌ»۔ کیجیے ترکیب بھئی: «غُلَام» مرفوع محلاً مضاف؟ «غُلَامِیْ»، جی اکٹھا ہی پڑھو اس کو الگ نہ توڑو، ہاں یوں کہو اس میں «غُلَام» جو ہے، اس کے اندر «غُلَامِیْ» کے اندر «غُلَام» اعراب بولو: مرفوع محلاً مضاف؟ شاباش، مرفوع...

محلاً مضاف۔ اچھا جی مرفوع کیوں؟ مبتدا ہے۔ محلاً کیوں؟ یہ یا ضمیر کی طرف... ہاں، تقدیراً کہو، تقدیراً، محلاً تو کس میں آئے گا؟ مبنی میں۔ ہاں، تو مرفوع تقدیراً مضاف۔ تقدیراً کیوں؟ کیونکہ یا ضمیر کی طرف مضاف ہے، اور مبتدا ہے، شاباش۔ مضاف، آپ نے کہا یہ مضاف ہے، آپ کو کیسے پتہ چلا یہ مضاف ہے؟ اس کے ساتھ یا ضمیر، ہاں جس اسم کے ساتھ، پوری بات کیا کرو: جس اسم کے ساتھ بھی کیا آجائے؟ ضمیرِ متصل، تو وہ آپس میں مضاف مضاف الیہ بنتے ہیں۔ جی، مضاف۔ آگے: یا ضمیر مجرور محلاً مضاف الیہ۔ یا ضمیر مجرور محلاً مضاف الیہ۔ مجرور کیوں؟ مضاف الیہ ہے۔ محلاً کیوں؟ مبنی ہے، شاباش۔ جی: مضاف اپنے مضاف الیہ سے مل کر مبتدا، شاباش۔ آگے: «شَاعِرٌ» مرفوع لفظاً صیغہ اسمِ فاعل۔ شاباش، «شَاعِرٌ» مرفوع لفظاً صیغہ اسمِ فاعل۔ آگے: مرفوع کیوں؟ کیونکہ خبر ہے۔ خبر ہے، لفظاً کیوں؟ اس کے رفع پر ہم تلفظ کر رہے ہیں، کر کے دکھاؤ: «شَاعِرٌ»، شاباش۔ آگے بھئی: «شَاعِرٌ» میں «ہُوَ» ضمیر مرفوع محلاً فاعل جو کہ راجع ہے

«غُلَام» کی طرف۔ شاباش، «شَاعِرٌ» کے اندر «ہُوَ» ضمیر مرفوع محلاً اس کا فاعل، جو لوٹ رہی ہے، جو راجع ہے کس کی طرف؟ «غُلَامِیْ» کی طرف بھئی۔ آگے سمیٹیے: اسمِ فاعل اپنے فاعل سے مل کر شبہِ جملہ ہو کر مبتدا کے لیے خبر۔ اسمِ فاعل اپنے فاعل سے مل کر شبہِ جملہ ہو کر خبر۔ ربط یہ بتا چکے ہیں۔ مبتدا اپنی خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔ روانی سے پڑھ دو: «غُلَامِیْ شَاعِرٌ»۔ ترجمہ کیجیے: میرا غلام شاعر ہے۔ میرا غلام شاعر ہے، شاباش۔

اگلا جملہ لکھیے بھئی: «مُسْلِمِیَّ مُجْتَہِدُوْنَ»۔ «مُسْلِمِیَّ» میم کے ساتھ یا جوڑ دیں اور اوپر شد ڈال دیں، آخر میں گول ہا نہیں ڈالنی بھئی، یا کے اوپر صرف شد ڈالنا ہے۔ میم، سین، لام، میم اور یا، اور یا کے اوپر شد ڈال دیں۔ «مُجْتَہِدُوْنَ»۔ چلیے بھئی ترکیب کیجیے بھئی آپ۔ «مُسْلِمِیَّ» مرفوع تقدیراً... اس کے اندر یوں ترکیب کر لو تاکہ سب کے لیے خوب وضاحت ہو جائے، اس کے اندر مضاف کو الگ ذکر کر دو: «مُسْلِمِیَّ» یہ مضاف مضاف الیہ ہیں، اس کے اندر «مُسْلِمُوْنَ» مرفوع تقدیراً مضاف۔ مرفوع تقدیراً مضاف۔ ایک «مُسْلِمُوْنَ» ہے اور ساتھ آگے کیا جڑی ہوئی ہے؟ یا، تو «مُسْلِمُوْنَ» مرفوع تقدیراً مضاف۔ مرفوع کیوں؟ مبتدا ہے۔ کیونکہ مبتدا ہے۔ تقدیراً کیوں کہا؟ کوئی بھی اسم علاوہ جمع مذکر سالم کے جب مضاف ہو یائے متکلم کی طرف، تو؟ تو یہ تو جمع مذکر سالم مضاف ہو رہا ہے، اس کے علاوہ کی آپ بات کر رہے ہیں۔ ہاں بھئی کیا اعراب ہے؟ رفع واو تقدیری کے ساتھ۔ دیکھو نا «مُسْلِمِیَّ» پڑھ رہے ہیں، عبارت ابھی تو الگ کر دیا ہم نے، اکٹھا کیسے پڑھ رہے ہو «مُسْلِمِیَّ مُجْتَہِدُوْنَ»۔ «مُسْلِمِیَّ» کے اندر وہ واو ہے؟ وہ واو پڑھ رہا ہوں میں؟ نہیں۔ یہ تو «مُسْلِمُوْنَ» ہے، «مُسْلِمُوْنَ» کا رفع کس کے ساتھ آتا ہے؟ واو، اور میں اس وقت پڑھ رہا ہوں واو «مُسْلِمِیَّ»؟ نہیں، معلوم ہوا یہ مرفوع ہے تقدیراً۔ تقدیراً۔ وہی «مُسْلِمُوْنَ» ہے، رفع کس کے ساتھ؟ ویسے کس کے ساتھ آتا ہے؟ واو کے ساتھ، اور اس وقت واو میں پڑھ رہا ہوں اس پر تلفظ کر رہا ہوں؟ نہیں کر رہا تو معلوم ہوا یہ کیا ہے؟ تو یہ مرفوع تقدیراً مضاف۔ آگے: یا ضمیر مجرور محلاً مضافٌ الیہ۔ سمیٹیے: مضاف اپنے مضاف الیہ سے مل کر مبتدا۔ «مُسْلِمِیَّ» کیا ترجمہ ہو گا؟ میرے مسلمان، یا یوں کہو: میرے فرمانبردار، مسلم کا کیا ترجمہ ہوتا ہے؟ فرمانبردار، تو جمع ہے: میرے فرمانبردار۔ «غُلَامِیْ» کا کیا ترجمہ تھا؟ میرا غلام، اور یہ ہے جمع تو میرے فرمانبردار۔ مجتہد کا معنی عربی میں ہوتا ہے محنتی کے بھئی، محنتی۔ جی آگے ترکیب کیجیے: «مُجْتَہِدُوْنَ» مرفوع لفظاً صیغہ اسمِ فاعل۔ شاباش، «مُجْتَہِدُوْنَ» مرفوع لفظاً صیغہ اسمِ فاعل۔ مرفوع کیوں؟ خبر ہے۔ لفظاً کیوں؟ اس کے رفع پر ہم تلفظ کر رہے ہیں، کر کے دکھاؤ: «مُجْتَہِدُوْنَ»۔ میں تو نون پر زبر پڑھ رہا ہوں رفع کدھر ہے؟ یہ واو ہے۔ ہاں شاباش، وہ نون کی حرکت ہے، اس کا رفع واو کے ساتھ آتا ہے اور نصب اور جر یا کے ساتھ: «مُجْتَہِدِیْنَ»۔ جی آگے: اس کے اندر واو ضمیر مرفوع محلاً فاعل؟ اس کے اندر واو ضمیر، اعراب بولو: مرفوع محلاً فاعل۔ ہاں بھئی یہ ٹھیک بتا رہے ہیں؟ جی آپ بتائیے: «ہُمْ» ضمیر۔ وہ کہہ رہے ہیں واو ضمیر، یہ کہہ رہے ہیں «ہُمْ» ضمیر، بھئی کس کی بات ٹھیک ہے؟ «ہُمْ» ضمیر۔

کیوں؟ کیونکہ «مُجْتَہِدُوْنَ» یہ حالتِ رفعی میں ہے، اگر حالتِ نصبی جری میں کریں تو یہ واو یا میں بدل جائے گا، جی، پوری بات کرو: معلوم ہوا یہ واو ضمیر نہیں ہے۔ وہ دلیل یاد رکھو بھئی، دلیل! اسمِ فاعل کے صیغوں میں جمع ہو یا تثنیہ، الف کس سے بدلتا ہے؟ واو اور الف کس سے بدلتے ہیں؟ یا سے، معلوم ہوا وہ ضمیریں نہیں ہیں بلکہ تثنیہ اور جمع کی علامتیں ہیں۔ فعل، پھر سنو: فعل کے اندر جو الف اور واو آتے ہیں وہ ضمیریں ہوتی ہیں۔ «ضَرَبَ ضَرَبَا»، یہ الف کیا ہے؟ ضمیر۔ «ضَرَبُوْا»، یہ واو کیا ہے؟ ضمیر۔ لیکن صفت کے صیغے: «ضَارِبٌ ضَارِبَانِ»، یہ الف کیا ہے؟ یہ ضمیر نہیں ہے۔ «ضَارِبُوْنَ»، یہ واو ضمیر نہیں ہے، کیونکہ یہ بدلتے ہیں: «ضَارِبَانِ» حالتِ رفعی میں ہے تو حالتِ نصبی جری میں کیسے کہیں گے؟ «ضَارِبَیْنِ»۔ اور «ضَارِبُوْنَ» حالتِ نصبی جری میں کیسے کہیں گے؟ «ضَارِبِیْنَ»، دیکھو بدل رہے ہیں، توجہ ہے؟

اچھا جی، اس کے اندر «ہُمْ» ضمیر مرفوع محلاً فاعل جو لوٹ رہی ہے «مُسْلِمِیَّ» کی طرف۔ ہاں شاباش، اس کے اندر «ہُمْ» ضمیر مرفوع محلاً اس کا فاعل، جو کس کو لوٹ رہی ہے؟ «مُسْلِمِیَّ» کو۔ ضمیر مرجع میں مطابقت ہے؟ «مُسْلِمِیَّ» کے اندر بھی «مُسْلِمُوْنَ» ہے شروع میں، وہ بھی جمع مذکر، اور ادھر بھی «ہُمْ» ضمیر بھی جمع مذکر۔ صیغہ اسمِ فاعل اپنے فاعل سے مل کر شبہِ جملہ ہو کر خبر۔ انہوں نے ربط دے دیا بھئی۔ مبتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔ روانی سے پڑھو: «مُسْلِمِیَّ مُجْتَہِدُوْنَ»۔ ترجمہ کیجیے: میرے فرمانبردار محنتی ہیں۔ ہاں، میرے فرمانبردار لوگ جو ہیں وہ محنتی ہیں۔

اگلا جملہ لکھیے بھئی: «غُلَامُکُمَا غَائِبَانِ»۔ چلیے بھئی آپ ترکیب کیجیے: «غُلَامُکُمَا غَائِبَانِ»۔ «غُلَامُ» مرفوع لفظاً مضاف، شاباش۔ مرفوع کیوں؟ کیونکہ مبتدا ہے۔ مبتدا ہے، لفظاً کیوں؟ اس کے رفع پر ہم تلفظ کر رہے ہیں، کر کے دکھاؤ: «غُلَامُ»۔ جی اچھا، آگے بھئی: مضاف، آپ کو کیسے پتہ چلا یہ مضاف ہے؟ اس کے بعد ضمیر، جس اسم کے ساتھ کیا آجائے؟ ضمیرِ متصل، اسم کی بات چل رہی ہے فعل یا حرف کی نہیں، جس اسم کے ساتھ ضمیرِ متصل آجائے وہ آپس میں کیا بنتے ہیں؟ مضاف مضاف الیہ۔ آگے بھئی: «کُمَا» ضمیر مجرور محلاً مضافٌ الیہ۔ شاباش، «کُمَا» ضمیر مجرور محلاً مضافٌ الیہ۔ مضاف اپنے مضاف الیہ سے مل کر مبتدا۔ آگے بھئی: «غَائِبَانِ» مرفوع لفظاً خبر۔ مرفوع لفظاً خبر۔ ہاں بھئی، مرفوع کیوں؟ کیونکہ خبر ہے، خبر مرفوع ہوتی ہے۔ لفظاً کیوں؟ اس کا رفع کیا ہے؟ «غَائِبَانِ»، میں تو نون کے نیچے زیر پڑھ رہا ہوں، رفع کس چیز کے ساتھ ہے؟ الف کے ساتھ اور ہم اس پر تلفظ کر رہے ہیں۔ جی، ہاں بھئی یہ ترکیب ٹھیک کر رہے ہیں «غَائِبَانِ» خبر؟ صیغہ اسمِ فاعل ہے بھئی، «غَائِبٌ» «فَاعِلٌ»۔ پھر کیجیے: «غَائِبَانِ» مرفوع لفظاً صیغہ اسمِ فاعل۔ شاباش، «غَائِبَانِ» مرفوع لفظاً صیغہ اسمِ فاعل۔ آگے: اس کے اندر «ہُوَ» ضمیر مرفوع محلاً فاعل۔ «غَائِبَانِ» کے اندر «ہُوَ» ضمیر مرفوع محلاً اس کا فاعل۔ ہاں بھئی آپ بتائیے، ٹھیک بتا رہے ہیں؟ نہیں، «ہُمَا» ضمیر ہو گی، صیغہ کون سا ہے؟ تثنیہ، ضمیر بھی کون سی؟ «ہُمَا»، شاباش۔ «ہُمَا» ضمیر مرفوع محلاً اس کا فاعل۔ مرفوع کیوں؟ کیونکہ فاعل ہے۔ فاعل ہے، محلاً کیوں؟ مبنی ہے، شاباش۔ جی، صیغہ اسمِ

فاعل اپنے فاعل سے مل کر شبہِ جملہ ہو کر مبتدا کے لیے خبر۔ «ہُمَا» ضمیر مبتدا کے لیے... «ہُمَا» ضمیر، جی یہ مرجع بتا رہے ہیں۔ پھر بولو: «ہُمَا» ضمیر کس کو راجع؟ مبتدا کو۔ جی، مبتدا «غُلَامُ» ہے یا «کُمَا» ہے؟ ضمیر مرجع میں مطابقت ہے؟ ضمیر کون سی ہے؟ تثنیہ، اور مبتدا کیا ہے؟ مبتدا تثنیہ ہے مفرد ہے؟ تثنیہ؟ جی؟ غلام کی تثنیہ کیا آتی ہے؟ «غُلَامَانِ»، تو یہاں «غُلَامَانِ» ہے؟ غلام تو مفرد ہے، مضاف الیہ تثنیہ ہے، مضاف الیہ۔ اور مبتدا غلام بن رہا ہے یا مضاف الیہ مبتدا بن رہا ہے؟ غلام مبتدا ہے نا، تو ہمیں ضمیر کون سی چاہیے؟ تثنیہ کی، تو آپ کہیں کہ نہیں بھئی یہ جملہ ٹھیک نہیں بن ہی نہیں سکتا، کیونکہ ہمیں ضمیر لوٹانی ہے مبتدا کو اور مبتدا کیا ہے؟ مفرد، اور ضمیر کون سی ہے؟ تثنیہ۔ تو یا تو ضمیر مفرد کی لے آؤ تاکہ مبتدا کے ساتھ مطابقت ہو جائے، اس کو «غَائِبَانِ» نہ لاؤ بلکہ کیا لاؤ؟ «غَائِبٌ» لے آؤ، توجہ ہے؟ اور یا مبتدا کو بھی تثنیہ بنا دو، کیسے کہو؟ «غُلَامَا...» «غُلَامَانِ» ہے نا اس کی اضافت «کُمَا» کی طرف کرو، ہاں تثنیہ غلام کی تثنیہ بناؤ: «غُلَامَانِ»، اس کی اضافت کرو «کُمَا» ضمیر کی طرف، ہاں نون گرا دو: «غُلَامَاکُمَا»۔ «غُلَامَاکُمَا»۔ اور حالتِ نصبی جری میں بھی کیسے پڑھیں گے؟ «غُلَامَیْکُمَا»۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو یہاں ضمیر اور مرجع میں مطابقت نہیں، یا تو اس کو «غَائِبٌ» کر دو تو اب اسی طرح غلام کو غلام رہنے دو، یا ضمیر کو تثنیہ رکھنا چاہتے ہو تو غلام کے بجائے کیا لے آؤ؟ «غُلَامَا» لے آؤ، «غُلَامَا»، رفع کس کے ساتھ آتا ہے اس کا؟ الف، اور ہے یا نہیں الف؟ تو مرفوع لفظاً ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو زیادہ آسان یہی ہے کہ اس کو «غَائِبٌ» کر دیں۔ «غُلَامُکُمَا»، تم دونوں کا ایک غلام، تم دونوں کا ایک، معلوم ہوا دونوں کا کوئی ایک مشترکہ غلام ہے جو اکٹھا مل کر انہوں نے خریدا ہے۔ تو «غُلَامُکُمَا»، تم دونوں کا وہ غلام «غَائِبٌ» غائب ہے۔ تم دونوں کا غلام غائب ہے۔ ترجمہ سمجھ میں آرہا ہے؟ یہ دیکھا ترکیب سے، اس طرح ترکیب آپ ربط دیں گے، جوڑ بنائیں گے تو آپ کو خود ہی پتہ لگ جائے گا کہ عبارت میں کوئی کمی ہے یا ہماری ترکیب صحیح نہیں ہو رہی۔

آگے: «عِیْسٰی رَجُلٌ شَرِیْفٌ»۔ «عِیْسٰی رَجُلٌ شَرِیْفٌ»۔ چلیے بھئی ترکیب کیجیے: «عِیْسٰی» مرفوع تقدیراً مبتدا۔ «عِیْسٰی» مرفوع تقدیراً مبتدا۔ مرفوع کیوں؟ مبتدا ہے۔ تقدیراً کیوں؟ اسمِ مقصور ہے، شاباش۔ اسمِ مقصور کسے کہتے ہیں؟ جس کے آخر میں کیا آئے؟ الفِ مقصورہ۔ الفِ مقصورہ کسے کہتے ہیں؟ یہ جو عام الف ہے اس کو کیا کہتے ہیں؟ الفِ مقصورہ، دوسرا الف کون سا ہوتا ہے؟ الفِ ممدودہ، تو یہ عام الف ہے۔ تو جس اسم کے آخر میں الفِ مقصورہ آئے وہ ہے اسمِ مقصور، اور اس کا اعراب تینوں حالتوں میں تقدیری۔ تو «عِیْسٰی» مرفوع تقدیراً مبتدا۔ آگے: «رَجُلٌ» مرفوع لفظاً موصوف۔ «رَجُلٌ» مرفوع لفظاً موصوف۔ مرفوع کیوں؟ خبر ہے۔ لفظاً کیوں؟ اس کے رفع پر ہم تلفظ کر رہے ہیں، کر کے دکھائیے: «رَجُلٌ»۔ موصوف، آپ کو کیسے پتہ چلا یہ موصوف ہے؟ نکرہ ہے۔ شاباش، نکرہ کے بعد نکرہ آجائے تو وہ عموماً آپس میں کیا بنتے ہیں؟ موصوف صفت۔ اور ترجمے پہ بھی آپ نے غور کرنا ہے، آنکھیں بند کر کے موصوف صفت نہیں بنانا۔ «رَجُلٌ شَرِیْفٌ» کیا ترجمہ کریں گے؟ ایسا آدمی جو کہ معزز ہے۔ شریف اردو میں اور معنی ہے، عربی میں شریف کا معنی ہے شرف والا، معزز

بھئی، معزز۔ ایسا آدمی جو کہ معزز ہے۔ یہ تو آپ نے لمبا ترجمہ کیا، مختصر ترجمہ کرو: معزز آدمی۔ ہاں، «رَجُلٌ شَرِيْفٌ» کیا ترجمہ ہو گا؟ معزز آدمی، مقدم کر دو بس۔ دیکھو کتنا آسان ہے: معزز آدمی۔ جی، تو «رَجُلٌ» مرفوع لفظاً موصوف۔ آگے: «شَرِيْفٌ» مرفوع لفظاً صفت۔ «شَرِيْفٌ» مرفوع لفظاً صفت۔ ہاں بھئی آپ بتائیے، مرفوع لفظاً صفت، یہ ٹھیک کر رہے ہیں ترکیب؟ صیغہ... «شَرِيْفٌ» صفتِ مشبہ ہے، «فَعِيْلٌ» سب سے مشہور وزن ہے صفتِ مشبہ کا، سب سے زیادہ استعمال ہوتا ہے: شَرِيْفٌ، كَرِيْمٌ، عَلِيْمٌ وغیرہ۔ تو «شَرِيْفٌ» مرفوع لفظاً صفتِ مشبہ۔ مرفوع کیوں؟ ہاں یہ صفت ہے، اور صفت پر وہی اعراب آتا ہے جو کس پر آتا ہے؟ موصوف پر۔ لفظاً کیوں؟ اس کے رفع پر ہم تلفظ کر رہے ہیں، کر کے دکھاؤ: «شَرِيْفٌ»۔ نصب پر: «شَرِيْفًا»۔ جر پر: «شَرِيْفٍ»۔ تو یہ تینوں اعراب اس پر لفظی آتے ہیں۔ آگے: «هُوَ» ضمیر فاعل۔ شاباش، اس کے اندر «هُوَ» ضمیر، اس کا اعراب بولو: مرفوع محلاً اس کا فاعل۔ صفتِ مشبہ اپنے فاعل سے مل کر شبہِ جملہ ہو کر صفت۔ ہاں بھئی یہ صفت بن سکتی ہے؟ نہیں۔ کیوں؟ ربط نہیں ہے۔ شبہِ جملہ کو جب بھی جوڑنا ہے ربط دینا ہے: «هُوَ» ضمیر جو راجع ہے «رَجُلٌ» کی طرف۔ شاباش دیکھا، یہ «هُوَ» ضمیر مبتدا کو نہیں لوٹانی، کس کو لوٹانی ہے؟ «رَجُلٌ»، کیونکہ «شَرِيْفٌ» کو آپ مبتدا سے نہیں جوڑ رہے بلکہ کس سے جوڑ رہے ہیں؟ موصوف سے۔ میں نے بتایا تھا جملے کو جس چیز سے بھی جوڑیں ربط ضروری اس کی طرف ضمیر لوٹائیں، اسی طرح شبہِ جملہ میں بھی ہے جس چیز سے جوڑیں اس کے ساتھ اس کو ربط دیں۔ تو «شَرِيْفٌ» کے اندر «هُوَ» ضمیر مرفوع محلاً اس کا فاعل جو لوٹ رہی ہے کس کو؟ «رَجُلٌ» کو۔ صفتِ مشبہ اپنے فاعل سے مل کر شبہِ جملہ ہو کر صفت، موصوف صفت مل کر خبر، مبتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔ روانی سے پڑھیے: «عِيْسٰى رَجُلٌ شَرِيْفٌ»۔ ترجمہ کیجیے: عیسیٰ معزز آدمی ہے، شاباش، عیسیٰ معزز آدمی ہے۔ دیکھو عیسیٰ بھی مرفوع تھا، رجل بھی مرفوع تھا، شریف بھی مرفوع تھا، اور اس کے اندر «هُوَ» ضمیر بھی مرفوع تھی، لیکن ہر ایک کی وجہ آپ نے الگ بیان کی، اور ہر ایک میں کسی میں اعراب لفظی ہے، کسی میں تقدیراً ہے اور کسی میں محلاً ہے۔ عیسیٰ میں آپ نے کہا مرفوع ہے تقدیراً کیونکہ اسمِ مقصور ہے اور یہ مبتدا ہے اس لیے مرفوع۔ پھر میں نے رجل کے بارے میں پوچھا تو آپ نے کہا یہ مرفوع ہے کیونکہ یہ کیا ہے؟ خبر۔ پھر میں نے «شَرِيْفٌ» کے بارے میں پوچھا تو آپ نے کہا یہ مرفوع ہے کیونکہ یہ صفت ہے اور صفت پر وہی اعراب آتا ہے جو کس پر آتا ہے؟ موصوف پر۔ پھر اس کے اندر «هُوَ» ضمیر تھی میں نے اس کا اعراب پوچھا تو آپ نے کہا مرفوع محلاً، اور کیوں مرفوع ہے کیونکہ وہ فاعل ہے، دیکھا ہر ایک کی وجہ آپ نے الگ بیان کی۔

اگلا جملہ لکھیے: «اَلنِّسَاءُ قَائِمَاتٌ»۔ «اَلنِّسَاءُ» آخر میں ہمزہ بھی ہے، «قَائِمَاتٌ» لمبی تا ہے۔ چلیے بھئی ترکیب کیجیے: «اَلنِّسَاءُ» مرفوع لفظاً مبتدا۔ «اَلنِّسَاءُ» مرفوع لفظاً مبتدا۔ آگے: «قَائِمَاتٌ» مرفوع لفظاً صیغہ اسمِ فاعل۔ شاباش، «قَائِمَاتٌ» مرفوع لفظاً صیغہ اسمِ فاعل۔ مرفوع کیوں؟ کیونکہ خبر ہے، شاباش۔ آگے: اس میں «هُنَّ» ضمیر، شاباش یہ جمع مؤنث کا صیغہ ہے تو اس کے اندر کون سی ضمیر نکالیں گے؟ «هُنَّ»۔ یہ الف کو کیوں نہیں بناتے ضمیر؟ یہ تو مؤنث کی علامت ہے جمع مؤنث سالم کی۔

شاباش، یہ الف تا کیا ہے؟ جمع مؤنث کی علامت ہیں بھئی، جمع مؤنث سالم کی۔ تو اس کے اندر «ہُنَّ» ضمیر، اعراب بولو: «ہُنَّ» ضمیر مرفوع محلاً فاعل۔ مرفوع محلاً فاعل، جو کس کو لوٹ رہی ہے؟ «اَلنِّسَاءُ»۔ ضمیر مرجع میں مطابقت ہے؟ «اَلنِّسَاءُ» بھی جمع مؤنث، «ہُنَّ» ضمیر بھی جمع مؤنث۔ جی آگے: صیغہ اسمِ فاعل اپنے فاعل سے مل کر شبہِ جملہ ہو کر «اَلنِّسَاءُ» مبتدا کے لیے خبر۔ یہ ربط پہلے بتا چکے ہیں۔ مبتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔ روانی سے پڑھو: «اَلنِّسَاءُ قَائِمَاتٌ»۔ ترجمہ کیجیے: وہ تمام عورتیں کھڑی ہیں۔ ہاں، وہ عورتیں کھڑی ہیں، وہ، وہ، وہ عورتیں کھڑی ہیں، نساء سے خاص عورتیں مراد ہیں ان کی طرف اشارہ ہے الف لام کے ذریعے: وہ عورتیں کھڑی ہیں۔

اگلا جملہ لکھیے: «اَلنِّسَاءُ قَائِمَةٌ»۔ اب گول تا ہے آخر میں، «قَائِمَةٌ»۔ «اَلنِّسَاءُ قَائِمَةٌ»، گول تا۔ یہ ترکیب سنیے بھئی: «اَلنِّسَاءُ» مرفوع لفظاً مبتدا۔ تو النساء مرفوع ہے کیونکہ مبتدا ہے، لفظاً ہے کیونکہ اس کے رفع پر ہم کیا کر رہے ہیں؟ تلفظ۔ تو مرفوع لفظاً مبتدا۔ «قَائِمَةٌ» مرفوع لفظاً صیغہ اسمِ فاعل۔ مرفوع کیوں؟ خبر ہے۔ لفظاً کیوں؟ کیونکہ اس کے رفع پر ہم تلفظ کر رہے ہیں۔ تو صیغہ اسمِ فاعل، اس کے اندر «ہِیَ» ضمیر، مفرد ہے نا، مفرد کے اندر کون سی ضمیر ہو گی مؤنث کی؟ «ہِیَ»، تو یہ مؤنث کا صیغہ ہے تو مؤنث، «ہِیَ» ضمیر۔ اور یہ «ہِیَ» ضمیر راجع ہے «اَلنِّسَاءُ» کو۔ اب آپ کے ذہنوں میں اشکال آئے گا کہ «اَلنِّسَاءُ» تو ہے جمع مؤنث، اور «قَائِمَةٌ» کے اندر جو ضمیر «ہِیَ» نکالی وہ کیا ہے؟ واحد مؤنث۔ توجہ ہے؟ مرجع کیا؟ جمع مؤنث، اور ضمیر کیا؟ واحد مؤنث۔ تو یاد رکھنا، یاد رکھنا، بلکہ یہ لکھ لو بھئی: «جمع بتاویلِ جماعۃٌ واحد مؤنث کے حکم میں ہے»۔ جَمْع جیم میم عین، بتاویلِ جَمَاعَةٌ کو گول تا کے ساتھ لکھنا بھئی، عین اور گول تا۔ جمع بتاویلِ جماعۃٌ واحد مؤنث کے حکم میں ہے۔ لکھ لیا؟

یاد رکھو عربی کلام میں آپ کثرت سے دیکھیں گے کہ جمع کی صفت یا خبر کبھی جمع لاتے ہیں کبھی واحد مؤنث لاتے ہیں، جیسے «اَلنِّسَاءُ قَائِمَاتٌ» میں خبر کیا لایا؟ جمع لایا۔ مبتدا جمع مؤنث ہے تو خبر بھی کیا لایا؟ جمع مؤنث۔ اور اگلے میں «اَلنِّسَاءُ قَائِمَةٌ» میں خبر کیا لایا؟ واحد مؤنث۔ تو عربی زبان میں جمع کی صفت، اس کو بھی اسی طرح: کبھی موصوف کیا ہوتا ہے؟ جمع مؤنث، صفت بھی کیا لاتے ہیں؟ جمع مؤنث۔ اور کبھی موصوف ہوتا ہے جمع، بلکہ مؤنث نہ کہو، جمع ہوتا ہے، موصوف کیا ہوتا ہے؟ جمع، اور صفت کیا لاتے ہیں؟ واحد مؤنث لے آتے ہیں، کیا لے آتے ہیں؟ واحد مؤنث۔ تو یاد رکھو یہ جملہ آپ نے یاد کرنا ہے: جمع بتاویلِ جماعۃٌ واحد مؤنث کے حکم میں ہے۔ دیکھو جمع، جمع میں کم از کم کتنے افراد ہوتے ہیں؟ تین۔ تین یا تین سے زیادہ، تو یہ ایک جماعت بن گئی، کیا بن گئی؟ اور جماعت کا لفظ عربی میں کس کے ساتھ لکھتے ہیں؟ گول تا کے ساتھ، کس کے ساتھ؟ گول تا کے ساتھ، اور گول تا عربی میں کس کی علامت ہے؟ واحد مؤنث، کس کی؟ لہٰذا اس لیے جب جمع آجائے تو جمع کس کے حکم میں؟ واحد مؤنث، تو اس کی طرف واحد مؤنث کی ضمیر لوٹا دی جاتی ہے «جَمَاعَةٌ» کی تاویل

میں۔ تو یہ «اَلنِّسَاءُ» جمع آ گئی، تو یہ ایک جماعت بن گئی، کیا بن گئی؟ اور جماعت کا لفظ کیا ہے عربی میں؟ واحد مؤنث۔ جماعت کا لفظ کیا ہے؟ واحد مؤنث، تو ضمیر بھی کون سی لوٹا سکتے ہیں؟ واحد مؤنث۔ جمع کی لوٹانا چاہیں جمع کی بھی لوٹا سکتے ہیں، واحد مؤنث لوٹانا چاہیں تو واحد مؤنث۔ بات سمجھ بھی آئی کہ نہیں؟ آپ کلامِ عرب میں بکثرت دیکھیں گے: بتدا ہو گا جمع اور خبر ہو گی واحد مؤنث، یا موصوف ہو گا جمع اور صفت کیا ہو گی؟ واحد مؤنث۔ تو آپ یہ نہ کہیں کہ موصوف تو جمع مذکر ہے اور آپ صفت کیا لا رہے ہیں؟ واحد مؤنث، کیونکہ یہ جمع ہے اور جماعت کس کے حکم میں؟ یہ بتاویلِ جماعۃٌ کس کے حکم میں؟ واحد مؤنث کے حکم میں، تو اس کی صفت بھی کیا لے آئے؟ واحد مؤنث۔ دیکھو «اَلنِّسَاءُ» یہ کیا ہے؟ جمع، اور یہ کس کے حکم میں؟ بتاویلِ جماعت کس کے حکم میں؟ واحد مؤنث، تو اس کی خبر بھی کیا لے آئے؟ واحد مؤنث لے آئے۔ جی، تو «اَلنِّسَاءُ قَائِمَةٌ» پھر ترکیب سنو: «اَلنِّسَاءُ» مرفوع لفظاً بتدا۔ «قَائِمَةٌ» مرفوع لفظاً صیغہ اسمِ فاعل، اس کے اندر «ہِیَ» ضمیر جو کس کو راجع؟ «اَلنِّسَاءُ» کو۔ «ہِیَ» ضمیر «اَلنِّسَاءُ» کو کس طرح راجع؟ بتاویلِ جماعۃٌ، بتاویلِ واحد مؤنث کی ضمیر لوٹا دی۔ تو مرفوع محلاً، یہ عائد بھی آ گیا۔ تو اسمِ فاعل اپنے فاعل سے مل کر شبہِ جملہ ہو کر خبر، بتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔ طریقہ سمجھ میں آیا؟

اگلا جملہ لکھیے: «اَلرِّجَالُ کَاتِبُوْنَ»۔ «اَلرِّجَالُ کَاتِبُوْنَ»۔ چلیے بھئی ترکیب کیجیے: «اَلرِّجَالُ» مرفوع لفظاً بتدا۔ «اَلرِّجَالُ» مرفوع لفظاً بتدا۔ توجہ ہے؟ «اَلرِّجَالُ» مرفوع لفظاً بتدا، مرفوع کیوں؟ بتدا ہے۔ لفظاً کیوں؟ اس کے رفع پر ہم تلفظ کر رہے ہیں، کر کے دکھاؤ: «اَلرِّجَالُ»۔ جی نصب پر: «اَلرِّجَالَ»۔ جر پر: «اَلرِّجَالِ»، شاباش، بتدا۔ آگے: «کَاتِبُوْنَ» مرفوع لفظاً خبر؟ صیغہ اسمِ فاعل۔ «کَاتِبُوْنَ» مرفوع لفظاً صیغہ اسمِ فاعل۔ مرفوع کیوں؟ خبر ہے۔ لفظاً کیوں؟ اس کے رفع پر ہم تلفظ کر رہے ہیں، شاباش۔ جی آگے: «کَاتِبُوْنَ» صیغہ اسمِ فاعل، اس کے اندر «ہُمْ» ضمیر مرفوع محلاً اس کا فاعل جو لوٹ رہی ہے «اَلرِّجَالُ» کی طرف۔ شاباش، «کَاتِبُوْنَ» اس کے اندر «ہُمْ» ضمیر مرفوع محلاً اس کا فاعل، جو لوٹ رہی ہے کس کو؟ «اَلرِّجَالُ» کو، یہ انہوں نے ربط بھی دے دیا۔ بھئی «کَاتِبُوْنَ» میں آپ نے «ہُمْ» ضمیر نکالی، یہ واو ضمیر کیوں نہیں بناتے؟ ضمیر نہیں، یہ جمع کی علامت ہے بھئی۔ شاباش۔ اسمِ فاعل اپنے فاعل سے مل کر شبہِ جملہ ہو کر خبر، بتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔ روانی سے پڑھو: «اَلرِّجَالُ کَاتِبُوْنَ»۔ ترجمہ کیجیے: وہ تمام مرد کاتب ہیں۔ وہ مرد، وہ مرد کہہ لیں یا وہ تمام مرد: وہ مرد کاتب ہیں، خاص افراد مراد ہیں تین چار یا دس جتنے بھی ہیں۔ اور دیکھو «اَلرِّجَالُ» بھی جمع مذکر، اور «کَاتِبُوْنَ» کے اندر «ہُمْ» ضمیر بھی جمع مذکر، ضمیر کیا ہے مرجع کے مطابق۔ تو بتدا ہے جمع مذکر، تو خبر بھی کیا لائے؟ جمع مذکر۔ لیکن خبر لانے کی ایک اور صورت بھی ہے جو ابھی میں نے بتا دی، کیا خبر لا سکتے ہیں؟ واحد مؤنث بھی لا سکتے ہیں بتاویلِ جماعۃٌ کے۔ جی لکھیے اگلی ترکیب: «اَلرِّجَالُ کَاتِبَةٌ»۔ «اَلرِّجَالُ کَاتِبَةٌ»۔ کیا ترکیب ہو گی؟ «اَلرِّجَالُ» مرفوع لفظاً بتدا۔ «کَاتِبَةٌ» مرفوع لفظاً صیغہ اسمِ

فاعل۔ مرفوع کیوں؟ خبر ہے۔ لفظاً کیوں؟ اس کے رفع پر ہم تلفظ کر رہے ہیں۔ تو صیغہ اسمِ فاعل، اس کے اندر «ہِیَ» ضمیر مرفوع محلاً اس کا فاعل جو کس کو لوٹ رہی ہے؟ «اَلرِّجَالُ»۔ تو آپ پر اشکال کوئی طالبِ علم کرتا ہے کہ «اَلرِّجَالُ» تو جمع ہے جمع مذکر ہے، اور آپ ضمیر کون سی لوٹا رہے ہیں؟ واحد مؤنث، آپ کیا جواب دیں گے؟ پوری بات کیا کرو: کہ یہ جمع بتاویلِ جماعۃٌ کس کے حکم میں ہے؟ واحد مؤنث۔ یہ جماعت ہے، جماعت، اور جماعت کا لفظ عربی میں کیسے لکھتے ہیں؟ گول تا، اور گول تا واحد مؤنث کی علامت ہے، کس کی؟ تو یہ بھی واحد مؤنث کے حکم میں ہے، جماعت ہے، تو اس لیے «ہِیَ» ضمیر اس کی طرف لوٹا دی۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو اسمِ فاعل اپنے فاعل سے مل کر شبہِ جملہ ہو کر خبر، مبتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔ «اَلرِّجَالُ کَاتِبَۃٌ» ترجمہ کیجیے: ترجمہ وہی ہو گا، وہ مرد کاتب ہیں، وہ مرد کاتب ہیں، ترجمہ وہی ہو گا۔

لیکن ایک بات یاد رکھنا: جمع بتاویلِ جماعۃٌ واحد مؤنث کے حکم میں ہے، آپ اس کی طرف واحد مؤنث کی ضمیر لوٹا سکتے ہیں، آپ اس کے لیے خبر بھی واحد مؤنث لا سکتے ہیں، آپ اس کے لیے صفت بھی واحد مؤنث لا سکتے ہیں، آپ ویسے بھی اس کی طرف واحد مؤنث کی ضمیر لوٹا سکتے ہیں، لیکن اگر وہ جمع مذکر سالم ہوا پھر نہیں۔ جمع مذکر سالم ہوا پھر «ہِیَ» ضمیر نہیں لوٹا سکتے ادھر۔ اگر یہاں ہوتا «اَلْمُسْلِمُوْنَ» تو پھر «کَاتِبَۃٌ» نہیں کہہ سکتے۔ «اَلْمُسْلِمُوْنَ کَاتِبَۃٌ» نہیں کہہ سکتے۔ توجہ ہے؟ «اَلْمُسْلِمُوْنَ کَاتِبُوْنَ» تو کہہ سکتے ہو، «اَلْمُسْلِمُوْنَ کَاتِبَۃٌ» نہیں کہہ سکتے۔ کیوں نہیں کہہ سکتے؟ وجہ یہ کہ آپ کس کی تاویل میں کرنا چاہتے ہیں؟ جماعت، واحد مؤنث، تو آپ «ہِیَ» واحد مؤنث کی ضمیر لوٹانا چاہتے ہیں «اَلْمُسْلِمُوْنَ» کی طرف، اور «اَلْمُسْلِمُوْنَ» کے اندر جمع مذکر کی علامت موجود ہے واو، کس کی علامت ہے؟ جمع مذکر کی علامت موجود ہے، اور یہ آپ ضمیر کون سی لوٹانا چاہتے ہیں؟ واحد مؤنث، نہیں اب نہیں لوٹا سکتے۔ یہ علامت نہ ہوتی، «اَلرِّجَالُ» ہوتا، «اَلْکُتُبُ» ہوتا اور کوئی بھی جمع ہوتی آپ لوٹا سکتے تھے واحد مؤنث کی ضمیر۔ لیکن جب وہ کیا ہو؟ جمع مذکر سالم، پھر وہاں چونکہ وہ واو یا یا جو جمع مذکر سالم کی علامت ہے وہ آجاتی ہے لہٰذا پھر وہاں آپ واحد مؤنث کی ضمیر نہیں لوٹا سکتے، کیونکہ یہ اسم کیا ہے؟ مذکر، اور ضمیر کون سی لوٹا رہے ہو؟ مؤنث، یہ نہیں لوٹا سکتے آپ۔ بات سب کو اچھی طرح سمجھ میں آگئی؟

چلیے بھئی بس کرتے ہیں، کل ہم ان شاء اللہ جار مجرور کی ترکیب شروع کریں گے۔ ذرا تیز ہم چلیں گے دن ہمارے پاس کم ہیں۔ تو کل سبق میں ضرور حاضر ہوں اور اس سارے کو بار بار دہراؤ بھئی، بڑی رفتار آہستہ ہے یہ۔ آپ کو سارا روزانہ دہرانا چاہیے، سارا، ایک ایک چیز آپ کے ذہن میں تازہ ہو، غلطیاں نہیں ہونی چاہئیں آپ سے بھئی۔ چلیے بھئی اللہ آپ سب کو بڑا عالم بنائے، چلیے بس بھئی، ہٰذَا ہُوَ الْمَرَامُ، وَاللّٰہُ أَعْلَمُ بِحَقِیْقَۃِ الْکَلَامِ۔

سبق نمبر ۹: تراکیبِ نحویہ (۸): جار مجرور کی ترکیب کا آغاز

تراکیبِ نحویہ (ابتدائی مشق) — بتاریخ: ۲۰ جون ۲۰۲۱ء

▪ تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث

آج ہم جار مجرور کی ترکیب شروع کریں گے اور اس سے پہلے ذرا گزشتہ سبق کی چند باتیں پھر دہرا لیتے ہیں۔

آپ نے پڑھا کہ ہر فعل کے لیے فاعل یا نائب فاعل ضرور چاہیے اور وہ فاعل یا نائب فاعل ضمیر بھی ہو سکتی ہے اور اسمِ ظاہر بھی، لیکن آئے گا ایک ہی۔ اگر ضمیر فاعل یا نائب فاعل آگئی تو اسمِ ظاہر نہیں آئے گا، اور اگر اسمِ ظاہر فاعل یا نائب فاعل آگیا تو ضمیر نہیں آئے گی۔

اور فاعل یا نائب فاعل ہمیشہ فعل کے بعد آئے گا، کبھی بھی فعل پر مقدم نہیں ہو سکتا۔ اور اسمِ ظاہر جو ہے وہ صرف دو صیغے ہیں جن کے لیے اسمِ ظاہر فاعل آسکتا ہے، اور وہ کون کون سے ہیں؟ پہلا اور چوتھا صیغہ، یعنی واحد مذکر غائب اور واحد مؤنث غائب۔ اس کے علاوہ باقی جتنے صیغے ہیں وہ بارہ کے بارہ، ان کے لیے فاعل ہمیشہ ضمیر آئے گی جو اسی صیغے کے ساتھ، اسی فعل کے ساتھ جڑی ہوئی ہوگی، البتہ کبھی بارز ہوگی اور کبھی مستتر ہوگی۔

لہٰذا جب جملے کے اندر پہلا یا چوتھا صیغہ آجائے تو پھر آپ آگے تلاش کریں کہ کوئی اسمِ ظاہر اس کے لیے فاعل یا نائب فاعل تو نہیں بن رہا۔ اگر مل جائے تو اس پر رفع پڑھ لیں اور اگر نہ ملے تو پھر اسی فعل کے اندر ضمیر نکالنا پڑے گی، کیونکہ فاعل یا نائب فاعل تو ہر حال میں چاہیے، آگے اگر کوئی لفظ نہیں ہے تو پھر انہیں کے اندر کیا نکالنا پڑے گی؟ ضمیر بھئی۔

اور پہلا صیغہ بھی مفرد کا ہے اور چوتھا صیغہ بھی مفرد کا، اس سے ایک اور بات پتہ چل گئی کہ فاعل جب اسمِ ظاہر ہو تو فعل کو ہمیشہ مفرد رکھیں گے۔ مثلاً میں زید کو فاعل بنانا چاہتا ہوں تو زید اسمِ ظاہر ہے، تو ضَرَبَ لے کر آؤں گا فعل: ضَرَبَ زَيْدٌ۔ اب میں اس کی تثنیہ بنا لیتا ہوں الزَّيْدَانِ۔ اگرچہ یہ تثنیہ ہے لیکن ہے تو اسمِ ظاہر، اور اسمِ ظاہر کتنے صیغوں کے لیے فاعل بن سکتا ہے؟ پہلے یا چوتھے۔ چوتھا صیغہ تو مؤنث کا ہے تو اس کے لیے وہی پھر پہلا صیغہ لانا پڑے گا: ضَرَبَ الزَّيْدَانِ، ضَرَبَ

الزَّيْدَانِ، ملا کر پڑھیں گے ضَرَبَ الزَّيْدَانِ۔ اور اسی کی جمع جو ہے اس کو اگر میں فاعل بنانا چاہوں یعنی الزَّيْدُوْنَ، تو اس کی الزَّيْدُوْنَ اگرچہ جمع ہے لیکن ہے تو اسمِ ظاہر، اور اسمِ ظاہر صرف کتنے صیغوں کے لیے فاعل بن سکتا ہے؟ دو صیغے ہیں، اور ان میں سے ایک مؤنث والا ہے ایک مذکر والا، تو الزَّيْدُوْنَ کے لیے مذکر والا پہلا صیغہ ہی آجائے گا: ضَرَبَ الزَّيْدُوْنَ۔

آپ یہ نہ کہیں ضَرَبُوْا الزَّيْدُوْنَ کہنا چاہیے، کیونکہ ضَرَبُوْا کے اندر تو واو ضمیر آگئی، وہ فاعل بن گئی تو الزَّيْدُوْنَ اس کے لیے فاعل نہیں بن سکتا۔ تو ضَرَبَ زَيْدٌ، ضَرَبَ الزَّيْدَانِ، ضَرَبَ الزَّيْدُوْنَ۔ فاعل جب اسمِ ظاہر ہو چاہے وہ مفرد ہو، تثنیہ ہو، جمع ہو اس سے فرق نہیں پڑتا، فعل کو ہمیشہ مفرد رکھیں گے۔ البتہ مذکر کے لیے مذکر فعل لائیں گے اور مؤنث کے لیے مؤنث لائیں گے، لہٰذا ضَرَبَتْ هِنْدٌ، ضَرَبَتِ الْهِنْدَانِ، ضَرَبَتِ الْهِنْدَاتُ۔ صورت سمجھ میں آگئی؟

اس کے بعد میں نے آپ کو بتلایا تھا کہ مبتدا کی جو خبر ہے، مبتدا کی جو خبر ہے، وہ کبھی کبھار جملہ آتی ہے، یعنی پورا جملہ مل کر مبتدا کی خبر بنتا ہے اور جملہ من حیث الجملہ مستقل ہوتا ہے، اس میں بات پوری ہوتی ہے۔ مبتدا اور خبر مل کر بات پوری، یا فعل اور فاعل یا نائب فاعل مل کر بات پوری، وہ کسی سے جڑنے کا محتاج نہیں۔ لیکن آپ اس کو مبتدا سے جوڑنا چاہتے ہیں تو درمیان میں ربط چاہیے اور اس ربط کے بغیر جملہ اس سے نہیں جڑے گا۔ جیسے ایک ہے ریل گاڑی کا انجن اور ایک اس کے ڈبے، جب تک ریل گاڑی کے ڈبے اور انجن کے درمیان ربط نہیں آئے گا انجن ان ڈبوں کو لے کر نہیں چل سکتا۔ تو اسی طرح جب پورا جملہ خبر بن رہا ہو مبتدا کی تو اس کے لیے ربط چاہیے۔ تو پورا جملہ کیا بنے گا؟ مبتدا کے لیے خبر، تو اس کے لیے ربط چاہیے، اور وہ ربط اس کی کئی صورتیں ہیں، ایک صورت میں نے بتلا دی کہ کوئی غائب کی ضمیر ہوگی جو اس مبتدا کی طرف لوٹے۔ اور پھر یاد رکھو یہ جو مبتدا کی خبر جملہ آئے تو جملہ اسمیہ بھی خبر آسکتا ہے اور جملہ فعلیہ بھی، لیکن بہرحال ہر حال میں ربط ضروری ہے۔

تو جملہ چار چیزوں سے جڑتا ہے، کس کس سے؟ مبتدا کے لیے خبر بنتا ہے، پورا جملہ خبر بنے گا، اور کبھی موصوف کے لیے صفت، پورا جملہ صفت بنے گی، اور کبھی موصول کے لیے صلہ، پورا جملہ صلہ بنے گا، اور کبھی ذوالحال کے لیے حال، تو پورا جملہ وہ حال بنے گا۔ تو بہرحال جس سے بھی آپ جملے کو جوڑنا چاہیں درمیان میں ربط ضروری ہے۔ تو اگر پورا جملہ خبر بنے تو خبر کو کس سے جوڑتے ہیں؟ مبتدا سے، تو اس میں ایک ضمیر چاہیے جو مبتدا کو لوٹے۔ اور پورا جملہ صفت بنے تو صفت کو کس سے جوڑتے ہیں؟ موصوف سے، تو اس میں ایک ضمیر چاہیے جو موصوف کو لوٹے۔ اور پورا جملہ حال بنے تو حال کو کس سے جوڑتے ہیں؟ ذوالحال سے، تو اس میں ایک ضمیر چاہیے جو ذوالحال کو لوٹے۔ اور پورا جملہ صلہ بنے تو صلہ کو کس سے جوڑتے ہیں؟ موصول سے، تو اس میں ایک ضمیر چاہیے جو اسمِ موصول کو لوٹے۔

پھر اس کے بعد میں نے آپ کو بتلایا تھا کہ جیسے جملے کو جوڑنے کے لیے ربط ضروری، اسی طرح شبہ جملہ کو جوڑنے کے لیے بھی ربط ضروری۔ شبہ جملہ دیکھو نام سے ہی پتہ چل رہا ہے کہ یہ جملے جیسا ہے، جملہ تو نہیں لیکن جملے جیسا ہے۔ شِبْهٌ

کا کیا معنیٰ؟ مِثْلٌ۔ تو شبہ جملہ یعنی مثلِ جملہ، اور اس کو مثلِ جملہ اسی لیے کہتے ہیں کیونکہ جملے والے حکم اس کے لیے بھی آ جائیں گے۔ تو جیسے جملے کو جوڑنے کے لیے کیا ضروری؟ ربط، اسی طرح شبہ جملہ کو بھی کسی چیز سے جوڑنا ہو تو ربط ضروری، اور شبہ جملہ کیا کیا بنیں گے؟ میں نے آپ کو بتلایا تھا کہ یہ جو صفت کے صیغے ہیں: اسمِ فاعل، اسمِ مفعول، صفتِ مشبہ، اسمِ تفضیل اور مبالغے کے صیغے وغیرہ، یہ جو ہیں ان کے لیے بھی ہمیشہ کیا چاہیے؟ فاعل یا نائب فاعل چاہیے۔ تو یہ اپنے فاعل یا نائب فاعل سے مل کر جملہ تو نہیں بنیں گے ہاں شبہ جملہ کہلائیں گے اور ان کو بھی جوڑنے کے لیے ربط ضروری ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟

اور یاد رکھو یہ جو صفت کے صیغے ہیں یہ بالکل فعل جیسے ہوتے ہیں، جیسے فعل کے لیے ہمیشہ فاعل یا نائب فاعل ضرور چاہیے، صفت کے صیغوں کے لیے بھی فاعل یا نائب فاعل ضرور چاہیے۔ جیسے فعل کے لیے فاعل یا نائب فاعل ضمیر بھی آسکتی ہے اور اسمِ ظاہر بھی، اسی طرح یہ صفت کے صیغوں کے لیے بھی فاعل یا نائب فاعل ضمیر بھی آسکتی ہے اور اسمِ ظاہر بھی۔ اور جیسے فعل کے لیے فاعل یا نائب فاعل ایک آسکتا ہے دو یا تین نہیں، اسی طرح یہ صفت کے صیغوں کے لیے بھی فاعل یا نائب فاعل ایک ہی آسکتا ہے دو یا تین نہیں۔ لہٰذا اگر فعل کے لیے فاعل یا نائب فاعل ضمیر آجائے تو اسمِ ظاہر نہیں آسکتا اور اسمِ ظاہر آجائے تو ضمیر نہیں آسکتی، اسی طرح یہ صفت کے صیغے ہیں ان کے لیے بھی فاعل یا نائب فاعل جو ہے ضمیر آجائے تو اسمِ ظاہر نہیں آسکتا اور اسمِ ظاہر آئے تو ضمیر نہیں آسکتی۔ اور جیسے فعل پر اس کا فاعل یا نائب فاعل مقدم نہیں ہو سکتا، اسی طرح یہ صفت کے صیغوں پر بھی فاعل یا نائب فاعل مقدم نہیں ہو سکتا۔ اور جیسے فعل کے لیے فاعل یا نائب فاعل اسمِ ظاہر آجائے تو فعل کو ہمیشہ کیا رکھتے ہیں؟ مفرد۔ توجہ ہے؟ فعل کے لیے فاعل یا نائب فاعل کیا آجائے؟ اسمِ ظاہر، چاہے وہ مفرد ہو، تثنیہ ہو، جمع ہو اس سے غرض نہیں لیکن ہو کیا؟ اسمِ ظاہر، تو فعل کو ہمیشہ کیا رکھتے ہیں؟ مفرد، کیونکہ پہلا صیغہ ہو گا یا چوتھا اور یہ دونوں ہی مفرد کے ہیں، تو فعل کو ہمیشہ مفرد رکھتے ہیں۔ اسی طرح اسمِ ظاہر ہے اس کے لیے بھی فاعل یا نائب فاعل اسمِ ظاہر آجائے تو یہ جو صفت کے صیغے ہیں ان کو بھی ہمیشہ کیا رکھیں گے؟ مفرد رکھیں گے۔ بات سمجھ میں آگئی؟

اور پھر آخر میں ایک اور ضابطہ ذکر ہوا تھا کہ جمع بتاویلِ جَمَاعَۃٌ واحد مؤنث کے حکم میں ہے۔ جمع بتاویلِ جَمَاعَۃٌ واحد مؤنث کے حکم میں ہے۔ تو لہٰذا عربی کلام میں آپ دیکھیں گے کہ اکثر جمع کی صفت واحد مؤنث لے آتے ہیں یا جمع کی خبر کیا لے آتے ہیں؟ واحد مؤنث لے آتے ہیں۔ تو وہ جمع بتاویلِ جَمَاعَۃٌ واحد مؤنث کے حکم میں ہے، لہٰذا اس کی طرف واحد مؤنث کی ضمیر لوٹانا صحیح ہے۔ ہاں اگر وہ جمع مذکر سالم ہو تو پھر واحد مؤنث کی ضمیر اس کی طرف نہیں لوٹا سکتے، کیونکہ جمع مذکر سالم دیکھو اس میں واو یا یا آرہے ہیں اور وہ واو اور یا کس کی علامت ہے؟ جمع مذکر کی علامت ہے، تو جب جمع مذکر کی

علامت ہے تو مؤنث ضمیر اس کی طرف نہیں لوٹا سکتے۔

اب آئیے جار مجرور کی ترکیب بھئی، لکھیے بھئی۔ جی جلدی جلدی لکھیے بھئی۔ جار مجرور جب بھی کلام میں آئے گا تو وہ آٹھ چیزوں میں سے کسی ایک سے ضرور متعلق ہوگا۔ وہ آٹھ چیزیں یہ ہیں: نمبر ایک فعل، نمبر دو مصدر، نمبر تین اسمِ فاعل، نمبر چار اسمِ مفعول، نمبر پانچ صفتِ مشبہ، نمبر چھ اسمِ تفضیل، نمبر سات مبالغے کے صیغے، نمبر آٹھ اسمِ فعل۔ لکھ لیا؟ یہ آٹھ چیزیں ہیں بھئی۔

آگے لکھیے: اگر جملے میں ان میں سے کوئی موجود نہ ہو تو محذوف نکالنا پڑے گا۔ اگر جار مجرور کا متعلق مذکور ہو تو اسے ظرفِ لغو کہتے ہیں۔ ظرف ظا سے ہے بھئی طا ظا، تو اسے ظرفِ لغو ل، غ، و، تو اسے ظرفِ لغو کہتے ہیں۔ اور اگر متعلق محذوف ہو تو اسے ظرفِ مستقر کہتے ہیں۔ م، س، ت دو نقطوں والی ہے، ق بڑا ہے دو نقطوں والا اور ر، مُسْتَقَرّ۔ اس میں یاد رکھو یہ جو رے ہے مشدد ہے، مُسْتَقَرٌّ، اِسْتَقَرَّ یَسْتَقِرُّ سے، مُسْتَقَرّ، یہ اسمِ ظرف کا صیغہ ہے بھئی۔ سمجھ میں آیا؟ اسمِ مفعول کا بھی یہی صیغہ آتا ہے اور ظرف کا بھی یہی ثلاثی مزید فیہ سے۔

آگے لکھیے الگ سطر: اگر جار مجرور کا متعلق محذوف ہو تو اسے افعالِ عامہ، ع، ا، م اور گول ہ، تو اسے افعالِ عامہ سے نکالنا بھی جائز ہے اور افعالِ خاصہ سے بھی۔

الگ سطر: افعالِ عامہ مشہور چار ہیں: نمبر ایک کَوْن، ک، و، ن بھئی، ک چھوٹا، کَوْن، کَانَ یَکُوْنُ سے، کَوْن۔ نمبر دو ثُبُوْت، نمبر تین وُجُوْد، اور نمبر چار حُصُوْل بھئی، حُصُوْل، ص ہے درمیان میں، حُصُوْل۔ افعالِ عامہ کے علاوہ باقی افعال افعالِ خاصہ کہلاتے ہیں۔ افعالِ عامہ کو افعالِ عامہ اس لیے کہتے ہیں کہ ہر فعل میں ان کا معنیٰ پایا جاتا ہے۔ جیسے ضَرَبَ کے اندر ضرب کا ثبوت بھی ہے، ضرب کا حصول بھی ہے، ضرب کا وجود بھی ہے اور ضرب کا کون بھی، یعنی ہونا بھی۔

ان افعالِ عامہ سے فعل کو بھی محذوف نکالا جا سکتا ہے اور صفت کے صیغے کو بھی۔ اور فعل کو جب نکالنا ہو تو فعلِ معروف نکالیں گے، اور صفت نکالنی ہو تو اسمِ فاعل نکالیں گے، سوائے وجود کے کہ وجود سے فعلِ مجہول نکالیں گے اور صفت نکالنی ہو تو اسمِ مفعول نکالیں گے۔

بس بھئی، ضابطے مکمل ہوئے بھئی، بنیادی باتیں مکمل ہوئیں۔ اب پھر ان کو ذرا سمجھ لو، ادھر دیکھیے۔ میں نے بتایا جار مجرور جب بھی کلام میں آئیں گے وہ ہمیشہ کسی نہ کسی چیز سے متعلق ہوں گے۔ یہ جو جار مجرور ہیں یہ مُتَعَلِّق ہوں گے، متعلق یعنی جڑیں گے، تَعَلُّق کا کیا معنیٰ؟ جڑنا، تو یہ مُتَعَلِّق ہوں گے اور جس چیز سے جڑیں گے وہ مُتَعَلَّق کہلائے گا۔ مُتَعَلِّق اسمِ فاعل کا صیغہ ہے، مُتَعَلَّق اسمِ مفعول کا صیغہ ہے۔ اور وہ آٹھ چیزیں ہیں جن سے یہ متعلق ہوں گے بھئی۔ نمبر ایک فعل، نمبر دو مصدر، نمبر تین اسمِ فاعل، نمبر چار اسمِ مفعول، نمبر پانچ صفتِ مشبہ، نمبر چھ اسمِ تفضیل، نمبر سات مبالغے کے

صیغے، اور نمبر آٹھ اسمِ فعل۔ یہ آٹھ چیزیں ہر وقت آپ کو یاد ہونی چاہئیں کیونکہ ہر جملے میں تقریباً جار مجرور آتا ہے، تو آپ کو پتہ چل جائے گا کہ پھر اس کو کس سے جوڑنا ہے اور کس سے نہیں جوڑنا۔ پھر دہرا لیں، کتنی چیزیں ہیں؟ آٹھ چیزیں۔ نمبر ایک فعل، نمبر دو مصدر، پھر دہراؤ۔ نمبر ایک فعل، نمبر دو مصدر، نمبر تین اسمِ فاعل، نمبر چار اسمِ مفعول، نمبر پانچ صفتِ مشبہ، نمبر چھ اسمِ تفضیل، نمبر سات مبالغے کے صیغے، نمبر آٹھ اسمِ فعل۔ تو ان چیزوں کو بار بار دہراؤ آپ کو ازبر ہو جائیں۔

تو یہ اگر ان میں سے کوئی عبارت میں ہو تو جار مجرور کو اس سے جوڑ دیں گے، اور اگر ان آٹھ چیزوں میں سے جملے میں کوئی بھی نہ ہو تو پھر محذوف نکالیں گے۔ اور محذوف افعالِ عامہ میں سے بھی نکال سکتے ہیں اور افعالِ خاصہ میں سے بھی۔ تو اگر ان کا متعلق جملے میں مذکور ہو تو ان کو ظرفِ لغو کہیں گے۔ جار مجرور کو ظرف کہتے ہیں، کیا کہتے ہیں؟ ظرف۔ ایک تو وہ ظرف کے صیغے آپ نے پڑھے ہیں جن میں جگہ اور زمانے والا معنیٰ پایا جائے، ان کو کیا کہتے ہیں؟ ظرف۔ اسی طرح یہ جو جار مجرور ہیں ان کو بھی مجازاً ظرف کہتے ہیں۔ وہ جو تھے جس میں جگہ یا زمانے والا معنیٰ پایا جائے وہ ہے ظرفِ حقیقی، اور یہ جو جار مجرور ہیں یہ ہیں ظرفِ مجازی۔ اور یہ دونوں ایک دوسرے جیسے ہیں، وہ جو ظرفِ حقیقی ہے وہ جار مجرور جیسا ہے اور جار مجرور جو ہے وہ ظرفِ حقیقی جیسا ہے، دونوں ایک دوسرے جیسے ہیں، اس لیے جار مجرور کو بھی کیا کہتے ہیں؟ ظرف کہتے ہیں، اس کی مشابہت جار مجرور کی مشابہت ہے ظرفِ حقیقی کے ساتھ اور ظرفِ حقیقی کی مشابہت ہے جار مجرور کے ساتھ۔ تو یہ دونوں ایک دوسرے کے مشابہ ہیں اس لیے جار مجرور کو بھی کیا کہتے ہیں؟ ظرف کہتے ہیں، ظرف۔

پھر یہ جار مجرور کا متعلق اگر عبارت میں ذکر ہو تو ان کو ظرفِ لغو کہتے ہیں، ل، غ، و، ظرفِ لغو۔ اور اگر ان کا متعلق عبارت میں مذکور نہ ہو، محذوف نکالنا پڑے تو ان کو ظرفِ مستقر کہتے ہیں، توجہ ہے؟ ظرفِ مستقر کہتے ہیں۔

تو جب ان کا متعلق عبارت میں ذکر نہ ہو تو محذوف نکالنا پڑے گا اور وہ محذوف افعالِ عامہ سے بھی نکال سکتے ہیں اور افعالِ خاصہ سے بھی۔ افعالِ عامہ مشہور چار ہیں: کَون، ثُبُوْت، وُجُوْد اور حُصُوْل، سب کا معنیٰ ہے ہونا۔ کَون، ثُبُوْت، وُجُوْد، حُصُوْل، سب کا کیا معنیٰ؟ ہونا۔ دیکھو میں نے کہا ضَرَبَ زَیْدٌ، دیکھو ضرب کا ہونا پایا گیا یا نہیں؟ ضرب کا ہونا، یعنی ضرب کا کون بھی ہے، ضرب کا ثبوت بھی ہے، ضرب کا وجود بھی ہے، ضرب کا حصول بھی ہے، توجہ ہے؟ سب کا معنیٰ کیا ہے؟ ہونا، اور ہر فعل کے اندر ان کا معنیٰ پایا جاتا ہے اس لیے ان کو افعالِ عامہ کہتے ہیں۔ ضَرَبَ کے اندر کون ہے کہ نہیں؟ کون کا کیا معنیٰ؟ ہونا، تو ضَرَبَ کے اندر کس چیز کا کون ہے؟ ضرب کا، ضَرَبَ کے اندر کس چیز کا ثبوت ہے؟ ضرب کا، ضَرَبَ کے اندر کس چیز کا حصول ہے؟ ضرب کا، ضَرَبَ کے اندر کس چیز کا وجود ہے؟ ضرب کا، تو دیکھو سب کا معنیٰ ہے ہونا۔ تو یہ افعالِ عامہ مشہور چار ہیں، یہ نہیں کہ یہی چار ہیں اور بھی ہیں لیکن یہ زیادہ عام استعمال ہوتے ہیں، ابھی فی الحال آپ یہی یاد رکھیں۔

اور تو ہر فعل میں ان کا معنیٰ پایا جاتا ہے جیسے شَرِبَ عَمْرٌو، شَرِبَ عَمْرٌو، دیکھو اس کے اندر ہونا ہے کس چیز کا؟ شرب

کا، اس میں ثبوت ہے کس چیز کا؟ شرب کا، اور اس میں حصول ہے کس چیز کا؟ شرب کا، اور اس میں وجود ہے کس چیز کا؟ شرب کا۔ تو ہر فعل کے اندر یہ چاروں پائے جاتے ہیں اس لیے ان کو افعالِ عامہ کہتے ہیں۔ باقی افعال افعالِ خاصہ کہلاتے ہیں، جیسے ضَرَبَ، ضرب کیا ہے؟ افعالِ خاصہ میں سے ہے۔ شرب میں ضرب ہے؟ شرب میں ضرب ہے؟ نہیں، اور ضرب میں شرب ہے؟ نہیں، دیکھا؟ تو یہ ایک دوسرے میں ان کا معنیٰ نہیں پایا جاتا، جبکہ افعالِ عامہ کا معنیٰ ہر ایک میں پایا جاتا ہے۔ ضَرَبَ کے اندر کون بھی ہے، ثبوت بھی ہے، وجود بھی ہے اور حصول بھی، اسی طرح شرب کے اندر کون بھی ہے، ثبوت بھی ہے، وجود بھی ہے اور حصول بھی۔ لیکن باقی افعال افعالِ خاصہ ہیں، ان کا معنیٰ ایک دوسرے میں نہیں پایا جاتا، جہاں ضرب ہے وہاں شرب نہیں اور جہاں شرب ہے وہاں ضرب نہیں۔

تو یہ جو آپ محذوف نکالیں گے آپ افعالِ عامہ سے بھی نکال سکتے ہیں، افعالِ عامہ عام ہیں جہاں بھی نکالیں گے بات بن جائے گی، اس میں طالب علم کے لیے آسانی ہوتی ہے۔ ہر جگہ وہ چاہے ثَبَتَ نکال دے چاہے ثَابِتٌ نکال دے۔ طریقہ سمجھ میں آرہا ہے؟ تو افعالِ عامہ سے ہر جگہ کام چل جائے گا، جبکہ بعض خاص جگہیں ہیں وہاں افعالِ خاصہ بھی آپ نکال سکتے ہیں، افعالِ خاصہ بھی نکال سکتے ہیں موقعے کے مطابق۔ تو بہرحال وہ محذوف نکالنا پڑے گا۔

اور پھر میں نے بتایا کہ افعالِ عامہ سے فعل بھی نکال سکتے ہیں اور صفت کا صیغہ بھی، توجہ ہے؟ فعل بھی نکال سکتے ہیں اور صفت کا صیغہ بھی۔ البتہ جو وجود ہے اس سے فعلِ مجہول نکالیں گے اور صفت نکالنی ہو تو اسمِ مفعول نکالیں گے۔ وجود سے کیا نکالیں گے فعل؟ وُجِدَ، کیا نکالیں گے؟ وُجِدَ یا یُوْجَدُ، ماضی نکال لو مضارع نکال لو موقعے کے مطابق جو بھی، فعل لیکن مجہول چاہیے، اور صفت کا صیغہ نکالنا ہو تو کون سا صیغہ؟ اسمِ مفعول، مَوْجُوْدٌ۔ جبکہ باقی جو افعالِ عامہ ہیں ان سے اگر فعل نکالنا ہو تو فعلِ معروف، اور صفت کا صیغہ نکالنا ہو تو اسمِ فاعل۔ ثبوت سے کیا نکالیں گے؟ ثَبَتَ، اور صفت کا صیغہ؟ ثَابِتٌ، دیکھا؟ ثَبَتَ فعلِ معروف نکالا، ثَابِتٌ صیغہ اسمِ فاعل نکالا۔ کون سے فعل کیا نکالیں گے؟ کون سے فعلِ معروف کیا ہوگا؟ کَانَ، اور صفت کا صیغہ؟ کَائِنٌ، یہ دیکھا اسمِ فاعل ہے۔ اور اسی طرح حصول سے فعل کیا نکالیں گے؟ حَصَلَ، حَصَلَ، اور صفت کیا نکالیں گے؟ حَاصِلٌ، دیکھا اسمِ فاعل۔

اسمِ فاعل اور اسمِ فاعل یاد ہے یا بھول گیا بھئی؟ میں نے بتایا تھا فاعل کسے کہتے ہیں؟ جسے فعل یا صفت کا صیغہ رفع دے، اور اسمِ فاعل کسے کہتے ہیں؟ وہ جو مخصوص صیغہ جو گردانوں میں آپ نے پڑھا ضَارِبٌ وغیرہ، ضَارِبٌ، مَانِعٌ، فَاتِحٌ۔ اور ایک ہے مفعول ایک ہے اسمِ مفعول، مفعول کسے کہتے ہیں؟ جس کو فعل نصب دے یا صفت کا صیغہ نصب دے، اور اسمِ مفعول کسے کہتے ہیں؟ وہ مخصوص صیغہ جو آپ نے گردانوں میں پڑھا مَضْرُوْبٌ، مَفْتُوْحٌ وغیرہ۔

جی اب مجھے بتائیے کون، اس سے فعل نکالیں گے تو کون سا نکالیں گے؟ کَانَ، اور صفت؟ کَائِنٌ۔ ثبوت سے فعل کیا نکالیں گے؟ ثَبَتَ، اور صفت کیا نکالیں گے؟ ثَابِتٌ۔ وجود سے فعل نکالنا ہے کیا نکالیں گے؟ ہاں مشہور مجہول، وُجِدَ، اور

اس میں صفت کا صیغہ؟ مَوْجُوْدٌ، اسمِ مفعول نکالیں گے۔ اور حصول سے فعل کیا نکالیں گے؟ حَصَلَ، اور صفت کیا نکالیں گے؟ حَاصِلٌ۔ طریقہ سمجھ میں آگیا؟

اب کیجیے ترکیب بھئی۔ لکھیے بھئی: اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ، اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ۔ لِلّٰهِ بھئی کیسے لکھا؟ کتنے لام ہیں؟ دو لام لکھنے ہیں بھئی لِلّٰهِ، طلبہ عموماً کیا کرتے ہیں؟ تیسرا لام بھی جوڑ دیتے ہیں بھئی۔ دو لام لکھو اور پہلے لام کے نیچے زیر لگاؤ۔ چلیے بھئی ترکیب کیجیے۔ ترجمہ سمجھ میں آرہا ہے؟ ترجمے سے ترکیب حل ہو جاتی ہے۔ کیا ترجمہ ہے؟ تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں، دیکھو یہ بات پوری ہے۔ جس کے بارے میں بات کی جائے اس کو کیا کہتے ہیں؟ مبتدا، اور جو بات کی جائے اسے کیا کہتے ہیں؟ خبر۔ جی، اَلْحَمْدُ مرفوع لفظاً مبتدا۔ شاباش، اَلْحَمْدُ مرفوع لفظاً مبتدا۔ مرفوع کیوں؟ مبتدا ہے۔ لفظاً کیوں؟ رفع پر ہم تلفظ کر رہے ہیں، کر کے دکھاؤ: اَلْحَمْدُ، شاباش۔ آگے لَام جارہ، لفظِ اللہ مجرور لفظاً۔ مجرور کیوں؟ ہاں مجرور کیوں؟ کیونکہ حرفِ جر داخل۔ مجرور کیوں؟ حرفِ جر داخل ہے لَام جارہ، اور لفظاً کیوں؟ اس کے جر پر ہم تلفظ کر رہے ہیں، کر کے دکھائیے: لِلّٰهِ۔ آگے کیجیے ترکیب۔ جار مجرور مل کر، ہاں بولیے جار مجرور مل کر کس سے متعلق؟ کَائِنٌ شاباش، کَائِنٌ اور کَانَ اس کو چھوڑ دو، سب سے آسان ہے ثَبَتَ اور ثَابِتٌ اس سے جوڑو۔ کس سے متعلق؟ ثَابِتٌ۔ دیکھو ان آٹھ چیزوں میں سے کوئی ایک ہے یہاں؟ جی اَلْحَمْدُ، حمد مصدر موجود ہے۔ حمد مصدر موجود ہے، پھر لیکن یاد رکھو اس کو حمد سے ہم نہیں جوڑ سکتے کیونکہ جملے میں دو چیزیں ہیں: ایک مبتدا ہے ایک خبر، ایک وہ چیز جس کے بارے میں بات کی گئی اور ایک جو، تو دونوں کو اگر آپ نے لِلّٰهِ کو حمد سے جوڑ دیا تو ترجمہ بن جائے گا وہ حمدِ لِلّٰهِ جو کس کے لیے ہے اللہ کے لیے، بات پوری ہوئی؟ وہ حمد جو اللہ کے لیے ہے، آپ کہیں گے بھئی بات تو پوری کریں، وہ کیسی حمد ہے؟ تو یہ پھر بات ہی پوری نہیں ہوگی کیونکہ یہ تو آپ نے مبتدا سے جوڑ دیا، تو یہ تو مبتدا کا حصہ بن گیا گویا، تو خبر آگے ہمیں چاہیے الگ بھئی، پھر وہ آپ کو الگ محذوف نکالنا پڑے گی، لہٰذا یہاں ایسا نہیں ہے، یہاں بات کیا کی ہے؟ آپ لفظوں پہ غور کریں: اَلْحَمْدُ تمام تعریفیں لِلّٰهِ کس کے لیے ہیں؟ اللہ کے لیے ہیں، دیکھو بات پوری ہے، تو اَلْحَمْدُ بنے گا مبتدا اور لِلّٰهِ مبتدا کی جانب نہیں ہے یہ کیا بنے گی؟ خبر۔ تو بات سمجھ میں آگئی؟ اگر آپ اس کو مبتدا سے جوڑ دیں گے یہ تو مبتدا کا حصہ بن جائے گا پھر خبر آپ کو الگ محذوف نکالنا پڑے گی۔

جار مجرور مل کر متعلق کس سے؟ ثَابِتٌ شاباش، ثَابِتٌ اعراب بولو: ثَابِتٌ مرفوع لفظاً صیغہ اسمِ فاعل، مرفوع کیوں؟ کیونکہ خبر ہے مبتدا کے لیے، یہ لِلّٰهِ اسی ثَابِتٌ سے جڑ رہا ہے نا تو خبر دراصل کون ہے، کیا ہے؟ ثَابِتٌ ہے، تو ثَابِتٌ مرفوع لفظاً صیغہ اسمِ فاعل، اسمِ فاعل والی پوری ترکیب کرنی ہے یہاں۔ آگے: اس کے اندر هُوَ ضمیر مرفوع محلاً اس کا فاعل جو کس کو راجع؟ اَلْحَمْدُ کو۔ ضمیر مرجع میں مطابقت ہے؟ وہ بھی مفرد مذکر ہے اور یہ بھی مفرد مذکر ہے۔ جی ثَابِتٌ صیغہ اسمِ فاعل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر شبہ جملہ ہو کر،

خبر۔ ثَابِتٌ صیغہ اسمِ فاعل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر شبہ جملہ ہو کر خبر، بتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔ روانی سے پڑھو: اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ، اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ۔ ترجمہ کیجیے: تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں۔ یہ تمام کا ترجمہ آپ کہاں سے لے آئے؟ شاباش، یہ الف لام استغراقی ہے بھئی، یہ الف لام جنسی ہے اس کا ترجمہ ہم کر رہے ہیں۔ جنسِ حمد یعنی یہ وہاں بھی یہی بات بن جائے گی کہ تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں۔ تو الف لام کیا ہے؟ استغراقی بھئی۔

آگے لکھیے بھئی: زَيْدٌ فِي الدَّارِ، زَيْدٌ فِي الدَّارِ۔ چلیے بھئی ترکیب کیجیے۔ زَيْدٌ مرفوع لفظاً بتدا۔ شاباش، زَيْدٌ مرفوع لفظاً بتدا، جی۔ فِي حرفِ جر، جی فِي جارہ، الدَّارِ مجرور۔ شاباش، الدَّارِ کون سا مجرور؟ لفظاً۔ ہاں، الدَّارِ مجرور لفظاً، جی۔ مجرور کیوں؟ کیونکہ حرفِ جر داخل ہے تو یہ کیا ہوگا؟ مجرور ہی ہوگا۔ لفظاً کیوں کہا؟ تلفظ کر رہے ہیں، کر کے دکھاؤ: فِي الدَّارِ، فِي الدَّارِ، شاباش۔ جی اب سمیٹیے بھئی۔ جی ہاں جار مجرور ہے، آٹھ چیزوں میں سے ایک سے متعلق ہوگا۔ جار مجرور آگیا بھئی، آٹھ چیزوں میں سے کوئی اس جملے میں ہے؟ فعل ہے، مصدر ہے، اسمِ فاعل، اسمِ مفعول، صفتِ مشبہ وغیرہ کوئی بھی نہیں ہے تو کیا کرنا پڑے گا؟ محذوف نکالنا پڑے گا، جی نکالیے۔ ہاں جار مجرور مل کر متعلق کس سے؟ ثَابِتٌ سے۔ آہاں اب ثَابِتٌ کے بارے میں بتاؤ: ثَابِتٌ مرفوع صیغہ اسمِ فاعل۔ مرفوع کون سا؟ لفظاً۔ مرفوع لفظاً صیغہ اسمِ فاعل، پھر دہراؤ: ثَابِتٌ مرفوع لفظاً صیغہ اسمِ فاعل۔ شاباش، آگے۔ مرفوع کیوں؟ مرفوع یہ خبر ہے، خبر ہے، لفظاً کیوں؟ اس کے رفع پر ہم تلفظ کر رہے ہیں، کر کے دکھاؤ: ثَابِتٌ، شاباش۔ جی آگے: اس کے اندر هُوَ ضمیر، جی اعراب بولو: هُوَ ضمیر مرفوع محلاً، شاباش، فاعل۔ شاباش، اس کے اندر هُوَ ضمیر مرفوع محلاً اس کا فاعل۔ اسمِ فاعل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر شبہ جملہ ہو کر خبر، پھر دہراؤ: اسمِ فاعل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر شبہ جملہ ہو کر خبر۔ شاباش، شاباش، ہاں بھئی یہ خبر بن سکتی ہے؟ نہیں بن سکتی۔ کیوں نہیں بن سکتی؟ ربط نہیں دیا، جملہ یا شبہ جملہ کو جب بھی جوڑنا ہو ربط دینا ہے، شاباش۔ بتائیے ربط کیا؟ شاباش، یہ هُوَ ضمیر کس کو لوٹ رہی ہے؟ زَيْدٌ، اور ضمیر مرجع میں مطابقت ہے؟ شاباش، تو یہ ربط آگیا۔ تو ثَابِتٌ صیغہ اسمِ فاعل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر شبہ جملہ ہو کر خبر، بتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔ روانی سے پڑھو: زَيْدٌ فِي الدَّارِ، زَيْدٌ فِي الدَّارِ۔ ترجمہ کرو: زید گھر میں ہے، شاباش۔ طریقہ سمجھ میں آیا؟ بالکل آسان سا طریقہ ہے جار مجرور کا۔

جی اگلا جملہ لکھیے: زَيْنَبُ فِي الْمَسْجِدِ، زَيْنَبُ فِي الْمَسْجِدِ، فِي الْمَسْجِدِ۔ لکھ لیا؟ چلیے بھئی ترکیب کیجیے جلدی جلدی۔ شاباش، زَيْنَبُ مرفوع لفظاً بتدا۔ مرفوع کیوں؟ بتدا ہے۔ لفظاً کیوں؟ اس کے رفع پر ہم تلفظ کر رہے ہیں، کر کے دکھاؤ: زَيْنَبُ، زَيْنَبُ۔ یاد رکھو یہ غیر منصرف ہے اس لیے اس پر تنوین نہیں آئے گی، کسرہ بھی نہیں آئے گا۔ حالتِ رفعی میں پڑھو، پڑھو بھئی: زَيْنَبُ، حالتِ نصبی میں: زَيْنَبَ، حالتِ جری میں: زَيْنَبَ۔ بات سمجھ میں آرہی ہے؟ تو یہ غیر منصرف ہے، ایک یہ نام ہے علمیت ہے اس کے اندر اور ایک تانیث ہے کہ مؤنث کا نام ہے۔

آگے بھئی۔ فِي جارہ، الْمَسْجِدِ مجرور کون سا؟ مجرور لفظاً۔ آگے جار مجرور مل کر، جار مجرور کے لیے متعلق چاہیے یا نہیں چاہیے؟ کتنی چیزیں ہیں؟ آٹھ، ان میں سے کوئی یہاں ہے؟ نہیں ہے تو کیا کریں گے؟ محذوف نکالیں گے، نکالو بھئی محذوف۔ شاباش، جار مجرور مل کر متعلق کس سے؟ ثَبَتَ، چاہے ثَبَتَ نکالیں چاہے ثَابِتٌ، شاباش۔ ثَبَتَ فعل، اس کے اندر کون سی ضمیر؟ اس کے اندر هُوَ ضمیر، اعراب بولو: ہاں اس کے اندر هُوَ ضمیر مرفوع محلاً فاعل، شاباش۔ آگے۔ ہاں شبہ جملہ کیوں؟ فعل نکالا ہے آپ نے، اپنے فاعل اور متعلق فِي الْمَسْجِدِ کو بھی تو جوڑا ہے آپ نے۔ جملہ فعلیہ ہو کر مبتدا کے لیے خبر۔ جملہ فعلیہ ہو کر، فعل اپنے فاعل سے مل کر کیا بنتا ہے؟ جملہ، کیا بنتا ہے؟ اور صفت کا صیغہ اپنے فاعل یا نائب فاعل سے مل کر کیا بنتا ہے؟ شبہ جملہ، یہ آپ نے خیال رکھنا ہے۔ ثَبَتَ نکال رہے ہو تو کہو جملہ، اور اگر صفت کا صیغہ نکال رہے ہو تو شبہ جملہ۔ جی، کیا ترکیب کی آپ نے؟ ثَبَتَ فعل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر یہ مبتدا کے لیے خبر۔ ہاں بھئی یہ خبر بن سکتی ہے؟ کیوں؟ دیکھا، ہم نحوی تیار کر رہے ہیں آپ کو چلنے نہیں دیں گے ایک قدم بھئی، بولو بھئی۔ هُوَ ضمیر لوٹا دی کس کو؟ زَيْنَبُ کو۔ ضمیر مرجع میں مطابقت ہے؟ هُوَ ضمیر لوٹا رہے ہیں کس کو؟ زَيْنَبُ کو، وہ مؤنث هُوَ ضمیر مذکر، کیا کریں؟ پھر کیا کریں؟ کیسے لائیں؟ یہ تو هُوَ ثَبَتَ لائے ہیں، ضمیر ہمیں کون سی چاہیے؟ مؤنث کی چاہیے، مذکر یہاں نہیں چلے گی، پھر کیا کریں؟ بھئی صیغہ کون سا نکالا ہے؟ ثَبَتَ، آپ نے نکالا ہے یا عبارت میں تھا؟ جب آپ نے نکالا ہے تو مؤنث نکال لو تاکہ کیا ہو جائے ضمیر مرجع میں مطابقت، کیا نکالیں گے؟ ثَبَتَتْ بھئی، کیا نکالیں گے؟ اور اگر آپ صفت کا صیغہ نکالنا چاہتے ہیں کیا نکالیں گے؟ ثَابِتَةٌ۔ طریقہ سمجھ میں آیا؟ تو جس طرح کا مرجع ہو اس کے مطابق صیغہ نکالو۔ مرجع ہے واحد مؤنث، ضمیر ہمیں کون سی چاہیے؟ واحد مؤنث۔ ثَبَتَ نکالو گے تو واحد مذکر ہے، تو کیا نکال لو؟ ثَبَتَتْ نکال لو اگر فعل، اور اگر صفت کا صیغہ مذکر ہو تو کیا نکالو؟ ثَابِتٌ، اور اگر مؤنث ہو تو ثَابِتَةٌ۔ فرض کرو پیچھے ذکر تھا الزَّيْدَانِ دو زید ہیں، الزَّيْدَانِ فِي الدَّارِ، پھر فِي الدَّارِ کو کس سے جوڑیں گے؟ الزَّيْدَانِ ہے مبتدا اور فِي الدَّارِ کے لیے پھر کیا نکالیں گے؟ ثَابِتَانِ، تثنیہ نکالیں گے کیونکہ ہمیں ضمیر وہ تثنیہ والی چاہیے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ یہ ثَبَتَ اور ثَابِتٌ یہ تو آپ نکال رہے ہیں تو آپ اس مرجع کے مطابق جو ضمیر چاہیے وہی صیغہ نکال لیں۔ مفرد کی ضمیر چاہیے مذکر کی تو ثَابِتٌ نکالو، تثنیہ مذکر چاہیے تو ثَابِتَانِ نکالو، جمع مذکر چاہیے تو ثَابِتُوْنَ نکالو، واحد مؤنث چاہیے تو ثَابِتَةٌ، تثنیہ چاہیے تو ثَابِتَتَانِ، اور جمع چاہیے تو ثَابِتَاتٌ۔ طریقہ سمجھ میں آرہا ہے؟

جی کیجیے۔ جار مجرور مل کر متعلق کس سے؟ ثَابِتَةٌ، اس کا بتاؤ آگے۔ شاباش، ثَابِتَةٌ اعراب بھی بولو: ثَابِتَةٌ مرفوع لفظاً، مرفوع کیوں؟ کیونکہ یہ خبر ہے، تو ثَابِتَةٌ مرفوع لفظاً صیغہ اسمِ فاعل، اس کے اندر هِيَ ضمیر مرفوع محلاً اس کا فاعل جو کس کو لوٹ رہی ہے؟ زَيْنَبُ کو۔ دیکھا اب ضمیر مرجع میں مطابقت آگئی۔ اسمِ فاعل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر شبہ جملہ ہو کر خبر، مبتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔ طریقہ سمجھ میں آیا؟ یہ ہے بس ترکیب بس، اتنی ترکیب آسان سی بات ہے بس بات کو سمجھ لیں ان شاء اللہ پھر آپ خود کر سکتے ہیں۔

اگلا جملہ لکھیے بھئی: خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ، خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ۔ چلیے بھئی آپ ترکیب کیجیے۔ ترجمہ سمجھ میں آ رہا ہے؟ اللہ نے مہر لگائی عَلٰى قُلُوْبِهِمْ ان کے دلوں پر۔ جی، خَتَمَ کا معنیٰ ہوتا ہے مہر لگانا۔ خَتَمَ فعل، جی خَتَمَ فعل۔ آگے، شاباش لفظِ اللہ مرفوع لفظاً فاعل۔ فعلِ معروف کے لیے ہمیشہ کیا چاہیے؟ فاعل، دیکھو ترجمے پہ غور کرو، اللہ نے مہر لگائی، معلوم ہوا یہ فاعل لفظِ اللہ فاعل بنے گا۔ جی، عَلٰى جارہ، عَلٰى جارہ، را مشدد ہے، عَلٰى جارہ، جی۔ قُلُوْبِ مجرور لفظاً مضاف، شاباش قُلُوْبِ مجرور لفظاً مضاف۔ مجرور کیوں؟ کیونکہ حرفِ جر اس پر داخل ہے۔ آگے، اور آپ نے کہا مجرور لفظاً کیوں کہا؟ اس کے جر پر ہم کیا کر رہے ہیں؟ تلفظ کر رہے ہیں، شاباش۔ مضاف آپ نے کہا، آپ کو کیسے پتہ چلا یہ مضاف ہے؟ جس اسم، دیکھو باتیں یاد ہیں بیان کرنا بھی تو سیکھو، جس اسم کے ساتھ ضمیرِ متصل آجائے وہ ہمیشہ کیا بنتے ہیں آپس میں؟ مضاف مضاف الیہ، ہاں اسی طرح بیان کیا کرو جب بھی کوئی پوچھے۔ آگے، دیکھو قُلُوْبِهِمْ، هِمْ ہے جب جڑ گئی تو قُلُوْبِهِمْ پڑھا، اکیلی ہو تو کیسے پڑھتے ہیں؟ هُمْ، تو آپ نے اسی طرح پڑھنا ہے: هُمْ ضمیر مجرور محلاً مضاف الیہ۔ مجرور کیوں؟ مضاف الیہ ہے۔ محلاً کیوں؟ ضمیر ہے مبنی ہے، شاباش۔ سمیٹیے اب: مضاف اپنے مضاف الیہ سے مل کر مجرور ہوا کس کے لیے؟ حرفِ جر کے لیے۔ جار اپنے مجرور سے مل کر متعلق ہوا کس سے؟ جار اپنے مجرور سے مل کر متعلق ہوا ثَابِتٌ سے۔ ہاں بھئی آپ بتائیے، آپ بتائیے، ٹھیک کر رہے ہیں؟ آٹھ چیزوں میں سے کوئی ایک ہے یا نہیں جملے میں؟ کیا چیز ہے؟ فعل۔ پھر تو جار مجرور کس سے متعلق؟ شاباش، جار مجرور مل کر متعلق ہوئے خَتَمَ فعل سے۔

اور نیز یاد رکھو آنکھیں بند کر کے بھی آپ نے نہیں جوڑنا، آپ نے ترجمے میں بھی غور کرنا ہے کہ یہ جڑ رہا ہے جار مجرور یا نہیں، جڑ رہا ہے یا نہیں۔ طریقہ اس کا یہ ہے جس سے جوڑ رہے ہو ذرا اس کو بھی نکال لو، اور جس کو جوڑ رہے ہو اس کو بھی نکال لو، باقی جملے کے سارے لفظ ختم کر دو۔ یہاں تو صرف تین چار لفظ ہیں کبھی آٹھ دس پندرہ لفظ ہوتے ہیں۔ تو کس کس کو الگ کر لیں؟ مُتَعَلِّق کو بھی اور مُتَعَلَّق کو بھی۔ مُتَعَلِّق کون؟ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ، مُتَعَلَّق کون؟ خَتَمَ۔ ذرا الگ کر لو: خَتَمَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ۔ مہر لگائی ان کے دلوں پر، ترجمہ ٹھیک ہو رہا ہے؟ ترجمہ ٹھیک ہو رہا ہے، مہر لگائی خَتَمَ مہر لگائی عَلٰى قُلُوْبِهِمْ ان کے دلوں پر، دیکھا ترجمہ ٹھیک ہو رہا ہے، معلوم ہوا یہ اس سے جڑے گا۔ کبھی کبھار آپ کو واضح نظر آجائے گا کہ ترجمہ ہی ٹھیک نہیں ہو رہا، تو آپ کہیں گے یہ اس سے نہیں جڑ سکتا بھئی۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو جار مجرور مل کر کس سے متعلق؟ خَتَمَ فعل سے۔ جی اب سمیٹیے: فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ اور، ہاں شاباش فعل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہوا۔ طریقہ سب کو سمجھ میں آ رہا ہے؟ جی پڑھو روانی سے پورے جملے کو: خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ، خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ۔ ترجمہ کیجیے: اللہ تعالیٰ نے مہر لگائی ان کے دلوں پر۔

اب یہاں ایک اور ضابطہ لکھ لیجیے بھئی چھوٹا سا۔ نکرہ کے بعد فعل آجائے، نکرہ کے بعد فعل آجائے تو وہ عموماً اس

کے لیے صفت بنے گا۔ اسی طرح اگر نکرہ کے بعد جار مجرور آجائے اور وہ کسی سے نہ جڑ رہا ہو، تو وہ جار مجرور اس نکرہ کے لیے صفت بنے گا۔

ضابطہ سمجھ میں آگیا؟ نکرہ کے بعد اگر کیا آجائے؟ فعل، تو وہ اس کے لیے عموماً کیا بنے گا؟ صفت۔ براہِ راست صفت نہیں بنے گا مثلاً وہ فعل اپنے فاعل یا نائب فاعل سے مل کر جملہ بنے گا اور جملہ فعلیہ ہو کر وہ صفت بنے گا اس کے لیے نکرہ کے لیے۔ اسی طرح اگر نکرہ کے بعد جار مجرور آجائے اور وہ جار مجرور کسی اور چیز سے نہ جڑ رہا ہو تو وہ اس نکرہ کے لیے کیا بن جائے گا؟ صفت۔ لیکن آپ نے ترجمے میں بھی غور کرنا ہے، موصوف صفت والا ترجمہ کر کے دیکھنا، اگر ترجمہ ٹھیک ہو تو معلوم ہوا صفت بن رہا ہے، اگر ترجمہ ٹھیک نہیں ہوتا معلوم ہوا صفت نہیں بن رہا۔ طریقہ سمجھ میں آگیا؟

جی اب لکھیے بھئی ترکیب بھئی: اِشْتَرَيْتُ هٰذِهِ الدَّارَ مِنْ زَيْدٍ، اِشْتَرَيْتُ هٰذِهِ الدَّارَ مِنْ زَيْدٍ۔ الدَّارَ یاد رکھو مؤنثِ سماعی ہے، اس لیے هٰذَا کے بجائے کیا لایا گیا؟ هٰذِهِ۔ چلیے بھئی ترکیب کیجیے بھئی۔ شاباش، اِشْتَرَيْتُ فعل با فاعل۔ ہاں فعل با فاعل، اب فاعل بھی بتاؤ علیحدہ سے۔ شاباش، تَا ضمیر مرفوع محلاً فاعل۔ آگے، شاباش، هٰذِهِ منصوب محلاً مفعول بہ۔ منصوب، میں نے بتایا تھا فعل کے آنے کے بعد مرفوع صرف کیا آئے گا؟ فاعل یا نائب فاعل اور وہ گزر گیا، آگے کیا آئیں گے؟ منصوبات اور مجرورات، اور مجرورات تو دو ہی ہیں ایک جس پر حرفِ جر داخل ہو اور ایک مضاف الیہ، باقی منصوب ہوں گے۔ هٰذِهِ منصوب محلاً موصوف، شاباش۔ یہ پتہ ہے کتنی مشکل ترکیب آپ لوگ کر رہے ہیں؟ جی بولو: هٰذِهِ منصوب محلاً موصوف۔ منصوب کیوں؟ کیونکہ یہ مفعول بن رہا، کیونکہ یہ مفعول بہ ہے۔ محلاً کیوں؟ مبنی ہے، اسمِ اشارہ ہے بھئی۔ موصوف آپ کو کیسے پتہ چلا موصوف ہے؟ دو معرفہ اکٹھے آگئے، اسمِ اشارہ بھی معرفہ اور الدَّارَ بھی معرفہ۔ آگے: الدَّارَ منصوب لفظاً صفت، شاباش۔ منصوب کیوں؟ ہاں موصوف صفت کا اعراب ایک ہوتا ہے۔ لفظاً کیوں؟ اس کے نصب پر ہم تلفظ کر رہے ہیں الدَّارَ، شاباش۔ اور صفت، جوڑیے بھئی: موصوف صفت مل کر یہ مفعول بہ ہوا اِشْتَرَيْتُ فعل کے لیے، توجہ ہے؟ اِشْتَرَيْتُ میں تَا فاعل کی آچکی ہے اب یہ مفعول بھی ساتھ جڑ گیا۔ آگے چلو۔ مِنْ جارہ، زَيْدٍ مجرور لفظاً۔ مجرور کیوں؟ کیونکہ حرفِ جر اس پر داخل ہے مِنْ بھئی۔ جی سمیٹیے: جار مجرور مل کر متعلق ہوئے اِشْتَرَيْتُ فعل سے۔ جی جار مجرور متعلق ہوتے ہیں آٹھ چیزوں سے، ان میں سے کوئی چیز ہے یہاں پر؟ کیا ہے؟ اِشْتَرَيْتُ فعل ہے۔ ترجمہ کر کے دیکھو جڑتا بھی ہے یا نہیں: اِشْتَرَيْتُ میں نے خریدا مِنْ زَيْدٍ زید سے، جڑ رہا ہے؟ معلوم ہوا یہ اسی سے جڑے گا۔ تو جار مجرور مل کر متعلق ہوا اِشْتَرَيْتُ فعل سے، آجی: فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہوا۔ طریقہ سب کو سمجھ میں آرہا ہے؟ جی پڑھو روانی سے پورے جملے کو: اِشْتَرَيْتُ هٰذِهِ الدَّارَ مِنْ زَيْدٍ، اِشْتَرَيْتُ هٰذِهِ الدَّارَ مِنْ زَيْدٍ۔ ترجمہ کیجیے: ہاں میں نے خریدا یہ گھر مِنْ زَيْدٍ زید سے، میں نے زید سے یہ گھر خریدا بھئی۔ طریقہ سب کو سمجھ میں آگیا؟ تو یہ جملہ فعلیہ خبریہ ہوا۔

اگلا جملہ لکھیے بھئی: اَکْرَمْتُ رَجُلًا مِنْ قُرَیْشٍ، اَکْرَمْتُ رَجُلًا مِنْ قُرَیْشٍ۔ چلیے بھئی ترکیب کیجیے بھئی۔ اَکْرَمْتُ فعل با فاعل۔ اسمِ ظاہر کو فاعل بنانا چاہتے ہو؟ اسمِ ظاہر کتنے صیغوں کے لیے فاعل بنتا ہے؟ دو صیغوں۔ اَکْرَمْتُ یہ کون سا ہے، پہلا ہے چوتھا ہے؟ جی بارہ میں سے، اس کے لیے رَجُلٌ فاعل بن سکتا ہے؟ پھر، اَکْرَمْتُ فعل با فاعل۔ تَا ضمیر مرفوع محلاً اس کا فاعل۔ مرفوع کیوں؟ فاعل ہے۔ محلاً کیوں؟ مبنی ہے ضمیر ہے۔ آگے بھئی: الرَّجُلَ نہیں ہے، الف لام کے بغیر ہے، رَجُلٌ، جی۔ شاباش، پڑھ کے دکھاؤ نا، میں نے بتایا اعراب پڑھ کے بتایا کرو۔ ہاں یوں کہو: رَجُلًا منصوب لفظاً مفعول بہ۔ منصوب کیوں؟ مفعول بہ ہے۔ لفظاً کیوں؟ اس کے نصب پر ہم تلفظ کر رہے ہیں، کر کے دکھاؤ: رَجُلًا، شاباش۔ آگے: مِنْ جارہ، قُرَیْشٍ مجرور لفظاً، مجرور کیوں؟ کیونکہ حرفِ جر داخل ہے۔ لفظاً کیوں؟ اس کے جر پر ہم تلفظ کر رہے ہیں، کر کے دکھاؤ: قُرَیْشٍ۔ اس کے رفع پہ تلفظ کرو: قُرَیْشٌ، اور نصب پر: قُرَیْشًا۔ یہ قُرَیْش کا لفظ جہاں کہیں عبارتوں میں آئے اس کا اعراب لفظی ہوگا، چاہے رفع ہو چاہے نصب ہو چاہے جر۔ جی اب سمیٹیے بھئی: جار مجرور مل کر متعلق ہوئے اَکْرَمْتُ فعل کے ساتھ۔ اب جار مجرور کو آپ نے اَکْرَمْتُ سے جوڑا، جڑ رہا ہے کہ نہیں جڑ رہا؟ طریقہ کیا ہے؟ مُتَعَلِّق اور مُتَعَلَّق کو الگ کر کے ذرا دیکھو۔ ہاں وہ آٹھ چیزوں میں سے تو اَکْرَمْتُ ہے ٹھیک ہے آپ جوڑ رہے ہیں، لیکن پھر دیکھنا بھی ہے ترجمہ بھی ٹھیک ہوتا ہے یا نہیں۔ اَکْرَمْتُ مِنْ قُرَیْشٍ ترجمہ کرو: میں نے اکرام کیا، میں نے عزت دی قریش سے، یہ بات بنتی ہے؟ معلوم ہوا یہ مِنْ قُرَیْشٍ اَکْرَمْتُ سے نہیں جڑ سکتا۔ ان آٹھ چیزوں میں سے فعل موجود ہے لیکن مِنْ قُرَیْشٍ اس سے نہیں جڑ سکتا ترجمہ ٹھیک نہیں بنتا، پھر کیا کریں؟ تو ظاہر سی بات ہے محذوف نکالنا پڑے گا پھر۔ کیا کرنا پڑے گا؟ محذوف نکالیں گے۔ کیا محذوف نکالیں گے پھر کس طرح کریں گے؟ میں نے ابھی آپ کو ضابطہ لکھوایا کیا؟ کہ نکرہ کے بعد جار مجرور آجائے، رَجُلًا نکرہ ہے اس کے بعد کیا آیا؟ جار مجرور، اور وہ جار مجرور کسی سے جڑ نہ سکتا ہو، تو پھر اس کو اسی نکرہ کے لیے کیا بنا دیں گے؟ صفت بنا دیں گے۔ تو مِنْ قُرَیْشٍ کو کیا کرو؟ اس رَجُلًا کے لیے صفت بناؤ، اور ترجمہ دیکھو کہ ہوتا ہے یا نہیں ہوتا، پہلے جوڑ دو ذرا۔ جی جار مجرور مل کر، صفت ایسے ہی نہیں بنیں گے متعلق پھر بھی نکالنا پڑے گا۔ جار مجرور مل کر متعلق ہوئے کس سے؟ ثَابِتٌ سے۔ جی ثَابِتٌ کی ترکیب کیجیے: ثَابِتٌ مرفوع لفظاً صیغہ اسمِ فاعل۔ توجہ سے، مرفوع کیوں؟ شاباش، منصوب ہونی چاہیے صفت ہے، کیسے نکالیں گے؟ ثَابِتًا۔ طریقہ سمجھ میں آرہا ہے؟ خبر کی جگہ آئے تو خبر کیا ہوتی ہے؟ مرفوع، وہاں آپ نے ثَابِتٌ نکالا تھا۔ اگر صفت بنے تو موصوف کے مطابق اعراب لاؤ۔ موصوف مرفوع تو صفت بھی مرفوع، اور موصوف منصوب تو صفت بھی منصوب، اور موصوف مجرور تو صفت بھی مجرور۔ یہاں موصوف کیا ہے؟ منصوب، تو صفت بھی کیا ہوگی؟ منصوب، تو ثَابِتًا۔ جار مجرور مل کر متعلق کس سے؟ ثَابِتًا۔ ثَابِتًا منصوب لفظاً صیغہ اسمِ فاعل۔ منصوب کیوں؟ کیونکہ یہ صفت ہے موصوف منصوب تو یہ بھی۔ اس کے اندر ھُوَ ضمیر مرفوع محلاً اس کا فاعل، شاباش۔ آگے: شاباش صفت۔ ثَابِتًا صیغہ اسمِ فاعل اپنے فاعل ھُوَ ضمیر اور متعلق جو ہے یعنی جار مجرور اس سے مل کر

شبہ جملہ ہو کر صفت۔ ہاں بھئی یہ صفت بن سکتی ہے؟ شاباش، ربط نہیں بتایا تھا، اس کے اندر هُوَ ضمیر ثَابِتًا مِنْ قُرَيْشٍ قریش سے ثابت ہے، کون؟ هُوَ وہ آدمی رَجُلًا جو پیچھے موصوف تھا۔ تو هُوَ ضمیر کس کو راجع؟ رَجُلًا کو، یہ ربط دے دیا۔ تو پھر موصوف صفت مل کر مفعول بہ فعل کے لیے، فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہوا۔ روانی سے پڑھو: شاباش، اَكْرَمْتُ رَجُلًا مِنْ قُرَيْشٍ۔ ترجمہ کیجیے: ہاں میں نے اکرام کیا ایسے آدمی کا مِنْ قُرَيْشٍ جو کس قبیلے سے ہے؟ قبیلہ قریش سے ہے، یعنی میں نے ایک قریشی آدمی کا اکرام کیا۔ دیکھو ضابطے لگاتے جاؤ ترکیب حل ہوتی جائے گی، مشکل ہے کوئی؟ ان شاء اللہ بالکل آسان ہے بھئی۔

اگلا جملہ لکھیے بھئی: اَلرِّجَالُ سَافَرَ، اَلرِّجَالُ سَافَرَ، سَافَرَ کا معنیٰ سفر کرنا۔ چلیے بھئی ترکیب کیجیے۔ اَلرِّجَالُ مرفوع لفظاً مبتدا، شاباش۔ آگے: سَافَرَ فعل، اس کے اندر هُوَ ضمیر مرفوع محلاً اس کا فاعل، جی۔ هُوَ ضمیر لوٹ رہی ہے اَلرِّجَالُ کو بھئی۔ هُوَ ضمیر لوٹ سکتی ہے اَلرِّجَالُ کو؟ جَمَاعَةٌ تو واحد مؤنث کی ضمیر ہونی چاہیے۔ آپ کہیں یہ ترکیب صحیح نہیں، یہ خبر ہے اس کو کس سے جوڑنا ہے؟ مبتدا سے، اور وہ جمع مذکر تو ضمیر بھی ہمیں جمع والی چاہیے۔ لہٰذا سَافَرَ نہیں ہو سکتا کیا چاہیے؟ صیغہ بدل دو: سَافَرُوْا، شاباش۔ جمع والا، تو سَافَرُوْا فعل، اس کے اندر وَاو ضمیر مرفوع محلاً اس کا فاعل جو کس کو راجع؟ اَلرِّجَالُ کو، شاباش۔ تو فعل اپنے فاعل سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر خبر، مبتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو اَلرِّجَالُ ہے مبتدا اور سَافَرُوْا یہ پورا جملہ اس کی خبر، اور جملے کو جوڑنے کے لیے ربط چاہیے تھا وہ بھی انہوں نے بتا دیا۔

یہاں ایک اور بات یاد رکھنا، یہ جو جملہ ہوتا ہے نا جملہ، یہ مبنی ہوتا ہے۔ جملہ مبنی ہوتا ہے، اور مبنی کا اعراب کیسے بتاتے ہیں؟ محلاً۔ تو کوئی اگر آپ سے پوچھے کہ خبر تو مرفوع ہوتی ہے اور یہاں سَافَرُوْا یہاں تو رفع ہمیں نظر نہیں آرہا، تو آپ کہیں گے کہ یہ پورا جملہ سَافَرُوْا پورا جملہ ہے، فعل اپنے فاعل یا نائب فاعل سے مل کر کیا بنتا ہے؟ جملہ، تو یہ پورا جملہ خبر بن رہا ہے اور جملہ کیا ہے؟ مبنی، تو یہ مرفوع ہے محلاً، یہ پورا جملہ مرفوع ہے محلاً۔ مبنی ہے نا اور مبنی پر اعراب کیسے آتا ہے؟ محلاً، تو یہ مرفوع ہے محلاً۔ مرفوع کیوں؟ خبر ہے، جملہ خبر ہے نا، تو مرفوع کیوں؟ خبر ہے اور محلاً کیوں؟ مبنی ہے، شاباش۔

اور کبھی کبھار ایسا بھی ہوگا کہ هُوَ ضمیر بھی جمع کی طرف لوٹائی جا سکتی ہے کبھی لوٹے گی، اور وہ پھر جَمْعٌ کی تاویل میں ہوگی۔ هِيَ ضمیر جمع کو لوٹے گی کس تاویل میں؟ جَمَاعَةٌ، اور هُوَ ضمیر جمع کو لوٹے گی جَمْعٌ کی تاویل میں۔ جَمْعٌ مفرد ہے بھئی۔ جَمَاعَةٌ یہ بھی مفرد ہے، جَمَاعَةٌ کی جمع کیا آتی ہے؟ جَمَاعَاتٌ آتی ہے، تو جَمَاعَةٌ کیا ہے؟ واحد مؤنث، اور جَمْعٌ واحد مذکر ہے اس کی جمع کیا آتی ہے؟ جُمُوْعٌ، جَمْعٌ کی جمع جُمُوْعٌ آتی ہے یا نہیں؟ تو یہ مفرد ہے تو یہ اَلرِّجَالُ بھی تین سے زیادہ ہوئے کیا بن گئے؟ جَمْعٌ بن گئے، اور جَمْعٌ کیا ہے؟ واحد مذکر تو اس کی طرف هُوَ ضمیر بھی، لیکن ایسا بہت کم ہوتا ہے کہ جمع کی طرف واحد مذکر کی ضمیر لوٹائی جائے، لیکن کبھی کبھار ایسا بھی ہوتا ہے۔ تو جمع کی طرف واحد مؤنث کی ضمیر عام لوٹاتے

ہیں اور کبھی کبھار کون سی؟ واحد مذکر کی بھی ضمیر، اور اس وقت وہ کس تاویل میں ہوتا ہے؟ جَمْعٌ کی تاویل میں ہوتا ہے۔ لہٰذا اَلرِّجَالُ سَافَرَ آپ یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ هُوَ ضمیر راجع ہے اَلرِّجَالُ کو کس تاویل میں؟ جَمْعٌ کی تاویل میں۔ ترجمہ کیجیے اَلرِّجَالُ سَافَرُوْا: ان مردوں نے، ان آدمیوں نے سفر کیا۔ کئی آدمی ہیں ان کی طرف اَلرِّجَالُ کے ذریعے اشارہ ہے: ان آدمیوں نے سفر کیا۔ طریقہ سمجھ میں آگیا؟

چلیے بس کرتے ہیں بس بھئی، بس بھئی، ہٰذَا هُوَ الْمَرَامُ وَاللّٰهُ أَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْكَلَامِ۔

سبق نمبر ۱۰: تراکیبِ نحویہ (۹): متعلقاتِ جار مجرور (آٹھ چیزوں کا بیان)

تراکیبِ نحویہ (ابتدائی مشق) — بتاریخ: ۲۱ جون ۲۰۲۱ء

▪ تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث

گزشتہ سبق میں ہم نے جار مجرور کی ترکیب شروع کی تھی۔ اور میں نے آپ کو بتلایا تھا کہ جار مجرور جب بھی کلام میں آ جائیں وہ آٹھ چیزوں میں سے کسی ایک سے ضرور متعلق ہوں گے۔ اور وہ آٹھ چیزیں کون کون سی ہیں؟ نمبر ایک فعل، نمبر دو مصدر، نمبر تین اسمِ فاعل، نمبر چار اسمِ مفعول، نمبر پانچ صفتِ مشبہ، نمبر چھ اسمِ تفضیل، نمبر سات مبالغے کے صیغے اور نمبر آٹھ اسمِ فعل۔ تو یہ آٹھ چیزیں ہر وقت آپ کو یاد ہونی چاہئیں کیونکہ ہر جملے کے اندر تقریباً جار مجرور آتے ہیں، تو آپ کو پتہ ہوگا کہ اس کو کس سے ہم جوڑ سکتے ہیں اور کس سے نہیں جوڑ سکتے بھئی۔ تو یہ آپ کے ذہن میں ہونی چاہئیں۔ پھر ذرا دہرا لیں یہ آٹھ چیزیں کون کون سی ہیں؟ نمبر ایک فعل ہے، نمبر دو مصدر، نمبر تین اسمِ فاعل، نمبر چار اسمِ مفعول، نمبر پانچ صفتِ مشبہ، نمبر چھ اسمِ تفضیل، نمبر سات مبالغے کے صیغے اور نمبر آٹھ اسمِ فعل بھئی۔ تو یہ آٹھ چیزیں ہیں بھئی۔[1]

اور ان میں سے اگر کوئی جملے میں موجود ہو تو جار مجرور کو اس سے جوڑیں گے، لیکن آنکھیں بند کر کے آپ نے نہیں جوڑنا بلکہ ترجمے میں اور معنی کے اندر غور کرنا ہے کہ یہ اس سے جڑتا ہے یا نہیں۔ اور اس کا طریقہ یہ ہے کہ مُتَعَلَّق اور مُتَعَلَّق یعنی جار مجرور اور جس سے جوڑنا چاہتے ہیں ان کو نکال لیں باقی لفظوں کو ختم کر دیں اور پھر ترجمہ کر کے دیکھیں کہ اگر ترجمہ ٹھیک ہے تو معلوم ہوا یہ اس سے جڑے گا اور اگر ترجمہ ٹھیک نہیں ہوتا معلوم ہوا یہ اس سے نہیں جڑے گا۔ جیسے کل کی مثال

[1] جدول — متعلقاتِ جار مجرور (آٹھ چیزیں) اور ظرفِ لغو و مستقر:

نوع	متعلقات / تفصیل	مثال
متعلقاتِ ۸	فعل، مصدر، اسمِ فاعل، اسمِ مفعول، صفتِ مشبہ، اسمِ تفضیل، معنیِ فعل، اسمِ منسوب	مَرَرْتُ بِزَيْدٍ (فعل سے متعلق)
ظرفِ لغو	متعلق عبارت میں مذکور ہو	زَيْدٌ قَائِمٌ فِي الدَّارِ
ظرفِ مستقر	متعلق محذوف (ثابت/کائن) ہو	زَيْدٌ فِي الدَّارِ (خبر کی جگہ)

آئی تھی اَکْرَمْتُ رَجُلًا مِنْ قُرَیْشٍ، تو یہ مِنْ قُرَیْشٍ اَکْرَمْتُ سے نہیں جڑ رہا تھا کیونکہ اَکْرَمْتُ مِنْ قُرَیْشٍ میں نے اکرام کیا قریش سے یہ بات ہی نہیں بنتی، لہٰذا معلوم ہوا یہ اس سے نہیں جڑے گا۔ تو لہٰذا آپ نے غور کرنا ہے وہ جار مجرور ان کو مُتَعَلِّق کہتے ہیں اور جس سے جڑیں اس کو مُتَعَلَّق کہتے ہیں، تو باقی لفظوں کو ختم کر دیا کریں صرف مُتَعَلِّق اور مُتَعَلَّق کو لے کر ان کا ترجمہ کیا کریں۔ اگر ترجمہ ٹھیک ہو جائے تو معلوم ہوا یہ اسی سے جڑ رہا ہے اور اگر ترجمہ ٹھیک نہ ہو تو معلوم ہوا یہ اس سے نہیں جڑے گا۔ لیکن یہ بھی یاد رکھنا کہ ہر جگہ ٹھیک ترجمہ ہو جائے اردو میں ایسا نہیں ہے، بعض جگہ عربی میں ایک حرفِ جر کسی فعل وغیرہ سے متعلق ہوتا ہے اور ترجمہ اردو کے مطابق ٹھیک نہیں ہوتا۔ لیکن وہ کم جگہیں ایسی ہوتی ہیں اکثر جگہ ترجمہ ٹھیک ہو جاتا ہے۔ پھر جب ایک دفعہ آپ کو طریقہ آجائے گا پھر اس کے بعد مزید آپ لغت کی کتابیں اٹھا کر اس میں دیکھ سکتے ہیں کہ کس فعل کے ساتھ کون کون سے حروفِ جارہ استعمال ہوتے ہیں، وہاں آپ دیکھیں گے مثلاً بَاعَ لکھا ہے تو آگے لکھا ہوگا کہ اس کے ساتھ کون کون سے حروفِ جارہ استعمال ہوتے ہیں اور حرفِ جر بدلتا ہے تو معنیٰ بھی بدل جاتا ہے۔ بات سمجھ میں آرہی ہے؟

تو میں نے آپ کو بتلایا تھا کہ ان آٹھ میں سے اگر کوئی جملے میں ہو تو جار مجرور کو اس سے جوڑ دیں گے، اور اگر نہ ہو تو پھر محذوف نکالنا پڑے گا۔ اور جار مجرور کا متعلق اگر عبارت میں ذکر ہو تو اس کو ظرفِ لغو کہتے ہیں، اور اگر جار مجرور کا متعلق عبارت میں مذکور نہ ہو محذوف نکالنا پڑے تو اس جار مجرور کو ظرفِ مستقر کہتے ہیں۔ مُسْتَقَرّ یہ اسمِ ظرف کا صیغہ ہے بھئی، قرار پکڑنے کی جگہ۔ چلو یہ پھر اگر آگے کسی موقع ملا میں پھر بیان کروں گا۔ تو ظرفِ لغو اور ظرفِ مستقر۔

پھر جب آپ محذوف نکالیں تو وہ محذوف آپ افعالِ عامہ میں سے بھی نکال سکتے ہیں اور افعالِ خاصہ میں سے بھی۔ افعالِ عامہ مشہور چار ہیں: کَوْن، ثُبُوْت، وُجُوْد اور حُصُوْل۔ کَوْن، ثُبُوْت، وُجُوْد اور حُصُوْل۔ ان سب کا ترجمہ ہے ہونا ہونا۔ تو کَوْن یہ کَانَ سے ہے مصدر، ثُبُوْت یہ ثَبَتَ سے ہے مصدر، اور وُجُوْد یہ وَجَدَ اور وُجِدَ سے کیا ہے؟ مصدر، اور حُصُوْل حَصَلَ سے مصدر ہے۔ تو یہ ان میں سے آپ چاہیں تو فعل نکال لیں چاہے صفت کا صیغہ نکال لیں، لیکن ان میں سے تین جو ہیں کَوْن، ثُبُوْت اور حُصُوْل ان سے اگر آپ فعل نکالیں گے تو فعلِ معروف یعنی کَوْن سے کَانَ، ثُبُوْت سے ثَبَتَ اور حُصُوْل سے حَصَلَ۔ اور اگر آپ ان سے صفت کے صیغے نکالنا چاہیں تو اسمِ فاعل نکالیں گے جیسے کَوْن سے کَائِنٌ، ثُبُوْت سے ثَابِتٌ اور حُصُوْل سے حَاصِلٌ۔ اور اگر وُجُوْد سے آپ نکالنا چاہتے ہیں تو پھر اس سے فعل نکالنا چاہتے ہیں تو فعلِ مجہول یعنی وُجِدَ نکالیں گے، اور اگر صفت کا صیغہ نکالنا چاہتے ہیں تو اسمِ مفعول یعنی مَوْجُوْدٌ نکالیں گے۔ طریقہ سمجھ میں آگیا؟

تو یہ افعالِ عامہ ہیں، ان افعال کو افعالِ عامہ اس لیے کہتے ہیں کہ ہر فعل کے اندر ان کا معنیٰ پایا جاتا ہے۔ جیسے ضَرَبَ زَیْدٌ، دیکھو ضَرَبَ زَیْدٌ کے اندر ضرب کا ثبوت ہے، ضرب کا حصول ہے، ضرب کا وجود ہے اور ضرب کا کون ہے یعنی ہونا، سب کا کیا معنیٰ ہے؟ ہونا۔ اسی طرح اَکَلَ زَیْدٌ، اَکْل کا معنیٰ کھانا کھانا، اَکَلَ زَیْدٌ زید نے کھایا، اس کے اندر اکل کا ثبوت ہے،

اکل کا حصول ہے، اکل کا وجود ہے اور اکل کا کون ہے یعنی ہونا۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو اس لیے ان کو افعالِ عامہ کہتے ہیں کہ ہر فعل کے اندر ان کا معنیٰ پایا جاتا ہے۔ آپ دنیا کا کوئی بھی فعل لے آئیں جہاں وہ فعل پایا جائے گا وہاں کون بھی ہوگا، ثبوت بھی ہوگا، وجود بھی ہوگا اور حصول بھی ہوگا۔ جبکہ باقی افعال افعالِ خاصہ کہلاتے ہیں، مثلاً ضَرَبَ، ضَرَبَ افعالِ خاصہ میں سے ہے، میں نے کہا شَرِبَ کیا اس کے اندر ضرب ہے؟ شَرِبَ کے اندر ضرب ہے؟ نہیں، اَکَلَ میں ضرب ہے؟ فَرَّ میں ضرب ہے؟ نہیں، دیکھا؟ تو ضَرَبَ یہ باقی افعال میں نہیں پایا جا رہا۔ اسی طرح شُرْب ہے، شُرْب بھی فعلِ خاص ہے ہر فعل میں یہ نہیں ہوتا، ضَرَبَ کے اندر شُرْب ہے؟ نہیں، اسی طرح اَکَلَ میں؟ نہیں ہے، فَرَّ میں؟ نہیں۔ تو باقی افعال خاص ہیں وہ ہر جگہ ہر فعل میں نہیں ہوتے، لیکن یہ چار ہر فعل میں ہوں گے اور ان کا معنیٰ کیا ہے؟ ہونا ہونا۔

اس کے بعد ایک اور قیمتی بات میں نے آپ کو بتلائی تھی کہ نکرہ جو ہے، نکرہ کے بعد اگر فعل آجائے تو یہ فعل اس کے لیے عموماً صفت بنے گا، کیا بنے گا؟ صفت بنے گا۔ اسی طرح نکرہ کے بعد جار مجرور آجائے اور وہ کسی سے نہ جڑ رہا ہو تو وہ بھی عموماً اس کے لیے کیا بنے گا؟ صفت بنے گا۔ اور نکرہ کے بعد جار مجرور آئے اور کسی سے نہ جڑ رہا ہو تو آپ براہِ راست صفت نہیں بنائیں گے بلکہ پہلے اس کا متعلق نکالیں گے، اس کے ساتھ جوڑیں گے اور پھر صفت بنا دیں گے۔ جیسے کل مثال گزری تھی: اَکْرَمْتُ رَجُلًا مِنْ قُرَيْشٍ۔ مِنْ قُرَيْشٍ جار مجرور مل کر کس سے متعلق ہوئے تھے؟ ثَابِتًا، کیونکہ رَجُلًا موصوف ہے تو ثَابِتًا بھی کیا نکالیں گے؟ منصوب۔ تو ثَابِتًا صیغہ اسمِ فاعل سے مل کر اور اس کے اندر هُوَ ضمیر جو موصوف کو راجع، یہ ربط بھی آگیا، اور اسمِ فاعل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر شبہ جملہ ہو کر صفت، موصوف صفت مل کر مفعول بن گئے تھے۔ صورت سمجھ میں آرہی ہے؟ تو اگر نکرہ کے بعد جار مجرور آئے تو وہ اس کے لیے عموماً کیا بنے گا؟ صفت، بشرطیکہ کسی سے جڑ نہ رہا ہو۔ تو پہلے جوڑنے کی کوشش کرنی ہے اگر نہ جڑے پھر اس کو صفت بنائیں۔ اسی طرح نکرہ کے بعد اگر فعل آ جائے تو وہ بھی اس کے لیے صفت بنے گا، کس طرح بنے گا؟ کہ وہ فعل اپنے فاعل یا نائب فاعل سے ملے گا اور مل کر جملہ بنے گا، فعل اپنے فاعل یا نائب فاعل سے مل کر جملہ بنے گا اور وہ جملہ پھر اس نکرہ کی صفت بنے گا۔ لیکن یہاں بھی اسی طرح ربط بھی چاہیے، ربط بھی چاہیے، تو وہ جملہ کس کی صفت بن جائے گا؟ نکرہ کی۔

اور آپ نے پڑھا ہے موصوف صفت میں تعریف و تنکیر میں مطابقت ضروری ہے، اس سے ایک اور ضابطہ آپ کو سمجھ میں آگیا کہ پورا جملہ نکرہ کی صفت بن جاتا ہے معلوم ہوا جملہ کس کے حکم میں ہوتا ہے؟ نکرہ کے حکم میں، جملہ کس کے حکم میں؟ نکرہ کے حکم میں ہوتا ہے، اسی لیے وہ نکرہ کی صفت بنتا ہے۔ توجہ ہے؟ بات سمجھ میں آئی کہ نہیں؟ نکرہ کے بعد کیا آئے؟ فعل، تو وہ فعل اپنے فاعل یا نائب فاعل سے مل کر کیا بنے گا؟ جملہ، اور جملہ بن کر وہ اس نکرہ کے لیے صفت بنے گا، اور نکرہ کے لیے صفت نکرہ ہی بن سکتی ہے معرفہ نہیں، معلوم ہوا یہ جملہ کس کے حکم میں ہے؟ نکرہ۔

اور پہلے بھی میں نے ایک بات بتائی تھی کہ یہ جملہ جو ہوتا ہے یہ مبنی ہوتا ہے، جملہ کیا ہوتا ہے؟ مبنی، تو مبنی پر اعراب

کیسے آتا ہے؟ محلاً۔ لہٰذا پورا جملہ کہیں رفع کے مقام میں آئے تو آپ کہیں گے یہ مرفوع محلاً ہے، پورا جملہ نصب کے مقام میں آئے تو آپ کیا کہیں گے؟ یہ جملہ منصوب محلاً ہے، اور اگر جملہ جر کے مقام میں آئے تو آپ کیا کہیں گے؟ کہ یہ مجرور محلاً ہے، اور بعض اوقات جملے کا کوئی اعراب نہیں ہوتا۔ مثلاً ضَرَبَ زَيْدٌ میں نے ایک جملہ کہا، ضَرَبَ زَيْدٌ، آپ سے کوئی پوچھے اس پورے جملے کا اعراب کیا ہے؟ آپ کہیں گے اس کا کوئی محلِ اعراب نہیں، لَا مَحَلَّ لَهُ مِنَ الْإِعْرَابِ۔ بات سمجھ میں آگئی؟ پورا جملہ اگر صفت بنے گا تو صفت پر وہی اعراب آتا ہے جو کس پر ہوتا ہے؟ موصوف پر، تو وہاں جملے پر اعراب کوئی نہ کوئی آئے گا لیکن ہوگا محلاً ہی۔ توجہ ہے؟ جملے کے اندر چاہے دس معرب آجائیں لیکن جب پورا جملہ جڑ جائے گا مل جائے گا تو یہ اب کیا بن گیا؟ مبنی، اور نیز کیا بن گیا؟ نکرہ۔ مبنی بھی ہے اور نکرہ بھی ہے، تو یہ نکرہ کی صفت تو بن سکتا ہے معرفہ کی صفت نہیں بن سکتا اور اس پر اگر اعراب آئے تو کس طرح کا اعراب آئے گا؟ محلاً آئے گا۔ بات سمجھ میں آگئی؟

جی آگے ترکیب کیجیے لکھیے بھئی: اَكْرَمْتُ رَجُلَيْنِ مِنْ قُرَيْشٍ، اَكْرَمْتُ رَجُلَيْنِ مِنْ قُرَيْشٍ۔ چلیے بھئی ترکیب کیجیے۔ شاباش اَكْرَمْتُ فعل با فاعل اور اس کے اندر تَا ضمیر مرفوع محلاً اس کا فاعل۔ شاباش اس کے اندر تَا ضمیر مرفوع محلاً اس کا فاعل۔ میں نے آپ کو بتلایا تھا جب فعل کے ساتھ ضمیرِ متصل ہو چاہے بارز ہو چاہے مستتر ہو لیکن ضمیر جب اس کے ساتھ ہی ہے تو اس کو کیسے تعبیر کرنا ہے؟ فعل با فاعل۔ جی، رَجُلَيْنِ منصوب لفظاً مفعول، رَجُلَيْنِ منصوب لفظاً مفعول، شاباش جی۔ منصوب کیوں؟ مفعول بہ ہے، لفظاً کیوں؟ اس کے نصب پر ہم تلفظ کر رہے ہیں، کر کے دکھاؤ: رَجُلَيْنِ، رَجُلَيْنِ۔ یہاں تو میں نون کے نیچے زیر پڑھ رہا ہوں، یوں کہو یہ نون کی حرکت ہے اعراب نہیں ہے، پھر اعراب کیا چیز ہے؟ یا ہے، یہ تثنیہ ہے آپ کہیں تثنیہ کا نصب کس کے ساتھ آتا ہے؟ یا، اور اس ہم یا پر کیا کر رہے ہیں؟ تلفظ کر رہے ہیں، تو یہ منصوب لفظاً ہے۔

آگے بھئی: مِنْ جارہ، قُرَيْشٍ مجرور لفظاً، شاباش قُرَيْشٍ مجرور لفظاً۔ مجرور کیوں؟ کیونکہ حرفِ جر داخل ہے۔ لفظاً کیوں؟ اس کے جر پر ہم تلفظ کر رہے ہیں، کر کے دکھاؤ: قُرَيْشٍ، قُرَيْشٍ۔ جی سمیٹیے اب۔ جار مجرور مل کر متعلق ہوئے اَكْرَمْتُ فعل کے۔ جار مجرور متعلق ہوئے کس سے؟ اَكْرَمْتُ سے۔ جی جڑتا ہے یا نہیں؟ باقی لفظ ختم کر دو یہاں تو صرف ایک رَجُلَيْنِ لفظ ہے کبھی اور لفظ بھی ہوتے ہیں سب کو ختم کر دو، اَكْرَمْتُ یہ ہے مُتَعَلَّق اور مِنْ قُرَيْشٍ یہ ہے مُتَعَلِّق، ان کو ذرا الگ کرو: اَكْرَمْتُ مِنْ قُرَيْشٍ، ترجمہ کرو: میں نے اکرام کیا قریش سے، ترجمہ ٹھیک ہو رہا ہے؟ نہیں، معلوم ہوا یہ اس سے نہیں جڑے گا۔ جی چلو محذوف نکالو، جی۔ جار مجرور مل کر متعلق ہوئے ثَبَتَا سے شاباش، ثَبَتَا محذوف نکال لیا، آگے: اس کے اندر جو هُوَ ضمیر ہے وہ لوٹ رہی ہے اَكْرَمْتُ فعل کی طرف۔ فعل، یاد رکھو فعل کی طرف کبھی ضمیر نہیں لوٹتی، حرف کی طرف کبھی ضمیر نہیں لوٹتی، جس چیز کی طرف ضمیر لوٹے سمجھ جاؤ وہ اسم ہے۔ یہ نحوی حضرات کے دلائل میں سے ایک

دلیل ہوتی ہے، جب کسی چیز کو انہوں نے اسم ثابت کرنا ہو اور کچھ نہ مل رہا ہو تو کہتے ہیں دیکھو یہاں ایک ضمیر کیا کر رہی ہے اس کی طرف لوٹ رہی ہے، معلوم ہوا یہ کیا ہے؟ اسم ہے۔ تو فعل کی طرف بھی کبھی ضمیر نہیں لوٹتی، حرف کی طرف بھی کبھی ضمیر نہیں لوٹتی۔

آپ بتائیے کیا کریں گے؟ جار مجرور مل کر کس سے متعلق؟ ثَابِتَانِ شاباش، جار مجرور کو ثَابِتَانِ سے متعلق۔ آگے ترکیب کرو ثَابِتَانِ، آپ کرو آپ کرو بھئی۔ اعراب سب سے پہلے بولو: شاباش ثَابِتَانِ مرفوع لفظاً صیغہ اسمِ فاعل، جی آگے کرتے جاؤ۔ شاباش اعراب بولو: هُمَا ضمیر مرفوع محلاً اس کا فاعل، جی۔ پہلے تو یہ بتاؤ ثَابِتَانِ مرفوع لفظاً صیغہ اسمِ فاعل، یہ مرفوع کیوں ہے؟ رفع بغیر عامل کے آسکتا ہے؟ جی وہ تو هُمَا فاعل ہے، یہ ثَابِتَانِ کیوں مرفوع ہے؟ میں لفظاً کی وجہ نہیں پوچھی کہ لفظاً کیوں ہے، میں کہہ رہا ہوں مرفوع کیوں ہے؟ جی ہاں وہ کیا ہے؟ پھر اس کو بنانا کیا ہے ثَابِتَانِ کو؟ صفت بنانا ہے، اور موصوف صفت کا اعراب ایک ہوتا ہے، تو کس کی صفت بناؤ گے؟ رَجُلَيْنِ کی، اور وہ منصوب ہے تو یہ بھی کیا ہونا چاہیے؟ منصوب، لہٰذا ثَابِتَانِ نہیں نکالیں گے کیا نکالیں گے؟ ثَابِتَيْنِ شاباش، کیجیے ترکیب بھئی آگے۔ اعراب بولو: ثَابِتَيْنِ، جار مجرور پھر کرو: جار مجرور مل کر متعلق ثَابِتَيْنِ صیغہ اسمِ فاعل سے۔ ثَابِتَيْنِ اعراب بولو: ثَابِتَيْنِ منصوب لفظاً صیغہ اسمِ فاعل، ثَابِتَيْنِ منصوب لفظاً صیغہ اسمِ فاعل۔ آگے، منصوب کیوں؟ صفت ہے رَجُلَيْنِ کی اور موصوف صفت کا اعراب ایک ہوتا ہے۔ میں نے آپ کو بتایا تھا نکرہ کے بعد جار مجرور آجائے، رَجُلَيْنِ نکرہ ہے معرفہ ہے؟ جی، ضمیر ہے؟ اسمِ اشارہ ہے؟ اسمِ موصول ہے؟ علم ہے؟ الف لام ہے اس پر؟ معرفہ بالنداء ہے؟ کسی کی طرف مضاف ہے ان میں سے؟ دیکھا تو اس طرح پتہ چلاتے ہیں معرفہ کا فوراً بھئی، یہ اپنی عادت بناؤ معرفہ کی پہچان آپ کو ہوتی چلی جائے گی۔ معرفہ صرف چھ سات تو معرفہ ہیں بھئی کوئی زیادہ تو نہیں ہیں، فوراً دیکھ لیں ان میں سے کوئی ہے یا نہیں ہے آپ کو پتہ لگ جائے گا یہ معرفہ نہیں ہے بھئی۔

جی تو نکرہ کے بعد جار مجرور آیا اور نکرہ کے بعد جار مجرور آئے اور کسی سے نہ جڑ رہا ہو تو وہ اس کے لیے کیا بنتا ہے؟ صفت، اور صفت بھی آنکھیں بند کر کے نہیں بنانا، معنیٰ میں بھی غور کرنا ہے کہ یہ صفت بنتی ہے یا نہیں، موصوف صفت کا ترجمہ کرنے کا میں نے طریقہ بھی آپ کو سکھایا تھا کیسے کرتے ہیں وہ بھی پھر آپ نے دیکھنا ہے یہاں پر۔ تو ثَابِتَيْنِ منصوب لفظاً صیغہ اسمِ فاعل، اس کے اندر، اعراب بولو: اس کے اندر هُمَا ضمیر مرفوع محلاً اس کا فاعل، شاباش آگے۔ شاباش یہ انہوں نے ربط دے دیا کہ هُمَا ضمیر لوٹ رہی ہے موصوف رَجُلَيْنِ کی طرف۔ اسمِ فاعل، اب سمیٹو بھئی اسمِ فاعل: اسمِ فاعل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر شبہ جملہ ہو کر، ہاں اسمِ فاعل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر شبہ جملہ ہو کر صفت، موصوف صفت مل کر مفعول بہ ہوا کس کے لیے؟ اَكْرَمْتُ فعل کے لیے، فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ

خبریہ ہوا۔ روانی سے پڑھ دو پورے جملے کو: اَکْرَمْتُ رَجُلَیْنِ مِنْ قُرَیْشٍ، اَکْرَمْتُ رَجُلَیْنِ مِنْ قُرَیْشٍ۔ ترجمہ کیجیے: ہاں میں نے اکرام کیا ایسے دو آدمیوں کا جو قبیلہ قریش سے ہیں، یعنی میں نے قریش کے دو آدمیوں کا اکرام کیا۔ ترجمہ سمجھ میں آیا؟ ایسے دو آدمی، رَجُلَیْنِ مِنْ قُرَیْشٍ دیکھو یہ ہے موصوف صفت، پہلے ترجمہ کر کے دیکھو یہ موصوف صفت بنتے ہیں یا نہیں: رَجُلَیْنِ مِنْ قُرَیْشٍ ایسے دو آدمی جو کہاں سے ہیں؟ قریش سے ہیں، جڑ رہے ہیں؟ دیکھا یہ صفت بن رہی ہے ترجمہ صحیح ہو رہا ہے۔ طریقہ سمجھ میں آگیا؟

آگے بھئی، لکھیے بھئی: اَکْرَمْتُ رِجَالًا مِنْ قُرَیْشٍ، اَکْرَمْتُ رِجَالًا مِنْ قُرَیْشٍ۔ ترکیب کیجیے بھئی، جلدی جلدی کیجیے بھئی۔ اَکْرَمْتُ فعل با فاعل، تَا ضمیر مرفوع محلاً اس کا فاعل، شاباش رِجَالًا منصوب لفظاً موصوف۔ ایک تو ترجمے پہ غور کر لیں، اَکْرَمْتُ میں نے اکرام کیا، آگے رِجَالٌ آیا معلوم ہوا وہ کیا بنے گا؟ مفعول بنے گا میں نے ان کا کیا کیا؟ اکرام۔ ترجمے پہ غور کیا کرو اور مفعول کیا ہوتا ہے؟ منصوب ہوتا ہے۔ اور ویسے بھی میں نے بتایا تھا کہ فعل کے آنے کے بعد جملے میں مرفوع صرف فاعل آتا ہے اور اَکْرَمْتُ کے اندر فاعل آگیا، آگے صرف منصوبات اور مجرورات آئیں گے، اور مجرور تو دو ہی ہیں تو یہ رِجَالٌ مجرور بھی نہیں اور مرفوع بھی نہیں تو کیا رہ گیا؟ منصوب ہے۔ تو رِجَالًا منصوب لفظاً موصوف، شاباش۔ آپ کو کیسے پتہ چلا یہ موصوف ہے؟ نکرہ کے بعد جار مجرور آرہا ہے اور وہ کسی سے جڑ نہیں رہا تو وہ اسی کے لیے کیا بنے گا؟ صفت۔

مِنْ جارہ، قُرَیْشٍ مجرور لفظاً۔ جار مجرور مل کر، شاباش جار مجرور مل کر متعلق ہوئے ثَابِتُوْنَ سے۔ رِجَالٌ جمع ہے اس لیے انہوں نے بھی کیا صیغہ نکالا؟ ثَابِتُوْنَ جمع کا صیغہ نکالا۔ بولو ترکیب کرو اس کی، ثَابِتُوْنَ اعراب بولو: شاباش ثَابِتُوْنَ مرفوع لفظاً صیغہ اسمِ فاعل، مرفوع کیوں؟ صفت ہے، اور صفت پر اعراب وہی آتا ہے جو کس پر آئے؟ موصوف پر، موصوف پر کیا اعراب تھا؟ نصب تھا، تو اس پر رفع کیسے آگیا؟ ہاں حالتِ نصبی میں لے جاؤ اس کو، ثَابِتُوْنَ نصب کس کے ساتھ آتا ہے؟ شاباش، ثَابِتُوْنَ نہیں بلکہ کیا نکالیں گے؟ ثَابِتِیْنَ، ثَابِتِیْنَ منصوب لفظاً صیغہ اسمِ فاعل۔ منصوب کیوں؟ کیونکہ یہ صفت ہے اور صفت پر وہی اعراب آتا ہے جو کس پر آتا ہے؟ موصوف، موصوف منصوب تھا تو یہ بھی منصوب، تو منصوب لفظاً صیغہ اسمِ فاعل، آگے۔ شاباش، اس کے اندر ھُمْ ضمیر مرفوع محلاً اس کا فاعل، شاباش یہ انہوں نے ربط بھی دے دیا کہ ھُمْ ضمیر کس کو لوٹ رہی ہے؟ موصوف کی طرف یعنی رِجَالٌ کی طرف، آگے۔ شاباش صیغہ اسمِ فاعل اپنے فاعل جو ھُمْ ضمیر ہے اور متعلق یعنی مِنْ قُرَیْشٍ ان سے مل کر شبہ جملہ ہو کر صفت، موصوف صفت مل کر مفعول بہ ہوا اَکْرَمْتُ فعل کے لیے، اَکْرَمْتُ فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہوا۔ روانی سے پڑھ دو: اَکْرَمْتُ رِجَالًا مِنْ قُرَیْشٍ، اَکْرَمْتُ رِجَالًا مِنْ قُرَیْشٍ۔ ترجمہ کیجیے: میں نے اکرام کیا ایسے آدمیوں کا جو قبیلہ قریش سے ہیں، شاباش دیکھا یہ کتنی مشکل ترکیب آپ لوگوں نے کر لی بھئی۔

اچھا اگر یہاں پر ہم صفت کے صیغے کے بجائے فعل نکالتے پھر کیسے ترکیب ہوتی؟ کل جملہ لکھوایا تھا اَکْرَمْتُ رَجُلًا مِنْ قُرَیْشٍ، اَکْرَمْتُ رَجُلًا مِنْ قُرَیْشٍ۔ وہاں مِنْ قُرَیْشٍ کو کس سے متعلق کیا تھا؟ ثَابِتًا سے، اگر فعل نکالیں تو کیا نکالیں گے؟ ثَبَتَ، کیونکہ ہمیں ھُوَ ضمیر چاہیے نا، رَجُلٌ ایک ہے تو ضمیر بھی کون سی چاہیے؟ ھُوَ، تو ثَبَتَ فعل نکالیں گے۔ ثَبَتَ فعل اس کے اندر ھُوَ ضمیر مرفوع محلاً اس کا فاعل، توجہ ہے کہ نہیں؟ وہی ثَابِتٌ کی جگہ کیا نکال لو؟ ثَبَتَ۔ ہاں فرق صرف یہ پڑے گا ثَابِتٌ اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر شبہ جملہ بنتا تھا اور ثَبَتَ جو ہے وہ اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر صفت بنے گا، کیا ہو کر؟ اور ثَابِتٌ جب آپ نکالتے تھے تو اس پر باقاعدہ اعراب بھی نظر آتا تھا: رَجُلًا ثَابِتًا مِنْ قُرَیْشٍ، رَجُلًا ثَابِتًا مِنْ قُرَیْشٍ، لیکن ثَبَتَ وہاں اعراب نظر نہیں آئے گا: ثَبَتَ مِنْ قُرَیْشٍ، ثَبَتَ فعل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر یہ صفت ہوئی کس کی؟ رَجُلٌ کی۔ اب آپ سے کوئی کہے کہ رَجُلٌ تو منصوب ہے ثَبَتَ مِنْ قُرَیْشٍ یہ تو منصوب نہیں، تو آپ کیا جواب دیں گے؟ کہ یہ منصوب ہے لیکن یہ مبنی ہے اس پر اعراب نظر، اگر ثَابِتًا نکال لیتے تو اعراب نظر آتا ثَابِتًا دیکھو پڑھ رہا ہوں یا نہیں میں نصب، اور ثَبَتَ وہاں نصب نظر نہیں آئے گا کیونکہ صرف فعل پر نصب نہیں آرہا یہ پورے جملے ثَبَتَ مِنْ قُرَیْشٍ یہ پورے جملے پر کیا ہے؟ نصب ہے یہ پورا جملہ منصوب ہے، اور جملہ کیا ہوتا ہے؟ مبنی، کیا ہوتا ہے؟ اور مبنی پر اعراب کون سا آتا ہے؟ محلاً۔ بولتے کیوں نہیں کیوں خاموش بیٹھے ہو؟ بولتے کیوں نہیں ہو؟ میں تکرار کروا رہا ہوں بار بار بول رہا ہوں بار بار بول رہا ہوں کہ آپ کی زبانوں سے ادا ہو، آپ کی زبانوں سے ادا ہو۔

تو ثَبَتَ مِنْ قُرَیْشٍ آپ پر کوئی اعتراض کرتا ہے کیا کہتا ہے؟ کہ رَجُلًا موصوف تو ہے منصوب تو ثَبَتَ مِنْ قُرَیْشٍ اس پر تو نصب نہیں، تو آپ کیا کہیں گے؟ کہ یہ پورا جملہ ثَبَتَ مِنْ قُرَیْشٍ منصوب ہے محلاً، منصوب ہے محلاً۔ وہ نصب اس لیے نہیں نظر آرہا کیونکہ یہ جملہ ہے، جملے پر نصب آیا اور جملہ کیا ہے؟ مبنی ہے اور مبنی پر اعراب کیسے آتا ہے؟ محلاً۔ نیز ثَبَتَ مِنْ قُرَیْشٍ پورا جملہ صفت بنا کس کی؟ رَجُلًا کی، اور رَجُلًا ہے نکرہ اور نکرہ کی صفت تو نکرہ ہی بن سکتی ہے، معلوم ہوا جملہ بھی کس کے حکم میں ہوتا ہے؟ نکرہ۔ یاد رکھو جملے کے اندر چاہے دس معرفہ آجائیں چاہے بیس معرفہ آجائیں، لیکن جب وہ مل جل کر جملہ بن جائے گا تو اب وہ کیا ہے؟ نکرہ ہے، لہٰذا وہ نکرہ ہی کی صفت بن سکتا ہے معرفہ کی صفت نہیں بن سکتا۔

دوسری ترکیب جو آج ہم نے کی اَکْرَمْتُ رَجُلَیْنِ مِنْ قُرَیْشٍ، اَکْرَمْتُ رَجُلَیْنِ مِنْ قُرَیْشٍ۔ یہ مِنْ قُرَیْشٍ کو کس سے جوڑا؟ ثَابِتَیْنِ، کس سے جوڑا؟ دیکھو یہ رَجُلَیْنِ منصوب تھا تو ثَابِتَیْنِ بھی کیا ہے؟ منصوب۔ لیکن اگر یہاں آپ فعل نکالتے پھر کون سا صیغہ نکالتے؟ ثَبَتَا، تثنیہ کا صیغہ، ثَبَتَا۔ اور ثَبَتَا فعل اور اس کے اندر الف ضمیر مرفوع محلاً اس کا فاعل جو کس کو لوٹ رہی ہے؟ رَجُلَیْنِ کو۔ یہ الف کون سی ضمیر ہے؟ ثَبَتَا، ثَبَتَا کون سا صیغہ ہے وہ بول دیا کرو، تثنیہ مذکر غائب۔ تو ثَبَتَا اس میں جو الف ہے کون سی ضمیر ہے؟ وہی صیغے کا نام بولو گے وہ ضمیر ہو جائے گی۔ ثَبَتَا میں الف کون سی ضمیر ہے؟ تثنیہ مذکر غائب کی ضمیر ہے، یعنی یہ وہی ھُمَا ہے، وہی ھُمَا ہے لیکن ھُمَا منفصل ہے اور یہ کیا ہے؟ متصل ہے، ہے وہی تثنیہ مذکر غائب۔ تو

یہ الف کیا ہے؟ تثنیہ مذکر غائب کی ضمیر اور یہ کس کو لوٹ رہی ہے؟ رَجُلَيْنِ کو، اور فعل اپنے فاعل اور متعلق جو مِنْ قُرَيْشٍ ہے اس سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر صفت ہوئی کس کے لیے؟ رَجُلَيْنِ، اور رَجُلَيْنِ منصوب تھا تو یہ ثَبَتَا مِنْ قُرَيْشٍ یہ پورا جملہ بھی کیا ہے؟ منصوب ہے محلاً۔ بات سمجھ میں آگئی؟

تیسری ترکیب جو کی آپ نے اَكْرَمْتُ رِجَالًا مِنْ قُرَيْشٍ، تو پہلے آپ نے مِنْ قُرَيْشٍ کو کس سے جوڑا؟ ثَابِتِيْنَ، اَكْرَمْتُ رِجَالًا ثَابِتِيْنَ مِنْ قُرَيْشٍ۔ توجہ ہے؟ ثَابِتِيْنَ کے بجائے یہاں اگر، ثَابِتِيْنَ کون سی ضمیر لوٹائی آپ نے؟ جمع مذکر، کس کی طرف؟ رِجَالٌ، اور جمع بتاویلِ جَمَاعَةٌ کس کے حکم میں ہے؟ واحد مؤنث، لہٰذا واحد مؤنث کی ضمیر بھی لوٹا سکتے ہو یہاں، اور کیا نکال لو؟ ثَابِتِيْنَ نہ نکالو بلکہ کیا نکالو؟ فعل نہیں، اسمِ فاعل ہی نکالو جس میں واحد مؤنث کی ضمیر ہو: ثَابِتَةٌ، کیا؟ لیکن منصوب ہونی چاہیے کیونکہ موصوف کیا ہے؟ تو صفت کا صیغہ بھی کیا نکالو؟ منصوب، تو ثَابِتَةً یہاں نکال لو: رِجَالًا ثَابِتَةً مِنْ قُرَيْشٍ۔ اور ثَابِتَةً کے اندر کون سی ضمیر؟ هِيَ ضمیر جو کس کو راجع؟ رِجَالٌ کو۔ اگر کوئی اعتراض کرے وہ تو جمع ہے یہ واحد مؤنث ہے تو آپ جواب میں کیا کہیں گے؟ کہ رِجَالٌ جمع ہے اور جمع بتاویلِ جَمَاعَةٌ کس کے حکم میں؟ واحد مؤنث۔ دیکھو جمع کے اندر کم از کم تین افراد ہوتے ہیں، تین ہوں گے تو جمع ہے۔ جب تین افراد ہو گئے تو ایک جماعت بن گئی یا نہیں؟ تو جو بھی جمع ہے وہ کیا ہے؟ جماعت ہے اور جماعت کیا ہے؟ واحد مؤنث اس کے آخر میں گول تا ہے عربی کے اندر بھئی۔ بات سمجھ میں آئی؟ اردو میں تو جماعت کا لفظ آپ لمبی تا سے لکھتے ہیں لیکن عربی میں گول تا، اور گول تا واحد مؤنث کی

علامت ہے۔ تو گویا یہاں دو ترکیبیں آگئیں آپ کو، ترکیب تو گویا ایک ہی ہے جو محذوف آپ نکال رہے ہیں: اَكْرَمْتُ رِجَالًا ثَابِتِيْنَ مِنْ قُرَيْشٍ، دوسرا طریقہ: اَكْرَمْتُ رِجَالًا ثَابِتَةً مِنْ قُرَيْشٍ۔ اب ذرا فعل نکال لو، فعل، فعل بھی اسی طرح آپ کر سکتے ہیں، آپ چاہیں تو جمع کی ضمیر لوٹائیں، آپ چاہیں تو واحد مؤنث کی ضمیر لوٹائیں۔ اگر آپ جمع کی ضمیر لوٹانا چاہتے ہیں تو کون سا فعل نکالیں گے؟ ثَبَتُوْا، ثَبَتُوْا، ثَبَتُوْا فعل اس کے اندر واو ضمیر مرفوع محلاً اس کا فاعل جو کس کو لوٹ رہی ہے؟ رِجَالٌ کو، یہ کون سی ضمیر ہے؟ جمع مذکر غائب، وہ صیغہ بول دیا کریں بس وہی ضمیر ہوتی ہے اس میں، جمع مذکر غائب۔ تو ثَبَتُوْا فعل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر یہ صفت، اور موصوف صفت مل کر۔ تو پھر کوئی آپ پر اشکال کرتا ہے کہ رِجَالًا یہ تو منصوب ہے اور ثَبَتُوْا مِنْ قُرَيْشٍ اس میں تو نصب نہیں نظر آرہا، تو آپ جواب میں کیا کہیں گے؟ کہ یہ منصوب ہے محلاً کیونکہ یہ کیا ہے؟ مبنی ہے جملہ ہے جملہ۔ اور دوسری صورت کیا ہے؟ اب تو آپ نے فعل نکالا ثَبَتُوْا، اور آپ چاہیں تو کون سی ضمیر لوٹا سکتے ہیں؟ واحد مؤنث، تو واحد مؤنث ضمیر والا فعل لے آئیں، کیا کہیں گے؟ ثَبَتَتْ، اَكْرَمْتُ رِجَالًا ثَبَتَتْ مِنْ قُرَيْشٍ۔ ثَبَتَتْ فعل، اس کے اندر هِيَ ضمیر مرفوع محلاً اس کا فاعل جو کس کو راجع؟ رِجَالٌ کو، کس تاویل میں؟ جَمَاعَةٌ کی تاویل میں۔ تو فعل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر صفت۔ طریقہ سمجھ میں آگیا؟ تو فعل اپنے فاعل یا نائب فاعل سے مل کر جملہ بنتا ہے، اور صفت کے صیغے اپنے فاعل یا نائب فاعل سے مل کر شبہ جملہ۔

اور صفت کے صیغے نکالو گے تو ان پر اعراب بھی دکھانا پڑے گا آپ کو، جیسے ابھی آپ نے ثَابِتًا یا ثَابِتَةً یا ثَابِتَیْنِ یا ثَابِتِیْنَ منصوب نکالے۔ اور اگر فعل نکالتے ہیں تو پھر اعراب ظاہر نہیں ہوگا کیونکہ فعل جملہ بنے گا اور جملہ کیا ہوتا ہے؟ مبنی۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو اَکْرَمْتُ رِجَالًا، اَکْرَمْتُ رِجَالًا ثَبَتُوْا مِنْ قُرَیْشٍ، یہ ثَبَتُوْا مِنْ قُرَیْشٍ یہ پورا جملہ منصوب ہے، یہ پورا جملہ منصوب ہے، اس کا کوئی ایک جز نہیں منصوب کہ پھر اس پر ہمیں نصب نظر آجائے بلکہ پورا جملہ منصوب ہے۔

اگلا جملہ لکھیے بھئی ترکیب کیجیے: الزَّیْدَانِ، الزَّیْدَانِ۔ زید کی تثنیہ کیا ہے؟ زَیْدَانِ، جمع کیا ہے؟ زَیْدُوْنَ۔ لیکن زید ایک تھا تو معرفہ تھا، زَیْدَانِ تثنیہ لے آئے معلوم ہوا ایک سے زیادہ ہیں تو یہ نکرہ بن گیا، کیا بن گیا؟ معرفہ کسے کہتے ہیں؟ جو کسی معین ذات پر دلالت کرے، کیا کرے؟ معین ذات پر دلالت کرے۔ تو جب اس کو ہم تثنیہ یا جمع بناتے ہیں تو یہ نکرہ بن جاتا ہے، معلوم ہوا کوئی معین ذات نہیں ہے ایک سے زیادہ زید ہیں، تو پھر دوبارہ اس کو معرفہ بنانے کے لیے ہم اس پر الف لام داخل کرتے ہیں، اسی لیے الزَّیْدَانِ میں نے کہا۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو صرف زَیْدَانِ نہیں کہنا ورنہ وہ کیا بن جائے گا؟ نکرہ بن جائے گا۔

جی لکھ لیا: الزَّیْدَانِ الْعَالِمَانِ یَمْشِیَانِ، یَمْشِیَانِ، مَشٰی یَمْشِیْ کا معنیٰ ہوتا ہے چلنا، اپنے پاؤں پر چلنا، یَمْشِیَانِ، فِي السُّوْقِ، فِي السُّوْقِ، ق دو نقطوں والا ہے، سُوْق بازار کو کہتے ہیں، السُّوْقِ۔ ایک ایک لفظ کا میں نے معنیٰ آپ کو بتا دیا، کچھ لفظوں کا معنیٰ آپ کو علم ہے کچھ میں نے بتلا دیا۔ اب ذرا جملے پہ غور کریں کچھ ترجمہ ذہن میں سمجھ میں آرہا ہے آپ کو؟ ترجمہ سمجھ میں آرہا ہے؟ تو بس ترجمہ جب سمجھ میں آرہا ہے اس کا مطلب ہے اب آپ ترکیب کر سکتے ہیں۔ چلیے بھئی آپ ترکیب کیجیے بھئی۔

الزَّیْدَانِ مرفوع لفظاً مبتدا۔ الزَّیْدَانِ مرفوع لفظاً مبتدا، شاباش۔ مرفوع کیوں؟ مبتدا ہے، لفظاً کیوں؟ اس کے رفع پر ہم تلفظ کر رہے ہیں، الزَّیْدَانِ میں تو نون کے نیچے زیر پڑھ رہا ہوں۔ یہ اس کی حرکت ہے، تو اعراب کیا ہے؟ الف ہے شاباش، تثنیہ کا رفع الف کے ساتھ آتا ہے اور ہم اس پر تلفظ کر رہے ہیں، جی آگے۔ الْعَالِمَانِ مرفوع لفظاً موصوف۔ موصوف؟ الْعَالِمَانِ مرفوع لفظاً موصوف۔ مرفوع کیوں؟ کیونکہ خبر ہے، خبر ہے، لفظاً کیوں؟ اس کے رفع پر ہم تلفظ کر رہے ہیں۔ موصوف آپ کو کیسے پتہ چلا یہ موصوف ہے؟ اس کے بعد یہ جملہ، الْعَالِمَانِ معرفہ ہے نکرہ ہے؟ معرفہ، اور معرفہ کے بعد فعل آرہا ہے تو معرفہ کے بعد فعل آئے وہ اس کے لیے صفت بنتا ہے؟ میں نے کیا بتایا تھا؟ نکرہ کے بعد فعل آئے تو وہ اس کے لیے کیا بنتا ہے؟ صفت، تو یہ تو معرفہ کے بعد فعل آرہا ہے۔

آپ کیجیے ترکیب بھئی۔ الزَّیْدَانِ مرفوع لفظاً موصوف۔ الزَّیْدَانِ مرفوع لفظاً موصوف، موصوف آپ کو کیسے پتہ چلا یہ موصوف ہے؟ ہاں معرفہ کے بعد معرفہ آرہا ہے تو یہ عموماً کیا بنتے ہیں؟ موصوف صفت، اور میں نے یہ بھی بتایا تھا آنکھیں

بند کر کے موصوف صفت نہیں بنانا بلکہ معنیٰ میں بھی غور کرنا ہے۔ اچھا تو یہ موصوف، آگے: اَلْعَالِمَانِ مرفوع لفظاً صفت، اَلْعَالِمَانِ مرفوع لفظاً صفت۔ ہاں بھئی یہ ترکیب ٹھیک کر رہے ہیں؟ اسمِ فاعل کا صیغہ ہے، ترکیب تو باقی ٹھیک کر رہے ہیں صفت بنا رہے ہیں لیکن پوری ترکیب ہونی چاہیے۔ جیسے ضَرَبَ جب بھی آئے آپ کس کو تلاش کرتے ہیں؟ فاعل کو، تو یہاں بھی صفت کا صیغہ آگیا اس کی پوری ترکیب کرنی ہے، اگر نہیں کریں گے تو پھر بہت جگہ آپ مشکل میں پڑ جائیں گے۔ جب آپ صفت کے صیغے کے لیے بھی فاعل یا نائب فاعل تلاش کریں گے تو اکثر جگہ آپ دیکھیں گے مشکل سے مشکل ترکیب بھی آپ آرام سے حل کر لیتے ہیں۔ اَلْعَالِمَانِ مرفوع لفظاً صیغہ اسمِ فاعل، اَلْعَالِمَانِ مرفوع لفظاً صیغہ اسمِ فاعل، جی اس کے اندر هُمَا ضمیر اس کا فاعل، اعراب بولو: مرفوع محلاً اس کا فاعل، آگے: یہ ضمیر لوٹ رہی ہے اَلزَّيْدَانِ کی طرف، شاباش۔

یاد رکھو یہاں آپ کو ایک اور قیمتی بات بتلاؤں، قیمتی بات۔ سب سے پہلے تو یہ یاد رکھیں الف لام کی قسمیں بھئی۔ میں نے بتلایا تھا صفت کے صیغے پر جو الف لام آئے یعنی اسمِ فاعل اور اسمِ مفعول پر، اسمِ فاعل اور اسمِ مفعول پر جو الف لام آتا ہے وہ دراصل الف لام اسمی ہے، وہ اسمِ موصول ہے، وہ کیا ہے؟ اسمِ موصول ہے، اور صورت الف لام حرف جیسی ہے لیکن دراصل کیا ہے؟ اسمِ موصول۔ میں نے بتلایا تھا مثال گزری تھی بھئی ترکیب میں: اَلضَّارِبُ کس معنیٰ میں؟ اَلَّذِيْ يَضْرِبُ، اور اَلْمَضْرُوْبُ کس معنیٰ میں؟ اَلَّذِيْ يُضْرَبُ۔ تو اَلْعَالِمَانِ یہ بھی کیا ہے؟ اسمِ فاعل، اور اس پر کیا آیا؟ الف لام، معلوم ہوا یہ الف لام کیا ہے؟ اسمِ موصول، یہ اسمِ موصول ہے اور یہ صفت ہے اَلزَّيْدَانِ کی۔ یہ الف لام کیا ہے؟ اور صفت کا کیا اعراب ہوتا ہے؟ تو اَلزَّيْدَانِ مرفوع تو یہ الف لام بھی کیا ہے؟ مرفوع محلاً۔ لیکن چونکہ یہ حرف کی صورت میں ہے اس لیے اس کا رفع آگے عَالِمَانِ پر ظاہر ہوا۔ عَالِمَانِ اس کا صلہ ہے، اور جو صلہ ہوتا ہے لَا مَحَلَّ لَهُ مِنَ الْإِعْرَابِ، اس کا کوئی محلِ اعراب نہیں ہوتا۔ صلہ جو ہوتا ہے اس کا کوئی محلِ اعراب نہیں، اسمِ موصول معرفہ ہے مبنیات میں سے ہے اور مبنی کا اعراب کیسے آتا ہے؟ محلاً۔ تو یہاں اَلْعَالِمَانِ اس کو یا تو یوں کر لیں کہ اس کو کھول لیں کہ یہ اَلْعَالِمَانِ بمعنی اَلَّذَانِ، تثنیہ نکالو نا اَلَّذَانِ، اَلَّذَانِ، اَلزَّيْدَانِ ہے نا؟ تو اَلَّذَانِ نکالیں گے۔ اور صلہ کیا نکالیں گے؟ صلہ میں بھی تثنیہ کی ضمیر چاہیے، عَلِمَ يَعْلَمُ، يَعْلَمَانِ، اَلَّذَانِ يَعْلَمَانِ، تو اَلْعَالِمَانِ کس معنیٰ میں ہوا؟ اَلَّذَانِ يَعْلَمَانِ۔ اور پھر یہ اَلَّذَانِ کیا ہے؟ مرفوع محلاً اسمِ موصول، مرفوع کیوں؟ کیونکہ یہ صفت ہے، صفت موصوف کا اعراب ایک جیسا ہوتا ہے، اور آگے يَعْلَمَانِ یہ فعلِ مضارع ہے اور یہ بھی مرفوع ہے، مرفوع ہے لیکن اس وجہ سے نہیں کہ یہ صلہ ہونے کی وجہ سے مرفوع ہے، فعلِ مضارع کا اعراب ہی یہ ہے کہ جب اس پر کوئی نصب یا جزم دینے والا عامل نہ ہو تو وہ کیا ہوتا ہے؟ مرفوع ہوتا ہے۔ صلہ ہونے کی وجہ سے مرفوع نہیں ہے بلکہ ناصب اور جازم سے خالی ہونے کی وجہ سے یہ کیا ہے؟ مرفوع ہے، اور پھر يَعْلَمَانِ فعل اس کے اندر الف ضمیر مرفوع محلاً اس کا فاعل، یہ الف ضمیر ہے، صفت کے صیغوں میں یہ الف کیا ہوتا ہے؟ تثنیہ اور جمع کی علامتیں ہوتی ہیں الف اور واو، اور فعل کے اندر الف کیا ہوتا ہے؟ ضمیر، تو يَعْلَمَانِ میں الف ضمیر، اعراب بولو: مرفوع محلاً اس کا فاعل

جو کس کو لوٹ رہی ہے؟ الزَّيْدَانِ۔ يَعْلَمَانِ میں الف کون سی ضمیر ہے؟ صیغہ بولو: يَعْلَمَانِ، تثنیہ مذکر غائب، یہ تثنیہ مذکر غائب کی ضمیر ہے اور پیچھے اَلَّذَانِ بھی کیا ہے؟ تثنیہ مذکر ہے، بات سمجھ میں آگئی؟ تو یہ اس کی طرف ضمیر لوٹا دی، پھر يَعْلَمَانِ فعل اپنے فاعل سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر یہ صلہ، اور یہ جو پورا جملہ ہے اس کا لَا مَحَلَّ لَهُ مِنَ الْإِعْرَابِ اس کا کوئی محلِ اعراب نہیں ہے، بات سمجھ میں آرہی ہے؟ تو یہ صلہ ہوا موصول کا، موصول صلہ مل کر یہ صفت ہوئی کس کے لیے؟ الزَّيْدَانِ کے لیے، موصوف صفت مل کر بتدا، بتدا۔ طریقہ سمجھ میں آگیا؟

یا سیدھا سیدھا یوں کر دو، مختصر ترکیب: الزَّيْدَانِ مرفوع لفظاً بتدا، الْعَالِمَانِ میں ال اسمِ موصول ہے مرفوع محلاً کیونکہ یہ صفت ہے کس کی؟ الزَّيْدَانِ، اور عَالِمَانِ یہ اس کا صلہ، اس کے اندر هُمَا ضمیر جو اس الف لام کو راجع، توجہ ہے؟ موصول صلہ مل کر یہ صفت کس کی؟ الزَّيْدَانِ بتدا کی۔ طریقہ سمجھ میں آیا؟ پھر سن لو: الزَّيْدَانِ مرفوع لفظاً بتدا، الْعَالِمَانِ میں الف لام کیا ہے؟ مرفوع محلاً اسمِ موصول۔ عَالِمَانِ یہ بھی مرفوع ہے نا عَالِمَانِ ورنہ عَالِمَيْنِ ہوتا، یہ کیوں مرفوع ہے میں نے وجہ بتا دی کہ اسمِ موصول کس شکل میں آیا ہے؟ الف لام، اور الف لام تو دراصل حرف ہوتا ہے تو یہ حرف کی صورت میں الف لام اسمِ موصول آگیا، لہٰذا اسی کا اعراب منتقل ہو گیا کس کی طرف؟ عَالِمَانِ کی طرف، بات سمجھ میں آگئی؟ یعنی صلے پر آکر ظاہر ہو گیا اس کا اعراب کیونکہ یہ خود کس شکل میں ہے؟ حرف کی شکل میں ہے، بات سمجھ میں آگئی؟ پھر سنو: الزَّيْدَانِ مرفوع لفظاً موصوف، الْعَالِمَانِ میں الف لام مرفوع محلاً اسمِ موصول، عَالِمَانِ مرفوع لفظاً صیغہ اسمِ فاعل، اس کے اندر هُمَا ضمیر مرفوع محلاً اس کا فاعل جو کس کو راجع؟ صلے کو موصول سے جوڑتے ہیں، تو یہ ضمیر کس کو راجع؟ الف لام کو، تو صیغہ صفت اپنے فاعل سے مل کر یہ شبہ جملہ ہو کر صلہ، موصول صلہ مل کر صفت، صفت، موصول صلہ مل کر صفت اور موصوف صفت مل کر بتدا۔ ترکیب سمجھ میں آگئی بھئی؟

پھر اس میں ایک اور تفصیل یاد رکھیں، ایک اور تفصیل۔ علمائے محققین فرماتے ہیں کہ اسمِ فاعل اور اسمِ مفعول پر جو الف لام آئے وہ کیا ہوتا ہے؟ اسمی، لیکن شرط یہ ہے کہ وہ اسمِ فاعل یا اسمِ مفعول جو ہے حدوث اور تجدد کے معنیٰ میں ہونا چاہیے، ثبوت کے معنیٰ میں وہ صفت نہ ہو۔ کس معنیٰ میں ہو؟ حدوث اور تجدد کے معنیٰ میں ہو ثبوت کے معنیٰ میں نہ ہو۔ اگر حدوث اور تجدد کا معنیٰ ہے تو پھر الف لام اسمی ہے، اور اگر ثبوت والا معنیٰ ہے تو پھر الف لام حرفی ہے۔ پھر دہراؤ: اگر وہ صفت کیا ہو؟ یوں کہو حدوث پہ دلالت کر رہی ہو تو وہ کیا ہے؟ الف لام اسمی، اور اگر وہ ثبوت پر دلالت کر رہی ہے پھر؟ الف لام حرفی ہی ہے پھر اسمی نہیں ہے۔ دیکھو صفتیں دو قسم پر ہوتی ہیں، ایک وہ صفت جس میں ایک چیز کا ہونا پایا جائے پہلے نہیں تھی پھر ہوئی پھر گزر گئی، جیسے ضَرَبَ، ضَرَبَ کیا معنیٰ؟ ضرب پہلے نہیں تھی، ضَرَبَ زَيْدٌ ضرب پہلے نہیں تھی پھر زید نے ضرب لگائی اور پھر گزر گئی، بات سمجھ میں آگئی؟ اور ایک صفت وہ ثبوت کے معنیٰ میں ہوتی

ہے: عَلِمَ زَيْدٌ، زید نے جان لیا، معلوم ہوا یہ علم اب اس کے لیے ثابت ہے، پہلے نہیں جانتا تھا جان لیا، ختم ہو گئی یا ہے اب بھی وہ جانتا ہے؟ بھئی یا یوں دوسری مثال لے لو: ضَارِبٌ کسے کہتے ہیں؟ جو پٹائی کر رہا ہے اور پٹائی روک دے گا تو وہ ضارب نہیں، عَالِمٌ کسے کہتے ہیں؟ جو جاننے والا ہے، اور یہ علم اس سے جدا ہوتا ہے کہ آیا پھر گزر گیا ختم ہو گیا؟ نہیں، بات سمجھ میں آ گئی؟ تو یہ عَالِمٌ، علم جو ہے یہ صفت کون سی ہے؟ ثبوت پہ دلالت کرتی ہے، اور ضرب کس پہ دلالت کرتا ہے؟ حدوث۔ حدوث اور تجدد کا معنیٰ ہے ہونا، ایک چیز ہو اور پہلے نہیں تھی ہوئی اور پھر گزر گئی۔ تو ضارب وہ ہے جس نے پٹائی کی پہلے نہیں تھی اس نے پٹائی کی اور پھر پٹائی گزر گئی، اور عالم وہ ہے جو جاننے والا ہے اور یہ صفت اس سے جدا ہوتی ہے یا اس کے ساتھ ثابت رہتی ہے؟ ثابت رہتی ہے، تو دیکھا یہ صفت کس معنیٰ میں ہوئی؟ ثبوت کے، بات سمجھ میں آ گئی؟

تو الْعَالِمَانِ اب یہ کس معنیٰ میں ہوا، حدوث یا ثبوت؟ ثبوت، ثبوت، اور ثبوت کے معنیٰ میں صفت ہو تو الف لام حرفی ہی ہے۔ اَلضَّارِبُ کس معنیٰ میں تھا؟ اَلَّذِيْ يَضْرِبُ، لیکن اَلْعَالِمُ اس معنیٰ میں نہیں ہے۔ توجہ ہے؟ لہٰذا اب وہ دوسری ترکیب کرو جو یہاں علمائے محققین فرماتے ہیں: الزَّيْدَانِ مرفوع لفظاً موصوف، الْعَالِمَانِ، اب اسمِ موصول نہیں ہے یہ الف لام حرف ہے، الْعَالِمَانِ مرفوع لفظاً صیغہ اسمِ فاعل، اس کے اندر هُمَا ضمیر مرفوع محلاً اس کا فاعل جو کس کو لوٹ رہی ہے؟ الزَّيْدَانِ کو، اب وہ الف لام اسمی نہیں ہے الف لام حرف ہے اور حرف کی طرف ضمیر لوٹتی ہے؟ نہیں لوٹتی، تو اب ضمیر لوٹا دو کس کی طرف؟ زید۔ فرق سمجھ میں آیا؟ تو اگر یہاں ہوتا اَلضَّارِبَانِ پھر تو وہ ہماری پہلی ترکیب تھی، اور اب یہاں پر ہے الْعَالِمَانِ تو اب یہاں الف لام کو الگ سے اس کا اعراب وغیرہ نکالنے کی ضرورت نہیں۔ طریقہ سمجھ میں آ گیا؟ پھر سن لو: الزَّيْدَانِ مرفوع لفظاً موصوف، الْعَالِمَانِ مرفوع لفظاً صیغہ اسمِ فاعل، اس کے اندر هُمَا ضمیر مرفوع محلاً اس کا فاعل جو کس کو لوٹ رہی ہے؟ الزَّيْدَانِ موصوف کو۔ اسمِ فاعل اپنے فاعل سے مل کر شبہ جملہ ہو کر صفت، موصوف صفت مل کر بنتا۔

آگے کیجیے بھئی ترکیب: يَمْشِيَانِ، يَمْشِيَانِ شاباش فعل با فاعل، اب فاعل بھی بتا دو: الف ضمیر اس کا فاعل، شاباش فعل میں جو الف اور واو آتے ہیں وہ ضمیریں ہوتی ہیں، صفت کے صیغوں میں وہ علامتیں ہیں بس، تو یہ الف مرفوع لفظاً اس کا فاعل، یہ کون سی ضمیر ہے؟ تثنیہ مذکر غائب کی جی شاباش، جو لوٹ رہی ہے بتدا کی طرف، شاباش جو لوٹ رہی ہے کس کو؟ بتدا، اور ضمیر مرجع میں مطابقت ہے؟ وہ بھی تثنیہ مذکر یہ بھی تثنیہ مذکر، جی آگے۔ فِي جاره، السُّوْقِ مجرور لفظاً، مجرور کیوں؟ فِي جاره داخل ہے، لفظاً کیوں؟ اس کے جر پر ہم تلفظ کر رہے ہیں، کر کے دکھاؤ: السُّوْقِ، السُّوْقِ، جی شاباش۔ سمیٹیے بھئی: فِي السُّوْقِ جار مجرور مل کر متعلق يَمْشِيَانِ، جار مجرور کو یہ جوڑ رہے ہیں يَمْشِيَانِ سے، بھئی اس جملے میں ان آٹھ چیزوں میں سے کوئی چیزیں ہیں؟ کیا کیا ہیں؟ فعل ہے اور اسمِ فاعل بھی ہے، اسمِ فاعل۔ انہوں نے جوڑا اس کو يَمْشِيَانِ سے،

آپ بتائیے کس سے جڑے گا؟ جی الْعَالِمَانِ سے جوڑو ذرا، باقی لفظوں کو ختم کر دو مُتَعَلِّق اور مُتَعَلَّق کو نکال لو، کس کو جوڑا؟ فِي السُّوْقِ کو اور کس سے جوڑا؟ الْعَالِمَانِ سے، ذرا ان کو الگ کر کے لے آئیں: الْعَالِمَانِ فِي السُّوْقِ، وہ عالم ہیں بازار میں، وہ عالم ہیں بازار میں۔ ہاں بھئی ایک شخص بازار میں عالم ہو اور بازار کے علاوہ عالم نہ ہو ایسا ہو سکتا ہے؟ نہیں، معلوم ہوا یہ فِي السُّوْقِ الْعَالِمَانِ سے نہیں جڑ سکتا، ورنہ تو کیا خرابی لازم آئے گی؟ کہ بازار اس کے عالم ہونے کے لیے جگہ بن گئی کہ وہاں پر عالم ہے اور جگہ پر عالم نہیں ہے، حالانکہ ایسا نہیں جو عالم ہے وہ ہر جگہ پر عالم ہے، تو الْعَالِمَانِ فِي السُّوْقِ یہ درست نہیں ہوتا۔ دوسرا انہوں نے کس سے کہا؟ يَمْشِيَانِ، اس سے بھی جوڑ کر دیکھ لیتے ہیں: يَمْشِيَانِ فِي السُّوْقِ، باقی لفظوں کو ختم کر دیا، يَمْشِيَانِ وہ دونوں چل رہے ہیں فِي السُّوْقِ بازار میں، جڑ رہا ہے؟ ہاں یہ جڑ رہا ہے يَمْشِيَانِ فِي السُّوْقِ وہ دونوں چل رہے ہیں بازار میں۔ جی تو جار مجرور مل کر متعلق ہوا يَمْشِيَانِ سے، سمیٹیے اب: يَمْشِيَانِ فعل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر خبر، شاباش يَمْشِيَانِ فعل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر خبر، مبتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا، ربط دیا تھا آپ نے؟ ہاں ربط انہوں نے بتا دیا تھا ورنہ جملہ ویسے خبر نہیں بن سکتا تھا، تو مبتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔ روانی سے پڑھو بھئی: الزَّيْدَانِ الْعَالِمَانِ يَمْشِيَانِ فِي السُّوْقِ، الزَّيْدَانِ الْعَالِمَانِ يَمْشِيَانِ فِي السُّوْقِ۔ ترجمہ کیجیے: وہ دونوں عالم زید چل رہے ہیں بازار میں، وہ دونوں عالم زید چل رہے ہیں فِي السُّوْقِ بازار میں۔ وہ دونوں عالم زیدیہ ہے مبتدا، اور خبر: چل رہے ہیں بازار میں، دیکھا کس کے بارے میں بات کی؟ وہ جو دو عالم زید ہیں، اور کیا بات کی؟ کہ وہ بازار میں چل رہے ہیں، دیکھا مبتدا خبر آپ خود بھی غور کر لیں تو جس کے بارے میں بات کی جائے وہ کیا ہے؟ مبتدا، اور جو بات کی جائے وہ ہے خبر۔

جی کل آپ نے ایک جملہ کیا تھا: اِشْتَرَيْتُ هٰذِهِ الدَّارَ مِنْ زَيْدٍ، میں نے یہ گھر خریدا کس سے؟ زید سے۔ جی آج اگلا جملہ لکھیے: بِعْتُ، بِعْتُ هٰذِهِ الدَّارَ، هٰذِهِ الدَّارَ مِنْ زَيْدٍ، مِنْ زَيْدٍ۔ چلیے بھئی ترکیب کیجیے بھئی۔ شاباش بِعْتُ فعل با فاعل، آگے فاعل بھی بتاؤ: تَا ضمیر مرفوع محلاً فاعل۔ مرفوع کیوں؟ فاعل ہے، محلاً کیوں؟ ضمیر ہے، جی۔ شاباش هٰذِهِ منصوب لفظاً موصوف، منصوب کیوں؟ مفعول بہ ہے، شاباش۔ لفظاً کیوں؟ اس کے نصب پر ہم تلفظ کر رہے ہیں، کر کے دکھاؤ: هٰذِهِ، جی کدھر ہے نصب؟ آپ بتائیے بھئی: منصوب محلاً بھئی، کتنی بڑی غلطی کر رہے ہو بھئی کتنی بڑی غلطی کر رہے ہو، مبنیات تین تو میں نے کہا ہر وقت ذہن میں ہوں: اسمِ اشارہ، اسمِ موصول اور ضمیریں، بلکہ یوں کہو تمام ضمیریں، اسمِ اشارہ اور اسمِ موصول یہ تو ہر وقت آپ کے ذہن میں ہونی چاہئیں اس میں تو غلطی کی گنجائش ہی نہیں ہے۔ جی، شاباش هٰذِهِ منصوب محلاً موصوف، منصوب کیوں؟ کیونکہ مفعول بہ ہے، محلاً کیوں؟ کیونکہ مبنی ہے، شاباش جی آگے، موصوف آپ کو کیسے پتہ چلا یہ موصوف ہے؟ ہاں معرفہ کے بعد معرفہ آرہا ہے اس لیے یہ پہلا موصوف بنے گا اور بعد والا صفت، شاباش۔ آگے: الدَّارَ منصوب لفظاً صفت، شاباش منصوب لفظاً صفت۔ منصوب کیوں؟ کیونکہ صفت ہے اور موصوف صفت کا اعراب ایک

ہوتا ہے، جی لفظاً کیوں؟ اس کے نصب پر ہم تلفظ کر رہے ہیں، کر کے دکھاؤ: الدَّارَ، الدَّارَ، شاباش۔ موصوف صفت مل کر، جو پہلا والا بتایا تھا وہی تو ہے، پہلا هٰذِهِ منصوب کیوں تھا؟ مفعول بہ بن رہا تھا، تو اب موصوف صفت مل کر مفعول بہ بن جائیں گے، شاباش موصوف صفت مل کر مفعول بہ ہوا۔

مِنْ جارہ، زَيْدٍ مجرور لفظاً، شاباش۔ جار مجرور مل کر متعلق ہوا بِعْتُ۔ جار مجرور متعلق ہوا بِعْتُ سے۔ تو جار مجرور ہوا مُتَعَلِّق اور بِعْتُ ہوا مُتَعَلَّق، جی بھئی یہ جڑتے ہیں آپس میں: بِعْتُ مِنْ زَيْدٍ۔ بِعْتُ کیا ترجمہ؟ میں نے بیچا مِنْ زَيْدٍ زید سے، جڑ رہا ہے؟ پھر ہاں یہاں یہ اسی سے جڑے گا، مِنْ زَيْدٍ بِعْتُ سے ہی جڑے گا۔ میں نے بتایا تھا اکثر جگہ ترجمے سے آپ کو اندازہ ہو جائے گا کہ یہ اس سے جڑ رہا ہے یا نہیں، لیکن کبھی کبھار ایسا بھی ہوگا کہ ترجمہ ٹھیک نہیں ہو رہا اردو کے اعتبار سے لیکن وہ جڑا اسی سے رہا ہے۔ عربی میں وہ استعمال اسی کے ساتھ ہوتا ہے، یہ بِعْتُ کے ساتھ عربی میں مِنْ استعمال ہوتا ہے۔ اِشْتَرَيْتُ مِنْ زَيْدٍ کیا ترجمہ تھا؟ میں نے زید سے خریدا، اور بِعْتُ مِنْ زَيْدٍ کا ترجمہ ہوگا میں نے زید کے ہاتھ بیچا۔ وہ جو دوسرا شخص جس سے آپ معاملہ کرتے ہیں اس پر مِنْ داخل کرتے ہیں، اِشْتَرَيْتُ میں مِنْ استعمال ہوتا ہے اس لیے بِعْتُ میں بھی مِنْ استعمال ہوتا ہے۔ میں نے خریدا، کس سے خریدا؟ زید سے تو زید پر کیا لائیں گے؟ مِنْ۔ اور میں نے بیچا، کس کے ہاتھ بیچا؟ زید کے ہاتھ تو زید پر کیا لائیں گے؟ مِنْ۔ طریقہ سمجھ میں آگیا؟ تو یہ اسی سے جڑے گا اگرچہ ترجمہ ٹھیک نہیں ہو رہا اردو کے اعتبار سے، لیکن ہر زبان کا اپنا ایک انداز ہوتا ہے، یہ نہیں کہ جو کچھ عربی میں ہے اردو میں بھی اسی کے مطابق ہر ہر چیز ہو، نہیں، اردو کا اپنا انداز ہے عربی کا اپنا انداز ہے بھئی۔ تو مِنْ زَيْدٍ کو کس سے جوڑا آپ نے؟ بِعْتُ سے شاباش۔ ترجمہ کریں بِعْتُ مِنْ زَيْدٍ: بھئی دیکھو اردو میں عموماً بولتے ہیں ایک چیز میں نے یہ کتاب زید کو بیچ دی، میں نے یہ کتاب زید کو بیچ دی، لیکن یہ کو لے کر آؤ گے تو کئی جگہ اشتباہ پڑ جاتا ہے، لہٰذا کو نہ لاؤ، یوں کہو میں نے زید کے ہاتھ بیچی، یہ چیز میں نے زید کے ہاتھ بیچی۔ کیونکہ یہ کو مفعول پر بھی داخل ہوتا ہے مبیع پر بھی: میں نے کتاب کو بیچا، کتاب پر بھی کیا آیا؟ کو، اور میں نے زید کو بیچا، میں نے زید کو بیچا، کیا معنیٰ؟ زید کو اٹھا کر بیچ دیا یا کوئی چیز ہے اس چیز کو تو میں نے ذکر نہیں کیا صرف اتنا بتا رہا ہوں، مثلاً وہ قلم ہے وہ قلم میں نے کس کو بیچا؟ زید کو، تو میں صرف یوں کہوں گا میں نے زید کو بیچا۔ توجہ ہے؟ قلم میں نے بیچا ہے لیکن میں قلم کو ذکر نہیں کرتا کیا کہتا ہوں؟ آپ سے ساتھی پوچھتا ہے بھئی قلم آپ نے کس کو بیچا؟ آپ کہتے ہیں میں نے زید کو بیچا۔ تو بظاہر یوں لگتا ہے میں نے زید کو بیچا کہ آپ نے زید کو ہی اٹھا کر کیا کر دیا آگے کسی کے ہاتھ بیچ دیا، کیونکہ یہ کو تو کتاب پر بھی داخل ہوتا ہے: میں نے قلم کو بیچا، میں نے کتاب کو بیچا۔ تو کو کا لفظ نہ لائیں وہاں بلکہ میں نے زید کے ہاتھ بیچا، قلم زید کے ہاتھ فروخت کیا، یا یوں کہو پر لے آؤ، پر لے آؤ: میں نے زید پر بیچا، میں نے قلم زید پر بیچا۔

جی تو جار مجرور مل کر بِعْتُ سے متعلق، بِعْتُ فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہوا۔ روانی سے پڑھ دو پورا جملہ: بِعْتُ هٰذِهِ الدَّارَ مِنْ زَيْدٍ، بِعْتُ هٰذِهِ الدَّارَ مِنْ زَيْدٍ۔ ایک ایک لفظ کا اعراب آپ نے نکال لیا بس

اس کو روانی سے پڑھ دیں۔ ترجمہ کیجیے: میں نے بیچا یہ گھر مِنْ زَيْدٍ زید پر، یا میں نے بیچا یہ گھر زید کے ہاتھ پر، میں نے بیچا یہ گھر زید کے ہاتھ۔ طریقہ سمجھ میں آگیا؟ چلیے بس کریں بھئی بات سمجھ میں آگئی اچھی طرح، چلیے بس بھئی ہٰذَا هُوَ الْمَرَامُ وَاللّٰهُ أَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْكَلَامِ۔

سبق نمبر ۱۱: تراکیبِ نحویہ (۱۰): ظرفِ لغو اور ظرفِ مستقر کی ترکیب

تراکیبِ نحویہ (ابتدائی مشق) — بتاریخ: ۲۲ جون ۲۰۲۱ء

▪ تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث

ہم جار مجرور کی ترکیب کر رہے تھے اور آپ نے پڑھا کہ جار مجرور جب بھی کلام کے اندر آجائیں وہ آٹھ چیزوں میں سے کسی ایک سے ضرور متعلق ہوں گے۔ اگر ان آٹھ چیزوں میں سے کوئی ایک عبارت میں ذکر ہو تو اس کے ساتھ جار مجرور کو جوڑ دیں گے، ورنہ محذوف نکالنا پڑے گا۔ اور وہ آٹھ چیزیں کیا ہیں؟ نمبر ایک فِعْل، نمبر دو مَصْدَر، نمبر تین اِسْمِ فَاعِل، نمبر چار اِسْمِ مَفْعُوْل، نمبر پانچ صِفَتِ مُشَبَّہَہ، نمبر چھ اِسْمِ تَفْضِیْل، نمبر سات مُبَالَغَہ کے صیغے، اور نمبر آٹھ اِسْمِ فِعْل۔ یہ آٹھ چیزیں ہیں بھئی آٹھ، یہ ہر وقت آپ کو یاد ہونی چاہئیں۔ پھر دہرا لو وہ آٹھ چیزیں کیا ہیں؟ نمبر ایک فِعْل، نمبر دو مَصْدَر، نمبر تین اِسْمِ فَاعِل، نمبر چار اِسْمِ مَفْعُوْل، نمبر پانچ صِفَتِ مُشَبَّہَہ، نمبر چھ اِسْمِ تَفْضِیْل، نمبر سات مُبَالَغَہ کے صیغے، اور نمبر آٹھ اِسْمِ فِعْل۔

تو جار مجرور اگر عبارت میں آئیں اور ان آٹھ میں سے کوئی ایک موجود ہو تو اس جار مجرور کو اس سے جوڑ کر دیکھیں گے۔ اور آنکھیں بند کر کے آپ نے نہیں جوڑنا بلکہ ترجمے میں غور کرنا ہے۔ اور اس کا طریقہ میں نے بتلایا تھا کہ جار مجرور یہ ہیں متعلق، اور جس سے جوڑنا چاہتے ہیں وہ ہے متعلق۔ تو متعلق اور متعلق کو علیحدہ کر لیں، باقی جملے کے سارے لفظوں کو ختم کر دیں۔ صرف متعلق اور متعلق کو لے لیں اور پھر ان کا ترجمہ کر کے دیکھیں۔ تو اگر ترجمہ ٹھیک ہو تو معلوم ہوا یہ اسی سے جڑے گا، اور اگر ترجمہ ٹھیک نہ ہو معلوم ہوا یہ اس سے نہیں جڑے گا۔ اور پھر میں نے آپ کو یہ بھی بتلایا تھا کہ کوئی بھی ضابطہ جو ہے وہ کلی نہیں ہے بلکہ یہ اکثری ضابطے ہیں۔ اکثر جگہ ترجمہ ٹھیک ہو جائے گا لیکن کبھی کبھار ایسا بھی ہوتا ہے کہ اردو کے اعتبار سے ترجمہ ٹھیک نہیں ہوتا لیکن وہ جڑا اسی لفظ سے رہا ہوتا ہے۔ جیسے کل ایک مثال آئی تھی بِعْتُ مِنْ زَیْدٍ، میں نے زید کے ہاتھ کوئی چیز فروخت کی۔ اب یہ بِعْتُ کے ساتھ مِنْ زَیْدٍ بظاہر نہیں جڑ رہا لیکن بِعْتُ کا صلہ مِنْ آتا ہے، یہ اسی سے جڑے گا بھئی۔

تو لیکن اکثر مثالیں آپ کی ویسے ہی ترجمہ میں غور کریں گے حل ہو جائیں گی۔ اور پھر باقی مزید تفصیل آپ دیکھنا چاہیں تو پھر لغت کی کتابوں میں دیکھ سکتے ہیں۔ لغت کی کتاب میں مثلاً کوئی فعل دیا ہوتا ہے، مثلاً بَاعَ، تو آگے اس کے ساتھ مختلف

حروف جارہ دیے ہوں گے اور ہر ایک کے ساتھ اس کا ترجمہ ذکر کیا ہوتا ہے۔ یاد رکھو، یاد رکھو یہ حرف جار جس چیز کے ساتھ جڑتا ہے یہ اس کا صلہ کہلاتا ہے۔ کیا کہلاتا ہے؟ صلہ۔ بِعْتُ مِنْ زَيْدٍ۔ تو اب آپ بڑے نحوی بن رہے ہیں، آہستہ آہستہ یہ یاد رکھنا کہ عموماً کتابوں والے مختصر بات کرتے ہوئے آگے چلے جائیں گے۔ مثلاً کتاب میں لکھا ہو گا بِعْتُ مِنْ زَيْدٍ، تو بس وہ اتنا کہیں گے کہ یہ مِنْ صلہ ہے بِعْتُ کا، اور آگے چلے جائیں گے۔ یہ مِنْ صلہ ہے بِعْتُ کا، آپ خود سمجھ جائیں کہ اس کہنے کا مطلب یہ ہے کہ یہ حرف جار اس فعل کے ساتھ جڑے گا۔ جار مجرور دونوں ملیں گے اور مل کر پھر اس کے ساتھ جڑ جائیں گے۔ تو جو حرف جار کسی فعل کے ساتھ استعمال ہوتا ہے وہ اس کا صلہ کہلاتا ہے۔

اور یاد رکھو صلہ کے بدلنے سے فعل کا معنی بدل جاتا ہے۔ فعل کا معنی بدل جاتا ہے۔ جیسے دَعَا يَدْعُو۔ دَعَا يَدْعُو اس کا صلہ اگر لام آجائے، دَعَوْتُ لَہٗ، تو ترجمہ ہو گا میں نے اس کے لیے دعا کی، کیونکہ لام فائدے کے لیے آتا ہے۔ دَعَوْتُ لَہٗ، میں نے اس کے لیے دعا کی۔ اور اسی دَعَوْتُ کا صلہ اگر عَلٰی لے آئیں، دَعَوْتُ عَلَيْہِ، تو عَلٰی مخالفت کے لیے، مقابلے کے لیے اور نقصان کے لیے آتا ہے، تو دَعَوْتُ عَلَيْہِ کا معنی ہو گا میں نے اس کے لیے بد دعا کی۔ تو دَعَوْتُ لَہٗ کا کیا ترجمہ؟ میں نے اس کے لیے دعا کی۔ اور دَعَوْتُ عَلَيْہِ کا کیا ترجمہ؟ میں نے اس کے لیے بد دعا کی۔ تو دیکھا صلے کے بدلنے سے فعل کا معنی بدل جاتا ہے۔ تو آپ لغت کی کتاب اٹھائیں گے تو وہاں مثلاً بَاعَ لکھا ہے، تو بَاعَ کے ساتھ مختلف حروف جارہ دیے ہوں گے کہ یہ والا صلہ آئے تو یہ معنی ہوتا ہے، یہ والا صلہ آئے تو یہ والا معنی اس فعل کا ہوتا ہے۔

تو اس کے بعد پھر میں نے آپ کو یہ بھی بتلایا تھا کہ یہ جار مجرور کا اگر متعلق عبارت میں ذکر ہو تو اس کو ظرف لغو کہتے ہیں، لام غین اور واو، لَغْوٌ۔ تو اس کو ظرف لغو کہتے ہیں۔ اور اگر اس کا متعلق عبارت میں ذکر نہ ہو تو اس کو ظرف مستقر کہتے ہیں، ظرف مستقر۔ یہ جار مجرور کا متعلق جب محذوف نکالیں تو افعال عامہ میں سے بھی نکال سکتے ہیں اور افعال خاصہ میں سے بھی نکال سکتے ہیں۔ افعال عامہ مشہور چار ہیں، اور بھی ہیں، لیکن مشہور چار ہیں۔ کون؟ ثُبُوْت، وُجُوْد اور حُصُوْل۔ انہی سے آپ فعل بھی نکال سکتے ہیں اور صفت کا صیغہ بھی۔ فعل نکالیں گے تو فعل معروف ان سے نکال لیں گے، اور صفت کا صیغہ نکالیں گے تو اسم فاعل نکالیں گے، سوائے وُجُوْد کے کہ وُجُوْد سے اگر فعل نکالنا ہے تو پھر فعل مجہول نکالیں گے اور صفت کا صیغہ نکالنا ہے تو اسم مفعول نکالیں گے۔

مثلاً دیکھو زَيْدٌ فِي الدَّارِ۔ زَيْدٌ مرفوع لفظاً بتدا، فِيْ جارہ، الدَّارِ مجرور۔ جار مجرور مل کر متعلق کس سے؟ ان آٹھ چیزوں میں سے کوئی جملے میں ہے؟ نہیں، جملے میں نہیں۔ اور یہ چاہیے تو ضرور، جار مجرور نے جڑنا ہے، تو پھر محذوف نکالیں گے۔ اب محذوف آپ ان افعال عامہ سے نکال سکتے ہیں۔ تو آپ چاہیں تو کیا نکال لیں؟ ثَبَتَ نکال لیں فعل۔ کیا نکالیں گے؟ توجہ ہے؟ ثَبَتَ۔ ثَبَتَ فعل، اس کے اندر ہُوَ ضمیر مرفوع محلاً کس کو راجع؟ زَيْدٌ کو، دیکھو یہ ربط بھی آگیا۔ فعل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ، کیونکہ فعل اپنے فاعل یا نائب فاعل سے مل کر کیا بنتا ہے؟ جملہ، اور صفت کا صیغہ کیا بنتا ہے؟

شبہ جملہ۔ تو فعل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر یہ زَیْدٌ کے لیے خبر۔ مبتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔ اب آپ سے کوئی پوچھے کہ بھئی یہ ثَبَتَ فِی الدَّارِ، یہ تو خبر ہے، اور خبر تو کیا ہوتی ہے؟ مرفوع، اور یہاں پر تو ہمیں رفع نظر نہیں آرہا، تو آپ کیا کہیں گے؟ کہ یہ جملہ ہے، ثَبَتَ فِی الدَّارِ کیا ہے؟ جملہ، اور جملہ مبنی ہوتا ہے، تو اس پر اعراب محلاً آئے گا۔ بات سمجھ میں آرہی ہے؟ تو یہ محلاً جو ہے یہ مرفوع ہے، خبر ہے۔ تو یہ جملہ ثَبَتَ فِی الدَّارِ کس جگہ پر آیا؟ خبر کی جگہ۔ کس کی جگہ؟ خبر کی جگہ۔ اور خبر کیا ہوتی ہے؟ مرفوع، تو یہ جملہ بھی کیا ہو گا؟ مرفوع ہو گا۔

طریقہ سمجھ میں آیا؟ یہ تو تھا ہم نے فعل نکالا، فعل اپنے فاعل سے مل کر جملہ بنا تھا۔ اگر آپ صفت کا صیغہ یہاں نکالتے، مثلاً ثَابِتٌ۔ ثَابِتٌ، تو دیکھو ثَابِتٌ مرفوع نکالنا پڑے گا، ثَابِتًا یا ثَابِتٍ نہیں۔ یہ ثَابِتٌ مرفوع کیوں نکالا؟ کیونکہ یہ کیا بن رہا ہے؟ خبر ہے، یہ خبر ہے اور خبر کیا ہوتی ہے؟ مرفوع۔ تو ثَابِتٌ مرفوع لفظاً صیغہ اسم فاعل، اس کے اندر ہُوَ ضمیر مرفوع محلاً اس کا فاعل جو کس کو لوٹ رہی ہے؟ زَیْدٌ یعنی مبتدا کو۔ اور فِی الدَّارِ جار مجرور اس سے متعلق ہو گئے۔ ثَابِتٌ صیغہ اسم فاعل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر شبہ جملہ ہو کر خبر، دیکھو ربط ہم نے دے دیا تھا۔ تو شبہ جملہ ہو کر خبر، مبتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔ آپ چاہیں تو حُصُوْل سے نکال لیں۔ کس سے نکال لیں؟ حُصُوْل۔ حُصُوْل سے فعل نکالنا ہے تو حَصَلَ نکال لیں گے۔ زَیْدٌ حَصَلَ فِی الدَّارِ۔ حَصَلَ فعل، اس کے اندر ہُوَ ضمیر مرفوع محلاً اس کا فاعل جو کس کو لوٹ رہی ہے؟ زَیْدٌ کو۔ حَصَلَ فعل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر خبر، مبتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ خبریہ۔ ترجمہ وہی ہو گا، زید گھر میں ہے، کیونکہ سب کا معنی کیا ہے؟ ہونا، ہونا۔ اور اسی طرح اگر آپ حَصَلَ سے صفت کا صیغہ نکالنا چاہتے ہیں تو کیا نکالیں گے؟ حَاصِلٌ۔ زَیْدٌ حَاصِلٌ فِی الدَّارِ، یعنی زید گھر میں ہے۔ تو حَاصِلٌ کے اندر ہُوَ ضمیر ہو گی جو کس کو لوٹے گی؟ زَیْدٌ کو۔

اسی طرح اگر آپ کَانَ سے، یعنی اگر آپ کَون سے نکالنا چاہتے ہیں تو پھر فعل نکالیں گے کَانَ۔ زَیْدٌ کَانَ فِی الدَّارِ۔ تو فِی الدَّارِ متعلق کس سے؟ کَانَ سے۔ کَانَ فعل، اس کے اندر ہُوَ ضمیر مرفوع محلاً اس کا فاعل جو کس کو لوٹ رہی ہے؟ زَیْدٌ کو۔ بات سمجھ میں آگئی؟ یہ وہ کَانَ ناقصہ نہیں ہے، کَانَ ناقصہ نہیں ہے۔ توجہ ہے؟ یہ کَانَ تامہ ہے جو صرف فاعل پر بات پوری ہو جاتی ہے۔ ایک کَانَ ناقصہ ہوتا ہے اور اس کے لیے اسم بھی چاہیے اور خبر بھی، اور ایک کَانَ تامہ ہوتا ہے وہی ثَبَتَ کے معنی میں ہوتا ہے۔ تو یہاں کَانَ تامہ ہے، اس کے اندر ہُوَ ضمیر مرفوع محلاً اس کا فاعل جو کس کو لوٹ رہی ہے؟ زَیْدٌ کو، تو یہ ربط بھی آگیا۔ تو کَانَ فعل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر یہ خبر۔ تو یہ پورا جملہ کَانَ فِی الدَّارِ یہ کیا ہے؟ خبر ہے، اور خبر کیا ہوتی ہے؟ مرفوع، تو یہ مرفوع ہے محلاً کیونکہ جملہ ہے، اور جملہ کیا ہوتا ہے؟ جملہ مبنی ہوتا ہے۔ کیا ہوتا ہے؟ مبنی ہوتا ہے۔

اسی طرح اگر آپ دیکھو کَون سے بھی ہم نے جوڑ کر دیکھ لیا، ثُبُوْت سے بھی جوڑ لیا، حُصُوْل سے بھی۔ فعل نکالا تو فعل معروف، کَانَ، ثَبَتَ، حَصَلَ۔ اور صفت کا صیغہ نکالا تو اسم فاعل نکالیں گے، ثَابِتٌ، حَاصِلٌ، اور اگر کَانَ سے نکالنا چاہتے

ہیں تو کَائِنٌ۔ زَیْدٌ کَائِنٌ فِی الدَّارِ۔ کَائِنٌ کا کیا ترجمہ؟ وہی ثَابِتٌ۔ کَانَ کا کیا ترجمہ؟ ثَبَتَ۔ بات سمجھ میں آرہی ہے؟ تو کَائِنٌ کا کیا معنی؟ ثَابِتٌ، وہی ہونا۔ تو کَائِنٌ صیغہ اسم فاعل، اس کے اندر ہُوَ ضمیر مرفوع محلاً اس کا فاعل جو کس کو لوٹ رہی ہے؟ زَیْدٌ کی طرف۔ اسم فاعل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر شبہ جملہ ہو کر خبر، بتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔ ترجمہ وہی ہو گا، زَیْدٌ فِی الدَّارِ، زید گھر میں ہے۔

اور اگر آپ وُجُوْد سے نکالنا چاہتے ہیں تو فعل اگر نکالیں گے تو فعل مجہول نکالیں گے۔ تو جار مجرور مل کر متعلق کس سے ہوئے؟ وُجُوْد سے نکالیں فعل مجہول، وُجِدَ۔ جار مجرور مل کر کس سے متعلق؟ وُجِدَ فعل سے۔ وُجِدَ فعل، اس کے اندر ہُوَ ضمیر مرفوع محلاً اس کا نائب فاعل، شاباش، کیونکہ فعل مجہول کے لیے فاعل نہیں آتا بلکہ نائب فاعل آتا ہے۔ تو ہُوَ ضمیر مرفوع محلاً اس کا نائب فاعل جو کس کی طرف لوٹ رہی ہے؟ زَیْدٌ کی طرف، اس سے ربط آگیا۔ تو فعل مجہول اپنے نائب فاعل اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر خبر، بتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔ تو ترجمہ وہی ہو گا، زید گھر میں ہے۔ زَیْدٌ وُجِدَ فِی الدَّارِ، زید گھر میں ہے۔ اور اگر آپ اسی وُجُوْد سے صفت کا صیغہ نکالنا چاہتے ہیں تو کیا نکالیں گے؟ ہاں، اسم مفعول نکالیں گے، کیا؟ مَوْجُوْدٌ۔ دیکھو، تو جار مجرور مل کر متعلق کس سے؟ مَوْجُوْدٌ صیغہ اسم مفعول۔ مَوْجُوْدٌ مرفوع لفظاً، مرفوع کیوں؟ کیونکہ خبر ہے۔ اور اس کے لیے ہُوَ ضمیر اس کے اندر مرفوع محلاً اس کا نائب فاعل، کیونکہ مَوْجُوْدٌ کون سا صیغہ ہے؟ اسم مفعول، اور اس کے لیے نائب فاعل آتا ہے، اور ہُوَ ضمیر کس کو راجع؟ زَیْدٌ کو، تو یہ ربط بھی آگیا۔ تو اسم مفعول اپنے نائب فاعل اور متعلق سے مل کر شبہ جملہ ہو کر خبر، بتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔ زَیْدٌ مَوْجُوْدٌ فِی الدَّارِ، زید گھر میں ہے یا زید گھر میں موجود ہے، ایک ہی بات ہے۔ بات سمجھ میں آرہی ہے؟

طریقہ سمجھ میں آیا؟ یہ ہم نے ثُبُوْت سے کیا نکالا؟ فعل نکالا تو ثَبَتَ، صفت نکالی تو ثَابِتٌ۔ اور حُصُوْل سے نکالا تو فعل کیا نکالا؟ حَصَلَ، اور صفت نکالی تو حَاصِلٌ۔ اور کَوْن سے فعل نکالا تو کَانَ، اور صفت نکالی تو کَائِنٌ۔ اور وُجُوْد سے فعل نکالا تو وُجِدَ، اور صفت نکالی تو مَوْجُوْدٌ۔ شاباش۔ اور یہ ہم نے مفرد کے صیغے نکالے سارے، فعل بھی مفرد نکالا، صفت بھی، کیونکہ ہمیں ضمیر کون سی چاہیے تھی؟ مفرد کی، کیونکہ ہم نے کس سے جوڑنا ہے؟ زَیْدٌ سے۔ زَیْدٌ مفرد تو یہ صیغے بھی ہم نے مفرد کے نکالے۔

اگر پیچھے ہوتا الزَّیْدَانِ فِی الدَّارِ، وہ دو زید گھر میں ہیں، پھر کیسے نکالیں گے؟ الزَّیْدَانِ مرفوع لفظاً بتدا، فِیْ جارہ، الدَّارِ مجرور، جار مجرور مل کر متعلق۔ جی نکالیے، اگر ثُبُوْت سے نکالیں تو فعل کیا نکالیں گے؟ تثنیہ والا فعل کیا ہے؟ ثَبَتَا۔ ثَبَتَا الف کے ساتھ۔ پھر ثَبَتَا فعل، اس کے اندر الف ضمیر مرفوع محلاً اس کا فاعل جو کس کو لوٹ رہی ہے؟ الزَّیْدَانِ کو۔ تو یہ اسی طرح اسم فاعل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ ہو گا۔ اور اگر آپ یہاں ثُبُوْت سے صفت کا صیغہ نکالنا چاہتے ہیں تو کون سا صیغہ نکالیں گے؟ ثَابِتَانِ، تثنیہ چاہیے کیونکہ ہمیں تثنیہ کی ضمیر چاہیے جس سے ہم نے جوڑنا ہے۔ تو ثَابِتَانِ مرفوع لفظاً

صیغہ اسم فاعل۔ مرفوع کیوں؟ ہاں خبر ہے اور مرفوع لفظاً۔ اور اس کے اندر ہُمَا ضمیر۔ میں نے بتایا صفت کے صیغوں میں جو الف اور واو آتے ہیں وہ تثنیہ اور جمع کی علامتیں ہیں، ضمیریں نہیں۔ اور دلیل یاد رکھو، دلیل ذہن میں ہو گی تو پھر کبھی غلطی نہیں ہو گی ورنہ بار بار غلطی کرو گے۔ دلیل کیا ہے؟ کہ حالت نصبی جری میں یہی الف کس سے بدل جاتا ہے؟ یا سے، ثَابِتَانِ اب کیا بن گیا؟ ثَابِتَيْنِ۔ تو وہ الف اگر ضمیر ہوتا، ضمیر تو مبنی ہوتی ہے اس میں تو کوئی تبدیلی نہیں آتی۔ تو یہ بدل رہا ہے، معلوم ہوا یہ الف ضمیر نہیں ہے بلکہ صرف تثنیہ اور جمع کی علامت ہے۔ اسی طرح مُسْلِمُوْنَ، اس میں یہ واو کیا ہے؟ جمع کی علامت ہے، اور وجہ دلیل کیا؟ کہ یہ حالت نصبی جری میں کس سے بدلتی ہے؟ یا سے، مُسْلِمِيْنَ۔ تو ضَارِبُوْنَ اور ضَارِبِيْنَ، تو اس میں یہ واو ضمیر نہیں ہے بلکہ جمع کی علامت ہے۔

تو لہٰذا الزَّيْدَانِ فِی الدَّارِ، ثُبُوْت سے فعل نکالا تو کیا فعل نکالا؟ ثَبَتَا۔ اور صفت کا صیغہ نکالا تو کیا نکالا؟ ثَابِتَانِ۔ اور یہ مرفوع کیوں ہے؟ کیونکہ یہ خبر ہے۔ اچھا اگر ہم حُصُوْل سے نکالیں تو پھر کیا نکالیں گے فعل؟ حَصَلَا تثنیہ کا صیغہ، اور اگر صفت کا صیغہ نکالیں؟ حَاصِلَانِ تثنیہ کا صیغہ۔ اچھا اگر ہم کَوْن سے نکالیں تو پھر فعل کیا نکالیں گے؟ کَانَا، تثنیہ والا جس کے آخر میں الف ہے، کَانَا۔ اور اگر صفت کا صیغہ نکالیں کیا نکالیں گے؟ کَائِنَانِ۔ ثَابِتَانِ، حَاصِلَانِ سب کا ایک ہی وزن ہے۔ اور اگر آپ وُجُوْد سے نکالتے ہیں تو پھر فعل کیا نکالیں گے؟ وُجِدَا تثنیہ کا صیغہ، وہی فعل مجہول، اور اگر صفت کا صیغہ نکالتے ہیں تو کیا نکالیں گے؟ مَوْجُوْدَانِ۔

اسی طرح اگر جمع ہو الزَّيْدُوْنَ فِی الدَّارِ، تو اب ثُبُوْت سے اگر فعل نکالنا ہے تو کیا نکالیں گے؟ جمع والا صیغہ لاؤ جس میں جمع کی ضمیر ہو، ثَبَتُوْا۔ توجہ ہے؟ ثَبَتُوْا۔ اور واحد مونث لا سکتے ہیں؟ ثَبَتُوْا واحد مونث؟ الزَّيْدُوْنَ کیا ہے؟ جمع، اور جمع بتاویل جَمَاعَۃٌ کس کے حکم میں؟ واحد مونث۔ تو لہٰذا ہم کیا کہہ سکتے ہیں؟ ثَبَتَتْ۔ جی؟ ثَبَتَتْ کے اندر کون سی ضمیر ہے؟ ہِیَ، واحد مونث۔ تو واحد مونث لوٹا سکتے ہیں ہم الزَّيْدُوْنَ کی طرف؟ نہیں لوٹا سکتے، کیونکہ الزَّيْدُوْنَ میں واو موجود ہے، باقی ہر جمع کی طرف آپ ہِیَ ضمیر لوٹا سکتے ہیں لیکن جہاں واو ہو وہاں واو یا یا، کیونکہ یہ واو اور یا الزَّيْدُوْنَ اور الزَّيْدِيْنَ یہ کس کی علامت ہے؟ جمع مذکر، یہ جمع مذکر کی علامتیں ہیں، تو یہ جب مذکر کی علامتیں ہیں تو مونث کی ضمیر ان کی طرف نہیں لوٹا سکتے۔ ہاں یہاں اگر الرِّجَالُ ہوتا، الرِّجَالُ فِی الدَّارِ، پھر آپ ثَبَتُوْا بھی نکال سکتے ہیں اور ثَبَتَتْ بھی نکال سکتے ہیں، آپ ثَابِتُوْنَ بھی نکال سکتے ہیں اور آپ ثَابِتَۃٌ بھی نکال سکتے ہیں۔ توجہ ہے؟ اور اسی طرح تو الزَّيْدُوْنَ ہے مرفوع، اور آگے فِی الدَّارِ کو ہم خبر بنا رہے ہیں، تو ثُبُوْت سے فعل کیا نکالیں گے؟ ثَبَتُوْا، اور صفت کا صیغہ ثَابِتُوْنَ جمع۔ اور اگر حُصُوْل سے نکالنا چاہیں تو فعل کیا نکالیں گے؟ حَصَلُوْا، اور اگر صفت کا صیغہ نکالنا چاہیں حَاصِلُوْنَ۔ اور اگر کَانَ سے فعل نکالنا چاہیں کَانُوْا، اور اگر صفت کا صیغہ نکالنا چاہیں کَائِنُوْنَ۔ اور اگر آپ وُجُوْد سے فعل نکالنا چاہیں تو وُجِدُوْا، تیسرا صیغہ جو جمع مذکر کا ہے، اور اگر آپ صفت کا صیغہ نکالنا چاہتے ہیں وُجُوْد سے تو مَوْجُوْدُوْنَ، شاباش۔

تو جب فعل نکالتے ہیں تو وہ جملہ بنتا ہے، جب صفت کا صیغہ نکالتے ہیں تو وہ شبہ جملہ بنتا ہے۔ جملہ ہو گا تو جملہ تو مبنی ہے اس پر وہ اعراب نظر نہیں آئے گا، لیکن اگر صفت کا صیغہ نکالو گے تو اس پر اعراب نظر آئے گا اور یہ کہاں پر نکال رہے ہو؟ خبر کے مقام میں۔ لہٰذا صفت کے جو بھی صیغے نکال رہے ہیں آپ، آپ کیا بنا رہے ہیں؟ آپ کیسے نکال رہے ہیں؟ مرفوع، ثَابِتُوْنَ، حَاصِلُوْنَ۔ یہ سب کیا ہیں؟ مرفوع، کیونکہ جمع مذکر سالم جو ہے اس کا رفع کس کے ساتھ آتا ہے؟ واو کے ساتھ، اور آپ واو پڑھ رہے ہیں، حَاصِلُوْنَ، ثَابِتُوْنَ، مرفوع لفظاً۔ اور اگر یہ حال بن رہے ہوتے، کیا بن رہے ہوتے؟ حال، تو حال کیا ہوتا ہے؟ منصوب، تو ان کو آپ نے حالت نصبی میں نکالنا تھا، ثَابِتَۃً یا ثَابِتًا یا حَاصِلًا یا مَوْجُوْدًا۔ یا تثنیہ والے ہیں، ثَابِتَیْنِ، حَاصِلَیْنِ، مَوْجُوْدَیْنِ، کَائِنَیْنِ۔ اور اگر جمع کا صیغہ ہوتا اور منصوب ہوتا تو کیسے نکالتے؟ حَاصِلِیْنَ، ثَابِتِیْنَ، کَائِنِیْنَ اور مَوْجُوْدِیْنَ۔ طریقہ سمجھ میں آرہا ہے؟ تو یہ جو آپ جس جگہ پر یہ محذوف نکالیں گے، اگر وہ خبر ہے تو خبر مرفوع ہوتی ہے، اگر وہ صفت بن رہی ہے تو صفت پر وہی اعراب آتا ہے جو کس پر ہوتا ہے؟ موصوف پر۔ اور تو اس طرح آپ نے خیال رکھنا ہے۔ طریقہ سب کو سمجھ میں آگیا؟

الف لام کی قسمیں، کل کچھ الف لام کا ذکر آیا تھا۔ غالباً ہم نے ان دنوں میں یہاں پر یہ چند دن سے جو ہم ترکیب کر رہے ہیں ہم نے الف لام کی قسمیں نہیں کیں، اگرچہ باقی جگہ پر بعض جگہ میں کروا چکا ہوں تو لیکن یہاں بھی پھر کر لیتے ہیں۔ الف لام یاد رکھو دو قسم پر ہے، ایک الف لام اسمی ہے اور ایک الف لام حرفی۔ الف لام اسمی وہ ہے جو اسم فاعل اور اسم مفعول کے صیغوں پر داخل ہوتا ہے۔ جو اسم فاعل اور اسم مفعول کے صیغوں پر آتا ہے۔ بھئی یاد رکھو ایک ہوتا ہے فاعل ایک ہوتا ہے اسم فاعل، اسی طرح ایک ہوتا ہے مفعول اور ایک ہوتا ہے اسم مفعول۔ عام طلبہ کو تو ان میں فرق ہی نہیں ہوتا، ان کی توجہ ہی نہیں ہوتی کہ فاعل اور اسم فاعل الگ الگ چیزیں ہیں۔ فاعل کسے کہتے ہیں؟ جس کو فعل یا صفت کا صیغہ رفع دے۔ ضَرَبَ زَیْدٌ، یہ زَیْدٌ کو کس نے رفع دیا؟ ضَرَبَ نے، تو یہ زَیْدٌ کیا ہے؟ فاعل ہے۔ اور اگر ہوتا ضَارِبٌ زَیْدٌ مثلاً، مثلاً کہیں پر یہ لفظ آتا ضَارِبٌ زَیْدٌ، تو یہ زَیْدٌ کو رفع کس نے دیا؟ ضَارِبٌ نے، کیونکہ صفت کا صیغہ ہے اور اس کے لیے بھی کیا چاہیے؟ فاعل یا نائب فاعل چاہیے ہوتا ہے، تو یہ اسم فاعل ہے اس کے لیے فاعل چاہیے۔ تو معلوم ہوا فاعل صرف فعل کے لیے آتا ہے یا صفت کے صیغے کے لیے بھی آتا ہے؟ صفت کے صیغے کے لیے بھی آتا ہے۔ تو اب فاعل کی تعریف یاد رکھو۔ فاعل وہ ہے جس کو فعل یا صفت کا صیغہ رفع دے، فاعل ہمیشہ کیا ہوتا ہے؟ مرفوع۔ فاعل کسے کہتے ہیں؟ دہراؤ زبان سے، جسے فعل یا صفت کا صیغہ رفع دے۔ اور ایک ہے اسم فاعل، اسم فاعل کسے کہتے ہیں؟ وہ جو گردانوں میں آپ نے صیغہ پڑھا ہے ضَارِبٌ، فَاتِحٌ، مَانِعٌ، مُکْرِمٌ، مُسْتَخْرِجٌ، مُقَاتِلٌ وغیرہ۔ جی، تو زَیْدٌ یہ فاعل تو ہے لیکن اسم فاعل نہیں، اور ضَارِبٌ یہ اسم فاعل تو ہے لیکن فاعل نہیں، ہاں اس کے اندر فاعل ہو گا یا آگے کوئی اور اس کے لیے فاعل آئے گا۔

اسی طرح ایک ہوتا ہے مفعول ایک ہوتا ہے اسم مفعول۔ مفعول کسے کہتے ہیں؟ جسے فعل یا صفت کا صیغہ نصب

دے۔ اور اسم مفعول کسے کہتے ہیں؟ وہ مخصوص صیغہ جو گردانوں میں آپ نے پڑھا ہے مَضْرُوْبٌ، مَفْتُوْحٌ، مُكْرَمٌ وغیرہ۔ ضَرَبْتُ عَمْرًا، یہ عَمْرًا کیا ہے؟ مفعول ہے، اسم مفعول نہیں۔ اور مَضْرُوْبٌ یہ کیا ہے؟ یہ اسم مفعول ہے، مفعول نہیں۔ فرق سمجھ میں آگیا؟

تو الف لام کی قسمیں ہم کر رہے تھے۔ آپ نے پڑھا کہ الف لام دو قسم پر ہے، ایک الف لام اسمی اور ایک الف لام حرفی۔ اسمی، اسمی کا کیا معنی؟ اسم والا۔ لاہوری کا کیا مطلب ہوتا ہے؟ لاہور والا۔ پاکستانی کا کیا معنی؟ پاکستان والا۔ اسی طرح الف لام اسمی ہے، کیا معنی؟ اسم والا۔ اور ایک الف لام حرفی ہے یعنی حرف والا۔ تو یاد رکھو جو اسم فاعل اور اسم مفعول کے صیغے ہیں ان پر جب الف لام آجائے یہ الف لام اسمی ہوتا ہے۔ یہ کیا ہوتا ہے؟ الف لام اسمی ہوتا ہے، یہ دراصل اسم ہے یعنی اسم موصول ہے۔ توجہ ہے؟ یہ کیا ہے؟ اسم موصول ہے۔ تو یہ خود معرفہ ہے اور اسم موصول کے لیے یاد رکھو اس کے لیے صلہ چاہیے ہوتا ہے۔ تو مثلاً الضَّارِبُ۔ الضَّارِبُ، تو یہ ضَارِبٌ کون سا صیغہ؟ اسم فاعل، اور اس پر جو الف لام آیا وہ کیا ہے؟ الف لام اسمی ہے۔ یہ اَلْ جو آیا شروع میں یہ اسم موصول ہے، یعنی دیکھنے میں تو یہ آپ کو حرف لگ رہا ہے لیکن حقیقت میں یہ اسم ہے، اسی لیے اس کو کیا کہتے ہیں؟ الف لام اسمی، اسم والا الف لام۔ اور یہ اسم موصول ہوتا ہے، تو الضَّارِبُ بمعنی الَّذِیْ یَضْرِبُ کے ہے۔ الضَّارِبُ کس معنی میں ہے؟ الَّذِیْ یَضْرِبُ کے۔ دیکھو الضَّارِبُ یہ الف لام الگ کر لو ضَارِبٌ الگ کر لو، الف لام کیا ہے؟ اسم موصول، اور ضَارِبٌ کیا ہے؟ اس کا صلہ۔ موصول کے لیے ہمیشہ یاد رکھو صلہ چاہیے ہوتا ہے۔ آج ہم ان شاء اللہ اسم موصول کی ترکیب کریں گے، وہاں میں اور تفصیل بیان کر دوں گا۔ اسم موصول کے لیے ہمیشہ کیا چاہیے؟ صلہ چاہیے۔ یاد رکھو صلہ جملہ ہوتا ہے، صلہ جملہ ہوتا ہے۔ دیکھو الضَّارِبُ۔ الضَّارِبُ، الف لام کو کس معنی میں لے لیا؟ الَّذِیْ، اور ضَارِبٌ کو کس معنی میں لے لیا؟ یَضْرِبُ، تو کلام گویا کیا بن گیا؟ الضَّارِبُ کس معنی میں ہوا؟ الَّذِیْ یَضْرِبُ۔ تو الَّذِیْ اسم موصول ہے اور یَضْرِبُ اس کا صلہ ہے۔ تو اسم موصول کے لیے ہمیشہ کیا چاہیے؟ صلہ چاہیے، بغیر صلے کے اسم موصول کا معنی سمجھ میں نہیں آئے گا۔ الَّذِیْ، وہ جو کہ، آپ کچھ سمجھے کس کی بات ہو رہی ہے؟ وہ جو کہ، لیکن آگے آیا یَضْرِبُ، وہ جو پٹائی کرتا ہے، اب آپ سمجھ گئے کہ کس کی بات ہو رہی ہے، مثلاً کوئی خاص شخص ہے جو کیا کرتا ہے؟ پٹائی کرتا ہے۔

تو موصول کے لیے ہمیشہ کیا چاہیے؟ صلہ، اور یاد رکھو صلہ ہمیشہ جملہ ہوتا ہے۔ صلہ ہمیشہ جملہ ہوتا ہے، مفرد نہیں ہوتا۔ تو الضَّارِبُ کس معنی میں ہے؟ الَّذِیْ یَضْرِبُ۔ اور الْمَضْرُوْبُ، دیکھو مَضْرُوْبٌ کون سا صیغہ؟ اسم مفعول، اور اس پر کیا آیا؟ الف لام، اور اسم مفعول کے صیغے پر الف لام آئے وہ کون سا ہوتا ہے؟ الف لام اسمی۔ تو الْمَضْرُوْبُ یہ کس معنی میں ہوا؟ الَّذِیْ یُضْرَبُ، الَّذِیْ وہ جس کی پٹائی کی جاتی ہے۔ الَّذِیْ یَضْرِبُ وہ جو پٹائی کرتا ہے الضَّارِبُ، اور الْمَضْرُوْبُ کس معنی میں؟

الَّذِیْ یُضْرَبُ وہ جس کی پٹائی کی جاتی ہے۔ تو اسم فاعل اور اسم مفعول کے صیغوں پر جو الف لام آئے وہ کیا ہوتا ہے؟ الف لام اسمی۔ بلکہ کل میں نے آپ کو مزید تفصیل بیان کر دی کہ ہر اسم فاعل پر جو الف لام آئے یا ہر اسم مفعول پر جو الف لام آئے وہ اسمی ہونا ضروری نہیں، بلکہ اگر وہ اسم فاعل حدوث کے معنی میں ہو، حدوث اور تجدد۔ حدوث اور تجدد کا کیا معنی؟ ہونا، ہونا۔ حدوث اور تجدد کا کیا معنی؟ ہونا۔ دیکھو ضَارِبٌ وہ ہے جو ضرب لگا رہا ہو، اور ضرب کیا ہے؟ اس میں حدوث ہوتا ہے، پہلے نہیں تھی پھر ضرب لگی اور پھر ختم ہو گئی، پھر ضرب لگی اور ختم ہو گئی۔ تو حدوث اور تجدد جس میں ایک چیز کا ہونا ہو، بار بار ہونا، ہوتی ہے اور پھر ختم ہو جاتی ہے۔ اور ثبوت جو ہے، مثلاً اس میں ہونا نہیں ہوتا، ایک چیز دوسری چیز کے لیے مثلاً ثابت ہے۔ جیسے الْعَالِمُ، عَالِمٌ کس کو کہتے ہیں؟ جس کے لیے علم ثابت ہے، جو جاننے والا ہے، اور جو عالم ہے وہ ہر وقت عالم ہوتا ہے یا عالم بنا پھر ختم، پھر عالم ہوا پھر ختم؟ ہر وقت عالم ہے۔ تو دیکھو یہ علم اس کے لیے ثابت ہے، یہ یہاں حدوث اور تجدد نہیں۔ تو صفت کے صیغے گویا دو قسم کے ہو گئے یا یوں کہو اسم فاعل اور اسم مفعول دو قسم کے ہو گئے، کچھ وہ ہیں جن میں حدوث ہے، دونوں لفظ بولو، دونوں کا ایک معنی ہے تاکہ آپ کو یاد رہے، کچھ جن میں حدوث اور تجدد ہے اور کچھ وہ ہیں جن میں ثبوت ہے۔ اگر اسم فاعل اور اسم مفعول اگر وہ حدوث اور تجدد کے معنی میں ہیں تو پھر وہ الف لام اسمی ہے، اور اگر وہ اسم فاعل یا اسم مفعول وہ ثبوت کے معنی میں ہیں تو پھر وہ الف لام اسمی نہیں ہے بلکہ حرفی ہے، وہ الف لام حرفی ہے۔ یہاں تک بات سمجھ میں آ گئی؟

تو الضَّارِبُ، یہ ضَارِبٌ کس معنی میں ہے؟ حدوث اور تجدد۔ الْمَضْرُوْبُ، یہ بھی یہاں بھی ضرب کا ذکر آیا وہ بھی کس معنی میں ہے؟ حدوث اور تجدد۔ تو الضَّارِبُ کس معنی میں ہوا؟ الَّذِیْ یَضْرِبُ، اور الْمَضْرُوْبُ کس معنی میں ہوا؟ الَّذِیْ یُضْرَبُ۔ اور میں نے بتایا الضَّارِبُ، یہ الف لام کیا ہے؟ اسم موصول، اور ضَارِبٌ کیا ہے؟ صلہ۔ اسی طرح الْمَضْرُوْبُ، یہ الف لام کیا ہے؟ اسم موصول، اور مَضْرُوْبٌ کیا ہے اس کا؟ صلہ۔ اس پر آپ کے ذہنوں میں اشکال آئے گا کہ صلہ تو ہمیشہ جملہ ہوتا ہے، اور ضَارِبٌ جملہ ہے؟ ضَارِبٌ کا کیا ترجمہ؟ مارنے والا، یہ جملہ ہے؟ نہیں۔ مَضْرُوْبٌ کا کیا معنی؟ جس کی پٹائی کی گئی، یہ جملہ ہے؟ نہیں۔ تو الضَّارِبُ، الف لام تو ہوا اسم موصول اور ضَارِبٌ ہوا اس کا صلہ، اور صلہ تو جملہ ہوتا ہے اور یہ تو کیا ہے؟ مفرد۔ اسی طرح الْمَضْرُوْبُ میں الف لام کیا ہے؟ اسم موصول اور مَضْرُوْبٌ اس کا صلہ، اور صلہ تو کیا ہوتا ہے؟ جملہ، لیکن یہاں تو یہ جملہ نہیں۔ تو اس کا جواب یاد رکھنا، بھئی صلہ تو ہمیشہ جملہ ہی ہوتا ہے لیکن یہاں صلہ مفرد کی صورت میں آیا ہے۔ کس صورت میں؟ مفرد کی۔ کیوں؟ کیونکہ اسم موصول الف لام یعنی حرف کی صورت میں آیا ہے۔ اسم موصول کس شکل میں آیا ہے؟ حرف کی صورت میں، الف لام کی صورت میں اسم موصول آ رہا ہے، اور یہ جو الف لام ہوتا ہے یہ جملے پر داخل ہوتا ہے یا مفرد پر؟ الف لام ہمیشہ کس پر داخل ہوتا ہے؟ مفرد پر داخل ہوتا ہے، یہ جملے پر داخل ہی نہیں ہو سکتا۔

لہٰذا اسی لیے جب اسم موصول الف لام کی شکل میں آیا تو یہ جو ضَارِبٌ ہے یہ اصل میں تھا، ابھی میں نے بتایا، الضَّارِبُ کس معنی میں؟ الَّذِیْ یَضْرِبُ۔ تو الَّذِیْ کو کیا شکل دے دی؟ الف لام والی، تو یَضْرِبُ کو بھی کون سی صورت دے دیں گے؟ ضَارِبٌ یعنی مفرد والی، جس پر الف لام داخل ہو سکے۔ بات سمجھ میں آ رہی ہے؟ اگر ضَارِبٌ کو اسی طرح ہم یَضْرِبُ رکھتے تو اس پر الف لام داخل ہو سکتا تھا؟ فعل پر الف لام آتا ہے؟ نہیں، الف لام تو کس کی علامت ہے؟ اسم کی علامت ہے۔ تو یہاں الَّذِیْ یَضْرِبُ تھا، الَّذِیْ کو کون سی صورت دی؟ الف لام والی، تو یَضْرِبُ کو کون سی صورت دے دی؟ ضَارِبٌ والی، تاکہ یہ مفرد بن جائے اور پھر اس مفرد پر الف لام داخل ہو سکے بھئی۔ طریقہ سمجھ میں آیا؟ تو یوں کہو کہ یہ الضَّارِبُ، الف لام اسم موصول ہے اور ضَارِبٌ اس کا صلہ، یہ دیکھنے میں مفرد ہے حقیقت میں کیا ہے؟ جملہ ہے، یہ ضَارِبٌ کس معنی میں ہے؟ یَضْرِبُ کے معنی میں ہے، الَّذِیْ یَضْرِبُ، یہ کس معنی میں ہے؟ یَضْرِبُ کے معنی میں۔ طریقہ سب کو سمجھ میں آ گیا؟ تو اسی طرح اسم مفعول جو ہے اس پر جو الف لام آئے وہ بھی کیا ہے؟ الف لام اسمی ہے بشرطیکہ وہ اسم مفعول کس معنی میں ہو؟ حدوث اور تجدد کے معنی میں، اور اگر ثبوت کے معنی میں ہو تو پھر الف لام حرفی ہے۔ یہاں تک بات سمجھ میں آ گئی؟

پھر دیکھو الف لام کتنی قسم پر؟ دو۔ ایک الف لام اسمی، دوسرا الف لام حرفی۔ الف لام اسمی کسے کہتے ہیں؟ جو اسم فاعل اور اسم مفعول کے صیغوں پر آئے، اور یہ دراصل کیا ہوتا ہے؟ اسم موصول، اور یہ ضروری ہے کہ یہ اسم فاعل اور اسم مفعول کس معنی میں ہوں؟ حدوث اور تجدد کے معنی میں ہوں، ثبوت کے معنی میں نہ ہوں، ورنہ پھر الف لام حرفی ہی ہو گا۔ تو الضَّارِبُ کس معنی میں؟ الَّذِیْ یَضْرِبُ۔ الْمَضْرُوْبُ کس معنی میں؟ الَّذِیْ یُضْرَبُ۔ یہ میں بار بار تکرار کروا رہا ہوں تاکہ بات آپ کے ذہن میں جم جائے، اس کو زبان سے دہراتے رہا کریں میرے ساتھ بھئی، جتنی دفعہ دہرائیں گے آپ کے ذہن میں بات جمتی چلی جائے گی۔

اب آئیے الف لام حرفی پر بھئی۔ الف لام حرفی یاد رکھو اس کے ذریعے کسی چیز کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے اور یہ جس لفظ پر داخل ہوتا ہے اس کو معرفہ بنا دیتا ہے۔ جیسے رَجُلٌ نکرہ تھا میں اس پر الف لام لے آیا الرَّجُلُ۔ رَجُلٌ کا معنی تھا کوئی آدمی یا ایک آدمی، الرَّجُلُ کا کیا معنی؟ وہ آدمی، کوئی خاص آدمی مراد ہے اس کی طرف اشارہ ہے۔ تو الف لام حرفی کسے کہتے ہیں؟ سب سے پہلے تو وہ یاد رکھیں کہ اسم فاعل اسم مفعول کے علاوہ باقی کسی لفظ پر جو الف لام آئے وہ کیا ہوتا ہے؟ الف لام حرفی۔ اور الف لام حرفی کے ذریعے کسی چیز کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے اور یہ جس لفظ پر داخل ہوتا ہے اس کو معرفہ بنا دیتا ہے۔ فرق سمجھ میں آیا؟ یہ الف لام خود حرف ہے اور یہ جس لفظ پر داخل ہو گا اس کو کیا بنا دے گا؟ معرفہ۔ اور وہ جو الف لام اسمی تھا الضَّارِبُ، اس نے کوئی ضَارِبٌ کو معرفہ نہیں بنایا، وہ خود ہی کیا تھا؟ معرفہ تھا، وہ اسم موصول تھا، خود ہی کیا تھا؟ معرفہ تھا۔ بات سمجھ میں آ گئی؟

تو الف لام حرفی کے ذریعے کسی چیز کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے، یہ تعبیر ہمیشہ یاد رکھنا بھئی، الف لام حرفی کے ذریعے کسی چیز کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے۔ اب اشارہ یاد رکھو، اشارہ یاد رکھو کہ کبھی کبھار اشارہ ہوتا ہے جنس اور ماہیت کی طرف، جنس، ماہیت، حقیقت، سب کا ایک معنی ہے، یعنی یوں کہو ٹیریل جس سے کوئی چیز کیا ہو؟ بنی ہو۔ تو الف لام کے ذریعے کبھی اشارہ ہوتا ہے کس چیز کی طرف؟ کسی چیز کی جنس، ماہیت اور حقیقت کی طرف۔ تینوں لفظ بولو تاکہ آپ کو پتہ چل جائے کہ یہ تینوں استعمال ہوتے ہیں، تینوں کا ایک ہی معنی ہے۔ الف لام حرفی کے ذریعے کسی چیز کی طرف اشارہ ہوتا ہے، یہ اشارہ یا تو جنس حقیقت اور ماہیت کی طرف ہو گا یا افراد کی طرف۔ کس کی طرف؟ افراد کی طرف۔ جیسے دیکھو انسان، ایک ہے انسان کی حقیقت اور ماہیت اور ایک ہیں انسان کے افراد۔ انسان کی حقیقت اور ماہیت کیا؟ حیوان ناطق، اور انسان کے افراد یہ جو خارج میں آپ بیٹھے ہیں زید، عمر، بکر، خالد، یہ سب کیا ہیں؟ انسان کے افراد ہیں۔ تو حقیقت اور ماہیت جو چیز کی جس سے چیز بنی ہے، اور افراد جو اس کے خارج میں پائے جاتے ہیں۔ تو الف لام کے ذریعے یا تو اشارہ ہوتا ہے، الف لام حرفی کے ذریعے، یا تو اشارہ ہوتا ہے جنس حقیقت اور ماہیت کی طرف یا افراد کی طرف۔ اگر جنس ماہیت اور حقیقت کی طرف اشارہ ہو تو اس کو الف لام جنسی کہتے ہیں۔ اور اگر افراد کی طرف اشارہ ہو پھر یا تو تمام افراد کو اشارہ ہو گا یا بعض کو۔ اگر تمام افراد کو اشارہ ہو تو وہ الف لام استغراقی ہے، استغراق کا معنی ہے گھیر لینا، تو یہ الف لام استغراقی بھی کیا کرتا ہے؟ اس ماہیت کے تمام افراد کو گھیر لیتا ہے، سارے افراد مراد ہوتے ہیں۔ اور اگر اشارہ بعض افراد کو ہو تو پھر دو حال سے خالی نہیں، وہاں دو صورتیں بنیں گی، یا تو وہ تمام افراد خارج میں متعین ہوں گے یا متعین نہیں ہوں گے۔ اگر وہ افراد خارج میں متعین ہیں تو اس کو الف لام عہد خارجی کہتے ہیں، اور اگر خارج میں متعین نہیں تو وہ الف لام عہد ذہنی ہے۔ توجہ ہے؟ الف لام کے ذریعے کیا کیا جاتا ہے؟ الف لام حرفی کے ذریعے کسی چیز کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے اور یہ جس لفظ پر داخل ہوتا ہے اس کو معرفہ بناتا ہے، اور اس کے ذریعے اشارہ کس کی طرف ہو گا؟ جنس ماہیت کی، جنس ماہیت اور حقیقت کی طرف یا افراد کی طرف۔ اگر جنس و ماہیت اور حقیقت کی طرف اشارہ ہو تو اسے کیا کہتے ہیں؟ الف لام جنسی۔ اور اگر افراد کی طرف اشارہ ہو تو پھر تمام افراد کو اشارہ ہو گا یا بعض کو، اگر تمام کو اشارہ ہو تو الف لام استغراقی، اگر بعض کو ہو تو پھر وہ بعض یا تو خارج میں متعین ہوں گے یا متعین نہیں ہوں گے، اگر متعین ہوں تو وہ الف لام عہد خارجی، اور اگر متعین خارج میں نہ ہوں تو الف لام عہد ذہنی۔ عہد خارجی، عہد کا معنی ہے متعین ہونا، عہد خارجی یعنی جو خارج میں متعین ہیں، توجہ ہے؟ اور عہد ذہنی جو ذہن میں متعین ہے یعنی خارج میں متعین نہیں ہے۔ عہد کا کیا معنی؟ متعین ہونا، معہود کسے کہتے ہیں؟ جو متعین ہوتا ہے، کیا ہوتا ہے؟ اسم مفعول ہے، مَعْهُوْد، متعین کیا ہوا۔

اب ان کی مثالیں بھی سمجھ لیں، مثالیں بھئی۔ مثلاً دیکھو بھئی، الرَّجُلُ خَيْرٌ مِنَ الْمَرْأَةِ۔ الرَّجُلُ خَيْرٌ مِنَ الْمَرْأَةِ۔ الرَّجُلُ

پر بھی الف لام آیا اور الْمَرْأَةِ پر بھی کیا آیا؟ الف لام آیا۔ اور یاد رکھو یہ الف لام جنسی، سب سے پہلے یہ دیکھو یہ الف لام اسمی تو نہیں؟ نہیں۔ رَجُلٌ صفت کا صیغہ ہے، اسم فاعل یا اسم مفعول؟ نہیں۔ اور اِمْرَأَةٌ یہ اسم فاعل یا مفعول ہے؟ یہ نہیں۔ معلوم ہوا یہ الف لام اسمی تو نہیں ہے، یہ کیا ہے؟ الف لام حرفی۔ الف لام حرفی تو وہ ہے جس کے ذریعے اشارہ ہو کسی چیز کی طرف، تو اشارہ ہوتا ہے جنس کی طرف یا افراد کی طرف۔ جنس کی طرف اشارہ ہو تو وہ کیا کہلاتا ہے؟ الف لام جنسی، تو یہ الف لام جو ہے الرَّجُلُ اور الْمَرْأَةِ پر، یہ الف لام جنسی ہے۔ ترجمہ کیا ہو گا؟ الرَّجُلُ خَيْرٌ مِنَ الْمَرْأَةِ، جنس رجل یعنی یہ والی جو جنس ہے، یہ جو ماہیت ہے، یہ والی جو حقیقت ہے جس کو ہم کیا کہتے ہیں؟ رجل، یہ افضل ہے کس سے؟ اس جنس سے، اس ماہیت سے جس کو ہم کیا کہتے ہیں؟ عورت کہتے ہیں۔ جیسے آپ کہتے ہیں الْفَرَسُ خَيْرٌ مِنَ الْحِمَارِ، گھوڑا کیا ہے؟ گدھے سے بہتر ہے۔ کیا معنی؟ وہ ماہیت جس کو ہم کیا کہتے ہیں؟ فرس، وہ جنس جس کو ہم کیا کہتے ہیں؟ فرس، وہ افضل ہے کس جنس سے؟ گدھے کے جنس سے۔ تو دیکھو مثلاً گھوڑا افضل ہے کس سے؟ گدھے سے، تو دیکھا گھوڑا دیکھو اس کی قیمت بہت زیادہ ہوتی ہے اور گدھے کی قیمت معمولی سی ہوتی ہے۔ تو جیسے یہ جنس اس جنس سے افضل ہے اسی طرح الرَّجُلُ خَيْرٌ مِنَ الْمَرْأَةِ، یہاں بھی جنس کی بات چل رہی ہے افراد کی نہیں، کہ یہ وہ جنس جس کو ہم رجل کہتے ہیں یہ والی جنس کیا ہے؟ عورت سے بہتر ہے، بہتر ہے۔ اور افراد نہیں مراد ہو سکتے اس لیے کیونکہ بہت سی عورتیں مردوں سے افضل ہیں، مثلاً ایمان والی عورت ہے اور کافر مرد ہے، کون افضل؟ ایمان والی عورت۔ اور اسی طرح ایک نیک عورت ہے اور ایک فاسق مرد ہے، کون افضل؟ نیک عورت۔ تو دیکھا اگر ہم یہ معنی کریں الرَّجُلُ خَيْرٌ مِنَ الْمَرْأَةِ کہ رجل کے افراد بہتر ہوتے ہیں کس سے؟ عورت کے افراد سے، تو یہ معنی صحیح نہیں، کیونکہ خارج میں ہم دیکھتے ہیں بہت سی

مرتبہ عورتیں افضل ہوتی ہیں کس سے؟ مردوں سے۔ تو معلوم ہوا یہاں جنس مراد ہے۔ اس جنس رجل کو اللہ نے فضیلت دی ہے جنس امراۃ پر۔ دنیا کے اندر آپ دیکھتے ہیں نبی بھی سارے کیا تھے؟ مرد تھے۔ اسی طرح لوگ بھی کیا پسند کرتے ہیں؟ ان کی بیٹیاں زیادہ ہوں یا بیٹے زیادہ ہوں؟ بیٹے زیادہ ہوں۔ اور نیز قوت بھی کس کے اندر ہے؟ مردوں میں زیادہ ہے۔ اور نیز حکومت بھی کس کے پاس ہوتی ہے؟ مردوں کے پاس۔ جنگیں بھی کون لڑتے ہیں؟ مرد لڑتے ہیں۔ تو مرد کو اللہ نے قوت نصیب فرمائی ہے، اس کو فضیلت دی ہے۔ تو مرد کو اللہ تعالیٰ نے فضیلت دی ہے، قوت نصیب فرمائی ہے۔ دیکھو آپ مرد ہیں، جہاں چاہیں آزادی سے گھومتے پھرتے ہیں۔ عورت کے لیے اس طرح آزادی سے گھومنا پھرنا ممکن نہیں ہے۔ حتیٰ کہ وہ یورپی ممالک جہاں عورت کو بالکل مرد کے مساوی درجہ دیا گیا ہے، پوری آزادی، اگرچہ انہوں نے بھی لفظوں کے اندر مرد کے برابر درجہ دیا ہے، حقیقت میں وہاں بھی عورت کا مرد کے برابر درجہ نہیں ہے۔ وہاں پر بھی مرد تو آزاد ہر جگہ گھوم سکتے ہیں، عورتیں وہاں بھی خوف کا شکار ہوتی ہیں، اکیلی کہیں نہیں گھوم سکتیں بھئی۔ تو ان کو بھی خوف ہوتا ہے۔ جہاں لوگ اور لوگ ہوں گے وہاں تو چلو عورت کو حفاظت کہ وہ محفوظ ہے، لیکن جہاں ذرا لوگ نہیں ہیں وہاں

پر اس کو اکیلے جاتے ہوئے خوف محسوس ہوگا۔ اگرچہ وہ کتنا زور لگاتے ہیں۔ تو مرد کو اللہ نے فضیلت نصیب فرمائی ہے۔

تو الرَّجُلُ خَيْرٌ مِنَ الْمَرْأَةِ، یہاں جو الف لام آیا یہ الف لام کون سا ہے؟ الف لام جنسی ہے بھئی، الف لام حرفی اور اس میں سے پھر یہ الف لام جنسی ہے، جس کے ذریعے جنس، ماہیت اور حقیقت کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے کہ جنس رجل جو ہے وہ افضل ہے جنس امراۃ سے۔ افراد نہیں مراد لے سکتے، ورنہ بہت سی جگہ یہ ضابطہ درست نہ رہے گا کہ جیسے نیک عورت یا ایمان والی عورت وہ کافر مرد یا فاسق مرد سے افضل ہوتی ہے۔

تو الف لام حرفی کے ذریعے یا تو اشارہ ہوگا جنس اور ماہیت کی طرف یا افراد کی طرف۔ کس کی طرف؟ افراد کی طرف اشارہ ہوگا، اور پھر اشارہ یا تو تمام افراد کو ہوگا یا بعض افراد کو۔ اگر تمام افراد کو اشارہ ہو تو یہ الف لام استغراقی ہے۔ اس کی مثال جیسے قرآن میں اللہ فرماتے ہیں: وَالْعَصْرِ إِنَّ الْإِنْسَانَ لَفِيْ خُسْرٍ۔ تو إِنَّ الْإِنْسَانَ، یہ الْإِنْسَانَ پر جو الف لام آیا یہ الف لام استغراقی ہے، اس کے ذریعے اشارہ ہے تمام افراد کی، تمام افراد انسان کی طرف۔ اور اس کا ترجمہ کیا کریں گے؟ إِنَّ الْإِنْسَانَ لَفِيْ خُسْرٍ، یقیناً تمام انسان خسارے میں ہیں۔ یہ تمام کا لفظ میں یہ کس کا ترجمہ کر رہا ہوں؟ الف لام کا، الف لام کا۔ تمام انسان خسارے میں ہیں، اور آگے پھر استثناء آتا ہے سوائے ان لوگوں کے جو ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے۔ تو یہ الف لام استغراقی ہے۔

اور پھر تیسری قسم ہے الف لام، الف لام عہد خارجی۔ الف لام عہد خارجی وہ ہے جس کے ذریعے بعض متعین افراد کی طرف اشارہ کیا جائے جو خارج میں ہوں۔ جیسے مثلاً میں آپ سے ذکر کرتا ہوں جَاءَنِيْ رَجُلٌ أَمْسِ، کل میرے پاس ایک آدمی آیا تھا۔ جَاءَنِيْ رَجُلٌ، نکرہ لایا کیونکہ آپ کو علم نہیں تھا، آپ کو نہیں پتہ کون ہے۔ آپ اس کو نہیں جانتے۔ تو اس لیے میں اس کو نکرہ لے کر آیا، جَاءَنِيْ رَجُلٌ أَمْسِ، أَمْسِ کا معنی گزشتہ کل، کل میرے پاس ایک آدمی آیا تھا۔ اب میں آپ کو بتانا چاہتا ہوں کہ میں نے اس آدمی کا اکرام کیا۔ تو اب میں الف لام لے کر آؤں گا، فَأَكْرَمْتُ الرَّجُلَ، فَأَكْرَمْتُ الرَّجُلَ، تو میں نے اس آدمی کا اکرام کیا۔ آپ سمجھ گئے کہ نہیں سمجھے کہ کس کی بات ہو رہی ہے؟ سمجھ گئے کہ وہی آدمی جس کا ابھی ذکر ہوا تھا۔ اگرچہ آپ کو اس کے نام کا بھی پتہ نہیں، اس کے چہرے کا بھی پتہ نہیں، اس کے کپڑوں کا بھی پتہ نہیں، آپ اس کو کسی طرح بھی نہیں جانتے لیکن ایک دفعہ جب ایک چیز ذکر ہو جائے تو وہ متعین ہو جاتی ہے۔ جب ایک دفعہ رَجُلٌ آ گیا اب جب میں نے کہا وہ آدمی تو آپ فوراً سمجھ گئے وہ آدمی جس کا ابھی پہلے ذکر ہوا تھا۔ تو یہ الف لام کے ذریعے اشارہ ہے جنس رجل کی طرف یا افراد کی طرف؟ الرَّجُلَ، تو میں نے اس آدمی کا اکرام کیا، جنس رجل کا اکرام کیا جاتا ہے یا افراد کا اکرام کیا جاتا ہے؟ افراد کا۔ ہاں تو لہٰذا آپ سمجھ گئے کہ الف لام کے ذریعے اشارہ جنس کی طرف نہیں افراد کی طرف ہے۔ اور پھر یہ بھی آپ نے غور کیا کہ تمام افراد یا وہ خاص معین فرد مراد ہے؟ وہ خاص معین فرد جس کا ابھی ذکر ہوا تھا، تو یہ الف لام عہد خارجی ہے جو خارج میں وہ فرد جو آیا تھا جو متعین ہے خارج میں۔ تو ترجمہ کیا کریں گے؟ فَأَكْرَمْتُ الرَّجُلَ، تو

میں نے اس آدمی کا اکرام کیا۔ یہ اس آدمی، یہ اس میں کس کا ترجمہ کر رہا ہوں؟ الرَّجُلَ جو الف لام ہے۔

اور یاد رکھو میں نے کیا کہا تھا کہ الف لام حرفی کے ذریعے کسی کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے، وہ اشارہ جنس کی طرف ہو گا یا افراد۔ پھر افراد کی طرف ہے تو تمام افراد کو یا بعض افراد۔ میں نے بعض کا لفظ بولا۔ بعض کو، کیونکہ وہ ایک بھی ہو سکتا ہے، دو بھی ہو سکتے ہیں، زیادہ بھی ہو سکتے ہیں۔ مثلاً میں کہتا ہوں جَاءَنِیْ رَجُلَانِ أَمْسِ، میرے پاس کل دو آدمی آئے تھے۔ فَأَکْرَمْتُ الرَّجُلَیْنِ، تو میں نے ان دونوں کا اکرام کیا، تو الف لام کے ذریعے ان دو کی طرف اشارہ ہے۔ اور اگر زیادہ ہیں تو میں کہوں گا جَاءَنِیْ رِجَالٌ أَمْسِ، کل میرے پاس کچھ مرد آئے تھے، کچھ آدمی آئے تھے۔ فَأَکْرَمْتُ الرِّجَالَ، تو میں نے ان آدمیوں کا اکرام۔ تو دیکھا الرَّجُلَ کے ذریعے اشارہ ہے ایک رجل کی طرف، الرَّجُلَیْنِ کے ذریعے اشارہ ہے دو کی طرف، اور الرِّجَالَ کے ذریعے زیادہ کی طرف۔ تو اس لیے اس کے لیے بعض کا لفظ بول دیا کہ الف لام عہد خارجی وہ ہے جس کے ذریعے بعض افراد کی طرف اشارہ ہو، چاہے وہ ایک ہو، دو ہوں یا زیادہ ہوں۔

اور اگر وہ افراد خارج میں متعین نہیں تو اس کو الف لام عہد ذہنی کہتے ہیں۔ الف لام عہد ذہنی جیسے اس کی مثال میں قرآن سے ذکر کرتا ہوں بھئی۔ حضرت یعقوب علیہ السلام کے پاس ان کے بیٹے آئے اور کہا کہ یہ یوسف علیہ السلام جو ہمارے بھائی ہیں ان کو ہمارے ساتھ کھیلنے کے لیے بھیج دیجیے۔ تو حضرت یعقوب علیہ السلام نے فرمایا: إِنِّیْ أَخَافُ أَنْ یَّأْکُلَهُ الذِّئْبُ، مجھے خوف ہے أَنْ یَّأْکُلَهُ الذِّئْبُ کہ ان کو کوئی بھیڑیا کھا جائے گا۔ یہاں الذِّئْبُ آیا الف لام کے ساتھ۔ الف لام کے ساتھ۔ اب مجھے آپ بتائیے کہ یہ الذِّئْبُ پر جو الف لام آیا یہ الف لام اسمی ہے یا حرفی؟ یہ اسم فاعل یا اسم مفعول کا صیغہ ہے ذِئْبٌ؟ نہیں، ذِئْبٌ بھیڑیے کو کہتے ہیں، یہ نہ اسم فاعل ہے نہ اسم مفعول۔ معلوم ہوا یہ الف لام اسمی نہیں ہے بلکہ حرفی۔ اور الف لام حرفی کسے کہتے ہیں؟ جس کے ذریعے کسی چیز کی طرف اشارہ کیا جائے۔ اب ہم دیکھتے ہیں کس چیز کی طرف اشارہ ہے۔ کیا جنس بھیڑیے کی طرف اشارہ ہے اس کی ماہیت اور حقیقت کی طرف؟ یہ جو لوگوں کو کھا جاتے ہیں یہ بھیڑیے کی جنس کھاتی ہے یا اس کے افراد خارج میں جو موجود ہیں وہ کھاتے ہیں؟ اس کے افراد کھاتے ہیں۔ معلوم ہوا یہ الف لام جنسی نہیں۔ اچھا جنس نہیں مراد معلوم ہوا افراد مراد ہیں، تو پھر دیکھیں گے تمام افراد مراد ہیں یا بعض۔ تو اگر تمام افراد مراد لیں تو ترجمہ یہ ہو گا مجھے یہ خوف ہے کہ ان کو تمام بھیڑیے کھا جائیں گے، الف لام استغراقی، تو الف لام استغراقی بھی یہاں نہیں بن سکتا۔ کیونکہ ساری دنیا کے بھیڑیے تو وہاں اکٹھے ہی نہیں ہو سکتے، کوئی دنیا کے کس کونے میں ہے کوئی کس کونے میں۔ تو لہٰذا معلوم ہوا الف لام استغراقی بھی نہیں۔ پھر چلو الف لام استغراقی نہیں تو بعض افراد مراد لے لیتے ہیں خارج میں، کوئی متعین بھیڑیا۔ کیا کسی متعین بھیڑیے کی طرف حضرت یعقوب علیہ السلام کا اشارہ تھا کہ مجھے خوف ہے أَنْ یَّأْکُلَهُ الذِّئْبُ، ان کو وہ والا بھیڑیا کھا جائے گا؟ کوئی متعین بھیڑیا تھا؟ نہیں۔ معلوم ہوا الف لام عہد خارجی بھی نہیں۔

تو آخری صورت یہی رہ گئی کہ یہ الف لام عہد ذہنی ہے۔

اور یاد رکھو الف لام عہد ذہنی جس لفظ پر الف لام عہد ذہنی داخل ہوتا ہے وہ لفظ تو معرفہ بن جاتا ہے۔ الذِّئْبُ یہ معرفہ تو بن گیا، الذِّئْبُ کیا بن گیا؟ معرفہ بن گیا لیکن معنی کے اعتبار سے یہ ابھی بھی نکرہ ہے، لفظوں میں معرفہ بن گیا۔ ایک ہے ذِئْبٌ ایک ہے الذِّئْبُ۔ ذِئْبٌ کیا ہے؟ نکرہ، اور الذِّئْبُ کیا ہے؟ معرفہ۔ لیکن معنی کے اعتبار سے یہ ابھی بھی نکرہ ہی ہے، اور ذِئْبٌ کا کیا، رَجُلٌ کا کیا ترجمہ ہوتا ہے؟ رَجُلٌ کا معنی کوئی آدمی، الرَّجُلُ کا معنی وہ آدمی۔ تو اسی طرح ذِئْبٌ کا معنی کوئی بھیڑیا، اسی طرح الذِّئْبُ اس پر الف لام عہد ذہنی ہے، اور جس لفظ پر الف لام عہد ذہنی داخل ہو وہ لفظوں میں تو معرفہ بنتا ہے لیکن معنی میں نکرہ ہی رہتا ہے، تو اس کا وہی نکرہ والا ترجمہ کریں گے۔ تو ذِئْبٌ کا کیا ترجمہ؟ کوئی بھیڑیا۔ الذِّئْبُ اس کا بھی کیا ترجمہ؟ کوئی بھیڑیا، دونوں کا ایک ہی ترجمہ ہو گا۔ دیکھو إِنِّیْ أَخَافُ أَنْ یَّأْکُلَهُ الذِّئْبُ، مجھے خوف ہے کہ ان کو کوئی بھیڑیا کھا جائے گا۔ دیکھو بہترین ترجمہ ہو گیا یا نہیں؟ جی، تو یہ الف لام کی قسمیں تھیں بھئی۔

پھر مختصراً جلدی دہرا لو۔ الف لام کتنی قسم پر؟ دو۔ الف لام اسمی ہو گا یا حرفی۔ الف لام اسمی کون سا ہے؟ جو اسم فاعل اور اسم مفعول کے صیغوں پر آئے، اور یہ دراصل کیا ہوتا ہے؟ اسم موصول، اور یہ ضروری ہے کہ یہ صفت کے صیغے کس معنی میں ہوں؟ حدوث یا تجدد کے، حدوث و تجدد کے معنی میں ہوں، ثبوت کے معنی میں نہ ہوں۔ اور دوسری قسم کیا ہے الف لام کی؟ الف لام حرفی۔ الف لام حرفی وہ ہے جس کے ذریعے کسی چیز کی طرف اشارہ کیا جائے۔ اور اشارہ کبھی جنس، حقیقت اور ماہیت کی طرف ہوتا ہے اور کبھی افراد کی طرف۔ اگر جنس کی طرف اشارہ ہو تو الف لام جنسی۔ اگر افراد کی طرف اشارہ ہو تو پھر تمام افراد کو اشارہ ہو گا یا بعض کو۔ اگر تمام کو اشارہ ہو تو الف لام استغراقی، اگر بعض کو اشارہ ہو تو وہ بعض خارج میں متعین ہوں گے یا نہیں۔ اگر خارج میں متعین ہیں تو الف لام عہد خارجی، اور اگر متعین نہیں تو وہ الف لام عہد ذہنی ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟

اسی طرح یاد رکھو یہ جو الف لام حرفی ہے یہ کبھی کبھار لفظ کو حسین بنانے کے لیے بھی اس پر داخل کرتے ہیں۔ کبھی کبھار صرف لفظ کو حسین بنانے کے لیے بھی اس کو اس پر داخل کرتے ہیں، جیسے عَلِیٌّ۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا نام ہے عَلِیٌّ، اس پر بھی الف لام لے آتے ہیں اَلْعَلِیُّ۔ یاد رکھو یہ الف لام حرفی ہے، اور الف لام حرفی کس چیز کا فائدہ دیتا ہے؟ لفظ کو معرفہ بناتا ہے، لیکن عَلِیٌّ یہ تو نام ہے یہ تو پہلے سے ہی معرفہ ہے، معلوم ہوا اس پر جو الف لام آیا ہے وہ صرف کس لیے ہے؟ تحسین لفظ کے لیے ہے، لفظ کو حسین بنانے کے لیے۔ یا جیسے زُبَیْرٌ، زُبَیْرٌ نام ہے لیکن عربی میں اس پر الف لام لے آتے ہیں اَلزُّبَیْرُ، تو یہ کس لیے ہے؟ تحسین لفظ کے لیے ہے، کیونکہ یہ تو نام ہے، نام تو پہلے ہی معرفہ ہوتا ہے۔ پھر یہ بھی یاد رکھنا عربی میں کچھ لفظ ہوتے ہیں ان پر الف لام داخل نہیں کرتے، عرب اس کو بغیر الف لام کے استعمال کرتے

ہیں، جیسے مَکَّۃُ۔ مَکَّۃُ شہر کا نام ہے اور اس پر عرب الف لام داخل نہیں کرتے۔ لہٰذا آپ جہاں بھی دیکھیں گے وہاں لکھا ہو گا مَکَّۃُ یا مَکَّۃُ الْمُکَرَّمَۃُ۔ مَکَّۃُ پر الف لام نہیں ہے، الْمُکَرَّمَۃُ آگے صفت پر کیا ہے؟ الف لام ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو بعض لفظ ایسے ہوتے ہیں کہ ان پر وہ الف لام داخل نہیں کرتے، جیسے عُمَرُ۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا نام ہے اس پر عرب الف لام داخل نہیں کرتے۔ یا جیسے أَحْمَدُ، اس پر عرب الف لام داخل نہیں کرتے۔

اچھا، ہاں ایک بات رہ گئی تھی بھئی، ظرف مستقر کو ظرف مستقر کیوں کہتے ہیں؟ میں نے بتایا تھا یہ مُسْتَقَرٌّ اسم ظرف کا صیغہ ہے۔ آپ نے پڑھا ہے ثلاثی مزید فیہ کے اندر جو اسم مفعول کا وزن ہوتا ہے اسی وزن پر اسم ظرف بھی آتا ہے۔ جیسے اِسْتَقَرَّ یَسْتَقِرُّ اِسْتِقْرَارًا فَهُوَ مُسْتَقِرٌّ وَاسْتُقِرَّ یُسْتَقَرُّ اِسْتِقْرَارًا فَذَاکَ مُسْتَقَرٌّ، جیسے یہ مُسْتَقَرٌّ اسم مفعول ہے اسی طرح وَالظَّرْفُ مِنْهُ مُسْتَقَرٌّ مُسْتَقَرَّانِ، دیکھا یہاں بھی مُسْتَقَرٌّ وہی ظرف بھی ہے۔ تو ثلاثی مزید فیہ وغیرہ سے جو اسم مفعول کا وزن ہوتا ہے اسی پر اسم ظرف بھی آتا ہے۔ اور یہ جو ظرف مستقر، یہ مُسْتَقَرٌّ صیغہ جو ہے یہ اسم ظرف کا صیغہ ہے۔ مُسْتَقَرٌّ کا معنی ہے قرار پکڑنے کی جگہ۔ مَضْرِبٌ کا کیا معنی تھا؟ مارنے کی جگہ، پٹائی کرنے کی جگہ۔ اسی طرح مُسْتَقَرٌّ کا کیا معنی ہے؟ قرار پکڑنے کی جگہ۔ یہ ظرف مستقر کو مستقر کیوں کہتے ہیں؟ یہ سمجھ لو۔ یاد رکھو ظرف مستقر جو ہے اس کو مستقر ظرف مستقر اس لیے کہتے ہیں کیونکہ یہ اپنے عامل کی جگہ پر آجاتا ہے اور پھر جو جو عمل اس کا عامل کرتا تھا یہ ظرف کرتا ہے۔ توجہ ہے؟ مثلاً زَیْدٌ فِی الدَّارِ۔ زَیْدٌ فِی الدَّارِ۔ فِی الدَّارِ جار مجرور کو کس سے جوڑا؟ ثَابِتٌ سے۔ ثَابِتٌ ہو یا ثَبَتَ ہو نکال لیں۔ تو ثَابِتٌ مرفوع لفظاً صیغہ اسم فاعل، توجہ سے سنو بھئی، ثَابِتٌ مرفوع لفظاً صیغہ اسم فاعل، اس کے اندر ہُوَ ضمیر مرفوع محلاً اس کا فاعل جو کس کو راجع؟ زَیْدٌ کو۔ صیغہ اسم فاعل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر شبہ جملہ ہو کر خبر، مبتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔ تو فِی الدَّارِ کو کس سے جوڑا؟ ثَابِتٌ سے، اور ثَابِتٌ کے اندر کون سی ضمیر؟ ہُوَ۔ اور اس ہُوَ ضمیر کو کس نے رفع دیا؟ ثَابِتٌ نے۔ توجہ ہے؟ ثَابِتٌ کے اندر کون سی ضمیر؟ ہُوَ، اور اس کو رفع کس نے دیا؟ ثَابِتٌ نے۔ یاد رکھو یہ طلبہ کو سمجھانے کے لیے بتایا جاتا ہے زَیْدٌ فِی الدَّارِ کہ فِی الدَّارِ کس سے متعلق؟ ثَابِتٌ سے، اور ثَابِتٌ کے اندر کون سی ضمیر؟ ہُوَ۔ یاد رکھو یہاں کوئی ثَابِتٌ نہیں ہے، ثَابِتٌ جا چکا، اس کی جگہ فِی الدَّارِ نے پکڑ لی ہے۔ اس کی جگہ کس نے پکڑ لی؟ فِی الدَّارِ نے پکڑ لی، اور یہ فِی الدَّارِ وہ سارے عمل کرے گا جو ثَابِتٌ کر رہا تھا۔ ثَابِتٌ کیا عمل کر رہا تھا؟ ہُوَ ضمیر کو رفع دے رہا تھا۔ یاد رکھو ثَابِتٌ گیا، وہ ضمیر فِی الدَّارِ کے اندر چھپ گئی آکر۔ وہ ضمیر فِی الدَّارِ کے ظرف کے اندر آکر چھپ گئی اور اس ضمیر کو اب یہ فِی الدَّارِ رفع دے رہا ہے۔ توجہ ہے؟ اس ضمیر کو اب کون رفع دے رہا ہے؟ یہ فِی الدَّارِ یہ جو جار مجرور ظرف مستقر ہے یہ اس کو رفع دے رہا ہے۔ اور اسی لیے اس کو ظرف مستقر کہتے ہیں۔ مُسْتَقَرٌّ کا کیا معنی؟ قرار پکڑنے کی جگہ۔ یہ اس ضمیر کے قرار پکڑنے کی جگہ ہے۔ ثَابِتٌ چلا گیا لیکن ضمیر نے کہاں قرار پکڑ لیا؟ فِی الدَّارِ میں۔ توجہ ہے؟ ثَابِتٌ چلا گیا اور ضمیر نے کہاں قرار پکڑا؟ فِی الدَّارِ میں۔ تو فِی الدَّارِ کیا ہوا؟ ظرف مستقر، یہ وہ ظرف ہے جو قرار پکڑنے کی جگہ ہے اس ضمیر کے۔

اور یاد رکھو ظرف مستقر جب آجاتا ہے، وہ عامل چلا گیا ظرف مستقر ہے اس کی جگہ پر، تو وہ سارے عمل جو عامل کر رہا تھا اب ظرف مستقر کرے گا۔ ہُوَ کو رفع کون دے رہا تھا؟ ثَابِتٌ، وہ چلا گیا اب رفع کون دے رہا ہے؟ فِی الدَّارِ رفع دے رہا ہے۔ اس لیے اس کو ظرف مستقر کہتے ہیں۔ بات سمجھ میں آگئی؟ میں نے کیا بتلایا؟ کہ ظرف مستقر اپنے عامل کی جگہ قرار پکڑ لیتا ہے، اب وہ سارے عمل کون کرے گا؟ ظرف مستقر، ظرف مستقر۔

جی، مثلاً جی جملہ لکھو بھئی، جملہ لکھو، زَیْدٌ فِی الدَّارِ بِالْعَصَا، بِالْعَصَا صاد کے ساتھ ہے۔ ترجمہ سمجھ میں آرہا ہے؟ عَصَا کسے کہتے ہیں؟ لاٹھی کو۔ زَیْدٌ فِی الدَّارِ، زید گھر میں ہے، بِالْعَصَا کس کے ساتھ؟ لاٹھی کے ساتھ۔ ترکیب سنو توجہ سے۔ زَیْدٌ مرفوع لفظاً بتدا۔ توجہ سے خوب توجہ سے سمجھ لو اس کو۔ فِیْ جارہ، الدَّارِ مجرور لفظاً، جار مجرور مل کر کس سے متعلق؟ ثَابِتٌ سے۔ ثَابِتٌ مرفوع لفظاً صیغہ اسم فاعل، مرفوع کیوں؟ خبر ہے، مرفوع کیوں؟ خبر ہے۔ اور لفظاً کیوں؟ اس کے رفع پر ہم تلفظ کر رہے ہیں، کر کے دکھاؤ ثَابِتٌ، نصب پر ثَابِتًا، جر پر ثَابِتٍ۔ تو ثَابِتٌ مرفوع لفظاً صیغہ اسم فاعل، اس کے اندر ہُوَ ضمیر اعراب بولو مرفوع محلاً اس کا فاعل جو کس کو راجع؟ زَیْدٌ کو۔ آگے بِ جارہ، الْعَصَا مجرور، کون سا مجرور؟ ہاں شاباش، الْعَصَا مجرور تقدیراً۔ مجرور کیوں؟ کیونکہ حرف جر داخل ہے۔ تقدیراً کیوں؟ اسم مقصور ہے، آخر میں کیا آرہا ہے؟ الف مقصورہ۔ جی، تو جار مجرور مل کر متعلق کس سے؟ یہ بھی اسی ثَابِتٌ سے متعلق۔ توجہ ہے؟ وہ جو آپ نے پہلے ثَابِتٌ نکالا یہ بھی اسی ثَابِتٌ سے متعلق۔ اب ترکیب کیسے ہوگی؟ ثَابِتٌ صیغہ اسم فاعل اپنے فاعل اور دونوں متعلقوں سے مل کر شبہ جملہ ہو کر خبر۔ بات سمجھ میں آگئی؟

لیکن یہ تو طلبہ کو سمجھانے کے لیے کرتے ہیں۔ کوئی ثَابِتٌ یہاں نہیں، ثَابِتٌ جا چکا، اس کی جگہ فِی الدَّارِ نے پکڑ لی۔ کس نے پکڑ لی؟ تو یہ فِی الدَّارِ کیا ہوا؟ ظرف مستقر۔ اور ثَابِتٌ جو جو عمل کر رہا تھا وہی عمل اب یہ فِی الدَّارِ کرے گا۔ ثَابِتٌ کیا عمل کر رہا تھا؟ ضمیر کو رفع دے رہا تھا۔ تو ثَابِتٌ تو چلا گیا لیکن وہ ضمیر کس میں چھپ گئی؟ فِی الدَّارِ، اب اس کو رفع کون دے رہا ہے؟ فِی الدَّارِ۔ توجہ ہے؟ اور نیز یاد رکھو یہ جار مجرور جس سے متعلق ہوتے ہیں وہ ان کے اندر عامل ہوتا ہے۔ فِی الدَّارِ کس سے متعلق تھا؟ ثَابِتٌ سے، تو ثَابِتٌ اس کے اندر عامل تھا۔ اور یہ بِالْعَصَا بھی کس سے متعلق تھا؟ یہ بھی اسی ثَابِتٌ سے متعلق تھا تو وہ اس کے اندر بھی عامل تھا، توجہ ہے؟ لیکن وہ ثَابِتٌ چلا گیا اس کی جگہ کس نے پکڑی؟ فِی الدَّارِ نے، کس نے پکڑی؟ تو یہ فِی الدَّارِ کیا بن گیا؟ ظرف مستقر، اور ظرف مستقر وہ سارے عمل کرتا ہے جو عمل کون کر رہا تھا؟ جو ثَابِتٌ کر رہا تھا یعنی جو عامل کر رہا تھا۔ اور بِالْعَصَا کس سے متعلق تھا؟ ثَابِتٌ سے، یعنی بِالْعَصَا میں کون عامل تھا؟ ثَابِتٌ، لیکن اب بِالْعَصَا کس سے متعلق ہو جائے گا؟ فِی الدَّارِ سے، ثَابِتٌ تو چلا گیا اس کی جگہ کس نے پکڑی؟ فِی الدَّارِ، فِی الدَّارِ اب وہ سارے عمل کرے گا، تو وہ ثَابِتٌ عامل تھا بِالْعَصَا میں بھی، وہ تو چلا گیا اب عامل کون بن گیا؟ فِی الدَّارِ کس کے اندر؟ بِالْعَصَا کے اندر، توجہ ہے؟ لہٰذا بِالْعَصَا کس سے متعلق؟ فِی الدَّارِ سے، اور فِی الدَّارِ کیا ہے؟ ظرف مستقر، فِی الدَّارِ ظرف

مستقر اس کا عامل ہے یا محذوف ہے؟ محذوف ہے تو یہ کیا ہے؟ ظرف مستقر۔ اور بِالْعَصَا یہ ظرف مستقر ہے یا ظرف لغو؟ اس کا متعلق ذکر ہے یا ذکر نہیں؟ بِالْعَصَا کس سے متعلق؟ ہاں ثَابِتٌ تو جا چکا اس کی جگہ کس نے پکڑی؟ فِی الدَّارِ، اب بِالْعَصَا کس سے متعلق؟ فِی الدَّارِ سے، تو فِی الدَّارِ اس کا عامل موجود ہے یا نہیں؟ اور جار مجرور کا عامل مذکور ہو تو اس کو کیا کہتے ہیں؟ ظرف لغو، تو بِالْعَصَا ہے ظرف لغو اور فِی الدَّارِ ہے ظرف مستقر۔ بات سمجھ میں آگئی؟

اسی لیے ظرف مستقر کو مستقر کہتے ہیں کہ یہ قرار پکڑنے کی جگہ ہے اس ضمیر کے لیے جو کس کے اندر تھی؟ اس کے عامل کے اندر تھی۔ توجہ ہے؟ تو فِی الدَّارِ اب ہُوَ ضمیر کو بھی رفع دے رہا ہے وہ اس کے اندر چھپی ہوئی ہے اور بِالْعَصَا میں بھی عمل کر رہا ہے وہ اس کے ساتھ ہے جڑا ہوا۔ ترکیب یوں ہوگی: ظرف مستقر اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر شبہ جملہ ہو کر خبر۔ توجہ ہے؟ ثَابِتٌ چلا گیا، ترکیب کیسے ہوگی؟ فِی الدَّارِ ظرف مستقر اپنے فاعل، اس کے اندر ہُوَ ضمیر ہے یا نہیں؟ تو یہ اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر خبر، مبتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔ تو ظرف مستقر اپنے فاعل سے مل کر یہ خبر ہوئی کس کے لیے؟ مبتدا کے لیے۔ پھر یہاں جملہ یا شبہ جملہ کہنے کی ضرورت نہیں۔ بات سمجھ میں آگئی؟ جملہ یا شبہ جملہ کہنے کی ضرورت نہیں۔ وہ تو اس عامل کے اعتبار سے تھا، وہ اگر ہم ثَابِتٌ نکالتے تھے تو شبہ جملہ بنتا تھا اور ثَبَتَ نکالتے تھے تو جملہ بنتا تھا، یہاں تو سیدھا سیدھا کہہ دیں کہ یہ ظرف مستقر خبر ہے کس کے لیے؟ مبتدا کے لیے، اور اس کے اندر ہُوَ ضمیر ہے جو کس کو لوٹ رہی ہے؟ مبتدا کو لوٹ رہی ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟

یاد رکھنا کلام عرب میں ظرف مستقر چار جگہ آتا ہے بس۔ آپ کو جب بھی جار مجرور کا کوئی متعلق محذوف نکالنا پڑ جائے تو غور کر لینا کہ یہ چار جگہوں میں سے کوئی ہے یا نہیں۔ اگر یہ چار جگہیں ہوئیں تو محذوف نکال کر اس کو ظرف مستقر بنا لینا، ورنہ سمجھ جانا آپ سے ترکیب میں کوئی غلطی ہو رہی ہے۔ ظرف مستقر کتنی جگہ آتا ہے؟ چار۔ یاد رکھو، نمبر ایک ہے خبر۔ زَیْدٌ فِی الدَّارِ، یہ فِی الدَّارِ کہاں آیا؟ خبر کی جگہ۔ توجہ ہے؟ تو ایک خبر کی جگہ۔ اور ایک صفت کی جگہ۔ أَکْرَمْتُ رَجُلًا مِنْ قُرَیْشٍ، یہ مِنْ قُرَیْشٍ کیا تھا؟ ظرف مستقر۔ تو یہ صفت کی جگہ۔ اور اسی طرح حال کی جگہ، ظرف مستقر کیا آئے گا؟ ظرف مستقر کس کی جگہ آئے گا؟ حال کی جگہ اور کس سے جڑے گا؟ ذوالحال سے۔ اسی طرح ظرف مستقر کبھی آئے گا صلے کے مقام میں اور کس سے جڑے گا؟ موصول کے ساتھ۔ الَّذِیْ فِی الدَّارِ، الَّذِیْ فِی الدَّارِ، تو فِی الدَّارِ جار مجرور مل کر متعلق کس سے؟ یہاں ثَابِتٌ نہیں نکالیں گے، ثَبَتَ نکالیں گے۔ توجہ ہے؟ الَّذِیْ اسم موصول، فِی الدَّارِ جار مجرور، جار مجرور مل کر متعلق ثَبَتَ سے بھی ہو سکتا ہے اور ثَابِتٌ سے بھی، لیکن یہاں ثَبَتَ ہی نکالیں گے ثَابِتٌ نہیں۔ کیوں؟ کیونکہ یہ صلہ ہے، اور صلہ کیا ہوتا ہے؟ ہمیشہ جملہ ہوتا ہے، مفرد نہیں۔ تو اگر آپ ثَابِتٌ نکالیں گے پھر تو یہ مفرد بن جائے گا، ہمیں کیا چاہیے؟ جملہ چاہیے۔ بات سمجھ میں آرہی ہے؟ لہٰذا ثَبَتَ نکالیں گے۔ ثَبَتَ فعل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر جملہ ہوگا اور پھر یہ کس سے جڑے گا؟ موصول۔ اگر آپ ثَابِتٌ نکالتے ہیں پھر آپ کو مبتدا بھی نکالنا پڑے گا ہُوَ ثَابِتٌ، تو وہ تو محذوف بڑھ جائیں گے

جو پسندیدہ نہیں بھئی۔ تو ظرف مستقر کتنی جگہ آتا ہے؟ چار جگہ۔ نمبر ایک خبر کے مقام میں، نمبر دو صفت کے مقام میں، نمبر تین حال کے مقام میں، نمبر چار صلے کے مقام میں۔ پھر دہراؤ، ظرف مستقر کتنی جگہ آتا ہے؟ چار جگہ۔ نمبر ایک خبر، نمبر دو صفت، نمبر تین حال، نمبر چار صلہ۔ بات سمجھ میں آگئی؟

اور یاد رکھو یہ ظرف مستقر اور ظرف لغو، ظرف حقیقی کو بھی اسی طرح کہتے ہیں۔ یہ تو جار مجرور ہے، اس کو تو ظرف مجازاً کہتے ہیں۔ ظرف حقیقی کسے کہتے ہیں؟ میں نے پہلے بیان کیا تھا، جس میں جگہ یا زمانے والا معنی ہو اس کو کیا کہتے ہیں؟ ظرف حقیقی، اور یہ جار مجرور کو کیا کہتے ہیں؟ ظرف مجازی۔ ظرف حقیقی بھی اسی طرح ہے، زَیْدٌ عِنْدِیْ، زَیْدٌ عِنْدِیْ۔ مثلاً بھئی زَیْدٌ عِنْدِیْ ترکیب کریں۔ زَیْدٌ مرفوع لفظاً بتدا۔ عِنْدِیْ اس میں عِنْدَ؟ عِنْدِیْ؟ مرفوع محلاً؟ مرفوع کیوں؟ ظرف ہے ظرف ہے۔ ہاں عِنْدَ، ظرف کیا ہوتا ہے؟ منصوب، مفعول فیہ بنتا ہے نا۔ قَبْلُ، بَعْدُ وغیرہ یہ مفعول فیہ بنتے ہیں۔ تو عِنْدَ منصوب، عِنْدِیْ ہے عِنْدِیْ ہے، منصوب جو لفظ بھی مضاف، جو اسم بھی مضاف ہو جائے یائے متکلم کی طرف علاوہ جمع مذکر سالم کے اس کا اعراب تینوں حالتوں میں تقدیری۔ تو عِنْدِیْ میں عِنْدِیْ جو ہے وہ منصوب تقدیراً مضاف، یا ضمیر مجرور محلاً مضاف الیہ۔ مضاف اپنے مضاف الیہ سے مل کر، بتایا تو ہے میں نے، مفعول فیہ بنے گا کس کے لیے؟ عامل ہے یا نہیں ہے؟ عامل محذوف نکالو اسی طرح ان آٹھ چیزوں میں سے کوئی ہے یہاں پر؟ نہیں، تو کیا کرو؟ ثَبَتَ نکال لو، ثَابِتٌ نکال لو، جو بھی موقع کے مطابق ہو۔ ثَبَتَ نکال لو، ثَبَتَ فعل۔ تو یہ عِنْدِیْ مضاف مضاف الیہ مل کر اس کے لیے مفعول فیہ، ثَبَتَ فعل، اس کے اندر ہُوَ ضمیر مرفوع محلاً اس کا فاعل جو کس کو راجع؟ زَیْدٌ کو، یہ ربط بھی آگیا۔ ثَبَتَ فعل اپنے فاعل اور مفعول، ہاں یہاں متعلق نہیں کہنا بلکہ کیا کہنا ہے؟ مفعول فیہ سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر خبر، بتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ خبریہ۔ اب مجھے بتائیے ثَبَتَ ہے یا محذوف ہے؟ محذوف۔ اور عِنْدِیْ ظرف ہے تو کون سا ظرف ہوا؟ ظرف لغو یا مستقر؟ ظرف مستقر ہے۔ اور ثَبَتَ آپ نے نکالا طلبہ کو سمجھانے کے لیے، یہاں کوئی ثَبَتَ یا ثَابِتٌ نہیں جا چکا، اس کی جگہ کس نے پکڑ لی؟ عِنْدِیْ نے پکڑ لی۔ اور ثَابِتٌ یا ثَبَتَ جو عمل کر رہا تھا وہ سارا عمل اب کون کر رہا ہے؟ عِنْدِیْ، اور وہ ضمیر اب کس کے اندر چھپی ہے؟ عِنْدِیْ کے اندر، اس لیے اس کو ظرف مستقر کہیں گے، یہ قرار پکڑنے کی جگہ ہے اس ضمیر کے لیے، اس کے اندر اس ضمیر نے قرار پکڑا ہوا ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ لہٰذا ترکیب مختصر ترکیب کیسے کریں گے؟ زَیْدٌ مرفوع لفظاً بتدا۔ عِنْدِیْ مضاف مضاف الیہ مل کر یہ ظرف مستقر ہوا، اس کے اندر ہُوَ ضمیر مرفوع محلاً اس کا فاعل جو کس کو لوٹ رہی ہے؟ زَیْدٌ۔ ظرف مستقر اپنے فاعل سے مل کر خبر۔ توجہ ہے؟ بتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ۔ طریقہ سمجھ میں آگیا؟ تو ظرف مستقر اور لغو صرف جار مجرور میں نہیں بلکہ ظرف حقیقی میں بھی اسی طرح ہے، وہ بھی کبھی ظرف لغو ہوگا اور کبھی ظرف مستقر۔ یہاں مثلاً میں کہتا ہوں زَیْدٌ مَوْجُوْدٌ عِنْدِیْ، اب یہ عِنْدِیْ ظرف مستقر ہے یا ظرف لغو ہے؟ لغو ہے کیونکہ کس کے لیے یہ ظرف ہے؟ مَوْجُوْدٌ کے لیے، اس کے اندر عامل کون ہے؟ مَوْجُوْدٌ۔ نہیں توجہ۔ ترکیب سنو۔ زَیْدٌ مَوْجُوْدٌ عِنْدِیْ، زَیْدٌ مرفوع لفظاً

بتدا، مَوْجُوْدٌ مرفوع لفظاً صیغہ اسم مفعول، اس کے اندر ہُوَ ضمیر مرفوع محلاً اس کا نائب فاعل، یہ میں نے محذوف نہیں نکالا یہ جملے میں باقاعدہ موجود تھا مَوْجُوْدٌ۔ تو مَوْجُوْدٌ مرفوع لفظاً صیغہ اسم مفعول، اس کے اندر ہُوَ ضمیر مرفوع محلاً اس کا نائب فاعل جو کس کو راجع؟ زَیْدٌ یعنی بتدا کو۔ اور عِنْدِیْ، عِنْدِیْ میں عِنْدَ جو ہے وہ منصوب تقدیراً مضاف، منصوب کیوں؟ کیونکہ مفعول فیہ ہے، تقدیراً کیوں؟ کیونکہ مضاف ہے کس کی طرف؟ یائے متکلم کی طرف۔ اور یا کا اعراب مجرور محلاً مضاف الیہ۔ مضاف اپنے مضاف الیہ سے مل کر مفعول فیہ ہوا کس کے لیے؟ مَوْجُوْدٌ کے لیے۔ مَوْجُوْدٌ صیغہ اسم مفعول اپنے نائب فاعل اور مفعول فیہ سے مل کر شبہ جملہ ہو کر خبر، بتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔ زید موجود ہے میرے پاس، زید میرے پاس موجود ہے۔ طریقہ سمجھ میں آگیا بھئی؟

اب ہم اسم موصول کی ترکیب کرتے ہیں بھئی۔ یاد رکھو اسم موصول جو ہے معرفہ کی اقسام میں سے ہے۔ اسم موصول معرفہ کی اقسام میں سے ہے۔ نیز یہ مبنی ہوتا ہے، لہٰذا اس پر اعراب کیسے آئے گا؟ محلاً، توجہ ہے؟ اس پر اعراب کیسے آئے گا؟ محلاً۔ اور یاد رکھو اسم موصول کے لیے ہمیشہ صلہ چاہیے۔ صلے کے بغیر اسم موصول کا معنی سمجھ میں ہی نہیں آئے گا۔ الَّذِیْ یَضْرِبُ، صرف ذرا الَّذِیْ لے آؤ۔ الَّذِیْ کا معنی ہے وہ جو کہ، وہ جو کہ۔ اگر میں صرف یہ کہوں وہ جو کہ، آپ کو کچھ سمجھ میں آیا کس کی بات ہو رہی ہے؟ نہیں۔ تو اکیلا اسم موصول ہو اس کا معنی سمجھ میں نہیں آتا، اس کے لیے ہمیشہ کیا چاہیے؟ صلہ، اور صلہ ہمیشہ جملہ ہوتا ہے۔ صلہ کیا ہوتا ہے؟ ہمیشہ جملہ۔ یاد رکھو جب بھی کلام میں اسم موصول آجائے تو آپ نے فوراً سب سے پہلے اس کے ساتھ، اس کے ساتھ اس کے صلہ کو جوڑنا ہے۔ جب صلہ جڑے گا پھر اسم موصول کا معنی سمجھ میں آئے گا۔ الَّذِیْ یَضْرِبُ، وہ جس نے پٹائی کی تھی، یا وہ جس نے پٹائی کی ہے، اب بات سمجھ میں آگئی کہ نہیں کہ میں کس کی بات کرنے لگا ہوں؟ وہ جس نے پٹائی کی ہے، اب آگے پھر میں بات کروں گا کہ وہ اچھا آدمی ہے۔ لیکن الَّذِیْ کہا تو الَّذِیْ تو اسم موصول ہے اور اسم موصول کیا ہوتا ہے؟ معرفہ، اور معرفہ کسے کہتے ہیں؟ کہ جس کو ذکر، جس کو پہچانتا ہو متکلم اور مخاطب دونوں پہچانتے ہوں۔ تو میں نے کہا الَّذِیْ، وہ جو کہ، آپ کے ذہن میں کوئی ذات آئی؟ آپ نے کوئی پہچانا کس کی بات ہو رہی ہے؟ نہیں۔ ہاں صلہ جب جوڑوں گا اب آپ پہچان جائیں گے۔ آپ کو پتہ ہے ایک شخص نے پٹائی کی ہے، اب میں آپ سے کہتا ہوں الَّذِیْ یَضْرِبُ، وہ جو پٹائی کرتا ہے، اب آپ سمجھ گئے کہ کس کی بات کرنے لگا ہوں، وہ آدمی جس، جو کیا کرتا ہے؟ پٹائی، اس کی بات ہونے لگی ہے۔ تو صرف الَّذِیْ کہوں گا تو معنی واضح نہیں۔ تو اسم موصول جب بھی آئے گا اس کے لیے ہمیشہ، ہمیشہ آگے کیا آئے گا؟ صلہ۔ اور یاد رکھو بغیر صلے کو جوڑے نہ اسم موصول کو آپ جملے میں کچھ بھی نہیں بنا سکتے۔ نہ یہ بتدا بن سکتا ہے بغیر صلے کے، نہ یہ خبر بن سکتا ہے بغیر صلے کے، نہ یہ موصوف بن سکتا ہے وغیرہ، یا نہ مفعول وغیرہ۔ اس کے ساتھ ہمیشہ آپ نے کس کو جوڑنا ہے؟ صلہ۔ جب بھی اسم موصول آئے آپ نے اس کے

ساتھ ہمیشہ کس کو جوڑنا ہے؟ صلہ۔ اور اسم موصول کے ساتھ ہی صلہ ہوتا ہے۔ موصول، درمیان میں کوئی اور لفظ نہیں آتا، موصول آیا اور موصول کے ساتھ ہی آگے کیا آیا؟ صلہ۔ اور یاد رکھو صلہ ہمیشہ جملہ ہوتا ہے، مفرد نہیں۔ اَلَّذِیْ ضَارِبٌ، یہ کبھی نہیں آئے گا، اَلَّذِیْ ضَرَبَ آئے گا، کیونکہ ضَارِبٌ اپنے فاعل سے مل کر کیا بنتا ہے؟ شبہ جملہ، اور صلہ تو کیا چاہیے؟ جملہ چاہیے۔ تو اَلَّذِیْ ضَرَبَ آئے گا، ضَرَبَ فعل اپنے فاعل سے مل کر کیا بنے گا؟ جملہ بنے گا، یہ صلہ بن سکتا ہے۔ توجہ ہے؟ آپ اسم موصول کو بتدا بنانا چاہتے ہیں تو اس کے ساتھ کس کو ملائیں گے؟ صلہ کو، کس کو ملائیں گے؟ صلہ۔ آپ اسم موصول کو خبر بنانا چاہتے ہیں تو پہلے کیا ملائیں گے؟ صلہ کو۔ آپ اسم موصول کو فاعل بنانا چاہتے ہیں تو اس کے ساتھ کس کو جوڑو؟ صلہ کو۔ تو اسم موصول کے لیے ہمیشہ کیا چاہیے؟ صلہ چاہیے۔ صلے کے بغیر نہ یہ بتدا بن سکتا ہے، نہ یہ خبر، نہ یہ فاعل، نہ مفعول، کچھ بھی نہیں بن سکتا کیونکہ اس کا معنی ہی نہیں سمجھ میں آتا۔ تو اسم موصول کے لیے ہمیشہ آپ نے پہلے اس کے ساتھ کس کو جوڑنا ہے؟ صلہ کو، پھر اس کے بعد بتدا بناؤ، خبر بناؤ جو بھی بن رہا ہے۔ طریقہ سمجھ میں آگیا؟ اور یہ بھی یاد رکھنا ایک موصول کے ایک سے زیادہ صلے بھی آسکتے ہیں، لیکن عموماً ایک ہی آتا ہے، لیکن زیادہ بھی آسکتے ہیں۔

جی اب ترکیب ایک آدھ کر لیجیے تاکہ اسم موصول کی ترکیب کا طریقہ آپ کو آجائے۔ جلدی جلدی کیجیے بھئی۔ جَاءَ الَّذِیْ ضَرَبَکَ، ترکیب کیجیے جلدی بھئی۔ جَاءَ فعل، اَلَّذِیْ مرفوع محلاً اسم موصول۔ اَلَّذِیْ مرفوع محلاً اسم موصول، مرفوع کیوں؟ کیونکہ یہ فاعل ہے جَاءَ کا۔ جَاءَ کتنے میں سے؟ وہ بارہ افعال میں سے ہے یا دو میں سے ہے؟ دو میں سے، یعنی پہلا یا چوتھا ہے، پہلا ہے، اور اس کے لیے اسم ظاہر فاعل آسکتا ہے یا نہیں؟ تو آگے یہ اَلَّذِیْ اس کے لیے فاعل بن سکتا ہے یا نہیں؟ تو میں نے بتایا تھا جب بھی پہلا یا چوتھا صیغہ آجائے تو آگے تلاش کرو کوئی اس کے لیے فاعل تو نہیں آرہا اسم ظاہر۔ اگر نہ ملے پھر اسی کے اندر کیا نکال لو؟ ضمیر۔ تو اَلَّذِیْ مرفوع محلاً اسم موصول۔ آگے ضَرَبَ فعل، کاف ضمیر مرفوع محلاً اس کا فاعل؟ ضَرَبَکَ کوئی صیغہ پڑھا ہے آپ نے؟ ضَرَبَ کے اندر فاعل ہوتا ہے یا نہیں؟ ضَرَبَا میں، ضَرَبُوْا میں، ضَرَبَتْ میں، یہاں کوئی ضَرَبَکَ صیغہ گزرا تھا جس کا کاف فاعل آرہا ہو؟ بھئی یہ کاف الگ آکے جڑا ہے، یہ آپ نے گردانوں میں پڑھا ہی نہیں ہے۔ یہ الگ آکر جڑا ہے اور فاعل تو ضمیروں کے ساتھ، فعل کے ساتھ سب میں جڑا ہوتا ہے۔ آپ جو گردانیں پڑھتے ہیں، توجہ ہے؟ آپ جو گردانیں پڑھتے ہیں اس میں فاعل ساتھ ہوتا ہے یا نہیں؟ ضَرَبَ کے اندر ہُوَ، ضَرَبَا میں الف، ضَرَبُوْا میں واو، ضَرَبَتْ میں ہِیَ، تو دیکھو یہ ساروں کے ساتھ فاعل جڑے ہوئے ہیں۔ مضارع میں بھی اسی طرح ہے۔ اور ان میں کوئی ضَرَبَکَ کوئی صیغہ آیا؟ نہیں، معلوم ہوا یہ کاف بعد میں آکر جڑا ہے، معلوم ہوا یہ فاعل نہیں ہے فاعل۔ ضَرَبَ فعل، اس کے اندر ہُوَ ضمیر مرفوع محلاً فاعل۔ شاباش، اس کے اندر ہُوَ ضمیر مرفوع محلاً اس کا فاعل۔ آگے کاف ضمیر منصوب محلاً مفعول۔ شاباش، کاف ضمیر منصوب محلاً مفعول بہ۔ جی، فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر اسم موصول کے لیے صلہ۔ فعل

اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر موصول کے لیے صلہ۔ ہاں بھئی یہ صلہ بن سکتا ہے؟ جملہ فعلیہ ہو کر صلہ؟ کیوں؟ ربط نہیں دیا۔ جملے کو یا شبہ جملہ کو جب بھی کسی چیز سے جوڑنا ہے تو کیا چاہیے؟ ربط۔ ضَرَبَکَ، فعل ترکیب خود غور کرو۔ ضَرَبَکَ فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ۔ جب آپ نے کہہ دیا جملہ فعلیہ تو معلوم ہوا کیا ضروری؟ ربط ضروری ہے، تو جملہ فعلیہ ہوا۔ تو ضَرَبَ کے اندر ہُوَ ضمیر جو راجع کس کو؟ الَّذِیْ اسم موصول کو، اس نے ربط دے دیا۔ اسم موصول اپنے صلے سے مل کر فاعل۔ فاعل، دیکھا الَّذِیْ اکیلا فاعل نہیں بنے گا صلے کو جوڑو گے۔ اسم موصول اپنے صلے سے مل کر کیا بن گیا؟ فاعل۔ میں نے بتایا اسم موصول بتدا بنے تو بھی صلہ جوڑنا پڑے گا، خبر بنے تو بھی صلے کو جوڑنا پڑے گا، فاعل یا مفعول بنے تو بھی صلے کو جوڑنا پڑے گا، ویسے وہ کچھ بھی نہیں بن سکتا کیونکہ اس کا معنی ہی نہیں سمجھ میں آتا۔ تو اسم موصول اپنے صلے سے مل کر فاعل، فعل اپنے فاعل سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہوا۔ روانی سے پڑھو۔ جَاءَ الَّذِیْ ضَرَبَکَ۔ جَاءَ الَّذِیْ ضَرَبَکَ، ترجمہ کیجیے۔ جَاءَ آیا وہ مرد، ضَرَبَکَ کہ پٹائی کی اس نے کَ آپ کی۔ آیا وہ شخص کہ جس نے آپ کی پٹائی کی۔ طریقہ سمجھ میں آگیا؟

اچھا، ایک دو جملے لکھو، یہ آپ نے کل ترکیب کر کر لانی ہے، اس کو حل کر کے آنا ہے۔ أَکْرَمْتُ الرَّجُلَ الَّذِیْ یُکْرِمُ الْعُلَمَاءَ، الْعُلَمَاءَ کے آخر میں الف کے بعد ہمزہ بھی ہے بھئی، الْعُلَمَاءَ۔ أَکْرَمْتُ الرَّجُلَ الَّذِیْ یُکْرِمُ الْعُلَمَاءَ، لکھ لیا؟ ایک اور جملہ لکھیے بھئی، ضَرَبَ الرَّجُلُ الَّذِیْ ضَرَبَکَ عَمْرًا۔ لکھ لیا؟ ضَرَبَ الرَّجُلُ الَّذِیْ ضَرَبَکَ عَمْرًا۔ چلیے یہ ترکیب کر کے آئیے گا بھئی۔ اسم موصول یاد رکھو بتدا بھی بن سکتا ہے خبر بھی، فاعل بھی بن سکتا ہے مفعول بھی، موصوف بھی بن سکتا ہے، موصوف یا صفت وغیرہ بھی بن سکتا ہے، لیکن جو بھی بنے گا پہلے اس کے ساتھ کس کو ملاؤ گے؟ صلے کو، اور صلہ ہمیشہ کیا ہوتا ہے؟ جملہ ہوتا ہے، اور جملہ جڑنے کے لیے کس چیز کا محتاج؟ ربط کا محتاج۔ تو موصول سے ہمیشہ آپ نے صلے کو جوڑنا ہے اور صلہ ہمیشہ جملہ ہوتا ہے۔ چلیے بس بھئی هٰذَا هُوَ الْمَرَامُ وَاللّٰهُ أَعْلَمُ بِحَقِیْقَةِ الْکَلَامِ۔

سبق نمبر ۱۲: تراکیبِ نحویہ (۱۱): اسمِ موصول اور صلہ کی ترکیب

تراکیبِ نحویہ (ابتدائی مشق) — بتاریخ: ۲۳ جون ۲۰۲۱ء

▪ تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث

گزشتہ سبق میں ہم نے موصول صلہ کی ترکیب شروع کی تھی بھئی۔ اس سے پہلے ایک دو بڑے قیمتی ضابطے ذکر ہوئے۔ میں نے آپ کو بتلایا تھا کہ نکرہ کے بعد اگر فعل آجائے تو وہ عموماً اس کے لیے صفت بنے گا۔ وہاں پھر آپ موصوف صفت کا ترجمہ کر کے دیکھیے جو میں نے طریقہ بتلایا تھا کہ نکرہ کے اندر موصوف سے پہلے کیا لے آئیں؟ ایسا یا ایسی۔ تو اس طریقے سے آپ وہاں موصوف صفت کا ترجمہ کر کے دیکھیں، اگر ترجمہ ٹھیک ہو تو سمجھ جائیں کہ یہ جو نکرہ کے بعد فعل آرہا ہے یہ اس نکرہ کے لیے صفت ہے۔

اور وہ فعل صفت ایک ویسے ہی نہیں بنے گا براہ راست، بلکہ وہ اپنے فاعل یا نائب فاعل اور ساری چیزوں سے مل کر جملہ بنے گا جملہ فعلیہ، اور پھر وہ صفت بنے گا اس نکرہ کے لیے۔ اور جملہ جب بھی کسی چیز سے جوڑنا ہو تو درمیان میں کیا ضروری؟ ربط ضروری، تو لہٰذا وہاں آپ ربط بھی دیں گے۔

اسی طرح یہ بھی آپ کو میں نے بتلایا کہ نکرہ کے بعد اگر جار مجرور آجائے اور وہ جار مجرور کسی سے نہ جڑ رہا ہو، تو اس صورت میں بھی وہ اس نکرہ کے لیے صفت بنے گا۔ اور براہ راست صفت نہیں بنے گا، بلکہ جار مجرور کا پہلے متعلق نکالیں گے اور پھر اس کے ساتھ اس کو جوڑیں گے، اور پھر یہ اپنے متعلق سے مل کر جملہ یا شبہ جملہ ہو کر اس کے لیے صفت بنے گا۔

اور پھر آپ کو میں نے یہ بھی بتلایا تھا کہ یہ جو جار مجرور ہے اس کو مجازاً ظرف کہتے ہیں۔ اور اس کا متعلق اگر عبارت میں ذکر ہو تو اس کو ظرف لغو کہتے ہیں، لام غین واو لَغْوٌ۔ اور اگر اس کا متعلق عبارت میں محذوف ہو، آپ کو محذوف نکالنا پڑے، تو پھر اس کو ظرف مستقر کہتے ہیں۔ اور مُسْتَقَرّ میں نے بتایا اسم ظرف کا صیغہ ہے، قرار پکڑنے کی جگہ۔ وجہ یہ کہ وہ ضمیر جو صفت کے صیغے میں چھپی ہوئی تھی وہ اس ظرف مستقر کے اندر آکر چھپ گئی۔ تو یہ اس ضمیر کے قرار پکڑنے

کی جگہ ہے، اس لیے اس کو کیا کہتے ہیں؟ ظرف مستقر۔ اور یہ ظرف مستقر جو ہے، یہ وہ سارے عمل کرے گا جو اس سے پہلے اس کا عامل کر رہا تھا۔ مثلاً وہاں ثَابِتٌ تھا، اب ثَابِتٌ چلا گیا، تو اس کی ضمیر اس ظرف مستقر میں چھپ گئی اور نیز جو جو عمل وہ ثَابِتٌ کر رہا تھا اب وہ سارے عمل یہ ظرف مستقر کرے گا۔ تو یہ جار مجرور جو ہے اس کو مجازاً ظرف کہتے ہیں۔

جبکہ ایک ہے ظرف حقیقی بھئی، جس میں جگہ یا زمانے والا معنی پایا جائے۔ جیسے زَيْدٌ عِنْدِيْ، زید میرے پاس ہے۔ دیکھو اس عِنْدَ کس لیے آتا ہے؟ جگہ کے لیے، کہ جگہ کے اعتبار سے وہ میرے قریب ہے۔ تو یہ اس میں جگہ والا معنی ہے تو یہ مفعول فیہ بنتا ہے، یہ ظرف حقیقی ہے۔ جار مجرور جو ہیں وہ متعلق ہوتے ہیں۔ اور جس سے متعلق ہوں وہ کیا کہلاتا ہے؟ مُتَعَلَّق۔ جبکہ جو ظرف حقیقی ہوتا ہے وہ مفعول فیہ بنتا ہے۔ مفعول فیہ، اور مفعول فیہ منصوب ہوتا ہے۔

تو چاہے ظرف حقیقی ہو، چاہے ظرف مجازی، دونوں کا ایک ہی جیسا حکم ہے۔ یعنی کبھی یہ ظرف مستقر بنیں گے اور کبھی ظرف لغو بنیں گے۔ اگر ان کا عامل عبارت میں ذکر ہے تو یہ ظرف لغو ہیں، اور اگر ان کا عامل عبارت میں محذوف ہے تو یہ ظرف مستقر۔ بس فرق اتنا: جار مجرور کے لیے کہیں گے یہ اس سے متعلق ہوا، اور ظرف حقیقی کے لیے کہیں گے یہ اس کے لیے مفعول فیہ ہوا۔ بات سمجھ میں آ رہی ہے؟

اور پھر آپ کو میں نے یہ بھی بتلایا تھا کہ یہ جو ظرف مستقر ہے یہ کلام عرب میں چار جگہ آتا ہے۔ چار جگہیں ہیں جہاں پر ظرف مستقر آتا ہے۔ نمبر ایک: خبر۔ نمبر دو: صفت۔ نمبر تین: حال۔ اور نمبر چار: صلہ۔ تو یہ چار جگہیں ہیں جہاں ظرف مستقر آئے گا، اور کسی جگہ ظرف مستقر نہیں آئے گا۔ جہاں بھی ظرف مستقر آئے آپ غور کر لینا یا وہ خبر بنے گا، یا صفت بنے گا، یا حال بنے گا، یا صلہ بنے گا۔ توجہ ہے؟ کون کون سے ہیں پھر دہرائیں؟ نمبر ایک: خبر۔ نمبر دو: صفت۔ نمبر تین: حال۔ نمبر چار: صلہ۔

اور اس کو جس چیز سے بھی جوڑنا ہو ربط ضرور چاہیے، تو ربط وہ اسی کے اندر عموماً کیا ہوگی؟ ضمیر ہوگی جو اس چیز کی طرف لوٹے گی جس کے ساتھ آپ اسے جوڑ رہے ہیں۔ اگر یہ خبر ہے تو اس میں ایک ضمیر ہوگی جو مبتدا کی طرف لوٹے گی کیونکہ خبر کو مبتدا سے جوڑتے ہیں۔ اور اگر یہ صفت بنا تو صفت کو موصوف سے جوڑتے ہیں تو اس کے اندر ایک ضمیر ہوگی جو موصوف کو لوٹے گی۔ اور اگر یہ حال ہوا تو حال کو ذوالحال سے جوڑتے ہیں تو اس کے اندر ایک ضمیر ہوگی جو ذوالحال کو لوٹے گی۔ اور اگر یہ صلہ ہوا تو صلہ موصول سے جڑتا ہے تو اس کے اندر ایک ضمیر ہوگی جو اسم موصول کی طرف لوٹے گی۔

جیسے زَيْدٌ فِي الدَّارِ۔ زَيْدٌ مرفوع لفظاً مبتدا۔ فِيْ جارہ، اَلدَّارِ مجرور لفظاً، جار مجرور مل کر متعلق کرتے ہیں کس سے؟ ثَابِتٌ سے۔ ثَابِتٌ مرفوع لفظاً صیغہ اسم فاعل، مرفوع کیوں؟ کیونکہ یہ خبر ہے۔ اور لفظاً کیوں؟ کیونکہ اس کے رفع پر ہم تلفظ کر رہے ہیں، کیسے؟ ثَابِتٌ، دیکھا رفع پر ہم تلفظ کر رہے ہیں، مرفوع لفظاً۔ اس کے اندر هُوَ ضمیر مرفوع محلاً اس کا فاعل، جو کس کی طرف

لوٹ رہی ہے؟ زید کی طرف۔ اسم فاعل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر شبہ جملہ ہو کر خبر، بتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔ اور پھر میں آپ کو مزید گہرائی میں لے گیا تھا، اور میں نے بتلایا کہ یہ کوئی ثَابِتٌ یہاں نہیں ہے، یہ طلباء کو سمجھانے کے لیے بتلاتے ہیں۔ ثَابِتٌ جا چکا اور اس کی جگہ کس نے پکڑلی؟ فِي الدَّارِ نے۔ اور وہ سارے عمل جو ثَابِتٌ کر رہا تھا اب یہ فِي الدَّارِ کر رہا ہے۔ تو اس نے اس کی جگہ پکڑلی اور وہ جو ضمیر جس کو ثَابِتٌ رفع دے رہا تھا، وہ اس فِي الدَّارِ کے اندر چھپ گئی۔ تو ترکیب کیسے کریں گے؟ فِيْ جارہ، اَلدَّارِ مجرور، جار مجرور مل کر ظرف مستقر، اس کے اندر هُوَ ضمیر مرفوع محلاً اس کا فاعل، جو کس کو لوٹ رہی ہے؟ بتدا کو۔ تو ظرف مستقر اپنے فاعل سے مل کر یہ خبر ہوئی کس کے لیے؟ بتدا کے لیے۔ پھر یہاں جملہ یا شبہ جملہ کہنے کی ضرورت نہیں۔ بات سمجھ میں آگئی؟ جملہ یا شبہ جملہ کہنے کی ضرورت نہیں، وہ تو عامل کے اعتبار سے تھا وہ اگر ہم ثَابِتٌ نکالتے تھے تو شبہ جملہ بنتا تھا اور ثَبَتَ نکالتے تھے تو جملہ بنتا تھا۔ یہاں تو سیدھا سیدھا کہہ دیں کہ یہ ظرف مستقر خبر ہے کس کے لیے؟ بتدا کے لیے، اور اس کے اندر هُوَ ضمیر ہے جو کس کو لوٹ رہی ہے؟ بتدا کو لوٹ رہی ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟

اس کے بعد ہم نے موصول صلہ کی ترکیب شروع کی تھی۔ میں نے آپ کو بتلایا تھا کہ اسم موصول کلام میں جب بھی آجائے آپ نے ہمیشہ اس کے ساتھ صلہ کو ضرور جوڑنا ہے۔ بغیر صلہ کے اسم موصول کا معنی پورا نہیں، وہ کلام میں کچھ بھی نہیں بنے گا، اس کا معنی ہی نہیں سمجھ میں آئے گا۔ جیسے اَلَّذِيْ کا کیا معنی؟ وہ جو کہ۔ اب وہ جو کہ سے تو کوئی سمجھ میں نہیں آیا کہ یہ کس کی طرف اشارہ ہو رہا ہے، کون مراد ہے بھئی۔ تو اس کے ساتھ ہمیشہ کیا جوڑنا ضروری ہے؟ صلہ۔ اور صلہ جو ہے وہ ہمیشہ جملہ ہوتا ہے۔ صلہ ہمیشہ کیا ہوگا؟ جملہ ہوگا۔ تو لہٰذا اگر صلے کے مقام میں کیا آجائے؟ ظرف مستقر۔ کیا آجائے؟ ظرف مستقر۔ عام جب باقی تین جگہ ظرف مستقر آئے، چاہے خبر کے مقام میں، چاہے صفت کے مقام میں، چاہے حال کے مقام میں، آپ وہاں پر چاہے صفت کا صیغہ نکالیں، چاہے فعل نکالیں۔ صفت کا صیغہ نکالیں گے تو وہ شبہ جملہ بنے گا، فعل نکالیں گے تو وہ جملہ بنے گا۔ لیکن اگر ظرف مستقر صلے میں آئے: اَلَّذِيْ فِي الدَّارِ، اَلَّذِيْ فِي الدَّارِ، تو یہاں فِي الدَّارِ کو ثَبَتَ سے ہی جوڑنا پڑے گا، ثَابِتٌ سے نہیں جوڑ سکتے۔ کیونکہ ثَابِتٌ تو مفرد ہے اور صلہ ہمیشہ کیا ہوتا ہے؟ جملہ ہوتا ہے، تو ہمیں یہاں ثَبَتَ چاہیے بھئی۔ پھر اس کے اندر ضمیر ہوگی جو اَلَّذِيْ کو لوٹے گی۔ اگر پیچھے اسم موصول جو ہے وہ اَللَّذَانِ ہوا، تو ہمیں پھر صلے میں تثنیہ کی ضمیر چاہیے، تو ثَبَتَا تثنیہ کا فعل نکالیں گے۔ اور اگر اَلَّذِيْنَ جمع ہوا اسم موصول، تو فِي الدَّارِ کو کس سے جوڑیں گے؟ ثَبَتُوْا جمع کے صیغے سے جوڑیں گے۔ توجہ ہے؟ بھئی جو ضمیر چاہیے اس کے مطابق محذوف کو نکال لینا، اور پھر وہ جملہ فعلیہ ہو کر صلہ بن جائے گا اسم موصول کے لیے۔ پھر موصول صلہ مل کر، پھر یہ بنے گا، چاہے یہ بتدا بنے، چاہے خبر بنے، چاہے فاعل بنے، چاہے مفعول بنے، جو کچھ بھی اس کو کلام میں بنانا ہے صلے کو جوڑنے کے بعد بنانا ہے۔ جب تک موصول کے ساتھ صلہ نہیں جڑے گا اس کا معنی سمجھ میں نہیں آئے گا۔

تو پھر ہم نے کل ایک ترکیب بھی کی تھی: جَاءَ الَّذِيْ ضَرَبَكَ۔ جَاءَ فعل۔ اَلَّذِيْ مرفوع محلاً، مرفوع کیوں؟ کیونکہ یہ جَاءَ کا فاعل ہے۔ اور ضَرَبَ فعل، اس کے اندر هُوَ ضمیر مرفوع محلاً اس کا فاعل جو کس کو لوٹ رہی ہے؟ اَلَّذِيْ کو، یہ عائد آگیا صلے کے اندر۔ اور كَافْ ضمیر منصوب محلاً مفعول بہ۔ فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر صلہ۔ موصول صلہ مل کر یہ فاعل ہوا۔ دیکھا موصول صلہ مل کر یہ کیا ہوا؟ فاعل ہوا۔ بغیر صلے کے موصول کا معنی ہی نہیں سمجھ میں آتا۔ تو جب بھی کلام میں اسم موصول آئے آپ نے پہلے اس کے ساتھ صلہ جوڑنا ہے، پھر آپ چاہے اس کو جو بھی بنائیں، مبتدا بن رہا ہے، خبر بن رہا ہے، فاعل بن رہا ہے، مفعول بن رہا ہے، وہ اس کے بعد بنے گا بھئی۔

اس کے بعد پھر میں نے کل آپ کو ایک دو جملے لکھوائے تھے کہ ترکیب کر کے آئیں بھئی۔ پہلا جملہ: أَكْرَمْتُ الرَّجُلَ الَّذِيْ يُكْرِمُ الْعُلَمَاءَ۔ چلیے بھئی آپ ترکیب کیجیے بھئی۔

أَكْرَمْتُ فعل با فاعل۔

شاباش، أَكْرَمْتُ فعل با فاعل۔

تَا ضمیر مرفوع محلاً اس کا فاعل۔

تَا ضمیر مرفوع محلاً اس کا فاعل۔ مرفوع کیوں؟

کیونکہ فاعل ہے۔

فاعل ہے۔ محلاً کیوں؟

یہ مبنی ہے۔

مبنی ہے۔ محلاً کہہ رہے ہو أَكْرَمْتُ میں تو پیش پر، میں تو ضمے پر باقاعدہ تلفظ کر رہا ہوں۔

یہ وہ ہے اس کی حرکت ہے۔

یہ اس کی حرکت ہے، اعراب نہیں ہے بھئی، کیونکہ یہ تو مبنی ہے۔ شاباش، ضمیر ہے۔ جی، آگے۔

اَلرَّجُلَ منصوب لفظاً موصوف۔

شاباش، اَلرَّجُلَ منصوب لفظاً موصوف۔ منصوب کیوں؟

مفعول بہ۔

کیونکہ مفعول بہ بنے گا۔ لفظاً کیوں؟

اس کے نصب پر ہم تلفظ کر رہے ہیں۔

اس کے نصب پر ہم تلفظ کر رہے ہیں۔ اور موصوف آپ کو کیسے پتہ چلا؟

یہ دو معرفہ آجائیں اکٹھے۔

شاباش، دو معرفہ اکٹھے آگئے تو اول کو بناتے ہیں موصوف اور ثانی کو صفت۔ اور آپ نے معنی میں بھی غور کرنا ہے کہ یہ موصوف صفت بن رہے ہیں یا نہیں، یہ نہیں کہ آنکھیں بند کر کے دو معرفہ آگئے تو آپ پھر موصوف صفت ہی بنانے کی کوشش کریں۔ تو یہاں یہ موصوف صفت بنیں گے، شاباش۔ آگے۔

اَلَّذِيْ منصوب محلاً صفت۔

اَلَّذِيْ منصوب محلاً صفت۔ منصوب کیوں؟

کیونکہ یہ صفت بنے گا۔

کیونکہ صفت ہے اور موصوف صفت کا اعراب ایک ہوتا ہے، موصوف منصوب تھا تو یہ بھی کیا ہے؟ منصوب۔ محلاً کیوں کہا؟

کیونکہ یہ مبنی ہے۔

کیونکہ یہ مبنی ہے اور مبنی کا اعراب محلاً آتا ہے۔ صفت، آپ نے اس کو صفت بنایا۔ ہاں یہ بنے گا تو صفت، لیکن اسم موصول کے ساتھ پہلے کس کو جوڑو؟ صلہ کو، پھر کہو یہ کیا ہے؟ صفت۔ بغیر صلہ جوڑے نہ یہ مبتدا بن سکتا ہے، نہ خبر، نہ فاعل، نہ مفعول، نہ صفت، کچھ بھی نہیں بن سکتا۔ جی کیجیے۔

اَلَّذِيْ منصوب محلاً اسم موصول۔ آگے۔

يُكْرِمُ فعل، اور اس کے اندر هُوَ ضمیر۔

ہاں، يُكْرِمُ فعل با فاعل، اس کے اندر هُوَ ضمیر مرفوع محلاً اس کا فاعل۔

اَلْعُلَمَاءَ منصوب لفظاً مفعول بہ۔

شاباش، اَلْعُلَمَاءَ منصوب لفظاً مفعول بہ۔ شاباش، آگے۔

فعل اپنے فاعل سے مل کر یہ موصول کے لیے صلہ۔

فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر صلہ۔ ہاں بھئی، یہ صلہ بن سکتا ہے؟

ربط۔

ہاں، ربط نہیں دیا۔ ربط سب سے ضروری چیز ہے۔ ربط دیجیے۔

يُكْرِمُ کے اندر جو هُوَ ضمیر ہے۔

ہاں، یُکْرِمُ کے اندر هُوَ ضمیر ہے جو لوٹ رہی ہے اَلَّذِيْ کو۔ پھر یہ بھی دیکھا کرو ضمیر مرجع میں مطابقت ہے؟ اَلَّذِيْ بھی مفرد مذکر، هُوَ ضمیر بھی مفرد مذکر، شاباش۔

فعل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر۔

ہو کر، ہاں فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر صلہ۔ موصول صلہ مل کر؟

یہ صفت۔

یہ صفت ہوئی اَلرَّجُلَ کے لیے۔ موصوف صفت مل کر؟

یہ مفعول بہ ہوا۔

یہ مفعول بہ ہوا أَكْرَمْتُ فعل کے لیے۔ فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہوا۔ روانی سے پڑھ دو سارا جملہ۔

▪ متنِ کتاب و تحقیقِ مسائلِ نحویہ

أَكْرَمْتُ الرَّجُلَ الَّذِيْ يُكْرِمُ الْعُلَمَاءَ۔

شاباش۔ أَكْرَمْتُ الرَّجُلَ الَّذِيْ يُكْرِمُ الْعُلَمَاءَ۔ ترجمہ کیجیے۔

میں نے اکرام کیا وہ جو، وہ جو معزز شخص ہے۔

اس آدمی کا۔

اس آدمی کا جو اَلَّذِيْ يُكْرِمُ الْعُلَمَاءَ، جو معزز ہے علماء۔

جی يُكْرِمُ الْعُلَمَاءَ کیا ترجمہ؟

جس نے علماء کرام کا۔

جو علماء کا اکرام کرتا ہے، علماء کو آپ نے مفعول بہ نہیں بنایا؟ يُكْرِمُ اکرام کرتا ہے، کون کرتا ہے؟ هُوَ ضمیر کس کو راجع؟ اَلرَّجُلَ کو اَلَّذِيْ کو، وہ آدمی کرتا ہے، اور کس کا کرتا ہے؟ اَلْعُلَمَاءَ۔ تو أَكْرَمْتُ الرَّجُلَ الَّذِيْ يُكْرِمُ الْعُلَمَاءَ میں نے اکرام کیا اس آدمی کا جو کہ اکرام کرتا ہے علماء کا۔ جو آدمی علماء کا اکرام کرتا ہے میں نے اس کا اکرام کیا۔ اب پھر ذرا ترجمہ کرو کیا ترجمہ کیا؟

میں نے اکرام کیا اس شخص کا۔

ہاں میں نے اکرام کیا اس شخص کا جو علماء کا اکرام کرتا ہے، جو اکرام کرتا ہے علماء کا۔ طریقہ سمجھ میں آگیا؟

اگلا جملہ کیا تھا؟ ضَرَبَ الرَّجُلُ الَّذِيْ ضَرَبَكَ عَمْرًا۔ جی ترکیب کیجیے۔

ضَرَبَ فعل با فاعل۔

ضَرَبَ فعل با فاعل۔

هُوَ ضمیر مرفوع محلاً اس کا فاعل۔

اس کے اندر هُوَ ضمیر مرفوع محلاً اس کا فاعل۔

اَلرَّجُلَ منصوب لفظاً مفعول بہ۔

جی؟ اَلرَّجُلَ منصوب لفظاً مفعول بہ۔

اَلرَّجُلَ منصوب لفظاً مفعول بہ، شاباش۔ آگے۔

▪ متنِ کتاب و تحقیقِ مسائلِ نحویہ

اَلَّذِيْ اسم موصول۔

اعراب بولو۔ جو بھی اسم آجائے اس کا اعراب ہم نے معلوم کرنا ہے۔

اَلَّذِيْ مرفوع محلاً اسم موصول۔

اَلَّذِيْ مرفوع محلاً اسم موصول، مرفوع کیوں؟

یہ صفت بن رہا ہے۔

کس کی؟

اَلرَّجُلَ کی۔

یہ اَلرَّجُلَ کی صفت ہے۔ ترجمہ کچھ سمجھ میں آرہا ہے؟ چلیے بھئی، آپ ترکیب کیجیے۔

▪ متنِ کتاب و تحقیقِ مسائلِ نحویہ

ضَرَبَ فعل۔

ضَرَبَ فعل۔

اَلرَّجُلُ مرفوع لفظاً اس کا فاعل۔

اَلرَّجُلُ مرفوع لفظاً فاعل۔ جی۔

موصوف۔

اَلرَّجُلُ مرفوع لفظاً موصوف، شاباش۔ مرفوع کیوں؟

کیونکہ فاعل ہے۔

فاعل ہے۔ لفظاً کیوں؟

اس کے رفع پر ہم تلفظ کر رہے ہیں۔

پھر کرو۔

▪ متنِ کتاب و تحقیقِ مسائلِ نحویہ

ضَرَبَ فعل۔

جی۔

اَلرَّجُلُ مرفوع لفظاً موصوف۔

اَلرَّجُلُ مرفوع لفظاً موصوف۔ مرفوع کیوں؟

کیونکہ فاعل ہے۔

فاعل ہے۔ لفظاً کیوں؟

اس کے رفع پر ہم تلفظ کر رہے ہیں۔ موصوف آپ کو کیسے پتہ چلا یہ موصوف ہے؟

دو معرفہ اکٹھے آرہے ہیں۔

دو معرفہ اکٹھے آرہے ہیں، شاباش۔

▪ متنِ کتاب و تحقیقِ مسائلِ نحویہ

اَلَّذِيْ مرفوع محلاً اسم موصول۔

اَلَّذِيْ مرفوع محلاً اسم موصول۔ مرفوع کیوں؟

کیونکہ یہ صفت ہے۔

کیونکہ یہ صفت ہے، موصوف صفت کا اعراب ایک ہوتا ہے۔ محلاً کیوں؟

کیونکہ یہ مبنی ہے۔

کیونکہ یہ مبنی ہے، جی۔ اور اسم موصول۔ آگے۔

ضَرَبَ فعل۔

▪ متنِ کتاب و تحقیقِ مسائلِ نحویہ

ضَرَبَ فعل۔

هُوَ ضمیر مرفوع محلاً اس کا فاعل۔

هُوَ ضمیر مرفوع محلاً اس کا فاعل جو اَلَّذِيْ کی طرف لوٹ رہی ہے۔

جو اَلَّذِيْ کی طرف راجع ہے، شاباش۔ انہوں نے ربط دے دیا صلے کا موصول کے ساتھ۔

كَافْ ضمیر منصوب محلاً مفعول بہ۔

كَافْ ضمیر منصوب محلاً مفعول بہ، شاباش۔ منصوب کیوں؟

کیونکہ مفعول بہ ہے۔

مفعول بہ ہے۔ محلاً کیوں؟

کیونکہ ضمیر ہے۔

ضمیر ہے، شاباش۔ مفعول بہ، آگے۔

عَمْرًا منصوب لفظاً مفعول ثانی۔

عَمْرًا مفعول بہ، منصوب لفظاً مفعول ثانی۔ منصوب کیوں؟ کیونکہ یہ مفعول بہ ہے۔ لفظاً کیوں؟ کیونکہ اس کے نصب پر ہم تلفظ کر رہے ہیں۔ مفعول بہ ثانی، شاباش۔ سمیٹو۔

ضَرَبَ فعل اپنے فاعل اور دونوں مفعولوں سے مل کر۔

ضَرَبَ فعل اپنے فاعل اور دونوں مفعولوں سے مل کر موصول کے لیے صلہ۔ شاباش۔

اچھا ضَرَبَكَ عَمْرًا، یہ ہے صلہ۔ ضَرَبَكَ عَمْرًا، اس کو آپ نے کیا بنایا؟ صلہ۔ اس کا ترجمہ کرو۔ ضَرَبَ پٹائی کی هُوَ اس نے، هُوَ ضمیر ہے نا؟ جی ترجمہ کیجیے۔

اس نے پٹائی کی آپ کے عمر کی۔

اس نے پٹائی کی آپ کی عمر کی! بولو، ضَرَبَ کتنے مفعول چاہتا ہے؟ جی، ضَرَبْتُ عَمْرًا میں نے عمر کی پٹائی کی، کچھ ابھی اور بھی باقی ہے؟ نہیں۔ پھر؟ أَعْطَيْتُ زَيْدًا میں نے زید کو عطا کیا، بات پوری ہے یا ابھی بھی کچھ ادھوری ہے؟ أَعْطَيْتُ زَيْدًا، آپ کہیں گے کیا دیا وہ تو آپ نے ذکر نہیں کیا۔ بغیر کسی چیز کے عطا ہو سکتا ہے؟ جی؟ تو أَعْطَيْتُ زَيْدًا دِرْهَمًا، یہاں دو مفعول چاہئیں۔ کس کو دیا؟ زید کو۔ اور کیا دیا؟ وہ بھی چیز چاہیے یا نہیں؟ تو أَعْطَيْتُ زَيْدًا وہ دو مفعول چاہتا ہے۔ سَمَّيْتُ الرَّجُلَ زَيْدًا، سَمَّيْتُ میں نے نام رکھا، اَلرَّجُلَ اس آدمی کا۔ میں نے نام رکھا اس آدمی کا، آپ کہیں گے بھئی کیا نام رکھا وہ بھی تو بتائیں۔ تو سَمَّيْتُ الرَّجُلَ زَيْدًا، اَلرَّجُلَ مفعول اول اور زَيْدًا مفعول ثانی۔ تو جو فعل دو مفعول چاہتا ہے وہاں معنی میں غور کر لیا کریں، آپ کو معنی میں سمجھ میں آجائے گا کہ اس ایک مفعول پر بات پوری ہو رہی ہے یا نہیں۔ ضَرَبْتُ زَيْدًا میں نے زید کی پٹائی کی، کسی اور مفعول کی ضرورت ہے؟ نہیں، یہاں تو بات پوری۔ تو یہ میں نے بتایا تھا یہ جتنے عام افعال ہیں یہ سب ایک مفعول چاہتے ہیں۔ ایک مفعول چاہتے ہیں۔ تو آپ نے عَمْرًا کو اس کے لیے مفعول ثانی بنایا، حالانکہ اس کے لیے مفعول ثانی نہیں بن سکتا کیونکہ یہ ایک ہی مفعول چاہتا ہے، دو چاہتا ہی نہیں ہے۔ پھر کیا کریں؟ بولو بھئی اب تو ترکیب اچھی خاصی آگئی آپ کو۔

عَمْرًا سے پہلے وہ۔

جی؟

عَمْرًا سے پہلے وہ۔

نہیں نہیں ہر بار عبارت کو نہ غلط کہیں۔ عبارت تب آپ، جب مختصر میں نے ایک دو مثالیں دی تھیں، جہاں واضح ہوتی ہے بات کہ اس میں غلطی ہے، ہو ہی نہیں سکتی۔

موصوف صفت بنائیں۔

کس کو؟

ضَرَبَكَ، یہ جو كَافْ ضمیر اور عَمْرًا۔

موصوف صفت کیسے بنیں گے؟ اَلضَّمِيرُ لَا يُوْصَفُ وَلَا يُوْصَفُ بِهِ۔ ضمیر نہ صفت بنتی ہے اور نہ موصوف بنتی ہے۔ ضمیر، اَلضَّمِيرُ لَا يُوْصَفُ وَلَا يُوْصَفُ بِهِ ضابطہ یاد رکھنا، ضمیر نہ صفت بنتی ہے اور نہ موصوف بنتی ہے۔ اور پھر آپ عمر نام کو اس کے لیے صفت بنا رہے ہیں۔ صفت کسے کہتے ہیں؟ جو ایسے معنی پر دلالت کرے جو کس میں پایا جائے؟ کسی ذات

میں۔ عمر کوئی ایسا معنی ہے جو کسی دوسرے میں پایا جائے؟ عمر تو نام ہے ایک شخص کا۔ ضَارِبٌ پٹائی کرنے والا، دیکھا یہ کوئی ذات ہوگی جس کے اندر یہ صفت ہوگی وہ کیا ہوگی؟ پٹائی کرنے والی۔ مَضْرُوْبٌ دیکھا یہ کوئی ذات ہوگی جو کیا ہوگی؟ مضروب ہوگی۔ یہ معنی کسی ذات کے اندر پایا جائے گا کہ وہ مضروب ہے۔ اور عمر، عمر تو ایک ذات کا نام ہے بھئی، یہ تو ایسے معنی پر دلالت ہی نہیں کرتا جو موصوف کے اندر پایا جائے بھئی۔ بولیے بھئی کیا ترکیب کریں گے؟

حال بنائیں۔

جی؟

حال بنائیں۔

حال۔ عَمْرًا حال! عمر حال بھی صفت کی طرح ہی ہوتا ہے، حالت بیان کرتا ہے نا۔ رَجُلٌ شُجَاعٌ یہ شُجَاعٌ صفت کس میں ہے؟ رَجُلٌ میں ہے۔ تو صفت ایسے معنی پر دلالت کرتی ہے جو موصوف کے اندر پایا جاتا ہے، اور عمر ایسے معنی پر دلالت ہی نہیں کرتا تو اس کو حال کیسے بنا سکتے ہو؟

موصول صلہ۔

موصول صلہ تو بن رہے ہیں، اَلَّذِيْ موصول ہے ضَرَبَكَ اس کا صلہ ہی بنے گا اور کیا بنے گا۔ موصول تو صلے کے بغیر نہیں آسکتا۔ موصول بغیر صلے کے نہیں آسکتا، صلہ تو بننا ہی بننا ہے ہر حال میں۔

یہ ضَرَبَكَ کا جو ضمیر ہے۔

ہاں۔

كَافْ کی جگہ هُوَ لگا دیں۔

بدلنا نہیں ہے۔ بدلیں گے تب جب واضح ہمیں پتہ لگ جائے کہ یہاں تو کوئی صورت بنتی ہی نہیں ہے۔ آپ سے ترکیب نہ ہو اور آپ اس کو کہیں جی یہ ترکیب ہی غلط ہے۔ بھئی دیکھو آپ خود غور کر لو یہاں کتنے ضَرَبَ ہیں؟ دو ضَرَبَ۔ دوسرے ضَرَبَ کا مفعول ساتھ جڑا ہوا ہے۔ پہلے کا بھی تو مفعول چاہیے یا نہیں؟ جی؟ اور اس کے لیے بعد اَلرَّجُلُ الَّذِيْ ضَرَبَكَ آیا تھا، اس کے بعد اَلرَّجُلُ کیا بنا تھا؟ فاعل۔ اور اَلَّذِيْ ضَرَبَكَ اس کے لیے کیا بنی تھی؟ صفت۔ اور موصوف صفت مل کر کیا بنے؟ فاعل ضَرَبَ کے لیے۔ اَلرَّجُلُ موصوف، اَلَّذِيْ ضَرَبَكَ موصول صلہ مل کر اس کے لیے صفت۔ توجہ ہے؟ اَلرَّجُلُ کیا تھا؟ مرفوع تھا۔ ضَرَبَ کے لیے کیا بنایا؟ فاعل۔ تو اَلَّذِيْ ضَرَبَكَ یہ اس رَجُلُ کے لیے صفت۔ موصوف صفت مل کر کیا بنے؟ فاعل، کس کے لیے؟ ضَرَبَ کے لیے۔ تو اس ضَرَبَ کے لیے مفعول چاہیے، وہ عَمْرًا آگے آگیا۔ تو یہ عَمْرًا کس کا مفعول ہے؟ ضَرَبَ اول کا۔ دوسرے ضَرَبَ کا مفعول ساتھ جڑا ہوا ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ کیجیے اب دوبارہ ترکیب۔

▪ متنِ کتاب و تحقیقِ مسائلِ نحویہ

ضَرَبَ فعل۔

ضَرَبَ فعل۔

اَلرَّجُلُ مرفوع لفظاً۔

اعراب پڑھا کرو اس پر۔ جو آپ نے بتانا ہے وہ پڑھا کریں، اَلرَّجُلُ وقف کیوں کر رہے ہیں؟ اَلرَّجُلِ، اَلرَّجُلَ، اَلرَّجُلُ جو ہے وہ پڑھو۔

اَلرَّجُلُ مرفوع لفظاً موصوف۔

اَلرَّجُلُ مرفوع لفظاً موصوف۔

اَلَّذِيْ مرفوع محلاً اسم موصول۔

▪ متنِ کتاب و تحقیقِ مسائلِ نحویہ

اَلَّذِيْ مرفوع محلاً اسم موصول۔

ضَرَبَ فعل با فاعل۔

ضَرَبَ فعل با فاعل۔

اس کے اندر هُوَ ضمیر جو اَلَّذِيْ کی طرف لوٹ رہی ہے۔

هُوَ ضمیر، ضَرَبَ فعل با فاعل، اس کے اندر هُوَ ضمیر مرفوع محلاً اس کا فاعل جو کس کو لوٹ رہی ہے؟ اَلَّذِيْ کو۔ ضمیر مرجع میں مطابقت ہے؟ اَلَّذِيْ بھی مفرد مذکر، هُوَ بھی مفرد مذکر، یہ ربط بتا دیا موصول صلہ میں۔ آگے۔

كَافْ ضمیر منصوب محلاً ضَرَبَ کے لیے مفعول۔

شاباش، كَافْ ضمیر منصوب محلاً یہ مفعول بہ ہے ضَرَبَ کے لیے جس کے ساتھ یہ جڑا ہوا ہے۔ فعل اپنے فاعل اور؟

فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر صلہ۔

فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر یہ صلہ۔ موصول صلہ مل کر؟

اَلرَّجُلُ کے لیے صفت۔

یہ صفت ہوئی اَلرَّجُلُ کے لیے۔ موصوف صفت مل کر؟

یہ فاعل۔

یہ فاعل ہوا ضَرَبَ کے لیے۔ اور آگے عَمْرًا منصوب لفظاً مفعول بہ ہوا اس پہلے ضَرَبَ کے لیے۔ جی فعل اپنے فاعل اور؟

فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہوا۔ روانی سے پڑھو۔

▪ متنِ کتاب و تحقیقِ مسائلِ نحویہ

ضَرَبَ الرَّجُلُ الَّذِيْ ضَرَبَكَ عَمْرًا۔

ضَرَبَ الرَّجُلُ الَّذِيْ ضَرَبَكَ عَمْرًا۔ ترجمہ کیجیے۔

مارا اس شخص نے۔

ضَرَبَ الرَّجُلُ پٹائی کی اس شخص نے، یہ اس کس کا ترجمہ کر رہے ہیں؟ الف لام کا۔ پٹائی کی اس شخص نے اَلَّذِيْ ضَرَبَكَ جس نے آپ کی پٹائی کی تھی۔ پٹائی کی اس آدمی نے جس نے آپ کی پٹائی کی تھی۔ اس نے کس کی پٹائی کی؟ عمر کی۔ یوں ترجمہ با محاورہ اردو میں یوں کہو: وہ آدمی جس نے آپ کی پٹائی کی تھی اس نے عمر کی پٹائی کی، اس نے عمر کی بھی پٹائی کی۔ ترجمہ سمجھ میں آگیا؟

اچھا چلیے بھئی ترکیب کیجیے۔ زَيْدٌ قَائِمٌ۔ زَيْدٌ قَائِمٌ۔ جی ترکیب کیسے ہوگی؟ زَيْدٌ سب کی توجہ ہے؟ زَيْدٌ مرفوع لفظاً بتدا، مرفوع کیوں؟ بتدا ہے۔ لفظاً کیوں؟ اس کے رفع پر ہم تلفظ کر رہے ہیں، کر کے دکھاؤ؟ زَيْدٌ۔ جی، اور بتدا۔ آگے: قَائِمٌ مرفوع لفظاً صیغہ اسم فاعل۔ مرفوع کیوں؟ کیونکہ یہ خبر ہے۔ لفظاً کیوں؟ اس کے رفع پر ہم تلفظ کر رہے ہیں۔ تو یہ مرفوع لفظاً صیغہ اسم فاعل، اور اسم فاعل کے لیے بھی ہمیشہ کیا چاہیے؟ فاعل۔ تو اس کے اندر هُوَ ضمیر مرفوع محلاً اس کا فاعل، جو کس کو لوٹ رہی ہے؟ زید کو۔ یہ ربط ضروری ہے۔ اسم فاعل اپنے فاعل سے مل کر شبہ جملہ ہو کر خبر۔ بتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔ زَيْدٌ قَائِمٌ زید کھڑا ہے۔ قَائِمٌ کے لیے فاعل کیا نکالا؟ هُوَ۔ اور هُوَ کس کو راجع؟ زید کو، معلوم ہوا وہ قائم کون ہے؟ قَائِمٌ هُوَ، وہ کھڑا ہے، کون بھئی؟ زید کھڑا ہے۔

اگلا جملہ لکھیے بھئی: زَيْدٌ قَائِمٌ أَبُوْهُ۔ زَيْدٌ قَائِمٌ أَبُوْهُ۔ ترکیب پہ نظر رکھو۔ زَيْدٌ مرفوع لفظاً بتدا۔ قَائِمٌ مرفوع لفظاً صیغہ اسم فاعل۔ جی، آگے۔ میں نے بتایا تھا فعل کے لیے ہمیشہ فاعل یا نائب فاعل چاہیے، اسی طرح صفت کے صیغے کے لیے بھی ہمیشہ فاعل یا نائب فاعل چاہیے۔ اور فعل کے لیے فاعل یا نائب فاعل ضمیر بھی آسکتی ہے اور اسم ظاہر بھی، لیکن آئے

گا ایک ہی، دو نہیں آسکتے۔ اور فعل کے لیے فاعل اگر ضمیر آئے تو اسم ظاہر نہیں آئے گا، اور اسم ظاہر آئے تو ضمیر نہیں آئے گی۔ اور فعل کے صرف دو صیغے ہیں جن کے لیے فاعل اسم ظاہر آسکتا ہے، وہ کون سا ہے؟ پہلا اور چوتھا۔ پہلا صیغہ بھی مفرد، چوتھا صیغہ بھی مفرد۔ توجہ ہے؟ پہلا صیغہ بھی مفرد، چوتھا صیغہ بھی مفرد، تو یہ صرف ان دو صیغوں کے لیے فاعل اسم ظاہر آسکتا ہے اور کسی صیغے کے لیے فاعل اسم ظاہر نہیں آسکتا، اور یہ دونوں مفرد کے صیغے ہیں۔ معلوم ہوا آپ جب بھی فاعل اسم ظاہر کو بنانا چاہیں تو فعل کو مفرد رکھنا پڑے گا، یعنی انہی دو صیغوں میں سے یا پہلا یا چوتھا۔ اگر اسم ظاہر مذکر ہے تو پہلا صیغہ لے آؤ، اگر وہ مؤنث ہے تو چوتھا صیغہ لے آؤ۔ طریقہ سمجھ میں آیا؟

اسی طرح صفت کا صیغہ جو ہے اس کے لیے بھی فاعل یا نائب فاعل ہمیشہ آئے گا، اور وہ ضمیر بھی ہو سکتی ہے اور اسم ظاہر بھی، اور آئے گا ایک ہی۔ اگر ضمیر آجائے تو اسم ظاہر نہیں آسکتا، اور اگر اسم ظاہر آجائے تو ضمیر نہیں آسکتی۔ اور جب فاعل اسم ظاہر آتا تھا فعل کو ہمیشہ مفرد رکھتے تھے، اسی طرح صفت کے صیغے میں بھی جب فاعل اسم ظاہر آجائے تو صفت کے صیغے کو ہمیشہ مفرد رکھتے ہیں۔ ایک ہے قَائِمٌ، ایک ہے تثنیہ قَائِمَانِ، ایک ہے جمع قَائِمُوْنَ۔ اگر آپ اس قَائِمٌ کے لیے اسم ظاہر کو فاعل یا نائب فاعل بنانا چاہیں تو اس کو کیا رکھنا پڑے گا؟ مفرد۔ توجہ ہے؟ قَائِمٌ ہوگا تو آگے اسم ظاہر بھی فاعل بن سکتا ہے، اور اگر اسم ظاہر نہ ملے تو پھر اسی کے اندر کیا نکال لینا؟ ضمیر۔ توجہ ہے؟ معلوم ہوا صفت کا صیغہ مفرد آئے تو پھر آگے تلاش کرو کوئی اسم ظاہر فاعل تو نہیں بن رہا۔ اگر کوئی نہ ملے پھر اسی کے اندر کیا کرو؟ ضمیر نکال لو۔

زَيْدٌ قَائِمٌ، قَائِمٌ کون سا صیغہ؟ صفت کا۔ اس کے لیے کیا چاہیے؟ فاعل چاہیے۔ آگے کوئی اسم ظاہر ہے؟ زَيْدٌ قَائِمٌ۔ پہلا جملہ، پہلے جملے پہ نظر رکھو۔ زَيْدٌ قَائِمٌ، قَائِمٌ کون سا صیغہ؟ صیغہ اسم فاعل۔ اور اسم فاعل کے لیے کیا چاہیے؟ فاعل چاہیے۔ اور فاعل یا نائب فاعل جو ہے وہ ضمیر بھی آسکتی ہے اور اسم ظاہر بھی۔ اور یہ مفرد کا صیغہ ہے قَائِمٌ، قَائِمَانِ یا قَائِمُوْنَ ہے؟ نہیں، یہ مفرد ہے۔ جب صفت کا صیغہ مفرد ہو تو اس کے لیے آگے اسم ظاہر بھی فاعل یا نائب فاعل آسکتا ہے۔ تو یہ مفرد ہے تو آگے دیکھو کوئی اسم ظاہر آگے آرہا ہے؟ آگے تو اسم ظاہر ہی کوئی نہیں صرف زَيْدٌ قَائِمٌ دو لفظ ہیں ہمارے پاس۔ تو آگے اسم ظاہر کوئی نہیں، لہٰذا اسی کے اندر آپ نے ضمیر نکال لی کیونکہ فاعل تو ضرور چاہیے تھا۔

اور اب دوسرا جملہ جو میں نے لکھوایا وہ ہے زَيْدٌ قَائِمٌ أَبُوْهُ۔ وہاں زَيْدٌ مبتدا ہے اور قَائِمٌ مرفوع لفظاً صیغہ اسم فاعل، اور مفرد کا صیغہ ہے یا تثنیہ جمع کا ہے؟ مفرد کا۔ جب مفرد کا ہے اس کے لیے آگے اسم ظاہر فاعل آسکتا ہے یا نہیں؟ آسکتا ہے، تو پہلے تلاش کیا کرو کہیں آگے تو نہیں آرہا اس کے لیے فاعل۔ تو آگے أَبُوْهُ آرہا ہے اور وہ اس کے لیے فاعل بنے گا۔ بات سمجھ میں آگئی؟ اگر آپ اسی کے اندر هُوَ ضمیر نکال لیتے ہیں تو پھر هُوَ ضمیر تو مرفوع ہے یہ قَائِمٌ کے لیے فاعل بن جائے گی، پھر یہ أَبُوْهُ اس پر کیا پڑھیں گے؟ اس پر بھی تو رفع ہے، یہ رفع کہاں سے آیا؟ رفع خود بخود تو نہیں آتا اس کے لیے تو

ہمیشہ کیا چاہیے؟ عامل۔ تو لہٰذا قَائِمٌ کے اندر یہاں ضمیر نہ نکالو بلکہ أَبُوْهُ کو کیا کرو اس کے لیے فاعل بناؤ۔ اور قَائِمٌ کے لیے أَبُوْهُ فاعل بن سکتا ہے اسم ظاہر؟ بن سکتا ہے کیونکہ صفت کا صیغہ مفرد کا ہے، جب وہ مفرد ہو تو آگے اسم ظاہر فاعل آسکتا ہے۔ توجہ ہے؟

تو زَيْدٌ قَائِمٌ أَبُوْهُ۔ زَيْدٌ مرفوع لفظاً مبتدا۔ قَائِمٌ مرفوع لفظاً صیغہ اسم فاعل۔ آگے أَبُوْهُ، اس کے اندر أَبُوْ مرفوع لفظاً مضاف، مرفوع کیوں؟ کیونکہ یہ فاعل ہے قَائِمٌ کے لیے، فاعل کیا ہوتا ہے؟ مرفوع۔ اور مرفوع لفظاً، لفظاً کیوں؟ کیونکہ یہ اسماء ستہ مکبرہ موحدہ مضافہ الی غیر یاء المتکلم، یہ اسماء ستہ میں سے ہے؟ اسماء ستہ میں سے ہے، مکبرہ ہے؟ تصغیر تو نہیں ہے؟ نہیں۔ موحدہ مفرد ہے، تثنیہ یا جمع ہے؟ مفرد ہے۔ اور نیز یہ مضاف ہے یاء متکلم کے علاوہ کی طرف، یاء کی طرف مضاف نہ ہو ورنہ أَبِيْ، یہ أَبِيْ جو ہے یہ تو تینوں حالتوں میں اعراب تقدیری ہوگا، غُلَامِيْ جب وہ یاء کی طرف مضاف ہوتا تھا، تینوں حالتوں میں اعراب کیا ہوتا تھا؟ تقدیری۔ تو یاء کے علاوہ کی طرف مضاف ہو، اسماء ستہ ہوں، مکبرہ ہوں، موحدہ ہوں اور مضافہ ہوں إِلَى غَيْرِ يَاءِ الْمُتَكَلِّمِ، اور یہ أَبُوْهُ بھی کیا ہے؟ غیر یاء کی طرف مضاف ہے، یاء کی طرف مضاف نہیں ہے۔ تو أَبُوْ مرفوع لفظاً مضاف۔ مرفوع کیوں؟ فاعل ہے۔ لفظاً کیوں؟ کیونکہ اس کے رفع پر ہم کیا کر رہے ہیں؟ تلفظ کر رہے ہیں، اس کا رفع کیا ہے؟ واؤ ہے۔ شاباش۔ اچھا واؤ ہے، ذرا تلفظ کر کے دکھاؤ؟ أَبُوْهُ، ضمیر ساتھ جوڑ کے رکھو، اضافت ضروری ہے بغیر اضافت کے نہیں۔ أَبُوْهُ، توجہ ہے؟ وہ ساری شرطیں ان میں کیا کیا شرطیں تھیں؟ اسماء ستہ ہوں، مکبرہ ہوں، موحدہ ہوں اور مضافہ ہوں۔ کیا ہوں؟ ہاں البتہ غیر یاء کی طرف مضاف ہو، اگر اضافت والی شرط کٹ جائے گی تو اعراب کی قسم ہی بدل جائے گی۔ تو لہٰذا أَبُوْهُ مرفوع لفظاً ہے۔ اچھا مرفوع کیوں؟ فاعل۔ لفظاً کیوں؟ کیونکہ اس کے رفع پر ہم تلفظ کر رہے ہیں، کر کے دکھاؤ؟ أَبُوْهُ۔ اس کے نصب پر تلفظ کرو؟ أَبَاهُ۔ اس کے جر پر تلفظ کرو؟ أَبِيْهِ، شاباش۔ تو أَبُوْهُ مرفوع لفظاً مضاف۔ مرفوع لفظاً مضاف، آپ کو کیسے پتہ چلا مضاف ہے؟ جس اسم کے ساتھ بھی کیا آجائے؟ ضمیر متصل، فعل کی بات نہیں کی، حرف کی بات نہیں کی، جس اسم کے ساتھ بھی کیا آجائے؟ ضمیر متصل، وہ آپس میں کیا بنتے ہیں؟ مضاف اور مضاف الیہ۔ تو هَا ضمیر مجرور محلاً مضاف الیہ۔ مجرور کیوں؟ مضاف الیہ ہے أَبُوْهُ میں تو اس پر ضمہ پڑھ رہا ہوں! آپ کہیں گے یہ اس کی حرکت ہے کیونکہ ماقبل میں واؤ تھا اس لیے اس کے اوپر ضمہ پڑھ دیا، یہ اس کی حرکت ہے اعراب نہیں ہے۔ تو هَا ضمیر مجرور محلاً مضاف الیہ، مجرور کیوں؟ مضاف الیہ ہے۔ محلاً کیوں؟ ضمیر ہے مبنی ہے۔ تو أَبُوْهُ مضاف مضاف الیہ مل کر یہ فاعل ہوا کس کے لیے؟ قَائِمٌ کے لیے۔ توجہ ہے؟ اسم فاعل اپنے فاعل سے مل کر شبہ جملہ ہو کر خبر۔ ہاں بھئی یہ خبر بن سکتی ہے؟ نہیں بن سکتی خبر، کیوں نہیں بن سکتی؟ ربط ضرور چاہیے، اور ربط کا ایک ہی طریقہ ابھی تک آپ نے پڑھا ہے کہ کیا ہونی چاہیے؟ کوئی غائب کی ضمیر ہونی چاہیے جو کس کی طرف لوٹے؟ جس چیز کے ساتھ آپ جوڑ رہے ہیں اس کی طرف لوٹے۔ تو پھر کس طرح ربط دیں گے؟ یہ أَبُوْهُ کے آخر میں جو هَا ضمیر ہے یہ لوٹ رہی ہے زید کی طرف۔

اور اب ترجمہ کیجیے: زَيْدٌ قَائِمٌ أَبُوْهُ۔ زید کا باپ کھڑا ہے، زید کے والد کھڑے ہیں۔ دیکھو قَائِمٌ، قَائِمٌ کون ہے؟ هُوَ ہے یا أَبُوْهُ ہے؟ أَبُوْهُ ہے۔ قَائِمٌ کا فاعل کون ہے؟ هُوَ ہے یا أَبُوْهُ ہے؟ أَبُوْهُ۔ قَائِمٌ میں تو کوئی هُوَ نہیں ہے، تو قَائِمٌ کا فاعل کون ہے؟ أَبُوْهُ۔ کون أَبُوْهُ؟ هَا ضمیر کس کو راجع؟ زید کو، أَبُو زَيْدٍ۔ معلوم ہوا قائم کون ہے؟ أَبُو زَيْدٍ ہے، زید خود قائم نہیں ہے۔ تو ترجمہ کیا ہوگا؟ زید کا باپ کھڑا ہے۔ دیکھو بامحاورہ کرنا ہے تو یوں کرو: زید کے والد کھڑے ہیں، زید کے ابو کھڑے ہیں۔ توجہ ہے؟ اور اگر آپ لفظی ترجمہ کرنا چاہتے ہیں، تو زید کو الگ کر دینا مبتدا کو: زید، کہ کھڑا ہے اس کا باپ۔ زید، کہ کھڑا ہے اس کا باپ، یا یہ کہ زید کے کھڑے ہیں اس کے ابو۔ طریقہ سمجھ میں آیا؟

تو یہ جو صفت کے صیغے کا فاعل آئے، پچھلے جملے میں قَائِمٌ کے اندر هُوَ ضمیر تھی، قَائِمٌ هُوَ ہے اور وہ هُوَ کون تھا؟ زید تھا۔ اب قَائِمٌ کون ہے؟ أَبُوْهُ ہے، زید نہیں۔ تو یاد رکھو یہ صفت کی دو قسمیں ہیں۔ یہ کیا ہیں؟ یہ جو خبر ہوتی ہے یہ بھی ایک لحاظ سے صفت ہوتی ہے۔ زَيْدٌ قَائِمٌ کیا ترجمہ؟ زید کھڑا ہے، معلوم ہوا قیام زید کی صفت ہے۔ توجہ ہے؟ تو یہ جو خبر ہوتی ہے یہ بھی ایک صفت ہوتی ہے ایک لحاظ سے۔ تو لہٰذا پہلی کو کہتے ہیں صفت بحالہ، اور یہ دوسری کو کہتے ہیں صفت بحال متعلقہ۔ توجہ ہے؟ دوسری کو کیا کہتے ہیں؟ دیکھو پہلا جملہ زَيْدٌ قَائِمٌ، یہ قَائِمٌ کس کی خبر؟ زید کی۔ دوسرا جملہ زَيْدٌ قَائِمٌ أَبُوْهُ، یہ قَائِمٌ کس کی خبر؟ خبر کس کی؟ زید کی، خبر تو یہاں بھی زید کی ہے۔ وہاں بھی زید تھا مبتدا اور قَائِمٌ اس کی خبر، یہاں بھی زید مبتدا اور قَائِمٌ أَبُوْهُ اس کی خبر۔ قَائِمٌ دونوں میں زید کی خبر بن رہا ہے۔ خبر تو زید کی ہے لیکن ایک جگہ وہ صفت بن رہا ہے زید کی، اور دوسری جگہ صفت بن رہا ہے زید کے متعلق یعنی اس کے والد کی۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو یہ صفت کی دو قسمیں ہیں، ایک کو صفت بحالہ کہتے ہیں، ایک کو صفت بحال متعلقہ کہتے ہیں۔ زَيْدٌ قَائِمٌ، قائم کون ہے؟ زید۔ تو قَائِمٌ لفظوں میں خبر کس کی؟ زید کی، اور معنی میں بھی صفت ہے یہ زید کی۔ توجہ ہے؟ زَيْدٌ قَائِمٌ، یہ قَائِمٌ خبر کس کی؟ زید کی، اور معنی کے اندر بھی یہ صفت کس کی ہے؟ زید ہی کی ہے، زید ہی قائم ہے۔ اور زَيْدٌ قَائِمٌ أَبُوْهُ، یہ قَائِمٌ خبر کس کی؟ زید کی۔ یہ قَائِمٌ لفظوں میں تو خبر ہے زید کی، لیکن معنی کے اعتبار سے یہ صفت ہے کس کی؟ زید کے ابو کی۔ بات سمجھ میں آرہی ہے؟ پہلا جو ہے جو لفظوں میں بھی زید کی صفت ہے زَيْدٌ قَائِمٌ، قَائِمٌ لفظوں میں بھی زید کے صفت اور معنی میں بھی زید کی صفت، اس کو کہتے ہیں صفت بحالہ، أَيْ بِحَالِ الْمَوْصُوْفِ، وہ صفت جو ہاں جو کیا کر رہی ہے؟ موصوف کی حالت بیان کر رہی ہے۔ صفت بحالہ أَيْ بِحَالِ الْمَوْصُوْفِ، صفت جو کس کی حالت بیان کر رہی ہے؟ موصوف کی۔ اور دوسری ہے صفت بحال متعلقہ، وہ صفت جو موصوف کے متعلق کی حالت بیان کر رہی ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ اچھی طرح؟ یہ جیسے خبر میں ہے، اسی طرح موصوف صفت میں بھی اس طرح ہوتا ہے۔ موصوف صفت میں بھی اسی طرح ہوتا ہے۔

ایک اور جملہ کیجیے: زَيْدٌ رَجُلٌ عَالِمٌ۔ زَيْدٌ رَجُلٌ عَالِمٌ۔ توجہ ہے؟ زید ہے معرفہ اور رجل بھی نکرہ اور عالم بھی نکرہ۔ اور دو نکرہ اکٹھے آجائیں تو وہ آپس میں کیا بنتے ہیں؟ موصوف صفت۔ تو رَجُلٌ بنے گا موصوف اور عَالِمٌ بنے گی اس کی صفت۔

اور یہ موصوف صفت مل کر پھر یہ خبر بنیں گے کس کے لیے؟ زید کے لیے۔ تو زَیْدٌ مرفوع لفظاً بتدا۔ آگے رَجُلٌ مرفوع لفظاً موصوف۔ مرفوع کیوں؟ کیونکہ یہ خبر ہے۔ لفظاً کیوں؟ اس کے رفع پر ہم تلفظ کر رہے ہیں۔ موصوف کیوں؟ کیونکہ اس کے بعد صفت آرہی ہے، تو مرفوع لفظاً موصوف۔ آگے عَالِمٌ مرفوع لفظاً صیغہ اسم فاعل۔ مرفوع کیوں؟ کیونکہ صفت ہے، موصوف صفت کا اعراب ایک ہوتا ہے، یہاں موصوف مرفوع ہے تو صفت بھی مرفوع ہوگی۔ اس کے اندر هُوَ ضمیر مرفوع محلاً اس کا فاعل۔ مرفوع کیوں؟ کیونکہ فاعل ہے وہ۔ اور محلاً کیوں؟ مبنی ہے، شاباش۔ آگے جو لوٹ رہی ہے؟ هُوَ ضمیر جو لوٹ رہی ہے کس کو؟ شاباش زید کو! عَالِمٌ مرفوع لفظاً صیغہ اسم فاعل، اسم فاعل اپنے فاعل سے مل کر شبہ جملہ ہو کر صفت کس کے لیے؟ رَجُلٌ کے لیے۔ ہاں بھئی رَجُلٌ کے لیے صفت بن سکتی ہے؟

نہیں۔

کیوں نہیں بن سکتی؟ ربط ہی نہیں دیا، کس سے؟ آپ نے تو هُوَ کو وہ زید کی طرف لوٹا دیا۔ توجہ ہے؟ آپ نے هُوَ جوڑنا تھا رَجُلٌ سے، آپ نے جوڑ دیا کس کے ساتھ؟ زید کے ساتھ۔ تو لہٰذا ربط نہیں آیا، تو معلوم ہوا غلطی ہوئی ہے، دیکھا یہ ضمیریں جوڑو گے تو آپ کی عبارت جڑتی چلی جائے گی بھئی۔ تو عَالِمٌ کے اندر هُوَ ضمیر زید کو نہ لوٹاؤ، کس کو لوٹاؤ؟ رَجُلٌ کو جس کے ساتھ آپ اس کو جوڑ رہے ہیں۔ اسم فاعل اپنے فاعل سے مل کر شبہ جملہ ہو کر صفت رَجُلٌ کے لیے۔ موصوف صفت مل کر خبر بتدا کے لیے۔ بتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔ روانی سے پڑھو: زَیْدٌ رَجُلٌ عَالِمٌ۔ جی ترجمہ کیجیے۔

زید ایک عالم شخص ہے۔

زید ایک عالم آدمی ہے، وہی عالم کو کیا کر دو؟ رَجُلٌ پر مقدم کر دو۔ رَجُلٌ عَالِمٌ ترجمہ کیا ہوگا؟ عالم آدمی۔ زید عالم آدمی ہے۔ زید عالم آدمی ہے۔ توجہ ہے؟ یا دوسرا ترجمہ کر لو ایسا کے ساتھ، نکرہ کا ترجمہ ایک ایسا کے ساتھ بھی کرتے ہیں: زید ایسا آدمی ہے جو عالم ہے۔ طریقہ سمجھ میں آیا؟ اب مجھے بتائیے یہ عَالِمٌ کس کی...

صفت لفظوں میں رَجُلٌ کی اور عالم ہے بھی کون؟ وہ رَجُلٌ ہی ہے یعنی زَیْدٌ۔ رَجُلٌ خبر کس کی ہے؟ زَیْدٌ کی۔ توجہ ہے؟

دوسری ترکیب لکھو بھائی: زَیْدٌ رَجُلٌ عَالِمٌ أَبُوْهُ۔

جی، ترکیب کیجیے۔ دیکھو زَیْدٌ مرفوع لفظاً بتدا، رَجُلٌ مرفوع لفظاً موصوف۔ مرفوع کیوں؟ کیونکہ خبر ہے۔ لفظاً کیوں؟ اس کے رفع پر ہم تلفظ کر رہے ہیں۔ موصوف کیوں؟ کیونکہ اس نکرہ کے بعد ایک اور نکرہ آرہا ہے، وہ اس کے لیے کیا بنے گا؟ صفت۔ اچھا، مرفوع لفظاً موصوف۔ آگے عَالِمٌ مرفوع لفظاً صیغہ اسم فاعل۔ مرفوع کیوں؟ کیونکہ یہ صفت ہے، اور موصوف صفت کا اعراب ایک ہوتا ہے، موصوف رَجُلٌ مرفوع تھا تو صفت عَالِمٌ بھی مرفوع۔ آگے أَبُوْهُ مرفوع لفظاً مضاف، یہ کیا ہے؟ فاعل بنے گا۔ تو مرفوع لفظاً مضاف۔ مرفوع کیوں؟ فاعل ہے عَالِمٌ کے لیے۔ لفظاً کیوں؟ اس کے رفع

پر ہم تلفظ کر رہے ہیں۔ رفع پہ تلفظ کر کے دکھاؤ: أَبُوْهُ، نصب پر أَبَاهُ، جر پر أَبِيْهِ، شاباش۔ جی، آگے ہا ضمیر مجرور محلاً مضاف الیہ۔ مجرور کیوں؟ مضاف الیہ ہے۔ محلاً کیوں؟ مبنی ہے۔ مضاف اپنے مضاف الیہ سے مل کر یہ فاعل ہوا کس کے لیے؟ عَالِمٌ کے لیے۔ عَالِمٌ صیغہ اسم فاعل اپنے فاعل سے مل کر شبہ جملہ ہو کر یہ صفت کس کے لیے؟ رَجُلٌ کے لیے۔ یہ صفت بن سکتی ہے؟ نہیں، کیا ضروری؟ ربط۔ یہ أَبُوْهُ کی ہا ضمیر کس کو لوٹ رہی ہے؟ رَجُلٌ کی طرف۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو یہ ربط آگیا۔ تو موصوف صفت مل کر یہ خبر ہوئی مبتدا کے لیے۔ مبتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔ اب اس کو ذرا روانی سے پڑھ دو: زَيْدٌ رَجُلٌ عَالِمٌ أَبُوْهُ۔ ترجمہ کیجیے: زید، ہاں ایسا، زید ایسا آدمی ہے کہ عالم ہے اس کا باپ۔ زَيْدٌ رَجُلٌ زید ایسا آدمی ہے، دیکھو رَجُلٌ اور عَالِمٌ موصوف صفت ہیں، نکرہ ہیں، اور نکرہ کے اندر موصوف صفت کا ترجمہ کرنے کے لیے موصوف سے پہلے کیا لے آتے ہیں؟ ایسا یا ایسی۔ زید ایسا آدمی ہے کہ عالم ہے أَبُوْهُ اس کا باپ۔

بات سمجھ میں آگئی؟ اب دیکھو بھائی، لفظوں پہ غور کرو۔ زَيْدٌ رَجُلٌ عَالِمٌ جو پہلا جملہ تھا، یہ عَالِمٌ صفت کس کی؟ رَجُلٌ کی۔ کس کی؟ رَجُلٌ کی۔ اور یہ رَجُلٌ سے کون مراد ہے؟ زیدنا، زید کی خبر ہے۔ یہ عَالِمٌ صفت لفظوں میں کس کی؟ رَجُلٌ کی۔ اور رَجُلٌ سے مراد کون؟ زید ہے۔ تو معلوم ہوا یہ عالم کون ہے؟ زید ہے۔ دوسرے میں آیا زَيْدٌ رَجُلٌ عَالِمٌ أَبُوْهُ۔ یہ عَالِمٌ لفظوں میں صفت کس کی؟ رَجُلٌ کی یعنی اس زید کی، اور یہ عالم زید ہے یا زید کے ابو ہیں؟ زید کے ابو ہیں۔ تو معلوم ہوا یہ صفت بِحَالِ مُتَعَلِّقِهٖ ہے۔ پہلی صفت رَجُلٌ عَالِمٌ، یہ عَالِمٌ کیا ہے؟ صفت بِحَالِهٖ۔ زَيْدٌ رَجُلٌ عَالِمٌ، یہ رَجُلٌ موصوف ہے عَالِمٌ صفت۔ تو رَجُلٌ عَالِمٌ اس میں یہ عَالِمٌ کیا ہے؟ صفت بِحَالِهٖ۔ اور رَجُلٌ عَالِمٌ أَبُوْهُ، یہ عَالِمٌ صفت ہے رَجُلٌ کی لیکن کون سی صفت ہے؟ صفت بِحَالِ مُتَعَلِّقِهٖ۔ لفظ زبان سے دہراؤ۔ پہلی صفت کیا ہے؟ صفت بِحَالِهٖ۔ دوسری کیا ہے؟ صفت بِحَالِ مُتَعَلِّقِهٖ۔ دیکھو زَيْدٌ رَجُلٌ عَالِمٌ۔ یہ عَالِمٌ لفظوں میں بھی صفت رَجُلٌ کی اور معنیٰ میں بھی صفت کس کی؟ رَجُلٌ کی۔ دوسری میں رَجُلٌ عَالِمٌ أَبُوْهُ۔ لفظوں میں عَالِمٌ صفت کس کی؟ رَجُلٌ کی، لیکن معنیٰ میں صفت کس کی؟ اس کے متعلق یعنی اس کے ابو کی۔ بات سمجھ میں آگئی؟

تو أَبُوْهُ کی ہا ضمیر کس کو لوٹائیں گے؟ رَجُلٌ کو، کیونکہ عَالِمٌ أَبُوْهُ کو ہم نے کس کی صفت بنانا ہے؟ عَالِمٌ أَبُوْهُ کو کس کی صفت بنانا ہے ہم نے؟ رَجُلٌ کی۔ تو لہٰذا یہ أَبُوْهُ کی ہا ضمیر بھی کس کو لوٹائیں گے؟ رَجُلٌ کو۔ صفت بِحَالِ مُتَعَلِّقِهٖ کا پتہ چل گیا؟ صفت بِحَالِهٖ کسے کہتے ہیں؟ جو ایسے معنیٰ پر دلالت کرے جو کس میں پایا جائے؟ موصوف میں۔ اور صفت بِحَالِ مُتَعَلِّقِهٖ وہ صفت ہے جو ایسے معنیٰ پر دلالت کرے جو موصوف میں نہ ہو بلکہ موصوف کے متعلق میں ہو۔ پھر دہراؤ، صفت بِحَالِهٖ کسے کہتے ہیں؟ جو ایسے معنیٰ پر دلالت کرے جو کس میں پایا جائے؟ رَجُلٌ عَالِمٌ یہ علم کس میں تھا؟ رَجُلٌ میں تھا۔ رَجُلٌ عَالِمٌ یہ علم کس میں تھا؟ رَجُلٌ میں تھا۔ اور رَجُلٌ عَالِمٌ أَبُوْهُ اب یہ علم کس میں ہے؟ أَبُوْهُ میں ہے نہ کہ رَجُلٌ میں۔ تو صفت بِحَالِهٖ کسے کہتے ہیں؟ جو ایسے معنیٰ پر دلالت کرے جو کس میں پایا جائے؟ موصوف میں۔ اور صفت بِحَالِ مُتَعَلِّقِهٖ جو ایسے معنیٰ پر

دلالت کرے جو موصوف میں نہ ہو بلکہ موصوف کے متعلق میں ہو۔ بات سمجھ میں آگئی؟ اور یہ موصوف صفت میں بھی ہو گا، اسی طرح خبر میں بھی ہو گا، اسی طرح حال وغیرہ میں بھی آئے گا بھائی۔ توجہ ہے؟ تو یہ ہر جگہ اس طرح استعمال ہو گا، اور ہر ایک کو صفت بِحَالِہٖ اور صفت بِحَالِ مُتَعَلِّقِہٖ کہیں گے بھائی۔ آسان لفظوں میں یوں کہو، صفت بِحَالِہٖ لفظوں میں جس کی صفت ہوتی ہے معنیٰ میں بھی اسی کی صفت ہوتی ہے۔ صفت بِحَالِہٖ لفظوں میں جس کی صفت ہوتی ہے معنیٰ میں بھی... رَجُلٌ عَالِمٌ، یہ عَالِمٌ لفظوں میں کس کی صفت؟ رَجُلٌ کی، اور معنیٰ میں بھی یہ علم کس کے اندر ہے؟ رَجُلٌ میں، تو لفظوں میں جس کی صفت ہے معنیٰ میں بھی اسی کی صفت۔ اور رَجُلٌ عَالِمٌ أَبُوْہُ، یہ عَالِمٌ لفظوں میں صفت کس کی؟ رَجُلٌ کی، لیکن معنیٰ میں صفت کس کی؟ أَبُو رَجُلٌ کی۔ بات سمجھ میں آگئی؟ توجہ ہے؟

تو صفت بِحَالِہٖ لفظوں میں صفت جس کی ہوتی ہے معنیٰ میں بھی اسی کی صفت، اور صفت بِحَالِ مُتَعَلِّقِہٖ لفظوں میں صفت ہوتی ہے ایک کی اور معنیٰ میں صفت ہوتی ہے دوسرے کی۔ بات اچھی طرح سمجھ میں آگئی؟

اب مجھے بتائیے ذرا اس جملے پر غور کریں، پہلا جملہ کیا لکھا تھا؟ زَیْدٌ قَائِمٌ۔ دوسرا جملہ کیا تھا؟ زَیْدٌ قَائِمٌ أَبُوْہُ، زید کہ اس کا باپ کھڑا ہے۔ میں کہنا چاہتا ہوں زید کہ اس کی امی کھڑی ہیں۔ کیسے کہوں گا؟ زَیْدٌ بس اسی جگہ أَبُوْہُ کی جگہ أُمُّہُ لے آؤ، جملہ کیسے بنے گا ذرا غور کر کے بنانا۔ زَیْدٌ قَائِمٌ أُمُّہُ؟ أُمُّ مذکر ہے یا مؤنث ہے؟ مؤنث، تو قَائِمَۃٌ لے کر آؤ۔ زَیْدٌ قَائِمَۃٌ أُمُّہُ۔ زید کہ اس کی امی کھڑی ہیں۔ اب آپ یہ نہ کہیں کہ زید تو کیا ہے مبتدا اور قَائِمَۃٌ اس کی خبر ہے، توجہ ہے؟ ذرا اس کی ترکیب پھر سن لو: زَیْدٌ قَائِمَۃٌ أُمُّہُ۔ زَیْدٌ مرفوع لفظاً مبتدا۔ قَائِمَۃٌ مرفوع لفظاً صیغہ اسم فاعل۔ آگے أُمُّہُ، أُمُّ مرفوع لفظاً مضاف۔ مرفوع کیوں؟ کیونکہ یہ فاعل ہے کس کے لیے؟ قَائِمَۃٌ کے لیے۔ تو مرفوع لفظاً مضاف۔ جی، آگے ہا ضمیر مجرور محلاً مضاف الیہ۔ مضاف اپنے مضاف الیہ سے مل کر یہ فاعل ہوا کس کے لیے؟ قَائِمَۃٌ کے لیے۔ اور قَائِمَۃٌ صیغہ اسم فاعل اپنے فاعل سے مل کر شبہ جملہ ہو کر خبر کس کے لیے؟ زَیْدٌ کے لیے۔ مبتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔ اب آپ کے ذہن میں اشکال آئے گا کہ زَیْدٌ تو ہے مذکر اور یہ قَائِمَۃٌ خبر کس کی ہے؟ زید کی۔ خبر کس کی ہے؟ زید کی۔ تو یہ تو مؤنث ہے خبر، یہ خبر تو کیا ہے؟ مؤنث۔ تو یاد رکھو یہ صفت بِحَالِ مُتَعَلِّقِہٖ ہے۔ اگر یہ صفت بِحَالِہٖ ہوتی تو اس کو بھی مذکر ہونا ضروری تھا۔ قائم زید ہے یا اس کی امی ہیں؟ اس کی امی ہیں۔ اگر زید قائم ہوتا پھر قَائِمٌ لانا پڑتا آپ کو، لیکن زید تو قائم ہی نہیں ہے۔ قائم تو کون ہے؟ اس کی امی، اور وہ تو مؤنث، لہٰذا اس کے لیے صیغہ بھی کون سا لائیں گے؟ جیسے ضَرَبَ زَیْدٌ ہے، توجہ ہے؟ ضَرَبَ زَیْدٌ۔ زید مذکر ہے تو ضَرَبَ بھی میں کیا لایا؟ مذکر۔ اگر میں ہِنْدٌ لے آؤں، یہ مؤنث کا نام ہے، ہِنْدٌ لے آؤں تو پھر کیا کہوں گا؟ کیسے کہوں گا؟ ضَرَبَ زَیْدٌ، زید کی جگہ میں کیا لے آتا ہوں؟ ہِنْدٌ۔ کیسے بولوں گا جملہ؟ ضَرَبَ ہِنْدٌ یا ضَرَبَتْ ہِنْدٌ؟ ضَرَبَتْ ہِنْدٌ۔ دیکھو فعل مؤنث، جب فاعل مؤنث ہو تو فعل کو کیا لاتے ہیں؟ مؤنث۔ تو یہاں پر بھی قَائِمَۃٌ أُمُّہُ، یہ أُمُّہُ یہ فاعل مؤنث ہے اس لیے قَائِمٌ نہیں لائیں گے بلکہ کیا لائیں گے؟ قَائِمَۃٌ۔ اور آپ پر کوئی اشکال کرے کہ یہ تو مبتدا خبر میں مطابقت نہیں، زید ہے مذکر

اور قَائِمَةٌ جو اس کی خبر ہے وہ ہے مؤنث، تو آپ جواب میں مختصراً کہہ دیجیے کہ یہ صفت بِحَالِ مُتَعَلِّقِهٖ ہے۔ یہ صفت بِحَالِ مُتَعَلِّقِهٖ ہے۔ طریقہ سمجھ میں آیا؟ تو یہ صفت بِحَالِ مُتَعَلِّقِهٖ ہے۔

یہاں چلو قیمتی بات آگئی، اب وہ بھی ذکر کر دیتا ہوں۔ مبتدا خبر میں مطابقت کے لیے کتنی شرطیں ہیں؟ یہ لکھ لو بھائی، جلدی لکھ لو، یہ آپ کو کام آئے گا بھائی۔

مبتدا خبر میں مطابقت کے لیے چار شرطیں ہیں۔

نمبر ایک: خبر صفت کا صیغہ ہو۔ لہٰذا اَلْكَلِمَةُ لَفْظٌ کا اعتراض ختم ہوا۔

لکھ لیا؟ بھائی دیکھو ذرا غور کرو، کافیہ میں آپ نے پڑھا ہے اَلْكَلِمَةُ لَفْظٌ۔ اَلْكَلِمَةُ ہے مبتدا اور لَفْظٌ اس کی خبر۔ تو آپ پر کوئی اشکال کرتا ہے کہ اَلْكَلِمَةُ تو مؤنث ہے گول تا جڑی ہوئی ہے، اور لَفْظٌ کے ساتھ تو کوئی گول تا نہیں جڑی ہوئی، تو یہ مبتدا ہے مؤنث اور خبر ہے مذکر، تو آپ کیا کہیں گے کہ یہاں مبتدا خبر میں مطابقت کے لیے شرطیں ہیں وہ شرط پوری نہیں۔ پہلی شرط کیا؟ کہ خبر کیا ہو؟ صفت کا صیغہ ہو، اور لَفْظٌ، اَلْكَلِمَةُ لَفْظٌ تو یہ لفظ یہ تو مصدر ہے، یہ تو صفت کا صیغہ ہی نہیں ہے۔

دوسری شرط: اس صفت میں کوئی ضمیر ہو جو مبتدا کی طرف لوٹے۔ لہٰذا زَيْدٌ قَائِمَةٌ أُمُّهُ کا اعتراض ختم ہوا۔

لکھ لیا؟ دیکھو زَيْدٌ ہے مبتدا، قَائِمَةٌ ہے اس کی خبر۔ اب کوئی آپ پر اعتراض کرے کہ یہ تو مبتدا خبر میں مطابقت نہیں، تو آپ کہیں گے کہ یہاں دوسری شرط پوری نہیں۔ پہلی شرط کیا ہے؟ کہ خبر صفت کا صیغہ ہو۔ قَائِمَةٌ بھی صفت کا صیغہ ہے، یہ شرط تو پوری، لیکن دوسری شرط کیا؟ کہ اس کے اندر کوئی ضمیر ہو جو کس کی طرف لوٹے؟ مبتدا کی طرف۔ اور قَائِمَةٌ میں کوئی ضمیر ہے؟ جی بولو، قَائِمَةٌ میں کوئی ضمیر ہے؟ نہیں، کیونکہ اس کا فاعل تو أُمُّهُ اسم ظاہر آرہا ہے اور فاعل ایک ہی آتا ہے دو یا تین نہیں، لہٰذا یہ اعتراض بھی ختم ہوا۔ بات سمجھ میں آگئی؟

تیسری شرط: وہ صفت مؤنث کے ساتھ خاص نہ ہو۔ لہٰذا اَلْمِرْأَةُ طَالِقٌ، ط ظ ہے بھائی، طَالِقٌ طلاق والی، اَلْمِرْأَةُ طَالِقٌ کا اعتراض ختم ہوا۔

لکھ لیا؟ دیکھو یہاں آپ پر کوئی اعتراض کرتا ہے اَلْمِرْأَةُ تو مبتدا ہے مؤنث ہے، اور طَالِقٌ جو ہے وہ مذکر ہے، تو آپ کہیں گے یہاں تیسری شرط پوری نہیں ہے۔ یا مختصراً کہو یہاں مبتدا خبر میں مطابقت کی شرائط پوری نہیں ہیں۔ پہلی شرط تو پوری ہے یہ صیغہ صفت کا ہے طَالِقٌ کیا ہے؟ طلاق والی، طَالِقٌ ط ہے اور آخر میں ق دو نقطوں والا ہے۔ تو یہ طَالِقٌ صفت کا صیغہ ہے۔ دوسری شرط بھی پوری کہ اس کے اندر کوئی ضمیر ہونی چاہیے جو کس کی طرف لوٹے؟ مبتدا کی طرف، اس میں بھی ضمیر ہے جو کس کی طرف لوٹ رہی ہے؟ مبتدا کی طرف۔ لیکن تیسری شرط پوری نہیں، وہ شرط کیا تھی؟ کہ یہ صفت خاص نہ ہو مؤنث کے ساتھ۔ اور طلاق والی وہ صرف عورت ہوتی ہے مرد نہیں۔ صرف عورت ہوتی ہے۔ اور یہ جو تا لائی جاتی ہے صفت کے آخر میں، یہ تو مذکر مؤنث میں فرق کرنے کے لیے لائی جاتی ہے۔ قَائِمٌ زید بھی ہو سکتا ہے اور قَائِمَةٌ

زینب بھی ہو سکتی ہے، تو زید کے لیے کیا کہیں گے؟ زَيْدٌ قَائِمٌ، اور زینب کے لیے کیا کہیں گے؟ زَيْنَبُ قَائِمَةٌ۔ تو یہ ایسی صفت ہے قَائِمٌ جو مذکر میں بھی ہے اور مؤنث میں بھی ہے، قیام مذکر کی بھی صفت بنتی ہے اور مؤنث کی بھی، تو وہاں پھر مذکر کے لیے بغیر تا کے لائیں گے اور مؤنث کے لیے تا کے ساتھ لائیں گے۔ تو یہ تا مذکر مؤنث میں فرق کرنے کے لیے لاتے ہیں، لیکن یہاں تو طلاق طَالِقٌ صفت آئی اَلْاِمْرَأَةُ طَالِقٌ، اور طلاق یہ تو صرف کس کی صفت ہوتی ہے؟ عورت کی۔ لہٰذا یہاں تا کے ذریعے فرق کی ضرورت ہی نہیں ہے، کیونکہ مرد کی صفت بنتی ہی نہیں ہے۔ تو ترکیب کیسے ہو گی؟ اَلْاِمْرَأَةُ مرفوع لفظاً مبتدا، طَالِقٌ مرفوع لفظاً صیغہ اسم فاعل، اس کے اندر ہاں هُوَ نہیں هِيَ ضمیر، کیا؟ هِيَ ضمیر۔ آپ کہیں گے بھئی یہ صیغہ مذکر، بھئی مذکر کا نہیں میں نے تفصیل تو بیان کر دی، تا کیوں نہیں لائے؟ کیونکہ یہ مؤنث کی صفت ہی ہے، مذکر کی بنتی ہی نہیں ہے، اور وہ تا کے ذریعے تو فرق کرتے ہیں بَيْنَ الْمُذَكَّرِ وَالْمُؤَنَّثِ۔ لہٰذا یہ صفت مؤنث کی ہے تو تا، مؤنث کی ضمیر اس میں نکالیں گے۔ تو طَالِقٌ مرفوع لفظاً صیغہ اسم فاعل اس کے اندر هِيَ ضمیر مرفوع محلاً اس کا فاعل جو کس کی طرف راجع؟ مبتدا کی طرف۔ طریقہ سمجھ میں آگیا؟ اسی طرح ہے، اسی طرح ہے اَلْاِمْرَأَةُ حَامِلٌ حاملہ عورت۔ حاملہ بھی صرف کون ہوتی ہے؟ عورت، لہٰذا یہاں بھی تا کے ذریعے فرق کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ حَامِلٌ اور ضمیر کون سی ہو گی؟ هِيَ۔ ہاں، حَامِلٌ کا معنیٰ عربی میں وزن اٹھانے کے بھی ہیں، سامان وغیرہ بوجھ اٹھاتا ہے آدمی ایک جگہ سے دوسری جگہ لے کر جاتا ہے، تو اگر حَامِلٌ کا معنیٰ وزن اٹھانے کے ہو پھر تو یہ صفت مرد کی بھی بنتی ہے، مرد بھی سامان اٹھا کر لے جاتا ہے، پھر یہ صفت عورت کی بھی بنتی ہے وہ بھی سامان اٹھا کر لے جاتی ہے، تو پھر فرق کے لیے تا لائیں گے۔ اگر سامان اٹھانا بوجھ اٹھانا ہو تو پھر حَامِلٌ اور حَامِلَةٌ یہ فرق کریں گے۔ اور اگر حاملہ، حَامِلٌ سے حاملہ ہونا ہے یعنی پیٹ میں حمل کا ہونا ہے، تو پھر اس صورت میں یہ تو صرف عورت کی صفت ہے تو لہٰذا حَامِلٌ کہنا ہی کافی ہے تا لانے کی ضرورت نہیں، کیونکہ یہ خاص ہے کس کے ساتھ؟ عورت کے ساتھ، مرد میں یہ صفت ہوتی ہی نہیں کہ تا کو لا کر آپ فرق کرنے کی کوشش کریں۔ بات سمجھ میں آگئی؟ اسی طرح اَلْاِمْرَأَةُ مُرْضِعٌ دودھ پلانے والی، اَلْاِمْرَأَةُ مُرْضِعٌ، دودھ پلانا یہ بھی صرف کس کی صفت ہے؟ عورت کی، لہٰذا مُرْضِعَةٌ تا لانے کی ضرورت نہیں۔

چوتھی شرط: خبر کوئی ایسا صفت کا صیغہ نہ ہو جو مشترک ہو بَيْنَ الْمُذَكَّرِ وَالْمُؤَنَّثِ۔ اور وہ چار صیغے ہیں۔

نمبر ایک: وہ فَعِيْلٌ (فا عین یا لام) جو بمعنیٰ مفعول کے ہو، جیسے جَرِيْحٌ (جیم را یا اور حا ہے بھائی حا، جریح زخمی کو کہتے ہیں) بمعنیٰ مَجْرُوْحٌ۔ عربی میں کہتے ہیں، لکھو بھائی لکھ لو یہ: جیسے اَلْاِمْرَأَةُ جَرِيْحٌ، اَلرَّجُلُ جَرِيْحٌ۔ توجہ ہے؟ یہ جَرِيْحٌ بمعنیٰ مَجْرُوْحٌ کے ہے، اور وہ فَعِيْلٌ جو بمعنیٰ مفعول کے ہو وہ مذکر مؤنث دونوں کے لیے یکساں رہتا ہے۔ مرد زخمی ہو تب بھی کہتے ہیں اَلرَّجُلُ جَرِيْحٌ، عورت زخمی ہو تب بھی کہتے ہیں اَلْاِمْرَأَةُ جَرِيْحٌ۔ تو یہ صیغہ مشترک ہے بَيْنَ الْمُذَكَّرِ وَالْمُؤَنَّثِ۔ تو دیکھو اس میں تین شرطیں پوری ہیں، چوتھی شرط پوری نہیں۔ پہلی شرط کیا؟ صیغہ صفت کا ہو، جَرِيْحٌ بھی صیغہ کون سا ہے؟ صفت

کا۔ دوسری شرط کہ اس میں ضمیر ہو جو مبتدا کو لوٹے، اَلْاِمْرَأَۃُ جَرِیْحٌ اس میں بھی ضمیر ہے جَرِیْحٌ کے اندر جو کس کو لوٹ رہی ہے؟ مبتدا کی طرف۔ اور تیسری شرط کیا تھی؟ کہ وہ صفت خاص نہ ہو مؤنث کے ساتھ، جَرِیْحٌ یہ بھی عورت کے ساتھ خاص نہیں ہے، زخمی مرد بھی ہو سکتا ہے اور زخمی عورت بھی ہو سکتی ہے۔ لیکن چوتھی شرط پوری نہیں، چوتھی شرط کیا تھی؟ کہ وہ صیغہ مذکر اور مؤنث میں مشترک نہ ہو، اور جَرِیْحٌ تو مشترک ہے، اس کے آخر میں کوئی تا وغیرہ نہیں بڑھاتے۔ مذکر کے لیے بھی یہ جَرِیْحٌ رہتا ہے، مؤنث کے لیے بھی جَرِیْحٌ رہتا ہے۔ مذکر سے جوڑو تو اس کے اندر ھُوَ ضمیر نکالو، مؤنث سے جوڑو تو اس کے اندر ھِیَ ضمیر نکالو۔ طریقہ سمجھ میں آیا؟ چوتھی شرط چل رہی ہے۔ چوتھی شرط کیا تھی کہ وہ صیغہ کہ وہ صفت کا صیغہ مذکر اور مؤنث کے درمیان مشترک نہ ہو، اور وہ چار صیغے ہیں۔ نمبر ایک کیا؟ وہ فَعِیْلٌ جو بمعنیٰ مفعول کے ہو۔

نمبر دو: وہ فَعُوْلٌ (فا عین واو لام) جو بمعنیٰ فاعل کے ہو، جیسے صَبُوْرٌ (صاد کے ساتھ ہے، صاد با واو را) بمعنیٰ صَابِرٌ۔ بات سمجھ میں آگئی؟ یہ صیغہ بھی مذکر اور مؤنث میں یکساں رہتا ہے۔ صَبُوْرٌ کا معنیٰ صبر کرنے والا، صَبُوْرٌ کا معنیٰ صبر کرنے والا۔ اَلرَّجُلُ صَبُوْرٌ، اَلْاِمْرَأَۃُ صَبُوْرٌ، دونوں کے لیے یہ یکساں رہتا ہے۔

نمبر تین: مبالغے کے صیغے۔ مبالغے کے صیغے بھی مرد و عورت کے لیے یکساں رہتے ہیں۔ جیسے اَلرَّجُلُ ضَرَّابٌ (ضاد ہے، را مشدد ہے، الف اور با، ضرب سے، اَلرَّجُلُ ضَرَّابٌ یعنی بہت زیادہ پٹائی کرنے والا مرد۔ ضَرَّابٌ، ضاد را مشدد ہے، الف ہے اور با ہے) اسی طرح اَلْاِمْرَأَۃُ ضَرَّابٌ۔ لکھ لیا؟ دیکھا یہ مبالغے کے صیغے بھی مرد و عورت کے لیے یکساں رہتے ہیں، وہی ضَرَّابٌ مذکر کے لیے بھی ہے اور وہی ضَرَّابٌ مؤنث کے لیے بھی ہے۔

نمبر چار: وہ اسم تفضیل جو مِنْ کے ساتھ استعمال ہو۔ لہٰذا اَلصَّلَاۃُ خَیْرٌ مِّنَ النَّوْمِ کا اعتراض ختم ہوا۔ توجہ ہے؟ دیکھو اَلصَّلَاۃُ مبتدا ہے اس کے آخر میں گول تا ہے، اور آگے خَیْرٌ اس کی خبر آرہی ہے اور اس کے ساتھ گول تا نہیں، تو اشکال ہوتا ہے مبتدا خبر میں مطابقت نہیں، تو آپ کیا کہیں گے کہ یہاں چوتھی شرط پوری نہیں۔ خَیْرٌ صفت کا صیغہ ہے، خَیْرٌ یاد رکھو اسم تفضیل ہے، اصل میں تھا أَخْیَرُ أَضْرَبُ، توجہ ہے؟ پھر چونکہ یہ کثیر الاستعمال ہے اور کثرتِ استعمال خفت کا تقاضا کرتی ہے کہ لفظ ہلکا سا ہونا چاہیے، تو اس کو خَیْرٌ بنا دیا۔ تو مجھے بتائیے أَخْیَرُ اس کا پڑھنا آسان یا خَیْرٌ کا پڑھنا آسان؟ خَیْرٌ، دیکھا تو ہلکا کر دیا اس کو۔ اسی طرح شَرٌّ، شَرٌّ یہ بھی اسم تفضیل ہے، پہلے کیا تھا؟ أَشْرَرُ، أَشْرَرُ۔ پھر را کا را میں ادغام کیا أَشَرُّ ہوا، پھر الف کو ختم کیا تو کیا بن گیا؟ شَرٌّ ہوا۔ تو یہ دونوں اسم تفضیل ہیں۔ تو یہ اسم تفضیل ہے اور اسم تفضیل کے استعمال کے تین طریقے آپ نے پڑھے ہیں، ایک الف لام کے ساتھ، ایک اضافت کے ساتھ اور ایک مِنْ، مِنْ اصل طریقہ ہے۔ تو مِنْ کے ساتھ جب اسم تفضیل آئے تو پھر یاد رکھو وہ مذکر مؤنث کے لیے یکساں رہتا ہے، بلکہ مفرد تثنیہ جمع سب کے لیے یکساں رہتا ہے۔ مثلاً میں کہتا ہوں زَیْدٌ خَیْرٌ مِّنْ ھٰذَا الرَّجُلِ، یا میں کہتا ہوں زَیْنَبُ خَیْرٌ مِّنْ ھٰذَا الرَّجُلِ۔ زَیْنَبُ مؤنث ہے لیکن خَیْرٌ اسم تفضیل کس کے ساتھ آرہا ہے؟ مِنْ کے ساتھ، تو یہ یکساں رہے گا۔ توجہ ہے؟ زَیْدٌ خَیْرٌ مِّنْ ھٰذَا الرَّجُلِ، تو خَیْرٌ

اسم تفضیل، اسم تفضیل کے لیے بھی کیا چاہیے؟ فاعل چاہیے۔ کیا چاہیے؟ فاعل چاہیے۔ تو خَیْرٌ اسم تفضیل، اس کے اندر ھُوَ ضمیر مرفوع محلاً اس کا فاعل جو کس کو لوٹ رہی ہے؟ زَیْدٌ کو، یہ ربط آگیا۔ توجہ ہے؟ اور مِنْ ھٰذَا الرَّجُلِ، مِنْ جارہ، ھٰذَا مجرور محلاً موصوف۔ مجرور کیوں؟ کیونکہ مِنْ جارہ داخل ہے۔ محلاً کیوں؟ کیونکہ مبنی ہے اسم اشارہ ہے۔ اور موصوف آپ کو کیسے پتہ چلا؟ کیونکہ اسم اشارہ معرفہ ہے اور اس کے بعد اَلرَّجُلِ معرفہ آگیا تو یہ موصوف صفت بنیں گے۔ تو موصوف، آگے اَلرَّجُلِ مجرور لفظاً صفت۔ مجرور کیوں؟ کیونکہ صفت ہے اور صفت پر وہی اعراب آتا ہے جو کس پر آئے؟ موصوف پر۔ تو مجرور لفظاً۔ موصوف صفت مل کر مجرور مِنْ کے لیے۔ ھٰذَا الرَّجُلِ موصوف صفت مل کر مجرور مِنْ کے لیے۔ جار مجرور مل کر متعلق خَیْرٌ اسم تفضیل کے ساتھ، یہ مِنْ کس کے ساتھ استعمال ہوتا ہے؟ اسم تفضیل، تو یہ متعلق ہوا خَیْرٌ کے ساتھ۔ اسم تفضیل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر شبہ جملہ ہو کر خبر، بتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔ تو زَیْدٌ تھا بتدا اور خَیْرٌ مِّنْ ھٰذَا الرَّجُلِ کیا ہوئی اس کی خبر، بتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔ بات سمجھ میں آگئی؟ اس طرح ترکیب ہوتی ہے اسم تفضیل کی۔

تو اَلصَّلَاۃُ خَیْرٌ مِّنَ النَّوْمِ کا اعتراض ختم ہوا۔ اَلصَّلَاۃُ بتدا ہے مؤنث ہے اور خَیْرٌ مِّنَ النَّوْمِ یہ اسم تفضیل ہے لیکن یہ کس کے ساتھ آیا؟ مِنْ۔ اور جب اسم تفضیل مِنْ کے ساتھ آئے تو وہ مذکر مؤنث واحد تثنیہ جمع سب کے لیے اسی طرح رہتا ہے، اس میں کوئی تبدیلی نہیں آتی۔ تو لہٰذا یہ اس پر بھی اب اعتراض نہیں ہو سکتا کہ مطابقت نہیں ہے، کیونکہ یہ وہ صیغہ ہے جو مشترک ہے بَیْنَ الْمُذَکَّرِ وَالْمُؤَنَّثِ کیونکہ یہ مِنْ کے ساتھ ہے۔ توجہ ہے؟ تو اَلصَّلَاۃُ خَیْرٌ مِّنَ النَّوْمِ، اَلصَّلَاۃُ ہے بتدا، خَیْرٌ میں کون سی ضمیر نکالیں گے؟ ھِیَ نکالیں گے، کیا نکالیں گے؟ ھِیَ ضمیر نکالیں گے۔ توجہ ہے؟ اسی طرح مثلاً زَیْدٌ خَیْرٌ مِّنْ ھٰذَا الرَّجُلِ، خَیْرٌ میں کیا ضمیر نکالیں گے؟ ھُوَ۔ زَیْدٌ کو لوٹانی ہے نا، تو کیا نکالیں گے؟ ھُوَ۔ اور یہ اسم تفضیل مِنْ کے ساتھ آرہا ہے، یہ مذکر کے لیے بھی اسی طرح استعمال ہوتا ہے اور مؤنث کے لیے بھی۔ زَیْنَبُ خَیْرٌ مِّنْ ھٰذَا الرَّجُلِ، اب خَیْرٌ میں کون سی ضمیر ہے؟ ھِیَ ہے۔ اچھا تثنیہ جمع کے لیے بھی یہ اسی طرح رہے گا، اَلزَّیْدَانِ خَیْرٌ مِّنْ ھٰذَا الرَّجُلِ، وہ دو زید اس آدمی سے بہتر ہیں، اب خَیْرٌ میں کون سی ضمیر ہے؟ ھُمَا۔ توجہ ہے؟ اَلزَّیْدُوْنَ خَیْرٌ مِّنْ ھٰذَا الرَّجُلِ، اب جمع کے لیے میں لایا تو بھی اسی طرح خَیْرٌ رہے گا، اب اس کے اندر کون سی ضمیر ہے؟ ھُمْ ضمیر ہے۔ طریقہ سمجھ میں آیا؟ اسم تفضیل جو مستعمل ہو کس کے ساتھ؟ مِنْ کے ساتھ، وہ مذکر مؤنث واحد تثنیہ جمع سب کے لیے اسی طرح رہتا ہے، ہاں اس کے مطابق آپ اس میں ضمیر نکالتے جائیں گے، جس کے ساتھ آپ جوڑ رہے ہیں اسی کے مطابق۔ یہاں ہم خَیْرٌ کو کس سے جوڑ رہے ہیں؟ بتدا سے۔ بتدا اگر مذکر ہو تو مذکر کی ضمیر نکالو، مؤنث ہو تو... بتدا مؤنث ہو تو مؤنث کی ضمیر نکالو، مفرد ہو تو مفرد کی ضمیر نکالو، تثنیہ ہو تو تثنیہ کی ضمیر نکالو، جمع ہو تو جمع کی ضمیر نکالو۔ طریقہ سمجھ میں آگیا؟

جی، تو بتدا خبر میں مطابقت کی کتنی شرائط ہیں؟ چار شرائط ہیں۔ پہلی شرط کیا؟ کہ وہ خبر صفت کا صیغہ ہو۔ دوسری شرط

کیا؟ اس صفت میں کوئی ضمیر ہو جو کس کی طرف لوٹے؟ بتدا کی طرف۔ تیسری شرط کیا؟ کہ وہ صفت مؤنث کے ساتھ خاص نہ ہو، جیسے اَلْاِمْرَأَۃُ طَالِقٌ وغیرہ۔ اور نمبر چار: خبر کوئی ایسا صفت کا صیغہ نہ ہو جو مشترک ہو بَیْنَ الْمُذَکَّرِ وَالْمُؤَنَّثِ۔ اور وہ صیغے کتنے ہیں جو مشترک ہیں؟ چار ہیں۔ نمبر ایک: فَعِیْلٌ بمعنیٰ مفعول۔ نمبر دو: فَعُوْلٌ بمعنیٰ فاعل۔ نمبر تین: مبالغے کے صیغے۔ نمبر چار: اسم تفضیل جو استعمال ہو مِنْ کے ساتھ۔ طریقہ سمجھ میں آگیا؟

اب ایک اور قیمتی بات کر لیجیے بھائی۔ ترکیب کیجیے: زَیْدٌ قَائِمٌ۔ لکھو اپنے سامنے لکھو زَیْدٌ قَائِمٌ۔ قیمتی ضابطہ بیان کر رہا ہوں توجہ سے سمجھنا بھائی۔ زَیْدٌ مرفوع لفظاً بتدا، قَائِمٌ مرفوع لفظاً صیغہ اسم فاعل، اس کے اندر ھُوَ ضمیر مرفوع محلاً اس کا فاعل جو کس کو راجع؟ زَیْدٌ کو۔ اسم فاعل اپنے فاعل سے مل کر شبہ جملہ ہو کر خبر، بتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔

اگلا جملہ لکھیے: ھُوَ قَائِمٌ۔ جلدی جلدی کیجیے۔ جی ترکیب کیجیے: ھُوَ مرفوع محلاً بتدا۔ مرفوع کیوں؟ بتدا ہے۔ محلاً کیوں؟ ضمیر ہے۔ مرفوع محلاً بتدا۔ قَائِمٌ مرفوع لفظاً صیغہ اسم فاعل، اس کے اندر ھُوَ ضمیر مرفوع محلاً اس کا فاعل جو کس کو لوٹ رہی ہے؟ ہاں یوں نہ کہو ھُوَ ضمیر لوٹ رہی ہے ھُوَ ضمیر کو، یہ تعبیر اچھی نہیں ہے، بات آپ کی ٹھیک ہے، بات ٹھیک ہے، یوں کہو ھُوَ ضمیر لوٹ رہی ہے بتدا کو۔ کس کو؟ بتدا کو۔ اور پھر ضمیر اور مرجع میں مطابقت بھی ہے کہ نہیں؟ وہ بھی مفرد مذکر یہ بھی مفرد... وہ بھی ھُوَ یہ بھی ھُوَ، تو دونوں میں مطابقت بھی ہے یہ اس کو لوٹ سکتی ہے۔

تیسری ترکیب لکھیے بھائی: أَنَا قَائِمٌ۔ جی لکھ لیا أَنَا قَائِمٌ؟ ترکیب کیجیے: أَنَا مرفوع محلاً بتدا۔ مرفوع کیوں؟ بتدا ہے۔ محلاً کیوں؟ بنی ہے ضمیر ہے۔ قَائِمٌ مرفوع لفظاً صیغہ اسم فاعل۔ مرفوع کیوں؟ کیونکہ خبر ہے۔ لفظاً کیوں؟ اس کے رفع پر ہم تلفظ کر رہے ہیں۔ تو قَائِمٌ مرفوع لفظاً صیغہ اسم فاعل، اس کے اندر، اس کے اندر أَنَا ضمیر نکالیں گے ھُوَ نہیں۔ یاد رکھنا، یاد رکھنا قیمتی ضابطہ: صفت کے صیغے کو جب آپ متکلم کی ضمیر سے جوڑیں تو اس میں وہی ضمیر نکالیں۔ صفت کے صیغے کو جب متکلم کی ضمیر سے جوڑیں تو اس میں وہی ضمیر نکالیں۔ أَنَا سے جوڑ رہے ہیں تو اس میں بھی کون سی ضمیر نکال لیں گے؟ یعنی متکلم کی أَنَا ضمیر نکالیں گے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ اور مخاطب کے صیغے سے جوڑیں تو اس میں مخاطب ہی کی ضمیر نکالیں گے۔ أَنَا قَائِمٌ، أَنَا کیا ہے بتدا، قَائِمٌ مرفوع لفظاً صیغہ اسم فاعل، اس کے اندر ھُوَ ضمیر نہیں نکالیں گے بلکہ کیا نکالیں گے؟ ہاں، اس کے اندر ھُوَ ضمیر نہیں نکالیں گے بلکہ أَنَا نکالیں گے۔ تو اس کے اندر أَنَا ضمیر مرفوع محلاً اس کا فاعل۔ تو قَائِمٌ کے اندر أَنَا ضمیر نکالیں گے اور وہ فاعل ہے تو وہ مرفوع محلاً ہے۔ توجہ ہے؟ اب مجھے آپ بتائیے قَائِمٌ مرفوع لفظاً صیغہ اسم فاعل اس کے اندر أَنَا ضمیر مرفوع محلاً اس کا فاعل، یہ أَنَا ضمیر کس کو لوٹ رہی ہے؟ پھر وہی بات۔ میں آپ فوراً کہیں کہ مرجع صرف غائب کی ضمیر کا ہوتا ہے، مخاطب اور متکلم کی ضمیر کا مرجع نہیں ہوتا۔ اس سے متکلم مراد ہے، متکلم بات کرنے والا ہے اور مخاطب جو اس کے سامنے ہے۔ توجہ ہے؟ تو آپ نے مرجع نہیں تلاش کرنا۔ تو اب آپ کے ذہن میں

اشکال آئے گا کہ یہاں تو متکلم کی ضمیر آگئی، ربط تو ہم کس سے دیتے تھے غائب کی ضمیر کے ذریعے غائب کی ضمیر لوٹتی تھی مرجع کی طرف، توجہ ہے؟ تو یہ یہاں تو ربط نہیں آیا۔ جواب یہ کہ یہ ربط کی دوسری قسم ہے جو آج آپ نے پڑھ لی۔ ربط کی پہلی قسم وہ تھی کہ کوئی غائب کی ضمیر ہو جو کس کی طرف لوٹے؟ جس چیز سے جوڑ رہے ہیں اس کی طرف لوٹے۔ خبر کو کس سے جوڑتے تھے؟ مبتدا سے، تو کوئی غائب کی ضمیر جو کس کو لوٹے؟ مبتدا کو۔ صفت کو کس سے جوڑتے ہیں؟ موصوف سے، تو کوئی غائب کی ضمیر چاہیے جو کس کو لوٹے؟ موصوف کو وغیرہ بھائی۔ لیکن یہ ربط کی دوسری قسم آگئی۔ ربط کی دوسری قسم یہ ہے جس چیز کے ساتھ آپ صفت کے صیغے کو جوڑ رہے ہیں وہی اس کے اندر بھی آجائے، یا یوں کہیں جس چیز کے ساتھ آپ جملہ یا شبہ جملہ کو جوڑ رہے ہیں وہ خود ہی اس جملے کے اندر یا شبہ جملہ کے اندر آجائے۔ قَائِمٌ کو میں کس سے جوڑ رہا ہوں؟ أَنَا سے، اور قَائِمٌ میں بھی کیا آگئی؟ أَنَا آگئی، تو ربط آگیا۔ اب یہ نہ کہنا کہ یہ أَنَا اس أَنَا کو لوٹ رہی ہے، نہیں، مرجع صرف کس کا ہوتا ہے؟ غائب۔ یہ ربط کی دوسری قسم ہے، اس میں کیا ہوتا ہے؟ توجہ ہے؟ یہ ربط کی دوسری قسم آگئی۔ میں قَائِمٌ کو کس سے جوڑنا چاہتا ہوں؟ أَنَا کے ساتھ۔ میں أَنَا قَائِمٌ، میں قَائِمٌ کو کس سے جوڑنا چاہتا ہوں؟ أَنَا کے ساتھ، تو قَائِمٌ کے اندر وہی لفظ آگیا جس سے آپ جوڑنا چاہتے تھے تو ربط آگیا۔ توجہ ہے؟ یا جیسے أَنْتَ قَائِمٌ، أَنْتَ قَائِمٌ۔ أَنْتَ مرفوع محلاً بتدا، قَائِمٌ مرفوع لفظاً صیغہ اسم فاعل، اس کے اندر أَنْتَ ضمیر۔ میں نے بتایا، صفت کے صیغے کو متکلم کی ضمیر سے جوڑو تو اس کے اندر بھی کون سی ضمیر ہوگی؟ متکلم کی۔ صفت کے صیغے کو مخاطب کی ضمیر سے جوڑو تو اس کے اندر بھی کون سی ضمیر ہوگی؟ مخاطب کی۔ تو أَنْتَ قَائِمٌ یہ قَائِمٌ کو کس سے جوڑ رہے ہو؟ أَنْتَ سے، مخاطب کی ضمیر ہے، تو قَائِمٌ کے اندر بھی کون سی ضمیر نکال لو؟ أَنْتَ نکال لو۔ اور کس سے جوڑ رہے ہو؟ أَنْتَ سے، وہ خود ہی اس کے اندر آگیا تو ربط آگیا۔ تو یہ نہ کہنا یہ أَنْتَ لوٹ رہی ہے اس أَنْتَ کی طرف، نہیں یہ آپ کی تعبیر غلط ہے بھائی۔ توجہ ہے؟ مرجع صرف کس کا ہوتا ہے؟ غائب کی ضمیر۔ تو یہاں ربط کیسے آیا؟ کہ جس ضمیر سے ہم جوڑ رہے تھے وہی ضمیر خود اس صیغے کے اندر آگئی، یا جس لفظ سے ہم جوڑ رہے تھے وہ لفظ خود ہی اس کے اندر آگیا۔ جیسے قرآن میں ہے: اَلْحَاقَّةُ مَا الْحَاقَّةُ۔ اَلْحَاقَّةُ یہ ہے بتدا، مَا الْحَاقَّةُ یہ جملہ پورا کیا ہے؟ خبر۔ یہ پورا جملہ کیا ہے؟ خبر۔ اور جملے کو جب بھی کسی چیز سے جوڑا جائے درمیان میں کیا ضروری؟ ربط۔ اگر آپ سے کوئی پوچھے ربط کیا ہے؟ یہاں تو کوئی غائب کی ضمیر بھی نہیں، تو آپ جواب میں کہیں گے کہ ہم اس جملے کو مَا الْحَاقَّةُ مَا الْحَاقَّةُ یہ جو جملہ خبر بن رہا ہے اس کو ہم کس سے جوڑ رہے ہیں؟ اَلْحَاقَّةُ سے، اور وہ اَلْحَاقَّةُ خود ہی اس کے اندر موجود ہے تو ربط آگیا۔

بات سمجھ میں آگئی؟ تو حاصل کلام کیا ہوا؟ کہ صفت کے صیغے کو اگر متکلم کی ضمیر سے جوڑا جائے تو اس کے اندر بھی کون سی ضمیر نکالنی ہے؟ متکلم والی۔ اور اگر اس کو مخاطب کے صیغے سے جوڑنا ہے تو صفت کے صیغے میں ضمیر بھی کون سی نکالیں گے؟ مخاطب کی۔ توجہ ہے؟ مثلاً میں کہتا ہوں أَنْتَ خَيْرٌ مِّنْ زَيْدٍ۔ تو أَنْتَ مرفوع محلاً بتدا، خَيْرٌ مرفوع لفظاً صیغہ

اسم تفضیل، اس کے اندر... ہاں پھر هُوَ ضمیر! أَنْتَ تھا، أَنْتَ سے جوڑ رہے ہو، اس کے اندر أَنْتَ ضمیر، اس کے اندر أَنْتَ ضمیر۔ توجہ ہے؟ اور مِنْ زَيْدٍ یہ اس سے متعلق ہوا۔ اسم تفضیل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر شبہ جملہ ہو کر خبر، مبتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ خبریہ۔ طریقہ سمجھ میں آیا؟ خَيْرٌ مِّنْ زَيْدٍ اس کو میں کس سے جوڑ رہا تھا؟ أَنْتَ سے، تو اس کے اندر خَيْرٌ کے اندر ضمیر بھی کون سی نکالی؟ أَنْتَ۔ اگر أَنَا ہوتا، أَنَا خَيْرٌ مِّنْ زَيْدٍ، تو اس خَيْرٌ کے اندر کون سی ضمیر نکالیں گے؟ أَنَا نکالیں گے۔ اور یہ عائد کی دوسری قسم ہے۔ پہلی قسم کیا تھی؟ کہ کوئی غائب کی ضمیر ہو جو اس چیز کی طرف لوٹے جس کے ساتھ آپ اس کو جوڑ رہے ہیں اس جملہ یا شبہ جملہ۔ کس کو جوڑتے ہیں؟ جملے کو اور شبہ جملہ کو۔ تو جملہ اور شبہ جملہ کو جوڑتے ہیں۔ تو أَنَا قَائِمٌ، قَائِمٌ میں کون سی ضمیر؟ أَنَا۔ أَنْتَ قَائِمٌ، اس کے اندر کون سی ضمیر؟ أَنْتَ۔ نَحْنُ قَائِمُوْنَ، اس قَائِمُوْنَ میں کون سی ضمیر؟ نَحْنُ۔ أَنْتُمْ قَائِمُوْنَ، اس میں کون سی ضمیر؟ أَنْتُمْ، شاباش۔ أَنْتُمَا قَائِمَانِ، اس قَائِمَانِ میں کون سی ضمیر؟ أَنْتُمَا ہے بھائی، شاباش۔ طریقہ سمجھ میں آگیا؟ تو صفت کے صیغے کو اگر مخاطب اور متکلم کی ضمیر سے جوڑا جائے تو اس میں بھی مخاطب اور متکلم ہی کی ضمیر نکالیں گے۔

اور میں نے آپ کو ایک جملہ کیا لکھوایا؟ هُوَ قَائِمٌ۔ یہاں قَائِمٌ کو ہم کس سے جوڑ رہے ہیں؟ غائب کی ضمیر سے، تو قَائِمٌ میں ضمیر بھی کون سی نکالی؟ غائب کی۔ اور زَيْدٌ قَائِمٌ، یہ قَائِمٌ کو ہم نے کس سے جوڑا تھا؟ زَيْدٌ سے، توجہ ہے؟ تو وہاں ہم نے کون سی ضمیر نکالی؟ هُوَ۔ کیا نکالی؟ هُوَ۔ توجہ ہے؟ کیونکہ زَيْدٌ اسم ظاہر ہے۔ اور اسم ظاہر غائب کے درجے میں ہوتا ہے۔ کس کے درجے میں؟ غائب کے درجے میں ہوتا ہے لہٰذا اس کے لیے بھی غائب کی ضمیر نکالتے ہیں۔ تو چار قسم کے میں نے جملے لکھوائے: زَيْدٌ قَائِمٌ، هُوَ قَائِمٌ، أَنَا قَائِمٌ، أَنْتَ قَائِمٌ۔ أَنْتَ قَائِمٌ میں کون سی ضمیر؟ أَنْتَ۔ أَنَا قَائِمٌ میں؟ أَنَا۔ هُوَ قَائِمٌ میں؟ هُوَ۔ یہاں تو بات ٹھیک ہے هُوَ سے جوڑ رہے ہو تو هُوَ ہی نکال لی۔ زَيْدٌ قَائِمٌ، یہاں قَائِمٌ میں هُوَ کیوں نکالی؟ کیونکہ اس قَائِمٌ کو ہم کس سے جوڑ رہے ہیں؟ اسم ظاہر سے۔ کس سے جوڑ رہے ہیں؟ اسم ظاہر سے۔ ایک ہوتی ہے ضمیر، ایک ہوتا ہے اسم ظاہر۔ آپ ساری دنیا کے اسم اکٹھے کر لیں، وہ ستر ضمیریں ہیں وہ اس میں سے نکال لیں، باقی سارے اسم کیا ہیں؟ اسم ظاہر ہیں۔ توجہ ہے؟ تو زَيْدٌ بھی کیا ہے؟ اسم ظاہر۔ اور یاد رکھو اسم ظاہر کس کے حکم میں ہوتا ہے؟ غائب کے حکم میں، لہٰذا اس کی طرف غائب کی ضمیر لوٹائی جاتی ہے۔ کون سی ضمیر؟ غائب کی ضمیر لوٹائی جاتی ہے، تو زَيْدٌ قَائِمٌ، قَائِمٌ میں کون سی ضمیر؟ هُوَ۔

بھائی یہ اسم ظاہر غائب کے درجے میں کیوں ہوتا ہے؟ وجہ یہ کہ میں جب اپنی بات کروں گا، متکلم جب اپنی بات کرتا ہے تو أَنَا سے تعبیر کرتا ہے، کس سے تعبیر کرتا ہے؟ یعنی ضمیریں استعمال کرتا ہے: هٰذَا غُلَامِيْ۔ دیکھو میں اپنے غلام کے بارے میں بتاؤں گا تو یوں کہوں گا هٰذَا غُلَامِيْ یہ میرا غلام ہے، یا اپنا نام لوں گا کہ هٰذَا غُلَامُ زَيْدٍ؟ مثلاً میرا نام زید ہے تو میں نام لوں گا هٰذَا غُلَامُ زَيْدٍ کہوں گا یا هٰذَا غُلَامِيْ کہوں گا؟ هٰذَا غُلَامِيْ۔ دیکھا متکلم، متکلم اپنے لیے ضمیریں استعمال کرتا

ہے اپنا نام نہیں لیتا۔ مثلاً میں آپ کو کہتا ہوں میں آج بازار گیا تھا، میں یوں کہوں گا یا مثلاً میرا نام زید ہے میں کہوں گا زید آج بازار گیا تھا؟ کس طرح کہوں گا؟ میں اپنے بارے میں بتانا چاہتا ہوں، مثلاً میرا نام کیا ہے؟ زید۔ میں بازار گیا، آج بازار گیا تھا اب میں آپ کو بتانا چاہتا ہوں، تو میں کیا کہوں گا؟ میں بازار گیا تھا یا زید بازار گیا تھا؟ میں بازار گیا تھا۔ متکلم اپنے آپ کو ضمیروں سے تعبیر کرتا ہے نام نہیں لیتا اپنا۔ مخاطب کے ساتھ بھی ضمیروں کے ساتھ بات کرتا ہے: آپ کا کیا حال ہے؟ مثلاً آپ کا نام عمر ہے تو میں یہ نہیں کہوں گا عمر کا کیا حال ہے، بلکہ کیا کہوں گا؟ آپ کا کیا حال ہے؟ تو متکلم اپنی تعبیر بھی ضمیروں سے کرتا ہے، مخاطب کی تعبیر بھی کس سے کرتا ہے؟ اس کا ذکر بھی ضمیروں کے ساتھ کرتا ہے۔ غائب کا نام لیا جاتا ہے، اور وہ بھی پہلی مرتبہ، پھر اس کا ذکر بھی ضمیروں سے چلتا ہے۔ مثلاً پہلے زید، زید اب ایک تیسرا آدمی ہے کوئی، میں اس کے بارے میں آپ کو بتاتا ہوں کہ زید میرا دوست ہے۔ دیکھا؟ اب جو تیسرا آدمی ہے غائب ہے اس کا نام لیا جاتا ہے، اور نام بھی بار بار نہیں لیا جاتا، ایک دفعہ نام لیا جاتا ہے پھر اس کے لیے بھی ضمیریں استعمال کرتے ہیں۔ مثلاً پہلی دفعہ میں کہتا ہوں زید میرا دوست ہے، وہ بڑا اچھا آدمی ہے، دیکھا وہ بڑا اچھا آدمی ہے۔ کہ میں یوں کہوں گا زید میرا دوست ہے، زید اچھا آدمی ہے، زید بازار جاتا ہے؟ نہیں بھائی، بار بار نام نہیں لیتے، نام ایک دفعہ لیتے ہیں۔ تو زَیْدٌ کیا ہے؟ اسم ظاہر۔ تو اسم ظاہر کس کے درجے میں ہے؟ غائب۔ تو نام اس کا لیا جاتا ہے جو غائب ہوتا ہے، جو متکلم اور مخاطب ہوں وہ اپنا نام نہیں لیتے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ اور غائب کا بھی ایک دفعہ نام لیتے ہیں پھر بعد میں آگے ضمیروں ہی سے اس کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے، اس کا ذکر کیا جاتا ہے۔ بات سمجھ میں آگئی اچھی طرح؟

چلیے بس کریں، بس بھائی۔ بات سب کو اچھی طرح سمجھ میں آگئی؟ چلیے بس بھائی۔ هٰذَا هُوَ الْمَرَامُ وَاللّٰهُ أَعْلَمُ بِحَقِيْقَةِ الْكَلَامِ۔

سبق نمبر ۱۳: تراکیبِ نحویہ (۱۲): اسمِ موصول کے اعراب اور عائد کا بیان

تراکیبِ نحویہ (ابتدائی مشق) — بتاریخ: ۲۴ جون ۲۰۲۱ء

▪ تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث

اچھا بھئی گزشتہ سبق میں ہم اسم موصول کی ترکیب کر رہے تھے اور میں نے آپ کو بتلایا تھا کہ اسم موصول جب جملے کے اندر آجائے تو کبھی یہ مبتدا بنے گا، کبھی خبر بنے گا، کبھی فاعل بنے گا، کبھی مفعول بنے گا، کبھی صفت وغیرہ بھئی۔ لیکن جو کچھ بھی اس کو آپ بنائیں پہلے اس کے ساتھ اس کا صلہ ضرور جوڑ دیں۔ تو موصول کے لیے ہمیشہ صلہ چاہیے اور صلہ ہمیشہ جملہ ہوتا ہے۔ اور یہ بھی یاد رکھنا صلے کے لیے کوئی محل اعراب نہیں ہوتا، لَا مَحَلَّ لَهُ مِنَ الْإِعْرَابِ۔

اَلَّذِيْ ضَرَبَكَ۔ اَلَّذِيْ تو اسم موصول ہے، اس کے لیے تو کوئی محل اعراب ہو گا۔ اگر یہ مبتدا بنا تو مرفوع، خبر بنا تو بھی مرفوع، اور اگر یہ فاعل بنا تو بھی مرفوع، اگر یہ مفعول بنا تو مفعول کیا ہوتا ہے؟ منصوب، اور اگر یہ صفت بنا تو اس پر وہی اعراب آئے گا جو کس پر آیا تھا؟ موصوف پر۔ تو اسم موصول پر تو اعراب آئے گا لیکن آگے جو اس کا صلہ جملہ ہوتا ہے اس کے لیے کوئی محل اعراب نہیں ہوتا۔ بات سمجھ میں آرہی ہے؟ کوئی محل اعراب نہیں ہوتا۔ آپ یہ نہ کہیں کہ موصول مرفوع ہو تو اس کے صلے کو بھی کیا ہونا چاہیے؟ مرفوع، کیونکہ یہ صلہ ہے یہ کوئی صفت نہیں ہے۔ صفت پر وہ اعراب آتا ہے جو کس پر آئے؟ موصوف پر۔ تو صلے کے لیے کوئی محل اعراب نہیں ہوتا۔

یاد رکھو یہ جو جملے آتے ہیں کلام کے اندر، ان میں سے بعض جملے جو ہیں ان کے لیے محل اعراب ہوتا ہے اور بعض کے لیے محل اعراب نہیں ہوتا۔ ضَرَبَ زَيْدٌ۔ ضَرَبَ فعل، زَيْدٌ مرفوع لفظاً فاعل، فعل اپنے فاعل سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہوا۔ ضَرَبَ زَيْدٌ، اب آپ سے کوئی پوچھے اس جملے کا محل اعراب کیا ہے؟ تو آپ کہیں گے کہ اس کا کوئی محل اعراب نہیں۔ کیوں؟ کیونکہ اعراب کے لیے عامل چاہیے اور یہاں کوئی عامل ہے؟ نہیں، یہاں کوئی عامل نہیں۔ یہ جملہ نہ مرفوع ہے، نہ منصوب ہے اور نہ مجرور۔ اور میں نے یہ بھی بتایا تھا کہ جملہ مبنی ہے بھئی، جملے پر اعراب نظر نہیں آئے گا وہ محلاً مرفوع ہو گا یا منصوب یا مجرور۔

مثلاً میں آپ سے کہتا ہوں جَاءَنِيْ رَجُلٌ ضَرَبَكَ۔ لکھیے بھئی ترکیب کیجیے: جَاءَ رَجُلٌ ضَرَبَكَ۔ دیکھیے اس کی ترکیب: جَاءَ فعل۔ جَاءَ فعل، رَجُلٌ مرفوع لفظاً موصوف بھئی۔ ہے تو فاعل ہی لیکن اس کو ابھی ذکر نہ کریں۔ موصوف صفت کو ملا کر پھر ہم کیا کہیں گے؟ فاعل۔ ویسے یہ ہمارے ہاں تعبیر ہے آپ فاعل بھی کہہ دیں بات تو ٹھیک ہے یہ ہے تو کیا؟ فاعل ہی تو ہے، اس لیے تو مرفوع ہے۔ تو رَجُلٌ مرفوع لفظاً موصوف۔ مرفوع کیوں؟ کیونکہ یہ فاعل ہے جَاءَ کے لیے۔

بھئی دیکھو میں نے بتلایا تھا کہ فعل کے لیے ہمیشہ فاعل یا نائب فاعل ضرور چاہیے اور وہ فاعل یا نائب فاعل ضمیر بھی ہو سکتی ہے اور اسم ظاہر بھی۔ لیکن اسم ظاہر جب فاعل ہو تو فعل کا پہلا یا چوتھا صیغہ ہونا چاہیے۔ اور جَاءَ بھی کیا ہے؟ پہلے چوتھے صیغے میں سے ہے یعنی پہلا صیغہ ہے۔ تو اس کے لیے اسم ظاہر کیا بن سکتا ہے؟ فاعل بن سکتا ہے۔ تو جب بھی پہلا یا چوتھا صیغہ جملے میں آجائے تو پھر آپ اگلے لفظوں میں غور کر لیا کریں کہ کوئی آگے اسم ظاہر تو نہیں اس کے لیے فاعل بن رہا؟ اگر بن رہا ہو تو بنا دیں پھر اس میں ضمیر نہ نکالیں، اور اگر نہ بنے تو پھر اسی کے اندر کیا نکال لیں؟ ضمیر۔

جبکہ ان دو صیغوں کے علاوہ باقی کوئی بھی صیغہ آجائے، چاہے ماضی ہو چاہے مضارع ہو، آپ نے پھر آگے نہیں تلاش کرنا، پھر اسی فعل کے ساتھ فاعل کی بھی ضمیر ہو گی جو اس کے ساتھ جڑی ہوئی یا تو بارز ہو گی یا مستتر ہو گی۔ مثلاً ضَرَبَ آیا تو آپ آگے تلاش کریں کوئی فاعل تو نہیں؟ اگر ضَرَبَا آگیا پھر آگے نہ تلاش کریں یہی الف کیا ہے؟ فاعل ہے۔ ضَرَبُوْا آیا تو آگے نہ تلاش کریں یہی واو کیا ہے؟ فاعل۔ ضَرَبَتْ آیا تو پھر آپ آگے تلاش کریں، نہ ملے تو اسی میں هِيَ ضمیر نکال لیں۔ ضَرَبَتَا آئے تو آپ نے آگے نہیں تلاش کرنا اسی کے اندر یہ الف کیا ہے؟ فاعل۔ ضَرَبْنَ آئے تو آپ نے آگے نہیں تلاش کرنا یہی نون کیا ہے؟ فاعل۔ ضَرَبْتَ آئے تو آپ نے آگے نہیں تلاش کرنا یہی تا کیا ہے؟ فاعل۔ ضَرَبْتُمَا آئے تو یہ تُمَا یہ کیا ہے؟ فاعل۔ ضَرَبْتُمْ آئے تو یہ تُمْ فاعل۔ ضَرَبْتِ آئے تو یہ تِ فاعل۔ ضَرَبْتُمَا آئے تو یہ تُمَا فاعل۔ ضَرَبْتُنَّ آئے تو یہ تُنَّ فاعل۔ ضَرَبْتُ آئے تو یہ تُ فاعل۔ ضَرَبْنَا آئے تو یہ نَا فاعل۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو پہلا یا چوتھا صیغہ آئے تو پھر آگے تلاش کرو کوئی اسم ظاہر تو فاعل نہیں بن رہا؟ اگر بنے، اگر مل جائے تو اس کو فاعل بنا دو ورنہ اسی میں کیا نکال لو؟ ضمیر نکال لو کیونکہ فاعل یا نائب فاعل تو ضرور چاہیے، فعل بغیر فاعل یا نائب فاعل کے نہیں آسکتا۔

تو جَاءَ بھی پہلا صیغہ ہے، اس کے لیے رَجُلٌ فاعل بن سکتا ہے۔ میں نے جملہ لکھوایا جَاءَ رَجُلٌ ضَرَبَكَ۔ جَاءَ فعل، رَجُلٌ مرفوع لفظاً موصوف۔ آپ کو کیسے پتہ چلا کہ یہ موصوف ہے؟ کیونکہ میں نے آپ کو ضابطہ بتلایا تھا کہ نکرہ کے بعد اگر فعل آجائے تو وہ عموماً اس کے لیے کیا بنے گا؟ صفت۔ اور میں نے یہ بھی بتایا کہ آنکھیں بند کر کے موصوف صفت نہیں بنانا، موصوف صفت والا ترجمہ کر کے دیکھنا ہے اور وہ جو میں نے طریقہ سکھایا تھا کہ نکرہ میں کیا لے آؤ موصوف سے پہلے؟ ایسا یا ایسی، اور معرفہ میں کیا لے آؤ؟ وہ کا لفظ لے آؤ موصوف سے پہلے۔ تو یہاں یہ صفت بنے گا ترجمہ بھی کر کے آپ دیکھیں گے صفت بنے گا۔ تو رَجُلٌ مرفوع لفظاً موصوف۔

ضَرَبَكَ اس کے اندر ضَرَبَ فعل با فاعل، اس کے اندر هُوَ ضمیر مرفوع محلاً اس کا فاعل جو کس کو لوٹ رہی ہے؟ رَجُلٌ موصوف کو لوٹ رہی ہے کیونکہ صفت کو کس سے جوڑتے ہیں؟ موصوف سے۔ تو اور ضمیر مرجع میں مطابقت ہے؟ رَجُلٌ بھی مفرد مذکر، هُوَ ضمیر بھی مفرد مذکر۔ آگے كَ ضمیر منصوب محلاً مفعول بہ۔ فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر صفت۔ موصوف صفت مل کر فاعل۔ فعل اپنے فاعل سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہوا۔ ترکیب سمجھ میں آئی؟ یہ بڑی مشکل ترکیب ہے دیکھو لیکن آپ بہترین اس کو سمجھ گئے۔ یہ قانون اور ضابطے رکھیں ذہن میں تو کوئی مشکل نہیں۔

اب اس کا ترجمہ کرو: جَاءَ رَجُلٌ ضَرَبَكَ، آیا ایسا آدمی جس نے پٹائی کی آپ کی۔ آیا وہ آدمی جس نے پٹائی کی آپ کی۔ دیکھا؟ آیا ایسا آدمی، ایسا کہہ دیں۔ میں نے بتایا تھا نکرہ میں کیا لائیں گے موصوف سے پہلے؟ ایسا یا ایسی، اور معرفہ میں موصوف سے پہلے کیا لائیں گے؟ وہ یا اس۔ تو یہ اکثری ضابطہ ہے کلی نہیں، اکثر مثالوں میں اس سے ترجمہ بہترین ہو جائے گا اور کبھی کبھار آپ نکرہ کے اندر وہ بھی لا سکتے ہیں، کبھی کبھار نکرہ کے اندر وہ بھی لا سکتے ہیں اور کبھی کبھار معرفہ کے اندر ایسا بھی لا سکتے ہیں۔ تو ایسا تو تھا نکرہ کے لیے اور وہ تھا کس کے لیے؟ معرفہ کے لیے، لیکن دونوں ایک دوسرے کی جگہ بھی آجائیں گے وہ موقع دیکھیں گے جہاں ترجمہ اچھا ہو جائے۔ تو جَاءَ رَجُلٌ ضَرَبَكَ، آیا ایسا آدمی ضَرَبَكَ جس نے آپ کی پٹائی کی تھی۔ ایسا آدمی آیا ہے جس نے آپ کی پٹائی کی تھی۔ دیکھو ترجمہ بہترین ہو رہا ہے یا نہیں؟ تو یہ معلوم ہوا یہ ضَرَبَكَ صفت بنے گی رَجُلٌ کی۔

اور اب آپ سے کوئی پوچھے کہ یہ ضَرَبَكَ، یہ جو جملہ بیچ میں آیا اور یہ صفت بنا کس کی؟ رَجُلٌ کی، آپ سے کوئی پوچھے یہ ضَرَبَكَ جملہ فعلیہ آیا اس کا محل اعراب کیا ہے تو آپ کیا کہیں گے؟ ضَرَبَكَ کا محل اعراب؟ جی؟ یہ صفت ہے اور صفت پر وہی اعراب آتا ہے جو کس پر آتا ہے؟ موصوف پر۔ رَجُلٌ مرفوع تھا تو یہ جملہ بھی مرفوع۔ اور کون سا مرفوع ہے؟ ہاں، محلاً، کیونکہ جملہ کیا ہوتا ہے؟ مبنی، تو یہ محلاً مرفوع ہے۔ تو ضَرَبَكَ محلاً مرفوع۔ اور یہ جو جَاءَ رَجُلٌ ضَرَبَكَ، یہ سارا جملہ کوئی پوچھے اس کا محل اعراب کیا؟ تو اس کے بارے میں آپ کہیں گے لَا مَحَلَّ لَهُ مِنَ الْإِعْرَابِ کیونکہ اس پر تو کوئی عامل داخل نہیں ہو رہا۔ بات سمجھ میں آگئی؟ ہاں ضَرَبَكَ یہ صفت تھا اور صفت پر وہی اعراب آتا ہے جو موصوف پر ہوتا ہے۔

اگلا جملہ لکھیے: ضَرَبْتُ رَجُلًا أَخَذَ كِتَابَكَ۔ دیکھیے بھئی غور کیجیے ترکیب پر۔ ضَرَبْتُ فعل با فاعل، اس کے اندر تُ ضمیر مرفوع محلاً اس کا فاعل۔ رَجُلًا منصوب لفظاً مفعول بہ ہے، لیکن یہ نکرہ ہے اور اس کے بعد آگے کیا آرہا ہے؟ فعل۔ اور نکرہ کے بعد فعل آئے تو عموماً اس کے لیے کیا بنتا ہے؟ صفت۔ تو لہٰذا اس کو موصوف بنائیں گے۔ اور أَخَذَ یاد رکھو أَخْذ کا معنی ہوتا ہے لینا، کوئی چیز لے لینا، اٹھا لینا۔ تو رَجُلًا منصوب لفظاً موصوف۔ أَخَذَ فعل با فاعل، اس کے اندر هُوَ ضمیر مرفوع محلاً اس کا فاعل جو کس کو لوٹ رہی ہے؟ رَجُلًا یعنی موصوف کو، شاباش۔ بھئی میں نے آپ کو بتایا تھا یہ ضمیریں صرف کس کو لوٹ سکتی ہیں؟ اسم کو، فعل یا حرف کو کبھی ضمیر نہیں لوٹتی، یہ ہمیشہ یاد رکھنا۔ فعل اور حرف کو کبھی ضمیر

نہیں لوٹتی۔ تو أَخَذَ فعل با فاعل، اس کے اندر هُوَ ضمیر مرفوع محلاً اس کا فاعل جو کس کو لوٹ رہی ہے؟ رَجُلًا کو، شاباش۔

آگے كِتَابَكَ اس کے اندر كِتَابَ منصوب لفظاً منصوب، بھئی دیکھو ہر فعل کے لیے ایک فاعل چاہیے اور أَخَذَ کے اندر فاعل آگیا تو اب آگے کیا آئیں گے؟ منصوبات یا مجرورات، اور مجرورات تو دو ہی ہیں: ایک جس پر حرف جر داخل ہو اور دوسرا مضاف الیہ۔ یہ نہ مضاف الیہ ہے نہ اس پر حرف جر داخل ہے تو یہ لہٰذا منصوب ہو گا۔ تو كِتَابَ منصوب لفظاً مضاف۔ منصوب کیوں؟ مفعول بہ ہے۔ اور لفظاً کیوں؟ اس کے نصب پر ہم تلفظ کر رہے ہیں: كِتَابَكَ۔ جر پہ تلفظ کرو: كِتَابِكَ۔ اور رفع پر تلفظ کریں: كِتَابُكَ۔ بات سمجھ میں آگئی؟ اچھا، تو كِتَابَ منصوب لفظاً مضاف۔ آپ کو کیسے پتہ چلا یہ مضاف ہے؟ اسم کے ساتھ ضمیر متصل آگئی۔ یاد رکھو فعل کے ساتھ ضمیر متصل کی بات میں نے نہیں کی، حرف کے ساتھ ضمیر متصل کی بات نہیں کی، صرف کس کے ساتھ؟ اسم کے ساتھ جب ضمیر متصل آئے تو وہ دونوں آپس میں کیا بنتے ہیں؟ مضاف اور مضاف الیہ بھئی۔ تو كَ ضمیر، اعراب بولو؟ شاباش، كَ ضمیر مجرور محلاً مضاف الیہ۔ مجرور کیوں؟ مضاف الیہ ہے۔ محلاً کیوں؟ ضمیر ہے۔ كِتَابَكَ، آپ مجرور کہہ رہے ہیں میں تو اس پر زبر پڑھ رہا ہوں كِتَابَكَ؟ یہ اس کی حرکت ہے اعراب نہیں ہے کیونکہ یہ تو مبنی ہے، مبنی پر تو اعراب آ ہی نہیں سکتا۔ تو یہ مجرور محلاً مضاف الیہ۔ مضاف اپنے مضاف الیہ سے مل کر یہ مفعول بہ ہوا کس کے لیے؟ أَخَذَ فعل کے لیے۔ أَخَذَ اس نے اٹھائی، كِتَابَكَ آپ کی کتاب۔ دیکھو ترجمے پہ بھی غور کیا کرو، ترجمے سے ترکیب حل ہوتی ہے۔ تو فعل أَخَذَ فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر یہ صفت ہوئی کس کے لیے؟ رَجُلًا کے لیے۔ موصوف صفت مل کر، رَجُلًا موصوف اپنی صفت سے مل کر یہ مفعول بہ ہوا کس کے لیے؟ ضَرَبْتُ کے لیے۔ ضَرَبْتُ فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہوا۔ روانی سے کیسے پڑھیں گے؟ ضَرَبْتُ رَجُلًا أَخَذَ كِتَابَكَ۔

ترجمہ سمجھ میں آرہا ہے؟ ضَرَبْتُ میں نے پٹائی کی، رَجُلًا ایسے آدمی کی، أَخَذَ كِتَابَكَ جس نے آپ کی کتاب اٹھائی تھی، جس نے آپ کی کتاب لی تھی۔ تو میں نے پٹائی کی ایسے آدمی کی یا یوں کہو میں نے پٹائی کی اس آدمی کی جس نے آپ کی کتاب اٹھائی تھی، جس نے آپ کی کتاب لی تھی۔ اب دیکھو آپ سے کوئی پوچھے أَخَذَ كِتَابَكَ، یہ جملہ فعلیہ ہے اس کا محل اعراب کیا ہے؟ آپ کیا کہیں گے؟ ہاں جملے پہ دیکھو، أَخَذَ كِتَابَكَ اس کا محل اعراب کیا ہے؟ منصوب ہے، کیونکہ یہ صفت ہے کس کی؟ رَجُلًا کی، اور موصوف صفت کا اعراب ایک ہوتا ہے، رَجُلًا منصوب تو أَخَذَ كِتَابَكَ یہ پورا جملہ بھی منصوب ہے۔ البتہ کون سا منصوب ہے؟ محلاً ہے کیونکہ یہ جملہ کیا ہے؟ مبنی۔ تیسرا جملہ لکھیے بھئی۔ کس میں؟ ربط نہیں بتایا؟ جی؟ أَخَذَ، ربط نہیں بتایا؟ اگر ربط نہ بتایا ہو پھر نہیں جڑے گا، صرف بتانا ہے بتانا ہے، أَخَذَ کے اندر هُوَ ضمیر کس کو لوٹ رہی تھی؟ رَجُلًا کو، اس سے ربط آگیا۔

اگلا جملہ لکھیے بھئی: مَرَرْتُ بِرَجُلٍ حَفِظَ الْقُرْآنَ۔ حَا، فَا اور ظَا ہے بھئی طَا ظَا۔ حَفِظَ الْقُرْآنَ۔ جی ترکیب سنو: مَرَرْتُ فعل

با فاعل، مَرَرْتُ کا معنی گزرنا، گزرنا۔ مَرَرْتُ فعل با فاعل، اس کے اندر تُ ضمیر مرفوع محلاً اس کا فاعل۔ بَ جارہ، رَجُلٍ ہاں تو مجرور ہے تو اعراب پڑھ کے بتانا ہے، رَجُلٍ مجرور لفظاً موصوف۔ بَ جارہ ہے تو یہ مجرور ہے، مضاف پہلے آئے تو پھر یہ کیا کہلائے گا؟ مضاف الیہ۔ تو بَ جارہ، رَجُلٍ مجرور لفظاً موصوف۔ مجرور کیوں؟ کیونکہ بَ جارہ داخل ہے۔ لفظاً کیوں؟ اس کے جر پر ہم تلفظ کر رہے ہیں۔ اور موصوف آپ کو کیسے پتہ چلا؟ کیونکہ یہ نکرہ ہے اور نکرہ کے بعد کیا آرہا ہے؟ فعل حَفِظَ، اور نکرہ کے بعد فعل آئے تو وہ عموماً اس کے لیے کیا بنتا ہے؟ صفت۔

تو حَفِظَ فعل، اس کے اندر هُوَ ضمیر مرفوع محلاً اس کا فاعل جو کس کو راجع؟ رَجُلٍ یعنی موصوف کو راجع۔ اور اَلْقُرْآنَ، حَفِظَ یاد کیا، کس چیز کو یاد کیا؟ قرآن کو، دیکھو مفعول بن رہا ہے۔ اَلْقُرْآنَ منصوب لفظاً مفعول بہ۔ فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر یہ صفت کس کی؟ رَجُلٍ کی۔ رَجُلٍ موصوف اپنی صفت سے مل کر مجرور بَ جارہ کے لیے۔ جار مجرور مل کر متعلق کس سے؟ مَرَرْتُ۔ مَرَرْتُ فعل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہوا۔ روانی سے کیسے پڑھیں گے؟ ہاں مَرَرْتُ بِرَجُلٍ حَفِظَ الْقُرْآنَ۔ ترجمہ کیا ہو گا؟ میں گزرا ایک ایسے آدمی کے پاس سے حَفِظَ الْقُرْآنَ جس نے قرآن یاد کیا ہے۔ میں ایک ایسے آدمی کے پاس سے گزرا جس نے قرآن یاد کیا ہے، دیکھا ایسے، ایسے کا لفظ میں لے کر آیا موصوف صفت کے ترجمہ کرنے کے لیے۔

اب آپ سے کوئی پوچھے یہ حَفِظَ الْقُرْآنَ، یہ پورا جملہ ہے فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ، اس کا محل اعراب کیا ہے؟ آپ کیا کہیں گے؟ حَفِظَ الْقُرْآنَ اس کا محل اعراب بتاؤ۔ یہ مجرور ہے، کیوں؟ کیونکہ یہ رَجُلٍ کی صفت ہے اور صفت پر وہی اعراب آتا ہے جو کس پر آئے؟ موصوف پر۔ تو موصوف رَجُلٍ مجرور تھا تو یہ جملہ بھی مجرور۔ طریقہ سمجھ میں آیا؟ جملے کا محل اعراب ہوتا ہے، کبھی وہ مرفوع ہوتا ہے، کبھی منصوب اور کبھی مجرور۔ اور بعض جملوں کے لیے کوئی محل اعراب نہیں ہوتا، مثلاً موصول کا صلہ آتا ہے کوئی آپ سے صلے کے بارے میں پوچھ لے کہ اس کا کیا محل اعراب؟ تو آپ نے کیا کہنا ہے؟ لَا مَحَلَّ لَهُ مِنَ الْإِعْرَابِ۔

جی؟ بِرَجُلٍ، اس بَ کا کیا ترجمہ کیا؟ پاس۔ ہاں یہاں پاس سے یعنی، یعنی آپ کا مرور، آپ کا مرور جڑا ہوا ہے ایک ایسے آدمی کے ساتھ جس نے کیا کیا ہے؟ قرآن یاد کیا ہے۔ ہاں، تو آپ کا مرور ایک ایسے آدمی کے ساتھ جڑا ہے یعنی معنی یہ آپ اس کے پاس سے گزرے۔ کیا ہے؟ آپ کا گزرنا اس کے ساتھ سے ہے، اس کے پاس سے ہے۔ یا یوں کہیں میں ایک ایسے آدمی پر گزرا، ایسے آدمی پر گزرا جس نے قرآن حفظ کیا ہے، دیکھو۔ ایسے آدمی پر گزرا کیا مطلب؟ یعنی اس کے پاس سے گزرا بھئی۔

اگلا جملہ لکھیے بھئی: كِتَابِيْ فِي الْخِزَانَةِ۔ خَا ہے اور پھر زَا ہے بھئی رَا زَا، اَلْخِزَانَةِ گول تَا ہے آخر میں۔ كِتَابِيْ فِي الْخِزَانَةِ۔ ہاں خزانہ الماری کو کہتے ہیں، عربی زبان میں الماری کو کیا کہتے ہیں؟ خزانہ، یعنی چیزوں کو محفوظ رکھنے کی جگہ۔ اچھا

خزانہ، كِتَابِيْ فِي الْخِزَانَةِ ترجمہ سمجھ میں آرہا ہے؟ کیا ترجمہ؟ میری کتاب الماری میں ہے۔ ترجمہ آگیا تو ترکیب حل ہو گئی، میں نے کس کی بات کی؟ اپنی کتاب کی، اور کیا بات کی؟ الماری میں ہے، تو جس کی بات کی وہ ہے مبتدا اور جو بات کی وہ ہے خبر۔

جی كِتَاب اعراب بولو؟ مرفوع تقدیراً مضاف۔ مرفوع کیوں؟ مبتدا ہے۔ تقدیراً کیوں؟ بھئی میں نے بار بار بتلا رہا ہوں جو اسم بھی مضاف ہو کس کی طرف؟ یائے متکلم کی طرف علاوہ جمع مذکر سالم اس کا تینوں حالتوں میں اعراب تقدیری۔ تو كِتَاب مرفوع تقدیراً مضاف۔ مرفوع کیوں؟ مبتدا ہے۔ تقدیراً کیوں؟ کیونکہ یہ مضاف ہے يَا کی طرف تو اس کے اعراب پر ہم تلفظ نہیں کر رہے۔ مضاف آپ کو کیسے پتہ چلا یہ مضاف ہے؟ کیونکہ اس کے ساتھ، اسم کے ساتھ ضمیر متصل جڑی ہوئی ہے۔ آگے يَ ضمیر مجرور محلاً مضاف الیہ۔ مضاف اپنے مضاف الیہ سے مل کر مبتدا۔ آگے فِيْ جارہ، اَلْخِزَانَةِ مجرور لفظاً۔ جار مجرور مل کر متعلق کس سے؟ آٹھ چیزوں میں سے کوئی یہاں پر ہے؟ نہیں ہے، تو ہمیں محذوف نکالنا پڑے گا۔ تو کیا محذوف نکالیں؟ ثَبَتَ نکال لو یا ثَابِتٌ۔ ثَابِتٌ مرفوع لفظاً صیغہ اسم فاعل۔ مرفوع کیوں؟ ہاں ثَابِتٌ مرفوع کیوں؟ کیونکہ خبر ہے۔ اور لفظاً کیوں؟ اس کے رفع پر ہم تلفظ کر رہے ہیں۔ اور ثَابِتٌ صیغہ اسم فاعل اس کے اندر هُوَ ضمیر مرفوع محلاً اس کا فاعل جو کس کو لوٹ رہی ہے؟ كِتَابِيْ مبتدا کو بھئی، یعنی كِتَاب کو، اصل مضاف ہوتا ہے مضاف الیہ نہیں۔ تو ضمیر مضاف کی طرف لوٹائی جاتی ہے بات سمجھ میں آگئی جب وہ مبتدا بن رہا ہو۔ یا یوں کہو كِتَابِيْ میں سے اصل مبتدا کون ہے؟ كِتَاب ہے، يَا تو مضاف الیہ ہے۔ تو جوڑنا بھی کس سے ہے آپ نے؟ مبتدا سے، اور وہ کیا ہے؟ كِتَاب، تو اس کی طرف ضمیر لوٹائیں گے۔ تو هُوَ ضمیر مرفوع محلاً جو راجع ہے كِتَاب کو۔ ضمیر مرجع میں مطابقت ہے؟ كِتَاب بھی مفرد مذکر، ضمیر بھی مفرد مذکر، ہاں مطابقت ہے۔ تو صیغہ اسم فاعل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر شبہ جملہ ہو کر خبر، مبتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔

تو آپ نے ثَابِتٌ نکالا، ثَابِتٌ صیغہ اسم فاعل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر شبہ جملہ ہو کر خبر۔ اور اگر آپ ثَبَتَ نکالتے تو پھر کیا بنتا؟ پھر یہ جملہ بنتا، ثَبَتَ فعل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر خبر۔ تو یہ بھی ہمیشہ یاد رکھنا صفت کا صیغہ وہ شبہ جملہ بنتا ہے اور فعل جو ہے پھر وہ جملہ فعلیہ بنتا ہے۔

اگلا جملہ لکھیے بھئی: أَنْتَ كَرِيْمٌ۔ جی ترکیب کیسے ہو گی؟ أَنْتَ مرفوع محلاً مبتدا۔ أَنْتَ كَرِيْمٌ کا ترجمہ سمجھ میں آرہا ہے؟ آپ معزز ہیں یا آپ سخی ہیں۔ تو کریم کا معنی سخی بھی ہے اور کریم کا معنی معزز۔ تو أَنْتَ مرفوع محلاً مبتدا۔ مرفوع کیوں؟ مبتدا ہے۔ محلاً کیوں؟ ضمیر ہے مبنی ہے۔ آگے كَرِيْمٌ مرفوع لفظاً صفت مشبہ۔ كَرِيْمٌ مرفوع لفظاً صفت مشبہ۔ مرفوع کیوں؟ خبر ہے۔ اور لفظاً کیوں؟ اس کے رفع پر ہم تلفظ کر رہے ہیں۔ کر کے دکھاؤ: كَرِيْمٌ، نصب كَرِيْمًا، جر كَرِيْمٍ۔ تو یہ مرفوع لفظاً صفت مشبہ۔ آگے اس کے اندر؟ اس کے اندر شاباش أَنْتَ ضمیر۔ میں نے آپ کو بتلایا تھا کہ صفت کے صیغے کو اگر متکلم کی ضمیر سے جوڑیں تو اس کے اندر بھی کیا نکالیں؟ متکلم کی ضمیر۔ اور صفت کے صیغے کو مخاطب کی ضمیر سے جوڑیں تو اس کے

اندر ضمیر بھی کون سی نکالیں؟ مخاطب کی۔ تو آپ کَرِیْمٌ کو کس سے جوڑ رہے ہیں، کس کے لیے خبر بنا رہے ہیں؟ أَنْتَ کے لیے، تو اس کے اندر ضمیر بھی کون سی ہوگی؟ أَنْتَ۔ تو کَرِیْمٌ مرفوع لفظاً صفت مشبہ، اس کے اندر أَنْتَ ضمیر مرفوع محلاً اس کا فاعل۔ صفت مشبہ اپنے فاعل سے مل کر شبہ جملہ ہو کر، شبہ جملہ ہو کر خبر، بتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔ بات سمجھ میں آگئی؟ اب آپ یہ نہ کہیں کہ یہاں تو ربط نہیں آیا، کوئی غائب کی ضمیر أَنْتَ کی طرف نہیں لوٹ رہی، بھئی أَنْتَ کی طرف غائب کی ضمیر لوٹے گی بھی نہیں أَنْتَ۔ تو أَنْتَ تو مخاطب کی ضمیر ہے اور اسی أَنْتَ سے ہم کریم کو جوڑ رہے ہیں اور کریم کے اندر بھی کیا آگئی؟ وہی مخاطب والی أَنْتَ ضمیر آگئی، تو ربط آگیا۔ جس سے جوڑ رہے تھے وہی اس کے اندر آگیا تو ربط آگیا۔

اگلا جملہ لکھیے: أَنْتَ رَجُلٌ کَرِیْمٌ۔ جی ترکیب کیسے ہوگی؟ أَنْتَ مرفوع محلاً بتدا۔ رَجُلٌ مرفوع لفظاً موصوف بھئی۔ شاباش، مرفوع لفظاً موصوف۔ مرفوع کیوں؟ کیونکہ خبر ہے۔ لفظاً کیوں؟ اس کے رفع پر ہم تلفظ کر رہے ہیں۔ موصوف آپ کو کیسے پتہ چلا یہ موصوف ہے؟ کیونکہ دو نکرہ آگئے، تو لہٰذا یہ عموماً موصوف صفت بنیں گے۔ اور پھر آگے کَرِیْمٌ مرفوع لفظاً صفت مشبہ۔ مرفوع کیوں؟ کیونکہ یہ صفت ہے اور صفت پر وہی اعراب آتا ہے جو کس پر آئے؟ موصوف پر۔ موصوف مرفوع تھا تو یہ صفت بھی کیا ہے؟ مرفوع۔ تو مرفوع لفظاً صفت مشبہ، اس کے اندر، اس کے اندر؟ ھُوَ ضمیر، ھُوَ ضمیر۔ ھُوَ ضمیر یا أَنْتَ ضمیر؟ جی؟ بولو بھئی، ھُوَ ضمیر یا أَنْتَ ضمیر؟ ھُوَ ضمیر۔ جی؟ ھُوَ ضمیر کیوں؟ شاباش، کیونکہ اس کو ہم رَجُلٌ سے جوڑیں گے۔ یہ صفت کس کی بنے گی؟ رَجُلٌ کی۔ کس کی صفت بنے گی؟ رَجُلٌ کی۔ پہلے وہ جو کَرِیْمٌ آیا تھا وہ أَنْتَ کی خبر بن رہا تھا درمیان میں اور کوئی لفظ نہیں تھا، اس کَرِیْمٌ کو أَنْتَ سے جوڑنا ہی نہیں ہے اس کو کس سے جوڑنا ہے؟ رَجُلٌ سے، موصوف سے۔ اور رَجُلٌ کیا ہے؟ اسم ظاہر ہے۔ کیا ہے؟ اور اسم ظاہر کس کے درجے میں ہوتا ہے؟ غائب کے درجے میں، تو اس کے لیے ضمیر بھی کون سی چاہیے؟ غائب کی۔ تو کَرِیْمٌ کے اندر ھُوَ ضمیر مرفوع محلاً جو راجع ہے کس کو؟ رَجُلٌ کو۔ صفت مشبہ اپنے فاعل سے مل کر شبہ جملہ ہو کر صفت۔ موصوف صفت مل کر خبر۔ بتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔ أَنْتَ رَجُلٌ کَرِیْمٌ، آپ سخی آدمی ہیں۔ رَجُلٌ کَرِیْمٌ کا ترجمہ کرو موصوف صفت، مختصر ترجمہ؟ سخی آدمی یا معزز آدمی، آپ سخی آدمی ہیں یا آپ معزز آدمی ہیں، دیکھو صفت مقدم کر دی اردو کے اندر۔ اور اگر آپ ایسا کے ساتھ بھی ترجمہ کرنا چاہیں تو آپ ایسے آدمی ہیں جو کہ سخی ہے یا جو کہ معزز ہے، جو بھی ترجمہ کر لیں۔ تو کبھی یہ مختصر ترجمہ دیکھا کریں اگر یہ ہو جائے تو یہ سب سے بہتر ہے، لیکن جہاں فعل وغیرہ آجائیں وہاں پھر یہ مختصر ترجمہ نہیں ہو سکتا تو پھر وہ ایسا کے ساتھ ہی ترجمہ کرنا پڑے گا۔

اگلا جملہ لکھیے: أَنَا ضَرَبْتُ عَمْرًا۔ جی ترکیب کیجیے، ترجمہ سمجھ میں آرہا ہے؟ کیا ترجمہ؟ کہ میں نے عمر کی پٹائی کی۔ جی أَنَا مرفوع محلاً بتدا۔ مرفوع کیوں؟ بتدا ہے۔ محلاً کیوں؟ ضمیر ہے۔ آگے ضَرَبْتُ فعل با فاعل، اس کے اندر تُ ضمیر مرفوع محلاً اس کا فاعل۔ آگے عَمْرًا منصوب لفظاً مفعول بہ۔ اچھا اور فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر یہ خبر أَنَا

کے لیے۔ کس کے لیے؟ بتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔ ربط، ربط کیا ہوا؟ ربط بتائیے بھئی۔ ضَرَبْتُ میں کون سی ضمیر ہے؟ ضَرَبْتُ میں تُ ضمیر ہے۔ اور تُ کون سی ضمیر ہے؟ واحد متکلم والی، کون سی؟ اور پیچھے بتدا بھی کیا ہے؟ أَنَا، وہ بھی کیا ہے؟ واحد متکلم۔ تو أَنَا اور ضَرَبْتُ کی تُ دونوں ایک ہی چیز ہیں، صرف فرق یہ ہے وہ أَنَا مرفوع منفصل ہے، یہ مرفوع متصل ہے۔ اس سے بھی واحد متکلم مراد اس ضَرَبْتُ سے بھی کون مراد؟ واحد متکلم۔ تو جس ضمیر سے ہم جوڑ رہے ہیں وہ خود ہی اس ضَرَبْتُ عَمْرًا کے اندر آگئی تو ربط آگیا۔ بات سمجھ میں آگئی؟ جی، تو أَنَا ضَرَبْتُ عَمْرًا میں نے عمر کی پٹائی کی۔ یا کبھی تاکید و تخصیص آجائے گی: أَنَا ضَرَبْتُ زَيْدًا، میں نے ہی عمر کی پٹائی کی۔ میں نے ہی، ضَرَبْتُ عَمْرًا میں نے عمر کی پٹائی کی، اور أَنَا ضَرَبْتُ عَمْرًا میں نے ہی عمر کی پٹائی کی۔ طریقہ سمجھ میں آرہا ہے؟

اگلا جملہ لکھیے: أَنْتَ شَرِبْتَ الْمَاءَ۔ جی ترکیب کیا ہوگی؟ أَنْتَ مرفوع محلاً بتدا۔ شَرِبْتَ فعل با فاعل، اس کے اندر تَ ضمیر مرفوع محلاً فاعل۔ اَلْمَاءَ منصوب لفظاً مفعول بہ۔ فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر خبر۔ بتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔ اب آپ سے کوئی پوچھے ربط کیا ہے، آپ کیا کہیں گے؟ ہاں کہ ہم اس کو کس سے جوڑ رہے ہیں؟ أَنْتَ سے، اور وہی أَنْتَ یہ شَرِبْتَ کے اندر جو تَ ضمیر ہے وہی مخاطب کی آگئی۔ أَنْتَ بھی واحد مذکر مخاطب کی ضمیر اور شَرِبْتَ کے اندر یہ جو تَ ہے یہ بھی واحد مذکر مخاطب کی ضمیر۔ البتہ فرق صرف اتنا ہے أَنْتَ جو ضمیر ہے وہ مرفوع منفصل ہے اور شَرِبْتَ میں جو تَ ہے وہ مرفوع متصل ہے بھئی، وہ منفصل تھی تو یہ متصل ہے۔ ہے وہی چیز، اس سے بھی مذکر مخاطب مراد ہے اور اس سے بھی۔ ترکیب سمجھ میں آگئی؟ یہ ربط کی دوسری صورت ہے کہ جس چیز کے ساتھ آپ جوڑ رہے ہیں وہ خود ہی اس جملے کے اندر آجائے بھئی۔

اب إِنَّ اور أَنَّ کی تھوڑی سی ترکیب کر لیتے ہیں۔ إِنَّ اور أَنَّ حروف مشبہ بالفعل ہیں اور یہ بتدا اور خبر پر داخل ہوتے ہیں اور جب یہ جملے پر داخل ہو جائیں تو جو بتدا تھا اس کو اب بتدا نہیں کہیں گے بلکہ إِنَّ کا اسم کہیں گے، اور جو خبر تھی وہ اب إِنَّ کی خبر کہلائے گی۔ توجہ ہے؟ یہ کس پر داخل ہوتے ہیں؟ بتدا اور خبر، پھر وہ بتدا کیا کہلاتا ہے؟ إِنَّ کا اسم، اور وہ خبر کیا کہلاتی ہے؟ إِنَّ کی خبر۔ تو اسم میں وہی ساری چیزیں جو بتدا خبر میں تھیں: بتدا میں اصل کیا تھا وہ کیا ہونا چاہیے؟ معرفہ، اور خبر کیا ہونی چاہیے؟ نکرہ۔ تو إِنَّ کا اسم بھی کیا ہونا چاہیے؟ معرفہ، اور اس کی خبر بھی کیا ہونی چاہیے؟ نکرہ۔ تو لہٰذا آپ کے پاس جب دو اسم آجاتے تھے تو ان میں سے ایک معرفہ ہوتا تھا اور ایک نکرہ اور جملہ پورا ہوتا تھا، تو آپ کس کو بتدا بناتے تھے؟ معرفہ کو، اور خبر کسے بناتے تھے؟ نکرہ کو۔ تو یہاں پر بھی إِنَّ کے بعد دو اسم آجائیں اور وہ بات پوری ہو رہی ہے اور ان میں سے ایک معرفہ ہے اور ایک نکرہ، تو إِنَّ کا اسم کسے بناؤ؟ معرفہ کو۔ کیونکہ إِنَّ کے اسم کا وہی حکم ہے جو کس کا تھا؟ بتدا، اور بتدا میں اصل کیا ہے؟ معرفہ ہونا۔ توجہ نہیں۔ دو اسم آگئے، ایک معرفہ ہے ایک نکرہ، ان پر إِنَّ داخل ہے

تو اس میں سے إنَّ کا اسم کسے بنائیں گے؟ معرفہ کو، اور إنَّ کی خبر کسے بنائیں گے؟ نکرہ کو بنائیں گے۔ بات سمجھ میں آ رہی؟ اور إنَّ اپنے اسم کو نصب دیتا ہے اور خبر کو رفع۔

جی ترکیب کیجیے: إنَّ زَيْدًا قَائِمٌ۔ یہ زَيْدًا منصوب ہے کیونکہ یہ إنَّ کا اسم، اور قَائِمٌ مرفوع ہے کیونکہ یہ إنَّ کی خبر۔ إنَّ کو ذرا ہٹا دیں پھر کیا تھا؟ اس سے پہلے کیا تھا؟ زَيْدٌ قَائِمٌ، زَيْدٌ تھا مبتدا قَائِمٌ تھی اس کی خبر۔ اور إنَّ آیا تو اب إنَّ زَيْدًا قَائِمٌ ہو گیا۔ اب یہ زَيْدًا اس کو مبتدا نہیں کہیں گے اس کو إنَّ کا اسم کہیں گے اور قَائِمٌ کو مبتدا کی خبر نہیں کہیں گے بلکہ إنَّ کی خبر۔ ترکیب کیجیے: إنَّ زَيْدًا قَائِمٌ۔ إنَّ حرف از حروف مشبہ بالفعل، زَيْدًا منصوب لفظاً إنَّ کا اسم۔ منصوب کیوں؟ إنَّ کا اسم ہے، اس نے نصب دیا۔ لفظاً کیوں؟ اس کے نصب پر ہم تلفظ کر رہے ہیں، کر کے دکھاؤ: زَيْدًا۔ آگے قَائِمٌ مرفوع لفظاً صیغہ اسم فاعل، اس کے اندر هُوَ ضمیر مرفوع محلاً اس کا فاعل جو کس کو راجع؟ زید کو یا إنَّ کو؟ زید کو۔ إنَّ کو کیوں نہیں؟ حرف اور فعل کو نہیں راجع ہو سکتی، إنَّ تو حرف ہے۔ توجہ ہے؟ اور نیز یہ قَائِمٌ کو ہم نے إنَّ سے جوڑنا ہے یا إنَّ کے اسم سے جوڑنا ہے؟ إنَّ کی خبر کو إنَّ کے اسم سے جوڑتے ہیں، تو قَائِمٌ کو بھی إنَّ کے اسم یعنی زید سے جوڑنا ہے، تو قَائِمٌ کے اندر هُوَ ضمیر کس کو راجع؟ زید کو یعنی إنَّ کے اسم کو۔ تو قَائِمٌ صیغہ اسم فاعل اپنے فاعل سے مل کر شبہ جملہ ہو کر إنَّ کی خبر۔ إنَّ اپنے اسم اور خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔

إنَّ زَيْدًا قَائِمٌ ترجمہ کرو: بے شک زید کھڑا ہے، یا یوں کہو یقیناً زید کھڑا ہے۔ یا یوں کہو زید کھڑا ہے۔ ہاں لیکن ذرا تاکید کے ساتھ ہے یہ کلام۔ توجہ ہے؟ جہاں إنَّ آئے آپ بے شک ترجمے میں ضرور لائیں ایسا نہیں ہے بھئی۔ سمجھ میں آیا؟ آپ قرآن کا ترجمہ بھی اٹھا کر دیکھ لیں ہمارے علماء ترجمہ کرتے ہیں، تو ہر جگہ بے شک بے شک إنَّ آتا ہے تو بے شک ترجمہ نہیں کرتے بھئی۔ بس إنَّ سے اتنا پتہ لگ گیا کہ کلام میں تاکید ہے، زور ہے۔ اردو میں ویسے مثال سمجھ لیں: میں کہتا ہوں زید کھڑا ہے، اور ایک میں کہتا ہوں واللہ زید کھڑا ہے، کس میں زور زیادہ؟ واللہ، بھئی دیکھا جیسے قسم سے کلام میں زور آ جاتا ہے، لیکن خیر قسم سے تو بہت زیادہ زور آ جاتا ہے، إنَّ سے بھی اسی طرح کیا ہے کلام کے اندر زور آ جاتا ہے، تاکید آ جاتی ہے۔

إنَّ مبتدا خبر یعنی جملے پر داخل ہوتا ہے اور إنَّ کے داخل ہونے کے بعد بھی جملہ جملہ ہی رہتا ہے، یعنی اس میں بات پوری ہوتی ہے۔ زَيْدٌ قَائِمٌ کا کیا ترجمہ تھا؟ زید کھڑا ہے، بات پوری ہے۔ اور إنَّ زَيْدًا قَائِمٌ اس کا کیا ترجمہ؟ بے شک زید کھڑا ہے، اس میں بھی بات پوری ہے۔ لیکن یہ جو أنَّ ہے نا أنَّ، یہ جب جملے پر داخل ہوتا ہے تو یہ اس کو مفرد کے حکم میں کر دیتا ہے۔ کس کے حکم میں؟ مفرد کے حکم میں کر دیتا ہے۔ اب وہ مفرد کے حکم میں کس طرح کرتا ہے وہ سمجھ لو بھئی۔ اب اسی پر ہم مثلاً أنَّ لے آتے ہیں۔ لکھیے بھئی: أنَّ زَيْدًا قَائِمٌ۔ یہ أنَّ کیا کرتا ہے؟ جملے کو مفرد کے حکم میں کر دیتا ہے، توجہ ہے؟ یعنی اس کو مصدر بنا دیتا ہے۔ یہ حروف مصدر میں سے ہے۔ جیسے فعل پر أنْ آئے تو وہ فعل کو کس معنی میں کر دیتا ہے؟

مصدر کے معنی میں، اسی طرح أَنَّ جب جملہ اسمیہ پر داخل ہوتا ہے اس کو بھی کیا بنا دیتا ہے؟ مصدر۔

اب کس طرح؟ أَنَّ زَيْدًا قَائِمٌ ترجمہ کرو۔ نہیں، اب بے شک زید کھڑا ہے یہ ترجمہ نہیں ہو گا، اب یہ مفرد بن گیا اب بات پوری نہیں۔ کیسے یہ مفرد کیسے بناتا ہے اس کا طریقہ سیکھ لو، کہ خبر کا مصدر نکالو، إِنَّ کی خبر کا مصدر نکالو اور إِنَّ کے اسم کی طرف اس کی اضافت کر دو۔ أَنَّ زَيْدًا قَائِمٌ یہاں أَنَّ کا اسم زید ہے اور أَنَّ کی خبر کیا ہے؟ قَائِمٌ۔ اس قَائِمٌ کا مصدر نکالو، قَائِمٌ کا مصدر کیا ہے؟ قِيَامٌ بھئی، کیا ہے؟ قِيَامٌ۔ اور اس قِيَامٌ کی اضافت کر دو أَنَّ کے اسم کی طرف۔ أَنَّ کا اسم کیا ہے؟ زَيْدٌ، تو اس کی طرف اضافت کر دو: قِيَامُ زَيْدٍ۔ ترجمہ کرو: زید کا قیام۔ زید کا قیام، دیکھا یہ اس معنی میں ہے۔ آپ سے کوئی پوچھے أَنَّ زَيْدًا قَائِمٌ کا ترجمہ کرو، آپ کیا کہیں گے؟ زید کا قیام۔ اب یہ زید کا قیام دیکھو بات ادھوری ہے، بھئی زید کے قیام کو کیا ہوا؟ اچھا ہے، برا ہے، ہونا چاہیے، نہیں ہونا چاہیے، بات پوری نہیں ہے بھئی۔ تو أَنَّ زَيْدًا قَائِمٌ کیا ترجمہ؟ ابھی تو بتایا بھئی، أَنَّ زَيْدًا قَائِمٌ کیا ترجمہ؟ زید کا قیام۔ اور إِنَّ زَيْدًا قَائِمٌ اس کا ترجمہ کرو: بے شک زید کھڑا ہے، بات پوری ہے إِنَّ کے ساتھ۔ اور أَنَّ زَيْدًا قَائِمٌ ترجمہ کرو: زید کا قیام، دیکھو بات پوری نہیں ادھوری ہے بھئی۔ طریقہ سمجھ میں آیا؟ کیا طریقہ ہے؟ أَنَّ جب کسی جملے پر داخل ہوتا ہے اس کو مفرد کر دیتا ہے یعنی مصدر کے معنی میں، اور طریقہ کیا؟ خبر کا مصدر نکالو اور اس کے اسم کی طرف مضاف کر دو۔ پھر دہراؤ: کہ خبر کا مصدر نکالو اور أَنَّ کے اسم کی طرف مضاف کر دو۔

جی ایک اور مثال کر لیجیے: أَنَّ زَيْدًا فِي الدَّارِ۔ اگر یہ ہوتا إِنَّ، ادھر دیکھیے، اگر ہوتا إِنَّ زَيْدًا فِي الدَّارِ کیا ترجمہ ہوتا؟ بے شک زید گھر میں ہے، بے شک زید اس گھر میں ہے۔ توجہ ہے؟ لیکن یہاں ہے أَنَّ، اب کیا ترجمہ کریں گے؟ خبر کا مصدر نکالو، توجہ ہے؟ خبر کا مصدر نکالو۔ أَنَّ کا اسم کیا؟ زَيْدٌ۔ اور أَنَّ کی خبر کیا؟ فِي الدَّارِ۔ توجہ ہے؟ فِي الدَّارِ۔ اور فِي الدَّارِ کس سے متعلق؟ ثَبَتَ یا ثَابِتٌ سے۔ اور اس ثَبَتَ یا ثَابِتٌ کا مصدر نکالو: ثُبُوْتٌ بھئی، کیا مصدر ہے؟ ثُبُوْتٌ۔ اور اس ثُبُوْتٌ کی اضافت کر دو أَنَّ کے اسم کی طرف: ثُبُوْتُ زَيْدٍ۔ اور فِي الدَّارِ کو اسی طرح ساتھ رکھو: ثُبُوْتُ زَيْدٍ فِي الدَّارِ۔ زید کا ہونا گھر میں۔ ثُبُوْتُ زَيْدٍ فِي الدَّارِ، زید کا گھر میں ہونا، بس یہ ترجمہ ہے اس کا۔ نہیں طریقہ سمجھ میں آ رہا؟ کہ کیا کرو؟ أَنَّ کی خبر کا مصدر نکالو اور اس کے اسم کی طرف اس کی اضافت کر دو، جار مجرور کو ویسے ہی ساتھ جوڑ دو اور مفرد والا مصدر والا ترجمہ کرو بھئی۔ ثُبُوْتُ زَيْدٍ فِي الدَّارِ زید کا گھر میں ہونا، ثُبُوْتُ زَيْدٍ زید کا ہونا فِي الدَّارِ گھر میں۔ ہے نہیں کہنا، زید کا ثبوت گھر میں ہے، نہیں یہ تو پورا جملہ بن گیا، زید کا گھر میں ہونا۔ آگے ابھی بات پوری نہیں، آگے کچھ حصہ کلام کا اور بھی چاہیے بھئی۔ بات سمجھ میں آ گئی؟ چلیے بس کریں، بات اچھی طرح سب کو سمجھ میں آ گئی بھئی؟ چلیے بس بھئی هٰذَا هُوَ الْمَرَامُ وَاللّٰهُ أَعْلَمُ بِحَقِيْقَةِ الْكَلَامِ۔

الْبَابُ الثَّانِي: خُطْبَةُ الْكِتَابِ، تَعْرِيفُ الْكَلِمَةِ وَالْكَلَامِ

خطبۂ کتاب، تعریفِ کلمہ و کلام: بسم اللہ، خطبۂ مصنف و شارح، لفظ، وضع، مفرد اور کلام و جملہ کی تحقیق — اسباق ۱۴ تا ۲۷

سبق نمبر ۱۴: خطبۂ کتاب (۱): «اَلْحَمْدُ لِوَلِیِّہٖ وَالصَّلٰوۃُ عَلٰی نَبِیِّہٖ» کی نحوی و بلاغی تحقیق

شرحِ ملا جامی صفحہ: ۱۲ — بتاریخ: ۲۹ جون ۲۰۲۱ء

▪ تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث

اچھا بھئی دیکھیے بھئی سبق کتاب پر:[1]

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ۔ اَلْحَمْدُ لِوَلِیِّہٖ وَالصَّلٰوۃُ عَلٰی نَبِیِّہٖ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَأَصْحَابِہِ الْمُتَأَدِّبِیْنَ بِآدَابِہٖ۔

اَلْحَمْدُ لِوَلِیِّہٖ، اَلْحَمْدُ لِوَلِیِّہٖ۔ ولی کے کئی معانی علماء نے بیان کیے ہیں بھئی۔ ولی کا ایک معنیٰ ہے لائق بھئی، لائق اور مستحق، لائق اور مستحق بھئی۔ مثلاً آپ کہتے ہیں کہ زید اس عہدے کے لائق ہے، اس عہدے کا مستحق ہے۔ اسی طرح ولی کا ایک معنیٰ علماء نے متصرف کے بھی بیان کیے ہیں، متصرف بھئی، تصرف کرنے والا، تصرف کرنے والا۔ اور جیسے بھئی انسان ہے، اپنے مال کے اندر تصرف کرتا ہے، جہاں چاہتا ہے خرچ کرتا ہے، جس کو چاہتا ہے دیتا ہے اور جس کو نہیں چاہتا نہیں دیتا۔ تو متصرف تصرف کرنے والا اپنے اختیار سے۔ اور اسی طرح ولی کا ایک معنیٰ ہے بھئی محب، محبت کرنے والا۔ اور اسی طرح ولی کا ایک معنیٰ ہے صاحب بھئی، یعنی ساتھی، ساتھی۔ جیسے آپ کا کوئی دوست ہے، ساتھی ہے، تو وہ آپ کا صاحب ہے بھئی، ولی ہے۔ اور اسی طرح ولی کا ایک معنیٰ جو ہے قریبی کے بھی ہیں، جو آپ کا ساتھی ہے، دوست ہے، قریبی ہے۔

[1] جدول — تعارفِ صاحبِ متن (ابن الحاجب) و شارح (ملا جامی رحمہما اللہ):

شخصیت	نام و نسب	مقام و تصنیف
صاحبِ متنِ کافیہ	علامہ جمال الدین عثمان بن عمر ابن الحاجب رحمہ اللہ (وفات ۶۴۶ھ)	متنِ کافیہ (نحو) اور متنِ شافیہ (صرف)
شارحِ کافیہ	مولانا نور الدین عبدالرحمن بن احمد جامی رحمہ اللہ (وفات ۸۹۸ھ)	الفوائد الضیائیۃ (معروف بہ شرحِ ملا جامی)

تو ولی کے کئی معانی میں نے ذکر کر دیے۔ ولی کا معنیٰ لائق اور مستحق بھی، ولی کا معنیٰ متصرف بھی، ولی کا معنیٰ محب بھی محبت کرنے والا، ولی کا معنیٰ صاحب یعنی ساتھی، ولی کا معنیٰ قریبی۔ تو یہاں پر سب سے مناسب جو ہے ولی کا معنیٰ مستحق کے کیا جائے، مستحق اور لائق کے۔ یہ اسی طرح اگر متصرف کا معنیٰ بھی کر لیا جائے تو بھی معنیٰ درست ہو جائے گا۔ یا اسی طرح یہاں ولی کا معنیٰ محب کے کر لیے جائیں تو بھی معنیٰ صحیح ہو جائے گا بھئی۔ لیکن سب سے زیادہ مناسب یہ ہے کہ ولی کا ترجمہ یہاں کیا کیا جائے؟ مستحق اور لائق کے بھئی۔ اور لِوَلِيِّهٖ اس میں جو ہا ضمیر ہے یہ لوٹ رہی ہے حمد کی طرف۔ اَلْحَمْدُ لِوَلِيِّهٖ أَیْ لِوَلِيِّ الْحَمْدِ۔ ہا ضمیر کس کو لوٹ رہی ہے؟ حمد کی طرف۔ تو اَلْحَمْدُ لِوَلِيِّ الْحَمْدِ۔ اور یہ لام اختصاص کے لیے ہے بھئی، لام کس لیے ہے؟ اختصاص کے لیے ہے۔ جیسے آپ کہتے ہیں مثلاً کہ هٰذَا الْكِتَابُ لِزَيْدٍ، یہ کتاب زید کی ہے یعنی زید کے ساتھ خاص ہے، یہ وہی اس کا مالک ہے بھئی۔ تو یہاں پر بھی لام جو آیا وہ اختصاص کے لیے ہے، اَلْحَمْدُ لِوَلِيِّهٖ کہ حمد خاص ہے کس کے ساتھ؟ ولیِ حمد کے ساتھ۔ اور ولیِ حمد سے مراد اللہ تعالیٰ کی ذات ہے بھئی، اللہ تعالیٰ کی ذات۔

تو اَلْحَمْدُ لِوَلِيِّهٖ کیا ترجمہ ہو گا؟ تو یاد رکھنا یہاں الحمد کے اندر الف لام یا تو جنسی ہے یا الف لام استغراقی۔ الف لام کی قسمیں اگرچہ میں نے ترکیب کے اندر ذکر کر دی تھیں لیکن پھر دوبارہ سن لو اور جتنی بار ایک چیز کو سنو گے آپ کے ذہن میں پختہ ہوتی چلی جائے گی۔ إِذَا تَكَرَّرَ تَقَرَّرَ۔ تکرر چھوٹے کاف سے ہے پہلا اور دوسرا بڑے قاف دو نقطوں والے سے۔ إِذَا تَكَرَّرَ تَقَرَّرَ۔ جب کوئی چیز مکرر ہو گی تو تقرر وہ ذہن میں جم جائے گی، پختہ ہو جائے گی۔ یا یوں کہو جتنا ایک چیز کا تکرار ہو گا اتنی ہی وہ پختہ ہو جائے گی ذہن کے اندر۔

تو الحمد جو ہے اس پر الف لام کون سا ہے؟ میں نے بتلایا جنسی یا استغراقی ہے۔ یاد رکھو الف لام جو ہے اس کی دو قسمیں ہیں۔ ایک الف لام اسمی اور ایک الف لام حرفی۔ الف لام اسمی وہ ہے جو اسم فاعل اور اسم مفعول کے صیغوں پر داخل ہو۔ جیسے اَلضَّارِبُ۔ اَلضَّارِبُ اس پر یہ جو الف لام آیا یہ کیا ہے؟ الف لام اسمی ہے۔ اسی طرح اَلْمَضْرُوْبُ یہ اسم مفعول کا جو صیغہ آیا اس پر جو الف لام آیا یہ کیا ہے؟ الف لام اسمی ہے۔ یہ دراصل اسم موصول ہے۔ اسی لیے اس کو الف لام اسمی کہتے ہیں۔ جیسے لاہوری کا کیا معنیٰ؟ لاہور والا۔ تو اسمی کا کیا معنیٰ؟ اسم والا۔ حرفی کا کیا معنیٰ؟ حرف والا۔ تو یہ اسمی جو ہے نسبت ہے اسم کی طرف، اسم والا۔ یعنی یہ الف لام صورت تو الف لام حرفی جیسی ہے لیکن یہ دراصل حرف نہیں ہے بلکہ یہ اسم ہے اور یہ اسم موصول ہے۔ تو اَلضَّارِبُ کس معنیٰ میں ہوا؟ اَلَّذِیْ یَضْرِبُ۔ اور اَلْمَضْرُوْبُ کس معنیٰ میں ہوا؟ اَلَّذِیْ یُضْرَبُ۔

میں نے آپ کو بتلایا تھا کہ ایک ہے فاعل اور ایک ہے اسم فاعل۔ فاعل کسے کہتے ہیں؟ جس کو فعل یا صفت کا صیغہ رفع دے۔ ضَرَبَ زَيْدٌ یہ زَيْدٌ کو رفع کس نے دیا؟ ضَرَبَ نے، یہ اس کے لیے فاعل ہے۔ تو یہ زید ہے فاعل۔ اور ایک ہوتا ہے اسم فاعل۔ اسم فاعل وہ خاص صیغے جو آپ نے گردانوں میں پڑھے ہیں: ضَارِبٌ، فَاتِحٌ، مُكْرِمٌ، مُسْتَخْرِجٌ، مُقَاتِلٌ وغیرہ۔ تو

فاعل اور اسم فاعل میں فرق سمجھ میں آیا؟ فاعل کسے کہتے ہیں؟ جس کو فعل یا صفت کا صیغہ رفع دے یا ان کے لیے فاعل بنے۔ اور اسم فاعل وہ مخصوص صیغے کا نام ہے۔ اور اسی طرح ایک ہوتا ہے مفعول اور ایک ہے اسم مفعول۔ مفعول وہ لفظ جسے فعل یا صفت کا صیغہ نصب دے۔ ضَرَبْتُ عَمْرًا یہ عَمْرًا کیا ہے؟ مفعول ہے، اس کو ضَرَبْتُ نے نصب دیا ہے۔ تو مفعول وہ ہے جس کو فعل یا صفت کا صیغہ نصب دے۔ اور ایک ہے اسم مفعول۔ اسم مفعول وہ جو گردانوں کے اندر آپ نے خاص صیغہ پڑھا: مَضْرُوْبٌ، مَفْتُوْحٌ، مُكْرَمٌ، مُسْتَخْرَجٌ، مُقَاتَلٌ۔ تو یہ کیا ہے؟ اسم مفعول ہے بھئی۔

تو یہ جو الف لام اسمی وہ ہے جو اسم فاعل اور اسم مفعول کے صیغوں پر داخل ہو بھئی۔ اور پھر میں نے آپ کو یہ بھی بتلایا تھا کہ یہ اسم فاعل اور اسم مفعول یہ بھی دو قسم پر ہیں بھئی۔ کچھ وہ ہیں جو ثبوت پر دلالت کرتے ہیں اور کچھ وہ ہیں جو حدوث اور تجدد پر دلالت کرتے ہیں۔ حدوث اور تجدد کا ایک ہی معنیٰ ہے، اس کا معنیٰ ہے ہونا۔ ایک چیز جو پہلے نہیں تھی اور پھر ہوئی تو اس کو کیا کہیں گے؟ حدوث۔ ایک صفت وہ ہوتی ہے جس میں ثبوت ہوتا ہے، ایک صفت وہ ہوتی ہے جس میں حدوث ہوتا ہے۔ مثلاً ضارب۔ ضارب اس شخص کو کہیں گے جس نے ضرب لگائی۔ جو ضرب لگا رہا ہے اس کو کیا کہیں گے؟ ضارب۔ دیکھو پہلے ضرب کا وجود نہیں ہوتا، پھر ضرب لگتی ہے اور پھر ضرب ختم ہو جاتی ہے۔ تو دیکھو یہ ہے حدوث اور تجدد۔ ایک چیز پہلے نہیں تھی، ہوئی اور پھر گزر گئی۔ تو اس کو کیا کہتے ہیں؟ حدوث اور تجدد۔ تو یہ آپ پریشان نہ ہوں کہ حدوث کا کیا معنیٰ تجدد کا کیا معنیٰ، دونوں کا ایک ہی معنیٰ ہے، ایک چیز کا ہونا جو پہلے نہ ہو پھر ہو اور گزر جائے۔ تو ضرب کیسی صفت ہے؟ اس میں حدوث اور تجدد ہوتا ہے۔ آپ ضرب لگاتے جائیں نئی نئی ضرب آتی جائے گی اور گزرتی جائے گی، نئی نئی ضرب آتی جائے گی اور گزرتی جائے گی۔ تو یہ حدوث ہو رہا ہے ضرب کے اندر۔ تو ضرب جو ہے حدوث والی صفت ہے۔

اور ایک صفت ہے جس میں ثبوت ہوتا ہے حدوث نہیں۔ مثلاً عالم۔ عالم کسے کہیں گے؟ جاننے والا، جس نے علم حاصل کیا۔ اور مجھے بتائیے علم کیسی صفت ہے؟ کہ حاصل ہونے کے بعد پھر ختم ہو جاتی ہے یا اس شخص کی صفت باقی رہتی ہے؟ وہ باقی رہتی ہے۔ ضرب تو آئی اور گزر گئی، دوبارہ ضرب لگائی اور پھر گزر گئی، لیکن علم ایسی صفت نہیں۔ علم جب ایک صفت کسی کو حاصل ہو جاتی ہے کہ اس نے ایک چیز کو جان لیا، پہلے نہیں جانتا تھا۔ مثلاً آپ کو پتہ چل گیا کہ فاعل کیا ہوتا ہے؟ مرفوع ہوتا ہے۔ اب جب آپ کو پتہ چل گیا اچھی طرح، اب یہ آپ کی صفت، اب آپ اس صفت کے عالم ہیں، آپ اس کو اس بات کو جاننے والے ہیں اور جب یہ بات آپ کو پتہ چل گئی تو اب یہ آپ کی صفت رہے گی۔ بات سمجھ میں آگئی؟ اور کچھ عرصے تک رہے گی، اگر دوبارہ یاد کریں گے تو پختہ ہو جائے گی، وہ پھر بھول جائے گی کچھ عرصے تک۔ لیکن بہرحال ضرب کی طرح نہیں ہے کہ آئی اور گزر گئی، نہیں۔ یہ جب ایک دفعہ ایک چیز کو انسان جان لیتا ہے تو پھر یہ علم اس کی صفت بن جاتا ہے اور یہ بات اس سے جدا نہیں ہوتا، جلدی یا فوراً جدا نہیں ہوتا۔ تو عالم ایک ایسی صفت

ہے جس میں ثبوت ہے، عالم اس کو کہیں گے جس کے لیے علم کا ثبوت ہے۔ اور ضارب جو صفت ہے ضرب اس کے اندر حدوث ہے، ضارب اس کو کہیں گے جس کے لیے ضرب ثابت ہوئی اور وہ ضرب گزر بھی گئی۔

فرق سمجھ میں آرہا ہے؟ تو صفات گویا دو قسم کی ہو گئیں۔ کچھ وہ ہیں جن میں حدوث اور تجدد ہوتا ہے اور کچھ وہ جن کے اندر ثبوت ہوتا ہے، جو جدا نہیں ہوتیں۔ یا جیسے دوسری مثال لے لو طَوِیْلٌ۔ ایک شخص ہے وہ اس کا قد لمبا ہے، تو کیا یہ قد اس سے بار بار الگ ہو گا یا اس کے ساتھ ثابت رہے گا؟ یہ اس کے ساتھ ثابت رہے گا۔ دیکھا! تو صفات دو قسم کی ہو گئیں: کچھ میں حدوث ہو گا اور کچھ میں ثبوت۔ تو علمائے محققین فرماتے ہیں کہ یہ جو الف لام اسمی ہے وہ ہے جو اسم فاعل اور اسم مفعول کے صیغوں پر داخل ہو، لیکن یہ وہ صیغے ہونے چاہئیں جن میں حدوث اور تجدد والا معنیٰ ہو، جن میں حدوث اور تجدد والا معنیٰ ہو۔ اور وہ صفت جس میں ثبوت والا معنیٰ ہو وہاں الف لام حرفی ہی ہے، وہ الف لام اسمی نہیں۔ لہٰذا اَلْعَالِمُ اس پر جو الف لام آیا وہ کون سا ہے؟ الف لام حرفی ہے، لیکن اَلضَّارِبُ پر جو الف لام آیا وہ الف لام اسمی ہے بھئی۔ اسی طرح اَلشَّارِبُ، شرب پینا۔ دیکھو آپ نے کوئی چیز پی تو آپ شارب بن گئے اور وہ گزر گیا فعل۔ اکل کا معنیٰ کھانا، کھانا وغیرہ کھانا۔ آپ کوئی چیز کھا رہے ہیں تو آپ آکل بن گئے اور جیسے ہی کھانا بند کیا دیکھو وہ اکل والی صفت ختم ہو گئی، اب آپ اس وقت آکل نہیں ہیں بھئی۔ فرق سمجھ میں آگیا؟ تو اسم فاعل اگر ثبوت کے معنیٰ میں ہو تو اس پر الف لام کون سا ہو گا؟ حرفی ہو گا۔ اور اگر وہ صفت حدوث اور تجدد کے معنیٰ میں ہو تو پھر وہ الف لام کیا ہو گا؟ اسمی ہو گا یعنی اسم موصول ہو گا۔ تو اَلضَّارِبُ کس معنیٰ میں ہوا؟ اَلَّذِیْ یَضْرِبُ۔ اور اَلْمَضْرُوْبُ کس معنیٰ میں ہوا؟ اَلَّذِیْ یُضْرَبُ۔ تو یہ الف لام اسمی ہے۔ چنانچہ کافیہ جو متن ہے شرح جامی کا، صاحب کافیہ بھی جب اسمائے موصولہ گنواتے ہیں تو اس میں وہ اس الف لام اسمی کو بھی شمار کرتے ہیں کہ یہ بھی کیا ہے؟ اسم موصول ہے بھئی۔

اور اس کے بعد دوسری قسم ہے الف لام حرفی کی۔ تو الف لام اسمی کے علاوہ باقی جو بھی الف لام آئے یعنی اسم فاعل اسم مفعول کے علاوہ کسی اور صیغے پر جو الف لام آئے وہ الف لام حرفی ہوتا ہے، کیا ہوتا ہے؟ الف لام حرفی۔ پھر اس میں تھوڑی سی مزید تفصیل یاد رکھنا بھئی۔ یہ الف لام حرفی دو قسم پر ہے: ایک ہے زائدہ اور ایک ہے غیر زائدہ۔ توجہ ہے؟ یہ ایک زائدہ اور ایک غیر زائدہ۔ زائدہ وہ ہے جو زائد ہوتا ہے یعنی زائد ہونے کا معنیٰ یہ کہ وہ اپنا اپنے معنیٰ کا اثر وہاں نہیں دیتا، وہ ہو یا نہ ہو اس سے معنیٰ پر کوئی فرق نہیں پڑتا۔ توجہ ہے؟ الف لام حرفی کتنی قسم پر؟ دو۔ ایک زائدہ اور ایک غیر زائدہ۔ زائدہ وہ ہے کہ جس کا کوئی معنیٰ نہیں ہوتا یعنی کلام کے اندر وہ کسی معنیٰ کا فائدہ نہیں دیتا۔ جیسے اَلْحَسَنُ اور اَلْحُسَیْنُ، یا اَلْعَلِیُّ، یا اَلزُّبَیْرُ۔ دیکھو ان سب پر الف لام داخل ہے اور یہ الف لام حرفی ہے، یہ اسم فاعل یا اسم مفعول کے صیغے تو نہیں ہیں۔ اور یہ الف لام حرفی زائدہ ہے، کیونکہ الف لام حرفی تو وہ ہے جس کے ذریعے کسی لفظ کو معرفہ بنایا جاتا ہے، توجہ

ہے؟ جس لفظ پر داخل ہوتا ہے اس کو کیا بنا دیتا ہے؟ معرفہ۔ اور اَلْحَسَنُ، اَلْحُسَیْنُ، اَلْعَلِیُّ، اَلزُّبَیْرُ یہ تو سارے نام ہیں، ان پر الف لام آئے یا نہ آئے یہ ہر حال میں معرفہ ہیں، تو الف لام نے یہاں کوئی نیا فائدہ نہیں دیا۔ تو ہاں البتہ انہوں نے لفظ میں حسن پیدا کر دیا۔ تو یہ کیا ہیں؟ الف لام حرفی زائدہ ہیں۔ اور ان کو چاہے لائیں چاہے نہ لائیں اس سے کوئی معنیٰ پر اثر نہیں پڑے گا۔ اور پھر بعض اوقات یہ لازم ہوتے ہیں، جدا نہیں ہو سکتے، جیسے لفظِ اَللّٰہُ، لفظِ اَللّٰہُ۔ تو ایک قول کے مطابق یہ تو علم ہے اللہ تعالیٰ کی ذات کے لیے اور ایک قول کے مطابق یہ اصل میں إِلٰہٌ تھا، پھر إِلٰہٌ کے شروع میں شروع کا ہمزہ گرایا گیا اور اس کے عوض الف لام لے آئے تو کیا بن گیا؟ اَللّٰہُ بن گیا۔ تو یہ جو الف لام ہے یہ ہمزہ کے عوض میں آیا ہے اور عوض میں آیا ہے اور یہ کلمے کے ساتھ لازم ہے اب اس سے جدا نہیں ہو سکتا، لیکن یہ کلام کے اندر اپنے معنیٰ کا فائدہ نہیں دے رہا۔ بات سمجھ میں آگئی؟

تو یہ ہے الف لام حرفی زائدہ۔ اور الف لام حرفی جو غیر زائدہ ہے، غیر زائدہ اس کی پھر چار قسمیں ہیں۔ یا تو وہ الف لام جنسی ہو گا، یا استغراقی ہو گا، یا عہد ذہنی ہو گا، یا عہد خارجی ہو گا بھئی۔ میں نے آپ کو بتلایا تھا الف لام حرفی وہ ہے جس کے ذریعے کسی چیز کی طرف اشارہ کیا جائے، یہ تعبیر ہمیشہ یاد رکھنا۔ الف لام حرفی وہ ہے، یعنی یوں کہو الف لام حرفی غیر زائدہ جو زائد نہیں ہے بلکہ اپنے معنیٰ کا فائدہ دے رہا ہے تو اس کے ذریعے کسی چیز کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے۔ اگر اشارہ جنس اور ماہیت کی طرف ہو، افراد کی طرف نہ ہو تو یہ الف لام جنسی ہے۔ جیسے اَلرَّجُلُ خَیْرٌ مِنَ الْمَرْأَۃِ۔ جنسِ رجل یہ بہتر ہے جنسِ امرأۃ سے، یعنی یہ جو رجل کی جنس ہے اس کو اللہ نے امرأۃ کی جنس پر عورت کی جنس پر فضیلت بخشی ہے۔ دنیا میں بھی آپ دیکھتے ہیں مردوں کی حکومت ہے، مرد طاقتور ہیں، مرد ہی پیغمبر اور نبی بنے ہیں، مرد ہی پیغمبر اللہ نے بھیجے ہیں اور لوگ بھی پسند کرتے ہیں کہ ان کے زیادہ بیٹے ہوں بھئی۔ تو معلوم ہوا کہ اس جنس کو اللہ نے فضیلت بخشی ہے۔ افراد نہیں مراد کیونکہ ایک ہے ایمان والی عورت اور ایک ہے کافر مرد، تو کون بہتر؟ ایمان والی عورت۔ تو دیکھو افراد کو دیکھا جائے تو بہت سی جگہ افرادِ امرأۃ بہتر ہوتے ہیں افرادِ رجل سے بھئی۔ تو اَلرَّجُلُ خَیْرٌ مِنَ الْمَرْأَۃِ یہ اَلرَّجُلُ پر جو الف لام آیا اور الْمَرْأَۃِ پر جو الف لام آیا یہ کون سا الف لام ہے؟ الف لام غیر زائد ہے اور حرفی ہے اور جنسی۔ بس یوں کہو مختصراً یہ الف لام جنسی ہے بھئی جس کے ذریعے جنس اور ماہیت کی طرف اشارہ ہوتا ہے۔

تو الف لام حرفی غیر زائدہ وہ ہے جس کے ذریعے کسی چیز کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے اور یہ جس لفظ پر داخل ہوتا ہے اس کو معرفہ بنا دیتا ہے، توجہ ہے؟ یہ جس لفظ پر داخل ہوتا ہے اس کو معرفہ بنا دیتا ہے، جب کہ وہ جو الف لام اسمی تھا، وہ جو اَلضَّارِبُ پر آیا، وہ جو ضارب پر آیا اَلضَّارِبُ وہ الف لام نے ضارب کو معرفہ نہیں بنایا بلکہ الف لام خود ہی کیا ہے؟ معرفہ ہے اسم موصول ہے، جب کہ اَلْعَالِمُ کے اندر جو الف لام ہے وہ حرفی ہے اس نے لفظِ عالم کو کیا بنا دیا؟ معرفہ بنا دیا کیونکہ الف لام حرفی ہے بھئی۔

تو الف لام حرفی غیر زائدہ وہ چار قسم پر ہے: یا تو وہ الف لام جنسی ہو گا یا الف لام استغراقی۔ تو اگر الف لام کے ذریعے تمام افراد کی طرف اشارہ ہو تو پھر یہ الف لام استغراقی ہے۔ جیسے قرآن میں اللہ فرماتے ہیں: وَالْعَصْرِ إِنَّ الْإِنْسَانَ لَفِيْ خُسْرٍ۔ تو إِنَّ الْإِنْسَانَ یہ الانسان پر جو الف لام ہے علماء فرماتے ہیں یہ الف لام استغراقی ہے، اس کے ذریعے تمام افرادِ انسان کی طرف اشارہ ہے۔ إِنَّ الْإِنْسَانَ یقیناً تمام انسان جو ہیں خسارے میں ہیں۔ اب آپ سے کوئی پوچھے کہ یہ تمام کا ترجمہ آپ کہاں سے لے آئے تو آپ کیا کہیں گے یہ کس کا ترجمہ ہے؟ یہ الف لام کا ہے جو الانسان پر داخل ہوا بھئی۔

تیسری قسم ہے الف لام حرفی غیر زائدہ کی الف لام عہد خارجی۔ عہد کا معنیٰ ہے متعین ہونا، مقرر ہونا۔ تو الف لام عہد خارجی وہ ہے جس میں افراد کی طرف اشارہ ہوتا ہے اور افراد بھی بعض ہوتے ہیں، تمام نہیں۔ بھئی اگر جنس کی طرف اشارہ ہو تو الف لام جنسی، افراد کی طرف ہو تو پھر وہ تمام افراد کو ہو گا یا بعض کو۔ اگر تمام کو ہو تو الف لام استغراقی، اگر بعض کو اشارہ ہو اور وہ بعض خارج میں متعین ہوں گے یا متعین نہیں۔ اگر خارج میں وہ بعض متعین ہیں تو وہ الف لام عہد خارجی ہے اور اگر خارج میں متعین نہیں تو پھر وہ الف لام عہد ذہنی ہے بھئی۔ تو عہد کا کیا معنیٰ؟ متعین ہونا، مقرر ہونا۔ معہود کس کو کہتے ہیں؟ مقررہ، متعین جو ہے اس کو معہود کہتے ہیں۔ مثلاً میں آپ سے کہتا ہوں جَاءَنِيْ رَجُلٌ أَمْسِ، کل میرے پاس کوئی ایک آدمی آیا تھا، میں رَجُلٌ نکرہ لایا۔ اب میں آپ کو بتانا چاہتا ہوں کہ میں نے اسی آدمی کا اکرام کیا تو پھر میں کیا کہوں گا؟ أَكْرَمْتُ الرَّجُلَ، میں نے اکرام کیا اس آدمی کا۔ اور آپ سمجھ گئے یا نہیں سمجھ گئے میں کس کی بات کر رہا ہوں؟ آپ سمجھ گئے کہ جس آدمی کا ابھی ذکر ہوا تھا۔ تو پہلے میں اس کو نکرہ لایا کیونکہ آپ اس کو نہیں جانتے تھے اور پھر جب دوبارہ لایا تو اب میں معرفہ لا کر اسی کی طرف اشارہ کر رہا ہوں۔ تو ترجمہ کیسے ہو گا؟ فَأَكْرَمْتُ الرَّجُلَ میں نے اکرام کیا اس آدمی کا، یہ اس کس کا ترجمہ ہے؟ الف لام کا۔ اور یہ جو الف لام ہے میں نے بتایا کہ بعض افراد کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے جو خارج میں متعین ہوتے ہیں۔ بعض کا لفظ استعمال کیا کیونکہ یہ ایک بھی ہو سکتے ہیں، دو بھی یا دو سے زیادہ بھی۔ مثلاً میں آپ سے کہتا ہوں جَاءَنِيْ رَجُلَانِ أَمْسِ، کل میرے پاس دو آدمی آئے تھے، فَأَكْرَمْتُ الرَّجُلَيْنِ تو میں نے ان دو کا اکرام کیا۔ دیکھا اب ان دو کا الف لام کا ترجمہ میں کر رہا ہوں۔ یا میں آپ سے کہتا ہوں جَاءَنِيْ رِجَالٌ أَمْسِ، کل میرے پاس کچھ لوگ آئے تھے، رجال جمع لایا، تو آگے میں کیا کہوں گا؟ أَكْرَمْتُ الرِّجَالَ تو میں نے ان مردوں کا ان آدمیوں کا اکرام کیا۔ توجہ ہے؟ الف لام کے ذریعے یا تو اشارہ ہو گا جنس کی طرف یا افراد کی طرف۔ اگر جنس کی طرف اشارہ ہو تو الف لام جنسی۔ اگر افراد کی طرف اشارہ ہو یا تو تمام افراد کو ہو گا یا بعض کو۔ اگر تمام کو اشارہ ہو تو الف لام استغراقی۔ اگر بعض کو اشارہ ہے تو پھر وہ بعض خارج میں متعین ہوں گے یا متعین نہیں۔ اگر وہ متعین ہیں تو الف لام عہد خارجی ورنہ الف لام عہد ذہنی۔ تو یہ الف لام عہد خارجی جس میں بعض کی طرف اشارہ ہوتا ہے وہ بعض ایک بھی ہو سکتا ہے، دو بھی، دو

سے زیادہ بھی لیکن تمام نہیں ہوں گے۔ کیونکہ تمام ہوں تو پھر وہ کیا ہے؟ الف لام استغراقی۔ فرق سمجھ میں آیا کہ نہیں؟ اَلرِّجَالُ اس کے ذریعے ان تمام لوگوں کی طرف اشارہ کیا لیکن اگر الف لام استغراقی ہو اس میں تو اس جنس کے پورے دنیا میں جتنے انسان ہوں گے سب مراد لینے پڑتے ہیں بھئی، یہاں کچھ خاص لوگ ہیں، دو ہیں، چار ہیں، دس ہیں یا سو ہیں لیکن سارے افراد نہیں ہیں اس کے۔

اور اگر وہ بعض جو ہیں خارج میں متعین نہیں تو پھر وہ الف لام عہد ذہنی ہے۔ جیسے حضرت یعقوب علیہ السلام کا قول ذکر ہے قرآن میں، بیٹے جب آئے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کو ہمارے ساتھ بھیج دیجیے کہ ہمارے ساتھ کھیلے گا تو آپ نے فرمایا: إِنِّیْ أَخَافُ أَنْ یَّأْکُلَهُ الذِّئْبُ۔ اَلذِّئْبُ الف لام لے کر آئے۔ اور مجھے بتائیے کیا یہ الف لام اسمی ہے یا حرفی ہے؟ یہ اسم فاعل یا اسم مفعول کا صیغہ ہے؟ نہیں، معلوم ہوا یہ الف لام حرفی ہے۔ تو الف لام حرفی ہے اور اس کے ذریعے تو کسی چیز کی طرف اشارہ ہوتا ہے، تو غور کریں کہ یہ اشارہ جنس کی طرف ہے یا افراد کی طرف؟ جنس کی طرف ہے یا افراد کی طرف؟ تو آپ نے غور کیا کہ نہیں بھئی، جنس کی طرف اشارہ نہیں ہو سکتا ورنہ تو ترجمہ یہ ہو جائے گا کہ مجھے خوف ہے کہ بھیڑیے کی جو جنس ہے، جو ماہیت ہے، جو مٹیریل ہے جس سے وہ بنا ہے وہ اس کو کھا لے گا، اور کسی چیز کی جنس اور ماہیت نہیں کھاتی۔ بھیڑیے کی جنس اور ماہیت کسی کو نہیں کھاتی بلکہ خارج میں جو بھیڑیے کے افراد ہیں وہ چیزوں کو کھاتے ہیں۔ معلوم ہوا الف لام جنسی بھی یہ نہیں۔ تو پھر ہم دیکھتے ہیں کہ یہ الف لام استغراقی تو نہیں؟ الف لام استغراقی ہو تو معنیٰ یہ ہو جائے گا کہ مجھے خوف ہے سارے بھیڑیے دنیا کے مل کر ان کو کھا جائیں گے، اور ساری دنیا کے بھیڑیے تو وہاں اکٹھے ہی نہیں ہو سکتے، وہ تو دنیا کے کوئی کس کونے میں ہے کوئی کس کونے میں۔ معلوم ہوا یہ الف لام استغراقی بھی نہیں۔ پھر اب معلوم ہوا یہ بعض افراد کی طرف اشارہ ہے، تو پھر ہم غور کرتے ہیں کہ وہ بعض، اگر اَلذِّئْبُ مفرد ہے، تثنیہ یا جمع ہے؟ مفرد۔ تو اگر اس کو الف لام عہد خارجی بنائیں تو معنیٰ یہ ہو گا کسی خاص بھیڑیے کی طرف اشارہ ہو جائے گا اور ترجمہ یہ ہو گا کہ مجھے خوف ہے کہ ان کو وہ والا بھیڑیا کھا جائے گا۔ تو کیا کوئی وہاں خاص بھیڑیا متعین تھا؟ خاص بھیڑیا بھی متعین نہیں تھا۔ معلوم ہوا الف لام عہد خارجی بھی نہیں ہے۔ تو آخری صورت کیا رہ گئی کہ یہ کیا ہے؟ الف لام عہد ذہنی ہے۔ کہ ذہن میں بھیڑیے کے جنس کا کوئی ایک فرد تصور کر کے الف لام کے ذریعے اس کی طرف اشارہ کر دیا۔

اور میں نے آپ کو بتلایا تھا کہ یہ جو الف لام عہد ذہنی ہوتا ہے یہ جس لفظ پر داخل ہوتا ہے، جیسے ذِئْبٌ پر الف لام داخل ہوا، یہ لفظوں میں تو معرفہ بن گیا، لفظوں میں کیا بن گیا؟ معرفہ بن گیا یہ اس پر الف لام ہے، لیکن معنیٰ کے اعتبار سے یہ نکرہ کا نکرہ ہی رہتا ہے۔ چنانچہ ذِئْبٌ کا الف لام کے بغیر ہو تو کیا ترجمہ؟ کوئی بھیڑیا یا ایک بھیڑیا۔ اَلذِّئْبُ پر الف لام عہد ذہنی ہے، اس کا بھی وہی ترجمہ ہو گا کوئی بھیڑیا۔ چنانچہ ترجمہ یوں ہو گا: إِنِّیْ أَخَافُ أَنْ یَّأْکُلَهُ الذِّئْبُ، مجھے یہ خوف ہے کہ ان کو کوئی

بھیڑیا کھا جائے گا۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو یہ ہوئیں الف لام کی قسمیں، بات سمجھ میں آگئی؟

اور پھر یہ حمد کہتے کس کو ہیں؟ آپ شرح تہذیب کے اندر پڑھ چکے ہیں: اَلْحَمْدُ ہُوَ الثَّنَاءُ بِاللِّسَانِ عَلَى الْجَمِيْلِ الْإِخْتِيَارِيِّ نِعْمَةً كَانَ أَوْ غَيْرَہَا۔ اَلْحَمْدُ، حمد کسے کہتے ہیں؟ ہُوَ الثَّنَاءُ بِاللِّسَانِ وہ زبان سے کسی کی تعریف کرنا، عَلَى الْجَمِيْلِ الْإِخْتِيَارِيِّ کسی ایسے اچھے وصف پر اختیاری جو اختیاری ہو، نِعْمَةً كَانَ أَوْ غَيْرَہَا چاہے وہ نعمت ہو یعنی نعمت کے مقابلے میں ہو یا نعمت اور انعام کے مقابلے میں نہ ہو۔ بھئی دیکھیے آپ چیزوں کی تعریف کرتے ہیں۔ آپ کو ایک خوبصورت موتی نظر آیا تو آپ کہتے ہیں یہ کتنا خوبصورت ہے، تو یہ آپ نے اس کی تعریف کی۔ اور ایک کبھی افراد کی تعریف کرتے ہیں مثلاً آپ کہتے ہیں کہ زید کتنا حسین ہے، یا آپ کہتے ہیں کہ زید کتنا سخی آدمی ہے۔ تو یہ صفات یاد رکھو دو قسم کی ہیں: کچھ اختیاری ہوتی ہیں اور کچھ غیر اختیاری۔ دیکھو موتی حسین ہے، اس کے اس حسین ہونے میں اس کا اپنا کوئی عمل دخل نہیں، اللہ نے اس کو حسین بنایا ہے۔ اسی طرح زید کی صفات دو قسم کی، کچھ وہ ہیں جو اس کے اختیار میں ہیں، کچھ وہ جو اس کے اختیار میں نہیں۔ مثلاً آپ کہتے ہیں زید کتنا حسین ہے، تو دیکھو یہ اس کا حسن و جمال یہ اس کے اپنے اختیار سے نہیں ہے، یہ حسن و جمال اسے اللہ نے عطا فرمایا ہے۔ اور اسی طرح زید جو ہے مثلاً سخی آدمی ہے تو آپ اس کی تعریف کرتے ہیں، تو دیکھو یہ سخاوت میں اس کا اپنا عمل دخل ہے، سخاوت میں اس کا اپنا عمل دخل ہے، وہ سخاوت کرتا ہے تو وہ سخی ہے، سخاوت نہیں کرے گا تو سخی بھی نہیں۔ تو صفات گویا جن کی پر تعریف کی جاتی ہے وہ دو قسم کی ہیں، یعنی وہ اختیاری بھی ہو سکتی ہیں اور غیر اختیاری بھی ہو سکتی ہیں۔ پھر یہ جو تعریف کی جاتی ہے کبھی انعام و احسان کے مقابلے میں ہوتی ہے اور کبھی بغیر انعام و احسان کے مقابلے میں۔ مثلاً آپ زید سے ملنے گئے اس نے آپ کا بہت

اکرام کیا بھئی۔ بڑی عزت کی آپ کی، آپ کو بٹھایا، وقت دیا، چائے وغیرہ پلائی۔ تو آپ بعد میں زید کی تعریف کرتے ہیں کہ زید بڑا اچھا آدمی ہے۔ یہ آپ تعریف کیوں کر رہے ہیں؟ کہ اس نے آپ کے ساتھ احسان کیا ہے۔ کیا کیا ہے؟ احسان۔ اردو میں تو احسان کہتے ہیں نا بڑی نیکی کو، بڑی نیکی کو عموماً بولا جاتا ہے کہ میرا اس پر یہ احسان ہے۔ اور احسان ہر نیکی، ہر نیکی کو کیا کہتے ہیں عربی میں؟ احسان کہتے ہیں۔

تو اس نے آپ کے ساتھ احسان کیا ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ اور ایک یہ صورت ہے کہ آپ کی زید سے ملاقات بھی نہیں ہوئی، بس لوگوں سے آپ نے اس کی تعریف سنی، تو آپ بھی کہتے ہیں کہ زید بڑا اچھا آدمی ہے۔ تو آپ زید کی تعریف کرتے ہیں۔ آپ نے کہا زید بہت اچھا آدمی ہے، یہ کیا اس نے آپ کے ساتھ کوئی احسان کیا ہے یا بغیر احسان کے؟ بغیر احسان کے۔ تو گویا تعریف کبھی احسان پر کی جاتی ہے اور کبھی بغیر احسان کے کی جاتی ہے۔

تو یہاں جو آیا: اَلْحَمْدُ هُوَ الثَّنَاءُ بِاللِّسَانِ۔ حمد جو ہے وہ تعریف ہے جو زبان سے کی جائے۔ تو هُوَ الثَّنَاءُ بِاللِّسَانِ، وہ تعریف کرنا ہے کس سے؟ زبان سے۔ کس سے تعریف کرنا؟ زبان سے تعریف کرنا۔ عَلَى الْجَمِيْلِ الْاِخْتِيَارِيِّ، اور ایسے اچھے وصف پر جو اختیاری ہو۔ جو اختیاری ہو۔ پھر نِعْمَةً كَانَ أَوْ غَيْرَ نِعْمَةٍ، چاہے وہ انعام کے مقابلے میں ہو یا نہ ہو۔

معلوم ہوا صفت اختیاری ہونی چاہیے۔ لہٰذا زید کی سخاوت پر میں نے اس کی تعریف کی تو یہ حمد ہے۔ یہ صفت کیا ہے اس کی؟ اختیاری ہے۔ سخاوت کیا ہے؟ اختیاری۔ اور اس کے حسن و جمال پر میں نے اس کی تعریف کی، یہ حمد نہیں ہے، کیونکہ حمد کے اندر قید آگئی: عَلَى الْجَمِيْلِ الْاِخْتِيَارِيِّ بھئی۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو اگر اختیاری نہ ہو تو پھر اس کو مدح کہتے ہیں، میم دال حا، مَدْحٌ بھئی، مَدْحٌ۔ تو زید کی سخاوت پر میں نے تعریف کی، یہ کیا ہے؟ حمد ہے۔ اور زید کے حسن و جمال پر میں نے اس کی تعریف کی، یہ مدح ہے بھئی، مَدْحٌ ہے بھئی۔

تو حمد کسے کہتے ہیں؟ زبان سے کسی کی تعریف کرنا ایسے اچھے وصف پر جو اس کے اختیار میں ہو اور چاہے اس نے کوئی احسان کیا ہو یا نہ کیا ہو، اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ دونوں صورتوں میں وہ اگر اختیاری وصف ہے تو وہ حمد ہی کہلائے گی۔

اور یاد رکھنا: اَلْحَمْدُ هُوَ الثَّنَاءُ بِاللِّسَانِ۔ ثناء کے بعد بِاللِّسَانِ کی قید آئی۔ یہ قید صرف وضاحت کے لیے ہے۔ کس کے لیے ہے؟ وضاحت کے لیے ہے، ورنہ ثناء کا معنیٰ ہی یہ ہے زبان سے تعریف کرنا۔ ثناء کا کیا معنیٰ؟ زبان سے تعریف کرنا۔ تو جب ثناء کہہ دیا تو اس میں خود ہی زبان سے تعریف کا ذکر آگیا، لہٰذا بِاللِّسَانِ علیحدہ ذکر کرنے کی ضرورت نہیں۔ تو اس کے بغیر بھی آپ کہہ دیں: اَلْحَمْدُ هُوَ الثَّنَاءُ عَلَى الْجَمِيْلِ الْاِخْتِيَارِيِّ۔ اَلْحَمْدُ هُوَ الثَّنَاءُ عَلَى الْجَمِيْلِ الْاِخْتِيَارِيِّ کہہ دیں تو بھی وہی ترجمہ ہو گا کہ زبان سے کسی کے اختیاری وصف پر تعریف کرنا۔ لیکن بِاللِّسَانِ کی قید لے آئے وضاحت کے لیے تاکہ طلبہ کو اچھی طرح بات کا پتہ چل جائے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ وضاحت ہو جائے خوب بھئی۔

تو حمد زبان سے جو تعریف کی جائے۔ اچھا بھئی! اب دیکھو، دیکھ رہے ہو کتاب پر دیکھیں بھئی: اَلْحَمْدُ لِوَلِيِّهِ۔ الف لام کی تفصیل بھی میں نے ذکر کر دی، حمد کا معنیٰ بھی بیان کر دیا، لام کے بارے میں بھی بتلایا کہ یہ لام اختصاص کے لیے ہے۔ ولی کا معنیٰ بھی بیان کر دیا میں نے، کہ ولی کے کئی معانی علماء نے بیان کیے ہیں: اس کا معنیٰ مستحق اور لائق بھی، اس کا معنیٰ متصرف بھی، محب بھی، صاحب بھی اور قریبی بھی بھئی۔ اور ہا ضمیر کا مرجع بھی بتلا دیا کہ یہ حمد کو راجع ہے، حمد کو۔

اور یہ اَلْحَمْدُ کے اندر الف لام جو ہے، یہ الف لام جنسی ہے یا الف لام استغراقی؟ توجہ ہے؟ یہ الف لام جنسی ہے یا الف لام استغراقی؟ اگر یہ الف لام استغراقی ہو تو کیسے ترجمہ ہو گا؟ اَلْحَمْدُ تمام تعریفیں جو ہیں لِوَلِيِّهِ وہ لائقِ حمد کے لیے ہیں۔ وہ مستحقِ حمد کے لیے ہیں۔ توجہ ہے؟ تمام تعریفیں مستحقِ حمد کے لیے ہیں، اس ذات کے لیے ہیں جو لائقِ حمد ہے

یعنی اللہ تعالیٰ۔ یہ ترجمہ جب الف لام کون سا ہو؟ استغراقی۔

اگر الف لام جنسی ہو پھر بھی یہی ترجمہ ہو گا۔ اولاً ترجمہ کیا ہو گا؟ اَلْحَمْدُ جنسِ حمد جو ہے لِوَلِيِّهِ کس کے لیے ہے؟ لائقِ حمد کے لیے۔ جنسِ حمد لائقِ حمد کے لیے ہے۔ معنیٰ پھر بھی وہی نکلے گا کہ یعنی تمام حمدیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں۔ جنسِ حمد اللہ تعالیٰ کے لیے، کیا ترجمہ؟ اس کا بھی معنیٰ وہی ہے کہ تمام حمدیں اللہ کے لیے ہیں۔ آپ حیران ہوں گے کہ جنسِ حمد اللہ کے لیے ہے تو اس سے یہ ترجمہ کہاں سے آپ نے نکال لیا کہ تمام حمدیں اللہ کے لیے ہیں؟

بھئی دیکھیے بھئی۔ مثلاً دیکھو ایک ہوتی ہے جنس اور ماہیت اور ایک ہے افراد۔ جیسے انسان۔ انسان کی حقیقت اور ماہیت کیا ہے؟ حیوانِ ناطق۔ اور اس کے افراد جو خارج میں آپ موجود ہیں، زید ہے، عمرو ہے، بکر ہے، خالد، یہ کیا ہیں؟ افراد۔ توجہ ہے؟ تو ایک ہوتی ہے جنس اور ماہیت اور ایک ہوتے ہیں افراد۔ اور یاد رکھو یہ جو جنس اور ماہیت ہوتی ہے، اس کا خارج میں علیحدہ وجود نہیں ہوتا، اپنے افراد ہی کے ضمن میں اس کا وجود ہوتا ہے۔ مثلاً انسان کی حقیقت اور ماہیت کیا ہے؟ حیوانِ ناطق۔ کیا آپ مجھے خارج میں علیحدہ سے حیوانِ ناطق دکھا سکتے ہیں کہ حیوانِ ناطق ہو اور وہ انسان کا فرد نہ ہو؟ جنس اور ماہیت، انسان کی حقیقت کیا، توجہ ہے؟ انسان کی حقیقت کیا؟ حیوانِ ناطق۔ یہ حیوانِ ناطق خارج میں علیحدہ موجود نہیں، یہ اپنے افراد ہی کے ضمن میں موجود ہے۔ مثلاً خارج میں زید ہے تو حیوانِ ناطق بھی ہے۔ خارج میں عمرو ہے تو خارج میں حیوانِ ناطق بھی ہے۔ خارج میں بکر ہے تو حیوانِ ناطق بھی ہے۔ اپنے فرد سے علیحدہ اس جنس اور ماہیت کا الگ وجود نہیں۔ یہ بات سمجھ میں آگئی؟ تو جنس اور ماہیت جو ہوتی ہے، حقیقت جو ہوتی ہے، وہ اپنے افراد کے ضمن میں خارج میں پائی جاتی ہے، علیحدہ اس کا وجود نہیں ہوتا۔ بات سمجھ میں آگئی؟

اب جب ہم کہتے ہیں مثلاً، مثلاً فرض کریں دنیا میں سو غلام ہیں۔ کتنے غلام ہیں؟ سو غلام ہیں، اور اس میں سے ننانوے غلام ہیں زید کے اور ایک غلام ہے عمرو کا۔ فرض کر لیں۔ ننانوے غلام کس کے؟ زید کے، اور ایک غلام کس کا؟ عمرو کا۔ اب میں کہنا چاہتا ہوں کہ یہ جنسِ غلام جو ہے وہ زید کا ہے۔ جنسِ غلام کس کے؟ زید کے۔ میرا یہ کہنا درست نہیں ہے، کیونکہ خارج میں جنس کا وجود کس کے ضمن میں ہے؟ افراد۔ ٹھیک ہے وہ ننانوے افراد، جنس ان سب کی حقیقت اور ماہیت کیا ہے وہ؟ مثلاً غلام ہیں، ان کی جنس کیا ہے؟ غلام ہے۔ وہ سب کس کے لیے ہیں؟ ان میں سے سو میں سے ننانوے کس کے لیے؟ زید کے لیے، لیکن ایک کس کے لیے ہے؟ عمرو کے لیے بھی تو ہے۔ اور جب وہ ایک غلام عمرو کے لیے ہے تو جنسِ غلام عمرو کے لیے بھی ثابت ہو گئی یا نہیں؟ جی۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو ایک فرد بھی اگر کسی اور کے لیے ہو جائے گا تو پھر آپ یہ نہیں کہہ سکتے کہ جنسِ غلام زید کے لیے ہے۔ ہاں تمام افرادِ غلام کس کے ہوں؟ زید کے۔ اب آپ کہہ سکتے ہیں کہ جنسِ غلام زید کے لیے ہے، یہ ساری جنس کا مالک کون ہے؟ زید ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو جب میں

نے کہہ دیا کہ جنسِ غلام زید کے ہیں، فرض کرو سارے غلام زید کے ہیں، تو میں کہتا ہوں جنسِ غلام زید کے لیے ہیں تو معنیٰ وہی ہے کہ تمام افرادِ غلام کس کے لیے ہیں؟ زید کے لیے ہیں۔ بات سمجھ میں آگئی؟ اگر ایک فرد بھی کسی اور کے لیے ہوا تو میں یہ نہیں کہہ سکتا کہ جنسِ غلام زید کے لیے ہیں، جنسِ غلام زید کے ہیں۔ بات سمجھ میں آرہی ہے؟

تو یہاں پر بھی اسی طرح اَلْحَمْدُ میں الف لام کو جنسی بھی مراد لے لیں کہ جنسِ حمد جو ہے وہ اللہ کے لیے ہے، تو معنیٰ پھر بھی وہی نکلے گا۔ معلوم ہوا کہ جنسِ حمد کے جتنے افراد ہیں وہ کس کے ساتھ خاص ہیں؟ اللہ تعالیٰ کے ساتھ۔ معلوم ہوا تمام حمدیں کس کے لیے ہیں؟ اللہ تعالیٰ کے لیے۔ تو آپ الف لام جنسی مراد لے لیں چاہے الف لام استغراقی، دونوں صورتوں میں معنیٰ وہی نکلے گا کہ تمام حمدیں کس کے لیے ہیں؟ اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں، اللہ کے ساتھ خاص ہیں۔ بات سمجھ میں آگئی؟

تو کہتے ہیں اَلْحَمْدُ لِوَلِيِّهِ، تمام تعریفیں جو ہیں وہ مستحقِ حمد کے ساتھ خاص ہیں، یا یوں کہو کہ تمام تعریفیں جو ہیں وہ اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں۔

تو مصنف نے، مصنف ملا جامی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب کے آغاز میں بسم اللہ کے بعد اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ کو ذکر کیا۔ ایک تو قرآن کا اتباع کیا کیونکہ قرآن میں بھی بسم اللہ کے بعد کیا ہے؟ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ۔ تو قرآن کا اتباع کیا، اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقے پر عمل فرمایا کہ حضور علیہ السلام کا طریقہ بھی کیا تھا کہ بسم اللہ کے بعد اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ ذکر فرماتے تھے، اللہ کی حمد و ثناء بیان فرماتے۔ اور اسی طرح مصنف نے اتباع کیا خلفائے راشدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا۔ خلفائے راشدین کی سنت اور ان کا طریقہ بھی کیا تھا؟ وہ بسم اللہ کے بعد اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ کو ذکر فرماتے تھے۔ اور اسی طرح اتباع کیا مصنف نے اپنے تمام سلفِ صالحین کا کہ ہمارے تمام بزرگوں کا یہ طریقہ ہے، چاہے وہ وعظ و نصیحت کریں، چاہے وہ کوئی کتاب تحریر کریں تو شروع میں بسم اللہ اور اس کے بعد اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ ذکر کرتے ہیں، تو مصنف نے بھی ان کا اتباع کیا بھئی۔

سوال پیدا ہوتا ہے کہ مصنف نے عام طریقہ کار کو چھوڑ کر نیا طریقہ کیوں اختیار کیا؟ ہمارے عام بزرگ جو ہیں وہ تو بسم اللہ کے بعد اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ کہتے ہیں، جبکہ ملا جامی فرماتے ہیں اَلْحَمْدُ لِوَلِيِّهِ بھئی۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ کے بجائے کیا لے آئے؟ اَلْحَمْدُ لِوَلِيِّهِ لے آئے۔ اللہ تعالیٰ کا نام ذکر کرنے کے بجائے ولیِ حمد، یہ اللہ کی صفت ذکر کر دی بھئی۔

تو علماء نے اس کے کئی جوابات دیے ہیں بھئی۔ پہلا جواب یہ دیا جاتا ہے کہ ملا جامی جو ہے وہ بطورِ تعظیم کے انہوں نے اللہ کے نام کے بجائے اللہ کی صفت کو ذکر فرمایا۔ اللہ کے نام کے بجائے اللہ کی صفت کو ذکر فرمایا اور اللہ تعالیٰ کا نام نہیں لیا بطورِ ادب کے، بطورِ ادب کے اللہ کا نام نہیں لیا۔ یاد رکھو ایک ہے نام، ایک ہے وصف۔ بڑے جتنی بڑی ذات ہوگی، اس کا نام لینا بے ادبی شمار ہوتا ہے۔ تو بڑی ذات ہو تو اس کا نام لینا بے ادبی شمار ہوتا ہے بلکہ اس کو صفت کے

ساتھ ذکر کیا جاتا ہے کیونکہ صفت میں تعظیم زیادہ ہے۔ جیسے آپ کا کوئی جاننے والا ہے اور وہ ڈاکٹر ہے، تو اب جب آپ اس سے ملتے ہیں تو آپ خود بھی دیکھتے ہیں عام لوگ اس کا نام نہیں لیتے بلکہ ڈاکٹر صاحب اس کو کہتے ہیں کیونکہ یہ وصف ہے، وصف میں تعظیم زیادہ ہے۔ اسی طرح آپ اپنے سے بڑے کسی سے بات کرتے ہیں تو اس کے کسی وصف کو ذکر کرتے ہیں، اس کا نام نہیں لیتے بھئی۔ یا اسی طرح کوئی گورنر ہے یا وزیر اعظم ہے تو اس سے بات کرتے ہوئے اس کا نام نہیں لیا جاتا بلکہ اس کی صفت یعنی گورنر صاحب یا وزیر اعظم صاحب کہہ کر ان کو خطاب کیا جاتا ہے۔ تو صفت کے اندر تعظیم ہے جبکہ نام لینے میں بے ادبی ہے۔ تو یہاں پر بھی اَلْحَمْدُ لِوَلِيِّهِ، ملا جامی نے لفظِ اللہ یعنی اللہ کا نام لینے کے بجائے اللہ کی صفت کو ذکر فرمایا کہ جو مستحقِ حمد ہے بھئی۔

بعض علماء نے یہ جواب دیا کہ اللہ کے نام کو ذکر نہیں کیا بطورِ تعظیم کے، کیونکہ نام کا ذکر کرنا کیا ہے؟ بے ادبی ہے۔ لیکن میرے خیال میں یہ جواب یہاں نہیں دیا جا سکتا بھئی۔ یہ جواب یہاں نہیں دیا جا سکتا اس لیے کیونکہ اللہ تعالیٰ تو محبوبِ اعظم ہیں، اور جس طرح اللہ کی ذات محبوب ہے اسی طرح اللہ کا نام بھی محبوب ہے، اور اللہ کے نام کے تو ذکر کا حکم دیا گیا ہے بھئی۔ چنانچہ صوفیاء جو ہیں وہ باقاعدہ ان کے ہاں ذکر ہوتا ہے، اللہ اللہ کے ساتھ ذکر کیا جاتا ہے۔ اللہ کا نام تو جیسے اللہ کی ذات محبوبِ اعظم، اسی طرح اللہ کا نام بھی کیا ہے؟ محبوب ہے، اور اسی لیے اللہ کا باقاعدہ ذکر کیا جاتا ہے، اور جتنی جگہ آئے اللہ کا نام ذکر کیا جائے وہ اتنا ہی پسندیدہ ہے، بلکہ یہ دنیا اس وقت تک قائم رہے گی جب تک زمین پر ایک بھی اللہ اللہ کرنے والا موجود ہے بھئی۔ تو یہ کہنا، یہ جواب دینا کہ بطورِ تعظیم کے اللہ کا نام نہیں لیا گیا، یہ یہاں جواب دینا مناسب نہیں ہے، بلکہ پسندیدہ کیا ہے؟ یہاں پر تو اللہ کا نام ذکر کرنا چاہیے تھا بھئی۔ یہ جواب یہاں نہیں دیا جا سکتا۔

اور جوابات دیے جا سکتے ہیں۔ مثلاً پھر بعض علماء دوسرا جواب دیتے ہیں، وہ فرماتے ہیں کہ یہاں رعایتِ سجع کے لیے، کس کے لیے؟ رعایتِ سجع، سین جیم عین، سَجْعٌ، رعایتِ سجع کے لیے جو ہے اللہ کے نام کے ذکر کرنے کے بجائے اللہ کی صفت ذکر فرما دی۔ رعایتِ سجع میں نے پہلے بھی ذکر کیا تھا۔ یہ جو پہلے دن ہم نے عبارت پڑھی: اَلْحَمْدُ لِوَلِيِّهِ وَالصَّلَاةُ عَلٰى نَبِيِّهِ وَعَلٰى آلِهِ وَأَصْحَابِهِ الْمُتَأَدِّبِيْنَ بِآدَابِهِ۔ میں نے بتایا تھا یہ جو نثر ہے، ایک ہے نظم جو اشعار ہوتے ہیں، اور ایک نثر جو عام کلام ہے اس کو نثر کہتے ہیں: نون ہے، ثا ہے اور را ہے، نثر۔ اس نثر کے اندر کلام میں حسن پیدا کرنے کے لیے مصنفین کیا کرتے ہیں؟ کلام کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے بنا لیتے ہیں، اور جن کا اختتام ایک جیسے وزن پر اور ایک جیسے حروف پر ہوتا ہے، اس سے کلام میں حسن پیدا ہو جاتا ہے۔ جیسے: اَلْحَمْدُ لِوَلِيِّهِ، وَالصَّلَاةُ عَلٰى نَبِيِّهِ، وَعَلٰى آلِهِ وَأَصْحَابِهِ، الْمُتَأَدِّبِيْنَ بِآدَابِهِ۔ دیکھو ایک جیسے وزن اور ایک جیسے حروف پر یہ چھوٹے چھوٹے کلام کے ٹکڑے ختم ہو رہے ہیں اور اس سے کلام میں بے انتہا حسن پیدا ہو جاتا ہے۔ یہ ہر ایک نہیں کر سکتا، جو عربی زبان میں مہارت رکھتا ہو گا وہی اس طرح کا کلام ذکر کر سکتا ہے۔ تو اس طرح مصنفین جو ہیں اپنی عربی زبان میں مہارت دکھاتے ہیں اور اپنے کلام میں اس طرح رعایتِ سجع

لا کر اس کو حسین و خوشنما بناتے ہیں۔ تو یہ جو کلام کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے ہیں ان کو فقرہ کہتے ہیں۔ کیا کہتے ہیں؟ فقرہ، فا ہے، قاف دو نقطوں والا، را اور گول تا، فِقْرَةٌ۔ تو یہ اَلْحَمْدُ لِوَلِيِّهِ یہ ایک فقرہ، وَالصَّلَاةُ عَلٰى نَبِيِّهِ یہ دوسرا فقرہ، وَعَلٰى آلِهِ وَأَصْحَابِهِ یہ تیسرا فقرہ، تو یہ فقرے کہلاتے ہیں۔ تو یہ جو فقرے ہیں ان کا اختتام ایک جیسے وزن اور ایک جیسے حروف پر ہو، اس کو کہتے ہیں رعایتِ سجع۔ کیا کہتے ہیں؟ رعایتِ سجع۔ اور یہ آپ قرآن میں بھی دیکھتے ہیں بھئی، قرآن میں بھی جابجا آیتیں ایک جیسے وزن اور حروف پر ختم ہوتی ہیں۔ لیکن قرآن میں اس کو رعایتِ سجع نہیں کہتے، قرآن میں اس کو بطورِ ادب کے رعایتِ فاصلہ کہتے ہیں، صاد کے ساتھ: رعایتِ فاصلہ۔ اس لیے کیونکہ سَجْعٌ عربی زبان میں کبوتر کی آواز کو کہتے ہیں، لہٰذا قرآن کے لیے یہ لفظ استعمال کرنا بے ادبی ہے، تو وہاں کیا لفظ بولتے ہیں؟ رعایتِ فاصلہ۔ اور عام عربی کلام میں اس کو کیا کہتے ہیں؟ رعایتِ سجع۔

تو رعایتِ سجع کے لیے جواب چل رہا ہے بھئی۔ سوال یہ کہ مصنف نے یہ نیا انداز کیوں اختیار کیا؟ جواب یہ کہ رعایتِ سجع کے لیے۔ کس کے لیے؟ رعایتِ سجع کے لیے، کیونکہ مصنف جو ہے آگے وَالصَّلَاةُ عَلٰى نَبِيِّهِ لانا چاہتے تھے رعایتِ سجع کے لیے۔ تو آپ کے ذہن میں اشکال آئے گا کہ بھئی رعایتِ سجع تو وَالصَّلَاةُ عَلٰى نَبِيِّهِ،۔یہاں پر آپ جواب دے سکتے ہیں کہ مصنف پہلے کیا لائے؟ اَلْحَمْدُ لِوَلِيِّهِ لائے، اسی لیے آگے وَالصَّلَاةُ عَلٰى نَبِيِّهِ لائے رعایتِ سجع کے لیے۔ آپ پہلے میں ہی کہہ رہے ہیں، یعنی پہلے فقرے میں ہی کہہ رہے ہیں رعایتِ سجع، اگلا فقرہ تو ابھی مصنف نے لکھا ہی نہیں ہے۔ ابھی صرف کیا لکھا ہے؟ اَلْحَمْدُ لِوَلِيِّهِ۔ آپ سے سوال ہوا یہ وَلِيِّهِ کیوں لائے؟ آپ کیا کہہ رہے ہیں؟ رعایتِ سجع۔ بھئی رعایتِ سجع تو دوسرے میں جا کر لاتے ہیں، پہلے کے مطابق اس کو کرتے ہیں۔ تو جواب یہ کہ بھئی چونکہ مصنف کے ذہن میں تھا کہ میں نے اگلا جملہ وَالصَّلَاةُ عَلٰى نَبِيِّهِ، دیکھو کلام لکھنے سے پہلے انسان سوچتا ہے، ذہن میں اس کو بناتا ہے پھر اس کو لکھتا ہے۔ تو مصنف چونکہ آگے عَلٰى نَبِيِّهِ لانا چاہتے تھے، اس لیے یہاں پر کیا لے آئے؟ لِوَلِيِّهِ تاکہ دونوں میں کیا ہو جائے؟ رعایتِ سجع ہو جائے۔ تو ایک جواب یہ کہ یہ نیا انداز اختیار کیا رعایتِ سجع کے لیے تاکہ یہ دونوں فقروں کا اختتام ایک جیسے وزن اور ایک جیسے حروف پر ہو۔

اور دوسرا جواب یہ کہ کلام میں جدت پیدا کرنے کے لیے۔ كُلُّ جَدِيْدٍ لَذِيْذٌ، ہر نئی چیز میں لذت ہوتی ہے۔ تو مصنف نے بھی اپنی کتاب کے آغاز میں ہی نئے انداز کے ساتھ اللہ کی حمدیان کی تاکہ کلام میں لذت پیدا ہو جائے، پڑھنے والوں کو لطف آئے بھئی۔ كُلُّ جَدِيْدٍ لَذِيْذٌ، ہر جدید چیز لذیذ ہوتی ہے بھئی۔ عربی کا ایک شاعر کہتا ہے:

▪ متنِ کتاب و تحقیقِ مسائلِ نحویہ

لِكُلِّ جَدِيْدٍ لَذَّةٌ غَيْرَ أَنَّنِيْ

لِكُلِّ جَدِيْدٍ لَذَّةٌ غَيْرَ أَنَّنِيْ وَجَدْتُ جَدِيْدَ الْمَوْتِ غَيْرَ لَذِيْذِ

دیکھو ہر نئی چیز میں لذت ہوتی ہے اور انسان نئی چیز کو پسند کرتا ہے، اور موت بھی نئی چیز ہے لیکن موت کو کوئی بھی پسند نہیں کرتا۔ لِكُلِّ جَدِيْدٍ لَذَّةٌ ہر نئی چیز میں لذت ہوتی ہے، غَيْرَ أَنَّنِيْ علاوہ اس کے کہ میں نے وَجَدْتُ جَدِيْدَ الْمَوْتِ میں نے موت جو کہ نئی چیز ہے اس کو پایا غَيْرَ لَذِيْذٍ کہ اس میں لذت نہیں ہے، کوئی بھی اس کو پسند نہیں کرتا۔ لِكُلِّ جَدِيْدٍ لَذَّةٌ غَيْرَ أَنَّنِيْ وَجَدْتُ جَدِيْدَ الْمَوْتِ غَيْرَ لَذِيْذٍ۔ تو کلام میں جدت پیدا کرنے کے لیے۔

اگلا جواب والد صاحب رحمہ اللہ، میرے والدِ محترم شیخ الحدیث والتفسیر حضرت مولانا محمد موسیٰ روحانی بازی رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃً واسعۃً، وہ ان کے بھی جامی پر حواشی ہیں بھئی۔ وہ ان حواشی کے اندر ایک جواب دیتے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ ملا جامی جو ہیں انہوں نے اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ کے بجائے اَلْحَمْدُ لِوَلِيِّهِ کہا، اس لیے کیونکہ ولی بھی اللہ کے اسماء میں سے ایک اسم ہے بھئی۔ ولی بھی اللہ کے۔ یہاں تو یہاں مستحق اور لائق کے معنیٰ میں، لیکن اللہ کے اسماء میں سے ایک اسم کیا ہے؟ ولی بھی ہے، تو اس کے ساتھ مناسبت کے طور پر یہاں ولی کا لفظ وہ لے کر آئے۔ تو اللہ کے اسماء میں سے ایک اسم ولی بھی ہے، اور ملا جامی بہت بڑے صوفی ہیں بھئی، بہت بڑے صوفی ہیں، اور صوفیاء کے ہاں اللہ کا یہ نام کثیر الدوران ہے، ان کی زبانوں پر کثرت سے یہ نام جاری ہوتا ہے۔ تو اس لیے انہوں نے یہاں پر بھی کیا ذکر کر دیا؟ ولی کے لفظ کو ذکر کر دیا۔

اور نیز وہ فرماتے ہیں والد صاحب رحمہ اللہ کہ بطورِ نیک فالی کے، بطورِ نیک فالی کے یہ ولی کے لفظ کو ذکر کیا، اس لیے کیونکہ ولی کی جمع ہے اولیاء، اور ولی اللہ کا محبوب ہوتا ہے، اولیاء اللہ کے محبوب ہوتے ہیں۔ تو ملا جامی اپنی کتاب کے اندر لِوَلِيِّهِ کی عبارت لے کر آئے بطورِ نیک فالی کے تاکہ میری یہ کتاب عند اللہ محبوب ہو جائے۔ جیسے ولی کیا ہوتا ہے اللہ کا محبوب، تو یہاں بھی ولی کا لفظ لے آئے تاکہ میری یہ کتاب بھی عند اللہ محبوب ہو جائے بھئی۔

اور نیز وہ فرماتے ہیں والد صاحب رحمہ اللہ اسی حاشیے میں اپنے کہ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ پر اعتراض ہوتا تھا۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ کا کیا ترجمہ؟ تمام تعریفیں اللہ کے لیے، وہاں بھی وہی ترجمہ۔ لیکن اس پر اعتراض ہوتا ہے کہ کبھی تو اور کسی کی بھی دنیا میں تعریف کی جاتی ہے۔ اس کا اگرچہ علماء پھر جواب دیتے ہیں، لیکن یہاں اعتراض تاکہ وارد ہی نہ ہو سرے سے، کیا کہا؟ اَلْحَمْدُ لِوَلِيِّهِ، تمام تعریفیں کس کے لیے ہیں؟ مستحقِ حمد کے لیے ہیں۔ اب اس پر کوئی اعتراض ہی وارد نہیں ہوتا۔ اس سے پتہ چل گیا کہ تمام حمدیں کس کے لیے ہیں؟ اس ذات کے لیے جو مستحقِ حمد ہے، جو لائقِ حمد ہے۔ معلوم ہوا وہی ایک ذات ہے جو حمد کی مستحق ہے، اس کے علاوہ اور کوئی ذات حمد کی مستحق نہیں۔ اور جو ہیں افراد، وہ حمد کا کسب کرتے ہیں۔ کیا کرتے ہیں؟ کوئی ایسا عمل کرتے ہیں جس سے وہ حمد کے مستحق بن جاتے ہیں، لیکن اصل حمد کا مالک کون ہے؟ اللہ تعالیٰ ہے۔ نیز اس میں اشارہ ہو گیا، اشارہ ہو گیا علت اور دلیل کی جانب بھی کہ اللہ تعالیٰ حمد کے مالک ہیں۔ اَلْحَمْدُ لِوَلِيِّهِ تمام

حمدیں اس ذات کے لیے ہیں جو حمد کا مستحق ہے، جو حمد کا مالک ہے۔ وہ جس کو چاہتا ہے جتنی حمد دیتا ہے۔ کسی میں کچھ حمد کی صفات پیدا کر دیں لوگ اس کی تعریف کرتے ہیں، کسی میں اور حمد کی صفات پیدا کر دیں لوگ اس کی تعریف کرتے ہیں، لیکن یہ اصل حمد عطا کرنے والے اور اصل حمد کے مالک کون ہیں؟ اللہ تعالیٰ۔ اس کی طرف بھی اس عبارت سے اشارہ ہو گیا۔ بات سمجھ میں آگئی؟ کہ اللہ ہی تمام محامد کے مالک ہیں اور وہی ان محامد کو تقسیم فرماتے ہیں بھئی، تقسیم فرماتے ہیں۔

اور نیز اس کے اندر، اس کے اندر دلیل بھی ساتھ ہی آگئی۔ دعویٰ کیا؟ اَلْحَمْدُ لِوَلِيِّهِ، تمام تعریفیں کس کے لیے ہیں؟ مستحقِ حمد کے لیے، دعویٰ بھی ہے اور دلیل بھی ساتھ آگئی۔ بھئی تمام تعریفیں مستحقِ حمد کے لیے کیوں ہیں؟ کیونکہ وہ مستحقِ حمد ہے، وہ مالکِ حمد ہے، وہ لائقِ حمد ہے، تو دعوے کے ساتھ کیا آگئی؟ دلیل بھی آگئی۔ ایک ہوتا ہے دعویٰ، ایک ہے اس کی دلیل۔ مثلاً آپ کہتے ہیں یہ کتاب میری ہے، میں نے کہا اس کی کیا دلیل ہے؟ آپ کہتے ہیں یہ میں بازار سے خرید کر لایا ہوں اور یہ دو ساتھی بھی میرے ساتھ تھے، یہ گواہ ہیں۔ دیکھا آپ علیحدہ دعویٰ اور ہوتا ہے، دلیل اور ہوتی ہے۔ لیکن اگر دعوے کے ساتھ دلیل آجائے تو کلام کا حسن ہی بڑھ جاتا ہے۔ تو ملا جامی ایسی عبارت لے کر آئے کہ دعوے کے ساتھ ہی دلیل بھی آگئی۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ، اس میں یہ بھی ذکر ہو گیا کہ تمام حمدیں اللہ کے لیے ہیں اور اس میں دلیل بھی آ گئی۔ کیوں؟ اللہ کے لیے کیوں ہیں تمام حمدیں؟ کیونکہ اس کی ذات ہی کیا ہے؟ مستحقِ حمد ہے، اور کوئی ذات مستحقِ حمد نہیں۔ اور کوئی ذات مستحق... وہ اللہ ان کو عطا فرماتے ہیں وہ صفات اور کمالات، لیکن اللہ کی ذات ہی کیا ہے؟ مستحقِ حمد ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو یہ کیا ہوا؟ دعویٰ مع الدلیل کے ہو گیا، جس سے کلام کا حسن بہت زیادہ بڑھ گیا بھئی۔ بات سمجھ میں آگئی؟

تو اَلْحَمْدُ لِوَلِيِّهِ تمام تعریفیں اس ذات کے لیے ہیں جو مستحقِ حمد ہے۔

وَالصَّلَاةُ عَلٰى نَبِيِّهِ۔ صلوۃ بھئی، صلوۃ کسے کہتے ہیں؟ تو جلیل القدر تابعی مجاہد رحمہ اللہ صلوۃ کے بارے میں فرماتے ہیں، دیکھیے آپ کے حاشیے میں بھی ہو گا، اس پر نشان لگا لیجیے بھئی۔ وہ فرماتے ہیں: اَلصَّلَاةُ مِنَ اللّٰهِ التَّوْفِيْقُ وَالْعِصْمَةُ۔ صلوٰۃ اللہ کی طرف سے ہو یعنی اس کی نسبت اللہ کی طرف کی جائے تو اس کے معنیٰ توفیق اور عصمت ہے یعنی حفاظت۔ توفیق اور حفاظت۔ وَمِنَ الْمَلَائِكَةِ، اور ملائکہ کی طرف سے ہو یعنی ملائکہ کی طرف اس کی نسبت ہو تو اس کا معنیٰ اَلْعَوْنُ وَالنُّصْرَةُ یعنی مدد ہے۔ وَمِنَ الْأُمَّةِ الْاِتِّبَاعُ، اور امت کی طرف اس کی نسبت ہو تو اس کا معنیٰ ہے اتباع کرنا، پیروی کرنا۔

ہاں۔

یہ کون فرما رہے ہیں؟ جلیل القدر تابعی ہیں بھئی مجاہد رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى رَحْمَةً وَاسِعَةً بھئی۔ تو وہ کیا فرماتے ہیں کہ صلوۃ کی نسبت کس کی طرف ہو؟ اللہ کی طرف نسبت ہو تو اس کا کیا معنی ہے؟ توفیق اور حفاظت۔ اللہ تعالیٰ حضور صلی اللہ

علیہ وسلم إِنَّ اللّٰهَ وَمَلَائِكَتَهُ يُصَلُّونَ عَلَى النَّبِيِّ، دیکھو صلوٰۃ کی نسبت کس کی طرف ہے؟ اللہ کی طرف بھی ہے اور ملائکہ کی طرف بھی ہے۔ بات سمجھ میں آرہی ہے؟ اللہ کی طرف نسبت ہو کہ اللہ صلوٰۃ بھیجتے ہیں حضور پر، کیا معنی اس کا؟ کہ اللہ توفیق عطا فرماتے ہیں حضور علیہ السلام کو اور اللہ تعالیٰ حفاظت فرماتے ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی۔ اور صلوٰۃ کی نسبت ملائکہ کی طرف ہو تو اس کا کیا معنی ہے؟ نصرت اور مدد۔ فرشتے صلوٰۃ بھیجتے ہیں کیا معنی؟ وہ حضور علیہ السلام کی مدد کرتے ہیں بھئی۔ اور امت صلوٰۃ بھیجتی ہے حضور علیہ السلام پر، اس کا کیا معنی؟ کہ امت حضور علیہ السلام کا اتباع کرتی ہے، ان کی پیروی کرتی ہے، ان کے بتلائے ہوئے راستے پر چلتی ہے۔

جی، تو یہ صلوٰۃ کے بارے میں ایک قول۔ جبکہ دوسرا قول یہ ہے کہ بعض علماء فرماتے ہیں کہ صلوٰۃ کی نسبت اگر اللہ کی طرف کی جائے تو اس کے معنی ہیں رحمتِ کاملہ۔ اور اگر صلوٰۃ کی نسبت جو ہے مومنین یعنی اہلِ ایمان کی طرف کی جائے تو اس کا معنی ہے طلبِ رحمت۔ کیا کرتے ہیں؟ وہ اس رحمتِ کاملہ کو طلب کرتے ہیں۔ اور صلوٰۃ کی نسبت فرشتوں کی طرف ہو تو اس کا معنی ہے استغفار۔ یعنی فرشتے کیا کرتے ہیں؟ اہلِ ایمان کے لیے استغفار کرتے ہیں۔ اور صلوٰۃ کی نسبت پرندوں کی طرف ہو تو اس کا معنی ہے تسبیح، یعنی وہ اللہ کی پاکی بیان کرتے ہیں۔

تو صلوٰۃ کی نسبت اگر اللہ کی طرف ہو تو کیا معنی؟ رحمتِ کاملہ۔ اور اگر اہلِ ایمان کی طرف نسبت ہو تو؟ طلبِ رحمتِ کاملہ، وہ اس کو طلب کرتے ہیں، اللہ سے مانگتے ہیں۔ اور اگر فرشتوں کی طرف ہو تو اس کا معنی ہے استغفار، کہ وہ اہلِ ایمان کے لیے کیا کرتے ہیں؟ استغفار کرتے ہیں۔ اور اگر پرندوں کی طرف اس کی نسبت ہو تو اس کا کیا معنی ہے؟ تسبیح ہے یعنی وہ اللہ کی پاکی بیان کرتے ہیں کہ اللہ ہر عیب سے پاک ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟

تو وَالصَّلَاةُ عَلٰى نَبِيِّهٖ۔ نبی، نبی نَبَأٌ سے ہے بھئی نَبَأٌ کا معنی ہے خبر، خبر۔ تو نبی فَعِيلٌ وزن ہے، نَبِيْءٌ فَعِيلٌ۔ تو نَبِيْءٌ بھی پڑھنا ٹھیک اور ہمزہ کو یا کر کے یا میں ادغام کیا جائے اور نَبِيٌّ یوں پڑھنا بھی ٹھیک ہے۔ تو اصل میں کیا تھا؟ اصل میں یہ کس سے ہے؟ نَبَأٌ سے اور نَبَأٌ کا کیا معنی؟ خبر۔ تو یہ مَقْرُوَّةٌ کے قانون سے اس کو نَبِيٌّ بھی پڑھ سکتے ہیں۔ مَقْرُوَّةٌ اصل میں کیا تھا؟ مَقْرُوءَةٌ۔ تو اس ہمزہ کو واؤ کر کے واؤ میں ادغام کیا۔ تو ہمزہ سے پہلے اگر حرفِ مدہ آئے تو ہمزہ کو اسی حرف کی جنس سے بدل کر اس میں ادغام کیا گیا۔ تو نَبِيْءٌ میں ہمزہ کو کس سے بدل دیا گیا؟ یا سے اور یا کا یا میں ادغام ہوا تو کیا بن گیا؟ نَبِيٌّ۔

اور نبی، یاد رکھو نبی وہ انسان جسے اللہ نے لوگوں کی رہنمائی کے لیے منتخب فرمایا ہو اور وہ اللہ کے احکام لوگوں تک پہنچاتا ہو، اس کو نبی کہتے ہیں۔ دیکھو، نبی کس سے ہے؟ نَبَأٌ سے، خبر دینا۔ یہ بھی کیا کرتا ہے؟ اللہ کے احکام کی لوگوں کو خبر دیتا ہے، اس لیے اس کو نبی کہتے ہیں۔ اور یہ یاد رکھنا نبوت بڑا اونچا مقام ہے لیکن اس میں کسب کا دخل نہیں۔ کوئی شخص بڑی محنت کرے، اللہ کی بے انتہا عبادت کرے اور نبوت کے مقام تک پہنچ جائے ایسا نہیں ہے۔ اس میں کسب کا دخل نہیں، یہ اللہ کا خاص فضل ہے جس کو اللہ نے چاہا عطا فرمایا بھئی۔ تو یہ اللہ کا خاص فضل ہے۔ انبیاء جو ہیں وہ اللہ کے

چنے ہوئے لوگ ہوتے ہیں، بچپن ہی سے ان کی حفاظت کی جاتی ہے اور ہر ناپسندیدہ چیز، ہر چھوٹے بڑے گناہ سے ان کی حفاظت کی جاتی ہے۔ تو یہ اللہ کے خاص چنے ہوئے لوگ ہوتے ہیں بھئی۔

اس کے بعد ایک لفظ ہے رسول بھئی، رسول۔ ایک ہے نبی اور ایک ہے رسول۔ نبی بھی وہ شخص جو اللہ کے احکام لوگوں تک پہنچائے، رسول بھی وہ شخص جو اللہ کے احکام لوگوں تک پہنچائے۔ لیکن دونوں میں فرق یہ ہے کہ نبی عام ہے اور رسول خاص ہے۔ رسول جو ہے، رسول اس نبی کو کہتے ہیں جس کو اللہ نے کتاب بھی دی ہو اور شریعت بھی دی ہو۔ جس کو اللہ نے نئی کتاب اور نئی شریعت دی ہو اس کو کیا کہتے ہیں؟ رسول۔ تو ہر رسول نبی بھی ہوتا ہے۔ تو رسول کا درجہ نبی سے بڑھ کر ہے کہ وہ نبی بھی ہے اور ساتھ اس کو اللہ نے نئی شریعت اور نئی کتاب بھی عطا فرمائی ہے۔

اور یاد رکھو انبیاء کی تعداد کوئی ایک لاکھ چوبیس ہزار علماء ذکر فرماتے ہیں، جبکہ رسولوں کی تعداد صرف تین سو تیرہ ہے۔ تین سو تیرہ ہے، تین ایک تین۔ اور جو آسمانی کتابیں ہیں ان کی تعداد ایک سو چار ہے۔ ایک سو چار میں سے چار بڑی کتابیں ہیں، چار بڑی کتابیں ہیں: تورات، زبور، انجیل اور قرآن۔ جبکہ باقی صحیفے ہیں، چھوٹے چھوٹے صحیفے ہیں بھئی۔ صحیفے ہیں۔ تو کل صحیفے اور آسمانی کتابیں ملا کر کتنے ہیں؟ ایک سو چار۔ اور رسول کتنے ہیں؟ تین سو تیرہ۔ تو آپ کے ذہن میں اشکال آئے گا کہ آپ نے ہمیں بتایا رسول کسے کہتے ہیں؟ جس کو اللہ نے کتاب بھی دی ہو اور شریعت بھی دی ہو، تو رسول تین سو تیرہ ہیں تو پھر تو کتابیں بھی کم از کم کتنی ہونی چاہئیں؟ تین سو تیرہ۔ تو جواب یہ کہ بھئی نئی کتاب کا ہونا ضروری نہیں، نئی کتاب کا ہونا ضروری نہیں بلکہ اسی کتاب کو جس کو مثلاً پہلے کسی ایک پر ایک صحیفہ اللہ نے نازل فرمایا تھا، اسی کو دوسرے کسی اور پر نازل فرما دیا تو اس کو الگ شمار کیا جائے گا۔ تو نئے صحیفے کا ہونا ضروری نہیں بلکہ ایک ہی صحیفہ بعض اوقات کئی کئی رسولوں کو عطا کیا گیا بھئی۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو صحیفوں اور کتابوں کی کل تعداد ایک سو چار ہے جبکہ رسولوں کی تعداد تین سو تیرہ ہے۔

اور میں نے بتایا کہ نبی عام ہے اور رسول خاص ہے۔ جبکہ بعض علماء فرماتے ہیں کہ رسول عام ہے اور نبی خاص ہے۔ رسول عام ہے اور نبی خاص۔ وہ کہتے ہیں نبی صرف انسانوں میں سے ہو سکتا ہے جبکہ رسول وہ انسانوں میں سے بھی ہو سکتا ہے اور فرشتوں میں سے بھی۔ قرآن میں بھی کئی جگہ فرشتوں پر رُسُل کا اطلاق ہوا ہے۔ معلوم ہوا رسول انسان بھی ہو سکتا ہے اور فرشتہ بھی، جبکہ نبی صرف کیا ہوگا؟ انسان۔ تو نبی ہوا خاص اور رسول ہوا عام۔

تو دیکھیے کتاب پر وَالصَّلَاۃُ عَلٰی نَبِیِّہٖ اور رحمت نازل ہو اس کے نبی پر۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ ملا جامی نے حضور علیہ السلام کے نام کو چھوڑ کر حضور علیہ السلام کے وصف کو ذکر فرمایا اس کی کیا وجہ؟ کہنا تو یوں چاہیے تھا وَالصَّلَاۃُ عَلٰی مُحَمَّدٍ لیکن کیا کہا؟ وَالصَّلَاۃُ عَلٰی نَبِیِّہٖ، وصف کو ذکر فرمایا اس کی کیا وجہ ہے؟ تو ایک جواب جو پہلے گزر چکا کہ بطورِ تعظیم کے بھئی۔ کیونکہ وصف کے اندر تعریف زیادہ ہے اور جتنی بڑی ذات ہوگی اس کا نام لینا بے ادبی ہے بھئی۔ تو لہٰذا اس لیے نام

لینے کے بجائے حضور علیہ السلام کے وصف کو ذکر فرمایا۔ اور نیز رعایتِ سجع کے لیے، اگر وَالصَّلَاۃُ عَلٰی مُحَمَّدٍ کہتے تو پھر رعایتِ سجع نہ ہوتی بھئی۔ پیچھے تو لِوَلِیِّہٖ آیا تھا، تو یہاں پر محمد دونوں میں کیا ہے؟ رعایتِ سجع نہ ہوتی بھئی۔ اور تیسرا جواب یہ کہ اس بات کی طرف اشارہ کرنے کے لیے اور اس بات پر تنبیہ کرنے کے لیے کہ یہ وصفِ نبوت حضور علیہ السلام کے لیے علم کے درجے میں ہو چکا ہے۔ وصفِ نبوت حضور علیہ السلام کے لیے علم کے درجے میں ہو چکا ہے۔ آپ حضور علیہ السلام کا نام لے لیں یا حضور علیہ السلام کا وصفِ نبوت ذکر کر دیں، ذہن اسی ذات کی طرف جاتا ہے۔ مثلاً میں آپ سے کہتا ہوں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، دیکھا؟ نبی کریم نے فرمایا ذہن فوراً کس طرف گیا؟ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ تو اس میں اشارہ ہو گیا کہ وصفِ نبوت کو بھی ذکر کر دیا جائے تو ذہن اور کسی کی طرف نہیں جاتا، حضور علیہ السلام کی طرف جاتا ہے۔ معلوم ہوا وصفِ نبوت بھی آپ کے لیے کس کے درجے میں ہو چکا؟ علم کے درجے میں ہو چکا ہے۔

تو پہلا جواب کیا؟ بطورِ ادب کے طور پر نام نہیں لیا بلکہ وصف ذکر کیا۔ اور دوسرا جواب کیا؟ رعایتِ سجع کے لیے۔ اور تیسرا جواب یہ کہ اس بات کی طرف اشارہ کرنے کے لیے کہ وصفِ نبوت آپ کے لیے علم کے درجے میں ہو چکا ہے۔

پھر سوال پیدا ہوتا ہے کہ وصف اگر ذکر کرنا تھا تو نبوت کے بجائے رسالت کو ذکر کر دیتے، رسالت اونچا مقام ہے بھئی۔ رسالت، رسول وہ ہے جس کو نئی کتاب اور نئی شریعت دی گئی ہو تو وصفِ رسالت کو ذکر کرنا چاہیے تھا۔ تو اس کا ایک جواب کہ اگر وصفِ رسالت کو ذکر کیا جاتا تو پھر رعایتِ سجع نہ ہوتی، تو رعایتِ سجع کے لیے کیا لے آئے؟ عَلٰی نَبِیِّہٖ تاکہ اس کی مناسبت ہو جائے کس کے ساتھ؟ لِوَلِیِّہٖ کے ساتھ بھئی۔ اور دوسرا جواب یہ کہ رسالت کے بجائے نبوت کا وصف ذکر کیا قرآن کی موافقت کرنے کے لیے۔ قرآن میں بھی اللہ کیا فرماتے ہیں؟ إِنَّ اللّٰهَ وَمَلَائِكَتَهُ يُصَلُّونَ عَلَى النَّبِيِّ، دیکھا؟ وہاں بھی نبی کے وصف کو ذکر کیا گیا ہے، تو ملا جامی نے بھی کیا کیا؟ وصفِ نبوت کو یہاں ذکر کیا۔

تو وَالصَّلَاۃُ عَلٰی نَبِیِّہٖ، جی۔ اب نَبِیِّہٖ کی جو ہا ضمیر ہے یہ کس کو راجع ہے بھئی؟ کس کو راجع ہے؟ تو اس میں دو احتمال ہیں۔ پہلا احتمال یہ کہ نَبِیِّہٖ کی ہا ضمیر راجع ہو حمد کو، وَالصَّلَاۃُ عَلٰی نَبِیِّہٖ أَيْ وَالصَّلَاۃُ عَلٰی نَبِيِّ الْحَمْدِ۔ یا نَبِیِّہٖ کی ہا ضمیر راجع ہو ولی کو بھئی، وَالصَّلَاۃُ عَلٰی نَبِیِّہٖ أَيْ عَلٰی نَبِيِّ نَبِيِّ وَلِيِّ الْحَمْدِ۔ توجہ ہے؟ نَبِیِّہٖ کی ہا ضمیر میں کتنے احتمال؟ دو۔ یا تو یہ راجع ہے کس کو؟ حمد کو، یا ولیِ حمد کو۔ توجہ ہے؟ اور کہتے ہیں دونوں صورتوں میں ایک خرابی لازم آتی ہے۔ اگر نَبِیِّہٖ کی ہا ضمیر کو حمد کی طرف لوٹائیں تو پھر معنی ٹھیک نہیں رہتا۔ معنی کیا بن جائے گا؟ وَالصَّلَاۃُ عَلٰی نَبِيِّ الْحَمْدِ رحمت ہو کس پر؟ رحمت ہو حمد کے نبی پر، حمد کے نبی کیا معنی بھئی؟ رحمت ہو حمد کے نبی پر اس کا معنی ٹھیک نہیں بنتا۔ اور اگر ضمیر لوٹائیں ولیِ حمد کی طرف، وَالصَّلَاۃُ عَلٰی نَبِیِّہٖ أَيْ نَبِيِّ وَلِيِّ الْحَمْدِ ولیِ حمد کا جو نبی ہے یعنی اللہ کا جو نبی ہے اس پر رحمت نازل ہو، تو اس صورت میں بھی خرابی لازم آتی ہے۔ خرابی یہ کہ اَلْحَمْدُ لِوَلِیِّہٖ اس کی ہا ضمیر آپ نے لوٹائی حمد کو، وَالصَّلَاۃُ عَلٰی نَبِیِّہٖ اور

اس نَبِیِّہٖ کی ہا ضمیر آپ نے کس کو لوٹا دی؟ ولیِ حمد کو۔ تو یہ انتشارِ ضمائر کہلاتا ہے۔ کیا کہلاتا ہے؟ انتشارِ ضمائر یہ ہے کہ آپ کلام کے اندر ضمیریں لے کر آتے ہیں، ایک ضمیر کسی چیز کی طرف لوٹ رہی ہے دوسری ضمیر کسی اور چیز کی طرف لوٹ رہی ہے، تو اس سے کلام میں پیچیدگی پیدا ہوگی، اس کا سمجھنا مشکل ہو جائے گا بھئی۔ پڑھنے والا تو یہ سمجھے گا پہلی ضمیر جس کی طرف لوٹائی تھی دوسری بھی اسی کی طرف لوٹ رہی ہے اور وہ کلام کو سمجھنے میں اس کو دقت پیش آئے گی بھئی۔

یہاں تک بات سمجھ میں آگئی؟ کیا بات ہوئی؟ وَالصَّلَاۃُ عَلٰی نَبِیِّہٖ، عَلٰی نَبِیِّہٖ کی ضمیر جو ہے یا تو راجع ہے حمد کی طرف یا ولیِ حمد کی طرف اور دونوں صورتوں میں خرابی لازم آتی ہے۔ اگر حمد کی طرف راجع کریں تو معنی ہوگا صلوۃ ہو نبیِ حمد پر، حمد کے نبی پر اور یہ معنی درست نہیں۔ اور اگر نَبِیِّہٖ کی ہا ضمیر راجع ہو ولیِ حمد کو تو پھر معنی تو ٹھیک ہو جائے گا لیکن انتشارِ ضمائر لازم آئے گا۔ میں نے بتایا انتشارِ ضمائر کسے کہتے ہیں؟ کہ کلام کے اندر غائب کی ضمیریں لائی جائیں، ایک ضمیر ایک چیز کی طرف لوٹے اور دوسری ضمیر دوسری چیز کی طرف لوٹے، اس سے کلام کے اندر پیچیدگی پیدا ہوتی ہے، سمجھنے والے کے لیے اس کو سمجھنا مشکل ہو جاتا ہے بھئی۔ وہ تو سمجھتا ہے شاید ایک ہی چیز کی طرف یہ ساری ضمیریں لوٹائی جا رہی ہیں۔ تو انتشارِ ضمائر لازم آتا ہے جس سے کلام کا سمجھنا مشکل ہو جاتا ہے۔

تو جواب علماء دیتے ہیں کہ یہ ضمیر دونوں کی طرف لوٹائی جا سکتی ہے۔ اگر نَبِیِّہٖ کی ہا ضمیر ولیِ حمد کی طرف لوٹائیں، وَالصَّلَاۃُ عَلٰی نَبِیِّہٖ اور رحمت نازل ہو کس پر؟ ولیِ حمد کے نبی پر یعنی اللہ کے نبی پر، تو اس صورت میں آپ نے کیا کہا تھا؟ انتشارِ ضمائر لازم آتا ہے۔ ہم کہتے ہیں نہیں، کوئی انتشارِ ضمائر لازم نہیں آتا۔ انتشارِ ضمائر تب لازم آتا اگر ایک ہی کلام ہوتا یعنی ایک ہی جملہ ہوتا، حالانکہ یہ تو الگ الگ جملے ہیں۔ اَلْحَمْدُ لِوَلِیِّہٖ یہ مبتدا خبر الگ جملہ ہے، وَالصَّلَاۃُ عَلٰی نَبِیِّہٖ یہ الگ جملہ ہے۔ تو وَالصَّلَاۃُ عَلٰی نَبِیِّہٖ یہ الگ جملہ ہے۔ اَلْحَمْدُ لِوَلِیِّہٖ أَيْ اَلْحَمْدُ ثَابِتٌ لِوَلِیِّہٖ، اَلْحَمْدُ مبتدا اور ثَابِتٌ لِوَلِیِّہٖ خبر۔ اسی طرح وَالصَّلَاۃُ عَلٰی نَبِیِّہٖ، اَلصَّلَاۃُ مبتدا اور نَازِلَۃٌ عَلٰی نَبِیِّہٖ یہ کیا ہے؟ اس کی خبر، رحمت نازل ہو اگر فعلِ خاص نکالیں۔ فعلِ عام بھی نکال سکتے ہیں، یہاں بھی آپ ثَابِتَۃٌ نکال لیں، وَالصَّلَاۃُ ثَابِتَۃٌ عَلٰی نَبِیِّہٖ، مؤنث نکالیں گے کیونکہ صلوۃ مؤنث ہے تو خبر بھی کیا ہوگی؟ مؤنث۔ وَالصَّلَاۃُ ثَابِتَۃٌ عَلٰی نَبِیِّہٖ یہ ہے افعالِ عامہ میں سے اور اگر افعالِ خاصہ میں سے نکالنا چاہیں تو وَالصَّلَاۃُ نَازِلَۃٌ عَلٰی نَبِیِّہٖ۔ تو ایک جواب گزر گیا کہ نَبِیِّہٖ کی ہا ضمیر کس کو لوٹائیں؟ ولیِ حمد کو اور انتشارِ ضمائر بھی لازم نہیں آتا کیونکہ دو الگ الگ جملے ہیں، ایک ہی جملے کے اندر اگر دو ضمیریں دو مختلف چیزوں کی طرف لوٹائی جاتیں تو پھر انتشارِ ضمائر لازم آتا۔

دوسرا اعتراض یہ تھا کہ عَلٰی نَبِیِّہٖ کی ہا ضمیر کس کو لوٹائیں؟ حمد کی طرف، تو معنی کیا ہوگا؟ رحمت نازل ہو نبیِ حمد پر، معنی درست نہیں رہتا۔ تو جواب یہ کہ ہا ضمیر حمد ہی کو لوٹائیں لیکن یہاں حمد بمعنی محمود کے ہے۔ اب حمد کس معنی میں لے لو؟ محمود۔ جب تمام حمدیں اللہ کے لیے تو اللہ کیا ہوئے؟ محمود ہوئے۔ کیا ہوئے؟ محمود، وہ ذات جس کی حمد کی جائے بھئی۔ تو اللہ محمود ہوئے، تو یہاں اب نَبِیِّہٖ کی ہا ضمیر کس کو راجع؟ حمد کو اور حمد کس معنی میں؟ محمود کے معنی میں، تو معنی

یوں ہو گیا وَالصَّلَاۃُ عَلٰی نَبِیِّہٖ اور رحمت نازل ہو محمود کے یعنی اللہ کے نبی پر۔ محمود کے نبی یعنی اللہ کے نبی پر۔ حمد کا نبی تو معنی سمجھ میں نہیں آرہا تھا لیکن محمود کا نبی اب تو معنی سمجھ میں آرہا ہے، لہٰذا خرابی دور ہو گئی۔

بھئی یاد رکھو یہاں تفصیل یاد رکھو۔ یہ جو مصدر ہے مصدر، یہ کبھی اسمِ فاعل کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے اور کبھی اسمِ مفعول کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ جیسے مثلاً ضرب آئے، ضرب کبھی ضارب کے معنی میں ہوگا اور کبھی مضروب۔ کبھی ضرب اپنے ہی معنی میں ہوگا، ضرب کا معنی ضرب ہی ہوگا۔ کبھی ضرب بمعنی ضارب ہوگا اور کبھی ضرب بمعنی مضروب ہوگا۔ توجہ ہے؟ قیمتی بات کرنے لگا ہوں، ایک عام غلطی جو طلباء میں رائج ہے اس پر متنبہ کر رہا ہوں آپ کو۔ یاد رکھو کہ یہ جو مصدر ہے یہ مصدر معروف بھی ہوتا ہے اور مجہول بھی ہوتا ہے۔ توجہ ہے؟ معروف بھی ہوتا ہے اور مجہول بھی ہوتا ہے۔ چنانچہ یہی نکتہ ہے، آپ جو صرفِ صغیر پڑھتے ہیں، صرفِ صغیر یعنی چھوٹی گردان۔ دیکھو اس میں ایک ایک صیغہ لے کر پوری پوری گردان کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے۔ ضَرَبَ ضَرَبَا ضَرَبُوا دیکھو ماضی کے چودہ صیغے ہیں لیکن صرفِ صغیر میں ضَرَبَ یَضْرِبُ، دیکھا صرف ضَرَبَ لائے، صرف پہلا صیغہ لائے، پوری گردان کی طرف اشارہ کر دیا کہ ضَرَبَ پہلا صیغہ ہے اس گردان کا، اس کبیر کا، ماضی کی، آپ باقی گردان خود کر لینا۔ مضارع کے چودہ صیغے ہیں لیکن یَضْرِبُ ایک لے کر آ گئے کہ باقی گردان آپ خود کر لینا۔ ضَرَبَ یَضْرِبُ ضَرْبًا آگے ضَرْبًا مصدر آیا۔ پھر ضَرَبَ یَضْرِبُ ضَرْبًا فَھُوَ ضَارِبٌ اسمِ فاعل لے آئے کہ باقی گردان آپ خود کر لینا اسمِ فاعل کی۔ آگے مجہول کے صیغے آ گئے، وَضُرِبَ، ضُرِبَ کے چودہ صیغے ہیں لیکن باقی گردان آپ خود کر لینا ہم نے بتا دیا پہلا صیغہ ضُرِبَ ہے۔ اگلا یُضْرَبُ، یُضْرَبُ کے چودہ صیغے ہیں ہم نے آپ کو پہلا صیغہ بتا دیا باقی گردان آپ خود کر لینا چودہ صیغے۔ آگے پھر ضَرْبًا مصدر آیا۔ کیا آیا؟ ضَرْبًا۔ تو اس پر اشکال ہوتا ہے کہ یہ تو صرفِ صغیر ہے، صرفِ صغیر تو چھوٹی گردان ہوتی ہے، آپ چودہ صیغوں کے بجائے ایک ایک صیغہ لا کر اشارہ کرتے جا رہے ہیں تو مصدر کو دوبارہ کیوں لے آئے؟ یہ تو بے وجہ آپ نے کیا کر دیا؟ گردان کو لمبا کر دیا۔

تو یاد رکھنا بھئی بزرگوں کا کوئی بھی کام بیکار نہیں ہوتا۔ ہمارے علماء اکابر انہوں نے بڑی محنتیں کیں، ایک ایک چیز کے اندر انہوں نے باریک باریک نکتوں کا خیال رکھا اور اس کے مطابق اس کو ترتیب دیا۔ اس میں دراصل اشارہ ہے اس بات کی طرف کہ جو پہلا ضَرْبًا آیا تھا وہ بھی مصدر ہے لیکن وہ مصدرِ معروف ہے۔ وہ معروف کے صیغوں کے بعد آیا تھا ضَرَبَ یَضْرِبُ ضَرْبًا، اور یہ جو دوسرا ضَرْبًا آیا یہ مصدرِ مجہول ہے کیونکہ یہ مجہول کے صیغوں کے بعد آیا ہے۔ تو پہلا ضَرْبًا اور ہے، دوسرا ضَرْبًا اور ہے۔ وہ مصدرِ معروف ہے، یہ مصدرِ مجہول ہے۔ جیسے دیکھو اردو میں دیکھو، اردو میں ایک ہے پانی پینا۔ پانی پینا، میں نے پانی پیا دیکھو یہ معروف ہے۔ اور ایک ہے پانی پیا جانا۔ دیکھو یہ مصدرِ مجہول ہے، پانی پیا جاتا ہے۔ تو پانی پینا مصدرِ معروف اور پیا جانا مصدرِ مجہول۔ اور یہ پٹائی کرنا یہ کیا ہے؟ مصدرِ معروف، اور پٹائی یوں کہو پٹائی ہونا یہ کیا

ہے؟ مصدرِ مجہول ہے بھئی۔ بات سمجھ میں آگئی؟ کھانا کھانا تو کھانا یہ کیا ہے؟ مصدرِ معروف اور کھایا جانا یہ کیا ہے؟ مصدرِ مجہول ہے۔ تو دیکھو اور زبانوں میں مصدرِ معروف اور مصدرِ مجہول میں فرق ہوتا ہے۔ پینا اور پیا جانا، پینا ہے معروف اور پیا جانا مجہول۔ تو دیکھو لفظ ہی الگ الگ ہیں، لفظ ہی الگ، لیکن عربی میں وہی مصدر معروف کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے اور وہی مصدر مجہول کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے۔ ضرب کا معنی پٹائی کرنا اور ضرب کا معنی پٹائی ہونا بھی۔ ضرب کا معنی پٹائی ہونا بھی۔ شرب کا معنی پینا بھی اور شرب کا معنی پیا جانا بھی۔ تو بزرگ جو ہیں، علماء جو ہیں، وہ ضَرَبَ یَضْرِبُ کے بعد ایک مصدر لائے یہ بتلانے کے لیے کہ یہ مصدرِ معروف ہے، اور ضُرِبَ یُضْرَبُ کے بعد دوبارہ ضَرْبًا لائے یہ بتلانے کے لیے کہ یہ مصدرِ مجہول ہے اور دونوں کا وزن عربی میں بالکل ایک ہوتا ہے۔ وہی ضَرْبًا وزن معروف کے لیے ہے اور وہی ضَرْبًا وزن مجہول کے لیے بھی ہے۔ یوں کہو وہی ضَرْبًا مصدر معروف کے لیے بھی ہے اور وہی ضَرْبًا مصدر مجہول کے لیے بھی ہے۔ تو اس قیمتی نکتے کی طرف اس گردان میں اشارہ ہے۔ یہاں تک بات سمجھ میں آگئی؟

اب یاد رکھنا یہ جو مصدر عبارت میں آتا ہے یہ کبھی اسمِ فاعل یا اسمِ مفعول کے معنی میں بھی ہوتا ہے۔ کسی جگہ حمد آئے گا وہ حمد ہی کے معنی میں ہوگا، مصدر مصدر ہی کے معنی میں، لیکن کبھی حمد آئے گا وہ حامد کے معنی میں ہوگا یعنی اسمِ فاعل، اور کبھی حمد آئے گا وہ محمود یعنی اسمِ مفعول کے معنی میں ہوگا۔ توجہ ہے؟ یا اسی طرح جیسے ضرب کبھی ضرب آئے گا تو وہ ضرب اپنے ہی معنی میں ہوگا لیکن کبھی ضرب کس معنی میں ہوگا؟ ضارب اسمِ فاعل کے معنی میں، اور کبھی ضرب کس معنی میں؟ اسمِ مفعول یعنی مضروب کے معنی میں ہوگا۔ یہاں تک بات سمجھ میں آگئی؟ تو یہ جو مصدر ہے کبھی تو یہ اپنے ہی معنی میں استعمال ہوتا ہے، کبھی یہ اسمِ فاعل کے معنی میں اور کبھی اسمِ مفعول کے معنی میں۔ لیکن ایک بات یاد رکھنا اگر مصدر کے آگے یہ لکھا ہوا ہو کہ یہ مصدر اسمِ فاعل کے معنی میں ہے، کس معنی میں؟ اور اسمِ فاعل فعلِ معروف سے بنتا ہے یا فعلِ مجہول سے؟ فعلِ معروف۔ مثلاً ضرب، ضرب بمعنی ضارب کے ہے، ضرب بمعنی ضارب، تو آپ سمجھ جائیں کہ جب یہ ضارب کے معنی میں ہے یعنی اسمِ فاعل ہے تو اسمِ فاعل وہ تو فعلِ معروف سے بنتا ہے، معلوم ہوا یہ ضرب بھی مصدرِ معروف ہے۔ یہ مصدرِ معروف۔ اور جب آجائے یہ ضرب بمعنی مضروب کے ہے تو آپ سمجھ جائیں یہ مصدر کون سا ہے؟ مصدرِ مجہول ہے۔ یہاں تک بات سمجھ میں آگئی؟ حاصل کیا ہوا کہ کبھی مصدر اسمِ فاعل کے معنی میں ہوتا ہے اور کبھی اسمِ مفعول اور کبھی اپنے ہی معنی میں ہوتا ہے۔ تو مصدر اگر اسمِ فاعل کے معنی میں ہو تو وہ وہی مصدر ہوگا جو مصدرِ معروف ہوگا، اور اگر اسمِ مفعول کے معنی میں ہو مصدر تو سمجھ جائیں یہ کون سا مصدر ہے؟ مصدرِ مجہول ہے۔ یہاں تک بات سمجھ میں آگئی؟

اب بعض اوقات کتابوں میں لکھا ہوتا ہے مصدر آجاتا ہے اور آگے لکھا ہوتا ہے مَبْنِيٌّ لِلْفَاعِلِ۔ کیا لکھا ہوتا ہے؟ مَبْنِيٌّ لِلْفَاعِلِ، وہ مصدر جس کو بنایا گیا ہے فاعل کے لیے۔ یہ مزید تھوڑی سی تفصیل سمجھ لو۔ یاد رکھو ایک فعلِ معروف ہے ایک فعلِ مجہول۔ فعلِ معروف کی نسبت فاعل کی طرف ہوتی ہے، ضَرَبَ زَيْدٌ، معلوم ہوا زید کون ہے؟ پٹائی کرنے والا ہے۔ اور مصدرِ مجہول اس کو بنایا جاتا ہے اس کا اسناد نائب الفاعل کی طرف یعنی مفعول کی طرف ہوتا ہے۔ کس کی طرف؟ نائب الفاعل دراصل مفعول ہوتا ہے نا، ضُرِبَ عَمْرٌو کیا معنی؟ عمر کی پٹائی کی گئی ہے یعنی اس پر پٹائی واقع ہوئی ہے تو یہ مفعول ہے حقیقت میں۔ تو فعلِ معروف کو بنایا جاتا ہے کس کے لیے؟ فاعل کے لیے، اس کی نسبت کس کی طرف ہوتی ہے؟ فاعل۔ اور فعلِ مجہول کو بنایا گیا ہے اس کی نسبت کس کی طرف ہے؟ اس کی نسبت مفعول کی طرف ہوتی ہے، اسی مفعول کو پھر ہم نائب فاعل کہتے ہیں۔ ضَرَبَ زَيْدٌ کیا معنی؟ زید نے پٹائی کی ہے یا اس پر پٹائی واقع ہوئی ہے؟ پٹائی کی ہے۔ اور ضُرِبَ عَمْرٌو کیا معنی؟ عمر کی پٹائی ہوئی ہے۔ تو فعلِ معروف کا اسناد کس کی طرف ہوتا ہے؟ فاعل کی طرف، اور فعلِ مجہول کا اسناد کس کی طرف ہوتا ہے؟ مفعول یعنی نائب فاعل کی طرف۔ یہاں تک بات سمجھ میں آگئی؟ تو معلوم ہوا فعلِ معروف کو کس کے لیے بنایا گیا؟ فاعل کے لیے، اور فعلِ مجہول کو کس کے لیے بنایا گیا؟ نائب فاعل کے لیے۔

تو مبنی کا معنی ہے بنایا گیا، بنی یبنی کا معنی ہوتا ہے بنانا۔ مَبْنِيٌّ اسمِ مفعول کا صیغہ ہے۔ بھئی مثلاً کتاب میں ضَرَبَ آیا، کیا آیا؟ ضَرَبَ آیا، تو وہاں پر بعض جگہ بعض جگہ ہو سکتا ہے کاتب سے ضَرَبَ کے بجائے وہ کیا لکھ دے؟ ضُرِبَ۔ وہ را کے نیچے زیر ڈال دے گا، صرف زیر ڈالی اور پورا صیغہ ہی بدل گیا۔ توجہ ہے؟ تو بعض جگہ جب ماتن جب کتاب لکھنے والا ضَرَبَ بتلانا چاہتا ہے کہ بھئی یہ صیغہ ضَرَبَ پڑھنا اس کو ضُرِبَ نہ پڑھنا۔ اب وہ زبر اوپر لگا بھی دے تو بھی اس کی تسلی نہیں ہوتی کہ ہو سکتا ہے آگے کوئی کاتب آئے وہ اس زبر کو لکھے ہی نہ، جب وہ نہیں لکھے گا تو پڑھنے والے کو پتہ نہیں چلے گا کہ یہ ضَرَبَ ہے یا ضُرِبَ ہے۔ تو وہ آگے لکھ دیتے ہیں مَبْنِيٌّ لِلْفَاعِلِ، کہ یہ فعل ضَرَبَ کیا ہے؟ مبنی للفاعل یعنی اس کو فاعل کے لیے بنایا گیا ہے۔ اس کو پڑھتے ہی آپ سمجھ گئے کہ یہ کیا ہے؟ ضَرَبَ یعنی فعلِ معروف ہے کیونکہ فعلِ معروف کو کس کے لیے بنایا جاتا ہے؟ فاعل کے لیے۔ اور کبھی ضُرِبَ ہوتا ہے تو وہ آگے لکھ دیتا ہے مَبْنِيٌّ لِلْمَفْعُولِ کہ اس کو کس کے لیے بنایا گیا؟ مفعول، کیا معنی؟ اس کو فعلِ مجہول پڑھنا فعلِ معروف نہیں۔ تو مبنی للفاعل کا کیا معنی ہوتا ہے؟ جس کو فاعل کے لیے بنایا گیا ہو یعنی فعلِ معروف۔ اور مبنی للمفعول کا کیا معنی؟ جس کو مفعول کے لیے بنایا گیا ہو یعنی فعلِ مجہول۔ توجہ ہے؟

تو چنانچہ کتابوں میں اسی طرح ہوگا بعض جگہ مصدر آئے گا اور مصدر کے آگے لکھا ہوگا مبنی للفاعل۔ توجہ سے سنو، مصدر کے آگے کیا لکھا ہوگا؟ مبنی للفاعل۔ تو طلباء سے پوچھیں اس مبنی للفاعل کا کیا معنی؟ وہ کہتے ہیں اس کا معنی یہ ہے کہ یہ مصدر اسمِ فاعل کے معنی میں ہے۔ یہ مصدر اسمِ فاعل، اور کبھی مصدر کے آگے لکھا ہوتا ہے مَبْنِيٌّ لِلْمَفْعُولِ، طالب علم سے پوچھیں اس کا کیا معنی؟

وہ کیا ترجمہ کرتا ہے؟ کہ یہ مصدر اسمِ مفعول کے معنیٰ میں ہے، یعنی ضَرْبٌ بمعنیٰ مَضْرُوْبٌ ہے، لیکن یہ درست نہیں ہے بھئی۔ جب مصدر کے آگے لکھا ہو مَبْنِيٌّ لِلْفَاعِلِ تو اس کا صرف یہ معنیٰ ہوتا ہے کہ یہ مصدرِ معروف ہے۔ کیا معنیٰ ہوتا ہے؟ مصدرِ معروف۔ باقی یہ اسمِ فاعل کے معنیٰ میں ہے یا نہیں، وہ الگ بات ہے، وہ یہاں ذکر نہیں۔ توجہ ہے؟ جی جی۔ اور جب مصدر کے آگے لکھا ہو کہ یہ مصدر مَبْنِيٌّ لِلْمَفْعُوْلِ ہے، تو اس کا کیا معنیٰ ہوتا ہے؟ کہ یہ مصدرِ مجہول ہے، یہ معنیٰ نہیں کہ یہ اسمِ مفعول کے معنیٰ میں ہے۔ اسمِ مفعول کے معنیٰ میں ہونا الگ چیز ہے، وہ ذکر نہیں۔ میں بتلانا یہ چاہ رہا ہوں، مصدر کے آگے جب مَبْنِيٌّ لِلْفَاعِلِ ہو تو اس کا کیا معنیٰ کرنا؟ مصدرِ معروف ہے، یہ معنیٰ نہ کرنا کہ یہ کس معنیٰ میں ہے؟ اسمِ فاعل کے معنیٰ میں ہے، کس معنیٰ میں؟ یعنی ضَرْبٌ بمعنیٰ ضَارِبٌ کے ہے، یہ نہ سمجھنا۔ اور اگر مصدر ضَرْبٌ کے آگے لکھا ہو مَبْنِيٌّ لِلْمَفْعُوْلِ تو کیا ترجمہ کرنا؟ کہ یہ مصدرِ مجہول ہے، یہ مصدر ضَرْبٌ بمعنیٰ مَضْرُوْبٌ کے ہے یہ ترجمہ نہ کرنا بھئی۔

تو گویا یہاں دو چیزیں ہیں، حاصلِ کلام بیان کرنے لگا ہوں، توجہ سے۔ ضَرْبٌ مصدر آیا، ضَرْبٌ مصدر، پھر یہ مصدر معروف بھی ہو سکتا ہے اور مجہول بھی۔ اگر یہ معروف ہو، پھر ہو سکتا ہے یہ اسمِ فاعل کے معنیٰ میں ہو یا نہ ہو۔ یا تو اپنے ہی معنیٰ میں ہو گا، یا کس معنیٰ میں ہو گا؟ اسمِ فاعل۔ توجہ ہے؟ جی۔ تو دو چیزیں آگئیں، ضَرْبٌ مصدر ہے، اس کو کس معنیٰ میں کرنا ہے؟ آپ بتلانا چاہتے ہیں کہ یہ اسمِ فاعل کے معنیٰ میں ہے۔ ضَرْبٌ کس معنیٰ میں؟ ضَارِبٌ۔ اور ضَرْبٌ، ضَارِبٌ کے معنیٰ میں تبھی ہو گا جب یہ کون سا مصدر ہو؟ معروف ہو۔ توجہ ہے؟ جی۔ تو گویا یہاں دو چیزیں ہوں گی، مصدر ہو گا اور مصدر بھی کون سا ہو گا؟ ایک تو مصدرِ معروف ہو گا اور دوسری چیز کیا ہو گی، وہ کس معنیٰ میں ہو گا؟ اسمِ فاعل۔ تو جب آپ کو کوئی بتائے، یہ مصدر اسمِ فاعل کے معنیٰ میں ہے، توجہ ہے؟ جی۔ تو اس کے ساتھ ہی آپ ایک اور بات بھی سمجھ گئے کہ یہ مصدر کون سا ہے؟ مصدرِ معروف ہے۔ تو گویا دو باتیں ہو گئیں یہاں، ایک مصدر معروف ہے، دوسرا یہ اسمِ فاعل کے معنیٰ میں ہے۔ نہیں سمجھ میں آرہی میرا خیال؟ آرہی ہے جی۔

جب آپ کو کہا جائے کہ یہ مصدر اسمِ فاعل کے معنیٰ میں ہے، تو آپ دو باتیں سمجھ گئے۔ ایک بات کیا؟ کہ یہ مصدر معروف ہے، یہ الگ بات۔ دوسری بات، یہ اسمِ فاعل کے معنیٰ میں ہے، یہ الگ بات، دو باتیں سمجھ گئے۔ اسی طرح جب کہا جائے، یہ مصدر اسمِ مفعول کے معنیٰ میں ہے، تو کتنی باتیں سمجھے؟ دو باتیں۔ پہلی بات کیا کہ یہ مصدرِ مجہول ہے، دوسری کیا سمجھے؟ یہ اسمِ مفعول کے معنیٰ میں ہے۔ تو جب یہ کہا جائے، مصدر اسمِ فاعل یا اسمِ مفعول کے معنیٰ میں ہے، تو آپ دو باتیں سمجھتے ہیں۔ لیکن جب کہا جائے کہ یہ مصدر مَبْنِيٌّ لِلْفَاعِلِ ہے، تو پھر ایک بات ہوئی صرف۔ کیا؟ کہ معروف ہے، یہ اسمِ فاعل کے معنیٰ میں ہے یا نہیں، یہ ذکر نہیں، بس صرف یہ ذکر ہے۔ اسی طرح اگر یہ کہا جائے مصدر مَبْنِيٌّ لِلْمَفْعُوْلِ ہے، تو کیا معنیٰ؟ کہ یہ مصدرِ مجہول ہے، آگے یہ اسمِ مفعول کے معنیٰ میں ہے یا نہیں، یہ یہاں پر ذکر نہیں، وہ آپ خود غور

کریں کہ ہے یا، کہ اسمِ مفعول کے معنیٰ میں یہ ہے یا اپنے ہی معنیٰ میں ہے۔ طلباء عموماً کیا سمجھتے ہیں؟ جب مَبْنِيٌّ لِلْفَاعِلِ ہو تو وہ کیا سمجھتے ہیں؟ کہ اسمِ فاعل کے معنیٰ میں ہے، حالانکہ نہیں۔ اسمِ فاعل کے، یہاں صرف اتنا بتایا گیا کہ یہ مصدرِ معروف ہے یا مجہول ہے اور کوئی چیز ذکر نہیں۔ بات سمجھ میں آگئی؟ جی۔

تو یہاں بات چل رہی تھی وَالصَّلَاةُ عَلٰى نَبِيِّهِ، یہ ہا ضمیر کس کو راجع؟ حمد کی طرف۔ حمد، اور اس پر کیا خرابی لازم آئی تھی؟ کہ نبیِ حمد، حمد کا نبی، یہ تو معنیٰ درست نہیں بنتا۔ تو جواب دے دیا کہ یہ کس معنیٰ میں ہے؟ حَمْدٌ بمعنیٰ مَحْمُوْدٌ کے ہے، یعنی یہ مصدر اسمِ مفعول کے معنیٰ میں ہے، تو آپ کو دو باتیں سمجھ میں آگئیں۔ کون سی دو باتیں؟ ایک تو یہ کہ یہ مصدرِ مجہول ہے، ایک تو کیا کہ یہ مصدرِ مجہول ہے اور دوسری بات کیا کہ یہ اسمِ مفعول کے معنیٰ میں ہے۔ تو عموماً کتابوں میں آتا ہے، مصدر آتا ہے، آگے لکھا ہوتا ہے مَبْنِيٌّ لِلْفَاعِلِ، طلباء کہتے ہیں یہ جی اسمِ فاعل کے معنیٰ میں ہے، نہیں نہیں یہ ذکر نہیں ہے، یہاں صرف یہ ذکر ہے کہ یہ مصدرِ معروف ہے بس، یا مصدرِ مجہول ہے بس بھئی۔

اچھا، تو یہ عَلٰى نَبِيِّهِ کی ہا ضمیر کس کو لوٹائی؟ حمد کو، اور حمد کس معنیٰ میں؟ مَحْمُوْدٌ کے معنیٰ میں، اور رحمت نازل ہو عَلٰى نَبِيِّ الْمَحْمُوْدِ، مَحْمُوْد کے نبی، جو تعریف کیا گیا یعنی اللہ تعالیٰ، ان کے نبی پر رحمت نازل ہو بھئی۔

اس پر اشکال ہوتا ہے، اعتراض ہوتا ہے۔ اعتراض یہ کہ حمد کا لفظ پہلے آیا، اَلْحَمْدُ لِوَلِيِّهِ، تو آپ نے اس کا ترجمہ حمد کا کیا۔ اور جب نَبِيِّهِ کی ہا ضمیر حمد کو لوٹائی، تو اب آپ نے حمد کا معنیٰ مَحْمُوْد کے کیا۔ توجہ ہے؟ جی۔ جب حمد کا لفظ خود آیا تھا تو اس کا اور معنیٰ تھا، جب اس کی طرف ضمیر لوٹائی تو اس کا اور معنیٰ ہے، اب مَحْمُوْد کے معنیٰ میں ہے۔ تو یہ، تو یہ تو خرابی لازم آرہی ہے بھئی، لفظ سے اور معنیٰ مراد اور ضمیر لوٹائی تو اور معنیٰ مراد۔ تو جواب یہ کہ یہ صنعتِ استخدام ہے۔ علمِ بلاغت میں، دُرُوْسُ الْبَلَاغَةِ میں آپ پڑھیں گے بھئی، صنعتِ استخدام۔ صنعتِ استخدام یہ ہے کہ ایک لفظ ذکر ہو اور آگے اس کی ضمیر آئے، لفظ سے ایک معنیٰ کا ارادہ کیا جائے اور ضمیر سے اسی لفظ کے دوسرے معنیٰ کا ارادہ کیا جائے۔ یہی حمد کبھی حمد کے معنیٰ میں استعمال ہوتی ہے، یہی حمد کبھی حامد کے معنیٰ میں استعمال ہوتی ہے، یہی حمد کبھی مَحْمُوْد کے معنیٰ میں استعمال ہوتی ہے۔ تو جب لفظ ذکر کیا تو ایک معنیٰ کا ارادہ کیا، اور جب ضمیر لوٹائی تو دوسرے معنیٰ کا ارادہ کیا، اس کو صنعتِ استخدام کہتے ہیں، اور اس سے کلام میں حُسن پیدا ہوتا ہے۔

بات سمجھ میں آگئی؟ بلکہ کبھی کبھار دو ضمیریں لے آتے ہیں، لفظ ذکر کرتے ہیں، لفظ کا ایک معنیٰ ہوتا ہے، ایک ضمیر لائے اس سے دوسرا معنیٰ، دوسری ضمیر لائے اس سے تیسرا معنیٰ۔ جیسے یہاں حمد آیا، حمد لفظ آیا تو اس کا کیا ترجمہ تھا؟ حمد۔ اور آگے نَبِيِّهِ کی ہا ضمیر لوٹائی تو حمد کا کیا معنیٰ؟ مَحْمُوْد۔ اور فرض کرو آگے ایک تیسری ضمیر بھی حمد کو لوٹاتے اور اس کا کیا معنیٰ کرتے؟ حامد۔ کیا معنیٰ کرتے؟ حامد۔ تو یہ بھی صنعتِ استخدام ہے۔ توجہ ہے؟ تو صنعتِ استخدام کیا ہے کہ ایک لفظ کو صراحتاً ذکر کیا جائے اور اس کے ایک معنیٰ کا ارادہ کیا جائے، اور آگے اس کی طرف ضمیر لوٹا کر اس کے

دوسرے معنیٰ کا ارادہ کیا جائے، یا آگے دو ضمیریں لا کر ان سے دونوں سے الگ الگ معنیٰ کا ارادہ کیا جائے، تو یہ کیا ہے؟ صنعتِ استخدام ہے۔ تو یہاں بھی صنعتِ استخدام ہے اور اس سے کلام میں حُسن پیدا ہوتا ہے۔

والد صاحب رَحِمَهُ اللهُ کے جو حواشی ہیں شرحِ جامی پر، وہ فرماتے ہیں کہ میرے نزدیک پسندیدہ یہ کہ نَبِيِّهِ کی ہا ضمیر حمد کو راجع کی جائے، کس کی طرف؟ حمد کو راجع کی جائے۔ اور اس پر آپ نے اعتراض کیا تھا پھر تو معنیٰ صحیح نہیں بنتا۔ اور رحمت نازل ہو حمد کے نبی پر، رحمت نازل ہو حمد کے نبی پر۔ کہتے ہیں نہیں، معنیٰ پھر بھی واضح ہے۔ حمد کا نبی دراصل یہ اشارہ ہے حضور عَلَيْهِ السَّلَامُ کے قول کی طرف، آپ نے فرمایا ہے کہ قیامت کے روز میرے ہاتھ میں حمد کا جھنڈا ہو گا، بِيَدِيْ لِوَاءُ الْحَمْدِ، قیامت کے دن حمد کا جھنڈا میرے ہاتھ میں ہو گا بھئی۔

تو اس میں اشارہ ہے ان احادیث کی طرف جن میں یہ ذکر ملتا ہے کہ قیامت کے دن جو ہے حمد کا جھنڈا نبیِ کریم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کے ہاتھ میں ہو گا، بِيَدِيْ لِوَاءُ الْحَمْدِ، میرے ہاتھ میں ہو گا حمد کا جھنڈا بھئی۔ تو جس نبی کے ہاتھ میں حمد کا جھنڈا ہے، وہ نبیِ حمد ہوا بھئی، تو لہٰذا یہاں کوئی اشکال نہیں۔ بھئی، لوگ سخت تکلیف میں ہوں گے اور چاہیں گے کہ اللہ تعالیٰ بس جلدی سے جلدی حساب شروع فرما دیں، اور وقت ہے کہ گزر ہی نہیں رہا، اتنی تکلیف میں ہیں۔ آخر لوگ مختلف انبیاء کے پاس آئیں گے، حضرت آدم عَلَيْهِ السَّلَامُ کے پاس آئیں گے کہ آپ اللہ سے سفارش کیجیے کہ حساب اللہ شروع فرما دیں، وہ انکار کریں گے۔ پھر اور انبیاء کے پاس آئیں گے اور وہ سب بھی انکار کریں گے، آخر میں حضور صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کے پاس آئیں گے اور پھر حضور عَلَيْهِ السَّلَامُ اللہ کے سامنے اللہ کی حمد وثنا بیان کریں گے ایسے ایسے لفظوں کے ساتھ کہ حضور فرماتے ہیں میں خود بھی نہیں جانتا کن لفظوں سے میں اللہ کی حمد اس وقت بیان کروں گا بھئی۔ اور پھر اس کے بعد حساب کتاب اللہ شروع فرمائیں گے۔ تو یہ حمد کا جھنڈا قیامت کے دن حضور عَلَيْهِ السَّلَامُ کے ہاتھ میں ہو گا اور تمام انسان اور تمام فرشتے اس جھنڈے تلے ہوں گے بھئی۔

تمام انسان اور تمام فرشتے اس جھنڈے تلے ہوں گے، اس جھنڈے کے نیچے ہوں گے۔ اس جھنڈے سے کیا مراد ہے؟ کیا حقیقت میں کوئی جھنڈا ہو گا یا یہ معنوی جھنڈا مراد ہے؟ تو بعض علماء فرماتے ہیں کہ یہ معنوی جھنڈا مراد ہے، یعنی حضور عَلَيْهِ السَّلَامُ کو وہ ایک خاص مقام اللہ نصیب فرمائیں گے اور وہ مقامِ محمود ہے بھئی، مقامِ محمود ہے، اور وہ اس دن اللہ کی حمد وثنا بیان فرمائیں گے۔ جبکہ بعض علماء فرماتے ہیں کہ نہیں، حقیقت میں حمد کا جھنڈا ہو گا بھئی، حقیقت میں۔ تو یہ نبیِ حمد سے مراد وہ نبی ہیں بھئی۔

تو کہتے ہیں اَلْحَمْدُ لِوَلِيِّهِ، تمام تعریفیں جو ہیں مستحقِ حمد کے لیے ہیں، وَالصَّلَاةُ عَلٰى نَبِيِّهِ، اور رحمت نازل ہو نبیِ حمد پر، یا رحمت نازل ہو ولیِ حمد کے نبی پر یعنی اللہ کے نبی پر، یا رحمت نازل ہو عَلٰى نَبِيِّ الْمَحْمُوْدِ، مَحْمُوْد کے نبی یعنی اللہ کے نبی پر۔ وَعَلٰى آلِهِ وَأَصْحَابِهِ الْمُتَأَدِّبِيْنَ بِآدَابِهِ، وَعَلٰى آلِهِ اور حضور عَلَيْهِ السَّلَامُ کی آل پر، وَأَصْحَابِهِ اور حضور عَلَيْهِ السَّلَامُ کے صحابہ پر۔

آل، آل کا کیا معنیٰ؟ یاد رکھو، آل کا معنیٰ ہے مُتَّبِعِیْن اور مُتَعَلِّقِیْن۔ کسی شخص کے جو مُتَّبِعِیْن ہیں اور مُتَعَلِّقِیْن ہیں وہ اس کے آل کہلاتے ہیں، وہ اس کے آل کہلاتے ہیں۔

تو ہمت کرو بھئی۔ اور یہ سب میرے والدِ ماجد رَحِمَهُ اللهُ تَعَالٰی کی دعائیں ہیں بھئی، یہ ان کی دعائیں ہیں۔ یہ میں نے ان کی اَبْوَابُ الصَّرْفِ نہ پڑھی ہوتی تو آج میں ایک کتاب بھی نہ پڑھا سکتا، یہ ان کی اَبْوَابُ الصَّرْفِ کی برکتیں ہیں۔ ان کے علم میں اللہ نے عظیم برکتیں نصیب فرمائی تھیں جسے لفظوں میں بیان نہیں کیا جا سکتا۔

اچھا جی، وَعَلٰی آلِهِ وَأَصْحَابِهِ الْمُتَأَدِّبِيْنَ بِآدَابِهِ، وَعَلٰی آلِهِ، آل کا کیا معنیٰ؟ یاد رکھو، آل جو ہے کسی شخص کے مُتَّبِعِیْن، جو اس کے پیروکار ہیں اور جو اس کے مُتَعَلِّقِیْن ہیں ان کو آل کہتے ہیں۔ توجہ ہے؟ جی۔ آل کہتے ہیں۔ تو آل کا معنیٰ کسی شخص کے مُتَّبِعِیْن اور پیروکار بھئی۔

اور آل کی اصل کیا ہے؟ تو اس سلسلے میں دو قول علماء ذکر کرتے ہیں عموماً بھئی۔ ایک قول ہے امام سیبویہ کا، وہ فرماتے ہیں کہ آل کی اصل أَهْلٌ ہے۔ اور دوسرا قول ہے امام کسائی کا، اور وہ فرماتے ہیں کہ آل کی اصل أَوَّلٌ ہے، أَوَّلٌ۔ تو امام سیبویہ کیا فرماتے ہیں؟ آل کی اصل کیا ہے؟ أَهْلٌ۔ امام سیبویہ فرماتے ہیں کہ آل کی اصل أَهْلٌ ہے بھئی۔ اور دلیل اس کی کیا؟ وہ دلیل فرماتے ہیں کہ اس کی تصغیر أُهَيْلٌ آتی ہے، آل کی تصغیر أُهَيْلٌ آتی ہے اور عربی کا ضابطہ ہے: اَلتَّصْغِيْرُ وَالتَّكْسِيْرُ يَرُدَّانِ الْأَشْيَاءَ إِلٰى أُصُوْلِهَا۔ آپ نے کسی لفظ کی اصل کا پتہ چلانا ہو عربی میں تو اس کی تصغیر کی طرف چلے جائیں، تصغیر نکال کر دیکھ لیں آپ کو اس لفظ کی اصل کا پتہ چل جائے گا۔

جیسے اَلْأَرْضُ، اَرْض زمین کو کہتے ہیں، اس کی مؤنث أُرَيْضَةٌ آتی ہے۔ کیا آتی ہے؟ أُرَيْضَةٌ۔ معلوم ہوا اس لفظ میں اصل میں گول تا تھی، اسی لیے أَرْضٌ عربی میں مؤنث استعمال ہوتا ہے۔ اب أَرْضٌ میں تانیث کی کوئی علامت نہیں ہے، نہ تا ہے، نہ الفِ مقصورہ ہے، نہ الفِ ممدودہ، یہ مؤنثِ سماعی ہے عربوں سے ہم نے اس کو اسی طرح سنا ہے۔ لیکن اب جب ہم نے اس کی اصل کا پتہ چلایا تو پتہ چلا اس کی تصغیر کیا ہے؟ جب ہم اس کی اصل کا پتہ چلانے کے لیے اس کی تصغیر کی طرف گئے، تو اس کی تصغیر أُرَيْضَةٌ ہے اور وہاں گول تا موجود ہے۔ معلوم ہوا یہ لفظ اصل میں اس لفظ کے ساتھ کیا تھی؟ گول تا موجود تھی۔ تو ضابطہ کیا ہے؟ اَلتَّصْغِيْرُ وَالتَّكْسِيْرُ، تکسیر یعنی جمع تکسیر بھئی، جمع مکسر جس میں مفرد کا وزن جمع کے اندر ٹوٹ جاتا ہے۔ رَجُلٌ کی جمع کیا ہے؟ رِجَالٌ۔ دیکھا رَجُلٌ میں را پر زبر ہے اور جیم پر پیش، لیکن رِجَالٌ میں را کے نیچے زیر ہے اور جیم پر زبر ہے اور اس کے بعد الف ہے، تو مفرد کا سارا وزن ٹوٹ گیا، تو یہ جمع تکسیر ہے۔ تو یاد رکھو، عربی زبان میں کسی لفظ کی اصل کا پتہ چلانا ہو تو اس کی تصغیر کو دیکھ لیا کریں یا اس کی جمع تکسیر کو دیکھ لیا کریں۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو اَلْأَرْضُ کی تصغیر کیا آئی؟ أُرَيْضَةٌ، معلوم ہوا اس کے اصل میں گول تا موجود تھی۔

اور اسی طرح آپ پتہ چلانا چاہتے ہیں دِیْنَارٌ دِیْنَارٌ کی اصل کیا ہے؟ تو آپ نے اس کی جمع تکسیر دیکھی، وہ ہے دَنَانِیْرُ بھئی، کیا ہے؟ دَنَانِیْرُ، اور دَنَانِیْرُ میں کتنے نون؟ دو۔ اور دِیْنَارٌ میں کتنے نون؟ ایک۔ معلوم ہوا یہ جو پہلی یا ہے، یہ بھی نون تھا، اصل میں تھا دِنّارٌ، کیا تھا؟ دِنّارٌ۔ لیکن نونِ مشدد تھا، اس سے لفظ میں ثقل پیدا ہو رہا تھا، تو ایک نون کو کس سے بدل دیا؟ یا سے، تو کیا بن گیا؟ دِیْنَارٌ۔ تو اس طرح لفظوں کی اصل کا پتہ چلاتے ہیں۔

تو امام سیبویہ فرماتے ہیں کہ آل کی اصل أَهْلٌ ہے۔ اور اس کی دلیل کیا ہے؟ کہتے ہیں اس کی تصغیر أُهَيْلٌ آتی ہے۔ پھر اس أَهْلٌ کی ہا کو کس سے بدلا؟ ہمزہ سے۔ کس سے؟ ہا کو ہمزہ سے بدل دیا گیا، تو کیا بن گیا؟ أَأْلٌ، أَأْلٌ۔ اور پھر دو ہمزہ اکٹھے ہوئے تو ثانی ساکن تھا، تو اس کو پہلے کی حرکت کے موافق حرفِ علت یعنی الف سے بدل دیا، کیونکہ پہلے پر کیا ہے؟ زبر ہے۔ زبر کس کے موافق ہے؟ الف، تو دوسرے ساکن ہمزہ کو کس سے بدلا؟ الف سے، تو کیا بن گیا؟ آلْ بھئی، آلْ۔ بات سمجھ میں آ گئی؟ تو أَهْلٌ میں ہا کو کس سے بدلا؟ ہمزہ سے۔ جیسے وہ فرماتے ہیں مَاءٌ، مَاءٌ اصل میں تھا مَاهٌ، پھر ہا کو کس سے بدلا؟ ہمزہ سے۔ دلیل کیا کہ مَاءٌ کی اصل مَاهٌ ہے؟ کہتے ہیں اس کی تصغیر نکال لو، تو اس کی تصغیر ہے مُوَيْهٌ، مَاءٌ کی تصغیر کیا؟ مُوَيْهٌ، تو دیکھو وہاں ہا موجود ہے۔ اور نیز مَاءٌ کی جو جمع ہے وہ مِيَاهٌ آتی ہے، کیا آتی ہے؟ مِيَاهٌ، دیکھو یہاں پر بھی ہا موجود ہے۔ مَاءٌ میں ہا نہیں ہے، لیکن مِيَاهٌ میں اور مُوَيْهٌ میں کیا ہے؟ ہا موجود ہے، معلوم ہوا یہ ہمزہ کہاں سے آیا؟ ہا سے بدل کر آیا ہے۔ تو ہا کو پھر کس سے بدل لیتے ہیں؟ ہمزہ سے بدل لیتے ہیں۔ تو اسی طرح أَهْلٌ کو بھی بدل کر آلْ بنا دیا گیا۔

جبکہ دوسرا قول امام کسائی کا ہے۔ امام کسائی فرماتے ہیں کہ آل کی اصل أَوَّلٌ تھی، درمیان میں واو تھا، اور واو متحرک ما قبل فتحہ ہو جیسے قَالَ اصل میں کیا تھا؟ قَوَلَ، تو واو متحرک ما قبل فتحہ ہو اس کو کس سے بدلتے ہیں؟ الف سے، تو کیا بن گیا؟ قَالَ، تو یہاں بھی أَوَّلٌ کیا بن گیا؟ آلْ بن گیا۔ اور دلیل کیا ہے؟ کہتے ہیں اس کی تصغیر عربی میں أُوَيْلٌ آتی ہے، کیا آتی ہے؟ أُوَيْلٌ۔ تو یاد رکھو، یہ جو آل ہے اس کی تصغیر عربی میں أُهَيْلٌ بھی آتی ہے اور أُوَيْلٌ بھی۔ أُهَيْلٌ بھی اور أُوَيْلٌ بھی۔ أُهَيْلٌ کو دلیل بنایا امام سیبویہ نے اور أُوَيْلٌ کو دلیل بنایا امام کسائی نے۔

یہ تو آل کی اصل تھی۔ آل کا معنیٰ بھی میں نے ذکر کر دیا، آل کی اصل بھی بیان کر دی، اس میں دو اقوال ذکر کر دیے۔ اور تیسرا کہ آلِ نبی سے کون مراد ہیں؟ وَعَلٰى آلِهِ، حضور عَلَيْهِ السَّلَامُ کے اس نبی کی آل پر، تو نبی کی آل سے کون مراد ہیں؟ تو یاد رکھو اس سلسلے میں علماء کے دس پندرہ اقوال یا اس سے بھی زیادہ اقوال ہیں بھئی۔ بعض علماء فرماتے ہیں کہ آلِ نبی سے مراد جو ہیں وہ بنو ہاشم میں جو حضور کے رشتہ دار ہیں وہ مراد ہیں۔ ہاشم حضور عَلَيْهِ السَّلَامُ کے پردادا گزرے ہیں، تو بنو ہاشم میں جو حضور کے رشتہ دار ہیں وہ، تو یعنی بنو ہاشم والے مراد ہیں۔ جبکہ بعضوں نے کہا کہ بنو ہاشم اور بنو المطلب کے اندر جو حضور کے رشتہ دار ہیں وہ مراد ہیں، کس میں؟ بنو ہاشم میں اور بنو المطلب۔ یاد رکھو ایک ہے عبد المطلب، ایک ہے مطلب۔ عبد المطلب یہ حضور کے دادا ہیں، حضور عَلَيْهِ السَّلَامُ کے والد کا نام عبد اللہ، حضور عَلَيْهِ السَّلَامُ کے دادا کا نام عبد المطلب،

حضور عَلَيْهِ السَّلَامُ کے پردادا کا نام ہاشم ہے، اور ہاشم کے ایک بھائی ہیں ان کا نام مطلب ہے، یعنی عبد المطلب کے چچا، وہ ہیں مطلب۔ عبد المطلب کیا ہیں؟ دادا، اور ہاشم کیا ہیں؟ ان کے والد، اور یعنی حضور کے پردادا ہوئے، اور وہ ہاشم کے بھائی کیا ہیں؟ وہ مطلب ہیں۔ تو یہ جو بنو ہاشم اور بنو المطلب جو ہیں، ان دونوں کی جو اس میں جو حضور کے رشتہ دار ہیں، یہ خاندان والے، یہ کیا ہیں؟ یہ آلِ نبی ہیں، یہ کیا ہیں؟ آلِ نبی ہیں۔

جبکہ بعض کہتے ہیں کہ آلِ نبی سے مراد مطلقاً حضور کے رشتہ دار ہیں، چاہے وہ جس خاندان سے بھی تعلق رکھتے ہوں، حضور عَلَيْهِ السَّلَامُ کے مطلقاً تمام رشتہ دار۔ جبکہ بعض فرماتے ہیں کہ آلِ نبی سے مراد حضور عَلَيْهِ السَّلَامُ کی ازواجِ مطہرات ہیں، یعنی امہات المؤمنین مراد ہیں۔ جبکہ بعض فرماتے ہیں کہ حضور عَلَيْهِ السَّلَامُ کی آل سے مراد حضور عَلَيْهِ السَّلَامُ کی ازواج بھی اور حضور عَلَيْهِ السَّلَامُ کی اولاد بھی۔ ازواجِ مطہرات بھی اور حضور عَلَيْهِ السَّلَامُ کی جو اولاد ہے آگے، جو وہ بھی مراد ہیں، وہ مراد ہیں۔ جبکہ بعض کہتے ہیں کہ آلِ نبی سے مراد حضرت علی، حضرت فاطمہ، حضرت حسن اور حضرت حسین رَضِيَ اللهُ تَعَالٰى عَنْهُمْ ہیں بھئی۔ یہ چار مراد ہیں۔ جبکہ بعض فرماتے ہیں کہ آلِ نبی سے مراد تمام اہلِ ایمان ہیں، حضور کی پیروی کرنے والے، تمام اہلِ ایمان مراد ہیں۔ اور ہر ایک کے دلائل ہیں بھئی، ہر ایک کے دلائل ہیں۔ جبکہ بعض فرماتے ہیں کہ آل سے مراد جو ہیں وہ متقی مؤمنین ہیں، تمام مؤمنین نہیں بلکہ متقی مؤمنین ہیں۔ چنانچہ حدیث میں بھی ہے، حضور عَلَيْهِ السَّلَامُ سے پوچھا گیا، حضور عَلَيْهِ السَّلَامُ سے پوچھا گیا: مَنْ آلُ مُحَمَّدٍ؟ آلِ محمد کون ہیں یا رسول اللہ؟ تو آپ نے فرمایا: كُلُّ تَقِيٍّ، ہر متقی۔ كُلُّ تَقِيٍّ، ہر متقی۔ تو ہر ایک کے دلائل ہیں، اسی طرح احادیث وغیرہ اور مختلف قسم کے دلائل ہیں۔ تو بعض کیا فرماتے ہیں حضور عَلَيْهِ السَّلَامُ کے متقی متبعین جو ہیں یعنی اہلِ ایمان، وہ مراد ہیں۔

جبکہ بعض فرماتے ہیں کہ آل سے مراد نیک علماء ہیں، متقی مؤمنین نہیں بلکہ متقی علماء، نیک علماء جو ہیں، علمائے صالحین، وہ آل سے مراد ہیں۔ اور بعض فرماتے ہیں کہ حضور عَلَيْهِ السَّلَامُ کی آل سے مراد علمائے مجتہدین ہیں بھئی۔ علمائے مجتہدین مراد ہیں، تمام علماء بھی مراد نہیں ہیں۔ تو یہ مختلف قسم کے کوئی دس پندرہ اقوال ہیں۔ علماء فرماتے ہیں کہ آلِ نبی کے بارے میں بہت سے اقوال ہیں، موقع محل کو دیکھا جائے گا کہ کس مقام پر آل کا کون سا معنیٰ ہے بھئی۔ اور یہاں وَعَلٰى آلِهِ مقامِ دعا ہے، وَالصَّلَاةُ عَلٰى نَبِيِّهِ وَعَلٰى آلِهِ، حضور کی آل پر بھی صلوٰۃ ہو، تو مقامِ دعا ہے، دعا میں تعمیم ہونی چاہیے کہ زیادہ سے زیادہ لوگ اس کے اندر آجائیں، تو اس سے مراد یا تو مطلقاً تمام مؤمنین مراد لے لیں یا متقی مؤمنین مراد لے لیں بھئی۔

تو یہ آل کے مصداق ہوئے بھئی، آلِ نبی کے۔ یاد رکھیے جیسے یہ لفظ آل ہے، اسی طرح ایک لفظ اَہْل بھی ہے۔ تو یاد رکھیے آل اور اَہْل کے بارے میں میرے والدِ ماجد شیخ الحدیث والتفسیر مولانا محمد موسیٰ روحانی بازی رَحِمَهُ اللهُ، ان کی ایک کتاب ہے باقاعدہ اَلنَّهْجُ السَّهْلُ، اَلنَّهْجُ السَّهْلُ إِلٰى مَبَاحِثِ الْآلِ وَالْأَهْلِ۔ اس میں آل اور اَہْل کی مباحث ہیں۔ جیسے یہ لفظِ آل ہے اسی طرح ایک لفظِ اَہْل بھی عام کتابوں میں استعمال ہوتا ہے، تو اس میں آل اور اَہْل کی مباحث ہیں۔ انسان دیکھتا

ہے تو حیران رہ جاتا ہے، اس میں آل کی اصل کیا ہے، اور اس میں عام علماء تو ترجیح دیتے ہیں امام سیبویہ کے قول کو۔ کس کو؟ امام سیبویہ کا، امام سیبویہ کا نحو میں بہت اونچا مقام ہے بھئی، ان کی بات پہاڑ کی طرح مضبوط سمجھی جاتی ہے، تو چنانچہ عام علماء کتابوں میں یہی ذکر کرتے ہیں کہ آل کی اصل اَہْل ہے۔ اور جبکہ دوسرا قول امام کسائی کا ہے کہ آل کی اصل کیا ہے؟ أَوَّلٌ ہے، اَوَل ہے۔ تو والد صاحب نے امام کسائی کے قول کو ترجیح دی اور بہت سے دلائل دیے بھئی اس کے۔ اور فرمایا کہ امام سیبویہ اگرچہ ان کا مقام پہاڑ سے اونچا ہے، لیکن امام کسائی وہ قُرَّاءِ سَبْعَہ میں سے ہیں۔ کس میں سے ہیں؟ قُرَّاءِ سَبْعَہ، بھئی آپ جانتے ہیں سات قراءتیں ہیں قرآن کی متواتر جن کا انکار کفر ہے بھئی، تو وہ قُرَّاءِ سَبْعَہ میں سے ایک قراءت روایت کرنے والے کون ہیں؟ امام کسائی ہیں، تو وہ قُرَّاءِ سَبْعَہ میں سے ہیں تو ان کا بھی مقام بہت اونچا ہے بھئی۔ اور نیز پھر دلائل دیے آگے باقاعدہ کہ ان کی بات قوی کیوں ہے، اور بہت سارے دلائل ذکر کر کے ثابت کیا کہ امام کسائی کا قول بہت قوی ہے امام سیبویہ کے قول کے مقابلے میں۔ اور پھر وہاں پر انہوں نے آل اور اَہْل میں فرق ذکر کیے ہیں، تقریباً چالیس کے قریب فرق ذکر کیے ہیں ان دو لفظوں کے اندر۔ علماء عام طور پر کتابوں میں ایک، دو یا تین ذکر کرتے ہیں، جبکہ انہوں نے چالیس کے قریب فرق ذکر کیے ہیں۔ مثلاً ایک فرق یہ کہ آل کا لفظ بہت معزز شخص کے لیے استعمال ہوتا ہے، یا تو صرف دنیاوی اعتبار سے اونچا مقام ہو، یا دینی اعتبار سے اونچا مقام ہو، یا دینی اور دنیاوی دونوں اعتبار سے اونچا مقام ہو، تو اس کے لیے آل کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔ تو آل کا لفظ جو ہے وہ عام لوگوں کے لیے استعمال نہیں ہوتا، آلِ ضعیف، کوئی ضعیف آدمی کی آل، یا آلِ مسکین، یہ نہیں استعمال کرتے، کوئی بہت بڑا جس کا مقام ہو، چاہے دنیاوی اعتبار سے ہو، چاہے دینی اعتبار سے ہو، یا دونوں اعتبار سے ہو، اس کے لیے استعمال کرتے ہیں۔ جیسے آلِ محمد بھئی، یا اسی طرح ہے آلِ فرعون، فرعون کا اگرچہ دینی اعتبار سے تو نہیں لیکن دنیاوی اعتبار سے تو وہ بادشاہ تھا بڑا مقام ہے۔ تو یا آلِ داوٗد بھئی، حضرت داوٗد عَلَیْہِ السَّلَامُ دنیاوی اعتبار سے بھی اونچا مقام کے بادشاہ تھے اور دینی اعتبار سے بھی اونچا مقام کے اللہ کے پیغمبر تھے۔ تو ان کے لیے آل کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔ جبکہ اَہْل کا لفظ وہ ہر ایک کے لیے استعمال ہوتا ہے، معزز لوگوں کے لیے بھی اور عام لوگوں کے لیے بھی۔

اسی طرح آل جو ہے، اس کے ساتھ نسبت والی یا نہیں ملاتے، آلِیٌّ، جیسے لَاهُوْرِیٌّ ہے، تو آلِیٌّ نہیں کہتے، لیکن اَہْل کے ساتھ یائے نسبت ملاتے ہیں، أَهْلِیٌّ استعمال کرتے ہیں عربی میں۔ اسی طرح آل کا لفظ بولا جاتا ہے مثلاً آلِ فرعون کہا اور صرف مضاف الیہ مراد لے لیا، حالانکہ مراد تو مضاف ہونا چاہیے۔ آلِ فرعون جب کہا فرعون کی آل، تو فرعون تو مضاف الیہ ہے، یعنی فرعون نہیں مراد، کون مراد ہے؟ آل۔ لیکن یہ لفظِ آل کی خصوصیات ہے کہ اس میں بعض اوقات مضاف الیہ مراد لیتے ہیں، مضاف بھی ذکر، مضاف ذکر ہوتا ہے لیکن مراد کون ہوتا ہے؟ صرف مضاف الیہ۔ حالانکہ مضاف مضاف الیہ سے غیر ہوتا ہے، غُلَامُ زَیْدٍ غلام اور ہے اور زید اور ہے۔ اسی طرح آلِ فرعون، آل اور ہے اور فرعون اور ہے، لیکن

کبھی کبھار آلِ فرعون ذکر ہو گا تو کبھی اس سے صرف آل مراد لے لیں گے، کبھی صرف فرعون مراد لے لیں گے، اور کبھی دونوں ہی مراد لے لیں گے، یہ بھی کس کی خصوصیت ہے؟ لفظِ آل کی، جبکہ اَہْل میں ایسا نہیں ہے۔ اور اسی طرح لفظِ آل جو ہے، وہ صرف معزز لوگوں کی طرف مضاف ہوتا ہے اور معرفہ کے ہو گا اور علم ہو گا اس کی طرف مضاف ہو گا، جبکہ اَہْل معرفہ اور نکرہ سب کی طرف مضاف ہو جاتا ہے۔ تو اس طرح کوئی چالیس کے لگ بھگ فروق اس کتاب میں ذکر ہیں بھئی۔

اچھا چلیے بس کرتے ہیں بھئی۔ یہاں تک بحث سمجھ میں آ گئی؟ اچھی طرح؟ جی۔ کل پھر ان شاء اللہ آگے پڑھیں گے۔ چلیے بس بھئی، هٰذَا هُوَ الْمَرَامُ وَاللهُ أَعْلَمُ بِحَقِيْقَةِ الْكَلَامِ۔

سبق نمبر ۱۵: خطبۂ کتاب (۲): «وَعَلٰی اٰلِہٖ وَأَصْحَابِہِ الْمُتَأَدِّبِیْنَ بِآدَابِہٖ أَمَّا بَعْدُ»

شرحِ ملا جامی صفحہ: ۱۲ — بتاریخ: ۱ جولائی ۲۰۲۱ء

▪ تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث

اچھا بھئی، دیکھیے بھئی کتاب پر: وَعَلَى آلِهِ وَأَصْحَابِهِ الْمُتَأَدِّبِينَ بِآدَابِهِ أَمَّا بَعْدُ.

گزشتہ سبق میں الْحَمْدُ لِوَلِيِّهِ وَالصَّلَاةُ عَلَى نَبِيِّهِ کی مفصل تقریر گزر گئی بھئی۔ اور اسی طرح آج کے درس میں ہے وَعَلَى آلِهِ وَأَصْحَابِهِ۔ اس میں سے بھی آلِہٖ کا بیان ہو چکا ہے بھئی۔ میں نے آپ کو بتلایا تھا کہ آل جو ہے وہ کسی شخص کے جو متبعین ہیں اور جو اس کے متعلقین ہیں ان کو آل کہا جاتا ہے۔ اور آل کی اصل کے بارے میں دو قول ہیں بھئی۔ ایک قول جو ہے امام سیبویہ کا ہے، وہ فرماتے ہیں کہ آل اصل میں أَهْلٌ تھا، کہ آل کی اصل أَهْلٌ ہے اور دلیل کیا ہے؟ کہ اس کی تصغیر أُهَيْلٌ آتی ہے اور التَّصْغِيرُ وَالتَّكْسِيرُ يَرُدَّانِ الْأَشْيَاءَ إِلَى أُصُولِهَا۔ تو اس طرح پھر یہ أَأْلٌ ہوا اور پھر ثانی ہمزہ کو الف سے بدل دیا گیا تو آلٌ ہوا۔ جیسے کہ مَاءٌ اس کی اصل مَاهٌ تھی بھئی۔ پھر ہا کو کس سے بدل دیا گیا؟ ہمزہ سے۔ اور دلیل اس کی یہ ہے کہ اس کی تصغیر جو ہے مَاءٌ کی مُوَيْهٌ آتی ہے اور جمع مِيَاهٌ آتی ہے اور ضابطہ ہے التَّصْغِيرُ وَالتَّكْسِيرُ يَرُدَّانِ الْأَشْيَاءَ إِلَى أُصُولِهَا کہ چیزوں کو ان کی اصل کی طرف لوٹا دیتے ہیں تصغیر اور جمع تکسیر بھئی۔ تو لہٰذا مَاءٌ کی جمع مِيَاهٌ آتی ہے اور اس کی تصغیر مُوَيْهٌ آتی ہے، وہاں پر ہمزہ نہیں ہے، ہا موجود ہے، جس سے پتہ چلتا ہے کہ مَاءٌ بھی اصل میں کیا تھا؟ مَاهٌ۔ تو جیسے یہاں پر ہا کو ہمزہ سے بدل دیا گیا، اسی طرح أَهْلٌ کی ہا کو بھی ہمزہ سے بدل دیا گیا۔ تو یہاں پر بھی دلیل ان کی بھی وہی تصغیر ہی ہے یہاں۔ جبکہ دوسرا قول جو ہے وہ امام کسائی کا ہے جو قراء سبعہ میں سے ہیں اور جلیل القدر امام گزرے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ آل کی اصل أَوَلٌ ہے۔ تو پھر واو متحرک ما قبل فتحہ ہونے کی وجہ سے واو کو الف سے بدلا تو آلٌ ہوا، آلٌ۔

اس کے بعد میں نے آپ کو بتلایا تھا کہ آلِ نبی سے کون مراد ہیں بھئی؟ اور اس میں کئی اقوال ذکر کیے تھے کہ علما کے اس بارے میں کوئی دس پندرہ یا اس سے بھی زیادہ اقوال ہیں۔ بعض علما فرماتے ہیں کہ آلِ نبی سے مراد جو ہیں بنو ہاشم میں حضور علیہ السلام کے جو رشتہ دار ہیں وہ مراد ہیں۔ بعض فرماتے ہیں کہ بنو ہاشم اور بنو المطلب کے اندر جو حضور کے رشتہ دار ہیں وہ مراد ہیں۔ میں نے آپ کو بتلایا تھا کہ ہاشم حضور علیہ السلام کے پردادا ہیں اور مطلب ان کے بھائی ہیں۔ اور عبدالمطلب

یہ ہاشم کے بیٹے ہیں بھئی، یہ حضور کے دادا ہیں۔ تو بنو ہاشم اور بنو المطلب میں حضور کے جو رشتہ دار ہیں۔ جبکہ بعض علما فرماتے ہیں حضور علیہ السلام کے مطلقاً جو بھی رشتہ دار ہیں وہ سب آل کے اندر داخل ہیں۔ جبکہ بعض علما فرماتے ہیں کہ بنو غالب کے اندر حضور علیہ السلام کے جو رشتہ دار ہیں۔ بنو غالب یہ حضور علیہ السلام کے دادا پردادا اوپر سات آٹھ پشتیں اوپر گزرے ہیں بھئی۔ تو یہ بنو غالب کے اندر جتنے بھی آ گئے وہ سارے آل کے اندر داخل ہیں۔ جبکہ بعض علما فرماتے ہیں کہ حضور علیہ السلام کی آل سے مراد قبیلہ قریش والے ہیں۔ جبکہ بعض فرماتے ہیں کہ آل سے مراد حضور علیہ السلام کی ازواج مطہرات ہیں۔ اور بعض فرماتے ہیں کہ حضور علیہ السلام کی ازواج مطہرات اور حضور علیہ السلام کی اولاد یہ سب کیا ہیں حضور کی آل ہیں۔ جبکہ ایک قول یہ ہے کہ حضور علیہ السلام کی جو اولاد ہے صرف وہ آل میں داخل ہے۔ اور ایک قول یہ ہے کہ حضرت علی، حضرت فاطمہ، حضرت حسن اور حضرت حسین رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالَى عَنْهُمْ یہ ہیں حضور علیہ السلام کی آل۔ اور ایک قول یہ ہے کہ امتی جو ہیں، جو اہلِ ایمان ہیں، وہ حضور علیہ السلام کی آل ہیں۔ جبکہ ایک قول یہ ہے کہ جو متقی مومنین ہیں وہ ہیں حضور علیہ السلام کی آل۔ جبکہ ایک قول یہ ہے کہ علمائے صالحین جو ہیں امت میں سے نیک علما وہ حضور علیہ السلام کی آل ہیں۔ اور ایک قول یہ ہے کہ صالحین علما بھی نہیں بلکہ جو صرف مجتہدین علما ہیں، جو اجتہاد کے مقام پر فائز ہیں، یعنی بڑے کبار علما، صرف وہ ہیں حضور علیہ السلام کی آل میں۔

تو یہ بہت سارے اقوال ہیں اور علما فرماتے ہیں کہ یہ موقع و محل کے مطابق دیکھا جائے گا کہ آل سے کون سا معنی مراد ہے۔ اور میں نے بتایا تھا یہاں پر یہ مقامِ دعا ہے اور دعا میں بہتر یہ ہے کہ تعمیم ہو، تمام اہلِ ایمان جو ہیں اس امت کے وہ اس میں داخل ہو جائیں۔ تو آل سے کیا مراد لیا جائے؟ حضور علیہ السلام کے تمام امتی جو اہلِ ایمان ہیں بھئی۔ اور میں نے پھر آپ کو یہاں یہ بھی بتایا تھا کہ لفظ آل اور اہل کے بارے میں والد صاحب رَحِمَهُ اللّٰهُ کی ایک کتاب ہے النَّهْجُ السَّهْلُ إِلَى مَبَاحِثِ الْآلِ وَالْأَهْلِ، جس میں اس کی بڑی مفصل مباحث ہیں اور وہاں آل اور اہل کے درمیان تقریباً چالیس فرق ذکر کیے ہیں بھئی، چالیس فرق۔ ان میں سے ایک فرق یہ ہے کہ یہ آل کا لفظ صرف معزز لوگوں کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ کوئی بادشاہ ہے یا نبی ہے یا اس طرح جو بڑے ہی انتہا درجے کے معزز ہوں، چاہے دینی اعتبار سے، چاہے دنیاوی اعتبار سے، چاہے دونوں اعتبار سے، ان کے لیے یہ آل کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔ باقی عام ضعیف مسکین لوگوں کے لیے کہ آلِ ضعیف کہا جائے یا آلِ مسکین کہا جائے، یہ وغیرہ یہ استعمال نہیں ہوتا۔ جبکہ اہل کا لفظ عام ہے، سب کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ نیز آل کا لفظ صرف ذوی العقول مذکر کے لیے استعمال ہوتا ہے جو علم ہو ذوی العقول میں سے ہو بھئی، اور مؤنث کے لیے استعمال نہیں ہوتا، جبکہ اہل کا لفظ عام ہے وہ مذکر مؤنث سب کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ اور اسی طرح اور بھی کچھ فروق میں نے ذکر کیے۔ بات سمجھ میں آ گئی؟

اس کے بعد آگے دیکھیے: وَعَلَى آلِهِ وَأَصْحَابِهِ۔ وَأَصْحَابِهِ حضور علیہ السلام کے اصحاب بھئی، ساتھی، یعنی کہ صحابہ مراد

ہیں۔ کون مراد ہیں؟ صحابہ۔ أَصْحَابٌ جمع ہے یا تو صَاحِبٌ کی جیسے شَاهِدٌ کی جمع أَشْهَادٌ، اسی طرح صَاحِبٌ کی جمع أَصْحَابٌ۔ یا یہ جمع ہے صَحْبٌ کی، صَحْبٌ کی جمع أَصْحَابٌ، جیسے کہ نَهْرٌ کی جمع أَنْهَارٌ بھئی۔ تو یہ صَاحِبٌ کی جمع ہے یا صَحْبٌ کی جمع۔ تو یہ کس کی جمع ہے؟ أَصْحَابٌ کس کی جمع؟ صَحْبٌ کی یا صَاحِبٌ کی، جیسے شَاهِدٌ کی جمع أَشْهَادٌ اور نَهْرٌ کی جمع أَنْهَارٌ۔

بھئی ایک لفظ آتا ہے نَهَارٌ، نَهَارٌ دن کو کہتے ہیں، لَيْلٌ رات کو کہتے ہیں۔ نَهَارٌ کی جمع کیا آئے گی بھئی نَهَارٌ؟ أَنْهَارٌ تو نَهْرٌ کی جمع ہے۔ نَهَارٌ یاد رکھو نَهَارٌ دن کو کہتے ہیں، اس کی جمع نُهُرٌ آتی ہے نُهُرٌ، نون پر بھی ضمہ، ہا پر بھی ضمہ، نُهُرٌ اور اسی طرح أَنْهُرٌ بھی۔ نُهُرٌ بھی اور أَنْهُرٌ بھی نَهَارٌ کی جمع ہے بھئی۔

تو أَصْحَابِهٖ، دیکھو أَصْحَابِهٖ کی ہا ضمیر راجع ہے نبی کو بھئی، کہ نبی صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کے جو اصحاب ہیں۔ تو صَاحِبٌ کا معنی ہوتا ہے ساتھی، ساتھی۔ تو یہاں نسبت ہو گئی حضور علیہ السلام کی طرف کہ حضور علیہ السلام کے جو ساتھی ہیں اور وہ کون ہیں؟ صحابہ ہیں۔ تو صاحب کا لفظ عام ہے، کسی کا بھی ساتھی ہو اس کو صاحب کہا جا سکتا ہے۔ لیکن بالخصوص جو حضور کے ساتھی تھے ان کے لیے لفظ ہے صَحَابِيٌّ بھئی، صَحَابِيٌّ یا کے ساتھ، صحابی۔ صحابی کسے کہتے ہیں؟ وہ شخص جس نے ایمان کی حالت میں حضور صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کی زیارت کی ہو اور ایمان کی حالت میں ہی اس کا انتقال ہوا ہو، اسے کیا کہتے ہیں؟ صحابی بھئی۔ اور اس کی جمع صَحَابَةٌ آتی ہے، صَحَابَةٌ۔ تو صَحَابِيٌّ کی جمع صَحَابَةٌ آتی ہے بھئی۔

اور اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ ثُمَّ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ کہ اللہ نے ہمیں صحابہ کی محبت نصیب فرمائی ہے۔ جانتے ہو یہ اللہ نے کتنی بڑی نعمت آپ کو نصیب فرمائی ہے، آپ اس کا تصور نہیں کر سکتے۔ ان لوگوں کو دیکھو جو صحابہ کو برا بھلا کہتے ہیں بھئی۔ حضور علیہ السلام کے ساتھی ہیں اور وہ ان کو برا بھلا کہتے ہیں بھئی، برا بھلا کہتے ہیں۔ تو صحابہ، صحابہ تو ایسے لوگ ہیں جنہوں نے دین کی ایک ایک بات ہم تک پہنچائی، ایک ایک سنت کو، حضور علیہ السلام کے ایک ایک طریقے کو ہم تک پہنچایا بھئی۔ حضرت عثمان غنی رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ کے خلافت کا زمانہ تھا، بوڑھے ہو چکے ہیں، کوئی اسی سال عمر ہو چکی ہے، اور ایک دن وضو فرمایا اور وضو کے بعد کھڑے ہوئے تو ہلکا سا مسکرائے۔ تو ساتھی جو پاس ہی تھے، انہوں نے عرض کیا کہ يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ! آج تو آپ نے وہ کام کیا جو اس سے پہلے کبھی نہیں کیا۔ دیکھو ساتھیوں کی نظر بھی کتنی گہری تھی، حالانکہ تھوڑا سا مسکرائے ہلکا سا، لیکن اس کو بھی انہوں نے توجہ سے دیکھا اور حیران ہوئے کہ یہ پہلے کبھی آپ نے نہیں کیا اس طرح۔ تو فرمانے لگے کہ ہاں، کہ ایک مرتبہ اسی طرح میرے محبوب اعظم یعنی نبی کریم صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وضو فرمانے کے بعد کھڑے ہوئے تھے تو اسی طرح ہلکا سا مسکرائے تھے۔ مجھے وہ بات یاد آ گئی تو میں نے سوچا کہ حضور کی اس سنت پر بھی میں عمل کر لوں۔

تو دیکھو، صحابہ نے ایک ایک بات ہم تک پہنچائی بھئی، حالانکہ کتنی باریک اور چھوٹی سی بات ہے لیکن ایک ایک بات کو ہم تک پہنچایا۔ صحابہ باقاعدہ لوگوں کو جمع کر کے ان کے سامنے حضور علیہ السلام کے افعال کرتے تھے کہ حضور علیہ السلام

اس طرح وضو وغیرہ فرماتے تھے بھئی، طریقہ لوگوں کو سکھاتے تھے۔ دیکھو، یہ جو حضرت عثمان غنی رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ کا واقعہ میں نے بتلایا، دیکھو اس سے ایک اور بات معلوم ہوئی کہ وہ ہلکا سا مسکرائے تو اس پر بھی ساتھیوں نے پوچھ لیا کہ حضرت کیوں مسکرائے؟ معلوم ہوا ہمارے یہ صحابہ کیسے لوگ تھے، ایک ذرہ بھی لایعنی اور بیکار کام نہیں کرتے تھے۔ اگر بیکار اور لایعنی کام کرتے تو پھر کبھی کوئی پوچھتا ہی نہ بھئی۔ ان کے ہر کام میں کوئی نہ کوئی حکمت ہوتی تھی، کوئی سبب ہوتا تھا۔ چنانچہ تھوڑی سی بات بھی معمول سے ہٹ کر دیکھی تو فوراً ساتھیوں نے پوچھ لیا کہ حضرت آپ کیوں مسکرائے ہیں؟

تو یہ ہیں صحابہ بھئی۔ صحابہ کا ذکر بھی کرو تو دل میں عجیب لذت محسوس ہوتی ہے بھئی۔ اور ہم اہلِ سنت والجماعت ہیں بھئی، اہلِ سنت والجماعت۔ اہلِ سنت والجماعت کا کیا معنی؟ یعنی یہ کہ ہم سنت پر عمل کرتے ہیں، کیا کرتے ہیں؟ سنت پر عمل کرتے ہیں، یعنی حضور علیہ السلام کے بتلائے ہوئے طریقوں پر۔ اور وَالْجَمَاعَةُ، جماعت سے صحابہ کی جماعت مراد ہے، یعنی حضور کے طریقوں پر بھی اس طرح سے عمل کرتے ہیں جس طرح صحابہ نے سمجھ کر ہمیں بتایا بھئی۔ ایک یہ ہے آج کل لوگ بیٹھے ہیں، احادیث کا مطالعہ کرتے ہیں اور خود جو عقل ان کو سمجھا دے اس کے مطابق اس کا خود معنی نکال لیتے ہیں کہ اس کا یہ معنی ہے۔ لیکن اہلِ سنت والجماعت کا یہ طریقہ نہیں۔ اہلِ سنت والجماعت یہ دیکھتے ہیں کہ صحابہ نے حضور کے اس قول کا کیا معنی لیا تھا اور صحابہ نے اس پر کس طرح عمل کیا تھا۔ یہ ہے اصل طریقہ، یہ ہے۔ ورنہ تو بعض اوقات ایک بات میں کئی کئی احتمال نکل آتے ہیں، لیکن جب صحابہ کا دامن درمیان میں ہو گا تو انسان گمراہی سے محفوظ رہے گا۔ اور جب صحابہ کا دامن درمیان سے چھوٹ گیا، نکل گیا، تو پھر بے شک آپ کے پاس احادیث بھی ہوں، اول تو سوال یہ ہے کہ احادیث پہنچی کیسے ہیں آپ تک اگر صحابہ کا واسطہ ہی نکال دو؟ اور دوسرا یہ کہ اگر آپ خود اپنا معنی نکالو گے تو کوئی ایک حدیث کا ایک معنی نکالے گا، کوئی دوسرا معنی نکالے گا، جیسے آج کل آپ دیکھ رہے ہیں بھئی کہ ضَلُّوا فَأَضَلُّوا، خود بھی گمراہ ہوتے ہیں لوگ اور دوسروں کو بھی گمراہ کرتے ہیں۔ تو ہم اہلِ سنت والجماعت ہیں، سنت پر عمل کرتے ہیں لیکن اسی طریقے سے جس طرح اس کو صحابہ نے سمجھا اور اس پر عمل کیا۔

یہ حضور صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کے شاگرد تھے، سمجھ میں آیا؟ اور استاد جتنا عظیم ہوتا ہے شاگرد بھی اتنے ہی عظیم ہوتے ہیں۔ اور یہ تو سرورِ کونین تھے، کائنات کی عظیم ترین شخصیت بھئی، اور جن کا درجہ تمام مخلوقات سے بڑھ کر ہے بھئی۔ تو یقیناً ان کے شاگردوں کا جو مقام ہو گا وہ بھی ہمارے تصور سے بالا ہے بھئی۔ علما فرماتے ہیں کہ ادنیٰ سے ادنیٰ صحابی کا بھی اتنا اونچا مقام ہے کہ دنیا کا بڑے سے بڑا ولی بھی ادنیٰ سے ادنیٰ صحابی کے مرتبے کو نہیں پہنچ سکتا۔ اور صحابی، ادنیٰ سے ادنیٰ صحابی کا یہ مقام کیوں ہے؟ کیونکہ اس نے حضور علیہ السلام کی زیارت کی ہے۔ اور جس نے حضور کی ایک لمحے کے لیے زیارت کر لی، اس کا اتنا اونچا مقام ہو گیا کہ بڑے سے بڑا ولی جو ہے اس مقام تک نہیں پہنچ سکتا۔ تو وہ صحابہ ذرا تصور

تو کرو جنہوں نے تمام زندگیاں حضور صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کے ساتھ گزاریں، جنہوں نے حضور کے لیے سارا کچھ قربان کر دیا، جنہوں نے حضور کی محبت میں اپنے رشتہ داروں، مال و دولت، بیوی بچوں کسی کی پرواہ نہیں کی، ان صحابہ کا کیا مقام ہو گا، ہم تصور بھی نہیں کر سکتے۔ تو اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ ثُمَّ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ، اللہ نے ہمیں صحابہ کی محبت نصیب فرمائی ہے۔ تو آپ کو یہ اتنی عظیم نعمت اللہ نے آپ کو نصیب فرمائی ہے، اس کے لیے تو بطور شکرانے کے دو نفل کم از کم آپ کو پڑھنے چاہئیں کہ اللہ نے آپ کو عظیم فضیلت نصیب فرمائی بھئی۔ اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ أَحَبَّ، آدمی انہی کے ساتھ ہو گا جن کے ساتھ وہ محبت رکھتا ہے۔ تو اللہ آخرت میں ہمیں صحابہ کے ساتھ جمع فرما دے، اللہ آخرت میں ہمیں بھی صحابہ کے ساتھ بغیر حساب کتاب جنت میں داخل فرما دے۔ آمین۔

تو دیکھیے کتاب پر: وَعَلَى آلِهِ وَأَصْحَابِهِ، اور رحمت نازل ہو حضور علیہ السلام کی آل پر، وَأَصْحَابِهِ اور ان کے صحابہ پر۔ میں نے بتلایا کہ صَاحِبٌ جو ہے وہ ساتھی کو کہتے ہیں اور بالخصوص حضور علیہ السلام کے جو ساتھی تھے ان کو صحابی کہا جاتا ہے، جمع اس کی صحابہ ہے بھئی، صحابہ ہے۔ اور یہاں پر أَصْحَابِهِ، أَصْحَابِهِ کی ہا ضمیر نبی کو راجع تو نبی کے ساتھی۔ اس سے پتہ چلا کہ اس سے کون مراد ہیں؟ صحابہ مراد ہیں بھئی، صحابہ مراد ہیں۔

الْمُتَأَدِّبِينَ بِآدَابِهِ۔ تَأَدُّبٌ کا معنی ہے ادب اور اخلاق سیکھنا۔ تَأَدُّبٌ کا کیا معنی؟ تَأَدَّبَ يَتَأَدَّبُ تَأَدُّبًا، کیا معنی؟ ادب اور اخلاق سیکھنا۔ الْمُتَأَدِّبِينَ بِآدَابِهِ یہ آدَابِهِ کی ہا ضمیر پھر نبی کو راجع ہے۔ وہ صحابہ جو اخلاق سیکھنے والے ہیں نبی کے، یعنی کہ نبی سے آداب سیکھنے والے ہیں، اخلاق سیکھنے والے ہیں۔ یہ صفت ہے کس کی؟ صحابہ کی بھئی۔ وَأَصْحَابِهِ الْمُتَأَدِّبِينَ بِآدَابِهِ، وہ صحابہ جو حضور صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کے آداب کو اور اخلاق کو سیکھنے والے ہیں، اس کو اپنانے والے ہیں، اس پر عمل کرنے والے ہیں۔ یا یوں ترجمہ کر لو، وَأَصْحَابِهِ الْمُتَأَدِّبِينَ بِآدَابِهِ، اور وہ صحابہ الْمُتَأَدِّبِينَ جو اپنے آپ کو سنوارنے والے ہیں بِآدَابِهِ حضور علیہ السلام کے آداب کے ساتھ، یا جو متصف ہیں حضور علیہ السلام کے آداب کے ساتھ، آپ کے اخلاق کے ساتھ کہ ان کو صحابہ نے اپنایا بھئی۔ یہاں تک بات سمجھ میں آگئی؟

أَمَّا بَعْدُ، أَمَّا بَعْدُ بھئی۔ أَمَّا متضمن ہے معنی شرط کو بھئی، اور اسی لیے آگے فَهَذِهِ پر فا لائی گئی بھئی، کیونکہ شرط کے جواب میں کیا آتی ہے؟ فا آتی ہے۔ أَمَّا بَعْدُ میں یہ بَعْدُ جو ہے مبنی ہے، مَبْنِيٌّ عَلَى الضَّمِّ بھئی۔ قَبْلُ اور بَعْدُ کے بارے میں ایک نکتہ جو آپ پڑھتے رہتے ہیں لیکن اس کی تھوڑی سی میں مزید وضاحت کر دوں آپ کے لیے بھئی۔ یاد رکھو یہ جو قَبْلُ اور بَعْدُ ہیں یہ مضاف الیہ چاہتے ہیں۔ بَعْدُ کا معنی بعد میں، بھئی کس کے بعد؟ زید کے بعد، عمر کے بعد، بکر کے بعد، یا ایک دن کے بعد، دو دن کے بعد، چار دن کے بعد، آگے مضاف الیہ چاہیے بھئی۔ اسی طرح قَبْلُ کا معنی پہلے بھئی، کس سے پہلے؟ زید سے پہلے یا عمر سے پہلے یا ایک ہفتے سے پہلے وغیرہ، تو اس کے لیے بھی آگے ہمیشہ کیا چاہیے؟ مضاف الیہ چاہیے۔ تو قَبْلُ اور بَعْدُ ہمیشہ کس کا تقاضا کرتے ہیں؟ مضاف الیہ کا۔ بَعْدُ کا معنی بعد میں، بھئی کس کے بعد؟ وہ آگے مضاف الیہ چاہیے۔ قَبْلُ

کا معنی پہلے، بھئی کس سے پہلے؟ وہ آگے مضاف الیہ چاہیے، قَبْلَ زَيْدٍ مثلاً زید سے پہلے۔ تو ان کے لیے ہمیشہ مضاف الیہ چاہیے۔

اور ان کے استعمال کی تین صورتیں ہیں۔ ایک صورت یہ کہ وہ مضاف الیہ کبھی عبارت میں ذکر ہو گا۔ دوسری صورت یہ کہ وہ مضاف الیہ عبارت سے تو حذف کر لیا لیکن نیت میں ابھی بھی وہ مراد ہے، اس کا ارادہ ہے۔ اور تیسری صورت یہ کہ لفظوں سے بھی اس مضاف الیہ کو ختم کر دیا اور نیت سے بھی ختم کر دیا۔ توجہ ہے؟ تو تین صورتیں ہیں قَبْلُ اور بَعْدُ کے استعمال کی: ان کا مضاف الیہ یا لفظوں میں ذکر ہو گا، یا لفظوں میں تو ذکر نہیں ہو گا لیکن نیت میں مراد ہو گا، اور یا وہ نَسْيًا مَنْسِيًّا ہو گا یعنی بھولا بسرا یعنی ہے ہی نہیں، تھا ہی نہیں، ختم کر دیا گویا، یعنی ایسا استعمال گویا اس کے لیے مضاف الیہ چاہیے ہی نہیں۔ توجہ ہے؟ تو ایک صورت کیا؟ مضاف الیہ ان کا عبارت میں ذکر ہو گا۔ دوسری صورت کیا؟ عبارت سے تو حذف کر دیا لیکن نیت میں ابھی بھی ہے۔ تیسری صورت کہ عبارت سے بھی ختم کیا اور نیت سے بھی ختم کر دیا، گویا ان کے لیے مضاف الیہ چاہیے ہی نہیں، نَسْيًا مَنْسِيًّا کر دیا۔

تو تین صورتیں ہیں استعمال کی اور ان میں سے دو صورتوں میں یہ معرب ہے اور ایک صورت میں مبنی ہے۔ جب وہ صورت جس میں مضاف الیہ اس کا لفظوں میں موجود ہو تو ان کی ضرورت پوری ہو رہی ہے، لہٰذا اس صورت میں یہ معرب ہیں، کیا ہیں؟ معرب۔ ضرورت پوری ہو رہی ہے، اس کے لیے مضاف الیہ چاہیے تھا اور وہ عبارت میں ذکر ہے۔ تیسری صورت جو تھی، جس میں مضاف الیہ عبارت میں بھی ذکر نہیں اور نیت میں بھی نہیں ہے، تو اس میں بھی گویا اس کے لیے مضاف الیہ کو نَسْيًا مَنْسِيًّا کر دیا کہ اس کے لیے چاہیے ہی نہیں کوئی مضاف الیہ۔ جب چاہیے ہی نہیں تو بھی معرب ہے، گویا اس کا کوئی نقصان ہوا ہی نہیں۔ لیکن ایک صورت جس میں مضاف الیہ لفظوں سے تو حذف کر دیا لیکن نیت میں ابھی بھی ہے، اس صورت میں یہ مبنی ہو گا، کیا ہو گا؟ مبنی ہو گا بھئی، مبنی ہو گا۔

جیسے دیکھو مثال سے وضاحت ہو گی۔ مثلاً میں آپ سے کہتا ہوں: جَاءَنِي زَيْدٌ بَعْدَ عَمْرٍو، جَاءَنِي زَيْدٌ بَعْدَ عَمْرٍو۔ دیکھو بَعْدَ عَمْرٍو، بَعْدَ کے بعد کیا آ رہا ہے؟ مضاف الیہ۔ زید کس کے بعد آیا؟ عمر کے بعد آیا۔ بَعْدَ کے لیے مضاف الیہ چاہیے تھا اور اس کی ضرورت پوری ہو رہی ہے، لہٰذا یہ معرب ہے۔ اور یہ ظرف ہے اور ظرف کیا ہوتا ہے؟ منصوب، مَفْعُولٌ فِيهِ ہوتا ہے۔ اسی لیے میں نے کیا کہا؟ جَاءَنِي زَيْدٌ بَعْدَ عَمْرٍو، بَعْدَ عَمْرٍو۔ تو ضرورت پوری ہے، معرب ہے اور اس پر نصب آ رہا ہے۔

اور ایک صورت یہ کہ آپ اس کو لفظوں سے حذف کر دیں مضاف الیہ کو، لیکن نیت میں ابھی بھی مراد ہے۔ پہلے کا کیا ترجمہ ہوا جَاءَنِي زَيْدٌ بَعْدَ عَمْرٍو، کیا ترجمہ ہوا؟ زید عمر کے بعد آیا۔ دوسری صورت کہ عمر کو لفظوں سے حذف کر دیں لیکن نیت میں مراد ہو۔ اس صورت میں چونکہ بَعْدُ کے لیے تو مضاف الیہ چاہیے اور اس کا نقصان ہو گیا، آپ نے لفظوں سے کیا کر دیا مضاف الیہ کو ختم کر دیا اگرچہ نیت میں ابھی بھی مراد ہے، تو اس صورت میں یہ مبنی بن جائے گا اور پھر یوں پڑھیں

گے: جَاءَنِي زَيْدٌ بَعْدُ۔ عمر نہیں، عمر کو ہم نے لفظوں سے حذف کر دیا۔ اب یہ مبنی بن گیا، بَعْدُ کیا ہے؟ مبنی ہے، مَبْنِيٌّ عَلَى الضَّمِّ۔ ہاں محلاً یہ ابھی بھی منصوب ہے کیونکہ مَفْعُولٌ فِيهِ ہے بھئی۔ کیا ہے؟ مَفْعُولٌ فِيهِ۔ اور مبنی پر اعراب کیسے آتا ہے؟ محلاً آتا ہے۔ تو اس وقت یہ ہے تو مبنی، مَبْنِيٌّ عَلَى الضَّمِّ ہے، لیکن محلاً کیا ہے؟ منصوب ہے، مَفْعُولٌ فِيهِ ہے۔ جَاءَنِي زَيْدٌ بَعْدُ۔ جی، ترجمہ کیا ہو گا؟ جی؟ زید آیا بعد میں؟ نہیں نہیں، عمر لفظوں سے تو اڑا دیا ہے، نیت میں ابھی بھی ہے، ترجمہ وہی ہو گا: زید عمر کے بعد آیا۔ جَاءَنِي زَيْدٌ بَعْدُ، نیت میں ابھی بھی ہے عمر تو ترجمہ کیا ہو گا؟ زید عمر کے بعد آیا۔

اور تیسری صورت یہ ہے کہ عمر کو آپ لفظوں سے بھی اڑا دیں اور نیت سے بھی ختم کر دیں، تو گویا اب بَعْدُ کا کوئی نقصان نہیں ہوا، بَعْدُ کا کوئی نقصان نہیں ہوا، اس کے مضاف الیہ کو نَسْيًا مَنْسِيًّا کر دیا، گویا نہ یہ مضاف الیہ چاہتا ہے نہ لانے کی ضرورت ہے۔ تو اس کا کوئی نقصان نہیں تو اس صورت میں بھی یہ معرب ہو گا۔ تو کیسے پڑھیں گے؟ جَاءَنِي زَيْدٌ بَعْدًا، جَاءَنِي زَيْدٌ بَعْدًا۔ بَعْدًا کیوں پڑھیں گے؟ کیونکہ مَفْعُولٌ فِيهِ ہے نصب آئے گا اور آگے مضاف الیہ تو ہے نہیں، تنوین آئے گی، معرب ہے بھئی۔ بات سمجھ میں آ گئی؟ تو جَاءَنِي زَيْدٌ بَعْدًا۔ اور ترجمہ کیا؟ نہیں نہیں، اب عمر نیت میں بھی نہیں ہے۔ مضاف الیہ گویا اس کے لیے چاہیے ہی نہیں۔ بس جَاءَنِي زَيْدٌ بَعْدًا، زید بعد میں آیا، زید بعد میں آیا۔ فرق سمجھ میں آ گیا؟ تو آج تک آپ سنتے تھے کہ بَعْدُ کے استعمال کی تین صورتیں ہیں، میں نے خوب وضاحت کر دی کہ جب لفظوں سے ختم ہو اور نیت سے بھی ختم ہو تو ترجمے میں نہیں لائیں گے، لیکن اگر لفظوں سے ختم ہے اور نیت میں ہے تو پھر ترجمے میں بھی اس کو لے کر آئیں گے بھئی۔

تو کہتے ہیں أَمَّا بَعْدُ، بَعْدُ کے میں نے تین احوال ذکر کر دیے۔ تو یہاں پر ہے أَمَّا بَعْدُ فَهٰذِهِ فَوَائِدُ وَافِيَةٌ۔ تو یہاں أَمَّا بَعْدُ یہ مَبْنِيٌّ عَلَى الضَّمِّ ہے، اس سے آپ کو کیا پتہ چلا؟ کہ اس کا مضاف الیہ نیت میں ہے، اس کا مضاف الیہ نیت میں ہے۔ اس کے لیے تو مضاف الیہ چاہیے تھا اور وہ مضاف الیہ لفظوں سے تو ختم کر دیا اور نیت میں ابھی بھی ہے، تو اس کا نقصان ہوا۔ تو تلافی کے طور پر کیا کیا گیا؟ اس کو ضمے کی، ضمے پر اس کو مبنی بنا دیا گیا۔ تو یہ أَمَّا بَعْدُ۔ تو اب کیا مضاف الیہ ہے یہاں پر؟ أَمَّا بَعْدَ الْحَمْدِ وَالصَّلَاةِ، تو حمد و صلاۃ کے بعد فَهٰذِهِ فَوَائِدُ وَافِيَةٌ یہ کامل فائدے ہیں۔ تو یہ مَبْنِيٌّ عَلَى الضَّمِّ ہے اور محلاً؟ محلاً یہ منصوب ہو گا کیونکہ ظرف ہے، اور مبنی پر اعراب کیسے آتا ہے؟ محلاً۔ هُوَ رَجُلٌ، هُوَ کیا ہے؟ مرفوع محلاً۔ محلاً کیوں؟ کیونکہ مبنی ہے۔ تو یہاں بھی أَمَّا بَعْدُ، یہ بَعْدُ کیا ہے؟ مبنی ہے، مَبْنِيٌّ عَلَى الضَّمِّ، لیکن ہے تو مَفْعُولٌ فِيهِ تو کیا کہیں گے؟ یہ منصوب محلاً ہے، کیونکہ مَفْعُولٌ فِيهِ کیا ہوتا ہے؟ منصوب، تو مَبْنِيٌّ عَلَى الضَّمِّ ہے لیکن منصوب محلاً ہے بھئی۔

فَهٰذِهِ فَوَائِدُ وَافِيَةٌ۔ بھئی عبارت پر غور کر رہے ہیں بھئی؟ هٰذِهِ اسمِ اشارہ ہے واحد مؤنث کا، اور آگے آ رہا ہے فَوَائِدُ، فَوَائِدُ جمع ہے فَائِدَةٌ کی، جمع۔ تو هٰذِهِ اسمِ اشارہ یہ مبتدا ہے اور یہ اشارہ ہے فَوَائِدُ کی طرف اور وہ مشار الیہ ہے اور خبر ہے بھئی، یہ فائدے ہیں بھئی، یہ کچھ فائدے ہیں۔ تو جمع کے لیے هٰذِهِ واحد مؤنث اسمِ اشارہ لے کر آئے۔ میں نے آپ کو بتلایا

تھا ترکیب کے دوران کہ جمع بتاویل جَمَاعَۃٌ کس کے حکم میں ہے؟ واحد مؤنث کے حکم میں ہے، اس لیے یہاں پر بھی آپ دیکھ رہے ہیں کہ ھٰذِہٖ واحد مؤنث کا اسمِ اشارہ لے کر آئے جمع کے لیے۔ تو یہ بتاویل جَمَاعَۃٌ کے ہے۔

فَوَائِدُ وَافِیَۃٌ۔ وافی کا معنی ہے کامل، پورا، پورا۔ تو فوائدِ وافیہ وہ فوائد جو کامل ہیں، وہ فوائد جو کامل، یعنی کامل درجے کے فوائد ہیں۔ تو یہاں بھی آپ دیکھیے فَوَائِدُ ہے موصوف اور وَافِیَۃٌ اس کی صفت ہے، اور موصوف جو ہے وہ جمع ہے اور اس کی صفت وَافِیَۃٌ واحد مؤنث لائی گئی، اور یہ بھی اسی طرح کہ یہ جمع کیا ہے بتاویل جَمَاعَۃٌ واحد مؤنث کے حکم میں ہے لہٰذا اس کی صفت کیا لائی گئی؟ واحد مؤنث لائی گئی۔

پھر فَھٰذِہٖ فَوَائِدُ وَافِیَۃٌ، یہ کامل درجے کے فائدے ہیں، یہ کامل فائدے ہیں۔ یہ اس سے مراد شرحِ جامی ہے، یہ جو ملا جامی کی کتاب جو ہم پڑھ رہے ہیں، یہ اس کے بارے میں ملا جامی فرما رہے ہیں کہ یہ کیا ہیں؟ کامل درجے کے فائدے ہیں بِحَلِّ مُشْکِلَاتِ الْکَافِیَۃِ کافیہ کی مشکلات حل کرنے میں۔ یہ کافیہ کی مشکلات حل کرنے میں کامل درجے کے فائدے ہیں، یعنی اس سے کافیہ کی مشکلات حل ہو جائیں گی، یہ ایسی شرح میں نے لکھی ہے بھئی۔ تو فَوَائِدُ سے کیا مراد ہے؟ یہ شرح، شرحِ جامی مراد ہے۔

اب یاد رکھو یہ جو ھٰذِہٖ ہے، اس کو وضع کیا گیا ہے محسوس اور مبصر چیز کی طرف اشارہ کرنے کے لیے۔ ھٰذِہٖ اسمِ اشارہ ہے، اس کے ذریعے اشارہ کیا جاتا ہے کسی ایسی چیز کی طرف جو محسوس ہو، مبصر ہو، آنکھوں سے دکھائی دے، آنکھوں سے دکھائی دے۔ آپ نے پڑھا ہو گا اور کتابوں کے اندر کہ انسان کو اللہ نے پانچ حواس دیے ہیں بھئی، حواسِ خمسہ۔

ظاہرہ۔ اور وہ کیا ہیں؟ ایک آنکھیں ہیں جن کے ذریعے وہ چیزوں کو دیکھتا ہے، ایک کان ہیں جن کے ذریعے وہ آوازوں کو سنتا ہے، ایک ناک ہے جس کے ذریعے وہ چیزوں کو سونگھتا ہے، ایک زبان ہے جس کے ذریعے یہ چیزوں کو چکھتا ہے، اور ایک حس جو ہے وہ چھونے کی ہے، چھونے کی۔ اور یہ پورے بدن میں پھیلی ہوئی ہے، اس کے ذریعے انسان جو ہے کسی نرم یا سخت چیز کا اس کو پتہ چلتا ہے، کوئی چیز خشک ہے یا تر ہے، ہموار ہے یا کھردری ہے وغیرہ، ان چیزوں کا پتہ چلتا ہے اور اس کو قوتِ لامسہ کہتے ہیں، لَمْس یعنی چھونے کی قوت۔ تو پانچ قوتیں اللہ نے انسان کو نصیب فرمائی ہیں۔ ایک قوتِ باصرہ ہے دیکھنے کی قوت، ایک قوتِ لامسہ ہے چھونے کی قوت، ایک قوتِ سامعہ ہے سننے کی قوت، ایک قوتِ ذائقہ ہے ذائقے کی قوت، اور ایک قوتِ شامہ ہے سونگھنے کی قوت۔

تو یہ پانچ قوتیں اللہ نے انسان کو نصیب فرمائی ہیں۔ کون کون سی؟ قوتِ باصرہ، قوتِ لامسہ، قوتِ سامعہ، قوتِ ذائقہ اور قوتِ شامہ۔ اور ان پانچ چیزوں کے ذریعے انسان مختلف چیزوں کا علم حاصل کرتا ہے۔ دیکھنے سے اس کو جو چیزیں سامنے موجود ہوں وہ دکھائی دیتی ہیں، ان کا علم اسے حاصل ہوتا ہے کہ مثلاً یہ درخت ہے، یہ پتھر ہے، یہ پہاڑ ہے، یہ چیزیں اس کو دکھائی دیتی ہیں۔ قوتِ سامعہ کے ذریعے وہ مختلف قسم کی آوازوں کا علم اسے حاصل ہوتا ہے کہ مثلاً یہ زید کی آواز

ہے، یہ گائے کی آواز ہے، یہ گاڑی کی آواز ہے، اس کا علم اس کو قوتِ سامعہ کے ذریعے ہوتا ہے۔ قوتِ ذائقہ کے ذریعے اس کو مختلف قسم کے ذائقوں کا پتہ چلتا ہے کہ کوئی چیز میٹھی ہے یا پھیکی ہے یا کڑوی ہے یا نمکین ہے یا ترش ہے وغیرہ بھئی۔ اور قوتِ شامہ جو ہے سونگھنے کی قوت وہ جو اللہ نے ناک میں رکھی ہے، اس کے ذریعے انسان کو مختلف قسم کی جو بو ہے ان میں، ان کا علم اس کو حاصل ہوتا ہے، کسی چیز کی اچھی بو ہے، کسی چیز کی خراب بو ہے، کوئی فلاں قسم کی خوشبو ہے، کوئی فلاں قسم کی خوشبو ہے، اس کا پتہ کس سے چلے گا؟ قوتِ شامہ سے۔ اور قوتِ لامسہ جو ہے یہ یاد رکھیے پورے بدن میں پھیلی ہوئی ہے۔ تو بدن کے کسی حصے پر بھی کوئی چیز لگے آپ کو فوراً محسوس ہو جاتا ہے کہ کوئی چیز بدن پر لگی ہے، اور سخت ہے یا نرم ہے، خشک ہے یا تر ہے، ہموار ہے یا کھردری ہے۔ تو یہ پانچ قوتیں ہیں۔ ان کو حواسِ خمسہ ظاہرہ کہتے ہیں، اور ان کے ذریعے جن چیزوں کا ہمیں علم ہوتا ہے ان کو محسوسات کہتے ہیں۔

تو آواز بھی کس میں سے ہے؟ محسوسات میں سے۔ ذائقہ بھی کس میں سے؟ محسوسات میں سے۔ اور جو چیزیں ہمیں دکھائی دیتی ہیں یہ بھی کس میں سے؟ محسوسات میں سے۔ جن چیزوں کا پتہ ہمیں چھونے سے چلتا ہے وہ بھی کیا ہیں؟ محسوسات ہیں۔ اور جن چیزوں کا پتہ سونگھنے سے چلتا ہے وہ بھی کیا ہیں؟ محسوسات۔ تو یہ ساری محسوسات ہیں۔ لیکن عام لوگوں کے عرف میں جب محسوس کا لفظ ذکر کیا جائے تو اس کا معنی ہوتا ہے مُبْصَر کے، یعنی جو چیز آنکھوں سے دکھائی دے۔ جو چیز آنکھوں سے دکھائی دے۔ تو کبھی آپ منطق وغیرہ کی کتابیں پڑھیں گے وہاں محسوسات کا لفظ آئے گا، تو وہاں محسوسات کا معنی کرنا ہے وہ چیزیں جو حواسِ خمسہ ظاہرہ سے معلوم ہوں۔ تو اس میں آوازیں بھی داخل ہو گئیں، اس میں خوشبو وغیرہ بھی داخل ہو گئی، اس میں ذائقہ وغیرہ اور یہ سب چیزیں کیا ہو گئیں؟ داخل۔ تو محسوس میں وہ پانچوں چیزیں آگئیں جو ان حواسِ خمسہ ظاہرہ کے ذریعے ہمیں جن کا علم ہوتا ہے۔ لیکن عام لوگوں کے عرف میں محسوس کے معنی ہوتا ہے وہ چیز جو آنکھوں سے نظر آئے۔ آواز کو محسوس نہیں کہتے کیونکہ وہ آنکھوں سے نظر نہیں آتی، ذائقے کو وہ محسوس نہیں کہتے کیونکہ وہ آنکھوں سے نظر نہیں آتا، خوشبو وغیرہ کو وہ محسوس نہیں کہتے کیونکہ وہ آنکھوں سے نظر نہیں آتی۔

تو یہاں میں نے کیا بتلایا کہ یہ ھٰذِہٖ اسمِ اشارہ ہے، اس کو وضع کیا گیا ہے محسوس اور مُبْصَر چیزوں کے لیے، محسوس اور مُبْصَر کا ایک ہی معنی ہے، یعنی وہ چیز جو آنکھوں سے نظر آئے۔ تو اسمِ اشارہ کس لیے وضع ہے؟ اس کے ذریعے اشارہ کیا جاتا ہے کس کی طرف؟ کسی محسوس اور مُبْصَر چیز کی طرف۔ مثلاً میرے سامنے یہ کتاب ہے، یہ آنکھوں سے نظر آ رہی ہے تو میں اس کی طرف اشارہ کروں گا: ھٰذَا الْکِتَابُ، یہ والی کتاب۔ قلم آنکھوں سے نظر آتا ہے تو میں کہوں گا: ھٰذَا الْقَلَمُ۔ بات سمجھ میں آگئی؟ جی۔

تو اسمِ اشارہ کو کس کے لیے وضع کیا گیا ہے؟ محسوس اور مُبْصَر چیزوں کی طرف اشارہ کرنے کے لیے وضع کیا گیا ہے۔ اور یہاں پر فَهٰذِهٖ یہ ہے مُبْتَدَأ اور فَوَائِدُہٗ یہ ہے اس کی خَبَر۔ یہ فائدے ہیں، یعنی یہ فَوَائِد یہ مُشَارٌ إِلَيْهِ ہیں۔ اور مُشَارٌ إِلَيْهِ فَوَائِد ہیں، اور فَوَائِد سے کیا مراد؟ شرحِ جامی مراد ہے، کیا مراد ہے؟ شرحِ جامی مراد ہے۔ اور شرحِ جامی وہ تو معانی کا نام ہے بھئی، کس کا نام ہے؟ معانی کا۔ بھئی یہ فَوَائِد معانی کا نام ہے۔ یاد رکھو تین چیزیں ہیں یہاں: ایک ہیں الفاظ، ایک ہے ان کے معانی، اور ایک ہیں نقوش۔

الفاظ وہ ہیں جس پر انسان زبان سے تکلم کرتا ہے۔ یہ جو کچھ میں زبان سے ادا کر رہا ہوں یہ کیا ہیں؟ الفاظ۔ اور جب الفاظ بولے جائیں تو ان کا معنی ذہن میں سمجھ میں آتا ہے۔ مثلاً میں نے کہا گلاس، تو پانی پینے کا ایک برتن آپ کے ذہن میں آگیا۔ میں نے کہا مسجد، تو آپ کے ذہن میں مسجد کی صورت آگئی۔ میں نے کہا کتاب، تو آپ کے ذہن میں کتاب کی صورت آگئی۔ تو یہ جو زبان سے ہم ادا کرتے ہیں یہ ہیں الفاظ، اور جس چیز پر یہ دلالت کرتے ہیں یعنی وہ جو معنی ذہن میں آتا ہے وہ کیا ہے؟ وہ ان کا معنی ہے، مفہوم ہے۔

اور ایک ہیں نقوش۔ نقوش یہ جو آپ کے سامنے کتاب میں یہ جو تحریر ہے، یہ جو لکھائی ہے، ان کو نقوش کہتے ہیں۔ یہ مختلف قسم کے دیکھو ٹیڑھے میڑھے خط ہیں۔ لیکن آپ کو پتہ ہے کہ کون سا خط کون سی آواز کے لیے وضع کیا گیا ہے۔ أَلِفْ، بَا، تَا، ثَا یہ حروفِ تہجی جو ہیں یہ مختلف قسم کی آوازوں کے لیے مقرر کیے گئے ہیں، وضع کیے گئے ہیں۔ اور ہر زبان والوں کے اپنے حروفِ تہجی ہوتے ہیں۔ جیسے اردو میں الف، بے، پے ہے، پے ہے۔ عربی میں پے نہیں ہے۔ اردو میں ٹے ہے بھئی ٹے، الف، بے، پے، تے، ٹے۔ عربی میں ٹے نہیں کیونکہ وہ پے اور ٹے استعمال ہی نہیں کرتے۔ وہ أَلِفْ، بَا، تَا، ثَا، جِيْم، حَا، خَا وہ جو آوازیں اپنے زبان میں بولنے میں استعمال کرتے ہیں ان کے لیے انہوں نے مختلف حروف وضع کیے ہوئے ہیں۔

چنانچہ آپ کو مثلاً میں اگر آپ کو کہتا ہوں کہ مثلاً کوئی نام آپ کو کہتا ہوں یا کوئی جملہ بولتا ہوں اور آپ لکھتے ہیں، لکھتے ہیں، میں جس جس طرح کے الفاظ ادا کر رہا ہوں، جیسی جیسی آواز کے ساتھ، آپ اس کے مطابق حروف کو جوڑتے ہوئے آپ لکھتے چلے جاتے ہیں۔ مثلاً میں نے کہا زید، زید کے شروع میں دیکھو زا کی آواز ہے، اس کے لیے وہ زَا، زَا، زَا ہم نے مقرر کی ہوئی ہے۔ زید کے بعد پھر یا ہے زید، اور یا کے لیے وہ حرف جو ہم نے وضع کیا ہوا ہے وہ یا ہے۔ پھر زید اس کے آخر میں یہ جو دال کی آواز آرہی ہے تو اس دال کے لیے ہم نے ایک الگ حرف وضع کیا ہوا ہے۔ تو چنانچہ میں نے کہا زید لکھو تو آپ لکھتے ہیں زَا، یَا، دَالْ۔ یہ آپ میری زبان سے ادا ہونے والی آوازوں کو دیکھ کر لکھتے ہیں۔ چنانچہ کئی دفعہ ایسا بھی ہوتا ہے ایک لفظ استاد آپ کے سامنے ذکر کرتا ہے اور آپ نے وہ لفظ پہلے کہیں لکھا ہوا دیکھا بھی نہیں، لیکن پھر بھی آپ لکھ لیتے ہیں یا نہیں لکھ لیتے؟ وہ حروف یعنی جس طرح استاد اس پر تلفظ کر رہا ہوتا ہے ان آوازوں سے آپ اندازہ لگا

لیتے ہیں کہ اس کو کس طرح لکھنا ہے بھئی۔ تو وہی والے حروف جو مختلف آوازوں والے حروف ہیں حروفِ تہجی ان کو آپ جوڑ کر ملاتے ہیں، لکھتے ہیں اور وہ لفظ لکھ لیتے ہیں بھئی۔

تو یہ جو کتاب کے اندر آپ تحریر دیکھ رہے ہیں ان کو کہتے ہیں نقوش۔ یہ کچھ ٹیڑھے میڑھے خط ہیں جو ہم نے مختلف آوازوں کے لیے مقرر کیے ہوئے ہیں۔ یعنی أَلِفْ، بَا، تَا، اور پھر ان سے ہم مختلف لفظ بناتے ہیں۔ تو یہ نقوش جو ہیں پھر یہ ان الفاظ پر دلالت کرتے ہیں۔ یہ جو کتاب میں تحریر ہے، یہ اس میں یہ جو نقوش ہیں، یہ جو ٹیڑھی میڑھی لکیریں ہیں، یہ کیا کرتے ہیں؟ ان الفاظ پر دلالت کرتے ہیں بشرطیکہ آپ کو علم ہو کہ یہ والے حروف کس آواز کے لیے وضع ہیں۔ چنانچہ اگر کسی انگریز کے سامنے یہ آپ کتاب رکھ دیں گے جس کو عربی یا اردو نہیں آتی وہ اس کو بالکل بھی نہیں سمجھے گا، وہ دیکھے گا ٹیڑھے میڑھے خط ہیں لیکن یہ کیا ہے وہ اس پر تلفظ کر ہی نہیں سکتا۔ یا جس کو انگریزی نہیں آتی اس کے سامنے انگریزی کے حروف، انگریزی کی کتاب رکھ دی جائے تو وہ یہ تو جانتا ہے کہ یہ ٹیڑھے میڑھے نقوش ہیں لیکن نہیں جانتا اس کو پڑھنا کیسے ہے بھئی۔ تو یہ جو نقوش ہیں یہ الفاظ پر دلالت کرتے ہیں۔ توجہ ہے؟ یہ نقوش کس پر دلالت کرتے ہیں؟ الفاظ پر۔ فَهٰذِهِ یہ دیکھو یہ فَا، هَا، ذَالْ اور هَا لکھے ہوئے ہیں، اس کو دیکھتے ہی میں سمجھ گیا یہ کیا لکھا ہے: فَهٰذِهِ۔ تو ان نقوش نے فَهٰذِهِ کے لفظ پر دلالت کی، اور پھر فَهٰذِهِ کے لفظ سے مجھے اس کا معنی سمجھ میں آیا۔ تو نقوش دلالت کرتے ہیں کس پر؟ الفاظ پر، اور الفاظ دلالت کرتے ہیں کس پر؟ معنی پر، جو پھر ہمیں سمجھ میں آتا ہے۔

تو یہاں فَوَائِد سے کیا مراد ہے؟ شرحِ جامی، اور شرحِ جامی وہ ان نقوش کا نام نہیں ہے۔ وہ ان فَوَائِد کا نام ہے، اور فَوَائِد کیا ہیں؟ معانی ہیں۔ کیا ہیں؟ معانی۔ بھئی دیکھو نا، آگے کہا ہے بِحَلِّ مُشْكِلَاتِ الْكَافِيَةِ، یہ کامل درجے کے فائدے ہیں کس چیز میں؟ کافیہ کی مشکلات حل کرنے کے بارے میں۔ مجھے بتائیے ان نقوش سے کافیہ کی مشکلات حل ہو رہی ہیں یا ان کا جو معنی ہے اس معنی سے کافیہ کی مشکلات حل ہو رہی ہیں؟ معنی سے حل ہو رہی ہیں، نقوش سے حل نہیں ہو رہیں۔ معلوم ہوا شرحِ جامی کس کا نام ہے؟ یہ ان فَوَائِد یعنی معانی کا نام ہے۔ کس کا نام ہے؟ معانی کا نام ہے۔ اور یہ، تو یہ نقوش جو ہیں یہ الفاظ پر دلالت کر رہے ہیں اور الفاظ کس پر دلالت کر رہے ہیں؟ معانی پر جو ہمیں ان سے سمجھ میں آ رہے ہیں۔

تو بات میں یہ کر رہا تھا کہ هٰذِهِ اسمِ اشارہ ہے اور اسمِ اشارہ کو وضع کیا گیا ہے کس کے لیے؟ محسوس اور مُبْصَر چیز کی طرف اشارہ کرنے کے لیے۔ اور یہاں تو اشارہ ہے کس کی طرف؟ فَوَائِد کی طرف، اور فَوَائِد تو معانی ہیں، فَوَائِد تو معانی ہیں۔ یہ تو محسوس اور مُبْصَر نہیں، حالانکہ اسمِ اشارہ کو کس کے لیے وضع کیا گیا ہے؟ مُبْصَر اور محسوس کے لیے، اور معانی تو مُبْصَر اور محسوس نہیں۔ تو جواب دیتے ہیں علماء کہ بھئی اس کے ذریعے اشارہ ہے ان نقوش کی طرف۔ یہ جو شرحِ جامی کے اندر نقوش ہیں سارے اس هٰذِهِ کے ذریعے ان کی طرف اشارہ ہے۔ اور یہ نقوش محسوس اور مُبْصَر ہیں یا نہیں؟

آنکھوں سے دکھائی دے رہے ہیں کہ نہیں؟ یہ آنکھوں سے دکھائی دے رہے ہیں۔

تو اس پر پھر اشکال ہوتا ہے کہ ھٰذِہٖ کے ذریعے نقوش کی طرف کیسے اشارہ ہو سکتا ہے کیونکہ ھٰذِہٖ تو جو ہے، ھٰذِہٖ اس کا مُشَارٌ إِلَيْهِ تو انہوں نے کہا ہے فَوَائِد ہیں، اور فَوَائِد کس کا نام ہے؟ معانی کا نام ہے۔ نیز آگے خود بھی کہا اس کے ذریعے کافیہ کی مشکلات حل ہوں گی، اور وہ کس سے حل ہوں گی؟ معانی سے حل ہوں گی، نقوش سے حل نہیں ہوں گی۔ تو جواب یہ کہ بھئی یہ ھٰذِہٖ کے ذریعے اشارہ ہے نقوش کی طرف، اور یہ نقوش دلالت کر رہے ہیں کس پر؟ الفاظ پر، کس پر؟ اولاً الفاظ پر، اور پھر وہ الفاظ کس پہ دلالت کر رہے ہیں؟ معانی پر۔ تو جب ھٰذِہٖ کے ذریعے ان نقوش کی طرف اشارہ ہو گیا تو گویا ان معانی کی طرف بھی اشارہ ہو گیا کیونکہ یہ نقوش کس پر بالآخر دلالت کرتے ہیں؟ معانی پر دلالت کرتے ہیں الفاظ کے واسطے سے۔ بات سمجھ میں آگئی؟

تو اگر ھٰذِہٖ کے ذریعے اشارہ مانا جائے ان نقوش کی طرف تو اس کا مطلب ہے ھٰذِہٖ اپنے اصل معنی میں استعمال ہو رہا ہے۔ ھٰذِہٖ وضع بھی کس کے لیے؟ محسوس و مُبْصَر کے لیے، اور یہاں اشارہ بھی کس کی طرف؟ نقوش کی طرف، وہ بھی کیا ہیں؟ محسوس اور مُبْصَر۔ تو لہٰذا ھٰذِہٖ کس معنی میں استعمال ہوا؟ اپنے حقیقی معنی میں استعمال ہوا۔ یہ وضع بھی محسوس اور مُبْصَر کے لیے تھا اور استعمال بھی کس میں ہوا؟ محسوس و مُبْصَر کے لیے۔ اور اگر آپ اس سے اشارہ لیتے ہیں معانی کی طرف، اس کو بناتے ہیں کہ وہ نقوش جن معانی پر دلالت کر رہے ہیں اگر وہ مراد لیتے ہیں، تو پھر یاد رکھو اس صورت میں ھٰذِہٖ اپنے مجازی معنی میں استعمال ہو گا۔ کس معنی میں؟ کیونکہ معانی تو محسوس اور مُبْصَر نہیں ہوتے، وہ تو ذہن میں آتے ہیں آنکھوں سے دکھائی نہیں دیتے۔ تو اس صورت میں ھٰذِہٖ اپنے حقیقی معنی میں استعمال نہیں ہو گا بلکہ کس معنی میں؟ مجازی معنی میں استعمال ہو گا۔

اور نیز یہ بھی یاد رکھیے یہاں دو صورتیں ہیں۔ ایک صورت یہ کہ مصنف نے پہلے کتاب لکھی ہو، پھر اس کے بعد یہ خطبہ لکھا ہو، اور اس خطبے میں وہ کیا کہہ رہے ہیں فَهٰذِهِ فَوَائِدُ، یہ کیا ہیں؟ کچھ فائدے ہیں، یہ کچھ فائدے۔ تو بتائیے جس چیز کی طرف اشارہ کر رہے ہیں، جس جامی کی طرف اشارہ کر رہے ہیں وہ لکھ چکے ہیں یا نہیں؟ میں نے بتایا نا ایک صورت یہ ہے کہ کتاب پہلے لکھی ہو، خطبہ بعد میں لکھا ہو۔ تو کتاب پہلے جب لکھی جا چکی تو ھٰذِہٖ کے ذریعے اشارہ ہو گا کس کی طرف؟ اس کتاب کی طرف، کس کی طرف؟ اس کتاب کی طرف، یوں کہو ان نقوش کی طرف یا ان معانی کی طرف اشارہ ہو گا۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو ایک صورت یہ ہے کہ یہ خطبہ بعد میں لکھا گیا ہو تو کتاب پہلے لکھی جا چکی لہٰذا ھٰذِہٖ کے ذریعے اس کتاب کے جو نقوش ہیں یا اس کتاب کے جو معانی ہیں ان کی طرف اشارہ ہو گیا، کتاب لکھی جا چکی ہے۔ اور اس کو خطبۂ الحاقیہ کہتے ہیں، کیا کہتے ہیں؟ أَلْحَقَ يُلْحِقُ إِلْحَاقٌ کا معنی ملانا۔ دیکھو کتاب پہلے لکھی گئی اور خطبہ بعد میں لکھ کر اس کے ساتھ ملا دیا گیا۔

اور دوسری صورت یہ ہے کہ خطبہ پہلے لکھا گیا اور کتاب بعد میں۔ یعنی ابھی کتاب لکھی نہیں ہے، مصنف پہلے ہی فرما رہے ہیں فَهٰذِهِ فَوَائِدُ وَافِيَةٌ، یہ کامل درجے کے فائدے ہیں۔ ابھی کتاب نہیں لکھی، آغاز ہی یہیں سے کیا۔ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ، اَلْحَمْدُ لِوَلِيِّهِ وَالصَّلَاةُ عَلٰى نَبِيِّهِ وَعَلٰى آلِهِ وَأَصْحَابِهِ الْمُتَأَدِّبِيْنَ بِآدَابِهِ، أَمَّا بَعْدُ فَهٰذِهِ فَوَائِدُ وَافِيَةٌ۔ ابھی مصنف یہیں پہنچے ہیں، آگے ابھی کتاب لکھی ہی نہیں۔ تو یہ خطبہ ابتدائیہ کہلاتا ہے، کیا کہلاتا ہے؟ یعنی ابتدا سے ہی خطبہ لکھا اس کے بعد کتاب لکھی۔ تو اس صورت میں پھر اشکال ہوتا ہے کہ بھئی اگر یہ خطبہ الحاقیہ ہو پھر تو آپ کا جواب ٹھیک ہے فَهٰذِهِ کے ذریعے کس کی طرف اشارہ؟ شرحِ جامی کی طرف، وہ پہلے ہی لکھی جا چکی۔ لیکن اگر کتاب ابھی لکھی نہیں ہے، ابھی لکھ رہے ہیں، تو پھر هٰذِهِ کے ذریعے کس کی طرف اشارہ ہوا؟ اگر یہ خطبہ ابتدائیہ ہو۔ تو جواب اس کا یہ کہ بھئی مصنف جب بھی کوئی کتاب لکھنے کا ارادہ کرتا ہے تو کچھ نہ کچھ اجمالی خاکہ اس کے ذہن میں ہوتا ہے کہ اس اس طرح کی میں کتاب لکھوں گا جس میں اس اس طرح کی کچھ تفصیل بیان کروں گا۔ تفصیلی طور پر ساری باتیں تو نہیں، تفصیلی تو وہ خود آگے سوچ سوچ کر لکھتا رہے گا، لیکن اجمالی کچھ خاکہ ہوتا ہے یا نہیں؟ کہ اس موضوع پہ لکھوں گا اور اس طرح کی کتاب لکھوں گا۔ تو وہ جو اجمالی خاکہ ذہن میں موجود ہے هٰذِهِ کے ذریعے اس کی طرف اشارہ کر دیا۔ اور وہ کہاں موجود؟ ذہن میں موجود، وہ کچھ معانی۔ وہ کچھ معانی جو ذہن میں موجود ہیں کہ اس اس طرح کی کتاب لکھوں گا، تو هٰذِهِ کے ذریعے پھر اس کی طرف اشارہ ہو گا اگر یہ خطبہ ابتدائیہ ہو۔ تو اس صورت میں پھر هٰذِهِ کیا ہو گا؟ مجازی معنی میں استعمال ہو گا، کیونکہ وہ خاکہ تو ذہن میں ہے اور هٰذِهِ تو وضع کس کے لیے کیا گیا ہے؟ محسوس اور مُبْصَر کے لیے۔ تو یہ تو معنی ہے اور معنی تو محسوس اور مُبْصَر نہیں۔ بات سمجھ میں آ گئی؟ تو هٰذِهِ کے ذریعے اشارہ ہو سکتا ہے نقوش کی طرف بھی اور یا ان معانی کی طرف بھی جن پر وہ نقوش دلالت کر رہے ہیں اگر یہ خطبہ الحاقیہ ہو۔ اور اگر یہ خطبہ ابتدائیہ ہو تو هٰذِهِ کے ذریعے اشارہ کس کی طرف ہو گا؟ وہ اجمالی خاکہ جو کتاب کا ذہن میں موجود یا وہ اجمالی فَوَائِد جو ذہن میں موجود ہیں، تو اس صورت میں پھر یہ قطعی طور پر هٰذِهِ اپنے مجازی معنی میں ہی استعمال ہو رہا ہے۔ بات سمجھ میں آ گئی؟ جی۔

تو کہتے ہیں فَهٰذِهِ فَوَائِدُ وَافِيَةٌ، فَهٰذِهِ فَوَائِدُ وَافِيَةٌ، یہ کچھ کامل درجے کے فائدے ہیں بِحَلِّ مُشْكِلَاتِ الْكَافِيَةِ، یہ بَا بمعنی فِيْ کے ہے، أَيْ فِيْ حَلِّ مُشْكِلَاتِ الْكَافِيَةِ، کافیہ کتاب کی مشکلات کے حل کرنے میں، کافیہ کتاب کی مشکلات حل کرنے سے متعلق یہ کچھ کامل درجے کے فائدے ہیں، یعنی ان کے ذریعے کافیہ کی مشکلات حل ہو جائیں گی۔ دیکھیے بھئی کتاب پر: فَهٰذِهِ فَوَائِدُ وَافِيَةٌ بِحَلِّ مُشْكِلَاتِ الْكَافِيَةِ، تو یہ کچھ کامل درجے کے فائدے ہیں کافیہ کتاب کی مشکلات حل کرنے کے بارے میں۔

لِلْعَلَّامَةِ الْمُشْتَهِرِ فِي الْمَشَارِقِ وَالْمَغَارِبِ۔ عَلَّامَةٌ، عَلَّامٌ جو ہے مبالغے کا صیغہ ہے، جیسے ضَرَّابٌ خوب پٹائی کرنے والا، اسی طرح عَلَّامٌ کیا معنی؟ خوب جاننے والا۔ اور اس کے ساتھ جو تَا ملائی گئی، یہ تَا جو ہے یہ بھی مبالغے کے لیے ہے، یا یہ

تاکیدِ مبالغہ کے لیے ہے، کس لیے ہے؟ یعنی اسی مبالغے کو پکا کر رہی ہے۔ تو یہ تَا بھی مبالغے کے لیے ہے یا تاکیدِ مبالغے کے لیے ہے بھئی۔ تو یہ تانیث کے لیے نہیں ہے۔ آگے کہ کافیہ کتاب جو کس کی ہے؟ علامہ ابنِ حاجب کی ہے بھئی۔ دیکھو عبارت میں آرہا ہے: لِلْعَلَّامَةِ الْمُشْتَهِرِ فِي الْمَشَارِقِ وَالْمَغَارِبِ الشَّيْخِ ابْنِ الْحَاجِبِ، کہ یہ کافیہ کتاب جو اس علامہ کی ہے جو کہ الْمُشْتَهِرِ جو مشہور ہے فِي الْمَشَارِقِ وَالْمَغَارِبِ مشارق اور مغارب، مشرقوں اور مغربوں میں جو مشہور ہے، یعنی الشَّيْخِ ابْنِ الْحَاجِبِ یعنی کہ شیخ ابنِ حاجب بھئی، یہ ان کی کتاب ہے۔ تو علامہ، علامہ سے کون مراد ہیں؟ شیخ ابنِ حاجب بھئی۔ تو اب آپ یہ نہ کہیں کہ عَلَّامَةٌ کے آخر میں تو تَا ہے اور تَا تانیث کی علامت ہوتی ہے تو یہ ابنِ حاجب کی صفت کیسے بن گئی؟ میں نے بتلا دیا کہ عَلَّامٌ کیا ہے؟ مبالغے کا صیغہ ہے، اس کا معنی ہے خوب جاننے والا، اور اس کے آخر میں جو تَا ہے وہ تانیث کی نہیں ہے بلکہ وہ مبالغے کے لیے ہے، یا مبالغے کی تاکید کے لیے ہے۔

یاد رکھو یہ تَا عربی زبان میں کئی معانی کے لیے استعمال ہوتی ہے۔ کبھی یہ تانیث کے لیے آتی ہے جیسے ضَارِبٌ اور ضَارِبَةٌ۔ کبھی کبھار یہ تذکیر کے لیے بھی یہ تَا آتی ہے بھئی، جیسے ثَلَاثَةُ رِجَالٍ۔ آپ نے پڑھا ہے کہ تین سے لے کر دس تک جو عدد ہے وہ اگر معدود مذکر ہو تو اس کے ساتھ وہ تَا کے ساتھ آتا ہے، اور اگر معدود مؤنث ہو تو بغیر تَا کے آتا ہے۔ تو اگر میں بتلانا چاہتا ہوں تین آدمی تو کیا کہوں گا؟ ثَلَاثَةُ رِجَالٍ۔ دیکھا رِجَال مذکر ہیں تو ثَلَاثَة کے ساتھ میں تَا لے کر آیا بھئی۔ اور اگر مؤنث ہو پھر تَا نہیں لاتے، مثلاً میں عورتیں کہنا چاہتا ہوں تین عورتیں تو کہوں گا ثَلَاثُ نِسْوَةٍ، ثَلَاثُ نِسْوَةٍ۔ دیکھو نِسْوَة عورتیں اس کے لیے پھر میں تَا نہیں لے کر آیا۔ معلوم ہوا یہ ثَلَاثَة سے لے کر عَشَرَة تک عدد میں جو گول تَا آتی ہے یہ تذکیر کے لیے ہے۔ دیکھو آج ایک نیا فائدہ آپ کو معلوم ہو گیا کہ یہ گول تَا کبھی مذکر کے لیے بھی آتی ہے بھئی، اور وہ کیا ہے؟ ثَلَاثَة سے لے کر عَشَرَة تک اگر تَا آئے تو یہ کس کے لیے ہے؟ مذکر کے لیے، اور اگر تَا نہ آئے تو یہ مؤنث کے لیے ہے بھئی۔ تو تَا کبھی تانیث کے لیے آتی ہے، کبھی تَا تذکیر کے لیے آتی ہے، کبھی تَا وحدت کے لیے آتی ہے، کس کے لیے؟ وحدت، جیسے تَمْرَةٌ۔ تَمْرَةٌ کا کیا معنی؟ ایک کھجور۔ تَمْر کا معنی کھجور، ایک بھی ہو سکتی ہے اور زیادہ بھی، لیکن تَمْرَةٌ کے گول تَا کے ساتھ کہیں تو اس کا کیا معنی ہے؟ ایک کھجور۔ تو کبھی تَا تانیث کے لیے آتی ہے، کبھی تَا تذکیر کے لیے آتی ہے، کبھی تَا وحدت کے لیے آتی ہے، کبھی تَا مبالغے کے لیے آتی ہے جیسے عَلَّامَةٌ کے اندر ہے تَا۔

اور کبھی تَا جو ہے وہ وصفیت سے اسمیت کی طرف نقل کرنے کے لیے آتی ہے۔ وصفیت سے ایک وصف کو نقل کر کے اسم بنا لیا جائے بھئی، اس کے ساتھ تَا ملا دیتے ہیں۔ بات سمجھ میں آرہی ہے؟ جیسے کافیہ۔ کافیہ کیا ہے؟ کافی، کافی کا معنی وہ چیز جو کافی ہو جائے، وہ کوئی بھی چیز ہو سکتی ہے جو آپ کے لیے کافی ہو اس کو کیا کہیں گے؟ کافی۔ لیکن بعد میں یہ اسم بن گیا کتاب کے لیے، اور اس کے ساتھ گول تَا ملا دی گئی اور یہ کس لیے ہے؟ وصفیت سے اس کو نقل کر لیا کس

کی طرف؟ اسمیت کی طرف، کَافِیَۃٌ، اب یہ اسم ہے وصف نہیں۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو کبھی تَا جو آتی ہے وہ وصفیت سے اسمیت کی طرف نقل کرنے کے لیے آتی ہے۔

اور کبھی کبھار یاد رکھو یہ تَا جو ہے یہ عوض میں آتی ہے، کس میں آتی ہے؟ عوض میں یہ تَا آتی ہے، کوئی ایک آدھ حرف حذف کر کے اس کے عوض گول تَا لے آتے ہیں، جیسے وَعَدَ یَعِدُ عِدَۃً، عِدَۃً۔ دیکھو اصل میں کیا تھا؟ وِعْداً تھا، وِعْداً یا وِعْدٌ کہہ لو۔ پھر وَاوْ کو شروع سے حذف کیا اور اس کے عوض آخر میں کیا لے آئے؟ گول تَا لے آئے، تو یہ کبھی کبھار کسی حرف کے عوض میں لے آتے ہیں، عوض میں لے آتے ہیں۔

اور اسی طرح کبھی یہ تَا جو ہے مصدر بنانے کے لیے لائی جاتی ہے، کیا بنانے کے لیے؟ مصدر بنانے کے لیے لائی جاتی ہے جیسے فَاعِلٌ، فَاعِل کام کرنے والا، اور اس سے آپ مصدر بنانا چاہتے ہیں تو اس کے آخر میں یائے مشدد اور گول تَا ملا دیتے ہیں تو کیا کہتے ہیں؟ فَاعِلِیَّۃٌ۔ فَاعِلِیَّۃٌ کا کیا معنی؟ فاعل ہونا، اب یہ مصدر بن گیا، فاعل ہونا۔ ضَارِبٌ کا کیا معنی؟ پٹائی کرنے والا، اور ضَارِبِیَّۃٌ؟ ضارب ہونا، ضارب ہونا۔ تو یہ جو تَا ہے عربی میں کئی معانی کے لیے استعمال ہوتی ہے، یہ تانیث کے لیے بھی استعمال ہوتی ہے، یہ تذکیر کے لیے بھی استعمال ہوتی ہے، اور اسی طرح یہ وصفیت سے اسمیت کی طرف نقل کرنے کے لیے بھی استعمال ہوتی ہے، اسی طرح یہ وحدت کے لیے بھی استعمال ہوتی ہے، اور یہ مصدر بنانے کے لیے بھی لائی جاتی ہے، اور مبالغے کے لیے بھی لائی جاتی ہے، اور وحدت کے لیے بھی، تو کئی معانی کے لیے یہ تَا استعمال ہوتی ہے۔ تو لِلْعَلَّامَۃِ کے اندر یہ جو تَا ہے یہ مبالغے کے لیے ہے، کس کے لیے ہے؟ مبالغے کے لیے ہے، تو یہ تانیث کے لیے نہیں ہے۔ تو علامہ کا معنی ہے بہت جاننے والا، خوب جاننے والا۔ لیکن یہ لفظ اللہ کے لیے استعمال نہیں کیا جاتا اگرچہ سب سے زیادہ علم اللہ کا ہے بھئی، کیونکہ اس علامہ لفظ کے اندر تَا جڑی ہوئی ہے، تو بہرحال تانیث کا وہم تو پڑتا ہے بھئی۔ اگرچہ یہ تَا تانیث والی نہیں لیکن تانیث کا وہم تو پڑتا ہے، لہٰذا اس لیے اللہ تعالیٰ کی ذات کے لیے یہ علامہ کا وصف ذکر نہیں کیا جاتا بھئی۔

اچھا، لِلْعَلَّامَۃِ وہ علامہ الْمُشْتَہِرِ جو مشہور ہے فِي الْمَشَارِقِ وَالْمَغَارِبِ مشرقوں اور مغربوں میں۔ مشرق کی جمع ہے مَشَارِق اور مغرب کی جمع ہے مَغَارِب۔ مشرق جہاں سے سورج طلوع ہوتا ہے، مغرب جہاں سورج غروب ہوتا ہے۔ اور مشارق و مغارب سے مراد ہے ساری دنیا، یہ کنایہ ہے تمام دنیا سے۔ کیونکہ جب مشرق و مغرب بیان کر دیے تو درمیان والا سارا خود ہی اس کے اندر آگیا۔ جو الْمُشْتَہِرِ فِي الْمَشَارِقِ وَالْمَغَارِبِ وہ علامہ جو مشہور ہیں مشرقوں اور مغربوں میں یعنی تمام دنیا کے اندر مشہور ہیں بھئی، تمام دنیا کے اندر۔ تو یہ کنایہ ہے یہ مشارق اور مغارب تمام دنیا سے۔

اور پھر یہ جمع لے کر آئے، بھئی جمع کیوں لے کر آئے؟ مشرق تو ایک ہے، مغرب ایک ہے، جمع کیوں لے کر آئے؟ تو جواب یہ کہ نہیں بھئی مشرق ایک نہیں ہے۔ یاد رکھو سورج آج ایک جگہ سے طلوع ہوا تو اگلے دن بِعَیْنِہٖ اسی جگہ سے سورج

طلوع نہیں ہو گا بلکہ معمولی سا کچھ فرق ہو گا بھئی، بہت معمولی سے فرق کے ساتھ طلوع ہو گا بھئی۔ چنانچہ علمِ فلکیات والے فرماتے ہیں، علماء لکھتے ہیں کہ سال میں سب سے چھوٹا دن ۲۱ یا ۲۲ دسمبر ہوتا ہے، جس میں دن سب سے چھوٹا ہے گھنٹوں کے حساب سے اور رات سب سے لمبی ہوتی ہے۔ اور سب سے لمبا دن جو ہے ۲۱ یا ۲۲ جون کو ہوتا ہے، اس میں رات سب سے چھوٹی ہوتی ہے گھنٹوں کے حساب سے بھئی۔ تو یہ جو ۲۱ دسمبر سے لے کر ۲۱ جون تک یہ جو چھ مہینے ہیں، ۲۱ دسمبر کو سورج ایک جگہ سے طلوع ہے، اب ہر روز وہ اپنی جگہ تھوڑی تھوڑی بدلتا رہتا ہے یہاں تک کہ ۲۱ جون کی تاریخ آجاتی ہے اور یہ ۱۸۰ یا ۱۸۲ دن تک سورج ایک طرف کو تھوڑا تھوڑا حرکت کرتے کرتے بدلتا جا رہا ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو ایک ہی طرف کو وہ

نقطے، ایک ایک نقطہ بڑھتا جا رہا ہے ہر روز بھئی، یہاں تک کہ ۲۱ جون تک وہ ۱۸۰ دن یا ۱۸۲ دن جب پورے ہو جاتے ہیں تو اختتام ہو گیا، ۱۸۰ دن پورے ہو گئے۔ تو اب پھر، اگلے ۲۱ جون کو جب سورج نکلے گا اب واپس چلنا شروع ہو گا انہی نقطوں پر، اور ہر روز پھر اسی طرح ایک ایک نقطے پر واپس چلتے ہوئے ۲۱ دسمبر کو دوبارہ اسی مقام سے طلوع ہو گا جہاں پچھلے سال سے طلوع ہوا تھا۔

تو معلوم ہوا کہ سورج کے طلوع ہونے کی جگہ ہر روز بدلتی ہے، یعنی یوں کہو مشرق ہر روز بدلتا ہے۔ سردیوں کا مشرق اور ہے، گرمیوں کا مشرق اور ہے، اور یہ جو درمیانی دن ہیں ان میں سورج ایک طرف حرکت کرتا رہتا ہے، یہاں تک کہ انتہا کو پہنچتا ہے، پھر واپسی کا سفر شروع ہوتا ہے، اور پھر دوسری انتہا کو پہنچتا ہے۔ تو گویا مشرق ایک نہیں ہے، ہر روز بدلتی ہے۔ اسی لیے مَشَارِق اور مَغَارِب جمع استعمال کیا، اور اس سے کنایہ ہے پوری دنیا بھئی۔

تو کہتے ہیں، یہ کچھ کامل درجے کے فائدے ہیں بِحَلِّ مُشْكِلَاتِ الْكَافِيَةِ، کافیہ کتاب کی مشکلات کے حل کے بارے میں۔ لِلْعَلَّامَةِ، یہ حال ہے کافیہ سے، وہ کتاب اس حال میں کہ کس کی ہے؟ لِلْعَلَّامَةِ، اس علامہ کی الْمُشْتَهِرِ فِي الْمَشَارِقِ وَالْمَغَارِبِ جو پوری دنیا کے اندر مشہور ہے۔

الشَّيْخُ ابْنُ الْحَاجِبِ اور وہ شیخ ابن الحاجب ہیں بھئی۔ شیخ عربی زبان میں صاحبِ فضل و کمال، علم والی شخصیت جو ہے اس کو شیخ کہا جاتا ہے۔ بوڑھے کو بھی کیا کہتے ہیں؟ بوڑھے آدمی کو بھی عربی میں شیخ کہتے ہیں۔ اسی طرح وہ شخص جو فضل و کمال والا ہو اس کو بھی شیخ کہا جاتا ہے۔ اور اسی طرح استاذ کو بھی شیخ کہہ دیتے ہیں کہ هُوَ شَيْخِي، وہ کیا ہیں؟ میرے شیخ ہیں، یعنی میرے استاذ ہیں بھئی۔

الشَّيْخُ ابْنُ الْحَاجِبِ اور ابن الحاجب میں نے بتایا، علامہ ابن حاجب، تو بعض علماء اس کا ترجمہ کیا کرتے ہیں؟ ابن الحاجب کا کیا ترجمہ کرتے ہیں؟ دربان کے بیٹے۔ یہ ترجمہ درست نہیں ہے بھئی، بلکہ ابن الحاجب کا معنی ہے سیکرٹری کے بیٹے۔ یہ چونکہ اس شہر کا جو گورنر تھا اس کے سیکرٹری تھے ان کے والد صاحب، اس لیے یہ اس نام سے مشہور ہوئے۔

اگر دربان اس کا معنی کیا جائے، دربان تو چوکیدار کو کہتے ہیں جو دروازے پر کھڑا ہوتا ہے، یہ تو پھر مذاق اڑانا ہوا۔ یہ تو کوئی تعریف والا لفظ نہ ہوا، چوکیدار کا بیٹا۔ بات سمجھ میں آگئی؟ چونکہ یہ بڑے باپ کے بیٹے تھے، سیکرٹری کے بیٹے تھے، اس لیے سارے طلباء ان کو کیا کہتے تھے؟ ابْنُ الْحَاجِبِ، یہ تو سیکرٹری کے بیٹے ہیں، اور پھر اسی نام سے یہ مشہور ہو گئے بھئی۔

اب ترکیب یاد رکھنا، یاد رکھنا، لِلْعَلَّامَةِ، میں نے کیا بتایا؟ یہ جار مجرور کیا بنیں گے؟ حال بنیں گے کافیہ سے، وہ کافیہ اس حال میں کہ وہ تصنیف ہے کس کی؟ اس علامہ کی جو پوری دنیا میں مشہور ہے۔ تو یہ الْعَلَّامَةِ مجرور ہوا، یہ ہے موصوف، اور الْمُشْتَهِرِ فِي الْمَشَارِقِ وَالْمَغَارِبِ یہ کیا ہے اس کی؟ صفت۔ اور موصوف صفت مل کر، یاد رکھو یہ جو آگے الشَّيْخُ آیا، یہ اس سے، یہ اس سے بدل بنے گا یا عطفِ بیان بنے گا۔ یا بدل بنے گا یا عطفِ بیان بنے گا بھئی۔

وجہ یہ کہ شیخ جو ہے وہ صفت کا صیغہ نہیں ہے۔ وہ اسمِ جامد ہے بھئی۔ توجہ ہے؟ شیخ کیا ہے؟ اسمِ جامد، اور ماقبل میں کون سے صیغے ذکر ہیں؟ صفت والے، اور صفت والے صیغوں کے لیے اسمِ جامد صفت نہیں بنتا بھئی۔ اسمِ جامد کے لیے تو صفت کے صیغے صفت بنتے ہیں۔ الرَّجُلُ الشُّجَاعُ، رَجُلٌ کیا ہے؟ اسمِ جامد، الشُّجَاعُ صفت کا صیغہ ہے، تو رَجُلٌ موصوف الشُّجَاعُ صفت بنے گی۔ تو اسمِ جامد کے لیے صفت کا صیغہ صفت بنتا ہے۔ لیکن ایسا نہیں کہ الشُّجَاعُ کو موصوف بنا دیں اور الرَّجُلُ کو کیا کر دیں اس کی؟ صفت بنا دیں، یہ نہیں ہو سکتا بھئی۔ تو لہٰذا یہاں تو الْعَلَّامَةِ اور الْمُشْتَهِرِ پہلے آگئے اور الشَّيْخُ جو ہے وہ بعد میں آیا، یہ ان کے لیے صفت تو نہیں بن سکتا، پھر اس کو کیا بنائیں گے؟ بدل۔ بدل یا عطفِ بیان۔ یا کیا بنائیں گے؟ بدل یا عطفِ بیان بھئی۔ مثلاً بدل اس کو بنا لو، اور پھر آگے جو ابْنُ الْحَاجِبِ ہے، ابْنُ الْحَاجِبِ ہے، وہ پھر اس شیخ سے بدل یا عطفِ بیان بنے گا۔ وہ اس شیخ سے بدل یا عطفِ بیان بنے گا۔

یاد رکھو، کسی نام سے پہلے اس کی کوئی صفات ذکر کر دی جائیں، نام سے پہلے کوئی صفات وغیرہ یا القاب وغیرہ ذکر کر دیے جائیں، تو وہ نام، وہ پھر اس سے بدل بنتا ہے۔ کیا بنتا ہے؟ بدل بنتا ہے یا عطفِ بیان بنتا ہے۔ تو الشَّيْخَ کو کیا بنا لو؟ مبدل منہ، اور ابْنَ الْحَاجِبِ کو کیا بناؤ اس سے؟ بدل۔ یا الشَّيْخَ کو بناؤ معطوف علیہ، اور ابْنَ الْحَاجِبِ کو بناؤ عطفِ بیان۔ جو پہلے آئے اس کو کہتے ہیں مبدل منہ اور جو بعد میں آئے اس کو کہتے ہیں بدل۔ اسی طرح عطفِ بیان میں جو پہلے آئے اس کو کہتے ہیں معطوف علیہ اور جو بعد میں آئے اس کو کہتے ہیں عطفِ بیان، جس کے ذریعے وضاحت ہو جاتی ہے کہ اس سے کون مراد ہے۔

تو الْعَلَّامَةِ الْمُشْتَهِرِ اس کو کیا بنا لیں گے؟ معطوف علیہ، کیا بنا لو؟ معطوف علیہ، اور الشَّيْخِ اس کو کیا بناؤ؟ عطفِ بیان بناؤ۔ کیا بناؤ؟ عطفِ بیان۔ ترکیب سمجھ میں آگئی؟ تو الشَّيْخِ کو ہم نے کیا بنایا؟ عطفِ بیان، اور ابْنِ الْحَاجِبِ کو کیا بنایا؟ بدل۔ یا اس کا برعکس کر لو، شیخ کو بنا دو بدل اور ابن الحاجب کو کیا بنا دو؟ عطفِ بیان بنا دو۔ بات سمجھ میں آگئی؟

اور نیز، بلکہ یہاں پر تین طرح کے اعراب پڑھنا جائز ہیں، تین طرح: کہ الشَّيْخُ جو ہے، یہ حاشیہ میں بھی آپ کے دیا ہوا

ہے، الشَّيْخُ ابْنُ الْحَاجِبِ۔ اس شیخ کو کیا بنایا؟ بدل۔ اور آپ چاہیں تو اس کو خبر بنا دیں مبتدا کے لیے: هُوَ الشَّيْخُ۔ کیا بنا دو؟ هُوَ مبتدا اور الشَّيْخُ اس کی خبر۔ مبتدا بھی مرفوع ہوتا ہے اور خبر بھی مرفوع۔ اور آپ چاہیں تو اس کو الشَّيْخَ منصوب پڑھیں۔ اس صورت میں یہ مفعول بنے گا أَعْنِي فعل کے لیے۔ أَعْنِي، عَنَى يَعْنِي کا معنی ہوتا ہے ارادہ کرنا، یعنی مراد، مراد، أَعْنِي میری مرادیہ ہے۔ یہ کتاب کس کی ہے؟ صاحبِ جامی فرماتے ہیں یہ کافیہ جو ہے یہ کتاب ہے اس علامہ کی جو دنیا پوری دنیا کے اندر مشہور ہے، أَعْنِي الشَّيْخَ میری مراد جو ہے شیخ ابن الحاجب ہے بھئی۔

میری مراد، تو دیکھو، تو اس الشَّيْخ پر کتنے اعراب؟ تین اعراب۔ اس پر رفع پڑھو خبر ہونے کی بنا پر، اس کو خبر بناؤ؛ یا اس کو مفعول بناؤ کس کے لیے؟ أَعْنِي کے لیے، پھر اس پر نصب پڑھ سکتے ہیں؛ اور چاہیں تو آپ اس کو ماقبل سے بدل بنا دیں یا کیا بنا دیں؟ عطفِ بیان بنا دیں۔ بات سمجھ میں آگئی؟ اور بدل اور مبدل منہ کا ایک ہی اعراب ہوتا ہے، معطوف علیہ اور عطفِ بیان کا ایک ہی اعراب ہوتا ہے۔ پھر اسی طرح ابْنُ الْحَاجِبِ میں بھی یہی تینوں صورتیں ہوں گی۔ آپ چاہیں تو ابْنُ الْحَاجِبِ کو کیا بنائیں؟ الشَّيْخِ سے بدل بنائیں؛ چاہیں تو اس کو آپ خبر بنائیں کس کے لیے؟ مبتدا کے لیے: هُوَ ابْنُ الْحَاجِبِ، وہ شیخ کون ہیں؟ ابْنُ الْحَاجِبِ ہیں؛ اور آپ چاہیں تو اس کو أَعْنِي کے لیے مفعول بہ بنا لیں۔ بات سمجھ میں آگئی؟

تو کہتے ہیں، دیکھیے کتاب پر: فَهٰذِهِ فَوَائِدُ وَافِيَةٌ، یہ کچھ کامل درجے کے فائدے ہیں کافیہ کتاب کی مشکلات حل کرنے کے بارے میں، جو کہ تصنیف ہے اس علامہ کی جو مشہور ہے پوری دنیا کے اندر اور وہ کون ہیں؟ شیخ ابن الحاجب ہیں۔

تَغَمَّدَهُ اللّٰهُ بِغُفْرَانِهِ وَأَسْكَنَهُ بُحْبُوحَةَ جِنَانِهِ۔ تَغَمُّد کا معنی ہوتا ہے ڈھانپ لینا۔ تَغَمَّدَهُ اللّٰهُ، اللہ ان کو ڈھانپ لے بِغُفْرَانِهِ اپنی مغفرت کے ساتھ۔ اللہ ان کو اپنی مغفرت کے ساتھ ڈھانپ لے، یعنی اللہ ان کی کامل مغفرت فرما دے۔ وَأَسْكَنَهُ، أَسْكَنَ يُسْكِنُ کا معنی ہوتا ہے ٹھہرانا، رہائش دینا۔ بُحْبُوحَة، کسی چیز کا درمیان والا حصہ یا کسی چیز کا جو عمدہ حصہ ہو اس کو کیا کہتے ہیں؟ بُحْبُوحَةٌ۔ اس کی جمع بَحَاحِيحُ آتی ہے، بَحَاحِيحُ۔ اور جِنَان، جِنَان جمع ہے جَنَّةٌ کی۔ جِنَان کس کی جمع ہے؟ جَنَّةٌ کی جمع ہے جِنَانٌ بِكَسْرِ الْجِيمِ بھئی۔ جَنَانٌ بِفَتْحِ الْجِيمِ ہو تو یہ دل کو کہتے ہیں، جنان کسے کہتے ہیں؟ دل کو، اور جِنَانٌ ہو تو یہ جنت کی جمع ہے بھئی۔ وَأَسْكَنَهُ بُحْبُوحَةَ جِنَانِهِ، اور اللہ ان کو ٹھہرائے بُحْبُوحَةَ جِنَانِهِ اپنی جنت کے بیچ میں، اللہ اپنی جنتوں کے بیچ میں ان کو ٹھہرائے یعنی وہاں پر ان کو جگہ دے۔ تو کہتے ہیں تَغَمَّدَهُ اللّٰهُ بِغُفْرَانِهِ اللہ ان کو اپنی مغفرت کے ساتھ ڈھانپ لے، وَأَسْكَنَهُ بُحْبُوحَةَ جِنَانِهِ اور اللہ ان کو اپنی جنتوں کے بیچ میں ٹھہرائے، اللہ ان کو اپنی جنتوں کے بیچ میں جگہ دے۔ یا بُحْبُوحَة، شے کا عمدہ حصہ، عمدہ حصے کو بھی کہتے ہیں، وسطِ شے کو بھی اور شے کا عمدہ، یعنی یوں ترجمہ کر لیں: اور اللہ ان کو اپنی جنتوں کے عمدہ حصے کے اندر ٹھہرائے، جنتوں میں بھی جو عمدہ جنت ہے اللہ اس میں ان کو ٹھہرائے۔

نَظَمْتُهَا فِي سِلْكِ التَّقْرِيرِ وَسِمْطِ التَّحْرِيرِ۔ نظم، بھئی ایک ہے نثر، یہ عام کلام جو ہم کرتے ہیں یہ کیا ہے؟ نثر، اور ایک

ہے نظم، یہ جو اشعار ہیں یہ کیا ہیں؟ نظم۔ نَظَمَ یَنْظِمُ کا معنی ہوتا ہے پرونا، پرونا۔ تو نظم کو بھی نظم اس لیے کہتے ہیں کیونکہ اس میں الفاظ ایک خاص ترتیب سے پروئے جاتے ہیں، خاص ترتیب سے جوڑے جاتے ہیں۔ ہَا ضمیر راجع ہے فَوَائِد کو، کس کو راجع؟ فَوَائِد کو۔ اور یاد رکھو یہ صفتِ ثانی ہے فَوَائِد کی، کس کی؟ فوائد کی۔ فوائد کی ایک صفت آگئی وَافِیَۃٌ، اور یہ جو بِحَلِّ مُشْکِلَاتِ الْکَافِیَۃِ ہے یہ جار مجرور مل کر متعلق ہیں وَافِیَۃٌ سے۔ یہ کامل ہیں کس چیز میں؟ کافیہ کی مشکلات حل کرنے میں یہ کامل ہیں بھئی۔ اور تو اس کی پہلی صفت کیا آئی فوائد کی؟ وَافِیَۃٌ، اور دوسری صفت کیا آئی؟ نَظَمْتُهَا، یہ فعل آیا۔ دیکھو میں نے بتایا تھا، نکرہ کے بعد اگر فعل آجائے تو وہ عموماً اس کے لیے کیا بنتا ہے؟ صفت بنتا ہے۔ تو فَوَائِدُ ہوا موصوف، وَافِیَۃٌ ہوئی صفتِ اول، فوائد نکرہ ہے، اور آگے فعل نَظَمْتُهَا آیا تو وہ اس کے لیے کیا بنے گا؟ صفتِ ثانی بنے گا۔ اور ہَا ضمیر راجع ہے فوائد کو، دیکھا یہ ربط بھی آگیا۔ نَظَمْتُهَا یہ پورا جملہ بنے گا، فعل اپنے فاعل وغیرہ سے مل کر جملہ بنتا ہے، اور جملہ بن کر پھر یہ صفت بنے گا، اور جملے کو جب بھی کسی چیز سے جوڑنا ہو درمیان میں کیا ضروری ہے؟ ربط، اور ربط یہ ہَا ضمیر جو ہے نَظَمْتُهَا کے ساتھ یہ ربط دے رہی ہے، یہ فوائد کو راجع ہے۔ نَظَمْتُهَا میں نے ان فوائد کو پرویا ہے فِي سِلْكِ التَّقْرِيرِ وَسِمْطِ التَّحْرِيرِ۔

ایک ہے سِلْک بھئی سِلْک، سین لام کاف۔ سِلْک یاد رکھو یہ جو موتیوں کا ہار ہو، اس ہار کے اندر جو دھاگا ہو، یہ جو دھاگا جس کے اندر موتی پروئے جاتے ہیں اس کو سِلْک کہتے ہیں، یعنی لڑی، لڑی۔ اور اسی طرح آگے سِمْط کا لفظ آرہا ہے، سین میم طا، سِمْط بھی لڑی کو کہتے ہیں۔ سِلْک بھی لڑی اور سِمْط بھی لڑی، لیکن فرق یہ ہے کہ جو سِلْک ہے سین لام کاف، وہ وہ دھاگا ہے جس میں موتی ابھی نہ پروئے گئے ہوں۔ لڑی تو ہے لیکن ابھی ہار اس کو بنایا نہیں، اس میں موتی پروئے نہیں۔ اور سِمْط وہ لڑی جس کے اندر موتی پرو لیے گئے ہیں، اس کو کیا کہتے ہیں؟ سِمْط بھئی سین میم اور طا ہے بھئی طا ظا۔ فرق سمجھ میں آیا؟

تو نَظَمْتُهَا یہ ایسے فوائد ہیں جن کو میں نے پرویا ہے فِي سِلْكِ التَّقْرِيرِ، تقریر کی لڑی میں، وَسِمْطِ التَّحْرِيرِ، اور تحریر کی لڑی میں۔ یہ ایسے فوائد ہیں جن کو میں نے تقریر اور تحریر کی لڑی میں پرویا ہے۔ ان الفاظ سے تو یوں معلوم ہوتا ہے کہ یہ خطبہ الحاقیہ ہے۔ یہ خطبہ کیا ہے؟ الحاقیہ ہے۔ پہلے کتاب لکھ لی ہے، اب فرما رہے ہیں کہ ان فوائد کو میں نے کس میں پرویا ہے؟ تقریر اور تحریر کی لڑی میں پرویا ہے، معلوم ہوا پرو چکے ہیں، یہ تحریر اور تقریر کر چکے ہیں، اس کے بعد اب خطبہ لکھ رہے ہیں۔ تو میں نے ان فوائد کو پرویا ہے تقریر اور تحریر کی لڑی میں۔

عبارت پہ نظر رکھیں: نَظَمْتُهَا فِي سِلْكِ التَّقْرِيرِ۔ سِلْک مضاف ہے التَّقْرِيرِ مضاف الیہ، تقریر کی لڑی، تقریر کی لڑی۔ بھئی تقریر کی تو کوئی لڑی نہیں ہوتی۔ ہار یا موتیوں کی لڑی تو ہے، تقریر کی لڑی تو نہیں ہوتی۔ اسی طرح آگے فرمایا: وَسِمْطِ التَّحْرِيرِ۔ سِمْط ہے مضاف، التَّحْرِيرِ ہے مضاف الیہ، اور میں نے ان کو پرویا ہے تحریر کی لڑی میں، تحریر کی لڑی میں۔ تو بھئی تحریر کی تو کوئی لڑی نہیں ہوتی۔

تو جواب یہ کہ یہ دونوں جگہ جو اضافت ہے، سِلْكِ التَّقْرِيرِ اور سِمْطِ التَّحْرِيرِ، یہ لُجَيْنُ الْمَاءِ کے قبیل سے ہے۔ کس قبیل سے ہے؟ لُجَيْنُ الْمَاءِ۔ یہ لفظ یاد رکھیں۔ لُجَيْن عربی زبان میں چاندی کو کہتے ہیں، اور مَاءٌ پانی کو کہتے ہیں۔ لُجَيْنُ الْمَاءِ، پانی کی چاندی، پانی کی چاندی۔ یہ لُجَيْنُ الْمَاءِ یاد رکھو اس کے اندر اضافت ہو رہی ہے، اضافت ہو رہی ہے مشبہ بہ کی مشبہ کی طرف۔ توجہ ہے؟ مشبہ بہ کی اضافت ہو رہی ہے کس کی طرف؟ مشبہ کی طرف۔ مشبہ بہ مضاف ہے اور مشبہ مضاف الیہ۔ دیکھو خود آپ سمجھ جائیں گے ایک دفعہ تو پھر آپ کے لیے بیان کرنا آسان ہو جائے گا۔

لُجَيْنُ الْمَاءِ، کیا ترجمہ؟ مضاف الیہ سے ترجمہ شروع کرو، پانی کی چاندی، پانی کی چاندی۔ یہ اصل میں تھا الْمَاءُ كَاللُّجَيْنِ، الْمَاءُ كَاللُّجَيْنِ، وہ پانی جو چاندی جیسا ہے۔ کوئی پانی بڑا ہی صاف ستھرا اور شفاف ہو تو عرب کیا کہتے ہیں؟ یہ چاندی جیسا پانی ہے، یعنی خوب صاف ستھرا ہے، اس میں کسی قسم کا گرد و غبار نہیں ہے۔ تو کیا کہتے ہیں؟ الْمَاءُ كَاللُّجَيْنِ، یہ پانی کس کی طرح ہے؟ چاندی کی طرح ہے۔ تو لفظوں پہ غور کرو، مَاء کو تشبیہ دی کس کے ساتھ؟ چاندی کے ساتھ۔ الْمَاءُ كَاللُّجَيْنِ، مَاء ہوا مشبہ اور اللُّجَيْن کیا ہے؟ مشبہ بہ ہے۔ تو لُجَيْنُ الْمَاءِ، اس میں مشبہ کون؟ مَاء، اور مشبہ بہ کون؟ لُجَيْن۔ تو دیکھا مشبہ بہ مضاف ہے اور مشبہ کیا ہے؟ مضاف الیہ ہے۔ توجہ ہے؟ مشبہ بہ کیا ہے؟ مضاف ہے، اور مشبہ مضاف الیہ ہے۔ تو لُجَيْنُ الْمَاءِ کا کیا معنی ہے؟ الْمَاءُ كَاللُّجَيْنِ۔

یہاں بھی اسی طرح ہے: فِي سِلْكِ التَّقْرِيرِ، یہ بھی لُجَيْنُ الْمَاءِ کے قبیل سے ہے۔ اب اس کو بھی کھول لیں ذرا، لُجَيْنُ الْمَاءِ کو کھولا تھا کیا بنا تھا؟ الْمَاءُ كَاللُّجَيْنِ، یہاں بھی اسی طرح کر لو: فِي سِلْكِ التَّقْرِيرِ، التَّقْرِيرُ كَالسِّلْكِ، التَّقْرِيرُ كَالسِّلْكِ، کہ یہ تقریر کس کی طرح ہے؟ لڑی کی طرح ہے، تو تقریر کو تشبیہ دے دی کس کے ساتھ؟ لڑی کے ساتھ، یعنی یہ جو میری تقریر ہے یہ موتیوں پر مشتمل ہے جن کو میں نے کس میں پرویا ہے؟ لڑی کے اندر۔ اسی طرح سِمْطِ التَّحْرِيرِ بھئی، تحریر کی لڑی، ذرا اس کو بھی کھول لیں، التَّحْرِيرُ كَالسِّمْطِ، وہ تحریر جو کس کی طرح ہے؟ لڑی کی طرح ہے۔ تو یہ اضافت ہو رہی ہے مشبہ بہ کی کس کی طرف؟ مشبہ کی طرف۔ یا آسان لفظوں میں کہو کہ یہ لُجَيْنُ الْمَاءِ کے قبیل سے ہے۔ کئی جگہ شروحات میں، کتابوں میں آپ پڑھیں گے، ایک شارح بیان کرتے کرتے صرف اتنا کہہ کر آگے چلا جائے گا، یہ لُجَيْنُ الْمَاءِ کے قبیل سے ہے۔ کس سے ہے؟ تو آپ خود سمجھ جائیں لُجَيْنُ الْمَاءِ کا کیا معنی ہے؟ الْمَاءُ كَاللُّجَيْنِ، یعنی گویا مشبہ بہ کی اضافت ہو رہی ہے کس کی طرف؟ مشبہ کی طرف ہو رہی ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟

یا یوں کہیے کہ یہاں استعارہ بالکنایہ ہے، اس عبارت میں کیا ہے؟ استعارہ بالکنایہ ہے۔ گویا مصنف نے یعنی ملا جامی نے اپنی اس تحریر اور تقریر جو ہے، اس کو موتیوں کے ایک ہار کے ساتھ تشبیہ دی ہے۔ توجہ ہے؟ اپنی اس تقریر کو، اپنی ان فوائد کو کس کے ساتھ تشبیہ دی؟ موتیوں کے ہار کے ساتھ تشبیہ دی ہے۔ کس کو تشبیہ دی؟ تقریر اور تحریر کو۔ تو تحریر اور تقریر کیا ہوئے؟ مشبہ، اور کس سے تشبیہ دی ہے؟ موتیوں کے ہار سے۔ توجہ ہے؟ کس سے تشبیہ دی؟ موتیوں کے ہار

سے، اور موتیوں کے ہار کا یہاں ذکر نہیں۔ یاد رکھو ایک چیز کو دوسری چیز کے ساتھ تشبیہ دی جائے اور مشبہ کو عبارت میں ذکر کریں، مشبہ بہ کو ذکر نہ کریں، اس کو استعارہ بالکنایہ کہتے ہیں۔ کیا کہتے ہیں؟ استعارہ بالکنایہ۔ بھئی ایک ہوتا ہے مشبہ، ایک ہوتا ہے مشبہ بہ۔ زَیْدٌ کَالْأَسَدِ، زید کس جیسا ہے؟ شیر جیسا ہے، زید ہوا مشبہ، کاف ہوا حرفِ تشبیہ، اور أَسَد کیا ہوا؟ مشبہ بہ۔ دیکھو عبارت میں مشبہ بھی ذکر ہے اور مشبہ بہ بھی ذکر ہے، لیکن کبھی کبھار عبارت میں صرف مشبہ کو ذکر کرتے ہیں، مشبہ بہ کو ذکر نہیں کرتے۔ جیسے یہاں پر تقریر اور تحریر ہے، اس کو تشبیہ دی کس کے ساتھ؟ موتیوں کے ہار کے ساتھ۔ توجہ سے سنو، تقریر اور تحریر کو کس سے تشبیہ دی؟ موتیوں کے ہار سے، تو یہ تقریر اور تحریر کیا؟ مشبہ، اور موتیوں کا ہار کیا؟ مشبہ بہ، اور موتیوں کا ہار یہاں ذکر ہے؟ نہیں، تو گویا دل میں تشبیہ دی ہے یوں کہو۔ کس میں تشبیہ دی ہے؟ مصنف یعنی ملا جامی رحمہ اللہ نے دل میں اپنی تحریر اور تقریر کو تشبیہ دی ہے کس کے ساتھ؟ موتیوں کے ہار کے ساتھ۔

بھئی ہمیں کیسے پتہ چلا کہ انہوں نے اس کو تشبیہ دی ہے موتیوں کے ہار سے؟ کیونکہ یہ تو دل کی بات ہے، ہم تو عالم الغیب نہیں ہیں کہ ہمیں پتہ چلے کہ ملا جامی کے دل میں یہ تھا۔ بھئی اس کے لیے پھر قرینہ چاہیے، کیا چاہیے؟ قرینہ چاہیے، اور وہ قرینہ یہاں پر سِلْک اور سِمْط کا لفظ ہے۔ لڑی جو ہوتی ہے وہ ہار کی ہوتی ہے۔ لڑی کس کی ہوتی ہے؟ ہار کی لڑی ہوتی ہے، تحریر اور تقریر کی لڑی نہیں۔ تو تحریر اور تقریر کیا ہیں؟ مشبہ، اور موتیوں کا ہار کیا ہے؟ مشبہ بہ۔ اور عبارت میں کس کو ذکر کیا؟ مشبہ کو، تقریر اور تحریر کو۔ اور ہمیں پتہ کس سے چلا؟ یہ جو سِمْط اور سِلْک کو ذکر کیا اس سے ہمیں پتہ چلا کہ مصنف تقریر اور تحریر کو کس سے تشبیہ دے رہے ہیں؟ موتیوں کے ہار سے، اس لیے کیونکہ لڑی جو ہے وہ ہار کی ہوا کرتی ہے، تحریر اور تقریر کی لڑی نہیں ہوتی۔ تو لڑی گویا مشبہ بہ کے ساتھ لازم ہے۔ ہار کے ساتھ لڑی کا ہونا لازم، ہار بغیر لڑی کے ہو سکتا ہے؟ ہار بغیر موتیوں کا ہار بغیر لڑی کے نہیں ہو سکتا، تو مشبہ بہ کا جو لازم تھا اس کو مشبہ کے لیے ثابت کر دیا۔ کس کے لیے؟ کیا کہا؟ سِلْكِ التَّقْرِيرِ تقریر کی لڑی، سِمْطِ التَّحْرِيرِ تحریر کی لڑی۔ بھئی لڑی تو کس کے ساتھ لازم ہے؟ موتیوں کے ہار کے ساتھ، یعنی مشبہ بہ کے ساتھ لازم ہے۔ اس مشبہ بہ کے لازم کو کس کے لیے ثابت کر دیا؟ مشبہ کے لیے، کہ تقریر کی لڑی ہے اور تحریر کی لڑی ہے۔ نہیں سمجھ میں آئی، نہیں توجہ میرا خیال سبق کی طرف۔ اس کو کہتے ہیں، یاد رکھو استعارہ تخییلیہ۔ تخییل، خیال سے ہے، خیال سے، تخییلیہ دو یا ہیں درمیان میں، استعارہ تخییلیہ۔ استعارہ تخییلیہ اسے کہتے ہیں کہ مشبہ بہ کے لازم کو کس کے لیے ثابت کیا جائے؟ مشبہ کے لیے۔ استعارہ بالکنایہ کسے کہتے ہیں؟ کہ مشبہ عبارت میں ذکر ہو اور مشبہ بہ ذکر نہ ہو، اور اس کے لیے قرینہ چاہیے، ہمیں پتہ کیسے چلے گا؟ تو اس کے لیے قرینہ یہ استعارہ تخییلیہ ہوتا ہے، استعارہ تخییلیہ ہمیں بتاتا ہے کہ یہاں استعارہ بالکنایہ ہے۔ کیوں؟ کس طرح؟ دیکھیے نا یہاں سِلْک اور سِمْط ذکر ہے، سِلْک اور سِمْط تحریر اور تقریر کی ہوتی ہے یا موتیوں کے ہار کی؟ موتیوں کے ہار، تو ایک چیز جو موتیوں کے ہار کے ساتھ لازم تھی اس کو کس کے ساتھ ذکر کر

دیا؟ مشبہ کے لیے اس کو ثابت کر دیا، تقریر اور تحریر کے لیے، اس سے پتہ چلا کہ تقریر اور تحریر کو کس سے تشبیہ دی جا رہی ہے؟ موتیوں کے ہار کے ساتھ تشبیہ دی جا رہی ہے۔

نہیں میرا خیال بات سمجھ میں آئی، مشکل ہو گئی۔ بھئی دیکھیے پھر سمجھو، پھر سمجھو۔ دوسری مثال لے لو: أَنْشَبَتِ الْمَنِيَّةُ أَظْفَارَهَا، أَنْشَبَتِ الْمَنِيَّةُ أَظْفَارَهَا۔ أَنْشَبَ کا معنی گاڑ دینا، الْمَنِيَّةُ موت کو کہتے ہیں، أَظْفَار ناخن یعنی پنجے، پنجے۔ أَنْشَبَتِ الْمَنِيَّةُ أَظْفَارَهَا، موت نے اپنے پنجے گاڑ دیے۔ موت نے اپنے پنجے گاڑ دیے۔ یہ کسی جگہ پر بہت سے اموات ہونے لگیں تو لوگ کہتے ہیں کہ وہاں پر موت نے اپنے پنجے گاڑ دیے ہیں۔ توجہ ہے؟ یہ استعارہ بالکنایہ ہے، یہ کیا ہے؟ استعارہ بالکنایہ کس طرح؟ کہ موت کو تشبیہ دی ہے وحشی درندے کے ساتھ۔ تو مشبہ کون؟ موت، اور مشبہ بہ کون؟ وحشی درندہ۔ تو عبارت میں صرف مشبہ ذکر ہے، وحشی درندے کا ذکر نہیں۔ اور پھر موت کو تشبیہ دی ہے وحشی درندے کے ساتھ، آپ کو کیسے پتہ چلا؟ کیونکہ کہا: موت نے اپنے پنجے گاڑ دیے۔ بھئی پنجے موت کے تو نہیں ہوتے، پنجے تو وحشی درندے کے ہوتے ہیں۔ تو موت کے لیے کیا ثابت کر دیا؟ پنجے، کیا ثابت کر دیے؟ اور پنجے کس کے ہوتے ہیں؟ وحشی، اس سے پتہ چلا موت کو کس سے تشبیہ دی ہے؟ وحشی درندے سے تشبیہ دی ہے، اسی لیے اس کے لیے پنجے بھی ثابت کیے ورنہ تو موت کے پنجے نہیں ہوتے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو موت ذکر ہے اور مشبہ بہ ذکر نہیں، تو یہ کیا ہے؟ استعارہ بالکنایہ، اور استعارہ بالکنایہ کے لیے کوئی قرینہ چاہیے کوئی چیز جس سے پتہ چلے کہ موت کو وحشی درندے سے تشبیہ دی ہے کیونکہ وحشی درندے کا تو یہاں ذکر ہی نہیں ہے، تو اس کا پتہ کس سے چلتا ہے؟ کہ مشبہ بہ کے لازم کو کس کے لیے ثابت کرتے ہیں؟ مشبہ کے لیے۔ درندوں کے ساتھ پنجے لازم ہیں کہ نہیں؟ کوئی درندہ بغیر پنجوں کے ہو سکتا ہے؟ نہیں، تو مشبہ بہ کا لازم کس کے لیے ثابت کر دیا؟ مشبہ یعنی موت کے لیے۔ موت نے پنجے گاڑ دیے، بھئی موت کے تو پنجے نہیں ہوتے، معلوم ہوا موت کی تشبیہ کس سے ہے؟ وحشی درندے سے، اور وحشی درندے کے ساتھ کیا لازم؟ پنجے، اور وہ پنجے کس کے لیے ثابت کر دیے؟ موت کے لیے، معلوم ہوا موت کو کس سے تشبیہ دی ہے؟ وحشی درندے سے۔ بات سمجھ میں آگئی؟

یہاں بھی اسی طرح ہے: فِي سِلْكِ التَّقْرِيرِ وَسِمْطِ التَّحْرِيرِ بھئی۔ بھئی تقریر اور تحریر کو کس سے تشبیہ دے دی ہے؟ موتیوں کے ہار سے، اور موتیوں کے ہار سے تشبیہ دی ہے اور مشبہ ذکر ہے، تقریر اور تحریر تو ذکر ہے لیکن موتیوں کا ہار یعنی مشبہ بہ ذکر نہیں، اور پتہ کس سے چلا؟ کہ موتیوں کے ہار کے ساتھ جو چیز لازم ہے یعنی لڑی، اس کو تقریر اور تحریر کے لیے ثابت کر دیا ہے۔ معلوم ہوا تحریر اور تقریر کو کس سے تشبیہ دی جا رہی ہے؟ موتیوں کے ہار سے، اسی لیے ان کے لیے لڑی ثابت کر دی جو موتیوں کے ہار کے ساتھ لازم ہے۔ تو مشبہ، عبارت میں مشبہ ذکر ہو اور مشبہ بہ ذکر نہ ہو، اس کو کیا کہتے ہیں؟ استعارہ بالکنایہ، اور اس کے لیے کوئی قرینہ چاہیے اور وہ قرینہ کیا ہوتا ہے؟ کہ مشبہ بہ کے لازم کو، وہ جو محذوف ہے، وہ

جو محذوف ہے، وہ جو مشبہ بہ محذوف ہے اس کے لازم کو کس کے لیے ثابت کیا جائے؟ مشبہ کے لیے، تو اس کو استعارہ تخییلیہ کہتے ہیں۔ تو استعارہ بالکنایہ کے لیے قرینہ چاہیے اور وہ قرینہ کیا کہلاتا ہے؟ استعارہ تخییلیہ، اور استعارہ تخییلیہ کسے کہتے ہیں؟ کہ مشبہ بہ کے لازم کو کس کے لیے ثابت کیا جائے؟ مشبہ کے لیے ثابت کیا جائے۔ بات سمجھ میں آگئی؟

کہتے ہیں: نَظَمْتُهَا، میں نے ان فوائد کو پرویا ہے فِي سِلْكِ التَّقْرِيرِ تقریر کی لڑی میں، وَسِمْطِ التَّحْرِيرِ اور تحریر کی لڑی میں، یعنی میں نے ان فوائد کو تقریر اور تحریر کی لڑی میں پرویا ہے۔ یا یوں کہیں، یوں کہیں، سِلْک، سِلْک وہ لڑی ہے لیکن اس میں موتی نہیں، تو یوں کہہ لو دھاگا کہہ لو، کیا ہے؟ دھاگا۔ نَظَمْتُهَا فِي سِلْكِ التَّقْرِيرِ، نَظَمْتُهَا میں نے ان فوائد کو پرویا ہے فِي سِلْكِ التَّقْرِيرِ تقریر کے دھاگے میں، وَسِمْطِ التَّحْرِيرِ اور تحریر کی لڑی میں، تحریر کی لڑی میں۔

لِلْوَلَدِ الْعَزِيزِ ضِيَاءِ الدِّينِ يُوسُفَ حَفِظَهُ اللّٰهُ سُبْحَانَهُ عَنْ مُوجِبَاتِ التَّلَهُّفِ وَالتَّأَسُّفِ۔ لِلْوَلَدِ الْعَزِيزِ، وَلَد، وَلَد، اولاد بھئی یعنی بیٹا مراد ہے، بیٹا۔ ولد کا اطلاق مذکر مؤنث سب پر ہوتا ہے، اس کی جمع اولاد آتی ہے، کیا آتی ہے؟ اولاد۔ یہاں بیٹا مراد ہے۔ الْعَزِيز، الْعَزِيز کا معنی ہے معزز، اور ایک اس کا معنی ہے محبوب اور پیارا۔ لِلْوَلَدِ الْعَزِيزِ، اور الْوَلَد سے مراد ہے مصنف کا بیٹا، الف لام آیا، ہر ولد نہیں مراد بلکہ وہ خاص ولد مراد ہے، اور وہ کس کا ولد؟ مصنف ملا جامی رحمہ اللہ کے بیٹے۔ لِلْوَلَدِ اپنے اس بیٹے کے لیے، الْعَزِيزِ جو محبوب ہے۔

یعنی جو مجھے بڑا محبوب ہے۔ یا اَلْعَزِيزُ کا معنی معزز کر لیں، یا میرا وہ بیٹا اَلْعَزِيزُ جو معزز ہے، یعنی اس میں ایسی صفات ہیں کہ سب اس کی عزت کرتے ہیں۔ نیک عادتیں ہیں اس کی بھئی اور ذہین ہے، محنتی ہے، لوگوں کا خیال رکھنے والا ہے، کسی کو تکلیف نہیں دیتا، تو سب کیا کرتے ہیں؟ اس کی عزت کرتے ہیں، ابھی سے اس کا یہ عالم ہے کہ سب اس کی عزت کرتے ہیں، تو جو بھی معنی آپ کر لیں۔ تو اَلْوَلَدُ کیا ہوا؟ موصوف، اَلْعَزِيزُ اس کی صفت۔ پھر یہ موصوف صفت مل کر اس کو بنا لیں گے مبدل منہ، اور ضِيَاءُ الدِّينِ کو اس سے کیا بنا لیں گے؟ بدل بنا لیں گے۔ اور آگے يُوسُفُ آیا، ضِيَاءُ الدِّينِ ان کا لقب تھا، بیٹے کا لقب ہے ضِيَاءُ الدِّينِ بھئی، اور يُوسُفُ ان کا نام ہے بھئی، اور يُوسُفُ کو پھر عطفِ بیان بنا لیں گے، کیا بنا لیں گے؟ عطفِ بیان۔

اور یہاں پر بھی اسی طرح پھر وہی تینوں اعراب جاری ہو سکتے ہیں۔ هُوَ کے لیے خبر بھی بنا سکتے ہیں، اور آپ چاہیں تو بدل بنا دیں، اور چاہیں تو عطفِ بیان وغیرہ بنا دیں، اور چاہیں تو أَعْنِي کے لیے کیا بنا دیں؟ مفعول۔ دیکھو بھئی، لِلْوَلَدِ الْعَزِيزِ یہ کیا ہے؟ مبدل منہ۔ اور آگے ضِيَاءِ الدِّينِ، اس کو کیا بناؤ؟ بدل۔ مبدل منہ اور بدل کا اعراب ایک ہوتا ہے، تو وہ اس پر لام جارہ داخل تھا، مجرور تھا، تو ضِيَاءِ الدِّينِ یہ بھی کیا ہو گا؟ مجرور۔ اور آگے يُوسُفَ وہ بھی مجرور ہے لیکن وہ غیر منصرف ہے بھئی، اور غیر منصرف پر کسرہ اور تنوین نہیں آتے، اس میں دو سبب کیا ہیں؟ ایک علم ہے اور ایک عجمہ ہے، عجمی نام ہے۔ سمجھ میں آیا؟ اس زمانے میں ابھی عربی زبان بنی ہی نہیں تھی جب حضرت یوسف علیہ السلام گزرے بھئی۔ تو کیسے

پڑھا؟ لِلْوَلَدِ الْعَزِيزِ ضِيَاءِ الدِّينِ يُوسُفَ۔ اور اگر آپ اس کو کیا بنائیں؟ أَعْنِي کے لیے مفعول بنائیں، تو پھر ضِيَاءَ الدِّينِ پڑھیں گے، أَعْنِي ضِيَاءَ الدِّينِ، اور پھر يُوسُفَ وہ منصوب ہو گا، تو لِلْوَلَدِ الْعَزِيزِ ضِيَاءَ الدِّينِ يُوسُفَ۔ اور اگر آپ اس کو خبر بنائیں هُوَ محذوف کے لیے تو پھر کیسے پڑھیں گے؟ لِلْوَلَدِ الْعَزِيزِ ضِيَاءُ الدِّينِ يُوسُفُ۔ طریقہ سمجھ میں آگیا بھئی؟

تو مصنف نے اپنے بیٹے کا لقب کیا رکھا تھا؟ ضِيَاءُ الدِّينِ بھئی، ضِيَاءُ الدِّينِ۔ ضِيَاءُ کا معنی ہوتا ہے روشنی، روشنی۔ دین کی روشنی۔ یعنی ان کو اللہ ایسا بنا دے کہ یہ روشنی بن جائیں جس کے اندر لوگ رہنمائی حاصل کریں دین کی طرف۔ یعنی ان کو اللہ ایسی روشنی بنا دے، دین کی روشنی بنا دے جس کے اندر لوگ دین کی طرف رہنمائی حاصل کریں بھئی۔ تو لِلْوَلَدِ، تو میں نے ان کو، میں نے ان فوائد کو تقریر اور تحریر کی لڑی میں پرویا ہے کس کے لیے؟ لِلْوَلَدِ الْعَزِيزِ اپنے محبوب بیٹے ضِيَاءُ الدِّينِ يُوسُفُ کے لیے۔ ضِيَاءُ الدِّينِ، یہ ملا جامی نے یہ جو شرحِ جامی لکھی میں نے آپ کو بتلایا تھا کہ یہ انہوں نے اپنے بیٹے ضیاء الدین یوسف کے لیے لکھی۔ ضیاء الدین بیٹے کا لقب ہے اور یوسف ان کا نام ہے بھئی۔

حَفِظَهُ اللهُ سُبْحَانَهُ اللہ سبحانہ وتعالیٰ ان کی حفاظت فرمائے عَنْ مُوجِبَاتِ التَّلَهُّفِ وَالتَّأَسُّفِ تَلَهُّف اور تَأَسُّف کے اسباب سے۔ مُوجِبَات اسباب بھئی، اسباب۔ تَلَهُّف کا معنی ہے بھئی رنج اور غم، اسی طرح تَأَسُّف کا معنی بھی ہے رنج اور غم۔ تو بعض علماء فرماتے ہیں کہ تَلَهُّف اور تَأَسُّف کا ایک ہی معنی ہے، دونوں کا معنی ہے غم، دکھ، تکلیف اور افسوس بھئی، غم دکھ اور افسوس۔ لیکن بعض علماء نے فرق کیا ہے، وہ فرماتے ہیں کہ تَلَهُّف وہ افسوس اور غم ہے جو کسی کام کے کرنے پر ہو۔ کوئی کام کیا آپ نے اور بعد میں آپ افسوس کرتے ہیں کہ یہ میں نے کیا کر دیا، تو اس کو کیا کہتے ہیں؟ اس افسوس کو تَلَهُّف کہیں گے، اس غم کو تَلَهُّف کہیں گے۔ اور تَأَسُّف کہتے ہیں کسی کام کے نہ کرنے پر جو افسوس ہو۔ آپ کو ایک کام کرنا چاہیے تھا لیکن آپ نہ کر سکے، تو اس کام کے چھوٹنے پر آپ افسوس کرتے ہیں، اس کو تَأَسُّف کہتے ہیں۔ تو بعض کیا فرماتے ہیں؟ تَلَهُّف اور تَأَسُّف کا ایک معنی، اور بعض فرق کرتے ہیں کہ تَلَهُّف وہ افسوس اور غم جو کسی کام کے کرنے پر ہو، اور تَأَسُّف وہ غم اور افسوس جو کسی کام کے نہ کرنے پر ہو بھئی۔

تو ملا جامی فرماتے ہیں کہ میں نے یہ کتاب لکھی لِلْوَلَدِ الْعَزِيزِ اپنے محبوب بیٹے ضیاء الدین یوسف کے لیے۔ حَفِظَهُ اللهُ سُبْحَانَهُ اللہ سبحانہ وتعالیٰ ان کی حفاظت فرمائے عَنْ مُوجِبَاتِ التَّلَهُّفِ وَالتَّأَسُّفِ۔ مُوجِبَات کا کیا معنی؟ اسباب۔ غم اور افسوس کے اسباب سے، اللہ غم اور افسوس کے اسباب سے ان کی حفاظت فرمائے۔ غم اور افسوس کے اسباب سے، اس میں اشارہ ہے حضرت یوسف علیہ السلام کے قصے کی طرف بھئی۔ وہاں بھی پیغمبر کا نام کیا ہے؟ حضرت یوسف علیہ السلام، یہاں بیٹے کا نام کیا ہے؟ یوسف ہے۔ اور نیز وہاں پر قرآن میں کیا ہے؟ حضرت یعقوب علیہ السلام ان کو یاد کرتے تھے، اور حضرت یعقوب علیہ السلام فرمانے لگے: يَا أَسَفَى عَلَى يُوسُفَ، يَا أَسَفَى عَلَى يُوسُفَ۔ تو دیکھو وہاں أَسَفَى کا لفظ آیا ہے، تو شارحِ جامی بھی یہاں پر لے کر آئے التَّلَهُّفِ وَالتَّأَسُّفِ بھئی۔ تو اس میں اس کی طرف اشارہ ہے۔ گویا ملا جامی

یہ فرما رہے ہیں کہ اے اللہ، جیسے حضرت یوسف علیہ السلام کو آپ نے دینی اور دنیاوی ہر اعتبار سے بڑا اونچا مقام نصیب فرمایا تھا، وہ پیغمبر بھی تھے، ان کو بادشاہت بھی آپ نے نصیب فرمائی، تو جیسے ان کو دینی اور دنیاوی اعتبار سے اونچا مقام نصیب فرمایا تھا، اسی طرح میرا یہ بیٹا بھی ان کا ہم نام ہے، اس کو بھی اونچا مقام نصیب فرما، دینی اعتبار سے بھی اور دنیاوی اعتبار سے بھی ان کو اونچا مقام نصیب فرما۔ لیکن حضرت یوسف علیہ السلام ان پر تو بڑے غم آئے تھے، بڑی تکلیفیں آئی تھیں اور وہ تو پیغمبر تھے، ان میں تو ہمت تھی ان تکلیفوں کو برداشت کرنے کی، لیکن میرا یہ بیٹا بے شک ان کا ہم نام ہے لیکن یہ تو غم اور تکلیفیں برداشت نہیں کر سکتا، اے اللہ اس کو اونچا مقام بھی نصیب فرمائیے اور غم اور تکالیف سے بھی اس کی حفاظت فرمائیے بھئی۔

وَسَمَّيْتُهَا اور میں نے نام رکھا ان فوائد کا، هَا ضمیر کس کو راجع؟ فَوَائِد کو، میں نے ان فوائد کا نام رکھا یعنی ان فوائد کو میں نے موسوم کیا بِالْفَوَائِدِ الضِّيَائِيَّةِ، کس نام سے؟ فَوَائِدِ ضِيَائِيَّة کے نام سے میں نے موسوم کیا ہے۔ یعنی یاد رکھو، یہ جو شرحِ جامی ہے اس کا اصل نام یہ ہے: اَلْفَوَائِدُ الضِّيَائِيَّةُ۔ آپ سے کبھی طلباء ایک دوسرے سے پوچھ لیتے ہیں کبھی بھئی کہ شرحِ جامی کا نام کیا ہے اصل کتاب کا نام؟ تو آپ یہ یاد رکھنا، کیا نام ہے؟ اَلْفَوَائِدُ الضِّيَائِيَّةُ۔ اور دیکھو اَلْفَوَائِدُ موصوف ہے اور الضِّيَائِيَّةُ اس کی صفت ہے، الضِّيَائِيَّةُ اس کی صفت ہے۔ اور فَوَائِد چونکہ جمع ہے، جمع ہے اور جمع بتاویلِ جَمَاعَةٌ کس کے حکم میں؟ واحد مؤنث، اس لیے اس کی صفت دیکھو الضِّيَائِيَّةُ واحد مؤنث لے کر آئے بھئی۔ اور یہ یا نسبت کی ہے بھئی، یا نسبت کی ہے، نسبت کی ہے۔ لَاهُورِيٌّ کا کیا معنی؟ لاہور والا۔ مذکر ہو تو کہیں گے لَاهُورِيٌّ، اور مؤنث ہو تو کیا کہیں گے؟ لَاهُورِيَّةٌ۔ تو یہاں پر بھی فَوَائِد چونکہ جمع ہے تو نسبت آگے صفت کیا لائے؟ واحد مؤنث الضِّيَائِيَّةُ۔ یعنی وہ فوائد، ترجمہ سنو، اَلْفَوَائِدُ الضِّيَائِيَّةُ کا ترجمہ کیا ہو گا؟ وہ فوائد جو منسوب ہیں ضیاء الدین کی طرف۔ یوں کہو ضیاء الدین والے فوائد۔ لَاهُورِيٌّ کا کیا معنی؟ لاہور والے۔ تو یہاں بھی کیا ترجمہ ہو گا؟ اَلْفَوَائِدُ الضِّيَائِيَّةُ، ضیاء الدین والے فائدے، یعنی وہ فائدے جو کس کی طرف منسوب ہیں؟ ضیاء الدین کی طرف منسوب ہیں، ان کی وجہ، اس کی وجہ سے میں نے یہ فوائد لکھے ہیں بھئی۔

یہاں یاد رکھو، یہ جو لَاهُورِيٌّ ہے نا اس کو اسمِ منسوب کہتے ہیں۔ توجہ ہے؟ لَاهُورِيٌّ کو کیا کہتے ہیں؟ اسمِ منسوب، اس کے آخر میں یا نسبت کی ہے، اور مذکر کے لیے بغیر تا کے اور مؤنث کے لیے تا کے ساتھ لَاهُورِيَّةٌ کہیں گے۔ تو یہ اسمِ منسوب کہلاتا ہے۔ اور یاد رکھو، یہ جو اسمِ منسوب ہوتا ہے اس کے اندر بھی ضمیر نکالی جاتی ہے، اس کے لیے بھی فاعل یا نائب فاعل چاہیے، اس کے لیے بھی فاعل یا نائب فاعل چاہیے، جیسے فعل کے لیے ہمیشہ فاعل یا نائب فاعل چاہیے، اسی طرح صفت کے صیغوں کے لیے بھی ہمیشہ کیا چاہیے؟ فاعل یا نائب فاعل چاہیے۔ تو یہ جو اسمِ منسوب ہے اس کے لیے بھی ہمیشہ کیا چاہیے؟ فاعل یا نائب فاعل چاہیے۔ تو بعض علماء اس کو کہتے ہیں اسمِ منسوب، توجہ سے سنو، اس کو کیا کہتے ہیں؟ یہ لَاهُورِيٌّ کیا ہے؟ اسمِ منسوب، اور مَنْسُوبٌ کون سا صیغہ ہے؟ اسمِ مفعول کا ہے، تو اس کے لیے وہ پھر نائب فاعل اس

کے اندر نکالتے ہیں۔ لَاهُورِيٌّ اسمِ منسوب، اس کے اندر هُوَ ضمیر مرفوع محلاً اس کا نائب فاعل۔ مثلاً میں کہتا ہوں اَلرَّجُلُ اللَّاهُورِيُّ، وہ آدمی جو لاہور والا ہے، اَلرَّجُلُ مرفوع، اَللَّاهُورِيُّ اسمِ منسوب، اس کے اندر هُوَ ضمیر مرفوع محلاً اس کا نائب فاعل، جو کس کو راجع؟ رَجُل موصوف، صفت کو کس سے جوڑتے ہیں؟ موصوف سے، تو وہ جو راجع ہے رَجُل موصوف کی طرف، اسمِ منسوب اپنے نائب فاعل سے مل کر شبہ جملہ ہو کر صفت، موصوف صفت مل کر پھر جو بھی ترکیب میں بن رہے ہوں مبتدا ہے خبر ہے جو بھی۔

بتلانا یہ چاہتا تھا کہ اسمِ منسوب میں بھی ضمیر نکالتے ہیں، اور پھر وہ ضمیر اس کے لیے کبھی فاعل بنتی ہے کبھی نائب فاعل۔ بعض علماء اس کو اسمِ منسوب کہتے ہیں، کیا کہتے ہیں؟ اور اس منسوب کون سا صیغہ؟ اسمِ مفعول کا، اور اسمِ مفعول کے لیے کیا چاہیے؟ نائب فاعل، تو جو ضمیر نکالیں گے اس کو اس کا نائب فاعل بناتے ہیں۔ جب کہ بعض علماء اس کو اسمِ منتسب کہتے ہیں، اِنْتَسَبَ يَنْتَسِبُ، مُنْتَسِبٌ اسمِ فاعل ہے، منسوب ہونا۔ اور اسمِ فاعل کے لیے کیا چاہیے ہوتا ہے؟ فاعل، تو وہ علماء جو اس کو اسمِ منتسب کہتے ہیں، کہ اسمِ منتسب کی تاویل میں ہے، وہ اس کے اندر جو ضمیر نکالتے ہیں وہ اس کو اس کے لیے فاعل بناتے ہیں۔ تو لَاهُورِيٌّ اسمِ منتسب، اس کے اندر هُوَ ضمیر مرفوع محلاً اس کا فاعل، اور اسمِ منتسب اپنے فاعل سے مل کر شبہ جملہ ہو کر صفت۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو یہ جو یائے نسبت جس اسم کے آخر میں ملا دی جائے، اس میں دونوں تاویلیں آپ کر سکتے ہیں۔ آپ چاہیں تو آپ اس کو اسمِ منسوب یعنی اسمِ مفعول کی تاویل میں لے لیں اور پھر اس کے اندر جو ضمیر نکالیں گے وہ نائب فاعل بنے گی، اور اگر آپ چاہیں تو اس کو اسمِ منتسب یعنی اسمِ فاعل کے معنی میں لے لیں اور اس صورت میں جو ضمیر ہوگی وہ اس کے لیے فاعل بنے گی۔ بہرحال دونوں صورتوں میں یہ شبہ جملہ بنے گا، اور شبہ جملہ کو کسی چیز سے جوڑنے کے لیے کیا چاہیے؟ ربط چاہیے، تو اس کی ضمیر کو اسی چیز کی طرف لوٹائیں گے جس کے ساتھ آپ اس کو ربط دے رہے ہیں۔

تو کہتے ہیں وَسَمَّيْتُهَا بِالْفَوَائِدِ الضِّيَائِيَّةِ اور ان فوائد کو میں نے موسوم کیا فَوَائِدِ ضِيَائِيَّة کے نام کے ساتھ، لِأَنَّهُ لِهَذَا الْجَمْعِ وَالتَّأْلِيفِ كَالْعِلَّةِ الْغَائِيَّةِ، لِأَنَّهُ کیونکہ یہ جو میرا بیٹا ہے ضیاء الدین یوسف جو ہے، لِهَذَا الْجَمْعِ وَالتَّأْلِيفِ وہ اس جمع اور تالیف کے لیے كَالْعِلَّةِ الْغَائِيَّةِ علتِ غائیہ کی طرح ہے، وہ کس کی طرح ہے؟ علتِ غائیہ کی طرح ہے بھئی، علتِ غائیہ کی طرح۔ اچھا، یاد رکھو جمع اور تالیف دونوں کا ایک ہی معنی ہے، جمع کرنا۔ جمع کا معنی بھی مختلف چیزوں کو اکٹھا کرنا، جمع کرنا۔ تالیف کا معنی بھی مختلف چیزوں کو اکٹھا کرنا، لیکن فرق یہ ہے: جمع کے اندر جو چیزوں کو اکٹھا کیا جائے اس میں مناسبت ضروری نہیں، چاہے چیزوں میں مناسبت ہو یا مناسبت نہ ہو، جب ان کو آپ اکٹھا کر لیں تو کہیں گے میں نے ان چیزوں کو جمع کر لیا۔ لیکن تالیف کے اندر چیزوں کے اندر مناسبت ضروری ہے۔ اگر بغیر مناسبت کے چیزوں کو آپ

نے اکٹھا کیا ہے اس کو تالیف نہیں کہیں گے، بلکہ مناسبت کے ساتھ جمع کیا ہے تو اس کو کیا کہیں گے؟ تالیف۔ اسی لیے یہ جو مصنفین کتاب لکھتے ہیں تو اس کو کیا کہتے ہیں؟ یہ میری تالیف ہے، کیا ہے؟ میری تالیف ہے، کیونکہ اس میں بھی جو چیزیں اور جو باتیں کتاب کے اندر مصنف جمع کرتا ہے ان میں مناسبت ہوتی ہے، ربط ہوتا ہے، بغیر مناسبت اور بغیر ربط کے وہ چیزیں نہیں ہوتیں، ان میں مناسبت ہوتی ہے، بغیر مناسبت کے وہ نہیں ہوتیں۔

تو کہتے ہیں لِأَنَّهُ، ہٗ ضمیر راجع ہے ضیاء الدین یوسف کو، اس لیے کیونکہ ضیاء الدین یوسف جو ہے لِهَذَا الْجَمْعِ وَالتَّأْلِيفِ وہ اس جمع اور تالیف کے لیے، کون سی جمع اور تالیف؟ یہ جو مختلف فوائد میں نے جمع کیے ہیں، وہ اس جمع اور تالیف کے لیے كَالْعِلَّةِ الْغَائِيَّةِ، وہ کس کی طرح ہے؟ علتِ غائیہ کی طرح ہے بھئی، علتِ غائیہ۔ اب علتِ غائیہ کسے کہتے ہیں؟ بھئی یہ ایک فائدہ لکھ لیجیے بھئی، لکھ لیجیے، یہ آپ کو ہر جگہ کام آئے گا بھئی۔

فلاسفہ اور حکماء فرماتے ہیں، جلدی جلدی لکھیے بھئی، فلاسفہ اور حکماء فرماتے ہیں کہ ہر مصنوعی (میم صاد نون واؤ عین اور یا، صاد کے ساتھ ہے) چیز کے لیے چار علتوں کا ہونا ضروری ہے۔

نمبر ایک علتِ مادی (میم الف دال اور یا، دال مشدد ہے)۔

نمبر دو علتِ صوری (صاد واؤ را یا، صورت سے ہے صورت سے)۔ جی۔

نمبر تین علتِ فاعلی۔

نمبر چار علتِ غائی، غَائِيٌّ (غین الف ہمزہ اور یا)۔

لکھ لیا؟ اب ہر ایک کی تعریف لکھتے جاؤ، نیچے لکھو: علتِ مادی: مَا بِهِ الشَّيْءُ بِالْقُوَّةِ (گول تا ہے آخر میں)، یعنی وہ چیز جس سے کوئی شے بالقوہ بنتی ہے۔

بھئی آپ نے دو الف لکھے ہیں، ایک الف لکھو، با الف، یہ اَلْقُوَّةُ کا جو الف ہے اسی کے ساتھ تو با جڑی ہے، یہ ایک الف زائد لکھ دیا آپ نے، یہ با کے، ہاں یہ با کے ساتھ الف، الف لام والا الف با کے ساتھ جڑ گیا۔ تو کیا لکھی تعریف علتِ مادی؟ مَا بِهِ الشَّيْءُ بِالْقُوَّةِ، یعنی وہ چیز جس سے کوئی شے بالقوہ بنتی ہے، جیسے مٹی گھڑے کے لیے، یا لکڑی کرسی کے لیے۔

نمبر دو علتِ صوری: مَا بِهِ الشَّيْءُ بِالْفِعْلِ، یعنی وہ شکل جس سے بالفعل کوئی شے پائی جاتی ہے، جیسے گھڑے کی اور کرسی کی صورت۔

نمبر تین علتِ فاعلی: مَا بِهِ وُجُودُ الشَّيْءِ فِي الْوَاقِعِ وَالْخَارِجِ۔ لکھ لیا؟ علتِ فاعلی: مَا بِهِ وُجُودُ الشَّيْءِ فِي الْوَاقِعِ وَالْخَارِجِ، یعنی وہ کاریگر جو کسی شے کو خارج میں وجود دے، جیسے کمہار (کاف میم ہا الف را) اور ترخان بھئی۔ بھئی جو گھڑا بناتا ہے اس کو کیا کہتے ہیں؟ کمہار، اور جو کرسی وغیرہ بنائے گا اس کو کیا کہتے ہیں؟ ترخان کہتے ہیں۔

نمبر چار علتِ غائی بھئی، غَائِيٌّ: مَا لِأَجْلِهِ صُنِعَ (صادنون عین) الشَّيْءُ۔ لکھ لیا؟ علتِ غائی: مَا لِأَجْلِهِ صُنِعَ الشَّيْءُ، یعنی وہ مقصد جس کے لیے کوئی چیز بنائی جائے، جیسے گھڑے کے لیے علتِ غائی اس میں پانی کو جمع کرنا اور محفوظ کرنا ہے، اور کرسی کی علتِ غائی اس پر بیٹھنا ہے۔ لکھ لیا؟

بھئی دیکھیے اب اس کو سمجھ لیں۔ میں نے آپ کو بتلایا کہ فلاسفہ اور حکماء فرماتے ہیں کہ ہر مصنوعی چیز، مصنوعی چیز جس کے بنانے میں انسان کا عمل دخل ہو، مصنوعی چیز کسے کہتے ہیں؟ کہ بنانے میں انسان کا عمل دخل ہو۔ جیسے دیکھو یہ کتاب ہے، اس کو انسان نے بنایا ہے، گلاس ہے انسان نے بنایا ہے، لیکن پتھر ہے وہ مصنوعی نہیں۔ بات سمجھ، تو مصنوعی وہ چیز جس کے بنانے میں انسان کا عمل دخل ہو۔ تو ہر مصنوعی چیز کے لیے حکماء اور فلاسفہ فرماتے ہیں چار علتوں کا ہونا ضروری۔ ایک علتِ مادی، علتِ مادی جس کے ذریعے کوئی چیز بالقوہ بنتی ہے، یعنی یوں کہو اس چیز کا میٹیریل جس سے وہ چیز بنے گی۔ گھڑا کس سے بنا؟ مٹی سے۔ کرسی کس سے بنی؟ لکڑی سے۔ تو یہ گھڑے کے لیے مٹی یہ علتِ مادی ہے، یہ اس کا مادہ ہے، اس سے یہ بنا ہے۔ اور کرسی کے لیے لکڑی کیا ہے؟ علتِ مادی۔ پھر اس کے لیے ایک علتِ صوری ہوتی ہے، وہ صورت ہے تو وہ چیز ہے، وہ صورت نہیں تو وہ چیز بھی نہیں۔ کرسی کی دیکھو ایک خاص شکل ہے، یہ شکل ہے تو کرسی ہے، یہ شکل نہیں تو کرسی نہیں۔ گھڑے کی ایک خاص صورت ہے، یہ صورت ہے تو گھڑے کا وجود ہے، یہ صورت نہیں تو گھڑے کا وجود بھی نہیں، تو اس کو علتِ صوری کہتے ہیں یعنی جس کی وجہ سے ایک چیز جو ہے بالفعل پائی جاتی ہے۔ اور علتِ فاعلی یعنی اس کو کوئی بنانے والا چاہیے، وہ کاریگر جو اس کو بناتا ہے، گھڑے کو کون بناتا ہے؟ کمہار، اور کرسی کو کون بناتا ہے؟ ترخان، تو یہ کیا ہے؟ علتِ فاعلی ہیں۔ اور علتِ غائی، وہ مقصد جس کے لیے وہ چیز بنائی جائے، گھڑا کس لیے بنایا گیا؟ پانی جمع کرنے اور محفوظ کرنے کے لیے، کرسی کس لیے بنائی گئی؟ بیٹھنے کے لیے، تو یہ ان کی علتِ غائی ہے۔ تو ہر مصنوعی چیز کے لیے چار علتیں ہوتی ہیں، اس کے لیے مادہ بھی چاہیے، صورت بھی چاہیے، بنانے والا بھی چاہیے اور کوئی مقصد بھی چاہیے۔ تو یہ تفصیل تھی بھئی۔

اب یہاں کتاب میں آیا: لِأَنَّهُ لِهَذَا الْجَمْعِ وَالتَّأْلِيفِ كَالْعِلَّةِ الْغَائِيَّةِ، کیونکہ وہ ضیاء الدین جو ہے وہ ان فوائد کے جمع و تالیف کے لیے علتِ غائی جیسا ہے، علتِ غائی جیسا ہے۔ مصنف نے یہ نہیں کہا کہ وہ علتِ غائی ہے بلکہ علتِ غائی جیسا ہے۔ بھئی کیوں؟ وجہ یہ، وجہ یہ کہ علتِ غائی اس مقصد کا نام ہے جس کے لیے کوئی چیز بنائی جائے، کرسی پر مقصد کیا ہے؟ بیٹھنا۔ اور یاد رکھو، یہ جو علتِ غائی ہوتی ہے یہ سب سے آخر میں پائی جاتی ہے۔ جب کرسی بنے گی تو اس پر بیٹھیں گے نا، اس سے پہلے اس کا کوئی وجود نہیں، ذہن میں تو وجود ہے، واقع میں اس کا وجود نہیں ہے۔ اور ضیاء الدین جس کے لیے یہ فوائد جمع کیے، وہ ان فوائد کے بعد اس کا وجود ہوا یا فوائد سے پہلے بھی اس کا وجود تھا؟ پہلے بھی وجود تھا، تو وہ علتِ غائی تو نہیں، ہاں علتِ غائی جیسا ہے، جیسے علتِ غائی کیا وہ مقصد ہوتا ہے جس کے لیے ایک چیز بنائی جائے، تو ضیاء الدین بھی

مقصود تھا، اس کے لیے اس کو تعلیم دینے کے لیے کیا کی گئی؟ یہ کتاب لکھی گئی، تو وہ علتِ غائی نہیں ہے کیونکہ علتِ غائی تو وجود میں سب سے مؤخر ہوتی ہے اور ضیاء الدین تو سب سے مؤخر نہیں اس کا تو وجود پہلے سے ہی ہے، تو وہ علتِ غائی نہیں بلکہ علتِ غائی جیسا ہے۔ تو اصل علتِ غائی کیا تھی اس فوائد کے لکھنے کی؟ تاکہ اس سے اس کو تعلیم دی جائے، اس کو یہ سکھائے جائیں بھئی، تو اصل علتِ غائی یہ ہے، تو ضیاء الدین علتِ غائی نہیں ہاں وہ علتِ غائی جیسا ہے، اسی کے لیے یہ فوائد لکھے گئے بھئی۔

تو کہتے ہیں نَفَعَهُ اللهُ تَعَالَى بِهَا اللہ تعالیٰ فائدہ دے، نَفَعَهُ ہٗ ضمیر پھر ضیاء الدین یوسف کو راجع، نَفَعَهُ اللهُ اللہ ضیاء الدین یوسف کو فائدہ دے بِهَا ان فوائد کے ذریعے، وَسَائِرَ الْمُبْتَدِئِينَ اور باقی یا تمام ابتداء کرنے والوں کو بھی۔ سَائِر کا معنی تمام کے بھی آتے ہیں اور سَائِر کا معنی باقی کے بھی آتے ہیں، تو جو بھی مناسب ترجمہ آپ سمجھیں آپ کر سکتے ہیں، اللہ اس کے ذریعے ضیاء الدین کو بھی فائدہ دے اور باقی مبتدی طلباء کو بھی فائدہ دے۔ مِنْ أَصْحَابِ التَّحْصِيلِ، وہ مبتدی مِنْ أَصْحَابِ التَّحْصِيلِ جو تحصیلِ علم کرنے والوں میں سے ہیں، وہ مبتدی جو کس میں سے ہیں؟ بھئی مبتدی تو کاریگری کوئی کاریگری سیکھنے لگتا ہے تو وہ بھی تو مبتدی ہے، تو بتلا رہے ہیں کہ ہر مبتدی ہر کام کا مبتدی یہاں نہیں مراد بلکہ أَصْحَابِ التَّحْصِيلِ یعنی جو علم حاصل کرنے والے مبتدی ہیں یعنی طلباء مراد ہیں، ان کو اللہ ان فوائد کے ذریعے فائدہ دے۔ تو نَفَعَهُ اللهُ تَعَالَى بِهَا اللہ ضیاء الدین کو بھی فائدہ دے ان کے ذریعے، وَسَائِرَ الْمُبْتَدِئِينَ مِنْ أَصْحَابِ التَّحْصِيلِ اور تمام مبتدی طلباء جو ہیں علم حاصل کرنے والے ان کو بھی فائدہ دے۔

وَمَا تَوْفِيقِي إِلَّا بِاللهِ اور نہیں ہے میری توفیق مگر اللہ کے ساتھ، یعنی مجھے اللہ ہی توفیق دینے والے ہیں، یہ جو میں نے لکھا، کتاب لکھی یہ اس پر میں کوئی تکبر نہیں کرتا، یہ میرا کوئی کمال نہیں ہے، یہ مجھے کس نے توفیق دی؟ اللہ نے توفیق دی، یہ میں نے کتاب اللہ کی توفیق سے ہی لکھی ہے۔ وَهُوَ حَسْبِي اور اللہ میرے لیے کافی ہیں، وَنِعْمَ الْوَكِيلُ اور اللہ بہترین کارساز ہیں، اللہ بہترین کارساز ہیں، کیا معنی کارساز؟ کام بنانے والے ہیں، اللہ بہترین کام بنانے والے ہیں۔ بات سمجھ میں آگئی اچھی طرح؟ چلیے بس بھئی، هَذَا هُوَ الْمَرَامُ وَاللهُ أَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْكَلَامِ۔

سبق نمبر ۱۶: مقدمۂ مصنف (۱): صاحبِ کافیہ کی حمد وثنا سے ابتدا نہ کرنے کی حکمت

شرحِ ملا جامی صفحہ: ۱۲ — بتاریخ: ۳ جولائی ۲۰۲۱ء

▪ تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث

اچھا بھائی دیکھیے آگے سبق۔

اِعْلَمْ أَنَّ الشَّيْخَ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى لَمْ يُصَدِّرْ رِسَالَتَهُ هٰذِهِ بِحَمْدِ اللّٰهِ سُبْحَانَهُ بِأَنْ جَعَلَهُ جُزْءًا مِنْهَا، هَضْمًا لِنَفْسِهِ بِتَخْيِيلِ أَنَّ كِتَابَهُ هٰذَا مِنْ حَيْثُ إِنَّهُ كِتَابُهُ لَيْسَ كَكُتُبِ السَّلَفِ رَحِمَهُمُ اللّٰهُ تَعَالٰى حَتّٰى يُصَدِّرَ بِهِ عَلٰى سَنَنِهَا، وَلَا يَلْزَمُ مِنْ ذٰلِكَ عَدَمُ الِابْتِدَاءِ بِهِ مُطْلَقًا حَتّٰى يَكُونَ بِتَرْكِهِ أَقْطَعَ، لِجَوَازِ إِتْيَانِهِ بِالْحَمْدِ مِنْ غَيْرِ أَنْ يَجْعَلَهُ جُزْءًا مِنْ كِتَابِهِ۔

اچھا بھائی، یہ شرحِ جامی جو ہے یہ شرح ہے کافیہ کی۔ کافیہ متن ہے اور شرحِ جامی اس کی شرح ہے۔ اور انہوں نے آپ کو بتلایا تھا گزشتہ سبق میں کہ اس شرحِ جامی کا اصل نام فوائدِ ضیائیہ ہے۔ اور یہ مصنف رحمہ اللہ نے اپنے بیٹے ضیاء الدین یوسف کے لیے لکھی بھئی۔ مصنف رحمہ اللہ کے باقی بیٹے جو تھے وہ بچپن ہی میں فوت ہو گئے تھے، جبکہ یہ ایک بیٹا زندہ رہا اور یقیناً یہ ایک بیٹا تھا، بہت محبوب ہوگا اپنے والد کو، اور والد نے بھی ان کی تربیت پر خاص توجہ دی ہوگی، خاص محنت کی ہوگی، یہاں تک کہ ان کے لیے شرحِ جامی جیسی عظیم کتاب انہوں نے لکھی تاکہ یہ اچھے طریقے سے کافیہ کو، نحو کو سمجھ سکے بھئی۔

اب آگے متن شروع ہو رہا ہے اور آپ نے پڑھا تھا کافیہ کا آغاز کس طرح ہوتا ہے: بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ، اَلْكَلِمَةُ لَفْظٌ وُضِعَ لِمَعْنًى مُفْرَدٍ، کہ کلمہ ایسا لفظ ہے جس کو مفرد معنی کے لیے وضع کیا گیا ہو۔ تو گویا بسم اللہ کے بعد صاحبِ کافیہ جو ہے، الحمد للہ کے بجائے انہوں نے کلمہ کی تعریف شروع کر دی۔ حالانکہ ہمارے بزرگوں کا طریقہ کیا ہے کہ وہ بسم اللہ کے بعد اپنی کتاب کے آغاز میں الحمد للہ ذکر کرتے ہیں بھئی، اور اس کے بعد پھر باقی باتیں ذکر کرتے ہیں۔ تو صاحبِ کافیہ یہاں

اعتراض ہوا کہ انہوں نے بسم اللہ کے بعد الحمد للہ کو کیوں ذکر نہیں کیا؟ کیوں بزرگوں کے طریقے کو چھوڑ دیا؟ تو آگے اب اس کا جواب دینے لگے ہیں، تو فرماتے ہیں: اِعْلَمْ أَنَّ الشَّيْخَ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى۔

یاد رکھیے جو اِعْلَمْ ہے، اس کے ذریعے علماء عموماً کسی سوال کا جواب دیتے ہیں۔ کسی سوال کا جواب اس کے ذریعے ذکر کیا جاتا ہے یا کسی چیز کی تحقیق ذکر کی جاتی ہے بھئی، کوئی قیمتی فائدہ ذکر کیا جاتا ہے۔ تو یہاں اِعْلَمْ لے کر آئے اسی سوالِ مقدر کا جواب دینے کے لیے۔ بسم اللہ کے بعد آگے صاحبِ کافیہ کی کتاب شروع ہو رہی ہے الْكَلِمَةُ لَفْظٌ، تو یہاں پر اعتراض ہوتا ہے کہ انہوں نے الحمد للہ کو کیوں چھوڑ دیا؟ تو اس سوال کا، اس اعتراض کا اب یہ جواب دینے لگے ہیں۔

کہتے ہیں: اِعْلَمْ، تو جان لے أَنَّ الشَّيْخَ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى کہ شیخ رحمہ اللہ نے، شیخ سے مراد علامہ ابنِ حاجب ہیں بھئی۔ میں نے بتایا تھا شیخ جو ہے صاحبِ فضل و کمال شخصیت کو کہا جاتا ہے بھئی، بوڑھے شخص کو بھی کہتے ہیں لیکن یہاں صاحبِ فضل و کمال شخصیت مراد ہے۔ اِعْلَمْ، تو جان لے أَنَّ الشَّيْخَ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى کہ شیخ رحمہ اللہ نے لَمْ يُصَدِّرْ رِسَالَتَهُ هٰذِهِ، صَدَّرَ يُصَدِّرُ تَصْدِير کا معنی ہے شروع کرنا، آغاز کرنا، کہ علامہ ابنِ حاجب رحمہ اللہ نے لَمْ يُصَدِّرْ رِسَالَتَهُ هٰذِهِ، انہوں نے اپنے اس رسالے کا آغاز نہیں کیا بِحَمْدِ اللّٰهِ سُبْحَانَهُ، اللہ سبحانہ کی حمد کے ساتھ۔ اللہ سبحانہ کی حمد کے ساتھ اپنے اس رسالے کا آغاز نہیں کیا۔

دیکھو کیا کہا؟ لَمْ يُصَدِّرْ رِسَالَتَهُ هٰذِهِ، اپنے اس رسالے کا آغاز نہیں کیا۔ اپنے اس رسالے کا۔ کافیہ دراصل میں نے بتایا چھوٹی سی کتاب ہے بھئی۔ یہ تو آپ کے پاس جو نسخہ ہوتا ہے اس میں خوب موٹا موٹا لکھا ہوتا ہے بھئی، ایک سطر میں زیادہ سے زیادہ چار یا پانچ لفظ وہ لکھتے ہیں اور پھر ایک صفحے پر چھ سات آٹھ سطریں ہوتی ہیں بھئی اور پھر باقی حاشیہ وغیرہ ہوتا ہے۔ تو اگر اس کو باریک خط کے ساتھ لکھا جائے تو شاید دس پندرہ بیس یا تیس صفحے بن جائیں گے زیادہ سے زیادہ، اس سے زیادہ نہیں۔ تو ایک چھوٹا سا مختصر سا رسالہ ہے۔ تو اسی لیے کہا لَمْ يُصَدِّرْ رِسَالَتَهُ هٰذِهِ، دیکھا رسالہ کہا کیونکہ یہ چند صفحات پر مشتمل ہے، کہ علامہ ابنِ حاجب نے اپنے اس رسالے کا آغاز نہیں کیا اللہ کی حمد کے ساتھ۔ اس رسالے کا، رِسَالَتَهُ هٰذِهِ، دیکھا اشارہ کر دیا۔ کیونکہ علامہ ابنِ حاجب کی اور جو تصانیف ہیں ان سب میں انہوں نے بسم اللہ کے بعد کس کو ذکر کیا ہے؟ الحمد للہ کو ذکر کیا ہے، لیکن اس میں ذکر نہیں کیا۔

پہلے اعتراض جواب سمجھ لیں بھئی۔ اعتراض کیا ہوا کہ انہوں نے بسم اللہ کے بعد الحمد للہ کو کیوں ذکر نہیں کیا؟ کیوں سلفِ صالحین کا، بزرگوں کے طریقے کو کیوں انہوں نے چھوڑ دیا؟ تو جواب دیں گے کہ کسرِ نفسی کے طور پر، یعنی عاجزی کے طور پر۔ علامہ ابنِ حاجب جو ہیں انہوں نے عاجزی کے طور پر الحمد للہ کو ذکر نہیں کیا کہ میری یہ کتاب، یہ تو ایک چھوٹا سا معمولی سا رسالہ ہے۔ کہاں بزرگوں کی کتابیں کہ وہاں ان میں سے ہر ایک عظیم کتاب ہے، اور کہاں میرا یہ ایک چھوٹا سا رسالہ! تو میری یہ کتاب ان جیسی نہیں کہ میں انہی کے طریقے کو اپناؤں۔ میری کتاب ان کی کتاب جیسی نہیں ہے۔ تو

بطورِ عاجزی کے ان کے طریقے پر نہیں چلے کہ یہ میری کتاب ان جیسی، ان کی کتابوں کی طرح نہیں ہے بھئی۔ جواب سمجھ میں آگیا؟

تو کہتے ہیں: اِعْلَمْ أَنَّ الشَّيْخَ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى لَمْ يُصَدِّرْ رِسَالَتَهُ هٰذِهِ بِحَمْدِ اللّٰهِ سُبْحَانَهُ، تو جان لے کہ علامہ ابنِ حاجب رحمہ اللہ نے اپنے اس رسالے کو الحمد للہ کے ساتھ، اس کا آغاز نہیں کیا بِأَنْ جَعَلَهُ جُزْءًا مِنْهَا۔ بِأَنْ، با تصویریہ ہے۔ بایں صورت کہ وہ اس الحمد للہ کو اس رسالے کا جز بناتے۔ با تصویریہ ہے جس میں صورت بتلائی جاتی ہے ایک چیز کی۔ اپنی اس کتاب، اپنے اس رسالے کو الحمد للہ سے شروع نہیں کیا، بایں صورت کہ کیا کرتے؟ الحمد للہ کو اس کا جز بناتے۔ کیا بناتے؟ جز بناتے۔ بِأَنْ جَعَلَهُ جُزْءًا مِنْهَا، بایں صورت کہ وہ بناتے، جَعَلَهُ، جَعَلَهُ کی ہا ضمیریہ حمد کو راجع ہے، کہ وہ اللہ کی حمد کو بناتے جُزْءًا مِنْهَا، مِنْهَا کی ضمیر راجع ہے رسالہ کو، اس رسالے کا جز۔ بایں صورت کہ وہ الحمد للہ کو اس رسالے کا جز بناتے، بَضْمًا لِنَفْسِهِ۔ هَضَمَ يَهْضِمُ (حَسَمَ يَحْسِمُ) کا معنی ہوتا ہے توڑنا، کسی چیز کو توڑنا۔ بَضْمًا لِنَفْسِهِ، اپنے نفس کو توڑتے ہوئے۔ اپنے نفس کو توڑتے ہوئے، یہ ہے لفظی ترجمہ۔ اردو میں اس کو کہتے ہیں کسرِ نفسی۔ کسرِ نفسی، کسر کاف سین را، کسر کا معنی بھی ہے توڑنا۔ کسرِ نفسی یعنی عاجزی کرنا۔ بَضْمًا لِنَفْسِهِ کا معنی کیا؟ کسرِ نفسی۔ اور کسرِ نفسی کا معنی کیا؟ عاجزی۔ تو یہ عاجزی کرتے ہوئے۔

کہتے ہیں بَضْمًا لِنَفْسِهِ، عاجزی کرتے ہوئے، کسرِ نفسی کرتے ہوئے۔ دیکھا بَضْمًا منصوب ہے بھئی، منصوب، اور یہ مفعول لہ بن رہا ہے۔ مفعول لہ کسے کہتے ہیں؟ جو ماقبل فعل کی علت بیان کرے۔ ضَرَبْتُهُ تَأْدِيبًا، میں نے اس کی پٹائی کی تَأْدِيبًا، ادب سکھانے کے لیے۔ یہ تَأْدِيبًا کیا ہے؟ یہ مصدر ہے، منصوب ہے اور یہ ماقبل کی علت بیان کر رہا ہے کہ میں نے اس کی پٹائی کس لیے کی؟ مقصد کیا تھا؟ ادب سکھانا۔ یہاں پر بھی اپنے رسالے کو الحمد للہ سے شروع نہیں فرمایا، وجہ کیا تھی؟ بَضْمًا لِنَفْسِهِ، کسرِ نفسی کے لیے۔

بِتَخْيِيلِ، خَيَّلَ يُخَيِّلُ تَخْيِيل کا معنی ہے دوسرے کے خیال میں ایک بات ڈالنا۔ بِتَخْيِيلِ، یہ خیال ڈالتے ہوئے، یعنی طلبہ اور پڑھنے والوں کے ذہن میں یہ خیال ڈالنا چاہتے تھے، یہ تصور ڈالنا چاہتے تھے کہ أَنَّ كِتَابَهُ هٰذَا، کہ ان کی یہ کتاب جو ہے، علامہ ابنِ حاجب کی یہ کتاب جو ہے مِنْ حَيْثُ، اس حیثیت سے، مِنْ حَيْثُ إِنَّهُ كِتَابُهُ، اس حیثیت سے کہ یہ ان کی کتاب ہے، اس حیثیت سے کہ یہ ان کی کتاب ہے، لَيْسَ كَكُتُبِ السَّلَفِ رَحِمَهُمُ اللّٰهُ تَعَالٰى، یہ سلفِ صالحین، سلف پچھلے گزرے ہوئے لوگ مراد بزرگانِ دین ہیں، بڑے علماء ہیں، کہ ان کی یہ کتاب سلفِ صالحین رحمہم اللہ کی کتابوں کی طرح نہیں ہے۔ ان کی کتابوں کی طرح یہ کتاب نہیں ہے۔ وہ تو بڑے لوگ تھے، ان کی کتابیں بھی بڑی عظیم الشان تھیں، میری یہ کتاب ان جیسی نہیں ہے۔ میری یہ کتاب ان جیسی نہیں ہے حَتّٰى يُصَدِّرَ بِهِ عَلٰى سَنَنِهَا، یہاں تک کہ اس کو بھی شروع فرماتے عَلٰى سَنَنِهَا، سَنَن سین اور نون دونوں پر فتحہ ہے، سَنَن۔ سَنَن کا معنی ہوتا ہے طریقہ، طریقہ۔ یہ حَتّٰى يُصَدِّرَ بِهِ عَلٰى سَنَنِهَا، یہاں تک کہ اس کو شروع فرماتے بزرگوں کے طریقے پر۔ کہ ان کی یہ کتاب بزرگوں کی کتابوں کی طرح نہیں ہے حَتّٰى يُصَدِّرَ

بِهِ عَلٰی سَنَنِهَا، یہاں تک کہ وہ شروع فرماتے اس کتاب کو عَلٰی سَنَنِهَا، بزرگوں کی کتابوں کے طریقے پر۔ میری یہ کتاب ان جیسی ہے ہی نہیں تو میں کیسے ان کے طریقے پر شروع کر لوں اس کتاب کو بھئی؟ معنی سمجھ میں آیا؟

تو تَخْيِيل کا کیا معنی؟ دوسرے کے خیال میں ایک بات ڈالنا، دوسروں کے تصور میں ایک بات ڈالنا۔ یعنی علامہ ابنِ حاجب نے کافیہ کے شروع میں الحمد للہ کو ذکر نہیں کیا، وہ پڑھنے والوں کے ذہن میں، طلبہ کے ذہن میں یہ بات ڈالنا چاہتے تھے کہ میری یہ کتاب بزرگوں کی کتابوں جیسی نہیں ہے کہ میں بھی ان کے طریقے پر شروع کرتا۔ ان کی طرح ہے ہی نہیں کہ میں ان کے طریقے پر شروع کرتا، یہ تو ایک عام سی کتاب ہے۔

لیکن وہ الگ بات ہے، یہ کتاب بہت عظیم الشان ہے اور عند اللہ اس کی قبولیت کا ذرا اندازہ تو لگاؤ بھئی! سینکڑوں سال گزر گئے اور یہ شب و روز طلبہ، علماء اس کے پڑھنے میں، اس کے پڑھانے میں مصروف ہیں بھئی۔ مدارسِ دینیہ کے اندر یہ پڑھائی جاتی ہے۔ تو اللہ کے نزدیک یہ کتاب کتنی مقبول ہے اور نیز اس کتاب کی شان کتنی اونچی ہے بھئی! سینکڑوں سال گزر گئے، کوئی کتاب اس کے پائے کی نہیں آسکی بھئی۔ سمجھ میں آیا؟ اسی کو علماء پڑھ رہے ہیں، پڑھا رہے ہیں۔ اور بھی بڑی بڑی قیمتی کتابیں آئیں لیکن بہرحال کافیہ کافیہ ہی ہے بھئی۔ آج بھی علماء اسے، طلبہ اسے بڑی محبت سے پڑھتے ہیں اور پڑھاتے ہیں۔

تو دیکھو یہ کتاب تو بڑی عظیم الشان ہے۔ صاحبِ کافیہ نے تو کیا خیال کیا کہ یہ میری کتاب ان کی کتاب جیسی نہیں، حالانکہ فِي ذَاتِهِ یہ کتاب تو بزرگوں کی کتابوں سے بھی بڑھ کر ہے۔ بزرگوں کی کتابوں سے بھی بڑھ کر ہے۔ اسی لیے ماتن نے کیا کہا؟ أَنَّ كِتَابَهُ هٰذَا کہ ان کی یہ کتاب مِنْ حَيْثُ إِنَّهُ كِتَابُهُ، اس حیثیت سے کہ یہ ان کی کتاب ہے۔ توجہ سے سنو، فِي ذَاتِهِ تو یہ کتاب بڑی عظیم ہے، اپنی ذات کے اعتبار سے۔ لیکن بایں اعتبار کہ علامہ ابنِ حاجب فرما رہے ہیں یہ میری کتاب ہے، بایں لحاظ کہ یہ میری کتاب ہے، یہ معمولی کتاب ہے بھئی، اگرچہ فِي ذَاتِهِ کتاب کیا ہے؟ بڑی عظیم۔ عاجزی کر رہے ہیں نا کہ بایں لحاظ یہ کس کی کتاب ہے؟ میری کتاب ہے اور میرا مقام بزرگوں جیسا ہے؟ عاجزی کے طور پر: نہیں، میں تو ایک معمولی سا انسان ہوں۔ اگرچہ اللہ نے ان کو بڑا اونچا مقام نصیب فرمایا تھا علمی اعتبار سے بھی، تقویٰ کے اعتبار سے بھی، لیکن عاجزی کے طور پر کہ بھئی یہ میری کتاب ہے۔ جب میری کتاب ہے تو اس حیثیت سے یہ بزرگوں کی کتابوں جیسی نہیں۔ سمجھ میں آیا؟ ورنہ فِي ذَاتِهِ کتاب کیا ہے؟ اپنی ذات کے اعتبار سے بزرگوں کی کتابوں سے بڑھ کر ہے یا انہی جیسی ہے کم از کم۔ بات سمجھ میں آگئی؟ اسی لیے کہا، یہ خیال میں ڈالتے ہوئے أَنَّ كِتَابَهُ هٰذَا مِنْ حَيْثُ إِنَّهُ كِتَابُهُ، اس حیثیت سے کہ یہ ان کی کتاب ہے علامہ ابنِ حاجب، اس حیثیت سے یہ بزرگوں کی کتابوں جیسی نہیں ہے کہ میری کتاب ہے، یہ ان جیسی کیسے ہو سکتی ہے؟ میں کہاں اور ہمارے بزرگ کہاں بھئی!

پھر یہاں ایک اور بات یاد رکھنا، یہ حَيْثُ کے بعد إِنَّ پڑھیں گے بھئی۔ کیا پڑھیں گے؟ إِنَّ پڑھیں گے۔ کیونکہ حَيْثُ

مضاف ہوتا ہے جملے کی طرف اور جملے پر إنَّ داخل ہوتا ہے۔ یعنی إنَّ کے داخل ہونے کے بعد جملہ جملہ ہی رہتا ہے اور أنَّ جب جملے پر آجائے تو وہ مفرد بن جاتا ہے۔ میں نے ترکیب کے دوران بھی آپ کو بتلایا تھا۔ إنَّ زَيْدًا قَائِمٌ، کیا ترجمہ؟ بے شک زید کھڑا ہے یا یقیناً زید کھڑا ہے۔ اور اگر میں کہوں أنَّ زَيْدًا قَائِمٌ، أنَّ زَيْدًا قَائِمٌ اب کیا ترجمہ ہوگا؟ نہیں نہیں، خبر کا مصدر نکالو اور اس کو أنَّ کے اسم کی طرف مضاف کردو۔

أنَّ زَيْدًا قَائِمٌ، خبر کیا؟ قَائِمٌ۔ اور أنَّ کا اسم کیا؟ زَيْد۔ تو قَائِم کا مصدر نکالو، قِيَام، اور اس کی اضافت کردو کس کی طرف؟ زَيْد کی طرف: قِيَامُ زَيْدٍ۔ أنَّ زَيْدًا قَائِمٌ، کیا ترجمہ ہوگا؟ قِيَامُ زَيْدٍ، زید کا قیام۔ بس، بات پوری نہیں ہے۔ آپ دس دفعہ کسی کو کہتے رہیں أنَّ زَيْدًا قَائِمٌ، أنَّ زَيْدًا قَائِمٌ، تو ترجمہ ہوگا زید کا قیام، زید کا قیام، زید کا قیام۔ وہ کہے گا بھائی بات تو پوری کرو، زید کے قیام کو کیا ہوا؟ اچھا ہے، برا ہے، ہونا چاہیے، نہیں ہونا چاہیے؟ بات تو پوری کریں۔ أنَّ جو ہے جملے کو مفرد بنا دیتا ہے، جملہ پھر جملہ نہیں رہتا۔ تو حَيْثُ جو ہے یہ مضاف ہوتا ہے جملے کی طرف اور جملے پر کیا آتا ہے؟ إنَّ۔ أنَّ آجائے پھر تو وہ کیا بن جاتا ہے؟ مفرد۔ تو حَيْثُ کے بعد إنَّ پڑھیں گے۔ تو حَيْثُ مضاف ہوتا ہے جملے کی طرف، توجہ ہے؟ حَيْثُ مضاف ہوتا ہے کس کی طرف؟ جملے کی طرف۔ جبکہ بعض علماء فرماتے ہیں کہ حَيْثُ مفرد کی طرف بھی مضاف ہو سکتا ہے، تو ان کے مذہب پر مِنْ حَيْثُ أنَّ بھی پڑھ سکتے ہیں۔ کیا پڑھ سکتے ہیں؟ مِنْ حَيْثُ أنَّ، کہ مفرد کی طرف بھی مضاف ہو سکتا ہے اور أنَّ بھی کیا کرتا ہے جملے کو کس کے حکم میں کر دیتا ہے؟ مفرد کے حکم میں، تو حَيْثُ کے بعد ان کے مذہب پر أنَّ بھی پڑھا جا سکتا ہے۔ لیکن زیادہ یہی بہتر کہ یہاں إنَّ پڑھا جائے۔

جی پھر ایک دفعہ ترجمہ دیکھ لیجیے: اِعْلَمْ أنَّ الشَّيْخَ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى لَمْ يُصَدِّرْ رِسَالَتَهُ هٰذِهِ بِحَمْدِ اللّٰهِ سُبْحَانَهُ، تو جان لے کہ شیخ رحمہ اللہ نے اپنے اس رسالے کو اللہ کی حمد کے ساتھ شروع نہیں فرمایا، بِأنْ جَعَلَهُ جُزْءًا مِنْهَا۔ دیکھا یہ باتصویریہ ہے، اس کے ذریعے کسی چیز کی صورت بتلائی جاتی ہے۔ الحمد للہ کے ساتھ کتاب کو شروع نہیں فرمایا۔ الحمد للہ کے ساتھ کتاب کو شروع فرماتے، اس کی کیا صورت تھی؟ بِأنْ جَعَلَهُ جُزْءًا مِنْهَا، کہ الحمد للہ کو کیا کرتے؟ اس کتاب کا جزبناتے۔ توجہ ہے؟ بھئی ادھر دیکھیے، الحمد للہ کو کتاب کا جزبنایا؟ نہیں۔ اگر بناتے تو کس طرح بناتے؟ اس کی صورت کیا تھی؟ الحمد للہ کے ساتھ الحمد للہ کو کتاب کا جزبناتے یعنی اس کو شروع میں ذکر کرتے۔ جب شروع میں ذکر کرتے تو کتاب کا جزبن جاتا یا نہیں؟ تو یہ صورت بتلا رہے ہیں۔ بایں صورت کہ جَعَلَهُ جُزْءًا مِنْهَا، کہ کیا کرتے؟ کہ الحمد للہ کو کتاب کا جزبناتے۔ هَضْمًا لِنَفْسِهِ، کسرِ نفسی کرتے ہوئے۔ بِتَخْيِيلِ، یہ بات خیال میں ڈالتے ہوئے کہ أنَّ كِتَابَهُ هٰذَا مِنْ حَيْثُ إنَّهُ كِتَابُهُ، کہ ان کی یہ کتاب اس حیثیت سے کہ یہ ان کی کتاب ہے، لَيْسَ كَكُتُبِ السَّلَفِ رَحِمَهُمُ اللّٰهُ تَعَالٰى، یہ بزرگوں کی کتابوں جیسی نہیں ہے، حَتّٰى يُصَدِّرَ بِهِ عَلٰى سَنَنِهَا، یہاں تک کہ شروع کرتے اس کو ان بزرگوں کی کتابوں کے طریقے پر۔

وَلَا يَلْزَمُ مِنْ ذٰلِكَ عَدَمُ الِابْتِدَاءِ بِهِ مُطْلَقًا، یہاں اعتراض ہوتا ہے پھر۔ یہ جواب تو ہو گیا کہ بزرگوں کی کتابوں کے طریقے

کو کیوں چھوڑا؟ عاجزی کرتے ہوئے کہ میری کتاب ان کی کتاب جیسی نہیں۔ لیکن پھر بھی یہ طریقہ درست نہیں کیونکہ اس میں حدیث کی مخالفت ہو گئی۔ کیونکہ اس میں حدیث کی مخالفت ہو گئی۔ حدیث میں آتا ہے: كُلُّ أَمْرٍ ذِي بَالٍ لَمْ يُبْدَأْ فِيهِ بِحَمْدِ اللهِ فَهُوَ أَقْطَعُ۔ أَقْطَع، أَبْتَر وغیرہ الفاظ آتے ہیں۔ كُلُّ أَمْرٍ ذِي بَالٍ، ذِي بَال یعنی ذُو بَال، ذُو بَال۔ بَال کا معنی ہے شان، شان۔ بَال دل کو بھی کہتے ہیں اور شان کو بھی۔ كُلُّ أَمْرٍ ذِي بَالٍ، ہر شان والا کام جو ہے، لَمْ يُبْدَأْ فِيهِ، کہ اس کے اندر آغاز نہ کیا جائے بِحَمْدِ اللهِ، اللہ کی حمد کے ساتھ، فَهُوَ أَبْتَرُ، تو وہ دم کٹا ہوتا ہے، وہ ادھورا ہوتا ہے، وہ ناقص ہوتا ہے۔ أَبْتَر اور أَقْطَع کا کیا معنی؟ ناقص اور ادھورا۔ كُلُّ أَمْرٍ ذِي بَالٍ لَمْ يُبْدَأْ فِيهِ بِحَمْدِ اللهِ فَهُوَ أَقْطَعُ، ہر شان والا کام جو ہے اس کو اگر الحمد للہ کے ساتھ اس کا آغاز نہ کیا جائے تو وہ ادھورا ہے، ناقص ہے۔ تو اس حدیث سے کیا معلوم ہوا کہ الحمد للہ کو نہیں چھوڑنا چاہیے، ذکر کرنا چاہیے بھئی ہر شان والے کام کے آغاز میں۔

تو ہر شان والا کام، اس میں تمام کام آ گئے سوائے وہ چیزیں جو شرعاً ناپسندیدہ ہیں یا منع ہیں۔ جو شرعاً ناپسندیدہ اور منع ہیں بھئی، اس کے علاوہ باقی معلوم ہوا چاہے کوئی مستحب کام ہو، چاہے جائز ہو وغیرہ، سب کام آ گئے، ہر ایک کے شروع میں بسم اللہ اور الحمد للہ پڑھنی چاہیے بھئی۔ تو صاحبِ کافیہ نے کیا کیا؟ الحمد للہ کو چھوڑ دیا، تو انہوں نے اس حدیث پر عمل نہیں کیا۔ تو آپ کو بتلائیں گے ملا جامی: الحمد للہ لانے کی ایک صورت کتابت کی ہے تو ایک صورت زبان سے پڑھنے کی بھی ہے۔ کسی کام کے شروع میں کیا کر لیا جائے؟ اگر زبان سے بھی الحمد للہ پڑھ لی جائے تو حدیث پر عمل ہو جائے گا۔ اور یقیناً صاحبِ کافیہ جو ہیں بڑے متقی انسان تھے، بہت بڑے عالمِ دین تھے، یہ نہیں ہو سکتا کہ انہوں نے اس کے شروع میں الحمد للہ زبان سے بھی نہ پڑھی ہو۔ زبان سے الحمد للہ انہوں نے پڑھی ہوگی، البتہ کتاب کا جز نہیں بنایا اور حدیث میں یہ ذکر نہیں ہے کہ کتاب کا جز بنانا ضروری ہے، بلکہ الحمد للہ کا لانا ضروری ہے اور لانے کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ زبان سے پڑھ لی جائے۔ اور ہمیں یقین ہے کہ صاحبِ کافیہ جیسے بڑے عالم، متقی عالم نے یقیناً الحمد للہ آغاز میں ضرور پڑھی ہوگی بھئی۔

بلکہ ہمارے بزرگوں کا تو طریقہ یہ تھا کہ کوئی ایسی تصنیف وغیرہ کرتے تھے، اس سے پہلے ہی مدت تک اللہ سے دعائیں کرتے رہتے تھے، نوافل پڑھتے، روزے رکھ رکھ کر اللہ سے مانگتے کہ اے اللہ میں یہ کام شروع کرنے والا ہوں، ایک ایسی کتاب لکھنے والا ہوں، اے اللہ اس کو قبول فرما، اس کو میرے لیے صدقہ جاریہ فرما۔ تو ہمارے بزرگوں کا یہ طریقہ ہوتا تھا۔ تو یقیناً صاحبِ کافیہ بھی شب و روز دعائیں بھی مانگتے رہے ہوں گے، شب و روز اس کے لیے نوافل بھی پڑھتے رہے ہوں گے، تو یہ کیسے ممکن ہے کہ انہوں نے الحمد للہ شروع میں زبان سے ذکر نہ کیا ہو۔ بات سمجھ میں آ گئی؟

تو کہتے ہیں: وَلَا يَلْزَمُ مِنْ ذٰلِكَ، اور اس سے یہ بات لازم نہیں آتی عَدَمُ الِابْتِدَاءِ بِهِ مُطْلَقًا، کہ مطلقاً الحمد للہ سے ابتدا نہ ہو۔ بھئی کہ الحمد للہ کو کتاب کا جز نہیں بنایا، لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ مطلقاً وہ شروع میں الحمد للہ لائے ہی نہ ہوں،

بلکہ کیسے لائے ہوں گے؟ زبان کے ذریعے اس کو ادا کیا ہوگا۔ تو کہتے ہیں: وَلَا يَلْزَمُ مِنْ ذٰلِكَ عَدَمُ الِابْتِدَاءِ بِهِ مُطْلَقًا، اور اس سے یہ لازم نہیں آتا، کیا لازم نہیں آتا؟ عَدَمُ الِابْتِدَاءِ بِهِ أَيْ بِالْحَمْدِ، کہ مطلقاً الحمد للہ کے ساتھ ابتدا نہ ہو، یہ اس کے ساتھ لازم نہیں آتا۔ حَتّٰى يَكُونَ بِتَرْكِهِ أَقْطَعَ، یہاں تک کہ ہوتا اس کو، الحمد للہ کو چھوڑنے کی وجہ سے أَقْطَع، ادھورا۔ یہاں تک کہ الحمد للہ کو چھوڑنے کی وجہ سے یہ کام کیا ہوتا؟ ادھورا۔ یعنی دیکھو بھئی کہنا یہ چاہتے ہیں، معنی سمجھ لو۔ کہنا یہ چاہتے ہیں: انہوں نے بزرگوں کے طریقے کو تو چھوڑ دیا عاجزی کرتے ہوئے، لیکن اس سے حدیث پر عمل رہ گیا اور حدیث پر عمل نہ کرنے کی وجہ سے ان کا یہ کام کیا ہوا؟ ادھورا ہوا، ناقص ہوا۔ کہتے ہیں: نہیں نہیں، حدیث میں الحمد للہ کے لانے کا ذکر ہے، الحمد للہ شروع میں لائی جائے، اور اس کے کہنے کی صورت کتابت کے علاوہ زبان سے بھی ادا کرنا ہے۔ تو اگر کتاب کا جز نہیں بنایا تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ انہوں نے بالکل الحمد للہ کو شروع میں لائے ہی نہیں ہوں گے اور اس کی وجہ سے یہ کتاب کیا ہوگی؟ ادھوری ہوگی۔ نہیں، یہ لازم نہیں آتا۔ أَقْطَع کا معنی کر لیں بے برکت کے بھئی، بے برکت، ادھورا، ناقص ہوگا اور بے برکت ہوگا۔

تو کہتے ہیں: وَلَا يَلْزَمُ مِنْ ذٰلِكَ عَدَمُ الِابْتِدَاءِ بِهِ مُطْلَقًا حَتّٰى يَكُونَ بِتَرْكِهِ أَقْطَعَ، اور اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ مطلقاً الحمد للہ سے آغاز نہ ہو، حَتّٰى يَكُونَ بِتَرْكِهِ أَقْطَعَ، یہاں تک کہ اس کے ترک کی وجہ سے یہ أَقْطَع ہوتا یعنی ادھورا اور ناقص ہوتا، یعنی یہ کتاب ادھوری اور ناقص ہوتی، بے برکت ہوتی۔ لِجَوَازِ إِتْيَانِهِ بِالْحَمْدِ، اس لیے کیونکہ جائز ہے یعنی ممکن ہے إِتْيَانِهِ، مصنف کا لانا، إِتْيَانِهِ کی ہا ضمیر شیخ رحمہ اللہ مصنف کو راجع، اس لیے کیونکہ ممکن ہے۔ جَوَاز کا کیا معنی؟ ممکن۔ لِجَوَازِ إِتْيَانِهِ، اس لیے کیونکہ ممکن ہے إِتْيَانِهِ یعنی مصنف کا لانا، إِتْيَان کا معنی مصنف کا لانا یعنی سر انجام دینا، مصنف کا انجام دینا۔ لِجَوَازِ إِتْيَانِهِ، اس لیے کیونکہ جائز ہے مصنف نے انجام دیا ہو بِالْحَمْدِ حمد کو، مصنف نے حمد کو انجام دیا ہو یعنی حمد کو ادا کیا ہو، مِنْ غَيْرِ أَنْ يَجْعَلَهُ جُزْءًا مِنْ كِتَابِهِ، بغیر اس کے کہ اس کو جز بنایا ہو اپنی کتاب کا۔ کتاب کا جز بنائے بغیر بھی ممکن ہے مصنف نے الحمد للہ کو زبان سے ادا کیا ہو بھئی۔ معنی سمجھ میں آ رہا ہے؟ لِجَوَازِ إِتْيَانِهِ بِالْحَمْدِ مِنْ غَيْرِ أَنْ يَجْعَلَهُ جُزْءًا مِنْ كِتَابِهِ، اس لیے کیونکہ ممکن ہے کہ مصنف نے اللہ کی حمد جو ہے وہ سر انجام دی ہو یا یوں کہیں کہ مصنف نے اللہ کی حمد ادا کی ہو، مِنْ غَيْرِ أَنْ يَجْعَلَهُ جُزْءًا مِنْ كِتَابِهِ، بغیر اس کو کتاب کا جز بنائے ہوئے۔ کتاب کا جز بنائے بغیر ہی کیا کیا ہو؟ حمد کو ادا کیا ہو، یہ ممکن ہے بھئی۔

وَبَدَأَ بِتَعْرِيفِ الْكَلِمَةِ وَالْكَلَامِ لِأَنَّهُ يُبْحَثُ فِي هٰذَا الْكِتَابِ عَنْ أَحْوَالِهِمَا۔ یہ پھر ایک سوال کا جواب دے رہے ہیں یا اعتراض کا۔ اعتراض یہ ہوتا ہے کہ علمِ نحو کا موضوع کلمہ اور کلام ہے۔ علمِ نحو کا موضوع کلمہ اور کلام ہے۔ جس چیز کے احوال سے کسی علم میں بحث کی جائے وہ اس علم کا موضوع کہلاتے ہیں۔ تو لہٰذا جب نحو کی کتاب شروع کر رہے ہیں تو مصنف کو کیا کرنا چاہیے؟ کلمہ اور کلام کے احوال سے بحث کرنی چاہیے۔ لیکن انہوں نے کلمہ کی تعریف شروع کر دی۔

توجہ ہے؟ مصنف کو کیا کرنا چاہیے تھا؟ کلمہ اور کلام کے احوال سے بحث شروع کرنی چاہیے تھی، لیکن انہوں نے احوال سے بحث کرنے کے بجائے کلمہ کی تعریف شروع کر دی بھئی۔ بھئی ان کے احوال سے بحث کرتے، ہمیں یہ بتاتے کہ کلمہ کبھی اسم ہوتا ہے، کبھی فعل ہوتا ہے، کبھی حرف ہوتا ہے، کبھی مرفوع ہوتا ہے، کبھی منصوب ہوتا ہے، کبھی مجرور ہوتا ہے، کبھی فاعل ہوتا ہے، کبھی مفعول ہوتا ہے، کبھی مبتدا ہوتا ہے، کبھی خبر ہوتا ہے، کبھی کلام جو ہے وہ جملہ خبریہ ہوتا ہے، کبھی انشائیہ ہوتا ہے، کبھی وہ جملہ شرطیہ ہوتا ہے وغیرہ، یہ باتیں ذکر کرتے، کلمہ اور کلام کے بارے میں ان کے احوال سے بحث کرتے، ان کے احوال ہمیں بتاتے، تو یہ مصنف نے شروع میں کلمہ کی تعریف کیوں کی؟ اعتراض سمجھ میں آیا؟ کیا اعتراض؟ یہ تو علمِ نحو میں کتاب ہے اور علمِ نحو کا موضوع کیا ہے؟ کلمہ اور کلام، لہٰذا مصنف کو کیا کرنا چاہیے تھا؟ کلمہ اور کلام کے احوال سے بحث کرنی چاہیے تھی، لیکن اس کے بجائے انہوں نے کیا شروع کر دیا؟ کلمہ کی تعریف شروع کر دی بھئی۔ اشکال سمجھ میں آیا؟

تو جواب دیں گے، کہتے ہیں بھئی دیکھیے، دیکھیے کلمہ اور کلام کو جانیں گے اور پہچانیں گے تو پھر ان کے احوال سے بحث کریں گے۔ اگر آپ کو کلمہ اور کلام کی پہچان ہی نہیں ہے تو پھر ان کے احوال سے کیسے بحث کریں گے؟ لہٰذا ان کو پہچاننے کے لیے، ان کی پہچان کروانے کے لیے مصنف شروع میں کلمہ کی تعریف لے آئے بھئی۔ اسی طرح آگے چل کر وہ کلام کی بھی تعریف کریں گے۔ مثلاً دیکھو، میں مثلاً آپ سے کہتا ہوں بھئی زید کے کچھ احوال بیان کرو۔ زید کے احوال بیان کرو۔ اگر آپ زید کو جانتے ہوں گے تو کچھ احوال بیان کریں گے کہ ایسا طالب علم ہے، فلاں درجے میں پڑھتا ہے، بڑا محنتی ہے، بڑا منطقی ہے، بڑا نحوی ہے۔ بھئی اگر آپ اس کو جانتے ہوں گے تو یہ احوال آپ بحث کریں گے۔ اور اگر آپ اس کو جانتے ہی نہیں اور میں کہوں جی احوال، زید کے احوال میں آپ سے پوچھوں یا میں بیان کرنا شروع کر دوں کہ زید بڑا محنتی آدمی ہے، بڑا نحوی ہے، بڑا منطقی ہے، تو آپ حیران ہو کر کہیں گے زید ہے کون؟ پہلے ہمیں یہ تو بتا دیں۔ تو لہٰذا کسی چیز کے احوال سے تبھی بحث ہو سکے گی، تبھی سننے والا اس کو سمجھے گا جب پہلے اس چیز کے بارے میں تو علم ہو۔ لہٰذا اس لیے شروع میں کیا کیا؟ کلمہ کی تعریف لے کر آئے تاکہ اس کی پہچان ہو جائے، جب پہچان ہو جائے گی اس کے بعد پھر آگے اس کے احوال وغیرہ ذکر کریں گے بھئی۔

تو کہتے ہیں: وَبَدَأَ بِتَعْرِيفِ الْكَلِمَةِ وَالْكَلَامِ، اور مصنف نے آغاز کیا کلمہ اور کلام کی تعریف سے، لِأَنَّهُ يُبْحَثُ فِي هٰذَا الْكِتَابِ عَنْ أَحْوَالِهِمَا، اس لیے کیونکہ اس کتاب کے اندر بحث کی جائے گی عَنْ أَحْوَالِهِمَا، کلمہ اور کلام کے احوال سے۔ فَمَتٰى لَمْ يُعْرَفَا، تو جب تک ان کو پہچانا نہیں جائے گا، فَمَتٰى لَمْ يُعْرَفَا، تو جب تک ان کو پہچانا نہیں جائے گا، كَيْفَ يُبْحَثُ عَنْ أَحْوَالِهِمَا، تو پھر کیسے بحث کی جائے گی ان کے احوال سے؟ ترجمہ سمجھ میں آ رہا ہے؟

وَقَدَّمَ الْكَلِمَةَ عَلَى الْكَلَامِ۔ یہ پھر ایک اور سوال کا، اعتراض کا جواب کہ کلمہ اور کلام میں سے مصنف نے کلمہ کی تعریف شروع کر دی۔ بھئی کلام کی تعریف کیوں نہیں لائے شروع میں؟ کلام میں تو بات پوری ہوتی ہے۔ کلام میں تو بات پوری ہوتی ہے اور کلمہ تو ایک لفظ کو کہتے ہیں۔ مثلاً میں نے کہا زید۔ زید، کوئی بات آپ کو پتہ چلی؟ نہیں۔ ہاں، میں کہوں زید عالم ہے، پورا کلام لے آیا۔ اب آپ کو ایک نئی بات پتہ چل گئی۔ کیا؟ کہ زید عالم ہے۔ تو کلمہ کے بجائے کلام کو شروع میں لانا چاہیے تھا کیونکہ کلام، اس سے فائدہ تام حاصل ہوتا ہے، سننے والے کو ایک بات کا پتہ چلتا ہے۔ ورنہ میں آپ کے سامنے سو کلمے بھی ذکر کر دوں آپ کو بات نہیں سمجھ میں آئے گی۔ مثلاً میں کہوں زید، عمرو، بکر، خالد وغیرہ، دیکھو میں نام لیتا چلا جا رہا ہوں، بات پوری نہیں کرتا، تو آپ کہیں گے بھئی بات تو پوری کریں کیا کہنا چاہتے ہیں آپ؟ اور کلام میں، مثلاً میں کلام لے کر آتا ہوں زید عالم ہے، دیکھو اس سے آپ کو ایک پوری بات سمجھ میں آگئی کہ زید پر عالم ہونے کا حکم لگایا گیا ہے۔ تو فائدہ کس کے اندر ہے؟ کلام کے اندر۔ توجہ ہے؟ فائدہ تام کس سے حاصل ہوتا ہے؟ کلام سے۔ لہٰذا پہلے کس کو لانا چاہیے تھا؟ کلام کو لانا چاہیے تھا، لیکن مصنف نے کس کو ذکر کر دیا؟ کلمہ کا۔ تو جواب دیں گے کہ بھئی یہ جو کلمہ ہے یہ کلام کا جز ہوتا ہے۔ یہ کلمہ کیا ہے؟ کلام کا جز ہوتا ہے اور جز ملیں گے تو کل بنے گا۔ تو جز کیا ہوتا ہے؟ کل پر مقدم ہوتا ہے۔ توجہ ہے؟ بھئی گاڑی ہے، گاڑی میں دیکھو سینکڑوں پرزے ہیں۔ گاڑی پہلے ہے یا یہ پرزے پہلے ہیں؟ پرزے، یہ پرزے جوڑیں گے تو گاڑی بنے گی۔ تو پہلے پرزے بنائے جاتے ہیں پھر ان کو جوڑ کر گاڑی بنائی جاتی ہے، تو جز کیا ہوتا ہے کل پر مقدم ہوتا ہے۔ تو کلمہ کیا ہے؟ کلام کا جز۔ اور نیز، مثلاً دیکھو میں کہتا ہوں زَيْدٌ عَالِمٌ۔ زَيْدٌ عَالِمٌ، یہ کلام ہے۔ اور اس کا ایک جز ہے زید، یہ بھی کلمہ ہے۔ اور دوسرا جز کیا ہے؟ عالم، وہ بھی کلمہ ہے۔ تو دیکھو کلمہ کلام کا جز ہے اور نیز کلام کا معنی کیا ہے؟ زید عالم ہے۔ تو وہی جو کلموں کا معنی تھا وہ کلام کے معنی کا بھی جز ہو گیا۔ کلام کے معنی کا بھی جز ہو گیا۔ ایک ہے کلمہ، ایک ہے اس کا مفہوم۔ ایک ہے کلام، ایک ہے اس کا مفہوم۔ مثلاً زید کا کیا معنی؟ یہ ایک شخص کا نام ہے۔ اور عالم کا کیا معنی؟ جاننے والا، جاننے والا۔ اور زید عالم ہے یہ ایک کلام ہے اور ایک اس کا مفہوم ہے۔ جب میں نے یہ جملہ بولا تو اس کا ایک معنی آپ کے ذہن میں آگیا، وہ کیا ہے اس کا مفہوم۔ تو کلمہ کیا ہوتا ہے؟ کلام کا جز ہوتا ہے اور کلمہ کا جو معنی ہے وہ کلام کے معنی کا جز، توجہ ہے؟ کلمہ خود کس کا جز؟ کلام کا، اور کلمہ کا معنی کس کا جز؟ کلام کے معنی کا جز ہے۔ تو اس لیے کلمہ کو مقدم کیا۔

کہتے ہیں: وَقَدَّمَ الْكَلِمَةَ عَلَى الْكَلَامِ، اور مقدم کیا کلمہ کو کلام پر لِكَوْنِ أَفْرَادِهَا جُزْءًا مِنْ أَفْرَادِ الْكَلَامِ، اس لیے کیونکہ کلمہ کے جو افراد ہیں وہ جز ہیں کلام کے افراد کے۔ کلمہ کے جو افراد ہیں وہ کلام کے افراد کے جز ہیں۔ توجہ ہے؟ کیا معنی؟ بھئی دیکھو، مثلاً دیکھو انسان۔ انسان کے افراد کون ہیں؟ بھئی خارج میں جتنے انسان آپ دیکھ رہے ہیں یہ کیا ہیں انسان کے افراد۔ زید،

عمرو، بکر، خالد ہیں، آپ لوگ ہیں، اور لوگ ہیں، یہ سب کیا ہیں انسان کے افراد۔ اسی طرح ایک ہے کلمہ، ایک کیا ہے؟ کلمہ۔ اسم بھی کلمہ کا فرد، فعل بھی کلمہ کا فرد، حرف بھی کلمہ کا فرد۔ پھر اسم ہزاروں اسم ہیں آپ کتابوں میں پڑھتے ہیں، یہ سارے کیا ہیں؟ کلمہ کے افراد ہیں۔ اسی طرح آپ ہزاروں فعل پڑھتے ہیں، یہ سارے کیا ہیں؟ کلمہ کے افراد ہیں۔ اسی طرح حروف آتے ہیں عربی زبان میں، یہ سارے بھی کیا ہیں کلمہ کے افراد۔ تو یہ جو کلمہ کے افراد ہیں یہ کلام کے افراد کے جز ہیں۔ کلام کے افراد کیا ہیں؟ بھئی ایک ہے کلام، کلام کسے کہتے ہیں؟ مَا تَضَمَّنَ كَلِمَتَيْنِ بِالْإِسْنَادِ، وہ لفظ جو کتنے کلموں سے کم از کم مل کر بنے؟ دو سے، اور ان میں کیا پایا جائے؟ اسناد، اور اس کا معنی تام ہو، پورا ہو، اس میں بات پوری سمجھ میں آ رہی ہو۔ اب دیکھو میں آپ سے کہتا ہوں زید عالم ہے، یہ بھی کیا ہے؟ بھئی جیسے دیکھو انسان کے افراد کون تھے؟ زید، عمرو، بکر وغیرہ۔ اسی طرح کلام کے بھی تو افراد ہیں۔ آپ، یہ جتنی میں تقریر کر رہا ہوں یہ سارا کیا ہے؟ کلام ہے، یہ سارے کلام کے افراد ہیں۔ مثلاً میں نے کہا زید عالم ہے، یہ بھی کیا ہے کلام کے افراد میں سے۔ میں نے کہا عمرو محنتی طالب علم ہے، یہ بھی کیا ہے؟ کلام ہے، تو یہ کلام کے افراد میں سے ہے۔ مثلاً میں کہتا ہوں بارش ہو رہی ہے، یہ بھی کیا ہے؟ کلام ہے اور یہ کلام کے افراد میں سے ہے۔ تو جو بھی آپ جملہ بولیں گے وہ کلام کے افراد میں سے، وہ سب کیا ہیں؟ کلام ہیں تو کلام کے افراد میں سے۔ تو یہ میں مفہوم سمجھا رہا تھا۔ انہوں نے کیا کہا؟ وَقَدَّمَ الْكَلِمَةَ عَلَى الْكَلَامِ، اور کلمہ کو مقدم کیا کلام پر لِكَوْنِ أَفْرَادِهَا جُزْءًا مِنْ أَفْرَادِ الْكَلَامِ، اس وجہ سے کہ کلمہ کے جو افراد ہیں وہ جز ہیں کس کے؟ کلام کے افراد کے۔ کلمہ کے افراد وہ کلام کے افراد کے جز ہیں۔ کلمہ کے افراد سمجھ میں آ گئے؟ کلام کے افراد سمجھ میں آ گئے؟ زید عالم ہے، یہ کیا ہے کلام کے افراد میں سے۔ اور کلمہ زید اور عالم وہ کس کے افراد میں سے؟ پھر سنو، زید عالم ہے کلمہ ہے یا کلام ہے؟ کلام، یعنی یہ کلام کے افراد میں سے ہے۔ صرف یہی کلام ہے یا اور بھی ہیں؟ اور بھی ہیں، تو یہ کلام کے افراد میں سے ہے۔ اور اس جملے میں کیا کیا لفظ ہے؟ زید، عالم، ہے۔ تو یہ زید، یہ کیا ہے؟ کلمہ۔ عالم، یہ بھی کیا ہے؟ کلمہ۔ ہے، یہ بھی کیا ہے؟ کلمہ۔ اور یہ یہی کلمہ ہے یا اور بھی کلمے ہیں؟ یہ اور بھی ہیں، تو یہ کس میں سے ہوا؟ کلمہ کے افراد میں سے۔ تو دیکھا، زید عالم ہے یہ کلام کے افراد میں سے ہوا اور اس کے اندر جو کلمے آ رہے ہیں وہ کس میں سے ہیں؟ وہ کلمے کے افراد میں سے ہیں۔ تو کلمے کے جو افراد ہوتے ہیں وہ کلام کے افراد کا جز ہوتے ہیں۔ بات سمجھ میں آ گئی؟ لِكَوْنِ أَفْرَادِهَا جُزْءًا مِنْ أَفْرَادِ الْكَلَامِ، اس وجہ سے کہ کلمہ کے جو افراد ہیں وہ جز ہیں کلام کے افراد کے۔

وَمَفْهُومِهَا، اس کو مَفْهُومِهَا پڑھنا بھئی۔ اس کا عطف ہے أَفْرَادِهَا پر اور أَفْرَادِهَا مجرور ہے، وہ مضاف الیہ ہے كَوْن کے لیے۔ کس کے لیے؟ كَوْن کے لیے، لِكَوْنِ أَفْرَادِهَا۔ تو اس أَفْرَادِهَا کی جگہ اب یہ مَفْهُومِهَا لے آئیں گے: وَلِكَوْنِ مَفْهُومِهَا جُزْءًا مِنْ مَفْهُومِهِ، اور اس وجہ سے کہ کلمے کا جو مفہوم ہے وہ جز ہے کس کا؟ کلام کے مفہوم کا۔ ایک ہے کلمہ کا مفہوم، ایک ہے کلام کا مفہوم، کلمہ کا مفہوم کلام کے مفہوم کا جز ہے۔ تو حاصلِ کلام کیا؟ کلمہ کو کیوں مقدم کیا؟ کیونکہ کلمہ کے افراد

کلام کے افراد کا جز اور کلمہ کا مفہوم کلام کے مفہوم کا جز ہے بھئی۔

فَقَالَ، پس مصنف فرماتے ہیں یعنی علامہ ابنِ حاجب، الْكَلِمَةُ۔ دیکھو یہ متن ہے، اس کے اوپر لکیر لگی ہوئی ہے اور یہ کافیہ شروع ہو گئی بھئی۔ الْكَلِمَةُ۔

قِيلَ هِيَ وَالْكَلَامُ مُشْتَقَّانِ مِنَ الْكَلْمِ بِتَسْكِينِ اللَّامِ، وَهُوَ الْجَرْحُ، لِتَأْثِيرِ مَعَانِيهِمَا فِي النُّفُوسِ كَالْجُرْحِ۔ یہاں سے کلمہ اور کلام کی تحقیق کر رہے ہیں اور آپ کو بتلائیں گے کہ کلمہ اور کلام یہ مشتق ہیں كَلْمٌ سے، کاف لام میم۔ كَلِمَةٌ، اس میں تو لام کے نیچے زیر ہے، اسی کو ساکن کر دو كَلْمٌ۔ تو كَلْمٌ سے مشتق ہے کلمہ بھی اور کلام بھی۔ توجہ ہے؟ تو کلمہ اور کلام مشتق ہیں كَلْمٌ سے۔ ادھر دیکھیے بھئی، کلمہ اور کلام مشتق ہیں کس سے؟ كَلْمٌ سے۔ اور كَلْمٌ کا معنی ہے زخمی کرنا۔ كَلْمٌ کا کیا معنی؟ زخمی کرنا۔

تو اس پر اشکال ہوتا ہے کہ بھئی کلمہ اور کلام كَلْمٌ سے کیسے مشتق ہیں؟ كَلْمٌ کا معنی ہے زخمی کرنا اور کلمہ کسے کہتے ہیں؟ لَفْظٌ وُضِعَ لِمَعْنًى مُفْرَدٍ، کلمہ ایسا لفظ ہے جس کو مفرد معنی کے لیے وضع کیا گیا ہو۔ اور کلام کسے کہتے ہیں؟ مَا تَضَمَّنَ كَلِمَتَيْنِ بِالْإِسْنَادِ، وہ لفظ جو متضمن ہو دو کلموں کو بِالْإِسْنَادِ، کس کے ساتھ؟ اسناد بھی ہونا چاہیے پھر ہی بات پوری ہوگی۔ تو کلام کہتے ہیں مَا تَضَمَّنَ كَلِمَتَيْنِ بِالْإِسْنَادِ، وہ لفظ جو متضمن ہو دو کلموں کو اور اس کے اندر ان دونوں میں اسناد بھی ہو۔ تو کلمہ کہتے ہیں لَفْظٌ وُضِعَ لِمَعْنًى مُفْرَدٍ اور کلام کہتے ہیں مَا تَضَمَّنَ كَلِمَتَيْنِ بِالْإِسْنَادِ، اور آپ کہہ رہے ہیں یہ دونوں مشتق ہیں کس سے؟ كَلْمٌ سے، اور كَلْمٌ کا کیا معنی ہے؟ زخمی کرنا۔ تو كَلْمٌ ہوا مشتق منہ اور کلمہ اور کلام کیا ہوئے؟ مشتق۔ اور ہمیشہ مشتق اور مشتق منہ کے معنی میں مناسبت ہوتی ہے۔ دونوں میں کیا ہوتی ہے؟ جیسے ضَارِبٌ کس سے مشتق ہے؟ ضَرْبٌ سے۔ ضَرْب کا معنی پٹائی کرنا اور ضَارِبٌ کا معنی پٹائی کرنے والا، دیکھا؟ تو مشتق اور مشتق منہ کے معنی میں مناسبت ہوتی ہے، یہاں ان دونوں کے معنی میں کوئی مناسبت نہیں ہے۔

تو آپ کو بتلائیں گے کہ بھئی ان دونوں کے معنی میں مناسبت موجود ہے اور وہ مناسبت دلالتِ التزامی کے طریقے پر ہے۔ کس طریقے پر ہے؟ ایک ہے دلالتِ مطابقی، ایک ہے دلالتِ تضمنی اور ایک ہے دلالتِ التزامی۔ دلالتِ مطابقی یہ ہے کہ لفظ اپنے پورے معنیٰ موضوع لہ پر دلالت کرے، جیسے انسان کا معنی ہے حیوانِ ناطق۔ انسان کی حقیقت اور ماہیت کیا ہے؟ حیوانِ ناطق۔ تو انسان جیسے ہی ہم بولتے ہیں پورا حیوانِ ناطق ہمارے ذہن میں آجاتا ہے۔ تو لفظ اپنے پورے معنیٰ موضوع لہ پر دلالت کرے تو اس کو کیا کہتے ہیں؟ دلالتِ مطابقی۔ اور لفظ اگر اپنے معنیٰ موضوع لہ کے جزپر دلالت کرے تو اس کو کہتے ہیں دلالتِ تضمنی۔ اور لفظ اگر اپنے معنیٰ موضوع لہ کے خارج پر دلالت کرے تو اس کو کیا کہتے ہیں؟ دلالتِ التزامی۔ توجہ ہے؟ جیسے انسان، انسان کی حقیقت کیا؟ حیوانِ ناطق۔ تو انسان کی دلالت پورے حیوانِ ناطق پر، یہ کیا ہے؟ دلالتِ مطابقی۔ انسان کی حقیقت کیا ہے؟ حیوانِ ناطق۔ تو پورے معنیٰ پر یہ دلالت جو ہے وہ کیا ہے؟

دلالتِ مطابقی۔ اور اس حیوانِ ناطق کے ایک جز پر یعنی صرف حیوان پر یا صرف ناطق پر جو اس کی دلالت ہے وہ دلالت کیا ہے؟ دلالتِ تضمنی ہے۔ اور لفظ اگر اپنے معنیٰ موضوع لہ کے خارج پر دلالت کرے، اس کے لازم پر دلالت کرے تو اس کو کہتے ہیں دلالتِ التزامی۔ جیسے انسان کی دلالت قابلیتِ علم پر۔ انسان کو اللہ نے کس چیز کی صلاحیت دی ہے؟ علم حاصل کرنے کی صلاحیت اللہ تعالیٰ نے دی ہے۔ تو انسان کی دلالت کس پر؟ قابلیتِ علم پر، تو یہ کیا ہے؟ دلالتِ التزامی ہے۔ معنیٰ موضوع لہ جانتے ہو؟ جس کے لیے ایک لفظ کو وضع کیا گیا ہو۔ انسان کو کس کے لیے وضع کیا گیا ہے؟ حیوانِ ناطق کے لیے۔ تو انسان کا لفظ بولو اور پورا معنیٰ موضوع لہ پر یہ جو دلالت ہے، یہ کیا کہلائے گی؟ دلالتِ مطابقی۔ اور انسان کا لفظ بولو اور صرف کس پر دلالت مراد ہو؟ انسان کا پورا معنیٰ کیا تھا؟ حیوانِ ناطق۔ آپ انسان بولیں اور صرف کس کا ارادہ کریں؟ حیوان کا یا صرف ناطق کا۔

صرف کس کا ارادہ کریں؟ ناطق کا۔ پورے معنیٰ موضوع لہ کا نہیں، بلکہ اس کے ایک جز کا ارادہ کریں۔ یہ دلالت کیا ہے؟ دلالتِ تضمنی ہے۔ تو انسان بول کر پورا حیوانِ ناطق مراد لیں، یہ کیا ہے؟ دلالتِ مطابقی۔ انسان بول کر صرف حیوان مراد لیں یا صرف ناطق مراد لیں تو یہ دلالتِ تضمنی۔ اور تیسری قسم ہے دلالتِ التزامی، وہ جیسے انسان کے ساتھ لازم ہے قابلیتِ علم، اللہ نے اس میں علم حاصل کرنے کی صلاحیت رکھی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان میں علم حاصل کرنے کی صلاحیت رکھی ہے۔ تو انسان بولیں اور اس کی صلاحیتِ علم کا ارادہ کریں تو یہ دلالتِ التزامی ہے۔ کیا لفظ بولیں؟ انسان، اور ارادہ کس کا کریں؟ علم کی جو صلاحیت اللہ نے اس کو دی ہے اس کا ارادہ کریں۔ اب دیکھو انسان بول کر آپ کس معنیٰ کا ارادہ کر رہے ہیں؟ علم کی صلاحیت کا، حالانکہ انسان کا لفظ تو اس علم کی صلاحیت کے لیے وضع نہیں ہے، یہ تو کس کے لیے وضع ہے؟ حیوانِ ناطق کے لیے۔ تو یہ حیوانِ ناطق سے الگ ایک اور معنیٰ کا آپ ارادہ کر رہے ہیں جو اس حیوانِ ناطق کے ساتھ لازم ہے۔ بات سمجھ میں آ رہی ہے؟ تو یہ ایک معنیٰ خارجی ہے جو اس معنیٰ حقیقی کے ساتھ لازم ہے، اس پر دلالت ہوئی، یہ دلالتِ التزامی کہلاتی ہے۔

تو شارحِ جامی آپ کو بتلائیں گے کہ بھئی کلمہ اور کلام مشتق ہیں کَلْمٌ سے اور کَلْمٌ کا معنی ہے زخمی کرنا۔ اور کلمہ کہتے ہیں لَفْظٌ وُضِعَ لِمَعْنًى مُفْرَدٍ اور کلام کسے کہتے ہیں؟ مَا تَضَمَّنَ كَلِمَتَيْنِ بِالْإِسْنَادِ۔ اگرچہ یہاں پر معنیٰ مطابقی اور معنیٰ تضمنی کے اعتبار سے تو یہاں مناسبت نہیں ہے: زخمی کرنا اور چیز، لَفْظٌ وُضِعَ لِمَعْنًى مُفْرَدٍ اور چیز، مَا تَضَمَّنَ كَلِمَتَيْنِ بِالْإِسْنَادِ اور چیز۔ تو اگرچہ معنیٰ حقیقی کے اعتبار سے ان میں مناسبت نہیں ہے، لیکن معنیٰ التزامی کے اعتبار سے مناسبت موجود ہے دونوں ان میں، مشتق میں اور مشتق منہ میں۔ معنیٰ التزامی کیا؟ کہتے ہیں زخمی کرنے کے ساتھ تاثیر لازم ہے۔ کوئی کسی کو زخمی کرتا ہے، اثر پڑتا ہے یا نہیں؟ اس کو تکلیف ہوتی ہے یا نہیں؟ اس کے جسم پر زخم بن گیا اور اس کو تکلیف ہوئی، تو دیکھا یہ زخمی کرنے کے اندر اثر، جسم پر اثر پڑتا ہے، یعنی یوں کہو زخمی کرنے کی تاثیر ہے۔ اسی طرح یہ کلمہ اور کلام کی بھی

تاثیر ہوتی ہے اور دیکھو بعض آپ سخت کلام کرتے ہیں تو دوسرے کو دل میں تکلیف محسوس ہوتی ہے، اور کبھی آپ اچھا کلام کرتے ہیں تو سننے والوں کو دل میں خوشی اور سرور محسوس ہوتا ہے۔ جیسے کَلْمٌ یعنی زخمی کرنے کی تاثیر ہے، اسی طرح کلمہ اور کلام کی بھی تاثیر ہوتی ہے۔ تو دونوں میں دیکھو مناسبت آگئی: کَلْمٌ کے ساتھ بھی تاثیر اور کلمہ اور کلام کے ساتھ بھی تاثیر ہے کہ ان کا اثر پڑتا ہے۔

تو کہتے ہیں: فَقَالَ الْكَلِمَةُ، قِيلَ هِيَ وَالْكَلَامُ مُشْتَقَّانِ مِنَ الْكَلْمِ بِتَسْكِينِ اللَّامِ، کہا گیا ہے کہ هِيَ، هِيَ ضمیر راجع ہے کلمہ کو، کہ یہ کلمہ اور کلام جو ہیں مُشْتَقَّانِ، یہ دونوں مشتق ہیں مِنَ الْكَلْمِ، كَلْمٌ سے، كَلْم لفظ سے مشتق ہیں، بِتَسْكِينِ اللَّامِ، اور یہ كَلْم لفظ کیا ہے؟ لام کے سکون کے ساتھ ہے، اس کے لام کو ساکن پڑھنا، وَهُوَ الْجَرْحُ، اور یہ كَلْمٌ کسے کہتے ہیں؟ زخمی کرنا۔ جَرَحَ يَجْرَحُ جَرْحًا، کیا معنی؟ زخمی کرنا، یہ مصدر ہے۔ لِتَأْثِيرِ مَعَانِيهِمَا فِي النُّفُوسِ، اس وجہ سے کہ تاثیر ہے ان دونوں کے معانی کی یعنی کلمہ اور کلام کے معانی کی تاثیر ہوتی ہے فِي النُّفُوسِ، دلوں میں۔ نفس کا ایک معنی دل کے آتے ہیں، تو یہاں وہ دل والا معنی کر لیں۔ لِتَأْثِيرِ مَعَانِيهِمَا فِي النُّفُوسِ، اس لیے کیونکہ کلمہ اور کلام کے جو معانی ہیں ان کی تاثیر ہوتی ہے، ان کا اثر ہوتا ہے دلوں میں، كَالْجُرْحِ، کس کی طرح؟ زخم کی طرح۔ جَرْحٌ جیم کے فتحہ کے ساتھ پڑھو تو اس کا معنی ہے زخمی کرنا، یہ مصدر ہے۔ اور جُرْحٌ پڑھو تو یہ زخم کو کہتے ہیں۔ جُرْحٌ کسے کہتے ہیں؟ زخم کو کہتے ہیں۔ تو ان کے معانی کی بھی تاثیر ہوتی ہے دلوں میں كَالْجُرْحِ، جیسے کہ زخم ہے۔ جیسے زخم کا اثر ہوتا ہے، اسی طرح کلمہ اور کلام کا بھی دل میں اثر ہوتا ہے۔

وَقَدْ عَبَّرَ بَعْضُ الشُّعَرَاءِ عَنْ بَعْضِ تَأْثِيرَاتِهِمَا بِالْجُرْحِ۔ اور پھر آگے دلیل بھی دے رہے ہیں بھئی کہ ان کے معانی کا اثر پڑتا ہے دلوں پر، چنانچہ آگے ایک شاعر کا شعر ذکر کریں گے جس کے اندر کلمہ اور کلام کی تاثیر کو زخم سے تعبیر کیا گیا ہے۔ کلمہ اور کلام کی تاثیر کو کس سے تعبیر کیا گیا ہے؟ زخم کے ساتھ تعبیر کیا گیا ہے۔ وَقَدْ عَبَّرَ بَعْضُ الشُّعَرَاءِ عَنْ بَعْضِ تَأْثِيرَاتِهِمَا بِالْجُرْحِ، اور تحقیق تعبیر کیا ہے بعض شعراء نے عَنْ بَعْضِ تَأْثِيرَاتِهِمَا، کلمہ اور کلام کی بعض تاثیرات کو بِالْجُرْحِ، کس کے ساتھ تعبیر کیا ہے؟ زخم کے ساتھ تعبیر کیا ہے۔ بھئی دیکھیے، تحقیق تعبیر کیا ہے بعض شعراء نے کلمہ اور کلام کی بعض تاثیرات کو زخم کے ساتھ۔ تمام تاثیرات نہیں، ہر تاثیر، کلمہ اور کلام کی ہر تاثیر زخم کی طرح نہیں ہے بھئی۔ دیکھو، زخم سے انسان کو تکلیف ہوتی ہے۔ اور ہر کلام سے دوسرے کو تکلیف ہوتی ہے یا بعض کلام سے دوسرے کو خوشی بھی ہوتی ہے؟ آپ کسی سے اچھا کلام کریں دوسرے کو غم ہوگا یا خوشی ہوگی؟ خوشی ہوگی۔ اور اگر برا بھلا کہیں تو اس کو کیا ہوگی؟ تکلیف۔ تو معلوم ہوا یہ جو تکلیف ہے یہ اس زخم کے مشابہ ہے۔ جیسے زخم سے بدن کو درد ہوتا ہے، اسی طرح ان الفاظ سے دل میں تکلیف ہوتی ہے۔ تو یہ تمام تاثیرات نہیں ہیں بلکہ بعض تاثیرات ہیں: بعض تاثیرات وہ دکھ اور غم کا باعث بنیں گی اور بعض تاثیرات کیا ہیں خوشی اور سرور کا باعث بنیں گی۔ اسی لیے کہا وَقَدْ عَبَّرَ بَعْضُ الشُّعَرَاءِ عَنْ بَعْضِ تَأْثِيرَاتِهِمَا بِالْجُرْحِ، کہ تحقیق تعبیر کیا

بعض شاعروں نے ان کی بعض تاثیرات کو زخم کے ساتھ، حَیْثُ قَالَ، اس حیثیت سے کہ فرمایا، شعر، یہ شعر ہے:

▪ متنِ کتاب و تحقیقِ مسائلِ نحویہ

جِرَاحَاتُ السِّنَانِ لَهَا الْتِيَامُ

وَلَا يَلْتَامُ مَا جَرَحَ اللِّسَانُ

جِرَاحَاتُ السِّنَانِ، جِرَاحَات جمع ہے جِرَاحَةٌ کی۔ جِرَاحَةٌ زخم کو کہتے ہیں۔ وہی جو جُرْحٌ کا معنی ہے وہی معنی کس کا ہے؟ جِرَاحَةٌ کا۔ تو جِرَاحَات اس کی جمع ہے۔ السِّنَان، سِنَان یاد رکھیے نیزے کا پھل جو ہے۔ نیزے کا پھل۔ نیزہ لکڑی کا ہوتا ہے لیکن اس کا اگلا سرا جو ہے وہ تیز دھار لوہے کا بنا ہوتا ہے، اس کو سِنَان کہتے ہیں۔ اس کی جمع أَسِنَّةٌ آتی ہے، أَسِنَّةٌ۔ جِرَاحَاتُ السِّنَانِ لَهَا الْتِيَامُ، اِلْتَأَمَ يَلْتَئِمُ اِلْتِئَام کا معنی ہے بھر جانا۔ اِلْتِيَام کا کیا معنی؟ بھر جانا۔ اور اس کا مادہ یاد رکھنا بھئی، طلبہ پریشان ہوتے ہیں کہ اس کا مادہ کیا ہے؟ اس کا مادہ ہے لَأَمَ، لام ہمزہ اور میم۔ لَأَمَ اس کا مادہ۔ اِلْتِيَام کا مادہ کیا ہے؟ لَأَمَ، لام ہمزہ اور میم۔ لہٰذا اگر آپ لغت میں دیکھیں گے تو عموماً طلبہ کس میں دیکھیں گے؟ لام یا اور میم میں دیکھیں گے، اِلْتِيَام ہے نا، تو وہاں نہیں ملے گا۔ تو یہ لام ہمزہ اور میم ہے اس کا مادہ۔ تو اصل میں یہ تھا اِلْتِئَام بھئی، یہ یا کی جگہ ہمزہ تھی: اِلْتِئَام بھئی۔ پھر ماقبل کسرہ کی وجہ سے اس ہمزہ کو کس سے بدل دیا؟ یا سے۔ کیا بن گیا؟ اِلْتِيَام۔ اِلْتِيَام کا معنی زخم کا بھر جانا، زخم کا ٹھیک ہو جانا۔

تو شاعر کہتا ہے: جِرَاحَاتُ السِّنَانِ لَهَا الْتِيَامُ، نیزوں کے پھل کے جو زخم ہوتے ہیں یعنی یوں کہو نیزوں، نیزوں کے جو زخم ہوتے ہیں لَهَا الْتِيَامُ، ان کے لیے بھر جانا ہے، یعنی وہ بھر جاتے ہیں۔ نیزوں کے زخم بھر جاتے ہیں، وَلَا يَلْتَامُ مَا جَرَحَ اللِّسَانُ، اور نہیں بھرتے مَا جَرَحَ اللِّسَانُ، وہ جو زبان زخم لگائے۔ زبان جو زخم لگاتی ہے وہ نہیں بھرتے، نیزوں کے زخم بھر جاتے ہیں لیکن زبان کے زخم نہیں بھرتے بھئی۔ آپ بھی دیکھتے ہیں بعض کوئی آدمی ایسی بات کر دیتا ہے کہ انسان پھر اس کو بھلا ہی نہیں پاتا بھئی، اتنی تکلیف اس کو ہوتی ہے۔ تو معنی یہ کہ نیزوں کے زخم تو لگ بھی جائیں بدن پر وہ بالآخر ٹھیک ہو جاتے ہیں، لیکن زبان کا لگایا ہوا زخم وہ ہمیشہ دل پر باقی رہتا ہے۔ جِرَاحَاتُ السِّنَانِ لَهَا الْتِيَامُ وَلَا يَلْتَامُ مَا جَرَحَ اللِّسَانُ، نیزوں کے جو زخم ہیں وہ بھر جاتے ہیں لیکن زبان کے لگائے ہوئے زخم نہیں بھرتے۔ بعض علماء فرماتے ہیں کہ یہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا شعر ہے، خلیفہ راشد حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا شعر ہے۔ دیکھا، اس شعر میں بھی کیا کہا؟ زبان کے لگائے ہوئے زخم نہیں بھرتے۔ تو زبان کی وہ جو تاثیر ہے جس نے دل پر جو، دل کو جو تکلیف پہنچائی، اس کو کس سے تعبیر کر دیا؟ زخم کے ساتھ۔

حاصلِ کلام کیا ہوا کہ بعض علماء فرماتے ہیں کہ کلمہ اور کلام کَلْمٌ سے مشتق ہیں اور کَلْمٌ کا معنی ہے زخمی کرنا۔ یہ کلمہ اور کلام کَلْمٌ سے مشتق ہیں۔ اس پر سوال پیدا ہوا کہ مشتق اور مشتق منہ کے معنی میں تو مناسبت ہوتی ہے، یہاں تو ان دونوں کے معنی میں کوئی مناسبت نہیں ہے۔ مشتق منہ کا کیا ترجمہ؟ زخمی کرنا۔ اور کلمہ کا اور معنی، کلام کا اور معنی۔ تو اس کا جواب دیا کہ بھئی ان دونوں کے معنی میں مناسبت موجود ہے۔ دلالتِ مطابقی یا تضمنی کے اعتبار سے تو مطابقت نہیں لیکن دلالتِ التزامی کے اعتبار سے یہاں مطابقت ہے۔ کیونکہ زخمی کرنے کے ساتھ لازم ہے تاثیر، اثر ہونا یعنی درد پہنچنا، تکلیف پہنچنا۔ اور اسی طرح لفظوں کے ساتھ بھی بعض اوقات کیا اثر پہنچتا ہے دلوں کو؟ تکلیف پہنچتی ہے۔ تو زخمی کرنے کے ساتھ کیا لازم؟ اثر۔ اسی طرح بعض الفاظ کے ساتھ بھی زخم جیسا اثر لازم ہے بھئی۔ دلالتِ التزامی کے اعتبار سے ان میں مناسبت آگئی۔

اس پر پھر اشکال ہوتا ہے کہ بھئی الْكَلِمَةُ وَالْكَلَامُ، کلام تو مصدر ہے، کلام کیا ہے؟ مصدر، اور مصدر کسی سے مشتق نہیں ہوتا، مصدر سے آگے الفاظ مشتق ہوتے ہیں۔ ضَرْبٌ مصدر ہے، اس سے ضَرَبَ بنا، يَضْرِبُ بنا، ضَارِبٌ بنا، مَضْرُوبٌ بنا، لیکن خود ضَرْبٌ کسی سے مشتق نہیں۔ توجہ ہے؟ مصدر تو مشتق منہ ہوتا ہے، تو یہاں پر کلام جو مصدر ہے اس کو کیسے مشتق کہہ دیا کہ یہ کَلْمٌ سے مشتق ہے؟ اعتراض سمجھ میں آیا؟

تو تفصیل یاد رکھو بھئی کہ سب سے پہلے تو یہ سمجھ لیں کہ اشتقاق تین قسم پر ہے بھئی: ایک اشتقاقِ صغیر ہے، ایک اشتقاقِ کبیر ہے اور ایک اشتقاقِ اکبر ہے۔ توجہ سے اچھی طرح سمجھ لیں بھئی۔ کیا؟ ایک اشتقاقِ صغیر، ایک کبیر اور ایک اکبر۔ اشتقاقِ صغیر وہی جو آپ نے صرف میں پڑھا ہے، اس کو صرفی اشتقاق بھی کہتے ہیں۔ کہ ضَرْبٌ سے کیا بنا؟ ضَرَبَ، اسی طرح ضَرْبٌ سے کیا بنا؟ يَضْرِبُ، اسی طرح ضَرْبٌ سے کیا بنا؟ ضَارِبٌ، اسی طرح ضَرْبٌ سے کیا بنا؟ مَضْرُوبٌ وغیرہ بھئی۔ یہ صرفی اشتقاق ہے، اسی کو اشتقاقِ صغیر بھی کہتے ہیں، اشتقاقِ صغیر۔ اشتقاقِ صغیر یہ ہے کہ دو لفظوں کے درمیان معنی میں بھی مناسبت ہو اور ان کے حروفِ اصلیہ اور حروفِ اصلیہ کی ترتیب میں اتفاق ہو۔ توجہ ہے؟ اشتقاق کسے کہتے ہیں؟ کہ مشتق اور مشتق منہ دونوں لفظ جو ہیں ان میں معنی کے اندر بھی مناسبت ہو اور ان دونوں میں اتفاق ہو حروفِ اصلیہ میں بھی اور حروفِ اصلیہ کی ترتیب میں بھی۔ دہرائیے بھئی، کسے کہتے ہیں اشتقاق صغیر؟ کہ دو لفظوں کے اندر معنی کے اندر مناسبت ہو اور اتفاق ہو ان دونوں لفظوں کے حروفِ اصلیہ میں بھی اور ان کی ترتیب میں بھی۔ پھر دہراؤ، اشتقاقِ صغیر کسے کہتے ہیں؟ کہ دو لفظوں میں معنی کے اندر بھی مناسبت ہو اور لفظوں، بھئی یوں کہو، بلکہ یوں کہو: معنی میں بھی مناسبت ہو اور لفظوں میں بھی مناسبت ہو، اور لفظوں میں مناسبت کس طرح ہو کہ دونوں میں حروفِ اصلیہ اور ان کی ترتیب میں اتفاق ہو۔ جو حروفِ اصلیہ ایک میں ہیں وہی دوسرے میں بھی ہوں، نیز جیسی ترتیب ایک میں ہے حروفِ اصلیہ کی، دوسرے میں بھی وہی ترتیب ہو۔ تو حروفِ اصلیہ اور ان کی ترتیب دونوں میں اتفاق ہونا چاہیے۔ اس کو کہتے

ہیں اشتقاقِ صغیر، یا اسی کو اشتقاقِ صرفی بھی کہتے ہیں۔ مثلاً ضَرْبٌ سے کیا بنا؟ ضَرَبَ۔ دیکھو ضَرْبٌ کا معنی بھی پٹائی کرنا، ضَرَبَ کا معنی بھی اس نے زمانہ ماضی کے اندر پٹائی کی، تو معنی کے اندر مناسبت آگئی یا نہیں؟ معنی میں مناسبت ہے۔ نیز لفظوں میں بھی مناسبت ہے۔ لفظوں میں مناسبت کیسے ہے کہ دونوں کے حروفِ اصلیہ اور ان کی ترتیب ایک جیسی ہے، دونوں میں اتفاق ہے۔ ضَرْبٌ کے حروفِ اصلیہ کیا؟ ضاد را با۔ اور ضَرَبَ کے حروفِ اصلیہ بھی کیا؟ ضاد را با۔ تو حروفِ اصلیہ میں اتفاق ہے، بالکل ایک جیسے ہونے چاہئیں۔ اور نیز ان کی ترتیب بھی ایک جیسی ہونی چاہیے، اس میں بھی اتفاق ہونا چاہیے۔ ضَرْبٌ میں پہلے ضاد ہے، پھر را ہے، پھر با۔ اور ضَرَبَ میں بھی پہلے ضاد ہے، پھر را ہے، پھر با۔ اسی طرح دوسرے

لفظ کو دیکھ لو: ضَارِبٌ۔ ضَارِبٌ بھی ضَرْبٌ سے مشتق ہے۔ دیکھو، ضَرْبٌ کا معنی پٹائی کرنا اور ضَارِبٌ کا معنی پٹائی کرنے والا۔ دیکھو معنی میں مناسبت ہے، اور لفظوں میں بھی مناسبت ہے۔ لفظوں میں مناسبت کیا؟ کہ دونوں کے حروفِ اصلیہ اور ان کی ترتیب میں اتفاق ہو۔ حروفِ اصلیہ ضَرْبٌ کے کیا؟ ضاد را با۔ ضَارِبٌ میں بھی حروفِ اصلیہ کیا؟ ضاد را با۔ دیکھا حروفِ اصلیہ میں اتفاق ہے، بالکل ایک جیسے ہیں۔ اور نیز ان کی ترتیب بھی ایک جیسی ہے، ضَرْبٌ میں ضاد پہلے، را بعد میں اور با آخر میں۔ اسی طرح ضَارِبٌ میں بھی ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ وہاں بھی ضاد پہلے، را بعد میں اور با سب سے آخر میں ہے۔ تو اشتقاقِ صغیر کسے کہتے ہیں؟ کہ دو لفظوں کے اندر معنی میں بھی مناسبت ہو اور لفظوں میں بھی مناسبت ہو، لفظوں میں مناسبت کس طرح ہو کہ دونوں کے حروفِ اصلیہ اور ان کی ترتیب میں اتفاق ہو۔ یہ ہے اشتقاقِ صغیر۔

دوسرا ہے اشتقاقِ کبیر۔ اشتقاقِ کبیر میں دو لفظوں میں مناسبت ہوتی ہے لفظوں کے اعتبار سے بھی اور معنی کے اعتبار سے بھی۔ توجہ ہے؟ دو لفظوں میں مناسبت ہے، کس اعتبار سے؟ معنی کے اعتبار سے بھی اور لفظوں کے اعتبار سے بھی۔ لفظوں کے اعتبار سے یہاں تھوڑا فرق آئے گا، کیسے مناسبت ہے؟ لفظوں کے اعتبار سے مناسبت یوں ہوگی کہ جو حروفِ اصلیہ ایک کے ہیں وہی حروفِ اصلیہ دوسرے کے بھی ہوں، یعنی حروفِ اصلیہ میں تو اتفاق ہو، ان کی ترتیب میں اتفاق نہ ہو۔ تو اشتقاقِ کبیر کسے کہتے ہیں؟ کہ دو لفظوں میں معنی میں بھی مناسبت ہو اور لفظوں میں بھی۔ لفظوں میں کس طرح کی مناسبت ہو؟ اشتقاقِ صغیر میں کیا تھا؟ حروفِ اصلیہ اور ان کی ترتیب میں اتفاق۔ یہاں ہے حروفِ اصلیہ میں اتفاق ہو بس، ان کی ترتیب میں اتفاق نہ ہو۔ جیسے جَبَذَ اور جَذَبَ۔ جَبَذَ کا معنی بھی کھینچنا اور جَذَبَ کا معنی بھی کھینچنا۔ دیکھا، معنی میں مناسبت ہے یا نہیں؟ ایک کا معنی بھی کھینچنا، دوسرے کا معنی بھی کھینچنا۔ اور لفظوں میں بھی مناسبت ہے، کس طرح؟ کہ جَذَبَ کے حروفِ اصلیہ کیا؟ جیم ذال اور با۔ اور جَبَذَ کے اندر بھی دیکھ لیں: جیم با ذال، وہی تین حروف ہیں۔ حروفِ اصلیہ میں اتفاق ہے البتہ ان کی ترتیب میں اتفاق نہیں ہے۔ جَذَبَ میں جیم کے بعد ذال ہے پھر با ہے، جبکہ جَبَذَ میں جیم کے بعد با ہے پھر ذال ہے۔ فرق سمجھ میں آیا؟ ادھر دیکھیے: اشتقاقِ صغیر میں حروفِ اصلیہ کے اندر

اتفاق ہوگا اور اشتقاقِ کبیر میں بھی حروفِ اصلیہ میں اتفاق، لیکن اشتقاقِ صغیر میں حروفِ اصلیہ کی ترتیب میں بھی اتفاق ہوگا، جبکہ اشتقاقِ کبیر میں حروفِ اصلیہ کی ترتیب میں اتفاق نہیں ہوگا۔

تیسرا ہے اشتقاقِ اکبر بھئی، اشتقاقِ اکبر۔ اشتقاقِ اکبر اسے کہتے ہیں کہ دو لفظوں میں معنی کے اندر مناسبت ہو اور بعض حروفِ اصلیہ کے اندر اتفاق، بعض حروفِ اصلیہ میں اتفاق۔ دو لفظوں میں معنی میں مناسبت ہو اور بعض حروفِ اصلیہ میں اتفاق۔ مثلاً فَصْلٌ، فا صاد لام، فَصْلٌ کا معنی جدا کرنا۔ اسی طرح فَصْمٌ، فا صاد میم، اس کا معنی بھی جدا کرنا۔ تو دیکھو معنی کے اندر دونوں میں مناسبت ہے اور لفظوں کے اندر بھی مناسبت ہے، کس طرح؟ کہ بعض حروفِ اصلیہ میں اتفاق ہے۔ فَصْلٌ میں حروفِ اصلیہ کیا؟ فا صاد لام۔ اور فَصْمٌ میں حروفِ اصلیہ کیا؟ فا صاد میم۔ تو دیکھا فا اور صاد جو دو حروفِ اصلیہ ہیں ان میں مناسبت موجود ہے۔ ہاں، ایک میں لام ہے تو دوسرے میں میم، اس میں مناسبت نہیں ہے لیکن فا اور صاد میں مناسبت ہے، یوں کہیں فا اور صاد میں اتفاق ہے۔ دو حروفِ اصلیہ میں اتفاق ہے۔

یہاں تک بات سمجھ میں آگئی؟ اب ذرا جلدی جلدی دہرا لیں بھئی۔ اشتقاقِ صغیر کسے کہتے ہیں؟ کہ دو لفظوں میں معنی کے اندر بھی مناسبت ہو اور لفظوں میں بھی مناسبت ہو۔ لفظوں میں مناسبت کس طرح ہو؟ کہ حروفِ اصلیہ اور ان کی ترتیب میں اتفاق ہو۔ اشتقاقِ کبیر کسے کہتے ہیں؟ کہ دو لفظوں میں معنی میں بھی مناسبت اور لفظوں میں بھی مناسبت، لیکن وہ کس طرح؟ لفظوں میں مناسبت کس طرح؟ کہ ان کے حروفِ اصلیہ میں اتفاق ہو، ان کی ترتیب میں اتفاق نہ ہو۔ اور اشتقاقِ اکبر کسے کہتے ہیں؟ کہ دو لفظوں میں معنی میں بھی مناسبت ہو اور ان کے بعض حروفِ اصلیہ میں بھی اتفاق ہو۔ بات سمجھ میں آگئی؟

اچھا بات یہ چل رہی تھی کہ شارحِ جامی نے فرمایا ہے کہ بعض علماء فرماتے ہیں کہ کلمہ اور کلام مشتق ہیں کس سے؟ کَلْمٌ سے۔ کس سے مشتق ہیں؟ کَلْمٌ سے مشتق ہیں۔ دونوں میں لفظوں میں تو مناسبت ظاہر ہے کہ ایک میں کاف لام میم مادہ ہے تو باقیوں میں بھی کیا ہے؟ کاف لام میم جو ہے وہ مادہ ہے۔ لیکن معنی کے اعتبار سے مناسبت معلوم نہیں ہو رہی تھی تو اس کے بارے میں بھی بتلا دیا کہ یہاں معنی میں دلالتِ التزامی کے اعتبار سے مناسبت ہے، دلالتِ مطابقی کے اعتبار سے مناسبت نہیں ہے۔ اور پھر اس پر اعتراض ذکر میں نے کیا کہ کلمہ اور کلام، اس میں تو کلام مصدر ہے بھئی اور مصدر کا اشتقاق تو کسی سے نہیں ہوتا، مصدر تو مشتق منہ ہوتا ہے، مشتق نہیں ہوتا۔ لیکن آپ کی بات مان لی جائے تو کلام کو مشتق ماننا پڑے گا۔ اعتراض سمجھ میں آرہا ہے؟

تو یاد رکھنا، یہ تفصیل جو میں نے اتنی لمبی تفصیل بیان کی، مقصد اس کا یہ تھا کہ اشتقاق کی پوری تفصیل میں بیان کردوں۔ یہ جگہ جگہ کتابوں میں کہیں اشتقاقِ صغیر آتا ہے، کبھی اشتقاقِ کبیر آتا ہے اور کبھی اکبر۔ اب دیکھیے یہاں پر اشتقاقِ صغیر، کبیر اور اکبر، ان تینوں میں آپ نے دیکھا کہ لفظوں کے حقیقی معنی کے اندر مناسبت تھی۔ کس میں؟ لفظوں کے حقیقی معنی

میں، حقیقی معنی میں کیا تھی؟ مناسبت تھی۔ ضَرْبٌ کا معنی بھی پٹائی کرنا اور ضَارِبٌ کا معنی پٹائی کرنے والا۔ اسی طرح جَبَذَ اور جَذَبَ دونوں کا معنی کیا ہے؟ کھینچنا۔ اسی طرح فَصْلٌ اور فَصْمٌ کا کیا معنی ہے؟ جدا کرنا۔ تو دیکھو معنیٰ حقیقی کے اندر مناسبت موجود ہے اور اشتقاق کے اندر معنیٰ حقیقی کے اندر جو مناسبت ہے وہ معتبر ہے۔ لفظ کو جس معنی کے لیے وضع کیا جائے وہ کیا ہے اس کا معنیٰ حقیقی۔ جَبْذٌ کس کے لیے وضع ہے؟ کھینچنے کے لیے، اور جَذْبٌ بھی کس کے لیے وضع ہے؟ کھینچنے کے لیے۔ فَصْلٌ کس کے لیے وضع ہے؟ جدا کرنے کے لیے، فَصْمٌ بھی کس کے لیے وضع ہے؟ جدا کرنے کے لیے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو معنیٰ حقیقی کے اندر، جو اشتقاق ہوتا ہے اس میں معنیٰ حقیقی کے اندر مناسبت ہوتی ہے، معنیٰ حقیقی کے اندر۔ اور یہاں پر کس چیز میں مناسبت ذکر کی جا رہی ہے؟ دلالتِ التزامی، معنیٰ التزامی کے اعتبار سے جو ہے مناسبت ذکر کی جا رہی ہے۔ یعنی معلوم ہوا کَلْمٌ کی مناسبت کلمہ اور کلام سے حقیقی معنی کے اعتبار سے کوئی مناسبت نہیں ہے۔ کَلْمٌ کا معنی زخمی کرنا اور کلمہ اور کلام کا اور معنی ہے۔ تو حقیقی معنی کے اعتبار سے یہاں مناسبت نہیں، حالانکہ اشتقاق کی تینوں قسموں کے اندر آپ نے دیکھا کہ وہ حقیقی معنی کے اعتبار سے مناسبت ہونی چاہیے، وہی معتبر ہے، وہی معتبر ہے۔

تو چونکہ یہ ایک، یہاں حقیقی معنی کے اعتبار سے کوئی مناسبت نہیں ہے، کمزور قول ہے۔ اسی لیے صاحبِ جامی نے الْكَلِمَةُ قِيلَ، قِيلَ کے ساتھ اس کو ذکر کیا ہے۔ قِيلَ؟ قِيلَ صیغہ تمریض کہلاتا ہے۔ تمریض بھئی مَرَضٌ سے ہے، مَرَضٌ۔ جیسے مریض کیا ہوتا ہے؟ کمزور، اسی طرح یہ قِيلَ کے ذریعے بھی کمزور بات ذکر کی جاتی ہے۔ اس لیے اس کو کیا کہتے ہیں؟ صیغہ تمریض۔ تو اس قول کو صاحبِ جامی نے کس طرح ذکر کیا؟ قِيلَ کے ساتھ ذکر کیا ہے کہ، اور قِيلَ کیا ہے؟ صیغہ تمریض یعنی یہ کمزور قول ہے، یہ کوئی قطعی بات نہیں ہے۔ مطلب یہ ہے کہ بعض علماء نے نفسِ مناسبت بیان کی، یہ اشتقاق نہیں ہے دراصل، یہاں اشتقاق نہیں ہے بلکہ نفسِ مناسبت ذکر کی جا رہی ہے۔ کس کے درمیان؟ کَلْمٌ اور کلمہ اور کلام کے درمیان۔ مناسبت ذکر کی جا رہی ہے اور اسی مناسبت کو اشتقاق کا نام دے دیا گیا، تو یہاں اشتقاق نہیں ہے، یہ نفسِ مناسبت ذکر کی گئی ہے۔

جیسے اس کی اور وضاحت بعض علماء فرماتے ہیں، وہ فرماتے ہیں کہ یوں کہنا چاہیے تھا کہ کاف لام میم، کہ کاف لام میم کا مادہ جہاں آئے گا وہاں شدت اور قوت کا معنی پایا جائے گا۔ توجہ ہے؟ مناسبت ذکر کرنا چاہتے تھے صرف: کاف لام میم کا مادہ جہاں آئے گا وہاں شدت اور قوت والا معنی پایا جائے گا۔ دیکھو کَلْمٌ، کاف لام میم مادہ آگیا، اور اس کا کیا معنی؟ زخمی کرنا، اور زخمی کرنے میں بھی شدت اور قوت ہے یا نہیں؟ بغیر شدت اور قوت کے زخم لگے گا؟ نہیں، زخم تبھی لگے گا جب کوئی ضرب کس کے ساتھ ہو؟ شدت اور قوت کے ساتھ ہو۔ نیز کلمہ اور کلام میں بھی بتلایا کہ ان میں بھی مادہ کیا ہے؟ کاف لام میم، اور کاف لام میم کا مادہ جہاں آئے وہاں کیا ہوگا؟ شدت اور قوت والا معنی ہوگا، اور آپ جانتے ہیں کلام

اور کلمہ کتنی، ان میں کتنی شدت اور قوت ہوتی ہے بھئی۔ کلام کا زخم کبھی بھرتا ہی نہیں ہے بھئی۔ تو کلمہ اور کلام، یہ ان کا مادہ بھی کاف لام میم اور ان کے اندر بھی شدت اور قوت والا معنی ہے۔ سمجھ میں آیا؟ شدت اور قوت، کیونکہ ان کا بہت زیادہ اثر پڑتا ہے، تو ان کے، یعنی ان کے اثر میں بہت قوت ہے بھئی، اور اسی طرح برے الفاظ کہہ دو تو دوسرے کو کتنی تکلیف پہنچتی ہے، معلوم ہوا ان میں کتنی شدت اور قوت ہے بھئی۔ تو یہاں کیا بیان کرنا چاہتے تھے مصنف؟ کہ کَلْمٌ، اسی طرح کلمہ اور کلام، ان سب میں کیا ہے؟ مناسبت موجود ہے: کاف لام میم کا مادہ ہے ان میں اور کاف لام میم کا مادہ جہاں آئے وہاں اس میں شدت اور قوت والا معنی ہوتا ہے۔

جیسے جیم نون نون۔ علماء فرماتے ہیں جہاں جیم نون نون کا مادہ آئے گا وہاں چھپنے کا معنی ہوگا، چھپنے کا معنی۔ جیسے جَنَّةٌ۔ دیکھو جَنَّةٌ، جیم ہے اور نون مشدد ہے یعنی دو نون ہیں، اور جنت بھی ہماری نظروں سے پوشیدہ ہے اس وقت بھئی۔ اسی طرح جِنٌّ ہے بھئی، جِنٌّ میں بھی کیا ہے نون مشدد، جیم نون نون کا مادہ آگیا اور جن بھی ہماری نظروں سے پوشیدہ ہے بھئی۔ اسی طرح جَنِينٌ ہے بھئی جَنِينٌ، اس میں بھی جیم نون نون ہے۔ جَنِينٌ وہ بچہ جو ماں کے پیٹ میں ہوتا ہے، دیکھو وہ بھی ہماری نگاہوں سے پوشیدہ ہے۔ تو جہاں جیم نون نون کا مادہ آئے گا اس میں چھپنے کا معنی ہوگا۔ اسی طرح کاف لام میم کا مادہ جہاں آئے گا وہاں اس میں شدت اور قوت والا معنی ہوگا۔ تو یہ ان دونوں میں مناسبت کو صرف ذکر کر رہے تھے اور اس مناسبت کو کسی نے بڑے پیارے انداز میں ذکر کیا تھا کہ کَلْمٌ کو مشتق منہ بنایا اور کلمہ اور کلام کو کیا بنایا؟ مشتق بنایا۔ تو یہ چونکہ ان میں بڑی پیاری مناسبت انہوں نے ذکر کی تھی اس لیے شارحِ جامی نے اس کو ذکر کر دیا، البتہ قِيلَ کے ساتھ، صیغہ تمریض کے ساتھ اس کو ذکر کیا بھئی۔ تفصیل سمجھ میں آگئی؟

تو بات سمجھ میں آگئی بھئی، میں نے آپ کو بتلایا کہ اشتقاق کی تین قسمیں ہیں: اشتقاقِ صغیر، کبیر اور اکبر۔ اور ان سب کے اندر معنی میں بھی مناسبت ہوتی ہے اور لفظوں میں بھی، اور معنی کون سا؟ معنیٰ حقیقی بھئی۔ اور یہاں پر جو مناسبت ذکر کی گئی ہے وہ معنیٰ حقیقی کے اعتبار سے نہیں ہے بلکہ معنیٰ التزامی یعنی دلالتِ التزامی کے اعتبار سے، یا یوں کہو معنیٰ مجازی کے اعتبار سے۔ کس اعتبار سے؟ ایک حقیقی معنی جس کے لیے لفظ کو وضع کیا جائے، اور ایک مجازی معنی جس کے اندر اس کو، کوئی معنیٰ حقیقی کے علاوہ کسی اور معنی میں استعمال کیا جائے تو اس کو کیا کہتے ہیں؟ معنیٰ مجازی۔ تو یہاں پر جو مناسبت ذکر کی گئی وہ معنیٰ مجازی کے اعتبار سے ذکر کی گئی کہ جیسے زخمی کرنے کے ساتھ تاثیر لازم، اسی طرح کلمہ اور کلام کے ساتھ بھی تاثیر لازم ہے۔ تو یہ تو معنیٰ مجازی کے اعتبار سے مناسبت ذکر کی، حالانکہ اشتقاق کے اندر معنیٰ حقیقی میں مناسبت ضروری ہوتی ہے۔ تو میں نے بتلایا کہ یہاں پر صرف مناسبت بیان کرنا مقصود ہے اور اس مناسبت کو چونکہ بعض علماء نے بڑے پیارے انداز میں ذکر کیا تھا تو شارحِ جامی نے اس کو انہی کے انداز میں یہاں پر اس کو ذکر کر دیا بھئی۔ ورنہ یہ نہ اشتقاقِ صغیر ہے، نہ اشتقاقِ کبیر ہے، نہ اشتقاقِ اکبر ہے بھئی۔ بات اچھی طرح سمجھ میں آگئی؟

حاصلِ کلام یہ کہ شروع میں شارحِ جامی نے آپ کو بتلایا کہ علامہ ابنِ حاجب نے اپنی کتاب کافیہ میں بسم اللہ کے بعد الحمد للہ کو ذکر نہیں کیا کسرِ نفسی سے کام لیتے ہوئے، یعنی عاجزی سے کام لیتے ہوئے۔ کیونکہ ان پر اعتراض ہوتا ہے کہ ہمارے تمام سلفِ صالحین نے بسم اللہ کے بعد الحمد للہ کو ذکر کیا ہے اپنی کتابوں میں، تو اے صاحبِ کافیہ آپ نے بزرگوں کے طریقے کی پیروی کیوں نہیں کی؟ تو اس کا جواب دیا صاحبِ جامی نے کہ صاحبِ کافیہ نے کسرِ نفسی سے کام لیتے ہوئے اپنی کتاب کے آغاز میں الحمد للہ کو ذکر نہیں کیا کہ میری یہ کتاب عام سی، معمولی سی میری کتاب ہے، یہ بزرگوں کی کتابوں کی طرح نہیں کہ میں ان کے طریقے پر اس کو شروع کرتا۔ پھر اس پر اشکال ہوا کہ پھر تو حدیث کی مخالفت لازم آئی کیونکہ حدیث میں آتا ہے: كُلُّ أَمْرٍ ذِي بَالٍ لَمْ يُبْدَأْ فِيهِ بِحَمْدِ اللهِ فَهُوَ أَبْتَرُ، کہ ہر ذو شان کام جس کو الحمد للہ سے شروع نہ کیا جائے وہ ناقص ہوتا ہے، ادھورا ہوتا ہے، بے برکت ہوتا ہے۔ تو

اس کا جواب بھی ملا جامی نے دیا کہ الحمد للہ کو کتاب کا جزنہ بنانے کا مطلب یہ نہیں کہ انہوں نے شروع میں الحمد للہ کو ذکر نہیں کیا ہوگا۔ حدیث کے اندر مطلقاً شروع میں الحمد للہ لانے کا ذکر ہے اور الحمد للہ لانے کی دو صورتیں ہیں: ایک یہ کہ زبان سے ذکر کیا جائے اور ایک صورت یہ کہ کتابت کی جائے، اس کو باقاعدہ لکھا جائے۔ تو صاحبِ کافیہ نے بے شک الحمد للہ کو کتاب کا جز نہیں بنایا لیکن اس کا یہ معنی نہیں کہ وہ شروع میں الحمد للہ لائے ہی نہیں اور یہ کتاب بے برکت ہے، بلکہ انہوں نے زبان کے ذریعے الحمد للہ کو ادا کر دیا ہوگا بھئی۔ تو زبان سے بھی الحمد للہ پڑھ لی جائے تو حدیث پر عمل ہو جاتا ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟

اس کے بعد دوسرا اعتراض یہ ہوا کہ علمِ نحو کا موضوع کلمہ اور کلام ہیں، لہٰذا صاحبِ کافیہ کو کلمہ اور کلام کے احوال سے بحث شروع کرنی چاہیے تھی، لیکن انہوں نے شروع میں کلمہ کی تعریف ذکر کر دی۔ تو اس کا جواب بھی دیا کہ بھئی کسی چیز کو جب جانا جائے گا اس کے بعد ہی اس کے احوال سے بحث کی جائے گی، جب تک طالبِ علم کو کلمہ اور کلام کا پتہ نہیں ہوگا تو وہ ان کے احوال سے کیسے بحث کر سکے گا؟ تو چنانچہ اسی لیے پھر وہ شروع میں کلمہ کی تعریف لے کر آئے اور آگے چل کر پھر انہوں نے کلام کی بھی تعریف ذکر کی۔

پھر اشکال ہوا کہ کلمہ اور کلام میں سے کلام وہ مفید ہے، وہ فائدہ دیتا ہے، اس میں بات پوری سمجھ میں آجاتی ہے، مثلاً میں نے کہا زَيْدٌ عَالِمٌ، زید عالم ہے، دیکھو ایک پوری بات آپ کو پتہ چل گئی۔ تو کلام مفید ہے اور کلمہ غیرِ مفید ہے، اس سے بات کا پورا پتہ نہیں چلتا۔ تو لہٰذا جو مفید ہے یعنی کلام، اس کو مقدم کرنا چاہیے تھا اور جو غیرِ مفید ہے یعنی کلمہ، اس کو مؤخر کرنا چاہیے تھا، پھر مصنف نے کلمہ کی تعریف کیوں مقدم کی کلام کی تعریف پر؟ تو اس کا بھی جواب دیا کہ بھئی یہ جو کلمہ ہے یہ جز ہے کلام کا۔ کلمہ جز ہے کلام کا اور کلمے کا جو مفہوم ہے وہ جز ہے کلام کے مفہوم کا، اور جز مقدم ہوتا ہے کل پر۔ جیسے میں نے مثال دے کر سمجھایا تھا کہ ایک ہے گاڑی اور ایک ہے گاڑی کے تمام اجزاء۔ گاڑی کے تمام اجزاء۔ تو پہلے گاڑی

کے اجزاء بنتے ہیں اس کے بعد ان کو جوڑ کر گاڑی بنائی جاتی ہے، تو جز کیا ہوتا ہے کل پر مقدم ہوتا ہے، اسی لیے صاحبِ کافیہ نے بھی کلمہ کو جو کہ جز تھا کلام کا، اس کو مقدم کیا۔

اس کے بعد متن شروع ہوا تھا کافیہ کا اور پہلا لفظ اَلْکَلِمَۃُ آیا، تو ملا جامی نے کلمہ کی تحقیق شروع کی اور آپ کو بتلایا کہ کلمہ اور کلام یہ دونوں مشتق ہیں کَلْمٌ سے، یہ دونوں کیا ہیں؟ مشتق ہیں کَلْمٌ سے۔ یاد رکھو ایک ہوتا ہے مشتق اور ایک ہوتا ہے مشتق منہ۔ جس سے اشتقاق کیا جائے اس کو کہتے ہیں مشتق منہ۔ دیکھو ترجمے سے ہی بات سمجھ میں آرہی ہے: مُشْتَقٌّ مِنْهُ، اس سے اشتقاق کیا گیا ہے، اور جس کا اشتقاق کیا جائے اس کو مشتق کہتے ہیں۔ جیسے ضَرْبٌ یہ مصدر ہے اور اسی سے ضَرَبَ بنا، یَضْرِبُ بنا، ضَارِبٌ بنا، تو ضَرْبٌ کو کیا کہیں گے؟ مشتق منہ، اور ضَرَبَ، یَضْرِبُ اور ضَارِبٌ کو مشتق کہیں گے۔ تو شارحِ جامی نے آپ کو بتلایا کہ بعض علماء فرماتے ہیں کہ یہ جو کلمہ اور کلام ہیں یہ مشتق ہیں کَلْمٌ سے۔ اس پر اشکال ہوا کہ مشتق اور مشتق منہ کے اندر لفظوں میں بھی مناسبت ضروری اور معنی کے اندر بھی مناسبت ضروری ہے۔ لفظوں کے اندر تو مناسبت ہمیں نظر آرہی ہے کہ کَلْمٌ کے حروفِ اصلیہ کیا؟ کاف لام میم۔ اسی طرح کلمہ اور کلام کے حروفِ اصلیہ بھی کیا ہیں؟ کاف لام میم۔ لیکن معنی کے اندر بھی مشتق اور مشتق منہ کے اندر مناسبت ہوتی ہے جو یہاں دکھائی نہیں دے رہی، جو یہاں معلوم نہیں ہو رہی۔ تو انہوں نے آپ کو بتلایا کہ ان دونوں کے معنی کے اندر بھی مناسبت ہے دلالتِ التزامی کے اعتبار سے۔ کس اعتبار سے؟ دلالتِ التزامی۔ میں نے آپ کو بتلایا کہ دلالت کی تین قسمیں ہیں: دلالتِ مطابقی، دلالتِ تضمنی اور دلالتِ التزامی۔ دلالتِ مطابقی یہ ہے کہ لفظ اپنے پورے معنیٰ موضوع لہ پر دلالت کرے، یہ کیا ہے؟ دلالتِ مطابقی۔ جیسے انسان کا لفظ حیوانِ ناطق کے لیے وضع ہے، تو انسان کی دلالت پورے حیوانِ ناطق پر یہ کیا ہے؟ دلالتِ مطابقی۔ اور اس میں سے اگر لفظِ انسان بولا جائے اور صرف حیوان یا ناطق کا ارادہ کیا جائے: انسان کا مفہوم کیا؟ حیوانِ ناطق، تو انسان کی دلالت صرف حیوان پر یا انسان کی دلالت صرف ناطق پر یعنی جز پر، یہ کیا کہلاتی ہے؟ دلالتِ تضمنی کہلاتی ہے۔ توجہ ہے؟ دلالتِ تضمنی کہلاتی ہے۔ اور لفظ کی دلالت معنیٰ موضوع لہ کے لازم پر یعنی اس کے خارج پر، یہ دلالتِ التزامی کہلاتی ہے، جیسے انسان کے ساتھ قابلیتِ علم لازم ہے یعنی انسان میں اللہ نے علم حاصل کرنے کی صلاحیت رکھی ہے۔ تو انسان کی دلالت پورے حیوانِ ناطق پر یہ کیا ہے؟ دلالتِ مطابقی۔ انسان کی دلالت صرف حیوان پر یا صرف ناطق پر یعنی معنیٰ موضوع لہ کے جز پر یہ کیا ہے؟ دلالتِ تضمنی۔ اور انسان کی دلالت معنیٰ موضوع لہ کے لازم اور اس کے خارج پر جو دلالت ہے وہ دلالتِ التزامی کہلاتی ہے۔

تو یہاں پر مشتق اور مشتق منہ کے درمیان دلالتِ مطابقی اور تضمنی کے اعتبار سے تو مناسبت نہیں، لیکن دلالتِ التزامی کے اعتبار سے مناسبت ہے، اس لیے کیونکہ کَلْمٌ کا کیا معنی؟ زخمی کرنا، اور زخمی کرنے کے ساتھ تاثیر لازم ہے۔ کیا لازم ہے؟ تاثیر یعنی اثر ڈالنا، دیکھو کسی کو زخمی کریں گے تو اس کو تکلیف ہوگی۔ تو دیکھا یہ ہے کَلْمٌ کی تاثیر بھئی، جسم پر کیا

اثر پڑا؟ تکلیف ہوئی، تکلیف ہوئی۔ اور اسی طرح کلمہ اور کلام کی بھی تاثیر ہوتی ہے، وہ دلوں پر اثر ڈالتے ہیں: کسی سے اچھا کلام کریں تو وہ خوش ہوتا ہے اور کسی سے برا کلام کریں، برا بھلا کہیں تو وہ غمزدہ ہوتا ہے، اسے دکھ ہوتا ہے، تکلیف ہوتی ہے۔ تو جیسے کَلْمٌ یعنی زخمی کرنے کے اندر تاثیر ہے، اسی طرح کلمہ اور کلام کے معنی کے ساتھ بھی کیا لازم ہے؟ تاثیر۔ زخمی کرنے کے ساتھ بھی تاثیر لازم اور کلمہ اور کلام کے ساتھ بھی تاثیر لازم ہے۔ اور پھر اس پر شعر بھی ذکر کیا تھا، وہ شعر جس کے بارے میں بعض علماء فرماتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا شعر ہے، جس میں کلام کے بعض تاثیرات کو زخم کے ساتھ تعبیر کیا گیا تھا کہ:

▪ متنِ کتاب و تحقیقِ مسائلِ نحویہ

جِرَاحَاتُ السِّنَانِ لَهَا الْتِيَامُ

وَلَا يَلْتَامُ مَا جَرَحَ اللِّسَانُ

کہ نیزوں کے جو زخم ہیں وہ تو بھر جاتے ہیں، وَلَا يَلْتَامُ مَا جَرَحَ اللِّسَانُ، لیکن زبان کے زخم نہیں بھرتے۔ نیزوں کے زخم بھر جاتے ہیں لیکن زبان کے زخم نہیں بھرتے۔ دیکھا یہاں زبان کے زخم کہا، یعنی معلوم ہوا وہ جو کلمہ اور کلام ہے اس کی تاثیر کو کس کے ساتھ تعبیر کیا؟ زخم کے ساتھ تعبیر کیا، کہ بعض کلام اتنی تکلیف والے ہوتے ہیں جو اسی طرح تکلیف دیتے ہیں جیسے زخم ہوتا ہے، بلکہ زخم سے بڑھ کر ہوتی ہے ان کی تکلیف: زخم تو کسی نہ کسی وقت جسم پر بھر جائے گا، ٹھیک ہو جائے گا، لیکن دل پر جو زخم لگتا ہے وہ کبھی نہیں بھرتا بھئی۔

اس کے بعد پھر میں نے آپ کو بتلایا کہ یہاں جو اشتقاق ذکر ہوا اس سے اشتقاقِ اصطلاحی مراد نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ اشتقاقِ اصطلاحی جو ہے وہ تین قسم پر ہے: ایک کو اشتقاقِ صغیر کہتے ہیں، اور ایک کو کبیر، اور ایک کو اکبر۔ اشتقاقِ صغیر، اشتقاقِ کبیر اور اشتقاقِ اکبر۔ اشتقاقِ صغیر کو اشتقاقِ صرفی بھی کہتے ہیں جو آپ صرف میں پڑھ چکے ہیں۔ اشتقاقِ صغیر یہ ہے کہ دو لفظوں میں معنی کے اندر بھی مناسبت ہو اور لفظوں میں بھی مناسبت ہو، اور لفظوں میں کس طرح مناسبت ہو؟ کہ دونوں کے حروفِ اصلیہ بھی ایک جیسے ہوں اور ان کی ترتیب بھی ایک جیسی ہو، یا یوں کہیں دونوں کے حروفِ اصلیہ اور ان کی ترتیب میں اتفاق ہو۔ جیسے ضَرْبٌ سے ضَرَبَ، يَضْرِبُ اور ضَارِبٌ مشتق ہیں بھئی۔ ضَرْبٌ میں بھی پٹائی کرنے والا معنی اور ضَرَبَ، يَضْرِبُ، ضَارِبٌ کے اندر بھی پٹائی کرنے والا معنی ہے۔ ضَرْبٌ کے اندر حروفِ اصلیہ ضاد را باہیں اور اسی طرح ضَرَبَ، يَضْرِبُ اور ضَارِبٌ میں بھی حروفِ اصلیہ ضاد را باہیں، اور نیز ضَرْبٌ کے اندر حروفِ اصلیہ کی ترتیب بھی وہی ہے جو ضَرَبَ، يَضْرِبُ اور ضَارِبٌ میں ہے کہ پہلے ضاد ہے، پھر را ہے اور پھر با ہے۔ تو یہ ہے اشتقاقِ صغیر کہ دو لفظوں کے

اندر معنی کے اندر بھی مناسبت ہو اور لفظوں کے اندر بھی مناسبت ہو کہ دونوں کے حروفِ اصلیہ اور ان کی ترتیب میں اتفاق ہو۔

جبکہ ایک ہے اشتقاقِ کبیر۔ اشتقاقِ کبیریہ ہے کہ دو لفظوں کے اندر معنی کے اندر بھی مناسبت ہو اور لفظوں میں بھی مناسبت ہو۔ لفظوں میں کس طرح مناسبت ہو؟ کہ حروفِ اصلیہ کے اندر اتفاق ہو، ہاں اس کی ترتیب میں اتفاق نہ ہو۔ جیسے جَذَبَ اور جَبَذَ۔ جَذَبَ کا معنی بھی کھینچنا اور جَبَذَ کا معنی بھی کھینچنا، اور جَذَبَ کے حروفِ اصلیہ کیا؟ جیم ذال اور با، اور جَبَذَ کے حروفِ اصلیہ بھی کیا؟ جیم با اور ذال۔ تو حروفِ اصلیہ میں تو اتفاق ہے البتہ ان کی ترتیب میں اتفاق نہیں ہے: جَذَبَ میں جیم کے بعد ذال ہے جبکہ جَبَذَ میں جیم کے بعد با ہے بھئی، تو یہ کیا ہے؟ اشتقاقِ کبیر۔

اور ایک ہے اشتقاقِ اکبر بھئی۔ اشتقاقِ اکبریہ ہے کہ دو لفظوں میں معنی کے اعتبار سے بھی مناسبت ہو اور لفظوں کے اعتبار سے بھی مناسبت ہو۔ لفظوں کے اعتبار سے مناسبت یہ ہو کہ دونوں کے کچھ حروفِ اصلیہ میں اتفاق ہو، دونوں کے بعض حروفِ اصلیہ میں اتفاق ہو۔ جیسے فَصْلٌ اور فَضْمٌ۔ فَصْلٌ، فا صاد لام، اور فَضْمٌ، فا صاد میم۔ تو فَصْلٌ کا معنی بھی جدا کرنا اور فَضْمٌ کا معنی بھی جدا کرنا، تو دیکھو معنی میں مناسبت ہے، اور بعض حروفِ اصلیہ کے اندر بھی اتفاق ہے: فَصْلٌ میں فا صاد ہے، اسی طرح فَضْمٌ میں بھی فا اور صاد ہے، اگرچہ لام اور میم جو ہے وہ الگ الگ ہیں دونوں میں، تو یہ ہے اشتقاقِ اکبر بھئی۔

تو یہ ان تینوں میں سے ایک بھی نہیں ہے کیونکہ چاہے اشتقاقِ صغیر ہو، چاہے کبیر ہو، چاہے اکبر ہو، وہاں جو مناسبت ہوتی ہے وہ معنیٰ حقیقی کے اعتبار سے ہوتی ہے۔ کس اعتبار سے؟ معنیٰ حقیقی کے اعتبار سے۔ تو یہ اس میں معنیٰ حقیقی کے اندر جو ہے مناسبت، مشتق اور مشتق منہ میں معنیٰ حقیقی کے اندر مناسبت ضروری ہے۔ جبکہ یہاں پر کَلْمٌ اور کلمہ اور کلام ان میں جو مناسبت ہے وہ معنیٰ حقیقی نہیں بلکہ معنیٰ مجازی کے اعتبار سے ہے، کیونکہ کَلْمٌ کا معنی زخمی کرنا، معنیٰ حقیقی تو ہے زخمی کرنا اور اس کے ساتھ لازم کیا ہے؟ اثر ڈالنا۔ اسی طرح کلمہ اور کلام کے ساتھ بھی لازم کیا ہے؟ اثر ڈالنا۔ تو یہ مناسبت کس معنی میں آئی؟ معنیٰ حقیقی میں آئی یا معنیٰ مجازی میں آئی؟ معنیٰ مجازی کے اعتبار سے مناسبت آ رہی ہے یعنی دلالتِ التزامی کے اعتبار سے، معنیٰ حقیقی کے اعتبار سے دونوں کے معنی میں مناسبت نہیں ہے بھئی۔

یعنی یوں کہیں آسان لفظوں میں، یہاں صرف مناسبت بیان کی جا رہی ہے بھئی، اور اس مناسبت کو بعض علماء نے اشتقاق کے لفظ کے ساتھ ذکر فرمایا اور بڑی خوبصورت مناسبت ذکر کی لیکن بہرحال یہ اشتقاقِ اصطلاحی نہیں، چنانچہ بعض علماء نے اس کو پھر اشتقاقِ بعید کا نام دیا کہ اشتقاق تو ہے لیکن بڑا بعید اشتقاق ہے بھئی، اشتقاقِ بعید۔ تو یہاں نفسِ مناسبت ذکر کرنا مقصود تھا اور چونکہ یہ اشتقاقِ اصطلاحی نہیں ہے، اشتقاق تو کہا لیکن اشتقاقِ اصطلاحی نہیں ہے، اسی لیے صاحبِ جامی نے آگے دیکھو متن میں کیا کہا؟ اَلْكَلِمَةُ قِيلَ هِيَ وَالْكَلَامُ مُشْتَقَّانِ، قِيلَ کے ساتھ ذکر کیا، میں نے بتلایا قِيلَ صیغہ

تمریض ہے۔ تمریض مَرَضٌ سے ہے، میم را ضاد، اور تمریض کا معنی کیا ہے؟ کمزور کلام ذکر کرنا، تو یہ صیغہ تمریض ہے جس کے ذریعے کمزور کلام کو ذکر کیا جاتا ہے۔ ترجمہ سمجھ میں آگیا؟ تو یہ شعر زبانی یاد کریں بھئی:

▪ متنِ کتاب و تحقیقِ مسائلِ نحویہ

جِرَاحَاتُ السِّنَانِ لَهَا الْتِيَامُ

وَلَا يَلْتَامُ مَا جَرَحَ اللِّسَانُ

چلیے بس بھئی، هٰذَا هُوَ الْمَرَامُ وَاللهُ أَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْكَلَامِ۔

سبق نمبر ۱۷: تعریفِ کلمہ (۱): «اَلکَلِمَۃ» اور «اَلکَلِمُ» کی لغوی و اصطلاحی تحقیق

شرحِ ملا جامی صفحہ: ۱۳ — بتاریخ: ۵ جولائی ۲۰۲۱ء

▪ تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث

دیکھیے بھائی آگے سبق، وَالْكَلِمُ بِكَسْرِ اللَّامِ جِنْسٌ لَا جَمْعٌ كَتَمْرٍ وَتَمْرَةٍ بِدَلِيلِ قَوْلِهِ تَعَالَى إِلَيْهِ يَصْعَدُ الْكَلِمُ الطَّيِّبُ، وَقِيلَ جَمْعٌ حَيْثُ لَا يَقَعُ إِلَّا عَلَى الثَّلَاثِ فَصَاعِدًا، وَالْكَلِمُ الطَّيِّبُ مُؤَوَّلٌ بِبَعْضِ الْكَلِمِ، وَاللَّامُ فِيهَا لِلْجِنْسِ وَالتَّاءُ لِلْوَحْدَةِ.

گذشتہ سبق میں خطبے کے بعد شرح جامی کا کچھ حصہ ہم نے پڑھا تھا۔ حاصل کلام یہ کہ شروع میں شارح جامی نے آپ کو بتلایا کہ علامہ ابن حاجب نے اپنی کتاب کافیہ میں بسم اللہ کے بعد الحمد للہ کو ذکر نہیں کیا، کسر نفسی سے کام لیتے ہوئے، یعنی عاجزی سے کام لیتے ہوئے۔ کیونکہ ان پر اعتراض ہوتا ہے کہ ہمارے تمام سلف صالحین نے بسم اللہ کے بعد الحمد للہ کو ذکر کیا ہے اپنی کتابوں میں، تو اے صاحب کافیہ آپ نے بزرگوں کے طریقے کی پیروی کیوں نہیں کی؟ تو اس کا جواب دیا صاحب جامی نے کہ صاحب کافیہ نے کسر نفسی سے کام لیتے ہوئے اپنی کتاب کے آغاز میں الحمد للہ کو ذکر نہیں کیا کہ میری یہ کتاب عام سی معمولی سی میری کتاب ہے، یہ بزرگوں کی کتابوں کی طرح نہیں کہ میں ان کے طریقے پر اس کو شروع کرتا۔

پھر اس پر اشکال ہوا کہ پھر تو حدیث کی مخالفت لازم آئی کیونکہ حدیث میں آتا ہے، كُلُّ أَمْرٍ ذِي بَالٍ لَمْ يُبْدَأْ فِيهِ بِحَمْدِ اللَّهِ فَهُوَ أَبْتَرُ، کہ ہر ذو شان کام جس کو الحمد للہ سے شروع نہ کیا جائے وہ ناقص ہوتا ہے، ادھورا ہوتا ہے، بے برکت ہوتا ہے۔ تو اس کا جواب بھی ملا جامی نے دیا کہ الحمد للہ کو کتاب کا جزو نہ بنانے کا مطلب یہ نہیں کہ انہوں نے شروع میں الحمد للہ کو ذکر نہیں کیا ہوگا۔ حدیث کے اندر مطلقاً شروع میں الحمد للہ لانے کا ذکر ہے اور الحمد للہ لانے کی دو صورتیں ہیں۔ ایک یہ کہ زبان سے ذکر کیا جائے اور ایک صورت یہ کہ کتابت کی جائے اس کو باقاعدہ لکھا جائے۔ تو صاحب کافیہ نے بے شک اس الحمد للہ کو کتاب کا جزو نہیں بنایا، لیکن اس کا یہ معنی نہیں کہ وہ شروع میں الحمد للہ لائے ہی نہیں اور یہ کتاب بے برکت ہے۔ بلکہ انہوں نے زبان کے ذریعے الحمد للہ کو ادا کر دیا ہوگا بھائی۔ تو زبان سے بھی الحمد للہ پڑھ لی جائے تو حدیث پر عمل ہو جاتا ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟

اس کے بعد دوسرا اعتراض یہ ہوا کہ علم نحو کا موضوع کلمہ اور کلام ہیں۔ لہذا صاحب کافیہ کو کلمہ اور کلام کے احوال سے بحث شروع کرنی چاہیے تھی، لیکن انہوں نے شروع میں کلمہ کی تعریف ذکر کر دی۔ تو اس کا جواب بھی دیا کہ بھائی کسی چیز کو جب جانا جائے گا اس کے بعد ہی اس کے احوال سے بحث کی جائے گی۔ جب تک طالب علم کو کلمہ اور کلام کا پتہ نہیں ہوگا تو وہ ان کے احوال سے کیسے بحث کر سکے گا؟ تو چنانچہ اسی لیے پھر وہ شروع میں کلمہ کی تعریف لے کر آئے اور آگے چل کر پھر انہوں نے کلام کی بھی تعریف ذکر کی۔

پھر اشکال ہوا کہ کلمہ اور کلام میں سے کلام وہ مفید ہے، وہ فائدہ دیتا ہے، اس میں بات پوری سمجھ میں آجاتی ہے۔ مثلاً میں نے کہا زَیْدٌ عَالِمٌ، زید عالم ہے، دیکھو ایک پوری بات آپ کو پتہ چل گئی۔ تو کلام مفید ہے اور کلمہ غیر مفید ہے، اس سے بات کا پورا پتہ نہیں چلتا۔ تو لہذا جو مفید ہے یعنی کلام، اس کو مقدم کرنا چاہیے تھا اور جو غیر مفید ہے یعنی کلمہ، اس کو مؤخر کرنا چاہیے تھا۔ پھر مصنف نے کلمہ کی تعریف کیوں مقدم کی کلام کی تعریف پر؟ تو اس کا بھی جواب دیا کہ بھئی یہ جو کلمہ ہے یہ جزو ہے کلام کا۔ کلمہ جزو ہے کلام کا، اور کلمے کا جو مفہوم ہے وہ جزو ہے کلام کے مفہوم کا، اور جزو مقدم ہوتا ہے کل پر۔ جیسے میں نے مثال دے کر سمجھایا تھا کہ ایک ہے گاڑی اور ایک ہے گاڑی کے تمام اجزا۔ گاڑی کے تمام اجزا۔ تو پہلے گاڑی کے اجزا بنتے ہیں، اس کے بعد ان کو جوڑ کر گاڑی بنائی جاتی ہے۔ تو جزو کیا ہوتا ہے کل پر مقدم ہوتا ہے۔ اسی لیے صاحب کافیہ نے بھی کلمہ کو، جو کہ جزو تھا کلام کا، اس کو مقدم کیا۔

اس کے بعد متن شروع ہوا تھا کافیہ کا اور پہلا لفظ اَلْکَلِمَۃُ آیا، تو ملا جامی نے کلمہ کی تحقیق شروع کی اور آپ کو بتلایا کہ کلمہ اور کلام یہ دونوں مشتق ہیں کَلْمٌ سے۔ یہ دونوں کیا ہیں؟ مشتق ہیں کَلْمٌ سے۔ یاد رکھو ایک ہوتا ہے مشتق اور ایک ہوتا ہے مُشْتَقٌّ مِنْہُ۔ جس سے اشتقاق کیا جائے اس کو کہتے ہیں مُشْتَقٌّ مِنْہُ۔ دیکھو ترجمے سے ہی بات سمجھ میں آرہی ہے۔ مُشْتَقٌّ مِنْہُ، یعنی مُشْتَقٌّ مِنْہُ، اس سے اشتقاق کیا گیا ہے۔ اور جس کا اشتقاق کیا جائے اس کو مشتق کہتے ہیں۔ جیسے ضَرْبٌ یہ مصدر ہے اور اسی سے ضَرَبَ بنا، یَضْرِبُ بنا، ضَارِبٌ بنا۔ تو ضَرْبٌ کو کیا کہیں گے؟ مُشْتَقٌّ مِنْہُ۔ اور ضَرَبَ، یَضْرِبُ اور ضَارِبٌ کو مشتق کہیں گے۔ تو شارح جامی نے آپ کو بتلایا کہ بعض علماء فرماتے ہیں کہ یہ جو کلمہ اور کلام ہیں یہ مشتق ہیں کَلْمٌ سے۔

اس پر اشکال ہوا کہ مشتق اور مُشْتَقٌّ مِنْہُ کے اندر لفظوں میں بھی مناسبت ضروری ہے اور معنی کے اندر بھی مناسبت ضروری ہے۔ لفظوں کے اندر تو مناسبت ہمیں نظر آرہی ہے کہ کَلْمٌ کے حروف اصلیہ کیا؟ کاف، لام، میم۔ اسی طرح کلمہ اور کلام کے حروف اصلیہ بھی کیا ہیں؟ کاف، لام، میم۔ لیکن معنی کے اندر بھی مشتق اور مُشْتَقٌّ مِنْہُ کے اندر مناسبت ہوتی ہے جو یہاں دکھائی نہیں دے رہی، جو یہاں معلوم نہیں ہو رہی۔ تو انہوں نے آپ کو بتلایا کہ ان دونوں کے معنی کے اندر بھی مناسبت ہے دلالت التزامی کے اعتبار سے۔ کس اعتبار سے؟ دلالت... میں نے آپ کو بتلایا کہ دلالت کی تین قسمیں ہیں: دلالت مطابقی، دلالت تضمنی اور دلالت التزامی۔ دلالت مطابقی یہ ہے کہ لفظ اپنے پورے معنی

موضوع لہ پر دلالت کرے۔ یہ کیا ہے؟ دلالت مطابقی۔ جیسے انسان کا لفظ حیوان ناطق کے لیے وضع ہے، تو انسان کی دلالت پورے حیوان ناطق پر، یہ کیا ہے؟ دلالت مطابقی۔ اور اس میں سے اگر لفظ انسان بولا جائے اور صرف حیوان یا ناطق کا ارادہ کیا جائے۔ انسان کا مفہوم کیا؟ حیوان ناطق۔ تو انسان کی دلالت صرف حیوان پر یا انسان کی دلالت صرف ناطق پر یعنی جزو پر، یہ کیا کہلاتی ہے؟ دلالت تضمنی کہلاتی ہے۔ توجہ ہے؟ دلالت تضمنی کہلاتی ہے۔ اور لفظ کی دلالت معنی موضوع لہ کے لازم پر یعنی اس کے خارج پر، یہ دلالت التزامی کہلاتی ہے۔ جیسے انسان کے ساتھ قابلیت علم لازم ہے۔ یعنی انسان میں اللہ نے علم حاصل کرنے کی صلاحیت رکھی ہے۔

تو انسان کی دلالت پورے حیوان ناطق پر یہ کیا ہے؟ دلالت مطابقی۔ انسان کی دلالت صرف حیوان پر یا صرف ناطق پر یعنی معنی موضوع لہ کے جزو پر یہ کیا ہے؟ دلالت تضمنی۔ اور انسان کی دلالت معنی موضوع لہ کے لازم اور اس کے خارج پر جو دلالت ہے وہ دلالت التزامی کہلاتی ہے۔ تو یہاں پر مشتق اور مُشْتَقٌّ مِنْهُ کے درمیان دلالت مطابقی اور تضمنی کے اعتبار سے تو مناسبت نہیں، لیکن دلالت التزامی کے اعتبار سے مناسبت ہے۔ اس لیے کیونکہ کَلْمٌ کا کیا معنی؟ زخمی کرنا۔ اور زخمی کرنے کے ساتھ تاثیر لازم ہے۔ کیا لازم ہے؟ تاثیر یعنی اثر ڈالنا۔ دیکھو کسی کو زخمی کریں گے تو اس کو تکلیف ہوگی۔ تو دیکھا یہ ہے کَلْمٌ کی تاثیر بھئی، جسم پر کیا اثر پڑا؟ تکلیف ہوئی، تکلیف ہوئی۔ اور اسی طرح کلمہ اور کلام کی بھی تاثیر ہوتی ہے، وہ دلوں پر اثر ڈالتے ہیں۔ کسی سے اچھا کلام کریں تو وہ خوش ہوتا ہے، اور کسی سے برا کلام کریں، برا بھلا کہیں تو وہ غمزدہ ہوتا ہے، اسے دکھ ہوتا ہے، تکلیف ہوتی ہے۔ تو جیسے کَلْمٌ یعنی زخمی کرنے کے اندر تاثیر ہے، اسی طرح کلمہ اور کلام کے معنی کے ساتھ بھی کیا لازم ہے؟ تاثیر۔ زخمی کرنے کے ساتھ بھی تاثیر لازم اور کلمہ اور کلام کے ساتھ بھی تاثیر لازم ہے۔

اور پھر اس پر شعر بھی ذکر کیا تھا، وہ شعر جس کے بارے میں بعض علماء فرماتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہ کا شعر ہے، جس میں کلام کے بعض تاثیرات کو زخم کے ساتھ تعبیر کیا گیا تھا کہ، جِرَاحَاتُ السِّنَانِ لَهَا الْتِيَامُ، کہ نیزوں کے جو زخم ہیں وہ تو بھر جاتے ہیں، وَلَا يَلْتَامُ مَا جَرَحَ اللِّسَانُ، لیکن زبان کے زخم نہیں بھرتے۔ نیزوں کے زخم بھر جاتے ہیں لیکن زبان کے زخم نہیں بھرتے۔ دیکھا یہاں زبان کے زخم کہا۔ یعنی معلوم ہوا وہ جو کلمہ اور کلام ہے اس کی تاثیر کو کس کے ساتھ تعبیر کیا؟ زخم کے ساتھ تعبیر کیا کہ بعض کلام اتنی تکلیف والے ہوتے ہیں جو اسی طرح تکلیف دیتے ہیں جیسے زخم ہوتا ہے۔ بلکہ زخم سے بڑھ کر ہوتی ہے ان کی تکلیف۔ زخم تو کسی نہ کسی وقت جسم پر بھر جائے گا، ٹھیک ہو جائے گا، لیکن دل پر جو زخم لگتا ہے وہ کبھی نہیں بھرتا بھئی۔

اس کے بعد پھر میں نے آپ کو بتلایا کہ یہاں جو اشتقاق ذکر ہوا اس سے اشتقاق اصطلاحی مراد نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ اشتقاق اصطلاحی جو ہے وہ تین قسم پر ہے۔ ایک کو اشتقاق صغیر کہتے ہیں، اور ایک کو کبیر، اور ایک کو اکبر۔ اشتقاق صغیر،

اشتقاق کبیر، اور اشتقاق اکبر۔ اشتقاق صغیر کو اشتقاق صرفی بھی کہتے ہیں جو آپ صرف میں پڑھ چکے ہیں۔ اشتقاق صغیریہ ہے کہ دو لفظوں میں معنی کے اندر بھی مناسبت ہو اور لفظوں میں بھی مناسبت ہو۔ اور لفظوں میں کس طرح مناسبت ہو کہ دونوں کے حروف اصلیہ بھی ایک جیسے ہوں اور ان کی ترتیب بھی ایک جیسی ہو۔ یا یوں کہیں دونوں کے حروف اصلیہ اور ان کی ترتیب میں اتفاق ہو۔ جیسے ضَرْبٌ سے ضَرَبَ، یَضْرِبُ اور ضَارِبٌ مشتق ہیں بھئی۔ ضَرْبٌ میں بھی پٹائی کرنے والا معنی اور ضَرَبَ، یَضْرِبُ، ضَارِبٌ کے اندر بھی پٹائی کرنے والا معنی ہے۔ ضَرْبٌ کے اندر حروف اصلیہ ضاد، را، با ہیں، اور اسی طرح ضَرَبَ، یَضْرِبُ اور ضَارِبٌ میں بھی حروف اصلیہ ضاد، را، با ہیں۔ اور نیز ضَرْبٌ کے اندر حروف اصلیہ کی ترتیب بھی وہی ہے جو ضَرَبَ، یَضْرِبُ اور ضَارِبٌ میں ہے کہ پہلے ضاد ہے پھر را ہے اور پھر با ہے۔ تو یہ ہے اشتقاق صغیر کہ دو لفظوں کے اندر معنی کے اندر بھی مناسبت ہو اور لفظوں کے اندر بھی مناسبت ہو کہ دونوں کے حروف اصلیہ اور ان کی ترتیب میں اتفاق ہو۔

جبکہ ایک ہے اشتقاق کبیر۔ اشتقاق کبیریہ ہے کہ دو لفظوں کے اندر معنی کے اندر بھی مناسبت ہو اور لفظوں میں بھی مناسبت ہو۔ لفظوں میں کس طرح مناسبت ہو کہ حروف اصلیہ کے اندر اتفاق ہو، ہاں اس کی ترتیب میں اتفاق نہ ہو۔ جیسے جَذَبَ اور جَبَذَ۔ جَذَبَ کا معنی بھی کھینچنا اور جَبَذَ کا معنی بھی کھینچنا۔ اور جَذَبَ کے حروف اصلیہ کیا؟ جیم، ذال اور با۔ اور جَبَذَ کے حروف اصلیہ بھی کیا؟ جیم، با اور ذال۔ تو حروف اصلیہ میں تو اتفاق ہے، البتہ ان کی ترتیب میں اتفاق نہیں ہے۔ جَذَبَ میں جیم کے بعد ذال ہے جبکہ جَبَذَ میں جیم کے بعد با ہے بھئی۔ تو یہ کیا ہے؟ اشتقاق کبیر۔

اور ایک ہے اشتقاق اکبر بھئی۔ اشتقاق اکبریہ ہے کہ دو لفظوں میں معنی کے اعتبار سے بھی مناسبت ہو اور لفظوں کے اعتبار سے بھی مناسبت ہو۔ لفظوں کے اعتبار سے مناسبت یہ ہو کہ دونوں کے کچھ حروف اصلیہ میں اتفاق ہو۔ دونوں کے بعض حروف اصلیہ میں اتفاق ہو۔ جیسے فَصْلٌ اور فَصْمٌ۔ فَصْلٌ، فا، صاد، لام، اور فَصْمٌ، فا، صاد، میم۔ تو فَصْلٌ کا معنی بھی جدا کرنا اور فَصْمٌ کا معنی بھی جدا کرنا، تو دیکھو معنی میں مناسبت ہے اور بعض حروف اصلیہ کے اندر بھی اتفاق ہے۔ فَصْلٌ میں فا، صاد ہے، اسی طرح فَصْمٌ میں بھی فا اور صاد ہے، اگرچہ لام اور میم جو ہے وہ الگ الگ ہیں دونوں میں۔ تو یہ ہے اشتقاق اکبر بھئی۔

تو یہ ان تینوں میں سے ایک بھی نہیں ہے، کیونکہ چاہے اشتقاق صغیر ہو، چاہے کبیر ہو، چاہے اکبر ہو، وہاں جو مناسبت ہوتی ہے وہ معنی حقیقی کے اعتبار سے ہوتی ہے۔ کس اعتبار سے؟ معنی حقیقی کے اعتبار سے۔ تو یہ اس میں معنی حقیقی کے اندر جو ہے مناسبت مشتق اور مُشْتَقٌّ مِنْهُ میں معنی حقیقی کے اندر مناسبت ضروری ہے، جبکہ یہاں پر کَلْمٌ اور کلمہ اور کلام ان میں جو مناسبت ہے وہ معنی حقیقی نہیں بلکہ معنی مجازی کے اعتبار سے ہے۔ کیونکہ کَلْمٌ کا معنی زخمی کرنا، معنی حقیقی تو ہے زخمی کرنا، اور اس کے ساتھ لازم کیا ہے؟ اثر ڈالنا۔ اسی طرح کلمہ اور کلام کے ساتھ بھی لازم کیا ہے؟ اثر ڈالنا۔ تو

یہ مناسبت کس معنی میں آئی؟ معنی حقیقی میں آئی یا معنی مجازی میں آئی؟ معنی مجازی کے اعتبار سے مناسبت آ رہی ہے، یعنی دلالت التزامی کے اعتبار سے، معنی حقیقی کے اعتبار سے دونوں کے معنی میں مناسبت نہیں ہے بھئی۔ یعنی یوں کہیں آسان لفظوں میں، یہاں صرف مناسبت بیان کی جا رہی ہے بھئی۔ اور اس مناسبت کو بعض علماء نے اشتقاق کے لفظ کے ساتھ ذکر فرمایا اور بڑی خوبصورت مناسبت ذکر کی، لیکن بہرحال یہ اشتقاق اصطلاحی نہیں۔ چنانچہ بعض علماء نے اس کو پھر اشتقاق بعید کا نام دیا کہ اشتقاق تو ہے لیکن بڑا بعید اشتقاق ہے بھئی، اشتقاق بعید۔

تو یہاں نفس مناسبت ذکر کرنا مقصود تھا اور چونکہ یہ اشتقاق اصطلاحی نہیں ہے، اشتقاق تو کہا لیکن اشتقاق اصطلاحی نہیں ہے، اسی لیے صاحب جامی نے آگے دیکھو متن میں کیا کہا: اَلْکَلِمَۃُ، قِیلَ ھِيَ وَالْکَلَامُ مُشْتَقَّانِ، قِیلَ کے ساتھ ذکر کیا۔ میں نے بتلایا قِیلَ صیغہ تمریض ہے۔ تمریض مرض سے ہے، میم، را، ضاد، اور تمریض کا معنی کیا ہے؟ کمزور کلام ذکر کرنا، تو یہ صیغہ تمریض ہے جس کے ذریعے کمزور کلام کو ذکر کیا جاتا ہے۔

اب آگے دیکھیے بھئی، کہتے ہیں: وَالْکَلِمُ بِکَسْرِ اللَّامِ جِنْسٌ لَا جَمْعٌ کَتَمْرٍ وَتَمْرَۃٍ بِدَلِیلِ قَوْلِهِ تَعَالَی إِلَیْهِ یَصْعَدُ الْکَلِمُ الطَّیِّبُ.

بھئی گزشتہ سبق میں متن کے اندر اَلْکَلِمَۃُ آیا تھا بھئی۔ تو ملا جامی نے کلمہ کی تفصیل اور اس کی تحقیق شروع کی، سب سے پہلے آپ کو بتلایا کہ کلمہ اور کلام یہ مشتق ہیں کَلْمٌ سے۔ اب آگے مزید تفصیل بیان کرنے لگے ہیں اَلْکَلِمَۃُ کی بھئی۔

دیکھو اَلْکَلِمَۃُ میں تین چیزیں ہیں۔ ایک ہے شروع میں الف لام، اور ایک درمیان میں کَلِمٌ ہے، اور ایک آخر میں گول تا ہے، تائے مربوطہ بھئی، تائے مربوطہ۔ تو تین چیزیں ہیں۔ اب ان میں سے ہر ایک کی تفصیل بیان کریں گے۔ تو ہونا تو یہ چاہیے تھا الف لام پہلے ہے، پہلے الف لام کی تفصیل بیان کرتے کہ یہ کون سا الف لام ہے، اس کے بعد کَلِمٌ کی تفصیل بیان کرتے وہ درمیان میں ہے، اور سب سے آخر میں تائے مربوطہ ہے گول تا تو اس کو بیان کرتے۔ لیکن شارح جامی سب سے پہلے کَلِمٌ کو ذکر کریں گے، اس کے بعد پھر وہ الف لام کے بارے میں بتلائیں گے اور سب سے آخر میں تا کے بارے میں بتلائیں گے۔

تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ ملا جامی نے الف لام کے بجائے کَلِمٌ کو پہلے کیوں ذکر کیا؟ تو یاد رکھنا، کَلِمٌ یہ ہے معروض اور الف لام اور تا اس کو عارض ہوئے ہیں۔ یوں آسان سمجھو جیسے ایک ہوتا ہے موصوف اور ایک ہوتی ہے اس کی صفت۔ موصوف ہے تو صفت ہے، موصوف نہیں تو صفت بھی نہیں۔ زید ہے تو زید کی شجاعت بھی ہے، زید نہیں تو زید کی شجاعت بھی نہیں ہے۔ یا ایک کپڑا ہے تو اس کپڑے کا سفید رنگ بھی ہے، اگر وہ کپڑا نہیں تو اس کا وہ سفید رنگ بھی نہیں ہے۔ تو موصوف مقدم ہوتا ہے صفت پر۔ تو یہاں پر بھی کَلِمٌ جو ہے وہ ہے معروض، معروض اور الف لام اور تا ہیں عارض۔ عارض کا معنی پیش آنے والی چیز۔ کَلِمٌ لفظ تھا اسی کے شروع میں کیا آ گیا؟ الف لام۔ اور آخر میں کیا آ

گئی؟ تا۔ تو گویا اصل کیا ہے یہاں پر؟ کَلِمٌ۔ وہ کس کے درجے میں؟ موصوف۔ اور الف لام اور تا گویا کس کے درجے میں؟ صفت۔ تو لہذا کون مقدم ہوتا ہے؟ موصوف۔ تو یہاں پر یہ کَلِمٌ جو ہے وہ ہے معروض، اور الف لام اور تا اس کو عارض ہوئے ہیں، اور معروض مقدم ہوتا ہے عارض پر۔ اس لیے پہلے کَلِمٌ کے بارے میں بتلائیں گے، اس کے بعد الف لام اور تا کے بارے میں بتلائیں گے۔

کَلِمٌ کے بارے میں تفصیل یاد رکھیں بھئی۔ یاد رکھیے ایک ہے اسم جنس اور ایک ہے جمع۔ ایک ہے اسم جنس اور ایک ہے جمع۔ جمع دیکھو میرے سامنے ایک کتاب موجود ہو تو میں آپ سے کیا کہوں گا؟ یہ کتاب ہے۔ ایک کتاب ہو تو میں کیا کہوں گا؟ یہ کتاب ہے۔ لیکن اگر میرے سامنے تین چار کتابیں موجود ہوں تو میں کیا کہوں گا؟ یہ کتاب ہے یا یہ کتابیں ہیں؟ یہ کتابیں ہیں۔ دیکھا میں جمع کا لفظ لے کر آؤں گا۔ تو ایک کے لیے میں لفظ کہوں گا کتاب، اور جمع کے لیے کیا کہوں گا؟ کتابیں کہوں گا۔ تو مفرد کے لیے کتاب اور جمع کے لیے کتابیں۔ تو مفرد جو ہے اس کا اطلاق ہوتا ہے ایک پر۔ اور عربی میں تثنیہ بھی ہے اور جمع بھی ہے۔ اور جمع کا اطلاق کم از کم کتنے پر ہوتا ہے؟ تین یا تین سے زیادہ پر اس کا اطلاق ہوتا ہے۔ تو ایک پر جمع کا اطلاق نہیں ہوتا، یعنی یوں کہیں دو سے کم پر جمع کا اطلاق نہیں ہوتا۔

جبکہ دوسری طرف ایک ہے اسم جنس بھئی۔ یاد رکھیے اسم جنس وہ ہے جس کا اطلاق قلیل اور کثیر سب پر ہوتا ہے۔ ایک ہو تو بھی وہ جنس، دو یا زیادہ ہوں تو بھی جنس۔ مثلاً دیکھو انسان۔ انسان اسم جنس ہے۔ ایک آدمی ہو تو بھی میں کیا کہوں گا؟ یہ انسان ہے۔ سو آدمی کھڑے ہوں تو بھی میں کیا کہوں گا؟ یہ انسان ہیں۔ دیکھا وہاں لفظ بدلتا تھا۔ ایک کتاب ہوتی تھی تو آپ کیا کہتے تھے؟ یہ کتاب ہے۔ زیادہ ہوتی تھیں تو آپ کیا کہتے تھے؟ کتابیں ہیں۔ دیکھا لفظ ہی بدل لیتے تھے۔ لیکن یہاں ایک انسان ہے تب بھی آپ کیا کہہ رہے ہیں؟ یہ انسان ہے۔ اور ایک سے زیادہ ہوں تب بھی آپ کیا کہتے ہیں؟ یہ انسان ہیں۔ تو دیکھا یہ انسان کا لفظ قلیل پر بھی بولا جا رہا ہے اور کثیر پر بھی بولا جا رہا ہے، اس میں کوئی فرق نہیں آ رہا، جبکہ وہاں کتاب اور کتابیں دیکھو فرق آ رہا تھا لفظوں کے اندر۔ تو جمع جو ہے اس کا اطلاق دو سے زیادہ پر ہوتا ہے، جبکہ اسم جنس کا اطلاق قلیل پر بھی ہوتا ہے اور کثیر پر بھی ہوتا ہے، وہاں لفظ میں کوئی تبدیلی نہیں آتی۔ اسم جنس اور جمع کا فرق سمجھ میں آ گیا؟

تو یہاں یاد رکھیے یہ جو کَلِمٌ ہے اس کے بارے میں علماء کے دو گروہ ہیں۔ بعض علماء فرماتے ہیں یہ اسم جنس ہے، اور بعض علماء فرماتے ہیں یہ جمع ہے۔ توجہ ہے؟ بعض علماء کیا فرماتے ہیں؟ کَلِمٌ اسم جنس ہے۔ اور وہ اسم جس کے مفرد اور جنس میں فرق، یا یوں کہیں وہ اسم جس کے مفرد اور جمع میں تا کے ذریعے فرق کیا جائے اس کو اسم جنس کہتے ہیں۔ وہ اسم جس کے مفرد اور جمع میں تا کے ذریعے، گول تا کے ذریعے فرق کیا جائے اس کو اسم جنس کہتے ہیں۔ جیسے تَمْرٌ اور تَمْرَۃٌ۔ تَمْرٌ

اسم جنس ہے، قلیل اور کثیر سب پر بولا جاتا ہے۔ تَمْرٌ کا معنی کھجور۔ ایک ہو تو بھی تَمْرٌ، زیادہ ہوں تو بھی تَمْرٌ۔ لیکن اگر آپ بالخصوص ایک کھجور بتلانا چاہتے ہیں، وحدت بتلانا چاہتے ہیں، تو پھر اس کے ساتھ گول تا جوڑ کر بولتے ہیں: تَمْرَۃٌ، هَذِهِ تَمْرَۃٌ۔ تو واحد کے لیے کیا لے آتے ہیں؟ گول تا۔ اور ویسے اس گول تا کو، جنس کے لیے استعمال کرنا ہو تو گول تا کو ہٹا دیتے ہیں۔ بات سمجھ میں آگئی؟ آسان لفظوں میں یوں کہو وہ اسم جس کے مفرد اور جمع کے اندر فرق کس کے ذریعے کیا جاتا ہے؟ گول تا کے ذریعے، وہ اسم جنس ہے۔ کَلِمٌ اور کَلِمَۃٌ، کَلِمٌ اور کَلِمَۃٌ۔ اسی طرح تَمْرٌ اور تَمْرَۃٌ۔ کیا تعریف ہوئی؟ وہ اسم جس کے جمع اور مفرد میں فرق کس کے ذریعے کیا جائے؟ تا، گول تا کے ذریعے فرق کیا جائے اس کو کیا کہتے ہیں؟ اسم جنس۔ اور یہ لفظ ویسے سمجھانے کے لیے جمع بولتے ہیں، یہ جمع نہیں ہے۔ جمع تو وہ ہے جس کا اطلاق دو سے زیادہ پر ہوتا ہے حالانکہ اسم جنس کا اطلاق تو قلیل اور کثیر سب پر ہوتا ہے۔ کیا لفظ میں نے ذکر کیے؟ وہ اسم جس کے مفرد اور جمع میں فرق کس کے ذریعے کیا جائے؟ گول تا کے ذریعے۔ جمع سے جمع نہیں مراد بلکہ کیا مراد ہے؟ اسم جنس۔ جس کے جنس اور افراد کے لیے فرق کس کے ذریعے کیا جاتا ہے؟ گول تا کے ذریعے، وہ اسم جنس کہلاتا ہے۔

تو بعض علماء کیا فرماتے ہیں یہ کَلِمٌ اسم جنس ہے اور اس کے ساتھ کبھی تا جڑتی ہے اور کبھی تا نہیں جڑتی۔ کبھی کَلِمٌ کہتے ہیں کبھی کَلِمَۃٌ کہتے ہیں۔ اور وہ اسم جس کے مفرد اور جنس میں فرق کس کے ذریعے ہو؟ گول تا کے ذریعے، اس کو کیا کہتے ہیں؟ اسم جنس، جیسے تَمْرٌ اور تَمْرَۃٌ۔ اور دوسری دلیل وہ دیتے ہیں کہ قرآن میں اللہ تعالی فرماتے ہیں، إِلَيْهِ يَصْعَدُ الْكَلِمُ الطَّيِّبُ، اللہ ہی کی طرف بلند ہوتے ہیں پاکیزہ کلمات۔ إِلَيْهِ يَصْعَدُ الْكَلِمُ الطَّيِّبُ، اچھے کلمات اللہ کی طرف چڑھتے ہیں، صعود کا کیا معنی؟ اوپر کو چڑھنا۔ إِلَيْهِ يَصْعَدُ الْكَلِمُ الطَّيِّبُ، اللہ کی طرف اچھے کلمات بلند ہوتے ہیں۔ تو یہ علماء فرماتے ہیں جو کہتے ہیں کہ یہ کَلِمٌ کیا ہے؟ اسم جنس۔ یاد رکھیں جو جمع ہے، جمع کی صفت یا تو جمع ہی لائی جاتی ہے یا واحد مؤنث لائی جاتی ہے۔ جمع بتاویل جماعت ان کس کے حکم میں ہے؟ واحد مؤنث۔ تو جمع کی صفت یا تو جمع لائی جاتی ہے یا واحد مؤنث لائی جاتی ہے۔ اور یہاں پر آیت میں کیا آیا؟ إِلَيْهِ يَصْعَدُ الْكَلِمُ الطَّيِّبُ۔ الْكَلِمُ موصوف اور الطَّيِّبُ اس کی صفت، اور یہ صفت واحد مذکر ہے۔ یہ صفت واحد مذکر ہے۔ اگر یہ کَلِمٌ یہ جمع ہوتا، یہ کَلِمٌ کیا ہوتا؟ جمع، دوسرا گروہ تو کہتا ہے یہ جمع ہے، اگر یہ جمع ہوتا تو اس کی صفت جمع آنی چاہیے تھی، یعنی الْكَلِمُ الطَّيِّبَاتُ، الْكَلِمُ الطَّيِّبَاتُ، یا تو اس کی جمع، اس کی صفت جمع آنی چاہیے تھی، یا واحد مؤنث آنی چاہیے تھی، الْكَلِمُ الطَّيِّبَةُ، إِلَيْهِ يَصْعَدُ الْكَلِمُ الطَّيِّبَةُ، یوں ہونا چاہیے تھا۔ لیکن الْكَلِمُ کی صفت نہ الطَّيِّبَاتُ ہے نہ الطَّيِّبَةُ ہے۔ حالانکہ جمع کی صفت تو جمع لائی جاتی ہے یا واحد مؤنث، اور دونوں میں سے ایک بھی نہیں لائی گئی۔ معلوم ہوا بات وہی ہے جو ہم نے ذکر کی کہ کَلِمٌ جمع نہیں ہے بلکہ اسم جنس ہے۔

دیکھیے بھئی کتاب پر۔ کہتے ہیں: وَالْكَلِمُ بِكَسْرِ اللَّامِ، اور کَلِمٌ کا لفظ جو ہے لام کے کسرہ کے ساتھ، جِنْسٌ یہ اسم جنس ہے،

لَا جَمْعٌ جمع نہیں ہے، كَتَمْرٍ وَتَمْرَةٍ جیسے کہ تَمْرٌ اور تَمْرَةٌ بھیٔ، بِدَلِيلِ قَوْلِهِ تَعَالَى اللہ تعالی کے قول کی اس دلیل کے ساتھ: إِلَيْهِ يَصْعَدُ الْكَلِمُ الطَّيِّبُ، کہ اللہ ہی کی طرف چڑھتے ہیں اچھے کلمات۔ دلیل سمجھ میں آگئی؟ یہ اسم جنس ہے تَمْرٌ اور تَمْرَةٌ کی طرح ہے یہ كَلِمٌ اور كَلِمَةٌ تَمْرٌ اور تَمْرَةٌ کی طرح ہے۔ اور دلیل کیا؟ کہ اللہ کی طرف اچھے کلمات بلند ہوتے ہیں، یہاں كَلِمٌ کی صفت واحد مذکر لائی گئی، معلوم ہوا یہ جمع نہیں ہے، جمع کی صفت تو جمع آتی ہے یا واحد مؤنث آتی ہے۔

علماء کا دوسرا گروہ وہ کہتے ہیں کہ یہ كَلِمٌ جمع ہے، جمع۔ اور وہ دلیل دیتے ہیں کہ كَلِمٌ کا اطلاق جو ہے تین یا زیادہ پر ہوتا ہے اس سے کم پر نہیں۔ جیسے جمع کا اطلاق بھی کم از کم کتنے افراد پر ہوتا ہے؟ تین پر ہوتا ہے یا تین سے زیادہ پر جمع کا اطلاق ہوتا ہے۔ تو اسی طرح كَلِمٌ کا اطلاق بھی تین یا تین سے زیادہ پر ہوتا ہے، معلوم ہوا یہ جمع ہے۔ اگر یہ اسم جنس ہوتا، اسم جنس کا اطلاق تو قلیل اور کثیر سب پر ہوتا ہے، تو تین سے کم پر بھی اس کا اطلاق ہونا چاہیے تھا، اس تین سے کم پر بھی اس کو بولا جانا چاہیے تھا، لیکن تین سے کم پر یہ لفظ نہیں بولا جاتا۔ یہ دلیل ہے کس چیز کی؟ کہ یہ جمع ہے۔ تین سے کم پر یہ نہیں بولا جاتا، معلوم ہوا یہ جمع ہے۔

نیز آپ نے آیت ذکر کی، کہ آیت کے اندر کیا آیا؟ الْكَلِمُ الطَّيِّبُ، اچھے کلمات اللہ کی طرف بلند ہوتے ہیں۔ کہتے ہیں اس میں بھی تاویل کی گئی ہے۔ تمام کلمات اللہ کی طرف بلند نہیں ہوتے، جو بھی اچھے کلمات ہوں اللہ کی طرف بلند ہو جائیں ایسا نہیں ہے، بلکہ یہاں الْكَلِمُ سے مراد بَعْضُ الْكَلِمِ ہے، بعض کلمات جو ہیں۔ تو كَلِمٌ سے کیا مراد ہے؟ بَعْضُ الْكَلِمِ مراد ہے۔ تو بَعْضُ گویا یوں سمجھو یہاں پر مضاف محذوف نکالنا پڑے گا: إِلَيْهِ يَصْعَدُ بَعْضُ الْكَلِمِ۔ بَعْضُ مضاف اور الْكَلِمِ مضاف الیہ، اور الطَّيِّبُ یہ صفت ہے بَعْضُ کی۔ کس کی صفت ہے؟ بَعْضُ کی۔ مضاف اور مضاف الیہ آئیں نا تو صفت کس کی آگے آئی؟ مضاف کی۔ اور بَعْضُ مذکر ہے مؤنث ہے؟ مذکر ہے۔ لہذا اس لیے اس کی صفت الطَّيِّبُ لائی گئی۔ جواب سمجھ میں آیا؟ پہلے علماء نے کیا کہا تھا؟ کہ الْكَلِمُ کیا ہے اسم جنس ہے اس لیے اس کی صفت مذکر لائی گئی، اگر یہ جمع ہوتا تو صفت کیا لائی جاتی؟ جمع یا واحد مؤنث لائی جاتی۔ تو یہ جواب دے رہے ہیں کہ نہیں، یہ الطَّيِّبُ كَلِمٌ کی صفت کس تاویل میں ہے؟ بَعْضُ الْكَلِمِ کی تاویل میں ہے، تو كَلِمٌ سے مراد بَعْضُ الْكَلِمِ ہیں، یا یہاں بَعْضُ کا لفظ کیا ہے مضاف محذوف ہے، تو بَعْضُ الْكَلِمِ یہ ہوا موصوف اور الطَّيِّبُ اس کی کیا ہوئی؟ صفت۔ اور بَعْضُ کا لفظ تو مفرد ہے وہ تو جمع نہیں۔ مفرد ہے مذکر ہے تو اس کی صفت طَيِّبٌ ہی آئے گی، اس کی صفت تو جمع یا واحد مؤنث نہیں آسکتی۔ تو یہ الطَّيِّبُ كَلِمٌ کی صفت نہیں ہے بلکہ کس کی صفت ہے؟ بَعْضُ الْكَلِمِ کی صفت ہے۔ جواب سمجھ میں آیا؟

وَقِيلَ اور کہا گیا ہے جَمْعٌ کہ یہ كَلِمٌ کا لفظ جمع ہے، حَيْثُ لَا يَقَعُ إِلَّا عَلَى الثَّلَاثِ اس حیثیت سے کہ یہ واقع نہیں ہوتا، یعنی یہ بولا نہیں جاتا، إِلَّا عَلَى الثَّلَاثِ مگر کتنے پر؟ تین پر، فَصَاعِدًا یا تین سے زیادہ پر۔ کہ تین یا تین سے زیادہ پر بولا جاتا ہے، معلوم ہوا یہ اسم جنس نہیں ہے بلکہ جمع ہے۔ اسم جنس کا اطلاق تو قلیل اور کثیر سب پر ہوتا ہے، ایک پر بھی بولا جانا چاہیے، لیکن یہ

کم از کم کتنے پر بولا جاتا ہے؟ تین یا تین سے زیادہ پر۔ تو کہتے ہیں وَقِيلَ جَمْعٌ یہ جمع ہے، حَيْثُ لَا يَقَعُ إِلَّا عَلَى الثَّلَاثِ فَصَاعِدًا اس حیثیت سے کہ واقع نہیں ہوتا، یعنی اس کا اطلاق نہیں کیا جاتا یا یوں کہیں اس کو بولا نہیں جاتا، إِلَّا عَلَى الثَّلَاثِ مگر تین پر، فَصَاعِدًا یا تین سے زیادہ پر۔

فَصَاعِدًا، یہ صَاعِدًا یاد رکھو حال واقع ہوتا ہے۔ اس کا ترجمہ کرتے ہیں یا زیادہ پر، یا ترجمہ کرتے ہیں اور زیادہ پر۔ تین پر اور زیادہ پر، جیسے مناسب ہو موقع محل کے اعتبار سے۔ اصل میں یہ صَاعِدًا حال ہے، اور حال کیا ہوتا ہے؟ منصوب ہوتا ہے۔ جَاءَنِي زَيْدٌ رَاكِبًا یہ رَاكِبًا کیا ہے؟ حال، تو دیکھو منصوب ہے، حال منصوب ہوتا ہے۔ حال ہے اور عبارت محذوف ہے یا عامل اس کا محذوف ہے: فَيَزِيدُ صَاعِدًا، فَيَزِيدُ صَاعِدًا، لَا يَقَعُ إِلَّا عَلَى الثَّلَاثِ یہ واقع نہیں ہوتا مگر تین پر، فَيَزِيدُ یا اس سے زیادہ پر، اس سے زیادہ پر صَاعِدًا اوپر چڑھتے ہوئے، بلند ہوتے ہوئے۔ تو پوری عبارت گویا یوں ہو جائے گی، فَيَزِيدُ مَا يَقَعُ هُوَ عَلَيْهِ صَاعِدًا، کہ جس پر یہ واقع ہوتا ہے وہ بڑھ جاتا ہے صَاعِدًا اوپر۔

اوپر چڑھتے ہوئے، زیادہ ہوتے ہوئے، تو یہ حال ہوا مَا يَقَعُ هُوَ عَلَيْهِ سے بھئی۔ تو یہ واقع نہیں ہوتا إِلَّا عَلَى الثَّلَاثِ فَصَاعِدًا تین پر اور زیادہ پر۔

وَالْكَلِمُ الطَّيِّبُ مُؤَوَّلٌ بِبَعْضِ الْكَلِمِ، اور آپ نے آیت دلیل میں ذکر کی تھی، اس کا بھی جواب دے رہے ہیں، کہتے ہیں آیت میں جو آیا وَالْكَلِمُ الطَّيِّبُ، مُؤَوَّلٌ اس میں تاویل کی گئی ہے بِبَعْضِ الْكَلِمِ، کس کے ساتھ؟ بَعْضُ الْكَلِمِ کے ساتھ، کہ الْكَلِمِ سے کیا مراد ہے؟ بَعْضُ الْكَلِمِ، یا یہاں بَعْضُ کا لفظ مضاف محذوف ہے، اور الطَّيِّبُ کس کی صفت ہے؟ بَعْضُ الْكَلِمِ کی صفت ہے، الْكَلِمِ کی صفت نہیں ہے بھئی۔

تو پہلے گروہ والے پھر جواب دیتے ہیں، پہلے گروہ والے، انہوں نے کیا کہا تھا؟ كَلِمٌ اسم جنس ہے۔ یہ کیا کہتے ہیں؟ كَلِمٌ جمع ہے، اور جمع کا اطلاق تو تین یا تین سے زیادہ پر ہوتا ہے، اسی طرح كَلِمٌ کا لفظ بھی عربی زبان میں تین یا زیادہ پر بولا جاتا ہے، معلوم ہوا یہ جمع ہے، اسم جنس نہیں۔ تو وہ پہلے گروہ والے وہ جواب دیتے ہیں کہ یہ تو آپ استعمال کی بات کر رہے ہیں۔ ایک ہے استعمال، ایک ہے وضع۔ ایک لفظ کو ایک معنی کے لیے وضع کیا جائے، وہ وضع اور چیز ہے۔ وضع کا معنی مقرر کرنا، کیا معنی؟ مقرر کرنا۔ مثلاً دیکھو میں یہ آپ کے سامنے تقریر کر رہا ہوں، آپ ہر ہر لفظ کا معنی سمجھتے جا رہے ہیں، کیونکہ آپ جانتے ہیں کہ اردو میں کس لفظ کو کس معنی کے لیے مقرر کیا گیا ہے۔ مثلاً دیکھو میں نے کہا گلاس، فوراً آپ کے ذہن میں ایک پانی پینے والے ایک برتن کی صورت آ گئی۔ میں نے کہا قلم، فوراً آپ کے ذہن میں ایک آلے کا تصور آ گیا جس کے ذریعے لکھا جاتا ہے۔ تو اس کا نام ہے وضع، وضع کا معنی مقرر کرنا، متعین کرنا۔ دیکھو آپ کو پتہ ہے کہ اردو میں گلاس کا لفظ کس کے لیے مقرر ہے؟ پانی پینے کے برتن کے لیے۔ یا اسی طرح آپ کو علم ہے کہ قلم کا لفظ اردو میں کس کے لیے متعین ہے؟ لکھنے کے آلے کے لیے۔ جیسے، دیکھو میں لفظ بولتا جاؤں گا آپ معانی سمجھتے جائیں گے: بارش، پہاڑ، پانی، آگ، گرمی، سردی، بہار، خزاں، صبح، شام۔ سمجھتے جا رہے ہیں یا نہیں؟ ہر ہر لفظ کا معنی آپ سمجھ رہے ہیں کیونکہ

آپ جانتے ہیں اردو میں یہ والا لفظ کس معنی کے لیے مقرر کیا گیا ہے۔ کس معنی کے لیے؟ تو یہ جو لفظ کو ایک معنی کے لیے مقرر کیا جاتا ہے اس کو کہتے ہیں وضع۔ اس کو کیا کہتے ہیں؟ وضع۔ اس کو وضع کہتے ہیں۔

تو دیکھو میں بتلا رہا تھا آپ کو کہ ایک ہے وضع اور ایک ہے استعمال۔ وضع ایک لفظ کو ایک معنی کے لیے وضع کیا جائے، مقرر کیا جائے، اور ایک بعد میں اس کا استعمال ہے۔ وضع اور چیز ہے، استعمال اور چیز ہے۔ بات سمجھ میں آ گئی؟ تو وضع اور چیز ہے، استعمال اور چیز ہے۔ ہم نے جو بات کی تھی کہ کَلِمٌ اسم جنس ہے، جمع نہیں ہے، ہم نے وضع کے اعتبار سے بات کی تھی کہ جیسے تَمْرٌ اور تَمْرَۃٌ میں تَمْرٌ کس کے لیے وضع ہے؟ جنس کے لیے، اسی طرح کَلِمٌ اور کَلِمَۃٌ میں جو کَلِمٌ ہے یہ بھی کس کے لیے وضع ہے؟ جنس کے لیے وضع ہے۔ اور آپ دلیل دے رہے ہیں استعمال کی، کہ اس کو استعمال کس میں کیا جاتا ہے؟ تین یا تین سے زیادہ... بھئی ہم بات کر رہے ہیں وضع، ہم کہتے ہیں وضع کے اعتبار سے جنس ہے، اور آپ دلیل کس کو ذکر کر رہے ہیں؟ استعمال کو، کہ عرب اس کو کس کے لیے استعمال کرتے ہیں؟ تین یا تین سے زیادہ کے لیے استعمال کرتے ہیں۔ تو استعمال کو آپ دلیل نہیں بنا سکتے بھئی۔ اصل اعتبار وضع کا ہے۔ اصل اعتبار کس کا ہے؟ وضع کا ہے، وضع کے اعتبار سے ہم کہہ رہے ہیں یہ اسم جنس ہے، اور آپ بات کر رہے ہیں استعمال کی۔ استعمال اور چیز ہے، جیسے دَابَّۃٌ۔ دَابَّۃٌ کا لفظ وضع تھا ہر زمین پر چلنے والے جاندار کے لیے۔ زمین پر جو بھی چیزیں چلتی ہیں وہ سب کیا ہیں؟ دَابَّۃٌ ہیں۔ چاہے چیونٹی چل رہی ہے، چاہے انسان چل رہا ہے، چاہے ہاتھی چل رہا ہے، چاہے گھوڑا چل رہا ہے، چاہے کوئی حیوان چل رہا ہے، یہ سب کیا ہیں؟ دَابَّۃٌ۔ لیکن بعد میں اس لفظ کو عرب وغیرہ نے خاص کر لیا یہ جو سواری کے جانور ہیں ان کے لیے، گھوڑا، گدھا وغیرہ۔ ان کو دَابَّۃٌ کہنے لگے، کیا کہنے لگے؟ دَابَّۃٌ۔ دیکھو اب وضع اور چیز ہے، وضع تھا سب کے لیے، اور استعمال صرف کس کے لیے ہو رہا ہے؟ سواری یا بوجھ اٹھانے والے جانوروں کے لیے۔ تو وضع اور چیز اور استعمال اور چیز، اور اعتبار کس کا ہوتا ہے؟ وضع کا اعتبار ہوتا ہے، استعمال کا اعتبار نہیں ہوتا۔ تو ہم نے جو دلیل دی کہ کَلِمٌ کیا ہے؟ اسم جنس ہے، ہم نے وضع کے اعتبار سے کہا، اور آپ جو دلیل دے رہے ہیں کہ یہ تین یا تین سے زیادہ پر بولا جاتا ہے، آپ تو استعمال کو دلیل بنا رہے ہیں، اس کو آپ دلیل نہیں بنا سکتے۔ بات سمجھ میں آ گئی؟

دوسرا انہوں نے جواب دیا تھا کہ آیت میں اَلْکَلِمُ الطَّیِّبُ، تو یہ اَلْکَلِمُ الطَّیِّبُ اس میں تاویل کی گئی ہے کس کے ساتھ؟ بَعْضُ الْکَلِمِ کے ساتھ، معلوم ہوا الطَّیِّبُ کَلِمٌ کی صفت نہیں ہے بلکہ کس کی صفت ہے؟ بَعْضُ الْکَلِمِ کی صفت ہے۔ اس کا بھی جواب دیتے ہیں پہلے گروہ والے، پہلے علماء جو ہیں، وہ کہتے ہیں کہ بھئی بَعْضُ کو یہاں مضاف محذوف نکالنے کی ضرورت ہی نہیں ہے، کیونکہ بَعْضُ الْکَلِمِ تو خود کلام سے ہی سمجھ میں آ رہا ہے۔ خود کلام سے ہی... بھئی خود کلام سے ہی سمجھ میں آ رہا ہے کہ کَلِمٌ سے بعض کَلِمٌ مراد ہیں، تمام کَلِمٌ مراد نہیں۔ بھئی بَعْضُ الْکَلِمِ کس طرح سمجھ میں آ رہا ہے کلام سے؟ کہتے ہیں

دیکھیے، اللہ کی طرف چڑھتے ہیں اچھے کلمات۔ مجھے آپ بتائیے تمام اچھے کلمات اللہ کی طرف چڑھتے ہیں یا جو اخلاص سے کہے گئے ہوں وہ چڑھتے ہیں؟ ظاہر سی بات ہے، ایک شخص آدمی ہے دل میں کچھ اور ہے، زبان سے ویسے ہی اچھے اچھے لفظ کہہ رہا ہے، تو یہ اللہ کے ہاں قبول نہیں ہے بھئی۔ معلوم ہوا تمام اچھے کلمات اللہ کی طرف نہیں بلند ہوتے، بلکہ بعض اچھے کلمات، یعنی بعض یوں کہو مقبول کلمات جو اللہ کے ہاں کیا ہوں؟ مقبول ہوں جن کو اللہ قبول فرما لیں۔ تو کَلِمٌ طَیِّبٌ سے تمام کَلِمٌ طَیِّبٌ نہیں مراد، بلکہ بعض کَلِمٌ طَیِّبٌ مراد ہیں۔ لہذا یہ بَعْضٌ کو مضاف محذوف نکالنے کی ضرورت نہیں ہے، بعضیت تو خود اس کلام سے ہی سمجھ میں آرہی ہے کہ اللہ کی طرف وہ بعض اچھے کلمات ہی چڑھتے ہیں اور وہ کون سے ہیں جو اللہ کے ہاں مقبول ہوتے ہیں۔ بات سمجھ میں آگئی؟

اور نیز وہ علماء جو کہتے ہیں کہ کَلِمٌ جمع ہے، وہ پہلے گروہ کی اس دلیل پر پھر اعتراض کرتے ہیں، کون سی دلیل؟ إِلَيْهِ يَصْعَدُ الْكَلِمُ الطَّيِّبُ۔ انہوں نے کیا کہا تھا کَلِمٌ کی صفت کیا آئی؟ طَیِّبٌ آئی، معلوم ہوا یہ جمع نہیں، اگر یہ جمع ہوتی تو اس کی صفت طَیِّبَاتٌ یا طَیِّبَۃٌ آنی چاہیے تھی۔ تو وہ جو دوسرے گروہ والے پھر اعتراض کرتے ہیں کہ عربی کا ضابطہ ہے علماء نے اپنی کتابوں میں ذکر کیا ہے کہ وہ جمع جس کے جمع اور مفرد میں گول تا کے ذریعے فرق کیا جائے، اس کی صفت مذکر لانا بھی صحیح، مؤنث لانا بھی صحیح۔ بات سمجھ میں آگئی؟ وہ اسم جس کے مفرد اور جمع میں کس کے ذریعے فرق کیا جائے؟ گول تا کے ذریعے، جیسے تَمْرٌ اور تَمْرَۃٌ، اور کَلِمٌ اور کَلِمَۃٌ۔ تو جس کے مفرد اور جمع کے اندر گول تا کے ذریعے فرق کیا جائے، اس جمع کی صفت مذکر بھی لا سکتے ہیں اور مؤنث بھی۔ معلوم ہوا کَلِمٌ بھی وہ اسم ہے جس کے مفرد اور جمع میں فرق کس کے ذریعے ہے؟ گول تا کے ذریعے۔ تو اس کَلِمٌ کی صفت مذکر بھی لانا جائز، مؤنث لانا بھی جائز۔ الْكَلِمُ الطَّيِّبُ لانا بھی جائز، الْكَلِمُ الطَّيِّبَةُ لانا بھی جائز۔ لہذا آیت کو دلیل بنانا صحیح نہیں۔ آپ نے تو آیت کو دلیل بنایا کہ آیت میں کیا آیا ہے؟ الْكَلِمُ الطَّيِّبُ، یہ تو جمع نہیں، اگر جمع ہوتا تو صفت کیا آنی چاہیے تھی؟ الطَّيِّبَاتُ یا... نہیں توجہ؟ اگر یہ جمع ہوتا تو صفت کیا آنی چاہیے تھی؟ الطَّيِّبَاتُ اور طَيِّبَةٌ۔ اور صفت تو کیا آئی ہے؟ طَیِّبٌ آئی ہے، یہ دلیل ہے کس چیز کی؟ کہ یہ جمع نہیں۔ تو کہتے ہیں نہیں، اس کو آپ دلیل نہیں بنا سکتے کیونکہ عربی زبان کا ضابطہ علماء نے کیا ذکر کیا ہے اپنی کتابوں میں؟ کہ وہ جمع جس کے مفرد اور جمع میں فرق کس کے ذریعے ہو؟ گول تا، اس کی صفت مذکر لانا بھی جائز، مؤنث لانا بھی جائز۔ تو جب مذکر لانا جائز ہے، تو لہذا مذکر بھی لے آئے، لہذا اس کو آپ دلیل نہیں بنا سکتے۔ کیونکہ انہوں نے کیا کہا ہے؟ وہ جمع کہ اس کے مفرد اور جمع میں فرق کس سے ہو؟ گول تا سے۔ معلوم ہوا یہ کیا ہے؟ جمع ہی ہے۔ جمع ہی ہے۔ اور اس جمع کی صفت مذکر بھی لا سکتے ہیں اور مؤنث بھی لا سکتے ہیں، تو اس لیے قرآن میں اس کی صفت کیا آگئی؟ مذکر آگئی، تو اس سے کوئی حرج نہیں کیونکہ ضابطہ ہے اس کی صفت مؤنث بھی آسکتی ہے، یہ ہے جمع ہی۔

تو وہ پھر پہلے گروہ والے جواب دیتے ہیں کہ اس ضابطے کے اندر جو جمع کا لفظ ذکر ہے اس سے جنس مراد ہے، جمع مراد

نہیں ہے۔ اس سے کیا مراد ہے؟ جنس مراد ہے، جمع مراد نہیں ہے، جمع مراد نہیں ہے۔ اور دلیل یہی ہے کہ جمع حقیقی کے اندر یہ ضابطہ جاری نہیں ہوتا بھئی۔ جمع حقیقی کے اندر، جمع حقیقی کے اندر مذکر مؤنث ان کی صفت لا سکتے ہو؟ نہیں۔ جمع حقیقی کی صفت کیا آئے گی ہمیشہ؟ طَیِّبَاتٌ یا طَیِّبَۃٌ، یعنی جمع یا واحد مؤنث۔ یوں کہو جمع، جمع کی صفت واحد مؤنث یا جمع ہی لائی جا سکتی ہے، اور یہ جو ضابطے کے اندر لفظ جمع آیا اس جمع سے جمع نہیں مراد، بلکہ اس سے کیا مراد ہے؟ اسم جنس ہی مراد ہے۔ یعنی یوں کہو کہ اسم جنس جس کے مفرد اور جنس میں فرق کس کے ذریعے ہوتا ہے؟ تا کے ذریعے، اس کی صفت مذکر بھی لائی جا سکتی ہے اور مؤنث۔ تو یہ اسم جنس کا ضابطہ ہے، اگرچہ عبارت میں علماء نے لفظ جمع کو ذکر کر دیا ہے سمجھانے کے لیے، آسانی کے لیے، لیکن دراصل یہاں جمع مراد نہیں ہے کیونکہ جمع کے اندر یہ ضابطہ جاری نہیں ہوتا، جمع کی صفت مذکر اور مؤنث دونوں لانا جائز نہیں، وہاں جمع ہی صفت لانا پڑتی ہے یا واحد مؤنث لانا پڑتی ہے۔

نیز وہ علماء جو فرماتے ہیں کہ یہ اسم جنس ہے، وہ دلیل دیتے ہیں کہ کَلِمٌ یہ جمع کا وزن نہیں۔ جمع کے مخصوص اوزان ہیں بھئی آپ کتابوں میں پڑھتے ہیں صرف اور نحو کی کتابوں میں، جمع کے مخصوص اوزان ہوتے ہیں۔ جیسے قَلَمٌ کی جمع أَقْلَامٌ، کِتَابٌ کی جمع کُتُبٌ، أَسْوَدُ کی جمع سُودٌ۔ تو جمع کے اپنے اپنے اوزان ہیں بھئی جو علماء نے کتابوں میں درج کیے ہیں، اور کَلِمٌ یہ جمع کے اوزان میں سے نہیں۔ فَعِلٌ وزن جمع کے اوزان میں سے نہیں آتا۔ اس سے بھی پتہ چلا کہ یہ جمع نہیں ہے، یہ اسم جنس ہے کیونکہ یہ جمع کا وزن ہی نہیں ہے۔ دلائل سمجھ میں آ گئے؟

تو کہتے ہیں وَالْکَلِمُ الطَّیِّبُ مُؤَوَّلٌ بِبَعْضِ الْکَلِمِ۔ جی پھر دیکھ لیں ترجمہ۔ کہتے ہیں: وَالْکَلِمُ بِکَسْرِ اللَّامِ جِنْسٌ لَا جَمْعٌ کَتَمْرٍ وَتَمْرَۃٍ، کَلِمٌ جو ہے لام کے کسرہ کے ساتھ یہ اسم جنس ہے، جمع نہیں ہے، کَتَمْرٍ وَتَمْرَۃٍ جیسے کہ تَمْرٌ اور تَمْرَۃٌ، بِدَلِیلِ قَوْلِهِ تَعَالَی اللہ تعالی کے قول جو ہے یہ دلیل ہے کہ إِلَیْهِ یَصْعَدُ الْکَلِمُ الطَّیِّبُ۔ وَقِیلَ جَمْعٌ حَیْثُ لَا یَقَعُ إِلَّا عَلَی الثَّلَاثِ فَصَاعِدًا، اور کہا گیا ہے کہ کَلِمٌ جمع ہے اس حیثیت سے کہ یہ واقع نہیں ہوتا إِلَّا عَلَی الثَّلَاثِ فَصَاعِدًا مگر تین پر یا زیادہ پر۔ وَالْکَلِمُ الطَّیِّبُ مُؤَوَّلٌ بِبَعْضِ الْکَلِمِ، اور نیز جو الْکَلِمُ الطَّیِّبُ آیت کے اندر آیا اس کی تاویل کی گئی ہے بَعْضُ الْکَلِمِ کے ساتھ، کہ کَلِمٌ سے کیا مراد ہیں؟ بَعْضُ الْکَلِمِ، یا یہاں پر بَعْضُ کا لفظ مضاف محذوف ہے۔ دیکھا پہلا قول قوی ہے، دوسرا قول ضعیف ہے صاحب جامی کے نزدیک بھی، اسی لیے اس کو وَقِیلَ، وَقِیلَ جَمْعٌ حَیْثُ لَا یَقَعُ إِلَّا عَلَی الثَّلَاثِ، قِیلَ کے ساتھ ذکر کیا اور قِیلَ صیغہ تمریض ہے، یعنی جس کے ذریعے کمزور قول کو ذکر کیا جاتا ہے۔

وَاللَّامُ فِیهَا لِلْجِنْسِ وَالتَّاءُ لِلْوَحْدَۃِ۔ لام اس کے اندر یعنی الف لام جو آیا الْکَلِمَۃُ کے اندر یہ الف لام جنسی ہے۔ وَالتَّاءُ لِلْوَحْدَۃِ، اور یہ جو تا آئی یہ وحدت کے لیے ہے۔ توجہ ہے؟ یہ تا کس لیے ہے؟ وحدت کے لیے ہے بھئی۔ تو یہاں یہ بتلا رہے ہیں آپ کو کہ الْکَلِمَۃُ میں الف لام جنسی ہے اور تا وحدت کے لیے ہے۔ وحدت کے لیے ہے۔ بھئی آپ خود غور کر لیں، الْکَلِمَۃُ اس میں یہ الف لام کون سا ہے؟ میں نے آپ کو بتایا تھا ایک الف لام اسمی ہے اور ایک الف لام حرفی۔ الف

لام اسمی جو اسم فاعل اور اسم مفعول کے صیغوں پر آئے، اور الْکَلِمَۃُ نہ اسم فاعل کا صیغہ ہے نہ اسم مفعول کا، معلوم ہوا یہ الف لام اسمی نہیں۔ جب الف لام اسمی نہیں تو پھر یہ الف لام حرفی ہوا۔ اور الف لام حرفی کبھی زائدہ ہوتا ہے اور کبھی غیر زائدہ۔ تو یہ تو زائدہ نہیں ہے، یہ کیونکہ الف لام جنسی، یہ بھی آپ کو بتلا رہے ہیں۔ زائدہ وہ ہوتا ہے جو اپنے معنی کا فائدہ نہیں دیتا کلام کے اندر، اور پھر وہ کلمے سے کبھی جدا ہو سکتا ہے کبھی جدا نہیں ہو سکتا، کبھی وہ کسی اور حرف کے عوض میں ہوتا ہے کبھی ویسے ہی ہوتا ہے۔ تو بہرحال تو یہ الف لام حرفی کی جو غیر زائدہ ہیں اور وہ چار قسم پر ہیں: الف لام جنسی، الف لام استغراقی، الف لام عہد خارجی اور الف لام عہد ذہنی۔ میں نے بتایا تھا الف لام حرفی وہ ہے جس کے ذریعے کسی چیز کی طرف اشارہ کیا جائے۔ اگر اشارہ جنس کی طرف ہو تو الف لام جنسی، اگر تمام افراد کو اشارہ ہو تو الف لام استغراقی، اگر بعض متعین کو جو خارج میں متعین ہیں ان کی طرف اشارہ ہو تو الف لام عہد خارجی، اور اگر بعض غیر متعین یعنی جو ذہن میں ہیں ان کی طرف اشارہ ہو تو الف لام عہد ذہنی ہے بھئی، یعنی ذہن میں اس جنس کے کوئی افراد کا تصور کر کے ان کی طرف الف لام کے ذریعے اشارہ کر دیا۔ تو یہاں پر یہ کیا بتا رہے ہیں الف لام...

الف لام جنسی ہے۔ وجہ یہ کہ یہ آگے تعریف کرنے لگے ہیں، توجہ ہے؟ تعریف، اور تعریف جو ہے وہ جنس اور ماہیت کی تعریف کی جاتی ہے، افراد کی تعریف نہیں کی جاتی۔ مثلاً میں انسان کی تعریف کرنے لگا ہوں، تو انسان کے افراد کون ہیں؟ زید، عمرو، بکر، خالد وغیرہ کتنے ہی سینکڑوں ہزاروں اربوں افراد ہیں بھئی۔ تو اب افراد کی تعریف نہیں، افراد کی تعریف نہیں۔ میں زید کی تعریف کروں گا تو زید کی تعریف تو بکر پر صادق نہیں آئے گی، بکر کی تعریف کروں گا وہ تو خالد پر صادق نہیں آئے گی، توجہ ہے؟ تو تعریف افراد کی نہیں کی جاتی ہے کیونکہ ہر فرد دوسرے سے کچھ نہ کچھ مختلف ہوتا ہے ان میں فرق ہوتا ہے۔ تو تعریف افراد کی نہیں کی جاتی بلکہ تعریف کس کی کی جاتی ہے؟ ماہیت کی کی جاتی ہے۔ معلوم ہوا یہ الف لام استغراقی نہیں ہو سکتا۔

دوسرا، الف لام عہد خارجی وہ بھی نہیں ہو سکتا یہاں پر، کیونکہ الف لام عہد خارجی وہ ہے جس میں کسی متعین کی طرف اشارہ کیا جائے۔ تو الْکَلِمَۃُ کا ترجمہ کیا ہوگا اگر الف لام عہد خارجی ہو؟ وہ والا کلمہ۔ الرَّجُلُ کا کیا معنی تھا؟ وہ آدمی۔ تو یہاں پر بھی الْکَلِمَۃُ کا کیا معنی ہوگا؟ وہ والا کلمہ۔ اور پیچھے کہیں کلمہ گزرا ہے کہ جس کی طرف اشارہ ہو سکے؟ پیچھے تو یہ تو کتاب کا پہلا لفظ ہے بسم اللہ کے بعد، تو پیچھے الْکَلِمَۃُ کا ذکر بھی نہیں آیا کہ اس کی طرف الْکَلِمَۃُ کے ذریعے اشارہ ہو جائے۔ مثلاً میں نے مثال ذکر کی تھی الف لام عہد خارجی کی کہ کل میرے پاس ایک آدمی آیا تھا، جَاءَنِي رَجُلٌ نکرہ لے کر آیا، کل میرے پاس کوئی ایک آدمی آیا تھا۔ پھر اب میں آپ کو بتانا چاہتا ہوں میں نے اسی آدمی کا اکرام کیا تو اب میں الف لام لے کر آؤں گا، فَأَكْرَمْتُ الرَّجُلَ، فَأَكْرَمْتُ الرَّجُلَ میں نے اکرام کیا اس آدمی کا۔ آپ سمجھ گئے یا نہیں کون سا آدمی مراد ہے؟ وہی جو

پہلے ذکر ہوا تھا۔ تو یہاں پر بھی اگر الف لام عہد خارجی بنائیں الْکَلِمَۃُ میں تو پیچھے کلمہ کا ذکر ضروری ہے، تو اس کے ذریعے پھر اشارہ ہو جائے گا وہ والا کلمہ جو ابھی پیچھے گزرا تھا۔ لیکن پیچھے تو کوئی کلمہ کا لفظ نہیں گزرا۔ معلوم ہوا یہ الف لام عہد خارجی بھی نہیں۔

اور نیز الف لام عہد ذہنی بھی نہیں ہو سکتا، کیونکہ الف لام عہد ذہنی جو ہے وہ تو نکرہ کے حکم میں ہوتا ہے، وہ معنی کے اعتبار سے نکرہ ہوتا ہے۔ میں نے آپ کو بتلایا تھا کہ یہ جو الف لام عہد ذہنی ہوتا ہے لفظوں کے اعتبار سے تو لفظ کو معرفہ بنا دیتا ہے، لیکن معنی کے اعتبار سے وہ نکرہ ہی رہتا ہے۔ جیسے مثال میں نے ذکر کی تھی قرآن سے، إِنِّي أَخَافُ أَنْ يَأْكُلَهُ الذِّئْبُ، الذِّئْبُ الف لام آیا تو یہ لفظوں کے اعتبار سے تو معرفہ ہے، لیکن معنی کے اعتبار سے نکرہ ہے۔ نکرہ ذِئْبٌ ہو بغیر الف لام کے ترجمہ کیا ہوگا؟ کوئی بھیڑیا۔ اور یہاں پر الذِّئْبُ آیا اس کا بھی وہی ترجمہ کریں گے کوئی بھیڑیا، إِنِّي أَخَافُ أَنْ يَأْكُلَهُ الذِّئْبُ مجھے خوف ہے کہ ان کو کوئی بھیڑیا کھا جائے گا۔ تو اگر یہاں الْکَلِمَۃُ میں الف لام کون سا مراد لے لیں؟ الف لام عہد ذہنی مراد لے لیں، تو اس صورت میں الْکَلِمَۃُ سے مراد ہوگا کوئی ایک کلمہ، یعنی متعین ہی نہیں ہے۔ متعین ہی نہیں، تو غیر متعین یعنی کلمہ جس کی تعریف کی جا رہی ہے وہ مجہول ہو گیا پھر بھئی کون سا کلمہ مراد ہے؟ کون سا کلمہ مراد ہے؟ تو یہ مجہول ہو جائے گا بھئی، غیر متعین ہو جائے گا، اور غیر متعین کی تعریف نہیں کی جاتی بلکہ تعریف تو کس کی کی جائے گی؟ متعین کی کی جائے گی۔ بات سمجھ میں آ گئی؟ تو لہذا یہ الْکَلِمَۃُ میں نہ الف لام استغراقی ہے، نہ عہد خارجی ہے، نہ عہد ذہنی ہے، بلکہ الف لام جنسی ہے۔ الف لام جنسی ہے۔

وَالتَّاءُ لِلْوَحْدَةِ، اور یہ جو تا ہے یہ وحدت کے لیے ہے۔ یہ تا کس لیے ہے؟ وحدت کے لیے ہے۔ یاد رکھو عربی زبان میں یہ جو گول تا ہے یہ جو تائے مربوطہ ہے یہ کئی معانی کے لیے استعمال ہوتی ہے۔ غالباً دو تین سبق قبل بھی میں نے یہ تفصیل بیان کی تھی۔ یاد رکھو یہ جو تائے مربوطہ ہے یہ کبھی کبھار تانیث کے لیے عربی میں لاتے ہیں۔ ضَارِبٌ کا معنی پٹائی کرنے والا مرد اور ضَارِبَةٌ کا معنی پٹائی کرنے والی عورت۔ تو یہ ضَارِبَةٌ کے اندر جو تا آئی یہ کس لیے ہے؟ تانیث کے لیے ہے۔ اور کبھی یہ تا وحدت کے لیے لائی جاتی ہے، ایک بتلانے کے لیے کہ ایک فرد ہے۔ جیسے تَمْرٌ اور تَمْرَةٌ۔ تَمْرَةٌ کے اندر یہ تا کس لیے ہے؟ وحدت کے لیے ہے، مراد کیا ہے؟ ایک کھجور، ایک کھجور۔ تو یہ وحدت کے لیے ہے۔

اور کبھی کبھار یہ جو تا ہے یہ تذکیر کے لیے لائی جاتی ہے، یعنی مذکر کے لیے۔ کس کے لیے؟ مذکر کے لیے۔ آج تک تو آپ نے یہی پڑھا تھا کہ یہ تائے مربوطہ جو ہے تانیث کے لیے آتی ہے، لیکن آج آپ کو دیکھو ایک اور فائدہ بھی حاصل ہو گیا کہ یہ تا کبھی تذکیر کے لیے بھی آتی ہے۔ جیسے آپ نے پڑھا ہے کہ ثَلَاثَةٌ سے لے کر عَشَرَةٌ تک یہ جو عدد ہیں، ان کا معدود اگر مذکر ہو تو عدد کے ساتھ گول تا لے کر آئیں گے۔ میں رَجُلٌ کے بارے میں بتلانا چاہتا ہوں، رَجُلٌ مذکر ہے، تو اب میں تین

آدمی کہنا چاہتا ہوں تو تا لے کر آؤں گا: ثَلَاثَۃُ رِجَالٍ۔ دیکھا یہ تا کس لیے لاتے ہیں؟ مذکر کے لیے۔ أَرْبَعَۃُ رِجَالٍ، خَمْسَۃُ رِجَالٍ۔ اور اگر معدود مؤنث ہے پھر یہ گول تا نہیں لائیں گے: ثَلَاثُ نِسْوَۃٍ، تین عورتیں۔ أَرْبَعُ نِسْوَۃٍ، خَمْسُ نِسْوَۃٍ۔ دیکھو مؤنث کے لیے گول تا نہیں لا رہے، معلوم ہوا یہ تا کس لیے تھی؟ تذکیر کے لیے تھی، مذکر کے لیے تھی، تو مذکر کے لیے آئے گی مؤنث کے لیے نہیں آئے گی۔

تو عربی میں یہ تائے مربوطہ کئی معانی کے لیے آتی ہے۔ کبھی یہ تانیث کے لیے آئے گی، کبھی وحدت کے لیے آئے گی، کبھی تذکیر کے لیے آئے گی، اسی طرح کبھی عوض کے لیے آئے گی، جیسے عِدَۃٌ، وَعَدَ یَعِدُ عِدَۃً۔ عِدَۃٌ اصل میں کیا تھا؟ وِعْدٌ تھا، اور شروع میں سے واو کو حذف کیا اور اس کے عوض آخر میں کیا لے آئے؟ گول تا، تو یہ تا عوض میں آئی ہے، تا عوض میں آئی ہے۔ کبھی یہ تا مصدریت کے لیے آتی ہے، مصدر بنانے کے لیے۔ جیسے ضَارِبٌ کا معنی پٹائی کرنے والا اور اس سے میں مصدر بنانا چاہتا ہوں تو یائے مشدد اور گول تا ساتھ جوڑ دوں گا: ضَارِبِیَّۃٌ۔ ضَارِبِیَّۃٌ کا معنی ہے ضَارِبٌ ہونا۔ مَضْرُوبٌ جس کی پٹائی کی جائے، اور مَضْرُوبِیَّۃٌ مَضْرُوبٌ ہونا۔ بات سمجھ میں آگئی؟ فَاعِلٌ کام کرنے والا اور فَاعِلِیَّۃٌ فَاعِلٌ ہونا، توجہ ہے؟ اور اسی طرح شَارِبٌ اس سے مصدر بناؤ شَارِبِیَّۃٌ یعنی شَارِبٌ ہونا۔ مَشْرُوبِیَّۃٌ کیا معنی؟ مَشْرُوبٌ ہونا۔ یہ ہونا کس لیے آتا ہے؟ مصدر کے لیے بھئی۔ تو کبھی یہ تائے مربوطہ کس لیے لائی جاتی ہے؟ مصدر بنانے کے لیے۔

اور اسی طرح کبھی یہ تائے مربوطہ لاتے ہیں للنقل، نقل کرنے کے لیے، یعنی مِنَ الْوَصْفِیَّۃِ إِلَی الِاسْمِیَّۃِ۔ کبھی یہ تا کس لیے لاتے ہیں؟ للنقل، نقل کرنے کے لیے۔ کیا معنی نقل کرنا؟ یعنی نقل کرنا کسی اسم کو وصفیت سے اسمیت کی طرف، وصف سے نقل کر کے اس کو اسم بنا لینا۔ جیسے کَافِیَۃٌ۔ کَافٍ کا معنی ہے کافی ہونا، جو بھی چیز آپ کو کافی ہو اس کو کیا کہیں گے؟ کَافٍ۔ یہ میرے لیے کافی ہے۔ لیکن پھر اسی کے ساتھ گول تا جوڑ کر اس کو اسم بنا لیا گیا کتاب کے لیے، تو کیا بن گیا؟ کَافِیَۃٌ۔ تو یہ دیکھو یہ تا کس لیے ہے؟ نقل کرنے کے لیے۔ اب یہ اسم بن گیا، اب یہ صفت نہیں، صفت نہیں۔ اور کبھی یہ تا مبالغے کے لیے آتی ہے، کس لیے آتی ہے؟ مبالغے کے لیے آتی ہے، جیسے عَلَّامَۃٌ۔ عَلَّامٌ مبالغے کا صیغہ ہے اور اس کے ساتھ یہ جو تا ہے یہ بھی کس لیے ہے؟ مبالغے کے لیے ہے، یا تاکید مبالغہ کے لیے ہے بھئی۔ تو یہ تا ان معانی کے لیے آتی ہے۔ کون کون سے معانی کے لیے؟ پھر دہرا لیں، کبھی یہ تا آئے گی تانیث کے لیے، کبھی وحدت کے لیے، کبھی یہ تذکیر کے لیے، کبھی یہ مصدریت کے لیے، کبھی یہ عوض کے لیے، کبھی یہ نقل کے لیے، اور کبھی مبالغے کے لیے آئے گی۔ تو یہ سات اقسام تا ہیں۔ تو یہاں آپ کو بتلا رہے ہیں: وَالتَّاءُ لِلْوَحْدَۃِ، کہ یہ تا کس لیے ہے؟ وحدت کے لیے ہے جو ایک ہونے پر دلالت کرتی ہے۔

تو کہتے ہیں: وَاللَّامُ فِيهَا لِلْجِنْسِ وَالتَّاءُ لِلْوَحْدَةِ، لام جو ہے یعنی الف لام الْكَلِمَةُ کے اندر لِلْجِنْسِ یہ جنس کے لیے ہے، وَالتَّاءُ لِلْوَحْدَةِ اور یہ تا کس لیے ہے؟ وحدت کے لیے ہے۔

وَلَا مُنَافَاةَ بَيْنَهُمَا، جی یہاں سے ایک اعتراض کا جواب دے رہے ہیں۔ اس مقام کو اچھی طرح سمجھ لیں بھئی، اس مقام کو۔ یاد رکھو ایک ہے وحدت اور ایک ہے کثرت۔ وحدت کا معنی ایک ہونا، اور کثرت کا معنی زیادہ ہونا۔ یعنی یوں کہو وحدت کا معنی واحد ہونا، اور کثرت کا معنی کثیر ہونا۔ تو وحدت کا کیا معنی ہے؟ ایک ہونا، اور کثرت کا معنی کثیر ہونا۔ یاد رکھو یہ جو جنس ہے، جنس کے افراد کثیر ہوتے ہیں۔ جنس کے افراد کثیر ہوتے ہیں۔ تو یہاں پر الف لام جنسی آیا الْكَلِمَةُ میں، اور جنس کے افراد کثیر ہوتے ہیں، الْكَلِمَةُ کے افراد بھی کثیر ہیں: اسم بھی ہے، فعل بھی ہے، اور حرف بھی ہے۔ نیز اسم بھی ہزارہا ہیں، پھر فعل بھی ہزارہا ہیں، اور حرف بھی بہت سارے ہیں۔ تو دیکھا اسم، فعل اور حرف یہ کس کے افراد ہیں؟ کلمہ کے، کیونکہ کلمہ کیا ہے؟ جنس ہے، اور جنس میں کثرت ہوتی ہے اس کے افراد کثیر ہوتے ہیں۔ اور اس کے ساتھ آخر میں تا جڑ گئی، اور تا تو وحدت کے لیے ہے، تا تو وحدت کے لیے ہے۔ تو یہ الف لام اور تا میں منافات آ گئی۔ الْكَلِمَةُ، الْكَلِمَةُ میں الف لام جنسی ہے اس سے کیا پتہ چلا کہ اس کلمہ کے افراد کثیر ہیں، اور الْكَلِمَةُ کے آخر میں تا وحدت کی ہے اور وحدت کیا بتلا رہی ہے کہ فرد ایک ہے۔ الْكَلِمَةُ کا آغاز کثرت پر دلالت کر رہا ہے اور الْكَلِمَةُ کا اختتام وحدت پر دلالت کر رہا ہے، اور وحدت اور کثرت تو ایک دوسرے کے مقابل ہیں۔ بات سمجھ میں آ گئی؟ تو ایک ہی چیز واحد بھی ہو اور کثیر بھی ہو یہ تو نہیں ہو سکتا، دونوں میں تو منافات ہے، کہ اگر کثرت ہے تو وحدت نہیں اور اگر وحدت ہے تو کثرت نہیں، تو دونوں میں منافات ہے۔ تو اب اس کا جواب دینے لگے ہیں صاحب جامی۔

یاد رکھنا وحدت دو قسم پر ہے: ایک وحدت حقیقی اور ایک وحدت مجازی۔ ایک وحدت حقیقی اور ایک وحدت مجازی۔ وحدت حقیقی وہ ہے جس میں ایک ہی فرد ہوتا ہے، جس میں کثرت کسی بھی اعتبار سے نہیں ہوتی، اس کو کیا کہتے ہیں؟ وحدت حقیقی۔ جیسے وحدت فردی یا وحدت شخصی۔ وحدت فردی کا کیا معنی؟ ایک فرد ہو۔ وحدت فردی کا کیا معنی؟ ایک فرد ہو، جیسے رَجُلٌ رِجَالٌ کا ایک فرد ہے، رَجُلٌ کیا ہے؟ ایک فرد ہے۔ یا جیسے كِتَابٌ كُتُبٌ کا ایک فرد ہے۔ تو اس کو وحدت فردی کہتے ہیں، یا اسی طرح وحدت شخصی کہتے ہیں جو ایک ہی شخص ہو، ایک ہی فرد ہو، یا جیسے مثلاً زید ہے یہ انسان کا ایک فرد ہے، بکر جو ہے وہ انسان کا ایک فرد ہے، تو اس کو وحدت فردی اور وحدت شخصی کہتے ہیں۔ بات سمجھ میں آ گئی؟ پھر سن لیں: وحدت دو قسم پر: ایک وحدت حقیقی اور ایک وحدت مجازی۔ وحدت حقیقی وہ ہے جس میں کثرت نہ ہو، صرف ایک ہی ہو، جیسے وحدت فردی اور وحدت شخصی۔ وحدت فردی کا کیا معنی؟ ایک فرد۔ وحدت شخصی کا کیا معنی؟ ایک شخص۔ تو اس میں کثرت نہیں ہے۔

اور ایک ہے وحدت مجازی۔ وحدت مجازی اس میں افراد تو کثیر ہوتے ہیں، لیکن سب میں وحدت ہوتی ہے بایں لحاظ

کہ ان سب کی جنس ایک ہی ہے۔ توجہ سے، وحدت مجازی وہ ہے جس کے افراد کیا ہوتے ہیں؟ کثیر ہوتے ہیں، لیکن ان سب میں وحدت ہوتی ہے، وہ سب ایک ہوتے ہیں بایں اعتبار کہ ان کی جنس ایک ہے۔ جیسے انسان، گائے، بیل، بکری دیکھو کثیر ہیں افراد، لیکن ان سب میں وحدت ہے بایں لحاظ کہ ان سب کی جنس ایک ہی ہے، سب حیوان ہیں، سب کی جنس کیا ہے؟ حیوان ہے۔ تو افراد تو کثیر ہیں لیکن ان میں وحدت ہے بایں لحاظ کہ جنس ایک ہی ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو وحدت حقیقی وہ جس میں فرد ہی ایک ہوتا ہے، اور وحدت مجازی جس میں افراد تو کثیر ہوتے ہیں لیکن ان افراد میں وحدت ہوتی ہے بایں لحاظ کہ ان کی جنس ایک ہوتی ہے۔ تو اس کو کہتے ہیں وحدت جنسی، اس کو کیا کہتے ہیں؟ وحدت جنسی کہتے ہیں۔

اسی طرح وحدت نوعی ہے۔ وحدت نوعی بھی وہ ہے جس میں افراد تو کثیر ہوتے ہیں، لیکن ان میں وحدت ہوتی ہے بایں اعتبار کہ ان کی نوع ایک ہی ہے۔ جیسے زید، عمرو، بکر، خالد وغیرہ افراد تو کثیر ہیں، لیکن ان میں وحدت ہے بایں لحاظ کہ ان کی نوع ایک ہی ہے، سب انسان ہیں، سب حیوان ناطق ہیں۔ سب کیا ہیں؟ تو لہذا ایک وحدت جنسی ہے اس میں بھی افراد کثیر لیکن وہاں وحدت ہے بایں لحاظ کہ جنس ایک ہے۔ ایک وحدت نوعی ہے جہاں افراد کثیر ہیں لیکن ان میں وحدت ہے بایں لحاظ کہ نوع ایک ہے۔ اسی طرح وحدت صنفی بھی ہے، صِنْفٌ صاد، نون، فا، صنف کا معنی والی قسم، جیسے پاکستانی۔ پاکستانی دیکھو لاکھوں کروڑوں لوگ ہیں جو کیا ہیں؟ پاکستانی ہیں۔ تو افراد تو کثیر ہیں، لیکن وحدت ہے بایں لحاظ کہ ان کی صنف ایک ہی ہے، ان کی قسم ایک ہی ہے، سب پاکستانی ہیں۔ تو حاصل کلام کیا ہوا؟ وحدت کتنی قسم پر؟ دو قسم پر: ایک وحدت حقیقی...

اور ایک وحدت مجازی۔ وحدت حقیقی وہ ہے جہاں فرد بھی ایک ہی ہوتا ہے، اور وحدت مجازی اس میں افراد تو کثیر ہوتے ہیں لیکن وہاں وحدت ہوتی ہے بایں لحاظ کہ جنس ایک ہے یا نوع ایک ہے یا صنف ایک ہے۔ حاصل کلام یہ: حاصل کلام یہ کہ وحدت کی چار صورتیں بن گئیں۔ ایک وحدت فردی، ایک وحدت جنسی، ایک وحدت نوعی، اور ایک وحدت صنفی۔ اور الف لام جنسی کی منافات کس کے ساتھ ہے؟ صرف وحدت فردی کے ساتھ منافات ہے۔ الف لام جنسی کی وحدت جنسی یا وحدت نوعی یا وحدت صنفی کے ساتھ منافات نہیں۔ کیونکہ الف لام جنسی سے بھی کثرت کا پتہ چلا اور وحدت نوعی، صنفی یا جنسی سے بھی اس میں بھی افراد کثیر ہوتے ہیں، تو اس میں کوئی منافات نہیں۔ تو اس تا سے اگر وحدت فردی مراد لیتے پھر منافات لازم آتی ہے، باقی صورتوں میں منافات لازم نہیں آتی۔ بات سمجھ میں آگئی؟

تو کہتے ہیں وَلَا مُنَافَاةَ بَيْنَهُمَا، اور ان دونوں میں کوئی منافات نہیں، جنس اور وحدت میں کوئی منافات نہیں۔ جنس اور وحدت فردی میں تو منافات ہے، لیکن جنس اور وحدت جنسی اور وحدت نوعی اور وحدت صنفی میں کوئی منافات نہیں ہے۔ کہتے ہیں وَلَا مُنَافَاةَ بَيْنَهُمَا، اور جنس اور وحدت میں کوئی منافات نہیں ہے، لِجَوَازِ اتِّصَافِ الْجِنْسِ بِالْوَحْدَةِ

وَالْوَاحِدِ بِالْجِنْسِيَّةِ، اس لیے کیونکہ جائز ہے یعنی ممکن ہے اتِّصَافِ الْجِنْسِ جنس کا متصف ہونا بِالْوَحْدَةِ وحدت کے ساتھ۔ جنس وحدت کے ساتھ متصف ہو سکتی ہے۔ وَالْوَاحِدِ بِالْجِنْسِيَّةِ، اور واحد جنسیت کے ساتھ متصف ہو سکتا ہے۔ جنس وحدت سے متصف ہو سکتی ہے اور واحد جنسیت کے ساتھ متصف ہو سکتا ہے۔ جیسے ابھی میں نے بتایا، زید، عمرو، بکر... یا یوں کہیں گائے، بیل، بکری، انسان یہ افراد تو کثیر ہیں، لیکن یہ سب متصف ہیں وحدت کے ساتھ کہ ان سب کی جنس کیا ہے؟ ایک ہی ہے۔ تو یہ جنس ہے، جنس کے افراد ہیں لیکن یہ وحدت کے ساتھ متصف ہو رہے ہیں کہ ان کی جنس ایک ہی ہے۔

لِجَوَازِ اتِّصَافِ الْجِنْسِ بِالْوَحْدَةِ وَالْوَاحِدِ بِالْجِنْسِيَّةِ، اس لیے کیونکہ جائز ہے کہ جنس متصف ہو جائے وحدت کے ساتھ اور واحد متصف ہو جائے جنسیت کے ساتھ۔ يُقَالُ کہا جاتا ہے: هَذَا الْجِنْسُ وَاحِدٌ، یہ جنس ایک ہے، وَذَلِكَ الْوَاحِدُ جِنْسٌ، اور وہ ایک جنس ہے۔ توجہ ہے؟ هَذَا الْجِنْسُ وَاحِدٌ۔ توجہ سے ترکیب سنو: هَذَا یہ ہے مبتدا مرفوع محلاً موصوف۔ میں نے آپ کو بتایا تھا معرفہ کے بعد معرفہ آئے تو وہ عموماً کیا بنتے ہیں؟ موصوف صفت۔ تو هَذَا ہوا موصوف، یہ معرفہ ہے، اور الْجِنْسُ یہ بھی کیا ہے؟ معرفہ، تو یہ اس کی صفت۔ تو هَذَا مرفوع محلاً موصوف۔ مرفوع کیوں؟ مبتدا ہے، اور محلاً کیوں؟ کیونکہ مبنی ہے، اسم اشارہ ہے، اور موصوف۔ الْجِنْسُ مرفوع لفظاً صفت۔ مرفوع کیوں؟ کیونکہ یہ صفت ہے اور موصوف صفت کا اعراب ایک ہوتا ہے، هَذَا مرفوع تھا تو یہ صفت بھی مرفوع۔ تو مرفوع لفظاً صفت۔ موصوف صفت مل کر مبتدا اور وَاحِدٌ اس کی خبر۔ ترجمہ کیا ہوگا؟ یہ جنس، هَذَا الْجِنْسُ کا کیا ترجمہ؟ یہ جنس، وَاحِدٌ ایک ہے۔ تو دیکھا یہ جنس، اس جنس پر حکم لگا دیا کس چیز کا؟ واحد ہونے کا۔ گویا جنس متصف ہو گئی واحد ہونے کے ساتھ یعنی وحدت کے ساتھ۔ یہ جنس ایک ہے۔ معلوم ہوا آپ نے جنس کو کس وصف کے ساتھ متصف کر دیا؟ وحدت کے ساتھ۔

اور اگلے جملے میں آئیے: وَذَلِكَ الْوَاحِدُ جِنْسٌ۔ ذَلِكَ مرفوع محلاً موصوف۔ یہ اسی طرح هَذَا کی طرح ہے، هَذَا اسم اشارہ ہے قریب کے لیے اور ذَلِكَ ہے بعید کے لیے۔ ذَلِكَ مرفوع محلاً موصوف۔ مرفوع کیوں؟ مبتدا ہے۔ محلاً کیوں؟ مبنی ہے، اسم اشارہ ہے۔ موصوف آپ کو کیسے پتہ چلا موصوف ہے؟ کیونکہ اس کے بعد ایک اور معرفہ آرہا ہے۔ اور آگے الْوَاحِدُ مرفوع لفظاً صفت۔ مرفوع کیوں؟ کیونکہ یہ صفت ہے، صفت پر وہی اعراب آتا ہے جو موصوف پر آتا ہے۔ موصوف صفت مل کر مبتدا اور جِنْسٌ یہ اس کی خبر۔ ذَلِكَ الْوَاحِدُ وہ ایک، وہ ایک یہ ہے مبتدا، جِنْسٌ وہ جنس ہے یہ خبر آگئی۔ وہ ایک جنس ہے۔ وہ والی ایک چیز جو ہے وہ جنس ہے۔ تو دیکھا واحد، ایک متعین واحد پر جنس ہونے کا حکم لگا دیا، یعنی وحدت کو متصف کر دیا کس کے ساتھ؟ جنسیت کے ساتھ کہ وہ ایک کیا ہے؟ جنس ہے۔ بات سمجھ میں آرہی ہے؟

یہاں حمل کے بارے میں سمجھ لو بھئی۔ دیکھو یہ جو خبر ہوتی ہے اس کا حمل ہوتا ہے مبتدا پر۔ هَذَا الْجِنْسُ ہے مبتدا اور وَاحِدٌ ہے اس کی خبر، اور خبر کا حمل ہوتا ہے مبتدا پر۔ خبر کا حمل ہوتا ہے، یعنی یوں کہو خبر کا حکم لگایا جاتا ہے مبتدا پر۔ زَيْدٌ

عَالِمٌ، کیا معنی؟ میں نے زید پر کیا حکم لگایا؟ عالم ہونے کا۔ تو اس کو حمل کہتے ہیں یا دوسرے لفظوں میں یوں کہو حکم کہتے ہیں۔ زَيْدٌ عَالِمٌ، میں نے زید پر کیا حکم لگایا؟ عالم ہونے کا، یا یوں کہو میں نے زید پر حمل کیا کس کا؟ عالم کا حمل کیا۔ تو یہاں پر بھی اسی طرح ہے، دیکھو هَذَا الْجِنْسُ، یہ هَذَا الْجِنْسُ ہے مبتدا، اور اس پر حکم لگا دیا اس پر حمل کر دیا کس کا؟ وَاحِدٌ کا، یعنی یہ جنس ایک ہے۔ وَذٰلِكَ الْوَاحِدُ جِنْسٌ، اور وہ واحد جو ہے جنس ہے، تو یہاں پر واحد پر جنس ہونے کا حکم لگا دیا گیا۔

بھئی حمل کی تعریف لکھ لیجیے بھئی۔ حمل کی تعریف، یہ آپ کو کام آئے گی:

الْحَمْلُ، الْحَمْلُ حا، میم، لام، الْحَمْلُ هُوَ اتِّحَادُ الْمُتَغَايِرَيْنِ الْمُتَغَايِرَيْنِ ذِهْنًا، ذال ہے، ہا ہے، نون اور الف، ذال، ہا، نون، الف، نون کے اوپر تنوین ڈال دیں، ذِهْنًا ذِهْنًا، فِي الْخَارِجِ فِي الْخَارِجِ فِي الْخَارِجِ۔

لکھ لیا؟ دوبارہ سن لیں: الْحَمْلُ هُوَ اتِّحَادُ الْمُتَغَايِرَيْنِ ذِهْنًا فِي الْخَارِجِ۔

ترجمہ بھی لکھ لیجیے: دو ایسی چیزیں، دو ایسی چیزیں جو ذہن میں الگ الگ تھیں، جو ذہن میں الگ الگ تھیں، ان کا خارج میں مل جانا، ان کا خارج میں مل جانا، متحد ہو جانا، متحد ہو جانا حمل کہلاتا ہے۔ حمل کہلاتا ہے۔ لکھ لیا؟ دو ایسی چیزیں جو ذہن میں الگ الگ تھیں ان کا خارج میں مل جانا اور متحد ہو جانا حمل کہلاتا ہے۔

دیکھو ادھر دیکھیے اس کو سمجھ لیں حمل کسے کہتے ہیں۔ بھئی دیکھو حمل اسے کہتے ہیں کہ دو چیزیں جو ذہن میں الگ الگ تھیں، خارج میں وہ متحد ہو جائیں مل جائیں۔ مثلاً زید، زید کا کیا معنی؟ زید ایک آدمی کا نام ہے، اور عالم کا کیا معنی؟ جاننے والا، جاننے والا۔ تو زید اور چیز، عالم اور چیز۔ ذہن میں آپ سمجھ رہے ہیں زید اور چیز ہے، ایک ذات کا نام ہے، اور عالم کا کیا معنی ہے وہ بھی آپ جانتے ہیں۔ خارج میں ان دونوں کا اتحاد ہو جانا۔ مثلاً میں نے کیا کہا: زَيْدٌ عَالِمٌ، زَيْدٌ عَالِمٌ، میں نے زید پر عالم کا حمل کر دیا۔ زَيْدٌ عَالِمٌ، کیا ترجمہ؟ زید عالم ہے۔ دیکھو ذہن میں زید اور تھا، عالم اور، اور میں نے کیا کہا زَيْدٌ عَالِمٌ۔ دیکھو جو زید ہے وہی کیا ہے؟ عالم بھی ہے، اور جو عالم ہے وہی کیا ہے؟ زید بھی ہے۔ ایک ہی شخص زید بھی بن گیا اور وہی شخص کیا ہے؟ عالم بھی ہے، دونوں اکٹھے، دونوں میں اتحاد آگیا یا نہیں؟ وہی ذات ہے عالم کی بھی اور وہی ذات ہے زید کی بھی۔ تو دونوں میں اتحاد آگیا۔ تو اس کو حمل کہتے ہیں۔ یہ جو خبر کا حمل کرتے ہیں ہم کس پر؟ مبتدا پر، اس میں ہم دراصل کیا کرتے ہیں؟ دو ذہن میں جو الگ الگ چیزیں تھیں خارج میں ان کو جوڑ دیتے ہیں، ایک ہی ذات کے اندر لے آتے ہیں، اکٹھی ہو جاتی ہیں، مل جاتی ہیں۔ یا مثلاً میں کہتا ہوں زید مخنتی ہے۔ دیکھو زید کا معنی اور، مخنتی ہونے کا معنی اور۔ مخنتی بکر بھی ہو سکتا ہے خالد بھی ہو سکتا ہے، لیکن میں نے اس کو کس کے ساتھ جوڑ دیا؟ زید کے ساتھ۔ معلوم ہوا وہی زید کی جو ذات ہے وہ زید بھی ہے اور وہ مخنتی بھی ہے، دونوں چیزیں ایک ہی ذات میں متحد ہو گئیں، مل گئیں، اکٹھی ہو گئیں۔ اس کو کیا کہتے ہیں؟ حمل کہتے ہیں۔

اب دیکھو یہاں کتاب میں جو مثال آئی: هَذَا الْجِنْسُ وَاحِدٌ، یہ جنس جو ہے وَاحِدٌ یہ ایک ہے۔ هَذَا الْجِنْسُ کیا ہے؟ بتدا، کتاب پہ نظر رکھیں، هَذَا الْجِنْسُ کیا ہے؟ بتدا۔ دیکھو جنس کا معنی اور، اور وَاحِدٌ یہ کیا ہے اس کی خبر، واحد کا معنی اور۔ لیکن خارج میں دونوں کیا ہو گئے؟ متحد ہو گئے، اسی جنس پر حمل کر دیا کس کا؟ واحد کا، تو وہی جنس ہے اور وہی کیا ہے؟ واحد بھی ہے۔ اسی طرح وَذَلِكَ الْوَاحِدُ جِنْسٌ۔ ذَلِكَ الْوَاحِدُ ہے بتدا اور جِنْسٌ کیا ہے؟ خبر ہے۔ تو ذَلِكَ الْوَاحِدُ، واحد کا معنی اور، اور جنس کا معنی اور، لیکن آپ نے ذَلِكَ الْوَاحِدُ پہ کیا حکم لگا دیا؟ جنس کا، یا یوں کہیں آپ نے ذَلِكَ الْوَاحِدُ پر کس چیز کا حمل کر دیا؟ جنس کا۔ اور حمل کا کیا معنی ہوتا ہے؟ دو چیزیں جو ذہن میں الگ تھیں خارج میں ان میں کیا آ جائے؟ اتحاد آ جائے۔ ذَلِكَ الْوَاحِدُ اس کا معنی اور تھا اور جنس کا معنی اور تھا، لیکن خارج میں وہی واحد جو ہے اس کو آپ نے کیا اس پر حکم لگا دیا؟ جنس کا۔ معلوم ہوا وہی چیز واحد بھی ہے اور وہی چیز جنس بھی ہے۔ تو دونوں میں اتحاد آ گیا یا نہیں؟ تو دیکھا جنس کے ساتھ وحدت مل رہی ہے اور وحدت کے ساتھ جنس مل رہی ہے۔ بات سمجھ میں آ گئی؟ بتانا یہ چاہتے ہیں ملا جامی رحمہ اللہ کہ جنس اور وحدت میں منافات نہیں۔ جنس وحدت کے ساتھ متصف ہو سکتی ہے اور واحد جنسیت کے ساتھ متصف ہو سکتا ہے۔ جیسے ان جملوں میں ہے هَذَا الْجِنْسُ وَاحِدٌ، تو یہ جنس وحدت کے ساتھ موصوف ہو رہی ہے، وَذَلِكَ الْوَاحِدُ جِنْسٌ، اس کے اندر جو واحد ہے وہ جنسیت کے ساتھ متصف ہو رہا ہے۔ معلوم ہوا جنس اور وحدت میں منافات نہیں ہے۔ بات سمجھ میں آ گئی؟

آگے دیکھیے: وَيُمْكِنُ حَمْلُهَا عَلَى الْعَهْدِ الْخَارِجِيِّ بِإِرَادَةِ الْكَلِمَةِ الْمَذْكُورَةِ عَلَى أَلْسِنَةِ النُّحَاةِ۔ یہاں سے صاحب جامی بتلا رہے ہیں کہ الْكَلِمَةُ میں الف لام کو ہم نے جنسی بنایا۔ آپ اگر چاہیں تو اس کو عہد خارجی پر بھی محمول کر سکتے ہیں، کہ الف لام کون سا مراد لے لیں؟ عہد خارجی۔ بھئی عہد خارجی کیسے مراد لے لیں؟ عہد خارجی تو وہ ہوتا ہے جس کے ذریعے خارج میں کسی متعین فرد یا افراد کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے، اور پیچھے تو کوئی كَلِمٌ کا لفظ نہیں گزرا کہ الْكَلِمَةُ کے ذریعے اس کی طرف اشارہ ہو جائے وہ والا کلمہ۔ پیچھے تو کوئی کلمہ ہی نہیں گزرا کہ اس کی طرف اشارہ ہو جائے اور آپ یوں کہیں کہ وہ والا کلمہ۔ تو اس کا جواب دے رہے ہیں کہ بھئی آپ اس کو عہد خارجی پر بھی محمول کر سکتے ہیں، اور اس صورت میں الْكَلِمَةُ کے ذریعے اشارہ ہوگا وہ والا کلمہ جو نحویوں کی زبان پر جاری ہوتا ہے۔ وہ جو نحوی اپنی باتوں میں ذکر کرتے ہیں، طلباء آپس میں بیٹھے ہوئے باتیں کرتے ہیں: زَيْدٌ عَالِمٌ، زید بھی کلمہ ہے، عَالِمٌ بھی کیا ہے؟ کلمہ ہے۔ دیکھا یہ جو نحوی آپس میں کلمہ کلمہ کا لفظ ذکر کرتے ہیں تو اس الف لام کے ذریعے اس الْكَلِمَةُ کی طرف کیا ہو جائے گا؟ اشارہ ہو جائے گا، وہ والا کلمہ کون سا؟ وہ جو نحویوں کی زبان پر جاری ہوتا ہے۔ توجہ ہے؟ تو اس کی طرف اشارہ ہو جائے گا۔ تو اس پر اشکال ہوتا ہے: بھئی پیچھے ذکر ہی کہیں نہیں آیا تو پھر کیسے اس کی طرف اشارہ ہو جائے گا؟ تو یاد رکھو پیچھے کلمہ کا لفظ لفظوں کے اعتبار سے تو کہیں ذکر نہیں، لیکن معنی کے اعتبار سے ذکر ہو چکا ہے، معنوی طور پر ذکر ہو چکا ہے۔ بھئی کس طرح ذکر ہو چکا ہے؟ وجہ یہ کہ یہ جو

کتاب آپ پڑھ رہے ہیں یہ نحو کی ہے۔ کس چیز کی کتاب ہے؟ اور کافیہ جو آپ پڑھتے ہیں وہ نحو کی کتاب ہے۔ جب نحو کی کتاب ہے تو وہاں معنیً نحویوں کا بھی، نحوی بھی آ گئے۔ معنیً نحویوں کا ذکر بھی گویا آ گیا۔ جب آپ نحو پڑھ رہے ہیں تو اس علوم کو ترتیب کس نے دیا؟ کنہوں نے اس کو جمع کیا؟ نحوی حضرات نے۔ تو معنی کے اعتبار سے نحویوں کا ذکر بھی آ گیا، اور جب نحویوں کا ذکر آ گیا تو ان کی زبان پر جاری ہونے والے کلمے کا بھی گویا ذکر... تو یوں کہو لفظوں کے اعتبار سے تو نہ نحوی کا ذکر ہے نہ کلمہ کا ذکر ہے، لیکن معنوی اعتبار سے نحویوں کا ذکر بھی آ گیا اور ان کی زبان پر جاری ہونے والے کلمہ کا بھی ذکر آ گیا۔ تو یوں کہیں گے...

یہاں پر وہ جو معہود ہے جس کی طرف الف لام کے ذریعے اشارہ کیا جا رہا ہے وہ لفظاً تو مذکور نہیں لیکن معنیً کیا ہے؟ مذکور ہے۔ لفظاً تو متعین نہیں لیکن معنیً کیا ہے وہ؟ متعین ہے، معہود ہے۔ بات سمجھ میں آ گئی؟

تو کہتے ہیں وَيُمْكِنُ حَمْلُهَا اور ممکن ہے کہ حمل کیا جائے اس لام کا، حَمْلُهَا کی ضمیر کس کو راجع؟ پیچھے جو آیا تھا وَاللَّامُ فِيهَا لِلْجِنْسِ یہ جو لام ہے، یعنی الف لام۔ وَيُمْكِنُ حَمْلُهَا اور ممکن ہے اس الف لام کو محمول کرنا عَلَى الْعَهْدِ الْخَارِجِيِّ کس پر؟ عہد خارجی پر۔ بھئی اللام کی طرف ہا مؤنث کی ضمیر راجع کی، کیونکہ یہ جو حروف ہیں لام حرف ہے نا، اور الف لام یہ بھی کیا ہوا؟ حرف۔ تو یہ حروف کیا ہیں؟ عربی میں مؤنث استعمال ہوتے ہیں زیادہ تر، مذکر بھی استعمال ہو جاتے ہیں لیکن زیادہ تر مؤنث استعمال ہوتے ہیں اس لیے اس کی طرف واحد مؤنث کی ضمیر لوٹا دی۔ کہتے ہیں وَيُمْكِنُ حَمْلُهَا عَلَى الْعَهْدِ الْخَارِجِيِّ اور یہ جو الْكَلِمَةُ پر الف لام آیا اس کو عہد خارجی پر محمول کرنا بھی ممکن ہے، بِإِرَادَةِ الْكَلِمَةِ الْمَذْكُورَةِ عَلَى أَلْسِنَةِ النُّحَاةِ، بایں صورت کہ ارادہ کیا جائے اس کلمہ کا جو ذکر کیا جاتا ہے جو مذکور ہوتا ہے عَلَى أَلْسِنَةِ النُّحَاةِ نحویوں کی زبان پر۔ أَلْسِنَةٌ جمع ہے لِسَانٌ کی، زبان کو کہتے ہیں۔ نُحَاةٌ جمع ہے نَحْوِيٌّ کی بھئی۔ تو با تصویر یہ ہے، کس طرح؟ وَيُمْكِنُ حَمْلُهَا عَلَى الْعَهْدِ الْخَارِجِيِّ اور اس الف لام کو عہد خارجی پر محمول کرنا بھی ممکن ہے بایں صورت، صورت کیا ہے؟ کس طرح محمول کیا جائے گا؟ بِإِرَادَةِ الْكَلِمَةِ الْمَذْكُورَةِ عَلَى أَلْسِنَةِ النُّحَاةِ بایں صورت کہ ارادہ کیا جائے اس کے ذریعے اس کلمے کا جو ذکر کیا جاتا ہے عَلَى أَلْسِنَةِ النُّحَاةِ نحوی حضرات کی زبانوں پر۔

یہاں تک بات سمجھ میں آ گئی؟ چلیے بس کریں اب حاصل کلام پھر سن لیجیے۔ حاصل کلام یہ کہ الْكَلِمَةُ متن آیا تھا شارح جامی نے اس کی تحقیق فرمائی۔ سب سے پہلے تو آپ کو یہ بتلایا کہ یہ جو کلمہ اور کلام ہیں یہ مشتق ہیں كَلْمٌ سے جس کا معنی ہے زخمی کرنا۔ اور پھر آپ کو بتلایا کہ الْكَلِمَةُ کے اندر یہ جو كَلِمٌ ہے اس میں علماء کا اختلاف ہے: بعض علماء فرماتے ہیں یہ اسم جنس ہے اور بعض علماء فرماتے ہیں یہ جمع ہے۔ میں نے آپ کو اسم جنس اور جمع کا فرق سمجھا دیا۔ اسم جنس اسے کہتے ہیں کہ ایک ہی لفظ قلیل اور کثیر سب پر بولا جاتا ہے، اس میں فرق نہیں آتا، جیسے انسان ایک ہو تو اس کو بھی کہیں گے

انسان، ہزار ہوں تو بھی کیا کہیں گے؟ یہ انسان ہیں۔ جبکہ جمع جو ہے اس کے اپنا الگ وزن ہوتا ہے، وہاں وہ تین یا تین سے زیادہ پر بولا جاتا ہے، تین سے کم پر نہیں۔ ایک ہو تو کہیں گے کتاب اور زیادہ ہوں تو کیا کہیں گے؟ کتابیں۔ تو جیسے دیکھو یہاں واحد اور جمع میں فرق آرہا ہے۔ یا عربی میں کہہ لو ایک ہو تو کہیں گے کِتَابٌ اور تین یا زیادہ ہوں تو کہیں گے کُتُبٌ۔ تو جمع جو ہے تین یا زیادہ پر اس کا اطلاق ہوتا ہے، وہاں لفظ ہی بدل جاتا ہے، مفرد کے لیے اور لفظ ہوتا ہے، تثنیہ کے لیے اور ہوتا ہے اور جمع کے لیے اور ہوتا ہے، لفظ میں ہی فرق آجاتا ہے، جبکہ اسم جنس ایسا نہیں۔

تو علماء کے دو گروہ: بعض علماء فرماتے ہیں کہ یہ کَلِمٌ جو ہے یہ اسم جنس ہے، اور یہ تَمْرٌ اور تَمْرَۃٌ کی طرح ہے۔ تَمْرٌ اور تَمْرَۃٌ میں واحد اور جنس کے درمیان فرق کس کے ذریعے کیا جاتا ہے؟ تائے مربوطہ کے ذریعے۔ تَمْرَۃٌ کا معنی ہے ایک کھجور اور اس تا کو ہٹا دیں تَمْرٌ رہ گیا تو یہ اسم جنس ہے۔ اس کا اطلاق قلیل اور کثیر سب پر ہوگا، ایک کھجور ہو چاہے ایک سے زیادہ ہو سب پر بولا جائے گا۔ لیکن بالخصوص آپ ایک کھجور مراد لینا چاہتے ہیں تو پھر آپ کو گول تا ساتھ ملانی پڑے گی تَمْرَۃٌ۔ یا جیسے بَقَرٌ اور بَقَرَۃٌ۔ بَقَرٌ یہ گائے بیل کی جنس ہے، بَقَرَۃٌ کہیں تو ایک گائے بیل، اور بَقَرٌ کہیں تو اسم جنس ہے قلیل اور کثیر سب پر یہ بولا جائے گا۔

تو چنانچہ بعض علماء فرماتے ہیں کہ یہ کَلِمٌ جو ہے یہ اسم جنس ہے، قلیل اور کثیر سب پر اس کا اطلاق ہوتا ہے اور اس میں وحدت کے لیے تا ساتھ جوڑ دیتے ہیں اور پھر کَلِمَۃٌ کہتے ہیں۔ تو یہ تَمْرٌ اور تَمْرَۃٌ کی طرح ہوا، تو یہ اسم جنس ہے، یہ جمع نہیں ہے۔ اور دلیل اس کی کیا ہے؟ کہ قرآن میں اللہ فرماتے ہیں: إِلَيْهِ يَصْعَدُ الْكَلِمُ الطَّيِّبُ۔ یہاں الْكَلِمُ آیا اور اس کی صفت الطَّيِّبُ آئی۔ اگر یہ جمع ہوتا تو جمع کی صفت یا تو جمع لائی جاتی ہے یا واحد مؤنث، لہٰذا الْكَلِمُ الطَّيِّبَاتُ ہونا چاہیے تھا یا الْكَلِمُ الطَّيِّبَةُ ہونا چاہیے تھا۔ لیکن اس کی صفت واحد مذکر لائی گئی، معلوم ہوا یہ جمع نہیں ہے، یہ اسم جنس ہے۔

جبکہ علماء کا دوسرا گروہ کہتا ہے کہ یہ جمع ہے، کیونکہ اس کا اطلاق تین یا تین سے زیادہ پر ہوتا ہے کم پر نہیں۔ معلوم ہوا یہ جمع ہے، کیونکہ اسم جنس کا اطلاق تو قلیل اور کثیر سب پر ہوتا ہے۔ پہلے گروہ والے اس کا پھر جواب دیتے ہیں کہ ہم نے جو دلیل ذکر کی تھی وہ وضع کے اعتبار سے ذکر کی تھی اور آپ جو جواب دے رہے ہیں وہ استعمال کے اعتبار سے دے رہے ہیں۔ یہ استعمال کو آپ دلیل نہیں بنا سکتے۔ ہمارا دعوی یہ ہے کہ یہ اصل وضع کے اعتبار سے اسم جنس ہے، بعد میں استعمال میں اگرچہ صرف جمع کے طور پر استعمال کرنے لگے لیکن اس سے یہ جمع نہیں بنے گا، ہے پھر بھی کیا؟ اسم جنس ہی۔ تو ایک ہوتی ہے وضع کہ ایک لفظ کو ایک معنی کے لیے مقرر کیا جائے اور ایک ہے اس کا استعمال، جیسے دَابَّۃٌ وضع تو ہر جاندار چیز کے لیے تھا جو زمین پر چلنے والی ہو، لیکن بعد میں خاص ہو گیا کس کے لیے؟ سواری والے اور بوجھ اٹھانے والے جانور یعنی گھوڑے، گدھے، خچر وغیرہ کے لیے۔

تو دوسرے گروہ والے جو کہتے ہیں یہ کَلِمٌ جمع ہے وہ جواب دیتے ہیں پہلے گروہ کو کہ آپ نے دلیل میں الْکَلِمُ الطَّیِّبُ آیت کو ذکر کیا۔ تو کہتے ہیں کہ بھئی اس میں بھی تاویل کی گئی ہے: الْکَلِمُ سے کیا مراد ہے؟ بَعْضُ الْکَلِمِ مراد ہے، کیا مراد ہے؟ بَعْضُ الْکَلِمِ مراد ہے۔ اور بَعْضُ کا لفظ تو واحد مذکر ہے تو اس اعتبار سے الطَّیِّبُ صفت واحد مذکر لائی گئی۔ تو اس پر پھر پہلے جماعت علماء کی وہ جواب میں کہتے ہیں کہ بعضیت تو یہاں پر کلام سے ہی مفہوم ہو رہی ہے کیونکہ اللہ کے ہاں تمام اچھے کلمات نہیں اللہ کی طرف چڑھتے بلکہ صرف مقبول کلمات جو ہیں وہ اللہ کی طرف چڑھتے ہیں، تو بعضیت تو کلام سے ہی مفہوم ہو رہی ہے تو اس کو مضاف محذوف نکالنے کی کیا ضرورت ہے بھئی؟

پھر جو علماء کہتے ہیں یہ جمع ہے وہ دلیل دیتے ہیں کہ علماء نے کتابوں میں ایک ضابطہ ذکر کیا ہے: وہ جمع جس کی جمع اور مفرد میں فرق کس کے ذریعے ہو؟ گول تا کے ذریعے یعنی تائے مربوطہ کے ذریعے، اس کی صفت مذکر بھی لا سکتے ہیں اور مؤنث بھی لا سکتے ہیں۔ لہٰذا اگر اس آیت کو بھی دلیل بنا لو تو بھی آپ کی یہ دلیل نہیں بن سکتی کیونکہ الْکَلِمُ وہ جمع ہے جس کا مفرد کس کے ساتھ لایا جاتا ہے؟ گول تا کے ساتھ، اور اس کی صفت مذکر بھی لانا جائز، مؤنث لانا بھی جائز ہے۔ تو اس کا جواب پھر پہلے گروہ والے دیتے ہیں کہ نہیں بھئی، یہ ضابطہ بھی اسم جنس ہی کا ہے۔ اس ضابطے میں جو جمع کا لفظ ذکر ہو رہا ہے اس جمع سے کیا مراد ہے؟ اسم جنس ہی مراد ہے، جمع مراد نہیں۔ کیونکہ جمع حقیقی کے اندر یہ ضابطہ جاری نہیں ہوتا، اگر جمع کا ضابطہ ہوتا تو عام جمع میں بھی یہ ضابطہ جاری ہونا چاہیے تھا کہ وہاں پر بھی صفت چاہے مذکر لے آئیں چاہے مؤنث لے آئیں۔ یہ معلوم ہوا یہ ضابطہ کس کے بارے میں ہے؟ یہ اسم جنس کے بارے میں ہے۔

اور نیز پھر پہلے گروہ والے دلیل دیتے ہیں کہ کَلِمٌ کا لفظ یہ جمع کے اوزان میں سے نہیں ہے۔ جمع کے خاص اوزان ہیں جیسے قَلَمٌ کی جمع أَقْلَامٌ، کِتَابٌ کی جمع کُتُبٌ، غُلَامٌ کی جمع غِلْمَانٌ۔ تو یہ جمع کے اپنے مخصوص اوزان ہیں اور یہ کَلِمٌ کیا ہے؟ جمع کے اوزان میں سے نہیں ہے۔ معلوم ہوا یہ اسم جنس ہے، جمع نہیں ہے۔ اور صاحب جامی نے بھی اسی کی طرف اشارہ کیا ہے کہ پہلا مذہب یا پہلا قول راجح ہے، اسی لیے دوسرے کو قِیلَ کے ساتھ ذکر کیا۔

اس کے بعد پھر آگے بتلایا کہ یہ الْکَلِمَۃُ میں جو الف لام ہے یہ جنس کے لیے ہے اور یہ جو اس کے آخر میں تا ہے یہ وحدت کے لیے ہے، اور جنس اور وحدت میں منافات نہیں۔ میں نے تفصیل بیان کر دی کہ وحدت کا معنی ہے واحد ہونا اور اس کے مقابل ہے کثرت، کثرت کا معنی کثیر ہونا، زیادہ ہونا۔ وحدت اور کثرت میں منافات ہے، دونوں ایک دوسرے کی ضد ہیں۔ وحدت کا معنی واحد ہونا اور کثرت کا معنی کثیر ہونا۔ اور یہ جو جنس ہے یہ کثرت پر دلالت کرتی ہے کیونکہ اس کے افراد کثیر ہوتے ہیں۔ تو اگر الف لام شروع میں جنس کا بنایا جائے تو آخر میں تا وحدت کی آ گئی، تو الف لام کس پر دلالت کر رہا ہے؟ کثرت پر، اور تا کس پر دلالت کر رہی ہے؟ وحدت پر، تو یہ دونوں میں تو منافات ہے بھئی، وحدت اور کثرت تو ایک دوسرے کی ضد ہیں۔ تو اس کا بھی جواب ذکر کر دیا میں نے کہ وحدت دو قسم پر ہے: ایک وحدت حقیقی اور ایک

وحدت مجازی۔ وحدت حقیقی جس میں فرد بھی ایک ہی ہوتا ہے جیسے واحد فردی اور واحد شخصی۔ اور وحدت مجازی اس میں افراد تو کثیر ہوتے ہیں لیکن ان سب میں وحدت ہوتی ہے بایں لحاظ کہ ان سب کی جنس کیا ہوتی ہے؟ ایک، یا ان کی نوع کیا ہوتی ہے؟ ایک، یا ان کی صنف کیا ہوتی ہے؟ ایک۔ تو لہذا گویا وحدت کی چار قسمیں بن گئیں: ایک وحدت فردی، ایک وحدت جنسی، ایک وحدت نوعی اور ایک وحدت صنفی۔ اور الف لام جنسی کی منافات ہے صرف وحدت فردی کے ساتھ منافات ہے، وحدت جنسی، نوعی اور صنفی کے ساتھ منافات نہیں ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟

تو معلوم ہوا وحدت جنس کے ساتھ جمع ہو سکتی ہے۔ تو چنانچہ جنس موصوف ہو جاتی ہے وحدت کے ساتھ اور واحد موصوف ہو جاتا ہے جنسیت کے ساتھ۔ چنانچہ کہتے ہیں هَذَا الْجِنْسُ وَاحِدٌ، دیکھا هَذَا الْجِنْسُ پر کیا حکم لگا دیا؟ وَاحِدٌ کا، یعنی وَاحِدٌ کا اس پر حمل کر دیا۔ اور حمل کس کو کہتے ہیں؟ ذہن میں جو الگ دو جدا جدا چیزیں ہوں خارج میں وہ دونوں کیا ہو جائیں؟ متحد۔ معلوم ہوا هَذَا الْجِنْسُ وَاحِدٌ یہی جنس اس پر کیا حکم لگایا؟ واحد ہونے کا بھی حکم لگایا، تو یہ جنس بھی ہے اور واحد بھی ہے۔ اکٹھے ہو گئے یا نہیں؟ ایک ہی چیز جنس بھی ہے اور واحد بھی ہے۔ یا دوسری صورت لے لیں واحد کو بتدا بنا لو جنس کو خبر بنا لو: هَذَا الْوَاحِدُ یا ذَلِكَ الْوَاحِدُ جِنْسٌ۔ تو دیکھو ایک چیز ہے واحد اور اس پر آپ نے حکم کیا لگا دیا؟ جنس ہونے کا۔ معلوم ہوا ایک ہی چیز واحد بھی ہے اور جنس بھی ہے، تو دونوں میں اتحاد آگیا دونوں اکٹھی ہو گئیں، ایک ہی چیز جنس بھی ہے اور وہی چیز واحد بھی ہے۔ معلوم ہوا جنسیت اور وحدت میں منافات نہیں، ورنہ ایک ہی چیز جنس اور واحد کیسے ہو سکتے ہیں بھئی؟

اور نیز پھر انہوں نے آپ کو یہ بھی بتلایا کہ یہ الف لام جو ہے اس کو عہد خارجی پر بھی محمول کیا جا سکتا ہے۔ پہلی صورت تو کیا تھی؟ یہ الف لام جنسی ہے۔ دوسری یہ کہ اس کو کون سا الف لام بنا لیں؟ الف لام عہد خارجی۔ اور عہد خارجی میں اس کے ذریعے اشارہ ہو جائے گا اس کلمے کی طرف جو کس کی زبان پر جاری ہوتا ہے؟ نحوی حضرات کی زبان پر جاری ہوتا ہے۔ اس پر اشکال ہوتا ہے کہ یہاں تو نہ پیچھے نحویوں کا ذکر ہے نہ اس کلمے کا ذکر ہے جس کی طرف آپ الف لام کے ذریعے کیا کر رہے ہیں؟ اشارہ کر رہے ہیں۔ تو اس کا جواب بھی میں نے بتلا دیا کہ بھئی یہ کتاب جو ہے کافیہ یہ نحو کی کتاب ہے، اور جب آپ نحو کی کتاب پڑھ رہے ہیں تو معنوی اعتبار سے نحویوں کا بھی ذکر آگیا اور نحویوں کی زبان پر جاری ہونے والے کلمے کا بھی ذکر آگیا۔ تو گویا جو معہود ہے وہ لفظوں کے اعتبار سے تو متعین نہیں لیکن معنی کے اعتبار سے کیا ہوا؟ متعین، وہ معہود ہوا، اور اس کی طرف الف لام کے ذریعے کیا کر دیا؟ اشارہ کر دیا۔ تو الْكَلِمَةُ وہ والا کلمہ کون سا؟ وہ جو نحویوں کی زبان پر جاری ہوتا ہے۔ تفصیل اچھی طرح سمجھ میں آگئی؟ چلیے بس بھئی هَذَا هُوَ الْمَرَامُ وَاللّٰهُ أَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْكَلَامِ۔

جی سبق سمجھ میں آگیا؟ چلیے۔

اچھا وہ لکھ لو جلدی جلدی بس اشارات لکھ۔

تانیث: تانیث جیسے ضَارِبَةٌ۔

وحدت: جیسے تَمْرَةٌ۔ وحدت جیسے تَمْرَةٌ۔

تذکیر: تذکیر جیسے ثَلَاثَةٌ۔ تذکیر جیسے ثَلَاثَةٌ۔

عوض: عوض جیسے عِدَةٌ۔ جیسے عِدَةٌ۔ عِدَةٌ۔

مبالغہ: مبالغہ جیسے عَلَّامَةٌ۔

نقل: نقل جیسے کَافِيَةٌ۔

مصدریت: مصدریت۔ مصدریت جیسے ضَارِبِيَّةٌ، ضَارِبِيَّةٌ۔

ساری پوری ہو گئیں؟ سات گن لیا؟ تو یہ سات قسمیں ہیں: تا کبھی تانیث کے لیے جیسے ضَارِبَةٌ، کبھی وحدت کے لیے جیسے تَمْرَةٌ، کبھی تذکیر کے لیے جیسے ثَلَاثَةٌ، اور کبھی مبالغے کے لیے جیسے عَلَّامَةٌ، کبھی عوض کے لیے جیسے عِدَةٌ، اور کبھی مصدریت کے لیے جیسے ضَارِبِيَّةٌ، ضَارِبِيَّةٌ یا فَاعِلِيَّةٌ، اور نقل کے لیے جیسے کَافِيَةٌ بھئی۔ بات سمجھ میں آگئی؟ چلیے بس بھئی هَذَا هُوَ الْمَرَامُ وَاللّٰهُ أَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْكَلَامِ۔

سبق نمبر ۱۸: تعریفِ کلمہ (۲): لفظ کی لغوی و اصطلاحی تعریف اور عوارضِ لفظ

شرحِ ملا جامی صفحہ: ۱۳ — بتاریخ: ۷ جولائی ۲۰۲۱ء

▪ تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث

آگے سبق دیکھیے بھئی کتاب پر:[1]

لَفْظٌ: اَللَّفْظُ فِي اللُّغَةِ الرَّمْيُ، يُقَالُ: أَكَلْتُ التَّمْرَةَ وَلَفَظْتُ النَّوَاةَ، أَيْ رَمَيْتُهَا، ثُمَّ نُقِلَ فِي عُرْفِ النُّحَاةِ ابْتِدَاءً أَوْ بَعْدَ جَعْلِهِ بِمَعْنَى الْمَلْفُوظِ كَالْخَلْقِ بِمَعْنَى الْمَخْلُوقِ إِلَى مَا يَتَلَفَّظُ بِهِ الْإِنْسَانُ حَقِيقَةً أَوْ حُكْمًا، مُهْمَلًا كَانَ أَوْ مَوْضُوعًا، مُفْرَدًا كَانَ أَوْ مُرَكَّبًا.

گذشتہ سبق میں الکلمۃ کی تفصیل آپ نے پڑھی۔ مصنف رحمہ اللہ یعنی شارح جامی نے سب سے پہلے آپ کو یہ بتلایا کہ الکلمۃ اور کلام یہ مشتق ہیں کَلْمٌ سے، اور کَلْمٌ کا معنی ہے زخمی کرنا۔ اور یہاں لفظوں میں بھی مناسبت موجود اور معنی کے اندر بھی مناسبت موجود۔ لفظوں کے اندر تو مناسبت ظاہر ہے: کَلْمٌ کا مادہ کاف، لام، میم اور کلمہ اور کلام کا مادہ بھی کاف، لام، میم۔ اور معنی کے اعتبار سے مناسبت ظاہر نہیں تھی، تو اس کے بارے میں انہوں نے بتلایا کہ جیسے کَلْمٌ یعنی زخمی کرنے کے اندر تاثیر ہے، جسم پر اثر پڑتا ہے، تکلیف ہوتی ہے، اسی طرح کلمہ اور کلام کے ساتھ بھی تاثیر لازم ہے۔ اس کی وجہ سے بھی دل جو ہے یا خوش ہوگا اگر اچھے کلمات ہیں، اور اگر برے کلمات کہے تو دل زخمی ہوگا، دل کو تکلیف ہوگی۔

اور میں نے آپ کو بتلایا تھا کہ یہ اصطلاحی اشتقاق مراد نہیں ہو سکتا، کیونکہ اصطلاحی اشتقاق کی تین قسمیں ہیں: ایک اشتقاقِ صغیر، ایک کبیر اور ایک اکبر۔ اور ان میں جو مناسبت ہوتی ہے وہ معنی حقیقی کے اعتبار سے ہوتی ہے، جبکہ یہاں

[1] **فائدہ (عُقُودُ الْأَنَامِل):** عُقُود (عَقْد کی جمع: گرہ یا جوڑ) اور أَنَامِل (أُنْمُلَة کی جمع: انگلی) قدیم عربوں کا انگلیوں پر ۱ سے ۱۰٬۰۰۰ تک گنتی کرنے کا طریقہ ہے۔ پانچ انگلیوں کے نام: ۱۔ خِنْصِر (چھوٹی انگلی)، ۲۔ بِنْصِر، ۳۔ وُسْطٰی، ۴۔ سَبَّابَة (شہادت کی انگلی)، ۵۔ إِبْهَام (انگوٹھا)۔ دائیں ہاتھ کی خِنْصِر، بِنْصِر، وُسْطٰی سے اکائیاں (۱–۹) اور سَبَّابَة، إِبْهَام سے دہائیاں (۱۰–۹۰) بنتی ہیں؛ جبکہ بائیں ہاتھ پر انہی ہیئتوں سے سینکڑے (۱۰۰–۹۰۰) اور ہزار (۱٬۰۰۰–۹٬۰۰۰) بنتے ہیں۔ تفصیلی مصور نقشہ مع ۴۰ تصاویر اسی سبق کے آخر میں صفحہ ۳۶۷ پر ملاحظہ فرمائیں۔

پر جو مناسبت ذکر کی گئی وہ معنی التزامی یعنی دلالتِ التزامی کے اعتبار سے مناسبت ذکر کی، کہ جیسے کَلِمٌ کے ساتھ تاثیر لازم ہے، اسی طرح کلمہ اور کلام کے ساتھ بھی تاثیر لازم ہے۔

اس کے بعد بتلایا کہ اَلْکَلِمُ کے اندر یہ جو کَلِمٌ لفظ ہے، یہ اسمِ جنس ہے بعض علماء فرماتے ہیں، جبکہ بعض فرماتے ہیں کہ یہ جمع ہے۔ میں نے فرق بتلایا تھا کہ اسمِ جنس وہ ہے جو قلیل اور کثیر پر صادق آتا ہے، یعنی قلیل ہو، ایک فرد ہو اس کے لیے بھی وہ بولا جاتا ہے اور کثیر ہوں تو ان کے لیے بھی وہی لفظ بولا جاتا ہے۔ جیسے انسان: ایک ہو تو اسے بھی انسان کہیں گے، زیادہ ہوں تو انہیں بھی انسان کہیں گے۔ جبکہ جمع وہ ہے جہاں مفرد، تثنیہ اور جمع سب کے لیے الگ الگ لفظ ہوتے ہیں۔ مثلاً ایک کتاب ہو تو کہیں گے کِتَابٌ، دو ہوں تو کہیں گے کِتَابَانِ، اور زیادہ ہوں تو کہیں گے کُتُبٌ۔ تو دیکھا یہ ہے جمع، کہ یہاں مفرد کا وزن اور ہے اور جمع کا وزن اور ہے۔ تو بعض علماء فرماتے ہیں کہ یہ کَلِمٌ جو ہے یہ اسمِ جنس ہے، اور بعض فرماتے ہیں کہ یہ جمع ہے۔ شارح جامی نے اس قول کو ترجیح دی ہے کہ یہ کَلِمٌ جو ہے اسمِ جنس ہے۔

اسمِ جنس ہے اور یہ تَمْرٌ اور تَمْرَةٌ کی طرح ہے۔ جیسے تَمْرٌ اور تَمْرَةٌ میں واحد اور جنس کے درمیان فرق تاء کے ذریعے کیا جاتا ہے۔ تَمْرٌ کا معنی کھجور اور تَمْرَةٌ کا معنی ایک کھجور۔ تَمْرٌ جب بغیر تاء کے ہو تو یہ اسمِ جنس ہے، قلیل پر بھی بولا جائے گا، کثیر پر بھی۔ ایک ہو تو بھی تَمْرٌ ہے، زیادہ ہوں تو بھی تَمْرٌ۔ لیکن بالخصوص آپ ایک مراد لینا چاہتے ہیں، ایک کھجور کہنا چاہتے ہیں، تو پھر آپ کو تاء ساتھ جوڑنی پڑے گی اور تَمْرَةٌ کہنا پڑے گا۔ یہ اسی طرح ہے جیسے بَقَرٌ اور بَقَرَةٌ۔ بَقَرٌ گائے بیل کی جنس ہے اور یہ قلیل اور کثیر سب پر بولا جاتا ہے۔ لیکن بالخصوص ایک فرد مراد لینا چاہتے ہیں تو پھر گول تاء ساتھ جوڑیں گے اور بَقَرَةٌ کہیں گے۔

علماء کا یہ گروہ جو ہے یہ کہتے ہیں کہ اسی طرح کَلِمٌ اور کَلِمَةٌ بھی ہے بھئی۔ تو جیسے بَقَرٌ اور بَقَرَةٌ اور تَمْرٌ اور تَمْرَةٌ یہ اسمِ جنس ہے، اسی طرح کَلِمٌ اور کَلِمَةٌ بھی اسمِ جنس ہے۔ اس کا اطلاق قلیل اور کثیر پر ہوتا ہے۔ اور پھر اس کی دلیل وہ قرآن سے دیتے ہیں کہ قرآن میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿ إِلَيْهِ يَصْعَدُ الْكَلِمُ الطَّيِّبُ ﴾۔ اَلْکَلِمُ موصوف ہے اور الطَّیِّبُ اس کی صفت ہے، اور اس کی صفت واحد مذکر لائی گئی قرآن کے اندر۔ معلوم ہوا یہ اسمِ جنس ہے، جمع نہیں، کیونکہ اگر یہ جمع ہوتی تو جمع کی صفت یا تو جمع لائی جاتی ہے یا واحد مؤنث بتاویلِ جَمَاعَةٌ کے۔ تو اَلْکَلِمُ اگر جمع ہوتا تو اس کی صفت طَیِّبَاتٌ آنی چاہیے تھی یا اس کی صفت طَیِّبَةٌ بتاویلِ یعنی واحد مؤنث بتاویلِ جَمَاعَةٌ کے واحد مؤنث آنی چاہیے تھی۔ لیکن اس کی صفت قرآن میں نہ جمع ہے نہ واحد مؤنث ہے، واحد مذکر ہے، معلوم ہوا یہ جمع نہیں ہے بلکہ اسمِ جنس ہے۔

علماء کا دوسرا گروہ جو ہے وہ کہتے ہیں کہ کَلِمٌ جو ہے یہ جمع ہے، اس لیے کیونکہ اس کا اطلاق تین یا تین سے زیادہ پر ہوتا ہے، کم پر اطلاق نہیں ہوتا۔ اور نیز وہ کہتے ہیں کہ آپ نے قرآن سے دلیل دی ہے کہ اَلْکَلِمُ کی صفت الطَّیِّبُ واحد مذکر آئی

ہے، تو وہ کہتے ہیں کہ اَلْكَلِمُ سے مراد بَعْضُ الْكَلِمِ ہے بھئی۔ تو بَعْضُ الْكَلِمِ جو ہے وہ مراد ہیں، اس لیے صفت مذکر لائی گئی۔ یا ان کے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ یہاں بَعْضٌ کا لفظ مضاف محذوف ہے، تو الطَّيِّبُ جو ہے وہ كَلِمٌ کی صفت نہیں ہے بلکہ بَعْضُ الْكَلِمِ کی یہ صفت ہے۔ اور بَعْضُ الْكَلِمِ اس میں بَعْضٌ تو مفرد مذکر ہے، اس لیے طَيِّبٌ بھی مفرد مذکر صفت لائی گئی۔

پہلے گروہ والے پھر جواب دیتے ہیں کہ اس کا اطلاق تین یا تین سے زیادہ پر ہوتا ہے، یہ تو آپ استعمال کو دلیل بنا رہے ہیں۔ ہم نے جو دلیل دی وضع کے اعتبار سے اور آپ جو دلیل دے رہے ہیں وہ استعمال کو ذکر کر رہے ہیں۔ وضع اور چیز ہے، استعمال اور چیز ہے۔ وضع کہتے ہیں ایک لفظ کو خاص معنی کے لیے مقرر کرنا، یہ کیا ہے؟ وضع ہے۔ مثلاً میں نے کہا گلاس، دیکھو فوراً ایک برتن آپ کے ذہن میں آگیا جس میں پانی پیا جاتا ہے، کیونکہ اردو والوں نے اس کے لیے یہ لفظ مقرر کیا ہے۔ تو ایک ہوتی ہے وضع یعنی ایک لفظ کو ایک معنی کے لیے متعین کرنا، اور ایک ہے استعمال بھئی، ایک لفظ کو ایک معنی کے اندر استعمال کرنا۔ تو وضع اور چیز ہے، استعمال اور چیز ہے۔ اس کی مثال میں نے ذکر کی تھی جیسے دَابَّةٌ۔ دَابَّةٌ عربی زبان میں ہر اس جاندار کے لیے وضع تھا جو زمین پر چلنے والا ہو، اور بعد میں یہ خاص ہو گیا سواری والے اور بوجھ اٹھانے والے جانوروں یعنی گھوڑے، گدھے اور خچر کے ساتھ۔ تو دیکھو وضع تو تھا یہ تمام جانداروں کے لیے، لیکن استعمال کس میں ہونے لگا؟ خاص جانداروں میں، خاص جانوروں میں۔ تو لہٰذا وضع اور چیز ہے اور استعمال اور چیز ہے۔ تو آپ نے کیا کہا کہ كَلِمٌ کا لفظ استعمال ہوتا ہے تین یا زیادہ کے لیے، تو آپ استعمال کو دلیل بنا رہے ہیں اور اعتبار وضع کا ہوتا ہے۔ ہم نے وضع کے اعتبار سے بات کی تھی کہ كَلِمٌ کا لفظ کیا ہے؟ وضع کے اعتبار سے جنس ہے، اور بعد میں اب عرب استعمال کس میں کرنے لگے؟ جمع کے طور پر استعمال کرنے لگے، تو اس سے کوئی نقصان لازم نہیں آتا، کیونکہ اصل اعتبار کس کا ہے؟ وضع کا ہے۔ تو آپ کا استعمال کو دلیل کے طور پر پیش کرنا صحیح نہیں، اس سے كَلِمٌ کا جمع ہونا ثابت نہیں ہو سکتا۔ ہم نے وضع کی بات کی ہے بھئی، وضع کے اعتبار سے یہ کیا ہے؟ اسمِ جنس۔

اور دوسرا آپ نے کہا کہ الطَّيِّبُ جو ہے وہ كَلِمٌ کی صفت نہیں ہے بلکہ بَعْضُ الْكَلِمِ کی صفت ہے، تو ہم کہتے ہیں کہ یہاں بَعْضٌ کا لفظ مضاف محذوف نکالنے کی ضرورت ہی نہیں ہے، کیونکہ کلام سے ہی بعضیت سمجھ میں آرہی ہے۔ کیونکہ ﴿ إِلَيْهِ يَصْعَدُ الْكَلِمُ الطَّيِّبُ ﴾، اللہ کی طرف اچھے کلمات بلند ہوتے ہیں۔ تو اس سے مراد تمام اچھے کلمات نہیں ہیں بلکہ وہ اچھے کلمات جو عند اللہ مقبول ہوں، یعنی جو اخلاص سے کہے گئے ہوں۔ تو ہر اچھا کلمہ عند اللہ مقبول نہیں ہے۔ کچھ کلمے تو وہ ہیں جو لوگوں کو دکھانے کے لیے اچھے اچھے بولے جائیں گے لیکن وہ عند اللہ مقبول نہیں، وہ اللہ کی رضا وہاں مقصود نہیں ہوتی بھئی، صرف دکھلاوا مقصود ہوتا ہے۔ تو بعضیت تو خود کلام سے ہی سمجھ میں آرہی ہے، لہٰذا بَعْضٌ کو مضاف محذوف نکالنے کی ضرورت نہیں ہے۔

اور نیز یہ كَلِمٌ جو ہے یہ جمع کا وزن بھی نہیں ہے بھئی، کیونکہ جمع کے مخصوص اوزان ہوتے ہیں۔ جیسے قَلَمٌ کی جمع أَقْلَامٌ،

دیکھو أَفْعَالٌ یہ وزن جمع کا ہے۔ اسی طرح کُتُبٌ فُعُلٌ، یہ بھی کس کا وزن؟ جمع کا وزن ہے۔ اور اسی طرح جیسے أَسْوَدُ کی جمع سُوْدٌ آتی ہے فُعْلٌ، یہ بھی کیا ہے؟ جمع کا وزن ہے۔ غُلَامٌ کی جمع غِلْمَانٌ آتی ہے، یہ بھی کیا ہے؟ جمع کا وزن ہے۔ مَسَاجِدُ مَفَاعِلُ، یہ بھی کیا ہے؟ جمع کا وزن ہے۔ مَصَابِیْحُ دیکھا یہ بھی کیا ہے؟ جمع کا وزن ہے۔ تو جمع کے مخصوص اوزان ہوتے ہیں اور کَلِمٌ یہ جمع کے اوزان میں سے نہیں۔ معلوم ہوا یہ جمع نہیں ہے بلکہ بات وہی ہے جو ہم نے کی کہ یہ اسمِ جنس ہے۔ اور میں نے بتایا شارح جامی کا انداز ہی بتلا رہا ہے کہ وہ اس قول کو ترجیح دے رہے ہیں۔ چنانچہ اسی لیے وہ جمع والے قول کو انہوں نے قِیْلَ کے ساتھ ذکر کیا اور قِیْلَ صیغۂ تمریض ہے، جس کے ذریعے کمزور قول کو ذکر کیا جاتا ہے۔

پھر اس کے بعد انہوں نے آپ کو بتلایا تھا کہ یہ جو اَلْکَلِمُ ہے، اس کے اندر الف لام جنسی ہے اور یہ جو تاء ہے یہ وحدت کے لیے ہے۔ اس پر آپ کے ذہن میں اشکال آئے گا کہ جنس کے افراد تو کثیر ہوتے ہیں، تو الف لام سے پتہ چلا کہ الکلمۃ کے افراد کیا ہوں گے؟ کثیر۔ لیکن آخر میں جب تاء وحدت والی لائی گئی تو وحدت کا معنی تو ہے فرد ایک ہے، تو دونوں میں منافات ہے۔ اَلْکَلِمُ دلالت کر رہا ہے کثرت پر اور تاء دلالت کر رہی ہے وحدت پر، اور کثرت اور وحدت میں منافات ہے۔ میں نے آپ کو بتلایا تھا کہ نہیں، کثرت اور وحدت میں منافات نہیں۔ کثرت کا معنی کثیر ہونا، زیادہ ہونا، وحدت کا معنی واحد ہونا، ایک ہونا۔ اور الکلمۃ کے افراد کثیر ہیں بھئی، اسم بھی ہے، فعل بھی ہے، حرف بھی ہے، پھر اسم بھی عربی زبان میں ہزارہا ہیں، پھر فعل بھی ہزارہا ہیں، اور حروف بھی بہت سارے ہیں۔ تو دیکھا یہ سارے کلمہ کے افراد ہیں۔ تو الف لام سے پتہ کیا چلا کہ افراد کثیر ہیں، لیکن آگے تاء سے کیا پتہ چلا کہ فرد ایک ہے؟ تو جواب، جواب کہ وحدت جو ہے وہ دو قسم پر ہے: ایک وحدتِ حقیقی اور ایک وحدتِ مجازی۔ وحدتِ حقیقی وہ ہے جس کا ایک ہی فرد ہوتا ہے، وہاں کسی بھی لحاظ سے کثرت نہیں ہوتی۔ اور وحدتِ مجازی اس میں افراد کثیر ہوتے ہیں لیکن ان میں وحدت ہوتی ہے بایں لحاظ کہ وہ ایک ہی جنس ہوتے ہیں، یا ایک ہی نوع ہوتے ہیں، یا ایک ہی صنف ہوتے ہیں۔

تو وحدت کتنی قسم پر؟ دو۔ ایک وحدتِ حقیقی اور ایک وحدتِ مجازی۔ وحدتِ حقیقی وہ جس کا فرد بھی ایک ہوتا ہے، جیسے واحدِ فردی، واحدِ فردی ایک فرد ہو، واحدِ شخصی ایک شخص ہو بھئی، ایک فرد ہو۔ تو اس میں کثرت نہیں ہے، یہ حقیقت میں کیا ہے؟ واحد ہے، ایک فرد ہے۔ اور ایک وحدتِ مجازی ہے۔ وحدتِ مجازی میں افراد کثیر ہوتے ہیں لیکن ان سب میں وحدت ہوتی ہے، وہ سب ایک ہوتے ہیں بایں لحاظ کہ ان کی جنس ایک ہے، بایں لحاظ کہ ان کی جنس ایک ہے، یا ان کی نوع ایک ہے، یا ان کی صنف ایک ہے۔ جیسے دیکھو انسان، گائے، بیل، بکری وغیرہ۔ دیکھو یہ کثیر ہیں، لیکن ان سب میں وحدت ہے بایں لحاظ کہ ان کی جنس ایک ہے۔ یہ سب ان کی جنس حیوان ہے، انسان، گائے، بیل، بکری وغیرہ سب کیا ہیں؟ حیوان۔ تو دیکھو سب کی جنس ایک ہے۔ تو یہ ہے وحدتِ مجازی۔ وحدت تو ہے لیکن حقیقت میں وحدت نہیں ہے بلکہ مجازاً ہے۔ وحدت ہے بایں لحاظ کہ جنس ایک ہے، اور کثرت ہے بایں لحاظ کہ افراد کیا ہیں؟ کثیر ہیں بھئی۔ اسی طرح وحدتِ نوعی ہے: انسان کے افراد زید، عمر، بکر، خالد وغیرہ افراد کثیر ہیں لیکن ان میں وحدت ہے بایں لحاظ کہ ان سب کی

نوع ایک ہی ہے، یہ سب انسان ہیں۔ یا وحدتِ صنفی: جیسے میں کہتا ہوں پاکستانی، اس کے افراد بہت سارے لیکن بایں لحاظ ان میں وحدت ہے، یہ ایک ہیں کہ ان کی صنف ایک ہے۔

تو معلوم ہوا وحدت گویا چار قسم پر ہو گئی: ایک وحدتِ فردی یا شخصی کہیں، اور ایک وحدتِ جنسی، اور ایک وحدتِ نوعی، اور ایک وحدتِ صنفی۔ اور وحدتِ فردی کی صرف منافات ہے الف لام جنسی کے ساتھ، جبکہ باقی تین قسمیں جو ہیں وحدت کی وحدتِ جنسی، نوعی اور صنفی اس میں اور جنس میں کوئی منافات نہیں۔ کیونکہ وحدتِ جنسی ہو، نوعی ہو یا صنفی، ان میں بھی کثرت ہوتی ہے، اور اسی طرح الف لام جو جنسی ہے وہ بھی کس پر دلالت کرتا ہے؟ کثرت پر، تو ان دونوں میں کوئی منافات نہیں ہے۔ بات سمجھ میں آگئی۔

اور پھر اس کی مزید وضاحت کی صاحبِ جامی نے اور بتلایا کہ جنس اور وحدت میں کوئی منافات نہیں۔ اس لیے جنس وحدت کے ساتھ موصوف ہو جاتی ہے، کہتے ہیں یہ جنس ایک ہے، یہ جنس ایک ہے۔ اور اسی طرح واحد جو ہے وہ جنسیت کے ساتھ موصوف ہو جاتا ہے، کہتے ہیں یہ واحد جنس ہے، یہ واحد۔ دیکھا اس واحد کو متصف کر دیا جنس ہونے کے ساتھ۔ میں نے یہاں پر آپ کو حمل کے بارے میں بتلایا تھا۔ حمل دیکھو...

یہ جو بتدا اور خبر ہیں، جو دو مثالیں ذکر کیں: هٰذَا الْجِنْسُ وَاحِدٌ، یہ وَاحِدٌ کا حمل کیا کس پر؟ هٰذَا الْجِنْسُ پر، اور یا کہا ذٰلِكَ الْوَاحِدُ جِنْسٌ، جِنْسٌ کا حمل کیا کس پر؟ ذٰلِكَ الْوَاحِدُ پر۔ یہ حمل کیا جا رہا ہے، ایک ہے بتدا اور دوسرا ہے خبر، اور خبر کا حمل ہوتا ہے کس پر؟ بتدا پر۔ اور حمل کسے کہتے ہیں؟ میں نے آپ کو تعریف لکھوائی تھی: اَلْحَمْلُ هُوَ اتِّحَادُ الْمُتَغَايِرَيْنِ ذِهْنًا فِي الْخَارِجِ۔ دو ایسی چیزیں جو ذہن میں تو جدا جدا ہیں، الگ الگ ہیں، خارج میں ان کا مل جانا، ایک ہی چیز میں اکٹھے ہو جانا، اس کو کہتے ہیں حمل بھئی۔ مثلاً میں آپ سے کہتا ہوں: زَيْدٌ عَالِمٌ۔ دیکھو زَيْدٌ کا اور معنی ہے، زید ایک شخص کا نام ہے؛ عَالِمٌ کا اور معنی ہے، اس کا معنی ہے علم والا، جاننے والا۔ تو جب میں نے کہا زَيْدٌ عَالِمٌ، زَيْدٌ بتدا ہے اور عَالِمٌ اس کی خبر، تو عَالِمٌ کا میں نے حمل کیا کس پر؟ زید پر۔ تو دو الگ الگ چیزیں تھیں لیکن خارج میں ان دونوں کا اتحاد آگیا، یعنی وہ جو خارج میں وہ جو زید ہے، وہی کیا ہے؟ عالم۔ تو وہی ذات زید کی ہے اور وہی ذات کس کی ہے؟ عالم کی ہے، تو زید اور عالم دیکھو متحد ہو گئے، اکٹھے ہو گئے ایک ہی ذات میں۔ اس کو کیا کہتے ہیں؟ حمل، حمل کہتے ہیں۔

تو یہ جو ہم جب بھی بتدا اور خبر ذکر کرتے ہیں، یہ جو بتدا ہوتا ہے یہ اور چیز ہوتی ہے، خبر اور چیز، ان دونوں کو ہم کیا کر دیتے ہیں؟ اکٹھا کر دیتے ہیں، یعنی خارج میں کہ یہ دونوں اکٹھے ہیں، ایک ہی ذات میں اکٹھے ہو گئے ہیں، ایک ہی ذات پر یہ دونوں بولے جا رہے ہیں۔ تو یہاں پر بھی دیکھو: هٰذَا الْجِنْسُ وَاحِدٌ، جنس پر حمل کیا کس کا؟ واحد کا، معلوم ہوا وہی جنس وہی کیا ہے؟ واحد بھی ہے۔ اور اسی طرح وَذٰلِكَ الْوَاحِدُ جِنْسٌ، ذٰلِكَ الْوَاحِدُ پر کس کا حمل کیا؟ جنس کا، تو معلوم ہوا وہی

واحد بھی ہے اور وہی جنس بھی ہے، دونوں وحدت اور جنس اکٹھی ہو گئیں بھئی۔

اور پھر آخر میں انہوں نے آپ کو یہ بھی بتلایا تھا کہ یہاں پر یہ جو الف لام ہے اس کو الف لام جنسی بنایا ہم نے، لیکن اگر آپ چاہیں تو اس کو الف لام عہدِ خارجی پر بھی محمول کر سکتے ہیں۔ اس پر سوال پیدا ہوا کہ الف لام عہدِ خارجی تو وہ ہے جس کے ذریعے کسی متعین فرد یا افراد کی طرف اشارہ کیا جائے، تو الکلمۃ کا ترجمہ ہوگا وہ کلمہ، جیسے رَجُلٌ اور اَلرَّجُلُ۔ اَلرَّجُلُ کا کیا ترجمہ؟ وہ آدمی، دیکھا معلوم ہوا کسی خاص مرد کی طرف اشارہ ہے۔ تو یہاں بھی اگر الکلمۃ میں الف لام عہدِ خارجی بنائیں تو معنی ہوگا وہ کلمہ، یعنی کسی خاص کلمے کی طرف اشارہ ہے جو پیچھے گزر چکا۔ اور یہاں تو پیچھے کوئی کلمہ کا لفظ نہیں گزرا کہ جس کی طرف اشارہ ہو جائے اور سننے والا سمجھ جائے۔ کہتے ہیں بھئی اس کے ذریعے اشارہ ہو جائے گا وہ جو کلمہ جو نحویوں کی زبان پر جاری ہوتا ہے، وہ جو نحوی آپس میں ایک دوسرے سے ذکر کرتے ہیں، ایک دوسرے کو بتلاتے ہیں کہ بھئی یہ لفظ یہ کیا ہے؟ کلمہ ہے، اور کلمہ تین قسم پر ہوتا ہے: اسم، فعل اور حرف۔ تو وہ جو نحوی الکلمۃ کَلِمَۃٌ کا لفظ ذکر کرتے ہیں اپنی زبانوں پر، اس کی طرف اشارہ کر دیا کہ وہ والا کلمہ جو نحویوں کی زبان پر جاری ہوتا ہے، آگے پھر اس کی تعریف کر دی۔

اس پر پھر اشکال ہوتا ہے کہ یہاں تو نحویوں کا ذکر ہی نہیں آیا۔ جب نحویوں کا ذکر نہیں تو ان کی زبان پر جاری ہونے والے کلمے کا ذکر بھی نہیں آیا۔ جب اس کا ذکر بھی نہیں آیا تو الف لام کے ذریعے اس کی طرف اشارہ کیسے ہو گیا؟ ایک چیز متعین ہی نہیں ہوئی۔ ایک دفعہ ایک چیز آ جائے تو متعین ہو جاتی ہے، مثلاً میں نے مثال ذکر کی تھی: جَاءَنِي رَجُلٌ أَمْسِ، میرے پاس کل کوئی ایک آدمی آیا تھا۔ رَجُلٌ نکرہ ذکر کیا، لیکن ایک دفعہ جب ذکر کر دیا اب کیا ہو گیا؟ متعین ہو گیا۔ اب میں آپ سے کہتا ہوں: فَأَكْرَمْتُ الرَّجُلَ، پھر میں نے اس آدمی کا اکرام کیا۔ آپ سمجھ گئے کہ نہیں کہ اس آدمی کے ذریعے کس آدمی کی طرف اشارہ ہو رہا ہے؟ وہ جو پہلے ابھی ذکر ہوا تھا نکرہ۔ تو یہاں پر بھی کلمہ کے ذریعے اشارہ ہے وہ والا کلمہ، اس کا تو پیچھے ذکر ہی نہیں آیا، نہ نحویوں کا ذکر ہے نہ نحویوں کی زبان پر آنے والے کلمہ کا ذکر ہے، تو پھر کیسے اشارہ صحیح؟ تو میں نے بتلایا تھا کہ لفظی طور پر اگرچہ ذکر نہیں، نہ نحویوں کا ذکر نہ ان کی زبان پر جاری ہونے والے کلمہ کا ذکر، لیکن معنوی اعتبار سے نحویوں کا ذکر بھی آ چکا اور جب نحویوں کا ذکر آ چکا تو پھر ان کی زبان پر جاری ہونے والے کلمہ کا ذکر بھی آ چکا۔ معنوی طور پر کس طرح آیا؟ کیونکہ یہ کتاب ہے نحو کی، اور جب نحو کی کتاب آپ پڑھ رہے ہیں تو نحویوں کا گویا ذکر آ چکا ہے۔ انہی کی باتیں آپ پڑھ رہے ہیں تو ان کا ذکر آ چکا ہے، اور جب نحویوں کا ذکر آ چکا تو گویا ان کی زبان پر ذکر ہونے والے کلمہ کا ذکر بھی پہلے آ چکا ہے، تو الکلمۃ کے ذریعے اس کی طرف اشارہ کر دیا۔ یہاں تک بات سمجھ میں آ گئی۔

اور میں نے آپ کو یہ بھی بتلایا تھا کہ الکلمۃ کے اندر یہ جو تاء ہے یہ وحدت کے لیے ہے، لیکن یہ تاء، یہ گول تاء جو ہے تائے مربوطہ، یہ چھ سات معانی کے لیے آتی ہے بھئی، چھ سات معانی۔ کہ کبھی کبھار یہ تاء آئے گی تانیث کے لیے جیسے

ضَارِبَةٌ میں ہے؛ کبھی یہ تاء آئے گی تذکیر کے لیے جیسے ثَلَاثَةٌ میں ہے؛ کبھی یہ تاء آئے گی وحدت کے لیے جیسے کَلِمَةٌ میں ہے؛ کبھی یہ تاء جو ہے مبالغہ کے لیے آئے گی جیسے عَلَّامَةٌ میں ہے؛ کبھی یہ تاء مصدر بنانے کے لیے آئے گی یعنی مصدریت کے لیے آئے گی جیسے ضَارِبِيَّةٌ یا فَاعِلِيَّةٌ؛ کبھی کبھار یہ تاء نقل کے لیے آئے گی مِنَ الْوَصْفِيَّةِ إِلَى الْإِسْمِيَّةِ جیسے قَافِيَةٌ؛ اور کبھی کبھار یہ تاء عوض کے لیے آئے گی جیسے عِدَةٌ، اصل میں کیا تھا وَعْدٌ، واو کو حذف کیا اور اس کے عوض آخر میں کیا لے آئے؟ گول تاء لے آئے۔ تو یہ سات معانی کے لیے استعمال ہوتی ہے یہ تائے مربوطہ بھئی۔

آگے سبق دیکھیے بھئی:

لَفْظٌ: اَللَّفْظُ فِي اللُّغَةِ الرَّمْيُ، يُقَالُ: أَكَلْتُ التَّمْرَةَ وَلَفَظْتُ النَّوَاةَ، أَيْ رَمَيْتُهَا، ثُمَّ نُقِلَ فِي عُرْفِ النُّحَاةِ ابْتِدَاءً أَوْ بَعْدَ جَعْلِهِ بِمَعْنَى الْمَلْفُوظِ كَالْخَلْقِ بِمَعْنَى الْمَخْلُوقِ إِلَى مَا يَتَلَفَّظُ بِهِ الْإِنْسَانُ حَقِيقَةً أَوْ حُكْمًا، مُهْمَلًا كَانَ أَوْ مَوْضُوعًا، مُفْرَدًا كَانَ أَوْ مُرَكَّبًا.

یہاں سے اب صاحبِ کافیہ جو ہے کلمہ کی تعریف شروع کرنے لگے ہیں، کہ اصطلاح میں یعنی نحویوں کے ہاں کلمہ کسے کہتے ہیں۔ تو یاد رکھو ایک ہے کلمہ کا اصطلاحی معنی، وہ جو تعریف ابھی ذکر کریں گے: اَلْكَلِمَةُ لَفْظٌ وُضِعَ لِمَعْنًى مُفْرَدٍ، یہ ہے نحویوں کے نزدیک۔ اور عربی زبان میں کلمہ کسے کہتے ہیں؟ یاد رکھنا۔ یاد رکھو عربی زبان میں کلمہ جملہ مفیدہ کو کہتے ہیں، اور اسی طرح قصیدے کو بھی کہتے ہیں۔ عربی زبان میں کلمہ کسے کہتے ہیں؟ جملہ مفیدہ، جملہ ہو اور جملہ مفیدہ ہو یعنی جس فائدہ دے، جس میں بات پوری ہو۔ چنانچہ قرآن میں اللہ فرماتے ہیں: ﴿ كَلِمَةُ اللَّهِ هِيَ الْعُلْيَا ﴾، اللہ کا کلمہ ہی بلند ہے، اللہ کا کلمہ ہی اونچا ہے۔ اور كَلِمَةُ اللَّهِ سے یہاں مراد لَا إِلٰهَ إِلَّا اللَّهُ ہے بھئی۔ تو دیکھو لَا إِلٰهَ إِلَّا اللَّهُ ایک پورا کلام ہے، پورا جملہ مفیدہ ہے اور اس پر کلمہ کا لفظ بولا گیا۔ تو عربی زبان میں کلمہ کسے کہتے ہیں؟ جملہ مفیدہ کو کہتے ہیں۔ اور اسی طرح یہ قصیدے کو بھی کہتے ہیں: شاعر کا جو قصیدہ ہو، بیسیوں اشعار پر مشتمل ہوتا ہے اور اس کو کلمہ کہہ دیا جاتا ہے۔ مثلاً میں آپ سے کہنا چاہتا ہوں کہ امرؤ القیس کا قصیدہ، تو میں کہوں گا: كَلِمَةُ امْرِئِ الْقَيْسِ، كَلِمَةُ امْرِئِ الْقَيْسِ۔ یا مثلاً متنبی کے قصیدے کی بات کرنا چاہتا ہوں تو میں آپ سے کہوں گا: كَلِمَةُ الْمُتَنَبِّي۔ تو عربی زبان میں کلمہ کا لفظ جملہ مفیدہ پر بھی بولا جاتا ہے اور شاعر کے قصیدے پر بھی بولا جاتا ہے۔ جبکہ اصطلاح میں وہ تعریف اب صاحبِ کافیہ کرنے لگے ہیں کہ اَلْكَلِمَةُ لَفْظٌ وُضِعَ لِمَعْنًى مُفْرَدٍ، یہ ہے کلمہ نحویوں کے ہاں۔

یہ کلمہ کی تعریف کرنے لگے ہیں۔ یاد رکھو تعریف دو قسم پر ہے: ایک تعریفِ حقیقی ہے اور ایک تعریفِ لفظی۔ تعریفِ حقیقی وہ ہے جس کے ذریعے تحصیلِ صورت ہوتی ہے، اور تعریفِ لفظی وہ ہے جس میں تعیینِ صورت ہوتی ہے یا تفسیرِ صورت ہوتی ہے۔ توجہ ہے؟

بھئی علمِ منطق بڑا پیارا علم ہے۔ اس میں آپ کو بتلایا جاتا ہے کہ کسی چیز کی تعریف کیسے کرنی ہے، تعریف کی شرائط کیا کیا ہیں، اور اس میں کن کن چیزوں کا ہونا ضروری ہے اور کن کا ہونا ضروری نہیں ہے۔ تو علمِ منطق میں آپ پڑھتے ہیں کہ تعریف دو قسم پر ہے: ایک تعریفِ حقیقی اور ایک تعریفِ لفظی۔ تعریفِ حقیقی وہ ہے جس کے ذریعے تحصیلِ صورت ہوتی ہے یعنی صورتِ غیر حاصلہ کو حاصل کیا جاتا ہے۔ مثلاً آپ کو پتہ نہیں تھا، طالب علم کو پتہ نہیں کہ الکلمۃ کسے کہتے ہیں، مثلاً درجہ اولیٰ یا ثانیہ والا طالب علم، اس کو ابھی الکلمۃ کا پتہ نہیں۔ تو اگر آپ اس کے سامنے الکلمۃ کہیں گے بھی اس کو سمجھ میں نہیں آئے گا کہ کیا چیز مراد ہے، کیونکہ اسے کلمہ کی صورت ہی حاصل نہیں ہے۔ اسے اس کی یوں کہیں آسان لفظوں میں، اس کی پہچان ہی نہیں ہے بھئی کہ کلمہ کسے کہتے ہیں۔ پھر اس کو کتابوں کے اندر بتلایا جاتا ہے: اَلْكَلِمَةُ لَفْظٌ وُضِعَ لِمَعْنًى مُفْرَدٍ۔ دیکھو پوری پہچان کروائی گئی۔ اب اس کو پتہ چل گیا اچھا کلمہ بامعنی لفظ کو کہتے ہیں، کلمہ بامعنی لفظ کو۔ آسان لفظوں میں وہ لفظ جس کا کوئی معنی ہو بھئی، اس کو کیا کہتے ہیں؟ کلمہ کہتے ہیں۔ دیکھو یہ پہلے اس کو پتہ نہیں تھا، اب اس کو پتہ چل گیا، تو اس کو صورتِ غیر حاصلہ جو ہے وہ حاصل ہو گئی۔ اب جب بھی آپ کلمہ کہیں گے وہ سمجھ جائے گا کہ کیا مراد ہے؟ بامعنی لفظ مراد ہے۔ تو تعریفِ حقیقی جو ہے اس کے ذریعے صورتِ غیر حاصلہ کو حاصل کیا جاتا ہے، اور یہ عموماً جنس اور فصل سے مرکب ہوتی ہے، جنس اور فصل سے۔ سب سے اعلیٰ تعریف: جنس بھی ہو اور فصل بھی ہو بھئی، فصل۔

دوسری تعریفِ لفظی ہے۔ تعریفِ لفظی وہ ہے جس میں تعیینِ صورت ہوتی ہے۔ مثلاً طالب علم کو یہ تو پتہ ہے کہ شیر کو عربی میں اَسَدٌ کہتے ہیں، شیر کی اس کو پہچان ہے، وہ شیر کو جانتا ہے۔ لیکن کتاب میں غَضَنْفَرٌ کا لفظ آیا۔ اب اسے نہیں پتہ یہ غَضَنْفَرٌ کسے کہتے ہیں۔ تو اب آپ اس کو بتلاتے ہیں: اَلْغَضَنْفَرُ أَسَدٌ، غضنفر کیا ہے؟ شیر ہے۔ دیکھا اب اسے پتہ چل گیا کہ غضنفر کسے کہتے ہیں؟ شیر کو۔ لیکن مجھے بتائیے کیا شیر کی اس کو پہلے پہچان تھی یا شیر کا اب اس کو پتہ چلا ہے؟ شیر کی اس کو پہلے ہی پہچان تھی کہ شیر ایک جنگلی درندے کا نام ہے جو بڑا خوفناک درندہ ہے، تو اس کو شیر کی تو پہچان تھی۔ ہاں اس کو یہ پتہ نہیں تھا کہ اس درندے کو غضنفر بھی کہتے ہیں۔ یہ یوں کہو اس کے ذہن میں بہت سارے معانی موجود تھے، ان میں شیر بھی تھا لیکن اسے یہ نہیں تھا پتہ کہ غضنفر کس معنی کے لیے ہے، کس صورت کے لیے غضنفر ہے۔ تو صرف آپ نے تعیین کر کے اس کو بتا دیا کہ اَلْغَضَنْفَرُ أَسَدٌ، غضنفر کس کا نام ہے؟ اَسَدٌ یعنی شیر کا نام ہے بھئی۔ تو کیا اسے کوئی نئی صورت حاصل ہوئی؟ کسی نئی چیز کی پہچان ہوئی؟ نہیں نہیں، اسے اس شیر کی اسے پہلے سے ہی پہچان تھی۔ ہاں صرف تعیین آپ نے کر دی کہ غضنفر کا لفظ اس چیز کے لیے وضع ہے، اس کے لیے مقرر ہے، اور وہ چیز اس کو پہلے سے معلوم تھی۔ صرف اتنا پتہ نہیں تھا کہ غضنفر کس، میرے ذہن میں تو ہزاروں معانی ہیں لیکن پتہ نہیں ان میں سے کس کو غضنفر کہتے ہیں، آپ نے صرف کیا کیا؟ تعیین کر دی۔ یہ نہیں کہ شیر کا اس کو پتہ ہی نہیں تھا آپ نے پھر شیر کی اس کو پہچان کروائی کہ ایک جنگلی درندہ ہوتا ہے، جنگل میں رہتا ہے، ایسے اس کے پنجے ہوتے ہیں، چیر نے پھاڑنے والا ہوتا ہے، نہیں نہیں یہ سب چیزیں اس کو

پہلے پتہ تھیں۔ تو یہاں تحصیلِ صورت نہیں ہے، کوئی نئی صورت حاصل نہیں ہوئی، صرف کیا ہوئی ہے؟ تعیینِ صورت ہوئی ہے کہ غضنفر کا لفظ وہ اس صورت کے لیے متعین ہے بھئی۔ اور الکلمۃ کی جو آپ نے تعریف کی تھی وہاں باقاعدہ تحصیلِ صورت ہوئی تھی بھئی، طالب علم کو پتہ ہی نہیں تھا کہ الکلمۃ کسے کہتے ہیں بھئی، تو آپ نے پوری تعریف کی لَفْظٌ وُضِعَ لِمَعْنًى مُفْرَدٍ کے ذریعے بھئی۔ تو تعریفِ حقیقی میں کیا کیا جاتا ہے؟ صورتِ غیر حاصلہ کو حاصل کیا جاتا ہے، اور تعریفِ لفظی کے اندر صرف تعیینِ صورت ہوتی ہے کہ یہ لفظ اس صورت کے لیے وضع کیا گیا ہے، وہاں کوئی نئی صورت انسان کو حاصل نہیں ہوتی بھئی۔

تو اب یہ جو تعریفِ حقیقی ہے، یہ عموماً جنس اور فصل پر مشتمل ہوتی ہے۔ کس پر؟ جنس اور فصل پر مشتمل ہوتی ہے۔ بلکہ اس سے پہلے مُعَرِّف اور مُعَرَّف کو بھی سمجھ لیں۔ یاد رکھو جس چیز کی تعریف کی جائے اس کو کہتے ہیں مُعَرَّف، اور جو تعریف ہے اس کو کہتے ہیں مُعَرِّف۔ مُعَرَّف جس کی پہچان کروائی گئی، اور مُعَرِّف جس نے پہچان کروائی، جو پہچان کروانے والی ہے یعنی تعریف۔ مثلاً میں نے کہا: اَلْکَلِمَۃُ لَفْظٌ وُضِعَ لِمَعْنًى مُفْرَدٍ۔ کس کی پہچان کروائی میں نے آپ کو؟ الکلمۃ کی، تو کلمہ ہوا مُعَرَّف، اسمِ مفعول کا صیغہ ہے جس کی پہچان کروائی گئی یا یوں کہو جس کی تعریف کی گئی، جس کی تعریف کی گئی۔ تو الکلمۃ کی پہچان کروائی وہ ہے مُعَرِّف، اور کس چیز نے الکلمۃ کی پہچان کر...

تعارف کروائی آپ کو؟ تعریف نے، کس نے؟ لَفْظٌ وُضِعَ لِمَعْنًى مُفْرَدٍ۔ اس نے پہچان کروائی تو یہ ہے مُعَرِّف۔ تو تعریف اور مُعَرِّف کا ایک معنی، اور مُعَرَّف جس کی تعریف کی جائے۔ مُعَرِّف اور مُعَرَّف کا فرق سمجھ میں آگیا؟ مُعَرَّف جس کی تعریف کی جائے، مُعَرِّف جو تعریف کی جائے۔ تو مُعَرِّف کہہ لو یا تعریف کہہ لو ایک ہی بات ہے۔ اب یاد رکھو یہ جو تعریف ہے اس کو جامع مانع ہونا چاہیے۔

جامع مانع ہونا چاہیے۔ یا دوسرا لفظ استعمال کر لو: تعریف کو مُطَّرِد و مُنْعَکِس ہونا چاہیے۔ مُطَّرِد، طا ظا بھئی طا ہے۔ مُطَّرِد و مُنْعَکِس ہونا چاہیے۔ مُطَّرِد و مُنْعَکِس کا بھی وہی معنی: جامع مانع۔ مُطَّرِد کا معنی جامع، مُنْعَکِس کا معنی مانع۔ تو تعریف کو کیا ہونا چاہیے؟ جامع مانع۔ یا کوئی آپ سے کہہ دے تعریف کو کیا ہونا چاہیے؟ مُطَّرِد و مُنْعَکِس ہونا چاہیے، ایک ہی بات ہے بھئی۔

جامع کا معنی یہ ہے کہ جس چیز پر بھی مُعَرَّف صادق آئے اس پر تعریف کو بھی صادق آنا چاہیے۔ جس جس چیز پر مُعَرَّف صادق آرہا ہے ان سب پر تعریف بھی صادق آنی چاہیے۔ مثلاً میں نے تعریف کی: اَلْکَلِمَۃُ لَفْظٌ وُضِعَ لِمَعْنًى مُفْرَدٍ۔ یہ کلمہ کی تعریف ہے اور کلمہ کے افراد کیا ہیں؟ اسم، فعل اور حرف۔ تو یہ جو لَفْظٌ وُضِعَ لِمَعْنًى مُفْرَدٍ ہے یہ اسم پر بھی صادق آنا چاہیے، اور نیز یہ فعل پر بھی صادق آنا چاہیے، نیز یہ حرف پر بھی صادق آنا چاہیے۔ کیونکہ یہ ان پر کلمہ صادق آرہا ہے۔ اسم بھی کیا ہے؟ کلمہ۔ فعل بھی کیا ہے؟ کلمہ۔ حرف بھی کیا ہے؟ کلمہ۔ تو ان سب پر مُعَرَّف صادق آرہا ہے، اور جن پر مُعَرَّف صادق آئے ان پر تعریف بھی صادق آنی چاہیے۔ تو پھر ہم کہیں گے یہ تعریف کیا ہے؟ جامع ہے، اس نے اپنے تمام افراد

کو جمع کر لیا، سب کو گھیر لیا۔

اور نیز تعریف کو مانع ہونا چاہیے، یعنی کوئی اور چیز جس پر مُعَرَّف صادق نہیں آ رہا وہ اس کے اندر داخل نہ ہو، وہ اس کے اندر داخل نہ ہو۔ ایک چیز ہے اس پر کلمہ تو صادق نہیں آ رہا تھا، وہ کلمہ نہیں ہے، لیکن تعریف کے اندر وہ بھی داخل ہو رہا ہے۔ تو ہم کہیں گے یہ تو آپ کی تعریف مانع نہیں، اس میں تو غیرِ کلمہ بھی داخل ہو گیا۔ آپ تو تعریف کس کی کر رہے تھے؟ کلمہ کی، تو صرف کلمہ کے افراد پر یہ صادق آنی چاہیے، غیرِ کلمہ کو اس کے اندر داخل نہیں ہونا چاہیے۔ لیکن آپ نے ایسے الفاظ بول دیے کہ وہ غیرِ کلمہ پر بھی یہ تعریف صادق آ رہی ہے اور وہ بھی اس کے اندر داخل ہو رہا ہے، تو کہیں گے یہ تعریف مانع نہیں ہے۔

دوسری چلو آسان مثال سے سمجھ لو۔ جیسے مثلاً میں آپ سے کہتا ہوں کہ پاکستانی کی تعریف کریں۔ پاکستانی آدمی کس کو کہتے ہیں؟ تو آپ کہتے ہیں: پاکستانی وہ ہے جو پاکستان میں رہتا ہو، ہندوستان میں رہتا ہو، اور اسی طرح افغانستان میں رہتا ہو۔ تو یہ آپ کی تعریف مانع نہیں ہے بھئی، اس میں تو غیرِ پاکستانی بھی داخل ہو گئے۔ ہندوستان والے تو پاکستانی نہیں، اسی طرح افغانستان والے تو پاکستانی نہیں۔ تو وہ بھی آپ نے کیا تعریف کی؟ میں نے تعریف کس کی پوچھی؟ پاکستانی کی، اور اس میں کون داخل ہو گئے؟ ہندوستانی اور افغانی بھی داخل ہو گئے۔ وہ پاکستانی نہیں، ان پر یہ مُعَرَّف صادق نہیں آ رہا، لیکن تعریف ان پر صادق آ رہی ہے کیونکہ آپ نے کیا کہا جو کہاں رہتے ہوں؟ پاکستان، ہندوستان اور افغانستان میں، تو یہ آپ کی تعریف مانع نہیں، اس میں غیرِ پاکستانی داخل ہو رہے ہیں۔

تو تعریف کو مانع ہونا چاہیے۔ اور نیز تعریف کو جامع بھی ہونا چاہیے۔ یعنی یہ نہ ہو کہ مُعَرَّف کے بعض افراد اس سے رہ جائیں، اس میں داخل نہ ہوں۔ مثلاً میں نے آپ سے پوچھا: پاکستانی آدمی کسے کہتے ہیں؟ تو آپ نے کہا: جو لاہور میں، کراچی میں، کوئٹہ میں اور پشاور میں رہتے ہوں۔ اب مجھے بتائیے پاکستانی صرف انہی شہروں میں رہتے ہیں یا اور شہروں میں بھی رہتے ہیں؟ اور شہروں میں بھی رہتے ہیں۔ تو یہ آپ کی تعریف جامع نہیں، اس نے تمام افرادِ پاکستانی کا احاطہ نہیں کیا۔ لہٰذا تعریف تو ایسی ہو جو اپنے تمام افراد کا احاطہ کر لے، اور غیر جو ہیں اس کے اندر داخل نہ ہوں بھئی۔ اب آپ سے پوچھے پاکستانی کسے کہتے ہیں؟ تو اب آپ تعریف کرتے ہیں کہ پاکستانی وہ ہے جو پاکستان میں رہتے ہیں۔ دیکھا اب صرف پاکستانی اس کے اندر داخل ہو گئے، تو غیر بھی داخل نہیں اور نیز تمام افراد اس میں آ گئے چاہے وہ کسی بھی شہر میں رہتا ہو پاکستان کے یا کسی بھی گاؤں میں رہتا ہو، سب اس کے اندر داخل ہو گئے۔ تو تعریف کو کیا ہونا چاہیے؟ جامع بھی اور مانع بھی۔

اور یہ تعریف جو ہے عموماً جنس اور فصل سے مرکب ہوتی ہے۔ جنس، جنس میں مُعَرَّف بھی داخل ہو جاتا ہے اور غیرِ مُعَرَّف بھی، اور پھر فصل کے ذریعے غیر کو نکالا جاتا ہے۔ جیسے انسان کی تعریف کیا ہے؟ حیوانِ ناطق۔ دیکھو حیوان جنس

ہے اور ناطق فصل ہے۔ حیوان کہا تو اس میں انسان بھی داخل، اور انسان کے ساتھ گائے، بیل، بکری باقی حیوانات بھی داخل ہو گئے۔ جنس جو ہوتی ہے وہ عام ہوتی ہے، اس میں عموم ہوتا ہے۔ اور پھر آگے فصل لے کر آئے ہم: ناطق بھئی، جو نطق والا ہے، ناطق ہے۔ تو اس سے باقی تمام حیوانات خارج ہو گئے۔ تو تعریف جنس اور فصل پر مشتمل ہوتی ہے۔ جنس میں غیرِ مُعَرَّف بھی داخل ہو جاتا ہے اور پھر فصل کے ذریعے غیرِ مُعَرَّف کو تعریف سے نکال دیا جاتا ہے۔

تو الکلمۃ کی تعریف بھی اسی طرح ہے: اَلْكَلِمَةُ لَفْظٌ وُضِعَ لِمَعْنًى مُفْرَدٍ۔ دیکھو اس میں لَفْظٌ جو ہے وہ جنس کے درجے میں ہے، اور وُضِعَ لِمَعْنًى مُفْرَدٍ یہ فصل کے درجے میں ہے۔ لَفْظٌ جنس کے درجے میں ہے کہ دیکھو کلمہ آسان لفظوں میں کلمہ کہتے ہیں بامعنی لفظ کو، لیکن لفظ وہ تو عام ہے چاہے اس کا کوئی معنی ہو یا معنی نہ ہو۔ تو کلمہ کے اندر لفظ جو ہے یہ جنس کے درجے میں ہے۔ یہ جب لفظ کہا تو اس میں مہمل بھی داخل ہو گئے۔ مہمل وہ لفظ جس کا کوئی معنی نہ ہو بھئی۔ وہ لفظ جس کا کوئی معنی نہ ہو اس کو مہمل کہتے ہیں، اور یہ آپ بھی کبھی کبھار کلام میں استعمال کرتے ہیں۔ مثلاً آپ کا کوئی ساتھی آپ کے پاس آتا ہے اور آپ اسے کہتے ہیں کہ پانی وانی پیو گے بھئی؟ اب دیکھو یہ پانی کا تو معنی ہے لیکن یہ وانی کیا ہے؟ بے معنی لفظ ہے، مہمل لفظ ہے جس کو آپ نے جوڑ دیا ساتھ۔ یا اسی طرح آپ کا ساتھی آیا آپ اس کو کہتے ہیں روٹی شوٹی کھائیں گے؟ تو روٹی کا تو معنی ہے لیکن یہ شوٹی کا لفظ جو آپ نے ساتھ میں جوڑ دیا یہ کیا ہے؟ بے معنی ہے یعنی مہمل ہے۔

تو جب کہا اَلْكَلِمَةُ لَفْظٌ، تو لَفْظٌ یہ جنس کے درجے میں ہے۔ اس کے اندر ہر طرح کے لفظ داخل ہو گئے، چاہے وہ مہمل ہوں چاہے وہ موضوع ہوں یعنی ان کا کوئی معنی ہو، یا اسی طرح چاہے وہ مفرد ہوں چاہے مرکب ہوں۔ تو اس میں مہملات بھی داخل ہو گئے، موضوعات بھی داخل ہو گئے، مفردات بھی داخل ہو گئے اور مرکبات بھی داخل ہو گئے، کس میں؟ لَفْظٌ میں۔ چاہے لفظ جیسا بھی ہو، چاہے مہملات میں سے ہو، چاہے موضوعات میں سے ہو یعنی کسی معنی کے لیے وضع کیا گیا ہو، چاہے مفردات میں سے ہو، چاہے مرکبات میں سے ہو، تمام الفاظ اس کے اندر داخل ہو گئے۔ پھر آگے کہا: وُضِعَ لِمَعْنًى مُفْرَدٍ۔ تو وُضِعَ یہ بھی فصل کے درجے میں، لِمَعْنًى یہ بھی فصل کے درجے میں، اور مُفْرَدٍ یہ بھی کیا ہے؟ فصل کے درجے میں۔ تو جنس بھی ذکر ہوئی اور تین فصلیں ذکر ہو گئیں۔

تو جب کہا لَفْظٌ تو اس میں ہر طرح کے لفظ داخل ہوئے۔ پھر جب کہا وُضِعَ تو مہملات نکل گئے، کیونکہ مہمل کے اندر وضع نہیں ہوتی۔ وضع میں نے آپ کو بتلایا تھا کہ آگے شارح جامی بھی ذکر کریں گے: وضع کہتے ہیں ایک چیز کو دوسری چیز کے لیے مقرر کرنا کہ ایک چیز سے دوسری چیز کا علم ہو جائے، ایک چیز سے دوسری چیز کا علم ہو جائے، اس کو وضع کہتے ہیں۔ دیکھو یہ جو میں تقریر کر رہا ہوں، میں بولتا جا رہا ہوں اور آپ سمجھتے جا رہے ہیں، کیونکہ آپ جانتے ہیں اردو زبان میں یہ والے

الفاظ کس معنی کے لیے وضع ہیں، کس معنی کے لیے مقرر ہیں۔ مثلاً میں نے کہا گلاس، دیکھو پانی پینے والے ایک برتن کی صورت فوراً آپ کے ذہن میں آگئی کیونکہ آپ جانتے ہیں کہ اردو میں گلاس کا لفظ اس برتن کے لیے مقرر ہے، وضع ہے۔ اسی طرح دیکھو میں الفاظ ذکر کرتا جاؤں گا اور آپ ان کے معنی سمجھتے جائیں گے: مثلاً میں کہتا ہوں بارش، پہاڑ، آبشار، بادل، زمین، سردی، گرمی، بہار، خزاں، صبح، شام۔ دیکھا میں جو جو لفظ بولتا جا رہا ہوں آپ اس کا معنی سمجھتے جا رہے ہیں، کیونکہ آپ جانتے ہیں کہ اردو زبان میں یہ لفظ اس معنی کے لیے وضع ہے یعنی مقرر کیا گیا ہے۔

تو جب وضع کا لفظ آیا تو اس سے مہملات نکل گئے، کیونکہ ان میں وضع نہیں ہوتی۔ اور جب معنی کی قید آئی تو اس صورت میں حروفِ تہجی اس سے نکل گئے بھئی۔ حروفِ تہجی جو الف، با، تا، ثا آپ پڑھتے ہیں وہ اس سے نکل گئے، کیونکہ ان میں وضع تو ہے، ان کو مختلف آوازوں کے لیے مقرر کیا گیا ہے لیکن ان کا مقصد ترکیب ہے، ترکیب ہے، معنی نہیں۔ یہ حروفِ تہجی بھئی حروفِ تہجی الف، با، تا، ثا، کیا ان کا کوئی معنی ہے؟ نہیں، ان کو معنی کے لیے مقرر نہیں کیا گیا، وضع نہیں کیا گیا، ان کو مختلف آوازوں کے لیے مقرر کیا گیا ہے، یہ مختلف آوازوں پر دلالت کرتے ہیں۔ اور مقصد ان کا یہ ہے کہ ان کو جوڑ کر الفاظ کو لکھا جاتا ہے۔ مثلاً آپ زید لکھنا چاہتے ہیں تو آپ نے دیکھا زید میں زا کی آواز ہے، تو آپ نے زا لکھی، پھر آگے یا کی آواز ہے اور پھر دال کی، تو آپ نے زا، یا اور دال کو جوڑا اور زید کا لفظ لکھ لیا۔ تو یہ جو حروفِ تہجی ہیں یہ مختلف آوازوں پر کیا کرتے ہیں؟ دلالت کرتے ہیں، الف، با، تا، ثا، جیم، حا، خا، دیکھو ہر ایک کی الگ الگ آواز ہے۔ کسی زبان والے جو الفاظ بولتے ہیں، وہ جس طرح کی آوازوں کے ساتھ ان لفظوں کو ادا کرتے ہیں، اس کے مطابق یہ حروفِ تہجی مقرر کیے گئے ہیں بھئی۔ تو یہ جو حروفِ تہجی ہیں یہ مختلف آوازوں پر دلالت کرتے ہیں اور مقصد کیا ہوتا ہے کہ ان کو جوڑ کر الفاظ بنائے جائیں، الفاظ کو لکھا جائے۔ چنانچہ آپ کو بھی بعض اوقات استاد کوئی بات لکھوا رہا ہوتا ہے، نیا لفظ آتا ہے جو اس سے پہلے آپ نے پڑھا ہی نہیں کہیں پر، سنا بھی نہیں ہے اس سے پہلے، لیکن پھر بھی آپ اس کو لکھ لیتے ہیں یا نہیں؟ ان آوازوں کے مطابق حروف کو جوڑ کر وہ والا لفظ آپ لکھ لیتے ہیں بھئی۔ تو یہ جو حروفِ تہجی ہیں ان کا مقصد کیا ہے؟ ان کو جوڑ کر مختلف الفاظ کو لکھا جا سکے، زید کیسے لکھنا ہے، بکر کیسے لکھنا ہے، خالد کیسے لکھنا ہے، جیسے۔ تو دیکھو جیسی آواز سے یہ لفظ ادا ہوتا ہے، وہی والے حروف آپ ملا کر لکھ لیتے ہیں۔ مثلاً خالد لکھنا ہے تو خالد کے شروع میں خا کی آواز ہے، پھر الف ہے، پھر اس کے بعد لام کی آواز ہے، پھر دال کی، تو انہی حروف کو آپ جوڑتے ہیں اور خالد لکھ لیتے ہیں۔

تو جب کہا اَلْكَلِمَةُ لَفْظٌ وُضِعَ لِمَعْنًى، کلمہ ایسا لفظ جس کو وضع کیا گیا ہو کسی معنی کے لیے، تو حروفِ تہجی معنی کی قید سے نکل گئے کیونکہ حروفِ تہجی کو تو معنی کے لیے وضع نہیں کیا گیا، ان کو تو ترکیب کے لیے، ترکیب کا معنی جوڑنا آپس میں، ان کو تو آپس میں جوڑنے کے لیے وضع کیا گیا ہے کہ ان کو جوڑ کر الفاظ لکھے جائیں۔

اس کے بعد جب آگے مفرد کی قید آئی، تو مفرد قید کے ذریعے مرکبات نکل گئے بھئی، مفرد کے ذریعے مرکبات نکل گئے۔ تو دیکھا تو اَلْكَلِمَةُ لَفْظٌ وُضِعَ لِمَعْنًى مُفْرَدٍ اس میں لفظ کیا تھا، کس کے درجے میں ہے؟ جنس کے درجے میں۔ اور وُضِعَ اس سے مہملات نکل گئے یہ بھی فصل ہے، لِمَعْنًى یہ بھی فصل ہے اس کے ذریعے حروفِ تہجی نکل گئے، اور مُفْرَدٍ کی قید کے ذریعے مرکبات نکل گئے۔ تو گویا ایک جنس ہے اور تین فصلیں ہیں اس تعریف کے اندر۔ تو ہر تعریف مشتمل ہوتی ہے جنس اور فصل پر، بات سمجھ میں آگئی۔

یہ کافیہ کی متن کی تشریح مختصراً ہو گئی۔ کافیہ کا متن کیا گزر گیا؟ اَلْكَلِمَةُ لَفْظٌ وُضِعَ لِمَعْنًى مُفْرَدٍ۔ اب اسی کی خوب تفصیل کریں گے شارح جامی بھئی۔ تو آگے وہ کہتے ہیں: لَفْظٌ: اَللَّفْظُ فِي اللُّغَةِ الرَّمْيُ، يُقَالُ: أَكَلْتُ التَّمْرَةَ وَلَفَظْتُ النَّوَاةَ، أَيْ رَمَيْتُهَا.

اچھا بھئی پہلے اس کو سمجھ لیں بھئی۔ بھئی دیکھیے عربی زبان میں لَفْظٌ جو ہے اس کا معنی ہے پھینکنا، پھینکنا۔ چنانچہ عربی زبان میں کہتے ہیں: أَكَلْتُ التَّمْرَةَ وَلَفَظْتُ النَّوَاةَ۔ أَكَلْتُ التَّمْرَةَ میں نے کھجور کھائی، وَلَفَظْتُ النَّوَاةَ، نَوَاةٌ گٹھلی کو کہتے ہیں، وَلَفَظْتُ النَّوَاةَ اور میں نے گٹھلی پھینک دی۔ تو کیا کہتے ہیں عربی زبان میں؟ أَكَلْتُ التَّمْرَةَ وَلَفَظْتُ النَّوَاةَ، میں نے کھجور کھائی اور گٹھلی پھینک دی۔ تو دیکھا پھینکنے کے لیے کیا لفظ ہے؟ لَفَظْتُ، لَفَظْتُ میں نے پھینک دی۔ تو معلوم ہوا لَفْظٌ کا کیا معنی ہے عربی زبان میں؟ پھینکنا، پھینکنا۔

تو یہاں پر پھر اعتراض ہوتا ہے کہ دیکھو اَلْكَلِمَةُ ہے مبتدا اور لَفْظٌ ہے اس کی خبر۔ اَلْكَلِمَةُ لَفْظٌ، کلمہ کیا ہے؟ لفظ ہے۔ اور لفظ کا عربی زبان میں کیا معنی ہے؟ پھینکنا۔ تو یہ معلوم ہوا یہ مصدر ہے، تو اَلْكَلِمَةُ ہے ذات اور مصدر...

کیا ہے؟ وصف ہے۔ یاد رکھو یہ جو مصدر ہے یہ وصف ہے، اس کا خارج میں اپنا الگ کوئی وجود نہیں ہوتا۔ کھانا، پینا، سونا، جاگنا، چلنا، پھرنا یہ سب مصدر ہیں اور یہ سب اوصاف ہیں، یہ سب کیا ہیں؟ اوصاف ہیں۔ آپ نے کھانا کھایا تو کھانے کا فعل پایا گیا، آپ نے کھانا نہیں کھایا تو کھانے کا فعل بھی نہیں پایا گیا۔ آپ نے پانی پیا تو اَلشُّرْبُ یعنی پینا پایا گیا۔ آپ نے پٹائی کی تو ضرب پائی گئی۔ تو دیکھو یہ جو مصدر ہے اس کا خارج میں اپنا الگ وجود نہیں ہوتا، یہ صفت ہے۔ مثلاً زید نے ضرب لگائی تو ضرب ہے، یہ ضرب زید کی صفت ہے، اس کا اپنا الگ وجود نہیں۔

اور یاد رکھو جو ہمیں خارج میں دکھائی دیتی ہے وہ ہے حاصل بالمصدر۔ مصدر سے جو حالت حاصل ہوئی وہ ہمیں دکھائی دیتی ہے، مصدر دکھائی نہیں دیتا۔ مثلاً مصدر ہے ہنسنا، تو خارج میں ہمیں ہنسنا دکھائی نہیں دیتا۔ آپ کہیں گے ہمیں تو نظر آتا ہے کوئی ساتھی ہنس رہا ہوتا ہے، یاد رکھو وہ مصدر نہیں، مصدر سے جو صورت جو کیفیت حاصل ہوئی وہ حاصل بالمصدر ہے اور آپ کو جو دکھائی دیتی ہے وہ حاصل بالمصدر ہے۔ یعنی آپ کو ہنسنا نہیں دکھائی دیتا، آپ کو ہنسی دکھائی دیتی ہے، تو یہ جو آپ کو نظر آ رہی ہے یہ کیا ہے؟ ہنسی ہے، ہنسنا نہیں۔ ہنسنا مصدر ہے، اس کا خارج میں وجود نہیں ہے، تو حاصل

بالمصدر ہمیں دکھائی دیتا ہے۔ اسی طرح دوڑنا، دوڑنا آپ کو خارج میں دکھائی نہیں دیتا، ہاں اس دوڑنے سے جو حالت اور جو صورت حاصل ہوئی یعنی دوڑ، وہ آپ کو دکھائی دیتی ہے، تو خارج میں دوڑنا نظر نہیں آتا بلکہ کیا نظر آتی ہے؟ دوڑ۔ اسی طرح چلنا، خارج میں آپ کو چلنا نہیں نظر آتا بلکہ اس سے جو کیفیت حاصل ہوئی وہ آپ کو دکھائی دیتی ہے یعنی چال۔

تو مصدر جو ہے وصف ہے۔ تو یہاں پر اَلْکَلِمَۃُ آیا، اَلْکَلِمَۃُ ہے ذات اور آگے لَفْظٌ اس کی خبر آئی، اور لَفْظٌ کیا ہے؟ مصدر ہے، اور مصدر کا تو کوئی خارج میں وجود نہیں ہے کیونکہ مصدر صفت ہے بھئی۔ تو مصدر صفت ہے اور مصدر کا حمل ذات پر نہیں ہو سکتا۔ کیوں نہیں ہو سکتا؟ یہ جو ابھی میں نے تفصیل بیان کر دی، مصدر کا حمل ذات پر نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ اگر اَلْکَلِمَۃُ لَفْظٌ کو ٹھیک مان لیا جائے تو اس کا مطلب ہے جو اَلْکَلِمَۃُ کی ذات ہے وہی کیا ہے؟ لفظ بھی ہے۔ جو اَلْکَلِمَۃُ کی ذات ہے وہی کیا ہے؟ لفظ بھی ہے۔ یا دوسری مثال سے سمجھ لو: زَیْدٌ عَدْلٌ، زَیْدٌ عَدْلٌ۔ زید ایک ذات کا نام ہے اور عدل کا معنی ہے انصاف کرنا، تو عدل مصدر ہے اور اس کا حمل کس پر ہو رہا ہے؟ زید پر، اور حمل کا کیا معنی ہوتا ہے؟ کہ خارج میں دو چیزوں کا اکٹھا ہو جانا ایک ہی ذات میں۔ تو معلوم ہوا جو زید ہے وہی عدل بھی ہے، وہی عدل بھی ہے، تو گویا آپ نے تو ذات کو عدل قرار دے دیا، وہی زید بھی ہے اور وہی عدل بھی ہے، حالانکہ عدل وہ تو مصدر ہے اس کا تو خارج میں کوئی وجود ہی نہیں ہے۔ تو معلوم ہوا مصدر کا حمل ذات پر صحیح نہیں، کیونکہ اگر حمل صحیح مانیں گے تو اس کا تو مطلب ہے مصدر کا خارج میں وجود آجائے گا، حالانکہ مصدر کا تو خارج میں وجود نہیں ہے۔ تو یہاں بھی اسی طرح اَلْکَلِمَۃُ ہے مبتدا اور لَفْظٌ اس کی ہے خبر، اور یہاں مصدر کا حمل ذات پر صحیح نہیں ہے۔

اشکال سمجھ میں آیا؟ تو اس کا جواب آپ کو دیں گے صاحبِ جامی، کہ عربی زبان میں تو لَفْظٌ کا معنی ہے پھینکنا، لیکن یہاں لَفْظٌ سے مراد اصطلاحی معنی ہے جو نحویوں کے ہاں ہے، اور نحویوں کے ہاں لَفْظٌ کہتے ہیں مَا یَتَلَفَّظُ بِہِ الْإِنْسَانُ۔ مَا یَتَلَفَّظُ بِہِ الْإِنْسَانُ وہ جس پر انسان تلفظ کرے اسے کیا کہتے ہیں؟ لفظ کہتے ہیں۔ یہ جو میں تقریر کر رہا ہوں یہ کیا ہے؟ لفظ ہے بھئی، جس پر میں تلفظ کر رہا ہوں۔ تو عربی زبان میں لفظ کا کیا معنی؟ پھینکنا، اور علمِ نحو کی اصطلاح میں لفظ کا کیا معنی؟ مَا یَتَلَفَّظُ بِہِ الْإِنْسَانُ، جس پر انسان تلفظ کرے۔ اور یہ جس پر انسان تلفظ کرے وہ لفظ ہے وہ بھی ذات ہے بھئی، وہ بھی کیا ہے؟ ذات ہے۔ تو یہاں پر اَلْکَلِمَۃُ لَفْظٌ میں یہ لَفْظٌ سے لغوی لفظ نہیں مراد بلکہ اصطلاحی لفظ مراد ہے یعنی مَا یَتَلَفَّظُ بِہِ الْإِنْسَانُ، اور وہ بھی ذات ہے، تو اَلْکَلِمَۃُ بھی ذات اور لَفْظٌ بمعنی مَا یَتَلَفَّظُ بِہِ الْإِنْسَانُ بھی کیا ہے؟ ذات ہے، تو ذات کا ذات پر حمل صحیح ہو جائے گا کہ کلمہ وہ چیز ہے جس پر انسان تلفظ کرتا ہے۔

معلوم ہوا عربی زبان میں لفظ کا معنی ہے پھینکنا اور نحویوں کی اصطلاح میں لفظ کا کیا معنی ہے؟ مَا یَتَلَفَّظُ بِہِ الْإِنْسَانُ۔ تو معلوم ہوا اس لفظ کو ایک معنی سے نقل کیا گیا دوسرے معنی کی طرف۔ نحویوں نے کیا کیا؟ اس لفظ کو نقل کر لیا دوسرے معنی کی طرف۔ جیسے صَلَاۃٌ کا لفظ ہے عربی زبان میں، صَلَاۃٌ کا عربی زبان میں معنی ہے دعا، لیکن پھر بعد میں اصطلاحِ شریعت میں اس کو نقل کر لیا گیا ایک مخصوص عبادت کے لیے جس کو ہم نماز کہتے ہیں، اب اس نماز کو کیا کہا جاتا ہے؟

صَلَاۃٌ، تو یہ کیا ہے؟ منقول۔ اسی طرح یہاں پر بھی لفظ کا معنی تو کیا تھا؟ پھینکنا، پھر اس کو نقل کر کے کس معنی میں نحوی استعمال کرنے لگے؟ مَا يَتَلَفَّظُ بِهِ الْإِنْسَانُ، تو یہ لفظ ہوا منقول بھئی۔ یہ کیا ہے؟ تو یہ منقول ہے، ایک معنی سے دوسرے معنی کی طرف اس کو نقل کر لیا گیا۔

اس میں آپ کو شارح جامی بتائیں گے کہ یہاں دو احتمال ہیں: یا تو لفظ کو براہِ راست نقل کر لیا گیا اس اصطلاحی معنی کی طرف، توجہ ہے؟ لفظ کا پہلا معنی کیا؟ پھینکنا، اور پھر اس کو براہِ راست نقل کر لیا کس معنی میں؟ مَا يَتَلَفَّظُ بِهِ الْإِنْسَانُ، مَا يَتَلَفَّظُ بِهِ الْإِنْسَانُ، ایک صورت یہ ہے۔ اور دوسری صورت یہ ہے کہ اس لفظ کو پہلے مَلْفُوْظٌ کے معنی میں کر لیا گیا، کس معنی میں کر لیا؟ مَلْفُوْظٌ کے معنی میں کر لیا، جیسے آپ جانتے ہیں کہ مصدر کبھی اسمِ فاعل کے معنی میں ہوتا ہے اور کبھی اسمِ مفعول کے معنی میں، جیسے زَيْدٌ عَدْلٌ یہ عَدْلٌ کس معنی میں ہے؟ عَادِلٌ کے معنی میں ہے، تو کبھی مصدر کس معنی میں ہوتا ہے؟ اسمِ فاعل جیسے عَدْلٌ بمعنی عَادِلٌ، اور کبھی مصدر اسمِ مفعول کے معنی میں ہوتا ہے جیسے خَلْقٌ بمعنی مَخْلُوْقٌ کے، خَلْقٌ کا لفظ عربی میں عام استعمال ہوتا ہے بمعنی مَخْلُوْقٌ کے استعمال ہوتا ہے۔ تو معلوم ہوا مصدر کبھی اسمِ فاعل کے معنی میں استعمال ہوتا ہے اور کبھی اسمِ مفعول۔ تو یہاں پر بھی لَفْظٌ ہے تو مصدر، معنی تو ہے پھینکنا، لیکن پھر اس کو کس معنی میں کر لیا؟ مَلْفُوْظٌ کے معنی میں، لفظ کو کس معنی میں کر لیا؟ مَلْفُوْظٌ کے معنی میں کر لیا۔ تو ایک دفعہ یہ نقل ہوا مَلْفُوْظٌ کے معنی کی طرف، اور پھر دوسری دفعہ یہ نقل ہوا مَا يَتَلَفَّظُ بِهِ الْإِنْسَانُ کی طرف۔ توجہ ہے؟

دو احتمال ذکر کریں گے، یا تو نحویوں نے کیا کیا؟ ابتداءً ہی لفظ کا معنی تھا پھینکنا، اس سے نقل کر لیا کس معنی کی طرف؟ مَا يَتَلَفَّظُ بِهِ الْإِنْسَانُ کی طرف۔ دوسری صورت کہ براہِ راست نقل نہیں کیا، دو نقلیں آئیں یہاں پر: پہلی دفعہ نقل کیا کس معنی کی طرف؟ مَلْفُوْظٌ کے معنی کی طرف، اب لفظ بولا اور معنی کیا؟ پھینکنا نہیں، مَلْفُوْظٌ یعنی پھینکی ہوئی چیز، پھینکی ہوئی چیز۔ تو پہلے لفظ کا معنی تھا پھینکنا، پھر اس کو نقل کر لیا کس معنی کی طرف؟ مَلْفُوْظٌ یعنی پھینکی ہوئی چیز، پھر اس لفظ کو دوسری دفعہ نقل کیا کس کی طرف؟ مَا يَتَلَفَّظُ بِهِ الْإِنْسَانُ۔ تو دو احتمال ہیں یہاں پر: یا تو لفظ کو براہِ راست مَا يَتَلَفَّظُ بِهِ الْإِنْسَانُ کے معنی کی طرف نقل کیا گیا، یا پہلے اس کو کس معنی میں کیا گیا؟ مَلْفُوْظٌ کے معنی میں، اور پھر کس معنی میں کیا گیا؟ مَا يَتَلَفَّظُ بِهِ الْإِنْسَانُ کے معنی میں، تو گویا دو درجوں میں یہ نقل ہوئی۔ ایک صورت میں ایک ہی درجے میں براہِ راست نقل ہوا، اور دوسری صورت میں دو درجوں کے اندر: پہلے لفظ کس معنی میں ہوا؟ مَلْفُوْظٌ کے معنی میں، اور پھر یہ لفظ جو مَلْفُوْظٌ کے معنی میں تھا اس کو پھر نقل کر لیا کس کی طرف؟ مَا يَتَلَفَّظُ بِهِ الْإِنْسَانُ کی طرف۔ تو دو احتمال ہیں، اور دونوں احتمال جو ہیں ان دونوں کے اندر، ان کو دیکھیں تو بعض اعتبار سے یہ اچھے ہیں، اور دیکھا جائے تو بعض اعتبار سے ان میں خرابی ہے بھئی۔

توجہ ہے؟ تقریر سمجھ میں آرہی ہے؟ کہ عربی زبان میں لفظ کا کیا معنی؟ پھینکنا۔ پھر نحوی کس معنی میں استعمال کرنے لگے؟ مَا يَتَلَفَّظُ بِهِ الْإِنْسَانُ۔ تو یہ جو لغوی معنی سے نقل کیا اصطلاحی معنی کی طرف، تو اس میں یا تو براہِ راست نقل کر لیا ایک ہی دفعہ میں براہِ راست نقل کر لیا گیا۔ دوسری صورت یہ ہے کہ ایک ہی مرتبہ میں نہیں نقل کیا گیا، بلکہ پہلے لفظ کو کس معنی میں کر لیا؟ مَلْفُوْظٌ یعنی پھینکی ہوئی چیز کے معنی میں، اور پھر یہ لفظ جو پھینکی ہوئی چیز کے معنی میں تھا، یہ لفظ جو مَلْفُوْظٌ کے معنی میں تھا، اس کو پھر کس معنی میں کر لیا؟ مَا يَتَلَفَّظُ بِهِ الْإِنْسَانُ کے معنی میں کر لیا۔ تو یہ جو دو احتمال ہیں دونوں میں دیکھیں تو بعض اعتبار سے یہ اچھے ہیں، اور بعض اعتبار سے ان میں خرابی ہے۔

کس طرح اچھے ہیں اور کیا خرابی ہے دیکھو۔ پہلا احتمال کیا تھا؟ کہ لغوی معنی سے براہِ راست کس معنی کی طرف نقل کر لیا؟ اصطلاحی معنی کی طرف۔ لفظ کا پہلا معنی کیا تھا؟ پھینکنا۔ پھر کیا معنی ہوا؟ مَا يَتَلَفَّظُ بِهِ الْإِنْسَانُ یعنی یوں کہو جس پر انسان تلفظ کرتا ہے، یعنی جو چیز منہ سے پھینکتا ہے، یعنی منہ سے پھینکی ہوئی چیز۔ یعنی لفظ جس پر انسان کیا کرتا ہے؟ تو پہلا معنی کیا تھا؟ پھینکنا، اور پھر کس معنی میں کر لیا؟ منہ سے پھینکے ہوئے الفاظ، منہ سے پھینکے ہوئے الفاظ اس معنی میں کر لیا۔ تو یہاں پر اس اعتبار سے تو یہ اچھا ہے کہ نقل ایک ہی دفعہ پائی گئی، دو یا تین نقلیں نہیں ہیں، ایک ہی دفعہ لفظ کو پھینکنے کے معنی سے اٹھا کر کس معنی میں کر لیا؟ منہ سے پھینکے ہوئے الفاظ کے معنی میں کر لیا۔ تو نقل ایک دفعہ ہے یا دو دفعہ؟ ایک دفعہ، تو یہاں تعددِ نقل نہیں ہے، تو بایں اعتبار یہ والا احتمال بہتر ہے۔ لیکن اس احتمال میں خرابی بھی ہے، یہ قبیح بھی ہے، بایں اعتبار کہ منقول عنہ اور منقول الیہ کے درمیان مناسبتِ بعیدہ ہے۔

یاد رکھو لفظ کو ایک معنی سے دوسرے معنی کی طرف نقل کیا جائے تو ان میں عموماً مناسبت ہونی چاہیے، کیا ہونی چاہیے؟ ان میں مناسبت ہونی چاہیے۔ یہاں پر بھی، یہاں پر بھی کس لفظ کو نقل کیا گیا؟ لفظ کو، لفظ کو۔ تو یہ ہوا منقول، یہ لفظ کیا ہے؟ منقول۔ اور کس معنی سے نقل کیا گیا؟ پھینکنا، وہ ہوا منقول عنہ، اس سے نقل کیا گیا ہے۔ اور کس معنی کی طرف نقل کیا؟ مَا يَتَلَفَّظُ بِهِ الْإِنْسَانُ، تو وہ ہوا منقول الیہ بھئی۔ منقول کسے کہیں گے؟ لفظ کو۔ اور منقول عنہ وہ جو پہلا معنی تھا، اور منقول الیہ، منقول الیہ دوسرا معنی جس کی طرف کیا کیا؟ نقل کیا گیا ہے، توجہ ہے؟ تو لہٰذا تو یہاں نقل ہے، تو منقول عنہ اور منقول الیہ یہ جو دو معنی ہیں ان میں مناسبت ہونی چاہیے۔ اور یہاں مناسبتِ بعیدہ ہے، مناسبتِ بعیدہ ہے، کس طرح مناسبتِ بعیدہ ہے؟ کہ لغوی معنی کیا، منقول عنہ کیا ہے؟ پھینکنا۔ اور منقول الیہ جس معنی کی طرف نقل کیا گیا وہ کیا ہے؟ مَا يَتَلَفَّظُ بِهِ الْإِنْسَانُ یعنی آسان لفظوں میں کہو منہ سے پھینکے ہوئے الفاظ، منہ سے پھینکے ہوئے الفاظ، یا یوں کہہ لو منہ سے پھینکی ہوئی چیز۔ پہلا معنی کیا تھا؟ پھینکنا، اور دوسرا معنی کیا ہے؟ پھینکی ہوئی چیز، توجہ ہے؟ یا یوں کہہ لو منہ سے پھینکے ہوئے الفاظ۔ تو پھینکنا سب...

بب ہوتا ہے، اور پھینکی ہوئی چیز وہ مسبب ہوتی ہے۔ آپ نے کوئی چیز پھینکی، تو یہ پھینکنا پایا گیا تو وہ پھینکی ہوئی چیز بھی ہے کوئی۔ آپ نے ایک چیز کو پھینکا، پھینکنے کا فعل ہوگا تو کوئی چیز کیا ہوگی؟ پھینکی ہوئی ہوگی۔ توجہ ہے؟ تو پھینکنا سبب ہوتا

ہے کس چیز کا؟ پھینکی ہوئی چیز کا۔ سبب ہے تو مسبب ہے، سبب نہیں تو مسبب بھی نہیں ہے۔ تو یہاں پر بھی اسی طرح ہے: منقول عنہ معنی کیا ہے؟ پھینکنا، اور منقول الیہ معنی کیا ہے؟ پھینکی ہوئی چیز بھئی۔ تو پھینکنا سبب اور پھینکی ہوئی چیز مسبب۔ گویا سبب کا نام اٹھا کر کس کو دے دیا؟ پھینکی ہوئی چیز کو وہ نام دے دیا۔ تو اس کو کہتے ہیں تَسْمِيَةُ الْمُسَبَّبِ بِاسْمِ السَّبَبِ، مسبب کا نام رکھنا، کون سا نام؟ سبب والا، سبب والا نام کس کو دے دینا؟ مسبب کو۔ توجہ ہے؟ لفظ کا کیا معنی تھا؟ پھینکنا، لیکن یہ نام کس کو دے دیا؟ پھینکی ہوئی چیز کو، یعنی سبب کا نام کس کو دے دیا؟ مسبب کو دے دیا۔ تو یہ تَسْمِيَةُ الْمُسَبَّبِ بِاسْمِ السَّبَبِ کی قبیل سے ہے۔ تو یہ مناسبتِ بعیدہ ہے، قریبہ نہیں ہے۔

اور دوسرا، دوسرا اگر احتمال لے لیں۔ دوسرا احتمال کیا تھا؟ کہ لفظ کو اولاً کس– لفظ کا معنی تھا پھینکنا، پھر اس کو کس معنی میں کر لیا گیا؟ ملفوظ یعنی پھینکی ہوئی چیز کے معنی میں، اور پھر وہ لفظ جو پھینکی ہوئی چیز کے معنی میں تھا پھر اس لفظ کو دوبارہ نقل کر لیا گیا کس معنی میں؟ مَا يَتَلَفَّظُ بِهِ الْإِنْسَانُ یعنی منہ سے پھینکی ہوئی چیز کے معنی میں، منہ سے پھینکے ہوئے الفاظ کے معنی میں۔ یہ طریقہ، یہ بھی من وجہ اچھا ہے اور من وجہ اس میں خرابی۔ اس میں خرابی یہ ہے کہ اس میں تعددِ نقل کا ارتکاب کرنا پڑا، نقل کو دو مرتبہ ماننا پڑا بھئی۔ پہلے لفظ کو نقل کیا ملفوظ کے معنی کی طرف، اور پھر یہ لفظ جو ملفوظ کے معنی میں تھا اس کو نقل کیا کس کی طرف؟ مَا يَتَلَفَّظُ بِهِ الْإِنْسَانُ، تو نقل کتنی دفعہ پائی گئی؟ دو مرتبہ نقل پائی گئی، اور تعددِ نقل پسندیدہ نہیں، تعددِ نقل پسندیدہ نہیں۔ تو اس میں دو درجے اعتبار کرنا پڑا نقل کے دو درجوں کا۔ تو بایں اعتبار یہ پسندیدہ نہیں، یہ قبیح ہے۔ لیکن بایں اعتبار اس میں حسن ہے، یہ اچھا ہے، کہ اس کے اندر منقول عنہ اور منقول الیہ جو دو معنی ہیں ان میں مناسبتِ قریبہ ہے۔ قریبی مناسبت ہے بھئی، زیادہ مناسبت ہے اس کے اندر۔

یہاں پر کس معنی سے کس معنی کی طرف نقل کیا؟ بھئی مَا يَتَلَفَّظُ بِهِ الْإِنْسَانُ کی طرف نقل کرنا ہے، کس معنی سے نقل کیا؟ وہ لفظ جو ملفوظ کے معنی میں تھا۔ وہ لفظ جو پھینکنے کے معنی میں تھا اس کو نہیں نقل کیا، بلکہ کون سے لفظ کو نقل کیا؟ وہ لفظ جو ملفوظ کے معنی میں ہو چکا ہے اس کو اب نقل کیا کس کی طرف؟ مَا يَتَلَفَّظُ بِهِ الْإِنْسَانُ کی طرف۔ تو یہاں منقول عنہ معنی کیا بنا؟ ملفوظ۔ توجہ ہے؟ بھئی یہاں دو درجے ہیں نقل کے: پہلے لفظ کو کس معنی میں لے لیا؟ ملفوظ، یہ والی نقل کو اب آپ چھوڑ دیں۔ پھر اب یہ لفظ جو کس معنی میں ہے؟ ملفوظ کے معنی میں ہے، اس کو نقل کیا کس کی طرف؟ مَا يَتَلَفَّظُ بِهِ الْإِنْسَانُ۔ اب صرف اس نقل پہ نظر رکھیں: لفظ کا معنی کیا؟ منقول عنہ معنی کیا؟ ملفوظ۔ اور منقول الیہ معنی کیا؟ مَا يَتَلَفَّظُ بِهِ الْإِنْسَانُ۔ اب ان دونوں میں مناسبتِ قریبہ ہے، کیونکہ ملفوظ کا بھی کیا معنی؟ پھینکی ہوئی چیز، اور مَا يَتَلَفَّظُ بِهِ الْإِنْسَانُ کا بھی کیا معنی؟ منہ سے پھینکے ہوئے الفاظ، تو یہ منہ سے پھینکے ہوئے الفاظ بھی پھینکی ہوئی چیز ہی ہے۔

تو ملفوظ عام تھا، پھینکی ہوئی چیز، منہ سے پھینکی جائے وہ بھی ملفوظ، ہاتھوں سے پھینکی جائے وہ بھی ملفوظ۔ تو ملفوظ عام تھا، وہ مَا يَتَلَفَّظُ بِهِ الْإِنْسَانُ کو بھی شامل تھا اور اس کے علاوہ اور چیزوں کو بھی شامل تھا، پھر اس میں سے ایک مَا

يَتَلَفَّظُ بِهِ الْإِنْسَانُ کے ساتھ اس کو خاص کر دیا۔ یعنی یوں کہو ملفوظ عام تھا، ملفوظ کیا تھا؟ عام تھا، اس میں منہ سے پھینکنا بھی داخل تھا اور ہاتھوں سے پھینکنا بھی، پھر اس لفظ کو جو ملفوظ کے معنی میں ہے اس کو پھر خاص کر دیا کس کے ساتھ؟ مَا يَتَلَفَّظُ بِهِ الْإِنْسَانُ، یعنی یوں کہو عام کا نام دے دیا خاص کو۔ لفظ کا معنی تو کیا تھا؟ ملفوظ، ملفوظ۔

بات سمجھ میں آگئی؟ بھئی ایک نقل ہم کر چکے، لفظ کو کس معنی میں نقل کر لیا؟ ملفوظ کے معنی میں۔ بس اب پہلی نقل کو چھوڑ دو۔ پھر یہ جو لفظ جو کس معنی میں ہے؟ ملفوظ کے معنی میں ہے، اس کو نقل کیا کس کی طرف؟ مَا يَتَلَفَّظُ بِهِ الْإِنْسَانُ کی طرف اس کو نقل کیا گیا۔ تو منقول عنہ معنی کیا؟ ملفوظ، اور منقول الیہ جس کی طرف نقل کیا گیا وہ کیا؟ مَا يَتَلَفَّظُ بِهِ الْإِنْسَانُ۔ تو پہلا معنی ہوا ملفوظ اور دوسرا ہوا مَا يَتَلَفَّظُ بِهِ الْإِنْسَانُ، اور ملفوظ عام ہے، یہ منہ سے پھینکی ہوئی چیز یعنی مَا يَتَلَفَّظُ بِهِ الْإِنْسَانُ کو بھی شامل ہے اور ہاتھ سے پھینکی ہوئی چیز کو بھی شامل ہے۔ تو ملفوظ عام تھا، اور اسی کی ایک قسم کیا ہے؟ مَا يَتَلَفَّظُ بِهِ الْإِنْسَانُ، وہ ہے خاص۔ تو عام والا نام کس کو دے دیا؟ خاص کو دے دیا، تو یہ مناسبتِ قریبہ ہے، یہ کیا ہے؟ مناسبتِ قریبہ۔ بات سمجھ میں آگئی۔ تو یہ دو احتمال ہیں یہاں۔

حاصلِ کلام پھر سن لو کہ یہاں پر اشکال یہ ہوا کہ یہ اَلْكَلِمَةُ لَفْظٌ، لَفْظٌ تو مصدر ہے اور مصدر کا حمل تو ذات پر صحیح نہیں۔ تو ملا جامی نے آپ کو بتایا: یہ لَفْظٌ یہاں اصطلاحی معنی میں ہے، یعنی مَا يَتَلَفَّظُ بِهِ الْإِنْسَانُ کے معنی میں ہے۔ لغوی اعتبار سے تو اس کا معنی تھا پھینکنا، پھر اس کو نقل کر لیا گیا کس کی طرف؟ مَا يَتَلَفَّظُ بِهِ الْإِنْسَانُ کی طرف۔ یا تو ایک ہی مرتبہ میں اس کو نقل کر لیا گیا، اور ایک صورت یہ ہے کہ دو مرتبہ میں نقل کیا گیا: پہلے لَفْظٌ کو کس معنی میں کر لیا؟ مَلْفُوْظٌ کے معنی میں، اور پھر اس کو کس معنی میں کر لیا؟ مَا يَتَلَفَّظُ بِهِ الْإِنْسَانُ کے معنی میں کر لیا۔ تو دو صورتیں، دو احتمال ہیں، اور دونوں کے اندر دیکھا جائے تو بعض اعتبار سے دونوں اچھے ہیں اور بعض اعتبار سے دونوں میں خرابی بھی ہے۔

پہلا طریقہ جس میں براہِ راست نقل کرتے تھے: لَفْظٌ کا معنی تھا پھینکنا، اور اس کو براہِ راست نقل کر لیا کس معنی میں؟ مَا يَتَلَفَّظُ بِهِ الْإِنْسَانُ کے معنی میں۔ تو یہاں پر تعددِ نقل نہیں ہے، بایں اعتبار یہ احتمال اچھا ہے۔ لیکن دوسرے اعتبار سے اس میں خرابی ہے کہ یہاں پر منقول عنہ معنی جو ہے وہ ہے پھینکنا اور منقول الیہ معنی جو ہے مَا يَتَلَفَّظُ بِهِ الْإِنْسَانُ، ان دونوں میں زیادہ مناسبت نہیں ہے، مناسبتِ بعیدہ ہے، کیا ہے؟ مناسبتِ بعیدہ ہے۔ یہ کس قبیل سے ہے؟ تَسْمِيَةُ الْمُسَبَّبِ بِاسْمِ السَّبَبِ، لفظ کا معنی تو تھا پھینکنا اور یہ نام کس کو دے دیا؟ پھینکی ہوئی چیز یعنی لفظوں کو دے دیا، تو یہ تَسْمِيَةُ الْمُسَبَّبِ بِاسْمِ السَّبَبِ کی قبیل سے ہے۔

اور اگر دوسرا احتمال لیا جائے کہ لفظ کو پہلے کس معنی میں کیا گیا؟ ملفوظ کے معنی میں، اور پھر اس لفظ کو نقل کیا گیا کس کی طرف؟ مَا يَتَلَفَّظُ بِهِ الْإِنْسَانُ، تو اس میں بھی من وجہ حسن ہے اور من وجہ قبح ہے۔ قباحت اس میں اس اعتبار سے ہے— یوں کہیں خرابی، خرابی اس میں اس اعتبار سے ہے کہ یہاں دو مرتبہ نقل ہوا ہے، توجہ ہے؟ تو یہاں تعددِ نقل پایا

گیا جو پسندیدہ نہیں۔ اور دوسرے اعتبار سے دیکھا جائے تو اس میں حسن بھی ہے، یہ اچھا بھی ہے بایں اعتبار کہ منقول عنہ اور منقول الیہ ان دونوں معانی میں مناسبتِ قریبہ ہے۔ وہاں تھی مناسبتِ بعیدہ، پہلا معنی کیا تھا؟ پھینکنا، دوسرا معنی کیا ہوا؟ پھینکی ہوئی چیز۔ اور یہاں پر پہلا معنی کیا؟ ملفوظ، ملفوظ پھینکی ہوئی چیز، اور پھر دوسرا معنی کیا؟ مَا يَتَلَفَّظُ بِهِ الْإِنْسَانُ، تو ملفوظ والے معنی سے نقل کر لیا کس کی طرف؟ مَا يَتَلَفَّظُ بِهِ الْإِنْسَانُ کی طرف نقل کر لیا، تو یہ تَسْمِيَةُ الْخَاصِّ بِاسْمِ الْعَامِّ کی قبیل سے ہے۔ تَسْمِيَةُ الْخَاصِّ بِاسْمِ الْعَامِّ، کس طرح تَسْمِيَةُ الْخَاصِّ بِاسْمِ الْعَامِّ ہے؟ ملفوظ عام تھا، ملفوظ کا کیا معنی؟ پھینکی ہوئی چیز چاہے منہ سے پھینکیں چاہے ہاتھ سے، اور اسی کے اندر منہ سے پھینکے ہوئے الفاظ بھی شامل تھے یا نہیں؟ وہ بھی پھینکی ہوئی چیز ہے، تو یہ ملفوظ تو عام تھا، تو وہ لفظ جو عام کے لیے تھا وہ کس کو دے دیا؟ خاص کو وہی نام دے دیا: تَسْمِيَةُ الْخَاصِّ بِاسْمِ الْعَامِّ۔ بات یہ سمجھ میں آ رہی ہے نا؟

یہ تَسْمِيَةُ الْخَاصِّ بِاسْمِ الْعَامِّ کی قبیل سے یہ بات سمجھ میں آئی یا نہیں؟ یہ لفظ کس معنی میں تھا؟ ملفوظ کے معنی میں، اور ملفوظ کا کیا معنی؟ پھینکی ہوئی چیز، پھر یہ نام کس کو دے دیا؟ مَا يَتَلَفَّظُ بِهِ الْإِنْسَانُ یعنی منہ سے پھینکے ہوئے الفاظ کو یہ نام دے دیا۔ تو پہلا معنی کیا تھا؟ پھینکی ہوئی چیز، اور یہ جو منہ سے الفاظ پھینکے ہیں یہ بھی کیا ہیں؟ پھینکی ہوئی چیز ہی ہیں، تو دونوں میں مناسبتِ قریبہ ہے۔ تو دونوں میں من وجہ حسن بھی ہے اور من وجہ قبح بھی ہے، قبیح کا معنی ہونا— قبیح کا معنی ہے برا ہونا، بدصورت ہونا۔ تو من وجہ دونوں میں حسن بھی ہے دونوں احتمالوں میں، اور من وجہ قبح بھی ہے۔ پہلا طریقہ اچھا ہے کس اعتبار سے؟ کہ اس میں تعددِ نقل نہیں۔ اور اس میں قبح ہے کس اعتبار سے؟ کہ منقول عنہ اور منقول الیہ جو دو معانی ہیں ان کے درمیان مناسبتِ بعیدہ ہے، وہ تَسْمِيَةُ الْمُسَبَّبِ بِاسْمِ السَّبَبِ کی قبیل سے ہے۔ دوسرا طریقہ میں برائی بھی ہے اور اچھائی بھی۔ برائی کس اعتبار سے؟ کہ تعددِ نقل ہے، دو دفعہ نقل کیا گیا۔ اور اچھائی ہے کس اعتبار سے؟ کہ منقول عنہ اور منقول الیہ ان دونوں معانی میں مناسبت ہے بھئی، منقول عنہ کون سا معنی ہے؟ ملفوظ، پھینکی ہوئی چیز، وہ عام تھی، اور مَا يَتَلَفَّظُ بِهِ الْإِنْسَانُ کیا ہے؟ خاص، تو خاص کو وہی عام والا نام دے دیا۔

نیز تھوڑی سی اور تفصیل یاد رکھیں، کہ تَسْمِيَةُ السَّبَبِ بِاسْمِ الْمُسَبَّبِ اس کو مناسبتِ بعیدہ قرار دیا گیا اور تَسْمِيَةُ الْخَاصِّ بِاسْمِ الْعَامِّ اس کو کیا قرار دیا گیا؟ مناسبتِ قریبہ، توجہ ہے؟ تَسْمِيَةُ الْمُسَبَّبِ بِاسْمِ السَّبَبِ کو مناسبتِ بعیدہ قرار دیا گیا، اور تَسْمِيَةُ الْخَاصِّ بِاسْمِ الْعَامِّ کو مناسبتِ قریبہ قرار دیا گیا، اس کی کیا وجہ ہے؟ وجہ یہ کہ سبب اور مسبب بالکل الگ الگ ہوتے ہیں، ان دونوں میں اتحاد نہیں ہوتا، ان دونوں میں اتحاد نہیں ہوتا۔ مثلاً دیکھو بھئی جیسے یہ نماز کا سبب وقت ہوتا ہے۔ مثلاً عصر کی نماز اس کا سبب عصر کا وقت ہے۔ آج عصر کی نماز آپ ابھی پڑھنا چاہتے ہیں تو آپ کی نماز نہیں ہوگی، کیونکہ ابھی آپ پر نماز کا وجوب ہی نہیں آیا۔ عصر کا وقت آئے گا تو آپ پر عصر کی نماز لازم ہو جائے گی اور پھر آپ ادا کریں گے تو ادا ہوگی، اس سے پہلے عصر کی نماز ادا نہیں کر سکتے۔ تو معلوم ہوا یہ جو نماز کا وقت ہوتا ہے یہ اس نماز کے وجوب کے لیے سبب ہوتا ہے، تو وقت ہے سبب اور نماز کیا ہوئی؟ مسبب۔ اب سبب اور مسبب دونوں الگ

الگ چیزیں ہیں، ایک کا حمل دوسرے پر نہیں کر سکتے، ہم یوں نہیں کہہ سکتے: اَلصَّلَاۃُ وَقْتٌ، نماز وقت ہے۔ صلاۃ مسبب کو بتدا بنایا اور وقت کو کیا بنایا؟ خبر: اَلصَّلَاۃُ وَقْتٌ، نماز کیا ہے؟ وقت ہے، یہ کہنا صحیح نہیں۔ یا اس کا برعکس کر لیں، وقت کو بتدا بنائیں اور صلاۃ کو خبر بنائیں: اَلْوَقْتُ صَلَاۃٌ، وقت کیا ہے؟ صلاۃ ہے، دیکھا یہاں نہ سبب کا حمل مسبب پر ہو سکتا ہے نہ مسبب کا حمل سبب پر ہو سکتا ہے، دونوں جمع نہیں ہو سکتے، دونوں الگ الگ ہیں۔ جبکہ خاص اور عام میں حمل ایک جانب سے ہو سکتا ہے، مثلاً حیوان ہے عام اس میں انسان بھی شامل اور گائے، بیل، بکری بھی شامل، اور انسان ہے خاص۔ توجہ ہے؟ حیوان کیا ہوا؟ عام، اور انسان کیا ہوا؟ خاص۔ تو ہم کہہ سکتے ہیں: اَلْإِنْسَانُ حَيَوَانٌ، انسان کیا ہے؟ حیوان۔ دیکھا خاص کو بنایا بتدا اور عام کو بنایا خبر، تو یہ حمل صحیح بن رہا ہے: انسان حیوان ہے۔ ہاں حیوان انسان ہے یہ حمل صحیح نہیں۔ تو دیکھو ایک جانب سے حمل صحیح ہو جاتا ہے۔ تو سبب اور مسبب میں ایک جانب سے بھی حمل صحیح نہیں ہوتا تھا، تو وہ کیا ہے؟ مناسبتِ بعیدہ ہے۔ تو معلوم ہوا وہ کیا ہے؟ وہاں مناسبت، مناسبتِ بعیدہ ہے، اور یہاں ایک جانب سے تو کم از کم حمل ہو جاتا ہے کہ عام کا حمل کر دیا جائے خاص پر، تو یہاں مناسبت، مناسبتِ قریبہ ہے بھئی۔ بات سمجھ میں آ گئی۔

اب دیکھیے بھئی کتاب پر:

اَللَّفْظُ فِي اللُّغَةِ الرَّمْيُ، لفظ جو ہے عربی زبان میں الرَّمْيُ پھینکنا ہے، لفظ کا کیا معنی ہے؟ پھینکنا۔ يُقَالُ، عربی زبان میں کہا جاتا ہے: أَكَلْتُ التَّمْرَةَ وَلَفَظْتُ النَّوَاةَ، میں نے کھجور کھائی وَلَفَظْتُ النَّوَاةَ، أَيْ رَمَيْتُهَا، یعنی اس کو میں نے پھینک دیا، اس کی گٹھلی کو میں نے اس کی گٹھلی کو پھینک دیا۔ دیکھا لَفَظْتُ، لَفَظْتُ آیا، معنی آگے خود کر رہے ہیں: أَيْ رَمَيْتُهَا، کہ میں نے اس کی گٹھلی پھینک دی۔

ثُمَّ نُقِلَ فِي عُرْفِ النُّحَاةِ ابْتِدَاءً أَوْ بَعْدَ جَعْلِهِ بِمَعْنَى الْمَلْفُوظِ كَالْخَلْقِ بِمَعْنَى الْمَخْلُوقِ إِلَى مَا يَتَلَفَّظُ بِهِ الْإِنْسَانُ۔ پھر اس لفظ کو جس کا معنی پھینکنا تھا اس کو نقل کر لیا گیا فِي عُرْفِ النُّحَاةِ نحویوں کے عرف میں، کس طرف نقل کیا گیا؟ آخر میں آ رہا ہے: إِلَى مَا يَتَلَفَّظُ بِهِ الْإِنْسَانُ کی طرف نقل کیا گیا۔ لیکن دو احتمال ہیں، دو صورتیں ہیں نقل کی: یا تو ابْتِدَاءً، ابتداءً ہی نقل کر لیا گیا فوراً کس کی طرف؟ مَا يَتَلَفَّظُ بِهِ الْإِنْسَانُ کی طرف، أَوْ بَعْدَ جَعْلِهِ بِمَعْنَى الْمَلْفُوظِ، یا اس لفظ یہ...

لفظ جو پھینکنے کے معنی میں تھا اس کو ملفوظ کے معنی میں کرنے کے بعد۔ ترجمہ سمجھ میں آ رہا ہے؟ أَوْ بَعْدَ جَعْلِهِ بِمَعْنَى الْمَلْفُوظِ، یا اس لفظ کو ملفوظ کے معنی میں کرنے کے بعد، كَالْخَلْقِ بِمَعْنَى الْمَخْلُوقِ، جیسے کہ خَلْق ہے بمعنی مَخْلُوق بھئی۔ تو پھر اس کو نقل کر لیا گیا إِلَى مَا يَتَلَفَّظُ بِهِ الْإِنْسَانُ، اس چیز کی طرف جس پر انسان تلفظ کرتا ہے۔

حَقِيقَةً أَوْ حُكْمًا۔ جی یہ ایک اعتراض کا جواب دے رہے ہیں۔ اعتراض یہ کہ آپ کی تعریف زید کو تو شامل ہوئی، آپ

نے کیا کہا لفظ کسے کہتے ہیں؟ مَا يَتَلَفَّظُ بِهِ الْإِنْسَانُ، جس پر انسان تلفظ کرتا ہے۔ تو آپ کی تعریف زید، ضرب، بکر، خالد یہ سارے تو لفظ ہو گئے، ان سب پر کیا کرتا ہے انسان؟ تلفظ کرتا ہے۔ لیکن ضرب اس کے اندر هُوَ ضمیر بھی ہے، جب میں نے ضرب کہا تو هُوَ پر تلفظ کیا؟ آپ نے سنا؟ نہیں، تو اس هُوَ پر تو کوئی تلفظ نہیں ہوا۔ اسی طرح جب میں کہتا ہوں اِضْرِبْ فعل امر ہے، اس کے اندر کون سی ضمیر ہے؟ أَنْتَ ضمیر ہے، کیا اس پر میں نے تلفظ کیا آپ نے سنا؟ نہیں۔ تو یہ تو تعریف سے خارج ہو گئے۔ آپ نے تو کیا کہا؟ لفظ کسے کہتے ہیں؟ مَا يَتَلَفَّظُ بِهِ الْإِنْسَانُ۔ تو جس پر انسان تلفظ کرے وہ تو لفظ ہے جیسے زید اور ضرب، لیکن اس ضرب کے اندر جو هُوَ ضمیر ہے اس پر تو انسان تلفظ نہیں کرتا، اسی طرح اِضْرِبْ کے اندر جو أَنْتَ ضمیر ہے اس پر تو انسان تلفظ نہیں کرتا۔ وہ تو لفظ کی تعریف سے خارج ہو گئے حالانکہ وہ بھی لفظ ہیں بھئی، وہ بھی کیا ہیں؟ لفظ ہیں۔

تو جواب دے رہے ہیں آپ کو کہ بھئی انسان جس پر تلفظ کرے حَقِيقَةً أَوْ حُكْمًا، وہ تلفظ کرنا عام ہے چاہے حقیقتاً اس پر کیا کرے؟ تلفظ کرے، أَوْ حُكْمًا یا حکماً تلفظ کرے۔ حکماً یعنی حکم لگا دیا جائے کہ اس نے اس پر تلفظ کیا ہے۔ مثلاً میں نے کہا ضرب، تو آپ کہیں گے کہ آپ نے ضرب پر بھی تلفظ کیا ہے اور هُوَ پر بھی۔ حقیقتاً تو تلفظ نہیں کیا لیکن حکم کیا لگا دیا؟ کہ تلفظ کیا ہے۔ اِضْرِبْ، میں نے اِضْرِبْ پر تو حقیقتاً تلفظ کیا لیکن آپ کیا کہیں گے کہ آپ نے أَنْتَ پر بھی تلفظ کر لیا۔ حقیقتاً تو اس پر تلفظ نہیں کیا لیکن حکم کیا لگا دیا؟ کہ آپ نے گویا اس پر بھی تلفظ کر لیا ہے۔ پھر سنو، اعتراض کیا ہوتا ہے کہ آپ کی تعریف تو اس سے تو بعض الفاظ کیا ہو گئے؟ خارج ہو گئے، جیسے ضرب میں هُوَ ضمیر اور اِضْرِبْ کے اندر أَنْتَ ضمیر، کیونکہ مَا يَتَلَفَّظُ بِهِ الْإِنْسَانُ میں وہ شامل نہیں، اس پر انسان تلفظ نہیں کرتا۔ تو جواب دیا کہ تلفظ کرنا عام ہے چاہے حقیقتاً ہو چاہے حکماً ہو، ان پر حقیقتاً تو تلفظ نہیں ہے لیکن حکماً ہے، یعنی یہ حکم لگا دیا جائے گا کہ آپ نے اس پر بھی تلفظ کر لیا ہے۔

تو کہتے ہیں حَقِيقَةً أَوْ حُكْمًا، چاہے کہ اس پر جس پر انسان تلفظ کرے حقیقتاً یا حکماً۔ مُهْمَلًا كَانَ أَوْ مَوْضُوعًا، یہ بتلا رہے ہیں کہ وہ جو لفظ ہے چاہے مہمل ہو أَوْ مَوْضُوعًا یا اس کو کسی معنی کے لیے وضع کیا گیا ہو، مُفْرَدًا كَانَ أَوْ مُرَكَّبًا، وہ مفرد ہو یا مرکب ہو۔ یعنی بتلانا یہ چاہتے ہیں کہ یہ تعریف ہے، تعریف جنس اور فصل سے مرکب ہوتی ہے، تو یہ لفظ کس کے درجے میں ہے؟ جنس کے درجے میں ہے۔ اس میں مہمل بھی داخل، موضوع بھی داخل، مفرد بھی داخل اور مرکب بھی داخل ہیں۔ پھر مہمل کو بھی نکالیں گے اس میں سے، پھر مرکب کو بھی اس میں سے نکالیں گے، لیکن لفظ جب کہا تو لفظ کے اندر یہ سب داخل ہو گئے، کیونکہ مہمل بھی کیا ہے؟ لفظ، مرکب بھی کیا ہے؟ لفظ ہے۔

آگے دیکھیے بھئی، کہتے ہیں: وَاللَّفْظُ الْحَقِيقِيُّ كَزَيْدٍ وَضَرَبَ، وَالْحُكْمِيُّ كَالْمَنْوِيِّ فِي زَيْدٌ ضَرَبَ وَاضْرِبْ۔ اب مثال دے رہے ہیں، کہتے ہیں وَاللَّفْظُ الْحَقِيقِيُّ، لفظ حقیقی جو ہے كَزَيْدٍ جیسے زید ہے وَضَرَبَ اور ضرب ہے۔ یہ لفظ حقیقی ہیں، یعنی ان

پر حقیقتاً ہم تلفظ کرتے ہیں، زید دیکھو میں نے تلفظ کیا آپ نے سنا یا نہیں سنا؟ اور ضرب میں نے تلفظ کیا آپ نے سنا، تو ان پر انسان کیا کرتا ہے؟ حقیقتاً تلفظ کرتا ہے تو یہ لفظ حقیقی ہے۔

وَالْحُكْمِيُّ اور لفظ حکمی جو ہے كَالْمَنْوِيِّ یہ منوی کی طرح ہے۔ کس کی طرح ہے؟ منوی وہ چیز جو نیت میں ہوتی ہے، جو چیز– تو یہ حکمی جو ہے منوی چیز کی طرح ہے، یعنی جیسے ایک چیز ذہن نیت کر لیتا ہے ایک انسان اس کی، تو وہ اس کے نیت میں حقیقتاً تو حاضر نہیں لیکن نیت میں تو موجود ہے۔ وَالْحُكْمِيُّ كَالْمَنْوِيِّ، اور لفظ حکمی جو ہے وہ منوی چیز کی طرح ہے فِي زَيْدٌ ضَرَبَ۔ جی زَيْدٌ ضَرَبَ کے اندر جیسے: زَيْدٌ ہے مبتدا، ضَرَبَ فعل، اس کے اندر هُوَ ضمیر مرفوع محلاً اس کا فاعل جو کس کو لوٹ رہی ہے؟ زید کو، فعل اپنے فاعل سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر خبر، مبتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔ تو یہ اس ضرب کے اندر هُوَ ضمیر ہے، وَاضْرِبْ اور جیسے اِضْرِبْ اس کے اندر کون سی ضمیر ہے؟ أَنْتَ۔

تو ضرب کے اندر جو هُوَ ہے وہ ہے لفظ حکماً، توجہ سے سنو، ضرب کے اندر جو هُوَ ضمیر ہے وہ کیا ہے؟ وہ یوں کہو وہ لفظ حکمی ہے، وہ لفظ حکمی ہے، حقیقی نہیں۔ اسی طرح اِضْرِبْ کے اندر جو أَنْتَ ضمیر ہے وہ بھی کیا ہے؟ لفظ حکمی ہے، لفظ حقیقی نہیں۔ بھئی کیا وجہ ہے؟ آپ ان دونوں کو لفظ حکمی کیوں کہتے ہو؟ لفظ حقیقی کیوں نہیں کہتے؟ کہتے ہیں بھئی لفظ حقیقی وہ ہے جو حروف سے مل کر بنتا ہے، جس میں حروف ہوتے ہیں، آواز ہوتی ہے، جیسے دیکھو میں بول رہا ہوں، حروف بھی آپ سمجھ رہے ہیں اور یہ آواز آپ تک پہنچ رہی ہے بھئی۔ تو لفظ جو ہے اس میں حروف بھی ہوتے ہیں اور آواز بھی ہوتی ہے، اور یہ ضرب کے اندر جو هُوَ ضمیر ہے اور اِضْرِبْ کے اندر جو أَنْتَ ضمیر ہے، نہ اس میں حروف ہیں اور نہ اس میں آواز ہے۔ میں نے کہا ضرب، جی وہ هُوَ ضمیر کوئی آپ نے سنی؟ نہیں، تو یہ حروف بھی نہیں ہیں اس کے اور نیز آواز بھی نہیں ہے، کوئی پتہ چلا میں نے هُوَ ضمیر کہا ہو؟ اسی طرح اِضْرِبْ کہا، اس کے اندر أَنْتَ ضمیر اس کے حروف بھی نہیں ہیں اور آواز بھی نہیں ہے۔

تو کہتے ہیں: إِذْ لَيْسَ مِنْ مَقُولَةِ الْحَرْفِ وَالصَّوْتِ أَصْلًا، اس لیے کیونکہ یہ حرف اور آواز کے مقولے سے نہیں ہے أَصْلًا أَيْ قَطْعًا، یہ قطعی طور پر حروف اور آواز کی قبیل سے نہیں ہے۔ وَلَمْ يُوضَعْ لَهُ لَفْظٌ، اور اس کے لیے کوئی لفظ وضع نہیں کیا گیا۔ اس کے لیے عربی زبان میں کوئی لفظ وضع نہیں کیا گیا، جو ضرب کے اندر ضمیر چھپی ہوئی ہے هُوَ، اور اِضْرِبْ کے اندر ضمیر چھپی ہوئی ہے أَنْتَ، اس کے لیے عربی زبان میں کوئی لفظ وضع نہیں کیا گیا بھئی۔

توجہ ہے؟ عجیب فائدہ ذکر کر رہے ہیں: ضرب کے اندر جو هُوَ ضمیر ہے اس کے لیے عربی میں کوئی لفظ وضع نہیں، اِضْرِبْ کے اندر جو أَنْتَ ضمیر ہے اس کے لیے کوئی لفظ وضع نہیں۔ آپ کہیں گے بھئی کیسے لفظ وضع نہیں؟ آپ ہمیں بتا تو رہے ہیں ضرب کے اندر کون سی ضمیر ہے؟ هُوَ۔ بول تو رہے ہیں آپ، بتا تو رہے ہیں ہمیں، یہ والا لفظ ہے اس کے لیے۔ اور اِضْرِبْ میں کون سی ضمیر ہے؟ أَنْتَ ہے، آپ بتا تو رہے ہیں۔ بتا بھی رہے ہیں اور آپ کہہ رہے ہیں اس کے لیے عربی میں

کوئی لفظ بھی وضع نہیں ہے؟ جب اس کے لیے لفظ وضع ہے تو اس کو تو لفظ حقیقی کہنا چاہیے، لفظ حکمی نہیں کہنا چاہیے!

تو کہتے ہیں نہیں بھئی، اس ضرب کے اندر جو ضمیر چھپی ہوئی ہے اس کے لیے عربی زبان میں کوئی لفظ وضع نہیں ہے۔ ہم عاریتاً، عاریت کہتے ہیں مانگ کر کسی سے کوئی چیز لینا، جیسے کسی کے گھر مہمان آتے ہیں تو وہ ہمسایوں سے برتن منگوا لیتا ہے کہ استعمال کے لیے دے دیں، اس کو عاریت کہتے ہیں۔ تو یہاں پر بھی اسی طرح، وہ جو ضرب کے اندر ضمیر چھپی ہوئی تھی اس کے لیے عربی میں کوئی لفظ نہیں۔ اب ہم نے اس کو بیان تو کرنا ہے، ادا تو کرنا ہے، بتلانا تو ہے طلباء کو، تو پھر ہم کیا کرتے ہیں؟ وہ جو ضمیر مرفوع منفصل ہے هُوَ، هُوَ، هُمَا، هُمْ، وہ ضمیر مستعار عاریتاً لے لی، مانگ کر لے لی کہ ہم نے اس کو– اس کے بارے میں بتلانا ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو یہ هُوَ، یہ جو ضرب کے اندر آپ نکالتے ہیں هُوَ ضمیر، اس میں کوئی هُوَ نہیں چھپی ہوئی، هُوَ ہم نے عاریتاً لیا ہے، مستعار لیا ہے اس ضمیر کو بتلانے کے لیے۔ اسی طرح اِضْرِبْ کے اندر کوئی أَنْتَ ضمیر نہیں ہے، اِضْرِبْ کے اندر جو ضمیر چھپی ہوئی ہے اس کے لیے عربوں نے کوئی لفظ وضع ہی نہیں کیا، لیکن اس کو سمجھانا تو ہے، اس میں ضمیر کون سی ہے؟ مخاطب کی ہے، تو وہی مخاطب والی ضمیر جو ضمیر مرفوع منفصل تھی أَنْتَ، أَنْتُمَا، أَنْتُمْ، اس میں سے أَنْتَ ضمیر لے لی اور بتلایا کہ اس میں کون سی ضمیر ہے؟ أَنْتَ ہے، حقیقت میں اس کے اندر أَنْتَ نہیں ہے بھئی۔ کیونکہ أَنْتَ تو منفصل ہے، اور اِضْرِبْ کے اندر منفصل ہوگی یا متصل ہوگی؟ متصل جڑی ہوئی ہے، لفظ کے اندر چھپی ہوئی ہے، تو یہ هُوَ کیا ہے؟ ضمیر منفصل، اور أَنْتَ بھی کیا ہے؟ ضمیر منفصل، تو یہ تو ہم نے منفصل والی ضمیر مستعار لے لی اس ضمیر کے بارے میں بتلانے کے لیے جو ضرب اور اِضْرِبْ کے اندر چھپی ہوئی ہے۔ تو ان کے لیے عربی زبان میں کوئی لفظ وضع نہیں، تو اور جن لفظوں سے ہم اس کو تعبیر کر رہے ہیں یہ ہم نے مستعار لیے ہیں ضمیر مرفوع منفصل کے الفاظ ہم نے مستعار لے لیے ہیں۔

تو کہتے ہیں وَلَمْ يُوضَعْ لَهُ لَفْظٌ اور اس کے لیے کوئی لفظ وضع نہیں کیا گیا، وَإِنَّمَا عَبَّرُوا عَنْهُ بِاسْتِعَارَةِ لَفْظِ الْمُنْفَصِلِ لَهُ مِنْ نَحْوِ هُوَ وَأَنْتَ۔ وَإِنَّمَا عَبَّرُوا عَنْهُ اور نحوی حضرات نے تعبیر کیا ان ضمیروں کو بِاسْتِعَارَةِ لَفْظِ الْمُنْفَصِلِ لَهُ مستعار لیتے ہوئے– یوں ترجمہ کرو: منفصل کے لفظ کو مستعار لیتے ہوئے، ضمیر منفصل کے لفظ کو مستعار لیتے ہوئے ان کو تعبیر کیا نحوی حضرات نے، مِنْ نَحْوِ هُوَ وَأَنْتَ، هُوَ اور أَنْتَ جیسوں سے مستعار لیتے ہوئے، ان سے مستعار لیتے ہوئے۔ پھر ترجمہ سن لیں، کہتے ہیں: وَلَمْ يُوضَعْ لَهُ لَفْظٌ کہ اس کے لیے کوئی لفظ وضع نہیں کیا گیا، وَإِنَّمَا عَبَّرُوا عَنْهُ بِاسْتِعَارَةِ لَفْظِ الْمُنْفَصِلِ لَهُ، اور نحویوں نے ان ضمیروں کو تعبیر کیا ضمیر منفصل کے لفظ کو مستعار لیتے ہوئے، جیسے کہ هُوَ ہے اور أَنْتَ ہے بھئی۔

وَأَجْرَوْا عَلَيْهِ أَحْكَامَ اللَّفْظِ، فَكَانَ لَفْظًا حُكْمًا لَا حَقِيقَةً۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ بھئی آپ نے کہا ضرب کے اندر هُوَ ہے اور اِضْرِبْ کے اندر أَنْتَ ہے، اور آپ نے کہا یہ لفظ حکمی ہے، لفظ حکمی۔ بھئی کیا ضرورت ہے؟ ان کا اعتبار ہی نہ کرو، آپ کیوں ان کا اعتبار کرتے ہیں جب عربوں نے اس کے لیے کوئی لفظ ہی وضع نہیں کیا؟ کہتے ہیں بھئی اس کے بغیر گزارا

نہیں، ہم نے اس کے اوپر لفظ کے احکام کو جاری کرنا ہے۔ نحوی کیا کرتے ہیں؟ اس پر لفظ کے احکام کو جاری کرتے ہیں، لہٰذا اس کو لفظ تو قرار دینا پڑے گا، لفظ تو قرار دینا پڑے گا اور لفظ حقیقی تو وہ ہے نہیں، تو کیا کہنا پڑے گا؟ لفظ حکمی کہنا پڑے گا اس پر لفظ کے احکام جاری کرنے کے لیے۔

بھئی کس طرح لفظ کے احکام اس پر جاری کرتے ہیں؟ کہتے ہیں آپ دیکھتے نہیں: ضرب، ترکیب کیجیے: ضرب فعل، اس کے لیے فاعل چاہیے یا نہیں چاہیے؟ تو کہنا پڑے گا اس فعل تو بغیر فاعل کے نہیں آسکتا، تو اسی کے اندر هُوَ ضمیر ہے مرفوع محلاً اس کا فاعل۔ تو دیکھو هُوَ ضمیر کو کیا بنایا؟ فاعل، جو اس کے اندر ضمیر تھی اس کو فاعل بنایا، اور فاعل لفظ ہوتا ہے یا غیرِ لفظ ہوتا ہے؟ لفظ ہوتا ہے، تو دیکھو لفظ کا حکم اس پر جاری کرنا تھا، یعنی یوں کہو اسناد کرنا تھا، اس کی طرف کیا کرنا تھا؟ اسناد کرنا تھا، اس کو مسند الیہ بنانا تھا۔ اور کبھی اسی طرح کہتے ہیں: ضَرَبْتُ، ترجمہ کیجیے: ضَرَبْتُ میں نے پٹائی کی، اور ضَرَبْتُ أَنَا، تو ضَرَبْتُ کے اندر یہ تَا ضمیر بھی متکلم کی اور آگے أَنَا بھی کیا ہے؟ متکلم کی ضمیر ہے، تو کیسے کہیں گے؟ ترکیب کیسے کریں گے؟ ضَرَبْتُ فعل با فاعل، تَا ضمیر مرفوع محلاً مُؤَكَّد، اور آگے أَنَا ضمیر مرفوع محلاً تاکید، مُؤَكَّد تاکید مل کر فاعل کس کے لیے؟ ضَرَبْتُ کے لیے، فعل اپنے فاعل سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہوا۔ تو دیکھا ضَرَبْتُ أَنَا، ضَرَبْتُ أَنَا، دیکھا اس ضمیر کے آگے تاکید لائی جاتی ہے۔ ضرب میں لے لو، ضرب کے اندر: ضَرَبَ هُوَ، ضَرَبَ هُوَ، تو ترکیب کیسے ہوگی؟ ضرب کے اندر هُوَ ضمیر مُؤَكَّد بنائیں گے اور آگے هُوَ کو اس کی تاکید بنائیں گے، اور تاکید لفظ کی آتی ہے غیرِ لفظ کی نہیں آتی، معلوم ہوا اس کو کیا شمار کرنا پڑے گا؟ جو ضرب کے اندر ضمیر چھپی ہے اسے کیا شمار کرنا پڑے گا؟ لفظ شمار کرنا پڑے گا۔

اسی طرح کبھی کبھار ان اس پر عطف کیا جاتا ہے، مثلاً میں بتانا چاہتا ہوں کہ پٹائی کی آج زید نے بھی اور عمرو نے بھی، زید نے بھی اور عمرو نے بھی، تو میں کہوں گا: زَيْدٌ ضَرَبَ الْيَوْمَ وَعَمْرٌو، زَيْدٌ ضَرَبَ الْيَوْمَ وَعَمْرٌو۔ یہ عَمْرٌو کا عطف کس پر ہے؟ عَمْرٌو کا عطف کس پر ہے؟ یہ ضرب کے اندر جو هُوَ ضمیر ہے، اور آپ نے پڑھا ہے ضمیر مرفوع متصل پر جب عطف کرنا ہو تو کیا کرتے ہیں؟ تو اس کی تاکید ضروری ہے یا فصل ضروری ہے، اسی لیے درمیان میں میں اَلْيَوْمَ کا فصل لے آیا۔ تو ضرب کے اندر هُوَ ضمیر کیا ہے؟ معطوف علیہ، اور آگے وَعَمْرٌو معطوف ہے۔ ترکیب کیسے ہوگی؟ زَيْدٌ ضَرَبَ الْيَوْمَ وَعَمْرٌو: زَيْدٌ مرفوع لفظاً بتدا، ضَرَبَ فعل، اس کے اندر هُوَ ضمیر مرفوع محلاً معطوف علیہ، اَلْيَوْمَ منصوب لفظاً مفعول فیہ، اور وَاوْ حرف عطف، عَمْرٌو مرفوع لفظاً معطوف بھئی هُوَ ضمیر پر،...

هُوَ ضمیر معطوف علیہ اپنے معطوف سے مل کر فاعل ہوا کس کے لیے؟ ضَرَبَ فعل کے لیے، ضَرَبَ فعل اپنے فاعل اور مفعول فیہ سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر خبر، هُوَ ضمیر راجع تھی زید کو، تو بتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔ طریقہ سمجھ میں آیا؟ تو دیکھا یہ جو ضمیریں ہیں، یہ جو ضرب اور اِضْرِبْ وغیرہ جیسے لفظوں کے اندر ضمیریں چھپی ہوتی ہیں، اس پر لفظ کے احکام

جاری کرتے ہیں نحوی حضرات: کبھی اس کی طرف اسناد کرتے ہیں، کبھی اس کی تاکید لے کر آتے ہیں، کبھی اس پر عطف کرتے ہیں وغیرہ، تو یہ تو لفظ کے احکام ہیں بھئی، اور لفظ کے احکام اس پر تبھی جاری ہو سکتے ہیں جب اس کو بھی کیا شمار کیا جائے؟ لفظ شمار کیا جائے۔ اور لفظ حقیقی تو یہ ہے نہیں، لہذا کون سا لفظ شمار کرنا پڑے گا؟ لفظ حکمی شمار کرنا پڑے گا۔

تو کہتے ہیں اس کے لیے منفصل کے لفظ کو مستعار لے کر تعبیر کرتے ہیں، وَأَجْرَوْا عَلَيْهِ أَحْكَامَ اللَّفْظِ، یا ماضی کے ساتھ ترجمہ کرو: وَإِنَّمَا عَبَّرُوا عَنْهُ بِاسْتِعَارَةِ لَفْظِ الْمُنْفَصِلِ لَهُ مِنْ نَحْوِ هُوَ وَأَنْتَ وَأَجْرَوْا عَلَيْهِ أَحْكَامَ اللَّفْظِ، اور نحویوں نے تعبیر کیا اس کو ضمیر منفصل کے لفظ کو اس کے لیے مستعار لیتے ہوئے هُوَ اور أَنْتَ وغیرہ سے، وَأَجْرَوْا اور جاری کیے اس پر انہوں نے لفظ کے احکام، فَكَانَ لَفْظًا حُكْمًا لَا حَقِيقَةً، تو یہ حکماً لفظ ہے نہ کہ حقیقتاً۔

وَالْمَحْذُوفُ لَفْظٌ حَقِيقَةً لِأَنَّهُ قَدْ يَتَلَفَّظُ بِهِ الْإِنْسَانُ فِي بَعْضِ الْأَحْيَانِ۔ یہ پھر ایک سوال کا جواب، کہ پھر جو محذوف ہے عبارت میں کبھی کوئی لفظ کیا ہوتا ہے؟ محذوف، اس کو بھی حکماً لفظ کہنا چاہیے، کیا کہنا چاہیے؟ حکماً لفظ۔ جیسے زَيْدٌ فِي الدَّارِ اصل میں کیا ہے؟ زَيْدٌ ثَابِتٌ فِي الدَّارِ، ثَابِتٌ کیا ہے یہاں؟ محذوف ہے، یا اسی طرح کبھی مفعول کو حذف کر لیتے ہیں کسی چیز کو حذف، تو وہ جو محذوف ہوتا ہے اس کو بھی کیا کہنا چاہیے؟ لفظ حکمی کہنا چاہیے، لفظ حقیقی نہیں کہنا چاہیے، معلوم ہوا وہ بھی لفظ حکمی ہے۔ تو جواب دے رہے ہیں کہ نہیں بھئی، وہ لفظ حکمی نہیں وہ حقیقتاً لفظ ہے، وہ کیا ہے؟ حقیقتاً لفظ ہے۔ زَيْدٌ ثَابِتٌ فِي الدَّارِ ٹھیک ہے جیسے زَيْدٌ فِي الدَّارِ یہاں ثَابِتٌ کیا ہے؟ محذوف ہے، لیکن کبھی کبھی ثَابِتٌ لفظ عبارت میں بھی آجاتا ہے یا نہیں؟ آپ اس پر تلفظ کرتے ہیں یا نہیں؟ آپ اس پر تلفظ بھی کرتے ہیں۔ یا جیسے، جیسے قرآن میں ہے: يُوسُفُ أَعْرِضْ عَنْ هٰذَا، أَيْ يَا يُوسُفُ، یہ یَا کیا ہے یہاں پر؟ محذوف ہے، تو محذوف ہے لیکن یہ یَا ہر جگہ محذوف ہوتی ہے یا کبھی کبھی ندا میں اس کو ذکر بھی کرتے ہیں؟ ذکر، دیکھا تو محذوف جو ہوتا ہے اس پر کبھی تلفظ بھی کیا جاتا ہے تو اس کو حقیقتاً ہی لفظ کہنا پڑے گا۔ یہاں پر تو مثلاً ایک جگہ پر تو وہ محذوف ہے لیکن دوسری جگہ پر اس پر کیا کیا جاتا ہے؟ باقاعدہ تلفظ کیا جاتا ہے۔ تو کہتے ہیں: وَالْمَحْذُوفُ لَفْظٌ حَقِيقَةً اور جو محذوف ہے وہ حقیقتاً لفظ ہے، لِأَنَّهُ قَدْ يَتَلَفَّظُ بِهِ الْإِنْسَانُ فِي بَعْضِ الْأَحْيَانِ، اس لیے کیونکہ اس پر تلفظ کرتا ہے انسان فِي بَعْضِ الْأَحْيَانِ أَيْ فِي بَعْضِ الْأَوْقَاتِ، أَحْيَان کا کیا معنی؟ اوقات، انسان اس پر تلفظ کرتا ہے بعض اوقات میں۔

وَكَلِمَاتُ اللَّهِ تَعَالَى دَاخِلَةٌ فِيهِ، کہتے ہیں اللہ تعالیٰ کے جو کلمات ہیں وہ بھی اس کے اندر داخل ہو گئے، إِذْ هِيَ مِمَّا يَتَلَفَّظُ بِهِ الْإِنْسَانُ۔ اللہ تعالیٰ کے کلمات بھی اس کے اندر داخل ہو گئے اس لیے کیونکہ ان پر بھی انسان کیا کرتا ہے؟ تلفظ کرتا ہے، انسان کیا کرتا ہے؟ تو معلوم ہوا لفظ وہ ہے جس پر انسان تلفظ کرے یا جس پر تلفظ کر سکے، جس پر تلفظ کر سکے اس کو لفظ

کہیں گے، تو کلمات اللہ وہ بھی ان پر بھی انسان کیا کرتا ہے؟ تلفظ کرتا ہے یا تلفظ کر سکتا ہے۔ تو کہتے ہیں: وَكَلِمَاتُ اللَّهِ تَعَالَى دَاخِلَةٌ فِيهِ اور اللہ تعالیٰ کے کلمات جو ہیں وہ اس لفظ کی تعریف میں داخل ہیں، إِذْ هِيَ مِمَّا يَتَلَفَّظُ بِهِ الْإِنْسَانُ اس لیے کیونکہ یہ ان چیزوں میں سے ہے جن پر انسان تلفظ کرتا ہے، وَعَلَى هٰذَا الْقِيَاسِ كَلِمَاتُ الْمَلَائِكَةِ وَالْجِنِّ، اور اسی قیاس پر ہیں ملائکہ اور جنات کے کلمات، ان پر بھی انسان تلفظ کر سکتا ہے یا کسی وقت تلفظ کرتا ہے اس لیے وہ بھی کیا ہیں؟ وہ بھی لفظ ہیں بھئی، حقیقتاً لفظ ہیں۔ ترجمہ سمجھ میں آگیا؟

وَالدَّوَالُّ الْأَرْبَعُ وَهِيَ الْخُطُوطُ وَالْعُقُودُ وَالنُّصُبُ وَالْإِشَارَاتُ غَيْرُ دَاخِلَةٍ فِيهِ۔ دوالِ اربعہ بھئی، دوالِ اربعہ کا ذکر منطق کی کتابوں میں آتا رہتا ہے بھئی۔ بھئی پہلے سمجھ لیں دلالت کو۔ دلالت کہتے ہیں کہ دو چیزوں کا اس طور پر ہونا کہ ایک چیز سے دوسری چیز کا پتہ چل جائے، اس کو کیا کہتے ہیں؟ دلالت۔ مثلاً آپ کمرے میں بیٹھے ہیں اور آپ کو کھڑکی سے دھوپ اندر آتی ہوئی نظر آئی اس سے آپ کو پتہ چل گیا کہ باہر سورج نکل آیا ہے، تو اس دھوپ نے دلالت کی کس پر؟ سورج پر۔ تو پہلی کو کہتے ہیں دال اور دوسری کو کہتے ہیں مدلول۔ اسی طرح آپ نے دور سے دھواں اٹھتے ہوئے دیکھا تو آپ سمجھ گئے کہ نیچے آگ جل رہی ہے، تو اس دھوئیں سے آپ کو آگ کا پتہ لگا تو اس کو کیا کہتے ہیں؟ دلالت۔ توجہ ہے؟ دلالت کسے کہتے ہیں؟ ایک چیز سے دوسری چیز کا پتہ چل جائے۔ یا آپ کمرے میں بیٹھے ہیں، باہر آپ کو لوگوں کی باتوں کی آواز سنائی دی، اب آپ کو یہ تو نہیں پتہ کیا باتیں کر رہے ہیں لیکن اتنا تو پتہ چل گیا کہ باہر لوگ ہیں، تو دیکھا ان آوازوں نے ان لوگوں پر دلالت کر دی۔ توجہ ہے؟ یا اسی طرح میں آپ کے سامنے یہ لمبی تقریر کر رہا ہوں، میں جو جو لفظ بولتا جا رہا ہوں آپ اس کا معنی سمجھتے جا رہے ہیں، تو یہ جو میرے الفاظ ہیں وہ معانی جو آپ سمجھ رہے ہیں ان پر دلالت کر رہے ہیں۔ تو اس کو کہتے ہیں دلالت۔

پھر یاد رکھو یہ جو دلالت ہے اس میں جو پہلی چیز ہے دلالت کرنے والی اس کو کہتے ہیں دَالٌّ، اور دوسری چیز جس کا پتہ چلا اس کو کہتے ہیں مَدْلُولٌ۔ دھواں کیا تھا؟ دال، اور آگ کیا تھی؟ مدلول۔ دھوپ کیا تھی؟ دال، اور سورج کیا تھا؟ مدلول۔ باہر سے جو آوازیں آئیں وہ آوازیں کیا تھیں؟ دال، اور جو لوگ تھے وہ کیا تھے؟ مدلول تھے۔

پھر یہ جو دال ہے اس دال کے اعتبار سے دلالت کی تقسیم کی جاتی ہے: کبھی دال لفظ ہوتا ہے کبھی دال غیرِ لفظ ہوتا ہے۔ دیکھو میں زبان سے جو بول رہا ہوں آپ معنی سمجھتے جا رہے ہیں، تو لفظ کیا ہوئے؟ دال، اور جو معنی ہے وہ کیا ہے؟ مدلول، تو یہاں پر دال کیا ہے؟ لفظ ہے۔ اور کبھی دال غیرِ لفظ ہوتا ہے: آپ نے دور سے دھواں دیکھا، آپ کو کیا پتہ چلا؟ آگ ہے، کسی نے زبان سے کچھ بھی نہیں کہا لیکن آپ کو آگ کا پتہ چل گیا یا نہیں؟ کس کے ذریعے پتہ چلا؟ دھوئیں سے، اور دھواں دال جو ہے وہ لفظ ہے یا غیرِ لفظ؟ غیرِ لفظ ہے۔ بھئی یہ جو زبان سے میں بول رہا ہوں «دھواں» یہ تو ٹھیک ہے لفظ ہے، لیکن جو آپ نے دیکھا وہ کیا تھا؟ وہ غیرِ لفظ ہے۔ آپ نے جیسے دھوپ کو دیکھا اور آپ کو سورج کا پتہ چلا، تو یہاں بھی دال کیا ہے؟ غیرِ لفظ۔ توجہ ہے؟ تو معلوم ہوا دال کبھی لفظ ہوتا ہے اور کبھی غیرِ لفظ جس سے دوسری چیز کا پتہ چلے۔

پھر یہ جو دلالت ہے کبھی اس میں وضع کا دخل ہوتا ہے کبھی وضع کا دخل نہیں ہوتا۔ وضع ایک چیز کو دوسری چیز کے لیے مقرر کرنا، جیسے میں نے گلاس کہا آپ کو پتہ چل گیا کہ اس سے کیا مراد ہے؟ پانی پینے کا برتن، اور یہ خود بخود پتہ چلا یا اردو زبان والوں نے مقرر کیا ہے؟ اردو زبان والوں نے مقرر کیا ہے، لہٰذا اسی لیے آپ کسی اور زبان والے کے سامنے یہ لفظ بولیں گے جن کے ہاں یہ لفظ استعمال نہیں ہوتا تو ان کو اس کا معنی سمجھ میں نہیں آئے گا۔ تو دیکھو یہ ہے وضع، خاص کرنا۔ تو دلالت میں کبھی وضع ہوتی ہے: لوگ کیا کرتے ہیں ایک چیز کو دوسری چیز کے لیے دال بنا دیتے ہیں، ایک چیز کو دوسری چیز کے لیے دال بنا دیتے ہیں۔ جیسے دیکھو ٹریفک کے اشارات ہیں: گاڑی چلا رہے ہوں آپ اور سرخ لائٹ جل جائے تو آپ گاڑی روک دیتے ہیں، اور پھر جب سبز لائٹ جلتی ہے تو آپ گاڑی چلا دیتے ہیں، حالانکہ کسی نے زبان سے ایک لفظ نہیں کہا، کیوں؟ کیونکہ ہم نے سرخ لائٹ کو وضع کیا ہے، مقرر کیا ہے کس لیے؟ گاڑی کو روکنے کے لیے، اور سبز لائٹ کو ہم نے مقرر کیا ہے گاڑی کو چلانے کے لیے۔ تو دیکھو یہ جو لفظ میں بول رہا ہوں اور آپ ان کا معنی سمجھ رہے ہیں ان میں بھی وضع ہے، اور وہ جو اشارے پر آپ گاڑی روکتے ہیں اور چلاتے ہیں لائٹوں کو دیکھ کر وہاں بھی وضع ہے، لیکن یہاں وضع کیا ہے؟ لفظ کے لیے ہے، لفظ کو مقرر کیا ہے معنی کے لیے، اور وہاں پر اس لائٹ کو مقرر کیا لفظ کو نہیں، بلکہ لائٹ کو مقرر کیا ہے گاڑی کو روکنے اور چلانے کے لیے۔ تو معلوم ہوا دال کبھی لفظ ہوگا اور کبھی غیرِ لفظ، پھر اس میں وضع ہوگی: کبھی دال لفظ ہوگا اور وضع ہوگی، کبھی دال غیرِ لفظ ہوگا اور اس میں بھی کیا ہوگی؟ وضع ہوگی یعنی ہم نے مقرر کیا ہوگا۔ یہاں تک بات سمجھ میں آگئی؟

تو یاد رکھو یہ جو دوالِ اربعہ، یہ چار دلالت کرنے والی چیزیں: دَوَالُّ جمع ہے دَالَّةٌ کی، دلالت کرنے والی چیزیں، دَوَالُّ أَرْبَعٌ چار دلالت کرنے والی چیزیں۔ یہ کون کون سی ہیں؟ خُطُوط، عُقُود، نُصُب، إِشَارَات، یہ چار ہیں۔

خُطُوط جمع ہے خَطٌّ کی، خط کا معنی ہے یہ تحریر، یہ جو کتاب میں آپ کے سامنے ٹیڑھی میڑھی لکیریں کھینچی گئی ہیں لیکن آپ ان کو بہترین پڑھ رہے ہیں، کسی انگریز کے سامنے یہ رکھو وہ اس کو نہیں پڑھ سکے گا۔ تو یہ دیکھو مختلف لکیریں ہیں جن کو ہم نے مختلف الفاظ کے لیے کیا کیا ہے؟ مقرر کیا ہے بھئی، بات سمجھ میں آرہی ہے۔ تو یہ جو تحریر ہے یہ الفاظ پر دلالت کرتی ہے۔ دیکھو ملا جامی رحمہ اللہ نے کئی سو سال پہلے یہ کتاب لکھی تھی لیکن آج ہم پڑھ رہے ہیں بعینہٖ وہی الفاظ پڑھ رہے ہیں جو کس نے لکھے تھے؟ ملا جامی نے۔ یہ تحریر ان الفاظ پر کیا کر رہی ہے؟ دلالت کر رہی ہے۔ تو یہ جو خطوط ہیں یہ دلالت کرتے ہیں الفاظ پر بھئی، اور یہ لفظ نہیں ہیں، لفظ نہیں ہیں۔ ان خطوط سے لفظ ہمیں سمجھ میں آرہا ہے، خود یہ خطوط یہ تو لکیریں ہیں یہ لفظ نہیں، لفظ تو وہ ہے جو میں زبان سے ادا کر رہا ہوں، ان لکیروں کو میں دیکھوں گا ان پر نظر ڈالوں گا تو مجھے لفظ سمجھ میں آئیں گے اور پھر میں زبان سے اس کو ادا کروں گا۔ تو یہ لکیریں کیا ہیں؟ لفظ ہیں یا غیرِ لفظ ہیں؟ غیرِ لفظ ہیں،

توجہ ہے؟ یہ غیرِ لفظ ہیں بھئی، تو یہ البتہ ان لفظوں پر کیا کر رہی ہیں؟ دلالت۔ تو خطوط سے مراد ہیں یہ تحریریں، ہر زبان والے کی اپنی اپنی تحریریں ہیں بھئی اور ان کا عظیم فائدہ ہے کہ سینکڑوں سال پرانی باتیں یا پرانے زمانے کی بھی آپ سیر کرنا چاہیں تو اس زمانے کی کتاب اٹھاتے ہیں اور پڑھتے چلے جاتے ہیں اور وہی بعینہٖ وہی باتیں جو اس مصنف نے لکھی ہیں آپ کو اس طرح سمجھ آتی ہیں جیسے آپ کے سامنے بیٹھ کر وہ یہ باتیں سنا رہا ہو۔ تو یہ ہیں خطوط۔

دوسرا ہے عُقُود بھئی، عُقُود جمع ہے عَقْدٌ کی، عَقْدٌ، عَقْدٌ کا معنی ہوتا ہے گرہ، گرہ لگانا کسی چیز کو باندھ کر گرہ لگانا مثلاً رسی میں آپ گرہ لگا دیتے ہیں اس کو باندھ دیتے ہیں، توجہ ہے؟ لیکن یہاں جو عقود کا لفظ آیا اس سے وہ دھاگے یا رسی کی گرہ مراد نہیں بلکہ یہ انگلیوں کے جوڑ مراد ہیں، انگلیوں کے جوڑ مراد ہیں۔ دیکھو ہر انگلی میں تین پورے ہیں اور درمیان میں ہر دو پوروں کے درمیان جوڑ ہے جہاں سے انگلی مڑتی ہے، تو یہ انگلیوں کے جوڑ جو ہیں یہ عقود مراد ہیں، توجہ ہے؟ اسی سے عُقُودُ الْأَنَامِل ہے بھئی، انگلیوں کے جوڑ۔ یہ عرب کے ہاں قدیم زمانے میں انگلیوں کے جوڑوں کے ذریعے وہ ایک سے لے کر دس ہزار تک عدد شمار کرتے تھے اور اس کو عُقُودُ الْأَنَامِل کہتے تھے، عُقُودُ الْأَنَامِل کہتے تھے۔ دیکھو اس کا طریقہ سمجھ لو بھئی۔ سب سے پہلے انگلیوں کے نام: یہ سب سے چھوٹی انگلی کو خِنْصَر کہتے ہیں، خا، نون، صاد، را، خِنْصَر۔ دوسری کو اس کے ساتھ والی کو بِنْصَر، با، نون، صاد، را۔ تیسری وُسْطَی۔ چوتھی سَبَّابَۃ، سَبَّابَۃ یہ جو شہادت کی انگلی ہے۔ اور انگوٹھا جو ہے اس کو اِبْہَام کہتے ہیں۔ تو ان کے کیا نام ہوئے؟ سب سے چھوٹی انگلی خِنْصَر، بِنْصَر، وُسْطَی، سَبَّابَۃ اور اِبْہَام۔ خِنْصَر، بِنْصَر، وُسْطَی، سَبَّابَۃ اور اِبْہَام۔ یہ جو دو ہاتھوں کی دس انگلیاں ہیں ان کے ذریعے عرب دس ہزار تک عدد شمار کرتے تھے اور اس کے ذریعے اشارہ کر دیتے تھے، مثلاً تاجر بیٹھا ہے آپ اس سے پوچھنے گئے کہ یہ چیز کتنے کی ہے وہ زبان سے کہنے کے بجائے ہاتھ سے اشارہ کر دیتا کہ یہ چیز اتنے کی ہے، یا وہ دوسروں سے چھپانا چاہتا ہے کہ سب کو پتہ نہ چلے اگر زبان سے کہوں گا سب کو پتہ چل جائے گا تو وہ چھپا کر ہاتھ سے آپ کو اشارہ کر دیتا کہ یہ چیز اتنے کی ہے۔ تو ان دس انگلیوں کے ذریعے دائیں اور بائیں ہاتھ کی ان کے ذریعے عرب دس ہزار تک عدد شمار کرتے تھے۔ کس طرح؟ دیکھو یہ جو دایاں ہاتھ ہے اس میں جو خِنْصَر، بِنْصَر اور وُسْطَی ہیں، خِنْصَر، بِنْصَر اور وُسْطَی ان تین کے ذریعے اکائیاں شمار ہوتی تھیں ایک سے لے کر نو تک، ایک سے لے کر نو تک۔ اور یہ جو سَبَّابَۃ اور اِبْہَام ہیں یعنی شہادت کی انگلی اور انگوٹھا اس کے ذریعے وہ دہائیاں شمار کرتے تھے۔ توجہ ہے؟ کس طرح؟ دیکھو میں مثلاً ایک کا عدد بتلانا چاہتا ہوں تو اس کا طریقہ یہ ہے کہ خِنْصَر کو موڑ دیں، خِنْصَر چھوٹی انگلی کو موڑ لیں اس طریقے سے...

کہ اس کا سر اس کی جڑ کے قریب رہے، اس کا سر سر جڑ کے قریب رہے دور نہ جائے۔ یہ ایک کی علامت ہے۔ آپ دو کا اشارہ کرنا چاہتے ہیں تو ساتھ بِنْصَر کو بھی اسی طرح موڑ لیں کہ خِنْصَر اور بِنْصَر دونوں مڑی ہوئی ہیں اور دونوں کے سر ان کی جڑوں کے قریب ہیں، یہ دو کی علامت ہے، خِنْصَر اور بِنْصَر دونوں مڑی ہوئی ہیں۔ پھر تین کا اشارہ کرنا چاہتے ہیں تو وُسْطَی کو بھی ساتھ اسی طرح موڑ دیں، خِنْصَر، بِنْصَر اور وُسْطَی تینوں مڑی ہوئی ہیں اور جڑوں کے قریب ہی ان کے

سر ہیں، یہ ہے تین کی علامت۔ چار کا اشارہ کرنا چاہتے ہیں تو بِنْصَر اور وُسْطَی کو اسی طرح رہنے دیں اور خِنْصَر کو سیدھا کر دیں بالکل سیدھا۔ خِنْصَر بالکل سیدھی، اور بِنْصَر اور وُسْطَی کیا ہیں؟ ان کے سر جڑوں کے قریب ہیں، یہ ہے چار کی علامت۔ آپ پانچ کے اشارہ— پانچ کی علامت بنانا چاہتے ہیں تو اب خِنْصَر کے ساتھ ساتھ بِنْصَر کو بھی سیدھا کر دیں۔ خِنْصَر اور بِنْصَر سیدھی ہیں اور وُسْطَی جھکی ہوئی ہے، یہ کیا ہے؟ پانچ کی علامت ہے۔ چھ کا اشارہ کرنا چاہتے ہیں تو آپ وُسْطَی کو سیدھا کر دیں اور بِنْصَر کو صرف موڑ دیں، یہ کتنے کی علامت ہے؟ چھ کی علامت۔ بِنْصَر مڑی ہوئی ہے، جڑ کے قریب اس کا سر ہے، خِنْصَر بھی سیدھی اور وُسْطَی بھی سیدھی ہے، یہ ہے چھ کی علامت۔

سات کی علامت یہ ہے کہ ساری انگلیاں سیدھی کر لیں اور صرف خِنْصَر جو چھوٹی انگلی ہے اس کو موڑ لیں جس قدر آپ موڑ سکتے ہیں، ہتھیلی کے بالکل آخری کنارے تک اس کو موڑ کر لے جائیں۔ توجہ ہے؟ پہلے خِنْصَر کا سر کہاں تھا؟ اس کی جڑ کے قریب، اب پوری ہتھیلی پہ اس کو پھیلا دیں، دور تک لے جائیں بھئی۔ یہ ہے سات کی علامت۔ اسی کے ساتھ اگر بِنْصَر کو بھی موڑ دیں اسی طرح تو یہ ہے آٹھ کی علامت، اور اسی کے ساتھ وُسْطَی کو بھی موڑ دیں تو یہ ہے نو کی علامت۔ دیکھو نو کی علامت: خِنْصَر، بِنْصَر اور وُسْطَی تینوں مڑی ہوئی ہیں اور پوری ہتھیلی کو انہوں نے اپنے نیچے چھپا لیا ہے، یہ نو کی علامت ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ پھر دیکھو: ایک، دو، تین، چار، پانچ، چھ، سات، آٹھ، نو، طریقہ سمجھ میں آیا؟

اس کے بعد دہائیاں: یہ وُسْطَی اور سَبَّابَة— سَبَّابَة اور إِبْهَام کے ذریعے دہائیاں بیان ہوتی ہیں۔ مثلاً آپ دس کا اشارہ کرنا چاہتے ہیں تو اس کا طریقہ یہ ہے کہ یہ جو شہادت کی انگلی ہے یعنی سَبَّابَة، اس کو انگوٹھے کے درمیان والے جوڑ پر رکھ دیں۔ یہ ہے دس کی علامت، یہ ایک درمیانہ سا دائرہ بن گیا، درمیانہ سا دائرہ بن گیا، یہ ہے دس کی علامت۔ بیس کی علامت یہ ہے کہ انگوٹھے کو وُسْطَی اور سَبَّابَة کے بیچ میں لے آئیں، بیچ میں لے آئیں کہ انگوٹھے کا ناخن سَبَّابَة کے پہلے پورے کے ساتھ لگا ہو۔ ان دونوں کے بیچ میں انگوٹھے کو داخل کرو، سَبَّابَة اور وُسْطَی کے بیچ میں داخل کرو اور انگوٹھے کا ناخن کس کے ساتھ لگاؤ؟ سَبَّابَة کے پہلے پورے کے ساتھ، پہلے— باقی انگلیاں سیدھی رہیں، صرف انگوٹھے کو بیچ میں لے آئے، سَبَّابَة، وُسْطَی وغیرہ سب انگلیاں سیدھی ہوں، یہ ہے بیس کی علامت۔

تیس کی علامت یہ ہے کہ سَبَّابَة کو انگوٹھے کے بالکل اوپر سر پر رکھ دیں، یہ بڑا دائرہ بن گیا، یہ ہے تیس کی علامت۔ چالیس کی علامت یہ ہے کہ آپ انگوٹھے کو سَبَّابَة کی پشت پر لے جائیں، پہلے پورے کے پیچھے لے جائیں جتنا پیچھے لے جا سکیں، یہ ہے چالیس کی علامت۔ سَبَّابَة بالکل سیدھی اور انگوٹھے کو اس کے پشت پر اس کے پیچھے لے گئے جتنا لے جا سکے، یہ کتنے کی علامت؟ چالیس۔ پچاس کی علامت یہ ہے کہ انگوٹھے کو ہتھیلی کے وسط میں موڑ دیں جتنا موڑ سکیں، اب انگوٹھا ہتھیلی کے وسط میں ہے، ہتھیلی کے ساتھ لگا ہوا ہے، یہ ہے پچاس کی علامت۔ توجہ ہے؟

ساٹھ کی علامت یہ ہے کہ آپ انگوٹھے کا جو ناخن ہے اس پر سَبَّابَة کا درمیان والا پورا رکھ دیں۔ انگوٹھے کا جو ناخن ہے اس پر سَبَّابَة کا درمیان والا پورا رکھ دیں، ایک پورا انگوٹھے سے آگے نکلا ہوا ہو، ایک پورا ناخن سے آگے نکلا ہوا ہو سَبَّابَة کا،

یہ ساٹھ کی علامت ہے۔ ستر کی علامت یہ ہے کہ انگوٹھے کو سَبَّابَة کے ساتھ جوڑ دیں، سَبَّابَة بھی سیدھی انگوٹھا بھی سیدھا، پھر اس انگوٹھے کو تھوڑا سا اوپر لے جائیں اور سَبَّابَة کے پہلے جوڑ پر رکھ دیں، یہ ہے ستر کی علامت۔ چالیس کیا تھا؟ پشت پہ لے جاتے تھے، اب پشت پہ نہیں لے جانا بس ساتھ ہی آگے لے جائے پہلے جوڑ پر رکھ دیا، یہ ہے ستر کی علامت۔ توجہ ہے؟ اور اسی کی علامت یہ ہے کہ سَبَّابَة کے سب سے اوپر والے پورے کو انگوٹھے کے پیچھے اس کی پشت پر جوڑ پر رکھ دیں۔ انگوٹھے کے پشت پر جو جوڑ ہے اس پر سَبَّابَة کا پہلا پورا رکھ دیں، انگوٹھے کا ناخن کھلا ہوا ہو بالکل سامنے نظر آرہا ہو۔ دیکھو ساٹھ کے اندر دوسرا پورا ہم رکھتے تھے سَبَّابَة کا ناخن کے اوپر، اور اس میں سَبَّابَة کا سب سے اوپر والا پہلا پورا ہم رکھتے ہیں کس پر؟ اسی میں انگوٹھے کے درمیان والے جوڑ پر، یہ ہے اسی۔ اور نوے کی علامت یہ ہے کہ سَبَّابَة کو جھکا کر انگوٹھے کے بالکل جڑ میں چھوٹے سے چھوٹا دائرہ جو بنا سکیں، یہ ہے نوے کی علامت، یہ ہے نوے کی علامت۔ طریقہ سمجھ میں آیا؟

اسی طرح یہ تھا دائیں ہاتھ میں، بائیں ہاتھ میں اسی طرح ہے: دائیں ہاتھ میں خِنْصَر، بِنْصَر اور وُسْطَی کس کے لیے استعمال کرتے تھے؟ اکائیوں کے لیے۔ بائیں ہاتھ میں یہی تین استعمال ہوں گے سینکڑوں کے لیے۔ وہاں دائیں ہاتھ میں جو ایک کی علامت تھی بائیں ہاتھ میں وہ ایک سو کی علامت ہے، دائیں ہاتھ میں جو دو کی علامت تھی بائیں ہاتھ میں وہ دو سو کی علامت ہے اس طرح۔ اور جیسے دائیں ہاتھ میں جو دہائیاں تھیں وہ سَبَّابَة اور إِبْهَام کے ذریعے، بائیں ہاتھ میں وہ ہزار کی علامتیں ہیں، کس کی؟ ہزار کی۔ دس کی علامت کیا تھی؟ کہ سَبَّابَة کو کیا رکھیں انگوٹھے کے– انگوٹھے کے درمیان میں رکھیں، پشت کی طرف نہیں لے کے جانا، درمیان میں انگوٹھے کے اس کے جوڑ پر رکھ دیں یہ کیا ہے؟ دس کی علامت۔ اور یہی علامت بائیں ہاتھ میں بنائیں تو اس کا معنی ایک ہزار۔ تو یہاں جو دس کی علامت اور بیس، تیس، چالیس کی علامت تھی دائیں ہاتھ میں وہی علامتیں بائیں ہاتھ میں ہزار، دو ہزار، تین ہزار، چار ہزار کی علامتیں ہیں، طریقہ سمجھ میں آیا؟

تو مثلاً میں آپ کو بتانا چاہتا ہوں، میں آپ کو بتانا چاہتا ہوں مثلاً اکیاون بتانا چاہتا ہوں، کیا بتانا چاہتا ہوں؟ اکیاون کا کیا طریقہ ہے؟ انگوٹھے کو ہتھیلی کے درمیان لے آئے یہ ہے پچاس کی علامت اور ادھر ایک کی علامت بنا لی خِنْصَر کے ذریعے، یہ ہے اکیاون۔ اب دیکھو یہ ہے باون، یہ ہے ترپن، یہ ہے چون، یہ ہے پچپن، یہ ہے چھپن، یہ ہے ستاون، یہ ہے اٹھاون، یہ ہے انسٹھ، اس طرح پورے ننانوے تک عدد اس دائیں ہاتھ کے ذریعے ہو جائیں گے، اور نو ہزار نو سو عدد کس کے ذریعے بیان ہوں گے؟ بائیں ہاتھ کے ذریعے۔ تو نو ہزار نو سو بائیں ہاتھ کے ذریعے اور ننانوے دائیں ہاتھ کے ذریعے تو کل کتنے ہو گئے؟ نو ہزار نو سو ننانوے۔ اور دس ہزار کی علامت یہ ہے کہ دونوں ہاتھوں میں انگوٹھے اور سَبَّابَة کو ملا کر چونچ جیسی شکل بنا لیں، یہ ہے دس ہزار کی علامت بھئی، دونوں ہاتھوں کے ذریعے تو یہ کیا ہے؟ دس ہزار کی علامت ہے۔ یہ تھے عقود بھئی۔ اب اس میں دیکھو یہ اشارات ہیں، اس میں کوئی لفظ بولنا پڑتا ہے؟ نہیں، تو یہ سب دلالت کرنے والی چیزیں ہیں اور یہ سب غیرِ لفظ ہیں، لفظ نہیں ہیں۔ خطوط بھی کیا ہیں؟ غیرِ لفظ، عقود بھی کیا ہیں؟ غیرِ لفظ۔

اسی طرح ہے نُصُب بھئی، نُصُب۔ نُصُب جمع ہے نُصْبَةٌ کی، اور نُصْبَةٌ کہتے ہیں گاڑی ہوئی چیز۔ اس سے مراد یہ ہے یہ

پرانے زمانے میں راستے میں مثلاً سفر کرتے تھے تو ہر روز جتنا سفر طے کیا جاتا تھا بیس تیس کلومیٹر کا اس پر ایک پتھر لگایا جاتا تھا ایک نشان، جس سے پتہ چلتا تھا کہ یہ ایک منزل ہو گئی ہے، دو ہو گئی ہیں، تین ہو گئی ہیں، ان کو نُصُب کہا جاتا تھا۔ مثلاً یہاں سے پشاور جانا ہے تو مثلاً بیس دن کا سفر ہے، ہر روز قافلہ فجر کے وقت چلتا اور دس گیارہ بجے دن کے جب ہو جاتے، تھوڑی گرمی ہو جاتی تو پڑاؤ ڈال دیا جاتا تھا۔ توجہ ہے؟ یہ دو چار چھ گھنٹے کا جو سفر ہوا اس میں بیس تیس کلومیٹر طے ہو گئے اور پھر پڑاؤ ڈال لیا جاتا تھا۔ تو اس طرح ہر منزل کے پتھر لگائے—پتھر لگے ہوتے تھے۔ تو جیسے آج کل بھی آپ دیکھتے ہیں، آج کل بھی دیکھتے ہیں آپ سڑک کے کنارے پتھر لگے ہوتے ہیں اور ان پر فاصلہ لکھا ہوتا ہے، لیکن یہ جو پتھر ہیں یہ نُصُب نہیں، یہ اس قبیل سے نہیں جس کا میں ذکر کر رہا ہوں، یہ خطوط کی قبیل سے ہے۔ ان پتھروں کو دیکھ کر آپ کو فاصلے کا پتہ چلتا ہے یا ان پر لکھی ہوئی تحریر سے فاصلے کا پتہ چلتا ہے؟ تحریر سے، تو وہ خطوط کی قبیل میں داخل ہیں یہ والے نُصُب۔ وہ جو نُصُب ہوتے تھے ان پر کچھ لکھا نہیں ہوتا تھا، بس وہ ان کو شمار کرتے جاتے تھے کہ مثلاً بیس گزر گئے ہیں تو پانچ یا چھ رہ گئے ہیں تو اتنے دن کا سفر باقی ہے، تو ان کو نُصُب کہا جاتا تھا۔ دیکھو وہ نُصُب کیا کر رہے ہیں؟ دلالت کر رہے ہیں فاصلہ کتنا ہو چکا اور کتنا رہتا ہے۔

اسی طرح إشَارَات بھئی، اشارات مختلف قسم کے اشارات جو ہم نے مقرر کیے ہوئے ہیں، مثلاً جیسے ٹریفک کے اشارے ہیں یہ بھی کیا ہیں؟ اشارات۔ یا اسی طرح جیسے اشارات مقرر کر لیے جاتے ہیں کسی کام کے لیے، کوئی کسی کو کسی کام کے لیے آنکھوں سے اشارہ کر دیتا ہے وغیرہ، تو یہ سب کیا ہیں؟ اشارات، اور یہ لفظ غیرِ لفظ ہیں، یہاں پر لفظ نہیں۔ توجہ ہے؟ یہ ان سب میں وضع ہے: یہ تحریر میں بھی کیا ہے؟ وضع، یہ تحریر اس لفظ کے لیے وضع ہے۔ اسی طرح یہ جو عقود ہیں ان میں بھی کیا ہے؟ وضع ہے، مقرر کیا ہے۔ نُصُب بھی کیا تھے؟ ان میں بھی وضع تھی اس لیے مقرر کیے تھے۔ اشارات میں بھی کیا ہوتی ہے؟ وضع، مختلف قسم کے اشارے جو بھی ہو جائیں، بات سمجھ میں آ گئی؟ مختلف قسم کے اشارے۔ یہ جیسے، جیسے دیکھو ایک طالب علم تھا وہ امتحان دے رہا تھا، اس کو سوال نہیں تھے یاد، اس نے اپنے ساتھی سے کہا کہ بھئی میری تیاری نہیں ہے امتحان میں آپ نے میری مدد کرنی ہے، امتحان میں مدد کرنی ہے۔ تو اس ساتھی نے کہا بھئی مجھے کیسے پتہ چلے گا کہ آپ کو کون سا سوال نہیں آتا؟ اس نے کہا بھئی تین سوال آئیں گے امتحان میں: اگر مجھے پہلا سوال نہ آیا تو میں یہ اپنا رومال نا اپنے سامنے نیچے رکھ لوں گا، کندھے سے اتار کر سامنے رومال رکھ لوں گا، تم سمجھ جانا اس کو پہلا سوال نہیں آتا تو اس میں میری مدد کرنا۔ اور اگر مجھے دوسرا سوال نہ آیا تو میں اپنی عینک اتار کر نیچے رکھ دوں گا، تم سمجھ جانا اس کو دوسرا سوال نہیں آتا۔ اور اگر مجھے تیسرا سوال نہ آیا تو میں اپنی ٹوپی اتار کر نیچے رکھ دوں گا، تم سمجھ جانا کہ مجھے تیسرا سوال نہیں آتا تو تم نے میری اس میں مدد کرنی ہے۔ دیکھا یہ اشارات کیا کر لیے؟ وضع کر لیے، متعین کر لیے آپس میں۔ تو چنانچہ جب اس طالب علم پرچہ شروع ہوا، تھوڑی دیر بعد اس نے مڑ کر دیکھا تو تینوں چیزیں نیچے رکھی ہوئی تھیں بھئی! تو یہ

احوال ہوتے ہیں بعض کے بھئی۔

دیکھیے بھئی کتاب پر، کہتے ہیں: وَالدَّوَالُّ الْأَرْبَعُ وَهِيَ الْخُطُوطُ وَالْعُقُودُ وَالنُّصُبُ وَالْإِشَارَاتُ۔ وَالدَّوَالُّ لام مشدد ہے بھئی، وَالدَّوَالُّ الْأَرْبَعُ اور دوال اربعہ جو ہیں، وَهِيَ الْخُطُوطُ وَالْعُقُودُ وَالنُّصُبُ وَالْإِشَارَاتُ، اور یہ خطوط، عقود، نصب اور اشارات ہیں، یہ جو ہیں دوال اربعہ، غَيْرُ دَاخِلَةٍ فِيهِ وہ اس تعریف کے اندر داخل نہیں۔ بھئی دراصل بعض، میں نے بتایا اور علماء نے بھی کافیہ کی شروحات لکھی ہیں، تو بعض علماء نے ذکر کیا کہ یہ جو صاحب کافیہ ہیں انہوں نے جو کلمہ کی تعریف شروع کی: اَلْكَلِمَةُ لَفْظٌ، یہ لَفْظٌ اس لیے لے کر آئے تاکہ دوال اربعہ کلمہ سے خارج ہو جائیں، کیونکہ ان میں سے کوئی بھی کلمہ نہیں۔ تحریریں وہ کلمہ ہیں؟ عقود کلمہ ہیں؟ نصب، اشارات ان میں سے کوئی بھی کلمہ نہیں، تو ان کو نکالنا ضروری تھا تو کس کے ذریعے نکالا؟ لفظ۔ جب لَفْظٌ کہہ دیا وہ تو لفظ نہیں ہیں تو وہ سب کیا ہو گئے؟ نکل گئے۔ ملا جامی بتا رہے ہیں کہ نہیں بھئی، یہ لفظ جو ہے جنس کے درجے میں ہے اور دوال اربعہ کو نکالنے کے لیے نہیں ہے، اس سے پہلے کوئی لفظ ذکر ہوتا اور دوال اربعہ اندر داخل ہوتے تو پھر لَفْظٌ کے ذریعے کیا کیا جاتا؟ ان کو نکالا جاتا، تو وہ داخل ہی نہیں ہیں تو ان کو نکالنے کی کوئی ضرورت بھی نہیں ہے۔

تو کہتے ہیں: وَالدَّوَالُّ الْأَرْبَعُ وَهِيَ الْخُطُوطُ وَالْعُقُودُ وَالنُّصُبُ وَالْإِشَارَاتُ غَيْرُ دَاخِلَةٍ فِيهِ، یہ اس میں داخل ہی نہیں ہیں یعنی اس تعریف کے اندر، فَلَا حَاجَةَ إِلَى قَيْدٍ يُخْرِجُهَا، لہٰذا ضرورت نہیں ہے ایسی قید کی يُخْرِجُهَا جو ان کو نکال دے۔ قید آیا نکرہ، اور نکرہ کے بعد يُخْرِجُ فعل آیا تو یہ اس کے لیے صفت بنے گا، تو ضرورت نہیں ہے إِلَى قَيْدٍ ایسی قید کی يُخْرِجُهَا جو ان دوال اربعہ کو نکال دے۔ یہاں تک بات سمجھ میں آگئی؟ چلیے بس بھئی، هٰذَا هُوَ الْمَرَامُ، وَاللّٰهُ أَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْكَلَامِ۔

نقشۂ عُقُودُ الأَنَامِل

(دونوں ہاتھوں کی انگلیوں پر ۱ سے ۱۰,۰۰۰ تک گنتی کا قدیم عربی و علمی طریقہ)

حاشیہ شرح ملا جامی — ماخوذ از درسِ حضرت مولانا محمد زہیر روحانی بازی مدظلہ العالی

۱۔ تعارف و لغوی تحقیق:

عُقُود (عُقُود): عَقْد کی جمع ہے جس کے معنیٰ گرہ لگانے یا ہاتھ کی انگلیوں کے جوڑوں کے ہیں۔ **أَنَامِل** (أَنَامِل): أُنْمُلَة کی جمع ہے جس کے معنیٰ انگلی (یا انگلی کا پورہ) کے ہیں۔ قدیم عرب اور اہلِ علم حساب کتاب اور اعداد کی تعداد ظاہر کرنے کے لیے دونوں ہاتھوں کی دس انگلیوں کے مختلف جوڑوں اور ہیئتوں کو استعمال کرتے تھے، جس کے ذریعے ۱ سے لے کر ۱۰,۰۰۰ تک ہر عدد کی بالکل متعین اور واضح علامت بنائی جاتی تھی۔

۲۔ پانچوں انگلیوں کے عربی نام اور پہچان:

ترتیب	عربی نام	اردو پہچان	عقود الانامل میں کردار
۱	خِنْصِر	سب سے چھوٹی انگلی (چھنگلیا)	دائیں ہاتھ میں اکائیاں (۱–۹)؛ بائیں میں سینکڑے (۱۰۰–۹۰۰)
۲	بِنْصِر	چھوٹی انگلی کے ساتھ والی انگلی	دائیں ہاتھ میں اکائیاں (۱–۹)؛ بائیں میں سینکڑے (۱۰۰–۹۰۰)
۳	وُسْطیٰ	درمیان والی سب سے لمبی انگلی	دائیں ہاتھ میں اکائیاں (۱–۹)؛ بائیں میں سینکڑے (۱۰۰–۹۰۰)
۴	سَبَّابَة	شہادت کی انگلی	دائیں ہاتھ میں دہائیاں (۱۰–۹۰)؛ بائیں میں ہزار (۱۰۰۰–۹۰۰۰)
۵	إِبْهَام	انگوٹھا	سَبَّابَة کے ساتھ مل کر دہائیاں اور ہزار بناتا ہے

۳۔ دونوں ہاتھوں کی بنیادی تقسیم:

ہاتھ	تین انگلیاں (خِنصِر، بِنصِر، وُسطیٰ)	دو انگلیاں (سَبَّابَة، إبْهَام)	کل گنجائش
دایاں ہاتھ (سیدھا)	اکائیاں: ۱ تا ۹	دہائیاں: ۱۰ تا ۹۰	۱ تا ۹۹
بایاں ہاتھ (الٹا)	سینکڑے: ۱۰۰ تا ۹۰۰	ہزار: ۱۰۰۰ تا ۹۰۰۰	۱۰۰ تا ۹۹۰۰
دونوں ہاتھ ملا کر	اکائی، دہائی، سینکڑہ اور ہزار کا مجموعہ (اور خاص ہیئت سے ۱۰,۰۰۰)		۱ تا ۱۰,۰۰۰

بنیادی اصولِ مطابقت: بایاں ہاتھ ہر درجے میں دائیں ہاتھ کا عین آئینہ (عکس) ہے: جو ہیئت دائیں ہاتھ میں **اکائی** (۱–۹) کی ہے، وہی ہیئت بائیں ہاتھ میں **سینکڑے** (۱۰۰–۹۰۰) کی ہے؛ اور جو ہیئت دائیں ہاتھ میں **دہائی** (۱۰–۹۰) کی ہے، وہی ہیئت بائیں ہاتھ میں **ہزار** (۱۰۰۰–۹۰۰۰) کی ہے۔

دایاں ہاتھ: اکائیاں (۱ تا ۹)

تین انگلیوں (خِنصِر، بِنصِر، وُسطٰی) کی حرکت سے

۱ (ایک)



خِنصِر (چھوٹی انگلی) کو اس طرح موڑیں کہ اس کا سر اپنی جڑ کے قریب رہے (ہتھیلی تک نہ جائے)۔

۲ (دو)



خِنصِر اور بِنصِر دونوں انگلیوں کو موڑیں کہ ان کے سر اپنی جڑوں کے قریب رہیں۔

۳ (تین)



خِنصِر، بِنصِر اور وُسطٰی تینوں انگلیوں کو موڑیں کہ ان کے سر اپنی جڑوں کے قریب رہیں۔

۴ (چار)



خِنصِر کو سیدھا کر دیں، جبکہ بِنصِر اور وُسطٰی دونوں جڑ کے قریب جھکی رہیں۔

۵ (پانچ)



خِنصِر اور بِنصِر دونوں سیدھی کر دیں، صرف درمیان والی وُسطٰی جھکی رہے۔

۶ (چھ)



صرف بِنصِر کو موڑ کر رکھیں، جبکہ خِنصِر اور وُسطٰی دونوں سیدھی رہیں۔

۷ (سات)

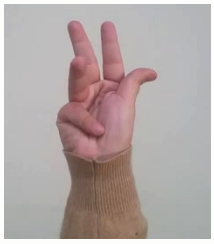

خِنصِر کو ہتھیلی پر جتنا دور ہو سکے (انگوٹھے کے نرم حصے کی طرف) موڑ کر رکھیں۔

۸ (آٹھ)

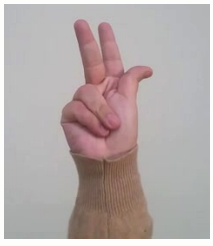

خِنصِر اور بِنصِر دونوں کو دور تک ہتھیلی پر موڑ کر انگوٹھے کے نرم حصے پر رکھیں۔

۹ (نو)

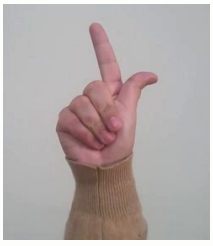

خِنصِر، بِنصِر اور وُسطٰی تینوں کو خوب دور تک ہتھیلی پر موڑ کر رکھیں۔

دایاں ہاتھ: دہائیاں (۱۰ تا ۹۰)

شہادت کی انگلی (سَبَّابَة) اور انگوٹھے (إبْهَام) کی حرکت سے

۱۰ (دس)

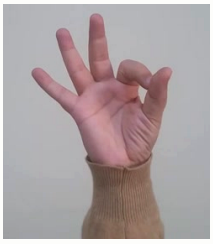

سَبَّابَة کو موڑ کر انگوٹھے کے درمیانی جوڑ (ناخن سے نیچے والے جوڑ) پر رکھیں؛ متوسط دائرہ بنے۔

۲۰ (بیس)



انگوٹھے کو سَبَّابَة اور وُسْطٰی کے درمیان داخل کریں کہ ناخن سَبَّابَة کے پہلے پورے سے ملے۔

۳۰ (تیس)

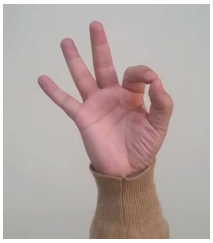

انگوٹھے کے سر پر سَبَّابَة کا سر رکھیں؛ اس سے سب سے بڑا دائرہ بنے گا۔

۴۰ (چالیس)

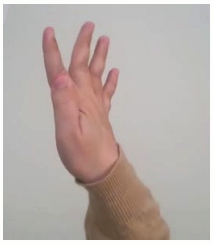

سَبَّابَة اور انگوٹھا دونوں سیدھے رکھیں اور انگوٹھے کو سَبَّابَة کی پشت (جڑ کی جانب) لے جائیں۔

۵۰ (پچاس)



انگوٹھے کو ہتھیلی کے درمیان موڑ دیں جتنا ممکن ہو، مگر ہتھیلی کے اندر رہے، باہر نہ نکلے۔

۶۰ (ساٹھ)

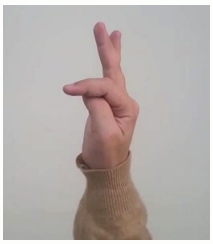

انگوٹھے کے ناخن پر سَبَّابَة کا درمیانا پورا رکھیں کہ ناخن چھپ جائے اور ایک پورا آگے نکلا رہے۔

۷۰ (ستر)



انگوٹھا اور سَبَّابَة سیدھے رکھ کر انگوٹھے کو سَبَّابَة کے پہلے جوڑ پر سامنے کی طرف رکھیں۔

۸۰ (اسی)

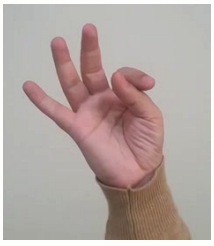

انگوٹھے کے ناخن والے جوڑ پر باہر سے سَبَّابَة کا پہلا پورا رکھیں؛ ناخن کھلا رہے۔

۹۰ (نوے)



انگوٹھا سیدھا رکھیں اور سَبَّابَة کو انگوٹھے کی جڑ میں موڑ کر چھوٹے سے چھوٹا دائرہ بنائیں۔

بایاں ہاتھ: سینکڑے (۱۰۰ تا ۹۰۰)

دائیں ہاتھ کی اکائیوں کا عین عکس — تین انگلیوں (خِنْصِر، بِنْصِر، وُسْطٰی) سے

۱۰۰ (ایک سو)

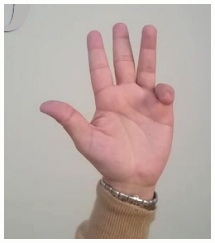

بائیں ہاتھ کی خِنْصِر کو جڑ کے قریب موڑیں (ہوبہو دائیں ہاتھ کے ۱ کی طرح)۔

۲۰۰ (دو سو)

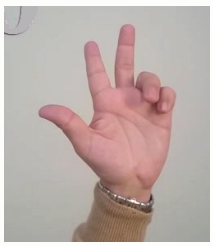

بائیں ہاتھ کی خِنْصِر اور بِنْصِر دونوں کو جڑ کے قریب موڑیں (ہوبہو ۲ کی طرح)۔

۳۰۰ (تین سو)



بائیں ہاتھ کی خِنْصِر، بِنْصِر اور وُسْطٰی تینوں کو جڑ کے قریب موڑیں (ہوبہو ۳ کی طرح)۔

۴۰۰ (چار سو)

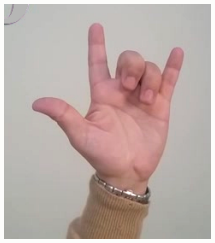

خِنْصِر سیدھی رکھیں، بِنْصِر اور وُسْطٰی جڑ کے قریب جھکی رہیں (ہوبہو ۴ کی طرح)۔

۵۰۰ (پانچ سو)

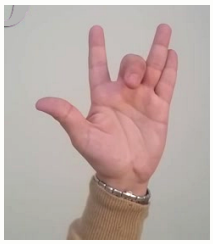

خِنْصِر اور بِنْصِر سیدھی، صرف درمیان والی وُسْطٰی جھکی رہے (ہوبہو ۵ کی طرح)۔

۶۰۰ (چھ سو)

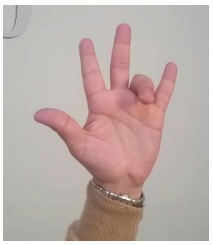

صرف بِنْصِر جھکی رہے، خِنْصِر اور وُسْطٰی سیدھی رہیں (ہوبہو ۶ کی طرح)۔

۷۰۰ (سات سو)

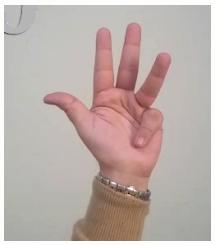

خِنصِر کو دور تک ہتھیلی پر انگوٹھے کی جڑ کی طرف موڑیں (ہوبہو ۷ کی طرح)۔

۸۰۰ (آٹھ سو)



خِنصِر اور بِنصِر دونوں کو دور تک ہتھیلی پر موڑیں (ہوبہو ۸ کی طرح)۔

۹۰۰ (نو سو)

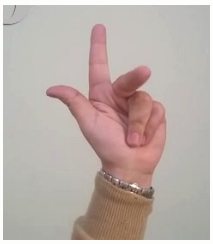

خِنصِر، بِنصِر اور وُسطٰی تینوں کو خوب دور تک ہتھیلی پر موڑیں (ہوبہو ۹ کی طرح)۔

بایاں ہاتھ: ہزار (۱۰۰۰ تا ۹۰۰۰)

دائیں ہاتھ کی دہائیوں کا عین عکس — سَبَّابَة اور إبْهَام کی حرکت سے

۱۰۰۰ (ایک ہزار)

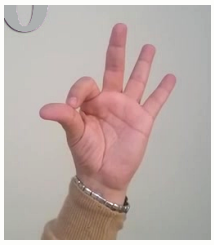

سَبَّابَة کو انگوٹھے کے درمیانی جوڑ پر رکھ کر متوسط دائرہ بنائیں (ہوبہو ۱۰ کی طرح)۔

۲۰۰۰ (دو ہزار)



انگوٹھے کو سَبَّابَة اور وُسطٰی کے درمیان داخل کریں (ہوبہو ۲۰ کی طرح)۔

۳۰۰۰ (تین ہزار)



انگوٹھے کے سر پر سَبَّابَة کا سر رکھ کر بڑا دائرہ بنائیں (ہوبہو ۳۰ کی طرح)۔

۴۰۰۰ (چار ہزار)

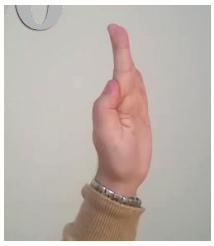

دونوں انگلیاں سیدھی رکھ کر انگوٹھے کو سَبَّابَة کی پشت پر لے جائیں (ہوبہو ۴۰ کی طرح)۔

۵۰۰۰ (پانچ ہزار)

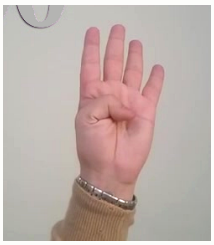

انگوٹھے کو ہتھیلی کے درمیان اندر کی طرف پورا موڑ دیں (ہوبہو ۵۰ کی طرح)۔

۶۰۰۰ (چھ ہزار)

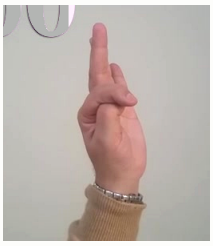

انگوٹھے کے ناخن پر سَبَّابَة کا درمیانا پورا رکھیں کہ ناخن چھپ جائے (ہوبہو ۶۰ کی طرح)۔

۷۰۰۰ (سات ہزار)



انگوٹھا سیدھا رکھ کر سَبَّابَة کے پہلے جوڑ پر سامنے رکھیں (ہوبہو ۷۰ کی طرح)۔

۸۰۰۰ (آٹھ ہزار)

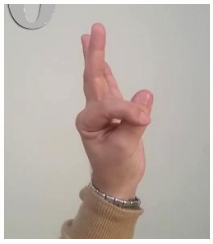

انگوٹھے کے ناخن والے جوڑ پر باہر سے سَبَّابَة کا پہلا پورا رکھیں (ہوبہو ۸۰ کی طرح)۔

۹۰۰۰ (نو ہزار)

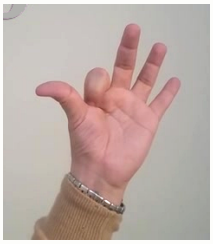

انگوٹھا سیدھا اور سَبَّابَة کو انگوٹھے کی جڑ میں موڑ کر چھوٹا دائرہ بنائیں (ہوبہو ۹۰ کی طرح)۔

دس ہزار (۱۰,۰۰۰)، عملی مثالیں اور علمی فائدہ

دونوں ہاتھوں کے باہمی استعمال کی تطبیق

۱۰,۰۰۰ (دس ہزار — دونوں ہاتھ)

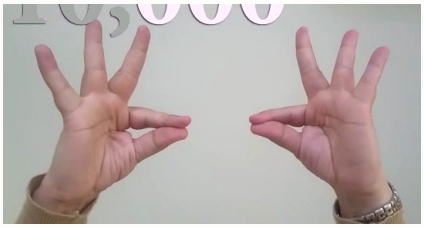

دونوں ہاتھوں کی سَبَّابَة اور إبْهَام (انگوٹھے) کو سامنے سے ملا کر آمنے سامنے چونچ نما شکل بنائیں؛ باقی تین تین انگلیاں کھلی رہیں۔

۲۰ (پہلو سے زاویہ)

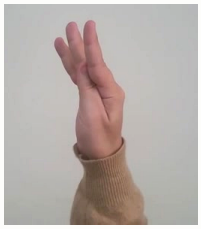

۲۰ (اور ۲۰۰۰) کی واضح پہچان: انگوٹھے کو سَبَّابَة اور وُسْطٰی کے درمیان یوں داخل کیا جاتا ہے کہ انگوٹھے کا ناخن سَبَّابَة کے پہلے پورے سے ملا ہو۔

۵۵۰ (پانچ سو پچاس — عملی مثال)

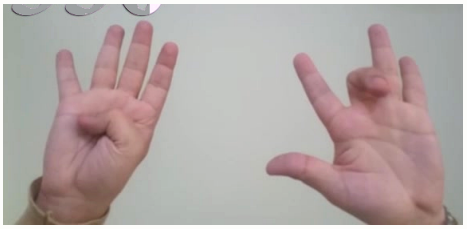

بایاں ہاتھ: ۵۰۰ (صرف وُسْطٰی جھکی ہوئی) + **دایاں ہاتھ:** ۵۰ (انگوٹھا ہتھیلی کے اندر مڑا ہوا)۔ دونوں مل کر ۵۵۰ بنتے ہیں۔

۳۱۳ (تین سو تیرہ — عملی مثال)

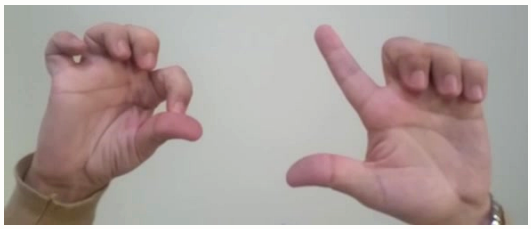

بایاں ہاتھ: ۳۰۰ (تینوں انگلیاں خِنْصِر، بِنْصِر، وُسْطٰی جھکی ہوئیں) + **دایاں ہاتھ:** ۱۰ (دائرہ) اور ۳ (تین انگلیاں جھکی ہوئیں) = ۱۳۔ مجموعہ ۳۱۳۔

علمی فائدہ و تنبیہ (از درسِ حضرت مولانا زہیر روحانی بازی مدظلہ العالی):

۱۔ **اکائیوں (۱ تا ۹) پر اتفاق:** عقود الانامل کی تمام مستند کتب میں ۱ سے ۹ تک (اور اسی طرح ۱۰ سے ۹۰ تک) کی ہیئتوں پر مکمل اتفاق پایا جاتا ہے۔

۲۔ **دہائیوں (۱۰ تا ۹۰) میں تعبیر کا اختلاف:** دہائیوں (اور ہزاروں) کی بعض صورتوں کی تعبیر میں کتبِ قدیمہ کے درمیان جزئی فرق ملتا ہے؛ اس نقشے میں تمام تصاویر اور قواعد بعینہ اسی ترتیب اور عملی مظاہرے کے مطابق دیے گئے ہیں جو حضرت الاستاذ نے سبق میں بیان فرمائے ہیں۔

۳۔ **مرکب اعداد پڑھنے کا طریقہ:** بائیں ہاتھ سے ہزار اور سینکڑے، اور دائیں ہاتھ سے دہائی اور اکائی ایک ساتھ دکھا کر ۱ سے ۹,۹۹۹ تک کوئی بھی عدد باآسانی ظاہر کیا جا سکتا ہے۔

سبق نمبر ۱۹: تعریفِ کلمہ (۳): «لَفْظٌ» میں تائے وحدت نہ لانے کی وجہ

شرحِ ملا جامی صفحہ: ۱۴ — بتاریخ: ۸ جولائی ۲۰۲۱ء

▪ تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث

آگے دیکھیے سبق بھائی: وَإِنَّمَا قَالَ لَفْظٌ وَلَمْ يَقُلْ لَفْظَةٌ لِأَنَّهُ لَمْ يَقْصِدِ الْوَحْدَةَ، وَالْمُطَابَقَةُ غَيْرُ لَازِمَةٍ لِعَدَمِ الِاشْتِقَاقِ مَعَ كَوْنِ اللَّفْظِ أَخْصَرَ۔

اچھا بھائی ہم کلمہ کی تعریف پڑھ رہے تھے بھائی۔ کلمہ کی تعریف کی صاحبِ کافیہ نے: اَلْكَلِمَةُ لَفْظٌ وُضِعَ لِمَعْنًى مُفْرَدٍ۔ گزشتہ سبق کے اندر یہ لَفْظٌ کے بارے میں تفصیل ہم نے پڑھی تھی بھائی۔ اور ملا جامی رحمہ اللہ نے آپ کو بتلایا کہ عربی زبان میں لَفْظٌ کا معنی ہے پھینکنا، پھینکنا۔ تو اس پر اشکال ہوتا ہے کہ یہ تو مصدر ہے اور مصدر کا حمل ذات پر صحیح نہیں، کیونکہ اَلْكَلِمَةُ وہ ذات کا نام ہے اور لفظ کیا ہے مصدر ہے، وہ صفت ہے اور مصدر کا خارج میں وجود نہیں ہوتا، تو ذات پر مصدر کا حمل صحیح نہیں، جیسے زَيْدٌ عَدْلٌ۔ زید ذات کا نام ہے اور عَدْلٌ وصف ہے، مصدر ہے انصاف کرنا، اور ذات پر مصدر کا حمل صحیح نہیں۔ کہ یہاں یہ لفظ کا لغوی معنی تو ہے پھینکنا، لیکن یہاں لفظ کا لغوی معنی نہیں مراد بلکہ اصطلاحی معنی مراد ہے، اور اصطلاحی معنی ہے اس کا مَا يَتَلَفَّظُ بِهِ الْإِنْسَانُ جس پر انسان تلفظ کرتا ہے۔ یہ جو میں زبان سے ادا کر رہا ہوں یہ کیا ہیں؟ لفظ ہیں بھائی، لفظ۔ اور یہ تو ذات ہے لہذا اس کا حمل اَلْكَلِمَةُ پر صحیح ہے۔

اور اس میں پھر انہوں نے دو صورتیں ذکر کیں کہ لَفْظٌ کا لغوی معنی کیا تھا پھینکنا اور پھر اس کو نقل کیا گیا کس معنی کی طرف؟ مَا يَتَلَفَّظُ بِهِ الْإِنْسَانُ، جس پر انسان تلفظ کرتا ہے۔ تو اس میں دو احتمال ہیں: یا تو لَفْظٌ کو براہِ راست مَا يَتَلَفَّظُ بِهِ الْإِنْسَانُ کی طرف نقل کیا گیا، یا پہلے اس کو مَلْفُوْظٌ کے معنی میں کیا گیا اور پھر اس کو دوبارہ نقل کیا گیا کس کی طرف مَا يَتَلَفَّظُ بِهِ الْإِنْسَانُ کی طرف۔ تو یہ لفظ جو ہے یہ ہوا منقول بھائی، لفظ کیا ہے؟ منقول ہے۔ پہلے اس کا معنی کیا تھا پھینکنا یعنی لغت میں معنی کیا پھینکنا، اور پھر نحویوں کے نزدیک معنی کیا ہوا مَا يَتَلَفَّظُ بِهِ الْإِنْسَانُ۔ تو یہ لفظ ہوا منقول۔ تو جو پہلا معنی ہے اس کو کہیں گے مَنْقُوْلٌ عَنْهُ اور جو دوسرا معنی ہے اس کو کہیں گے مَنْقُوْلٌ إِلَيْهِ، مَنْقُوْلٌ إِلَيْهِ۔ تو یاد رکھو مَنْقُوْلٌ عَنْهُ اور مَنْقُوْلٌ إِلَيْهِ دونوں کے اندر مناسبت ہونی چاہیے اور جتنی زیادہ مناسبت ہوگی اتنا ہی پسندیدہ ہے بھائی، اتنا ہی

پسندیدہ۔ تو یہاں پر دو احتمال ہیں: یا تو لفظ کو براہِ راست نقل کیا گیا مَا يَتَلَفَّظُ بِهِ الْإِنْسَانُ کی طرف، یا اس کو پہلے مَلْفُوْظٌ کے معنی میں کیا گیا اور پھر یہ لفظ جو مَلْفُوْظٌ کے معنی میں تھا اس لفظ کو دوبارہ نقل کیا گیا کس کی طرف مَا يَتَلَفَّظُ بِهِ الْإِنْسَانُ کی طرف۔ توجہ ہے؟ لفظ وہی ہے، لفظ میں تبدیلی نہیں آرہی، معنی سے ایک معنی سے دوسرے معنی کی طرف ہم اس کو نقل کر رہے ہیں۔ پہلے وہی لفظ کس معنی میں تھا؟ پھینکنے کے معنی میں۔ پھر اسی لفظ کو نقل کر لیا اور کیا معنی کیا اس کا؟ مَلْفُوْظٌ، تو مَلْفُوْظٌ کے معنی کی طرف اسی لفظ کو نقل کیا۔ پھر دوبارہ اسی لفظ کو نقل کیا اور کس معنی میں کر لیا؟ مَا يَتَلَفَّظُ بِهِ الْإِنْسَانُ۔ تو یہ نقلِ لفظ ہو رہا ہے ایک معنی سے دوسرے معنی کی طرف۔

تو یہاں پر دو صورتیں ہیں: ایک تو یہ کہ براہِ راست نقل ہو اور ایک یہ کہ دو مرتبہ میں نقل ہو یہاں پر۔ تو دونوں صورتوں میں من وجہ حسن بھی ہے اور من وجہ قبح بھی، یا یوں کہو دونوں وجہ من وجہ اچھی ہیں۔ بعض اعتبار سے دیکھا جائے تو پہلی وجہ اچھی اور بعض اعتبار سے دیکھا جائے تو دوسری وجہ اچھی ہے۔ اسی طرح دیکھا جائے تو بعض اعتبار سے پہلی وجہ میں کچھ خرابی ہے اور دوسری طرف دیکھا جائے تو دوسری وجہ میں بھی کچھ خرابی ہے یعنی کچھ برائی ہے یا کچھ کمی ہے بھائی۔ پہلی وجہ کیا تھی کہ لفظ کو براہِ راست نقل کر لیا کس کی طرف مَا يَتَلَفَّظُ بِهِ الْإِنْسَانُ۔ تو پہلا معنی کیا تھا پھینکنا اور دوسرا معنی کیا مَا يَتَلَفَّظُ بِهِ الْإِنْسَانُ جس پر انسان تلفظ کرتا ہے یعنی یوں کہو وہ لفظ جو انسان منہ سے پھینکتا ہے یا آسان لفظوں میں کہو پھینکی ہوئی چیز، پھینکی ہوئی چیز۔ تو پہلا معنی کیا پھینکنا، دوسرا معنی کیا پھینکی ہوئی چیز۔ تو لفظ تو پھینکنے کو کہتے تھے پھر یہی لفظ کس کو کہنے لگے پھینکی ہوئی چیز کو۔ تو اس کو کہتے ہیں تَسْمِيَةُ الْمُسَبَّبِ بِاسْمِ السَّبَبِ۔ پھینکنا سبب ہے پھینکی ہوئی چیز کا، آپ کوئی چیز پھینکیں گے تو وہ پھینکی ہوئی کہلائے گی۔ تو پھینکنا کیا ہے؟ سبب اور پھینکی ہوئی چیز کیا ہے؟ مسبب۔ تو پھینکی ہوئی چیز یعنی وہ جو لفظ ہے اس کو ہی لفظ کہنے لگ پڑے تو مسبب کو نام دے دیا لفظ کا حالانکہ لفظ تو کس کا نام تھا؟ سبب کا۔ پھینکنے کا نام کیا تھا؟ لفظ۔ پھینکنے کو کیا کہتے تھے؟ لفظ کہتے تھے اور پھینکی ہوئی چیز کو وہی لفظ کہنے لگے۔ جو مسبب ہے اس کو نام دے دیا سبب والا، تو اس کو کہتے ہیں تَسْمِيَةُ الْمُسَبَّبِ بِاسْمِ السَّبَبِ۔

تو یہاں دونوں میں مناسبت بعیدہ ہے یعنی مَنْقُوْلٌ عَنْهُ اور مَنْقُوْلٌ إِلَيْهِ یہ جو دو معانی ہیں ان میں کیا ہے؟ مناسبت بعیدہ ہے۔ مناسبت تو ہے، مناسبت تو ہے کوئی چیز پھینکیں گے تو وہ کیا ہو جائے گی؟ پھینکی ہوئی ہوگی، مناسبت تو ہے لیکن قریب والی مناسبت نہیں ہے۔ قریب والی مناسبت کیوں نہیں ہے؟ میں نے وجہ بھی ذکر کی تھی، اس لیے کیونکہ سبب اور مسبب دونوں کا ایک دوسرے پر حمل نہیں ہوتا، جیسے نماز کے لیے سبب کیا ہے؟ وقت ہے۔ تو یوں کہا جائے: اَلْوَقْتُ صَلَاةٌ۔ وقت کو بناؤ مبتدا اور صلوٰۃ کا کرو اس پر حمل، یہ حمل صحیح نہیں۔ وقت نماز ہے، بھائی یہ تو بات درست نہیں ہے۔ یا اس کا عکس کر لو مسبب کو کیا بنا لو؟ توجہ ہے؟ وقت ہے سبب اور نماز ہے مسبب۔ تو آپ پہلے تو سبب کو بناؤ مبتدا اور مسبب کو کیا بناؤ خبر: اَلْوَقْتُ صَلَاةٌ، وقت کیا ہے نماز ہے، یہ بات نہیں بنتی۔ اس کا عکس کر لو آپ مسبب کو مبتدا

بناؤ اور سبب کو کیا بناؤ خبر بناؤ تو بھی بات درست نہیں: اَلصَّلَاۃُ وَقْتٌ، نماز وقت ہے یہ بات بھی درست نہیں۔ دونوں میں مناسبت تو ہے ایک سبب ہے ایک مسبب، لیکن دونوں اکٹھے نہیں ہوتے، سبب پر مسبب کا حمل صحیح نہیں اور مسبب پر سبب کا حمل صحیح نہیں، دونوں میں اتحاد نہیں ہوتا، دونوں اکٹھے نہیں ہوتے، سبب الگ چیز ہے اور مسبب الگ چیز ہے۔ تو یہاں مناسبت بعیدہ ہے۔ البتہ اس پہ اچھا ہے بایں اعتبار کہ یہاں نقل ایک ہی دفعہ پائی گئی۔ براہِ راست پھینکنے سے کس معنی کی طرف نقل کر لیا مَا یَتَلَفَّظُ بِهِ الْإِنْسَانُ۔ تو نقل میں تو تعدد نہیں البتہ وہ دونوں معنی کے اندر جو ہے وہ مناسبت بعیدہ ہے، قریبا نہیں، تو یہ تَسْمِیَةُ الْمُسَبَّبِ بِاسْمِ السَّبَبِ کی قبیل سے ہے۔

اور اگر دوسرے احتمال کو لیا جائے کہ لفظ کو پہلے کس معنی میں لے لیا مَلْفُوْظٌ کے معنی میں اور پھر اس کو کس معنی میں لے لیا مَا یَتَلَفَّظُ بِهِ الْإِنْسَانُ۔ توجہ سے سنو یہاں دو نقل ہیں۔ لفظ وہی ہے معنی بدل رہا ہے۔ پہلا معنی کیا تھا پھینکنا، پھر دوسرا معنی کی طرف نقل کر لیا اب کیا معنی ہے مَلْفُوْظٌ یعنی پھینکی ہوئی چیز۔ اور یہ پھینکی ہوئی چیز عام ہے چاہے ہاتھ سے پھینکی ہو چاہے منہ سے پھینکی ہو۔ تو اب یہ جو لفظ جو مَلْفُوْظٌ کے معنی میں تھا اس لفظ کو نقل کیا کس کی طرف مَا یَتَلَفَّظُ بِهِ الْإِنْسَانُ کی طرف۔ تو وہ لفظ جو مَلْفُوْظٌ کے معنی میں ہے اس کو نقل کیا ہے مَا یَتَلَفَّظُ بِهِ الْإِنْسَانُ کی طرف۔ اب ان میں مناسبت قریبا ہے بھائی۔ تو اس میں برائی تو ہے خرابی تو ہے بایں لحاظ کہ نقل دو دفعہ پائی گئی۔ پہلے لفظ کو نقل کیا کس معنی کی طرف مَلْفُوْظٌ کی طرف اور پھر اسی لفظ کو جو مَلْفُوْظٌ کے معنی میں تھا نقل کیا مَا یَتَلَفَّظُ بِهِ الْإِنْسَانُ کی طرف، تو تعددِ نقل آیا، نقل دو دفعہ آئی۔ نقل زیادہ ہو تو یہ پسندیدہ نہیں، لیکن یہ جو نقل کیا مَا یَتَلَفَّظُ بِهِ الْإِنْسَانُ کی طرف کون سے لفظ کو نقل کیا؟ جو پھینکنے کے معنی میں تھا یا مَلْفُوْظٌ کے معنی میں تھا؟ ہاں دوسرے طریقے میں؟ جو مَلْفُوْظٌ کے معنی میں تھا اس کو کیا کیا ہے نقل؟ دیکھو نا پہلے لفظ کو لفظ کا معنی کیا تھا پھینکنا، پھر اس کو لفظ کو نقل کر لیا کس معنی کی طرف مَلْفُوْظٌ کے معنی میں۔ تو یہ لفظ جو مَلْفُوْظٌ کے معنی میں ہے اس کو اب نقل کیا ہے کس کی طرف مَا یَتَلَفَّظُ بِهِ الْإِنْسَانُ کی طرف۔ تو اب دیکھو یہ لفظ جو مَلْفُوْظٌ کے معنی میں ہے، مَلْفُوْظٌ کے معنی میں تھا اس کو نقل کیا ہے، تو یہاں مَنْقُوْلٌ عَنْهُ کون سا معنی ہے مَلْفُوْظٌ اور مَنْقُوْلٌ إِلَیْهِ کس معنی کی طرف نقل کیا مَا یَتَلَفَّظُ بِهِ الْإِنْسَانُ۔ تو مَلْفُوْظٌ اور مَا یَتَلَفَّظُ بِهِ الْإِنْسَانُ میں مناسبت قریبا ہے کیونکہ مَلْفُوْظٌ کا معنی بھی پھینکی ہوئی چیز اور مَا یَتَلَفَّظُ بِهِ الْإِنْسَانُ کا معنی منہ سے پھینکی ہوئی چیز۔ تو جو منہ سے پھینکی ہوئی چیز ہے وہ بھی پھینکی ہوئی چیز ہے یا نہیں؟ وہ بھی پھینکی ہوئی چیز ہے۔ تو دیکھا مَلْفُوْظٌ کا معنی تھا پھینکنا وہ عام تھا چاہے ہاتھ سے پھینکی جائے چیز چاہے منہ سے پھینکی جائے، اور یہی لفظ اٹھا کر استعمال کر لیا نقل کر لیا مَا یَتَلَفَّظُ بِهِ الْإِنْسَانُ کی طرف۔

تو مَلْفُوْظٌ کا معنی بھی پھینکی ہوئی چیز چاہے ہاتھ سے پھینکی ہو چاہے منہ سے پھینکی ہو، تو مَلْفُوْظٌ ہوا عام اور اسی کی ایک قسم کیا بن گئی مَا یَتَلَفَّظُ بِهِ الْإِنْسَانُ، جیسے دیکھو ایک ہے حیوان اور ایک ہے انسان۔ حیوان عام ہے اس میں انسان بھی

داخل اور گائے بیل بکری بھی داخل اور انسان کیا ہے خاص وہ بھی اس حیوان کے اندر داخل ہے۔ اسی طرح مَلْفُوْظٌ اس کا معنی کوئی بھی پھینکی ہوئی چیز اور مَا يَتَلَفَّظُ بِهِ الْإِنْسَانُ یہ بھی کیا ہے پھینکی ہوئی چیز تو یہ مَلْفُوْظٌ کے اندر ہی داخل ہے۔ تو مَلْفُوْظٌ ہوا عام اور مَا يَتَلَفَّظُ بِهِ الْإِنْسَانُ ہوا خاص۔ تو یہ ہوا تَسْمِيَةُ الْخَاصِّ بِاسْمِ الْعَامِّ یعنی خاص کو عام والا نام دے دینا۔ مَا يَتَلَفَّظُ بِهِ الْإِنْسَانُ اس کو کیا نام دیا؟ لفظ۔ اور لفظ تو کس معنی میں تھا مَلْفُوْظٌ کے معنی میں، تو لفظ تو تھا عام اس کو کس کے لیے خاص کر لیا مَا يَتَلَفَّظُ بِهِ الْإِنْسَانُ۔ لفظ تو تھا مَلْفُوْظٌ کے معنی میں جو کہ عام معنی تھا اور پھر اس کو کس معنی میں کر لیا مَا يَتَلَفَّظُ بِهِ الْإِنْسَانُ جو خاص معنی ہے تو عام والا لفظ کس کے لیے استعمال کر لیا خاص کے لیے، یا یوں کہیں عام والا نام کس کو دے دیا خاص کو دے دیا۔ تو یہ تَسْمِيَةُ الْخَاصِّ بِاسْمِ الْعَامِّ کی قبیل سے ہے۔

تو پہلے طریقے میں حسن کیا ہے کہ وہاں تعددِ نقل نہیں لیکن معنی مَنْقُوْلٌ عَنْهُ اور مَنْقُوْلٌ إِلَيْهِ میں مناسبت بعیدہ ہے۔ اور یہ جو دوسرا طریقہ ہے دوسرا احتمال ہے اس میں تعددِ نقل ہے بایں اعتبار اس میں خرابی ہے، لیکن بایں اعتبار یہ اچھا ہے کہ مَنْقُوْلٌ عَنْهُ اور مَنْقُوْلٌ إِلَيْهِ ان دونوں معنی میں کیا ہے مناسبت قریبا ہے۔ تو ان میں مناسبت قریبا ہے، مناسبت قریبا ہے اور مناسبت قریبا کس طرح ہے؟ وہاں سبب اور مسبب تھے، سبب کا حمل مسبب پر نہیں ہو سکتا تھا اور مسبب کا حمل سبب پر نہیں ہو سکتا۔ اور یہاں خاص اور عام ہیں، لفظ بمعنی مَلْفُوْظٌ یہ ہے یہ ہے عام اور لفظ بمعنی مَا يَتَلَفَّظُ بِهِ الْإِنْسَانُ یہ ہے خاص۔ تو عام والا نام کس کو دے دیا خاص کو، تو یہاں پر عام اور خاص ہیں۔ مَنْقُوْلٌ عَنْهُ معنی کیا ہے عام اور مَنْقُوْلٌ إِلَيْهِ معنی کیا ہے خاص، اور خاص اور عام میں ایک جانب سے حمل ہو سکتا ہے۔ سبب اور مسبب میں تو کسی طرف سے حمل نہیں ہو سکتا تھا کسی کو بھی بتدا بناؤ دوسرے کو خبر نہیں بنا سکتے تھے، لیکن یہاں اگر یوں کہیں اَلْإِنْسَانُ حَيَوَانٌ انسان کو بنایا بتدا اور حیوان کو کیا بنایا خبر بنایا، انسان ہے خاص اور حیوان ہے عام تو خاص کو بنایا بتدا اور عام کو بنایا خبر یہ حمل صحیح ہے، اَلْإِنْسَانُ حَيَوَانٌ انسان حیوان ہے آپ سب جانتے ہیں، لیکن اس کا برعکس نہیں ہے حیوان کو بتدا بناؤ اور انسان کو کیا بناؤ خبر بناؤ اَلْحَيَوَانُ إِنْسَانٌ حیوان کیا ہے انسان، نہیں بھائی تمام حیوان تو انسان نہیں ہیں۔ تو یہاں ایک جانب سے کم از کم حمل ٹھیک ہو جاتا ہے عام اور خاص کے اندر یعنی عام کا حمل خاص پر ٹھیک ہو جاتا ہے جبکہ وہاں سبب اور مسبب میں کسی جانب سے بھی حمل صحیح نہیں ہوتا تھا تو وہاں معلوم ہوا وہاں مناسبت دور کی ہے اور یہاں مناسبت قریب کی ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟

اس کے بعد پھر اشکال ہوا تھا کہ آپ نے لفظ کا معنی کیا کیا اصطلاح میں کسے کہتے ہیں مَا يَتَلَفَّظُ بِهِ الْإِنْسَانُ جس پر انسان تلفظ کرتا ہے، تو اس پر اشکال ہوا کہ کچھ لفظ جو ہیں جو نحوی تو اپنی کتابوں میں ذکر کرتے ہیں لیکن وہ آپ کی اس تعریف سے خارج ہو گئے۔ نحوی ذکر کرتے ہیں ضَرَبَ کے اندر هُوَ ضمیر ہے، اسی طرح اِضْرِبْ کے اندر أَنْتَ ضمیر ہے، لیکن جب

بھی ضَرَبَ بولیں کبھی بھی هُوَ پر کوئی تلفظ نہیں کرتا، جب بھی اِضْرِبْ بولیں اس کے اندر أَنْتَ ہے لیکن اس پر کبھی کوئی تلفظ نہیں کرتا وہ تو اس کے اندر چھپی ہوئی ہے تو اس پر تو تلفظ ہی نہیں ہوتا تو وہ تو لفظ سے خارج ہو گیا کیونکہ لفظ تو آپ نے کیا کہا کسے کہتے ہیں مَا يَتَلَفَّظُ بِهِ الْإِنْسَانُ۔ تو جواب دیا تھا کہ انسان کا اس پر تلفظ کرنا عام ہے چاہے حقیقتاً تلفظ کرے اور چاہے حکماً تلفظ کرے، اور ضَرَبَ پر جب انسان تلفظ کرتا ہے تو حکماً جو اس کے اندر ضمیر ہے اس پر بھی تلفظ کر لیتا ہے، اِضْرِبْ پر جب انسان تلفظ کرتا ہے تو اس کے اندر جو ضمیر ہے أَنْتَ اس پر بھی حکماً تلفظ کر لیتا ہے۔ حقیقت میں تو تلفظ نہیں کرتا هُوَ اور أَنْتَ پر جو ان کے لفظوں میں چھپی ہوئی ہے، ہاں حکم لگا دیا کیا حکم لگا دیا کہ جی اس پر بھی آپ نے تلفظ کر لیا ہے۔ مثلاً میں نے کہا ضَرَبَ تو آپ مجھے کہیں گے کہ آپ نے ضَرَبَ فعل پر بھی تلفظ کیا ہے اور آپ نے هُوَ پر بھی تلفظ کیا ہے۔ یا مثلاً میں کہتا ہوں اِضْرِبْ تو آپ مجھے کہیں گے آپ نے اِضْرِبْ پر بھی تلفظ کیا ہے اور اس کے اندر أَنْتَ ضمیر پر بھی تلفظ کیا ہے۔ تو وہ اس أَنْتَ اور هُوَ پر میں نے حقیقتاً تو تلفظ نہیں کیا، آپ نے کوئی سنا میں نے أَنْتَ یا هُوَ کہا ہو اس کے اندر، میں نے تو صرف کہا اِضْرِبْ تو میں نے تو

أَنْتَ پہ تلفظ نہیں کیا یا میں نے کہا ضَرَبَ میں نے تو هُوَ پہ تلفظ نہیں کیا لیکن حکم لگا دیا جائے گا کہ وہ ضمیر اس کے اندر چھپی ہے، جب اس لفظ پر تلفظ کر لیا تو گویا اس لفظ پر بھی تلفظ کر لیا، تو یعنی اس پر یہ حکم لگا دیا۔ تو وہ بھی لفظ ہے حکماً۔ تو زَيْدٌ، ضَرَبَ، اِضْرِبْ یہ تو ہیں حقیقتاً لفظ اور ان کے اندر چھپی ہوئی ضمیر هُوَ اور أَنْتَ کیا ہیں؟ حکماً لفظ ہیں یعنی لفظ حکمی ہے، لفظ حکمی ہے لفظ حقیقی نہیں۔

اچھا اس کو آپ نے حکمی لفظ کیوں کہا؟ اس کو حکمی کیوں کہا؟ اس کے لیے تو آپ هُوَ اور أَنْتَ استعمال تو کر رہے ہیں۔ کہتے ہیں بھائی یہ جو ضَرَبَ کے اندر ضمیر چھپی ہے اور اِضْرِبْ کے اندر ضمیر چھپی ہے تو یہ حکمی لفظ ہیں، کیا ہیں؟ حکمی یعنی حکماً ان کو لفظ قرار دے دیا ہے حقیقت میں یہ لفظ نہیں ہیں، کیونکہ یہ مقولۂ حرف اور صوت سے نہیں ہیں۔ لفظ تو کس سے بنتا ہے؟ حروف سے اور اس میں آواز ہوتی ہے، جبکہ یہ جو ضَرَبَ کے اندر ضمیر چھپی ہے نہ اس کے حروف ہیں اور نہ اس کی کوئی آواز ہے۔ اسی طرح اِضْرِبْ کے اندر جو ضمیر چھپی ہے نہ تو اس کے کوئی حروف ہیں اور نہ اس کی کوئی آواز ہے، اور اس کے لیے عربوں نے کہتے ہیں کوئی لفظ وضع نہیں کیا، کوئی لفظ وضع نہیں کیا بلکہ وہی ضمیرِ منفصل والے الفاظ ان کے لیے مستعار لے کر استعمال کر لیتے ہیں اور کیا کہتے ہیں ضَرَبَ کے اندر هُوَ ضمیر ہے۔ بھائی هُوَ تو ضمیرِ مرفوع منفصل ہے اور اس کے اندر ضَرَبَ کے اندر تو ضمیرِ مرفوع متصل ہے، تو یہاں اس کے لیے کوئی لفظ ہی نہیں ہے مجبوراً وہی منفصل والا لفظ اس کے لیے استعمال کر لیا۔ تو ضَرَبَ کے اندر جو ضمیر چھپی ہے اس کے لیے عربوں نے کوئی لفظ وضع نہیں کیا، یہ جو هُوَ ہم اس کے لیے استعمال کرتے ہیں یہ عاریۃً یعنی مستعار لے کر، مستعار لے کر استعمال کر لیتے ہیں۔

اسی طرح اِضْرِبْ کے اندر جو ضمیر چھپی ہوئی ہے اس کے لیے عربوں نے کوئی لفظ وضع نہیں کیا، اس کے لیے جو ہم أَنْتَ ضمیر استعمال کرتے ہیں یہ مستعار لے کر کیا کر کے مستعار لے کر استعمال کرتے ہیں۔

اور پھر کہ بھائی سوال یہ ہے کہ ضَرَبَ کے اندر هُوَ ضمیر اور اِضْرِبْ کے اندر أَنْتَ ضمیر اس کو لفظ قرار دینے کی کیا ضرورت ہے؟ جب نہ آپ اس پر تلفظ کرتے ہیں نہ اس کے لیے عربوں نے کوئی لفظ وضع کیا ہے، تو اس کو لفظ قرار دینے کی کیا ضرورت ہے کہ آپ کہتے ہیں جی یہ لفظِ حکمی ہے۔ کہتے ہیں وجہ یہ کہ اس کی ضرورت ہے کیونکہ نحوی حضرات اس پر لفظ کے احکام جاری کرتے ہیں اور کس طرح کہتے ہیں ضَرَبَ فعل ہے اس کے اندر هُوَ ضمیر فاعل ہے، دیکھا اس کو فاعل بناتے ہیں اور فاعل تو ہمیشہ لفظ ہوتا ہے غیرِ لفظ نہیں، تو اسناد گویا اس کی طرف اسناد ہو رہا ہے اور اسناد ہمیشہ لفظ کی طرف ہوتا ہے۔ اسی طرح کبھی اس کا آگے اس کی تاکید لے کر آتے ہیں، کبھی اس کے لیے بدل لے کر آتے ہیں، کبھی اسی پر عطف کرتے ہیں، اور یہ سب لفظ کے احکام ہیں۔ بدل بھی کس سے آتا ہے؟ لفظ سے۔ عطف بھی کس پر ہوتا ہے؟ لفظ پر۔ اور تاکید بھی کس کی لاتے ہیں؟ لفظ کی۔ تو یہ اللفظ کے احکام ہیں تو یہ اس پر جاری ہوتے ہیں لہذا مجبوراً اس کو کیا قرار دینا پڑے گا؟ لفظِ حکمی تاکہ اس پر لفظ کے احکام جاری ہو سکیں۔

اس پر پھر اشکال ہوا کہ پھر تو جو محذوف ہوتا ہے عبارتوں میں اس کو بھی لفظِ حکمی کہنا چاہیے کیونکہ اس پر بھی ہم تلفظ نہیں کرتے، زَيْدٌ فِي الدَّارِ یہاں کیا محذوف ہے؟ ثَابِتٌ، اس پر میں نے کوئی تلفظ کیا؟ زَيْدٌ فِي الدَّارِ تو اس کو بھی کیا کہنا چاہیے لفظِ حکمی۔ کہتے ہیں بھائی وہ لفظِ حکمی نہیں وہ لفظِ حقیقی ہی ہے کیونکہ اس جملے میں تو ثَابِتٌ محذوف ہے لیکن دوسری جگہ بعض جگہ اس کو لفظوں میں کیا کرتے ہیں ذکر بھی تو کرتے ہیں، تو اس پر انسان حقیقتاً کیا کرتا ہے تلفظ کرتا ہے اس لیے وہ لفظِ حقیقی ہے۔ اور نیز کہتے ہیں اسی کے اندر اللہ تعالیٰ کے جو کلمات ہیں وہ بھی داخل ہو گئے کیونکہ ان پر بھی انسان تلفظ کرتا ہے، اور اسی طرح جنات اور ملائکہ کے کلمات بھی اس میں داخل ہو گئے کیونکہ ان پر بھی انسان تلفظ کرتا ہے۔

آگے دوالِ اربعہ کا ذکر آیا، میں نے بتلایا دوالِ اربعہ چار دلالت کرنے والی چیزیں: خطوط، عقود، نصب، اشارات۔ خطوط یہ تحریریں جو یہ لکھائیاں ہیں یہ الفاظ پر دلالت کرتی ہیں۔ اور عقود جو ہے یہ عقود سے میں نے بتایا عُقُوْدُ الْأَنَامِلِ مراد ہے، یہ عرب جو ہے ہاتھ کی انگلیوں پر ایک سے لے کر دس ہزار تک عدد شمار کرتے تھے۔ تو دیکھو تحریر جو لکھائیاں ہیں ان میں بھی وضع کا دخل ہے۔ کیا کیا جاتا ہے؟ مختلف قسم کی لکیروں کو مختلف الفاظ کے لیے وضع کیا گیا ہے مقرر کیا گیا ہے، جیسے جامی میرے سامنے پڑی ہے اور میں اس کو دیکھ کر پڑھتا جا رہا ہوں کیونکہ میں جانتا ہوں یہ والی ٹیڑھی میڑھی لکیر کس لفظ کے لیے ہے اور یہ والی ٹیڑھی لکیر کس لفظ کے لیے ہے۔ اسی طرح عقود میں بھی وضع ہے، تعیین کی گئی ہے۔ اور اسی طرح نصب میں نے بتایا وہ جو پرانے زمانے میں سفر کرتے ہوئے ہر منزل پر ایک پتھر گاڑا جاتا تھا جس سے پتہ چلتا تھا

جس کو سفر کرنے والے شمار کرتے تھے گنتے جاتے تھے کہ اتنی منزلیں گزر گئی ہیں تو وہ ہیں نصب، اور اسی طرح اشارات مختلف قسم کے۔ تو یہ سب کیا ہیں؟ یہ دلالت کرنے والی چیزیں ہیں، ایک چیز سے دوسری چیز کا پتہ چل جاتا ہے۔ تو بعض علماء نے کہا کہ یہ جو لَفْظٌ ہے لَفْظٌ کی قید جو صاحبِ کافیہ نے ذکر کی یہ دوالِ اربعہ کو نکالنے کے لیے ہے۔ کس کے لیے؟ دوالِ اربعہ کو نکالنے کے لیے لَفْظٌ کہا کیونکہ دوالِ اربعہ میں سے ایک بھی لفظ نہیں ہیں۔ سب میں وضع تو ہے، ان سب میں وضع کسے کہتے ہیں؟ ایک چیز کو دوسری چیز کے لیے مقرر کرنا کہ پہلی سے دوسری کا پتہ چل جائے۔ تو ان میں وضع تو ہے لیکن ان میں سے کوئی بھی لفظ نہیں۔ لکھائیاں دیکھو یہ ٹوٹی پھوٹی میڑھی لکیریں ہیں، لفظ تو وہ ہے جو میں زبان سے ادا کر رہا ہوں، ہاں یہ لکھائیاں لفظ پر دلالت ضرور کرتی ہیں لیکن خود یہ لفظ نہیں ہیں۔ اسی طرح عقود جو انگلیوں سے اشارے ہیں دیکھو وہاں انگلی سے اشارہ کیا لفظ وہاں بھی کوئی نہیں، اور اسی طرح نصب وہ جو پتھر راستے میں گاڑے گئے ہیں وہ بھی کیا ہیں ان میں بھی وضع ہے لیکن لفظ وہ نہیں وہ پتھروں کو دیکھتے ہی دیکھنے والا سمجھ جاتا ہے کہ دو منزلیں یا تین منزلیں اب گزر گئی ہیں۔ اسی طرح اشارات ہیں، تو یہ ان میں سے لفظ کوئی بھی نہیں، وضع تو ان سب میں ہے لیکن لفظ کوئی بھی نہیں ہے۔ تو بعض علماء نے کہا کہ صاحبِ کافیہ نے جو کلمہ کی تعریف شروع کی اَلْكَلِمَةُ لَفْظٌ تو لَفْظٌ کہہ کر کس کو نکال دیا دوالِ اربعہ کو نکال دیا کیونکہ وہ لفظ نہیں ہیں۔ تو شارحِ جامی اس کا جواب دے رہے ہیں کہ نہیں بھائی لفظ سے تو تعریف شروع ہو رہی ہے، کلمہ کی تعریف شروع ہو رہی ہے لفظ سے، پہلے کوئی اور لفظ آیا ہوتا اور اس میں دوالِ اربعہ شامل ہوتے تو پھر کیا کیا جاتا لفظ کے ذریعے اس کو نکالا جاتا، وہ اس تعریف میں داخل ہی نہیں لہذا کوئی قید لگا کر ان کو نکالنے کی حاجت بھی نہیں ہے۔

اب آگے دیکھیے بھائی: وَإِنَّمَا قَالَ لَفْظٌ وَلَمْ يَقُلْ لَفْظَةٌ لِأَنَّهُ لَمْ يَقْصِدِ الْوَحْدَةَ، وَالْمُطَابَقَةُ غَيْرُ لَازِمَةٍ لِعَدَمِ الِاشْتِقَاقِ مَعَ كَوْنِ اللَّفْظِ أَخْصَرَ۔ یاد رکھیے یہ جو کافیہ ہے یہ ماخوذ ہے مفصل سے۔ مفصل میم فا صاد لام، مفصل۔ مفصل کتاب ہے علامہ زمخشری کی بھائی۔ علامہ زمخشری بہت بڑے عالم گزرے ہیں اور ان کی مشہور تفسیر ہے کشاف بھائی۔ قرآن کی عظیم تفسیر کشاف انہوں نے لکھی جس میں وہ قرآن کی فصاحت و بلاغت کو بیان کرتے ہیں، اور علماء لکھتے ہیں کہ قیامت تک آنے والے تمام علماء اس تفسیر کے محتاج ہیں، جس کو بھی قرآن کی تفسیر لکھنی ہو اس کو کشاف کو دیکھنا پڑے گا، ایسی عظیم تفسیر لکھی۔ تو یہ جو علامہ زمخشری ہیں انہوں نے ایک کتاب لکھی اس کا نام تھا مفصل۔ صاحبِ کافیہ نے اسی سے اخذ کرتے ہوئے اسی سے لے کر اپنی یہ کافیہ لکھی ہے۔ اور مفصل کو مفصل اس لیے کہتے ہیں کیونکہ اس میں فصلیں بہت زیادہ ہیں۔ ہر چند سطروں کے بعد نئی فصل، ہر چند سطروں کے بعد نئی فصل، بلکہ بعض فصلیں تو ایک ایک سطر کی ہیں۔ تو بہت زیادہ اس میں فصلیں ہیں تو اس کا نام کیا ہے اس کتاب کا؟ مفصل۔ تو اسی مفصل سے اخذ کرتے ہوئے صاحبِ کافیہ نے یہ کتاب کافیہ لکھی، لیکن صاحبِ کافیہ کو یہ طریقہ اتنا ناپسند آیا، کتاب تو بہت علمی ہے کہ صاحبِ کافیہ نے بھی اس سے ہی اخذ کیا، لیکن چھوٹی چھوٹی بے شمار فصلیں ذکر ہیں، صاحبِ کافیہ کو یہ طریقہ اتنا ناپسند آیا کہ انہوں نے اپنی پوری کافیہ میں ایک

بھی فصل ذکر نہیں کی بھائی۔ جو صاحبِ مفصل ہیں یعنی علامہ زمخشری انہوں نے جو کلمہ کی تعریف کی ہے اس میں انہوں نے لَفْظٌ کے بجائے لَفْظَةٌ کہا ہے۔ کلمہ کی تعریف کس طرح ذکر کی ہے؟ لَفْظَةٌ کہا ہے لَفْظَةٌ، تو تا وحدت کے لیے۔ لَفْظٌ یہ تو عام ہے۔ لفظ مصدر ہے نا قلیل پر بھی بولا جاتا ہے اور کثیر پر بھی بولا جاتا ہے بھائی۔ ایک لفظ ہو وہ بھی لفظ، ہزار ہوں وہ بھی کیا ہے لفظ۔ تو صاحبِ مفصل بتلانا چاہتے تھے کہ کلمہ ایک لفظ ہو اس کو کلمہ کہتے ہیں، جو ایک سے زیادہ ہو اس کو کلمہ نہیں کہیں گے، تو چنانچہ انہوں نے وحدت والی تا بھی ساتھ جوڑ دی: اَلْكَلِمَةُ لَفْظَةٌ، کلمہ ایک لفظ ہے۔ جبکہ صاحبِ کافیہ کے نزدیک کلمہ کے اندر وحدتِ لفظ ضروری نہیں ہے، لفظ کا ایک ہونا ضروری نہیں ہے، ایک سے زیادہ لفظ بھی ہوں وہ بھی کیا کہلائیں گے کلمہ کہلائیں گے وہ بھی کیا ہیں کلمہ میں داخل ہیں۔ اور ایک ہے وحدتِ معنی، معنی ایک ہو تو وہ صاحبِ مفصل بھی فرماتے ہیں کہ کلمہ کا معنی ایک ہونا چاہیے اور صاحبِ کافیہ بھی کیا فرماتے ہیں کہ کلمہ کا معنی ایک ہونا چاہیے، تو یوں کہو یہاں گویا دو چیزیں ہیں: ایک ہے وحدتِ لفظ، ایک ہے وحدتِ معنی۔ صاحبِ مفصل فرماتے ہیں کلمہ کے اندر وحدتِ لفظ بھی ضروری اور وحدتِ معنی بھی ضروری ہے، لفظ بھی ایک ہونا چاہیے اور معنی بھی ایک ہونا چاہیے پھر اس کو کلمہ کہیں گے، جبکہ صاحبِ کافیہ کے نزدیک کلمہ کے اندر وحدتِ معنی تو ضروری ہے لیکن وحدتِ لفظ ضروری نہیں۔ معنی ایک ہونا چاہیے لفظ چاہے ایک نہ بھی ہو۔ چنانچہ کسی کا نام رکھ دیا عَبْدُ اللهِ۔ عَبْدُ اللهِ نام رکھ دیا اب تو یہ علم بن گیا اور علم کے اندر آپ جانتے ہیں معنی مقصود نہیں ہوتا۔ تو صاحبِ کافیہ کے نزدیک عَبْدُ اللهِ کلمہ ہے۔ عَبْدُ اللهِ کلمہ ہے کیونکہ یہاں معنی ایک ہی ہے، عَبْدُ اللهِ سے کوئی ایک ذات مراد ہے، توجہ ہے؟ عَبْدُ اللهِ سے ایک ذات مراد ہے جس کا یہ نام ہے، تو معنی کے اندر وحدت ہے، لفظوں کے اندر وحدت نہ ہو، لفظ تو دو ہیں عَبْدُ الگ ہے اور لفظِ اَللهُ الگ ہے، تو لفظوں میں وحدت نہیں لیکن پھر بھی یہ کیا ہے کلمہ ہے کیونکہ صاحبِ کافیہ کے نزدیک وحدتِ لفظ ضروری نہیں ہے بلکہ وحدتِ معنی ضروری ہے۔ جبکہ صاحبِ مفصل یعنی علامہ زمخشری کے نزدیک عَبْدُ اللهِ کلمہ نہیں، کلمہ سے خارج ہے کیونکہ کلمہ میں وحدتِ معنی کے ساتھ ساتھ وحدتِ لفظ بھی ضروری ہے، بات سمجھ میں آگئی؟ اور عَبْدُ اللهِ تو ایک لفظ نہیں ہے یہ دو لفظ ہیں بھائی۔

دیکھیے کتاب پر کہتے ہیں: وَإِنَّمَا قَالَ لَفْظٌ وَلَمْ يَقُلْ لَفْظَةٌ، صاحبِ کافیہ نے لَفْظٌ ہی کہا اور لَفْظَةٌ نہیں کہا لِأَنَّهُ لَمْ يَقْصِدِ الْوَحْدَةَ، اس لیے کیونکہ انہوں نے وحدت کا ارادہ نہیں کیا، وحدت کا ارادہ نہیں کیا کیونکہ ان کے نزدیک کلمہ ایک لفظ کا نام نہیں ہے اس میں وحدت ضروری نہیں ہے۔ وَالْمُطَابَقَةُ غَيْرُ لَازِمَةٍ۔ یہاں سے اب ایک دوسرے اعتراض کا جواب دے رہے ہیں۔ اعتراض یہ ہوتا ہے کہ اَلْكَلِمَةُ ہے مبتدا اور لَفْظٌ ہے اس کی خبر اور مبتدا خبر میں تذکیر و تانیث میں مطابقت ہوتی ہے بھائی۔ اَلْكَلِمَةُ کے ساتھ تو تا جڑی ہوئی ہے جو تانیث کی علامت ہے لَفْظٌ کے ساتھ تا نہیں جڑی ہوئی حالانکہ لَفْظٌ کے ساتھ بھی کیا ہونی چاہیے تا جڑی ہونی چاہیے تاکہ مبتدا اور خبر میں مطابقت ہو جائے، مبتدا مؤنث ہے تو خبر بھی کیا ہونی چاہیے مؤنث ہونی چاہیے۔ اس کا جواب یاد رکھیے، یاد رکھیے مبتدا اور خبر میں مطابقت کی چار شرائط ہیں میں نے ذکر کی تھیں۔ مبتدا اور خبر میں مطابقت کی چار شرائط ہیں بھائی، جلدی جلدی لکھ لیجیے یہ آپ کے کام آئیں گی بھائی۔ لکھیے بھائی:

بتدا خبر میں مطابقت کی چار شرائط ہیں۔

نمبر ایک: خبر مشتق ہو، لہذا اَلْکَلِمَةُ لَفْظٌ کا اعتراض ختم ہوا کیونکہ لفظ مشتق نہیں بلکہ مصدر ہے۔

دوسری شرط: اس مشتق میں کوئی ضمیر ہو جو بتدا کی طرف لوٹے، لہذا زَیْدٌ عَالِمَةٌ أُمُّهُ...

کا اعتراض ختم ہوا، کیونکہ عَالِمَةٌ اگرچہ مشتق ہے لیکن اس کے اندر کوئی ضمیر نہیں، کیونکہ اس کا فاعل اسمِ ظاہر ہے یعنی أُمُّهُ۔

بات سمجھ میں آگئی؟ دیکھو اس کو سمجھ لو، آپ کو میں نے بتایا تھا ہر فعل کے لیے فاعل یا نائب فاعل ضرور چاہیے، اور یہ فاعل یا نائب فاعل ضمیر بھی ہو سکتی ہے اور اسمِ ظاہر بھی ہو سکتا ہے، لیکن آئے گا ایک ہی۔ اگر اسمِ ظاہر فاعل آیا تو ضمیر نہیں آئے گی اور اگر ضمیر آگئی تو اسمِ ظاہر فاعل نہیں آئے گا۔ اسی طرح صفت کے صیغے بھی ہیں، ان کے لیے بھی فاعل یا نائب فاعل ضرور چاہیے۔ تو عَالِمَةٌ کیا ہے؟ صفت کا صیغہ ہے، یہ اسمِ فاعل ہے، تو اس کے لیے فاعل چاہیے بھائی، اور وہ فاعل جیسے فعل کے لیے فاعل ضمیر بھی آسکتی ہے اور اسمِ ظاہر، صفت کے صیغے کے لیے بھی فاعل یا نائب فاعل ضمیر بھی آسکتی ہے اور اسمِ ظاہر بھی۔ تو یہاں پر عَالِمَةٌ جو ہے اس کے لیے أُمُّهُ جو ہے یہ فاعل ہے بھائی، یہ کیا ہے؟ فاعل ہے۔ تو جب فاعل آگیا اسمِ ظاہر تو اب عَالِمَةٌ کے اندر کوئی ضمیر نہیں ہے۔

تو یہ ترکیب کیسے ہوگی ذرا ترکیب پہ نظر رکھو دیکھو ذرا: زَیْدٌ مرفوع لفظاً بتدا، عَالِمَةٌ مرفوع لفظاً صیغہ اسمِ فاعل۔ اسمِ فاعل کے لیے کیا چاہیے؟ فاعل۔ تو آگے أُمُّهُ۔ أُمُّ مرفوع لفظاً مضاف، مرفوع کیوں؟ کیونکہ یہ فاعل ہے عَالِمَةٌ کے لیے، فاعل کیا ہوتا ہے؟ مرفوع، اور مرفوع لفظاً مضاف۔ مضاف آپ کو کیسے پتہ چلا یہ مضاف ہے؟ جس اسم کے ساتھ بھی کیا آجائے؟ ضمیرِ متصل، وہ آپس میں کیا ہوتے ہیں؟ مضاف مضاف الیہ۔ تو یہ مضاف ہوا۔ هَا ضمیر مجرور محلاً مضاف الیہ۔ مجرور کیوں؟ مضاف الیہ ہے۔ أُمُّهُ میں تو اس پر پیش پڑھ رہا ہوں ضمہ پڑھ رہا ہوں تو یہ مجرور کیسے؟ شاباش تو آپ کہیں گے یہ

اس کی حرکت ہے، یہ تو بنی ہے بنی پر اعراب نہیں آتا یہ اس کی حرکت ہے، تو یہ مجرور محلاً مضاف الیہ۔ مضاف اپنے مضاف الیہ سے مل کر یہ فاعل ہوا کس کا؟ عَالِمَةٌ کا۔ اور یہ أُمُّهُ کی هَا ضمیر راجع ہے زید کو، یہ ربط آگیا۔ تو مضاف اپنے مضاف الیہ سے مل کر فاعل ہوا۔ اسمِ فاعل اپنے فاعل سے مل کر شبہِ جملہ ہو کر یہ خبر کس کی؟ بتدا کی۔ اور بتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔ زَیْدٌ عَالِمَةٌ أُمُّهُ: زَیْدٌ کیوں مرفوع؟ بتدا۔ عَالِمَةٌ کیوں مرفوع؟ خبر۔ اور أُمُّهُ کیوں مرفوع؟ فاعل ہے۔

تو دیکھو اب عَالِمَةٌ میں ضمیر نہیں ہے، ضمیر نہیں اور اس کا فاعل اسمِ ظاہر آگے آرہا ہے، اور فاعل مذکر ہو تو فعل کو، ادھر دیکھیے، فاعل مذکر ہو تو فعل مذکر لاتے ہیں، فاعل مؤنث ہو تو فعل مؤنث لاتے ہیں، اسی طرح صفت کے صیغوں میں بھی ہے۔ تو یہاں أُمُّهُ مذکر ہے یا مؤنث ہے؟ مؤنث ہے، اسی لیے اس کے لیے عَالِمَةٌ مؤنث صفت لے کر آئے۔ بات

سمجھ میں آگئی؟ تو اب کوئی آپ پر اشکال کرے کہ زَیْدٌ تو ہے مبتدا اور عَالِمَةٌ أُمُّهُ اس کی خبر ہے یہ تو مؤنث ہے، مبتدا خبر میں مطابقت نہیں، تو آپ کیا کہیں گے کہ یہاں دوسری شرط پوری نہیں ہے۔ پہلی شرط کیا تھی؟ خبر کیا ہو مشتق ہو۔ یہاں بھی عَالِمَةٌ بھی مشتق ہے، لیکن دوسری شرط کیا تھی کہ اس کے اندر کوئی ضمیر ہو جو کس کو لوٹے؟ مبتدا کو، اور عَالِمَةٌ میں کوئی ضمیر نہیں ہے جو کس کو لوٹے؟ مبتدا کو، کیونکہ اس کا فاعل اسمِ ظاہر آگے آرہا ہے۔ اگر آگے أُمُّهُ نہ ہوتا پھر ہمیں عَالِمٌ کے اندر ضمیر نکالنا پڑتی اور پھر عَالِمَةٌ نہ لاتے بلکہ کیا لاتے؟ عَالِمٌ لاتے کیونکہ هُوَ ضمیر چاہیے تھی جو کس کو لوٹے؟ زید کو اور پھر اس طرح مطابقت آجاتی۔ زَیْدٌ عَالِمَةٌ أُمُّهُ ترجمہ کیا ہے؟ ہاں، زید کی ماں عالمہ ہے۔ زَیْدٌ عَالِمَةٌ زید کہ عالمہ ہے أُمُّهُ اس کی ماں، دیکھا عالمہ کے لیے فاعل أُمُّهُ ہے تو وہ عالمہ ہے۔ تقریر سمجھ میں آگئی؟ تو مبتدا خبر میں مطابقت کے لیے چار شرطیں ہیں، پہلی شرط کیا کہ خبر کیا ہو مشتق، لہذا اَلْكَلِمَةُ لَفْظٌ نکل گیا کیونکہ لفظ کیا ہے؟ مشتق ہے ہی نہیں لفظ تو کیا ہے مصدر ہے، لہذا یہاں مطابقت ضروری نہیں۔

تیسری شرط، تیسری شرط لکھیے بھائی: خبر کوئی ایسی صفت نہ ہو جو خاص ہو مؤنث کے ساتھ، لہذا اَلْمَرْأَةُ طَالِقٌ، اَلْمَرْأَةُ حَامِلٌ، اَلْمَرْأَةُ مُرْضِعٌ کا اشکال ختم ہوا۔ دیکھو اس کو سمجھ لو، پہلی شرط کیا تھی کہ خبر کیا ہو مشتق، دوسری کیا اس میں ضمیر ہو جو مبتدا کو لوٹے اور تیسری کہ وہ وصف مؤنث کے ساتھ خاص نہ ہو۔ تو اَلْمَرْأَةُ طَالِقٌ کا اعتراض ختم ہوا۔ اَلْمَرْأَةُ طَالِقٌ: اَلْمَرْأَةُ ہے مبتدا اور طَالِقٌ ہے اس کی خبر، مبتدا خبر میں مطابقت نہیں تو آپ کہیں گے کہ یہاں تیسری شرط پوری نہیں ہے۔ تیسری شرط کیا تھی؟ دیکھو پہلی شرط بھی اس میں پوری ہے: طَالِقٌ مشتق ہے، اسمِ فاعل ہے، اور دوسری شرط بھی پوری: اس طَالِقٌ میں ضمیر ہے جو کس کو لوٹ رہی ہے؟ مبتدا کو، آگے کوئی اسمِ ظاہر فاعل نہیں آرہا۔ لیکن تیسری شرط پوری نہیں کہ وہ صفت مؤنث کے ساتھ خاص نہ ہو، حالانکہ طَالِقٌ یہ صفت خاص ہے مؤنث کے ساتھ۔ طلاق والی عورت ہوتی ہے مرد نہیں ہوتا، طلاق عورت کی صفت بنتی ہے مرد کی صفت نہیں بنتی، تو جب یہ عورت کی صفت ہے تو لہذا طَالِقٌ بھی لے آؤ بات ٹھیک ہے۔ دیکھو یہ جو تا لے کر آتے ہیں یہ مذکر اور مؤنث میں فرق کرنے کے لیے ہے۔ زَیْدٌ عَالِمٌ اور زَیْنَبُ عَالِمَةٌ۔ عالم مرد بھی ہو سکتا ہے اور عالمہ عورت بھی ہو سکتی ہے، تو یہ صفت دونوں میں پائی جاتی ہے تو پھر مذکر اور مؤنث میں فرق تا کے ذریعے کریں گے، مذکر کے لیے تا نہیں لائیں گے اور یوں کہیں گے زَیْدٌ عَالِمٌ، اور مؤنث کے لیے تا لے کر آئیں گے اور یوں کہیں گے زَیْنَبُ عَالِمَةٌ۔ لیکن یہ طلاق یہ صفت تو صرف کس کے اندر ہے؟ عورت میں، لہذا یہاں تا کے ذریعے فرق کرنے کی ضرورت بھی نہیں ہے۔ اَلْمَرْأَةُ طَالِقٌ۔ توجہ ہے؟ تو اس میں پہلی شرط بھی پوری کہ مشتق ہے، دوسری شرط بھی پوری اس میں ضمیر ہے جو کس کو لوٹ رہی ہے؟ مبتدا کو، لیکن تیسری شرط پوری نہیں، تیسری شرط کیا تھی کہ وہ وصف مؤنث کے ساتھ خاص نہیں ہونا چاہیے اور حالانکہ یہ وصف تو مؤنث کے ساتھ خاص ہے۔ ترکیب کیسے ہوگی اَلْمَرْأَةُ طَالِقٌ؟ اَلْمَرْأَةُ مرفوع لفظاً مبتدا، طَالِقٌ مرفوع لفظاً صیغہ اسمِ فاعل، اس کے اندر هِيَ، کیونکہ تا لائے بغیر تا لانے کی ضرورت ہی نہیں ہے اس

کے اندر ضمیر ہمیشہ کون سی ہوگی؟ هِيَ، کیونکہ یہ مؤنث کی صفت بنتی ہے مذکر کی نہیں۔ تو اس کے اندر هِيَ ضمیر مرفوع محلاً جو راجع کس کو؟ اَلْمَرْأَةُ کو، اسمِ فاعل اپنے فاعل سے مل کر شبہِ جملہ ہو کر خبر، مبتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔ اسی طرح ہے اَلْمَرْأَةُ حَامِلٌ۔ حاملہ ہونا یعنی پیٹ میں بچہ ہونا یہ بھی صرف عورت کی صفت ہے یہاں بھی تا لا کر فرق کرنے کی ضرورت نہیں، اس کے اندر بھی هِيَ ضمیر ہے۔ اسی طرح اَلْمَرْأَةُ مُرْضِعٌ۔ مُرْضِعٌ دودھ پلانے والی تو یہاں بھی تا لانے کی ضرورت نہیں کیونکہ دودھ پلانا یہ صرف یہ صفت صرف کس کی ہے؟ عورت کی ہے، اور ان سب میں هِيَ ضمیر ہے۔ بات سمجھ میں آرہی ہے؟ اس میں هِيَ ضمیر ہے۔ ہاں حَامِلٌ، اَلْمَرْأَةُ حَامِلٌ اس حَامِلٌ کا کیا معنی ہے؟ حمل والی یعنی جسے حمل ہو، پیٹ میں بچہ ہو۔ اگر حَامِلٌ کا معنی ہو بوجھ اٹھانا، حَمَلَ يَحْمِلُ کا معنی وزن اٹھانا بھی ہوتا ہے، تو وہ صفت مرد اور عورت دونوں کی بنتی ہے، مرد بھی کیا کرتا ہے سامان وغیرہ اور بوجھ اٹھا سکتا ہے، عورت بھی سامان وغیرہ اور بوجھ اٹھا سکتی ہے، تو اگر سامان اور بوجھ اٹھانے کے معنی میں ہو تو پھر فرق کریں گے، مرد کے لیے لائیں گے حَامِلٌ اور عورت کے لیے لائیں گے حَامِلَةٌ۔

جی چوتھی شرط بھائی آگے لکھیے بھائی چوتھی شرط: خبر کوئی ایسا صیغہ نہ ہو جو مشترک ہو بَيْنَ الْمُذَكَّرِ وَالْمُؤَنَّثِ۔ بس بھائی شرطیں پوری ہوئیں۔ اسی چوتھی شرط کی ابھی تفصیل باقی ہے، اگلی سطر میں الگ سطر میں لکھیں: اور وہ صیغے چار ہیں جو مشترک ہیں بَيْنَ الْمُذَكَّرِ وَالْمُؤَنَّثِ۔ اب وہ چار صیغے لکھنے ہیں:

نمبر ایک: وہ فَعِيْلٌ جو بمعنی مفعول کے ہو، جیسے جَرِيْحٌ بمعنی مَجْرُوْحٌ۔ جَرِيْحٌ کا معنی زخمی ہے بھائی۔ عربی میں کہتے ہیں: اَلرَّجُلُ جَرِيْحٌ وَالْمَرْأَةُ جَرِيْحٌ۔ توجہ ہے؟ اَلرَّجُلُ کی خبر بھی کیا آئی؟ جَرِيْحٌ۔ اور اَلْمَرْأَةُ کی خبر بھی کیا آئی؟ جَرِيْحٌ۔ ایک ہی صیغہ مشترک ہے بَيْنَ الْمُذَكَّرِ وَالْمُؤَنَّثِ۔ تو وہ فَعِيْلٌ جو بمعنی مفعول کے ہوتا ہے وہ مذکر اور مؤنث دونوں کے لیے استعمال ہوتا ہے، جیسے جَرِيْحٌ بمعنی مَجْرُوْحٌ کے ہے تو یہ مذکر مؤنث دونوں کے لیے استعمال ہوگا۔ رجل کے لیے بھی جَرِيْحٌ کہیں گے، مؤنث کے لیے بھی جَرِيْحٌ کہیں گے۔ ترکیب کیسے ہوگی؟ اَلرَّجُلُ جَرِيْحٌ: اَلرَّجُلُ ہے مبتدا اور جَرِيْحٌ کے اندر کون سی ضمیر نکالیں گے؟ هُوَ۔ اور اَلْمَرْأَةُ جَرِيْحٌ: اس میں جَرِيْحٌ میں کون سی ضمیر نکالیں گے؟ هِيَ ضمیر نکالیں گے، شاباش۔

دوسرا صیغہ، بھائی وہ چار صیغے جو مشترک ہیں بَيْنَ الْمُذَكَّرِ وَالْمُؤَنَّثِ، پہلا کیا وہ فَعِيْلٌ جو بمعنی مفعول ہو، نمبر دو: وہ فَعُوْلٌ جو بمعنی فاعل ہو، جیسے صَبُوْرٌ بمعنی صَابِرٌ۔ یہ صفت بھی مذکر اور مؤنث دونوں کے لیے استعمال ہوتی ہے، رجل کے لیے بھی کیا کہتے ہیں؟ اَلرَّجُلُ صَبُوْرٌ، اَلْمَرْأَةُ صَبُوْرٌ۔ ہاں مرد کے لیے کون سی ضمیر نکالیں گے؟ هُوَ، اور عورت کے لیے کیا نکالیں گے ضمیر؟ هِيَ بھائی۔

نمبر تین: وہ اسمِ تفضیل جو مِنْ کے ساتھ استعمال ہو۔ ادھر دیکھیے بھائی، آپ جانتے ہیں اسمِ تفضیل کے استعمال کے تین طریقے ہیں بھائی: ایک مِنْ کے ساتھ، ایک الف لام کے ساتھ اور ایک اضافت کے ساتھ۔ مثلاً زَيْدٌ أَفْضَلُ مِنْ عَمْرٍو

ایک طریقہ، أَفْضَلُ کے ساتھ کیا آگیا؟ مِنْ۔ دوسرا طریقہ زَيْدٌ الْأَفْضَلُ، اَلْأَفْضَلُ دیکھو الف لام آیا۔ اور تیسرا طریقہ ہے اضافت کا: زَيْدٌ أَفْضَلُ الْقَوْمِ، دیکھو أَفْضَلُ مضاف اَلْقَوْمِ مضاف الیہ۔ تو اسمِ تفضیل کے استعمال کے یہ تین طریقے ہیں اور ان میں سے ایک وقت میں ایک ہی طریقے سے وہ استعمال ہوگا، دو طریقے اکٹھے نہیں ہوں گے۔ اگر مِنْ کے ساتھ ہے تو الف لام اور اضافت نہیں ہوگی، الف لام آجائے تو پھر باقی دو طریقے نہیں ہوں گے، اور اضافت آجائے تو پھر باقی دو طریقے نہیں ہوں گے، ایک وقت میں ایک ہی طریقے سے۔ اور یاد رکھو ان میں سے اصل طریقہ مِنْ والا ہے۔ اسمِ تفضیل کے استعمال کے تین طریقے ہیں، ان میں اصل طریقہ کون سا ہے؟ مِنْ والا۔ اور جب اسمِ تفضیل مِنْ کے ساتھ استعمال ہو تو یہ مذکر، مؤنث، واحد، تثنیہ، جمع سب کے لیے ایک جیسا رہتا ہے اس میں کوئی تبدیلی نہیں آتی۔ توجہ ہے؟ مثلاً میں کہنا چاہتا ہوں زَيْدٌ أَفْضَلُ مِنْ عَمْرٍو، زید عمرو سے افضل ہے۔ میں کہنا چاہتا ہوں زینب عمرو سے افضل ہے، کیسے کہوں گا؟ زَيْنَبُ أَفْضَلُ مِنْ عَمْرٍو، دیکھا اسی طرح رہے گا سب کے لیے مذکر کے لیے بھی، مؤنث کے لیے بھی، واحد تثنیہ اور جمع سب کے لیے: زَيْدٌ أَفْضَلُ مِنْ عَمْرٍو، زَيْنَبُ أَفْضَلُ مِنْ عَمْرٍو۔ ہاں زینب کے ساتھ جب جوڑنا ہو تو أَفْضَلُ میں کون سی ضمیر نکالیں گے؟ هِيَ۔ اور زید کے ساتھ جوڑنا ہو تو أَفْضَلُ میں کون سی ضمیر نکالیں گے؟ هُوَ۔ اور اسی طرح تثنیہ جمع لے آؤ: اَلزَّيْدَانِ أَفْضَلُ مِنْ عَمْرٍو، اَلزَّيْدَانِ تثنیہ ہے لیکن أَفْضَلُ مِنْ عَمْرٍو یہ أَفْضَلُ اسی طرح مفرد رہے گا۔ اَلزَّيْدُوْنَ أَفْضَلُ مِنْ عَمْرٍو، تو یہ أَفْضَلُ واحد تثنیہ جمع سب کے لیے اور اسی طرح مذکر مؤنث سب کے لیے یکساں رہے گا، اور اسی کے مطابق اس میں ضمیر نکال لیں گے، واحد کے لیے واحد، تثنیہ کے لیے تثنیہ، جمع کے لیے جمع والی ضمیر نکال لیں گے۔ لہٰذا اَلصَّلَاةُ خَيْرٌ مِنَ النَّوْمِ کا اعتراض ختم ہوا۔ دیکھیے بھائی دیکھو اَلصَّلَاةُ خَيْرٌ مِنَ النَّوْمِ اس کو سمجھ لیجیے: اَلصَّلَاةُ ہے مبتدا اور خَيْرٌ مِنَ النَّوْمِ ہے اس کی خبر، تو خَيْرٌ اسمِ تفضیل آگیا خبر میں۔ اب پہلی شرط بھی پوری یہ مشتق ہے، دوسری شرط بھی پوری اس میں ضمیر ہے جو کس کو لوٹ رہی ہے؟ اَلصَّلَاةُ کو، تیسری شرط بھی پوری کہ یہ صفت مؤنث کے ساتھ خاص نہیں۔ یہ خَيْرٌ یاد رکھو اسمِ تفضیل ہے کیا ہے؟ یہ خَيْرٌ اسمِ تفضیل ہے، اصل میں تھا أَخْيَرُ پھر اس میں تخفیف کر کے یا کی حرکت خا کو دی اور شروع سے ہمزہ کو گرا دیا تو کیا بن گیا؟ خَيْرٌ۔ تو یہ اصل میں أَخْيَرُ تھا اور یہ کثیر الاستعمال ہے اور کثرتِ استعمال تقاضا کرتی ہے خفت کا، تو لہٰذا اس میں تخفیف

کر دی گئی، پہلے تھا أَخْيَرُ پھر یا کی حرکت خا کو دے دی اور شروع سے ہمزہ گرا دیا تو کیا بن گیا؟ خَيْرٌ۔ آپ مجھے بتائیے أَخْيَرُ یہ اس کی ادائیگی زبان سے آسان ہے یا خَيْرٌ کی؟ خَيْرٌ کی، دیکھا یہ چونکہ کثیر الاستعمال تھا اور کثرتِ استعمال تقاضا کرتی ہے خفت کا تو اس کو خفیف کر دیا۔ اسی طرح شَرٌّ۔ شَرٌّ یہ بھی کیا ہے؟ اسمِ تفضیل ہے، اصل میں کیا تھا؟ أَشْرَرُ۔ تو اصل میں یہ أَشْرَرُ تھا پھر یہاں سے بھی را کی حرکت شین کو دی اور را کا را میں ادغام کیا اور شروع سے ہمزہ گرا دیا تو کیا بن گیا؟ شَرٌّ بن گیا۔ تو خَيْرٌ بھی اسمِ تفضیل اور شَرٌّ بھی اسمِ تفضیل ہے۔ تو میں بات کر رہا تھا اَلصَّلَاةُ خَيْرٌ مِنَ النَّوْمِ: اَلصَّلَاةُ ہے مبتدا اور

خَيْرٌ کیا آگئی اس کی خبر، تو اب آپ یہ نہ کہیں مبتدا خبر میں مطابقت نہیں، کیونکہ یہاں چوتھی شرط پوری نہیں۔ پہلی شرط بھی پوری ہے خَيْرٌ اسمِ تفضیل کا صیغہ ہے، خَيْرٌ مشتق ہے؛ دوسری شرط بھی پوری اس کے اندر ضمیر ہے جو کس کو لوٹ رہی ہے؟ مبتدا کو؛ تیسری شرط بھی پوری کہ یہ مؤنث کے ساتھ یہ صفت خَيْرٌ والی خاص نہیں؛ چوتھی شرط پوری نہیں ہے، ہم نے کہا تھا ایسا صیغہ نہ ہو جو مشترک ہو بَيْنَ الْمُذَكَّرِ وَالْمُؤَنَّثِ اور یہ اسمِ تفضیل مِنْ کے ساتھ استعمال ہو رہا ہے تو یہ مشترک ہے بَيْنَ الْمُذَكَّرِ وَالْمُؤَنَّثِ بھائی، تو یہاں پر بھی مطابقت ضروری نہیں۔

اور نمبر چار جو ہے وہ چوتھا صیغہ، نمبر چار: مبالغے کے صیغے، جیسے ضَرَّابٌ۔ اَلرَّجُلُ ضَرَّابٌ، اَلْمَرْأَةُ ضَرَّابٌ۔ رَجُلٌ کے لیے بھی ضَرَّابٌ اور اِمْرَأَةٌ کے لیے بھی ضَرَّابٌ۔ ہاں رَجُلٌ کے لیے کون سی ضمیر نکالیں گے؟ هُوَ۔ اور اِمْرَأَةٌ کے لیے ضَرَّابٌ میں کون سی ضمیر نکالیں گے؟ هِيَ نکالیں گے۔ تو دیکھو یہ چار شرطیں ہیں مبتدا خبر میں مطابقت کے لیے: پہلی شرط کیا کہ خبر کیا ہو؟ مشتق ہو۔ دوسری شرط کیا کہ اس میں کوئی ضمیر ہو جو مبتدا کی طرف لوٹے۔ تیسری شرط یہ کہ وہ ایسا وصف نہ ہو جو مؤنث کے ساتھ خاص ہو۔ اور چوتھی شرط یہ کہ وہ ایسا صیغہ نہ ہو جو مشترک ہو بَيْنَ الْمُذَكَّرِ وَالْمُؤَنَّثِ۔ اور وہ چار صیغے ہیں جو مشترک ہیں بَيْنَ الْمُذَكَّرِ وَالْمُؤَنَّثِ: نمبر ایک وہ فَعِيْلٌ جو بمعنی مفعول کے ہو، دیکھو جَرِيْحٌ بمعنی مَجْرُوْحٌ کو یاد رکھو یہ خود ہی آپ کو ضابطہ یاد ہو جائے گا۔ یا وہ فَعُوْلٌ بمعنی فاعل کے ہو جیسے صَبُوْرٌ بمعنی صَابِرٌ۔ یا وہ اسمِ تفضیل مستعمل ہو کس کے ساتھ؟ مِنْ کے ساتھ۔ اور یا وہ مبالغے کا صیغہ۔ تو ان چاروں میں سے بھی کوئی نہ ہو بھائی، ان چاروں میں سے بھی نہیں ہونا چاہیے۔ پہلی دونوں شرطوں کا ہونا ضروری اور آخری دونوں کا نہ ہونا ضروری پھر مطابقت ضروری ہوگی۔ پہلی دو کون سی ہونا ضروری؟ مشتق بھی ہو اور اس کے اندر کوئی ضمیر بھی ہو۔ اور دو چیزوں کا نہ ہونا ضروری کہ وہ وصف خاص نہ ہو مؤنث کے ساتھ یا کوئی ایسا صیغہ نہ ہو جو مشترک ہو بَيْنَ الْمُذَكَّرِ وَالْمُؤَنَّثِ۔ تو یہ شرطیں جب پوری ہوں گی تو پھر مطابقت ضروری ہے۔

تو یہاں پر دیکھیے اعتراض کیا ہوا تھا؟ اَلْكَلِمَةُ لَفْظٌ۔ اَلْكَلِمَةُ ہے مبتدا اس کے ساتھ تا جڑی ہوئی ہے جو تانیث کی علامت ہے اور لَفْظٌ کے ساتھ تا نہیں، تو اشکال ہوا دونوں میں مطابقت نہیں، تو جواب گزر گیا۔ جواب کیا ہوا؟ کہ یہاں پہلی شرط ہی پوری نہیں، پہلی شرط کیا تھی؟ مشتق کا صیغہ ہونا چاہیے اور لفظ مشتق ہے یا مصدر ہے؟ مصدر ہے، تو لہذا مطابقت ضروری نہیں۔

دیکھیے بھائی کتاب پر، کہتے ہیں: وَالْمُطَابَقَةُ غَيْرُ لَازِمَةٍ لِعَدَمِ الِاشْتِقَاقِ، اور مطابقت ضروری نہیں ہے اشتقاق نہ ہونے کی وجہ سے کہ لفظ جو ہے اس میں اشتقاق نہیں ہے وہ مشتق نہیں ہے۔ مَعَ كَوْنِ اللَّفْظِ أَخْصَرَ، ساتھ لفظ کے مختصر ہونے کے، ساتھ اس کے کہ لفظ زیادہ مختصر ہے۔ یا یوں کہیں مَعَ كَوْنِ اللَّفْظِ أَخْصَرَ، باوجود اس کے کہ لفظ زیادہ مختصر ہے، لفظ زیادہ مختصر ہے۔ بھائی دیکھو اَلْكَلِمَةُ لَفْظٌ اور اسی طرح اَلْكَلِمَةُ لَفْظَةٌ۔ اَلْكَلِمَةُ لَفْظَةٌ بھی مختصر ہے، بات کوئی لمبی نہیں ہے اَلْكَلِمَةُ لَفْظَةٌ بھی مختصر ہے، لیکن اَلْكَلِمَةُ لَفْظٌ یہ لَفْظٌ، لَفْظَةٌ کے مقابلے میں زیادہ مختصر ہے بھائی۔ لَفْظٌ بھی مختصر لَفْظَةٌ بھی مختصر لیکن زیادہ مختصر کیا ہے؟ لَفْظٌ ہے تو اس لیے بھی تا نہیں لے کر آئے کیونکہ صاحبِ کافیہ لمبی بات نہیں کرتے مختصر

بات کرتے ہیں اور وہ ایک حرف بھی ضائع نہیں ہونے دیتے۔ تو اختصار کس کے اندر تھا؟ کیا کہا جائے لَفْظًا کہنے میں، اس لیے وہ لَفْظٌ لائے لَفْظَةٌ نہیں لائے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ یہ معنی ہے کہ وَالْمُطَابَقَةُ غَيْرُ لَازِمَةٍ لِعَدَمِ الِاشْتِقَاقِ مَعَ كَوْنِ اللَّفْظِ أَخْصَرَ، اور مطابقت وہ لازم نہیں ہے اشتقاق نہ ہونے کی وجہ سے، مَعَ كَوْنِ اللَّفْظِ أَخْصَرَ، باوجود لفظ کے مختصر ہونے کے، یعنی لفظ کے مختصر ہونے کے ساتھ ساتھ اس میں لفظ بھی مختصر ہے اور نیز مطابقت بھی نہیں ضروری کیونکہ یہ مشتق نہیں ہے۔

یہاں تک بات سمجھ میں آگئی؟ وُضِعَ: اَلْوَضْعُ تَخْصِيْصُ شَيْءٍ بِشَيْءٍ بِحَيْثُ مَتَى أُطْلِقَ أَوْ أُحِسَّ الشَّيْءُ الْأَوَّلُ فُهِمَ مِنْهُ الشَّيْءُ الثَّانِيْ۔ وضع کی تعریف کرنے لگے ہیں۔ وضع کا لفظ آیا اَلْكَلِمَةُ لَفْظٌ وُضِعَ، اب وضع، وضع میں نے آپ کو بتلا دیا تھا وضع کا کیا معنی؟ مقرر کرنا کہ دیکھو یہ جو ہم زبان بولتے ہیں ہم جانتے ہیں کہ کس لفظ کو کس معنی کے لیے مقرر کیا گیا ہے، تو تخصیص کا معنی بھی ہے مقرر کرنا متعین کرنا، اب اس کی تعریف کر رہے ہیں۔ یاد رکھو وضع کا لغوی معنی ہے رکھنا، کسی چیز کو اٹھا کر رکھنا: وَضَعْتُ الشَّيْءَ میں نے وہ چیز رکھ دی۔ تو وضع کا لغوی معنی ہے رکھنا، اور آگے یہ اصطلاحی تعریف کر رہے ہیں: اَلْوَضْعُ تَخْصِيْصُ شَيْءٍ بِشَيْءٍ۔ کہتے ہیں اَلْوَضْعُ تَخْصِيْصُ شَيْءٍ بِشَيْءٍ، وہ تخصیص کرنا ایک چیز کی دوسری چیز کے ساتھ یعنی ایک چیز کو خاص کر دینا دوسری چیز کے ساتھ، بِحَيْثُ اس طور پر کہ مَتَى أُطْلِقَ أَوْ أُحِسَّ الشَّيْءُ الْأَوَّلُ کہ جب بھی بولی جائے، أُطْلِقَ یعنی اطلاق کیا جائے، بولی جائے پہلی چیز، مَتَى أُطْلِقَ جب بھی بولی جائے أَوْ أُحِسَّ یا محسوس کی جائے الشَّيْءُ الْأَوَّلُ شے اول، فُهِمَ مِنْهُ الشَّيْءُ الثَّانِيْ تو اس سے شے ثانی مفہوم ہو۔

ادھر دیکھیے بھائی، وضع کی تعریف کر رہے ہیں، وضع کسے کہتے ہیں؟ تَخْصِيْصُ شَيْءٍ بِشَيْءٍ، ایک چیز کو خاص کرنا دوسری شے کے ساتھ اس طور پر کہ پہلی شے کو بولا جائے یا محسوس کیا جائے تو اس سے دوسری شے سمجھ میں آجائے۔ پہلی شے کو بولا جائے تو اس سے دوسری شے سمجھ میں آجائے، میں نے کہا گلاس، فوراً پانی پینے والا ایک برتن آپ کے ذہن میں آگیا۔ دیکھا؟ یہ میں نے اطلاق کیا، بولا، گلاس بولا تو برتن آپ کے ذہن میں آگیا۔ اور کبھی محسوس کرنے سے ہوگا، جیسے دیکھو آپ گاڑی چلا رہے ہیں، سرخ رنگ کی لائٹ جل پڑی، آپ نے گاڑی روک دی، تو ایک چیز نے دلالت کی دوسری چیز پر۔ سرخ لائٹ نے دلالت کی کس بات پر؟ گاڑی کے روکنے پر۔ اب یہاں کسی نے کوئی لفظ زبان سے بولا ہے، کہا ہے؟ نہیں، ہاں ایک چیز کو آپ نے محسوس کیا یعنی دیکھا، تو دیکھتے ہی آپ کو پتہ چل گیا کہ اب کیا کرنا ہے؟ گاڑی کو روکنا ہے کیونکہ سرخ لائٹ کس لیے مقرر کی گئی ہے؟ گاڑی روکنے کے لیے۔ تو تَخْصِيْصُ شَيْءٍ بِشَيْءٍ، ایک شے کو خاص کیا گیا ہے، سرخ لائٹ کو خاص کیا گیا ہے دوسری شے یعنی گاڑی کے روکنے کے ساتھ، یعنی پہلی چیز کو اگر بولا جائے یا محسوس کیا جائے تو دوسری چیز سمجھ میں آجاتی ہے۔ یہاں آپ نے سرخ لائٹ کو محسوس کیا یعنی آنکھوں سے دیکھا تو فوراً آپ کو سمجھ میں آگئی دوسری چیز کہ کیا کرنا ہے؟ گاڑی کو روکنا ہے۔ یا جیسے بعض علاقوں میں افطاری کے وقت اور سحری کے وقت سائرن بجایا جاتا ہے،

سائرن بجایا، تو جیسے ہی افطاری کے وقت سائرن بجتا ہے آپ سمجھ جاتے ہیں کہ افطاری کا وقت ہو گیا ہے تو آپ کھانا پینا شروع کر دیتے ہیں، آپ روزہ افطار کر لیتے ہیں۔ اب دیکھو یہاں کسی نے زبان سے کوئی لفظ کہا؟ نہیں، ایک چیز کو آپ نے محسوس کیا یعنی کانوں سے سنا، سنتے ہی آپ سمجھ گئے، سنتے ہی دوسری چیز آپ کے ذہن میں آ گئی۔ سنا کس کو؟ سائرن کو، اور ذہن میں دوسری چیز کیا آئی؟ کہ افطاری کا وقت ہو گیا ہے۔ تو دیکھا ایک چیز سے دوسری چیز سمجھ میں آجائے اس کو کیا کہتے ہیں؟ وضع کہتے ہیں۔ بات اچھی طرح سمجھ میں آ گئی؟

تو کہتے ہیں اَلْوَضْعُ تَخْصِيْصُ شَيْءٍ بِشَيْءٍ، وضع کہتے ہیں ایک چیز کو خاص کرنا دوسری شے کے ساتھ، بِحَيْثُ اس طور پر کہ مَتَى أُطْلِقَ أَوْ أُحِسَّ الشَّيْءُ الْأَوَّلُ کہ جب بولا جائے یا محسوس کیا جائے پہلی چیز کو، فُهِمَ مِنْهُ الشَّيْءُ الثَّانِيْ تو اس سے دوسری شے سمجھ میں آجائے۔

قِيْلَ يَخْرُجُ عَنْهُ وَضْعُ الْحَرْفِ۔ یہاں سے ایک اعتراض اور پھر اس کا جواب ذکر کریں گے۔ اعتراض یہ ہوتا ہے کہ یہ تعریف کس کی ہو رہی ہے؟ کلمہ کی۔ اَلْكَلِمَةُ لَفْظٌ وُضِعَ۔ اور اس کے اندر وضع آیا، تو وضع کی تعریف آپ نے کیا کی؟ تَخْصِيْصُ شَيْءٍ بِشَيْءٍ بِحَيْثُ مَتَى أُطْلِقَ أَوْ أُحِسَّ الشَّيْءُ الْأَوَّلُ فُهِمَ مِنْهُ الشَّيْءُ الثَّانِيْ۔ تو تعریف ہو رہی ہے کلمہ کی اور کلمہ اسم بھی ہے، فعل بھی ہے اور حرف بھی ہے، لیکن آپ نے جو وضع کی تعریف کی اس سے تو حرف نکل گیا۔ اس لیے کیونکہ حرف بولیں تو اس کا معنی سمجھ میں نہیں آتا جب تک اس کے ساتھ اور لفظ نہ ملائے جائیں۔ آپ نے تو کیا کہا تھا وضع کسے کہتے ہیں؟ ایک چیز کا دوسری شے کے ساتھ خاص ہونا، ایک چیز کا دوسری چیز کے ساتھ اس طرح خاص ہونا کہ پہلی چیز بولیں تو دوسری چیز سمجھ میں آجائے یا پہلی چیز کو محسوس کریں تو دوسری چیز سمجھ میں آجائے، لیکن حرف ایسا نہیں۔ مثلاً دیکھو ایک ہے ابتدا، آغاز کرنا، ایک چیز کو شروع کرنا۔ میں نے کہا اِبْتِدَاءٌ، معنی سمجھ میں آیا؟ کیا معنی؟ شروع کرنا۔ اسی طرح مِنْ کا معنی بھی ہے ابتدا کرنا، لیکن میں کہوں مِنْ آپ کو اس کا معنی سمجھ میں نہیں آئے گا۔ ہاں جب میں اس کے ساتھ اور لفظ ملاؤں گا اور یوں کہوں گا: سِرْتُ مِنَ الْبَصْرَةِ إِلَى الْكُوْفَةِ، میں چلا بصرہ سے کوفہ تک۔ تو میں چلا کہاں سے؟ بصرہ سے۔ معلوم ہوا میرے چلنے کی ابتدا کہاں سے ہو رہی ہے؟ بصرہ سے اور اختتام کہاں پر ہو رہا ہے؟ کوفہ میں۔ تو میرے چلنے کی ابتدا کہاں سے ہوئی؟ بصرہ سے۔ یہ کس نے بتایا آپ کو؟ یہ کس سے پتہ چلا آپ کو؟ مِنْ سے۔ تو مِنْ بھی کس لیے آتا ہے؟ ابتدا کے لیے اور لفظِ اِبْتِدَاءٌ بھی کس لیے آتا ہے؟ ابتدا کے لیے، لیکن اِبْتِدَاءٌ ہے اسم اور اسم کو کسی لفظ کے ساتھ جڑنے کی ضرورت نہیں اس کا معنی خود بخود سمجھ میں آجاتا ہے۔ تو اِبْتِدَاءٌ جب میں نے کہا آپ کو اس کا معنی سمجھ میں آگیا کہ اس کا معنی ہے شروع کرنا، اور مِنْ کا معنی بھی کیا ہے؟ ابتدا، لیکن جب میں نے مِنْ کہا آپ کو اس کا معنی سمجھ میں نہیں آیا۔ ہاں جب میں نے اس کے ساتھ اور لفظ جوڑ دیے: سِرْتُ مِنَ الْبَصْرَةِ إِلَى الْكُوْفَةِ، اب آپ کو مِنْ کا معنی شروع کرنا سمجھ میں آگیا۔

بات چل رہی تھی وضع کی۔ آپ نے کیا کہا وضع کسے کہتے ہیں؟ کہ ایک شے کا دوسری شے کے ساتھ اس طرح خاص ہونا کہ اس شے کے بولنے یا محسوس کرنے پر دوسری شے سمجھ میں آجائے، لیکن حرف تو اس سے نکل گیا، حرف کے بولنے سے تو اس کا معنی سمجھ میں نہیں آتا۔ اعتراض سمجھ میں آیا؟ تو اس کا جواب دیں گے کہ بھائی بولنے سے مراد یہ ہے یعنی صحیح طریقے سے استعمال کیا جائے، اور حرف کا صحیح طریقے سے بولنا اور استعمال کرنا کس طرح ہے؟ کہ اس کے ساتھ اور لفظ بھی ملائے جائیں، اکیلا نہ بولا جائے۔

قِيْلَ کہا گیا ہے يَخْرُجُ عَنْهُ وَضْعُ الْحَرْفِ کہ اس تعریف سے حرف کی وضع خارج ہو گئی، نکل گئی، حَيْثُ لَا يُفْهَمُ مِنْهُ مَعْنَاهُ مَتَى أُطْلِقَ اس حیثیت سے کہ حرف سے اس کا معنی سمجھ میں نہیں آتا مَتَى أُطْلِقَ جب اس کو بولا جائے، بَلْ إِذَا أُطْلِقَ مَعَ ضَمِّ ضَمِيْمَةٍ بلکہ جب اس کو بولا جائے اس کا اطلاق کیا جائے ضمِ ضمیمہ کے ساتھ پھر وہ سمجھ میں آتا ہے۔ ضَمٌّ کا معنی ہوتا ہے ملانا، جوڑنا، اور ضَمِيْمَةٌ جوڑی ہوئی چیز، ملائی ہوئی چیز۔ کہتے ہیں بَلْ إِذَا أُطْلِقَ مَعَ ضَمِّ ضَمِيْمَةٍ بلکہ جب اس کو بولا جائے اس کا اطلاق کیا جائے کوئی چیز ساتھ ملا کر، کوئی ضمیمہ ساتھ ملا کر، کوئی ملائی ہوئی چیز ساتھ ملا کر یعنی اور لفظوں کو ساتھ ملا کر۔ اشکال یہ ہوتا ہے کہ وضعِ حرف جو ہے آپ کی تعریف سے خارج ہو گئی کیونکہ حرف کو جب بولا جائے تو اس کا معنی سمجھ میں نہیں آتا، بلکہ جب اس کے ساتھ کوئی ضمِ ضمیمہ ہو، کوئی اور لفظ ملایا جائے پھر اس کا معنی سمجھ میں آتا ہے۔ یہ اعتراض تھا، اب جواب دینے لگے ہیں۔ کہتے ہیں: وَأُجِيْبَ اور اس کا جواب دیا گیا ہے بِأَنَّ الْمُرَادَ مَتَى أُطْلِقَ إِطْلَاقًا صَحِيْحًا کہ مراد یہ ہے کہ جو تعریف میں آیا نا مَتَى أُطْلِقَ، جب اس کا اطلاق کیا جائے، اس اطلاق سے ہر اطلاق مراد نہیں ہے بلکہ اطلاقِ صحیح مراد ہے، صحیح اطلاق مراد ہے۔ اور حرف کا صحیح اطلاق کیا ہے؟ بغیر کسی لفظ کے ملائے ہو یا لفظوں کے ساتھ جوڑ کر؟ لفظوں کے ساتھ جوڑ کر اس کو استعمال کیا جاتا ہے اور بولا جاتا ہے، اس کے بغیر نہیں بولا جاتا۔ تو کہتے ہیں وَأُجِيْبَ اور جواب دیا گیا بِأَنَّ الْمُرَادَ مَتَى أُطْلِقَ إِطْلَاقًا صَحِيْحًا کہ مراد جو ہے کہ جب اس کا اطلاقِ صحیح کیا جائے، وَإِطْلَاقُ الْحَرْفِ بِلَا ضَمِّ ضَمِيْمَةٍ غَيْرُ صَحِيْحٍ اور حرف کا اطلاق جو ہے یعنی اس کو بولنا، اس کو استعمال کرنا بغیر ضمِ ضمیمہ کے، یعنی بغیر کسی اور چیز کے ملائے ہوئے، غَيْرُ صَحِيْحٍ وہ غیرِ صحیح ہے، وہ صحیح نہیں۔ اشکال جواب سمجھ میں آگیا؟

وَلَا يَبْعُدُ أَنْ يُقَالَ۔ یہاں سے دوسرا جواب دے رہے ہیں۔ پہلا جواب کیا؟ پہلا جواب یہ دیا کہ اطلاق سے اطلاقِ صحیح مراد ہے اور حرف کا اطلاق بغیر ضمِ ضمیمہ کے صحیح ہی نہیں۔ دوسرا جواب یہ دیں گے کہ آپ یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ اطلاق سے مراد وہ والا اطلاق ہے جو اہلِ عرب بولتے ہیں اور استعمال کرتے ہیں، ہر اطلاق مراد نہیں، یعنی جس طریقے پر اہلِ عرب ان کو استعمال کرتے ہیں۔ اور یہ ظاہر سی بات ہے کہ اہلِ عرب حروف کو بغیر ضمِ ضمیمہ کے استعمال نہیں کرتے۔ وَلَا يَبْعُدُ اور یہ بات بھی بعید نہیں ہے أَنْ يُقَالَ کہ یوں کہا جائے کہ الْمُرَادُ بِإِطْلَاقِ الْأَلْفَاظِ أَنْ يَسْتَعْمِلَهَا أَهْلُ اللِّسَانِ فِيْ مُحَاوَرَاتِهِمْ وَبَيَانِ مَقَاصِدِهِمْ کہ الفاظ کے اطلاق سے مراد یہ ہے کہ اس کو استعمال کرتے ہوں اہلِ زبان فِيْ مُحَاوَرَاتِهِمْ اپنے محاورات

میں یعنی اپنی بات چیت میں، وَبَيَانِ مَقَاصِدِهِمْ اور اپنے مقاصد کے لیے جس طرح، اپنی گفتگو اپنی بات چیت میں اور اپنے مقاصد کے لیے جس طرح استعمال کرتے ہوں، وہ والا اطلاق مراد ہے۔ اور وہ تو ظاہر سی بات ہے کہ حرف جو ہے وہ بغیر ضمِ ضمیمہ کے وہ استعمال نہیں کرتے۔ تو اس صورت میں فَلَا حَاجَةَ إِلَى اعْتِبَارِ قَيْدٍ زَائِدٍ، ایک زائد قید کا اعتبار کرنے کی ضرورت نہیں۔ اس صورت میں زائد قید کا اعتبار کرنے کی ضرورت نہیں۔ یہ دوسرا جواب دیا تھا۔ پہلا جواب کیا تھا؟ پہلا جواب کیا کہ اطلاق سے کون سا اطلاق مراد؟ اطلاقِ صحیح مراد ہے یعنی ایک زائد قید «صحیح» کا بھی آپ کو یہاں اعتبار کرنا پڑے گا اس کو بھی ماننا پڑے گا۔ جبکہ دوسرا جواب یہ دیا کہ بھائی زائد قید کے ماننے کی ضرورت ہی نہیں ہے بلکہ اطلاق جو بولا ہے، جو اطلاق لفظ آیا، اس سے مراد وہ والا اطلاق ہے جو اہلِ لسان اپنی گفتگو بات چیت اور اپنے مقاصد میں جس طرح اطلاق کرتے ہیں وہ مراد ہے، اور اس میں بھی حرف بلا ضمِ ضمیمہ کے استعمال نہیں ہوتا۔ تو جب یہ والا اطلاق مراد لے لیں تو اب صَحِيْحًا والی زائد قید کا اعتبار کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ بات سمجھ میں آئی؟ کون سا اطلاق مراد لیں؟ جو اہلِ جس طرح اہلِ زبان استعمال کرتے ہیں بھائی۔

بات اچھی طرح سمجھ میں آگئی؟ چلیے بس بھائی، هٰذَا هُوَ الْمَرَامُ وَاللهُ أَعْلَمُ بِحَقِيْقَةِ الْكَلَامِ۔

سبق نمبر ۲۰: تعریفِ کلمہ (۴): «لِمَعْنًی» کا صرفی و معنوی تجزیہ

شرحِ ملا جامی صفحہ: ۱۴ — بتاریخ: ۱۰ جولائی ۲۰۲۱ء

▪ تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث

دیکھیے بھائی آگے سبق:

لِمَعْنًی: اَلْمَعْنٰی مَا یُقْصَدُ بِشَیْءٍ، فَهُوَ إِمَّا مَفْعَلٌ اِسْمُ مَكَانٍ بِمَعْنَى الْمَقْصِدِ، أَوْ مَصْدَرٌ مِيمِيٌّ بِمَعْنَى الْمَفْعُولِ، أَوْ مُخَفَّفُ مَعْنِيٍّ اِسْمِ مَفْعُولٍ كَمَرْمِيٍّ۔

گذشتہ سبق میں شارحِ جامی نے آپ کو بتلایا تھا کہ صاحبِ کافیہ نے لَفْظٌ کہا اور لَفْظَةٌ نہیں کہا۔ حالانکہ یہ کافیہ ماخوذ ہے مفصل سے اور مفصل علامہ زمخشری کی کتاب ہے اور انہوں نے جو کلمہ کی تعریف کی ہے وہ لَفْظَةٌ کے ساتھ شروع کی ہے اور صاحبِ کافیہ نے لَفْظٌ کہا۔ تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ صاحبِ کافیہ نے ساتھ تا کو کیوں نہیں ملایا؟ تو اس کا جواب دیا تھا ملا جامی رحمہ اللہ نے کہ صاحبِ کافیہ جو ہے، یا یوں کہیں کہ صاحبِ کافیہ صاحبِ مفصل سے اس بات میں اختلاف کرتے ہیں کہ کلمہ کا ایک لفظ ہونا ضروری ہے یا ضروری نہیں۔ میں نے بتایا تھا ایک ہے وحدتِ لفظ اور ایک ہے وحدتِ معنی۔ صاحبِ کافیہ اور علامہ زمخشری دونوں کے نزدیک وحدتِ معنی تو ضروری ہے کلمہ کے اندر کہ معنی ایک ہو، لیکن وحدتِ لفظ کے اندر اختلاف ہے۔ علامہ زمخشری کے نزدیک وحدتِ لفظ بھی ضروری ہے، اسی لیے وہ لَفْظَةٌ لے کر آئے، اس کے ساتھ تا وحدت کی ہے: اَلْكَلِمَةُ لَفْظَةٌ کہ کلمہ ایک لفظ جو ہے اس کو کہتے ہیں۔ جبکہ صاحبِ کافیہ کے نزدیک وحدتِ لفظ ضروری نہیں، وحدتِ معنی تو کلمہ میں ضروری ہے لیکن وحدتِ لفظ ضروری نہیں، اس لیے انہوں نے وحدت کی تا کو ذکر نہیں کیا۔ اور ثمرۂ اختلاف ظاہر ہوگا جب کسی کا نام عَبْدُ اللهِ رکھا جائے۔ تو صاحبِ مفصل کے نزدیک عَبْدُ اللهِ اگرچہ علم ہے لیکن یہ ایک لفظ نہیں دو لفظ ہیں، تو یہ کلمہ سے خارج ہوا، یہ کلمہ نہیں۔ اور جبکہ صاحبِ کافیہ کے نزدیک اس کا معنی ایک ہی ہے یعنی ایک ہی ذات کے لیے یہ وضع کیا گیا ہے لہٰذا یہ کلمہ کی تعریف میں داخل ہے، کیونکہ ان کے نزدیک کلمہ کا ایک لفظ ہونا ضروری نہیں البتہ معنی ایک ہونا چاہیے۔

پھر اشکال ہوا کہ چلیں لَفْظَةٌ لے آتے کم از کم ابتدا کے ساتھ مطابقت ہو جاتی۔ تو بتلایا کہ بھائی یہ مشتق نہیں ہے اس لیے یہاں مطابقت ضروری نہیں۔ میں نے تفصیل بیان کی تھی کہ ابتدا خبر میں مطابقت کے لیے چار شرطوں کا ہونا ضروری

ہے۔ پہلی شرط یہ کہ خبر مشتق کا صیغہ ہونا چاہیے، اور اَلْکَلِمَۃُ لَفْظٌ یہ لَفْظٌ تو مصدر ہے مشتق نہیں ہے، لہٰذا یہاں پر مطابقت ضروری نہیں۔ اور دوسری شرط یہ ہے کہ اس مشتق میں کوئی ضمیر ہونی چاہیے جو مبتدا کی طرف لوٹے، جیسے زَیْدٌ عَالِمٌ اس عَالِمٌ کے اندر ھُوَ ضمیر ہے جو زید کو لوٹ رہی ہے، لہٰذا عَالِمٌ مشتق کا صیغہ بھی ہے اور اس کے اندر ضمیر بھی ہے لہٰذا یہاں مطابقت ضروری ہے۔ زید کے لیے کہیں گے زَیْدٌ عَالِمٌ اور زینب کے لیے کہیں گے زَیْنَبُ عَالِمَۃٌ بھائی۔ تو یہاں مطابقت ضروری ہے کیونکہ دونوں شرطیں پوری ہیں، مشتق کا صیغہ بھی ہے اور اس کے اندر ضمیر بھی ہے جو مبتدا کی طرف لوٹ رہی ہے۔ اور اگر مشتق کا صیغہ تو ہو لیکن اس میں ضمیر نہ لوٹ رہی ہو تو پھر بھی مطابقت ضروری نہیں، جیسے میں نے مثال لکھوائی تھی: زَیْدٌ عَالِمَۃٌ أُمُّہُ۔ یہاں زَیْدٌ مذکر ہے مبتدا اور خبر عَالِمَۃٌ مؤنث ہے، وجہ یہ کیونکہ یہاں دوسری شرط پوری نہیں ہے۔ عَالِمَۃٌ صیغہ تو مشتق کا ہے لیکن اس میں کوئی ضمیر نہیں ہے جو مبتدا کی طرف لوٹ رہی ہو بلکہ اس کا فاعل آگے أُمُّہُ اسمِ ظاہر آرہا ہے بھائی، اسمِ ظاہر۔ تو لہٰذا اس صورت میں اب مطابقت ضروری نہیں۔ اب یہاں صفت ہے اور اس کے لیے فاعل أُمُّہُ آرہا ہے اور فاعل مؤنث ہو تو فعل مؤنث لاتے ہیں، فاعل مذکر ہو تو فعل مذکر۔ اسی طرح صفت کے صیغے میں بھی ہے، تو أُمُّہُ مؤنث تھا اس لیے اس کے لیے صفت کیا لے کر آئے؟ عَالِمَۃٌ۔ زَیْدٌ عَالِمَۃٌ أُمُّہُ ترجمہ کیا ہے؟ ہاں زید کی ماں عالمہ ہے۔ زَیْدٌ عَالِمَۃٌ زید کہ عالمہ ہے أُمُّہُ اس کی ماں۔ دیکھا عَالِمَۃٌ کے لیے فاعل أُمُّہُ ہے تو وہ عالمہ ہے۔

تیسری شرط یہ تھی کہ وہ کوئی ایسی صفت نہ ہو جو خاص ہو مؤنث کے ساتھ۔ اگر وہ صفت مؤنث کے ساتھ خاص ہے تو پھر بھی تا کے ذریعے فرق کرنے کی ضرورت نہیں، جیسے اِمْرَأَۃٌ طَالِقٌ وہ عورت طلاق والی ہے، یا اَلْمَرْأَۃُ مُرْضِعٌ وہ عورت بچے کو دودھ پلانے والی ہے، وہ دودھ پلا رہی ہے، یا اَلْمَرْأَۃُ حَامِلٌ وہ عورت حاملہ ہے۔ تو اس میں دیکھو یہ مُرْضِعٌ ہونا یا حاملہ ہونا یا طلاق والی ہونا یہ وصف خاص ہیں مؤنث کے ساتھ، تو یہاں تا کے ذریعے فرق کرنے کی بھی ضرورت نہیں۔ البتہ ان صیغوں میں ضمیر مؤنث ہی کی نکالیں گے کیونکہ اس کو کس کے ساتھ جوڑ رہے ہیں؟ مؤنث کے ساتھ۔

اور چوتھی شرط یہ تھی کہ وہ خبر جو ہے کوئی ایسی صفت نہ ہو جو مشترک ہو بَیْنَ الْمُذَکَّرِ وَالْمُؤَنَّثِ، دونوں کے لیے استعمال نہ ہوتی ہو۔ اور وہ چار قسم کی صفتیں ہیں جو مشترک ہیں بَیْنَ الْمُذَکَّرِ وَالْمُؤَنَّثِ۔ نمبر ایک وہ فَعِیلٌ جو بمعنی مَفْعُولٌ کے ہو، جیسے جَرِیحٌ بمعنی مَجْرُوحٌ۔ اور اسی طرح وہ فَعُولٌ جو بمعنی فَاعِلٌ کے ہو، جیسے صَبُورٌ بمعنی صَابِرٌ۔ اور اسی طرح وہ اسمِ تفضیل جو مِنْ کے ساتھ استعمال ہو، لہٰذا اَلصَّلٰوۃُ خَیْرٌ مِنَ النَّوْمِ کا اعتراض بھی ختم ہوا کہ اَلصَّلٰوۃُ مبتدا مؤنث ہے اور خَیْرٌ اسمِ تفضیل ہے اس کے ساتھ تو کوئی تا جڑی ہوئی نہیں۔ تو جواب ہو گیا کہ یہ اسمِ تفضیل مِنْ کے ساتھ استعمال ہو رہا ہے، یہ مذکر کے لیے بھی اسی طرح رہے گا مؤنث کے لیے بھی، بلکہ واحد تثنیہ جمع سب کے لیے یہ اسی طرح رہے گا۔ اور اس کے بعد چوتھا صیغہ جو تھا جو چوتھی صفت وہ مبالغے کے صیغے ہیں، وہ بھی مذکر اور مؤنث کے لیے یکساں رہتے ہیں۔ تو یہاں پر اَلْکَلِمَۃُ لَفْظٌ، یہاں پر چونکہ لَفْظٌ وہ مشتق ہی نہیں ہے مصدر ہے اس لیے مطابقت ضروری نہیں۔ اور نیز اس لَفْظٌ کے کہنے میں اختصار بھی زیادہ ہے۔ اَلْکَلِمَۃُ لَفْظٌ یہ بھی مختصر، اَلْکَلِمَۃُ لَفْظَۃٌ یہ بھی کیا ہے؟ مختصر ہے، بات کوئی لمبی نہیں ہے کسی میں

بھی لیکن لَفْظٌ وہ زیادہ مختصر ہے لَفْظَةٌ کے مقابلے میں بھائی۔

اس کے بعد وضع کی بات آئی تھی، وضع۔ یاد رکھو وضع کا لغوی معنی ہے رکھنا، کسی چیز کو اٹھا کر رکھنا۔ وَضَعْتُ الشَّيْءَ میں نے وہ چیز رکھ دی۔ تو وضع کا لغوی معنی ہے رکھنا اور آگے یہ اصطلاحی تعریف کر رہے ہیں: اَلْوَضْعُ تَخْصِيصُ شَيْءٍ بِشَيْءٍ۔ تو اصطلاح میں وضع کہتے ہیں ایک شے کو دوسری شے کے ساتھ خاص کرنا، اس طور پر کہ پہلی شے کو اس کا اطلاق کیا جائے یعنی اس کو بولا جائے، اس کو ذکر کیا جائے یا اس کو محسوس کیا جائے تو دوسری شے سمجھ میں آجائے۔ یعنی پہلی شے دوسری شے پر دلالت کرے، لیکن یہ دلالت وہ خود بخود نہ کرے، اس کو اس کے لیے مقرر کیا گیا ہو، تعیین کی گئی ہو۔ دیکھا تَخْصِيصٌ، خَصَّصَ يُخَصِّصُ تَخْصِيصٌ کا کیا معنی؟ خاص کرنا۔ مثلاً دیکھو آپ نے دور سے دیکھا دھواں اٹھ رہا ہے، اس دھوئیں سے بھی آگ پر دلالت ہو گئی، پتہ چلا نیچے آگ جل رہی ہے۔ لیکن کیا یہ تخصیص لوگوں نے کی ہے یا آگ کے جلنے سے خود بخود دھواں اٹھے گا؟ آگ کے جلنے سے خود ہی دھواں نکلے گا اور اس سے کس کا پتہ چل جائے گا؟ آگ کا پتہ چل جائے گا، اس میں لوگوں کے تعیین کا دخل نہیں۔ تو وضع جو ہے اس میں تعیین ہوتی ہے۔

پھر اس کے بعد اس پر اشکال ہوا تھا کہ وضع کی اس تعریف سے تو حروف نکل گئے، کیونکہ وضع کی تعریف آپ نے کیا کی کہ ایک شے کا دوسری شے کے ساتھ اس طور پر خاص کرنا کہ پہلی شے کو بولا جائے یا اس کو محسوس کیا جائے تو دوسری شے سمجھ میں آجائے۔ حالانکہ حروف تو ایسے نہیں، حروف کے ساتھ تو جب تک اور لفظوں کو نہیں جوڑیں گے صرف حروف کو بولنے سے ان کا معنی سمجھ میں نہیں آتا۔ جیسے مِنْ کا معنی ہے ابتداء لیکن مِنْ کہو تو یہ معنی سمجھ میں نہیں آتا، تو اس کے ساتھ اور لفظوں کو جوڑنا پڑتا ہے پھر اس کا معنی سمجھ میں آتا ہے۔ تو اس کے دو جواب دیے تھے ملا جامی رحمہ اللہ نے۔ پہلا جواب یہ کہ یہاں پر صَحِيحًا کی قید کو ملحوظ رکھیں۔ اطلاق سے، اطلاق جو ذکر کیا گیا مَتٰى أُطْلِقَ أَوْ أُحِسَّ تو یہ اطلاق سے اطلاقِ صحیح مراد ہے۔ اور یہ بات تو معلوم ہے کہ حرف جو ہے اس کا اطلاق بغیر ضمِ ضمیمہ کے نہیں ہوتا، اس کے ساتھ اور لفظوں کو جوڑنا پڑتا ہے۔ تو یہاں اطلاق کے ساتھ صَحِيحٌ کی قید کا اعتبار کرنا پڑے گا۔ اور دوسرا جواب دیا تھا: وَلَا يَبْعُدُ أَنْ يُقَالَ الْمُرَادُ بِإِطْلَاقِ الْأَلْفَاظِ جی، اور کہتے ہیں یہ بات بھی بعید نہیں ہے کہ یہ جواب دیا جائے کہ اطلاق سے مراد وہ اطلاق ہے جو اہلِ لسان یعنی عربی زبان والے اپنی بات چیت میں جس طرح اس کو بولتے ہیں اور استعمال کرتے ہیں۔ اطلاق سے کیا مراد لیا جائے؟ وہ والا اطلاق جو اہلِ لسان یعنی اہلِ عرب اپنی زبان میں کرتے ہیں۔ تو پھر ظاہر سی بات ہے کہ عرب والے حرف کو بغیر ضمِ ضمیمہ کے استعمال نہیں کرتے، وہ ہمیشہ اس کے ساتھ اور لفظوں کو جوڑ کر استعمال کرتے ہیں۔ تو اس صورت میں وہ صحیح کی زائد قید کا اعتبار کرنے کی ضرورت بھی نہیں ہے۔ صحیح کی زائد قید کا؟ پہلی صورت میں تو کیا تھا اطلاق کے ساتھ ایک اور قید کا بھی اعتبار کرو، کون سی قید؟ کہ اطلاق صحیح ہونا چاہیے، غیرِ صحیح کو نکالنے کے لیے۔ جبکہ دوسرا جواب لیا جائے کہ اطلاق سے مراد وہ اطلاق ہے جو اہلِ زبان اپنی زبان میں کرتے ہیں جس طریقے پر، تو اس صورت میں صحیح کی ضرورت ہی نہیں ہے، یہ قید بڑھانے کی یا اس کا اعتبار کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔

اب آگے دیکھیے بھائی آج کا سبق:

لِمَعْنًى: اَلْمَعْنٰى مَا يُقْصَدُ بِشَيْءٍ، فَهُوَ إِمَّا مَفْعَلٌ اِسْمُ مَكَانٍ بِمَعْنَى الْمَقْصِدِ، أَوْ مَصْدَرٌ مِيمِيٌّ بِمَعْنَى الْمَفْعُولِ، أَوْ مُخَفَّفُ مَعْنِيٌّ اِسْمِ مَفْعُولٍ كَمَرْمِيٍّ.

بھائی کلمہ کی تعریف چل رہی ہے۔ صاحبِ کافیہ نے کلمہ کی کیا تعریف کی تھی؟ اَلْكَلِمَةُ لَفْظٌ وُضِعَ لِمَعْنًى مُفْرَدٍ۔ اَلْكَلِمَةُ کے بارے میں بھی تفصیل بیان کر دی ملا جامی رحمہ اللہ نے، لَفْظٌ کے بارے میں بھی بیان کر دیا، وُضِعَ کے بارے میں بھی بیان کر دیا، اب لِمَعْنًى کی تفصیل کرنے لگے ہیں۔ تو فرماتے ہیں: اَلْمَعْنٰى مَا يُقْصَدُ بِشَيْءٍ کہ مَعْنٰى، مَا وہ چیز ہے يُقْصَدُ بِشَيْءٍ جس کا ارادہ کیا جائے کسی چیز کے ذریعے۔ وہ چیز جو کسی چیز کے ذریعے مقصود ہو جس کا ارادہ کیا جائے اس کو معنی کہتے ہیں۔ بات سمجھ میں آرہی ہے؟ وہ چیز جس کا ارادہ کیا جائے کسی چیز کے ذریعے۔ تو کہتے ہیں فَهُوَ إِمَّا مَفْعَلٌ، اس میں تین احتمال ذکر کریں گے، تین احتمال۔ کہ یا تو مَعْنٰى جو ہے یہ اسمِ ظرف کا صیغہ ہے مَفْعَلٌ۔ توجہ ہے؟ ضَرَبَ يَضْرِبُ سے اسمِ ظرف کیا آتا ہے؟ مَضْرِبٌ آتا ہے، مَضْرِبٌ آتا ہے۔ رَمٰى يَرْمِي سے ظرف کیا آتا ہے؟ مَرْمًى۔ کیونکہ ظرفِ يَفْعِلُ مَفْعِلَست الا ز ناقص اے کمال، يَفْعِلُ کا ظرف مَفْعِلٌ آتا ہے سوائے کس کے؟ ناقص کے، ناقص سے ہمیشہ مَفْعَلٌ ہی آئے گا۔ تو اسی لیے عَنٰى يَعْنِي یہ ہے تو ناقص، عَنٰى يَعْنِي عِنَايَةً۔ توجہ ہے؟ یہ کیا ہے؟ وہ شعر یاد ہے بھائی؟ ظرفِ يَفْعِلُ مَفْعِلَست الا ز ناقص اے کمال، وز غیرِ يَفْعِلُ مَفْعَلَست الا ز ابوابِ مثال۔ میں نے بتایا تھا کہ ناقص اور مثال میں یہ ضابطہ اور طرح ہے، اور ناقص کے پہلے حرف کو دیکھ لو، نون پر زبر ہے تو اس کا ظرف ہمیشہ مَفْعَلٌ عین کے فتحہ کے ساتھ آئے گا، اور مثال کے میم کے نیچے زیر ہے تو اس کا ظرف ہمیشہ مَفْعِلٌ یعنی عین کے کسرہ کے ساتھ آئے گا۔ تو عَنٰى يَعْنِي عِنَايَةً کیا ہے؟ ناقص۔ لہٰذا اس سے ظرف کس وزن پر آئے گا؟ مَفْعَلٌ وزن پر آئے گا وہی بیان کر رہے ہیں۔ تو دیکھو آپ کو یہ بتلائیں گے یا تو یہ جو مَعْنٰى ہے یہ اسمِ ظرف کا صیغہ ہے مَفْعَلٌ وزن پر۔ مَفْعَلٌ وزن پر۔ یا یہ مصدرِ میمی ہے مَفْعَلٌ وزن پر۔ مصدرِ میمی وہ مصدر جس کے شروع میں میم آئے اس کو کیا کہتے ہیں؟ مصدرِ میمی بھائی۔ تو گویا یہ مَعْنًى مصدر ہوا عِنَايَةٌ کے معنی میں مصدر ہے۔ اور تیسری صورت یہ ہے کہ یہ اسمِ مفعول کا صیغہ ہو۔ اسمِ مفعول کا، عَنٰى يَعْنِي عِنَايَةً، رَمٰى يَرْمِي رَمْيًا فَهُوَ رَامٍ وَرُمِيَ يُرْمٰى رَمْيًا فَذَاكَ مَرْمِيٌّ، یعنی یہ مَعْنِيٌّ تھا اصل میں، مَعْنِيٌّ۔ اسمِ ظرف ہو تو مَعْنًى، مصدرِ میمی ہو تو مَعْنًى، اور اسمِ مفعول ہو تو ہے اس وقت تو مَعْنًى ہے لیکن اصل میں کیا تھا؟ مَرْمِيٌّ، مَعْنِيٌّ بھائی اس وزن پر تھا۔ بات سمجھ میں آ گئی؟ اب تفصیل یاد رکھنا۔ تین احتمال ہیں، تین احتمال۔ معنی کسے کہتے ہیں؟ مَا يُقْصَدُ بِشَيْءٍ وہ جس کا ارادہ کیا جائے کسی چیز کے ذریعے اس کو کیا کہتے ہیں؟ معنی کہتے ہیں۔ مثلاً میں نے کہا گلاس، فوراً آپ کے ذہن میں پانی پینے والا ایک برتن آ گیا، تو میں نے لفظِ گلاس کے لیے اس معنی کا ارادہ کیا یہ جو پانی پینے والا برتن ہے بھائی۔ تو معنی وہ ہے جس کا ارادہ کیا جائے کسی چیز کے ذریعے۔ پھر اس میں انہوں نے بتایا کہ یا تو یہ اسمِ ظرف کا صیغہ ہے، تو یہ مَفْعَلٌ ہے یعنی مَعْنًى، اسمِ ظرف کا صیغہ ہے مَفْعَلٌ وزن پر اور یہ بمعنی مَقْصِدٌ کے ہے، قَصَدَ يَقْصِدُ کا کیا معنی؟ ارادہ کرنا، تو یہ بمعنی مَقْصِدٌ۔

کے ہے، یعنی جائے قصد۔ جائے مَضْرِبٌ کا کیا معنی تھا؟ جائے ضرب، ضرب لگانے کی جگہ۔ مثلاً آپ نے کسی شخص کو ایک جگہ ضرب لگائی تو جس جگہ ضرب لگائی آپ کہیں گے یہ کیا ہے؟ یہ جائے ضرب ہے، یہ کیا ہے؟ ضرب لگانے کی جگہ ہے۔ تو یہاں پر بھی اسی طرح ہے، مَعْنًی کون سا صیغہ؟ ظرف کا اور کس معنی میں؟ مَقْصِدٌ، کیا معنی؟ جائے قصد۔ عَنٰی یَعْنِي اس کا معنی بھی ارادہ کرنا ہے، مَقْصِدٌ کا معنی بھی قَصَدَ یَقْصِدُ کا معنی بھی ارادہ کرنا، مَفْعَلٌ یعنی مَعْنًی کا وہی معنی ہے جو مَقْصِدٌ کا ہے۔ مَقْصِدٌ کا کیا معنی؟ جائے قصد، ارادے کی جگہ، توجہ ہے؟ ارادے کی جگہ، اس طرح مَعْنًی کا معنی کیا ہے؟ ارادے کی جگہ۔ یعنی جب انسان لفظ بولتا ہے تو معنی کا کیا کرتا ہے؟ ارادہ کرتا ہے، قصد کرتا ہے۔ تو یہ گویا یہ وہ محل ہے یہ وہ، یہ جو معنی ہے اس کو مجازاً محل کہہ دیا، کیا کہہ دیا؟ محل ہے۔ یعنی یہ جائے قصد ہے، یہ ارادے کی جگہ ہے، یعنی وہ جگہ جس کا ارادہ کیا گیا ہے۔ یہ، نہیں سمجھ میں آئی بات؟ یہ محلِ قصد ہے یہ معنی کیا ہے؟ مثلاً، مثلاً میں نے لفظِ گلاس بولا اور اس کا کیا ارادہ کیا؟ جو اس کا معنی ہے وہ پانی پینے کا برتن۔ تو کیا کہوں گا؟ یہ جو لفظِ گلاس بولا اس کا محلِ قصد کیا ہے؟ کس کا ارادہ کیا گیا اس کے ذریعے؟ وہ برتن پانی پینے والا، تو وہ محلِ قصد ہوا اس لفظ کے ذریعے۔ وہ کیا ہوا؟ محلِ وہ جگہ جس کا ارادہ کیا گیا۔ بھائی وہ ہے تو مفہوم، مجازاً اس کو محل کہہ دیا۔ توجہ ہے؟

ضرب کا کیا معنی؟ پٹائی کرنا۔ میں ضرب کا لفظ بولتا ہوں اور پٹائی کرنے کا معنی مراد لیتا ہوں۔ تو یہ جب میں نے ضرب کا لفظ بولا تو جو پٹائی کرنا جو اس کا معنی ہے وہ کیا ہے؟ محلِ قصد ہے، یعنی یہ وہ چیز ہے، یہ وہ محل ہے جس کا کیا کیا گیا ہے؟ ارادہ کیا گیا ہے، قصد کیا گیا ہے۔ یعنی وہ جو اس کا مفہوم ہے۔ محل تو نہیں ہے لیکن مجازاً اس کو کیا کہہ دیا؟ محل کہہ دیا، یہ محلِ قصد ہے، یعنی وہ چیز وہ جگہ جس کا کیا کیا گیا؟ ارادہ۔ تو لفظ بول کر کس کا ارادہ کیا جاتا ہے؟ معنی کا، تو وہ معنی کیا ہے؟ محلِ ارادہ ہے یعنی اس جگہ کا ارادہ کیا گیا ہے۔ بات سمجھ آگئی اچھی طرح؟

تو کہتے ہیں: فَهُوَ إِمَّا مَفْعَلٌ اِسْمُ مَكَانٍ یا تو یہ مَفْعَلٌ ہے اسمِ مکان، بِمَعْنَى الْمَقْصِدِ کس معنی میں ہے؟ مَقْصِدٌ کے معنی میں ہے یعنی جائے قصد کے معنی میں ہے۔ أَوْ مَصْدَرٌ مِيمِيٌّ بِمَعْنَى الْمَفْعُولِ یا یہ مصدرِ میمی ہے بمعنی مفعول کے۔ مصدرِ میمی ہے بمعنی مفعول کے۔ مَعْنًی کون سا صیغہ؟ پہلے کیا تھا؟ پہلے کیا بتایا؟ پہلا احتمال کیا تھا مَعْنًی میں؟ پہلا احتمال اس میں کیا تھا؟ کون سا صیغہ ہے؟ اسمِ ظرف کا مَعْنًی۔ دوسرا احتمال کیا کہ مَعْنًی کیا ہے؟ مصدرِ میمی ہے یعنی مصدر ہے، اور لیکن یہ بمعنی اسمِ مفعول کے ہے۔ اور آپ جانتے ہیں کہ مصدر کبھی اسمِ فاعل کے معنی میں ہوتا ہے کبھی اسمِ مفعول کے معنی میں، جیسے پہلے گزرا خَلْقٌ بمعنی مَخْلُوقٌ، یا لَفْظٌ بمعنی مَلْفُوظٌ، اسی طرح زَيْدٌ عَدْلٌ، عَدْلٌ بمعنی عَادِلٌ۔ تو مصدر کبھی اسمِ فاعل کے معنی میں ہوتا ہے اور کبھی اسمِ مفعول کے معنی میں۔ تو یہاں پر بھی مَعْنًی ہے تو مصدر لیکن کس معنی میں ہے؟ اسمِ مفعول، اسمِ مفعول یعنی مَعْنِيٌّ کے معنی میں ہے۔ عَنٰی یَعْنِي عِنَايَةً اس سے اسمِ مفعول کیا آئے گا؟ مَعْنِيٌّ، مَرْمِيٌّ کی طرح۔ تو یہ مَعْنًی بمعنی مَعْنِيٌّ کے ہے، مصدرِ میمی ہے لیکن بمعنی اسمِ مفعول کے ہے، یعنی جس کا ارادہ کیا گیا۔

عَلٰی یَعْنِي عِنَایَةً کا کیا معنی؟ ارادہ کرنا۔ مَعْنِيٌّ وہ چیز جس کا ارادہ کیا گیا، تو مَعْنًی ہے تو مصدر لیکن یہ مَعْنِيٌّ کے معنی میں ہے یعنی وہ چیز جس کا ارادہ کیا گیا ہے۔

اور تیسرا یہ کہ یہ مخفف ہے مَعْنِيٌّ کا۔ یہ اصل میں ہے ہی اسمِ مفعول کا صیغہ، نہ یہ ظرف ہے نہ مصدر ہے بلکہ اسمِ مفعول ہے اور اسمِ مفعول، اسمِ مفعول کا وزن تو کیا آیا؟ ابھی بتایا مَعْنِيٌّ۔ تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ اسمِ مفعول تو مَعْنِيٌّ ہے پھر یہ مَعْنًی کیسے ہو گیا؟ تو کہتے ہیں تخفیف کر کے اس کو مَعْنًی بنا لیا گیا۔ اصل میں کیا تھا؟ مَعْنِيٌّ۔ پھر اس میں تخفیف کی گئی، یا سے شد کو ختم کر دیا اور نون سے کسرہ کو ختم کر کے فتحہ دے دیا تو کیا بن گیا؟ مَعْنَيٌّ۔ مَعْنِيٌّ تھا اب کیا بن گیا؟ نون کو فتحہ دے دیا تخفیف کرتے ہوئے اور یا سے شد ختم کر دیا تو کیا بن گیا؟ مَعْنَيٌّ۔ پھر یا متحرک ما قبل نون پر فتحہ تھا اس کو کس سے بدلا؟ الف سے، تو کیا بن گیا؟ مَعْنَان۔ پھر اجتماعِ ساکنین سے الف گر گیا تو کیا بن گیا؟ مَعْنًی ہو گیا۔ تینوں احتمال سمجھ میں آ گئے؟

دیکھیے بھائی کتاب پر، دوبارہ ترجمہ دیکھ لیجیے: اَلْمَعْنٰی مَا یُقْصَدُ بِشَيْءٍ کہ مَعْنٰی جو ہے وہ چیز ہے جس کا ارادہ کیا جائے کسی چیز کے ذریعے۔ فَهُوَ إِمَّا مَفْعَلٌ اِسْمُ مَكَانٍ بِمَعْنَى الْمَقْصِدِ تو یا تو یہ مَفْعَلٌ ہے اسمِ مکان بمعنی مَقْصِدٌ یعنی جائے قصد کے، أَوْ مَصْدَرٌ مِيمِيٌّ بِمَعْنَى الْمَفْعُولِ یا یہ مصدرِ میمی ہے بمعنی مفعول کے، أَوْ مُخَفَّفُ مَعْنِيٍّ یا یہ مَعْنِيٌّ کا مخفف ہے، کون سا مَعْنِيٌّ؟ اِسْمِ مَفْعُولٍ وہ مَعْنِيٌّ جو اسمِ مفعول ہے یہ اس کا، اس میں تخفیف کی گئی ہے مخفف ہے اس کا۔

▪ متنِ کتاب و تحقیقِ مسائلِ نحویہ

وَلَمَّا كَانَ الْمَعْنٰى مَأْخُوذًا فِي الْوَضْعِ فَذِكْرُ الْمَعْنٰى بَعْدَهُ مَبْنِيٌّ عَلٰى تَجْرِيدِهِ عَنْهُ.

یہ ایک اعتراض کا جواب دے رہے ہیں بھائی۔ اعتراض یہ کہ مَعْنًی سے پہلے وَضْعٌ کا لفظ آیا اور وضع کی تعریف آپ نے کیا کی؟ تَخْصِيصُ شَيْءٍ بِشَيْءٍ۔ اور یہاں شے ثانی سے مراد معنی ہے۔ شے ثانی سے کیا مراد؟ بھائی ایک لفظ کو وضع کیا جاتا ہے کس کے لیے؟ معنی کے لیے، تو تَخْصِيصُ شَيْءٍ بِشَيْءٍ ایک شے کو خاص کرنا دوسری شے کے ساتھ، اس سے کیا مراد ہے؟ معنی اس کے اندر آ گیا، اس کے اندر معنی بھی آ گیا کیونکہ لفظ بول کر کس کا ارادہ کیا جاتا ہے؟ معنی کا، لفظ کی تخصیص ہوتی ہے کس کے لیے؟ معنی کے لیے، تو تَخْصِيصُ شَيْءٍ بِشَيْءٍ ایک چیز کو خاص کرنا دوسری شے کے ساتھ، اس دوسری شے سے معنی مراد ہے۔ جب وضع کی تعریف کے اندر معنی کی بات آ گئی تو پھر دوبارہ معنی ذکر کرنے کا کیا مطلب ہے؟ اشکال سمجھ میں آیا؟ تو جواب دیں گے کہ یہاں تجرید ہے بھائی، کیا ہے؟ تجرید ہے۔ جَرَّدَ یُجَرِّدُ تَجْرِيدٌ کا معنی ہے خالی کرنا۔ تو وضع کو بھی معنی سے خالی کر لیا گیا۔ وضع کو بھی معنی سے کیا کر لیا گیا؟ خالی۔ وضع کی تعریف کیا تھی؟ تَخْصِيصُ شَيْءٍ بِشَيْءٍ، یہ شے ثانی سے کیا مراد تھا؟ معنی، تو اس سے اس کو ختم کر دو۔ تو گویا وضع کا معنی کر لو صرف

تَخْصِيصُ شَيْءٍ، ایک شے کی تخصیص کرنا، اور بِشَيْءٍ کو تو کیا کر دیا تھا؟ ختم کر دیا، اس کے بدلے میں پھر آگے خود لے آئے لِمَعْنًی۔ تَخْصِيصُ شَيْءٍ لِمَعْنًی۔ اَلْكَلِمَةُ لَفْظٌ وُضِعَ لِمَعْنًی۔ جب آگے لِمَعْنًی خود آرہا ہے تو وضع کے اندر سے کیا کر دو؟ بِشَيْءٍ کو ختم کر دو جس سے معنی مراد تھا۔ تو گویا کیا معنی بن گیا؟ اَلْكَلِمَةُ لَفْظٌ وُضِعَ لِمَعْنًی۔ وضع کا کیا معنی؟ تَخْصِيصُ شَيْءٍ، تَخْصِيصُ شَيْءٍ لِمَعْنًی۔ ایک شے کو خاص کرنا کس کے ساتھ؟ معنی کے ساتھ۔ بات سمجھ میں آگئی اچھی طرح کہ شے ثانی سے مراد معنی تھا تو وضع کو اس معنی سے خالی کر لیا۔ تو لہٰذا کہتے ہیں یہ جو معنی کو بعد میں ذکر کیا گیا یہ تجرید پر مبنی ہے، یعنی وضع کو کیا کر لیا گیا؟ معنی سے، معنی کا جو اس کے، جو اس کے مفہوم میں معنی آرہا تھا اس سے کیا کر لیا گیا؟ خالی کر لیا گیا۔ وجہ یہ بھائی کیوں خالی کیا گیا؟ اس کے اندر ہی جب معنی کا ذکر آرہا تھا تو الگ معنی کو ذکر کرنے کی کیا ضرورت تھی؟ تعریف تو لمبی ہو گئی۔ بات سمجھ میں آگئی؟ وضع کے اندر ہی جب معنی آرہا تھا، تو جواب یہ کہ یہ جو، یہ جو قیود ذکر کی ہیں صاحبِ کافیہ نے کلمہ کی تعریف میں، ان میں سے ہر ایک فصل ہے بھائی، ہر ایک کیا ہے؟ فصل۔ جب وُضِعَ کہا تو مہمل لفظ نکل گئے، جب لِمَعْنًی کہا تو حروفِ تہجی نکل گئے، جب مُفْرَدٍ کہا تو مرکبات نکل گئے۔ تو اگر وضع کے اندر معنی ہوتا، اسی معنی کو رکھتے تو پھر اس کے فصل ہونے کا پوری طرح پتہ نہ چلتا بھائی۔ تو خوب تاکہ وضاحت ہو جائے کہ یہ معنی فصل ہے اس کے ذریعے حروفِ تہجی کو نکالنا مقصود ہے۔ نیز دوسرا فائدہ اس میں یہ ہوا کہ لِمَعْنًی کو ذکر کر دیا آگے اس کی مُفْرَدٍ صفت لانا چاہتے تھے۔ اگر وہ معنی وہی مراد لے لیتے جو وضع کے اندر تھا تو پھر آگے مُفْرَدٍ اس کی صفت نہیں لا سکتے تھے، تو جب معنی کو علیحدہ باقاعدہ ذکر کر دیا تو اب ممکن ہو گیا کہ اس کی صفت کیا لائی جا سکے؟ مُفْرَدٍ لائی جا سکے۔

دیکھیے بھائی کتاب پر، کہتے ہیں: وَلَمَّا كَانَ الْمَعْنٰى مَأْخُوذًا فِي الْوَضْعِ جب معنی جو تھا وہ ماخوذ تھا وضع کے اندر، وضع کے اندر ہی وہ ماخوذ تھا یعنی اس میں ہی ملحوظ تھا، فَذِكْرُ الْمَعْنٰى بَعْدَهُ مَبْنِيٌّ عَلٰى تَجْرِيدِهِ عَنْهُ تو معنی کا ذکر کرنا اس وضع کے بعد یہ مبنی ہے عَلٰى تَجْرِيدِهِ کہ وضع کو خالی کر لیا جائے عَنْهُ کس سے؟ معنی سے۔

فَخَرَجَ بِهِ الْمُهْمَلَاتُ وَالْأَلْفَاظُ الدَّالَّةُ بِالطَّبْعِ إِذْ لَمْ يَتَعَلَّقْ بِهَا وَضْعٌ وَتَخْصِيصٌ أَصْلًا۔

جی، وضع کی قید لگائی اب اس کا فائدہ بتلا رہے ہیں۔ میں نے کیا بتلایا تھا؟ وضع کے ذریعے کس کو نکال دیا؟ مہملات کو نکال دیا کیونکہ ان میں وضع نہیں ہوتی یعنی وہ لفظ جن کا کوئی معنی نہ ہو وہ نکل گئے۔ نیز کہتے ہیں: فَخَرَجَ بِهِ الْمُهْمَلَاتُ وَالْأَلْفَاظُ الدَّالَّةُ بِالطَّبْعِ وہ الفاظ جو دلالت کرتے ہیں بالطبع وہ بھی اس سے نکل گئے، وہ بھی اس سے نکل گئے۔ اب یہاں دلالت کی تفصیل سمجھ لو بھائی۔

دیکھو دلالت کہتے ہیں ایک چیز سے دوسری چیز کا علم ہو جائے تو اس کو کہتے ہیں دلالت۔ پہلی چیز کہلاتی ہے دَالٌّ اور دوسری چیز مَدْلُولٌ بھائی۔ جیسے آپ کمرے میں بیٹھے ہیں اور کھڑکی سے دھوپ کو آتے ہوئے آپ نے دیکھا تو آپ سمجھ گئے

کہ سورج نکلا ہوا ہے۔ تو دیکھو اس دھوپ نے دلالت کی کس پر؟ سورج کے نکلنے پر۔ تو یہ دھوپ ہوئی دَالٌّ اور وہ سورج کا طلوع ہونا کیا ہوا؟ مَدْلُولٌ۔ یہ جو دھوپ سے سورج کا پتہ چلا اس کو دلالت کہتے ہیں، دلالت۔ اب یہ دلالت یاد رکھنا، دلالت اس میں کہ دال کبھی لفظ ہوگا کبھی غیرِ لفظ ہوگا۔ مثلاً میں نے کہا گلاس، میں نے کہا گلاس تو فوراً پانی پینے والا ایک برتن آپ کے ذہن میں آگیا۔ تو اس میں دیکھو دال جو دلالت کرنے والی چیز وہ لفظ ہے۔ میں نے زبان سے گلاس کہا تو آپ کو ذہن میں ایک چیز سمجھ میں آگئی۔ یا میں نے زبان سے زید کہا، آپ کا ایک دوست ہے اس کا نام زید ہے، میں نے جیسے ہی زید کہا آپ کے ذہن میں فوراً زید کی صورت آگئی۔ تو یہ ہے دلالت اور اس میں دال کیا ہے؟ لفظ ہے، دال کیا ہے؟ لفظ ہے۔ اور کبھی کبھار دال غیرِ لفظ ہوتا ہے، جیسے دیکھو دھوپ سے کس کا پتہ چلا تھا؟ سورج کا، لیکن کیا کسی نے زبان سے کچھ کہا تھا؟ نہیں، تو وہاں دال لفظ نہیں ہے غیرِ لفظ ہے، کیا ہے؟ غیرِ لفظ۔ یا جیسے آپ نے دور سے دھواں دیکھا اور آپ کو پتہ لگ گیا کہ نیچے آگ جل رہی ہے۔ تو یہاں پر بھی جو دھواں ہے یہ غیرِ لفظ ہے۔ تو دال جو ہے دال کے اعتبار سے دلالت کی تقسیم کرتے ہیں، دال کبھی لفظ ہوتا ہے اور کبھی غیرِ لفظ ہوتا ہے۔ پھر چاہے دلالتِ لفظیہ ہو یا غیرِ لفظیہ ہو ان دونوں کی تین تین قسمیں ہیں۔ یا تو اس دلالت میں وضع کا دخل ہوگا یا وضع کا دخل نہیں ہوگا۔ اگر وضع کا دخل ہو تو وہ دلالتِ وضعیہ۔ پھر اگر وضع کا دخل نہیں تو پھر دیکھیں گے اس دلالت میں طبیعت کا دخل ہے یا دخل نہیں۔ اگر دلالت طبیعت کے اعتبار سے ہو تو اس کو دلالتِ طبعیہ کہتے ہیں، اور اگر طبیعت کا دخل نہ ہو تو پھر اس کو دلالتِ عقلیہ کہتے ہیں۔ تو دلالت میں اگر وضع کا دخل ہو اس کو دلالتِ وضعیہ کہتے ہیں۔ مثلاً دیکھو آپ گاڑی چلا رہے ہیں، سرخ رنگ کا اشارہ جلا اور آپ نے گاڑی روک دی۔ تو اس سرخ رنگ کے اشارے نے دلالت کی کس بات پر؟ گاڑی کے روکنے پر۔ اور یہاں دیکھو کوئی لفظ نہیں کسی نے زبان سے کچھ نہیں کہا، تو یہ دلالتِ غیرِ لفظیہ وضعیہ ہے بھائی۔ اور کبھی دال جو ہے لفظ ہوگا مثلاً میں نے جیسے مثال ذکر کی میں نے زید کہا آپ کے ذہن میں فوراً کس کی صورت آگئی؟ زید کی، یا میں نے گلاس کہا آپ کے ذہن میں فوراً پانی پینے والا ایک برتن آگیا۔ تو یہاں دال کیا ہے؟ لفظ ہے، اور دلالت کون سی ہے؟ وضعیہ ہے، اس میں وضع کا دخل ہے۔ توجہ ہے؟ زید کا خود بخود یہ نام ہے یا اس کے والدین نے اس کے لیے مقرر کیا ہے؟ مقرر کیا ہے اس کے لیے اس کے والدین نے، اسی طرح گلاس کا یہ معنی۔ تو جو جانتا ہوگا کہ اس لفظ کو اس معنی کے لیے وضع کیا گیا ہے یا اس چیز کے لیے وہی اس کو سمجھے گا۔ تو یہ کون سی دلالت ہوئی؟ دلالتِ لفظیہ وضعیہ۔

اسی طرح کبھی دلالت طبیعت کی وجہ سے ہوتی ہے، مثلاً گھوڑے کو یا جانور کو بھوک لگتی ہے تو وہ تیزی سے اپنی جگہ پر ادھر ادھر چکر لگانے لگتا ہے بے چینی کے ساتھ۔ دیکھو اس چکر لگانے سے وہ اس کے مالک کو پتہ چل جاتا ہے کہ اس کو بھوک یا پیاس لگی ہے۔ اب اس میں یہاں پر جو دال ہے یہ بے چینی کا اظہار کرنا اس کو کس نے وجود دیا؟ طبیعت نے۔

ت نے، گھوڑے یا جانور کی طبیعت نے وجود دیا اس بے چینی کو تو یہ دلالتِ طبعیہ ہے۔ یا اسی طرح آپ کو مثلاً بخار ہے، اب بخار میں وہ ڈاکٹر آتا ہے وہ آپ کی نبض دیکھتا ہے۔ نبض تیز چل رہی ہو معلوم ہوا اس کو بخار ہے بھائی۔ تو دیکھو آپ کو بخار لاحق ہوا اور آپ کی طبیعت نے کیا کیا؟ دال کو وجود دیا، یعنی اب وہ نبض تیز چلنے لگی۔ جیسے گھوڑے یا جانور کو پیاس لگی تھی یا بھوک لگی تھی تو اس کی طبیعت نے کیا کیا؟ بے چینی پیدا کر دی اس کے اندر۔ یاد رکھو یہ جو دلالتِ طبعیہ ہے اس میں حیوان کو مدلول لاحق ہوتا ہے اور پھر وہ مدلول جو ہے دال کو وجود دیتا ہے اور اس سے دوسروں کو بھی پتہ چل جاتا ہے۔ دیکھو جانور کو پہلے بھوک لگی اور اس نے پھر بے چینی سے چکر لگائے اور اس سے مالک کو بھی پتہ چل گیا کہ اس کو بھوک لگی ہے۔ تو دیکھو چکر لگانا یہ ہے دال اور پتہ کس چیز کا چلا؟ اس کے اس کی بھوک کا، تو بھوک کیا ہوئی؟ مدلول۔ اور یہاں پر یاد رکھو یہ جو دلالتِ طبعی ہے اس میں مدلول پہلے ہوتا ہے، پہلے بھوک لگی اس کے بعد طبیعت کس کو وجود دیتی ہے؟ دال کو۔ بھوک لگی تو طبیعت نے بے چینی پیدا کر دی اس میں اور اس سے اس طبیعت نے دال کو وجود دیا اور اس سے دوسروں کو بھی اس مدلول کا پتہ چل گیا۔ جانور کو کیا لگی؟ بھوک۔ مالک کو پتہ ہے ابھی؟ نہیں پتہ۔ پھر اس کی طبیعت میں بے چینی پیدا ہوئی، اس بے چینی سے وہ چکر لگانے لگا تو اس سے مالک کو بھی کیا پتہ چل گیا کہ اس کو بھوک لگی ہے۔ کس طرح ہوتی ہے دلالتِ طبعیہ؟ طبیعت کو پہلے مدلول لاحق ہوتا ہے، پھر وہ طبیعت کس کو وجود دیتی ہے؟ دال کو، اور اس سے پھر دوسروں کو بھی مدلول کا پتہ چل جاتا ہے۔ جیسے آپ کو بخار تھا، پہلے بخار ہوا پھر نبض تیز ہوئی اور پھر دوسروں کو بھی نبض سے کس کا پتہ چلا؟ بخار کا۔ تو آپ کو بخار ہوا آپ کو تو پہلے ہی پتہ ہے، اور اس بخار نے پھر کس کو وجود دیا؟ نبض کے تیز چلنے کو، اور اس کے اس نبض کے تیز چلنے سے دوسروں کو بھی کس چیز کا پتہ چل گیا؟ بخار کا پتہ چل گیا۔ تو یہاں دال کیا ہے؟ نبض کا تیز چلنا، اور مدلول کیا ہے؟ بخار، اور یہ دال کو کس نے وجود دیا؟ طبیعت نے۔ توجہ ہے؟ تو دلالتِ طبعیہ کے اندر جو ہے دال کو طبیعت وجود دیتی ہے، طبیعت، اور اس سے دوسروں کو بھی مدلول کا پتہ چل جاتا ہے۔ خود آپ کو تو پہلے ہی مدلول کا پتہ تھا لیکن جب دال کو وجود دیا طبیعت نے تو اس سے دوسروں کو بھی مدلول کا پتہ چل گیا۔ تو اس کو دلالتِ طبعیہ کہتے ہیں۔

تو اس میں اس میں دیکھو وضع کا دخل نہیں ہے۔ کیا آپ نے اس کے لیے اس کو مقرر کیا یا خود بخود ایسا ہوتا ہے؟ مجھے بتائیے یہ بخار کے لیے آپ نے تیز نبض کو مقرر کیا ہے یا بخار میں خود بخود نبض تیز ہو جاتی ہے؟ خود تیز ہوتی ہے، طبیعت اس کو وجود دیتی ہے، اس میں کسی کے وضع کا دخل نہیں ہے۔ تو یہ ہے دلالتِ طبعیہ، دلالتِ طبعیہ۔ اور تیسری ہے دلالتِ عقلیہ۔ دلالتِ عقلیہ جس کے اندر مثلاً آپ نے دور سے دھواں دیکھا اور آپ کو پتہ چل گیا کہ نیچے آگ جل رہی ہے، آپ کی عقل نے آپ کو بتلایا۔ اس میں وضع کا کوئی دخل نہیں، اس دھوئیں کو اس آگ کے لیے مقرر نہیں کیا گیا، نیز اس میں طبیعت کا بھی کوئی دخل نہیں ہے۔ اور تو تیسری کیا صورت ہے پھر اس کو کیا کہتے ہیں؟ دلالتِ عقلیہ۔ تو دلالتِ عقلیہ کا یہ معنی نہیں کہ صرف اس دلالتِ عقلیہ میں عقل کا دخل ہے باقیوں میں عقل کا دخل نہیں ہے۔ عقل کا دخل تینوں دلالتوں

میں ہے۔ عقل نہیں ہوگی تو کسی لفظ کا معنی کسی کو کیسے سمجھ میں آئے گا؟ جو مجنون ہوتا ہے پاگل ہوتا ہے اس کو تو باتیں سمجھ میں ہی نہیں آتیں ساری۔ تو لہٰذا عقل کا دخل سب میں ہے، عقل کا دخل سب میں ہے، البتہ باقیوں میں وضع یا طبع کا بھی دخل ہے۔ دلالتِ وضعیہ میں عقل کے ساتھ ساتھ کس کا دخل ہے؟ وضع کا بھی دخل ہے اس لیے اس کو دلالتِ وضعیہ کہا۔ اور دلالتِ طبعیہ میں عقل کے ساتھ ساتھ طبیعت کا بھی دخل ہے اس لیے اس کو دلالتِ طبعیہ کہا۔ اور تیسری قسم جو تھی اس میں نہ وضع کا دخل نہ طبع کا دخل تو اس کا نام کیا رکھ دیا؟ دلالتِ عقلیہ۔ تو یہ نہ سمجھیں کہ دلالتِ عقلیہ کا معنی یہ ہے اس میں عقل کا دخل ہے باقیوں میں عقل کا دخل نہیں۔ عقل کا دخل سب میں ہے، البتہ اس میں ایک میں وضع کا دخل تھا تو اس کا نام وضعیہ رکھ دیا، ایک کے اندر طبیعت کا دخل تھا تو اس کا نام دلالتِ طبعیہ رکھ دیا، اور تیسری میں نہ وضع کا دخل تھا نہ طبیعت کا اس لیے اس کا نام کیا رکھ دیا؟ دلالتِ عقلیہ رکھ دیا۔ بات اچھی طرح سمجھ میں آگئی؟

اب یہاں پر بات دلالتِ طبعیہ کی آئی تھی اس لیے اتنی تفصیل بیان کرنا پڑی۔ دیکھو بعض اوقات یہ طبیعت الفاظ کو وجود دیتی ہے، طبیعت۔ مثلاً ایک شخص کو کھانسی ہے، سینے میں تکلیف ہے تو وہ کھانستا ہے، اُخْ اُخْ کرتا ہے بھائی۔ اس سے دوسرے کو بھی پتہ چل جاتا ہے اس کے سینے میں تکلیف ہے۔ دیکھو اس کو پہلے سینے میں تکلیف ہوئی، پھر اس کی طبیعت نے وجود دیا کس کو؟ اُخْ اُخْ کو۔ توجہ ہے؟ تو طبیعت کو اس کی سینے میں تکلیف ہوئی اس کو تو پتہ ہے اس کو تو سینے میں تکلیف ہو رہی ہے لیکن اس تکلیف نے کس کو وجود دیا؟ اُخْ اُخْ یعنی دال کو وجود دیا، اور اس اُخْ اُخْ سے دوسروں کو بھی پتہ چل گیا کہ اس کو اس کو کھانسی ہے سینے میں تکلیف ہے۔ اب یہاں پر دیکھو یہ جو اُخْ اُخْ نے دلالت کی سینے کی تکلیف پر، کیا اُخْ اُخْ کو اس کے لیے وضع کیا گیا ہے؟ نہیں، یہاں وضع کا دخل نہیں۔ تو یہ خود بخود تکلیف کی وجہ سے یہ آواز اس سے نکلی ہے طبیعت نے اس کو وجود دیا ہے، اس میں وضع کا دخل نہیں۔ تو جب کلمہ کی تعریف آئی: اَلْكَلِمَةُ لَفْظٌ وُضِعَ کلمہ ایسا لفظ ہے جس کو وضع کیا گیا ہو، اور یہ جو اُخْ اُخْ نے سینے کی تکلیف پر دلالت کی، وضع کسے کہتے تھے؟ ایک شے سے دوسری شے کا پتہ چل جائے، یہاں بھی اُخْ اُخْ سے سینے کی تکلیف کا پتہ چلا یا نہیں؟ یہاں بھی اُخْ اُخْ سے سینے کی تکلیف کا پتہ چل گیا، تو یہاں دلالت تو یہاں بھی ہوئی لیکن اس میں وضع کا دخل نہیں۔ لہٰذا جب اَلْكَلِمَةُ لَفْظٌ وُضِعَ کہا تو مہملات بھی نکل گئے کیونکہ ان کا تو کوئی معنی ہی نہیں ہوتا وہاں وضع ہی نہیں ہوتی، اسی طرح دلالتِ طبعیہ بھی اس سے نکل گئی، وہ الفاظ بھی نکل گئے جو طبیعت کی وجہ سے دلالت کر رہے ہیں کیونکہ ان میں وضع کا دخل نہیں ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟

کہتے ہیں: فَخَرَجَ بِهِ الْمُهْمَلَاتُ وَالْأَلْفَاظُ الدَّالَّةُ بِالطَّبْعِ پس یہ جو وضع کی قید ہے اس کے ذریعے مہملات بھی نکل گئے اور وہ الفاظ جو دلالت کرتے ہیں طبیعت کی وجہ سے وہ الفاظ جو بالطبع دلالت کرتے ہیں وہ بھی نکل گئے۔ کیوں؟ إِذْ لَمْ يَتَعَلَّقْ بِهَا وَضْعٌ وَتَخْصِيصٌ أَصْلًا کیونکہ ان کے ساتھ وضع اور تخصیص کا تعلق نہیں ہے أَصْلًا أَيْ قَطْعًا، قطعی طور پر ان میں کوئی وضع نہیں۔ مہملات ان کا تو کوئی معنی ہی نہیں ہوتا وہاں تو وضع ہے ہی نہیں۔ اور یہ جو دلالت کر رہے ہیں کس کی وجہ سے؟

طبیعت کی وجہ سے اس میں بھی وضع کا دخل نہیں ہے۔ یہ معنی ہے إِذْ لَمْ يَتَعَلَّقْ بِهَا وَضْعٌ وَتَخْصِيصٌ أَصْلًا اس لیے کیونکہ ان کے ساتھ وضع اور تخصیص کا تعلق نہیں ہے قطعی طور پر۔

وَبَقِيَتْ حُرُوفُ الْهِجَاءِ ہاں حروفِ ہجا، حروفِ تہجی رہ گئے: ا، ب، ت، ث۔ ان کو مختلف آوازوں کے لیے وضع کیا گیا ہے، اور ان کا مقصد کیا ہے؟ تاکہ ان کو جوڑ کر الفاظ لکھے جائیں۔ آپ نے اگر زید لکھنا ہے تو آوازوں کے مطابق وہ حروف جوڑتے ہیں ز، ی، د اور آپ وہ لفظ لکھ لیتے ہیں۔ اب کوئی اور بھی اس کو پڑھے گا تو زید آسانی سے پڑھ لے گا۔ تو یہ جو حروفِ تہجی ہیں یہ مختلف آوازوں پر دلالت کرتے ہیں اور یہ خود بخود مقرر ہیں یا اہلِ زبان نے مقرر کیے ہیں؟ اہلِ زبان نے مقرر کیے ہیں، تو اس میں وضع ہے۔ ان میں کس کا دخل ہے؟ وضع کا دخل ہے۔ تو حروفِ تہجی ابھی بھی باقی ہیں۔ اَلْكَلِمَةُ لَفْظٌ وُضِعَ تو ابھی بھی حروفِ تہجی ہیں، لیکن آگے جب کہیں گے لِمَعْنًی تو اس سے حروفِ تہجی نکل جائیں گے، کیونکہ حروفِ تہجی جو ہیں وہ معنی کے لیے وضع نہیں کیے گئے بلکہ وہ ترکیب کے لیے وضع ہیں کہ ان کو جوڑ کر الفاظ کو لکھا جائے گا بھائی۔

تو کہتے ہیں: وَبَقِيَتْ حُرُوفُ الْهِجَاءِ اور باقی رہ گئے وہ حروفِ ہجا الْمَوْضُوعَةُ لِغَرَضِ التَّرْكِيبِ جن کو وضع کیا گیا ہے ترکیب کی مقصد کے لیے، ترکیب کی غرض اور مقصد کے لیے ان کو وضع کیا گیا ہے۔ ترکیب کا کیا معنی؟ جوڑنا کہ ان کو جوڑ کر الفاظ لکھیں گے۔ تو باقی رہ گئے وہ حروفِ ہجا جن کو وضع کیا گیا ہے ترکیب کی غرض کے لیے، لَا بِإِزَاءِ الْمَعْنٰى نہ کہ معنی کے مقابلے میں۔ یعنی وہ حروفِ ہجا جن کو ترکیب کے لیے وضع کیا گیا ہے معنی کے مقابلے میں ان کو وضع نہیں کیا گیا، ان کا کوئی معنی نہیں ہے بھائی۔ تو کہتے ہیں: وَخَرَجَتْ بِقَوْلِهِ لِمَعْنًی ہاں یہ جو حروفِ تہجی ہیں یہ پھر نکل گئے بِقَوْلِهِ لِمَعْنًی ماتن کے، ماتن کا قول جو ہے لِمَعْنًی اس کے ذریعے نکل گئے۔ إِذْ وَضْعُهَا لِغَرَضِ التَّرْكِيبِ لَا بِإِزَاءِ الْمَعْنٰى اس لیے کیونکہ ان حروفِ تہجی کی جو وضع ہے وہ ترکیب کی غرض سے ہے لَا بِإِزَاءِ الْمَعْنٰى معنی کے مقابلے میں نہیں ہے بھائی۔ ان کو معنی کے لیے وضع نہیں کیا گیا، الف، با، تا، ثا کوئی معنی سمجھ میں آرہا ہے آپ کو؟ نہیں، ان کو معنی کے لیے وضع ہی نہیں کیا گیا، ان کو ترکیب کے لیے وضع کیا گیا ہے کہ ان کو جوڑ کر الفاظ کو لکھا جائے۔ یہاں تک بات سمجھ میں آگئی؟

▪ متنِ کتاب و تحقیقِ مسائلِ نحویہ

فَإِنْ قُلْتَ قَدْ وُضِعَ بَعْضُ الْأَلْفَاظِ بِإِزَاءِ بَعْضٍ آخَرَ فَكَيْفَ يَصْدُقُ عَلَيْهِ أَنَّهُ وُضِعَ لِمَعْنًى۔

یہاں سے دو اعتراض ذکر کریں گے اور ان کے جوابات دیں گے بھائی۔ پہلا اعتراض یہ ذکر کریں گے: آپ نے کیا کہا؟ کلمہ کی کیا تعریف کی؟ اَلْكَلِمَةُ لَفْظٌ وُضِعَ لِمَعْنًی کلمہ ایسا لفظ ہے جس کو وضع کیا گیا ہوگا معنی کے لیے۔ بھائی بعض الفاظ ان کو تو الفاظ کے لیے وضع کیا جاتا ہے معنی کے لیے نہیں وضع کیا جاتا۔ مثلاً زید، عمرو، بکر، خالد اسم ہیں یا فعل ہیں یا حرف؟

جی مجھے، جی میں مختلف الفاظ بولوں گا آپ مجھے بتلائیے یہ اسم ہے، فعل ہے یا حرف۔ جی زید؟ اسم۔ عمرو؟ اسم۔ بکر؟ اسم۔ کتاب؟ اسم۔ اچھا اور ضَرَبَ؟ فعل۔ نَصَرَ؟ فعل۔ یَضْرِبُ؟ فعل۔ یَفْتَحُ؟ فعل۔ اچھا مِنْ؟ حرف۔ فِي؟ حرف۔ إِلٰی؟ دیکھا۔ تو دیکھا یہ اسم، فعل اور حرف ان کو تو معنی کے لیے نہیں وضع کیا گیا ان کو تو لفظ کے لیے وضع کیا گیا ہے۔ مثلاً زید یہ کیا ہے؟ اسم۔ بکر کیا ہے؟ اسم۔ کتاب کیا ہے؟ اسم۔ تو اسم کا لفظ معنی کے لیے وضع ہے یا یہ زید، عمرو، بکر، خالد وغیرہ ان کے لیے؟ ان کے لیے وضع ہے، اور یہ لفظ ہیں یا معنی ہیں؟ یہ لفظ ہیں، یہ کیا ہیں؟ لفظ ہیں۔ تو دیکھو لفظ کو لفظ کے لیے وضع کیا گیا ہے اور آپ نے تو ہمیں کیا کہا؟ لفظ وہ ہے جس کو معنی، تو یہ تو تعریف سے نکل گئے۔ تعریف سے، اسی طرح اسی طرح فعل جو ہے اس کو کس کے لیے وضع کیا گیا ہے؟ لفظ کے لیے۔ ضَرَبَ، یَضْرِبُ، اِضْرِبْ، لَا تَضْرِبْ یہ سب کیا ہیں؟ فعل۔ یہ لفظ ہیں نا؟ ان لفظوں کو کیا کہتے ہیں؟ فعل کہتے ہیں۔ تو فعل کو معنی کے لیے وضع کیا یا ان لفظوں کے لیے؟ لفظوں کے لیے۔ اسی طرح مِنْ، إِلٰی، فِي وغیرہ یہ کیا کہلاتے ہیں؟ ان کا نام کیا ہے؟ حرف۔ تو حرف کو تو ان کے لیے یہ جو مِنْ، فِي، إِلٰی وغیرہ کے لیے وضع کیا گیا ہے اور مِنْ، فِي، إِلٰی یہ سب کیا ہیں؟ لفظ۔ تو گویا ان لفظوں کو وضع کیا گیا ہے دوسرے لفظوں کے لیے، تو یہ تو تعریف سے خارج ہو گئے، کیونکہ آپ نے تو ہمیں بتلایا کلمہ کسے کہتے ہیں؟ وہ لفظ ہے جس کو وضع کیا گیا ہو معنی کے لیے وضع کیا گیا ہو۔

تو اس کا جواب دیں گے کہ بھائی ہم نے معنی کی جو تعریف کی مَا يُقْصَدُ بِشَيْءٍ جس کا ارادہ کیا جائے کس کے ساتھ؟ کسی چیز کے ذریعے۔ اس کا جواب دیں گے کہ بھائی معنی عام ہے کہ معنی وہ چیز ہے جس کے ساتھ قصد متعلق ہو جائے، جس کے ساتھ کیا متعلق ہو جائے؟ قصد یعنی ارادہ متعلق ہو جائے۔ اور جیسے ارادہ معنی کے ساتھ متعلق ہو جاتا ہے اسی طرح ارادہ لفظ کے ساتھ بھی متعلق ہو جاتا ہے۔ گلاس بولا اس سے آپ کے ذہن میں کیا آیا؟ پانی پینے والا ایک برتن۔ اسم بولا تو کیا سمجھ میں آیا؟ زید، عمرو، بکر، خالد، کتاب وغیرہ یہ سمجھ میں آ رہے ہیں۔ بات سمجھ میں آ گئی؟ تو معنی وہ چیز ہے جس کے ساتھ قصد متعلق ہو جائے چاہے وہ معنی اور مفہوم ہو چاہے وہ لفظ ہو۔ نہیں بات سمجھ میں آئی؟ دیکھیے کتاب پر دیکھیے میں پھر مزید تفصیل بیان کرتا ہوں۔ فَإِنْ قُلْتَ اگر آپ یہ کہیں۔

ہیں قَدْ وُضِعَ بَعْضُ الْأَلْفَاظِ بِإِزَاءِ بَعْضٍ آخَرَ کہ تحقیق وضع کیا گیا ہے بعض الفاظ کو بِإِزَاءِ بَعْضٍ آخَرَ بعض دوسرے الفاظ کے مقابلے میں، یعنی بعض لفظوں کو وضع کیا گیا ہے بعض دوسرے لفظوں کے مقابلے میں، فَكَيْفَ يَصْدُقُ عَلَيْهِ أَنَّهُ وُضِعَ لِمَعْنًى تو ان پر یہ تعریف کیسے صادق آئے گی کہ أَنَّهُ وُضِعَ لِمَعْنًى کہ وہ معنی کے لیے وضع کیے گئے ہیں؟ اسم تو معنی کے لیے نہیں وضع وہ تو لفظوں کے لیے وضع ہے، فعل تو معنی کے لیے نہیں وضع بلکہ لفظوں کے لیے وضع ہے۔ قُلْنَا ہم کہتے ہیں جواب دے رہے ہیں: اَلْمَعْنٰی مَا يَتَعَلَّقُ بِهِ الْقَصْدُ معنی وہ چیز ہے جس کے ساتھ قصد متعلق ہو جائے، جس کے ساتھ ارادہ متعلق ہو جائے اس کو معنی کہتے ہیں، چاہے وہ مفہوم ہو چاہے وہ لفظ ہو۔ گلاس بولا اور کس کا ارادہ کیا؟ پانی پینے والا ایک

برتن۔ تو دیکھو یہاں کس کے ساتھ تعلق کس کا ارادہ کیا؟ مفہوم کا، کس کا ارادہ کیا؟ مفہوم اور معنی کا ارادہ کیا۔ اور اسم بولا اور کس کا ارادہ کیا؟ زید، عمرو اور بکر کا۔ تو جس کے ساتھ بھی ارادہ متعلق ہو جائے چاہے وہ مفہوم کے ساتھ متعلق ہو جائے چاہے لفظ کے ساتھ متعلق ہو جائے۔ توجہ ہے؟ یا یوں کہو جس کے ساتھ ارادہ متعلق ہو جائے چاہے وہ معنی ہو چاہے لفظ ہو سب اس میں آ گئے۔ معنی کسے کہتے ہیں؟ جس کے ساتھ ارادہ متعلق ہو جائے، توجہ نہیں ہے میرا خیال سبق کی طرف۔ معنی کسے کہتے ہیں؟ جس کا یعنی جس کا ارادہ کیا جائے، معنی کسے کہتے ہیں؟ جس کا ارادہ کیا جائے۔ ارادہ کرنا عام ہے، معنی کا بھی ارادہ کیا جا سکتا ہے اور لفظ کا بھی ارادہ کیا جا سکتا ہے۔ بات سمجھ میں آ گئی؟ قُلْنَا ہم جواب میں کہتے ہیں: اَلْمَعْنٰی مَا یَتَعَلَّقُ بِهِ الْقَصْدُ معنی وہ چیز ہے جس کے ساتھ قصد کا تعلق ہو جائے، وَهُوَ أَعَمُّ مِنْ أَنْ یَّكُونَ لَفْظًا أَوْ غَیْرَهُ اور وہ عام ہے اس سے کہ وہ لفظ ہو یا غیرِ لفظ یعنی مفہوم ہو۔ چاہے وہ لفظ ہو چاہے مفہوم۔ لفظ کے ساتھ بھی ارادے کا تعلق ہو جاتا ہے اور مفہوم کے ساتھ بھی ارادے کا تعلق ہو جاتا ہے۔ یہاں تک بات سمجھ میں آ گئی؟

پھر سنو دیکھو صاحبِ جامی جو ہیں انہوں نے معنی کی کیا تعریف کی تھی ذرا دیکھو۔ معنی کی تعریف انہوں نے کیا کی تھی؟ مَا یُقْصَدُ بِشَیْءٍ مَا وہ جس کا ارادہ کیا جائے کسی چیز کے ذریعے، معنی وہ ہے جس کا ارادہ کیا جائے کسی چیز کے ذریعے۔ یہاں دیکھو مَا عام ہے، جس کا بھی ارادہ کیا جائے کسی چیز کے ذریعے وہ معنی کہلائے گی۔ وہ مفہوم بھی ہو سکتا ہے اور وہ لفظ بھی ہو سکتا ہے۔ لیکن پھر بھی اعتراض کو گویا تسلیم کرتے ہوئے جواب دے رہے ہیں۔ وجہ یہ کہ عموماً عام طور پر بول چال میں لفظ اور معنی کو ایک دوسرے کی ضد سمجھا جاتا ہے کہ لفظ اور ہے معنی اور ہے۔ بتلانا یہ چاہتے ہیں کہ نہیں معنی کا اطلاق کس پر ہو سکتا ہے؟ لفظ پر بھی اطلاق ہو سکتا ہے۔ کیونکہ معنی اس کو کہتے ہیں جس کا ارادہ کیا جائے، اگر مفہوم کا ارادہ کیا جائے تو وہ معنی اور اگر لفظ کا ارادہ کیا جائے تو وہ معنی کہلائے گا۔ تو عام طلباء کیا سمجھتے ہیں؟ کہ لفظ اور معنی ایک دوسرے کی ضد ہیں، جو لفظ ہے وہ معنی نہیں اور جو معنی ہے وہ لفظ نہیں، لیکن انہوں نے بتا دیا کہ معنی کس کو کہتے ہیں؟ جس کا ارادہ کیا جائے، اور وہ ارادہ لفظ کا بھی ہو سکتا ہے اور مفہوم کا بھی ہو سکتا ہے گویا لفظ بھی معنی کے تحت داخل ہو جاتا ہے۔ اس کو بھی معنی کہہ سکتے ہیں جب اس کا ارادہ کیا جائے۔

آگے دیکھیے کہتے ہیں: فَإِنْ قُلْتَ قَدْ وُضِعَ بَعْضُ الْكَلِمَاتِ الْمُفْرَدَةِ بِإِزَاءِ الْأَلْفَاظِ الْمُرَكَّبَةِ كَلَفْظِ الْجُمْلَةِ وَالْخَبَرِ فَكَیْفَ یَكُونُ مَوْضُوعًا لِمُفْرَدٍ۔

یہاں ایک اور اعتراض کر رہے ہیں بھائی۔ اعتراض یہ اعتراض یہ کہ آپ نے پہلے اعتراض کا جواب دے کر تو جان چھڑا لی اب دوسرے اعتراض کا کیا جواب دیں گے؟ وہ کس طرح؟ کہتے ہیں زَیْدٌ قَائِمٌ اس کو آپ کیا کہتے ہیں؟ جملہ۔ کیا کہتے ہیں؟ جملہ کہتے ہیں، یا اسی طرح اس کو خبر بھی کہتے ہیں۔ جملہ کسے کہتے ہیں؟ جملہ کسے کہتے ہیں؟ یاد رکھو بعض علماء فرماتے ہیں

کہ جملہ اور کلام مترادف ہیں۔ کلام کس کو کہتے ہیں؟ مَا تَضَمَّنَ كَلِمَتَيْنِ بِالْإِسْنَادِ، جو جس میں دو کلمے ہوں اور ان کے درمیان کیا ہو؟ اسناد ہو اور اس سے کیا ہو؟ فائدہ پورا حاصل ہو، بات پوری معلوم ہو جائے اس کو کیا کہتے ہیں؟ کلام۔ توجہ ہے؟ یعنی جملہ جو فائدہ دے، جو مفید ہو اسی کو جملہ کہتے ہیں۔ جبکہ بعض علماء فرق کرتے ہیں، وہ کہتے ہیں جملہ جو ہے وہ عام ہے وہ مفید بھی ہو سکتا ہے غیرِ مفید بھی ہو سکتا ہے۔ مفید جس میں بات پوری ہو جو پورا فائدہ دے، غیرِ مفید جس میں بات پوری نہ ہو۔ جیسے مثلاً مثلاً میں کہتا ہوں إِنْ ضَرَبْتَ زَيْدًا فَأَضْرِبُكَ، إِنْ ضَرَبْتَ زَيْدًا اگر آپ نے زید کی پٹائی کی فَأَضْرِبُكَ تو میں آپ کی پٹائی کروں گا۔ اب دیکھو یہ پورا کلام ہے، یہ کیا ہے؟ اس پورے شرط اور جزا کو ملائیں تو یہ کلامِ مفید ہے، اور اگر صرف شرط کو لے لیں جزا کو ہٹا دیں، إِنْ ضَرَبْتَ زَيْدًا اگر آپ نے زید کی پٹائی کی، یہ کلامِ مفید نہیں ہے۔ کیا اس میں بات پوری ہے؟ کسی کو سارا دن بھی کہتے رہیں اگر آپ نے زید کی پٹائی کی اگر آپ نے زید کی پٹائی کی وہ کہے گا بھائی بات تو پوری کریں آپ کیا کہنا چاہتے ہیں؟ تو یہ بات پوری نہیں لیکن اس کو بھی جملہ کہیں گے۔ اس کو بھی کیا کہیں گے؟ کیونکہ جملہ کہتے ہیں کہ کم از کم دو کلمے ہوں اور ان کے درمیان اسناد پایا جائے۔ اور إِنْ ضَرَبْتَ زَيْدًا اس میں دو سے زیادہ کلمے ہیں اور اسناد بھی ہے إِنْ ضَرَبْتَ، ضَرَبْتَ فعل ہے تَا ضمیر اس کا فاعل ہے تو اسناد بھی پایا جا رہا ہے۔ تو جملہ عام ہے وہ مفید بھی ہو سکتا ہے اور غیرِ مفید۔ یہ جملہ کیا تھا إِنْ ضَرَبْتَ زَيْدًا؟ یہ مفید ہے یا غیرِ مفید؟ ہاں؟ یہ مفید ہے اس میں بات پوری ہے یا نہیں؟ جب بات پوری نہیں تو یہ غیرِ مفید ہے۔ مفید جس سے فائدہ حاصل ہو یعنی بات پوری ہو جائے۔ تو إِنْ ضَرَبْتَ زَيْدًا یہ کیا ہے؟ غیرِ مفید، لیکن اس کو جملہ کہیں گے۔ اس کو یہ کلام تو نہیں یا یوں کہیں جملۂ مفیدہ تو نہیں لیکن جملہ ہے۔ جبکہ بعض علماء فرماتے ہیں کہ جملہ صرف کلامِ مفید کو کہتے ہیں، غیرِ مفید کو جملہ نہیں کہیں گے۔

اچھا دوسرا یہاں لفظ آئے گا خبر، خبر بھی سمجھ لیں۔ خبر کہتے ہیں وہ کلام جو يَحْتَمِلُ الصِّدْقَ وَالْكَذِبَ، جو سچ اور جھوٹ دونوں کا احتمال رکھے۔ مثلاً میں نے کہا زَيْدٌ عَالِمٌ، زید عالم ہے۔ ہو سکتا ہے یہ بات سچی ہو، ہو سکتا ہے یہ بات جھوٹی ہو۔ یعنی جملۂ خبریہ جو ہے اسی کو خبر کہہ دیتے ہیں۔ جملۂ خبریہ ہی کو کیا کہہ دیتے ہیں؟ خبر ہے، بھائی آپ بھی کہتے ہیں أَيْنَ زَيْدٌ زید کہاں ہے؟ یہ سوال پوچھا جا رہا ہے آپ کہتے ہیں یہ انشاء ہے، اور ضَرَبَ زَيْدٌ یہ خبر ہے۔ توجہ ہے؟ تو یہاں لفظِ خبر ابھی آئے گا، خبر سے کیا مراد ہے؟ جملۂ خبریہ مراد ہے۔ توجہ ہے؟ جی جملۂ خبریہ مراد ہے۔

تو اب یہاں دوسرا اعتراض کر رہے ہیں، اعتراض یہ کہ کبھی کبھار پورے جملے کے لیے ایک لفظ مقرر کر لیا جاتا ہے جیسے زَيْدٌ قَائِمٌ اس کو کیا کہتے ہیں؟ جملہ، اس کو اس کو کیا کہتے ہیں؟ جُمْلَةٌ یہ جملہ ہے، یا اسی طرح اس کو کیا کہتے ہیں؟ یہ خبر ہے یعنی جملۂ خبریہ ہے۔ توجہ ہے؟ یہاں پھر ایک اور بات سمجھ لیں۔ ایک ہوتا ہے مفرد اور ایک ہے مرکب آپ منطق میں پڑھ چکے ہوں گے۔ مفرد کسے کہتے ہیں؟ کہ جزِ لفظ جزِ معنی پر دلالت نہ کرے۔ اور اگر جزِ لفظ جزِ معنی پر دلالت کرے تو اس کو کیا کہتے ہیں؟ مرکب کہتے ہیں۔ توجہ ہے؟ مفرد کسے کہتے ہیں کہ جزِ لفظ جزِ معنی پر دلالت نہ کرے اور جزِ لفظ جزِ معنی پر

دلالت کرے تو اسے مرکب کہتے ہیں بھائی۔ تو مفرد کسے کہتے ہیں کہ جزِ لفظ جزِ معنی پر دلالت نہ کرے اور اگر جزِ لفظ جزِ معنی پر دلالت کرے تو اسے مرکب کہتے ہیں۔ مثلاً زید ایک شخص کا نام ہے، تو دیکھو یہ زید مفرد ہے کیونکہ یہاں یہ جزِ لفظ، لفظ کے جز کیا ہیں؟ ز، ی، د۔ جزِ لفظ جزِ معنی پر دلالت نہیں کر رہا، یعنی ز سے زید کا سر مراد ہو، ی سے اس کا باقی دھڑ مراد ہو، د سے اس کی ٹانگیں مراد ہوں، یہاں ایسا نہیں ہے۔ جزِ لفظ سے جزِ معنی پر دلالت یہاں نہیں ہے تو اس کو کیا کہیں گے کہ یہ مفرد ہے۔ اور کبھی جزِ لفظ جزِ معنی پر دلالت کرتا ہے مثلاً میں کہتا ہوں زَیْدٌ قَائِمٌ زید قائم ہے زید کھڑا ہے۔ تو دیکھو یہاں دو لفظ ہیں ایک زید اور ایک قائم، زید کا اپنا معنی زید سے مراد ایک خاص شخص ہے تو دیکھو یہ اس پر دلالت کر رہا ہے اور قائم کیا معنی جو قیام کے ساتھ متصف ہو اور یہ اس معنی پر دلالت کر رہا ہے۔ تو لفظ کیا ہے؟ زَیْدٌ قَائِمٌ، یہ سارا کیا ہے؟ لفظ ہے نا، لفظ قلیل اور کثیر سب پر بولا جاتا ہے۔ تو زَیْدٌ قَائِمٌ کیا ہے؟ لفظ، اور یہاں جزِ لفظ کیا کر رہا ہے؟ جزِ معنی پر دلالت کر رہا ہے۔ زَیْدٌ قَائِمٌ کا پورا معنی کیا؟ زید کھڑا ہے، اس میں سے زَیْدٌ قَائِمٌ اس میں سے جو زید ہے وہ معنی کے اندر جو زید ہے اس مفہوم پہ دلالت کر رہا ہے اور قَائِمٌ کا کیا معنی ہے؟ کھڑا ہے تو یہ معنی کے جز پر دلالت کر رہا ہے، جزِ لفظ کیا کر رہا ہے؟ جزِ معنی پر دلالت کر رہا ہے۔

اب اشکال یہاں یہ ہوتا ہے کہ آپ نے الکلمۃ کی تعریف کی اَلْکَلِمَۃُ لَفْظٌ وُضِعَ لِمَعْنًی مُفْرَدٍ کلمہ وہ لفظ ہے جس کو وضع کیا گیا ہو مفرد معنی کے لیے۔ توجہ ہے؟ مفرد معنی کے لیے وضع کیا گیا ہو، لیکن ہم آپ کو دکھاتے ہیں کہ مرکب معنی کے لیے لفظ کو وضع کیا گیا اور اس کو کلمہ کہتے ہیں۔ جیسے جملہ۔ جملہ کسے کہتے ہیں؟ مثلاً زَیْدٌ قَائِمٌ یہ کیا ہے؟ جملہ ہے، یا اس کا دوسرا نام کیا ہے؟ یہ خبر ہے۔ یہ خبر ہے۔ جملے کا کیا معنی؟ زَیْدٌ قَائِمٌ، زَیْدٌ قَائِمٌ اور زَیْدٌ قَائِمٌ کا کیا معنی؟ زید کھڑا ہے، تو جزِ لفظ جزِ معنی پر دلالت کر رہا ہے یا نہیں کر رہا؟ کر رہا ہے، تو یہ مفرد ہے یا مرکب ہے؟ یہ مرکب، جزِ لفظ کیا کر رہا ہے؟ جزِ معنی پر دلالت کر رہا ہے، زَیْدٌ قَائِمٌ جزِ لفظ کیا کر رہا ہے؟ جزِ معنی پر دلالت کر رہا ہے، تو زَیْدٌ قَائِمٌ مرکب ہے اور اس مرکب کا کیا نام رکھا؟ جملہ، اس کو کیا کہتے ہیں؟ جملہ۔ تو دیکھو آپ نے پہلے کیا کہا تھا؟ معنی عام ہے وہ مفہوم بھی ہو سکتا ہے اور لفظ بھی ہو سکتا ہے اور معلوم ہوا زَیْدٌ قَائِمٌ اس کو کیا کہتے ہیں؟ جملہ کہتے ہیں یا خبر کہتے ہیں، اور تو یہ اس کا معنی ہوا۔ توجہ ہے؟ جملے کو مثلاً کس کے لیے وضع کیا گیا ہے؟ زَیْدٌ قَائِمٌ، بَکْرٌ عَالِمٌ کوئی بھی جملہ لے آئیں کوئی بھی لے آئیں میں تو مثال کے طور پر ایک جملہ لے آیا۔ جملہ کسے کہتے ہیں؟ جس میں جو دو کلمے ہوں اور درمیان میں کیا ہو؟ اسناد پایا جائے تو یہاں بھی زَیْدٌ قَائِمٌ میں اسناد ہے کہ نہیں؟ تو یہ جملہ ہے، تو آپ نے ہمیں کیا کہا؟ اَلْکَلِمَۃُ لَفْظٌ وُضِعَ لِمَعْنًی، مَعْنًی سے کیا مراد لیا؟ کہ معنی عام ہے وہ لفظ بھی ہو سکتا ہے اور معنی بھی ہو سکتا ہے۔ توجہ ہے؟ تو گویا زَیْدٌ قَائِمٌ کو کیا ہم کہتے ہیں؟ خبر، تو گویا خبر بول کر ہم کس کا ارادہ کرتے ہیں؟ زَیْدٌ قَائِمٌ کا۔ مثلاً کوئی بھی جملہ لے لو، خبر بول کر یا جملہ بول کر ہم کس کا ارادہ کرتے ہیں؟ زَیْدٌ قَائِمٌ، گویا جملے کا معنی کیا؟ زَیْدٌ قَائِمٌ، جس کا ارادہ کیا گیا چاہے وہ لفظ ہو چاہے معنی ہو یہاں کس کا ارادہ کیا گیا؟ لفظوں کا ارادہ

کیا گیا نا۔ اپنی کاپی کھولیں اس میں لکھیں، کاپی میں لکھیں مثال پھر آپ کو بات سمجھ میں آئے گی۔ سب سے اوپر لکھ لیں خَبَرٌ اور اس سے تھوڑے فاصلے پر لکھ لیں جُمْلَةٌ، جی اسی لکیر میں، پہلے لکھ لیں خَبَرٌ اور پھر جُمْلَةٌ۔ لکھ لیا؟ اب اس سے نیچے ایک سطر چھوڑ کر لکھیں زَيْدٌ قَائِمٌ، زَيْدٌ قَائِمٌ، پھر تھوڑے فاصلے پر لکھیں بَكْرٌ عَالِمٌ۔ دیکھو ان میں سے ہر ایک کیا ہے؟ جملہ بھی ہے یہ جو آپ نے نیچے لکھے زَيْدٌ قَائِمٌ اور بَكْرٌ عَالِمٌ یہ دونوں کیا ہیں؟ جملے، اور جملے بھی کون سے ہیں؟ جس کے کہنے والے کو سچا یا جھوٹا کہا جا سکتا ہے تو جملۂ خبریہ ہیں، تو یہ جملے بھی ہیں اور خبر بھی ہیں۔ تو جملے کا لفظ وضع ہے ان دونوں کے لیے، زَيْدٌ قَائِمٌ کے لیے بھی اور بَكْرٌ عَالِمٌ کے لیے اور بھی جو بھی آپ جملہ لے آئیں گے اس کو ہم جملہ کہہ سکتے ہیں، اور اسی طرح جو بھی جملۂ خبریہ لے آئیں گے اس کو ہم خبر کہتے ہیں۔ پہلا جملہ کیا؟ زَيْدٌ قَائِمٌ اس کے نیچے لکھیے زید کھڑا ہے ایک سطر چھوڑ کر، زید کھڑا ہے، اور بَكْرٌ عَالِمٌ کے نیچے لکھیے بکر عالم ہے، بکر عالم ہے۔ لکھ لیا؟ اب دیکھو بھائی ذرا جملے پہ نظر رکھو، زَيْدٌ قَائِمٌ کیا ترجمہ؟ زید کھڑا ہے، یہ زَيْدٌ قَائِمٌ، زَيْدٌ قَائِمٌ مفرد ہے یا مرکب ہے؟ جزِ لفظ جزِ معنی پر دلالت کر رہا ہے یا نہیں کر رہا؟ کر رہا ہے تو یہ زَيْدٌ قَائِمٌ کیا ہے؟ مرکب ہے۔ اسی طرح بَكْرٌ عَالِمٌ یہ بھی کیا ہے؟ مرکب ہے کیونکہ جزِ لفظ جزِ معنی پر دلالت کر رہا ہے، بَكْرٌ کا معنی اور اور عَالِمٌ کا معنی اور اور دونوں اپنے اپنے معنی پر دلالت کر رہے ہیں تو جزِ لفظ جزِ معنی پر دلالت کر رہا ہے۔ تو یہ دونوں مرکب ہوئے، اور آپ کو انہوں نے بتلایا تھا معنی کسے کہتے ہیں؟ معنی مفہوم بھی ہو سکتا ہے اور لفظ بھی ہو سکتا ہے، تو زَيْدٌ قَائِمٌ یہ بھی لفظ ہے یا

یا نہیں؟ جی۔ زَيْدٌ قَائِمٌ بھی کیا ہے؟ لفظ۔ اور بَكْرٌ عَالِمٌ بھی کیا ہے؟ لفظ۔ اور جب ہم کہتے ہیں جملہ، تو یہ جملہ ان پر صادق آتا ہے یا نہیں؟ ان دونوں میں سے ہر ایک کیا ہے؟ جملہ، اور دونوں میں سے ہر ایک کیا ہے؟ خبر بھی ہے۔ تو گویا یہ جو زَيْدٌ قَائِمٌ آیا یہ معنی ہے جملے کا۔ اوپر لفظ کیا لکھا؟ اوپر لفظ کیا لکھا سب سے اوپر؟ خبر۔ اس خبر کا کیا معنی؟ زَيْدٌ قَائِمٌ۔ اسی طرح بَكْرٌ عَالِمٌ۔ اسی طرح دوسرا لفظ کیا لکھا سب سے اوپر؟ جملہ۔ تو جملے کا کیا معنی؟ زَيْدٌ قَائِمٌ، اور اسی طرح بَكْرٌ عَالِمٌ۔ بھائی جملہ بول کر یہ پورا جملہ مراد ہے، تو یہ اس کا معنی ہو گیا۔ معنی کسے کہتے ہیں؟ جس کا ارادہ کیا جائے، جس کا ارادہ کیا جائے۔ تو خبر کے ذریعے کس کا ارادہ کیا؟ زَيْدٌ قَائِمٌ کا بھی ارادہ، اسی طرح کر سکتے کوئی بھی جملہ لے آئیں زَيْدٌ قَائِمٌ کا بھی ارادہ ہو سکتا ہے اور بَكْرٌ عَالِمٌ کا بھی ارادہ ہو سکتا ہے۔ اور زَيْدٌ قَائِمٌ بھی مرکب اور بَكْرٌ عَالِمٌ بھی مرکب ہے۔ تو یہ دیکھو یہ جو اوپر خبر لکھا نیچے یہ دونوں اس کے معنی ہیں، اوپر جو جملہ لکھا نیچے یہ دونوں اس کے معنی ہیں۔ نہیں سمجھ میں آ رہی بات؟ خبر، سب سے پہلی سطر پہ نظر رکھو خبر، خبر کسے کہتے ہیں؟ زَيْدٌ قَائِمٌ کو، اسی طرح اور کس کو کہتے ہیں؟ بَكْرٌ عَالِمٌ کو۔ تو معلوم ہوا خبر بول کر یہ مراد ہیں، یعنی یہ اس کا معنی ہے یہ خبر کا معنی۔ معنی وہ ہے نا جس کا ارادہ کیا جائے چاہے وہ مفہوم ہو چاہے لفظ ہو۔ یہاں ہم کس کا ارادہ کر رہے ہیں؟ لفظ کا۔ تو خبر بول کر یہ دونوں جملے مراد ہو سکتے ہیں، جملہ بول کر بھی یہ مراد ہو سکتے ہیں، تو یہ جملے اور خبر کا معنی ہو گئے۔ اور معنی کے اندر کیا قید لگائی ہے؟ اَلْكَلِمَةُ لَفْظٌ وُضِعَ لِمَعْنًى مُفْرَدٍ کلمہ وہ

لفظ ہے جس کو وضع کیا گیا ہو مفرد معنی کے لیے۔ اور یہاں پر زَيْدٌ قَائِمٌ یہ مفرد ہے یا مرکب ہے؟ یہ تو مرکب ہے، جزِ لفظ کیا کر رہا ہے؟ جزِ معنی پر دلالت کر رہا ہے۔ یہ تو جملہ کا لفظ کس کے لیے وضع کر دیا؟ جملے کا لفظ کس کے لیے وضع ہے؟ زَيْدٌ قَائِمٌ کے لیے، اور وہ کیا ہے؟ مرکب۔ تو گویا جملے کا معنی مرکب ہوا، جملے کا معنی مرکب۔ اور اس جملے کو سب کلمہ کہتے ہیں کہ جملہ کیا ہے؟ کلمہ۔ اور آپ نے کلمہ کی تعریف کیا کی تھی؟ وہ لفظ جس کو مقرر کیا جائے مفرد معنی کے لیے۔ اور یہاں مفرد معنی ہے یا مرکب ہے؟ مرکب معنی ہے، تو پھر تو یہ کلمہ کی تعریف سے خارج ہو رہا ہے، یا یوں کہیں کہ اس کا معنی تو مرکب ہے لیکن پھر بھی اس کو کیا کہا جاتا ہے؟ کلمہ کہا جاتا ہے۔ اسی طرح خبر جو ہے اس کا معنی بھی کیا ہے؟ مرکب ہے، خبر کا کیا معنی؟ زَيْدٌ قَائِمٌ یا اسی طرح بَكْرٌ عَالِمٌ، کوئی بھی جملۂ خبریہ لے آؤ۔ تو یہاں لفظ کو کس کے مقابلے میں وضع کیا گیا؟ مرکب معنی کے لیے وضع کیا گیا اور اس کو کلمہ کہتے ہیں، حالانکہ کلمہ میں تو کس چیز کی قید ہے کہ معنی مفرد ہونا چاہیے۔ اشکال سمجھ میں آیا؟

اب دیکھیے کتاب پر۔ کہتے ہیں: فَإِنْ قُلْتَ اگر آپ یہ اعتراض کریں قَدْ وُضِعَ بَعْضُ الْكَلِمَاتِ الْمُفْرَدَةِ بِإِزَاءِ الْأَلْفَاظِ الْمُرَكَّبَةِ، إِزَاءٌ کا معنی ہوتا ہے مقابلے میں، مقابلے میں۔ اگر آپ یہ کہیں کہ قَدْ وُضِعَ بَعْضُ الْكَلِمَاتِ الْمُفْرَدَةِ کہ وضع کیا گیا ہے بعض کلماتِ مفردہ کو بِإِزَاءِ الْأَلْفَاظِ الْمُرَكَّبَةِ الفاظِ مرکبہ کے مقابلے میں كَلَفْظِ الْجُمْلَةِ وَالْخَبَرِ جیسے کہ لفظِ جملہ اور خبر ہے، ان کو کس کے لیے مقرر کیا گیا ہے؟ الفاظِ۔ پھر سنو پہلے اعتراض یہ ہوا تھا کہ کلمہ کس کو کہتے ہیں؟ وہ لفظ ہے جس کو کس کے لیے وضع کیا گیا ہو؟ معنی کے لیے۔ تو اس پر اشکال ہوا تھا کہ بعض اوقات کلمہ کو لفظ کے لیے وضع کیا جاتا ہے معنی کے لیے وضع نہیں کیا جاتا، جیسے اسم کس کو کہتے ہیں؟ کتاب، زید، عمرو، بکر، قلم وغیرہ یہ سب کیا ہیں؟ اسم۔ تو اسم کو تو لفظ کے لیے وضع کیا گیا ہے اور آپ نے تو کیا کہا؟ جس کو معنی کے لیے وضع کیا جائے، تو انہوں نے جواب دے دیا کہ معنی عام ہے وہ لفظ بھی ہو سکتا ہے اور معنی بھی ہو سکتا ہے۔ طلباء عموماً سمجھتے ہیں کہ معنی صرف کس کا نام ہے؟ مفہوم کا نام ہے، لفظ اور معنی ایک دوسرے کے مقابل ہیں۔ کہتے ہیں نہیں نہیں معنی عام ہے، جس سے بھی ارادے کا تعلق ہو جائے اس کو معنی کہیں گے۔ پھر دوسرا اشکال ہوا کہ یہاں تو آپ نے اعتراض کا جواب دے کر جان چھڑا لی، آگے اعتراض کا کیا جواب دیں گے؟ آپ کی تقریر سے معلوم ہوا کہ معنی لفظ بھی ہو سکتا ہے، معنی لفظ بھی ہو سکتا ہے، تو اس کا مطلب یہ ہے کہ زَيْدٌ قَائِمٌ یہ کیا ہے؟ الفاظِ مرکبہ، ان کا نام کیا ہے؟ جملہ یا خبر، جملہ یا خبر، تو جملہ اور خبر تو خود مفرد ہے لیکن اس کا معنی کیا ہے؟ زَيْدٌ قَائِمٌ وہ کیا ہے؟ وہ مرکب ہے کیونکہ جزِ لفظ کس پر دلالت کر رہا ہے؟ جزِ معنی پر دلالت کر رہا ہے۔ تو جملہ بول کر کیا مراد؟ معنی عام ہے نا کلمہ وہ ہے جس کو وضع کیا جائے کس کے لیے؟ معنی کے لیے، اور معنی لفظ بھی ہو سکتا ہے یا نہیں؟ تو زَيْدٌ قَائِمٌ یہ بھی کیا ہے؟ لفظ ہے اور جملے سے یہ مقصود ہوتا ہے اس کا ارادہ کیا جاتا ہے تو یہ کیا ہوا؟ جملے کا معنی ہوا، اور یہ خود یہ تو مرکب ہے جزِ لفظ کس پر دلالت کر رہا ہے؟ جزِ معنی پر، تو اس کو پھر کلمہ کیسے کہیں گے؟ کلمہ میں تو

آپ نے کہہ دیا کہ وہ معنی کیسا ہونا چاہیے؟ مفرد، اور یہاں تو یہ معنی زَیْدٌ قَائِمٌ جو معنی ہے جو الفاظ ہیں وہ تو مفرد نہیں ہیں۔ اعتراض سمجھ میں آیا؟

کہتے ہیں: فَإِنْ قُلْتَ قَدْ وُضِعَ بَعْضُ الْكَلِمَاتِ الْمُفْرَدَةِ بِإِزَاءِ الْأَلْفَاظِ الْمُرَكَّبَةِ کہ تحقیق وضع کیا گیا ہے بعض کلماتِ مفردہ کو الفاظِ مرکبہ کے مقابلے میں جیسے لفظِ جملہ اور خبر ہے فَكَيْفَ يَكُونُ مَوْضُوعًا لِمُفْرَدٍ تو پھر یہ موضوع لِمُفْرَدٍ کیسے ہوں گے؟ تو یہ پھر موضوع لِمُفْرَدٍ کیسے ہوئے؟ بھئی یہ تو موضوع لِمُرَكَّبٍ ہیں بھائی، ان کو تو کلمہ کی تعریف سے خارج ہونا چاہیے۔ تو اس کا جواب دیں گے۔

جی یہ جو میں نے لکھوایا ذرا اس پہ نظر رکھو۔ یہاں جو جملہ ہے زَیْدٌ قَائِمٌ اس میں دو حیثیتیں ہیں۔ زَیْدٌ قَائِمٌ کی دو حیثیتیں ہیں، اس کے معنی پہ نظر کرو جو نیچے ہے معنی، کیا معنی؟ زید کھڑا ہے، ہاں معنی کے اعتبار سے یہ مرکب ہے۔ معنی کے اعتبار سے یہ مرکب ہے کیونکہ جزِ لفظ کس پر دلالت کر رہا ہے؟ جزِ معنی پر۔ لیکن زَیْدٌ قَائِمٌ کو ہم کہتے کیا ہیں؟ خبر ہے یا کیا کہتے ہیں؟ جملہ۔ تو یہ جملے کا کیا ہو گئے؟ معنی۔ اور بتائیے جملے کا جیم یہاں زَیْدٌ قَائِمٌ کے جزپہ دلالت کر رہا ہے؟ جملے کا میم جزپہ دلالت کر رہا ہے؟ جملے کا لام؟ تو جملے میں ج، م، ل وغیرہ وہ نیچے اپنے معنی کے جزپر دلالت نہیں کر رہے۔ اسی طرح اگر اس کو خبر کہیں تو خبر کی خا کیا اس کے زَیْدٌ قَائِمٌ کے کسی جزپہ دلالت کر رہی ہے؟ تو خبر کی خ، ب، ریہاں کسی معنی کے کسی جزپر دلالت نہیں کر رہی، لہٰذا اس کو مفرد ہی کہیں گے، اس کو مرکب نہیں کہیں گے۔ توجہ ہے؟ پھر سنو یہ جو زَیْدٌ قَائِمٌ ہے اس میں دو حیثیتیں ہیں، ایک اس کے معنی کی طرف نظر کریں یا یوں کہیں اس میں دو اعتبار ہیں، دو اعتبار ہیں۔ یہ جو زَیْدٌ قَائِمٌ کو اگر دیکھیں اس کے معنی کی طرف نظر کرتے ہوئے تو یہ مرکب ہے، اور زَیْدٌ قَائِمٌ کو دیکھیں کہ اس کا نام تو جملہ ہے بِاِعْتِبَارِ یہ مفرد ہے کیونکہ جزِ لفظ جزِ معنی پر دلالت نہیں کر رہا۔ جملہ کا ج، م، ل یہ زَیْدٌ قَائِمٌ کے اجزاء پر دلالت نہیں کر رہا، اسی طرح خبر کی خ، ب اور یہ زَیْدٌ قَائِمٌ کے جزپر دلالت نہیں کر رہی۔ بات سمجھ میں آگئی؟ اچھی طرح بات بھی سمجھ میں آئی یا ویسے سر ہلا رہے ہیں؟ یہ دیکھو زَیْدٌ قَائِمٌ میں دو حیثیتیں ہیں، ایک حیثیت ہے اس کے ترجمے کی طرف نظر کرتے ہوئے، اور ایک حیثیت ہے اس کے نام یعنی خبر یا جملے کی طرف نظر کرتے ہوئے۔ اگر زَیْدٌ قَائِمٌ کے معنی پر نظر کی جائے تو زَیْدٌ قَائِمٌ کو مرکب کہنا پڑے گا کیونکہ جزِ لفظ کس پر دلالت کر رہا ہے؟ جزِ معنی پر۔ اور زَیْدٌ قَائِمٌ کا نام کیا ہے؟ جملہ ہے اور خبر ہے، تو اس نام کی طرف نظر کرتے ہوئے اس کو مفرد کہیں گے کیونکہ جزِ لفظ جزِ معنی پر دلالت نہیں کر رہا۔ بات اچھی طرح سمجھ میں آگئی؟ تو معلوم ہوا ایک ہی شے مفرد بھی ہو سکتی ہے اور مرکب بھی دو مختلف اعتبار سے۔ ایک ہی شے مفرد بھی ہو سکتی ہے اور مرکب بھی دو مختلف اعتبار سے، یہی زَیْدٌ قَائِمٌ اگر ترجمے کی طرف نظر کریں تو مرکب ہے اور یہی زَیْدٌ قَائِمٌ اگر اس کا نام جو ہے جملہ اور خبر اس کی طرف نظر کریں تو یہ مفرد ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟

دیکھیے بھائی کتاب پر: قُلْنَا ہم کہتے ہیں هٰذِهِ الْأَلْفَاظُ وَإِنْ كَانَتْ بِالْقِيَاسِ إِلٰى مَعَانِيهَا مُرَكَّبَةً کہ یہ والے جو الفاظ ہیں وَإِنْ كَانَتْ بِالْقِيَاسِ اگرچہ یہ، قیاس کا ترجمہ قیاس اور اعتبار کا ایک معنی ہوتا ہے تو یہاں قیاس کا ترجمہ اعتبار کے کریں تو اردو میں بہترین ترجمہ ہو جائے گا، ہم کہتے ہیں هٰذِهِ الْأَلْفَاظُ یہ والے جو الفاظ ہیں کون سے؟ یہ زَيْدٌ قَائِمٌ، یہ والے جو الفاظ ہیں یہ جو جملات جملے کے الفاظ ہیں، وَإِنْ كَانَتْ بِالْقِيَاسِ إِلٰى مَعَانِيهَا اگرچہ یہ اپنے معانی کے اعتبار سے مُرَكَّبَةً کیا ہیں؟ مرکب ہیں، لٰكِنَّهَا بِالْقِيَاسِ إِلٰى أَلْفَاظِهَا الْمَوْضُوعَةِ بِإِزَائِهَا مُفْرَدَةٌ لیکن یہ اعتبار کرتے ہوئے اپنے ان الفاظ کا جن کو وضع کیا گیا ہے ان کے مقابلے میں مفرد ہیں۔ ترجمے پہ نظر ہے؟ عبارت پہ بھی نظر رکھیں اور کاپی پر بھی۔ لٰكِنَّهَا لیکن یہ والے الفاظ جو ہیں کون سے؟ زَيْدٌ قَائِمٌ، یہ جو ہیں بِالْقِيَاسِ إِلٰى أَلْفَاظِهَا اعتبار کرتے ہوئے ان کے وہ الفاظ جن کو وضع کیا گیا ہے ان کے مقابلے میں، زَيْدٌ قَائِمٌ کے مقابلے میں کون سا لفظ وضع کیا گیا ہے؟ اس کو کیا کہتے ہیں؟ جملہ کہتے ہیں اور کیا کہتے ہیں؟ خبر، تو یہ اس کے اعتبار سے مُفْرَدَةٌ یہ کیا ہیں؟ مفرد ہیں بھائی۔ ترجمہ سمجھ میں آیا؟ پھر دیکھ لیں۔ قُلْنَا ہم کہتے ہیں هٰذِهِ الْأَلْفَاظُ وَإِنْ كَانَتْ بِالْقِيَاسِ إِلٰى مَعَانِيهَا مُرَكَّبَةً کہ یہ والے الفاظ جو ہیں اپنے معانی کا اعتبار کرتے ہوئے اگرچہ مرکب ہیں لٰكِنَّهَا بِالْقِيَاسِ إِلٰى أَلْفَاظِهَا الْمَوْضُوعَةِ بِإِزَائِهَا مُفْرَدَةٌ لیکن یہ اعتبار کرتے ہوئے ان الفاظ کا جن کو وضع کیا گیا ہے ان کے مقابلے میں۔ ان کے مقابلے میں کون سا لفظ وضع ہے؟ زَيْدٌ قَائِمٌ کے مقابلے میں کون سا لفظ وضع ہے؟ جملہ اور خبر، تو وہ لفظ جو ان کے مقابلے میں ان کے لیے وضع کیا گیا ہے اس کی طرف نظر کرتے ہوئے یہ کیا ہیں؟ مُفْرَدَةٌ مفرد ہیں بھائی۔ بات سمجھ میں آ گئی؟

تو مفرد معنی، توجہ ہے؟ مفرد معنی، مفرد معنی کا یہ مطلب نہ سمجھیں کہ معنی میں ترکیب نہ ہو۔ مفرد معنی کا یہ مطلب نہیں کہ معنی میں بھی ترکیب نہ ہو سرے سے نہیں نہیں، مفرد معنی اس کو کہیں گے کہ جزِ لفظ جزِ معنی پر دلالت نہ کرے اس کو مفرد معنی کہیں گے۔ توجہ ہے؟ قیمتی بات بیان کر رہا ہوں۔ دیکھو فعل کا معنی مرکب ہوتا ہے تین چیزوں سے۔ اس فعل کے اندر ایک مصدری معنی بھی ہوتا ہے، ایک اس کے اندر زمانہ پایا جاتا ہے اور تیسری چیز نِسْبَتٌ إِلَى الْفَاعِلِ ہوتی ہے۔ فعل کا مفہوم مرکب ہوتا ہے کتنی چیزوں سے؟ تین چیزوں سے، کون کون سی؟ اس میں مصدر بھی ہوتا ہے، زمانہ بھی ہوتا ہے اور نِسْبَتٌ إِلَى الْفَاعِلِ بھی۔ جیسے ضَرَبَ، ضَرَبَ کے اندر ضَرْبٌ یعنی پٹائی کرنے کا معنی بھی ہے، نیز اس کے اندر نیز اس کے اندر ماضی والا معنی بھی ہے زمانہ بھی پایا جا رہا ہے اور نیز اس میں کیا ہے نِسْبَتٌ إِلَى الْفَاعِلِ بھی ہے کہ کوئی کسی نے یہ ضرب لگائی ہے، کوئی ضرب لگانے والا ہے۔ توجہ ہے؟ فعل کیا ہے؟ فعل کا معنی مرکب ہے، کتنی چیزیں ہوتی ہیں اس کے معنی میں؟ تین چیزیں، کون کون سی؟ ایک مصدر ہوتا ہے اس کے اندر ضَرَبَ میں ضَرْبٌ ہے یا نہیں؟ ضَرْبٌ ہے، اور نیز کون سا زمانہ ہے؟ ماضی والا، اور تیسری چیز کیا ہے؟ نِسْبَتٌ إِلَى الْفَاعِلِ ہے کہ کسی نے یہ ضرب لگائی ہے۔ اسی طرح يَضْرِبُ فعلِ مضارع ہے اس کے اندر بھی ضَرْبٌ یعنی مصدر کا معنی بھی ہے اس میں مصدر بھی ہے، زمانہ بھی ہے حال یا

استقبال والا اور نِسْبَتٌ إِلَى الْفَاعِلِ۔ میں بیان کر رہا تھا کہ معنی مفرد ہو اس کا یہ معنی نہیں کہ معنی کے اندر ترکیب نہ ہو۔ توجہ ہے؟ معنئے مفرد کا یہ معنی نہیں کہ معنی کے اندر ترکیب نہ ہو۔ مجھے بتائیے اسم، فعل، حرف مفرد ہیں یا جملے ہیں؟ کلمہ کی قسمیں ہیں نا اور کلمہ کیا ہے؟ مفرد ہے، تو اسم، فعل، حرف بھی کیا ہوئے؟ مفرد ہوئے، تو اگر یہ کہا جائے کہ معنئے مفرد کا یہ مطلب ہے اس میں ترکیب نہیں ہونی چاہیے تو پھر تو فعل نکل جائے گا کیونکہ تمام افعال کے معانی کیا ہیں؟ وہ مرکب ہیں تین چیزوں سے، کون کون سی؟ مصدر، زمانہ اور نِسْبَتٌ إِلَى الْفَاعِلِ، تو ہر فعل کا معنی جو ہے وہ مرکب ہوتا ہے ان تین چیزوں سے پھر تو فعل کو مفرد سے نکالنا پڑے گا۔ اس معنی کو مفرد کہیں گے کہ جہاں جہاں اس کا جو لفظ ہے جو اس معنی کے لیے لفظ وضع کیا گیا ہے وہ جو جزِ لفظ ہے وہ جزِ معنی پر دلالت نہ کرے تو اس معنی کو مفرد کہیں گے۔ جزِ لفظ اگر جزِ معنی پر دلالت نہ کرے تو اس کو مفرد کہیں گے بھائی مفرد کہیں گے۔ مجھے بتائیے ضَرَبَ اس میں کتنی چیزیں ہیں؟ تین، کون کون سی؟ مصدر ہے، نِسْبَتٌ إِلَى الْفَاعِلِ ہے اور زمانہ۔ مجھے بتائیے ضَرَبَ کیا ضاد نے مصدر پر دلالت کی؟ نہیں۔ را نے نِسْبَتٌ إِلَى الْفَاعِلِ پر دلالت کی؟ یا با نے زمانے پر دلالت کی؟ نہیں، جزِ لفظ جزِ معنی پر دلالت نہیں کر رہا تو اس ضَرَبَ کو مفرد کہیں گے۔

یا اس معنی یوں کہیں اس معنی کو بھی کیا کہیں گے؟ مفرد کہیں گے۔ اگرچہ اس معنی کے اندر تین چیزیں ہیں، کون کون سی تین چیزیں؟ مصدر ہے، زمانہ ہے اور نسبتِ الی الفاعل، تین چیزیں ہیں لیکن پھر بھی اس معنی کو مفرد کہیں گے، کیونکہ مرکب معنی اس کو کہتے ہیں جہاں جزِ لفظ کیا کرے؟ جزِ معنی پر دلالت کرے اس کو مرکب کہتے ہیں۔ بات سمجھ میں آ گئی؟ تو یہاں پر بھی اسی طرح تھا، دیکھا زَيْدٌ قَائِمٌ اس کا نام کیا ہے؟ جملہ، اور اس کا معنی کیا ہے؟ زید کھڑا ہے۔ تو معنی کی طرف نظر کریں تو جزِ لفظ کیا کر رہا ہے؟ جزِ معنی پر دلالت کر رہا ہے، بایں اعتبار زَيْدٌ قَائِمٌ کو کیا کہنا چاہیے؟ مرکب، کہ یہ مرکب ہے، اور بایں اعتبار کہ زَيْدٌ قَائِمٌ کا نام کیا ہے؟ جملہ ہے اور خبر ہے، اور جملہ اور خبر اس میں تو جزِ لفظ جزِ معنی پر دلالت نہیں کر رہا، بایں اعتبار یہ کیا ہیں؟ مفرد ہیں۔ تو معلوم ہوا ایک ہی شے دو مختلف اعتباروں سے مفرد اور مرکب ہو سکتی ہے، یہی زَيْدٌ قَائِمٌ اپنے معنی کے اعتبار سے مرکب ہے اور اپنے نام یعنی جملہ اور خبر کے اعتبار سے مفرد ہے بھائی۔

وَقَدْ أُجِيبَ عَنِ الْإِشْكَالَيْنِ یہ دو جواب جو دیے تھے یہ تسلیمی تھے۔ کیا تھے؟ ایک جواب تسلیمی ہوتا ہے، ایک منعی ہوتا ہے۔ جوابِ تسلیمی وہ ہے جس میں معترض کے اعتراض کو تسلیم کیا جاتا ہے کہ ہاں آپ کی بات ٹھیک ہے لیکن اس کا یہ جواب ہے، اس کو کیا کہتے ہیں؟ تسلیمی جواب۔ اور ایک جوابِ منعی ہوتا ہے یا جوابِ انکاری، جس میں معترض کے اعتراض کو تسلیم ہی نہیں کیا جاتا کہ آپ کا یہ اعتراض کرنا صحیح نہیں ہے۔ تو پہلے تسلیمی جواب دیا۔ انہوں نے کیا کہا تھا؟ پہلا اعتراض کیا تھا؟ کہ آپ نے تو یہ کہا کہ لفظ وہ ہے جس کو کس کے لیے وضع کیا جاتا ہے؟ معنی کے لیے، کبھی کبھی لفظ کو لفظ کے لیے بھی تو وضع کر لیا جاتا ہے جیسے اسم کو زید، عمرو، بکر کے لیے کیا کیا گیا ہے؟ وضع، تو وہ تو اس تعریف سے

خارج ہو رہا تھا۔ تو انہوں نے کہا ہاں آپ کی بات ٹھیک ہے، تسلیمی جواب دیا، ہاں آپ کا اعتراض ٹھیک ہے لیکن معنی عام ہے اس سے مراد کوئی بھی چیز ہو سکتی ہے چاہے وہ لفظ ہو چاہے معنی ہو۔ اور دوسرا اعتراض کیا تھا؟ کہ کبھی کبھار مفرد لفظ کو مرکب معنی کے لیے مرکب الفاظ کے لیے وضع کیا جاتا ہے تو پھر اس کو کیسے کلمہ کہیں گے؟ جیسے جملہ اور خبر۔ تو وہ بھی اعتراض تسلیم کر لیا، ہاں آپ کا اعتراض کیا ہے؟ ٹھیک ہے لیکن یہاں دو حیثیتیں ہیں، زَیْدٌ قَائِمٌ کے معنی کی طرف نظر کریں تو یہ مرکب ہے لیکن زَیْدٌ قَائِمٌ کے لیے جو لفظ مقرر کیا گیا ہے یعنی جملہ اور خبر اس کے اعتبار سے یہ مفرد ہے بھائی، یہ مفرد ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ یہ تسلیمی جواب تھے۔

اب منعی جواب دے رہے ہیں، یعنی یوں کہیں انکاری جواب ہے جس میں کہیں گے کہ آپ کا یہ اعتراض ہی درست نہیں ہے۔ جواب یہ دیں گے، دونوں اشکالوں کا اکٹھا جواب دیں گے کہ بھائی آپ نے کیا کہا کہ کبھی کبھار لفظ کو کس کے لیے مقرر کر لیا جاتا ہے؟ معنی کے بجائے لفظ کے لیے۔ لفظ کو کس کے لیے مقرر کر لیا جاتا ہے؟ لفظ کے لیے مقرر کر لیا جاتا ہے، اس کے لیے وضع کر لی جاتی ہے۔ کہتے ہیں ہمیں آپ کی یہ بات تسلیم ہی نہیں ہے، لفظ کو لفظ کے لیے نہیں وضع کیا جاتا بلکہ وہاں ایک مفہومِ کلی ہوتا ہے اس کے لیے لفظ کو وضع کیا جاتا ہے۔ جیسے آپ نے کیا کہا تھا؟ اسم کو کس کے لیے وضع کیا گیا ہے؟ زید، عمرو، بکر، خالد اور کتاب کے لیے، اور زید، عمرو، بکر اور خالد کیا ہیں؟ لفظ ہیں، تو گویا لفظ کو کس کے لیے وضع کیا؟ لفظ کے لیے۔ کہتے ہیں نہیں نہیں کوئی لفظ کو لفظ کے لیے وضع نہیں کیا گیا، اسم، اسم جو ہے ایک مفہومِ کلی کے لیے وضع ہے، مفہوم کے لیے وضع ہے۔ اسم کسے کہتے ہیں؟ وہ کلمہ جو اپنے معنی پر خود بخود دلالت کرے اور تین زمانوں میں سے کوئی زمانہ بھی اس کے ساتھ ملا ہوا نہ ہو، یہ ہے اسم کا مفہوم۔ تو اسم کو زید، عمرو، بکر کے لیے نہیں وضع کیا بلکہ ایک مفہومِ کلی کے لیے وضع کیا کہ یہ کلی مفہوم ہے یعنی جو کثیرین پر صادق آتا ہے۔ کسے کہتے ہیں اسم؟ وہ کلمہ جو اپنے معنی پر خود بخود دلالت کرے اور تین زمانوں میں سے کوئی زمانہ اس کے ساتھ جڑا ہوا نہ ہو۔ یہ مفہومِ کلی جو ہے یہ مفہوم ہے، یہ کیا ہے؟ اور کلی ہے یعنی کثیرین پر صادق آتا ہے، بھائی ایک ہے کلی ایک ہے جزئی، انسان کیا ہے؟ کلی ہے، یہ زید، عمرو، بکر، خالد سب پہ صادق آتا ہے۔ اور ایک جزئی ہے، زید کیا ہے؟ جزئی ہے، وہ جو صرف کس پر بولا جاتا ہے؟ زید پر۔ توجہ ہے؟ تو یہاں پر بھی جو اسم کا لفظ وضع کیا گیا وہ زید، عمرو، بکر وغیرہ کے لیے نہیں وضع کیا گیا، اسم کا لفظ ایک مفہومِ کلی کے لیے وضع کیا گیا اور وہ مفہومِ کلی کیا ہے؟ کہ اسم وہ کلمہ ہے جو اپنے معنی پر خود بخود دلالت کرے اور تین زمانوں میں سے کوئی زمانہ اس کے ساتھ ملا ہوا نہ ہو، تو یہ ہے اسم کا مفہوم۔ ہاں زید، عمرو، بکر، خالد، کتاب، قلم وغیرہ یہ اس کے افراد ہیں، ان پر یہ صادق آ رہا ہے۔ توجہ ہے؟ زید بھی کیا ہے؟ ایسا کلمہ ہے جو اپنے معنی پر خود بخود دلالت کر رہا ہے اور تین زمانوں میں سے کوئی زمانہ اس کے ساتھ ملا ہوا نہیں۔ بکر بھی اسی طرح ہے، خالد بھی اسی طرح ہے، کتاب بھی اسی طرح ہے جو

اپنے معنی پر خود بخود دلالت کر رہی ہے اور تین زمانوں میں سے کوئی زمانہ اس کے ساتھ ملا ہوا نہیں، قلم بھی اسی طرح ہے وہ بھی اپنے مفہوم پر خود بخود دلالت کر رہا ہے اور تین زمانوں میں سے کوئی زمانہ بھی اس کے ساتھ ملا ہوا نہیں ہے۔ تو یہ جو اسم کا لفظ ہے یہ ان لفظوں کے لیے وضع نہیں ہے، وضع کس کے لیے ہے؟ معنی ہی کے لیے وضع ہے ایک مفہومِ کلی کے لیے، اور یہ جو باقی اسم آپ کلامِ عرب میں ہیں وہ اس کے افراد ہیں بھائی، وہ اس مفہومِ کلی کے افراد ہیں، جیسے انسان کس کے لیے وضع ہے؟ حیوانِ ناطق کے لیے وضع ہے، اور زید، عمرو، بکر، خالد کیا ہیں اس کے افراد ہیں بھائی۔ تو آپ کا اعتراض کیا تھا؟ کہ کبھی کبھی لفظ کو لفظ کے لیے وضع کر لیا جاتا ہے حالانکہ آپ نے ہمیں تعریف میں کیا بتایا تھا؟ اَلْكَلِمَةُ لَفْظٌ وُضِعَ لِمَعْنًى کلمہ وہ لفظ ہے جس کو معنی کے لیے وضع کیا جاتا ہے، حالانکہ کبھی لفظ کو لفظ کے لیے بھی وضع کر لیا جاتا ہے۔ تو جواب دے دیا کہ نہیں بھائی لفظ کو لفظ کے لیے وضع کیا ہی نہیں جاتا، لفظ کو وضع ہی کس کے لیے کیا جاتا ہے؟ معنی اور مفہوم کے لیے وضع کیا جاتا ہے اور باقی جو لفظ ہیں وہ اس کے افراد ہوتے ہیں۔

اسی طرح فعل کسے کہتے ہیں؟ وہ کلمہ جو اپنے معنی پر خود بخود دلالت کرے اور اس کے ساتھ تین زمانوں میں سے کوئی زمانہ ملا ہوا ہو۔ اب ضَرَبَ، نَصَرَ، فَتَحَ، يُكْرِمُ، يُخْرِجُ یہ سارے کیا ہیں؟ فعل ہیں، تو یہ فعل کے افراد ہیں، فعل ان کے لیے وضع نہیں، فعل تو ایک مفہومِ کلی کے لیے وضع ہے۔ فعل کسے کہتے ہیں؟ وہ کلمہ جو اپنے معنی پر خود بخود دلالت کرے اور تین زمانوں میں سے کوئی زمانہ اس کے ساتھ ملا ہوا ہو۔ ہاں یہ مفہوم جس جس پر صادق آئے گا تو اس کو ہم فعل کہیں گے۔ یہ ضَرَبَ پہ بھی صادق آیا، یہ نَصَرَ پر بھی صادق آیا، یہ فَتَحَ پر بھی صادق آیا، تو ان کو ہم فعل کے افراد کہیں گے، یہ فعل کے معنی نہیں ہیں بھائی۔ اسی طرح حرف ہے، حرف ہے۔ حرف جو ہے اس کا معنی مِنْ، فِي اور إِلٰى نہیں، حرف یہ ایک مفہومِ کلی کے لیے وضع ہے۔ حرف کسے کہتے ہیں؟ وہ کلمہ جو اپنے معنی پر خود بخود دلالت نہ کرے اس کو حرف کہتے ہیں، اور یہ ایک مفہومِ کلی ہے۔ اب جو بھی ہمیں ایسا کلمہ ملے گا جو اپنے معنی پر خود بخود دلالت نہیں کر رہا اس کو ہم کیا کہیں گے؟ حرف کہیں گے۔ ہم نے دیکھا تو مِنْ بھی ایسا ہے معلوم ہوا یہ بھی حرف ہے، ہم نے دیکھا تو فِي بھی ایسا ہے معلوم ہوا یہ بھی حرف ہے، ہم نے دیکھا تو إِلٰى بھی ایسا ہے معلوم ہوا یہ بھی کیا ہے؟ حرف ہے۔ تو لفظ کے لیے لفظ کو وضع نہیں کیا جاتا بلکہ لفظ کو ہمیشہ مفہوم کے لیے اور معنی کے لیے وضع کیا جاتا ہے، ہاں باقی لفظ اس کے افراد ہو سکتے ہیں۔

نیز اسی طرح آپ نے کیا کہا تھا؟ کہ جملہ کا لفظ وضع ہے کس کے لیے؟ مثلاً زَيْدٌ قَائِمٌ کے لیے، زَيْدٌ قَائِمٌ کے لیے، تو جملہ بھی لفظ اور زَيْدٌ قَائِمٌ بھی لفظ، تو مفرد لفظ کو وضع کر لیا کس کے لیے؟ مرکب لفظ کے لیے، مرکب معنی کے لیے۔ توجہ ہے؟ مرکب معنی کے لیے، تو اس کا بھی کہ بھائی جملہ کو جملہ زَيْدٌ قَائِمٌ کے لیے وضع نہیں کیا گیا اس کو ایک مفہومِ کلی کے لیے وضع کیا گیا ہے، اور وہ مفہومِ کلی کیا؟ جملہ کسے کہتے ہیں؟ کہ کم از کم کتنے کلمے ہوں؟ دو، اور ان میں کیا پایا جائے؟ اسناد

پایا جائے اس کو کیا کہتے ہیں؟ جملہ کہتے ہیں، اور زَيْدٌ قَائِمٌ بھی اس کے افراد میں سے ہے اس لیے اس کو بھی جملہ کہیں گے، بَكْرٌ عَالِمٌ بھی اس کے افراد میں سے لہٰذا اس کو بھی کیا کہیں گے؟ جملہ کہیں گے، ذَهَبْتُ إِلَى السُّوقِ یہ بھی اس کے افراد میں سے لہٰذا اس کو بھی جملہ کہیں گے، صَلَّيْتُ فِي الْمَسْجِدِ اس کو بھی جملہ کہیں گے۔ تو معلوم ہوا لفظ کو لفظ کے لیے وضع نہیں کیا جاتا بلکہ لفظ کو ایک مفہومِ کلی کے لیے وضع کیا جاتا ہے اور یہ الفاظ کیا ہیں؟ اس کے افراد ہیں بھائی افراد ہیں۔ تو اس میں دونوں اشکالوں کا اکٹھا جواب دے دیا، اور یہ انکاری جواب ہے۔ اعتراض کیا ہوا تھا؟ کہ کبھی لفظ کو لفظ کے لیے وضع کر لیا جاتا ہے اور کبھی لفظ کو معنئ مرکب یعنی لفظِ مرکب کے لیے وضع کر لیا جاتا ہے۔ تو جواب دونوں کا ہو گیا کہ لفظ کو لفظ کے لیے وضع کیا ہی نہیں جاتا بلکہ لفظ کو مفہومِ کلی کے لیے وضع کیا جاتا ہے، یعنی یہاں پر یہاں پر لفظ کو لفظ کے لیے وضع نہیں کیا گیا بلکہ کس کے لیے وضع کیا گیا ہے؟ ایک مفہومِ کلی کے لیے وضع کیا گیا ہے۔

وَقَدْ أُجِيبَ عَنِ الْإِشْكَالَيْنِ اور تحقیق جواب دیا گیا ہے دونوں اشکالوں سے یعنی دونوں کا اکٹھا جواب دیا گیا ہے بِأَنَّهُ لَيْسَ هٰهُنَا لَفْظٌ وُضِعَ بِإِزَاءِ لَفْظٍ آخَرَ کہ یہاں پر ایک لفظ کو وضع نہیں کیا گیا دوسرے لفظ کے مقابلے میں مُفْرَدًا كَانَ أَوْ مُرَكَّبًا مفرد ہو یا وہ مرکب۔ ایک لفظ کو دوسرے لفظ کے مقابلے میں نہیں وضع کیا گیا کہ دوسرا مفرد ہو یا مرکب، ایسا نہیں ہے، بَلْ بِإِزَاءِ مَفْهُومٍ كُلِّيٍّ بلکہ لفظ کو وضع کیا گیا ہے ایک مفہومِ کلی کے مقابلے میں أَفْرَادُهُ أَلْفَاظٌ یہ صفت ہے مفہوم کی۔ یہ کس کی صفت ہے؟ مفہوم موصوف، كُلِّيٍّ اس کی صفتِ اول، اور مفہوم نکرہ ہے نا، اور میں نے بتایا تھا نکرہ کے بعد فعل آجائے تو وہ اس کے لیے کیا بنتا ہے؟ صفت، کیونکہ فعل نے اپنے فاعل یا نائبِ فاعل سے مل کر جملہ بننا ہے، معلوم ہوا جملہ نکرہ کی صفت بنتا ہے، اور موصوف صفت میں تو تعریف و تنکیر میں مطابقت ضروری، تو فعل کس کی صفت بنتا ہے؟ نکرہ کی، معلوم ہوا جملہ کس کے حکم میں؟ نکرہ کے حکم میں۔ اور اس سے آپ کو جو پورا پتہ لگ گیا کہ جملہ چاہے اسمیہ ہو چاہے فعلیہ وہ نکرہ ہے، کس کے حکم میں ہے؟ نکرہ۔ جملے کے اندر چاہے بیس معرفہ آجائیں لیکن جب وہ مل جل کر جملہ بن جائے گا تو وہ نکرہ کے حکم میں ہو گا۔ یہاں بھی ایسا ہے، مَفْهُومٍ کیا ہے؟ موصوف، كُلِّيٍّ اس کی صفتِ اول وہ مفہوم کیسا ہو؟ کلی ہو، اور أَفْرَادُهُ أَلْفَاظٌ، أَفْرَادُهُ کی ہا ضمیر کیا کس کو راجع؟ مفہوم کو کہ اس مفہوم کے جو افراد ہیں أَلْفَاظٌ کیا ہیں؟ میں نے بتایا نا کہ اسم، فعل، حرف ان کو کس کے لیے وضع کیا گیا ہے؟ مفہومِ کلی کے لیے، اور یہ جو زید، عمرو، بکر اور ضرب، نصر وغیرہ ہیں وہ اس کے افراد ہیں بھائی وہی بیان کر رہے ہیں۔ تو أَفْرَادُهُ توجہ سے سنو، أَفْرَادُهُ ہے مبتدا اور أَلْفَاظٌ ہے اس کی خبر، اور مبتدا خبر مل کر یہ صفتِ ثانی ہوئی مفہوم کے لیے، صفتِ ثانی۔ مفہوم کے لیے صفتِ اول كُلِّيٍّ اور صفتِ ثانی کیا ہے أَفْرَادُهُ أَلْفَاظٌ۔ بَلْ بِإِزَاءِ مَفْهُومٍ كُلِّيٍّ أَفْرَادُهُ أَلْفَاظٌ بلکہ پیچھے کیا ذکر تھا کہ یہاں لفظ کو لفظ کے مقابلے میں نہیں وضع کیا گیا بَلْ بِإِزَاءِ مَفْهُومٍ كُلِّيٍّ بلکہ لفظ کو وضع کیا گیا ہے ایسے مفہومِ کلی کے مقابلے میں أَفْرَادُهُ أَلْفَاظٌ جس کے افراد کیا ہیں؟ الفاظ۔ اسم،

فعل، حرف اس کو وضع کیا ہے کس کے لیے؟ مفہومِ کلی کے لیے اور اس کے افراد کیا ہیں؟ زید، عمرو، بکر وغیرہ الفاظ ہیں وہ کیا ہیں؟ الفاظ ہیں۔ بلکہ اس کو وضع کیا گیا ہے بِإِزَاءِ مَفْهُومٍ كُلِّيٍّ ایسے مفہومِ کلی کے مقابلے میں أَفْرَادُهُ أَلْفَاظٌ جس کے افراد جو ہیں وہ الفاظ ہیں، كَلَفْظِ الْاِسْمِ وَالْفِعْلِ وَالْحَرْفِ وَالْخَبَرِ وَالْجُمْلَةِ وَغَيْرِهَا جیسے کہ اسم کا لفظ ہے، فعل کا لفظ ہے، حرف کا لفظ ہے، خبر ہے اور جملہ وغیرہ بھائی ان سب کو ایک مفہومِ کلی کے لیے وضع کیا گیا ہے۔ اسم کسے کہتے ہیں؟ وہ کلمہ جو اپنے معنی پر خود بخود دلالت کرے اور تین زمانوں میں سے کوئی زمانہ اس کے ساتھ ملا ہوا نہ ہو، اور اس کے افراد کیا ہیں؟ جو بھی اسم آپ لے آئیں گے کتاب ہے، قلم ہے، زید ہے، عمرو ہے وغیرہ سب اس میں آ گئے۔ اسی طرح فعل، فعل کسے کہتے ہیں؟ وہ کلمہ جو اپنے معنی پر خود بخود دلالت کرے اور تین زمانوں میں سے کوئی زمانہ اس کے ساتھ ملا ہوا ہو یہ ایک مفہومِ کلی ہے، ہاں اس کے افراد وہ الفاظ ہیں ضَرَبَ، نَصَرَ وغیرہ۔ اور حرف بھی اسی طرح، خبر اور جملہ بھی اسی طرح۔ بات یہاں تک سمجھ میں آ گئی؟ چلیے بس بھائی هٰذَا هُوَ الْمَرَامُ وَاللّٰهُ أَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْكَلَامِ۔

سبق نمبر ۲۱: تعریفِ کلمہ (۵): وضعِ عام اور موضوع لہ خاص (ضمائر و اسمائے اشارہ کا اشکال)

شرحِ ملا جامی صفحہ: ۱۵ — بتاریخ: ۱۱ جولائی ۲۰۲۱ء

▪ تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث

آگے سبق دیکھیے۔

وَلَا يَخْفَى عَلَيْكَ أَنَّ هٰذَا الْحُكْمَ مَنْقُوْضٌ بِأَمْثَالِ الضَّمَائِرِ الرَّاجِعَةِ إِلٰى أَلْفَاظٍ مَّخْصُوْصَةٍ مُّفْرَدَةٍ أَوْ مُرَكَّبَةٍ، فَإِنَّ الْوَضْعَ فِيْهَا وَإِنْ كَانَ عَامًّا لٰكِنَّ الْمَوْضُوْعَ لَهُ خَاصٌّ، فَلَيْسَ هُنَاكَ مَفْهُوْمٌ كُلِّيٌّ هُوَ الْمَوْضُوْعُ لَهُ فِي الْحَقِيْقَةِ.

بھائی صاحبِ کافیہ نے کلمہ کی تعریف کی: اَلْكَلِمَةُ لَفْظٌ وُضِعَ لِمَعْنًى مُفْرَدٍ۔ تو گزشتہ سبق میں اس کلمہ کی تعریف میں سے جو لِمَعْنًى کی قید آئی تھی اس کے بارے میں شارحِ جامی نے آپ کو بتلایا۔ اور آپ کو بتلایا کہ معنی کہتے ہیں مَا يُقْصَدُ بِشَيْءٍ وہ چیز جس کا ارادہ کیا جائے کسی دوسری چیز کے ذریعے۔ وہ چیز جس کا کسی چیز کے ذریعے ارادہ کیا جائے، یعنی مقصود بِالشَّيْءِ جو چیز ہو اس کو معنی کہتے ہیں۔ معنی کہتے ہیں۔

اور بتلایا تھا آپ کو کہ یہ جو مَعْنًى لفظ ہے یہ عَنٰى يَعْنِيْ عِنَايَةً سے ہے۔ یعنی یہ ناقص ہے عَنٰى يَعْنِيْ عِنَايَةً۔ اور عَنٰى يَعْنِيْ عِنَايَةً کا معنی ہوتا ہے ارادہ کرنا۔ جیسے قَصَدَ يَقْصِدُ قَصْدًا کا کیا معنی ہے؟ ارادہ کرنا۔ تو یہ عَنٰى يَعْنِيْ عِنَايَةً سے ہے اور یہ جو مَعْنًى یہ صیغہ ہے یا تو یہ اسمِ ظرف کا صیغہ ہے، یا یہ مصدرِ میمی ہے، یا اسمِ مفعول کا صیغہ ہے۔

تو یہ چاہے ظرف کا صیغہ ہو یا مصدرِ میمی ہو، دونوں صورتوں میں اس کا وزن مَفْعَلٌ ہے بھائی۔ کیونکہ آپ نے پڑھا ہے ظرفِ يَفْعِلُ مَفْعِلٌ است الّا زناقص اے کمال، کہ يَفْعِلُ کا ظرف کیا آتا ہے؟ مَفْعِلٌ آتا ہے سوائے کس کے؟ ناقص سے۔ یعنی ناقص سے مَفْعِلٌ نہیں آئے گا بلکہ مَفْعَلٌ آئے گا۔ اور عَنٰى يَعْنِيْ بھی ناقص ہے تو لہٰذا اس سے بھی جو اسمِ ظرف کا صیغہ آئے گا وہ کیا آئے گا؟ مَفْعَلٌ آئے گا۔ تو چاہے اس کو مصدرِ میمی شمار کریں تب بھی اس کا وزن مَفْعَلٌ ہے، اور اگر ظرف کا صیغہ شمار کریں تب بھی اس کا وزن مَفْعَلٌ ہے بھائی مَفْعَلٌ۔

تو اگر یہ اسمِ ظرف کا صیغہ ہو تو پھر یہ بمعنی مَقْصِدٌ کے ہے، قَصَدَ یَقْصِدُ کا معنی ارادہ کرنا مَقْصِدٌ جائے قَصْد ارادے کی جگہ، یعنی وہ جگہ جس کا ارادہ کیا جائے۔ اسی طرح مَعْنًی کا بھی کیا معنی؟ وہ جگہ جس کا ارادہ کیا جائے۔ تو یہ اسمِ ظرف ہے۔ مثلاً لفظ کے ذریعے معنی کا ارادہ کیا جاتا ہے۔ لفظ کے ذریعے کس کا ارادہ کیا جاتا ہے؟ تو لفظ ایک چیز ہے اور معنی دوسری چیز ہے اور لفظ کے ذریعے کس کا ارادہ کیا؟ معنی۔ تو اس معنی کو گویا مَحَلّ مجازاً کہہ دیا۔ اس کو مجازاً کیا کہہ دیا؟ کہ یہ مَحَلّ ہے یہ وہ جگہ ہے جس کا ارادہ کیا گیا ہے۔ مثلاً میں نے زبان سے کہا زَیْدٌ اور آپ کے ذہن میں زید کی صورت آگئی۔ تو لفظِ زید نے کس پر دلالت کی؟ ذاتِ زید پر۔ توجہ ہے؟ لفظِ زید نے کس پر دلالت کی؟ ذاتِ زید پر۔ تو زید ہوا دالّ اور ذاتِ زید کیا ہوئی؟ مدلول۔ تو اس مدلول کو گویا مجازاً مَحَلّ کہہ دیا کہ یہ مَحَلٌّ قَصْد ہے، یعنی اس کا ارادہ کیا گیا ہے۔ میں نے زید کے ذریعے کس کا ارادہ کیا؟ ذاتِ زید۔ گویا یہ جو ذاتِ زید ہے یہ مَحَلٌّ قَصْد ہے میرا، اس جگہ کا میں نے ارادہ کیا ہے۔ اس چیز کا ارادہ کیا یعنی اس جگہ کا میں نے ارادہ کیا ہے۔ یہ میرا مَحَلٌّ قَصْد ہے۔ تو گویا اس معنی کو مجازاً کیا کہہ دیا؟ مَحَلّ کہہ دیا مجازاً۔ تو یہ مَحَلٌّ قَصْد ہوا یعنی جس کا ہم نے ارادہ کیا ہے۔

اور جبکہ اگر یہ مصدرِ میمی ہو تو اس صورت میں بھی اس کا وزن مَفْعَلٌ ہے اور پھر یہ بمعنی اسمِ مفعول کے ہے۔ یعنی معلوم ہوا مَفْعَلٌ بمعنی مَعْنِیٌّ کے ہے کیونکہ عَنٰی یَعْنِیْ عِنَایَةً اس سے اسمِ مفعول کا صیغہ کیا آتا ہے؟ مَعْنِیٌّ جیسے رَمٰی یَرْمِیْ سے مَرْمِیٌّ آتا ہے۔ تو یہ مصدر ہے مَعْنًی اور کس معنی میں ہے؟ مفعول یعنی مَعْنِیٌّ کے معنی میں ہے یعنی وہ چیز جس کا ارادہ کیا جائے۔ مَفْعَلٌ مصدر ہو تو کیا معنی؟ ارادہ کرنا، ارادہ کرنا۔ لیکن یہ مصدر کس معنی میں ہے؟ مَعْنِیٌّ وہ چیز جس کا ارادہ کیا گیا۔ تو دیکھو میں نے لفظِ زید بولا اور ذاتِ زید کا میں نے ارادہ کیا تو وہ ہے مَعْنِیٌّ جس کا، ذاتِ زید کیا ہے؟ مَعْنِیٌّ ہے جس کا ارادہ کیا گیا ہے۔

بعض اردو شروحات کے اندر انہوں نے لکھا ہے کہ چاہے اس کو ظرف کا صیغہ بنائیں چاہے مصدر کا صیغہ بنائیں، دونوں صورتوں میں یہ بمعنی مفعول ہے۔ دیکھیے کتاب پر ذرا عبارت: فَهُوَ إِمَّا مَفْعَلٌ اِسْمُ مَكَانٍ بِمَعْنَى الْمَقْصِدِ أَوْ مَصْدَرٌ مِيْمِيٌّ بِمَعْنَى الْمَفْعُوْلِ۔ توجہ ہے؟ تو بعض اردو شروحات والوں نے کیا کیا؟ بِمَعْنَى الْمَفْعُوْلِ کو دونوں سے جوڑ دیا کہ یہ اسمِ مکان یعنی ظرف کا صیغہ ہو تب بھی یہ بمعنی مفعول کے ہے اور یہ مصدرِ میمی ہو تب بھی یہ بمعنی مفعول کے ہے۔ حالانکہ یہ درست نہیں بھائی۔ یہ بِمَعْنَى الْمَفْعُوْلِ کا تعلق صرف مصدر سے ہے۔ جب مصدر ہو تو یہ کس معنی میں ہے؟ اسمِ مفعول کے معنی میں ہے۔ جب ظرف ہو تو پھر یہ اسمِ مفعول کے معنی میں نہیں ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ کیونکہ دونوں کا الگ الگ معنی بیان کر دیا شارحِ جامی نے۔ دیکھو بھائی فَهُوَ إِمَّا مَفْعَلٌ اِسْمُ مَكَانٍ بِمَعْنَى الْمَقْصِدِ، یعنی یہ کس معنی میں ہے؟ مَقْصِد کے معنی میں ہے۔ اور جب یہ مصدرِ میمی ہو تو بِمَعْنَى الْمَفْعُوْلِ پھر یہ کس معنی میں ہے؟ یہ مفعول کے معنی میں ہے۔ تو دیکھو دونوں کے لیے الگ الگ معنی باقاعدہ بیان کر رہے ہیں۔ معلوم ہوا کہ یہ جب یہ مَفْعَلٌ اسمِ ظرف کا صیغہ ہو تو پھر اس کو

مفعول کے معنی میں لینے کی ضرورت نہیں ہے۔ بلکہ اس معنی ہی کو مجازاً کیا کہہ دیا؟ مَحَلّ کہہ دیا، مَحَلِّ قَصْد کہہ دیا۔ تقریر سمجھ میں آگئی؟

اور تیسرا احتمال یہ تھا کہ یہ مخفف ہے مَعْنِيٌّ کا، یعنی یہ اصل میں ہے ہی اسمِ مفعول کا صیغہ۔ پھر اس میں تخفیف کر دی گئی، مَعْنِيٌّ کو مَعْنًى بنا لیا کس طرح؟ کہ نون کے کسرہ کو کس سے بدل دیا؟ فتحہ سے، اور یا پر سے شد کو ختم کر دیا، تشدید ختم کر دی تو کیا بن گیا؟ مَعْنَيْ۔ پھر یا متحرک ماقبل فتحہ اس کو کس سے بدلا؟ الف سے۔ تو الف بھی ہے اور آگے تنوین کا نون بھی ہے تو کیا بن گیا؟ مَعْنَانْ۔ الف بھی ساکن، نون بھی ساکن، اجتماعِ ساکنین آیا اور اگر اجتماعِ ساکنین عَلٰی غَيْرِ حَدِّہٖ آئے اور اول مدّہ ہو تو اس کو گرا دیتے ہیں۔ تو کیا بن گیا؟ مَعْنًى بن گیا۔ تو تین احتمال ہیں: یا تو یہ اسمِ ظرف کا صیغہ ہے بمعنی مَقْصِد کے، یا یہ مصدرِ میمی ہے بمعنی اسمِ مفعول کے، یا یہ خود ہی اسمِ مفعول کا صیغہ ہے۔ بات سمجھ میں آگئی اچھی طرح؟

اس کے بعد پھر اشکال ہوا تھا کہ بھائی پیچھے ذکر آیا تھا وضع کا اور آگے ذکر آیا لِمَعْنًى کا۔ وضع کہتے ہیں تَخْصِيْصُ شَيْءٍ بِشَيْءٍ ایک شے کو دوسری شے کے ساتھ خاص کرنا۔ اور کس چیز کی وضع کی بات ہو رہی ہے؟ لفظ کی وضع کی۔ اَلْكَلِمَةُ لَفْظٌ وُضِعَ کلمہ ایسا لفظ ہے جس کو وضع کیا گیا ہو۔ اور لفظ کو تو وضع کس کے لیے کیا جاتا ہے؟ معنی کے لیے۔ توجہ ہے؟ لفظ کو وضع کس کے لیے کیا جاتا ہے؟ معنی کے لیے۔ تو یہ اَلْكَلِمَةُ لَفْظٌ وُضِعَ، وضع کا ذکر آیا پیچھے اور کس چیز کی وضع کی بات ہو رہی ہے؟ لفظ کی وضع کی بات ہو رہی ہے اور لفظ کو کس کے لیے وضع کیا جاتا ہے؟ معنی کے لیے۔ تو معلوم ہوا تَخْصِيْصُ شَيْءٍ بِشَيْءٍ کے اندر جو ایک شے کو دوسری شے کے ساتھ خاص کرنا ہے اس میں شے ثانی سے معنی مراد ہے۔ کیا مراد ہے؟ معنی۔ کیونکہ لفظ کو کس کے لیے خاص کیا جاتا ہے؟ معنی کے لیے۔ تو جب معنی خود ملحوظ ہے وضع کے اندر تو پھر اس کو الگ آگے لِمَعْنًى ذکر کرنے کی کیا ضرورت ہے بھائی؟ معلوم ہوا لِمَعْنًى کا لفظ زائد ہے بیکار ہے کیونکہ وضع کے اندر ہی معنی ملحوظ ہے۔

تو اس کا جواب دیا تھا کہ بھائی یہاں جب لِمَعْنًى آگے خود ذکر ہے تو ہم وضع کو خالی کر لیں گے معنی سے بھائی۔ وضع کو کیا کر لیں گے؟ تو اس کو کہتے ہیں تجرید، ایک لفظ کو ایک معنی سے خالی کر لینا۔ تو وضع کو بھی معنی سے خالی کر لیا اور وضع کا کیا معنی کر لیں؟ پہلے تھا تَخْصِيْصُ شَيْءٍ بِشَيْءٍ، اس بِشَيْءٍ ثانی کو ختم کر دو تو گویا وضع ہوا تَخْصِيْصُ شَيْءٍ۔ وضع کا معنی صرف کیا رہ گیا؟ تَخْصِيْصُ شَيْءٍ ایک شے کو خاص کرنا۔ بھائی کس چیز کے ساتھ خاص کرنا؟ آگے لِمَعْنًى آگیا، کس کے ساتھ خاص کرنا؟ معنی کے ساتھ خاص کرنا۔ تو اب دیکھا جب تجرید ہوئی اب معنی کا ذکر بیکار نہیں کیونکہ اب وضع کے اندر معنی ملحوظ نہیں۔ اس کا معنی صرف کیا کر لو؟ تَخْصِيْصُ شَيْءٍ اور بِشَيْءٍ کی جگہ کیا لے آئے؟ بِشَيْءٍ سے خالی کر دیا اور اس کی جگہ پھر لِمَعْنًى لے آئے۔

اچھا اس پر پھر اشکال ہوا کہ لِمَعْنًی علیحدہ ذکر کرنے کی کیا ضرورت تھی جب وہ وضع کے اندر ملحوظ تھا اسی سے کام چلا لیتے؟ بجائے اس کے کہ اس کو معنی سے خالی کیا اور پھر معنی کو علیحدہ لے کر آئے، یہ تو بات لمبی ہو گئی حالانکہ متن تو مختصر ہوتا ہے۔ تو میں نے آپ کو بتلایا تھا کہ یہ جتنی قیدیں ہیں کلمہ کی تعریف میں اَلْكَلِمَةُ لَفْظٌ وُضِعَ لِمَعْنًی مُفْرَدٍ، لفظ کس کے درجے میں؟ جنس کے درجے میں، وضع کس کے درجے میں؟ فصل، لِمَعْنًی بھی فصل اور مُفْرَدٌ بھی فصل۔ تو ان میں سے ہر ایک فصل ہے، تو صاحبِ کافیہ جو ہے وہ بتلانا چاہتے تھے کہ لِمَعْنًی کیا ہے؟ فصل ہے، اس کے ذریعے حروفِ تہجی کو خارج کرنا چاہتے تھے، کیونکہ حروفِ تہجی کو معنی کے لیے وضع نہیں کیا جاتا بلکہ ان کو ترکیب کی غرض سے وضع کیا جاتا ہے۔ تو اگر یہ لِمَعْنًی کو علیحدہ ذکر نہ کرتے تو معنی کا فصل ہونا معلوم نہ ہوتا۔ اب لِمَعْنًی باقاعدہ ذکر ہو گیا، اب پتہ چل گیا کہ یہ فصل ہے اور اس کے ذریعے کس کو نکالنا مقصود ہے؟ حروفِ تہجی کو نکالنا مقصود ہے۔ اور نیز دوسرا فائدہ یہ ہوا کہ اس معنی کی صفت وہ مفرد لانا چاہتے تھے۔ تو اگر وضع کے اندر جو معنی تھا اسی کو برقرار رکھتے تو وہ تو معنی وضع کے اندر تھا اس کی صفت تو مفرد نہیں لائی جا سکتی تھی۔ تو جب معنی کو علیحدہ ذکر کیا تو آگے اس کی صفت مُفْرَدٍ بھی لانا ممکن ہو گیا۔ تو دو فائدے ہو گئے اس سے بھائی: معنی کا فصل ہونا بھی سمجھ میں آگیا اور اس کی صفت مفرد کا لانا بھی ممکن ہو گیا۔

تو جب وضع کی قید آئی، وضع کی قید آئی تو اس کے ذریعے مہملات بھی نکل گئے، مہمل لفظ اس کو تو کسی معنی کے لیے وضع نہیں کیا گیا ہوتا۔ اور اسی طرح اس کے ذریعے وہ الفاظ جو دلالت بالطبع کرتے ہیں، طبیعت کے اعتبار سے دلالت کرتے ہیں، بمقتضائے طبیعت کے دلالت کرتے ہیں ایک چیز پر وہ بھی خارج ہو گئے کیونکہ ان میں بھی وضع نہیں ہے۔ اور پھر میں نے یہاں پر آپ کو دلالت کی تفصیل بیان کی تھی کہ دلالت کہتے ہیں کہ ایک شے سے دوسری شے کا پتہ چل جائے۔ دھوئیں کو آپ نے دیکھا تو آپ کو آگ کا پتہ چل گیا، یہ کیا ہے؟ دلالت۔ دھوپ کو آپ نے دیکھا تو سورج کے طلوع ہونے کا آپ کو پتہ چل گیا، یہ کیا ہے؟ دلالت۔ کمرے کے اندر بیٹھے ہیں باہر سے لوگوں کے بولنے کی آواز آئی آپ کو پتہ چل گیا کہ باہر لوگ ہیں، یہ کیا ہے؟ دلالت۔ میں نے لفظِ زید کہا آپ کے ذہن میں کس کی صورت آگئی؟ ذاتِ زید، تو دیکھا لفظِ زید سے کس کا پتہ چل گیا؟ ذاتِ زید کا، یہ کیا ہے؟ دلالت۔ تو دلالت جس میں وہ چیز جس کے ذریعے پتہ چلے اس کو کہتے ہیں دالّ اور دوسری چیز جس کا پتہ چلے اس کو کیا کہتے ہیں؟ مدلول کہتے ہیں۔

تو دلالت کی تقسیم کرتے ہیں علماء دالّ کے اعتبار سے کہ دالّ کبھی لفظ ہو گا کبھی غیرِ لفظ۔ جیسے میں نے زید کہا، زبان سے زید کہا زید ایک لفظ ہے اور آپ کے ذہن میں ذاتِ زید آگئی اس کی صورت آگئی۔ اور کبھی دالّ غیرِ لفظ ہوتا ہے جیسے دور سے آپ نے دھواں دیکھا آپ کو آگ کا پتہ چل گیا، کسی نے زبان سے ایک لفظ نہیں کہا لیکن پھر بھی آپ کو آگ کا پتہ چل گیا تو یہاں دالّ جو دھواں ہے وہ غیرِ لفظ ہے۔ تو دالّ کبھی لفظ ہوتا ہے اور کبھی غیرِ لفظ۔ پھر چاہے دلالتِ لفظیہ ہو

چاہے دلالتِ غیرِ لفظیہ ہو، دونوں جو ہیں تین تین قسم پر ہیں۔ یا تو وہ دلالتِ وضعیہ ہو گی یا طبعیہ ہو گی یا عقلیہ ہو گی۔ دلالتِ وضعیہ وہ جس میں وضع کا دخل ہو یعنی ایک چیز کو دوسری چیز کے لیے خاص کیا گیا ہو، مقرر کیا گیا ہو، خود بخود دلالت نہ ہو۔ جیسے آپ نے سرخ اشارہ دیکھا اور گاڑی روک دی۔ دیکھو یہ سرخ اشارہ یہ کیا خود بخود گاڑی روکنے پر دلالت کرتا ہے یا اس کو باقاعدہ اس کے لیے مقرر کیا گیا ہے؟ باقاعدہ اس کے لیے مقرر کیا گیا ہے، مقرر کیا گیا ہے۔ خود بخود اس کو دیکھنے سے یہ کسی کو جس کو پتہ نہیں ہو گا اس کو یہ علم نہیں ہو سکتا سرخ اشارہ دیکھ کر کہ اب گاڑی روکنی ہے بھائی۔ تو لہٰذا دلالت جو ہے اس میں اگر وضع کا دخل ہو یعنی مقرر کرنے کا اور متعین کرنے کا دخل ہو تو اس کو دلالتِ وضعیہ کہتے ہیں۔ جیسے لفظِ زید کو ذاتِ زید کے لیے اس کے والدین نے مقرر کیا ہے۔ جو بچہ پیدا ہوتا ہے اس کے والدین اس کا نام رکھتے ہیں گویا اس نام کو اس کے لیے مقرر کر دیتے ہیں تو یہ ہے وضع۔ تو جس دلالت میں وضع کا دخل ہو اس کو دلالتِ وضعیہ کہتے ہیں۔

اور ایک دلالتِ طبعیہ ہے۔ دلالتِ طبعیہ وہ ہے جس میں طبیعت کا دخل ہوتا ہے، وضع کا دخل نہیں، بلکہ طبیعت دالّ کو وجود دیتی ہے اور اس سے دوسروں کو مدلول کا پتہ چلتا ہے۔ مثلاً ایک شخص ہے اس کو کسی بات پر شرمندہ ہونا پڑا، کوئی بات ایسی پیش آئی جس پر وہ شرمندہ ہو گیا اور اس کا چہرہ سرخ ہو گیا۔ تو دیکھو یہاں میں نے بتلایا تھا دلالتِ طبعیہ کے اندر جو طبیعت ہوتی ہے پہلے اس کو مدلول پیش آتا ہے اور پھر وہ مدلول جو ہے اس کی وجہ سے طبیعت دالّ کو وجود دیتی ہے۔ تو یہاں پر بھی اس شخص کو پہلے شرمندگی پیش آئی، شرمندگی کا اسے سامنا کرنا پڑا اور اس شرمندگی کی وجہ سے اس کی طبیعت نے چہرے کو کیا کر دیا؟ سرخ کر دیا۔ اور اس چہرے کی سرخی سے دوسروں کو بھی پتہ

چل گیا کہ اس کو کیا پیش آئی ہے؟ شرمندگی پیش آئی ہے۔ یا جیسے کسی شخص کا جو ہے خوف کی وجہ سے رنگ زرد ہو گیا۔ تو دیکھو پہلے اس کو خوف پیش آیا اور پھر اس خوف کی وجہ سے اس کی طبیعت نے چہرے کا رنگ کس طرح کر دیا؟ زرد رنگ کا کر دیا۔ اور اس سے دوسروں کو بھی پتہ چل گیا کہ اس کو کہ یہ ڈر گیا ہے، اس کو کوئی خوف پیش آیا ہے۔ تو لہٰذا یہ جو دلالتِ طبعیہ ہے اس میں یہ جو دالّ ہے اس کو طبیعت وجود دیتی ہے۔ تو پہلے طبیعت کو مدلول پیش آتا ہے لیکن کسی کو پتہ نہیں۔ کسی کو پتہ نہیں اس کو کیا پیش آیا ایک شخص کو؟ مدلول پیش آیا۔ پھر طبیعت نے کس کو وجود دیا؟ دالّ کو، اور پھر دوسروں کو بھی مدلول کا پتہ چل جاتا ہے۔

تو دلالت میں اگر وضع کا دخل ہو تو اسے دلالتِ وضعیہ کہتے ہیں۔ اگر طبیعت کا دخل ہو تو اس کو دلالتِ طبعیہ کہتے ہیں۔ اور اس کے علاوہ باقی جتنی دلالتیں ہیں ان کو دلالتِ عقلیہ کہتے ہیں، وہاں عقل دلالت کرتی ہے۔ وہاں عقل دلالت کرتی ہے ایک چیز سے دوسری چیز کا پتہ چلتا ہے۔ جیسے دھوئیں کو دیکھا تو آپ کو آگ کا پتہ چلا۔ تو کیا اس میں وضع کا دخل ہے؟ کیا ہم نے مقرر کیا ہے دھوئیں کو آگ کے لیے؟ نہیں، آگ جب جلے گی دھواں پیدا ہو گا۔ تو لہٰذا اس میں نہ وضع کا دخل، نہ اس میں طبیعت کا دخل ہے، تو اس کو کیا کہیں گے؟ دلالتِ عقلیہ، اور یہاں دیکھو دالّ لفظ نہیں ہے۔ اور کبھی دالّ کیا ہو

گا؟ لفظ ہو گا اور دلالتِ عقلیہ ہو گی۔ جیسے دیکھو کمرے کے باہر لوگوں کے باتیں کرنے کی آواز آئی، آپ کو ایک بھی لفظ سمجھ میں نہیں آیا۔ لیکن آوازوں سے کیا پتہ چل گیا؟ کہ باہر کون ہیں؟ لوگ ہیں۔ تو یہ دلالتِ لفظیہ عقلیہ ہے بھائی۔

تو دلالت میں اگر وضع کا دخل ہو تو اسے دلالتِ وضعِیہ کہتے ہیں، اگر طبیعت کا دخل ہو تو اسے دلالتِ طبعیہ کہتے ہیں، اور اگر ان دونوں کا دخل نہ ہو تو اسے دلالتِ عقلیہ کہتے ہیں۔ اور میں نے آپ کو یہ بھی بتلایا تھا کہ دلالتِ عقلیہ ایک دلالت کا نام ہے اس کا یہ معنی نہیں کہ دلالتِ وضعِیہ اور طبعیہ میں عقل کا دخل نہیں ہوتا۔ عقل کا دخل تو تینوں کے اندر ہے۔ عقل ہو گی تو دلالتِ وضعِیہ سمجھ میں آئے گی، دلالتِ طبعیہ سمجھ میں آئے گی۔ تو عقل کا دخل تو تینوں میں ہے، لیکن وہاں چونکہ وضع یا طبیعت کا بھی دخل تھا اس لیے ان کا نام وضعِیہ یا طبعیہ، یعنی عقل کے ساتھ ساتھ وضع کا بھی دخل ہو تو اس کو وضعِیہ کہتے ہیں، عقل کے ساتھ ساتھ طبیعت کا بھی دخل ہو تو اس کو طبعیہ کہتے ہیں، اور اگر وضع یا طبیعت کا دخل نہ ہو دلالت میں تو اس کو دلالتِ عقلیہ کہتے ہیں۔

تو بات چل رہی تھی اَلْکَلِمَةُ لَفْظٌ وُضِعَ۔ بتلایا کہ وضع کی قید کے ذریعے مہملات بھی نکل گئے کیونکہ مہمل اس کو تو کسی معنی کے لیے وضع نہیں کیا گیا ہوتا۔ نیز اس کے ذریعے وہ الفاظ بھی نکل گئے جو طبیعت کی وجہ سے دلالت کرتے ہیں کسی چیز پر۔ وہ الفاظ بھی نکل گئے مثلاً ایک شخص کو کھانسی ہے تو وہ سینے میں تکلیف ہوتی ہے تو وہ اُخْ اُخْ کرتا ہے۔ اب دیکھو یہ لفظ ہے اور یہ لفظ کس پر دلالت کر رہا ہے؟ سینے کی تکلیف پر۔ تو پہلے اس شخص کو کیا پیش آئی؟ سینے میں تکلیف ہوئی اور مدلول پیش آیا اور اس مدلول نے پھر کس کو وجود دیا؟ اُخْ اُخْ کو وجود دیا اور اس سے دوسروں کو بھی پتہ چل گیا کہ اس کو کیا ہے؟ کھانسی ہے، سینے میں تکلیف ہے۔ تو یہاں پر جو دلالت ہوئی اس میں وضع کا دخل نہیں۔ کیا ہم نے اُخْ اُخْ کو اس کے لیے مقرر کیا ہے؟ نہیں، اس میں وضع کا دخل نہیں۔ ہاں یہ دلالتِ طبعیہ ہے، یہ جو اُخْ اُخْ ہے اس کو کس نے وجود دیا؟ طبیعت نے وجود دیا اور کس وجہ سے؟ کہ اس کو سینے میں تکلیف پیش آئی تھی۔ تو پہلے سینے میں تکلیف پیش آئی، پھر اس نے اُخْ اُخْ کو وجود دیا اور اس سے دوسروں کو بھی پتہ چل گیا کہ اس کو سینے میں تکلیف ہے۔ تو وضع سے یہ بھی نکل گئے۔ یہ اُخْ اُخْ سینے کی تکلیف پر دلالت تو کر رہا ہے لیکن یہاں پر وضع نہیں۔ تو وہ الفاظ جو دلالت کرتے ہیں طبیعت کے اعتبار سے یعنی اس میں وضع کا دخل نہیں ہوتا وہ بھی وضع کی قید سے نکل گئے بھائی۔

ہاں البتہ حروفِ ہجاء ابھی بھی باقی تھے، حروفِ تہجی جن کو ترکیب کی غرض سے وضع کیا جاتا ہے کہ ان کو جوڑ کر مختلف الفاظ لکھے جائیں گے۔ مختلف الفاظ لکھے جاتے ہیں، وہ ابھی بھی باقی تھے، لیکن آگے جب لِمَعْنًی کی قید آئی، اَلْکَلِمَةُ لَفْظٌ وُضِعَ لِمَعْنًی جن کو معنی کے لیے وضع کیا گیا ہو، تو حروفِ تہجی بھی نکل گئے کیونکہ ان کو کسی معنی کے لیے وضع نہیں کیا گیا۔ اَلِف، بَا، تَا، ثَا، جِیْم، حَا، خَا کوئی معنی سمجھ میں آ رہا ہے آپ کو؟ نہیں کوئی معنی سمجھ میں نہیں آ رہا۔ ان میں وضع تو ہے لیکن معنی کے لیے وضع نہیں ہے بلکہ ترکیب کے لیے وضع ہے۔ تو یہ لِمَعْنًی کی قید کے ذریعے حروفِ تہجی نکل گئے

بھائی۔

اس کے بعد پھر یہاں پر اشکال ہوا تھا۔ اشکال یہ کہ آپ نے کیا کہا: اَلْكَلِمَةُ لَفْظٌ وُضِعَ لِمَعْنًى، کلمہ وہ لفظ ہے جس کو کس کے لیے وضع کیا جائے؟ معنی کے لیے وضع کیا جائے۔ بھائی بعض اوقات لفظ کو لفظ کے لیے وضع کیا جاتا ہے، وہ تو نکل گئے۔ وہ تو کلمہ کی تعریف سے نکل گئے۔ کلمہ کی تعریف تو آپ نے کیا کی؟ اَلْكَلِمَةُ لَفْظٌ وُضِعَ لِمَعْنًى، کلمہ وہ لفظ ہے جس کو وضع کیا گیا ہو معنی کے لیے۔ لیکن کبھی کبھی تو لفظ کو لفظ کے لیے وضع کر لیتے ہیں جیسے اِسْمٌ ہے۔ اِسْمٌ کسے کہتے ہیں؟ کتاب کو، قلم کو، رَجُلٌ کو، فَرَسٌ کو، زَيْدٌ کو، عَمْرٌو، بَكْرٌ یہ سب کیا ہیں؟ اِسْمٌ ہیں۔ تو دیکھو اِسْمٌ کا لفظ ان لفظوں کے لیے وضع ہے۔ اسی طرح ضَرَبَ، نَصَرَ، يَنْصُرُ، يَفْتَحُ، يَخْرُجُ یہ سب کیا ہیں؟ فِعْلٌ ہیں۔ تو فِعْلٌ کا لفظ ان لفظوں کے لیے وضع ہے۔ اسی طرح مِنْ، إِلٰى، فِيْ وغیرہ ان کو کیا کہتے ہیں؟ ان کو حروف کہتے ہیں۔ تو حَرْفٌ وضع ہے ان لفظوں کے لیے وضع ہے۔ تو بعض اوقات لفظ کو لفظ کے لیے وضع کیا جاتا ہے۔ تو وہ تو اَلْكَلِمَةُ کی تعریف سے نکل گئے خارج ہو گئے کیونکہ اَلْكَلِمَةُ کی تعریف تو آپ نے کیا کی کہ لفظ کو کس کے لیے وضع کیا گیا ہو؟ معنی کے لیے وضع کیا گیا ہو۔ حالانکہ ان کو معنی کے لیے وضع نہیں کیا گیا بلکہ لفظ کے لیے وضع کیا گیا ہے۔ اشکال سمجھ میں آیا؟

تو اس کا جواب انہوں نے ذکر کیا تھا کہ ہم نے معنی کی کیا تعریف کی؟ مَا يُقْصَدُ بِشَيْءٍ، معنی وہ ہے جس کا ارادہ کیا جائے کسی چیز کے ذریعے۔ معنی وہ ہے جس کا ارادہ کیا جائے کسی چیز کے ذریعے، تو وہ عام ہے جس کے ساتھ بھی ارادے کا تعلق ہو جائے اس کو معنی کہیں گے چاہے وہ لفظ ہو چاہے غیرِ لفظ یعنی معنی ہو، مفہوم ہو۔ چاہے وہ لفظ ہو چاہے مفہوم ہو اس کو کیا کہیں گے؟ بھائی جس چیز کا بھی ارادہ کیا جائے۔ جس کا بھی۔ تو اِسْمٌ بول کر کتاب کا ارادہ کیا، اِسْمٌ بول کر کس کا ارادہ کیا؟ قلم کا ارادہ کیا، اِسْمٌ بول کر رَجُلٌ کا ارادہ کیا، تو دیکھا؟ تو ارادہ آگیا یا نہیں؟ تو اس میں ارادہ آگیا تو یہ معنی ہوا کیونکہ معنی بھی کسے کہتے ہیں؟ جس کا ارادہ کیا جائے۔ تو معلوم ہوا معنی عام ہے وہ لفظ کو بھی شامل ہے اور غیرِ لفظ کو بھی شامل یعنی مفہوم کو بھی شامل ہے۔ آسان لفظوں میں یوں کہو کہ طلباء عموماً یہ سمجھتے ہیں کہ معنی اور لفظ دونوں ایک دوسرے کے مقابل ہیں، جو لفظ ہے وہ معنی نہیں اور جو معنی ہے وہ لفظ نہیں۔ لیکن انہوں نے آپ کو بتلا دیا کہ نہیں بھائی معنی عام ہے، معنی کے اندر ہی لفظ بھی داخل ہے اور غیرِ لفظ بھی داخل ہے۔ تو لہٰذا جواب ہو گیا۔ آپ نے کیا کہا تھا؟ اَلْكَلِمَةُ لَفْظٌ وُضِعَ لِمَعْنًى کلمہ وہ لفظ ہے جس کو معنی کے لیے وضع کیا گیا ہو۔ تو آپ نے کہا بعض الفاظ کو تو لفظوں کے لیے وضع کیا جاتا ہے تو وہ بھی اس کے اندر داخل ہو گئے بھائی۔ جواب سمجھ میں آگیا؟

اس پر پھر دوسرا اشکال ہوا۔ دوسرا اشکال یہ کہ ایک جگہ تو آپ نے جواب دے کر جان چھڑا لی، اب کیسے جواب دیں گے؟ آپ نے کیا کہا معنی عام ہے، لفظ بھی ہو سکتا ہے اور غیرِ لفظ بھی ہو سکتا ہے، لیکن کبھی کبھار ایک لفظ کو مرکب

لفظوں کے لیے وضع کر لیا جاتا ہے جیسے جُمْلَةٌ۔ جُمْلَةٌ کسے کہیں گے؟ مثلاً زَيْدٌ قَائِمٌ یہ کیا ہے؟ جملہ۔ بَكْرٌ عَالِمٌ یہ کیا ہے؟ جملہ۔ تو جُمْلَةٌ کا لفظ زَيْدٌ قَائِمٌ کے لیے وضع ہے مثلاً۔ تو لفظ لفظ کے لیے وضع ہے، لفظ جُمْلَةٌ یہ بھی کیا ہے؟ لفظ، اور زَيْدٌ قَائِمٌ وہ بھی کیا ہے؟ لفظ۔ تو لفظ کس کے لیے وضع ہے؟ لفظ کے لیے۔ لیکن وہ لفظ کیا ہے جن کے لیے وضع ہے؟ مرکب ہیں، جملہ ہے۔ کیا ہے؟ مرکب ہے اور جملہ ہے۔ اور آپ نے کلمہ کی تعریف کیا کی؟ اَلْكَلِمَةُ لَفْظٌ وُضِعَ لِمَعْنًى مُفْرَدٍ۔ کلمہ وہ لفظ ہے جس کو مفرد معنی کے لیے وضع کیا جائے۔ اور معنی عام تھا لفظ کو بھی شامل ہے اور غیرِ لفظ کو بھی۔ تو یہاں جُمْلَةٌ لفظ ہے اس کو کس کے لیے وضع کیا؟ زَيْدٌ قَائِمٌ کے لیے، وہ بھی لفظ ہے۔ لیکن وہ مفرد ہے یا مرکب ہے؟ زَيْدٌ قَائِمٌ کا کیا معنی؟ زید کھڑا ہے۔ تو دیکھو جزِ لفظ جزِ معنی پر دلالت کر رہا ہے۔ لفظ کیا؟ زَيْدٌ قَائِمٌ، اور معنی کیا؟ زید کھڑا ہے۔ زَيْدٌ نے اپنے مفہوم پر دلالت کی اور قَائِمٌ نے اپنے مفہوم پر دلالت کی بھائی۔ ترجمے میں دونوں آرہے ہیں۔ تو زَيْدٌ قَائِمٌ مفرد ہے یا مرکب ہے؟ مرکب ہے کیونکہ جزِ لفظ جزِ معنی پر دلالت کر رہا ہے۔ تو معلوم ہوا زَيْدٌ قَائِمٌ مرکب ہے اور اس کے لیے جُمْلَةٌ یا خَبَرٌ کا لفظ وضع کیا گیا ہے۔ تو خَبَرٌ کا لفظ لفظ کے لیے وضع لیکن کس لفظ کے لیے؟ مفرد کے لیے یا مرکب کے لیے؟ مرکب کے لیے وضع کیا گیا ہے۔ تو لہٰذا آپ کی تعریف اس پر صادق نہیں۔ کیونکہ آپ نے تو تعریف کیا کی؟ اَلْكَلِمَةُ لَفْظٌ وُضِعَ لِمَعْنًى مُفْرَدٍ، کلمہ ایسا لفظ ہے جس کو وضع کیا گیا ہو مفرد معنی کے لیے۔ اور معنی عام ہے لفظ بھی مراد ہو سکتا ہے غیرِ لفظ بھی، تو معنی کا ترجمہ بھی گویا یہاں لفظ کے کر لو۔ کلمہ وہ لفظ ہے جس کو مفرد لفظ کے لیے وضع کیا گیا ہو۔ معنی لفظ بھی شامل ہے اور غیرِ لفظ بھی، ہم ذرا لفظ کر لیتے ہیں اس کا ترجمہ بات کو سمجھانے کے لیے۔ کلمہ وہ لفظ ہے جس کو کس کے لیے وضع کیا گیا ہو؟ مفرد لفظ کے لیے۔ حالانکہ جُمْلَةٌ کا لفظ کس کے لیے وضع ہے؟ زَيْدٌ قَائِمٌ کے لیے اور وہ مفرد لفظ ہے یا وہ مرکب ہے؟ مرکب ہے تو یہ تعریف سے خارج ہوا، جُمْلَةٌ کو بھی کلمہ نہیں کہنا چاہیے، خَبَرٌ کو بھی کلمہ نہیں کہنا چاہیے۔ اشکال سمجھ میں آیا؟

تو اس کا جواب انہوں نے دیا کہ بھائی یہاں پر زَيْدٌ قَائِمٌ کی دو حیثیتیں ہیں۔ میں نے آپ کو کاپی میں لکھوایا تھا کہ سب سے اوپر کیا لکھیں؟ خَبَرٌ لکھ لیں یا جُمْلَةٌ لکھ لیں۔ اور اس کا معنی کیا ہے؟ نیچے لکھیں زَيْدٌ قَائِمٌ۔ اور زَيْدٌ قَائِمٌ کے نیچے اس کا ترجمہ لکھا کہ زید کھڑا ہے۔ اب دیکھو یہ جو زَيْدٌ قَائِمٌ ہے اس کی دو حیثیتیں ہیں۔ اوپر اس کے کیا ہے؟ جُمْلَةٌ۔ زَيْدٌ قَائِمٌ کا کیا نام؟ جُمْلَةٌ۔ اور اس کا معنی کیا؟ زید کھڑا ہے۔ تو زَيْدٌ قَائِمٌ کو اگر اس کے معنی کی طرف دیکھا جائے تو یہ مرکب ہے کیونکہ جزِ لفظ کیا کر رہا ہے؟ جزِ معنی پر دلالت کر رہا ہے۔ اور زَيْدٌ قَائِمٌ جو ہے اس کو اپنے سے اوپر یعنی جُمْلَةٌ اور خَبَرٌ جو اس کا نام ہے، جو لفظ اس کے لیے وضع کیا گیا ہے اس کی طرف نظر کریں تو پھر یہ مفرد ہے کیونکہ یہاں جزِ لفظ جزِ معنی پر دلالت... توجہ ہے؟

یاد رکھو ایک ہے مفرد لفظ، ایک ہے مفرد معنی۔ مفرد لفظ کسے کہیں گے؟ کہ جزِ لفظ جزِ معنی پر دلالت نہ کرے۔ جزِ لفظ، جیسے جُمْلَةٌ۔ جُمْلَةٌ کا کیا معنی؟ مثلاً زَيْدٌ قَائِمٌ، جو بھی جملہ لے آئیں آپ یہاں پر تو جُمْلَةٌ کا کیا معنی؟ زَيْدٌ قَائِمٌ۔ تو مجھے

بتائیے جُمْلَةٌ کا جیم زَيْدٌ قَائِمٌ کے کسی ایک حصے پر دلالت کر رہا ہے؟ میم اور لام وہ کسی ایک حصے پر دلالت کر رہے ہیں؟ تو معلوم ہوا جزِ لفظ جزِ معنی پر دلالت نہیں کر رہا تو جُمْلَةٌ کو مفرد کہیں گے۔ یہ لفظ کیا ہے؟ مفرد ہے، مرکب نہیں۔ توجہ ہے؟ اور مرکب اسے کہتے ہیں کہ جزِ لفظ جزِ معنی پر دلالت کرے، جیسے زَيْدٌ قَائِمٌ اور اس کا ترجمہ کیا ہے؟ زید کھڑا ہے۔ تو یہاں دیکھو زَيْدٌ کا لفظ زید پہ دلالت کر رہا ہے اور قَائِمٌ کا لفظ قائم پر، تو جزِ لفظ کیا کر رہا ہے؟ جزِ معنی پر دلالت کر رہا ہے۔ تو زَيْدٌ قَائِمٌ بِاَیِ لِحَاظٍ یہ مرکب ہے کہ اس کا معنی کہ جزِ لفظ جزِ معنی پر دلالت کر رہا ہے۔

تو میں بات کر رہا تھا مفرد اور مرکب کی۔ مفرد لفظ کسے کہتے ہیں؟ وہ لفظ کہ جس کے جز معنی کے جز پر دلالت نہ کریں۔ اور ایک ہے مفرد معنی۔ مفرد معنی کسے کہتے ہیں؟ توجہ سے سنو، مفرد معنی اسے کہتے ہیں کہ جس کے لیے جو لفظ وضع کیا گیا ہے، جیسے زَيْدٌ قَائِمٌ کے لیے کیا لفظ وضع کیا گیا ہے؟ جُمْلَةٌ یا خَبَرٌ، یہ کیا ہے؟ جملہ ہے یا خبر۔ تو مفرد معنی کسے کہتے ہیں؟ کہ اس کے لیے جو لفظ وضع کیا گیا ہے اس لفظ کا جز اس کے جز پر دلالت نہ کرے۔ تو زَيْدٌ قَائِمٌ کے لیے کیا لفظ وضع ہے؟ جُمْلَةٌ۔ اور جُمْلَةٌ اس کے جز پر دلالت کر رہا ہے ایک ایک جز پر جیم، میم اور لام؟ تو یہ اس کو کہیں گے کہ یہ مفرد ہے یہ معنی۔ توجہ ہے؟ نہیں توجہ میرا خیال۔ مفرد لفظ کسے کہتے ہیں؟ کہ جس لفظ کا، میں بات لفظ کی کر رہا ہوں، جس لفظ کا جز اس کے معنی کے جز پر دلالت نہ کرے اسے کیا کہتے ہیں؟ مفرد۔ جُمْلَةٌ کس کے لیے وضع کیا گیا ہے مثلاً؟ زَيْدٌ قَائِمٌ کے لیے۔ تو جُمْلَةٌ کا جیم، میم، لام کیا زَيْدٌ قَائِمٌ کے کسی ایک ایک جز پر الگ الگ دلالت کر رہا ہے؟ لہٰذا اس جُمْلَةٌ کو کیا کہیں گے؟ یہ لفظ کیا ہے؟ مفرد ہے۔ اور اگر جزِ لفظ جزِ معنی پر دلالت کرے تو اس کو مرکب کہیں گے۔ زَيْدٌ قَائِمٌ یہ ایک جملہ ہے اور اس کا معنی کیا ہے؟ اس کا معنی کیا ہے؟ زید کھڑا ہے، تو جزِ لفظ کیا کر رہا ہے؟ جزِ معنی پر... تو ہم کہیں گے یہ جو زَيْدٌ قَائِمٌ کا لفظ ہے یہ لفظ مرکب ہے۔ تو جُمْلَةٌ خود کیا ہے؟ مفرد، اور زَيْدٌ قَائِمٌ کیا ہے؟ مرکب۔

اور ایک ہوتا ہے معنی مفرد اور مرکب۔ معنی کسے کہتے ہیں؟ معنی اگر مفرد ہو، معنی مفرد کسے کہیں گے؟ کہ اس معنی کے لیے جو لفظ وضع کیا گیا ہے اس سے اوپر، اس کا، اس لفظ کے جز اس معنی کے جز پر دلالت نہ کریں۔ زَيْدٌ قَائِمٌ کے لیے کیا وضع ہے؟ جُمْلَةٌ۔ زَيْدٌ قَائِمٌ کے لیے کیا وضع ہے؟ جُمْلَةٌ۔ اور ٹھیک ہے زَيْدٌ قَائِمٌ کے اندر تو اجزاء ہیں لیکن کیا یہ جو معنی ہے اس کے لیے جو لفظ جُمْلَةٌ وضع ہے کیا اس کا جیم، میم، لام اس کے کسی جز پر دلالت کر رہے ہیں؟ نہیں، تو لہٰذا ہم کہیں گے جُمْلَةٌ کا معنی ہے زَيْدٌ قَائِمٌ، اور زَيْدٌ قَائِمٌ مفرد معنی ہے۔ یہ کیا ہے؟ مفرد

مفرد معنی ہے، مفرد معنی کسے کہتے ہیں؟ کہ جس کے لیے جو لفظ وضع کیا گیا ہے وہ لفظ اس کے ایک ایک جز پر الگ الگ دلالت نہ کرے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ اور مرکب معنی کسے کہیں گے؟ کہ اس کے لیے جو لفظ وضع کیا گیا ہے وہ اس معنی کے ایک ایک جز پر دلالت کرے۔ جیسے زید کھڑا ہے۔ اس کے لیے کیا لفظ وضع کیا ہے؟ زَيْدٌ قَائِمٌ۔ اس کے لیے کیا

لفظ وضع کیا ہے؟ زَیْدٌ قَائِمٌ۔ اور یہ زَیْدٌ قَائِمٌ یہ اس معنی کے ایک ایک جزپر دلالت کر رہا ہے یا نہیں کر رہا؟ دلالت کر رہا ہے۔ تو زید کھڑا ہے اس کو کیا کہیں گے؟ یہ مرکب معنی ہے کیونکہ اس کے لیے جو لفظ زَیْدٌ قَائِمٌ وضع ہے وہ جزِ لفظ کیا کر رہا ہے؟ اس کے جزپر دلالت کر رہا ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟

تو لہٰذا اب بات چل رہی تھی اشکال یہ تھا کہ آپ کی تعریف سے جملہ اور خبر جن کو الفاظِ مرکبہ کے لیے وضع کیا گیا ہے وہ نکل گئے۔ میں نے بتایا مثلاً کاپی میں کیا لکھوایا؟ اوپر ہے جملہ اور خبر، درمیان میں کیا ہے زَیْدٌ قَائِمٌ، اور سب سے نیچے اس کا ترجمہ کیا ہے زید کھڑا ہے۔ تو ہم کہتے ہیں زَیْدٌ قَائِمٌ میں دو حالتیں ہیں۔ دو حالتیں: ایک حالت اس کے اوپر کی طرف دیکھیں، زَیْدٌ قَائِمٌ کے لیے کیا لفظ وضع ہے؟ جُمْلَۃٌ، تو اس اعتبار سے یہ مفرد ہے۔ اس اعتبار سے؟ کیونکہ جُمْلَۃٌ کا ایک ایک جز اس معنی کے ایک ایک جزپر دلالت نہیں کر رہا۔ اور ایک زَیْدٌ قَائِمٌ کا معنی ہے کہ زید کھڑا ہے، تو اس کے اعتبار سے یہ زَیْدٌ قَائِمٌ کیا ہے؟ مرکب ہے کیونکہ جزِ لفظ کیا کر رہا ہے؟ جزِ معنی پر دلالت کر رہا ہے۔ تو گویا زَیْدٌ قَائِمٌ کی دو حالتیں ہیں: یہ اپنے معنی کی طرف دیکھا جائے تو مرکب ہے، اور یہ اپنے لیے وضع کیے ہوئے لفظ یعنی جملہ اور خبر کے اعتبار سے اس کو دیکھا جائے تو یہ مفرد ہے، تو یہاں پر اس کو مفرد ہی کہیں گے بھائی کیونکہ جملہ اور خبر کی طرف نظر کرتے ہوئے زَیْدٌ قَائِمٌ کیا ہے؟ مفرد ہے۔

توجہ ہے؟ تو ہماری تعریف کیا تھی؟ اَلْکَلِمَۃُ لَفْظٌ وُضِعَ لِمَعْنًی مُفْرَدٍ کلمہ ایسا لفظ ہے جس کو وضع کیا گیا ہو معنی مفرد کے لیے، تو یہ زَیْدٌ قَائِمٌ یہ جو معنی ہے کس کا معنی ہے؟ جملے کا یا خبر کا، یہ مفرد ہے کیونکہ جزِ لفظ جزِ معنی پر دلالت، جُمْلَۃٌ کا جیم، میم، لام یا اسی طرح خبر کے خا، با، را جزِ معنی پر دلالت نہیں کر رہے تو بَایں لِحَاظ زَیْدٌ قَائِمٌ مفرد معنی ہے، مفرد معنی ہے اس کو مرکب نہیں کہیں گے۔ تو معلوم ہوا زَیْدٌ قَائِمٌ میں دو اعتبار ہیں: ایک اعتبار سے یہ مفرد ہے، ایک اعتبار سے مرکب ہے۔ زَیْدٌ قَائِمٌ کو اس کے ترجمے کے اعتبار سے دیکھیں تو یہ مرکب ہے، اور زَیْدٌ قَائِمٌ کو اگر اس کے لیے وضع کیے ہوئے لفظ جملہ اور خبر کے اعتبار سے دیکھیں تو یہ کیا ہے؟ مفرد ہے۔ معلوم ہوا ایک ہی چیز دو مختلف حیثیتوں سے مفرد اور مرکب ہو سکتی ہے، ایک اعتبار سے مفرد ہو دوسرے اعتبار سے مرکب ہو۔ جواب سمجھ میں آگیا؟

اس کے بعد پھر دونوں کا ایک اکٹھا جواب بھی دیا تھا۔ پہلے، اور پہلے دو جواب تھے تسلیمی، اور دوسرا جواب ہے منعی۔ تسلیمی جواب جس میں اعتراض کو تسلیم کر لیا جاتا ہے کہ ہاں بات ایسی ہی ہے لیکن اس کا یہ جواب ہے۔ اور منعی جواب جس میں اعتراض ہی کو رد کر دیا جاتا ہے کہ ہمیں آپ کا اعتراض ہی تسلیم نہیں ہے، آپ کا اعتراض درست نہیں ہے، اور پھر جواب ذکر کیا جاتا ہے۔ تو پہلے تسلیمی جواب تھے۔ انہوں نے پہلا اعتراض کیا کیا؟ کہ آپ نے تو کہا لفظ کو وضع کیا جاتا ہے معنی کے لیے، لیکن کبھی کبھی لفظ کو لفظ کے لیے بھی وضع کر لیا جاتا ہے وہ تو نکل گئے۔ تو انہوں نے تسلیم کیا

کہ ہاں آپ کا اعتراض ہم تسلیم کرتے ہیں، لفظ کو لفظ کے لیے بھی وضع کر لیا جاتا ہے، کبھی لفظ کو لفظ کے لیے بھی وضع کر لیا جاتا ہے، لیکن معنی عام ہے وہ لفظ کو بھی شامل ہے اور غیرِ لفظ کو بھی شامل ہے۔ پھر دوسرا اعتراض ہوا تھا کہ آپ کی تعریف سے جملہ اور خبر جیسے الفاظ نکل گئے کیونکہ ان کو وضع کیا گیا ہے زَیْدٌ قَائِمٌ وغیرہ کے لیے یعنی جملے کے لیے، یعنی مرکب معنی کے لیے وضع کیا گیا ہے، حالانکہ آپ نے تو تعریف میں کیا قید لگائی؟ کہ مفرد معنی ہونا چاہیے۔ تو اس کا بھی جواب دے دیا کہ یہاں پر زَیْدٌ قَائِمٌ جملہ اور خبر کی طرف نظر کرتے ہوئے مفرد معنی ہے، مرکب نہیں ہے۔

اب اگلا جواب منعی دینے لگے ہیں دونوں کا اکٹھا جواب۔ منعی یہ کہ ہمیں آپ کا اعتراض ہی تسلیم نہیں ہے۔ آپ کے دونوں اعتراضوں کی بنیاد اس بات پر تھی کہ کبھی لفظ کو لفظ کے لیے وضع کر لیا جاتا ہے پھر وہ کبھی مفرد ہوتا ہے کبھی مرکب ہوتا ہے۔ آپ کا اعتراض یہ تھا۔ ہم کہتے ہیں نہیں، لفظ کو لفظ کے لیے وضع ہی نہیں کیا جاتا، لفظ کو وضع ہی معنی کے لیے کیا جاتا ہے، یعنی ایک مفہومِ کلی کے لیے۔ کس کے لیے؟ مفہومِ کلی کے لیے وضع کیا جاتا ہے اور الفاظ جو ہوتے ہیں وہ اس کے افراد ہوتے ہیں۔ جیسے اِسْمٌ۔ اِسْمٌ کو زید، عمرو، بکر، کتاب، قلم، رجل، فرس ان کے لیے نہیں وضع کیا گیا بلکہ اِسْمٌ کہتے ہیں وہ کلمہ جو اپنے معنی پر خود بخود دلالت کرے اور تین زمانوں میں سے کوئی زمانہ بھی اس کے ساتھ ملا ہوا نہ ہو۔ تو اس مفہومِ کلی کے لیے اِسْمٌ کو وضع کیا گیا ہے اور ہاں آگے زید، عمرو، بکر، کتاب، قلم، رجل، فرس یہ اس کے افراد ہیں بھائی۔ یہ کیا ہیں؟ اس کے افراد ہیں۔ جیسے اِنْسَانٌ کو وضع کیا گیا ہے حیوانِ ناطق کے لیے، لیکن زید، عمرو، بکر وغیرہ اس کے افراد ہیں بھائی۔ تو انسان کو وضع کیا مفہومِ کلی کے لیے اور جو خارج میں لوگ ہیں یہ کیا ہیں؟ اس کے افراد ہیں۔

تو ہم کہتے ہیں لفظ کو لفظ کے لیے وضع نہیں کیا جاتا بلکہ لفظ کو ایک مفہومِ کلی کے لیے وضع کیا جاتا ہے اور باقی جو الفاظ ہوتے ہیں وہ اس کے افراد ہوتے ہیں۔ اسی طرح فِعْلٌ جو ہے اس کو نَصَرَ، ضَرَبَ، یُکْرِمُ، یَفْتَحُ وغیرہ کے لیے وضع نہیں کیا گیا بلکہ اس کو ایک مفہومِ کلی کے لیے وضع کیا گیا ہے۔ فعل کسے کہتے ہیں؟ وہ کلمہ جو اپنے معنی پر خود بخود دلالت کرے اور اس کے ساتھ تین زمانوں میں سے کوئی ایک زمانہ بھی ملا ہوا ہو۔ تو یہ ہے فعل کا مفہوم، اس کے لیے فعل کو وضع کیا گیا ہے اور باقی نَصَرَ، ضَرَبَ، فَتَحَ وغیرہ وہ اس کے افراد ہیں وہ اس کا مفہوم نہیں ہے۔ اسی طرح حَرْفٌ جو ہے اس کو وضع کیا گیا ہے اس کلمے کے لیے جو اپنا معنی خود بخود ادا نہ کرے، یہ ایک مفہومِ کلی ہے، اور ہاں مِنْ، فِيْ اور إِلٰی وغیرہ اس کے افراد ہیں بھائی۔ اسی طرح جُمْلَةٌ جو ہے، جملہ اس کو وضع کیا گیا ہے ایسے دو کلمے جن کو جوڑا جائے اور ان کے درمیان کیا ہو؟ اسناد ہو، اس کو جملہ کہتے ہیں، تو یہ ایک مفہومِ کلی ہے اور زَیْدٌ قَائِمٌ کیا ہے؟ اس کے افراد میں سے ہے۔ اسی طرح خَبَرٌ بھی کہتے ہیں وہ جملہ جو صدق اور کذب دونوں کا احتمال رکھے، تو یہ ایک مفہومِ کلی ہے، اس کے لیے خَبَرٌ کو وضع کیا گیا ہے اور زَیْدٌ قَائِمٌ یا اسی طرح بَکْرٌ عَالِمٌ وہ اس کے افراد میں سے ہیں۔ معلوم ہوا لفظ کو لفظ کے لیے وضع نہیں کیا جاتا بلکہ لفظ کو

معنی کے لیے وضع کیا جاتا ہے یعنی ایک مفہومِ کلی کے لیے، اور الفاظ کیا ہوتے ہیں؟ اس کے افراد ہوتے ہیں۔

اب آگے دیکھیے بھائی۔ دیکھیے بھائی کہتے ہیں: وَلَا يَخْفَى عَلَيْكَ أَنَّ هٰذَا الْحُكْمَ مَنْقُوْضٌ بِأَمْثَالِ الضَّمَائِرِ الرَّاجِعَةِ إِلٰى أَلْفَاظٍ مَّخْصُوْصَةٍ مُّفْرَدَةٍ أَوْ مُرَكَّبَةٍ، فَإِنَّ الْوَضْعَ فِيْهَا وَإِنْ كَانَ عَامًّا لٰكِنَّ الْمَوْضُوْعَ لَهُ خَاصٌّ، فَلَيْسَ هُنَاكَ مَفْهُوْمٌ كُلِّيٌّ هُوَ الْمَوْضُوْعُ لَهُ فِي الْحَقِيْقَةِ.

صاحبِ جامی اب یہ جو جواب دیا، یہ جو اکٹھا جواب دیا دونوں اعتراضوں کا کہ لفظ کو لفظ کے لیے وضع نہیں کیا جاتا بلکہ کس کے لیے کیا جاتا ہے وضع؟ مفہومِ کلی کے لیے، یعنی موضوع لہٗ الفاظ نہیں ہوتے بلکہ موضوع لہٗ مفہومِ کلی ہوتا ہے، مفہومِ کلی۔ اس پر اب ایک اشکال ذکر کریں گے اور اشکال ذکر کر کے اس کا جواب ذکر کیے بغیر آگے چلے جائیں گے۔ صاحبِ جامی کا اشکال سمجھنے سے پہلے وضع کی قسموں کو اچھی طرح سمجھ لیں بھائی۔ جی اب توجہ سے سننا بھائی، مشکل بحث ہے بھائی۔

یاد رکھو وضع جو ہے وضع کی قسمیں پہلے اچھی طرح سمجھ لیجیے، پھر آپ کو یہ اشکال اور اعتراض سمجھ میں آئے گا۔ یاد رکھو وضع کی چار قسمیں ہیں۔ ایک صورت یہ کہ وضع بھی عام ہو اور موضوع لہٗ بھی عام ہو۔ دوسری صورت، وضع بھی خاص ہو اور موضوع لہٗ بھی خاص ہو۔ تیسری صورت، وضع عام ہو اور موضوع لہٗ خاص ہو۔ چوتھی صورت، وضع خاص ہو اور موضوع لہٗ عام ہو۔ توجہ ہے؟ ایک ہے وضع، ایک ہے موضوع لہٗ۔ یا دونوں عام ہوں گے، یا دونوں خاص ہوں گے، یا اول عام ہو گا ثانی خاص ہو گا، یا اول خاص ہو گا اور ثانی عام ہو گا۔ کتنی صورتیں بن گئیں؟ چار صورتیں۔

سب سے پہلے وضع بھی عام ہو اور موضوع لہٗ بھی عام ہو۔ اس کو کہتے ہیں کہ ایک چیز کا تصور کیا جائے اس کے معنی عام کے ساتھ۔ توجہ ہے؟ ایک چیز کا تصور کیا جائے معنی عام کے ساتھ، اور پھر اس معنی عام کو اس چیز کے لیے موضوع لہٗ بنا دیا جائے۔ کیا میں نے کہا؟ ایک چیز کا تصور کیا جائے معنی عام کے ساتھ، اور پھر اس معنی عام کو اس چیز کے لیے موضوع لہٗ بنا دیا جائے۔ پھر دہرائیں، بلکہ یہ لکھ لیں، یہ ایک دو لفظ لکھ لیں یہ بعد میں آپ کو مشکل پیش آئے گی تکرار میں بھائی۔ نمبر ایک وضع بھی عام ہو اور موضوع لہٗ بھی عام ہو۔ بس ایک آدھ لکھ لیں باقی پھر آپ خود ہی اس سے، باقی تفصیل کو پھر بس سمجھ لیں تو وہ کافی ہے۔

وضع بھی عام ہو، موضوع لہٗ بھی عام ہو: یعنی کسی شے کا تصور کیا جائے معنی عام کے ساتھ، معنی عام کے ساتھ، اور پھر اسی معنی عام کو اس چیز کے لیے موضوع لہٗ بھی بنا دیا جائے۔ جیسے انسان کا تصور کیا جائے حیوانِ ناطق کے ساتھ، حیوانِ ناطق کے ساتھ، اور پھر اسی معنی عام یعنی حیوانِ ناطق کو انسان کے لیے موضوع لہٗ بنا دیا گیا۔ بس بھائی باقی تفصیل، ایک آپ کو سمجھ میں آجائے گا تو باقی کا سمجھنا آپ کے لیے آسان ہے۔

ادھر دیکھیے بھائی، وضع کی چار قسمیں ہیں بھائی۔ وضع بھی عام ہو اور موضوع لہٗ بھی عام ہو۔ دوسری قسم، وضع بھی

خاص ہو موضوع لہٗ بھی خاص ہو۔ تیسری قسم، وضع عام ہو اور موضوع لہٗ خاص ہو۔ چوتھی صورت کہ وضع خاص ہو اور موضوع لہٗ عام ہو۔ سب سے پہلی قسم میں بیان کر رہا تھا جو میں نے آپ کو لکھوا دی۔ وضع بھی عام ہو موضوع لہٗ بھی عام ہو: اسے کہتے ہیں کہ ایک چیز کا آپ تصور کرتے ہیں معنی عام کے ساتھ، کس کے ساتھ؟ ایک معنی عام کے ساتھ اس کا تصور کرتے ہیں یعنی ایک مفہومِ کلی کے ساتھ اس کا کیا کرتے ہیں؟ تصور کرتے ہیں، پھر اسی معنی عام یعنی اسی مفہومِ کلی کو اس کے لیے موضوع لہٗ بنا دیتے ہیں۔ پھر اسی مفہومِ کلی یعنی اسی معنی عام کو اس چیز کے لیے کیا بنا دیتے ہیں؟ موضوع لہٗ بنا دیتے ہیں۔ مثلاً آپ انسان کا تصور کرتے ہیں ایک معنی عام کے ساتھ، ایک مفہومِ کلی کے ساتھ کہ انسان کسے کہتے ہیں؟ حیوانِ ناطق کو۔ تو آپ نے انسان کا تصور کیا ایک معنی عام کے ساتھ کہ یہ کیا ہے؟ حیوانِ ناطق۔ حیوانِ ناطق مفہومِ کلی ہے: زید بھی حیوانِ ناطق، بکر بھی حیوانِ ناطق، خالد بھی حیوانِ ناطق وغیرہ۔ تو آپ نے انسان کا تصور کیا ایک معنی عام کے ساتھ یعنی ایک مفہومِ کلی کے ساتھ جو کثیرین پر صادق آتا ہے، اور پھر اسی مفہومِ عام کو موضوع لہٗ بنا

بنا دیا اس چیز کے لیے۔ اسی حیوانِ ناطق کو موضوع لہٗ بنایا کس کے لیے؟ انسان کے لیے، یعنی انسان کا لفظ اس کو کس کے لیے وضع کیا گیا ہے؟ حیوانِ ناطق کے لیے۔ انسان کا موضوع لہٗ کیا ہے؟ حیوانِ ناطق۔ توجہ ہے؟ انسان کو کس کے لیے وضع کیا گیا ہے؟ حیوانِ ناطق، یہ اس کا موضوع لہٗ ہے۔ موضوع لہٗ وہ معنی جس کے لیے لفظ کو کیا کیا جائے؟ وضع کیا جائے، مقرر کیا جائے۔ لفظِ زید کو کس کے لیے وضع کیا گیا ہے؟ ذاتِ زید کے لیے۔ گلاس کا لفظ کس کے لیے وضع کیا گیا ہے؟ پانی پینے کے ایک برتن کے لیے وضع کیا گیا ہے۔ بارش کا لفظ کس کے لیے وضع کیا گیا ہے؟ آسمان سے بادلوں سے جو پانی برستا ہے اس کے لیے بارش کا لفظ وضع کیا گیا ہے۔ بات سمجھ میں آ رہی ہے؟ تو موضوع لہٗ کہتے ہیں وہ معنی جس کے لیے کسی لفظ کو کیا کیا جائے؟ وضع کیا جائے۔ تو معنی بھی عام ہو اور موضوع لہٗ بھی عام ہو اس کا کیا معنی ہے؟ میں نے کیا بتلایا؟ کہ ایک چیز کا آپ تصور کرتے ہیں کس اعتبار سے؟ اس کے معنی عام کے اعتبار سے، مفہومِ کلی کے اعتبار سے تصور کرتے ہیں۔ آپ نے انسان کا تصور کیا کس معنی کے اعتبار سے کہ یہ کیا ہے؟ حیوانِ ناطق ہے۔ پھر اسی حیوانِ ناطق کو موضوع لہٗ بنا دیا انسان کے لیے، کہ انسان کا لفظ اس حیوانِ ناطق کے لیے وضع ہے۔ انسان کا لفظ... توجہ ہے؟ پھر دہرائیں۔ وضع بھی عام ہو، موضوع لہٗ بھی عام ہو، کسے کہتے ہیں؟ کہ ایک چیز کا تصور کیا جائے کس کے ساتھ؟ معنی عام یعنی مفہومِ کلی کے ساتھ اور پھر اسی مفہومِ کلی کو اس کے لیے موضوع لہٗ قرار دے دیا جائے۔ توجہ ہے؟ جیسے انسان کا تصور کیا کس معنی کے اعتبار سے؟ حیوانِ ناطق کے اعتبار سے، جو ایک عام معنی ہے، جو ایک مفہومِ کلی ہے، اس کے اعتبار سے اس کا تصور کیا اور پھر اسی کو اس کے لیے کیا بنا دیا؟ موضوع لہٗ بنا دیا کہ انسان اس معنی کے لیے وضع ہے، یہ اس کا موضوع لہٗ ہے۔ انسان کا موضوع لہٗ کیا؟ حیوانِ ناطق۔ اور حیوانِ ناطق معنی عام ہے یا معنی خاص ہے؟ کثیرین پر صادق آتا ہے یا کسی ایک پر صادق آتا ہے؟ کثیرین پر صادق آتا ہے تو یہ معنی عام ہے، یعنی مفہومِ کلی ہے۔

دوسری صورت یہ ہے کہ وضع بھی خاص ہو اور موضوع لہٗ بھی خاص۔ وضعِ خاص، وہی لفظ جو میں نے آپ کو لکھوائے تھے اسی سے سمجھ لیں۔ کہ ایک چیز کا تصور کیا جائے خاص معنی کے ساتھ، جو صرف اسی پر صادق آتے ہیں، اور اسی کو اس کے لیے کیا بنا دیا جائے؟ موضوع لہٗ بھی بنا دیا جائے۔ مثلاً زید ہے، والدین نے کیا کیا؟ اپنے بچے کا نام زید رکھا۔ توجہ ہے؟ زید رکھا۔ اب زید اس کا نام ہے کس اعتبار سے؟ یعنی زید کا تصور کیا، وہ جو بیٹا ہے اس کا تصور کیا کہ یہ حیوانِ ناطق ہے اور اس کی یہ یہ تشخصات ہیں۔ تشخص کہتے ہیں پہچان والی چیزیں۔ تشخصات کسے کہتے ہیں؟ پہچان والی چیزیں۔ مثلاً دیکھو زید کے خاص رنگ کی، خاص طرح کی آنکھیں ہوں گی، خاص چہرہ ہو گا، خاص اس کے کان ہوں گے، خاص طرح اس کے بال ہوں گے، خاص طرح اس کے ہاتھ پاؤں وغیرہ ہوں گے۔ یہ جو آپ ایک دوسرے ساتھیوں کو پہچانتے ہیں کس طرح پہچانتے ہیں؟ انہی تشخصات کے ذریعے تو پہچانتے ہیں، ورنہ تو سب کی دو آنکھیں ہیں، ایک منہ ہے، دو کان ہیں، ایک سر ہے، دو ہاتھ ہیں، دو پاؤں ہیں، لیکن ہر ایک کے تشخصات ہوتے ہیں: ہر ایک کی آنکھیں الگ، ہر ایک کا چہرہ الگ، ہر ایک کے کان الگ، ہر ایک کے بال الگ، ہر ایک کی قد و قامت وغیرہ الگ۔ ان کو کیا کہتے ہیں؟ تشخصات۔ کیا کہتے ہیں؟ تو یہ تشخصات کہتے ہیں یعنی جس کے ذریعے ایک چیز کی پہچان ہوتی ہے۔

تو ماں باپ نے اپنے بیٹے کا نام زید رکھا۔ کیا صرف حیوانِ ناطق ہونے کے اعتبار سے کہ یہ بھی انسان ہے اس کا کیا نام ہے زید، یا اس کے سارے مشخصات اس کے اندر مراد ہوتے ہیں؟ سارے مشخصات۔ دیکھا کسی اور کا بیٹا لا کر دکھائیں گے تو وہ کہیں گے نہیں نہیں یہ تو زید نہیں ہے زید تو یہ ہے۔ تو معلوم ہوا جب کسی کا نام زید رکھا گیا ہے تو اس میں اس کا حیوانِ ناطق ہونا بھی ملحوظ ہے کہ یہ انسان ہے یہ ہمارا بچہ ہے انسان کی اولاد ہے، اور ساتھ اس کے مشخصات یا تشخصات بھی کیا ہوتے ہیں؟ ملحوظ ہوتے ہیں۔ تو یہاں پر وہ اس بچے کا تصور کیا کس اعتبار سے؟ کہ یہ حیوانِ ناطق ہے اور ساتھ اس کے تشخصات، ان کا بھی تصور کیا۔ اور یہ معنی عام ہے یا خاص ہے؟ یہ خاص ہے، اسی بچے پر صادق آ رہا ہے کسی اور پر نہیں۔ تو ایک چیز کا تصور کیا حیوانِ ناطق کے ساتھ اس کے تشخصات کے ساتھ، اور پھر اسی کو اس کے لیے موضوع لہٗ بنا دیا۔ اسی حیوانِ ناطق مَعَ التشخصات اس کو کیا بنا دیا اس کے لیے؟ موضوع لہٗ، کہ زید کا لفظ اس، یہ والا جو حیوانِ ناطق ہے جس کے یہ یہ تشخصات ہیں اس کا زید نام ہے، ہر ایک کا نام زید نہیں۔ تو دیکھو وضع بھی خاص کہ زید کا تصور کیا صرف اس کے حیوانِ ناطق کے اعتبار سے یا اس کے تشخصات کے اعتبار سے؟ تو یہ دیکھو معنی خاص کا تصور کیا، اور اسی معنی خاص کو اس کے لیے کیا قرار دے دیا؟ موضوع لہٗ بھی قرار دے دیا۔ پچھلی مثال میں کیا تھا؟ ایک شے کا تصور کیا تھا معنی عام کے اعتبار سے، انسان کا تصور کیا ایک معنی عام یعنی حیوانِ ناطق اور وہ تو مفہومِ کلی ہے وہ تو سب پر صادق آتا ہے جتنے بھی انسان ہیں۔ تو ایک چیز کا تصور کیا تھا مفہومِ کلی کے اعتبار سے اور پھر اسی مفہومِ کلی کو کیا بنا دیا؟ اس کے لیے موضوع لہٗ بنا دیا۔ جبکہ یہاں پر ایک چیز کا تصور کیا ہے معنی خاص کے ساتھ اور پھر اسی معنی خاص کو اس کے لیے

موضوع لہٗ قرار دے دیا۔ تو زید کا تصور کیا یعنی اس ذات کا کہ یہ حیوانِ ناطق بھی ہے اور اس کے یہ تشخصات ہیں، اور پھر اسی معنی کو اس کے لیے کیا قرار دے دیا؟ موضوع لہٗ۔ تو زید کا لفظ اس انسان کے لیے وضع ہے جس کی یہ یہ پہچان ہے یہ یہ تشخصات ہیں، ہر ایک پر یہ بولا نہیں جائے گا صادق نہیں آئے گا۔ بات سمجھ میں آگئی؟

تیسری صورت یہ ہے کہ وضع عام ہو اور موضوع لہٗ خاص ہو۔ وضع کیا ہو؟ عام ہو اور موضوع لہٗ خاص ہو۔ موضوع لہٗ خاص ہو۔ جیسے ایک شے کا تصور کیا معنی عام کے ساتھ۔ کس کے ساتھ؟ تو توجہ سے سمجھ لو۔ وضع عام اور موضوع لہٗ خاص: ایک شے کا تصور کیا معنی عام کے ساتھ اور پھر اس معنی عام کو اس کے لیے موضوع نہیں بنایا بلکہ اس معنی عام کو آلہ بنایا، مرآت بنایا۔ مرآت کہتے ہیں آئینے کو، آئینے کو جس میں آپ اپنی صورت دیکھتے ہیں۔ تو پھر اس معنی عام کو آلہ بنایا اور مرآت بنایا اس کے افراد کو ملاحظہ کرنے کے لیے، افراد کو دیکھنے کے لیے، اور پھر ان افراد میں سے ہر ایک کو موضوع لہٗ بنا دیا۔ ان کو کیا بنا دیا؟ ان افراد کو موضوع لہٗ بنایا۔ اس معنی عام کو موضوع لہٗ نہیں بنایا، اس معنی عام کو آلہ اور مرآت بنایا افراد کو ملاحظہ کرنے کے لیے۔

توجہ ہے؟ بس توجہ سے بیٹھیں انشاء اللہ بہترین بات آپ کو سمجھ میں آجائے گی بس توجہ اس طرف رکھیں۔ دیکھو معنی عام ہو اور موضوع لہٗ خاص: ایک چیز کا تصور کیا کس اعتبار سے؟ معنی عام مفہومِ کلی کے اعتبار سے، لیکن پھر اس مفہومِ کلی کو اس کے لیے موضوع لہٗ نہیں بنایا بلکہ اس مفہومِ کلی کو آلہ بنایا، مرآت یعنی شیشہ بنایا کس کو دیکھنے کے لیے؟ اس کے افراد کو دیکھنے کے لیے اور پھر ان افراد کو موضوع لہٗ بنا دیا۔ بات سمجھ میں آگئی؟ یعنی وہ جو معنی عام تھا اس کو شیشہ بنا دیا۔ بھائی شیشہ اور آئینہ اس کے سامنے جو چیز آتی ہے وہ اس میں نظر آتی ہے۔ زید سامنے آئے گا وہ بھی نظر آئے گا، بکر بھی نظر آئے گا، کتاب بھی نظر آئے گی، فرس بھی نظر آئے گا، قلم بھی نظر آئے گا۔ لیکن یہاں جو مرآت ہے خاص مرآت ہے، خاص آئینہ ہے وہ اور وہ کون سا آئینہ ہے؟ وہ مفہومِ کلی۔ کیا ہے؟ وہ مفہومِ کلی۔ اس آئینے میں ہر چیز نہیں نظر آئے گی، اس میں صرف وہ چیز نظر آئے گی جو اس مفہومِ کلی پہ پوری اترتی ہے، اور چیزیں اس میں نظر نہیں آئیں گی۔ مثلاً دیکھو ہُوَ ضمیر ہے۔ ضمیر، اسمائے اشارہ، اسمائے موصولہ سب اسی طرح ہیں۔ ان میں کیا ہے؟ وضع عام ہے اور موضوع لہٗ خاص۔

ہُوَ کو مثلاً وضع کیا گیا ہے ہر ایسی چیز کے لیے، توجہ سے سنو، ہُوَ کو وضع کیا گیا ہے ہر ایسی چیز کے لیے جو مفرد ہو، مذکر ہو اور جس کا ماقبل میں ذکر ہو چکا ہو۔ یعنی مرجع پہلے گزر چکا ہو۔ ہُوَ کو کس کے لیے وضع کیا گیا ہے؟ ہر ایسی چیز کے لیے جس کے لیے، ہر ایسی چیز کے لیے جو مفرد ہو، تثنیہ یا جمع نہ ہو، نیز مذکر ہو، مؤنث نہ ہو اور نیز اس کا پہلے ذکر ہو چکا ہو۔ تو ہُوَ کسے کہتے ہیں؟ مفرد مذکر چیز جس کا پہلے ذکر ہو۔ تو اب مثلاً دیکھو یہ معنی مثلاً زید پہ صادق آیا، کس پر؟ زید پر صادق آیا، تو ہم کہیں گے یہ ہُوَ کا موضوع لہٗ ہے۔ پہلے کس کا تصور کیا؟ ایک معنی عام کا۔ معنی عام کیا تھا؟ مفرد ہو، مذکر ہو اور ماقبل میں ذکر ہو چکا ہو۔ اور پھر اسی معنی عام کو موضوع لہٗ نہیں بنایا بلکہ موضوع لہٗ مثلاً زید پہ یہ صادق آرہا تھا تو زید کو موضوع لہٗ بنایا۔ عمرو پر

یہ معنی صادق آرہا ہے کہ وہ مفرد ہے، مذکر ہے، اس کا پہلے ذکر ہو چکا ہے تو اس کو کیا بنا دیا؟

نہیں توجہ۔ بھائی میں کلام کر رہا ہوں، کلام کے اندر زید کی بات آئی۔ ایک دفعہ تو میں زید کا نام لوں گا، دوسری دفعہ میں کہوں گا هُوَ أَخِيْ وہ میرا بھائی ہے، یا هُوَ صَدِيْقِيْ وہ میرا دوست ہے۔ تو یہ جو هُوَ میں لے کر آیا کس کے لیے لے کر آیا؟ زید کے لیے۔ زید مفرد بھی ہے، مذکر بھی ہے اور ماقبل میں اس کا ذکر بھی ہو چکا ہے۔ توجہ ہے؟ تو دیکھو یہاں پر میں نے زید کا تصور کیا بِاَیِّ لِحَاظٍ کہ یہ کیا ہے؟ مفرد ہے، مذکر ہے اور اس کا ذکر پہلے گزر چکا ہے۔ تو ایک معنی عام کے اعتبار سے میں نے زید کا تصور کیا۔ اور پھر اس معنی عام کو موضوع لہٗ نہیں بنایا هُوَ کے لیے۔ هُوَ ضمیر میں نے کس کو لوٹائی؟ زید کی طرف لوٹائی۔ لیکن اس هُوَ کے لیے میں نے اس معنی عام کو موضوع لہٗ نہیں بنایا، اس زید کو موضوع لہٗ بنا دیا کہ زید کیا ہے؟ اس مفہوم پر پورا اترتا ہے: وہ مفرد بھی ہے، وہ مذکر بھی ہے، اس کا ماقبل میں ذکر بھی ہو چکا۔ تو هُوَ کو میں نے اس مفہومِ کلی کے لیے وضع نہیں کیا بلکہ اس زید کے لیے وضع کیا ہے۔ یا یوں کہیں کہ وضع تو ہے عام، وضع تو ہے عام کہ کس کا تصور کیا؟ معنی عام کا کہ مفرد بھی ہو، مذکر بھی ہو اور ماقبل میں ذکر ہو چکا ہو۔ لیکن موضوع لہٗ کس کو بنایا؟ زید کو بنا دیا، اس کے لیے یہ هُوَ لفظ میں نے وضع کر دیا۔ مثلاً زید کا پیچھے ذکر آیا تھا، آگے میں نے کہا هُوَ صَدِيْقِيْ وہ میرا دوست ہے، تو یہ هُوَ کو میں نے زید کے لیے وضع کر دیا۔ کس کے لیے؟ اس هُوَ سے کون مراد ہے؟ زید مراد ہے۔

بات کچھ سمجھ میں آرہی ہے؟ پھر سنو، پھر سنو۔ تیسری قسم ہے وضع کی کہ وضع عام ہو اور موضوع لہٗ خاص ہو۔ اس کو کہتے ہیں کہ ایک شے کا تصور کیا جائے معنی عام کے اعتبار سے۔ زید کا میں نے تصور کیا، زید کی طرف میں هُوَ ضمیر لوٹانا چاہتا ہوں توجہ ہے؟ تو میں نے زید کا تصور کیا ایک معنی عام کے اعتبار سے کہ یہ مفرد ہے، مذکر ہے اور ماقبل میں اس کا ذکر ہو چکا ہے۔ زید میں یہ تینوں چیزیں جب پائی گئیں تو اب میں نے اس کے لیے هُوَ کو وضع کر دیا۔ اور میں نے کہا جَاءَنِيْ زَيْدٌ هُوَ صَدِيْقِيْ، یہ هُوَ ضمیر کس کو راجع؟ زید کو۔ اور مجھے بتائیے یہ هُوَ ضمیر ہر ایک کو راجع ہوتی ہے یا مفرد بھی ہونا چاہیے، مذکر بھی ہونا چاہیے اور ماقبل میں ذکر بھی ہونا چاہیے؟ مفرد بھی ہو، مذکر بھی ہو، ماقبل میں ذکر بھی ہو، یہ ساری چیزیں پوری ہونی چاہئیں اور زید میں بھی یہ ساری چیزیں پوری ہیں یا نہیں، لفظِ زید جو پیچھے ذکر ہوا؟ لفظِ زید جو۔ تو اب یہ هُوَ کو جو میں نے وضع کیا ہے یہ اس لفظِ زید کے لیے وضع کیا ہے، کس کے لیے؟ لفظِ زید کے لیے وضع کیا ہے۔ تو یہاں پر وضع تو ہے عام، زید کا میں نے تصور کیا کس اعتبار سے؟ مفہومِ کلی کے اعتبار سے، وہ مفہومِ کلی کیا تھا؟ کہ یہ مفرد ہے، مذکر ہے اور ماقبل میں ذکر اس کا ہو چکا۔ مجھے بتائیے مفرد ہو، مذکر ہو اور ماقبل میں ذکر ہو چکا ہو یہ صرف زید ہے یا عمرو، بکر، خالد وغیرہ کوئی بھی ہو سکتا ہے؟ یہ تو کوئی بھی ہو سکتا ہے، یہ تو ایک مفہومِ کلی ہے۔ توجہ ہے؟ تو ایک مفہومِ کلی کا پہلے تصور، ایک چیز کا تصور کیا جاتا ہے مفہومِ کلی کے ساتھ، اور پھر اس مفہومِ کلی کو موضوع لہٗ نہیں بناتے، اس کے لیے هُوَ ضمیر یا هٰذَا اسمِ اشارہ کو وضع نہیں کرتے بلکہ جو اس کے افراد ہیں ان کے لیے هُوَ یا هٰذَا کو وضع کرتے ہیں۔ تو میں نے هُوَ کو وضع کیا کس کے لیے؟ زید

کے لیے۔ اس مفہومِ کلی جو، کون سا مفہومِ کلی؟ مفرد، مذکر اور ماقبل میں ذکر ہو چکا، اس کے لیے وضع نہیں کیا۔ توجہ ہے؟ تو میں نے زید کا تصور کیا کس معنی کے اعتبار سے؟ ایک مفہومِ کلی کے اعتبار سے، اور پھر اس پر زید پورا اتر رہا تھا تو میں نے اس کے لیے ہُوَ کا لفظ وضع کر دیا اور اس کے لیے ہُوَ ضمیر استعمال کر لی۔ عمرو کا اسی طرح عمرو کا لفظ پہلے گزرا تھا تو عمرو کو بھی میں نے اس مفہومِ کلی کے آئینے میں دیکھا، اس شیشے میں دیکھا، تو عمرو بھی اس شیشے میں نظر آ رہا تھا، اس میں بھی وہ شرطیں پوری تھیں، تو میں نے عمرو کے لیے ہُوَ ضمیر وضع کر دی۔ پھر بکر کا ذکر آگے آیا تو بکر میں بھی وہ ساری شرطیں پوری تھیں: مفرد بھی تھا، مذکر بھی تھا اور ماقبل میں اس کا ذکر بھی ہو چکا تھا، تو میں نے ہُوَ ضمیر کو کس کے لیے وضع کر دیا؟ بکر کے لیے۔ تو دیکھو وضع تو ہے عام، وضع تو ہے عام، لیکن موضوع لہٗ کیا ہے؟ خاص ہے، موضوع لہٗ خاص ہے۔

پھر سمجھو، فرق سمجھو۔ وضع عام ہو اور موضوع لہٗ بھی عام، اور وضع عام ہو اور موضوع لہٗ خاص۔ وضع عام میں ایک چیز کا تصور کرتے ہیں مفہومِ کلی کے اعتبار سے اور پھر اسی مفہومِ کلی کو اس کے لیے کیا بنا دیتے ہیں؟ موضوع لہٗ۔ توجہ ہے؟ اسی کے لیے کیا بنا دیتے ہیں؟ موضوع لہٗ بنا دیتے ہیں۔ اور اگر وضع عام ہو موضوع لہٗ خاص ہو، تو اس میں ایک چیز کا تصور کرتے ہیں معنی عام اور مفہومِ کلی کے اعتبار سے لیکن موضوع لہٗ اس مفہومِ کلی کو نہیں بناتے بلکہ اس کے افراد کو بناتے ہیں۔

بناتے ہیں ایک ایک کو بھائی۔ یعنی اس مفہومِ کلی کو واسطہ بناتے ہیں، آئینہ بناتے ہیں۔ مفہومِ کلی کو واسطہ اور آئینہ بناتے ہیں۔ مثلاً دیکھو ہُوَ ضمیر ہے۔ مثلاً اب زید کا ذکر آیا۔ میں نے زید کا تصور کیا کس طرح؟ کہ یہ کیا ہے؟ مفرد ہے۔ بھائی اگر اَلزَّیْدَانِ ہوتا تو میں ہُوَ کہہ سکتا تھا؟ نہیں، اس لیے کیونکہ یہ جو آئینہ ہے، آئینہ کس چیز کا ہے؟ کون سا یہ، آئینہ کس چیز کا ہے؟ وہ مفہومِ کلی کا آئینہ ہے۔ وہ مفہومِ کلی کو میں نے آلہ اور آئینہ بنا دیا۔ اور اس آئینے میں ہر چیز کی صورت نظر آتی ہے یا جو اس کی شرطوں پہ پورا اترے گا وہی نظر آئے گا؟ جو اس کی شرطوں پر پورا اترے گا صرف وہ نظر آئے گا۔ لہٰذا میں نے ایک آئینہ بنایا، یہ آئینہ کیا ہے؟ مفرد ہو، مذکر ہو اور ماقبل میں اس کا ذکر ہو چکا ہو۔ چنانچہ میرے کلام میں عمرو کا لفظ آیا۔ اب عمرو کو میں نے اس آئینے میں دیکھا کیا ان شرطوں پہ یہ پورا ہے؟ کیا یہ مفرد ہے؟ پہلی شرط بھی پوری۔ دوسری کیا؟ مذکر بھی ہے اور ماقبل میں اس کا ذکر بھی ہو چکا۔ تو یہ اس آئینے میں مجھے نظر آیا کہ ہاں عمرو اس آئینے میں نظر آ رہا ہے، معلوم ہوا اس میں شرطیں پوری ہیں، تو اس عمرو کے لیے میں نے کون سی ضمیر وضع کر دی؟ ہُوَ ضمیر وضع کر دی۔

بات سمجھ میں آ گئی؟ تو اس معنی عام کے لیے ہُوَ کو نہیں وضع کیا بلکہ اس معنی عام کو آئینہ صرف بنایا ہے، وضع میں نے اس کے افراد کے لیے کی ہے: زید کے لیے کی ہے، پھر جب عمرو آئے گا تو اس کے لیے میں وضع کر دوں گا، جب بکر آئے گا تو میں اس کے لیے وضع کر دوں گا، جب کتاب کی طرف ضمیر لوٹانی ہے تو کتاب کے لیے میں ضمیر وضع کر لوں گا۔ تو جو جو لفظ آئے گا اس کے لیے میں اس ضمیر کو وضع کرتا جاؤں گا۔ بات سمجھ میں آ گئی اچھی طرح؟

تو یہ تو وہ صورت تھی کہ وضع عام ہو اور موضوع لہٗ خاص ہو۔ اس میں وہ جو عام معنی ہے اس کو موضوع لہٗ نہیں بنایا جاتا بلکہ اس عام معنی کو آئینہ اور آلہ بنایا جاتا ہے اور موضوع لہٗ اس کے افراد کو بنایا جاتا ہے۔ جو بھی موقع پر ہو، جو بھی جس کے لیے بھی آپ بنانا چاہتے ہیں۔ اگر وہ اس آئینے میں نظر آرہا ہے اس کی شرائط پر پورا ہے، تو پھر آپ کیا کر سکتے ہیں؟ اس کے لیے اس ضمیر کو یا اسمِ اشارہ کو وضع کر سکتے ہیں۔ دوسری مثال لے لو، مثلاً میں ہٰذَا کے ساتھ، ہٰذَا کے ذریعے اشارہ کرنا چاہتا ہوں کس کی طرف؟ زید کی طرف، کس کی طرف؟ زید کی طرف کہ هٰذَا زَيْدٌ، هٰذَا زَيْدٌ۔ یاد رکھو جیسے ضمیر ہے، جیسے ضمیر کے اندر وضع عام ہوتی ہے اور موضوع لہٗ خاص، اسی طرح اسمِ اشارہ بھی ہے اسی طرح اسمائے موصولہ بھی ہیں۔ اب مثلاً اسمِ اشارہ کی مثال لے لو۔ اسمِ اشارہ مثلاً میں زید کی طرف اشارہ کرنا چاہتا ہوں، زید کی طرف اشارہ کرنا چاہتا ہوں۔ اسمِ اشارہ ہٰذَا کس کے لیے وضع ہے؟ جو مفرد ہو، مذکر ہو اور مبصر ہو، آنکھوں سے دکھائی دے رہا ہو۔ اسمِ اشارہ کس کے لیے وضع ہے؟ ایسی چیز جو مفرد ہو، تثنیہ جمع نہ ہو، اور مذکر ہو مؤنث نہ ہو، مؤنث کے لیے تو ہٰذِہٖ کہیں گے، اور نیز وہ آنکھوں سے دکھائی دے، مبصر ہو، محسوس ہو۔ توجہ ہے؟

تو میں اب زید کے لیے ہٰذَا اسمِ اشارہ لانا چاہتا ہوں، تو پہلے میں نے زید کا تصور کیا یا یوں کہیں اس معنی عام کا تصور کیا اس آئینے کا، اور وہ آئینہ کیا ہے؟ کتنی شرطیں ہیں اس میں؟ مفرد ہو، مذکر ہو اور مبصر ہو، آنکھوں سے دکھائی دے۔ تو میں نے اس آئینے میں زید کو دیکھا تو اس آئینے کی شرائط زید میں پائی جا رہی ہیں لہٰذا زید اس آئینے میں نظر آرہا ہے۔ تو اب میں نے اس کے لیے ہٰذَا کا اسمِ اشارہ وضع کر دیا اور میں نے کیا کہا؟ هٰذَا، مثلاً زید کا لفظ پیچھے آیا تھا میں نے کہا هٰذَا لَفْظٌ مُّفْرَدٌ یہ کیا ہے؟ لفظِ مفرد۔ ہٰذَا کے ذریعے اشارہ ہے کس کی طرف؟ زید کی طرف۔ تو یہاں ہٰذَا، ہٰذَا اس کے لیے مفہومِ کلی جو ہے اس کو میں نے مرآت اور آئینہ بنایا اور اس ہٰذَا کو کس کے لیے وضع کیا؟ زید کے لیے۔ تو وضع تو ہے عام لیکن وہ جو معنی عام ہے اس کو میں نے موضوع لہٗ نہیں بنایا، موضوع لہٗ میں نے کس کو بنایا؟ زید کو۔ گویا وضع عام ہے لیکن موضوع لہٗ خاص۔ پھر یہی چیز اب میں ہٰذَا استعمال کرنا چاہتا ہوں عمرو کے لیے تو وہ بھی اس آئینے میں نظر آرہا ہے معلوم ہوا اس میں بھی ساری شرطیں ہیں، تو اس کے لیے بھی میں کہوں گا، عمرو کا پیچھے لفظ آیا میں کہتا ہوں هٰذَا مُفْرَدٌ یہ لفظ کیا ہے؟ مفرد ہے، یا هٰذَا عَلَمٌ یہ کیا ہے؟ علم ہے۔ ہٰذَا کے ذریعے میں اس کی طرف اشارہ کرتا ہوں۔

تو اسمائے اشارہ میں بھی کیا ہے؟ وضع عام ہوتی ہے اور موضوع لہٗ خاص ہوتا ہے یعنی ہر ہر جزئی کے لیے علیحدہ وضع ہے۔ زید کی طرف ہٰذَا کے ذریعے اشارہ کر رہا ہوں تو زید کے لیے ہٰذَا الگ وضع ہے، بکر کی طرف ہٰذَا کے ذریعے اشارہ کر رہا ہوں تو بکر کے لیے ہٰذَا الگ وضع ہے، خالد کی طرف میں ہٰذَا کے ذریعے اشارہ کر رہا ہوں تو خالد کے لیے ہٰذَا الگ وضع ہے۔ اسی طرح ہُوَ بھی تھا، زید کے لیے استعمال کروں گا تو ہُوَ زید کے لیے الگ وضع ہے، بکر کی طرف اشارہ کروں گا تو ہُوَ بکر کے لیے الگ وضع ہے، خالد کے لیے میں اشارہ کروں گا تو خالد کے لیے ہُوَ الگ وضع ہے۔ تو وضع عام ہے لیکن

موضوع لہٗ خاص ہے، ہر ایک کے لیے الگ الگ وضع ہے۔ ہر ہر فرد کے لیے الگ وضع ہے۔ آپ جس کے لیے بھی ہُوَ استعمال کریں گویا آپ نے ہُوَ کو اس کے لیے وضع کر دیا۔ آپ جس کی طرف بھی ہٰذَا کے ذریعے اشارہ کریں گویا آپ نے اس کے لیے ہٰذَا کو وضع کر دیا۔ تو وضع تو ہے عام لیکن موضوع لہٗ خاص ہے، موضوع لہٗ اس معنی عام کو نہیں بنایا، اس معنی عام کو صرف واسطہ بنایا ہے افراد کو ملاحظہ کرنے کے لیے ان کو دیکھنے کے لیے۔

تو یہ تیسری قسم تھی۔ پہلی قسم کیا تھی؟ وضع بھی عام ہو، موضوع لہٗ بھی عام۔ دوسری قسم تھی وضع بھی خاص ہو، موضوع لہٗ بھی خاص۔ تیسری قسم تھی وضع عام ہو اور موضوع لہٗ خاص۔ چوتھی قسم ہے وضع خاص ہو اور موضوع لہٗ عام ہو۔ یہ صرف ایک عقلی احتمال ہے، یہ واقع میں نہیں پایا جاتا، ایسی وضع نہیں ہے کہ وضع کیا ہو؟ خاص، اور موضوع لہٗ کیا ہو؟ عام۔ تو یہ صرف ایک عقلی احتمال ہے یہ سمجھانے کے لیے میں نے ذکر کر دیا۔ بات سمجھ میں آگئی؟

اب آئیے، اب آپ کو صاحبِ جامی کا اعتراض سمجھ میں آئے گا۔ صاحبِ جامی کہتے ہیں، اعتراض یہ کرتے ہیں کہ آپ نے دونوں اشکالوں کا ایک جواب دیا تھا لیکن وہ جواب ضمیروں کے ذریعے ٹوٹ جاتا ہے۔ آپ نے کیا جواب دیا تھا؟ کہ اسم، فعل، حرف، خبر، جملہ ان کو لفظوں کے لیے وضع نہیں کیا گیا، تیسرا جو جواب تھا مشترکہ جواب دونوں کا: ان کو لفظوں کے لیے نہیں وضع کیا گیا بلکہ مفہومِ کلی کے لیے وضع کیا گیا ہے۔ کہتے ہیں ضمیروں، اسمائے اشارہ، اسمائے موصولہ میں آپ کی یہ بات نہیں چل سکتی۔ کیونکہ یہ جو ضمیریں ہیں ان کو مفہومِ کلی کے لیے وضع نہیں کیا گیا، یہاں ہر ہر فرد کے لیے علیحدہ وضع ہے۔ ہُوَ کو زید کے لیے علیحدہ وضع کیا گیا، ہُوَ کو بکر کے لیے علیحدہ وضع کیا گیا یعنی جس کے لیے بھی آپ استعمال کریں گے ہم یوں کہیں گے آپ نے اس کو اس لفظ کے لیے وضع کیا ہے۔ تو پہلے آپ نے جواب کیا دیا؟ کہ اسم، فعل، حرف وغیرہ وہ الفاظ کے لیے نہیں وضع بلکہ کس کے لیے وضع ہیں؟ مفہومِ کلی کے لیے وضع ہیں۔ لیکن یہ ضمیریں اور اسمائے اشارہ وغیرہ یہاں تو مفہومِ کلی کے لیے وضع نہیں ہے بلکہ یہ تو ہر ہر فرد کے لیے، ایک ایک لفظ کے لیے علیحدہ وضع ہیں۔ زید کا لفظ پیچھے عبارت میں ذکر آیا تو اس کے لیے میں نے الگ کہا ہُوَ... مثلاً دیکھو بھائی: مثلاً آپ کہیں بھائی زَیْدٌ، جی زَیْدٌ۔ دیکھا آپ نے کہا زَیْدٌ، میں نے فوراً کہا هُوَ مُفْرَدٌ یا هُوَ اِسْمٌ یا میں کہتا ہوں هُوَ عَلَمٌ۔ اب یہ ہُوَ کے ذریعے کس کی طرف اشارہ ہے؟ زید کی طرف، اور زید کیا تھا؟ لفظ تھا۔ تو اس ہُوَ کا موضوع لہٗ کیا؟ وہی لفظِ زید ہے۔ وضع تو عام ہے لیکن موضوع لہٗ اس کا کیا ہے؟ خاص ہے، اس وقت لفظِ زید اس کا موضوع لہٗ ہے۔ توجہ ہے؟ اس کا موضوع لہٗ کیا ہے؟ لفظِ زید۔ هُوَ مُفْرَدٌ یہ ہُوَ سے میں کس کا ارادہ کر رہا ہوں؟ آپ نے ابھی زبان سے کیا کہا؟ زَیْدٌ۔ میں نے کہا هُوَ مُفْرَدٌ یہ لفظ کیا ہے؟ یہ جو آپ نے زبان سے لفظ کہا یہ کیا ہے؟ مفرد۔ تو ہُوَ سے اشارہ ہے کس کی طرف؟ زید کی طرف۔ تو یہ ہُوَ وضع ہے کس کے لیے؟ زید کے لیے، لفظِ زید کے لیے۔ تو لفظ کی وضع لفظ کے لیے ہو گئی۔ آپ نے تو ہمیں کیا کہا تھا؟ لفظ کی وضع لفظ کے لیے نہیں ہوتی بلکہ کس کے لیے ہوتی ہے؟ مفہومِ کلی کے لیے ہوتی ہے۔ توجہ ہے؟ آپ نے کیا جواب دیا تھا؟ کہ اِسْمٌ زید، عمرو،

بکر کو نہیں کہتے، اِسْمٌ کہتے ہیں وہ کلمہ جو اپنے معنی پر خود بخود دلالت کرے اور تین زمانوں میں سے کوئی زمانہ اس کے اندر نہ پایا جائے، تو اِسْمٌ ایک مفہومِ کلی کے لیے وضع ہے، لیکن یہاں پر یہ ضمیروں کے ذریعے آپ کا جواب ٹوٹ جاتا ہے کیونکہ ضمیریں تو ہر ہر لفظ کے لیے علیحدہ وضع ہیں، ہر فرد کے لیے علیحدہ وضع ہیں۔ یہاں تو مفہومِ کلی ہے ہی نہیں، مفہومِ کلی کو تو صرف آئینہ اور واسطہ بنایا ہے۔ اس کے ذریعے میں نے زید کو اس آئینے میں دیکھا تو زید بھی کیا تھا؟ مفرد بھی تھا، مذکر بھی تھا اور ماقبل میں اس کا ذکر بھی ہو چکا، تو اس کو مفہومِ کلی کو میں نے موضوع لہٗ نہیں بنایا بلکہ اس ہُوَ کا موضوع لہٗ کس کو بنایا؟ زید کو بنایا، تو ہُوَ وضع ہوئی کس کے لیے؟ لفظِ زید کے لیے۔ کس کے لیے؟ لفظِ زید کے لیے۔ تو لفظ کی وضع لفظ کے لیے ہو گئی، کوئی مفہومِ کلی کے لیے یہاں وضع نہیں۔ تو آپ نے تو یہ جواب دیا تھا کہ اسم، فعل، حرف وہ مفہومِ کلی کے لیے وضع ہیں، لفظ کے لیے وضع نہیں، لیکن آپ کا جواب ٹوٹ جاتا ہے ضمیروں کے ذریعے، اسمائے اشارہ کے ذریعے اور اسمائے موصولہ کے ذریعے، کیونکہ ان میں اگرچہ وضع تو عام ہے لیکن موضوع لہٗ خاص ہے، ہر ہر فرد کے لیے علیحدہ وضع۔ تو ہُوَ کو جب زید کے لیے استعمال کیا تو ہم کیا کہیں گے کہ یہ ہُوَ کا موضوع لہٗ کیا؟ زید۔ اور اسی طرح عمرو کے لیے استعمال کیا تو ہم کیا کہیں گے ہُوَ کا موضوع لہٗ کیا؟ عمرو۔ بکر کے لیے استعمال کیا تو ہم کیا کہیں گے ہُوَ کا موضوع لہٗ کیا ہے؟ بکر ہے۔ تو یہاں کوئی مفہومِ کلی کے لیے وضع نہیں ہے بلکہ لفظ کی وضع ہے لفظ کے لیے۔ اشکال سمجھ میں آگیا؟

دیکھیے بھائی کتاب پر۔ کہتے ہیں وَلَا يَخْفَى عَلَيْكَ اور یہ بات آپ پر مخفی نہیں ہے، پوشیدہ نہیں ہے کہ أَنَّ هٰذَا الْحُكْمَ مَنْقُوْضٌ کہ یہ جو حکم ہے یہ ٹوٹ جاتا ہے۔ کون سا حکم؟ یہ جو اوپر آپ نے بتایا تھا کہ اسم، فعل، حرف وغیرہ یہ الفاظ کے لیے وضع نہیں ہیں بلکہ یہ مفہومِ کلی کے لیے وضع ہیں، آپ کا یہ حکم ٹوٹ جاتا ہے بِأَمْثَالِ الضَّمَائِرِ ضمیروں جیسی چیزوں کے ذریعے۔ وہ ضمیریں الرَّاجِعَةِ إِلٰى أَلْفَاظٍ مَّخْصُوْصَةٍ جو لوٹتی ہیں خاص الفاظ کی طرف، مخصوص الفاظ کی طرف، مُفْرَدَةٍ أَوْ مُرَكَّبَةٍ جو مفرد ہوتے ہیں یا مرکب، جو مفرد ہوتے ہیں یا مرکب۔ آپ نے زبان سے کیا کہا؟ زَيْدٌ۔ میں نے کیا کہا؟ هُوَ مُفْرَدٌ یہ لفظ کیا ہے؟ مفرد۔ دیکھا ہُوَ کو میں نے کس کے لیے وضع کیا؟ زید کے لفظِ زید کے لیے، اور لفظِ زید مفرد ہے یا مرکب ہے؟ مفرد ہے۔ اسی طرح میں یوں کہتا ہوں آپ نے کہا زَيْدٌ، میں نے کہا هٰذَا مُفْرَدٌ، یہ ہٰذَا کو میں نے کس کے لیے وضع کیا؟ لفظِ زید، اور لفظِ زید مفرد ہے یا مرکب ہے؟ مفرد ہے۔ یا آپ نے کہا زَيْدٌ، میں نے فوراً کہا اَلَّذِيْ قُلْتَهُ مُفْرَدٌ وہ لفظ جو آپ نے کہا ہے مُفْرَدٌ وہ کیا ہے؟ مفرد ہے۔ تو اَلَّذِيْ قُلْتَهُ اس سے کیا مراد ہے؟ لفظِ زید۔ کیا مراد ہے؟ لفظِ زید مراد ہے۔ توجہ ہے؟ تو دیکھو معلوم ہوا اسمِ موصول کو بھی کس کے لیے وضع کر دیا؟ لفظِ زید، اور لفظِ زید مفرد ہے۔ تو یہاں دیکھو هُوَ مُفْرَدٌ، هٰذَا مُفْرَدٌ، اَلَّذِيْ قُلْتَهُ مُفْرَدٌ۔ ضمیر بھی آگئی، اسمِ اشارہ بھی آگیا، اسمِ موصول بھی، اور ان سب کو کس کے لیے وضع کیا گیا ہے یہاں؟ لفظِ زید اور لفظِ زید کیا ہے؟ مفرد۔ اور کبھی یہی چیزیں وضع ہوں گی مرکب کے لیے بھی۔ لفظ ہو گا لیکن ہو گا مرکب۔ مثلاً آپ کہیں گے آپ کہیں زَيْدٌ قَائِمٌ، دیکھا آپ نے کہا زَيْدٌ قَائِمٌ میں نے فوراً کہا هُوَ مُرَكَّبٌ یہ کیا ہے؟ یہ جو لفظ

آپ نے بولا ہے یہ کیا ہے؟ مرکب ہے۔ تو ہُوَ کس کے لیے وضع کر دیا میں نے؟ زَيْدٌ قَائِمٌ کے لیے۔ یا میں اسمِ اشارہ لے آتا ہوں هٰذَا مُرَكَّبٌ، هٰذَا کس کے لیے میں نے وضع کر دیا؟ زَيْدٌ قَائِمٌ کے لیے۔ یا یوں میں کہتا ہوں اَلَّذِيْ قُلْتَهُ مُرَكَّبٌ یہ جو آپ نے کہا ہے یہ مرکب ہے۔ معلوم ہوا یہ جو ضمیریں ہیں، اسمائے اشارہ ہیں اور اسمائے موصولہ ہیں جب ان سے کس کا ارادہ کیا جائے؟ لفظ کا، تو پھر یہ وضع ہوئی کس کے لیے؟ لفظ کے لیے وضع ہوئی، اور وہ لفظ مفرد بھی ہو سکتا ہے اور مرکب بھی ہو سکتا ہے۔ تو دیکھو لفظ کی وضع لفظ کے لیے ہو گئی، یہاں کوئی مفہومِ کلی نہیں جس کے لیے ان کی وضع ہو۔ بات سمجھ میں آ گئی؟

تو کہتے ہیں وَلَا يَخْفَى عَلَيْكَ آپ پر یہ بات پوشیدہ نہیں ہے کہ أَنَّ هٰذَا الْحُكْمَ مَنْقُوْضٌ کہ آپ کا یہ حکم جو ہے یعنی یہ جو جواب آپ نے دیا، مَنْقُوْضٌ یہ ٹوٹ جاتا ہے بِأَمْثَالِ الضَّمَائِرِ الرَّاجِعَةِ إِلٰى أَلْفَاظٍ مَّخْصُوْصَةٍ ان ضمیروں جیسی چیزوں سے جو لوٹتی ہیں مخصوص الفاظ کی طرف، مُّفْرَدَةٍ أَوْ مُرَكَّبَةٍ اور وہ مخصوص الفاظ یا مفرد ہوتے ہیں یا مرکب ہوتے ہیں۔ فَإِنَّ الْوَضْعَ فِيْهَا وَإِنْ كَانَ عَامًّا اس لیے کیونکہ ان کے اندر وضع جو ہے وہ اگرچہ عام ہے، وضع تو عام ہے، لٰكِنَّ الْمَوْضُوْعَ لَهُ خَاصٌّ لیکن موضوع لہٗ کیا ہے؟ خاص ہے۔ وہ جو عام معنی کا ہم نے تصور کیا تھا اس کو ہم نے موضوع لہٗ نہیں بنایا، اس کو صرف واسطہ بنایا، اس کو واسطہ اور آئینہ بنایا افراد کو دیکھنے کے لیے اور ملاحظہ کرنے کے لیے۔ ہر ہر فرد کے لیے ہُوَ الگ وضع ہے، ہر ہر فرد کے لیے هٰذَا الگ وضع ہے، ہر ہر فرد کے لیے اَلَّذِيْ الگ وضع ہے۔ تو کہتے ہیں فَإِنَّ الْوَضْعَ فِيْهَا وَإِنْ كَانَ عَامًّا کہ ان کے اندر وضع جو ہے وہ اگرچہ عام ہے، لٰكِنَّ الْمَوْضُوْعَ لَهُ خَاصٌّ لیکن موضوع لہٗ خاص ہے، فَلَيْسَ هُنَاكَ

هُنَاكَ مَفْهُوْمٌ كُلِّيٌّ هُوَ الْمَوْضُوْعُ لَهُ فِي الْحَقِيْقَةِ تو یہاں پر کوئی ایسا مفہومِ کلی نہیں ہے کہ وہ موضوع لہٗ ہو حقیقت میں۔ یہاں موضوع لہٗ وہ معنی کلی ہے، وہ مفہومِ کلی ہے یا ہر ہر فرد ہے؟ ہر ہر فرد ہے: زید کے لیے ہُوَ الگ وضع، عمر آیا تو اس کے لیے الگ وضع، بکر آئے گا تو اس کے لیے الگ وضع۔ تو یہاں موضوع لہٗ وہ مفہومِ کلی نہیں ہے، وہ مفہومِ کلی اس کو تو ہم نے صرف واسطہ بنایا ہے، موضوع لہٗ کیا ہے؟ موضوع لہٗ کیا ہے؟ ہر ہر فرد ہے۔ وضع عام ہے لیکن موضوع لہٗ خاص ہے۔ تو یہاں موضوع لہٗ مفہومِ کلی نہیں ہے۔ آپ نے تو جواب کیا دیا تھا؟ کہ وہ موضوع کیا ہوتا، لفظ لفظ کے لیے وضع نہیں ہوتا بلکہ کس کے لیے وضع ہوتا ہے؟ مفہومِ کلی کے لیے، لیکن یہاں تو مفہومِ کلی کے لیے وضع نہیں ہے: ہُوَ زید کے لیے الگ وضع ہے، بکر کے لیے الگ وضع، تو ان کا موضوع لہٗ خاص ہے عام نہیں ہے۔ بات اچھی طرح سمجھ میں آ گئی؟ اشکال اچھی طرح سمجھ میں آ گیا؟

صاحبِ جامی نے اس اعتراض کا جواب ذکر نہیں کیا، صرف اعتراض کر کے نکل گئے کہ یہ آپ کا، آپ نے یہ جو جواب دیا کہ لفظ کی وضع لفظ کے لیے نہیں ہوتی بلکہ مفہومِ کلی کے لیے ہوتی ہے آپ کا یہ جواب ٹوٹ جاتا ہے ضمیروں کے، ضمیریں

اور اس جیسی چیزیں یعنی اسمائے اشارہ اور اسمائے موصولہ کے ذریعے کیونکہ ان کا موضوع لہٗ خاص ہوتا ہے، ہر ہر فرد کے لیے وہ علیحدہ وضع ہوتی ہیں۔ تو اس کا جواب علماء دیتے ہیں۔ علماء فرماتے ہیں کہ دراصل یہاں دو مذہب ہیں: ایک مذہب ہے متقدمین کا اور ایک مذہب ہے متاخرین کا۔ جو متاخرین ہیں، متاخرین کے نزدیک جو وضع ہے وہ وضع عام ہوتی ہے لیکن موضوع لہٗ خاص ہوتا ہے۔ موضوع لہٗ خاص ہوتا ہے۔ اور جبکہ متقدمین کے نزدیک وضع بھی عام ہے اور موضوع لہٗ بھی ان میں عام ہے۔ متاخرین کے نزدیک یہ ضمیریں، اسمائے اشارہ اور اسمائے موصولہ ان کے اندر... متاخرین کے نزدیک ان میں وضع عام ہے اور موضوع لہٗ خاص، جبکہ متقدمین کے نزدیک وضع بھی عام اور موضوع لہٗ بھی عام ہے۔

تفصیل یاد رکھو: متاخرین فرماتے ہیں کہ یہ جو ضمیریں ہیں، اسمائے اشارہ ہیں اور اسمائے موصولہ، یہ جزئیات کے لیے وضع ہیں، البتہ ان جزئیات میں مفہومِ کلی ملحوظ ہے، یعنی مفہومِ کلی کو صرف واسطہ اور آئینہ بنایا ہے لیکن موضوع لہٗ نہیں بنایا، موضوع لہٗ کون ہیں؟ وہ جزئیات ہیں۔ ہُوَ کا لفظ زید کے لیے بولیں گے تو ہم یوں کہیں گے آپ نے ہُوَ کا لفظ زید کے لیے وضع کر دیا۔ جب آپ ہُوَ کا لفظ بکر کے لیے بولیں گے تو ہم یوں کہیں گے آپ نے بکر کے لیے ہُوَ کا لفظ وضع کر دیا یعنی وہ اس کا موضوع لہٗ ہے۔ تو وہ فرماتے ہیں یہ جو ضمیریں ہیں، اسمائے اشارہ اور اسمائے موصولہ ان کے موضوع لہٗ جزئیات ہیں مفہومِ کلی نہیں۔ وجہ کیا اس کی؟ وہ فرماتے ہیں کہ دراصل یہ جو ضمیریں، اسمائے اشارہ اور اسمائے موصولہ ہیں ان کی وضع جزئیات کے لیے ہے البتہ مفہومِ کلی ملحوظ ہے۔ اس لیے کیونکہ جزئیات لامتناہی ہیں: کچھ موجود ہیں، کچھ معدوم ہیں، کچھ حاضر ہیں، کچھ غائب ہیں۔ مثلاً ہُوَ، ہٰذَا یا اَلَّذِیْ اس کو صرف آپ لوگ استعمال کریں گے یا مستقبل میں آنے والے لوگ بھی استعمال کریں گے؟ مستقبل میں آنے والے لوگ بھی استعمال کریں گے۔ تو معلوم ہوا ہُوَ، ہٰذَا اور اَلَّذِیْ وغیرہ کے افراد لامتناہی ہیں: کچھ گزر چکے، کچھ موجود ہیں اور کچھ مستقبل میں آئیں گے جن کا ابھی وجود ہی نہیں۔ تو اس کی جتنی جزئیات ہیں وہ لامتناہی ہیں، وہ ایک وقت میں حاضر نہیں ہو سکتیں۔ اور ضابطہ ہے، ضابطہ ہے کہ وضع کے وقت موضوع لہٗ کا موجود ہونا حاضر ہونا ضروری ہے۔ وضع کے وقت موضوع لہٗ کا حاضر اور موجود ہونا ضروری ہے۔ اور جو جزئیات اس زمانے میں ہیں ساری ہُوَ ہٰذَا کی وہ بھی ساری آپ کے سامنے تو موجود نہیں، آپ یہاں بھی ہٰذَا استعمال کر رہے ہیں دنیا کے ہر کونے میں بھی ہُوَ ہٰذَا ضمیر وغیرہ استعمال کر رہے ہیں جو عربی بولنے والے ہیں۔ تو جتنی اس وقت موجود جزئیات ہیں وہ بھی آپ کے سامنے حاضر نہیں، اور جو مستقبل میں ہیں وہ تو ابھی معدوم ہیں ان کو تو ابھی وجود ہی نہیں۔ حالانکہ وضع کے اندر ضروری ہے کہ موضوع لہٗ کیا ہونا چاہیے؟ حاضر ہونا چاہیے، موجود ہونا چاہیے، آپ کے ذہن میں حاضر ہو آپ کو معلوم ہو، پھر ہی اس کے لیے کسی چیز کو کیا کیا جائے گا؟ کسی لفظ کو وضع کیا جائے گا۔ تو جزئیات لامتناہی ہیں، وہ ساری بیک وقت موجود بھی نہیں ہو سکتیں اور بیک وقت آپ کے ذہن میں حاضر بھی نہیں ہو سکتیں۔ لہٰذا وہ یوں کرتے ہیں متاخرین فرماتے ہیں کہ یوں کیا جائے گا کہ وہ جو مفہومِ کلی ہے اس کو مرآت اور آئینہ بنایا جائے گا کس کے لیے؟ اس کی

جزئیات کے لیے۔ اس کو کیا بنائیں گے؟ یعنی اس مفہومِ کلی کو واسطہ بنائیں گے، اس مفہومِ کلی پر جو جو جزئی پوری اترے گی اس کے لیے ہم کیا وضع کریں گے؟ ہُوَ یا ہٰذَا یا اَلَّذِیْ۔ لہٰذا اب دیکھو تمام جزئیات اس کے اندر آگئیں کہ جب بھی، جہاں بھی کوئی جزئی آئے آپ اس کے لیے کیا وضع کرنا چاہتے ہیں؟ ہُوَ یا ہٰذَا، تو آپ اس کو اس آئینے میں دیکھ لیں اگر وہ اس آئینے میں نظر آئے یعنی اس کی شرائط پر پورا اترے تو اس کے لیے کیا وضع کر دیں گے؟ ہُوَ کو وضع کر دیں گے یا ہٰذَا یا اَلَّذِیْ کو وضع کر دیں گے۔ تو جزئیات چونکہ ساری بیک وقت موجود اور حاضر نہیں ہو سکتیں لہٰذا اس مفہومِ کلی کو واسطہ اور آئینہ بنایا جائے گا وہ آگے جو جزئیات معدوم ہیں یا جو جزئیات حاضر نہیں۔ اور جو جو جزئی سامنے آئے گی اس کو اس آئینے میں دیکھ کر اس کے لیے ہُوَ کا لفظ وضع کرتے چلے جائیں گے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو حاصلِ کلام یہ کہ متاخرین کے نزدیک ضمیریں، اسمائے اشارہ اور اسمائے موصولہ جو ہیں وہ وضع ہیں ایک ایک جزئی کے لیے علیحدہ، لیکن واسطہ کس کو بنائیں گے؟ آئینہ کس کو بنائیں گے؟ اس مفہومِ کلی کو آئینہ بنائیں گے۔ تو ان کی وضع تو عام ہے لیکن موضوع لہٗ خاص ہے۔ جس کے لیے آپ ہٰذَا لائے تو یہ آپ نے گویا اس کے لیے ہٰذَا وضع کر دیا بھائی۔

جبکہ متقدمین فرماتے ہیں کہ یہ جو ضمیریں ہیں، اسمائے اشارہ اور اسمائے موصولہ ہیں ان میں وضع بھی عام ہے اور موضوع لہٗ بھی عام ہے۔ ان کو وضع کیا گیا ہے مفہومِ کلی کے لیے بِشَرْطِ الْاِسْتِعْمَالِ فِي الْجُزْئِيَّاتِ۔ ان کو وضع کس کے لیے کیا گیا ہے؟ مفہومِ کلی کے لیے۔ یعنی ہُوَ کو وضع کیا گیا ہے ہر مذکر مفرد جس کا ماقبل میں ذکر ہو چکا ہو۔ ہٰذَا کو وضع کیا گیا ہے ہر مذکر مفرد جو کیا ہو؟ مبصر ہو آنکھوں سے دکھائی دے۔ البتہ استعمال یہ جزئیات میں ہوتے ہیں۔ وضع ان کی کس کے لیے ہے؟ مفہومِ کلی کے لیے اور استعمال کس میں ہوتے ہیں؟ جزئیات میں۔ بھائی مفہومِ کلی کے لیے ان کی وضع کیوں ہے اور جزئیات میں استعمال کی شرط کیوں لگائی؟ کہتے ہیں مفہومِ کلی کے لیے وضع اس لیے کہ جزئیات اس کی لامتناہی ہیں۔ ہر مفرد مذکر جس کا ذکر ماقبل میں ہو چکا ہو اس کے لیے ہُوَ استعمال ہو سکتا ہے، تو جزئیات محدود ہوئیں یا لامحدود ہوئیں؟ لامحدود ہوئیں۔ اگلے زمانے میں کچھ چیزیں جن کا ابھی وجود ہی نہیں ہے جو بھی آتی جائیں گی ایسی چیزیں، جو بھی ایسی چیز ہو گی جو مفرد مذکر ہو گی اور ماقبل میں ذکر ہو چکا ہو اس کے لیے آپ ہُوَ استعمال کر سکتے ہیں۔ تو اس کی جزئیات لامتناہی ہیں، وہ جزئیات ہمارے قابو میں نہیں آسکتیں، ان کا ہم احاطہ نہیں کر سکتے، لہٰذا ان جزئیات کے لیے اس کو وضع نہیں کریں گے بلکہ کس کے لیے کریں گے؟ مفہومِ کلی کے لیے ہی اس کو وضع کریں گے کیونکہ جزئیات میں انضباط نہیں۔ جزئیات میں... یعنی وہ ہمارے قابو میں نہیں آسکتیں، لیکن مفہومِ کلی ہمارے قابو میں ہے مفہومِ کلی ہمیں سمجھ میں آجاتا ہے۔ مفہومِ کلی کیا ہُوَ کا؟ جو بھی چیز کیا ہو؟ مفرد ہو اور مذکر ہو اور ماقبل میں اس کا ذکر ہو چکا ہو۔ یہ مفہومِ کلی جو ہے یہ تو منضبط ہے، یہ تو ہمارے قابو میں آتا ہے ہمیں سمجھ میں آجاتا ہے، لیکن ایک ایک جزئی جو ہے ان سب کا احاطہ ہم نہیں کر سکتے وہ انضباط

میں ہمارے قابو میں نہیں آسکتیں۔ لہٰذا وضع ہر ہر جزئی کے لیے نہیں ہے بلکہ یہ وضع بھی کس کے لیے ہے؟ مفہومِ کلی کے لیے، وہی اس کا موضوع لہٗ ہے۔ اور جزئیات میں استعمال کی شرط اس لیے لگائی کہ مفہومِ کلی کا وجود جزئیات کے ضمن میں ہی ہوتا ہے الگ اس کا وجود نہیں۔ حیوانِ ناطق کا وجود الگ دنیا میں نہیں ہے، وہ اس کے افراد زید، عمر، بکر، خالد ہی کے ضمن میں حیوانِ ناطق ہو سکتا ہے۔ تو حاصلِ کلام کیا متقدمین کیا فرماتے ہیں؟ کہ یہ ضمیریں، اسمائے اشارہ اور اسمائے موصولہ یہ کس کے لیے وضع ہیں؟ مفہومِ کلی کے لیے، وہی ان کا موضوع لہٗ ہے، البتہ ان کا استعمال کس میں ہوتا ہے؟ جزئیات میں ہوتا ہے۔

تو متاخرین کا مذہب کیا؟ کہ یہ ضمیریں، اسمائے اشارہ اور اسمائے موصولہ ان میں وضع تو عام ہے لیکن موضوع لہٗ خاص، ہر ہر فرد کے لیے ہر ہر جزئی کے لیے یہ علیحدہ وضع ہیں، وہ ان کا موضوع لہٗ ہے۔ اور جبکہ متقدمین کیا فرماتے ہیں؟ کہ ان کا موضوع لہٗ مفہومِ کلی ہی ہے البتہ یہ استعمال کس میں ہوتی ہیں؟ جزئیات میں ہوتی ہیں۔ یہ تو تفصیل تھی۔ اب جواب دیا، جواب یہ کہ وہ جو مشترکہ جواب دیا تھا وہ مبنی تھا متقدمین کے مذہب پر۔ اعتراض کیا کیا صاحبِ جامی نے؟ کہ یہ آپ کا جواب ٹوٹ جاتا ہے کس کے ذریعے؟ ضمیروں کے ذریعے۔ آپ نے جواب کیا دیا تھا؟ کہ اسم، فعل، حرف، جملہ، خبر ان کو لفظوں کے لیے وضع نہیں کیا گیا بلکہ کس کے لیے وضع کیا گیا ہے؟ مفہومِ کلی کے لیے وضع کیا گیا ہے۔ اس پر شارحِ جامی نے اعتراض کیا کہ ضمیروں وغیرہ ان کے اندر تو کوئی مفہومِ کلی ہوتا ہی نہیں ہے بلکہ وضع کس کے لیے ہوتی ہے؟ جزئیات کے لیے، ایک ایک فرد کے لیے، ان کا موضوع لہٗ تو خاص ہوتا ہے موضوع لہٗ عام ہوتا ہی نہیں، گویا لفظ کو لفظ کے لیے ہی وضع کیا جاتا ہے یہاں پر۔ تو اس کا جواب دیتے ہیں کہ وہ جو پیچھے جواب گزرا تھا اس کی بنیاد تھی متقدمین کے مذہب پر۔ متقدمین کے نزدیک یہ اسم، فعل، حرف وغیرہ اور یہ چیزیں وضع ہیں کس کے لیے؟ مفہومِ کلی کے لیے، اسی طرح یہ ضمیریں بھی کس کے لیے وضع ہیں؟ مفہومِ کلی کے لیے۔ تو لہٰذا متقدمین کے مذہب کے اعتبار سے یہاں کوئی اعتراض نہیں ہوتا۔ تو جواب تھا کس کے اعتبار سے؟ متقدمین کے اعتبار سے، اور جو اشکال کیا وہ کس کے اعتبار سے کیا؟ متاخرین کے مذہب کے اعتبار سے کیا ہے، لہٰذا یہ اعتراض اس پر وارد نہیں ہو سکتا۔ تفصیل سمجھ میں آگئی اچھی طرح؟

جی، ایک مرتبہ پھر ترجمہ دیکھ لیجیے۔ کہتے ہیں وَلَا يَخْفَى عَلَيْكَ أَنَّ هٰذَا الْحُكْمَ مَنْقُوْضٌ بِأَمْثَالِ الضَّمَائِرِ الرَّاجِعَةِ إِلٰى أَلْفَاظٍ مَّخْصُوْصَةٍ مُّفْرَدَةٍ أَوْ مُرَكَّبَةٍ اور یہ بات آپ پر مخفی نہیں ہے کہ یہ والا حکم جو ہے ٹوٹ جاتا ہے ضمیروں جیسی چیزوں کے ذریعے، وہ ضمیریں جو لوٹتی ہیں مخصوص الفاظ کی طرف مفرد ہوں یا مرکب۔ فَإِنَّ الْوَضْعَ فِيْهَا وَإِنْ كَانَ عَامًّا لٰكِنَّ الْمَوْضُوْعَ لَهُ خَاصٌّ اس لیے کیونکہ یہ جو ضمیریں وغیرہ ہیں ان میں وضع اگرچہ عام ہے لیکن موضوع لہٗ خاص ہے۔ فَلَيْسَ هُنَاكَ مَفْهُوْمٌ كُلِّيٌّ هُوَ الْمَوْضُوْعُ لَهُ فِي الْحَقِيْقَةِ تو یہاں کوئی ایسا مفہومِ کلی نہیں ہے کہ وہ موضوع لہٗ ہو حقیقت میں، یہاں کوئی ایسا مفہومِ کلی ہے ہی نہیں۔ یہ متاخرین کے نزدیک، بلکہ موضوع لہٗ یہاں خاص ہے مفہومِ کلی نہیں۔ تو جواب کیا ہوا؟ کہ وہ جو جواب

گزرا تھا وہ کس کے مذہب پر تھا؟ متقدمین کے مذہب پر، ان کے نزدیک وہ موضوع لہٗ عام ہے، تو یہ ضمیروں میں موضوع لہٗ عام ہے اور استعمال یہ جزئیات میں ہوتی ہیں۔ اور جو آپ نے اعتراض کیا وہ کس کے مذہب کو لے کر کیا؟ متاخرین کے مذہب کو لے کر کیا کہ ان کا موضوع لہٗ تو خاص ہے۔ تو یہ اعتراض نہیں ہو سکتا کیونکہ وہ جواب کس پر مبنی تھا؟ متقدمین کے مذہب پر۔ بات اچھی طرح سمجھ میں آگئی؟ چلیے بس وَهٰذَا هُوَ الْمَرَامُ وَاللّٰهُ أَعْلَمُ بِحَقِيْقَةِ الْكَلَامِ۔

سبق نمبر ۲۲: تعریفِ کلمہ (٦): «مُفْرَدٍ» کی قید اور اعراب و مفہوم کی تحقیق

شرحِ ملا جامی صفحہ: ۱۵ — بتاریخ: ۱۳ جولائی ۲۰۲۱ء

▪ تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث

مُفْرَدٍ وَهُوَ إِمَّا مَجْرُورٌ عَلَى أَنَّهُ صِفَةٌ لِمَعْنًى وَمَعْنَاهُ حِينَئِذٍ مَا لَا يَدُلُّ جُزْءُ لَفْظِهِ عَلَى جُزْئِهِ وَفِيهِ أَنَّهُ يُوهِمُ أَنَّ اللَّفْظَ مَوْضُوعٌ لِلْمَعْنَى الْمُتَّصِفِ بِالْإِفْرَادِ وَالتَّرْكِيبِ قَبْلَ الْوَضْعِ وَلَيْسَ الْأَمْرُ كَذَلِكَ فَإِنَّ اتِّصَافَ الْمَعْنَى بِالْإِفْرَادِ وَالتَّرْكِيبِ إِنَّمَا هُوَ بَعْدَ الْوَضْعِ۔ دیکھیے بھئی کتاب پر۔

اچھا بھئی، پہلے گزشتہ سبق کا خلاصہ سن لیجیے بھئی۔ گزشتہ سبق میں شارحِ جامی نے ایک اعتراض کیا، البتہ اس کا جواب ذکر نہیں کیا، اور میں نے اس کا جواب بھی ذکر کر دیا تھا۔ اعتراض سے پہلے دراصل وہاں دو سوال، دو اعتراض ہوئے تھے اور ملا جامی رحمہ اللہ نے دونوں کا الگ الگ بھی جواب دیا اور پھر ایک مشترکہ جواب دیا تھا، اکٹھا دونوں کا۔ اور اس جواب پر، جو اکٹھا جواب تھا، مشترکہ جواب تھا، اس پر اعتراض وارد ہوتا تھا۔

اعتراض سب سے پہلے یہ ہوا تھا کہ اَلْكَلِمَةُ لَفْظٌ وُضِعَ لِمَعْنًى مُفْرَدٍ، کلمہ ایسا لفظ ہے جس کو معنیٰ کے لیے وضع کیا جاتا ہو۔ تو اس پر اشکال ہوا کہ کبھی کبھار تو لفظ کو لفظ کے لیے بھی وضع کیا جاتا ہے، وہ تو اس تعریف سے نکل گیا بھئی۔ جیسے اِسْمٌ کو وضع کیا گیا ہے كِتَابٌ، قَلَمٌ، رَجُلٌ، فَرَسٌ، زَيْدٌ، بَكْرٌ، عَمْرٌو وغیرہ کے لیے، تو یہ تو اس تعریف سے خارج ہو گیا۔ تو اس کا پہلا جواب دیا تھا، پہلا تسلیمی جواب تھا کہ ہاں ہمیں آپ کا اعتراض تسلیم ہے، کبھی لفظ کو لفظ کے لیے بھی وضع کر لیا جاتا ہے، لیکن یہاں معنیٰ عام ہے۔ مَعْنًى مَا يَتَعَلَّقُ بِهِ الْقَصْدُ، معنیٰ وہ چیز ہے جس کے ساتھ ارادہ متعلق ہو جائے، یعنی جس کا ارادہ کر لیا جائے، وہ لفظ بھی ہو سکتا ہے اور غیرِ لفظ بھی ہو سکتا ہے، تو لفظ معنیٰ کے اندر ہی داخل ہے۔

دوسرا اشکال پھر یہ ہوا تھا کہ تو پھر اس کا آپ کیا جواب دیں گے کہ بعض اوقات لفظ کو مرکب معنیٰ کے لیے وضع کر لیا جاتا ہے۔ جیسے زَيْدٌ قَائِمٌ، اس کو کیا کہتے ہیں؟ جُمْلَةٌ۔ تو جُمْلَةٌ وضع ہے کس کے لیے؟ زَيْدٌ قَائِمٌ اور اس جیسے مرکبات کے لیے، یعنی جو جملے ہیں، تو جہ ہے؟ تو جملہ تو مرکب ہوتا ہے، کیونکہ زَيْدٌ قَائِمٌ کا کیا معنیٰ؟ زید کھڑا ہے۔ تو جزِ لفظ کیا کر رہا ہے؟ جزِ معنیٰ پر دلالت کر رہا ہے۔ تو معلوم ہوا زَيْدٌ قَائِمٌ مرکب ہے، اور اس کے لیے ایک لفظ جُمْلَةٌ وضع کر لیا۔ حالانکہ آپ

نے کلمہ کی تعریف میں کیا کہا؟ اَلْكَلِمَةُ لَفْظٌ وُضِعَ لِمَعْنًى مُفْرَدٍ۔ وہاں تو آپ نے معنیٰ کے ساتھ مفرد کی قید لگائی، اور معنیٰ عام ہے اس سے لفظ بھی مراد ہو سکتا ہے، معلوم ہوا وہ لفظ بھی کیا ہونا چاہیے؟ مفرد ہونا چاہیے۔ لہٰذا یہاں پر تو زَيْدٌ قَائِمٌ وہ مفرد نہیں ہے بلکہ مرکب ہے کیونکہ جزِ لفظ جزِ معنیٰ پر دلالت کر رہا ہے۔ زَيْدٌ کا معنیٰ اور ہے، قَائِمٌ کا معنیٰ اور ہے، اور دونوں اپنے اپنے معنیٰ پر دلالت کر رہے ہیں۔

تو اس کا جواب دیا تھا کہ یہاں زَيْدٌ قَائِمٌ میں دو حیثیتیں ہیں۔ ایک حیثیت ہے ان کے ترجمے کی طرف نظر کرتے ہوئے، اور ایک حیثیت ہے کہ زَيْدٌ قَائِمٌ کو جملہ کہتے ہیں، اس کا نام کیا ہے؟ جملہ۔ تو زَيْدٌ قَائِمٌ کو اگر اس کے ترجمے کی طرف نظر کریں تو زَيْدٌ قَائِمٌ، جزِ لفظ جزِ معنیٰ پر دلالت کر رہا ہے، لہٰذا زَيْدٌ قَائِمٌ کیا ہے؟ مرکب ہے۔ اور زَيْدٌ قَائِمٌ بایں لحاظ کہ اس کے لیے جو لفظ وضع کیا گیا ہے یعنی جُمْلَةٌ، وہ جُمْلَةٌ، اس میں جزِ لفظ جزِ معنیٰ پر دلالت نہیں کر رہا۔ جُمْلَةٌ کا کیا معنیٰ مثلاً؟ زَيْدٌ قَائِمٌ۔ تو جُمْلَةٌ کا جیم زید پر دلالت کرے، میم جو ہے قَائِمٌ پر دلالت کرے، ایسا نہیں ہے۔ تو جزِ لفظ جزِ معنیٰ پر دلالت نہیں کر رہا، بایں اعتبار زَيْدٌ قَائِمٌ مفرد ہے۔ زَيْدٌ قَائِمٌ مفرد ہے کہ اس کے لیے جو لفظ وضع کیا گیا ہے۔ دیکھو، زَيْدٌ قَائِمٌ یہ معنیٰ ہے کس کا؟ جملے کا۔ جملے کے ذریعے اس کا ارادہ کیا گیا ہے نا، تو یہ معنیٰ ہے جملے کا، اور معنیٰ کا مفرد ہونا ضروری ہے۔ اور مفرد معنیٰ کسے کہتے ہیں؟ کہ اس معنیٰ کے لیے جو لفظ وضع کیا گیا ہو، زَيْدٌ قَائِمٌ کے لیے کیا وضع کیا گیا؟ جُمْلَةٌ۔ تو زَيْدٌ قَائِمٌ کے لیے جو لفظ وضع کیا گیا ہے، اگر جزِ لفظ اس کے جزِ معنیٰ پر دلالت کرے تو اس معنیٰ کو کیا کہیں گے؟ اس کو مرکب کہیں گے، ورنہ اس کو مفرد کہیں گے۔ تو گویا زَيْدٌ قَائِمٌ کی دو حالتیں ہیں، ایک حالت اس کے ترجمے کی طرف نظر کرتے ہوئے، اس حیثیت سے یہ مرکب ہے، اور ایک اس کے لیے جو لفظ وضع کیا گیا ہے اس کی طرف نظر کرتے ہوئے یہ مفرد ہے۔ تو لہٰذا یہاں پر بھی جُمْلَةٌ کو معنیٰ مفرد کے لیے ہی وضع کیا گیا ہے، مرکب کے لیے وضع نہیں کیا گیا۔

پھر ان دونوں کا ایک مشترکہ جواب دیا تھا۔ مشترکہ جواب دیا تھا اور وہ منعی جواب تھا کہ ہمیں آپ کا اعتراض تسلیم نہیں۔ آپ نے تو کیا کہا؟ دونوں اعتراضوں کی بنیاد اس بات پر تھی کہ لفظ کو کبھی لفظ کے لیے وضع کر لیا جاتا ہے، اور شارحِ جامی نے اعتراض کو تسلیم کر کے جواب دیے تھے۔ دوسرا جواب منعی دیا، اکٹھا دونوں کا کہ نہیں، ہمیں آپ کی یہ بات تسلیم نہیں کہ لفظ کو لفظ کے لیے وضع کر لیا جاتا ہے۔ اِسْمٌ، فِعْلٌ، حَرْفٌ، جُمْلَةٌ، خَبَرٌ، ان کو لفظوں کے لیے وضع نہیں کیا گیا بلکہ مفہومِ کلی کے لیے وضع کیا گیا ہے۔ اسم کسے کہتے ہیں؟ ایسا کلمہ جو اپنے معنیٰ پر خود بخود دلالت کرے اور تین زمانوں میں سے کوئی زمانہ اس کے ساتھ ملا ہوا نہ ہو۔ تو اس کا، اسم کا مَوْضُوعٌ لَهُ جو ہے وہ زید، عمرو، بکر وغیرہ نہیں ہیں، یعنی وہ لفظ نہیں ہیں بلکہ یہ مفہومِ کلی ہے، مفہومِ کلی ہے۔

تو حاصلِ کلام یہ ہوا اس جواب کا کہ لفظ کو لفظ کے لیے وضع نہیں کیا جاتا بلکہ مفہومِ کلی کے لیے وضع کیا جاتا ہے۔ اس پر شارحِ جامی نے پھر اعتراض کیا تھا کہ آپ کی یہ بات اِسْمٌ، فِعْلٌ، جُمْلَةٌ، خَبَرٌ وغیرہ میں تو چل جائے گی، لیکن ضمیریں

اور اس جیسی چیزیں جو ہیں یعنی اسمِ اشارہ، اسمِ موصول وغیرہ میں نہیں چلیں گی۔ اس لیے کیونکہ وہاں پر جب ضمیر مثلاً ایک لفظ کی طرف راجع ہے تو وہی لفظ ہی اس کا مَوْضُوعٌ لَهُ ہے۔ ضمیر کو اس لفظ ہی کے لیے وضع کیا گیا ہے۔ وہاں کوئی مفہومِ کلی نہیں ہے، اس کو کس کے لیے وضع کیا گیا ہے؟ ایک خاص لفظ کے لیے وضع کیا گیا ہے، وہاں مفہومِ کلی نہیں ہے۔ جیسے دیکھو مثلاً آپ کہتے ہیں زَيْدٌ، تو میں فوراً کہتا ہوں هُوَ مُفْرَدٌ۔ یہ هُوَ کے ذریعے اشارہ ہے اس لفظِ زید جو آپ نے کہا۔ آپ نے لفظ کیا کہا؟ زید۔ میں نے کیا کہا؟ هُوَ مُفْرَدٌ۔ تو یہ هُوَ کے ذریعے اشارہ ہے کس کی طرف؟ لفظِ زید کی طرف، اور لفظِ زید جو ہے وہ ایک خاص لفظ ہے، اور یہ هُوَ کا مَوْضُوعٌ لَهُ ہے۔ یہاں جو میں نے هُوَ ضمیر کو وضع کیا، کس کے لیے وضع کیا؟ لفظِ زید کے لیے۔ تو لفظِ زید اس کا مَوْضُوعٌ لَهُ ہوا، اور لفظِ زید وہ تو ایک خاص لفظ ہے، وہ کوئی مفہومِ کلی نہیں ہے۔ یا اسی طرح آپ کہتے ہیں زید، میں نے کہا هَذَا مُفْرَدٌ۔ یہ جو آپ نے لفظِ زید کہا تھا، هَذَا کے ذریعے میں نے اس کی طرف اشارہ کر دیا۔ تو یہ هَذَا کا مَوْضُوعٌ لَهُ کیا ہے؟ لفظِ زید ہے جو کہ خاص ہے، ایک خاص لفظ ہے، تو یہاں کوئی مفہومِ کلی نہیں۔ یا اسی طرح میں کہتا ہوں اَلَّذِي قُلْتَهُ مُفْرَدٌ، وہ جو لفظ آپ نے کہا وہ، آپ نے زید کہا اور میں نے کیا کہا؟ اَلَّذِي قُلْتَهُ مُفْرَدٌ، وہ جو لفظ آپ نے کہا ہے وہ مفرد ہے۔ تو دیکھا؟ یہ اسمِ موصول کو میں نے وضع کیا کس کے لیے؟ لفظِ زید کے لیے، تو یہاں مَوْضُوعٌ لَهُ خاص ہے۔ پہلے تو آپ نے مشترکہ جواب تو کیا دیا تھا؟ لفظ لفظ کے لیے وضع نہیں ہوتا بلکہ کس کے لیے وضع ہوتا ہے؟ مفہومِ کلی کے لیے۔ یہاں تو دیکھو هُوَ کو وضع کیا زید کے لیے، هَذَا کو وضع کیا زید کے لیے، اَلَّذِي قُلْتَهُ کو وضع کیا کس کے لیے؟ زید کے لیے۔ تو یہاں تو ایک خاص لفظ کے لیے ان تینوں چیزوں کو، ضمیر، اسمِ اشارہ، اسمِ موصول کو وضع کیا گیا، وہ خاص لفظ ان کا مَوْضُوعٌ لَهُ ہے، یہاں کوئی مفہومِ کلی اس کا مَوْضُوعٌ لَهُ نہیں ہے، تو آپ کا جواب اس میں، ان میں نہیں چل سکتا۔

اس پر پھر میں نے آپ کو تفصیل بتلائی تھی کہ سب سے پہلے وضع کی قسمیں سمجھ لیں، کہ وضع چار قسم پر ہے۔ وضع بھی عام ہو اور مَوْضُوعٌ لَهُ بھی عام۔ دوسری قسم وضع بھی خاص ہو اور مَوْضُوعٌ لَهُ بھی خاص۔ تیسری قسم وضع عام ہو لیکن مَوْضُوعٌ لَهُ خاص۔ اور چوتھی صورت کہ وضع خاص ہو اور مَوْضُوعٌ لَهُ عام ہو۔

وضع بھی عام ہو اور مَوْضُوعٌ لَهُ بھی عام ہو، اسے کہتے ہیں کہ ایک چیز کا تصور کیا جائے معنیٰ عام کے اعتبار سے۔ ایک چیز کا تصور کیا جائے معنیٰ عام کے اعتبار سے، اور پھر اس معنیٰ عام ہی کو اس کے لیے مَوْضُوعٌ لَهُ بنا دیا جائے۔ جیسے انسان کا تصور کیا ایک معنیٰ عام یعنی کسے کہتے ہیں انسان؟ حیوانِ ناطق۔ تو انسان کا تصور کیا حیوانِ ناطق کے اعتبار سے اور حیوانِ ناطق معنیٰ عام ہے، مفہومِ کلی ہے۔ زید وہ بھی کیا ہے؟ حیوانِ ناطق۔ بکر وہ بھی کیا ہے؟ حیوانِ ناطق۔ خالد وہ بھی کیا ہے؟ حیوانِ ناطق۔ تو یہ ایک معنیٰ عام ہے، مفہومِ کلی ہے، تو انسان کا تصور کیا ایک مفہومِ کلی کے اعتبار سے اور پھر اسی مفہومِ کلی کو مَوْضُوعٌ لَهُ بنا دیا انسان کے لیے، کہ انسان وضع ہے کس کے لیے؟ حیوانِ ناطق کے لیے۔

اور وضع خاص ہو اور مَوْضُوعٌ لَهُ بھی خاص ہو، جیسے مثلاً آپ زید کا تصور کرتے ہیں۔ زید کا تصور کیا معنیٰ خاص کے ساتھ، کس کے ساتھ؟ معنیٰ خاص کیا ہے زید کا؟ کہ وہ ایک انسان ہے اور اس کی یہ یہ علامتیں ہیں، اس کے بال ایسے ہیں، آنکھیں ایسی ہیں، چہرہ ایسا ہے، ہاتھ ایسے ہیں، قد اس کا اتنا ہے، رنگ اس کا ایسا ہے، یہ سارے جو تشخصات ہیں جو اس کی پہچان کرواتے ہیں۔ توجہ ہے؟ ورنہ تو باقی تمام ساتھی آپ کے ایک جیسے ہیں، سب کی دو آنکھیں ہیں، دو کان ہیں، سر ہے، دو ہاتھ پاؤں، لیکن یہ جو پہچان کی چیزیں ہوتی ہیں جن کے ذریعے آپ پہچانتے ہیں کہ یہ فلاں ساتھی ہے، یہ فلاں ساتھی ہے، یہ کس کے ذریعے پہچانتے ہیں؟ یہ انہی، یہ اس کی آنکھوں کا رنگ ہے، اس کا چہرہ ہے، اس کا قد ہے، اس کے بالوں کا رنگ ہے وغیرہ، یہ ساری چیزیں اس کے کیا ہیں؟ تشخصات کہلاتے ہیں۔ تو مثلاً زید، آپ نے زید کا تصور کیا کس کے ساتھ؟ کہ حیوانِ ناطق ہے اور اس کے یہ یہ تشخصات ہیں، اور پھر انہی کو کیا بنا دیا؟ انہی کو مَوْضُوعٌ لَهُ بنا دیا کس کے لیے؟ زید کے لیے، کہ زید کس کا نام ہے؟ حیوانِ ناطق ہو یعنی انسان ہو اور اس کے یہ یہ تشخصات ہوں۔ تو دیکھو وضع بھی خاص، کہ زید کا تصور کیا کس اعتبار سے؟ معنیٰ خاص کے اعتبار سے۔ معنیٰ خاص کیسے ہے؟ صرف حیوانِ ناطق ہوتا وہ تو معنیٰ عام ہے، لیکن حیوانِ ناطق کے ساتھ اس کے تشخصات بھی ہیں، تو اب یہ معنیٰ کیا بن گیا؟ خاص۔ یہ صرف زید پر صادق آتا ہے کسی اور پر نہیں۔ اوروں کا نہ قد اس جیسا ہے، نہ چہرہ اس جیسا ہے، نہ رنگ اس جیسا ہے۔ تو یہ جو خاص معنیٰ کا تصور کیا، اور اسی خاص معنیٰ کو کیا کر دیا؟ مَوْضُوعٌ لَهُ قرار دے دیا کس کے لیے؟ زید کے لیے۔ تو یہ ہے وضع بھی خاص اور مَوْضُوعٌ لَهُ بھی خاص۔

تیسری صورت یہ ہے کہ وضع ہو عام اور مَوْضُوعٌ لَهُ ہو خاص۔ جیسے مثلاً کسی شے کا آپ تصور کرتے ہیں معنیٰ عام کے اعتبار سے، اور پھر اس معنیٰ عام کو آئینہ اور آلہ بناتے ہیں اس کی جزئیات کو دیکھنے کے لیے، اور پھر اس لفظ کو وضع کرتے ہیں اس کی جزئیات میں سے ایک ایک جزئی کے لیے، ایک ایک جزئی کے لیے علیحدہ وضع کرتے ہیں۔ تو وضع تو ہے عام، وضع تو ہے عام لیکن مَوْضُوعٌ لَهُ ایک ایک جزئی ہے، کبھی وہ زید ہے، کبھی عمرو ہے، کبھی بکر ہے، کبھی خالد ہے، تو مَوْضُوعٌ لَهُ کیا ہوا؟ خاص ہو گیا۔

مثلاً دیکھو، هُوَ ضمیر ہے، هُوَ ضمیر ہے۔ مثلاً آپ نے لفظِ زید کہا، اب میں نے فوراً کیا کہا؟ هُوَ مُفْرَدٌ۔ یہ هُوَ کے ذریعے اشارہ ہے کس کی طرف؟ زید کی طرف۔ کس کی طرف؟ زید کی طرف۔ تو پہلے میں نے زید کا تصور کیا ایک معنیٰ عام کے اعتبار سے۔ کس کے اعتبار سے؟ میں زید کی طرف هُوَ ضمیر لوٹانا چاہتا ہوں، تو سب سے پہلے میں نے اس کا معنیٰ عام کے اعتبار سے تصور کیا کہ زید کیا ہے؟ کیا ہونا چاہیے؟ مفرد، مذکر اور ماقبل میں اس کا ذکر ہو چکا ہو۔ تو یہ ایک معنیٰ عام کا میں نے تصور کیا۔ توجہ ہے؟ معنیٰ عام کا تصور کیا، اس کو آلہ بنایا، مرآت بنایا، اور اس آلے اور اس آئینے میں میں نے دیکھا تو زید اس کی شرائط پہ پورا اتر رہا تھا، زید اس کے اندر نظر آ رہا تھا، تو پھر میں نے اس زید کے لیے هُوَ ضمیر کو کیا کر دیا؟ وضع کر

دیا۔ تو یہ هُوَ ضمیر مفرد، مذکر اور جس کا ذکر پہلے ہو چکا ہو اس کے لیے نہیں وضع، بلکہ زید کے لیے وضع کر، میں نے کس کے لیے وضع کر دی؟ آپ جس کے لیے هُوَ بولیں گے گویا آپ نے اس کے لیے هُوَ کو وضع کر دیا۔ آپ هَذَا کے ذریعے جس چیز کی طرف بھی اشارہ کریں گے گویا آپ نے هَذَا کو اس کے لیے وضع کر دیا۔ مثلاً میرے سامنے یہ کتاب ہے، تو میں اس کی طرف اشارہ کرتا ہوں هَذَا کِتَابٌ، تو میں نے هَذَا کو اس کے لیے کیا کر دیا؟ وضع کر دیا۔ میرے سامنے قلم موجود ہے، میں اس کی طرف هَذَا کے ذریعے اشارہ کرتا ہوں، میں کہتا ہوں هَذَا قَلَمٌ، تو میں نے گویا هَذَا کو کس کے لیے وضع کر دیا؟ اس قلم کے لیے۔ توجہ ہے؟ تو یہ جو هُوَ، هَذَا اور اسمِ موصول ہے، ہر ایک کے لیے اس کی الگ الگ وضع ہے۔ آپ ہزار جگہ هَذَا استعمال کریں تو گویا آپ نے ہزار چیزوں کے لیے الگ الگ هَذَا کو وضع کر دیا۔ لیکن کیا هَذَا ہر چیز کو کہیں گے؟ یا وہ مفرد ہونی چاہیے، مذکر ہونی چاہیے اور آنکھوں سے نظر آنی چاہیے؟ یہ شرطیں اس میں ہونی چاہئیں۔ کیا ہو؟ مفرد ہو، مذکر ہو اور آنکھوں سے وہ نظر آئے۔ لہٰذا کُرَّاسَةٌ

کُرَّاسَةٌ کاپی کو کہتے ہیں جس میں لکھتا ہے انسان۔ اب اس کے لیے میں هَذَا استعمال نہیں کر سکتا، کیونکہ وہ ان شرائط پر پورا نہیں۔ وہ مفرد تو ہے، آنکھوں سے نظر بھی آ رہی ہے کاپی، لیکن مذکر نہیں ہے کہ اس کے آخر میں تائے تانیث جڑی ہوئی ہے۔ جس کے لیے بھی میں هَذَا کو وضع کروں گا، پہلے اس کو اس آئینے میں دیکھوں گا کہ یہ اس مفہومِ کلی پر پورا اترتا ہے یا نہیں۔ میں نے دیکھا، مثلاً میں کتاب کی طرف هَذَا کے ذریعے اشارہ کرنا چاہتا ہوں۔ تو میں نے اس مفہومِ کلی کو آئینہ اور آلہ بنایا، اور اس مفہومِ کلی میں کیا کیا شرائط تھیں؟ مفرد ہو، مذکر ہو، آنکھوں سے نظر آئے۔ یہ تینوں چیزیں پوری تھیں کتاب کے اندر، یعنی یوں سمجھو اس آئینے میں کتاب نظر آ رہی تھی۔ تو میں نے اس کے لیے کیا لفظ وضع کر دیا؟ هَذَا کا لفظ وضع کر دیا۔ تو میں نے گویا تصور کیا ایک معنیٰ عام کا، لیکن اس معنیٰ عام کو میں نے مَوْضُوعٌ لَهُ نہیں بنایا، بلکہ اس کو صرف واسطہ اور ذریعہ بنایا ہے۔ مَوْضُوعٌ لَهُ میں نے کس کو بنایا؟ اس خاص چیز کو، اس یعنی اس کے لیے اس هَذَا کو میں نے وضع کر دیا۔ اب میں کُرَّاسَةٌ کے لیے هَذَا وضع کرنا چاہتا ہوں، لیکن وہ جو آئینہ لے کر آیا، اس آئینے میں میں کُرَّاسَةٌ کو دیکھنے کی کوشش کرتا ہوں، وہ نظر ہی نہیں آ رہا۔ کیوں نہیں نظر آ رہا؟ کیونکہ اس میں شرطیں پوری نہیں ہیں، لہٰذا اس کے لیے اب میں هَذَا کو وضع نہیں کر سکتا بھئی۔

تو ان میں دیکھو، وضع ہے عام اور مَوْضُوعٌ لَهُ ہے خاص۔ یعنی اس معنیٰ عام کا بھی تصور آپ کرتے ہیں، جس کے لیے بھی آپ نے هُوَ کو وضع کرنا ہے یا جس کے لیے بھی هَذَا کو وضع کرنا ہے، اس معنیٰ عام کا بھی آپ کو کیا کرنا پڑے گا؟ تصور۔ لیکن اس معنیٰ عام کے لیے آپ هَذَا اور هُوَ کو وضع نہیں کریں گے، اس معنیٰ عام کو آپ صرف واسطہ بنائیں گے، آلہ بنائیں گے، اور مَوْضُوعٌ لَهُ کس کو بنائیں گے؟ وہ خاص چیز جس کی طرف آپ هُوَ کے ذریعے اشارہ کریں، وہ مَوْضُوعٌ لَهُ کہلائے گا۔ تو یہ وضع ہے عام اور مَوْضُوعٌ لَهُ ہے خاص۔

اور چوتھی صورت یہ تھی کہ وضع خاص ہو اور مَوْضُوعٌ لَهُ عام ہو۔ میں نے بتایا اس کی کوئی مثال واقع میں نہیں ہے۔ ایسا کہیں نہیں کہ وضع خاص ہو اور مَوْضُوعٌ لَهُ عام ہو، یہ ایک عقلی احتمال ہے، تو اس کو بھی ساتھ ویسے ذکر کر دیا جاتا ہے۔

اب اشکال یہ ہوتا ہے، صاحبِ جامی نے جو اشکال ذکر کیا تھا کہ آپ نے کیا کہا تھا؟ کہ لفظ کو لفظ کے لیے وضع نہیں کیا جاتا بلکہ لفظ کو مفہومِ کلی کے لیے وضع کیا جاتا ہے۔ تو ضمیریں، اسمائے اشارہ، اسمائے موصولہ، اس کے ذریعے جب کس کی طرف اشارہ ہو، کون مراد ہو؟ لفظ۔ کیا مراد ہو؟ لفظ۔ تو یہ جو ضمیر یا اسمِ اشارہ وغیرہ کو جو وضع کیا گیا، اس کو وضع بھی اسی خاص لفظ کے لیے وضع کیا گیا ہے۔ آپ نے زَيْدٌ کہا، میں نے کہا هُوَ مُفْرَدٌ۔ یہ هُوَ سے کس کی طرف اشارہ ہے؟ کون مراد ہے؟ زید مراد ہے۔ تو دیکھو یہاں هُوَ لفظِ زید کے لیے وضع ہے، کہ یہاں کوئی مفہومِ کلی نہیں جس کے لیے هُوَ کو وضع کیا گیا ہو۔ تو آپ نے جو کیا کہا تھا کہ لفظ کو لفظ کے لیے وضع نہیں کرتے بلکہ کس کے لیے وضع کرتے ہیں؟ مفہومِ کلی کے لیے وضع کرتے ہیں، یہاں تو کوئی مفہومِ کلی ہے ہی نہیں، یہاں تو هُوَ کو لفظِ زید کے لیے وضع کیا ہے، یا هَذَا کو لفظِ زید کے لیے وضع کیا ہے۔

بات سمجھ میں آگئی؟ تو اس کا جواب بھی میں نے دیا تھا، بتلایا تھا کہ علماء اس کا جواب دیتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ دراصل یہاں دو مذاہب ہیں۔ ایک متقدمین کا مذہب ہے، ایک متاخرین کا۔ متقدمین جو علماء پہلے گزرے، متاخرین جو بعد والے آئے۔ تو متقدمین علماء کا مذہب یہ ہے کہ یہ جو ضمیریں، اسمائے اشارہ، اسمائے موصولہ وغیرہ ہیں، ان میں وضع بھی عام ہے اور مَوْضُوعٌ لَهُ بھی عام ہے۔ یا یوں کہو کہ ان میں مَوْضُوعٌ لَهُ عام ہوتا ہے بِشَرْطِ الْاِسْتِعْمَالِ فِي الْجُزْئِيَّاتِ۔ مَوْضُوعٌ لَهُ کیا ہوتا ہے؟ عام ہوتا ہے۔ هُوَ کو زید کے لیے نہیں وضع کیا، مثلاً آپ نے کہا زید، میں نے کیا کہا؟ هُوَ مُفْرَدٌ، هُوَ کے ذریعے اشارہ ہے کس کی طرف؟ زید کی طرف۔ تو متقدمین کہتے ہیں یہ جو هُوَ کے ذریعے آپ نے اشارہ کیا کس کی طرف؟ زید کی طرف، تو یہ آپ نے هُوَ کو زید کے لیے وضع نہیں کیا، بلکہ وضع تو هُوَ اسی معنیٰ کلی کے لیے ہے۔ کون سا؟ کہ جو بھی چیز مفرد ہو، مذکر ہو اور اس کا ذکر پہلے ہو چکا ہو، تو اس کے لیے هُوَ وضع ہے۔ ہاں البتہ استعمال یہ جزئیات میں ہوتی ہے، افراد میں ہوتی ہے، کبھی زید کے لیے استعمال ہو گی، کبھی بکر کے لیے، کبھی خالد کے لیے، کبھی کتاب کے لیے، کبھی قلم کے لیے۔ تو یوں کہے، مَوْضُوعٌ لَهُ اس کا عام ہی ہے، مفہومِ کلی ہی ہے، ہاں البتہ یہ استعمال کس میں ہوتی ہے؟ جزئیات میں ہوتی ہے، اور یہ ہے متقدمین کا مذہب۔

جبکہ متاخرین جو ہیں وہ کہتے ہیں کہ جن لفظوں کی طرف هُوَ یا هَذَا کے ذریعے اشارہ کیا جائے، یہ انہی کے لیے وضع ہے۔ تو وہ یہ ان کا مَوْضُوعٌ لَهُ ہیں، یہ ان کا مَوْضُوعٌ لَهُ ہیں۔ اور یہ اختلاف کی وجہ کیا ہے، اختلاف کیوں کرتے ہیں؟ دراصل متاخرین کہتے ہیں کہ یہ جو هُوَ، هَذَا وغیرہ آپ استعمال کرتے ہیں، یہ انہی چیزوں کے لیے آپ وضع کرتے ہیں۔ آپ نے

هُوَ کے ذریعے زید کی طرف اشارہ کیا تو کہیں گے آپ نے هُوَ کو زید کے لیے وضع کر دیا۔ هُوَ کے ذریعے جب آپ عمرو کی طرف اشارہ کریں گے، عمرو مراد لیں گے، تو ہم کہیں گے آپ نے هُوَ کو عمرو کے لیے وضع کر دیا۔ یہ وضع ہے جزئیات کے لیے، لیکن مفہومِ کلی کو بھی ملحوظ رکھنا پڑتا ہے، اس لیے کیونکہ جزئیات بہت زیادہ ہیں اور تمام جزئیات موجود بھی نہیں، کچھ جزئیات تو ابھی ہیں، کچھ گزر چکی ہیں، کچھ اگلے زمانے میں آئیں گی جن کا ابھی وجود ہی نہیں ہے، اگلے زمانے میں ان کا وجود ہو گا، تو جزئیات ساری موجود بھی نہیں، کچھ موجود ہیں اور کچھ معدوم ہیں۔ اسی طرح کچھ جزئیات حاضر ہیں اور کچھ جزئیات آپ کے پاس سے غائب ہیں۔ تو هُوَ صرف آپ استعمال کرتے ہیں یا اور افراد بھی استعمال کرتے ہیں؟ تو جس کے لیے آپ استعمال کر رہے ہیں وہ تو ٹھیک ہے آپ کے پاس موجود یا آپ کے ذہن میں حاضر ہے، لیکن باقی تمام چیزیں تو آپ کے ذہن میں حاضر نہیں۔ هُوَ کو آپ وضع کر سکتے ہیں ہر مفرد مذکر چیز کے لیے جس کا ذکر پہلے ہو چکا ہو، لیکن یہ تمام جزئیات بیک وقت حاضر بھی نہیں اور موجود بھی نہیں، کچھ کا وجود ابھی ہے ہی نہیں، وہ مستقبل میں ان کا وجود ہو گا۔ تو لہٰذا، لہٰذا مفہومِ کلی کو پھر واسطہ اور آئینہ بنایا جاتا ہے، اس میں دیکھا جاتا ہے۔ جس چیز کے لیے بھی آپ هُوَ وضع کرنا چاہتے ہیں پہلے اس آئینے میں دیکھ لو کہ اس کے اندر وہ شرطیں پوری ہیں، مفرد ہے، مذکر ہے، پہلے اس کا ذکر ہو چکا ہے، تو پھر آپ اس کے لیے هُوَ کیا کر دیں گے؟ وضع کر دیں گے، تو یہ ہر فرد کے لیے ہی وضع ہے۔

یہ تو تھا متاخرین کا مذہب، جبکہ متقدمین کا مذہب یہ ہے کہ جزئیات کے لیے یہ وضع نہیں، یہ جزئیات کے لیے وضع نہیں ہیں، جزئیات میں یہ استعمال ہوتے ہیں هُوَ اور هٰذَا، یہ وضع مفہومِ کلی کے لیے ہیں۔ اس لیے کیونکہ جزئیات بہت زیادہ ہیں، وہ ہمارے قابو میں نہیں آ سکتیں بھئی۔ کچھ ابھی ہیں، کچھ ابھی اگلے زمانے میں آئیں گی، ان کو ہم جانتے ہی نہیں ہیں۔ کچھ ہمارے سامنے ہیں، ہمارے ذہن میں حاضر ہیں، ہمارے آس پاس ہیں، کچھ دنیا کے دوسرے کونوں میں ہیں، جس کے، ہر ایک عربی بولنے والا ان کے لیے هُوَ استعمال کرے گا یعنی جو بھی مفرد مذکر چیز ہو گی اور ماقبل میں ذکر ہو گا۔ تو لہٰذا یہ سارے نہ ہمارے ذہن میں حاضر ہیں، نہ ہمارے پاس موجود ہیں، تو جزئیات جو ہیں وہ ہمارے قابو میں نہیں، ہماری گرفت میں نہیں آ سکتیں، تو جبکہ مَوْضُوعٌ لَهُ جو ہے وہ تو ایسا ہونا چاہیے جو گرفت میں آ سکے، قابو میں آ سکے، تو لہٰذا وہ کہتے ہیں اس کو وضع کیا گیا ہے مفہومِ کلی کے لیے۔ هُوَ ایک مفہومِ کلی کے لیے وضع ہے، اور جن جن چیزوں میں آپ استعمال کریں گے وہ اس کے افراد ہیں، وہ اس کے مَوْضُوعٌ لَهُ نہیں ہیں۔

تو جواب اس کا یہ کہ بھئی یہ آپ نے جو پیچھے جو جواب دیا تھا وہ متقدمین کے مذہب پر تھا، اور جو اعتراض کر رہے ہیں وہ متاخرین کے مذہب کو لے کر کر رہے ہیں کہ ان کے نزدیک هُوَ اور هٰذَا وغیرہ جو ہیں ان کا مَوْضُوعٌ لَهُ خاص ہوتا ہے۔ کیا ہوتا ہے؟ حالانکہ متقدمین کے نزدیک تو کیا ہوتا ہے؟ مَوْضُوعٌ لَهُ خاص نہیں ہوتا بلکہ مفہومِ کلی ہوتا ہے۔ تو جو جواب دیا گیا تھا وہ کس کے مذہب پر مبنی تھا؟ متقدمین کے مذہب پر، اور اعتراض کس کو لے کر کر رہے ہیں؟ متاخرین کے مذہب کو، تو

متاخرین کے مذہب کو لے کر آپ متقدمین کے مذہب پر اعتراض نہیں کر سکتے۔ متقدمین کے مذہب کے مطابق یہ ضمیروں کے اندر بھی ایک مفہومِ کلی ہوتا ہے اور یہ انہی کے لیے وضع ہوتی ہیں، لہٰذا یہ اعتراض ان پر وارد ہی نہیں ہوتا۔ تفصیل سمجھ میں آگئی۔ اب آگے دیکھیے بھئی۔

▪ متنِ کتاب و تحقیقِ مسائلِ نحویہ

مُفْرَدٍ وَهُوَ إِمَّا مَجْرُورٌ عَلَى أَنَّهُ صِفَةٌ لِمَعْنًى وَمَعْنَاهُ حِينَئِذٍ مَا لَا يَدُلُّ جُزْءُ لَفْظِهِ عَلَى جُزْئِهِ۔

مُفْرَدٍ بھئی، مُفْرَدٍ۔ صاحبِ کافیہ کی تعریف چل رہی ہے کلمہ کی۔ صاحبِ کافیہ نے فرمایا: اَلْكَلِمَةُ لَفْظٌ وُضِعَ لِمَعْنًى مُفْرَدٍ۔ لَفْظٌ کے بارے میں بھی تفصیل بیان ہو گئی، وضع کے بارے میں بھی تفصیل بیان ہو گئی، معنیٰ کے بارے میں بھی بیان ہو گیا، اور اب آخری قید تھی تعریف میں مُفْرَدٍ کی، اس کے بارے میں بتلانے لگے ہیں۔ یاد رکھو یہ جو مُفْرَد ہے اس کو تین طرح پڑھنا جائز ہے: مُفْرَدٍ، مُفْرَدٌ، مُفْرَداً۔ مُفْرَدٍ، مُفْرَدٌ، مُفْرَداً، یعنی اس پر رفع بھی، نصب بھی اور جر بھی، تینوں طرح پڑھا جا سکتا ہے۔ اب یہ کیا کیا بنیں گے؟ آپ یہیں سمجھ لیں اس کو۔ یاد رکھو، اگر آپ پڑھیں مُفْرَدٍ تو پھر یہ مجرور ہے، تو یہ صفت بنے گی معنیٰ کی۔ لِمَعْنًى، معنیٰ کیا تھا؟ مجرور، اس پر کیا داخل ہے؟ لامِ جارہ۔ لِمَعْنًى مُفْرَدٍ۔ تو معنیٰ مجرور، موصوف مجرور ہو تو صفت بھی کیا ہوتی ہے؟ مجرور، اس لیے مُفْرَدٍ اس کی صفت مجرور آئی۔ آپ کہیں گے لِمَعْنًى مُفْرَدٍ، مَعْنًى تو منصوب ہے، مَعْنًى تو اس پر تو آپ زبر پڑھ رہے ہیں اور مُفْرَدٍ پر زیر پڑھ رہے ہیں۔ نہیں بھئی نہیں، یہ مَعْنًى منصوب نہیں ہے، یہ مجرور ہی ہے کیونکہ اس پر لامِ جارہ داخل ہے، لامِ جارہ داخل ہے اور یہ مجرور، تو اس لیے اس کی صفت مُفْرَدٍ بھی مجرور۔ پھر سوال پیدا ہوتا ہے کہ مَعْنًى پر پھر یہ زبر کیوں پڑھ رہے ہیں؟ تو یاد رکھو یہ اسمِ مقصور ہے۔ یہ کیا ہے؟ اسمِ مقصور۔ اسمِ مقصور وہ ہے جس کے آخر میں الفِ مقصورہ آئے۔ الفِ مقصورہ کسے کہتے ہیں؟ عام الف کو کیا کہتے ہیں؟ الفِ مقصورہ۔ ایک الفِ مقصورہ ہوتا ہے چھوٹا الف، ایک الفِ ممدودہ ہوتا ہے بھئی جس کو خوب کھینچا جاتا ہے اور لمبا پڑھا جاتا ہے۔ تو یہ الفِ مقصورہ عام الف کو کہتے ہیں۔ بعض طلباء سمجھتے ہیں شاید یہ کھڑی زبر جو ہے اس کو الفِ مقصورہ کہتے ہیں، نہیں نہیں، یہ جو عام الف ہے اس کو کیا کہتے ہیں؟ الفِ مقصورہ کہتے ہیں۔

تو یہ اسمِ مقصور ہے، اور اسمِ مقصور کسے کہتے ہیں؟ جس کے آخر میں کیا ہے الفِ مقصورہ، جیسے مُوسَى، عِيسَى، حُبْلَى۔ تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ مَعْنًى کے اندر تو ہمیں کوئی الف نظر نہیں آرہا، کوئی الف ہم نہیں پڑھ رہے، تو یہ اسمِ مقصور کیسے؟ تو جواب یاد رکھنا کہ یہاں الف تقدیراً موجود ہے، الف فرض کر لو موجود ہے۔ بھئی وجہ یہ کہ یہ الف اجتماعِ ساکنین کی وجہ سے گرا ہے۔ اصل میں کیا تھا؟ مَعْنَيْ، کیا تھا؟ یا یہاں مجرور نکال لو لامِ جارہ داخل ہے، لِمَعْنَيْ، پھر یا متحرک ماقبل نون پر فتحہ۔ یا اور واؤ متحرک ہوں اور ماقبل حرف پر فتحہ ہو تو اس کو الف سے بدلتے ہیں، تو اس یا کو بھی الف سے بدل دیا۔ تو آخر

میں نون تنوین کا بھی ہے اور الف بھی آگیا، دونوں ساکن ہیں، تو کیا بن گیا لفظ؟ لِمَعْنَانْ، لِمَعْنَانْ۔ یہ الف کہاں سے آیا؟ یہ وہ یائے متحرک ہے جو کس سے بدل گئی؟ الف سے کیونکہ ماقبل فتحہ تھا۔ اور آگے نونِ تنوین بھی ہے بھئی، تو اجتماعِ ساکنین عَلَى غَيْرِ حَدِّهِ آیا۔ یاد رکھو اجتماعِ ساکنین عَلَى غَيْرِ حَدِّهِ آئے جب، یعنی دو ساکن جب اکٹھے ہو جائیں، جمع ہو جائیں، تو پھر دو صورتیں ہوتی ہیں۔ اول اگر مدہ ہو تو اس کو گرا دیتے ہیں، ورنہ اول کو حرکت دیتے ہیں کہ اَلسَّاكِنُ إِذَا حُرِّكَ حُرِّكَ بِالْكَسْرِ۔ توجہ ہے؟ تو اس صورت میں پھر اول کو حرکت دیتے ہیں لیکن یہاں پر لِمَعْنَانْ، اس میں الف کیا ہے؟ الف بھی ساکن نون بھی ساکن، اور الف حرفِ مدہ ہے۔ آپ نے پڑھا ہے کہ واؤ، الف اور یا جب ان سے ماقبل کی حرکت ان کے موافق ہو تو ان کو حرفِ مدہ کہتے ہیں۔ واؤ سے پہلے پیش آجائے، یا سے ماقبل زیر آجائے، اور الف سے ماقبل تو ہوتا ہی ہمیشہ زبر ہے، تو اس صورت میں ان کو کیا کہتے ہیں؟ حرفِ مدہ۔ مَدٌّ کا معنیٰ ہے کھینچنا، چونکہ اس صورت میں بھی یہ اسی حرکت کو کھینچ کر لمبا کر دیتے ہیں، جیسے حَضْرَمَوْت، بھئی حَضْرَمَوْت میں دیکھو واؤ سے ماقبل میم پر پیش ہے، تو اس واؤ نے کیا فائدہ دیا؟ کہ اسی پیش کو آپ نے لمبا کر دیا، حَضْرَمُوت۔ اگر واؤ نہ ہوتا کیسے پڑھتے؟ حَضْرَمُت۔ لیکن واؤ نے کیا فائدہ دیا؟ اس پیش کو لمبا کر دیا، اس لیے اس کو کیا کہتے ہیں؟ حرفِ مدہ۔ اسی طرح یا آئے اور ماقبل کسرہ ہو تو یا کیا فائدہ دے گی؟ کہ اس کسرہ کو کھینچ کر لمبا کر دے گی، اس لیے اس کو کیا کہتے ہیں؟ حرفِ مدہ۔ تو یہاں پر بھی لِمَعْنَانْ، یہ الف کیا ہے؟ حرفِ مدہ، تو اجتماعِ ساکنین آیا، اول حرفِ مدہ ہے الف، اس کو گرا دیا، تو کیا بن گیا؟ لِمَعْنًى۔ توجہ ہے؟ تو یہ اسمِ مقصور ہے، تو الف جو گرا ہے وہ اجتماعِ ساکنین سے گرا ہے، تو یوں کہو تقدیراً الف ابھی بھی موجود ہے۔ اگر اس پر الف لام ہوتا پھر اس الف نے نہیں گرنا تھا، کیونکہ الف کیوں گرا ہے؟ اجتماعِ ساکنین آیا کس کے درمیان؟ الف اور نونِ تنوین کے درمیان۔ اگر اَلْمَعْنَى ہوتا تو پھر، اَلْمَعْنَى اصل میں کیا تھا؟ اَلْمَعْنَيْ

آخر میں تنوین نہیں ہے، کیونکہ الف لام ہے شروع میں۔ اَلْمَعْنَيْ، پھر یا متحرک ماقبل فتحہ اس کو کس سے بدلا؟ الف سے۔ اَلْمَعْنَى، اب یہ الف نہیں گرے گا، اجتماعِ ساکنین یہاں نہیں ہے بھئی۔ تو لِمَعْنًى کیا ہے؟ یہ اسمِ مقصور ہے اور مجرور ہے، مجرور ہے اور کون سا مجرور ہے؟ اسمِ مقصور کا کیا اعراب ہے؟ اس پر تینوں اعراب تقدیری آتے ہیں۔ تو لام جارہ، مَعْنًى مجرور تقدیراً موصوف اور مُفْرَدٍ مجرور لفظاً اس کی صفت۔ اور اس مُفْرَدٍ، یہ صفت کا صیغہ ہے، کون سا صیغہ ہے یہ؟ مُفْرَدٌ، کون سا صیغہ ہے؟ اسمِ مفعول ہے۔ اور اسمِ مفعول کے لیے ہمیشہ کیا چاہیے؟ نائب فاعل۔ میں نے آپ کو بتلایا تھا، جیسے فعل کے لیے فاعل یا نائب فاعل ہونا ضروری، اسی طرح صفت کے صیغوں کے لیے بھی فاعل یا نائب فاعل کا ہونا ضروری۔ اسمِ فاعل کے لیے تو فاعل چاہیے ہوتا ہے، ضَارِبٌ کے لیے کیا چاہیے؟ هُوَ اس کے اندر فاعل۔ اور مَضْرُوبٌ کے لیے کیا چاہیے؟ نائب فاعل جو اس کے اندر هُوَ ضمیر ہے۔ تو مُفْرَدٌ بھی اسمِ مفعول کا صیغہ، اس کے اندر هُوَ

ضمیر مرفوع محلاً اس کا نائب فاعل، جو کس کو راجع؟ مَعْنًی۔ شاباش، کیونکہ یہ صفت ہے، اور صفت کو کس سے جوڑتے ہیں؟ موصوف سے، تو مَعْنًی ہے موصوف اور مُفْرَدٍ ہے اس کی صفت۔ تو اسمِ مفعول اپنے نائب فاعل سے مل کر شبہ جملہ ہو کر یہ صفت ہوئی مَعْنًی کی، اور مَعْنًی موصوف اپنی صفت سے مل کر مجرور ہوا لامِ جارہ کے لیے، اور جار مجرور مل کر متعلق ہوئے وُضِعَ فعل سے۔

جار مجرور کتنی چیزوں سے متعلق ہوتے ہیں؟ آٹھ چیزوں سے: فعل، مصدر، اسمِ فاعل، اسمِ مفعول، صفتِ مشبہ، اسمِ تفضیل، مبالغے کے صیغے، اور اسمِ فعل۔ اور اسمِ فعل۔ پھر دہرا لیں: جار مجرور کتنی چیزوں سے متعلق ہوتے ہیں؟ آٹھ چیزوں سے۔ کون کون سی؟ نمبر ایک فعل، نمبر دو مصدر، نمبر تین اسمِ فاعل، نمبر چار اسمِ مفعول، نمبر پانچ صفتِ مشبہ، نمبر چھ اسمِ تفضیل، نمبر سات مبالغے کے صیغے اور نمبر آٹھ اسمِ فعل۔ تو یہ آٹھ چیزیں ہیں، تو ان میں سے وُضِعَ فعل بھی ہے تو لِمَعْنًی مُفْرَدٍ اس کے ساتھ جڑ جائے گا۔

معلوم ہوا معنیٰ مفرد ہونا چاہیے، معنیٰ کیا ہونا چاہیے؟ اَلْكَلِمَةُ لَفْظٌ وُضِعَ لِمَعْنًى مُفْرَدٍ، کلمہ ایسا لفظ ہے جس کو وضع کیا گیا ہو یعنی مقرر کیا گیا ہو کس کے لیے؟ معنیٰ مفرد کے لیے، کس کے لیے؟ معنیٰ مفرد کے لیے مقرر کیا گیا ہو۔

دیکھیے کتاب پر، مُفْرَدٍ۔ دیکھیے مُفْرَدٍ پر بھی آپ دیکھ رہے ہیں تینوں طرح کے اعراب لکھے ہوئے ہیں: مُفْرَدٍ، مُفْرَداً، مُفْرَدٌ کیونکہ یہ تینوں احتمال ہیں اس میں بھئی۔ کہتے ہیں: وَهُوَ إِمَّا مَجْرُورٌ عَلَى أَنَّهُ صِفَةٌ لِمَعْنًى، یا تو یہ مجرور ہے بنابر اس کے کہ یہ صفت ہے معنیٰ کی، وَمَعْنَاهُ حِينَئِذٍ اور اس وقت اس کا معنیٰ یوں یہ ہوگا اس صورت میں، اس وقت اس کا پھر معنیٰ یہ ہو گا، کیا کس کا معنیٰ؟ جب یہ صفت ہے کس کی؟ معنیٰ کی، تو معلوم ہوا معنیٰ مفرد ہو۔ مفرد معنیٰ ہونے کا کیا معنیٰ؟ مفرد معنیٰ کسے کہتے ہیں؟ مفرد معنیٰ کسے کہتے ہیں؟ بتائیے آپ۔ جی؟

بھئی یہ تو میں نے کل بھی بیان کیا تھا، ابھی بھی بیان کیا، پرسوں کے سبق میں بھی بیان کیا تھا، چلو دوبارہ سنو۔ معلوم ہوا ابھی تک آپ کو بات نہیں سمجھ میں آئی، مفرد معنیٰ کسے کہتے ہیں؟ مفرد معنیٰ کسے کہتے ہیں؟ یاد رکھو، مفرد معنیٰ اس کو کہیں گے کہ اس معنیٰ کے لیے جو لفظ وضع کیا گیا ہے، اس لفظ کا جز اس معنیٰ کے جز پر دلالت نہ کرے۔ توجہ ہے؟

جیسے دیکھو، زید کھڑا ہے، اس کے لیے عربی میں کیا وضع کیا گیا ہے؟ زَيْدٌ قَائِمٌ۔ تو اب ہم دیکھنا چاہتے ہیں زید کھڑا ہے، یہ معنیٰ مفرد ہے یا مفرد نہیں؟ تو اس کے لیے ہم دیکھیں گے کون سا لفظ وضع کیا گیا؟ زَيْدٌ قَائِمٌ۔ تو وہ لفظ، اس لفظ کا جز اس معنیٰ کے جز پر دلالت کر رہا ہے یا نہیں کر رہا؟ جی کر رہا ہے۔ آپ دیکھنا یہ چاہتے ہیں، زید کھڑا ہے یہ معنیٰ ہے، کس کا معنیٰ ہے؟ زَيْدٌ قَائِمٌ کا۔ اب آپ دیکھنا چاہتے ہیں یہ معنیٰ مفرد ہے یا مرکب ہے؟ توجہ ہے؟ تو اس معنیٰ کے لیے جو لفظ وضع کیا گیا ہے اس پہ نظر کرو، اور دیکھو کہ وہ جو لفظ اس معنیٰ کے لیے وضع کیا گیا ہے، اس لفظ کا جز اس معنیٰ کے جز پر دلالت

کر رہا ہے یا نہیں؟ اگر اس لفظ کا جز اس معنیٰ کے جز پر دلالت کر رہا ہے، تو یہ معنیٰ مفرد نہیں کہلائے گا، یہ مرکب کہلائے گا۔ مثلاً زید کھڑا ہے، اس کو ہم دیکھنا چاہتے ہیں یہ مفرد ہے یا مرکب ہے، یہ معنیٰ ہے، کیا ہے؟ معنیٰ۔ تو اس کے لیے کیا لفظ وضع کیا گیا ہے؟ زَیْدٌ قَائِمٌ۔ تو آپ یہ دیکھ لیں کہ اس معنیٰ کے لیے جو لفظ وضع کیا گیا ہے، تو وہ جزِ لفظ اس معنیٰ کے جز پر دلالت کر رہا ہے یا نہیں کر رہا؟ اگر جزِ لفظ جزِ معنیٰ پر دلالت کر رہا ہے تو یہ معنیٰ مرکب ہے۔ یہ معنیٰ اب مجھے بتائیے، زید کھڑا ہے اس کے لیے کیا لفظ وضع؟ زَیْدٌ قَائِمٌ۔ تو یہ جو لفظ ہے جزِ لفظ جزِ معنیٰ پر دلالت کر رہا ہے یا نہیں؟ کر رہا ہے، تو معلوم ہوا یہ معنیٰ مرکب ہے، یہ معنیٰ اور معلوم ہوا زَیْدٌ قَائِمٌ لفظ بھی مرکب ہے۔ جزِ لفظ جب جزِ معنیٰ پر دلالت کرے وہ لفظ بھی مرکب ہوتا ہے اور اس کا معنیٰ بھی کیا کہلاتا ہے؟ مرکب کہلاتا ہے۔ اور اگر جزِ لفظ جزِ معنیٰ پر دلالت نہ کرے تو وہ لفظ بھی مفرد کہلاتا ہے اور معنیٰ بھی مفرد کہلاتا ہے۔

مثلاً دیکھو، زَیْدٌ قَائِمٌ کو عربی میں نحو میں کیا کہتے ہیں؟ زَیْدٌ قَائِمٌ کو نحو میں کیا کہتے ہیں؟ جملہ، کیا کہتے ہیں؟ جملہ۔ تو جب بھی جملہ بولیں، اس طرح کا ایک کلام جو ہے اس کا ارادہ کیا جاتا ہے، جس میں کم از کم کتنے لفظ ہوں؟ دو، اور ان کے درمیان کیا پائی جائے؟ اسناد پائی جائے، اس کو کیا کہتے ہیں؟ جملہ۔ تو گویا زَیْدٌ قَائِمٌ کے لیے کیا لفظ وضع ہے نحو میں؟ جملہ۔ تو گویا یہ زَیْدٌ قَائِمٌ جملہ کا معنیٰ ہوا۔ جملہ کے ذریعے یہ اس کا ارادہ کیا جاتا ہے، معنیٰ کسے کہتے ہیں؟ جس کا ارادہ کیا جائے، تو جملہ بول کر مثلاً کس کا ارادہ ہے؟ زَیْدٌ قَائِمٌ۔ توجہ ہے؟ بھئی آپ نے اپنے سامنے لکھا زَیْدٌ قَائِمٌ، میں نے کہا هَذَا جُمْلَةٌ، یہ کیا ہے؟ جملہ ہے۔ تو جملے سے میرا ارادہ کس کا ہے؟ زَیْدٌ قَائِمٌ، کس کا ارادہ؟ تو معلوم ہوا یہ اس جملے کا معنیٰ ہے۔ معنیٰ کسے کہتے ہیں؟ جس کا ارادہ کیا جائے، چاہے وہ لفظ ہو چاہے غیرِ لفظ ہو، توجہ ہے؟ تو گویا یہ زَیْدٌ قَائِمٌ یہ جملے کا معنیٰ ہے۔ پہلے زَیْدٌ قَائِمٌ تھا لفظ اور اس کا معنیٰ کیا تھا؟ زید کھڑا ہے، توجہ ہے؟ اب زَیْدٌ قَائِمٌ بن گیا معنیٰ اور اس کے لیے لفظ کون سا وضع ہے؟ جملہ، توجہ ہے؟ زَیْدٌ قَائِمٌ کے لیے کون سا لفظ وضع ہے؟ جملہ۔ تو زَیْدٌ قَائِمٌ ہوا معنیٰ اور جملہ کیا ہوا؟ لفظ۔ اب آپ دیکھنا چاہتے ہیں کہ زَیْدٌ قَائِمٌ مفرد ہے یا مرکب ہے؟ یہ زَیْدٌ قَائِمٌ اس وقت معنیٰ ہے کس کا؟ جملے کا۔ نہیں توجہ میرا خیال۔ زَیْدٌ قَائِمٌ اس وقت کیا ہے؟ معنیٰ ہے، کس کا؟ جملے کا۔ میں نے کہا هَذَا جُمْلَةٌ، اس جملے سے میری کیا مراد ہے؟ زَیْدٌ قَائِمٌ۔ اب ہم دیکھنا چاہتے ہیں زَیْدٌ قَائِمٌ مفرد ہے یا مرکب ہے؟ تو زَیْدٌ قَائِمٌ کے لیے کیا لفظ وضع؟ جملہ۔ اب دیکھ لو کہ وہ جو لفظ اس کے لیے وضع کیا گیا ہے، اس لفظ کا جز اس معنیٰ کے جز پر دلالت کر رہا ہے یا نہیں؟ اگر کر رہا ہے تو یہ دونوں مرکب، لفظ بھی مرکب اور معنیٰ بھی مرکب۔ اور اگر دلالت نہیں کر رہا تو لفظ بھی مفرد اور معنیٰ بھی مفرد۔ اب مجھے بتائیے، جملہ کس کے لیے وضع؟ زَیْدٌ قَائِمٌ کے لیے، تو جملہ کے جیم، اس کا میم اور اس کا لام کیا زَیْدٌ قَائِمٌ کے کسی جز پر دلالت کر رہے ہیں؟ نہیں، تو جزِ لفظ جزِ معنیٰ پر دلالت نہیں کر رہا، تو لہٰذا جملہ کا لفظ بھی مفرد اور اس کا جو معنیٰ ہے زَیْدٌ قَائِمٌ وہ بھی مفرد ہے۔ بات سمجھ میں آگئی اچھی طرح؟

تو حاصلِ کلام یہ کہ جزِ لفظ جب جزِ معنیٰ پر دلالت کرے، تو وہ لفظ بھی مرکب کہلاتا ہے اور وہ معنیٰ بھی مرکب کہلاتا ہے۔ اور اگر جزِ لفظ جزِ معنیٰ پر دلالت نہ کرے تو وہ معنیٰ بھی مفرد کہلاتا ہے اور وہ لفظ بھی مفرد کہلاتا ہے۔ مثلاً میں نے زید کہا، آپ کے ذہن میں زید کی صورت آگئی، زید کی صورت آگئی۔ تو لفظِ زید اس کے ذریعے کس کا ارادہ؟ ذاتِ زید کا، تو وہ اس کا معنیٰ ہوا، وہ کیا ہوا؟ اب مجھے بتائیے لفظِ زید کی زا، یا، دال اس کی ذات کے اجزاء پہ دلالت کر رہے ہیں؟ زا سے کوئی اس کا سر مراد ہو، یا سے اس کا دھڑ مراد ہو، دال سے اس کی ٹانگیں مراد ہوں، کیا ایسا ہے؟ نہیں، تو جزِ لفظ جزِ معنیٰ پر دلالت نہیں کر رہا، لہٰذا زید بھی مفرد، لفظِ زید بھی مفرد، اور جو اس کا معنیٰ ہے یعنی ذاتِ زید وہ بھی مفرد ہے۔ جی اب بتائیے۔ مفرد لفظ اور مفرد معنیٰ کسے کہیں گے؟ جزِ لفظ جزِ معنیٰ پر دلالت نہ کرے تو اس کو کیا کہیں گے؟ مفرد، وہ لفظ بھی مفرد اور وہ معنیٰ بھی مفرد۔ اور اگر جزِ لفظ جزِ معنیٰ پر دلالت کرے تو وہ لفظ بھی مرکب اور وہ معنیٰ بھی مرکب۔ یہاں تک بات سمجھ میں آگئی۔

تو دیکھیے اب کتاب پر، کہتے ہیں: وَهُوَ إِمَّا مَجْرُورٌ عَلَى أَنَّهُ صِفَةٌ لِمَعْنًى کہ یہ مفرد کا لفظ یا تو مجرور ہے بنابر اس کے کہ یہ صفت ہے معنیٰ کی، وَمَعْنَاهُ حِينَئِذٍ اور اس وقت اس کا معنیٰ کیا ہو گا؟ مَا لَا يَدُلُّ۔ دیکھو مفرد صفت بن گئی کس کی؟ معنیٰ کی، معلوم ہوا معنیٰ مفرد ہو، معنیٰ۔ لفظ کو وضع کیا جائے کس کے لیے؟ معنیٰ مفرد کے لیے، تو معنیٰ مفرد کسے کہتے ہیں؟ اب وہ بیان کرنے لگے ہیں: وَمَعْنَاهُ حِينَئِذٍ اور اس وقت اس کا معنیٰ یہ ہو گا کہ جب مفرد کو کس کی صفت بنائیں؟ معنیٰ کی۔ جب مفرد کو معنیٰ کی صفت بنائیں تو اس وقت اس کا معنیٰ یہ ہو گا کہ وہ معنیٰ مَا لَا يَدُلُّ جُزْءُ لَفْظِهِ عَلَى جُزْئِهِ۔ یہ مَا سے مراد ہے معنیٰ۔ تو مفرد معنیٰ اس وقت وہ معنیٰ ہو گا کہ لَا يَدُلُّ جُزْءُ لَفْظِهِ کہ دلالت نہ کرے اس معنیٰ کے لفظ کا جز، اس معنیٰ کے لیے جو لفظ وضع کیا گیا ہے، اس لفظ کا جز دلالت نہ کرے عَلَى جُزْئِهِ اس معنیٰ کے جز پر۔ مفرد معنیٰ وہ ہے کہ اس کے لفظ کا جز اس معنیٰ کے جز پر دلالت نہ کرے، تو اس معنیٰ کو کیا کہیں گے؟ کہ یہ معنیٰ مفرد ہے۔

تو مفرد لفظ اور مفرد معنیٰ اچھی طرح سمجھ میں آگیا۔ یہاں ایک اور چھوٹی سی بات سمجھ لیں بھئی، چھوٹی سی بات۔ مفرد معنیٰ یہ نہ سمجھیں کہ مفرد معنیٰ وہ ہو گا کہ معنیٰ کے اندر ترکیب ہی نہیں ہو گی سرے سے۔ توجہ ہے؟ مفرد معنیٰ، بھئی مفرد لفظ تو اس کو کہتے ہیں کہ جس میں ترکیب نہ ہو، لیکن مفرد معنیٰ اس کو نہیں کہتے جس میں ترکیب نہ ہو، بلکہ مفرد معنیٰ اسے کہیں گے کہ اس کے لیے جو لفظ وضع کیا گیا ہے تو وہ جزِ لفظ جزِ معنیٰ پر دلالت نہ کرے۔ اگر آپ یہ کہیں مفرد معنیٰ اس کو کہیں گے جس میں سرے سے ترکیب ہی نہ ہو، جس میں سرے سے ترکیب ہی نہ ہو، پھر تو فعل جو ہے وہ کلمہ سے نکل جائے گا۔ کیونکہ فعل کسے کہا؟ اَلْكَلِمَةُ لَفْظٌ وُضِعَ لِمَعْنًى مُفْرَدٍ، کلمہ وہ لفظ ہے جس کو وضع کیا گیا ہو کس کے لیے؟ مفرد معنیٰ کے لیے۔ اور مفرد معنیٰ سے اگر آپ کیا ارادہ کر لیں کہ معنیٰ کے اندر ترکیب نہ ہو، تو پھر تو فعل نکل گیا، کیونکہ فعل جو ہے یاد رکھیں اس کا جو مفہوم ہوتا ہے وہ مرکب ہوتا ہے تین چیزوں سے۔ فعل کے اندر ایک تو مصدر ہوتا ہے، ایک زمانہ ہوتا ہے،

اور تیسرا نِسْبَتٌ إِلَى الْفَاعِلِ۔ فعل کا مفہوم، فعل کا جو معنیٰ ہے وہ مرکب ہے تین چیزوں سے: اس میں معنیٰ مصدری بھی ہوتا ہے، اس میں زمانہ بھی ہوتا ہے، اور اس میں نسبت الی الفاعل بھی۔ جیسے دیکھو ضَرَبَ، ضَرَبَ کے اندر ضرب کا معنیٰ بھی ہے، اور زمانہ بھی ہے کہ یہ ضرب کس زمانے میں ہوئی ہے؟ ماضی کے زمانے میں، اور نیز نسبت الی الفاعل بھی ہے کہ کوئی اس ضرب کا لگانے والا ہے۔ تو فعل کا معنیٰ مرکب ہوتا ہے کتنی چیزوں سے؟ تین چیزوں سے: نمبر ایک مصدر، نمبر دو زمانہ، نمبر تین نسبت الی الفاعل۔ تو اگر مفرد معنیٰ سے یہ مراد لیا جائے کہ وہ معنیٰ جس میں کہ بالکل کوئی ترکیب نہ ہو، پھر تو فعل نکل گیا کیونکہ اس کے معنیٰ میں تو کیا ہے؟ ترکیب ہے۔ تو لہٰذا مفرد معنیٰ کسے کہیں گے؟ کہ اس معنیٰ کے لیے جو لفظ وضع کیا گیا ہے، اس لفظ کا جز اس معنیٰ کے جز پر دلالت نہ کرے، تو اس کو کیا کہیں گے؟ مفرد معنیٰ۔ آسان لفظوں میں یوں کہو: جزِ لفظ جب جزِ معنیٰ پر دلالت نہ کرے تو وہ لفظ بھی مفرد اور وہ معنیٰ بھی مفرد، اور جزِ لفظ جب جزِ معنیٰ پر دلالت کرے تو وہ لفظ بھی مرکب اور وہ معنیٰ بھی مرکب ہے۔

اب یہاں ترکیب بھی سمجھ لیں بھئی، تینوں کی ترکیب کر لیتے ہیں۔ مُفْرَدٌ پڑھیں تو کیا بنے گا، مُفْرَداً پڑھیں تو کیا بنے گا، اور مُفْرَدٍ پڑھیں بھئی۔ تو سب سے پہلے انہوں نے پہلی ترکیب تو ذکر ہو گئی، کہ مُفْرَدٍ پڑھیں تو یہ صفت ہے کس کی؟ معنیٰ کی، معنیٰ کی صفت ہے۔ دیکھو اب پورے ترکیب کیسے ہو گی؟ صاحبِ کافیہ نے کیا فرمایا؟ اَلْكَلِمَةُ لَفْظٌ وُضِعَ لِمَعْنًى مُفْرَدٍ۔ اَلْكَلِمَةُ مرفوع لفظاً بتدا۔ لَفْظٌ مرفوع لفظاً موصوف۔ موصوف ہے یہ خبر ہی، لیکن ساری چیزیں جوڑ کر پھر ہم اس کو خبر کہیں گے۔ تو لَفْظٌ مرفوع لفظاً موصوف، مرفوع کیوں؟ کیونکہ خبر ہے اور خبر مرفوع ہوتی ہے۔ اور

اور لفظاً ہے کیونکہ اس کے رفع پر ہم کیا کر رہے ہیں؟ باقاعدہ تلفظ کر رہے ہیں، تلفظ سے ہی پتہ چل رہا ہے کہ ہم اس پر رفع پڑھ رہے ہیں۔ لَفْظٌ، اگر منصوب ہوتا تو ہم پڑھتے لَفْظاً، اور اگر مجرور ہوتا تو ہم پڑھتے لَفْظٍ، تو یہاں تلفظ سے ہی رفع کا پتہ چل رہا ہے۔ تو لَفْظٌ مرفوع لفظاً موصوف۔ وُضِعَ فعل۔ میں نے آپ کو بتلایا تھا کہ نکرہ کے بعد فعل آجائے تو وہ عموماً اس کے لیے صفت بنتا ہے۔ تو یہاں لَفْظٌ نکرہ آیا اور اس کے بعد وُضِعَ فعل آیا، تو یہ اس کے لیے کیا بنے گا؟ صفت۔ اور میں نے یہ بھی بتلایا تھا کہ آنکھیں بند کر کے موصوف صفت نہیں بنانا، بلکہ ترجمہ بھی کر کے دیکھیں موصوف صفت کا ترجمہ کیسے کیا جاتا ہے؟ میں نے طریقہ بتلایا تھا کہ موصوف صفت کے ترجمہ کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ عربی میں صفت مؤخر ہوتی ہے اور اردو میں صفت مقدم ہوتی ہے۔ رَجُلٌ شُجَاعٌ، رَجُلٌ ہے موصوف اور شُجَاعٌ ہے صفت، لیکن اردو میں ترجمہ کریں تو کیا کہیں گے؟ بہادر آدمی۔ دیکھو بہادر کو مقدم کر دیا آدمی پر۔ دوسرا طریقہ یہ ہے: رَجُلٌ شُجَاعٌ، کہ آپ اردو میں بھی موصوف کو مقدم رکھیں جیسے عربی میں موصوف مقدم ہے، البتہ موصوف سے پہلے نکرہ کی میں ایسا یا ایسی کا لفظ لے آئیں۔ رَجُلٌ شُجَاعٌ، ایسا آدمی شُجَاعٌ جو کہ بہادر ہے۔ تو رَجُلٌ شُجَاعٌ کے دو طریقے ہو گئے ترجمہ کرنے کے: ایک طریقہ کیا؟ کہ صفت کو مقدم کر دیں، بہادر آدمی، اور دوسرا طریقہ کیا؟ کہ موصوف سے پہلے کیا لے آئیں؟ ایسا یا ایسی، ایسا آدمی جو کہ بہادر ہے۔ جبکہ

معرفہ میں وہ کا لفظ بھی ساتھ لے آئیں گے، وہ یا اس یا اس جیسا کوئی لفظ جو متعین ذات کی طرف اشارہ کرے۔ اَلرَّجُلُ الشُّجَاعُ، الف لام آگیا تو اَلرَّجُلُ معرفہ ہے، تو اَلشُّجَاعُ اس کی صفت بھی کیا لائے؟ معرفہ لائے۔ اس کا ترجمہ کیسے کریں گے؟ وہ بہادر آدمی۔ دیکھا وہی صفت کو مقدم کر دیا، البتہ چونکہ معرفہ ہے اور معرفہ کسی متعین ذات پہ دلالت کرتا ہے، تو شروع میں وہ لے آئے کہ وہ متعین آدمی، معلوم ہوا کسی متعین آدمی کی طرف اشارہ کیا جا رہا ہے، ہر بہادر آدمی اس سے مراد نہیں۔ تو اَلرَّجُلُ الشُّجَاعُ، وہ بہادر آدمی۔ اور دوسرا طریقہ کیا ہے؟ وہی طریقہ کہ موصوف کو مقدم رکھیں اور صفت کو مؤخر رکھیں، جیسے عربی میں ہے اردو میں بھی اسی طرح کریں، البتہ معرفہ کے اندر موصوف سے پہلے کیا لے آئیں؟ وہ یا اس کا لفظ لے آئیں۔ اَلرَّجُلُ الشُّجَاعُ، کیا ترجمہ ہو گا؟ وہ آدمی جو کہ بہادر ہے۔ نکرہ ہو تو کیا ترجمہ تھا؟ ایسا آدمی جو کہ بہادر ہے، اور معرفہ ہو تو وہ آدمی جو کہ بہادر ہے۔ طریقہ سمجھ میں آگیا؟

تو جب بھی نکرہ کے بعد فعل آئے تو آپ اس کو نکرہ کے لیے صفت بنائیں، لیکن ترجمہ کر کے ضرور دیکھیے کہ وہ صفت بن رہا ہے یا نہیں۔ اگر صفت بن رہا ہوا تو بہترین ترجمہ ہو جائے گا، اور اگر صفت نہیں بن رہا تو ترجمہ ٹھیک نہیں ہو گا، تو پھر آپ اس کو صفت نہ بنائیں بھئی۔

تو کیا ترکیب ہم کر رہے تھے؟ اَلْكَلِمَةُ لَفْظٌ وُضِعَ لِمَعْنًى مُفْرَدٍ۔ اَلْكَلِمَةُ مرفوع لفظاً مبتدا۔ لَفْظٌ مرفوع لفظاً موصوف، مرفوع کیوں ہے یہ؟ خبر ہے، لفظاً کیوں؟ کیونکہ اس کے رفع پر ہم تلفظ کر رہے ہیں، اور موصوف ہمیں کیسے پتہ چلا موصوف ہے؟ کہ نکرہ کے بعد کیا آیا؟ فعل آیا، اور نکرہ کے بعد فعل آئے تو وہ عموماً اس کے لیے صفت بنتا ہے۔ تو وُضِعَ فعل، اس کے اندر هُوَ ضمیر مرفوع محلاً اس کا نائب فاعل کیونکہ فعلِ مجہول ہے، فعلِ معروف کے لیے فاعل چاہیے تو فعلِ مجہول کے لیے نائب فاعل۔ تو اس کے اندر هُوَ ضمیر مرفوع محلاً اس کا نائب فاعل، جو کس کو لوٹ رہی ہے؟ لَفْظٌ کو کیونکہ صفت کو موصوف سے جوڑتے ہیں، تو یہ ربط آپ نے بتلا دیا۔

آگے لام جارہ، مَعْنًى مجرور، مجرور تقدیراً کیونکہ اسمِ مقصور ہے بھئی، اور اس کا اعراب تینوں حالتوں میں تقدیراً آتا ہے، یہاں تقدیراً الف موجود ہے۔ تو مَعْنًى مجرور تقدیراً موصوف۔ مجرور کیوں؟ کیونکہ اس پر لام جارہ داخل ہے۔ اور تقدیراً کیوں؟ کیونکہ اسمِ مقصور ہے۔ اور موصوف کیوں؟ کیونکہ آگے اس کی صفت آرہی ہے، نکرہ کے بعد نکرہ آرہا ہے۔ پھر آگے مُفْرَدٍ مجرور لفظاً صیغہ اسمِ مفعول بھئی۔ میں نے آپ کو بتلایا تھا جیسے فعل کے لیے فاعل یا نائب فاعل ضرور چاہیے، اسی طرح صفت کے صیغے کے لیے بھی ہمیشہ فاعل یا نائب فاعل ضرور چاہیے: اسمِ فاعل کے لیے ہمیشہ کیا چاہیے؟ فاعل، اور اسمِ مفعول کے لیے کیا چاہیے؟ نائب فاعل۔ تو یہ مُفْرَدٌ، مُكْرَمٌ وزن ہے، اسمِ مفعول ہے بھئی، بابِ افعال سے: أَفْرَدَ يُفْرِدُ إِفْرَاداً فَهُوَ مُفْرِدٌ وَأُفْرِدَ يُفْرَدُ إِفْرَاداً فَذَاكَ مُفْرَدٌ، تو یہ اسمِ مفعول ہے۔ تو مُفْرَدٍ مجرور لفظاً صیغہ اسمِ مفعول، اس کے اندر هُوَ ضمیر مرفوع محلاً اس کا نائب فاعل، کیونکہ اسمِ مفعول کے لیے نائب فاعل چاہیے۔ اور یہ هُوَ ضمیر کس کو لوٹ

رہی ہے؟ مَعْنًی کو، کیونکہ صفت کو کس سے جوڑتے ہیں؟ موصوف سے، تو هُوَ ضمیر راجع ہے مَعْنًی کو۔ اسمِ مفعول اپنے نائب فاعل سے مل کر شبہ جملہ۔ فعل اپنے فاعل یا نائب فاعل سے مل کر جملہ بنتا ہے، جبکہ صفت کے صیغے اپنے فاعل یا نائب فاعل سے مل کر شبہ جملہ بنتے ہیں۔ تو اسمِ مفعول اپنے نائب فاعل سے مل کر شبہ جملہ ہو کر صفت۔ ربط ہم دے چکے ہیں، جملہ اور شبہ جملہ کو جب بھی کسی چیز سے جوڑنا ہو کیا ضروری ہے؟ ربط ضروری ہے، تو ربط ہم نے بتلا دیا کہ هُوَ ضمیر مَعْنًی کو راجع ہے۔ شبہ جملہ ہو کر یہ صفت، موصوف صفت مل کر یہ مجرور لام جارہ کے لیے، اور جار مجرور مل کر یہ متعلق ہوئے وُضِعَ فعل کے ساتھ۔ وُضِعَ فعل اپنے نائب فاعل اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر یہ صفت ہوئی کس کی؟ لَفْظٌ کی۔ موصوف صفت مل کر یہ خبر ہوئی بتدا کے لیے۔ ترکیب سمجھ میں آگئی؟ اَلْكَلِمَةُ لَفْظٌ وُضِعَ لِمَعْنًى مُفْرَدٍ، کلمہ ایسا لفظ ہے جس کو وضع کیا گیا ہو مفرد معنیٰ کے لیے، جس کو وضع کیا گیا ہو مفرد معنیٰ کے لیے۔ یہ ہم نے ترکیب کر لی جبکہ مُفْرَدٍ مجرور تھا صفت تھا مَعْنًی کی۔

اب دوسری ترکیب: اگر ہم اس کو مُفْرَدٌ پڑھیں، رفع پڑھیں، تو اس صورت میں یاد رکھو یہ لَفْظٌ کی صفت بنے گا۔ تو لَفْظٌ کی دو صفتیں ہو جائیں گی: ایک لَفْظٌ کی صفت کیا آئی؟ وُضِعَ لِمَعْنًی، لِمَعْنًی، مُفْرَدٍ کو نہ جوڑیں، مُفْرَدٍ کو تو اب ہم نے کس کی صفت بنانا ہے؟ لفظ کی۔ اَلْكَلِمَةُ لَفْظٌ وُضِعَ لِمَعْنًی، یہ وُضِعَ لِمَعْنًی صفتِ اول ہے کس کے لیے؟ لَفْظٌ کے لیے، اور آگے مُفْرَدٌ اس کی صفتِ ثانی ہے۔ اور لَفْظٌ مرفوع ہے، موصوف پر جو اعراب آتا ہے وہی اعراب کس پر آتا ہے؟ صفت پر، تو اس صورت میں یہ جو مُفْرَدٌ ہے اس پر بھی کون سا اعراب آئے گا؟ رفع آئے گا۔ توجہ ہے؟ اور یہ جو درمیان میں آیا وُضِعَ لِمَعْنًی یہ صفتِ اول ہے کس کے لیے؟ لَفْظٌ کے لیے، اور صفت کا وہی اعراب ہوتا ہے جو موصوف کا ہوتا ہے، تو یہ جو جملہ ہے وُضِعَ لِمَعْنًی یہ بھی مرفوع ہے محلاً، یہ بھی کیا ہے پورا جملہ؟ یہ صفت ہے نا لَفْظٌ کی اور لَفْظٌ مرفوع ہے تو صفت پر بھی وہی اعراب آتا ہے تو یہ پورا جملہ بھی مرفوع، لیکن اس پر رفع نظر نہیں آرہا، کیوں؟ کیونکہ یہ جملہ ہے اور جملہ مبنی ہوتا ہے۔ تو صرف وُضِعَ نہیں مرفوع، وُضِعَ لِمَعْنًی پورا جملہ کیا ہے؟ مرفوع۔ جیسے پہلی ترکیب میں مُفْرَدٍ کو کس کی صفت بنایا تھا؟ مَعْنًی کی، تو وُضِعَ لِمَعْنًی مُفْرَدٍ یہ سارا مل کر صفت تھا کس کی؟ لَفْظٌ کی، تو یہ سارا جملہ مرفوع ہے۔ لَفْظٌ بھی مرفوع، لَفْظٌ مرفوع ہے لفظاً، اور وُضِعَ لِمَعْنًی مُفْرَدٍ اس سارے کو جب ہم نے صفت بنایا کس کے لیے؟ لَفْظٌ کے لیے، تو یہ بھی مرفوع ہے لیکن یہ مرفوع ہے محلاً۔ یہ جملہ جو ہے یہ مبنی ہوتا ہے، جملے کے اندر چاہے بس معرب آجائیں لیکن پورا جملہ جب بن گیا مل گیا تو اب یہ کیا ہے؟ مبنی ہے، اور مبنی پر اعراب کیسے بتلاتے ہیں؟ محلاً بتلاتے ہیں، محل یعنی جگہ کے اعتبار سے یہ مرفوع ہے، اگر معرب یہاں آتا تو اعراب ظاہر ہو جاتا۔ تو یہ جملہ کیا ہے؟ مبنی ہے، حتیٰ کہ بعض علماء نے تو اس کو مبنی الاصل قرار دیا ہے۔ آپ نے پڑھا ہے مبنی الاصل تین چیزیں ہیں: فعلِ ماضی، فعلِ امر اور تمام حروف۔ اسم ایک بھی نہیں ہے مبنی الاصل: فعلِ ماضی ہے، فعلِ امر ہے اور تمام حروف، یہ ہیں مبنی الاصل۔ ہاں ان کے ساتھ جو اسم مشابہ ہو

جاتا ہے وہ بھی مبنی بن جاتا ہے۔ تو اسم کی جو آٹھ قسمیں ہیں مبنیات، کتنی قسمیں ہیں کتنے مبنیات ہیں ترکیب میں میں بتا چکا ہوں؟ آٹھ مبنیات ہیں، کون کون سے؟ تمام ضمیریں، اسمائے اشارہ، اسمائے موصولہ، اسمائے اصوات ہیں، کچھ ظروف ہیں، اسمائے افعال ہیں، کنایات ہیں اور مرکبِ بنائی۔ تو یہ آٹھ جو ہیں یہ مبنیات ہیں، اور یہ ان میں سے ایک بھی مبنی الاصل نہیں۔ یہ کیوں مبنی ہیں؟ بھئی دراصل ان کی مبنی الاصل کے ساتھ مشابہت ہے، اس مشابہت کی وجہ سے یہ کیا کہلاتے ہیں؟ مبنی کہلاتے ہیں۔ تو جملہ مبنی ہے اور بعضوں نے تو اس کو مبنی الاصل قرار دیا ہے۔

ہم دوسری ترکیب کر رہے تھے: اَلْكَلِمَةُ لَفْظٌ وُضِعَ لِمَعْنًى مُفْرَدٌ، مُفْرَدٌ۔ تو کیسے ترکیب ہوگی؟ اَلْكَلِمَةُ مرفوع لفظاً مبتدا، لَفْظٌ مرفوع لفظاً موصوف (پھر بعد میں یہ خبر بنے گا، یہ خبر ہی ہے رفع اس لیے آرہا ہے لیکن ہمارے ہاں ترکیب رائج اسی طرح ہے کہ ساری چیزوں کو جوڑنے کے بعد پھر آخر میں بتلاتے ہیں کہ یہ کیا بن رہا ہے)۔ تو لَفْظٌ مرفوع لفظاً موصوف، وُضِعَ فعل، اس کے اندر هُوَ ضمیر مرفوع محلاً اس کا نائب فاعل جو کس کو راجع؟ لَفْظٌ کو راجع ہے، اور لام جارہ، اور مَعْنًى مجرور تقدیراً۔ اب مُفْرَدٌ کو نہیں جوڑنا کیونکہ اب وہ مَعْنًى کی صفت نہیں ہے بلکہ وہ لَفْظٌ کی صفت ہم بنائیں گے۔ تو لام جارہ مَعْنًى مجرور، جار مجرور مل کر متعلق کس سے؟ وُضِعَ فعل سے۔ وُضِعَ فعل اپنے نائب فاعل اور متعلق سے مل کر یہ جملہ فعلیہ ہو کر صفتِ اول ہوئی کس کے لیے؟ لَفْظٌ کے لیے۔ اور آگے آیا مُفْرَدٌ، مُفْرَدٌ مرفوع لفظاً صیغہ اسمِ مفعول، یہ مرفوع کیوں؟ کیونکہ یہ صفت ہے لَفْظٌ کی، اور موصوف صفت پر اعراب ایک ہی آتا ہے۔ تو مُفْرَدٌ مرفوع لفظاً صیغہ اسمِ مفعول، اس کے اندر هُوَ ضمیر مرفوع محلاً اس کا نائب فاعل جو کس کو لوٹ رہی ہے؟ اب یہ لَفْظٌ کو لوٹے گی کہ وہ مفرد کون ہو؟ وہ لفظ ہو۔ تو وہ لفظ ہو، تو اسمِ مفعول اپنے نائب فاعل سے مل کر شبہ جملہ ہو کر یہ صفتِ ثانی ہوئی کس کے لیے؟ لَفْظٌ کے لیے۔ لَفْظٌ اپنی دونوں صفتوں سے مل کر یہ خبر ہوئی مبتدا کے لیے، مبتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔ طریقہ سمجھ میں آیا؟

اب دیکھو یہ جو لفظ کی دو صفتیں آئیں: وُضِعَ لِمَعْنًى یہ مرفوع ہے محلاً کیونکہ صفت ہے، اور مُفْرَدٌ کیا ہے؟ مرفوع ہے لفظاً کیونکہ موصوف مرفوع ہے بھئی۔ ترجمہ کیسے کریں گے؟ دو صفتیں آگئیں لَفْظٌ کی، ایک کیا ہے؟ وُضِعَ لِمَعْنًى، اور ایک کیا آگئی؟ مُفْرَدٌ۔ اور اردو میں میں نے بتلایا موصوف صفت کا ترجمہ کیسے کرتے ہیں؟ صفت کو موصوف پر مقدم کر دیتے ہیں، ایک طریقہ۔ دوسرا طریقہ کیا ہے؟ کہ موصوف کو مقدم ہی رکھتے ہیں اور اس سے پہلے کیا لے آتے ہیں؟ «ایسا» یا «ایسی»۔ تو یہاں اب دو صفتیں آگئیں، اب ہم دونوں کو اکٹھا کر لیتے ہیں، دونوں طریقوں کو ملا لیتے ہیں: پہلی صفت ہے وُضِعَ لِمَعْنًى، یہ ذرا لمبی صفت ہے اس کو ہم اسی طرح رکھتے ہیں یعنی موصوف کے بعد ہی لائیں گے، لیکن دوسری صفت آئی مُفْرَدٌ اور وہ مختصر ہے اس کو ہم لَفْظٌ پر کیا کر دیں گے؟ مقدم کر دیں گے، مفرد لفظ۔ عبارت میں کیا تھا؟ لَفْظٌ مُفْرَدٌ، مُفْرَدٌ بعد میں آرہا تھا، اور ہم نے کیا کر دیا مفرد کو مقدم کر دیا: مفرد لفظ۔ اور دوسری صفت جو ہے وُضِعَ لِمَعْنًى اس کو مؤخر ہی رکھیں، اور

اس کے لیے پھر مفرد لفظ سے پہلے «ایسا» یا «ایسی» کا لفظ لے آئیں۔ تو اَلْکَلِمَۃُ کلمہ جو ہے ایسا مفرد لفظ ہے وُضِعَ لِمَعْنًی جس کو معنیٰ کے لیے وضع کیا گیا ہو۔ طریقہ سمجھ میں آگیا؟ تو یہ دوسری ترکیب تھی بھئی مُفْرَدٌ کو مرفوع پڑھا ہم نے۔

تیسری ترکیب یہ ہے کہ مُفْرَداً کو یہاں منصوب پڑھا جائے بھئی، منصوب۔ اس صورت میں یاد رکھو یہ حال بنے گا، اور آپ نے پڑھا ہے کہ حال منصوبات میں سے ہے اس پر نصب پڑھا جاتا ہے۔ اب یہ حال کس سے بنے گا؟ تو اس میں دو احتمال ہیں: یا تو یہ وُضِعَ کے اندر جو ھُوَ ضمیر ہے نائب فاعل یہ اس سے حال بنے گا: وُضِعَ ھُوَ، ھُوَ ضمیر کس کو راجع تھی؟ لَفْظٌ کو، وضع کیا گیا ہو اس لفظ کو (ھُوَ ضمیر کس کو راجع؟ لَفْظٌ کو، تو ھُوَ کی جگہ لفظ لے آئیں: وضع کیا گیا ہو اس لفظ کو) مُفْرَداً اس حال میں کہ وہ کیا ہو؟ مفرد ہو۔ تو یہ مُفْرَداً کو حال بنایا کس سے؟ وُضِعَ کے اندر جو ھُوَ ضمیر ہے نائب فاعل۔ دوسرا احتمال یہ کہ اس مُفْرَداً کو حال بنائیں مَعْنًی سے، حال بنائیں کس سے؟ مَعْنًی سے۔ لام جارہ مَعْنًی۔

اچھا پوری ترکیب کر لیتے ہیں دیکھیے بھئی: مُفْرَداً کو اب ہم اس پر نصب پڑھیں گے۔ اَلْکَلِمَۃُ مرفوع لفظاً مبتدا، لَفْظٌ مرفوع لفظاً موصوف، وُضِعَ فعل، اس کے اندر ھُوَ ضمیر مرفوع محلاً ذوالحال (اس سے آگے مُفْرَداً ہم حال بنائیں گے تو ھُوَ ضمیر مرفوع محلاً ذوالحال، پھر ذوالحال اپنے حال سے مل کر نائب فاعل بن جائے گا۔ بات سمجھ میں آگئی؟ ہے نائب فاعل ہی یہ، تعبیر اس طرح کرتے ہیں ہمارے ہاں ترکیب میں)۔ تو ھُوَ ضمیر مرفوع محلاً ذوالحال ہے، اور مرفوع کیوں ہے؟ کیونکہ نائب الفاعل ہے۔ اس کے بعد آگے ذرا مُفْرَداً پر آجائیں: مُفْرَداً منصوب لفظاً صیغہ اسمِ مفعول، اس کے اندر ھُوَ ضمیر مرفوع محلاً اس کا نائب فاعل جو کس کو لوٹ رہی ہے؟ ہاں کس کو لوٹ رہی ہے؟ اس مُفْرَداً کو آپ کس سے جوڑ رہے ہیں؟ ذوالحال سے، تو اس میں ضمیر لوٹ رہی ہے ذوالحال کو، اور ذوالحال کون سی ضمیر تھی؟ وہ جو وُضِعَ کے اندر ھُوَ ضمیر تھی۔ تو اب یوں نہ کہیں کہ مُفْرَداً کے اندر ھُوَ ضمیر ہے اور وہ لوٹ رہی ہے ھُوَ ضمیر کو، بات تو آپ کی ٹھیک ہے لیکن تعبیر اچھی نہیں ہے، اس کو اچھے انداز میں تعبیر کریں، یوں کہیں کہ مُفْرَداً کے اندر ھُوَ ضمیر مرفوع محلاً نائب فاعل اور یہ ضمیر لوٹ رہی ہے ذوالحال کو، یہ ضمیر لوٹ رہی ہے ذوالحال کو، یوں نہ کہیں یہ ضمیر لوٹ رہی ہے ھُوَ کو، بات تو آپ کی ٹھیک ہے لیکن پسندیدہ نہیں۔ تو ھُوَ ضمیر لوٹ رہی ہے ذوالحال کو۔ تو اسمِ مفعول اپنے نائب فاعل سے مل کر شبہ جملہ ہو کر حال، شبہ جملہ ہو کر حال، اور پھر وُضِعَ کے اندر ھُوَ ضمیر جو ذوالحال تھی وہ اپنے حال سے مل کر یہ نائب الفاعل ہوا کس کے لیے؟ وُضِعَ کے لیے، اور یہ کس کو لوٹ رہی ہے؟ لَفْظٌ کو۔ پھر آگے لِمَعْنًی، لام جارہ، مَعْنًی مجرور تقدیراً، جار مجرور مل کر کس سے متعلق؟ وُضِعَ سے متعلق ہو گئے۔ تو وُضِعَ فعل اپنے نائب الفاعل اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر صفت ہوئی لَفْظٌ کے لیے۔ توجہ ہے؟ تو وُضِعَ کا جو نائب فاعل ہوا تھا اس کو ہم نے ذوالحال بنایا اور مُفْرَداً کو اس سے حال بنایا بھئی۔ ترکیب سمجھ میں آگئی؟

معنیٰ وہی ہوگا: وُضِعَ کی ھُوَ ضمیر کس کو راجع تھی؟ لَفْظٌ کو، اور آگے مُفْرَداً حال بھی کس سے آیا؟ اسی ھُوَ ضمیر سے، تو ھُوَ ضمیر سے مراد ہے لفظ، معلوم ہوا وُضِعَ ھُوَ وضع کیا گیا ہو اس کو، ترجمے پر نظر ہے؟ وُضِعَ ھُوَ وضع کیا گیا ہو اس کو، کس کو وضع کیا گیا ہو؟ لَفْظٌ کو، یہ ضمیر لَفْظٌ کو راجع ہے، وضع کیا گیا ہو اس لفظ کو مُفْرَداً اس حال میں کہ وہ لفظ کیا ہو؟ مفرد ہو۔ تو اَلْكَلِمَةُ لَفْظٌ وُضِعَ لِمَعْنًى مُفْرَداً، کلمہ وہ لفظ ہے جس کو وضع کیا گیا ہو معنیٰ کے لیے اس حال میں کہ وہ لفظ کیا ہو؟ مفرد ہو۔ طریقہ سمجھ میں آیا؟ پھر سنو: کلمہ ایسا لفظ ہے جس کو وضع کیا گیا ہو ایک معنیٰ کے لیے اس حال میں کہ وہ لفظ کیا ہو؟ مفرد ہو۔

دوسرا احتمال کہ آپ اس کو حال بنائیں مَعْنًى سے، کس سے بنائیں؟ مَعْنًى سے حال بنائیں۔ ترکیب سنو: اَلْكَلِمَةُ مرفوع لفظاً مبتدا، لَفْظٌ مرفوع لفظاً موصوف، وُضِعَ فعل، اس کے اندر ھُوَ ضمیر مرفوع محلاً اس کا نائب فاعل جو کس کو راجع؟ لَفْظٌ کو۔ آگے لام جارہ، مَعْنًى مجرور تقدیراً ذوالحال، ذوالحال۔ آگے مُفْرَداً منصوب لفظاً صیغہ اسمِ مفعول، اس کے اندر ھُوَ ضمیر مرفوع محلاً اس کا نائب فاعل جو کس کو راجع؟ مَعْنًى کو، مَعْنًى کو کیونکہ آپ مَعْنًى سے اس کو حال بنا رہے ہیں نا اور حال کو کس سے جوڑتے ہیں؟

ذوالحال سے، اور ذوالحال کون ہے؟ معنیٰ، لہٰذا مُفْرَداً کے اندر جو ھُوَ ضمیر ہے وہ کس کو لوٹے گی؟ مَعْنًى کو۔ اِسمِ مفعول اپنے نائب فاعل سے مل کر شبہ جملہ ہو کر حال، مَعْنًى ذوالحال اپنے حال سے مل کر مجرور لامِ جارہ کے لیے، جار مجرور مل کر متعلق ہوئے وُضِعَ فعل سے، وُضِعَ فعل اپنے نائب فاعل اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر صفت، لَفْظٌ موصوف اپنی صفت سے مل کر خبر ہوئی مبتدا کے لیے، مبتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔

توجہ ہے؟ تو یہ مُفْرَداً منصوب ہے حال بنے گا کس سے؟ اس کے دو احتمال ہیں یا تو وُضِعَ کے اندر جو ھُوَ ضمیر ہے نائب فاعل جو لَفْظٌ کو راجع تھی اس سے حال بنے گا یا مَعْنًى سے حال بنے گا۔ تو یہ دونوں صورتیں ہیں۔ اب دیکھیے جب مُفْرَدٍ مجرور پڑھیں تو اس کا معنیٰ ہے کہ لَفْظٌ وُضِعَ لِمَعْنًى مُفْرَدٍ، معنیٰ مفرد ہو، اور مفرد معنیٰ کسے کہتے ہیں؟ جس کے لفظ کا جز اس کے معنیٰ کے جز پر دلالت نہ کرے۔ اور جب مُفْرَدٌ مرفوع پڑھیں تو اس کا معنیٰ کیا ہے کہ وہ لفظ مفرد ہو، یعنی کلمہ ایسا مفرد لفظ ہے جس کو معنیٰ کے لیے وضع کیا گیا ہو۔ اور مفرد لفظ کسے کہتے ہیں؟ وہ لفظ کہ جس کا جز اس کے معنیٰ کے جز پر دلالت نہ کرے۔ اگرچہ بعض علماء مثلاً فرماتے ہیں بعض نحویین کہ مفرد کا معنیٰ ہے وہ لفظ جس سے ترکیب مراد نہ لی گئی ہو، بعضوں نے کچھ اور بھی کہا، بہرحال مشہور تعریف مفرد کی یہی ہے جو انہوں نے ذکر کی: مَا لَا يَدُلُّ جُزْءُ لَفْظِهِ عَلَى جُزْئِهِ یعنی مَا لَا يَدُلُّ جُزْءُهُ عَلَى جُزْءِ مَعْنَاهُ، کہ اس کا جز اس کے معنیٰ کے جز پر دلالت نہ کرے، یہ ہے مفرد لفظ کی تعریف۔

اب آگے ایک نہایت اہم اعتراض آرہا ہے جو شارح جامی نے کیا ہے۔ دیکھیے کتاب پر، فرماتے ہیں: وَفِيهِ أَنَّهُ يُوهِمُ أَنَّ اللَّفْظَ مَوْضُوعٌ لِلْمَعْنَى الْمُتَّصِفِ بِالْإِفْرَادِ وَالتَّرْكِيبِ قَبْلَ الْوَضْعِ وَلَيْسَ الْأَمْرُ كَذَلِكَ فَإِنَّ اتِّصَافَ الْمَعْنَى بِالْإِفْرَادِ وَالتَّرْكِيبِ إِنَّمَا هُوَ بَعْدَ الْوَضْعِ۔

ترجمہ سنیے، پھر اس کا مطلب سمجھیں۔ وَفِيهِ، اور اس میں یعنی اس صفت بنانے میں، کس میں؟ اس صفت بنانے میں کہ مُفْرَدٍ کو آپ مجرور پڑھ کر کس کی صفت بنائیں؟ معنیٰ کی صفت بنائیں۔ اس میں ایک خرابی ہے، ایک وہم لازم آتا ہے، ایک اعتراض وارد ہوتا ہے، وَفِيهِ اور اس میں یہ خرابی ہے، یہ وہم ہے، أَنَّهُ يُوهِمُ کہ یہ وہم دلاتا ہے أَنَّ اللَّفْظَ کہ لفظ کو مَوْضُوعٌ وضع کیا گیا ہے لِلْمَعْنَى الْمُتَّصِفِ بِالْإِفْرَادِ وَالتَّرْكِيبِ قَبْلَ الْوَضْعِ، ایسے معنیٰ کے لیے وضع کیا گیا ہے جو کہ وضع سے پہلے ہی افراد اور ترکیب کے ساتھ متصف ہے۔ معنیٰ کے اندر وضع سے پہلے ہی افراد و ترکیب کی صفت پائی جاتی ہے، قَبْلَ الْوَضْعِ، وضع سے پہلے۔ وَلَيْسَ الْأَمْرُ كَذَلِكَ، حالانکہ معاملہ ایسا نہیں ہے، یعنی معنیٰ وضع سے پہلے مفرد یا مرکب نہیں ہوتا، فَإِنَّ اتِّصَافَ الْمَعْنَى بِالْإِفْرَادِ وَالتَّرْكِيبِ، کیونکہ معنیٰ کا متصف ہونا افراد اور ترکیب کے ساتھ، إِنَّمَا هُوَ بَعْدَ الْوَضْعِ، یہ تو وضع کے بعد ہوتا ہے بھئی، وضع سے پہلے نہیں ہوتا۔

مطلب سمجھ لیجیے اعتراض کا۔ شارحِ جامی فرماتے ہیں کہ اگر آپ مُفْرَدٍ کو معنیٰ کی صفت بنائیں: اَلْكَلِمَةُ لَفْظٌ وُضِعَ لِمَعْنًى مُفْرَدٍ، کلمہ وہ لفظ ہے جس کو وضع کیا گیا ہو ایسے معنیٰ کے لیے جو کہ مفرد ہو۔ تو اس سے یہ وہم پیدا ہوتا ہے کہ معنیٰ وضع سے پہلے ہی مفرد یا مرکب ہوتا ہے، یعنی وضع سے پہلے ہی معنیٰ مفرد ہے اور پھر اس معنیٰ مفرد کے لیے کیا وضع کیا گیا ہے؟ لفظ وضع کیا گیا ہے۔ حالانکہ ایسا نہیں ہے، وضع سے پہلے معنیٰ نہ مفرد ہوتا ہے اور نہ مرکب ہوتا ہے، معنیٰ مفرد یا مرکب کب ہوتا ہے؟ جب اس کے لیے کوئی لفظ وضع ہو جائے۔

کیوں؟ اس کی وجہ خود ظاہر ہے۔ ابھی آپ نے مفرد معنیٰ کی تعریف پڑھی۔ مفرد معنیٰ کسے کہتے ہیں؟ وَمَعْنَاهُ حِينَئِذٍ مَا لَا يَدُلُّ جُزْءُ لَفْظِهِ عَلَى جُزْئِهِ. مفرد معنیٰ کسے کہتے ہیں؟ وہ معنیٰ کہ اس کے لیے جو لفظ وضع کیا گیا ہو، اس لفظ کا جز اس معنیٰ کے جز پر دلالت نہ کرے۔ اور مرکب معنیٰ کسے کہتے ہیں؟ وہ معنیٰ کہ اس کے لیے جو لفظ وضع کیا گیا ہو، اس لفظ کا جز اس معنیٰ کے جز پر دلالت کرے۔ تو دیکھا آپ نے؟ معنیٰ مفرد یا مرکب کب ہوتا ہے؟ جب اس کے لیے کوئی لفظ وضع ہو چکا ہو۔ کیونکہ جب اس کے لیے لفظ وضع ہو جائے گا، پھر اس لفظ پر نظر کریں گے، اگر اس لفظ کا جز اس معنیٰ کے جز پر دلالت کر رہا ہے تو وہ معنیٰ مرکب کہلائے گا، اور اگر اس لفظ کا جز اس معنیٰ کے جز پر دلالت نہیں کر رہا تو وہ معنیٰ مفرد کہلائے گا۔ تو جب تک اس معنیٰ کے لیے لفظ وضع ہی نہیں ہوا، تو اس کو مفرد یا مرکب کیسے کہہ سکتے ہیں؟ اس کا لفظ ہی نہیں ابھی تک۔ اس لیے کیونکہ معنیٰ کا مفرد یا مرکب ہونا یہ موقوف ہے لفظ کے وضع ہونے پر۔ جب اس کے لیے کوئی لفظ وضع ہو گا، پھر دیکھیں گے کہ اس لفظ کا جز اس کے معنیٰ کے جز پر دلالت کر رہا ہے یا نہیں، تب وہ معنیٰ مفرد یا مرکب بنے گا۔ تو وضع سے پہلے معنیٰ میں افراد اور ترکیب نہیں ہوتی، وہ وضع کے بعد ہوتی ہے۔ اور آپ نے کیا فرمایا؟ اَلْكَلِمَةُ لَفْظٌ وُضِعَ لِمَعْنًى مُفْرَدٍ، کلمہ وہ لفظ ہے جس کو وضع کیا گیا ہو ایسے معنیٰ کے لیے جو کہ مفرد ہو، تو اس سے یہ وہم ہوتا ہے کہ وہ معنیٰ وضع سے پہلے ہی مفرد یا مرکب ہوتا ہے، حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ یہ اعتراض ہے۔

یہی اعتراض، بلکہ ایک مثال سے آپ اور زیادہ سمجھ لیں۔ مثلاً ایک چیز ہے، ایک معنیٰ ہے، ایک ہی معنیٰ ہے، اس

کے لیے دو لفظ وضع کر لیے گئے۔ دو لفظ، ایک لفظ مفرد، ایک لفظ مرکب۔ مثلاً دیکھو، ایک جانور ہے جو کہ بھونکتا ہے، بھونکنے والا جانور، وہ ایک معنیٰ ہے۔ اس کے لیے فارسی میں بھی کوئی لفظ وضع ہے، عربی میں بھی کوئی لفظ وضع ہے، اردو میں بھی کوئی لفظ وضع ہے، مثلاً۔ اب ایک معنیٰ ہے، بھونکنے والا حیوان، جانور۔ اس کے لیے عربی میں ایک لفظ وضع کیا کَلْبٌ، اور دوسرا لفظ اس کے لیے وضع کیا حَيَوَانٌ نَابِحٌ۔ تو اب دیکھ لو، اگر تو لفظ دیکھیں کَلْبٌ، تو کَلْبٌ کا جز اس کے معنیٰ کے جز پر دلالت نہیں کر رہا، تو بایں اعتبار یہ معنیٰ کیا ہے؟ مفرد ہے۔ اور اگر دوسرا لفظ حَيَوَانٌ نَابِحٌ دیکھیں، تو حَيَوَانٌ کا لفظ حیوان پر دلالت کر رہا ہے، نَابِحٌ کا لفظ بھونکنے پر دلالت کر رہا ہے، تو بایں اعتبار یہی معنیٰ کیا بن گیا؟ مرکب بن گیا۔ یہ ایک انسان کا معنیٰ ہے۔ انسان کے لیے ایک لفظ وضع ہے اَلْإِنْسَانُ، اور اس کے لیے ایک لفظ وضع ہے حَيَوَانٌ نَاطِقٌ۔ تو حَيَوَانٌ نَاطِقٌ کے اعتبار سے انسان کا معنیٰ کیا ہے؟ مرکب ہے۔ اور لفظِ إِنْسَانٌ کے اعتبار سے یہی معنیٰ کیا ہے؟ مفرد ہے۔ تو پتا چلا معنیٰ کی اپنی ذات میں کوئی افراد اور ترکیب نہیں ہوتی، بلکہ وضع کے بعد اس میں افراد اور ترکیب آتی ہے۔ اگر اس کے لیے مفرد لفظ وضع کر دیا تو وہ معنیٰ مفرد ہو گیا، اگر اس کے لیے مرکب لفظ وضع کر دیا تو وہ معنیٰ مرکب ہو گیا۔ تو وضع سے پہلے معنیٰ نہ مفرد ہوتا ہے اور نہ مرکب ہوتا ہے۔ یہ معنیٰ کا مفرد یا مرکب ہونا کب ہوتا ہے؟ بَعْدَ الْوَضْعِ، وضع کے بعد ہوتا ہے۔ اور جب آپ یہ کہیں کہ لفظ کو وضع کیا گیا ہو ایسے معنیٰ کے لیے جو کہ مفرد ہو، تو اس سے وہم یہ ہوتا ہے کہ معنیٰ وضع سے پہلے ہی مفرد یا مرکب ہوتا ہے، حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ یہ اعتراض ہے بھئی، جو شارحِ جامی نے کیا ہے۔

اب اس کا جواب میں نے بتلایا تھا، کہ جواب اس کا یاد رکھیں جو یہاں ملا جامی رحمہ اللہ نے نہیں لکھا، کیونکہ وہ بہت واضح ہے اس لیے چھوڑ دیا، اور جواب اس کا یہ ہے: دیکھو، جس طرح آپ کہتے ہیں کہ میں نے اس دیوار کو رنگا اس حال میں کہ وہ سرخ ہے، یا مثلاً میں نے، یعنی اس سے پہلے ایک اور مثال لیں۔ دیکھو بھئی ایک لوہار ہے، وہ ایک برتن بناتا ہے۔ آپ اس سے پوچھتے ہیں کہ تو کیا بنا رہا ہے؟ وہ کہتا ہے میں گلاس بنا رہا ہوں، یا میں مثلاً گھڑا بنا رہا ہوں، یا کمہار سے پوچھیں کیا بنا رہے ہو؟ ابھی تو اس کے ہاتھ میں صرف مٹی ہے، اس کو گوندھا ہوا ہے، ابھی گھڑا تو نہیں بنا، لیکن وہ کیا کہتا ہے؟ میں گھڑا بنا رہا ہوں۔ تو حالانکہ گھڑا کب بنے گا؟ جب بنا لے گا اس کے بعد وہ گھڑا کہلائے گا۔ لیکن بنانے سے پہلے وہ کیوں کہہ رہا ہے کہ میں گھڑا بنا رہا ہوں؟ مَا يَؤُولُ إِلَيْهِ کے اعتبار سے، یعنی آگے چل کر اس کا انجام کیا ہو گا؟ یہ گھڑا بنے گا۔ تو ایک ہوتا ہے قیدِ ما قبل، ایک ہوتا ہے قیدِ ما بعد، یعنی مَآل کے اعتبار سے، انجام کے اعتبار سے۔

اسی طرح دیکھو، ہم کہتے ہیں: زید نے لکڑی تراشی، اس سے مثلاً اس نے کرسی بنائی۔ تو کرسی تراشنے، کرسی بننے سے پہلے وہ لکڑی تھی، کرسی تو بعد میں بنی ہے۔ لیکن ہم کہہ سکتے ہیں، بلکہ عربی میں ایک مشہور مثال ہے: خَلَقَ اللهُ التُّفَّاحَةَ حُلْوَةً، یا خَلَقَ اللهُ الزَّرْعَ نَاضِجاً، اللہ تعالیٰ نے کھیتی کو پکا ہوا پیدا کیا۔ حالانکہ جب کھیتی پیدا کی جاتی ہے اس وقت تو وہ پکی ہوئی نہیں ہوتی، بلکہ آگے چل کر وہ کیا ہوتی ہے؟ پکتی ہے۔ لیکن آپ پھر بھی کیا کہتے ہیں؟ خَلَقَ اللهُ الْعِنَبَ حُلْواً، اللہ تعالیٰ

نے انگور کو میٹھا پیدا کیا۔ جب شروع میں انگور کا دانہ لگتا ہے، چھوٹا سا، اس وقت تو وہ میٹھا نہیں ہوتا، کڑوا ہوتا ہے، کھٹا ہوتا ہے، اس کے بعد جا کر جب وہ پک جاتا ہے تب وہ میٹھا ہوتا ہے۔ لیکن آپ پھر بھی کہہ سکتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے انگور کو میٹھا پیدا کیا۔ تو یہاں میٹھا ہونے کی صفت کب پائی جائے گی؟ بعد میں، اس کے انجام کے اعتبار سے، کہ اس کا انجام کیا ہے؟ مَآل کے اعتبار سے کہ یہ آگے چل کر میٹھا ہو گا۔

تو اسی طرح یہاں پر بھی، اَلْكَلِمَةُ لَفْظٌ وُضِعَ لِمَعْنًى مُفْرَدٍ، کلمہ ایسا لفظ ہے جس کو وضع کیا گیا ہو ایسے معنیٰ کے لیے جو کہ مفرد ہو۔ یعنی بَعْدَ الْوَضْعِ، وضع کے بعد، جب وضع کر دیا جائے گا، تو وضع کرنے کے بعد اس کا نتیجہ یہ نکلے گا کہ یہ معنیٰ مفرد ہو گا، نہ یہ کہ وضع سے پہلے ہی وہ معنیٰ مفرد تھا۔ بلکہ جب اس کے لیے یہ لفظ وضع کر دیا جائے گا، تو وضع کے بعد اب وہ معنیٰ کیا بن جائے گا؟ مفرد بن جائے گا۔ تو یہاں مُفْرَدٍ جو معنیٰ کی صفت ہے، یہ قَبْلَ الْوَضْعِ کے اعتبار سے نہیں بلکہ بَعْدَ الْوَضْعِ کے اعتبار سے ہے۔ یعنی اس کا انجام، اس کا مَآل یہ ہو گا کہ وضع کے بعد یہ معنیٰ مفرد ہو گا، نہ کہ یہ پہلے سے مفرد تھا۔

یا یوں کہہ لیں، دوسرا جواب یوں ہے کہ ایک چیز کا دو اعتبار سے نام رکھ دیا جاتا ہے، ایک بالفعل اور ایک بالقوہ۔ بالفعل کا معنیٰ یہ ہے کہ اس وقت فی الحال وہ صفت اس کے اندر موجود ہے۔ جیسے زید اس وقت علم پڑھ رہا ہے تو وہ طالبِ علم ہے، اور جب وہ پڑھ لے گا تو عالم بن جائے گا، تو اس وقت بالفعل وہ طالبِ علم ہے اور بالقوہ وہ عالم ہے، یعنی اس کے اندر عالم بننے کی صلاحیت موجود ہے، اگر یہ محنت کرے گا تو عالم بن جائے گا۔ اسی طرح ایک بچہ پیدا ہوا، ابھی تک اس نے کوئی کلمہ نہیں پڑھا، لیکن اس کے اندر بولنے کی صلاحیت موجود ہے، اس کو کہتے ہیں بالقوہ ناطق، یعنی بولنے کی صلاحیت رکھنے والا۔ تو یہاں پر بھی جب لفظ کو وضع کیا جائے گا، تو وضع سے پہلے معنیٰ میں یہ صلاحیت موجود تھی کہ اگر اس کے لیے مفرد لفظ وضع کر دیا جائے تو وہ مفرد بن جائے، اور اگر مرکب لفظ وضع کر دیا جائے تو وہ مرکب بن جائے۔

بہر حال پہلا جواب بہت آسان اور مشہور ہے، کہ یہاں پر مُفْرَدٍ کا معنیٰ ہے: بِحَسَبِ الْمَآلِ، یعنی بَعْدَ الْوَضْعِ، جب اس کے لیے لفظ وضع کر دیا جائے گا، تو پھر وہ معنیٰ کیا ہو گا؟ مفرد ہو گا، نہ کہ وضع سے پہلے ہی وہ معنیٰ مفرد تھا۔

چلو بھئی، اب آگے دیکھیے کتاب پر۔

وَأَمَّا إِذَا كَانَ مَرْفُوعاً فَهُوَ صِفَةٌ لِلَفْظٍ وَمَعْنَاهُ حِينَئِذٍ مَا لَا يَدُلُّ جُزْؤُهُ عَلَى جُزْءِ مَعْنَاهُ وَسَلِمَ عَنْ ذَلِكَ الْوَهْمِ وَيُعْرَفُ مَعْنَاهُ إِذَا كَانَ مَنْصُوباً عَلَى الْحَالِيَّةِ مِنْهُمَا.

فرماتے ہیں، وَأَمَّا إِذَا كَانَ مَرْفُوعاً، اور بہر حال جب وہ مفرد کا لفظ کیا ہو؟ مرفوع ہو، یعنی اس کو مُفْرَدٌ پڑھا جائے۔ فَهُوَ صِفَةٌ لِلَفْظٍ، تو وہ صفت بنے گا کس کی؟ لَفْظ کی۔ ترکیب ہم کر چکے۔ وَمَعْنَاهُ حِينَئِذٍ، اور اس وقت اس کا معنیٰ یہ ہو گا: مَا لَا يَدُلُّ جُزْؤُهُ عَلَى جُزْءِ مَعْنَاهُ۔ یہ مَا سے مراد ہے لفظ۔ یعنی مفرد لفظ وہ لفظ ہے کہ لَا يَدُلُّ جُزْؤُهُ کہ اس لفظ کا جز دلالت نہ کرے عَلَى جُزْءِ مَعْنَاهُ اس کے معنیٰ کے جز پر۔ توجہ ہے؟ دیکھیے، جب مفرد کو معنیٰ کی صفت بنایا تھا، تو وہاں عبارت

کیا تھی؟ مَا لَا يَدُلُّ جُزْءُ لَفْظِهِ عَلَى جُزْئِهِ۔ وہاں مَا سے مراد معنیٰ تھا، تو معنیٰ کے لفظ کا جز اس معنیٰ کے جز پر دلالت نہ کرے۔ اور یہاں مَا سے مراد لفظ ہے، تو اس لفظ کا جز اس کے معنیٰ کے جز پر دلالت نہ کرے۔ عبارت کے فرق پر بھی غور فرمائیں بھئی۔

وَسَلِمَ عَنْ ذَلِكَ الْوَهْمِ، اور اس صورت میں، جب مُفْرَدٌ مرفوع پڑھیں، تو یہ اس وہم سے سلامت رہے گا، یعنی وہ اعتراض اس صورت میں وارد نہیں ہوگا۔ کیوں؟ کیونکہ اس صورت میں مُفْرَدٌ صفت ہے لفظ کی، اور لفظ جو ہے وہ وضع سے پہلے ہی مفرد ہوتا ہے، یا وضع کے وقت ہی مفرد ہوتا ہے، اس لیے کیونکہ لفظ کا مفرد ہونا اس کے اپنے اجزاء کے اعتبار سے ہے، تو لفظ میں یہ اعتراض وارد نہیں ہوتا۔ بلکہ معنیٰ میں اعتراض وارد ہوتا تھا کہ معنیٰ وضع سے پہلے مفرد یا مرکب نہیں ہوتا، وضع کے بعد ہوتا ہے۔ تو جب مُفْرَدٌ کو لفظ کی صفت بنائیں گے تو وہ اس وہم سے سلامت رہے گا۔

وَيُعْرَفُ مَعْنَاهُ إِذَا كَانَ مَنْصُوباً عَلَى الْحَالِيَّةِ مِنْهُمَا، اور اس کا معنیٰ جان لیا جائے گا یعنی اس سے معلوم ہو جائے گا، جب کہ مُفْرَداً کیا ہو؟ منصوب ہو، بنابر حالیہ ہونے کے مِنْهُمَا ان دونوں میں سے کسی ایک سے۔ کن دونوں میں سے؟ یا تو وُضِعَ کے اندر جو هُوَ ضمیر ہے نائب فاعل جو لَفْظٌ کو راجع تھی اس سے حال بنے گا، یا مَعْنًى سے حال بنے گا۔ تو اگر لَفْظٌ والی ضمیر سے حال بنائیں تو اس کا معنیٰ وہی ہوگا جو مرفوع ہونے کی صورت میں تھا، یعنی وہ لفظ مفرد ہو۔ اور اگر مَعْنًى سے حال بنائیں تو اس کا معنیٰ وہی ہوگا جو مجرور ہونے کی صورت میں تھا، یعنی وہ معنیٰ مفرد ہو، اور اس صورت میں وہی اعتراض بھی وارد ہوگا۔ تو کہتے ہیں کہ ان دونوں صورتوں سے، یعنی مرفوع اور مجرور والی صورتوں سے، منصوب والی صورت کا معنیٰ بھی خود بخود معلوم ہو جاتا ہے۔

اب آگے دیکھیے بھئی۔

فَاحْتُرِزَ بِالْوُضِعَ عَنِ الْمُهْمَلِ وَبِقَيْدِ الْإِفْرَادِ عَنِ الْمُرَكَّبِ نَحْوُ زَيْدٌ قَائِمٌ وَغُلَامُ زَيْدٍ۔

ترجمہ سنیے، پھر اس کی تشریح سمجھیں۔

فَاحْتُرِزَ، پس بچا گیا ہے، احتراز کیا گیا ہے، نکالا گیا ہے، بِالْوُضِعَ، وُضِعَ کے ذریعے، یعنی کلمہ کی تعریف میں جو وُضِعَ کی قید لگائی ہے، اس قید کے ذریعے نکالا گیا ہے عَنِ الْمُهْمَلِ مہمل کو۔ مہمل اس تعریف سے نکل گیا۔

وَبِقَيْدِ الْإِفْرَادِ، اور افراد کی قید کے ذریعے، یعنی جو مُفْرَدٍ کی قید لگائی ہے، اس قید کے ذریعے نکالا گیا ہے عَنِ الْمُرَكَّبِ مرکب کو۔ جیسے نَحْوُ زَيْدٌ قَائِمٌ وَغُلَامُ زَيْدٍ۔

تشریح سنیے۔ آپ نے منطق میں پڑھا ہوگا، تعریف کہتے ہیں جامع و مانع کو۔ تعریف میں جو قیودات لگائی جاتی ہیں، جو شرطیں لگائی جاتی ہیں، ان کا فائدہ کیا ہوتا ہے؟ اغیار کو تعریف سے نکالنا، تاکہ تعریف مانع بن جائے۔ کوئی غیر چیز اس تعریف میں داخل نہ ہو سکے۔ تو اب یہاں کلمہ کی تعریف میں تین قیدیں لگائی گئیں۔ نمبر ایک: لَفْظٌ۔ نمبر دو: وُضِعَ لِمَعْنًى۔ نمبر تین: مُفْرَدٍ۔

تو اب شارحِ جامی یہ بتلا رہے ہیں کہ ان قیدوں کے ذریعے کس کس چیز سے احتراز ہوا ہے، یعنی کون کون سی چیزیں اس تعریف سے خارج ہو گئی ہیں۔

سب سے پہلی قید تھی لَفْظٌ۔ لَفْظٌ کے ذریعے کن چیزوں سے احتراز ہوا؟ وہ انہوں نے یہاں ذکر نہیں کیا، اس لیے کیونکہ وہ تو شروع میں ہی ذکر ہو چکا ہے، یا یوں کہو کہ لَفْظٌ جنس ہے، لَفْظٌ کیا ہے؟ جنس ہے، اور تعریف میں جنس کے ذریعے جن چیزوں سے احتراز ہوتا ہے، اس کو ذکر کرنا ضروری نہیں ہوتا، بلکہ فصول کے ذریعے جن چیزوں سے احتراز ہوتا ہے، ان کو ذکر کیا جاتا ہے۔ بہرحال اگر پوچھا جائے کہ لَفْظٌ کے ذریعے کس سے احتراز ہوا؟ تو لَفْظٌ کے ذریعے جو غیرِ لفظ ہیں، یعنی جو دال تو ہیں لیکن لفظ نہیں ہیں، جیسے اشارہ، کتابت، عقد، نصب وغیرہ، جن کو دلائلِ غیر لفظیہ کہتے ہیں، وہ اس تعریف سے نکل گئے، کیونکہ وہ لفظ ہی نہیں ہیں۔ آپ نے پڑھا ہے دلالت کی دو قسمیں ہیں: دلالتِ لفظیہ اور دلالتِ غیر لفظیہ۔ تو دلالتِ غیر لفظیہ جو ہے، جیسے اشارہ وغیرہ، وہ اس سے نکل گئی۔

پھر دوسری قید لگائی وُضِعَ لِمَعْنًى۔ اس قید کے ذریعے کس سے احتراز ہوا؟ فرماتے ہیں: فَاحْتُرِزَ بِالْوُضِعَ عَنِ الْمُهْمَلِ، اس قید کے ذریعے مہمل سے احتراز ہوا۔ مہمل کسے کہتے ہیں؟ وہ لفظ جس کو کسی معنیٰ کے لیے وضع نہ کیا گیا ہو۔ جیسے دَيْزٌ، زَيْدٌ کا الٹا دَيْزٌ۔ اب دَيْزٌ لفظ تو ہے، لیکن اس کو کسی معنیٰ کے لیے وضع نہیں کیا گیا، یہ مہمل ہے، بے معنیٰ ہے۔ تو اگر وُضِعَ لِمَعْنًى کی قید نہ لگاتے، صرف یوں کہہ دیتے اَلْكَلِمَةُ لَفْظٌ، تو اس میں دَيْزٌ بھی داخل ہو جاتا۔ اس لیے وُضِعَ کی قید لگا کر مہمل کو نکال دیا۔

اس کے بعد تیسری قید لگائی مُفْرَدٍ۔ تو اس قید کے ذریعے کس سے احتراز ہوا؟ فرماتے ہیں: وَبِقَيْدِ الْإِفْرَادِ عَنِ الْمُرَكَّبِ، افراد کی قید کے ذریعے مرکب سے احتراز ہوا، یعنی مرکب اس تعریف سے نکل گیا۔ جیسے زَيْدٌ قَائِمٌ، یہ مرکبِ اسنادی ہے، جملہ ہے، اور غُلَامُ زَيْدٍ، یہ مرکبِ اضافی ہے، غیرِ جملہ ہے۔ اگر افراد کی قید نہ لگاتے، صرف یوں کہہ دیتے اَلْكَلِمَةُ لَفْظٌ وُضِعَ لِمَعْنًى، کلمہ ایسا لفظ ہے جس کو معنیٰ کے لیے وضع کیا گیا ہو، تو اس میں زَيْدٌ قَائِمٌ اور غُلَامُ زَيْدٍ بھی داخل ہو جاتے، کیونکہ زَيْدٌ قَائِمٌ بھی لفظ ہے اور اس کو بھی معنیٰ کے لیے وضع کیا گیا ہے، اور غُلَامُ زَيْدٍ بھی لفظ ہے اور اس کو بھی معنیٰ کے لیے وضع کیا گیا ہے۔ لیکن چونکہ وہ مفرد نہیں ہیں بلکہ مرکب ہیں، اس لیے افراد کی قید لگا کر ان کو تعریف سے خارج کر دیا، نکال دیا۔ تو اب تعریف بالکل جامع و مانع ہو گئی، کوئی غیر اس میں داخل نہیں ہو سکتا۔

جی، یہاں تک بات سمجھ میں آ گئی؟

اب آگے ایک اور بحث شروع ہو رہی ہے بھئی، بڑی اہم بحث ہے۔ دیکھیے کتاب پر:

▪ متنِ کتاب و تحقیقِ مسائلِ نحویہ

وَيَرِدُ عَلَى هَذَا التَّعْرِيفِ مَا وَرَدَ عَلَى تَعْرِيفِ الْكَلَامِ مِنْ أَنَّهُ لَا يَشْمَلُ الْحَرْفَ إِذَا كَانَ جُزْءاً مِنْ كَلِمَةٍ أَوْ كَلَامٍ...

نہیں، عبارت دیکھیں کیا ہے؟ پڑھیں ذرا۔

اس کے اندر مجاز کا ارتکاب کر لیا جائے یعنی مجاز کو مان لیا جائے، كَمَا يُرْتَكَبُ فِي مِثْلِ، جیسے کہ مجاز کا ارتکاب کیا گیا ہے اس جیسی مثال میں: مَنْ قَتَلَ قَتِيلاً فَلَهُ سَلَبُهُ۔ یہ حدیث ہے بھئی: مَنْ قَتَلَ قَتِيلاً فَلَهُ سَلَبُهُ۔ قَتِيلٌ بمعنیٰ مَقْتُولٌ کے ہے بھئی یعنی فَعِيلٌ بمعنیٰ مَفْعُولٌ کے، اور سَلَبٌ لام کے فتحہ کے ساتھ، سلب کہتے ہیں چھینی ہوئی چیز، لوٹا ہوا مال، اس کو کیا کہتے ہیں؟ سلب کہتے ہیں۔ یہ حدیث میں آتا ہے حضور علیہ السلام نے ایک غزوہ کے موقع پر، غالباً غزوہ بدر کے موقع پر جب کہ صحابہ بے انتہا بے سرو سامانی کی کیفیت میں تھے، اور سامنے کفار کا لشکر بڑا طاقتور اسلحے سے لیس، مسلمانوں کے پاس چند تلواریں وہ بھی کچھ ٹوٹی ہوئیں اور چند ایک نیزے تھے، باقی سب کے پاس تلواریں بھی نہیں تھیں، نیزے بھی نہیں تھے لڑنے کے لیے، اور دوسری طرف کفار وہ سارے انہوں نے وہ پورا فوجی لباس پہنا ہوا، لوہے کے خود پہنے ہوئے، اور لوہے کی زرہ پہنی ہوئی، پورے لوہے کے اندر چھپے ہوئے تھے، جن کو دیکھ کر انسان پر خوف طاری ہو جائے۔ لیکن یہ صحابہ، یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پروانے اور حضور کے شاگرد، اور یہ جو حضور کے لیے اپنی جانیں قربان کرنے والے، اپنا مال اپنے بھائی بہنوں اور اپنے پورے گھر کو قربان کرنے والے، وہ اس لشکر سے ٹکرا گئے اور ان کو وہ شکست دی کہ انسان سنتا ہے تو حیران رہ جاتا ہے کہ یہ لوگ بھئی جو پتھر مار رہے ہیں، لڑائی کس سے کر رہے ہیں؟ تلواریں تو سب کے پاس ہیں ہی نہیں، نیزے تو ہیں ہی نہیں، پتھر یا کوئی لاٹھی وغیرہ اس کے ذریعے لڑ رہے ہیں، اور ان کے ستر کفار کو مار دیا، قتل کر دیا، جہنم رسید کر دیا، اور ستر کو ہی گرفتار کر لیا، جبکہ مسلمانوں میں سے صرف چودہ صحابہ شہید ہوئے بھئی، چودہ صحابہ۔ تو یہ غالباً اس غزوہ بدر کے موقع پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو جنگ پر ابھارنے کے لیے اور ان کو ترغیب دینے کے لیے فرمایا: مَنْ قَتَلَ قَتِيلاً فَلَهُ سَلَبُهُ۔ تو قتیل بمعنیٰ مقتول کے ہے، جس نے کسی مقتول کو قتل کیا فَلَهُ سَلَبُهُ، تو اس مقتول سے لوٹا ہوا مال اسی قتل کرنے والے کے لیے ہے۔ جو اس کو قتل کرے گا، اس سے لوٹا ہوا مال اسی کا ہے، جو جنگی لباس وغیرہ یا جو کچھ اس نے پہنا ہوا ہے، جو کچھ اس کے پاس ہے وہ سارا اس کا ہے بھئی۔ تو مَنْ قَتَلَ قَتِيلاً فَلَهُ سَلَبُهُ، جس نے کسی مقتول کو قتل کیا تو اس قتل کرنے والے کے لیے اس مقتول سے چھینا ہوا مال ہے۔

اب دیکھو، یہاں پر مَنْ قَتَلَ قَتِيلاً، جس نے مقتول کو قتل کیا، بھئی مقتول تو اس کو کہتے ہیں جس کو قتل کر دیا جائے، اور جو ایک دفعہ قتل ہو گیا وہ تو دوبارہ قتل نہیں ہو سکتا۔ تو یہاں پر مجاز ہے بھئی، یعنی وہ لوگ جو قتل کے قریب تھے، تو

ان کو ابھی سے مقتول کہہ دیا کہ ان کا قتل ہونا قریب تھا تو اس کو ابھی سے کیا کہہ دیا؟ مقتول کہہ دیا، مَنْ قَتَلَ قَتِيلاً جس نے مقتول کو قتل کیا، بھئی ابھی تو وہ مقتول نہیں، ابھی تو وہ زندہ ہیں لیکن ان کو ابھی سے کیا کہہ دیا؟ مقتول کہہ دیا، بایں لحاظ کہ ان کا قتل ہونا قریب ہے۔ اس کو کہتے ہیں مجاز بالمشارفہ۔ کیا کہتے ہیں؟ مجاز بالمشارفہ یعنی شَارَفَ يُشَارِفُ مُشَارَفَةً کا معنیٰ ہے قریب ہونا، ایک چیز دوسری کے قریب ہو، اس کے لیے لفظ کیا بولتے ہیں؟ شَارَفَ، شَارَفَ۔ تو مجاز بالمشارفہ، یعنی ایک چیز جو ایک صفت کے ساتھ متصف ہونے والی ہے، ایک حالت کے ساتھ متصف ہونے والی ہے، اس کو پہلے سے ہی اس کے ساتھ متصف کر دیا جائے، تو چونکہ ان کا قتل قریب تھا اس لیے ان کو پہلے سے ہی کیا کہہ دیا؟ مقتول کہہ دیا۔ بات سمجھ میں آگئی؟

تو کہتے ہیں، جس طرح اس حدیث کے اندر مجاز کا ارتکاب کیا گیا ہے، مجاز بالمشارفہ کا، اسی طرح اس یہاں پر کلمہ کی تعریف میں بھی کر لیا جائے مجاز کا ارتکاب۔ کس طرح؟ کہ کلمہ ایسا لفظ ہے جس کو وضع کیا گیا ہو معنیٰ مفرد کے لیے، بھئی معنیٰ مفرد تو وضع کے بعد ہو گا، لیکن چونکہ اس کا مفرد ہونا قریب ہے، مفرد یا مرکب ہونا قریب ہے، تو اس کو ابھی سے ہی مفرد کہہ دیا بھئی۔ کیونکہ جب وضع آئے گی تو وضع کے ساتھ ہی یا وہ مفرد معنیٰ ہو گا یا مرکب ہو گا، وہ متصف ہو جائے گا، جب جزِ لفظ جزِ معنیٰ پر دلالت کرے گا تو ہم اس کو مرکب کہیں گے اور جزِ لفظ جزِ معنیٰ پر دلالت نہ کرے تو اسے ہم کیا کہیں گے؟ مفرد کہیں گے۔ تو معنیٰ وضع کے بعد افراد سے متصف ہو گا، لیکن اس کا چونکہ افراد سے متصف ہونا قریب ہے، قریب ہے، تو اس کو پہلے سے ہی کیا کہہ دیا؟ مفرد کہہ دیا گیا۔ جیسے زندہ کو قتل کے قریب ہونے کی وجہ سے مقتول کہہ دیا گیا، اسی طرح یہاں بھی ہے کہ معنیٰ افراد سے متصف ہونے ہی والا ہے، قریب ہی ہے، اس لیے ابھی سے اس کو کیا کہہ دیا؟ معنیٰ مفرد۔ اگرچہ معنیٰ مفرد یہ حقیقت میں تو یہ جب وضع ہو جائے گی پھر یہ معنیٰ مفرد کہلائے گا، اس سے پہلے معنیٰ مفرد نہیں کہلائے گا۔ تقریر سمجھ میں آگئی؟ تو اس کو کہتے ہیں مجاز بالمشارفہ۔ مجاز بالمشارفہ، یعنی وہ مجاز جو قریب ہے، یعنی ہونے والا ہے تو ابھی سے مجازاً اس کو کہہ دیا، ایک صفت کے ساتھ متصف کر دیا۔ یا اس کو کہتے ہیں باعتبار مَا يَؤُولُ إِلَيْهِ کے۔ آلَ يَؤُولُ کے معنیٰ ہیں لوٹنا، ایک حالت کی طرف لوٹنا۔ تو چونکہ وہ قتل کی طرف لوٹنے والے تھے، قریب تھے، اس لیے ان کو کیا کہہ دیا؟ مقتول کہہ دیا گیا، اور اسی طرح یہ معنیٰ چونکہ قریب ہے کہ یہ لوٹے کس بات کی طرف؟ افراد کی طرف، اس لیے اس کو ابھی سے کیا کہہ دیا گیا؟ مفرد کہہ دیا گیا۔ تو اس کو کس طرح تعبیر کرتے ہیں؟ اس کو کیسے تعبیر کریں گے؟ آپ کیا کہیں گے؟ مَنْ قَتَلَ قَتِيلاً فَلَهُ سَلَبُهُ، اس میں قتیل کے اندر کیا ہے؟ مجاز بالمشارفہ ہے۔ یا یوں تعبیر کریں گے کہ ان کو قتیل کہا گیا باعتبار مَا يَؤُولُ إِلَيْهِ کے، مَا يَؤُولُ إِلَيْهِ، جس حالت کی طرف وہ لوٹنے والے ہیں اس کے اعتبار سے ابھی سے ان کو قتیل کہہ دیا گیا بھئی۔ تو یہ اسی طرح کتابوں میں جگہ جگہ اساتذہ ذکر کریں گے بھئی، آپ نے اس کو یاد رکھنا ہے۔ اساتذہ آپ کو کہیں گے یہ باعتبار مَا يَؤُولُ کے اس کو یہ کہہ دیا گیا، یعنی جو ابھی ہونے والا ہے، قریب ہے، اس جس حالت کی طرف لوٹنے والا ہے، تو ابھی سے اس کو متصف کر دیا گیا۔

تو کہتے ہیں: فَيَنْبَغِي أَنْ يُرْتَكَبَ فِيهِ تَجَوُّزٌ كَمَا يُرْتَكَبُ فِي مِثْلِ مَنْ قَتَلَ قَتِيلاً فَلَهُ سَلَبُهُ، تو مناسب یہ ہے کہ اس معنیٰ مفرد کے اندر بھی مجاز کا ارتکاب کیا جائے، مجاز کو اس کے اندر مان لیا جائے، كَمَا يُرْتَكَبُ فِي مِثْلِ، جیسے کہ مجاز کا ارتکاب کیا گیا ہے اس جیسی مثالوں میں: مَنْ قَتَلَ قَتِيلاً فَلَهُ سَلَبُهُ، جس نے کسی مقتول کو قتل کیا تو اس قتل کرنے والے کے لیے اس مقتول سے لوٹا ہوا مال ہے۔

أَوْ مَرْفُوعٌ عَلَى أَنَّهُ صِفَةٌ لِلَفْظٍ.

دوسری ترکیب آگئی۔ پہلی ترکیب کیا تھی؟ مُفْرَدٍ پڑھا مجرور، کیونکہ یہ صفت تھی کس کی؟ معنیٰ کی۔ اب دوسری ترکیب مُفْرَدٌ پڑھیں، یہ صفت ہے لفظ کی۔ کہتے ہیں: أَوْ مَرْفُوعٌ، یا یہ مُفْرَدٌ کا لفظ مرفوع ہے عَلَى أَنَّهُ صِفَةٌ لِلَفْظٍ، بنابر اس کے کہ یہ صفت ہے لفظ کی، اور موصوف مرفوع تو صفت بھی مرفوع، تو لَفْظٌ مرفوع تو مُفْرَدٌ بھی مرفوع۔

وَمَعْنَاهُ حِينَئِذٍ. اچھا بھئی، پہلے مفرد کو کس کی صفت بنایا تھا؟ معنیٰ کی۔ اور مفرد معنیٰ کسے کہتے تھے میں نے آپ کو بتلایا؟ وہ معنیٰ کہ اس کے لیے جو لفظ وضع کیا گیا ہے، اس لفظ کا جز اس معنیٰ کے جزپر دلالت نہ کرے۔ اب مُفْرَدٌ کو کس کی صفت بنایا؟ لَفْظٌ کی۔ تو مفرد لفظ کسے کہیں گے؟ وہ لفظ جس کا جز معنیٰ کے جزپر دلالت نہ کرے۔ وہی بیان کر رہے ہیں: وَمَعْنَاهُ حِينَئِذٍ، اور مفرد لفظ کا معنیٰ اس وقت یہ ہوگا: مَا لَا يَدُلُّ جُزْؤُهُ عَلَى جُزْءِ مَعْنَاهُ. مَا، وہ لفظ، لَا يَدُلُّ جُزْؤُهُ، کہ دلالت نہ کرے اس لفظ کا جز عَلَى جُزْءِ مَعْنَاهُ، اس کے معنیٰ کے جزپر۔ لفظ کا جز معنیٰ کے جزپر دلالت نہ کرے تو اس کو کیا کہیں گے؟ مفرد کہیں گے۔

▪ متنِ کتاب و تحقیقِ مسائلِ نحویہ

وَلَا بُدَّ حِينَئِذٍ مِنْ بَيَانِ نُكْتَةٍ فِي إِيرَادِ أَحَدِ الْوَصْفَيْنِ جُمْلَةً فِعْلِيَّةً وَالْآخَرِ مُفْرَداً.

اب یہاں سے دیکھو، ادھر دیکھیے۔ مُفْرَدٌ کو جب ہم نے صفت بنایا لَفْظٌ کی، تو لَفْظٌ کی کتنی صفتیں ہو گئیں؟ دو: ایک وُضِعَ لِمَعْنًى، اور ایک مُفْرَدٌ۔ تو اب کہتے ہیں صاحبِ کافیہ دو صفتیں لے آئے لفظ کی: ایک وُضِعَ لِمَعْنًى جملہ فعلیہ، اور ایک مُفْرَدٌ لائے جو جملہ نہیں ہے، مفرد ہے۔ تو اب نکتہ ضروری ہے، صاحبِ کافیہ جو فصیح و بلیغ انسان ہیں، جو کافیہ کی کمال کی ان کی عبارتیں ہیں، وہ صفت لے کر آرہے ہیں لَفْظٌ کی دو صفتیں، ایک کو ماضی کے صیغے کے ساتھ ذکر کر رہے ہیں وُضِعَ ماضی کا صیغہ، اور دوسرا مُفْرَدٌ ہے یعنی اسم لے کر آئے، ماضی کا فعل وغیرہ نہیں لائے۔ تو کیا وجہ ہے؟ یا تو دونوں صفتیں ماضی کے صیغے لاتے، یا دونوں کو مفرد لے کر آتے جملہ نہ لاتے، لیکن ایک صفت کو ماضی کا صیغہ بنایا اور ایک صفت کو مفرد بنایا، اس کی کیا وجہ؟ اس میں کوئی نکتہ ضروری ہے، نکتہ ہو بھئی۔

تو بتائیں گے آپ کو، کہ نکتہ اس میں یہ ہے کہ دو صفتیں لائے، کون کون سی؟ ایک وُضِعَ اور ایک مُفْرَدٌ۔ وُضِعَ کے لیے ماضی کا صیغہ استعمال کیا، اور ماضی پہلے ہوتی ہے، تو اس میں اس نکتے کی طرف اشارہ کرنا چاہتے تھے صاحبِ کافیہ کہ یہ جو وضع ہے، یہ افراد پر مقدم ہے۔ یہ وضع جو ہے افراد پر مقدم ہے۔ مفرد لفظ کسے کہتے ہیں؟ کہ جزِ لفظ جزِ معنیٰ پر دلالت نہ کرے۔ اور یہ کب ہوگا؟ وضع سے پہلے یا وضع کے بعد؟ یہ وضع کے بعد ہوگا۔ وضع مقدم ہے اور افراد و ترکیب مؤخر ہے۔ تو اس نکتے کو بتلانا چاہتے تھے کہ میں دو صفتیں تو لا رہا ہوں لفظ کی، ایک ہے وضع اور ایک ہے افراد، لیکن وضع کو کس صیغے سے تعبیر کیا؟ ماضی کے صیغے سے، اور ماضی گزرے ہوئے زمانے کو کہتے ہیں یعنی جو پہلے ہو چکا ہے، تو معلوم ہوا یہ وضع بھی کیا ہے؟ پہلے ہے، مقدم ہے، کس پر؟ افراد پر۔ نکتہ سمجھ میں آگیا؟

ورنہ تو یہ بھی تو ہو سکتا تھا، صاحبِ کافیہ کہہ سکتے تھے: اَلْكَلِمَةُ لَفْظٌ مَوْضُوعٌ لِمَعْنًى، وُضِعَ لِمَعْنًى کے بجائے کیا کہہ دیتے؟ مَوْضُوعٌ۔ اَلْكَلِمَةُ لَفْظٌ مَوْضُوعٌ لِمَعْنًى مُفْرَدٌ، کلمہ ایسا لفظ ہے جس کو مَوْضُوعٌ لِمَعْنًى کس کے لیے وضع کیا گیا ہو؟ معنیٰ کے لیے، مُفْرَدٌ اور کیا ہو؟ مفرد ہو، تو دونوں کو اسم بھی بنا سکتے تھے۔ لیکن صاحبِ کافیہ نے مَوْضُوعٌ کے بجائے وُضِعَ لے کر آئے ماضی کا صیغہ، کیونکہ ماضی گزرے ہوئے زمانے پر دلالت کرتی ہے، ماضی جو پہلے ہو چکا ہے، تو یہاں بھی یہی بتلانا چاہتے ہیں کہ وضع پہلے ہے، وضع پہلے ہے اور افراد اس کے بعد ہے۔ نکتہ سمجھ میں آگیا۔

کہتے ہیں: وَلَا بُدَّ حِينَئِذٍ مِنْ بَيَانِ نُكْتَةٍ، اور ضروری ہے اس وقت ایک نکتے کا بیان، ایک نکتے کسی نکتے کا بیان ضروری ہے اس وقت، کس وقت بھئی؟ جب مُفْرَدٌ کو لَفْظٌ کی صفت بنائیں، جب مُفْرَدٌ کو لَفْظٌ کی صفت بنائیں تو اس وقت ضروری ہے کہ کسی نکتے کا بیان ہو کہ ایک صفت کو کیا لائے؟ ماضی اور دوسرے کو کیا لائے؟ غیرِ ماضی یعنی اسم لے کر مفرد لے کر آئے، تو ان میں نکتے کا بیان ہے اب وہ بیان کرنے لگے ہیں۔ کہتے ہیں: وَلَا بُدَّ حِينَئِذٍ مِنْ بَيَانِ نُكْتَةٍ، اور ضروری ہے اس وقت کسی نکتے کا بیان کرنا فِي إِيرَادِ أَحَدِ الْوَصْفَيْنِ جُمْلَةً فِعْلِيَّةً وَالْآخَرِ مُفْرَداً۔ أَوْرَدَ يُورِدُ إِيرَادٌ کا معنیٰ ہے لانا، فِي إِيرَادِ أَحَدِ الْوَصْفَيْنِ دو وصفوں میں سے دو صفتوں میں سے ایک کو لانا جُمْلَةً فِعْلِيَّةً جملہ فعلیہ، وَالْآخَرِ مُفْرَداً اور دوسرے کو مفرد لانا۔ وَالْآخَرِ اس کا عطف ہے أَحَدِ الْوَصْفَيْنِ پر، اور أَحَدِ الْوَصْفَيْنِ مجرور ہے یہ مضاف الیہ ہے إِيرَادِ کے لیے۔ تو اسی کی جگہ آخر لے آئیں: فِي إِيرَادِ الْآخَرِ مُفْرَداً۔ تو مُفْرَداً کا عطف ہے جُمْلَةً فِعْلِيَّةً پر، وہ منصوب تو یہ بھی منصوب، اور الْآخَرِ کا عطف ہے أَحَدِ الْوَصْفَيْنِ پر اور وہ مجرور تو یہ بھی مجرور۔ تو کہتے ہیں اس میں ضروری ہے اس وقت کسی نکتے کا بیان کرنا فِي إِيرَادِ أَحَدِ الْوَصْفَيْنِ جُمْلَةً فِعْلِيَّةً دو وصفوں میں سے ایک کو جملہ فعلیہ لانے میں، وَالْآخَرِ مُفْرَداً اور دوسرے کو مفرد لانے میں۔ دو وصفوں میں سے ایک کو جملہ فعلیہ لانے میں اور دوسرے کو مفرد لانے میں کسی نکتے کا بیان ضروری ہے۔

آگے دیکھیے، کہتے ہیں: وَكَأَنَّ النُّكْتَةَ فِيهِ التَّنْبِيهُ عَلَى تَقَدُّمِ الْوَضْعِ عَلَى الْإِفْرَادِ، گویا نکتہ اس کے اندر جو ہے وہ التَّنْبِيهُ عَلَى تَقَدُّمِ الْوَضْعِ عَلَى الْإِفْرَادِ، وہ متنبہ کرنا ہے اس بات پر کہ وضع مقدم ہے افراد پر۔ کس طرح؟ حَيْثُ أُتِيَ بِهِ بِصِيغَةِ

الْمَاضِي بِخِلَافِ الْإِفْرَادِ، اس طور پر کہ وضع کو لے کر آئے ہیں بِصِيغَةِ الْمَاضِي ماضی کے صیغے کے ساتھ، بِخِلَافِ الْإِفْرَادِ بخلاف افراد کی صفت کے کہ اس کو ماضی کے صیغے کے ساتھ نہیں لائے۔

یہاں تک بات اچھی طرح سمجھ میں آگئی۔ یہاں ایک اور بات یاد رکھنا۔ یاد رکھنا نحو کی کتابوں میں مفرد کا لفظ آجائے، تو مفرد چار چیزوں کے مقابلے میں آتا ہے۔ مفرد کبھی مرکب کے مقابلے میں آتا ہے، جب کسی لفظ کے بارے میں کہہ دیا جائے کہ یہ مفرد ہے، تو معنیٰ کیا ہوتا ہے؟ یہ مرکب نہیں۔ تو کبھی مفرد مرکب کے مقابلے میں آتا ہے

ہے۔ اور کبھی مفرد جو ہے جملے کے مقابلے میں آتا ہے۔ جب کوئی لفظ ہو لیکن جملہ نہ ہو تو کیا کہتے ہیں؟ یہ مفرد ہے۔ توجہ سے ادھر دیکھیے اب۔ بھئی ایک ہے جملہ، ایک ہے غیرِ جملہ۔ غیرِ جملہ کو پھر مفرد کہیں گے۔ وہاں آپ نے مرکب کو نہیں دیکھنا۔ مثلاً زَيْدٌ قَائِمٌ پورا جملہ ہے، تو یہ ہے جملہ۔ اس کے مقابلے میں میں کہتا ہوں کہ رَجُلٌ شُجَاعٌ مفرد ہے، رَجُلٌ شُجَاعٌ۔ حالانکہ رَجُلٌ ایک لفظ، شُجَاعٌ دوسرا لفظ، تو بظاہر تو یہ مرکب ہے، لیکن یہاں جو میں نے مفرد کہا وہ مرکب کے مقابلے میں نہیں کہا بلکہ کس کے مقابلے میں کہا؟ جملے کے مقابلے میں کہا، اور رَجُلٌ شُجَاعٌ جملہ ہے؟ جملہ نہیں، تو اس کو کیا کہیں گے؟ مفرد کہیں گے۔ تو کبھی جب مفرد بولا جائے تو کس کو نکالنا مقصود ہوتا ہے؟ مرکب کو، اور کبھی جب مفرد کہا جائے تو وہ بے شک مرکب ہو لیکن کس کو نکالنا مقصود ہوتا ہے؟ جملے کو۔ تو کبھی مفرد مرکب کے مقابلے میں آتا ہے اور کبھی جملے کے مقابلے میں، اور کبھی مفرد جو ہے وہ تثنیہ اور جمع کے مقابلے میں آتا ہے۔ جب کہہ دیا جائے یہ مفرد ہے، معلوم ہوا تثنیہ اور جمع نہیں ہے۔ اور اسی طرح کبھی مفرد مضاف اور مشابہ مضاف کے مقابلے میں آتا ہے۔ جب ایک لفظ کے بارے میں کہہ دیا جائے یہ مفرد ہے، معلوم ہوا مضاف یا مشابہ مضاف نہیں ہے۔ تو آپ نے خیال رکھنا ہے کہ مفرد چار معانی کے لیے استعمال ہوتا ہے، تو کس مقام پر وہ کس معنیٰ کے لیے استعمال ہو رہا ہے یہ آپ نے خیال رکھنا ہے۔ جیسے یہ متن میں آیا: اَلْكَلِمَةُ لَفْظٌ وُضِعَ لِمَعْنًى مُفْرَدٍ، یہ مفرد کس کے مقابلے میں آیا؟ مرکب کے مقابلے میں آیا۔ معنیٰ مفرد ہو یعنی مرکب نہ ہو۔ اور یہ جو ابھی عبارت آئی: فِي إِيرَادِ أَحَدِ الْوَصْفَيْنِ جُمْلَةً فِعْلِيَّةً وَالْآخَرِ مُفْرَداً، ایک کو جملہ فعلیہ لائے، دوسرے کو مفرد لائے، اس سے مفرد کون سا مراد؟ جو جملے کے مقابلے میں آئے، کس کے؟ جملے کے مقابلے میں آئے، یعنی چاہے مرکب تو ہو لیکن پورا جملہ نہ ہو، اس کو مفرد کہیں گے۔

تیسری ترکیب آگے آگئی۔ کہتے ہیں: وَأَمَّا نَصْبُهُ، اور باقی یہ مُفْرَداً کا نصب جو ہے، وَإِنْ لَمْ يُسَاعِدْهُ رَسْمُ الْخَطِّ، اگرچہ رسم الخط اس کو تقویت نہیں دیتا، رسم الخط اس کو سہارا نہیں دیتا، رسم الخط اس کی مدد نہیں کرتا۔ بھئی دیکھیے، یہ مفرد کے اندر تینوں اعراب ہیں: مُفْرَدٌ، مُفْرَدٍ اور مُفْرَداً۔ لیکن اگر یہ مُفْرَداً ہو، تو پھر دال کے بعد الف لکھنا چاہیے بھئی۔ جب دو زبر

آجائیں تو اس کلمے کے آخر میں کیا لکھا جاتا ہے؟ الف، جیسے ضَرْباً، دیکھو با کے ساتھ الف بھی لکھیں گے۔ تو یہ مُفْرَداً اگر منصوب ہو تو کیا لکھنا چاہیے؟ الف۔ اور کیا عبارت میں الف ہے؟ الف تو عبارت میں موجود نہیں۔ تو تیسرا احتمال یہ ہے کہ یہ مُفْرَداً ہو، اگرچہ رسم الخط یعنی تحریر اس احتمال کو تقویت نہیں دیتی، اس احتمال کی مدد نہیں کرتی۔ کیوں نہیں کرتی؟ کیونکہ یہاں الف موجود نہیں ہے۔ اگر الف ہوتا تو پھر اس کو مُفْرَداً ہی پڑھا جاتا، لیکن یہاں الف نہیں ہے۔ تو معلوم ہوا اس احتمال کو رسم الخط تقویت نہیں دے رہا کیونکہ یہاں الف موجود نہیں۔ کہتے ہیں: وَأَمَّا نَصْبُهُ، اور باقی اس مُفْرَدٌ کا نصب جو ہے، وَإِنْ لَمْ يُسَاعِدْهُ رَسْمُ الْخَطِّ، اگرچہ رسم الخط جو ہے وہ اس کی، اس کو تقویت نہیں دیتا، اس کی مدد نہیں کرتا، فَعَلَى أَنَّهُ حَالٌ مِنَ الْمُسْتَكِنِّ فِي وُضِعَ۔

جی میں نے کیا بتایا تھا؟ مُفْرَداً پڑھیں تو یہ کس سے حال ہے؟ دو احتمال: یا تو وُضِعَ کی هُوَ ضمیر سے حال یا مَعْنًى سے حال، وہی بیان کر رہے ہیں۔ تو کہتے ہیں: فَعَلَى أَنَّهُ حَالٌ مِنَ الْمُسْتَكِنِّ فِي وُضِعَ أَوْ مِنْ مَعْنًى، تو یہ نصب بنابر اس کے ہے کہ یہ حال ہے مُسْتَكِنٌّ یعنی پوشیدہ ضمیر سے جو وُضِعَ کے اندر ہے، یعنی هُوَ ضمیر، أَوْ مِنْ مَعْنًى، یا یہ حال ہے مَعْنًى سے۔ اور قیدیں یہاں بھی وہی قیدیں ہوں گی بھئی، اس لیے کیونکہ لَفْظٌ کو وضع کیا جائے مفرد معنیٰ کے لیے یا اس حال میں کہ وہ لفظ مفرد ہو یا وہ معنیٰ مفرد ہو۔

اور تیسری چیز انہوں نے یہاں بیان نہیں کی۔ ایک اور چیز کی بھی ضرورت ہے: اَلْكَلِمَةُ لَفْظٌ وُضِعَ لِمَعْنًى مُفْرَدٍ۔ اَلْكَلِمَةُ کلمہ وہ لفظ ہے جس کو وضع کیا گیا ہو معنیٰ مفرد کے لیے، بھئی یہاں معنیٰ مفرد ہونے کا کیا معنیٰ ہے؟ یہ معنیٰ مفرد کا میں نے بیان کر دیا۔ یہاں ایک بات اور بھی خیال رکھیں: اَلْكَلِمَةُ لَفْظٌ وُضِعَ لِمَعْنًى مُفْرَدٍ۔ کیا کوئی لفظ ایسا ہو سکتا ہے جس کو معنیٰ کے لیے وضع کیا گیا ہو، اور مفرد بھی ہو، پھر بھی وہ کلمہ نہ ہو؟

سوچ کر بتلائیے۔ کوئی لفظ ایسا ہے، معنیٰ کے لیے وضع بھی کیا گیا ہو، اور وہ مفرد بھی ہو، یا اس کے معنیٰ میں افراد ہو یا وہ لفظ مفرد ہو، لیکن پھر بھی وہ کلمہ نہ ہو؟ ہاں بھئی۔ کوئی مثال ہے؟

دیکھو، ایک ہے اسمِ فاعل، اسمِ مفعول، صفتِ مشبہ کے ساتھ الف لام آجائے، جیسے اَلضَّارِبُ، اَلْمَضْرُوبُ۔ اَلضَّارِبُ میں کتنے لفظ ہیں؟ ایک اَلْ، ایک ضَارِبٌ۔ دو لفظ ہیں۔ تو الف لام جو موصولہ ہے اسمِ فاعل و اسمِ مفعول کے شروع میں آتا ہے، یہ الف لام پورا اسم ہے، اَلَّذِي کے معنیٰ میں، اَلَّذِي ضَرَبَ، وہ جو مارنے والا ہے، جس نے مارا۔ تو اَلضَّارِبُ اس میں دو لفظ ہیں: ایک اَلْ اور ایک ضَارِبٌ۔ اور اس کا معنیٰ ہے: اَلَّذِي ضَرَبَ، جس نے مارا۔ تو دیکھا اس لفظ کا جز اَلْ اس کے معنیٰ کے جز اَلَّذِي پر دلالت کر رہا ہے، اور ضَارِبٌ کا لفظ اس کے معنیٰ کے جز ضَرَبَ پر دلالت کر رہا ہے، تو اَلضَّارِبُ یہ تو مرکب ہے، یہ تو مفرد ہے ہی نہیں، بلکہ مرکب ہے تو اس لیے یہ تو خود بخود نکل گیا۔

اسی طرح دیکھیے يَتَصَرَّفُ یا يَضْرِبُ، يَضْرِبُ کو اگر آپ دیکھیں، تو اس میں بھی تو دو چیزیں ہیں: ایک یا علامتِ مضارع،

اور ایک ضَرَبَ۔ تو یا کا لفظ دلالت کر رہا ہے زمانہ حال یا استقبال پر اور غائب واحد مذکر غائب پر، اور ضَرَبَ کا لفظ دلالت کر رہا ہے ضرب کے معنیٰ پر۔ تو اگر آپ یوں دیکھیں تو یَضْرِبُ میں بھی تو جزِ لفظ جزِ معنیٰ پر دلالت کر رہا ہے۔ حالانکہ یَضْرِبُ کیا ہے؟ کلمہ ہے۔ اور اس کے اجزاء اس کے معنیٰ کے اجزاء پر دلالت کر رہے ہیں۔ دیکھو نا یَضْرِبُ کا کیا معنیٰ ہے؟ وہ ایک مرد مارے گا۔ یا وہ ایک مرد مارتا ہے، وہ ایک مرد۔ تو یَضْرِبُ کے کتنے جز ہیں؟ دو: ایک علامتِ مضارع یا، اور ایک مادہ ض ر ب۔ اس کے معنیٰ کے کتنے جز ہیں؟ دو: ایک زمانہ اور غائب ہونا، اور ایک مارنے کا معنیٰ۔ تو یا علامتِ مضارع زمانہ حال و استقبال اور واحد مذکر غائب پر دلالت کر رہی ہے، اور ض ر ب مارنے کے معنیٰ پر دلالت کر رہا ہے، تو جزِ لفظ جزِ معنیٰ پر دلالت کر رہا ہے۔ تو تعریف کے مطابق تو اس کو مفرد نہیں کہنا چاہیے، حالانکہ یَضْرِبُ کلمہ ہے اور مفرد ہے!

تو اسی طرح آپ غور کریں گے تو بعض دوسرے صیغوں میں بھی آجاتا ہے، مثلاً قَائِمَانِ تثنیہ کا صیغہ، اَلِفْ نُونْ تثنیہ پر دلالت کر رہا ہے اور قَائِمٌ کھڑے ہونے پر دلالت کر رہا ہے، تو قَائِمَانِ کے بھی جز اس کے معنیٰ کے جز پر دلالت کر رہے ہیں! مُسْلِمُونَ، وَاوْ نُونْ جمع پر دلالت کر رہا ہے اور مُسْلِمٌ اسلام والے پر دلالت کر رہا ہے! تو اس طرح تو یہ سارے صیغے کلمہ سے نکل جائیں گے!

تو یاد رکھو، اس کا جواب کیا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ مفرد کسے کہتے ہیں؟ مَا لَا يَدُلُّ جُزْؤُهُ عَلَى جُزْءِ مَعْنَاهُ، دلالتِ مقصودہ، دلالتِ مقصودہ، کہ جزِ لفظ جزِ معنیٰ پر مقصود طور پر دلالت نہ کرے، یا یوں کہو: بِنَفْسِهِ دلالت نہ کرے، کہ خود مستقل طور پر اس کو وضع کیا گیا ہو اس معنیٰ کے لیے۔ دیکھو بھئی علامتِ مضارع یا ہے، یا تثنیہ کا الف نون ہے، یا جمع کا واو نون ہے، اس کو مستقل کسی معنیٰ کے لیے وضع نہیں کیا گیا، بلکہ وہ تو اس کے اندر ایک ہیئت اور ایک حالت ہے۔ البتہ الف لام جو ہے اَلضَّارِبُ میں، الف لام کو مستقل طور پر اَلَّذِي کے معنیٰ کے لیے وضع کیا گیا ہے، تو اَلضَّارِبُ مرکب ہے، مفرد نہیں ہے، وہ کلمہ بھی نہیں ہے بلکہ وہ دو کلمے ہیں: الف لام الگ کلمہ، ضَارِبٌ الگ کلمہ۔ جبکہ مُسْلِمَانِ، مُسْلِمُونَ، يَضْرِبُ یہ دو کلمے نہیں بلکہ ایک ہی کلمہ ہیں، کیونکہ ان کے اندر علامتِ مضارع یا تثنیہ جمع کا الف نون یا واو نون، یہ مستقل طور پر ان کا جز نہیں ہیں جن کو مستقل کسی معنیٰ کے لیے وضع کیا گیا ہو، بلکہ ان کے ذریعے ایک ہیئت اور ایک حالت طاری ہو جاتی ہے۔

یہاں پر ایک اور مثال بھی دے دیا کرتے ہیں اساتذہ، مثلاً کسی شخص کا نام رکھا گیا عَبْدُ اللہِ، زید کے بیٹے کا نام کیا رکھ دیا؟ عَبْدُ اللہِ۔ اب عَبْدُ اللہِ جو ہے یہ کلمہ ہے یا کلمہ نہیں؟ تو عَبْدُ اللہِ جب نام رکھ دیا، تو اب جب تک تو یہ نام نہیں رکھا گیا تھا اس وقت تک تو یہ دو کلمے تھے: عَبْدٌ الگ کلمہ اور اَللهُ الگ کلمہ۔ اور جب کسی کا نام رکھ دیا عَبْدُ اللہِ، علم بنا دیا، اب یہ دو کلمے نہیں رہے بلکہ ایک کلمہ ہے اور یہ مفرد ہے! کیونکہ جب عَبْدُ اللہِ کسی کا نام رکھ دیا، اب آپ جب پکاریں گے یَا عَبْدَ اللہِ، تو آپ کے ذہن میں وہ مخصوص شخص آتا ہے، آپ کی ذاتِ عبد اور ذاتِ باری تعالیٰ مراد نہیں ہوتی، بلکہ اس مجموعے سے مراد

کیا ہوتی ہے؟ وہ خاص شخص، اس کی ذات مراد ہوتی ہے۔ تو اب عَبْدٌ اور اَللهُ اس شخص کی ذات کے اجزاء پر دلالت نہیں کر رہے، کہ عَبْدٌ سے اس کا سر مراد ہو اور اَللهُ سے اس کا دھڑ مراد ہو۔ اب عَبْدٌ اس کے معنیٰ کے کسی جز پر دلالت نہیں کر رہا۔ تو جب عَبْدُ اللهِ کسی کا نام رکھ دیا تو اب یہ مفرد بن گیا اور یہ کیا بن گیا؟ کلمہ بن گیا۔ اگرچہ نام رکھنے سے پہلے یہ مفرد نہیں تھا بلکہ مرکب تھا اور یہ کلمہ نہیں تھا بلکہ دو کلمے تھے۔ یہ بات بھی خوب یاد رکھنا، بار بار کتابوں میں آئے گی بھئی۔

اچھا جی، آگے دیکھیے۔ تو تیسرا احتمال کیا تھا؟ مُفْرَداً منصوب ہو۔ اگرچہ رسم الخط اس کو تقویت نہیں دیتا کیونکہ الف نہیں لکھا ہوا۔ تو اس صورت میں یا تو یہ حال ہو گا وُضِعَ کے اندر پوشیدہ ضمیر سے، یعنی هُوَ ضمیر سے جو لَفْظٌ کو راجع تھی، یا مَعْنًى سے۔ کہتے ہیں: وَأَمَّا نَصْبُهُ وَإِنْ لَمْ يُسَاعِدْهُ رَسْمُ الْخَطِّ فَعَلَى أَنَّهُ حَالٌ مِنَ الْمُسْتَكِنِّ فِي وُضِعَ أَوْ مِنْ مَعْنًى، باقی مُفْرَداً کا نصب اگرچہ رسم الخط اس کو تقویت نہیں دیتا، پس وہ بنابر اس کے ہے کہ یہ حال ہے اس ضمیرِ مستتر سے جو وُضِعَ میں ہے یا مَعْنًى سے۔ تو یہاں تک کلمہ کی تعریف مکمل ہو گئی بھئی۔

اب آگے دیکھیے: وَهِيَ اسْمٌ وَفِعْلٌ وَحَرْفٌ۔

کلمہ کی تین قسمیں ہیں: اسم، فعل اور حرف۔

أَنَّهُ حَالٌ مِنَ الْمُسْتَكِنِّ۔ مُسْتَكِنٌّ اس کا مادہ ہے ک ن ن، كَنٌّ مادہ ہے، اور مُسْتَكِنٌّ کا معنیٰ ہے پوشیدہ، چھپی ہوئی، یہ بمعنیٰ مُسْتَتِرٍ کے ہے، مُسْتَتِرٍ بھئی۔ اور وُضِعَ کے اندر ضمیر بارز ہے یا مستتر ہے؟ وُضِعَ اس میں ضمیر کیا ہے؟ مستتر ہے، چھپی ہوئی ہے۔ تو کہتے ہیں: فَعَلَى أَنَّهُ حَالٌ مِنَ الْمُسْتَكِنِّ فِي وُضِعَ، تو اس کا نصب جو ہے بنابر اس کے ہے کہ یہ حال ہے وہ جو ضمیر مستتر ہے فِي وُضِعَ وُضِعَ کے اندر، أَوْ مِنَ الْمَعْنَى یا یہ حال ہے کس سے؟ معنیٰ سے حال ہے۔ یہاں تک بات سمجھ میں آ گئی۔

فَإِنَّهُ مَفْعُولٌ بِهِ بِوَاسِطَةِ اللَّامِ، اس لیے کیونکہ معنیٰ جو ہے وہ مفعول بہ ہے بواسطہ لام کے۔ یہ اس کو سمجھ لیں بھئی۔ یاد رکھو، صاحبِ کافیہ کا مذہب یہ ہے کہ حال جو ہے وہ فاعل یا مفعول بہ کی حالت بیان کرنے کے لیے آتا ہے۔ حال فاعل یا مفعول بہ یا دونوں کی حالت بیان کرنے کے لیے آتا ہے، اور چیزوں سے حال نہیں آئے گا۔ حال ہمیشہ کس سے آئے گا؟ یا فاعل سے یا مفعول بہ سے آئے گا۔ جبکہ ابنِ مالک رحمہ اللہ وہ بھی بڑے مشہور بڑے نحوی گزرے ہیں، وہ فرماتے ہیں حال مطلقاً ہیئت بیان کرنے کے لیے، حالت بیان کرنے کے لیے آتا ہے، وہ کسی بھی چیز سے آ سکتا ہے، فاعل یا مفعول کا ہونا ضروری نہیں۔ لیکن صاحبِ کافیہ کا کیا مذہب ہے؟ حال ہمیشہ کس سے آئے گا؟ فاعل یا مفعول بہ سے یا دونوں سے حال آئے گا، کسی اور چیز سے حال نہیں آ سکتا۔ چنانچہ بہت سی جگہ پر ایک چیز سے حال آ رہا ہوتا ہے، اور وہ لفظوں میں نہ فاعل ہے نہ مفعول بہ ہے، تو پھر وہاں وہ تاویل ان کو کرنا پڑتی ہے کہ یہ معنیٰ کے اعتبار سے کیا ہے؟ فاعل ہے یا مفعول بہ

ہے۔ کیونکہ حال صرف کس سے آتا ہے ان کے نزدیک؟ فاعل یا مفعول بہ سے، اور کسی سے نہیں آسکتا۔ یہاں تک بات سمجھ میں آگئی؟

تو یہاں پر اشکال ہوتا ہے کہ وُضِعَ کی ھُوَ ضمیر سے آپ نے حال بنایا۔ کس سے؟ وُضِعَ کی ھُوَ ضمیر سے، اور ھُوَ ضمیر کیا ہے؟ نائب الفاعل ہے، اور نائب الفاعل کا وہی حکم ہوتا ہے جو کس کا ہوتا ہے؟ فاعل کا، لہٰذا اس سے تو حال کا آنا ٹھیک ہے حالانکہ حال بھی کس سے آتا ہے؟ فاعل سے یا مفعول بہ سے۔ توجہ نہیں ہے میرا خیال۔ حال کس سے آتا ہے؟ فاعل یا مفعول بہ سے آتا ہے، اور وُضِعَ کے اندر جو ھُوَ ضمیر ہے وہ تو نائب فاعل ہے، وہ تو فاعل نہیں ہے! کہتے ہیں بھئی وہ فاعل تو نہیں لیکن نائب الفاعل ہے، فاعل کے نائب ہے، اس کے قائم مقام ہے، اس کا بھی وہی حکم ہے، جب وہ نائب الفاعل ہے تو وہ فاعل کے درجے میں، لہٰذا اس سے حال کا آنا صحیح۔ دوسرا اشکال ہوا کہ لِمَعْنًی یہ لام جارہ ہے اور مَعْنًی مجرور ہے، تو اس سے حال کیسے صحیح ہو گیا؟ نہ تو یہ فاعل ہے یہ مَعْنًی، اور نہ یہ مفعول بہ ہے۔ تو یہ حال کیسے اس سے آ گیا؟ تو جواب دیں گے کہ بھئی یہ دراصل مفعول بہ ہی ہے۔ یہ دراصل مفعول بہ ہے بھئی اس لیے اس سے حال کا آنا صحیح۔ تفصیل یاد رکھو۔ تفصیل یاد رکھو کہ مفعول بہ دو قسم پر ہے: ایک کو مفعول بہ صریح کہتے ہیں اور ایک کو مفعول بہ غیرِ صریح۔ مفعول بہ صریح وہ ہے جس کو فعل براہِ راست نصب دیتا ہے۔ صریح کا معنیٰ صاف، صاف لفظوں میں یعنی واضح طور پر، صریح کا معنیٰ واضح۔ ضَرَبْتُ زَیْداً، یہ زَیْداً کو کس نے نصب دیا؟ ضَرَبْتُ نے، اور کس وجہ سے نصب دیا؟ مفعول بہ ہونے کی وجہ سے، تو یہ زَیْداً مفعول بہ صریح ہے یعنی واضح مفعول بہ ہے، ہر طالبِ علم جانتا ہے یہ کیا ہے؟ مفعول بہ ہے۔ اسی طرح ایک اور مفعول بہ ہے اور وہ غیرِ صریح ہے اور وہ مفعول بہ ہے حرفِ جر کے واسطے سے۔ یاد رکھو یہ حروفِ جارہ جو ہیں یہ کسی فعل کو متعدی بنانے کے لیے استعمال ہوتے ہیں۔ مثلاً مَرَّ یَمُرُّ کے معنیٰ ہیں گزرنا، مَرَّ یَمُرُّ کے معنیٰ گزرنا۔ اب میں کہنا یہ چاہتا ہوں کہ میں زید کے پاس سے گزرا، تو مَرَرْتُ زَیْداً میں نہیں کہہ سکتا کیونکہ مَرَرْتُ فعلِ لازم ہے یہ زَیْداً کو نصب نہیں دے سکتا، تو پھر میں حرفِ جر کی مدد لیتا ہوں: مَرَرْتُ بِزَیْدٍ، اب بات بن گئی۔ با جارہ زَیْدٍ مجرور اور جار مجرور مل کر یہ متعلق ہو گئے کس سے؟ مَرَرْتُ فعل سے۔ مَرَرْتُ اب عمل کر رہا ہے زید کے اندر کس کے واسطے سے؟ با جارہ کے واسطے سے۔ تو یہ جو حروفِ جارہ ہیں جب فعل براہِ راست ایک چیز کو نصب نہ دے سکے، مفعول بہ نہ بنا سکے، تو کس کی مدد لی جاتی ہے؟ حروفِ جارہ کی مدد لی جاتی ہے۔ تو یہ جن پر حروفِ جارہ داخل ہوتے ہیں، یہ بھی دراصل اس فعل کے مفعول بہ ہیں، البتہ اس کو غیرِ صریح کہتے ہیں۔ مَرَرْتُ بِزَیْدٍ، مفعول بہ صریح تو نہیں صراحتاً تو یہ مجرور ہے با جارہ کی وجہ سے، لیکن یہ معنیٰ کے اعتبار سے کیا ہے؟ مفعول بہ ہے مَرَرْتُ کے لیے۔ تو ایک ہے ضَرَبْتُ زَیْداً یہ والا زَیْداً جو منصوب ہے یہ بھی مفعول بہ، اور ایک ہے مَرَرْتُ بِزَیْدٍ یہ زَیْدٍ مجرور ہے لیکن یہ بھی مفعول بہ۔ تو ایک ہے مفعول بہ صریح، ایک ہے مفعول بہ غیرِ صریح۔ ضَرَبْتُ زَیْداً، یہ زَیْداً کیا ہے؟ مفعول بہ صریح، یہ واضح ہے یہ کیا ہے مفعول بہ ہے واضح ہے یہ بات۔ اور ایک ہے مَرَرْتُ

بِزَيْدٍ، یہ زَيْدٍ بھی کیا ہے؟ مفعول بہ ہے کس کے لیے؟ مَرَرْتُ کے لیے، لیکن یہ مفعول بہ غیرِ صریح ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو یہ جو حروفِ جارہ جن کے ذریعے کوئی اسم کسی فعل وغیرہ سے متعلق ہوتا ہے، تو جس اسم پر یہ داخل ہوتے ہیں وہ اسم بھی کیا ہوتا ہے؟ مفعول بہ، لیکن اس کو کیا کہتے ہیں؟ مفعول بہ غیرِ صریح۔ دوسری مثال لے لو: ضَرَبْتُ زَيْداً میں نے زید کی پٹائی کی۔ اب میں آپ کو بتانا چاہتا تھا کہ میں نے زید کی پٹائی کی ہے لاٹھی کے ساتھ، کس کے ساتھ؟ لاٹھی کے ساتھ۔ تو میں کہنا چاہتا ہوں ضَرَبْتُ زَيْداً اَلْعَصَا، عصا لاٹھی کو کہتے ہیں، لیکن اَلْعَصَا میں آگے نہیں لا سکتا کیونکہ ضَرَبْتُ ایک مفعول کو نصب دیتا ہے اور وہ زَيْداً آچکا ہے۔ مفعول بہ کی بات کر رہا ہوں، ایک مفعول بہ کو ضَرَبْتُ نصب دیتا ہے، دو یا تین کو نصب نہیں دیتا۔ تو وہ زَيْداً تو آگیا، میں آگے اَلْعَصَا کو بھی لانا چاہتا ہوں، اب کیا کروں؟ ضَرَبْتُ تو اس کو نصب نہیں دے سکتا، تو پھر میں حروفِ جارہ کی مدد لیتا ہوں، اب میں با جارہ لے آیا: ضَرَبْتُ زَيْداً بِالْعَصَا، اب بات ٹھیک ہو گئی۔ اب ضَرَبْتُ اَلْعَصَا میں عمل کر رہا ہے لیکن براہِ راست نہیں کس کے واسطے سے؟ با جارہ کے واسطے سے۔ تو ضَرَبْتُ زَيْداً بِالْعَصَا، زَيْداً بھی مفعول بہ ہے ضَرَبْتُ کے لیے اور اَلْعَصَا جس کو جار مجرور ہم کہتے ہیں یہ اَلْعَصَا بھی کیا ہے؟ مفعول بہ ہے، فرق صرف اتنا ہے کہ زَيْداً ہے مفعول بہ صریح اور یہ جو اَلْعَصَا ہے یہ مفعول بہ غیرِ صریح ہے۔ تو حاصلِ کلام کیا؟ کہ وہ حروفِ جارہ جن کے ذریعے کوئی فعل متعدی ہوتا ہے یا یوں کہیں حروفِ جارہ جب کسی فعل سے متعلق ہوتے ہیں تو جس چیز کو وہ متعلق کرتے ہیں فعل سے وہ دراصل کیا ہوتا ہے اس کا؟ مفعول بہ ہوتا ہے، لیکن مفعول بہ غیرِ صریح ہوتا ہے۔ یہاں تک بات سمجھ میں آگئی؟

تو اشکال کیا ہوا تھا؟ کہ اَلْكَلِمَةُ لَفْظٌ وُضِعَ لِمَعْنًى مُفْرَداً، مُفْرَداً کو آپ نے حال بنایا کس سے؟ مَعْنًى سے۔ مَعْنًى سے جب حال بنایا، تو مَعْنًى تو لام جارہ کے لیے مجرور ہے، یہ تو نہ فاعل ہے نہ مفعول بہ ہے، تو اس سے مُفْرَداً حال کیسے آیا؟ تو جواب ہو گیا کہ لِمَعْنًى مفعول بہ ہے، مجرور ہے لام جارہ کے لیے اور یہ لام جارہ کس سے متعلق ہے؟ وُضِعَ سے متعلق ہے، تو یہ مَعْنًى کیا ہوا وُضِعَ کے لیے؟ مفعول بہ ہے، اور کون سا مفعول بہ ہے؟ غیرِ صریح ہے۔ تو مَعْنًى بھی مفعول بہ ہے البتہ مفعول بہ غیرِ صریح ہے۔ یہاں تک بات سمجھ میں آگئی؟

کہتے ہیں: أَوْ مِنَ الْمَعْنَى یا یہ حال ہے معنیٰ سے، فَإِنَّهُ مَفْعُولٌ بِهِ بِوَاسِطَةِ اللَّامِ۔ یہ فا جو ہے یہ علت بیان کرنے کے لیے آتی ہے، اس کا ترجمہ «کیونکہ» کے ساتھ کریں گے، کیونکہ۔ بھئی آپ نے پڑھا اصول الشاشی وغیرہ میں کبھی فا علت بیان کرنے کے لیے لائی جاتی ہے، فا تو اس فا کا ترجمہ «کیونکہ» یا «اس وجہ سے» کرتے ہیں۔ یہاں پر بھی اسی طرح ہے: أَوْ مِنَ الْمَعْنَى یا یہ مُفْرَداً حال ہے معنیٰ سے، فَإِنَّهُ مَفْعُولٌ بِهِ بِوَاسِطَةِ اللَّامِ، اس لیے کیونکہ یہ معنیٰ جو ہے یہ مفعول بہ ہے بواسطہ لام کے۔ یہ مفعول بہ ہے بواسطہ لام کے۔

یہاں ایک اور فائدہ یاد رکھیں بھئی، قیمتی فائدہ آپ کے کام آئے گا۔ یہ جو حروفِ جارہ جو متعلق ہوتے ہیں فعل وغیرہ سے، یا یوں کہو یہ فعل وغیرہ جس حرفِ جر کے ذریعے متعدی ہوتے ہیں، یا یوں کہیں وہ حروفِ جارہ جو کسی فعل کے ساتھ استعمال ہوتے ہیں وہ اس کا صلہ کہلاتے ہیں۔ کیا کہلاتے ہیں؟ اس کا صلہ۔ ص، ل اور گول تا ہے، صِلَةٌ۔ تو جو حروفِ جارہ کسی فعل کے ساتھ استعمال ہوتے ہیں یعنی جن کے ذریعے فعل متعدی ہوتا ہے وہ اس کا صلہ کہلاتے ہیں۔ تو یہاں پر بھی: فَإِنَّهُ وُضِعَ لِمَعْنًى، یہ وُضِعَ متعدی ہے کس کے ذریعے؟ لام کے ذریعے، تو یہ لام صلہ کہلائے گا وُضِعَ کا۔ یہ لام کیا ہے؟ صلہ ہے وُضِعَ کا۔ لہٰذا اس کا خوب خیال رکھنا، بعض اوقات اساتذہ تقریر کرتے ہوئے یہ کہہ کر آگے چلے جائیں گے، مثلاً یہ عبارت آگئی کہ اَلْكَلِمَةُ لَفْظٌ وُضِعَ لِمَعْنًى مُفْرَدٍ، تو کوئی استاد صرف اتنا بتا کر آگے چلا جائے گا کہ لِمَعْنًى یہ لام صلہ ہے وُضِعَ کا۔ یہ لام صلہ ہے وُضِعَ کا، تو آپ سمجھ جائیں اس کا معنیٰ یہ ہے کہ یہ وُضِعَ سے متعلق ہو رہا ہے اور اس لام کے ذریعے یہ فعل متعدی ہو رہا ہے، بات سمجھ میں آگئی؟ بس یوں آسان لفظوں میں یوں کہو: جو حرفِ جر جس فعل سے متعلق ہوتا ہے اس کا صلہ کہلاتا ہے۔ جیسے دوسری مثال لے لو: ضَرَبْتُ زَيْداً فِي الدَّارِ، میں نے زید کی پٹائی کی گھر میں۔ یہ فِي الدَّارِ کس سے متعلق ہے؟ ضَرَبْتُ سے متعلق ہے، آٹھ چیزوں سے متعلق ہوتا ہے نا اس میں سے ضَرَبْتُ بھی ہے، میں نے پٹائی کی کہاں پر کی؟ گھر میں، اس گھر میں۔ تو فِي الدَّارِ متعلق ہوا ضَرَبْتُ سے تو کیا کہیں گے؟ یہ فِي صلہ ہے کس کا؟ ضَرَبْتُ کا۔ ضَرَبْتُ زَيْداً بِالْعَصَا، کیا کہیں گے؟ یہ با صلہ ہے کس کا؟ ضَرَبْتُ کا۔ إِنَّ اللهَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ، اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔ تو یہ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ یہ جار مجرور ہے، تو یہ صلہ ہے کس کا؟ یہ کس سے متعلق؟ قَدِيرٌ سے متعلق۔ توجہ ہے؟ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ کس سے متعلق ہے؟ قَدِيرٌ سے متعلق۔

اچھا، میں فائدہ ذکر کر رہا تھا کہ فعل جس حرفِ جر کے ذریعے متعدی ہو اس کو اس فعل کا صلہ کہتے ہیں۔ تو لِمَعْنًى میں یہ لام صلہ ہے کس کا؟ وُضِعَ کا، وُضِعَ کا۔ یاد رکھو صلہ کا لفظ علمِ نحو میں تین چیزوں کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ صلہ کا لفظ تین چیزوں کے لیے استعمال ہوتا ہے: ایک صلہ کا معنیٰ ہوتا ہے زائد، ایک صلہ جو ہوتا ہے موصول کا، ایک اسمِ موصول ہوتا ہے اور پھر آگے اس کا صلہ، اور ایک صلہ وہ حرفِ جر جس کے ذریعے کوئی فعل متعدی ہوتا ہے۔ تو صلہ کا لفظ کتنی چیزوں کے لیے بولا جاتا ہے علمِ نحو میں؟ تین چیزوں کے لیے۔ نمبر ایک: صلہ کا معنیٰ ہے زائد۔ دوسرا: صلہ ہے جو اسمِ موصول کا، اور تیسرا: صلہ وہ حرف جس کے ذریعے کوئی فعل متعدی ہوتا ہے۔

تو صلہ کا پہلا معنیٰ کیا؟ زائد، زائد۔ بھئی یاد رکھو، آپ پڑھ چکے ہیں کہ بعض اوقات بعض حروف زائد استعمال ہوتے ہیں کلام کے اندر۔ بعض حروف کیا ہوتے ہیں کلام کے اندر؟ زائد استعمال ہوتے ہیں، یعنی اپنے معنیٰ کا فائدہ نہیں دیتے، معنیٰ کا فائدہ نہیں دیتے۔ جیسے لَيْسَ زَيْدٌ بِقَائِمٍ، زید کھڑا نہیں ہے۔ یہ با جارہ کیا ہے؟ زائد ہے، اس لیے اپنے معنیٰ کا فائدہ نہیں دے رہی، گویا کلام ایسے ہی ہے لَيْسَ زَيْدٌ قَائِماً۔ تو یہ حروف کبھی زائد استعمال ہوتے ہیں کلامِ عرب میں، تو یہ زائد

حروف اگر قرآن میں آجائیں تو ان کو پھر زائد نہیں کہتے بلکہ صلہ کہتے ہیں۔ تو تفسیر کے اندر کبھی یہ لفظ آجائے گا کہ یہ لفظ کیا ہے؟ یہ صلہ ہے، تو آپ سمجھ جائیں کیا معنیٰ ہے؟ زائد ہے۔ تو بطورِ ادب کے، بطورِ ادب کے قرآن کے لیے زائد کا لفظ نہیں کہتے بلکہ کیا کہتے ہیں؟ صلہ۔ کیونکہ زائد سے یوں شبہ پڑتا ہے جیسے یہ چیز بالکل ہی زائد ہے، بے کار ہے، حالانکہ وہ بے کار نہیں ہوتی، اس کی وجہ سے کلام میں حسن پیدا ہوتا ہے، کلام میں زور پیدا ہوتا ہے۔ ایک میں کہتا ہوں لَيْسَ زَيْدٌ قَائِماً، لَيْسَ زَيْدٌ قَائِماً، اور ایک میں با جارہ زائدہ لے آتا ہوں: لَيْسَ زَيْدٌ بِقَائِمٍ۔ اس با نے دو کام کیے: ایک تو عبارت میں حسن پیدا کر دیا، یہ زائد ہے لیکن اس نے دو فائدے دیے، ایک تو اس نے کلام میں حسن پیدا کر دیا، اور نیز کلام کے اندر تاکید اور زور پیدا کر دیا۔ اپنے معنیٰ کا فائدہ نہیں دیا لیکن کلام میں زور پیدا کر دیا۔ تو یہ زائد حروف بالکل زائد بھی نہیں ہوتے، ان کا فائدہ تو ہوتا ہے۔ تو قرآن کے اندر جب اگر ہم کہیں گے یہ لفظ زائد ہے، تو یہ مناسب نہیں، تو پھر وہاں کیا لفظ استعمال کیا جاتا ہے؟ کہ یہ حرف صلہ ہے، معنیٰ وہی ہوتا ہے کہ یہ زائد ہے۔

اسی طرح جو فعل متعدی ہو کسی حرفِ جر کے ذریعے اس کو بھی اس کا صلہ کہتے ہیں۔ اسی طرح موصول کا جو صلہ ہو اس کو بھی صلہ کہتے ہیں، اس کو بھی صلہ۔ یہاں ایک اور قیمتی بات آپ کو بتلاؤں: یاد رکھو، ایک ہوتا ہے اسمِ موصول، ایک ہوتا ہے حرفِ موصول۔ اسمِ موصول

کے لیے بھی صلہ چاہیے، حرفِ موصول کے لیے بھی صلہ چاہیے۔ حرفِ موصول۔ اسمِ موصول کے لیے صلہ آتا ہے آپ جانتے ہیں۔ اَلَّذِي ضَرَبَكَ، یہ اَلَّذِي ضَرَبَكَ کے بعد یہ پورا جملہ ایک چاہیے جو صلہ بنے، اس سے اسمِ موصول کا معنیٰ سمجھ میں آتا ہے، ویسے معنیٰ سمجھ میں نہیں آتا۔ اسی طرح ایک حرفِ موصول ہوتا ہے، اس کے لیے بھی صلہ چاہیے، اور حرفِ موصول تین ہیں: أَنْ، مَا اور أَنَّ۔ حروفِ مصدریہ جو ہیں، حروفِ مصدریہ تین ہیں: أَنْ، مَا اور أَنَّ۔ أَنْ، مَا اور أَنَّ یہ تین حروفِ مصدر ہیں۔ مَا اور أَنْ یہ جملہ فعلیہ پر داخل ہوتے ہیں اور اس کو مصدر کے معنیٰ میں کر دیتے ہیں۔ مَا اور أَنْ یہ جملہ فعلیہ پر داخل ہوتے ہیں اور اس کو کس معنیٰ میں کر دیتے ہیں؟ مصدر کے معنیٰ میں۔ اور أَنَّ، أَنَّ حروفِ مشبہ بالفعل ہے، یہ کس پر داخل ہوتا ہے؟ جملہ اسمیہ پر داخل ہوتا ہے، اس کے لیے ایک اسم چاہیے اور ایک خبر۔ تو یہ جملہ اسمیہ پر داخل ہوتا ہے اور اس کو کس معنیٰ میں کر دیتا ہے؟ مصدر کے معنیٰ میں۔ تو یہ مَا، أَنْ اور أَنَّ یہ کیا ہیں؟ یہ حروفِ مصدریہ اور یہی حرفِ موصول بھی ہیں۔ مَا اور أَنْ یہ کس پر داخل ہوں گے؟ جملہ فعلیہ پر، تو وہ ان کا صلہ کہلائے گا۔ اور أَنَّ کس پر داخل ہو گا؟ جملہ اسمیہ پر، وہ اس کا صلہ کہلائے گا۔ تو صلہ اسمِ موصول کا بھی آتا ہے اور حرفِ موصول کا بھی آتا ہے۔ ہاں فرق یہ ہے کہ حرفِ موصول کے صلے میں کوئی عائد نہیں چاہیے ہوتا، لیکن اسمِ موصول کے صلے میں عائد چاہیے، ربط چاہیے۔ موصول کا صلہ جملہ ہوتا ہے اور جملے کو کسی بھی چیز سے جوڑنے کے لیے کیا چاہیے؟ ربط چاہیے۔ تو جب اسمِ موصول کا صلہ آئے تو اس میں ایک ضمیر کا ہونا ضروری جو کس کی طرف لوٹے؟ اسمِ موصول کی طرف لوٹے۔ اسمِ موصول کا جو صلہ ہوتا ہے اس میں

ربط ضروری ہے، عائد ضروری ہے، جبکہ حرفِ موصول کا جو صلہ ہے اس میں عائد نہیں ہوتا، وہ عائد کا محتاج نہیں ہے۔

اور میں نے آپ کو بتلایا تھا ترکیب کے اندر ذکر کیا تھا کہ حرف اور فعل کی طرف ضمیر نہیں لوٹتی، ضمیر صرف اسم کی طرف لوٹتی ہے۔ تو یہ حرفِ موصول ہیں، صلے کے اندر کوئی ضمیر نہیں چاہیے جو ان کی طرف لوٹے، اور ضمیر لوٹ ہی نہیں سکتی ان کی طرف، کیونکہ اگر ان کی طرف ضمیر لوٹے گی پھر تو یہ حرف نہ رہیں گے پھر تو یہ اسم ہوں گے، کیونکہ ضمیر صرف کس کی طرف لوٹتی ہے؟ اسم کی طرف لوٹتی ہے۔ یہ قیمتی ضابطہ ہمیشہ یاد رکھنا۔ کیا؟ کہ ضمیر صرف اسم کی طرف لوٹ سکتی ہے، حرف یا فعل کی طرف نہیں لوٹ سکتی۔ بلکہ اس کو نحوی حضرات دلیل بناتے ہیں: جب کسی لفظ کی طرف کوئی ضمیر لوٹ رہی ہو تو کہتے ہیں دیکھا اس کی طرف ضمیر لوٹ رہی ہے، یہ دلیل ہے کہ یہ اسم ہے۔ یہ دلیل ہے کہ یہ اسم ہے، کیونکہ اس کی طرف ضمیر لوٹ رہی ہے۔

تو حاصل یہ ہوا کہ صلہ کا لفظ نحو میں تین چیزوں کے لیے استعمال ہوتا ہے: ایک صلہ کا معنیٰ زائد، دوسرا صلہ وہ حرفِ جر جس کے ذریعے کوئی فعل متعدی ہو، اور تیسرا موصول کا صلہ۔ اور موصول پھر دو قسم پر ہے: ایک اسمِ موصول ہے اور ایک حرفِ موصول ہے، اور حرفِ موصول کس کو کہتے ہیں؟ وہ جو حروفِ مصدر ہیں۔

آگے دیکھیے، کہتے ہیں: وَوَجْهُ صِحَّتِهِ أَنَّ الْوَضْعَ وَإِنْ كَانَ مُقَدَّماً عَلَى الْإِفْرَادِ بِحَسَبِ الذَّاتِ لَكِنَّهُ مُقَارِنٌ لَهُ بِحَسَبِ الزَّمَانِ وَهَذَا الْقَدْرُ كَافٍ لِصِحَّةِ الْحَالِيَّةِ۔

یہ ایک اعتراض کا جواب دے رہے ہیں۔ اعتراض یہ ہوتا ہے کہ آپ نے مُفْرَداً کو مَعْنًى سے حال بنایا۔ توجہ ہے؟ مَعْنًى سے حال بنایا، اور ضابطہ ہے کہ حال اور عاملِ ذوالحال کا زمانہ ایک ہوتا ہے۔ حال اور عاملِ ذوالحال، وہ جو ذوالحال میں عمل کرنے والا ہے، دونوں کا زمانہ ایک ہوتا ہے۔ تو حال کیا ہے؟ مُفْرَداً، اور ذوالحال کیا ہے؟ مَعْنًى، اور اس ذوالحال کے اندر عامل کون ہے؟ وہ مفعول بہ ہے کس کے لیے؟ وُضِعَ کے لیے۔ تو حال ہوا مُفْرَداً اور عاملِ ذوالحال ہوا وُضِعَ۔ اور ضابطہ کیا ہے؟ حال اور عاملِ ذوالحال کا زمانہ ایک ہوتا ہے، حال اور عاملِ ذوالحال کا زمانہ ایک ہوتا ہے۔ مثلاً میں آپ سے کہتا ہوں: جَاءَنِي زَيْدٌ رَاكِباً، آیا میرے پاس زید سوار ہو کر۔ تو زَيْدٌ ہے ذوالحال اور رَاكِباً اس سے کیا آیا؟ حال۔ توجہ ہے؟ زَيْدٌ فاعل ہے جَاءَ کے لیے اور یہ ذوالحال ہے اور رَاكِباً اس سے حال آیا۔ حال اور عاملِ ذوالحال کا زمانہ ایک ہوتا ہے۔ حال کیا؟ رَاكِباً، اور ذوالحال کیا؟ زَيْدٌ، اور یہ زَيْدٌ میں عامل کون؟ کس نے اس کو رفع دیا؟ جَاءَ نے۔ تو حال اور عاملِ ذوالحال کا زمانہ ایک ہونا چاہیے، یعنی یہ جو رکوب ہے اور یہ جو مجیئت ہے (آنا)، تو یہ رکوب اور مجیئت کا زمانہ ایک ہوتا ہے۔ جَاءَنِي زَيْدٌ رَاكِباً، زید میرے پاس سوار ہو کر آیا، معلوم ہوا زید کے آنے اور سوار ہونے کا زمانہ ایک ہی ہے، جس زمانے میں وہ آیا ہے اسی زمانے میں وہ کیا تھا؟ سوار بھی تھا۔ تو حال اور عاملِ ذوالحال کا زمانہ ایک ہوتا ہے۔ بات اچھی طرح سمجھ میں آ گئی؟

یہاں پر بھی: یہاں پر مُفْرَداً حال ہے کس سے؟ مَعْنًى سے، اور مَعْنًى جو ہے وہ مفعول بہ غیرِ صریح ہے کس کے لیے؟

وُضِعَ کے لیے، تو ذوالحال جو مَعْنًی ہے اس کے اندر وُضِعَ عامل ہے، وہ عاملِ ذوالحال ہے، وُضِعَ کیا ہے؟ عاملِ ذوالحال۔ تو مُفْرَداً ہے حال اور وُضِعَ ہے عاملِ ذوالحال، اور ضابطہ کیا ہے؟ حال اور عاملِ ذوالحال کا زمانہ ایک ہونا چاہیے۔ حالانکہ یہاں پر دونوں کا زمانہ ایک نہیں ہے! آپ نے ابھی ہمیں بتایا تھا کہ ایک ہے وضع، ایک ہے مفرد ہونا، کیا مقدم ہے؟ وضع مقدم ہے اور مفرد ہونا مؤخر ہے، معلوم ہوا دونوں کا زمانہ ایک نہیں ہے! تو یہاں پر بھی مُفْرَداً کو جب حال بنایا، تو مُفْرَداً ہوا حال اور وُضِعَ کیا ہوا؟ عاملِ ذوالحال، تو دونوں کا زمانہ ایک نہیں، کیونکہ وضع پہلے ہے اور مفرد ہونا بعد میں ہے۔ اشکال سمجھ میں آیا؟ حالانکہ یہ ضروری ہے حال کے اندر کہ حال اور عاملِ ذوالحال کا زمانہ ایک ہو۔

تو اس کا جواب آپ کو دیں گے کہ بھئی، کہ وضع مقدم ہے افراد پر اس سے تقدمِ زمانی نہیں مراد، بلکہ تقدمِ ذاتی مراد ہے۔ بلکہ کیا مراد ہے؟ ہم نے کہا وضع مقدم ہے افراد و ترکیب پر، یہاں سے کون سا تقدم مراد ہے؟ مقدم ہونا، کون سا مقدم ہونا؟ ذاتی، ذات کے اعتبار سے مقدم ہے، تقدمِ زمانی مراد نہیں ہے۔ تقدمِ زمانی میں ایک چیز پہلے ہوتی ہے اور دوسری چیز بعد میں، لیکن تقدمِ ذاتی میں ایسا نہیں۔ تقدمِ ذاتی اس کو کہتے ہیں کہ ایک چیز ذات کے اعتبار سے تو دوسری چیز سے مقدم ہوتی ہے، اس چیز کے لیے علت ہوتی ہے، یہ ہے تو دوسری چیز بھی ہے، یہ نہیں تو دوسری چیز بھی نہیں، لیکن دونوں کا زمانہ ایک ہی ہوتا ہے۔ ذات کے اعتبار سے مقدم لیکن زمانہ ایک۔ آپ حیران ہوں گے یہ کیسے ذات کے اعتبار سے مقدم ہو اور زمانہ ایک ہو؟ بھئی دیکھو، دیکھو آپ تالے میں چابی گھماتے ہیں تو تالا کھل جاتا ہے۔ اب مجھے بتائیے چابی کا گھومنا پہلے ہے یا تالے کا کھلنا پہلے ہے؟ آپ کہیں گے چابی کا گھومنا۔ ہاں چابی کا گھومنا پہلے ہے اور تالے کا کھلنا بعد میں، لیکن چابی کا مقدم ہونا صرف ذات کے اعتبار سے ہے زمانے کے اعتبار سے نہیں ہے۔ ذات کے اعتبار سے چابی کا گھومنا پہلے اور تالے کا کھلنا بعد میں، زمانے کے اعتبار سے دونوں اکٹھے ہیں، جوں جوں چابی گھوم رہی ہے ساتھ ساتھ تالا کھلتا جا رہا ہے، دونوں کا زمانہ بالکل ایک ہے۔ تو یہاں چابی کا گھمانا یہ علت ہے تالے کے کھلنے کے لیے، چابی گھومے گی تو تالا کھلے گا ورنہ تالا نہیں کھلے گا۔ تو جہاں ایک چیز دوسری چیز کے لیے علت ہوتی ہے، کیا ہوتی ہے؟ علت ہوتی ہے، وہ ہے تو یہ دوسری چیز ہے، وہ چیز نہیں تو یہ دوسری چیز بھی نہیں، تو یہاں تقدم کون سا ہوتا ہے؟ تقدمِ ذاتی، یعنی ذات کے اعتبار سے تو مقدم ہے، زمانے کے اعتبار سے مقدم نہیں۔ دوسری مثال لے لیں: جیسے سورج کا طلوع ہونا یہ علت ہے دن کے ہونے کے لیے، تو سورج کا طلوع ہونا مقدم ہے اور دن کا ہونا مؤخر ہے، لیکن یہ جو سورج کا نکلنا ہے اس کو تقدمِ ذاتی حاصل ہے، ذات کے اعتبار سے مقدم ہے زمانے کے اعتبار سے مقدم نہیں، جوں جوں سورج نکلتا جا رہا ہے اس کے ساتھ ساتھ ہی دن ہوتا جا رہا ہے۔ تو تقدمِ ذاتی سمجھ میں آیا؟ جبکہ ایک تقدمِ زمانی ہوتا ہے، ایک چیز زمانے کے اعتبار سے پہلے ہو: زید آج آیا، عمرو کل آیا، تو زید کو تقدمِ زمانی ہے آنے کے اعتبار سے۔

تو جواب یہ، اشکال کیا ہوا تھا؟ کہ حال اور عاملِ ذوالحال کا زمانہ ایک ہوتا ہے، تو یہاں تو وضع مقدم ہے اور افراد و

ترکیب مؤخر۔ تو جواب یہ کہ وضع کو یہاں تقدمِ ذاتی حاصل ہے تقدمِ زمانی نہیں، ذات کے اعتبار سے وضع مقدم ہے زمانے کے اعتبار سے نہیں، زمانہ دونوں کا ایک ہی ہے، جس لمحے میں وضع ہو رہی ہے اسی لمحے میں وہ معنیٰ بھی افراد یا ترکیب کے ساتھ موصوف ہو رہا ہے۔

تو کہتے ہیں: وَوَجْهُ صِحَّتِهِ، اور اس کے صحیح ہونے کی وجہ، مُفْرَداً کا حال ہونا صحیح ہو اس کی وجہ یہ ہے کہ أَنَّ الْوَضْعَ وَإِنْ كَانَ مُقَدَّماً عَلَى الْإِفْرَادِ بِحَسَبِ الذَّاتِ، کہ وضع اگرچہ وہ مقدم ہے افراد و ترکیب پر بِحَسَبِ الذَّاتِ کس اعتبار سے؟ ذات کے اعتبار سے، لَكِنَّهُ مُقَارِنٌ لَهُ بِحَسَبِ الزَّمَانِ، لیکن وہ اس کے ساتھ ملی ہوئی ہے جڑی ہوئی ہے زمانے کے اعتبار سے، یعنی دونوں کا زمانہ ایک ہی ہے۔ تو معنیٰ سمجھ میں آیا؟ کہ وضع اگرچہ مقدم ہے افراد پر ذات کے اعتبار سے، لیکن زمانے کے اعتبار سے وہ اس کے ساتھ ملی ہوئی ہے، دونوں کا زمانہ ایک ہے۔ وَهَذَا الْقَدْرُ كَافٍ لِصِحَّةِ الْحَالِيَّةِ، اور اتنی مقدار کافی ہے لِصِحَّةِ الْحَالِيَّةِ اس کے حال ہونے کے صحیح ہونے کے لیے۔ اور اتنی مقدار کافی ہے کہ اس کا حال ہونا صحیح ہو جائے، کیونکہ دونوں کا زمانہ ایک ہے اور حال اور عاملِ ذو الحال کا بھی زمانہ ایک ہونا چاہیے۔

وَهَذَا الْقَدْرُ كَافٍ۔ جی یہ كَافٍ یہ سولہ قسموں میں سے کون سی قسم ہے؟ یہ شاباش یہ قَاضٍ کی طرح ہے اسمِ منقوص ہے۔ اس وقت اس کا اعراب کیا ہے؟ مرفوع ہے شاباش یہ خبر ہے۔ هَذَا الْقَدْرُ مبتدا اور كَافٍ اس کی خبر، اور یا جو ہے اجتماعِ ساکنین کی وجہ سے گر گئی۔ تو حالتِ رفعی میں بھی اس کا اعراب تقدیری اور حالتِ جری میں بھی اس کا اعراب تقدیری، اور حالتِ نصبی میں اعراب لفظی آئے گا۔ تو کہتے ہیں: وَهَذَا الْقَدْرُ كَافٍ لِصِحَّةِ الْحَالِيَّةِ، اور اتنی مقدار یعنی زمانے کے اعتبار سے جو مقارنت ہے یہ کافی ہے لِصِحَّةِ الْحَالِيَّةِ اس مُفْرَداً کے حال ہونے کے صحیح ہونے کے لیے۔

▪ متنِ کتاب و تحقیقِ مسائلِ نحویہ

وَقَيْدُ الْإِفْرَادِ لِإِخْرَاجِ الْمُرَكَّبَاتِ مُطْلَقاً سَوَاءٌ كَانَتْ كَلَامِيَّةً أَوْ غَيْرَ كَلَامِيَّةٍ۔

اچھا اب قید کا فائدہ بتلا رہے ہیں کہ یہ مُفْرَدٌ کی قید کیوں لگائی؟ کہتے ہیں مرکبات کو نکالنے کے لیے۔ مفرد یہاں کس کے مقابلے میں ہے؟ مرکب کے مقابلے میں ہے۔ تو جب مفرد کی قید لگا دی تو مرکبات نکل گئے، چاہے وہ مرکباتِ کلامیہ ہوں چاہے مرکباتِ غیرِ کلامیہ۔ بھئی مرکباتِ کلامیہ کسے کہتے ہیں؟ اور مرکباتِ غیرِ کلامیہ کسے کہتے ہیں؟ بھئی لفظوں پر ہی غور کر لیں: مرکباتِ کلامیہ، مرکب بھی ہو اور کلام بھی ہو۔ مرکب بھی ہو اور کلام بھی ہو، یعنی اس میں بات پوری ہو: زَيْدٌ قَائِمٌ، جملہ ہے؟ کلام ہے، بات پوری ہے؟ ہاں اس میں بات پوری ہے، تو یہ مرکب بھی ہے دو لفظ ہیں زَيْدٌ بھی ہے اور قَائِمٌ، اور کلام بھی ہے، تو یہ مرکبِ کلامی ہے۔ اور رَجُلٌ شُجَاعٌ، کیا ترجمہ؟ بہادر آدمی، مرکب تو یہ ہے لیکن کلام نہیں ہے، پوری بات اس میں نہیں ہے، اس کا معنیٰ ہے بہادر آدمی، تو بات پوری نہیں۔ تو یہ مرکب ہوا غیرِ کلامی، مرکب ہوا غیرِ کلامی۔ تو مرکب

کتنی قسم پر؟ دو قسم پر: کبھی کلامی ہو گا یعنی بات اس میں پوری ہو گی اور کبھی مرکب تو ہو گا لیکن کلامی نہیں ہو گا، غیرِ کلامی ہو گا۔ اسی طرح مضاف مضاف الیہ ہیں: غُلَامُ زَيْدٍ، مرکب ہے کہ نہیں؟ دو لفظ ہیں مرکب ہے، اور اس میں بات پوری ہے؟ زید کا غلام، آپ کسی کو سارا دن کہتے رہیں زید کا غلام، زید کا غلام، زید کا غلام، وہ کہے گا بھئی آپ کیا کہنا چاہتے ہیں بات تو پوری کریں وہ آگیا ہے، چلا گیا ہے، مر گیا ہے، اس کو کیا ہوا ہے؟ تو بات پوری نہیں۔ تو غُلَامُ زَيْدٍ یہ مرکب تو ہے لیکن کلام نہیں، تو یہ مرکبِ غیرِ کلامی ہے۔ تو جب مفرد کی قید لگا دی تو سارے مرکبات نکل گئے، چاہے کلامی ہوں چاہے غیرِ کلامی ہوں۔

تو کہتے ہیں: وَقَيْدُ الْإِفْرَادِ لِإِخْرَاجِ الْمُرَكَّبَاتِ مُطْلَقاً، اور افراد کی قید جو ہے وہ مطلقاً مرکبات جو ہیں ان کو نکالنے کے لیے ہے، سَوَاءٌ كَانَتْ كَلَامِيَّةً أَوْ غَيْرَ كَلَامِيَّةٍ، برابر ہے کہ وہ مرکبات کلامی ہوں یا غیرِ کلامی ہوں۔ فَيَخْرُجُ بِهِ عَنْ حَدِّ الْكَلِمَةِ، تو پس نکل گئے کلمہ کی تعریف سے: مِثْلُ الرَّجُلِ وَقَائِمَةٍ وَبَصْرِيٍّ وَأَمْثَالِهَا۔ کہتے ہیں جب یہ مُفْرَدٍ کی قید لگائی، تو کلمہ کی تعریف سے اَلرَّجُلُ، قَائِمَةٌ اور بَصْرِيٌّ جیسی مثالیں نکل گئیں، کیونکہ یہاں جزِ لفظ جزِ معنیٰ پر دلالت کر رہا ہے۔ دیکھو اَلرَّجُلُ، اَلرَّجُلُ میں الف لام تعریف اور تعیین پر دلالت کر رہا ہے کہ یہ لفظ کیا ہے؟ معرفہ ہے اور کوئی متعین شخص مراد ہے، اور رَجُلٌ رجل ہونے پر دلالت کر رہا ہے۔ توجہ ہے؟ اَلرَّجُلُ دو چیزیں ہیں: ایک الف لام ہے، ایک رَجُلٌ، تو الف لام تعریف اور تعیین پر دلالت

دلالت کر رہا ہے، اور رَجُلٌ کس پر؟ رَجُلٌ کی صفت پر دلالت کر رہا ہے، رَجُلٌ ہونے پر دلالت کر رہا ہے، تو جزِ لفظ جزِ معنیٰ پر دلالت کر رہا ہے، تو یہ مرکب ہوا، تو یہ تعریف سے نکل گیا کیونکہ ہم نے تو کیا کہا کہ وہ معنیٰ مفرد ہونا چاہیے یا وہ لفظ کیا ہونا چاہیے؟ مفرد ہونا چاہیے۔ اسی طرح قَائِمَةٌ جیسے لفظ بھی نکل گئے، قَائِمَةٌ، قَائِمَةٌ میں قَائِمٌ صفتِ قیام پر دلالت کر رہا ہے، اور گول تا جو ہے تائے مربوطہ وہ تانیث پر دلالت کر رہی ہے، تو جزِ لفظ جزِ معنیٰ پر دلالت کر رہا ہے، تو قَائِمَةٌ بھی کلمہ سے نکل گئے، یہ کلمہ نہیں، یہ مرکب ہے۔ اسی طرح بَصْرِيٌّ یا بَصْرِيٌّ یہ لفظ بھی، اس جیسے لفظ بھی نکل گئے، کیونکہ یہ تو ایک تو شہر بصرہ پر دلالت کر رہے ہیں اور پھر یا نسبت کی ہے۔ لَاهُورِيٌّ کا کیا معنیٰ؟ لاہور والا، تو لاہور پر بھی دلالت ہوئی اور لاہور کی طرف نسبت جو ہے اس پر یا نے دلالت کر دی۔ تو جزِ لفظ جزِ معنیٰ پر دلالت کر رہا ہے، یہ سب کیا ہوئے؟ کلمہ کی تعریف سے نکل گئے، کیونکہ کلمہ کی تعریف میں کیا قید بڑھا دی؟ مفرد کی قید بڑھا دی۔

اب دیکھیے ترجمہ۔ کہتے ہیں: فَيَخْرُجُ بِهِ عَنْ حَدِّ الْكَلِمَةِ، تو اس مُفْرَدٍ کی قید کے ذریعے کلمہ کی تعریف سے نکل گئے، کیا نکل گئے؟ مِثْلُ الرَّجُلِ وَقَائِمَةٍ وَبَصْرِيٍّ وَأَمْثَالِهَا، اَلرَّجُلُ، قَائِمَةٌ اور بَصْرِيٌّ اور ان کے مثل جو لفظ ہیں وہ سب نکل گئے، مِمَّا يَدُلُّ جُزْءُ اللَّفْظِ مِنْهُ عَلَى جُزْءِ الْمَعْنَى، یعنی کہ وہ لفظ کہ جس میں جزِ لفظ دلالت کرتا ہے جزِ معنیٰ پر وہ سب اس سے نکل گئے۔ لَكِنَّهُ يُعَدُّ لِشِدَّةِ الْاِمْتِزَاجِ لَفْظَةً وَاحِدَةً، لیکن ان کو شمار کیا جاتا ہے لِشِدَّةِ الْاِمْتِزَاجِ، امتزاج کا معنیٰ ہے مل جانا، جڑ جانا،

یعنی مضبوطی سے جڑنے کی وجہ سے ان کو شمار کیا جاتا ہے لَفْظَةً وَاحِدَةً ایک ہی لفظ۔ اَلرَّجُلُ کو آپ ایک لفظ شمار کرتے ہیں یا دو لفظ؟ ایک۔ قَائِمَةٌ کو ایک شمار کرتے ہیں یا دو؟ ایک۔ بَصْرِيٌّ کو کیا شمار کرتے ہیں؟ ایک۔ تو یہ جو الف لام ہے رَجُلٌ کے ساتھ بڑا سختی سے جڑ گیا یا قَائِمَةٌ کی تا جو ہے اس کے ساتھ جڑ گئی، یا بَصْرِيٌّ کی یا اس کے ساتھ جڑ گئی، تو شدتِ امتزاج آ گئی ان دونوں اجزاء میں، تو اس شدتِ امتزاج کی وجہ سے اگرچہ ان کو ایک لفظ شمار کیا جاتا ہے اور ان پر ایک ہی اعراب آتا ہے۔ اَلرَّجُلُ، ایک ہی اعراب آئے گا یا الف لام پر الگ اعراب آئے گا؟ ایک ہی اعراب۔ قَائِمَةٌ ایک ہی اعراب آئے گا یا تا پر الگ آئے گا؟ ایک ہی۔ اور بَصْرِيٌّ ایک ہی اعراب آئے گا یا یا پر الگ اعراب آئے گا؟ ایک ہی۔ تو ان پر اعراب ایک ہی آتا ہے، تو شدتِ امتزاج کی وجہ سے ان کو ایک ہی لفظ شمار کیا جاتا ہے اور ان کو ایک ہی اعراب دیا جاتا ہے، لیکن یہ ہیں مرکب، لیکن یہ ہیں مرکب، کیونکہ جزِ لفظ جزِ معنیٰ پر دلالت کر رہا ہے، لہٰذا یہ سب اور اس جیسے لفظ کلمہ کی تعریف سے خارج ہو گئے۔ بات سمجھ میں آ گئی؟

تو کہتے ہیں: لَكِنَّهُ يُعَدُّ لِشِدَّةِ الْاِمْتِزَاجِ لَفْظَةً وَاحِدَةً، لیکن ان کو شدتِ امتزاج کی وجہ سے ایک ہی لفظ شمار کیا جاتا ہے، وَأُعْرِبَ بِإِعْرَابٍ وَاحِدٍ، اور ان کو ایک ہی اعراب دیا جاتا ہے۔ وَبَقِيَ مِثْلُ عَبْدِ اللهِ، اور عَبْدُ اللهِ جیسے لفظ باقی رہ گئے عَلَماً اس حال میں کہ یہ کیا ہوں؟ علم ہوں، وَبَقِيَ مِثْلُ عَبْدِ اللهِ عَلَماً دَاخِلاً فِيهِ، اور باقی رہ گئے عَبْدُ اللهِ جیسے لفظ اس حال میں کہ وہ علم ہوں، دَاخِلاً فِيهِ وہ اس میں داخل ہو کر باقی رہ گئے۔ عَبْدُ اللهِ جیسے لفظ بھئی اگرچہ اس پر دو اعراب آتے ہیں، عَبْدُ اللهِ، پہلے عَبْدُ پر رفع، مثلاً جَاءَنِي عَبْدُ اللهِ تو عَبْدُ پر کیا آیا؟ رفع، اور لفظِ اللہ مجرور، تو دو اعراب آ گئے۔ توجہ ہے؟ تو دو اعراب آ گئے، لیکن یہ جب علم ہو، کسی کا نام رکھ دیا جائے، تو اس صورت میں لفظِ عَبْدُ اللهِ میں نے بولا اور ذاتِ عَبْدُ اللهِ میں نے مراد لے لی، تو جزِ لفظ جزِ معنیٰ پر دلالت نہیں، علم کے اندر معنیٰ مقصود نہیں ہوتا، تو جزِ لفظ جزِ معنیٰ پر دلالت نہیں کر رہا، اگرچہ دو لفظ ہیں لیکن جزِ لفظ جزِ معنیٰ پر دلالت نہیں کر رہا، اس کو اس لیے اس کو مفرد کہیں گے، کیا کہیں گے؟ مفرد کہیں گے۔ تو یہ اس تعریف میں داخل ہے کیونکہ ہم نے بھی کیا کہا تھا؟ وہ لفظ یا معنیٰ کیا ہونا چاہیے؟ مفرد ہونا چاہیے، اور عَبْدُ اللهِ جب علم ہو تو یہ بھی کیا ہے؟ مفرد۔ اگر یہ علم نہیں ہے پھر یہ مرکب ہے، پھر نکل جائے گا کیونکہ جزِ لفظ جزِ معنیٰ پر دلالت کرے گا بھئی۔

تو کہتے ہیں: وَبَقِيَ مِثْلُ عَبْدِ اللهِ عَلَماً دَاخِلاً فِيهِ، اور باقی رہ گئے عَبْدُ اللهِ جیسے الفاظ اس حال میں کہ وہ علم ہوں وہ باقی رہ گئے اسی میں داخل ہو کر، مَعَ أَنَّهُ مُعْرَبٌ بِإِعْرَابَيْنِ، باوجود اس کے کہ یہ معرب ہے بِإِعْرَابَيْنِ دو اعرابوں کے ساتھ یعنی اس کو دو قسم کے دو اعراب دیے گئے ہیں۔ بات سمجھ میں آ گئی؟ حاصل یہ ہوا۔

▪ متنِ کتاب و تحقیقِ مسائلِ نحویہ

وَلَا يَخْفَى عَلَى الْفَطِنِ الْعَارِفِ بِالْغَرَضِ مِنْ عِلْمِ النَّحْوِ أَنَّهُ لَوْ كَانَ الْأَمْرُ بِالْعَكْسِ لَكَانَ أَنْسَبَ۔

یہاں سے شارحِ جامی اعتراض کر رہے ہیں اور اپنی رائے ذکر فرما رہے ہیں کہ صاحبِ کافیہ نے کلمہ کی ایسی تعریف کی جس کے ذریعے اَلرَّجُلُ، قَائِمَةٌ اور بَصْرِيٌّ جیسے الفاظ نکل گئے اور عَبْدُ اللهِ جیسے الفاظ داخل رہے کلمہ کی تعریف کے اندر۔ اَلرَّجُلُ، بَصْرِيٌّ اور قَائِمَةٌ جو ہیں ان کو کلمہ نہیں کہیں گے اور عَبْدُ اللهِ کو کلمہ کہیں گے۔ تو فرماتے ہیں: وَلَا يَخْفَى عَلَى الْفَطِنِ، فَطِنٌ کا معنیٰ ہے ذہین بھئی، سمجھدار، ذہین، الْعَارِفِ بِالْغَرَضِ مِنْ عِلْمِ النَّحْوِ علمِ نحو کی غرض کو جاننے والا، عَارِفٌ کا معنیٰ جاننے والا، پہچاننے والا۔ تو صاحبِ جامی فرماتے ہیں کہ وہ سمجھدار شخص جو علمِ نحو کی غرض کو جاننے والا ہے، اس پر واقف ہے، اس پر یہ بات مخفی نہیں ہے کہ اگر معاملہ اس کے برعکس ہوتا تو زیادہ مناسب تھا۔ یعنی صاحبِ کافیہ نے تو اَلرَّجُلُ، قَائِمَةٌ، بَصْرِيٌّ جیسے لفظوں کو کلمہ سے نکال دیا، اگر ان کو باقی رکھا جاتا تو بہتر تھا۔ اور صاحبِ کافیہ نے عَبْدُ اللهِ جبکہ وہ علم ہو اس کو کلمہ کے اندر باقی رکھا، اگر اس کو نکال دیا جاتا تو زیادہ مناسب تھا، کس شخص کے لیے؟ جو سمجھدار ہو اور علمِ نحو کی غرض سے واقف ہو۔

کیوں، کس طرح؟ بھئی دیکھیے، کہتے ہیں علمِ نحو کی غرض یہ ہے کہ جو نحوی ہوتا ہے وہ عربی الفاظ سے بحث کرتا ہے کہ کون سا لفظ معرب ہے، کون سا لفظ مبنی ہے، اور معرب ہے تو اس پر کیا اعراب پڑھنا ہے، کس طرح اعراب پڑھنا ہے، تو نحوی کی اصل توجہ الفاظ کی طرف ہوتی ہے، معنیٰ کی طرف اس کی توجہ تبعاً ہوتی ہے کیونکہ لفظ معنیٰ پر دلالت کرتے ہیں۔ تو نحوی کی اصل توجہ کس کی طرف؟ الفاظ کی طرف، معنیٰ کی طرف اصل توجہ نہیں۔ اور لفظوں کے اعتبار سے اَلرَّجُلُ، ضَارِبَةٌ، قَائِمَةٌ اور بَصْرِيٌّ وغیرہ ان کو ایک لفظ شمار کیا جاتا ہے اور ان پر ایک ہی اعراب آتا ہے، لہٰذا جب ان کو ایک لفظ شمار کیا جاتا ہے اور ان پر ایک اعراب آتا ہے تو ان کو کلمہ کی تعریف میں داخل ہونا چاہیے تھا بھئی۔ اور عَبْدُ اللهِ پر دو اعراب آتے ہیں، تو لہٰذا اس کو کلمہ سے خارج ہونا چاہیے تھا۔ بات سمجھ میں آگئی؟ یعنی یہ لفظ جو ہیں ان کو مفرد کہنا چاہیے مرکب نہیں کہنا چاہیے۔ آپ نے اَلرَّجُلُ، قَائِمَةٌ اور بَصْرِيٌّ کو کیا کہا؟ مرکب کہا، کیوں کہا؟ کیونکہ جزِ لفظ کس پر دلالت کر رہا ہے؟ جزِ معنیٰ پر۔ حالانکہ لفظ ایک ہے اعراب ایک ہے، تو معنیٰ کو نہیں دیکھنا چاہیے بھئی۔ آپ کہہ رہے ہیں جزِ لفظ جزِ معنیٰ پر دلالت کر رہا ہے اس لیے یہ کلمہ کی تعریف سے کیا ہو گئے؟ خارج ہو گئے۔ بھئی اصل توجہ کس کی طرف ہے نحوی کی؟ الفاظ کی طرف، اور ان کو بھی کیا شمار کیا جاتا ہے؟ ایک لفظ، اور ان پر بھی اعراب ایک ہی آتا ہے، تو جب اعراب ایک آتا ہے، لفظ ایک سمجھا جاتا ہے، تو اس کو مفرد ہی سمجھنا چاہیے، معنیٰ کی وجہ سے اس کو مرکب نہیں کہنا چاہیے کہ جزِ لفظ جزِ معنیٰ پر دلالت کر رہا ہے اس لیے کیا بن گیا؟ مرکب ہو گیا اور یہ کلمہ کی تعریف سے خارج ہو گیا۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو ان کو نکالنا نہیں چاہیے تھا۔

اور عَبْدُ اللہِ، عَبْدُ اللہِ لفظوں کے اعتبار سے اگرچہ مرکب ہے، عَبْدُ اللہِ لفظوں کے اعتبار سے مرکب ہے، لیکن جب یہ نام بن گیا، علم بن گیا، تو جزِ لفظ جزِ معنیٰ پر دلالت نہیں کر رہا، معنیٰ ایک ہے، لیکن لفظ تو دو ہیں تو اس کو مرکب ہی شمار کرنا چاہیے۔ معنیٰ کو نہیں دیکھنا چاہیے کہ معنیٰ چونکہ ایک ذات ہے اس لیے عَبْدُ اللہِ مرکب نہیں ہے بلکہ کیا ہے؟ مفرد ہے۔ نہیں بات سمجھ میں آئی؟ نہیں بات سمجھ میں آئی؟ پھر سنو۔ انہوں نے بتلایا کہ مُفْرَدٍ کی قید کے ذریعے اَلرَّجُلُ اور قَائِمَةٌ اور بَصْرِيٌّ جیسے الفاظ نکل گئے، کیوں نکل گئے؟ کیونکہ جزِ لفظ کیا کر رہا ہے؟ جزِ معنیٰ پر دلالت کر رہا ہے، یہ مفرد نہیں ہے۔ اور عَبْدُ اللہِ اس کا معنیٰ تو ایک ذات ہے تو جزِ لفظ جزِ معنیٰ پر دلالت نہیں کر رہا تو یہ کلمہ کی تعریف کے اندر داخل ہے۔ تو صاحبِ جامی فرماتے ہیں مناسب یہ تھا کہ عَبْدُ اللہِ کو نکالنا چاہیے تھا، اور جو اَلرَّجُلُ اور قَائِمَةٌ اور بَصْرِيٌّ وغیرہ ہیں ان کو باقی رکھنا چاہیے تھا۔ کیونکہ نحوی کی اصل توجہ کس کی طرف ہوتی ہے؟ لفظ کی طرف، اور معنیٰ کی طرف توجہ بالتبع ہوتی ہے۔ تو لفظوں کے اعتبار سے تو اَلرَّجُلُ اور قَائِمَةٌ اور بَصْرِيٌّ کیا ہیں؟ ایک لفظ ان کو شمار کیا جاتا ہے، اس کو اور اعراب بھی کتنے آتے ہیں؟ ایک اعراب آتا ہے، تو اس کو مفرد شمار کرنا چاہیے تھا۔ آپ نے اس کو کیا شمار کیا؟ مرکب، کیوں؟ معنیٰ کی طرف نظر کرتے ہوئے کہ جزِ لفظ کس پر دلالت کر رہا ہے؟ معنیٰ پر۔ حالانکہ نحوی کی توجہ تو اصل لفظوں کی طرف ہوتی ہے، لفظوں کے اعتبار سے تو یہ ایک لفظ ہے اور اعراب بھی ایک ہے، تو اس کو مفرد کہنا چاہیے، معنیٰ کی وجہ سے اس کو مرکب نہیں کہنا چاہیے کہ جزِ لفظ جزِ معنیٰ پر دلالت کر رہا ہے۔ اسی طرح عَبْدُ اللہِ کا لفظ ہے، اس کو آپ نے کیا کہا؟ مفرد کہا، کیوں مفرد کہا؟ کیونکہ جزِ لفظ جزِ معنیٰ پر دلالت نہیں کر رہا کیونکہ عَبْدُ اللہِ جب نام ہے ایک آدمی کا تو اس سے وہ ذات مراد ہے، تو جزِ لفظ جزِ معنیٰ پر دلالت نہیں کر رہا۔ تو یہ تو آپ نے معنیٰ کے اعتبار سے اس لفظ کو کیا کہہ دیا؟ مفرد کہہ دیا، حالانکہ لفظ تو دو ہیں، عَبْدٌ الگ ہے اور لفظِ اللہِ الگ ہے، اور اعراب بھی کتنے آگئے؟ دو۔ تو نحوی کی جب اصل توجہ الفاظ کی طرف ہوتی ہے تو یہ لفظ دو ہیں تو ان کو شمار بھی کیا کرنا چاہیے؟ دو لفظ یعنی مرکب شمار کرنا چاہیے، معنیٰ کی وجہ سے اس کو مفرد نہیں کہنا چاہیے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ یہ معنیٰ ہے:

وَلَا يَخْفَى عَلَى الْفَطِنِ الْعَارِفِ بِالْغَرَضِ مِنْ عِلْمِ النَّحْوِ، اور یہ بات پوشیدہ نہیں ہے اس سمجھدار آدمی پر جو جاننے والا ہے علمِ نحو کی غرض اور مقصد کو، کہ أَنَّهُ لَوْ كَانَ الْأَمْرُ بِالْعَكْسِ، کہ اگر معاملہ اس کے برعکس ہوتا یعنی اَلرَّجُلُ، قَائِمَةٌ اور بَصْرِيٌّ کو داخل رہنے دیتے اور عَبْدُ اللہِ کو نکال دیتے، تو لَكَانَ أَنْسَبَ، تو یہ زیادہ مناسب تھا۔

وَمَا أَوْرَدَهُ صَاحِبُ الْمُفَصَّلِ فِي تَعْرِيفِ الْكَلِمَةِ حَيْثُ قَالَ هِيَ اللَّفْظَةُ الدَّالَّةُ عَلَى مَعْنًى مُفْرَدٍ بِالْوَضْعِ.

اب یہاں سے صاحبِ مفصل کی تعریف بھی ذکر کر رہے ہیں، انہوں نے کلمہ کی کیا تعریف ذکر کی۔ حاصلِ کلام سمجھ لو۔ دیکھو صاحبِ مفصل کے نزدیک کلمہ کے اندر وحدتِ لفظ بھی ضروری، وحدتِ معنیٰ بھی ضروری، لفظ بھی مفرد ہونا چاہیے اور معنیٰ بھی مفرد ہونا چاہیے۔ چنانچہ اسی لیے انہوں نے لَفْظَةٌ ذکر کیا، لَفْظٌ نہیں کہا بلکہ کیا کہا؟ لَفْظَةٌ، تا وحدت کی بھی ساتھ جوڑ دی: اَلْكَلِمَةُ لَفْظَةٌ، کلمہ وہ ایک لفظ ہے۔ جبکہ صاحبِ کافیہ نے لَفْظَةٌ نہیں کہا بلکہ لَفْظٌ کہا، انہوں نے وحدت

کی تا نہیں جوڑی۔ کیونکہ صاحبِ کافیہ کے نزدیک کلمہ کے اندر وحدتِ لفظ ضروری نہیں ہاں وحدتِ معنیٰ ضروری ہے۔ لفظ ایک چاہے نہ بھی ہو لیکن معنیٰ ایک ہونا چاہیے۔ چنانچہ عَبْدُ اللہِ لفظ ایک نہیں ہے لیکن معنیٰ ایک ہے تو ان کے نزدیک جب یہ علم ہو تو یہ کلمہ ہے۔ جبکہ صاحبِ مفصل کے نزدیک لفظ میں بھی وحدت ہو اور معنیٰ میں بھی وحدت، لہٰذا عَبْدُ اللہِ میں لفظ میں تو وحدت نہیں تو ان کے نزدیک جب عَبْدُ اللہِ علم ہو تو وہ کلمہ سے خارج ہے، جبکہ صاحبِ کافیہ کے نزدیک وہ کلمہ کے اندر داخل ہے۔ فرق سمجھ میں آیا؟ صاحبِ جامی کیا فرما رہے ہیں؟ کہ اَلرَّجُلُ، قَائِمَةٌ اور بَصْرِيٌّ کو داخل رہنے دیتے اور عَبْدُ اللہِ کو کیا کر دیتے؟ نکال دیتے یہ زیادہ مناسب تھا۔ اب دونوں تعریفوں کا تقابل کریں گے اور بتلائیں گے کہ صاحبِ مفصل کے نزدیک کلمہ میں وحدتِ لفظ بھی ضروری اور وحدتِ معنیٰ بھی ضروری۔ وحدتِ لفظ ضروری، لہٰذا عَبْدُ اللہِ نکل گیا کیونکہ اس میں لفظ واحد نہیں، اور نیز وحدتِ معنیٰ بھی ضروری لہٰذا اَلرَّجُلُ، قَائِمَةٌ اور بَصْرِيٌّ بھی نکل گئے کیونکہ جزِ لفظ کیا کر رہا ہے؟ جزِ معنیٰ پر دلالت۔ تو دونوں چیزیں نکل گئیں ان کی تعریف سے کلمہ ہونے سے۔ جبکہ صاحبِ کافیہ کے نزدیک وحدتِ لفظ تو ضروری نہیں وحدتِ معنیٰ ضروری ہے، لہٰذا صاحبِ کافیہ کی تعریف سے اَلرَّجُلُ، قَائِمَةٌ اور بَصْرِيٌّ جیسے لفظ تو نکل گئے کیونکہ ان کا معنیٰ مفرد نہیں ہے، لیکن عَبْدُ اللہِ باقی ہے کلمہ کی تعریف میں کیونکہ عَبْدُ اللہِ میں لفظ بے شک زیادہ لیکن وحدتِ معنیٰ تو ہے، وحدتِ لفظ تو ضروری ہی نہیں ہے صاحبِ کافیہ کے نزدیک۔ بھئی صاحبِ مفصل نے کیا کیا؟ عَبْدُ اللہِ کو بھی نکال دیا اور اَلرَّجُلُ اور قَائِمَةٌ اور بَصْرِيٌّ وغیرہ کو بھی نکال دیا۔ عَبْدُ اللہِ کو تو نکالنا ہی چاہیے تھا، صاحبِ جامی فرما رہے ہیں، لیکن اَلرَّجُلُ اور قَائِمَةٌ اور بَصْرِيٌّ کو نہیں نکالنا چاہیے تھا، تو یہ ایک خرابی ہے ایک خلل ہے، ایک کمی ہے کس کی تعریف میں؟ صاحبِ مفصل۔ جبکہ صاحبِ کافیہ کی تعریف میں عَبْدُ اللہِ داخل ہے حالانکہ اس کو کیا کرنا چاہیے تھا؟ نکالنا چاہیے تھا، اور اَلرَّجُلُ، قَائِمَةٌ اور بَصْرِيٌّ کو بھی نکال دیا حالانکہ ان کو داخل رکھنا چاہیے تھا، تو اس میں دو خلل ہیں بھئی۔

کہتے ہیں: وَمَا أَوْرَدَهُ صَاحِبُ الْمُفَصَّلِ فِي تَعْرِيفِ الْكَلِمَةِ، اور وہ الفاظ جو لے کر آئے ہیں صاحبِ مفصل فِي تَعْرِيفِ الْكَلِمَةِ کلمہ کی تعریف میں، حَيْثُ قَالَ اس طور پر کہ انہوں نے فرمایا ہے: هِيَ اللَّفْظَةُ الدَّالَّةُ عَلَى مَعْنًى مُفْرَدٍ بِالْوَضْعِ،

بِالْوَضْعِ، کہ کلمہ جو ہے اَللَّفْظَةُ ایک ایسا لفظ ہے، ایک ایسا لفظ ہے اَلدَّالَّةُ عَلَى مَعْنًى مُفْرَدٍ جو دلالت کرے مفرد معنیٰ پر بِالْوَضْعِ کس کے ساتھ؟ وضع کے ساتھ دلالت کرے، وضع کی وجہ سے دلالت کرے۔

فَمِثْلُ عَبْدِ اللہِ عَلَماً، اب دیکھو اس تعریف پر بھی نظر رکھنا اور بتائیں گے اس سے کون سی چیز نکل رہی ہے اور کون سی چیز داخل ہو رہی ہے۔ کہتے ہیں: فَمِثْلُ عَبْدِ اللہِ عَلَماً، تو عَبْدُ اللہِ جیسے لفظ جو ہیں اس حال میں کہ وہ علم ہوں خَرَجَ عَنْهُ، یہ اس تعریف سے نکل گئے۔ کیوں؟ بھئی کیوں نکل گئے؟ کہتے ہیں: فَإِنَّهُ لَا يُقَالُ لَهُ لَفْظَةٌ وَاحِدَةٌ، اس لیے کیونکہ عَبْدُ اللہِ جب علم ہو تو اس کو ایک لفظ نہیں کہا جاتا، اور انہوں نے تو تعریف میں کیا قید بڑھا دی تھی؟ لَفْظَةٌ کہا تھا۔ وَبَقِيَ مِثْلُ الرَّجُلِ وَقَائِمَةٍ وَبَصْرِيٍّ، اور اَلرَّجُلُ، قَائِمَةٌ اور بَصْرِيٌّ جو ہیں یہ ابھی بھی تعریف کے اندر باقی ہیں مِمَّا يُعَدُّ لِشِدَّةِ الْاِمْتِزَاجِ لَفْظَةً وَاحِدَةً، جن کو شدتِ امتزاج کی وجہ سے ایک ہی لفظ شمار کیا جاتا ہے، یہ، یہ دَاخِلاً فِيهِ، یہ ابھی بھی اس کے اندر

داخل ہیں، یہ باقی ہیں داخل ہو کر۔ توجہ ہے؟ ذرا اس تعریف پر نظر رکھو: هِيَ اللَّفْظَةُ الدَّالَّةُ عَلَى مَعْنًى مُفْرَدٍ بِالْوَضْعِ۔ جب کہا اَللَّفْظَةُ ایک لفظ ہونا چاہیے تو عَبْدُ اللہِ نکل گیا، وہ تو ایک لفظ نہیں۔ لیکن اَلرَّجُلُ، قَائِمَةٌ اور بَصْرِيٌّ یہ ابھی بھی باقی ہیں کیونکہ یہ سب کیا ہیں؟ ایک لفظ شمار کیا جاتا ہے ان کو شدتِ امتزاج کی وجہ سے۔ لیکن جب آگے کہیں گے مَعْنًى مُفْرَدٍ، معنیٰ کیا ہو ان کا؟ مفرد ہو، اب یہ بھی نکل گئے کیونکہ یہاں تو جزِ لفظ کیا کر رہا ہے؟ جزِ معنیٰ پر دلالت کر رہا ہے۔ تو اَللَّفْظَةُ کی قید سے کون نکل گیا؟ عَبْدُ اللہِ۔ اور مَعْنًى مُفْرَدٍ کی قید سے کون نکل گیا؟ اَلرَّجُلُ، بَصْرِيٌّ اور قَائِمَةٌ جیسے الفاظ نکل گئے، جس میں جزِ لفظ جزِ معنیٰ پر دلالت کر رہا ہے۔

تو کہتے ہیں پھر دوبارہ دیکھیے: فَمِثْلُ عَبْدِ اللہِ عَلَماً خَرَجَ عَنْهُ فَإِنَّهُ لَا يُقَالُ لَهُ لَفْظَةٌ وَاحِدَةٌ، تو عَبْدُ اللہِ جیسے لفظ جو کہ اس حال میں کہ علم ہوں، وہ اس سے نکل گئے کیونکہ ان کو ایک لفظ نہیں کہا جاتا۔ وَبَقِيَ مِثْلُ الرَّجُلِ وَقَائِمَةٍ وَبَصْرِيٍّ، اور اَلرَّجُلُ، قَائِمَةٌ اور بَصْرِيٌّ جیسے الفاظ باقی رہ گئے جن کو شمار کیا جاتا ہے شدتِ امتزاج کی وجہ سے ایک ہی لفظ، یہ باقی رہ گئے دَاخِلاً فِيهِ اس تعریف میں داخل ہو کر۔ فَأَخْرَجَهُ بِقَيْدِ الْإِفْرَادِ، پھر ان کو بھی نکال دیا صاحبِ مفصل نے افراد کی قید کے ذریعے، مَعْنًى مُفْرَدٍ کی جو قید مفرد کی قید لگا دی اس کے ذریعے ان کو بھی انہوں نے نکال دیا۔ وَلَوْ لَمْ يُخْرِجْهُ بِتَرْكِهِ لَكَانَ أَنْسَبَ لِمَا عَرَفْتَ، اور اگر وہ ان کو نہ نکالتے بِتَرْكِهِ بایں صورت کہ اس قید کو چھوڑ دیتے، یہ مفرد کی قید نہ لگاتے، لَكَانَ أَنْسَبَ تو یہ زیادہ مناسب تھا لِمَا عَرَفْتَ اس وجہ سے جو آپ جان چکے ہیں، یعنی جو ہم نے ذکر کر دیا، جو ہم نے پیچھے تفصیل بیان کر دی بھئی۔ تو کہتے ہیں: وَلَوْ لَمْ يُخْرِجْهُ، اور اگر وہ ان کو نہ نکالتے بِتَرْكِهِ بایں صورت کہ چھوڑ دیتے، کس چیز کو چھوڑ دیتے؟ یہ جو افراد کی قید انہوں نے لگائی، عَلَى مَعْنًى مُفْرَدٍ، یہ مفرد کی قید کو اگر وہ چھوڑ دیتے تو یہ زیادہ مناسب تھا، لِمَا عَرَفْتَ اس وجہ سے جو آپ نے پہچان لی، جو ہم نے پیچھے تفصیل بیان کر دی بھئی۔ اگر صاحبِ مفصل یہ مفرد کی قید نہ بڑھاتے تو بہتر تھا بھئی۔

چلیے بس کریں، بس بھئی یہاں تک بات اچھی طرح سمجھ میں آگئی؟ چلیے بس بھئی۔ هَذَا هُوَ الْمَرَامُ وَاللهُ أَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْكَلَامِ۔

سبق نمبر ۲۳: تعریفِ کلمہ (۷): وضع کا دلالت کو مستلزم ہونا اور حصرِ کلمہ در اقسامِ ثلاثہ

شرحِ ملا جامی صفحہ: ۱۶ — بتاریخ: ۱۴ جولائی ۲۰۲۱ء

▪ متنِ کافیہ و شرحِ ملا جامی کی قراءت

وَاعْلَمْ أَنَّ الْوَضْعَ يَسْتَلْزِمُ الدَّلَالَةَ لِأَنَّ الدَّلَالَةَ كَوْنُ الشَّيْءِ بِحَيْثُ يُفْهَمُ مِنْهُ شَيْءٌ آخَرُ، فَمَتَى تَحَقَّقَ الْوَضْعُ تَحَقَّقَتِ الدَّلَالَةُ، فَبَعْدَ ذِكْرِ الْوَضْعِ لَا حَاجَةَ إِلَى ذِكْرِ الدَّلَالَةِ كَمَا وَقَعَ فِي هٰذَا الْكِتَابِ، لٰكِنَّ الدَّلَالَةَ لَا تَسْتَلْزِمُ الْوَضْعَ لِإِمْكَانِ أَنْ تَكُونَ بِالْعَقْلِ.

▪ عبارت کی نحوی توضیح، ترکیب اور قواعدِ کافیہ

اچھا بھائی، گزشتہ سبق میں ہم نے کلمہ کی تعریف میں جو آخری قید آئی تھی «مُفْرَدٍ» اس کے بارے میں پڑھنا شروع کیا تھا۔ میں نے آپ کو بتلایا تھا کہ یہ مفرد کا لفظ نحو کے اندر چار چیزوں کے مقابلے میں آتا ہے۔ کبھی یہ مرکب کے مقابلے میں آئے گا، کبھی جملہ کے مقابلے میں آئے گا، کبھی تثنیہ اور جمع کے مقابلے میں آئے گا اور کبھی مضاف اور مشابہ مضاف کے مقابلے میں آئے گا۔ تو جب کہیں مفرد کہہ دیا جائے تو کبھی مرکب کو نکالنا مقصود ہوتا ہے، کبھی مفرد کہہ دیا جائے تو جملہ کو نکالنا مقصود ہوتا ہے یعنی جملہ جو نہ ہو اس کو مفرد کہتے ہیں، اور کبھی مفرد کہہ کر تثنیہ اور جمع کو نکالنا مقصود ہوتا ہے اور کبھی مضاف اور مشابہ مضاف کو، تو اس کا آپ نے خاص خیال رکھنا ہے۔ اور یہاں پر جو مفرد کا لفظ آیا ہے وہ مرکب کے مقابلے میں ہے، چنانچہ انہوں نے آپ کو آگے چل کر بتایا تھا کہ اس قید کے ذریعے، جب مفرد کی قید لگا دی، مرکبات نکل گئے چاہے مرکباتِ کلامیہ ہوں چاہے مرکباتِ غیرِ کلامیہ ہوں بھئی۔ اور مرکباتِ کلامیہ کسے کہتے ہیں اور مرکباتِ غیرِ کلامیہ کسے کہتے ہیں وہ بھی میں نے آپ کو بتلایا تھا کہ وہ مرکب جو کلام ہو وہ ہے مرکبِ کلامی اور وہ مرکب جو ہے تو مرکب لیکن کلام پورا نہیں ہے یعنی صرف موصوف صفت ہیں جیسے رَجُلٌ شُجَاعٌ یا صرف مضاف مضاف الیہ ہیں جیسے غُلَامُ زَيْدٍ، اب یہ ہیں

تو مرکب لیکن کلام نہیں تو اس کو کیا کہیں گے مرکبِ غیرِ کلامی۔ تو جب مفرد کی قید لگا دی کلمہ کے اندر تو مرکبات نکل گئے بھئی۔

اس کے بعد میں نے آپ کو بتلایا تھا کہ یہ مفرد کے اندر تین احتمال ہیں: یہ مرفوع بھی ہو سکتا ہے، مجرور بھی ہو سکتا ہے اور منصوب بھی ہو سکتا ہے، مُفْرَدٌ، مُفْرَدٍ، مُفْرَدًا۔ اگر مجرور پڑھیں تو اس صورت میں یہ صفت ہو گی مَعْنًی کی لِمَعْنًی مُفْرَدٍ، اور مَعْنًی مجرور ہے کیونکہ اس پر لامِ جارہ داخل ہے تو اس کی صفت بھی مجرور ہو گی۔ تو اس صورت میں معنیٰ کیا ہو گا: اَلْکَلِمَةُ لَفْظٌ وُضِعَ لِمَعْنًی مُفْرَدٍ، کلمہ ایسا لفظ ہے جس کو وضع کیا گیا ہو مفرد معنیٰ کے لیے۔ تو یہاں وہم پیدا ہوتا ہے کہ یہاں پر معنیٰ جو ہے وہ متصف ہو رہا ہے افراد کے ساتھ، یعنی معنیٰ مقید ہے کس کے ساتھ؟ افراد کے ساتھ۔ اور میں نے آپ کو ضابطہ بتلایا تھا کہ مقید کی طرف جب فعل کی نسبت کر دی جائے تو وہ قید کے ساتھ اس کا اتصاف مقدم ہوتا ہے فعل کی نسبت سے۔ جیسے جَاءَنِي رَجُلٌ عَالِمٌ، میں نے جَاءَ کی نسبت کر دی رَجُلٍ عَالِم کی طرف یعنی رَجُل ایسا اسم ہے جو پہلے سے ہی عَالِم کے ساتھ، عَالِم کی صفت کے ساتھ مقید ہے۔ تو ایسا اسم جو پہلے ہی مقید ہو، اس کی صفت آ رہی ہو، اس کی طرف جب فعل کی نسبت کی جائے تو وہاں اس اسم کا صفت سے اتصاف مقدم ہوتا ہے اور فعل کی طرف جو نسبت ہے وہ مؤخر ہوتی ہے۔ تو جَاءَنِي رَجُلٌ عَالِمٌ، میں نے جَاءَ کی نسبت کی رَجُل کی طرف جو موصوف ہو رہا تھا عَالِم کے ساتھ، تو معلوم ہوا اس رَجُل کا عالم ہونا پہلے ہے اور مجیئت کی نسبت اس کے بعد ہے۔ یہاں بھی اسی طرح ہے کہ کلمہ ایسا لفظ ہے جس کو وضع کیا گیا ہے مفرد معنیٰ کے لیے، تو وضع کی نسبت ہو گئی کس چیز کی طرف؟ معنیٰ مفرد کی طرف، تو وہ تو پہلے ہی مقید ہے وہ معنیٰ اس کی صفت کیا آ رہی ہے مُفْرَد، تو معلوم ہوا کہ یہ اس کی صفت مقدم ہے وضع سے، یعنی معلوم ہوا معنیٰ وضع سے پہلے ہی افراد و ترکیب سے متصف ہوتا ہے، حالانکہ یہ درست نہیں ہے۔ وضع کے بعد وہ متصف ہوتا ہے افراد و ترکیب سے، اس سے پہلے نہیں۔ کیونکہ افراد و ترکیب کس کو کہتے تھے؟ اگر جزِ لفظ جزِ معنیٰ پر دلالت کرے تو لفظ بھی مرکب اور معنیٰ بھی مرکب، اور اگر جزِ لفظ جزِ معنیٰ پر دلالت نہ کرے تو لفظ بھی مفرد اور معنیٰ بھی مفرد۔ تو یہاں دیکھو دلالت آ رہی ہے اور لفظ کی معنیٰ پر دلالت ہو گی ہی تب جب اس میں کیا پائی جائے؟ جب اس میں وضع پائی جائے، جب اس میں وضع پائی جائے۔ تو معلوم ہوا افراد و ترکیب کے لیے دلالت ضروری ہے اسی سے پتا چلتا ہے اور دلالت کے لیے وضع ضروری ہے اسی کی وجہ سے پھر وہ دلالت کرے گا، تو معلوم ہوا وضع مقدم ہے کس پر؟ افراد اور ترکیب پر۔ تو اس کا جواب انہوں نے دیا تھا کہ یہ جو معنیٰ کو موصوف کیا گیا مفرد کی صفت کے ساتھ یہ مجاز بالمشارفہ ہے، مجاز بالمشارفہ ہے یا یوں کہیں کہ یہ باعتبار مَا یَؤُولُ کے ہے، چونکہ وضع کے بعد معنیٰ نے متصف ہونا تھا افراد کے ساتھ، اس کا معنیٰ کا افراد کے ساتھ متصف ہونا قریب تھا تو پہلے سے ہی اس کی صفت مفرد لے آئے بھئی۔ جیسے کہ اس حدیث میں ہے: مَنْ قَتَلَ قَتِیلًا فَلَهُ سَلَبُهُ، جس نے کسی مقتول کو قتل کیا تو اس کے لیے اس سے لوٹا ہوا مال ہے، اس کے لیے اس مقتول سے چھینا ہوا مال ہے۔ تو یہاں پر وہ زندہ کو کیا کہہ دیا گیا مَقْتُول، چونکہ اس کا قتل قریب ہے اس لیے ابھی سے اس کو کس سے تعبیر کر دیا

گیا مَقْتُول کے لفظ کے ساتھ، تو اس کو کیا کہتے ہیں مجاز بالمشارفہ۔ تو یہاں پر بھی معنیٰ کو جو افراد کی قید کے ساتھ موصوف کیا گیا اس میں مجاز بالمشارفہ ہے یا یوں کہو یہ باعتبار مَا یَؤُولُ کے بھئی باعتبار مَا یَؤُولُ کے، یعنی جس حالت کی طرف یہ لوٹنے والا ہے جس صفت کے ساتھ یہ متصف ہونے والا ہے، چونکہ اس کے ساتھ متصف ہونے کے قریب ہے لہٰذا ابھی سے اس کو کیا کہہ دیا مفرد کہہ دیا۔

دوسری ترکیب یہاں یہ تھی کہ مُفْرَدٌ کو مرفوع پڑھا جائے، اس صورت میں یہ صفت بنے گی لَفْظٌ کی۔ موصوف مرفوع تو صفت بھی مرفوع۔ تو لَفْظٌ کی گویا دو صفتیں آگئیں: اَلْکَلِمَةُ لَفْظٌ وُضِعَ لِمَعْنًی ایک صفت، اور مُفْرَدٌ دوسری صفت بھئی۔ تو یہاں پر پھر کہتے ہیں کہ دو صفتیں لائے صاحبِ کافیہ لَفْظٌ کی، ایک ماضی کے صیغے کے ساتھ اور ایک مُفْرَدٌ اسم کی صورت میں لے کر آئے، تو اس میں کسی نکتے کا بیان ضروری ہے۔ صاحبِ کافیہ جیسے فصیح و بلیغ انسان وہ دو صفتوں میں سے ایک کو ماضی کی صورت میں لائے ہیں اور ایک کو اسم کی صورت میں، تو یقیناً اس میں کسی نکتے کو بیان کیا جا رہا ہے۔ نکتہ کہتے ہیں باریک بات کو، گہری بات بھئی۔ نکتہ نون ہے، کاف چھوٹا ہے، تا ہے دو نقطوں والی بھئی، نُکْتَةٌ۔ اور ایک ہوتا ہے نقطہ، نون، قاف دو نقطوں والا اور طا ہے بھئی طا اور پھر آگے تائے مربوطہ ہے نُقْطَةٌ، وہ جو قلم سے آپ نقطہ لگاتے ہیں اس کو کیا کہتے ہیں؟ نقطہ۔ اور یہ جو نکتہ ہوتا ہے چھوٹے کاف کے ساتھ یہ گہری اور باریک بات کو کہا جاتا ہے۔ تو کہتے ہیں ایک صفت کو ماضی لے کر آئے اور ایک صفت کو اسم کی صورت میں مفرد کی صورت میں لے کر آئے تو اس میں کوئی نکتہ وہ بیان کرنا چاہتے ہیں، کسی گہری بات کی طرف وہ اشارہ کرنا چاہتے ہیں، اور وہ گہری بات کیا؟ کہ وہ اشارہ کر رہے ہیں اس بات کی طرف کہ ایک صفت ہے لفظ کی وضع اور ایک صفت کیا ہے مفرد ہونا، وضع مقدم ہے کیونکہ اس کو ماضی کے صیغے کے ساتھ ذکر کیا اور ماضی گزرے ہوئے زمانے میں ہوتی ہے یعنی پہلے ہوتی ہے، تو معلوم ہوا وضع پہلے ہے اور اس کے بعد اس کا مفرد ہونا ہے، یعنی وضع مقدم ہوتی ہے افراد و ترکیب پر۔

تیسرا احتمال یہ تھا کہ مُفْرَدًا جو ہے اس کو منصوب پڑھا جائے۔ کہتے ہیں اگرچہ رسم الخط اس کی مدد نہیں کرتا، رسم الخط اس کے موافق نہیں ہے اس لیے کیونکہ اگر یہ منصوب ہو تو پھر اس صورت میں الف لکھنا چاہیے لیکن مفرداً کے آخر میں تو الف نہیں ہے۔ تو کہتے ہیں اس صورت میں اگر اس احتمال کو لیا جائے تو اس صورت میں یہ حال بنے گا یا تو وُضِعَ کے اندر جو ھُوَ ضمیر ہے نائب الفاعل اس سے حال بنے گا یا لِمَعْنًی جو ہے یہ مَعْنًی سے حال بنے گا۔ اس پر اشکال ہوا کہ بھئی وُضِعَ کی ھُوَ ضمیر سے تو اس کا حال بننا صحیح ہے کیونکہ وہ نائب الفاعل ہے اور نائب الفاعل بھی کس کے درجے میں ہوتا ہے؟ فاعل کے درجے میں ہوتا ہے اور صاحبِ کافیہ کا مذہب کیا ہے؟ حال صرف فاعل یا مفعول بہ کی حالت بیان کرتا ہے۔ تو ھُوَ ضمیر جو ہے وُضِعَ کے اندر وہ بھی نائب الفاعل ہے تو گویا فاعل کے درجے میں ہے، فاعل والا حکم ہے تو اس سے تو مُفْرَدًا کا حال آنا صحیح، لیکن لِمَعْنًی، مَعْنًی سے حال آنا تو صحیح نہیں کیونکہ یہ تو مجرور ہے، نہ تو یہ فاعل ہے نہ یہ مفعول بہ ہے۔ تو میں

نے آپ کو تفصیل بتلائی تھی کہ فعل کے ساتھ جو حرفِ جر استعمال ہوتا ہے یہ دراصل اس فعل کو متعدی بنانے کے لیے حروفِ جارہ اس کے ساتھ استعمال ہوتے ہیں۔ کبھی فعل کے ساتھ فِي آئے گا، کبھی بَاء آئے گی، کبھی لَام آئے گا، کبھی مِنْ آئے گا، یہ سارے کیا ہیں؟ فعل ان کے ذریعے متعدی ہو رہا ہے، یعنی کوئی اسم ہے فعل اس میں عمل کرنا چاہتا ہے یا آپ اس کو عمل دینا چاہتے ہیں لیکن فعل براہِ راست اس میں عمل نہیں کر سکتا تو پھر حروفِ جارہ کا سہارا لیا جاتا ہے۔ جیسے میں نے مثال ذکر کی تھی ضَرَبْتُ زَيْدًا، اب میں بتلانا چاہتا ہوں میں نے زید کی لاٹھی سے پٹائی کی تو میں لاٹھی کا لفظ بھی ساتھ لانا چاہتا ہوں، ضَرَبْتُ زَيْدًا اَلْعَصَا، لیکن اَلْعَصَا میں نہیں لا سکتا کیونکہ ضَرَبْتُ ایک مفعول بہ کو نصب دے سکتا ہے، دو کو نصب نہیں دے سکتا اور ایک مفعول بہ تو زَيْدًا آچکا ہے، اور میں تو اَلْعَصَا کو بھی لانا چاہتا ہوں، اس کو بھی اس کے ساتھ جوڑنا چاہتا ہوں، میں بتلانا چاہتا ہوں کہ یہ پٹائی میں نے لاٹھی سے کی ہے، تو پھر اس صورت میں جب فعل براہِ راست ایک چیز میں عمل نہ کر سکے تو پھر حروفِ جارہ کا سہارا لیا جاتا ہے تو اب میں کہوں گا ضَرَبْتُ زَيْدًا بِالْعَصَا، تو یہ بِالْعَصَا جار مجرور مل کر متعلق ہو جائیں گے ضَرَبْتُ فعل کے ساتھ۔ تو اب یاد رکھو یہ جو حروفِ جارہ جب کسی فعل سے متعلق ہوتے ہیں تو ان کا جو مدخول ہے جس پر یہ داخل ہوئے ہیں وہ بھی مفعول بہ ہوتا ہے، وہ بھی مفعول بہ ہوتا ہے، البتہ اس کو مفعول بہ غیرِ صریح کہتے ہیں، یعنی واضح لفظوں میں یہ مفعول بہ نہیں ہے یہ تو مجرور ہے۔ تو ایک مفعول بہ صریح ہوتا ہے یعنی واضح صاف لفظوں میں کہ جس پر نصب آرہا ہے، اور ایک مفعول بہ غیرِ صریح ہوتا ہے جو حرفِ جر کے ذریعے کسی فعل یا شبہِ فعل سے متعلق ہو تو اس کو بھی کیا کہتے ہیں مفعول بہ۔ تو یہاں بھی لِمَعْنًى کس سے متعلق ہے وُضِعَ سے حرفِ جر کے واسطے سے، تو یہ بھی مفعول بہ ہے البتہ غیرِ صریح ہے، اور حال بھی کس کی حالت بیان کرنے کے لیے آتا ہے؟ فاعل یا مفعول بہ کی، تو یہ بھی مفعول بہ ہے یہ مَعْنًى لہٰذا اس سے مُفْرَدًا حال کا آنا صحیح ہے۔ تو یہ مفعول بہ کہلائیں گے حتیٰ کہ فِي وغیرہ جو جڑے گا وہ بھی مفعول بہ کہلائے گا: ضَرَبْتُ زَيْدًا فِي الدَّارِ، ضَرَبْتُ زَيْدًا فِي الدَّارِ یہ الدَّار بھی کیا ہے ضَرَبْتُ کے لیے مفعول بہ ہے غیرِ صریح بھئی۔ ایک زَيْدًا ہے وہ مفعول بہ صریح ہے اور الدَّار کیا ہے مفعول بہ غیرِ صریح ہے بھئی۔

پھر میں نے آپ کو یہ بھی بتلایا تھا کہ یہ جو حروفِ جارہ جو افعال اور شبہِ فعل کے ساتھ استعمال ہوتے ہیں ان کو اس فعل یا شبہِ فعل کا صلہ کہتے ہیں۔ صلہ، صاد، لام اور گول تا ہے بھئی تائے مربوطہ، اس کو صلہ کہتے ہیں۔ اور پھر تفصیل بیان کی تھی کہ صلہ کا لفظ علمِ نحو میں تین چیزوں کے لیے استعمال ہوتا ہے: ایک موصول کا صلہ، دوسرا صلہ بمعنیٰ زائد کے، قرآن میں کوئی لفظ زائد ہو تو اس کے لیے کیا لفظ بولتے ہیں کہ یہ صلہ ہے بطورِ ادب کے، اور ایک صلہ وہ حرفِ جر جس کے ذریعے کوئی فعل متعدی ہوتا ہے اس کو اس فعل کا صلہ کہتے ہیں۔ اور پھر میں نے یہ بھی بتایا تھا کہ موصول کا صلہ، موصول کا صلہ، یہ موصول دو قسم پر ہے: ایک اسمِ موصول ہے، ایک حرفِ موصول ہے۔ اسمِ موصول کیا ہے؟ اَلَّذِي وغیرہ، اور اس کے بعد صلہ آتا ہے۔ اَلَّذِي کا معنیٰ وہ جو کہ، تو اس کے ساتھ جب تک صلہ نہیں ملے گا اس کا معنیٰ سمجھ میں نہیں آئے گا۔ مثلاً میں آپ سے کہتا ہوں جَاءَ الَّذِي، آیا تھا وہ جو کہ، آیا تھا وہ جو کہ، آپ کہیں گے بھئی بات پوری نہیں۔ ہاں جب میں اس

موصول کا صلہ لے آؤں گا تو بات پوری ہو جائے گی: جَاءَ الَّذِي ضَرَبَكَ، آیا وہ شخص جس نے آپ کی پٹائی کی تھی۔ اب یہ ضَرَبَكَ صلہ ہے کس کا؟ اَلَّذِي کا۔ تو موصول صلہ مل کر یہ فاعل ہوئے کس کے لیے؟ جَاءَ کے لیے، تو آیا وہ شخص جس نے آپ کی پٹائی کی تھی۔ اب بات دیکھو پوری ہو گئی۔ تو اسمِ موصول کو جب بھی کسی چیز سے جوڑنا ہو اس کے ساتھ صلہ ضرور جوڑیں گے۔ اسمِ موصول جب بھی کلام میں آئے آگے اس کے ساتھ جملہ ہو گا اس کو اس کا صلہ بنائیں اور پھر اس کے بعد اس کو چاہے فاعل بنائیں، مبتدا بنائیں، صفت بنائیں، جو بھی بنانا چاہتے ہیں اس کے بعد بنائیں۔ تو اسمِ موصول کے لیے جیسے صلہ کا ہونا ضروری اسی طرح حرفِ موصول کے لیے بھی صلہ کا ہونا ضروری ہے، اور حرفِ موصول تین ہیں: أَنْ، مَا اور أَنَّ۔ أَنْ، مَا اور أَنَّ۔ بھئی یہی حروفِ مصدریہ جو آپ نے پڑھے ہیں، حروفِ مصدریہ جو آپ نے پڑھے ہیں نحو کی کتابوں میں تین ہیں: مَا، أَنْ اور أَنَّ۔ یہ حروفِ مصدریہ ہیں یہ جس جملے پر داخل ہوتے ہیں اس کو مصدر کے معنیٰ میں کر دیتے ہیں۔ مَا اور أَنْ یہ جملہ فعلیہ پر داخل ہوتے ہیں اور أَنَّ حروفِ مشبہ بالفعل میں سے ہے یہ جملہ اسمیہ پر داخل ہوتا ہے، اس کے لیے ایک اسم چاہیے اور ایک خبر۔ تو یہ تینوں کیا کرتے ہیں؟ جملے کو مصدر کے معنیٰ میں کر دیتے ہیں۔ مَا اور أَنْ کس پر داخل ہوتے ہیں؟ جملہ... فِعْلِيَّہ پر اور أَنَّ کس پر داخل ہوتا ہے؟ جملہ اسمیہ پر داخل ہوتا ہے۔ تو یہ جو حروفِ مصدریہ ہیں ان کو حرفِ موصول کہتے ہیں۔ یہ کس پر داخل ہوئے؟ جملے پر، تو جو جملہ ہے وہ ان کا صلہ کہلاتا ہے، وہ جملہ ان کا صلہ کہلاتا ہے۔ مَا اور أَنْ کے لیے صلہ جملہ فعلیہ آتا ہے اور أَنَّ کے لیے صلہ جو ہے جملہ اسمیہ آتا ہے۔ معلوم ہوا صلہ جو ہے اسمِ موصول کا بھی آتا ہے اور حرفِ موصول کا بھی آتا ہے۔ پھر ان میں فرق یہ ہے کہ اسمِ موصول کا جو صلہ آئے گا اس میں ربط ضروری ہے، اس میں کوئی عائد کوئی ضمیر ہونی چاہیے جو اسمِ موصول کی طرف لوٹے، جبکہ حرفِ موصول کا جو صلہ ہے وہ عائد کا محتاج نہیں ہے، وہاں عائد نہیں آئے گا۔

اچھا، تو بات چل رہی تھی کہ مُفْرَدًا کو اگر منصوب پڑھا جائے تو اس صورت میں پھر یہ حال بنے گا، کیا بنے گا؟ حال بنے گا یا تو وُضِعَ کی هُوَ ضمیر سے جو نائب الفاعل ہے یا لِمَعْنًى سے جو کہ مفعول بہ غیرِ صریح ہے، ان دونوں میں سے کسی ایک سے آپ حال بنا سکتے ہیں۔ اس پر پھر اشکال ہوا تھا۔ اشکال یہ کہ حال اور عاملِ ذوالحال کا زمانہ ایک ہوتا ہے۔ تو حال کیا ہے؟ مُفْرَدًا۔ اور عاملِ ذوالحال کیا ہے؟ وُضِعَ۔ تو وُضِعَ ہوا عاملِ ذوالحال اور مُفْرَدًا ہوا حال، اور ضابطہ ہے کہ حال اور عاملِ ذوالحال کا زمانہ ایک ہوتا ہے، ایک ہونا چاہیے۔ حالانکہ آپ نے ابھی ہمیں بتایا کہ وضع مقدم ہے افراد و ترکیب پر۔ کسی لفظ کو مفرد یا مرکب کہنا یا اسی طرح کسی معنیٰ کو مفرد یا مرکب کہنا یہ وضع کے بعد ہو گا، کس کے؟ وضع کے بعد۔ اب ہم دیکھیں گے کہ جزِ لفظ جزِ معنیٰ پر دلالت کر رہا ہے یا نہیں کر رہا، تو افراد و ترکیب مؤخر ہے اور وضع مقدم ہے تو دونوں کا زمانہ ایک نہیں، حالانکہ حال کے اندر کیا شرط تھی کہ حال اور عاملِ ذوالحال کا زمانہ ایک ہو۔ تو اس کا جواب بھی میں نے ذکر کیا تھا کہ یہاں پر وضع کو افراد و ترکیب پر تقدمِ ذاتی حاصل ہے، تقدمِ زمانی نہیں۔ تقدمِ زمانی یہ کہ ایک چیز پہلے زمانے میں ہو اور دوسری بعد میں ہو، مثلاً میرے پاس زید بھی آیا اور عمر بھی آیا۔ زید آج آیا ہے، عمر گزشتہ کل آیا تھا، پہلے آیا تھا، تو دیکھو

عمر کا آنا پہلے ہے اس کو تقدمِ زمانی حاصل ہے۔ اور ایک ہے تقدمِ ذاتی۔ تقدمِ ذاتی یہ ہے کہ ایک چیز ذات کے اعتبار سے دوسری چیز سے مقدم ہو اور یہ چیز اس دوسری چیز کے لیے علت ہے، یہ ہے تو دوسری چیز بھی ہے، یہ نہیں تو دوسری چیز بھی نہیں۔ ایک ہے علت اور ایک ہے سبب، دونوں میں فرق جانتے ہو؟ علت جب پائی جائے تو معلول کا پایا جانا ضروری ہے، علت ہو اور معلول نہ ہو یہ ہو ہی نہیں سکتا۔ سورج جب بھی نکلے گا دن ضرور ہو گا، سورج نکلے اور دن نہ ہو یہ ہو ہی نہیں سکتا۔ چابی جب بھی گھومے گی تالا ضرور کھلے گا، چابی گھومے اور تالا نہ کھلے یہ ہو ہی نہیں سکتا، تو علت جب بھی پائی جائے معلول کا ہونا ضروری، جبکہ سبب، سبب بھی ایک چیز تک پہنچاتا ہے، سبب ہو گا تو مسبَّب پایا جائے گا لیکن سبب کے پائے جاتے ہوئے مسبَّب کا ہونا ضروری نہیں ہے، سبب کے پائے جاتے ہوئے مسبَّب کا ہونا ضروری نہیں۔ اگر ایک چیز کے پائے جانے سے دوسری چیز کا پایا جانا ضروری ہو تو پہلی چیز کو علت اور دوسری کو معلول۔ تو یہاں پر بھی تقدمِ ذاتی میں بیان کر رہا تھا، تقدمِ ذاتی یہ ہے کہ ایک چیز ذات کے اعتبار سے دوسری چیز پر مقدم ہو اور یہ اس چیز کے لیے علت ہو، یہ ہے تو وہ دوسری چیز بھی ہے، یہ نہیں تو دوسری چیز بھی نہیں ہے۔

جیسے چابی کا گھمانا یہ علت ہے تالے کے کھلنے کے لیے، تو چابی کا جو گھومنا ہے اس کو تقدمِ ذاتی حاصل ہے تالے کے کھلنے پر۔ چابی کا گھومنا یہ مقدم ہے اور تالے کا کھلنا مؤخر ہے، لیکن یہ تقدمِ ذاتی ہے زمانے کے اعتبار سے تقدم نہیں ہے۔ جوں جوں چابی گھومتی جا رہی ہے تالا ساتھ ساتھ کھلتا جا رہا ہے، دونوں کا زمانہ بالکل ایک ہے، تو ذات کے اعتبار سے چابی کا گھمانا مقدم ہے، زمانے کے اعتبار سے مقدم نہیں ہے، اس کو تقدمِ ذاتی کہتے ہیں۔ اسی طرح سورج کا نکلنا یہ علت ہے دن کے ہونے کے لیے، تو سورج کے نکلنے کو تقدمِ ذاتی حاصل ہے کس پر؟ دن کے ہونے پر۔ زمانے کے اعتبار سے یہ مقدم نہیں ہے بلکہ دونوں کا زمانہ ایک ہے، جوں جوں سورج نکلتا جا رہا ہے ساتھ ساتھ دن ہوتا جا رہا ہے۔ تو یہاں پر بھی یہ جو وضع کو تقدم حاصل ہے کس پر؟ افراد و ترکیب پر، یہ تقدمِ ذاتی ہے تقدمِ زمانی نہیں، صرف ذات کے اعتبار سے وضع مقدم ہے افراد پر، زمانے کے اعتبار سے مقدم نہیں۔ زمانہ دونوں کا ایک ہے۔ جب زمانہ دونوں کا ایک ہے تو مفرد کا حال ہونا صحیح ہو گیا۔ کیونکہ وضع اور افراد دونوں کا زمانہ ایک ہوا، حال اور عاملِ ذوالحال کا زمانہ ایک ہے تو اس کا حال ہونا صحیح ہے۔ یہاں تک بات سمجھ میں آگئی؟

اور پھر انہوں نے بتلایا تھا کہ یہ جو افراد کی قید لگائی ہے یہ مرکبات کو نکالنے کے لیے ہے، چاہے مرکباتِ کلامی ہوں چاہے مرکباتِ غیرِ کلامی ہوں۔ لہٰذا جب مفرد کی قید لگائی تو اَلرَّجُلُ، قَائِمَةٌ اور بَصْرِيٌّ جیسے الفاظ کلمہ کی تعریف سے نکل گئے کیونکہ اَلرَّجُلُ میں الف لام جو ہے تعریف اور تعیین پر دلالت کر رہا ہے اور رَجُلٌ رجل ہونے پر دلالت کر رہا ہے۔ قَائِمَةٌ میں قَائِمٌ قیام پر دلالت کر رہی ہے صفت اور تائے مربوطہ جو ہے گول تا وہ تانیث پر دلالت کر رہی ہے۔ بَصْرِيٌّ کے اندر بَصْرَةٌ شہر پر دلالت کر رہا ہے اور یَاء اس شہر کی طرف نسبت پر دلالت کر رہی ہے، بَصْرِيٌّ یعنی بصرہ شہر والا۔ تو دیکھو یہاں جزِ

لفظ جزِ معنیٰ پر دلالت کر رہا ہے تو یہ مرکب ہوا، یہ لفظ بھی مرکب اور یہ معنیٰ بھی مرکب، تو یہ کلمہ کی تعریف سے خارج ہو گئے کیونکہ کلمہ کی تعریف میں مفرد کی قید آ گئی تھی کہ وہ لفظ یا وہ معنیٰ کیا ہونا چاہیے؟ مفرد ہونا چاہیے اور ان میں لفظ بھی مرکب ہے اور معنیٰ بھی مرکب ہے۔ جبکہ عَبْدُ اللہِ جیسا لفظ جب وہ علم ہو کسی کا نام ہو وہ ابھی بھی داخل ہے، اگرچہ اس میں لفظ کے اندر وحدت نہیں، لفظ تو دو ہیں، ایک لفظِ عَبْد ہے ایک لفظِ اللہ ہے لیکن معنیٰ کے اعتبار سے وہاں وحدت ہے بھئی، کہ معنیٰ ایک ہی ہے، عَبْدُ اللہِ ایک ہی ذات کا نام ہے، جزِ لفظ جزِ معنیٰ پر دلالت نہیں کر رہا۔

اور پھر اس کے بعد شارحِ جامی نے اس پر اعتراض کیا اور کہا کہ جو شخص سمجھدار ہے اور علمِ نحو کی غرض کو سمجھنے والا ہے، جاننے والا ہے، اس پر یہ بات مخفی نہیں ہے کہ معاملہ اس کے برعکس ہوتا تو بہتر تھا۔ عَبْدُ اللہِ کو نکالنا چاہیے تھا اس کو کلمہ نہیں کہنا چاہیے، اور اَلرَّجُلُ، بَصْرِيٌّ اور قَائِمَةٌ کو کلمہ کہنا چاہیے بھئی۔ کیوں؟ اس لیے کیونکہ کہتے ہیں نحوی کی اصل توجہ جو ہے وہ الفاظ کی طرف ہوتی ہے۔ وہ الفاظ کی بحث کرتا ہے کہ کون سا لفظ معرب ہے کون سا مبنی ہے، پھر معرب ہے تو اس پر کون سا اعراب آئے گا، ایک لفظ کو دوسرے لفظ سے کیسے جوڑنا ہے، وہ لفظوں کی بحث کرتا ہے۔ معنیٰ کی طرف بھی اس کی توجہ ضرور ہوتی ہے کیونکہ لفظ کس پر دلالت کرتے ہیں؟ معنیٰ پر، تو معنیٰ کی طرف بھی اس کی توجہ ہوتی ہے لیکن اصل توجہ کس کی طرف ہے؟ لفظوں کی طرف۔ معنیٰ کی طرف توجہ تبعاً ہے کیونکہ لفظ ان پر دلالت کر رہے ہیں۔ تو نحوی کی اصل توجہ لفظوں کی طرف ہے اور لفظوں کے اعتبار سے آپ دیکھیں تو اَلرَّجُلُ اس کو ایک لفظ شمار کیا جاتا ہے شدتِ امتزاج کی وجہ سے۔ یہ الف لام اور رَجُل ایسے جڑ گئے، وہ اتنا مضبوط جوڑ ان میں آ گیا کہ ان کو کیا شمار کیا جاتا ہے؟ ایک لفظ شمار کیا جاتا ہے، دو لفظ شمار نہیں کیے جاتے اور اسی لیے اس پر ایک اعراب آتا ہے، دو اعراب نہیں آتے۔ لہٰذا جب یہ ایک لفظ ہے اور ایک اعراب آ رہا ہے تو لفظوں کے اعتبار سے اس کو کیا کہنا چاہیے؟ اس کو کلمہ کہنا چاہیے، اس کو کیا کہنا چاہیے؟ ایک لفظ ہے، اعراب بھی ایک اور نحوی کی توجہ بھی کس کی طرف ہوتی ہے؟ الفاظ کی طرف۔ تو الفاظ کے اعتبار سے یہ ایک لفظ ہے اور اعراب بھی کتنے؟ ایک، تو لہٰذا اس کو کلمہ کہنا چاہیے۔ لیکن آپ نے معنیٰ کی طرف نظر کرتے ہوئے اس کو کلمہ نہیں کہا کیونکہ جزِ لفظ جزِ معنیٰ پر کیا کر رہا ہے؟ دلالت کر رہا ہے، تو آپ نے معنیٰ کی وجہ سے اس کو کلمہ کی تعریف سے خارج کر دیا، حالانکہ نحوی کی توجہ کس کی طرف؟ لفظ کی طرف، اور لفظوں کے اعتبار سے یہ لفظ بھی ایک شمار ہوتا ہے اور اعراب بھی ایک آتا ہے تو اس کو کلمہ کہنا چاہیے۔ اور عَبْدُ اللہِ، عَبْدُ اللہِ اس کو آپ نے معنیٰ کی وجہ سے آپ نے مفرد کہہ دیا، عَبْدُ اللہِ میں تو دو لفظ ہیں لیکن چونکہ اس کا معنیٰ ایک ہے وہ ایک ذات پر دلالت کر رہا ہے، جزِ لفظ جزِ معنیٰ پر دلالت نہیں کر رہا تو آپ نے اس معنیٰ کی وجہ سے اس کو کلمہ میں داخل کر دیا، حالانکہ اس پر دو اعراب آتے ہیں تو اس کو کلمہ کی تعریف سے خارج ہونا چاہیے۔

اور پھر اس کے بعد بتلایا تھا کہ ایک تعریف ہے صاحبِ کافیہ کی اور ایک تعریف ہے صاحبِ مفصل کی۔ صاحبِ کافیہ

نے لَفْظٌ ذکر کیا ہے اور صاحبِ مفصل نے لَفْظَةٌ ذکر کیا ہے اپنی تعریف میں۔ لَفْظَةٌ کا معنیٰ ہے ایک لفظ۔ معلوم ہوا صاحبِ مفصل کے نزدیک وحدتِ لفظ بھی ضروری ہے کلمہ کے اندر، ایک لفظ ہونا چاہیے، اور آگے معنیٰ کی صفت مُفْرَدٍ بھی وہ لے کر آئے ہیں، معلوم ہوا معنیٰ بھی مفرد ہونا چاہیے اس میں بھی وحدت ہونی چاہیے۔ تو صاحبِ مفصل کے نزدیک کلمہ میں وحدتِ لفظ بھی ضروری، وحدتِ معنیٰ بھی ضروری، جبکہ صاحبِ کافیہ نے لَفْظَةٌ نہیں کہا لَفْظٌ کہا ہے، تو ان کے نزدیک وحدتِ لفظ تو ضروری نہیں لیکن وحدتِ معنیٰ ضروری ہے۔ تو صاحبِ کافیہ کی تعریف میں کہتے ہیں دو خرابیاں اس اعتبار سے لازم آتی ہیں۔ صاحبِ کافیہ کے نزدیک وحدتِ لفظ ضروری نہیں، جب لفظ ایک ہونا ضروری نہیں تو عَبْدُ اللهِ داخل ہو گیا جب وہ علم ہو، لفظ تو دو ہیں لیکن انہوں نے تو کیا کہا؟ لفظ ایک ہونا ضروری نہیں، حالانکہ اس کو کیا ہونا چاہیے تھا؟ کلمہ سے خارج ہونا چاہیے تھا، تو ایک خرابی یہ۔ اور دوسری خرابی کیا؟ کہ صاحبِ کافیہ نے معنیٰ کے ساتھ مفرد کی قید لگا کر اَلرَّجُلُ، قَائِمَةٌ اور بَصْرِيٌّ جیسی مثالوں کو نکال دیا، حالانکہ یہ تو ایک لفظ ہے اور ان پر ایک اعراب آتا ہے ان کو داخل ہونا چاہیے تھا کلمہ کی تعریف میں۔ تو عَبْدُ اللهِ کو خارج ہونا چاہیے تھا اس کو داخل کر دیا، اور یہ اَلرَّجُلُ اور قَائِمَةٌ اور بَصْرِيٌّ کو داخل ہونا چاہیے تھا ان کو خارج کر دیا، تو یہ دو خلل ہیں صاحبِ کافیہ کی تعریف میں۔ جبکہ صاحبِ مفصل، انہوں نے لَفْظَةٌ کی قید لگائی تو اس کے ذریعے عَبْدُ اللهِ کو نکال دیا تو یہ خرابی تو وہاں نہیں، عَبْدُ اللهِ کو خارج ہونا چاہیے تھا کیونکہ دو لفظ ہیں، اعراب بھی دو آرہے ہیں، اس کو کلمہ نہیں کہنا چاہیے اور انہوں نے بھی اس کو نکال دیا کہ یہ کلمہ نہیں ہے کیونکہ یہ لَفْظَةٌ نہیں ہے یہ تو لَفْظَتَيْنِ ہیں، کتنے لفظ ہیں؟ دو لفظ ہیں، تو یہ نکل گئے۔ اور پھر لیکن انہوں نے آگے مُفْرَدٍ کی جو قید لگائی کہ معنیٰ کیا ہونا چاہیے؟ مفرد، اس کے ذریعے انہوں نے اَلرَّجُلُ، قَائِمَةٌ اور بَصْرِيٌّ وغیرہ کو نکال دیا حالانکہ ان کو داخل ہونا چاہیے تھا۔ تو عَبْدُ اللهِ کو نکال دیا وہ تو ٹھیک ہے یہ خلل تو اس میں نہیں لیکن اَلرَّجُلُ، بَصْرِيٌّ اور قَائِمَةٌ کو جو خارج کر دیا ان کو داخل ہونا چاہیے تھا، تو ایک خلل ہے۔ تو صاحبِ مفصل کی تعریف میں گویا ایک خلل یا ایک کمی ہے اور صاحبِ کافیہ کی تعریف میں دو، دو خلل ہیں بھئی۔ یہ صاحبِ جامی نے اپنی رائے ذکر کی کہ اس طرح عَبْدُ اللهِ کو نکالنا چاہیے تھا اور اَلرَّجُلُ اور بَصْرِيٌّ اور قَائِمَةٌ کو داخل کرنا چاہیے تھا۔

اب آگے سبق دیکھیے بھئی: وَاعْلَمْ أَنَّ الْوَضْعَ يَسْتَلْزِمُ الدَّلَالَةَ لِأَنَّ الدَّلَالَةَ كَوْنُ الشَّيْءِ بِحَيْثُ يُفْهَمُ مِنْهُ شَيْءٌ آخَرُ، فَمَتَى تَحَقَّقَ الْوَضْعُ تَحَقَّقَتِ الدَّلَالَةُ، فَبَعْدَ ذِكْرِ الْوَضْعِ لَا حَاجَةَ إِلَى ذِكْرِ الدَّلَالَةِ كَمَا وَقَعَ فِي هٰذَا الْكِتَابِ. صاحبِ کافیہ نے جو کلمہ کی تعریف کی وہ بھی گزر گئی کہ اَلْكَلِمَةُ لَفْظٌ وُضِعَ لِمَعْنًى مُفْرَدٍ، اور صاحبِ مفصل نے جو کلمہ کی تعریف کی وہ بھی صاحبِ جامی نے ذکر کر دی تھی، یہ گزشتہ سبق کے بالکل آخر میں آیا تھا کہ هِيَ اللَّفْظَةُ الدَّالَّةُ عَلَى مَعْنًى مُفْرَدٍ بِالْوَضْعِ. تو یہ جو صاحبِ مفصل نے تعریف کی اس کے اندر دَالَّةٌ کا لفظ آرہا ہے یعنی دلالت کا لفظ آرہا ہے، جبکہ صاحبِ کافیہ کی تعریف میں دلالت کا لفظ نہیں آیا۔ تو طالبِ علم کے ذہن میں اعتراض پیدا ہو سکتا ہے کہ صاحبِ کافیہ نے دلالت کا لفظ کیوں ذکر نہیں کیا؟ اگر یہ لفظ ضروری تھا تو صاحبِ کافیہ کو ذکر کرنا چاہیے تھا اور اگر ضروری نہیں تھا تو پھر صاحبِ مفصل نے اس لفظ کو کیوں ذکر

کیا؟ تو اب صاحبِ جامی اس کی تفصیل بتلائیں گے۔ بھئی پہلے وضع اور دلالت کو سمجھ لیں۔ میں نے پہلے بھی بیان کیا تھا کہ دلالت کسے کہتے ہیں؟ کہ ایک چیز سے دوسری چیز کا پتا چل جائے اس کو دلالت کہتے ہیں۔ آپ نے دور سے دھواں اٹھتے ہوئے دیکھا، آپ سمجھ گئے کہ نیچے آگ جل رہی ہے۔ اسی طرح آپ نے دیکھا کہ کمرے کے اندر کھڑکی سے دھوپ آرہی ہے، آپ سمجھ گئے کہ سورج نکل آیا ہے۔ تو یہ اس کو کہتے ہیں دلالت، کہ ایک چیز سے دوسری چیز کا پتا چل جائے۔ دھوئیں سے آگ کا پتا چلا یہ ہے دلالت، دھوپ سے سورج کے نکلنے کا پتا چلا یہ ہے دلالت۔ پھر اسی دلالت میں کبھی کبھار وضع بھی آجاتی ہے، وضع کہ ایک چیز کو دوسری چیز کے ساتھ خاص کر دینا کہ پہلی چیز دوسری پر دلالت کرے۔ جیسے یہ جو الفاظ میں بول رہا ہوں یہ اردو زبان والوں نے مختلف چیزوں کے لیے خاص کر دیے ہیں اور آپ جانتے ہیں کہ ان میں سے کون سا لفظ کس معنیٰ کے لیے وضع ہے۔ چنانچہ میں بولتا جا رہا ہوں اور آپ اس کا معنیٰ سمجھتے جا رہے ہیں کیونکہ آپ جانتے ہیں کہ یہ لفظ کس معنیٰ کے لیے وضع ہے۔ میں جوں ہی وہ لفظ بولتا ہوں یہ لفظ اس معنیٰ پر دلالت کر دیتا ہے اور آپ کو وہ معنیٰ سمجھ میں آجاتا ہے۔ مثلاً میں نے کہا زید، اب زید کا لفظ... وضع کیا گیا ہے آپ کا ایک ساتھی ہے اس کا نام ہے زید۔ تو جیسے ہی میں نے زید کہا آپ کے ذہن میں کس کی صورت آگئی؟ زید کی صورت آگئی۔ تو دیکھو لفظِ زید نے کس پر دلالت کی؟ ذاتِ زید پر۔ اور خود بخود کی یا اس کے لیے اس لفظ کو وضع کیا گیا ہے؟ وضع کیا گیا ہے۔ تو جہاں بھی وضع ہوگی وہاں دلالت ضرور ہوگی۔ وضع کا مقصد ہی دلالت ہوتا ہے۔ ایک چیز کو دوسری چیز کے ساتھ خاص کرنے کا مقصد ہی یہ ہے کہ پہلی چیز سے دوسری چیز سمجھ میں آجائے۔ جیسے آپ گاڑی چلا رہے ہیں اور سڑک پر سرخ لائٹ جلتے ہی آپ گاڑی روک دیتے ہیں کیونکہ سرخ لائٹ کو وضع ہی اس کے لیے کیا گیا ہے کہ اس کو دیکھ کر گاڑی کو روک دیا جائے۔ تو یہ سرخ لائٹ نے دلالت کی کس بات پر کہ اب گاڑی کو روک دو۔ تو وضع میں ہوتی ہی دلالت ہے البتہ وضع کے اندر، وضع کے اندر ایک شے کو دوسری شے کے ساتھ خاص کیا جاتا ہے یعنی ایک چیز دوسری چیز پر خود بخود دلالت نہیں کرتی بلکہ آپ کے یا لوگوں کے مقرر کرنے سے وہ اس پر دلالت کرتی ہے۔ تو اس کو کیا کہتے ہیں؟ وضع۔ تو وضع کے اندر کیا ضروری؟ دلالت ضروری، لیکن اس میں مقرر کرنا ضرور پایا جائے گا کہ آپ نے مقرر کیا ہو، لوگوں نے مقرر کیا ہو، خود بخود دلالت نہیں ہوگی۔ بات سمجھ میں آگئی؟

معلوم ہوا وضع کو دلالت مستلزم ہے۔ جہاں وضع ہوگی وہاں دلالت ضرور ہوگی۔ جہاں وضع ہوگی وہاں دلالت ضرور ہوگی۔ کیونکہ وضع کا مقصد ہی کیا ہوتا ہے؟ دلالت، کہ ایک چیز دوسری چیز پر دلالت کرے، البتہ اس میں وضع کا دخل ہوتا ہے کہ آپ نے مقرر کیا یا لوگوں نے مقرر کیا ہے، خود بخود یہ دلالت نہیں۔ کچھ دلالتیں خود بخود ہوتی ہیں، وہاں مقرر کرنے کا دخل نہیں ہے جیسے دھواں دیکھا اور آگ کا پتا چل گیا۔ یہاں کوئی مقرر کرنا نہیں ہے، وضع نہیں ہے کہ دھوئیں کو ہم نے وضع کیا ہے آگ کے لیے، نہیں۔ یعنی اس میں وضع کا دخل نہیں ہے عقل خود ہی بتلا دیتی ہے، جو شخص بھی دھواں دیکھے

گا وہ سمجھ جاتا ہے کہ نیچے آگ جل رہی ہے۔ تو معلوم ہوا دلالت ہے عام، کبھی اس میں وضع ہو گی اور کبھی وضع نہیں ہو گی۔ جبکہ وضع خاص ہے، وضع جہاں بھی ہو گی اس کے اندر دلالت ضرور ہو گی، وضع کا مقصد ہی کیا ہوتا ہے؟ دلالت اس میں مقصود ہوتی ہے۔ تو وضع مستلزم ہے دلالت کو۔ وضع مستلزم ہے دلالت کو۔ جب وضع کا ذکر آگیا تو دلالت کا ذکر بھی آگیا کیونکہ وضع ہوتی ہی کس لیے ہے؟ دلالت کے لیے۔ تو صاحبِ کافیہ نے کہا تھا اَلْكَلِمَةُ لَفْظٌ وُضِعَ، انہوں نے وضع کو ذکر کر دیا۔ جب وضع کو ذکر کر دیا تو وضع مستلزم ہے کس کو؟ دلالت کو، تو اس کے اندر ہی دلالت آگئی لہٰذا علیحدہ دلالت ذکر کرنے کی ضرورت نہیں۔ جبکہ صاحبِ مفصل نے پہلے دَالَّةٌ لفظ ذکر کیا یعنی دلالت کو پہلے ذکر کیا اور دلالت کو وضع مستلزم نہیں کیونکہ دلالت بغیر وضع کے بھی ہو سکتی ہے تو وہ محتاج ہوئے کہ بعد میں پھر کس کو ذکر کریں؟ وضع کو۔ کیونکہ دلالت کے ساتھ وضع لازم نہیں تو دلالت ذکر کر دی لیکن وضع تو نہیں آئی تو بعد میں پھر دوبارہ کس کو ذکر کرنا پڑا؟ وضع کو ذکر کرنا پڑا۔ تو بایں لحاظ صاحبِ کافیہ کی تعریف بہتر ہے کہ انہوں نے ایک ہی لفظ استعمال کیا اور اس سے دونوں کام چلا لیے، جبکہ صاحبِ مفصل کو دلالت کے بعد پھر وضع کو بھی ذکر کرنا پڑا۔

وَاعْلَمْ تو جان لے کہ أَنَّ الْوَضْعَ يَسْتَلْزِمُ الدَّلَالَةَ کہ وضع مستلزم ہے دلالت کو۔ وضع مستلزم ہے دلالت کو، کیا معنیٰ؟ وضع کے ساتھ دلالت لازم ہے، جہاں وضع آئے گی وہاں دلالت آجائے گی۔ تو جان لے أَنَّ الْوَضْعَ يَسْتَلْزِمُ الدَّلَالَةَ کہ وضع جو ہے مستلزم ہے دلالت کو، لِأَنَّ الدَّلَالَةَ كَوْنُ الشَّيْءِ بِحَيْثُ يُفْهَمُ مِنْهُ شَيْءٌ آخَرُ، اس لیے کیونکہ دلالت کسے کہتے ہیں؟ كَوْنُ الشَّيْءِ ایک شے کا ہونا بِحَيْثُ اس طور پر يُفْهَمُ مِنْهُ شَيْءٌ آخَرُ کہ اس سے دوسری چیز سمجھ میں آئے۔ ایک شے کا اس طور پر ہونا کہ اس سے دوسری شے سمجھ میں آئے اس کو کیا کہتے ہیں؟ دلالت کہتے ہیں۔ فَمَتَى تَحَقَّقَ الْوَضْعُ تَحَقَّقَتِ الدَّلَالَةُ، تو جب وضع پائی جائے گی تو دلالت پائی جائے گی کیونکہ وضع میں بھی کیا ہوتا ہے؟ دلالت ہوتی ہے۔ فَبَعْدَ ذِكْرِ الْوَضْعِ لَا حَاجَةَ إِلَى ذِكْرِ الدَّلَالَةِ، لہٰذا وضع کے ذکر کے بعد کوئی ضرورت نہیں، کوئی حاجت نہیں دلالت کو ذکر کرنے کی، كَمَا وَقَعَ فِي هٰذَا الْكِتَابِ جیسے کہ اس کتاب یعنی کافیہ میں واقع ہوا ہے۔ لٰكِنَّ الدَّلَالَةَ لَا تَسْتَلْزِمُ الْوَضْعَ لیکن دلالت وہ مستلزم نہیں ہے وضع کو، جہاں بھی دلالت ہو وہاں وضع پائی جائے ضروری نہیں ہے۔

کیوں؟ بھئی دلالت کے ساتھ وضع کیوں نہیں ضروری؟ کہتے ہیں لِإِمْكَانِ أَنْ تَكُونَ بِالْعَقْلِ، اس لیے کیونکہ ممکن ہے کہ وہ دلالت عقل کی وجہ سے ہو، كَدَلَالَةِ لَفْظِ دَيْزٍ الْمَسْمُوعِ مِنْ وَرَاءِ الْجِدَارِ عَلَى وُجُودِ اللَّافِظِ، جیسے لفظِ دَيْزٍ کی دلالت، وہ لفظِ دَيْزٍ اَلْمَسْمُوعِ مِنْ وَرَاءِ الْجِدَارِ جو سنا گیا ہے دیوار کے پیچھے سے، اس کی دلالت عَلَى وُجُودِ اللَّافِظِ لفظ بولنے والے کے وجود پر، لفظ بولنے والے کے وجود پر۔ دیکھو یہ مثال میں لفظ لا رہے ہیں۔ اَلْكَلِمَةُ لَفْظٌ، کیونکہ لفظ کی بات چل رہی ہے نا۔ بتلانا یہ چاہتے ہیں کہ دلالت مستلزم نہیں ہے وضع کو یعنی دلالت کے ساتھ وضع لازم نہیں۔ جیسے دھوئیں کو دیکھا آپ کو کس کا پتا چلا؟ آگ کا۔ دھوپ کو دیکھا تو کس کا پتا چلا؟ سورج کا۔ تو انہوں نے دھوئیں کی مثال یہاں نہیں دی بلکہ کیا کہا؟

کہ دیوار کے پیچھے سے مثلاً آپ لفظِ دَیْزٍ سنتے ہیں دَیْزٍ۔ یہ دَیْزٍ یہ مقلوب ہے زَیْدٌ کا یعنی اسی زید، لفظِ زید کو الٹ دیا۔ اس میں زا یا دال تھے تو پھر اس کو الٹ دیا، دال کو شروع میں لے آئے زا کو آخر میں لے گئے تو کیا بن گیا؟ دَیْزٌ۔ تو مثلاً آپ دیوار کے پیچھے سے لفظِ دَیْزٍ سنتے ہیں، اس کے سنتے ہی آپ کو پتا چل گیا کہ دیوار کے پیچھے کوئی ہے، دیوار کے پیچھے، تو دیکھا اب اس لفظ نے دلالت کی کس پر؟ بولنے والے کے وجود پر، آپ کو پتا چلا کہ نہیں چلا کہ پیچھے کوئی آدمی ہے؟ پتا چل گیا۔ لیکن کیا یہاں وضع ہے؟ کیا لفظِ دَیْزٍ کو اس کے لیے مقرر کیا گیا ہے کہ اس سے دیوار کے پیچھے کسی آدمی کا پتا چلتا ہے؟ نہیں، یہاں دیکھو وضع نہیں ہے۔ تو لفظ نے دلالت تو کی بولنے والے کے وجود پر لیکن اس دلالت میں وضع نہیں، تو دلالت تو پائی گئی لیکن یہاں وضع نہیں ہے۔ معلوم ہوا دلالت مستلزم نہیں ہے وضع کو یعنی دلالت کے ساتھ وضع لازم نہیں۔

اور دیکھو دیوار کے پیچھے اس نے لفظِ دَیْزٍ کہا، دَیْزٍ کی مثال دی، زَیْدٌ نہیں کہا۔ کیونکہ اگر وہ لفظِ زَیْدٌ کی مثال دیتے تو پھر اس میں تو دو دلالتیں آجاتی تھیں۔ ایک زید کا لفظ سنتے ہی آپ کے ذہن میں زید کی صورت بھی آجاتی اور دوسرا اس دیوار کے پیچھے کسی آدمی کا پتا بھی چل جاتا تو یہاں دو دلالتیں تھیں، ایک دلالتِ وضعی تھی ایک دلالتِ غیرِ وضعی۔ وضعی کون سی؟ جو زید لفظ ہوتا اس نے کس پر دلالت کی؟ ذاتِ زید پر، یہ ہوئی دلالتِ وضعی کہ یہ لفظ اس کے لیے وضع کیا گیا ہے۔ اور یہ زید سننے سے دیوار کے پیچھے آدمی کا آپ کو پتا چلتا یہ دلالتِ غیرِ وضعی تھی کیونکہ زید کا لفظ اس کے لیے وضع نہیں ہے کہ پتا چلے کہ دیوار کے پیچھے کوئی آدمی ہے۔ تو اس لیے لفظِ زید نہیں لائے کیونکہ لفظِ زید لاتے تو پھر دلالتِ وضعی بھی ہو جاتی اور دلالتِ غیرِ وضعی بھی ہو جاتی۔ لہٰذا لفظِ دَیْزٍ لائے تاکہ وضعی رہے ہی نہ سرے سے۔ تو جب دَیْزٍ سنا تو اس سے آپ کو پتا چل گیا دیوار کے پیچھے کوئی ہے، تو یہ دلالت تو ہے لیکن اس میں وضع نہیں ہے۔

اسی طرح کبھی دلالت طبیعت کی وجہ سے ہوتی ہے جیسے کسی کو سینے میں تکلیف ہوئی اور وہ کھانستا ہے اور أُخْ أُخْ کرتا ہے، أُخْ أُخْ کرتا ہے، تو اس سے سننے والوں کو پتا چل گیا کہ اس کو سینے میں تکلیف ہے یعنی کھانسی ہے۔ اب مجھے بتائیے کیا یہ أُخْ أُخْ کا لفظ ہم نے سینے میں تکلیف پر دلالت کرنے کے لیے وضع کیا ہے؟ نہیں۔ سینے میں اگر آپ کو تکلیف ہو تو آپ کسی کو بتانے کے لیے أُخْ أُخْ کرتے ہیں یا اس کو بتاتے ہیں کہ میرے سینے میں تکلیف ہے؟ اس کو بتاتے ہیں، یہ أُخْ أُخْ اس کے لیے وضع نہیں ہے۔ تو یہاں أُخْ أُخْ نے دلالت کی کس پر؟ سینے کی تکلیف پر اور اس میں وضع نہیں ہے۔ تو یہاں دیکھو دلالت تو ہے لیکن وضع نہیں، معلوم ہوا دلالت مستلزمِ وضع نہیں، دلالت کے ساتھ وضع لازم نہیں۔ جہاں بھی دلالت پائی جائے وضع بھی ہو ایسا نہیں ہے۔ تو صاحبِ مفصل نے کس کو ذکر کیا تھا؟ پہلے دلالت کو، اور دلالت مستلزمِ وضع نہیں تو لہٰذا ان کو وضع کو بعد میں الگ پھر ذکر کرنا پڑا۔

دوبارہ دیکھیے کتاب پر: لٰكِنَّ الدَّلَالَةَ لَا تَسْتَلْزِمُ الْوَضْعَ لیکن دلالت جو ہے وہ مستلزمِ وضع نہیں ہے، لِإِمْكَانِ أَنْ تَكُونَ بِالْعَقْلِ اس لیے کیونکہ ممکن ہے کہ یہ دلالت عقل کی وجہ سے ہو، كَدَلَالَةِ لَفْظِ دَيْزٍ الْمَسْمُوعِ مِنْ وَرَاءِ الْجِدَارِ عَلَى وُجُودِ

اللَّافِظِ، جیسے کہ وہ لفظِ دَیْزٍ جو سنا گیا ہے مِنْ وَرَاءِ الْجِدَارِ دیوار کے پیچھے سے، اس کی دلالت ہے عَلَى وُجُودِ اللَّافِظِ اس لفظ کو بولنے والے کے وجود پر۔ یہاں دلالت تو ہے لیکن وضع نہیں۔ وَأَنْ تَكُونَ اس کا عطف بھی اسی پر ہے پیچھے جو آیا تھا نا أَنْ تَكُونَ بِالْعَقْلِ، کیونکہ ممکن ہے وہ دلالت عقل کی وجہ سے ہو، وَأَنْ تَكُونَ بِالطَّبْعِ یا وہ دلالت طبیعت کی وجہ سے ہو، كَدَلَالَةِ أُخْ أُخْ عَلَى وَجَعِ الصَّدْرِ جیسے أُخْ أُخْ کی دلالت سینے کی تکلیف پر۔ وَجَعٌ جیم پر فتحہ پڑھنا بھئی، عَلَى وَجَعِ الصَّدْرِ سینے کی تکلیف پر، سینے کے درد پر۔ اس کو أُخْ أُخْ پڑھنا بھی صحیح اور أَخْ أَخْ پڑھنا بھی صحیح، دونوں طرح۔ فَبَعْدَ ذِكْرِ الدَّلَالَةِ لَا بُدَّ مِنْ ذِكْرِ الْوَضْعِ تو دلالت کے ذکر کرنے کے بعد ضروری ہے وضع کا ذکر، كَمَا فِي الْمُفَصَّلِ جیسے کس کے اندر ہے؟ مفصل میں۔ انہوں نے دلالت کو پہلے ذکر کیا تو دلالت کے ساتھ تو وضع لازم نہیں تو وضع تو ابھی بھی نہیں آئی، تو آگے ان کو وضع الگ ذکر کرنا پڑا۔ اور صاحبِ کافیہ نے کیا کیا؟ وضع کو ذکر کیا اور وضع مستلزمِ دلالت ہے، تو جب اس وضع کے اندر ہی دلالت آ گئی تو پھر ان کو آگے دوبارہ دلالت کا لفظ ذکر کرنے کی حاجت پیش نہ آئی۔ معلوم ہوا صاحبِ کافیہ کی تعریف مختصر ہے اور بہتر ہے بھئی۔

آگے دیکھیے: وَهِيَ أَيِ الْكَلِمَةُ اسْمٌ وَفِعْلٌ وَحَرْفٌ أَيْ مُنْقَسِمَةٌ إِلَى هٰذِهِ الْأَقْسَامِ الثَّلَاثَةِ وَمُنْحَصِرَةٌ فِيهَا. بھئی پہلے کافیہ کی عبارت دیکھ لیں۔ ہم یوں کریں گے پہلے کافیہ کی عبارت حل کر لیا کریں گے کیونکہ کافیہ کی عبارت جامی کے اندر جب وہ شرح کرتے ہیں ایک ٹکڑا ایک جگہ آتا ہے، دوسرا ٹکڑا عبارت کا دوسری جگہ، دور دور چلے جاتے ہیں، تو پہلے کافیہ کی عبارت حل کرنے کی کوشش کریں گے تاکہ وہ کافیہ آپ کو سمجھ میں آجائے۔ پھر اس کے بعد دیکھیں گے کہ شارحِ جامی اس کی کیا تقریر کرتے ہیں اور کیا نئے نئے نکتے بیان کرتے ہیں۔ تو اب سب سے پہلے ذرا صرف یہ متن متن پر نظر رکھیے: وَهِيَ اسْمٌ وَفِعْلٌ وَحَرْفٌ لِأَنَّهَا إِمَّا أَنْ تَدُلَّ عَلَى مَعْنًى فِي نَفْسِهَا أَوْ لَا، الثَّانِي الْحَرْفُ، وَالْأَوَّلُ إِمَّا أَنْ يَقْتَرِنَ بِأَحَدِ الْأَزْمِنَةِ الثَّلَاثَةِ أَوْ لَا، الثَّانِي الِاسْمُ، وَالْأَوَّلُ الْفِعْلُ، وَقَدْ عُلِمَ بِذٰلِكَ حَدُّ كُلِّ وَاحِدٍ مِنْهَا. اب اسی کا ترجمہ اور مفہوم سمجھ لیں۔

کہتے ہیں وَهِيَ اسْمٌ وَفِعْلٌ وَحَرْفٌ اور کلمہ جو ہے وہ اسم، فعل اور حرف ہے۔ یہ کلمہ کی تقسیم کر رہے ہیں کہ کلمہ کی کتنی قسمیں ہیں؟ تین ہیں: اسم، فعل اور حرف۔ لِأَنَّهَا یہاں سے وجہِ حصر ذکر کر رہے ہیں۔ حصر کا معنیٰ ہے بند کرنا، بند کرنا۔ تو کلمہ کی تین قسمیں بیان کیں، تین قسمیں ہیں۔ تو سوال پیدا ہوا کہ صاحبِ کافیہ نے کلمہ کو تین قسموں میں کیوں بند کیا یا یوں کہیں کہ کلمہ تین قسموں میں کیوں بند ہے؟ تو اب اس کی دلیل ذکر کریں گے۔ اس کو کیا کہتے ہیں؟ دلیلِ حصر کہتے ہیں یعنی تین قسموں میں بند کرنے کی دلیل۔ چند قسموں میں جب کسی چیز کو بند کیا جاتا ہے کہ یہی قسمیں ہیں اس کی اور قسمیں نہیں ہیں تو پھر آگے دلیل ذکر کی جاتی ہے تو اس کو دلیلِ حصر کہتے ہیں کہ ان قسموں میں اس چیز کو بند کرنے کی دلیل یہ ہے بھئی۔ تو یہ دلیلِ حصر ہے۔ لِأَنَّهَا کیونکہ کلمہ جو ہے إِمَّا أَنْ تَدُلَّ عَلَى مَعْنًى فِي نَفْسِهَا یا تو وہ دلالت کرے گا کسی معنیٰ پر فِي نَفْسِهَا أَيْ بِنَفْسِهَا خود بخود۔ کلمہ ادھر دیکھیے بھئی، کلمہ یا تو دلالت کرے گا کسی معنیٰ پر خود بخود یا دلالت نہیں کرے گا۔ خود بخود دلالت کرنے کا

مطلب یہ ہے کہ کسی اور کلمے کو ساتھ جوڑنے کی ضرورت نہیں۔ جیسے میں نے کہا زید فوراً آپ کے ذہن میں زید کی صورت آگئی۔ میں نے کہا قلم فوراً آپ کے ذہن میں ایک لکھنے والا آلہ آگیا۔ میں نے کہا گلاس فوراً آپ کے ذہن میں پانی پینے والا ایک برتن آگیا۔ تو دلیلِ حصر ذکر کر رہے ہیں اس لیے کیونکہ کلمہ یا تو اپنے معنیٰ پر خود بخود دلالت کرے گا یا نہیں کرے گا۔ خود بخود دلالت کرنے کا کیا معنیٰ؟ کہ کسی اور لفظ کو ساتھ ملانے کی ضرورت نہیں، یہ خود ہی معنیٰ اس سے سمجھ میں آرہا ہے۔ اور... اگر دوسرے کلمے کو ساتھ ملانے کی ضرورت ہے تو ہم کہیں گے یہ خود بخود اپنے معنیٰ پر دلالت نہیں کرتا بلکہ اس کے ساتھ اور لفظوں کو بھی جوڑنا پڑتا ہے۔ جیسے اِبْتِدَاء، اِبْتِدَاء کا کیا معنیٰ؟ شروع کرنا۔ دیکھو اِبْتِدَاء اسم ہے، میں نے جیسے ہی کہا اِبْتِدَاء آپ اس کا معنیٰ سمجھ گئے کہ اس کا کیا معنیٰ ہے: شروع کرنا، تو اس نے اپنے معنیٰ پر خود بخود دلالت کی۔ اور ایک ہے مِنْ، مِنْ حرف ہے اور اس کا معنیٰ بھی ہے ابتدا، لیکن مِنْ کہا میں نے تو آپ کو اس سے ابتدا والا معنیٰ سمجھ میں نہیں آیا، جب تک اس کے ساتھ دوسرا لفظ نہیں ملائیں گے اس کا معنیٰ آپ کو سمجھ میں نہیں آئے گا۔ مثلاً میں کہتا ہوں: سِرْتُ مِنَ الْبَصْرَةِ إِلَى الْكُوفَةِ، سَارَ يَسِيرُ کے معنیٰ چلنا، میں چلا، سِرْتُ مِنَ الْبَصْرَةِ بصرہ سے إِلَى الْكُوفَةِ کہاں تک؟ کوفہ تک۔ سِرْتُ مِنَ الْبَصْرَةِ إِلَى الْكُوفَةِ۔ جی، مجھے بتائیے میرے چلنے کی ابتدا کہاں سے ہو رہی ہے؟ بصرہ سے۔ یہ آپ کو کس نے بتایا؟ یہ مِنْ، یہ مِنْ لفظ سے آپ کو پتا چل گیا کہ چلنے کی ابتدا بصرہ سے ہو رہی ہے۔ اور میرے اس چلنے کی انتہا کہاں پر ہو رہی ہے؟ کوفہ پر۔ یہ آپ کو کس نے بتایا؟ کس سے پتا چلا آپ کو؟ إِلَى سے۔ تو مِنْ کا معنیٰ ہے ابتدا اور إِلَى کا معنیٰ ہے انتہا، لیکن اس مِنْ کو اکیلا بولیں تو اس سے ابتدا والا معنیٰ سمجھ میں نہیں آتا جب تک جس چیز کی ابتدا ہے اس کو بھی ذکر نہ کیا جائے اور جہاں سے ابتدا ہے اس کو بھی ذکر نہ کیا جائے۔ ابتدا کس کی ہے؟ چلنے کی، تو وہ سِرْتُ بھی ساتھ ذکر ہے۔ اور کہاں سے ہے ابتدا؟ بصرہ سے، اس کا ذکر بھی ضروری ہے: سِرْتُ مِنَ الْبَصْرَةِ میں کہاں سے چلا؟ بصرہ سے۔ تو جس چیز کی ابتدا ہے اس کو بھی ذکر کرنا پڑے گا، جہاں سے ابتدا ہے اس کو بھی ذکر کرنا پڑے گا، پھر مِنْ آپ کو بتلائے گا کہ یہ ابتدا بیان ہو رہی ہے اس چیز کی اور یہاں سے۔ مثلاً میں کہتا ہوں سِرْتُ مِنَ الدَّارِ إِلَى الْمَسْجِدِ، میں چلا کہاں سے؟ گھر سے، کہاں تک؟ مسجد تک، تو معلوم ہوا میرے چلنے کی ابتدا کہاں سے ہو رہی ہے؟ گھر سے۔ کس چیز کی ابتدا ہے؟ چلنے کی۔ اور کہاں سے ابتدا ہے؟ گھر سے۔ دیکھا جس چیز کی ابتدا ہو رہی ہے اس کو بھی ذکر کیا جائے اور جہاں سے ابتدا ہو رہی ہے اس کو بھی ذکر کیا جائے، اب مِنْ اپنے معنیٰ ابتدا پر دلالت کرے گا۔ تو مِنْ کا معنیٰ ہے ابتدا، لیکن مِنْ اپنے معنیٰ پر اکیلا دلالت نہیں کرتا بلکہ اس کے ساتھ اور لفظوں کو ملانا بھی ضروری ہے۔ اسی طرح إِلَى انتہا کے لیے آتا ہے، لیکن إِلَى إِلَى آپ کسی کو کہتے رہیں اس کو اس کا معنیٰ سمجھ میں نہیں آئے گا جب تک جس چیز کی انتہا ہو رہی ہے اس کو بھی ذکر کریں اور جہاں پر انتہا ہو رہی ہے اس کو بھی ذکر کریں۔ کس چیز کی انتہا ہو رہی ہے؟ چلنے کی، تو وہ سِرْتُ بھی ذکر ہے۔ اور کس جگہ پر ہو رہی ہے؟ کوفہ میں، تو وہ کوفہ کا ذکر بھی ضروری ہے تو پھر ہی إِلَى کا معنیٰ جو انتہا ہے وہ آپ کو سمجھ میں آئے گا۔

دیکھیے بھئی کتاب پر۔ کہتے ہیں کلمہ جو ہے اسم ہے، فعل ہے اور حرف ہے۔ لِأَنَّهَا إِمَّا أَنْ تَدُلَّ عَلَى مَعْنًى فِي نَفْسِهَا اس لیے کیونکہ کلمہ یا تو وہ دلالت کرے گا معنیٰ پر فِي نَفْسِهَا أَيْ بِنَفْسِهَا خود بخود، أَوْ لَا یا وہ دلالت نہیں کرے گا۔ الثَّانِي الْحَرْفُ دوسرا جو ہے وہ حرف ہے۔ دوسرا کون؟ دو باتیں بیان ہوئیں: کلمہ یا تو اپنے معنیٰ پر خود بخود دلالت کرے گا یا نہیں کرے گا۔ تو ایک قسم وہ ہوئی جو دلالت کرے گی، ایک قسم وہ ہوئی جو دلالت اپنے معنیٰ پر خود بخود نہیں کرے گی۔ تو یہ ثانی سے یہ مراد ہے کہ وہ قسم جو اپنے معنیٰ پر خود بخود دلالت نہ کرے اَلْحَرْفُ وہ کیا ہے؟ حرف ہے۔ تو کہتے ہیں الثَّانِي الْحَرْفُ دوسری قسم حرف ہے۔ وَالْأَوَّلُ اور پہلی قسم، کون سی قسم؟ جو اپنے معنیٰ پر خود بخود دلالت کرے۔ تو کہتے ہیں وہ پہلی قسم إِمَّا أَنْ يَقْتَرِنَ بِأَحَدِ الْأَزْمِنَةِ الثَّلَاثَةِ یا تو وہ ملی ہوئی ہوگی تین زمانوں میں سے کسی ایک زمانے کے ساتھ، أَوْ لَا یا ملی ہوئی نہیں ہوگی۔ الثَّانِي الِاسْمُ دوسرا اسم ہے۔ ادھر دیکھیے، جو کلمہ اپنے معنیٰ پر خود بخود دلالت کرتا ہے وہ پھر دو قسم پر: یا تو اس کے ساتھ تین زمانوں میں سے کوئی زمانہ ملا ہوا ہوگا یا ملا ہوا نہیں ہوگا۔ اگر ملا ہوا ہو تو یہ پہلی قسم، اور یا ملا ہوا نہیں ہوگا یہ دوسری قسم۔ تو یہ دوسری قسم کو اسم کہتے ہیں کہ جو اپنے معنیٰ پر خود بخود دلالت کرتا ہے اور اس کے ساتھ تین زمانوں میں سے کوئی زمانہ بھی ملا ہوا نہیں ہوتا۔ اور پہلی قسم کو کیا کہتے ہیں؟ پہلی قسم کو فعل کہتے ہیں کہ اپنے معنیٰ پر خود بخود بھی دلالت کرے اور تین زمانوں میں سے کوئی زمانہ بھی ساتھ ملا ہوا ہو۔ جیسے میں نے کہا ضَرَبَ، ضَرَبَ سے آپ کو ایک تو پٹائی کرنے کا معنیٰ بھی سمجھ میں آیا اور دوسرا زمانہ بھی سمجھ میں آیا کہ کون سا زمانہ ہے؟ ماضی کا۔ اسی طرح یَضْرِبُ اس سے آپ کو پٹائی کرنے کا معنیٰ بھی سمجھ میں آیا اور زمانہ بھی سمجھ میں آیا کہ حال یا استقبال والا ہے۔ اور اِضْرِبْ اس سے آپ کو ضرب کا معنیٰ بھی سمجھ میں آیا کہ پٹائی کرنے کا حکم دیا جا رہا ہے اور کس زمانے میں ہے؟ مستقبل کے زمانے میں، تو زمانہ بھی سمجھ میں آیا۔

یاد رکھو، یاد رکھو فعل کا اپنا معنیٰ الگ ہوتا ہے، زمانہ ساتھ الگ جڑا ہوتا ہے۔ فعل کا اپنا معنیٰ الگ اور زمانہ اس کے ساتھ الگ جڑا ہوتا ہے۔ جیسے ضَرَبَ، ضَرَبَ کا معنیٰ کیا؟ پٹائی کرنا، لیکن ضَرَبَ یہ جو اس کی صورت ہے یہ زمانے پر دلالت کر رہی ہے۔ تو فعل کا اپنا معنیٰ الگ ہوگا، زمانہ الگ جڑا ہوگا، عین زمانے کا وہ نام نہیں ہوگا۔ بات سمجھ میں آ رہی ہے؟ جیسے لفظِ ماضی۔ اب آپ سے کوئی کہے ماضی، دیکھو یہ بھی اپنے معنیٰ پر خود بخود دلالت کر رہا ہے۔ ماضی کا معنیٰ سمجھ میں آ رہا ہے یا نہیں؟ اور نیز تین زمانوں میں سے کوئی زمانہ بھی ہے یا نہیں اس کے ساتھ؟ تو اس میں تین زمانوں میں سے ایک زمانہ یعنی گزشتہ زمانہ بھی ہے تو اس کو بھی کیا کہنا چاہیے؟ فعل۔ تو جواب میں نے بتلا دیا۔ جواب کیا؟ کہ فعل کا اپنا معنیٰ الگ ہوتا ہے اور زمانہ الگ جڑا ہوتا ہے، اور ماضی؟ ماضی کا تو اپنا الگ کوئی معنیٰ نہیں ہے یہ تو خود اس زمانے کا نام ہے، لہٰذا یہ فعل کی تعریف سے کیا ہو گیا؟ خارج۔ فعل کا اپنا معنیٰ ہمیشہ الگ اور زمانہ الگ جڑا ہوتا ہے۔ یَشْرَبُ کیا معنیٰ؟ پینا، شرب کا ذکر ہو رہا ہے اور زمانہ الگ ہے کس زمانے میں؟ حال یا استقبال میں۔

تو کہتے ہیں الثَّانِي الِاسْمُ دوسری قسم اسم ہے یعنی جس کے ساتھ زمانہ ملا ہوا نہیں۔ وہ کلمہ جو اپنے معنیٰ پر خود بخود دلالت

کرتا ہے اور تین زمانوں میں سے کوئی زمانہ اس کے ساتھ ملا ہوا نہیں وہ کیا ہے؟ اسم۔ وَالْأَوَّلُ الْفِعْلُ اور پہلا کیا ہے؟ فعل، جس کے ساتھ تین زمانوں میں سے کوئی زمانہ بھی ساتھ ملا ہوا ہے۔ وَقَدْ عُلِمَ بِذٰلِكَ حَدُّ كُلٍّ وَاحِدٍ مِنْهَا اور تحقیق اس دلیلِ حصر کے ذریعے جان لیا گیا، یہ جو دلیلِ حصر ہم نے ذکر کی صاحبِ کافیہ فرماتے ہیں اس کے ذریعے یہ بات معلوم ہو گئی، کیا معلوم ہو گئی؟ حَدُّ كُلٍّ وَاحِدٍ مِنْهَا ان میں سے ہر ایک کی تعریف معلوم ہو گئی، ان میں سے ہر ایک کی تعریف معلوم ہو گئی۔ حرف کسے کہتے ہیں؟ کہ وہ اپنے معنیٰ پر خود بخود دلالت نہیں کرتا۔ فعل کسے کہتے ہیں؟ وہ اپنے معنیٰ پر خود بخود دلالت کرتا ہے اور ساتھ تین زمانوں میں سے کوئی زمانہ بھی ملا ہوتا ہے۔ اسم کسے کہتے ہیں؟ جو اپنے معنیٰ پر خود بخود دلالت کرتا ہے اور اس کے ساتھ تین زمانوں میں سے کوئی زمانہ ملا ہوا نہیں ہوتا۔ دیکھا اس سے تینوں کی تعریف بھی سمجھ میں آگئی۔ بات سمجھ میں آگئی؟ اب آئیے بھئی شرح کی مدد سے اب اس کو حل کریں۔

وَهِيَ أَيِ الْكَلِمَةُ اسْمٌ وَفِعْلٌ وَحَرْفٌ أَيْ مُنْقَسِمَةٌ إِلَى هٰذِهِ الْأَقْسَامِ الثَّلَاثَةِ وَمُنْحَصِرَةٌ فِيهَا. وَهِيَ، وَهِيَ،یہاں واؤ آیا۔ بعض علماء فرماتے ہیں کہ یہ واوِ عاطفہ ہے بھئی، واوِ عاطفہ جس کے ذریعے ایک چیز کا دوسری چیز پر عطف کیا جاتا ہے۔ جو پہلے آئے اس کو کہتے ہیں معطوفٌ علیہ یعنی وہ چیز جس پر عطف کیا گیا ہے، اور جو بعد میں آئے اس کو کہتے ہیں معطوفٌ یعنی وہ چیز جس کا عطف کیا گیا ہے۔ تو یہاں پر ماقبل میں بھی جملہ ہے مابعد میں بھی جملہ ہے، تو جملے کا جملے پر عطف کیا گیا ہے۔ یاد رکھو ایک جملے کا دوسرے جملے پر عطف کرنے کے لیے ضروری ہے کہ دونوں کے اندر مناسبت ہو، دونوں کے مسند میں بھی مناسبت ہو اور مسند الیہ میں بھی مناسبت ہو۔ اور یہاں پر مناسبت موجود ہے کہ پہلا جملہ کیا آیا؟ اَلْكَلِمَةُ لَفْظٌ وُضِعَ لِمَعْنًى مُفْرَدٍ اس میں کلمہ کی تعریف ذکر ہو رہی ہے، اور وَهِيَ اسْمٌ وَفِعْلٌ وَحَرْفٌ اس میں کلمہ کی تقسیم ہو رہی ہے، تو دونوں جملوں میں مناسبت ہے کہ دونوں میں کلمہ کی بات ہو رہی ہے اور ایک میں کلمہ کی تعریف کا بیان ہے اور دوسرے میں کلمہ کے افراد کا بیان ہے، تو دونوں جملوں میں کلمہ کا بیان ہو رہا ہے۔ ایک میں تعریف کا بیان اور ایک میں افراد کا بیان، تو دونوں جملوں میں مناسبت ہے لہٰذا اس واؤ کو واوِ عاطفہ بھی بنایا جا سکتا ہے۔

جبکہ بعض علماء فرماتے ہیں کہ یہ واوِ استئناف ہے یا واوِ ابتدا ہے۔ استئناف کا معنیٰ ہے نئے سرے سے کوئی چیز شروع کرنا۔ واوِ استئناف وہ ہے جس سے کوئی نئی بات شروع کی جائے جس کا ماقبل سے کوئی ربط نہیں ہوتا، اور اس واؤ کو اس کلام کے شروع میں لایا جاتا ہے تحسینِ لفظ کے لیے، عبارت کو حسین بنانے کے لیے۔ لیکن یہ واوِ استئناف اور واوِ ابتدا ان کے اندر ضروری ہے کہ جس جملے کے شروع میں آپ واوِ استئناف لانا چاہتے ہیں اس سے ماقبل ایک جملہ مفیدہ کا ذکر ضروری ہے۔ بالکل کلام آپ شروع کر رہے ہیں اور وہاں پر آپ واوِ ابتدا یا واوِ استئناف لانا چاہتے ہیں اس سے پہلے کوئی جملہ مفیدہ نہیں گزرا تو یاد رکھو یہ درست نہیں ہے۔ کلامِ عرب میں ایسا نہیں ہوتا کہ بالکل کلام کی ابتدا میں واؤ کو ذکر کیا جائے۔ تو واوِ استئناف اور ابتدا نام سے آپ یہ نہ سمجھ لیں کہ اس کا نام تو واوِ ابتدا ہے یہ بالکل کلام کے شروع میں بھی لا سکتے ہیں، نہیں نہیں۔ واوِ استئناف اور ابتدا اس لیے کہتے ہیں کہ یہ جملے کے شروع میں آیا ہے اور نیز اس کے ذریعے ایک

نئی بات شروع ہو رہی ہے جس کا ماقبل سے کوئی ربط نہیں ہے، کوئی ربط نہیں ہے۔ تو یہ صرف تحسینِ لفظ کے لیے آتا ہے لیکن اس سے پہلے جملہ مفیدہ کا ہونا ضروری ہے، چاہے ایک ہو یا زیادہ ہوں لیکن ماقبل میں اس کے جملہ مفیدہ کا ہونا ضروری ہے۔ تو یہ جو وَهِيَ اسْمٌ وَفِعْلٌ وَحَرْفٌ یہ جو واؤ ہے اس کو بعض علماء نے کہا کہ یہ واوِ استئناف اور واوِ ابتدا ہے، واوِ استئناف اور ابتدا جسے تحسینِ لفظ کے لیے لایا جاتا ہے اور اس سے ماقبل جملہ مفیدہ کا ہونا ضروری ہے اور یہ ماقبل کلام سے اس کا کوئی ربط نہیں ہوتا بھئی۔ اور پھر اس میں یاد رکھو یہ واوِ استئناف اور ابتدا ایک ہی چیز ہے، ایک ہی واؤ کے دو نام ہیں۔ اس کو واوِ استئناف بھی کہتے ہیں اور واوِ ابتدا بھی، یہ دو الگ الگ چیزیں نہیں ہیں بلکہ ایک ہی واؤ کے دو نام ہیں۔ اور پھر علمِ بلاغت والے علماء کے نزدیک، ان کے نزدیک یہ واوِ استئناف یا واوِ ابتدا یہ ہمیشہ سوالِ مقدر کے جواب میں لایا جاتا ہے، یعنی کوئی سوال وہاں پیدا ہوتا ہے اس کے جواب کو جب ذکر کیا جاتا ہے تو اس کے شروع میں واوِ استئناف یا ابتدا کو ذکر کرتے ہیں، جبکہ علمِ نحو والے وہ فرماتے ہیں کہ واوِ استئناف جو ہے وہ عام ہے چاہے وہ سوالِ مقدر کا جواب ہو یا نہ ہو، دونوں صورتوں میں لایا جا سکتا ہے کیونکہ اس کے ذریعے مقصود صرف تحسینِ لفظ ہے، تزیینِ کلام ہے، کلام کو مزین کرنا ہے، حسین بنانا ہے۔ تو علمِ معانی والوں کے نزدیک یہ واوِ استئناف ہمیشہ کس کے جواب میں آئے گا؟ سوالِ مقدر کے جواب میں، اور علمِ نحو والوں کے نزدیک عام ہے چاہے سوالِ مقدر وہاں ہو یا نہ ہو۔ تو لہٰذا یہ وَهِيَ اسْمٌ وَفِعْلٌ وَحَرْفٌ اس کو واوِ استئناف بھی بنایا جا سکتا ہے۔

تو کہتے ہیں وَهِيَ أَيِ الْكَلِمَةُ، وَهِيَ یہ هِيَ تو ہے متنِ کافیہ کا اور آگے أَيِ الْكَلِمَةُ یہ عبارت شارحِ جامی لے کر آئے۔ یہ دراصل ضمیر کا مرجع بتلانا چاہتے ہیں کہ هِيَ ضمیر کس کو راجع ہے؟ کلمہ کو راجع ہے۔ اور یاد رکھنا یہ جو أَيْ کے بعد آئے یہ ماقبل سے بدل بنتا ہے، تو هِيَ ہوا مبدل منہ اور اَلْكَلِمَةُ کیا ہوا؟ بدل۔ یہ أَيْ حرفِ تفسیر ہے، تو طلباء کہتے ہیں ماقبل والا مفسَّر اور مابعد جو أَيْ کے آئے وہ مفسِّر، وہ تفسیر کر رہا ہے۔ ہاں بات تو ایسی ہی ہے مفسَّر اور مفسِّر ہیں یہ، لیکن مفسِّر کہنے سے اعراب کا پتا نہیں چلتا، اس کا تو کوئی بھی اعراب ہو سکتا ہے۔ تو نحوی اعتبار سے، ترکیب کے اعتبار سے یہ جو أَيْ سے ماقبل والا ہے وہ مبدل منہ بنتا ہے اور مابعد والا بدل، یہ بات ہمیشہ یاد رکھنا یہ ہر جگہ آپ کو عبارتوں میں کام آئے گی۔ اور بدل پر وہی اعراب آتا ہے جو کس پر ہو؟ مبدل منہ پر۔ اور یہاں پر هِيَ کیا ہے؟ مرفوع ہے، مبتدا ہے، تو أَيِ الْكَلِمَةُ یہ جو بدل کلمہ آیا یہ بھی کیا ہو گا؟ مرفوع ہو گا، دونوں پر ایک ہی اعراب آئے گا۔

کہتے ہیں وَهِيَ اور یہ یعنی کہ کلمہ اِسْمٌ وَفِعْلٌ وَحَرْفٌ اسم ہے اور فعل ہے اور حرف ہے۔ یہاں ایک اور ضابطہ یاد رکھیے۔ ضابطہ یہ ہے کہ جب بھی ضمیر دائر ہو جائے بین المرجع والخبر تو دونوں میں سے کسی ایک کی بھی رعایت رکھنا جائز ہے، ضمیر کس کے بیچ میں آ جائے؟ مرجع اور خبر کے بیچ میں۔ جیسے یہاں پر دیکھیں وَهِيَ اسْمٌ وَفِعْلٌ وَحَرْفٌ، هِيَ ضمیر آئی اور یہ هِيَ ضمیر راجع ہے كَلِمَةٌ کو اور آگے اِسْمٌ وَفِعْلٌ وَحَرْفٌ اس کی خبر آ رہی ہے، تو اگر مرجع کو دیکھیں تو اَلْكَلِمَةُ مؤنث ہے اس کے

ساتھ تائے مربوطہ جڑی ہوئی ہے جو تانیث پر دلالت کرتی ہے، تو لہٰذا مرجع کو دیکھتے ہوئے ضمیر مؤنث لانی چاہیے هِيَ، جیسے کہ صاحبِ کافیہ هِيَ لے کر آئے۔ اور اس کی اگر خبر کو دیکھیں اِسْمٌ وَفِعْلٌ وَحَرْفٌ وہ تو مذکر ہے اس کے ساتھ تو کوئی تانیث وغیرہ کی علامت نہیں ہے تو پھر ضمیر هُوَ لانی چاہیے خبر کو دیکھتے ہوئے کیونکہ ابتدا خبر میں مطابقت ہوتی ہے، تو اس کو خبر کو دیکھتے ہوئے ضمیر کیا لانی چاہیے یہاں پر؟ مذکر لانی چاہیے۔ تو مرجع کو دیکھیں تو ضمیر کو مؤنث لانا چاہیے کیونکہ اَلْكَلِمَةُ مؤنث ہے، اور خبر کو دیکھیں تو ضمیر کو مذکر لانا چاہیے اِسْمٌ وَفِعْلٌ وَحَرْفٌ کیا ہیں؟ مذکر۔ تو ایسے موقع پر جب ضمیر بیچ میں آجائے کس کے؟ مرجع کے اور خبر کے، تو دونوں کی رعایت رکھنا جائز ہے: آپ چاہیں تو مرجع کی رعایت رکھیں اور آپ چاہیں تو خبر کی رعایت رکھیں۔ صاحبِ کافیہ نے مرجع کی رعایت رکھی، اَلْكَلِمَةُ مؤنث تھا تو ضمیر بھی هِيَ لے کر آگئے۔ اور اگر یہاں پر خبر کی رعایت رکھی جائے تو اس کی بھی رعایت رکھی جا سکتی ہے اور یوں بھی کہا جا سکتا ہے: وَهُوَ اسْمٌ وَفِعْلٌ وَحَرْفٌ، اور کوئی پھر پوچھے کہ هُوَ ضمیر کس کو راجع؟ تو آپ کیا کہیں گے؟ یہ کلمہ کو راجع۔ وہ پھر اعتراض کرے گا کہ کلمہ کے ساتھ تو تائے مربوطہ جڑی ہوئی ہے یہ تو مؤنث ہے هِيَ ضمیر راجع ہونی چاہیے تھی آپ نے مذکر ضمیر کیسے راجع کر دی؟ تو آپ کیا جواب دیں گے؟ کہ یہ ضمیر دائر ہے بین المرجع والخبر اور ایسی ضمیر میں خبر کی رعایت بھی جائز اور مرجع کی رعایت بھی جائز ہے، ہم نے خبر کی رعایت رکھ لی۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو لہٰذا وَهِيَ اسْمٌ کہیں یا وَهُوَ اسْمٌ کہیں دونوں صورتیں جائز ہیں، اور صاحبِ کافیہ نے مرجع کی رعایت رکھی چونکہ یہ ابتدائی طلباء کے لیے کتاب ہے تاکہ ان کے لیے خوب بات واضح ہو جائے بھئی۔

أَيْ مُنْقَسِمَةٌ إِلَى هٰذِهِ الْأَقْسَامِ الثَّلَاثَةِ وَمُنْحَصِرَةٌ فِيهَا یعنی کلمہ تقسیم ہوتا ہے إِلَى هٰذِهِ الْأَقْسَامِ الثَّلَاثَةِ... الثلاثۃ ان تین قسموں کی طرف وَمُنْحَصِرَةٌ فِيهَا اور کلمہ بند ہے ان کے اندر۔

لِأَنَّهَا جی، میں نے آپ کو بتلایا کہ لِأَنَّهَا سے دلیلِ حصر ذکر کر رہے ہیں۔ حصر کا کیا معنیٰ؟ بند کرنا۔ ایک چیز کی قسمیں بیان کی جائیں اور بتلایا جائے کہ صرف یہی اس کی قسمیں ہیں، تو اس کا مطلب ہے کہ وہاں حصر آگیا، بند کر دیا کہ اتنی ہی قسمیں ہیں زیادہ نہیں۔ اس کے لیے پھر دلیل چاہیے ہوتی ہے جس کو دلیلِ حصر کہتے ہیں۔ تو لِأَنَّهَا سے دلیلِ حصر ذکر کر رہے ہیں۔ دلیلِ حصر ذکر کر رہے ہیں کہ کلمہ کی تین ہی قسمیں کیوں ہیں، انہی تین قسموں میں اس کو کیوں بند کیا گیا ہے، چار یا پانچ قسمیں اس کی کیوں نہیں ہیں بھئی۔

دلیلِ حصر یہ دلیل ہے اور دلیل کے لیے ہمیشہ دعویٰ چاہیے ہوتا ہے، دعویٰ چاہیے ہوتا ہے۔ تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ صاحبِ کافیہ نے تو دعویٰ ذکر نہیں کیا، صرف اتنا بتایا کہ کلمہ کیا ہے؟ اِسْمٌ وَفِعْلٌ وَحَرْفٌ۔ پھر دعویٰ نہیں ذکر کیا کہ یہ انہی میں بند ہے، انہی میں انہی قسموں میں یہ بند ہے اور آگے دلیلِ حصر ذکر کر دی۔ کہتے ہیں چونکہ بات واضح تھی، بات واضح تھی۔ جب صاحبِ کافیہ نے کہہ دیا وَهِيَ اسْمٌ وَفِعْلٌ وَحَرْفٌ کہ کلمہ اسم، فعل اور حرف ہے تو اس سے خود ہی ایک بات سمجھ میں آگئی کہ یہی تین قسمیں ہیں، انہی کے اندر کلمہ بند ہے اور قسمیں نہیں۔ تو یہاں پر دعویٰ خود بخود آگیا کہ کلمہ ان تین قسموں

میں بند ہے۔ اب آگے دلیل چاہیے تھی تو انہوں نے دلیل کو ذکر کر دیا، دعویٰ چونکہ ضمناً سمجھ میں آ رہا تھا۔ توجہ ہے؟ دلیل کے لیے پہلے کیا چاہیے؟ دعویٰ۔ اعتراض ہوتا ہے یہاں تو کوئی دعویٰ نہیں ہے، دعویٰ پہلے ذکر کرتے کہ یہی تین قسمیں ہیں اور نہیں ہیں، اس کے بعد پھر دلیلِ حصر ذکر کرتے۔ تو میں جواب ذکر کر رہا ہوں کہ چونکہ وَهِيَ اسْمٌ وَفِعْلٌ وَحَرْفٌ اس سے خود ہی ضمناً ایک بات سمجھ میں آ گئی تھی کہ یہی تین قسمیں ہیں۔ تین قسمیں ذکر کیں، معلوم ہوا یہی ہیں اور نہیں، کلمہ انہی میں بند ہے۔ تو چونکہ دعویٰ یہاں ضمناً خود بخود عبارت سے سمجھ میں آ رہا تھا اس لیے صاحبِ کافیہ نے اس کو لفظوں میں ذکر نہیں کیا اور آگے فوراً اس کی دلیل شروع کر دی بھئی۔ تو دعویٰ یہاں کیسے سمجھ میں آیا؟ ضمناً سمجھ میں آ رہا تھا۔ اسی ضمنی دعوے کو جو سمجھ میں آ رہا تھا اسی کو صاحبِ جامی اب ذکر کر رہے ہیں کہ جو صاحبِ کافیہ نے کہا کہ وَهِيَ اسْمٌ وَفِعْلٌ وَحَرْفٌ اس سے کیا بات سمجھ میں آ گئی؟ أَيْ مُنْقَسِمَةٌ إِلَى هٰذِهِ الْأَقْسَامِ الثَّلَاثَةِ وَمُنْحَصِرَةٌ فِيهَا کہ کلمہ تقسیم ہو رہا ہے ان تین قسموں کی طرف وَمُنْحَصِرَةٌ فِيهَا اور ان میں بند ہے۔ دیکھا؟ دعویٰ اس سے خود ہی سمجھ میں آ رہا ہے، وہ دعویٰ یہاں صاحبِ جامی نے لفظوں میں نکال کر ذکر کر دیا۔ تو یہ مُنْقَسِمَةٌ إِلَى هٰذِهِ الْأَقْسَامِ الثَّلَاثَةِ وَمُنْحَصِرَةٌ فِيهَا یہ صاحبِ جامی کیا بتلا رہے ہیں اس عبارت کے ذریعے؟ وہ جو ضمناً دعویٰ سمجھ میں آ رہا تھا جس کو صاحبِ کافیہ نے لفظوں میں ذکر نہیں کیا تھا، اس کو نکال کر بتلا رہے ہیں کہ یہاں دعویٰ خود ہی سمجھ میں آ گیا کہ یہ تین قسمیں ہیں، کلمہ ان تین قسموں کی طرف تقسیم ہو رہا ہے وَمُنْحَصِرَةٌ فِيهَا اور انہی کے اندر وہ بند ہے۔ تو یہ دعویٰ ضمنی جو سمجھ میں آ رہا تھا اس کو ذکر کر دیا اور آگے اب دلیلِ حصر شروع ہو رہی ہے۔ بات سمجھ میں آ گئی؟

اور پھر لِأَنَّهَا یہ جار مجرور ہے اور جار مجرور کے لیے ہمیشہ متعلق چاہیے، تو یہ جو ضمناً مُنْحَصِرَةٌ سمجھ میں آ رہا تھا وَهِيَ مُنْحَصِرَةٌ فِيهَا اس کے ساتھ یہ متعلق ہے اور وہ صاحبِ جامی نے عبارت میں نکال کر بتلا دیا: وَمُنْحَصِرَةٌ فِيهَا لِأَنَّهَا۔ یہ لِأَنَّهَا کس سے متعلق ہے؟ مُنْحَصِرَةٌ سے بھئی، جو ضمناً یہاں سے سمجھ میں آ رہا ہے۔

بعض شارحین جو ہیں وہ فرماتے ہیں کہ أَيْ مُنْقَسِمَةٌ کہ یہ، یہ خبر ہے هِيَ کی۔ بعض شارحین کی تقریر بیان کر رہا ہوں وہ کیا فرماتے ہیں کہ یہ مُنْقَسِمَةٌ خبر ہے کس کی؟ هِيَ کی خبر یہ ہے۔ اِسْمٌ وَفِعْلٌ وَحَرْفٌ یہ هِيَ کی خبر نہیں ہے بلکہ هِيَ کی خبر کیا ہے؟ مُنْقَسِمَةٌ۔ بھئی کیوں؟ اِسْمٌ وَفِعْلٌ وَحَرْفٌ یہ خبر کیوں نہیں؟ تو اس کی وجہ وہ یہ ذکر کرتے ہیں کہ یہاں پر هِيَ ضمیر دائر ہو گئی بین المرجع والخبر، هِيَ ضمیر دائر ہو گئی بین المرجع والخبر۔ اور میں نے آپ کو بتلایا ایسے موقع پر خبر کی رعایت رکھنا بھی جائز اور مرجع کی رعایت رکھنا بھی جائز، لیکن یاد رکھو ایسے موقع پر خبر کی رعایت رکھنا اولیٰ ہے، بہتر ہے۔ جائز دونوں ہیں چاہے آپ مرجع کی رعایت رکھیں چاہے خبر کی، لیکن اولیٰ کیا ہے؟ کس کی رعایت رکھی جائے؟ خبر کی رعایت رکھی جائے۔ لیکن صاحبِ کافیہ نے تو کس کی رعایت رکھی؟ مرجع کی رعایت رکھی، خبر کی رعایت نہیں رکھی، تو صاحبِ کافیہ کی عبارت غیرِ اولیٰ طریقے پر مشتمل ہوئی۔ تو چنانچہ وہ شارحین پھر جواب دیتے ہیں کہ نہیں نہیں، کہ صاحبِ کافیہ کی جو عبارت ہے وہ غیرِ اولیٰ طریقے

پر نہیں مشتمل، آپ یہ سمجھ رہے ہیں کہ اِسْمٌ وَفِعْلٌ وَحَرْفٌ یہ هِيَ کی خبر ہے؟ نہیں نہیں یہ خبر ہی نہیں ہے، خبر کیا ہے؟ مُنْقَسِمَةٌ۔ خبر کیا ہے؟ مُنْقَسِمَةٌ ہے۔ اب دیکھو خبر کی رعایت ہو گئی، خبر کی رعایت ہو گئی۔ لیکن یہ جواب عجیب جواب ہے بھئی، کم از کم میرا دل تو اس کو تسلیم نہیں کرتا کہ یوں کہا جائے کہ یہ مُنْقَسِمَةٌ هِيَ کی خبر ہے۔ اس لیے کیونکہ خبر کی رعایت رکھنا اولیٰ ہے، واجب نہیں۔ واجب ہوتا پھر آپ کہتے کہ یہاں تو بڑی خرابی لازم آ رہی ہے لہٰذا اِسْمٌ وَفِعْلٌ وَحَرْفٌ کو خبر نہ بناؤ کس کو خبر بناؤ؟ مُنْقَسِمَةٌ کو۔ تو یہاں تو نہ عبارت میں کوئی ضعف ہے نہ اس میں کوئی خرابی ہے، صرف خلافِ اولیٰ ہونے کی وجہ سے اب آپ کیا کہہ رہے ہیں کہ اسم فعل حرف کو خبر بناؤ ہی نا بلکہ خبر کس کو بناؤ؟ مُنْقَسِمَةٌ کو۔ یہ بات درست نہیں ہے بھئی۔ بات سمجھ میں آ گئی؟ یا تو عبارت میں کوئی فساد ہوتا پھر آپ کہتے کہ مُنْقَسِمَةٌ اس کی خبر ہے، صرف خلافِ اولیٰ ہونے پر آپ کیا کہہ رہے ہیں کہ اس کی خبر کیا ہے؟ مُنْقَسِمَةٌ، یہ درست نہیں ہے بھئی۔ بلکہ صاحبِ کافیہ هِيَ لائے ہی اس لیے ہیں یہ بتلانے کے لیے کہ ایسے موقع پر هُوَ لانا ہی ضروری نہیں ہے بلکہ هِيَ بھی لا سکتے ہیں یعنی مرجع کی رعایت بھی رکھ سکتے ہو۔ تو پھر یہ مُنْقَسِمَةٌ پھر کس لیے لائے؟ میں نے آپ کو بتلا دیا آگے دلیلِ حصر ہے اور دلیل کے لیے کیا چاہیے؟ دعویٰ چاہیے، تو یہ وہ دعویٰ جو ضمناً جو مفہوم ہو رہا تھا اس کو صاحبِ جامی نکال کر بتلا رہے ہیں۔ بات سمجھ میں آ گئی؟

آگے دیکھیے: لِأَنَّهَا أَيِ الْكَلِمَةَ۔ لِأَنَّهَا دیکھو، لِأَنَّهَا أَيِ الْكَلِمَةَ میں نے اس کلمہ کو منصوب پڑھا کیونکہ یہ بدل ہے کس سے؟ أَنَّ کی هَا ضمیر سے۔ أَيْ سے ماقبل والا مبدل منہ ہوتا ہے اور مابعد میں بدل، اور دونوں کا اعراب ایک ہوتا ہے، اور لِأَنَّهَا یہ هَا ضمیر أَنَّ کا اسم ہے، منصوب ہے محلاً، تو اسی طرح اَلْكَلِمَةَ جو اس کے سے بدل آئے گا وہ بھی کیا ہو گا؟ منصوب ہو گا۔ لِأَنَّهَا أَيِ الْكَلِمَةَ دیکھا، یہ ضمیر کا مرجع بتلا دیا کہ أَنَّهَا کی هَا ضمیر کس کو راجع ہے؟ کلمہ کو راجع ہے۔

أَيِ الْكَلِمَةَ لَمَّا كَانَتْ مَوْضُوعَةً لِمَعْنًى وَالْوَضْعُ يَسْتَلْزِمُ الدَّلَالَةَ فَهِيَ إِمَّا مِنْ صِفَتِهَا أَنْ تَدُلَّ عَلَى مَعْنًى كَائِنٍ فِي نَفْسِهَا۔ بھئی آگے دلیلِ حصر ذکر ہو رہی ہے اور دلیلِ حصر میں دلالت ذکر ہے، دلالت۔ دلیلِ حصر کیا؟ ابھی میں نے کافیہ کی ساری عبارت حل کروائی۔ کیا عبارت تھی؟ لِأَنَّهَا إِمَّا أَنْ تَدُلَّ عَلَى مَعْنًى فِي نَفْسِهَا أَوْ لَا۔ یا تو وہ کلمہ جو ہے وہ دلالت کرے گا اس معنیٰ پر جو اس کی ذات میں ہو گا یا دلالت نہیں کرے گا۔ اگر دلالت نہ کرے تو حرف ہے، اور اگر دلالت کرے تو پھر اس کے ساتھ تین زمانوں میں سے کوئی زمانہ ملا ہو گا یا نہیں ملا ہو گا، اگر زمانہ نہیں ملا تو وہ اسم ہے اور اگر زمانہ ملا ہے تو وہ فعل ہے۔ تو دیکھا وجہِ حصر کے اندر دلالت کی بات چل رہی ہے تو اشکال ہوتا ہے اشکال، کہ پیچھے تو دعوے کے اندر کوئی دلالت کی بات نہیں ہوئی تھی اور آپ وجہِ حصر میں کس کو لے آئے؟ دعویٰ تو صرف یہ تھا کہ کلمہ کی تین قسمیں ہیں اور کلمہ انہی میں بند ہے، اور آگے دلیلِ حصر جب آپ شروع کر رہے ہیں تو اس میں آپ نے کس کو ذکر کرنا شروع کر دیا؟ دلالت کو، کہ کلمہ یا دلالت کرے گا اپنے معنیٰ پر یا نہیں کرے گا۔ تو آپ نے دلالت کو ذکر کرنا شروع کر دیا، یہ تو آپ کی دلیل دعوے کے مطابق نہیں، دعوے میں کوئی دلالت کا لفظ ذکر نہیں۔ تو اس کا جواب دے رہے ہیں کہ بھئی دعویٰ کلمہ کے بارے میں ہے

کہ کلمہ بند ہے تین قسموں میں، اور کلمہ کس کو کہتے ہیں؟ جس کو وضع کیا گیا ہو معنیٰ کے لیے، اور وضع کو مستلزم ہے دلالت، وضع جہاں ہوگی وہاں کیا ہوگی؟ وہاں دلالت ضرور ہوگی، تو وضع کے ساتھ دلالت لازم ہے۔ تو جب یہ کلمہ کی وجہِ حصر ذکر ہو رہی ہے کلمہ کے اندر وضع کا ذکر آگیا اور وضع کے اندر کیا آگئی؟ دلالت آگئی، تو دلالت پیچھے لفظاً تو ذکر نہیں لیکن ضمناً ذکر ہے دعوے کے اندر بھئی۔ تو لہٰذا اس لیے اب دلالت کی بات کر رہے ہیں۔

دیکھیے یہی بیان کر رہے ہیں، کہتے ہیں لَمَّا كَانَتْ مَوْضُوعَةً لِمَعْنًى کہ کلمہ جب اس کو وضع کیا گیا ہے ایک معنیٰ کے لیے، وَالْوَضْعُ يَسْتَلْزِمُ الدَّلَالَةَ اور وضع جو ہے یہ تو مستلزم ہے دلالت کو، اس میں دلالت ضرور ہوتی ہے، اس کے ساتھ دلالت لازم ہے، فَهِيَ إِمَّا مِنْ صِفَتِهَا أَنْ تَدُلَّ عَلَى مَعْنًى كَائِنٍ فِي نَفْسِهَا۔ إِمَّا مِنْ صِفَتِهَا، یہ مِنْ صِفَتِهَا کی عبارت ملا جامی رحمہ اللہ کیوں لائے؟ وجہ یہ کہ یہاں پر اشکال ہوتا ہے۔ اشکال یہ کہ لِأَنَّهَا یہ هَا ضمیر کیا ہے؟ أَنَّ کا اسم۔ إِمَّا حرفِ تردید ہے اور أَنْ تَدُلَّ یہ آگے تک یہ ساری خبر ہے۔ أَنْ تَدُلَّ عَلَى مَعْنًى فِي نَفْسِهَا أَوْ لَا یہ ساری کیا ہے؟ أَنَّ کی خبر۔ تو أَنَّ کا اسم کیا؟ هَا ضمیر جو کس کو راجع؟ کلمہ کو۔ اور أَنَّ کی خبر کیا ہے؟ أَنْ تَدُلَّ۔ توجہ ہے؟ اور آپ جانتے ہیں أَنْ حرفِ مصدر ہے، حروفِ مصدر تین ہیں: مَا، أَنْ اور أَنَّ۔ تو یہ أَنْ حرفِ مصدر ہے اور یہ جملہ فعلیہ پر داخل ہو کر اس کو مصدر بنا دیتا ہے۔ تو اس أَنْ نے کیا کیا؟ أَنْ تَدُلَّ کو کس معنیٰ میں کر دیا؟ مصدر یعنی دلالت کے معنیٰ میں کر دیا۔ اور مصدر جو ہے وہ وصف کا نام ہے اس کا خارج میں کوئی الگ وجود نہیں۔ تو مصدر وصف کا نام ہے، تو لِأَنَّهَا، أَنَّ کا جو اسم ہے وہ هَا ضمیر یعنی کلمہ ہے، تو أَنَّ کا اسم ہوا کلمہ جو کہ ذات ہے اور أَنَّ کی خبر جو ہے وہ مصدر ہوا۔ أَنَّ کی خبر کا حمل کس پر ہوتا ہے؟ أَنَّ کے اسم پر، تو یہ حمل صحیح نہیں۔ یہ اسی طرح ہے جیسے آپ کہتے ہیں زَيْدٌ عَدْلٌ۔ زید ذات کا نام ہے اور عدل مصدر ہے، صفت ہے، وصف ہے، اور مصدر کا حمل ذات پر صحیح نہیں ہے۔ تو یہاں پر بھی أَنَّ کا اسم کیا؟ هَا ضمیر جو کس کو راجع؟ کلمہ کو، گویا کلمہ أَنَّ کا اسم... أَنَّ کا اسم کیا ہے؟ کلمہ۔ اور اس کی خبر کیا ہے؟ أَنْ تَدُلَّ یعنی دلالت جو مصدر ہے، اور مصدر کا حمل تو ذات پر صحیح نہیں۔ اشکال سمجھ میں آیا؟ تو صاحبِ جامی نے مِنْ صِفَتِهَا عبارت یہاں نکال کر بتلا دیا کہ أَنَّ کی خبر أَنْ تَدُلَّ نہیں ہے بلکہ أَنَّ کی خبر جملہ خبریہ ہے۔ کیا ہے؟ دیکھو ترکیب سمجھ لو: إِمَّا مِنْ صِفَتِهَا یہ ہے خبرِ مقدم اور أَنْ تَدُلَّ، أَنْ تَدُلَّ کس معنیٰ میں؟ دلالت کے معنیٰ میں، تو یہ مبتدا مؤخر ہے۔ أَنْ نے کیا کیا؟ تَدُلَّ عَلَى مَعْنًى فِي نَفْسِهَا أَوْ لَا اس کو کس میں بدل دیا؟ اس کو دلالت کے معنیٰ میں کر دیا۔ اس کو بنا لیں گے مبتدا مؤخر، اور مِنْ صِفَتِهَا یہ جار مجرور کیا بنے گا اس کے لیے؟ خبرِ مقدم۔ یاد رکھو یہ جو جار مجرور ہوتا ہے یہ کبھی مبتدا نہیں بن سکتا یہ جب بھی بنے گا کیا بنے گا؟ خبر بنے گا، تو مِنْ صِفَتِهَا یہ ہے خبرِ مقدم اور أَنْ تَدُلَّ یہ دلالت کے معنیٰ میں ہو کر یہ مبتدا مؤخر ہے۔ اور پھر یہ مبتدا اپنی خبر سے مل کر یہ پورا جملہ اسمیہ یہ خبر ہے أَنَّ کی۔ تو لِأَنَّ کی خبر مصدر نہیں ہے بلکہ پورا جملہ خبریہ بنے گا اور اب وہ جو خرابی تھی کہ مصدر کا حمل تو ذات پر صحیح نہیں ہے، وہ خرابی ختم ہو گئی کیونکہ اب

جو خبر ہے وہ مصدر نہیں ہے بلکہ خبر کیا ہے؟ پورا جملہ اسمیہ ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو مِنْ صِفَتِهَا اس کو خبرِ مقدم بنائیں گے کس طرح؟ مِنْ جارہ، صِفَتِهَا صِفَتِ مجرور لفظاً مضاف، هَا ضمیر مجرور محلاً مضاف الیہ، مضاف الیہ۔ اور یہ ضمیر کس کو راجع؟ یہ کلمہ کو، یا تو کلمہ کی صفت میں سے یہ ہو گا، کیا؟ کہ أَنْ تَدُلَّ عَلَى مَعْنًى کیا کہ وہ دلالت کرے گا اپنے معنیٰ پر۔ تو مِنْ صِفَتِهَا یہ جار مجرور مل کر متعلق ہوئے ثَابِتٌ سے۔ ثَابِتٌ صیغہ اسمِ فاعل، اس کے اندر هُوَ ضمیر فاعل جو کس کو راجع؟ کس کو؟ خبر ہے، خبر ہے، خبر کو کس سے... جوڑتے ہیں مبتدا سے، اور مبتدا کیا ہے؟ أَنْ تَدُلَّ ہے، تو وہ کس کے معنیٰ میں؟ دلالت کے معنیٰ میں، تو ثَابِتٌ میں هُوَ ضمیر جو کس کو راجع؟ اس دلالت کو راجع جو مبتدا ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو مِنْ صِفَتِهَا یہ متعلق ہو گا ثَابِتٌ سے، متعلق ہو کر یہ خبرِ مقدم اور أَنْ تَدُلَّ یہ مبتدا مؤخر ہے، مبتدا اپنی خبر سے مل کر جملہ اسمیہ ہو کر یہ خبر کس کے لیے؟ أَنَّ کے لیے خبر بن جائے گا۔ صورت سمجھ میں آگئی؟

فَهِيَ تو یہ جو کلمہ ہے إِمَّا مِنْ صِفَتِهَا یا تو اس کی صفت میں سے ہو گا کہ أَنْ تَدُلَّ عَلَى مَعْنًى كَائِنٍ فِي نَفْسِهَا یہ دلالت کرے گا ایسے معنیٰ پر كَائِنٍ فِي نَفْسِهَا۔ یہ كَائِنٍ یہاں پر صاحبِ جامی نے یہ نکال کر وہ دراصل یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ یہ فِي نَفْسِهَا صفت ہے معنیٰ کی۔ فِي نَفْسِهَا کو أَنْ تَدُلَّ سے نہ جوڑنا بھئی، آپ نے پڑھا ہے جار مجرور جب آٹھ چیزوں کے بعد آئے تو یہ ان میں سے کسی ایک سے متعلق ہو گا اور ان میں سے ایک فعل بھی ہے، تو فِي نَفْسِهَا جار مجرور ہے اور ماقبل میں أَنْ تَدُلَّ فعل ہے تو آپ یہ نہ سمجھیں کہ یہ فِي نَفْسِهَا کس سے جڑے گا؟ أَنْ تَدُلَّ سے، بلکہ یہ صفت ہے کس کی؟ معنیٰ کی۔ میں نے آپ کو بتلایا تھا نکرہ کے بعد جار مجرور آجائے تو وہ عموماً اس کی صفت بنتا ہے، یہاں پر بھی دیکھو مَعْنًى یہ نکرہ ہے اور اس کے بعد فِي نَفْسِهَا جار مجرور آیا تو یہ اس کے لیے کیا بنے گا؟ صفت۔ اور صفت براہِ راست نہیں بنے گا اس کے لیے متعلق پہلے نکالنا پڑے گا: عَلَى مَعْنًى كَائِنٍ فِي نَفْسِهَا، كَائِنٍ مجرور نکالا کیونکہ مَعْنًى موصوف مجرور ہے اس پر عَلٰى جارہ داخل ہے، تو كَائِنٍ یہ بھی کیا ہو گا؟ مجرور ہو گا۔ انہوں نے كَائِنٍ نکالا آپ چاہیں تو ثَابِتٍ نکال لیں، میں نے آپ کو بتلایا تھا افعالِ عامہ چار ہیں: کون، ثبوت، وجود اور حصول۔ تو چاہے کون سے كَائِنٌ نکال لیں، چاہے ثبوت سے ثَابِتٌ نکال لیں، چاہے حصول سے حَاصِلٌ نکال لیں اور چاہے وجود سے مَوْجُودٌ نکال لیں، تو انہوں نے كَائِنٌ ذکر کیا ہے۔

كہ أَنْ تَدُلَّ عَلَى مَعْنًى، إِمَّا مِنْ صِفَتِهَا یا تو اس کلمہ کی صفت یہ ہو گی أَنْ تَدُلَّ عَلَى مَعْنًى کہ وہ دلالت کرے گا ایسے معنیٰ پر، دیکھو موصوف صفت والا ترجمہ کریں گے: وہ دلالت کرے گا ایسے معنیٰ پر ثَابِتٍ فِي نَفْسِهَا أَيْ فِي نَفْسِ الْكَلِمَةِ، دیکھو ضمیر کا مرجع بتلا دیا: أَيْ فِي نَفْسِ الْكَلِمَةِ بتلا دیا کہ نَفْسِهَا کی ضمیر کس کو راجع؟ اَلْكَلِمَةِ۔ کہ وہ دلالت کرے ایسے معنیٰ پر فِي نَفْسِ الْكَلِمَةِ جو کس کے اندر ہو؟ نَفْسِ کلمہ میں، یعنی وہ معنیٰ نفسِ کلمہ میں ہو، کلمہ کی ذات میں ہو۔ عبارت پھر سمجھو: لِأَنَّهَا إِمَّا أَنْ تَدُلَّ عَلَى مَعْنًى فِي نَفْسِهَا اس لیے کیونکہ کلمہ یا تو وہ دلالت کرے گا ایسے معنیٰ پر فِي نَفْسِهَا جو کس میں ہو گا؟ کلمہ کے نفس میں، اس کی ذات میں ہو گا، أَوْ لَا یا ایسے معنیٰ پر وہ دلالت نہیں کرے گا جو اس کلمہ کی ذات میں ہو گا۔ توجہ ہے؟ پھر سمجھو، پھر سنو، وجہِ حصر ہے بھئی یہ مشکل مقام ہے اچھی طرح سمجھ لیں۔ اس لیے لِأَنَّهَا إِمَّا أَنْ تَدُلَّ عَلَى مَعْنًى فِي نَفْسِهَا أَوْ

لَا کہ کلمہ یا تو وہ دلالت کرے گا ایسے معنیٰ پر جو اس کلمہ کی ذات میں ہو گا اور یا وہ ایسے معنیٰ پر دلالت نہیں کرے گا جو کلمہ کی ذات میں ہو۔ اب یہ کلمہ کی ذات میں وہ معنیٰ ہو اس کا کیا مطلب ہے؟ پھر سنو، کلمہ جو ہے یا تو وہ دلالت کرے گا ایسے معنیٰ پر جو اس کی اپنی ذات میں ہو گا یا اس پر دلالت نہیں کرے گا، تو معنیٰ کا کلمہ کی ذات میں ہونے کا کیا مطلب ہے؟ تو آپ کو بتلائیں گے کہ معنیٰ کا کلمہ کی ذات میں ہونے کا مطلب یہ ہے کہ کلمہ خود اس پر دلالت کرتا ہے یعنی کسی اور لفظ کو ساتھ جوڑنے کی ضرورت نہیں۔ کلمہ یا تو ایسے معنیٰ پر دلالت کرے گا جو کس میں ہو گا؟ کلمہ کی ذات میں ہی ہو گا۔ بھئی کلمہ کی ذات میں معنیٰ ہونے کا کیا مطلب ہے؟ اس کا کیا معنیٰ؟ مطلب یہ ہے اس سے مراد یہ ہے کہ یہ کلمہ خود اس پر دلالت کرتا ہے، کوئی اور کلمہ ساتھ جوڑنے کی ضرورت نہیں۔ میں نے کہا اِبْتِدَاء، آپ کو معنیٰ سمجھ میں آیا؟ شروع کرنا۔ دیکھو یہ آپ کو اِبْتِدَاء سے سمجھ میں آگیا، تو ہم کہیں گے یہ جو شروع کرنے کا معنیٰ ہے یہ اِبْتِدَاء کلمہ جو ہے اس کی ذات میں ہے، اس کی ذات میں یہ معنیٰ ہے، کیا معنیٰ اس کی ذات میں یہ معنیٰ ہے؟ یعنی یہ خود اس پر دلالت کرتا ہے، یہ کسی اور سے جڑنے کا محتاج نہیں۔ جب خود اس پر دلالت کر رہا ہے تو گویا یہ معنیٰ اس کی ذات میں ہی ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟

دیکھیے بھئی خود بتلا رہے ہیں، کہتے ہیں وَالْمُرَادُ بِكَوْنِ الْمَعْنَى فِي نَفْسِهَا، ترجمہ سنو: اور معنیٰ کا نفسِ کلمہ میں ہونے سے مراد، كَوْنِ مصدر ہے نا، معنیٰ کا کلمے کی ذات میں ہونے سے مراد کیا ہے اب وہ بیان کرنے لگے ہیں: وَالْمُرَادُ بِكَوْنِ الْمَعْنَى فِي نَفْسِهَا اور معنیٰ کا کلمے کی ذات میں ہونے سے مراد یہ ہے کہ أَنْ تَدُلَّ عَلَيْهِ بِنَفْسِهَا کہ کلمہ اس پر خود دلالت کرے، کلمہ اس پر خود۔ جَاءَنِي زَيْدٌ بِنَفْسِهِ کیا ترجمہ؟ ہاں، زید خود آیا۔ جَاءَنِي زَيْدٌ بِنَفْسِهِ میرے پاس زید خود آیا، تو یہاں پر بھی کہ اس سے مراد یہ ہے أَنْ تَدُلَّ عَلَيْهِ بِنَفْسِهَا کہ کلمہ دلالت کرے اس معنیٰ پر خود، مِنْ غَيْرِ حَاجَةٍ إِلَى انْضِمَامِ كَلِمَةٍ أُخْرَى إِلَيْهَا بغیر اس حاجت کے کہ اس کے ساتھ کوئی اور کلمہ مل جائے۔ معنیٰ کا کلمے کی ذات میں ہونے کا مطلب یہ ہے کہ کلمہ خود اس پر دلالت کرے بغیر اس حاجت کے اور ضرورت کے کہ اس کے ساتھ کوئی اور کلمہ ملے، کسی اور کلمے کے ساتھ ملنے کا وہ محتاج نہ ہو۔ جیسے میں نے اِبْتِدَاء کہا تو آپ کو اس کا معنیٰ شروع کرنا سمجھ میں آگیا تو ہم کہیں گے یہ جو شروع کرنے والا معنیٰ ہے یہ کلمۂ اِبْتِدَاء کی ذات میں ہی موجود ہے، یہ خود ہی کیا کرتا ہے اس پر دلالت کرتا ہے، کسی اور کلمے کو ساتھ جوڑنے کی ضرورت نہیں ہے۔

توجہ سے ادھر دیکھیے: معنیٰ کا کلمے کی ذات میں ہونے کا کیا مطلب ہے کہ کلمہ خود اس پر دلالت کرتا ہے اور وہ محتاج نہیں ہے کہ اس کے ساتھ کوئی اور کلمہ آکر ملے۔ کیوں؟ لِاسْتِقْلَالِهِ بِالْمَفْهُومِيَّةِ، لِاسْتِقْلَالِهِ کی ہِ ضمیر راجع ہے معنیٰ کو، لِاسْتِقْلَالِ الْمَعْنَى اس لیے کیونکہ وہ معنیٰ مستقل ہوتا ہے بِالْمَفْهُومِيَّةِ مفہوم ہونے کے اعتبار سے۔ وہ معنیٰ کیا ہوتا ہے؟ مستقل ہوتا ہے مفہوم ہونے کے اعتبار سے، یعنی وہ معنیٰ مستقلاً اس سے سمجھ میں آرہا ہوتا ہے۔ اِبْتِدَاء سے شروع کرنے کا معنیٰ مستقلاً سمجھ میں آرہا ہے، کسی اور کلمے کو ساتھ جوڑنے کی ضرورت نہیں۔ تو یہ جو لفظِ اِبْتِدَاء ہے اس کا کیا معنیٰ؟ شروع کرنا، شروع کرنا۔ تو اِبْتِدَاء کا معنیٰ ہے شروع کرنا، تو یہ جو شروع کرنے کا معنیٰ اِبْتِدَاء سے سمجھ میں آرہا ہے یہ مستقلاً اس

سے سمجھ میں آرہا ہے، کسی اور کلمے کو ساتھ جوڑنے کی ضرورت نہیں ہے، یہ مستقل بالمفہوم ہے کس سے؟ یہ جو شروع کرنے کا معنیٰ ہے یہ مستقل بالمفہوم ہے یعنی مستقلاً سمجھ میں آرہا ہے کس سے؟ لفظِ اِبْتِدَاء سے، کسی اور کلمے کو ساتھ جوڑنے کی حاجت نہیں۔ لِاسْتِقْلَالِهِ بِالْمَفْهُومِيَّةِ بوجہ اس کے مستقل بالمفہوم ہونے کے۔ بِالْمَفْهُومِيَّةِ اس کے اندر یہ جو یائے مشدد اور گول تا ہے یہ مصدریت کے لیے ہے۔ آپ نے پڑھا تھا کہ یہ تا کئی معانی کے لیے آتی ہے، ان میں سے ایک معنیٰ کیا تھا؟ مصدریت، کہ صفت کو اگر آپ نے مصدر بنانا ہو تو اس کے ساتھ یائے مشدد اور گول تا ملا دیتے ہیں۔ جیسے فَاعِلٌ اور اسے آپ مصدر بنانا چاہتے ہیں تو کیا کہیں گے؟ فَاعِلِيَّةٌ، ترجمہ اب مصدر والا کرنا: فاعل ہونا۔ ضَارِبٌ پٹائی کرنے والا لیکن آپ اسے مصدر بنانا چاہتے ہیں تو ضَارِبِيَّةٌ، اب مصدر والا ترجمہ کرو کیا ترجمہ؟ ضارب ہونا۔ مَضْرُوبٌ وہ جس کی پٹائی کی گئی ہے لیکن آپ اسے مصدر بنانا چاہتے ہیں تو مَضْرُوبِيَّةٌ، یائے مشدد اور گول تا جوڑتے جائیں گے تو مَضْرُوبِيَّةٌ کیا ترجمہ؟ مضروب ہونا۔ تو یہاں بھی مَفْهُومِيَّةٌ کیا معنیٰ؟ مفہوم ہونا، یعنی وہ معنیٰ مستقل ہے مفہوم ہونے میں، اس لفظ سے خود بخود وہ معنیٰ سمجھ میں آتا ہے کسی اور لفظ کو ساتھ جوڑنے کی ضرورت نہیں ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟

حاصلِ کلام کیا ہوا؟ وجہِ حصر ذکر کر رہے ہیں کہ کلمہ کی یہی تین قسمیں ہیں کیونکہ کلمہ یا تو دلالت کرے گا ایسے معنیٰ پر جو اس کلمہ کی ذات میں ہو گا، اور کلمہ کی ذات میں معنیٰ ہونے کا کیا مطلب ہے؟ کہ وہ کلمہ سے خود بخود سمجھ میں آرہا ہے اور وہ کلمہ محتاج نہیں ہے کہ اس کے ساتھ کسی اور لفظ کو بھی جوڑا جائے کیونکہ وہ معنیٰ مستقل بالمفہوم ہے یعنی مستقلاً اس لفظ سے سمجھ میں آرہا ہے۔

أَوْ مِنْ صِفَتِهَا أَنْ لَا تَدُلَّ عَلَى مَعْنًى فِي نَفْسِهَا۔ أَوْ مِنْ صِفَتِهَا أَنْ لَا تَدُلَّ۔ بھئی کافیہ کی عبارت کیا ہے؟ أَنْ تَدُلَّ عَلَى مَعْنًى فِي نَفْسِهَا أَوْ لَا یا تو وہ دلالت کرے گا اس معنیٰ پر یا نہیں کرے گا۔ تو صاحبِ جامی پوری عبارت یہاں بھی اسی طرح نکال کر بتلا رہے ہیں: أَوْ مِنْ صِفَتِهَا أَنْ لَا تَدُلَّ عَلَى مَعْنًى فِي نَفْسِهَا۔ پوری عبارت یوں ہے۔ صاحبِ کافیہ نے تو مختصراً کہا أَوْ لَا یا نہیں، لیکن پوری عبارت کیسی ہے؟ أَوْ مِنْ صِفَتِهَا أَنْ لَا تَدُلَّ عَلَى مَعْنًى فِي نَفْسِهَا۔ یہاں پر بھی مِنْ صِفَتِهَا نکال لیا، معلوم ہوا یہاں پر بھی مِنْ صِفَتِهَا کو خبرِ مقدم بنائیں گے اور أَنْ لَا تَدُلَّ عَلَى مَعْنًى فِي نَفْسِهَا یہ مبتدا مؤخر ہے، اور مبتدا خبر مل کر، مبتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ ہو کر یہ معطوف ہوا کس پر؟ أَنْ تَدُلَّ جو پیچھے آیا تھا: إِمَّا أَنْ تَدُلَّ أَوْ لَا تَدُلَّ، تو یہ اسی پر کیا ہو جائے گا؟ عطف ہو جائے گا۔

أَوْ مِنْ صِفَتِهَا یا کلمہ کی صفت یہ ہو گی کہ أَنْ لَا تَدُلَّ عَلَى مَعْنًى فِي نَفْسِهَا کہ وہ دلالت نہیں کرے گا ایسے معنیٰ پر جو اس کی ذات میں ہو، بَلْ عَلَى مَعْنًى بلکہ وہ دلالت کرے گا ایسے معنیٰ پر يَحْتَاجُ فِي الدَّلَالَةِ عَلَيْهِ۔ یہ مَعْنًى نکرہ ہے اس کے بعد يَحْتَاجُ فعل آیا تو یہ اس کی صفت بنے گا۔ ادھر دیکھیے، کلمہ یا تو ایسے معنیٰ پر دلالت کرے گا جو اس کی ذات میں ہو گا یا ایسے معنیٰ پر دلالت نہیں کرے گا۔ جب ایسے معنیٰ پر دلالت نہیں کرے گا پھر کس پر دلالت کرے گا؟ تو بتلانے لگے ہیں: بلکہ

پھر وہ ایسے معنیٰ پر دلالت کرے گا کہ وہ اس معنیٰ پر دلالت کرنے میں محتاج ہو گا دوسرے کلموں کا، وہ محتاج ہو گا دوسرے کلموں کا۔ تو کہتے ہیں وہ یا تو دلالت نہیں کرے گا ایسے معنیٰ پر جو اس کی ذات میں ہو، بَلْ عَلَى مَعْنًى بلکہ دلالت کرے گا ایسے معنیٰ پر، یہ یَحْتَاجُ کو صفت بنانا ہے معنیٰ کی، بلکہ وہ دلالت کرے گا ایسے معنیٰ پر کہ وہ معنیٰ محتاج ہے فِي الدَّلَالَةِ عَلَيْهِ اپنے اوپر دلالت ہونے میں، اپنے اوپر دلالت ہونے میں وہ محتاج ہے إِلَى انْضِمَامِ كَلِمَةٍ أُخْرَى إِلَيْهَا اس بات کا کہ ملے کوئی اور کلمہ اس کلمہ کے ساتھ، کہ کوئی اور کلمہ اس کے ساتھ ملے۔ دیکھو یہ سمجھ لیں عبارت ذرا یہاں مشکل ہے۔ اِبْتِدَاء کا کیا معنیٰ؟ شروع کرنا، اور یہ معنیٰ ابتدا کی ذات میں ہی موجود ہے یعنی یہ ابتدا خود ہی اس پر دلالت کرتا ہے، کسی اور کلمے کے ساتھ جڑنے کا محتاج نہیں۔ تو یہ گویا یہ جو شروع کرنے کا معنیٰ ہے یہ کس سے سمجھ میں آیا؟ ابتدا سے، یہ معنیٰ مستقل بالمفہوم ہے کس سے؟ لفظِ ابتدا سے، لفظِ ابتدا سے ہی یہ معنیٰ مستقلاً ہمیں سمجھ میں آ رہا ہے، کسی اور کلمے کو ساتھ جوڑنے کی ضرورت نہیں۔ اسی طرح لفظِ مِنْ ہے، مِنْ بھی عربی زبان میں ابتدا کے لیے آتا ہے۔ مِنْ بھی... تو اب دیکھو کلمہ کیا ہے؟ مِنْ۔ معنیٰ کیا ہے؟ شروع کرنا۔ توجہ سے ادھر دیکھو، کلمہ ہے مِنْ اور معنیٰ کیا ہے؟ شروع کرنا، لیکن یہ شروع کرنے کا معنیٰ یہ محتاج ہے، یہ محتاج ہے کس چیز میں؟ کہ یہ مِنْ اس پر دلالت کرے، مِنْ نے اس پر دلالت کرنی ہے نا، لیکن صرف مِنْ کہو تو دلالت ہوئی؟ نہیں۔ تو یہ شروع کرنے کا معنیٰ یہ محتاج ہے کس چیز میں؟ کہ مِنْ اس پر دلالت کرے، یہ محتاج ہے کہ مِنْ اس پر دلالت کرے، کس چیز کا محتاج ہے؟ کہ اس مِنْ کے ساتھ کوئی اور کلمہ آ کر مل جائے تاکہ یہ میرے اوپر کیا کر لے؟ دلالت کر لے۔ بات سمجھ میں آ گئی؟ پھر دیکھو، کلمہ کیا؟ مِنْ۔ معنیٰ کیا؟ شروع کرنا۔ تو یہ شروع کرنے کا معنیٰ مِنْ سے سمجھ میں نہیں آتا، تو یہاں مِنْ کی ذات میں یہ معنیٰ نہیں ہے۔ جی۔ مِنْ کی ذات میں نہیں ہے۔ یعنی مِنْ خود اس پر دلالت نہیں کر رہا، یہ شروع کرنے والا جو معنیٰ ہے، یہ محتاج ہے کہ یہ مِنْ میرے اوپر دلالت کرے، کس چیز کا محتاج ہے؟ دوسرے کلمے... یہ جو شروع کرنے کا معنیٰ ہے یہ محتاج ہے کہ مِنْ اس پر دلالت کرے، کس طرح سے؟ مِنْ اس شروع کرنے پر دلالت کر رہا ہے؟ نہیں۔ مِنْ شروع کرنے پر دلالت خود بخود نہیں کر رہا، لیکن یہ شروع کرنے والا معنیٰ ہے، یہ محتاج ہے، یہ چاہتا ہے کہ مِنْ کیا کر لے؟ میرے اوپر دلالت کر لے۔ تو دلالت کے لیے محتاج ہوا یہ معنیٰ، یہ معنیٰ محتاج ہے، کس چیز کا محتاج ہے؟ کہ مِنْ کے ساتھ کوئی اور کلمے مل جائیں تاکہ یہ میرے اوپر کیا کر دے؟ دلالت کر دے اور میں اس سے مفہوم ہو جاؤں۔ جی۔ بات سمجھ میں آ گئی؟

تو کہتے ہیں بَلْ عَلَى مَعْنًى بلکہ وہ کلمہ دلالت کرتا ہے ایسے معنیٰ پر یَحْتَاجُ کہ وہ معنیٰ جو ہے محتاج ہوتا ہے فِي الدَّلَالَةِ عَلَيْهِ، محتاج ہوتا ہے کس چیز میں؟ اپنے اوپر دلالت ہونے میں۔ شروع کرنا محتاج ہے کہ میرے اوپر دلالت ہو جائے کس کی؟ مِنْ کی۔ تو یہ اپنے اوپر دلالت میں محتاج ہے مِنْ کا کہ اس کے ساتھ کوئی اور... کلمہ کیا؟ مِنْ۔ معنیٰ کیا؟ شروع کرنا۔ لیکن کیا مِنْ اکیلا کہو تو شروع کرنا سمجھ میں آیا؟ نہیں۔ تو یہ مِنْ کا معنیٰ تو ہے شروع کرنا، یہ شروع کرنا اس سے مفہوم ہونا چاہیے،

اس مِنْ سے سمجھ میں آنا چاہیے، لیکن یہ معنیٰ محتاج ہے کہ یہ کب اس سے مفہوم ہو گا؟ جب اس کے ساتھ دوسرے کلمے کو جوڑیں گے، پھر یہ اس پر دلالت ہو جائے گی۔ بات سمجھ...

بَلْ عَلَى مَعْنًى يَحْتَاجُ فِي الدَّلَالَةِ عَلَيْهِ، عَلَيْهِ کی هَا ضمیر بھی معنیٰ کو راجع ہے، کہ ایسا معنیٰ کہ وہ معنیٰ محتاج ہے اپنے اوپر دلالت ہونے میں کہ یہ میرے اوپر دلالت کرلے، إِلَى انْضِمَامِ كَلِمَةٍ أُخْرَى إِلَيْهَا اس بات کا محتاج ہے کہ مل جائے کوئی دوسرا کلمہ إِلَيْهَا اس کلمۂ مِنْ کے ساتھ۔ کوئی دوسرا کلمہ اس کلمے کے ساتھ مل جائے، جو بھی حرف ہو، مِنْ کی تو میں مثال، مِنْ بطورِ مثال کے میں ذکر کر رہا ہوں۔

بات سمجھ میں آگئی؟ حاصلِ کلام ادھر دیکھیے۔ کلمہ یا تو دلالت کرے گا ایسے معنیٰ پر جو اس کی ذات میں ہو گا یا نہیں کرے گا۔ ذات میں معنیٰ ہونے کا کیا معنیٰ؟ کہ وہ کلمہ خود بخود اس معنیٰ پر دلالت کرے گا یعنی معنیٰ خود بخود اس سے سمجھ میں آئے گا، وہ معنیٰ محتاج نہیں ہے کہ اس کے ساتھ کوئی اور کلمہ جوڑو پھر میں اس سے سمجھ میں آؤں گا، نہیں نہیں، جیسے ہی اِبْتِدَاء میں نے کہا آپ کو شروع کرنا سمجھ میں آگیا۔ یا وہ دلالت نہیں کرے گا ایسے معنیٰ پر جو اس کی ذات میں ہو گا، بلکہ ایسے معنیٰ پر دلالت کرے گا کہ وہ معنیٰ محتاج ہے کہ اس پر دلالت ہو جائے اس حرف کے ذریعے، تو یہ محتاج ہے، کس چیز کا؟ کہ اس کلمہ کے ساتھ کوئی اور کلمہ ساتھ ملایا جائے تاکہ یہ میرے اوپر دلالت کر دے، لِعَدَمِ اسْتِقْلَالِهِ بِالْمَفْهُومِيَّةِ بوجہ اس کے مستقل بالمفہوم نہ ہونے کے، کہ یہ معنیٰ اس سے مستقل بالمفہوم نہیں، مستقلاً مِنْ سے شروع کرنا سمجھ میں نہیں آرہا۔

وَسَيَجِيءُ تَحْقِيقُ ذٰلِكَ فِي بَيَانِ حَدِّ الِاسْمِ إِنْ شَاءَ اللّٰهُ تَعَالَىٰ اور عنقریب اس بات کی تحقیق آجائے گی فِي بَيَانِ حَدِّ الِاسْمِ اسم کی تعریف کے بیان میں إِنْ شَاءَ اللّٰهُ تَعَالَىٰ۔ بھئی اس کی تحقیق آجائے گی، کس کی تحقیق آجائے گی؟ معنیٰ کا مستقل بالمفہوم ہونے کا کیا مطلب ہے، اس کی تحقیق کہتے ہیں آگے ہم اسم کی تعریف کریں گے تو وہاں پر اس کی تفصیل آ جائے گی۔ تو کہتے ہیں وَسَيَجِيءُ تَحْقِيقُ ذٰلِكَ اور اس کی عنقریب تحقیق آجائے گی، کس کی تحقیق؟ معنیٰ کے مستقل بالمفہوم ہونے کی تحقیق آجائے گی فِي بَيَانِ حَدِّ الِاسْمِ اسم کی تعریف کے بیان میں إِنْ شَاءَ اللّٰهُ تَعَالَىٰ۔

اَلْقِسْمُ الثَّانِي، ادھر دیکھیے، پھر اب پہلے عبارت سمجھ لیں۔ ادھر دیکھیے، انہوں نے کیا کہا؟ وجہِ حصر ذکر کر رہے ہیں کہ کلمہ یا تو دلالت کرے گا ایسے معنیٰ پر جو اس کی ذات میں ہو گا أَوْ لَا یا دلالت نہیں کرے گا۔ تو گویا دو قسمیں ہو گئیں۔ پہلی قسم کیا؟ کلمہ یا تو ایسے معنیٰ پر دلالت کرے گا جو اس کی ذات میں ہو گا، دوسری قسم؟ دلالت نہیں کرے گا ایسے معنیٰ پر جو اس کی ذات میں ہو گا۔ یہ جو دوسرا ہے یہ ہے حرف۔ کلمہ جب ایسے معنیٰ پر دلالت نہ کرے جو اس کی ذات میں ہو تو اس کو کیا کہتے ہیں؟ حرف کہتے ہیں۔ تو وہی بیان کر رہے ہیں: اَلْقِسْمُ الثَّانِي اَلْحَرْفُ، متن ذرا دیکھو، اَلْقِسْمُ الثَّانِي الْحَرْفُ دوسری قسم کیا ہے؟ حرف ہے، دوسری قسم کون سی؟ وہ کلمہ جو اپنے معنیٰ پر خود دلالت نہ کرے وہ حرف ہے۔

اَلْقِسْمُ الثَّانِي، صاحبِ جامی نے اَلثَّانِي سے پہلے اَلْقِسْمُ کا لفظ نکالا، بتلانا یہ چاہتے ہیں کہ اَلثَّانِي اَلْقِسْمُ کی صفت ہے۔

اَلْقِسْمُ الثَّانِي، تو یہ ثَانِي کس کی صفت ہے؟ اَلْقِسْمُ کی، موصوف محذوف جو ہے اَلْقِسْمُ ہے۔ دراصل یہاں شبہ پیدا ہوتا تھا کہ بھئی صاحبِ کافیہ کو اَلثَّانِيَةُ کہنا چاہیے تھا، کیونکہ بات کس کی چل رہی ہے؟ کلمہ کی، اور کلمہ مؤنث ہے اور مؤنث کی صفت بھی مؤنث اَلثَّانِيَةُ آنی چاہیے۔ تو جواب دے دیا صاحبِ جامی نے کہ یہ اَلثَّانِي کلمہ کی صفت نہیں ہے بلکہ اَلْقِسْمُ الثَّانِي جو دو قسمیں بیان ہو گئیں کلمہ کی، تو یہ دوسری قسم کی بات ہو رہی ہے، تو اَلثَّانِي کس کی صفت ہے؟ قِسْمُ کی۔

تو کہتے ہیں اَلْقِسْمُ الثَّانِي اور دوسری قسم جو ہے وَهُوَ مَا لَا يَدُلُّ عَلَى مَعْنًى فِي نَفْسِهَا اور یہ وہ کلمہ جو دلالت نہ کرے ایسے معنیٰ پر جو اس کی ذات میں ہو، اَلْحَرْفُ وہ کیا ہے؟ حرف ہے، كَمِنْ وَإِلَى جیسے کہ مِنْ اور إِلَى ہیں، فَإِنَّهُمَا يَحْتَاجَانِ کیونکہ مِنْ اور إِلَى یہ دونوں محتاج ہیں فِي الدَّلَالَةِ عَلَى مَعْنَيَيْهِمَا اپنے معنیٰ پر دلالت کرنے میں۔ مِنْ اور إِلَى اپنے معنیٰ پر دلالت کرنے میں محتاج ہیں، اور ان کا معنیٰ کیا ہے؟ بتلا رہے ہیں: أَعْنِي الِابْتِدَاءَ وَالِانْتِهَاءَ یعنی ابتدا اور انتہا۔ مِنْ کا کیا معنیٰ؟ ابتدا، اور إِلَى کا کیا معنیٰ؟ انتہا۔ تو یہ دونوں اپنے معنیٰ یعنی ابتدا اور انتہا پر دلالت کرنے میں محتاج ہیں إِلَى كَلِمَةٍ أُخْرَى ایک دوسرے کلمے کے، كَالْبَصْرَةِ وَالْكُوفَةِ جیسے کہ بصرہ اور کوفہ ہیں فِي قَوْلِكَ آپ کے اس قول کے اندر: سِرْتُ مِنَ الْبَصْرَةِ إِلَى الْكُوفَةِ میں چلا بصرہ سے لے کر کوفہ تک۔ سَارَ يَسِيرُ سَيْرًا میں نے بتلایا اس کا معنیٰ ہے چلنا۔ میں چلا بصرہ سے کوفہ تک، تو میرے چلنے کی ابتدا کہاں سے ہوئی؟ بصرہ سے، یہ کس نے بتایا؟ مِنْ نے، اور میرے چلنے کی انتہا کہاں پر ہوئی؟ کوفہ پر، یہ کس نے بتایا؟ إِلَى نے۔ تو مِنْ اور إِلَى، مِنْ آتا ہے ابتدا کے لیے، إِلَى آتا ہے انتہا کے لیے، لیکن یہ اپنے معنیٰ پر دلالت نہیں کرتے جب تک ان کے ساتھ اور کلمے نہ جوڑے جائیں۔ یہاں ان کے ساتھ دیکھو اور کلمے جڑ گئے تو مِنْ نے اپنے ابتدا والے معنیٰ پر اور إِلَى نے اپنے انتہا والے معنیٰ پر دلالت کر دی۔

یہاں تک بات اچھی طرح سمجھ میں آ گئی۔ اب آگے وجہِ تسمیہ ذکر کر رہے ہیں کہ حرف کو حرف کیوں کہتے ہیں؟ بھئی ادھر دیکھیے، حرف کا معنیٰ ہوتا ہے طرف، جانب، تو حرف بھی چونکہ کلام میں ایک جانب میں واقع ہوتا ہے اس لیے اس کو حرف کہتے ہیں۔ حرف بھی کیا ہوتا ہے؟ کلام میں ایک جانب میں، ایک طرف یا ایک کنارے پر واقع ہوتا ہے اس لیے اس کو حرف کہتے ہیں۔ آپ کہیں گے بھئی حرف تو کبھی درمیان میں بھی آ جاتا ہے، زَيْدٌ فِي الدَّارِ، یہ فِي دیکھو حرف ہے اور درمیان میں آ گیا زید اور دار کے۔ تو جواب یاد رکھنا بھئی کنارے پر ہونے کا یہ معنیٰ نہیں ہے کہ جگہ کے اعتبار سے کنارے پر ہو، بلکہ کنارے کا مطلب یہ ہے کہ یعنی کلام کا اہم جزیہ نہیں بنتا۔ کلام کے اہم جزو دو ہیں: ایک مسند اور ایک مسند الیہ۔ تو اسم اور فعل یہ جو ہیں مسند اور مسند الیہ بنتے ہیں، حرف نہ مسند بنتا ہے اور نہ مسند الیہ، تو یہ ایک کنارے پر ہے، ایک جانب ہے، نہ یہ مسند ہے اور نہ یہ مسند الیہ ہے۔

کہتے ہیں وَإِنَّمَا سُمِّيَ هٰذَا الْقِسْمُ حَرْفًا اس قسم کو حرف کہتے ہیں لِأَنَّ الْحَرْفَ فِي اللُّغَةِ الطَّرَفُ اس لیے کیونکہ حرف جو ہے عربی زبان میں طرف کو کہتے ہیں، یعنی جانب کو، وَهُوَ فِي طَرَفٍ اور حرف بھی کیا ہوتا ہے؟ ایک طرف میں ہوتا ہے،

أَيْ جَانِبٍ مُقَابِلٍ لِلِاسْمِ وَالْفِعْلِ یعنی ایک جانب میں ہوتا ہے اسم اور فعل کے مقابلے میں۔ اسم اور فعل کے مقابلے میں جانب میں ہوتا ہے۔ تو کہتے ہیں وَهُوَ فِي طَرَفٍ اور حرف بھی ایک طرف میں ہوتا ہے، أَيْ جَانِبٍ مُقَابِلٍ لِلِاسْمِ وَالْفِعْلِ یعنی ایک ایسی جانب جو اسم اور فعل کے مقابل ہوتی ہے، حَيْثُ يَقَعَانِ عُمْدَةً فِي الْكَلَامِ اس طور پر کہ یہ جو اسم اور فعل ہیں یہ کلام میں عمدہ واقع ہوتے ہیں، وَهُوَ لَا يَقَعُ عُمْدَةً فِيهِ اور یہ جو حرف ہے یہ کلام میں عمدہ واقع نہیں ہوتا، كَمَا سَتَعْرِفُ جیسے کہ عنقریب آپ جان لیں گے۔ عنقریب آپ جان لیں گے کہ اسم اور فعل کلام میں عمدہ واقع ہوتے ہیں، حرف عمدہ واقع نہیں ہوتا۔

اس کو اچھی طرح سمجھ لیں بھئی۔ عمدہ کسے کہتے ہیں کلام کے اندر؟ عموماً شروحات اٹھائیں گے تو وہ عموماً یہی لکھتے ہیں کہ عمدہ جو کلام میں اعلیٰ ہے یعنی مسند الیہ۔ ایک مسند ہوتا ہے اور ایک مسند الیہ۔ مسند الیہ وہ ہے جس کے بارے میں بات کی جائے اور مسند جو بات کی جائے، تو مسند الیہ کلام میں کہتے ہیں اعلیٰ ہے اس لیے اس کو عمدہ کہتے ہیں۔ لیکن یہ درست نہیں بھئی، سمجھ لیں عمدہ کسے کہتے ہیں۔ یاد رکھو یہاں دو لفظ ہیں: ایک ہے عمدہ، عُمْدَةٌ اور ایک ہے فضلہ، فَضْلَةٌ۔ عمدہ اور فضلہ یہ ایک دوسرے کے مقابل ہیں۔ عمدہ کا معنیٰ ہے کلام کا اعلیٰ حصہ اور فضلہ کا معنیٰ ہے زائد، یعنی یہ کلام کا زائد حصہ ہے، اگر یہ نہ بھی ہو تو بھی کلام درست ہے۔ تو عمدہ کسے کہتے ہیں؟ عمدہ کلام کا بنیادی اعلیٰ حصہ جو ہے، یوں کہیں کلام کا بنیادی جز جو ہیں اس کو عمدہ کہتے ہیں اور کلام کے بنیادی جز دو ہیں: ایک مسند، ایک مسند الیہ۔ تو مسند بھی عمدہ ہے اور مسند الیہ بھی عمدہ ہے، جیسے مبتدا اور خبر۔ مبتدا کیا ہے؟ مسند الیہ، اور خبر کیا ہے؟ مسند، تو یہ دونوں عمدہ ہیں۔ اسی طرح جملہ فعلیہ کے اندر فعل اور فاعل۔ فعل کیا ہے؟ مسند، اور فاعل کیا ہے؟ مسند الیہ، تو یہ دونوں عمدہ ہیں۔ اسی طرح إِنَّ کا اسم اور خبر۔ إِنَّ کس پر داخل ہوتا ہے؟ مبتدا اور خبر پر۔ تو إِنَّ کا اسم مبتدا کے درجے میں ہے اور اس کی خبر مبتدا کی خبر کے درجے میں ہے، تو إِنَّ زَيْدًا قَائِمٌ، تو إِنَّ کا اسم کیا؟ زَيْدًا یہ مسند الیہ ہے اور قَائِمٌ اس کی خبر ہے إِنَّ کی، تو یہ بھی کیا ہیں کلام میں عمدہ ہیں۔ یا اسی طرح كَانَ کا اسم اور خبر، كَانَ کا اسم کیا ہوتا ہے؟ مسند الیہ، اور كَانَ کی خبر کیا ہوتی ہے؟ مسند ہوتی ہے۔ تو عمدہ کسے کہتے ہیں؟ کلام کا عمدہ اور اعلیٰ اور بنیادی جز جو ہے اس کو عمدہ کہتے ہیں اور وہ دو ہیں: مسند بھی اور مسند الیہ بھی۔ یعنی یہ کلام کے وہ جز ہیں کہ جن کے بغیر کلام پورا نہیں ہوتا، اور ان میں سے کسی کو حذف کرنا جائز نہیں الا یہ کہ کوئی دلیل اس کے قائم مقام ہو جائے۔ اگر آپ عمدہ کو حذف کریں گے تو کلام فاسد ہو جائے گا، کلام میں خلل آجائے گا، اس کا پورا معنیٰ ہی سمجھ میں نہیں آئے گا۔ زَيْدٌ قَائِمٌ، زَيْدٌ ہے مبتدا اور قَائِمٌ ہے اس کی خبر، تو زید کو حذف کر دیں، صرف قَائِمٌ کہیں، بات کسی کو سمجھ میں نہیں آئے گی، یا صرف زید کہیں قَائِمٌ کو حذف کر دیں، تو بات کسی کو سمجھ میں نہیں آئے گی۔ تو عمدہ کلام کا وہ اعلیٰ اور بنیادی جز کہ اس کو حذف کر دیں تو کلام میں خلل آجائے، کلام فاسد ہو جائے، اور اس کو اگر حذف کرنا بھی پڑے تو وہاں کوئی دلیل قائم کرنا پڑے گی، کوئی قرینہ ایسا ہونا چاہیے جس سے سننے والے کو پتہ چل جائے کہ

یہاں پر یہ بتدا محذوف ہے یا خبر محذوف ہے۔ تو عمدہ کیا ہے کلام میں؟ مسند اور مسند الیہ۔ جملہ اسمیہ میں مسند الیہ کو کیا کہتے ہیں؟ بتدا، اور مسند کو کیا کہتے ہیں؟ خبر، یہ دونوں عمدہ ہیں۔ اسی طرح جملہ فعلیہ کے اندر فعل ہے مسند اور فاعل ہے مسند الیہ، یہ دونوں بھی کیا ہیں؟ عمدہ ہیں۔ بات سمجھ میں آگئی؟ اسی طرح میں نے إِنَّ اور كَانَ وغیرہ کی مثال دی، مطلب جو بھی مسند اور مسند الیہ کے درجے میں ہیں وہ سب کیا ہیں؟ عمدہ ہیں کلام کے اندر۔

جبکہ ان کے علاوہ جو ہیں ان کو فضلہ کہتے ہیں۔ فضلہ کا معنیٰ زائد چیز۔ جیسے مفاعیلِ خمسہ ہیں: مفعول بہ ہے، مفعول فیہ ہے، مفعول لہ ہے، مفعول معہ ہے اور مفعولِ مطلق ہے، یہ سارے کیا ہیں؟ یہ زائد ہیں، اسی طرح حال ہے، تمیز ہے وغیرہ اور جتنی چیزیں آگئیں وہ سب کیا ہیں؟ فضلہ ہیں، زائد ہیں، یعنی ان کو حذف کر دیں تو کلام میں کوئی خلل اور خرابی نہیں آتی۔ جیسے دیکھو ضَرَبَ زَيْدٌ عَمْرًا۔ ضَرَبَ زَيْدٌ عَمْرًا، زید نے عمر کی پٹائی کی۔ ضَرَبَ فعل یہ مسند ہے اور زَيْدٌ مسند الیہ فاعل ہے، اور یہ عَمْرًا یہ جو مفعول بہ آیا یہ زائد ہے، اس کو آپ حذف بھی کر دیں کلام پھر بھی پورا ہے: ضَرَبَ زَيْدٌ زید نے پٹائی کی۔ کلام میں کوئی خرابی آئی؟ کوئی خرابی نہیں آئی۔ صرف مفعول کا پتہ نہیں چلا آپ کو، کوئی حرج نہیں۔ ضَرَبَ زَيْدٌ سے اتنا تو پتہ چل گیا کہ پٹائی ہوئی ہے، زید نے پٹائی کی ہے، کوئی نہ کوئی مضروب ہے، لیکن وہ کون ہے میں آپ کو نہیں بتانا چاہتا، میں نے اس کو حذف کر دیا۔ تو مسند اور مسند الیہ کے علاوہ کلام کے باقی اجزا کیا کہلاتے ہیں؟ فضلہ، اور ان کو فضلہ اس لیے کہتے ہیں کہ ان کے بغیر بھی بات پوری ہو جاتی ہے۔ لیکن ایک گہری بات یاد رکھنا، کبھی کبھار فضلہ بھی ضروری ہو جاتا ہے۔ فضلہ کا یہ معنیٰ نہیں کہ وہ بالکل ہی بے کار ہے بھئی، نہیں نہیں، بالکل بے کار نہیں، مطلب یہ تھا کہ اس کو حذف بھی کر دیں تو کلام پھر بھی ٹھیک رہتا ہے، لیکن بعض اوقات فضلہ بھی ضروری ہو جاتا ہے، اس کا ذکر کریں گے تو بات ٹھیک ہو گی، اس کو ذکر نہیں کریں گے تو بات ٹھیک نہیں ہو گی۔ مواقع مختلف ہیں، کہیں فضلہ زائد ہوتا ہے اور کبھی کبھار فضلہ ضروری بھی بن جاتا ہے، اس کو اگر حذف کریں گے تو کلام کا معنیٰ ہی خراب ہو جائے گا۔ جیسے قرآن میں اللہ فرماتے ہیں: وَلَا تَمْشِ فِي الْأَرْضِ مَرَحًا اور تم نہ چلو زمین پر اکڑ کر۔ تو وَلَا تَمْشِ فِي الْأَرْضِ، اب یہ مَرَحًا کیا ہے؟ یہ حال ہے اور یہ فضلہ ہے، فضلہ ہے لیکن اس کو حذف کریں گے تو کلام کا معنیٰ خراب ہو جائے گا۔ اللہ تعالیٰ منع کس سے فرما رہے ہیں؟ کہ زمین پر اکڑ کر نہ چلو، اور اگر مَرَحًا کو حذف کر دیں تو معنیٰ کیا بنے گا؟ زمین پر نہ چلو، تو کیا زمین پر چلنے سے اللہ تعالیٰ روک رہے ہیں یا تکبر سے روک رہے ہیں؟ تکبر سے روک رہے ہیں، تو مَرَحًا کو حذف کریں گے تو معنیٰ ہی خراب ہو جائے گا کلام کا۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو فضلہ بھی کبھی ضروری ہو جاتا ہے کلام کے اندر یعنی اس کا ذکر۔ بات سمجھ میں آ گئی؟ لیکن عموماً جب عمدہ کا لفظ بولا... جائے، تو اسم کے لیے بولا جاتا ہے۔ کس کے لیے؟ اسم۔ لہٰذا فعل کو نکال دو۔ تو جب عمدہ کا لفظ بولا جائے تو تین چیزیں مراد لیتے ہیں عموماً، کون سی؟ بتدا، خبر اور فاعل یا نائب فاعل۔ توجہ ہے؟ پھر سنو، جملہ دو قسم پر ہے: ایک جملہ اسمیہ، ایک جملہ فعلیہ۔ جملہ اسمیہ میں کیا کیا ہیں؟ بتدا اور خبر۔ بتدا ہے مسند الیہ اور خبر ہے

مسند، دونوں عمدہ ہیں کیونکہ ان سے مل کر کلام پورا ہو جاتا ہے۔ جملہ فعلیہ میں فعل ہے اور آگے فاعل یا نائب فاعل آئے گا۔ فعلِ معروف ہو تو فاعل آئے گا، فعلِ مجہول ہو تو نائب فاعل۔ تو یہ جو فعل ہے یہ ہے مسند اور یہ جو فاعل یا نائب فاعل ہے یہ مسند الیہ، تو یہ دونوں کیا ہیں؟ عمدہ۔ لیکن عمدہ بول کر عموماً اسم مراد لیتے ہیں۔ کیا مراد لیتے ہیں؟ اسم۔ تو اس میں سے ایک تو فعل ہے جملہ فعلیہ میں، مسند تو فعل ہے لہٰذا اس کو نکال دو۔ اب جب میں عمدہ کا لفظ کہوں تو کتنی چیزیں رہ گئیں؟ تین چیزیں۔ دیکھو بھئی جملہ فعلیہ اور جملہ اسمیہ۔ جملہ اسمیہ کے اندر عمدہ کیا کیا؟ مبتدا اور خبر۔ جملہ فعلیہ میں کیا ہے؟ فعل اور فاعل یا نائب فاعل۔ فعل کو ذرا نکال دو۔ اب کل کتنی چیزیں رہ گئیں؟ ہاں، کل کتنی چیزیں رہ گئیں؟ تین چیزیں: مبتدا، خبر اور فاعل یا نائب فاعل۔ فاعل یا نائب فاعل یہ ایک ہی ہیں، ایک شمار کر لو، صرف فاعل کہہ دو، نائب فاعل اسی کے ساتھ ہے بھئی۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو عمدہ جب بولا جائے تو یہ تین چیزیں مراد ہوتی ہیں: کیا کیا؟ مبتدا، خبر اور فاعل یا نائب فاعل۔ یہ چیزیں جو ہیں ان کو عمدہ کہتے ہیں۔

یہ معنیٰ ہے کہ حَيْثُ يَقَعَانِ عُمْدَةً فِي الْكَلَامِ اس طور پر کہ یہ اسم اور فعل کلام میں عمدہ ہو کر واقع ہوتے ہیں، وَهُوَ لَا يَقَعُ عُمْدَةً فِيهِ اور حرف جو ہے کلام میں عمدہ ہو کر واقع نہیں ہوتا، كَمَا سَتَعْرِفُ جیسے کہ عنقریب آپ جان لیں گے۔

وَالْقِسْمُ الْأَوَّلُ، جی، اب آگے مزید وہ وجہِ حصر چل رہی ہے۔ ادھر دیکھیے، وجہِ حصر کیا ذکر ہوئی تھی؟ کہ کلمہ یا تو دلالت کرے گا ایسے معنیٰ پر جو اس کی ذات میں ہو گا یا دلالت نہیں کرے گا۔ دو قسمیں بن گئیں۔ پہلی قسم جو دلالت کرے، اور دوسری قسم جو دلالت نہ کرے۔ دوسری قسم کا کیا نام ہے؟ حرف۔ پہلی قسم، کہ جو اپنے معنیٰ پر خود دلالت کرے، اس میں پھر کہ اس دلالت کے ساتھ پھر کوئی تین زمانوں میں سے ایک زمانہ ملا ہو گا یا ملا نہیں ہو گا۔ اگر ملا ہو تو وہ فعل ہے، اور اگر نہ ملا ہو تو وہ اسم ہے۔ اب یہ بیان کریں گے۔

تو کہتے ہیں وَالْقِسْمُ الْأَوَّلُ اور پہلی قسم، بھئی پہلی قسم کون سی ہے خود بتلا رہے ہیں شارحِ جامی: وَهُوَ مَا يَدُلُّ عَلَى مَعْنًى فِي نَفْسِهَا یعنی وہ کلمہ جو اپنے معنیٰ پر خود دلالت کرے، إِمَّا مِنْ صِفَتِهَا یا تو اس کی صفت یہ ہو گی أَنْ يَقْتَرِنَ ذٰلِكَ الْمَعْنَى الْمَدْلُولُ عَلَيْهِ بِنَفْسِهَا فِي الْفَهْمِ عَنْهَا بِأَحَدِ الْأَزْمِنَةِ الثَّلَاثَةِ۔ إِمَّا مِنْ صِفَتِهَا أَنْ يَقْتَرِنَ، یہاں پھر مِنْ صِفَتِهَا نکالا، اسی وجہ سے، کیا وجہ تھی؟ کہ یہاں پر مبتدا کیا ہے؟ اَلْقِسْمُ الْأَوَّلُ، اور آگے إِمَّا أَنْ يَقْتَرِنَ یہ أَنْ نے جملے کو کس معنیٰ میں کر دیا؟ مصدر کے معنیٰ میں، یہ خبر ہے، تو اَلْقِسْمُ الْأَوَّلُ ہوا مبتدا اور أَنْ يَقْتَرِنَ ہوئی خبر، اور خبر مصدر ہے اور مصدر کا حمل تو ذات پر صحیح نہیں، تو بتلا دیا کہ یہاں پر بھی مِنْ صِفَتِهَا یعنی خبرِ مقدم محذوف ہے اور أَنْ يَقْتَرِنَ یہ اقتران کے معنیٰ میں ہو کر یہ مبتدا مؤخر ہے، مبتدا اور خبر مل کر یہ جملہ اسمیہ ہو کر یہ خبر ہے کس کی؟ اَلْقِسْمُ الْأَوَّلُ کی۔

دیکھیے بھئی کتاب پر: إِمَّا مِنْ صِفَتِهَا أَنْ يَقْتَرِنَ ذٰلِكَ الْمَعْنَى الْمَدْلُولُ عَلَيْهِ بِنَفْسِهَا فِي الْفَهْمِ عَنْهَا۔ تو کہتے ہیں إِمَّا مِنْ صِفَتِهَا تو یا تو اس کلمہ کی صفت یہ ہو گی أَنْ يَقْتَرِنَ کہ ملا ہوا ہو ذٰلِكَ الْمَعْنَى وہ معنیٰ۔ أَنْ يَقْتَرِنَ کے بعد ذٰلِكَ الْمَعْنَى کا لفظ نکال

کر ضمیر کا مرجع بتلا دیا کہ یَقْتَرِنَ کے اندر هُوَ ضمیر، اس کو یہ نہ سمجھنا کہ لفظ کی طرف راجع ہے، اَلْقِسْمُ الْأَوَّلُ تو لفظ ہے نا، کلمہ ہے، کیا ہے؟ کلمہ ہے۔ تو یہ نہ سمجھنا کہ یہ قسمِ اول کو ضمیر راجع ہے یعنی لفظ کو راجع ہے، کیونکہ لفظ زمانے کے ساتھ نہیں ملا ہوتا بلکہ معنیٰ زمانے کے ساتھ ملا ہوتا ہے۔ ادھر دیکھیے، ایک ہے کلمہ، ایک ہے اس سے جو معنیٰ سمجھ میں آرہا ہے۔ تو یہ جو معنیٰ ہے یہ تین زمانوں میں سے کسی زمانے سے ملا ہوتا ہے، جو لفظ ہے وہ زمانے سے نہیں ملا ہوتا۔ مجھے بتائیے ضَرَبَ، یہ ایک فعل ہے۔ یہ لفظ زمانے سے ملا ہوا ہے یا اس کا جو معنیٰ ہے پٹائی کرنا وہ زمانے کے ساتھ ملی ہوئی ہے؟ وہ پٹائی کرنا زمانے کے ساتھ ملی ہوئی ہے، معلوم ہوا وہ پٹائی کس زمانے میں ہوئی ہے؟ ماضی کے زمانے میں ہوئی ہے۔ تو لفظ زمانے سے نہیں جڑتا بلکہ کیا جڑتا ہے؟ معنیٰ زمانے کے ساتھ ملا ہوتا ہے۔ میں نے کہا ضَرَبَ، جی، کیا معنیٰ؟ یہ ضَرَبَ کا لفظ زمانے کے ساتھ ملا ہوا ہے یا اس کا جو معنیٰ ہے پٹائی کرنا وہ زمانے کے ساتھ ملا ہوا ہے؟ پٹائی کرنا زمانے کے ساتھ ہے کہ یعنی وہ پٹائی کس میں ہوئی ہے؟ زمانۂ ماضی میں ہوئی ہے۔ تو لفظ زمانے سے نہیں جڑا ہوتا بلکہ معنیٰ زمانے کے ساتھ جڑا ہوتا ہے، تو اسی لیے أَنْ یَقْتَرِنَ کے بعد ذٰلِكَ الْمَعْنَى نکال کر ضمیر کا مرجع بتلا دیا۔ یا تو اس کلمہ کی صفت یہ ہوگی کہ ملا ہوا ہوگا وہ معنیٰ، بھئی کون سا معنیٰ؟ اَلْمَدْلُولُ عَلَيْهِ بِنَفْسِهَا جو مدلول علیہ ہے بِنَفْسِ الْكَلِمَةِ، جو نفسِ کلمہ سے سمجھ میں آرہا ہے، یعنی نفسِ کلمہ اس پر دلالت کر رہا ہے، نفسِ کلمہ کا جو مدلول ہے۔

أَنْ یَقْتَرِنَ ذٰلِكَ الْمَعْنَى الْمَدْلُولُ عَلَيْهِ بِنَفْسِهَا فِي الْفَهْمِ عَنْهَا، أَنْ یَقْتَرِنَ کہ ملا ہوا ہو ذٰلِكَ الْمَعْنَى وہ معنیٰ جو ہے، کون سا معنیٰ؟ اَلْمَدْلُولُ عَلَيْهِ بِنَفْسِهَا جو مدلول علیہ ہے نفسِ کلمہ سے، نفسِ کلمہ جس پر دلالت کر رہا ہے، وہ معنیٰ ملا ہوا ہو۔ کس کے ساتھ ملا ہو؟ بِأَحَدِ الْأَزْمِنَةِ الثَّلَاثَةِ تین زمانوں میں سے کسی ایک زمانے سے۔ درمیان میں فِي الْفَهْمِ عَنْهَا کی قید بڑھا دی صاحبِ جامی نے۔ یہ فِي الْفَهْمِ عَنْهَا کی قید کے ذریعے دراصل مصدر کو نکالنا مقصود ہے کیونکہ مصدر بھی فعل کی تعریف میں داخل ہو رہا تھا۔ مصدر بھی... وجہِ حصر ذکر کر رہے ہیں کہ کلمہ یا تو اپنے معنیٰ پر خود دلالت کرے گا یا دلالت نہیں کرے گا۔ اگر خود اپنے معنیٰ پر دلالت کرے پھر وہ معنیٰ تین زمانوں میں سے کسی ایک زمانے سے ملا ہوگا یا ملا نہیں ہوگا۔ اگر وہ معنیٰ تین زمانوں میں سے کسی ایک زمانے سے ملا ہے تو اس کو کیا کہتے ہیں؟ فعل کہتے ہیں، توجہ ہے؟ وہ معنیٰ اگر تین زمانوں میں سے کسی ایک زمانے سے ملا ہوا ہے تو اس کو فعل کہتے ہیں۔ اس میں مصدر بھی فعل کے اندر داخل ہو گیا، مصدر بھی، کیونکہ مصدر مثلاً ضَرْبٌ ہے۔ ضَرْبٌ کا کیا معنیٰ؟ پٹائی کرنا، مارنا۔ یہ ضرب جو ہے، پٹائی کرنا ہمیشہ کسی نہ کسی زمانے میں ہو گی۔ شُرْبٌ کا کیا معنیٰ؟ پینا۔ پینا یہ ہمیشہ کسی نہ کسی زمانے میں ہو گا۔ قَوْلٌ کا کیا معنیٰ؟ کہنا، بات کرنا۔ یہ ہمیشہ کسی نہ کسی زمانے میں ہو گا۔ کیا آپ مجھے کوئی ایسی ضرب دکھا سکتے ہیں جو تینوں زمانوں میں سے کسی کے اندر نہ ہو؟ ضرب جب بھی ہو گی، مصدر جب بھی ہو گا، تینوں زمانوں میں سے کسی ایک زمانے میں پایا جائے گا۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو دیکھو انہوں نے فعل کی کیا تعریف کی؟ کہ وہ معنیٰ ملا ہوا ہو کس کے ساتھ؟ تین زمانوں میں سے کسی ایک زمانے کے ساتھ، اور مصدر بھی

تین زمانوں میں سے کسی... مصدر وہ اپنے معنیٰ پر خود بخود دلالت کرتا ہے اور وہ ہمیشہ تین زمانوں میں سے کسی ایک زمانے کے اندر ہوتا ہے، تو یہ بھی فعل کی تعریف میں داخل ہو رہا تھا۔ تو صاحبِ جامی نے فِي الْفَهْمِ عَنْهَا کی قید کے ذریعے مصدر کو نکال دیا۔ مصدر کو نکال دیا۔ کیونکہ فِي الْفَهْمِ عَنْهَا کا کیا معنیٰ؟ کہ اس کلمہ سے مفہوم ہونے میں، یعنی ادھر دیکھیے، اس کلمہ سے جو معنیٰ مفہوم ہو رہا ہے اس کے ساتھ زمانہ ملا ہوا ہو، یعنی وہ معنیٰ مفہوم ہونے کے اندر ہی... ایک کلمہ ہے وہ خود بخود اپنے معنیٰ پر کیا کر رہا ہے؟ دلالت، اور اس کلمے کا جو معنیٰ ہمیں مفہوم ہوتا ہے اسی کے ساتھ زمانہ بھی جڑا ہوتا ہے۔ توجہ ہے؟ کلمے، جیسے فعل ہے، ضَرَبَ، ضَرْبٌ سے ہے۔ ضَرْبٌ کا کیا معنیٰ؟ پٹائی کرنا، تو ضَرَبَ کا معنیٰ کیا؟ پٹائی کرنا۔ تو ضَرَبَ سے ہمیں صرف یہ پٹائی کرنا سمجھ میں آتا ہے یا پٹائی کرنا جو مفہوم ہو رہا ہے اس کے ساتھ زمانہ بھی ملا ہوا ہے؟ پٹائی کرنا جو مفہوم ہو رہا ہے کس سے؟ ضَرَبَ سے کیا مفہوم ہو رہا ہے؟ پٹائی کرنا، اور یہ کسی زمانے میں ہے یا بغیر زمانے کے ہے؟ زمانے کے ساتھ۔ تو ضَرَبَ کا جو مدلول ہے جو معنیٰ، وہ معنیٰ جو ہمیں ضَرَبَ سے مفہوم ہو رہا ہے وہ زمانے کے ساتھ بھی ملا ہوا ہے۔ وہ زمانے کے ساتھ...

تو جو فِي الْفَهْمِ عَنْهَا کی قید کے ذریعے مصدر کو نکال دیا، اس لیے کیونکہ مصدر کا تحقق اور وجود زمانے میں ہوتا ہے۔ مصدر کا تحقق اور وجود زمانے میں ہوتا ہے، مصدر سے جو معنیٰ مفہوم ہوتا ہے اس کے ساتھ زمانہ نہیں ملا ہوتا۔ مصدر سے... ضَرْبٌ کا کیا معنیٰ؟ پٹائی کرنا۔ تو مصدر کا معنیٰ آپ کو سمجھ میں آیا؟ ضرب، پھر سنو، ضَرْبٌ مصدر کا میں نے کہا ضَرْبٌ، معنیٰ سمجھ میں آیا؟ کیا معنیٰ؟ پٹائی کرنا۔ تو ضَرْبٌ سے جو معنیٰ آپ کو مفہوم ہوا کیا اس کے ساتھ کوئی زمانہ ملا ہوا ہے؟ تو ضَرْبٌ سے جو، مصدر کا جو معنیٰ مفہوم ہوتا ہے اس کے ساتھ کوئی زمانہ ملا ہوا نہیں ہوتا۔ ہاں، مصدر کا وجود کسی نہ کسی زمانے میں ہو گا۔ تو وجود اور چیز ہے اور کلمہ سے زمانے کا مفہوم ہونا اور چیز ہے۔ مصدر کا تحقق ہمیشہ کسی نہ کسی زمانے میں ہو گا، مثلاً آپ نے ضرب لگائی ہے تو یہ ضرب یا ماضی میں ہو گی، یا حال میں ہو گی اگر آپ ابھی ضرب لگا رہے ہیں، یا مستقبل میں ہو گی اگر آپ نے ابھی تک ضرب نہیں لگائی۔ تو ضرب کا وجود تو کسی زمانے میں ہو گا، لیکن ضرب سے جو معنیٰ مفہوم ہو رہا ہے، ضرب سے کیا معنیٰ مفہوم ہو رہا ہے؟ پٹائی کرنا، اس کے ساتھ کوئی زمانہ ملا ہوا نہیں ہے۔ جبکہ فعل کے اندر ضَرَبَ سے جو معنیٰ مفہوم ہو رہا ہے، ضَرَبَ اس میں پٹائی کرنے کا معنیٰ ہے لیکن یہ جو معنیٰ ضَرَبَ سے مفہوم ہو رہا ہے اسی کے ساتھ کیا ملا ہوا ہے؟ تین زمانوں میں سے کوئی زمانہ بھی۔ تو فِي الْفَهْمِ عَنْهَا کے ذریعے کس کو نکال دیا؟ مصدر کو۔ کس طرح نکالا؟ کہ مصدر کے معنیٰ، مصدر سے جو معنیٰ مفہوم ہوتا ہے اس کے ساتھ کوئی زمانہ نہیں ہوتا، وجود کے اعتبار سے مصدر کے لیے زمانہ ہے لیکن اس کے مفہوم کے اندر زمانہ نہیں ہے، جبکہ فعل کے مفہوم کے ساتھ زمانہ بھی سمجھ میں آتا ہے۔ بات سمجھ میں آ گئی؟ اب دیکھیے۔

کہ أَنْ يَقْتَرِنَ ذٰلِكَ الْمَعْنَى الْمَدْلُولُ عَلَيْهِ بِنَفْسِهَا کہ ملا ہوا ہو گا وہ معنیٰ جو مدلول علیہ ہے نفسِ کلمہ کا، وہ معنیٰ ملا ہوا ہو

گا۔ کس کے ساتھ ملا ہو گا؟ بِأَحَدِ الْأَزْمِنَةِ الثَّلَاثَةِ تین زمانوں میں سے کسی ایک کے ساتھ وہ معنیٰ ملا ہوا ہو گا فِي الْفَهْمِ عَنْهَا اس کلمہ سے، اس کلمہ سے وہ معنیٰ مفہوم ہونے میں تین زمانوں میں سے کسی ایک کے ساتھ ملا ہوا ہو گا۔ تو ضَرَبَ سے پٹائی کرنا آپ کو سمجھ میں آرہا ہے یا یہ پٹائی کرنا کسی زمانے کے ساتھ ملا ہوا ہے؟ زمانے، تو ضَرَبَ کا جو معنیٰ ہے، تو ضَرَبَ دلالت کرتا ہے ایسے معنیٰ پر جو خود بخود اس سے سمجھ میں آتے ہیں اور یہ معنیٰ جو اس کلمے کا یعنی ضَرَبَ کا مدلول ہے، یہ معنیٰ کلمہ سے مفہوم ہونے میں تین زمانوں میں سے کسی ایک کے ساتھ ملا ہوا ہے، بغیر زمانے کے نہیں ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟

اب صرف نفسِ ترجمہ دیکھ لو بس۔ کہتے ہیں: وَالْقِسْمُ الْأَوَّلُ اور پہلی قسم، وَهُوَ مَا يَدُلُّ عَلَى مَعْنًى فِي نَفْسِهَا وہ کلمہ جو دلالت کرتا ہے ایسے معنیٰ پر جو اس کی ذات میں ہوتا ہے، إِمَّا مِنْ صِفَتِهَا یا تو اس کلمہ کی صفت یہ ہو گی کہ أَنْ يَقْتَرِنَ ذٰلِكَ الْمَعْنَى الْمَدْلُولُ عَلَيْهِ بِنَفْسِهَا کہ ملا ہوا ہو گا وہ معنیٰ جو مدلول علیہ ہے اس نفسِ کلمہ کا، وہ ملا ہوا ہو گا کس کے ساتھ ملا ہو گا؟ تین زمانوں میں سے کسی ایک زمانے کے ساتھ فِي الْفَهْمِ عَنْهَا اس کلمہ سے، اس کلمہ سے وہ معنیٰ مفہوم ہونے میں تین زمانوں میں سے کسی ایک کے ساتھ ملا ہوا ہو گا۔ اب ترجمہ سمجھ میں آگیا۔ اب وہ تین زمانے کون سے ہیں؟ أَعْنِي الْمَاضِيَ وَالْحَالَ وَالِاسْتِقْبَالَ یعنی ماضی، حال اور استقبال۔ أَيْ حِينَ يُفْهَمُ ذٰلِكَ الْمَعْنَى عَنْهَا يُفْهَمُ أَحَدُ الْأَزْمِنَةِ الثَّلَاثَةِ أَيْضًا مُقَارِنًا لَهُ یعنی جب وہ معنیٰ سمجھ میں... آتا ہے اس کلمے سے، عَنْهَا کی ضمیر کس کو راجع؟ کلمہ کو۔ یعنی أَيْ حِينَ يُفْهَمُ ذٰلِكَ الْمَعْنَى عَنْهَا یعنی جب وہ معنیٰ سمجھ میں آتا ہے اس کلمے سے، تو يُفْهَمُ أَحَدُ الْأَزْمِنَةِ الثَّلَاثَةِ أَيْضًا تو تین زمانوں میں سے ایک زمانہ بھی سمجھ میں آتا ہے، مُقَارِنًا لَهُ اسی کے ساتھ ملا ہوا۔ فعل کا جو معنیٰ سمجھ میں آتا ہے اسی معنیٰ کے ساتھ ملا ہوا زمانہ بھی سمجھ میں آتا ہے۔

أَوْ مِنْ صِفَتِهَا أَنْ لَا يَقْتَرِنَ، أَوْ مِنْ صِفَتِهَا، بھئی پھر یہ وہی عبارت ادھر دیکھیے، کیا کہا تھا متن میں؟ کہ کلمہ یا تو دلالت کرے گا ایسے معنیٰ پر جو اس کی ذات میں ہو گا یا دلالت نہیں کرے گا۔ اگر نہ کرے تو وہ حرف ہے۔ اگر دلالت کرے تو وہ پھر دو قسم پر: یا تو اس معنیٰ کے ساتھ تین زمانوں میں سے کوئی زمانہ ملا ہو گا یا نہیں ملا ہو گا۔ ملا ہو یہ پہلی قسم، نہ ملا ہو یہ دوسری قسم، تو پہلی قسم بتلائیں گے یہ کیا ہے؟ فعل، اور دوسری قسم کیا ہے؟ اسم۔

أَوْ مِنْ صِفَتِهَا أَنْ لَا يَقْتَرِنَ ذٰلِكَ الْمَعْنَى فِي الْفَهْمِ عَنْهَا مَعَ أَحَدِ الْأَزْمِنَةِ الثَّلَاثَةِ یا اس قسم کی صفت، یا اس کلمہ کی صفت یہ ہو گی کہ وہ ملا ہوا نہ ہو وہ معنیٰ اس کلمہ سے مفہوم ہونے میں تین زمانوں میں سے کسی ایک زمانے کے ساتھ۔ جی، تو اَلْقِسْمُ الثَّانِي تو دوسری قسم جو ہے، کون سی دوسری قسم؟ معنیٰ ملا ہوا نہ ہو تین زمانوں میں سے کسی کے ساتھ، اس کو اسم کہیں گے، اور جو پہلی قسم ہے یعنی جو ملا ہوا ہو اس کو فعل کہیں گے۔ تو کہتے ہیں اَلثَّانِي دوسری قسم جو ہے وہ کون سی ہے وہ صاحبِ جامی بتلا رہے ہیں: وَهُوَ مَا يَدُلُّ عَلَى مَعْنًى فِي نَفْسِهَا غَيْرِ مُقْتَرِنٍ بِأَحَدِ الْأَزْمِنَةِ الثَّلَاثَةِ وہ کلمہ جو دلالت کرے ایسے معنیٰ پر جو اس کی ذات میں ہو، غَيْرِ مُقْتَرِنٍ بِأَحَدِ الْأَزْمِنَةِ الثَّلَاثَةِ اور ملا ہوا نہ ہو تین زمانوں میں سے کسی ایک زمانے کے

ساتھ۔ غَيْرِيہ مَعْنًى کی صفتِ ثانی بن جائے گی، مَعْنًى مجرور، فِي نَفْسِهَا صفتِ اول اور غَيْرِ مُقْتَرِنٍ صفتِ ثانی۔ دوسری قسم جو ہے وَهُوَ مَا يَدُلُّ عَلَى مَعْنًى فِي نَفْسِهَا غَيْرِ مُقْتَرِنٍ بِأَحَدِ الْأَزْمِنَةِ الثَّلَاثَةِ اَلِاسْمُ۔ دوسری قسم کہ جو دلالت کرے ایسے معنیٰ پر جو اس کی ذات میں ہو اور ملا ہوا نہ ہو تین زمانوں میں سے کسی ایک زمانے کے ساتھ، اَلِاسْمُ وہ اسم ہے۔

وَهُوَ مَأْخُوذٌ مِنَ السِّمْوِ یہاں سے اسم کی وجہِ تسمیہ ذکر کر رہے ہیں۔ یاد رکھیے اسم کی وجہِ تسمیہ کے اندر علما کا اختلاف ہے۔ ایک مذہب ہے کوفہ والوں کا اور ایک مذہب ہے بصرہ والوں کا۔ یہ بصرہ اور کوفہ یہ بڑے کبار علما کے مرکز تھے دونوں بھئی اور بڑے بڑے علما، فقہا، نحوی حضرات ان میں رہتے تھے۔ تو یہ جو کچھ بصرہ والے نحوی ہیں اور کچھ کوفہ والے، یہ کچھ مسائل میں آپس میں اختلاف کرتے، ان کا آپس میں اختلاف ہے کچھ مسائل کے اندر۔ علما فرماتے ہیں کوئی لگ بھگ ایک سو دس نحوی مسئلے ہیں جن میں کوفہ اور بصرہ والے آپس میں اختلاف کرتے ہیں۔ تو ان میں سے ایک یہ اسم کی اصل کے بارے میں ہے کہ یہ اسم اصل میں کیا تھا، اسم کو اسم کیوں کہتے ہیں؟ تو بصرہ والے کہتے ہیں کہ اسم کا لفظ یہ ماخوذ ہے سِمْوٌ سے۔ سِمْوٌ، سَمْوٌ، سُمْوٌ یہ مثلث الفا ہے۔ مثلث الفا اس کلمے کو کہتے ہیں جس کی فا پر تینوں حرکتیں جائز ہوں، تو سِمْوٌ، سَمْوٌ اور سُمْوٌ۔ تو بصرہ والے علما فرماتے ہیں کہ اسم یہ سِمْوٌ سے بنا ہے۔ سِمْوٌ کے آخر سے واؤ کو حذف کر دیا گیا اور شروع میں ہمزہ کو لے آئے، کیا بن گیا؟ اِسْمٌ بن گیا۔ تو یہ سِمْوٌ سے بنا ہے، اور سِمْوٌ کا معنیٰ ہے بلند ہونا، اونچا ہونا۔ اسم بھی چونکہ اپنی دونوں قسمین پر اونچا ہے، یہ فعل اور حرف پر اونچا ہے، بلند ہے۔ بھئی کس طرح بلند ہے؟ کہتے ہیں یہ جو اسم ہے یہ مسند بھی بنتا ہے اور مسند الیہ بھی۔ فعل صرف مسند بنتا ہے، اور حرف نہ مسند بنتا ہے اور نہ مسند الیہ۔ تو اسم دونوں بنتا ہے۔ تو کلام کے لیے دو جز چاہئیں: ایک مسند اور ایک مسند الیہ، تو آپ دو اسم لے آئیں، ایک کو مسند الیہ بنا دیں ایک کو مسند بنا دیں، تو دیکھو صرف اسم سے مل کر ہی کلام پورا ہو جائے گا۔ جبکہ فعل صرف مسند بنتا ہے، مسند الیہ نہیں بن سکتا۔ لہٰذا صرف اکیلے فعل کے ذریعے کبھی بھی کلام پورا نہیں ہو سکتا، اور حرف وہ تو نہ مسند بنتا ہے اور نہ مسند الیہ۔ تو اسم کا مقام باقی دونوں سے اعلیٰ ہوا کہ یہ مسند بھی بنتا ہے اور مسند الیہ بھی، اور اکیلے اسی سے کلام بھی پورا ہو جاتا ہے۔ تو معلوم ہوا یہ اسم سِمْوٌ سے بنا ہے، کیونکہ سِمْوٌ کا معنیٰ بھی کیا ہے؟ بلند ہونا، اور یہ اسم بھی فعل اور حرف کے مقابلے میں بلند ہے کہ اکیلے اسم سے ہی پورا کلام بن جاتا ہے۔

دیکھیے بھئی کتاب پر، کہتے ہیں وَهُوَ مَأْخُوذٌ مِنَ السِّمْوِ اور یہ اسم کا لفظ ماخوذ ہے سِمْوٌ سے، وَهُوَ الْعُلُوُّ اور وہ عُلُو یعنی بلند ہونے کو کہتے ہیں، بلندی کو کہتے ہیں، لِاسْتِعْلَائِهِ عَلَى أَخَوَيْهِ بوجہ اس کے بلند ہونے کے عَلَى أَخَوَيْهِ اپنے دونوں بھائیوں پر۔ اس وجہ سے کہ یہ بلند ہے اپنے دو بھائیوں پر یعنی فعل اور حرف پر۔ بھئی کس طرح بلند ہے؟ کہتے ہیں حَيْثُ يَتَرَكَّبُ مِنْهُ وَحْدَهُ الْكَلَامُ کیونکہ مرکب ہوتا ہے اس اکیلے سے کلام، اس اکیلے سے کلام مرکب ہو جاتا ہے، دو اسم لے آئیں، ایک کو مسند

بنا دیں ایک کو مسند الیہ، تو اس اکیلے اسم سے ہی کلام بن گیا۔ کہتے ہیں حَيْثُ يَتَرَكَّبُ مِنْهُ وَحْدَهُ الْكَلَامُ کہ اس طور پر کہ اس اسم اکیلے سے ہی کلام مرکب ہو جاتا ہے، دُونَ أَخَوَيْهِ نہ کہ اس کے دوسرے دو بھائیوں سے، اکیلے فعل یا اکیلے حرف سے کلام مکمل نہیں ہوتا۔

وَقِيلَ مِنَ الْوِسْمِ یہ کوفہ والوں کا قول آگیا۔ کوفہ والے کہتے ہیں کہ یہ اسم جو ہے وِسْمٌ سے بنا ہے۔ کس سے؟ وِسْمٌ۔ یاد رکھو یہ لفظ وِسْمٌ بھی صحیح اور وَسْمٌ بھی صحیح۔ یہ وَسْمٌ، یہ لغت آپ اٹھائیں تو آپ کو وِسْمٌ نہیں ملے گا بلکہ کیا ملے گا؟ وَسْمٌ ملے گا۔ توجہ ہے؟ وَسْمٌ، لیکن وِسْمٌ نہیں ملے گا۔ لیکن نحو کی کتابوں میں آپ پڑھیں تو وہ لکھیں گے کہ یہ وِسْمٌ سے ماخوذ ہے اِسْمٌ، پھر واؤ کو کس سے بدل دیا؟ ہمزہ سے، کیا بن گیا؟ اِسْمٌ ہو گیا۔ تو بھئی لغت میں تو ہمیں وِسْمٌ نہیں ملتا۔ بھئی لغت میں آپ کو سِمَةٌ ملے گا، سِمَةٌ۔ جیسے عِدَةٌ اصل میں کیا تھا؟ وَعْدٌ تھا، پھر واؤ کو حذف کیا اور اس کے عوض آخر میں کیا لے آئے؟ گول تا، تو کیا بن گیا؟ عِدَةٌ۔ اسی طرح وِسْمٌ تھا، پھر شروع سے واؤ کو حذف کیا آخر میں گول تا لے آئے، کیا بن گیا؟ سِمَةٌ، تو سِمَةٌ آپ کو لغت میں ملے گا بھئی۔

تو کوفہ والے کہتے ہیں وَقِيلَ مِنَ الْوِسْمِ کہ یہ اسم ماخوذ ہے وِسْمٌ سے، وَهُوَ الْعَلَامَةُ اور وِسْمٌ علامت کو کہتے ہیں، لِأَنَّهُ عَلَامَةٌ عَلَى مُسَمَّاهُ کیونکہ اسم بھی اپنے مسمیٰ پر علامت ہے۔ کیونکہ اسم بھی اپنے مسمیٰ پر علامت ہے۔ میں نے کہا زید، آپ کو فوراً کس کی صورت آپ کے ذہن میں آگئی؟ زید کی۔ میں نے کہا کتاب، فوراً کس کی صورت آگئی؟ کتاب کی۔ میں نے کہا قلم، فوراً کس کی صورت ذہن میں آگئی؟ قلم کی۔ تو اسم کیا ہوتا ہے؟ اپنے مسمیٰ پر علامت ہوتا ہے۔ اسم کہیں تو مسمیٰ کیا ہے؟ اس پر دلالت ہو جاتی ہے۔ اس لیے اسم کو اسم کہتے ہیں۔ اسم کس سے اخذ کیا گیا ہے؟ وِسْمٌ سے، یہ کوفہ والوں کا قول ہے، اور وِسْمٌ کا کیا معنیٰ؟ علامت، اسم بھی اپنے معنیٰ پر، اپنے مسمیٰ پر علامت ہوتا ہے، اس پر دلالت کرتا ہے، اس لیے اس کو اِسْمٌ کہتے ہیں یہ وِسْمٌ سے ماخوذ ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟

تو کہتے ہیں وَقِيلَ مِنَ الْوِسْمِ یہ ماخوذ ہے وِسْمٌ سے اور وہ علامت کو کہتے ہیں، لِأَنَّهُ عَلَامَةٌ عَلَى مُسَمَّاهُ کیونکہ اسم بھی اپنے مسمیٰ پر علامت ہوتا ہے، مسمیٰ یعنی جس کا اسم ہے، جس کا اسم رکھا گیا ہے۔ دیکھیے دو قول ذکر کیے: ایک کوفہ والوں کا اور ایک بصرہ والوں کا، اور صاحبِ جامی نے بصرہ والوں کے قول کو ترجیح دی، اور کوفہ والوں کے قول کو اسی لیے انہوں نے قِيلَ کے ساتھ ذکر کیا کہ وَقِيلَ مِنَ الْوِسْمِ، اور میں نے بتایا تھا قِيلَ صیغۂ تمریض ہے، اس کے ذریعے کمزور قول کو ذکر کیا جاتا ہے۔ تو یہ بہرحال علما کی اپنی اپنی رائے ہے، زیادہ تر نحوی بصرہ والوں کے مذہب کو ترجیح دیتے ہیں۔

آگے دیکھیے: وَالْقِسْمُ الْأَوَّلُ اور پہلی قسم جو ہے، پہلی قسم کون سی تھی؟ کہ کلمہ اپنے معنیٰ پر خود دلالت کرتا ہے اور تین زمانوں میں سے کسی زمانے کے ساتھ ملا ہوا ہوتا ہے، اس کو فعل کہتے ہیں، اب وہ ذکر کر رہے ہیں۔ کہتے ہیں وَالْقِسْمُ الْأَوَّلُ

اور پہلی قسم جو ہے، وَهُوَ مَا يَدُلُّ عَلَى مَعْنًى فِي نَفْسِهَا وہ کلمہ ہے، مَا سے کیا مراد؟ کلمہ، وہ کلمہ ہے جو دلالت کرتا ہے ایسے معنیٰ پر فِي نَفْسِهَا جو اس کلمہ کی ذات میں ہوتا ہے، مُقْتَرِنٍ بِأَحَدِ الْأَزْمِنَةِ الثَّلَاثَةِ اور وہ معنیٰ ملا ہوا ہوتا ہے تین زمانوں میں سے کسی زمانے کے ساتھ، اَلْفِعْلُ وہ فعل ہے۔ تو یہ پہلی قسم جو اپنے معنیٰ پر خود دلالت کرتی ہے اور تین زمانوں میں سے کسی زمانے کے ساتھ ملی ہوئی ہوتی ہے، اَلْفِعْلُ اس کو کیا کہتے ہیں؟ فعل کہتے ہیں۔

اب آگے سُمِّيَ بِهِ یہاں سے فعل کی وجہِ تسمیہ ذکر کر رہے ہیں کہ فعل کو فعل کیوں کہتے ہیں؟ میں نے آپ کو بتلایا تھا کہ فعل کا معنیٰ مرکب ہے تین چیزوں سے: ایک اس کے اندر مصدر ہوتا ہے، معنیٰ مصدری ہوتا ہے، دوسرا زمانہ، اور تیسرا نسبت الی الفاعل۔ ضَرَبَ، ضَرَبَ سے آپ کو تین چیزیں سمجھ میں آگئیں، کیا؟ ضرب سمجھ میں آئی کہ ضرب والا فعل ہوا ہے، دوسری بات زمانہ کہ کس زمانے میں یہ ضرب ہوئی ہے؟ زمانہ ماضی میں، اور تیسرا نسبت الی الفاعل کہ کوئی ہے اس ضرب کو لگانے والا، یہ خود بخود نہیں ہوئی۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو فعل کا معنیٰ مرکب ہوتا ہے کتنی چیزوں سے؟ معنیٰ مصدری سے اور زمانے سے اور نسبت الی الفاعل سے۔ تو معلوم ہوا فعل متضمن ہوتا ہے مصدر کو۔ فعل کے اندر کون ہوتا ہے؟ مصدر ہوتا ہے۔ توجہ ہے؟ مصدر ہوتا ہے۔ اور مصدر جو ہے اس کو عربی زبان میں فعل کہتے ہیں۔ مصدر کو عربی زبان میں فعل کہتے ہیں۔ فعل کی وجہِ تسمیہ کہ فعل کو فعل کیوں کہتے ہیں؟ کہتے ہیں فعل کو فعل اس لیے کہتے ہیں کیونکہ اس کے اندر فعل موجود ہے۔ جب اس کے اندر فعل موجود ہے تو اس سارے کو ہی فعل کہہ دیا۔ تو فعل کا معنیٰ مرکب ہوتا ہے تین چیزوں سے: مصدر، زمانہ اور نسبت الی الفاعل۔ تو ہر فعل کے اندر گویا مصدر موجود ہے، اور اس مصدر کو عربی زبان میں کیا کہتے ہیں؟ فعل کہتے ہیں۔ کیا کہتے ہیں؟ مصدر کو عربی زبان میں کیا کہتے ہیں؟ فعل کہتے ہیں، لہٰذا اس سارے مجموعے کو کیا کہہ دیا؟ فعل۔ نہیں توجہ، نہیں توجہ؟ ایک تو یہ اصطلاح میں فعل ہے نحویوں کے نزدیک فعل۔ توجہ ہے؟ عربی زبان میں فعل اس کو نہیں کہتے، عربی زبان میں فعل مصدر کو کہتے ہیں۔ ضَرْبٌ یہ کیا ہے؟ عربی زبان والے سے پوچھیں تو وہ کہے گا یہ فعل ہے۔ شُرْبٌ یہ کیا ہے؟ فعل ہے۔ قَوْلٌ یہ کیا ہے؟ فعل ہے۔ تو وہ مصدر کو فعل کہتے ہیں۔ اردو میں بھی اسی طرح ہے، مثلاً میں آپ سے پوچھتا ہوں کہ آپ کی سارا دن کیا مصروفیات ہوتی ہیں، آپ کیا کام کرتے ہیں، کیا افعال سرانجام دیتے ہیں؟ آپ کہتے ہیں مجھے دن میں بہت سے کام کرنے پڑتے ہیں، بہت سے افعال سرانجام دینے پڑتے ہیں، مثلاً پڑھنا، لکھنا، تکرار کرنا، سبق یاد کرنا، مطالعہ کرنا، کھانا، پینا، سونا اور کھیلنا، بازار جانا، دیکھا؟ یہ کتنے ہی آپ نے کتنی ہی چیزیں گنوا دیں، لیکن کیا آپ نے غور کیا؟ میں نے کہا تھا آپ کو کیا افعال کرنے پڑتے ہیں اور آپ مجھے جواب میں مصدر گنوا رہے ہیں: کھانا، پینا، سونا، جاگنا، یہ سارے کیا ہیں؟ مصدر ہیں۔ معلوم ہوا اردو زبان میں بھی فعل کس کو کہتے ہیں؟ مصدر کو کہتے ہیں۔ اسی طرح عربی زبان میں بھی مصدر کو کیا کہتے ہیں؟ فعل کہتے ہیں۔ اور یہ جو اصطلاحی فعل ہے اس کو بھی پھر فعل کہنے لگ پڑے۔ کیوں فعل کہنے لگ پڑے؟ کیونکہ اس کے معنیٰ کے اندر مصدر آرہا تھا۔ کیونکہ اصطلاحی فعل کے معنیٰ میں

کتنی چیزیں ہیں؟ تین چیزیں: مصدر، زمانہ اور نسبت الی الفاعل۔ تو اس کے اندر چونکہ مصدر تھا اس لیے سارے کا نام ہی کیا رکھ دیا؟ فعل رکھ دیا۔

سُمِّيَ بِهِ فعل کو فعل کے نام کے ساتھ موسوم کیا گیا یعنی فعل کا نام فعل رکھا گیا لِتَضَمُّنِهِ الْفِعْلَ اللُّغَوِيَّ اس وجہ سے کہ یہ متضمن ہے فعلِ لغوی کو، یعنی جس کو عربی زبان میں فعل کہتے ہیں یہ اس کو متضمن ہے۔ بھئی وہ فعلِ لغوی کیا ہے؟ کہتے ہیں وَهُوَ الْمَصْدَرُ وہ مصدر ہے۔ مصدر جو ہے فعلِ لغوی ہے یعنی عربی زبان میں اس کو فعل کہتے ہیں، تو چونکہ یہ جو اصطلاحی فعل ہے... اصطلاحی فعل کسے کہتے ہیں؟ ایسا کلمہ جو اپنے معنیٰ پر خود بخود دلالت کرے اور اس کے ساتھ تین زمانوں میں سے کوئی زمانہ بھی ملا ہوا ہو، اس کو بھی فعل کہنے لگ پڑے۔ کیوں؟ کیونکہ اس کے ضمن میں، اس کے بیچ میں کیا آگیا تھا؟ مصدر آیا تھا اور مصدر کو عربی زبان میں کیا کہتے ہیں؟ فعل۔ تو اس سارے مجموعے کا نام ہی کیا رکھ دیا؟ فعل رکھ دیا۔ تو یہ تَسْمِيَةُ الْمُتَضَمِّنِ بِاسْمِ الْمُتَضَمَّنِ ہے۔

فعلِ اصطلاحی کے بیچ میں کیا آگیا؟ مصدر۔ تو یہ جو فعلِ اصطلاحی ہے یہ ہے مُتَضَمِّن، اس کے ضمن میں ہے، کون ہے اس کے ضمن میں؟ مصدر، وَهُوَ مُتَضَمَّنٌ، وہ مُتَضَمَّن۔ تو مُتَضَمِّن یعنی فعلِ اصطلاحی کو فعل کہہ دیا کس کی وجہ سے؟ مصدر یعنی مُتَضَمَّن کی وجہ سے، تو اس کو کہتے ہیں تَسْمِيَةُ الْمُتَضَمِّنِ بِاسْمِ الْمُتَضَمَّنِ مُتَضَمَّن کا نام دے دینا کس کو؟ مُتَضَمِّن کو۔ بات سمجھ میں آگئی؟ فعلِ اصطلاحی کیا ہے؟ فعلِ اصطلاحی، اصطلاح میں، علمِ نحو میں فعل کسے کہتے ہیں؟ وہ کلمہ جو اپنے معنیٰ پر خود بخود دلالت کرے اور تین زمانوں میں سے کوئی زمانہ بھی اس کے ساتھ ملا ہوا ہو۔ یہ جو مفہوم ہے، اس سارے کا نام فعل رکھا۔ بھئی فعل کیوں رکھا اس سارے کا نام؟ کہتے ہیں اس لیے کیونکہ اس کے اندر مصدر تھا اور مصدر کو عربی زبان میں کیا کہتے ہیں؟ فعل۔ تو اس سارے مجموعے کا نام بھی کیا رکھ دیا؟ فعل رکھ دیا، تو اس کو کیا کہیں گے؟ تَسْمِيَةُ الْمُتَضَمِّنِ بِاسْمِ الْمُتَضَمَّنِ اس کے اندر جو مُتَضَمَّن ہے مصدر، اس کو چونکہ فعل کہتے تھے تو اس مُتَضَمِّن جو ہے یہ سارا مجموعہ جس نے مصدر کو اپنے ضمن میں لیا ہوا ہے، اس کو بھی کیا کہنے لگ پڑے؟ فعل کہنے لگ پڑے، اس کا نام بھی فعل رکھ دیا۔ بات سمجھ میں آگئی؟ یا یوں کہہ لو اس کو کہتے ہیں تَسْمِيَةُ الْكُلِّ بِاسْمِ الْجُزْءِ، تَسْمِيَةُ الْكُلِّ بِاسْمِ الْجُزْءِ۔ دیکھو فعل کا مفہوم مرکب تھا کتنی چیزوں سے؟ تین چیزیں، کون کون سی؟ مصدر، زمانہ اور نسبت الی الفاعل۔ تو اس میں سے ایک جو ہے مصدر اس کو فعل کہتے تھے، تو اس ایک جزکی وجہ سے کل کا نام ہی کیا رکھ دیا؟ فعل رکھ دیا، تو یہ کیا ہے؟ تَسْمِيَةُ الْكُلِّ بِاسْمِ الْجُزْءِ ایک جزکی وجہ سے کل کا وہی نام رکھ دینا۔ یہاں تک بات سمجھ میں آگئی اچھی طرح؟ چلیے بس بھئی، هٰذَا هُوَ الْمَرَامُ وَاللّٰهُ أَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْكَلَامِ۔

سبق نمبر ۲۴: اقسامِ کلمہ (۱): حصرِ کلمہ سے اسم، فعل اور حرف کی تعریفات کا استخراج

شرحِ ملا جامی صفحہ: ۱۷ — بتاریخ: ۳۱ جولائی ۲۰۲۱ء

▪ تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث

دیکھیے بھئی کتاب پر: وَقَدْ عُلِمَ بِذٰلِكَ أَيْ بِوَجْهِ حَصْرِ الْكَلِمَةِ فِي الْأَقْسَامِ الثَّلَاثَةِ حَدُّ كُلِّ وَاحِدٍ مِنْهَا أَيْ مِنْ تِلْكَ الْأَقْسَامِ، وَذٰلِكَ لِأَنَّهُ قَدْ عُلِمَ بِهِ أَيْ بِوَجْهِ الْحَصْرِ أَنَّ الْحَرْفَ كَلِمَةٌ لَا تَدُلُّ عَلٰى مَعْنًى فِي نَفْسِهَا بَلْ تَحْتَاجُ إِلَى انْضِمَامِ كَلِمَةٍ أُخْرٰى۔[1]

اچھا بھئی، آپ عید کی طویل چھٹیاں گزار کر آئے ہیں، تو گزشتہ سبق کا خلاصہ پھر سن لیجیے، بلکہ خوب تفصیل کے ساتھ، اور کچھ مشکل باتیں بھی اس میں آئی تھیں وہ بھی میں دوبارہ بیان کر دیتا ہوں ان شاء اللہ تعالیٰ۔ اگر کچھ کمی تھی اب وہ دور ہو جائے گی اور تمام باتیں ان شاء اللہ آپ کو خوب اچھی طرح سمجھ میں آجائیں گی۔

تو گزشتہ سبق میں ہم کلمہ کی تقسیم پڑھ رہے تھے بھئی، اور اس سے پہلے صاحبِ کتاب نے کلمہ کی تعریف کی تھی کہ اَلْكَلِمَةُ لَفْظٌ وُضِعَ لِمَعْنًى مُفْرَدٍ۔ کلمہ ایسا لفظ ہے جس کو وضع کیا گیا ہو، مقرر کیا گیا ہو، یعنی متعین کیا گیا ہو مفرد معنی کے

[1]

نقشۂ نحوی (۱): کلمہ کی تعریف اور اقسامِ ثلاثہ (اسم، فعل، حرف) کا جامع شجرہ:

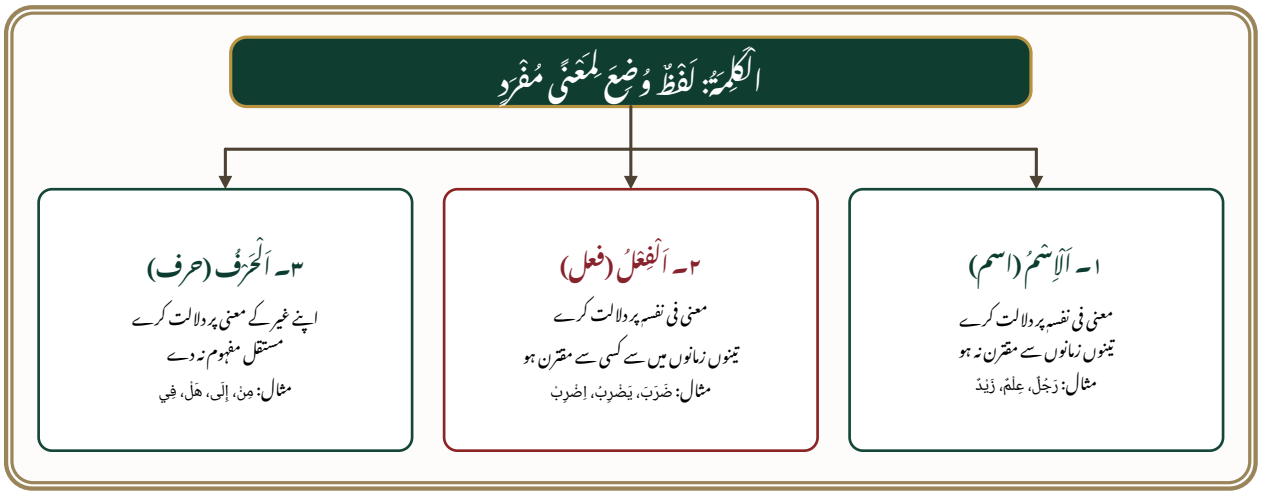

لیے۔ اور میں نے بیان کیا تھا کہ مفرد لفظ اور مفرد معنی کسے کہتے ہیں؟ کہ جزِ لفظ جزِ معنی پر دلالت نہ کرے تو وہ لفظ بھی مفرد اور وہ معنی بھی مفرد۔ اس کے بعد اس کی تقسیم کی اور بتلایا وَہِیَ اسْمٌ وَفِعْلٌ وَحَرْفٌ کہ کلمہ تین قسم پر ہے: اسم، فعل اور حرف بھئی۔ اور آگے جو ہے اس کی وجہِ حصر ذکر کی۔ تو یہاں اشکال ہوا کہ وجہِ حصریہ تو دلیل ہے، دلیل کے لیے دعویٰ چاہیے تو پہلے مصنف کو کیا کرنا چاہیے تھا؟ دعویٰ کرنا چاہیے تھا کہ کلمہ کی یہی تین قسمیں ہیں اور اس کے بعد پھر دلیلِ حصر ذکر کرنی چاہیے تھی۔

تو جواب میں نے ذکر کر دیا تھا کہ جب صاحبِ کافیہ نے بتلا دیا کہ کلمہ کی تین قسمیں ہیں تو اس سے خود بخود ضمناً یہ بات بھی سمجھ میں آگئی کہ یہی تین قسمیں ہیں، انہی میں کلمہ بند ہے، اگر مزید قسمیں ہوتیں تو صاحبِ کافیہ اس کو بھی ذکر کرتے۔ تو جب صرف تین ذکر کیں، معلوم ہوا یہی تین قسمیں ہیں اور کلمہ انہی کے اندر بند ہے، تو ضمناً دعویٰ آگیا۔ اور پھر آگے شارحِ جامی نے بھی آگے أَیْ مُنْقَسِمَةٌ إِلٰی ہٰذِهِ الْأَقْسَامِ الثَّلَاثَةِ وَمُنْحَصِرَةٌ فِیْہَا، اس کے ذریعے اس ضمنی دعوے کو بیان کر دیا کہ یہاں ضمناً دعویٰ سمجھ میں آرہا ہے۔

میں نے بتلایا تھا بعض شارحین نے أَیْ مُنْقَسِمَةٌ اس کو ہِیَ کی خبر بنایا۔ اس کو؟ اس لیے کیونکہ میں نے آپ کو بتلایا تھا کہ جب ضمیر دائر ہو جائے بَیْنَ الْمَرْجِعِ وَالْخَبَرِ، مرجع کو دیکھیں تو ضمیر ایک قسم کی ہونی چاہیے، خبر کو دیکھیں تو ضمیر دوسری قسم کی ہونی چاہیے، جیسے یہاں پر وَہِیَ اسْمٌ وَفِعْلٌ وَحَرْفٌ۔ ہِیَ ضمیر کا مرجع ہے اَلْکَلِمَةُ، اس کو دیکھیں تو ضمیر کو مؤنث ہونا چاہیے اور آگے اس کی خبر ہے اِسْمٌ وَفِعْلٌ وَحَرْفٌ، خبر مذکر ہے۔ تو مرجع مؤنث ہے اور خبر مذکر ہے، تو مرجع کو دیکھیں تو ضمیر کو مؤنث لانا چاہیے اور خبر کو دیکھیں تو ضمیر کو مذکر لانا چاہیے کیونکہ بتدا خبر میں بھی مطابقت ہوتی ہے۔

میں نے بتلایا تھا کہ ایسے موقع پر جب ضمیر دائر ہو جائے بَیْنَ الْمَرْجِعِ وَالْخَبَرِ تو اس موقع پر دونوں کی رعایت رکھنا جائز ہے، یعنی جس کسی کی بھی رعایت رکھ لی جائے ٹھیک ہے۔ آپ چاہیں تو مرجع کی رعایت رکھیں اور آپ چاہیں تو خبر کی، کیونکہ دونوں کی رعایت تو ایک وقت میں ہو نہیں سکتی، ایک وقت میں یا مرجع کی رعایت ہوگی یا خبر کی رعایت ہوگی، تو جس کسی کی بھی رعایت رکھ لی جائے بات ٹھیک ہے۔ تو صاحبِ کافیہ نے مرجع کی رعایت رکھی اور ہِیَ ضمیر مؤنث کی لے کر آگئے، تو خبر کی رعایت انہوں نے نہیں رکھی۔

اور یاد رکھنا ایسے موقع پر اولیٰ یہ ہے، بہتر یہ ہے کہ خبر کی رعایت رکھی جائے۔ چنانچہ بعض شارحین نے پھر اشکال کیا کہ بہتر تو یہ تھا کہ کس کی رعایت رکھی جاتی؟ خبر کی رعایت رکھی جاتی، لیکن صاحبِ کافیہ نے خبر کی رعایت نہیں رکھی۔ تو چنانچہ پھر وہ کہتے ہیں کہ یہ جو مُنْقَسِمَةٌ ہے، یہ ہے ہِیَ کی خبر۔ اِسْمٌ وَفِعْلٌ وَحَرْفٌ نہیں ہے خبر، بلکہ خبر کیا ہے؟ مُنْقَسِمَةٌ۔ اور یہ بھی مؤنث اور ہِیَ بھی مؤنث، تو دیکھو اب خبر کی رعایت ہو گئی۔ لیکن میں نے بتلایا یہ، میرے خیال میں یہ تقریر درست نہیں ہے، اس لیے کیونکہ ایسے موقع پر چاہے خبر کی رعایت رکھی جائے چاہے مرجع کی دونوں ٹھیک ہیں۔ البتہ خبر کی رعایت رکھنا

اولیٰ ہے، تو زیادہ سے زیادہ خلافِ اولیٰ بات ہوئی ہے، کوئی کلام میں فساد نہیں آیا، کوئی خرابی نہیں آئی کہ جس کی وجہ سے آپ یہ کہیں کہ اِسْمٌ وَفِعْلٌ وَحَرْفٌ یہ خبر ہے ہی نہیں، خبر کیا ہے؟ مُنْقَسِمَةٌ۔ یہ تو آپ تب کہتے اگر کلام میں کوئی فساد ہوتا، کوئی خرابی ہوتی، حالانکہ کلام میں کوئی فساد اور خرابی نہیں ہے۔ تو لہٰذا مُنْقَسِمَةٌ کو خبر قرار دینا یہ تقریر میرے خیال میں مناسب نہیں ہے بھئی۔ یہاں سے صرف صاحبِ جامی جو ہے، وہ جو دعویٰ ضمناً سمجھ میں آ رہا تھا کہ کلمہ کی یہی تین قسمیں ہیں اور انہی میں یہ بند ہے، وہ دعویٰ ذکر کر رہے ہیں آگے دلیلِ حصر کے لیے۔

پھر آگے دلیلِ حصر شروع ہوئی تھی۔ اور دلیلِ حصر کے اندر انہوں نے بتلایا تھا کہ یا تو کلمہ اپنے معنی پر خود بخود دلالت کرے گا یا دلالت نہیں کرے گا۔ اگر دلالت نہ کرے تو وہ حرف ہے، اور اگر دلالت کرے تو پھر اس کے معنی کے ساتھ تین زمانوں میں سے کوئی زمانہ ملا ہوگا یا نہیں ملا ہوگا۔ اگر نہ ملا ہو تو پھر یہ اسم ہے اور اگر ملا ہو تو یہ فعل ہے۔

تو یہاں پر وجہِ حصر کے اندر دلالت کا ذکر آیا تو اس پر اشکال ہوتا تھا کہ یہ تو آپ کی دلیل دعویٰ کے مطابق نہیں۔ دعوے کے اندر دیکھو کہ یہ کلمہ کی یہی تین قسمیں ہیں، انہی میں بند ہے، یہ ہے دعویٰ، اور آگے دلیل کیا آئی؟ کیونکہ یا تو کلمہ اپنے معنی پر خود دلالت کرے گا یا دلالت نہیں کرے گا۔ تو دلیل کے اندر آپ دلالت کو لے آئے اور دعوے کے اندر تو کوئی دلالت کا ذکر نہیں، تو یہ آپ کی یہ دلیل دعوے کے مطابق نہیں ہے۔ تو اس کا جواب انہوں نے دیا تھا کہ بھئی یہ دعویٰ کس کی قسموں کے بارے میں ہے؟ کلمہ، اور کلمہ کس کو کہتے ہیں؟ وہ لفظ جس کو کسی مفرد معنی کے لیے وضع کیا جائے۔ تو اس میں کلمہ کے اندر وضع ہوتی ہے اور وضع مستلزمِ دلالت ہے، وضع کو دلالت لازم ہے۔ وضع ہوتی ہی کس لیے ہے؟ دلالت کے لیے ہوتی ہے۔ ایک لفظ کو ایک معنی کے لیے وضع کیا جاتا ہے، ایک چیز کو دوسری چیز کے لیے وضع کیا جاتا ہے تاکہ پہلی چیز دوسری چیز پر دلالت کر دے، جیسے سرخ اشارے کو گاڑی کے روکنے کے لیے وضع کیا گیا ہے تو سرخ اشارہ دیکھتے ہی آپ گاڑی روک دیتے ہیں۔ دیکھو سرخ اشارے نے کس پر دلالت کی؟ گاڑی روکنے پر۔ تو دیکھا وضع ہوتی ہی کس لیے ہے؟ دلالت کے لیے ہے، تو وضع مستلزمِ دلالت ہے۔ تو جہاں وضع ہوگی وہاں دلالت ضرور ہوگی۔ تو یہ وجہِ حصر ہے کلمہ کی اقسام کی، اور کلمہ کے اندر وضع ہوتی ہے اور وضع کو مستلزم ہے دلالت، تو دلالت یہاں اس کا ذکر ضمناً آ چکا ہے بھئی۔

اس کے بعد پھر آپ کو انہوں نے بتلایا تھا کہ یہ فِیْ نَفْسِہَا جو ہے یہ صفت ہے معنی کی، عَلٰی مَعْنًی کَائِنٍ أَیْ ثَابِتٍ فِیْ نَفْسِہَا، ایسا معنی جو اس کی کلمے کی ذات میں ثابت ہو۔ ایسا معنی جو کلمے کی ذات میں ثابت ہو۔ تو کلمے کی ذات میں معنی کے ثابت ہونے کا کیا مطلب؟ وجہِ حصر کیا بیان کی؟ کہ یا تو کلمہ ایسے معنی پر دلالت کرے گا جو کلمہ کی ذات میں ہوگا یا ایسی معنی پر دلالت نہیں کرے گا۔ تو معنی کے کلمے کی ذات میں ہونے کا کیا مطلب؟ معنی کلمہ کی ذات میں ہونے کا معنی یہ ہے کہ کلمہ خود بخود اس معنی پر دلالت کرے، وہ کسی اور کلمے کا محتاج نہیں ہے کہ اس پر دلالت کرنے کے لیے۔ میں نے اس کی مثال ذکر کی تھی: ایک ہے لفظِ اِبْتِدَاء، اس کا معنی بھی شروع کرنا، اور ایک ہے لفظِ مِنْ، اس کا معنی بھی ہے شروع کرنا۔ تو

اِبْتِدَاء کا معنی بھی شروع کرنا اور مِنْ کا معنی بھی شروع کرنا، لیکن اِبْتِدَاء کا لفظ بولتے ہی آپ اس کا معنی سمجھ گئے۔ اِبْتِدَاء کا کیا معنی ہے؟ شروع کرنا۔ لیکن مِنْ میں کہوں تو اس کا معنی شروع کرنا آپ کو سمجھ میں نہیں آتا، جب تک مِنْ کے ساتھ دوسرے کلمے نہیں جڑیں گے تب تک مِنْ کا معنی شروع کرنا آپ کو سمجھ میں نہیں آئے گا۔ جیسے مثلاً میں کہتا ہوں سِرْتُ مِنَ الْبَيْتِ إِلَى الْمَسْجِدِ، میں کمرے سے چلا، یا سِرْتُ مِنَ الدَّارِ إِلَى الْمَسْجِدِ، میں گھر سے چلا مسجد تک۔ تو یہاں دیکھو چلنا بھی ذکر ہے، کس چیز کی ابتدا ہو رہی ہے؟ چلنے کی، اور کہاں سے ابتدا ہو رہی ہے؟ گھر سے۔ تو دیکھا چلنے کا بھی ذکر ضروری اور جہاں سے ابتدا ہے اس کا بھی ذکر ضروری۔ اب مِنْ نے اپنے معنی پر دلالت کی: سِرْتُ مِنَ الدَّارِ إِلَى الْمَسْجِدِ، میں چلا گھر سے مسجد تک، معلوم ہوا میرے چلنے کی ابتدا کہاں سے ہو رہی ہے؟ گھر سے ہو رہی ہے، یہ کس نے بتایا؟ مِنْ نے۔ تو دیکھا مِنْ کا معنی بھی تھا شروع کرنا لیکن اکیلے مِنْ نے اس معنی پر دلالت نہیں کی۔ جب اس کے ساتھ سِرْتُ اور اَلدَّارِ کو میں نے ذکر کر دیا اب آپ کو پتہ چلا کہ کس چیز کی ابتدا ہو رہی ہے؟ چلنے کی، اور کہاں سے ہو رہی ہے؟ گھر سے۔ تو مِنْ جو ہے اپنے معنی یعنی شروع کرنے پر خود بخود دلالت نہیں کرتا، جبکہ اِبْتِدَاء جو ہے وہ اپنے معنی یعنی شروع کرنے پر خود بخود دلالت کرتی ہے۔

بات کیا چل رہی تھی؟ وجہِ حصر ذکر ہو رہی تھی کہ کلمہ یا تو ایسے معنی پر دلالت کرے گا فِيْ نَفْسِهَا جو کس میں ہوگا؟ اس کلمے کی ذات میں ہوگا۔ کلمے کی ذات میں معنی ہونے کا کیا مطلب ہے؟ کہ کلمہ سے وہ معنی خود بخود سمجھ میں آئے، اس کے ساتھ کسی دوسرے کلمے کو جوڑنے کی ضرورت نہ ہو، یعنی وہ معنی مستقل بالمفہوم ہو۔ کیا ہو؟ مستقل بالمفہوم ہو، اس لفظ سے مستقلاً وہ معنی سمجھ میں آ رہا ہو۔ میں نے اِبْتِدَاء کہا، مستقلاً آپ کو کیا معنی سمجھ میں آگیا؟ شروع کرنا۔ میں نے کہا مِنْ، اب آپ کو شروع کرنے کا معنی سمجھ میں نہیں آیا۔ تو کلمہ یا تو ایسے معنی پر دلالت کرے گا جو اس کی ذات میں ہوگا یا نہیں کرے گا۔ اگر نہ کرے تو پھر وہ حرف ہے۔ تو کلمہ اگر ایسے معنی پر دلالت نہ کرے جو اس کی ذات میں ہو تو اس کو کیا کہتے ہیں؟ حرف۔ اور اگر ایسے معنی پر دلالت کرے جو اس کی ذات میں ہے، پھر آگے انہوں نے کہا تھا کہ وہ إِمَّا أَنْ يَقْتَرِنَ بِأَحَدِ الْأَزْمِنَةِ الثَّلَاثَةِ أَوْ لَا، کہ وہ معنی ملا ہوگا تین زمانوں میں سے کسی ایک کے ساتھ یا ملا ہوا نہیں ہوگا۔ توجہ ہے؟ یا تو وہ معنی ملا ہوا ہوگا تین زمانوں میں سے کسی ایک زمانے سے۔ إِمَّا أَنْ يَقْتَرِنَ، توجہ ہے، یہ عبارت پہ نظر رکھیں کتاب میں بھئی، إِمَّا أَنْ يَقْتَرِنَ بِأَحَدِ الْأَزْمِنَةِ الثَّلَاثَةِ کہ یا تو وہ ملا ہوا ہوگا تین زمانوں میں سے کسی ایک کے ساتھ، أَوْ لَا یا ملا ہوا نہیں ہوگا۔ یہاں پر صاحبِ جامی رحمہ اللہ نے بتلایا تھا کہ أَنْ يَقْتَرِنَ کی ضمیر لفظ کو نہیں راجع بلکہ معنی کو راجع ہے، کس کو راجع ہے؟ دیکھو مثلاً میں آپ سے کہتا ہوں ضَرَبَ، جی ضَرَبَ، ضَرَبَ کا کیا معنی؟ اس مرد نے پٹائی کی۔ کس زمانے میں؟ زمانہِ ماضی میں، گزشتہ زمانے کے اندر۔ تو دیکھو انہوں نے کیا کہا؟ کلمہ یا تو ایسے معنی پر دلالت کرے گا جو اس کی ذات میں ہوگا یا دلالت نہیں کرے گا۔ اگر نہ کرے تو وہ حرف ہے۔ اگر کلمہ ایسے معنی پر دلالت کرے جو اس کی ذات میں ہے تو پھر وہ معنی ملا ہوا ہوگا تین زمانوں میں سے کسی ایک سے یا ملا ہوا نہیں ہوگا۔ اگر ملا ہوا ہو تو وہ فعل، اگر ملا ہوا نہ ہو تو وہ اسم۔ تو دیکھو وہ

معنی جو ہے وہ زمانے کے ساتھ ملا ہوتا ہے، وہ لفظ نہیں۔ ایک ہے لفظ، ایک ہے اس کا معنی، تو یہاں تھا إِمَّا أَنْ يَقْتَرِنَ، وہ ملا ہوا ہوگا، تو صاحبِ جامی نے آگے بتلا دیا ذٰلِكَ الْمَعْنٰى، کہ أَنْ يَقْتَرِنَ کے اندر ضمیر کس کو راجع ہے؟ معنی کو۔ کیونکہ ایک ہے لفظ، ایک ہے اس کا معنی، تو یاد رکھو یہ جو لفظ ہے یہ زمانے سے نہیں جڑا ہوتا۔ جیسے ضَرَبَ، یہ دیکھو یہ لفظ نہیں زمانے کے ساتھ جڑا ہوا۔ مثلاً میں نے کہا ضَرَبَ، تو کیا یہ ماضی کے ساتھ جڑ گیا جا کر؟ یا یوں کہو يَضْرِبُ، کیا یہ حال یا استقبال سے جڑ گیا؟ نہیں، یہ لفظ نہیں زمانے کے ساتھ جڑا ہوتا، بلکہ معنی جڑا ہوتا ہے۔ بلکہ اس سے زیادہ وضاحت اِضْرِبْ کے ذریعے ہوگی۔ دیکھو مثلاً میں آپ سے کہتا ہوں اِضْرِبْ، یہ فعلِ امر ہے اور آپ جانتے ہیں اس میں کون سا زمانہ ہوتا ہے؟ مستقبل والا۔ توجہ ہے؟ اِضْرِبْ میں مستقبل والا زمانہ ہے، میں کسی کو حکم دیتا ہوں کہ اِضْرِبْ زَيْداً، کیا کرو تم زید کی پٹائی کرو۔ تو یہ اس، گویا آگے جو مستقبل والا زمانہ ہے اس میں کیا کرو؟ زید کی پٹائی کرو۔ اب مجھے بتائیے اِضْرِبْ میں کون سا زمانہ ہے؟ مستقبل والا، تو کیا یہ اِضْرِبْ کا لفظ مستقبل میں سے جڑ گیا؟ اِضْرِبْ کا لفظ مستقبل میں چلا گیا؟ نہیں، اِضْرِبْ کا لفظ مستقبل میں نہیں گیا، اِضْرِبْ کا معنی جو پٹائی کرنا ہے وہ کس کے ساتھ جڑا ہوا ہے کہ تم پٹائی کرو کس زمانے میں؟ مستقبل کے زمانے میں۔ اسی طرح جب ضَرَبَ کہا، ضَرَبَ کہا، تو یہ معنی نہیں کہ ضَرَبَ کے لفظ کے ساتھ ماضی کا زمانہ جڑ گیا یا ضَرَبَ کا لفظ ماضی کے زمانے میں چلا گیا، یا يَضْرِبُ فعلِ مضارع ہے یہ حال اور استقبال کے معنی میں ہے، تو اس کا یہ معنی نہیں کہ يَضْرِبُ کا لفظ کس میں چلا گیا؟ حال یا استقبال میں، نہیں، یہ معنی نہیں۔ بلکہ اس کا معنی جو ہے، ضَرَبَ کا کیا معنی؟ پٹائی کرنا۔ یہ پٹائی کرنا ماضی کے زمانے میں ہے، یہ پٹائی کب ہوئی ہے؟ ماضی کے زمانے میں۔ يَضْرِبُ، یہ پٹائی ہو رہی ہے یا ہوگی حال میں یا، دیکھو یہ پٹائی ہونا یہ جو معنی ہے یہ حال یا استقبال میں ہے۔ اِضْرِبْ، اِضْرِبْ کا کیا معنی؟ پٹائی کرنا، لیکن کس زمانے میں ہے؟ مستقبل میں کہ مستقبل میں پٹائی کرو۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو لفظ جو ہے وہ زمانے کے ساتھ نہیں جڑا ہوتا بلکہ اس کا معنی زمانے کے ساتھ جڑا ہوتا ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ فعل کسے کہتے ہیں؟ وہ کلمہ ہے جو اپنے معنی پر خود بخود دلالت کرتا ہے اور اس کا معنی تین زمانوں میں سے کسی ایک زمانے کے ساتھ جڑا ہوتا ہے۔ میں نے آپ کو بتلایا تھا کہ ایک فعل کا اپنا معنی ہوتا ہے اور ایک ہے زمانہ۔ فعل کا اپنا معنی الگ ہوگا اور زمانے پر اس کی صورت دلالت کرے گی، زمانہ الگ ہوگا۔ ضَرَبَ، دیکھو ضاد، را، با۔ یہ ضَرَبَ، اس کا معنی کیا ہے؟ پٹائی کرنا، لیکن اس کی یہ جو صورت ہے ضاد ہے، را ہے اور با اور تینوں پر زبر ہے، یہ صورت کس پر دلالت کر رہی ہے کہ کس زمانے میں ہوئی ہے یہ پٹائی؟ ماضی کے زمانے میں۔ يَضْرِبُ، دیکھو اس کے اندر بھی وہی ضاد، را، با والا مادہ آگیا۔ يَضْرِبُ کا معنی بھی پٹائی کرنا، لیکن اس کی صورت کس زمانے پر دلالت کر رہی ہے؟ حال یا استقبال۔ اِضْرِبْ کے اندر بھی وہی ضاد، را، با ہے، لیکن اس کی صورت کس پر دلالت کر رہی ہے؟ مستقبل والے معنی پر کہ یہ پٹائی کب مطلوب ہے؟ مستقبل میں مطلوب ہے۔ تو فعل کا اپنا معنی الگ ہوتا ہے، جیسے یہاں ضاد، را، با جہاں بھی مادہ آیا سب کا معنی ہے پٹائی کرنا، اور زمانہ الگ اس کے ساتھ جڑا ہوا ہوتا ہے، تو زمانہ اس معنی کے ساتھ جڑا ہوا ہوتا ہے۔

تو یہ عبارت آئی تھی: إِمَّا مِنْ صِفَتِهَا أَنْ يَقْتَرِنَ ذٰلِكَ الْمَعْنَى الْمَدْلُوْلُ عَلَيْهِ بِنَفْسِهَا، کہ ملا ہوا ہوگا وہ معنی جو مدلول علیہ ہے نفسِ کلمہ سے، جو سمجھ میں آرہا ہے، جس پر دلالت کر رہا ہے خود کلمہ، فِي الْفَهْمِ عَنْهَا۔ میں نے بتلایا تھا کہ فِي الْفَهْمِ عَنْهَا اس کے ذریعے صاحبِ جامی دراصل مصدر کو نکالنا چاہتے ہیں کس سے؟ فعل کی تعریف سے۔ فعل کسے کہتے ہیں؟ کہ وہ اپنے معنی پر خود بخود دلالت کرتا ہے اور تین زمانوں میں سے کوئی زمانہ بھی اس کے ساتھ، توجہ ہے؟ پھر سمجھ لو فِي الْفَهْمِ عَنْهَا، فعل کسے کہتے ہیں؟ جو اپنے معنی پر خود بخود دلالت کرتا ہے اور تین زمانوں میں سے کوئی زمانہ بھی اس کے ساتھ جڑا ہوا ہوتا ہے، ملا ہوا ہوتا ہے۔ تو اب مصدر بھی اس تعریف کے اندر داخل ہو رہا ہے، کیوں؟ ضَرْبٌ کا کیا معنی؟ پٹائی کرنا، اور یہ پٹائی بھی کسی زمانے میں ہوگی کہ نہیں؟ بغیر کسی زمانے کے پٹائی ہو سکتی ہے؟ نہیں۔ شُرْبٌ کا کیا معنی؟ پینا، اور یہ پینا بھی کسی زمانے میں ہوگا کہ بغیر زمانے کے ہوگا؟ یہ بھی کسی زمانے میں ہوگا، یا ماضی میں یا حال میں یا استقبال میں۔ اسی طرح ضَرْبٌ ہے، یہ ضَرْبٌ بھی یا تو زمانِ ماضی میں ہوگی یا حال میں یا استقبال، تو مصدر بھی ہمیشہ کسی نہ کسی زمانے میں ہوتا ہے، بغیر زمانے کے مصدر نہیں ہو سکتا۔ تو فعل کی تعریف میں کون داخل ہو رہا ہے؟ مصدر۔ کیونکہ انہوں نے کیا کہا؟ فعل وہ لفظ ہے جو اپنے معنی پر خود بخود دلالت کرے اور اس کے ساتھ تین زمانوں میں سے کوئی زمانہ ملا ہوا ہو۔ تو مصدر بھی اپنے معنی پر خود بخود دلالت کرتا ہے: ضَرْبٌ میں نے کہا، معنی سمجھ میں آیا یا نہیں؟ معنی پٹائی کرنا بھی سمجھ میں آیا اور یہ ہمیشہ کسی نہ کسی زمانے میں ہوگا، ماضی میں، حال میں یا استقبال میں۔ شُرْبٌ کا کیا معنی ہے؟ پینا، یہ اپنے معنی پر دلالت بھی خود بخود کر رہا ہے اور یہ بھی کسی نہ کسی زمانے میں ہوگا۔ تو مصدر کس کے اندر داخل ہو رہا تھا؟ فعل کی تعریف کے اندر۔ تو فِي الْفَهْمِ عَنْهَا اس قید کے ذریعے مصدر کو فعل کی تعریف سے خارج کر دیا۔ فِي الْفَهْمِ عَنْهَا، اس کلمہ سے مفہوم ہونے میں۔ اس کلمہ سے...

دیکھو کتاب کی عبارت دیکھو: یا تو وہ معنی ملا ہوا ہوگا فِي الْفَهْمِ عَنْهَا اس کلمہ سے، توجہ ہے؟ وہ معنی ملا ہوا ہوگا، ادھر دیکھیے، وہ معنی ملا ہوا ہوگا کس کے ساتھ؟ تین زمانوں میں سے کسی ایک زمانے کے ساتھ فِي الْفَهْمِ عَنْهَا اس کلمہ سے مفہوم ہونے میں۔ توجہ سے سنو، وہ معنی ملا ہوا ہوگا کس کے ساتھ؟ تین زمانوں میں سے کسی ایک زمانے کے ساتھ، کس طرح؟ فِي الْفَهْمِ عَنْهَا، اس کلمہ سے مفہوم ہونے میں۔ اس کلمہ سے مفہوم ہونے میں وہ معنی تین زمانوں میں سے کسی ایک زمانے کے ساتھ جڑا ہوا ہوگا۔ ضَرْبٌ کا معنی مفہوم ہو رہا ہے یا نہیں؟ آپ کو سمجھ میں آرہا ہے یا نہیں؟ کیا معنی؟ پٹائی کرنا۔ ضَرَبَ کا معنی آپ کو مفہوم ہو رہا ہے کہ نہیں ضَرَبَ سے؟ کیا معنی؟ پٹائی کی اس نے زمانِ ماضی میں۔ تو دیکھو، ضَرْبٌ سے بھی ایک معنی مفہوم ہو رہا ہے، ضَرَبَ سے بھی ایک معنی مفہوم ہو رہا ہے، لیکن کون سا معنی مفہوم ہونے میں زمانے کے ساتھ جڑا ہوا ہے؟ ضَرَبَ والا۔ ضَرْبٌ کا کیا معنی؟ پٹائی۔ ضَرْبٌ سے پٹائی کرنے کا معنی تو مفہوم ہو رہا ہے لیکن یہ جو پٹائی کرنا مفہوم ہو رہا ہے ضَرْبٌ سے یہ مفہوم ہوتے وقت کسی زمانے کے ساتھ جڑا ہوا نہیں ہے۔ ضَرْبٌ کا کیا معنی؟ پٹائی کرنا، دیکھا آپ

نے کوئی زمانہ ساتھ جوڑا؟ نہیں، کیونکہ اس کے ساتھ کوئی زمانہ جڑا ہوا نہیں۔ تو ضَرْبٌ سے بھی اس کا معنی مفہوم ہو رہا ہے، ضَرَبَ سے بھی اس کا معنی مفہوم ہو رہا ہے، لیکن مفہوم ہونے میں ضَرَبَ کا معنی کس کے ساتھ جڑا ہوا ہے؟ زمانہِ ماضی کے ساتھ۔ یَضْرِبُ سے بھی پٹائی کرنے کا معنی مفہوم ہو رہا ہے لیکن یہ کس زمانے کے ساتھ جڑا ہوا ہے؟ حال یا استقبال کے ساتھ۔ اور اِضْرِبْ سے بھی پٹائی کرنے کا معنی مفہوم ہو رہا ہے لیکن یہ کس زمانے کے ساتھ جڑا ہوا ہے؟ مستقبل کے ساتھ۔ اور ضَرْبٌ سے بھی اس کا معنی مفہوم ہو رہا ہے لیکن یہ مفہوم ہونے میں کسی زمانے کے ساتھ جڑا ہوا نہیں ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو فِی الْفَہْمِ عَنْہَا کا کیا معنی؟ کہ اس کلمہ سے جو معنی مفہوم ہو رہا ہے، مفہوم ہونے میں ہی وہ جڑا ہوا ہے کس کے ساتھ؟ زمانے کے ساتھ۔ تو مصدر جو ہوتا ہے اس کا وقوع زمانے میں ہوتا ہے، اس کا معنی مفہوم ہونے میں زمانے کے ساتھ جڑا ہوا نہیں ہوتا۔ ضَرْبٌ، یہ ضرب پٹائی کرنا، یہ ضرور کسی نہ کسی زمانے میں ہوگی لیکن ضَرْبٌ سے جو معنی مفہوم ہو رہا ہے کیا؟ پٹائی کرنا، یہ معنی مفہوم ہونے میں کسی زمانے کے ساتھ ملا ہوا نہیں۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو ضَرْبٌ کا جو معنی ہے وہ اس سے مفہوم ہونے میں کسی زمانے کے ساتھ جڑا ہوا نہیں۔ ہاں، یہ ضَرْبٌ ہوگی ہمیشہ کسی نہ کسی زمانے میں، مصدر کا وقوع اور تحقق تو کسی زمانے میں ہوتا ہے لیکن اس سے جو معنی مفہوم ہوتا ہے وہ معنی کسی زمانے کے ساتھ جڑا ہوا نہیں ہوتا۔ جبکہ فعل کا جو معنی ہوتا ہے وہ فعل سے جب مفہوم ہوتا ہے تو زمانہ اس کے ساتھ جڑا ہوتا ہے، جیسے ضَرَبَ کا کیا معنی ہے؟ اس سے پٹائی کرنا مفہوم ہو رہا ہے لیکن یہ پٹائی کرنا کس زمانے میں ہے؟ زمانہِ ماضی کے اندر ہے۔ یہ فائدہ تھا فِی الْفَہْمِ عَنْہَا کا۔

اور بِأَحَدِ الْأَزْمِنَةِ الثَّلَاثَةِ، تین زمانوں میں سے کسی ایک کے ساتھ جڑا ہوا ہوگا۔ أَعْنِی الْمَاضِیَ وَالْحَالَ وَالِاسْتِقْبَالَ یعنی ماضی، حال اور استقبال۔ ماضی، حال اور استقبال بھئی، یعنی وہ تین زمانے یہ ہیں: ماضی، حال اور استقبال۔ میں نے آپ کو بتلایا تھا فعل کا معنی اپنا الگ ہوگا اور زمانہ اس کے ساتھ الگ جڑا ہوا ہوگا۔ ضَرَبَ میں ضاد، را، با کا مادہ ہے، اس کا معنی پٹائی کرنا، لیکن یہ جو اس کی صورت ہے ضاد، را اور باتینوں پر فتحہ ہے، ضَرَبَ، اس نے ماضی کے زمانے پر دلالت کی۔ یَضْرِبُ، اس کا معنی بھی ہے پٹائی کرنا، لیکن اس کی جو صورت ہے اس صورت نے کس پر دلالت کی؟ حال یا استقبال پر۔ اِضْرِبْ، اس کے اندر بھی ضاد، را، با والا مادہ ہے، لیکن اس کی صورت نے کس زمانے پر دلالت کی؟ مستقبل والے زمانے پر دلالت کی۔ تو فعل کا اپنا معنی الگ ہوتا ہے اور زمانہ اس کے ساتھ الگ جڑا ہوا ہوتا ہے۔

لہٰذا اگر کوئی اشکال کرے کہ ماضی دیکھو ایک زمانہ ہے، حال ایک زمانہ ہے اور مستقبل ایک زمانہ ہے، یہ بھی فعل کی تعریف میں داخل ہو گئے کیونکہ ماضی سے آپ کو کون سا زمانہ سمجھ میں آیا؟ گزشتہ زمانہ، دیکھو خود بخود اپنے معنی پر اس نے دلالت کی، کسی اور کلمے کے جڑنے کا محتاج نہیں، اور ساتھ زمانہ بھی ہے کون سا؟ ماضی والا۔ اور حال کا کیا معنی؟ حال موجودہ زمانہ، اس نے اپنے معنی پر خود بخود دلالت کی، کسی اور کلمے کے ساتھ جڑنے کا یہ محتاج نہیں، اور زمانہ بھی ہے کون

سا؟ حال والا۔ اور مستقبل، اس نے اپنے مستقبل سے کون سا معنی اور کون سا زمانہ مراد ہے؟ آنے والا، تو اس نے اپنے معنی پر خود بخود دلالت کی، کسی اور کلمے کے ساتھ یہ جڑنے کا محتاج نہیں، اور زمانہ بھی ہے مستقبل والا۔ تو ان کو بھی فعل کہنا چاہیے ماضی، حال اور مستقبل کو۔ تو جواب گزر گیا۔ جواب یہ کہ فعل کا اپنا معنی الگ ہوتا ہے اور زمانہ اس کے ساتھ الگ جڑا ہوتا ہے، اور ماضی، حال اور استقبال یہ تو عین زمانے کا نام ہیں۔ ان کا اپنا معنی الگ ہو اور زمانہ الگ جڑا ہو، ایسا نہیں ہے۔ ماضی، ماضی کا اپنا معنی کچھ اور ہو اور گزشتہ زمانہ ساتھ جڑا ہو پھر ہم کہیں گے یہ فعل ہے، لیکن اس کا تو اپنا معنی ہی کیا ہے؟ زمانہ، گزشتہ زمانہ ہے۔ اس کا اپنا معنی تو اور کچھ ہے ہی نہیں، یہ تو گزشتہ زمانے ہی کا نام ہے، لہٰذا یہ فعل کی تعریف سے خارج، کہ فعل کا معنی الگ ہوتا ہے اور زمانہ اس کے ساتھ الگ جڑا ہوتا ہے، لیکن جبکہ ماضی، حال اور مستقبل ایسے نہیں ہیں، وہ خود عین زمانے کا نام ہیں، ان کا اپنا معنی الگ ہو اور زمانہ ساتھ جڑا ہوا ہو ایسا نہیں ہے۔ لہٰذا یہ تعریف سے خارج ہو گئے۔

اور پھر اس کے ساتھ ساتھ انہوں نے وجہِ تسمیہ بھی ہر ایک کی بتلائی تھی کہ حرف کو حرف کیوں کہتے ہیں؟ اسم کو اسم کیوں کہتے ہیں؟ اور فعل کو فعل کیوں کہتے ہیں؟ حرف، حرف کو حرف اس لیے کہتے ہیں کیونکہ حرف کا معنی ہے طرف، جانب، کنارہ۔ حرف بھی چونکہ ایک کنارے پر ہوتا ہے اس لیے اس کو حرف کہتے ہیں۔ اس پر اشکال ہوتا ہے کہ حرف تو کبھی بیچ میں بھی آجاتا ہے، زَیْدٌ فِی الدَّارِ، زَیْدٌ اور الدَّارِ کے بیچ میں فِیْ آگیا۔ تو جواب میں نے بتلایا تھا کہ بھئی جانب میں ہونے کا یہ معنی نہیں ہے کہ وہ بیچ میں نہیں آسکتا، بلکہ معنی یہ ہے کہ وہ کلام میں نہ مسند بنتا ہے اور نہ مسند الیہ بنتا ہے۔ فعل جو ہے، فعل اور، اسم اور فعل وہ تو مسند اور مسند الیہ بن سکتے ہیں لیکن حرف مسند اور مسند الیہ نہیں بنتا۔ یہاں انہوں نے ذکر کیا تھا کہ اسم اور فعل کلام میں عمدہ واقع ہوتے ہیں جبکہ حرف کلام میں عمدہ واقع نہیں ہوتا، یہ ایک جانب ہوتا ہے۔

میں نے بتلایا تھا کہ یہاں دو لفظ ہیں ہمیشہ یاد رکھنا: ایک ہے عمدہ اور ایک ہے فضلہ۔ عمدہ جو کلام کا اعلیٰ حصہ ہو، نام سے ہی پتہ چل رہا ہے، اور فضلہ کا معنی ہوتا ہے زائد، جو کلام کا زائد حصہ ہے۔ تو عمدہ حصہ، کلام کا عمدہ حصہ یعنی وہ بنیادی جز جس کے بغیر کلام مکمل ہی نہیں ہوتا، اور وہ دو ہیں: ایک مسند اور ایک مسند الیہ بھئی۔ اور اسم وہ مسند بھی بنتا ہے اور مسند الیہ بھی بنتا ہے۔ فعل وہ مسند تو بنتا ہے، مسند الیہ نہیں بنتا۔ اور حرف نہ مسند بنتا ہے اور نہ مسند الیہ بنتا ہے۔ تو کلام کے اعلیٰ اور عمدہ جز کون سے ہیں؟ مسند اور مسند الیہ ہیں، یعنی کلام کا وہ بنیادی جز جس کے بغیر کلام پورا ہی نہیں ہو سکتا، اور جس کو بغیر کسی دلیل کے حذف کرنا بھی جائز نہیں۔ آپ بتدا یا خبر کو تبھی حذف کریں گے جب وہاں کوئی قرینہ موجود ہو جس سے سننے والوں کو پتہ چل جائے کہ یہاں بتدا محذوف ہے یا خبر محذوف ہے۔ اگر آپ کوئی قرینہ بھی قائم نہیں کریں گے تو پھر تو کسی کو پتہ ہی نہیں چلے گا۔ تو یہ جو عمدہ ہے یعنی مسند اور مسند الیہ، یہ کلام کا بنیادی جز ہیں اور ان میں سے

کسی ایک کو بھی بغیر دلیل کے حذف کرنا جائز نہیں، اور ان کے بغیر کلام مکمل نہیں ہوتا، یہ دونوں ہوں گے تو کلام مکمل ہوگا۔ جبکہ حرف جو ہوتا ہے وہ نہ مسند بنتا ہے اور نہ مسند الیہ، وہ عمدہ نہیں ہوتا، کلام کے اندر عمدہ واقع نہیں ہوتا۔

جبکہ اس کے مقابلے میں ہے، عمدہ کے مقابلے میں فضلہ، یعنی باقی جتنی چیزیں ہیں مسند اور مسند الیہ کے علاوہ وہ سب فضلہ میں داخل ہو گئیں، چاہے وہ مفعولِ مطلق ہے، چاہے مفعول بہ ہے، چاہے مفعول فیہ ہے، چاہے مفعول لہ ہے، چاہے مفعول معہ ہے، چاہے حال ہے، چاہے تمیز ہے وغیرہ، جتنی چیزیں ہیں سب کس میں آگئیں؟ فضلہ۔ فضلہ کا کیا معنی؟ زائد چیز۔ تو ان کو کلام سے حذف بھی کر دیا جائے کلام پھر بھی پورا ہے کیونکہ وہ مسند اور مسند الیہ پر مشتمل ہے۔ جیسے میں آپ سے کہتا ہوں ضَرَبَ زَيْدٌ عَمْراً، زید نے عمرو کی پٹائی کی۔ ضَرَبَ مسند، زَيْدٌ فاعل ہے مسند الیہ، اور عَمْراً مفعول ہے یہ ہے فضلہ۔ تو ضَرَبَ زَيْدٌ سے کلام پورا ہے، آپ عَمْراً کو ذکر کریں یا نہ کریں کلام پھر بھی پورا ہے۔ مثلاً میں صرف آپ سے یہ کہہ دیتا ہوں ضَرَبَ زَيْدٌ، بات پھر بھی پوری ہے۔ زیادہ سے زیادہ یہ ہوا کہ آپ کو مفعول کا پتہ نہیں چلا، کوئی حرج نہیں، مفعول کو کبھی کبھار حذف کر لیا جاتا ہے، اتنا تو آپ کو پتہ چل گیا ضَرَبَ زَيْدٌ سے کہ زید نے کسی کی پٹائی کی ہے۔ تو کلام یہ پورا ہے۔ ہاں، البتہ کبھی کبھار فضلہ بھی ضروری ہو جاتا ہے، اس کے بغیر کلام کا معنی فاسد ہو جاتا ہے، جیسے میں نے اس کی مثال ذکر کی تھی قرآن میں اللہ کیا فرماتے ہیں: وَلَا تَمْشِ فِي الْأَرْضِ مَرَحاً، اور تو نہ چل زمین پر اکڑ کر۔ اب یہاں یہ مَرَحاً یہ حال ہے اور فضلہ ہے، لیکن اس کے بغیر کلام کا معنی فاسد ہو جائے گا، کیونکہ اگر مَرَحاً کو ہٹا دیا جائے تو کلام کا معنی بن جائے گا وَلَا تَمْشِ فِي الْأَرْضِ، اور تو زمین میں نہ چل، تو معنی تو یہ بن جائے گا کہ اللہ زمین پر چلنے سے روک رہے ہیں، حالانکہ اللہ زمین پر چلنے سے نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ تو تکبر کے ساتھ چلنے سے روک رہے ہیں، تکبر سے منع فرما رہے ہیں۔ تو یہاں پر دیکھو یہ مَرَحاً ہے تو فضلہ لیکن اس کو حذف کریں گے تو کلام کا معنی فاسد ہو جائے گا۔

اور پھر اس کے بعد بتلایا تھا کہ اسم کو اسم اس لیے کہتے ہیں کیونکہ یہ ماخوذ ہے سِمْوٌ سے۔ سِمْوٌ، سَمْوٌ، سُمْوٌ، یہ مُثَلَّثُ الْفَاءِ ہے، اس میں تینوں طرح عربوں سے سنا گیا ہے: سِمْوٌ بھی، سَمْوٌ بھی اور سُمْوٌ بھی۔ اور یہ بلندی کو کہتے ہیں، اونچا ہونا۔ چونکہ اسم بھی اپنی دونوں قسیمین پر اونچا ہے، دونوں قسیمین فعل اور حرف پر کیا ہے؟ اونچا۔ اکیلے اسم سے کلام پورا ہو جاتا ہے، کیونکہ اسم مسند بھی بنتا ہے اور مسند الیہ بھی، تو آپ دو اسم لے لیں، ایک کو مسند الیہ بنا دیں اور ایک کو مسند بنا دیں تو کلام پورا ہو جائے گا جیسے زَيْدٌ قَائِمٌ، زَيْدٌ بھی اسم، قَائِمٌ بھی اسم، اور کلام پورا ہے۔ تو چونکہ اس اکیلے سے کلام پورا ہو جاتا ہے تو یہ اپنی دونوں قسموں پر اونچا ہے، اس کا مقام کیا ہے ان دونوں سے؟ اونچا ہے، اس لیے اس کو اسم کہتے ہیں، جبکہ اکیلے فعل یا اکیلے حرف سے کلام پورا نہیں ہوتا۔ یہ تھا بصرہ والوں کا مذہب کہ اسم کس سے ماخوذ ہے؟ سِمْوٌ سے، اور پھر آخر سے واو کو حذف کر کے شروع میں کیا لے آئے؟ ہمزہ وصل لے آئے، تو کیا بن گیا؟ اِسْمٌ بن گیا۔ جبکہ کوفہ والے علماء فرماتے ہیں کہ اسم ماخوذ ہے وِسْمٌ سے، اور وِسْمٌ کا معنی ہے علامت۔ اسم چونکہ اپنے مسمیٰ پر علامت ہوتا ہے

اس لیے اس کو اسم کہتے ہیں۔ تو اصل میں یہ کیا تھا؟ وِسْمٌ، پھر واو کو حذف کر کے کیا لے آئے؟ ہمزۂ وصل لے آئے تو کیا بن گیا؟ اِسْمٌ بن گیا۔ تو اسم اپنے مسمیٰ پر علامت ہوتا ہے۔ مسمیٰ یعنی جس کا نام ہے، مثلاً کتاب اسم ہے، یہ اپنے مسمیٰ پر علامت ہے، میں نے جیسے ہی کتاب کہا آپ کے ذہن میں کس کی صورت آگئی؟ کتاب کی صورت آگئی۔ میں نے جیسے ہی قلم کہا آپ کے ذہن میں قلم کی صورت آگئی، قلم کا مفہوم آگیا۔ اسی طرح میں نے جیسے ہی زید کہا آپ کے ذہن میں زید کی صورت اور پہچان آگئی۔ تو اسم چونکہ اپنے مسمیٰ پر علامت ہوتا ہے، جیسے ہی اسم بولیں مسمیٰ فوراً سمجھ میں آجاتا ہے، اس لیے اسم کو اسم کہتے ہیں، یہ وِسْمٌ سے ماخوذ ہے۔

اس پر اشکال ہوتا ہے کہ فعل سے بھی تو فعل کا معنی سمجھ میں آتا ہے، حرف سے بھی تو حرف کا معنی سمجھ میں آتا ہے، پھر تو ان کو بھی کیا کہنا چاہیے؟ اسم کہنا چاہیے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ لیکن اس کا جواب یہ کہ بھئی تسمیہ کے لیے وجہ چاہیے، وجہ میں عموم ضروری نہیں۔ اسم کو اسم کیوں کہتے ہیں؟ ہم نے وجہ بیان کر دی کہ چونکہ یہ اپنے مسمیٰ پر کیا ہوتا ہے؟ علامت، یعنی اس سے مسمیٰ سمجھ میں آتا ہے اس لیے اس کو اسم کہتے ہیں۔ اب اس کا یہ معنی نہیں کہ جس لفظ سے بھی اس کا معنی سمجھ میں آئے ہر ایک کو کیا کہنا شروع کر دیں؟ اسم کہنا شروع کر دیں۔ اسم کیوں اسم کیوں کہتے ہیں وجہ چاہیے تھی ہم نے وجہ ذکر کر دی، لیکن اس وجہ میں عموم نہیں کہ جہاں بھی وہ وجہ پائی جائے وہاں پر وہ نام بھی آجائے، اسم بھی اس کو کہا جائے ایسا نہیں۔ تو فعل سے فعل کا معنی سمجھ میں آتا ہے، حرف سے حرف کا معنی سمجھ میں آتا ہے جب اس کے ساتھ دوسرے کلمات مل جائیں، مثلاً ضَرَبَ زَيْدٌ، ضَرَبَ کا معنی سمجھ میں آرہا ہے یا نہیں؟ سِرْتُ مِنَ الدَّارِ إِلَى الْمَسْجِدِ، سِرْتُ کا معنی، فعل کا معنی سمجھ میں آیا یا نہیں؟ مِنْ کا معنی بھی سمجھ میں آیا کہ نہیں؟ تو دیکھا فعل بھی اپنے معنی پر دلالت کرتا ہے اس سے اس کا معنی سمجھ میں آتا ہے، مِنْ بھی اپنے معنی پر دلالت کرتا ہے کلام کے اندر جب استعمال ہوگا اور اس کے کلام کا معنی سمجھ میں آئے گا۔ تو فعل اور حرف بھی اپنے معنی پر علامت ہیں۔ تو جواب میں نے بتلا دیا کہ تسمیہ کے لیے وجہ چاہیے کہ یہ نام کیوں رکھا گیا، اسم کو اسم کیوں کہتے ہیں، لیکن وجہ میں عموم ضروری نہیں ہے کہ جہاں بھی وہ وجہ پائی جائے وہیں نام بھی آجائے، ایسا ضروری نہیں ہے۔

اور پھر اس کے بعد بات آئی تھی کہ فعل کو فعل کیوں کہتے ہیں؟ میں نے بتلایا تھا کہ فعل کا معنی مرکب ہے تین چیزوں سے۔ ایک معنیِ مصدری ہوتا ہے اس کے اندر: ضَرَبَ، دیکھو یہ فعل ہے، اس کے اندر ایک ضَرْبٌ والا معنی ہے، پٹائی کرنے کا بھی معنی ہے، اور زمانہ بھی ہے کہ کون سے زمانے میں ہوئی ہے یہ پٹائی؟ ماضی کے زمانے میں، اور نسبت الی الفاعل بھی ہے۔ تو فعل کا مفہوم مرکب ہوتا ہے کس سے؟ تین چیزوں سے۔ توجہ ہے؟ تین چیزوں سے، کون کون سی تین چیزیں؟ مصدری معنی اور زمانہ اور نسبت الی الفاعل۔ لیکن کیا جزِ لفظ جزِ معنی پر دلالت کر رہا ہے؟ ضَرَبَ، کیا ضاد نے مصدر پہ دلالت کی؟ را نے زمانے پر دلالت کی؟ اور با نے نسبت الی الفاعل پر دلالت کی؟ تو لہٰذا فعل ہے مفرد ہی۔ جب

جزِ لفظ جزِ معنی پر دلالت نہیں کر رہا تو یہ کیا ہے؟ مفرد ہے، لیکن اس کا معنی مرکب ہے تین چیزوں سے: مصدر، زمانہ اور نسبت الی الفاعل۔

تو سوال پیدا ہوتا ہے یہ فعل کو فعل کیوں کہتے ہیں؟ تو انہوں نے وجہ ذکر کی کہ فعل کے اندر چونکہ مصدر آتا ہے، فعل کے اندر کیا ہے؟ مصدر، اور مصدر کو عربی زبان میں فعل کہتے ہیں۔ تو یہ فعل کا ایک جز مصدر تھا اور اس مصدر کو فعل کہتے ہیں، تو سارے کا نام ہی کیا رکھ دیا؟ فعل۔ بھئی دیکھو ایک ہے مصدر، ایک ہے فعل۔ فعل کسے کہتے ہیں؟ وہ کلمہ جو اپنے معنی پر خود بخود دلالت کرے اور اس کے اندر تین زمانوں میں سے کوئی زمانہ بھی جڑا ہوا ہو، یہ ہے فعل۔ بھئی اس کو فعل کیوں کہتے ہو؟ اس کا نام فعل کیوں رکھا؟ کہتے ہیں کیونکہ اس کے اندر مصدر ہے، اور مصدر کو عربی زبان میں کیا کہتے ہیں؟ فعل۔ تو اس ایک جز کا نام فعل تھا تو کل کا نام ہی کیا رکھ دیا؟ فعل رکھ دیا۔ تو اس کو یوں کہیں گے: تَسْمِيَةُ الْكُلِّ بِاسْمِ الْجُزْءِ، جز کی وجہ سے کل کا نام ہی رکھ دینا، یا اس کو کہتے ہیں تَسْمِيَةُ الْمُتَضَمِّنِ بِاسْمِ الْمُتَضَمَّنِ۔ فعل کے ضمن میں کیا تھا؟ مصدر تھا، تو فعل ہوا مُتَضَمِّن اور مصدر کیا ہوا مُتَضَمَّن جو اس کے ضمن میں ہے، تو مُتَضَمَّن یعنی اس سارے مجموعے کا نام ہی کیا رکھ دیا؟ فعل رکھ دیا، تو تَسْمِيَةُ الْمُتَضَمِّنِ بِاسْمِ الْمُتَضَمَّنِ بھئی۔

اچھا بھئی اب آئیے آج کے سبق پر بھئی۔ دیکھیے بھئی، کہتے ہیں: وَقَدْ عُلِمَ بِذٰلِكَ أَيْ بِوَجْهِ حَصْرِ الْكَلِمَةِ فِي الْأَقْسَامِ الثَّلَاثَةِ حَدُّ كُلٍّ وَاحِدٍ مِنْهَا أَيْ مِنْ تِلْكَ الْأَقْسَامِ۔ وَقَدْ عُلِمَ بِذٰلِكَ أَيْ بِوَجْهِ حَصْرِ الْكَلِمَةِ، اور تحقیق اس کے ذریعے جان لیا گیا، ذٰلِكَ اس کے ذریعے، ذٰلِكَ اسمِ اشارہ ہے۔ دیکھو صرف متن متن دیکھو: وَقَدْ عُلِمَ بِذٰلِكَ، اور تحقیق اس کے ذریعے جان لیا گیا حَدُّ كُلٍّ وَاحِدٍ مِنْهَا ان میں سے ہر ایک کی تعریف کو۔ اس کے ذریعے جان لیا گیا ان میں سے ہر ایک کی تعریف، یعنی اسم، فعل اور حرف ان میں سے ہر ایک کی تعریف کو اس کے ذریعے جان لیا گیا۔ اب یہ ذٰلِكَ کے ذریعے اشارہ کس چیز کی طرف ہے؟ آگے شارحِ جامی آپ کو بتلا رہے ہیں: أَيْ بِوَجْهِ حَصْرِ الْكَلِمَةِ فِي الْأَقْسَامِ الثَّلَاثَةِ، یہ جو وجہِ حصر تھی کلمہ کی اقسامِ ثلاثہ میں، یہ جو کلمہ کو بند کیا گیا تھا کس میں؟ تین اقسام میں، تو اس کی یہ جو وجہِ حصر تھی اس سے آپ کو معلوم ہو گیا حَدُّ كُلٍّ وَاحِدٍ مِنْهَا ان میں سے ہر ایک کی تعریف۔ تو ذٰلِكَ کے ذریعے اشارہ ہے کس کی طرف؟ وجہِ حصر کی طرف اشارہ ہے، بات سمجھ میں آگئی؟

کہتے ہیں وَقَدْ عُلِمَ بِذٰلِكَ اور تحقیق اس کے ذریعے جان لیا گیا أَيْ بِوَجْهِ حَصْرِ الْكَلِمَةِ یعنی کلمہ کے وجہِ حصر کے ذریعے فِي الْأَقْسَامِ الثَّلَاثَةِ تین اقسام میں، اس کے ذریعے جان لیا گیا کیا جان لیا گیا؟ حَدُّ كُلٍّ، یہ نائب الفاعل ہے عُلِمَ کا، حَدُّ كُلٍّ وَاحِدٍ مِنْهَا ان میں سے ہر ایک کی تعریف کو۔ ان میں سے، یہ مِنْهَا کی هَا ضمیر کس کو راجع؟ بتلا رہے ہیں: أَيْ مِنْ تِلْكَ الْأَقْسَامِ، یہ ضمیر کا مرجع بتلا دیا کہ هَا ضمیر کس کو راجع؟ یہ جو تین قسمیں پیچھے ذکر ہوئی تھیں، یعنی اسم، فعل اور حرف۔ تو اس کے ذریعے جان لیا گیا ان تین قسموں میں سے ہر ایک کی تعریف کو۔ بات سمجھ میں آگئی؟

یہاں سوال پیدا ہوتا ہے وَقَدْ عُلِمَ بِذٰلِكَ، بھئی پیچھے وجہِ حصر ذکر ہوئی تھی، اور ایک دفعہ جب چیز ذکر ہو جائے تو اس کو دوبارہ ضمیر کے ساتھ ذکر کیا جاتا ہے، تو صاحبِ کافیہ کو یوں کہنا چاہیے تھا وَقَدْ عُلِمَ بِهٖ، وَقَدْ عُلِمَ بِهٖ۔ ایک دفعہ جب چیز ذکر ہو جائے تو دوبارہ اس کو ضمیر کے ساتھ ذکر کیا جاتا ہے۔ مثلاً میں آپ سے کہتا ہوں: زید میرا دوست ہے، وہ اچھا آدمی ہے۔ دیکھو، پہلے میں نے زید کو ذکر کیا اور دوسری دفعہ پھر میں نے کیا کہا؟ وہ اچھا آدمی ہے، وہ کا لفظ یعنی ضمیر میں لے کر آیا۔ تو جب ایک دفعہ چیز ذکر ہو جائے تو دوبارہ اس کو ضمیر کے ساتھ ذکر کیا جاتا ہے، تو پھر یہ صاحبِ کافیہ نے ذٰلِكَ اسمِ اشارہ کو کیوں ذکر کیا؟ سوال سمجھ میں آیا؟

تو یاد رکھو یہ جو ذٰلِكَ اسمِ اشارہ ہے اس کو وضع کیا گیا ہے محسوس و مبصر چیز کی طرف اشارہ کرنے کے لیے۔ محسوس و مبصر یعنی وہ چیز جو آنکھوں سے دکھائی دے، جو محسوس ہو۔ یعنی وہ چیزیں جو آنکھوں سے دکھائی دیں، جیسے یہ کتاب آپ کو آنکھوں سے دکھائی دے رہی ہے، تو اب آپ اس کی طرف اشارہ کر کے کہہ سکتے ہیں ہٰذَا كِتَابٌ۔ قلم آپ کو آنکھوں سے دکھائی دیتا ہے تو آپ کہہ سکتے ہیں ہٰذَا قَلَمٌ۔ تو ہٰذَا، تو یہ اسماءِ اشارہ کس لیے وضع ہیں؟ ان کے ذریعے اشارہ کیا جاتا ہے کس کی طرف؟ محسوس اور مبصر چیزوں کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے، اس کے لیے اس کو وضع کیا گیا ہے۔ اور یہ جو پیچھے وجہِ حصر آئی، توجہ ہے؟ وجہِ حصر آئی، وہ تو معانی کا نام تھا، کچھ باتیں تھیں جو ہمارے سمجھ میں آرہی تھیں، جو صاحبِ جامی، صاحبِ کافیہ نے اور صاحبِ جامی نے تفصیل بیان کر دی، یہ تو کچھ باتیں ہیں، کچھ فوائد ہیں، کچھ مفہومات ہیں جو کہاں سمجھ میں آ رہے ہیں ہمیں؟ جو ذہن میں ہمیں سمجھ میں آرہے ہیں، تو یہ تو کوئی محسوس اور مبصر چیز نہیں، یہ آنکھوں سے دکھائی دینے والی چیز نہیں ہے، تو اس کی طرف ذٰلِكَ کے ذریعے کیسے اشارہ کر دیا؟

تو جواب یاد رکھنا کہ ذٰلِكَ اصل میں وضع تو محسوس اور مبصر کے لیے ہے لیکن معقول چیزوں کے لیے بھی، یعنی وہ چیزیں جو عقل میں آتی ہیں، جو سمجھ میں آتی ہیں، جو آنکھوں سے دکھائی نہیں دیتیں، تو ان کی طرف بھی اس کے ذریعے اشارہ کر دیا جاتا ہے۔ بات سمجھ میں؟ تو وضع تو محسوس اور مبصر کے لیے لیکن استعمال معقول میں بھی ہو جاتا ہے۔ جب معقول چیز بہت واضح اور ظاہر ہو تو اس کو بھی اسی درجے میں اتار لیا، گویا یہ بات اتنی واضح ہے کہ جیسے آنکھوں سے کوئی چیز دکھائی دے رہی ہو۔ تو یہاں پر بھی وجہِ حصر کی طرف اشارہ کرنے کے لیے کس کو لانا چاہیے تھا؟ ضمیر کو، لیکن صاحبِ کافیہ کیا لے آئے؟ اسمِ اشارہ لائے، یہ بتلانے کے لیے کہ یہ جو میں نے وجہِ حصر ذکر کی ہے یہ اتنی واضح ہے، اتنی واضح ہے جیسے کوئی چیز آنکھوں سے دکھائی دیتی ہے اور واضح ہوتی ہے، اسی طرح میری یہ وجہِ حصر بھی بڑی واضح ہے۔ تو بِهٖ کے بجائے کیا کہا؟ ذٰلِكَ کہا۔ بات سمجھ میں آگئی؟ اس کو کہتے ہیں وَضْعُ الْمُظْهَرِ مَوْضِعَ الْمُضْمَرِ۔ وَضْعُ الْمُظْهَرِ یعنی اسمِ ظاہر کو رکھ دینا مَوْضِعَ الْمُضْمَرِ کس کی جگہ پر؟ ضمیر کی جگہ۔ میں نے بتایا تھا ایک ہے ضمیر، ایک ہے اسمِ ظاہر۔ ضمیروں کے علاوہ دنیا کے جتنے اسم ہیں وہ کیا ہیں؟ اسمِ ظاہر، تو اسمِ اشارہ بھی کیا ہوا؟ اسمِ ظاہر۔ تو ایک مقام ہو ضمیر کا اور آپ کیا لے آئیں؟ اسمِ

ظاہر لے آئیں، اس کی کوئی نہ کوئی وجہ ہوتی ہے، کوئی نہ کوئی نکتہ اس کے اندر ہوتا ہے۔ تو اس کو کیا کہتے ہیں وَضْعُ الْمُظْهَرِ مَوْضِعَ ال... یا یوں کہیں وَضْعُ الظَّاهِرِ مَوْضِعَ الْمُضْمَرِ۔ توجہ ہے؟ وَضْعُ الظَّاهِرِ، کیا معنی؟ اسمِ ظاہر کو رکھ دینا، مَوْضِعَ الْمُضْمَرِ کس کی جگہ پر؟ ضمیر کے مقام پر اسمِ ظاہر کو رکھ دینا، اس میں کسی نکتے کی طرف اشارہ ہوتا ہے۔ مقام تو ضمیر کا ہوتا ہے لیکن صاحبِ کتاب یا صاحبِ قول جو ہوتا ہے وہ اسمِ ظاہر کو لے آتا ہے۔ تو یہاں پر میں نے بتلا دیا کیا نکتہ ہے؟ کہ صاحبِ کافیہ یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ میں نے جو وجہِ حصر ذکر کی وہ اس قدر ظاہر ہے جیسے کہ ایک مبصر اور محسوس چیز ہوتی ہے، اسی کی طرح واضح ہے۔

تو کہتے ہیں وَقَدْ عُلِمَ بِذٰلِكَ، اور تحقیق اس کے ذریعے یعنی یہ جو کلمہ کی اقسامِ ثلاثہ کے اندر وجہِ حصر ہے اس کے ذریعے جان لیا گیا حَدُّ كُلِّ وَاحِدٍ مِنْهَا ان میں سے ہر ایک کی تعریف کو، أَيْ مِنْ تِلْكَ الْأَقْسَامِ یعنی ان اقسام میں سے۔ وَذٰلِكَ، بھئی دیکھیے ادھر، وجہِ حصر کیا ذکر ہوئی؟ کہ کلمہ یا تو وہ اپنے معنی پر خود بخود دلالت کرے گا یا نہیں کرے گا۔ اگر دلالت نہ کرے تو وہ حرف ہے۔ اگر خود بخود دلالت کرے، پھر اس کے ساتھ تین زمانوں میں سے کوئی زمانہ ملا ہوگا یا ملا ہوا نہیں ہوگا۔ اگر ملا ہوا نہ ہو تو وہ اسم ہے اور اگر ملا ہوا ہو تو وہ فعل۔ دیکھا ہر ایک کی تعریف پوری طرح سمجھ میں آگئی۔ کیا پتہ چلا؟ حرف کسے کہتے ہیں؟ جو اپنے معنی پر خود دلالت نہ کرے وہ کیا ہے؟ حرف۔ اور فعل کسے کہتے ہیں؟ جو اپنے معنی پر خود دلالت کرے اور اس کے ساتھ تین زمانوں میں سے کوئی زمانہ ملا ہوا ہو۔ اور اسم کسے کہتے ہیں؟ جو اپنے معنی پر خود بخود دلالت کرے اور اس کے ساتھ تین زمانوں میں سے کوئی زمانہ ملا ہوا نہ ہو۔ دیکھا ہر ایک کی تعریف خود بخود سمجھ میں آگئی۔ اب اسی کو بیان کریں گے۔

کہتے ہیں وَذٰلِكَ لِأَنَّهُ قَدْ عُلِمَ بِهِ، اور یہ اس وجہ سے کیونکہ جان لیا گیا بِهِ أَيْ بِوَجْهِ الْحَصْرِ وجہِ حصر کے ذریعے یہ بات جان لی گئی کہ أَنَّ الْحَرْفَ كَلِمَةٌ لَا تَدُلُّ عَلٰى مَعْنًى فِي نَفْسِهَا کہ حرف ایسا کلمہ ہے جو دلالت نہیں کرتا ایسے معنی پر جو اس کی ذات میں ہو، بَلْ تَحْتَاجُ إِلَى انْضِمَامِ كَلِمَةٍ أُخْرٰى بلکہ وہ محتاج ہوتا ہے کسی دوسرے کلمے کے ملنے کا۔ حرف وہ کلمہ ہے جو اپنے معنی پر خود بخود دلالت نہیں کرتا بلکہ وہ محتاج ہوتا ہے کسی دوسرے کلمے کے ملنے کا، پھر ہی اس کا معنی سمجھ میں آتا ہے، دیکھو یہ حرف کی تعریف بھی سمجھ میں آگئی۔ وَالْفِعْلُ كَلِمَةٌ تَدُلُّ عَلٰى مَعْنًى فِي نَفْسِهَا اور فعل ایسا کلمہ ہے جو دلالت کرتا ہے ایسے معنی پر جو اس کی ذات میں ہے، لٰكِنَّهُ مُقْتَرِنٌ بِأَحَدِ الْأَزْمِنَةِ الثَّلَاثَةِ لیکن وہ معنی جو ہے ملا ہوا ہوتا ہے تین زمانوں میں سے کسی ایک زمانے سے، دیکھا فعل کی تعریف بھی وجہِ حصر سے سمجھ میں آگئی۔ اسی طرح اسم کی تعریف بھی سمجھ میں آگئی، وہ بھی بیان کر رہے ہیں۔ کہتے ہیں وَالِاسْمُ كَلِمَةٌ تَدُلُّ عَلٰى مَعْنًى فِي نَفْسِهَا اور اسم ایسا کلمہ ہے جو دلالت کرتا ہے ایسے معنی پر جو اس کی ذات میں ہوتے ہیں، غَيْرُ مُقْتَرِنٍ بِأَحَدِ الْأَزْمِنَةِ الثَّلَاثَةِ وہ معنی جڑا ہوا نہیں ہوتا تین زمانوں میں سے

کسی ایک زمانے کے ساتھ۔ دیکھا تینوں کی تعریف یہ وجہِ حصر سے سمجھ میں آرہی ہے۔

فَالْكَلِمَةُ مُشْتَرَكَةٌ بَيْنَ الْأَقْسَامِ الثَّلَاثَةِ، تو کلمہ وہ مشترک ہے تینوں اقسام کے اندر۔ کلمہ کیا ہے؟ تینوں اقسام میں مشترک ہے، یعنی تینوں پر صادق آرہا ہے۔ تینوں پر صادق آرہا ہے، کلمہ کسے کہتے تھے؟ لَفْظٌ وُضِعَ لِمَعْنًى مُفْرَدٍ، ایسا لفظ جو، اس کو وضع کیا گیا ہے مفرد معنی کے لیے۔ تو ان میں سے ہر ایک: حرف، وہ اپنے معنی پر خود تو دلالت نہیں کرتا لیکن دوسرے کلمے کے ملنے کے بعد دلالت کرتا ہے، تو دیکھو یہ بھی ایسا لفظ ہے جس کو وضع کیا گیا ہے مفرد معنی کے لیے۔ اسی طرح اسم بھی ایسا ہے، فعل بھی ایسا ہے، تینوں کیا ہو گئے؟ کلمہ کے اندر داخل ہو رہے ہیں، کلمہ ان میں مشترک ہے۔ تو کہتے ہیں فَالْكَلِمَةُ مُشْتَرَكَةٌ بَيْنَ الْأَقْسَامِ الثَّلَاثَةِ تو کلمہ جو ہے وہ مشترک ہے تینوں قسموں میں۔

وَالْحَرْفُ مُمْتَازٌ عَنْ أَخَوَيْهِ، یہ سارا بیان کر رہے ہیں بھئی کہ وجہِ حصر کمال کی وجہِ حصر ذکر کی ہے صاحبِ کافیہ نے، ہر ایک کی تعریف بھی سمجھ میں آگئی اور ہر ایک دوسروں سے ممتاز بھی ہو گیا۔ آپ حرف کو پہچاننا چاہتے ہیں، وجہِ حصر کو سمجھ لیں آپ حرف کو پہچان لیں گے۔ آپ اسم کو پہچاننا چاہتے ہیں، وجہِ حصر کو سمجھ لیں آپ اسم کو پہچان لیں گے۔ آپ فعل کو سمجھنا چاہتے ہیں، اس کو ممتاز کرنا چاہتے ہیں، آپ وجہِ حصر کو سمجھ لیں آپ فعل کو پہچان لیں گے۔ کس طرح؟ دیکھو تین چیزیں: اسم، فعل اور حرف۔ وجہِ حصر سمجھ میں آگئی، اب آپ حرف کو جاننا چاہتے ہیں کہ حرف کیسے، حرف کو ہم کیسے ممتاز کریں گے؟ کیسے جدا کریں گے اسم اور فعل سے؟ حرف کیسے جدا ہوگا؟ اسم میں اور حرف میں کیا فرق ہے؟ شاباش، حرف اپنے معنی پر خود دلالت نہیں کرتا اور اسم اور فعل تو اپنے معنی پر خود دلالت کرتے ہیں، تو دونوں سے ممتاز ہو گیا۔ جب بھی کوئی لفظ آپ کے سامنے آئے اور وہ خود اپنے معنی پر دلالت کرے سمجھ جائیں یا وہ اسم ہے یا فعل ہے، اور اگر وہ دلالت نہ کرے سمجھ جائیں وہ حرف ہے، تو حرف ممتاز ہوا اپنے دونوں، دوسری دو قسموں سے کس وجہ سے؟ کہ یہ اپنے معنی پر خود دلالت نہیں کرتا۔ دیکھیے، کہتے ہیں وَالْحَرْفُ مُمْتَازٌ عَنْ أَخَوَيْهِ بِعَدَمِ الِاسْتِقْلَالِ فِي الدَّلَالَةِ، اور حرف جو ہے وہ ممتاز ہے اپنے دونوں بھائیوں سے یعنی اسم اور فعل سے، بِعَدَمِ الِاسْتِقْلَالِ فِي الدَّلَالَةِ دلالت میں غیر مستقل ہونے کی وجہ سے۔ دلالت میں، کہ دلالت میں غیر مستقل ہے، مستقلاً یہ اپنے معنی پر دلالت نہیں کرتا، دونوں سے دیکھو جدا ہو گیا، ممتاز ہو گیا۔

وَالْفِعْلُ مُمْتَازٌ، ادھر دیکھیے، اب بتائیے ادھر: یہ ہے اسم، یہ ہے فعل، یہ ہے حرف۔ اب فعل کو آپ پہچاننا چاہتے ہیں، ممتاز کرنا چاہتے ہیں، جدا کرنا چاہتے ہیں کس سے؟ اسم سے اور حرف سے۔ تو کیسے جدا کریں گے؟ حرف سے کیسے جدا کریں گے؟ ہاں، حرف اپنے معنی پر خود دلالت نہیں کرتا اور فعل تو اپنے معنی پر خود دلالت کرتا ہے، تو حرف سے جدا ہو گیا فعل۔ اور فعل کو اسم سے کیسے جدا کریں گے؟ ہاں، فعل کے ساتھ زمانہ جڑا ہوا ہوتا ہے، اسم کے ساتھ زمانہ جڑا ہوا نہیں، تو فعل

بھی دونوں سے کیا ہو گیا؟ ممتاز ہو گیا۔ دیکھیے بھئی، کہتے ہیں: وَالْفِعْلُ مُمْتَازٌ عَنِ الْحَرْفِ بِالِاسْتِقْلَالِ، اور فعل جو ہے وہ ممتاز ہے حرف سے یعنی اس سے جدا ہے، بِالِاسْتِقْلَالِ مستقل ہونے کی وجہ سے، کہ وہ دلالت میں مستقل ہے، وَعَنِ الِاسْمِ اور فعل ممتاز ہے جدا ہے اسم سے، بِالِاقْتِرَانِ اقتران کی وجہ سے کیونکہ فعل کیا ہوتا ہے؟ جڑا ہوا ہوتا ہے، اقتران کا کیا معنی؟ جڑا ہوا، ملا ہوا، کہ وہ جڑا ہوا ہوتا ہے زمانے کے ساتھ، وہ جڑا ہوا ہوتا ہے تین زمانوں میں سے کسی ایک کے ساتھ۔

وَالِاسْمُ، اچھا بھئی اب ادھر دیکھیے، اسم کیسے جدا ہے؟ اسم کو کیسے جدا کریں گے حرف اور فعل سے؟ حرف سے کیسے جدا کریں گے اسم کو؟ اسم اپنے معنی پر مستقلاً دلالت کرتا ہے اور حرف نہیں کرتا تو اسم جدا ہو گیا حرف سے۔ اور فعل سے کیسے جدا کریں گے اسم کو؟ اس کے ساتھ زمانہ نہیں ملا ہوتا اور فعل کے ساتھ زمانہ ملا ہوتا ہے تو اسم بھی دونوں قسموں سے جدا ہوا۔ تو کہتے ہیں: وَالِاسْمُ مُمْتَازٌ عَنِ الْحَرْفِ بِالِاسْتِقْلَالِ وَعَنِ الْحَرْفِ بِعَدَمِ الِاقْتِرَانِ، اور اسم جدا ہے حرف سے بِالِاسْتِقْلَالِ استقلال کی وجہ سے یعنی مستقل ہونے کی وجہ سے کہ یہ اپنے معنی پر مستقلاً دلالت کرتا ہے اور حرف نہیں کرتا، وَعَنِ الْفِعْلِ اور اسم ممتاز ہے فعل سے بِعَدَمِ الِاقْتِرَانِ، عدمِ اقتران کی وجہ سے، یعنی یہ تین زمانوں میں سے کسی زمانے کے ساتھ جڑا ہوا نہیں ہوتا۔

فَعُلِمَ لِكُلٍّ وَاحِدٍ مِنْهَا مُعَرِّفٌ جَامِعٌ لِأَفْرَادِهِ مَانِعٌ عَنْ دُخُوْلِ غَيْرِهَا فِيْهِ۔ دیکھا وجہِ حصر سے آپ کو ہر ایک کی تعریف سمجھ میں آ گئی اور ہر ایک، ایک دوسرے سے ممتاز ہو گیا۔ تو وجہِ حصر ایسی خوبصورت ذکر کی کہ اس کے ذریعے ہر ایک کی جامع مانع تعریف آپ کو سمجھ میں آ گئی۔ جامع ہو، یعنی اپنے تمام افراد کو جمع کر لے، اسم کی ایسی تعریف آپ کو سمجھ میں آئی جس میں ساری دنیا کے اسم آ گئے، اور مانع ہے، اس میں حرف یا فعل داخل نہیں ہو سکتا۔ حرف کیوں نہیں داخل ہو سکتا؟ کیونکہ وہ غیر مستقل ہے اور اسم تو کیا ہوتا ہے؟ مستقل۔ اور فعل کیوں نہیں داخل ہو سکتا؟ کیونکہ اس میں اقترانِ زمانی ہے اور اس میں اقترانِ زمانی نہیں ہے، بات سمجھ میں آ گئی؟ تو کہتے ہیں فَعُلِمَ لِكُلٍّ وَاحِدٍ مِنْهَا پس جان لیا گیا ان میں سے ہر ایک کے لیے مُعَرِّفٌ ایسی تعریف جَامِعٌ لِأَفْرَادِهِ جو اس کے تمام افراد کو جامع ہے، مَانِعٌ عَنْ دُخُوْلِ غَيْرِهَا فِيْهِ اور مانع ہے کہ کوئی غیر اس کے اندر داخل ہو، کوئی غیر اس کے اندر داخل نہیں ہو سکتا۔

وَلَيْسَ الْمُرَادُ بِالْحَدِّ ہٰہُنَا إِلَّا الْمُعَرِّفَ الْجَامِعَ الْمَانِعَ، اور یہاں پر حد سے مراد نہیں ہے مگر وہ معرّف جو جامع اور مانع ہو بھئی۔ بھئی یہاں دراصل اشکال ہوتا ہے۔ انہوں نے کیا کہا؟ صاحبِ کافیہ نے کیا کہا؟ کہ ہم نے وجہِ حصر ذکر کی وَقَدْ عُلِمَ بِذٰلِكَ حَدُّ كُلِّ وَاحِدٍ مِنْهَا، اس کے ذریعے ہر ایک کی حد کا پتہ چل گیا۔ توجہ ہے؟ حد کا پتہ چل گیا، اور آپ نے منطق میں پڑھا ہے، حد کسے کہتے ہیں؟ ایک ہوتی ہے حد اور ایک ہے رسم۔ آپ نے بھئی منطق میں پڑھا ہے کسی چیز کی تعریف کیسے کرتے ہیں؟ معرّف کسے کہتے ہیں؟ دو معلوم تصورات کو ملا کر مجہول تصور کو حاصل کرنا یہ کیا ہے؟ معرّف۔ توجہ ہے؟ اس کو معرّف

اور تعریف کہتے ہیں، اور یہ تعریفِ حقیقی کہلاتی ہے یاد رکھو۔ تعریفِ حقیقی وہ ہے جس کے ذریعے صورتِ غیر حاصلہ کو حاصل کیا جاتا ہے۔ ایک چیز کا آپ کو علم نہیں ہوتا، تعریف کے ذریعے آپ اس کو جان لیتے ہیں۔ جیسے آپ نے جب نحو پڑھنا شروع کی آپ کو کلمہ کا علم نہیں تھا۔ استاد نے آپ کے سامنے الکلمہ کہا، آپ کو کچھ سمجھ میں نہیں آیا، یعنی آپ کو کلمہ کی صورت حاصل نہیں تھی، آپ کو اس کی پہچان ہی نہیں تھی۔ پھر آگے کتاب والے نے آپ کو بتلایا: اَلْكَلِمَةُ لَفْظٌ وُضِعَ لِمَعْنًى مُفْرَدٍ۔ اب آپ کو لفظ کا بھی پتہ تھا، آپ کو وضع کا بھی پتہ، یا آپ کو لفظ کا بتایا گیا، پھر وضع کا بتلایا گیا اور پھر معنی اور مفرد کا بتایا گیا۔ یہ ساری چیزیں جب آپ نے جان لیں تو اب آپ کو کلمہ کی تعریف سمجھ میں آگئی کہ اچھا بھئی کلمہ بامعنی لفظ کو کہتے ہیں، وہ لفظ جس کا کوئی معنی ہو اس کو کیا کہتے ہیں؟ کلمہ کہتے ہیں۔ تو دیکھا یہ جو تعریف ہے کلمہ کی، یہ تعریف اور معرّف، اس کے ذریعے کیا کیا جاتا ہے؟ صورتِ غیر حاصلہ کو حاصل کیا جاتا ہے۔ کیا معنی صورتِ غیر حاصلہ؟ صورت سے مراد صورت نہیں، یہاں مراد ہے پہچان اس کی، یعنی دیکھو اس تعریف سے ایک چیز کی آپ کو پہچان ہو گئی، یا جیسے آپ کو انسان کی حقیقت کا پتہ نہیں تھا تو اس کی آپ کو حقیقت بتلائی گئی کہ اَلْإِنْسَانُ حَيَوَانٌ نَاطِقٌ، انسان جو ہے حیوانِ ناطق کو کہتے ہیں۔ تو حیوانِ ناطق کے ساتھ اس کی تعریف کی گئی تو اب آپ کو انسان کا پتہ چل گیا کہ انسان کسے کہتے ہیں؟ حیوانِ ناطق کو کہتے ہیں۔ تو تعریفِ حقیقی کے ذریعے صورتِ غیر حاصلہ کو حاصل کیا جاتا ہے یعنی ایک چیز کو پہچانا جاتا ہے، جانا جاتا ہے۔

اور یاد رکھو یہ جو تعریف ہے یہ پھر دو قسم پر ہے: ایک کو کہتے ہیں حَدٌّ، دال مشدد ہے، اور ایک کو کہتے ہیں رَسْمٌ۔ وہ تعریف جو ذاتیات پر مشتمل ہو اس کو حَدٌّ کہتے ہیں، اور وہ تعریف جو عرضیات پر مشتمل ہو اس کو رَسْمٌ کہتے ہیں۔ جیسے دیکھو آپ پڑھ چکے ایک ہے جنس، ایک نوع، ایک فصل، ایک خاصہ اور ایک عرضِ عام۔ تو کلیاتِ خمسہ میں سے آپ نے پڑھا ہے ایک ہے فصل اور ایک ہے خاصہ۔ فصل کسے کہتے ہیں؟ جو ایک حقیقت کے افراد پر بولا جاتا ہے اور ان کی حقیقت میں داخل ہوتا ہے۔ اور خاصہ؟ وہ بھی ایک حقیقت کے افراد پر بولا جاتا ہے لیکن ان کی حقیقت سے خارج ہوتا ہے، وہ ان کی صفت ہوتا ہے۔ جیسے ناطق یہ فصل ہے۔ یہ کیا ہے؟ فصل ہے۔ یہ ناطق انسان کو باقی تمام حیوانات سے جدا کر دیتا ہے۔ آپ نے کہا حیوانِ ناطق، حیوان کہا تو اس میں باقی حیوانات بھی داخل تھے لیکن جب ناطق کی قید ساتھ لگا دی اب باقی حیوانات کیا ہوئے؟ خارج، تو یہ انسان کے لیے فصل ہے۔ یہ انسان کی ذات میں داخل ہے، اس کی حقیقت کا جز ہے، اور باقی حیوانات سے انسان کو جدا کر دیتا ہے۔ خاصہ بھی اسی طرح ہوتا ہے، وہ بھی باقی چیزوں سے ایک چیز کو جدا کرتا ہے لیکن وہ حقیقت کے اندر داخل نہیں ہوتا، جیسے انسان کے لیے ضَاحِكٌ۔ انسان کیا ہے؟ ضَاحِكٌ ہے، ضحک کرتا ہے، ہنستا ہے، اور کسی حیوان کے اندر یہ صفت نہیں ہے۔ تو یہ انسان کی صفت ہے، انسان کی حقیقت میں داخل نہیں، اور باقی چیزوں سے انسان کو الگ کر دیتا ہے، تو یہ خاصہ ہے۔ تو وہ تعریف جس کے اندر فصل آجائے اس کو کہتے ہیں حد، اور

وہ تعریف جس کے اندر خاصہ آجائے اس کو کہتے ہیں رسم۔ توجہ ہے؟

تو تعریف کتنی قسم پر؟ دو: ایک حد اور ایک رسم۔ حد جو کس پر مشتمل ہوتی ہے؟ ذاتیات پر، اور رسم کسے کہتے ہیں؟ عرضیات یعنی صفات پر مشتمل ہوتی ہے۔ تو اشکال یہ ہوتا ہے کہ انہوں نے کہا وَقَدْ عُلِمَ بِذٰلِكَ حَدُّ كُلِّ وَاحِدٍ مِنْهَا، کہ اس وجہِ حصر کے ذریعے ہر ایک کی حد کو جان لیا گیا، اور حد تو کس پر مشتمل ہوتی ہے؟ ذاتیات پر، حالانکہ یہ جو تعریفیں آپ نے ہمیں سمجھا دیں اوپر، یہ سب عرضیات ہیں۔ بھئی اپنے معنی پر دلالت کرنا یا نہ کرنا یہ کیا ہے؟ یہ کلمے کی صفت ہوگی، یہ اپنے معنی پر خود بخود دلالت کرے گا یا دلالت نہیں، تو یہ عرضی ہے، یہ صفت ہے۔ اور اسی طرح اس کے ساتھ تین زمانوں میں سے کوئی زمانہ ملا ہوگا یا نہیں ملا ہوگا یہ بھی کیا ہے؟ عرض ہے، صفت ہے، لہٰذا اس کو حد نہیں کہنا چاہیے، رسم کہنا چاہیے۔ لہٰذا صاحبِ کافیہ کو یوں کہنا چاہیے تھا: وَقَدْ عُلِمَ بِذٰلِكَ رَسْمُ كُلِّ وَاحِدٍ مِنْهَا، ان میں سے ہر ایک کی رسم کو جان لیا گیا وجہِ حصر کے ذریعے۔

اشکال سمجھ میں آیا؟ کہ حد تو اس تعریف کو کہتے ہیں جو ذاتیات پر مشتمل ہو اور یہ جو تعریف کی جا رہی ہے یہ تو ذاتیات نہیں ہیں بلکہ عرضیات، صفات پر مشتمل ہے، اس کو رسم کہنا چاہیے۔ تو آپ کو صاحبِ جامی بتلائیں گے کہ حد سے مراد وہ منطق والی حد یہاں مراد نہیں ہے، حد سے مراد ہے جامع مانع تعریف، ایسی تعریف جو اپنے تمام افراد کا احاطہ کرلے، جامع ہو، اور غیر افراد میں سے کسی کو اپنے اندر داخل نہ ہونے دے، یعنی مانع بھی ہو۔ تو حد سے یہاں کیا مراد ہے؟ وہ منطقی حد مراد نہیں بلکہ جامع مانع تعریف مراد ہے، جامع مانع تعریف مراد ہے، بات سمجھ میں آگئی؟

تو کہتے ہیں وَلَيْسَ الْمُرَادُ بِالْحَدِّ هٰهُنَا إِلَّا الْمُعَرِّفَ الْجَامِعَ الْمَانِعَ، اور حد سے یہاں مراد نہیں ہے مگر جامع مانع تعریف۔ یا یوں کہو إِلَّا کو ذرا ختم کردو۔ دیکھو ادھر دیکھیے، مثلاً میں آپ سے کہتا ہوں: مَا جَاءَنِيْ إِلَّا زَيْدٌ۔ مَا جَاءَنِيْ إِلَّا زَيْدٌ، میرے پاس نہیں آیا مگر زید۔ یہ تو مَا اور إِلَّا کے ساتھ ترجمہ ہے: میرے پاس نہیں آیا مگر زید۔ بامحاورہ اردو میں اس کا ترجمہ یوں کریں گے: میرے پاس صرف زید آیا۔ میرے پاس صرف، دیکھو مَا کا کیا معنی تھا؟ مَا جَاءَنِيْ، نہیں آیا، إِلَّا زَيْدٌ مگر زید یا سوائے زید کے اور کوئی نہیں آیا۔ تو یہ مَا اور إِلَّا کو ختم کردو، ویسے اردو میں بامحاورہ ترجمہ کریں اس کا، کیسے کریں گے بامحاورہ؟ میرے پاس صرف زید آیا۔ دیکھو «نہیں» والا لفظ میں نے ختم کردیا ترجمے سے: میرے پاس صرف زید آیا۔ یا صرف «ہی» کا لفظ لے آؤ اس میں: میرے پاس زید ہی آیا۔ میرے پاس زید ہی آیا، ہاں صرف نہیں، یا صرف لے آؤ یا «ہی» لے آؤ۔ میرے پاس زید ہی آیا۔ اس کا بھی وہی ترجمہ ہے: میرے پاس صرف زید آیا۔ تو یہاں پر بھی اسی طرح ہے: وَلَيْسَ الْمُرَادُ بِالْحَدِّ هٰهُنَا إِلَّا الْمُعَرِّفَ الْجَامِعَ الْمَانِعَ، اور نہیں ہے حد سے مراد یہاں پر مگر جامع مانع معرّف یعنی تعریف۔ جامع مانع تعریف، یہ مَا اور إِلَّا کو ذرا ختم کردیں لَيْسَ اور إِلَّا کو، بامحاورہ ترجمہ کریں: ہاں یہاں پر حد سے مراد جامع مانع تعریف ہی ہے۔ یہاں پر حد سے مراد جامع مانع تعریف ہی ہے، یا صرف کا لفظ لے آئیں: یہاں پر حد سے مراد صرف جامع مانع تعریف ہے، وہ منطق

والی حد مراد نہیں ہے۔

وَلِلّٰهِ دَرُّ الْمُصَنِّفِ حَيْثُ أَشَارَ إِلٰى حُدُوْدِهَا فِيْ ضِمْنِ دَلِيْلِ الْحَصْرِ، ثُمَّ نَبَّهَ عَلَيْهَا بِقَوْلِهِ وَقَدْ عُلِمَ بِذٰلِكَ، ثُمَّ صَرَّحَ بِهَا فِيْمَا بَعْدُ بِنَاءً عَلٰى تَفَاوُتِ مَرَاتِبِ الطَّبَائِعِ۔

وَلِلّٰهِ دَرُّ الْمُصَنِّفِ، یہاں سے صاحبِ جامی مصنف رحمہ اللہ کی عبارت کی تعریف کر رہے ہیں کہ صاحبِ کافیہ بڑی پیاری اور خوبصورت عبارت لے کر آئے اور انہوں نے تمام طلبہ کی رعایت رکھی، ان کا لحاظ رکھا، اس لیے کیونکہ طلبہ تین قسم کے ہوتے ہیں: کچھ طلبہ بڑے ذہین ہوتے ہیں، کچھ متوسط ہوتے ہیں، اور کچھ کمزور طلبہ ہوتے ہیں۔ تو سب سے پہلے جب وجہِ حصر ذکر کر دی تو اس وجہِ حصر سے جو ذہین طالبِ علم ہوگا اس وجہِ حصر سے ہی اس کو اسم، فعل اور حرف تینوں کی تعریف سمجھ میں آجائے گی۔ لیکن کچھ طلبہ متوسط ہوتے ہیں، وجہِ حصر سے ان کو یہ پوری طرح بات سمجھ میں نہیں آئے گی، ان کی توجہ نہیں ہوگی، تو آگے پھر کہا وَقَدْ عُلِمَ بِذٰلِكَ، اس وجہِ حصر کے ذریعے جان لیا گیا حَدُّ كُلٍّ وَاحِدٍ مِنْهَا ان میں سے ہر ایک کی تعریف کو، تو دوبارہ متنبہ کر دیا، اب جو متوسط طالبِ علم ہوگا وہ بھی اب متنبہ ہو کر غور کر کے اس سے تعریف کو سمجھ لے گا۔ اور بعض طلبہ کمزور ہوتے ہیں، جب تک خاص علیحدہ تعریف ذکر نہیں کریں گے ان کو بات سمجھ میں نہیں آئے گی، لہٰذا ان کے لیے آگے پھر وہ اسم، فعل اور حرف کی باقاعدہ الگ الگ تعریف کریں گے۔ تو بڑی خوبصورت عبارت لائے، پہلے کیا ذکر کی؟ وجہِ حصر۔ ذہین طالبِ علم اسی سے اسم، فعل، حرف کی تعریف بھی سمجھ لے گا۔ پھر کچھ طلبہ متوسط ہوتے ہیں، شاید ابھی تک ان کو بات سمجھ میں نہ آئی ہو پوری طرح یا انہوں نے توجہ نہ کی ہو کہ اس سے پوری تعریف سمجھ میں آرہی ہے، تو آگے کیا کہہ دیا؟ اس پر متنبہ کر دیا کہ وَقَدْ عُلِمَ بِذٰلِكَ حَدُّ كُلٍّ وَاحِدٍ کہ اس وجہِ حصر سے ہر ایک کی تعریف سمجھ میں آرہی ہے، اب متوسط طالبِ علم غور کرے گا وہ بھی اس کو سمجھ لے گا۔ اور پھر اگر کمزور ہے جس کو ابھی بھی بات سمجھ میں نہیں آئی تو اس کے لیے پھر آگے علیحدہ تینوں کی الگ الگ تعریف بھی کریں گے۔

تو صاحبِ جامی جو ہیں مصنف کی تعریف کر رہے ہیں اور فرماتے ہیں: وَلِلّٰهِ دَرُّ الْمُصَنِّفِ حَيْثُ أَشَارَ إِلٰى حُدُوْدِهَا فِيْ ضِمْنِ دَلِيْلِ الْحَصْرِ۔ وَلِلّٰهِ دَرُّ الْمُصَنِّفِ، دَرٌّ یاد رکھو عربی زبان میں دودھ کو کہتے ہیں، کس کو کہتے ہیں؟ دودھ۔ اور عربوں کے لیے سب سے زیادہ نفع کی چیز دودھ تھی کیونکہ یہ ریگستانی علاقہ ہے، یہاں فصلیں وغیرہ تو ہوتی نہیں، تو یہ مختلف حیوانات پالتے اور انہی کے دودھ پر یہ گزارا کرتے تھے۔ تو ان کے لیے سب سے زیادہ نفع کی چیز کیا تھی؟ دودھ تھی جو ان کی زندگی کی بنیاد تھی بھئی۔ تو دَرٌّ دودھ کو کہتے ہیں اور پھر ہر خیرِ کثیر کے لیے استعمال کرنے لگے، ہر وہ چیز جس میں بہت زیادہ خیر ہو اس کو بھی دَرٌّ کہنے لگے۔ تو اصل میں دَرٌّ کس کے لیے وضع ہے؟ دودھ کے لیے، لیکن پھر ہر خیرِ کثیر کے لیے، ہر وہ چیز جس میں بہت زیادہ خیر ہو، بہت زیادہ فائدہ ہو اس کے لیے بھی دَرٌّ کا لفظ استعمال کرنے لگے۔ تو وَلِلّٰهِ دَرُّ الْمُصَنِّفِ یہ عرب کا محاورہ ہے، جب کسی شخص میں کوئی بہت بڑا کمال ہو تو اس کی اللہ کی طرف نسبت کر دیتے ہیں کہ یہ کمال اس کو کس نے عطا فرمایا

ہے؟ اللہ تعالیٰ نے عطا فرمایا ہے، تو مقصد یہاں تعجب کا اظہار ہوتا ہے کہ اتنا بڑا کمال ہے اور نسبت کس کی طرف کر دیتے ہیں؟ اللہ کی طرف کہ اللہ نے اس کو یہ کمال نصیب فرمایا ہے۔ تو یہاں پر بھی چونکہ صاحبِ کافیہ بڑی پیاری عبارت لائے تھے تو اللہ کی طرف نسبت کر دی: وَلِلّٰهِ دَرُّ الْمُصَنِّفِ، کہ اللہ ہی کے لیے ہے مصنف کا یہ کمال یعنی کیا کمال کی وہ عبارت لے کر آئے ہیں بھئی، تو کس کی طرف نسبت کر دی؟ اللہ تعالیٰ کی طرف نسبت کر دی۔ یعنی کتنی عجیب پیاری عبارت لے کر آئے مصنف۔ کہتے ہیں: وَلِلّٰهِ دَرُّ الْمُصَنِّفِ، اور اللہ ہی کے لیے ہے مصنف کا یہ کمال، یعنی کتنے کمال کی وہ عبارت لائے ہیں، حَيْثُ أَشَارَ إِلٰى حُدُوْدِهَا فِيْ ضِمْنِ دَلِيْلِ الْحَصْرِ، اس طور پر کہ مصنف نے اشارہ کر دیا إِلٰى حُدُوْدِهَا اسم، فعل اور حرف کی تعریفات کی طرف فِيْ ضِمْنِ دَلِيْلِ الْحَصْرِ کس کے ضمن میں؟ دلیلِ حصر کے ضمن میں ان کی تعریفات کی طرف اشارہ کر دیا، یعنی دلیلِ حصر آپ کو سمجھ میں آ گئی تو تعریفات بھی آپ کو سمجھ میں آ گئیں، ایسی دلیلِ حصر ذکر کی۔ ثُمَّ نَبَّهَ عَلَيْهَا، پھر اس پر متنبہ بھی فرمایا بِقَوْلِهٖ اپنے اس قول کے ذریعے وَقَدْ عُلِمَ بِذٰلِكَ، اور تحقیق اس کے ذریعے، یہ پیچھے متن آیا تھا نا وَقَدْ عُلِمَ بِذٰلِكَ، اس کے ذریعے پھر کیا کر دیا؟ دوبارہ اس پر متنبہ بھی فرما دیا کہ یہ جو وجہِ حصر میں نے ذکر کی ہے اسی سے تعریف بھی سمجھ میں آ جاتی ہے۔ ثُمَّ صَرَّحَ بِهَا، پھر ان تعریفات کی تصریح بھی کی فِيْمَا بَعْدُ بعد کے اندر۔ بعد میں الگ اسم، فعل اور حرف کی الگ الگ تعریف بھی وہ آگے چل کر کریں گے۔ تو کہتے ہیں ثُمَّ صَرَّحَ بِهَا پھر ان تعریفات کی تصریح بھی کر دی فِيْمَا بَعْدُ ان دونوں کے بعد، یعنی وجہِ حصر اور یہ جو تنبیہ کے بعد پھر بعد میں اس کی تصریح بھی کر دی تعریفات کی، بِنَاءً عَلٰى تَفَاوُتِ مَرَاتِبِ الطَّبَائِعِ، بنا بر تفاوت کا معنی ہے فرق ہونا، مختلف ہونا، مَرَاتِبِ جمع ہے مرتبے کی، اَلطَّبَائِعِ جمع ہے طبیعت کی، طبیعتوں کے درجے مختلف ہونے کی بنا پر۔ یعنی طبیعتیں مختلف ہوتی ہیں، کوئی ذہین ہوتا ہے، کوئی متوسط ہوتا ہے اور کوئی کمزور ہوتا ہے، تو طبیعتوں کے درجوں کے مختلف ہونے کے اعتبار سے انہوں نے بھی یہ اسم، فعل اور حرف کی تعریف جو ہے اس کو وجہِ حصر میں بھی ذکر کیا، پھر اس پر تنبیہ بھی کی بعد میں، اور تیسری مرتبہ پھر الگ الگ بھی ذکر کر دیا۔ بات سمجھ میں آ گئی؟

وَلِلّٰهِ دَرُّ الْمُصَنِّفِ بات سمجھ میں آ گئی؟ اللہ ہی کے لیے ہے مصنف کا کمال، یعنی تعجب کا اظہار کیا جا رہا ہے کہ کتنا کمال کیا مصنف نے بھئی۔ بات سمجھ میں آ گئی؟ چلیے بس بھئی، هٰذَا هُوَ الْمَرَامُ وَاللّٰهُ أَعْلَمُ بِحَقِيْقَةِ الْكَلَامِ۔

سبق نمبر ۲۵: تعریفِ کلام (۱): کلام کی لغوی و اصطلاحی تعریف («مَا تَضَمَّنَ كَلِمَتَيْنِ بِالْإِسْنَادِ»)

شرحِ ملا جامی صفحہ: ۱۸ — بتاریخ: ۱ اگست ۲۰۲۱ء

▪ تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث

دیکھیے بھئی کتاب پر آگے سبق:

اَلْكَلَامُ فِي اللُّغَةِ مَا يُتَكَلَّمُ بِهِ قَلِيلًا كَانَ أَوْ كَثِيرًا، وَفِي اصْطِلَاحِ النُّحَاةِ مَا تَضَمَّنَ أَيْ لَفْظٌ تَضَمَّنَ كَلِمَتَيْنِ حَقِيقَةً أَوْ حُكْمًا، أَيْ يَكُونُ كُلُّ وَاحِدَةٍ مِنْهُمَا فِي ضِمْنِهِ، فَالْمُتَضَمِّنُ اسْمَ فَاعِلٍ هُوَ الْمَجْمُوعُ وَالْمُتَضَمَّنُ اسْمَ مَفْعُولٍ كُلُّ وَاحِدَةٍ مِنْ كَلِمَتَيْنِ، فَلَا يَلْزَمُ اتِّحَادُهُمَا، بِالْإِسْنَادِ أَيْ تَضَمُّنًا حَاصِلًا بِسَبَبِ إِسْنَادِ إِحْدَى الْكَلِمَتَيْنِ إِلَى الْأُخْرَى.

گذشتہ سبق میں آپ نے پڑھا تھا کہ صاحبِ کافیہ نے فرمایا تھا: وَقَدْ عُلِمَ بِذَلِكَ حَدُّ كُلِّ وَاحِدٍ مِنْهَا کہ اس وجہِ حصر کے ذریعے جان لیا گیا ان اقسامِ ثلاثہ یعنی اسم، فعل اور حرف، ان میں سے ہر ایک کی تعریف کو۔ تو وَقَدْ عُلِمَ بِذَلِكَ عبارت آئی تھی۔ میں نے آپ کو بتلایا تھا کہ بھئی جب ایک دفعہ ایک چیز کو ذکر کر دیا جائے تو پھر دوبارہ اس کو ضمیر کے ساتھ ذکر کیا جاتا ہے، لہٰذا ماتن کو یوں کہنا چاہیے تھا: وَقَدْ عُلِمَ بِهِ۔ پیچھے ایک مرتبہ وجہِ حصر ذکر ہو چکی ہے تو اب ضمیر لا کر اس کی طرف اشارہ کرنا چاہیے تھا، لیکن صاحبِ کافیہ نے ضمیر کے بجائے اسمِ اشارہ استعمال کیا۔

سب سے پہلے میں نے آپ کو یہ بتلایا تھا کہ یہ جو اسمِ اشارہ ہے اس کو وضع کیا گیا ہے محسوس اور مبصر چیزوں کے لیے، محسوس اور مبصر چیزیں یعنی وہ چیزیں جو آنکھوں سے دکھائی دیں۔ لیکن اس کو غیرِ محسوس اور غیرِ مبصر چیزوں یعنی معقولات کے لیے بھی استعمال کر لیا جاتا ہے۔ کبھی کوئی ایک چیز ہوتی ہے وہ آنکھوں سے دکھائی نہیں دیتی، مثلاً ایک معنیٰ ہے، ایک مفہوم ہے جو ذہن میں سمجھ میں آ رہا ہے، اس کی طرف اشارہ کرنے کے لیے بھی اسمِ اشارہ کو استعمال کر لیتے ہیں۔ اور گویا اس میں یہ دعویٰ ہوتا ہے کہ یہ جو معنیٰ ہے یہ اتنا واضح ہے کہ یہ کس کے درجے میں ہے؟ محسوس اور مبصر کے درجے میں ہے، جیسے محسوس اور مبصر چیز آنکھوں کے سامنے جو چیز ہو جو دکھائی دے رہی ہے، اس میں کسی قسم کا شک و

شبہ نہیں ہوتا، وہ بالکل واضح ہوتی ہے، نمایاں ہوتی ہے۔ اسی طرح بعض اوقات کوئی عقل میں آنے والا مفہوم یا معنیٰ جو ہے وہ اتنا واضح ہوتا ہے کہ اس کے لیے پھر ذَلِكَ یا هَذَا وغیرہ اسمِ اشارہ استعمال کر لیا جاتا ہے۔

تو یہاں پر ضمیر کے بجائے اسمِ اشارہ لے کر آئے۔ اس کو کہتے ہیں وَضْعُ الْمُظْهَرِ مَوْضِعَ الْمُضْمَرِ یا یوں کہیں وَضْعُ الظَّاهِرِ مَوْضِعَ الضَّمِيرِ، اسمِ ظاہر کو رکھنا کس جگہ پر؟ ضمیر کے مقام میں۔ میں نے بتلایا تھا ایک ہے اسمِ ظاہر اور ایک ہے ضمیر، یہ اسمِ ظاہر ضمیر کے مقابلے میں ہے۔ دنیا کے تمام اسم آپ اکٹھے کر لیں اور اس میں سے ضمیریں نکال دیں تو باقی تمام اسم جو ہیں وہ اسمِ ظاہر کہلائیں گے۔ تو اسمِ اشارہ بھی ضمیر نہیں تو وہ بھی کیا ہے؟ اسمِ ظاہر۔ تو کبھی کبھار کلامِ عرب میں ایسا کیا جاتا ہے کہ مقام تو ہوتا ہے ضمیر کا لیکن اس کی جگہ کوئی اسمِ ظاہر لے آتے ہیں۔ جیسے یہاں پر مقام تو تھا ضمیر کا کہ بِهِ کہا جاتا، لیکن صاحبِ کافیہ کیا لے آئے؟ بِذَلِكَ اسمِ اشارہ لے آئے۔ تو اس کو کیا کہتے ہیں؟ وَضْعُ الْمُظْهَرِ مَوْضِعَ الْمُضْمَرِ یا یوں کہیں وَضْعُ الظَّاهِرِ مَوْضِعَ الضَّمِيرِ، ضمیر کے مقام پر اسمِ ظاہر کو رکھ دینا۔

اور اس میں کوئی نکتہ ہوتا ہے، کوئی نکتہ ہوتا ہے، جیسے یہاں پر نکتہ کیا ہے؟ کہ گویا صاحبِ کافیہ یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ یہ جو میں نے وجہِ حصر ذکر کی یہ اتنی ظاہر ہے کہ گویا یہ محسوس اور مبصر کے درجے میں ہے۔ جیسے محسوس اور مبصر چیز بالکل واضح اور نمایاں ہوتی ہے، اسی طرح یہ جو وجہِ حصر بھی ہے بالکل واضح اور نمایاں ہے، خوب اچھی طرح سمجھ میں آنے والی ہے۔

وَضْعُ الظَّاهِرِ مَوْضِعَ الضَّمِيرِ جو ہے اس میں ہمیشہ کوئی نہ کوئی نکتہ ہوتا ہے، جیسے یہاں پر میں نے بیان کر دیا۔ اسی طرح ایک شعر ہے، مجنوں جو ہے جو لیلیٰ سے عشق کرتا تھا اس کا ایک شعر ہے: بِاللّٰهِ يَا ظَبْيَاتِ الْقَاعِ قُلْنَ لَنَا ... لَيْلَايَ مِنْكُنَّ أَمْ لَيْلَى مِنَ الْبَشَرِ۔ کہ اے جنگل کی ہرنیو! تمہیں اللہ کا واسطہ ہے، تم مجھے بتلاؤ تو سہی کہ میری جو لیلیٰ ہے وہ تم میں سے ہے یعنی کوئی ہرنی ہے، أَمْ لَيْلَى مِنَ الْبَشَرِ یا کس میں سے ہے لیلیٰ؟ بشر یعنی انسانوں میں سے ہے۔ تو مجنوں جو ہے اپنی لیلیٰ کی تعریف کر رہا ہے اور اپنی حیرت کا اظہار کر رہا ہے کہ جیسے ہرنی بڑی خوبصورت ہوتی ہے، اس کی آنکھیں بے انتہا حسین ہوتی ہیں، اسی طرح میری لیلیٰ بھی بڑی حسین ہے اور مجھے معلوم نہیں کہ لیلیٰ انسانوں میں سے کوئی انسان ہے یا ہرنیوں میں سے ایک ہرنی ہے بھئی۔

تو دیکھو مقامِ استشہاد یہاں کیا ہے؟ لَيْلَايَ مِنْكُنَّ کیا میری لیلیٰ تم میں سے ہے، أَمْ لَيْلَى مِنَ الْبَشَرِ یا لیلیٰ کس میں سے ہے؟ بشر میں سے ہے۔ بھئی ایک دفعہ جب لیلیٰ کا ذکر آ گیا تو آگے کہنا چاہیے تھا أَهِيَ مِنَ الْبَشَرِ، کیا وہ کس میں سے ہے؟ انسانوں میں سے ہے، لیکن ضمیر کے بجائے اسمِ ظاہر کو دوبارہ ذکر کر دیا۔ بتلانا یہ چاہتا ہے کہ یہ لیلیٰ کا نام بھی مجھے بڑا محبوب ہے، اس کو جتنی دفعہ بھی ذکر کریں یہ اتنا ہی مجھے محبوب اور پسند ہے بھئی۔ بات سمجھ میں آ گئی؟ تو جب بھی اسمِ ظاہر کو

ضمیر کے مقام پر رکھا جاتا ہے اس میں کوئی نہ کوئی نکتہ ہوتا ہے۔

تو صاحبِ کافیہ فرماتے ہیں کہ وَقَدْ عُلِمَ بِذَلِكَ حَدُّ كُلِّ وَاحِدٍ مِنْهَا کہ یہ جو میں نے وجہِ حصر ذکر کی اس کے ذریعے ہر ایک کی حد یعنی جامع مانع تعریف آپ کو معلوم ہو گئی۔ اور پھر شارحِ جامی نے آپ کو بتایا بھی کہ کس طرح معلوم ہوئی تھی کہ وجہِ حصر انہوں نے کیا ذکر کی تھی کہ کلمہ یا تو اپنے معنیٰ پر خود بخود دلالت کرے گا یا نہیں کرے گا۔ اگر نہ کرے تو وہ حرف ہے۔ اگر کرے تو پھر اس کے ساتھ تین زمانوں میں سے کوئی زمانہ ملا ہو گا یا نہیں ملا ہو گا۔ اگر ملا ہو تو وہ فعل ہے، اگر نہ ملا ہو تو وہ اسم ہے۔ تو اس سے آپ کو تینوں کی تعریف بھی سمجھ میں آگئی کہ کلمہ کسے کہتے ہیں؟ جو اپنے معنیٰ پر خود بخود دلالت نہ کرے بلکہ کوئی اور کلمہ ساتھ جوڑنا پڑے پھر اس کا معنیٰ سمجھ میں آئے۔ اور فعل کی تعریف بھی آپ کو سمجھ میں آگئی کہ وہ کلمہ ہے جو اپنے معنیٰ پر خود بخود دلالت کرتا ہے اور اس کے ساتھ تین زمانوں میں سے کوئی زمانہ بھی ملا ہوتا ہے۔ اور اسم کی تعریف بھی آپ کو سمجھ میں آگئی کہ اسم وہ ہے جو اپنے معنیٰ پر خود بخود دلالت کرتا ہے اور اس کے ساتھ تین زمانوں میں سے کوئی زمانہ ملا ہوا نہیں ہوتا۔

تو ہر ایک کی تعریف سمجھ میں آگئی اور ہر ایک دوسرے سے ممتاز ہو گیا۔ حرف، فعل اور اسم سے ممتاز ہو گیا۔ حرف کس طرح الگ ہے، کس طرح ممتاز ہے؟ کہ یہ اپنے معنیٰ پر مستقلاً دلالت نہیں کرتا، جبکہ فعل اور اسم کرتے ہیں۔ اور فعل بھی اسم اور حرف دونوں سے ممتاز ہو گیا، فعل حرف سے بھی الگ ہے اور اسم سے بھی الگ۔ حرف سے کس طرح الگ ہے؟ کہ فعل مستقل ہے دلالت کرنے میں اپنے معنیٰ پر اور حرف مستقل نہیں۔ اور اسی طرح فعل اسم سے بھی جدا ہے کہ فعل کے اندر تین زمانوں میں سے کوئی زمانہ بھی ملا ہوا ہو گا اس کے مفہوم کے ساتھ، اور جبکہ اسم میں جڑا ہوا نہیں ہو گا۔ اور اسم بھی جدا ہو گیا حرف سے بھی اور فعل سے بھی۔ حرف سے کیسے جدا ہوا؟ کہ حرف اپنے معنیٰ پر مستقلاً دلالت نہیں کرتا، جبکہ اسم اپنے معنیٰ پر مستقلاً دلالت کرتا ہے۔ اور اسم جو ہے فعل سے بھی جدا ہو گیا کہ اسم جو ہے اس کے ساتھ تین زمانوں میں سے کوئی زمانہ نہیں ملا ہوتا اور فعل کے ساتھ زمانہ ملا ہوتا ہے۔ تو تینوں ممتاز ہو گئے، ایک دوسرے سے جدا ہو گئے، ہر ایک کی تعریف سمجھ میں آگئی، ایسی پیاری وجہِ حصر ذکر کی صاحبِ کافیہ نے۔

پھر یہاں پر پھر اشکال ہوتا تھا کہ وَقَدْ عُلِمَ بِذَلِكَ حَدُّ كُلِّ وَاحِدٍ مِنْهَا کہ اس وجہِ حصر کے ذریعے اسم، فعل اور حرف تینوں کی تعریف، حد، تینوں کی حد معلوم ہو گئی یعنی جامع مانع تعریف معلوم ہو گئی۔ تو اس پر اشکال ہوتا تھا کہ مصنف کو حد نہیں کہنا چاہیے تھا، رسم کہنا چاہیے تھا، وَقَدْ عُلِمَ بِذَلِكَ رَسْمُ كُلِّ وَاحِدٍ مِنْهَا، رسم کا لفظ استعمال کرنا چاہیے تھا۔ میں نے بتلایا تھا ایک ہوتی ہے حد اور ایک ہے رسم۔ کسی چیز کی تعریفِ حقیقی ہوتی ہے اس کو حد یا رسم کہتے ہیں۔ اور حد اس کو اس وقت کہتے ہیں جب یہ فصل پر مشتمل ہو، اور رسم اس کو اس وقت کہتے ہیں جب یہ خاصہ پر مشتمل ہو۔

فصل آپ نے پڑھا ہے منطق کے اندر، فصل وہ کلی ہے جو کسی چیز کی ذات میں داخل ہوتی ہے۔ کسی چیز کی ذات میں داخل ہوتی ہے، اس کی ذات کا جز ہوتی ہے، اس کی ذات کا حصہ ہوتی ہے اور اس کو دوسری تمام چیزوں سے جدا کر دیتی ہے۔ جیسے انسان کے لیے ناطق ہے، انسان کی حقیقت کیا ہے؟ حیوانِ ناطق۔ یہ دو جز، ایک حیوان ایک ناطق، یہ دو جز ملے تو انسان بنا۔ تو یہ انسان کی حقیقت میں اور ذات میں داخل ہے ناطق بھئی، اور یہ ناطق کیا کرتا ہے؟ انسان کو تمام حیوانات سے، تمام چیزوں سے جدا کر دیتا ہے۔

اسی طرح انسان کی ایک صفت ہے کہ وہ ضاحک ہے، اللہ نے اس کو ہنسنے کی صفت نصیب فرمائی ہے۔ انسان جب کسی عجیب چیز کا مشاہدہ کرتا ہے، کسی عجیب چیز کا ادراک کرتا ہے تو اس کو تعجب لاحق ہوتا ہے اور پھر اس کو ہنسی آجاتی ہے۔ تو انسان کو اللہ نے ضاحک یعنی ہنسنے والا بنایا ہے اور یہ ہنسنا انسان کی صفت ہے، انسان کی حقیقت میں داخل نہیں ہے۔ تو ناطق وہ بھی انسان کو تمام چیزوں سے جدا کر دیتا ہے اور ضاحک یہ بھی انسان کو تمام چیزوں سے جدا کر دیتا ہے، لیکن ناطق وہ انسان کی حقیقت اور ماہیت میں داخل ہے اور ضاحک وہ انسان کی صفت ہے، انسان کی حقیقت اور ماہیت میں داخل نہیں ہے بھئی۔

تو تعریفِ حقیقی کا بڑا مقصد کیا ہوتا ہے؟ کہ ایک چیز کی پوری حقیقت کا آپ کو پتہ چل جائے یا وہ تمام باقی چیزوں سے ممتاز ہو جائے، جدا ہو جائے، آپ دوسرے کو سمجھانا چاہتے ہیں، بتلانا چاہتے ہیں تاکہ وہ اس چیز کو پورے طور پر سمجھ لے۔ تو تعریفِ حقیقی کے دو بڑے مقصد ہوتے ہیں کہ وہ کیا ہو؟ اس کی حقیقت کا پتہ چل جائے یا وہ تمام چیزوں سے جدا ہو جائے، ممتاز ہو جائے، سننے والے کو سمجھ میں آجائے بھئی۔ تو یہ دو بڑے مقصد ہیں۔ تو اگر یہ دونوں حاصل ہو جائیں پھر تو سب سے بہتر بات ہے، حقیقت کا بھی پتہ چل جائے اور باقی چیزوں سے بھی جدا ہو جائے۔ لیکن اگر حقیقت کا پتہ نہ چلے تو کم از کم دوسری چیزوں سے جدا ضرور ہو جائے۔

تو جو حد ہوتی ہے اس کے ذریعے حقیقت کا پتہ چلتا ہے اور رسم جو ہے اس کے ذریعے صفات کا پتہ چلتا ہے۔ تو جو تعریف ذاتیات پر مشتمل ہو اس کو کہتے ہیں حد بھئی، یعنی ایسی چیزیں اس میں ذکر ہوں جو اس چیز کی ماہیت اور حقیقت میں داخل ہیں یعنی اس میں فصل ذکر ہو۔ اور وہ تعریف جو صفات پر مشتمل ہو اس کو رسم کہتے ہیں، یعنی اس میں خاصہ ذکر ہو تاکہ وہ باقی چیزوں سے کیا ہو جائے؟ جدا ہو جائے۔ تو یہ جو کلمہ کی تعریف کی اس کے اندر دو چیزیں ذکر ہوئیں، ایک تو یہ کہ کلمہ اپنے معنیٰ پر خود دلالت کرے گا یا دلالت نہیں کرے گا، یہ بھی کلمہ کی صفت ہے۔ اور اسی طرح وہ اس کے ساتھ تین زمانوں میں سے کوئی زمانہ ملا ہو گا یا نہیں ملا ہو گا، یہ بھی اس کی صفت ہے۔ تو یہ تو تعریف ہوئی صفات کے ساتھ، اور صفات پر جو تعریف مشتمل ہو اس کو کیا کہتے ہیں؟ رسم کہتے ہیں۔ تو مصنف کو حد نہیں کہنا چاہیے تھا، رسم کہنا چاہیے تھا کہ وَقَدْ عُلِمَ بِذَلِكَ رَسْمُ كُلِّ وَاحِدٍ مِنْهَا۔

تو اس کا جواب دیا تھا ملا جامی رحمہ اللہ نے کہ یہاں پر حد سے مراد وہ منطقی حد مراد نہیں ہے جو ذاتیات پر مشتمل ہو، بلکہ یہاں حد سے مراد ہے جامع مانع تعریف بھئی۔ جامع مانع تعریف۔ علمِ نحو کے اندر جامع مانع تعریف کو حد کہتے ہیں۔ تو یہاں پر جو اسم، فعل اور حرف کی جو تعریف سمجھ میں آرہی ہے وجہِ حصر سے وہ جامع مانع تعریف ہے۔ جامع ہے یعنی تمام اپنے تمام افراد کا احاطہ کر لیتی ہے۔ فعل کی تعریف کی اس میں تمام دنیا کے فعل داخل ہیں، اسم کی تعریف کی اس میں تمام دنیا کے اسم داخل ہیں اور حرف کی تعریف کی اس میں تمام حرف داخل ہیں۔ تو یہ جامع بھی ہے اور مانع بھی ہے، یعنی اسم کی تعریف میں نہ فعل داخل ہوتا ہے اور نہ حرف، اور حرف کی تعریف میں نہ اسم داخل ہوتا ہے اور نہ فعل، اور فعل کی تعریف میں نہ حرف داخل ہوتا ہے اور نہ اسم۔ تو ہر ایک کی تعریف جامع بھی ہے اور مانع بھی ہے۔

اور اس کے بعد صاحبِ جامی نے صاحبِ کافیہ کی عبارت کی تعریف کی: وَلِلّٰهِ دَرُّ الْمُصَنِّفِ اور اللہ ہی کے لیے ہے مصنف کا کمال اور خوبی، یعنی تعجب کا اظہار۔ میں نے بتلایا تھا یہ عرب تعجب کے موقع پر یہ جملہ استعمال کرتے ہیں، کسی میں کوئی بڑا کمال یا خوبی دیکھیں تو کہتے ہیں وَلِلّٰهِ دَرُّ فُلَانٍ، فلاں کا کمال اللہ ہی کے لیے ہے یعنی یہ اتنا بڑا کمال ہے یہ اللہ ہی نے اس کو عطا کیا ہے، اللہ کی عطا کے علاوہ یہ کمال ہو ہی نہیں سکتا۔

تو یہاں پر بھی مصنف بڑی پیاری عبارت لائے تھے کیونکہ طلبہ تین قسم کے ہو سکتے ہیں: کچھ ذہین طلبہ ہوتے ہیں، کچھ متوسط ہوتے ہیں، کچھ کمزور طلبہ ہوتے ہیں، اور مصنف صاحبِ کافیہ جو ہے وہ ایسی عبارت لائے کہ انہوں نے تمام طلبہ کی رعایت رکھی۔ سب سے پہلے وجہِ حصر لائے، وہ وجہِ حصر ہی ایسی تھی کہ اسی سے اسم، فعل اور حرف کی تعریف سمجھ میں آجاتی تھی۔ تو ذہین طالبِ علم کے لیے وہی کافی تھی۔ لیکن متوسط طالبِ علم کی ہو سکتا ہے توجہ نہ ہو کہ اس سے تعریف سمجھ میں آرہی ہے، تو اس کے لیے آگے پھر باقاعدہ اس پر متنبہ بھی کر دیا: وَقَدْ عُلِمَ بِذَلِكَ یہ جو وجہِ حصر ہم نے ذکر کر دی اس کے ذریعے جان لیا گیا، کس چیز کو؟ حَدُّ كُلٍّ وَاحِدٍ مِنْهَا ان میں سے ہر ایک کی حد کو، جامع مانع تعریف کو جان لیا گیا۔ اب متوسط طالبِ علم کی بھی توجہ ہو گئی، وہ بھی غور کرے گا، وہ بھی سمجھ جائے گا کہ واقعی یہ جو وجہِ حصر تھی اس سے تینوں کی تعریف معلوم ہو رہی ہے۔ اور پھر بعض طلبہ کمزور ہوتے ہیں، ان کی بھی رعایت کی، ہو سکتا ہو سکتا ہے ان کو ابھی بھی بات سمجھ میں نہ آئی ہو تو پھر آگے باقاعدہ آگے چل کر وہ اسم کی بھی الگ تعریف کریں گے، فعل کی بھی الگ تعریف کریں گے اور حرف کی بھی الگ تعریف کریں گے۔ تو انہوں نے کمال کیا کہ اپنی کتاب پڑھنے والے تمام طلبہ کی رعایت کی، ذہین کی بھی، متوسط کی بھی اور کمزور طلبہ کی بھی بھئی۔ بات سمجھ میں آگئی؟

اچھا بھئی، اب آئیے آج کے سبق پر۔ دیکھیے کتاب پر عبارت: اَلْكَلَامُ فِي اللُّغَةِ مَا يُتَكَلَّمُ بِهِ قَلِيلًا كَانَ أَوْ كَثِيرًا، وَفِي اصْطِلَاحِ النُّحَاةِ مَا تَضَمَّنَ أَيْ لَفْظٌ تَضَمَّنَ كَلِمَتَيْنِ حَقِيقَةً أَوْ حُكْمًا، أَيْ يَكُونُ كُلُّ وَاحِدَةٍ مِنْهُمَا فِي ضِمْنِهِ، فَالْمُتَضَمِّنُ اسْمَ فَاعِلٍ هُوَ الْمَجْمُوعُ وَالْمُتَضَمِّنُ اسْمَ مَفْعُولٍ كُلُّ وَاحِدَةٍ مِنْ كَلِمَتَيْنِ، فَلَا يَلْزَمُ اتِّحَادُهُمَا، بِالْإِسْنَادِ أَيْ تَضَمُّنًا حَاصِلًا بِسَبَبِ

إِسْنَادِ إِحْدَى الْكَلِمَتَيْنِ إِلَى الْأُخْرَى.

اب کلام کی تعریف کرنے لگے ہیں بھئی صاحبِ کافیہ۔ پہلے صرف متن متن ذرا دیکھ لیجیے: اَلْكَلَامُ مَا تَضَمَّنَ كَلِمَتَيْنِ بِالْإِسْنَادِ۔ کلام، مَا مَا سے مراد ہے لفظ بھئی، اَلْكَلَامُ مَا کلام وہ لفظ ہے، تَضَمَّنَ كَلِمَتَيْنِ جو متضمن ہو دو کلموں کو، یعنی اس کے ضمن میں، اس کے بیچ میں، اس کے اندر دو کلمے آرہے ہوں۔ بِالْإِسْنَادِ کس کے ساتھ؟ اسناد کے ساتھ۔ یعنی کلام وہ لفظ ہے جو مشتمل ہو دو کلموں پر اور ان دو کلموں میں بھی کیا ہونا چاہیے؟ اسناد ہونا چاہیے، بغیر اسناد کے نہ ہوں بھئی، بغیر اسناد کے ہوں گے تو وہ کلام نہیں کہلائے گا۔ تو کلام کس کو کہتے ہیں جو کتنے کلموں پر مشتمل ہو؟ دو کلموں پر مشتمل ہو اور ان دونوں میں اسناد ہونا چاہیے، ایک کلمے کا دوسرے کلمے کی طرف اسناد ہونا چاہیے۔ تو کلام اَلْكَلَامُ مَا تَضَمَّنَ كَلِمَتَيْنِ بِالْإِسْنَادِ کلام وہ لفظ ہے جو متضمن ہو دو کلموں کو اسناد کے ساتھ، یعنی اس کے اندر دو کلمے ہوں، اسناد ہو ان دونوں کے درمیان۔ معنیٰ سمجھ میں آگیا؟

اب آئیے شرح میں بھئی۔ کہتے ہیں: اَلْكَلَامُ فِي اللُّغَةِ مَا يُتَكَلَّمُ بِهِ قَلِيلًا كَانَ أَوْ كَثِيرًا۔ کلمہ کی تعریف کے بعد علامہ ابنِ حاجب کلام کی تعریف فرما رہے ہیں، اور آپ پڑھ چکے ہیں ہدایۃ النحو وغیرہ میں کہ علمِ نحو کا موضوع کلمہ اور کلام دونوں ہیں بھئی، کلمہ بھی علمِ نحو کا موضوع ہے اور کلام بھی علمِ نحو کا موضوع ہے بھئی۔ تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ کلمہ کو مقدم کیوں کیا اور کلام کو مؤخر کیوں کیا؟ حالانکہ نحو کا سب سے اہم مقصد کیا ہے؟ علمِ نحو کا سب سے اہم مقصد کیا ہے؟ کہ آپ کو اعراب کا پتہ چلے کہ کہاں پر رفع پڑھنا ہے، کہاں نصب پڑھنا ہے اور کہاں جر پڑھنا ہے۔ اور اعراب کا دارومدار کلام پر ہوتا ہے، کیونکہ کلام ہوگا تو اس میں کوئی مبتدا بنے گا، کوئی خبر بنے گا، یا اسی طرح فعل ہے تو فاعل آئے گا، آگے مفعول آئے گا، تو کس پر کون سا اعراب پڑھنا ہے وہ کلام سے پتہ چلتا ہے۔ تو نحو کا سب سے اہم مقصد کیا؟ اعراب کا پتہ چلانا، اور اعراب کا دارومدار کس پر؟ کلام پر۔ تو گویا کلام اہم مقاصد میں سے ہوا، تو کلام کو مقدم کرنا چاہیے تھا، لیکن مصنف نے کیا کیا؟ کلمہ کو مقدم کیا۔ اعتراض سمجھ میں آیا؟

تو جواب یہ کہ مصنف نے کلمہ کو اس لیے مقدم کیا کیونکہ کلمہ کلام کا جز ہے بھئی۔ ابھی کیا تعریف کی کلام کی؟ اَلْكَلَامُ مَا تَضَمَّنَ كَلِمَتَيْنِ بِالْإِسْنَادِ کہ جس میں دو کلمے ہوں بھئی۔ تو کلام آپ کو سمجھ ہی تب آئے گا جب آپ کو کلمے کا تو پتہ ہو۔ کلام متضمن ہوتا ہے دو کلموں کو۔ بھئی آپ کو اگر کلمے کا ہی نہیں پتہ تو آپ کو تعریف سمجھ میں نہیں آئے گی۔ تو کلمہ کیا ہے؟ کلام کا جز ہے اور جز کل پر مقدم ہوتا ہے۔ جز سمجھ میں آئے گا آپ کو تو کل بھی سمجھ میں آجائے گا، جز سمجھ میں نہیں تو کل سمجھ میں نہیں آسکتا۔ تو کلمہ چونکہ جز کے درجے میں تھا اس لیے اس کو مقدم کیا، اور کلام کل کے درجے میں تھا اس لیے اس کو مؤخر کیا۔ بات سمجھ میں آگئی؟

اب ایک اور چیز سمجھ لیں: ایک ہے فصل، ایک ہے وصل۔ تو ایک ہے فصل اور ایک ہے وصل بھئی۔ فصل اور

وصل علمِ بلاغت میں آپ پڑھیں گے مختصر المعانی میں بھی، اور اسی طرح اس سال آپ دروس البلاغہ پڑھ رہے ہوں گے اس کے اندر بھی فصل اور وصل کا ذکر آجائے گا۔ فصل کا معنیٰ ہے جدا کرنا، لفظ سے ہی پتہ چل رہا ہے، فصل کس کو کہتے ہیں؟ جدائی کو، تو فصل کا معنیٰ ہے جدا کرنا۔ اور وصل کا معنیٰ ہے ملانا، جوڑنا۔ یاد رکھو یہ جو حروفِ عطف ہیں یہ وصل کا کام دیتے ہیں۔ مثلاً میں نے کہا جَاءَنِي زَيْدٌ وَعَمْرٌو، دیکھا یہ وَاوْ کے ذریعے میں نے کیا کیا؟ عمرو کا عطف کیا کس پر؟ زید پر۔ تو جیسے آنا زید کے لیے ثابت ہے اسی طرح پتہ چل گیا کہ آنا عمرو کے لیے بھی ثابت ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟

اسی طرح کبھی حرفِ عطف کے ذریعے ایک کلام کا دوسرے کلام پر، ایک جملے کا دوسرے جملے پر عطف کیا جاتا ہے: زَيْدٌ قَائِمٌ وَعَمْرٌو جَالِسٌ زید کھڑا ہے اور عمرو بیٹھا ہے۔ تو زَيْدٌ قَائِمٌ ایک جملہ اور عَمْرٌو جَالِسٌ دوسرا جملہ، درمیان میں وَاوْ میں لے آیا، میں نے یعنی ان کو ربط دے دیا، جوڑ دیا آپس میں، یہ ہے وصل۔ کیا ہے؟ وصل ہے۔ وصل کا معنیٰ ملا دینا، ایک جملے کا دوسرے جملے پر عطف کر دیا، ان کو جوڑ دیا، ان میں ربط دے دیا۔ اور ایک ہے فصل کہ میں درمیان میں حرفِ عطف ذکر نہیں کرتا، کوئی بھی حرفِ عطف ذکر کر دیا جائے (بات سمجھ میں آرہی ہے؟)۔ تو زَيْدٌ قَائِمٌ وَعَمْرٌو جَالِسٌ یہ کیا ہے؟ وصل ہے، وصل ہے۔ توجہ ہے؟ حرفِ عطف بیچ میں لے آئے تو کیا کیا؟ وصل کیا، دونوں جملوں کو ربط دے دیا، دونوں کو جوڑ دیا۔ اور اگر حرفِ عطف بیچ میں نہ لائیں تو اس کو کہتے ہیں فصل: زَيْدٌ قَائِمٌ، عَمْرٌو جَالِسٌ، میں نے درمیان میں کوئی حرفِ عطف ذکر نہیں کیا، گویا میں نے ان دونوں جملوں کو ایک دوسرے سے جدا کر دیا، الگ کر دیا، زَيْدٌ قَائِمٌ میں الگ بات ہو رہی ہے اور عَمْرٌو جَالِسٌ میں الگ بات ہو رہی ہے، دونوں کا آپس میں کوئی ربط نہیں ہے۔

تو جب حرفِ عطف بیچ میں لائیں اس کو کیا کہتے ہیں؟ وصل۔ اور حرفِ عطف بیچ میں نہ لائیں تو اس کو کیا کہتے ہیں؟ فصل کہتے ہیں کہ دونوں کو جدا کر دیا، الگ کر دیا، دونوں میں کوئی ربط نہیں، کوئی تعلق نہیں۔ ایک میں ایک بات ہے، دوسرے میں دوسری بات ہے، دونوں باتوں میں کوئی ربط نہیں۔ جبکہ پہلی صورت میں زَيْدٌ قَائِمٌ وَعَمْرٌو جَالِسٌ اس میں دونوں میں ربط تھا، زید اور عمرو میں بھی ربط اور قَائِمٌ اور جَالِسٌ میں بھی ربط، معلوم ہوا زید اور عمرو ان میں بھی کوئی تعلق ہوگا، دونوں دوست ہوں گے یا بھائی ہوں گے یا کوئی نہ کوئی تعلق ہوگا۔ تو جب ایک جملے کا دوسرے جملے پر عطف کیا جاتا ہے تو مسند اور مسند الیہ دونوں میں ربط ہوتا ہے، اور کبھی ربط دینا مقصود نہ ہو تو پھر فصل کیا جاتا ہے، حرفِ عطف بیچ میں نہیں لاتے۔

تو یہاں پر بھی صاحبِ کافیہ نے کہا: اَلْكَلَامُ مَا تَضَمَّنَ كَلِمَتَيْنِ بِالْإِسْنَادِ۔ کوئی درمیان میں حرفِ عطف وَاوْ یا فَاء یا ثُمَّ وغیرہ نہیں لائے۔ کہنا تو یوں چاہیے تھا وَالْكَلَامُ مَا تَضَمَّنَ، کلمہ کی بات کی اور آگے وَالْكَلَامُ اور کلام جو ہے وہ ہے جو متضمن ہو دو کلموں کو۔ تو حرفِ عطف کو ذکر نہیں کیا۔ تو اس کی کیا وجہ ہے صاحبِ کافیہ نے حرفِ عطف کو کیوں ذکر نہیں کیا؟ تو جواب یہ کہ اگر حرفِ عطف ذکر کر دیتے تو یہ معطوف بن جاتا اور ماقبل والا معطوفٌ علیہ۔ تو یہ معطوف بن جاتا اور ماقبل والا معطوفٌ علیہ۔ یاد رکھو جو پہلے آئے اس کو کہتے ہیں معطوفٌ علیہ اور جو بعد میں آئے اس کو کیا کہتے ہیں؟ معطوف۔ اور

معطوفٌ علیہ اصل ہوتا ہے اور معطوف اس کے تابع ہوتا ہے۔ جَاءَنِي زَيْدٌ وَعَمْرٌو معطوفٌ علیہ کون؟ زید، اور معطوف کون؟ عمرو، تو یہ عمرو زید کے تابع ہے۔ زید پر جو اعراب آئے گا وہی اعراب عمرو یعنی معطوف پر بھی آئے گا۔ تو معطوف کیا ہوتا ہے؟ تابع۔ تو یہاں اگر حرفِ عطف لے آتے تو شبہ ہوتا کہ شاید یہ اَلْكَلَامُ جو ہے یہ کلمہ کے تابع ہے۔ یعنی علمِ نحو کا موضوع دونوں ہیں، کلمہ بھی اور کلام بھی، لیکن کلمہ اصل ہے موضوع ہونے میں اور کلام کیا ہے؟ تابع ہے، کلام اس کے تابع ہے، یہ شبہ کب پڑتا اگر درمیان میں کیا لے آتے؟ حرفِ عطف۔ تو اس لیے حرفِ عطف نہیں لائے یہ بتلانے کے لیے کہ کلام جو ہے علمِ نحو کا موضوع ہے لیکن وہ موضوع ہونے میں کلمہ کے تابع نہیں، کلمہ بھی مستقل علمِ نحو کا موضوع اور کلام بھی علمِ نحو کا مستقل موضوع ہے، دونوں اصل ہیں بھئی علمِ نحو کا موضوع ہونے میں۔

اور میں نے آپ کو یہ بھی بتلایا تھا کہ یہ جو کافیہ ہے یہ ماخوذ ہے مفصل سے۔ مفصل علامہ زمخشری کی کتاب ہے جو بہت بڑے عالم گزرے ہیں بھئی۔ اور مفصل کو مفصل اس لیے کہتے ہیں کہ اس میں فصلیں بہت زیادہ ہیں، وہ ہر چیز کے لیے الگ فصل لے کر آتے ہیں، تو بہت زیادہ فصلیں ہیں حتیٰ کہ بعض فصلیں تو ایک ایک سطر پر مشتمل ہیں۔ تو صاحبِ کافیہ نے مفصل سے اس کافیہ کو اخذ کیا، لیکن ان کو یہ اتنی کثرت سے فصلوں کا ذکر ان کو اتنا ناپسند آیا کہ انہوں نے اپنی پوری کافیہ میں ایک بھی فصل ذکر نہیں کی۔ تو وہ یہاں کافیہ میں وہ کیا کرتے ہیں کہ فصل کے بجائے صرف حرفِ عطف وہاں نہیں لاتے بھئی۔ تو یہاں بھی اَلْكَلَامُ کے لیے حرفِ عطف نہیں لائے، تو گویا یہ بھی ایک الگ فصل ہے، پہلے فصل کس کی تھی؟ کلمہ کے بارے میں، اب دوسری فصل کس کے بارے میں ہے؟ کلام کے بارے میں، اور اس کی طرف اشارہ کس کے ذریعے کیا؟ کہ درمیان میں حرفِ عطف کو ذکر نہیں کیا، اسی نے فصل پر دلالت کر دی کہ یہ الگ بات ہے بھئی، الگ بحث ہے بھئی۔

اب دیکھیے کتاب پر، کہتے ہیں: اَلْكَلَامُ فِي اللُّغَةِ مَا يُتَكَلَّمُ بِهِ قَلِيلًا كَانَ أَوْ كَثِيرًا۔ جی کلام کی تعریف میں نے آپ کو بیان کر دی، صرف ہم نے متن حل کیا تھا: اَلْكَلَامُ مَا تَضَمَّنَ كَلِمَتَيْنِ بِالْإِسْنَادِ۔ کلام وہ لفظ ہے جو متضمن ہو دو کلموں کو کس کے ساتھ؟ اسناد کے ساتھ، ان دو کلموں میں اسناد بھی ہو۔ یہ کلام کی اصطلاحی تعریف ہے، علمِ نحو کے اندر کلام اس کو کہتے ہیں۔ توجہ ہے؟ علمِ نحو میں کلام کسے کہتے ہیں؟ مَا تَضَمَّنَ كَلِمَتَيْنِ بِالْإِسْنَادِ، وہ لفظ جو متضمن ہو دو کلموں کو اسناد کے ساتھ، یہ علمِ نحو کے اندر کلام کو کہتے ہیں۔ اور ایک کلام ہے عربی زبان میں، عربی زبان میں کسے کہتے ہیں؟ تو وہ آپ کو بتلا رہے ہیں کہ اَلْكَلَامُ فِي اللُّغَةِ کہ کلام جو ہے لغت میں، کلام اس لغت میں، کون سی لغت میں؟ عربی لغت میں۔ توجہ ہے؟ تو عربی لغت میں کلام جو ہے (ادھر دیکھیے، یاد رکھو آپ کو بتائیں گے) کہ عربی لغت میں کلام اسے کہتے ہیں جس پر تکلم کیا جائے۔ آپ زبان سے جو بھی لفظ ادا کر دیں یہ کلام ہے۔ چاہے ایک لفظ ادا کریں، چاہے زیادہ ادا کریں۔ چاہے مفرد ادا کریں، چاہے پورا جملہ ادا کریں۔ چاہے کلمہ ادا کریں، چاہے مہمل لفظ کوئی ادا کر دیں، یہ سب کیا ہیں؟ کلام ہیں۔ توجہ ہے؟ کلمہ

تو وہ لفظ جس کا کوئی معنیٰ ہو، مہمل وہ لفظ جس کا کوئی معنیٰ نہ ہو، تو آپ زبان سے جو بھی لفظ ادا کریں گے یہ سب عربی زبان کے اعتبار سے کلام کہلاتے ہیں۔ تو عربی زبان میں کلام اور ہے اور نحو کے اندر کلام اور ہے۔ عربی زبان میں جس پر بھی تکلم کر لیا جائے، چاہے وہ تھوڑا ہو چاہے زیادہ ہو، چاہے اس کا کوئی معنیٰ ہو یا معنیٰ نہ ہو، سب کو کلام کہتے ہیں۔

تو کہتے ہیں اَلْكَلَامُ فِي اللُّغَةِ کلام جو ہے عربی زبان میں مَا يُتَكَلَّمُ بِهِ وہ ہے جس پر تکلم کیا جائے، وہ لفظ ہے جس پر تکلم کیا جائے قَلِيلًا كَانَ أَوْ كَثِيرًا وہ تھوڑا ہو یا زیادہ۔ وَفِي اصْطِلَاحِ النُّحَاةِ اور نحویوں کی اصطلاح میں کلام جو ہے مَا تَضَمَّنَ أَيْ لَفْظٌ تَضَمَّنَ كَلِمَتَيْنِ بِالْإِسْنَادِ۔

یہاں تک بات سمجھ میں آگئی۔ اب نحویوں کے نزدیک کلام کسے کہتے ہیں وہ بیان کر رہے ہیں۔ مَا تَضَمَّنَ أَيْ لَفْظٌ تَضَمَّنَ۔ لَفْظٌ تَضَمَّنَ۔ عبارت پہ نظر ہے؟ کیا بتلانا چاہتے ہیں شارحِ جامی؟ مَا تَضَمَّنَ کی تفسیر کی انہوں نے، شرح کی، أَيْ لَفْظٌ تَضَمَّنَ، مَا کی جگہ لَفْظٌ لے آئے، کہ مَا سے کیا مراد ہے؟ لفظ مراد ہے۔ بھئی یاد رکھو، یہ ایک مَا موصولہ ہوتا ہے، ایک مَا موصوفہ، توجہ ہے؟ ایک مَا موصولہ ہوتا ہے جو بمعنیٰ اَلَّذِي کے ہوتا ہے، اور ایک مَا موصوفہ ہوتا ہے جو بمعنیٰ شَيْءٌ کے ہوتا ہے، شَيْءٌ کوئی چیز، کوئی چیز۔ اور یہ جو مَا موصولہ ہوتا ہے وہ اسمِ موصول ہے، معرفہ ہے، اَلَّذِي کے معنیٰ میں ہے۔ اور یہ جو مَا موصوفہ ہوتا ہے یہ شَيْءٌ کے معنیٰ میں ہوتا ہے، کوئی چیز۔ اور مَا موصولہ کے لیے آگے صلہ چاہیے، تو آگے جو جملہ آتا ہے وہ اس کا صلہ بنتا ہے۔ تو مَا موصولہ کے لیے آگے جو جملہ آتا ہے وہ اس کے لیے صلہ بنتا ہے، اور مَا موصوفہ نام سے ہی پتہ چل رہا ہے، آگے آنے والا جملہ اس کے لیے صفت بنتا ہے۔ تو مَا موصولہ ہے معرفہ اور مَا موصوفہ ہے نکرہ بھئی۔ اور دونوں کے لیے آگے ایک جملہ آئے گا، مَا موصولہ کے لیے وہ جملہ کیا بنے گا؟ صلہ۔ اور مَا موصوفہ کے لیے وہ جملہ کیا بنے گا؟ صفت بنے گا۔ اور صلے کو موصول سے جوڑنے کے لیے ربط ضروری، تو اس میں کوئی ضمیر ہونی چاہیے جو کس کی طرف لوٹے؟ اسمِ موصول کی طرف، اور صفت کو بھی جب جملہ صفت بنے، اس کو بھی موصوف سے جوڑنے کے لیے درمیان میں ربط ضروری ہے، تو اس میں بھی کوئی ضمیر ہو گی جو کس کی طرف لوٹے؟ جو موصوف کی طرف لوٹے بھئی۔ بات سمجھ میں آگئی؟

تو اگر اس مَا کو موصولہ بنائیں، توجہ ہے؟ اگر اس مَا کو موصولہ بنائیں تو یہ بمعنیٰ اَلَّذِي کے ہے، یہ معرفہ ہے اور تَضَمَّنَ كَلِمَتَيْنِ بِالْإِسْنَادِ یہ سارا جملہ اس کا صلہ بنے گا۔ اور اگر اس مَا کو موصوفہ بنائیں تو یہ نکرہ ہے شَيْءٌ کے معنیٰ میں اور تَضَمَّنَ كَلِمَتَيْنِ بِالْإِسْنَادِ یہ سارا جملہ اس کی صفت ہے بھئی۔ تو ترکیب دونوں میں بالکل ایک جیسی ہو گی، صرف فرق یہ ہو گا ایک صورت میں یہ مَا، مَا موصولہ ہو تو کیا ہو گا؟ معرفہ، اور موصوفہ ہو تو نکرہ ہو گا۔ تو ایک فرق تو یہ ہو گا کہ مَا موصولہ معرفہ ہوتا ہے اور مَا موصوفہ نکرہ ہوتا ہے۔ دوسرا فرق دونوں میں یہ ہے کہ موصول کا جو صلہ ہوتا ہے اس کا کوئی محلِ اعراب نہیں۔ لہٰذا اگر اس مَا کو موصولہ بناؤ تو آگے جو جملہ ہے تَضَمَّنَ كَلِمَتَيْنِ بِالْإِسْنَادِ یہ اس کا صلہ بنا، اگر آپ سے کوئی پوچھے اس کا محلِ اعراب کیا ہے تو آپ کہیں گے لَا مَحَلَّ لَهُ مِنَ الْإِعْرَابِ کیونکہ صلے کا کوئی محلِ اعراب نہیں ہوتا، اعراب کے لیے کوئی عامل چاہیے، اس کے اندر کوئی چیز عامل نہیں ہے بھئی۔ اور اگر اس مَا کو موصوفہ بناؤ تو پھر یاد رکھو موصوف پر جو اعراب آتا ہے

وہی اعراب کس پر آتا ہے؟ صفت پر بھی۔ اور یہ مَا موصوفہ خبر ہے، مرفوع ہے، تو تَضَمَّنَ كَلِمَتَيْنِ بِالْإِسْنَادِ یہ پورا جملہ بھی کیا ہو گا؟ مرفوع ہو گا، صفت ہو گا مَا موصوفہ کی۔ فرق سمجھ میں آگیا؟

صاحبِ جامی نے مَا تَضَمَّنَ أَيْ لَفْظٌ تَضَمَّنَ، لَفْظٌ نکرہ نکال کر بتلا دیا کہ یہ مَا موصولہ نہ بناؤ اس کو کیا بناؤ؟ مَا موصوفہ بناؤ، اس لیے اس کی تفسیر کس کے ساتھ کی؟ لَفْظٌ نکرہ کے ساتھ کی۔ اگر یہ مَا موصولہ ہوتا تو وہ تو معرفہ ہوتا ہے، اَلَّذِي کے معنیٰ میں ہوتا ہے، اور اس کا جب مصداق یا جو اس کی مراد ذکر کی جاتی ہے وہ پھر معرفہ ذکر کی جاتی ہے، پھر اَللَّفْظُ کہنا چاہیے تھا، أَيِ اللَّفْظُ تَضَمَّنَ کہتے تو پھر ہم سمجھتے کہ یہ کون سا مَا ہے؟ مَا موصولہ ہے۔ لیکن صاحبِ جامی نے نکرہ نکالا۔

لَفْظٌ نکال کر اس مَا کا مصداق بتا دیا۔ میں نے بتایا تھا مَا موصوفہ جو ہے وہ کس معنیٰ میں ہوتا ہے؟ شَيْءٌ۔ شَيْءٌ ہر چیز پر صادق آتا ہے، کوئی بھی چیز ہو وہ کیا ہے؟ شے ہے، کتاب شے ہے، قلم شے ہے، زید شے ہے، عمرو شے ہے، تو شے یاد رکھو أَنْكَرُ النَّكِرَاتِ ہے، تمام نکروں میں سب سے زیادہ تنکیر کس کے اندر ہے؟ شَيْءٌ کے اندر، وہ ہر چیز پر بولا جاتا ہے۔ تو لیکن صاحبِ جامی نے مَا کی تفسیر شَيْءٌ کے ساتھ نہیں کی، لَفْظٌ کے ساتھ کی، تو یہ دراصل مَا موصوفہ کا مصداق بتا رہے ہیں جس پر یہ صادق آرہا ہے، جو اس سے مراد ہے وہ بتلا رہے ہیں، جو اس سے مراد ہے۔ یہاں مَا سے دنیا کی ہر چیز مراد نہیں ہے بلکہ لفظ مراد ہے، بلکہ لفظ مراد ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ ورنہ تو ایک کاغذ ہے، اس کاغذ پر آپ دو کلمے لکھ دیں تو یہ بھی شے ہے جو متضمن ہے کس کو؟ دو کلموں کو، اس کاغذ کو بھی کیا کہنا پڑے گا؟ کلام کہنا پڑے گا، حالانکہ کوئی بھی اس کو کلام نہیں کہتا۔ تو بتلایا کہ مَا سے ہر چیز نہیں مراد بلکہ مَا سے کیا مراد ہے؟ لفظ مراد ہے، اس کا مصداق لفظ ہے یہاں پر۔ تو اَلْكَلَامُ لَفْظٌ تَضَمَّنَ، کلام وہ لفظ ہے جو متضمن ہو دو کلموں کو۔ اور لفظ مصدر ہے، لفظ کیا ہے؟ مصدر ہے، اسمِ جنس ہے اور اسمِ جنس کا اطلاق قلیل اور کثیر سب پر ہوتا ہے۔ ایک لفظ ہو اس کو بھی کہیں گے لفظ، دو ہوں تب بھی کہیں گے لفظ، ہزار ہوں پھر بھی کیا کہیں گے؟ لفظ۔ تو لفظ اسمِ جنس ہے، اسمِ جنس کا اطلاق قلیل اور کثیر سب پر ہوتا ہے۔

ایک ہے جمع، ایک ہے اسمِ جنس، میں پہلے بیان کر چکا ہوں۔ جمع کے اندر صیغہ بدلتا ہے، صورت بدلتی ہے اس کی، صیغہ بدلتا ہے، ایک کتاب ہو تو آپ کہتے ہیں کتاب، زیادہ ہوں تو آپ کہتے ہیں کتب، یا اردو میں کہتے ہیں کتابیں، دیکھا لفظ ہی بدل دیا۔ لیکن اسمِ جنس وہ قلیل اور کثیر سب پر بولا جاتا ہے۔ ایک انسان ہو پھر بھی کہتے ہیں یہ انسان ہے، ہزار انسان ہوں پھر بھی کیا کہتے ہیں؟ یہ انسان ہیں، دیکھا وہی لفظ، انسان ایک پر بھی بولا جا رہا ہے، وہی لفظ ہزار انسانوں پر بھی بولا جا رہا ہے۔ لیکن کتاب کا لفظ آپ بدلتے تھے، ایک کتاب ہوتی تھی تو آپ کیا کہتے ہیں؟ یہ کتاب، اور زیادہ ہوں تو؟ تو پھر آپ کتاب نہیں کہتے، اب آپ کہتے ہیں یہ کتب ہیں، یا اردو میں کہتے ہیں یہ کتابیں ہیں، دیکھیں جمع کا لفظ الگ لے آئے۔ تو ایک ہے جمع، جمع کا اطلاق کم از کم تین یا اس سے زیادہ پر ہوتا ہے، جبکہ اسمِ جنس جو ہے اس کا اطلاق قلیل اور کثیر سب پر ہوتا ہے، ایک فرد ہو اس کے لیے بھی وہی لفظ، ہزار افراد ہوں اس کے لیے بھی وہی لفظ استعمال ہوتا ہے۔ تو یہاں لفظ آیا تو

آپ یہ نہ سوچیں کہ لفظ تو ایک ہوتا ہے، نہیں بھئی، ایک ہو تو بھی لفظ، زیادہ ہو تو بھی اس کو لفظ ہی کہیں گے۔

تو کہتے ہیں اَلْكَلَامُ مَا تَضَمَّنَ أَيْ لَفْظٌ تَضَمَّنَ كَلِمَتَيْنِ کلام وہ لفظ ہے جو متضمن ہو دو کلموں کو بِالْإِسْنَادِ کس کے ساتھ؟ اسناد کے ساتھ۔

اچھا، یہاں تک بات سمجھ میں آگئی؟ ذرا کتاب کی عبارت پر نظر رکھیں: اَلْكَلَامُ مَا تَضَمَّنَ كَلِمَتَيْنِ بِالْإِسْنَادِ۔ اَلْكَلَامُ ہے مبتدا، اور مَا تَضَمَّنَ یہ ہے اس کی خبر، یہ مَا چاہے موصولہ ہو یا موصوفہ ہو یہ کیا بنے گا اس کی؟ خبر بنے گا۔ اَلْكَلَامُ ہے مبتدا اور مَا یہ کیا ہے اس کی؟ خبر ہے، اور آگے تَضَمَّنَ كَلِمَتَيْنِ بِالْإِسْنَادِ یہ اگر مَا موصولہ بنایا ہے تو اس کا صلہ بنے گا، اور اگر مَا موصوفہ بنایا ہے تو اس کی صفت بنے گا۔ تو شارحِ جامی نے آپ کو بتلا دیا کہ مَا تَضَمَّنَ یہ مَا کون سا ہے؟ یہ مَا موصوفہ ہے أَيْ لَفْظٌ تَضَمَّنَ کے ذریعے بتلا دیا، اور اس کا مصداق بھی بتلا دیا کہ مَا سے دنیا کی ہر چیز نہیں مراد بلکہ کیا مراد ہے یہاں پر؟ لفظ مراد ہے، لفظ اس کا جو اس کا مصداق ہے وہ یہاں صرف لفظ ہے یعنی جس پر وہ صادق آرہا ہے۔

بعض علماء اس مقام کی تقریر یہ کرتے ہیں اردو شروحات وغیرہ میں کہ شارحِ جامی یہاں ایک اعتراض کا جواب دینا چاہتے ہیں، توجہ ہے؟ یہ بعض علماء کی تقریر میں ذکر کر رہا ہوں۔ وہ فرماتے ہیں کہ شارحِ جامی نے مَا تَضَمَّنَ کا معنیٰ أَيْ لَفْظٌ تَضَمَّنَ بتا کر ایک اعتراض کا جواب دینا چاہتے ہیں۔ اعتراض یہ ہوتا ہے کہ اَلْكَلَامُ ہے مبتدا اور مَا تَضَمَّنَ یہ کیا ہے اس کی خبر اور یہ مَا موصولہ ہے، توجہ ہے؟ تو یہ مَا موصولہ ہے اور مَا موصولہ کیا ہوتا ہے؟ معرفہ۔ تو مبتدا بھی معرفہ اور خبر بھی معرفہ، مبتدا اور خبر دونوں معرفہ ہو گئے۔ اور جب مبتدا اور خبر دونوں معرفہ ہوں تو درمیان میں ایک ضمیر جیسی صیغہ لاتے ہیں جس کو فصل کہتے ہیں، یا ضمیرِ فصل کہتے ہیں۔ بعض کے نزدیک وہ ضمیر ہے، بعض کے نزدیک ضمیر نہیں ہے بھئی، ویسے صرف فصل کے لیے ضمیر جیسی صورت ہوتی ہے۔ مثلاً میں آپ سے کہنا چاہتا ہوں زَيْدٌ قَائِمٌ زید کھڑا ہے۔ تو زَيْدٌ ہے مبتدا اور قَائِمٌ ہے اس کی خبر۔ زید ہے معرفہ اور قَائِمٌ ہے نکرہ۔ یاد رکھو مبتدا میں اصل ہے وہ معرفہ ہونا چاہیے اور خبر میں اصل کیا ہے وہ نکرہ ہونی چاہیے۔ تو مبتدا کو معرفہ لاتے ہیں اور خبر کو نکرہ، لیکن کبھی کبھار خبر کو بھی معرفہ لے آتے ہیں اور مقصد ہوتا ہے کہ وہاں حصر آجائے، کیا آجائے؟ حصر۔ زَيْدٌ قَائِمٌ کا کیا معنیٰ؟ زید کھڑا ہے۔ اب میں قائم نکرہ لانے کے بجائے معرفہ لے آتا ہوں اَلْقَائِمُ، کیا لے آتا ہوں؟ اَلْقَائِمُ، اور یوں کہتا ہوں زَيْدٌ الْقَائِمُ۔ تو مبتدا تو تھا ہی معرفہ، خبر بھی معرفہ ہو گئی، اب ترجمہ ہو گا: زید ہی کھڑا ہے، زید ہی کھڑا ہے۔ زَيْدٌ قَائِمٌ کا کیا ترجمہ تھا؟ زید کھڑا ہے، لیکن میں حصر پیدا کرنا چاہتا ہوں زَيْدٌ الْقَائِمُ زید ہی کھڑا ہے۔ خبر بھی معرفہ ہو تو یہ حصر کا فائدہ دیتی ہے۔ مثلاً سننے والے کا خیال یہ تھا کہ زید اور عمرو دونوں کھڑے ہیں، میں نے اس کو کہا زَيْدٌ الْقَائِمُ زید ہی کھڑا ہے، معلوم ہوا عمرو کھڑا ہوا نہیں ہے، تو یہ حصر کا فائدہ دیتا ہے۔

تو وہ بعض شارحین کی میں تقریر بیان کر رہا تھا کہ وہ فرماتے ہیں کہ اَلْكَلَامُ مَا تَضَمَّنَ کے اندر اَلْكَلَامُ مبتدا ہے وہ بھی معرفہ اور مَا تَضَمَّنَ مَا موصولہ بنائیں اس کو تو یہ بھی کیا بنے گا؟ معرفہ۔ اور جب مبتدا کے ساتھ ساتھ خبر بھی معرفہ آجائے تو درمیان میں فصل کا لانا واجب ہے، کس کا لانا؟ ضمیرِ فصل یعنی ضمیر جیسا ایک صیغہ بیچ میں لے آتے ہیں، بعض کے نزدیک

وہ ضمیر ہے، بعض کے نزدیک وہ ضمیر ہے ہی نہیں بلکہ حرف ہے، صرف فصل کرنے کے لیے لاتے ہیں تاکہ فرق ہو جائے مبتدا اور خبر اور موصوف صفت کے درمیان۔ مثلاً میں نے کہا زَيْدٌ الْقَائِمُ زید ہی کھڑا ہے۔ یہ پورا جملہ ہے لیکن سننے والے کے ذہن میں آسکتا ہے کہ معرفہ کے بعد معرفہ آرہا ہے، زَيْدٌ بھی معرفہ اَلْقَائِمُ بھی معرفہ، تو یہ شاید آپس میں موصوف صفت ہیں، زید ہے موصوف اور اَلْقَائِمُ ہے صفت، توجہ ہے؟ میں تو کیا بنانا چاہتا ہوں؟ زید کو مبتدا اور اَلْقَائِمُ کو اس کی خبر جس میں بات پوری ہے، کیا ترجمہ ہوگا؟ زَيْدٌ الْقَائِمُ زید ہی کھڑا ہے، اور اگر ان کو موصوف صفت بنا دیں پھر کیا ترجمہ ہوگا؟ وہ زید جو کھڑا ہے، وہ زید جو قائم ہے، دیکھو بات ادھوری ہے، آپ کسی کو کہتے رہیں وہ زید جو قائم ہے، وہ کہے گا اس کو کیا ہوا؟ آپ بات تو پوری کریں۔ تو لہٰذا میں ان کو کیا بنانا چاہتا ہوں زَيْدٌ الْقَائِمُ کو؟ مبتدا خبر، لیکن سننے والا کیا سمجھے گا؟ شاید یہ آپس میں کیا ہیں؟ موصوف صفت، کیونکہ موصوف معرفہ ہو تو صفت بھی کیا لاتے ہیں؟ معرفہ، موصوف نکرہ ہو تو صفت بھی کیا لاتے ہیں؟ نکرہ لاتے ہیں، تو سننے والا خیال کر سکتا ہے کہ شاید یہ آپس میں مبتدا خبر نہیں ہیں بلکہ موصوف صفت ہیں۔ تو اس لیے درمیان میں پھر ایک صیغہ لے آتے ہیں ضمیر کی صورت کا جو مبتدا کے مطابق ہوتا ہے۔ مبتدا مفرد ہو تو یہ بھی مفرد لاتے ہیں، وہ تثنیہ ہو تو یہ بھی تثنیہ لاتے ہیں، وہ جمع ہو تو یہ بھی جمع لاتے ہیں، وہ مذکر ہو تو یہ مذکر لاتے ہیں، وہ مؤنث ہو تو یہ مؤنث۔ تو زَيْدٌ الْقَائِمُ زید کیا ہے؟ مفرد ہے اور مذکر، تو درمیان میں اس ضمیر جیسا ایک صیغہ لے آئے جیسے هُوَ، زَيْدٌ هُوَ الْقَائِمُ، توجہ ہے؟ زَيْدٌ هُوَ الْقَائِمُ۔ تو یہ جو هُوَ ہے یہ ہے فصل، بعض اس کو کہتے ہیں یہ ضمیر ہے اور بعض کہتے ہیں یہ ضمیر نہیں ہے بلکہ یہ حرف ہے، توجہ ہے؟ اس کا نام فصل ہے، تو بعض اس کو ضمیرِ فصل کہتے ہیں، بعض اس کو فصل کہتے ہیں۔ اور اس نے آ کر موصوف صفت کو جدا کر دیا۔ زَيْدٌ الْقَائِمُ کیا شبہ ہو رہا تھا؟ موصوف صفت۔ اب بیچ میں هُوَ آگئی، اب موصوف صفت کا شبہ ختم ہو گیا، اب پتہ چل رہا ہے زَيْدٌ ہے مبتدا اور اَلْقَائِمُ ہے اس کی خبر، بات سمجھ میں آگئی؟ اب موصوف صفت کا شبہ نہیں ہو سکتا کیونکہ موصوف صفت میں فصل نہیں ہوتا، درمیان میں ضمیر وغیرہ نہیں لے کر آتے۔ تو اس هُوَ نے کیا کر دیا؟ فصل کر دیا، کس چیز میں؟ اس نے فصل کر دیا، جدا کر دیا کس سے؟ موصوف صفت سے اس مبتدا خبر کو جدا کر دیا۔ پہلے موصوف صفت کا شبہ تھا، اب موصوف صفت کا شبہ نہیں ہے، اس لیے اس کو فصل کہتے ہیں۔ بات سمجھ میں آرہی ہے؟

تو تقریر چل رہی تھی بعض شارحین کی۔ وہ فرماتے ہیں کہ اَلْكَلَامُ مَا تَضَمَّنَ اگر اس مَا کو موصولہ بنائیں تو پھر یہ بھی معرفہ، اَلْكَلَامُ بھی معرفہ اور مَا تَضَمَّنَ کے اندر جو مَا ہے یہ بھی معرفہ، اور جب مبتدا کے ساتھ ساتھ خبر بھی معرفہ آجائے تو درمیان میں فصل کا لانا واجب ہے، درمیان میں فصل کا لانا واجب ہے، ورنہ اگر فصل نہیں لاؤ گے تو کیا شبہ ہوگا؟ یہ شاید آپس میں موصوف صفت ہیں۔ تو لہٰذا اعتراض ہوتا تھا کہ اے صاحبِ کافیہ! آپ نے فصل کو بیچ میں ذکر نہیں کیا۔ تو شارحِ جامی نے آپ کو جواب دے دیا أَيْ لَفْظٌ تَضَمَّنَ کہ یہ مَا موصولہ نہیں ہے بلکہ یہ مَا موصوفہ ہے۔ اگر مبتدا خبر دونوں معرفہ ہوں پھر فصل لے کر آتے ہیں، لیکن یہ مَا تو معرفہ ہے ہی نہیں، یہ تو مَا موصوفہ ہے، یہ تو نکرہ ہے، لہٰذا اب فصل لانے کی کوئی حاجت

نہیں۔ بات سمجھ میں آرہی ہے؟ بعض شارحین کیا فرماتے ہیں؟ پھر سمجھ لو اچھی طرح تقریر کو، وہ کیا فرماتے ہیں؟ اگر اس مَا کو موصولہ بنائیں تو پھر صاحبِ کافیہ پہ کیا اعتراض ہوتا ہے؟ ان کو درمیان میں کیا لانا چاہیے تھا؟ فصل کو لانا چاہیے تھا لیکن انہوں نے فصل کو بیچ میں ذکر نہیں کیا، تو شارحِ جامی أَيْ لَفْظٌ تَضَمَّنَ کے ذریعے کیا بتلانا چاہتے ہیں؟ کہ یہ مَا موصولہ نہیں ہے بلکہ یہ مَا موصوفہ ہے، یہ نکرہ ہے، جب نکرہ ہے تو درمیان میں فصل لانے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو وہ شارحین کہتے ہیں کہ جب بھی بتدا کے ساتھ ساتھ خبر بھی معرفہ آجائے (بتدا تو ہوتا ہی معرفہ ہے، خبر بھی معرفہ آجائے) تو فصل کا لانا واجب ہے، فصل کا لانا واجب ہے۔ اوریہاں صاحبِ کافیہ فصل نہیں لائے تو اعتراض ہوتا تھا، تو صاحبِ جامی نے جواب دے دیا کہ یہ مَا موصولہ نہیں ہے بلکہ مَا موصوفہ ہے۔ تقریر سمجھ میں آئی؟ لیکن ان کی یہ تقریر درست نہیں ہے بھئی، ان کی یہ تقریر درست نہیں۔ بتدا اور خبر جب دونوں معرفہ ہوں تو فصل کا لانا واجب نہیں ہے، لا سکتے ہیں لیکن لانا واجب نہیں۔ زَيْدٌ هُوَ الْقَائِمُ یوں بھی کہہ سکتے ہیں اور زَيْدٌ الْقَائِمُ بغیر فصل کے بھی آپ کہہ سکتے ہیں اور یہ پھر عموماً حصر کا فائدہ دیتا ہے، زَيْدٌ الْقَائِمُ زید ہی کھڑا ہے یا زَيْدٌ هُوَ الْقَائِمُ اس کا بھی وہی ترجمہ زید ہی کھڑا ہے۔ توجہ ہے؟ تو ان کی یہ بات درست نہیں ہے، بتدا اور خبر دونوں معرفہ ہوں تو درمیان میں فصل کا لانا واجب نہیں ہے بھئی، لا سکتے ہیں لیکن لانا واجب نہیں ہے۔ حالانکہ اردو کی جتنی شروحات آپ اٹھا لیں سب نے یہی لکھا ہوتا ہے کہ جب بتدا اور خبر دونوں معرفہ ہوں تو فصل کا لانا واجب ہے، لیکن یہ بات درست نہیں۔ کلامِ عرب میں تلاش کریں آپ کو بہت مثالیں مل جائیں گی۔ ایک آسان مثال میں دیتا ہوں بھئی، آسان۔ زاد الطالبین آپ پڑھ کر آئے ہیں، زاد الطالبین کے اندر حدیث آپ نے پڑھی ہو گی: اَلدِّينُ النَّصِيحَةُ۔ اَلدِّينُ النَّصِيحَةُ۔ اَلدِّينُ ہے بتدا، اَلنَّصِيحَةُ کیا ہے؟ خبر ہے، دونوں معرفہ ہیں اور درمیان میں کوئی فصل ہے؟ نہیں۔ اوریہ میں نے بتایا یہ حصر کا فائدہ دیتا ہے، کس کا؟ اَلدِّينُ النَّصِيحَةُ، اَلدِّينُ سے خاص دین مراد، کون سا دین؟ دینِ اسلام، الف لام کے ذریعے اشارہ ہو رہا ہے دین کی طرف، خاص دین۔ اَلدِّينُ النَّصِيحَةُ یہ جو دین ہے یعنی دینِ اسلام جو ہے، اَلنَّصِيحَةُ یہ خیر خواہی ہی ہے، حصر ہے نا! یا یوں کہو یہ دینِ اسلام صرف خیر خواہی ہے یعنی صرف خیر خواہی کا نام ہے، یا یوں کہو اَلدِّينُ النَّصِيحَةُ دین خیر خواہی ہی ہے، یعنی ہر ایک کی خیر چاہنا، ہر ایک کے ساتھ خیر والا معاملہ رکھنا یہ ہے دین۔ سمجھ میں آیا؟ یعنی مسلمان ایسا ہے وہ کسی کو کبھی تکلیف نہیں دیتا، ہر ایک کو فائدہ ہی فائدہ پہنچاتا ہے، ہر ایک کی خیر ہی خیر چاہتا ہے، مسلمان اسی کو کہتے ہیں۔ اَلدِّينُ النَّصِيحَةُ دین خیر خواہی ہی ہے، ہر ایک کے لیے خیر چاہنا۔ آپ کے پاس کوئی مشورہ لینے آیا، اس کو بہترین مشورہ دینا چاہے آپ کا نقصان ہی کیوں نہ ہو لیکن اس کو بہترین مشورہ دینا، اس کے لیے خیر خواہی کرنا۔ کوئی معاملہ کرتے ہیں آپ، کوئی ذمہ داری آپ کے سپرد کی جاتی ہے، آپ کسی دفتر میں کام کرتے ہیں، کہیں پر کرتے ہیں کام، آپ بہترین کوشش کرنا، لوگوں کے ساتھ اچھے سے اچھا رویہ رکھنا۔ سمجھ میں آیا؟ تو یہ دین سراسر خیر خواہی ہی ہے۔ دیکھو اسی طریقے پر مسلمان جب تک کاربند تھے، پوری دنیا پر وہ چھا گئے بھئی۔ جو وہ مسلمان کام کرتے تھے اپنی پوری کوشش کرتے تھے کہ بہترین انداز میں کریں، لوگوں کے زیادہ سے زیادہ ہم کام آئیں

بھئی۔ اور آج جب مسلمانوں نے اس راستے کو چھوڑ دیا ہے تو کفار ہم پر غالب آ گئے، اگرچہ ابھی بھی بہت سے لوگ لگے ہوئے ہیں، اللہ ان کو جزائے خیر دے، وہ اسلام کے اسی راستے پر چلنے کی کوشش کرتے ہیں اور ان کی وجہ سے یہ نظام چل رہا ہے بھئی۔ سمجھ میں آیا؟

تو بات سمجھ میں آ گئی کہ جب خبر معرفہ ہو تو فصل کا لانا واجب نہیں ہے، اور میں نے دلیل کیا ذکر کر دی؟ حدیث ذکر کر دی، حضور علیہ السلام کیا فرماتے ہیں: اَلدِّینُ النَّصِیحَۃُ، خبر معرفہ ہے لیکن یہاں فصل نہیں۔ اسی طرح ہدایہ کے اندر آپ پڑھیں گے باب اوقات الصلاۃ کے اندر جس میں نماز کے اوقات بیان ہوتے ہیں، وہاں وہ حدیث ذکر کرتے ہیں: اَلشَّفَقُ الْحُمْرَۃُ۔ اَلشَّفَقُ الْحُمْرَۃُ، اَلشَّفَقُ ہے مبتدا، اَلْحُمْرَۃُ ہے خبر اور یہ بھی معرفہ ہے اور درمیان میں کوئی فصل نہیں۔ شفق جو آسمان کے کنارے پر شام کے وقت سرخی دکھائی دیتی ہے۔ تو شفق اس سرخی کا نام ہے یا اس سرخی کے بعد کچھ دیر پھر سفیدی رہتی ہے اس سفیدی کا نام ہے؟ تو فقہاء کا اس میں اختلاف ہے۔ بعض فقہاء فرماتے ہیں کہ یہ سرخی کا نام شفق ہے اور وہ یہ حدیث ذکر کرتے ہیں: اَلشَّفَقُ الْحُمْرَۃُ شفق کیا ہے؟ سرخی ہی ہے۔ اور یہ سرخی کوئی دس پندرہ منٹ رہتی ہے، اور اس کے بعد پھر سفیدی آ جاتی ہے وہ کوئی گھنٹہ سوا گھنٹے تک رہتی ہے۔ تو بعض فقہاء فرماتے ہیں کہ اس سرخی کے بعد جو سفیدی آئے وہ شفق ہے بھئی، وہ کیا ہے؟ شفق، تو ان کے نزدیک مغرب کا وقت ایک گھنٹے سے ڈیڑھ گھنٹے تک ہے، اس دوران آپ جب بھی مغرب پڑھیں گے وہ ادا ہی ہو گی قضا نہیں ہو گی، اور یہی مذہب ہے امامِ اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا اور اسی پر فتویٰ ہے بھئی۔ تو دیکھا، معلوم ہوا کہ جب خبر بھی معرفہ ہو تو فصل کا لانا ضروری نہیں ہے، میں نے مثال میں دو حدیثیں ذکر کر دیں، اور بھی آپ تلاش کریں گے آپ کو بہت سی مثالیں مل جائیں گی، لیکن اردو شروحات والے لکھتے ہیں کہ فصل کا لانا واجب ہے، یہ درست نہیں ہے بھئی۔

سوال: پھر صاحبِ جامی نے مَا تَضَمَّنَ میں مَا کو موصوفہ کیوں بنایا، موصولہ کیوں نہیں بنایا؟ تو یاد رکھنا بھئی، آپ اس مَا کو موصولہ بھی بنا سکتے ہو اور موصوفہ بھی بنا سکتے ہو، دونوں ترکیبیں یہاں پر ٹھیک ہیں۔ البتہ صاحبِ جامی نے اس مَا کو موصوفہ بنایا، اس کو ترجیح دی، وجہ یہ کہ ابھی میں نے آپ کو بتلایا کہ مبتدا میں اصل کیا ہے؟ معرفہ ہونا چاہیے، اور خبر میں اصل کیا ہے؟ نکرہ ہونی چاہیے، تو اس مَا کو موصوفہ بنائیں تو خبر کے اصل پر ہم رہیں گے، خبر کے اصل کی رعایت ہو جائے گی، اس صورت میں یہ نکرہ ہو گا اور خبر میں بھی اصل کیا ہے؟ نکرہ ہونی چاہیے۔

دیکھیے بھئی کتاب پر: مَا تَضَمَّنَ أَيْ لَفْظٌ تَضَمَّنَ كَلِمَتَيْنِ وہ لفظ ہے جو متضمن ہو دو کلموں کو حَقِيقَةً أَوْ حُكْمًا وہ کلمے حقیقتاً ہوں یا حکماً، وہ دونوں کلمے چاہے حقیقتاً ہوں یا حکماً ہوں بھئی۔ صاحبِ جامی بتلا رہے ہیں کہ کلمہ ہونا عام ہے چاہے وہ حقیقتاً ہو یا حکماً ہو۔ ایک ہے حقیقتاً کلمہ، جیسے زید، عمرو، بکر، کتاب، قلم، قائم، یہ سب کیا ہیں؟ حقیقتاً کلمے۔ اور کبھی کلمہ حقیقتاً نہیں ہوتا لیکن اس کو حکم دے دیا جاتا ہے کلمے والا، توجہ ہے؟ حکم کس کا دے دیا جاتا ہے؟ کلمے والا، اس کی تفصیل آگے آ جائے

گی وہاں میں موقع پربیان کروں گا، بس اتنا یاد رکھیں حَقِیقَةً اور حُکْمًا کی عبارت لا کر شارحِ جامی یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ کلمہ ہونا عام ہے، چاہے حقیقتاً کلمہ ہو چاہے حکماً کلمہ ہو، اور حکماً کلمہ کیا ہوتا ہے؟ آگے تفصیل آجائے گی۔

أَنْ يَكُونَ كُلُّ وَاحِدَةٍ مِنْهُمَا فِي ضِمْنِهِ، یہ دراصل ایک اعتراض کا جواب دے رہے ہیں۔ اعتراض یہ ہوتا ہے کہ آپ نے جو کلام کی تعریف کی یہ تعریف باطل ہے، درست نہیں، کیونکہ آپ کی تعریف سے متضمن اور متضمن (متضمن اسمِ فاعل اور متضمن اسمِ مفعول) ان دونوں کا اتحاد لازم آتا ہے۔ حالانکہ متضمن اور ہوتا ہے، متضمن اور، دونوں میں مغایرت ہوتی ہے۔ جیسے ایک ہے کل اور ایک ہے جز، کل اور ہوتا ہے اور جز اور ہوتا ہے، کل جز نہیں اور جز کل نہیں ہے۔ تو آپ کی تعریف سے متضمن اور متضمن کا اتحاد لازم آیا، لہٰذا آپ کی تعریف باطل ہے۔ کس طرح؟ ذرا تعریف پہ نظر رکھو متن متن پر: اَلْكَلَامُ مَا تَضَمَّنَ كَلِمَتَيْنِ بِالْإِسْنَادِ، کلام وہ لفظ ہے جو متضمن ہو دو کلموں کو۔ کس کو؟ دو کلموں کو۔ معلوم ہوا کلام ہوا متضمن، اس کے ضمن میں آئیں گے، اس کے بیچ میں آئیں گے، کیا آئیں گے؟ دو کلمے، توجہ ہے؟ دو کلمے اس کے بیچ میں آئیں گے تو کلام کیا ہوا؟ متضمن اسمِ فاعل ہے، توجہ ہے؟ اور جو بیچ میں آئے وہ کیا ہیں؟ متضمن، معلوم ہوا یہ جو كَلِمَتَيْنِ ہیں یہ ہیں متضمن، اور کلام کیا ہے؟ متضمن، توجہ ہے؟ لیکن یہی دو کلمے تو کلام بھی ہیں۔ یہی كَلِمَتَيْنِ کیا ہیں؟ کلام بھی یہی ہیں نا کہ کلام کوئی اور چیز ہے؟ وہی دو کلمے، انہی کو کلام کہتے ہیں۔ تو یہی كَلِمَتَيْنِ متضمن تھے لیکن یہی کلمے کلام بھی ہیں۔ نہیں سمجھ میں آئی بات؟ پھر دیکھو، پھر عبارت پہ نظر رکھو: اَلْكَلَامُ مَا تَضَمَّنَ كَلِمَتَيْنِ کلام وہ لفظ ہے جو متضمن ہو دو کلموں کو۔ تو کلام ہوا ہوا متضمن اسمِ فاعل، اور کلمے جو اس کے بیچ میں آئے وہ کیا ہیں؟ متضمن، یہ ہے اسمِ مفعول۔ لیکن یہ دو کلمے، یہی کیا کہلاتے ہیں؟ کلام بھی یہی کہلاتے ہیں، اور کلام کیا ہے؟ متضمن، تو یہی دو کلمے متضمن بھی ہوئے، متضمن بھی ہوئے۔ اشکال سمجھ میں آیا؟ کلام کیا تھا؟ پھر ادھر دیکھیے، کلام کیا تھا؟ متضمن، كَلِمَتَيْنِ یہ کیا ہیں؟ متضمن، یہ كَلِمَتَيْنِ پہ نظر رکھیں، یہ کیا ہیں؟ یہ متضمن ہیں، لیکن یہی دو کلمے جن میں اسناد ہے وہی کیا کہلا رہے ہیں؟ کلام بھی وہی کہلا رہے ہیں، تو یہ كَلِمَتَيْنِ، یہ پہلے کیا تھا؟ متضمن، لیکن یہی کلام بھی ہے، یہی کیا ہیں؟ کلام، اور کلام تو کیا کہلاتا ہے؟ متضمن، تو یہ متضمن بھی ہوئے اور متضمن بھی ہوئے۔ بات ابھی تک نہیں سمجھ میں آئی؟ جی اپنے سامنے ذرا ایک مثال لکھو: زَيْدٌ قَائِمٌ، زَيْدٌ قَائِمٌ۔ دیکھو یہ کلام ہے، زَيْدٌ قَائِمٌ کیا ترجمہ؟ زید کھڑا ہے، یہ کلام ہے، اس میں بات پوری ہے، زَيْدٌ ہے مبتدا اور قَائِمٌ ہے اس کی خبر۔ تو یہ کلام ہے، اور کلام کی کیا تعریف کی؟ جو متضمن ہو کس کو؟ دو کلموں کو، تو اس کلام کے اندر یہ دو کیا آگئے؟ کلمے آگئے، تو کلام کیا ہوا؟ متضمن، اور دو کلمے کیا ہوئے؟ متضمن۔ لیکن یہی دو کلموں کو دیکھیں یہ کیا ہے؟ کلام بھی ہے، تو یہ متضمن بھی ہوئے، یہ دو کلمے متضمن بھی ہیں اور یہی دو کلمے متضمن بھی ہو گئے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ یا یوں کہیں ایک ہے کل اور ایک ہے جز، یہی دو کلمے کلام کا جز ہیں، کلام کا جز، اور یہی دو کلمے کلام بھی ہیں، تو جو کل ہے وہی کیا بن گیا؟ جز، اور جو جز

ہے وہی کیا بن گیا؟ کل۔ بات سمجھ آرہی ہے؟ کس طرح؟ کلام مرکب ہوتا ہے کس سے؟ دو کلموں سے، تو کلام ہوا کل اور یہ دو کلمے ہوئے اس کے جز، لیکن یہی دو کلمے کیا ہیں؟ کلام بھی ہیں، تو یہ کل بھی ہیں، یہی دو کلمے جز بھی ہیں اور یہی کل بھی ہیں، تو جو جز ہے وہ کل ہوا، جو کل ہے وہ جز ہوا۔ یا یوں کہیں کہ کلام ہوا متضمن اور یہ دو کلمے کیا ہوئے؟ متضمن، لیکن یہی دو کلمے کیا کہلاتے ہیں؟ یہی دو کلمے کلام بھی کہلاتے ہیں، یہی دو کلمے کلام بھی، تو یہ کلمے تو تھے متضمن اور یہی کیا کہلاتے ہیں؟ کلام بھی، اور کلام تو کیا ہوتا ہے؟ متضمن، تو یہ کلمے متضمن بھی ہوئے، یہ متضمن بھی تھے متضمن بھی ہوئے، تو کیا ہوا؟ اتحاد لازم آیا متضمن اور متضمن کا، حالانکہ متضمن اور ہوتا ہے اور متضمن اور، ایک چیز دوسری چیز کے بیچ میں آئے، جو بیچ میں آئے وہ ہے متضمن اور جس کے بیچ میں آئے وہ کیا ہوتا ہے؟ متضمن۔ تو کلام ہے متضمن اور دو کلمے ہیں متضمن، لیکن وہی دو کلمے کلام بھی ہیں تو وہ متضمن بھی ہوئے، پہلے تھے متضمن اب کیا ہو گئے؟ متضمن، تو متضمن اور متضمن کا اتحاد لازم آیا، ایک ہی چیز بن گئے، حالانکہ دونوں الگ الگ ہوتے ہیں، کل اور ہوتا ہے جز اور ہوتا ہے، لیکن آپ کی تعریف سے دونوں میں اتحاد لازم آیا لہٰذا آپ کی تعریف باطل ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو اس کا جواب دیں گے کہ نہیں بھئی، دونوں میں متضمن اور متضمن میں اتحاد لازم نہیں آتا، یا یوں کہو یہاں کل اور جز میں اتحاد نہیں لازم آتا۔ کل اس کو تب کہیں گے جب دونوں کی اجتماعی صورت ہو، دونوں کی اجتماعی صورت کے اعتبار سے یہ ہے کل اور دونوں کی انفرادی حیثیت سے یہ ہے جز۔ زَیْدٌ قَائِمٌ یہ سارا کیا ہے؟ اجتماعی صورت کو لیں تو یہ کیا ہے؟ کلام، یہ ہے کل، یہ ہے متضمن۔ اور اگر ان میں سے ہر ایک کو الگ الگ لیں تو یہ کیا ہیں؟ متضمن۔ تو زَیْدٌ قَائِمٌ، زَیْدٌ یہ ایک انفرادی حیثیت سے، قَائِمٌ سے الگ، قَائِمٌ سے الگ، زَیْدٌ کیا ہے؟ یہ بھی کلام کا جز۔ اور قَائِمٌ الگ اکیلا یہ بھی کیا ہے؟ کلام کا جز۔ تو دونوں الگ الگ وہ ہیں متضمن، اور دونوں مل جائیں تو دونوں سے بنے گا کلام اور وہ کیا بنے گا؟ متضمن۔ تو یہ دونوں متضمن ہیں اجتماعی حالت میں جب دونوں مل جائیں، جڑ جائیں، اور دونوں کیا ہیں؟ متضمن ہیں انفرادی حیثیت سے یعنی ان میں سے ہر ایک۔ تو گویا کل کیا ہے؟ زَیْدٌ قَائِمٌ، اور جز کیا ہے؟ ایک جز ہے زَیْدٌ، اکیلا زید، جز کیا ہے؟ زَیْدٌ، اور ایک جز کیا ہے؟ قَائِمٌ ہے۔ تو جز ہے انفرادی حیثیت سے الگ الگ، ایک ایک کلمہ الگ الگ یہ ہے جز، اور اجتماعی صورت کے اعتبار سے یہ کیا ہے؟ کل۔ یا یوں کہو متضمن اور متضمن کو لے آؤ: دونوں اجتماعی حالت ہے ان کی، اجتماعی صورت جو ہے وہ کیا ہے؟ کلام، اس کو کہیں گے متضمن، اور دونوں کلمے الگ الگ، اکیلا زید اور اسی طرح اکیلا قائم یہ جز ہیں یہ متضمن ہیں بھئی۔ جواب سمجھ میں آیا؟ کہ دونوں کلمے متضمن بھی ہیں اور متضمن بھی لیکن دونوں میں الگ الگ اعتبار ہے، متضمن ہیں اور اعتبار سے، متضمن ہیں اور اعتبار سے۔ متضمن ہیں جب ان کی اکٹھی مرکب اجتماعی صورت ہو، جب ان کی اجتماعی صورت ہو، مرکب صورت ہو تو پھر یہ کیا ہیں؟ متضمن، یہ ہیں کلام۔ اور دونوں کی انفرادی حالت ہو الگ الگ، الگ زید الگ قائم، تو یہ کیا ہیں؟ متضمن۔ تو کلام متضمن ہے دو کلموں کو، تو یہ دو کلمے ان میں اجتماعی حالت کو دیکھا جائے تو یہ کیا ہے؟ کلام، اور انفرادی حالت ایک ایک

کلمہ الگ الگ ہو یہ کیا ہے؟ یہ متضمن ہے یہ کلام کا جز ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟

تو کہتے ہیں أَنْ يَكُونَ كُلُّ وَاحِدَةٍ مِنْهُمَا فِي ضِمْنِهِ یعنی ان میں سے ہر ایک، ان دو کلموں میں سے ہر ایک، دیکھا انفرادی صورت بتا دی۔ انفرادی صورت، دونوں میں سے ہر ایک علیحدہ علیحدہ فِي ضِمْنِهِ کس کے ضمن میں ہوتے ہیں؟ کلام کے ضمن میں، توجہ ہے؟ دیکھو أَنْ يَكُونَ كُلُّ وَاحِدَةٍ مِنْهُمَا ان دونوں کلموں میں سے ہر ایک جو ہے فِي ضِمْنِهِ کلام کے ضمن میں ہوتے ہیں، دونوں میں سے ہر ایک یعنی الگ الگ انفرادی حیثیت سے یہ ہیں متضمن اور اجتماعی حیثیت سے یہ کیا ہیں؟ متضمن ہیں۔

تو کہتے ہیں فَالْمُتَضَمِّنُ اسْمَ فَاعِلٍ هُوَ الْمَجْمُوعُ۔ دیکھو فَالْمُتَضَمِّنُ یہ ہے مبتدا، هُوَ الْمَجْمُوعُ یہ ہے خبر، توجہ ہے؟ اور درمیان میں اسْمَ فَاعِلٍ یہ حال بنے گا مُتَضَمِّنُ سے کہ متضمن کون سا صیغہ ہے؟ اس حال میں اسْمَ فَاعِلٍ کہ یہ اسمِ فاعل ہے۔ بھئی توجہ ہے؟ یہ ترکیب بتا رہے ہیں کہ اسمِ فاعل کا۔ فَالْمُتَضَمِّنُ اسْمَ فَاعِلٍ تو متضمن اس حال میں کہ یہ اسمِ فاعل کا صیغہ ہے هُوَ الْمَجْمُوعُ وہ مجموعہ ہی ہے، وہ... دیکھا یہاں هُوَ الْمَجْمُوعُ، اَلْمَجْمُوعُ خبر کو بھی کیا لے آئے؟ معرفہ لے آئے، اور خبر معرفہ ہو تو کس چیز کا فائدہ دیتی ہے؟ حصر کا۔ تو مُتَضَمِّنُ هُوَ الْمَجْمُوعُ۔ مُتَضَمِّنُ کے بعد اسمِ فاعل کا لفظ آیا تھا، اس کو ذرا نکال دو۔ هُوَ یہ فصل ہے، اس کو بھی کیا کر دو؟ نکال دو۔ کیا بن گیا؟ فَالْمُتَضَمِّنُ الْمَجْمُوعُ، تو متضمن مجموع ہی ہے، یعنی اجتماعی حالت سے ہی یہ متضمن یعنی کلام کہلائے گا۔ آگے ہے وَالْمُتَضَمَّنُ اسْمَ مَفْعُولٍ اور متضمن اسمِ مفعول جو ہے كُلُّ وَاحِدَةٍ مِنْ كَلِمَتَيْنِ ہر ایک جو ہے دو کلموں میں سے، دیکھا ہر ایک الگ الگ، كُلُّ وَاحِدَةٍ ہر ایک انفرادی حیثیت سے۔ تو انفرادی حیثیت ان میں ملحوظ ہو تو یہ متضمن ہیں، اور اجتماعی حیثیت ملحوظ ہو تو یہ متضمن ہیں یعنی کلام ہے۔ فَلَا يَلْزَمُ اتِّحَادُهُمَا تو لازم نہیں آتا ان دونوں کا اتحاد یعنی متضمن اور متضمن کا اتحاد لازم نہیں آتا، لہٰذا صاحبِ کافیہ کی تعریف پر اعتراض واقع نہیں ہوتا۔

اچھا بھئی ترکیب کیسے کریں گے؟ ترکیب کیسے کریں گے اگر فصل بیچ میں آجائے یا فصل نہ آئے؟ ذرا جملہ لکھیں اپنے سامنے، ترکیب کر لیں بھئی: زَيْدٌ الْقَائِمُ، زَيْدٌ الْقَائِمُ۔ دیکھو بھئی: زَيْدٌ مرفوع لفظاً مبتدا۔ مرفوع کیوں؟ کیونکہ مبتدا ہے۔ لفظاً کیوں؟ کیونکہ ہم اس پہ رفع پر تلفظ کر رہے ہیں۔ اور اَلْقَائِمُ میں نے بتلایا تھا کہ اسمِ فاعل جو ہے، اسمِ فاعل اور اسمِ مفعول جب وہ حدوث کے معنیٰ میں ہو تو پھر اس پر جو الف لام ہے وہ الف لام اسمی ہو گا، اور جب وہ ثبوت کے معنیٰ میں ہو تو پھر وہ الف لام حرفی ہو گا، ترکیب کے اندر یہ بات مفصل بیان ہوئی تھی۔ تو اَلْقَائِمُ بھی کیا ہے؟ حدوث کے معنیٰ میں ہے، حدوث کے معنیٰ میں ہے، تو یہ الف لام کون سا ہو گا؟ اسمی، یہ بمعنیٰ اَلَّذِي کے ہے، اَلَّذِي، تو اسمِ موصول ہے اور اسمِ موصول کے لیے صلہ چاہیے تو یہ قَائِمٌ اس کا صلہ ہے۔ جی اَلْقَائِمُ کی ترکیب شروع کریں اب: زَيْدٌ مرفوع لفظاً مبتدا، اَلْ اسمِ موصول ہے مرفوع محلاً اسمِ موصول۔ مرفوع کیوں؟ کیونکہ یہ خبر ہے اور خبر کیا ہوتی ہے؟ مرفوع۔ محلاً کیوں؟ کیونکہ یہ

مبنی ہے، اسمِ موصول مبنیات میں سے ہے۔ تو یہ الف لام مرفوع محلاً اسمِ موصول، اور قَائِمٌ مرفوع لفظاً صیغۂ اسمِ فاعل۔ توجہ ہے؟ صیغۂ اسمِ فاعل۔ اور یہ کیوں مرفوع؟ کیونکہ اسمِ موصول الف لام کی صورت میں آیا، توجہ ہے؟ حرف کی صورت میں آیا، تو اس کا جو اعراب تھا وہ کس پر ظاہر ہوا؟ قائم جو صلہ ہے اس پر ظاہر ہوا، توجہ ہے؟ تو یہ مرفوع قائم مرفوع لفظاً صیغۂ اسمِ فاعل، اس کے اندر هُوَ ضمیر مرفوع محلاً اس کا فاعل جو کس کو راجع؟ جو اسمِ موصول الف لام کو راجع ہے، کیونکہ صلے کو کس سے جوڑتے ہیں؟ موصول سے۔ اسمِ فاعل اپنے فاعل سے مل کر شبہِ جملہ ہو کر صلہ، موصول صلہ مل کر یہ خبر، بتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔ ترکیب سمجھ میں آئی؟ یا دوسری صورت یہ ہے اَلْقَائِمُ کو آپ کھول لیں، اَلْقَائِمُ میں الف لام کس معنیٰ میں؟ اَلَّذِي کے معنیٰ میں، اور یہ قائم میں نے بتایا تھا اَلضَّارِبُ کس معنیٰ میں؟ اَلَّذِي يَضْرِبُ، اور اَلْمَضْرُوبُ کس معنیٰ میں؟ اَلَّذِي يُضْرَبُ، تو اس کو بھی اسی طرح کھول لیں۔ ایک صورت تو ترکیب کی جو میں نے کروا دی آپ کو، دوسری صورت یہ ہے اس کو کھول کر بھی آپ ترکیب کر سکتے ہیں، آپ یوں کہیں کہ یہ اَلْقَائِمُ بمعنیٰ اَلَّذِي قَامَ کے ہے، اَلَّذِي قَامَ، اَلَّذِي قَامَ۔ اَلَّذِي مرفوع محلاً اسمِ موصول، قَامَ فعل اس کے اندر هُوَ ضمیر فاعل جو کس کو راجع؟ اَلَّذِي کو، فعل اپنے فاعل سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر صلہ، موصول صلہ مل کر یہ خبر ہوئے بتدا کے لیے۔ ترجمہ کیا ہے؟ زَيْدٌ الْقَائِمُ زید ہی کھڑا ہے۔ زَيْدٌ الْقَائِمُ یہ نون کہاں سے آیا؟ جی زَيْدٌ الْقَائِمُ یاد رکھو یہ وہ تنوین والا نون ہے، زَيْدٌ اس کے آخر میں کیا ہے؟ یہ نونِ تنوین ہے، اور اَلْقَائِمُ کے شروع میں ہمزۂ وصلی گر گیا۔ تو زَيْدٌ کا نون بھی ساکن اور اَلْقَائِمُ کا لام بھی ساکن، نون اور لام تو یہ اجتماعِ ساکنین آیا، اور اجتماعِ ساکنین عَلَى غَيْرِ حَدِّهِ ہے اور اس میں اگر اول حرفِ مدہ ہو تو اس کو گرا دیتے ہیں، لیکن یہاں تو اول ہے نون اور ثانی ہے لام، تو پھر اول کو حذف نہیں کر سکتے تو پھر اس کو کسرہ والی حرکت دیتے ہیں: اَلسَّاكِنُ إِذَا حُرِّكَ حُرِّكَ بِالْكَسْرِ، تو اس نون کو کسرہ والی حرکت دے دی تو کیا بن گیا؟ زَيْدٌ الْقَائِمُ (زیدُنِلْقائمُ)، توجہ ہے؟ اور ترجمہ کیا ہو گا؟ زید ہی کھڑا ہے، زید ہی کھڑا ہے۔

دوسری ترکیب کیجیے: زَيْدٌ هُوَ الْقَائِمُ، زَيْدٌ هُوَ الْقَائِمُ۔ اچھا چلو یہاں میں نے کیا بتلایا؟ زَيْدٌ الْقَائِمُ میں نے کیا بتلایا یہ الف لام اسمی ہے کیونکہ قائم کون سی ہے؟ صفت اسمِ فاعل، اسمِ مفعول جب حدوث کے معنیٰ میں ہوں تو پھر یہ الف لام اسمی ہوتا ہے اور اگر یہ ثبوت کے معنیٰ میں ہو تو یہ حرفی۔ پہلے میں نے بیان کیا تھا لیکن چلو دوبارہ سمجھ لو اس کو۔ میں نے بتایا تھا ایک صفت جو ہوتی ہے وہ ثبوت کے معنیٰ میں ہوتی ہے اور ایک حدوث۔ حدوث جس میں ہونا ہو، پہلے نہ ہو پھر پائی جائے پھر ختم ہو جائے، اس کو حدوث بھی کہتے ہیں اور تجدد بھی کہتے ہیں، حدوث اور تجدد کا ایک معنیٰ یاد رکھنا یہ جگہ جگہ لفظ آتے ہیں۔ حدوث اور تجدد کا کیا معنیٰ؟ ایک چیز نہ ہو، پائی جائے اور پھر گزر جائے۔ جیسے ضرب ہے، ضرب پٹائی جب کسی کی کی جاتی ہے دیکھو پہلے نہیں تھی پھر پٹائی کی اور پھر گزر گئی، تو اس کو حدوث کہتے ہیں۔ یا قیام ہے، جیسے ایک

شخص کھڑا نہیں تھا پھر کھڑا ہوا اور پھر اب گزر گیا وہ قیام، اب وہ بیٹھا ہوا ہے۔ تو یہ کچھ صفتیں جو ہیں وہ حدوث کے معنیٰ میں ہوتی ہیں یعنی ان میں حدوث اور تجدد ہوتا ہے، اس میں ہونا ہے، ایک چیز کا ہونا ہے، پہلے نہیں ہوتی پھر ہوتی ہے اور پھر گزر جاتی ہے۔ اور ایک صفت وہ ہوتی ہے جس میں ثبوت ہوتا ہے، اس میں ہونا نہیں ہوتا، وہ جب ایک چیز کے لیے ثابت ہو جاتی ہے تو پھر مدت تک ثابت ہی رہتی ہے۔ جیسے کسی کا قد لمبا ہے، اب مجھے بتائیے جس کا قد لمبا ہے کیا ایسا ہے کہ یہ صفت اس سے جدا ہو جاتی ہے، کبھی آتی ہے کبھی جدا ہو جاتی ہے یعنی کبھی قد لمبا ہوتا ہے کبھی قد چھوٹا ہوتا ہے، کیا ایسا ہوتا ہے؟ نہیں، جس کی صفت یہ ہے کہ اس کا قد لمبا ہے وہ قد لمبا ہی رہے گا وہ اس کے لیے ثابت ہے، معلوم ہوا یہ طویل القامت ہونا، لمبے قد والا ہونا اس صفت میں ثبوت ہے، حدوث نہیں۔ ضرب کے اندر کیا تھا؟ حدوث تھا، کیا تھا؟ حدوث، اور یہ لمبا قد اس میں کیا ہے؟ ثبوت ہے۔ یہ اسی طرح کسی کی صفت ہے علم بھئی، وہ عالم ہے۔ اب عالم کے ساتھ کیا ایسا ہوتا ہے کہ کبھی اس کا علم ہوتا ہے کبھی ختم ہو جاتا ہے، کبھی ہوتا ہے پھر ختم ہو جاتا ہے، پھر ہوتا ہے پھر ختم ہو جاتا ہے، کیا ایسا ہے؟ یا علم اس کے لیے جب ثابت ہے تو اب ثابت ہی رہے گا؟ ثابت ہی رہے گا۔ تو حدوث اور تجدد کا معنیٰ ایک صفت جو کبھی رہتی ہے کبھی ختم ہو جاتی ہے، کبھی رہتی ہے کبھی ختم ہو جاتی ہے۔ قیام آپ کرتے ہیں، یہ ہر وقت قیام آپ کے ساتھ نہیں، کبھی ہے کبھی نہیں۔ ضرب آپ لگاتے ہیں، کبھی ضرب لگاتے ہیں کبھی نہیں لگاتے۔ آپ پانی پیتے ہیں، کبھی پیتے ہیں کبھی نہیں پیتے۔ آپ سبق پڑھتے ہیں، کبھی پڑھتے ہیں کبھی نہیں پڑھتے۔ آپ کھانا کھاتے ہیں، کبھی کھاتے ہیں اور کبھی نہیں کھاتے۔ تو ان تمام صفتوں میں حدوث اور تجدد ہے بھئی، کبھی ہوتی ہیں اور کبھی نہیں ہوتیں۔ اور جبکہ کچھ صفات میں ثبوت ہوتا ہے، جب وہ ایک چیز کے لیے ثابت ہو جائیں تو اس سے جدا نہیں ہوتیں بھئی، جیسے قد کا لمبا ہونا، اور جیسے عالم کا ہونا، یہ سب کیا ہیں؟ ان میں ثبوت ہے، ایک چیز کے لیے جب ثابت ہو گئی تو ثابت ہی رہے گی، اس سے جدا نہیں ہوتیں۔ بات سمجھ میں آئی؟ تو وہ اسمِ فاعل جو حدوث کے معنیٰ میں ہو، اس پر جب الف لام آجائے تو وہ الف لام اسمی ہوتا ہے۔ تو اَلْقَائِمُ، تو یہ قائم کون سی صفت ہے؟ اس میں حدوث اور تجدد ہے، کبھی قیام انسان کے لیے ہوتا ہے کبھی نہیں ہوتا، کبھی بیٹھا ہوتا ہے کبھی لیٹا ہوتا ہے۔ اور اسی طرح اَلضَّارِبُ یہ بھی کیا ہے؟ الف لام اسمی، تو یہ اَلَّذِي کے معنیٰ میں ہے۔ لیکن اَلْعَالِمُ یہ عالم صفت پر جو الف لام آیا، یہ وہی الف لام حرفی ہے، یہ الف لام اسمِ موصول نہیں ہے، بات سمجھ میں آگئی؟ تو وہ اسمِ فاعل یا اسمِ مفعول جس میں حدوث اور تجدد والا معنیٰ ہو، ان پر جب الف لام آئے گا تو وہ بمعنیٰ اَلَّذِي کے ہے، وہ اسمِ موصول ہے۔ اور وہ اسمِ فاعل اور اسمِ مفعول جس میں حدوث اور تجدد نہیں ہے بلکہ ثبوت ہے، اس پر جو الف لام آئے وہ الف لام اسمی نہیں ہے بلکہ وہ الف لام حرفی ہے بھئی، اور

وہ اس لفظ کو معرفہ بنانے کے لیے لایا گیا ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟

جی ہم ترکیب کر رہے تھے۔ پہلی ترکیب زَيْدٌ الْقَائِمُ آپ نے کر لی کہ زید ہی کھڑا ہے۔ دوسری ترکیب بھئی: زَيْدٌ هُوَ الْقَائِمُ، زَيْدٌ هُوَ الْقَائِمُ۔ اچھا چلو یہاں میں نے کیا بتلایا؟ زَيْدٌ الْقَائِمُ میں نے کیا بتلایا یہ الف لام اسمی ہے کیونکہ قائم کون سی ہے؟ صفت اسمِ فاعل، اسمِ مفعول جب حدوث کے معنیٰ میں ہوں تو پھر یہ الف لام اسمی ہوتا ہے اور اگر یہ ثبوت کے معنیٰ میں ہو تو یہ حرفی۔ (پہلے میں نے بیان کیا تھا لیکن چلو دوبارہ سمجھ لو اس کو)۔ اب ترکیب کیجیے زَيْدٌ هُوَ الْقَائِمُ۔ اس کی ترکیب کیسے ہوگی؟ زَيْدٌ مرفوع لفظاً بتدائے اول، بتدائے اول۔ هُوَ مرفوع... دیکھو یہ زَيْدٌ ہے بتدا اور هُوَ الْقَائِمُ یہ پورا جملہ ہے، یہ پھر بتدا خبر ہیں: هُوَ بتدا اَلْقَائِمُ اس کی خبر۔ یہ بتدا خبر مل کر پورا جملہ بنے گا اور پھر یہ پورا جملہ زَيْدٌ کی خبر بنے گا، توجہ ہے؟ تو زَيْدٌ مرفوع لفظاً بتدائے اول، هُوَ مرفوع محلاً بتدائے ثانی۔ اَلْقَائِمُ میں پھر وہی ترکیب: الف لام بمعنیٰ اَلَّذِي کے اسمِ موصول ہے مرفوع محلاً، مرفوع محلاً یہ خبر ہے۔ اور قَائِمٌ مرفوع لفظاً صیغۂ اسمِ فاعل، اس کے اندر هُوَ ضمیر مرفوع محلاً اس کا فاعل جو کس کو راجع؟ جو الف لام کو راجع جو اسمِ موصول ہے۔ اسمِ فاعل اپنے فاعل سے مل کر شبہِ جملہ ہو کر یہ صلہ ہوا الف لام کے لیے، اسمِ موصول کے لیے۔ توجہ ہے؟ اس پر آپ کے ذہن میں اشکال آئے گا کہ اسمِ موصول کا صلہ تو ہمیشہ کیا ہوتا ہے؟ جملہ ہوتا ہے اور یہ تو شبہِ جملہ ہے۔ تو جواب یہ کہ یہاں پر اسمِ موصول الف لام کی صورت میں آیا ہے اور الف لام مفرد پر داخل ہوتا ہے، جملے پر داخل نہیں ہوتا، تو یہ قَائِمٌ اصل میں قَامَ تھا، کیا تھا؟ قَامَ جملہ تھا لیکن اس پر تو الف لام داخل نہیں ہو سکتا تو اس قَامَ کو کس سے بدل دیا؟ قَائِمٌ سے بدل دیا گیا، مفرد کی صورت دے دی گئی۔ تو یہ صورت تو مفرد کی ہے، حقیقت میں یہ کیا ہے؟ جملہ، تو یہ اَلْقَائِمُ کس معنیٰ میں ہے؟ اَلَّذِي قَامَ کے معنیٰ میں، اَلَّذِي قَامَ کے معنیٰ میں ہے۔ تو قَائِمٌ مرفوع لفظاً صیغۂ اسمِ فاعل، اس کے اندر هُوَ ضمیر مرفوع محلاً اس کا فاعل جو کس کو راجع؟ جو اسمِ موصول کو راجع، اسمِ فاعل اپنے فاعل سے مل کر شبہِ جملہ ہو کر صلہ، موصول صلہ مل کر یہ خبر ہوئی بتدائے ثانی کے لیے۔ کس کے لیے؟ بتدائے ثانی کے لیے۔ اور بتدائے ثانی اپنی خبر سے مل کر یہ کیا بنا؟ جملہ بنا، کیا بنا؟ جملہ۔ اور یہ پورا جملہ خبر ہے کس کے لیے؟ زید کے لیے۔ اور جملے کو جب بھی کسی چیز سے جوڑنا ہو درمیان میں ربط ضروری، تو کیا ربط دیں گے؟ یہ جو هُوَ ضمیر ہے یہ کس کو راجع ہے؟ زید کو راجع، یہ ربط آگیا۔ تو بتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہو کر یہ خبر ہوئی زید کے لیے، بتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔ ترکیب سمجھ میں آگئی؟ توجہ ہے؟

یہ زید بھی معرفہ، آگے اَلْقَائِمُ بھی معرفہ، تو درمیان میں فصل لے آئے هُوَ، توجہ ہے؟ اور یہ فصل میں نے بتایا تھا بعض کے نزدیک یہ ضمیر ہے، بعض کے نزدیک یہ ضمیر نہیں۔ جن کے نزدیک یہ ضمیر ہے، توجہ ہے؟ یہ ہم نے ان کے مطابق ترکیب کی، هُوَ کو کیا بنایا؟ ضمیر بنایا یا نہیں؟ ضمیر بنایا اور باقاعدہ اس پر اعراب بھی آیا، یہ ان کے نزدیک ہے۔ اور بعض کہتے ہیں نہیں

یہ فصل ہے، ضمیر جیسی صورت ہے لیکن یہ ضمیر نہیں یہ حرف ہے، ان کے نزدیک وہی ترکیب ہوگی جو زَيْدٌ الْقَائِمُ کی تھی۔ هُوَ کے بارے میں صرف اتنا کہہ دیں گے یہ فصل ہے درمیان میں، لَا مَحَلَّ لَهُ مِنَ الْإِعْرَابِ، اس کے لیے کوئی محلِ اعراب نہیں۔ کیسے ہوگی ترکیب؟ زَيْدٌ مرفوع لفظاً مبتدا، هُوَ فصل لَا مَحَلَّ لَهُ مِنَ الْإِعْرَابِ، اَلْقَائِمُ الف لام اسمِ موصول ہے مرفوع محلاً اسمِ موصول، قَائِمٌ مرفوع لفظاً صیغۂ اسمِ فاعل، اس کے اندر هُوَ ضمیر مرفوع محلاً اس کا فاعل جو کس کو راجع؟ جو الف لام یعنی اسمِ موصول کو راجع، اسمِ فاعل اپنے فاعل سے مل کر شبہِ جملہ ہو کر صلہ موصول کے لیے، موصول صلہ مل کر یہ خبر ہوا زَيْدٌ کے لیے، مبتدا اپنی خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔ تو بعض اس هُوَ کو کیا بناتے ہیں؟ فصل، کہ یہ حرف ہے یہ اسم ہے ہی نہیں۔ اور بعض کہتے ہیں یہ ضمیر ہی ہے، یہ کوئی حرف وغیرہ نہیں لہٰذا اس کی بھی ترکیب کرنا پڑے گی۔ طریقہ سمجھ میں آگیا؟ یہی ترکیب یہاں پر بھی تھی، یہ جو جامی میں آپ نے پڑھا۔ کیا تھا جامی میں؟ فَالْمُتَضَمِّنُ هُوَ الْمَجْمُوعُ، توجہ ہے؟ فَالْمُتَضَمِّنُ هُوَ الْمَجْمُوعُ۔ اس کے اندر یہ جو هُوَ ہے آپ چاہیں تو اس کو ضمیر کہیں، آپ چاہیں تو اس کو فصل بنا دیں اور لَا مَحَلَّ لَهُ مِنَ الْإِعْرَابِ۔

تو کہتے ہیں فَالْمُتَضَمِّنُ اسمَ فَاعِلٍ هُوَ الْمَجْمُوعُ، تو متضمن اس حال میں کہ یہ اسمِ فاعل کا صیغہ ہے وہ مجموعہ ہی ہے، وَالْمُتَضَمَّنُ اسمَ مَفْعُولٍ اور متضمن اس حال میں کہ یہ اسمِ مفعول کا صیغہ ہے... اسمَ مَفْعُولٍ یہ حال بن رہا ہے نا اور حال منصوب ہوتا ہے تو اس پر نصب پڑھیں گے... وَالْمُتَضَمَّنُ اسمَ مَفْعُولٍ اور متضمن اس حال میں کہ یہ اسمِ مفعول کا صیغہ ہے كُلُّ وَاحِدَةٍ مِنْ كَلِمَتَيْنِ دونوں کلموں میں سے ہر ایک ہے، فَلَا يَلْزَمُ اتِّحَادُهُمَا تو لازم نہیں آتا ان دونوں کا اتحاد، کن دونوں کا؟ یعنی متضمن اور متضمن کا اتحاد لازم نہیں آتا۔ تو متضمن ہے زَيْدٌ قَائِمٌ متضمن ہے اجتماعی حیثیت سے، اجتماعی صورت کے اعتبار سے، اور یہی زَيْدٌ قَائِمٌ یہ متضمن ہے انفرادی حیثیت سے دونوں الگ الگ اعتبار سے، ایک کلمہ زید ایک کلمہ قائم یہ کیا ہیں؟ متضمن ہیں، بات سمجھ میں آگئی۔

آگے دیکھیے بھئی: بِالْإِسْنَادِ أَيْ تَضَمُّنًا حَاصِلًا بِسَبَبِ إِسْنَادِ إِحْدَى الْكَلِمَتَيْنِ إِلَى الْأُخْرَى۔ بِالْإِسْنَادِ کے بعد صاحبِ جامی أَيْ تَضَمُّنًا حَاصِلًا بِسَبَبِ إِسْنَادِ کی عبارت نکال کر بتلانا یہ چاہتے ہیں کہ یہ مفعولِ مطلق بن رہا ہے، یہ کیا ہے؟ مفعولِ مطلق۔ بھئی مفعولِ مطلق کسے کہتے ہیں؟ وہ مصدر جو ماقبل فعل کے معنیٰ میں ہو، ماقبل میں فعل کیا آیا تھا؟ مَا تَضَمَّنَ، تَضَمَّنَ فعل آیا تھا، اور تَضَمَّنَ کا مصدر کیا آئے گا؟ تَضَمُّنًا آئے گا، تو وہی بتلا دیا أَيْ تَضَمُّنًا۔ تو یہ بِالْإِسْنَادِ مفعولِ مطلق ہے باعتبارِ موصوفِ محذوف کے، میری طرف توجہ کریں بھئی۔ بِالْإِسْنَادِ کیا ہے؟ مفعولِ مطلق ہے باعتبارِ موصوفِ محذوف کے، کس کے؟ موصوفِ محذوف۔ دیکھو میں نے بتایا تھا جار مجرور اگر نکرہ کے بعد آجائیں تو یہ عموماً اس کے لیے صفت بنتے ہیں، توجہ ہے؟ جار مجرور نکرہ کے بعد آئیں اور کسی سے نہ جڑ رہے ہوں تو اس کے لیے کیا بنیں گے؟ صفت بنیں گے۔ یہاں پر بھی مَا تَضَمَّنَ سے مفعولِ مطلق کیا آیا؟ تَضَمُّنًا، تو عبارت یوں ہو گئی: مَا تَضَمَّنَ كَلِمَتَيْنِ تَضَمُّنًا بِالْإِسْنَادِ، تَضَمُّنًا بِالْإِسْنَادِ۔ اور تَضَمُّنًا ہے

نکرہ، اور نکرہ کے بعد کیا آیا؟ بِالْإِسْنَادِ جار مجرور، اور نکرہ کے بعد جار مجرور آئے تو وہ اس کے لیے کیا بنتا ہے؟ صفت۔ اور براہِ راست صفت بنے گا یا متعلق کے ساتھ جڑ کر صفت بنے گا؟ متعلق کے ساتھ جڑے گا، تو یہاں حَاصِلًا یا ثَابِتًا کوئی ایک متعلق نکال لیں: تَضَمُّنًا ثَابِتًا بِالْإِسْنَادِ یا تَضَمُّنًا حَاصِلًا بِالْإِسْنَادِ، توجہ ہے؟ تَضَمُّنًا موصوف اور بِالْإِسْنَادِ اس کی صفت، اور متعلق کیا نکالا؟ حَاصِلًا، اور اس کو بھی منصوب نکالا، کیوں؟ کیونکہ یہ صفت ہے اور صفت پر وہی اعراب آتا ہے جو کس پر آتا ہے؟ موصوف پر، اور تَضَمُّنًا موصوف منصوب تھا تو حَاصِلًا بِالْإِسْنَادِ جو اس کی صفت ہے وہ بھی کیا ہوگی؟ منصوب ہوگی، بات سمجھ میں آگئی؟ جی اب کیسے کہیں گے بِالْإِسْنَادِ؟ بتائیے مجھے، ادھر دیکھیے: بِالْإِسْنَادِ یہ مفعولِ مطلق ہے خود؟ یہ خود مفعولِ مطلق ہے یا اس کا موصوف جو ہے وہ مفعولِ مطلق ہے؟ اس کا موصوف مفعولِ مطلق ہے، تو یوں کہیں گے کہ بِالْإِسْنَادِ مفعولِ مطلق ہے باعتبارِ موصوفِ محذوف کے، باعتبارِ موصوفِ محذوف، موصوف وہ محذوف بھی تو ہے نا حذف ہے عبارت میں تو ذکر نہیں ہے۔ تو بِالْإِسْنَادِ کیا ہے؟ مفعولِ مطلق ہے باعتبارِ موصوفِ محذوف کے۔

أَيْ تَضَمُّنًا حَاصِلًا دیکھا مفعولِ مطلق نکال کر بتلا دیا، اور حَاصِلًا کے ذریعے بتلا دیا یہ صفت ہے بِالْإِسْنَادِ، اور بِسَبَبِ إِسْنَادِ، بِسَبَبِ، باء کے بعد سبب کا لفظ نکال کر صاحبِ جامی نے بتلا دیا کہ بِالْإِسْنَادِ میں باء سببیہ ہے۔ یہ باء کیا ہے؟ سببیہ۔ اَلْكَلَامُ مَا تَضَمَّنَ كَلِمَتَيْنِ بِالْإِسْنَادِ کلام وہ ہے جو متضمن ہو دو کلموں کو ایسا تضمن جو حاصل ہو رہا ہے اسناد کے سبب سے، اسناد کی وجہ سے، توجہ ہے؟ بھئی کلام کے اندر اسناد ضروری ہے، دو کلمے کوئی آپ لے آئیں اور آپ کہیں یہ کلام بن گیا، نہیں نہیں! زَيْدٌ بَكْرٌ کلام ہے؟ نہیں، زید الگ ہے، بکر الگ ہے۔ خَالِدٌ عَمْرٌو کلام ہے؟ نہیں، دو کلمے تو ہیں لیکن کلام نہیں۔ غُلَامُ زَيْدٍ مضاف مضافٌ الیہ ہیں لیکن یہ کلام نہیں۔ تو دو کلمے تو ہیں لیکن کلام نہیں، کلام کے لیے کیا ضروری ہے؟ دو کلمے بھی ہوں اور ان کے درمیان کیا ہونا چاہیے؟ اسناد ہونا چاہیے۔ تو کلام وہ ہے جو متضمن ہو دو کلموں کو ایسا تضمن بِالْإِسْنَادِ جو کس کی وجہ سے ہو؟ اسناد کی وجہ سے ہو۔

عبارت سمجھ میں آگئی؟ أَيْ تَضَمُّنًا حَاصِلًا بِسَبَبِ إِسْنَادِ إِحْدَى الْكَلِمَتَيْنِ إِلَى الْأُخْرَى یعنی ایسا تضمن جو حاصل ہو رہا ہو بوجہ ایک کلمے کے دوسرے کی طرف اسناد کی وجہ سے، وہ تضمن جو حاصل ہو رہا ہو کس کی وجہ سے؟ اسناد کی وجہ سے حاصل ہو رہا ہو بھئی، یعنی ان دو کلموں میں اسناد ہو۔

یاد رکھو یہ جملوں میں کئی کئی ترکیبیں ہوتی ہیں بھئی۔ صاحبِ جامی نے بِالْإِسْنَادِ کو کیا بنایا؟ مفعول مطلق بنایا باعتبارِ موصوفِ محذوف کے۔ آپ چاہیں تو بِالْإِسْنَادِ کو حال بنا دیں تَضَمَّنَ کے اندر جو هُوَ ضمیر ہے، حال کسے کہتے ہیں؟ جو فاعل یا مفعول کی حالت بیان کرے، تو تَضَمَّنَ کے اندر هُوَ ضمیر ہے جو مَا کو راجع ہے، اس سے اس کو حال بنا دیں۔ مَا تَضَمَّنَ هُوَ، هُوَ ضمیر ذوالحال اور حَاصِلًا بِالْإِسْنَادِ اس کو کیا کر دیں؟ حال بنا دیں۔ یا تیسری ترکیب یہ بھی کر سکتے ہیں کہ كَلِمَتَيْنِ ہے نکرہ، توجہ ہے؟ كَلِمَتَيْنِ ہے نکرہ اور نکرہ کے بعد بِالْإِسْنَادِ جار مجرور آیا، اور میں نے بتایا تھا اس صورت میں یہ نکرہ کے لیے

صفت بنتا ہے، تو آپ اس کو كَلِمَتَيْنِ کے لیے صفت بھی بنا سکتے ہیں: كَلِمَتَيْنِ ثَابِتَتَيْنِ بِالْإِسْنَادِ۔ كَلِمَتَيْنِ، یہ بِالْإِسْنَادِ کو کیا بنایا؟ كَلِمَتَيْنِ کے لیے صفت۔ اور صفت براہِ راست بنے گی یا متعلق بھی نکالیں گے؟ متعلق بھی نکالیں گے، اور متعلق موصوف کے مطابق نکالتے ہیں۔ كَلِمَتَيْنِ مؤنث ہے اور منصوب ہے، تو لہٰذا ثَابِتَتَانِ یہ بھی مؤنث نکالا، اور پھر اس کو حالتِ نصبی میں لے گئے ثَابِتَتَيْنِ: كَلِمَتَيْنِ ثَابِتَتَيْنِ بِالْإِسْنَادِ، دو ایسے کلمے جو اسناد کے ساتھ ہوں۔ بات سمجھ میں آگئی؟

اب اسناد کسے کہتے ہیں؟ کہتے ہیں: وَالْإِسْنَادُ نِسْبَةُ إِحْدَى الْكَلِمَتَيْنِ حَقِيقَةً أَوْ حُكْمًا إِلَى الْأُخْرَى، اسناد کہتے ہیں کہ نسبت ہو دو کلموں میں سے ایک کی، اور وہ دو کلمے حَقِيقَةً أَوْ حُكْمًا چاہے وہ کلمے حقیقتاً ہوں یا حکماً۔ یہ قید اوپر بھی گزری تھی کہ کلام وہ ہے جو متضمن ہے دو کلموں کو وہ چاہے کلمے کیا ہوں؟ حقیقتاً ہوں یا حکماً۔ وہی قید ہر جگہ بڑھا رہے ہیں، اس قید کا کیا فائدہ ہے؟ ابھی آگے آنے والا ہے اس کا ذکر آجائے گا۔ تو کہتے ہیں وَالْإِسْنَادُ، بھئی ادھر دیکھیے اسناد کو سمجھ لیں۔ اسناد اسے کہتے ہیں کہ دو کلمے ہیں، ان میں سے ایک کی نسبت کرنا دوسرے کلمے کی طرف اس طور پر کہ سننے والے کو بات سمجھ میں آجائے، اس کو فائدہ حاصل ہو جائے کہ یہ مجھے کیا کہنا چاہتا ہے، توجہ ہے؟ اسناد کسے کہتے ہیں؟ ایک کلمے کی نسبت کرنا دوسرے کلمے کی طرف اس طور پر کہ سننے والے کو پورا فائدہ حاصل ہو جائے یعنی اس کو بات سمجھ میں آجائے۔ فائدہ حاصل ہونے کا کیا مطلب؟ اس کو بات سمجھ میں آجائے۔ مثلاً میں نے کہا زَيْدٌ قَائِمٌ، آپ کو پوری بات سمجھ میں آئی؟ کیا سمجھ میں آیا؟ کہ زید کھڑا ہے، میں آپ کو ایک بات بتلا رہا ہوں۔ میں دوسری بات کرتا ہوں، مثلاً دیکھو میں کہتا ہوں أَقَامَ زَيْدٌ؟ کیا زید کھڑا ہے؟ جی آپ کو پوری بات سمجھ میں آگئی کہ یہ مجھ سے سوال پوچھا جا رہا ہے، آپ کو پوری بات سمجھ میں آگئی۔ تیسری صورت، میں آپ سے کہتا ہوں اِضْرِبْ زَيْدًا زید کی کیا کرو؟ پٹائی کرو، آپ کو بات سمجھ میں آگئی کہ مجھ سے ایک کام طلب کیا جا رہا ہے۔ توجہ ہے؟ میں وضاحت کس چیز کی کر رہا ہوں؟ اسناد۔ اسناد اسے کہتے ہیں کہ ایک کلمے کا دوسرے کی طرف نسبت کی جائے اس طور پر کہ سننے والے کو پورا فائدہ حاصل ہو۔ کیا حاصل ہو؟ پورا فائدہ حاصل ہو۔ اب پورے فائدے سے کیا مراد ہے؟ میں نے بتلایا یعنی اس کو بات سمجھ میں آجائے کہ یہ کیا کہنا چاہتا ہے، یہ مجھے کوئی خبر دینا چاہتا ہے یا میرے سے کوئی سوال پوچھنا چاہ رہا ہے یا میرے سے کوئی کام طلب کر رہا ہے، توجہ ہے؟ میں نے کہا ضَرَبَ زَيْدٌ آپ کو بات سمجھ میں آئی کہ زید نے کیا کیا ہے؟ پٹائی کی ہے، آپ کو بات سمجھ میں آگئی بات پوری ہو گئی۔ اگر میں یوں کہوں غُلَامُ زَيْدٍ زید کا غلام، آپ کو پوری بات سمجھ میں آئی؟ نہیں، آپ کہیں گے بھئی غُلَامُ زَيْدٍ زید کے غلام کو کیا ہوا؟ آپ پوری بات تو کریں۔ تو دیکھو یہ دو کلمے تو ہیں اور ان میں سے ایک کی نسبت دوسرے کی طرف بھی ہو رہی ہے لیکن کیا فائدۂ تام ہے؟ فائدۂ تام کسے کہتے ہیں کہ سننے والے کو پوری بات سمجھ میں آجائے۔ میں نے کہا جَاءَ زَيْدٌ آپ کو پوری بات سمجھ میں آگئی میں نے کیا کہا؟ زید آ گیا ہے۔ میں نے کہا أَضَرَبَ زَيْدٌ؟ کیا زید نے پٹائی کی ہے؟ آپ کو پوری بات سمجھ میں آگئی کہ مجھ سے کوئی سوال پوچھا جا رہا ہے۔ میں نے کہا لَا تَضْرِبْ عَمْرًا عمر کی پٹائی نہ کرو، آپ سمجھ گئے کہ مجھ سے ترکِ ضرب کا مطالبہ کیا جا رہا ہے کہ ضرب

لگانا چھوڑ دو۔

تو اسناد کسے کہتے ہیں؟ ایک کلمے کی نسبت کرنا دوسرے کلمے کی طرف کہ سننے والے کو پورا فائدہ حاصل ہو، پورے فائدے کا کیا معنیٰ؟ اس کو بات سمجھ میں آجائے کہ مجھے کچھ بتلایا جا رہا ہے یا مجھ سے کچھ پوچھا جا رہا ہے یا مجھ سے کوئی چیز طلب کی جا رہی ہے۔

تو کہتے ہیں وَالْإِسْنَادُ نِسْبَةُ إِحْدَى الْكَلِمَتَيْنِ حَقِيقَةً أَوْ حُكْمًا اسناد اسے کہتے ہیں کہ دو کلمے چاہے وہ حقیقتاً ہوں یا حکماً ان میں سے ایک کی نسبت کرنا إِلَى الْأُخْرَى دوسرے کلمے کی طرف بِحَيْثُ تُفِيدُ الْمُخَاطَبَ اس طور پر کہ یہ فائدہ دے، یہ نسبت کرنا فائدہ دے مخاطب کو فَائِدَةً تَامَّةً پورا فائدہ، اس کو کہتے ہیں اسناد۔

فَقَوْلُهُ مَا يَتَنَاوَلُ الْمُهْمَلَاتِ وَالْمُفْرَدَاتِ وَالْمُرَكَّبَاتِ الْكَلَامِيَّةَ وَالْغَيْرَ الْكَلَامِيَّةِ۔ اب جو تعریف کی اَلْكَلَامُ مَا تَضَمَّنَ كَلِمَتَيْنِ بِالْإِسْنَادِ، آپ نے پڑھا ہے تعریف کس پر مشتمل ہوتی ہے؟ جنس اور فصل پر۔ تو یہاں جنس کے درجے میں کیا ہے اور فصل کے درجے میں کیا ہے؟ یا یوں کہیں اس تعریف میں جو ایک ایک لفظ ذکر کیا گیا مَا، تَضَمَّنَ كَلِمَتَيْنِ، بِالْإِسْنَادِ، ایک ایک قید کا کیا فائدہ ہے؟ توجہ ہے؟ تو کہتے ہیں جب ماتن نے کہا اَلْكَلَامُ مَا، مَا سے کیا مراد؟ لفظ۔ تو جب لفظ کہا تو اس میں ساری دنیا کے لفظ آگئے، چاہے ان کا کوئی معنیٰ ہو چاہے معنیٰ نہ ہو، چاہے وہ مفرد ہوں چاہے مرکب ہوں سارے الفاظ آگئے: مہمل بھی آگئے، مفردات بھی آگئے، مرکبات بھی آگئے۔ پھر مرکبات دو قسم پر ہیں، کچھ مرکباتِ کلامیہ ہیں کچھ مرکباتِ غیر کلامیہ ہیں، سب اس کے اندر داخل ہو گئے بھئی۔ سب اس کے اندر داخل ہو گئے۔ مرکباتِ کلامیہ جو پورا کلام ہو: زَيْدٌ قَائِمٌ کیا ترجمہ؟ زید کھڑا ہے، دیکھو پورا کلام ہے پورا کلام ہے اس میں بات پوری ہے، تو یہ مرکبِ کلامی ہے۔ اور ایک مرکبِ غیر کلامی ہوتا ہے، مرکب تو ہوتا ہے لیکن کلام نہیں ہوتا، جیسے غُلَامُ زَيْدٍ زید کا غلام، مرکب تو ہے دو کلمے تو ہیں لیکن کلام نہیں پوری بات اس میں نہیں ہے۔ یا جیسے موصوف صفت ہوتے ہیں: رَجُلٌ شُجَاعٌ بہادر آدمی، دو کلمے ہیں مرکب تو ہے لیکن کلام نہیں بات پوری نہیں۔ تو مرکب کتنی قسم پر؟ دو قسم پر: یا وہ کلامی ہو گا یا غیر کلامی۔ کلامی کا کیا معنیٰ؟ وہ مرکب جو کلام ہے جس میں بات پوری ہے۔ اور مرکبِ غیر کلامی جو مرکب ہے لیکن پورا کلام نہیں ہے۔ آسان لفظوں میں یوں کہو ایک ہے مرکبِ تام، ایک ہے مرکبِ ناقص جو آپ پڑھ چکے ہیں جگہ جگہ۔ مرکبِ کلامی سے مراد ہے مرکبِ تام جس میں بات پوری ہو، اور مرکبِ غیر کلامی سے مراد ہے مرکبِ ناقص جس میں بات پوری نہ ہو بھئی۔ تو جب کہا اَلْكَلَامُ مَا تَضَمَّنَ، مَا کا لفظ لایا، کلام وہ لفظ ہے، تو سارے لفظ آگئے: چاہے وہ مہمل ہو چاہے مفرد ہو چاہے مرکب ہو، پھر چاہے وہ مرکبِ کلامی ہو چاہے غیر کلامی سارے اس کے اندر داخل ہو گئے۔

تو کہتے ہیں فَقَوْلُهُ مَا، ماتن کا قول جو مَا آیا، يَتَنَاوَلُ الْمُهْمَلَاتِ وَالْمُفْرَدَاتِ وَالْمُرَكَّبَاتِ الْكَلَامِيَّةَ وَالْغَيْرَ الْكَلَامِيَّةِ کہ مَا شامل ہے، يَتَنَاوَلُ کا کیا معنیٰ؟ شامل، تو ماتن کا قول مَا جو ہے یہ شامل ہے مہملات کو بھی اور مفردات کو بھی اور مرکباتِ کلامیہ کو

بھی وَالْغَيْرَ الْكَلَامِيَّةِ، اس کو غَيْرَ پڑھیں بھئی غَيْرَ، یہ صفت ہے مرکبات کی، اَلْمُرَكَّبَاتِ... توجہ ہے عبارت پہ؟ فَقَوْلُهُ مَا يَتَنَاوَلُ الْمُهْمَلَاتِ وَالْمُفْرَدَاتِ وَالْمُرَكَّبَاتِ الْكَلَامِيَّةَ وَالْغَيْرَ الْكَلَامِيَّةِ۔ بھئی سوال: اَلْمُهْمَلَاتِ میں نے اس کو مجرور کیوں پڑھا؟ اَلْمُهْمَلَاتِ وَالْمُفْرَدَاتِ وَالْمُرَكَّبَاتِ۔ جی؟ شاباش، یہ مجرور نہیں ہے یہ منصوب ہیں لیکن یہ جمع مؤنث سالم ہے اور جمع مؤنث سالم کا نصب آتا ہی کسرہ کے ساتھ ہے، تو یہ ہے تو نصب صورت کس جیسی ہے؟ جر جیسی صورت ہے، تو یہ سب منصوب ہیں، تو اَلْمُرَكَّبَاتِ یہ منصوب ہے، اَلْكَلَامِيَّةَ یہ کیا بنے گا اس کی؟ صفت، وَالْغَيْرَ الْكَلَامِيَّةِ یہاں غَيْرَ پر نصب پڑھیں اور اَلْكَلَامِيَّةِ یہ مضافٌ الیہ ہے تو یہ مجرور ہو گا، غَيْرَ مضاف اَلْكَلَامِيَّةِ مضافٌ الیہ۔ تو کہتے ہیں فَقَوْلُهُ مَا يَتَنَاوَلُ الْمُهْمَلَاتِ وَالْمُفْرَدَاتِ وَالْمُرَكَّبَاتِ الْكَلَامِيَّةَ وَالْغَيْرَ الْكَلَامِيَّةِ، تو ماتن کا قول مَا جو ہے یہ شامل ہے مہملات کو بھی یعنی مہمل لفظ بھی اس کے اندر آ گئے، وَالْمُفْرَدَاتِ مفرد لفظوں کو بھی یہ شامل ہے وہ بھی اس میں داخل ہو گئے، وَالْمُرَكَّبَاتِ الْكَلَامِيَّةَ اور مرکباتِ کلامیہ بھی اس کے اندر داخل ہو گئے یہ ان کو بھی شامل ہے، وَالْغَيْرَ الْكَلَامِيَّةِ اور مرکباتِ غیر کلامیہ کو بھی یہ شامل ہے۔

اب اگلی قید کیا آئی؟ تَضَمَّنَ كَلِمَتَيْنِ۔ مَا تَضَمَّنَ كَلِمَتَيْنِ متن میں جو آیا تھا، جو دو کلموں کو متضمن ہو۔ تو مَا سے کیا مراد تھا؟ لفظ، اس میں ساری دنیا کے الفاظ آ گئے، لیکن جب آگے کہا تَضَمَّنَ كَلِمَتَيْنِ جو متضمن ہو کس کو؟ دو کلموں کو، تو مہمل نکل گئے کیونکہ بات کلموں کی آ گئی، مہمل کیا ہوئے؟ نکل گئے، مہمل وہ لفظ جن کا کوئی معنیٰ نہ ہو وہ کیا ہو گئے؟ خارج، کیونکہ انہوں نے کہا مَا تَضَمَّنَ كَلِمَتَيْنِ کلمتین کی بات کر دی، مہمل نکل گئے۔ نیز مفرد بھی نکل گئے کیونکہ انہوں نے کیا کہا؟ مَا تَضَمَّنَ كَلِمَتَيْنِ جو دو کلموں کو متضمن ہو، معلوم ہوا جو ایک کلمہ ہو اس کو کلام نہیں کہیں گے، تو مہمل بھی نکل گئے اور مفرد بھی نکل گئے۔ بات سمجھ میں آ گئی؟

تو کہتے ہیں وَبِقَيْدِ تَضَمَّنَ كَلِمَتَيْنِ، کہتے ہیں تَضَمَّنَ كَلِمَتَيْنِ کی قید کے ذریعے خَرَجَتِ الْمُهْمَلَاتُ وَالْمُفْرَدَاتُ مہملات بھی نکل گئے تعریف سے وَالْمُفْرَدَاتُ اور مفردات بھی نکل گئے۔

مرکبات ابھی بھی سارے باقی ہیں چاہے وہ کلامی ہوں چاہے غیر کلامی وہ ابھی بھی داخل ہیں۔ لیکن جب آگے بِالْإِسْنَادِ کی قید آ گئی تو اب مرکباتِ غیر کلامی نکل گئے، صرف کون سے مرکبات رہ گئے جن میں اسناد ہو گا یعنی کلام پورا ہو گا وہ شامل ہیں، اور غُلَامُ زَيْدٍ یعنی مضاف مضافٌ الیہ جو ہیں وہ بھی نکل گئے اور رَجُلٌ شُجَاعٌ یعنی موصوف صفت بھی نکل گئے کیونکہ یہ مرکباتِ غیر کلامی ہیں۔

تو کہتے ہیں وَبِقَيْدِ الْإِسْنَادِ اور اسناد کی قید کے ذریعے خَرَجَتِ الْمُرَكَّبَاتُ الْغَيْرُ الْكَلَامِيَّةِ اور اسناد کی قید کے ذریعے وہ مرکبات نکل گئے جو غیر کلامی ہیں مِثْلُ غُلَامِ زَيْدٍ جیسے کہ غُلَامِ زَيْدٍ یہ مضاف مضافٌ الیہ یہ بھی نکل گئے وَرَجُلٍ فَاضِلٍ یعنی موصوف صفت بھی نکل گئے۔ وَبَقِيَتِ الْمُرَكَّبَاتُ الْكَلَامِيَّةُ اور مرکباتِ کلامیہ اس تعریف کے اندر باقی رہ گئے سَوَاءٌ كَانَتْ خَبَرِيَّةً چاہے وہ مرکباتِ کلامی کس قسم کے ہوں؟ خبری ہوں یعنی خبر کی قبیل سے ہوں یا آگے آئے گا إِنْشَائِيَّةً یا انشاء کی

قبیل سے ہوں بھئی۔ توجہ ہے؟ تو جو بھی یعنی جس میں بات پوری ہو۔ میں نے آپ سے ابھی مثالیں ذکر کیں: اَلْكَلَامُ مَا تَضَمَّنَ كَلِمَتَيْنِ بِالْإِسْنَادِ کلام وہ ہے جو متضمن ہو دو کلموں کو بِالْإِسْنَادِ اسناد کے ساتھ، اور اسناد کس کو کہتے ہیں؟ ایک کلمے کی نسبت کرنا دوسرے کلمے کی طرف کہ سننے والے کو پورا فائدہ حاصل ہو، پورا فائدہ کیا معنیٰ حاصل ہو؟ اس کو پوری بات سمجھ میں آجائے کہ مجھے کچھ بتایا جا رہا ہے یا مجھ سے کچھ پوچھا جا رہا ہے یا مجھ سے کوئی چیز طلب کی جا رہی ہے۔ ضَرَبَ زَيْدٌ یہ کون سا جملہ ہے؟ جملہ خبریہ ہے۔ اور أَضَرَبَ زَيْدٌ؟ یہ کون سا جملہ ہے؟ یہ استفہامیہ ہے یہ انشاء ہے، تو یہ جملہ انشائیہ یہ بھی کلام ہے۔ اسی طرح اِضْرِبْ زَيْدًا یہ کون سا جملہ ہے؟ یہ جملہ انشائیہ ہے امر ہے، امر، امر انشاء کی قسم ہے۔ تو تمام مرکباتِ غیر کلامی نکل گئے اور مرکباتِ کلامی رہ گئے چاہے وہ خبر کی قبیل سے ہوں چاہے انشاء کی قبیل سے ہوں۔

تو کہتے ہیں وَبَقِيَتِ الْمُرَكَّبَاتُ الْكَلَامِيَّةُ اور مرکباتِ کلامیہ باقی رہ گئے سَوَاءٌ كَانَتْ خَبَرِيَّةً برابر ہے کہ وہ مرکبات خبری ہوں مِثْلُ ضَرَبَ زَيْدٌ جیسے ضَرَبَ زَيْدٌ وَضَرَبَتْ هِنْدٌ اور ضَرَبَتْ هِنْدٌ۔ دیکھو ایک مذکر کی مثال ہے ایک مؤنث کی یعنی دونوں جملہ فعلیہ ہیں لیکن ایک میں فاعل مذکر ذات ہے ایک میں مؤنث ہے۔ ترکیب کریں: ضَرَبَ زَيْدٌ، ضَرَبَ فعل، زَيْدٌ مرفوع لفظاً فاعل، فعل اپنے فاعل سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہوا۔ ضَرَبَتْ هِنْدٌ، ہند قدیم عرب میں عورتوں کا نام تھا، عام استعمال ہوتا تھا۔ وَضَرَبَتْ هِنْدٌ ہند نے پٹائی کی۔ ضَرَبَتْ فعل، هِنْدٌ مرفوع لفظاً فاعل، فعل اپنے فاعل سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہوا۔ آگے آرہا ہے أَوْ إِنْشَائِيَّةً مِثْلُ اِضْرِبْ وَلَا تَضْرِبْ۔ اِضْرِبْ، اِضْرِبْ کیسے ہے؟ اِضْرِبْ فعل، أَنْتَ ضمیر اس کے اندر مرفوع محلاً اس کا فاعل، فعل اپنے فاعل سے مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہوا کیونکہ امر ہے۔ وَلَا تَضْرِبْ، لَا تَضْرِبْ فعلِ نہی، اس کے اندر أَنْتَ ضمیر مرفوع محلاً اس کا فاعل، فعل اپنے فاعل سے مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہوا۔ توجہ ہے؟ اب دیکھو اِضْرِبْ حقیقت میں یہ ایک کلمہ ہے لیکن اس کے اندر ضمیر چھپی ہوئی ہے، کون سی ضمیر؟ أَنْتَ، اور یہ آپ پہلے پڑھ چکے شروع میں بتایا تھا کہ لفظ جو ہے لفظ، کبھی حقیقتاً ہوتا ہے کبھی حکماً لفظ ہوتا ہے، تو یہاں پہ بھی اِضْرِبْ حقیقتاً تو ایک لفظ ہے لیکن حکماً یہ دو کلمے ہیں: ایک خود اِضْرِبْ، ایک اس کے اندر أَنْتَ ضمیر جو چھپی ہوئی ہے۔ اور أَنْتَ ضمیر اس کے اندر چھپی ہوئی ہے اور انہوں نے آپ کو یہ بھی بتلایا تھا کہ یہ جو فعل کے اندر ضمیر چھپی ہوتی ہے اس کے لیے عرب نے کوئی لفظ وضع نہیں کیا، اس کے لیے جو ہم کہہ رہے ہیں اِضْرِبْ کے اندر أَنْتَ چھپی ہوئی ہے، أَنْتَ نہیں ہے، اس کے اندر جو ضمیر چھپی ہوئی ہے اس کے لیے عربوں نے کوئی لفظ وضع ہی نہیں کیا، أَنْتَ تو ضمیرِ منفصل ہے اور اِضْرِبْ کے اندر تو کون سی ضمیر ہو گی؟ ضمیرِ متصل ہو گی، تو متصل اور چیز ہے منفصل اور چیز، لیکن اس کے لیے عربوں نے کوئی لفظ ہی نہیں مقرر کیا تو ہمیں مجبوراً یہ أَنْتَ ضمیرِ منفصل کو مستعار یعنی عاریتاً استعمال کرنا پڑا اس ضمیر کو بتلانے کے لیے۔ تو أَنْتَ ضمیر وہ حکماً وہ بھی کلمہ ہے، وہ کیا ہے؟ وہ کلمے کے حکم میں ہے۔ تو وہ مرکبات چاہے خبری ہوں جیسے ضَرَبَ زَيْدٌ وَضَرَبَتْ هِنْدٌ وَزَيْدٌ قَائِمٌ، أَوْ إِنْشَائِيَّةً یا وہ مرکبات انشائی ہوں مِثْلُ اِضْرِبْ وَلَا تَضْرِبْ، فَإِنَّ كُلَّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا تَضَمَّنَ كَلِمَتَيْنِ اس لیے کیونکہ ان میں سے ہر ایک متضمن ہے دو

کلموں کو۔ ان سب میں دو کلمے آرہے ہیں: ضَرَبَ زَيْدٌ اس میں دونوں کلمے حقیقتاً ہیں، ایک ہے ضَرَبَ اور ایک کیا ہے؟ زَيْدٌ۔ مثالوں پر نظر ہے؟ ان میں، اس میں دونوں کلمے کیا ہیں؟ حقیقتاً۔ ضَرَبَتْ هِنْدٌ اس میں بھی دونوں کلمے حقیقتاً ہیں، ایک کلمہ کیا؟ ضَرَبَتْ، اور دوسرا هِنْدٌ۔ زَيْدٌ قَائِمٌ اس میں حقیقتاً دونوں کلمے ہیں، ایک کلمہ زَيْدٌ دوسرا کلمہ قَائِمٌ۔ اور اِضْرِبْ اس کے اندر حقیقتاً ایک کلمہ ہے اور دوسرا حکماً ہے۔ وَلَا تَضْرِبْ اس کے اندر بھی ایک کلمہ حقیقتاً ہے اور دوسرا حکماً ہے۔ تو فَإِنَّ كُلَّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا تَضَمَّنَ كَلِمَتَيْنِ اس لیے کیونکہ ان میں سے ہر ایک متضمن ہے دو کلموں کو۔

بھئی باقیوں میں تو بات واضح تھی، اِضْرِبْ اور لَا تَضْرِبْ میں بات واضح نہیں تھی کہ یہ تو ایک کلمہ ہے۔ تو کہتے ہیں بھئی ہم نے آپ کو بتلایا تھا شروع میں کہ وہ دو کلمے چاہے حقیقتاً ہوں چاہے حکماً ہوں، ان دونوں میں دوسرا کلمہ حکماً موجود ہے، حکم لگا دیا اس پر کہ یہ بھی کیا ہے؟ ایک کلمہ ہے، کیونکہ اس پر ہم نے کلمے کے احکام جاری کرنے ہیں، توجہ ہے؟ بھئی کیوں اِضْرِبْ میں أَنْتَ کا اعتبار کیوں کیا؟ کیونکہ اس پر کلمے کے احکام جاری کرنے ہیں، اس کو فاعل بنانا ہے اور فاعل تو لفظ ہوا کرتا ہے، تو ماننا پڑے گا کہ اس کے اندر کون سا لفظ ہے؟ أَنْتَ چھپا ہوا ہے، اس کو فاعل بناتے ہیں، کبھی پھر اس کی تاکید لاتے ہیں، تاکید لفظ کی لائی جاتی ہے، اسی طرح کبھی اس پر عطف کرتے ہیں، عطف لفظ پر کیا جاتا ہے، کبھی اس کے لیے بدل آگے لے کر آتے ہیں، تو مبدل منہ ہمیشہ کیا ہوتا ہے؟ لفظ ہوتا ہے۔ تو اس پر لفظ کے، کلمے کے احکام جاری کرنے تھے، اس لیے اس کا اعتبار کرنا پڑتا ہے اور حکم لگا دیتے ہیں کہ اس میں کیا ہے؟ ایک کلمہ چھپا ہوا ہے۔ چونکہ اِضْرِبْ اور لَا تَضْرِبْ میں بات واضح نہیں تھی، اب اس کی آگے وضاحت کر رہے ہیں صاحبِ جامی بھئی۔ کہتے ہیں فَإِنَّ كُلَّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا تَضَمَّنَ كَلِمَتَيْنِ اس لیے کیونکہ ان دونوں میں سے ہر ایک متضمن ہے دو کلموں کو إِحْدَاهُمَا مَلْفُوظَةٌ وَالْأُخْرَى مَنْوِيَّةٌ۔

جی بھئی دیکھیے میں نے آپ کو بتایا تھا کہ نکرہ کے بعد اگر جملہ آجائے تو وہ جملہ عموماً اس کے لیے صفت بنتا ہے، کیا بنتا ہے؟ صفت۔ تو یہاں تَضَمَّنَ كَلِمَتَيْنِ، كَلِمَتَيْنِ نکرہ آیا اور آگے جملہ آیا إِحْدَاهُمَا مَلْفُوظَةٌ وَالْأُخْرَى مَنْوِيَّةٌ۔ إِحْدَاهُمَا مبتدا ہے، مَلْفُوظَةٌ اس کی خبر، ایک ان میں سے ملفوظ ہے۔ وَالْأُخْرَى مَنْوِيَّةٌ، أُخْرَى مبتدا اور مَنْوِيَّةٌ اس کی خبر، توجہ ہے؟ پھر دیکھو كَلِمَتَيْنِ آیا نکرہ، اس کے بعد ایک جملہ آیا إِحْدَاهُمَا مَلْفُوظَةٌ، دوسرا جملہ آیا وَالْأُخْرَى مَنْوِيَّةٌ، یہ اسی جملے پر عطف ہے۔ تو إِحْدَاهُمَا مَلْفُوظَةٌ میں إِحْدَاهُمَا ہے مبتدا اور مَلْفُوظَةٌ ہے اس کی خبر، مبتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ ہو کر یہ معطوفٌ علیہ۔ ٹھیک ہے؟ اور وَالْأُخْرَى مَنْوِيَّةٌ وَاو حرفِ عطف، اَلْأُخْرَى یہ مبتدا اور مَنْوِيَّةٌ اس کی خبر، مبتدا خبر مل کر یہ پورا جملہ اسمیہ ہو کر یہ عطف ہے ماقبل والے جملے پر۔ اور یہ دونوں جملے معطوفٌ علیہ اور معطوف مل کر یہ صفت ہے کس کی؟ كَلِمَتَيْنِ کی، کس کی؟ كَلِمَتَيْنِ کی۔ اور موصوف صفت کا ترجمہ کیسے کرتے ہیں؟ موصوف سے پہلے «ایسا» یا «ایسی» کا لفظ لاتے ہیں۔ اب دیکھو ترجمہ سنو: فَإِنَّ كُلَّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا تَضَمَّنَ كَلِمَتَيْنِ اس لیے کیونکہ ان دونوں جملوں میں سے ہر ایک متضمن ہے، ان دونوں میں سے یعنی یہ دونوں جو کلام آئے اِضْرِبْ اور لَا تَضْرِبْ، ان دونوں میں سے ہر ایک متضمن ہے دو ایسے کلموں کو إِحْدَاهُمَا

مَلْفُوظَةٌ کہ ان میں سے ایک جو ہے وہ ملفوظ ہے یعنی اس پر ہم حقیقتاً تلفظ کر رہے ہیں وَالْأُخْرَى مَنْوِيَّةٌ اور دوسرا منوی ہے یعنی جس کی نیت کی گئی ہے جس کا ارادہ کیا گیا ہے، یعنی جو حکماً کلمہ ہے۔ وَبَيْنَهُمَا إِسْنَادٌ يُفِيدُ الْمُخَاطَبَ فَائِدَةً تَامَّةً اور ان دونوں کلموں کے درمیان ایسا اسناد ہے جو مخاطب کو پورا فائدہ دے رہا ہے، یعنی اس سے پوری بات سمجھ میں آ رہی ہے۔ اِضْرِبْ دیکھو اس میں بات پوری سمجھ میں آگئی کہ پٹائی طلب کی جا رہی ہے، اور لَا تَضْرِبْ اس سے بھی مخاطب کو پورا فائدہ حاصل ہوا پوری بات سمجھ میں آگئی کہ پٹائی ترک کرنے کا مطالبہ کیا جا رہا ہے۔

وَبَيْنَهُمَا إِسْنَادٌ اور ان دونوں کلموں کے درمیان اسناد ہو۔ إِسْنَادٌ نکرہ آیا اور اس کے بعد يُفِيدُ فعل آیا، اور میں نے بتایا تھا نکرہ کے بعد فعل آئے تو اس کے لیے عموماً کیا بنتا ہے؟ صفت۔ وَبَيْنَهُمَا إِسْنَادٌ يُفِيدُ الْمُخَاطَبَ فَائِدَةً تَامَّةً اور ان دونوں کلموں کے درمیان ایسا اسناد ہو جو مخاطب کو پورا فائدہ دے یعنی اس کو پوری بات معلوم ہو جائے۔ تو بلکہ یوں کریں اس کو بھی صفت بنائیں بھئی اسی كَلِمَتَيْنِ کی، تو كَلِمَتَيْنِ جو ہے یہ ہے موصوف، إِحْدَاهُمَا مَلْفُوظَةٌ یہ ہے، یہ صفت ہے لیکن یہ ہے معطوفٌ علیہ۔ وَالْأُخْرَى مَنْوِيَّةٌ اس کا عطف بھی اس جملے پر ماقبل پر، اور وَبَيْنَهُمَا إِسْنَادٌ يُفِيدُ الْمُخَاطَبَ فَائِدَةً تَامَّةً اس کا بھی، یہ بھی معطوف۔ تو إِحْدَاهُمَا مَلْفُوظَةٌ یہ ہے معطوفٌ علیہ، وَالْأُخْرَى مَنْوِيَّةٌ یہ ہے معطوفِ اول، وَبَيْنَهُمَا إِسْنَادٌ يُفِيدُ الْمُخَاطَبَ فَائِدَةً تَامَّةً یہ ہے معطوفِ ثانی۔ معطوفٌ علیہ اپنے دونوں معطوفوں سے مل کر یہ صفت ہو گئی كَلِمَتَيْنِ کے لیے۔ تو ترجمہ کیسے ہو گا؟ اب سنو ذرا ترجمہ:

فَإِنَّ كُلَّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا تَضَمَّنَ كَلِمَتَيْنِ، دیکھو اِضْرِبْ اور لَا تَضْرِبْ بظاہر ایک کلمہ تھے لیکن ان کے اندر ایک اور کلمہ بھی ہے جو حکماً ہے جو نیت میں ہے، اِضْرِبْ کے اندر کیا ہے؟ أَنْتَ، اور لَا تَضْرِبْ کے اندر بھی کیا ہے؟ أَنْتَ، تو بظاہر دیکھنے میں ایک کلمہ لیکن یہ دراصل دو کلمے ہیں: ایک کلمہ ہے حقیقتاً اور ایک ہے نیت میں۔ اب اسی کو بیان کر رہے ہیں۔ کہتے ہیں فَإِنَّ كُلَّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا تَضَمَّنَ كَلِمَتَيْنِ، تو كَلِمَتَيْنِ ہے موصوف اور موصوف سے پہلے «ایسا» یا «ایسی» کا لفظ ہم لائیں گے۔ فَإِنَّ كُلَّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا تَضَمَّنَ كَلِمَتَيْنِ اس لیے کیونکہ ان دونوں میں سے ہر ایک یعنی یہ دونوں جملے اِضْرِبْ اور لَا تَضْرِبْ، ان دونوں میں سے ہر ایک تَضَمَّنَ كَلِمَتَيْنِ یہ متضمن ہے دو ایسے کلموں کو إِحْدَاهُمَا مَلْفُوظَةٌ کہ ان میں سے ایک ملفوظ ہے یعنی اس پر تلفظ ہو رہا ہے حقیقتاً وَالْأُخْرَى مَنْوِيَّةٌ اور دوسرا کلمہ منوی ہے نیت میں ہے یعنی حکماً کلمہ ہے، وَبَيْنَهُمَا إِسْنَادٌ يُفِيدُ الْمُخَاطَبَ فَائِدَةً تَامَّةً اور ان دونوں کلموں کے درمیان ایسا اسناد ہے جو مخاطب کو پورا فائدہ دے رہا ہے۔

بات سمجھ میں آگئی؟ چلیے بس کریں۔ بس بھئی هَذَا هُوَ الْمَرَامُ، وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْكَلَامِ۔

سبق نمبر ۲۶: تعریفِ کلام (۲): کلمتین حقیقتاً یا حکماً اور جملہ کا خبر واقع ہونا

شرحِ ملا جامی صفحہ: ۱۹ — بتاریخ: ۲ اگست ۲۰۲۱ء

- **تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث**

دیکھیے بھئی کتاب پر آگے سبق:

وَحَيْثُ كَانَتِ الْكَلِمَاتُ أَعَمَّ مِنْ أَنْ تَكُونَ كَلِمَتَيْنِ حَقِيقَةً أَوْ حُكْمًا، دَخَلَ فِي التَّعْرِيفِ مِثْلُ: زَيْدٌ أَبُوهُ قَائِمٌ، أَوْ قَامَ أَبُوهُ، أَوْ قَائِمٌ أَبُوهُ، فَإِنَّ الْأَخْبَارَ فِيهَا مَعَ أَنَّهَا مُرَكَّبَاتٌ، لٰكِنَّهَا فِي حُكْمِ الْكَلِمَةِ الْمُفْرَدَةِ، أَعْنِي قَائِمَ الْأَبِ. وَدَخَلَ فِيهِ أَيْضًا مِثْلُ: جَسَقٌ مُهْمَلٌ، وَدَيْزٌ مَقْلُوبُ زَيْدٍ، مَعَ أَنَّ الْمُسْنَدَ إِلَيْهِ فِيهِمَا مُهْمَلٌ لَيْسَ بِكَلِمَةٍ، فَإِنَّهُ فِي حُكْمِ هٰذَا اللَّفْظِ.

گزشتہ سبق میں ہم نے کلام کی تعریف پڑھی اور شارحِ جامی جو ہیں اس کی تشریح کر رہے تھے بھئی۔ صاحبِ کافیہ نے آپ کو بتلایا «اَلْكَلَامُ مَا تَضَمَّنَ كَلِمَتَيْنِ بِالْإِسْنَادِ» کہ کلام ایسا لفظ ہے جو متضمن ہوتا ہے دو کلموں کو «بِالْإِسْنَادِ» اسناد کے ساتھ۔ یعنی کلام وہ لفظ کا نام ہے اور وہ دو کلمے ہوں گے اور وہ دو کلمے بھی ایسے ہوں گے کہ ان کے درمیان اسناد ہوگا۔

میں نے آپ کو بتلایا تھا کہ کلمہ اور کلام دونوں علمِ نحو کا موضوع ہیں بھئی، علمِ نحو کا موضوع۔ لیکن مصنف نے کلمہ کو مقدم کیا کیونکہ کلمہ جو ہے وہ کلام کا جز ہے، کلام کس سے بنے گا؟ کم از کم دو کلموں سے، تو کلمہ کیا ہے؟ کلام کا جز، اور جز مقدم ہوتا ہے کل پر۔ جز سمجھ میں آئے گا تو آپ کو کل بھی سمجھ میں آئے گا۔ اگر آپ کو کلمہ کا پتا ہی نہیں ہوگا تو کلام کی جو تعریف ہے وہ بھی آپ کو سمجھ میں نہیں آئے گی، کیونکہ کلام کی انہوں نے کیا تعریف کی؟ «مَا تَضَمَّنَ كَلِمَتَيْنِ بِالْإِسْنَادِ»، تو دیکھو اس میں «كَلِمَتَيْنِ» کا ذکر آیا، اگر آپ کو کلمتین کا ہی پتا نہ ہو تو پھر آپ کو کلام بھی سمجھ میں نہیں آئے گا۔ تو کلمہ جز ہے کلام کا اس لیے اس کو مقدم کیا۔

اس کے بعد پھر میں نے آپ کو یہ بتلایا کہ مصنف نے «اَلْكَلَامُ» کہا، «اَلْكَلَامُ مَا تَضَمَّنَ» کہا، «وَالْكَلَامُ مَا تَضَمَّنَ» نہیں کہا، یعنی اس جملے کا عطف ماقبل پر نہیں کیا۔ میں نے آپ کو بتلایا تھا ایک ہے فصل اور ایک ہے وصل بھئی۔ وصل کا

معنی ہے ملانا، جوڑنا، اور فصل کا معنی ہے جدا کرنا۔ تو جب ایک جملے کا دوسرے جملے پر عطف کیا جائے تو اس کو کہتے ہیں وصل، یعنی آپ نے دونوں میں ربط دے دیا، جوڑ دے دیا۔ اور جب درمیان میں حرفِ عطف کو ذکر نہ کیا جائے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ نے دونوں جملوں میں فصل کر دیا، یعنی جدائی کر دی، دونوں میں ربط نہیں دیا۔ اور وصل کے لیے ضروری ہے کہ دونوں جملوں کے اندر مناسبت ہو بھئی۔ تو یہاں صاحبِ کافیہ نے «وَالْكَلَامُ» نہیں کہا بلکہ فصل کیا ہے، وصل نہیں کیا بلکہ فصل کیا ہے۔ وجہ اس کی یہ میں نے آپ کو بتلایا تھا کہ واوٗ سے یعنی حرفِ عطف سے پہلے جو آئے اس کو کہتے ہیں معطوفٌ علیہ، اور جو بعد میں آئے وہ ہوتا ہے معطوف۔ تو اس سے شبہ پڑتا کہ شاید یہ جو کلمہ اور کلام دونوں علمِ نحو کا موضوع ہیں لیکن کلمہ اصل ہے علمِ نحو کا موضوع ہونے میں اور کلام اس کے تابع ہے کیونکہ معطوف کیا ہوتا ہے؟ تابع ہوتا ہے۔ تو لہٰذا مصنف نے یہاں فصل کیا یہ بتلانے کے لیے کہ کلام جو ہے علمِ نحو کا موضوع ہونے میں کلمہ کے تابع نہیں ہے، بلکہ دونوں اصل ہیں علمِ نحو کے موضوع ہونے کے اعتبار سے۔

اور میں نے آپ کو یہ بھی بتلایا تھا کہ یہ جو کافیہ ہے یہ ماخوذ ہے مفصل سے۔ مفصل علامہ زمخشری کی کتاب ہے جو بہت بڑے عالم گزرے ہیں بھئی، اور مفصل کو مفصل اس لیے کہتے ہیں کہ اس میں فصلیں بہت زیادہ ہیں۔ وہ ہر چیز کے لیے الگ فصل لے کر آتے ہیں، تو بہت زیادہ فصلیں ہیں حتیٰ کہ بعض فصلیں تو ایک ایک سطر پر مشتمل ہیں۔ تو صاحبِ کافیہ نے مفصل سے اس کافیہ کو اخذ کیا، لیکن ان کو یہ اتنی کثرت سے فصلوں کا ذکر ان کو اتنا ناپسند آیا کہ انہوں نے اپنی پوری کافیہ میں ایک بھی فصل ذکر نہیں کی۔ تو وہ یہاں کافیہ میں وہ کیا کرتے ہیں کہ فصل کے بجائے صرف حرفِ عطف وہاں نہیں لاتے بھئی۔ تو یہاں بھی «اَلْكَلَامُ» کے لیے حرفِ عطف نہیں لائے، تو گویا یہ بھی ایک الگ فصل ہے۔ پہلے فصل کس کی تھی؟ کلمہ کے بارے میں، اب دوسری فصل کس کے بارے میں ہے؟ کلام کے بارے میں، اور اس کی طرف اشارہ کس کے ذریعے کیا؟ کہ درمیان میں حرفِ عطف کو ذکر نہیں کیا، اسی نے فصل پر دلالت کر دی کہ یہ الگ بات ہے بھئی، الگ بحث ہے بھئی۔

تو کلام جو ہے علمِ نحو کی اصطلاح میں کسے کہتے ہیں؟ «اَلْكَلَامُ مَا تَضَمَّنَ كَلِمَتَيْنِ بِالْإِسْنَادِ» کہ کلام وہ لفظ ہے، کلام ایسا لفظ ہے جو متضمن ہو دو کلموں کو اسناد کے ساتھ۔ یہ جو تعریف کی یہ علمِ نحو میں کلام کی یہ تعریف کی جاتی ہے، یعنی یہ اصطلاحی تعریف ہے۔ پھر صاحبِ جامی نے آپ کو بتلایا کہ عربی زبان میں کلام جو ہے «مَا يُتَكَلَّمُ بِهٖ» کو کہتے ہیں، یعنی وہ لفظ جس پر تکلم کیا جائے، چاہے وہ قلیل ہو چاہے کثیر، چاہے ایک لفظ ہو یا ایک سے زیادہ، چاہے جملہ ہو یا جملہ نہ ہو، چاہے وہ بامعنی لفظ ہو چاہے بے معنی لفظ یعنی مہمل ہی کیوں نہ ہو، جس پر بھی تکلم کر لیا جائے اس کو کیا کہتے ہیں؟ کلام کہتے ہیں۔

اس کے بعد یہاں پر میں نے بتلایا تھا کہ یہ جو «مَا تَضَمَّنَ» ہے اس «مَا تَضَمَّنَ» کو «مَا» موصولہ بھی بنا سکتے ہیں اور «مَا» موصوفہ بھی۔ فرق صرف یہ ہے کہ «مَا» موصولہ معرفہ ہوتا ہے بمعنی «اَلَّذِيْ» کے، اور «مَا» موصوفہ جو ہے وہ نکرہ ہوتا ہے

بمعنی «شَيْءٌ» کے، یعنی کوئی چیز۔ اور دونوں میں آگے ایک جملہ آتا ہے، تو اگر «مَا» موصولہ ہو تو وہ جملہ اس کا صلہ کہلائے گا، اور اگر وہ «مَا» موصوفہ ہو تو وہ جملہ اس کی صفت کہلائے گا۔ اور میں نے آپ کو بتلایا کہ جملے کو جب بھی کسی چیز سے جوڑنا ہو تو درمیان میں ربط ضروری ہے۔ تو ایک فرق تو یہ ہوگا کہ «مَا» موصولہ معرفہ ہوتا ہے اور «مَا» موصوفہ نکرہ ہوتا ہے۔ دوسرا فرق دونوں میں یہ ہے کہ موصول کا جو صلہ ہوتا ہے اس کا کوئی محلِ اعراب نہیں۔ لہٰذا اگر اس «مَا» کو موصولہ بناؤ تو آگے جو جملہ ہے «تَضَمَّنَ كَلِمَتَيْنِ بِالْإِسْنَادِ» یہ اس کا صلہ بنا۔ اگر آپ سے کوئی پوچھے اس کا محلِ اعراب کیا ہے؟ تو آپ کہیں گے «لَا مَحَلَّ لَهُ مِنَ الْإِعْرَابِ» کیونکہ صلے کا کوئی محلِ اعراب نہیں ہوتا، اعراب کے لیے کوئی عامل چاہیے اس کے اندر کوئی چیز عامل نہیں ہے بھئی۔ اور اگر اس «مَا» کو موصوفہ بناؤ تو پھر یاد رکھو موصوف پر جو اعراب آتا ہے وہی اعراب کس پر آتا ہے؟ صفت پر بھی۔ اور یہ «مَا» موصوفہ خبر ہے مرفوع ہے، تو «تَضَمَّنَ كَلِمَتَيْنِ بِالْإِسْنَادِ» یہ پورا جملہ بھی کیا ہوگا؟ مرفوع ہوگا، صفت ہوگا «مَا» موصوفہ کی۔ فرق سمجھ میں آگیا؟

میں نے بتایا اس «مَا» کو موصولہ بھی بنا سکتے ہو اور موصوفہ بھی بنا سکتے ہو۔ شارحِ جامی نے اس «مَا» کو موصوفہ بنایا۔ کس طرح پتا چلا؟ کہ انہوں نے آگے «أَيْ لَفْظٌ تَضَمَّنَ» «لَفْظٌ» نکرہ نکالا بھئی۔ اور معلوم ہوا یہ «مَا» نکرہ ہے اور نکرہ «مَا» تو «مَا» موصوفہ ہوتا ہے۔ اور نیز میں نے بتایا تھا یہ «مَا» «شَيْءٌ» کے معنی میں ہوتا ہے، لیکن صاحبِ جامی نے «لَفْظٌ» نکالا یعنی اس «مَا» کا مصداق بتلا دیا کہ «مَا» سے دنیا کی ہر چیز ہر شے مراد نہیں بلکہ یہاں پر بات چل رہی ہے کلام کی اور کلام کس کو کہتے ہیں؟ لفظ کو کہتے ہیں، ہر چیز کو نہیں کہتے، تو یہ «لَفْظٌ» یہ اس کا مصداق بتلا دیا کہ یہ کس پر صادق آرہا ہے، اس سے مراد کیا ہے بھئی۔ تو اس کو «مَا» کو انہوں نے «مَا» موصوفہ بنایا اور نیز اس صورت میں خبر کی اصل پر بھی عمل ہوگیا۔ مبتدا میں اصل ہے وہ معرفہ ہونا چاہیے، اور خبر میں اصل کیا ہے؟ نکرہ ہونی چاہیے۔ تو یہ «مَا» اس کو «مَا» موصوفہ بنایا جو نکرہ ہوتا ہے، تو خبر کی اصل پر عمل ہوگیا۔ یہ بھی خبر ہے اور خبر میں بھی اصل کیا ہے؟ نکرہ ہونی چاہیے، تو یہ بھی نکرہ ہے بھئی۔

بعض علماء اس مقام کی اور تقریر کرتے ہیں بھئی۔ وہ فرماتے ہیں کہ «لَفْظٌ تَضَمَّنَ» کے ذریعے دراصل شارحِ جامی ایک اعتراض کا جواب دینا چاہتے ہیں۔ اعتراض یہ کہ «اَلْكَلَامُ» ہے مبتدا اور «مَا تَضَمَّنَ» یہ «مَا» کیا ہے؟ خبر۔ اگر یہ «مَا» موصولہ ہے تو «مَا» موصولہ تو معرفہ ہوتا ہے، اور خبر اور مبتدا جب دونوں معرفہ ہوں تو درمیان میں فصل کا لانا واجب ہے، تو پھر صاحبِ کافیہ فصل درمیان میں کیوں نہیں لائے؟ تو صاحبِ جامی نے جواب دے دیا کہ نہیں بھئی یہ «مَا» موصولہ نہیں ہے، یہ «مَا» کون سا ہے؟ «مَا» موصوفہ ہے، یہ نکرہ ہے، تو جب یہ نکرہ ہے تو اب فصل لانے کی کوئی ضرورت نہیں۔ میں نے بتلایا تھا کہ یہ تقریر درست نہیں ہے بھئی، اس لیے کیونکہ مبتدا اور خبر جب دونوں معرفہ ہوں تو فصل کا لانا جائز ہے، واجب نہیں ہے، اور میں نے مثال میں دو حدیثیں بھی ذکر کر دیں۔ ایک حدیث جو آپ زاد الطالبین میں تمام طلبہ پڑھتے ہیں: «اَلدِّيْنُ النَّصِيْحَةُ»۔ «اَلدِّيْنُ» ہے مبتدا، «اَلنَّصِيْحَةُ» ہے اس کی خبر۔ دونوں معرفہ ہیں اور درمیان میں کوئی فصل نہیں ہے۔ ہاں، جب یہ خبر معرفہ ہو تو پھر اس صورت میں یہ حصر کا فائدہ دیتی ہے۔ کس کا؟ حصر کا۔ اور یہ بھی یاد رکھنا ہمیشہ ہر جگہ حصر کا

فائدہ نہیں دے گی، جہاں حصر مقصود ہو وہاں حصر کا فائدہ دے گی، یعنی اگر آپ حصر کا ارادہ کرتے ہیں تو حصر کا فائدہ دے گی۔ تو عموماً یہ حصر کا فائدہ دیتی ہے۔ تو «اَلدِّیْنُ النَّصِیْحَۃُ» دین خیر خواہی ہی ہے۔ یعنی دین یہ ہے، دینِ اسلام کہ ہر ایک سے خیر خواہی کی جائے، کسی کو بھی تکلیف نقصان نہ پہنچایا جائے بھئی، ہر ایک سے بھلائی کی جائے۔ اور دوسری حدیث میں نے ہدایہ سے ذکر کی کہ ہدایہ کے اندر کتاب الصلاۃ کے اندر ذکر آتا ہے مغرب کی نماز کے اوقات بیان کرتے ہوئے کہ «اَلشَّفَقُ الْحُمْرَۃُ» شفق سرخی ہی ہے۔ «اَلشَّفَقُ» ہے مبتدا اور «اَلْحُمْرَۃُ» ہے اس کی خبر، اور درمیان میں کوئی فصل نہیں، تو یہ فصل لانا واجب نہیں ہے بھئی۔ تو اس «مَا» کو آپ چاہے موصولہ بناؤ تب بھی عبارت صحیح، اس «مَا» کو موصوفہ بناؤ تب بھی عبارت صحیح۔ لیکن صاحبِ جامی نے بتلا دیا کہ اس کو موصوفہ بناؤ تو زیادہ بہتر ہے تاکہ خبر کی اصل پر عمل ہو جائے۔ خبر میں بھی اصل کیا ہے؟ وہ کیا ہونی چاہیے؟ نکرہ، تو اس پر عمل ہو جائے۔

پھر آگے بتلایا تھا «کَلِمَتَیْنِ حَقِیْقَۃً أَوْ حُکْمًا» بتلا دیا کہ وہ دو کلمے جو ہیں وہ عام ہیں، چاہے حقیقتاً ہوں چاہے حکماً ہوں۔ حکماً کلمے ہونے کا کیا معنی؟ اس کی تفصیل آج کے سبق میں ان شاء اللہ آجائے گی بھئی۔ اور پھر آگے بتلایا تھا «أَنْ یَّکُوْنَ کُلُّ وَاحِدَۃٍ مِّنْھُمَا فِیْ ضِمْنِہٖ» یعنی ان دونوں میں سے ہر ایک اس کے ضمن میں ہو۔ یہ دراصل ایک اعتراض کا جواب دے رہے ہیں۔ اعتراض میں نے آپ کو بتلایا تھا کہ اعتراض یہ ہوتا ہے کہ اے صاحبِ کافیہ! آپ کی تعریف جو کلام کی آپ نے کی وہ باطل ہے، اس لیے کیونکہ آپ کی تعریف سے متضمن جو اسمِ فاعل کا صیغہ ہے اور متضمن جو اسمِ مفعول کا صیغہ ہے، تو آپ کی تعریف سے متضمِّن اور متضمَّن کا اتحاد لازم آتا ہے۔ ایک ہی چیز متضمِّن بھی بنے گی اور وہی چیز متضمَّن بھی بنے گی، اور یہ باطل ہے۔ متضمِّن اور ہوتا ہے، متضمَّن اور ہوتا ہے۔ متضمِّن وہ ہے جس کے بیچ میں کوئی چیز آئے، اور جو چیز بیچ میں آئے وہ ہے متضمَّن۔ یعنی ایک ہے کل اور ایک ہے جز۔ کل وہ ہے جس کے اندر جز آئے، کیا آئے؟ جس کے اندر جز آئے، تو کل جز پر مشتمل ہوتا ہے اور جز اس کا ایک حصہ ہوتا ہے۔ اسی طرح ایک متضمِّن ہے اور ایک ہے متضمَّن۔ تو متضمِّن اور متضمَّن اور متضمَّن داخل ہوتا ہے متضمِّن کے اندر بھئی۔ تو کلام کی انہوں نے کیا تعریف کی؟ «اَلْکَلَامُ مَا تَضَمَّنَ کَلِمَتَیْنِ» کہ کلام وہ ہے جو متضمِّن ہو کس کو؟ دو کلموں کو۔ تو کلام ہوا متضمِّن اور وہ دو کلمے کیا ہوئے؟ متضمَّن۔ لیکن یہی دو کلمے کیا ہیں؟ یہی تو کلام بھی ہیں اور کلام تو کیا ہوتا ہے؟ متضمِّن، تو یہ متضمِّن بھی ہوئے۔ یہی دو کلمے متضمَّن بھی ہیں اور یہی کلام ہیں تو متضمِّن بھی ہیں، تو متضمَّن بھی ہوئے اور متضمِّن بھی ہوئے۔ ایک ہی چیز متضمِّن اور متضمَّن بن گئی حالانکہ یہ باطل ہے، یہ نہیں ہو سکتا۔ متضمِّن اور ہوتا ہے، متضمَّن اور؛ کل اور ہوتا ہے، جز اور ہوتا ہے۔ تو آپ کی تعریف سے کل اور جز میں اتحاد لازم آیا کہ کلام کیا ہے؟ دو کلمے۔ یہ گویا کل، کل ہے کلام، اور دو کلمے کیا ہیں؟ جز۔ لیکن یہی دو کلمے کیا ہیں؟ کلام، تو یہ کل بھی بن گئے، یہ جز بھی ہیں اور کل بھی ہیں، اور کل اور جز کا اتحاد تو باطل ہے۔

تو اس کا جواب میں نے آپ کو بتلایا تھا کہ بھئی دونوں میں فرق اعتباری ہے۔ یہ دو کلمے بایں اعتبار کہ ان کی اجتماعی

حیثیت ہو، یہ ایک دوسرے سے جڑے ہوئے ہیں، تو اس صورت میں یہ کیا ہیں؟ کلام۔ اور یہی دو کلمے بایں حیثیت کہ ایک دوسرے سے الگ الگ ہیں، تو یہ کیا ہیں؟ یہ متضمَّن ہیں، یہ کیا ہیں؟ جیسے دیکھو مثلاً «زَيْدٌ قَائِمٌ»۔ «زَيْدٌ قَائِمٌ» مجموعی حیثیت سے، مجموعی صورت کے اعتبار سے یہ کیا ہے؟ کلام، کلام ہے، اور ان میں سے ہر ایک کلمہ الگ الگ کلام کا جز ہے: «زَيْدٌ» کلام کا الگ جز اور «قَائِمٌ» کلام کا الگ جز ہے۔ تو اجتماعی حیثیت سے، اجتماعی صورت کے اعتبار سے یہ متضمِّن ہے یعنی کلام ہے، اور انفرادی حیثیت سے یعنی ایک ایک کلمہ الگ الگ یہ کیا ہے؟ کلام کا جز ہے یعنی متضمَّن ہے۔ تو یہ دونوں متضمِّن ہیں اجتماعی حیثیت سے اور یہ دونوں متضمَّن ہیں انفرادی حیثیت سے، تو دونوں میں الگ الگ اعتبار ہیں، تو لہٰذا متضمِّن اور متضمَّن کا اتحاد لازم نہیں آیا۔ یہ دونوں متضمِّن ہیں اجتماعی حیثیت سے، اجتماعی صورت کے اعتبار سے، اور یہ دونوں متضمَّن ہیں انفرادی حیثیت سے، انفرادی صورت کے اعتبار سے، الگ الگ یعنی۔

تو متضمِّن اور متضمَّن کا اتحاد لازم نہیں آیا۔

اس کے بعد «بِالْإِسْنَادِ» کے بارے میں انہوں نے آپ کو بتلایا تھا کہ «بِالْإِسْنَادِ» میں یہ با سببیہ ہے، «بِالْإِسْنَادِ» «أَيْ بِسَبَبِ الْإِسْنَادِ»، اور نیز یہ مفعولِ مطلق ہے باعتبارِ موصوفِ محذوف کے: «أَيْ تَضَمُّنًا حَاصِلًا بِالْإِسْنَادِ»۔ تو «بِالْإِسْنَادِ» یہ جار مجرور یہ صفت ہے «تَضَمُّنًا» کی، اور براہِ راست صفت نہیں بنے گا بلکہ «حَاصِلًا» یا «ثَابِتًا» وغیرہ کے ساتھ جوڑ کر اس کو صفت بنائیں گے۔ تو کیا کہیں گے؟ یہ «بِالْإِسْنَادِ» مفعولِ مطلق ہے باعتبارِ موصوفِ محذوف کے جو «تَضَمُّنًا» محذوف ہے۔ یاد رکھو یہ جملوں میں کئی کئی ترکیبیں ہوتی ہیں بھئی۔ صاحبِ جامی نے «بِالْإِسْنَادِ» کو کیا بنایا؟ مفعولِ مطلق بنایا باعتبارِ موصوفِ محذوف کے۔ آپ چاہیں تو «بِالْإِسْنَادِ» کو حال بنا دیں، «تَضَمَّنَ» کے اندر جو «هُوَ» ضمیر ہے۔ حال کسے کہتے ہیں؟ جو فاعل یا مفعول کی حالت بیان کرے۔ تو «تَضَمَّنَ» کے اندر «هُوَ» ضمیر ہے جو «مَا» کو راجع ہے، اس سے اس کو حال بنا دیں: «مَا تَضَمَّنَ هُوَ» «هُوَ» ضمیر ذوالحال اور «حَاصِلًا بِالْإِسْنَادِ» اس کو کیا کر دیں؟ حال بنا دیں۔ یا تیسری ترکیب یہ بھی کر سکتے ہیں کہ «كَلِمَتَيْنِ» ہے نکرہ۔ توجہ ہے؟ «كَلِمَتَيْنِ» ہے نکرہ اور نکرہ کے بعد «بِالْإِسْنَادِ» جار مجرور آیا، اور میں نے بتایا تھا اس صورت میں یہ نکرہ کے لیے صفت بنتا ہے۔ تو آپ اس کو «كَلِمَتَيْنِ» کے لیے صفت بھی بنا سکتے ہیں: «كَلِمَتَيْنِ ثَابِتَتَيْنِ بِالْإِسْنَادِ»۔ «كَلِمَتَيْنِ» یہ «بِالْإِسْنَادِ» کو کیا بنائیں؟ «كَلِمَتَيْنِ» کے لیے صفت۔ اور صفت براہِ راست بنے گی یا متعلق بھی نکالیں گے؟ متعلق بھی نکالیں گے، اور متعلق موصوف کے مطابق نکالتے ہیں۔ «كَلِمَتَيْنِ» مؤنث ہے اور منصوب ہے، تو لہٰذا «ثَابِتَتَانِ» یہ بھی مؤنث نکالا اور پھر اس کو حالتِ نصبی میں لے گئے: «ثَابِتَتَيْنِ»۔ «كَلِمَتَيْنِ ثَابِتَتَيْنِ بِالْإِسْنَادِ» دو ایسے کلمے جو اسناد کے ساتھ ہوں۔ بات سمجھ میں آگئی؟

اس کے بعد انہوں نے اسناد کے بارے میں بتلایا تھا۔ اسناد کسے کہتے ہیں؟ کہ ایک کلمے کی نسبت کرنا دوسرے کلمے کی طرف اس طور پر کہ مخاطب کو پورا فائدہ حاصل ہو جائے۔ مخاطب کو پورا فائدہ کسے کہتے ہیں؟ میں نے آپ کو بتلایا تھا کہ مخاطب کو پوری بات سمجھ میں آجائے، کہ آپ اس کو کوئی بات بتلانا چاہتے ہیں، یا آپ اس سے کوئی سوال پوچھ رہے ہیں،

یا آپ اس سے کوئی کام طلب کر رہے ہیں، یہ اس کو سمجھ میں آجائے، بات پوری اس کو سمجھ میں آجائے، اس کو کہتے ہیں فائدہِ تامہ کہ پورا فائدہ ہوا۔ مثلاً میں نے سننے مخاطب سے کہا: «زَيْدٌ عَالِمٌ» زید عالم ہے۔ دیکھا اس کو بات پوری سمجھ میں آ گئی کہ یہ مجھے کیا بتلایا جا رہا ہے؟ کہ زید عالم ہے۔ اور اگر میں اس سے پوچھتا ہوں: «أَقَامَ زَيْدٌ؟» یا «أَضَرَبَ زَيْدٌ؟» تو دیکھو بات پوری ہے، وہ سمجھ گیا کہ مجھ سے سوال پوچھا جا رہا ہے۔ یا میں اس سے کہتا ہوں: «اِضْرِبْ زَيْدًا» اب وہ سمجھ گیا کہ مجھ سے ضرب طلب کی جا رہی ہے۔ تو یہ سب کیا ہیں؟ فائدہِ تام ہیں کہ بات پوری سمجھ میں آجائے بھئی۔

اس کے بعد انہوں نے تعریف کے جو فوائدِ قیود ذکر کیے تھے کہ تعریف جو ہے جنس اور فصل پر مشتمل ہوتی ہے، اس تعریف میں جنس کیا ہے اور فصل کیا ہے؟ تو بتلایا بھئی کہ «مَا» جو ہے، یہ «مَا» سے مراد لفظ ہے۔ «مَا تَضَمَّنَ كَلِمَتَيْنِ بِالْإِسْنَادِ» اس «مَا» سے کیا مراد ہے؟ لفظ۔ اور لفظ جب کہا تو اس میں دنیا کے تمام لفظ آ گئے، چاہے ان کا کوئی معنی ہو یا معنی نہ ہو، چاہے مفرد ہوں چاہے مرکب ہوں، پھر مرکب چاہے وہ کلام ہو یا غیرِ کلام یعنی مرکبِ تام ہو چاہے مرکبِ ناقص ہو بھئی۔ تو یہ سب اس کے اندر داخل ہو گئے۔ اور پھر «تَضَمَّنَ كَلِمَتَيْنِ» کی قید جب آگے آئی تو یہ فصل ہے، اس سے یہ «تَضَمَّنَ كَلِمَتَيْنِ» کتنے کلموں کو متضمن ہو؟ دو کو، تو وہ ایک کلمہ جو یعنی مفردات اس سے سارے نکل گئے، اور نیز مہمل بھی نکل گئے کیونکہ «كَلِمَتَيْنِ» کہا دو کلمے ہوں، معلوم ہوا مہمل نہیں ہوگا اس کے اندر۔ تو مہمل بھی نکل گئے اور مفردات بھی نکل گئے۔ اور پھر اس کے بعد جب «بِالْإِسْنَادِ» کی قید آئی تو «بِالْإِسْنَادِ» کے ذریعے مرکباتِ ناقص نکل گئے یعنی مرکباتِ غیرِ کلامی نکل گئے۔ مضاف مضافٌ الیہ «غُلَامُ رَجُلٍ» یہ دو کلمے تو ہیں لیکن اسناد نہیں، تو اسناد کی قید لگائی تو یہ نکل گئے۔ اسی طرح «رَجُلٌ شُجَاعٌ» یا «رَجُلٌ فَاضِلٌ» موصوف صفت، یہ بھی دو کلمے تو ہیں لیکن چونکہ پورا کلام نہیں، اسنادِ تام نہیں، تو یہ بھی نکل گئے بھئی۔ اور باقی مرکباتِ کلامیہ رہ گئے چاہے وہ خبریہ ہوں چاہے انشائیہ ہوں، جیسے «اِضْرِبْ» اور «لَا تَضْرِبْ»۔

اب آئیے آج کے سبق پر بھئی۔ آج کے سبق میں بھئی ساری ترکیب ہی ترکیب کی باتیں ہیں، اور اسی لیے میں نے آپ کو شروع میں کئی دن ترکیب کروائی۔ ترکیب آپ کو آتی ہوگی تو جامی آپ کو بہترین سمجھ میں آجائے گی، اور ترکیب نہیں آتی تو جامی آپ کو سمجھ میں نہیں آئے گی کیونکہ وہ ساری باتیں ترکیب ہی کی کر رہے ہیں بھئی۔ تو آج کے سبق میں بہت زیادہ ترکیب ہے لیکن ان شاء اللہ، اللہ تعالیٰ آسان فرمائیں گے، اس کو ہم حل کرنے کی کوشش کریں گے۔ دیکھیے بھئی آگے۔ کہتے ہیں:

وَحَيْثُ كَانَتِ الْكَلِمَتَانِ أَعَمَّ مِنْ أَنْ تَكُونَا كَلِمَتَيْنِ حَقِيقَةً أَوْ حُكْمًا، دَخَلَ فِي التَّعْرِيفِ مِثْلُ: زَيْدٌ أَبُوهُ قَائِمٌ، أَوْ قَامَ أَبُوهُ، أَوْ قَائِمٌ أَبُوهُ، فَإِنَّ الْأَخْبَارَ فِيهَا مَعَ أَنَّهَا مُرَكَّبَاتٌ، لٰكِنَّهَا فِي حُكْمِ الْكَلِمَةِ الْمُفْرَدَةِ، أَعْنِي قَائِمَ الْأَبِ.

اچھا بھئی کاپی نکالیے بھئی، کچھ ترکیبیں حل کر لیں پھر ان شاء اللہ یہ مقام آپ کو اچھی طرح سمجھ میں آجائے گا بھئی۔ ترکیب کیجیے بھئی۔ لکھیے بھئی: «قَامَ زَيْدٌ» لکھیے بھئی، «قَامَ زَيْدٌ»۔ دیکھو ترکیب پہ غور کریں۔ «قَامَ» فعل، «زَيْدٌ» مرفوع لفظاً فاعل۔ میں نے بتایا تھا ہر فعل کے لیے فاعل چاہیے اور وہ فاعل ضمیر بھی ہو سکتی ہے اور اسمِ ظاہر بھی ہو سکتا ہے۔ اور لیکن ایک وقت میں ایک ہی فاعل آئے گا، اور فاعل ہمیشہ فعل کے بعد آتا ہے کبھی بھی فعل پر مقدم نہیں ہو سکتا، اور فاعل ایک ہی آئے گا ایک سے زیادہ نہیں آسکتے۔ تو «قَامَ» فعل آیا، فعل کے لیے فاعل چاہیے۔ آگے «زَيْدٌ» مرفوع لفظاً فاعل بنے گا۔ مرفوع کیوں؟ کیونکہ فاعل ہے۔ اور اگر آگے «زَيْدٌ» نہ ہوتا پھر بھی «قَامَ» کے لیے ہمیں فاعل تو ضرور چاہیے تھا، تو پھر ہم اسی کے اندر ضمیر نکالتے۔ تو «قَامَ» فعل، «زَيْدٌ» مرفوع لفظاً اس کا فاعل، فعل اپنے فاعل سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہوا۔ «قَامَ زَيْدٌ» زید کھڑا ہوا، یا زید کھڑا ہے۔ اب آپ کا ایک ساتھی آپ پر اعتراض کرتا ہے کہ بھئی آپ نے تو «قَامَ» کے اندر «هُوَ» ضمیر اس کو ذکر ہی نہیں کیا۔ تو اس کو آپ کیا جواب دیں گے؟ ہاں کہ فاعل ایک ہی آسکتا ہے، آگے «زَيْدٌ» آگیا لہٰذا اب «قَامَ» کے اندر کوئی ضمیر نہیں ہے۔ جی اگلا جملہ لکھیے بھئی: «زَيْدٌ قَامَ»۔ «زَيْدٌ قَامَ»۔ دیکھیے ترکیب بھئی۔ «زَيْدٌ» مرفوع لفظاً بتدا، «قَامَ» فعل، اور فعل کے لیے ہمیشہ کیا چاہیے؟ فاعل، تو اس کے اندر «هُوَ» ضمیر مرفوع محلاً اس کا فاعل۔ تو فعل اپنے فاعل سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر یہ خبر ہوگی زید کے لیے۔ لیکن یہ ہے جملہ، میں نے آپ کو بتایا تھا جملہ اور شبہِ جملہ کو جب بھی کسی چیز سے جوڑنا ہو درمیان میں ربط ضروری ہے، اور ربط عموماً کس کے ذریعے دیا جاتا ہے؟ ربط کی بہت سی صورتیں ہیں لیکن عموماً جو ہے وہ ضمیر کے ذریعے ربط دیا جاتا ہے۔ تو اس «قَامَ» کے اندر جو «هُوَ» ضمیر ہے وہ کس کو راجع؟ زید کو، اس کے ذریعے دونوں میں ربط آگیا۔ تو جملہ فعلیہ یہ خبر ہوئی بتدا کے لیے، بتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔ اور یہ «قَامَ» کے بارے میں اگر آپ سے کوئی پوچھے کہ اس کا محلِ اعراب کیا ہے؟ تو آپ کہیں گے یہ «قَامَ» پورا جملہ فعلیہ جو ہے یہ خبر بن رہا ہے «زَيْدٌ» کے لیے۔ «زَيْدٌ» ہے بتدا اور «قَامَ هُوَ» یہ پورا جملہ کیا ہے؟ خبر، اور خبر کیا ہوتی ہے؟ مرفوع، تو یہ جملہ مرفوع ہے محلاً۔ میں نے آپ کو بتلایا تھا کہ جملہ جو ہے وہ مبنی ہوتا ہے، بلکہ بعض علماء تو فرماتے ہیں کہ یہ مبنی الاصل ہے۔ آپ نے پڑھا ہے مبنی الاصل تین چیزیں ہیں: فعلِ ماضی، فعلِ امر، اور تمام حروف۔ تو دیکھو اس میں اسم کوئی بھی نہیں ہے۔ فعل میں ماضی ہے، فعلِ امر ہے، اور تمام حروف ہیں۔ ہاں، اسم بھی کبھی مبنی ہوتا ہے، اس کی دراصل ان کے ساتھ مشابہت آجاتی ہے، اور جب اسم کی مشابہت مبنی الاصل کے ساتھ آجائے تو وہ بھی مبنی بن جاتا ہے، اور مبنیات جو ہیں اسم میں وہ آٹھ ہیں بھئی آپ پڑھ چکے ہیں بھئی۔ تو یہ «قَامَ» کیا ہے؟ جملہ، اور جملہ بھی کیا ہوتا ہے؟ مبنی۔ تو یہ «قَامَ» ہم کیا کہیں گے اس کا اعراب کیا؟ «زَيْدٌ قَامَ» اس «قَامَ» کا اعراب کیا؟ یہ مرفوع محلاً خبر ہے۔ خبر ہونے کی بنا پر مرفوع ہے اور محلاً کیوں کہا؟ کیونکہ یہ، کیونکہ جملہ ہے، مبنی ہے بھئی، مبنی ہے۔

اگلی ترکیب کیجیے بھئی: «زَيْدٌ قَائِمٌ»۔ «زَيْدٌ قَائِمٌ»۔ جی ترکیب دیکھیے: «زَيْدٌ» مرفوع لفظاً بتدا، «قَائِمٌ» مرفوع لفظاً صیغہ اسمِ فاعل۔ مرفوع کیوں؟ کیونکہ یہ خبر ہے۔ تو مرفوع لفظاً اسمِ فاعل۔ میں نے آپ کو بتلایا تھا کہ جیسے فعل کے لیے ہمیشہ فاعل یا نائبِ فاعل ضرور چاہیے، اسی طرح یہ جو صفت کے صیغے ہیں یعنی اسمِ فاعل، اسمِ مفعول، صفتِ مشبہ، اور اسمِ تفضیل ہے اور مبالغے کے صیغے ہیں، ان کے لیے بھی ہمیشہ کیا چاہیے؟ فاعل یا نائبِ فاعل ضرور چاہیے۔ تو «قَائِمٌ» صیغہ اسمِ فاعل ہے، اس کے اندر «هُوَ» ضمیر مرفوع محلاً اس کا فاعل، اور وہ «هُوَ» ضمیر کس کو راجع؟ زید کو، یہ ربط آگیا۔ تو اسمِ فاعل اپنے فاعل سے مل کر شبہِ جملہ ہو کر یہ خبر ہے کس کے لیے؟ زید کے لیے، بتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔ تو «زَيْدٌ قَامَ» اور «زَيْدٌ قَائِمٌ» ان دو ترکیبوں پہ نظر رکھو۔ «قَامَ» کو ہم نے جملہ کہا، «قَامَ» اپنے فاعل سے مل کر جملہ ہو کر جملہ فعلیہ ہو کر یہ خبر۔ اور «قَائِمٌ» جو ہے اس کے لیے بھی فاعل چاہیے تھا لیکن وہ اپنے فاعل سے مل کر شبہِ جملہ ہو کر کیا بنا؟ خبر بنا۔ بات سمجھ میں آرہی ہے؟ تو یہ شبہِ جملہ ہو کر اس کے لیے خبر بنا۔ تو وجہ کیا ہے بھئی؟ توجہ ہے؟ وجہ کیا ہے کہ «قَامَ» کو جملہ کہتے ہیں اور «قَائِمٌ» کو شبہِ جملہ کہتے ہیں؟ توجہ ہے؟ یاد رکھو یہ جو «قَائِمٌ» ہے اس کے اندر اگرچہ ضمیر ہوتی ہے لیکن اس کو مفرد شمار کیا جاتا ہے، جملہ نہیں، اور «قَامَ» کو کیا شمار کرتے ہیں؟ جملہ شمار کرتے ہیں۔ توجہ ہے؟ جملہ شمار کرتے ہیں۔ تو اس «قَائِمٌ» کو جملہ کیوں نہیں کہتے؟ اس کا بھی اسناد «هُوَ» کی طرف ہوا یا نہیں؟ اس کا بھی تو اسناد «هُوَ» ضمیر کی طرف ہوا، لیکن اس کو جملہ نہیں کہتے، اس کو شبہِ جملہ کہتے ہیں۔ وجہ اس کی یہ کہ «قَائِمٌ» کی مشابہت جس طرح فعل کے ساتھ ہے، جیسے فعل کے لیے فاعل چاہیے تھا اسی طرح «قَائِمٌ» کے لیے بھی کیا چاہیے؟ فاعل، تو «قَائِمٌ» کی مشابہت جیسے فعل کے ساتھ ہے اسی طرح «قَائِمٌ» کی مشابہت خالی عن الضمیر کے ساتھ بھی ہے، یعنی وہ اسم جو جس میں ضمیر نہیں ہوتی اس کے ساتھ بھی اس کی مشابہت ہے۔ اس کے ساتھ بھی اس کی مشابہت ہے بھئی۔ یعنی جیسے «رَجُلٌ» اب «رَجُلٌ» جو ہے یہ تو صفت کا صیغہ نہیں ہے، یہ تو عام اسم ہے تو اس کے اندر کوئی ضمیر نہیں، تو «قَائِمٌ» کی جیسے مشابہت تھی «قَامَ» کے ساتھ کہ «قَامَ» کے لیے جیسے فاعل چاہیے تھا «قَائِمٌ» کے لیے بھی کیا چاہیے؟ فاعل، اسی طرح «قَائِمٌ» کی مشابہت «رَجُلٌ» کے ساتھ بھی ہے۔ کس طرح مشابہت ہے؟ دیکھو آگے جملے لکھو بھئی: «زَيْدٌ رَجُلٌ»۔ «زَيْدٌ رَجُلٌ» لکھ لیا؟ اگلا جملہ اسی کے ساتھ لکھیں: «هُوَ رَجُلٌ»۔ «هُوَ رَجُلٌ»۔ جی اسی کے ساتھ اگلا جملہ لکھیں: «أَنَا رَجُلٌ»۔ «أَنَا رَجُلٌ»۔ اگلا جملہ لکھیے: «أَنْتَ رَجُلٌ»۔ «أَنْتَ رَجُلٌ»۔ دیکھو، دیکھو «رَجُلٌ» میں کوئی تبدیلی نہیں آرہی، چاہے آپ اس کو زید سے جوڑیں، چاہے آپ اس کو «هُوَ» سے جوڑیں، چاہے آپ اس کو «أَنَا» سے جوڑیں، چاہے «أَنْتَ» سے جوڑیں۔ چاہے متکلم کی ضمیر سے جوڑیں، چاہے مخاطب کی ضمیر سے جوڑیں، چاہے آپ اسمِ ظاہر کے ساتھ اس کو جوڑیں، چاہے غائب کی ضمیر کے ساتھ جوڑیں، تمام صورتوں میں یہ «رَجُلٌ» کا لفظ اسی طرح رہتا ہے۔ ترکیب کیا ہوگی؟ «زَيْدٌ رَجُلٌ»۔ «زَيْدٌ» مرفوع لفظاً بتدا، «رَجُلٌ» مرفوع لفظاً خبر، بتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔ «زَيْدٌ رَجُلٌ» زید آدمی ہے، زید مرد ہے۔ «هُوَ رَجُلٌ»۔ «هُوَ» مرفوع محلاً

بتدا۔ مرفوع کیوں؟ بتدا ہے۔ محلاً کیوں؟ مبنی ہے، ضمیر ہے۔ اور «رَجُلٌ» مرفوع لفظاً خبر۔ مرفوع کیوں؟ کیونکہ خبر ہے۔ بتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا: «هُوَ رَجُلٌ»۔ ترجمہ: وہ آدمی ہے۔ دیکھو «هُوَ» کے ساتھ «رَجُلٌ» کو جوڑا تو اس میں کوئی تبدیلی نہیں آئی۔ اب «أَنَا» کے ساتھ جوڑا: «أَنَا رَجُلٌ»۔ «أَنَا» ضمیر مرفوع محلاً بتدا۔ مرفوع کیوں؟

بتدا ہے، بتدا مرفوع ہوتا ہے۔ محلاً کیوں؟ مبنی ہے۔ اور «رَجُلٌ» مرفوع لفظاً خبر۔ تو بتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا: «أَنَا رَجُلٌ» میں آدمی ہوں، میں مرد ہوں۔

«أَنْتَ رَجُلٌ»۔ «أَنْتَ» مرفوع محلاً بتدا۔ مرفوع کیوں؟ بتدا ہے، بتدا مرفوع ہوتا ہے۔ محلاً کیوں؟ کیونکہ ضمیر ہے مبنی ہے۔ اور «رَجُلٌ» مرفوع لفظاً خبر۔ مرفوع کیوں؟ کیونکہ خبر ہے، خبر مرفوع ہوتی ہے۔ تو بتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا: «أَنْتَ رَجُلٌ» تو آدمی ہے، آپ آدمی ہیں، مرد ہیں۔

دیکھو «رَجُلٌ» کو ہم نے زید سے جوڑا تب بھی اسی طرح، «رَجُلٌ» کو ہم نے «هُوَ»، «أَنَا» اور «أَنْتَ» ہر ایک سے جوڑا اس میں کوئی تبدیلی نہیں آئی کیونکہ اس کے اندر کوئی ضمیر نہیں۔ تو جیسے اس میں کوئی تبدیلی نہیں آتی یہ «رَجُلٌ» کیا ہے؟ خالی عن الضمیر، اس کے اندر کوئی ضمیر نہیں۔ تو جیسے وہ اسم جو ضمیر سے خالی ہوتا ہے، چاہے آپ اس کو اسمِ ظاہر سے جوڑیں، چاہے ضمیر سے جوڑیں، چاہے متکلم کی ضمیر سے، چاہے مخاطب کی ضمیر سے، چاہے غائب کی ضمیر سے، جیسے اس میں کوئی تبدیلی نہیں آتی، اسی طرح «قَائِمٌ» میں بھی کوئی تبدیلی نہیں آتی۔ آگے لکھیے: «زَيْدٌ قَائِمٌ»۔ «زَيْدٌ قَائِمٌ»۔ اگلا جملہ: «هُوَ قَائِمٌ»۔ «هُوَ قَائِمٌ»۔ اس سے اگلا جملہ لکھیے: «أَنَا قَائِمٌ»۔ «أَنَا قَائِمٌ»۔ اور اگلا جملہ لکھیے: «أَنْتَ قَائِمٌ»۔ «أَنْتَ قَائِمٌ»۔ تو دیکھو جیسے «رَجُلٌ» خالی عن الضمیر میں، خالی عن الضمیر جو تھا چاہے اس کو زید سے جوڑیں، چاہے «هُوَ» سے، چاہے «أَنَا» سے، چاہے «أَنْتَ» سے، اس «رَجُلٌ» میں کوئی تبدیلی نہیں آرہی تھی۔ اسی طرح «قَائِمٌ» کو آپ زید سے جوڑیں، «هُوَ» سے جوڑیں، «أَنَا» سے جوڑیں یا «أَنْتَ» سے جوڑیں اس میں بھی کوئی تبدیلی نہیں: «زَيْدٌ قَائِمٌ»، «هُوَ قَائِمٌ»، «أَنَا قَائِمٌ»، «أَنْتَ قَائِمٌ»۔ دیکھا «قَائِمٌ» اسی طرح ہے، اس میں کوئی تبدیلی نہیں آرہی۔ تو جیسے «قَائِمٌ» کی مشابہت تھی فعل کے ساتھ، کس طرح مشابہت تھی؟ جیسے فعل کے لیے فاعل چاہیے تھا، «قَائِمٌ» کے لیے بھی کیا چاہیے؟ فاعل چاہیے۔ اسی طرح «قَائِمٌ» کی مشابہت خالی عن الضمیر یعنی «رَجُلٌ» جیسے اسم کے ساتھ بھی ہے کہ جیسے وہ نہیں بدلتا چاہے اس کو اسمِ ظاہر سے جوڑیں، چاہے غائب کی ضمیر سے جوڑیں، چاہے متکلم کی ضمیر سے جوڑیں، چاہے مخاطب کی ضمیر سے جوڑیں۔ تو «قَائِمٌ» کی مشابہت دونوں کے ساتھ آگئی، فعل کے ساتھ بھی آگئی اور خالی عن الضمیر کے ساتھ بھی مشابہت آگئی۔ اس لیے اس کو جملہ نہیں کہتے کیونکہ اس کی مشابہت ہے خالی عن الضمیر کے ساتھ، تو اس کو پھر شبہِ جملہ کہتے ہیں، کیا کہتے ہیں؟ شبہِ جملہ کہتے ہیں، جملے کے مشابہ تو ہے لیکن جملہ نہیں ہے۔ یہاں تک بات سمجھ میں آگئی؟

اب ایک اور ترکیب کی گہری بات جو میں پہلے بھی بیان کر چکا ہوں لیکن پھر دوبارہ سمجھ لیں بھئی۔ یہ مقام پھر ہی آپ

کو اچھی طرح سمجھ میں آئے گا، یہ ترکیب کی باتیں اچھی طرح سمجھ لیں۔ جی اب دیکھو یاد رکھو یہ جو صفت کے صیغے ہیں، آپ اس کو جس طرح کی ضمیر سے جوڑیں گے اس کے اندر بھی وہی ضمیر نکالنا پڑے گی۔ اس کے اندر بھی وہی ضمیر نکالنا پڑے گی۔ یعنی اگر آپ اسے غائب کی ضمیر سے جوڑیں تو اس کے اندر غائب کی ضمیر نکالیں گے۔ اگر آپ اسے متکلم کی ضمیر سے جوڑیں تو اس کے اندر متکلم کی ضمیر نکالیں گے۔ اور اگر آپ اس کو مخاطب کی ضمیر سے جوڑیں تو اس کے اندر مخاطب کی ضمیر نکالیں گے۔ اور اسمِ ظاہر، اگر آپ اس کو اسمِ ظاہر یعنی زید، عمرو، بکر وغیرہ سے جوڑتے ہیں، تو یاد رکھو اسمِ ظاہر غائب کے درجے میں ہوتا ہے۔ کس کے درجے میں؟ غائب کے درجے میں۔ یاد رکھو کلام کے تین طریقے ہیں۔ ایک ہے تکلم، متکلم اپنے بارے میں بات کرتا ہے کہ میرا نام یہ ہے، میں آج بازار گیا تھا، میں نے آج سبق پڑھا، دیکھو اپنی بات کر رہا ہے۔ ایک ہے خطاب، جس میں مخاطب کی بات کی جاتی ہے: آپ کا کیا نام ہے؟ آپ کیا پڑھتے ہیں؟ آپ کہاں رہتے ہیں؟ دیکھو مخاطب کی بات ہو رہی ہے۔ اور ایک ہے غائب، کسی تیسرے شخص کے بارے میں بات کرنا کہ زید اچھا آدمی ہے، وہ محنتی ہے، وہ درجہ رابعہ میں پڑھتا ہے، فلاں یہ، دیکھا غائب کے بارے میں۔ تو کلام کے تین طریقے ہوتے ہیں: تکلم، خطاب، اور غیبت؛ تکلم، خطاب، اور غیبت۔ اور یہ جو اسمِ ظاہر ہوتا ہے یاد رکھو یہ غائب کے درجے میں ہوتا ہے، کیونکہ نام جو ہے، متکلم اپنا نام نہیں لیتا کبھی بات کرتے ہوئے۔ میں نے اپنے بارے میں آپ کو بتانا ہو کہ میں آج بازار گیا تھا، تو میں اپنا نام نہیں لوں گا مثلاً میرا نام زید ہے میں آپ سے کہوں جی زید آج بازار گیا تھا، بلکہ میں کہوں گا میں آج بازار گیا تھا، تو متکلم اپنا نام نہیں لیتا بلکہ ضمیر سے اپنے آپ کو ذکر کرتا ہے۔ مخاطب کا بھی وہ نام نہیں لیتا، مثلاً مخاطب کا نام زید ہے تو اس کو یہ نہیں کہے گا زید کدھر رہتا ہے، زید کیا پڑھتا ہے، بلکہ کہے گا آپ کیا پڑھتے ہیں، آپ کہاں رہتے ہیں، دیکھو مخاطب کے لیے بھی ضمیر استعمال کی جاتی ہے اس کا نام نہیں لیا جاتا۔ ہاں غائب کا نام لیا جاتا ہے اور ایک دفعہ نام لیا جاتا ہے اور اس کے بعد پھر اس کے لیے بھی غائب کی ضمیریں استعمال کی جاتی ہیں۔ مثلاً میں کہتا ہوں زید میرا دوست ہے، وہ اچھا لڑکا ہے، وہ درجہ رابعہ میں پڑھتا ہے، وہ محنتی طالبِ علم ہے۔ دیکھو ایک دفعہ نام لیا اور پھر اس کے بعد اس کے لیے بھی ضمیریں استعمال کیں۔ تو یہ جو اسمِ ظاہر ہوتا ہے یہ کس کے درجے میں ہوتا ہے؟ غائب کے درجے میں ہوتا ہے، غائب کا نام لیا جاتا ہے، متکلم اور مخاطب دونوں آمنے سامنے نام کے ساتھ ان کو تعبیر نہیں کیا جاتا بھئی۔

اب دیکھو میں نے آپ کو ضابطہ کیا بتلایا؟ کہ صفت کے صیغے کو جس ضمیر کے ساتھ جوڑیں گے اس کے اندر بھی وہی ضمیر نکالیں گے۔ اب یہ جو میں نے جملے لکھوائے ذرا ان کی ترکیب بھی سنو: «زَيْدٌ قَائِمٌ»۔ «زَيْدٌ» مرفوع لفظاً بتدا، «قَائِمٌ» مرفوع لفظاً صیغہ اسمِ فاعل، اس کے اندر «هُوَ» ضمیر مرفوع محلاً اس کا فاعل۔ دیکھو زید اسمِ ظاہر ہے نا؟ میں نے بتایا تھا ایک ہے ضمیر اور ایک ہے اسمِ ظاہر۔ تمام دنیا کے اسم اکٹھے کر لیں، ان میں سے ضمیروں کو نکال دیں باقی تمام اسم اسمِ

ظاہر کہلاتے ہیں۔ تو زید ضمیر ہے؟ نہیں، جب ضمیر نہیں اسم تو ہے تو پھر یہ اسمِ ظاہر ہے۔ تو زید اسمِ ظاہر آیا اور اسمِ ظاہر کس کے درجے میں ہے؟ غائب کے درجے میں، اس لیے «قَائِمٌ» کے اندر کون سی ضمیر نکالی؟ «هُوَ» ضمیر غائب کی نکالی بھئی۔ تو «زَيْدٌ» مرفوع لفظاً بتدا، «قَائِمٌ» مرفوع لفظاً صیغہ اسمِ فاعل، اسمِ فاعل اس کے اندر «هُوَ» ضمیر مرفوع محلاً اس کا فاعل جو کس کو راجع ہے؟ زید کو۔ ربط، یہ شبہِ جملہ کو بھی کسی چیز سے جوڑنا ہو تو ربط ضروری۔ تو اسمِ فاعل، «قَائِمٌ» جو ہے اسمِ فاعل اپنے فاعل سے مل کر شبہِ جملہ ہو کر یہ خبر ہوئی کس کی؟ زید کی۔ بتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔

آگے «هُوَ قَائِمٌ»۔ اب «هُوَ» سے ہم نے قائم کو جوڑنا ہے تو قائم کے اندر بھی «هُوَ» ضمیر نکالیں گے۔ «هُوَ» مرفوع محلاً بتدا، «قَائِمٌ» مرفوع لفظاً صیغہ اسمِ فاعل، اس کے اندر «هُوَ» ضمیر مرفوع محلاً اس کا فاعل جو بتدا کو راجع ہے، یہ ربط آ گیا۔ اسمِ فاعل اپنے فاعل سے مل کر شبہِ جملہ ہو کر خبر، بتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔

«أَنَا قَائِمٌ» اس کی ترکیب کیسے ہوگی؟ «أَنَا» مرفوع محلاً بتدا، «قَائِمٌ» مرفوع لفظاً صیغہ اسمِ فاعل، اس کے اندر «أَنَا» ضمیر، «أَنَا» سے جوڑ رہے ہیں تو اس کے اندر «أَنَا» ضمیر۔ اس کے اندر «أَنَا» ضمیر مرفوع محلاً فاعل۔ اسمِ فاعل اپنے فاعل سے مل کر شبہِ جملہ ہو کر خبر، بتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ خبریہ۔ تو «قَائِمٌ» میں کون سی ضمیر نکالی؟ «أَنَا»۔ تو ربط آ گیا۔ یہ ربط کی دوسری قسم ہے۔ پہلی صورت کیا تھی؟ غائب کی ضمیر ہو۔ یاد رکھو میں نے آپ کو بتلایا تھا مرجع صرف غائب کی ضمیر کا ہوتا ہے، متکلم اور مخاطب کی ضمیر کا مرجع نہیں ہوتا۔ متکلم اور مخاطب یہ آمنے سامنے ہوتے ہیں۔ متکلم ہوتا ہے بات کرنے والا اور مخاطب جو بات سن رہا ہے۔ تو اس میں پھر ضمیر کا مرجع نہیں کہتے۔ تو یہاں پر بھی «أَنَا»، تو «أَنَا قَائِمٌ» تو اب آپ یہ نہ کہیں کہ «قَائِمٌ» کے اندر «أَنَا» ضمیر ہے اور وہ لوٹ رہی ہے «أَنَا» بتدا کو، نہیں نہیں، مرجع صرف کس کا ہوتا ہے؟ غائب کا۔ تو پھر یہ ربط کیسے آیا؟ بھئی ربط کی یہ دوسری قسم ہے کہ جس اسم سے آپ جوڑ رہے ہیں وہ خود ہی اس جملے یا شبہِ جملہ کے اندر آ جائے۔ تو آپ «قَائِمٌ» کو کس سے جوڑ رہے ہیں؟ «أَنَا» سے، اور «قَائِمٌ» کے اندر ہی کیا آ گیا؟ «أَنَا» آ گیا تو ربط آ گیا بھئی۔ جیسے میں اس کی مثال ذکر کرتا ہوں: «اَلْحَاقَّةُ مَا الْحَاقَّةُ»۔ «اَلْحَاقَّةُ» بتدا ہے اور «مَا الْحَاقَّةُ» پورا جملہ اس کی خبر، اور جملے کو کسی بھی چیز سے جوڑنا ہو تو کیا چاہیے؟ ربط۔ تو یہاں کیا ربط ہے؟ کہ وہی «اَلْحَاقَّةُ» جس کے ساتھ آپ «مَا الْحَاقَّةُ» کو جوڑنا چاہتے ہیں، اس کے اندر بھی کیا آ گیا؟ «اَلْحَاقَّةُ»، تو ربط آ گیا بھئی۔ پھر سنیں: «أَنَا قَائِمٌ»۔ «أَنَا» مرفوع محلاً بتدا، «قَائِمٌ» مرفوع محلاً صیغہ اسمِ فاعل، اس کے اندر «أَنَا» ضمیر مرفوع محلاً اس کا فاعل۔ «قَائِمٌ» صیغہ اسمِ فاعل اپنے فاعل سے مل کر شبہِ جملہ ہو کر یہ خبر، بتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا: «أَنَا قَائِمٌ» میں کھڑا ہوں۔

اور «أَنْتَ قَائِمٌ»۔ اب دیکھو «قَائِمٌ» کو ہم کس سے جوڑ رہے ہیں؟ «أَنْتَ» سے، تو «قَائِمٌ» کے اندر ضمیر بھی کون سی نکالیں گے؟ «أَنْتَ» ہی نکالیں گے۔ «أَنْتَ قَائِمٌ» ترکیب سنو: «أَنْتَ» مرفوع محلاً بتدا، «قَائِمٌ» مرفوع لفظاً صیغہ اسمِ فاعل،

اس کے اندر «أَنْتَ» ضمیر مرفوع محلاً اس کا فاعل۔ اسمِ فاعل اپنے فاعل سے مل کر شبہِ جملہ ہو کر خبر، مبتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔

تو تفصیل میں یہ بیان کر رہا تھا کہ یہ جو «قَائِمٌ» ہے اس کے لیے بھی فاعل آتا ہے اور «قَامَ» کے لیے بھی فاعل آتا ہے، لیکن «قَامَ» کو اپنے فاعل سے جوڑنے کے بعد اس کو جملہ فعلیہ کہتے ہیں، لیکن «قَائِمٌ» کو اپنے فاعل سے جوڑنے کے بعد جملہ نہیں کہتے بلکہ شبہِ جملہ کہتے ہیں۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ جیسے اس کی مشابہت «قَامَ» کے ساتھ ہے اسی طرح اس کی مشابہت خالی عن الضمیر، خالی عن الضمیر اسم کے ساتھ بھی ہے۔ جیسے وہ بدلتا نہیں اسی طرح یہ بھی غائب، متکلم اور مخاطب کے لیے بدلتا نہیں ہے۔ یہاں تک بات سمجھ میں آگئی؟

اچھا یہاں ایک بات یاد رکھنا۔ دیکھو «زَيْدٌ قَائِمٌ»، ہم نے کیا ترکیب کی؟ «زَيْدٌ قَائِمٌ»، «زَيْدٌ» کو بنایا مبتدا، «قَائِمٌ» مرفوع لفظاً، اس کے اندر «هُوَ» ضمیر ہے، اس کے اندر «هُوَ» ضمیر ہے، اسمِ فاعل اپنے فاعل سے مل کر شبہِ جملہ ہو کر خبر، مبتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔ تو یاد رکھو یہ جو «قَائِمٌ» ہے جب یہ یعنی یہ جو صفت کے صیغے ہیں، جب یہ ضمیر کو رفع دے رہے ہوں جو انہی کے اندر چھپی ہوتی ہے تو اس وقت پھر اس کو مفرد ہی سمجھا جاتا ہے، کیا سمجھا جاتا ہے؟ ابھی بتایا یہ جملہ نہیں کہلاتے بلکہ کیا کہلاتے ہیں؟ شبہِ جملہ، شبہِ جملہ کہلاتے ہیں۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو ہم یوں کہیں گے «زَيْدٌ قَائِمٌ» یہ کلام صرف دو کلموں سے بنا ہے۔ توجہ ہے؟ کلام کس کو کہتے ہیں؟ «مَا تَضَمَّنَ كَلِمَتَيْنِ بِالْإِسْنَادِ»، تو «زَيْدٌ قَائِمٌ» بھی کتنے کلموں سے بنا ہے؟ دو کلموں سے: ایک ہے «زَيْدٌ» اور دوسرا ہے «قَائِمٌ»۔ آپ کہیں گے یہ تو تین کلمے ہیں، «قَائِمٌ» کے اندر «هُوَ» بھی تو ہے۔ توجہ ہے؟ «قَائِمٌ» کے اندر «هُوَ» بھی تو ہے، آپ کہیں گے تین کلمے ہیں۔ لیکن نہیں یاد رکھو، جب صفت کا صیغہ اپنے اندر چھپی ہوئی ضمیر کو رفع دے رہا ہو تو پھر اس کو ایک ہی کلمہ شمار کیا جاتا ہے، گویا اس کو شمار ہی نہیں کیا جاتا، اس ضمیر کو شمار ہی نہیں کیا جاتا۔ کیونکہ ضمیر جو ہے جس میں یہ عمل کر رہا ہے جس کو رفع دے رہا ہے، کوئی اسنادِ تام ہے؟ اسنادِ تام ہے؟ بات پوری نہیں، اسنادِ تام نہیں۔ اور نیز کیا وہ ضمیر ظاہر ہے یا چھپی ہوئی ہے؟ چھپی ہوئی ہے، تو اسناد بھی تام نہیں ہے یعنی بات پوری نہیں ہے مفرد ہے یہ جملہ نہیں ہے، تو اسناد بھی تام نہیں اور ضمیر بھی اس کے اندر چھپی ہوئی ہے، تو اس کا یہ عمل گویا لا عمل جیسا ہے، یہ عمل لا عمل جیسا ہے، گویا اس نے کوئی عمل کیا ہی نہیں ہے، تو گویا صرف «قَائِمٌ» ہی ہے اس کے اندر کچھ ضمیر وغیرہ ہے ہی نہیں۔ توجہ ہے؟ پھر سنو بھئی آگے اشکال آنے والا ہے ابھی سے بات سمجھ لو: «زَيْدٌ قَائِمٌ» یہ کلام ہے اور کتنے کلموں سے مرکب ہے؟ دو کلموں سے۔ آپ کہیں گے نہیں تین کلمے ہیں: «زَيْدٌ» بھی ہے، «قَائِمٌ» بھی ہے اور «قَائِمٌ» کے اندر «هُوَ» ضمیر بھی ہے۔ تو میں نے بتایا نہیں، اس «هُوَ» کو شمار نہیں کرتے نحوی حضرات اس کو شمار نہیں کرتے۔ یعنی «قَائِمٌ» کے اندر ضمیر ہوتی ہے پھر بھی اس کو مفرد کہتے ہیں، کیا کہتے ہیں؟ اس کو مفرد کہتے ہیں، بھئی کیوں مفرد کیوں کہتے ہیں اس کو تو مرکب کہنا چاہیے «هُوَ» ضمیر ہے۔ کہتے ہیں بھئی دیکھو

اس کے اندر جو اسناد ہے وہ اسنادِ تام نہیں، اسنادِ تام ہو تو بات پوری ہو جاتی ہے جیسے «قَامَ» کے اندر اسنادِ تام ہے «هُوَ» ضمیر کے ساتھ مل کر وہ جملہ بن جاتا ہے، لیکن «قَائِمٌ» «هُوَ» ضمیر کے ساتھ مل کر پورا جملہ نہیں بنتا، تو یہ اسنادِ تام نہیں یعنی اس میں بات پوری نہیں۔ اور نیز اس کے اندر چھپی ہوئی ضمیر ہے، یہ اس کو رفع دے رہا ہے تو وہ عمل بھی کس کی طرح ہے؟ لا عمل کی طرح ہے، گویا اس نے کوئی عمل کیا ہی نہیں بھئی۔ تو لہٰذا اس کو وہ مفرد ہی شمار کرتے ہیں اس کو مرکب شمار نہیں کرتے۔ ہاں، اگر یہ آگے اسمِ ظاہر کو رفع دے رہا ہو، کیا دے رہا ہو؟ جیسے «قَامَ زَيْدٌ» ہے، «قَامَ» فعل ہے اور «زَيْدٌ» اسمِ ظاہر اس کا فاعل، اسی طرح صفت کے صیغوں کے لیے بھی فاعل یا نائبِ فاعل کبھی اسمِ ظاہر آجاتا ہے، تو اس صورت میں پھر وہ اس کو مرکب شمار کریں گے، کیا کرتے ہیں؟ مرکب۔ لیکن جب یہ اپنے اندر چھپی ہوئی ضمیر کو رفع دے رہا ہو تو پھر اس کو مفرد ہی شمار کیا جاتا ہے، اس ضمیر

ضمیر کو بھی گویا لا ضمیر کی طرح سمجھا جاتا ہے، یا یوں کہیں اس کے عمل کو بھی لا عمل کی طرح سمجھا جاتا ہے، یا یوں کہو اس کے اسناد کو بھی لا اسناد کی طرح سمجھا جاتا ہے۔ بات سمجھ میں آگئی۔

اب کچھ اور جملے کیجیے بھئی ترکیب کی۔ جی لکھیے بھئی: «زَيْدٌ قَامَ أَبُوهُ»۔ بس اب ہم قریب پہنچ گئے ان شاء اللہ اب یہ مقام حل ہو جائے گا۔ «زَيْدٌ قَامَ أَبُوهُ»۔ جی ترکیب کیجیے۔ «زَيْدٌ» مرفوع لفظاً بتدا۔ مرفوع کیوں؟ بتدا ہے اور بتدا مرفوع ہوتا ہے۔ لفظاً کیوں؟ کیونکہ اس کے رفع پر ہم تلفظ کر رہے ہیں «زَيْدٌ»۔ «قَامَ أَبُوهُ»، «قَامَ» فعل، «أَبُو» مرفوع لفظاً مضاف، «أَبُوهُ» میں «أَبُو» مرفوع لفظاً مضاف۔ مرفوع کیوں؟ کیونکہ یہ فاعل ہے «قَامَ» کے لیے۔ اور لفظاً کیوں؟ کیونکہ اس کے رفع، اس کا یہ «أَبُوهُ» جب یہ اسمائے ستہ مکبرہ میں سے ہے اور اسمائے ستہ مکبرہ موحدہ جب مضاف ہوں علاوہ یائے متکلم کی طرف تو ان کا اعراب رفع واؤ کے ساتھ، نصب الف کے ساتھ، اور جریا کے ساتھ: «أَبُوهُ، أَبَاهُ، أَبِيهِ»۔ تو یہ الف، واؤ اوریا کے ساتھ اعراب آتا ہے، اور «أَبُوهُ» یہ کس کے ساتھ ہے؟ واؤ کے ساتھ، اور اس واؤ پر ہم باقاعدہ تلفظ کر رہے ہیں اس کو پڑھ رہے ہیں۔ تو یہ «أَبُوهُ» تو مرفوع لفظاً مضاف۔ مرفوع کیوں؟ کہ یہ فاعل ہے۔ لفظاً کیوں؟ کیونکہ اس کے رفع یعنی واؤ جو ہے اس پر ہم تلفظ کر رہے ہیں۔ اور مضاف، آپ کو کیسے پتا چلا یہ مضاف ہے؟ ہاں کیونکہ ضابطہ آپ نے پڑھا تھا ترکیب میں کہ کسی بھی اسم کے ساتھ ضمیرِ متصل جڑی ہو تو وہ آپس میں مضاف مضافٌ الیہ بنتے ہیں۔ تو «أَبُو» مضاف ہے اور ہا ضمیر مجرور محلاً مضافٌ الیہ۔ مجرور کیوں؟ مضافٌ الیہ ہے اور مضافٌ الیہ مجرور ہوتا ہے۔ اور محلاً کیوں؟ کیونکہ ضمیر ہے مبنی ہے اور مبنی پر اعراب محلاً ہوتا ہے۔ تو مضاف اپنے مضافٌ الیہ سے مل کر یہ فاعل ہوا «قَامَ» کے لیے۔ آپ کا ایک ساتھی آپ پر اشکال کرتا ہے، کہتا ہے «أَبُوهُ» آپ نے ہا ضمیر کو مجرور، آپ نے مجرور محلاً کہا، حالانکہ یہ تو مرفوع ہے ہم اس پر رفع پڑھ رہے ہیں «أَبُوهُ» دیکھو ہا پر میں رفع پڑھ رہا ہوں۔ تو کیا جواب دیں گے؟ کہ یہ اس کی حرکت ہے اعراب

نہیں ہے بھئی کیونکہ یہ تو مبنی ہے، مبنی پر تو اعراب ظاہر ہی نہیں ہو سکتا۔

اور نیز میں نے آپ کو یہ بھی بتلایا تھا «أَبُوهُ» یہ «أَبُوهُ» کے آخر میں جو ضمیر ہے، یہ کون سی ضمیر ہے؟ ہا ضمیر ہے۔ عموماً طلبہ اس کو پڑھتے ہیں ہو ضمیر، کیا پڑھتے ہیں؟ ہو نہیں بھئی، یہ ضمیر ہے اور کیونکہ یہ کلمہ ہے بھئی، اور کلمہ کسے کہتے ہیں؟ بامعنی لفظ، ضمیر کا بھی کوئی معنی ہوتا ہے کہ نہیں ہوتا؟ ضمیر بھی کلمہ ہے۔ تو جب بھی کوئی کلمہ ایک حرف پر مشتمل ہو اور اس کا آپ نام لینا چاہتے ہیں تو وہ نام لیں گے اس کا جو حروفِ تہجی میں ہے، اور «أَبُوهُ» کے آخر میں جو حرف ہے حروفِ تہجی میں اس کو کیا کہتے ہیں؟ ہا کہتے ہیں، تو یہ ہا ہے۔ جیسے «بِسْمِ اللهِ» آپ سے کوئی کہے «بِسْمِ اللهِ» کی ترکیب کریں تو آپ کیا کہتے ہیں؟ با جارہ، بھئی بی جارہ کیوں نہیں کہتے؟ اس لیے کیونکہ یہ با حرفِ جر ہے یہ کلمہ ہے اس کا کوئی معنی ہے اور ایک حرف پر مشتمل ہے اور ایک حرف پر جب کوئی کلمہ مشتمل ہو تو اس کا وہ نام لیتے ہیں جو حروفِ تہجی میں ہوتا ہے، اور «بِسْمِ اللهِ» کے شروع میں یہ کون سا حرف ہے اس کو حروفِ تہجی میں کیا کہتے ہیں؟ با کہتے ہیں، تو اس لیے کہتے ہیں با جارہ۔ بات سمجھ میں آ گئی؟

«زَيْدٌ قَامَ أَبُوهُ» ذرا اس ترکیب پہ نظر رکھو، اچھی طرح یہ ساری باتیں سمجھ لیں۔ دیکھو اس میں «زَيْدٌ» ہے مبتدا، «قَامَ» فعل، اور «أَبُوهُ» یہ مضاف مضافٌ الیہ مل کر «قَامَ» کے لیے کیا بن گئے؟ فاعل۔ فعل اپنے فاعل سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر «زَيْدٌ» کے لیے خبر۔ لیکن جملے کو جب بھی کسی چیز سے جوڑنا ہو درمیان میں کیا ضروری؟ ربط ضروری۔ تو یہاں ہم نے ربط نہیں دیا بھئی، اس کے بغیر یہ خبر نہیں بن سکتا۔ کس سے ربط دیں گے؟ کیا ربط کیا ہے؟ یہ جو «أَبُوهُ» کے آخر میں ہا ضمیر ہے یہ کس کو راجع ہے؟ زید کو۔ زید کو، تو یہ ربط آ گیا۔ تو «قَامَ» فعل اپنے فاعل سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر یہ خبر ہوئی کس کے لیے؟ زید کے لیے۔ مبتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا: «زَيْدٌ قَامَ أَبُوهُ»۔

دیکھو ترجمہ: زید، کہ کھڑا ہے «أَبُوهُ» اس کا باپ، زید کہ کھڑا ہوا اس کا باپ، یعنی زید کا باپ کھڑا ہوا۔ توجہ ہے؟ تو یہاں پر دیکھو دو اسناد ہیں، دو اسناد ہیں۔ ایک اسناد ہے کس کے درمیان؟ «قَامَ» اور «أَبُوهُ» میں۔ توجہ ہے؟ «قَامَ» اور «أَبُوهُ» کے درمیان اسناد ہے۔ «قَامَ» فعل ہے اور «أَبُوهُ» اس کا فاعل۔ پھر یہ پورا جملہ فعلیہ ہوا اور اس سارے کا اسناد کس کی طرف ہوا؟ زید کی طرف ہوا، یہ دوسرا اسناد ہے۔ توجہ ہے؟

جی اگلا جملہ لکھیے بھئی۔ بلکہ یوں کریں «زَيْدٌ» کے گرد ایک دائرہ بنائیے، چھوٹا سا «زَيْدٌ» کے گرد دائرہ بنا لیں، دائرے میں لے آئیں زید کو، لفظِ زید کے گرد دائرہ بنا دیں۔ اور «قَامَ أَبُوهُ» اس سارے کے گرد ایک ہی دائرہ بنا دیں، تو یہ دو دائرے بن گئے۔ بات سمجھ میں آ گئی؟ جی، تو پہلا دائرہ یہ ہے مبتدا، دوسرا دائرہ یہ ساری خبر ہے۔ توجہ ہے؟ یہ ساری خبر ہے اور اس کا اسناد ہو رہا ہے مبتدا کی طرف، لیکن اس خبر کے اندر ایک اور اسناد بھی ہے، «قَامَ» فعل ہے اور «أَبُوهُ» اس کا فاعل ہے۔ توجہ ہے؟

جی اگلی ترکیب کیجیے بھئی: «زَيْدٌ أَبُوْهُ قَائِمٌ»۔ «زَيْدٌ أَبُوْهُ قَائِمٌ»۔ دیکھو ترکیب سنو بھئی: «زَيْدٌ» مرفوع لفظاً مبتدا یا یوں کہو مبتدائے اول۔ «زَيْدٌ» مرفوع لفظاً مبتدائے اول۔ اور آگے «أَبُوْهُ قَائِمٌ» یہ پھر پورا جملہ اسمیہ ہے، یہ سارا خبر بنے گا «زَيْدٌ» کے لیے، اور اس جملہ اسمیہ میں پھر مبتدا اور خبر آئیں گے بھئی۔ «زَيْدٌ» مبتدائے اول ہے، آگے «أَبُوْهُ»، «أَبُوْ» مرفوع لفظاً مضاف۔ مرفوع کیوں؟ کیونکہ مبتدائے ثانی ہے، یہ بھی مبتدا ہے۔ اور لفظاً کیوں؟ کیونکہ اس کے رفع پر ہم تلفظ کر رہے ہیں یعنی واؤ پر بھئی اس کے اندر جو واؤ ہے۔ اور مضاف، آپ کو کیسے پتا چلا مضاف ہے؟ کیونکہ کسی اسم کے ساتھ بھی جب ضمیرِ متصل آجائے تو وہ آپس میں کیا بنتے ہیں؟ مضاف مضافٌ الیہ۔ تو «أَبُوْ» مرفوع لفظاً مضاف، ہا ضمیر مجرور محلاً مضافٌ الیہ، اور یہ ہا ضمیر راجع ہے زید کو، یہ «أَبُوْهُ قَائِمٌ» پورا جملہ خبر بنے گا زید کی، تو درمیان میں ربط چاہیے، تو ربط کیا ہے؟ یہ ہا ضمیر ہے، یہ زید کو راجع ہے۔ تو «أَبُوْهُ» مضاف اور مضافٌ الیہ مل کر مبتدا، اور «قَائِمٌ» یہ خبر ہے کس کی؟ یہ «أَبُوْهُ» کی خبر بنے گی، توجہ ہے؟ تو «قَائِمٌ» مرفوع لفظاً صیغہ اسمِ فاعل، اس کے اندر «هُوَ» ضمیر مرفوع محلاً اس کا فاعل جو کس کو راجع؟ زید کو نہیں راجع کیونکہ «قَائِمٌ» زید کی خبر نہیں ہے بلکہ کس کی خبر ہے؟ «أَبُوْهُ» کی، اور یہ شبہِ جملہ بنے گا اور شبہِ جملہ کو جب بھی کسی چیز سے جوڑنا ہو درمیان میں کیا ضروری؟ ربط، تو «قَائِمٌ» کو کس سے جوڑنا چاہتے ہیں؟ «أَبُوْهُ» سے، تو اس کے اندر «هُوَ» ضمیر جو ہے وہ «أَبُوْهُ» کو راجع ہے۔ تو اسمِ فاعل اپنے فاعل سے مل کر شبہِ جملہ ہو کر خبر، مبتدا خبر یعنی «أَبُوْهُ» یہ مبتدا اور «قَائِمٌ» خبر، یہ مبتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ ہو کر یہ خبر ہوئی کس کے لیے؟ زید کے لیے، اور ربط ہم نے بتا دیا تھا «أَبُوْهُ» کی ہا ضمیر زید کو راجع تھی۔ مبتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا: «زَيْدٌ أَبُوْهُ قَائِمٌ»۔ ترجمہ کیا؟ زید کہ «أَبُوْهُ قَائِمٌ» کہ اس کا باپ کھڑا ہے، زید کہ اس کے ابو کھڑے ہیں، یعنی زید کے ابو کھڑے ہیں، مختصر لفظوں میں یوں کہو۔ اب بھئی پھر اس کے گرد دائرہ بنائیں: «زَيْدٌ» یہ ہے مبتدا اس کے گرد دائرہ بنا دیں یہ ہے مبتدا، اور «أَبُوْهُ قَائِمٌ» یہ پورا جملہ یہ خبر ہے تو اس پورے کے گرد ایک ہی دائرہ بنا دیں۔ توجہ ہے؟ تو یہاں خبر کیا ہے؟ پورا جملہ۔ دیکھو اوپر والے جملے میں کیا تھا «زَيْدٌ قَامَ أَبُوْهُ» وہاں جو خبر تھی وہ بھی جملہ تھی، یہاں جو ہے «زَيْدٌ أَبُوْهُ قَائِمٌ» یہاں بھی خبر کیا ہے؟ جملہ، لیکن اوپر خبر تھی جملہ فعلیہ اوپر والے جملے میں، اور اس جملے میں جملہ اسمیہ پوری خبر بن رہی ہے، «أَبُوْهُ قَائِمٌ» یہ جملہ اسمیہ ہے۔ توجہ ہے؟ تو گویا زید ہے مبتدا اور «أَبُوْهُ قَائِمٌ» یہ پورا جملہ اس کی خبر ہے، اور اس خبر کے اندر ایک اور اسناد ہے کیونکہ اس میں بھی مبتدا اور خبر ہیں۔ بات سمجھ میں آگئی؟

اگلا جملہ لکھیے بھئی: «زَيْدٌ قَائِمٌ أَبُوْهُ»۔ «زَيْدٌ قَائِمٌ أَبُوْهُ»۔ جی ترکیب سنیں: «زَيْدٌ» مرفوع لفظاً مبتدا، «قَائِمٌ» مرفوع لفظاً صیغہ اسمِ فاعل۔ مرفوع کیوں؟ کیونکہ یہ خبر بنے گی زید کے لیے۔ اور لفظاً کیوں؟ کیونکہ اس کے رفع پر ہم تلفظ کر رہے ہیں «قَائِمٌ»۔ اور اس کے لیے کیا چاہیے؟ صفت کا صیغہ آیا، اس کے لیے بھی ہمیشہ فاعل چاہیے۔ تو آگے «أَبُوْهُ»، یہ «أَبُوْ» مرفوع لفظاً مضاف، یہ کیوں مرفوع؟ یہ فاعل ہے «قَائِمٌ» کے لیے، جیسے «قَامَ» فعل کے لیے فاعل چاہیے اسی طرح «قَائِمٌ»

اسمِ فاعل کے لیے بھی فاعل چاہیے۔ تو «أَبُوْهُ» مرفوع لفظاً مضاف، مرفوع کیوں؟ فاعل ہے، لفظاً کیوں؟ کیونکہ اس کے رفع یعنی واؤ پر ہم تلفظ کر رہے ہیں۔ مرفوع لفظاً مضاف، آپ کو کیسے پتا چلا یہ مضاف ہے؟ کیونکہ کسی اسم کے ساتھ بھی جب ضمیر جڑ جائے آکر تو وہ آپس میں کیا بنتے ہیں؟ مضاف مضافٌ الیہ۔ تو «أَبُوْ» مرفوع لفظاً مضاف، ہا ضمیر مجرور محلاً مضافٌ الیہ۔ مضاف اپنے مضافٌ الیہ سے مل کر فاعل ہوا «قَائِمٌ» کے لیے۔ اسمِ فاعل اپنے فاعل سے مل کر شبہِ جملہ ہو کر خبر بنے گا زید کے لیے۔ لیکن جملہ یا شبہِ جملہ کو جوڑنا ہو کسی چیز سے تو ہمیشہ کیا ضروری؟ ربط ضروری۔ تو آپ نے ربط نہیں دیا، ربط کیا ہے؟ «أَبُوْهُ» کی جو ہا ضمیر ہے یہ زید کو راجع ہے بھئی: «أَبُوْهُ أَيْ أَبُوْ زَيْدٍ»، تو یہ ہا ضمیر کس کو راجع؟ زید کو راجع، یہ ربط آگیا۔ تو اسمِ فاعل «قَائِمٌ» جو ہے وہ اپنے فاعل یعنی «أَبُوْهُ» سے مل کر شبہِ جملہ ہو کر یہ خبر زید کے لیے، مبتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔

اب آپ کا کوئی ساتھی آپ پر اشکال کرتا ہے، وہ کہتا ہے کہ «قَائِمٌ أَبُوْهُ» آپ نے «قَائِمٌ» کے اندر ضمیر نہیں نکالی، تو آپ کیا جواب دیں گے؟ ہاں کہ فاعل ایک ہی آتا ہے، فعل یا صفت کے صیغے کے لیے ایک ہی فاعل آسکتا ہے، وہ ضمیر ہوگی یا اسمِ ظاہر لیکن آئے گا ایک ہی۔ اگر ضمیر فاعل ہو تو اسمِ ظاہر نہیں آسکتا، اور اگر اسمِ ظاہر ہو تو ضمیر نہیں آسکتی، اور یہاں «قَائِمٌ» کے لیے «أَبُوْهُ» اسمِ ظاہر فاعل آرہا ہے، تو لہٰذا اب اس «قَائِمٌ» کے اندر ضمیر نہیں نکالیں گے ورنہ دو فاعل بن جائیں گے۔ ہاں، فرق یہ ہے کہ «قَائِمٌ أَبُوْهُ» یہ شبہِ جملہ ہے جملہ نہیں ہے۔ «قَامَ أَبُوْهُ» آیا تھا پہلے جملے میں «زَيْدٌ قَامَ أَبُوْهُ»، وہ «قَامَ أَبُوْهُ» جملہ فعلیہ ہو کر خبر تھی، اور لیکن یہ «قَائِمٌ أَبُوْهُ» یہ شبہِ جملہ ہو کر «زَيْدٌ» کے لیے خبر بنے گی۔ اب اس میں بھی «زَيْدٌ» کے گرد دائرہ لگائیے، «زَيْدٌ» کے گرد دائرہ لگائیے یہ ہے مبتدا، اور «قَائِمٌ أَبُوْهُ» یہ پوری خبر ہے اس کے گرد بھی دائرہ لگا لیجیے: «قَائِمٌ أَبُوْهُ»۔ دیکھو یہ دو دائرے بن گئے: «زَيْدٌ» ہے مبتدا اور «قَائِمٌ أَبُوْهُ» ہے اس کی خبر۔ یہ تین جملوں پر ذرا نظر رکھنا: پہلا جملہ کیا تھا؟ «زَيْدٌ قَامَ أَبُوْهُ»، دوسرا کیا تھا؟ «زَيْدٌ أَبُوْهُ قَائِمٌ»، اور تیسرا کیا تھا؟ «زَيْدٌ قَائِمٌ أَبُوْهُ»۔ تو اس میں آپ دیکھیں کہ یہ کلام ہے، یہ کیا ہے؟ کلام ہے، لیکن اس کے اندر دو کلمے نہیں ہیں، دو سے زیادہ کلمے ہیں۔ توجہ ہے؟ دو سے زیادہ کلمے ہیں۔ اور نیز ان سب میں آپ دیکھیں: پہلا جملہ «زَيْدٌ قَامَ أَبُوْهُ»، خبر کیا ہے؟ «قَامَ أَبُوْهُ»۔ توجہ ہے؟ تین جملوں میں سے پہلے پر نظر رکھیں: «زَيْدٌ قَامَ أَبُوْهُ»، مبتدا کیا؟ «زَيْدٌ»، اور خبر کیا؟ «قَامَ أَبُوْهُ» پورا جملہ فعلیہ خبر بن رہی ہے، اور اس خبر کے اندر بھی ایک اسناد ہے۔ دوسرے جملے پہ آؤ: «زَيْدٌ أَبُوْهُ قَائِمٌ»، «زَيْدٌ» ہے مبتدا اور «أَبُوْهُ قَائِمٌ» پورا جملہ اسمیہ خبر بن رہی ہے، تو یہ خبر ہے اور اس کے اندر بھی اسناد۔ لیکن یہ پہلی دو مثالیں ہیں ان میں خبر جملہ ہے۔ اور یہ جو تیسری مثال ہے «زَيْدٌ قَائِمٌ أَبُوْهُ» اس میں بھی اس میں خبر کیا ہے؟ «قَائِمٌ أَبُوْهُ»، اور اس کے اندر بھی کیا ہے؟ اسناد ہے اسمِ ظاہر کی طرف، جبکہ، جی یہ اس کے اندر بھی اسناد ہے لیکن اسنادِ تام نہیں ہے۔ تام نہیں، یہ جملہ نہیں ہے بلکہ شبہِ جملہ ہے، اور پھر یہ شبہِ جملہ خبر بن رہا ہے زید کے لیے۔ یہاں تک بات سمجھ میں آگئی؟

اب یاد رکھو صاحبِ کافیہ نے جو کلام کی تعریف کی «اَلْكَلَامُ مَا تَضَمَّنَ كَلِمَتَيْنِ بِالْإِسْنَادِ» کلام وہ لفظ ہے جو متضمن ہو دو کلموں کو «بِالْإِسْنَادِ» کس کے ساتھ؟ اسناد کے ساتھ، یعنی ان دونوں میں سے ایک مسندٌ الیہ ہو اور ایک مسند ہو یعنی اسنادِ تام ہو ان دونوں کے درمیان۔ تو اس تعریف پر بعض شارحین فرماتے ہیں کہ صاحبِ کافیہ کی یہ تعریف پر اعتراض ہوتے ہیں۔ انہوں نے کیا کہا؟ کلام وہ ہے جو متضمن ہوگا دو کلموں کو یعنی دو کلموں پر مشتمل ہوگا، حالانکہ یہ جو ابھی آپ نے مثالیں کیں ان پہ نظر رکھیں: «زَيْدٌ قَامَ أَبُوْهُ» ایک مسند ہے ایک مسندٌ الیہ، لیکن کلمے دو ہیں یا دو سے زیادہ؟ دو سے زیادہ ہیں بھئی: «زَيْدٌ» ایک کلمہ، «قَامَ» دوسرا کلمہ، «أَبُوْهُ»، «أَبُوْ» ایک کلمہ، ہا ایک کلمہ، چار کلمے ہیں اس کے اندر۔ اور اسی طرح «زَيْدٌ أَبُوْهُ قَائِمٌ» اس کے اندر دیکھو: «زَيْدٌ» ایک کلمہ، «أَبُوْهُ» مضاف مضافٌ الیہ یہ دو کلمے یہ ہو گئے، اور «قَائِمٌ» یہ چوتھا کلمہ، تو یہ کتنے ہو گئے اس میں بھی؟ چار۔ اور «زَيْدٌ قَائِمٌ أَبُوْهُ» اس کے اندر بھی چار کلمے ہیں۔ تو صاحبِ کافیہ کی تعریف مکمل نہیں۔ صاحبِ کافیہ کو یوں کہنا چاہیے تھا کہ «اَلْكَلَامُ مَا تَضَمَّنَ كَلِمَتَيْنِ أَوْ أَكْثَرَ بِالْإِسْنَادِ»۔ توجہ ہے؟ کہ کلام وہ لفظ ہے جو متضمن ہو دو کلموں کو یا زیادہ کو «بِالْإِسْنَادِ» کس کے ساتھ؟ اسناد کے ساتھ۔ تو صاحبِ کافیہ کو «أَوْ أَكْثَرَ» کی قید بھی «كَلِمَتَيْنِ» کے ساتھ لگانی چاہیے تھی تاکہ یہ والی جو مثالیں جو ابھی میں نے تین مثالیں لکھوائیں تاکہ یہ بھی کلام کے اندر داخل ہو جاتیں۔ کیونکہ ان کے اندر آپ غور کریں زید ہے مسندٌ الیہ اور آگے «قَامَ أَبُوْهُ» یہ سارا مسندٌ بہ ہے۔ توجہ ہے؟ ذرا ان جملوں پر نظر رکھو: «زَيْدٌ قَامَ أَبُوْهُ»، «زَيْدٌ» کیا ہے؟ مسندٌ الیہ، اور «قَامَ أَبُوْهُ» یہ کیا ہے؟ مسندٌ بہ ہے۔ تو اس میں دیکھو اسناد ہے لیکن دو کلمے نہیں ہیں بلکہ دو سے زیادہ۔ اسی طرح اگلے جملے پہ نظر رکھیں: «زَيْدٌ أَبُوْهُ قَائِمٌ»، اس میں «زَيْدٌ» ہے مبتدا اور «أَبُوْهُ قَائِمٌ» یہ پورا جملہ یہ ہے مسندٌ بہ۔ زید ہے مسندٌ الیہ اور «أَبُوْهُ قَائِمٌ» یہ ہے مسندٌ بہ، تو یہ مسندٌ بہ ایک کلمہ نہیں ایک سے زیادہ ہیں۔ اور اسی طرح تیسرا جملہ، اس میں «زَيْدٌ» ہے مبتدا اور «قَائِمٌ أَبُوْهُ» یہ پورا مسندٌ بہ ہے، اور یہ ایک سے زیادہ کلموں پر مشتمل ہے۔ تو صاحبِ کافیہ کو کیا کہنا چاہیے تھا؟ «مَا تَضَمَّنَ كَلِمَتَيْنِ أَوْ أَكْثَرَ بِالْإِسْنَادِ» کہ کلام وہ لفظ ہے جو متضمن ہے دو یا زیادہ کلموں کو اسناد کے ساتھ، تو صاحبِ کافیہ کو «أَوْ أَكْثَرَ» کی قید ذکر کرنی چاہیے تھی۔

لیکن صاحبِ جامی نے اور تقریر کی۔ صاحبِ جامی نے کیا تقریر کی تھی؟ دیکھو جہاں کلام کی تعریف آئی تھی: «اَلْكَلَامُ مَا تَضَمَّنَ أَيْ لَفْظٌ تَضَمَّنَ كَلِمَتَيْنِ حَقِيْقَةً أَوْ حُكْمًا»۔ صاحبِ جامی نے کہا کہ «أَكْثَرَ» کی قید لگانے کی ضرورت نہیں بلکہ کلام ہمیشہ دو ہی کلموں سے ہوگا، ہاں وہ دو کلمے وہ عام ہیں، چاہے حقیقتاً ہوں چاہے حکماً ہوں۔ اور یہ جو مثالیں آپ نے ذکر کیں اس کے اندر یہ جو مسندٌ بہ ہے یعنی دوسرا جز کلام کا، توجہ ہے ان تین جملوں پر نظر رکھیں، وہ فرماتے ہیں صاحبِ جامی کہ یہ حقیقتاً تو ایک کلمہ نہیں یہ جو مسندٌ بہ ہے ان تین جملوں میں، لیکن یہ حکماً ایک کلمہ ہے، کہ یہ حکماً کیا ہے؟ ایک کلمہ ہے، یعنی یہ سب مفرد کی تاویل میں ہیں، یہ سب کیا ہیں؟ مفرد کی تاویل میں ہیں، یعنی سب «قَائِمُ الْأَبِ» کی تاویل میں ہیں۔ «قَائِمُ الْأَبِ» کی تاویل میں ہیں۔ توجہ ہے؟ ذرا اب یہ جملہ بھی نیچے لکھو تاکہ یہ بھی آپ کو سمجھ میں آجائے: «زَيْدٌ قَائِمُ الْأَبِ»۔ «زَيْدٌ قَائِمُ

الْأَبِ»۔ لکھ لیا؟ جی ترکیب کریں، دیکھیں ترکیب دیکھیں: «زَيْدٌ قَائِمُ الْأَبِ»۔

«أَبِ»۔ «زَيْدٌ» مرفوع لفظاً بتدا، «قَائِمُ» مرفوع لفظاً اسمِ فاعل، مضاف۔ مرفوع لفظاً اسمِ فاعل، مضاف۔ مرفوع ہے کیونکہ یہ خبر ہے زید کی، لفظاً ہے کیونکہ رفع پر ہم تلفظ کر رہے ہیں «قَائِمُ الْأَبِ»، قائم پر کیا پڑھ رہے ہیں؟ رفع۔ اور اسمِ فاعل کا صیغہ ہے اور نیز یہ مضاف ہے «اَلْأَبِ» آگے کیا آرہا ہے؟ مضافٌ الیہ۔ تو «قَائِمُ الْأَبِ»، «قَائِمُ» مرفوع لفظاً مضاف صیغہ اسمِ فاعل۔ اور اسمِ فاعل کے لیے ہمیشہ کیا چاہیے؟ فاعل چاہیے، آگے کوئی فاعل نہیں ہے، تو پھر اسی کے اندر کیا کریں گے؟ ضمیر نکالیں گے۔ تو اس کے اندر «هُوَ» ضمیر مرفوع محلاً اس کا فاعل جو کس کو راجع؟ زید کو راجع ہے۔ اور «اَلْأَبِ» مجرور لفظاً مضافٌ الیہ۔ اسمِ فاعل اپنے فاعل یعنی «هُوَ» اور مضافٌ الیہ سے مل کر شبہِ جملہ ہو کر یہ خبر ہوئی کس کے لیے؟ زید کے لیے۔ توجہ ہے؟ ترکیب سمجھ میں آگئی؟ «قَائِمٌ» میں ہم نے کون سی ضمیر نکالی؟ «هُوَ»، اور «اَلْأَبِ» کو کیا بنایا؟ مضافٌ الیہ۔ اور یہ «هُوَ» ضمیر کس کو راجع؟ زید کو، یہ ربط بھی آگیا۔ تو اسمِ فاعل اپنے فاعل اور مضافٌ الیہ سے مل کر شبہِ جملہ ہو کر خبر، بتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔

جی اب اس میں بھی ذرا دائرہ لگا دیں: «زَيْدٌ» ہے بتدا، اور «قَائِمُ الْأَبِ» اس کے گرد بھی دائرہ لگائیں، یہ ہے پوری خبر بھئی، یہ ہے پوری خبر۔ اس کے اندر بھی اسناد ہے یا نہیں «قَائِمُ الْأَبِ» کے اندر؟ «قَائِمٌ» کا اسناد کس کی طرف ہے؟ «هُوَ» ضمیر کی طرف، توجہ ہے؟ لیکن ابھی میں نے آپ کو بتایا تھا کہ یہ جو صفت کے صیغے کا اسناد ہوتا ہے ضمیر کی طرف یہ بھی، یہ بھی لا اسناد کے درجے میں ہوتا ہے، اس کو پھر بھی مفرد شمار کرتے ہیں بھئی، کیا شمار کرتے ہیں؟ مفرد۔ تو اوپر ایک مثال میں آیا تھا «زَيْدٌ قَائِمٌ أَبُوْهُ»، اس میں «قَائِمٌ» کا اسناد «أَبُوْهُ» کی طرف تھا، وہ مفرد نہیں تھا اس میں «أَبُوْهُ» دو کلمے اور ساتھ جڑ رہے تھے، لیکن یہاں پر «قَائِمُ الْأَبِ» یہ دونوں آپس میں کیا ہیں؟ مضاف مضافٌ الیہ تو ہیں، لیکن قائم کے اندر جو «هُوَ» ضمیر ہے اس کے باوجود یہ کس کے حکم میں ہے؟ مفرد کے حکم میں ہے، اس کو ایک ہی کلمہ شمار کریں گے، دو کلمے شمار نہیں کریں گے۔ تو یہ ہے خبر، یہ ہے خبر۔ اور ذرا فرق دیکھو: اوپر والی جو تین مثالیں تھیں، پہلی مثال کیا؟ «زَيْدٌ قَامَ أَبُوْهُ»، اس میں خبر کیا ہے؟ «قَامَ أَبُوْهُ»، اس کے اندر اسناد ہے یا نہیں؟ اسناد ہے، خبر کے اندر اسناد ہے۔ دوسری مثال پہ آؤ: «زَيْدٌ أَبُوْهُ قَائِمٌ»، اس میں خبر کیا؟ «أَبُوْهُ قَائِمٌ» یہ ساری خبر ہے زید کے لیے اور اس خبر میں بھی کیا ہے؟ اسناد ہے۔ تیسری مثال میں آجاؤ: «زَيْدٌ قَائِمٌ أَبُوْهُ»، اس میں خبر کیا ہے؟ «قَائِمٌ أَبُوْهُ» اور اس کے اندر بھی کیا ہے؟ اسناد ہے اسمِ ظاہر کی طرف۔ جبکہ «زَيْدٌ قَائِمُ الْأَبِ» اس میں اسناد تو ہے لیکن «هُوَ» ضمیر کی طرف ہے اور وہ اسناد بھی گویا کیا ہے؟ لا اسناد کی طرح، اس کو شمار ہی نہ کریں۔ تو گویا یہ «قَائِمُ الْأَبِ» یہ ہے مفرد، یہ کیا ہے؟ مفرد ہے، اور اوپر والے تینوں کیا تھے؟ وہ مرکب تھے، وہ کیا تھے؟ مرکب تھے، بات سمجھ میں آرہی ہے؟

اچھا بعض شارحین نے کیا تقریر کی؟ کہ صاحبِ کافیہ کو کیا کرنا چاہیے تھا؟ «أَوْ أَكْثَرَ» کی قید لگانی چاہیے تھی تاکہ «زَيْدٌ قَامَ

أَبُوْهُ»، «زَيْدٌ أَبُوْهُ قَائِمٌ» اور «زَيْدٌ قَائِمٌ أَبُوْهُ» یہ والی مثالیں بھی اس میں داخل ہو جاتیں کیونکہ ان کے اندر دو کلمے نہیں ہیں دو سے زیادہ ہیں۔ جبکہ صاحبِ جامی نے اور تقریر کی: انہوں نے کہا «أَوْ أَكْثَرَ» کی قید لگانے کی ضرورت نہیں بلکہ کلمتین اس کو اس میں عموم پیدا کر دو، کلمتین عام ہیں چاہے حقیقتاً دو کلمے ہوں چاہے حکماً دو کلمے ہوں، تو اب یہ سب صورتیں آ گئیں اس کے اندر، کیونکہ «قَامَ أَبُوْهُ» یہ حقیقتاً تو ایک کلمہ نہیں لیکن حکماً ایک کلمہ ہے، یہ «قَائِمُ الْأَبِ» کے معنی میں ہے۔ یہ «قَامَ أَبُوْهُ» یعنی «زَيْدٌ قَامَ أَبُوْهُ» یہ «قَامَ أَبُوْهُ» کس معنی میں ہے؟ یہ «قَائِمُ الْأَبِ» کی تاویل میں ہے۔ اسی طرح «زَيْدٌ أَبُوْهُ قَائِمٌ» یہاں بھی «أَبُوْهُ قَائِمٌ» کس معنی میں ہے، کس تاویل میں ہے؟ «قَائِمُ الْأَبِ» کی تاویل میں ہے۔ اور تیسرا ہے «زَيْدٌ قَائِمٌ أَبُوْهُ» یہ بھی کس تاویل میں ہے؟ «قَائِمُ الْأَبِ» کی تاویل میں ہے۔ تو یہ حقیقتاً تو کلمہ ایک نہیں ہے لیکن حکماً ایک ہی کلمہ ہے، یعنی یہ جو مسندٌ بہ ہے ان تمام جملوں میں وہ حکماً ایک ہی کلمہ ہے۔ بات سمجھ میں آ گئی؟ اچھی طرح؟

تو کلام وہ ہے جو متضمن ہو دو کلموں کو اسناد کے ساتھ، اور وہ دو کلمے عام ہیں چاہے حقیقتاً دو کلمے ہوں چاہے حکماً، اور ان مثالوں کے اندر یہ جو پہلی تین مثالیں تھیں ان میں حقیقتاً تو دو کلمے نہیں زیادہ ہیں لیکن حکماً دو کلمے ہیں، کیونکہ جو مسندٌ بہ ہے وہ «قَائِمُ الْأَبِ» کی تاویل میں یعنی مفرد کی تاویل میں ہے بھئی۔ کس کی تاویل میں ہے؟ مفرد کی تاویل میں ہے بھئی۔

دیکھیے اب کتاب پر بھئی۔ کہتے ہیں: «وَحَيْثُ كَانَتِ الْكَلِمَتَانِ أَعَمَّ مِنْ أَنْ تَكُونَا كَلِمَتَيْنِ حَقِيقَةً أَوْ حُكْمًا، دَخَلَ فِي التَّعْرِيفِ مِثْلُ:زَيْدٌ أَبُوهُ قَائِمٌ، أَوْ قَامَ أَبُوهُ، أَوْ قَائِمٌ أَبُوهُ، فَإِنَّ الْأَخْبَارَ فِيهَا مَعَ أَنَّهَا مُرَكَّبَاتٌ، لٰكِنَّهَا فِي حُكْمِ الْكَلِمَةِ الْمُفْرَدَةِ، أَعْنِي قَائِمَ الْأَبِ.» اور چونکہ وہ دو کلمے جو ہیں وہ عام ہیں اس سے کہ وہ دو کلمے حقیقتاً ہوں یا حکماً۔ کہتے ہیں چونکہ وہ دو کلمے جو ہیں وہ عام ہیں اس سے کہ وہ دو کلمے حقیقتاً ہوں یا حکماً، تو کہتے ہیں بھئی وہ جو دو کلمے جو کہاں ذکر ہوئے تھے؟ کلام کی تعریف میں، ہم نے وہیں پر آپ کو بتا دیا تھا کہ یہ دو کلمے عام ہیں چاہے حقیقتاً ہوں یا حکماً۔ تو کہتے ہیں چونکہ وہ دو کلموں کا کلمہ ہونا عام ہے چاہے حقیقتاً ہو یا حکماً ہو، تو «دَخَلَ فِي التَّعْرِيفِ» تو لہٰذا تعریف میں داخل ہو گئیں یہ والی مثالیں بھی، مثل: «زَيْدٌ أَبُوهُ قَائِمٌ» یہ بھی تعریف میں داخل ہو گئیں، یہ بھی کلام ہے، یہ بھی کیا ہے؟ کس طرح کلام ہے؟ «زَيْدٌ أَبُوهُ قَائِمٌ» پر ذرا نظر رکھیں جو مثال کتاب کے اندر ہے بھئی۔ تعریف کیا کی ہے انہوں نے؟ کلام کسے کہتے ہیں؟ جو دو کلموں کو متضمن ہو، اس کے اندر «زَيْدٌ» یہ تو ایک کلمہ ہے، اور «أَبُوهُ قَائِمٌ» یہ پورا جملہ خبر بن رہا ہے لیکن یہ ایک کلمے کی تاویل میں ہے، تو یہ حکماً ایک کلمہ ہے، یہ کیا ہے؟ حکماً ایک کلمہ ہے، تو یہ بھی اس میں داخل ہوا۔ تو یہ بھی اس میں داخل ہوا۔ «أَوْ قَامَ أَبُوهُ» اس کے لیے زید مبتدا الگ نکال لو، مبتدا ایک دفعہ ذکر کر دیا باقی اسی خبر پر عطف کر رہے ہیں۔ یہ دیکھو «زَيْدٌ» مبتدا ہے «أَبُوهُ قَائِمٌ» اس کی خبر، «أَوْ قَامَ أَبُوهُ» یہ خبر پر خبر کا عطف کیا، تو «زَيْدٌ قَامَ أَبُوهُ» یہ دوسری مثال آ گئی۔ تیسرا «أَوْ قَائِمٌ أَبُوهُ» یہ پھر خبر پر خبر کا عطف کر دیا، زید ایک ہی دفعہ ذکر ہے مبتدا، تو «زَيْدٌ قَائِمٌ أَبُوهُ» یہ سارے بھی کلام کی تعریف میں داخل ہو گئے۔ کیوں

بھئی کیسے داخل ہوئے؟ یہ تو دو کلمے نہیں ہیں دو سے زیادہ ہیں۔ کہتے ہیں: «فَإِنَّ الْأَخْبَارَ فِيهَا مَعَ أَنَّهَا مُرَكَّبَاتٌ، لٰكِنَّهَا فِي حُكْمِ الْكَلِمَةِ الْمُفْرَدَةِ، أَعْنِي قَائِمَ الْأَبِ.» اس لیے کیونکہ ان کے اندر خبریں جو ہیں یعنی مسندٌ بہ جو ہے باوجود اس کے یہ خبریں کیا ہیں؟ مرکب ہیں، لیکن یہ سب مفرد کلمہ کے حکم میں ہیں یعنی کہ «قَائِمَ الْأَبِ» کے حکم میں ہیں۔ یہاں تک بات اچھی طرح سمجھ میں آگئی؟

تو صاحبِ جامی نے بتلایا کہ «مَا تَضَمَّنَ كَلِمَتَيْنِ» کے اندر جو «كَلِمَتَيْنِ» آیا وہ عام ہے چاہے حقیقتاً ہوں وہ دو کلمے یا حکماً ہوں، اور یہ جو سارے ہیں یہ بھی حکماً دو کلمے ہیں۔ بات سمجھ میں آگئی؟ شارحِ جامی کی بات کو اور زیادہ بہتر لفظوں میں بعض شارحین نے ذکر کیا۔ وہ فرماتے ہیں کہ حکماً کلمہ ہونے کا معنی یہ ہے کہ وہ مسندٌ الیہ یا مسندٌ بہ بن سکے، بس دیکھو آسان تعریف ہو گئی، سارے اشکالات ختم ہو گئے۔ اب ذرا ان مثالوں پہ نظر رکھو: «زَيْدٌ قَامَ أَبُوهُ» یہ دو کلمے ہیں، کس طرح؟ «زَيْدٌ» یہ تو ہے ایک کلمہ، اور «قَامَ أَبُوهُ» یہ سارا کیا بن رہا ہے؟ خبر یعنی مسندٌ بہ بن رہا ہے تو یہ حکماً کیا ہے؟ ایک کلمہ ہے۔ توجہ ہے؟ تو حکماً کلمہ ہونے کا کیا معنی؟ کہ وہ مسندٌ الیہ یا مسندٌ بہ بن سکے، اور «قَامَ أَبُوهُ» یہ سارا جملہ کیا بن رہا ہے؟ یہ مسندٌ بہ بن رہا ہے تو یہ حکماً ایک کلمہ ہے۔ اسی طرح «زَيْدٌ أَبُوهُ قَائِمٌ» اس کے اندر «زَيْدٌ» ہے مبتدا اور «أَبُوهُ قَائِمٌ» یہ پورا جملہ کیا ہے؟ مسندٌ بہ بن رہا ہے تو یہ حکماً ایک کلمہ ہے بھئی۔ اسی طرح «زَيْدٌ قَائِمٌ أَبُوهُ»، «زَيْدٌ» ہے مبتدا، «قَائِمٌ أَبُوهُ» یہ سارا مسندٌ بہ یعنی خبر بن رہا ہے تو یہ ایک کلمہ ہے بھئی، حکماً یہ سارے کیا ہیں؟ تو حکماً کلمہ ہونے کا کیا مطلب؟ مسندٌ الیہ یا مسندٌ بہ بن سکے۔ بھئی عجیب تقریر، عجیب لفظوں سے بیان کیا کسی نے، سارے اشکالات ختم ہو گئے۔ «اِضْرِبْ» کے اندر «أَنْتَ» ضمیر آپ نے نکالی تھی، وہ «أَنْتَ» بھی کیا بن رہی تھی؟ مسندٌ الیہ بن رہی تھی، تو وہ بھی حکماً کلمہ ہے۔ «لَا تَضْرِبْ» کے اندر کون سی ضمیر تھی؟ «أَنْتَ» ضمیر، وہ بھی کیا بن رہی تھی؟ مسندٌ الیہ بن رہی تھی۔ تو حکماً کلمہ کسے کہیں گے؟ کہ جو مسندٌ الیہ یا مسندٌ بہ بن سکے، اب چاہے وہ نیت میں ہو لیکن بن تو رہا ہے مسندٌ الیہ یا مسندٌ بہ تو وہ بھی داخل، اور زیادہ کلمے ہیں لیکن بن کیا رہا ہے؟ مسندٌ الیہ یا مسندٌ بہ بن رہا ہے وہ بھی اس کے اندر داخل ہو گیا۔ یہ تعبیر ہمیشہ یاد رکھنا کہ حقیقتاً کلمہ تو ہے زید، عمرو، بکر، اور حکماً کلمہ کسے کہیں گے؟ جو مسندٌ الیہ یا مسندٌ بہ بن سکے۔ ان مثالوں میں دیکھو آپ یہ جتنی مثالیں گزریں ان میں مسندٌ بہ کئی کلموں پر مشتمل تھا، لیکن حکماً ایک کلمہ تھا کیونکہ وہ مسندٌ بہ بن رہا تھا، تو جو بھی مسندٌ بہ ہے وہ حکماً ایک کلمہ ہے۔

ہے۔

اسی طرح وہ جو آپ نے وجہِ حصر پڑھی بھئی: «لِأَنَّهَا إِمَّا أَنْ تَدُلَّ عَلَى مَعْنًى فِي نَفْسِهَا أَوْ لَا» کہ کلمہ یا تو ایسے معنی پر دلالت کرے گا جو اس کی ذات میں ہوگا یا نہیں کرے گا۔ ذرا عبارت نکالیں، عبارت نکالیں پھر آپ کو بات سمجھ میں آئے گی۔ عبارت نکال لی؟ «اَلْكَلِمَةُ هِيَ اسْمٌ وَفِعْلٌ وَحَرْفٌ لِأَنَّهَا إِمَّا أَنْ تَدُلَّ عَلَى مَعْنًى فِي نَفْسِهَا أَوْ لَا» کہ کلمہ یا تو وہ اپنے

معنی پر خود دلالت کرے گا یا نہیں کرے گا۔ یہاں دیکھو صاحبِ جامی نے «إِمَّا مِنْ صِفَتِهَا أَنْ تَدُلَّ» یہ «مِنْ صِفَتِهَا» نکالا تھا۔ «مِنْ صِفَتِهَا» یہ ہے خبرِ مقدم، اور «أَنْ تَدُلَّ عَلَى مَعْنًى فِي نَفْسِهَا» یہ «أَنْ تَدُلَّ»، یہ «أَنْ» فعل پر داخل ہو کر اس کو مصدر کے معنی میں کر دیتا ہے تو یہ سارا مبتدا ہے، «أَنْ تَدُلَّ عَلَى مَعْنًى فِي نَفْسِهَا» یہ سارا کیا ہے؟ مبتدا، اور «مِنْ صِفَتِهَا» کیا ہے؟ خبر ہے، توجہ ہے؟ خبرِ مقدم ہے۔ تو اب دیکھو مبتدا میں بھی کئی لفظ اور خبر میں بھی کئی لفظ، لیکن یہ حکماً دو کلمے ہی ہیں، کیونکہ «مِنْ صِفَتِهَا» یہ سارا اپنے متعلق سے مل کر کیا بنے گا؟ خبرِ مقدم، یہ مسندٌ بہ بنے گا، تو یہ حکماً ایک کلمہ ہوا۔ اور «أَنْ تَدُلَّ عَلَى مَعْنًى فِي نَفْسِهَا» یہ سارا بھی، یہ سارا کیا بنے گا؟ یہ مبتدا بنے گا، تو یہ بھی حکماً کیا ہے؟ ایک ہی کلمہ ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو حکماً کلمہ کسے کہیں گے جو مسند یا مسندٌ الیہ بن سکے، وہ حکماً ایک ہی کلمہ ہے۔

آگے دیکھیے: «وَدَخَلَ فِيهِ أَيْضًا مِثْلُ:جَسَقٌ مُهْمَلٌ، وَدَيْزٌ مَقْلُوبُ زَيْدٍ، مَعَ أَنَّ الْمُسْنَدَ إِلَيْهِ فِيهِمَا مُهْمَلٌ لَيْسَ بِكَلِمَةٍ، فَإِنَّهُ فِي حُكْمِ هٰذَا اللَّفْظِ.» صاحبِ جامی نے بتلایا تھا کہ دو کلمے عام ہیں چاہے حقیقتاً دو کلمے ہوں یا حکماً دو کلمے ہوں۔ کہتے ہیں ہماری اس تقریر سے «جَسَقٌ مُهْمَلٌ» یہ جملہ بھی کلام کے اندر داخل ہو گیا اور «دَيْزٌ مَقْلُوبُ زَيْدٍ» یہ بھی کلام میں داخل ہو گیا۔ یہ جملہ لکھو ذرا اپنے سامنے کاپی پر بھئی: «جَسَقٌ مُهْمَلٌ»۔ «جَسَقٌ مُهْمَلٌ»۔ اس سے نچلی سطر میں لکھیں: «دَيْزٌ»۔ «دَيْزٌ» دال یا زا، «دَيْزٌ مَقْلُوبُ زَيْدٍ»۔ «مَقْلُوبُ زَيْدٍ»۔

دراصل یہاں اشکال ہوتا ہے کہ آپ نے کلام کی کیا تعریف کی؟ «مَا تَضَمَّنَ كَلِمَتَيْنِ» جس میں کتنے کلمے ہوں گے؟ دو کلمے ہوں گے۔ آپ کی اس تعریف سے اس طرح کے جملے نکل گئے، «جَسَقٌ مُهْمَلٌ» جیسے جملے بھی نکل گئے اور «دَيْزٌ مَقْلُوبُ زَيْدٍ» جیسے جملے بھی نکل گئے۔ کس طرح؟ ذرا ان پہ نظر رکھیں: «جَسَقٌ مُهْمَلٌ»۔ یاد رکھو «جَسَقٌ» یہ مہمل لفظ ہے اس کا کوئی معنی نہیں، ویسے ہی زبان سے ایک لفظ ادا کر دیا «جَسَقٌ»۔ عربی زبان میں یہ لفظ نہیں ہے، تو ویسے ہی ایک لفظ بول دیا «جَسَقٌ»۔ اب مجھے بتاؤ اس کا کوئی معنی ہے؟ معنی نہیں، تو یہ کلمہ ہوا یا مہمل ہوا؟ کلمہ تو کہتے ہیں بامعنی لفظ کو، تو یہ کلمہ نہیں یہ تو کیا ہے؟ مہمل۔ اور اگلا لفظ ہے «مُهْمَلٌ»، «مُهْمَلٌ» یہ عربی زبان کا لفظ ہے۔ مہمل کسے کہتے ہیں؟ جس کا کوئی معنی نہ ہو۔ تو «جَسَقٌ مُهْمَلٌ»، «جَسَقٌ» ہے مبتدا اور «مُهْمَلٌ» اس کی خبر۔ توجہ ہے؟ تو یہ دو، دو لفظ ہیں لیکن ان میں سے «جَسَقٌ» وہ کلمہ نہیں اور «مُهْمَلٌ» ایک کلمہ ہے، ایک کلمہ۔ تو یہ تو ایک ہی کلمے سے کلام حاصل ہو رہا ہے۔ آپ نے تو کیا کہا تھا؟ «مَا تَضَمَّنَ كَلِمَتَيْنِ»۔ اس میں تو «مُهْمَلٌ» تو کلمہ ہے، «جَسَقٌ» وہ تو مہمل ہے وہ تو کلمہ نہیں ہے۔ «جَسَقٌ مُهْمَلٌ» کا کیا معنی؟ یہ پورا کلام ہے، پوری بات ہے: «جَسَقٌ» مہمل ہے یعنی «جَسَقٌ» لفظ کا کوئی معنی نہیں ہے۔ دیکھو اس میں پوری بات ہے تو یہ تو کلام کی تعریف سے خارج ہو گیا۔ کہتے ہیں نہیں بھئی یہ بھی کلام کی تعریف میں داخل ہے، کیونکہ ہم نے کیا کہا؟ وہ کلمے عام ہیں وہ دو کلمے چاہے حقیقتاً ہوں چاہے حکماً۔ یہ «جَسَقٌ» یہ حقیقت میں تو کلمہ نہیں لیکن حکماً یہ بھی ایک کلمہ ہے۔ گویا ہم یہ کہنے والا دوسرے کو یہ بتا رہا ہے جب اس نے یہ کہا «جَسَقٌ مُهْمَلٌ» کہ «جَسَقٌ» مہمل ہے، وہ کہنا یہ چاہتا ہے: «هٰذَا اللَّفْظُ

مُهْمَلٌ» یہ جو لفظ میں بول رہا ہوں یہ کیا ہے؟ مہمل ہے، تو «جَسَقٌ» کس تاویل میں ہے؟ «هٰذَا اللَّفْظُ» کی تاویل میں ہے۔ یہ جو لفظ میں بول رہا ہوں «هٰذَا اللَّفْظُ مُهْمَلٌ»، یہ والا لفظ مہمل ہے۔ کون سا لفظ؟ «جَسَقٌ» جو میں بول رہا ہوں۔ تو جب میں نے کہا «جَسَقٌ مُهْمَلٌ» تو دراصل میں نے گویا کیا کہا آپ کو؟ کہ «هٰذَا اللَّفْظُ» یہ والا جو لفظ ہے یعنی «جَسَقٌ»، «مُهْمَلٌ» یہ کیا ہے؟ مہمل۔ تو «جَسَقٌ» کس تاویل میں ہے؟ «هٰذَا اللَّفْظُ» کی تاویل میں ہے اور «هٰذَا اللَّفْظُ» کلمہ ہے یا نہیں ہے؟ یہ کلمہ ہے، بات سمجھ میں؟ بلکہ صرف «هٰذَا» کی تاویل، لفظ، لفظ تو وضاحت کے لیے کر دیا: «هٰذَا مُهْمَلٌ» یہ کیا ہے؟ مہمل ہے یعنی یہ والا لفظ، تو یہ «هٰذَا اللَّفْظُ» کی تاویل میں ہے۔

اسی طرح «دَيْزٌ مَقْلُوبُ زَيْدٍ»۔ «دَيْزٌ» اس کا عربی زبان میں کوئی معنی نہیں، یہ اسی «زَيْدٌ» کو الٹ دیا۔ «زَيْدٌ» میں زا پہلے تھی اور دال آخر میں، اب دال کو شروع میں لے آئے زا کو آخر میں لے گئے، کیا بن گیا؟ «دَيْزٌ»۔ یہ کس کو الٹایا؟ زید کو۔ تو یہی بتلا رہے ہیں «مَقْلُوبُ زَيْدٍ» یہ زید کا الٹا ہے۔ «دَيْزٌ مَقْلُوبُ زَيْدٍ»، دیز جو ہے وہ زید کا الٹا ہے یعنی یہ اسی زید کو الٹایا گیا ہے بھئی۔ اب دیکھو اس میں بھی دیکھ لو: مبتدا کیا؟ «دَيْزٌ»، اور «مَقْلُوبُ زَيْدٍ» مضاف مضافٌ الیہ مل کر یہ کیا بن رہے ہیں؟ خبر بن رہے ہیں۔ توجہ ہے؟ تو یہ خبر بن رہے ہیں، تو اشکال ہوتا ہے کہ یہ تو دیز جو ہے وہ تو مہمل ہے وہ تو کلمہ ہی نہیں ہے، تو اکیلے ایک ہی کلمے سے گویا «مَقْلُوبُ زَيْدٍ»، مقلوب ترکیب کیسے ہوگی؟ ذرا ترکیب سنو: «دَيْزٌ مَقْلُوبُ زَيْدٍ»۔ «دَيْزٌ» مرفوع لفظاً مبتدا، «مَقْلُوبُ» مرفوع لفظاً مضاف صیغہ اسمِ مفعول، اور اسمِ مفعول کے لیے کیا چاہیے؟ نائبِ فاعل، تو اس کے اندر «هُوَ» ضمیر مرفوع محلاً اس کا نائبِ فاعل جو کس کو راجع؟ دیز کو راجع، خبر کو کس سے جوڑتے ہیں؟ مبتدا سے۔ اور مضاف ہے یہ، تو یہ مقلوب مضاف اور زید مضافٌ الیہ۔ اسمِ مفعول اپنے نائبِ فاعل اور مضافٌ الیہ سے مل کر شبہِ جملہ ہو کر خبر کس کی؟ دیز کی۔ مبتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔ تو اس میں خبر صرف کیا ہے؟ «مَقْلُوبُ» ہے، کیا ہے؟ اور مقلوب کے اندر ضمیر ہے، لیکن میں نے بتایا صفت کے صیغے کے اندر جب ضمیر ہو گویا کہ وہ لا ضمیر ہے، گویا وہ اس کا اعتبار ہی نہیں، تو یہ مقلوب مفرد ہے۔ تو مقلوب خبر بنا اور دیز مبتدا بنا، تو دو لفظ تو ہیں لیکن ان میں سے دیز کا تو کوئی معنی نہیں وہ تو کلمہ نہیں وہ تو مہمل ہے، اور مقلوب کا معنی ہے کہ یعنی الٹایا ہوا، الٹا کیا ہوا۔ تو ایک ہی کلمے سے کیا بن رہا ہے؟ کلام بن رہا ہے، اور زید وہ تو مضافٌ الیہ ہے بھئی۔ بات سمجھ میں آگئی؟ نہ وہ مسند بن رہا ہے نہ مسندٌ الیہ بن رہا ہے، تو لہٰذا ایک ہی کلمے سے کلام حاصل ہوا، دیز تو کلمہ ہی نہیں ہے۔ تو اس کا بھی جواب گزر گیا کہ دیز کس تاویل میں ہے؟ «هٰذَا اللَّفْظُ» کے، جب میں نے آپ سے کہا «دَيْزٌ مَقْلُوبُ زَيْدٍ» تو گویا میں آپ سے یہ کہہ رہا ہوں کہ یہ والا جو لفظ ہے یعنی دیز، یہ «مَقْلُوبُ زَيْدٍ» یہ زید کا الٹایا ہوا لفظ ہے، زید کو الٹا کیا ہوا ہے، تو یہاں بھی دیز کس تاویل میں ہوا؟ «هٰذَا اللَّفْظُ»۔ تو دیز حقیقت میں تو کلمہ نہیں لیکن حکماً کیا ہے؟ کلمہ ہے کیونکہ یہ «هٰذَا اللَّفْظُ» کی تاویل میں ہے۔

دیکھیے بھئی کتاب پر۔ کہتے ہیں: «وَدَخَلَ فِيهِ أَيْضًا مِثْلُ: جَسَقٌ مُهْمَلٌ، وَدَيْزٌ مَقْلُوبُ زَيْدٍ، مَعَ أَنَّ الْمُسْنَدَ إِلَيْهِ فِيهِمَا مُهْمَلٌ

لَيْسَ بِكَلِمَةٍ، فَإِنَّهُ فِي حُكْمِ هٰذَا اللَّفْظِ.» اور نیز کلام کی تعریف میں اس جیسی مثالیں بھی داخل ہو گئیں: «جَسَقٌ مُهْمَلٌ» اور «دَيْزٌ مَقْلُوبُ زَيْدٍ» یہ بھی کلام کی تعریف میں داخل ہو گئے۔ «مَعَ أَنَّ الْمُسْنَدَ إِلَيْهِ فِيهِمَا مُهْمَلٌ» باوجود اس کے کہ مسندٌ الیہ ان دونوں جملوں کے اندر وہ مہمل ہے اس کا کوئی معنی نہیں ہے، ان دونوں جملوں میں مسندٌ الیہ مہمل ہے، «لَيْسَ بِكَلِمَةٍ» وہ کلمہ نہیں ہے، لیکن پھر بھی یہ کلام کی تعریف میں داخل ہو گیا، کیوں داخل ہوا؟ کہتے ہیں: «فَإِنَّهُ فِي حُكْمِ هٰذَا اللَّفْظِ» کیونکہ یہ جو ہے، یہ مسندٌ الیہ جو ہے «هٰذَا اللَّفْظُ» کے حکم میں ہے، تو یہ حکماً کلمہ ہے۔ یہ فا کا ترجمہ میں نے کیونکہ کے ساتھ کیا بھئی، کیونکہ آپ اصولِ فقہ میں پڑھ چکے ہیں کہ فا کبھی علت بیان کرنے کے لیے لائی جاتی ہے اور اس کا ترجمہ کیونکہ یا اس وجہ سے کے ساتھ کیا جاتا ہے۔ پھر ترجمہ دیکھ لیں: تو کہتے ہیں «وَدَخَلَ فِيهِ أَيْضًا مِثْلُ: جَسَقٌ مُهْمَلٌ، وَدَيْزٌ مَقْلُوبُ زَيْدٍ» اور کلام کی تعریف کے اندر «جَسَقٌ مُهْمَلٌ» اور «دَيْزٌ مَقْلُوبُ زَيْدٍ» جیسی مثالیں بھی داخل ہو گئیں، «مَعَ أَنَّ الْمُسْنَدَ إِلَيْهِ فِيهِمَا مُهْمَلٌ» باوجود اس کے کہ مسندٌ الیہ ان دونوں جملوں کے اندر وہ مہمل ہے، «لَيْسَ بِكَلِمَةٍ» وہ کلمہ نہیں ہے، «فَإِنَّهُ فِي حُكْمِ هٰذَا اللَّفْظِ» کیونکہ یہ جو ہے، یہ مسندٌ الیہ جو ہے «هٰذَا اللَّفْظُ» کے حکم میں ہے۔

«اِعْلَمْ أَنَّ كَلَامَ الْمُصَنِّفِ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالَى ظَاهِرٌ فِي أَنَّ نَحْوَ: ضَرَبْتُ زَيْدًا قَائِمًا بِمَجْمُوعِهِ كَلَامٌ، بِخِلَافِ كَلَامِ صَاحِبِ الْمُفَصَّلِ، حَيْثُ قَالَ: اَلْكَلَامُ هُوَ الْمُرَكَّبُ مِنْ كَلِمَتَيْنِ أُسْنِدَتْ إِحْدَاهُمَا إِلَى الْأُخْرَى، فَإِنَّهُ صَرِيحٌ فِي أَنَّ الْكَلَامَ هُوَ ضَرَبْتُ، وَالْمُتَعَلِّقَاتِ خَارِجَةٌ عَنْهُ.» «وَالْمُتَعَلِّقَاتِ» کا عطف ہے «الْكَلَامَ» پر اور وہ «أَنَّ» کا اسم ہے، تو «الْمُتَعَلِّقَاتِ» یہ بھی کیا ہے؟ «أَنَّ» کا اسم منصوب ہوگا، اور یہ جمع مؤنث سالم ہے اور جمع مؤنث سالم کا نصب کس شکل میں آتا ہے؟ کسرہ کی صورت میں، تو اس لیے میں نے پڑھا «وَالْمُتَعَلِّقَاتِ خَارِجَةٌ عَنْهُ»۔

اچھا بھئی، اب ایک اور جملہ اپنے سامنے ذرا لکھیے بھئی: «ضَرَبْتُ زَيْدًا قَائِمًا»، «ضَرَبْتُ زَيْدًا قَائِمًا»، بلکہ «فِي الدَّارِ» بھی آگے لکھ لیں، «فِي الدَّارِ»، «فِي الدَّارِ»۔ «ضَرَبْتُ زَيْدًا قَائِمًا فِي الدَّارِ»۔ ترکیب سنو ترکیب بھئی: «ضَرَبْتُ» فعل بافاعل، تا ضمیر مرفوع محلاً اس کا فاعل۔ «زَيْدًا» منصوب لفظاً مفعولٌ بہ۔ «قَائِمًا» یہ حال ہے بھئی، اور اس کو آپ چاہیں «زَيْدًا» سے حال بنا دیں اور آپ چاہیں تو آپ اس کو «ضَرَبْتُ» کی تا ضمیر سے حال بنا دیں۔ اگر «ضَرَبْتُ» کی تا ضمیر سے حال بنائیں تو ترکیب اس طرح ہوگی کہ «ضَرَبْتُ» کی تا ضمیر جو مسندٌ الیہ ہے وہ بن جائے گی ذوالحال، اور «قَائِمًا» منصوب لفظاً صیغہ اسمِ فاعل، منصوب کیوں؟ کیونکہ یہ حال ہے اور حال منصوب ہوتا ہے۔ اس کے اندر «أَنَا» ضمیر۔ میں نے بتایا تھا صفت کے صیغے کو جس قسم کی ضمیر سے جوڑیں اس کے اندر بھی وہی ضمیر نکالیں گے۔ آپ اس کو «ضَرَبْتُ» کی تا ضمیر سے جوڑنا چاہتے ہیں اور وہ متکلم کی ضمیر ہے تو «قَائِمًا» میں بھی کون سی ضمیر نکالیں گے؟ متکلم۔ اور تو یہ ربط آگیا کہ جس ضمیر سے جوڑنا چاہتے ہیں وہی ضمیر اس کے اندر بھی آگئی۔ آپ کہیں گے بھئی جوڑنا تو ہم «ضَرَبْتُ» کی تا سے چاہتے ہیں اور اس کے اندر «أَنَا» آگئی۔ بھئی دونوں ایک ہی ضمیر ہے، «ضَرَبْتُ» کی تا سے بھی متکلم مراد اور «أَنَا» سے بھی متکلم

مراد، صرف فرق اتنا ہے کہ «ضَرَبْتُ» کی تا متصل ہے اور «أَنَا» منفصل ہے، وہ ضمیرِ متصل ہے یہ ضمیرِ منفصل ہے۔ تو «قَائِمًا» منصوب لفظاً صیغہ اسمِ فاعل، اس کے اندر «أَنَا» ضمیر مرفوع محلاً اس کا فاعل۔ تو اسمِ فاعل اپنے فاعل سے مل کر شبہِ جملہ ہو کر یہ حال بنے گا۔ اور «فِي الدَّارِ»، «فِي» جارہ، «الدَّارِ» مجرور لفظاً، جار مجرور مل کر متعلق کس سے؟ «ضَرَبْتُ» سے متعلق۔ کس سے؟ پٹائی کی میں نے، کہاں پر کی؟ گھر میں کی۔ اچھا، تو ذوالحال اپنے حال سے مل کر، یہ «ضَرَبْتُ» کی تا جو ہے یہ ذوالحال ہے اور «قَائِمًا» اس سے حال، تو ذوالحال اپنے حال سے مل کر یہ فاعل بن گیا کس کے لیے؟ «ضَرَبْتُ» کے لیے۔ فعل اپنے فاعل، مفعولٌ بہ اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہوا: «ضَرَبْتُ زَيْدًا قَائِمًا فِي الدَّارِ» میں نے زید کی پٹائی کی گھر میں اس حال میں کہ میں کھڑا ہوا تھا، اس حال میں کہ میں کھڑا ہوا تھا۔ اور آپ چاہیں تو «قَائِمًا» کو زید سے حال بنا دیں۔ اس صورت میں «زَيْدًا» بنے گا ذوالحال، اور «قَائِمًا» منصوب لفظاً صیغہ اسمِ فاعل، اور اس کے اندر اب «هُوَ» ضمیر نکالیں گے کیونکہ زید اسمِ ظاہر ہے اور اسمِ ظاہر کس کے درجے میں ہوتا ہے؟ غائب کے درجے میں، تو «هُوَ» ضمیر، «هُوَ» ضمیر مرفوع محلاً اس کا فاعل جو کس کو راجع؟ زید کو۔ اسمِ فاعل اپنے فاعل سے مل کر شبہِ جملہ ہو کر حال، باقی ترکیب ساری اسی طرح ہوگی۔

اب دیکھو ذرا اس جملے پہ غور کرو: «ضَرَبْتُ زَيْدًا قَائِمًا فِي الدَّارِ»۔ یہ کون سا جملہ ہے؟ جملہ فعلیہ۔ جملہ فعلیہ کے اندر فعل جو ہوتا ہے وہ مسندٌ بہ ہوتا ہے اور جو فاعل یا نائبِ فاعل ہو وہ مسندٌ الیہ۔ تو «ضَرَبْتُ» کے اندر یہ جو «ضَرَبَ» فعل آیا یہ

مسندٌ بہ، اور یہ جو تا ضمیر آئی یہ کیا ہے؟ مسندٌ الیہ۔ تو یہ کلام تو مسند اور مسندٌ الیہ سے پورا ہو جاتا ہے، پھر آگے جو متعلقات آتے ہیں فعل کے، یہ جو مفعولٌ بہ ہے، مفعولٌ لہ ہے، مفعولٌ معہ ہے وغیرہ، حال، تمیز ہے، جار مجرور وغیرہ جتنی چیزیں آتی ہیں، تو یہ بھی کلام میں داخل ہیں یا داخل نہیں؟ کیونکہ کلام کی تعریف انہوں نے کیا کی؟ «اَلْكَلَامُ مَا تَضَمَّنَ كَلِمَتَيْنِ بِالْإِسْنَادِ» کلام وہ لفظ ہے جو متضمن ہو دو کلموں کو «بِالْإِسْنَادِ» اسناد کے ساتھ، تو اسناد تو «ضَرَبْتُ» کی «ضَرَبَ» اور تا کے اندر ہے، تو یہ باقی «زَيْدًا» جو مفعولٌ بہ ہے، «قَائِمًا» جو حال ہے، «فِي الدَّارِ» جار مجرور ہے، یا اسی طرح مفعولٌ فیہ آجائے، مفعولٌ لہ آجائے، مفعولٌ مطلق آجائے، مفعولٌ معہ وغیرہ جتنی بھی چیزیں آگے منصوبات وغیرہ ذکر ہو جائیں تو وہ کیا وہ بھی کلام میں داخل ہیں یا نہیں؟ کہتے ہیں آپ کو بتلائیں گے کہ بھئی صاحبِ کافیہ نے کلام کی جو تعریف کی اس میں کوئی حصر نہیں ذکر کیا۔ اگر وہ کہتے نا «كَلِمَتَيْنِ فَقَطْ» صرف دو کلمے ہوں، تو پھر تو یہ سارے کلام سے کیا ہو جاتے؟ خارج، صرف کلام مسند اور مسندٌ الیہ کا نام ہے کلام، باقی جو چیزیں جڑ رہی ہیں ان کا نام کلام نہیں وہ کلام کے اندر داخل نہیں۔ تو لیکن صاحبِ کافیہ نے کوئی ایسی قید وغیرہ ذکر نہیں کی، تو ظاہر یہی معلوم ہوتا ہے ان کے کلام سے کہ ان کے نزدیک یہ جو متعلقات ہوتے ہیں فعل وغیرہ کے یہ کلام کے اندر داخل ہیں، یہ سارا کلام ہے: «ضَرَبْتُ زَيْدًا قَائِمًا فِي الدَّارِ» یہ سارا کیا ہے؟ کلام۔ لیکن

صاحبِ مفصل نے جو تعریف کی ہے علامہ زمخشری نے، جن سے یہ کافیہ اخذ کی گئی ہے، انہوں نے اپنے کلام میں حصر ذکر کیا ہے، وہ کلام کی تعریف کرتے ہیں دیکھو ایک سطر بعد ان کی تعریف آرہی ہے اس پہ ذرا نظر رکھیں: «اَلْكَلَامُ هُوَ الْمُرَكَّبُ مِنْ كَلِمَتَيْنِ أُسْنِدَتْ إِحْدَاهُمَا إِلَى الْأُخْرَى»۔ «اَلْكَلَامُ هُوَ الْمُرَكَّبُ» دیکھو خبر کو بھی معرفہ لے آئے «اَلْمُرَكَّبُ»، اور خبر بھی معرفہ ہو تو کس چیز کا فائدہ دیتی ہے؟ حصر کا۔ تو کلام وہ مرکب ہی ہے «مِنْ كَلِمَتَيْنِ» دو ایسے کلموں سے، یہ «كَلِمَتَيْنِ» نکرہ ہے اور «أُسْنِدَتْ» اس کی صفت ہے، وہ کلام وہ مرکب ہی ہے دو ایسے کلموں سے کہ ان میں سے ایک کا اسناد کیا گیا ہو دوسری کی طرف۔ معلوم ہوا ان کے نزدیک کلام صرف مسندٌ الیہ اور مسندٌ بہ کا نام ہے، باقی جو متعلقات ہیں وہ کلام سے خارج ہیں۔ تو یہاں سے فرق بتلا دیا: صاحبِ کافیہ کی تعریف عام ہے، انہوں نے کوئی حصر وغیرہ کا لفظ استعمال نہیں کیا تو ان کے نزدیک متعلقاتِ فعل وغیرہ بھی کلام کے اندر داخل ہو گئے، بات سمجھ میں آگئی؟ اور جبکہ صاحبِ مفصل کی تعریف کے مطابق «ضَرَبْتُ زَيْدًا قَائِمًا فِي الدَّارِ» اس کے اندر صرف «ضَرَبْتُ» کلام ہے، «زَيْدًا»، «قَائِمًا»، «فِي الدَّارِ» یہ سارے کیا ہیں؟ کلام سے خارج ہیں، جبکہ صاحبِ کافیہ کے نزدیک یہ بھی کلام میں داخل ہیں بھئی۔

دیکھیے بھئی کتاب پر: «اِعْلَمْ» تو جان لے، «أَنَّ كَلَامَ الْمُصَنِّفِ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالَى ظَاهِرٌ فِي أَنَّ نَحْوَ: ضَرَبْتُ زَيْدًا قَائِمًا بِمَجْمُوعِهِ كَلَامٌ» کہ تو جان لے کہ مصنف رحمہ اللہ کا کلام ظاہر ہے اس بارے میں کہ «ضَرَبْتُ زَيْدًا قَائِمًا» جیسی مثالیں جو ہیں بمجموعہ کلام کہ یہ سارا مجموعہ کیا ہے؟ کلام ہے، صاحبِ کافیہ کے کلام سے ظاہر یہی ہے، «بِخِلَافِ كَلَامِ صَاحِبِ الْمُفَصَّلِ» بخلاف صاحبِ مفصل کے کلام کے، «حَيْثُ قَالَ» اس طور پر کہ انہوں نے فرمایا ہے، انہوں نے کلام کی تعریف کی ہے: «اَلْكَلَامُ هُوَ الْمُرَكَّبُ مِنْ كَلِمَتَيْنِ أُسْنِدَتْ إِحْدَاهُمَا إِلَى الْأُخْرَى» کہ کلام جو ہے وہ مرکب ہی ہوتا ہے دو ایسے کلموں سے کہ ان میں سے ایک کا اسناد کیا گیا ہو دوسری کی طرف۔ «فَإِنَّهُ صَرِيحٌ» صاحبِ مفصل کا یہ کلام جو ہے صریح ہے، صریح ہے یعنی صاف لفظوں میں اس میں یہ بات ذکر ہے، تو یہ کلام صریح ہے «فِي أَنَّ الْكَلَامَ هُوَ ضَرَبْتُ» کہ کلام جو ہے وہ صرف «ضَرَبْتُ» ہے، «وَالْمُتَعَلِّقَاتِ خَارِجَةٌ عَنْهُ» اور جو اس کے متعلقات ہیں یعنی «زَيْدًا»، «قَائِمًا» اور «فِي الدَّارِ» وغیرہ یہ سب کلام سے خارج ہیں، یہ سب کلام سے خارج ہیں بھئی۔

بات سمجھ میں آگئی؟ چلیے بس کرتے ہیں، بات اچھی طرح سمجھ میں آگئی؟ چلیے بس بھئی، ہٰذا ہو المرام واللہ أعلم بحقیقۃ الکلام۔

سبق نمبر ۲۷: تعریفِ کلام (۳): کلام اور جملہ کے درمیان ترادف یا تغایر کی تحقیق

شرحِ ملا جامی صفحہ: ۱۹ — بتاریخ: ۳ اگست ۲۰۲۱ء

▪ تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث

آگے سبق دیکھیے بھائی کتاب پر:

ثُمَّ اعْلَمْ أَنَّ صَاحِبَ الْمُفَصَّلِ وَصَاحِبَ اللُّبَابِ ذَهَبَا إِلَى تَرَادُفِ الْكَلَامِ وَالْجُمْلَةِ وَكَلَامُ الْمُصَنِّفِ رَحِمَهُ اللهُ أَيْضًا يَنْظُرُ إِلَى ذٰلِكَ، فَإِنَّهُ قَدِ اكْتَفَى فِي تَعْرِيفِ الْكَلَامِ بِذِكْرِ الْإِسْنَادِ مُطْلَقًا وَلَمْ يُقَيِّدْهُ بِكَوْنِهِ مَقْصُودًا لِذَاتِهِ، وَمَنْ جَعَلَهُ أَخَصَّ مِنَ الْجُمْلَةِ قَيَّدَهُ بِهِ، فَحِينَئِذٍ يَصْدُقُ الْجُمْلَةُ عَلَى الْجُمَلِ الْخَبَرِيَّةِ الْوَاقِعَةِ أَخْبَارًا أَوْ أَوْصَافًا بِخِلَافِ الْكَلَامِ.

اچھا بھائی، گزشتہ سبق میں ہم کلام کی تعریف اور اس کے بارے میں جو تفصیل اور تشریح کی علامہ جامی نے وہ پڑھ رہے تھے۔ آپ نے پڑھا کہ صاحبِ کافیہ نے کلام کی تعریف کی ہے: الْكَلَامُ مَا تَضَمَّنَ كَلِمَتَيْنِ بِالْإِسْنَادِ، کہ کلام وہ لفظ ہے جو متضمن ہو دو کلموں کو اسناد کے ساتھ۔ تو میں نے بتلایا کہ یہاں بعض شارحین نے اعتراض کیا تھا صاحبِ کافیہ پر۔ وہ فرماتے ہیں کہ صاحبِ کافیہ کو مَا تَضَمَّنَ كَلِمَتَيْنِ أَوْ أَكْثَرَ بِالْإِسْنَادِ کہنا چاہیے تھا، تو أَوْ أَكْثَرَ کے لفظ کو بھی بڑھانا چاہیے تھا کیونکہ کلام کبھی دو کلموں سے مل کر بنتا ہے اور کبھی دو سے زیادہ کلموں سے مل کر بنتا ہے۔ جیسے اس کی میں نے تین مثالیں آپ کو لکھوا دی تھیں کل کے سبق میں۔ ذرا ان مثالوں پر بھی نظر رکھنا بھائی۔

پہلی مثال کیا تھی؟ زَيْدٌ قَامَ أَبُوهُ۔ زَيْدٌ ہے مبتدا اور قَامَ أَبُوهُ یہ پورا جملہ فعلیہ اس کی خبر ہے۔ یعنی زَيْدٌ ہے مسند الیہ تو قَامَ أَبُوهُ پورا جملہ یہ ہے مسندبہ۔ اور یہ جو مسندبہ ہے یہ ایک کلمہ نہیں ہے بلکہ یہ تین کلمے ہیں: قَامَ أَبُوهُ، فعل بھی ہے، فاعل بھی ہے اور آگے اس کا مضاف الیہ بھی ہے۔ تو یہ تین کلمے ہیں، تو یہ کلمہ نہیں ہے۔ تو دیکھو مسند الیہ کیا؟ زَيْدٌ، اور مسندبہ کیا؟ قَامَ أَبُوهُ۔ تو یہ پورا قَامَ أَبُوهُ یہ جو پورا جملہ ہے، یہ خبر بن رہا ہے، اس پورے جملے کا اسناد ہو رہا ہے زید کی طرف۔ تو اب یہاں دیکھو کلام جو حاصل ہو رہا ہے وہ دو کلموں سے نہیں بلکہ دو سے زیادہ کلموں سے حاصل ہو رہا ہے۔

اسی طرح دوسری مثال میں نے آپ کو لکھوائی تھی: زَيْدٌ أَبُوهُ قَائِمٌ۔ زَيْدٌ ہے ابتدائے اول اور أَبُوهُ قَائِمٌ یہ پھر دوبارہ ابتدا اور خبر آ گئے اور یہ پورا جملہ اسمیہ یہ خبر بنا زید کے لیے۔ تو زید ہوا مسند الیہ اور أَبُوهُ قَائِمٌ پورا جملہ اسمیہ اس کی خبر یعنی مسندبہ بنا۔ تو یہاں پر بھی دیکھو جو کلام حاصل ہو رہا ہے وہ دو کلموں سے نہیں حاصل ہو رہا بلکہ دو سے زیادہ کلموں سے حاصل ہو رہا ہے۔ أَبُوهُ قَائِمٌ یہ پورے جملے کا اسناد ہو رہا ہے زید کی طرف۔ تیسری مثال میں نے لکھوائی تھی: زَيْدٌ قَائِمٌ أَبُوهُ۔ تو اس کے اندر بھی زَيْدٌ ہے ابتدا اور قَائِمٌ أَبُوهُ یہ پورا شبہ جملہ اس کا اسناد ہے زید کی طرف۔ تو یہ جو مسندبہ ہے یہاں ایک کلمہ نہیں ہے بلکہ ایک سے زیادہ کلمے ہیں۔ تو مصنف کو كَلِمَتَيْنِ کے بعد أَوْ أَكْثَرَ کی قید بھی بڑھانی چاہیے تھی کہ کلام وہ لفظ ہے جو متضمن ہوتا ہے دو یا دو سے زیادہ کلموں کو بِالْإِسْنَادِ، اسناد کے ساتھ، تاکہ اس جیسی مثالیں بھی داخل ہو جاتیں جن میں مسند الیہ یا مسندبہ جو ہے وہ ایک سے زیادہ لفظوں پر مشتمل ہوتا ہے، ایک سے زیادہ کلموں پر مشتمل ہوتا ہے۔

تو صاحبِ جامی نے اس کا جواب دیا کہ أَوْ أَكْثَرَ کی قید بڑھانے کی کوئی ضرورت نہیں ہے بلکہ اسی كَلِمَتَيْنِ میں عموم پیدا کر دو کہ یہ جو دو كَلِمَتَيْنِ ہیں، ایک مسند ہے ایک مسند الیہ، یہ چاہے حقیقتاً دو کلمے ہوں یا حکماً دو کلمے ہونے چاہئیں بھائی، ایک مسند بنے اور ایک مسند الیہ بنے۔ بات سمجھ میں آ رہی ہے؟ تو اب یہ جو مثالیں آپ نے ذکر کیں زَيْدٌ قَامَ أَبُوهُ یا زَيْدٌ أَبُوهُ قَائِمٌ یا زَيْدٌ قَائِمٌ أَبُوهُ، یہ بھی کلام کی تعریف میں داخل ہو گئے کیونکہ ان میں مسندبہ بظاہر تو زیادہ کلمے ہیں لیکن یہ بھی ایک ہی کلمے کی تاویل میں ہے، یعنی یہ قَائِمُ الْأَبِ کی تاویل میں ہے، تو گویا کلام یہ ہے: زَيْدٌ قَائِمُ الْأَبِ، زَيْدٌ قَائِمُ الْأَبِ۔ اور میں نے آپ کو بتلایا تھا کہ اس کے اندر یہ جو قَائِمٌ ہے یہ خبر بن رہا ہے زید کی۔ یہ جو الْأَبُ مضاف الیہ ہے قائم کا، اس کا اسناد میں کوئی دخل نہیں، توجہ ہے؟ یہ جو اب ہے اس کا اسناد میں کوئی دخل نہیں، صرف اسناد صرف قائم کا ہو رہا ہے زید کی طرف۔ ہاں اس قائم کے آگے مضاف الیہ بھی آ رہا ہے لیکن اس کا اسناد میں کوئی دخل نہیں، کون سا اسناد؟ جو قائم کا اسناد ہو رہا ہے کس کی طرف؟ زید کی طرف۔

جبکہ باقی مثالوں پر آپ غور کریں، اس میں پہلا جملہ کیا تھا؟ زَيْدٌ قَامَ أَبُوهُ۔ اس میں قَامَ أَبُوهُ پورا جملہ فعلیہ جو تھا اس کا اسناد ہو رہا تھا کس کی طرف؟ زید کی طرف۔ تو ایک لفظ کا اسناد تھا ہی نہیں، پورے جملے کا اسناد تھا۔ اسی طرح زَيْدٌ أَبُوهُ قَائِمٌ، اس کے اندر بھی أَبُوهُ قَائِمٌ یہ سارا خبر تھا، پورے جملے کا اسناد ہو رہا تھا کس کی طرف؟ زید کی طرف۔ اور تیسری مثال تھی زَيْدٌ قَائِمٌ أَبُوهُ، اس میں شبہ جملہ اپنے فاعل سے مل کر یہ پورا یہ خبر بن رہا تھا زید کے لیے۔ تو ان تینوں مثالوں میں ایک کلمے کا اسناد زید کی طرف نہیں ہو رہا بلکہ ایک سے زیادہ کلموں کا اسناد میں دخل ہے، ان ساروں کا کیا ہے؟ اسناد میں دخل ہے۔ زَيْدٌ قَامَ أَبُوهُ، صرف قَامَ کا اسناد زید کی طرف ہے یا قَامَ أَبُوهُ سارے کا؟ سارے کا! دیکھا سب کا دخل ہے اسناد میں۔ اسی طرح زَيْدٌ أَبُوهُ قَائِمٌ، صرف أَبُوهُ کا اسناد ہے زید کی طرف یا أَبُوهُ قَائِمٌ پورے جملے کا اسناد ہے؟ تو دیکھا یہ سارے لفظوں کا دخل ہے اسناد کے اندر، یہ سارے ملیں گے پھر ان کا اسناد ہو گا زید کی طرف۔ زَيْدٌ قَائِمٌ أَبُوهُ، اس میں صرف

قَائِمٌ کا اسناد ہے زید کی طرف یا قَائِمٌ أَبُوهُ سارے ملا کر ان کا اسناد ہے زید کی طرف؟ ساروں کو ملا کر، تو دیکھا یہ سارے کلموں کا اسناد میں دخل ہے بھائی۔ جبکہ زَيْدٌ قَائِمُ الْأَبِ اس میں اسناد صرف قائم کا زید کی طرف ہے، اب تو مضاف الیہ ہے اس کا اسناد میں کوئی دخل نہیں ہے۔ وہ تو صرف اتنا بتلا رہا ہے کہ یہ جو قائم ہے اب یہ قائم کی صرف قید ہے۔ تو فرق سمجھ میں آگیا۔ تو صاحبِ جامی نے جواب دیا کہ یہ اس جیسی مثالیں یہ اگرچہ حقیقتاً تو یہ کلمہ نہیں لیکن یہ حکماً ایک کلمہ ہیں کیونکہ یہ ایک کلمے کے حکم میں ہیں، مفرد کے حکم میں ہیں یعنی قَائِمُ الْأَبِ کے حکم میں ہیں اور اس میں بھی میں نے بتا دیا کہ صرف قَائِمٌ مراد ہے، الْأَبُ نہیں، اب مضاف الیہ تو ہے اپنی جگہ پر لیکن اسناد میں اس کا دخل نہیں۔ جبکہ پچھلی مثالوں میں وہ جو لفظ جتنے آئے تھے سب کا اسناد میں دخل تھا، سارے جڑتے تھے اور اس کے بعد کیا ہوتا تھا؟ اسناد ہوتا تھا، اکیلے قَائِمٌ کا وہاں اسناد کرتے زید کی طرف؟ جیسے زَيْدٌ قَائِمٌ أَبُوهُ صرف اکیلے قائم کا اسناد نہیں ہے زید کی طرف بلکہ قَائِمٌ أَبُوهُ کا اسناد ہے، تو ان سب میں اسی طرح ہے۔

تو صاحبِ جامی نے بتلایا کہ یہاں أَوْ أَكْثَرَ کی قید بڑھانے کی کوئی ضرورت نہیں بلکہ كَلِمَتَيْنِ میں عموم پیدا کر دو کہ كَلِمَتَيْنِ عام ہیں، چاہے وہ حقیقتاً کلمے ہوں چاہے حکماً کلمے ہوں، جب حکماً کلمہ کہا تو اس کے اندر یہ سب داخل ہو گئے، یہ ایک ہی کلمے کے حکم میں ہیں۔ ہیں تو کلمے زیادہ لیکن یہ ایک ہی کلمے کے حکم میں ہیں، ان پر ہم نے حکم لگا دیا یہ ایک ہی کلمہ ہیں۔ اور پھر بعض علماء نے اس کی اور بڑی پیاری توجیہ کی، انہوں نے کہا کہ حکماً کلمہ وہ ہے، حکماً کلمہ وہ ہے جو مسند الیہ یا مسندبہ بن سکے۔ اب وہ چاہے ایک لفظ ہو یا ایک سے زیادہ لفظ ہوں، جب وہ مسند الیہ بن رہا ہے تو حکماً کیا ہے؟ ایک کلمہ۔ تو زَيْدٌ قَامَ أَبُوهُ، یہ قَامَ أَبُوهُ سارا کیا بن رہا ہے؟ مسند بن رہا ہے، تو یہ حکماً ایک کلمہ ہے۔ زَيْدٌ أَبُوهُ قَائِمٌ، یہ أَبُوهُ قَائِمٌ سارا کیا ہے؟ حکماً ایک کلمہ ہے۔ زَيْدٌ قَائِمٌ أَبُوهُ، یہ قَائِمٌ أَبُوهُ یہ سارا کیا ہے؟ یہ مسندبہ بن رہے ہیں تو یہ ایک ہی کلمہ ہے، یعنی حکماً ایک کلمہ ہے۔ تو حکماً کلمہ کسے کہیں گے؟ جو مسندبہ یا مسند الیہ بن سکے بھائی۔

اس کے بعد پھر دوسرا اشکال یہ ہوا تھا کہ جَسَقٌ مُهْمَلٌ اور دَيْزٌ مَقْلُوبُ زَيْدٍ، یہ بھی کلام کی تعریف سے خارج ہو گئے، کیونکہ جَسَقٌ مُهْمَلٌ اس کے اندر جَسَقٌ تو ہے مہمل، اور مہمل کا لفظ جو ہے وہ ہے کلمہ، اس کا معنی ہے وہ لفظ جس کا معنی نہ ہو۔ تو ایک ہی کلمے سے کلام حاصل ہو رہا ہے اور سب اس کو کلام کہتے ہیں۔ تو صاحبِ جامی نے جواب دے دیا کہ نہیں بھائی، یہ بھی کیا ہے؟ حکماً حکماً کلمہ ہے، کیونکہ یہ مسند الیہ بن رہا ہے، یہ هٰذَا اللَّفْظُ کی تاویل میں ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ اسی طرح دَيْزٌ مَقْلُوبُ زَيْدٍ، اس کے اندر بھی جو دَيْزٌ ہے یہ ہے تو مہمل لیکن یہ هٰذَا اللَّفْظُ کی تاویل میں ہے یعنی حکماً یہ بھی کلمہ ہے۔ اسی طرح اِضْرِبْ اور لَا تَضْرِبْ جو ہے، حقیقت میں تو ایک ہی کلمہ ہے اِضْرِبْ، لیکن اس کے اندر ایک اور کلمہ حکماً موجود ہے اور وہ کیا ہے؟ أَنْتَ۔ تو اِضْرِبْ کے اندر ایک کلمہ ہوا حقیقتاً اور ایک کلمہ ہوا حکماً، تو یہ دو کلمے ہیں۔ اسی طرح لَا تَضْرِبْ بھی اس میں داخل ہو گیا، لَا تَضْرِبْ حقیقت میں تو ایک کلمہ ہے لیکن حکماً دو کلمے ہیں کیونکہ اس کے اندر أَنْتَ ضمیر

موجود ہے، وہ حکماً کلمہ ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟

اس کے بعد صاحبِ جامی نے آپ کو بتلایا کہ ایک ہے کلام اور ایک ہیں اس کے متعلقات۔ تو یہ سارے مجموعے کو کلام کہیں گے یا کلام صرف مسند اور مسند الیہ کو کہیں گے؟ تو بتلایا کہ صاحبِ کافیہ کی عبارت سے تو ظاہر یہی ہوتا ہے کہ صاحبِ کافیہ کے نزدیک جو متعلقات ہوتے ہیں کلام کے وہ بھی کلام کے اندر داخل ہیں، کلام کا حصہ ہیں۔ جیسے ضَرَبْتُ زَيْدًا قَائِمًا فِي الدَّارِ۔ متعلقات بھائی، متعلقات کے اندر یہ منصوبات اور جار مجرور سب داخل ہو گئے بھائی، اس میں مفعول مطلق بھی آگیا، مفعول بہ بھی آگیا، مفعول فیہ بھی آگیا، مفعول لہ بھی آگیا، مفعول معہ بھی آگیا، حال بھی آگیا، تمیز بھی آ گئی، جار مجرور وغیرہ یہ سب کیا ہیں؟ یہ متعلقاتِ فعل ہیں بھائی، یہ کیا ہیں؟ یہ متعلقاتِ فعل یا متعلقاتِ کلام ہیں بھائی۔ تو کیا یہ بھی کلام کا حصہ ہیں؟ کلام کے اندر داخل ہیں یا کلام صرف مسند اور مسند الیہ کا نام ہے؟ تو کہتے ہیں صاحبِ کافیہ کی تعریف سے یہی ظاہر ہوتا ہے کہ یہ سب کلام کے اندر داخل ہیں کیونکہ صاحبِ کافیہ نے اپنی تعریف میں کوئی حصر نہیں کیا ذکر۔ انہوں نے یہ نہیں کہا کہ کلام وہ ہے جو متضمن ہو دو کلموں کو فقط۔ فقط وغیرہ کی کوئی قید انہوں نے نہیں بڑھائی جس سے پتہ چلتا کہ دو ہی کلمے صرف وہ ہیں کلام ہیں باقی نہیں۔ تو ظاہر یہی ہے کہ یہ متعلقات کلام کی تعریف میں داخل ہیں بھائی، یہ بھی کلام کا حصہ ہیں بھائی۔ اور صاحبِ مفصل نے جو کلام کی تعریف کی ہے، انہوں نے کہا ہے: اَلْكَلَامُ هُوَ الْمُرَكَّبُ مِنْ كَلِمَتَيْنِ أُسْنِدَتْ إِحْدَاهُمَا إِلَى الْأُخْرَى۔ تو انہوں نے دیکھو اَلْكَلَامُ هُوَ الْمُرَكَّبُ، خبر کو بھی معرفہ لے آئے اور خبر معرفہ ہو تو وہ حصر کا فائدہ دیتی ہے، معلوم ہوا کلام وہی ہے جو مرکب ہو دو ایسے کلموں سے کہ ان میں سے ایک کا اسناد ہو دوسرے کی طرف۔ معلوم ہوا کلام صرف مسند اور مسند الیہ سے مرکب ہے، باقی متعلقات وہ کلام سے خارج ہیں۔ تو ضَرَبْتُ زَيْدًا قَائِمًا فِي الدَّارِ کے اندر ان کے نزدیک، صاحبِ مفصل کے نزدیک صرف ضَرَبْتُ کلام ہے، زَيْدًا، قَائِمًا اور فِي الدَّارِ یہ سب کیا ہیں؟ کلام سے خارج ہیں۔

آگے دیکھیے آج کا سبق:

ثُمَّ اعْلَمْ أَنَّ صَاحِبَ الْمُفَصَّلِ وَصَاحِبَ اللُّبَابِ ذَهَبَا إِلَى تَرَادُفِ الْكَلَامِ وَالْجُمْلَةِ وَكَلَامُ الْمُصَنِّفِ رَحِمَهُ اللهُ أَيْضًا يَنْظُرُ إِلَى ذٰلِكَ۔

اب یہاں سے مزید تحقیق کر رہے ہیں صاحبِ جامی کہ ایک ہوتا ہے جملہ اور ایک ہوتا ہے کلام۔ کیا جملہ اور کلام ایک چیز ہیں یا الگ الگ ہیں بھائی؟ جملہ اور کلام ایک چیز ہیں یا الگ الگ چیز ہیں؟ تو یاد رکھو مشہور قول یہی ہے کہ جملہ اور کلام مترادف ہیں، جو جملہ ہے وہ کلام ہے اور جو کلام ہے وہ جملہ ہے۔ لیکن محققین علماء فرماتے ہیں کہ نہیں، جملہ عام ہے اور کلام خاص ہے۔ ہر جملہ کلام نہیں۔ ہر جملہ، بعض جملے وہ کلام ہیں، بعض جملے وہ کلام نہیں، تو ہر جملہ کلام نہیں لیکن ہر کلام کیا ہے؟ جملہ ہے۔ جیسے ہر انسان کیا ہے؟ حیوان ہے لیکن ہر حیوان انسان نہیں ہے۔ تو جملہ ہوا عام اور کلام ہوا خاص،

جیسے حیوان کیا ہے؟ عام اور انسان کیا ہے؟ خاص بھائی۔ تو محققین فرق کرتے ہیں دونوں میں۔ علمائے محققین فرماتے ہیں کہ کلام وہ ہے جس میں ایسا اسناد آئے جو مقصود لذاتہ ہو۔ توجہ سے سمجھ لو۔ کلام اس جملے کو کہیں گے کہ جس کے اندر جو اسناد آئے وہ مقصود ہو بھائی، وہ وہ اپنی ذات، مقصود لذاتہ ہو، اپنی ذات کے اعتبار سے مقصود ہو، یعنی اسی کا فائدہ مخاطب کو پہنچانا مقصد ہو، اسی کا فائدہ مخاطب کو پہنچانا مقصود ہو۔ توجہ ہے؟

بھائی یاد رکھو! ایک ہے اسنادِ مقصود لذاتہ اور ایک اسناد ہے غیر مقصود لذاتہ۔ اسنادِ مقصود لذاتہ اس کو کہتے ہیں کہ وہ اسناد جو اپنی ذات کے اعتبار سے ہی مقصود ہوتا ہے، اسی کا فائدہ مخاطب کو پہنچانا ہوتا ہے، وہی بات مخاطب کو بتلانا ہوتی ہے، وہی اسناد مقصود ہوتا ہے، اسی کا فائدہ پہنچانا چاہتے ہیں آپ دوسرے کو کلام کے ذریعے۔ اور ایک اسناد غیر مقصود لذاتہ ہوتا ہے۔ غیر مقصود لفظوں سے ظاہر ہے، جو اپنی ذات کے اعتبار سے مقصود نہیں ہے بلکہ وہ کسی دوسرے اسناد کے لیے وسیلہ بن رہا ہے، اور وہ اسناد اس پر موقوف ہے؛ یہ اسناد ہے تو وہ والا اسناد بھی ہے، یہ نہیں تو وہ والا بھی نہیں ہے۔

جیسے ذرا اس مثال پر نظر رکھو جو کل میں نے آپ کو مثالیں لکھوائی تھیں، تین مثالیں۔ ذرا پہلی مثال پر نظر رکھو، یہاں آپ کو بات سمجھ میں آجائے گی کہ اسناد مقصود لذاتہ کسے کہتے ہیں اور اسناد غیر مقصود لذاتہ کسے کہتے ہیں۔ بھائی دیکھیے پہلا جملہ میں نے آپ کو لکھوایا: زَیْدٌ قَامَ أَبُوہُ۔ میں نے کیا کہا تھا؟ زید کے گرد ایک دائرہ لگاؤ اور قَامَ أَبُوہُ کے گرد دوسرا دائرہ لگاؤ۔ پہلا دائرہ کس کا ہے؟ زید، یہ مسند الیہ ہے۔ اور دوسرا دائرہ اس میں ہے قَامَ أَبُوہُ، یہ ہے مسندبہ بھائی، یہ مسند بن رہا ہے۔ تو ایک اسناد ان دونوں کے درمیان ہے زید اور قَامَ أَبُوہُ کے درمیان۔ ایک اسناد قَامَ أَبُوہُ، یہ جو صرف خبر ہے، خبر اس پر اب نظر رکھو۔ اس کے اندر بھی ایک اسناد ہے لیکن وہ اسناد اپنی ذات کے اعتبار سے مقصود نہیں ہے۔ جو خبر ہے، خبر کے اندر اسناد وہ مقصود نہیں ہے بلکہ کون سا اسناد مقصود ہے؟ یہ جو زید اور قَامَ أَبُوہُ کے درمیان اسناد ہے یہ والا اسناد مقصود ہے۔ آپ جب یہ جملہ بولتے ہیں زَیْدٌ قَامَ أَبُوہُ، زیدٌ قَامَ أَبُوہُ، آپ شروع میں جو زَیْدٌ مبتدا کو لے آئے اور قَامَ أَبُوہُ آگے خبر لے آئے، تو یہ جو زَیْدٌ اور قَامَ أَبُوہُ کے درمیان اسناد ہے یہ آپ دوسرے کو بتلانا چاہتے ہیں، اس کا فائدہ دینا چاہتے ہیں، یہ بات اس کو بتلانا چاہتے ہیں کہ زید کون ہے؟ قَامَ أَبُوہُ ہے، زید کون ہے؟ قَامَ أَبُوہُ ہے۔ تو یہ اسناد مقصود لذاتہ ہے، یہی آپ بات دوسرے کو بتلانا چاہتے ہیں۔ اور لیکن اسی جملے کے اندر ایک اور اسناد بھی آیا، کون سا؟ قَامَ أَبُوہُ، قَامَ أَبُوہُ۔ وہ بھی اسناد ہے لیکن وہ اسناد مقصود نہیں۔ اگر مقصود ہوتا تو آپ شروع میں زید نہ لے کر آتے، آپ سیدھا سیدھا کہہ دیتے قَامَ أَبُو زَیْدٍ، قَامَ أَبُو زَیْدٍ کہہ دیتے لیکن آپ نے قَامَ أَبُو زَیْدٍ نہیں کہا، زید کو شروع میں لے آئے۔ معلوم ہوا زید اور قَامَ أَبُوہُ کے درمیان جو اسناد ہے یہ آپ دوسرے کو بتلانا چاہتے ہیں، اس کا فائدہ آپ دینا چاہتے ہیں۔ لیکن یہ والا اسناد خود موقوف ہے کس پر؟ یہ اسناد کب سمجھ میں آئے گا؟ جب قَامَ أَبُوہُ والا اسناد آپ کو سمجھ میں آجائے گا۔ تو یہ جو اسناد جو مقصود ہے یہ موقوف ہو گیا کس پر؟ قَامَ أَبُوہُ والے اسناد پر، کس پر؟ قَامَ أَبُوہُ والے اسناد پر موقوف ہوا، لیکن وہ خود مقصود نہیں۔

تو ایک اسناد وہ ہوتا ہے جو خود اپنی ذات کے اعتبار سے مقصود ہوتا ہے، جیسے زَيْدٌ اور قَامَ أَبُوهُ کے درمیان ہے، یہ اپنی ذات کے اعتبار سے مقصود ہے۔ اور ایک اسناد وہ ہوتا ہے جو اپنی ذات کے اعتبار سے مقصود نہیں ہوتا بلکہ وہ اس کلام کا، اس جملے کا ایک جز ہوتا ہے، ایک حصہ ہوتا ہے جیسے قَامَ أَبُوهُ۔ قَامَ کا اسناد ہے کس کی طرف؟ أَبُوهُ کی طرف، لیکن یہ اسناد مقصود لذاتہ نہیں ہے۔ ہاں یہ اسناد وسیلہ بن رہا ہے، اس کی وجہ سے دوسرا اسناد پہلا والا بھی ہے، یہ نہ ہوتا تو پہلا اسناد بھی نہ ہوتا، تو پہلا اسناد اس پر موقوف ہے۔ تو اسناد غیر مقصود لذاتہ وہ ہوتا ہے جو کسی دوسرے اسناد کے لیے کیا بنے؟ وسیلہ بنے، یعنی وہ دوسرا اسناد کیا ہو؟ اس پر موقوف ہونا ضروری نہیں ہے، موقوف ہونا، لیکن بہرحال وسیلہ بنتا ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو یہاں پر بھی قَامَ أَبُوهُ کے درمیان اسناد آئے گا تو پھر ہی اس سارے جملے کا آپ اسناد زید کی طرف کر سکیں گے۔ اگر یہ قَامَ أَبُوهُ کے درمیان اسناد نہ آیا تو اس سارے کا آپ اسناد زید کی طرف نہیں کر سکتے، پھر سارے کا اکٹھا اسناد ہو گا ہی نہیں، پھر تو الگ الگ کلمے ہوں گے۔

تو اسناد مقصود لذاتہ کسے کہتے ہیں؟ وہ اسناد جو اپنی ذات کے اعتبار سے مقصود ہو، جس کا فائدہ مخاطب کو پہنچانا مقصود ہو یعنی اس کو وہ بات بتلانا مقصود ہے۔ اور جب کہ اسناد غیر مقصود لذاتہ وہ ہے کہ جس کا فائدہ مخاطب کو پہنچانا مقصود نہیں ہوتا، وہ اپنی ذات کے اعتبار سے مقصود نہیں ہے، ہاں دوسرا اسناد جو ہے وہ اس پر موقوف ہے یا یہ اس کے لیے کیا بن رہا ہے؟ وسیلہ بن رہا ہے۔

دوسری مثال لے لو۔ دوسری مثال لے لو، مثلاً میں آپ سے کہتا ہوں: جَاءَ الَّذِي ضَرَبَكَ۔ لکھو ذرا اپنے سامنے جملہ: جَاءَ الَّذِي ضَرَبَكَ۔ دیکھو جَاءَ ہے فعل، توجہ ہے؟ ذرا عبارت پر نظر رکھو۔ جَاءَ ہے فعل، الَّذِي مرفوع محلاً اسمِ موصول۔ ترکیب سمجھ میں آرہی ہے؟ الَّذِي مرفوع محلاً اسمِ موصول۔ مرفوع کیوں؟ کیونکہ یہ فاعل ہے جَاءَ کا اور فاعل مرفوع ہوتا ہے۔ محلاً کیوں؟ کیونکہ یہ مبنی ہے، الَّذِي اسمِ موصول ہے، مبنی ہے۔ اسمِ موصول ہے اور موصول کے لیے ہمیشہ کیا چاہیے؟ صلہ، اور صلہ جملہ ہوتا ہے۔ تو الَّذِي مرفوع محلاً اسمِ موصول، آگے ضَرَبَكَ، ضَرَبَ فعل، اس کے اندر هُوَ ضمیر مرفوع محلاً اس کا فاعل جو کس کو راجع؟ الَّذِي کو، کیونکہ جملہ ہے، جملے کو کسی بھی چیز سے جوڑنا ہو ربط چاہیے تو صلہ بھی جملہ ہوتا ہے، اس کو بھی موصول سے جوڑنے کے لیے ربط چاہیے۔ تو ضَرَبَ کے اندر هُوَ ضمیر مرفوع محلاً جو فاعل ہے راجع ہے الَّذِي کو اور کاف ضمیر منصوب محلاً مفعول بہ ہے۔ فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر یہ صلہ ہوا اسمِ موصول کا، موصول صلہ مل کر یہ فاعل ہوا جَاءَ کے لیے، اور جَاءَ فعل اپنے فاعل سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہوا۔ جَاءَ الَّذِي ضَرَبَكَ، آیا وہ آدمی ضَرَبَكَ جس نے آپ کی پٹائی کی تھی، وہ آدمی جس نے آپ کی پٹائی کی تھی وہ آیا ہے۔

اب مجھے بتائیے ذرا اس جملے پر نظر رکھو۔ میں آپ کو یہ خبر دیتا ہوں، کیا کہتا ہوں؟ جَاءَ الَّذِي ضَرَبَكَ، وہ آدمی آیا ہے جس نے آپ کی پٹائی کی تھی۔ اب بتائیے مجھے، میں آپ کو کیا بتلانا چاہتا ہوں؟ اس آدمی کا آنا بتلانا چاہتا ہوں یا یہ بتلانا چاہتا ہوں کہ اس نے آپ کی پٹائی کی تھی؟ جَاءَ الَّذِي ضَرَبَكَ، وہ آدمی آیا ہے جس نے آپ کی پٹائی کی تھی۔ میں آپ کو کیا بتلانا

چاہتا ہوں؟ اس آدمی کا آنا بتلانا چاہتا ہوں یا یہ بتلانا چاہتا ہوں کہ ایک آدمی نے آپ کی پٹائی کی تھی؟ اس کا آنا! بھائی وہ تو آپ کو پہلے ہی پتہ ہے پٹائی ہوئی ہی آپ کی ہے، تو اس کی تو خبر سب سے زیادہ آپ کو ہے۔ ایک آدمی نے آپ کی پٹائی کی ہے میں یہ آپ کو نہیں بتلانا چاہتا، یہ میرا مقصد نہیں ہے، میں بتلانا چاہتا ہوں اس آدمی کا آنا بھائی، اس آدمی کا آنا۔ تو دیکھو اس جملے میں دو اسناد ہیں، ایک جَاءَ کا اسناد ہے کس کی طرف؟ الَّذِي کی طرف، اور ایک ضَرَبَكَ کے اندر اسناد ہے، ضَرَبَكَ کے اندر، لیکن یہاں مقصود لذاتہ کون سا اسناد ہے؟ جو یہ جو جَاءَ کا اسناد ہو رہا ہے الَّذِي کی طرف یعنی وہ آدمی آیا ہے یہ بتلانا مقصود ہے۔ اس نے آپ کی پٹائی کی ہے یہ بتلانا مقصد نہیں، وہ تو آپ کو پہلے ہی پتہ ہے کہ ایک آدمی نے آپ کی پٹائی کی ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو ایک اسناد ہوا جَاءَ اور الَّذِي کے درمیان اور ایک اسناد ہوا ضَرَبَ کے اندر بھائی۔ تو جَاءَ کا جو الَّذِي کی طرف اسناد ہے یہ ہے مقصود لذاتہ، اس کا فائدہ بتلانا مقصد ہے یعنی یہ بات میں آپ کو بتلانا چاہتا ہوں جَاءَ الَّذِي وہ آدمی آیا ہے بھائی، وہ آدمی آیا ہے، یہ بات میں آپ کو بتلانا چاہتا ہوں۔ اور جو ضَرَبَكَ جو ہے وہ وسیلہ ہے، وہ ضَرَبَكَ الَّذِي سے جڑے گا تو پھر ہی کلام کا معنی پورا سمجھ میں آئے گا، تو وہ وسیلہ ہے یا یوں کہو یہ اسناد اس پر کیا ہے؟ موقوف ہے۔

تو اسناد مقصود لذاتہ کسے کہتے ہیں؟ کہ جو اپنی ذات کے اعتبار سے مقصود ہوتا ہے یعنی جس کی خبر دوسرے کو آپ دینا چاہتے ہیں، جو بات آپ دوسرے کو بتلانا چاہتے ہیں، اور اس اسناد کے اندر کوئی اور اسناد آجائے تو وہ کیا ہے؟ غیر مقصود لذاتہ ہے، اس کا بتلانا مقصد نہیں، ہاں اس سے بات واضح ہو جائے گی اس کے بغیر بات واضح نہیں ہو گی۔ تو وہ جو دوسرا اسناد ہے جو اس کے اندر آیا ہے، پہلے اسناد کے اندر آیا ہے، توجہ ہے؟ ذرا اس پھر اس جملے پر نظر رکھو۔ جَاءَ الَّذِي ضَرَبَكَ، جَاءَ کے گرد دائرہ لگاؤ، یہ ہے مسند بہ، فعل کیا بنتا ہے؟ مسند۔ اور الَّذِي ضَرَبَكَ اس سارے کے گرد دائرہ لگاؤ، یہ ہے مسند الیہ بھائی۔ تو اب دیکھو مسند الیہ کے اندر جو اسناد آیا ہے وہ مقصود نہیں ہے بلکہ یہ جَاءَ کا جو اسناد ہوا ہے الَّذِي ضَرَبَكَ کی طرف یہ کیا ہے؟ مقصود ہے، یہ کیا ہے؟ مقصود ہے، اور وہ جو مسند الیہ کے اندر اسناد آیا ہے وہ وسیلہ ہے، اس کی وجہ سے مسند الیہ سمجھ میں آرہا ہے۔ اگر صرف الَّذِي کہتے ضَرَبَكَ نہ کہتے تو یہ سمجھ میں نہ آتا کہ الَّذِي سے کون مراد ہے کیونکہ موصول کے لیے ہمیشہ صلہ چاہیے۔

تو حاصلِ کلام یہ کہ جو جملہ آپ کے سامنے ذکر کیا جائے، اس جملے کا جو بنیادی اسناد ہے جو آپ دوسرے کو بات بتلانا چاہتے ہیں وہ مقصود ہوتا ہے، اور اس جملے کے اندر اور جملے آجائیں، اس جملے کے اندر اور جملے آجائیں وہ جملے تو ہیں، وہ مقصود لذاتہ نہیں ہیں بھائی۔ یہ جو ابھی میں نے مثال لکھوائی، یہ جملہ کیا بنا؟ صلہ بنا۔ اسی طرح جملہ کبھی کیا بنتا ہے؟ خبر، جیسے ابھی میں نے پہلی مثال کروائی زَيْدٌ قَامَ أَبُوهُ۔ زیدٌ قَامَ أَبُوهُ، یہ قَامَ أَبُوهُ پورا جملہ ہے یہ خبر بن رہا ہے۔ تو جملہ کبھی صلہ بنتا ہے، جملہ کبھی خبر بنتا ہے، جملہ کبھی صفت بنتا ہے، جملہ کبھی حال بنتا ہے، جملہ کبھی مضاف الیہ بنتا ہے، جملہ کبھی، جملہ کبھی قسم بنتا ہے، اور جملہ کبھی شرط بنتا ہے، توجہ ہے؟ شرط بنتا ہے، یہ سارے غیر مقصود لذاتہ ہوتے ہیں، یہ کیا ہوتے

ہیں؟ غیر مقصود لذاتہ۔ بھائی جب جملہ صفت بنا تو موصوف صفت سے مل کر یہ جملے کا ایک حصہ بنے گا، توجہ ہے؟ جملہ کبھی کیا بنتا ہے؟ ایک جملے کے اندر دوسرا جملہ آتا ہے۔ وہ جو ایک جملے کے اندر دوسرا جملہ آیا ہے وہ کبھی کیا بنتا ہے؟ کبھی وہ خبر بنتا ہے۔ زَيْدٌ قَامَ أَبُوهُ، تو زَيْدٌ قَامَ أَبُوهُ کے اندر قَامَ أَبُوهُ کیا آگیا؟ جملہ۔ جَاءَ الَّذِي ضَرَبَكَ، اس کے اندر کیا آگیا؟ ضَرَبَكَ جملہ آگیا۔ اسی طرح کسی جملے کے اندر کوئی جملہ وہ صفت بن رہا ہوتا ہے اس کا موصوف ہوتا ہے اس کے اندر۔ اسی طرح کسی جملے کے اندر ایک جملہ حال بن رہا ہوتا ہے۔ اسی طرح کسی ایک جملے کے اندر ایک جملہ مضاف الیہ بن رہا ہوتا ہے وغیرہ۔ یہ اسی طرح جملہ شرطیہ کے اندر ایک جملہ جو ہے وہ شرط بن رہا ہوتا ہے۔ یاد رکھو یہ سارے غیر مقصود لذاتہ ہیں۔ جب جملہ خبر بنے تو غیر مقصود لذاتہ ہے، خبر نہیں مقصود بلکہ اس خبر کا جو اسناد ہے بتدا کی طرف وہ کیا ہے؟ وہ مقصود ہوتا ہے۔ جملہ کبھی صفت بنتا ہے تو وہ صفت نہیں مقصود ہوتی بلکہ اس جملے کے اندر جو دوسرا اسناد ہوتا ہے وہ کیا ہوتا ہے؟ مقصود۔ جملہ کبھی حال بنتا ہے لیکن حال نہیں مقصود ہوتا، اس وہ جو جملے کے اندر دوسرا اسناد ہے اصل اسناد ہے وہ مقصود ہوتا ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟

تو اسناد مقصود لذاتہ کس کو کہتے ہیں؟ جو اپنی ذات کے اعتبار سے مقصود ہو جو دوسرے کو آپ خبر دینا چاہتے ہیں۔ جملے کے اندر جو جملہ آجائے، تو جو اندر جملہ آیا ہے وہ مقصود نہیں ہوتا اور اس کی کئی صورتیں ہیں: کبھی وہ خبر بن کر پورا جملہ اندر آجائے گا، کبھی وہ صفت بن جائے گا، کبھی حال بن جائے گا، کبھی وہ شرط وغیرہ بنے گا۔ اسی طرح جو قسم ہے، قسم ہے مثلاً آپ کسی سے کہتے ہیں وَاللهِ لَأَضْرِبَنَّكَ، واللہ میں آپ کی ضرور پٹائی کروں گا۔ یہ جو وَاللهِ ہے آپ نے ترکیب پڑھی ہوگی، یہ متعلق ہے أُقْسِمُ فعل سے، أُقْسِمُ میں قسم کھاتا ہوں اللہ کی۔ أُقْسِمُ فعل، أَنَا ضمیر فاعل اور وَاللهِ جار مجرور مل کر متعلق ہوئے أُقْسِمُ سے، أُقْسِمُ فعل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہوا، قسم ہے، کیا ہے؟ اور یہ قسم آپ کس کو کہتے ہیں؟ وَاللهِ لَأَضْرِبَنَّكَ، واللہ میں آپ کی ضرور پٹائی کروں گا۔ مجھے بتائیے یہ وَاللهِ کہنا مقصود تھا یا لَأَضْرِبَنَّكَ کہنا مقصود ہے؟ یہ جو آگے جوابِ قسم ہوتا ہے یہ مقصود ہوتا ہے، یہ جو قسم ہوتی ہے یہ تو اسی جوابِ قسم میں تاکید پیدا کرتی ہے یعنی آپ قسم کھا کر کہہ رہے ہیں کہ میں ضرور آپ کی پٹائی کروں گا۔ تو قسم کیا ہے؟ وہ غیر مقصود ہوتی ہے، مقصود کیا ہوتا ہے؟ جوابِ قسم۔ اسی طرح شرط اور جزا ہیں، شرط اور جزا میں جزا اصل ہے، شرط اس کے لیے قید ہوتی ہے۔ إِنْ تَضْرِبْ أَضْرِبْ، اگر آپ پٹائی کریں گے تو میں بھی پٹائی کروں گا۔ تو اصل مقصود یہاں أَضْرِبْ ہے، میں پٹائی کروں گا۔ إِنْ تَضْرِبْ اس کے لیے قید ہے کہ میں کب پٹائی کروں گا؟ اگر آپ نے پٹائی کی تو پھر میں بھی پٹائی کروں گا۔ تو شرط جو ہوتی ہے وہ جزا کے لیے قید ہوتی ہے، اصل جزا ہے۔ چنانچہ آپ نے پڑھا ہوگا کہ شرط اور جزا میں سے جزا اصل ہے۔ اور یہ جو جملہ شرطیہ ہے یہ شرط اور جزا سے مل کر جملہ کیا بنے گا؟ جملہ شرطیہ، توجہ ہے؟ بعض طلبہ اس کو شرطیہ جزائیہ کہتے ہیں، شرطیہ جزائیہ نہیں کہنا، اس کا

نام جملہ شرطیہ ہے۔ جملہ شرطیہ کے اندر ہی خود ہی جزا ہوتی ہے۔ تو بعض طلبہ اس کا کیا نام لیتے ہیں؟ جملہ شرطیہ جزائیہ۔ یہ غلط ہے یہ نام بھائی، جملہ شرطیہ جزائیہ نہ کہیں بلکہ کیا کہیں؟ جملہ شرطیہ کہیں، بس۔ جب جملہ شرطیہ کہہ دیا تو اسی کے اندر شرط بھی آگئی اور جزا، ان دونوں سے مل کر ہی جملہ شرطیہ بنتا ہے ان کے بغیر نہیں۔ تو جملہ شرطیہ کے اندر یاد رکھو اصل جو ہے نا وہ جزا ہے۔ اگر جزا جملہ خبریہ ہو تو ہم کہیں گے جملہ شرطیہ خبریہ ہے۔ اگر جزا کیا ہو؟ جزا کیا ہو؟ جملہ خبریہ۔ بھائی جملہ یا خبریہ بھی ہو سکتا ہے انشائیہ بھی ہو سکتا ہے نا، توجہ ہے؟ جملہ: زَيْدٌ قَائِمٌ، جملہ خبریہ ہے یا انشائیہ ہے؟ خبریہ ہے۔ اور اِضْرِبْ زَيْدًا، یہ کون سا جملہ ہے؟ یہ امر ہے، یہ انشائیہ ہے، تو جملہ دو قسم پر ہے: یا خبریہ ہو گا یا انشائیہ۔ اب یہ جو جملہ شرطیہ آئے یاد رکھو، اس یہ بھی کبھی خبریہ ہوتا ہے اور کبھی انشائیہ۔ اب جملہ شرطیہ کو خبریہ کب کہیں گے اور جملہ شرطیہ کو انشائیہ کب کہیں گے؟ تو جزا پر نظر رکھنا، اگر جزا کیا ہو؟ خبریہ ہو تو یہ جملہ شرطیہ خبریہ کہلائے گا، اور اگر جزا کیا ہو؟ یہ جملہ انشائیہ ہو تو یہ جملہ شرطیہ انشائیہ کہلائے گا۔ تو معلوم ہوا یہ جو شرط ہے یہ جزا کے لیے قید ہوتی ہے، اور شرط میں بھی جملہ ہوتا ہے یا نہیں؟ إِنْ تَضْرِبْ، اگر آپ پٹائی کریں گے، لیکن یہ مقصود لذاتہ نہیں، مقصود کیا ہے؟ جزا مقصود ہے، شرط مقصود نہیں۔ اسی طرح کبھی جملہ مضاف الیہ بنتا ہے تو وہ بھی مقصود نہیں ہوتا۔

تو بتلانا میں یہ چاہتا تھا کہ اسناد دو قسم پر ہے۔ ایک اسناد وہ ہے جو اپنی ذات کے اعتبار سے مقصود ہوتا ہے، اور دوسرا اسناد جو اپنی ذات کے اعتبار سے مقصود نہیں ہوتا یعنی اسی اسناد کے اندر ایک اور اسناد آرہا ہوتا ہے، ایک اور جملہ آرہا ہوتا ہے، وہ مقصود نہیں ہوتا۔ تو علمائے محققین فرماتے ہیں کہ جملہ عام ہے۔ جملے کے اندر مسند، مسند الیہ ہوں گے لیکن کبھی اس میں جو اسناد ہے وہ مقصود ہو گا، کبھی مقصود نہیں ہو گا۔ توجہ ہے؟ جب کہ کلام وہ خاص ہے، کلام کے اندر جو اسناد ہو گا وہ مقصود ہو گا، وہ مقصود۔ لہٰذا جَاءَ الَّذِي ضَرَبَكَ، ضَرَبَكَ کے اندر بھی اسناد آیا لیکن وہ مقصود نہیں، لہٰذا اس کو جملہ کہیں گے لیکن کلام نہیں کہیں گے۔ اور جَاءَ الَّذِي ضَرَبَكَ یہ جو جَاءَ کا اسناد ہو رہا ہے الَّذِي ضَرَبَكَ کی طرف، یہ کیا ہے؟ مقصود ہے تو اس کو کلام کہیں گے۔ جَاءَ الَّذِي ضَرَبَكَ یہ سارا کلام ہے اور صرف ضَرَبَكَ وہ جملہ تو ہے کلام نہیں۔ توجہ ہے؟ اور نیز پھر بولو، جَاءَ الَّذِي ضَرَبَكَ یہ جو پورا جملہ ہے یہ جو جَاءَ کا اسناد ہے الَّذِي کی طرف، تو یہ جَاءَ الَّذِي ضَرَبَكَ یہ کلام بھی ہے اور جملہ بھی ہے۔ یہ کلام، کیونکہ جملہ عام ہے چاہے مقصود ہو چاہے مقصود نہ ہو، تو یہ جملہ بھی ہے اور کلام بھی ہے، اور ضَرَبَكَ وہ جملہ تو ہے کلام نہیں کیونکہ وہ مقصود لذاتہ نہیں ہے۔ تو جملہ عام ہے، چاہے وہ مقصود لذاتہ ہو چاہے نہ ہو، اور کلام کیا ہے؟ خاص جو کیا ہو گا؟ مقصود لذاتہ ہو گا۔ دوسری مثال میں نے کیا لکھوائی تھی؟ زَيْدٌ قَامَ أَبُوهُ۔ تو یہ جو قَامَ أَبُوهُ کا اسناد ہے زید کی طرف یہ اسناد مقصود لذاتہ ہے، لہٰذا یہ کلام بھی ہے اور جملہ بھی ہے، لیکن قَامَ أَبُوهُ یہ اسناد مقصود لذاتہ نہیں لہٰذا یہ جملہ تو ہے کلام نہیں ہے۔ ہاں اکیلا قَامَ أَبُوهُ ہوتا، صرف یہ جملہ آپ بولتے، پھر یہ بھی مقصود لذاتہ بن جاتا

لیکن آپ نے اس کو کس طرح بولا ہے کہ یہ ایک جملے کا جز ہے بھائی۔ تو جملہ عام ہے، کلام بھی جملہ ہے کیونکہ مقصود، تو جملہ عام ہے اس میں اسناد ہو سکتا ہے مقصود لذاتہ ہو اور ہو سکتا ہے مقصود لذاتہ نہ ہو، اور کلام خاص ہے اس میں ہمیشہ اسناد کیا ہو گا؟ مقصود لذاتہ ہو گا۔ بات سمجھ میں آ گئی؟ اب دیکھیے کتاب پر۔

ثُمَّ اعْلَمْ پھر تو جان لے أَنَّ صَاحِبَ الْمُفَصَّلِ وَصَاحِبَ اللُّبَابِ ذَهَبَا إِلَى تَرَادُفِ الْكَلَامِ وَالْجُمْلَةِ۔ جی، صاحبِ مفصل میں بیان کر چکا ہوں، علامہ زمخشری ہیں بھائی، علامہ زمخشری جن کی کتاب مفصل ہے، بہت قیمتی کتاب اور اسی سے صاحبِ کافیہ نے کافیہ اخذ کی، اسی سے اخذ کرتے ہوئے کافیہ کتاب لکھی بھائی۔ تو یہ علامہ زمخشری ہیں، یاد رکھو ان کا انتقال ہوا ہے ۵۳۸ ہجری میں۔ علامہ زمخشری کا انتقال کب ہوا؟ ۵۳۸ ہجری میں انتقال ہوا ہے، جب کہ صاحبِ کافیہ جو ہیں ان کا انتقال ۶۴۶ ہجری میں ہوا ہے۔ اور یہ جو صاحبِ لباب ہیں، صاحبِ لباب بھائی یہ ان کا نام ہے تاج الدین محمد ابنِ محمد۔ ان کا نام بھی محمد، ان کے والد کا نام بھی محمد، تو یہ ہیں تاج الدین محمد ابنِ محمد، یہ بھی بہت بڑے نحوی گزرے ہیں۔ اور ان کی کتاب ہے بھائی لُبَابُ الْإِعْرَابِ، بڑی مشہور کتاب ہے علمِ نحو میں بھائی، لُبَابُ الْإِعْرَابِ بھائی۔ تو اسی کی نسبت سے ان کو صاحبِ لباب کہتے ہیں کہ لباب کتاب والے۔ تو صاحبِ مفصل کون ہیں؟ علامہ زمخشری، ترجمہ کیا ہو گا؟ صَاحِبُ الْمُفَصَّلِ، مفصل کتاب والے۔ اور صَاحِبُ اللُّبَابِ کا کیا ترجمہ ہو گا؟ لباب کتاب والے یعنی علامہ تاج الدین محمد ابنِ محمد بھائی۔

آپ کو بتلائیں گے صاحبِ جامی کہ علامہ زمخشری اور صاحبِ لباب دونوں اسی بات کی طرف گئے ہیں کہ کلام اور جملہ مترادف ہیں۔ انہوں نے کوئی فرق نہیں کیا، انہوں نے کیا کہا؟ جو جملہ ہے وہ کلام ہے اور جو کلام ہے وہ جملہ ہے، انہوں نے اسناد کے مقصود لذاتہ اور غیر مقصود لذاتہ کا اعتبار نہیں کیا۔ تو ان کے نزدیک معلوم ہوا جَاءَ الَّذِي ضَرَبَكَ یہ سارا بھی کلام اور ضَرَبَكَ یہ بھی کلام ہے بھائی۔ اور کہتے ہیں صاحبِ کافیہ کے کلام سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے، صاحبِ کافیہ کے کلام سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ جملہ اور کلام جو ہیں وہ مترادف ہیں۔ چنانچہ صاحبِ کافیہ نے کلام کی کیا تعریف کی؟ الْكَلَامُ مَا تَضَمَّنَ كَلِمَتَيْنِ بِالْإِسْنَادِ، کلام وہ لفظ ہے جو متضمن ہو دو کلموں کو اسناد کے ساتھ۔ اسناد کے ساتھ انہوں نے مقصود لذاتہ کی قید کا اضافہ نہیں کیا، تو یہ اسناد عام ہے: مقصود لذاتہ کو بھی شامل اور غیر مقصود لذاتہ کو بھی شامل ہے۔ تو معلوم ہوا ان کے نزدیک جملہ اور کلام مترادف ہیں، جو جملہ ہے وہ کلام ہے اور جو کلام ہے وہ جملہ ہے۔

ثُمَّ اعْلَمْ پھر تو جان لے کہ أَنَّ صَاحِبَ الْمُفَصَّلِ وَصَاحِبَ اللُّبَابِ ذَهَبَا إِلَى تَرَادُفِ الْكَلَامِ وَالْجُمْلَةِ کہ صاحبِ مفصل اور صاحبِ لباب جو ہیں وہ گئے ہیں اس بات کی طرف کہ کلام اور جملہ مترادف ہیں۔ وَكَلَامُ الْمُصَنِّفِ رَحِمَهُ اللهُ أَيْضًا يَنْظُرُ إِلَى ذٰلِكَ اور مصنف کا کلام یعنی صاحبِ کافیہ کا کلام جو ہے وہ بھی اسی کی طرف دیکھ رہا ہے یعنی اس سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ کلام اور جملہ مترادف ہیں۔ فَإِنَّهُ قَدِ اكْتَفَى اس لیے کیونکہ صاحبِ کافیہ نے اکتفا کیا ہے فِي تَعْرِيفِ الْكَلَامِ کلام کی تعریف کے اندر بِذِكْرِ الْإِسْنَادِ مُطْلَقًا مطلقاً اسناد کے ذکر پر۔ مطلقاً اسناد کا ذکر کیا ہے، مطلق کسے کہتے ہیں؟ جس میں کوئی

قید نہ ہو۔ تو انہوں نے بِالْإِسْنَادِ کہا، مطلقاً کہا، اس کے ساتھ مقصود لذاتہ یا غیر مقصود لذاتہ کی قید نہیں لگائی تو مطلق اسناد کو ذکر کیا ہے، اور مطلق اسناد تو دونوں کو شامل ہے، مطلق اسناد تو جن میں اسناد ہو بھائی، جملے میں بھی کیا ہوتا ہے؟ اسناد، کلام میں بھی کیا ہوتا ہے؟ اسناد، مقصود لذاتہ ہے یا نہیں اس کی تو بات ہی نہیں ہے بھائی، تو دونوں کیا ہو گئے؟ مترادف ہو گئے۔ تو کہتے ہیں وَكَلَامُ الْمُصَنِّفِ رَحِمَهُ اللهُ أَيْضًا يَنْظُرُ إِلَى ذٰلِكَ اور مصنف یعنی صاحبِ کافیہ کا کلام بھی اسی طرف دیکھ رہا ہے یعنی اس سے بھی یہی بات معلوم ہوتی ہے۔ فَإِنَّهُ قَدِ اكْتَفَى فِي تَعْرِيفِ الْكَلَامِ بِذِكْرِ الْإِسْنَادِ مُطْلَقًا اس لیے کیونکہ صاحبِ کافیہ نے کلام کی تعریف میں اکتفا کیا ہے بِذِكْرِ الْإِسْنَادِ مُطْلَقًا مطلقاً اسناد کے ذکر پر، وَلَمْ يُقَيِّدْهُ بِكَوْنِهِ مَقْصُودًا لِذَاتِهِ اور صاحبِ کافیہ نے اس کو مقید نہیں کیا کہ وہ اسناد مقصود لذاتہ ہو، اس کی قید انہوں نے نہیں بڑھائی۔ وَمَنْ جَعَلَهُ أَخَصَّ مِنَ الْجُمْلَةِ اور جنہوں نے کلام کو خاص قرار دیا ہے مِنَ الْجُمْلَةِ جملے کے مقابلے میں، جنہوں نے، بعض علماء کیا فرماتے ہیں؟ کلام خاص ہے، جملہ عام ہے، جملہ چاہے مقصود لذاتہ ہو یا مقصود لذاتہ نہ ہو لیکن کلام کیا ہوتا ہے؟ مقصود لذاتہ، تو معلوم ہوا کلام خاص ہے اور جملہ عام ہے۔ تو کہتے ہیں وَمَنْ جَعَلَهُ أَخَصَّ مِنَ الْجُمْلَةِ اور جن علماء نے کلام کو جملے کے مقابلے میں زیادہ خاص قرار دیا ہے، قَيَّدَهُ بِهِ انہوں نے کلام کو اس مَقْصُودًا لِذَاتِهِ کے ساتھ مقید کیا ہے، انہوں نے کلام کو مقصود لذاتہ ہونے کے ساتھ مقید کیا ہے۔

فَحِينَئِذٍ يَصْدُقُ الْجُمْلَةُ عَلَى الْجُمَلِ الْخَبَرِيَّةِ الْوَاقِعَةِ أَخْبَارًا أَوْ أَوْصَافًا بِخِلَافِ الْكَلَامِ۔ اچھا میں نے کیا بتایا؟ بعضوں نے کیا کہا کہ کلام خاص ہے اور جملہ عام، تو معلوم ہوا ان کے نزدیک وہ جملہ جو خبر بنے وہ جملہ تو ہے کلام نہیں، اسی طرح وہ جملہ جو صفت بنے، جملے کے اندر وہ جملہ کہ اس جملے کے اندر ایک جملہ آئے اور وہ خبر بنے تو اس خبر کو وہ کیا کہتے ہیں جنہوں نے فرق کیا ہے؟ اس کو وہ جملہ تو کہتے ہیں، کلام نہیں کہتے۔ توجہ ہے؟ اور اسی طرح اگر پورا جملہ صفت بنے، اس صفت کو یہ جو جملہ ہے اس کو وہ جملہ تو کہتے ہیں، نہیں توجہ، نہیں توجہ۔ بھائی بعض علماء نے فرق کیا، کیا فرق کیا؟ کہ کلام خاص ہے اور جملہ عام۔ تو جنہوں نے فرق کیا ہے ان کے نزدیک جَاءَ الَّذِي ضَرَبَكَ، یہ ضَرَبَكَ یہ کیا ہے؟ جملہ ہے لیکن کلام نہیں۔ اسی طرح زَيْدٌ قَامَ أَبُوهُ ان کے نزدیک یہ جو قَامَ أَبُوهُ ہے یہ جملہ ہے لیکن کلام نہیں۔ بات سمجھ میں آگئی؟ یہی بیان کر رہے ہیں: فَحِينَئِذٍ يَصْدُقُ الْجُمْلَةُ عَلَى الْجُمَلِ الْخَبَرِيَّةِ الْوَاقِعَةِ أَخْبَارًا أَوْ أَوْصَافًا تو اس صورت میں یعنی اگر اس فرق کا اعتبار کیا جائے تو جملہ کا لفظ صادق آئے گا عَلَى الْجُمَلِ الْخَبَرِيَّةِ ان جملہ خبریہ پر بھی الْوَاقِعَةِ أَخْبَارًا أَوْ أَوْصَافًا جو خبر یا وصف واقع ہوتے ہیں۔ جملہ کا لفظ ان جملوں پر بھی صادق آئے گا جو خبر بنتے ہیں یا وصف بنتے ہیں یا صلہ بنتے ہیں یا شرط وغیرہ ان سب پر صادق آئے گا، بِخِلَافِ الْكَلَامِ بخلاف کلام کے، کہ وہ ان پر صادق نہیں آئے گا۔

وَفِي بَعْضِ الْحَوَاشِي۔ صاحبِ جامی نے کیا بتلایا آپ کو؟ کہ صاحبِ مفصل یعنی علامہ زمخشری اور صاحبِ لباب کیا فرماتے ہیں کہ جملہ اور کلام مترادف ہیں، دونوں ایک ہی چیز ہیں، اور صاحبِ کافیہ کے کلام سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے، یہی

معلوم ہوتا ہے۔ اب آگے بتلا رہے ہیں کہ بعض کافیہ کے حواشی میں یعنی کافیہ کی شروحات لکھنے والے بعض علماء فرماتے ہیں کہ صاحبِ کافیہ کے نزدیک بھی کلام خاص ہے اور جملہ عام ہے۔ بھائی کس طرح؟ صاحبِ کافیہ نے تو کوئی ایسی قید ذکر نہیں کی، انہوں نے صرف بِالْإِسْنَادِ فرمایا، بِالْإِسْنَادِ الْمَقْصُودِ لِذَاتِهِ وغیرہ کی کوئی قید انہوں نے نہیں لگائی۔ کہتے ہیں نہیں بھائی، اگرچہ صاحبِ کافیہ نے قید نہیں لگائی لیکن یہ جو کلام کی تعریف میں اسناد لائے ہیں صاحبِ کافیہ، اس سے مراد وہی اسناد مقصود لذاتہ ہے۔ بھائی کس طرح وہ مراد ہے؟ کہتے ہیں بِالْإِسْنَادِ میں الف لام آیا ہے۔ الْإِسْنَادُ وہ والا اسناد، خاص اسناد مراد ہے ہر اسناد مراد نہیں، اور کون سا اسناد مراد ہے؟ جو مقصود لذاتہ ہے بھائی۔ بات سمجھ میں آگئی؟ کہتے ہیں اگر ان کی یہ بات لے لی جائے تو پھر تو صاحبِ کافیہ کے نزدیک بھی جملہ اور کلام میں فرق آگیا: کلام جو ہے اس میں اسناد مقصود لذاتہ ہوتا ہے اور جملہ عام ہے چاہے وہ اسناد مقصود لذاتہ ہو یا نہ ہو۔ کہتے ہیں: وَفِي بَعْضِ الْحَوَاشِي اور بعض حواشی کے اندر ہے یعنی کافیہ کے بعض حاشیوں میں ہے کہ أَنَّ الْمُرَادَ بِالْإِسْنَادِ هُوَ الْإِسْنَادُ الْمَقْصُودُ لِذَاتِهِ کہ اسناد کا لفظ جو تعریف کے اندر آیا اس سے مراد وہ اسناد ہے جو مقصود ہو اپنی ذات کے اعتبار سے، وَحِينَئِذٍ يَكُونُ الْكَلَامُ عِنْدَ الْمُصَنِّفِ أَيْضًا أَخَصَّ مِنَ الْجُمْلَةِ اور اس وقت یعنی اگر ایسا ہے تو پھر اس وقت کلام جو ہے وہ مصنف رحمہ اللہ کے نزدیک بھی جملہ کے مقابلے میں زیادہ خاص ہوگا اور جملہ عام ہوگا۔ بات سمجھ میں آگئی؟

وَلَا يَتَأَتَّى أَيْ لَا يَحْصُلُ ذٰلِكَ أَيِ الْكَلَامُ إِلَّا فِي ضِمْنِ اسْمَيْنِ أَحَدُهُمَا مُسْنَدٌ وَالْآخَرُ مُسْنَدٌ إِلَيْهِ، أَوْ فِي ضِمْنِ اسْمٍ مُسْنَدٍ إِلَيْهِ وَفِعْلٍ مُسْنَدٍ، وَفِي بَعْضِ النُّسَخِ أَوْ فِي فِعْلٍ وَاسْمٍ.

وَلَا يَتَأَتَّى، بھائی پہلے صرف ذرا متن کو دیکھ لو: وَلَا...

▪ متنِ کتاب و تحقیقِ مسائلِ نحویہ

يَتَأَتَّى ذٰلِكَ إِلَّا فِي اسْمَيْنِ أَوْ فِي اسْمٍ وَفِعْلٍ.

وَلَا يَتَأَتَّى ذٰلِكَ اور یہ کلام حاصل نہیں ہوتا، وَلَا يَتَأَتَّى ذٰلِكَ اور یہ کلام حاصل نہیں ہوتا، إِلَّا فِي اسْمَيْنِ مگر کس کے اندر؟ دو اسموں کے اندر، أَوْ فِي اسْمٍ وَفِعْلٍ یا ایک اسم اور ایک فعل۔

بھائی دیکھیے! یہاں سے کلام کی تقسیم کر رہے ہیں اور آپ کو بتائیں گے کہ کلام دو قسم پر ہے: یا وہ جملہ اسمیہ ہوگا یا جملہ فعلیہ ہوگا بھائی۔ جملہ اسمیہ جس کا پہلا جز اسم ہو، جملہ فعلیہ جو فعل اور فاعل یا نائب فاعل سے مل کر بنے بھائی۔ دیکھو کلام کے لیے دو کلمے ہونے چاہئیں، توجہ ہے؟ کلام کی کیا تعریف کی؟ مَا تَضَمَّنَ كَلِمَتَيْنِ بِالْإِسْنَادِ، وہ لفظ ہے جو متضمن ہو دو

کلموں کو اور وہ دو کلمے بھی کس کے ساتھ ہوں؟ اسناد کے ساتھ، یعنی ان دونوں کے درمیان اسناد ہو۔ معلوم ہوا کلام کے لیے دو کلمے ضرور چاہئیں اور ان دونوں کے درمیان اسناد بھی ہونا چاہیے، بغیر اسناد کے نہ ہو۔ اور کلمہ کی تو تین ہی قسمیں ہیں: اسم، فعل اور حرف۔ تو ان میں سے اگر دو دو والے جوڑے بنائیں تو چھ صورتیں بنتی ہیں، توجہ ہے؟ کتنے جوڑے بنتے ہیں؟ دو دو کے جوڑے اگر بنائیں تو کل کتنے جوڑے بنیں گے؟ چھ۔ کس طرح؟ دو کلمے لیے آپ نے دونوں اسم ہوں، ایک صورت۔ دونوں فعل ہوں، دوسری صورت۔ اَلْکَلَامُ مَا تَضَمَّنَ کَلِمَتَیْنِ کلام وہ ہے جو متضمن ہو دو کلموں کو۔ اب دو کلموں کے اندر کتنی صورتیں بنتی ہیں؟ چھ، کیونکہ کلمے کی تو تین ہی قسمیں ہیں اسم، فعل اور حرف اور آپ کو چاہئیں دو کلمے۔ تو ایک صورت یہ آپ دونوں اسم لے لیں گے، یا ایک صورت یہ آپ دو فعل لے لیں گے، تیسری صورت یہ آپ دو حرف لے لیں گے، چوتھی صورت یہ ہے کہ ایک اسم لے لو اور ایک فعل لے لو، پانچویں صورت ہے اسم کے ساتھ فعل کے بجائے کیا لے لو؟ حرف لے لو، اور چھٹی صورت یہ ہے کہ حرف اور فعل آپ لے لیں۔ یہی چھ صورتیں بنتی ہیں اس کے علاوہ اور صورت نہیں بنتی۔ آپ جوڑے بنانا چاہتے ہیں، دو دو کلمے لینا چاہتے ہیں۔

اور کل کلمے کی قسمیں کتنی ہیں؟ تین ہیں تو چھ ہی صورتیں بنتی ہیں: دونوں اسم ہوں گے، یا دونوں فعل ہوں گے، یا دونوں حرف ہوں گے، یا ایک اسم دوسرا فعل، یا ایک اسم دوسرا حرف، یا ایک فعل اور ایک حرف، یہی چھ صورتیں بنتی ہیں۔ اور ان چھ قسموں میں سے، چھ جوڑوں میں سے صرف دو صورتوں میں کلام حاصل ہوتا ہے باقی صورتوں میں کلام نہیں حاصل ہوتا۔ کیوں؟ کیونکہ کلام کے لیے ہمیں مسند الیہ بھی چاہیے اور مسند بہ بھی چاہیے، اسناد چاہیے نا، اسناد کے لیے ایک کو مسند الیہ بنائیں گے ایک کو مسند بہ بنائیں گے۔ اور مسند الیہ اور مسند بہ میں نے آپ کو بتلایا تھا کہ اسم وہ مسند الیہ بھی بنتا ہے مسند بہ بھی بنتا ہے، فعل صرف مسند بہ بنتا ہے مسند الیہ نہیں بنتا، اور حرف نہ مسند الیہ بنتا ہے اور نہ مسند بہ بنتا ہے۔ آئیے اب دیکھتے ہیں ان چھ جوڑوں میں کہ کس صورت میں کلام ہو سکتا ہے اور کس میں کلام نہیں ہو سکتا۔

جی، پہلی صورت: ہم دو اسم لے آتے ہیں۔ دو اسم، ایک کو کیا بنا دو؟ مسند الیہ، دوسرے کو کیا بنا دو؟ مسند بنا دو۔ اسم مسند الیہ بھی بن سکتا ہے اور مسند بھی، تو دیکھو کلام پورا ہو جائے گا۔ دو اسموں سے کلام حاصل ہو جائے گا آپ کو۔ دوسری صورت: آپ دو فعل لے آؤ۔ جب فعل لے آئے، فعل تو صرف مسند بہ بن سکتا ہے مسند الیہ نہیں بن سکتا تو صرف مسند بہ آپ کو ملے گا، مسند الیہ نہیں ملے گا تو کلام پورا نہیں۔ بات سمجھ میں آگئی؟ اور تیسری صورت: دو حرف آپ لے آؤ۔ تو حرف نہ تو مسند الیہ بنتا ہے نہ مسند بہ، تو اس سے بھی کلام آپ کو حاصل نہیں ہو گا۔ توجہ ہے سبق کی طرف؟ چوتھی صورت کیا ہے؟ ایک اسم اور ایک فعل لے آؤ۔ اسم بن جائے گا مسند الیہ اور فعل کیا بن جائے گا؟ مسند بن جائے گا، تو اس میں بھی آپ کو کلام حاصل ہو جائے گا۔ بات سمجھ میں آگئی؟ ایک اسم ہو اور ایک فعل۔ دو اسم تھے اس وقت

بھی کلام حاصل ہو رہا تھا، ایک اسم اور ایک فعل ہو پھر بھی کلام حاصل ہو رہا ہے۔ چوتھی صورت، چوتھی صورت کیا تھی؟ آپ نے ایک اسم اور ایک فعل لیا، اسم کو کیا بنایا؟ مسند الیہ اور فعل کو کیا بنایا؟ مسند، تو اس صورت میں بھی کلام حاصل ہو جائے گا۔ پانچویں صورت لے آؤ: ایک اسم لے آؤ اور ایک حرف لے آؤ۔ تو اسم وہ مسند الیہ یا مسند دونوں میں سے ایک بنا لو اس کو اور حرف تو کچھ بھی نہیں بن سکتا۔ تو اس صورت میں یا صرف مسند الیہ ملے گا اگر آپ نے اس اسم کو مسند الیہ بنایا، اور تو اس صورت میں صرف یا تو مسند الیہ ہو سکتا ہے یا مسندبہ، دونوں نہیں ہو سکتے کیونکہ ایک ہی اسم ہے دوسرا تو حرف ہے وہ تو کچھ بھی نہیں بن سکتا۔ اور چھٹی صورت کہ ایک فعل ہو اور ایک حرف۔ تو فعل تو کیا بن سکتا ہے؟ مسندبہ، اور حرف نہ مسند الیہ بن سکتا ہے نہ مسندبہ، تو صرف مسندبہ آپ کے پاس ہے، جب کہ کلام کے لیے تو دونوں ضروری ہیں۔

معلوم ہوا چھ عقلی احتمال بنتے تھے، کلمہ کی تین قسمیں ہیں اور دو دو کلموں کے جوڑے بناؤ تو کل کتنے عقلی احتمال بنے؟ چھ۔ ان چھ میں سے صرف دو صورتوں کے اندر کلام حاصل ہو گا، باقی چار میں کلام حاصل نہیں کیونکہ کلام کے لیے کیا ضروری؟ مسند الیہ بھی ضروری اور مسندبہ بھی ضروری اور وہ صرف دو صورتوں میں حاصل ہو گا۔ کون سی دو صورتیں ہیں؟ کہ دونوں اسم ہوں یا دوسری صورت کیا؟ ایک اسم ہو اور ایک فعل ہو۔ اور جب دونوں اسم ہوں تو کون سا جملہ بنے گا؟ جملہ اسمیہ، اور جب ایک فعل ہو اور ایک اسم ہو تو جملہ فعلیہ بنے گا۔ تو اب یہاں سے تقسیم کر رہے ہیں کلام کی کہ کلام کی دو ہی صورتیں ہیں: یا تو وہ دونوں اسم ہوں گے یا ایک اسم اور ایک فعل ہو گا، یعنی آسان لفظوں میں یوں کہو کہ کلام کی دو ہی قسمیں ہیں: یا وہ جملہ اسمیہ ہو گا یا جملہ فعلیہ ہو گا۔

اب ذرا صرف متن متن دوبارہ دیکھ لیں: وَلَا يَتَأَتَّى ذٰلِكَ، ذٰلِكَ سے اشارہ ہے کلام کی طرف، اور وہ کلام حاصل نہیں ہوتا إِلَّا فِي اسْمَيْنِ مگر کس میں؟ دو اسموں میں، أَوْ فِي اسْمٍ وَفِعْلٍ یا ایک اسم اور ایک فعل میں۔ صرف ان دو صورتوں میں کلام حاصل ہوتا ہے، بات سمجھ میں آ گئی؟

اب آئیے بھائی شرح پر۔ کہتے ہیں: وَلَا يَتَأَتَّى أَيْ لَا يَحْصُلُ۔ يَتَأَتَّى کے بعد أَيْ لَا يَحْصُلُ یہ صاحبِ جامی کے الفاظ ہیں، یہ دراصل یہاں سے يَتَأَتَّى کا معنی بیان کرنا چاہتے ہیں۔ یاد رکھو يَتَأَتَّى کا مادہ ہے أَتَى يَأْتِي یعنی ہمزہ، تا اور یا، أَتَى يَأْتِي۔ أَتَى يَأْتِي کا معنی ہے آنا، آنا۔ یہ مہ موز بھی ہے، مہ موز الفاء ہے شروع میں ہمزہ ہے اور یہ ناقص بھی ہے آخر میں یا ہے، ناقصِ یائی ہے بھائی۔ تو أَتَى يَأْتِي کا معنی ہوتا ہے آنا، آنا۔ لیکن جب یہ بابِ تفعل میں لے جائیں اس کو تَأَتَّى تو پھر اس کا معنی آنا نہیں ہوتا، اس کا معنی پھر ہوتا ہے آسان ہونا، موافق ہونا، حاصل ہونا۔ تو یہی بیان کر رہے ہیں کہ وَلَا يَتَأَتَّى کا کیا معنی ہے؟ أَيْ لَا يَحْصُلُ یعنی یہ حاصل ہونے کے معنی میں ہے۔ وَلَا يَتَأَتَّى أَيْ لَا يَحْصُلُ اور حاصل نہیں ہوتا ذٰلِكَ وہ، وہ حاصل نہیں ہوتا۔ کیا حاصل نہیں ہوتا؟ جی، أَيِ الْكَلَامُ۔ یہ آگے صاحبِ جامی نے اسمِ اشارہ کا مشارٌ الیہ بتلا دیا کہ ذٰلِكَ کے ذریعے کس

کی طرف اشارہ ہے؟ کلام کی طرف اشارہ ہے، توجہ ہے؟ جی، ذٰلِكَ أَيِ الْكَلَامُ۔ جی کیسے پڑھیں گے؟ الْكَلَامُ، الْكَلَامَ، الْكَلَامِ؟ کیا پڑھیں گے بھائی مجھے بتائیے بھائی، اعراب بتائیے الْكَلَام کا؟ الْكَلَامُ پڑھیں گے، کیوں پڑھیں گے؟ بھائی یہ میں پہلے بیان کر چکا ہوں یہ آسان چھوٹی چھوٹی باتیں ہیں ان کو یاد رکھیں۔ میں نے بتایا تھا أَيْ حرفِ تفسیر ہے اور ماقبل میں ہوتا ہے مفسَّر اور مابعد میں ہوتا ہے مفسِّر یعنی تفسیر ہوتی ہے، کیا ہوتی ہے؟ تو یہ الْكَلَام کس کی تفسیر ہے؟ ذٰلِكَ کی، یعنی یہ کس کی طرف اشارہ ہے؟ ذٰلِكَ کے ذریعے اشارہ کس کی طرف ہے؟ کلام کی طرف، یہ بتلا رہے ہیں۔ اور ترکیب کے اعتبار سے میں نے بتلایا تھا کہ یہ جو أَيْ کا مابعد یہ بدل بنتا ہے، تو ذٰلِكَ ہوا مبدل منہ اور الْكَلَام کیا ہوا؟ بدل۔ اور آپ نے پڑھا ہے کہ بدل پر وہی اعراب آتا ہے جو کس پر آئے؟ مبدل منہ پر۔ اب ذٰلِكَ پر کیا اعراب ہے مجھے یہ بتاؤ؟ وَلَا يَتَأَتَّى ذٰلِكَ یہ ذٰلِكَ فاعل ہے يَتَأَتَّى کا: اور حاصل نہیں ہوتا وہ یعنی کلام۔ تو یہ کیا ہے؟ فاعل ہے اور فاعل کیا ہوتا ہے؟ مرفوع۔ لیکن ذٰلِكَ تو ہے اسمِ اشارہ مبنی ہے، اس پر تو اعراب ظاہر نہیں یہ محلاً مرفوع ہے، محلاً مرفوع۔ اور الْكَلَامُ وہ تو معرب ہے تو وہ لفظاً مرفوع ہو گا کیونکہ بدل اور مبدل منہ کا اعراب ایک ہوتا ہے، بات سمجھ میں آگئی؟

وَلَا يَتَأَتَّى أَيْ لَا يَحْصُلُ ذٰلِكَ أَيِ الْكَلَامُ اور وہ یعنی کلام حاصل نہیں ہوتا إِلَّا فِي ضِمْنِ اسْمَيْنِ مگر دو اسموں کے ضمن میں۔ بھائی ادھر دیکھیے، میں نے آپ کو بتلایا تھا کہ عربی زبان میں جب ایک چیز کو ذکر کیا جائے پہلی دفعہ تو اس کا نام لیا جاتا ہے اور بعد میں اس کی طرف ضمیر لوٹائی جاتی ہے، ضمیر۔ لہٰذا صاحبِ کافیہ کو صرف یہ کہنا چاہیے تھا: وَلَا يَتَأَتَّى إِلَّا فِي اسْمَيْنِ، وَلَا يَتَأَتَّى إِلَّا، اور يَتَأَتَّى کے اندر هُوَ ضمیر لوٹا دیتے کلام کی طرف، توجہ ہے؟ اور وہ کلام حاصل نہیں ہوتا إِلَّا فِي اسْمَيْنِ مگر دو اسموں میں أَوْ فِي اسْمٍ وَفِعْلٍ یا ایک اسم اور ایک فعل میں۔ تو يَتَأَتَّى کے اندر هُوَ ضمیر لوٹا دیتے، تو یہ صاحبِ کافیہ ذٰلِكَ اسمِ اشارہ کیوں لائے؟ توجہ ہے؟ میں نے آپ کو بتلایا تھا اس کو کہتے ہیں وَضْعُ الْمُظْهَرِ مَوْضِعَ الْمُضْمَرِ، اسمِ ظاہر کو ضمیر کی جگہ رکھنا۔ مقام تو ضمیر کا تھا لیکن لے آئے کس کو؟ اسمِ ظاہر یعنی اسمِ اشارہ۔ چاہے اسمِ اشارہ ہو یا کوئی بھی اسمِ ظاہر لے آئیں، تو جب مقام ضمیر کا ہو اور اس کی جگہ کوئی اسمِ ظاہر لایا جائے تو یاد رکھو، یاد رکھو اس میں ہمیشہ کوئی نکتہ ہوتا ہے۔ اس کو کہتے ہیں وَضْعُ الْمُظْهَرِ مَوْضِعَ الْمُضْمَرِ، اسمِ ظاہر کو رکھنا ضمیر کے مقام میں اور اس میں ہمیشہ کوئی نکتہ ہوتا ہے۔ یہاں کیا نکتہ ہے؟ صاحبِ کافیہ کی باتیں بڑی گہری ہوتی ہیں، تو ذٰلِكَ وہ لے کر آئے، کیوں لے کر آئے بھائی؟ حالانکہ صاحبِ کافیہ مختصر سے مختصر کلام کرتے ہیں، ان کی کوشش ہوتی ہے، آپ نے کافیہ میں بھی پڑھا ہو گا کہ صاحبِ کافیہ کی کوشش ہوتی ہے کہ میں کم سے کم لفظوں میں لمبی سے لمبی بات کر دوں، توجہ ہے؟ تو ایک ہے وَلَا يَتَأَتَّى صرف اتنا کہہ دیتے اور ایک ہے وَلَا يَتَأَتَّى ذٰلِكَ۔ مختصر کلام کون سا؟ صرف وَلَا يَتَأَتَّى کہہ دیتے، ذٰلِكَ نہ کہتے، لیکن اس کے باوجود وہ ذٰلِكَ لے کر آئے۔ معلوم ہوا کوئی نکتہ ہے، کوئی گہری بات ہے۔ تو گہری بات یہاں یہ کہ دراصل یہاں احتمال تھا کہ يَتَأَتَّى کی هُوَ ضمیر پیچھے ابھی بالکل

اس کے ساتھ گزرا ہے بِالْإِسْنَادِ۔ کلام کس طرح ہے؟ وَالْكَلَامُ مَا تَضَمَّنَ كَلِمَتَيْنِ بِالْإِسْنَادِ وَلَا يَتَأَتَّى۔ دیکھا بالکل ساتھ جڑا ہوا ہے بِالْإِسْنَادِ۔ تو شبہ پڑتا شاید يَتَأَتَّى کی ضمیر اسناد کو راجع ہے، اور اسناد ظاہر سی بات ہے کلام بالکل ٹھیک بنتا ہے ذرا آپ اسناد کی طرف ضمیر راجع کریں: اور وہ اسناد کون سا اسناد؟ جو مسند اور مسند الیہ کے درمیان ہوتا ہے یعنی جو اسنادِ تام ہوتا ہے وہ حاصل نہیں ہوتا وہ اسناد۔ وَلَا يَتَأَتَّى کی ضمیر ہم کس کو راجع کرتے ہیں؟ اسناد، اور وہ اسناد حاصل نہیں ہوتا إِلَّا فِي اسْمَيْنِ أَوْ فِي اسْمٍ وَفِعْلٍ مگر دو اسموں میں یا ایک اسم اور ایک فعل میں۔ کلام پھر بھی ٹھیک، بات بالکل ٹھیک۔ وہ اسناد صرف دو اسموں میں آسکتا ہے کیونکہ اس کے لیے مسند اور مسند الیہ دونوں چاہئیں، تو صرف دو اسموں میں آسکتا ہے یا ایک اسم اور ایک فعل۔ یا يَتَأَتَّى کی ضمیر میں احتمال تھا بِالْإِسْنَادِ سے صرف دو تین لفظ پہلے گزرا ہے تَضَمَّنَ: الْكَلَامُ مَا تَضَمَّنَ كَلِمَتَيْنِ۔ تو تَضَمَّنَ سے جو مصدر مفہوم ہو رہا ہے، فعل کے ضمن میں مصدر ہوتا ہے یا نہیں؟ فعل کا معنی کتنی چیزوں سے مرکب ہوتا ہے؟ تین: ایک اس میں معنی مصدری ہوتا ہے، ایک زمانہ ہوتا ہے اور ایک نسبت الی الفاعل۔ تو لہٰذا تَضَمَّنَ کے ضمن میں تَضَمُّن مصدر آگیا، تو تَضَمُّن کی طرف راجع کر سکتے ہیں يَتَأَتَّى کی ضمیر اور معنی پھر بھی ٹھیک رہے گا، معنی دیکھو کس طرح۔ اب ہم تَضَمُّن کی طرف ضمیر راجع کرتے ہیں: وَلَا يَتَأَتَّى إِلَّا فِي اسْمَيْنِ اور وہ تضمن حاصل نہیں ہوتا مگر دو اسموں میں۔ کلام کسے کہتے تھے ادھر دیکھیے؟ وہ لفظ جو متضمن ہو دو کلموں کو کس کے ساتھ؟ اسناد، تو وہ تَضَمُّنِ كَلِمَتَيْنِ بِالْإِسْنَادِ حاصل نہیں ہوتا، توجہ ہے؟ وہ تَضَمُّنِ اسناد، وہ تَضَمُّنِ اسناد حاصل نہیں ہوتا مگر دو اسموں میں، دیکھو بات پھر بھی ٹھیک ہے، بات سمجھ میں آگئی؟ تو وَلَا يَتَأَتَّى کے اندر اگر ضمیر لے آتے تو اس ضمیر میں تین احتمال بن جاتے کہ شاید یہ ضمیر اسناد کو راجع، شاید یہ ضمیر تضمن کو راجع، یا شاید یہ ضمیر کلام کو راجع بھائی۔ کلام کو بھی تو راجع ہو سکتی ہے، تو اس میں تین احتمال تھے، کس کس کو راجع ہو سکتی ہے؟ اسناد کو بھی، اور تضمن کو بھی، اور کلام کو بھی، توجہ ہے؟ تو اس میں تین احتمال تھے، تو اگر وَلَا يَتَأَتَّى کہتے تو اس میں تین احتمال تھے، پتہ نہ چلتا کہ یہ ضمیر کس کو راجع ہے۔ اور ضمیر بہتر یہ ہے کہ دور والے کے بجائے قریب والے کو راجع کی جائے۔ تو سب سے قریب ہے اسناد، اس سے ذرا دور ہے تضمن، اور اس سے دور ہے کلام۔ تو کلام سب سے دور ہے، تو ضمیر میں کیا ہے کہ مرجع کہاں ہونا چاہیے؟ قریب ہونا چاہیے۔ تو زیادہ پھر بہتر کیا ہوتا کس کی طرف لوٹاتے؟ اسناد کی طرف، یا اس سے بڑھ کر اگر اس کی طرف نہیں لوٹاتے تو کس کو لوٹاتے؟ تضمن کی طرف، اور آخری درجہ کیا تھا؟ کلام کی طرف لوٹاتے۔ تو اس میں تین احتمال تھے اور کلام والا احتمال سب سے دور تھا، وہ سب سے پیچھے گزرا ہے، تو صاحبِ کافیہ نے ضمیر کے بجائے اسمِ ظاہر لے آئے، ذٰلِكَ دور والا اشارہ لے آئے۔ بتلانا چاہتے ہیں کہ یہ جو وَلَا يَتَأَتَّى جو ہے یہ یہاں پر قریب والی چیزیں یعنی اسناد اور تضمن کی طرف ضمیر راجع نہیں یعنی یہ مراد نہیں ہے بلکہ وہ دور والی چیز یعنی کلام مراد ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو ضمیر لاتے تو ذہن جاتا شاید یہ قریب والی چیزیں مراد ہیں لیکن ذٰلِكَ اسمِ اشارہ کو فاعل بنا دیا اور ذٰلِكَ سے کیا پتہ چلا کہ وہ مشارٌ الیہ قریب ہے یا بعید ہے؟ بعید ہے اور وہ کلام

ہے بھائی۔ اچھا بھائی، بھائی معنی تو تینوں میں درست بنتا ہے میں نے بتایا چاہے ضمیر کس کو لوٹاتے؟ اسناد کو، چاہے ضمیر کس کو لوٹاتے؟ تضمن کو، اور چاہے ضمیر کس کو لوٹاتے؟ کلام۔ تینوں کی طرف اس ضمیر لوٹائیں تو تینوں صورتوں میں معنی درست بنتا ہے، پھر یہ صاحبِ کافیہ نے ذٰلِكَ کے ذریعے بتلایا کہ اس کا فاعل کون ہے؟ کلام ہے، اس کا مشارٌ الیہ کون ہے؟ کلام ہے۔ کیوں؟ وجہ یہ، وجہ یہ کہ بھائی یہ کلام کی بات چل رہی ہے، پہلے کلمہ کی بات آئی تھی اس کے آگے ہم نے آپ کو بتایا تھا وَهِيَ اسْمٌ وَفِعْلٌ وَحَرْفٌ، کلمہ کی تعریف کی پھر اس کی قسمیں بتائیں۔ اب یہاں پیچھے کس کا ذکر ہوا؟ کلام کا ذکر ہوا ہے تو وَلَا يَتَأَتَّى ذٰلِكَ إِلَّا فِي اسْمَيْنِ أَوْ فِي اسْمٍ وَفِعْلٍ یہاں سے مناسب یہ ہے کہ اس سے کیا مراد لیں؟ کلام، کہ یہ کلام کی تقسیم ہو رہی ہے، اسناد کی یا تضمن کی تقسیم نہ بناؤ بلکہ کس کی تقسیم بناؤ؟ کلام کی، لہٰذا ذٰلِكَ لے کر آئے، بات سمجھ میں آ گئی؟

وَلَا يَتَأَتَّى أَيْ لَا يَحْصُلُ ذٰلِكَ أَيِ الْكَلَامُ اور وہ کلام حاصل نہیں ہوتا إِلَّا فِي ضِمْنِ اسْمَيْنِ مگر دو اسموں کے ضمن میں۔ بھائی کافیہ کی عبارت ہے إِلَّا فِي اسْمَيْنِ، وہ کلام حاصل نہیں ہوتا مگر کس میں؟ دو اسموں میں، توجہ ہے؟ صاحبِ جامی نے فِي اور اسْمَيْنِ کے بیچ میں ضِمْن کا لفظ لے آئے: وہ کلام حاصل نہیں ہوتا مگر دو اسموں کے ضمن میں۔ یہ ضِمْن کا لفظ لے آئے فِي اور اسْمَيْنِ کے درمیان، یہ کیوں لائے بھائی؟ وجہ یہ کہ دراصل یہاں اعتراض ہوتا ہے۔ اعتراض یہ کہ فِي ظرفیّت کے لیے آتا ہے: إِلَّا فِي اسْمَيْنِ، فِي آیا اور فِي کس لیے آتا ہے؟ ظرفیّت کے لیے، یہ بتلانے کے لیے کہ ایک چیز دوسری چیز کے لیے ظرف ہے۔ مثلاً میں کہتا ہوں: زَيْدٌ فِي الدَّارِ، کیا ترجمہ؟ زید گھر میں ہے، گھر میں ہے۔ دیکھا معلوم ہوا گھر جو ہے زید کے لیے ظرف ہے۔ یاد رکھو ظرف عربی زبان میں برتن کو کہتے ہیں۔ جیسے برتن میں کوئی چیز ڈالی جائے وہ برتن اس چیز کا چاروں طرف سے احاطہ کر لیتا ہے، وہ چیز اس کے اندر آ گئی، توجہ ہے؟ وہ چیز اس کے اندر آ گئی، چاروں طرف سے گویا برتن نے اس کو اپنے گھیرے میں لے لیا۔ اسی طرح یہ جو جگہ ہے، مکان ہے یہ بھی چیزوں کے لیے ظرف ہوتا ہے۔ مثلاً آپ اس وقت مسجد میں ہیں، دیکھا مسجد آپ کے لیے کیا ہے؟ ظرف کی طرح ہے اس نے آپ کو گھیرا ہوا ہے ہر طرف سے، آپ اس کے بیچ میں ہیں۔ اسی طرح آپ گھر میں ہیں تو گھر کیا ہوا آپ کے لیے؟ ظرف۔ آپ بازار میں ہیں تو بازار آپ کے لیے کیا ہوا؟ ظرف۔ آپ لاہور میں ہیں تو لاہور کیا ہوا آپ کے لیے؟ ظرف۔ تو یہ جگہ کیا ہوتی ہے؟ ظرف۔ اسی طرح یہ جو زمانہ ہے یہ بھی ظرف ہوتا ہے، آپ دن میں ہیں دیکھو اس وقت دن ہے، تو آپ دن میں ہیں اس زمانے میں ہیں، آپ جو بھی کام کریں گے وہ بھی کیا ہو گا اس زمانے میں ہو گا تو زمانہ بھی کیا ہے؟ ظرف، توجہ ہے؟ تو زمانہ اور مکان اس کو کیا کہتے ہیں؟ ظرف کہتے ہیں، کیونکہ جو چیز بھی ان کے اندر ہے تو گویا یہ اس کے لیے ظرف کی طرح ہیں، انہوں نے اس چیز کا احاطہ کیا ہوا ہے۔ تو فِي کس لیے آتا ہے؟ ظرفیّت کے لیے، زَيْدٌ فِي الدَّارِ، زید گھر میں ہے۔ کون ہے گھر میں؟ زید۔ تو دیکھو یاد رکھو فِي ظرفیّت کے لیے آتا ہے۔ فِي سے جو ماقبل ہوتا ہے اس کو کہتے ہیں مظروف اور فِي کے مابعد جو

ہوتا ہے اس کو کہتے ہیں ظرف۔ دیکھو ایک چیز برتن میں ہے، برتن ہے ظرف اور جو چیز اس کے اندر ہے اس کو کہیں گے مظروف، کیا کہیں گے؟ یعنی جو ظرف میں ہے، ظرف میں ہے۔ تو زَيْدٌ فِي الدَّارِ زید گھر میں ہے، گھر کیا ہوا؟ ظرف، اور یہ فِي کے بعد ہے، اور زید کیا ہوا؟ مظروف، اور وہ فِي سے پہلے۔ تو جو فِي سے پہلے ہوتا ہے اس کو کیا کہتے ہیں؟ مظروف، اور جو فِي کے بعد ہوتا ہے اس کو کیا کہتے ہیں؟ ظرف۔ اور یاد رکھو ظرف اور مظروف دونوں مغایر ہوتے ہیں، الگ الگ ہوتے ہیں، ظرف اور چیز ہوتی ہے، مظروف اور چیز۔ برتن کے اندر آپ نے کوئی چیز ڈالی، برتن اور ہے وہ جو اس کے اندر چیز ہے وہ اور ہے۔ اگر ایک ہی چیز ظرف اور مظروف بن جائے، ایک ہی چیز جو ہے ظرف بھی ہو اور وہی مظروف بھی ہو اس کو کہتے ہیں ظَرْفِيَّةُ الشَّيْءِ لِنَفْسِهِ، کیا کہتے ہیں؟ ظَرْفِيَّةُ الشَّيْءِ لِنَفْسِهِ۔ ظرف کا کیا معنی؟ ظرف، اور ظَرْفِيَّةٌ میں نے آپ کو کیا بتلایا تھا کہ کسی اسم کو مصدر بنانا ہو تو اس کے آخر میں یائے مشدد اور گول تا ملا دیتے ہیں، تو ظرفیّت کا کیا معنی؟ ظرف ہونا، ظرفیّت کا کیا معنی؟ ظرف ہونا، ظَرْفِيَّةُ الشَّيْءِ ایک شے کا ظرف ہونا، ظرف بننا لِنَفْسِهِ اپنی ہی ذات کے لیے، یہ باطل ہے۔ ظرف اور مظروف دونوں الگ الگ ہوتے ہیں، اگر کسی جگہ پر ایک ہی چیز ظرف بھی ہے اور مظروف بھی ہے آپ فوراً آنکھیں بند کر کے کہہ دیں یہ باطل ہے، یہ ہو ہی نہیں سکتا۔ زید زید میں ہے، یہ ہو سکتا ہے؟ گھر گھر میں ہے، ہو سکتا ہے؟ جی نہیں، بات سمجھ میں آگئی؟ یعنی ظرف اور ہو گا مظروف اور ہو گا، تو ایک چیز اپنے ہی لیے ظرف بن جائے یہ نہیں ہو سکتا۔

تو یہاں پر دراصل خرابی لازم آتی تھی، خرابی کیسے لازم آتی تھی؟ کہ کلام، ادھر دیکھیے، کلام حاصل نہیں ہوتا إِلَّا فِي اسْمَيْنِ مگر کس میں؟ دو اسموں میں۔ تو فِي سے ماقبل کیا ہے؟ کلام، اور فِي کے مابعد کیا ہے؟ اسْمَيْنِ، معلوم ہوا کلام ہے مظروف اور اسْمَيْنِ کیا ہے؟ ظرف ہے، توجہ ہے؟ ذرا اپنے سامنے لکھیں، جملہ لکھیں: اَلْكَلَامُ فِي اسْمَيْنِ، اَلْكَلَامُ فِي اسْمَيْنِ۔ نیچے دوسرا جملہ لکھیں: اَلْكَلَامُ فِي اسْمٍ وَفِعْلٍ، اَلْكَلَامُ فِي اسْمٍ وَفِعْلٍ، لکھ لیا؟ اَلْكَلَامُ فِي اسْمٍ وَفِعْلٍ، دو جملے میں نے لکھوائے۔ ذرا ان پہ پہلے جملے پہ نظر رکھو: اَلْكَلَامُ فِي اسْمَيْنِ۔ اَلْكَلَامُ فِي سے پہلے ہے یہ کیا ہے؟ مظروف، اور اسْمَيْنِ یہ کیا ہے؟ یہ ظرف ہے کیونکہ فِي ظرفیّت کے لیے آتا ہے، تو کلام ہوتا ہے کس میں؟ دو اسموں میں، مثلاً زَيْدٌ قَائِمٌ یہ زَيْدٌ قَائِمٌ سے کیا حاصل ہوا؟ کلام، تو کلام کس میں ہے؟ دو اسموں میں، لیکن وہی دو اسم تو کلام بھی ہیں، وہی دو اسم کیا ہیں؟ کلام بھی ہیں۔ اب ذرا اس جملے پہ نظر رکھو: اَلْكَلَامُ فِي اسْمَيْنِ، اَلْكَلَامُ کیا ہے؟ مظروف اور اسْمَيْنِ کیا ہے؟ ظرف، لیکن یہی دونوں اسم یہی کلام بھی تو ہیں، یہی تو یہ مظروف بھی ہو گئے، یہ اسْمَيْنِ کیا تھے؟ ظرف، لیکن یہی دونوں کیا ہیں؟ کلام بھی ہیں تو یہ کیا بن گئے؟ مظروف۔ تو گویا ظرف اور مظروف ایک ہی چیز ہو گئے، ظرف اور مظروف ایک ہی چیز ہو گئے، گویا یوں ہو گیا اسْمَيْنِ فِي اسْمَيْنِ، دو اسم دو اسموں میں ہیں، یا یوں کہو اَلْكَلَامُ فِي الْكَلَامِ، کلام کس میں ہے؟ کلام، ظرف بھی وہی چیز مظروف بھی وہی چیز۔ بات سمجھ میں آئی؟ ذرا پھر نظر رکھو اس جملے پہ: اَلْكَلَامُ فِي اسْمَيْنِ، اَلْكَلَامُ فِي سے پہلے

ہے یہ کیا ہے؟ مظروف، اور اسْمَيْنِ ہے فِي کے بعد یہ کیا ہے؟ ظرف، لیکن یہی دو اسم کیا کہلاتے ہیں؟ کلام، تو یہ اسْمَيْنِ کلام بھی ہوئے اور کلام تو کیا تھا؟ مظروف تھا، تو یہی اسْمَيْنِ مظروف بھی ہو گئے، یہ پہلے ظرف تھے اب مظروف بھی بن گئے، تو ایک ہی چیز ظرف بھی ہوئی اور مظروف بھی ہوئی۔ تو گویا ظَرْفِيَّةُ الشَّيْءِ لِنَفْسِهِ لازم آیا، ایک چیز اپنے لیے ہی ظرف ہو گئی اور یہ تو باطل ہے۔ تو لہٰذا صاحبِ جامی نے جواب دے دیا إِلَّا فِي ضِمْنِ اسْمَيْنِ کہ کلام حاصل نہیں ہوتا مگر دو اسموں کے ضمن میں، دو اسموں کے ضمن میں۔ بتلانا یہ چاہتے ہیں، بتلانا یہ چاہتے ہیں کہ کلام عام ہے اور یہ جو دو اسم ہیں یہ خاص ہیں، توجہ ہے؟

دیکھو ذرا یہ دو جملے میں نے لکھوائے، بھائی کلام کے حاصل ہونے کی کتنی صورتیں ہیں؟ اَلْكَلَامُ فِي اسْمَيْنِ، دو اسموں سے بھی کیا حاصل ہے؟ کلام، اور اَلْكَلَامُ فِي اسْمٍ وَفِعْلٍ ایک اسم اور فعل سے بھی کیا حاصل ہے؟ کلام۔ معلوم ہوا کلام عام ہے، کلام عام ہے دو اسموں کی صورت میں بھی کلام اور اسم اور فعل کی صورت میں بھی کلام، تو کلام ہوا عام اور اس کی کتنی صورتیں؟ دو، تو ایک صورت کیا؟ اسْمَيْنِ، تو کلام ہوا عام اور اسْمَيْنِ کیا ہوا؟ خاص۔ اسی طرح اَلْكَلَامُ فِي اسْمٍ وَفِعْلٍ، کلام ہوا عام اور اسْمٍ وَفِعْلٍ یہ ہوا خاص۔ یہ اسی طرح ہے جیسے انسان اور حیوان: اَلْحَيَوَانُ فِي إِنْسَانٍ حیوان کس میں ہے؟ انسان میں، انسان حیوان ہے یا نہیں ہے؟ اسی طرح اَلْحَيَوَانُ فِي بَقَرٍ حیوان کس میں ہے؟ گائے بیل میں بھی ہے، کس میں؟ تو حیوان کیا ہوا؟ عام، اور اَلْحَيَوَانُ فِي إِنْسَانٍ انسان کیا ہے؟ خاص ہے۔ اسی طرح اَلْحَيَوَانُ فِي بَقَرٍ حیوان کیا ہے؟ حیوان عام ہے اور بَقَر کیا ہے؟ خاص۔ تو یہ ظَرْفِيَّةُ الشَّيْءِ لِنَفْسِهِ نہیں ہے بلکہ یہ ظَرْفِيَّةُ الْخَاصِّ لِلْعَامِّ ہے، توجہ ہے؟ ذرا ان جملوں پہ پھر نظر رکھو: کلام کیا ہے؟ عام اور اسْمَيْنِ کیا ہے؟ خاص۔ اسی طرح نچلے جملے میں کلام کیا ہے؟ عام، اور کلام کی دو صورتیں ہیں نا اسْمَيْنِ میں بھی کلام اور اسم اور فعل میں بھی کلام تو کلام ہوا عام، اور اس کی ایک صورت ہے اسْمَيْنِ اور ایک صورت ہے اسم اور فعل تو یہ دونوں خاص ہوئے۔ اور آپ جانتے ہیں ہر خاص کے ضمن میں عام موجود ہوتا ہے، ہر خاص کے ضمن میں۔ میں نے آپ کے سامنے ایک شخص کو کھڑا کیا، میں نے کہا یہ انسان ہے، بلکہ یوں کہیں ایک ہے حیوان ایک ہے انسان، حیوان عام ہے یا انسان عام ہے؟ حیوان عام ہے اس میں انسان بھی شامل، گائے بیل بکری بھی شامل، جب کہ انسان اس میں سے خاص ہے۔ لیکن انسان ہی کے ضمن میں حیوان بھی ہے، آپ کو کوئی کہتا ہے مجھے حیوان کی کوئی مثال بتاؤ، آپ کہتے ہیں انسان۔ آپ کی مثال غلط ہے یا صحیح ہے؟ صحیح ہے کیونکہ انسان خاص ہے لیکن خاص کے ضمن میں عام موجود ہوتا ہے۔ یا جیسے دیکھو ایک ہے کلمہ، کلمہ عام ہے اور اس کی تین قسمیں ہیں اسم، فعل اور حرف۔ اسم، فعل اور حرف کیا ہیں؟ خاص۔ اب میں آپ سے کہتا ہوں کہ مجھے کوئی کلمہ دکھاؤ، آپ فوراً کہتے ہیں زَيْدٌ، کیا کہتے ہیں؟ میں کہتا ہوں بھائی یہ تو اسم ہے، اسم یہ تو خاص ہے، آپ کہیں گے ہر خاص کے ضمن میں کیا ہوتا ہے؟ عام، یہ اسم تو ہے لیکن یہ کلمہ کی قسم ہے تو یہ کلمہ بھی ہے بھائی۔ تو ہر خاص کے ضمن میں عام موجود ہوتا ہے، ہر جو

بھی حرف ہے وہ کلمہ بھی ہے، جو بھی فعل ہے وہ کلمہ بھی ہے، جو بھی اسم ہے وہ کلمہ بھی ہے۔ تو ہر خاص کے ضمن میں عام ہوتا ہے یا معلوم ہوا خاص جو ہے وہ ظرف ہوتا ہے اور عام جو ہے وہ مظروف ہوتا ہے۔ ہر خاص کے ضمن میں عام ہوتا ہے تو یوں کہو ہر خاص کے اندر عام ہوتا ہے تو خاص کیا ہوا؟ ظرف اور عام کیا ہوا؟ مظروف۔ ہر انسان میں حیوان ہے۔ تو یہاں پر بھی اسی طرح ہے: اَلْكَلَامُ فِي اسْمَيْنِ، کلام ہے عام اور اسْمَيْنِ ہے خاص، تو یہ ظَرْفِيَّةُ الشَّيْءِ لِنَفْسِهِ نہیں ہے بلکہ ظَرْفِيَّةُ الْخَاصِّ لِلْعَامِّ ہے کہ خاص جو ہے وہ عام کے لیے ظرف بن رہا ہے، بات سمجھ میں آگئی؟ تو صاحبِ جامی نے اسی بات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا: إِلَّا فِي ضِمْنِ اسْمَيْنِ کہ کلام حاصل نہیں ہوتا مگر دو اسموں کے ضمن میں، یعنی وہ دو اسم جو ہیں اس کے لیے ظرف ہیں باعتبار کہ وہ خاص ہیں اور کلام کیا ہے؟ عام ہے۔

تو کلام حاصل نہیں ہوتا مگر دو اسموں کے ضمن میں، أَحَدُهُمَا مُسْنَدٌ وَالْآخَرُ مُسْنَدٌ إِلَيْهِ، دو ایسے اسم، توجہ ہے؟ اسْمَيْنِ آیا نکرہ، اور نکرہ کے بعد جملہ آیا، اسْمَيْنِ کے بعد جملہ آیا أَحَدُهُمَا مُسْنَدٌ یہ اس کے لیے صفت بنے گا، کیسے؟ أَحَدُهُمَا ہے مبتدا اور مُسْنَدٌ ہے اس کی خبر، مبتدا خبر مل کر یہ معطوف علیہ، وَالْآخَرُ مُسْنَدٌ إِلَيْهِ ان دونوں میں سے ایک مسند ہوتا ہے اور دوسرا مسند الیہ، تو وَالْآخَرُ مُسْنَدٌ إِلَيْهِ یہ بھی جملہ ہے اس کا عطف ہے پہلے والے جملے پر اور یہ معطوف علیہ اپنے معطوف سے مل کر یہ صفت ہوگی اسْمَيْنِ کی، اور موصوف صفت کا ترجمہ کیسے کرتے ہیں؟ ایسا یا ایسی کا لفظ لے آتے ہیں موصوف سے پہلے۔ تو ترجمہ یہ ہوگا کہ وہ کلام حاصل نہیں ہوتا إِلَّا فِي ضِمْنِ اسْمَيْنِ مگر دو ایسے اسموں کے ضمن میں أَحَدُهُمَا مُسْنَدٌ وَالْآخَرُ مُسْنَدٌ إِلَيْهِ کہ ان میں سے ایک مسند ہو اور دوسرا مسند الیہ ہو۔ بغیر مسند، مسند الیہ کے حاصل نہیں ہوگا کلام، دونوں میں سے ایک کیا ہو؟ مسند اور دوسرا مسند الیہ۔ أَوْ فِي ضِمْنِ اسْمٍ مُسْنَدٍ إِلَيْهِ وَفِعْلٍ مُسْنَدٍ یا وہ کلام حاصل ہوگا ایک اسم اور ایک فعل کے ضمن میں، کس میں؟ ایک اسم اور ایک فعل۔ ایک اسم اور فعل سے کیا مراد ہے؟ کون سا جملہ؟ جملہ فعلیہ۔ اور فعل کیا ہوتا ہے؟ ضَرَبَ زَيْدٌ، فعل کیا بنے گا؟ مسند اور اسم کیا بنے گا؟ مسند الیہ۔ تو وہی بیان کر رہے ہیں ساتھ: أَوْ فِي ضِمْنِ اسْمٍ یا ایک ایسے اسم کے ضمن میں مُسْنَدٍ إِلَيْهِ کہ وہ اسم کیا ہو؟ مسند الیہ ہو، وَفِعْلٍ اور ایک ایسے فعل کے ضمن میں مُسْنَدٍ جو کیا ہو؟ مسند ہو۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو یہ بتلا دیا کہ کلام کی دو قسمیں ہیں: ایک جملہ اسمیہ ہے جس کی طرف اشارہ ہو گیا اسْمَيْنِ کے ذریعے، اور ایک جملہ فعلیہ ہے جس کی طرف اشارہ ہو گیا اسْمٍ وَفِعْلٍ کے ذریعے۔

ادھر دیکھیے، کلام کی کتنی صورتیں ذکر ہوئیں؟ دو۔ پہلی صورت کیا؟ دو اسموں سے بنے۔ دوسری صورت کیا؟ ایک اسم اور فعل سے بنے۔ اسم اور فعل میں سے فعل کیا بنے گا؟ مسند اور اسم کیا بنے گا؟ مسند الیہ، یعنی یہ جملہ فعلیہ مراد ہے، اور مجھے بتائیے جملہ فعلیہ میں فعل پہلے آتا ہے یا اسم پہلے آتا ہے؟ فعل پہلے آتا ہے، فاعل یا نائب فاعل ہمیشہ فعل کے بعد آتا ہے، توجہ ہے؟ لیکن کافیہ کے نسخے میں آپ دیکھیں تو أَوْ فِي اسْمٍ وَفِعْلٍ، اسم کو پہلے ذکر کیا اور فعل کو بعد میں ذکر کیا، حالانکہ جملہ فعلیہ میں فعل پہلے ہوتا ہے اسم بعد میں ہوتا ہے۔ چنانچہ اسی بات کی طرف اشارہ کر رہے ہیں...

کہتے ہیں: وَفِي بَعْضِ النُّسَخِ اور بعض نسخوں کے اندر أَوْ فِي فِعْلٍ وَاسْمٍ کہ وہ کلام کس میں ہو گا؟ ایک فعل اور ایک اسم میں ہو گا۔ تو کافیہ کے بعض نسخوں میں فعل کا لفظ پہلے ہے اور اسم کا لفظ بعد میں ہے، اور یہ زیادہ موافق ہے کس کے؟ جملہ فعلیہ کے۔ اور اگر یہ نسخہ، بھائی اس میں پھر اسم مقدم کیوں ہے اور فعل مؤخر کیوں ہے؟ دراصل اسم کا مقام اعلیٰ ہے، مقام اعلیٰ ہے کہ وہ مسند اور مسند الیہ دونوں بنتا ہے اور فعل صرف مسند بنتا ہے اس لیے یہاں اسم کو مقدم کر دیا اور فعل کو مؤخر۔ اور اگر فعل کو پہلے ذکر کیا جائے جیسے کہ دوسرے نسخے میں ہے تو وہ زیادہ مناسب ہے جملہ فعلیہ کے کیونکہ جملہ فعلیہ میں فعل پہلے آتا ہے اور اسم بعد میں۔ تو کہتے ہیں: وَفِي بَعْضِ النُّسَخِ أَوْ فِي فِعْلٍ وَاسْمٍ اور بعض نسخوں کے اندر یہ عبارت ہے أَوْ فِي فِعْلٍ وَاسْمٍ یعنی فعل پہلے ہے اور اسم بعد میں ہے۔

▪ متنِ کتاب و تحقیقِ مسائلِ نحویہ

فَإِنَّ التَّرْكِيبَ الثُّنَائِيَّ الْعَقْلِيَّ بَيْنَ الْأَقْسَامِ الثَّلَاثَةِ يَرْتَقِي إِلَى سِتَّةِ أَقْسَامٍ.

اب یہاں سے بھائی میں نے تفصیل بیان کر دی تھی وہی تفصیل اب صاحبِ جامی بھی بیان کریں گے۔ میں نے آپ کو بتلایا تھا کہ کلام کے لیے کم از کم کتنے کلمے چاہئیں؟ دو۔ اور کلمے کی کل کتنی قسمیں ہیں؟ تین۔ تو تین قسمیں ہیں اور دو دو والے ہم نے جوڑے بنانے ہیں تو کتنے جوڑے بن سکتے ہیں مختلف قسم کے؟ چھ جوڑے بن سکتے ہیں، چھ سے زیادہ نہیں بن سکتے، یہی بیان کر رہے ہیں۔ اچھا یہ چھ، چھ جوڑے بنتے ہیں، اور چھ جوڑوں میں سے صرف دو صورتوں میں کلام حاصل ہوتا ہے باقی چار صورتوں میں کلام حاصل نہیں ہوتا۔ بھائی دیکھیے نا، بھائی دیکھیے نا کل کتنے احتمال بنتے ہیں، کتنے جوڑے کتنی قسم کے جوڑے بن سکتے ہیں؟ چھ قسم کے جوڑے بن سکتے ہیں۔ لیکن صاحبِ کافیہ نے متن میں کہہ دیا: وَلَا يَتَأَتَّى ذٰلِكَ إِلَّا فِي اسْمَيْنِ أَوْ فِي اسْمٍ وَفِعْلٍ، کہ کلام حاصل نہیں ہوتا مگر کس میں؟ دو اسموں میں یا ایک اسم اور ایک فعل میں۔ باقی میں حاصل نہیں ہوتا، باقی سب کو نکال دیا کیونکہ إِلَّا ذکر کر دیا، مَا اور مَا اور إِلَّا ذکر کر دیا، حصر کر دیا، انہی دو صورتوں میں کلام حاصل ہوتا ہے باقیوں میں کلام حاصل نہیں ہوتا۔ اب اس کی تفصیل کر رہے ہیں کہ بھائی کل عقلی احتمال چھ بنتے ہیں اور ان چھ میں سے صرف دو صورتوں میں مسند اور مسند الیہ دونوں ہمیں ملتے ہیں، باقی چار صورتوں میں مسند اور مسند الیہ نہیں ملتے۔ کسی میں ایک ملتا ہے دونوں میں سے، کسی میں ایک بھی نہیں ہے نہ مسند ہے اور نہ مسند الیہ ہے۔ اب وہ بیان کر رہے ہیں۔

کہتے ہیں: فَإِنَّ التَّرْكِيبَ الثُّنَائِيَّ الْعَقْلِيَّ بَيْنَ الْأَقْسَامِ الثَّلَاثَةِ يَرْتَقِي إِلَى سِتَّةِ أَقْسَامٍ۔ ثُنَائِيّ کا معنی ہے دو دو افراد سے مرکب۔ ثُنَائِيّ تثنیہ سے ہے دو والا، دو والا۔ تو ترکیبِ ثنائی کسے کہیں گے؟ جس میں کتنے افراد ہوں؟ دو افراد ہوں زیادہ نہ ہوں۔ اور آگے لفظ آ رہا ہے يَرْتَقِي، اِرْتَقَى يَرْتَقِي کے معنی اوپر چڑھنا، اوپر چڑھنا مراد ہے پہنچنا، یعنی کل جوڑوں کی تعداد

کہاں تک پہنچتی ہے؟ چھ تک پہنچتی ہے، یہ بیان کریں گے۔ کہتے ہیں: فَإِنَّ التَّرْكِيبَ الثُّنَائِيَّ الْعَقْلِيَّ بَيْنَ الْأَقْسَامِ الثَّلَاثَةِ اس لیے کیونکہ دو جوڑوں والی عقلی ترکیب جو ہے تین اقسام کے درمیان يَرْتَقِي إِلَى سِتَّةِ أَقْسَامٍ وہ پہنچتی ہے چھ قسموں تک۔ کتنی قسموں تک؟ چھ قسموں تک۔ چھ کیسے بنے تھے؟ تین جوڑے تو بنے تھے کہ دو، دونوں اسم ہوں یا دونوں فعل ہوں یا دونوں حرف، گویا تین جوڑوں میں ایک ہی جنس ہے۔ تین جوڑوں میں دونوں اسم ہیں یا دونوں فعل ہیں یا دونوں حرف۔ اور تین جوڑے ایسے ہیں جن میں الگ الگ جنس ہے، ایک اسم ہے تو دوسرا فعل ہے یا حرف ہے وغیرہ بھائی۔

تو کہتے ہیں: يَرْتَقِي إِلَى سِتَّةِ أَقْسَامٍ یہ پہنچتی ہے چھ قسموں تک۔ ثَلَاثَةٌ مِنْهَا مِنْ جِنْسٍ وَاحِدٍ تین ان میں سے جو ہیں وہ ایک ہی جنس سے ہیں، تین ان میں سے ایک ہی جنس سے ہیں۔ آگے: اسْمٍ وَاسْمٍ، فِعْلٍ وَفِعْلٍ، حَرْفٍ وَحَرْفٍ۔ آپ چاہیں اس کو مجرور پڑھ لیں ان کو اور ان کو بدل بنا دیں جِنْسٍ وَاحِدٍ سے: جنسِ واحد یعنی کہ اس دونوں اسم یا دونوں فعل یا دونوں حرف۔ اور بدل، مبدل منہ کا اعراب ایک ہوتا ہے، تو جِنْسٍ مجرور ہے تو اسْمٍ وَاسْمٍ بھی کیا ہوا؟ مجرور، فِعْلٍ وَفِعْلٍ بھی کیا ہے؟ مجرور، اور حَرْفٍ وَحَرْفٍ بھی کیا ہے؟ مجرور، یہ تینوں بدل بن رہے ہیں جنس سے اور بدل، مبدل منہ کا اعراب ایک ہوتا ہے۔ یا دوسری صورت یہ ہے کہ ان میں سے ہر ایک پر رفع پڑھ لو، یوں پڑھ لو: اسْمٌ وَاسْمٌ، فِعْلٌ وَفِعْلٌ، حَرْفٌ وَحَرْفٌ۔ اس صورت میں ہر ایک کے لیے الگ الگ بتدا بنا لو، ہر ایک کے لیے الگ الگ: أَحَدُهَا تین جو ہیں ایک ہی جنس میں سے ہیں، وہ تین کون سے ہیں؟ أَحَدُهَا اسْمٌ وَاسْمٌ یہ اسم اور اسم ہے، ثَانِيهَا فِعْلٌ وَفِعْلٌ، ثَالِثُهَا حَرْفٌ وَحَرْفٌ۔ تو أَحَدُهَا بتدا اسْمٌ وَاسْمٌ اس کی خبر، معطوف اور معطوف علیہ مل کر اس کی خبر۔ ثَانِيهَا مضاف مضاف الیہ مل کر بتدا اور فِعْلٌ وَفِعْلٌ یہ اس کی خبر۔ ثَالِثُهَا مضاف مضاف الیہ مل کر بتدا اور حَرْفٌ وَحَرْفٌ خبر، اور خبر کیا ہوتی ہے؟ مرفوع، تو ان پر آپ رفع بھی پڑھ سکتے ہیں۔ ایک تیسری ترکیب بھی یہاں ہو سکتی ہے کہ آپ اس پر نصب پڑھیں لیکن یہاں رسم الخط اس کی موافقت نہیں کر رہا، رسم الخط اس کی تائید نہیں کر رہا: وہ تین ان میں سے ایک ہی جنس میں سے ہوں أَعْنِي اسْمًا وَاسْمًا، فِعْلًا وَفِعْلًا، حَرْفًا وَحَرْفًا، أَعْنِي کے لیے مفعول بنا دیں لیکن اس کی صورت میں ان کے آخر میں الف ہونا چاہیے اور الف یہاں نہیں، بات سمجھ میں آ گئی؟

تو کہتے ہیں: تین ان میں سے ایک ہی جنس کے ہیں، اسْمٌ وَاسْمٌ اسم اور اسم یہ ایک صورت، فِعْلٌ وَفِعْلٌ یہ دوسری صورت، حَرْفٌ وَحَرْفٌ یہ تیسری صورت۔ وَثَلَاثَةٌ مِنْهَا مِنْ جِنْسَيْنِ اور تین ان میں سے جو ہیں وہ جو جوڑے جوڑے ہیں وہ دو جنسوں سے ہوں گے، وہ دو جنسیں کون سی؟ یہاں پھر اسی طرح اسْمٌ وَفِعْلٌ، اسْمٌ وَحَرْفٌ، فِعْلٌ وَحَرْفٌ ان سب کو کیا پڑھیں؟ مرفوع پڑھ سکتے ہیں، ان کو خبر بنائیں بتدا محذوف نکال لیں، یا ان کو سب کو جِنْسَيْنِ سے کیا بنا دو؟ بدل بنا دو، اور جِنْسَيْنِ پر مِنْ داخل ہے مجرور ہے تو یہ بھی مجرور ہوں گے: مِنْ جِنْسَيْنِ اسْمٍ وَفِعْلٍ، اسْمٍ وَحَرْفٍ، فِعْلٍ وَحَرْفٍ۔ اور تین جو ہیں وہ دو دو جنسوں سے مرکب ہوں گے یعنی اسم اور فعل یا اسم اور حرف یا فعل اور حرف۔

وَمِنَ الْبَيِّنِ اور یہ بات واضح ہے کہ أَنَّ الْكَلَامَ لَا يَحْصُلُ بِدُونِ الْإِسْنَادِ کہ کلام حاصل نہیں ہوتا بغیر اسناد کے، وَالْإِسْنَادُ

لَا بُدَّ لَهُ مِنْ مُسْنَدٍ وَمُسْنَدٍ إِلَيْهِ اور اسناد کے لیے ضروری ہے مسند اور مسند الیہ کا ہونا، وَهُمَا اور یہ جو مسند اور مسند الیہ ہیں لَا يَتَحَقَّقَانِ یہ دونوں نہیں پائے جاتے إِلَّا فِي اسْمَيْنِ أَوْ فِي اسْمٍ وَفِعْلٍ مگر دو صورتوں میں کہ دونوں اسم ہوں یا ایک اسم اور ایک فعل۔ تو کہتے ہیں: وَمِنَ الْبَيِّنِ أَنَّ الْكَلَامَ لَا يَحْصُلُ بِدُونِ الْإِسْنَادِ، وَالْإِسْنَادُ لَا بُدَّ لَهُ مِنْ مُسْنَدٍ وَمُسْنَدٍ إِلَيْهِ، وَهُمَا لَا يَتَحَقَّقَانِ اور یہ دونوں یعنی مسند اور مسند الیہ نہیں پائے جاتے إِلَّا فِي اسْمَيْنِ أَوْ فِي اسْمٍ وَفِعْلٍ مگر دو اسموں میں یا ایک اسم اور ایک فعل میں۔

وَأَمَّا الْأَقْسَامُ الْأَرْبَعَةُ الْبَاقِيَةُ اور باقی جو چار قسمیں ہیں، باقی جو چار جوڑے ہیں تو اس میں اب تفصیل بیان کر رہے ہیں کہ کسی میں مسند ہو گا، کسی میں صرف مسند الیہ ہو گا، کسی میں ایک بھی نہیں ہو گا یعنی جب دونوں حرف ہیں تو نہ مسند ملے گا آپ کو اور نہ مسند الیہ۔ تو کہتے ہیں: وَأَمَّا الْأَقْسَامُ الْأَرْبَعَةُ الْبَاقِيَةُ اور باقی چار قسمیں جو ہیں تو فَفِي الْحَرْفِ وَالْحَرْفِ كِلَاهُمَا مَفْقُودَانِ حرف اور حرف اُن میں دونوں، كِلَاهُمَا یہ دونوں یعنی مسند اور مسند الیہ دونوں مَفْقُودَانِ مفقود ہیں یعنی نہیں پائے جاتے۔ مفقود کا کیا معنی ہوتا ہے؟ نہ ہونا۔ جب دونوں حرف ہیں بھائی تو حرف نہ مسند بنتا ہے نہ مسند الیہ، تو نہ آپ کو مسند ملے گا نہ مسند الیہ دونوں مفقود ہیں۔ جب دونوں مفقود ہیں تو کلام مل سکتا ہے اس سے؟ کلام اس سے حاصل نہیں ہو سکتا۔ تو کہتے ہیں: فَفِي الْحَرْفِ وَالْحَرْفِ كِلَاهُمَا مَفْقُودَانِ تو حرف اور حرف میں دونوں مفقود ہیں۔

وَفِي الْفِعْلِ وَالْفِعْلِ اور فعل اور فعل ہوں دونوں، تو اس صورت میں بھی ایک صرف مسند، فعل کیا بنتا ہے؟ مسندبہ، تو مسندبہ تو ملے گا مسند الیہ نہیں ملے گا۔ اور اسی طرح فعل اور حرف والا جو جوڑا ہے اس میں بھی فعل تو مسندبہ بنے گا اور حرف کچھ نہیں، تو ان دونوں صورتوں میں چاہے دونوں فعل ہوں یا ایک فعل ہو اور ایک حرف اس میں ہمیں مسندبہ تو مل جاتا ہے مسند الیہ نہیں ملتا۔ تو کہتے ہیں: وَفِي الْفِعْلِ وَالْفِعْلِ اور فعل اور فعل کے جوڑے میں وَفِي الْفِعْلِ وَالْحَرْفِ اور فعل اور حرف کے جوڑے میں الْمُسْنَدُ إِلَيْهِ مَفْقُودٌ ان دونوں میں مسند الیہ مفقود ہے۔

وَفِي الْاِسْمِ وَالْحَرْفِ أَحَدُهُمَا مَفْقُودٌ اور اسم اور حرف جو ہے اس کا جو جوڑا ہے اس میں أَحَدُهُمَا مَفْقُودٌ مسند اور مسند الیہ دونوں میں سے ایک مفقود ہے، ایک نہیں ہے۔ ادھر دیکھیے: ایک ہے اسم دوسرا ہے حرف، تو حرف تو کچھ بھی نہیں بنے گا، اسم کو یا آپ کیا بنائیں گے؟ مسند الیہ، جب مسند الیہ بنایا تو مسندبہ نہیں ہے، یا اسم کو کیا بناؤ گے؟ مسندبہ بناؤ گے تو مسند الیہ نہیں ہے، تو ایک ملے گا ایک آپ کو نہیں ملے گا۔ تو کہتے ہیں: وَفِي الْاِسْمِ وَالْحَرْفِ أَحَدُهُمَا مَفْقُودٌ اور اسم اور حرف کے جوڑے میں دونوں میں سے ایک مفقود ہے یعنی مسند اور مسند الیہ میں سے ایک نہیں ہے۔ بھائی کس طرح ایک نہیں ہے؟ کہتے ہیں: فَإِنَّ الْاِسْمَ إِنْ كَانَ مُسْنَدًا اسم جو ہے اگر وہ مسند ہوا تو فَالْمُسْنَدُ إِلَيْهِ مَفْقُودٌ تو مسند الیہ مفقود ہو گا، وَإِنْ كَانَ مُسْنَدًا إِلَيْهِ فَالْمُسْنَدُ مَفْقُودٌ اور وہ اسم اگر مسند الیہ ہوا تو پھر مسند مفقود ہو گا۔

وَنَحْوُ يَا زَيْدُ۔ جی، یہاں سے اب ایک اعتراض کا جواب دے رہے ہیں کہ اے صاحبِ جامی اور اے صاحبِ کافیہ!

آپ نے ہمیں تقریر میں کیا سمجھایا؟ کہ کلام کی صرف دو ہی صورتیں ہیں یا دونوں اسم ہوں گے یا ایک اسم اور ایک فعل ہو گا۔ ہم آپ کو دکھاتے ہیں کہ ایک حرف اور ایک اسم سے کلام پورا ہو رہا ہے: یَا زَیْدُ، دیکھو ندا دی میں نے زید کو، یَا زَیْدُ اے زید! بالاتفاق سب کے نزدیک یہ کلام ہے، سب کے نزدیک یہ کلام ہے۔ تو دیکھو یَا ایک حرف ہے، حرفِ ندا ہے نا، یہ حرف ہے اور زید کیا ہے؟ اسم، تو ایک حرف اور ایک اسم سے کلام حاصل ہو گیا حالانکہ آپ نے ہمیں کیا کہا تھا کہ حرف اور اسم سے کلام حاصل نہیں ہوتا۔ تو اس کا اب جواب دینے لگے ہیں کہ بھائی یہاں یَا زَیْدُ کے اندر یَا زَیْدُ کے اندر حرف اور اسم سے کلام حاصل نہیں ہو رہا بلکہ کلام یہاں محذوف ہے، کلام کیا ہے؟ محذوف ہے، یہ جو یَا ہے حرفِ ندا یہ قائم مقام ہے أَدْعُو، أَدْعُو میں پکار رہا ہوں، میں آواز دے رہا ہوں کس کو؟ زید کو۔ یَا زَیْدُ أَيْ أَدْعُو زَیْدًا میں زید کو آواز دے رہا ہوں۔ تو یہ یَا کس کے قائم مقام ہے؟ أَدْعُو کے، اور أَدْعُو جملہ ہے تو یہ یَا قائم مقام ہے جملے کے، یہ یَا قائم مقام ہے جملے کے۔ کس طرح؟ أَدْعُو فعل، اس کے اندر أَنَا ضمیر مرفوع محلاً اس کا فاعل، اور یہ زَیْدًا یہ منصوب ہے یہ مفعول بہ ہے۔ میں پکار رہا ہوں تو أَنَا ہوا فاعل اور کس کو پکار رہا ہوں؟ زید کو تو وہ ہوا مفعول بہ۔ تو ترکیب کس طرح کرتے ہیں یَا زَیْدُ؟ یَا قائم مقام أَدْعُو کے، أَدْعُو فعل أَنَا ضمیر مرفوع محلاً فاعل، اور آگے زَیْدُ، زَیْدًا نہیں اس وقت تو یَا زَیْدُ کی ہم ترکیب کر رہے ہیں، اگر عام کلام ہوتا أَدْعُو زَیْدًا پھر تو زَیْدًا آتا لیکن یَا زَیْدُ یہ زَیْدُ کیا ہے اس وقت؟ مبنی ہے، مبنی علی الضم ہے، کیا ہے؟ آپ نے پڑھا ہے منادیٰ مفرد معرفہ ہو تو وہ مبنی علی الضم ہوتا ہے: یَا زَیْدُ، یَا رَجُلُ۔ تو یَا زَیْدُ یہ زید کیا ہے؟ مبنی ہے اور مبنی پر اعراب کیسے بتاتے ہیں؟ محلاً، تو یہ زید محلاً منصوب ہے۔ یَا زَیْدُ اصل میں کیا ہے؟ یَا کس کے قائم مقام؟ أَدْعُو، أَدْعُو فعل أَنَا ضمیر مرفوع محلاً فاعل اور زَیْدُ منصوب محلاً مفعول بہ، فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ ہوا، اور جملہ فعلیہ انشائیہ ہوا کیونکہ آپ کوئی بات نہیں بتلا رہے اس کو اپنی طرف متوجہ کر رہے ہیں ندا دے رہے ہیں، ندا کس کی قسم ہے؟ انشا کی قسم ہے۔ اور یہ بھی یاد رکھنا ایک ہوتا ہے ندا ایک ہے جوابِ ندا۔ میں نے زید کو آواز دی: یَا زَیْدُ اے زید! اے زید، عمر آگیا ہے، دیکھو آگے کوئی بات کہوں گا نا، ندا کس لیے دی جاتی ہے؟ متوجہ کر کے کوئی بات کی جاتی ہے۔ تو یاد رکھو یہ جو ندا ہے یَا زَیْدُ یہ ہے انشا، آگے جو جوابِ ندا ہے اس کو الگ آپ نے اس میں غور کرنا ہے وہ جملہ انشائیہ بھی ہو سکتا ہے اور جملہ خبریہ بھی ہو سکتا ہے۔ ہمارے ہاں رائج ترکیب کیا ہے؟ یَا زَیْدُ کو بناتے ہیں ندا اور آگے جوابِ ندا اور دونوں کو جوڑ کر پھر کہتے ہیں یہ جملہ ندائیہ انشائیہ ہوا، کیا ہوا؟ نہیں یہ درست نہیں ہے، صرف ندا یَا زَیْدُ یہ ہے انشا، آگے جوابِ ندا الگ جملہ ہے اس پہ الگ غور کرنا کہ وہ خبر ہے یا انشا ہے اس پر الگ حکم لگانا، بات سمجھ میں آگئی؟ تو دونوں کو ملا کر جملہ انشائیہ نہ کہنا بھائی۔ اچھا تو یہاں پر بات چل...

ہی تھی، اعتراض کیا ہوا تھا؟ کہ یَا زَیْدُ سے کلام بن رہا ہے ایک حرف اور ایک اسم سے۔ جواب دے دیا کہ یَا کس کے قائم مقام ہے؟ أَدْعُو کے، اور أَدْعُو فعل أَنَا ضمیر فاعل، اور زید، زیدیہ تو مفعول ہے بھائی، یہ تو متعلقات میں سے ہے

ابھی بتایا تھا گزشتہ سبق میں، ابھی میں نے خلاصے میں بھی ذکر کیا اور گزشتہ سبق میں بھی آیا تھا: ضَرَبْتُ زَيْدًا قَائِمًا فِي الدَّارِ۔ صاحبِ مفصل کے نزدیک صرف ضَرَبْتُ کلام ہے، زَيْدًا قَائِمًا فِي الدَّارِ یہ جو متعلقاتِ کلام ہیں یہ کلام سے خارج ہیں۔ تو یہاں پر بھی يَا زَيْدُ اس میں يَا کس کے قائم مقام ہے؟ أَدْعُو کے، اور أَدْعُو فعل أَنَا ضمیر اس کے اندر فاعل، تو مسند اور مسند الیہ دونوں محذوف ہیں یہاں پر، کلام اس أَدْعُو سے حاصل ہو رہا ہے یہ يَا زَيْدُ سے کلام حاصل نہیں ہو رہا۔ تو یہ جو يَا ہے یہ قائم مقام ہے جملے کے یعنی أَدْعُو کے۔

کہتے ہیں: وَنَحْوُ يَا زَيْدُ بِتَقْدِيرِ أَدْعُو زَيْدًا اور یہ جو يَا زَيْدُ ہے یہ أَدْعُو زَيْدًا کی تقدیر پر، فَلَمْ يَكُنْ مِنْ تَرْكِيبِ الْحَرْفِ وَالْاِسْمِ تو یہ کلام جو ہے حرف اور اسم کی ترکیب سے نہیں ہے یعنی اس سے حاصل نہیں ہو رہا، بَلْ مِنْ تَرْكِيبِ الْفِعْلِ وَالْاِسْمِ الَّذِي هُوَ الْمَنْوِيُّ فِي أَدْعُو بلکہ یہ فعل اور اسم کی اس ترکیب سے حاصل ہو رہا ہے هُوَ الْمَنْوِيُّ جو نیت میں ہے یعنی محذوف ہے مقدر ہے فِي أَدْعُو کس کے اندر؟ أَدْعُو کے اندر۔ أَدْعُو تو فعل ہے اور اسم اس کے اندر کیا ہے؟ منوی ہے، حکماً موجود ہے، بات سمجھ میں آ گئی؟ تو وہ أَنَا ہے، تو وہ وَهُوَ أَنَا، دیکھو خود بھی نکال کر بتلا دیا کہ اس کے اندر جو اسم نیت میں ہے اور چھپا ہوا ہے وہ کیا ہے؟ أَنَا، تو یہ جو فعل ہے اور وہ اسم جو اس کے اندر منوی ہے، وہ اسم جو أَدْعُو کے اندر منوی ہے نیت میں ہے، وہ، وہ جو یعنی کہ أَنَا جو ہے اس سے کلام حاصل ہو رہا ہے، فعل اور أَنَا سے وہ أَنَا جو منوی ہے۔ بات سمجھ میں آ گئی اچھی طرح؟ چلیے بس بھائی هٰذَا هُوَ الْمَرَامُ وَاللهُ أَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْكَلَامِ.

الْبَابُ الثَّالِثُ: تَعْرِيفُ الِاسْمِ وَخَوَاصُّهُ وَالْمُعْرَبُ وَأَنْوَاعُ الْإِعْرَابِ

تعریفِ اسم، معرب و مبنی اور اقسامِ اعراب: خواصِ اسم، شرائطِ اعراب، عامل، اعرابِ اسمائے ستہ، تثنیہ و جمع — اسباق ۲۸ تا ۵۱

سبق نمبر ۲۸: تعریفِ اسم (۱): «اَلِاسْمُ مَا دَلَّ عَلٰی مَعْنًی فِیْ نَفْسِہٖ» میں ضمیر کا مرجع

شرحِ ملا جامی صفحہ: ۲۰ — بتاریخ: ۴ اگست ۲۰۲۱ء

▪ تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث

دیکھیے بھائی کتاب پر:[1]

الِاسْمُ مَا دَلَّ أَيْ كَلِمَةٌ دَلَّتْ عَلَى مَعْنًى كَائِنٍ فِي نَفْسِهِ أَيْ فِي نَفْسِ مَا دَلَّ يَعْنِي الْكَلِمَةَ، فَتَذْكِيرُ الضَّمِيرِ بِنَاءً عَلَى لَفْظِ الْمَوْصُولِ. قَالَ الْمُصَنِّفُ رَحِمَهُ اللَّهُ تَعَالَى فِي الْإِيضَاحِ شَرْحِ الْمُفَصَّلِ: الضَّمِيرُ فِي مَا دَلَّ عَلَى مَعْنًى فِي نَفْسِهِ يَرْجِعُ إِلَى مَعْنًى، أَيْ مَا دَلَّ عَلَى مَعْنًى بِاعْتِبَارِهِ فِي نَفْسِهِ وَبِالنَّظَرِ إِلَيْهِ فِي نَفْسِهِ لَا بِاعْتِبَارِ أَمْرٍ خَارِجٍ عَنْهُ.

گزشتہ سبق میں شارحِ جامی نے آپ کو بتلایا کہ صاحبِ مفصل اور صاحبِ لباب جو ہیں وہ اس بات کی طرف گئے ہیں کہ جملہ اور کلام دونوں مترادف ہیں۔ اور صاحبِ کافیہ کے کلام سے بھی بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ ان کے نزدیک بھی جملہ اور کلام مترادف ہیں، اس لیے کیونکہ صاحبِ کافیہ نے جو کلام کی تعریف کی «اَلْكَلَامُ مَا تَضَمَّنَ كَلِمَتَيْنِ بِالْإِسْنَادِ» کہ کلام وہ لفظ ہے جو متضمن ہو دو کلموں کو اسناد کے ساتھ، تو اس میں اسناد کو مطلق رکھا ہے، اس کے ساتھ مقصود لذاتہ کی قید نہیں لگائی۔ تو معلوم ہوا ان کے نزدیک بھی کلام اور جملہ مترادف ہیں۔

[1] جدول — اسم، فعل اور حرف کا باہمی فرق (معنی فی نفسہ و زمانہ):

قسمِ کلمہ	معنی فی نفسہ یا غیرہ	اقترانِ زمانۂ ثلاثہ	مثال
اسم	معنی فی نفسہ (مستقل)	غیرِ مقترن بزمانہ	زَيْدٌ، قَلَمٌ، ضَرْبٌ
فعل	معنی فی نفسہ (حدث)	مقترن بأحد الأزمنة الثلاثة	نَصَرَ، يَنْصُرُ، اُنْصُرْ
حرف	معنی فی غیرہ (آلۂ ربط)	زمانہ سے خالی	مِنْ، إِلَى، عَلَى

میں نے آپ کو بتلایا تھا کہ ایک اسناد جو ہوتا ہے وہ مقصود لذاتہ ہوتا ہے اور ایک اسناد غیر مقصود لذاتہ۔ اسنادِ مقصود لذاتہ وہ ہے جس اسناد کا آپ مخاطب کو فائدہ دینا چاہتے ہیں، جو بات اس کو بتلانا چاہتے ہیں، وہ کیا ہے؟ اسنادِ مقصود لذاتہ۔ جبکہ اسنادِ غیر مقصود لذاتہ، اس کا فائدہ دینا مقصود نہیں ہوتا، یعنی وہ اپنی ذات کے اعتبار سے وہ اسناد مقصود نہیں ہوتا بلکہ وہ اس پہلے اسناد کے لیے یا یوں کہیں وہ اسناد جو مقصود لذاتہ ہوتا ہے اس کے لیے وسیلہ یا موقوفٌ علیہ وغیرہ بنتا ہے بھائی۔ تو اس سے معلوم ہوا کہ کسی سے آپ کوئی بات کریں، اس کلام کے اندر جو جملے آئیں یا یوں کہیں جو جملہ آپ کسی کے سامنے بولیں اور ذکر کریں، اس کو کوئی بات بتلائیں تو اس جملے کے اندر جو جملے آئیں گے وہ کیا ہیں؟ وہ جملے تو ہیں لیکن کلام نہیں۔ جبکہ اصل جو کلام ہے جو آپ دوسرے کو بتلانا چاہتے ہیں اس کو کہیں گے کہ یہ اسنادِ مقصود لذاتہ ہے، تو اس کو پھر کلام کہیں گے۔ تو کلام میں کون سا اسناد ہوگا؟ جو مقصود لذاتہ ہوگا۔ اور جملہ عام ہے بھائی۔ جملہ عام ہے، وہ مقصود لذاتہ بھی ہو سکتا ہے اور غیر مقصود لذاتہ بھی ہو سکتا ہے۔

لہٰذا میں نے آپ سے مثلاً کہا «جَاءَ الَّذِي ضَرَبَكَ» تو «جَاءَ الَّذِي» ایک «جَاءَ» کا اسناد ہو رہا ہے «الَّذِي» کی طرف، اور ایک اسناد ہے «ضَرَبَكَ» کا، یہ جو جملہ فعلیہ ہے جو صلہ بن رہا ہے موصول کا۔ تو یہ دونوں جملے ہیں۔ «جَاءَ الَّذِي ضَرَبَكَ» یہ سارا بھی جملہ اور «ضَرَبَكَ» یہ بھی کیا ہے؟ جملہ۔ تو جملہ عام ہے، اس میں اسناد ہو سکتا ہے مقصود لذاتہ ہو، ہو سکتا ہے نہ ہو۔ تو «جَاءَ الَّذِي» یہ اسناد جو ہے مقصود لذاتہ ہے اور «ضَرَبَكَ» یہ جو صلہ آیا جملے کے اندر جملہ آیا چھوٹا، یہ کیا ہے؟ مقصود لذاتہ نہیں ہے بھائی۔ تو جملہ دونوں پر صادق آئے گا لیکن کلام صرف اس کو کہیں گے جس میں اسنادِ مقصود لذاتہ ہوتا ہے۔ تو «جَاءَ الَّذِي» یہ جو اسناد ہے ان دونوں کے درمیان، یہ تو مقصود لذاتہ ہے تو یہ تو کلام ہے، لیکن جو اس کے اندر جو جملہ آیا وہ کلام نہیں ہے۔ فرق سمجھ میں آگیا؟ تو حاصلِ کلام بس آسان لفظوں میں یوں کہو کہ اسنادِ مقصود لذاتہ وہ ہوتا ہے جس کا مخاطب کو فائدہ دینا مقصود ہوتا ہے، جو بات آپ اس کو بتلانا چاہتے ہیں وہ کیا ہے؟ وہ ہے کلام بھائی۔ وہ اسنادِ مقصود لذاتہ ہے، وہ کلام ہے اور اس کلام کے اندر جو چھوٹے جملے آجائیں کیونکہ آپ نے پڑھا کبھی جملہ خبر بنتا ہے، کبھی جملہ صفت بنتا ہے، کبھی جملہ حال بنتا ہے، کبھی جملہ صلہ بنتا ہے، کبھی اسی طرح جملہ مضاف الیہ بنتا ہے، اسی طرح قسم جو ہے وہ بھی جملے پر مشتمل ہوتی ہے، اسی طرح شرط جو ہوتی ہے جملہ شرطیہ میں، یہ بھی جملے پر مشتمل، یہ بھی جملہ ہے۔ تو یہ سب کیا ہیں؟ جملے تو ہیں لیکن کلام نہیں ہیں۔

اور پھر انہوں نے آپ کو یہ بھی بتلایا تھا کہ کلام حاصل نہیں ہوتا مگر دو اسموں کے ضمن میں یا ایک اسم اور فعل کے ضمن میں۔ تو یہاں پر «اسْمَيْنِ» سے پہلے بھی ضمن کا لفظ نکالا صاحبِ جامی نے اور «اسْمٍ وَفِعْلٍ» سے پہلے بھی ضمن کا لفظ نکالا۔ میں نے بتلایا کہ یہ دراصل ایک اعتراض کا جواب دینا چاہتے ہیں۔ اعتراض یہ ہوتا ہے کہ یہاں «فِي» آیا اور «فِي» ظرفیت کے لیے آتا ہے، «إِلَّا فِي اسْمَيْنِ أَوْ فِي اسْمٍ وَفِعْلٍ» تو یہاں «فِي» آیا، «فِي» ظرفیت کے لیے آتا ہے۔ یہ بتلاتا

ہے کہ «فِي» کا جو ما بعد ہے وہ ظرف بن رہا ہے ما قبل کے لیے، تو «فِي» سے جو ما قبل ہے وہ ہے مظروف اور «فِي» کا ما بعد جو ہے ظرف ہے۔ تو یہاں پر اس صورت میں مثلاً کلام کیا بن گیا، جملہ کیا بن گیا؟ «اَلْكَلَامُ فِي اسْمَيْنِ»، «اَلْكَلَامُ فِي اسْمَيْنِ» تو کلام کس میں ہوا؟ دو اسموں میں۔ تو کلام ہوا مظروف اور «اسْمَيْنِ» کیا ہوئے؟ ظرف ہوئے۔ لیکن یہی دو اسم کلام بھی ہیں، یہی دو اسم کلام بھی ہیں، تو اس «اسْمَيْنِ» کو اٹھائیں اور اس کی جگہ بھی کلام رکھ دیں تو «اَلْكَلَامُ فِي الْكَلَامِ» دیکھا «ظَرْفِيَّةُ الشَّيْءِ لِنَفْسِهِ» لازم آئی، ایک چیز اپنے لیے ہی ظرف بن گئی، ایک چیز اپنے لیے ہی ظرف بن گئی۔ اور «ظَرْفِيَّةُ الشَّيْءِ لِنَفْسِهِ» باطل ہے، ظرف اور ہوتا ہے، مظروف اور ہوتا ہے۔ تو اس کا جواب صاحبِ جامی نے دے دیا کہ «اَلْكَلَامُ فِي ضِمْنِ اسْمَيْنِ» کہ کلام حاصل ہوتا ہے کس کے ضمن میں؟ دو اسموں کے ضمن میں حاصل ہوتا ہے یا ایک اسم اور ایک فعل کے ضمن میں حاصل ہوتا ہے۔ یعنی کلام تو ہے عام اور «اسْمَيْنِ» یا اسی طرح «اسْمٍ وَفِعْلٍ» یہ کیا ہیں؟ خاص۔ اور ہر خاص کے ضمن میں عام موجود ہوتا ہے۔ یعنی جو انسان ہے وہ حیوان بھی ہے، اسی طرح جو بقر ہے گائے بیل ہے وہ حیوان بھی ہے، اسی طرح گھوڑا جو ہے وہ حیوان بھی ہے۔ تو ہر خاص کے اندر عام موجود ہوتا ہے تو خاص ظرف بن جاتا ہے، تو خاص ظرف ہے کس کے لیے؟ عام کے لیے۔ تو یہ «ظَرْفِيَّةُ الْخَاصِّ لِلْعَامِّ» کے قبیل سے ہے۔ کلام ہے عام اور «اسْمَيْنِ» یہ بھی خاص ہے اور «اسْمٍ وَفِعْلٍ» یہ بھی کیا ہے؟ خاص ہے۔ تو یہ «ظَرْفِيَّةُ الشَّيْءِ لِنَفْسِهِ» لازم نہیں آئی۔ دونوں ایک چیز نہیں ہیں۔ مظروف جو ہے وہ عام ہے اور ظرف جو ہے وہ خاص ہے تو دونوں میں فرق ہو گیا۔ بات سمجھ میں آگئی؟

اور میں نے آپ کو بتلایا کہ یہ جو ہے «وَلَا يَتَأَتَّى ذٰلِكَ» میں نے بتلایا کہ یہ «ذٰلِكَ» اس کے ذریعے اشارہ ہے کلام کی طرف۔ کیونکہ اگر یہ اسمِ اشارہ نہ لاتے تو احتمال تھا کہ شاید اس، یہ «يَتَأَتَّى» کی ضمیر اسناد کو راجع ہے کیونکہ وہ سب سے قریب ہے، یہ دوسرا احتمال یہ تھا کہ یہ تضمن کو راجع ہے جو دوسرے نمبر پر قریب ہے، یا اور تیسرا احتمال یہ تھا کہ یہ کلام کو راجع ہے جو سب سے دور ہے ان تینوں میں سے سب سے دور وہ ہے۔ تو پھر «ذٰلِكَ» کے ذریعے شارحِ جامی نے بتلا دیا کہ اس کے ذریعے کلام کی طرف اشارہ ہے اور اسی نکتے کی طرف اشارہ کرنے کے لیے صاحبِ کافیہ نے ضمیر کی جگہ اسمِ ظاہر کو رکھا اور اسمِ ظاہر بھی کون سا رکھا؟ اسمِ اشارہ بعید والا جو دور کی طرف اشارہ ہوتا ہے۔ تو ان تینوں میں سے بھی کلام چونکہ سب سے دور تھا اس لیے «ذٰلِكَ» کا اسمِ اشارہ لے آئے، تو اس کو کہتے ہیں «وَضْعُ الظَّاهِرِ مَوْضِعَ الضَّمِيرِ»۔

تو بتلایا انہوں نے کہ کلام جو ہے اس کی دو ہی قسمیں ہیں: یا وہ جملہ اسمیہ ہوگا یا جملہ فعلیہ ہوگا، یعنی دو اسموں کے ضمن میں وہ حاصل ہوگا یا ایک اسم اور ایک فعل کے ضمن میں حاصل ہوگا، کیونکہ کلام کے لیے مسند بھی چاہیے اور کلام کے لیے مسند الیہ بھی چاہیے۔ اور یہاں کل عقلی چھ احتمال بنتے ہیں، کیونکہ کلمہ کی تین قسمیں ہیں: اسم، فعل اور حرف۔ اور ان تین کے جوڑے جوڑے بنائیں دو دو مرکب بنائیں دو دو کو لے کر تو کل چھ صورتیں بنتی ہیں عقلی طور پر: کہ دونوں اسم

ہوں، یا دونوں فعل ہوں، یا دونوں حرف ہوں، یا ایک اسم ہو اور ایک فعل ہو، یا ایک اسم ہو اور ایک حرف ہو، یا ایک فعل ہو اور ایک حرف ہو۔ یہی چھ صورتیں بنتی ہیں اور ان چھ صورتوں میں سے صرف دو صورتیں ہیں جن میں ہمیں مسند بھی مل جاتا ہے اور مسند الیہ بھی، جبکہ باقی چار صورتوں میں یا تو صرف مسند الیہ ملے گا آپ کو، یا صرف مسند ملے گا، یا دونوں میں سے ایک بھی نہیں ملے گا، جبکہ کلام کے لیے تو دونوں ضرور چاہئیں مسند بھی اور مسند الیہ بھی۔

اس کے بعد پھر ایک اشکال کا جواب بھی دیا تھا انہوں نے کہ بھائی آپ نے ہمیں کیا کہا کہ کلام صرف دو اسموں سے یا ایک اسم اور فعل سے حاصل ہوتا ہے؟ ہم آپ کو بتاتے ہیں کہ ایک حرف اور ایک اسم سے کلام حاصل ہو رہا ہے، جیسے «يَا زَيْدُ»۔ «يَا» حرف ہے حرفِ ندا اور «زَيْدُ» اسم ہے اور بالاتفاق سب کے نزدیک یہ کلام ہے۔ تو صاحبِ جامی نے آپ کو بتلا دیا کہ یہ جو «يَا» ہے یہ جملے کے قائم مقام ہے یعنی «أَدْعُو» کے، اور «أَدْعُو» فعل ہے، «أَنَا» ضمیر فاعل ہے، تو کلام صرف «أَدْعُو» سے حاصل ہو رہا ہے اور اس کے اندر جو ضمیر ہے، ان دونوں سے کلام حاصل ہو رہا ہے، جس میں سے «أَدْعُو» حقیقتاً کلمہ ہے اور «أَنَا» ضمیر جو اس کے اندر ہے وہ حکماً کلمہ ہے، تو ان دو سے کلام حاصل ہو رہا ہے، اور «زَيْدُ» وہ تو متعلقاتِ کلام میں سے ہے، وہ نہ تو مسند ہے اور نہ مسند الیہ ہے بلکہ وہ تو مفعول بہ بن رہا ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟

اب دیکھیے بھائی آگے سبق: «اَلِاسْمُ مَا دَلَّ أَيْ كَلِمَةٌ دَلَّتْ عَلَى مَعْنًى كَائِنٍ فِي نَفْسِهِ» اب اسم کی تعریف شروع کر دی۔ اسم کی تعریف وجہِ حصر کے ضمن میں بھی گزری اور پھر «وَقَدْ عُلِمَ بِذٰلِكَ حَدُّ كُلِّ وَاحِدٍ مِنْهَا» صاحبِ کافیہ نے دوبارہ بھی اس پر متنبہ کر دیا تھا اور دوبارہ اس کی طرف اشارہ کر دیا، اور اب صراحتاً جو ہے اسم کی تعریف باقاعدہ کرنے لگے ہیں۔ لیکن اسم کی تعریف کو سمجھنے سے پہلے ذرا وہ وجہِ حصر دوبارہ نکالیں بھائی، ذرا اس کو پہلے دوبارہ سمجھ لیں اور تاکہ وہ باتیں آپ کے ذہن میں تازہ ہو جائیں اور اس کے بعد پھر ہم یہ اسم کی تعریف کرتے ہیں۔

بھائی وجہِ حصر میں انہوں نے بتلایا تھا کہ «وَهِيَ اسْمٌ وَفِعْلٌ وَحَرْفٌ لِأَنَّهَا إِمَّا أَنْ تَدُلَّ عَلَى مَعْنًى فِي نَفْسِهَا أَوْ لَا» کہ کلمہ یا تو وہ دلالت کرے گا «عَلَى مَعْنًى» ایسے معنی پر «كَائِنٍ فِي نَفْسِهَا» جو کس میں ہوگا؟ میں نے بتلایا تھا کہ یہ «كَائِنٍ» نکال کر کیا بتلانا چاہتے ہیں؟ کہ یہ «فِي نَفْسِهَا» جار مجرور جو ہے یہ صفت ہے معنی کی۔ نکرہ کے بعد جار مجرور آجائے تو وہ عموماً اس کے لیے کیا بنتا ہے؟ صفت۔ اور کس طرح صفت بنے گا؟ براہِ راست یا متعلق نکالنا پڑے گا؟ متعلق نکالنا پڑے گا۔ تو «عَلَى مَعْنًى» یہ «مَعْنًى» مجرور ہے، یہ ہے موصوف، تو اس موصوف کے مطابق «كَائِنٍ» یا «ثَابِتٍ» صفت نکال لی، «ثَابِتٍ» محذوف نکالا اور «فِي نَفْسِهَا» اس سے متعلق ہو کر صفت بنے گا۔ کہ کلمہ وہ یا تو دلالت کرے گا ایسے معنی پر «فِي نَفْسِهَا أَيْ فِي نَفْسِ الْكَلِمَةِ» جو کس میں ہوگا؟ کلمے کی ذات میں ہوگا۔ توجہ ہے؟ تو یہ «فِي نَفْسِهَا» کو کیا بنایا؟ صفت، کس کے لیے؟ معنی کے لیے۔ اور دوسری بات یہ کہ «فِي نَفْسِهَا» کے آخر میں جو «هَا» ضمیر ہے وہ کس کو راجع کی؟ کلمہ کو۔ آگے شارحِ جامی خود بتلا رہے ہیں «أَيْ فِي نَفْسِ الْكَلِمَةِ» معلوم ہوا یہ «هَا» ضمیر کس کو راجع ہے؟ کلمہ کو راجع ہے۔ اب اس کا مفہوم

پھر سمجھ لیں۔ کہتے ہیں «لِأَنَّهَا» اس لیے کیونکہ کلمہ جو ہے «إِمَّا أَنْ تَدُلَّ عَلَى مَعْنًى» یا تو وہ دلالت کرے گا ایسے معنی پر «ثَابِتٍ فِي نَفْسِهَا» جو کلمہ کی ذات میں ہوگا۔ یا تو کلمہ ایسے معنی پر دلالت کرے گا جو کلمہ کی ذات میں ہوگا وہ معنی۔ بھائی کلمہ کی ذات میں معنی ہونے کا کیا مطلب؟ انہوں نے آپ کو بتلایا تھا کہ کلمہ کی ذات میں معنی، کلمہ کے اندر معنی ہونے کا مطلب یہ ہے کہ کلمہ اس پر خود دلالت کرے، کسی اور کلمے کو ساتھ جوڑنے کی ضرورت نہ ہو، اس کلمے سے وہ معنی خود بخود سمجھ میں آ جائے، یعنی وہ معنی مستقل بالمفہوم ہو۔ توجہ ہے؟ وہ معنی کیا ہو؟ مستقل بالمفہومیت ہو، یعنی مستقلاً مفہوم ہو رہا ہو اس کلمے سے۔ جیسے میں نے مثال ذکر کی تھی کہ ایک ہے لفظِ ابتدا، ایک ہے لفظِ «مِنْ»۔ ابتدا کا معنی بھی شروع کرنا، «مِنْ» کا معنی بھی شروع کرنا۔ جیسے ہی میں نے ابتدا لفظ کہا آپ کو اس کا معنی شروع کرنا فوراً سمجھ میں آگیا۔ لیکن جب کسی کے سامنے «مِنْ» کہو تو اس کو اس سے شروع کرنے کا معنی سمجھ میں نہیں آتا۔ تو معلوم ہوا یہ شروع کرنے کا معنی لفظِ ابتدا کی ذات میں ہے، یہ شروع کرنے کا معنی لفظِ ابتدا کی ذات میں ہے، یعنی کلمے کی ذات میں یہ معنی ہے۔ بھائی کلمے کی ذات میں معنی ہونے کا کیا مطلب؟ کہ کلمہ اس معنی پر خود ہی دلالت کر رہا ہے، کسی اور لفظ کو ساتھ جوڑنے کی ضرورت نہیں۔ گویا یہ جو معنی جو ہے یہ مستقل بالمفہوم ہے، یہ مستقلاً اس لفظ سے سمجھ میں آرہا ہے۔ میں نے کہا ابتدا، آپ کو مستقلاً کون سا معنی سمجھ میں آگیا؟ شروع کرنا۔ دیکھا شروع کرنے کا معنی مستقلاً کس سے سمجھ میں آگیا؟ لفظِ ابتدا سے۔ تو معلوم ہوا معنی کا کلمے کی ذات میں ہونے کا کیا مطلب ہے؟ کہ وہ معنی مستقل بالمفہوم ہو۔ توجہ ہے؟ یعنی مستقلاً اس لفظ سے سمجھ میں آرہا ہو، جبکہ «مِنْ» سے، «مِنْ» کا معنی بھی ہے شروع کرنا، لیکن «مِنْ» سے مستقلاً شروع کرنے والا معنی سمجھ میں نہیں آتا جب تک آپ اس کے ساتھ اور لفظوں کو نہیں جوڑیں گے۔ «سِرْتُ مِنَ الْبَصْرَةِ إِلَى الْكُوفَةِ» میں چلا بصرہ سے لے کر کوفہ تک۔ میں چلا بصرہ سے کوفہ تک، معلوم ہوا میرے چلنے کی ابتدا کہاں سے ہو رہی ہے؟ بصرہ سے، یہ کس نے بتایا؟ «مِنْ» نے، «مِنْ» نے۔ اور میرے چلنے کی انتہا کہاں پر ہو رہی ہے؟ کوفہ پر، یہ کس نے بتایا؟ «إِلَى» نے بتایا۔ اکیلا «مِنْ» کہو تو شروع کرنا سمجھ میں نہیں آتا، لیکن جملے کے اندر لے آؤ، اس کے متعلقات ساتھ ذکر کر دو، کس چیز کو شروع کیا جا رہا ہے اور کہاں سے شروع کیا جا رہا ہے؟ یہ دو چیزیں ذکر کر دو تو «مِنْ» کا معنی شروع کرنا خود ہی آپ کو سمجھ میں آجاتا ہے۔ اکیلا «مِنْ» تھا اس کا معنی شروع کرنا سمجھ میں نہیں آرہا تھا، لیکن جب میں نے جملے میں اس کو اس کے متعلقات ساتھ ذکر کر دیے کہ «سِرْتُ مِنَ الْبَصْرَةِ» میں کہاں سے چلا؟ بصرہ سے۔ تو «سِرْتُ» یعنی سیر چلنے کو بھی ذکر کیا اور بصرہ یعنی جہاں سے ابتدا ہو رہی ہے اس کو بھی ذکر کیا، اب «مِنْ» کا معنی آپ کو سمجھ میں آگیا کہ «مِنْ» کا کیا معنی ہے؟ شروع کرنا۔ تو ابتدا کا معنی بھی شروع کرنا، «مِنْ» کا معنی بھی شروع کرنا، لیکن ابتدا سے شروع کرنے کا معنی مستقلاً سمجھ میں آرہا ہے اور «مِنْ» سے شروع کرنے کا معنی مستقلاً سمجھ میں نہیں آرہا، اور لفظوں کو ساتھ جوڑنا پڑے گا۔ تو گویا شروع کرنے کا معنی لفظِ ابتدا سے مستقل بالمفہوم ہے، مستقلاً سمجھ میں آرہا ہے۔ مستقل بالمفہوم کے لفظوں پہ غور کر رہے ہو؟ مستقل بالمفہوم ہے یعنی، مفہوم کا کیا معنی؟ سمجھ میں آیا جو، جو سمجھ میں آجائے۔ تو شروع کرنے کا معنی لفظِ ابتدا سے کیا ہے؟ مستقل بالمفہوم

ہے یعنی مستقلاً سمجھ میں آجاتا ہے۔ اور «مِنْ» کا معنی بھی ہے شروع کرنا لیکن لفظِ «مِنْ» سے شروع کرنے کا معنی مستقلاً سمجھ میں نہیں آتا جب تک اس کے متعلقات ساتھ نہیں جوڑیں گے۔ بات سمجھ میں آگئی؟

تو بتلانا میں یہ چاہتا تھا کہ «أَنْ تَدُلَّ عَلَى مَعْنًى فِي نَفْسِهَا» ایک بات تو یہ کہ «فِي نَفْسِهَا» یہ اس کو صفت بنایا کس کے لیے؟ معنی کے لیے۔ توجہ ہے؟ معنی کے لیے۔ نیز «فِي نَفْسِهَا» کی ضمیر کس کو راجع کی؟ کلمہ کو۔ اور کلام کا کیا معنی ہوا؟ ترجمہ کیا ہوا؟ کہ کلمہ یا تو وہ دلالت کرے گا ایسے معنی پر «فِي نَفْسِهَا» جو کس میں ہوگا؟ کلمہ کی ذات میں ہوگا۔ کس میں؟ کلمہ... یہ یاد رکھنا ابھی آگے آئے گا «فِي نَفْسِهَا» ہے یہاں، آگے آئے گا «فِي نَفْسِهِ»۔ تو وہاں پھر میں آپ کو تفصیل بیان کروں گا۔ یہاں کیا ہے؟ «فِي نَفْسِهَا» کہ وہ معنی کس کے اندر ہو؟ «فِي نَفْسِهَا أَيْ فِي نَفْسِ الْكَلِمَةِ» کلمہ کی ذات میں ہو۔ اور کلمہ کی ذات میں معنی ہونے کا کیا مطلب؟ کہ وہ مستقلاً اس سے سمجھ میں آرہا ہو، کسی اور لفظ کے ساتھ جڑنے کا وہ محتاج نہ ہو۔

اب آئیے اسم کی تعریف پر بھائی۔ دیکھیے کہتے ہیں «الِاسْمُ مَا دَلَّ أَيْ كَلِمَةٌ دَلَّتْ عَلَى مَعْنًى فِي نَفْسِهِ» جی، پہلے صرف ذرا متن متن دیکھ لو بھائی، صرف متن متن۔ «الِاسْمُ مَا دَلَّ» اسم وہ کلمہ ہے، «مَا» سے مراد ہے کلمہ، توجہ ہے؟ «مَا» سے کیا مراد؟ «مَا» کا مصداق یہاں کیا ہے؟ کلمہ ہے۔ اسم وہ کلمہ ہے جو دلالت کرتا ہے «عَلَى مَعْنًى» ایسے معنی پر، دیکھو «مَعْنًى» موصوف ہے اور «فِي نَفْسِهِ» کیا ہے اس کی؟ صفت۔ اور موصوف صفت کا ترجمہ کرتے ہوئے موصوف سے پہلے کیا لفظ لاتے ہیں؟ ایسا یا ایسی کا لفظ۔ کہ اسم جو ہے وہ ایسا کلمہ ہے جو دلالت کرتا ہے ایسے معنی پر «فِي نَفْسِهِ» جو کس میں ہوتا ہے؟ اس کلمہ کی ذات میں ہوتا ہے۔ «نَفْسِهِ» کی «هُ» ضمیر «مَا دَلَّ» کو راجع ہے، «مَا» کو، «مَا» کو۔ کس کو؟ «مَا» کو راجع ہے۔ اور «مَا» سے کیا مراد تھا؟ آگے انہوں نے بتلایا تھا «أَيْ كَلِمَةٌ دَلَّتْ» «مَا» سے کیا مراد ہے؟ کلمہ۔ توجہ ہے؟ تو اسم وہ کلمہ ہے «دَلَّ عَلَى مَعْنًى فِي نَفْسِهِ» جو دلالت کرتا ہے ایسے معنی پر جو اس کلمے کی ذات میں ہوتا ہے، کس میں ہوتا ہے؟ بھائی «فِي نَفْسِهِ» کی «هُ» ضمیر کس کو راجع؟ «مَا» کو۔ «مَا» اور «مَا» سے کیا مراد ہے؟ کلمہ۔ تو وہی بات ہے جو ایسے معنی پر «فِي نَفْسِهِ» جو اس کلمہ کی ذات میں ہوتا ہے۔ اور آگے پھر ایک دو صفحوں کے بعد تعریف کا باقی حصہ آرہا ہے «غَيْرِ مُقْتَرِنٍ بِأَحَدِ الْأَزْمِنَةِ الثَّلَاثَةِ» اور وہ معنی تین زمانوں میں سے کسی زمانے کے ساتھ ملا ہوا نہیں ہوتا۔ اسم کی تعریف آپ نے کیا پڑھی تھی؟ ادھر دیکھیے: اسم وہ کلمہ ہے جو اپنے معنی پر خود بخود دلالت کرتا ہے اور تین زمانوں میں سے کسی زمانے کے ساتھ ملا ہوا نہیں ہوتا۔ وہی تعریف یہاں کر رہے ہیں۔ دیکھو پھر پوری تعریف دیکھو: «الِاسْمُ مَا دَلَّ عَلَى مَعْنًى فِي نَفْسِهِ غَيْرِ مُقْتَرِنٍ بِأَحَدِ الْأَزْمِنَةِ الثَّلَاثَةِ» اسم ایسا کلمہ ہے جو دلالت کرتا ہے ایسے معنی پر جو اس کلمہ کی ذات میں ہوتے ہیں اور وہ معنی تین زمانوں میں سے کسی زمانے کے ساتھ ملا ہوا نہیں ہوتا۔ یہ تھا متن متن۔

اب آئیے بھائی کتاب پر، شرح کے ساتھ اس کو حل کریں۔ کہتے ہیں «الِاسْمُ مَا دَلَّ أَيْ كَلِمَةٌ دَلَّتْ»۔ «الِاسْمُ مَا دَلَّ» یہ

ہے متن۔ اور آگے شارحِ جامی نے «أَيْ كَلِمَةٌ دَلَّتْ» یہ نکال کر بتلا دیا کہ یہ «مَا» موصوفہ ہے، موصولہ نہیں۔ میں نے آپ کو بتلایا تھا کہ ایک «مَا» موصولہ ہوتا ہے اور ایک «مَا» موصوفہ۔ «مَا» موصولہ معرفہ ہوتا ہے اور بمعنی «الَّذِي» کے ہوتا ہے اور اس کے بعد ایک جملہ آتا ہے جو اس کے لیے صلہ بنتا ہے۔ جبکہ ایک «مَا» موصوفہ ہوتا ہے، وہ نکرہ ہوتا ہے بمعنی «شَيْءٌ» کے اور اس کے بعد ایک جملہ آتا ہے جو اس کے لیے صفت بنتا ہے۔ تو ایک فرق تو «مَا» موصولہ اور موصوفہ میں یہ ہے کہ «مَا» موصولہ معرفہ اور «مَا» موصوفہ نکرہ۔ دوسرا فرق یہ ہے کہ «مَا» موصولہ کے بعد جو جملہ آئے گا وہ صلہ بنے گا اور «لَا مَحَلَّ لَهُ مِنَ الْإِعْرَابِ»۔ صلہ جو جملہ ہوتا ہے اس کا کوئی محلِ اعراب نہیں ہوتا۔ جبکہ «مَا» موصوفہ کے بعد جو جملہ آئے گا وہ صفت بنے گا اور صفت کا وہی اعراب ہوگا جو موصوف کا ہوتا ہے۔ اور میں نے آپ کو یہ بھی بتلایا تھا کہ جملے کو جب بھی کسی چیز سے جوڑنا ہو درمیان میں ربط ضروری۔ تو صلہ بھی جملہ اور صفت وہ بھی جملہ، تو دونوں کو ربط دینے کے لیے پھر ان میں ایک ضمیر چاہیے۔ صلے میں ایک ضمیر چاہیے جو اس کو موصول کے ساتھ جوڑ دے۔ اسی طرح صفت کے اندر ایک ضمیر چاہیے جب وہ جملہ ہو کہ یہ اس کو موصوف کے ساتھ جوڑ دے بھائی۔ تو صاحبِ جامی نے «مَا دَلَّ» کے بعد «أَيْ كَلِمَةٌ دَلَّتْ» کہہ کر بتلا دیا کہ یہ «مَا» موصوفہ ہے بھائی، «مَا» موصوفہ۔

میں نے یہاں پر، یہاں پر گزشتہ سے پیوستہ سبق کے اندر جب کلام کی بات آئی تھی وہاں پر بھی یہ بات آپ کو بتلائی تھی۔ کلام کی تعریف انہوں نے کیا کی تھی؟ «الْكَلَامُ مَا تَضَمَّنَ أَيْ لَفْظٌ تَضَمَّنَ» «مَا» کی تفسیر صاحبِ جامی نے «لَفْظٌ» نکرہ کے ساتھ کی بھائی۔ اور میں نے بتلایا تھا کہ عام اردو شروحات کے اندر یہ ذکر ہے کہ شارحِ جامی دراصل ایک اعتراض کا جواب دینا چاہتے ہیں۔ عام شروحات کی بات کر رہا ہوں اردو کی، وہ یہ تقریر کرتے ہیں یہ میں پہلے بھی آپ کو بتلا چکا ہوں اور یہ تقریر درست نہیں ہے۔ وہ کیا فرماتے ہیں؟ کہ شارحِ جامی جو «مَا» کی تفسیر نکرہ کے ساتھ کرتے ہیں دراصل یہ ایک اعتراض کا جواب دیتے ہیں جیسے ان دو مقامات پر، ایک کون سا «الْكَلَامُ مَا تَضَمَّنَ» اور ایک «الِاسْمُ مَا دَلَّ»۔ تو یہاں اس «مَا» کی تفسیر نکرہ کے ساتھ کرتے ہیں اس لیے کیونکہ اعتراض یہ ہوتا ہے کہ «الِاسْمُ» یا «الْكَلَامُ» یہ ہے مبتدا اور آگے «مَا» جو ہے «مَا» موصولہ بنائیں تو وہ بھی معرفہ ہوا، اور ضابطہ ہے کہ مبتدا کے ساتھ ساتھ اگر خبر بھی معرفہ آجائے تو درمیان میں فصل کا لانا واجب ہے، یعنی ایک ضمیر جیسا صیغہ درمیان میں لے آتے ہیں تاکہ پتہ چل جائے کہ یہ موصوف صفت نہیں ہیں۔ جیسے میں نے اس کی مثال ذکر کی تھی: «زَيْدٌ الْقَائِمُ»۔ «زَيْدٌ» ہے مبتدا اور «الْقَائِمُ» ہے اس کی خبر۔ تو یہ مبتدا خبر ہیں اور کبھی کبھار خبر کو بھی معرفہ لاتے ہیں اور مقصد وہاں حصر پیدا کرنا ہوتا ہے۔ اگر میں خبر کو نکرہ لاؤں «زَيْدٌ قَائِمٌ» تو ترجمہ ہوگا زید کھڑا ہے۔ لیکن جب میں خبر کو بھی معرفہ لے آیا «زَيْدٌ الْقَائِمُ» اب ترجمہ ہوگا زید ہی کھڑا ہے، یعنی کہ سننے والے کا مخاطب کا خیال یہ تھا کہ زید اور عمرو دونوں کھڑے ہیں تو میں نے کہہ دیا «زَيْدٌ الْقَائِمُ» زید ہی کھڑا ہے یعنی عمرو کھڑا نہیں ہے۔ تو خبر کو بھی کبھی معرفہ لاتے ہیں حصر کے لیے۔ تو بعض اردو شروحات والے فرماتے ہیں کہ خبر بھی جب معرفہ ہو تو درمیان میں فصل کا لانا واجب ہے بھائی، اور «الْكَلَامُ مَا تَضَمَّنَ» یہاں تو کوئی فصل درمیان میں نہیں، اور اسی طرح «الِاسْمُ مَا

دَلَّ» یہاں اسم اور «مَا» کے درمیان تو کوئی فصل ذکر نہیں ہے۔ تو کہتے ہیں صاحبِ جامی پھر اس کا جواب دے رہے ہیں اور فرماتے ہیں «اَلْكَلَامُ مَا تَضَمَّنَ أَيْ لَفْظٌ تَضَمَّنَ» اور «اَلِاسْمُ مَا دَلَّ أَيْ كَلِمَةٌ دَلَّتْ» یہاں پر کلمہ کا لفظ نکرہ نکال کر بتلا دیا کہ یہ «مَا» موصولہ نہیں ہے بلکہ یہ «مَا» موصوفہ ہے، یہ نکرہ ہے، جب یہ نکرہ ہے تو اب فصل لانے کی کوئی ضرورت نہیں۔ لیکن میں نے بتایا یہ تقریر درست نہیں ہے بھائی۔ اس لیے کیونکہ خبر بھی اگر معرفہ ہو تو اس کو حصر کے لیے لاتے ہیں اور پھر اس صورت میں فصل کا لانا درمیان میں واجب نہیں ہے، جائز ہے بھائی۔ آپ چاہیں تو فصل لے آئیں اور یوں کہیں «زَيْدٌ هُوَ الْقَائِمُ»، اور آپ چاہیں تو فصل نہ لائیں یوں کہہ دیں «زَيْدٌ الْقَائِمُ»۔ فصل لانا واجب نہیں۔ اور میں نے دلیل کے طور پر حدیثیں بھی ذکر کی تھیں۔ زاد الطالبین میں آپ نے حدیث پڑھی ہے «الدِّينُ النَّصِيحَةُ» دین خیر خواہی ہی ہے، دین صرف خیر خواہی ہے۔ تو «الدِّينُ» ہے مبتدا اور «النَّصِيحَةُ» کیا ہے؟ خبر ہے، اور دیکھو دونوں معرفہ ہیں اور درمیان میں کوئی فصل ذکر نہیں کیا گیا۔ دین خیر خواہی ہی ہے۔ «الدِّينُ» خاص دین مراد ہے یعنی یہ دینِ اسلام۔ یہ جو دینِ اسلام ہے یہ صرف خیر خواہی کا نام ہے یعنی ہر ایک کی خیر چاہنا، ہر ایک کے ساتھ اچھا معاملہ کرنا، کسی کو نقصان اور تکلیف نہ دینا۔ اسی طرح میں نے دوسری حدیث بھی ذکر کی تھی ہدایہ میں سے «الشَّفَقُ الْحُمْرَةُ» کہ شفق سرخی ہی ہے، تو «الشَّفَقُ» ہے مبتدا اور «الْحُمْرَةُ» یہ ہے خبر اور خبر بھی معرفہ اور درمیان میں فصل ذکر نہیں۔ تو مبتدا اور خبر جب دونوں معرفہ ہوں تو فصل کا لانا جائز ہے، واجب نہیں ہے۔ تو یہ جو «مَا» یہاں آیا «اَلِاسْمُ مَا دَلَّ» اس «مَا» کو موصولہ بنانا بھی صحیح اور اس «مَا» کو موصوفہ بنانا بھی صحیح۔ «مَا» موصولہ بنا دو پھر معرفہ ہے لیکن درمیان میں فصل لانا کوئی ضروری نہیں لہٰذا کوئی اعتراض نہیں ہوتا۔ تو پھر صاحبِ کافیہ نے «كَلِمَةٌ دَلَّتْ» نکرہ کے ساتھ اس کی جو تفسیر کی، اس سے کیا پتہ چلا؟ یہ «مَا» موصوفہ ہے۔ تو اگر اس کو موصولہ اور موصوفہ دونوں بنانا صحیح ہے تو پھر صاحبِ جامی نے اس کو «مَا» موصوفہ کیوں بنایا؟ «مَا» موصولہ کیوں نہیں بنایا؟ میں نے اس کی وجہ پہلے بھی ذکر کی تھی کہ اگر اس «مَا» کو موصوفہ بناؤ گے تو یہ نکرہ ہوگا، اور خبر کے اندر بھی اصل کیا ہے؟ وہ نکرہ ہونی چاہیے، تو اس صورت میں خبر کی اصل پر عمل ہو جائے گا، خبر کی اصل کی رعایت ہو جائے گی۔ اس لیے صاحبِ جامی نے کیا فرمایا؟ «مَا دَلَّ أَيْ كَلِمَةٌ دَلَّتْ» بھائی۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو بہرحال آپ اس چاہے «مَا» کو موصولہ بنائیں چاہے موصوفہ، دونوں صورتوں میں کلام صحیح ہے۔

اور «أَيْ كَلِمَةٌ دَلَّتْ» یہ «كَلِمَةٌ» کس کی تفسیر کی؟ «مَا» کی۔ اور «مَا» کے بعد «دَلَّ» مذکر کا فعل تھا لیکن «كَلِمَةٌ» کے بعد «دَلَّتْ» مؤنث فعل نکالا بھائی۔ وجہ یہ کہ «مَا دَلَّ» یہ جو «دَلَّ» فعل ہے اس کے اندر «هُوَ» ضمیر ہے جو «مَا» کو راجع ہے، جملہ صفت بن رہا ہے «مَا» کی، اور جملے کو جب بھی کسی چیز سے جوڑنا ہو درمیان میں کیا ضروری؟ ربط۔ تو «دَلَّ» فعل کے اندر ضمیر ہے «هُوَ» ضمیر، کس کو راجع؟ «مَا» کو۔ اور «مَا» لفظوں کے اعتبار سے مذکر ہے تو اس میں «هُوَ» کی ضمیر چاہیے تھی تو «دَلَّ» فعل مذکر کا لے کر آئے۔ اور «كَلِمَةٌ» جب بتا دیا کہ «مَا» سے مراد کلمہ ہے، «مَا» کا مصداق کلمہ ہے، تو اب آگے

«دَلَّ» فعل کے بجائے کیا لے آئے؟ «دَلَّتْ» کیونکہ کلمہ کا لفظ مؤنث ہے تو اب «دَلَّ» کے اندر مؤنث کی ضمیر چاہیے جو کلمہ کی طرف راجع ہو، اور وہ مذکر فعل میں نہیں ہے بلکہ مؤنث میں ہے، اس لیے «كَلِمَةٌ دَلَّتْ» کہا۔ یہاں تک بات سمجھ میں آ گئی؟

تو کہتے ہیں «الِاسْمُ مَا دَلَّ أَيْ كَلِمَةٌ دَلَّتْ عَلَى مَعْنًى كَائِنٍ فِي نَفْسِهِ»۔ جی، یہ «مَعْنًى» کے بعد «كَائِنٍ» نکال کر کیا بتلا دیا؟ کہ یہ «فِي نَفْسِهِ» معنی کی صفت ہے۔ میں نے بتلایا تھا کہ جار مجرور کسی نکرہ کے بعد آئیں تو وہ عموماً اس کے لیے صفت بنتے ہیں۔ تو «مَعْنًى» یہ نکرہ ہے اور «فِي نَفْسِهِ» اس کے بعد جار مجرور آیا تو یہ صفت بنے گا، لیکن صفت براہِ راست نہیں بنے گا درمیان میں متعلق نکالنا پڑے گا۔ اور متعلق وہ موصوف کے مطابق نکالیں گے۔ اگر موصوف مذکر ہو تو متعلق بھی کیا نکالیں گے؟ مذکر۔ اگر وہ تثنیہ ہو تو متعلق بھی تثنیہ۔ اگر وہ جمع ہو تو متعلق بھی جمع نکالیں گے، اور اگر وہ مذکر ہو تو مذکر نکالیں گے متعلق اور اگر وہ موصوف مؤنث ہو تو متعلق بھی مؤنث نکالیں گے۔ تو یہاں «عَلَى مَعْنًى» یہ «مَعْنًى» کا لفظ مفرد ہے، مذکر ہے اور «عَلَى» جارہ کے تحت ہے مجرور ہے، اسی لیے «كَائِنٍ» کا لفظ نکالا جو متعلق ہے یہ بھی مفرد ہے، مذکر ہے اور مجرور ہے کیونکہ موصوف صفت پر ایک ہی اعراب آتا ہے۔ تو کہتے ہیں «الِاسْمُ مَا دَلَّ أَيْ كَلِمَةٌ دَلَّتْ عَلَى مَعْنًى كَائِنٍ فِي نَفْسِهِ» اسم جو ہے وہ ایسا کلمہ ہے جو دلالت کرتا ہے ایسے معنی پر «كَائِنٍ فِي نَفْسِهِ» جو اس کلمہ کی ذات میں ہوتا ہے۔ اسم وہ کلمہ ہے جو دلالت کرتا ہے ایسے معنی پر جو اس کلمہ کی ذات میں ہوتا ہے۔ یاد رکھو ابھی آگے چل کر آپ کو شرح میں بتلائیں گے کہ «فِي نَفْسِهِ» کی «هُ» ضمیر راجع ہے «مَا» کو، وہ جو پیچھے «مَا دَلَّ» آیا تھا اسی «مَا» کی طرف یہ «فِي نَفْسِهِ» کی «هُ» ضمیر راجع ہے۔ اور «مَا» کا لفظ مذکر ہے تو «نَفْسِهِ» میں بھی مذکر کی ضمیر اس کی طرف راجع کی۔ اور «مَا» سے مراد کیا ہے؟ «مَا» کا مصداق کیا ہے؟ کلمہ۔ تو «فِي نَفْسِهِ أَيْ فِي نَفْسِ الْكَلِمَةِ» بات سمجھ میں آ گئی؟ تو کہتے ہیں اسم وہ کلمہ ہے جو دلالت کرتا ہے ایسے معنی پر «فِي نَفْسِ الْكَلِمَةِ» جو کس میں ہوتا ہے؟ کلمہ کی ذات میں ہوتا ہے۔ اور ابھی میں نے بتایا آپ کو وہ وجہِ حصر ابھی ذکر کی تھی کہ معنی کا کلمے کی ذات میں ہونے کا کیا معنی؟ کہ کلمہ خود اس پر دلالت کر رہا ہے، کسی اور لفظ کو ساتھ جوڑنے کی ضرورت نہیں، کلمے سے وہ معنی خود سمجھ میں آ رہا ہے، یعنی وہ معنی مستقل بالمفہوم ہے، مستقلاً اس لفظ سے سمجھ میں آ رہا ہے۔ بات سمجھ میں آ گئی؟

تو «فِي نَفْسِهِ» کی «هُ» ضمیر کس کو راجع کی؟ «مَا» کو۔ جی، دیکھیے اب شرح میں بیان کریں گے: «أَيْ فِي نَفْسِ مَا دَلَّ» دیکھا «فِي نَفْسِهِ أَيْ فِي نَفْسِ مَا دَلَّ» ضمیر کی جگہ «مَا دَلَّ» کو لے آئے، بتلا دیا کہ «هُ» ضمیر کس کو راجع ہے؟ «مَا دَلَّ» کو راجع ہے، یعنی کلمہ ایسا لفظ ہے جو دلالت کرتا ہے ایسے معنی پر «فِي نَفْسِهِ أَيْ فِي نَفْسِ مَا دَلَّ» جو اس کلمے کی ذات میں ہوتا ہے جو اس پر دلالت کرتا ہے۔ «يَعْنِي الْكَلِمَةَ» «مَا دَلَّ» کا معنی بھی بیان کر دیا، «مَا دَلَّ» سے کیا مراد ہے؟ کلمہ مراد ہے بھائی۔ «فَتَذْكِيرُ الضَّمِيرِ بِنَاءً عَلَى لَفْظِ الْمَوْصُولِ» تو ضمیر کو مذکر لانا جو ہے وہ لفظِ موصول کی بنا پر ہے، لفظِ موصول کی وجہ سے ہے۔

یاد رکھو جب ایک لفظ کی طرف آپ ضمیر لوٹاتے ہیں اور وہ لفظ مذکر ہے اور مثلاً اس کا معنی مؤنث ہے، یا اس کا مصداق کیا ہے؟ مؤنث ہے۔ یعنی مذکر مؤنث میں سے لفظ ایک قسم ہے اور معنی دوسری قسم ہے، تو یاد رکھو وہاں لفظ کی رعایت رکھنا بھی ٹھیک اور معنی کی رعایت رکھنا بھی ٹھیک۔ تو لفظوں کے اعتبار سے «مَا» مذکر ہے تو «فِي نَفْسِهِ» «هُ» ضمیر مذکر کی راجع کرنا بھی ٹھیک، اور «مَا» کا مصداق کیا ہے؟ «مَا» سے مراد کیا ہے یہاں پر؟ کلمہ مراد ہے اور کلمہ تو مؤنث ہے، تو لہٰذا یہاں «فِي نَفْسِهَا» کہنا بھی صحیح، معنی کی رعایت رکھنا بھی ٹھیک۔ تو جب بھی ضمیر کسی چیز کی طرف لوٹائیں تو وہاں لفظ کی رعایت رکھنا بھی صحیح ہے اور معنی کی رعایت رکھنا بھی صحیح ہے۔ تو «فِي نَفْسِهِ» کی «هُ» ضمیر اگر «مَا» کے لفظوں کو دیکھے تو مذکر کی ضمیر چاہیے، اگر «مَا» کے معنی یعنی کلمہ کو دیکھے تو ضمیر کون سی چاہیے؟ مؤنث کی، تو آپ کی مرضی ہے آپ چاہیں تو مذکر ضمیر لے آئیں اور آپ چاہیں تو مؤنث ضمیر لے آئیں۔ بات سمجھ میں آگئی؟ یہاں پر وہی بات ذکر کر رہے ہیں کہ «فَتَذْكِيرُ الضَّمِيرِ بِنَاءً عَلَى لَفْظِ الْمَوْصُولِ» کہ «فِي نَفْسِهِ» کی «هُ» ضمیر تو راجع ہے «مَا» کو اور «مَا» سے مراد تو ہے کلمہ، توجہ ہے؟ «مَا» سے کیا مراد؟ کلمہ، تو ماتن کو «فِي نَفْسِهَا» کہنا چاہیے تھا کیونکہ کلمہ تو مؤنث ہے، تو اس کا جواب دے رہے ہیں صاحبِ جامی کہ بھائی معنی کے اعتبار سے «مَا» مؤنث ہے کیونکہ اس کا معنی ہے کلمہ لیکن لفظوں کے اعتبار سے یہ مذکر ہے تو یہاں لفظوں کی رعایت رکھتے ہوئے مذکر کی ضمیر لوٹا دی۔ تو کہتے ہیں «فَتَذْكِيرُ الضَّمِيرِ بِنَاءً عَلَى لَفْظِ الْمَوْصُولِ» تو ضمیر کو مذکر لانا جو ہے وہ لفظِ موصول کی وجہ سے ہے، جو موصول کا لفظ آیا تھا «مَا» وہ مذکر تھا اس لیے ضمیر بھی کون سی لے آئے؟ مذکر لے آئے، اور مصداق کیا ہے اس کا؟ کلمہ ہے یعنی مؤنث ہے۔

اب یہاں اشکال ہوتا ہے، اشکال یہ، ادھر دیکھیے: ماتن نے کیا کہا؟ «الِاسْمُ مَا دَلَّ أَيْ كَلِمَةٌ دَلَّتْ» کیا بتلایا؟ «كَلِمَةٌ» کا لفظ لا کر وہ کیا بتلانا چاہتے ہیں؟ کہ یہ «مَا» موصولہ نہیں ہے بلکہ «مَا» موصوفہ ہے، توجہ ہے؟ اور آگے کہہ رہے ہیں «فَتَذْكِيرُ الضَّمِيرِ بِنَاءً عَلَى لَفْظِ الْمَوْصُولِ» ضمیر کا مذکر لانا لفظِ موصول کی وجہ سے ہے! بھائی لفظِ موصول تو پیچھے گزرا ہی نہیں، یوں کہنا چاہیے تھا «بِنَاءً عَلَى لَفْظِ الْمَوْصُوفِ» کیا کہنا چاہیے تھا؟ بھائی شارحِ جامی نے «مَا» کو موصولہ بنایا یا موصوفہ؟ موصوفہ بنایا تو کہنا چاہیے تھا بنا بر لفظِ موصوف کے اس کو لے کر آئے، لیکن وہ کیا کہہ رہے ہیں؟ لفظِ موصول۔ توجہ ہے؟

تو اس کا جواب بعض نے یہ دیا، بعض علماء فرماتے ہیں کہ لفظِ موصول اس لیے لائے کہ دراصل شارحِ جامی اس بات کی طرف اشارہ کرنا چاہتے ہیں کہ میں نے تو «مَا» کو موصوفہ بنایا لیکن اس «مَا» کو موصولہ بنانا بھی صحیح ہے، اس میں موصول ہونے کا بھی احتمال ہے، اس لیے لفظِ موصول کہا کہ اس کو موصول بنانا بھی صحیح ہے، اس کو «مَا» موصولہ بنانا بھی صحیح ہے۔ بلکہ کہتے ہیں دیکھو پیچھے دیکھو «أَيْ فِي نَفْسِ مَا دَلَّ يَعْنِي الْكَلِمَةَ» یعنی کہ کلمہ۔ دیکھو یہاں «مَا دَلَّ» کا ترجمہ کس کے ساتھ کیا؟ «الْكَلِمَةَ»، توجہ ہے؟ «الْكَلِمَةَ» معرفہ لے کر آئے، اور حالانکہ «مَا» موصوفہ ہو تو پھر تو «كَلِمَةٌ» کہنا چاہیے تھا «الْكَلِمَةَ» نہیں، لیکن یہ معرفہ لے کر آئے۔ بتلانا یہ چاہتے ہیں کہ اس «مَا» کے اندر موصولہ ہونے کا بھی احتمال ہے، اس کو «مَا» موصولہ بھی بنا لو تو ٹھیک ہے۔ بلکہ «مَا دَلَّ» «مَا» کے ساتھ «دَلَّ» فعل بھی ذکر کر دیا اس لیے کیونکہ موصول کبھی بغیر صلے

کے نہیں آتا، تو بتلا دیا «مَا دَلَّ يَعْنِي الْكَلِمَةَ» عبارت پہ نظر ہے؟ «أَيْ فِي نَفْسِ مَا دَلَّ يَعْنِي الْكَلِمَةَ فَتَذْكِيرُ الضَّمِيرِ»۔ تو «أَيْ فِي نَفْسِ مَا دَلَّ يَعْنِي الْكَلِمَةَ» «مَا» کے ساتھ کیا ذکر کیا؟ «دَلَّ» فعل یعنی «مَا» سے مراد موصول ہے، اور موصول کے ساتھ ہمیشہ کس کو ذکر کرتے ہیں؟ صلے کو، بغیر صلے کے موصول کا معنی سمجھ میں نہیں آتا، تو بتلا دیا کہ یہ «مَا» موصولہ بنانا بھی صحیح ہے، اور آگے «يَعْنِي الْكَلِمَةَ» یعنی کہ کلمہ معرفہ کے ساتھ اس کی مرادبیان کر کے بتلا دیا کہ اس کا موصولہ بنانا بھی صحیح ہے۔ اور اس سے میری اس وجہ کی مزید تائید ہو گئی کہ بعض شارحین کیا فرماتے ہیں کہ «مَا» کو اگر موصولہ بناؤ تو پھر تو درمیان میں فصل کا لانا واجب ہے اور یہاں تو کوئی فصل نہیں، شارحِ جامی نے بتلا دیا کہ کوئی فصل کا لانا ضروری نہیں ہے اس «مَا» کو آپ موصولہ بھی بنا سکتے ہو، «أَيْ فِي نَفْسِ مَا دَلَّ يَعْنِي الْكَلِمَةَ»۔ بات سمجھ میں آگئی؟

کیا تقریر ہوئی؟ کہ شارحِ جامی نے «مَا» کو کیا بنایا تھا؟ «مَا» موصوفہ، لیکن آگے کیا کہا کہ ضمیر جو مذکر لائے ہیں وہ لفظِ موصول کی وجہ سے ہے، لفظِ موصول مذکر ہے اس لیے ضمیر بھی کیا لے آئے؟ مذکر۔ تو بعض شارحین نے، بعض محشی حضرات نے اس کا کیا جواب دیا؟ انہوں نے یہ جواب دیا کہ شارحِ جامی دراصل یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ میں نے تو «مَا» کو موصوفہ بنایا ہے لیکن اس کو موصولہ بنانا بھی صحیح ہے، وہ بھی احتمال ہے اس کے اندر۔ یہ بعضوں نے تقریر کی۔

جبکہ بعض شارحین نے اور تقریر کی۔ وہ فرماتے ہیں کہ شارحِ جامی نے «مَا دَلَّ» کے اندر جو «مَا» ہے اس کو موصولہ ہی بنایا ہے، موصوفہ نہیں بنایا! اس «مَا» کو موصولہ ہی بنایا ہے، موصوفہ نہیں بنایا۔ بھائی کیسے؟ شارحِ جامی نے تو کہا تھا «مَا دَلَّ أَيْ كَلِمَةٌ دَلَّتْ» انہوں نے تو آگے «كَلِمَةٌ» نکرہ نکالا تھا، اور نکرہ تبھی نکالیں گے جب «مَا» کون سا ہو؟ «مَا» موصوفہ ہو۔ وہ کہتے ہیں نہیں نہیں، یہ «مَا» موصولہ ہی بنایا ہے شارحِ جامی نے، البتہ بتلا دیا کہ یہاں اسمِ موصول جو ہے وہ عہدِ خارجی کے لیے نہیں ہے بلکہ عہدِ ذہنی کے لیے ہے، کس کے لیے ہے؟ عہدِ ذہنی کے لیے۔ بھائی ادھر دیکھیے، میں نے آپ کو بتلایا تھا الف لام کی قسمیں جہاں بیان کی تھیں کہ الف لام دو قسم پر ہے: ایک اسمی اور ایک حرفی۔ الف لام اسمی وہ ہے جو اسمِ فاعل یا اسمِ مفعول کے صیغوں پر داخل ہوتا ہے، بشرطیکہ وہ حدوث اور تجدد کے معنی میں ہو وہ اسمِ فاعل اور اسمِ مفعول، اور اگر وہ ثبوت کے معنی میں ہے تو پھر یہ الف لام حرفی ہی ہوگا، الف لام اسمی نہیں۔ تو «الضَّارِبُ» کس معنی میں ہے؟ «الَّذِي يَضْرِبُ» اور «الْمَضْرُوبُ» کس معنی میں؟ «الَّذِي يُضْرَبُ»۔ جبکہ دوسرا الف لام حرفی ہے، وہ حرف ہے، وہ کسی لفظ کو معرفہ بنانے کے لیے لاتے ہیں جیسے «رَجُلٌ» سے «الرَّجُلُ»۔ اور یہ جو الف لام حرفی ہوتا ہے اس کے ذریعے کسی چیز کی طرف اشارہ ہوتا ہے۔ اگر اشارہ جنس اور ماہیت کی طرف ہو تو اس کو الف لام جنسی کہتے ہیں، جیسے «الرَّجُلُ خَيْرٌ مِنَ الْمَرْأَةِ» جنسِ رجل بہتر ہے جنسِ عورت سے۔ تو کبھی الف لام حرفی کے ذریعے جنس کی طرف اشارہ ہوتا ہے اور کبھی افراد کی طرف۔ تو اگر جنس کی طرف اشارہ ہو تو وہ الف لام جنسی۔ اگر افراد کی طرف اشارہ ہو پھر یا تو تمام افراد

کو اشارہ ہوگا یا بعض کو۔ اگر تمام کو اشارہ ہو تو وہ الف لام استغراقی ہے، جیسے «وَالْعَصْرِ إِنَّ الْإِنْسَانَ لَفِي خُسْرٍ» یقیناً تمام انسان خسارے میں ہیں، تو «الْإِنْسَانَ» پر کون سا الف لام ہے؟ استغراقی ہے، اور اس کا ترجمہ تمام اور کل کے ساتھ کرتے ہیں۔ اور اگر تمام افراد کی طرف اشارہ نہ ہو، بعض کی طرف ہو، چاہے وہ بعض ایک ہو، دو ہوں یا زیادہ ہوں، ہوں بعض، تو پھر وہ اگر وہ خارج میں متعین ہیں تو اس کو الف لام عہدِ خارجی کہتے ہیں، اور اگر خارج میں متعین نہیں تو پھر الف لام عہدِ ذہنی کہتے ہیں۔ میں نے بتایا تھا عہد کا کیا معنی؟ متعین ہونا، مقرر ہونا۔ اگر خارج میں کوئی افراد مقرر ہیں ان کی طرف الف لام کے ذریعے اشارہ ہو تو اس کو کہتے ہیں عہدِ خارجی، عہدِ یعنی خارج میں جو متعین ہے اس کی طرف اشارہ ہے۔ عہد بمعنی معہود کے ہے۔ اب عہد بمعنی یعنی معہودِ خارجی کے لیے وہ چیز جو خارج میں متعین ہے، اور اگر وہ فرد یا افراد خارج میں متعین نہیں، ذہن میں ہے، تو اس کو کہتے ہیں معہودِ ذہنی۔ توجہ ہے؟ جیسے میں آپ کو کہتا ہوں: «جَاءَنِي رَجُلٌ أَمْسِ» میں نے نکرہ ذکر کیا، کل میرے پاس ایک آدمی آیا تھا۔ آپ اس کو نہیں جانتے اس لیے میں نے «رَجُلٌ» نکرہ ذکر کیا، «جَاءَنِي رَجُلٌ أَمْسِ»۔ لیکن ایک دفعہ جب چیز ذکر ہو جائے تو متعین ہو جاتی ہے۔ اب میں آپ سب کو کہنا چاہتا ہوں پھر میں نے اسی آدمی کا اکرام کیا: «فَأَكْرَمْتُ الرَّجُلَ» تو اب میں معرفہ لاؤں گا، تو میں نے پھر اس آدمی کا اکرام کیا۔ آپ سمجھ گئے کہ نہیں سمجھ گئے کون سا آدمی؟ وہی جو کل آیا تھا۔ تو دیکھا اب میں نے «الرَّجُلَ» پر جو الف لام لایا اس کے ذریعے میں نے اس معہودِ خارجی کی طرف اشارہ کر دیا جو خارج میں متعین تھا جس کا ابھی ذکر ہوا تھا۔ اور اگر خارج میں متعین نہ ہو تو اس کو کیا کہتے ہیں؟ عہدِ ذہنی، جیسے قرآن میں اس کی مثال ہے: «إِنِّي أَخَافُ أَنْ يَأْكُلَهُ الذِّئْبُ»۔ «الذِّئْبُ» یہ الف لام کون سا ہے؟ الف لام عہدِ ذہنی، یعنی حضرت یعقوب علیہ السلام نے بھیڑیے کی جنس کا کوئی ایک فرد ذہن میں تصور کر کے الف لام کے ذریعے اس کی طرف اشارہ کر دیا۔ تو یہ خارج میں کوئی متعین بھیڑیا نہیں تھا کہ وہ والا بھیڑیا کھا جائے گا ان کو، بلکہ ذہن میں کوئی ایک فرد تصور کر لیا، اس کو کیا کہتے ہیں؟ معہودِ ذہنی۔ اور یہ جو معہودِ ذہنی ہوتا ہے میں نے آپ کو بتلایا تھا یہ نکرہ کے حکم میں ہوتا ہے، کس کے؟ اس لیے اس کا نکرہ والا ترجمہ کریں گے: «إِنِّي أَخَافُ أَنْ يَأْكُلَهُ الذِّئْبُ» مجھے یہ خوف ہے کہ اس کو کوئی بھیڑیا کھا جائے گا، دیکھا نکرہ والا ترجمہ کیا۔ تو معلوم ہوا معہودِ ذہنی کس کے حکم میں ہوتا ہے؟ نکرہ۔ یہاں تک بات سمجھ میں آگئی؟ ہاں معہودِ خارجی متعین ہوتا ہے، وہ معرفہ ہوتا ہے۔

تو بات یہ چل رہی تھی کہ بعض شارحین فرماتے ہیں کہ «الِاسْمُ مَا دَلَّ أَيْ كَلِمَةٌ دَلَّتْ» اس میں شارحِ جامی نے اس «مَا» کو موصوفہ نہیں بنایا بلکہ موصولہ ہی بنایا ہے، اور موصولہ کس معنی میں ہوتا ہے؟ «الَّذِي» کے معنی میں، اور «الَّذِي» کے جو مدلول ہوتا ہے جس پر وہ دلالت کرتا ہے وہ اگر متعین ہو تو کہیں گے معہودِ خارجی، کیا کہیں گے؟ معہودِ خارجی، لیکن یہاں کلمہ عام ہے، کوئی بھی کلمہ، اسم جو ہے کسے کہتے ہیں؟ کوئی بھی کلمہ جو اپنے معنی پر خود بخود دلالت کرے اور زمانہ اس

میں نہ ہو تو اس کو کیا کہیں گے؟ اسم۔ تو یہاں یہ جو اسمِ موصول آیا تو یہ عہدِ ذہنی کے لیے ہے، عہدِ خارجی کے لیے نہیں ہے۔ بات سمجھ میں؟ وہ کیا بتاتے ہیں کہ یہ «مَا» کون سا ہے؟ یہ «مَا» موصولہ ہی ہے۔ عام شارحین تو کیا تقریر کرتے ہیں؟ یہ «مَا» موصوفہ ہے، «مَا»... اور یہ جو آگے کہا «فَتَذْكِيرُ الضَّمِيرِ بِنَاءً عَلَى لَفْظِ الْمَوْصُولِ» یہ صرف یہ بتلا رہے ہیں کہ اس میں موصول ہونے کا بھی احتمال ہے، آپ چاہیں تو «مَا» موصولہ بنا لیں۔ لیکن بعض شارحین کیا فرماتے ہیں؟ کہ «مَا» کو موصولہ ہی بنایا ہے لیکن آگے «كَلِمَةٌ دَلَّتْ» نکال کر بتلا دیا کہ یہ جو «مَا» موصولہ ہے یہ عہدِ خارجی کے لیے یہاں نہیں آیا، کوئی خاص کلمہ اس سے مراد نہیں ہے بلکہ یہ عہدِ ذہنی ہے، کوئی بھی کلمہ ہو وہ اس کے اندر داخل ہے جب اس میں یہ چیزیں پائی جائیں۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو کہتے ہیں «فَتَذْكِيرُ الضَّمِيرِ بِنَاءً عَلَى لَفْظِ الْمَوْصُولِ» تو ضمیر کو مذکر لانا بنا بر لفظِ موصول کے ہے یعنی موصول کا لفظ مذکر تھا اس لیے ضمیر بھی کیا لائے؟ مذکر۔ اور اگر معنی کی رعایت رکھیں تو پھر ضمیر کو مؤنث لانا چاہیے، «أَيْ فِي نَفْسِهَا» کہنا چاہیے کیونکہ «مَا» سے کیا مراد ہے؟ کلمہ مراد ہے۔

چلیے بس بھائی، هٰذَا هُوَ الْمَرَامُ، وَاللّٰهُ أَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْكَلَامِ.

سبق نمبر ۲۹: تعریفِ اسم (۲): ایضاح شرح المفصل کی روشنی میں معنی فی نفسہٖ کی تحقیق

شرحِ ملا جامی صفحہ: ۲۰ — بتاریخ: ۵ اگست ۲۰۲۱ء

▪ تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث

آگے سبق دیکھیے بھئی کتاب پر۔

قَالَ الْمُصَنِّفُ رَحِمَهُ اللّٰهُ فِي الْإِيْضَاحِ شَرْحِ الْمُفَصَّلِ: الضَّمِيْرُ فِيْ مَا دَلَّ عَلٰى مَعْنًى فِيْ نَفْسِهِ يَرْجِعُ إِلٰى مَعْنًى، أَيْ مَا دَلَّ عَلٰى مَعْنًى بِاعْتِبَارِهِ فِيْ نَفْسِهِ وَبِالنَّظَرِ إِلَيْهِ فِيْ نَفْسِهِ، لَا بِاعْتِبَارِ أَمْرٍ خَارِجٍ عَنْهُ، كَقَوْلِكَ: الدَّارُ فِيْ نَفْسِهَا حُكْمُهَا كَذَا، أَيْ لَا بِاعْتِبَارِ أَمْرٍ خَارِجٍ عَنْهَا.

گزشتہ سبق میں اسم کی تعریف ہم نے شروع کی تھی۔ صاحبِ کافیہ نے آپ کو بتلایا: الِاسْمُ مَا دَلَّ عَلٰى مَعْنًى فِيْ نَفْسِهِ۔ کہ اسم وہ کلمہ ہے جو دلالت کرتا ہے ایسے معنی پر جو اس کلمہ کی ذات میں ہوتا ہے۔ اور یہ بات میں پہلے بیان کر چکا کہ معنی کا کلمے کی ذات میں ہونا، اسم ایسا کلمہ ہے کہ اس کی ذات میں معنی ہوتا ہے بھئی۔ کلمے کی ذات میں معنی ہونے کا مطلب یہ ہے کہ کلمہ خود اس پر دلالت کرتا ہے۔ اس پر دلالت کرنے کے لیے وہ کسی اور کلمے کے ساتھ جڑنے کا محتاج نہیں۔ یعنی وہ معنی اس لفظ سے مستقلاً مفہوم ہو رہا ہے۔ یعنی وہ معنی مستقل بالمفہوم ہے، وہ معنی مستقل بالمفہوم ہے اس لفظ سے، یعنی مستقلاً اس سے سمجھ میں آرہا ہے۔

جیسے میں نے اس کی مثال ذکر کی تھی کہ لفظِ ابتدا کا معنی بھی شروع کرنا اور مِنْ کا معنی بھی شروع کرنا۔ لفظِ ابتدا جیسے ہی میں نے کہا، آپ فوراً سمجھ گئے کہ اس کا کیا معنی ہے؟ شروع کرنا۔ معلوم ہوا لفظِ ابتدا سے شروع کرنے کا معنی مستقلاً سمجھ میں آرہا ہے۔ یہ کسی اور کلمے کا محتاج نہیں ہے کہ اس معنی پر دلالت کرے، تو ہم یوں کہیں گے کہ یہ جو شروع کرنے کا معنی ہے، یہ ابتدا کی ذات میں ہے۔ کس میں ہے؟ یہ لفظ کلمہ ابتدا کی ذات میں یہ معنی ہے، یعنی یہ کسی اور کلمے کا محتاج نہیں اس معنی پر دلالت کرنے کے لیے، اور وہ معنی اس سے مستقلاً مفہوم ہو رہا ہے۔

جبکہ دوسری طرف مِنْ ہے، مِنْ کا معنی بھی شروع کرنا۔ لیکن مِنْ کہیں تو اس سے شروع کرنے کا معنی سمجھ میں نہیں آتا۔ یعنی مستقلاً اس سے شروع کرنے کا معنی سمجھ میں نہیں آتا۔ ہاں، اس کے ساتھ جب اس کے متعلقات جوڑ دو گے، مثلاً سِرْتُ مِنَ الْبَصْرَةِ إِلَى الْكُوْفَةِ، میں چلا بصرہ سے کوفہ تک۔ اب آپ کو سمجھ میں آیا، آپ کہاں سے کہاں تک چلے ہیں؟ بصرہ سے کوفہ تک۔ معلوم ہوا آپ کے چلنے کی ابتدا کہاں سے ہو رہی ہے؟ بصرہ سے۔ اور انتہا کہاں پر ہو رہی ہے؟ کوفہ پر۔ تو بصرہ سے جو چلنے کی ابتدا ہو رہی ہے، اس پر کس نے دلالت کی؟ مِنْ نے۔ اور کوفہ پر چلنے کی انتہا ہو رہی ہے، اس پر کس نے دلالت کی؟ إِلٰی نے۔ تو دیکھا، یہاں مِنْ اور إِلٰی حروف ہیں اور ان کا معنی مستقل بالمفہوم نہیں۔ ان کے ساتھ جب دوسرے کلمے جوڑ دو گے، پھر ان کا معنی سمجھ میں آئے گا۔ تو جبکہ ابتدا لفظ اکیلا بولو، فوراً ہی اس کا معنی سمجھ میں آ جاتا ہے، جبکہ مِنْ میں ایسا نہیں ہے۔

اس کے بعد الِاسْمُ مَا دَلَّ أَيْ كَلِمَةٌ دَلَّتْ. شارحِ جامی نے مَا دَلَّ کی تفسیر کی أَيْ كَلِمَةٌ دَلَّتْ۔ بتلانا یہ چاہتے ہیں کہ یہ ما موصوفہ ہے، ما موصولہ نہیں ہے۔ میں نے بتایا اس ما کو موصولہ بھی بنا سکتے ہو، کسی ضمیرِ فصل کی ضرورت نہیں، اور اس ما کو موصوفہ بھی بنا سکتے ہیں۔ شارحِ جامی نے اس کو ما موصوفہ بنانا پسند کیا، تاکہ خبر کی اصل پر عمل ہو جائے۔ خبر کے اندر اصل کیا ہے؟ نکرہ ہونی چاہیے۔ تو اس ما کو جب موصوفہ بنائیں گے تو خبر کی اصل پر عمل ہو جائے گا، کیونکہ ما موصوفہ بھی نکرہ ہوتا ہے۔ چنانچہ أَيْ كَلِمَةٌ دَلَّتْ نکرہ کے ساتھ اس کی تفسیر کی بھئی۔

اور نیز مَا دَلَّ، دَلَّ فعل کے اندر هُوَ ضمیر تھی جو ما کو راجع تھی۔ اور ما لفظ مذکر ہے، تو دَلَّ فعل بھی مذکر لائے کیونکہ اس کے اندر هُوَ ضمیر ہمیں چاہیے تھی جو ما کی طرف لوٹے۔ اور جب ما کی تفسیر کلمہ کے ساتھ کر دی، تو کلمہ کا لفظ تو مؤنث ہے، اس کے ساتھ تو تائے مربوطہ جڑی ہوئی ہے، گول تا اس کے ساتھ جڑی ہوئی ہے، تو اس کے لیے آگے فعل جو نکالا وہ دَلَّ نہیں نکالا بلکہ دَلَّتْ نکالا، تاکہ هِيَ ضمیر ہمیں مل جائے، کیونکہ هِيَ ضمیر کلمہ کی طرف لوٹائیں گے بھئی۔

اور آگے مَعْنًى كَائِنٍ فِيْ نَفْسِهِ، معنی کے بعد كَائِنٍ کا لفظ نکال کر بتلا دیا کہ یہ فِيْ نَفْسِهِ جو ہے یہ معنی کی صفت ہے۔ نکرہ کے بعد جار مجرور آئے تو وہ اس کے لیے صفت بنے گا۔ اور وہ میں نے آپ کو طریقہ بھی بتلایا تھا کہ جار مجرور آٹھ چیزوں میں سے کسی ایک سے متعلق ہوتا ہے۔ وہ آٹھ چیزیں کون کون سی ہیں؟ وہ ہر وقت آپ کے ذہن میں ہونی چاہئیں۔ کون سی؟ فعل ہے، مصدر، اسمِ فاعل، اسمِ مفعول، صفتِ مشبہ، اسمِ تفضیل، مبالغے کے صیغے اور اسمِ فعل۔ پھر دہراؤ، وہ آٹھ چیزیں کون سی ہیں؟ فعل ہے، مصدر ہے، اسمِ فاعل، اسمِ مفعول، صفتِ مشبہ، اسمِ تفضیل، مبالغے کے صیغے اور اسمِ فعل ہے۔ تو ان آٹھ میں سے کوئی کلام میں آئے، یا ایک آئے یا زیادہ آئیں، تو ہر ایک سے باری باری جوڑ کر اس کا ترجمہ کریں۔ جس کے ساتھ ترجمہ ٹھیک ہو جائے یا جس کے ساتھ بہتر ہو جائے، اس کے ساتھ اس کو جوڑ دیں۔ تو یہاں پر مَعْنًى نکرہ ہے اور نکرہ کے بعد جار مجرور فِيْ نَفْسِهِ آیا، تو اس کو معنی کے لیے انہوں نے صفت بنا دیا بھئی۔ اور صفت براہِ راست نہیں بنے گا بلکہ متعلق بھی نکالنا پڑے گا۔ تو اسم جو ہے ایسا کلمہ ہے جو دلالت کرتا ہے عَلٰى مَعْنًى ایسے معنی پر كَائِنٍ فِيْ

نَفْسِهِ أَيْ ثَابِتٍ فِيْ نَفْسِهِ جو اس کی ذات میں ثابت ہے، یعنی اس کلمہ کی ذات میں۔

آگے شارحِ جامی نے آپ کو بتلایا تھا أَيْ فِيْ نَفْسِ مَا دَلَّ، کہ نَفْسِهِ کی هَا ضمیر کس کو راجع ہے؟ مَا دَلَّ کو، أَيْ فِيْ نَفْسِ مَا دَلَّ۔ دیکھو نَفْسِهِ کی هَا ضمیر کی جگہ کیا لے آئے؟ مَا دَلَّ لے آئے۔ مَا دَلَّ اور اس سے کیا مراد تھا؟ کلمہ، اسی لیے آگے کہا يَعْنِي الْكَلِمَةَ، کہ فِيْ نَفْسِهِ کی ضمیر مَا دَلَّ کو راجع ہے يَعْنِي الْكَلِمَةَ یعنی کہ کلمہ جو ہے۔

پھر میں نے یہاں پر آپ کو ایک ضابطہ بتلایا تھا۔ ضابطہ یہ کہ جب ضمیر کسی لفظ کی طرف لوٹے اور لفظ اور معنی دونوں آپس میں تذکیر و تانیث میں مختلف ہوں، مثلاً لفظ ہے مذکر اور معنی ہے مؤنث۔ جیسے یہاں لفظِ ما ہے، یہ لفظ تو مذکر ہے لیکن یہاں اس کا مصداق کیا ہے؟ کلمہ۔ تو معنی اس کا گویا کلمہ ہوا اور کلمہ مؤنث ہے۔ تو ایسے موقع پر یاد رکھو، دونوں میں سے جس کی بھی آپ رعایت رکھنا چاہیں رکھ سکتے ہیں۔ آپ چاہیں تو لفظ کی رعایت رکھیں اور لفظ مذکر ہے تو مذکر کی ضمیر لوٹا دیں، اور آپ چاہیں تو معنی کی رعایت رکھیں اور معنی تو مؤنث ہے تو مؤنث کی ضمیر لوٹا دیں۔ اب یہاں پر ما لفظ کو دیکھیں تو مذکر ہے، اور اس کا معنی یعنی کلمہ دیکھیں تو وہ مؤنث ہے، تو فِيْ نَفْسِهِ کی ضمیر میں کس کا لحاظ رکھا؟ اسمِ موصول کے لفظ کا لحاظ رکھا، معنی کا لحاظ نہیں کیا۔ تو یہی انہوں نے آپ کو بتلایا تھا کہ فَتَذْكِيْرُ الضَّمِيْرِ بِنَاءً عَلٰى لَفْظِ الْمَوْصُوْلِ کہ ضمیر کو مذکر لانا یہ لفظِ موصول کی وجہ سے ہے۔

اس پر پھر اشکال ہوا تھا کہ یہ ما تو آپ نے موصوفہ بنایا ہے، پھر لفظِ موصول کہنے کا کیا مطلب؟ آپ کو لفظِ موصوف کہنا چاہیے تھا، لفظِ موصوف۔ کہ ضمیر مذکر لائے ہیں ما موصوفہ کی وجہ سے، اس کے لفظ کی وجہ سے، لیکن صاحبِ جامی نے کیا فرمایا؟ لفظِ موصول، بھئی آپ نے تو اسمِ موصول اس کو بنایا ہی نہیں۔ تو اس کا جواب بعض شارحین نے، بعض محشی حضرات نے یہ دیا کہ دراصل شارحِ جامی اس بات کی طرف اشارہ کرنا چاہتے ہیں کہ اس ما کو ہم نے تو موصوفہ بنایا لیکن اس کو ما موصولہ بھی بنا سکتے ہیں، تو دونوں احتمال ہیں اس کے اندر۔ بلکہ یہ شارحین فرماتے ہیں کہ لفظِ موصول کے ذریعے بھی اشارہ کر دیا کہ مَا دَلَّ کو موصولہ بنانا بھی صحیح، اور نیز فِيْ نَفْسِهِ کا ترجمہ شارحِ جامی نے کیا کیا؟ أَيْ فِيْ نَفْسِ مَا دَلَّ يَعْنِي الْكَلِمَةَ، دیکھو الْكَلِمَةَ معرفہ نکالا، اور معرفہ وہ تو اسمِ موصول ہوتا ہے، موصوف، ما موصوفہ نہیں ہوتا، تو یہ معرفہ الْكَلِمَةَ جو لے کر آئے تفسیر کے اندر اس کے ذریعے بھی اشارہ کر دیا کہ یہ ما موصولہ بھی ہو سکتا ہے۔ اور نیز فِيْ نَفْسِهِ کا کیا ترجمہ کیا؟ أَيْ فِيْ نَفْسِ مَا دَلَّ، ما کے ساتھ دَلَّ فعل بھی لے کر آئے، اس میں بھی اسی طرف اشارہ ہے کہ یہ ما موصولہ بھی ہو سکتا ہے اور موصول تو بغیر صلے کے نہیں آتا، تو مَا دَلَّ کہا ما کے ساتھ صلہ بھی ذکر کیا شارحِ جامی نے شرح کرتے ہوئے۔

جبکہ بعض شارحین نے اور تقریر کی، بعض محشی حضرات نے، وہ فرماتے ہیں کہ شارحِ جامی نے ما کو موصوفہ نہیں بنایا بلکہ ما کو موصولہ ہی بنایا ہے۔ ان پر اشکال ہوتا ہے بھئی موصولہ کیسے؟ انہوں نے تو كَلِمَةٌ دَلَّتْ نکرہ کلمہ لے کر آئے اور اس سے تو پتہ چل رہا ہے کہ یہ ما موصوفہ ہے، ما موصولہ نہیں۔ کہتے ہیں نہیں، شارحِ جامی نے بھی اس ما کو موصولہ ہی بنایا ہے۔

البتہ یہ جو اسمِ موصول ہے، یہ عہدِ خارجی کے لیے نہیں ہے بلکہ عہدِ ذہنی کے لیے ہے، اور عہدِ ذہنی نکرہ کے حکم میں ہوتا ہے۔ تو اس سے الِاسْمُ مَا دَلَّ، اسم وہ کلمہ ہے جو دلالت کرے، اس سے کوئی خاص اور متعین کلمہ مراد نہیں ہے، بلکہ ہر ایسا کلمہ جو اپنے معنی پر خود دلالت کرے اور اس کے اندر تین زمانوں میں سے کوئی زمانہ نہ ہو اس کو کیا کہیں گے؟ اسم کہیں گے۔ تو معلوم ہوا یہاں ما جو ہے وہ عہدِ خارجی کے لیے نہیں ہے بلکہ عہدِ ذہنی کے لیے ہے اور وہ کس معنی میں ہوتا ہے؟ نکرہ کے معنی میں ہوتا ہے، اسی لیے كَلِمَةٌ دَلَّتْ نکرہ کے ساتھ اس کا ترجمہ کیا۔

اب آئیے آج کے سبق پر بھئی۔ قَالَ الْمُصَنِّفُ فِي الْإِيْضَاحِ شَرْحِ الْمُفَصَّلِ: الضَّمِيْرُ فِيْ مَا دَلَّ عَلٰى مَعْنًى فِيْ نَفْسِهِ يَرْجِعُ إِلٰى مَعْنًى۔

یاد رکھیے، مصنف یعنی علامہ ابنِ حاجب رحمہ اللہ، میں نے آپ کو بتلایا تھا انہوں نے اپنی یہ کتاب کافیہ جو ہے، یہ علامہ زمخشری کی کتاب مفصل سے اخذ کی ہے بھئی۔ اسی طرح علامہ ابنِ حاجب نے اس مفصل کی ایک الگ باقاعدہ شرح بھی لکھی ہے اور اس کا نام ہے ایضاح بھئی۔ علامہ ابنِ حاجب نے مفصل کی جو ایک شرح لکھی ہے اس کا نام کیا ہے؟ ایضاح بھئی، إِيْضَاحُ الْمُفَصَّلِ، مفصل کی وضاحت بھئی۔ تو علامہ جامی یہاں پر ایضاح جو شرح ہے مفصل کی، وہاں سے علامہ ابنِ حاجب کی ایک عبارت یہاں نقل کر رہے ہیں اور آپ کو بتلائیں گے کہ ہم نے تو فِيْ نَفْسِهِ کی ضمیر کس کو لوٹائی؟ مَا دَلَّ کو، اور مَا دَلَّ سے کیا مراد ہے؟ کلمہ۔ یعنی آسان لفظوں میں یوں کہو کہ ہم نے تو فِيْ نَفْسِهِ کی هَا ضمیر کس کو لوٹا دی؟ کلمہ کو۔ لیکن علامہ ابنِ حاجب نے جو شرح کی ہے مفصل کی، اس کے اندر انہوں نے اس فِيْ نَفْسِهِ کی ضمیر کو معنی کی طرف لوٹایا ہے۔ اور اس صورت میں پھر ایک اشکال بھی ہوتا ہے، اس اشکال کا بھی پھر وہ جواب دیتے ہیں ایضاح کے اندر بھئی۔

تو حاصل یہ کہ علامہ جامی جو ہے، یہ قَالَ الْمُصَنِّفُ فِي الْإِيْضَاحِ یہ عبارت جو ہے انہوں نے صاحبِ کافیہ کی نقل کی ان کی کتاب ایضاح سے، اور بتلا رہے ہیں کہ ہم نے تو فِيْ نَفْسِهِ کی ضمیر مَا دَلَّ کو راجع کی اور مَا دَلَّ سے کیا مراد ہے؟ کلمہ۔ تو گویا آسان لفظوں میں یوں کہو کہ ہم نے تو فِيْ نَفْسِهِ کی ضمیر کلمہ کو راجع کی، لیکن صاحبِ کافیہ نے مفصل کی شرح ایضاح کے اندر اس ضمیر کو معنی کی طرف راجع کیا ہے۔ کس ضمیر کو؟ چنانچہ ایضاح سے صاحبِ کافیہ کی اس عبارت کو بھی یہاں نقل کر رہے ہیں، اور معنی کی طرف ضمیر کو راجع کریں تو اس پر ایک اشکال بھی ہوتا ہے، اس اشکال کا بھی صاحبِ کافیہ نے جواب دیا ہے، اب وہ ذکر کرنے لگے ہیں۔ کیا بتلائیں گے پہلے؟ ایضاح کی اس عبارت میں صاحبِ کافیہ کی یہ ضمیر کس کو لوٹ رہی ہے؟ معنی کو لوٹ رہی ہے، اور پھر جب معنی کی طرف لوٹائیں گے تو ایک اعتراض وارد ہوگا، اس اعتراض کا بھی وہ جواب دیں گے، وہ بھی انہوں نے ذکر کیا ہے۔ تو اب آگے جو ہے، یہ ایضاح کی عبارت آ رہی ہے۔ کہتے ہیں: قَالَ الْمُصَنِّفُ فِي الْإِيْضَاحِ شَرْحِ الْمُفَصَّلِ، کہتے ہیں مصنف یعنی صاحبِ کافیہ نے ایضاح شرحِ مفصل میں فرمایا ہے۔ اب

یہ آگے ایضاح کی عبارت شروع ہو رہی ہے: الضَّمِيْرُ فِيْ مَا دَلَّ عَلٰى مَعْنًى فِيْ نَفْسِهِ، کہ وہ جو ضمیر ہے اس عبارت میں، کون سی عبارت؟ مَا دَلَّ عَلٰى مَعْنًى فِيْ نَفْسِهِ، مَا دَلَّ عَلٰى مَعْنًى فِيْ نَفْسِهِ کے اندر جو ضمیر ہے، یہ صاحبِ کافیہ فرما رہے ہیں ایضاح کے اندر، کہتے ہیں: يَرْجِعُ إِلٰى مَعْنًى، یہ کس طرف لوٹ رہی ہے؟ معنی کی طرف لوٹ رہی ہے۔

تو صاحبِ جامی نے تو فِيْ نَفْسِهِ کی ضمیر کو کس کی طرف لوٹایا؟ کلمہ کی طرف، اور صاحبِ کافیہ نے ایضاح میں اس ضمیر کو کس کی طرف لوٹایا ہے؟ معنی کی طرف لوٹایا ہے۔ أَيْ مَا دَلَّ، یہ وہ اب اشکال کا جواب دینے لگے ہیں صاحبِ کافیہ۔ یہ ساری ایضاح کی عبارت چل رہی ہے، تو آگے دو تین سطروں تک یہ ایضاح کی عبارت ہے۔ اعتراض یہ ہوتا ہے، آپ نے کیا تعریف کی؟ الِاسْمُ مَا دَلَّ عَلٰى مَعْنًى فِيْ نَفْسِهِ۔ اور فِيْ نَفْسِهِ کی هَا ضمیر صاحبِ کافیہ نے ایضاح میں بتلایا ہے کس کی طرف لوٹ رہی ہے؟ معنی کی طرف۔ تو معنی ہو جائے گا یوں کہ اسم وہ کلمہ ہے، دَلَّ عَلٰى مَعْنًى جو دلالت کرتا ہے ایسے معنی پر، فِيْ نَفْسِهِ کہ وہ معنی نفسِ معنی میں ہے، فِيْ نَفْسِهِ أَيْ فِيْ نَفْسِ الْمَعْنٰى کہ وہ معنی نفسِ معنی میں ہے، یعنی معنی، معنی کے اندر ہے، تو یہ تو ظَرْفِيَّةُ الشَّيْءِ لِنَفْسِهِ کی خرابی لازم آئی۔ حالانکہ ظرف اور ہوتا ہے، مظروف اور۔ زَيْدٌ فِي الدَّارِ، فِيْ سے ماقبل والا ہے مظروف، اور فِيْ کا مابعد کیا ہے؟ ظرف۔ زید گھر میں ہے۔ معلوم ہوا زید مظروف ہے، زید گھر میں ہے، اور گھر جو ہے اس کے لیے ظرف کے درجے میں ہے جس نے زید کا احاطہ کیا ہوا ہے۔

تو یہاں پر بھی فِيْ نَفْسِهِ کی هَا ضمیر کس کو لوٹا دی؟ معنی کو، اور فِيْ کس لیے آتا ہے؟ ظرفیت کے لیے، تو مَعْنًى فِيْ نَفْسِ الْمَعْنٰى، معنی کس کے اندر ہو گیا؟ نفسِ معنی کے اندر ہو گیا، یعنی معنی، معنی کے اندر ہو گیا۔ تو مظروف بھی معنی اور ظرف بھی معنی، تو یہ ظَرْفِيَّةُ الشَّيْءِ لِنَفْسِهِ ہے اور یہ باطل ہے، یہ نہیں ہو سکتا، کیونکہ ظرف اور ہوتا ہے اور مظروف اور ہوتا ہے۔ یہ خرابی کیوں لازم آئی؟ کیونکہ آپ نے فِيْ نَفْسِهِ کی هَا ضمیر کس کو لوٹائی؟ معنی کو لوٹائی۔ اشکال سمجھ میں آ رہا ہے؟ تو کہتے ہیں صاحبِ کافیہ نے خود ہی پھر اس کا جواب بھی دیا ہے کہ أَيْ مَا دَلَّ عَلٰى مَعْنًى بِاعْتِبَارِهِ فِيْ نَفْسِهِ وَبِالنَّظَرِ إِلَيْهِ فِيْ نَفْسِهِ۔

صاحبِ کافیہ نے اس اعتراض کا جواب یہ دیا کہ یہاں فِيْ ظرفیت کے لیے نہیں ہے۔ مَعْنًى فِيْ نَفْسِهِ میں جو فِيْ آیا، یہ فِيْ ظرفیت کے لیے نہیں ہے، بلکہ یہ اعتبار کے معنی میں ہے۔ یعنی یہاں اعتبار کا معنی ملحوظ ہے۔ یہاں کون سا معنی ملحوظ ہے؟ اعتبار کا معنی ملحوظ ہے۔ تو گویا یوں کہا گیا، دیکھیے خود صاحبِ کافیہ بتلا رہے ہیں: أَيْ مَا دَلَّ عَلٰى مَعْنًى بِاعْتِبَارِهِ فِيْ نَفْسِهِ، درمیان میں کیا لفظ لے آئے؟ بِاعْتِبَارِهِ لے آئے۔ توجہ ہے؟ پھر دیکھو: أَيْ مَا دَلَّ عَلٰى مَعْنًى بِاعْتِبَارِهِ فِيْ نَفْسِهِ وَبِالنَّظَرِ إِلَيْهِ فِيْ نَفْسِهِ۔ تو یہاں اعتبار اور نظر کا معنی ملحوظ ہے۔ توجہ ہے؟ ادھر دیکھیے۔

عبارت کیا تھی؟ عَلٰى مَعْنًى فِيْ نَفْسِهِ۔ یہاں فِيْ کس معنی میں ہے؟ اعتبار کے معنی میں، گویا عبارت یوں ہے: عَلٰى مَعْنًى بِاعْتِبَارِهِ فِيْ نَفْسِهِ وَبِالنَّظَرِ إِلَيْهِ فِيْ نَفْسِهِ۔ تو یہاں فِيْ اعتبار اور نظر کے معنی میں ہے، اعتبار اور نظر کے معنی میں

ہے۔ اب ترجمہ کیا ہوگا؟ دیکھو عبارت پہ ذرا نظر رکھو: أَيْ مَا دَلَّ عَلٰى مَعْنًى، یعنی اسم وہ کلمہ ہے جو دلالت کرے ایسے معنی پر بِاعْتِبَارِهِ فِيْ نَفْسِهِ أَيْ ثَابِتٍ بِاعْتِبَارِهِ فِيْ نَفْسِهِ، بِاعْتِبَارِ کے لیے بھی متعلق کیا نکال لیا؟ ثَابِتٍ۔ اب سنو ترجمہ ذرا غور سے سنو۔ أَيْ مَا دَلَّ عَلٰى مَعْنًى، اسم وہ کلمہ ہے جو دلالت کرتا ہے ایسے معنی پر ثَابِتٍ بِاعْتِبَارِهِ فِيْ نَفْسِهِ، ترجمہ آخر سے ہوگا، جو اپنی ذات کے اعتبار سے ثابت ہے۔ جو اپنی ذات کے اعتبار سے۔ توجہ ہے؟ مَعْنًى کے بعد ہم نے کیا نکال لیا؟ ثَابِتٍ۔ اب عَلٰى مَعْنًى ثَابِتٍ بِاعْتِبَارِهِ فِيْ نَفْسِهِ، اور ترجمہ آخر سے ہے، ایسا معنی جو اپنی ذات کے اعتبار سے ثابت ہے۔

وَبِالنَّظَرِ إِلَيْهِ فِيْ نَفْسِهِ، دیکھو اس بِالنَّظَرِ إِلَيْهِ کا عطف اسی بِاعْتِبَارِ پر ہے، اب اس بِاعْتِبَارِهِ کو ہٹا دو اور اس کی جگہ بِالنَّظَرِ إِلَيْهِ لے آؤ، عبارت یوں بن گئی: أَيْ مَا دَلَّ عَلٰى مَعْنًى بِالنَّظَرِ إِلَيْهِ فِيْ نَفْسِهِ۔ اور وہ بِاعْتِبَارِ کس سے متعلق تھا؟ ثَابِتٍ سے، تو یہاں پر بھی ثَابِتٍ نکالیں گے۔ أَيْ مَا دَلَّ عَلٰى مَعْنًى ثَابِتٍ بِالنَّظَرِ إِلَيْهِ فِيْ نَفْسِهِ، کہ اسم وہ کلمہ ہے جو دلالت کرتا ہے ایسے معنی پر ثَابِتٍ بِالنَّظَرِ إِلَيْهِ فِيْ نَفْسِهِ، ترجمہ آخر سے ہوگا، جو اپنی ذات کی طرف نظر کرتے ہوئے ثابت ہے، جو اپنی ذات کی طرف نظر کرتے ہوئے ثابت ہے۔

پوری عبارت کیا ہو گئی؟ أَيْ مَا دَلَّ عَلٰى مَعْنًى بِاعْتِبَارِهِ فِيْ نَفْسِهِ وَبِالنَّظَرِ إِلَيْهِ فِيْ نَفْسِهِ۔ بھئی ادھر دیکھیے۔ ابتدا کا کیا معنی؟ شروع کرنا، اور مِنْ کا معنی بھی شروع کرنا۔ لیکن ابتدا کا معنی اپنی ذات کے اعتبار سے ثابت ہے۔ جیسے ہی آپ ابتدا کہیں گے، دوسرے کو فوراً شروع کرنے کا معنی سمجھ میں آجائے گا۔ لیکن اگر آپ مِنْ کہیں گے، تو دوسرے کو شروع کرنے کا معنی سمجھ میں نہیں آئے گا۔ تو ہم یوں کہیں گے کہ یہ جو لفظِ ابتدا ہے، کہ اس کا جو معنی ہے، وہ معنی اپنی ذات کے اعتبار سے ہی ثابت ہے، وہ معنی اپنی ذات کے اعتبار سے ہی ثابت ہے، کسی امرِ خارج کے اعتبار سے ثابت نہیں، توجہ، نہیں توجہ؟

ہم یوں کہیں گے کہ یہ جو لفظِ ابتدا ہے، اس کا جو معنی ہے شروع کرنا، تو جب لفظِ ابتدا بولو تو اس کا یہ جو معنی شروع کرنا ہے، یہ اپنی ذات کے اعتبار سے ہی ثابت ہے۔ یعنی اپنی ذات کی طرف نظر کرتے ہوئے ہی یہ معنی ثابت ہے، کسی امرِ خارج کے اعتبار سے نہیں ثابت، بلکہ اپنی ذات کے اعتبار سے۔ توجہ ہے؟ یہ معنی، لفظِ ابتدا سے جو شروع کرنے کا معنی آپ کو سمجھ میں آرہا ہے، یہ جو شروع کرنے والا معنی ہے، یہ اپنی ذات کے اعتبار سے ثابت ہے، کسی امرِ خارج کے اعتبار سے ثابت نہیں ہے۔

دوسری طرف سِرْتُ مِنَ الْبَصْرَةِ إِلَى الْكُوْفَةِ، میں چلا بصرہ سے لے کر کہاں تک؟ کوفہ تک۔ یہاں پر مِنْ کا معنی بھی شروع کرنا ہے، لیکن اکیلے مِنْ کا معنی شروع کرنا سمجھ میں آرہا تھا؟ نہیں۔ تو یہاں پر بھی مِنْ کا معنی شروع کرنا ثابت ہے، لیکن اپنی ذات کے اعتبار سے نہیں بلکہ ایک امرِ خارج کے اعتبار سے، یعنی سِرْتُ اور بصرہ کے اعتبار سے۔ اپنی ذات کے اعتبار سے یہ معنی ثابت نہیں ہے بلکہ، اکیلا مِنْ کہو، تو اس کا معنی ثابت ہے شروع کرنا؟ نہیں۔ ہاں، سِرْتُ اور بصرہ کہیں،

میں چلا ہوں کہاں سے؟ بصرہ سے، اب سمجھ میں آیا کہ۔ توجہ ہے؟ دیکھو نا سِرْتُ مِنَ الْبَصْرَةِ إِلَى الْكُوْفَةِ۔ سِرْتُ کا معنی کیا ہے؟ چلنا، میں چلا۔ اس سِرْتُ کا تعلق بصرہ سے بھی ہے کوفہ سے بھی ہے۔ اس سِرْتُ کا تعلق بصرہ سے بھی ہے اور، اس کا یعنی دونوں سے تعلق ہے سِرْتُ کا۔ لیکن بصرہ سے تعلق ہے کیا؟ شروع ہونے کا، کہ یہ سیر بصرہ سے شروع ہو رہی ہے، اور اسی سیر کا تعلق کس سے ہے؟ کوفہ سے بھی ہے، لیکن کوفہ سے کیا تعلق ہے؟ کہ اس پر سیر کی انتہا ہو رہی ہے، اس پر سیر ختم ہو رہی ہے۔

توجہ ہے؟ تو یہاں پر شروع کرنے کا معنی ثابت تو ہے، شروع کرنے کا معنی ثابت تو ہے، لیکن اپنی ذات کے اعتبار سے، مِنْ سے سمجھ میں آرہا ہے یا سِرْتُ اور بصرہ کی وجہ سے سمجھ میں آرہا ہے؟ سِرْتُ اور بصرہ۔ معلوم ہوا کہ اسم اور فعل جو ہے، اس کا معنی اپنی ذات کے اعتبار سے ثابت ہوتا ہے۔ اس کا معنی اپنی ذات کے اعتبار سے ہی ثابت ہوتا ہے۔ اور حرف کا معنی جو ہے، وہ اپنی ذات کے اعتبار سے ثابت نہیں ہوتا، بلکہ ایک امرِ خارج کے اعتبار سے ثابت ہوتا ہے، جیسے سِرْتُ اور بصرہ۔ اس کے اعتبار سے مِنْ کا معنی ثابت ہے۔ اگر یہ سِرْتُ اور بصرہ نہ ہوتے تو مِنْ کا معنی بھی ثابت نہیں تھا۔

توجہ ہے؟ حاصلِ کلام کیا ہوا؟ حاصلِ کلام یہ کہ علامہ ابنِ حاجب نے ایضاح کے اندر اس فِيْ نَفْسِهِ کی هَا ضمیر کو لوٹایا ہے معنی کی طرف۔ اس پر پھر اشکال ہوتا ہے کہ پھر اس صورت میں تو ظَرْفِيَّةُ الشَّيْءِ لِنَفْسِهِ لازم آتی ہے، کیونکہ عبارت کیا بن گئی؟ عَلٰى مَعْنًى فِيْ نَفْسِ الْمَعْنٰى کہ معنی ہے کس کی ذات میں؟ معنی کی ذات میں، تو ظرف بھی معنی اور مظروف بھی معنی، تو ظَرْفِيَّةُ الشَّيْءِ لِنَفْسِهِ لازم آیا اور یہ باطل ہے۔ تو اس کا جواب دیا صاحبِ کافیہ نے ایضاح کے اندر کہ یہاں پر فِيْ اعتبار کے معنی میں ہے، فِيْ اعتبار کے معنی میں ہے۔ یعنی اسم وہ کلمہ ہے جو دلالت کرتا ہے ایسے معنی پر کہ وہ معنی اپنی ذات کے اعتبار سے ثابت ہوتا ہے، اپنی ذات کی طرف نظر کرتے ہوئے ہی وہ ثابت ہوتا ہے، کسی امرِ خارج کے اعتبار سے وہ ثابت نہیں ہوتا۔ جبکہ حرف کا جو معنی ہے، وہ ایک امرِ خارج کے اعتبار سے ثابت ہوتا ہے، اپنی ذات کے اعتبار سے ثابت نہیں ہوتا۔ بات سمجھ میں آگئی؟

أَيْ مَا دَلَّ عَلٰى مَعْنًى بِاعْتِبَارِهِ فِيْ نَفْسِهِ یعنی اسم وہ کلمہ ہے جو دلالت کرتا ہے ایسے معنی پر جو اپنی ذات کے اعتبار سے ثابت ہوتا ہے، وَبِالنَّظَرِ إِلَيْهِ فِيْ نَفْسِهِ اور اپنی ذات کی طرف نظر کرتے ہوئے ثابت ہوتا ہے، لَا بِاعْتِبَارِ أَمْرٍ خَارِجٍ عَنْهُ نہ کہ امرِ خارج کے اعتبار سے۔ اسم کا معنی اپنی ذات کے اعتبار سے ثابت ہوتا ہے، نہ کہ کسی امرِ خارج کے اعتبار سے، اور حرف کا معنی امرِ خارج کے اعتبار سے ثابت ہوتا ہے۔ مِنْ کے ساتھ جب تک سِرْتُ اور بصرہ نہیں ذکر کریں گے، مِنْ کا معنی شروع کرنا سمجھ میں نہیں آئے گا۔ تو مِنْ کا معنی شروع کرنا ثابت ہوتا ہے امرِ خارج یعنی اس کے متعلقات کے اعتبار سے۔

تو صاحب کافیہ نے ایضاح میں کیا بتلایا؟ کہ یہ فِيْ اعتبار اور نظر کے معنی میں ہے، اعتبار اور نظر کے معنی میں ہے۔ پھر اس کی آگے مزید تفصیل بھی بیان کر رہے ہیں کہ یہ جو فِيْ کا معنی ہم نے اعتبار اور نظر کے کیا، یہ ہم نے اپنی طرف سے

نہیں کیا، کلامِ عرب میں استعمال ہوتا ہے فِیْ اس معنی میں۔ چنانچہ مثال دیتے ہیں آگے، کہتے ہیں كَقَوْلِكَ جیسے کہ آپ کا یہ قول ہے: الدَّارُ فِيْ نَفْسِهَا حُكْمُهَا كَذَا۔ الدَّارُ فِيْ نَفْسِهَا، یاد رکھو یہ دار کا لفظ جو ہے عربی میں مؤنثِ سماعی ہے۔ دار کا لفظ کیا ہے عربی میں؟ مؤنثِ سماعی ہے، چنانچہ صاحبِ کافیہ نے ایک نظم لکھی ہے، بیس بائیس اشعار پر مشتمل ہے بھئی، اور عموماً کافیہ کے نسخوں کے آخر میں درج ہوتی ہے۔ کافیہ کے نسخوں کے آخر میں بعض کتابوں کے اندر وہ آپ کو مل جائے گی، اور وہ ہر طالبِ علم کو زبانی یاد ہونی چاہیے۔ اس میں انہوں نے بہت سے ایسے لفظ ذکر کیے ہیں جو عربی میں مؤنث استعمال ہوتے ہیں۔ بعض لفظ ہیں وہ عربی میں مؤنث استعمال ہوتے ہیں اور بعض مذکر اور مؤنث دونوں طرح استعمال ہوتے ہیں، تو انہوں نے ایسے بہت سے لفظوں کو ان اشعار میں جمع کیا ہے اور اشعار انسان کو آسانی سے یاد ہو جاتے ہیں، تو وہ ہر طالبِ علم کو یاد ہونے چاہئیں۔ اس میں انہوں نے اس دار کو بھی ذکر کیا ہے۔ صاحبِ کافیہ فرماتے ہیں:

▪ متنِ کتاب و تحقیقِ مسائلِ نحویہ

وَالنَّفْسُ ثُمَّ الدَّارُ ثُمَّ الدَّلْوُ مِنْ

أَعْدَادِهَا وَالسِّنُّ وَالْكَفَّانِ

یعنی ان لفظوں میں سے نفس بھی ہے، دار بھی ہے، اور الدَّلْوُ بھی ہے، مِنْ أَعْدَادِهَا اس کے شمار میں سے، وَالسِّنُّ وَالْكَفَّانِ اور دانت بھی ہیں، سِنٌّ دانت بھی ہیں، وَالْكَفَّانِ اور ہتھیلیاں بھی ہیں دونوں بھئی۔ تو دار مؤنثِ سماعی ہے اور فِيْ نَفْسِهَا کی هَا ضمیر اس دار کو راجع ہے، دار مؤنثِ سماعی ہے۔

دیکھو عربی میں کہتے ہیں: الدَّارُ فِيْ نَفْسِهَا حُكْمُهَا كَذَا۔ حُكْمُهَا سے مراد اس کی قیمت ہے یا اس کے ثمن ہیں، کہ گھر جو ہے الدَّارُ فِيْ نَفْسِهَا، گھر اپنی ذات کے اعتبار سے، یہ گھر جو ہے، الدَّارُ سے کیا مراد ہے؟ خاص گھر، یہ گھر جو ہے یا وہ گھر جو ہے فِيْ نَفْسِهَا اپنی ذات کے اعتبار سے حُكْمُهَا كَذَا اس کی قیمت اتنی ہے۔ اس کی قیمت اتنی ہے۔ بھئی دیکھیے، عربی میں یہ فِیْ اعتبار کے معنی میں اور نظر کے معنی میں استعمال ہوتا ہے، عرب بھی استعمال کرتے ہیں، جیسے اس کی مثال ذکر کر دی: الدَّارُ فِيْ نَفْسِهَا حُكْمُهَا كَذَا۔ چنانچہ آپ کے پاس کوئی مشورہ کرنے کے لیے آیا ایک گھر کے بارے میں، یا آپ گھر فروخت کر رہے ہیں، کوئی گھر آپ سے خریدنے کے لیے آیا بھئی، اللہ تعالیٰ آپ سب کو خوب وسیع حلال رزق نصیب فرمائے۔ اب آپ نے اس کو گھر دکھایا، اور آپ نے اس گھر کی قیمت اس کو بتلائی کہ اتنی اتنی قیمت ہے۔ اس نے کہا نہیں بھئی اس کی قیمت کم کریں، تو آپ اس کو کہتے ہیں: الدَّارُ فِيْ نَفْسِهَا، یہ گھر جو ہے اپنی ذات کے اعتبار سے، دیکھو اعتبار والا معنی میں کر رہا ہوں، یہ گھر جو ہے اپنی ذات کے اعتبار سے یہ اتنے کا ہے، یعنی امرِ خارج کو چھوڑو، یہ کس محلے میں ہے، اس بات کو بھی چھوڑو۔

دیکھو آپ بھی جانتے ہیں کہ شہر کے بعض حصوں کے اندر زمین مہنگی ہوگی اور بعض حصوں میں زمین سستی۔ جتنا شہر کا درمیان ہوگا یا جہاں جتنی سہولیات زیادہ ہوں گی، وہ زمین اتنی ہی مہنگی ہوگی بھئی، اور شہر کے اطراف اور کنارے وہ جتنے دور ہوتے جائیں گے، زمین کی قیمت بھی کم ہوتی جائے گی، مکانوں کی قیمت بھی کم ہوتی جائے گی۔ تو اب آپ اس کو بتلاتے ہیں: الدَّارُ فِيْ نَفْسِهَا، یہ گھر اپنی ذات کے اعتبار سے اس کی قیمت اتنی ہے، یعنی جو میں نے آپ کو بتلائی ہے، میں نے تو بڑی کم قیمت بتلائی ہے، اپنی ذات کے اعتبار سے ہی گھر کی اتنی قیمت ہے، یعنی یہ نہ دیکھو کہ یہ شہر کے بیچ میں ہے یا فلاں یہ کس محلے میں ہے، یہ سب چیزیں چھوڑ دو۔ صرف اس گھر کی ذات پہ نظر کرو۔ کس پر؟ کہ یہ ایک کنال کا گھر ہے مثلاً، اور اس کی بناوٹ آپ دیکھ لو، اس پہ جو جو ٹیریل وغیرہ لگا ہے، اس ٹیریل کے اعتبار سے اس کی قیمت اتنی بنتی ہے، اور باقی یہ جس محلے میں ہے اس اعتبار سے تو اس کی قیمت پھر کئی گنا اور زیادہ بنتی ہے۔

تو الدَّارُ فِيْ نَفْسِهَا حُكْمُهَا كَذَا کیا معنی؟ کہ اپنی ذات کے اعتبار سے گھر کی یہ قیمت ہے، یعنی اس گھر کے، اس کے جو ٹیریل ہے بناوٹ وغیرہ، اسی کے اعتبار سے میں تو قیمت بتلا رہا ہوں، یعنی کسی امرِ خارج کا میں اعتبار نہیں کر رہا۔ توجہ ہے؟ فِيْ ذَاتِهِ، اس گھر پر جو ٹیریل لگا ہے اور یہ ایک کنال کی زمین کے اندر بنا ہوا ہے، اس اعتبار سے اس کی اتنی قیمت ہے، اور اگر آپ یہ بھی اعتبار کریں کہ یہ تو شہر کے فلاں خاص بہترین علاقے کے اندر ہے یا خاص فلاں محلے کے اندر ہے، یا فلاں فلاں بڑے لوگ اس کے پڑوس میں رہتے ہیں، پھر تو اس گھر کی قیمت کتنی ہی زیادہ ہوگی، لیکن میں تو آپ کو زیادہ نہیں بتلا رہا۔ تو یہ عربی میں یہ جملہ کب کہتے ہیں: الدَّارُ فِيْ نَفْسِهَا حُكْمُهَا كَذَا؟ جب یہ بتلانا مقصود ہو کہ ایک چیز اپنی ذات کے اعتبار سے اس کا حکم یہ ہے، کسی امرِ خارج کے اعتبار سے نہیں۔ بات سمجھ میں؟ تو یہاں پر بھی فِيْ نَفْسِهَا کس معنی میں آیا؟ اعتبار کے معنی میں آیا ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟

كَقَوْلِكَ الدَّارُ فِيْ نَفْسِهَا حُكْمُهَا كَذَا، جیسے کہ آپ کا یہ قول کہ یہ گھر جو ہے فِيْ نَفْسِهَا اپنی ذات کے اعتبار سے حُكْمُهَا كَذَا اس کا حکم یہ ہے یعنی اس کی قیمت اتنی ہے۔ أَيْ لَا بِاعْتِبَارِ أَمْرٍ خَارِجٍ عَنْهَا یعنی کسی امرِ خارج کے اعتبار سے نہیں۔ یعنی کسی امرِ خارج کے اعتبار سے نہیں، گھر کی ذات کے اعتبار سے اس کی قیمت اتنی ہے، جو اس پر ٹیریل لگا ہے جو بناوٹ ہے اس کے اعتبار سے اس کی یہ قیمت ہے، باقی کسی امرِ خارج کے اعتبار سے نہیں۔ امرِ خارج کا بھی اعتبار کریں پھر تو قیمت کئی گنا زیادہ ہوگی بھئی۔ بات سمجھ میں آگئی؟

تو صاحبِ کافیہ نے بتلایا کہ یہ فِيْ بمعنی اعتبار کے ہے اور کلامِ عرب میں بھی فِيْ بمعنی اعتبار کے استعمال ہوتا ہے، جیسے کہ آپ کے اس قول کے اندر ہے: الدَّارُ فِيْ نَفْسِهَا حُكْمُهَا كَذَا۔ یہاں فِيْ اعتبار کے معنی میں ہے۔ یہاں فِيْ اعتبار کے معنی میں ہے۔ اگر فِيْ کو اعتبار کے معنی میں نہ لیں، تو پھر تو الدَّارُ فِيْ نَفْسِهَا، الدَّارُ فِيْ نَفْسِ الدَّارِ لازم آئے گا، ظَرْفِيَّةُ

الشَّيْءِ لِنَفْسِهِ۔ تو یہ کلامِ عرب میں فِيْ بمعنی اعتبار کے استعمال ہوتا ہے۔

تو جیسے دار جو ہے موجود فی الخارج ہے، خارج میں موجود ہے، اس کا وجود ہے۔ تو جیسے موجودِ خارجی کے اندر کبھی امورِ خارجیہ کا اعتبار کیا جاتا ہے کبھی اعتبار نہیں کیا جاتا۔ جیسے دار تھا، صرف اپنی ذات کے اعتبار سے مثلاً اگر اس کی قیمت ایک کروڑ ہے، تو شہر کے خاص علاقے میں ہونے کے اعتبار سے یا خاص محلے میں ہونے کے اعتبار سے ہو سکتا ہے اس کی قیمت دو کروڑ ہو یا چار کروڑ ہو بھئی۔ تو جیسے وہ چیزیں جو موجود فی الخارج ہیں، ان میں کبھی امرِ خارجی کا اعتبار ہوتا ہے کبھی امرِ خارجی کا اعتبار، دار موجود فی الخارج ہے اس میں کبھی امرِ خارج کا اعتبار ہوگا کبھی امرِ خارج کا اعتبار نہیں ہوگا۔ اسی طرح معنی جو ہے موجود فی الذہن ہے، تو موجودِ ذہنی جو ہے اس کے اندر بھی کبھی امرِ خارجی کا اعتبار ہوگا کبھی امرِ خارجی کا اعتبار نہیں ہوگا۔ تو ابتدا لفظِ ابتدا کا معنی، وہ اپنی ذات کے اعتبار سے ثابت ہے کسی امرِ خارجی کے اعتبار سے ثابت نہیں ہے۔ جبکہ حرف کا معنی جو ہے، وہ اپنی ذات کے اعتبار سے ثابت نہیں ہوتا بلکہ امرِ خارجی یعنی متعلقات کے اعتبار سے ثابت ہوتا ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟

تو کہتے ہیں كَقَوْلِكَ الدَّارُ فِيْ نَفْسِهَا حُكْمُهَا كَذَا، جیسے کہ آپ کا یہ قول کہ یہ گھر جو ہے یہ اپنی ذات کے اعتبار سے اس کا حکم یہ ہے، أَيْ لَا بِاعْتِبَارِ أَمْرٍ خَارِجٍ عَنْهَا یعنی کسی امرِ خارج کے اعتبار سے نہیں۔ وَلِذٰلِكَ قِيْلَ، اور اسی لیے کہا گیا ہے: اَلْحَرْفُ مَا دَلَّ عَلٰى مَعْنًى فِيْ غَيْرِهِ۔ بھئی فِيْ نَفْسِهِ کے اندر آپ کو انہوں نے بتلایا، ادھر دیکھیے۔ صاحبِ کافیہ نے کیا کہا؟ فِيْ نَفْسِهِ کے اندر یہ هَا ضمیر کس کو لوٹائی؟ ایضاح کے اندر، توجہ ہے ایضاح کی عبارت چل رہی ہے۔ ایضاح میں فِيْ نَفْسِهِ کی هَا ضمیر کس کو لوٹائی؟ معنی کو لوٹائی، اور پھر اس پر اشکال ہوا کہ پھر تو معنی بن گیا عَلٰى مَعْنًى فِيْ نَفْسِ الْمَعْنٰى، معنی کس کی ذات میں ہوگا؟ معنی کی ذات میں ہوگا۔ تو بتلا دیا آگے کہ یہ فِيْ ظرفیت کے لیے نہیں ہے بلکہ یہاں کس معنی میں ہے؟ اعتبار کے معنی میں ہے، اور فِيْ اعتبار کے معنی میں کلامِ عرب میں بھی استعمال ہوتا ہے جیسے عرب کہتے ہیں: اَلدَّارُ فِيْ نَفْسِهَا حُكْمُهَا كَذَا۔ تو فِيْ نَفْسِهِ کی پوری تشریح کر دی ایضاح میں۔

اب جب فِيْ نَفْسِهِ آپ کو سمجھ میں آگیا کہ فِيْ نَفْسِهِ کے اندر یہ فِيْ کس معنی میں ہے؟ اعتبار کے معنی میں، تو اب آگے صاحبِ کافیہ ایضاح کے اندر ہی، وہ ایضاح کے اندر ہی آگے حرف کی تعریف بھی ذکر کرتے ہیں۔ اور حرف کی کیا تعریف کی جاتی ہے؟ اَلْحَرْفُ مَا دَلَّ عَلٰى مَعْنًى فِيْ غَيْرِهِ، فِيْ غَيْرِهِ۔ تو صاحبِ کافیہ آپ کو بتلائیں گے کہ پہلے تو یہ بتلائیں گے کہ یہ فِيْ غَيْرِهِ یہ جیسے فِيْ نَفْسِهِ معنی کی صفت تھا، اسی طرح فِيْ غَيْرِهِ بھی کس کی صفت ہے؟ معنی کی صفت ہے۔ تو اَلْحَرْفُ مَا دَلَّ عَلٰى مَعْنًى فِيْ غَيْرِهِ أَيْ حَاصِلٍ فِيْ غَيْرِهِ یعنی یہ فِيْ غَيْرِهِ معنی کی صفت ہے، توجہ ہے؟

اور پھر اس کا معنی کیا، اس عبارت کا ترجمہ کیا ہوگا؟ مَعْنًى حَاصِلٍ فِيْ غَيْرِهِ، وہ معنی جو غیر میں حاصل ہو۔ معلوم ہوا

مِنْ کا اپنا کوئی معنی نہیں ہوتا، غیر میں ہوتا ہے معنی۔ اس سے تو یوں لگتا ہے جیسے مِنْ کیا ہے، کہ جیسے حرف اپنے معنی سے خالی ہوتا ہے۔ عبارت پہ نظر ہے؟ مَعْنًى فِيْ غَيْرِهِ کہ حرف کا معنی کس میں ہوتا ہے؟ اس کے غیر میں ہوتا ہے، دوسری چیز میں ہوتا ہے، خود حرف کے اندر نہیں ہوتا۔ معلوم ہوا حرف تو معنی سے خالی ہے۔ تو اس کو بھی صاحبِ کافیہ بتلا رہے ہیں کہ بھئی جیسے فِيْ نَفْسِهِ میں فِیْ اعتبار کے معنی میں تھا، اسی طرح فِيْ غَيْرِهِ کے اندر بھی فِیْ کس معنی میں ہے؟ اعتبار کے معنی میں ہے۔ تو کیا معنی ہوا؟ کہ حرف وہ کلمہ ہے جو دلالت کرتا ہے ایسے معنی پر جو اس کے غیر کے اعتبار سے ہوتا ہے، اور اس کے غیر سے مراد اس کے متعلقات ہیں۔ کہ حرف جو ہے وہ دلالت کرتا ہے ایسے معنی پر جو اس کے متعلقات کے اعتبار سے ثابت ہوتا ہے، خود حرف کے اعتبار سے ثابت نہیں ہوتا۔ تو فِيْ غَيْرِهِ، فِیْ کس معنی میں؟ اعتبار، اور غَيْرِهِ سے کون مراد؟ متعلقات ہیں۔ غیرِ حرف سے کون مراد ہیں؟ اس کے متعلقات مراد ہیں۔

تو ترجمہ کیا ہوا؟ حرف وہ کلمہ ہے جو دلالت کرتا ہے ایسے معنی پر جو اس کے غیر کے اعتبار سے ہوتا ہے، یعنی اس کے متعلقات کے اعتبار سے ہوتا ہے۔ مجھے بتائیے سِرْتُ مِنَ الْبَصْرَةِ إِلَى الْكُوْفَةِ میں بصرہ سے چلا کوفہ تک، مِنْ نے کس معنی پر دلالت کی؟ شروع کرنے پر۔ خود دلالت کی یا اپنے متعلقات جو ہیں یعنی سِرْتُ اور بصرہ کے اعتبار سے اپنے معنی پر دلالت کی؟ سِرْتُ اور بصرہ کے اعتبار سے اپنے معنی پر دلالت کی۔ یہاں بھی یہی کہہ رہے ہیں کہ حرف دلالت کرتا ہے ایسے معنی پر فِيْ غَيْرِهِ جو اس کے غیر کے اعتبار سے ہوتا ہے، یعنی اس کے متعلق کے اعتبار سے ثابت ہوتا ہے، خود اپنی ذات کے اعتبار سے ثابت نہیں ہوتا۔ بات سمجھ میں آگئی؟

تو دیکھیے کتاب پر کہتے ہیں وَلِذٰلِكَ قِيْلَ، یہ ابھی ایضاح کی عبارت چل رہی ہے، کہتے ہیں اسی لیے کہا گیا ہے: اَلْحَرْفُ مَا دَلَّ عَلٰى مَعْنًى فِيْ غَيْرِهِ، حرف وہ کلمہ ہے جو دلالت کرتا ہے ایسے معنی پر جو اس کے غیر میں ہوتا ہے، اس کلمہ کے غیر میں ہوتا ہے۔ هَا ضمیر مَا دَلَّ کو راجع اور مَا دَلَّ سے کلمہ مراد ہے۔ اَلْحَرْفُ مَا دَلَّ عَلٰى مَعْنًى فِيْ غَيْرِهِ، حرف وہ کلمہ ہے جو دلالت کرتا ہے ایسے معنی پر فِيْ غَيْرِهِ جو اس کلمہ کے علاوہ میں ہو۔ بھئی اس کلمہ کے علاوہ میں کیا معنی؟ کہتے ہیں أَيْ حَاصِلٍ فِيْ غَيْرِهِ۔ بتلا دیا کہ یہ فِيْ غَيْرِهِ أَيْ حَاصِلٍ فِيْ غَيْرِهِ، اس کے ذریعے بتلایا کہ یہ فِيْ غَيْرِهِ معنی کی صفت ہے، أَيْ مَعْنًى حَاصِلٍ فِيْ غَيْرِهِ۔

اور آگے پھر بتلائیں گے أَيْ بِاعْتِبَارِ مُتَعَلَّقِهِ۔ بتلا دیا کہ أَيْ حَاصِلٍ فِيْ غَيْرِهِ اس میں فِیْ کس معنی میں ہے؟ اعتبار کے معنی میں ہے، اور غَيْرِهِ سے کون مراد ہے؟ حرف کے متعلقات مراد ہیں۔ کہتے ہیں أَيْ بِاعْتِبَارِ مُتَعَلَّقِهِ، یعنی وہ معنی جو اس کے متعلق کے اعتبار سے ثابت ہوتا ہے، لَا بِاعْتِبَارِهِ فِيْ نَفْسِهِ اس حرف کی اپنی ذات کے اعتبار سے وہ معنی ثابت نہیں ہوتا۔ بات سمجھ میں آگئی؟ اِنْتَهٰى كَلَامُهُ، جی، علامہ ابنِ حاجب کا ایضاح سے جو کلام ہم نے نقل کیا وہ ختم ہوا۔ اِنْتَهٰى كَلَامُهُ کلام مکمل ہوا۔ کس کا کلام؟ ایضاح سے جو ابنِ حاجب کا کلام نقل کیا تھا۔ یہاں تک بات سمجھ میں آگئی؟

آگے دیکھیے بھئی: وَمَحْصُوْلُهُ مَا ذَكَرَهُ بَعْضُ الْمُحَقِّقِيْنَ حَيْثُ قَالَ: كَمَا أَنَّ فِي الْخَارِجِ مَوْجُوْدًا قَائِمًا بِذَاتِهِ وَمَوْجُوْدًا قَائِمًا بِغَيْرِهِ، كَذٰلِكَ فِي الذِّهْنِ مَعْقُوْلٌ هُوَ مُدْرَكٌ قَصْدًا مَلْحُوْظًا فِيْ ذَاتِهِ يَصْلُحُ أَنْ يُحْكَمَ عَلَيْهِ وَبِهِ، وَمَعْقُوْلٌ هُوَ مُدْرَكٌ تَبَعًا وَآلَةٌ لِمُلَاحَظَةِ غَيْرِهِ فَلَا يَصْلُحُ لِشَيْءٍ مِنْهَا.

آگے بھئی محصول اور حاصل کی بحث شروع ہو رہی ہے، یعنی حاصل محصول کی بحث شروع ہو رہی ہے۔ یاد رکھو یہ شرحِ جامی کی مشکل ترین بحث ہے بھئی۔ بہت مشکل اور پیچیدہ بحث، اور مدرسین اس کو پڑھاتے ہوئے پریشان ہوتے ہیں، لیکن علماء کو اللہ جزائے خیر نصیب فرمائے انہوں نے اس مقام کی خوب تشریح کی ہے جس سے یہ مقام حل ہو جاتا ہے بھئی۔ تو بہرحال یہ شرحِ جامی کے مشکل ترین مقامات میں سے ہے۔ اور میں نے بتایا کہ میرے والدِ محترم حضرت شیخ ترمذی حضرت مولانا محمد موسیٰ روحانی بازی رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃً واسعۃ، انہوں نے بھی اس کی باقاعدہ ایک اس حاصل محصول کی شرح لکھی ہے بھئی۔ اور یہ، یہ جو حاصل محصول کی بحث ہے یہ صرف ایک ڈیڑھ صفحے پر مشتمل ہے۔ یہ کتنی ہے؟ ایک ڈیڑھ صفحے پر مشتمل ہے، لیکن اس کی شرح والد صاحب نے جو لکھی وہ تقریباً پانچ سو صفحات پر مشتمل ہے، تو عربی زبان میں پانچ سو صفحات پر مشتمل اس کی شرح لکھی اور اس کو حل کیا بھئی۔ تو یہ بڑی پیچیدہ بحث ہے بھئی۔

سوال پیدا ہوتا ہے کہ علامہ جامی رحمہ اللہ کی یہ عادت نہیں ہے کہ وہ اتنی لمبی بحث کریں کسی چیز کے بارے میں، تو اتنی لمبی انہوں نے بحث کی، اتنی مشکل بحث کی حالانکہ یہ ان کی عادت نہیں ہے۔ تو کیا وجہ ہوئی ان کو کہ ان کو اتنی مشکل اور پیچیدہ بحث کرنا پڑی؟ تو اس کی کئی وجوہات ہیں بھئی، کئی وجوہات۔ ایک تو یہ، توجہ سے سنو۔ ایک وجہ یہ کہ اسم کی تعریف میں آیا تھا فِيْ نَفْسِهِ، تو معنی کا فِيْ نَفْسِهِ ہونا کیا مطلب بھئی؟ معنی کا فِيْ نَفْسِهِ ہونا کیا مطلب؟ اور اسی طرح حرف کی تعریف میں آیا مَعْنًى فِيْ غَيْرِهِ کہ وہ معنی کس میں ہوتا ہے؟ غیر میں ہوتا ہے۔ تو معنی کا فِيْ نَفْسِهِ ہونا اور معنی کا فِيْ غَيْرِهِ ہونا اس کا کیا مطلب ہے؟ تو شارحِ جامی اس کی تفصیل بیان کرنا چاہتے ہیں، پوری وضاحت کرنا چاہتے ہیں کہ مَعْنًى فِيْ نَفْسِهِ کا کیا معنی اور مَعْنًى فِيْ غَيْرِهِ کا کیا معنی ہے، اس کی تفصیل بیان کرنا چاہتے ہیں۔ ایک وجہ یہ، اس لیے وہ حاصل محصول کی یہ بحث لے کر آئے بھئی۔

دوسری وجہ یہ کہ اس بحث کے ذریعے وہ دراصل بعض علماء کا رد کرنا چاہتے ہیں۔ بعض علماء جیسے علامہ تفتازانی وغیرہ، وہ فرماتے ہیں کہ جیسے اسم اور فعل وہ اپنے معنی پر دلالت کرتے ہیں، یعنی اسم اور فعل کا معنی فِيْ نَفْسِهِ ہوتا ہے، اسی طرح حرف کا معنی بھی فِيْ نَفْسِهِ ہوتا ہے۔ توجہ ہے؟ بعض علماء کیا فرماتے ہیں کہ جیسے اسم کا معنی فِيْ نَفْسِهِ ہوتا ہے یعنی اس کی اپنی ذات میں ہوتا ہے، اسی طرح حرف کا معنی بھی اس کی اپنی ذات میں ہوتا ہے۔ تو شارحِ جامی ان کو رد کرنا چاہتے ہیں، اور ان کو بتلانا چاہتے ہیں کہ نہیں بھئی، ایک ہے اسم ایک ہے حرف۔ دونوں کے معنی میں بھی فرق ہے، دونوں کے لفظوں میں بھی فرق ہے، دونوں کے حکم میں بھی فرق ہے، دونوں کے استعمال میں بھی فرق ہے اور دونوں کی وضع میں بھی فرق ہے، تو پانچ فرق وہ ذکر کرتے ہیں بھئی۔

پہلی وجہ کیا؟ یہ حاصل محصول کی بحث کیوں لائے؟ کیونکہ اسم اور فعل کی تعریف میں فِيْ نَفْسِهِ آیا تھا اور فعل کی تعریف میں بھی فِيْ نَفْسِهِ آیا، جبکہ حرف کی تعریف میں فِيْ غَيْرِهِ آیا، تو اس کی وہ وضاحت کرنا چاہتے ہیں۔ اور دوسرا یہ کہ بعض علماء کو جواب دینا چاہتے ہیں جو کیا فرماتے تھے؟ کہ اسم اور فعل کی طرح حرف کا معنی بھی فِيْ نَفْسِهِ ہوتا ہے، تو اس کا بھی جواب دیتے ہیں کہ نہیں بھئی دونوں کے معنی میں بھی فرق، لفظ میں بھی فرق، حکم میں بھی فرق، استعمال میں بھی فرق اور وضع میں بھی فرق۔

دونوں کے معنی میں بھی فرق ہے بھئی، اسم کا معنی اور ایک ہے حرف کا معنی۔ اسم کا معنی مستقل بالمفہوم ہوتا ہے، مستقلاً سمجھ میں آتا ہے لفظ سے، اور حرف کا معنی مستقل بالمفہوم نہیں ہوتا وہ مستقلاً سمجھ میں نہیں آتا، تو دونوں کے معنی میں بھی فرق۔ دونوں کے لفظوں میں بھی فرق ہے بھئی۔ اسم اپنے معنی پر خود دلالت کرتا ہے کسی کلمے کے جڑنے کا محتاج نہیں، جبکہ حرف اپنے معنی پر خود دلالت نہیں کرتا، وہ حرف جو ہے وہ اور لفظوں کا محتاج ہے بھئی کہ وہ اس کے ساتھ جڑیں گے تو پھر اس کا معنی سمجھ میں آئے گا۔ اور نیز حکم میں بھی فرق ہے۔ اسم جو ہے، اسم وہ مَحْكُوْمٌ عَلَيْهِ بھی بن سکتا ہے اور مَحْكُوْمٌ بِهِ یعنی مسند الیہ بھی بن سکتا ہے اور مسند بہ بھی بن سکتا ہے، جبکہ حرف کا حکم اور ہے، وہ نہ مسند الیہ بن سکتا ہے نہ مسند بہ یعنی نہ مَحْكُوْمٌ عَلَيْهِ بن سکتا ہے اور نہ مَحْكُوْمٌ بِهِ بن سکتا ہے، تو حکم میں بھی فرق ہے بھئی۔

اور نیز استعمال میں بھی فرق ہے۔ اسم جو ہے، کسی کو کوئی معنی سمجھانا ہو یا سمجھنا ہو، تو اسم کو کسی دوسرے لفظ کے ساتھ استعمال کرنا ضروری نہیں۔ جیسے مثلاً میں آپ کو ابتدا کا معنی بتلانا چاہتا ہوں، تو ابتدا کا معنی جب میں بتلانا چاہتا ہوں، تو لفظِ ابتدا سے ہی یہ معنی آپ کو سمجھ میں آجائے گا، تو یہاں پر اس کے ساتھ کسی اور لفظ کو جوڑنے کی ضرورت نہیں ہے بھئی۔ جبکہ حرف کا معنی سمجھانے کے لیے اس کے ساتھ اور لفظوں کو جوڑنا پڑے گا بھئی۔ یا یوں کہو، حرف ہمیشہ اپنے متعلقات کے ساتھ استعمال ہوگا، اور اسم کا اپنے متعلقات کے ساتھ استعمال ہونا ضروری نہیں، اس کے بغیر بھی اس کا معنی سمجھ میں آجائے گا۔ اور دونوں میں وضع کے اعتبار سے بھی فرق ہے بھئی، وضع کے اعتبار سے بھی، آگے چل کر صاحبِ جامی آپ کو بتلائیں گے کہ اسم جو ہے اس کو معنی کلی کے لیے وضع کیا گیا ہے، اور حرف جو ہے اس کو معنی جزئی کے لیے وضع کیا گیا ہے۔

اور تیسری وجہ کہ صاحبِ جامی یہ بحث کیوں لے کر آئے؟ تیسری وجہ یہ کہ دراصل اسم کی تعریف بہت مشکل ہے بھئی۔ تو اسم کی ایسی تعریف کرنا جو جامع مانع ہو اور ہر قسم کے اعتراضات سے سلامت ہو، ایسی تعریف کرنا بہت مشکل ہے بھئی۔ چنانچہ امام ابنِ تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اسم کی متقدمین اور متاخرین نے ستر کے لگ بھگ تعریفیں کی ہیں، اور ان میں سے ایک بھی تعریف اعتراضات سے خالی نہیں، ہر ایک پر بڑے بڑے اعتراضات ہوتے ہیں۔ بات سمجھ میں

آگئی؟ اسی طرح علامہ ابن الانباری رحمہ اللہ، وہ بھی فرماتے ہیں کہ اسم کی کوئی تعریف بھی اعتراضات سے خالی نہیں، اسم کی ہر تعریف پر اعتراض ہوتا ہے۔ اسی طرح امام رازی رحمہ اللہ نے اپنی تفسیرِ کبیر میں اسم کی بہت سی تعریفیں ذکر کی ہیں، اور لیکن فرمایا ہے کہ اسم کی کوئی تعریف صحیح نہیں، اور اسم کی تعریف پر بھی اور اسی طرح حرف کی تعریف پر بھی بڑے بڑے مشکل اعتراضات انہوں نے ذکر کیے ہیں بھئی۔

تو یہ تو نحویوں پر بہت بڑا عیب ان کے لیے بنتا ہے، بہت بڑا اعتراض بنتا ہے کہ علمِ نحو میں سب سے زیادہ بحثیں اسم کی ہیں، اور اے نحویو، آپ کو اسم کی جامع مانع اور اعتراضات سے محفوظ اور سالم کوئی تعریف بھی نہیں آتی۔ چنانچہ علماء فرماتے ہیں کہ امام سیبویہ جو ہیں، وہ بھی اسم کی تعریف نہیں جانتے تھے بھئی۔ چنانچہ ان کی کتاب ہے، کتابِ سیبویہ بھئی، علمِ نحو کی مشکل ترین کتابوں میں سے ہے۔ امام سیبویہ وہ ہیں کہ تقریباً، بعض فرماتے ہیں بتیس سال کی عمر میں ان کا انتقال ہوا ہے اور بعض فرماتے ہیں چالیس سال کی عمر میں، گویا تقریباً جوانی ہی میں دنیا سے چلے گئے۔ لیکن علمِ نحو میں ان کی بات پہاڑ کی طرح مضبوط سمجھی جاتی ہے۔ تو یہ اتنی جلدی دنیا سے چلے گئے اور ایسی کتاب لکھ گئے، اگر یہ اور زندہ رہتے تو ان کے علوم کا کیا حال ہوتا ہم تصور بھی نہیں کر سکتے۔ تو یہ اللہ بعض لوگوں کو عجیب ذہن نصیب فرماتے ہیں، انسان حیران رہ جاتا ہے۔ تو نحو کی مشکل ترین کتابوں میں سے ہے ان کی کتاب بھئی۔ اور کہتے ہیں امام سیبویہ بھی اسم کی تعریف نہیں جانتے تھے۔ چنانچہ وہ اپنی کتاب میں فعل کی بھی تعریف کرتے ہیں، حرف کی بھی تعریف کرتے ہیں، لیکن اسم کی تعریف انہوں نے نہیں کی۔

لیکن یہ کوئی عیب والی بات نہیں، اعتراض والی بات نہیں۔ وجہ یہ کہ بعض اوقات کوئی چیز اتنی واضح، اتنی نمایاں ہوتی ہے کہ سمجھ میں تو آتی ہے لیکن اس کی تعریف کرنا بڑا مشکل ہوتا ہے۔ اس کو جانتا تو ہر ایک ہے لیکن اس کی تعریف کرنا بڑا مشکل کام ہوتا ہے۔ جیسے دیکھو، سورج سب سے زیادہ روشن اور نمایاں عین دوپہر کے وقت ہوتا ہے، اور اس وقت کوئی نظر اس کی طرف نہیں دیکھ سکتی بھئی۔ جتنی چیز نمایاں اور ظاہر ہے، اتنا ہی اس کو دیکھنا مشکل ہو جاتا ہے۔ سورج جب عین دوپہر کو دیکھو، سب سے زیادہ روشن اور چمکدار عین دوپہر کے وقت ہوتا ہے، اور اس وقت کوئی نظر اس کی طرف نہیں دیکھ سکتی بھئی۔ اسی طرح نور، روشنی۔ روشنی کسے کہتے ہیں؟ بچہ بچہ بھی جانتا ہے، لیکن روشنی کی تعریف کیا کریں، روشنی کی تعریف بے انتہا مشکل ہے بھئی۔ علماء اس کی حقیقت میں پریشان ہیں کہ روشنی کس چیز کا نام ہے بھئی، اور ہے عام چیز، بچہ بچہ بھی روشنی کو جانتا ہے، لیکن تعریف کرنا جامع مانع، یہ بڑا مشکل کام ہے۔ اسی طرح سرور، خوشی۔ بچہ بچہ جانتا ہے خوشی کسے کہتے ہیں، لیکن خوشی کی تعریف کرنا، خوشی کی حقیقت کیا ہے؟ بہت مشکل کام ہے، علماء اس کی تعریف میں پریشان ہیں بھئی۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو اسم چونکہ بہت نمایاں، بہت واضح ہے، لہذا اسی لیے

اس کی تعریف بھی بڑی مشکل ہے بھئی۔ چنانچہ میں نے بتایا ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں ستر تعریفیں ذکر کیں اور فرمایا کہ ان میں سے ایک بھی اعتراضات سے خالی نہیں، ایک بھی جامع مانع نہیں۔ اسی طرح علامہ ابن الانباری رحمہ اللہ فرماتے ہیں، اسی طرح امام رازی رحمہ اللہ نے بڑے اعتراضات کیے ہیں، بڑے قوی قوی اعتراضات اسم اور حرف کی تعریف پر۔ بات سمجھ میں آگئی؟

تو صاحبِ جامی اب اس کی وضاحت کرنا چاہتے ہیں، اس تعریف کی وضاحت کرنا چاہتے ہیں۔ یاد رکھو اسم کی یہ جو تعریف کی علامہ ابنِ حاجب نے کافیہ میں: اِلاِسْمُ مَا دَلَّ عَلٰی مَعْنًی فِيْ نَفْسِهِ غَيْرِ مُقْتَرِنٍ بِأَحَدِ الْأَزْمِنَةِ الثَّلَاثَةِ، یہ ماخوذ ہے مفصل سے۔ کس سے ماخوذ ہے؟ تو دونوں ایک ہی جیسی گویا تعریفیں ہیں بھئی۔ لفظوں کا تھوڑا فرق ہے لیکن تعریفیں ایک جیسی ہیں۔ تو اس تعریف پر بھی بہت سے اشکالات ہوتے ہیں۔ تو سب سے پہلے میر سید السند، میر سید، جن کو میر سید الشریف بھی کہتے ہیں، نحو میر والے بھئی، نحو میر آپ نے کتاب پڑھی ہے، اس کے جو مصنف ہیں میر سید السند یا یہ میر سید الشریف کے نام سے بھی مشہور ہیں، انہوں نے اسم کی تعریف کی وضاحت کی کوشش کی، اسم اور فعل کی تعریف کی وضاحت کی فلسفی اصولوں کی روشنی میں، فلسفی اصولوں کی روشنی میں۔ اور پھر اس کے بعد علامہ جامی رحمہ اللہ نے اس کی مزید وضاحت کی نحوی اصولوں کی روشنی میں۔ وہی جو بحثیں کس نے کی تھیں؟ میر سید السند نے، ان کو نحوی اصولوں کے اور مطابق بنا دیا اور اس کی وضاحت کر دی۔ اور تمام اعتراضات جو تھے وہ ختم کر دیے۔

یہ جو کافیہ اور یہ مفصل کی تعریف ہے، یہ اسم کی سب سے زبردست تعریف ہے بھئی۔ اور اس پر جو اشکالات ہوتے تھے جو امام رازی رحمہ اللہ نے بڑے بڑے مشکل پیچیدہ اعتراضات کیے، تو میر سید السند نے ان اعتراضات کا جواب دیا، اس کو حل کرنے کی کوشش کی۔ اور پھر صاحبِ جامی نے اس کو کمال تک پہنچا دیا۔ تو ان دونوں نے ثابت کر دیا، میر سید السند اور علامہ جامی نے، کہ یہ اسم کی تعریف جامع اور مانع ہے اور اس پر کوئی اعتراض وارد نہیں ہوتا، تمام اعتراضات کے جواب دے دیے بھئی۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو گویا میر سید السند اور علامہ جامی کا نحویوں پر بہت بڑا احسان ہے کہ انہوں نے ایسی تقریر کی کہ جس سے پتہ چل گیا کہ اسم، فعل اور حرف سب کی یہ تعریفیں جامع مانع بھی ہیں اور اعتراضات سے سالم بھی ہیں بھئی۔ تو یہ حاصل محصول کی بحث کے ذریعے وہ بتلاتے ہیں کہ اسم اور فعل کی تعریف جامع اور مانع ہے اور اعتراضات سے سلامت ہے بھئی۔ بات سمجھ میں آگئی؟

چلیے بس کریں بھئی، بس بھئی، هٰذَا هُوَ الْمَرَامُ وَاللّٰهُ أَعْلَمُ بِحَقِيْقَةِ الْكَلَامِ.

سبق نمبر ۳۰: تعریفِ اسم (۳): موجودِ مستقل و غیرِ مستقل اور معقولِ قصدی و تبعی کا فرق

شرحِ ملا جامی صفحہ: ۲۰ — بتاریخ: ۷ اگست ۲۰۲۱ء

▪ تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث

آگے سبق دیکھیے بھئی: وَمَحْصُوْلُهٗ مَا ذَكَرَهٗ بَعْضُ الْمُحَقِّقِيْنَ حَيْثُ قَالَ كَمَا اَنَّ فِي الْخَارِجِ مَوْجُوْدًا قَائِمًا بِذَاتِهٖ وَمَوْجُوْدًا قَائِمًا بِغَيْرِهٖ كَذٰلِكَ فِي الذِّهْنِ مَعْقُوْلٌ هُوَ مُدْرَكٌ قَصْدًا مَّلْحُوْظًا فِيْ ذَاتِهٖ يَصْلُحُ اَنْ يُّحْكَمَ عَلَيْهِ وَبِهٖ وَمَعْقُوْلٌ هُوَ مُدْرَكٌ تَبَعًا وَّآلَةً لِّلَاحَظَةِ غَيْرِهٖ فَلَا يَصْلُحُ لِشَيْءٍ مِّنْهَا۔

گزشتہ اسباق میں اسم کی تعریف ہم نے شروع کی تھی۔ صاحبِ کافیہ نے آپ کو بتلایا: اَلْاِسْمُ مَا دَلَّ عَلٰى مَعْنًى فِيْ نَفْسِهٖ۔ کہ اسم جو ہے وہ ایسا کلمہ ہے جو دلالت کرتا ہے ایسے معنیٰ پر فِيْ نَفْسِهٖ، اے فِيْ نَفْسِ مَا دَلَّ، جو اس کلمے کی ذات میں ہوتا ہے۔ تو فِيْ نَفْسِهٖ کی ہا ضمیر کس کو لوٹائی؟ مَا کو، اور مَا سے کیا مراد ہے؟ کلمہ مراد ہے بھئی۔ تو مختصر لفظوں میں یوں کہو کہ فِيْ نَفْسِهٖ کی ضمیر کلمہ کو راجع ہے۔ تو اسم وہ کلمہ ہے جو ایسے معنیٰ پر دلالت کرتا ہے جو اس کلمہ کی ذات میں ہوتے ہیں۔ اور کلمہ کی ذات میں معنیٰ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ کلمہ خود اس پر دلالت کرتا ہے، وہ کسی اور کلمے کا محتاج نہیں ہے، محتاج نہیں ہے۔

اور پھر اس کے بعد یہ گزشتہ سبق میں مصنف نے ایضاح کی عبارت نقل کی تھی۔ میں نے آپ کو بتلایا کہ علامہ ابنِ حاجب نے یہ کافیہ کو مفصل سے اخذ کیا ہے اور اسی مفصل کی ایک علیحدہ شرح بھی کی ہے صاحبِ کافیہ نے جس کا نام ایضاح ہے۔ اس ایضاح کے اندر انہوں نے مفصل کی وضاحت کی ہے۔ تو قَالَ الْمُصَنِّفُ فِي الْاِيْضَاحِ۔ میں نے آپ کو بتلایا کہ یہاں سے صاحبِ جامی جو ہیں وہ ایضاح کی عبارت نقل کر کے یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ ہم نے تو مَعْنًى فِيْ نَفْسِهٖ یہ ہا ضمیر کلمہ کو راجع کی ہے، لیکن صاحبِ کافیہ نے ایضاح کے اندر یہ فِيْ نَفْسِهٖ کی ہا ضمیر معنیٰ کو راجع کی ہے۔ کس کو راجع کی ہے؟ معنیٰ کو۔ بھئی مَعْنًى فِيْ نَفْسِهٖ اگر پہلے کس کو لوٹائیں؟ کلمہ کو۔ وہ ایسا معنیٰ جو کلمہ کی ذات میں ہو۔ میں نے اس کا مفہوم بتلا دیا کہ معنیٰ کا کلمے کی ذات میں ہونے کا مطلب یہ ہے کہ کلمہ خود بخود اس پر دلالت کرے، وہ کسی اور کلمے کے جڑنے کا محتاج

نہ ہو۔ لیکن اگر اس نَفْسِہٖ کی ہا ضمیر کو کس کی طرف راجع کریں؟ معنیٰ کی طرف، تو پھر تو کلام بن گیا مَعْنًی فِیْ نَفْسِ الْمَعْنٰی۔ ایسا معنیٰ جو کس کے اندر ہے؟ معنیٰ کے اندر ہے۔ تو فِیْ آتا ہے ظرفیت کے لیے، یہاں فِیْ آیا، فِیْ سے ماقبل بھی معنیٰ اور فِیْ کے مابعد بھی معنیٰ، تو گویا ظَرْفِیَّتُ الشَّیْءِ لِنَفْسِہٖ لازم آئی کہ ایک ہی شے ظرف بھی ہے اور ایک ہی شے مظروف بھی۔ ظرف وہ جس کے اندر کوئی چیز ہوتی ہے اور مظروف وہ جو اس کے اندر ہے۔ تو جو چیز اندر ہے وہ اور ہوتی ہے اور جو ظرف ہوتا ہے وہ اور۔ یعنی یوں کہو ظرف اور ہے، مظروف اور۔ لیکن اگر فِیْ نَفْسِہٖ کی ہا ضمیر یہ معنیٰ کو راجع کریں تو پھر ظَرْفِیَّتُ الشَّیْءِ لِنَفْسِہٖ لازم آتا ہے اور یہ باطل ہے، درست نہیں ہے۔ ظرف بھی وہی، مظروف بھی وہی، ایک ہی چیز ظرف بھی ہے اور مظروف بھی ہے، یہ باطل ہے، یہ نہیں ہو سکتا بھئی۔ ظرف اور ہوتا ہے اور مظروف اور۔

تو پھر آگے صاحبِ کافیہ، جنہوں نے ایضاح میں اس ضمیر کو کس کی طرف راجع کیا؟ معنیٰ کی طرف، وہ خود ہی اس اعتراض کا جواب بھی دیتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ یہاں فِیْ ظرفیت کے لیے نہیں آیا، بلکہ یہاں فِیْ اعتبار کے معنیٰ میں ہے۔ کس معنیٰ میں ہے؟ یعنی یہاں اعتبار کا معنیٰ ملحوظ ہے۔ تو مَعْنًی فِیْ نَفْسِہٖ بایں معنیٰ ہوا: مَعْنًی بِاعْتِبَارِہٖ فِیْ نَفْسِہٖ۔ تو یہاں اعتبار کا معنیٰ ملحوظ ہے۔ تو یا یوں کہیں کہ یہ فِیْ جو ہے اعتبار اور نظر کے معنیٰ میں ہے۔ تو ترجمہ یوں ہوگا: مَعْنًی فِیْ نَفْسِہٖ، ایسا معنیٰ جو ثابت ہے باعتبار اپنی ذات کے، جو اپنی ذات کے اعتبار سے ثابت ہے۔ ایسا معنیٰ جو اپنی ذات کے اعتبار سے ثابت ہے، یا یہاں اعتبار والا ترجمہ کیا، ذرا نظر والا ترجمہ کرو: ایسا معنیٰ جو اپنی ذات کی طرف نظر کرتے ہوئے ثابت ہے۔ بِالنَّظَرِ اِلَیْہِ فِیْ نَفْسِہٖ۔ ایسا معنیٰ جو اپنی ذات کی طرف نظر کرتے ہوئے ثابت ہے۔

یعنی معنیٰ اپنی ذات کی طرف نظر کرتے ہوئے ثابت ہے، کسی امرِ خارج کی وجہ سے ثابت، کسی امرِ خارج کے اعتبار سے ثابت نہیں ہے۔ جیسے میں نے مثال ذکر کی تھی: ابتداء کا معنیٰ بھی شروع کرنا، مِنْ کا معنیٰ بھی شروع کرنا، لیکن لفظِ ابتداء میں نے جیسے ہی بولا آپ کو شروع کرنے کا معنیٰ سمجھ میں آگیا۔ لیکن مِنْ کہوں گا تو مِنْ کا معنیٰ آپ کو خود بخود سمجھ میں نہیں آئے گا۔ تو گویا ابتداء کا معنیٰ اپنی ذات کے اعتبار سے ہی ثابت ہے، یعنی خود ہی اس لفظ سے سمجھ میں آرہا ہے اور مِنْ کا معنیٰ خود سمجھ میں نہیں آئے گا جب تک اس کے ساتھ اس کے متعلقات کو نہیں جوڑیں گے۔ مثلاً میں آپ کے سامنے کہتا ہوں: سِرْتُ مِنَ الْبَصْرَۃِ اِلَی الْکُوْفَۃِ۔ میں چلا بصرہ سے کوفہ تک۔ یہاں مِنْ آیا، اس مِنْ نے آپ کو بتلا دیا کہ یہ سیر کی ابتداء کہاں سے ہو رہی ہے؟ بصرہ سے۔ کہاں سے ہو رہی ہے؟ بصرہ سے سیر کی۔ تو یہاں اب مِنْ کا معنیٰ سمجھ میں آیا لیکن اپنی ذات کے اعتبار سے نہیں بلکہ سِرْتُ اور بصرہ کے اعتبار سے۔ کس کے اعتبار سے؟ سِرْتُ اور بصرہ کے اعتبار سے۔ سِرْتُ اور بصرہ کو ختم کرو، اکیلا مِنْ کہو تو اس کا معنیٰ سمجھ میں نہیں آتا۔ تو مِنْ کا معنیٰ بھی کیا ہے؟ شروع کرنا۔ ابتداء کا معنیٰ بھی شروع کرنا، لیکن ابتداء کا معنیٰ اپنی ذات کے اعتبار سے ثابت ہے، کسی امرِ خارج یعنی اپنے متعلقات کے اعتبار سے ثابت نہیں، یہاں متعلقات ذکر کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ جبکہ مِنْ کا معنیٰ اپنی ذات کے اعتبار سے نہیں ثابت، بلکہ اپنے متعلقات یعنی سِرْتُ اور بصرہ کے اعتبار سے ثابت ہے۔ سِرْتُ اور بصرہ ہیں تو مِنْ کا معنیٰ شروع کرنا بھی سمجھ میں آرہا

ہے ورنہ سمجھ میں نہیں آئے گا۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو یہاں فِیْ کس معنیٰ میں ہے؟ اعتبار کے معنیٰ میں، تو معنیٰ اپنی ذات کے اعتبار سے ثابت ہے، یا یوں کہیں معنیٰ اپنی ذات کی طرف نظر کرتے ہوئے ثابت ہے، کسی امرِ خارج کے اعتبار سے ثابت نہیں۔

اور پھر اس کے بعد صاحبِ کافیہ جو ہیں، صاحبِ کافیہ نے آگے عربوں کا کلام بھی پیش کیا کہ ہم نے فِیْ کو اعتبار کے معنیٰ میں لیا اور کہا کہ یہ ظرفیت کے لیے نہیں ہے بلکہ کس معنیٰ میں ہے؟ اعتبار کے معنیٰ میں ہے۔ کہتے ہیں یہ ہم اپنی طرف سے ایک نیا معنیٰ فِیْ کا نہیں بیان کر رہے، کلامِ عرب میں بھی فِیْ اعتبار کے معنیٰ میں استعمال ہوتا ہے۔ چنانچہ کسی گھر کے بارے میں کسی کو بتلاتے ہوئے عربی میں کہتے ہیں: اَلدَّارُ فِیْ نَفْسِہَا حُکْمُہَا کَذَا۔ کہ گھر جو ہے فِیْ نَفْسِہَا، اپنی ذات کے اعتبار سے جو ہے، حُکْمُہَا کَذَا اس کا حکم یہ ہے، یعنی اس کی قیمت یہ ہے۔ یعنی گھر ہے مثلاً ایک کنال کے اندر ایک گھر بنا ہوا ہے، بڑا شاندار گھر بنا ہوا ہے، اب دوسرا شخص بتلاتا ہے، گھر فروخت کرنے والا یا کسی آدمی کو بتلاتا ہے کہ یہ گھر جو ہے اپنی ذات کے اعتبار سے یعنی جو اس پر میٹیریل لگا ہے اور جس طرح کی اس کی تعمیر ہوئی ہے اس تعمیر کے اعتبار سے اس کی قیمت ایک کروڑ روپے ہے، اور اگر اس کے ساتھ آپ خارجی چیزوں کو بھی ملاؤ کہ یہ گھر فلاں محلے میں ہے یا فلاں شہر کے فلاں خاص علاقے کے اندر ہے تو پھر تو اس کی قیمت بہت زیادہ ہے بھئی۔ ہاں اپنی ذات کے اعتبار سے مثلاً اس کی قیمت اتنی ہے، امرِ خارج کا اعتبار نہ کرو، صرف اس کے میٹیریل، اس کی بناوٹ، اس کی تعمیر وغیرہ کو ہی دیکھ لو تو اپنی ذات کے اعتبار سے اس کی قیمت اتنی ہے، اور اگر امورِ خارجیہ کو ساتھ ملاؤ کہ یہ کس محلے میں ہے، کس جگہ پر ہے، اور یا اس کے فلاں فلاں بڑے لوگ اس کے پڑوس میں آباد ہیں تو اس اعتبار سے تو اس کی قیمت اور زیادہ ہے بھئی۔

تو عربی میں بھی فِیْ کس معنیٰ میں استعمال ہوتا ہے؟ اعتبار کے معنیٰ میں استعمال ہوتا ہے کہ اَلدَّارُ فِیْ نَفْسِہَا حُکْمُہَا کَذَا کہ یہ گھر جو ہے اپنی ذات کے اعتبار سے اس کی قیمت یہ ہے۔ تو دیکھو دَار ہے موجود فِی الْخَارِجِ اور معنیٰ جو ہوتا ہے وہ موجود فِی الذِّہْن ہے۔ معنیٰ کہاں ہوتا ہے؟ ذہن میں، اور دَار کہاں پر ہے؟ خارج میں۔ تو جیسے خارج کے اندر جو چیزیں ہیں ان میں بھی کبھی امرِ خارج کا اعتبار ان کے ساتھ کیا جاتا ہے، کبھی ان کے ساتھ امرِ خارج کا اعتبار نہیں کیا جاتا، اسی طرح جو معنیٰ ہے، معنیٰ جو ذہن میں آتا ہے، کبھی اس میں امرِ خارج کا اعتبار ہوگا اور کبھی امرِ خارج کا اعتبار نہیں ہوگا۔ تو مَعْنًی فِیْ نَفْسِہٖ، اَیْ مَعْنًی فِیْ نَفْسِ الْمَعْنٰی کا مطلب آپ کو سمجھ میں آگیا کہ معنیٰ اپنے ذات کے اعتبار سے ثابت ہے۔ معنیٰ اپنی ذات کی طرف نظر کرتے ہوئے ثابت ہے، کسی امرِ خارج کے اعتبار سے ثابت نہیں۔

کہتے ہیں جب یہاں تک آپ کو بات سمجھ میں آگئی تو آپ کو حرف کی تعریف بھی سمجھ آجانی چاہیے۔ یہ کون فرما رہے ہیں؟ صاحبِ کافیہ، ایضاح کے اندر۔ کہتے ہیں حرف میں کیا کہتے ہیں؟ اَلْحَرْفُ مَا دَلَّ عَلٰی مَعْنًی فِیْ غَیْرِہٖ۔ وہاں فِیْ غَیْرِہٖ کا لفظ لے کر آتے ہیں۔ بھئی یہ کیا معنیٰ؟ حرف ایسے معنیٰ پر دلالت کرتا ہے جو اس کے غیر میں ہوتا ہے، اس کا مطلب ہے

حرف کے اپنے اندر کوئی معنیٰ نہیں ہوتا؟ کہتے ہیں نہیں بھئی، اب آپ کو یہ بات بھی سمجھ میں آجانی چاہیے، جیسے وہاں فِیْ نَفْسِہٖ میں فِیْ اعتبار کے معنیٰ میں تھا، یہاں پر بھی فِیْ غَیْرِہٖ کس معنیٰ میں ہے؟ اعتبار کے معنیٰ میں ہے۔ یعنی حرف مَا دَلَّ عَلٰی، حرف وہ کلمہ ہے جو دلالت کرتا ہے عَلٰی مَعْنًی ایسے معنیٰ پر فِیْ غَیْرِہَا جو ثابت ہے اس کے غیر کے اعتبار سے، جو اس کے غیر کے اعتبار سے ثابت ہے یعنی اس کے متعلق کے اعتبار سے ثابت ہے۔ خود مِنْ کے اعتبار سے شروع کرنا نہیں ثابت بلکہ اس کے جو متعلق ہیں سِرْتُ اور بصرہ ان کے اعتبار سے کیا ہے؟ شروع کرنا کا معنیٰ ثابت ہے۔ تو فِیْ غَیْرِہٖ کا کیا معنیٰ؟ کہ وہ معنیٰ غیر میں نہیں ہے، فِیْ یہاں پر بھی ظرفیت کے لیے نہیں ہے بلکہ کس معنیٰ میں ہے؟ اعتبار کے معنیٰ میں ہے کہ وہ معنیٰ غیر کے اعتبار سے ثابت ہے، یعنی اس حرف کے غیر، اور اس حرف کے غیر سے کون مراد ہے؟ ہر لفظ مراد ہے یا اس کے متعلقات مراد ہیں؟ اس کے متعلقات مراد ہیں کہ وہ ذکر ہوں گے تو اس کا معنیٰ سمجھ میں آجائے گا، جیسے مِنْ کے ساتھ سِرْتُ اور بصرہ ذکر ہوئے تو اس کا معنیٰ سمجھ میں آگیا۔ تو حرف کا معنیٰ ثابت ہوتا ہے غیر کے اعتبار سے یعنی اپنے متعلق کے اعتبار سے ثابت ہوتا ہے، خود ثابت نہیں ہوتا۔ بات سمجھ میں آگئی؟

اور اس کے بعد پھر میں نے آپ کو یہ بھی بتلایا تھا کہ آگے وَمَحْصُوْلُہٗ جو ہے یہاں سے محصول اور حاصل کی بحث شروع ہو رہی ہے۔ محصول اور حاصل کہہ لیں یا حاصل اور محصول کہہ لیں، یہ دونوں لفظ آگے ذکر ہوں گے بھئی، وَمَحْصُوْلُہٗ بھی اور آگے آٹھ دس سطروں کے بعد وَالْحَاصِلُ بھی آئے گا۔ تو یہ محصول اور حاصل کی بحث آرہی ہے شرحِ جامی میں۔ اور میں نے آپ کو بتلایا تھا کہ یہ شرحِ جامی کی مشکل ترین بحث ہے بھئی اور بے انتہا پیچیدہ ہے۔ علماء نے اس کو حل کرنے کے لیے بڑی محنت کی ہے، اللہ ان سب کو ان کی محنتوں کی جزا نصیب فرمائے۔ اور ان تقاریر سے یہ مقام حل ہو جاتا ہے ورنہ بڑا پیچیدہ ہے بھئی، بڑا پیچیدہ۔

پھر میں نے آپ کو وجہ بھی بتلائی تھی کہ شارحِ جامی کی تو عادت نہیں ہے کہ وہ زیادہ لمبی بات کریں اور اتنی پیچیدہ اور اتنی طویل بحث کو لے کر آئیں، تو اپنی عادت کے برخلاف انہوں نے اتنی پیچیدہ اور اتنی طویل بحث یہاں کیوں کی؟ میں نے بتلایا تھا اس کی علماء نے کئی وجوہات ذکر کی ہیں۔ تین وجہیں میں نے آپ کو بتلائی تھیں کہ کم از کم یہ تین وجہیں آپ ذہن میں رکھیں۔ پہلی وجہ یہ کہ اسم کی تعریف میں فِیْ نَفْسِہٖ آیا اور حرف کی تعریف میں آگے فِیْ غَیْرِہٖ آئے گا بھئی۔ تو صاحبِ جامی آپ کو بتلانا چاہتے ہیں معنیٰ جو ہے فِیْ نَفْسِہٖ ہونا اور معنیٰ فِیْ غَیْرِہٖ ہونا ان دونوں کا کیا مطلب ہے؟ تو وہ اس کی وضاحت کرنا چاہتے ہیں۔ تو اس لیے شارحِ جامی اتنی طویل بحث لے کر آئے۔ اور دوسری وجہ یہ کہ وہ بعض علماء کا رد کرنا چاہتے ہیں۔ بعض علماء نے کیا فرمایا ہے؟ کہ جیسے اسم اور فعل اپنے معنیٰ پر خود دلالت کرتے ہیں، فِیْ نَفْسِہٖ دلالت کرتے ہیں، اسی طرح حرف بھی اپنے معنیٰ پر فِیْ نَفْسِہٖ یعنی خود دلالت کرتا ہے۔ تو صاحبِ جامی ان کا رد کرنا چاہتے ہیں کہ نہیں، دونوں میں فرق ہے بھئی۔ دونوں اپنے معنیٰ پر خود دلالت نہیں کرتے بلکہ ان دونوں میں پانچ فرق ہیں: ایک یہ کہ یہ دونوں معنیٰ کے اعتبار سے بھی مختلف ہیں، ان میں فرق ہے۔ یہ دونوں لفظوں کے اعتبار سے بھی ان میں فرق ہے۔ حکم

کے اعتبار سے بھی ان دونوں میں فرق ہے۔ استعمال کے اعتبار سے بھی ان دونوں میں فرق ہے۔ اور وضع کے اعتبار سے بھی ان دونوں میں فرق ہے کہ ایک ایک معنیٰ کے لیے وضع ہے، دوسرا دوسرے معنیٰ کے لیے وضع ہے۔

تو پانچ فرق اس میں وہ بتلائیں گے اس پوری بحث کے اندر کہ اسم اور حرف دونوں معنیٰ کے اعتبار سے بھی مختلف ہیں: اسم کا معنیٰ مستقل بالمفہوم ہوتا ہے، مستقلاً سمجھ میں آتا ہے اسم سے، اور حرف کا معنیٰ مستقل بالمفہوم نہیں ہوتا، حرف سے مستقلاً معنیٰ سمجھ میں نہیں آتا۔ دونوں کے لفظوں میں بھی فرق ہے: اسم جو ہے وہ اپنے معنیٰ پر دلالت کرنے کے لیے متعلقات کا محتاج نہیں، جیسے ہی لفظِ ابتداء کہا آپ کو شروع کرنا سمجھ میں آگیا، لیکن مِنْ کا لفظ یہ اپنے متعلقات کا محتاج ہے پھر ہی یہ اپنے معنیٰ یعنی شروع کرنے پر دلالت کرے گا، اس کے ساتھ سِرْتُ اور بصرہ ذکر کریں گے تو اس سے شروع کرنے کا معنیٰ سمجھ میں آئے گا، ویسے سمجھ میں نہیں۔ تو معنیٰ میں بھی دونوں مختلف، لفظوں میں بھی مختلف، اور حکم کے اندر بھی دونوں مختلف ہیں یعنی اسم وہ مَحْکُوْمٌ عَلَیْہِ بھی بن سکتا ہے اور مَحْکُوْمٌ بِہٖ بھی بن سکتا ہے، جبکہ حرف نہ وہ مَحْکُوْمٌ عَلَیْہِ بن سکتا ہے اور نہ مَحْکُوْمٌ بِہٖ بن سکتا ہے۔ اور استعمال کے اندر بھی دونوں مختلف ہیں اسم اور حرف، کہ اسم جو ہے وہ اپنے معنیٰ کے سمجھنے اور سمجھانے میں متعلقات کے ساتھ استعمال اس کا ضروری نہیں ہے، جبکہ حرف جو ہے اس میں اس کا معنیٰ سمجھنے اور سمجھانے کے لیے اس کا استعمال متعلقات کے ساتھ ضروری ہے بھئی۔ اور وضع کے اندر بھی دونوں کے اندر فرق ہے کہ اسم

جو ہے اس کو ایک معنیٰ کلی کے لیے وضع کیا گیا ہے، اور حرف جو ہے اس کو جزئیات کے لیے وضع کیا گیا ہے کہ وہ معانیٔ جزئیہ پر دلالت کرتا ہے۔ جیسے انسان کیا ہے؟ کلی، اور زید، عمرو، بکر کیا ہیں؟ جزئیات۔ تو جیسے ایک کلی ہوتی ہے اور ایک جزئی، اسی طرح اسم کا معنیٰ کیا ہے؟ وہ کلی ہے اور حرف کا معنیٰ جزئی ہے بھئی۔ آگے اس کی وضاحت آجائے گی بھئی۔

تو یہ دوسری وجہ۔ پہلی وجہ کیا؟ یہ بحث اتنی طویل کیوں لائے؟ کہ فِیْ نَفْسِہٖ اور فِیْ غَیْرِہٖ کا معنیٰ بتلانا چاہتے تھے۔ دوسری وجہ یہ کہ بعض علماء کا رد کرنا چاہتے تھے جنہوں نے کیا فرمایا تھا کہ اسم اور حرف دونوں اپنے معنیٰ پر خود دلالت کرتے ہیں۔ اور تیسری وجہ یہ ہے کہ امام رازی رحمہ اللہ نے اسم اور حرف کی تعریف پر بڑے پیچیدہ اور مشکل اعتراضات کیے ہیں۔ انہوں نے اسم کی بہت ساری تعریفات ذکر کیں اور بڑے مشکل اور پیچیدہ اعتراضات کیے۔ اور میں نے بتلایا تھا، میں نے بتلایا تھا کہ یہ علمائے نحو پر بہت بڑا اشکال تھا کہ انہوں نے اسم کی بہت ساری تعریفیں کی ہیں لیکن کوئی ایک بھی تعریف ایسی نہیں ہے جس پر اعتراضات واقع نہ ہوں، کوئی ایسی تعریف جو جامع ہو، مانع ہو اور اعتراضات سے محفوظ ہو، ایسا نہیں ہے۔ اسم کی تعریفات پر بڑے بڑے اعتراضات ہوئے، حتیٰ کہ امام ابنِ تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ متقدمین اور متاخرین نے کوئی ستر کے لگ بھگ اسم کی تعریفیں کی ہیں لیکن ان میں سے ایک بھی صحیح تعریف نہیں ہے، سب

پر اعتراضات ہوتے ہیں۔ اسی طرح علامہ ابن الانباری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اسم کی ایک بھی تعریف صحیح نہیں ہے۔ اسی طرح امام رازی نے بڑے بڑے مشکل اور پیچیدہ اعتراضات کیے ہیں اسم پر اور اسی طرح حرف پر بھئی۔ اور میں نے یہ بھی بتلایا کہ امام سیبویہ کے بارے میں بھی علماء لکھتے ہیں کہ امام سیبویہ بھی اسم کی جامع مانع تعریف نہیں جانتے تھے، چنانچہ انہوں نے اپنی کتاب میں فعل کی بھی تعریف کی ہے، حرف کی بھی تعریف کی ہے، لیکن اسم کی تعریف نہیں کی۔

لیکن میں نے بتلایا یہ کوئی عیب نہیں ہے، وجہ یہ کہ بعض اوقات ایک چیز اتنی ظاہر ہوتی ہے کہ بچہ بچہ اس کو سمجھتا ہے اور جانتا ہے، ہر شخص اس کو جانتا ہے، لیکن اس کی جامع مانع تعریف کرنا یہ بڑا ہی مشکل کام ہوتا ہے، کیونکہ وہ چیز بہت زیادہ واضح ہوتی ہے، تو اس کی تعریف کرنا مشکل ہو جاتا ہے۔ جیسے میں نے آپ کو بتلایا تھا کہ سورج سب سے زیادہ روشن اور چمکدار عین دوپہر کے وقت ہوتا ہے اور اس وقت کوئی نظر اس کی طرف نہیں دیکھ سکتی۔ دیکھو سب سے نمایاں ہے لیکن کوئی اس کی طرف دیکھ نہیں سکتا۔ اسی طرح کبھی کوئی چیز بہت نمایاں ہوتی ہے لیکن اس کی تعریف کرنا بڑا مشکل ہو جاتا ہے۔ جیسے دوسری مثال میں نے ذکر کی تھی جیسے نور ہے، اسی طرح سرور ہے۔ نور روشنی کو کہتے ہیں بھئی، روشنی کو بچہ بچہ جانتا ہے لیکن روشنی کی حقیقت کیا ہے اس کی حقیقت میں علماء پریشان ہیں بھئی۔ تو اسی طرح خوشی، سرور بھئی، خوشی۔ خوشی بچہ بچہ جانتا ہے خوشی کسے کہتے ہیں، لیکن خوشی کی حقیقت کیا ہے، اس کی تعریف کیا کی جائے، یہ بڑا ہی مشکل کام ہے، علماء اس میں پریشان ہیں بھئی۔

بات سمجھ میں آگئی؟ تو اسی طرح اسم بھی چونکہ بہت واضح اور نمایاں تھا تو اس کی تعریف بڑی مشکل تھی، اور میں نے بتلایا کہ یہاں پر یہ حاصل محصول کی بحث اس کے ذریعے صاحبِ جامی جو ہیں وہ آپ کو یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ یہ جو صاحبِ کافیہ اور صاحبِ مفصل نے اسم کی تعریف کی ہے، دونوں کی تعریف ایک ہی ہے تقریباً، انہوں نے جو اسم کی تعریف کی ہے وہ ہر اعتبار سے جامع مانع بھی ہے اور اعتراضات سے محفوظ بھی ہے۔ چنانچہ یہ حاصل اور محصول کی بحث میں وَمَحْصُوْلُہٗ اس کے تحت وہ میر سید السند کی عبارت لائیں گے۔ میر سید السند جن کو میر سید الشریف بھی کہتے ہیں، یہ نحو میر والے، ان کی عبارت لائیں گے اور وہ پھر فلسفی اصولوں کے مطابق وضاحت کریں گے، اسم اور حرف میں فرق بیان کریں گے بھئی، اسم اور حرف میں۔ اور پھر آگے وَالْحَاصِلُ کے بعد جو ہے شارحِ جامی اپنی تقریر ساتھ ملائیں گے اور مکمل وضاحت کر دیں گے کہ اسم اور حرف دونوں الگ الگ ہیں اور یہ جو تعریف ہوئی ان کی جامع بھی ہے اور مانع بھی ہے اور ہر قسم کے اعتراضات سے محفوظ بھی ہے۔

تو میر سید السند اور ملا جامی رحمہ اللہ ان دونوں کا علمائے نحو پر عظیم احسان ہے کہ علمائے نحو پر ایک بڑا عیب اور اعتراض ہوتا تھا کہ اے علمائے نحو، آپ کے ہاں سب سے زیادہ بحثیں اسم کی ہیں آپ کی کتابوں میں لیکن آپ کو اسم کی

جامع مانع تعریف ہی نہیں آتی۔ تو انہوں نے حق ادا کر دیا سب کی طرف سے اور بتلا دیا کہ اسم اور حرف کی جو تعریف کی گئی ہے وہ جامع بھی ہے، مانع بھی ہے اور ہر قسم کے اعتراضات سے سلامت بھی ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟

تو آج ہم یہ حاصل محصول کی بحث شروع کریں گے بھئی۔ دیکھیے بھئی کتاب پر: وَمَحْصُوْلُہٗ مَا ذَکَرَہٗ بَعْضُ الْمُحَقِّقِیْنَ حَیْثُ قَالَ کَمَا اَنَّ فِی الْخَارِجِ مَوْجُوْدًا قَائِمًا بِذَاتِہٖ وَمَوْجُوْدًا قَائِمًا بِغَیْرِہٖ کَذٰلِکَ فِی الذِّہْنِ مَعْقُوْلٌ ہُوَ مُدْرَکٌ قَصْدًا مَّلْحُوْظًا فِیْ ذَاتِہٖ یَصْلُحُ اَنْ یُّحْکَمَ عَلَیْہِ وَبِہٖ وَمَعْقُوْلٌ ہُوَ مُدْرَکٌ تَبَعًا وَّآلَۃً لِّمُلَاحَظَۃِ غَیْرِہٖ فَلَا یَصْلُحُ لِشَیْءٍ مِّنْہَا۔

تو یہ محصول حاصل کی بحث شروع ہو رہی ہے۔ یاد رکھو اس بحث کے چھ حصے ہیں، اس بحث کے چھ حصے ہیں، ان پر ذرا نشان لگا لو۔ جب کلام تقسیم ہو جائے گا، چھ حصے بن جائیں گے تو پھر آپ کے لیے اس کو سمجھنا آسان ہو جائے گا۔ بھئی میں نے بتایا یہ مشکل ترین بحثوں میں سے ہے، دعا کرو اللہ تعالیٰ اس کو ہم سب کے لیے آسان فرمائے بھئی۔ دیکھو: وَمَحْصُوْلُہٗ یہاں سے شرح کا پہلا حصہ ہے۔ وَمَحْصُوْلُہٗ سے شرح کا پہلا حصہ ہے، چھ حصے بنائیں گے ہم، یہ ہے پہلا حصہ۔ دو تین سطروں کے بعد آرہا ہے: فَالْاِبْتِدَاءُ مَثَلًا بھئی۔ فَالْاِبْتِدَاءُ مَثَلًا مل گیا؟ دو سطروں کے بعد ہے فَالْاِبْتِدَاءُ مَثَلًا۔ یہ دوسرا حصہ ہے شرح کا۔ نشان لگا لیا؟ آگے پانچ چھ سطروں کے بعد ہے: وَالْحَاصِلُ۔ وَالْحَاصِلُ، یہ تیسرا حصہ ہے شرح کا۔ پھر اس سے پانچ چھ سطریں آگے ہے: وَاِذَا عَرَفْتَ ہٰذَا۔ وَاِذَا عَرَفْتَ ہٰذَا مل گیا بھئی؟ یہ چوتھا حصہ ہے شرح کا۔ وَاِذَا عَرَفْتَ ہٰذَا۔ نشان لگا لیا بھئی؟ یہ شرح کا چوتھا حصہ ہے۔ اس سے آگے دو تین سطروں کے بعد ہے: فَفِیْ ہٰذَا الْکِتَابِ، یہ شرح کا پانچواں حصہ ہے۔ اور اس سے پھر چار پانچ سطریں آگے ہے: وَبِمَا سَبَقَ مِنَ التَّحْقِیْقِ، وَبِمَا سَبَقَ مِنَ التَّحْقِیْقِ، یہ شرح کا چھٹا حصہ ہے۔ نشان لگا لیے؟ تو یہ چھ حصے کر لیے ہم نے اس کے، اب اس کو سمجھنا آسان ہوگا۔ کتنے حصے ہیں؟ چھ۔ پہلا حصہ وَمَحْصُوْلُہٗ سے ہے، دوسرا حصہ فَالْاِبْتِدَاءُ سے ہے، تیسرا حصہ وَالْحَاصِلُ سے ہے، چوتھا حصہ وَاِذَا عَرَفْتَ ہٰذَا سے ہے، پانچواں حصہ فَفِیْ ہٰذَا الْکِتَابِ یہاں سے ہے، اور چھٹا حصہ وَبِمَا سَبَقَ مِنَ التَّحْقِیْقِ ظَہَرَ جی یہاں سے ہے بھئی۔

نشان لگا لیے اچھی طرح؟ اب دیکھیے: دیکھو یہ جو بحث شروع ہو رہی ہے وَمَحْصُوْلُہٗ سے لے کر وَالْحَاصِلُ تک، تو یہ وَالْحَاصِلُ سے ماقبل تک یہ میر سید السند کی تقریر اس میں ذکر کریں گے۔ اس وَالْمَحْصُوْلُ میں کس کی تقریر ذکر کریں گے؟ میر سید السند کی تقریر ذکر کریں گے کہ انہوں نے کس طرح اس اسم اور فعل کے اندر فرق کو ذکر کیا ہے اور اس کو سمجھانے کی کوشش کی ہے۔ اور وَالْحَاصِلُ سے آگے جو ہے پھر شارحِ جامی اپنی تقریر کریں گے اور پھر اس مقام کی مکمل وضاحت ہو جائے گی بھئی۔ کچھ تقریر کس کی ہو گئی؟ میر سید السند کی، اور کچھ تقریر کس کی ہو گئی؟ علامہ جامی کی، تو مقام بہترین حل ہو جائے گا بھئی۔

بھئی ادھر دیکھیے: وَمَحْصُوْلُہٗ یہ شرح کا پہلا حصہ ہے۔ مَحْصُوْل یاد رکھو، مَحْصُوْل بمعنیٰ حاصل کے ہے۔ مَحْصُوْل بمعنیٰ حاصل کے ہے۔ مَحْصُوْلُ الْکَلَام، حَاصِلُ الْکَلَام اور مُحَصَّلُ الْکَلَام سب کا ایک ہی معنیٰ ہے۔ تو مَحْصُوْل کس

معنیٰ میں ہے؟ حاصل کے معنیٰ میں ہے۔ آپ کو ایک عجیب نکتہ بتلاؤں بھئی، عجیب نکتہ۔ آپ نے پڑھا ہے ایک ہوتا ہے اسمِ فاعل، ایک ہوتا ہے اسمِ مفعول بھئی۔ ضَرَبَ یَضْرِبُ ضَرْبًا، اسمِ فاعل کیا آیا؟ ضَارِبٌ، فَاتِحٌ، مُکْرِمٌ، یہ کیا ہیں؟ اسمِ فاعل۔ اور مَضْرُوْبٌ، مَفْتُوْحٌ، مُکْرَمٌ وغیرہ یہ ہیں اسمِ مفعول۔ یاد رکھو کبھی کبھار اسمِ فاعل جو ہے خلاف القیاس مفعول کے وزن پر بھی آجاتا ہے۔ کبھی کبھار اسمِ فاعل خلاف القیاس مفعول کے وزن پر بھی آجاتا ہے۔ جیسے یہ مَحْصُوْل بمعنیٰ حَاصِل کے ہے۔ وزن تو کون سا؟ مفعول والا، لیکن یہ کیا ہے؟ اسمِ فاعل ہے، بات سمجھ میں آگئی؟ اور بھی کلامِ عرب میں ایسا ہوتا ہے لیکن قلیل ہوتا ہے۔ جیسے قرآن میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: کَانَ وَعْدُهٗ مَأْتِیًّا۔ دیکھو مَأْتِیٌّ اسمِ مفعول ہے بر وزنِ مَرْمِیٌّ بھئی۔ تو کَانَ وَعْدُهٗ مَأْتِیًّا، اَیْ آتِیًا بھئی۔ یہ وزن تو اسمِ مفعول کا ہے لیکن دراصل کیا ہے؟ اسمِ فاعل ہے بھئی، یہ اسمِ فاعل ہے، مَأْتِیًّا بمعنیٰ آتِیًا کے۔ یا دوسری مثال لے لیں جیسے حِجَابًا مَّسْتُوْرًا قرآن میں ہے۔ حِجَابًا مَّسْتُوْرًا، یہ مَسْتُوْر اسمِ مفعول بظاہر لگ رہا ہے لیکن دراصل یہ اسمِ فاعل ہے، اَیْ سَاتِرًا۔ حِجَابًا مَّسْتُوْرًا اَیْ سَاتِرًا۔ حِجَاب پردہ، اور سَاتِر چھپانے والا، ڈھانپنے والا۔ حِجَابًا مَّسْتُوْرًا اَیْ سَاتِرًا، ایسا پردہ جو ڈھانپنے والا ہے۔ حِجَابًا مَّسْتُوْرًا ویسے تو لفظی ترجمہ بنتا ہے ایسا پردہ مَسْتُوْرًا کہ اس پردے کو بھی ڈھانپا گیا ہو، اس پردے کو بھی، وہ پردہ بھی کیا ہو؟ مَسْتُوْر ہے، حالانکہ نہیں، یہ مَسْتُوْر کس معنیٰ میں ہے؟ سَاتِر کے معنیٰ میں، یعنی ایسا پردہ سَاتِرًا جو ڈھانپنے والا ہے، چھپانے والا ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟

اور اسی طرح یاد رکھو کلامِ عرب میں کبھی اسمِ مفعول جو ہے وہ خلاف القیاس اسمِ فاعل کے وزن پر بھی آجاتا ہے۔ پہلے تو تھا مَأْتِیٌّ کس معنیٰ میں تھا؟ آتٍ کے معنیٰ میں تھا، اور مَسْتُوْر کس معنیٰ میں تھا؟ سَاتِر، اور مَحْصُوْل کس معنیٰ میں تھا؟ حَاصِل، اور کبھی اس کا برعکس ہوتا ہے، ہوتا اسمِ مفعول ہے لیکن خلاف القیاس کس وزن پر آتا ہے؟ اسمِ فاعل کے وزن پر۔ جیسے سِرٌّ کَاتِمٌ۔ سِرٌّ کَاتِمٌ۔ سِرٌّ کہتے ہیں راز کو اور کَاتِمٌ، کَتَمَ یَکْتُمُ کے معنیٰ چھپانا، تو یہ کَاتِم بمعنیٰ مَکْتُوْم کے ہے۔ سِرٌّ کَاتِمٌ اَیْ مَکْتُوْمٌ۔ ایسا راز مَکْتُوْمٌ جس کو چھپایا گیا ہے یعنی پوشیدہ ہے۔ تو یہ کَاتِم کس معنیٰ میں؟ کَاتِم بظاہر اسمِ فاعل لگ رہا ہے لیکن دراصل یہ کیا ہے؟ اسمِ مفعول ہے۔ یا دوسری مثال لے لو جیسے مَاءٌ دَافِقٌ۔ مَاءٌ دَافِقٌ۔ یہ دَافِق بمعنیٰ مَدْفُوْق کے ہے، مَاءٌ مَدْفُوْقٌ، ایسا پانی جس کو اچھالا گیا ہے۔ تو یہاں پر بھی اسی طرح ہے، یہ مَحْصُوْل بمعنیٰ حَاصِل کے ہے۔

وَمَحْصُوْلُهٗ، یہ مَحْصُوْلُهٗ کی ہا ضمیر اس میں دو احتمال ہیں۔ ایک احتمال تو یہ ہے کہ یہ راجع ہے مَا قَالَهُ ابْنُ الْحَاجِبِ، وہ جو علامہ ابنِ حاجب نے فرمایا ہے ایضاح کے اندر بھئی، یہ ساتھ ہی دو تین سطریں جو گزری ہیں ابھی ابھی اس مَحْصُوْلُهٗ سے پہلے۔ یہ جو علامہ ابنِ حاجب کا کلام ہے کہ انہوں نے کیا فرمایا تھا؟ اَلضَّمِیْرُ فِیْ مَا دَلَّ عَلٰی مَعْنًی فِیْ نَفْسِهٖ یہاں سے جو ان کا کلام شروع ہو رہا ہے، اس کی طرف راجع کریں، جو علامہ ابنِ حاجب نے فرمایا اس کا حاصل یہ ہے، اب آگے اس

کی تشریح کرنے لگے ہیں۔ لیکن زیادہ بہتر یہ ہے کہ مَحْصُوْلُہٗ کی ہا ضمیر مَا قَالَہٗ ابْنُ الْحَاجِبِ وَمَا قَالَہُ الشَّارِحُ کی طرف لوٹائیں، یعنی شارح اور ماتن دونوں نے جو فرمایا ہے اس سارے کی طرف لوٹائیں اس ضمیر کو، کہ شارح اور ماتن کا جو کلام ہے اس کا محصول یہ ہے۔ اس صورت میں یہ جو اسم کی تعریف شروع ہو رہی ہے: اَلْاِسْمُ مَا دَلَّ اَیْ کَلِمَۃٌ دَلَّتْ سے لے کر وَمَحْصُوْلُہٗ سے پہلے تک، یہ ساری عبارت کی طرف اشارہ ہے، کہ اس میں اسم کی تعریف بھی آگئی، پھر اس کے اندر شارح یعنی ملا جامی رحمہ اللہ نے اس کی تشریح بھی کی اور بتلایا کہ مَا دَلَّ سے کیا مراد ہے؟ کَلِمَۃٌ دَلَّتْ۔ اور فِیْ نَفْسِہٖ کیا ہے؟ معنیٰ کی صفت ہے۔ اور فِیْ نَفْسِہٖ کی ضمیر کس کو راجع کی؟ مَا دَلَّ کو راجع کر دی۔ تو ان کا کلام بھی آگیا، اور پھر آگے صاحبِ کافیہ کی ایضاح والی عبارت بھی آگئی کہ انہوں نے فِیْ نَفْسِہٖ کی ہا ضمیر کس کو راجع کی ہے؟ معنیٰ کو راجع کی ہے، تو اس سارے کا حاصل یہ ہے، اب تشریح کرنے لگے ہیں۔ اور یہ زیادہ مناسب ہے کہ دونوں کی طرف یہ جو ابنِ حاجب اور شارح نے فرمایا ہے اس سارے کی طرف اس ضمیر کو راجع کیا جائے کیونکہ آ

گے، آگے وہ اس بات کو بھی ذکر کریں گے کہ فِیْ نَفْسِہٖ کی ہا ضمیر چاہے کلمہ کو راجع کریں، چاہے معنیٰ کو راجع کریں، دونوں صورتوں میں ایک ہی معنیٰ بنتا ہے۔ معلوم ہوا اس سارے کی وہ تشریح کرنا چاہتے ہیں، جو ابنِ حاجب نے فرمایا اس کی بھی اور جو شارح یعنی ملا جامی نے خود فرمایا اس کی بھی تشریح کرنا چاہتے ہیں۔

تو کہتے ہیں: وَمَحْصُوْلُہٗ مَا ذَکَرَہٗ بَعْضُ الْمُحَقِّقِیْنَ۔ تو کہتے ہیں وَمَحْصُوْلُہٗ اور محصول اس کا، جو علامہ ابنِ حاجب اور شارح ملا جامی رحمہ اللہ نے فرمایا ہے اس کا حاصل یہ ہے، مَا ذَکَرَہٗ بَعْضُ الْمُحَقِّقِیْنَ وہ ہے جس کو بعض محققین نے ذکر کیا۔ میں نے آپ کو ابھی بتلایا کہ وَمَحْصُوْلُہٗ کے بعد یہ وَالْحَاصِلُ تک اس میں میر سید السند کی عبارت ذکر کریں گے۔ میر سید السند نے فلسفی اصولوں کے مطابق معنیٰ اسمی اور معنیٰ حرفی کی تفصیل بیان کی، اس کی وضاحت کی، اور پھر آگے وَالْحَاصِلُ سے آگے جو ہے ملا جامی رحمہ اللہ نحوی اصولوں کے مطابق اس کی مکمل پھر وضاحت کر دیتے ہیں۔ تو یہ پہلا حصہ ہے شرح کا بھئی۔

تو اس پہلے حصے کے اندر وہ معقول کو محسوس کے ساتھ تشبیہ دے کر اس کی وضاحت کریں گے۔ بھئی ایک ہے محسوس، یہ جو محسوس جو ہمیں چیزیں خارج میں یہ جو چیزیں ہیں یہ ہمیں آنکھوں سے دکھائی دیتی ہیں، جیسے دیکھو یہ پنکھا ہے، یہ مسجد ہے، یہ کتاب ہے، یہ قلم ہے، یہ پہاڑ ہیں، یہ بادل ہیں، یہ سب چیزیں ہمیں آنکھوں سے دکھائی دیتی ہیں، ان کو کہتے ہیں محسوس بھئی۔ کیا کہتے ہیں؟ محسوس۔ اور ایک وہ چیز جو ہمارے ذہن میں آتی ہے، وہ جو معنیٰ اور جو مفہوم ہمارے ذہن میں آتا ہے، وہ ہے معقول بھئی۔ وہ کیا ہے؟ معقول۔ بلکہ یوں کہو، یوں کہو کہ یہاں دو ظرف ہیں بھئی: ایک ظرف ہے خارج کا، ظرف کیا ہے؟ خارج کا، اور اس کے اندر یہ ساری چیزیں جو آپ کو نظر آرہی ہیں، یہ خارج ان کے لیے ظرف ہے۔ یہ پنکھا بھی خارج میں موجود ہے، یہ کتاب بھی خارج میں موجود ہے، یہ پہاڑ بھی خارج میں موجود ہے، تو یہ خارج ان کے لیے ظرف

ہے۔ تو یہ جو محسوسات ہیں ان کے لیے خارج ظرف ہے۔ اور یہ جو معانی ہمارے ذہن میں آتے ہیں تو یہ ذہن ان کے لیے ظرف ہے بھئی۔ تو دو ظرف ہو گئے: ایک ظرف کیا؟ خارج، اور ایک ظرف کیا؟ ذہن۔ خارج میں یہ چیزیں ہیں جو ہمیں آنکھوں سے دکھائی دیتی ہیں، اور ذہن میں وہ چیزیں ہیں جو ہمیں آنکھوں سے دکھائی نہیں دیتیں، جو مختلف چیزوں کی پہچان، ان کے معانی اور ان کی صورتیں ہمارے ذہن میں آتی ہیں، یہ سب معقول ہیں، یہ سب کیا ہیں؟ معقول ہیں۔ تو معقول جو ہے وہ ہمارے ذہن میں ہے اور محسوس جو ہے خارج میں جو ہمیں نظر آرہا ہے۔

تو اب دیکھو معنیٰ، ایک ہے معنیٔ اسمی، ایک ہے معنیٔ حرفی۔ معنیٔ اسمی بھی کہاں پر آتا ہے؟ ذہن میں۔ معنیٔ حرفی بھی کہاں آتا ہے؟ ذہن میں۔ لیکن دونوں میں فرق ہے۔ معنیٔ اسمی جو ہے وہ اپنی ذات کے اعتبار سے معتبر ہے، اور معنیٔ حرفی وہ اپنی ذات کے اعتبار سے معتبر نہیں ہے بلکہ وہ متعلقات کے اعتبار سے معتبر ہے۔ متعلقات ہوں گے تو حرف کا معنیٰ سمجھ میں آئے گا، ویسے سمجھ میں نہیں آئے گا۔ تو یہ معنیٔ حرفی ہمارے ذہن میں ہے، یہ ہمیں نظر نہیں آتا۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو آپ کو میر سید السند بتلائیں گے کہ جیسے محسوس جو ہمیں چیزیں دکھائی دیتی ہیں یہ دو قسم کی ہیں، اسی طرح وہ معنیٰ جو ہمارے ذہن میں ہے وہ بھی دو قسم پر ہے۔ یعنی وہ جو معقول ہے اس کو تشبیہ دیں گے کس کے ساتھ؟ محسوس کے ساتھ۔ جو چیزیں ہمیں دکھائی دیتی ہیں وہ ذرا جلدی سمجھ میں آجاتی ہیں، اور معنیٰ تو ہے ذہن میں، وہ تو ہماری نظر سے اوجھل ہے، چھپا ہوا ہے، وہ ہے خفی، اور یہ چیزیں کیا ہیں؟ ظاہر۔ تو وہ جو خفی چیزیں ہیں، خفی معنیٰ، وہ جو خفی چیز ہے اس کو کس کے ساتھ تشبیہ دیں گے؟ ظاہر کے، جو چیزیں ظاہر ہیں، تاکہ بات آپ کو اچھی طرح سمجھ میں آجائے بھئی۔ تو معقول کو کس سے تشبیہ دیں گے؟ محسوس سے، اور اس کی وضاحت کریں گے۔ یا اور دوسرے لفظوں میں یوں کہو کہ خفی کو، جو پوشیدہ چیز ہے، اس کو ظاہر کے ساتھ تشبیہ دے کر اس کی وضاحت کریں گے۔

چنانچہ میر سید السند فرماتے ہیں کہ جیسے آپ اپنے خارج میں دیکھتے ہیں وہ جو چیزیں موجود ہیں وہ دو قسم کی ہیں۔ وہ کتنی قسم کی ہیں؟ وہ دو قسم کی ہیں۔ کچھ وہ چیزیں ہیں جن کا اپنا الگ وجود ہے، وہ اپنے وجود میں کسی غیر کی محتاج نہیں ہیں، اور ان کو ہم جوہر کہتے ہیں اور اس کو قائم بالذات کہتے ہیں۔ مثلاً آپ ہیں، آپ کا اپنا الگ وجود ہے بھئی، تو آپ کیا ہیں؟ جوہر ہیں، اور آپ کو قائم بالذات کہیں گے کہ آپ کا اپنا الگ وجود ہے۔ یا جیسے کتاب ہے، کتاب کا اپنا الگ وجود ہے، یہ اپنے وجود میں کسی دوسری چیز کی محتاج نہیں۔ قلم ہے، قلم کا اپنا الگ وجود ہے، یہ اپنے وجود میں کسی دوسری چیز کی محتاج نہیں۔ پہاڑ ہے، پہاڑ کا اپنا وجود ہے، وہ اپنے وجود میں کسی دوسری چیز کا محتاج نہیں۔ تو ان کو جوہر کہتے ہیں اور اسی طرح ان کو قائم بالذات کہتے ہیں کہ یہ اپنی ذات کے اعتبار سے قائم ہیں یعنی موجود ہیں۔

اور کچھ چیزیں وہ ہیں، وہ صفات ہیں اور اعراض ہیں، ان کا اپنا الگ کوئی وجود نہیں ہوتا۔ یہ غیر کے لیے صفت بنتی ہیں۔ وہ غیر ہے تو ان صفات کا وجود بھی ہے، وہ غیر نہیں تو ان صفات کا اپنا الگ کوئی وجود نہیں۔ جیسے زید کی صفت ہے

سخاوت۔ زید ہے تو زید کی سخاوت بھی ہے، زید نہیں تو زید کی سخاوت بھی نہیں۔ اس کو کہتے ہیں عرض بھئی۔ کیا کہتے ہیں؟ عرض یعنی صفت، اور اس کو قائم بالغیر کہتے ہیں یعنی یہ غیر یعنی موصوف کے ساتھ قائم ہوتی ہے یہ صفت۔ موصوف ہے تو اس صفت کا بھی وجود ہے، موصوف نہیں تو اس کا وجود بھی نہیں ہے۔

دوسری مثال لے لو عرض کی: یہ جو چیزوں کے رنگ ہمیں دکھائی دیتے ہیں یاد رکھو یہ بھی عرض ہے، صفت ہے، ان کا اپنا الگ کوئی وجود نہیں۔ جیسے دیوار کا یہ سفید رنگ ہے، یہ دیوار کی صفت ہے، اس کا اپنا الگ کوئی وجود نہیں۔ دیوار کا تو اپنا وجود ہے، یہ تو جوہر ہے، یہ تو قائم بالذات ہے، یہ اپنے وجود میں غیر کی محتاج نہیں، لیکن یہ جو سفیدی ہے دیوار پر یہ دیوار کی صفت ہے، یہ قائم بالغیر ہے، یہ دیوار ہے تو یہ والی سفیدی ہے، دیوار نہیں تو یہ والی سفیدی بھی نہیں ہے۔ آپ کے ذہن میں اشکال آئے گا کہ بھئی ہم تو سفیدی کو الگ بھی دیکھتے ہیں، ہم بازار سے سفیدی لے کر آتے ہیں اور پھر دیوار پر سفیدی کرتے ہیں، یا بازار سے ہم پینٹ کا ایک ڈبہ لے کر آتے ہیں اور پھر اس دیوار پر پینٹ کرتے ہیں۔ تو یاد رکھنا نہیں بھئی، یہ جو بازار سے آپ سفیدی لے کر آتے ہیں یہ کوئی سفیدی یہ الگ چیز نہیں ہے، یہ ایک خاص قسم کی مٹی ہے اور اس مٹی کے ہر ہر ذرے میں، ہر ہر ذرے کی صفت سفیدی ہے۔ ہر ہر ذرے کی کیا ہے؟ صفت سفیدی ہے۔ اسی طرح آپ بازار سے پینٹ کا ڈبہ لاتے ہیں، اس کے اندر وہ سفید رنگ ہوتا ہے، آپ کہیں گے دیکھو یہ تو سفید رنگ بالکل الگ ہے، آپ نے تو ہمیں کہا تھا سفیدی کا اپنا الگ وجود نہیں۔ نہیں بھئی، یہ سفیدی یہ جو ڈبے کے اندر ہے یہ کیمیکل ہے، یہ خاص مادہ ہے، اور اس کے ہر ہر ذرے کی صفت کیا ہے؟ سفیدی ہے، سفیدی کوئی الگ چیز نہیں۔ دیکھو آپ اس کا تجربہ کر کے آرام سے پہچان سکتے ہیں: آپ سفید پینٹ کا ایک ڈبہ لے آئے، اب آپ یوں کریں اس کے اندر ایک کپ نیلا رنگ ڈال دیں اور پھر اس کو خوب مکس کر دیں، آپ دیکھیں گے سارا ڈبہ نیلے رنگ کا ہو گیا۔ بھئی وہ سفیدی کدھر گئی؟ وہ سفیدی کدھر گئی؟ اگر اس کا اپنا الگ وجود ہوتا تو نیلا رنگ ڈالا تھا سفیدی نکل کر الگ ہو جاتی۔ نہیں، اب وہ ساری سفیدی کس سے بدل گئی؟ نیلے رنگ سے بدل گئی۔ معلوم ہوا وہ سفیدی ایک ایک ذرے کی صفت تھی، آپ نے وہ صفت بدل دی وہ ختم ہو گئی سفیدی، اس کا اپنا الگ کوئی وجود تھا ہی نہیں۔ اب ہر ہر ذرے کی صفت نیلا رنگ بن گیا، وہ ہر ذرہ نیلے رنگ کا ہے۔ بات سمجھ میں آرہی ہے؟ تو معلوم ہوا یہ جو سفیدی، یہ جو چیزوں کے رنگ ہیں یہ اعراض ہیں، صفات ہیں، ان کا اپنا الگ وجود نہیں۔

تو جس طرح خارج میں جو چیزیں موجود ہیں وہ دو قسم کی ہو گئیں: کچھ قائم بالذات ہیں اور کچھ قائم بالغیر ہیں۔ اسی طرح، اسی طرح ہم جب کسی چیز کا ادراک کرتے ہیں، ادراک کرتے ہیں وہ چیز ذہن میں آتی ہے تو وہ معقول ہے بھئی۔ کس میں آگئی؟ عقل میں آگئی، معقول جو عقل میں آیا، جو معلوم ہوا۔ تو یہ جو معقول ہے جو ہمارے ذہن میں آتا ہے یہ بھی دو قسم پر ہے۔ کچھ معقول وہ ہیں جو بالذات مدرک ہوتے ہیں، یعنی قصداً عقل کی ان کی طرف توجہ ہوتی ہے اور وہ ہمارے ذہن

میں آجاتے ہیں، ہم ان کا ادراک کر لیتے ہیں۔ اور کچھ معقولات وہ ہیں کہ جن کا ادراک عقل قصداً نہیں کرتی بلکہ تبعاً ان کا ادراک ہو جاتا ہے، تبعاً ان کا ادراک ہو جاتا ہے اور عقل ان کو آلہ بناتی ہے دوسرے مدرکات کو جاننے کے لیے۔

توجہ ہے؟ کہ جس طرح محسوس چیزیں دو قسم پر ہیں، کچھ قائم بالذات ہیں، کچھ قائم بالغیر۔ اسی طرح جو مدرکات، مدرک اَدْرَکَ یُدْرِکُ ادراک کا معنیٰ ہے جاننا، جاننا۔ تو مدرک بمعنیٰ معلوم کے ہے، جو چیز ہمیں معلوم ہوئی ہمارے ذہن میں آگئی ہم نے اس کو پہچان لیا، یا جو دیکھو ہمیں آنکھوں سے جو کچھ نظر آتا ہے ذہن میں فوراً اس کی پہچان آجاتی ہے کہ یہ فلاں چیز ہے یا فلاں چیز ہے یا فلاں چیز ہے۔ تو ہمارے ذہن میں جو چیزیں آتی ہیں وہ کیا ہیں؟ معقول بھئی۔ معقول عام ہے یہاں پر، اس سے تمام چیزیں جو ذہن میں آتی ہیں وہ آگئیں، چاہے کلیات ہوں چاہے جزئیات ہوں سب اس میں داخل ہیں بھئی۔ تو یہ جو معقولات ہیں یہ بھی دو قسم پر ہیں: کچھ وہ ہیں جو مدرک ہیں قصداً اور بالذات، یعنی عقل ان کی طرف بالذات توجہ کرتی ہے اور پھر وہ عقل میں آتے ہیں، تو گویا وہ اپنی ذات کے اعتبار سے ملحوظ ہوتے ہیں کچھ مدرکات۔ کچھ مدرک جو ہیں ان کا ادراک قصداً ہوتا ہے اور عقل ان کی طرف قصداً توجہ کرتی ہے اور وہ اپنی ذات کے اعتبار سے ملحوظ ہوتے ہیں۔ اور یہ جو مدرکات ہیں جن کی طرف عقل قصداً توجہ کرتی ہے اور وہ اپنی ذات کے اعتبار سے وہ ملحوظ ہوتے ہیں، یہ محکومٌ علیہ بھی بن سکتے ہیں اور محکومٌ بہٖ بھی بن سکتے ہیں۔

اور کچھ مدرکات وہ ہیں کہ جو ہمیں تبعاً، جن کا ہم ادراک کرتے ہیں، قصداً نہیں، ارادہ نہیں ہوتا لیکن تبعاً وہ ان کا بھی کیا کر لیتی ہے عقل؟ ادراک کر لیتی ہے، اور وہ آلہ ہوتے ہیں دوسری چیزوں کے ادراک کے لیے۔ دوسری چیزوں کے ادراک کے لیے وہ آلہ ہوتے ہیں، اور یہ جو تبعاً مدرک ہوئے اور جو دوسری چیزوں کے ادراک کے لیے آلہ بنے، یہ والے جو مدرکات ہیں یہ نہ محکومٌ علیہ بن سکتے ہیں اور نہ محکومٌ بہٖ۔ کیونکہ محکومٌ علیہ اور محکومٌ بہٖ وہی بنے گا جو قصداً مدرک ہو، جس کی طرف عقل کی توجہ ہو، اور جس کی طرف عقل کی توجہ ہی نہیں ہے وہ محکومٌ علیہ یا محکومٌ بہٖ نہیں بن سکتا۔ مثلاً میں کہتا ہوں: زَیْدٌ عَالِمٌ۔ میں نے کس پر حکم لگایا؟ زید پر، اور کیا حکم لگایا؟ عالم ہونے کا۔ تو زید ہوا محکومٌ علیہ اور عالم کیا ہوا؟ محکومٌ بہٖ۔ تو یہ دونوں مدرک ہونے چاہئیں قصداً یعنی عقل کی توجہ ان کی طرف قصداً ہونی چاہیے۔ کیونکہ ایک چیز ہے آپ اس پر حکم لگانا چاہتے ہیں، تو عقل کی اس کی طرف توجہ ہوگی تو حکم لگائے گی کہ زبان ویسے ہی چل پڑے گی؟ میں زید کے بارے میں بتانا چاہتا ہوں کہ وہ عالم ہے، تو پہلے مجھے کس کا تصور کرنا پڑے گا؟ زید کا، پھر کس کا تصور کرنا پڑے گا؟ عالم کا، اور پھر اس عالم کی نسبت کس کی طرف کرنا پڑے گی؟ زید کی طرف۔ تو جس چیز پر بھی آپ حکم لگانا چاہتے ہیں، پہلے مستقلاً اس کی طرف عقل کی توجہ ہوگی اور پھر اس پر حکم لگائے گی، بغیر سوچے سمجھے زبان نہیں چلے گی۔ تو پہلے اس چیز جس پر حکم لگانا ہے اس کا بھی عقل تصور کرے گی اور پھر جو حکم لگانا ہے جو محکومٌ بہٖ ہے اس کا بھی عقل تصور

کرے گی اور پھر اس کی نسبت کر دے گی اس چیز کی طرف۔ زَیْدٌ عَالِمٌ، زید کا میں نے باقاعدہ تصور کیا اور پھر عالمٌ کا بھی باقاعدہ تصور کیا اور پھر اس کی نسبت میں نے کس کی طرف کر دی؟ زید کی طرف کہ زید عالم ہے بھئی۔ خود بخود میری زبان نہیں چلی بھئی۔ بات سمجھ میں آرہی ہے؟ تو جو بھی محکومٌ علیہ اور محکومٌ بہٖ بنتے ہیں وہ کب بنیں گے؟ جب عقل کی ان کی طرف قصداً توجہ ہو، وہ بالذات ملحوظ ہوں، وہ تبعاً ملحوظ نہ ہوں بھئی۔ یہاں تک بات سمجھ میں آگئی؟

تو معلوم ہوا جو مدرکات ہیں ہمارے وہ دو قسم کے ہیں: کچھ بالذات مدرک ہیں اور کچھ تبعاً مدرک ہیں۔ جو بالذات مدرک ہیں وہ محکومٌ علیہ بھی بن سکتے ہیں اور محکومٌ بہٖ بھی، اور جو بالتبع مدرک ہیں وہ نہ محکومٌ علیہ بن سکتے ہیں اور نہ محکومٌ بہٖ بن سکتے ہیں۔

پھر آگے میر سید السند نے، یہاں پر تو شارحِ جامی نے ان کی پوری بات ذکر نہیں کی، لیکن دوسری جگہ پر میر سید السند اس کی وضاحت کرتے ہیں آئینے اور صورت کے ذریعے۔ آئینے اور صورت کے ذریعے۔ آئینہ شیشہ بھئی جس میں آپ اپنی صورت دیکھتے ہیں۔ آپ جب آئینے کی طرف دیکھتے ہیں تو آپ کو آئینہ بھی نظر آتا ہے اور آئینے میں اپنی صورت بھی نظر آتی ہے۔ اب اس میں دو حالتیں ہو سکتی ہیں آپ کی: کبھی آپ کی توجہ صورت کی طرف ہوتی ہے بالذات۔ جب صورت آئینے میں نظر آرہی ہے تو آئینہ بھی ساتھ نظر آرہا ہے یا نہیں؟ تو مبصر تو دونوں ہیں۔ مبصر؟ مبصر جو آنکھوں سے دکھائی دے۔ مبصر یا یوں کہو محسوس تو دونوں ہیں، آئینہ بھی مبصر ہے اور اس کے اندر صورت بھی مبصر ہے، لیکن اس میں دو حالتیں ہیں۔ لیکن مثلاً آپ آئینے کے سامنے آئے اور اپنے بالوں کو سنوار رہے ہیں آئینے کے سامنے کھڑے ہو کر، تو اس وقت آپ کی توجہ جو ہے اپنی صورت اور بالوں کی طرف بالذات ہے، قصداً ہے، اور آئینہ بھی آپ کو نظر آرہا ہے لیکن آئینے کی طرف توجہ آپ کی تبعاً ہے، آئینے کو آپ نے آلہ بنایا ہے کس کے لیے؟ اپنی صورت دیکھنے کے لیے، آئینے کی مدد سے آپ اپنی صورت دیکھ رہے ہیں۔ تو دیکھو کتنی چیزیں نظر آرہی ہیں اس وقت؟ دو، ایک اپنی صورت اور ایک آئینہ۔ مبصر دونوں ہیں یا یوں کہو مدرک دونوں ہیں، ادراک ہم دونوں کا کر رہے ہیں، لیکن صورت مدرک ہے بالذات، اس کی طرف آپ کی توجہ ہے، اپنے آپ کو اس میں سنوار رہے ہیں، اور آئینہ مدرک ہے تبعاً، آئینے کو آپ نے آلہ بنایا ہے

کس کے لیے؟ اپنی صورت کو دیکھنے کے لیے۔ تو اس وقت آپ کی صورت کی طرف توجہ بالذات ہے، تو اب آپ صورت پر حکم لگا سکتے ہیں۔ آپ کہیں گے کہ میرے بال سنور گئے ہیں یا نہیں سنورے۔ آپ کے ذہن میں آئے گا کہ بال سنور گئے ہیں کافی ہیں، یا بال نہیں سنورے ابھی مجھے اور سنوارنے چاہئیں۔ بات سمجھ میں آرہی ہے؟ یا مجھے اور صورت سنوارنی چاہیے۔ تو اس وقت آپ کی توجہ کس کی طرف ہے؟ صورت کی طرف بالذات ہے، اور میں نے بتایا جس چیز کی طرف بالذات اور قصداً توجہ ہو وہ محکومٌ علیہ اور محکومٌ بہٖ بن سکتا ہے۔ لہٰذا اب صورت پر آپ حکم بھی لگا رہے ہیں

کہ بال میرے یا میری صورت سنور گئی ہے یا نہیں سنوری۔ اور آئینے کی طرف آپ کی توجہ کیا ہے؟ تبعاً۔ لہٰذا آئینے پر آپ حکم نہیں لگا سکتے اس وقت کہ آئینہ اچھا ہے یا برا ہے، کیونکہ اس کی طرف آپ کی توجہ ہی نہیں ہے، آپ نے اس کو صرف آلہ بنایا ہے۔

اور دوسری صورت یہ ہے کہ آپ بازار جاتے ہیں آئینہ خریدنے کے لیے۔ اب آپ آئینہ بازار میں، دکان میں آئینہ اٹھا کر دیکھتے ہیں شیشہ، اور اس میں آپ کو اپنی صورت نظر آتی ہے۔ اب بھی آپ کو آئینہ بھی نظر آرہا ہے اور اپنی صورت بھی نظر آرہی ہے، لیکن اس وقت آپ کی توجہ قصداً کس کی طرف ہے؟ آئینے کی طرف قصداً توجہ ہے۔ اب آپ کو صورت بھی نظر آرہی ہے لیکن صورت کو آپ آلہ بنا رہے ہیں آئینے کو پرکھنے کے لیے کہ یہ آئینہ اچھا ہے یا نہیں۔ صورت سے آپ کو اندازہ ہو رہا ہے کہ یہ آئینہ اچھا ہے یا نہیں۔ تو یہاں صورت کا بھی ادراک، آئینے کا بھی ادراک، لیکن صورت مدرک ہے تبعاً، اس کو آپ نے آلہ بنایا کس کے لیے؟ آئینے کے لیے، اور آئینہ مدرک ہے قصداً یعنی بالذات اس کی طرف آپ کی توجہ ہے۔ اب آپ آئینے پر بھی حکم لگاتے ہیں کہ یہ آئینہ اچھا ہے۔ دیکھا؟ ذرا دیکھو میرے جملے پر غور کرو: یہ آئینہ، اس پر حکم لگا رہا ہوں، اچھا ہے، مجھے اس کو خریدنا چاہیے۔ تو اس صورت میں دیکھو یہ محکومٌ علیہ اور محکومٌ بہٖ بن سکتا ہے کہ یہ آئینہ اچھا ہے یا اچھا نہیں ہے۔ تو اس وقت مدرک دونوں ہیں لیکن صورت جو مدرک ہے وہ ہے تبعاً اور آئینہ مدرک ہے قصداً اور بالذات، اور صورت کو آپ نے آلہ بنایا آئینے کو پرکھنے کے لیے کہ آئینہ اچھا ہے یا اچھا نہیں ہے۔ تو جو مدرک بالذات ہے یعنی آئینہ، وہ محکومٌ علیہ بھی بن سکتا ہے اور محکومٌ بہٖ بھی اس وقت، لیکن صورت وہ محکومٌ علیہ اور محکومٌ بہٖ نہیں بن سکتی۔

ہاں اسی حالت میں اگر آپ آئینہ بازار میں خریدنے گئے اور آپ کی توجہ اپنی صورت کی طرف بھی ہو گئی، تو وہ چند لمحوں کے لیے، اب آپ نے دیکھا میرے بال نہیں سنورے ہوئے یا کچھ وہ بھی نظر آئے گا، لیکن اس لمحے میں آپ کی توجہ قصداً کس طرف ہو چکی ہے؟ صورت کی طرف ہو چکی ہے، اب آئینے کی طرف قصداً توجہ نہیں ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو آپ یہ نہ کہیں کہ بازار میں ہم آئینہ خریدنے گئے اور آئینے کو، آئینہ کیا ہے؟ اس کی طرف قصداً توجہ اور صورت کی طرف کیا ہے؟ تبعاً توجہ ہے، لیکن کبھی اس میں ہمیں یہ بھی تو نظر آجاتا ہے کہ میرے یہ بال بکھرے ہوئے ہیں تو وہ بھی ٹھیک کر لیتے ہیں اس میں فوراً۔ بھئی جس لمحے میں آپ کی توجہ بالوں کی طرف ہو گئی تو اس لمحے میں اب آئینے کی طرف آپ کی توجہ نہیں ہے، بلکہ آئینے کو اب آپ نے آلہ بنا دیا کس کے لیے؟ اپنی صورت کے لیے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو دیکھا میر سید السند نے کمال کیا، کیا کمال کی مثال کے ذریعے وضاحت کر دی کہ بعض چیزیں جو ہیں ان کا ہم ادراک کرتے ہیں قصداً اور بالذات اور وہ ملحوظ ہوتی ہیں اپنی ذات کے اعتبار سے، اور اس صورت میں وہ محکومٌ علیہ بھی بن سکتی ہیں اور محکومٌ بہٖ بھی۔ اور بعض اوقات چیزیں جو ہیں وہ مدرک ہوتی ہیں تبعاً اور ان کو غیر کے لیے آلہ بنایا جاتا ہے، اس صورت

میں نہ یہ محکومٌ علیہ بن سکتے ہیں اور نہ محکومٌ بہ بن سکتے ہیں۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو آئینے اور صورت کی مثال کے ذریعے اس کی وضاحت کر دی۔

بلکہ دوسری مثال لے لیں: مثلاً آپ گھڑی میں وقت دیکھتے ہیں، تو کبھی آپ کی توجہ قصداً کس کی طرف ہوتی ہے؟ وقت کی طرف توجہ ہوتی ہے، گھڑی کی طرف توجہ تبعاً ہوتی ہے کیونکہ گھڑی میں آپ کو وقت نظر آرہا ہے۔ تو وقت پر آپ حکم لگاتے ہیں اس وقت آپ کی توجہ کس کی طرف ہے؟ وقت کی طرف۔ تو جب وقت کی طرف قصداً توجہ ہے وہ محکومٌ علیہ وغیرہ یا محکومٌ بہ وغیرہ بن سکے گا کیونکہ قصداً بالذات اس کی طرف توجہ ہے، اور گھڑی کو آپ نے اس وقت کے دیکھنے کے لیے آلہ بنایا ہے، گھڑی کی طرف بھی توجہ ہے لیکن تبعاً ہے قصداً نہیں۔ اور کبھی کبھار آپ کی توجہ گھڑی کی طرف قصداً ہوتی ہے اور وقت کی طرف تبعاً ہوتی ہے۔ جیسے آپ کا کوئی ساتھی نئی گھڑی لے آیا، تو آپ کہتے ہیں اچھا بھئی نئی گھڑی لائے ہو لاؤ بھئی دکھاؤ میں بھی ذرا اس کو دیکھوں۔ اب آپ وہ گھڑی لیتے ہیں، اب اس گھڑی میں آپ کو وقت بھی نظر آرہا ہے لیکن قصداً آپ کی توجہ وقت کی طرف نہیں ہے بلکہ قصداً آپ کی توجہ کس کی طرف ہے؟ گھڑی کی طرف ہے۔ وقت کی طرف توجہ تبعاً ہے اس وقت بھئی۔

یا ایک تیسری مثال بھئی، تیسری مثال: یوں کریں اپنے سامنے کاپی پر ذرا لکھیں بھئی۔ جی لکھیے بھئی: قَامَ زَیْدٌ۔ قَامَ زَیْدٌ۔ اب تھوڑا سا فاصلہ دے کے دوسرا جملہ لکھیں: نِسْبَۃُ الْقِیَامِ اِلٰی زَیْدٍ۔ نِسْبَۃُ الْقِیَامِ اِلٰی زَیْدٍ۔ لکھ لیا؟ نِسْبَۃُ الْقِیَامِ اِلٰی زَیْدٍ۔ دیکھو یہ دو جملے ہیں: قَامَ زَیْدٌ یہ ایک جملہ، کیا معنیٰ؟ زید کھڑا ہے۔ اور دوسرا جملہ: نِسْبَۃُ الْقِیَامِ اِلٰی زَیْدٍ۔ یہ نِسْبَۃُ الْقِیَام یہ ہے مبتدا، اور اِلٰی زَیْدٍ یہ ہے اس کی خبر، تو نِسْبَۃُ الْقِیَامِ اِلٰی زَیْدٍ کیا ترجمہ ہوا؟ قیام کی نسبت ہے اِلٰی زَیْدٍ کس کی طرف؟ زید کی طرف۔ تو یہ دو جملے ہوئے۔ اب دیکھو ذرا غور کرنا بھئی: ان دونوں جملوں میں قیام کی نسبت زید کی طرف ہو رہی ہے۔ قَامَ زَیْدٌ میں بھی قیام کی نسبت زید کی طرف ہے اور نِسْبَۃُ الْقِیَامِ اِلٰی زَیْدٍ اس میں بھی قیام کی نسبت کس کی طرف کی گئی ہے؟ زید کی طرف کی گئی ہے، لیکن دونوں جملوں میں بڑا فرق ہے بھئی۔

آپ دیکھیں ذرا اول پہلے جملے کو، قَامَ زَیْدٌ، اس سے بھی آپ کو نسبت سمجھ میں آرہی ہے، اور نِسْبَۃُ الْقِیَامِ اِلٰی زَیْدٍ اس سے بھی آپ کو نسبت سمجھ میں آرہی ہے، لیکن اول جملہ جو ہے یعنی قَامَ زَیْدٌ اس میں نسبت مدرک ہے، اس کے اندر نسبت تبعاً ملحوظ ہے، اور دوسرا جملہ نِسْبَۃُ الْقِیَامِ اِلٰی زَیْدٍ اس میں جو نسبت ہے وہ قصداً ملحوظ ہے، اسی لیے وہ مبتدا بن رہی ہے نِسْبَۃُ الْقِیَامِ اِلٰی زَیْدٍ، جبکہ قَامَ زَیْدٌ میں نسبت تبعاً ملحوظ ہے، قصداً ملحوظ نہیں۔

توجہ ہے؟ دیکھو یہ جو نسبت ہے نا قَامَ زَیْدٌ، ذرا اس جملے پر نظر رکھو، اس میں نسبت ان دونوں کی صفت بن رہی ہے۔ نسبت؟ یہ نسبت کس کے درمیان ہے؟ قَامَ اور زَیْدٌ کے درمیان ہے، تو یہ نسبت قَامَ کی بھی صفت، یہ نسبت لفظِ زید

کی بھی صفت ہے۔ قَامَ کی صفت ہے یہ نسبت بایں لحاظ کہ اس قَامَ کی نسبت کی جا رہی ہے، اور زید کی بھی صفت ہے بایں لحاظ کہ اس کی طرف کی جا رہی ہے نسبت۔ تو یہ نسبت کیا ہے؟ صفت ہے کس کی؟ قَامَ کی بھی اور زَیْدٌ کی بھی۔ قَامَ کی صفت ہے کس لحاظ سے؟ یہ محکومٌ بہٖ ہے، اس کا حکم لگایا جا رہا ہے۔ اور یہی نسبت کس کی صفت ہے؟ زید کی بھی صفت ہے کہ یہ محکومٌ علیہ ہے، اس کی طرف نسبت کی جا رہی ہے، اس پر حکم لگایا جا رہا ہے۔ توجہ ہے؟ تو نسبت اس کے اندر جو ہے اس کا ادراک آپ تبعاً کر رہے ہیں، اور وہ حالت ہے کس کی؟ قَامَ اور زید دونوں کی حالت ہے، دونوں کی صفت ہے، الگ نسبت کا یہاں کوئی وجود نہیں۔ آپ ذرا دونوں لفظوں کو الگ الگ کر دیں: قَامَ کو الگ کر دیں، زَیْدٌ کو الگ، اب کہیں نسبت ہے؟ نہیں، وہ نسبت تو تھی ہی کس کے درمیان؟ قَامَ اور زید کے درمیان، یہ ان دونوں کی حالت تھی، کوئی الگ چیز نہیں۔ تو قصداً توجہ قَامَ اور زید کی طرف ہے عقل کی، اور ان کے بیچ میں نسبت بھی سمجھ میں آ رہی ہے کہ نسبت نے کیا کیا ہے؟ ان دونوں کو جوڑا ہوا ہے، یہ ان دونوں کی حالت ہے، ان دونوں کی یہ صفت ہے۔ تو نسبت کا ادراک قَامَ زَیْدٌ میں بھی عقل کر رہی ہے لیکن یہ تبعاً کیا ہے؟ مدرک ہے، یہ ان دونوں کی حالت ہے، علیحدہ کوئی الگ چیز نہیں۔ جب یہ ان دونوں کی حالت ہے، علیحدہ کوئی چیز ہی نہیں ہے، تو یہ نہ محکومٌ بہٖ بن سکتی ہے اور نہ محکومٌ علیہ بن سکتی ہے۔

اور جب دوسرے جملے پر نظر رکھیں: نِسْبَۃُ الْقِیَامِ اِلٰی زَیْدٍ، قیام کی نسبت ہے زید کی طرف، اس میں دیکھو نِسْبَۃُ الْقِیَام، نسبت سمجھ میں آ رہی ہے یا نہیں؟ نسبت کا معنیٰ یہاں سے بھی سمجھ میں آ رہا ہے لیکن یہاں مستقل بالذات ہے، قصداً اس کی طرف توجہ ہے۔ نِسْبَۃُ الْقِیَامِ اِلٰی زَیْدٍ دونوں کو الگ الگ ذرا کر دو، نِسْبَۃُ الْقِیَام ابھی بھی سمجھ میں آ رہا ہے یا نہیں؟ تو نسبت ابھی بھی سمجھ میں آ رہی ہے الگ، معلوم ہوا یہ الگ ہے، مستقل ہے، اور قصداً اس کی طرف ذہن کی توجہ ہے۔ اور جب قصداً ایک چیز کی طرف ذہن کی توجہ ہو، یعنی یوں کہو جو چیز مدرک قصداً ہو اور بالذات ہو وہ محکومٌ علیہ بھی بن سکتی ہے اور محکومٌ بہٖ بھی، اسی لیے نِسْبَۃُ الْقِیَام یہ کیا بن رہا تھا؟ محکومٌ علیہ بن رہا تھا کہ یہ قصداً اس کا ادراک کیا ہے عقل نے۔ تو معلوم ہوا پہلے جملے میں جو نسبت سمجھ میں آئی قَامَ اور زید کے درمیان وہ مستقل بالذات نہیں، اور اس نسبت کو ہم نے آلہ بنایا ہے کس کے لیے؟ قَامَ اور زید کی حالت جاننے کے لیے کہ یہ دونوں آپس میں جڑے ہوئے ہیں۔ یہ کس نے بتایا ہمیں؟ نسبت نے۔ تو نسبت کو ہم نے آلہ بنایا یعنی یوں کہو آئینہ بنایا جس کے اندر ہم کس کو دیکھ رہے ہیں؟ قَامَ کو اور زید کو کہ یہ آپس میں جڑے ہوئے ہیں اور یہ پورا جملہ ہے، پوری بات ہے بھئی اس کے اندر۔ وہ مستقل بالذات نہیں اور وہ مستقلاً مفہوم نہیں ہو رہی۔ جبکہ دوسرے جملے میں جو ہمیں نِسْبَۃُ الْقِیَامِ اِلٰی زَیْدٍ، اس سے جو نسبت ہمیں سمجھ میں آ رہی ہے وہ مستقل بالمفہوم ہے، مستقلاً لفظِ نسبت سے وہ سمجھ میں آ رہی ہے۔ تو معلوم ہوا ایک معنیٰ کبھی وہ مستقل بالذات ہوتا ہے اور کبھی وہ مستقل بالذات نہیں ہوتا۔ تو عقل کو، دونوں قسم کے معانی عقل دونوں قسم کے معانی کا

ادراک کرتی ہے۔ کچھ معانی جو ہوتے ہیں مستقل بالذات ہوتے ہیں، کچھ معانی مستقل بالذات نہیں ہوتے۔ اور دونوں کی تعبیر کی بھی ہمیں حاجت پڑتی ہے، کبھی ہمیں ایک ایسا معنیٰ ادا کرنا پڑتا ہے جو مستقل بالمفہوم ہوتا ہے، کبھی ہمیں ایسا معنیٰ ادا کرنا پڑتا ہے جو مستقل بالمفہوم نہیں ہوتا۔ تو جب میں نے لفظِ ابتداء کہا تو اس سے آپ کو شروع کرنے کا معنیٰ مستقلاً سمجھ میں آگیا، اور ایک یہ ہے کہ میں ابتداء کا معنیٰ تبعاً ادا کرنا چاہتا ہوں مستقلاً نہیں، تو اس کے لیے پھر میں مِنْ استعمال کروں گا کیونکہ میں سِرْتُ اور بصرہ میں نسبت بیان کرنا چاہتا ہوں، الگ شروع کرنا بیان نہیں کرنا چاہتا۔ تو اس صورت میں پھر اس کے لیے ہم حرف استعمال کرتے ہیں۔ تو اس طرح ہم حرف کے ذریعے غیر مستقل بالمفہوم معنیٰ کو ادا کرتے ہیں، اور اسم اور فعل کے ذریعے ہم مستقل بالمفہوم معنیٰ کو ادا کرتے ہیں۔ بات اچھی طرح سمجھ میں آگئی؟

دیکھیے بھئی اب کتاب پر۔ کہتے ہیں: وَمَحْصُوْلُہٗ اور محصول اس کا مَا ذَکَرَہٗ بَعْضُ الْمُحَقِّقِیْنَ وہ ہے جس کو ذکر کیا ہے بعض محققین نے۔ محصول اس کلام کا، محصول اس کا جو شارح اور ماتن نے فرمایا ہے وہ ہے جو بعض محققین نے ذکر کیا۔ میں نے بتلایا تھا کہ وَمَحْصُوْلُہٗ میں کس کی تقریر ذکر کریں گے علامہ جامی؟ میر سید السند رحمہ اللہ کی تقریر ذکر کریں گے۔ اب وہی ذکر کر رہے ہیں کہ محصول اس کا وہ ہے مَا ذَکَرَہٗ بَعْضُ الْمُحَقِّقِیْنَ وہ جو بعض محققین یعنی میر سید السند نے ذکر کیا ہے۔ حَیْثُ قَالَ اس طور پر کہ انہوں نے فرمایا ہے: کَمَا اَنَّ فِی الْخَارِجِ مَوْجُوْدًا قَائِمًا بِذَاتِہٖ کہ جیسے خارج میں ایک موجود قَائِمًا بِذَاتِہٖ ہوتا ہے اور ایک موجود قَائِمًا بِغَیْرِہٖ ہوتا ہے۔ کَذٰلِکَ فِی الذِّہْنِ مَعْقُوْلٌ اسی طرح ذہن میں ایک وہ معقول ہوتا ہے کہ ہُوَ مُدْرَکٌ قَصْدًا مَّلْحُوْظًا فِیْ ذَاتِہٖ جو قصداً مدرک ہوتا ہے، قصداً عقل اس کا ادراک کرتی ہے، مَلْحُوْظًا فِیْ ذَاتِہٖ اور وہ اپنی ذات کے اعتبار سے ملحوظ ہوتا ہے یعنی عقل کی بالذات اس کی طرف توجہ ہوتی ہے۔ تو ایک وہ معقول ہے، یہ جو ہے یَصْلُحُ اَنْ یُّحْکَمَ عَلَیْہِ وَبِہٖ یہ معقول جو بالذات مدرک ہے یہ صلاحیت رکھتا ہے کہ یہ محکومٌ علیہ بنے یا محکومٌ بہٖ، اَنْ یُّحْکَمَ عَلَیْہِ اس پر حکم لگایا جائے وَبِہٖ اور اس کے ذریعے حکم لگایا جائے۔ وَمَعْقُوْلٌ اور ایک وہ معقول ہے ہُوَ مُدْرَکٌ تَبَعًا جو تبعاً مدرک ہوتا ہے، عقل تبعاً اس کا ادراک کرتی ہے، وَآلَۃٌ لِّلَاحَظَۃِ غَیْرِہٖ اور یہ غیر کو ملاحظہ کرنے کے لیے آلہ ہوتا ہے، جیسے آئینہ آلہ تھا کس کا ادراک کرنے کے لیے؟ صورت کا ادراک کرنے کے لیے۔ تو اس صورت میں جب وہ معقول تبعاً مدرک ہو اور آلہ ہو غیر کو ملاحظہ کرنے کے لیے، یعنی عقل کی اس کی طرف مستقلاً توجہ نہ ہو، تو فَلَا یَصْلُحُ لِشَیْءٍ مِّنْہَا، مِنْہُمَا ہونا چاہیے بھئی، یہ میری کتاب میں مِنْہَا ہے یہ مِنْہُمَا ہونا چاہیے تثنیہ، فَلَا یَصْلُحُ لِشَیْءٍ مِّنْہُمَا تو یہ ان دونوں میں سے کسی چیز کی صلاحیت نہیں رکھتا، یعنی یہ جو تبعاً ملحوظ ہے، تبعاً اس کی طرف عقل کی توجہ ہے، یہ ان دونوں میں سے یعنی محکومٌ علیہ اور محکومٌ بہٖ ہونے، ان میں سے کسی کی صلاحیت نہیں رکھتا۔ نہ یہ محکومٌ علیہ بن سکتا ہے اور نہ محکومٌ بہٖ، کیونکہ محکومٌ علیہ اور محکومٌ بہٖ کون بنتے ہیں؟ جن کی طرف عقل کی قصداً توجہ ہو، کیونکہ ایک چیز ہے اس پر حکم لگانا ہے وہ بھی اس کی طرف بھی ذہن کی توجہ ہونی چاہیے، اور وہ چیز جس کا حکم لگا رہے ہیں اس کی طرف بھی عقل کی قصداً توجہ ہونی چاہیے۔

بحث اچھی طرح سمجھ میں آگئی؟ چلیے بس بھئی هٰذَا هُوَ الْمَرَامُ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِحَقِيْقَةِ الْكَلَامِ۔

سبق نمبر ۳۱: تعریفِ اسم (۴): اسمِ معنی اور حرفِ معنی (مثلاً «اَلْاِبْتِدَاءُ» اور «مِنْ») کا فرق

شرحِ ملا جامی صفحہ: ۲۱ — بتاریخ: ۷ اگست ۲۰۲۱ء

▪ تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث

دیکھیے بھئی کتاب پر سبق۔

فَالِابْتِدَاءُ مَثَلًا إِذَا لَاحَظَهُ الْعَقْلُ قَصْدًا وَبِالذَّاتِ كَانَ مَعْنًى مُسْتَقِلًّا بِالْمَفْهُومِيَّةِ مَلْحُوظًا فِي ذَاتِهِ وَلَزِمَهُ تَعَقُّلُ مُتَعَلِّقِهِ إِجْمَالًا وَتَبَعًا مِنْ غَيْرِ حَاجَةٍ إِلَى ذِكْرِهِ، وَهُوَ بِهَذَا الِاعْتِبَارِ مَدْلُولُ لَفْظِ الِابْتِدَاءِ فَقَطْ، فَلَا حَاجَةَ فِي الدَّلَالَةِ عَلَيْهِ إِلَى ضَمِّ كَلِمَةٍ أُخْرَى إِلَيْهِ لِتَدُلَّ عَلَى مُتَعَلِّقِهِ.

گزشتہ سبق میں ہم نے محصول اور حاصل کی بحث شروع کی تھی، اور میں نے بتلایا تھا کہ یہ شرح جامی کا مشکل ترین حصہ ہے بھئی۔ اور آپ نے یہ بھی پڑھا کہ اس شرح کے چھ حصے ہیں بھئی۔ چھ حصوں میں ہم نے اس کو تقسیم کر لیا، اس سے اس کا سمجھنا آسان ہو جائے گا۔ اور پہلا حصہ ہم نے گزشتہ سبق میں پڑھا تھا «وَمَحْصُولُهُ» بھئی۔

اور میں نے آپ کو بتلایا تھا کہ یہ محصول جو ہے یہ بمعنی حاصل کے ہے۔ محصول، حاصل اور محصل تینوں کا ایک معنی ہے۔ اور میں نے آپ کو یہ بھی بتلایا تھا کہ کلام عرب میں کبھی کبھار اسم فاعل جو ہے خلاف القیاس مفعول کے وزن پر بھی آجاتا ہے، جیسے «كَانَ وَعْدُهُ مَأْتِيًّا أَيْ آتِيًا» اور جیسے «حِجَابًا مَسْتُورًا أَيْ سَاتِرًا» اور جیسے «مَحْصُولُ الْكَلَامِ أَيْ حَاصِلُ الْكَلَامِ»۔ اور اسی طرح کبھی کبھار اسم مفعول جو ہے وہ بھی خلاف القیاس فاعل کے وزن پر آجاتا ہے، جیسے «سِرٌّ كَاتِمٌ أَيْ مَكْتُومٌ» اور اسی طرح «مَاءٌ دَافِقٌ أَيْ مَدْفُوقٌ»۔

اور پھر میں نے آپ کو یہ بھی بتلایا کہ یہ «مَحْصُولُهُ» جو ہے اس کی ضمیر یہ «مَا قَالَهُ ابْنُ الْحَاجِبِ» اس کی طرف بھی راجع کر سکتے ہیں اور «مَا قَالَهُ ابْنُ الْحَاجِبِ وَمَا قَالَهُ الشَّارِحُ» اس سارے کی طرف بھی راجع کر سکتے ہیں۔ اور زیادہ بہتر یہی ہے کہ علامہ ابن حاجب اور شارح نے جو کچھ فرمایا اس سارے کی طرف اس ضمیر کو لوٹایا جائے بھئی۔

اور پھر اس کے بعد محصول پہلا حصہ جو آیا تھا اس میں میر سید السند کی تقریر شروع ہوئی اور انہوں نے آپ کو فرق بتلایا تھا معنی اسمی اور معنی حرفی کے اندر، اور اس کی تشبیہ دی تھی محسوسات کے ساتھ۔ کہ جس طرح محسوس چیزیں دو قسم پر ہیں: کچھ جو ہیں وہ ان کو قائم بالذات کہتے ہیں اور وہ جوہر ہے، اور کچھ چیزیں جو ہیں وہ قائم بالغیر کہلاتی ہیں اور وہ عرض ہیں، وہ صفات ہیں۔ صفات کا اپنا الگ کوئی وجود نہیں، یہ اپنے وجود میں موصوف کی یعنی محل کی محتاج ہیں، جبکہ جوہر جو ہے اس کا اپنا الگ وجود ہے، وہ اپنے وجود میں کسی دوسری چیز کا محتاج نہیں۔

اسی طرح معقول جو ہے: ایک معقول وہ ہے کہ جس کا ادراک عقل قَصْدًا کرتی ہے اور بِالذَّاتِ اس کی طرف توجہ ہوتی ہے، اور ایک معقول وہ ہے کہ جس کا ادراک عقل تَبَعًا کرتی ہے اور بِالذَّاتِ عقل کی توجہ اس کی طرف نہیں ہوتی۔ تو وہ مدرک جس کی طرف عقل کی توجہ بِالذَّاتِ ہو وہ مَحْكُومٌ عَلَيْهِ بننے کی بھی صلاحیت رکھتا ہے اور مَحْكُومٌ بِهِ بننے کی بھی۔ اور وہ معقول جو مدرک ہے بِالتَّبَعِ وہ نہ مَحْكُومٌ عَلَيْهِ ہونے کی صلاحیت رکھتا ہے اور نہ مَحْكُومٌ بِهِ ہونے کی صلاحیت رکھتا ہے۔

میں نے اس کی مزید وضاحت کی تھی جیسے آئینہ اور صورت ہے۔ آپ جب آئینے کی طرف دیکھتے ہیں تو آپ کو آئینہ بھی دکھائی دیتا ہے اور اس میں صورت بھی، یعنی دونوں کا ادراک آپ کرتے ہیں۔ تو کبھی کبھار آپ کی قَصْدًا توجہ صورت کی طرف ہوتی ہے اور وہ قَصْدًا ملحوظ ہوتی ہے، بِالذَّاتِ ملحوظ ہوتی ہے، اور آئینے کو آپ اس کے لیے آلہ بناتے ہیں۔ تو آئینے کا جو ادراک ہے وہ تَبَعًا ہوتا ہے۔ تو اس صورت میں صورت جو ہے وہ مدرک ہے قَصْدًا اور ملحوظ ہے اپنی ذات کے اعتبار سے، تو وہ مَحْكُومٌ عَلَيْهِ اور مَحْكُومٌ بِهِ بننے کی صلاحیت رکھتی ہے، اور اس وقت آپ پھر حکم بھی لگاتے ہیں کہ میرے بال اچھی طرح سنور گئے ہیں یا اچھی طرح نہیں سنورے۔ اور آئینہ جو ہے اس کو تو آپ نے صرف آلہ بنایا ہے، اس حالت میں وہ نہ مَحْكُومٌ عَلَيْهِ بن سکتا ہے اور نہ مَحْكُومٌ بِهِ۔ جبکہ کبھی کبھار جو آئینہ ہے اس کی طرف آپ کی توجہ قَصْدًا ہوتی ہے اور اس میں جو صورت دکھائی دیتی ہے اس کی طرف آپ کی توجہ تَبَعًا ہوتی ہے، اس صورت کو آپ آلہ بناتے ہیں اس آئینے کو دیکھنے کے لیے کہ یہ آئینہ اچھا ہے یا اچھا نہیں ہے جب آپ آئینہ خرید رہے ہوں۔

اسی طرح دوسری مثال میں نے گھڑی اور وقت کی ذکر کی کہ کبھی کبھار آپ کی توجہ قَصْدًا گھڑی کی طرف ہوتی ہے اور وقت کی طرف توجہ تَبَعًا ہوتی ہے، اور کبھی اس کا برعکس ہوتا ہے: وقت کی طرف توجہ قَصْدًا ہوتی ہے اور گھڑی کا بھی آپ ادراک کرتے ہیں وہ بھی آپ کو دکھائی دیتی ہے، لیکن گھڑی کی طرف توجہ آپ کی تَبَعًا ہے۔

یا تیسری مثال میں نے ذکر کی «قَامَ زَيْدٌ» اور «نِسْبَةُ الْقِيَامِ إِلَى زَيْدٍ» یہ دو جملے ہیں۔ «قَامَ زَيْدٌ» سے بھی ہمیں نسبت سمجھ میں آرہی ہے کہ قیام کی نسبت ہو رہی ہے زید کی طرف، اور «نِسْبَةُ الْقِيَامِ إِلَى زَيْدٍ» اس میں بھی ہمیں نسبت سمجھ

میں آرہی ہے۔ لیکن اول میں جو نسبت سمجھ میں آرہی ہے وہ بِالذَّاتِ نہیں ہے، وہ تَبَعًا «قَامَ» اور زید کے درمیان صرف وہ جوڑ کا کام کر رہی ہے، وہ تَبَعًا ہمیں سمجھ میں آرہی ہے۔ وہ جو نسبت ہے اس کو آپ نے آلہ بنایا ہے ان دونوں کو آپس میں جوڑنے کے لیے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو اس نسبت کا ادراک جو ہے وہ تَبَعًا ہو رہا ہے، اصل توجہ ذہن کی «قَامَ» اور «زَيْدٌ» کی طرف ہے۔ تو جب نسبت کی طرف قَصْدًا توجہ نہیں ہے، تَبَعًا ہے اور وہ آلہ ہے، تو اس صورت میں وہ نہ مَحْكُومٌ عَلَيْهِ بن سکتی ہے اور نہ مَحْكُومٌ بِهِ۔ اور جب دوسرے جملے میں «نِسْبَةُ الْقِيَامِ إِلَى زَيْدٍ»، اس میں نسبت کی طرف توجہ قَصْدًا ہے، اسی لیے وہ مَحْكُومٌ عَلَيْهِ بن رہی ہے یعنی مبتدا بن رہی ہے۔

تو ہمیں دونوں طرح کے معانی جو ہیں ان کی ادائیگی کی حاجت پیش آتی ہے۔ کبھی ہمیں ایک معنی کو ادا کرنا پڑتا ہے جب وہ قَصْدًا ملحوظ ہوتا ہے، اور کبھی ہمیں ایک معنی ادا کرنا پڑتا ہے جب وہ تَبَعًا ملحوظ ہوتا ہے اور وہ آلہ ہوتا ہے غیر کے لیے۔ بات سمجھ میں آگئی اچھی طرح؟

اب آئیے آج کے سبق پر بھئی: «فَالِابْتِدَاءُ مَثَلًا إِذَا لَاحَظَهُ الْعَقْلُ قَصْدًا وَبِالذَّاتِ كَانَ مَعْنًى مُسْتَقِلًّا بِالْمَفْهُومِيَّةِ مَلْحُوظًا فِي ذَاتِهِ»۔

تو دیکھیے اب آگے یہ شرح کا دوسرا حصہ ہے بھئی، شرح کا دوسرا حصہ۔ پہلے حصے میں آپ کو ایک کلی ضابطہ اور قانون بتا دیا تھا کہ جب عقل کسی چیز کی طرف قَصْدًا توجہ کرے تو اس صورت میں وہ معنی جو ہے وہ اپنی ذات کے اعتبار سے جب ملحوظ ہے تو وہ مَحْكُومٌ عَلَيْهِ بھی بن سکتا ہے اور مَحْكُومٌ بِهِ بھی۔ اور جب عقل کسی چیز کی طرف تَبَعًا توجہ کرے اور اس کو آلہ بنائے دوسری چیزوں کو جاننے کے لیے، دوسری چیزوں کے ادراک کے لیے، تو اس صورت میں وہ نہ مَحْكُومٌ عَلَيْهِ بن سکتا ہے وہ معنی اور نہ مَحْكُومٌ بِهِ۔

اب ایک جزئی مثال کے ذریعے اس کی وضاحت کرنا چاہتے ہیں۔ ایک مثال کے ذریعے کیا کرنا چاہتے ہیں؟ اس کی وضاحت کرنا چاہتے ہیں، تو کہتے ہیں «فَالِابْتِدَاءُ مَثَلًا» کہ ابتدا جو ہے مثال کے طور پر۔ ابتدا سے مراد معنی ابتدا ہے، لفظ ابتدا نہیں۔ ابتدا کا کیا معنی؟ شروع کرنا۔ تو «فَالِابْتِدَاءُ مَثَلًا» کہ شروع کرنا جو ہے مثال کے طور پر۔ ادھر دیکھیے بھئی، وہی تقریر جو گزشتہ سبق میں ہو چکی اب اسی کی وضاحت کر دیں گے ابتدا کے ضمن میں۔

دیکھو، ابتدا: ایک میں بولتا ہوں لفظ ابتدا، اس کا معنی بھی ہے شروع کرنا؛ ایک میں بولتا ہوں لفظ «مِنْ»، «مِنْ» کا معنی بھی ہے شروع کرنا۔ لیکن جب میں لفظ ابتدا بولوں گا تو آپ کو شروع کرنے کا معنی سمجھ میں آگیا، اور کسی لفظ کو لفظ ابتدا کے ساتھ جوڑنے کی ضرورت نہیں ہے، جبکہ «مِنْ» جو ہے اس کا معنی بھی شروع کرنا ہے لیکن میں «مِنْ» کہوں تو آپ کو شروع کرنے کا معنی سمجھ میں نہیں آئے گا۔ بلکہ اس کے لیے متعلقات کا ذکر ضروری ہے کہ بھئی کس چیز کو شروع کر رہے ہو اور کہاں سے شروع کر رہے ہو، تو پھر آپ کو وہ فعل بھی ذکر کرنا پڑے گا جس کو شروع کر رہے ہیں اور وہ جگہ یا وہ زمانہ

بھی ذکر کرنا پڑے گا جہاں سے شروع کر رہے ہیں۔ تو میں نے کہا «سِرْتُ مِنَ الْبَصْرَةِ إِلَى الْكُوفَةِ»۔ میں چلا «مِنَ الْبَصْرَةِ» کہاں سے؟ بصرہ سے، «إِلَى الْكُوفَةِ» کہاں تک؟ کوفہ تک۔ تو دیکھو «سِرْتُ» چلنا کا فعل بھی ذکر کرنا پڑے گا کہ اس کی ابتدا ہو رہی ہے، اور کہاں سے ہو رہی ہے؟ بصرہ سے، بصرہ کو بھی ذکر کرنا پڑے گا۔ تو جب میں نے دونوں کو ذکر کر دیا، اب آپ کو پتہ چل گیا کہ یہ «مِنْ» یہاں کون سا معنی ادا کر رہا ہے؟ شروع کرنے والا معنی ادا کر رہا ہے۔

تو ابتدا سے شروع کرنے کا معنی مُسْتَقِلًا سمجھ میں آرہا ہے، اس کے ساتھ کسی اور لفظ کو جوڑنے کی ضرورت نہیں۔ اور «مِنْ» سے شروع کرنے کا معنی تَبَعًا سمجھ میں آرہا ہے کس کے ساتھ کس کو ساتھ جوڑنے کی وجہ سے؟ «سِرْتُ» اور بصرہ کو ساتھ جوڑنے کی وجہ سے۔ بات سمجھ میں آگئی؟

بھئی دیکھو ایک بہت گہری بات سمجھ لو۔ یاد رکھو یہ جو شروع کرنا ہے نا، یہ نسبت کا نام ہے۔ شروع کرنا نسبت کا نام ہے۔ شروع کرنا جب بھی ہوگا کوئی نہ کوئی فعل ہوگا جس کو شروع کیا جائے گا، اور کوئی نہ کوئی جگہ یا زمانہ ہوگا جہاں سے شروع کیا جائے گا۔ شروع کرنا کس کا نام ہے؟ نسبت کا نام ہے۔ اسی طرح اختتام جو ہے یہ بھی کیا ہے؟ نسبت کا نام ہے۔ شروع کرنا بھی نسبت، اور اختتام یا انتہا بھی کیا ہے؟ نسبت ہے، یہ الگ کوئی چیز نہیں ہے۔ آپ مجھے دنیا میں کوئی شروع کرنا بتائیں جس میں کسی فعل کا شروع کرنا نہ ہو اور کسی جگہ یا زمانے سے نہ ہو۔ شروع جب بھی کیا جائے گا کسی نہ کسی فعل کو شروع کیا جائے گا اور کسی نہ کسی جگہ یا زمانے سے شروع کیا جائے گا۔ تو شروع کرنا یا یوں کہو ابتدا اور انتہا یہ دونوں کس کے نام ہیں؟ نسبت کا نام ہیں۔

دیکھو مثال سے وضاحت ہوگی: «سِرْتُ مِنَ الْبَصْرَةِ إِلَى الْكُوفَةِ»۔ یہ «سِرْتُ» کی نسبت بصرہ کی طرف بھی ہو رہی ہے، یہ «سِرْتُ» کی نسبت کوفہ کی طرف بھی ہو رہی ہے۔ آپ کے چلنے کی تعلق بصرہ اور کوفہ دونوں سے ہے یا نہیں؟ دونوں سے تعلق ہے، دونوں کی طرف «سِرْتُ» کی نسبت ہے۔ لیکن بصرہ کی طرف «سِرْتُ» کی نسبت ہے شروع کرنے والی، اور کوفہ کی طرف نسبت ہے «سِرْتُ» کی ختم کرنے والی، کہ اس پر انتہا ہو رہی ہے سیر کی۔ آپ کہاں سے کہاں تک چلے؟ بصرہ سے کوفہ تک چلے۔ تو یہاں چلنے کی نسبت بصرہ کی طرف بھی کر دی آپ نے، چلنے کی نسبت کوفہ کی طرف بھی کر دی۔ آپ یہ نسبت کسی اور کی طرف بھی کر سکتے تھے: «سِرْتُ مِنْ لَاهُورَ إِلَى مَكَّةَ» یا «سِرْتُ مِنْ لَاهُورَ إِلَى الْمَدِينَةِ»۔ دیکھو وہی «سِرْتُ» ہے، لیکن نسبت اب میں نے «سِرْتُ» کی نسبت کس کی طرف کی؟ لاہور اور مکہ کی طرف یا لاہور اور مدینہ کی طرف۔

توجہ ہے؟ تو «سِرْتُ مِنَ الْبَصْرَةِ إِلَى الْكُوفَةِ»۔ «سِرْتُ» کی نسبت کس کی طرف ہو رہی ہے؟ بصرہ کی طرف بھی، اور «سِرْتُ» کی نسبت کس کی طرف ہے؟ کوفہ کی طرف بھی۔ میں بتلانا یہ چاہتا ہوں کہ یہ شروع کرنا اور یہ یوں کہو ابتدا اور انتہا یہ نسبت کا نام ہے، یہ الگ کوئی چیز نہیں ہے۔ دیکھو اب «سِرْتُ» کی نسبت کس کی طرف ہے؟ بصرہ کی طرف بھی، «سِرْتُ» کی نسبت کس کی طرف ہے؟ کوفہ کی طرف بھی۔ لیکن بصرہ کی طرف کون سی نسبت ہے؟ شروع کرنے والی۔ وہی سیر جو

ہے شروع کہاں سے ہو رہی ہے؟ بصرہ سے، اور وہی سیر ختم کہاں پہ ہو رہی ہے؟ کوفہ پر ختم ہو رہی ہے۔ تو شروع کرنا اور ختم کرنا کوئی الگ چیز نہیں ہے۔ اسی فعل کی نسبت ایک چیز کی طرف کریں گے تو وہ ہوگا شروع کرنا، اور دوسری چیز کی طرف کریں گے تو وہ ختم کرنا۔ مثلاً بچہ کھیلتا رہا صبح سے شام تک۔ صبح سے شام تک۔ اب دیکھو کون سا فعل ہے؟ کھیلنے والا۔ اس کی نسبت صبح کی طرف بھی ہے اور شام کی طرف بھی ہے۔ بچہ کھیلتا رہا صبح سے شام تک۔ کوئی شروع کرنا یا ختم کرنا میں نے ذکر کیا؟ نہیں، لیکن اسی کھیلنے کی نسبت جب کس کی طرف کریں؟ صبح کے زمانے کی طرف کریں تو یہ کون سی نسبت ہے؟ شروع کرنے والی۔ اور اسی کھیلنے کی نسبت شام کے وقت کی طرف کریں تو یہ کون سی نسبت ہے؟ اختتام والی، انتہا والی۔ معلوم ہوا ابتدا اور انتہا دراصل کس کا نام ہے؟ نسبت کا نام ہے، دو چیزوں کے درمیان نسبت کا نام ہے۔

بات کیا چل رہی تھی؟ کہ کبھی کبھار معنی ملحوظ ہوتا ہے اپنی ذات کے اعتبار سے اور قَصْدًا، تو وہ مَحْكُومٌ عَلَيْهِ بھی بن سکتا ہے اور مَحْكُومٌ بِهِ بھی بن سکتا ہے۔ اور کبھی کبھار جو معنی جو ہے وہ تَبَعًا ملحوظ ہوتا ہے، غیر کے لیے اس کو آلہ بنایا جاتا ہے، وہ معنی قَصْدًا ملحوظ نہیں ہوتا، تو اس صورت میں نہ وہ مَحْكُومٌ عَلَيْهِ بن سکتا ہے اور نہ مَحْكُومٌ بِهِ۔

تو ابتدا، شروع کرنا یہ ایک معنی ہے۔ یہ شروع کرنا جب یہ لفظ ابتدا اس پر دلالت کرے، جب لفظ ابتدا اس پر دلالت کرے، تو یہ قَصْدًا عقل کی توجہ اس کی طرف ہے اور بِالذَّاتِ یہ ملحوظ ہے، تو اس صورت میں یہ مَحْكُومٌ عَلَيْهِ بھی بن سکتا ہے اور مَحْكُومٌ بِهِ بھی۔ اور جب یہ مدلول کس کا بنے؟ اس پر اس شروع کرنے کے معنی پر کون سا لفظ دلالت کرے؟ «مِنْ» دلالت کرے، تو اس وقت یہ تَبَعًا ملحوظ ہے، تَبَعًا اس کی طرف عقل کی توجہ ہے، قَصْدًا نہیں، تو اس صورت میں یہ نہ مَحْكُومٌ عَلَيْهِ بن سکتا ہے نہ مَحْكُومٌ بِهِ۔

بات سمجھ میں آئی کہ اوپر سے گزر گئی؟ یہی شروع کرنے والا معنی، اس پر لفظ ابتدا بھی دلالت کرتا ہے، اس پر لفظ «مِنْ» بھی دلالت کرتا ہے۔ تو جب لفظ ابتدا اس پر دلالت کرے گا تو یہ کیا ہے؟ مدرک ہے قَصْدًا، بِالْإِرَادَةِ اس کا ادراک کیا عقل نے، اور بِالذَّاتِ یہ ملحوظ ہے، تو اس صورت میں یہ مَحْكُومٌ عَلَيْهِ اور مَحْكُومٌ بِهِ بن سکتا ہے۔ یہ معنی جو ہے اسی لفظ سے آپ کو سمجھ میں آرہا ہے، اس کے لفظ ابتدا کے ساتھ اس کے متعلقات کے ذکر کرنے کی حاجت نہیں ہے۔ اور یہی شروع کرنے والا معنی جب یہ «مِنْ» کا مدلول بنے، یعنی «مِنْ» اس پر دلالت کر رہا ہو تو اس وقت یہ بِالذَّاتِ ملحوظ نہیں بلکہ یہ تَبَعًا، یعنی یوں کہو یہ مدرک قَصْدًا نہیں ہے بلکہ تَبَعًا ہے۔ توجہ ہے؟ «سِرْتُ مِنَ الْبَصْرَةِ إِلَى الْكُوفَةِ»۔ اصل میں تو میں آپ کو اپنی سیر بتا رہا ہوں، اور کہاں سے کہاں تک؟ بصرہ سے کوفہ تک۔ تو تَبَعًا شروع کرنا «مِنْ» سے سمجھ میں آرہا ہے۔ «سِرْتُ مِنَ الْبَصْرَةِ إِلَى الْكُوفَةِ»۔

اصل میں آپ کو کیا بتلانا چاہتا ہوں؟ دیکھو سیر کا لفظ میں لے کر آیا: «سِرْتُ» میں چلا۔ جب سیر کا لفظ لایا تو قَصْدًا عقل

کی کیا ہوئی اس کی طرف توجہ، اور اس سیر کی میں نے نسبت کی کس کی طرف؟ بصرہ کی طرف بھی اور میں نے اس کی نسبت کس کی طرف کی؟ کوفہ کی طرف بھی کی۔ لیکن بصرہ کی طرف یہ نسبت اس کی نسبت کون سی ہے؟ شروع کرنے کی، کس نے بتایا؟ «مِنْ» نے۔ اور کوفہ کی طرف بھی اس کی نسبت ہے، لیکن کون سی نسبت ہے؟ ختم کرنے والی، یہ کس نے بتایا؟ «إِلَى» نے بتایا بھئی۔ کس نے بتایا؟ «إِلَى» نے۔ تو یہاں پر جو «مِنْ» اور «إِلَى» آئے ہیں یہ صرف نسبت بیان کر رہے ہیں دو چیزوں میں، صرف نسبت بیان کر رہے ہیں۔ «مِنْ» کس کے درمیان نسبت بیان کر رہا ہے؟ «سِرْتُ» اور بصرہ کے درمیان کہ «سِرْتُ» کی نسبت کس کی طرف ہے؟ بصرہ۔ اور «إِلَى» کس کے درمیان نسبت بیان کر رہا ہے؟ «سِرْتُ» اور کوفہ کے درمیان۔ یہ دونوں کے درمیان صرف نسبت بیان کر رہے ہیں اور اسی نسبت بیان کرتے ہوئے اسی میں «مِنْ» نے بتا دیا کہ یہ جو «سِرْتُ» کی نسبت ہو رہی ہے بصرہ کی طرف یہ کون سی نسبت ہے؟ شروع کرنے والی ہے۔ اور «إِلَى» نے بتایا کہ یہ جو «سِرْتُ» کی نسبت کس کی طرف ہو رہی ہے؟ کوفہ کی طرف، یہ کون سی نسبت ہے؟ ختم کرنے والی۔ معلوم ہوا «مِنْ» اور «إِلَى» یہاں کس پر دلالت کر رہے ہیں؟ نسبت پر دلالت کر رہے ہیں۔ کس پر دلالت کر رہے ہیں؟ نسبت پر صرف دلالت کر رہے ہیں کہ ان دو چیزوں میں یہ والی نسبت ہے۔ «مِنْ» صرف یہ بتا رہا ہے کہ «سِرْتُ» اور بصرہ میں یہ والی نسبت ہے کہ «سِرْتُ» والا فعل ہے اس کا آغاز ہو رہا ہے اور کہاں سے ہو رہا ہے؟ بصرہ سے ہو رہا ہے۔ اور «إِلَى» صرف اتنا بتا رہا ہے کہ «سِرْتُ» والا فعل ہے لیکن اس کا اختتام کس پر ہو رہا ہے؟ کوفہ پر۔ تو «مِنْ» اور «إِلَى» صرف نسبت بیان کر رہے ہیں۔

تو یہ ان دونوں کے درمیان صرف نسبت کو بیان کر رہا ہے، کن دونوں کے درمیان؟ سیر اور بصرہ کے درمیان۔ یہ سیر اور بصرہ نہیں ہوں گے تو نسبت بھی نہیں ہوگی۔ نسبت ہے ہی کن دونوں کے بیچ میں؟ شروع کرنے کی نسبت ہے ہی کن دونوں کے بیچ؟ سیر اور بصرہ۔ سیر اور بصرہ نہیں ہوں گے تو بیچ میں نسبت ہوگی؟ «قَامَ» اور «زَيْدٌ» کے درمیان کیا تھی؟ نسبت تھی۔ «قَامَ» اور زید ہیں تو درمیان میں نسبت بھی ہے، «قَامَ» اور زید نہیں تو درمیان میں نسبت بھی نہیں۔ اسی طرح سیر اور بصرہ ہیں تو ان کے درمیان شروع کرنے والی نسبت بھی ہے، سیر اور بصرہ نہیں تو ان کے درمیان شروع کرنے والی نسبت بھی نہیں۔

معلوم ہوا کہ یہ جو «مِنْ» ہے یہ بھی شروع کرنے پر دلالت کرتا ہے، لیکن یہ صرف شروع کرنا کون سا ہے؟ یہ صرف ایک نسبت کا نام ہے کس کے درمیان؟ سیر اور بصرہ کے درمیان۔ جب یہ ان دونوں کے درمیان نسبت کا نام ہے تو ان دونوں کا ذکر بھی ضروری ہے، یہ دونوں ہوں گے تو شروع کرنے والا معنی بھی آپ کو سمجھ میں آئے گا، یہ دونوں نہیں تو سیر کرنے کا معنی بھی سمجھ میں نہیں آئے گا۔ آسان لفظوں میں یوں کہو کہ وہ فعل بھی ذکر ہونا چاہیے جس کی ابتدا کی جا رہی ہے اور وہ جگہ یا زمانہ بھی ہونا چاہیے جس سے ابتدا کی جا رہی ہے، پھر ہی «مِنْ» سے شروع کرنے کا معنی سمجھ میں آئے گا۔ کیونکہ شروع کرنا وہ ایک نسبت کا نام ہے، اس کے لیے جس چیز کو شروع کیا جا رہا ہے وہ بھی ذکر ہونا چاہیے اور جس چیز

سے شروع کیا جا رہا ہے اس کا بھی ذکر ہونا چاہیے۔ بات سمجھ میں؟ وہ دونوں ہیں تو وہ نسبت بھی بیچ والی ہے، اگر وہ دونوں نہیں تو بیچ میں وہ شروع والی نسبت بھی نہیں ہے۔

بات اچھی طرح سمجھ میں آگئی؟ معلوم ہوا ابتدا کا معنی بھی شروع کرنا اور «مِنْ» کا معنی بھی شروع کرنا۔ لیکن ابتدا اپنے معنی پر مُسْتَقِلًا دلالت کرتا ہے، اور «مِنْ» جو ہے وہ شروع کرنے پر دلالت کرتا ہے لیکن یہ شروع کرنا ایسا ہے جو دو مخصوص چیزوں کے درمیان ہوتا ہے۔ کس میں ہے؟ دو مخصوص چیزوں کے درمیان: ایک ہوتا ہے فعل اور ایک وہ جگہ یا زمانہ۔ یہ دو مخصوص چیزیں ہوں گی تو یہ «مِنْ» سے شروع کرنے والا معنی سمجھ میں آئے گا۔ «مِنْ» کا معنی جو شروع کرنا ہے وہ مستقل نہیں ہے بلکہ دو چیزوں کے درمیان نسبت ہے وہ، اور وہ اس کے لیے وہ دو چیزیں بھی ہونی چاہئیں یعنی وہ فعل بھی اور اس کے ساتھ وہ زمانہ اور وہ جگہ بھی۔ یہ دونوں ہوں گے تو ان کے درمیان وہ شروع کرنے والی نسبت سمجھ میں آئے گی، اگر یہ دونوں ہی نہیں ہیں یا دونوں میں سے ایک نہیں ہے پھر تو نسبت ہو ہی نہیں سکتی۔ بات سمجھ میں آگئی؟ فرق سمجھ میں آگیا؟

اب دیکھیے کتاب پر بھئی۔ کہتے ہیں «فَالِابْتِدَاءُ مَثَلًا» کہ ابتدا جو ہے مثال کے طور پر۔ میں نے بتلایا ابتدا سے یہاں لفظ ابتدا نہیں مراد بلکہ معنی ابتدا مراد ہے یعنی شروع کرنا۔ تو شروع کرنا جو ہے مثال کے طور پر: «إِذَا لَاحَظَهُ الْعَقْلُ قَصْدًا وَبِالذَّاتِ» جب اس معنی کو عقل ملاحظہ کرے قَصْدًا اور بِالذَّاتِ، تو «كَانَ مَعْنًى مُسْتَقِلًّا بِالْمَفْهُومِيَّةِ» تو پھر یہ معنی جو ہے مستقل بالمفہومیت ہے، یعنی یہ مُسْتَقِلًّا مفہوم ہو رہا ہے، یعنی عقل کی بِالذَّاتِ اس شروع کرنے کے معنی کی طرف توجہ ہے۔ تو «مَلْحُوظًا فِي ذَاتِهِ» اور اس وقت یہ اپنی ذات کے اعتبار سے ملحوظ ہے۔

«وَلَزِمَهُ تَعَقُّلُ مُتَعَلِّقِهِ إِجْمَالًا وَتَبَعًا» یہ ایک اشکال کا جواب دے رہے ہیں۔ اشکال یہ کہ آپ نے ہمیں کیا کہا کہ جب عقل شروع کرنے کے جو معنی ہے اس کی طرف بِالذَّاتِ توجہ کرے، وہ بِالذَّاتِ ملحوظ ہو، تو اس وقت یہ کیا ہے؟ مستقل بالمفہوم ہے، مُسْتَقِلًّا سمجھ میں آجاتا ہے۔ اس پر اشکال ہوتا ہے۔ اعتراض یہ ہوتا ہے کہ شروع کرنا تو نام ہی نسبت کا ہے۔ آپ مجھے دنیا میں دکھا سکتے ہیں کہ اکیلا شروع کرنا ہو، کوئی فعل نہ ہو؟ جب بھی شروع کرنا ہوگا کسی فعل کو ہی شروع کیا جائے گا بھئی۔ مثلاً آپ کہتے ہیں میں نے کتاب کا مطالعہ کیا صفحہ نمبر پانچ سے صفحہ نمبر دس تک، تو کس کو شروع کیا؟ مطالعہ کرنا، دیکھا کوئی نہ کوئی فعل چاہیے جس کو شروع کیا جائے گا۔ یا بچہ کھیلتا رہا صبح سے شام تک، دیکھو شروع کرنا ایک فعل کا شروع کرنا ہے۔ تو شروع کرنا یہ کس کا نام ہے؟ یہ تو ہے ہی نسبت کا نام بھئی۔ تو پھر آپ کیسے کہتے ہیں کہ شروع کرنا مُسْتَقِلًّا سمجھ میں آجاتا ہے؟

کہتے ہیں کہ ہاں بھئی آپ کی بات ٹھیک ہے، شروع کرنا ایک نسبت کا نام ہے اور اس کے لیے متعلقات ضرور چاہئیں، بغیر متعلقات کے یہ معنی ہو ہی نہیں سکتا، کوئی فعل بھی چاہیے اور کوئی جگہ یا زمانہ بھی چاہیے، متعلقات کے بغیر یہ ہو ہی نہیں

سکتا۔ لیکن اس کا جو متعلقات پر موقوف ہونا ہے یہ دو قسم پر ہے: کبھی یہ متعلقات پر موقوف ہوتا ہے إِجْمَالًا اور کبھی یہ موقوف ہوتا ہے تَفْصِيلًا۔ اجمال اور تفصیل ایک دوسرے کے مقابل ہیں بھئی۔ اجمال جس میں تفصیل نہ ہو۔ مثلاً میں نے آپ سے کہا میرے تین دوست ہیں، إِجْمَالًا میں نے بیان کیا، کون کون ہیں میں نے تفصیل بیان نہیں کی، یہ ہے اجمال۔ اور ایک یہ ہے کہ میں تینوں کے نام بتلاتا ہوں کہ زید، عمر، بکر میرے دوست ہیں، اب اس میں تفصیل آگئی کہ کون کون ہیں وہ دوست بھئی۔ تو اجمال وہ ہوتا ہے جس میں تفصیل نہ ہو، پوری وضاحت پوری تفصیل نہ ہو اس کے اندر بھئی۔

تو اب دیکھو بات کیا چل رہی تھی کہ شروع کرنا ایک نسبت کا نام ہے اور نسبت تو ہمیشہ کس پر موقوف ہوتی ہے؟ متعلقات پر۔ تو اس کا جواب دے رہے ہیں کہ ہاں آپ کی بات ٹھیک ہے، شروع کرنا ایک نسبت کا نام ہے اور نسبت ہمیشہ اپنے متعلقات پر موقوف ہوتی ہے، اس کے لیے متعلقات چاہئیں: وہ کس چیز کو شروع کر رہے ہو وہ بھی چاہیے اور کس جگہ یا کس زمانے سے شروع کر رہے ہو وہ بھی چاہیے۔ لیکن یہ موقوف ہونا دو قسم پر ہے: ایک موقوف ہونا ہے اجمالی اور ایک ہے تفصیلی۔

جب شروع کرنے پر لفظ ابتدا دلالت کرے، تو اس سے بھی ہمیں شروع کرنے کا معنی سمجھ میں آیا، اور شروع کرنا تو ایک نسبت ہے اور نسبت کے لیے ہمیشہ کیا چاہیے؟ متعلقات، تو ذہن میں یہ بھی بات ساتھ ہی آجاتی ہے کہ کوئی نہ کوئی فعل ہوگا جس کو آغاز کیا جائے گا شروع کیا جائے گا اور کوئی نہ کوئی جگہ یا زمانہ ہوگا جہاں سے شروع کیا جائے گا، یہ بھی ساتھ ذہن میں آجاتا ہے۔ لیکن کوئی متعین فعل یا متعین جگہ آئی کہ پڑھنے والا فعل ہے اور صبح سے شام تک؟ نہیں نہیں۔ یا کھیلنے والا فعل ہے صبح سے شام تک؟ یا چلنے کا فعل ہے صبح سے شام تک؟ نہیں، فعل نہیں آیا۔ اتنا آپ کو پتہ ہے کہ شروع کرنا ہمیشہ کس کا ہوگا؟ کسی نہ کسی فعل کا، اور کسی نہ کسی جگہ یا کسی زمانے سے ہوگا، یہ بھی ساتھ ذہن میں آگیا۔ میں نے کہا «اِبْتِدَاءٌ» آپ کے ذہن میں کیا معنی آیا؟ شروع کرنا۔ ساتھ ہی ذہن میں یہ بھی آگیا کوئی نہ کوئی چیز ہوگی جس کو شروع کرتے ہیں اور کوئی نہ کوئی زمانہ یا جگہ ہوگا جہاں سے، یہ بھی آگیا، لیکن کوئی متعین فعل یا متعین جگہ یا زمانہ نہیں۔ یہ ہے اجمالی موقوف ہونا۔ یہ ہے اجمالی طور پر موقوف ہونا۔

اور ایک ہے تفصیلی طور پر موقوف ہونا۔ تفصیلی طور پر موقوف ہونا یہ ہے کہ جس میں باقاعدہ وہ فعل بھی ذکر کیا جاتا ہے اور ساتھ وہ جگہ یا زمانہ بھی ذکر ہوتی ہے۔ جیسے «سِرْتُ مِنَ الْبَصْرَةِ إِلَى الْكُوفَةِ»۔ «مِنْ» کا معنی کیا ہے؟ شروع کرنا، لیکن اس کے ساتھ وہ فعل بھی ذکر ہے، متعین فعل ہے، ہر فعل نہیں بلکہ «سِرْتُ» چلنے والا فعل ہے، اور جگہ بھی ذکر ہے، ہر جگہ نہیں بلکہ کون سی جگہ ہے؟ بصرہ ذکر ہے۔ «مِنْ» کا معنی بھی کیا ہے؟ شروع کرنا، لیکن یہ والا شروع کرنا یہ موقوف ہے متعلقات پر کس پر اور یہ موقوف ہے تفصیلی طور پر، یعنی یوں کہو یہ توقف تفصیلی ہے۔ یہ توقف تفصیلی ہے۔ یہ توقف تفصیلی ہے۔ اور ایک ہے ابتدا، ویسے آپ کو میں نے لفظ ابتدا کہا آپ کے ذہن میں کیا معنی آگیا؟ شروع کرنا، لیکن ساتھ ہی ذہن

میں یہ بھی آگیا کہ کوئی نہ کوئی چیز ہوگی جس کو شروع کیا جاتا ہے اور کوئی نہ کوئی جگہ یا زمانہ ہوگا۔ ہیں کون سے متعین نہیں ہیں لیکن ویسے ہی بس ذہن میں اتنی بات آگئی، تو یہ ہے توقف اجمالی۔

تو ابتدا ہمیشہ کس کا نام ہے؟ نسبت کا، اور یہ ابتدا ہمیشہ موقوف ہوتی ہے کس پر؟ اپنے متعلقات پر کہ کس چیز کو شروع کر رہے ہو اور کہاں سے شروع کر رہے ہو۔ لیکن جب اس شروع کرنے پر اسم دلالت کرے، یعنی میں بولوں لفظ ابتدا، اس سے آپ کو شروع کرنے کا معنی سمجھ میں آیا۔ اور ایک میں «مِنْ» بولتا ہوں «سِرْتُ مِنَ الْبَصْرَةِ إِلَى الْكُوفَةِ»، اس «مِنْ» سے بھی کیا سمجھ میں آیا؟ شروع کرنا۔ اور یہ دونوں موقوف ہیں کس پر؟ اپنے متعلقات پر۔ لیکن دونوں کے توقف میں فرق ہے۔ یہ جو لفظ ابتدا سے آپ کو شروع کرنا سمجھ میں آیا یہ موقوف ہے اپنے متعلقات پر اجمالی طور پر، کس طرح؟ اجمالی طور پر۔ اور جو میں نے «مِنْ» کا معنی بھی آپ کو شروع کرنا سمجھ میں آیا لیکن وہ موقوف ہے اپنے متعلقات پر تفصیلی طور پر کہ وہاں پوری تفصیل چاہیے کہ کس فعل کو شروع کر رہے ہو اور کس جگہ یا کس زمانے سے شروع کر رہے ہو۔

تو لفظ ابتدا میں کہوں اس کا معنی بھی کیا؟ شروع کرنا۔ اور شروع کرنا تو کس کا نام ہے؟ نسبت کا، اس کے لیے مَنْسُوبٌ بھی چاہیے اور مَنْسُوبٌ إِلَيْهِ بھی: کس چیز کی نسبت کی جا رہی ہے مَنْسُوبٌ اور کس چیز کی طرف نسبت کی جا رہی ہے مَنْسُوبٌ إِلَيْهِ۔ تو حاصل کلام پھر کیا ہوا کہ شروع کرنا نسبت کا نام ہے، اس کے لیے ہمیشہ مَنْسُوبٌ بھی چاہیے اور مَنْسُوبٌ إِلَيْهِ بھی چاہیے۔ تو یہ موقوف ہے مَنْسُوبٌ اور مَنْسُوبٌ إِلَيْهِ دونوں پر، لیکن اس کا مَنْسُوبٌ اور مَنْسُوبٌ إِلَيْهِ پر موقوف ہونا وہ کیا ہے؟ دو قسم پر ہے: یا تو یہ توقف اجمالی ہوگا یا توقف تفصیلی۔ توقف اجمالی یہ ہے جس میں بس ذہن میں صرف اتنا آتا ہے کہ کوئی نہ کوئی فعل ہے، کوئی بھی ہے، اور کوئی نہ کوئی جگہ یا زمانہ ہے، معین زمانہ یا معین جگہ اس میں نہیں ہوتی یا معین فعل نہیں ہوتا۔ اور جبکہ دوسرا توقف تفصیلی ہے اس میں معین فعل بھی ہونا چاہیے اور معین جگہ یا زمانہ بھی ہونا چاہیے۔

تو یاد رکھو یہ لفظ ابتدا جب میں بولوں اس سے بھی آپ کو شروع کرنے کا معنی سمجھ میں آیا اور «سِرْتُ مِنَ الْبَصْرَةِ إِلَى الْكُوفَةِ» اس سے بھی آپ کو شروع کرنا سمجھ میں آیا۔ لیکن یہ ابتدا والا شروع کرنا اس میں یہ اپنے متعلقات پر موقوف ہے إِجْمَالًا، اپنے متعلقات پر إِجْمَالًا موقوف ہے یعنی میں نے جیسے لفظ ابتدا کہا آپ کے ذہن میں شروع کرنے کا معنی آیا اور ساتھ ہی یہ بھی آگیا کہ کوئی نہ کوئی فعل ہوگا اور کوئی نہ کوئی زمانہ یا جگہ ہوگی۔ تو یہ موقوف ہونا کس قسم کا ہوا؟ تفصیل چاہیے یہاں؟ نہیں، پوری تفصیل نہیں چاہیے تو یہ توقف اجمالی ہے۔ اور جب میں «مِنْ» کا معنی بتلانا چاہتا ہوں شروع کرنا تو «مِنْ» اس کا توقف تفصیلی ہے، «مِنْ» سے شروع کرنا سمجھ ہی تب آئے گا جب آپ فعل کو بھی باقاعدہ معین کر کے ذکر کریں کہ کون سا فعل ہے اور وہ جگہ زمانہ بھی ذکر کریں۔ «مِنْ» سے جو شروع کرنے کا معنی سمجھ میں آرہا ہے وہ کون سا توقف ہے؟ توقف تفصیلی ہے۔

تو یہ ابتدا کبھی مستقل بالمفہوم ہوتا ہے کبھی غیر مستقل بالمفہوم۔ جب یہ لفظ ابتدا اس پر دلالت کرے تو یہ مستقل

بالمفہوم ہے، اور جب لفظ «مِنْ» اس پر دلالت کرے تو یہ غیر مستقل بالمفہوم ہے۔ دونوں صورتوں میں اس کے لیے مَنْسُوبٌ بھی چاہیے اور مَنْسُوبٌ إِلَيْهِ بھی۔ لیکن اول صورت میں جب اسم اس پر دلالت کر رہا ہے تو وہ توقف اجمالی ہے، وہ استقلال کے لیے نقصان دہ نہیں، وہ استقلال کے لیے نقصان دہ نہیں۔ میں نے کہا ابتدا، معنی سمجھ میں آیا یا نہیں؟ شروع کرنا۔ تو مُسْتَقِلًّا شروع کرنے کا معنی سمجھ میں آگیا اور متعلقات اجمالی طور پر ذہن میں آگئے، لیکن اس سے اس معنی کے مستقل ہونے کو کوئی نقصان نہیں ہوا، معنی پورا آپ کو سمجھ میں آرہا ہے اور اتنا ساتھ خود ہی ذہن میں یہ بات بھی آگئی کہ کوئی نہ کوئی چیز ہے جس کو شروع کیا جا رہا ہے اور کوئی نہ کوئی جگہ یا زمانہ ہے جہاں سے شروع کیا جا رہا ہے۔ اور حرف سے جب معنی سمجھ میں آتا ہے وہاں اجمالی توقف نہیں ہوتا حرف میں، بلکہ وہاں تفصیلی توقف ہوتا ہے، وہاں باقاعدہ متعین طور پر دونوں چیزوں کو ذکر کرنا پڑتا ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ جی، چلیے اب دیکھیے بھئی کتاب پر۔

کہتے ہیں «فَالِابْتِدَاءُ مَثَلًا» شروع کرنا جو ہے مثال کے طور پر، «إِذَا لَاحَظَهُ الْعَقْلُ قَصْدًا وَبِالذَّاتِ كَانَ مَعْنًى مُسْتَقِلًّا بِالْمَفْهُومِيَّةِ» کہ جب عقل اس معنی کو ملاحظہ کرے قَصْدًا اور بِالذَّاتِ تو اس وقت یہ ایسا معنی ہے جو مستقل بالمفہومیت ہے، «وَمَلْحُوظًا فِي ذَاتِهِ» اور اپنی ذات کے اعتبار سے ملحوظ ہے یعنی عقل کی اس کی طرف توجہ ہے، «وَلَزِمَهُ تَعَقُّلُ مُتَعَلِّقِهِ إِجْمَالًا وَتَبَعًا»۔

اچھا جی، تو یہ میں نے بتایا تھا «وَلَزِمَهُ تَعَقُّلُ مُتَعَلِّقِهِ إِجْمَالًا وَتَبَعًا»۔

یہ اعتراض کا جواب ہے۔ اور یہ جو شروع کرنا، کون سا شروع کرنا؟ پیچھے جو بتایا، جو مستقل بالمفہومیت ہے اور اپنی ذات کے اعتبار سے ملحوظ ہے، ملحوظ ہے، پھر بھی شروع کرنا تو کس کا نام ہے؟ نسبت کا نام ہے، اس کے لیے تو کیا چاہیے؟ متعلقات چاہئیں۔ تو اس صورت میں بھی اس کے متعلقات کا بھی کیا کرنا پڑے گا؟ تصور کرنا پڑے گا، تو یہ مستقل بالمفہوم کیسے ہوا؟ تو یہ اس کے متعلقات کا تو اعتبار آپ کو کرنا پڑے گا، وہ بھی عقل میں آئیں گے، تو یہ تو مستقل بالمفہوم نہ ہوا۔ تو اب وہ بتانے لگے ہیں کہ دیکھیے، کہتے ہیں «وَلَزِمَهُ تَعَقُّلُ مُتَعَلِّقِهِ إِجْمَالًا وَتَبَعًا» اور لازم ہے اس کے ساتھ کہ اس کے متعلق کا تعقل ہو، تعقل کیا جائے «إِجْمَالًا وَتَبَعًا» اجمالی طور پر اس کے متعلق کا تعقل کیا جائے یعنی تصور کیا جائے، ذہن میں لایا جائے، «وَتَبَعًا» اور تَبَعًا یعنی قَصْدًا نہ ہو، «مِنْ غَيْرِ حَاجَةٍ إِلَى ذِكْرِهِ» بغیر ضرورت کے اس کے ذکر کے۔

بھئی ابتدا کس کا نام ہے؟ نسبت کا نام ہے۔ تو میں نے کہا لفظ ابتدا، آپ کو معنی شروع کرنا سمجھ میں آیا؟ آپ کو شروع کرنے کا معنی سمجھ میں آگیا۔ اور شروع کرنا تو کس کا نام؟ نسبت کا، اور نسبت کے لیے کیا چاہیے؟ متعلقات چاہئیں۔ تو کیا یہاں میں نے متعلقات ذکر کیے؟ نہیں، میں نے متعلقات ذکر نہیں کیے پھر بھی آپ کو معنی سمجھ میں آگیا۔ کیا؟ پھر بھی اس کا معنی آپ کو سمجھ میں آگیا، تو دیکھا معنی یہ ہے کہ عقل نے إِجْمَالًا تصور تو کر لیا متعلقات کا، لیکن یہ معنی پورا کا پورا لفظ ابتدا سے آپ کو سمجھ میں آگیا، یہاں پر اب متعلقات کو لفظوں میں ذکر کرنے کی ضرورت نہیں، جبکہ «مِنْ» میں لفظوں

میں متعلقات کو ذکر کرنا ضروری ہوتا ہے سیر اور بصرہ کو بھئی۔

کہتے ہیں «وَلَزِمَهُ تَعَقُّلُ مُتَعَلِّقِهِ إِجْمَالًا وَتَبَعًا مِنْ غَيْرِ حَاجَةٍ إِلَى ذِكْرِهِ» تو یہ جو شروع کرنے کا معنی ہے جو مستقل بالمفہومیت ہے اس کے ساتھ بھی لازم ہے «تَعَقُّلُ مُتَعَلِّقِهِ» کہ اس کے جو متعلقات ہیں ان کا تعقل کیا جائے، «إِجْمَالًا وَتَبَعًا» اس کے متعلق کا إِجْمَالًا اور تَبَعًا جو ہے تعقل کیا جائے، «مِنْ غَيْرِ حَاجَةٍ إِلَى ذِكْرِهِ» بغیر اس حاجت کے کہ ان کو ذکر کیا جائے۔ یعنی ذکر کی حاجت نہیں، تعقل تو کر رہے ہیں آپ لیکن اس کی حاجت نہیں، اس کے بغیر ہی لفظ ابتدا سے شروع کرنے کا معنی آپ کو سمجھ میں آرہا ہے۔

کہتے ہیں «وَهُوَ بِهَذَا الِاعْتِبَارِ» اور یہ جو شروع کرنے کا معنی ہے بایں اعتبار کہ یہ مستقل بالمفہومیت ہے، تو کہتے ہیں «وَهُوَ بِهَذَا الِاعْتِبَارِ مَدْلُولُ لَفْظِ الِابْتِدَاءِ فَقَطْ» یہ صرف لفظ ابتدا کا مدلول ہے۔ یہ شروع کرنے والا معنی جب کیا ہو؟ مستقل بالمفہوم ہو، پورے طور پر سمجھ میں آرہا ہو، یہ صرف کس وقت ہوگا؟ جب کون سا لفظ اس پر دلالت کرے؟ لفظ ابتدا، تو جب یہ اس کا مدلول بنے۔ یہ معنی ہے «وَهُوَ بِهَذَا الِاعْتِبَارِ مَدْلُولُ لَفْظِ الِابْتِدَاءِ فَقَطْ» تو یہ بایں اعتبار صرف لفظ ابتدا کا مدلول ہے۔

«فَلَا حَاجَةَ فِي الدَّلَالَةِ عَلَيْهِ إِلَى ضَمِّ كَلِمَةٍ أُخْرَى إِلَيْهِ لِتَدُلَّ عَلَى مُتَعَلِّقِهِ» لہٰذا کوئی حاجت نہیں ہے اس پر دلالت کرنے میں۔ کس پر دلالت کرنے میں؟ یہ جو شروع کرنے والا معنی ہے جو کون سا ہے؟ مستقل بال... بھئی شروع کرنا دو قسم پر ہے نا: کبھی یہ مستقل بالمفہوم ہوتا ہے جب یہ لفظ ابتدا سے سمجھ میں آئے، اور کبھی یہ شروع کرنا غیر مستقل بالمفہوم ہوتا ہے جب یہ کس سے سمجھ میں آئے؟ «مِنْ» سے سمجھ میں آئے۔ تو یہ والا معنی جو کس سے سمجھ میں آرہا ہے؟ لفظ ابتدا سے، اس وقت یہ کیا ہے؟ مستقل بالمفہوم ہے۔ جب یہ مستقل بالمفہوم ہے تو لفظ ابتدا کے ساتھ متعلقات کے جوڑنے کی حاجت ہے؟ متعلقات کو جوڑنے کی حاجت نہیں۔ یہ معنی ہے «فَلَا حَاجَةَ فِي الدَّلَالَةِ عَلَيْهِ» تو کوئی حاجت نہیں ہے اس شروع کرنے کے معنی پر دلالت کرنے کے لیے، کون سا شروع کرنا؟ جو مستقل بالمفہوم ہے، اس پر دلالت کرنے میں کوئی حاجت نہیں ہے، «إِلَى ضَمِّ كَلِمَةٍ أُخْرَى إِلَيْهِ» کہ ملایا جائے کوئی دوسرا کلمہ اس لفظ ابتدا کے ساتھ «لِتَدُلَّ عَلَى مُتَعَلِّقِهِ» تاکہ وہ اس کے متعلق پر دلالت کر دے، اس کی کوئی حاجت یہاں پر نہیں ہے۔

بھئی بات بھی سمجھ میں آرہی ہے کہ بس میں تیز چل رہا ہوں؟ اچھا جی۔

«وَهَذَا هُوَ الْمُرَادُ بِقَوْلِهِمْ» اور یہی مراد ہے «بِقَوْلِهِمْ أَيْ بِقَوْلِ النُّحَاةِ» نحویوں کے اس قول سے یہی مراد ہے۔ کون سا قول؟ نحوی فرماتے ہیں: «إِنَّ لِلِاسْمِ وَالْفِعْلِ مَعْنًى كَائِنًا فِي نَفْسِ الْكَلِمَةِ الدَّالَّةِ عَلَيْهِ» کہ اسم اور فعل جو ہیں ان کا معنی جو ہے «كَائِنًا أَيْ ثَابِتًا فِي نَفْسِ الْكَلِمَةِ» وہ نفس کلمہ کے اندر ہی ثابت ہوتا ہے، کون سا کلمہ؟ «الدَّالَّةِ عَلَيْهِ» جو ان پر دلالت کر رہا ہوتا ہے۔ یعنی اسم اور فعل کا معنی اس کلمے کی ذات میں ہی ہوتا ہے جو ان پر دلالت کر رہا ہے۔ تو کہتے ہیں، پھر ترجمہ دیکھ لیں، کہتے ہیں «وَهَذَا هُوَ الْمُرَادُ بِقَوْلِهِمْ إِنَّ لِلِاسْمِ وَالْفِعْلِ مَعْنًى كَائِنًا فِي نَفْسِ الْكَلِمَةِ الدَّالَّةِ عَلَيْهِ» یہی مراد ہے نحویوں

کے اس قول سے کہ اسم اور فعل کا ایسا معنی ہے جو اس کلمہ کی ذات ہی میں ثابت ہے جو ان پر دلالت کر رہا ہے۔

«وَإِذَا لَاحَظَهُ الْعَقْلُ» اب یہ دوسرا اب یہ حرف کے بارے میں بیان کرنے لگے ہیں۔ کہتے ہیں یہ شروع کرنے کا معنی، پہلے کیا بتایا تھا؟ یہ شروع کرنے کا معنی جب قَصْدًا عقل اس کا ملاحظہ کرے، جب قَصْدًا عقل اس کو ملاحظہ کرے اور بِالذَّاتِ اس کی طرف توجہ ہو، تو یہ کیا ہے؟ مستقل بالمفہومیت ہے اور اس صورت میں صرف لفظ ابتدا اس پر دلالت کرے گا، اور اس صورت میں اس کے متعلقات کو ذکر کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ اب کہتے ہیں یہی شروع کرنے کا معنی جب اس پر لفظ «مِنْ» دلالت کرے، تو اس صورت میں یہ دو چیزوں کے درمیان نسبت کا نام ہے، مَثَلًا «سِرْتُ مِنَ الْبَصْرَةِ إِلَى الْكُوفَةِ» یہ «مِنْ» سے شروع کرنے کا معنی سمجھ میں آرہا ہے، لیکن یہ مستقل کوئی معنی نہیں ہے بلکہ یہ کس کی حالت ہے؟ یہ «سِرْتُ» اور بصرہ کے درمیان نسبت اور حالت کا نام ہے، تو اس میں «سِرْتُ» اور بصرہ کا ذکر ضروری ہے، پھر ہی «مِنْ» سے شروع کرنے کا معنی سمجھ میں آئے گا، کیونکہ یہاں یہ مستقل بالمفہوم نہیں ہے۔

تو کہتے ہیں «وَإِذَا لَاحَظَهُ الْعَقْلُ» اور جب اس شروع کرنے کا معنی جو ہے اس کو عقل ملاحظہ کرے «مِنْ حَيْثُ» اس حیثیت سے کہ «هُوَ حَالَةٌ بَيْنَ السَّيْرِ وَالْبَصْرَةِ مَثَلًا» کہ یہ ایک حالت ہے، حالت سے مراد ہے یہاں نسبت، کہ یہ ایک نسبت ہے سیر اور بصرہ کے درمیان مَثَلًا مثال کے طور پر، «وَجَعَلَهُ آلَةً لِتَعَرُّفِ حَالِهِمَا» اور جب عقل جو ہے اس کو ملاحظہ کرے اس طور پر کہ «جَعَلَهُ آلَةً لِتَعَرُّفِ حَالِهِمَا» کہ عقل اس کو آلہ بناتی ہے ان دونوں کی حالت کو پہچاننے کے لیے۔ عقل کیا کرتی ہے؟ ان دونوں کی حالت، یہ جو سیر اور بصرہ کی حالت ہے، ان کو پہچاننے کے لیے عقل کس کو آلہ بناتی ہے؟ «مِنْ» کو، کہ سیر کی اور بصرہ کی کیا حالت ہے؟ کہ بصرہ سے سیر کا آغاز ہو رہا ہے، ابتدا ہو رہی ہے۔

جی پھر ایک دفعہ ترجمہ دیکھ لیں: «وَإِذَا لَاحَظَهُ الْعَقْلُ مِنْ حَيْثُ هُوَ حَالَةٌ بَيْنَ السَّيْرِ وَالْبَصْرَةِ مَثَلًا وَجَعَلَهُ آلَةً لِتَعَرُّفِ حَالِهِمَا» اور جب عقل اس شروع کرنے کے معنی کو ملاحظہ کرے اس حیثیت سے کہ یہ مثال کے طور پر سیر اور بصرہ کے درمیان ایک حالت اور نسبت کا نام ہے، اور عقل اس کو آلہ بنائے تاکہ اس کے ذریعے سیر اور بصرہ کی حالت کو اور اس کی نسبت کو جان لے، تو «كَانَ مَعْنًى غَيْرَ مُسْتَقِلٍّ بِالْمَفْهُومِيَّةِ» تو اس وقت یہ شروع کرنے والا معنی جو ہے غیر مستقل بالمفہومیت ہے، یعنی مُسْتَقِلًا صرف لفظ «مِنْ» سے سمجھ میں نہیں آرہا۔

«وَلَا يُمْكِنُ أَنْ يُتَعَقَّلَ إِلَّا بِذِكْرِ مُتَعَلِّقِهِ بِخُصُوصِهِ» اور ممکن نہیں ہے کہ اس کا تعقل کیا جائے یعنی اس نسبت کا تعقل کیا جائے، کون سی نسبت؟ یہ جو بصرہ اور سیر کے درمیان ہے، کون سی نسبت ہے؟ شروع کرنے والی۔ تو اس نسبت کا تصور کرنا ممکن ہی نہیں ہے جب تک سیر اور بصرہ دونوں متعلقین کا کیا کر لو؟ تصور کرو گے تو نسبت سمجھ میں آئے گی۔ سیر اور بصرہ کو الگ کر دو، اب کوئی نسبت ہے بیچ میں؟ نہیں، تو نسبت آئے گی ہی تب سمجھ میں جب ان دونوں کا بھی کیا کرو گے؟ تعقل اور تصور کرو گے۔ تو «وَلَا يُمْكِنُ أَنْ يُتَعَقَّلَ إِلَّا بِذِكْرِ مُتَعَلِّقِهِ بِخُصُوصِهِ» اور ممکن نہیں ہے کہ اس نسبت کا تعقل کیا جائے یا یہ جو معنی غیر مستقل شروع کرنا ہے اس کا تعقل کیا جائے «إِلَّا بِذِكْرِ مُتَعَلِّقِهِ بِخُصُوصِهِ» مگر خاص طور پر

کہ اس کے متعلق کو ذکر کیا جائے پھر ہی اس کا تصور کیا جا سکتا ہے۔

«وَلَا أَنْ يُدَلَّ عَلَيْهِ» اور نہ ہی اس پر دلالت کی جا سکتی ہے، کس پر؟ یہ جو شروع کرنے کا معنی ہے اور غیر مستقل ہے، دو چیزوں میں نسبت ہے، الگ کوئی چیز نہیں، تو ان دو چیزوں کے بغیر اس کا تعقل بھی نہیں کیا جا سکتا اور بغیر ان دو چیزوں کے ملائے اس پر دلالت بھی نہیں ہو سکتی۔ تو یہ معنی ہے «وَلَا أَنْ يُدَلَّ عَلَيْهِ» اور نہ ہی اس غیر مستقل شروع کرنے والا جو معنی ہے اس پر دلالت کی جا سکتی ہے «إِلَّا بِضَمِّ كَلِمَةٍ أُخْرَى دَالَّةٍ عَلَى مُتَعَلِّقِهِ» مگر یہ کہ اس کے ساتھ ملایا جائے کوئی ایسا دوسرا کلمہ جو اس کے متعلق پر دلالت کرے۔

«مِنْ» کا معنی شروع کرنا، لیکن یہ شروع کرنا مستقل بالمفہوم ہے یا صرف نسبت کا نام ہے؟ جب یہ نسبت کا نام ہے تو نسبت کے لیے دو چیزیں چاہئیں نا جن کے درمیان یہ نسبت ہے، تو وہ ذکر ہوں گی تو پھر ہی یہ شروع کرنے والا معنی جو غیر مستقل ہے تب سمجھ میں آئے گا ورنہ سمجھ میں نہیں آئے گا۔ بات اچھی طرح سمجھ میں آگئی؟ چلیے بس کرتے ہیں بھئی۔

حاصل کلام مختصر لفظوں میں پھر سمجھ لو: انہوں نے مثال دی کہ ایک معنی ہے شروع کرنا، یہی معنی کبھی مستقل بالمفہوم ہوتا ہے، مُسْتَقِلًّا ایک لفظ سے پورا سمجھ میں آتا ہے، اور کبھی یہی معنی دو چیزوں کے درمیان نسبت ہوتی ہے الگ سمجھ میں ہی نہیں آتا۔ جب یہ مستقل بالمفہوم ہو تو اس وقت یہ صرف اسی وقت ہوگا جب لفظ ابتدا بولا جائے اور وہ اس پر دلالت کرے، تو اب اس سے جو شروع کرنے کا معنی سمجھ میں آیا وہ مستقل بالمفہوم ہے۔ جب مستقل بالمفہوم ہے تو اس کے ساتھ متعلقات کے ذکر کی ضرورت نہیں۔ ہاں إِجْمَالًا عقل کے اندر متعلقات آگئے کہ کوئی نہ کوئی فعل ہوگا جس کو شروع کیا جائے گا اور کوئی نہ کوئی جگہ یا زمانہ ہوگا جہاں سے شروع کیا جائے گا، لیکن لفظوں میں ان کو ذکر کرنے کی ضرورت نہیں۔ اور اسی طرح یہ جو شروع کرنے کا معنی ہے کبھی یہ غیر مستقل بالمفہوم ہوتا ہے جب یہ دو چیزوں کے درمیان نسبت ہو۔ جب یہ دو چیزوں کے درمیان نسبت کا نام ہے تو پھر وہ دو چیزیں ہوں گی تو پھر یہ والا معنی غیر مستقل بھی سمجھ میں آئے گا، اور اگر وہ دو چیزیں نہیں ہوں گی تو یہ جو معنی اور دو چیزوں کے درمیان نسبت ہے یہ بھی ہمیں سمجھ میں نہیں آئے گا، اور یہ اس وقت ہوگا جب «مِنْ» اس پر کیا کرے؟ دلالت۔ تو اس صورت میں «مِنْ» کا معنی شروع کرنا تو ہے لیکن یہ ایسا شروع کرنا ہے جو دو چیزوں کے درمیان نسبت ہے، تو یہ شروع کرنا ہمیں سمجھ میں بھی نہیں آئے گا جب تک اس کے متعلقات ساتھ ذکر نہیں ہوں گے، اور یہ لفظ «مِنْ» اس پر دلالت بھی نہیں کرے گا جب تک ساتھ متعلقات ذکر نہ ہوں۔ تو جب تک اس کے متعلقات اس کے ساتھ ذکر نہیں ہوں گے یہ معنی ہمیں سمجھ میں نہیں آئے گا اور نہ ہی اس معنی پر دلالت ہو سکے گی۔

بات اچھی طرح سمجھ میں آگئی؟ چلیے بس بھئی۔ هَذَا هُوَ الْمَرَامُ وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْكَلَامِ.

سبق نمبر ۳۲: تعریفِ اسم (۵): معانیِ کلیہ اور جزئیاتِ مخصوصہ کے مابین علامہ تفتازانی و جرجانی کی تحقیق

شرحِ ملا جامی صفحہ: ۲۱ — بتاریخ: ۸ اگست ۲۰۲۱ء

▪ تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث

آگے سبق دیکھیے بھئی۔

وَ الْحَاصِلُ أَنَّ لَفْظَ الْاِبْتِدَاءِ مَوْضُوْعٌ لِمَعْنًى كُلِّيٍّ، وَلَفْظَةَ مِنْ مَوْضُوْعَةٌ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِنْ جُزْئِيَّاتِهِ الْمَخْصُوْصَةِ الْمُتَعَقَّلَةِ مِنْ حَيْثُ إِنَّهَا حَالَاتٌ لِمُتَعَلِّقَاتِهَا وَآلَاتٌ لِتَعَرُّفِ أَحْوَالِهَا، وَذٰلِكَ الْمَعْنَى الْكُلِّيُّ يُمْكِنُ أَنْ يُتَعَقَّلَ قَصْدًا وَيُلَاحَظَ فِيْ حَدِّ ذَاتِهِ فَيَسْتَقِلُّ بِالْمَفْهُوْمِيَّةِ وَيَصْلُحُ أَنْ يَكُوْنَ مَحْكُوْمًا عَلَيْهِ وَبِهِ.

گزشتہ اسباق میں ہم نے اسم کی تعریف شروع کی تھی۔ صاحبِ کافیہ نے آپ کو بتلایا اَلْاِسْمُ مَا دَلَّ عَلٰى مَعْنًى فِيْ نَفْسِهِ کہ اسم وہ کلمہ ہے جو دلالت کرتا ہے ایسے معنی پر جو اس کی ذات میں ہوتا ہے۔ تو فِيْ نَفْسِهِ کی ضمیر انہوں نے مَا دَلَّ کی طرف یعنی ما موصولہ کی طرف راجع کی بھئی۔ اور ما لفظوں کے اعتبار سے وہ مذکر ہے تو نَفْسِهِ کی ہا ضمیر بھی کیا ہے؟ مذکر ہے بھئی۔ یعنی اسم وہ کلمہ ہے جو دلالت کرتا ہے ایسے معنی پر جو اس کلمہ کی ذات میں ہوتا ہے۔ اور کلمہ کی ذات میں معنی ہونے کا مطلب یہ ہے کہ کلمہ خود اس پر دلالت کرتا ہے، کسی اور لفظ کے اس کے ساتھ جوڑنے کی حاجت نہیں ہے بھئی۔

اور پھر اس کے بعد ملا جامی رحمہ اللہ نے ایضاح کی عبارت بھی نقل کی۔ میں نے بتلایا ایضاح یہ شرح ہے مفصل کی اور یہ تصنیف ہے علامہ ابنِ حاجب یعنی صاحبِ کافیہ کی۔ تو اس میں صاحبِ کافیہ نے یہ جو فِيْ نَفْسِهِ کی ہا ضمیر ہے، اس کو معنی کی طرف راجع کیا ہے۔ اور پھر اس پر اشکال ہوتا ہے کہ مَعْنًى فِيْ نَفْسِ الْمَعْنٰى کہ اس میں تو ظرف اور مظروف کا اتحاد لازم آیا۔ میں نے بتلایا فی ظرفیت کے لیے آتا ہے، ماقبل میں جو ہوتا ہے وہ مظروف ہوتا ہے اور مابعد میں ظرف ہوتا ہے، اور مظروف اور ظرف دونوں ایک دوسرے سے غیر ہوتے ہیں۔ ایک چیز دوسری چیز کے اندر ہے، تو معلوم ہوا جو

اندر ہے وہ اور چیز ہے اور وہ چیز جو اس کے لیے ظرف ہے وہ اور چیز ہے۔ دونوں ایک ہی چیز ہوں یہ نہیں ہو سکتا بھئی، یہ باطل ہے۔ تو اس صورت میں خرابی کیا لازم آئی؟ مَعْنًى فِيْ نَفْسِ الْمَعْنٰى اس میں تو ظَرْفِيَّةُ الشَّيْءِ لِنَفْسِهِ لازم آیا کہ ایک چیز اپنے لیے ہی ظرف بن جائے اور یہ باطل ہے۔

تو اس کا جواب پھر صاحبِ کافیہ نے دیا تھا کہ یہاں فی بمعنی اعتبار کے ہے۔ یہ مَعْنًى فِيْ نَفْسِهِ أَيْ مَعْنًى بِاعْتِبَارِهِ فِيْ نَفْسِهِ یعنی ایسا معنی جو اپنی ذات کے اعتبار سے معتبر ہے، کسی امرِ خارج کے اعتبار سے، کسی امرِ خارج کے لحاظ سے معتبر نہیں ہے۔ اور پھر اس کے لیے عرب کا محاورہ بھی ذکر کیا تھا کہ یہ فی اعتبار کے معنی میں ہوتا ہے، یہ کلامِ عرب میں بھی ہے، یہ نہیں کہ ہم نے اپنی طرف سے ایک بات کر دی۔ چنانچہ کلامِ عرب میں کہتے ہیں اَلدَّارُ فِيْ نَفْسِهَا كَذَا کہ یہ جو گھر ہے فِيْ نَفْسِهَا اپنی ذات کے لحاظ سے، اپنی ذات کے اعتبار سے اس کا حکم یہ ہے یعنی اس کی قیمت یہ ہے۔ یعنی اس گھر کا جو میٹیریل ہے، اس کی بناوٹ ہے، اس کے اعتبار سے اس گھر کی اتنی قیمت ہے، اور اگر امورِ خارجیہ کو بھی ملا لیا جائے تو پھر اس صورت میں گھر کی قیمت تو بہت زیادہ ہے، کیونکہ یہ شہر کے وسط میں بھی ہے اور بڑے بڑے لوگ بھی جو ہیں اس کے پڑوس میں رہتے ہیں، اور نیز یہاں پر ہر طرح کی سہولیات ہیں اور یہاں پر خوب حفاظت اور امن و امان ہے بھئی اس حصے میں، تو اس اعتبار سے پھر قیمت اور زیادہ ہے۔ تو جس طرح وہ چیزیں جو خارج میں موجود ہوتی ہیں، ان میں کبھی امرِ خارج کا لحاظ ہوتا ہے کبھی امرِ خارج کا لحاظ نہیں ہوتا، اسی طرح یہ جو معنی ہے اس کے اندر بھی کبھی امرِ خارج جو ہے اس کا اعتبار ہوتا ہے اور کبھی امرِ خارج کا اعتبار نہیں ہوتا۔

اور پھر اس کے بعد صاحبِ کافیہ نے یہ بھی فرمایا کہ مَعْنًى فِيْ نَفْسِهِ جب آپ کو سمجھ میں آگیا تو حرف کی تعریف بھی آپ کو سمجھ میں آگئی ہوگی، کیونکہ حرف کی تعریف میں کیا ہے؟ اَلْحَرْفُ مَا دَلَّ عَلٰى مَعْنًى فِيْ غَيْرِهِ۔ وہاں پر بھی فِيْ غَيْرِهِ آرہا ہے۔ تو اشکال ہوتا ہے کہ حرف ایسا کلمہ ہے جو ایسے معنی پر دلالت کرتا ہے فِيْ غَيْرِهِ جو غیرِ حرف میں ہوتا ہے، حرف کے علاوہ میں ہوتا ہے۔ تو اس کا تو مطلب ہے حرف اپنے معنی سے بالکل خالی ہے اور یہ بات تو صحیح نہیں۔ تو اس کے بارے میں بھی آپ کو کہتے ہیں بات سمجھ میں آگئی ہوگی کہ جیسے فِيْ نَفْسِهِ میں فی اعتبار کے معنی میں ہے، اسی طرح فِيْ غَيْرِهِ کے اندر بھی فی کیا ہے؟ اعتبار کے معنی میں ہے اور غیرِ حرف سے ہر غیر چیز مراد نہیں ہے، بلکہ حرف کے متعلقات مراد ہیں۔ اور حرف کے ساتھ جب متعلقات ذکر ہوتے ہیں تو پھر اس کا معنی سمجھ میں آتا ہے، متعلقات کے بغیر اس کا معنی سمجھ میں نہیں آتا۔ مِنْ کے ساتھ سِرْتُ اور بَصْرَةَ ذکر کریں گے تو مِنْ کا معنی شروع کرنا سمجھ میں آئے گا۔ تو بغیر متعلقات کے مِنْ اپنے معنی پر دلالت نہیں کرتا۔ تو حرف اَلْحَرْفُ مَا دَلَّ عَلٰى مَعْنًى فِيْ غَيْرِهِ حرف وہ کلمہ ہے جو دلالت کرتا ہے ایسے معنی پر جو ثابت ہے باعتبارِ غیر کے یعنی باعتبارِ اپنے متعلقات کے، کس کے؟ حرف کے متعلقات کے اعتبار سے ثابت ہے، وہ ایسے معنی پر دلالت کرتا ہے۔ تو حرف کا معنی خود بخود ثابت نہیں بلکہ اپنے متعلقات کے اعتبار سے اس کا معنی ثابت ہوتا ہے۔

اس کے بعد پھر حاصل محصول کی بحث ہم نے شروع کی تھی۔ میں نے بتلایا یہ شرحِ جامی کا مشکل ترین حصہ ہے اور اللہ تعالیٰ علماء کو بہترین جزا نصیب فرمائے کہ انہوں نے اس مقام کی بہترین تشریح کی اور اس کو حل کر دیا ورنہ یہ بہت مشکل مقام ہے بھئی۔ تو یہ مَحْصُوْلُهٗ میں نے بتلایا تھا کہ اس کے اندر دو حصے ہیں۔ ایک وَمَحْصُوْلُهٗ کے ضمن میں آئے گا، مَحْصُوْلُهٗ کے بعد آئے گا، اور دوسرا وَالْحَاصِلُ کے بعد آئے گا۔ مَحْصُوْلُهٗ کے اندر ملا جامی جو ہے میر سید السند کی تقریر ذکر کریں گے اور معنیِ اسمی اور معنیِ حرفی میں فرق بیان کریں گے، اور پھر وَالْحَاصِلُ میں جا کر ملا جامی رحمہ اللہ اپنی تقریر کریں گے اور مکمل وضاحت کر دیں گے کہ کیا فرق ہے معنیِ اسمی میں اور معنیِ حرفی کے اندر بھئی۔

اور یہ حاصل محصول کی جو بحث ہے، میں نے بتلایا اس کے چھ حصے ہم کر لیتے ہیں۔ چھ حصے ہم نے کر لیے، اب اس کا سمجھنا آسان ہو جائے گا۔ اب تک ہم دو حصے پڑھ چکے ہیں اس کے۔ پہلا حصہ تھا وَمَحْصُوْلُهٗ سے۔ اس میں انہوں نے میر سید السند کی عبارت ذکر کی۔ اور میر سید السند نے جو معنی ہے، معنیِ اسمی اور حرفی، یہ معقول ہیں، ذہن میں آنے والی چیز ہے۔ اس کو تشبیہ دی تھی محسوس کے ساتھ، یعنی وہ چیزیں جو خارج میں موجود ہیں، کیونکہ محسوس چیزیں آنکھوں سے نظر آتی ہیں تو اس سے بات جلدی سمجھ میں آجاتی ہے۔ تو یہ جو معنیِ اسمی اور حرفی یہ ہیں معقول، اور خارج میں جو چیزیں ہیں وہ ہیں محسوس۔ تو معقول کو محسوس کے ساتھ تشبیہ دے کر ان معنیِ اسمی اور معنیِ حرفی میں فرق بیان کیا تھا۔

چنانچہ وہ فرماتے ہیں کہ خارج میں جو ہیں، خارج میں جس طرح چیزیں دو قسم کی ہیں: کچھ وہ چیزیں ہیں جن کا اپنا الگ وجود ہے، وہ اپنے وجود میں غیر کی محتاج نہیں اور ان کو جوہر کہتے ہیں اور قائم بالذات بھی کہتے ہیں۔ جیسے مثلاً آپ کا وجود ہے، آپ کا اپنا الگ وجود ہے، آپ اپنے وجود میں کسی چیز کے محتاج نہیں۔ کتاب آپ کے سامنے ہے، کتاب کا اپنا الگ وجود ہے، یہ اپنے وجود میں کسی چیز کی محتاج نہیں۔ جبکہ کچھ چیزیں خارج میں وہ ہیں کہ جو اپنے وجود میں غیر کی محتاج ہیں اور ان کو اعراض کہا جاتا ہے یعنی صفات بھئی۔ صفت جو ہے موصوف کے ساتھ قائم ہوتی ہے، موصوف ہے تو صفت ہے، موصوف نہیں تو صفت بھی نہیں ہے۔ جیسے زید اور اس کی سخاوت۔ یہ جو سخاوت ہے یہ زید کی صفت ہے، زید تو قائم بذاتہٖ ہے لیکن یہ سخاوت قائم بالغیر یعنی قائم بالزید ہے۔ کس کے ساتھ قائم ہے؟ قائم ہے، یہ زید کے ساتھ قائم ہے۔ زید ہے تو زید کی سخاوت بھی ہے، زید نہیں تو زید کی سخاوت کا بھی الگ وجود نہیں۔ یا یہ چیزوں کے جیسے ہمیں رنگ نظر آتے ہیں، یہ چیزوں کے رنگ یہ چیزوں کی صفات ہیں، ان کا اپنا الگ کوئی وجود نہیں۔

تو جیسے خارج میں کچھ چیزیں قائم بالذات ہیں اور کچھ چیزیں قائم بالغیر ہیں، اسی طرح معقولات جو ہیں، عقل میں جو چیزیں آتی ہیں، وہ بھی دو قسم کے ہیں: کچھ معقول وہ ہیں جو مدرک بالذات ہوتے ہیں، عقل کی بالذات ان کی طرف توجہ ہوتی ہے اور یہ محکومٌ علیہ بننے کی بھی صلاحیت رکھتے ہیں اور محکومٌ بہٖ بننے کی۔ وجہ میں نے ذکر کی تھی، کیونکہ محکومٌ علیہ

ایک چیز ہے جس پر آپ نے حکم لگانا ہے اور محکومٌ بہٖ اس کا حکم لگانا ہے۔ تو محکومٌ علیہ کی طرف بھی عقل کی قصداً توجہ ہونی چاہیے اور محکومٌ بہٖ کی طرف بھی عقل کی قصداً توجہ ہونی چاہیے۔ مثلاً میں آپ سے کہتا ہوں زَیْدٌ عَالِمٌ، تو میں نے زید پر کیا حکم لگایا ہے؟ عالم ہونے کا۔ تو زید کی طرف بھی میری قصداً توجہ ہونی چاہیے، عالم کی طرف بھی میری قصداً توجہ ہونی چاہیے۔ زید کی طرف کیوں قصداً توجہ؟ کیونکہ زید پر میں نے ایک حکم لگانا ہے، اور عالم کی طرف جو مسند بہٖ ہے یعنی محکومٌ بہٖ ہے، اس کی طرف بھی میری قصداً توجہ ہونی چاہیے کیونکہ میں نے اس کا حکم لگانا ہے۔ بات سمجھ میں آرہی ہے؟ تو جب ایک چیز پر ایک بات کا آپ حکم لگاتے ہیں تو ذہن کی اس کی طرف قصداً توجہ ہوگی پھر ہی حکم لگے گا، یہ نہیں کہ زبان بغیر سوچے سمجھے خود ہی چل پڑے گی۔ تو زید کی طرف بھی توجہ کرنا پڑے گی اور عالم کی طرف بھی، اور پھر اس عالم کو جوڑ دیں گے کس کے ساتھ؟ زید کے ساتھ جوڑ دیں گے جس سے دونوں میں ربط آجائے گا۔ تو محکومٌ علیہ اس کی طرف بھی قصداً ذہن کی توجہ ضروری، اور محکومٌ بہٖ کی طرف بھی ذہن کی قصداً توجہ ضروری۔ تو اسی طرح وہ مدرک جو بالذات ہوتا ہے اور قصداً مدرک ہوتا ہے وہ محکومٌ علیہ بھی بن سکتا ہے اور محکومٌ بہٖ بھی، کیونکہ اس کی طرف عقل کی توجہ ہے بھئی، قصداً ہے۔

اور ایک وہ معقول ہے جو طبعاً مدرک ہے۔ وہ طبعاً عقل اس کا ادراک کرتی ہے، بالذات عقل کی اس کی طرف توجہ نہیں ہے، طبعاً ایک اور چیز کا ادراک کرتے ہوئے اس کا بھی عقل نے کیا کر لیا؟ ادراک کر لیا، یا یوں کہیں اس کو عقل آلہ بناتی ہے غیر کا ادراک کرنے کے لیے۔ تو یہ، یہ محکومٌ علیہ اور محکومٌ بہٖ نہیں بن سکتا۔ اور اس کی بڑی پیاری مثال ذکر کی میر سید السند رحمہ اللہ نے۔ انہوں نے کہا جیسے آئینہ ہے اور ایک ہے اس میں صورت۔ جب آپ آئینے کی طرف دیکھتے ہیں تو آپ کو آئینہ بھی نظر آتا ہے اور اس میں اپنی صورت بھی نظر آتی ہے۔ تو یہ دونوں مبصر ہیں یا یوں کہیں یہ دونوں مدرک ہیں، آپ دونوں کا اس وقت ادراک کر رہے ہیں، لیکن یہ ادراک مختلف مواقع پر مختلف ہوتا ہے۔ کبھی آپ آئینے کے سامنے کھڑے ہوتے ہیں تو آپ کی بالذات توجہ اپنی صورت کی طرف ہوتی ہے، آپ اپنے آپ کو اس آئینے اور شیشے کے سامنے کھڑے ہو کر اپنے آپ کو سنوار رہے ہوتے ہیں، تو اس وقت آپ کی قصداً توجہ اپنی صورت کی طرف ہے، لہٰذا آپ اس صورت پر آپ حکم لگاتے ہیں کہ میرے بال سنور گئے ہیں یا میرے بال نہیں سنورے۔ دیکھو بالوں پر آپ حکم لگا رہے ہیں، صورت پر آپ حکم لگا رہے ہیں۔ تو اس صورت میں دیکھو آپ کی قصداً توجہ صورت کی طرف ہے اور آئینے کو آپ نے آلہ بنایا ہے، اس کے ذریعے اس صورت کو آپ دیکھ رہے ہیں۔ تو آئینہ بھی مدرک ہے لیکن وہ ہے طبعاً مدرک ہے۔ تو اس وقت آئینہ جب طبعاً مدرک ہے اور اس کو آپ نے صرف آلہ بنایا ہے تو اب آپ آئینے پر حکم نہیں لگا سکتے کہ یہ آئینہ اچھا ہے یا اچھا نہیں، کیونکہ آپ کی اس کی طرف توجہ ہی نہیں ہے۔ وہ تو نظر آرہا ہے لیکن طبعاً نظر آرہا ہے، ذہن کی توجہ اصل میں آپ کی اس کی طرف نہیں ہے۔

اور کسی وقت ایسا ہوتا ہے کہ جب آپ مثلاً آپ بازار آئینہ خریدنے جاتے ہیں، اب آپ آئینہ اٹھا کر دیکھتے ہیں، خریدنے کے لیے اس کو دیکھ رہے ہیں، تو اب آئینہ بھی آپ کو نظر آرہا ہے، آئینے میں اپنی صورت بھی نظر آرہی ہے، لیکن اس وقت آپ کی ذہنی توجہ کس کی طرف ہے؟ آئینے کی طرف ہے، اور صورت اس کو آپ نے آلہ بنایا ہے آئینے کو پرکھنے کے لیے کہ آئینہ اچھا ہے یا اچھا نہیں۔ تو اس صورت میں صورت پر آپ حکم نہیں لگا سکتے کیونکہ وہ طبعاً مدرک ہے اور آلہ ہے، اور جبکہ آئینے پر آپ حکم لگا سکتے ہیں کیونکہ اس کی طرف آپ کی قصداً توجہ ہے۔ چنانچہ آپ حکم لگاتے بھی ہیں، آئینے کو دیکھ کر آپ کہتے ہیں یہ آئینہ اچھا ہے، دیکھو یہ آئینہ، آئینے پر آپ حکم لگا رہے ہیں اچھا ہے، اچھا ہونا یا برا ہونے کا حکم لگا رہے ہیں آئینے پر۔

بات سمجھ میں آگئی؟ اسی طرح دوسری مثال تھی جیسے گھڑی اور وقت۔ اس میں بھی کبھی آپ کی توجہ قصداً گھڑی کی طرف ہوتی ہے اور وقت کی طرف قصداً توجہ نہیں، اور کبھی وقت کی طرف قصداً توجہ ہوتی ہے اور گھڑی کی طرف قصداً توجہ نہیں ہوتی۔ اسی طرح میں نے ایک مثال لکھوائی تھی قَامَ زَيْدٌ اور نِسْبَةُ الْقِيَامِ إِلٰى زَيْدٍ۔ قَامَ زَيْدٌ کے اندر بھی ہمیں نسبت ایک سمجھ میں آرہی ہے اور نِسْبَةُ الْقِيَامِ إِلٰى زَيْدٍ اس میں بھی ہمیں نسبت سمجھ میں آرہی ہے، لیکن قَامَ زَيْدٌ میں نسبت جو ہے وہ طبعاً ہمیں سمجھ میں آرہی ہے، اصل توجہ ہماری قَامَ اور زَيْدٌ کی طرف ہے، البتہ نسبت جو ہے اس کو ہم نے آلہ بنایا ہے یعنی آئینہ بنایا ہے جس میں ہم ان دونوں کو دیکھ رہے ہیں۔ نسبت کو ہم نے کیا بنایا ہے؟ آلہ بنایا ہے اور آئینہ بنایا ہے، جیسے آئینے کو آلہ بنایا تھا صورت دیکھنے کے لیے، یہاں پر بھی یہ نسبت کو کیا بنایا ہے؟ آلہ بنایا ہے۔ کس کو دیکھنے کے لیے؟ قَامَ اور زید کو۔ کیا نظر آیا اس میں، اس آئینے میں؟ کہ یہ دونوں آپس میں جڑے ہوئے ہیں۔ یہ نسبت نے بتلایا، یہ دونوں آپس میں جڑے ہوئے ہیں۔ تو اس وقت نسبت آپ کو سمجھ میں تو آرہی ہے قَامَ زَيْدٌ کے درمیان لیکن وہ طبعاً مدرک ہو رہی ہے اور اس کو آپ نے آلہ بنایا ہے ان دونوں کی حالت دیکھنے کے لیے، اس آئینے سے آپ کو پتہ چل رہا ہے کہ ان دونوں کی کیا حالت ہے اس وقت کہ یہ آپس میں جڑے ہوئے ہیں، ایک مسند الیہ ہے یعنی یوں کہیں ایک محکومٌ علیہ ہے تو دوسرا محکومٌ بہ ہے۔ تو اس صورت میں یہ نسبت آئینہ ہے اور آلہ ہے، لہٰذا اب آپ اس نسبت پر حکم نہیں لگا سکتے، نہ یہ محکومٌ علیہ بن سکتی ہے اور نہ محکومٌ بہ بن سکتی ہے۔ چنانچہ آپ قَامَ اور زید کو ذرا الگ الگ کر دیں، وہ نسبت ختم ہو گئی۔ وہ نسبت ختم ہو گئی۔ قَامَ ابھی بھی ہے، زید ابھی بھی ہے، لیکن نسبت وہ تو آلہ تھی دونوں کو دیکھنے کے لیے، وہ طبعاً ادراک ہو رہا تھا، اب اس کا ادراک نہیں کیونکہ نسبت ختم ہو گئی۔ اور ایک نِسْبَةُ الْقِيَامِ إِلٰى زَيْدٍ، اس میں بھی آپ کو نسبت سمجھ میں آرہی ہے، لیکن یہ نسبت قصداً ہے، یہ لفظِ نسبت سے آپ کو سمجھ میں آرہا ہے۔ نِسْبَةُ الْقِيَامِ کہ قیام کی نسبت ہے إِلٰى زَيْدٍ کس کی طرف؟ زید کی طرف۔ تو یہ پورا جملہ ہے، تو اس میں نِسْبَةُ الْقِيَامِ اس کو آپ

محکومٌ علیہ بنا رہے ہیں کیونکہ قصداً اس کی طرف توجہ ہے، یہ لفظِ نسبت سے آپ کو نسبت سمجھ میں آرہی ہے۔ اور یہ آلہ نہیں ہے، یہ قصداً اس کی طرف توجہ ہے، لہٰذا آپ دونوں لفظوں کو علیحدہ کر دیں، نِسْبَةُ الْقِيَامِ کو الگ کر دیں اور إِلٰى زَيْدٍ کو الگ کر دیں، پھر بھی نِسْبَةُ الْقِيَامِ سے نسبت سمجھ میں آرہی ہے یا نہیں؟ معلوم ہوا یہ طبعاً نہیں تھی، طبعاً آپ اس کا ادراک نہیں کر رہے تھے بلکہ قصداً ادراک کر رہے تھے، اسی لیے محکومٌ علیہ بھی بن سکتی ہے اور محکومٌ بہٖ بھی بن سکتی ہے۔

اس کے بعد حاصل محصول کی بحث کا دوسرا حصہ آیا تھا اور انہوں نے آپ کو بتلایا تھا فَالْاِبْتِدَاءُ مَثَلًا کہ ابتدا جو ہے مثال کے طور پر۔ میں نے آپ کو بتلایا تھا کہ ابتدا سے ابتدا کا معنی مراد ہے، لفظِ ابتدا مراد نہیں۔ یہ جو ابتدا کا معنی ہے، توجہ سے سمجھو بھئی یہ دوسرا حصہ اب ان شاء اللہ خوب واضح آپ کو سمجھ میں آجائے گا۔ ابتدا یعنی شروع کرنا، شروع کرنا، معنی مراد ہے لفظ مراد نہیں۔ یہ جو شروع کرنا ہے اس کے ذریعے اب وضاحت کر رہے ہیں میر سید السند اور سمجھانا چاہتے ہیں کہ یہی شروع کرنے والا معنی کبھی مستقل بالذات ہو گا، عقل کی بالذات اس کی طرف توجہ ہو گی اور اس وقت پھر یہ محکومٌ علیہ بھی بن سکتا ہے اور محکومٌ بہٖ بھی بن سکتا ہے، اور یہ صرف اس وقت ہو گا جب لفظِ ابتدا اس پر دلالت کرے۔ جب لفظِ ابتدا اس پر دلالت کر رہا ہے تو ابتدا سے ہمیں شروع کرنے والا معنی سمجھ میں آرہا ہے، شروع کرنے والا معنی سمجھ میں آرہا ہے، اور قصداً ذہن اس کی طرف متوجہ ہے۔ اس وقت یہ مستقل بالمفہومیت ہے یعنی مستقلاً سمجھ میں آرہا ہے لفظِ ابتدا سے۔ توجہ ہے؟

اور اس صورت میں بھی اس کے متعلقات چاہئیں، کیونکہ میں نے بتایا تھا آپ کو ابتدا دو چیزوں کے درمیان نسبت کا نام ہے۔ شروع کرنا بھئی کسی چیز کو شروع کیا جائے گا، اور کوئی نہ کوئی جگہ یا زمانہ ہو گا جہاں سے شروع کیا جائے گا۔ تو کوئی جگہ ہو گی یا کوئی زمانہ ہو گا اس سے شروع کیا جائے گا۔ تو ابتدا ہمیشہ ایک نسبت کا نام ہے۔ تو پھر اشکال ہوتا ہے کہ آپ نے کیا کہا لفظِ ابتدا سے جو ہمیں شروع کرنا سمجھ میں آیا یہ مستقل بالذات ہے۔ کیا ہے؟ مستقل بالذات ہے، ذہن کی اس کی طرف قصداً توجہ ہے۔ کہتے ہیں بھئی یہ مستقل بالذات کیسے ہو سکتا ہے؟ یہ تو نام ہی دو چیزوں کے درمیان نسبت کا ہے۔ یہ تو نام ہی، ابتدا کے لیے کوئی ایک فعل چاہیے وہ فعل بھی ضروری ہے پھر ہی ہمیں سمجھ میں آئے گا، اور اس کے لیے کوئی جگہ یا زمانہ بھی چاہیے جس سے ابتدا کی جا رہی ہے۔ کیا آپ مجھے دکھا سکتے ہیں کوئی شروع کرنا ہو اور کوئی فعل نہ ہو جس کو شروع کیا جا رہا ہے، اور کوئی جگہ یا زمانہ بھی نہ ہو، صرف شروع کرنا ہو؟ نہیں بھئی، صرف شروع کرنا اکیلا ہو ہی نہیں سکتا، یہ ہمیشہ کسی نہ کسی چیز کی نسبت ہو گی کہ یہ چیز، یہ والا کام، یہ والا فعل شروع کیا جا رہا ہے اور فلاں جگہ سے یا فلاں زمانے سے شروع کیا جا رہا ہے۔ تو یہ ہمیشہ نسبت کا نام ہے۔

تو میں نے بتلایا تھا کہ بھئی یہ جو موقوف ہونا ہے، یہ جو ابتدا کا موقوف ہونا ہے متعلقات پر، کس پر؟ یعنی اس کے لیے ایک چیز بھی چاہیے جس کو شروع کیا جا رہا ہے، اور ایک جگہ یا زمانہ بھی چاہیے جس سے شروع کیا جا رہا ہے۔ تو یہ، یہ اس

کے متعلقات کہلاتے ہیں۔ کیا کہلاتے ہیں؟ تو متعلقات۔ تو معلوم ہوا یہ ابتدا کے لیے متعلقات ضرور چاہئیں، بغیر متعلقات کے ابتدا ہو ہی نہیں سکتی۔ یوں کہیں اس کے متعلقات دو قسم کے ہیں: ایک ہے متعلقات اجمالاً اور ایک ہے متعلقات تفصیلاً۔ متعلقاتِ اجمالی یہ ہے کہ کوئی بھی فعل ہو، کوئی مخصوص فعل نہیں ہے، کوئی بھی فعل، اور کوئی جگہ یا کوئی زمانہ ہو، یعنی کوئی مخصوص جگہ یا زمانہ نہیں۔ اب دیکھو جب میں نے کہا لفظِ ابتدا، جیسے ہی کہا آپ کے ذہن میں کیا آگیا؟ شروع کرنے کا معنی ذہن میں آیا، ساتھ ہی متعلقات بھی آگئے کہ شروع کرنا، معلوم ہوا کہ کوئی نہ کوئی چیز ہے جس کو شروع کیا جائے گا، اور کوئی نہ کوئی جگہ یا زمانہ ہوگا جس سے کیا کیا جائے گا شروع۔ تو وہ اجمالاً ذہن میں آگئے۔ تو یہ جو ابتدا والا معنی آیا سمجھ میں، کس سے آیا؟ لفظِ ابتدا سے۔ اس کے لیے بھی متعلقات چاہئیں لیکن وہ متعلقات اجمالاً بھی ہوں تو کافی ہیں، ان کو لفظوں میں ذکر کرنے کی ضرورت نہیں۔

دیکھو میں نے کہا لفظِ ابتدا۔ میں نے کوئی متعلقات لفظوں میں ذکر کیے کہ کس چیز کی ابتدا ہے اور کہاں سے ابتدا ہے؟ میں نے تو کوئی متعلقات ذکر نہیں کیے۔ صرف میں نے لفظِ ابتدا کہا اور ابتدا کے لیے تو متعلقات ضرور چاہئیں، تو وہ خود بخود آپ کے ذہن میں آگئے کہ کوئی نہ کوئی فعل ہوگا اور کوئی نہ کوئی جگہ یا زمانہ ہوگا۔ تو لفظِ ابتدا نے ابتدا پر دلالت کر دی، کسی متعلق کو ساتھ ذکر کرنے کی حاجت نہیں، خود ہی شروع کرنے والا معنی سمجھ میں آیا اور معنی جب سمجھ میں آیا ذہن میں تو اجمالاً متعلقات بھی ذہن میں آگئے کہ کوئی نہ کوئی فعل ہوگا اور کوئی نہ کوئی جگہ یا زمانہ ہوگا۔ تو اس کو کہتے ہیں توقفِ اجمالی۔ توقفِ، یہاں پر بھی شروع کرنے کا معنی وہ موقوف ہے متعلقات پر، لیکن یہ موقوف ہونا کس قسم کا ہے؟ اجمالی ہے، تفصیلی نہیں ہے۔ اور توقفِ اجمالی میں متعلقات کا لفظوں میں ذکر کرنا ضروری نہیں ہوتا۔ میں نے صرف ابتدا کہا آپ کو معنی سمجھ میں آیا یا نہیں؟ کیونکہ یہ توقفِ اجمالی ہے، یہاں متعلقات کو لفظوں میں ذکر کرنے کی ضرورت، توجہ بھی ہے یا نہیں، کیا بات ہوئی؟ میں نے کیا ذکر کیا؟ ابتدا۔ لفظِ ابتدا۔ میں نے کوئی ساتھ متعلقات ذکر کیے؟ لیکن پھر بھی آپ کو کیا سمجھ میں آگیا؟ شروع کرنے کا معنی سمجھ میں آیا، اور معنی کے ساتھ ہی ذہن میں یہ بھی آیا یا نہیں کہ کوئی نہ کوئی چیز ہوگی، کوئی نہ کوئی فعل ہوگا اور کسی نہ کسی جگہ یا، تو یہ اجمالاً متعلقات آپ کے ذہن میں آگئے۔ تفصیلاً نہیں آئے کہ خاص فعل، یہ والا فعل شروع کیا اور خاص جگہ یا زمانہ وہ ذہن میں نہیں۔ تو یہ جو توقفِ اجمالی ہے یہ استقلال کے لیے نقصان دہ نہیں، یہ استقلال کے لیے، یہ ابتدا کا معنی شروع کرنا مستقلاً مستقل بالمفہوم ہے۔ اگرچہ یہ بھی متعلقات پر موقوف ہے لیکن یہ موقوف ہونا کس قسم کا ہے؟ اجمالاً، یہ توقفِ اجمالی ہے اور یہ استقلال کے منافی، یہ استقلال کے لیے نقصان دہ نہیں۔ اس کی وجہ سے آپ یہ نہیں کہہ سکتے کہ یہ جو ابتدا کا معنی ہے شروع کرنا یہ مستقل نہیں ہے۔ نہیں نہیں، یہ مستقل ہے، لفظِ ابتدا سے آپ کو سمجھ میں آرہا ہے کیونکہ یہ توقفِ اجمالی ہے، کوئی بھی فعل ہوگا بس ذہن میں اتنا آگیا، کوئی نہ کوئی جگہ یا زمانہ ہوگا اتنا ذہن میں آگیا، تو توقفِ اجمالی استقلال کے منافی نہیں ہے۔ اس سے استقلال کو کوئی نقصان نہیں پہنچتا، وہ چیز، وہ

معنی پھر بھی مستقل ہی رہے گا۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو لفظِ ابتدا سے ہی سمجھ میں آجائے گا، یہاں متعلقات کو ذکر کرنے کی کوئی حاجت نہیں۔

اور ایک معنی ہے ابتدا شروع کرنا جب وہ دو مخصوص چیزوں کے درمیان نسبت ہو، جیسے سِرْتُ مِنَ الْبَصْرَةِ إِلَى الْكُوْفَةِ۔ تو سِرْتُ کی نسبت بصرہ کی طرف بھی ہے، سِرْتُ کی نسبت کوفہ کی طرف بھی ہے۔ بصرہ کی طرف کون سی نسبت ہے؟ شروع کرنے والی۔ اور کوفہ کی طرف کون سی نسبت ہے؟ اختتام والی، انتہا والی۔ تو معلوم ہوا دیکھا یہ نسبت کا نام ہے۔ اسی سِرْتُ کی نسبت بصرہ کی طرف کریں تو یہ نسبت کون سی ہے؟ شروع کرنے والی، اور اس پر لفظِ مِنْ دلالت کر رہا ہے۔ اور اسی سِرْتُ کی نسبت کریں کوفہ کی طرف تو یہ نسبت کون سی ہے؟ اختتام والی، انتہا والی، اور اس پر إِلٰی دلالت کر رہا ہے۔ تو مِنْ سے بھی شروع کرنے کا معنی سمجھ میں آرہا ہے لیکن اس سے ہر شروع کرنا نہیں مراد، اس سے ہر شروع کرنا مراد نہیں ہے بلکہ کون سا شروع کرنا ہے؟ یہ سِرْتُ کا شروع کرنا ہے اور ہر جگہ سے شروع کرنا نہیں ہے بلکہ کہاں سے شروع کرنا ہے؟ بصرہ سے شروع کرنا ہے۔ تو یہ جو مِنْ ہے اس سے بھی شروع کرنے کا معنی سمجھ میں آرہا ہے، لیکن یہ کوئی مستقل نہیں ہے بلکہ یہ دو چیزوں یعنی سِرْتُ اور بصرہ کے درمیان نسبت ہے۔ جب یہ ان دو چیزوں کے درمیان نسبت ہے تو پھر یہ مستقل نہیں، کیونکہ یہ دو چیزیں ہوں گی تو یہ والے مِنْ سے شروع کرنا سمجھ میں آئے گا، یہ دونوں نہیں تو ان کے درمیان جو نسبت ہے وہ بھی نہیں۔ نسبت تو دو چیزوں، دو لفظوں کے درمیان ہوتی ہے نا، وہ دو لفظ ہوں گے تو ان میں نسبت بھی ہوگی، دو لفظ نہیں تو درمیان میں نسبت بھی نہیں۔

تو یہاں پر مِنْ سے بھی شروع کرنے کا معنی سمجھ میں آرہا ہے لیکن یہ والا جو شروع کرنا ہے اس کی طرف عقل کی بالذات توجہ نہیں ہے بلکہ عقل کی توجہ سِرْتُ کی طرف ہے اور عقل کی توجہ کس کی طرف ہے؟ بصرہ کی طرف ہے، درمیان میں ان کی نسبت ہے وہ بھی عقل اس کا بھی ادراک کر رہی ہے۔ تو عقل کی توجہ کس کی طرف بالذات؟ سِرْتُ کی طرف اور کس کی طرف؟ بصرہ کی طرف ہے، اور ان کے درمیان وہ شروع کرنے والی نسبت ہے اس پر کیا دلالت کر رہا ہے؟ مِنْ۔ تو مِنْ سے جو شروع کرنے کا معنی سمجھ میں آیا وہ مستقل نہیں ہے بلکہ وہ اپنے متعلقات پر موقوف ہے، اور متعلقات کیا ہیں اس کے؟ کوئی بھی فعل ہے یا خاص فعل ہے؟ خاص فعل سِرْتُ ہے، اور کوئی بھی جگہ ہے یا خاص جگہ بصرہ ہے؟ خاص جگہ بصرہ ہے بھئی۔ تو یہ دو خاص چیزوں کے درمیان نسبت کا نام ہے، ہر دو چیزوں کے درمیان نسبت کا نام نہیں ہے۔ تو اس کے ساتھ یہ سِرْتُ اور بصرہ ذکر ہوں گے تو مِنْ سے شروع کرنے کا معنی سمجھ میں آئے گا، اس کے بغیر سمجھ میں نہیں آئے گا۔ معلوم ہوا یہ جو مِنْ کا معنی شروع کرنا ہے یہ مستقل بالذات نہیں ہے، یہ سِرْتُ اور بصرہ ہے تو ہے، یہ سِرْتُ اور بصرہ نہیں تو مِنْ کا معنی شروع کرنا بھی یہاں پر نہیں سمجھ میں آئے گا۔ تو جب تک متعلقات نہیں ہوں گے یعنی سِرْتُ اور بصرہ، تو ہمیں یہ شروع کرنے والا معنی بھی بیچ میں سمجھ میں نہیں آئے گا مِنْ سے، اور مِنْ اس پر دلالت بھی نہیں کرے گا جب تک یہ سِرْتُ اور بصرہ اس کے ساتھ نہیں جوڑیں گے۔ تو فرق کیا ہوا کہ ابتدا سے شروع کرنے کا معنی سمجھ میں آیا،

مِنْ سے بھی شروع کرنے کا معنی سمجھ میں آیا، لیکن ابتدا والا شروع کرنا وہ کیا ہے؟ مستقل ہے، مستقل ہے یعنی لفظِ ابتدا ہی سے سمجھ میں آجاتا ہے، اس کے ساتھ متعلقات ذکر کرنے کی ضرورت نہیں۔ ہاں ذہن میں متعلقات آتے تو ہیں لیکن یہ اجمالاً آتے ہیں، کیا آتے ہیں؟ تو وہ موقوف ہونا اجمالی ہے، تفصیلی نہیں۔ اور مِنْ، مِنْ سے بھی شروع کرنے کا معنی سمجھ میں آتا ہے لیکن یہ جو مِنْ سے معنی شروع کرنے کا معنی سمجھ میں آتا ہے یہ بھی اپنے متعلقات پر موقوف ہے، لیکن یہ کس قسم کا موقوف ہے؟ اس کا موقوف ہونا تفصیلی ہے یعنی تفصیل چاہیے کون سا فعل ہے اور کون سی جگہ یا زمانہ سے ہے۔ یہاں بتایا سِرْتُ والا فعل ہے اور بصرہ والی جگہ ہے، تو ان دونوں کے درمیان یہ مِنْ جو ہے یہ شروع کرنے پر دلالت کر رہا ہے۔ دوسرا لے آؤ، مثلاً بچہ کھیلتا رہا صبح سے شام تک۔ تو اب دیکھو اس میں کھیلنے والا فعل ہے خاص فعل ہے، اور خاص زمانہ یعنی صبح سے اس میں شروع کرنے کی نسبت ہے بھئی۔ یا تیسری مثال لے آؤ، میں نے کتاب کا مطالعہ کیا صفحہ پانچ سے صفحہ دس تک۔ تو دیکھو یہاں مِنْ آیا، یعنی طَالَعْتُ الْكِتَابَ مِنْ هٰذِهِ الصَّفْحَةِ إِلٰى ذٰلِكَ الصَّفْحَةِ میں نے اس صفحے سے اس صفحے تک کتاب کا کیا کیا؟ مطالعہ کیا۔ تو اس کے اندر دیکھو مِنْ نے کس پر دلالت کی؟ شروع کرنے پر، اور ہر چیز کا شروع کرنا ہے یا مطالعے کا شروع کرنا؟ مطالعے کا شروع کرنا، اور ہر جگہ سے یا فلاں صفحے سے؟ فلاں صفحے سے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو یہ جو مِنْ ہے یہ بھی شروع کرنے پر دلالت کرتا ہے لیکن اس کے لیے متعلقات کا تفصیلی ذکر چاہیے کون سا فعل ہے اور کون سی جگہ یا زمانہ ہے۔ جبکہ لفظِ ابتدا میں نے بولا اس کا معنی شروع کرنا آپ کو سمجھ میں آگیا، اس کے لیے بھی متعلقات چاہئیں لیکن ان متعلقات کا ساتھ ذکر کرنا ضروری نہیں۔ تو لفظِ ابتدا سے جو معنی سمجھ میں آیا شروع کرنا وہ مستقل ہے، وہ محکومٌ علیہ بھی بن سکتا ہے اور محکومٌ بہ بھی بن سکتا ہے، جبکہ مِنْ سے جو سمجھ میں آیا شروع کرنے والا معنی وہ مستقل نہیں ہے، وہ اپنے متعلقات پر موقوف ہے، متعلقات ہیں تو یہ شروع کرنے والا معنی بھی ہے، متعلقات نہیں تو مِنْ سے شروع کرنے والا معنی بھی سمجھ میں نہیں آئے گا۔ تو لہٰذا جب یہ مستقل نہیں ہے تو یہ نہ محکومٌ علیہ بن سکتا ہے اور نہ محکومٌ بہ بن سکتا ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟

اب آئیے آج کے سبق پر بھئی۔ کہتے ہیں وَالْحَاصِلُ أَنَّ لَفْظَ الْاِبْتِدَاءِ مَوْضُوْعٌ لِمَعْنًى كُلِّيٍّ، وَلَفْظَةَ مِنْ مَوْضُوْعَةٌ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِنْ جُزْئِيَّاتِهِ الْمَخْصُوْصَةِ الْمُتَعَقَّلَةِ مِنْ حَيْثُ إِنَّهَا حَالَاتٌ لِمُتَعَلِّقَاتِهَا وَآلَاتٌ لِتَعَرُّفِ أَحْوَالِهَا. وَالْحَاصِلُ یہاں سے شرح کا تیسرا حصہ ہے بھئی۔ اب اس میں ملا جامی رحمہ اللہ اپنی تقریر فرمائیں گے اور مزید وضاحت کر دیں گے معنیِ اسمی اور معنیِ حرفی کے درمیان فرق کی اور بات خوب واضح ہو جائے گی۔ تو ملا جامی رحمہ اللہ اس، یہ جو تیسرا حصہ ہے، تیسرا حصہ ہے، اس کے اندر لفظِ مِنْ اور اس کا جو معنی ہے، اسی طرح لفظِ ابتدا اور اس کا جو معنی ہے، اس میں فرق بیان کریں گے وضع کے اعتبار سے۔ کہ یہ جو مِنْ کا معنی ہے اور ابتدا کا معنی ہے وضع کے اعتبار سے ہی اس میں فرق ہے۔ لفظِ ابتدا کو ایک معنیِ کلی کے لیے وضع کیا گیا ہے، اور لفظِ مِنْ کو معنیِ جزئی کے لیے وضع کیا گیا ہے۔ لیے۔ اور ایک ہے لفظِ ابتدا اور اس کا معنی ہے۔ لفظِ ابتدا کو معنیِ کلی کے لیے وضع کیا گیا ہے۔ بھئی کلی اور جزئی تو آپ جانتے ہیں۔ کلی وہ ہے جو

کثیرین پر صادق آئے، جیسے انسان۔ تو انسان زید، عمر، بکر، خالد وغیرہ سب پر صادق آتا ہے، سب انسان ہیں۔ اور ایک ہے جزئی۔ جزئی وہ ہے وہ جو اس کلی کے افراد ہوتے ہیں وہ جزئی کہلاتے ہیں، جیسے زید یہ جزئی ہے، یہ انسان کا ایک فرد ہے۔ عمر یہ انسان کا ایک فرد ہے، یہ بھی جزئی ہے۔ خالد یہ بھی انسان کا ایک فرد ہے، ایک جزئی ہے بھئی۔ تو ابتدا کو وضع کیا گیا ہے کس کے لیے؟ معنیِ کلی کے لیے۔ معنیِ کلی کے لیے۔ اور مِنْ کو وضع کیا گیا ہے معنیِ جزئی کے لیے۔

بھئی دیکھو ادھر دیکھیے۔ ابتدا کا معنی کیا ہے؟ شروع کرنا۔ یہ ایک کلی معنی ہے۔ یہ ایک، یہ کلی معنی ہے۔ یہ پھر ہر جگہ پایا جائے گا۔ جہاں بھی کسی چیز کا شروع کرنا ہو گا، وہاں کون سا معنی ہے؟ شروع کرنا۔ کیونکہ ہر جزئی کے ضمن میں کیا موجود ہوتی ہے؟ کلی موجود ہوتی ہے۔ جیسے زید وہ بھی کیا ہے؟ انسان۔ عمر وہ بھی کیا ہے؟ انسان۔ بکر وہ بھی کیا ہے؟ انسان۔ تو یہ جزئیات ہیں لیکن ان کے ضمن میں کلی بھی موجود ہے۔ اسی طرح، اسی طرح لفظِ ابتدا کو وضع کیا گیا ہے ایک معنیِ کلی کے لیے اور مِنْ کو وضع کیا گیا ہے اسی کی جزئیات کے لیے۔ جزئیات کیا ہوتی ہیں؟ خاص ہوتی ہیں۔ کیا ہوتی ہیں؟ معلوم ہوا جب کسی خاص فعل اور خاص جگہ یا زمانے کے درمیان آپ شروع کرنے والا معنی ادا کرنا چاہتے ہیں تو اس کے لیے مِنْ استعمال کریں گے۔

مثلاً کوئی بھی فعل آپ ذکر کرنا چاہتے ہیں مثلاً جیسے میں نے ذکر کیا سِرْتُ مِنَ الْبَصْرَةِ إِلَى الْكُوْفَةِ۔ کون سا فعل میں بتلانا چاہتا تھا؟ سِرْتُ۔ ہر فعل نہیں، دنیا کا ہر فعل نہیں، صرف کون سا؟ سِرْتُ۔ اور ہر جگہ نہیں، کون سی جگہ؟ بصرہ۔ بصرہ۔ تو یہ مخصوص فعل ہوا اور مخصوص جگہ ہوئی، ان کے درمیان جو شروع کرنا ہے وہ کلی ہے یا جزئی ہے؟ وہ جزئی ہے، دو خاص چیزوں کے درمیان، دو خاص چیزوں کے درمیان جو شروع کرنا ہے وہ جزئی ہے، وہ اس کلی کے افراد میں سے ہے۔ یہ بھی شروع کرنا ہے لیکن یہ کلی نہیں ہے بلکہ کیا ہے؟ جزئی ہے۔ کلی تو وہ ہے جو ہر ایک پر صادق آئے بھئی۔ تو یہ بھی شروع کرنا ہے یا نہیں؟ یہ کلی اس پر بھی صادق آ رہا ہے۔ دوسری مثال لے لو، بچہ کھیلتا رہا صبح سے شام تک۔ تو دیکھو بچے کے کھیلنے کی ابتدا کب سے ہو رہی ہے؟ صبح سے۔ تو ہر فعل مراد ہے یا خاص فعل کی ابتدا؟ خاص فعل، کون سا فعل؟ کھیلنا۔ اور ہر زمانہ مراد ہے یا خاص زمانہ؟ خاص زمانہ، کون سا زمانہ؟ صبح والا۔ تو ان دو، یہ کھیلنا اور صبح ان دونوں کے درمیان شروع کی نسبت ہے۔ تو یہ ہر شروع کرنا ہے یا خاص شروع کرنا؟ خاص۔ معلوم ہوا یہ جزئی ہے، یہ والا شروع کرنا کیا ہے؟ جزئی ہے۔ اسی طرح تیسری مثال لے لو، میں نے کتاب کا مطالعہ کیا فلاں صفحے سے فلاں تک۔ ہر فعل مراد ہے یا خاص فعل؟ خاص فعل یعنی مطالعہ کرنا۔ اور ہر چیز سے شروع کرنا مراد ہے یا فلاں خاص صفحے سے شروع کرنا مراد ہے؟ خاص۔ تو ان دونوں کے درمیان یہ مطالعہ کرنا اور صفحہ فلاں ان دونوں کے درمیان جو نسبت ہے شروع کرنے والی، یہ ہر شروع کرنا ہے یا خاص شروع کرنا ہے؟ خاص شروع کرنا ہے۔ معلوم ہوا یہ کیا ہے؟ جزئی ہے بھئی۔ اور کلی ہر جزئی کے ضمن میں کلی بھی پائی جاتی ہے، ان سب میں بھی شروع کرنا ہے، ان سب میں بھی شروع کرنا ہے۔

تو معنیِ کلی کے لیے جب شروع کرنے والا معنیِ کلی ہے اس کے لیے کس کو وضع کیا گیا ہے؟ ابتدا کو۔ اور یہ جو شروع

کرنے والا معنیِ جزئی ہے اس کے لیے کس کو وضع کیا گیا ہے؟ مِنْ کو وضع کیا گیا ہے۔ لہٰذا جب آپ دو مخصوص چیزوں کے درمیان شروع کرنا بتلانا چاہیں تو اب آپ مِنْ استعمال کریں، کیونکہ اس کے لیے کس کو وضع کیا گیا ہے؟ جب فعل بھی خاص ہو اور جگہ یا زمانہ بھی خاص ہو تو پھر کیا استعمال کریں گے؟ مِنْ، کیونکہ اس کے لیے مِنْ کو وضع کیا گیا ہے یہ جزئی ہے بھئی۔ بات سمجھ میں آگئی؟ اچھی طرح؟ اب دیکھیے کتاب پر۔

کہتے ہیں وَالْحَاصِلُ اور حاصل یہ ہے یعنی یہ جو کلام اوپر سارا ذکر ہوا یہ جو بحث ذکر ہوئی اس کا حاصل یہ ہے کہ أَنَّ لَفْظَ الْاِبْتِدَاءِ مَوْضُوْعٌ لِمَعْنًى كُلِّيٍّ کہ لفظِ ابتدا اس کو وضع کیا گیا ہے ایک کلی معنی کے لیے، وَلَفْظَةَ مِنْ مَوْضُوْعَةٌ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِنْ جُزْئِيَّاتِهِ الْمَخْصُوْصَةِ اور لفظِ مِنْ جو ہے اس کو وضع کیا گیا ہے ہر ایک کے لیے اس کی جو خاص جزئیات ہیں، اس شروع کرنے کی، اس ابتدا کی جو خاص جزئیات ہیں ان میں سے ہر ایک کے لیے اس کو وضع کیا گیا ہے۔ جب بھی کوئی جزئی شروع کرنا آپ بتلانا چاہیں یعنی خاص فعل اور خاص جگہ یا زمانہ تو اس کے لیے کس کو وضع کیا گیا ہے؟ مِنْ کو۔ تو مِنْ کو وضع کیا گیا ہے اس کی جو مخصوص جزئیات ہیں اس شروع کرنے کی ان میں سے ہر ایک کے لیے۔ الْمُتَعَقَّلَةِ، آپ کی کتابوں میں ہو گا الْمُتَعَلِّقَةِ، یہ کتابت کی غلطی ہے بھئی۔ الْمُتَعَقَّلَةِ اس کی اصلاح کر لیں بھئی۔

وہ مخصوص جزئیات، ادھر دیکھیے۔ مِنْ کا معنی شروع کرنا، ابتدا کا معنی شروع کرنا۔ میں نے لفظِ ابتدا کہا آپ کو کیا معنی سمجھ میں آیا؟ شروع کرنا۔ اور مِنْ سے شروع کرنا سمجھ میں آئے گا؟ نہیں، بلکہ کب سمجھ میں آئے گا؟ جب متعلقات ذکر کریں گے۔ جب متعلقات ذکر کریں گے تو یہ ان دونوں کے درمیان کیا بن جائے گا؟ نسبت بن جائے گا۔ معلوم ہوا یہ ان دونوں کی حالت بیان کر رہا ہے۔ سِرْتُ مِنَ الْبَصْرَةِ إِلَى الْكُوْفَةِ یہ مِنْ کس کی حالت بیان کر رہا ہے؟ سِرْتُ کی بھی اور بصرہ کی بھی، یہ بتلا رہا ہے کہ آغاز ہوا ہے۔ کس کا ہوا ہے؟ کس کا ہوا ہے؟ سِرْتُ کا ہوا ہے، اور کہاں سے ہوا ہے؟ بصرہ سے۔ تو سِرْتُ ہوا منسوب یعنی جس کی نسبت کی جا رہی ہے، اور بصرہ کیا ہوا؟ منسوبٌ الیہ یعنی جس کی طرف نسبت کی جا رہی ہے۔ یہ چلنے کی نسبت بصرہ کی طرف بھی ہے اور کوفہ کی طرف بھی ہے۔ بصرہ کی طرف کون سی نسبت ہے؟ شروع کرنے والی، اور اس پر مِنْ دلالت کر رہا ہے۔ اور اسی سِرْتُ کی نسبت کس کی طرف ہے؟ کوفہ کی طرف بھی ہے لیکن یہ کون سی نسبت ہے؟ اختتام اور انتہا والی، اور اس پر إِلٰى دلالت کر رہا ہے۔ تو گویا سِرْتُ ہوا منسوب جس کی نسبت کی گئی ہے، اور بصرہ اور کوفہ کیا ہیں؟ منسوبٌ الیہ ہیں جن کی طرف نسبت کی گئی ہے۔ تو جب مِنْ سے شروع کرنے کا معنی سمجھ میں آیا، مِنْ سے، تو مِنْ کس کے لیے وضع ہے؟ معنیِ جزئی کے لیے۔ اور یہ معنیِ جزئی آپ کو کب سمجھ میں آئے گا؟ جب اس کے متعلقات سمجھ میں آئیں گے، کیونکہ یہ، یہ شروع کرنا یہ کوئی مستقل نہیں ہے بلکہ یہ ان دونوں کی حالت ہے۔ اس مِنْ کو آپ نے وسیلہ اور آلہ بنایا ہے کس کے لیے؟ ان متعلقات کی حالت کو جاننے کے لیے۔ اس مِنْ نے بتایا کہ سِرْتُ وہ منسوب ہے، اس کی نسبت کی جا رہی ہے، اور بصرہ جو ہے وہ کیا ہے؟ منسوبٌ الیہ ہے، اس کی طرف نسبت کی جا رہی ہے۔ یہ کس نے بتایا؟

مِنْ نے بتایا۔ تو مِنْ کے ذریعے آپ نے اس کے متعلقات کی حالت یا صفت کو جان لیا کہ ایک ان میں سے منسوب ہے اور دوسرا منسوبٌ الیہ ہے۔ تو مِنْ وضع ہے کس کے لیے؟ معنیِ جزئی کے لیے، اور معنیِ جزئی کے لیے مخصوص فعل بھی چاہیے، مخصوص جگہ یا زمانہ بھی چاہیے، تو مِنْ کا معنی اس کا ہم تعقل کر ہی نہیں سکتے، ہماری عقل میں وہ آ ہی نہیں سکتا جب تک اس کے متعلقات ذکر نہ کر دیے جائیں، کیونکہ اس کو وضع ہی اس لیے کیا گیا ہے تاکہ یہ دو چیزوں کے درمیان کیا بیان کر دے؟ نسبت بیان کر دے، اس کے ذریعے ان دو چیزوں کی صفت اور حالت کو ہم پہچان لیں۔ تو لہٰذا اس میں متعلقات کا ذکر ضروری ہے، اس کے بغیر یہ سمجھ میں، اس کا معنی ہمیں سمجھ میں نہیں آئے گا۔

تو کہتے ہیں وَلَفْظَةَ مِنْ مَوْضُوْعَةٌ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِنْ جُزْئِيَّاتِهِ الْمَخْصُوْصَةِ الْمُتَعَقَّلَةِ اور مِنْ جو ہے اس کو وضع کیا گیا ہے ہر ایک کے لیے جو اس کی خاص جزئیات ہیں، وہ جزئیات جن کا تعقل ہوتا ہے، جو ہماری عقل میں آتی ہیں، اس حیثیت سے کہ إِنَّهَا حَالَاتٌ لِمُتَعَلِّقَاتِهَا کہ یہ جو ہے یہ متعلقات کے حالات ہیں، وَآلَاتٌ لِتَعَرُّفِ أَحْوَالِهَا اور یہ آلات ہیں ان متعلقات کے احوال کو جاننے کے لیے۔ مِنْ کو کس کے لیے وضع کیا گیا؟ جزئی معنی کے لیے۔ اور جزئی معنی کیا ہے؟ اس کے لیے کیا چاہیے؟ مخصوص فعل بھی چاہیے اور مخصوص جگہ یا زمانہ بھی چاہیے، کیونکہ یہ مِنْ یہ ان دونوں کی کیا بیان کرتا ہے؟ حالت بیان کرتا ہے، اور مِنْ کو ہم آلہ بناتے ہیں ان دونوں کی حالت کو پہچاننے کے لیے۔ اس کے مِنْ کے ذریعے ہمیں پتہ چلتا ہے کہ کس کی نسبت کی جا رہی ہے، یہ جو ماقبل میں فعل ذکر ہوا اس کی کی جا رہی ہے، اور کس خاص چیز کی طرف کی جا رہی ہے، یہ جو مابعد میں چیز ذکر ہوئی۔ تو یہ مخصوص چیزوں کے درمیان جو نسبت ہوتی ہے اس کو بیان کرنے کے لیے آتا ہے کیونکہ یہ ان کی حالت بیان کرتا ہے، یہ الگ کوئی چیز نہیں ہے۔ یہ الگ چیز نہیں ہے۔ جیسے میں نے قَامَ اور زَيْدٌ کی مثال دی تھی، قَامَ اور زَيْدٌ کے درمیان بھی آپ کو نسبت سمجھ میں آ رہی ہے لیکن وہ نسبت کوئی الگ نہیں ہے، اس کو آپ نے آلہ بنایا ہے کس کو جاننے کے لیے؟ قَامَ اور زید کو جاننے کے لیے کہ یہ دونوں الگ الگ نہیں ہیں، یہ دونوں آپس میں جڑے ہوئے ہیں۔ تو کس کو آئینہ بنایا؟ نسبت کو، آلہ بنایا کس کو جاننے کے لیے؟ ان دونوں کی حالت کو جاننے کے لیے کہ قَامَ کی کیا حالت ہے: یہ محکومٌ بہ ہے، اور زَيْدٌ کی کیا حالت ہے: وہ محکومٌ علیہ ہے۔ تو یہ نسبت کو جیسے آلہ بنایا ہے یہاں پر، اسی طرح یہ جو مِنْ ہے یہ بھی کیا کام کرتا ہے؟ دو چیزوں کے درمیان نسبت بیان کرتا ہے۔ تو یہ آلہ ہے ان دونوں کے، دونوں جو متعلقات ہیں ان کے احوال کو جاننے کے لیے یہ آلہ ہے۔ تو جب تک وہ متعلقات ذکر نہیں ہوں گے اس کا معنی سمجھ میں نہیں آئے گا کیونکہ اس کا معنی مستقل ہے ہی نہیں، یہ تو ان دونوں کی حالت بیان کر رہا ہے۔ بھئی وہ دو چیزیں ذکر ہوں گی تو ان کی حالت بھی سمجھ میں آئے گی، وہ دو چیزیں ہی نہیں ہیں تو ان کی حالت کہاں سے سمجھ میں آئے گی؟ تو سِرْثٌ بھی ذکر ہونا چاہیے اور بصرہ بھی، یا کوئی اور فعل اور کوئی اور جگہ ضرور ذکر ہونی چاہیے، پھر ہی یہ ان کی صفت بنے گی، ان کی حالت بنے گی بھئی۔

پھر ایک دفعہ ترجمہ دیکھ لیں۔ کہتے ہیں وَلَفْظَةَ مِنْ مَوْضُوْعَةٌ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِنْ جُزْئِيَّاتِهِ الْمَخْصُوْصَةِ الْمُتَعَقَّلَةِ اور لفظِ مِنْ

اس کو وضع کیا گیا ہے اس کی مخصوص جزئیات میں سے ہر ایک کے لیے، وہ مخصوص جزئیات الْمُتَعَقَّلَةِ جن کا تعقل کیا جاتا ہے، جو عقل میں آتی ہیں، جو ہم سمجھتے ہیں، وہ جزئیات جو ہماری عقل میں آتی ہیں مِنْ حَيْثُ إِنَّهَا پڑھیں، مِنْ حَيْثُ إِنَّهَا حَالَاتٌ لِ، حَيْثُ کے بعد إِنَّ پڑھیں بھئی۔ حَيْثُ کے بعد کیا پڑھتے ہیں؟ إِنَّ، کیونکہ حَيْثُ مضاف ہوتا ہے جملے کی طرف، اور اگر أَنَّ پڑھیں گے پھر تو یہ مفرد بن جائے گا، أَنَّ تو کیا کرتا ہے؟ جملے کو مصدر کی تاویل میں کر دیتا ہے، تو حَيْثُ کے بعد إِنَّ پڑھیں گے۔ ہاں بعض علماء بعض ائمہ فرماتے ہیں کہ حَيْثُ مفرد کی طرف بھی مضاف ہو جاتا ہے تو ان کے مذہب پر أَنَّ بھی پڑھ سکتے ہیں لیکن جمہور کے نزدیک إِنَّ پڑھیں گے۔ تو مِنْ جو ہے اس کو وضع کیا گیا ہے اپنی ان مخصوص جزئیات کے لیے جن کا تعقل کیا جاتا ہے، مِنْ حَيْثُ اس حیثیت سے إِنَّهَا حَالَاتٌ لِمُتَعَلَّقَاتِهَا کہ یہ اس کے متعلقات کے حالات ہیں۔ یہ جزئی شروع کرنا یہ کوئی الگ چیز نہیں بلکہ یہ اپنے متعلقات کے حالات ہوتے ہیں، ان کی صفات ہوتی ہیں۔ وہ متعلقات ہوں گے تو ان کی صفت بھی سمجھ میں آئے گی، وہ متعلقات نہیں تو ان کی صفت بھی سمجھ میں نہیں آئے گی۔ اس حیثیت سے کہ إِنَّهَا حَالَاتٌ لِمُتَعَلَّقَاتِهَا کہ یہ جزئیات جو ہیں یہ حالات ہوتے ہیں یعنی یہ جزئی شروع کرنا جو ہے یہ حالات ہوتے ہیں اپنے متعلقات کے لیے، وَآلَاتٌ لِتَعَرُّفِ أَحْوَالِهَا اور یہ جو جزئیات ہیں شروع کرنے کی یہ آلات ہیں لِتَعَرُّفِ أَحْوَالِهَا اپنے متعلقات کے احوال کو پہچاننے کے لیے۔ اس سے متعلقات کے احوال کا پتہ چلے گا کہ ایک چیز منسوب ہے اور دوسری منسوبٌ الیہ، ایک چیز ہے جس کو شروع کیا جا رہا ہے اور ایک جگہ یا زمانہ ہے جہاں سے شروع کیا جا رہا ہے۔

وَذٰلِكَ الْمَعْنَى الْكُلِّيُّ، جی اب آپ کو بات سمجھ میں آ گئی کہ ابتدا دو قسم پر ہے: ایک ابتدا کلی اور ایک ابتدا جزئی۔ ابتدائے جزئی ہمیشہ کس کے درمیان ہوگی؟ ایک کسی مخصوص فعل اور مخصوص جگہ یا زمانے کے درمیان ہوگی۔ اب بتانے لگے ہیں۔ کہتے ہیں وَذٰلِكَ الْمَعْنَى الْكُلِّيُّ اور معنیِ کلی جو ہے یہ شروع کرنا، يُمْكِنُ أَنْ يُتَعَقَّلَ قَصْدًا کہ ممکن ہے اس کا تعقل کرنا قصداً۔ قصداً اس کو سمجھنا، ذہن کا اس کی طرف متوجہ ہونا اور اس کو سمجھنا ممکن ہے۔ کہتے ہیں وَذٰلِكَ الْمَعْنَى الْكُلِّيُّ يُمْكِنُ أَنْ يُتَعَقَّلَ قَصْدًا اور وہ معنیِ کلی جو ہے اس کا تعقل کرنا قصداً ارادے کے ساتھ یہ ممکن ہے، وَيُلَاحَظَ فِيْ حَدِّ ذَاتِهِ اور اس کو ملاحظہ کرنا اپنی ذات کے اعتبار سے یہ بھی ممکن ہے۔ پھر عبارت سنو: وَذٰلِكَ الْمَعْنَى الْكُلِّيُّ يُمْكِنُ أَنْ يُتَعَقَّلَ قَصْدًا وَيُلَاحَظَ فِيْ حَدِّ ذَاتِهِ اور وہ والا جو معنیِ کلی ہے یعنی شروع کرنا جو کلی معنی ہے، ممکن ہے کہ اس کا قصداً تعقل کیا جائے وَيُلَاحَظَ فِيْ حَدِّ ذَاتِهِ اور اس کو اپنی ذات کے اعتبار سے ملاحظہ کیا جائے، یہ ممکن ہے۔ فَيَسْتَقِلُّ بِالْمَفْهُوْمِيَّةِ، جب اس کا تعقل قصداً کرنا ممکن ہے اور اس کو اپنی ذات کے اعتبار سے اس کو ملاحظہ کرنا یعنی عقل کا اس کی طرف متوجہ ہونا ممکن ہے، تو فَيَسْتَقِلُّ بِالْمَفْهُوْمِيَّةِ تو پھر یہ والا شروع کرنا جو معنیِ کلی ہے یہ مستقل ہوگا مفہوم ہونے کے اعتبار سے یعنی مستقلاً سمجھ میں آئے گا کسی اسم سے، وَيَصْلُحُ أَنْ يَكُوْنَ مَحْكُوْمًا عَلَيْهِ وَبِهِ اور یہ صلاحیت رکھے گا کہ وہ محکومٌ علیہ اور بہ ہو سکے، کیونکہ اس کی طرف عقل کا توجہ کرنا ممکن ہے۔ جب عقل قصداً اس کی طرف توجہ کرے گی تو پھر یہ مستقل بالمفہومیت ہوا یعنی یہ مستقلاً مفہوم ہو رہا ہے، اور جو چیز مستقلاً مفہوم ہو رہی ہو وہ محکومٌ علیہ بھی بن سکتی ہے اور محکومٌ بہ بھی۔ یہ

معنی ہے فَيَسْتَقِلُّ بِالْمَفْهُوْمِيَّةِ تو یہ مستقل بالمفہومیت ہو گا، وَيَصْلُحُ أَنْ يَكُوْنَ مَحْكُوْمًا عَلَيْهِ وَبِهِ اور یہ صلاحیت رکھے گا کہ یہ محکومٌ علیہ اور بہٖ ہو سکے۔ وَأَمَّا تِلْكَ الْجُزْئِيَّاتُ اور باقی وہ جزئیات جو ہیں یعنی شروع کرنے کی جو جزئیات ہیں جو کس میں ہوتی ہیں؟ خاص فعل اور خاص جگہ یا زمانے کے بیچ میں، وہ جزئیات وہ شروع کرنا مستقل نہیں ہے۔ وہ جب تک وہ متعلقات ذکر نہ کریں وہ شروع کرنا سمجھ میں ہی نہیں آتا۔ جب وہ مستقل نہیں ہے اور عقل اس کو مستقلاً ملاحظہ نہیں کر سکتی، عقل مستقلاً اس کی طرف توجہ نہیں کر سکتی، تو وہ محکومٌ علیہ بھی نہیں بن سکتا اور محکومٌ بہٖ بھی نہیں بن سکتا، کیونکہ محکومٌ علیہ بھی وہی بنتا ہے جس کی طرف عقل مستقلاً توجہ کر سکے اور محکومٌ بہٖ بھی وہی بنتا ہے جس کی طرف عقل مستقلاً توجہ کر سکے۔

تو کہتے ہیں وَأَمَّا تِلْكَ الْجُزْئِيَّاتُ فَلَا تَسْتَقِلُّ بِالْمَفْهُوْمِيَّةِ اور باقی وہ جزئیات جو ہیں تو وہ مستقل بالمفہومیت نہیں ہیں، وَلَا تَصْلُحُ أَنْ تَكُوْنَ مَحْكُوْمًا عَلَيْهَا وَبِهَا تو وہ صلاحیت نہیں رکھتیں کہ وہ محکومٌ علیہ اور محکومٌ بہا بن جائیں۔ إِذْ لَا بُدَّ فِيْ كُلٍّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا أَنْ يَكُوْنَ مَلْحُوْظًا قَصْدًا اس لیے کیوں، ادھر دیکھیے، وہ محکومٌ علیہ اور محکومٌ بہٖ نہیں بن سکتیں، کیوں نہیں بن سکتیں؟ ابھی میں نے وجہ بتلا دی کیونکہ محکومٌ علیہ یا محکومٌ بہٖ وہی بنے گا جس کی طرف عقل قصداً اور بالذات توجہ کرے، ورنہ وہ محکومٌ علیہ یا محکومٌ بہٖ نہیں بن سکتا۔ یہی بیان کر رہے ہیں۔ تو یہ جو جزئی معنی ہے وَلَا تَصْلُحُ أَنْ تَكُوْنَ مَحْكُوْمًا عَلَيْهَا وَبِهَا تو یہ جزئیات صلاحیت نہیں رکھتیں کہ یہ محکومٌ علیہا یا محکومٌ بہا بن سکیں۔ بات سمجھ میں آ گئی؟ بھئی پیچھے آیا تھا مَحْكُوْمًا عَلَيْهِ اور مَحْكُوْمًا بِهِ، یہاں آیا مَحْكُوْمًا عَلَيْهَا وَبِهَا۔ یہاں واحد مؤنث کی ضمیر راجع کی، دراصل وہ جزئیات کی بات چل رہی ہے اور جزئیات کیا ہے؟ جمع ہے، اور جمع بتاویلِ جماعت کس کے حکم میں؟ واحد مؤنث، تو اس لیے واحد مؤنث کی ضمیر اس کی طرف راجع کی۔ کہ وہ جزئیات جو ہیں فَلَا تَسْتَقِلُّ بِالْمَفْهُوْمِيَّةِ وہ مستقل بالمفہومیت بھی نہیں ہیں، وَلَا تَصْلُحُ أَنْ تَكُوْنَ مَحْكُوْمًا عَلَيْهَا وَبِهَا اور وہ جزئیات صلاحیت نہیں رکھتیں کہ وہ محکومٌ علیہا بن سکیں یا محکومٌ بہا بن سکیں۔ إِذْ لَا بُدَّ فِيْ كُلٍّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا اس لیے کیونکہ ان دونوں میں ضروری ہے، کن دونوں میں؟ محکومٌ علیہ اور محکومٌ بہٖ کے اندر ضروری ہے کہ أَنْ يَكُوْنَ مَلْحُوْظًا قَصْدًا کہ قصداً یہ ملحوظ ہونا چاہیے۔ یہ والا معنی کیا ہونا چاہیے جو محکومٌ علیہ ہے؟ قصداً ملحوظ ہونا چاہیے۔ بھئی کیوں؟ قصداً کیوں ملحوظ ہونا چاہیے؟ میں نے وجہ ذکر کر دی، کیونکہ آپ نے اس پر ایک حکم لگانا ہے تو ذہن کی اس کی طرف توجہ ہو گی تو حکم لگائیں گے۔ زَيْدٌ قَائِمٌ میں زید پر حکم لگانا چاہتا ہوں قائم کا تو پہلے اس چیز کا بھی تصور کرنا پڑے گا جس پر حکم لگانا چاہتے ہیں، اور کیا حکم لگانا چاہتے ہیں؟ قائم والا، تو اس کی طرف بھی توجہ کرنی پڑے گی، اور پھر ہی قائم کی نسبت کس کی طرف کریں گے؟ زید کی طرف۔ تو دونوں مستقل بالمفہوم ہوں یعنی قصداً دونوں کی طرف عقل کی توجہ ہو، پھر ہی محکومٌ علیہ اور محکومٌ بہٖ بن سکتے ہیں، ویسے نہیں۔ اور یہ جزئیات تو، یہ جزئیات تو مستقل بالمفہوم نہیں، تو یہ محکومٌ علیہ اور محکومٌ بہٖ نہیں بن سکتیں۔

إِذْ لَا بُدَّ فِيْ كُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا أَنْ يَكُوْنَ مَلْحُوْظًا قَصْدًا اس لیے کیونکہ ضروری ہے ان دونوں میں سے ہر ایک کے اندر یعنی یہ محکومٌ علیہ اور محکومٌ بہ ان میں سے ہر ایک میں ضروری ہے کہ أَنْ يَكُوْنَ مَلْحُوْظًا قَصْدًا کہ وہ قصداً ملحوظ ہو یعنی قصداً عقل کی اس کی طرف توجہ ہو۔ لِيُمْكِنَ أَنْ يُعْتَبَرَ النِّسْبَةُ بَيْنَهُ وَبَيْنَ غَيْرِهِ تاکہ یہ ممکن ہو سکے کہ اس کے اور اس کے غیر کے درمیان نسبت کا اعتبار کیا جائے۔ آپ زید اور قائم کے درمیان نسبت کا اعتبار کرنا چاہتے ہیں تو تب ہی نہ اعتبار کریں گے نا جب پہلے زید کی طرف بھی مستقلاً توجہ ہو اور قائم کی طرف بھی مستقلاً توجہ ہو، ان دونوں کی طرف توجہ ہو گی تو پھر ہی ان دونوں کے درمیان نسبت کو بھی کبھی اعتبار کیا جا سکے گا۔ یہ معنی ہے لِيُمْكِنَ أَنْ يُعْتَبَرَ النِّسْبَةُ بَيْنَهُ وَبَيْنَ غَيْرِهِ تاکہ ممکن ہو کہ اعتبار کیا جا سکے نسبت کا اس چیز کے درمیان اور اس کے غیر کے درمیان، پھر ہی اعتبار ہو سکے گا جب یہ ملحوظ قصداً ہوں بھئی۔

بَلْ تِلْكَ الْجُزْئِيَّاتُ لَا تُتَعَقَّلُ إِلَّا بِذِكْرِ مُتَعَلِّقَاتِهَا اور یہ جو جزئیات ہیں، کون سی جزئیات؟ یہ جو شروع کرنے کی جزئیات ہیں جس کے لیے مِنْ وضع ہے، جس کے لیے مخصوص فعل بھی چاہیے اور مخصوص جگہ بھی، تو ان جزئیات کا تعقل آپ کر ہی نہیں سکتے جب تک متعلقات جو ہیں ان کو ذکر نہ کیا جائے۔ مِنْ شروع کرنے پر دلالت کرتا ہے لیکن یہ شروع کرنا کون سا ہے؟ کلی ہے یا جزئی ہے؟ جزئی ہے، اور جزئی شروع کرنا کون سا ہوتا ہے؟ جو دو مخصوص چیزوں کے درمیان ہو۔ جب دو مخصوص چیزوں کے درمیان شروع کرنا وہ جزئی ہے تو وہ دونوں مخصوص چیزوں کا بھی ذکر کرنا پڑے گا یا نہیں؟ اس کے بغیر خود بخود تو وہ سمجھ میں نہیں آئیں گی بھئی۔ کہتے ہیں بَلْ تِلْكَ الْجُزْئِيَّاتُ لَا تُتَعَقَّلُ إِلَّا بِذِكْرِ مُتَعَلِّقَاتِهَا بلکہ وہ جزئیات جو ہیں ان کا تعقل نہیں کیا جا سکتا، ان کا وہ جو شروع کرنے والا جزئی معنی ہیں ان کا تعقل نہیں کیا جا سکتا، وہ عقل میں آ ہی نہیں سکتے، وہ سمجھے ہی نہیں جا سکتے إِلَّا بِذِكْرِ مُتَعَلِّقَاتِهَا مگر یہ کہ اس کے متعلقات کو ذکر کر دیا جائے۔ لِتَكُوْنَ آلَاتٍ لِمُلَاحَظَةِ أَحْوَالِهَا تاکہ یہ جزئی معانی جو ہیں یہ آلات بن جائیں ان متعلقات کے احوال کو ملاحظہ کرنے کے لیے۔ یہ جزئی شروع کرنا یہ مستقل تھا یا یہ حالات تھے اپنے متعلقات کے؟ یہ حالات تھے، ان کے درمیان نسبت تھی، تو نسبت تو تب ہی سمجھ میں آئے گی نا جب منسوب اور منسوبٌ الیہ آپ کو سمجھ میں آئیں۔ دو چیزیں سمجھ، قَامَ اور زَيْدٌ کے درمیان نسبت ہے، قَامَ اور زَيْدٌ آپ کو سمجھ میں آئیں گے تو ان کے درمیان نسبت بھی سمجھ میں آئے گی۔ جب تک قَامَ اور زَيْدٌ نہیں سمجھ میں آئیں گے تو ان کے درمیان نسبت بھی سمجھ میں نہیں آئے گی۔ تو اسی طرح جزئی شروع کرنا جو ہے وہ دو مخصوص چیزوں کے درمیان ہے، تو ضروری ہے کہ ان دونوں کو ذکر کیا جائے، ان دونوں کے ذکر کیے بغیر ان کے درمیان شروع کرنے کی نسبت بھی سمجھ میں نہیں آئے گی، کیونکہ یہ جو جزئی شروع کرنا ہے یہ ان دونوں چیزوں کے حالات ہیں اور ان دونوں کے حالات یہ تب ہی بن ہو سکتے ہیں جب یہ دونوں ذکر ہوں گی، بغیر ذکر کے تو حالات نہیں ہو سکتے ان کی، ان کی صفت یہ شروع کرنا نہیں بن سکتا بھئی۔

دیکھیے پھر ترجمہ۔ کہتے ہیں بَلْ تِلْكَ الْجُزْئِيَّاتُ لَا تُتَعَقَّلُ إِلَّا بِذِكْرِ مُتَعَلِّقَاتِهَا اور وہ جزئیات جو ہیں ان کا تعقل نہیں کیا جا

سکتا مگر یہ کہ اس کے متعلقات کو ذکر کر دیا جائے، لِتَكُوْنَ آلَاتٍ لِمُلَاحَظَةِ أَحْوَالِهَا تاکہ یہ جو جزئیات جو ہیں یہ آلات بن جائیں ان متعلقات کے احوال کو ملاحظہ کرنے کے لیے، اس سے ان کے احوال سمجھ میں آجائیں۔

وَهٰذَا هُوَ الْمُرَادُ بِقَوْلِهِمْ اور یہی مراد ہے بِقَوْلِهِمْ أَيْ بِقَوْلِ النُّحَاةِ، ہُمْ ضمیر کس کو راجع کر دی؟ نحویوں کو۔ آپ کہیں گے پیچھے تو نحویوں کا ذکر نہیں آیا؟ بھئی یہ جو فن آپ پڑھ رہے ہوں تو اس فن والوں کا ذکر معناً آچکا ہے، جب نحو کی کتاب پڑھ رہے ہیں تو معناً کس کا ذکر آچکا گویا؟ معنوی طور پر نحویوں کا ذکر آچکا کیونکہ یہ انہی کی باتیں ہیں ساری بھئی۔ تو کہتے ہیں وَهٰذَا هُوَ الْمُرَادُ بِقَوْلِهِمْ اور یہی مراد ہے نحویوں کے اس قول سے۔ نحوی کیا فرماتے ہیں؟ إِنَّ الْحَرْفَ كَلِمَةٌ تَدُلُّ عَلٰى مَعْنًى فِيْ غَيْرِهَا، بِقَوْلِهِمْ إِنَّ، إِنَّ پڑھنا بھئی کیونکہ قول کے بعد کیا اور قَالَ وغیرہ کے بعد کیا پڑھتے ہیں؟ إِنَّ۔ اور یہی مراد ہے نحویوں کے اس قول سے بھی کہ إِنَّ الْحَرْفَ كَلِمَةٌ تَدُلُّ عَلٰى مَعْنًى فِيْ غَيْرِهَا کہ حرف جو ہے وہ ایسا کلمہ ہے جو دلالت کرتا ہے ایسے معنی پر فِيْ غَيْرِهَا جو اس کلمہ کے غیر میں ہوتا ہے۔ جو اس کلمہ کے غیر میں ہوتا ہے یعنی اس کے غیر کے اعتبار سے ہوتا ہے یعنی متعلقات کے اعتبار سے ہوتا ہے۔ وہ کیونکہ یہ والا جو جزئی معنی ہے اس کا اپنا الگ وجود نہیں، یہ دو چیزوں کے درمیان نسبت ہے تو وہ دو چیزیں ذکر ہوں گی تو اس سے شروع کرنے والا معنی بھی سمجھ میں آئے گا مِنْ سے، ورنہ شروع کرنے والا معنی، تو معلوم ہوا حرف ایسے معنی پر دلالت کرتا ہے جو کس کے اعتبار سے ثابت ہے؟ اپنے غیر کے یعنی اپنے متعلقات کے اعتبار سے ثابت ہے، اس کے متعلقات کے بغیر سمجھ میں ہی نہیں آسکتا۔ یہ معنی ہے کہ إِنَّ الْحَرْفَ كَلِمَةٌ تَدُلُّ عَلٰى مَعْنًى فِيْ غَيْرِهَا کہ حرف وہ ایسا کلمہ ہے جو دلالت کرتا ہے ایسے معنی پر جو اس کے غیر کے اعتبار سے ثابت ہوتا ہے یعنی اس کے متعلقات کے اعتبار سے ثابت ہوتا ہے۔

یہ تھا شرح کا تیسرا حصہ جس میں ملا جامی رحمہ اللہ نے لفظِ ابتدا اور لفظِ مِنْ کے معنی میں فرق بیان کیا باعتبارِ وضع کے، کہ لفظِ ابتدا معنیِ کلی کے لیے وضع ہے اور لفظِ مِنْ جو ہے معنیِ جزئی کے لیے وضع ہے بھئی۔

وَإِذَا عَرَفْتَ هٰذَا، یہ چوتھا حصہ آگیا بھئی حاصل محصول کی بحث کا۔ اس کے اندر ایک اعتراض کا جواب دیں گے۔ اعتراض یہ کہ اے صاحبِ جامی آپ نے اسم کی تعریف میں اَلْكَلِمَةُ مَا دَلَّ عَلٰى مَعْنًى فِيْ نَفْسِهِ، اس فِيْ نَفْسِهِ کی ہا ضمیر کو کس کی طرف لوٹایا؟ مَا دَلَّ کی طرف، اور مَا دَلَّ سے کیا مراد ہے؟ کلمہ، مَا سے کیا مراد؟ کلمہ۔ تو مختصر لفظوں میں یوں کہو کہ آپ نے نَفْسِهِ کی ہا ضمیر کلمہ کی طرف راجع کی، اور آگے آپ نے بتلایا کہ ایضاح کے اندر علامہ ابنِ حاجب نے اس فِيْ نَفْسِهِ کی ہا ضمیر کس کو راجع کی ہے؟ معنی کو راجع کی ہے۔ تو آپ نے علامہ ابنِ حاجب کی مخالفت کر دی، انہوں نے تو فِيْ نَفْسِهِ کی ہا ضمیر معنی کو راجع کی تھی ایضاح کے اندر اور آپ نے کس کو راجع کر دی؟ کلمہ کو راجع کر دیا۔ تو آپ کو ملا جامی رحمہ اللہ اس میں بتلائیں گے کہ فِيْ نَفْسِهِ کی ہا ضمیر چاہے معنی کو راجع کرو چاہے کلمہ کو راجع کرو دونوں کا مآل اور نتیجہ ایک ہی ہے۔ فِيْ نَفْسِهِ کی ہا ضمیر معنی کو راجع کرو تو کیا ترجمہ بنے گا؟ مَعْنًى فِيْ نَفْسِهِ أَيْ مَعْنًى بِاعْتِبَارٍ فِيْ نَفْسِهِ ایسا معنی جو اپنی ذات کے اعتبار سے ثابت ہے یعنی مستقل بالمفہومیت ہے، مستقلاً سمجھ میں آرہا ہے، کسی کے تابع نہیں ہے۔ تو

مَعْنًى فِيْ نَفْسِهِ سے کیا مراد ہوا؟ معنی کا مستقل بالمفہوم ہونا۔ اسی طرح کہتے ہیں اگر فِيْ نَفْسِهِ کی ہا ضمیر کلمہ کو راجع کریں تو بھی یہی معنی ہے: مَعْنًى فِيْ نَفْسِ الْكَلِمَةِ ایسا معنی جو کلمہ کی ذات میں ہو۔ کلمہ کی ذات میں معنی ہونے کا کیا مطلب؟ کہ کلمہ خود اس پر دلالت کر رہا ہے، کسی اور لفظ کو ساتھ جوڑنے کی ضرورت نہیں یعنی یہ مستقل بالمفہوم ہے، مستقلاً اس کلمے سے سمجھ میں آرہا ہے۔ تو فِيْ نَفْسِهِ کی ہا ضمیر چاہے معنی کو راجع کریں اس کا معنی بھی مستقل بالمفہوم ہونا، فِيْ نَفْسِهِ کی ہا ضمیر کلمہ کو راجع کریں اس کا معنی بھی کیا ہے؟ مستقل بالمفہوم ہونا۔ تو دونوں کا مآل ایک ہی ہے، چاہے یہ ضمیر معنی کو راجع کرو چاہے یہ ضمیر کلمہ کو راجع کرو دونوں کا معنی ایک ہی ہے، اس سے کوئی خرابی لازم نہیں آتی۔ علامہ ابنِ حاجب نے کس کو راجع کی تھی؟ معنی کو، اور شارحِ جامی نے کس کو راجع کر دی؟ کلمہ کو، لیکن اس سے کوئی خرابی لازم نہیں آتی۔ بات سمجھ میں آگئی؟ دیکھیے بھئی۔

کہتے ہیں وَإِذَا عَرَفْتَ هٰذَا عَلِمْتَ اور جب آپ نے اس بات کو جان لیا، یہ ساری تفصیل جب آپ نے جان لی، وَإِذَا عَرَفْتَ هٰذَا اور جب یہ ساری تفصیل آپ نے جان لی تو عَلِمْتَ تو آپ کو یہ بات معلوم ہو گئی کہ أَنَّ الْمُرَادَ بِكَيْنُوْنَةِ الْمَعْنٰى فِيْ نَفْسِهِ، كَيْنُوْنَة یہ مصدر ہے كَانَ يَكُوْنُ كَوْنًا وَكَيْنُوْنَةً، تو یہ كَوْن کے معنی میں ہے، ہونا، ہونا۔ تو کہتے ہیں وَإِذَا عَرَفْتَ هٰذَا اور جب آپ نے یہ ساری بحث جان لی عَلِمْتَ تو آپ نے جان لیا کہ أَنَّ الْمُرَادَ بِكَيْنُوْنَةِ الْمَعْنٰى فِيْ نَفْسِهِ کہ معنی کا فِيْ نَفْسِهِ ہونے سے مراد جو ہے اِسْتِقْلَالُهُ بِالْمَفْهُوْمِيَّةِ وہ اس معنی کا مستقل بالمفہوم ہونا ہے، وَبِكَيْنُوْنَةِ الْمَعْنٰى فِيْ نَفْسِ الْكَلِمَةِ اور معنی کا نفسِ کلمہ میں ہونے سے مراد جو ہے، اس سے کیا مراد ہے؟ کہتے ہیں دَلَالَتُهَا عَلَيْهِ کہ وہ کلمہ اس پر دلالت کر رہا ہے اس معنی پر مِنْ غَيْرِ حَاجَةٍ إِلٰى ضَمِّ كَلِمَةٍ أُخْرٰى إِلَيْهَا بغیر اس حاجت کے کہ اس کے ساتھ کوئی دوسرا کلمہ ملایا جائے۔ معنی کا نفسِ معنی میں ہونا، کیا معنی تھا؟ یعنی وہ مستقل بالمفہوم ہے۔ اور معنی کا نفسِ کلمہ میں ہونا، اس کا کیا معنی ہے؟ کہ کلمہ خود اس پر دلالت کر رہا ہے، اس کے ساتھ کوئی اور کلمہ جوڑنے کی حاجت نہیں۔ یہ معنی ہے وَبِكَيْنُوْنَةِ الْمَعْنٰى فِيْ نَفْسِ الْكَلِمَةِ اور معنی کا نفسِ کلمہ ہونے سے مراد یہ ہے کہ دَلَالَتُهَا عَلَيْهِ مِنْ غَيْرِ حَاجَةٍ إِلٰى ضَمِّ كَلِمَةٍ أُخْرٰى إِلَيْهَا کہ کلمہ اس پر دلالت کر رہا ہے بغیر اس حاجت کے کہ اس کے ساتھ کوئی دوسرا کلمہ ملایا جائے، لِاسْتِقْلَالِهِ بِالْمَفْهُوْمِيَّةِ اس لیے کیونکہ وہ معنی جو ہے وہ مستقل بالمفہوم ہوتا ہے یعنی مستقلاً اس لفظ سے سمجھ میں آتا ہے۔

فَمَرْجِعُ كَيْنُوْنَةِ الْمَعْنٰى فِيْ نَفْسِهِ وَكَيْنُوْنَتِهِ فِيْ نَفْسِ الْكَلِمَةِ الدَّالَّةِ عَلَيْهِ إِلٰى أَمْرٍ وَاحِدٍ تو کہتے ہیں کہ معنی کا نفسِ معنی میں ہونا اور معنی کا نفسِ کلمہ میں ہونا دونوں کا مآل ایک ہی ہے، دونوں کا مآل ایک ہی ہے، نتیجہ ایک ہی ہے، دونوں کا ایک ہی معنی ہے، کیا معنی؟ کہ معنی مستقل بالمفہوم ہے۔ معنی کیا ہے؟ مستقل بالمفہوم ہے، مستقلاً سمجھ میں آرہا ہے۔ فَمَرْجِعُ، مَرْجِع مصدر ہے بھئی مصدر، مصدرِ میمی۔ فَمَرْجِعُ كَيْنُوْنَةِ الْمَعْنٰى فِيْ نَفْسِهِ تو معنی کا فِيْ نَفْسِهِ ہونا وَكَيْنُوْنَتِهِ فِيْ نَفْسِ الْكَلِمَةِ اور معنی کا نفسِ کلمہ میں ہونا، وہ کلمہ الدَّالَّةِ عَلَيْهِ جو اس پر دلالت کر رہا ہے، تو معنی کا نفسِ کلمہ میں ہونا اور معنی کا اس کلمے کی ذات میں ہونا جو اس پر دلالت کر رہا ہے۔ ترجمے پہ نظر ہے؟ فَمَرْجِعُ كَيْنُوْنَةِ الْمَعْنٰى فِيْ نَفْسِهِ تو معنی کا اپنی

ذات میں ہونا اس کا مرجع وَكَيْنُوْنَتِهِ فِيْ نَفْسِ الْكَلِمَةِ الدَّالَّةِ عَلَيْهِ اور معنی کا اس کلمے کی ذات میں ہونا جو اس پر دلالت کر رہا ہے، ان دونوں کا مرجع جو ہے إِلٰى أَمْرٍ وَاحِدٍ ایک ہی امر کی طرف ہے یعنی ایک ہی چیز کی طرف دونوں لوٹتے ہیں، دونوں کا نتیجہ ایک ہی ہے وَهُوَ اسْتِقْلَالُهُ بِالْمَفْهُوْمِيَّةِ اور وہ اس معنی کا مستقل بالمفہوم ہونا ہے۔ دونوں کا مآل کیا ہے؟ دونوں کا مرجع کیا ہے؟ کہ یہ معنی مستقل بالمفہوم ہے۔ تو آپ فِيْ نَفْسِهِ کی ہا ضمیر چاہے کلمہ کو راجع کریں چاہے آپ معنی کو راجع کریں دونوں کا مآل اور نتیجہ ایک ہی ہے، دونوں سے مراد جو ہے کہ وہ معنی مستقل بالمفہوم ہے، مستقلاً سمجھ میں آرہا ہے۔

چلیے بس کریں بھئی، بات اچھی طرح سمجھ میں آگئی۔ چلیے بس بھئی، هٰذَا هُوَ الْمَرَامُ وَاللهُ أَعْلَمُ بِحَقِيْقَةِ الْكَلَامِ.

سبق نمبر ۳۳: تعریفِ اسم (٦): «مُقْتَرِنًا» اور «فِيْ نَفْسِهٖ» کی قیود کا خلاصہ

شرحِ ملا جامی صفحہ: ۲۲ — بتاریخ: ۸ اگست ۲۰۲۱ء

▪ تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث

دیکھیے بھائی آگے سبق کتاب پر:

فَفِي هٰذَا الْكِتَابِ الضَّمِيرُ الْمَجْرُورُ الَّذِي فِي نَفْسِهِ يَحْتَمِلُ أَنْ يَرْجِعَ إِلَى مَا الْمَوْصُولَةِ الَّتِي هِيَ عِبَارَةٌ عَنِ الْكَلِمَةِ وَهٰذَا هُوَ الظَّاهِرُ لِيَكُونَ عَلَى طِبْقِ مَا سَبَقَ فِي وَجْهِ الْحَصْرِ مِنْ كَيْنُونَةِ الْمَعْنَى فِي نَفْسِ الْكَلِمَةِ.

بھائی حاصل محصول کی بحث چل رہی ہے۔ گزشتہ سبق میں اس حاصل محصول کی بحث کا تیسرا اور چوتھا حصہ پڑھا تھا۔ اور یہ ساری تقریر چل رہی ہے ملا جامی رحمہ اللہ کی بھائی۔ ملا جامی رحمہ اللہ فرماتے ہیں معنی اسمی اور معنی حرفی کے درمیان فرق بیان کرتے ہوئے کہ یہ دونوں جو ہیں وضع کے اعتبار سے ہی دونوں میں فرق ہے۔ ایک ہے لفظِ مِنْ اور ایک ہے اس کا معنی، اور ایک ہے لفظِ ابتداء اور ایک ہے اس کا معنی۔ ان دونوں کے درمیان وضع کے اعتبار سے ہی فرق ہے۔ لفظِ ابتداء کو وضع کیا گیا ہے معنی کلی کے لیے، اور لفظِ مِنْ کو وضع کیا گیا ہے معنی جزئی کے لیے۔ تو ابتداء کا معنی بھی شروع کرنا، مِنْ کا معنی بھی شروع کرنا، لیکن ابتداء کا جو معنی ہے شروع کرنا وہ کلی ہے بھائی، اور مِنْ کا جو معنی ہے شروع کرنا وہ ایک جزئی ہے، وہ ہمیشہ دو خاص چیزوں کے درمیان ہوگا۔ تو اس کے لیے ایک خاص فعل بھی ذکر ہونا چاہیے ساتھ اور خاص جگہ یا زمانہ بھی ذکر ہونا چاہیے، پھر ہی اس مِنْ کا معنی سمجھ میں آئے گا بھائی، اس کے بغیر معنی سمجھ میں نہیں آئے گا۔

تو معلوم ہوا یہ جو مِنْ ہے یہ جزئیات کے لیے وضع ہے اور اس کا معنی مستقل نہیں ہے، اس کے لیے وہ متعلقات ذکر ہوں گے تو پھر ہی معنی سمجھ میں آئے گا، اس کے بغیر سمجھ میں نہیں۔ تو یہ معلوم ہوا یہ مستقل بالمفہوم نہیں۔ وہ متعلقات ہیں تو شروع کرنے والا معنی بھی ہے ان کے درمیان، اور اگر وہ متعلقات نہیں تو ان کے درمیان شروع کرنے والا معنی بھی نہیں۔ معلوم ہوا اس کا دارو مدار متعلقات پر ہے۔ وہ متعلقات ہیں تو شروع کرنے والا معنی ہے ورنہ نہیں۔ معلوم ہوا یہ مستقل بالمفہوم نہیں۔ جب مستقل بالمفہوم نہیں تو معلوم ہوا یہ والا جو شروع کرنے کا معنی مِنْ سے مفہوم ہو رہا ہے،

جو جزئی معنی ہے دو مخصوص چیزوں کے درمیان، معلوم ہوا نہ یہ محکوم علیہ بن سکتا ہے اور نہ محکوم بہ، کیونکہ محکوم علیہ اور محکوم بہ میں ضروری ہے کہ عقل کی قصداً ان کی طرف توجہ ہو تاکہ ان کے درمیان پھر نسبت کا اعتبار کیا جا سکے۔ جب دو چیزوں کی طرف قصداً عقل کی توجہ ہو گی تو ان کے درمیان نسبت کا بھی اعتبار کیا جا سکتا ہے، اگر قصداً توجہ ہی نہیں ہے تو نسبت کا اعتبار ان دونوں کے درمیان کیسے کریں گے بھائی۔

اور پھر اس کے بعد شرح کا چوتھا حصہ بھی ہم نے پڑھا تھا وَإِذَا عَرَفْتَ هٰذَا سے، جس کے اندر ایک اعتراض کا جواب دیا تھا ملا جامی رحمہ اللہ نے۔ اعتراض یہ ہوتا تھا کہ علامہ ابن حاجب نے فِي نَفْسِهِ کی جو ہاء ضمیر ہے وہ ایضاح کے اندر معنی کی طرف راجع کی ہے، اور آپ نے یہاں پر فِي نَفْسِهِ کی ہاء ضمیر مَا دَلَّ یعنی کلمہ کی طرف راجع کی ہے۔ تو اس کا جواب دیا کہ بھائی چاہے فِي نَفْسِهِ کی ہاء ضمیر معنی کو راجع کریں یا کلمہ کو راجع کریں دونوں کا مآل ایک ہی ہے، دونوں ایک ہی چیز کی طرف لوٹتی ہیں، دونوں کا نتیجہ ایک ہی ہے، دونوں سے مراد جو ہے وہ معنی کا مستقل ہونا ہے کہ وہ معنی کیا ہے؟ مستقل بالمفہوم ہے، مستقلاً سمجھ میں آ رہا ہے۔ تو اس سے ضمیر کے مرجع کے اختلاف سے معنی میں کوئی خرابی لازم نہیں آتی۔ دونوں صورتوں میں مراد یہی ہے کہ یہ معنی مستقل بالمفہوم ہے۔ یعنی اسم کا معنی بھی مستقل بالمفہوم ہے، اور آگے فعل آئے گا، فعل کا معنی بھی مستقل بالمفہوم ہے، جبکہ حرف جو ہے اس کا معنی مستقل بالمفہوم نہیں ہے کیونکہ اس میں فِي غَيْرِهَا کی قید ہے۔ اس میں وہ غیر یعنی متعلقات ذکر ہوں گے تو پھر ہی حرف کا معنی سمجھ میں آئے گا، ویسے سمجھ میں نہیں آئے گا۔

اب آئیے بھائی اگلا پانچواں حصہ ہے شرح کا بھائی:

فَفِي هٰذَا الْكِتَابِ الضَّمِيرُ الْمَجْرُورُ الَّذِي فِي نَفْسِهِ يَحْتَمِلُ أَنْ يَرْجِعَ إِلَى مَا الْمَوْصُولَةِ الَّتِي هِيَ عِبَارَةٌ عَنِ الْكَلِمَةِ۔

یہاں ایک اور اعتراض کا جواب دیں گے، اگرچہ وہ بات پہلے بھی واضح ہو چکی ہے لیکن اس کی مزید وضاحت کرنا چاہتے ہیں۔ اعتراض یہ ہوتا ہے کہ اے صاحبِ جامی! فِي نَفْسِهِ کی ہاء ضمیر معنی کو راجع کریں یا کلمہ کو راجع کریں دونوں کا مآل اور مرجع ایک ہی ہے اور وہ کیا ہے؟ کہ وہ معنی کس قسم کا ہوتا ہے؟ مستقل بالمفہوم۔ جب دونوں کا مآل ایک ہی ہے پھر آپ کو کیا ضرورت پیش آئی کہ آپ فِي نَفْسِهِ کی ہاء ضمیر کلمہ کو راجع کریں؟ جب دونوں کا مآل ایک ہے، دونوں کا؟ جب دونوں کا مآل ایک ہے تو علامہ ابن حاجب نے معنی کو راجع کیا تو آپ بھی معنی کو راجع کر دیں نا، مآل تو ایک ہی ہے دونوں کا، لیکن پھر بھی آپ نے کس کی طرف راجع کر دی؟ کلمہ کو۔ اشکال سمجھ میں آیا؟ تو آپ کو تو اسی کی طرف راجع کرنا چاہیے تھا، مآل تو ایک ہی ہے، کیا ضرورت تھی علامہ ابن حاجب کی مخالفت کرنے کی، آپ نے کیوں ان کی مخالفت کی؟

تو اس کا جواب دیں گے، آپ کو بتلائیں گے کہ بھائی دیکھیے فِي نَفْسِهِ کی ہاء ضمیر ہم نے کلمہ کو اس لیے راجع کی کیونکہ

ماقبل میں وجہِ حصر گزری تھی، اور وجہِ حصر کے اندر علامہ ابن حاجب نے کافیہ کے اندر ذکر کیا تھا: لِأَنَّهَا إِمَّا أَنْ تَدُلَّ عَلَى مَعْنًى فِي نَفْسِهَا۔ وہاں فِي نَفْسِهَا کی ضمیر لائے تھے اور فِي نَفْسِهَا کی ہاء ضمیر وہ تو معنی کو نہیں لوٹ سکتی کیونکہ معنی کا لفظ تو مذکر ہے اور فِي نَفْسِهَا کی ضمیر تو مؤنث ہے، تو وہاں تو قطعی طور پر اس ضمیر کو کلمہ کی طرف ہی لوٹانا پڑے گا۔ کس کی طرف؟ کلمہ۔ یعنی ایسا معنی فِي نَفْسِ الْكَلِمَةِ جو اس کلمہ کی ذات میں ہی ہو، اور کلمہ کی ذات میں ہی ہونے کا معنی کیا ہے؟ کہ وہ مستقلاً اس سے سمجھ میں آئے۔ تو وجہِ حصر کے اندر علامہ ابن حاجب نے فِي نَفْسِهِ کے آخر میں مؤنث کی ضمیر یعنی فِي نَفْسِهَا کہا تھا اور وہ ضمیر کس کو راجع کی تھی؟ کلمہ کو راجع کی تھی۔ توجہ ہے؟ تو وہاں اجمالاً اسم کی تعریف گزر گئی تھی۔ اب یہاں تفصیلاً اسم کی تعریف آرہی ہے: اَلْاِسْمُ مَا دَلَّ عَلَى مَعْنًى فِي نَفْسِهِ غَيْرِ مُقْتَرِنٍ بِأَحَدِ الْأَزْمِنَةِ الثَّلَاثَةِ۔ تو وہاں اجمالاً ایک بات ذکر ہوئی تھی، یہاں اب تفصیلاً اسم کی تعریف آرہی ہے، تو وہاں وہ ضمیر کس کو راجع تھی؟ کلمہ کو، تو یہاں بھی کلمہ کو ہی راجع کرنی چاہیے تاکہ اجمال اور تفصیل ایک دوسرے کے مخالف نہ ہو جائیں بھائی۔ ورنہ تو پھر اشکال آتا کہ وہاں پر کس کو ضمیر راجع؟ وجہِ حصر میں کلمہ کو، اور یہاں آپ کس کی طرف راجع کر رہے ہیں؟ معنی کی طرف۔ تو جواب دیا کہ بھائی وہاں چونکہ ایک چیز اجمالاً پہلے گزر چکی ہے تو ہم چاہتے تھے کہ دونوں میں مخالفت نہ ہو، دونوں ایک جیسے رہیں، وہاں جب کلمہ کو راجع تو یہاں بھی مَا دَلَّ کو راجع یعنی کلمہ ہی کو راجع کر دو۔ بات سمجھ میں آگئی۔

اور علامہ ابن حاجب، انہوں نے ایضاح کے اندر اس ضمیر کو معنی کی طرف راجع کیا ہے، کس کی طرف؟ معنی۔ وجہ یہ کہ وہاں پر مَعْنًى فِي نَفْسِهِ سے پہلے کوئی ایسی عبارت نہیں گزری جس میں فِي نَفْسِهِ کی ہاء ضمیر کلمہ کو راجع ہو۔ کافیہ میں تو پہلے فِي نَفْسِهَا پہلے بھی گزرا اور وہ ضمیر کس کو راجع تھی؟ کلمہ کو، تو بعد والی کو بھی ہم نے کس کی طرف راجع کیا؟ کلمہ کو۔ لیکن ایضاح میں تو فِي نَفْسِهِ سے پہلے کوئی ایسی عبارت نہیں گزری کہ جس میں ضمیر کس کو لوٹ رہی ہو؟ کلمہ کو۔ تو وہاں کلمہ کی طرف کوئی ضمیر پہلے لوٹ ہی نہیں رہی تھی تو لہٰذا اس میں پھر ظاہر یہی تھا کہ اس کو کس کی طرف لوٹایا جائے؟ معنی کی طرف لوٹایا جائے، کیونکہ مآل تو دونوں کا ایک ہی ہے، چاہے کلمہ کو لوٹاؤ اور چاہے معنی کو، لیکن فِي نَفْسِهِ کی ضمیر کے قریب کون تھا؟ معنی کا لفظ تھا، اور ضمیر کو قریب کی طرف لوٹانا اولیٰ ہے بجائے اس کے کہ بعید کی طرف لوٹایا جائے۔ تو وہاں پر صاحبِ کافیہ نے فِي نَفْسِهِ کی ضمیر معنی ہی کی طرف لوٹائی، کیونکہ ماقبل میں ایسی کوئی عبارت نہیں تھی جس کی وجہ سے اجمال اور تفصیل میں مخالفت ہونے کا خدشہ ہوتا۔ بات سمجھ میں آگئی۔

اور تو کہتے ہیں ہم نے کس کی طرف لوٹائی؟ شارحِ جامی کیا فرماتے ہیں ہم نے کلمہ کی طرف لوٹائی۔ توجہ سے سنو، اَلْاِسْمُ مَا دَلَّ عَلَى مَعْنًى فِي نَفْسِهِ۔ فِي نَفْسِهِ کی ہاء ضمیر ہم نے کس کی طرف لوٹائی؟ مَا دَلَّ مَا کی طرف لوٹائی اور مَا سے کیا مراد ہے؟ کلمہ۔ کلمہ، میں نے آپ کو بتلایا تھا کہ جب ضمیر کو کسی لفظ کی طرف لوٹایا جائے اور وہ لفظ اور اس کے معنی میں تذکیر و تانیث کے اعتبار سے مخالفت ہو، مثلاً لفظ مذکر ہے اور معنی مؤنث، یا لفظ مؤنث ہے اور معنی مذکر ہے، تو اس میں پھر

دونوں کی رعایت رکھنا جائز ہے۔ آپ چاہیں تو لفظ کی رعایت رکھیں، اگر لفظ مذکر ہے تو ضمیر بھی مذکر کی لے آؤ اگرچہ معنی مؤنث ہی کیوں نہ ہو، یا لفظ اگر مؤنث ہے تو آپ ضمیر بھی کون سی لے آؤ؟ مؤنث کی لے آؤ اگرچہ معنی مذکر ہی کیوں نہ ہو۔ تو لفظ کی رعایت رکھنا بھی صحیح اور معنی کی رعایت رکھنا بھی صحیح ہے کہ آپ ضمیر کس کی لحاظ رکھتے ہوئے لے آئیں؟ معنی، جو معنی مذکر یا مؤنث ہے اس کے مطابق ضمیر لے آئیں بے شک لفظ کی مخالفت ہو جائے۔ بات سمجھ میں آگئی۔

تو یہاں پر آپ کو بتلائیں گے ملا جامی رحمہ اللہ کہ صاحبِ کافیہ نے کمال کیا، وہاں فِي نَفْسِهَا میں ہاء ضمیر کس کو راجع کی؟ کلمہ کو، وجہ حصر میں فِي نَفْسِهَا مؤنث ضمیر ہے، کس کو راجع کی؟ کلمہ کو۔ اور یہاں جو اسم کی تعریف کی اَلْاِسْمُ مَا دَلَّ عَلَى مَعْنًى فِي نَفْسِهِ ہاء ضمیر مذکر کی لے کر آئے اور کس کو ہم نے لوٹائی یہ؟ ہم نے کس کو لوٹائی؟ مَا موصولہ، اور مَا موصولہ لفظوں میں کیا ہے؟ مذکر، لیکن معنی کیا ہے اس کا، مراد کیا ہے یہاں اس سے؟ کلمہ، تو لفظِ مَا مذکر لیکن اس کا معنی کلمہ کیا ہے؟ مؤنث۔ تو صاحبِ کافیہ معنی کی رعایت رکھتے ہوئے فِي نَفْسِهَا بھی کہہ سکتے تھے یہاں، معنی کی رعایت بھی رکھ سکتے تھے، لیکن انہوں نے معنی کی رعایت نہیں رکھی بلکہ کس کی رعایت رکھی؟ لفظ کی، اور مَا کا لفظ کیا ہے؟ مذکر، تو فِي نَفْسِهِ کون سی ضمیر لائے؟ مذکر والی لائے۔ اب یہ فِي نَفْسِهِ کی ہاء ضمیر مَا کو لوٹانا بھی صحیح اور یہی ضمیر اگر آپ چاہتے ہیں معنی کو راجع کرنا چاہتے ہیں، معنی کو بھی راجع کر سکتے ہیں کیونکہ مذکر کی ضمیر ہے اور معنی کا لفظ بھی کیا ہے؟ مذکر، تو ایسی ضمیر لائے جس میں دونوں احتمال ہو گئے۔ وہ اجمال اور یہ ہے تفصیل، اجمال اور تفصیل میں مخالفت بھی نہیں آئی، کیونکہ یہ ضمیر مَا کو آپ راجع کر سکتے ہیں اور مَا سے کیا مراد ہے؟ کلمہ مراد ہے، اور آپ چاہیں تو اس ضمیر کو کس کی طرف لوٹا دیں؟ معنی کی طرف بھی لوٹا دیں تو یہ مطابق ہو جائے گا ایضاح کے، اس میں بھی کس کو لوٹائی ہے؟ معنی کو۔ تو مذکر ضمیر لائے اسی لیے یہ بتلانے کے لیے کہ آپ دونوں میں سے جس کی طرف چاہیں ضمیر کو لوٹا دیں، اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ بات سمجھ میں آگئی۔

اب دیکھیے بھائی کتاب پر: کہتے ہیں فَفِي هٰذَا الْكِتَابِ الضَّمِيرُ الْمَجْرُورُ الَّذِي فِي نَفْسِهِ تو اس کتاب کے اندر، کتاب سے مراد ہے کافیہ، کیا مراد ہے؟ کافیہ میں ہے نا اسم کی تعریف کی اَلْاِسْمُ مَا دَلَّ عَلَى مَعْنًى فِي نَفْسِهِ، تو یہ جو فِي نَفْسِهِ کی ضمیر جو اس کتاب یعنی کافیہ میں ہے۔ تو کہتے ہیں فَفِي هٰذَا الْكِتَابِ الضَّمِيرُ الْمَجْرُورُ الَّذِي فِي نَفْسِهِ اس کتاب یعنی کافیہ کے اندر وہ ضمیرِ مجرور جو کہ فِي نَفْسِهِ میں ہے، يَحْتَمِلُ اس میں یہ بھی احتمال ہے کہ أَنْ يَرْجِعَ إِلَى مَا الْمَوْصُولَةِ کہ یہ لوٹے مَا موصولہ کی طرف الَّتِي هِيَ عِبَارَةٌ عَنِ الْكَلِمَةِ وہ مَا موصولہ جو کس سے عبارت ہے؟ کلمہ سے یعنی جس سے کلمہ مراد ہے، وَهٰذَا هُوَ الظَّاهِرُ اور یہی ظاہر بھی ہے کہ یہ ضمیر کس کو لوٹائی جائے؟ مَا موصولہ کو لوٹائی جائے، یہی ظاہر بھی ہے۔ یعنی معنی کو نہ لوٹائیں بلکہ کس کو لوٹائیں؟ مَا کو لوٹائیں اور مَا سے کیا مراد ہے؟ کلمہ، تاکہ یہ جو تفصیل ہے یہ مطابق ہو جائے کس کے؟ وہ جو اجمال آیا تھا وجہ حصر میں۔ وجہ حصر میں فِي نَفْسِهَا کی ضمیر مؤنث تھی کس کو راجع تھی؟ کلمہ کی، تو ظاہر یہی ہے کہ یہاں پر

بھی فِي نَفْسِهِ کی ہاء ضمیر کس کو لوٹا دیں؟ مَا موصولہ کو اور اس سے کیا مراد ہے؟ کلمہ، تو یعنی دونوں جگہ عبارت ایک جیسی ہو جائے گی۔

تو کہتے ہیں وَهٰذَا هُوَ الظَّاهِرُ اور یہی ظاہر ہے کہ یہ ضمیر کس کو لوٹے؟ مَا موصولہ کو جو کلمہ سے عبارت ہے، لِيَكُونَ عَلَى طِبْقِ مَا سَبَقَ فِي وَجْهِ الْحَصْرِ تاکہ یہ مطابق ہو جائے، طِبْقٌ بمعنی مطابق کے ہے، تاکہ یہ مطابق ہو جائے وہ جو ماقبل میں گزرا تھا فِي وَجْهِ الْحَصْرِ کس میں؟ وجہِ حصر میں۔ کیا گزرا تھا؟ مِنْ بیانیہ ہے، مِنْ كَيْنُونَةِ الْمَعْنَى فِي نَفْسِ الْكَلِمَةِ یعنی معنی کا نفسِ کلمہ میں ہونا، معنی کا وہاں بھی ہاء ضمیر راجع تھی کلمہ کو، وہاں فِي نَفْسِهَا تھا، ایسا معنی جو کس میں ہے؟ کلمہ کی ذات میں ہے، تو یہاں پر بھی مَعْنًى فِي نَفْسِهِ یہاں بھی ہاء ضمیر مَا کو راجع اور مَا سے کیا مراد کلمہ، تو ایسا معنی فِي نَفْسِهِ جو کس کی ذات میں ہے؟ کلمہ کی ذات میں ہے، دونوں کا معنی ایک ہی ہے۔ یہ معنی ہے لِيَكُونَ عَلَى طِبْقِ مَا سَبَقَ فِي وَجْهِ الْحَصْرِ مِنْ كَيْنُونَةِ الْمَعْنَى فِي نَفْسِ الْكَلِمَةِ تاکہ یہ جو ہے مطابق ہو جائے وہ جو مقدم گزر چکا ہے وجہِ حصر کے اندر، یعنی کہ معنی کا ہونا نفسِ کلمہ میں، معنی کا ہونا کلمہ کی ذات میں۔

وَيَحْتَمِلُ اور اس یہ فِي نَفْسِهِ کی ہاء ضمیر اس میں یہ بھی احتمال ہے أَنْ يَرْجِعَ إِلَى الْمَعْنَى کہ یہ کس کی طرف لوٹے؟ معنی کی طرف لوٹے، وَلِذَا ذَكَّرَ الضَّمِيرَ اور اسی لیے علامہ ابن حاجب ضمیر کو مذکر لائے ہیں، اسم کی تعریف میں فِي نَفْسِهِ کی ہاء ضمیر مذکر لائے ہیں۔ توجہ ہے؟ پہلا احتمال کیا؟ کہ فِي نَفْسِهِ کی ہاء ضمیر کس کو راجع؟ مَا موصولہ کو، اور مَا موصولہ کس سے عبارت ہے؟ کلمہ سے تو گویا کلمہ کو راجع۔ اور دوسرا احتمال کیا؟ کہ یہ فِي نَفْسِهِ کی ہاء ضمیر کس کو راجع کر لیں؟ معنی کو، اور اسی لیے صاحبِ کافیہ اس کو مذکر لائے ہیں یہ بتلانے کے لیے کہ دونوں احتمال یہاں ہو سکتے ہیں۔

وَلِذَا ذَكَّرَ الضَّمِيرَ اور اسی لیے علامہ ابن حاجب جو ہیں ضمیر کو مذکر لائے ہیں، تَنْبِيهًا عَلَى صِحَّةِ إِرَادَةِ كِلَا الْمَعْنَيَيْنِ متنبہ کرنے کے لیے اس بات پر کہ دونوں معنوں کا ارادہ کرنا صحیح ہے۔ دونوں معنوں کا ارادہ کرنا صحیح ہے، یعنی مَا کی طرف بھی ضمیر کو لوٹانا صحیح ہے اور معنی کی طرف ضمیر کو لوٹانا بھی صحیح ہے۔

وَلٰكِنَّ عِبَارَةَ الْمُفَصَّلِ ظَاهِرَةٌ فِي الْمَعْنَى الْأَخِيرِ۔ مفصل کے اندر جو آیا تھا مَعْنًى فِي نَفْسِهِ، ایضاح میں صاحبِ کافیہ نے کیا بتلایا کہ یہ فِي نَفْسِهِ کی ہاء ضمیر کس کو راجع؟ معنی کو راجع، کیوں؟ کیونکہ وہاں پر ظاہر یہی تھا کہ یہ ضمیر کس کو راجع ہے؟ معنی کو، کیونکہ ضمیر قریب والی چیز کو راجع کی جاتی ہے، اور نیز وہاں پر ماقبل میں کوئی ایسی عبارت نہیں گزری تھی کہ جس کے اندر فِي نَفْسِهِ کی ہاء ضمیر کس کو لوٹائی گئی ہو؟ کلمہ کو لوٹائی گئی ہو، وہاں کوئی ایسی عبارت نہیں گزری تھی۔ تو کہتے ہیں وَلٰكِنَّ عِبَارَةَ الْمُفَصَّلِ ظَاهِرَةٌ فِي الْمَعْنَى الْأَخِيرِ لیکن مفصل کی جو عبارت ہے وہ آخری معنی کے اندر ظاہر ہے، یعنی وہ معنی جو اخیر میں ہے، بعد میں ہے، کون سا معنی اخیر میں ہے؟ دو احتمال ذکر کیے نا: پہلا احتمال کیا؟ کہ ضمیر کلمہ کو راجع، دوسرا احتمال کیا؟ کہ معنی کو راجع، تو یہ جو دوسرا احتمال ہے۔ تو کہتے ہیں لیکن مفصل کی عبارت ظاہر ہے اخیر والے معنی

میں، یعنی معنی کی طرف اس کو لوٹایا جائے۔ خود بتلا رہے ہیں اخیر والا معنی کون سا ہے؟ کہتے ہیں وَهُوَ إِرْجَاعُ الضَّمِيرِ إِلَى الْمَعْنَى اور وہ ضمیر کو لوٹانا ہے معنی کی طرف۔ اور وہ ضمیر کو معنی کی طرف لوٹانا ہے وہ ظاہر ہے مفصل کی عبارت میں، لِعَدَمِ مَسْبُوقِيَّتِهَا اس لیے کیونکہ اس مفصل کی عبارت سے ماقبل میں نہیں گزری، بِمَا يَدُلُّ کوئی ایسی چیز جو دلالت کرے کس بات پر؟ عَلَى اعْتِبَارِ كَيْنُونَةِ الْمَعْنَى فِي نَفْسِ الْكَلِمَةِ کہ معنی کا نفسِ کلمہ میں ہونا معتبر ہے، معنی کا نفسِ کلمہ میں ہونا معتبر ہے، یعنی معنی نفسِ کلمہ میں ہوتا ہے ایسی کوئی عبارت ماقبل میں نہیں گزری، لہٰذا یہاں پر مفصل کے اندر ظاہر یہی ہے کہ فِي نَفْسِهِ کی ہاء ضمیر کلمہ کو نہیں لوٹائی جائے گی بلکہ معنی کو لوٹائی جائے گی۔ وَلِهٰذَا جَزَمَ الْمُصَنِّفُ رَحِمَهُ اللّٰهُ هُنَاكَ بِرُجُوعِهِ إِلَى الْمَعْنَى اور اسی لیے یقین کیا مصنف رحمہ اللہ یعنی علامہ ابن حاجب نے هُنَاكَ یعنی ایضاح میں بِرُجُوعِهِ إِلَى الْمَعْنَى کہ یہ معنی کی طرف راجع ہے۔ مصنف نے وہاں پر یقین کیا، مصنف نے ایضاح میں کس کی طرف لوٹائی؟ معنی کی طرف۔ تو وہاں چونکہ مفصل میں کوئی ایسی عبارت پہلے نہیں گزری تھی جس میں فِي نَفْسِهِ کی ضمیر کلمہ کی طرف لوٹ رہی ہو تو اس لیے ایضاح کے اندر مصنف نے یقین کیا یعنی ضمیر کو کس کی طرف لوٹایا؟ معنی ہی کی طرف لوٹایا، اسی پر یقین کیا، دوسرا احتمال وہاں ذکر نہیں کیا۔ یہ معنی ہے وَلِهٰذَا جَزَمَ الْمُصَنِّفُ رَحِمَهُ اللّٰهُ هُنَاكَ بِرُجُوعِهِ إِلَى الْمَعْنَى لہٰذا ایضاح کے اندر مصنف نے یقین کیا کہ یہ ضمیر جو ہے اس کا لوٹنا معنی کی طرف ہی ہے، اسی کی طرف اس کو لوٹایا بھائی۔ بات سمجھ میں آگئی۔

وَبِمَا سَبَقَ مِنَ التَّحْقِيقِ.

جی یہ حاصل محصول کی بحث کا آخری حصہ یعنی چھٹا حصہ آگیا بھائی، چھٹا حصہ۔ اس میں ایک اعتراض کا جواب دیں گے، اعتراض کا جواب، یا یوں کہو کہ اس کے اندر فرق بیان کریں گے حرف میں اور بعض اسماء میں جو محتاج ہیں۔ جیسے حرف اپنے متعلقات کا محتاج ہوتا ہے، اسی طرح بعض اسم ہیں وہ بھی اپنے متعلق کے محتاج ہوتے ہیں۔ جیسے حرف اپنے متعلقات کا محتاج ہے اس کے ساتھ متعلقات ذکر کرنا پڑتے ہیں، اسی طرح بعض اسم بھی ایسے ہیں کہ ان کے ساتھ ان کے متعلق کو ضرور ذکر کرنا پڑتا ہے۔ تو یہ اسم کس کی طرح ہو گئے؟ حرف کی طرح ہو گئے، کس کی طرح؟ حرف کی طرح ہو گئے۔ یہاں پھر تو اعتراض لازم آیا کہ اسم کی تعریف جامع نہ رہی اور حرف کی تعریف مانع نہ رہی۔ کیونکہ اسم کیا تھا؟ جو اپنے معنی پر مستقلاً دلالت کرے، لیکن کچھ اسم ایسے ہیں ان کے ساتھ متعلق کو بھی ضرور ذکر کرنا پڑتا ہے۔ معلوم ہوا یہ اپنے معنی پر مستقلاً دلالت نہیں کر رہے، جب مستقلاً دلالت نہیں کر رہے تو یہ اسم کی تعریف سے نکل گئے، ہیں تو اسم لیکن اسم کی تعریف سے نکل گئے، معلوم ہوا اسم کی تعریف اپنے تمام افراد کو جمع کرنے والی نہیں، جامع نہیں ہے، کچھ اسم اس سے نکل رہے ہیں۔ اور حرف کی تعریف مانع نہ رہی کیونکہ وہ اسم وہ محتاج ہیں حرف کی طرح، جیسے حرف کے لیے متعلقات کا ذکر ضروری تو ان اسماء کے ساتھ بھی متعلقات کا ذکر ضروری، تو وہ کس کی طرح ہو گئے؟ حرف کی طرح ہو

گئے۔ جب حرف کی طرح ہو گئے تو وہ حرف کی تعریف میں داخل ہو گئے۔ حرف بھی ایسے معنی پر دلالت کرتا ہے جو غیر کے اعتبار سے ہوتا ہے تو یہ اسم بھی کیا ہوئے معنی پر دلالت کرتے ہیں کس کے اعتبار سے؟ غیر کے اعتبار سے تو یہ حرف کی تعریف میں داخل ہو گئے۔ تو یہ ہیں تو اسم لیکن داخل کس میں ہو گئے؟ حرف میں، تو حرف کی تعریف مانع نہ رہی، اس کے اندر غیرِ حرف داخل ہو گیا، حالانکہ تعریف تو جامع مانع ہونی چاہیے، اپنے تمام افراد کو جمع کر لے کوئی باقی نہ رہے اور کوئی غیر اس کے اندر داخل نہ ہو، تو اسم کی تعریف جامع نہ رہی اور حرف کی تعریف مانع نہ رہی، اس میں اسم داخل ہو گئے۔ بس بات سمجھ میں آگئی، تو اس کا اب جواب دیں گے۔

یاد رکھو کچھ اسماء کچھ اسم ایسے ہیں جو لازم الاضافت ہیں، کچھ اسم ایسے ہیں جو لازم الاضافت ہیں یعنی وہ جب بھی استعمال ہوں گے اضافت کے ساتھ استعمال ہوں گے، وہ بنیں گے مضاف اور آگے مضاف الیہ بھی لانا پڑے گا۔ جیسے فَوْقَ، فَوْقَ کا معنی اوپر، لیکن کس چیز کے اوپر بھائی؟ چھت کے اوپر یا دیوار کے اوپر یا پہاڑ کے اوپر یا درخت کے اوپر، کس چیز کے اوپر؟ آگے مضاف الیہ چاہیے۔ فَوْقَ الدَّارِ گھر کے اوپر، فَوْقَ الْجِدَارِ دیوار کے اوپر، فَوْقَ الشَّجَرِ درخت کے اوپر، فَوْقَ الْجَبَلِ پہاڑ کے اوپر، بھائی کوئی نہ کوئی مضاف الیہ چاہیے اس کے لیے۔ تو کچھ اسم ایسے ہیں جو ہمیشہ اضافت کے ساتھ استعمال ہوتے ہیں ان کو کیا کہتے ہیں؟ اسمائے لازم الاضافت کہ ان کے ساتھ اضافت لازم ہے، ان کے ساتھ ہمیشہ مضاف الیہ ذکر کرنا پڑے گا، مضاف الیہ۔ تو جب ان کے ساتھ ہمیشہ مضاف الیہ ذکر کرنا پڑے گا معلوم ہوا یہ اپنا معنی بتانے میں محتاج ہو گئے مضاف الیہ کے، اس کے بغیر ان کا معنی سمجھ میں نہیں، تو اسم کی تعریف جامع نہ رہی اور حرف کی تعریف مانع نہ رہی۔ بات سمجھ میں آگئی۔

اب دیکھیے بھائی: کہتے ہیں وَبِمَا سَبَقَ مِنَ التَّحْقِيقِ اور وہ جو ماقبل میں گزر گیا، وَبِمَا سَبَقَ اور وہ جو ماقبل میں گزر گیا، مِنْ بیان ہے، بھائی کیا گزرا ماقبل میں؟ مِنَ التَّحْقِيقِ یعنی کہ تحقیق بھائی۔ مِنَ التَّحْقِيقِ میں مِنْ کیا ہے؟ یہ بیان کر رہا ہے مَا سَبَقَ کا، کیا چیز ماقبل میں گزری ہے؟ تحقیق گزری ہے، توجہ ہے؟ تو اس کا ترجمہ کرنے کے دو طریقے ہیں بھائی، یہ عبارتوں میں جگہ جگہ اس طرح مِنْ بیان کے معنی میں آتا ہے، ایک چیز میں ابہام ہوتا ہے، مِنْ آکر اس کو بیان کر دیتا ہے۔ وَبِمَا سَبَقَ اور وہ جو ماقبل میں گزر گیا، بھائی کیا گزرا، ابہام ہے یا نہیں؟ کچھ پتہ نہیں چلا، آگے مِنْ کے ذریعے پھر بیان کرتے ہیں یعنی کہ تحقیق، یعنی وہ جو تحقیق ماقبل میں گزری ہے۔ وہ جو تحقیق ماقبل میں گزری ہے، یہ جو ہم نے لمبی تفصیل بیان کی اور تحقیق کی۔ تو اس میں پھر ترجمہ کرنے کے دو طریقے ہیں: ایک طریقہ یہ کہ مِنْ کا ترجمہ یعنی کے ساتھ کر لو، کس کے ساتھ؟ یعنی کے ساتھ۔ دیکھو اب ترجمہ: وَبِمَا سَبَقَ مِنَ التَّحْقِيقِ اور وہ جو ماقبل میں گزر گیا یعنی کہ تحقیق۔ دوسرا طریقہ یہ ہے کہ یہ جو بیان ہے اس کو اٹھا کر مبین کی جگہ لے جاؤ، یہ مِنَ التَّحْقِيقِ کس کا بیان؟ مَا کا، تو اس مَا کا ترجمہ نہ کرو، مَا کی جگہ تحقیق کا لفظ لا کر رکھ

دو، اور وہ جو وَبِمَا سَبَقَ مَا کا ترجمہ اب ہم کیا کریں گے؟ تحقیق کے، وَبِمَا سَبَقَ اور وہ جو تحقیق گزر گئی، دیکھا یہ زیادہ بہترین ترجمہ ہو گیا۔

وَبِمَا سَبَقَ مِنَ التَّحْقِيقِ اور وہ بات جو ماقبل میں گزر گئی یعنی تحقیق، یا یوں کہیں ماقبل میں جو تحقیق گزر گئی، ظَهَرَ اس سے یہ بات ظاہر ہو گئی، أَنَّهُ لَا يَخْتَلُّ حَدُّ الْاِسْمِ جَمْعًا وَلَا حَدُّ الْحَرْفِ مَنْعًا کہ خلل نہیں آتا، لَا يَخْتَلُّ خلل نہیں ہے حَدُّ الْاِسْمِ اسم کی تعریف میں جَمْعًا باعتبار جمع کرنے کے، وَلَا حَدُّ الْحَرْفِ اور نہ خلل ہے حرف کی تعریف میں مَنْعًا باعتبار منع کے۔ تو اسم کی تعریف میں جامع ہونے کے اعتبار سے اور حرف کی تعریف میں مانع ہونے کے اعتبار سے کوئی خلل نہیں ہے، یہ بات کہتے ہیں ماقبل کی تحقیق سے ظاہر ہو گئی۔ خلل نہیں آیا کس میں؟ اسم کی تعریف کے جامع ہونے میں اور حرف کی تعریف کے مانع ہونے میں خلل نہیں آیا بِالْأَسْمَاءِ اللَّازِمَةِ الْإِضَافَةِ کس کی وجہ سے؟ اسمائے لازمۃ الاضافت کی وجہ سے کوئی تعریف میں خلل نہیں آیا۔

مِثْلُ مثال کے طور پر اب وہ اسمائے لازم الاضافت جو ہیں کچھ وہ بیان کر رہے ہیں: مثلاً ذُو ہے، ذُو۔ ذُو آپ جانتے ہیں کہ اس کو وضع کیا گیا ہے کہ یہ کسی اسم جنس کو کسی موصوف کی صفت بناتا ہے، ذُو مَالٍ مال والا۔ تو یہ ذُو مضاف ہے اور مال کیا ہے؟ مضاف الیہ۔ تو یہ ذُو مضاف ہوتا ہے کسی جنس کی طرف، کسی ماہیت اور جنس کی طرف یہ مضاف ہوتا ہے اور اس کو ماقبل کی صفت بناتا ہے۔ مثلاً رَجُلٌ ہے اور میں مال کو رَجُلٌ کی صفت بنانا چاہتا ہوں، لیکن براہ راست صفت نہیں بنا سکتا کیونکہ رَجُلٌ اور مال الگ الگ چیزیں ہیں، رَجُلٌ مال ہے، بات بنتی ہے؟ نہیں، بات نہیں بنتی۔ ہاں جب میں کہوں رَجُلٌ مال والا ہے، اب بات سمجھ میں آ گئی۔ تو اب میں مال کو رَجُلٌ کی صفت بنانا چاہتا ہوں تو ذُو کی مدد لوں گا اور یوں کہوں گا رَجُلٌ ذُو مَالٍ ایسا آدمی جو مال والا ہے یعنی مالدار آدمی۔ ایسا آدمی جو مال والا ہے، تو یہ ذُو کس لیے آتا ہے؟ یہ کسی اسمِ جنس کو موصوف کے لیے صفت بناتا ہے۔ تو یہ لازم الاضافت ہے، ذُو کبھی بھی کلامِ عرب میں اکیلا استعمال نہیں ہوتا، آگے کوئی نہ کوئی جنس مضاف الیہ چاہیے۔ تو یہ جتنے اسم ذکر ہو رہے ہیں جیسے آگے فَوْقَ ہے، تَحْتَ ہے، قُدَّامَ ہے، خَلْفَ ہے وغیرہ یہ سب کیا ہیں؟ لازم الاضافت ہیں۔

کہتے ہیں مِثْلُ ذُو جیسے کہ ذُو ہے، وَفَوْقٍ یہ سارے مضاف الیہ ہیں مجرور ہیں مِثْلُ مضاف ہے اور یہ سب مجرور ہیں، مِثْلُ ذُو وَفَوْقٍ وَتَحْتٍ وَقُدَّامٍ وَخَلْفٍ جیسے کہ ذُو ہے، فَوْقَ کا معنی اوپر، تَحْتَ کا معنی نیچے بھائی کس چیز کے نیچے؟ مضاف الیہ چاہیے، قُدَّامَ کا معنی آگے بھائی کس چیز کے آگے؟ مضاف الیہ چاہیے، خَلْفَ کا معنی پیچھے بھائی کس چیز کے پیچھے؟ اس کے لیے مضاف الیہ چاہیے، إِلَى غَيْرِ ذٰلِكَ ان کے علاوہ بھی، بھائی اسمائے لازم الاضافت جیسے کہ ذُو ہے، فَوْقَ ہے، تَحْتَ ہے، قُدَّامَ ہے، خَلْفَ ہے، إِلَى غَيْرِ ذٰلِكَ اور ان کے علاوہ تک اور بھی جو لازم الاضافت ہیں۔ کہتے ہیں ان کے ذریعے نہ

اسم کی تعریف کے جامع ہونے میں خلل آتا ہے اور نہ حرف کی تعریف کے مانع ہونے میں خلل آتا ہے۔

بھائی کیوں؟ تو آپ کو بتلائیں گے ادھر دیکھیے آپ کو بتلائیں گے کہ ان سب کا معنی مستقل ہے، ان سب کا معنی مستقل ہے۔ بھائی مستقل کیسے ہے ان کے لیے ہمیشہ آگے مضاف الیہ چاہیے؟ تو کہیں گے نہیں نہیں بھائی معنی ان کا مستقل ہے، وضع یہ ایک معنی کلی کے لیے وضع ہیں، ان کا معنی مستقل بالمفہوم ہے۔ ہاں عادت اس کے استعمال کی عرب کے ہاں یہ جاری ہے کہ یہ ہمیشہ مضاف الیہ کے ساتھ استعمال ہوتے ہیں، تو وضع کے اعتبار سے یہ مضاف الیہ کے محتاج نہیں ہیں بلکہ یہ استعمال کے اعتبار سے مضاف الیہ کے محتاج ہیں، تو وضع اور چیز ہے اور استعمال اور چیز ہے، تو یہ استعمال اس طرح ہوتے ہیں کہ ان کے ساتھ مضاف الیہ ذکر کیا جاتا ہے ورنہ ان کا معنی کیا ہے؟ مستقل ہے۔ کہتے ہیں لِأَنَّ مَعَانِيَهَا یہ مَعَانِيَهَا پڑھنا بھائی، کیونکہ یہ أَنَّ کا اسم ہے، أَنَّ کا اسم، اور أَنَّ اپنے اسم کو نصب دیتا ہے اور مَعَانِي یہ قَاضِي کی طرح ہے، کس کی طرح؟ قَاضِي کی طرح ہے جیسے قَاضٍ میں رفع اور جر تقدیراً آتا ہے اور نصب لفظاً، یہاں بھی ایسا ہے۔ لِأَنَّ مَعَانِيَهَا مَفْهُومَاتٌ كُلِّيَّةٌ مُسْتَقِلَّةٌ بِالْمَفْهُومِيَّةِ مَلْحُوظَةٌ فِي حَدِّ ذَاتِهَا اس لیے کیونکہ یہ جو اسمائے لازمۃ الاضافت ہیں ان کے معانی جو ہیں مَفْهُومَاتٌ یہ ایسے مفہوم ہیں، كُلِّيَّةٌ جو کلی ہیں، مُسْتَقِلَّةٌ بِالْمَفْهُومِيَّةِ اور جو مستقل بالمفہوم ہیں، اور مَلْحُوظَةٌ فِي حَدِّ ذَاتِهَا اور یہ اپنی ذات کے اعتبار سے ملحوظ ہوتے ہیں، ان کے مفہوم کیا ہیں اپنی ذات کے اعتبار سے ملحوظ ہوتے ہیں یعنی بالذات عقل کی ان کی طرف توجہ ہوتی ہے تو یہ مستقل بالمفہوم ہوتے ہیں۔

▪ متنِ کتاب و تحقیقِ مسائلِ نحویہ

لَزِمَهَا تَعَقُّلُ مُتَعَلِّقَاتِهَا إِجْمَالًا وَتَبَعًا مِنْ غَيْرِ حَاجَةٍ إِلَى ذِكْرِهَا۔

جیسے ادھر دیکھیے بھائی، جیسے لفظِ ابتداء تھا اس کا کیا معنی تھا؟ شروع کرنا، اور جیسے ہی میں نے کہا ابتداء آپ کے ذہن میں کون سا معنی آگیا؟ شروع کرنا، اور شروع کرنا تو ایک نسبت کا نام ہے اور نسبت کے لیے ہمیشہ کیا چاہئیں؟ متعلقات چاہئیں، میں نے بے شک متعلقات ذکر نہیں کیے لیکن اجمالاً متعلقات آپ کے ذہن میں آگئے یا نہیں کہ کوئی نہ کوئی فعل ہے جس کو شروع کیا جائے گا اور کوئی نہ کوئی جگہ یا زمانہ ہوگا جس سے شروع کیا جائے گا۔ تو کہتے ہیں اسی طرح یہ جو اسمائے لازمۃ الاضافت ہیں ان کے معنی بھی کلی ہیں، مستقلاً مفہوم ہوتے ہیں، عقل کی ان کی طرف بالذات توجہ ہوتی ہے، اور ان کے جو متعلقات ہیں اجمالاً ان کا عقل تعقل کر لیتی ہے، کیا کر لیتی ہے؟ اجمالاً تعقل کر لیتی ہے وہ خود بخود سمجھ میں آجاتے ہیں۔ کہ فَوْقَ کا معنی ہے اوپر، معلوم ہوا کسی نہ کسی چیز کے اوپر ہوگا بھائی، تَحْتَ کا معنی نیچے، معلوم ہوا کسی نہ کسی چیز کے نیچے ہوگا بھائی، اور قُدَّامَ کا معنی آگے تو کسی نہ کسی چیز کے آگے ہوگا بھائی، اور خَلْفَ کا معنی پیچھے تو کسی نہ کسی چیز کے پیچھے ہوگا۔ تو مضاف الیہ جو ہے اس کا عقل تعقل کر لیتی ہے اجمالی طور پر کہ کوئی نہ کوئی چیز ہوگی، کوئی نہ کوئی چیز،

تفصیل نہیں چاہیے کہ کون سی چیز ہے، ہاں استعمال میں ان کے لیے تفصیل چاہیے، لیکن ان کا معنی سمجھنے کے اعتبار سے تفصیل کی حاجت نہیں ہے۔

تو کہتے ہیں لَزِمَهَا تَعَقُّلُ مُتَعَلِّقَاتِهَا إِجْمَالًا وَتَبَعًا مِنْ غَيْرِ حَاجَةٍ إِلَى ذِكْرِهَا اور اس کے متعلقات کا تعقل لازم ہے لیکن إِجْمَالًا وَتَبَعًا اجمالی طور پر اور تبعاً، مِنْ غَيْرِ حَاجَةٍ إِلَى ذِكْرِهَا بغیر اس حاجت کے کہ ان کو ذکر کیا جائے یعنی ان کو ذکر کرنے کی کوئی حاجت نہیں ہے۔

لٰكِنْ لَمَّا جَرَتِ الْعَادَةُ بِاسْتِعْمَالِهَا فِي مَفْهُومَاتِهَا مُضَافَةً إِلَى مُتَعَلِّقَاتٍ مَخْصُوصَةٍ۔ لٰكِنْ لَمَّا جَرَتِ الْعَادَةُ لیکن جب عادت جاری ہوئی یعنی عربوں کی، لیکن عربوں کی عادت جاری ہوئی اس پر بِاسْتِعْمَالِهَا فِي مَفْهُومَاتِهَا کہ وہ ان کو استعمال کرتے ہیں ان کے مفہومات میں، مفہوماتِ کلیہ میں، مُضَافَةً إِلَى مُتَعَلِّقَاتٍ مَخْصُوصَةٍ اس حال میں کہ یہ مضاف ہوتے ہیں کس کی طرف؟ اپنے۔ ہاں یہ عادت جاری ہوئی ہے یعنی یہ استعمال کے اعتبار سے ایسا ہے کہ ان کے لیے مضاف الیہ چاہیے کیونکہ عرب کے ہاں اسی کی عادت جاری ہے۔ یہ معنی ہے: لٰكِنْ لَمَّا جَرَتِ الْعَادَةُ لیکن جب عادت جاری ہوئی بِاسْتِعْمَالِهَا فِي مَفْهُومَاتِهَا ان کو استعمال کرنے کی اپنے مفہوماتِ کلیہ میں، ان کو اپنے مفہوماتِ کلیہ میں استعمال کرنے کی عادت جاری ہوئی مُضَافَةً إِلَى مُتَعَلِّقَاتٍ مَخْصُوصَةٍ اس حال میں کہ یہ مضاف ہو رہے ہوں کس کی طرف؟ اپنے مخصوص متعلقات کی طرف، اس طرح ان کے استعمال کی عادت جاری ہوئی بھائی۔

لِأَنَّهَا الْغَرَضُ مِنْ وَضْعِهَا اس لیے کیونکہ یہی غرض ہے اس کے وضع سے کہ ان کو کس طرح استعمال کیا جائے؟ اس کی اضافت کی جائے خاص متعلقات کی طرف۔ لِأَنَّهَا الْغَرَضُ مِنْ وَضْعِهَا اس لیے کیونکہ یہی غرض ہے ان کی وضع سے، لَزِمَ ذِكْرُهَا تو لازم ہوا ان متعلقات کا بھی ذکر لِفَهْمِ هٰذِهِ الْخُصُوصِيَّاتِ ان خصوصیات کو سمجھنے کے لیے۔

دیکھا یہاں سے ایک اور بات پتہ چل گئی: معلوم ہوا کسی لفظ کو معنی کے لیے وضع کرنے کے ساتھ ساتھ اور غرض بھی اس میں ہو سکتی ہے، لفظ کو دیکھو لفظ کو کس کے لیے وضع کرتے ہیں؟ معنی کے لیے، معلوم ہوا لفظ کو معنی کے لیے وضع کرنے کے ساتھ ساتھ اور غرض بھی اس میں ہو سکتی ہے اور مقصد بھی اس میں ہو سکتا ہے کوئی، صرف معنی کے لیے ہی وضع نہیں ہوتی بلکہ اس میں اور غرض بھی ہو سکتی ہے۔ جیسے حروفِ تہجی کو دیکھ لو: حروفِ تہجی ا، ب، ت، ث وغیرہ جو آپ قاعدے میں پڑھتے ہیں، ان کا کوئی معنی ہے؟ ان کا کوئی معنی نہیں، دیکھا وضع تو ہے لیکن یہ وضع معنی کے لیے نہیں ہے بلکہ یہ وضع ہے اور غرض کے لیے اور وہ غرض کیا ہے کہ ان کو جوڑ کر الفاظ بنائے جاتے ہیں۔ تو معلوم ہوا کہ لفظ کا معنی کے لیے وضع ہو صرف یہی نہیں بلکہ غرض اور بھی ہو سکتی ہے۔

تو یہ جو اسمائے لازمۃ الاضافت ہیں ان کو وضع تو کیا گیا ایک مفہومِ کلی کے لیے، فَوْقَ کا معنی اوپر، فَوْقَ کا معنی اوپر، لیکن اس میں معنی کے لیے وضع کرنے کے ساتھ ساتھ اس میں ایک غرض اور بھی تھی کہ اس کو استعمال کس میں کرنا ہے؟

مخصوص جزئیات میں، کس میں؟ یعنی جب بھی کوئی مضاف الیہ اس کے بعد آئے گا وہ خاص ہو گا یا عام ہو گا؟ خاص۔ یا آپ اس کے بعد زید لائیں گے یا عمرو لائیں گے یا بکر لائیں گے یا خالد لائیں گے یا مسجد لائیں گے یا کتاب لائیں گے یا دار لائیں گے یا شجر لائیں گے، ہر ایک کیا ہو گا؟ خاص ہو گا، جو بھی آپ لے آئیں وہ کوئی خاص ہی ہو گا نا، وہ تو عام چیز تو نہیں ہے، ہر ایک پر تو وہ صادق نہیں آئے گا۔ تو غرض ان کی یہ ہے کہ ان کو وضع ہی اس لیے کیا گیا ہے: فَوْقَ کا معنی اوپر، یہ ایک معنی کلی ہے فَوْقَ کے لفظ سے ہمیں سمجھ میں آ رہا ہے، لیکن صرف اسی معنی کے لیے اس کو وضع نہیں کیا گیا بلکہ ساتھ ایک اور غرض بھی تھی اور وہ غرض کیا کہ اس کو کس میں استعمال کیا جائے گا؟ کہ اس کی اضافت کی جائے گی ہمیشہ کس کی طرف؟ کسی مخصوص مضاف الیہ کی طرف، جو بھی آ جائے گا وہ خاص ہو گا، وہ عام تو نہ رہے گا۔ جو بھی آپ لفظ لے آئیں وہ کیا ہوا؟ آپ کتاب لے آئے، ہاں کتاب لے آئے تو کتاب لائے قلم تو نہیں لائے، زید تو نہیں لائے، عمرو تو نہیں لائے، تو خاص ہے یا نہیں؟ تو باقیوں کی طرف نسبت کرتے ہوئے وہ خاص ہی ہو گا۔

کہتے ہیں لِأَنَّهَا الْغَرَضُ مِنْ وَضْعِهَا اس لیے کیونکہ یہی غرض ہے اس کے وضع سے کہ ان کو کس طرح استعمال کیا جائے؟ اس کی اضافت کی جائے خاص متعلقات کی طرف۔ لِأَنَّهَا الْغَرَضُ مِنْ وَضْعِهَا اس لیے کیونکہ یہی غرض ہے ان کی وضع سے، لَزِمَ ذِكْرُهَا تو لازم ہوا ان متعلقات کا بھی ذکر لِفَهْمِ هٰذِهِ الْخُصُوصِيَّاتِ ان خصوصیات کو سمجھنے کے لیے، ان ادھر دیکھیے لازم ہوا کہ ان کے ساتھ کس کو ذکر کیا جائے؟ مضاف الیہ کو بھی ذکر کیا جائے کیونکہ ان کی وضع کی غرض ہی یہی ہے، مقصد ہی یہی ہے، تو ان خصوصیات کو سمجھنے کے لیے ضروری

ضروری ہے کس کو ذکر کیا جائے؟ مضاف الیہ۔ توجہ ہے؟ نہیں بات سمجھ میں آئی؟ بھائی دیکھو یہ جو اسمائے لازمۃ الاضافت ہیں ان کو معنی کلی کے لیے وضع کیا گیا ہے لیکن ساتھ ایک اور غرض بھی تھی کہ ان کو استعمال کس میں کیا جائے گا؟ کسی لفظ کی طرف مضاف کر کے استعمال کیا جائے گا۔ تو یہ ان کی ایک خصوصیت تھی، وضع کے اندر ہی یہ غرض ملحوظ تھی، تو جب اضافت کرو گے تو ان کی یہ خصوصیت سمجھ میں آئے گی کہ ان کی وضع سے غرض یہی ہے کہ یہ خاص مضاف الیہ کے ساتھ ان کو استعمال کیا جائے۔ بات سمجھ میں آ گئی؟ کہ ان کی اس خاص ان کی اس خصوصیات کو سمجھنے کے لیے، کیا خصوصیات ہیں ان کی؟ کہ ان کو ہمیشہ کس میں استعمال کرنا ہے؟ خاص مضاف الیہ کے ساتھ استعمال کرنا ہے، ان کی ان خصوصیات کو سمجھنے کے لیے۔

تو کہتے ہیں لِأَنَّهَا الْغَرَضُ مِنْ وَضْعِهَا اس لیے کیونکہ یہی مقصد ہے ان کی وضع سے، تُلَازِمُ... تو لازم ہوا، لَزِمَ ذِكْرُهَا تو لازم ہوا ان کے متعلقات کا ذکر کرنا بھی لِفَهْمِ هٰذِهِ الْخُصُوصِيَّاتِ ان کی یہ خصوصیات سمجھنے کے لیے، ان کی یہ خصوصیات سمجھنے کے لیے کہ ان کی وضع ہی کس لیے ہوئی ہے، کس مقصد کے لیے ہوئی ہے؟ کہ یہ ہمیشہ کس میں استعمال ہوں گے؟

کسی مخصوص چیز کی طرف مضاف الیہ ہو کر استعمال ہوں گے۔ تو اس خصوصیت کو سمجھنے کے لیے ان کے ساتھ مضاف الیہ لانا پڑے گا تاکہ یہ غرض آپ کو سمجھ میں آجائے۔ تو ان کی اس خصوصیات کو سمجھنے کے لیے ان کے متعلقات کا ذکر ضروری ہے، لَا لِأَجْلِ فَهْمِ أَصْلِ الْمَعْنَى نہ کہ اصلِ معنی کو سمجھنے کے لیے۔ اصلِ معنی تو ان کا سمجھ میں آرہا ہے کیونکہ وہ معنی کلی ہے، فَوْقَ کا کیا معنی ہے؟ اوپر، وہ معنی تو ہمیں سمجھ میں آرہا ہے، تو یہ جو متعلق کا ذکر ہے یہ کس لیے کیا جاتا ہے؟ ان کی اس خصوصیت کو سمجھنے کے لیے، کون سی خصوصیت؟ کہ ان کو وضع ہی کس لیے کیا گیا ہے، مقصد ہی کیا ہے ان کی وضع سے؟ کہ ان کو ہمیشہ کس کے ساتھ استعمال کیا جائے؟ خاص مضاف الیہ کے ساتھ۔ اس غرض کو سمجھنے کے لیے، ان کی ان خصوصیات کو سمجھنے کے لیے متعلقات کا ساتھ ذکر کیا جاتا ہے، متعلقات کا ذکر اس لیے نہیں کرتے کہ فَوْقَ کا معنی آپ کو سمجھ میں نہیں آرہا تھا۔ نہیں فَوْقَ کا معنی تو سمجھ میں آرہا ہے، لیکن یہ خصوصیت کہ ان کو وضع کس مقصد کے لیے کیا گیا ہے؟ خاص مضاف الیہ کے لیے، تبھی سمجھ میں آئے گی جب ان کے ساتھ ہمیشہ کیا ذکر کیا جائے؟ مضاف الیہ ذکر کیا جائے۔ تو حاصلِ کلام یہ کہ ان کے ساتھ جو مضاف الیہ ذکر کیا جاتا ہے وہ ان کا معنی سمجھنے کے لیے نہیں ہے بلکہ ان خصوصیات کو سمجھنے کے لیے، اصل معنی تو ان کا ویسے ہی سمجھ میں آجاتا ہے بغیر متعلقات کے ہی۔ فَوْقَ کا کیا معنی؟ اوپر، خود ہی ذہن میں آگیا کسی نہ کسی چیز کے اوپر ہوگا، تَحْتَ کا کیا معنی؟ نیچے، معلوم ہوا کسی نہ کسی چیز کے نیچے ہوگا، تو ان کا اصلِ معنی تو خود ہی سمجھ میں آرہا ہے اس کے لیے کسی متعلق کو ذکر کرنے کی ضرورت نہیں، متعلقات کو کس لیے ذکر کیا جاتا ہے؟ ان کی اس خصوصیات کو سمجھنے کے لیے کہ ان کو وضع ہی اس مقصد کے لیے کیا گیا ہے۔ بات سمجھ میں آگئی۔

تو کہتے ہیں لَزِمَ ذِكْرُهَا ان کے متعلقات کا ذکر لازم ہے لِفَهْمِ هٰذِهِ الْخُصُوصِيَّاتِ ان کی ان خصوصیات کو سمجھنے کے لیے، لَا لِأَجْلِ فَهْمِ أَصْلِ الْمَعْنَى نہ کہ ان کے اصلِ معنی کو سمجھنے کے لیے۔ اصلِ معنی کو سمجھنے کے لیے متعلقات کا ذکر لازم نہیں ہے۔ فَهِيَ دَالَّةٌ عَلَى مَعَانِيهَا یہ دلالت کرتے ہیں اپنے معانی پر مُعْتَبَرَةً فِي حَدِّ أَنْفُسِهَا اس حال میں کہ وہ معانی اپنی ذات کے اعتبار سے معتبر ہوتے ہیں، لَا فِي غَيْرِهَا غیر کے اعتبار سے غیر کے لحاظ سے ان کا اعتبار نہیں ہوتا یعنی ان کا معنی خود ہی سمجھ میں آجاتا ہے، غیر کے اعتبار سے وہ معنی ثابت نہیں ہوتا۔ یہ معنی ہے فَهِيَ دَالَّةٌ عَلَى مَعَانِيهَا مُعْتَبَرَةً فِي حَدِّ أَنْفُسِهَا لَا فِي غَيْرِهَا پس یہ دلالت کرتے ہیں ایسے معانی پر جو اپنی ذات کے اعتبار سے معتبر ہیں نہ کہ غیر کے اعتبار سے۔ فَهِيَ دَاخِلَةٌ فِي حَدِّ الْاِسْمِ تو یہ داخل ہیں اسم کی تعریف میں لَا فِي الْحَرْفِ نہ کہ حرف میں، حرف میں نہیں داخل۔ تو جب حرف میں نہیں داخل تو حرف کی تعریف معلوم ہوا مانع ہے، اور یہ اسم سے خارج نہیں تو معلوم ہوا اسم کی تعریف بھی جامع ہے، تو لہٰذا اسم کی تعریف جامع ہے اور حرف کی تعریف مانع ہے، اسمائے لازمۃ الاضافت کے ذریعے اس پر اشکال نہیں کیا جا سکتا۔ بات سمجھ میں آگئی، یہ حاصل محصول کی بحث مکمل ہوئی، حاصل محصول کی بحث مکمل ہوئی۔

آگے دیکھیے بھائی:

وَلَمَّا كَانَ الْفِعْلُ دَالًّا عَلَى مَعْنًى فِي نَفْسِهِ بِاعْتِبَارِ مَعْنَاهُ التَّضَمُّنِيِّ أَعْنِي الْحَدَثَ وَكَانَ ذٰلِكَ الْمَعْنَى مُقْتَرِنًا مَعَ أَحَدِ الْأَزْمِنَةِ الثَّلَاثَةِ فِي الْفَهْمِ عَنْ لَفْظِ الْفِعْلِ أَخْرَجَهُ بِقَوْلِهِ غَيْرِ مُقْتَرِنٍ بِأَحَدِ الْأَزْمِنَةِ الثَّلَاثَةِ أَيْ غَيْرِ مُقْتَرِنٍ مَعَ أَحَدِ الْأَزْمِنَةِ الثَّلَاثَةِ فِي الْفَهْمِ عَنْ لَفْظِهِ الدَّالِّ عَلَيْهِ۔

بھائی اسم کی تعریف شروع کی تھی ہم نے۔ اسم کی تعریف کیا کی؟ اَلْاِسْمُ مَا دَلَّ عَلَى مَعْنًى فِي نَفْسِهِ غَيْرِ مُقْتَرِنٍ بِأَحَدِ الْأَزْمِنَةِ الثَّلَاثَةِ۔ تو اب اگلی قید آ رہی ہے غَيْرِ مُقْتَرِنٍ بِأَحَدِ الْأَزْمِنَةِ الثَّلَاثَةِ کہ اسم کا معنی تین زمانوں میں سے کسی زمانے کے ساتھ ملا ہوا نہیں ہوتا۔ تو اس کے بارے میں اب آگے تفصیل بیان کرنے لگے ہیں۔ حاصلِ کلام یہ: آپ کو بتلائیں گے کہ فِي نَفْسِهِ کی قید لگائی، اسم کی تعریف میں فِي نَفْسِهِ کی قید لگائی اس کے ذریعے حرف کو نکال دیا کیونکہ حرف کا معنی وہ فِي نَفْسِهِ نہیں ہوتا بلکہ فِي غَيْرِهِ ہوتا ہے۔ لیکن فعل ابھی بھی اس تعریف کے اندر داخل تھا کیونکہ فعل بھی اپنے معنی پر مستقلاً دلالت کرتا ہے۔ تو اس کو آگے اب غَيْرِ مُقْتَرِنٍ بِأَحَدِ الْأَزْمِنَةِ الثَّلَاثَةِ کی قید کے ذریعے فعل کو بھی اسم کی تعریف سے نکال دیں گے، کیونکہ فعل وہ تین زمانوں میں سے کسی ایک کے ساتھ ملا ہوتا ہے جبکہ اسم ملا ہوا نہیں ہوتا۔ تو جب قید لگا دی غَيْرِ مُقْتَرِنٍ بِأَحَدِ الْأَزْمِنَةِ الثَّلَاثَةِ وہ معنی تین زمانوں میں سے کسی زمانے کے ساتھ ملا ہوا نہ ہو، تو فعل نکل گیا کیونکہ وہ تو ملا ہوتا ہے۔ فِي نَفْسِهِ کی قید کے ذریعے اسم کی تعریف سے کس کو نکالا؟ حرف کو، کس کو نکالا؟ حرف کو، اور غَيْرِ مُقْتَرِنٍ بِأَحَدِ الْأَزْمِنَةِ الثَّلَاثَةِ اس کے ذریعے کس کو نکالیں گے؟ اب اس کے ذریعے فعل کو بھی نکال دیں گے۔ بات سمجھ میں آ گئی، تو اب اسی کو ذکر کر رہے ہیں۔

کہتے ہیں وَلَمَّا كَانَ الْفِعْلُ دَالًّا عَلَى مَعْنًى فِي نَفْسِهِ اور جب فعل جو ہے وہ دلالت کرتا ہے اپنے معنی پر فِي نَفْسِهِ یعنی اپنی ذات کے اعتبار سے، بِاعْتِبَارِ مَعْنَاهُ التَّضَمُّنِيِّ باعتبار اپنے معنی تضمنی کے أَعْنِي الْحَدَثَ یعنی کہ حدث۔ جی یہاں دو تین باتیں سمجھ لیں پھر آپ کو بات سمجھ میں آئے گی:

سب سے پہلے تو حدث سمجھ لو، حدث۔ حدث کہتے ہیں یاد رکھو یہ جو مصدر ہے، معنی مصدری ہے اس کو حدث کہتے ہیں۔ حدث اصل میں کہتے ہیں وہ معنی جو قائم بالغیر ہو، جو غیر کی صفت بنے، جس کا اپنا الگ وجود خارج میں نہ ہو۔ یعنی یہ غیر کی صفت بنتا ہے اور آپ جانتے ہیں صفت کا دارو مدار موصوف پر ہے، موصوف ہے تو صفت ہے، موصوف نہیں تو صفت بھی نہیں۔ تو حدث وہ معنی جو غیر کے ساتھ قائم ہو یعنی معنی مصدری مراد ہے۔ یاد رکھو یہ جو مصدر ہے نا اس کا اپنا الگ خارج میں کوئی وجود نہیں ہوتا، یہ ہمیشہ کسی کی صفت بنے گا۔ مثلاً ضَرَبَ زَيْدٌ زید نے ضرب لگائی، اب ضرب زید کی صفت بن گئی۔ یہ ضرب کس نے لگائی؟ زید نے، تو یہ زید کی صفت ہے ضرب۔ تو ضرب دیکھو یہ حدث ہے، ایک معنی ہے جو کس کے ساتھ قائم ہے؟ زید کے ساتھ قائم ہے، زید ہے تو یہ والی ضرب ہے، زید نہیں تو یہ والی ضرب بھی نہیں۔ آپ

کہیں گے زید نہ ہو پھر بھی ضرب ہو سکتی ہے مثلاً بکر لگا دیتا ہے ضرب؟ بھائی وہ بکر کی ضرب ہے، ہم بکر کی ضرب کی بات نہیں کر رہے، ہم کس کی ضرب کی بات کر رہے ہیں؟ زید کی۔ زید کی ضرب تبھی ہو سکتی ہے جب زید ہو گا، زید نہیں تو زید کی ضرب بھی نہیں۔ تو حدث کسے کہتے ہیں؟ ایسا معنی جو غیر کے ساتھ قائم ہو اس کا اپنا الگ وجود نہ ہو یعنی معنی مصدری مراد ہے، مصدر ہمیشہ کسی کی صفت بنتا ہے اس کا اپنا الگ وجود نہیں۔ آپ نے پانی پیا تو شرب آپ کی صفت ہے، آپ نے کھانا کھایا تو اکل آپ کی صفت ہے، آپ نے ضرب لگائی تو ضرب آپ کی صفت ہے، تو مصدر کا اپنا الگ خارج میں وجود نہیں ہوتا، یہ ہمیشہ کسی کی صفت بنتا ہے۔

آپ کہیں گے ہمیں تو خارج میں مصدر نظر آتا ہے، کوئی کسی کی پٹائی کر رہا ہو تو ہمیں پٹائی نظر آتی ہے۔ جی یہ میں پہلے بیان کر چکا کہ آپ کو جو خارج میں نظر آتا ہے یہ مصدر نہیں ہے یہ حاصل بالمصدر ہے، مصدر سے جو حالت اور صورت حاصل ہوئی، جو کیفیت حاصل ہوئی وہ آپ کو نظر آ رہی ہے۔ ضرب ضرب آپ کو نہیں نظر آ رہی، خارج میں آپ کو پٹائی کرنا نہیں نظر آتا، خارج میں آپ کو اس پٹائی کرنے سے جو حالت حاصل ہوئی یعنی پٹائی وہ نظر آ رہی ہے۔ پٹائی کرنا یہ ہے مصدر، اور پٹائی یہ کیا ہے؟ حاصل بالمصدر ہے۔ تو آپ کو خارج میں پٹائی نظر آتی ہے، پٹائی کرنا نظر نہیں آتا۔ اسی طرح خارج میں آپ کو ہنسنا نہیں نظر آتا، خارج میں آپ کو ہنسی نظر آتی ہے، یہ حاصل بالمصدر ہے، مصدر سے جو حالت حاصل ہوئی۔ خارج میں آپ کو بھاگنا، بھاگنا مصدر ہے یہ آپ کو دکھائی نہیں دیتا، ہاں اس بھاگنے سے جو حالت بنی، جو حالت حاصل ہوئی یعنی دوڑ جو ہے، آپ کو خارج میں دوڑنا نہیں نظر آتا بلکہ دوڑ نظر آتی ہے۔ تو لہٰذا مصدر یہ خارج میں دکھائی بھی نہیں دیتا اور یہ ہمیشہ کسی کی صفت بنتا ہے اس کا اپنا الگ وجود نہیں ہوتا۔ ضرب کے لیے کوئی ضارب ضرور چاہیے، اکل کے لیے کوئی آکل ضرور چاہیے، شرب کے لیے کوئی شارب ضرور چاہیے، موصوف کے بغیر یہ نہیں ہو سکتے۔ تو اس کو کیا کہتے ہیں؟ حدث یعنی معنی مصدری، کیا مراد ہے؟ یا یوں کہو آسان لفظوں میں مصدر مراد ہے، کیا مراد ہے؟ مصدر مراد ہے، حدث مصدر کو کہتے ہیں۔

دوسرا، یاد رکھو یہ جو فعل ہے، فعل کا لفظ تو مفرد ہے لیکن فعل کا معنی مرکب ہے تین چیزوں سے: ایک اس میں مصدر ہوتا ہے، ایک زمانہ ہوتا ہے، اور ایک نسبت الی الفاعل۔ فعل کے اندر تین چیزیں ہوتی ہیں: ضَرَبَ زَيْدٌ اس ضَرَبَ کے اندر تین چیزیں ہیں: ایک ضرب پٹائی کرنے کا بھی معنی ہے یعنی مصدر بھی ہے، ایک زمانہ بھی ہے، ضَرَبَ کون سا زمانہ سمجھ میں آیا؟ ماضی والا گزرا ہوا، تو زمانہ بھی ہے، اور نسبت الی الفاعل بھی ہے، یہ پٹائی کرنا خود ہو سکتا ہے یا کوئی پٹائی کرنے والا چاہیے؟ کوئی پٹائی کرنے والا چاہیے تو نسبت الی الفاعل بھی اس کے اندر چاہیے۔ تو فعل کا معنی مرکب ہوتا ہے تین چیزوں سے: مصدر، زمانہ، اور نسبت الی الفاعل، یا یوں کہو فعل کا معنی مرکب ہوتا ہے تین چیزوں سے: حدث، زمانہ، اور نسبت الی الفاعل۔ اور یاد رکھو یہ جو نسبت الی الفاعل ہے یہ غیرِ مستقل ہے، اس کا الگ کوئی وجود نہیں کیونکہ یہ نسبت کا نام ہے،

فعل اور فاعل کے درمیان نسبت ہے۔ فعل اور فاعل کے درمیان جو نسبت ہے وہ ہے نسبت الی الفاعل، تو اس کے لیے فعل کا وجود بھی چاہیے اور فاعل کا وجود بھی چاہیے، تو یہ دو چیزوں کے درمیان نسبت کا نام ہے اور نسبت آپ پڑھ چکے ہیں وہ مستقل بالمفہوم نہیں ہوتی، اس کا دارومدار ان دو چیزوں پر ہوتا ہے، وہ دو چیزیں ہیں جن کے درمیان نسبت ہے تو نسبت بھی ہے، قَامَ اور زَيْدٌ ہیں تو قَامَ اور زَيْدٌ کے درمیان نسبت بھی ہے، قَامَ اور زَيْدٌ کو الگ الگ کر دو اب درمیان میں کوئی نسبت نہیں۔ تو یہ نسبت کیا ہے؟ غیرِ مستقل ہے، یہ تو فعل کا مفہوم مرکب ہے کتنی چیزوں سے؟ حدث، زمانہ، اور نسبت الی الفاعل، اور نسبت الی الفاعل یاد رکھو یہ غیرِ مستقل ہے۔

اب یاد رکھو اسم بھی اپنے معنی پر خود دلالت کرتا ہے، فعل بھی اپنے معنی پر خود دلالت کرتا ہے، تو اس معنی سے کون سا معنی مراد ہے؟ اسم کی تعریف میں بھی آیا مَعْنًى فِي نَفْسِهِ، فعل کی تعریف میں بھی آئے گا مَعْنًى فِي نَفْسِهِ، وہ معنی جو اپنی ذات کے اعتبار سے معتبر ہو، توجہ ہے؟ اس معنی سے کون سا معنی مراد ہے؟ کیونکہ معنی اس کی چار صورتیں ہو سکتی ہیں: یا معنی مطابقی ہو گا، یا تضمنی ہو گا، یا التزامی ہو گا، یا مطلق ہو گا۔ آپ جانتے ہیں کہ لفظ کو جس معنی کے لیے وضع کیا جائے وہ لفظ اس پورے معنی موضوع لہ پر دلالت کرے تو اس کو کہتے ہیں دلالتِ مطابقی، دلالتِ مطابقی۔ تو فعل کا معنی مطابقی کیا ہوا؟ تینوں چیزیں آگئیں اس کے اندر کون سی؟ حدث بھی، زمانہ بھی، اور نسبت الی الفاعل بھی۔ معنی مطابقی کسے کہتے ہیں؟ کہ لفظ اپنے پورے معنی موضوع لہ پر کیا کرے؟ دلالت۔ اور فعل کا لفظ بھی کس کے لیے وضع ہے؟ ان تینوں چیزوں کے لیے، کون سی تین چیزیں؟ حدث، زمانہ، اور نسبت الی الفاعل۔ تو یہ تینوں ہوں تو یہ ہے فعل کا معنی مطابقی۔ ان میں سے کوئی ایک مراد لے لیں تو یہ ہو گا معنی تضمنی، یہ کیا ہے؟ یا دوسری مثال لے لو: انسان کو کس کے لیے وضع کیا گیا ہے؟ حیوانِ ناطق کے لیے، تو انسان کا معنی موضوع لہ کیا؟ حیوانِ ناطق۔ اور حیوانِ ناطق میں تو دو جز ہیں: ایک حیوان اور ایک ناطق۔ یہ دو جز ملیں گے تو انسان ہے، یہ دونوں جز الگ نہیں الگ ہیں تو پھر انسان نہیں۔ تو یہ دو جز ملیں گے تو انسان کا وجود ہو گا۔ تو انسان کا معنی مطابقی کیا؟ حیوانِ ناطق پورا۔ لفظ اپنے معنی موضوع لہ کے جز پر دلالت کرے اس کو کہتے ہیں دلالتِ تضمنی، یعنی انسان کی دلالت صرف کس پر؟ حیوان پر، یا صرف کس پر؟ ناطق پر۔ حیوان بھی ایک جز، ناطق بھی ایک جز، تو کسی ایک جز پر یعنی کل پر نہ ہو وہ کیا کہلاتی ہے؟ لفظ کی دلالت اپنے معنی موضوع لہ کے کل پر ہو تو یہ ہے مطابقی، معنی موضوع لہ کے جز پر دلالت ہو تو یہ ہے

دلالتِ تضمنی ہے۔ تو لفظِ انسان بولا جائے اور صرف کس کا ارادہ کریں؟ حیوان کا، یا صرف کس کا ارادہ کریں؟ ناطق کا، تو یہ کون سی دلالت ہوئی؟ دلالتِ تضمنی۔ توجہ ہے؟ اور لفظ اپنے معنی موضوع لہ کے خارج پر دلالت کرے یعنی اس کے لازم پر دلالت کرے اس کو کیا کہتے ہیں؟ دلالتِ التزامی کہتے ہیں، دلالتِ التزامی کہتے ہیں۔ تو اس کو دلالتِ التزامی کہتے ہیں۔ جیسے انسان کے ساتھ قابلیتِ علم لازم ہے، اللہ نے انسان میں صلاحیت رکھی ہے علم حاصل کرنے کی۔ تو

قابلیتِ علم، صلاحیتِ علم یہ انسان کے ساتھ لازم ہے۔ جو بھی انسان ہو گا اس میں یہ صلاحیت ہو گی۔ تو انسان بول کر اس صلاحیتِ علم کا ارادہ کرنا یہ کون سی دلالت ہوئی؟ دلالتِ التزامی۔ توجہ ہے؟ یا انسان کو اللہ نے ضاحک بنایا ہے، تو یہ ضحک انسان کے ساتھ لازم ہے، ہر انسان میں ضحک کی صلاحیت ہے، تو یہ کون سی دلالت ہوئی؟ دلالتِ... ضحک یہ انسان کی حقیقت میں داخل ہے؟ انسان کی حقیقت میں داخل نہیں ہے۔ تو یہ ضحک ہر انسان میں اللہ نے ضحک کی صلاحیت رکھی ہے۔ تو انسان بول کر ضحک کا ارادہ کرنا یعنی ایک لازم کا جو انسان کے ساتھ لازم ہے یہ کیا ہے؟ دلالتِ التزامی ہے۔ یا حاتم طائی بول کر سخاوت کا ارادہ کرنا، کیونکہ عرف میں سخاوت کو حاتم طائی کے ساتھ لازم سمجھا جاتا ہے، یہ کیا ہے؟ دلالتِ التزامی۔

تو دلالتِ مطابقی کسے کہتے ہیں؟ کہ لفظ اپنے پورے معنی موضوع لہ پر دلالت کرے۔ اور دلالتِ تضمنی کسے کہتے ہیں؟ کہ لفظ اپنے معنی موضوع لہ کے جز پر دلالت کرے۔ اور دلالتِ التزامی کسے کہتے ہیں؟ کہ لفظ اپنے معنی موضوع لہ کے لازم پر دلالت کرے۔ جی اب میری طرف دیکھیے: میں نے کہا انسان، کون سی دلالت ہوئی؟ جی تینوں دلالتیں ہو گئیں بھائی، یاد رکھو قیمتی بات بتلا رہا ہوں، طلبہ سمجھتے ہیں بس ایک آدھی دلالت ہوئی، نہیں۔ جب لفظ بولو گے تو کل ذہن میں آئے گا یا نہیں؟ کل سارا حیوانِ ناطق آپ کے ذہن میں آگیا، اور حیوانِ ناطق سارا تبھی آئے گا نا جب حیوان بھی ذہن میں آجائے اور ناطق ایک ایک جز بھی ذہن میں آجائے تو جز پر بھی کیا ہو گئی؟ دلالت۔ اور جب انسان کا تصور ذہن میں آیا تو اس کے لوازم بھی ذہن میں آگئے یا نہیں کہ وہ اس میں اللہ نے کیا صلاحیت رکھی ہے؟ قابلیتِ علم کی اور وہ کیا ہے؟ ضاحک ہے۔ لازم کو لازم کہتے ہی اسی لیے ہیں کہ وہ اس سے جدا نہیں ہوتا اس کے ساتھ لازم ہوتا ہے۔ تو لہٰذا جب بھی کوئی لفظ بولیں اگر اس کا ایک معنی مطابقی ہے، ایک معنی تضمنی ہے اور ایک التزامی تو تینوں پر اکٹھی دلالت ہو جاتی ہے، یا جو جو ہوں گے ان سب پہ دلالت ہو جائے گی۔ فرض کرو اس کا لازم کوئی نہیں ہے، صرف مطابقی اور تضمنی ہے تو دونوں دلالتیں ہو جائیں گی۔ ہاں ارادہ ان میں سے پھر ایک کا ہو گا۔ یا تو میں اس کے ذریعے معنی مطابقی کا ارادہ کروں گا، یا میں اس کے ذریعے معنی تضمنی کا ارادہ کروں گا، یا میں اس کے ذریعے دلالتِ التزامی کا ارادہ کروں گا۔ انسان بول کر یا تو میں ارادہ کروں گا پورے حیوانِ ناطق کا، یا انسان بول کر میں صرف حیوان یا صرف ناطق کا ارادہ کروں گا، یا انسان بول کر میں قابلیتِ علم یا ضحک کا جو صلاحیت ہے اس کا ارادہ کروں گا۔ تو دلالتیں تینوں ہو گئیں، ہاں ارادہ ان میں سے ایک کریں گے آپ، دو کا اکٹھا ارادہ نہیں کر سکتے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ یا تو پورے معنی موضوع لہ کا میں ارادہ کروں گا۔

توجہ ہے؟ بات بھی سمجھ میں آئی کہ نہیں؟ جب بھی کوئی لفظ بولیں تو دلالتیں ساری ہو جاتی ہیں۔ مجھے بتائیے ایک بات: انسان بول کر میں حیوانِ ناطق کا ارادہ کر سکتا ہوں کہ نہیں؟ کر سکتا ہوں۔ انسان بول کر میں صرف حیوان کا ارادہ یا صرف ناطق کا ارادہ کر سکتا ہوں یا نہیں؟ کر سکتا ہوں۔ انسان بول کر میں قابلیتِ علم کا ارادہ کر سکتا ہوں یا نہیں؟ کر سکتا ہوں۔

بھائی ان تینوں کا میں ارادہ کر سکتا ہوں الگ الگ۔ بھائی دلالت ہو رہی ہے تو میں ارادہ کروں گا نا، اگر دلالت ہی نہیں ہو گی تو میں ارادہ کیسے کروں گا؟ بکری بول کر میں ہاتھی کا ارادہ کر سکتا ہوں؟ بکری ہاتھی پہ دلالت کر رہی ہے؟ نہیں، جو دلالت کر رہا ہے اسی کا ارادہ کیا جا سکتا ہے۔ تو جب میں نے انسان کہا دلالتیں تینوں ہو گئیں، اب میرا ارادہ ان میں سے ایک کا ہو گا۔ تو ارادہ وہیں ہو گا جب دلالت بھی ہو رہی ہو، دلالت نہیں ہو گی تو ارادہ کہاں سے؟ تو آپ تینوں میں سے ہر ایک کا باری باری ارادہ کر سکتے ہیں یا نہیں کر سکتے؟ معلوم ہوا دلالتیں ہو رہی ہیں تینوں، ہاں ہمارا ارادہ ان میں سے ایک کا ہوتا ہے، ان میں سے ایک کا ہوتا ہے۔ تو ارادہ اور چیز ہے، دلالت ہونا اور چیز ہے۔ دھواں دیکھا کیا سمجھ میں آیا کہ نیچے کیا جل رہی ہے؟ آگ۔ تو کیا یہ دھوئیں سے آگ پر جو دلالت ہوئی اس میں کوئی آپ کے ارادے کا دخل ہے یا وہ خود بخود دلالت کر رہا ہے؟ خود بخود، وہ خود بخود دلالت کر رہا ہے، تو ارادہ اور چیز ہے اور دلالت ہونا اور چیز ہے۔ تو جب بھی کوئی آپ لفظ بولتے ہیں تو اس میں اگر مطابقی، تضمنی اور التزامی تینوں قسم کی دلالتیں ہیں تو وہ تینوں دلالتیں ہو جائیں گی، البتہ ارادہ ایک کا ہو گا، ارادہ ایک کا ہو گا۔

تو یہاں پر بھی فعل کا معنی مطابقی کیا ہے؟ تینوں چیزیں: حدث، اور زمانہ، اور نسبت الی الفاعل۔ فعل کا معنی مرکب ہے تین چیزوں سے، تین چیزوں سے، اور ان میں سے حدث وہ بھی مستقل ہے، زمانہ بھی کیا ہے؟ مستقل ہے، لیکن نسبت غیرِ مستقل ہے کیونکہ نسبت تو دو چیزوں کے درمیان ہوتی ہے، وہ دو چیزیں ہیں تو نسبت ہے وہ دو چیزیں نہیں تو نسبت بھی نہیں۔ تو فعل کے مفہوم میں تین چیزیں ہیں، اور معنی مطابقی کہ یہ تینوں چیزوں کا ارادہ کیا جائے، اور ان تینوں چیزوں میں ایک غیرِ مستقل ہے اور دو مستقل ہیں، تو جب غیرِ مستقل اور مستقل مل جائیں اکٹھے ہو جائیں تو وہ سارا پھر غیرِ مستقل ہو جاتا ہے کیونکہ آپ نے منطق میں پڑھا ہے نتیجہ کس کے تابع ہوتا ہے؟ ارذل و اخس کے، نتیجہ ارذل و اخس۔ ارذل جو ادنیٰ ہے، ادنیٰ ہے، اخس س کے ساتھ ہے ص کے ساتھ نہیں ہے، جو ارذل جو زیادہ رذیل ہے، ادنیٰ ہے، اور اخس جو زیادہ خسیس ہے یعنی گھٹیا ہے، ادنیٰ ہے۔ تو نتیجہ کس کے تابع ہوتا ہے؟ ارذل و اخس کے۔ تو دیکھو فعل کے اندر تین چیزیں ہیں: حدث وہ بھی مستقل ہے، ضرب سے معنی سمجھ میں آتا ہے پورا کہ نہیں؟ زمانے سے بھی معنی پورا سمجھ میں آتا ہے، لیکن نسبت الی الفاعل کیا ہے؟ غیرِ مستقل۔ تو مجھے بتائیے مستقل اعلیٰ ہے یا غیرِ مستقل اعلیٰ ہے؟ مستقل اعلیٰ ہے، مستقل اعلیٰ ہے اور غیرِ مستقل ادنیٰ ہے۔ تو جب یہ تینوں چیزیں مل گئیں تو اب یہ مرکب کیا ہوا؟ اعلیٰ ہوا یا ادنیٰ؟ ادنیٰ یعنی یہ جب دو چیزیں مستقل ہیں اور ایک غیرِ مستقل تو یہ سارا مجموعہ اب کیا بن گیا؟ غیرِ مستقل ہو گا، تو فعل کا معنی مطابقی غیرِ مستقل ہے، کیونکہ فعل کے معنی مطابقی میں کتنی چیزیں آگئیں؟ تین چیزیں، اور ان تین میں سے ایک چیز غیرِ مستقل ہے تو سارا مجموعہ ہی کیا ہو گیا؟ غیرِ مستقل ہو گیا کیونکہ سارے ادنیٰ کے تابع ہو گئے۔

اور ایک فعل کا معنی تضمنی ہے، فعل کا معنی تضمنی کیا؟ ان تینوں میں سے ایک معنی مراد لیں گے۔ بھائی دیکھو پھر ادھر سمجھو، یہاں بات چل رہی ہے فعل کی کہ فعل کیا کرتا ہے؟ وہ اپنے معنی پر مستقلاً دلالت کرتا ہے۔ اس سے کون سا

معنی مراد ہے؟ معنی مطابقی مراد ہے، معنی تضمنی مراد ہے فعل کا، یا معنی التزامی مراد ہے؟ توجہ ہے؟ یا مطلق معنی مراد ہے؟ مطلق معنی یعنی کوئی بھی ہو جائے کوئی قید نہیں ہے، کوئی قید نہیں۔ کہتے ہیں اگر آپ اس سے معنی فعل کا کون سا معنی کا ارادہ کریں؟ معنی مطابقی کا؟ معنی مطابقی تو فعل کا غیرِ مستقل ہے، فعل کا معنی مطابقی تو غیرِ مستقل ہے، تو پھر اس کے لیے فِي نَفْسِهِ کہنا چاہیے یا فِي غَيْرِهَا کہنا چاہیے؟ فِي غَيْرِهَا کہنا چاہیے تھا بھائی۔ بات سمجھ میں آگئی؟ معلوم ہوا معنی مطابقی یہاں مراد فعل کا معنی مطابقی مراد نہیں ہے۔ پھر فعل کا معنی تضمنی مراد ہوگا، فعل کا معنی تضمنی کیا؟ تینوں میں سے کوئی ایک: یا فعل بول کر کیا مراد لے لو؟ حدث، یا زمانہ، یا نسبت الی الفاعل۔

پھر سمجھو ادھر دیکھیے، ادھر دیکھیے۔ بھائی بات چل رہی ہے اسم کی تعریف کی، کس کی چل رہی ہے؟ اسم کی تعریف میں کیا لفظ آیا؟ اَلْاِسْمُ مَا دَلَّ عَلَى مَعْنًى فِي نَفْسِهِ۔ یہ جو فِي نَفْسِهِ آیا اس کے ذریعے بتلانا یہ چاہتے ہیں کہ اس کے ذریعے صرف حرف خارج ہوا ہے فعل خارج نہیں ہوا، فعل ابھی بھی اسم کی تعریف میں داخل ہے، آگے غَيْرِ مُقْتَرِنٍ کی جب قید آئے گی تو فعل بھی خارج ہو جائے گا۔ فِي نَفْسِهِ سے صرف کون خارج ہوا ہے؟ صرف حرف خارج ہوا ہے فعل ابھی خارج نہیں۔ بھائی کس طرح خارج نہیں؟ یہ جو مَعْنًى فِي نَفْسِهِ ایسا معنی جو اپنی ذات کے اعتبار سے معتبر ہو اس سے کون سا معنی مراد ہے؟ اس سے کون سا معنی مراد ہے؟ یا معنی مطابقی مراد ہوگا، یا معنی تضمنی مراد ہوگا، یا معنی التزامی مراد ہوگا، یا مطلق معنی مراد ہوگا۔ کیا مراد ہوگا؟ مطلق معنی یعنی جس میں کوئی قید نہیں چاہے مطابقی ہو، چاہے تضمنی ہو، چاہے التزامی ہو، سب اس کے اندر داخل ہو جائیں گے۔ جیسے جیسے دیکھو ایک ہے انسان، انسان کو کیا کہتے ہیں؟ حیوانِ ناطق۔ ایک ہے گھوڑا اس کو کیا کہتے ہیں؟ حیوانِ صاہل، صہیل گھوڑے کے ہنہنانے کی جو آواز ہے، ہنہنانے والا حیوان۔ اور ایک ہے گدھا، گدھے کو کہتے ہیں حیوانِ ناہق، نہیق وہ جو گدھے کی آواز ہے اس کو کہتے ہیں رینکنا، گدھے کا رینکنا۔ تو حیوان کبھی ہم مطلق حیوان بولتے ہیں، مطلق حیوان میں تمام حیوانات آگئے چاہے وہ ناطق ہے، چاہے صاہل ہے، ناہق ہے یا اس کے علاوہ سب کس میں آگئے؟ حیوان، تو حیوان مطلق ہے اس کے اندر سارے مقید آجاتے ہیں۔ توجہ ہے؟ اور کبھی خاص کا ارادہ کرتے ہیں۔

تو یہاں پر بھی اسی طرح ہے، معنی کا لفظ آیا فِي نَفْسِهِ مَعْنًى فِي نَفْسِهِ سے کون سا معنی مراد ہے؟ مطلق معنی ہو تو مطلق معنی کے اندر سب آگئے جو بھی معنی آجائے: معنی مطابقی وہ بھی کیا ہے؟ معنی ہے، معنی تضمنی وہ بھی کیا ہے؟ معنی ہے، معنی التزامی وہ بھی کیا ہے؟ معنی ہے، تو جو بھی معنی ہوا سب اس کے اندر آجائیں گے۔ تو اس معنی سے کیا مراد ہے؟ مطلق معنی، اس میں سارے آجائیں گے، ہر معنی اس میں داخل ہو سکے گا چاہے آپ التزامی کا ارادہ کریں، چاہے تضمنی کا، چاہے مطابقی کا۔ یا اس سے مطابقی معنی مراد ہے، یا تضمنی مراد ہے، یا التزامی۔ اگر یہ جو اسم کی تعریف میں معنی کا لفظ آیا اس سے معنی مطابقی کا آپ ارادہ کرتے ہیں کہ اسم وہ لفظ ہے جو وہ کلمہ ہے جو جس کا معنی مطابقی جو ہے

ملحوظ ہوتا ہے اپنی ذات کے اعتبار سے، تو پھر تو فعل نکل گیا کیونکہ فعل کا معنی مطابقی کیا ہے؟ وہ غیرِ مستقل ہے، وہ تین چیزوں سے مرکب ہے اور ان میں سے ایک نسبت غیرِ مستقل ہے تو سارا معنی ہی کیا ہوا؟ غیرِ مستقل۔ تو فعل کا معنی غیرِ مستقل ہوا تو وہ تو فِي نَفْسِهِ کی قید سے ہی نکل گیا۔ جب فِي نَفْسِهِ کی قید سے نکل گیا تو آگے غَيْرِ مُقْتَرِنٍ کی قید لگانے کی کیا ضرورت ہے؟ تو پہلے ہی نکل چکا ہے۔ اور اگر اس معنی سے مراد معنی یہ جو اسم کی تعریف میں معنی کا لفظ آیا اس سے اگر آپ معنی تضمنی کا ارادہ کرتے ہیں، پھر تو اسم کی تعریف سے بہت سے اسم نکل جائیں گے جن کا جز ہی نہیں ہوتا۔ جیسے ضَرْبٌ کا کیا مطلب؟ پٹائی کرنا، اس کا کوئی جز ہے؟ نہیں، رَجُلٌ کا کیا معنی؟ آدمی، اس کا کوئی جز ہے؟ نہیں، تو جس لفظ کے معنی کا جز ہی نہیں ہو گا وہ نکل جائیں گے کیونکہ ان کا معنی تضمنی ہوتا ہی نہیں ہے، تو بہت سے اسم کیا ہوں گے؟ اسم کی تعریف سے نکل جائیں گے۔ اور اگر اس کے ذریعے معنی سے مراد آپ معنی التزامی کا ارادہ کرتے ہیں تو معنی التزامی وہ تعریفات میں متروک ہے۔ علماء فرماتے ہیں کہ معنی التزامی کا لحاظ نہیں کیا جاتا تعریفات میں کیونکہ وہ عقل سے دور ہوتا ہے، انسان بول کر ضاحک کا ارادہ کرنا یہ ایک بعید بات ہے فوراً ذہن اس کی طرف متوجہ نہیں ہوتا، یا انسان بول کر قابلیتِ علم کا ارادہ کرنا ذہن فوراً اس کی طرف متوجہ نہیں ہوتا، تو تعریفات میں معنی التزامی متروک ہے، مہجور ہے، اس کو ترک کیا گیا ہے۔ تو معنی مطابقی کا ارادہ بھی نہیں کر سکتے یہاں کیونکہ اس صورت میں فعل کیا ہو جائے گا؟ فِي نَفْسِهِ سے ہی خارج ہو جائے گا، آگے غَيْرِ مُقْتَرِنٍ کی قید کی ضرورت نہیں۔ اور اگر اس سے معنی التزامی کا ارادہ کرتے ہیں، او تضمنی کا ارادہ کرتے ہیں تو پھر تو بہت سے اسم جو ہیں جن کے معنی کا جز ہی نہیں ہے وہ بھی کیا ہو جائیں گے اس سے؟ نکل جائیں گے، کیونکہ کیا معنی بن جائے گا؟ اسم وہ کلمہ ہے جو دلالت کرتا ہے ایسے معنی تضمنی پر جو اپنی ذات کے اعتبار سے معتبر ہو، اور بہت سے اسم جو ہیں ان کا تو معنی تضمنی ہوتا ہی نہیں تو وہ تو نکل جائیں گے۔ اور اگر اس سے معنی التزامی مراد ہے تو وہ بھی درست نہیں ہے کیونکہ تعریفات کے اندر معنی التزامی متروک ہے، مہجور ہے، معنی التزامی معتبر نہیں۔ اور اگر اس سے مطلق معنی کا ارادہ کرتے ہیں کہ اسم وہ کلمہ ہے جو دلالت کرتا ہے ایسے معنی پر کوئی قید نہیں ہے چاہے مطابقی ہو، چاہے تضمنی ہو، چاہے التزامی۔

سب اس کے اندر آ گئے۔ جیسے حیوان بولو تو حیوانِ ناطق بھی اس میں آ گیا، حیوانِ صاہل بھی، حیوانِ ناہق بھی، سب حیوان ہیں بھائی۔ تو مطلق معنی بھی مراد نہیں لے سکتے، کیوں نہیں لے سکتے؟ اس لیے کیونکہ مطلق کا وجود خارج میں مقید ہی کے ضمن میں ہوتا ہے، مطلق کا الگ وجود نہیں ہوتا، مطلق کا... حیوان مطلق ہے مجھے دنیا میں آپ دکھا سکتے ہو کوئی ایسی چیز جو صرف حیوان ہو، اس میں کوئی قید نہ ہو بھائی؟ نہیں، جو بھی حیوان ہو گا یا وہ صاہل ہو گا یا وہ ناطق ہو گا یا وہ ناہق ہو گا یا کوئی نہ کوئی قید تو ہو گی جو اس کو باقی چیزوں سے جدا کر رہی ہے اور ممتاز کر رہی ہے، یہ تو نہیں ہو سکتا باقی چیزوں سے جدا وہ نہیں ہے۔ تو مطلق جو ہے اس کا خارج میں الگ وجود نہیں، حیوان کا الگ خارج میں وجود نہیں ہے، یہ جب بھی حیوان پایا جائے گا کسی مقید کے ضمن میں ہو گا، یعنی حیوانِ ناطق کے ضمن میں حیوان ہے، یا حیوانِ صاہل کے ضمن میں

حیوان ہے، یا حیوانِ ناہق کے ضمن میں حیوان ہے، تو حیوان جو یعنی مطلق ہے وہ ہمیشہ کس کے اندر ہوتا ہے؟ مقید کے ضمن میں ہوتا ہے، الگ خارج میں اس کا وجود نہیں ہوتا۔ تو مطلق معنی بھی یہاں مراد نہیں لے سکتے کیونکہ مطلق کا تو الگ خارج میں وجود ہی نہیں ہوتا، وہ تو کسی مقید کے ضمن میں ہوتا ہے اور مقید تو تین ہی ہیں: مطابقی، تضمنی اور التزامی، اور تینوں پر اشکال ہو رہے ہیں۔ تو مطلق لے آؤ گے تو وہ بھی مطلق بھی یا تو مطابقی میں آئے گا یا تضمنی میں یا التزامی میں، چوتھی تو کوئی صورت نہیں ہے، تو انہی میں سے کسی ایک کے ضمن میں پایا جائے گا اور جو ان میں سے ایک پر اعتراض ہوتا تھا وہی مطلق پر بھی ہو جائے گا، یہ مطلق کس کے ضمن میں ہو گا؟ مقید یعنی معنی مطابقی، تو معنی مطابقی والا الزام اعتراض آجائے گا جو ابھی ہم نے ذکر کیا کہ فعل کا تو معنی مطابقی مستقل ہے ہی نہیں وہ تو غیرِ مستقل ہے، یا تضمنی والا اعتراض آجائے گا اگر یہ مطلق معنی تضمنی کے ضمن میں ہوا، معنی تضمنی وہ اس طرح تو بہت سے اسم اسم کی تعریف سے نکل جائیں گے جن میں جز نہیں ہوتا، اور التزامی والا معنی تو وہ مہجور ہے۔

تو حاصلِ کلام کیا؟ کہ اسم کی تعریف میں معنی کا لفظ آیا اس معنی سے کون سا معنی مراد ہے؟ معنی مطابقی مراد لیں تو پھر تو اسی سے فعل نکل گیا، آگے غَيْرِ مُقْتَرِنٍ کی قید کی ضرورت نہیں۔ اور اگر اس سے مراد معنی تضمنی ہے تو پھر تو بہت سے اسم بھی بیچ میں سے نکل جائیں گے اسم کی تعریف سے کیونکہ ان کا جز ہی نہیں ہوتا۔ اور معنی التزامی کا ارادہ ٹھیک نہیں ہے تعریفات کے اندر وہ بھی مراد نہیں لے سکتے۔ اور مطلق معنی کا بھی ارادہ نہیں کر سکتے کیونکہ مطلق جب بھی پایا جاتا ہے وہ اپنے کسی مقید کے ضمن میں اس کا وجود ہوتا ہے، الگ خالی مطلق کا وجود نہیں ہوتا، حیوان جب بھی ہو گا وہ یا ناہق ہو گا یا صاہل ہو گا یا ناطق وغیرہ ہو گا، اکیلا حیوان نہیں ہو گا۔ تو اس کا جواب دیں گے کہ یہاں جو اسم کی تعریف میں معنی آیا یہ مطلق معنی ہے بھائی، کون سا معنی؟ مطلق معنی اس سے مراد ہے، جو بھی معنی ہو جو معتبر ہو اپنی ذات کے اعتبار سے، چاہے مطابقی ہو، چاہے تضمنی ہو، اور چاہے التزامی لیکن التزامی تو متروک ہے، تو چاہے مطابقی ہو چاہے تضمنی ہو جو بھی معنی ہو۔ تو معنی سے یہاں مطلق معنی مراد ہے اس میں مطابقی بھی داخل ہو گئے اور تضمنی بھی۔ تو اسم کی کیا تعریف ہوئی؟ اسم ایسا کلمہ ہے جو دلالت کرتا ہے ایسے معنی پر جو اپنی ذات کے اعتبار سے معتبر ہو۔ تو وہ معنی اپنی ذات کے اعتبار سے معتبر ہونا چاہیے چاہے وہ مطابقی ہو چاہے تضمنی ہو، اب فعل بھی اس کے اندر داخل ہو گیا، فعل بھی داخل۔ کیونکہ فعل معنی مطابقی کے اعتبار سے تو غیرِ مستقل ہے لیکن معنی تضمنی یعنی حدث کے اعتبار سے یہ مستقل ہے۔ ضَرَبَ سے پورا ضرب آپ کو سمجھ میں آرہا ہے کہ نہیں؟ دیکھا، أَكَلَ سے اکل سمجھ میں آرہا ہے کہ نہیں؟ شَرِبَ سے شرب پورا سمجھ میں آرہا ہے کہ نہیں؟ تو یہ جو فعل ہے یہ حدث کے اعتبار سے فعل بھی فعل کا معنی بھی مستقل ہے۔ فعل کا معنی مستقل، تو اسم کی تعریف میں معنی سے کون سا معنی مراد ہے؟ مطلق معنی۔ تو اسم وہ ہے جو دلالت کرتا ہے ایسے معنی پر جو اپنی ذات کے اعتبار سے ہو، جو اپنی ذات کے اعتبار سے ثابت ہو چاہے وہ مطابقی ہو چاہے تضمنی، اور فعل کس اعتبار

سے مستقل ہے؟ معنی تضمنی یعنی حدث کے اعتبار سے، معنی تضمنی یعنی حدث کے اعتبار سے تو وہ اس تعریف کے اندر داخل ہے۔ جو جس اعتبار سے بھی وہ معنی کیا ہو مستقل ہو وہ اس کے اندر داخل ہو گیا۔

اب اشکال ہوتا ہے کہ اشکال تو آپ نے کیا کیا تھا: مطلق کا وجود مقید کے ضمن میں ہوتا ہے، مطلق کا وجود مقید کے ضمن میں ہوتا ہے، مطلق کا تو الگ وجود ہی نہیں ہوتا، تو وہ اعتراض تو ابھی بھی باقی ہے اس کا کیا جواب؟ تو جواب یہ کہ مطلق کا وجود مقید کے ضمن میں ہوتا ہے، ہم نے مطلق کے وجود کی بات نہیں کی ہم نے اس معنی سے ارادے کی بات کی ہے کہ ہم کس کا ارادہ کرتے ہیں؟ مطلق معنی کا ہم ارادہ کرتے ہیں، اور مطلق حیوان کا آپ ارادہ کرتے ہیں یا نہیں؟ آپ بھی کلام میں بولتے ہیں: انسان کی طرف اشارہ کر کے کہتے ہیں یہ حیوان ہے، آپ گائے کی طرف اشارہ کر کے کہتے ہیں یہ حیوان ہے، آپ بکری کی طرف اشارہ کر کے کیا کہتے ہیں؟ حیوان۔ تو مطلق آپ کا مطلق ارادہ ہوتا ہے، یہ سب کیا ہیں؟ حیوان۔ تو مطلق کا ارادہ اور چیز ہے اور مطلق کا وجود اور چیز ہے، مطلق کا وجود ہمیشہ مقید کے ضمن میں ہوتا ہے لیکن مطلق کا ارادہ کیا جا سکتا ہے، آپ کلام میں مطلق بولتے ہیں یا نہیں؟ مثلاً میں نے کہا: حیوان ایک جنس ہے، حیوان ایک جنس ہے، جی کون سا حیوان مراد ہے؟ کون سا حیوان مراد ہے؟ مطلق حیوان مراد ہے، نہ ناطق ہو نہ صاہل کسی کی قید نہیں، مطلق حیوان کیا ہے؟ ایک جنس ہے، تو مطلق کا ارادہ کیا جا سکتا ہے، تو مطلق کا وجود وہ ہمیشہ مقید کے ضمن میں ہوتا ہے لیکن یہاں ہم مطلق کے وجود کی بات نہیں کر رہے بلکہ ہم یہ بتانا چاہتے ہیں کہ یہ جو تعریف کے اندر معنی کا لفظ آیا اس سے کون سا معنی مراد ہے؟ مطلق معنی مراد ہے یعنی اس کا ارادہ کیا گیا ہے اس کے وجود کی بات یہاں پر نہیں، اور مطلق کا ارادہ تو کیا جا سکتا ہے بھائی۔ بات سمجھ میں آ گئی۔

چلیے بس کریں، بحث اچھی طرح سمجھ میں آ گئی، باقی ان شاء اللہ پھر اگلے سبق میں پڑھیں گے بھائی۔ هٰذَا هُوَ الْمَرَامُ وَاللّٰهُ أَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْكَلَامِ۔

سبق نمبر ۳۴: تعریفِ اسم (۷): «غَيْرَ مُقْتَرِنٍ بِأَحَدِ الْأَزْمِنَةِ الثَّلَاثَةِ» سے فعل کا اخراج

شرحِ ملا جامی صفحہ: ۲۲ — بتاریخ: ۹ اگست ۲۰۲۱ء

▪ تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث

اچھا بھائی، آگے سبق دیکھیے بھائی کتاب پر:

وَلَمَّا كَانَ الْفِعْلُ دَالًّا عَلَى مَعْنًى فِي نَفْسِهِ بِاعْتِبَارِ مَعْنَاهُ التَّضَمُّنِيِّ أَعْنِي الْحَدَثَ، وَكَانَ ذَلِكَ الْمَعْنَى مُقْتَرِنًا مَعَ أَحَدِ الْأَزْمِنَةِ الثَّلَاثَةِ فِي الْفَهْمِ عَنْ لَفْظِ الْفِعْلِ، أَخْرَجَهُ بِقَوْلِهِ غَيْرِ مُقْتَرِنٍ بِأَحَدِ الْأَزْمِنَةِ الثَّلَاثَةِ، أَيْ غَيْرِ مُقْتَرِنٍ مَعَ أَحَدِ الْأَزْمِنَةِ الثَّلَاثَةِ فِي الْفَهْمِ عَنْ لَفْظِهِ الدَّالِّ عَلَيْهِ.

گزشتہ سبق میں ہم نے حاصل محصول کی بحث کے آخری دو حصے پڑھے تھے بھائی۔ پانچواں حصہ جو تھا اس پوری بحث کا، فَفِي هَذَا الْكِتَابِ، یہ میں نے بتلایا تھا ایک اعتراض کا جواب دے رہے ہیں۔ اعتراض یہ ہوتا تھا کہ اے صاحبِ جامی! آپ نے ہمیں بتایا کہ فِي نَفْسِهِ کی ہا ضمیر چاہے کلمہ کو راجع کریں چاہے معنی کو راجع کریں، دونوں کا مآل ایک ہی ہے، دونوں کا مرجع ایک ہی ہے، اور وہ معنی کا مستقل بالمفہوم ہونا ہے۔ یعنی فِي نَفْسِهِ کی ہا ضمیر چاہے کلمہ کو راجع کریں چاہے معنی کو راجع کریں، دونوں صورتوں میں معنی بنے گا کہ وہ معنی مستقل بالمفہومیت ہونا چاہیے یعنی مستقلاً لفظ سے سمجھ میں آنا چاہیے بھائی۔

تو اشکال ہوا کہ اے صاحبِ جامی! جب دونوں کا مآل ایک ہے تو پھر آپ نے صاحبِ کافیہ کی مخالفت کیوں کی؟ صاحبِ کافیہ نے اس ضمیر کو معنی کی طرف لوٹایا ہے تو آپ بھی کیا کر دیتے؟ معنی کو ہی لوٹا دیتے، کیونکہ مآل تو دونوں کا ایک ہی ہے، تو پھر آپ نے کلمہ کی طرف یہ ضمیر کیوں راجع کی؟ تو اس کا جواب دیا تھا صاحبِ جامی نے کہ بھائی دراصل یہاں پہلے بھی ایک مرتبہ فِي نَفْسِهَا کا لفظ گزر چکا ہے یعنی وجہِ حصر کے اندر، اور وہاں فِي نَفْسِهَا کی ہا ضمیر کلمہ کو راجع تھی کیونکہ ہا ضمیر مؤنث کی تھی۔ تو آگے جب تعریف آئی تو وہاں پر بھی ہمیں فِي نَفْسِهِ کی ہا ضمیر مَا موصولہ کو راجع کرنا پڑی جو عبارت ہے کلمہ سے، تاکہ وجہِ حصر اور تعریف ایک دوسرے کے مخالف نہ ہو جائیں بھائی لفظوں کے اعتبار سے ہی۔ کہ وجہِ

حصر میں کس کو ضمیر لوٹائی؟ کلمہ کو، تو لہٰذا اسم کی تعریف میں بھی فِي نَفْسِهِ کی ہا ضمیر کس کو لوٹانی چاہیے؟ کلمہ ہی کو لوٹانی چاہیے۔

اور جب کہ مفصل جو ہے، اس کے اندر جو صاحبِ کافیہ نے اس کی شرح کی ایضاح، اس میں انہوں نے کہا کہ یہ جو مفصل میں فِي نَفْسِهِ کی ہا ضمیر ہے یہ معنی کو راجع ہے، اس لیے کیونکہ اس سے ماقبل میں ایسی کوئی عبارت نہیں گزری تھی جس میں یہ ضمیر کلمہ کو راجع ہو رہی ہو، جس کی وجہ سے یہاں پر بھی اس کو کلمہ کی طرف راجع کرنا پڑے۔ لیکن کافیہ میں ایسا تھا، پہلے بھی ایک جگہ فِي نَفْسِهِ گزرا تھا اور دوبارہ آیا، تو پہلے میں کلمہ کو راجع ہے تو دوسرے میں بھی کس کو راجع ہونی چاہیے؟ کلمہ کو۔ اور نیز صاحبِ جامی نے بتلایا کہ صاحبِ کافیہ بڑی پیاری عبارت لے کر آئے ہیں کافیہ کے اندر، انہوں نے فِي نَفْسِهِ میں مذکر کی ضمیر لائے ہیں، تو اس میں دونوں احتمال ہیں۔ اس کو مَا کی طرف بھی راجع کر سکتے ہیں کیونکہ مَا کا لفظ مذکر ہے اگرچہ اس سے مراد کلمہ ہے، اور آپ چاہیں تو اس کو معنی کی طرف بھی راجع کر سکتے ہیں اور معنی کا لفظ بھی مذکر ہے۔ تو اسی بات پر متنبہ کرنے کے لیے اسم کی تعریف میں جو فِي نَفْسِهِ کا لفظ لائے ہیں اس کے ساتھ مذکر ضمیر ذکر کی ہے تاکہ بتلا دیں کہ دونوں احتمال اس میں جاری ہو سکتے ہیں۔

اور اس کے بعد آخری حصہ پڑھا تھا ہم نے حاصل محصول کی بحث کا، کہ وہاں اعتراض ہوتا تھا کہ آپ کی یہ اسم کی تعریف جامع نہیں، اس لیے کیونکہ اس سے اسمائے لازمۃ الاضافت نکل گئے۔ میں نے بتلایا اسمائے لازمۃ الاضافت کچھ ایسے اسم ہیں جو ہمیشہ مضاف ہو کر استعمال ہوتے ہیں، ان کے لیے ہمیشہ مضاف الیہ چاہیے۔ تو ان کو کیا کہتے ہیں؟ اسمائے لازمۃ الاضافت، یعنی جن کے ساتھ اضافت لازم ہے، جب بھی ان کو استعمال کرنا ہے ان کے ساتھ مضاف الیہ کو ذکر کرنا پڑے گا، یعنی ان کے متعلق کو ذکر کرنا پڑے گا۔ مضاف الیہ بھی مضاف کا متعلق ہے نا، تو اس کے متعلق کو ذکر کرنا پڑے گا۔ تو معلوم ہوا یہ جو اسمائے لازمۃ الاضافت ہیں ان کا معنی بغیر متعلق کے سمجھ میں ہی نہیں آتا، ان کو بھی ذکر کرنا پڑے گا پھر ان کا معنی سمجھ میں آئے گا۔ تو یہ کس کی طرح ہو گئے؟ حرف کی طرح ہو گئے۔ تو یہ فِي نَفْسِهِ اپنے معنی پر دلالت نہیں کرتے بلکہ فِي غَيْرِهَا یعنی غیر یعنی متعلق کے اعتبار سے اپنے معنی پر دلالت کرتے ہیں، تو لہٰذا یہ حرف کی تعریف میں داخل ہو گئے۔ تو اسم کی تعریف جامع نہ رہی، کچھ اسم اس سے نکل گئے، اور حرف کی تعریف مانع نہ رہی کہ اس کے اندر کچھ اسم یہ والے جو ہیں لازمۃ الاضافت، یہ اسم کیا ہو گئے اس کے اندر؟ داخل ہو گئے۔

تو اس کا جواب دیا تھا کہ نہیں بھائی، یہ جو اسمائے لازمۃ الاضافت ہیں یہ صرف استعمال کے اعتبار سے ان کے ساتھ اضافت لازم ہے، باقی ان کا معنی جو ہے وہ مفہومِ کلی ہے، وہ ان سے مستقلاً سمجھ میں آجاتا ہے۔ جیسے فَوْق کا معنی اوپر، تَحْت کا معنی نیچے، قُدَّام کا معنی آگے، خَلْف کا معنی پیچھے، تو ان میں سے ہر ایک جو ہے مفہومِ کلی کے لیے وضع ہے اور آپ پڑھ چکے ہیں کہ مفہومِ کلی کیا ہوتا ہے؟ وہ مستقل بالمفہوم ہوتا ہے، مستقلاً سمجھ میں آتا ہے، تو ان کا معنی مستقل ہے، مستقلاً

ان سے سمجھ میں آرہا ہے۔ ہاں، عادت عربوں کی یہ جاری ہوئی ہے کہ وہ ہمیشہ اس کو استعمال کس طرح کرتے ہیں؟ ہمیشہ مضاف کرکے اس کے لیے کوئی مضاف الیہ ساتھ ذکر کرتے ہیں۔ تو یہ استعمال کے اندر یہ مضاف الیہ کے محتاج ہیں، اپنا معنی بتلانے کے اندر یہ مضاف الیہ کے محتاج نہیں ہیں۔ اور ہمیشہ عرب ان کو مضاف کرکے استعمال کرتے ہیں اور کوئی نہ کوئی مضاف الیہ ساتھ ذکر کرتے ہیں۔ وجہ یہ کہ ان کی وضع سے غرض یہی ہے۔ معلوم ہوا غرض جو ہے وہ معنی کے علاوہ بھی ہو سکتی ہے، تو ان لفظوں کو وضع کیا گیا معنی کے لیے اور ساتھ ایک اور غرض بھی تھی۔ کیا؟ کہ ان کو ہمیشہ کس طرح استعمال کرنا ہے؟ کسی نہ کسی مضاف الیہ کے ساتھ استعمال کرنا ہے۔ تو ان کی ان خصوصیات کو سمجھنے کے لیے کہ ان کو اس مقصد کے لیے وضع کیا گیا ہے، اس لیے ان کے ساتھ مضاف الیہ ہمیشہ ذکر کرتے ہیں، ان کا اصل معنی سمجھنے کے لیے مضاف الیہ ساتھ ذکر نہیں کیا جاتا۔ تو یہ لہٰذا اسم ہی کی تعریف میں داخل ہیں، یہ اپنے معنی پر خود دلالت کرتے ہیں، ان کا معنی فِي نَفْسِهِ ہوتا ہے، فِي غَيْرِهِ نہیں ہوتا۔ تو یہ اسم ہی کی تعریف میں داخل ہیں تو اسم کی تعریف جامع ہوئی، اور یہ حرف کی تعریف میں داخل نہیں تو حرف کی تعریف مانع بھی ہے، تو اسم کی تعریف جامع ہونے کے اعتبار سے اور حرف کی تعریف مانع ہونے کے اعتبار سے اس میں کوئی خلل اور کوئی خرابی لازم نہیں آئی بھائی۔

اس کے بعد آگے دوسری قید آرہی تھی بھائی، اسم کی تعریف چل رہی تھی، اَلِاسْمُ مَا دَلَّ عَلَى مَعْنًى فِي نَفْسِهِ غَيْرِ مُقْتَرِنٍ بِأَحَدِ الْأَزْمِنَةِ الثَّلَاثَةِ۔ تو اب اس کے بارے میں تفصیل ہم نے پڑھنا شروع کی تھی کہ یہ دوسری قید کیوں لے کر آئے؟ کہ اسم کا معنی تین زمانوں میں سے کسی زمانے کے ساتھ ملا ہوا نہ ہو۔ بھائی دیکھو اسم کی تعریف ایسی ہونی چاہیے کہ اس میں کوئی فعل بھی داخل نہ ہو اور کوئی حرف بھی داخل نہ ہو۔ تو جب کہا مَعْنًى فِي نَفْسِهِ، تو اس کے ذریعے حرف نکل گیا کیونکہ اس کا معنی فِي غَيْرِهِ ہوتا ہے، فِي نَفْسِهِ نہیں ہوتا۔ جب کہ فعل کا معنی تو فِي نَفْسِهِ ہی ہوتا ہے، وہ ابھی بھی اس کے اندر داخل ہے۔ جب ابھی بھی فعل اس تعریف کے اندر داخل ہے تو آگے پھر غَيْرِ مُقْتَرِنٍ بِأَحَدِ الْأَزْمِنَةِ الثَّلَاثَةِ کی قید لگا کر اس فعل کو اسم کی تعریف سے نکال دیں گے، کیونکہ فعل کے معنی کے ساتھ تین زمانوں میں سے کوئی زمانہ ملا ہوا ہوتا ہے، تو جب کہہ دیا غَيْرِ مُقْتَرِنٍ تو فعل بھی نکل جائے گا بھائی۔

یہاں پھر میں نے دو تین چیزیں آپ کو بتلائی تھیں۔ ایک بتلایا تھا حَدَث، حَدَث کا لفظ عبارت میں آرہا ہے۔ میں نے بتلایا حَدَث جو ہے مصدر کو کہتے ہیں۔ یہ جو مصدر ہے یا یوں کہیں معنی مصدری جو ہے، یہ اس کا اپنا الگ وجود نہیں، یہ ہمیشہ غیر کی صفت بنتا ہے۔ تو حَدَث وہ معنی جو غیر کے ساتھ قائم ہو، اس کا اپنا الگ وجود نہ ہو۔ ضَرْب جب بھی خارج میں پائی جائے گی وہ کسی نہ کسی ضارب کی صفت ہوگی، کوئی نہ کوئی ضارب ہوگا تو ضَرْب ہوگی ورنہ ضَرْب نہیں ہو سکتی۔ شُرْب کے لیے ہمیشہ کوئی نہ کوئی شارب چاہیے، کوئی نہ کوئی شارب ہوگا تو شُرْب بھی پایا جائے گا ورنہ شُرْب نہیں ہو سکتا۔ تو یہ مصدر کیا ہوتے ہیں؟ ہمیشہ کسی نہ کسی کی صفت ہوتے ہیں، اور میں نے یہ بھی بتلایا تھا کہ خارج میں مصدر کا کوئی وجود نہیں۔ خارج

میں ہمیں پٹائی کرنا، دیکھو یہ مصدر ہے، یہ ہمیں خارج میں نظر نہیں آتا۔ شُرْب پینا، خارج میں ہمیں پینا نظر نہیں آتا۔ ہاں خارج میں ہمیں اس مصدر سے جو ہیئت اور صورت حاصل ہوتی ہے وہ ہمیں نظر آتی ہے۔ تو خارج میں ہمیں پٹائی کرنا نہیں نظر آتا بلکہ اس پٹائی کرنے سے جو صورت حاصل ہوئی یعنی پٹائی، وہ نظر آئی، اور یہ حاصل بالمصدر ہے۔ جو خارج میں ہمیں دکھائی دیتی ہے یہ کیا ہے؟ حاصل بالمصدر، مصدر سے جو صورت اور ہیئت حاصل ہوئی ہے بھائی، تو اس کو حاصل بالمصدر کہتے ہیں۔ تو خارج میں ہمیں پٹائی کرنا نہیں نظر آتا بلکہ کیا نظر آتی ہے؟ پٹائی۔ خارج میں ہمیں دوڑنا نہیں نظر آتا بلکہ خارج میں ہمیں دوڑ نظر آتی ہے۔ خارج میں ہمیں چلنا نہیں نظر آتا بلکہ خارج میں ہمیں چال نظر آتی ہے۔ ہاں لیکن اردو میں حاصل بالمصدر کے لیے الگ لفظ ہے۔ دیکھو پٹائی کرنا الگ ہے اور پٹائی الگ ہے، دوڑنا الگ ہے اور دوڑ الگ ہے، چلنا الگ ہے اور چال الگ ہے۔ لیکن عربی کے اندر وہی مصدر جو ہے، وہی مصدر کا جو لفظ ہے وہ مصدر کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے اور حاصل بالمصدر کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے۔ ضَرْب کا معنی پٹائی کرنا بھی اور ضَرْب کا معنی پٹائی بھی جب یہ حاصل بالمصدر استعمال ہو۔ اسی طرح فَرَّ یَفِرُّ فِرَارًا، فِرَار کا معنی دوڑنا بھی، مصدر بھی ہے اور حاصل بالمصدر کے لیے بھی یہی لفظ استعمال ہوتا ہے یعنی دوڑنا بھی اور دوڑ بھی، بات سمجھ میں آگئی۔

اس کے بعد میں نے آپ کو دلالت کی قسمیں بتلائی تھیں۔ ایک دلالتِ مطابقی ہے، ایک دلالتِ تضمنی اور ایک دلالتِ التزامی۔ دلالتِ مطابقی یہ ہے کہ لفظ اپنے پورے معنی موضوع لہ پر دلالت کرے، جیسے انسان کا لفظ کس کے لیے وضع ہے؟ حیوانِ ناطق کے لیے، تو انسان کا لفظ جب بھی بولیں گے پورا حیوانِ ناطق ہمارے ذہن میں آجاتا ہے، تو یہ دیکھو لفظ اپنے پورے معنی موضوع لہ پر دلالت کر رہا ہے، اس کو کہتے ہیں دلالتِ مطابقی۔ اور پورا حیوانِ ناطق ہمارے ذہن میں تب ہی آئے گا جب حیوان بھی آجائے اور ناطق بھی آجائے، انہی دو سے مرکب ہے نا؟ انسان کیا ہے؟ انہی دو سے مرکب ہے۔ حیوانِ ناطق آپ کے ذہن میں آیا تو یہ کل ہے یا جز ہے؟ کل ہے، اور جز کیا؟ ایک جز کیا؟ حیوان، دوسرا جز کیا؟ ناطق۔ تو کل بغیر جز کے پورا آسکتا ہے ذہن میں؟ نہیں، کل تب ہی ذہن میں آئے گا جب کیا آجائے؟ جز بھی آجائے۔ تو جب کل پر دلالت ہوئی ساتھ ہی کس پر ہو گئی؟ جز پر بھی دلالت ہو گئی کیونکہ کل جز کے بغیر نہیں ہوتا، جب بھی کل پایا جائے گا اس کے اندر ہی کیا آجائے گا؟ جز بھی آجائے گا۔ جیسے دیکھو مثلاً میں نے کہا گاڑی۔ اب گاڑی کے کتنے اجزاء ہیں؟ ایک اگلا حصہ ہے گاڑی کا، ایک اس کے اندر سیٹیں ہیں، ایک اس کا سٹیرنگ ہے گاڑی کا، اور گاڑی کے پہیے ہیں، گاڑی کی چھت ہے۔ میں نے جیسے ہی کہا گاڑی، پوری گاڑی آپ کے ذہن میں آگئی، پہیے بھی آئے کہ نہیں آئے؟ جی، سیٹیں بھی آگئیں کہ نہیں آگئیں؟ چھت بھی آئی کہ نہیں بھائی؟ دیکھا ایک ایک جز بھی آگیا۔ تو کل جب ذہن میں آئے گا ساتھ ہی جز بھی، یعنی یوں کہو کل پر جب دلالت ہو گی تو ساتھ ہی جز پر بھی ہو جائے گی اگر جز ہے۔

تو میں نے آپ کو بتلایا تھا کہ جب بھی کوئی لفظ بولا جائے تو اگر اس کے تینوں قسم کے معانی آتے ہیں مطابقی بھی،

تضمنی بھی اور التزامی بھی، یعنی اس میں اس کے جز بھی ہے اور اس کے کوئی معنی لازم بھی ہے تو تینوں پر اکٹھی دلالت ہو جاتی ہے۔ ہاں، ارادہ ہم ان میں سے ایک کا کرتے ہیں، یا ہمارا ارادہ کل کا ہو گا، یا اس کے کسی ایک جز کا ہو گا، یا کسی معنی خارج کا ہم ارادہ کریں گے، اور ارادہ تب ہی ہو سکتا ہے جب وہ دلالت کر رہا ہو، اگر دلالت نہیں کر رہا تو ارادہ آپ کیسے کر سکتے ہیں؟ جیسے میں نے مثال ذکر کی تھی کہ بکری بول کر آپ ہاتھی کا ارادہ نہیں کر سکتے کیونکہ بکری کا لفظ ہاتھی پر دلالت ہی نہیں کر رہا، ارادہ صرف اسی کا کر سکتے ہیں جس پر وہ دلالت کر رہا ہو بھائی۔

تو یہاں پر اسم کی تعریف میں آیا کہ اسم وہ کلمہ ہے جو دلالت کرتا ہے ایسے معنی پر فِي نَفْسِهِ جو ثابت ہو اپنی ذات کے اعتبار سے۔ اس معنی سے کون سا معنی مراد لیا آپ نے؟ معنی مطابقی مراد ہے یا معنی تضمنی مراد ہے یا معنی التزامی مراد ہے یا مطلق معنی مراد ہے جس میں کوئی قید نہ ہو؟ جیسے میں نے مثال سے وضاحت کی تھی کہ حیوان وہ ناطق بھی ہو سکتا ہے، حیوان وہ صاہل بھی ہو سکتا ہے، حیوان وہ ناہق بھی ہو سکتا ہے، تو حیوان کی کتنی ہی قسمیں ہیں، تمام قسمیں ہر ایک دوسری قسم سے الگ ہے، تو ہر ایک کے لیے الگ فصل ہو گا، ہر ایک کے لیے الگ فصل ہو گا۔ لیکن کبھی کبھار لفظِ مطلق بولا جاتا ہے، مطلق کا ارادہ کیا جاتا ہے۔ تو کبھی ہم حیوانِ ناطق کا ارادہ کرتے ہیں تو حیوانِ ناطق بولتے ہیں، کبھی ہم حیوانِ صاہل کا ارادہ کرتے ہیں تو ہم حیوانِ صاہل کا لفظ بولتے ہیں، کبھی ہم حیوانِ ناہق کا ارادہ کرتے ہیں تو ہم حیوانِ ناہق کا لفظ بولتے ہیں، اور کبھی ہم مطلق لفظ بولتے ہیں یعنی کوئی خاص حیوان مراد نہیں ہوتا۔ مثلاً حیوان بولا، جب حیوان بولا تو چاہے حیوانِ ناطق ہو وہ بھی اس کے اندر داخل، چاہے حیوانِ صاہل ہو وہ بھی اس کے اندر داخل، چاہے حیوانِ ناہق ہو وہ بھی اس کے اندر داخل ہے۔ مثلاً میرے سامنے ایک انسان کھڑا ہے، میں کہتا ہوں یہ حیوان ہے، تو میرا یہ کہنا صحیح ہے۔ اسی طرح میں گائے کی طرف اشارہ کر کے کہتا ہوں یہ حیوان ہے، دیکھو میرا یہ کہنا بھی صحیح۔ میں گھوڑے کے سامنے کھڑے ہو کر کہتا ہوں یہ حیوان ہے، میرا یہ کہنا بھی صحیح۔ کیونکہ میں نے کس کا ارادہ کیا ہے؟ مطلق حیوان کا، اور یہ سب کیا ہیں؟ حیوان ہیں، چاہے جو بھی ہو جائے سب کیا ہیں؟ حیوان، سب اس کے اندر داخل ہیں۔ تو اسی طرح ایک معنی مطابقی ہوتا ہے، ایک تضمنی ہوتا ہے، ایک التزامی ہوتا ہے اور ایک مطلق معنی ہے، مطلق معنی وہ تینوں پر صادق آتا ہے، وہ تینوں پر صادق آتا ہے۔ تو کتنی قسمیں ہو گئیں معنی کی؟ چار قسمیں۔ یا معنی مطابقی ہو گا، یا تضمنی ہو گا، یا التزامی ہو گا، یا مطلق ہو گا۔ تو یہاں کون سا معنی مراد ہے یہ جو اسم کی تعریف میں معنی کا لفظ آیا بھائی؟

اس لیے کیونکہ ان میں سے کوئی ایک معنی بھی یہاں ٹھیک نہیں بنتا۔ اگر آپ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ معنی سے مراد معنی مطابقی ہے، معنی مطابقی ہے، تو پھر فِي نَفْسِهِ کی قید سے حرف بھی نکل گیا، فعل بھی نکل گیا، کیونکہ فعل کا معنی مطابقی بھی فِي نَفْسِهِ نہیں ہوتا، فِي غَيْرِهِ ہوتا ہے کیونکہ وہ غیر مستقل ہے۔ میں نے بتلایا تھا آپ کو کہ فعل، اس کا معنی مرکب

ہے تین چیزوں سے۔ ایک اس کے اندر حَدَث ہوتا ہے یعنی مصدر، دوسرا زمانہ اور تیسرا نِسْبَتٌ إِلَى الْفَاعِلِ۔ تو فعل کا معنی کیا ہے؟ مرکب۔ اور ان میں سے حَدَث یہ بھی مستقل ہے، زمانہ یہ بھی مستقل ہے، لیکن نِسْبَتٌ إِلَى الْفَاعِلِ یہ تو نسبت کا نام ہے اور نسبت کیا ہوتی ہے؟ غیر مستقل۔ نسبت دو چیزوں کے درمیان ہوتی ہے، اس کا اپنا الگ وجود نہیں، دو چیزیں ہیں تو ان میں نسبت بھی ہے، وہ دو چیزیں نہیں تو ان کے درمیان نسبت بھی نہیں ہے۔ تو لہٰذا فعل کا معنی ان تین چیزوں سے مرکب ہے اور ان تین میں سے ایک غیر مستقل ہے، تو یہ سارا مجموعہ بھی کیا ہوا؟ غیر مستقل، کیونکہ نتیجہ کس کے تابع ہوتا ہے؟ ارذل و اخس کے، جو ادنیٰ ہو، خسیس ہو، گھٹیا ہو اس کے تابع ہوتا ہے۔ تو یہ نِسْبَتٌ إِلَى الْفَاعِلِ یہ غیر مستقل ہے، یہ باقی دو اجزاء کے ساتھ ملی تو اس نے سارے مجموعے کو ہی کیا بنا دیا؟ غیر مستقل بنا دیا۔ تو فعل کا معنی مطابقی غیر مستقل ہے۔

اب آئیے پھر اس بحث پر۔ کیا بحث چل رہی تھی؟ کہ اسم کی تعریف میں مَعْنًى فِي نَفْسِهِ آیا، اس سے کون سا معنی مراد ہے؟ اگر اس سے معنی مطابقی مراد لیتے ہیں، اسم وہ کلمہ ہے جو دلالت کرتا ہے ایسے معنی مطابقی پر جو اپنی ذات کے اعتبار سے ہو، ایسا معنی مطابقی جو اپنی، یعنی ایسا معنی مطابقی جو مستقل ہو، پھر تو فعل نکل گیا کیونکہ فعل کا معنی مطابقی تو مستقل نہیں ہے۔ تو جب فعل اسی قید سے نکل گیا تو آگے غَيْرِ مُقْتَرِنٍ کہنے کی کیا ضرورت ہے بھائی؟ اس قید کی کوئی حاجت ہی نہیں۔ اشکال سمجھ میں آیا؟

اور اگر معنی سے مراد معنی تضمنی مراد لیتے ہو، کہ اسم ایسا کلمہ ہے جو دلالت کرتا ہے ایسے معنی تضمنی پر جو مستقل ہوتا ہے، تو پھر تو بہت سے اسم بھی نکل جائیں گے، وہ اسم جن کا جز ہی نہیں ہوتا۔ جز ہو گا تو معنی تضمنی بھی ہو سکے گا، جز ہی نہ ہو تو معنی تضمنی کیا؟ معنی تضمنی کہتے ہی کس کو ہیں جس میں ایک چیز کے جز کا ارادہ کیا جائے بھائی۔ تو پھر تو بہت سے اسم بھی اسم کی تعریف سے نکل جائیں گے۔ بات بھی سمجھ میں آ رہی ہے کہ نہیں؟ اسم ایسا کلمہ ہے جو دلالت کرتا ہے ایسے معنی تضمنی پر جو مستقل ہو، فِي نَفْسِهِ ہو، تو وہ اسم جو بسیط ہیں یعنی جن کے معنی کا جز نہیں ہے وہ اس سے نکل گئے، کیونکہ معنی سے آپ نے معنی تضمنی کا ارادہ کر لیا۔

اور یا اس معنی سے مراد ہو گا معنی التزامی، لیکن معنی التزامی مراد نہیں لے سکتے کیونکہ تعریفات کے اندر معنی التزامی متروک ہے بھائی۔ اس کا کوئی اعتبار نہیں ہے، کیونکہ ذہن اس کی طرف فوراً متوجہ نہیں ہوتا، کیونکہ وہ ایک امرِ خارج پر، ایک لازم پر دلالت کر رہا ہے جو اس چیز کی حقیقت اور ماہیت سے خارج ہوتا ہے، ہاں اس کے ساتھ لازم ہوتا ہے۔ تو معنی التزامی بھی یہاں مراد نہیں لے سکتے کیونکہ یہ تعریف چل رہی ہے اسم کی۔

اور مطلق معنی بھی مراد نہیں لے سکتے، اس لیے کیونکہ مطلق کا وجود خارج میں الگ ہوتا ہی نہیں ہے، مطلق کا وجود ہمیشہ کس کے ضمن میں ہوتا ہے؟ مقید کے ضمن میں۔ اکیلا حیوان ہو، اس کا خارج میں کوئی وجود نہیں، حیوان جب بھی

پایا جائے گا وہ کسی نہ کسی مقید کے ضمن میں ہو گا، یعنی وہ حیوانِ ناطق کے ضمن میں ہو گا یا حیوانِ صاہل کے ضمن میں ہو گا یا حیوانِ ناہق کے ضمن میں ہو گا، اکیلا مطلق حیوان خارج میں نہیں۔ تو مطلق کا خارج میں وجود نہیں ہوتا بھائی، وہ کس کے ضمن میں پایا جاتا ہے؟ مقید کے ضمن میں پایا جاتا ہے۔ تو معنی مطلق بھی مراد نہیں، کیونکہ اس کے مقید کیا کیا ہیں؟ اسم کی تعریف میں معنی کا لفظ آیا، اس سے مطلق معنی بھی مراد نہیں لے سکتے، کیوں نہیں لے سکتے؟ کیونکہ مطلق کا وجود ہمیشہ کس کے ضمن میں ہوتا ہے؟ مقید۔ تو مطلق معنی وہ یا تو معنی مطابقی کے ضمن میں پایا جائے گا، یا معنی تضمنی کے ضمن میں ہو گا، یا معنی التزامی۔ بات سمجھ آ رہی ہے؟

تو مطلق کا الگ وجود نہیں، وہ ہمیشہ مقید کے ضمن میں ہوتا ہے، اور معنی مقید کی کتنی قسمیں ہیں؟ معنی مقید کی تو تین ہی قسمیں ہیں، یا معنی مطابقی ہے، یا معنی تضمنی ہے، یا معنی التزامی ہے۔ تو مطلق کا جو وجود جب بھی ہو گا، یا وہ معنی مطابقی کے اندر ہو گا۔ بھائی دیکھو نا، حیوانِ ناطق، یہ مطلق ہے یا مقید ہے؟ مقید ہے، اور اسی کے اندر حیوان کا وجود بھی ہے یا نہیں؟ زید حیوانِ ناطق ہے لیکن وہ حیوان بھی ہے۔ گھوڑا کیا ہے؟ حیوانِ صاہل ہے تو اس کے ضمن میں حیوان بھی ہے۔ اسی طرح گدھا حیوانِ ناہق ہے لیکن اس کے ضمن میں حیوان بھی ہے۔ گائے حیوانِ ذُو خُوَار ہے لیکن اس کے ضمن میں حیوان بھی ہے۔ تو مطلق جو ہوتا ہے کس کے ضمن میں ہوتا ہے؟ مقید کے ضمن میں ہوتا ہے، علیحدہ مطلق کا کوئی وجود نہیں ہوتا۔ تو جب مطلق معنی کا آپ ارادہ کریں تو مطلق کا وجود بھی کس میں ہو گا؟ یا وہ معنی مطابقی کے اندر وہ مطلق معنی پایا جائے گا یا وہ معنی تضمنی کے اندر ہو گا یا معنی التزامی۔ معنی التزامی کا تو ارادہ متروک ہے، اس کو تو چھوڑ دیں۔ تو پھر دو ہی معنی رہ گئے، کون سے؟ یا معنی مطابقی یا معنی تضمنی، تو وہ انہی کے ضمن میں پایا جائے گا اور ان دونوں پر تو اشکال ہوتا تھا کہ معنی مطابقی بھی مراد نہیں لے سکتے ورنہ تو فعل اسی سے نکل جائے گا، اور معنی تضمنی بھی مراد نہیں لے سکتے کیونکہ بہت سے پھر اسماء تعریف سے نکل جائیں گے۔ توجہ ہے؟ تو مطلق معنی بھی مراد نہیں لے سکتے کیونکہ مطلق ہمیشہ مقید کے ضمن میں ہوتا ہے اور جو اعتراض مقید پر ہوتا تھا وہی پھر وہ جو مطلق جو مقید کے ضمن میں پایا جائے گا اس پر بھی ہو جائے گا۔ مطلق معنی اکیلا ہو سکتا ہے؟ کس کے ضمن میں ہو گا؟ یا معنی مطابقی میں ہو گا، جب معنی مطابقی ہے تو مطلق معنی بھی ہے، یا کس میں ہو گا؟ معنی تضمنی میں ہو گا، جب معنی تضمنی ہے تو مطلق معنی بھی ہے۔ اور معنی مطابقی بھی ہم نہیں مراد لے سکتے کیونکہ فعل کا معنی مطابقی مستقل نہیں ہوتا، اور معنی تضمنی بھی مراد نہیں لے سکتے یہاں پر کیونکہ معنی تضمنی کی صورت میں بہت سے اسم جو ہیں وہ بھی اس تعریف سے خارج ہو جاتے ہیں۔ تو معلوم ہوا یہ جو معنی کا لفظ آیا اسم کی تعریف میں، نہ اس سے مطلق معنی مراد لے سکتے ہیں، نہ معنی مطابقی مراد لے سکتے ہیں اور نہ معنی تضمنی مراد لے سکتے ہیں، اور معنی التزامی تو ویسے ہی متروک ہے یہاں پر۔ اشکال سمجھ میں آیا؟

تو اس کا جواب میں نے دیا تھا کہ یہاں مطلق معنی مراد ہے، کیا مراد ہے؟ مطلق معنی۔ سنو، توجہ سے سنو۔ اَلِاسْمُ مَا دَلَّ

عَلَى مَعْنًى فِي نَفْسِهِ، اسم ایسا کلمہ ہے جو دلالت کرتا ہے ایسے معنی پر، ایسے معنی۔ معنی کے ساتھ میں نے کوئی مطابقی یا تضمنی کی قید لگائی؟ نہیں، جو بھی ہو بس ایسا معنی ہو فِي نَفْسِهِ ہو یعنی مستقل ہو، چاہے مطابقی ہو چاہے تضمنی ہو، جو بھی ہو۔ مطلق معنی مراد ہے نا، جو بھی لے آؤ وہ اس کے اندر داخل ہو جائے گا، چاہے معنی مطابقی لے آؤ چاہے معنی تضمنی لے آؤ۔ اب فعل بھی اس کے اندر داخل ہو گیا۔ معنی سے کون سا معنی مراد لیا؟ مطلق۔ کوئی بھی معنی ہو لیکن ہونا کیا چاہیے؟ مستقل ہونا چاہیے۔ تو اسم، اسم اپنے معنی مطابقی کے اعتبار سے مستقل ہوتا ہے اور فعل اپنے معنی تضمنی یعنی حَدَث کے اعتبار سے مستقل ہوتا ہے۔ تو اب معنی سے کون سا معنی مراد لیا؟ مطلق معنی۔ ایسا مطلق معنی جو فِي نَفْسِهِ ہو، کیا معنی؟ یعنی معنی ہونا چاہیے اور مستقل ہونا چاہیے بس ہماری غرض یہ ہے، پھر جو بھی معنی ہو لیکن ہو کیا؟ مستقل۔ تو اگر ایک لفظ کا معنی مطابقی مستقل ہے وہ بھی اس میں آجائے گا، ایک لفظ کا اگر معنی تضمنی مستقل ہے وہ بھی اس کے اندر آجائے گا۔ تو اسم بھی اس کے اندر آگیا اور فعل بھی اس کے اندر آگیا۔ اسم کیوں داخل ہوا؟ کیونکہ اسم کا معنی مطابقی مستقل ہوتا ہے۔ فعل کیوں داخل ہوا؟ کیونکہ فعل کا معنی تضمنی مستقل ہوتا ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو کوئی ایسا معنی ہو جو مستقل ہو۔

اَلِاسْمُ مَا دَلَّ عَلَى مَعْنًى، پھر اب لفظوں پہ غور کرنا، اَلِاسْمُ مَا دَلَّ، اسم وہ کلمہ ہے جو دلالت کرتا ہے عَلَى مَعْنًى فِي نَفْسِهِ ایسے معنی پر جو فِي نَفْسِهِ ہوتا ہے یعنی مستقل ہوتا ہے۔ تو ہر وہ لفظ اس کے اندر داخل ہو گیا جس کا معنی مستقل ہو، چاہے کوئی بھی معنی ہو، چاہے مطابقی ہو چاہے تضمنی۔ تو اسم مستقل ہوتا ہے کس اعتبار سے؟ معنی مطابقی کے اعتبار سے، اور فعل بھی اس کے اندر داخل ہوا کیونکہ فعل بھی اپنے معنی کے اعتبار سے مستقل ہوتا ہے، لیکن کون سے معنی کے اعتبار سے؟ تضمنی کے اعتبار سے۔ تو معنی سے کون سا معنی مراد ہے؟ ہاں؟ معنی سے کون سا معنی مراد ہے؟ مطلق، یا مطابقی، یا تضمنی؟ مطلق مراد ہے، تو اس کے اندر ہر وہ کلمہ داخل ہو جائے گا جس کا معنی مستقل ہو چاہے وہ جو بھی معنی ہو، چاہے مطابقی ہو چاہے تضمنی ہو۔ تو اس میں اسم بھی داخل ہو گئے اور فعل بھی داخل ہو گئے۔ ہاں حرف نکل گیا کیونکہ اس کا معنی فِي نَفْسِهِ نہیں ہوتا بلکہ فِي غَيْرِهِ ہوتا ہے یعنی وہ غیر مستقل ہوتا ہے۔ تو فعل ابھی بھی اسم کی تعریف میں داخل ہے۔ فِي نَفْسِهِ کی قید سے صرف کون نکلا؟ حرف نکلا ہے۔ نہیں توجہ نا، نہیں توجہ۔ بھائی ایک ہے اسم، ایک ہے فعل، ایک ہے حرف۔ تعریف کس کی چل رہی ہے؟ اسم کی۔ کس کس کو نکالنا چاہیے؟ حرف کو بھی نکالنا چاہیے اور فعل کو۔ تو جب مَعْنًى فِي نَفْسِهِ کہا تو کون نکل گیا؟ حرف نکل گیا کیونکہ اس کا معنی فِي نَفْسِهِ نہیں ہوتا بلکہ فِي غَيْرِهِ ہوتا ہے، آسان لفظوں میں یوں کہو کہ حرف کا معنی غیر مستقل ہوتا ہے، تو وہ نکل گیا۔ اور فعل ابھی بھی نہیں نکلا کیونکہ اس کا معنی تو مستقل ہوتا ہے اگرچہ وہ معنی تضمنی ہے لیکن ہوتا کیا ہے؟ مستقل ہے۔ تو اب اس کو بھی نکالنے کی ضرورت ہے کیونکہ یہ تعریف اسم کی چل رہی ہے، ہم نے فعل کو بھی نکالنا ہے اس سے۔ تو پھر وہ غَيْرِ مُقْتَرِنٍ بِأَحَدِ الْأَزْمِنَةِ الثَّلَاثَةِ

کی قید کے ذریعے فعل کو بھی نکال دیں گے، کیونکہ فعل کا معنی تو تین زمانوں میں سے کسی ایک زمانے کے ساتھ ملا ہوتا ہے، جب کہ اسم کی تعریف میں کیا آگیا کہ وہ ملا ہوا نہ ہو تو فعل نکل جائے گا۔ بات سمجھ میں آگئی۔

کہتے ہیں، دیکھیے بھائی کتاب پر، کہتے ہیں: وَلَمَّا كَانَ الْفِعْلُ دَالًّا عَلَى مَعْنًى فِي نَفْسِهِ، جب فعل کا لفظ جو ہے وہ دلالت کرتا ہے ایسے معنی پر جو فِي نَفْسِهِ ہوتا ہے یعنی مستقل ہوتا ہے، بِاعْتِبَارِ مَعْنَاهُ التَّضَمُّنِيِّ، کس اعتبار سے؟ اپنے معنی تضمنی کے اعتبار سے۔ فعل ایسے معنی پر دلالت کرتا ہے جو مستقل ہوتا ہے، کس اعتبار سے مستقل ہوتا ہے؟ کون سا معنی؟ معنی تضمنی، بِاعْتِبَارِ مَعْنَاهُ التَّضَمُّنِيِّ یعنی اپنے معنی تضمنی کے اعتبار سے۔ أَعْنِي الْحَدَثَ، یعنی کہ حَدَث جو ہے یعنی وہ جو مصدری معنی ہے، مصدر ہے، اس کے اعتبار سے یہ مستقل ہوتا ہے۔ عبارت سمجھ میں آرہی ہے؟ پھر دیکھ لیں ترجمہ، کہتے ہیں: وَلَمَّا كَانَ الْفِعْلُ دَالًّا عَلَى مَعْنًى فِي نَفْسِهِ بِاعْتِبَارِ مَعْنَاهُ التَّضَمُّنِيِّ أَعْنِي الْحَدَثَ، اور جب فعل جو ہے وہ دلالت کرتا ہے ایسے معنی پر جو اپنی ذات کے اعتبار سے ہوتا ہے یعنی بِاعْتِبَارِ مَعْنَاهُ التَّضَمُّنِيِّ، اپنے معنی تضمنی کے اعتبار سے یعنی وہ معنی مستقل ہوتا ہے، اور معنی تضمنی کون سا معنی تضمنی؟ فعل کے تو تین جز ہیں: حَدَث، زمانہ اور نِسْبَتٌ إِلَى الْفَاعِلِ۔ کس معنی کے اعتبار سے، کون سا معنی یہاں مراد ہے جس کے اعتبار سے وہ مستقل ہے؟ حَدَث مراد ہے، کیا مراد ہے؟ بھائی فعل کے اندر حَدَث بھی مستقل، زمانہ بھی مستقل اور نِسْبَتٌ إِلَى الْفَاعِلِ وہ کیا ہے؟ غیر مستقل ہے۔ تو حَدَث مراد ہے یہاں پر، زمانہ مراد نہیں ہے۔ کیا مراد ہے؟ حَدَث۔

انہوں نے آپ کو بتلا دیا فعل کا معنی تضمنی مستقل ہوتا ہے۔ فعل اپنے معنی تضمنی کے اعتبار سے مستقل ہے، معنی مطابقی کے اعتبار سے مستقل نہیں ہے۔ اور معنی تضمنی کون سا مراد لیا؟ بھائی فعل کے معنی میں تین چیزیں ہیں، ایک ہے حَدَث، ایک ہے زمانہ اور ایک ہے نِسْبَتٌ إِلَى الْفَاعِلِ۔ نِسْبَتٌ إِلَى الْفَاعِلِ تو غیر مستقل ہے وہ یہاں مراد نہیں، بلکہ ایسا معنی تضمنی جو مستقل ہو اور وہ حَدَث ہے۔ بھائی زمانہ کیوں نہیں؟ زمانہ بھی تو فعل کے اندر ہے اور وہ مستقل ہے، مستقل ہے۔ وجہ یہ کہ آگے چل کر فعل کی تعریف آئے گی اور فعل کی تعریف کیا کریں گے؟ کہ فعل وہ کلمہ ہے جو دلالت کرتا ہے ایسے معنی پر جو مستقل ہو اور تین زمانوں میں سے کسی ایک زمانے کے ساتھ ملا ہو۔ تو وہ جو معنی مستقل ہے اگر اس سے زمانہ مراد لے لیں، معنی تضمنی مراد لینا ہے نا فعل کا، اور کون سا مراد لے لیں؟ زمانہ۔ اور آگے کیا ہے کہ وہ ملا ہوتا ہے تین زمانوں میں سے کسی ایک زمانے کے ساتھ، تو معنی یہ ہو جائے گا کہ فعل جو ہے وہ دلالت کرتا ہے ایسے زمانے پر جو مستقل ہوتا ہے اور تین زمانوں میں سے کسی ایک زمانے کے ساتھ ملا ہوتا ہے۔ تو زمانہ زمانے سے ملا ہوتا ہے یا وہ حَدَث جو ہے وہ زمانے کے ساتھ ملا ہوتا ہے؟ حَدَث جو ہے وہ زمانے کے ساتھ ملا ہوا ہوتا ہے، کہ وہ مثلاً میں نے کہا ضَرَبَ تو وہ پٹائی کرنا کس زمانے میں ہے؟ زمانہ ماضی کے اندر ہے، تو وہ حَدَث جو ہے معنی مصدری وہ زمانے کے ساتھ ملا ہوا ہوتا ہے، زمانہ زمانے کے ساتھ نہیں ملا ہوا ہوتا، تو اس لیے فعل کا جو معنی تضمنی وہ یعنی وہ حَدَث مراد ہے، زمانہ مراد نہیں۔ بات سمجھ میں آگئی؟

اب آگے آپ کو بتلائیں گے کہ دیکھو فعل جو ہے فعل، فعل معنی تضمنی کے اعتبار سے مستقل ہے، اور کون سا معنی تضمنی مراد ہے؟ حَدَث مراد ہے، توجہ ہے؟ فعل کس معنی کے اعتبار سے مستقل ہے؟ معنی تضمنی کے اعتبار سے، معنی مطابقی کے اعتبار سے مستقل نہیں، اور معنی تضمنی بھی کون سا مراد ہے؟ حَدَث مراد ہے، توجہ ہے؟ اور یہ جو حَدَث ہے جب فعل سے ہمیں سمجھ میں آتا ہے تو اکیلا یہ حَدَث سمجھ میں آتا ہے یا زمانہ بھی ساتھ سمجھ میں آتا ہے؟ زمانہ۔ دیکھو میں نے کہا ضَرَبَ، ضَرَبَ سے آپ کو ضَرْب سمجھ میں آئی، حَدَث یعنی مصدر سمجھ میں آیا، لیکن اکیلا نہیں سمجھ میں آیا بلکہ ساتھ زمانہ بھی سمجھ میں آگیا کہ معلوم ہوا یہ پٹائی کس زمانے میں ہوئی ہے؟ ماضی کے زمانے میں۔ توجہ ہے؟ میں فعل مضارع لے آتا ہوں يَضْرِبُ، اس سے بھی آپ کو ضَرْب سمجھ میں آئی لیکن ضَرْب کے ساتھ زمانہ بھی ہے کہ یہ ضَرْب حال یا استقبال میں ہے، توجہ ہے؟ یا میں فعل امر لے آتا ہوں اِضْرِبْ، اس سے بھی آپ کو ضَرْب سمجھ میں آئی اور ساتھ زمانہ بھی جڑا ہوا ہے کہ یہ ضَرْب کس زمانے میں چاہیے؟ مستقبل کے زمانے میں چاہیے۔ فعل ماضی میں کون سا زمانہ ہوتا ہے؟ گزرا ہوا۔ فعل مضارع میں حال یا استقبال۔ اور فعل امر کے اندر مستقبل والا۔ تو جب میں نے کہا ضَرَبَ تو آپ کو صرف ضَرْب یعنی حَدَث سمجھ میں آیا یا زمانہ بھی ساتھ سمجھ میں آیا؟ يَضْرِبُ جب میں نے کہا تو صرف ضَرْب سمجھ میں آئی یا زمانہ حال یا استقبال بھی سمجھ میں آیا؟ زمانہ بھی سمجھ میں آیا۔ اِضْرِبْ کہا تو صرف ضَرْب یعنی حَدَث سمجھ میں آیا یا مستقبل کا زمانہ بھی سمجھ میں آیا؟ زمانہ بھی آپ کو سمجھ میں آیا۔ تو معلوم ہوا فعل جو ہے وہ معنی تضمنی کے اعتبار سے مستقل ہوتا ہے، اور کون سا معنی تضمنی؟ جو حَدَث ہے۔ اور نیز یہ جو معنی تضمنی ہے، یہ فعل سے جب مفہوم ہوتا ہے تو اس کے ساتھ کیا جڑا ہوتا ہے؟ تین زمانوں میں سے کوئی نہ کوئی زمانہ بھی جڑا ہوا ہوتا ہے۔ کس وقت؟ فعل سے مفہوم ہونے میں۔ ضَرَبَ سے کیا مفہوم ہوا؟ ضَرْب، اور یہ ضَرْب کس کے ساتھ جڑی ہوئی ہے؟ زمانے کے ساتھ جڑی ہوئی ہے یعنی زمانہ ماضی کے ساتھ۔ يَضْرِبُ سے ضَرْب مفہوم ہوئی اور یہ بھی زمانے کے ساتھ جڑی ہوئی ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟

تو اب دیکھو آگے ایک قید ذکر کریں گے۔ یہاں تک تو بتا دیا اسم کی کیا تعریف کی؟ اَلِاسْمُ مَا دَلَّ عَلَى مَعْنًى فِي نَفْسِهِ، اسم وہ کلمہ ہے جو دلالت کرتا ہے ایسے معنی پر جو مستقل ہوتا ہے۔ تو حرف نکل گیا لیکن فعل نہیں نکلا کیونکہ فعل کا معنی تضمنی بھی کیا ہوتا ہے؟ مستقل ہوتا ہے۔ اسم معنی مطابقی کے اعتبار سے مستقل ہے اور فعل معنی تضمنی کے اعتبار سے مستقل ہے۔ تو اب فعل کو بھی نکالنا چاہتے ہیں، تو اب کس قید کے ذریعے نکالیں گے آگے؟ غَيْرِ مُقْتَرِنٍ بِأَحَدِ الْأَزْمِنَةِ الثَّلَاثَةِ، اس کے ذریعے اس کو نکال دیں گے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ اب دیکھیے ترجمہ بھائی۔

کہتے ہیں: وَلَمَّا كَانَ الْفِعْلُ دَالًّا عَلَى مَعْنًى فِي نَفْسِهِ، اور جب فعل دلالت کرتا ہے ایسے معنی پر جو فِي نَفْسِهِ ہوتا ہے یعنی مستقل ہوتا ہے، بِاعْتِبَارِ مَعْنَاهُ التَّضَمُّنِيِّ، یعنی اپنے معنی تضمنی کے اعتبار سے وہ مستقل ہوتا ہے، أَعْنِي الْحَدَثَ، یعنی کہ حَدَث بھائی۔ پھر سنو: جب فعل دلالت کرتا ہے جو معنی تضمنی کے اعتبار سے مستقل ہوتا ہے، وَكَانَ ذَلِكَ الْمَعْنَى، اور فعل

کا وہ جو معنی تضمنی یعنی حَدَث ہے، مُقْتَرِنًا، وہ ملا ہوا ہوتا ہے مَعَ أَحَدِ الْأَزْمِنَةِ الثَّلَاثَةِ، تین زمانوں میں سے کسی ایک زمانے کے ساتھ جڑا ہوا ہوتا ہے، ملا ہوا ہوتا ہے۔ کب ملا ہوا ہوتا ہے؟ فعل سے مفہوم ہونے میں۔ فعل سے صرف حَدَث سمجھ میں نہیں آتا بلکہ اس کے ساتھ زمانہ بھی مفہوم ہوتا ہے۔ تو وہ معنی جو ہے وہ معنی حَدَث جو ہے فعل کا، مُقْتَرِنًا وہ ملا ہوا ہوتا ہے مَعَ أَحَدِ الْأَزْمِنَةِ الثَّلَاثَةِ تین زمانوں میں سے کسی ایک زمانے کے ساتھ، فِي الْفَهْمِ عَنْ لَفْظِ الْفِعْلِ لفظِ فعل سے مفہوم ہونے میں۔ لفظِ فعل سے کیا مفہوم ہوا؟ حَدَث، اور یہ حَدَث کس کے ساتھ جڑا ہوا ہے؟ زمانے کے ساتھ۔ ضَرَبَ سے صرف ضَرْب نہیں سمجھ میں آئی بلکہ یہ ضَرْب کس زمانے کے ساتھ جڑی ہوئی ہے؟ ماضی کے زمانے کے ساتھ کہ یہ پٹائی ماضی کے زمانے میں ہوئی ہے، حال یا استقبال میں نہیں ہوئی۔

تو لہٰذا أَخْرَجَهُ، اس کو پھر نکال دیا اس فعل کو، أَخْرَجَهُ بِقَوْلِهِ غَيْرِ مُقْتَرِنٍ بِأَحَدِ الْأَزْمِنَةِ الثَّلَاثَةِ، تو اس کو پھر نکال دیا ماتن نے بِقَوْلِهِ کس قول کے ذریعے فعل کو نکال دیا؟ اس قید کے ذریعے، غَيْرِ مُقْتَرِنٍ بِأَحَدِ الْأَزْمِنَةِ الثَّلَاثَةِ، کہ وہ معنی ملا ہوا نہ ہو تین زمانوں میں سے کسی ایک زمانے کے ساتھ۔ یہاں تک بات اچھی طرح سمجھ میں آگئی؟ اب بس صرف ایک دفعہ عبارت خوب اچھی طرح دیکھ لو۔ کہتے ہیں: وَلَمَّا كَانَ الْفِعْلُ دَالًّا عَلَى مَعْنًى فِي نَفْسِهِ بِاعْتِبَارِ مَعْنَاهُ التَّضَمُّنِيِّ أَعْنِي الْحَدَثَ، اور فعل جب وہ دلالت کرتا ہے ایسے معنی پر جو مستقل ہوتا ہے معنی تضمنی کے اعتبار سے یعنی حَدَث کے اعتبار سے، اور یہ معنی تضمنی یعنی حَدَث جو ہے یہ ملا ہوا ہوتا ہے تین زمانوں میں سے کسی ایک زمانے کے ساتھ فِي الْفَهْمِ عَنْ لَفْظِ الْفِعْلِ، جب یہ فعل کے لفظ سے، یہ حَدَث جب فعل کے لفظ سے مفہوم ہوتا ہے تو اس وقت یہ ملا ہوتا ہے تین زمانوں میں سے کسی ایک زمانے کے ساتھ یہ ملا ہوتا ہے۔ تو لہٰذا أَخْرَجَهُ، اس فعل کو کیا کر دیا ماتن نے؟ نکال دیا بِقَوْلِهِ اپنے اس قول کے ذریعے کہ غَيْرِ مُقْتَرِنٍ بِأَحَدِ الْأَزْمِنَةِ الثَّلَاثَةِ، کہ اسم جو ہے اس کا معنی تین زمانوں میں سے کسی زمانے کے ساتھ ملا ہوا جڑا ہوا نہیں ہوتا۔

دیکھیے: أَيْ غَيْرِ مُقْتَرِنٍ مَعَ أَحَدِ الْأَزْمِنَةِ الثَّلَاثَةِ، متن میں آیا تھا بِأَحَدِ الْأَزْمِنَةِ، شارح آگے فرما رہے ہیں أَيْ غَيْرِ مُقْتَرِنٍ مَعَ أَحَدِ الْأَزْمِنَةِ الثَّلَاثَةِ۔ یہاں سے صرف اتنا بتلانا چاہتے ہیں کہ یہ با بمعنی مَعَ کے ہے، یہ با سببیہ وغیرہ نہیں ہے بلکہ کس معنی میں ہے؟ مَعَ کے معنی میں ہے۔ أَيْ غَيْرِ مُقْتَرِنٍ مَعَ أَحَدِ الْأَزْمِنَةِ الثَّلَاثَةِ، یعنی اسم کا جو وہ معنی مستقل ہے وہ تین زمانوں میں سے کسی ایک زمانے کے ساتھ جڑا ہوا نہیں ہوتا، جڑا ہوا نہیں ہوتا۔ اسم کا معنی تین زمانوں میں سے کسی زمانے کے ساتھ جڑا ہوا نہیں ہوتا، کب؟ جب اس اسم سے وہ سمجھ میں آتا ہے، جب اسم سے سمجھ میں آتا ہے تو اس وقت وہ تین زمانوں میں سے کسی ایک کے ساتھ جڑا ہوا نہیں ہوتا۔

ضَرْبٌ اسم ہے یا فعل ہے؟ اسم ہے۔ ضَرْبٌ کا کیا معنی؟ پٹائی کرنا۔ تو ضَرْبٌ سے جب آپ کو پٹائی کرنے کا معنی سمجھ میں آیا تو ساتھ کوئی زمانہ سمجھ میں آیا کہ کس زمانے میں ہوئی ہے یہ پٹائی؟ تو ضَرْبٌ سے جب آپ کو پٹائی کرنے کا معنی سمجھ

میں آیا، ضَرْبٌ کا کیا معنی؟ پٹائی کرنا۔ جی، آپ کوئی زمانہ کیوں نہیں بول رہے ساتھ کہ حال، مستقبل یا ماضی؟ کیونکہ زمانہ اس میں ہے ہی نہیں۔ تو فعل، اسم سے جب اسم کا معنی سمجھ میں آتا ہے یعنی یوں کہو اسم کے لفظ سے جب اسم کا معنی سمجھ میں آرہا ہوتا ہے تو اس کے ساتھ کوئی زمانہ نہیں ہوتا۔ ہاں زمانہ الگ آپ ساتھ لا سکتے ہیں: ضَرْبٌ فِي الْمَاضِي، کہ ضَرْب پٹائی کرنا کس زمانے میں ہے؟ ماضی میں ہے۔ ضَرْبٌ فِي الْحَالِ، پٹائی کرنا کس زمانے میں ہے؟ حال میں ہے۔ یا ضَرْبٌ فِي الْمُسْتَقْبَلِ، پٹائی کرنا کس زمانے میں؟ مستقبل کے زمانے میں۔ تو اب دیکھو ضَرْبٌ جو ہے کسی زمانے کے ساتھ جڑا ہے، لیکن یہ پٹائی کرنا جب ضَرْبٌ سے مفہوم ہو رہا ہے اس وقت زمانے سے نہیں جڑا ہوا بلکہ زمانے کے لیے الگ لفظ لانا پڑا آپ کو۔ جب کہ فعل میں الگ لفظ نہیں لانا پڑتا، فعل کے لفظ سے ہی جب وہ مصدر سمجھ میں آتا ہے، وہ حَدَث سمجھ میں آتا ہے، تو اس کے ساتھ ہی زمانہ بھی سمجھ میں آجاتا ہے۔ میں آپ سے کہتا ہوں ضَرَبَ، اس کا ترجمہ کرو۔ ترجمہ کرو ضَرَبَ کا: مارا اس ایک مرد نے زمانہ ماضی میں۔ دیکھا زمانہ بھی آپ ساتھ ذکر کر رہے ہیں، زمانہ بھی اسی لفظ سے سمجھ میں آرہا ہے۔ اور جب میں نے کہا ضَرْبٌ کا معنی بتاؤ تو آپ نے کیا ترجمہ کیا؟ پٹائی کرنا۔ اب کوئی زمانہ آپ ذکر نہیں کر رہے کیونکہ ضَرْبٌ کے لفظ سے جب اس کا معنی مفہوم ہوتا ہے تو اس وقت ساتھ زمانہ مفہوم نہیں ہوتا۔ ہاں یہ ضَرْب بھی کسی نہ کسی زمانے میں ہوگی لیکن اس زمانے کو بتلانے کے لیے آپ کو الگ لفظ ساتھ ذکر کرنا پڑے گا، اسی ضَرْبٌ کے لفظ سے زمانہ سمجھ میں نہیں آتا۔

تو یہی بیان کر رہے ہیں: أَيْ غَيْرِ مُقْتَرِنٍ مَعَ أَحَدِ الْأَزْمِنَةِ الثَّلَاثَةِ فِي الْفَهْمِ عَنْ لَفْظِهِ الدَّالِّ عَلَيْهِ، یعنی اسم کا جو معنی ہے وہ ملا ہوا نہیں ہوتا تین زمانوں میں سے کسی ایک زمانے کے ساتھ، فِي الْفَهْمِ مفہوم ہونے میں، مفہوم ہوتے وقت، عَنْ لَفْظِهِ الدَّالِّ عَلَيْهِ، وہ جو لفظ اس پر دلالت کر رہا ہے یعنی اسم کا، اس اسم کے لفظ سے جو معنی مفہوم ہو رہا ہے، توجہ ہے؟ وہ لفظ جو اس معنی پر دلالت کر رہا ہے، اسم کی بات چل رہی ہے نا، تو اسم کا وہ لفظ جو کیا کر رہا ہے؟ اپنے معنی پر دلالت کر رہا ہے، اس اسم کے لفظ سے جو معنی مفہوم ہو رہا ہے تو اس وقت یہ کسی زمانے کے ساتھ جڑا ہوا نہیں۔ ضَرْبٌ کا کیا معنی؟ دیکھو یہ اسم کا، یہ اسم ہے ضَرْبٌ اور اس، یہ دلالت کر رہا ہے ضَرْبٌ کس معنی پر؟ پٹائی کرنے پر، تو اس سے پٹائی کرنے کا معنی مفہوم ہو رہا ہے لیکن جب یہ پٹائی کرنا اس سے مفہوم ہو رہا ہے تو ساتھ کوئی زمانہ مفہوم نہیں ہو رہا، زمانہ اس کے ساتھ جڑا ہوا نہیں ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ ورنہ تو اسم بھی زمانے کے ساتھ جڑ جاتا ہے، ابھی میں نے مثال ذکر کی ضَرْبٌ فِي الْمَاضِي، پٹائی ہے، کس زمانے میں؟ ماضی کے زمانے میں۔ دیکھا یہ ضَرْب کس کے ساتھ جڑ گئی؟ ماضی کے زمانے کے ساتھ جڑ گئی ہے، یہ ضَرْب ماضی کے زمانے میں ہے۔ لیکن یہ، یہ جو زمانہ جڑا ضَرْب کے ساتھ، یہ اسی لفظِ ضَرْبٌ سے مفہوم ہوا یا اس کے لیے باقاعدہ الگ لفظ لانا پڑا؟ آگے باقاعدہ الگ لفظ لانا پڑا۔ جب کہ فعل میں ایسا نہیں ہوتا، فعل سے جب معنی مفہوم ہوتا ہے تو ساتھ ہی زمانہ جڑا ہوا ہوتا ہے، اور اسم کے اندر جب لفظ سے معنی مفہوم ہوتا ہے تو ساتھ

زمانہ جڑا ہوا نہیں ہوتا۔ بات سمجھ میں آگئی؟

دیکھیے ترجمہ: أَيْ غَيْرِ مُقْتَرِنٍ مَعَ أَحَدِ الْأَزْمِنَةِ الثَّلَاثَةِ فِي الْفَهْمِ عَنْ لَفْظِهِ الدَّالِّ عَلَيْهِ، کہ وہ معنی ملا ہوا نہیں ہوتا تین زمانوں میں سے کسی ایک کے ساتھ، فِي الْفَهْمِ عَنْ لَفْظِهِ اپنے لفظ سے مفہوم ہوتے وقت، اب وہ لفظ اَلدَّالِّ عَلَيْهِ جو اس معنی مستقل پر کیا کر رہا ہے؟ دلالت کر رہا ہے، اس سے مفہوم ہوتے وقت وہ کسی زمانے کے ساتھ نہیں جڑا ہوتا۔

فَهُوَ صِفَةٌ بَعْدَ صِفَةٍ، جی یہاں سے ترکیب بیان کر رہے ہیں کہ ہم نے آپ کو بتلایا تھا مَعْنًى فِي نَفْسِهِ، اس فِي نَفْسِهِ کو ہم نے کیا بنایا تھا؟ صفت بنایا تھا معنی کے لیے، أَيْ مَعْنًى حَاصِلٍ فِي نَفْسِهِ، وہ معنی جو اپنی ذات کے اعتبار سے ثابت ہے۔ تو فِي نَفْسِهِ یہ معنی کی صفتِ اول تھی، اور یہ غَيْرِ مُقْتَرِنٍ بِأَحَدِ الْأَزْمِنَةِ الثَّلَاثَةِ یہ صفتِ ثانی ہے، یہ صفتِ ثانی۔ معنی موصوف، فِي نَفْسِهِ صفتِ اول اور غَيْرِ مُقْتَرِنٍ بِأَحَدِ الْأَزْمِنَةِ الثَّلَاثَةِ یہ کیا ہے؟ صفتِ ثانی۔ اور صفت پر وہی اعراب آتا ہے جو موصوف پر ہوتا ہے، اور معنی تو مجرور تھا کیونکہ اس پر عَلَى جارہ داخل تھا، تو فِي نَفْسِهِ اس کے لیے ہم نے حَاصِلٍ مجرور نکالا، اسی طرح یہاں بھی غَيْرِ مُقْتَرِنٍ، یہ غَيْرِ کو مجرور پڑھیں گے کیونکہ یہ صفت ہے معنی کی اور وہ بھی مجرور ہے۔ تو گویا معنی کی دو صفتیں آگئیں، ایک فِي نَفْسِهِ اور ایک غَيْرِ مُقْتَرِنٍ بِأَحَدِ الْأَزْمِنَةِ الثَّلَاثَةِ۔ تو کہتے ہیں: فَهُوَ صِفَةٌ بَعْدَ صِفَةٍ، تو یہ ایک صفت کے بعد دوسری صفت ہے لِلْمَعْنَى، اچھا تو یہ ایک صفت کے بعد دوسری صفت ہے بھائی، لِلْمَعْنَى کس کے لیے؟ معنی کے لیے۔ فَبِالصِّفَةِ الْأُولَى خَرَجَ الْحَرْفُ عَنْ حَدِّ الِاسْمِ، تو پہلی صفت جو ہے، کون سی پہلی صفت؟ فِي نَفْسِهِ، اس کے ذریعے خَرَجَ الْحَرْفُ عَنْ حَدِّ الِاسْمِ، حرف نکل گیا اسم کی تعریف سے، وَبِالثَّانِيَةِ الْفِعْلُ، اور دوسری صفت کے ذریعے فعل نکل گیا اسم کی تعریف سے۔ بات سمجھ میں آگئی اچھی طرح؟

ابھی فعل کے بارے میں گزرا بھائی، میں نے آپ کو بتلایا کہ فعل جو ہے اس کا مفہوم مرکب ہے تین چیزوں سے: ایک حَدَث، ایک زمانہ اور ایک نِسْبَتٌ إِلَى الْفَاعِلِ بھائی۔ اور میں نے آپ کو بتلایا تھا کہ میرے والدِ محترم شیخ الحدیث والتفسیر حضرت مولانا محمد موسیٰ روحانی بازی رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالَى رَحْمَةً وَاسِعَةً یہ جو ابھی حاصل محصول کی بحث گزری، اس کی انہوں نے ایک نہایت مفصل شرح لکھی ہے بھائی۔ یہ حاصل محصول کی بحث کوئی لگ بھگ ڈیڑھ دو صفحے کی ہے، لیکن اس کی شرح جو والد صاحب نے لکھی وہ تقریباً پانچ سو صفحات پر مشتمل ہے بھائی عربی زبان میں۔ اور اس کے مقدمے میں والد صاحب رَحِمَهُ اللّٰهُ لکھتے ہیں کہ میری یہ کتاب نحو کی مشکل ترین کتابوں میں سے ہے، ہر ایک اس کو نہیں سمجھ سکے گا، کوئی بڑے علماء ہوئے، بڑے علوم کے ماہر ہوئے وہی اس شرح کو سمجھ سکیں گے، اور واقعی وہ بڑی مشکل اور پیچیدہ کتاب ہے بھائی۔ اس کتاب کو انسان پڑھتا ہے حیران رہ جاتا ہے بھائی۔ ایسی ایسی تحقیقات پیش کرتے ہیں جو اس سے پہلے آپ نے کہیں نہیں پڑھی ہوں گی۔

وہاں پر فعل کا بھی ذکر فرماتے ہیں، اور فعل کے بارے میں وہ چھ مذاہب ذکر فرماتے ہیں۔ ایک مذہب جمہور کا ہے جو میں نے ذکر کر دیا کہ فعل کا معنی مرکب ہوتا ہے کتنی چیزوں سے؟ حَدَث، زمانہ اور نِسْبَتٌ إِلَى الْفَاعِل، تو یہ جمہور کا مذہب ہے۔ اس کے علاوہ چار اور مذاہب ذکر فرماتے ہیں مختلف علماء کے، اور پھر چھٹا مذہب اپنا ذکر فرماتے ہیں بھائی۔ چھٹا مذہب اپنا والد صاحب رَحِمَهُ اللهُ ذکر فرماتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ فعل جو ہے، انہوں نے کیا فرمایا جمہور کیا کہتے ہیں کہ فعل معنی مطابقی کے اعتبار سے مستقل نہیں ہے، فرماتے ہیں میرے نزدیک فعل معنی مطابقی کے اعتبار سے بھی مستقل ہے بھائی، فعل اپنے معنی مطابقی کے اعتبار سے بھی مستقل ہے۔ اور نیز آگے لکھتے ہیں کہ میرے نزدیک فعل کا معنی چار چیزوں سے مرکب ہے: ایک حَدَث، ایک زمانہ، ایک فاعلِ مجمل اور ایک نِسْبَتٌ إِلَى الْفَاعِل۔ کتنی چیزیں ہیں؟ چار: حَدَث، زمانہ، فاعلِ مجمل اور نِسْبَتٌ إِلَى الْفَاعِل۔ تو فرماتے ہیں کہ میرے نزدیک فعل ان چار چیزوں سے مرکب ہے اور فعل کا معنی بھی اسم کے معنی کی طرح مستقل ہے، اور اسم کا معنی مستقل تھا کس اعتبار سے؟ معنی مطابقی کے اعتبار سے، اور جمہور کے نزدیک فعل کا معنی مستقل ہے معنی تضمنی کے اعتبار سے، لیکن فرماتے ہیں میرے نزدیک معنی مطابقی کے اعتبار سے فعل کا معنی مستقل ہے۔ کہتے ہیں بلکہ فعل کے معنی کا استقلال اسم سے بھی بڑھ کر ہے، فعل کے معنی کا مستقل ہونا یہ اسم سے بڑھ کر ہے بھائی، بڑھ کر ہے، اور پھر اس پر طویل بحث کرتے ہیں اور بڑے دلائل ذکر کرتے ہیں۔ کوئی تقریباً پچاس کے لگ بھگ صفحے تک وہ اس پر طویل بحث کرتے ہیں، دلائل ذکر کرتے ہیں کہ میرے نزدیک فعل کا معنی جو ہے ان چار چیزوں سے مرکب ہے، تو بڑے قوی دلائل اس میں وہ ذکر فرماتے ہیں بھائی۔

تو والد صاحب رَحِمَهُ اللهُ کو اللہ تعالیٰ نے عجیب علوم نصیب فرمائے تھے۔ آپ ان کی جو بھی کتاب اٹھا کر دیکھ لیں تو وہ اس علم اور فن میں اس طرح تکلم کرتے ہیں جیسے کوئی اس علم اور فن کا مجتہد ہو بھائی۔ ایسے علماء تاریخِ اسلام میں بہت کم گزرے ہیں۔ علمائے اسلام میں آپ دیکھیں تو کوئی بہت بڑا محدث نظر آئے گا، کوئی بہت بڑا مفسر نظر آئے گا، کوئی بہت بڑا صرفی ہے، کوئی بہت بڑا نحوی ہے، کوئی بہت بڑا منطقی ہے، کوئی بہت بڑا فلسفی ہے، کوئی بہت بڑا اصولی ہے، لیکن ایسے علماء جو تمام فنون کے اندر مجتہد کی اور امام کی حیثیت رکھتے ہوں ایسے علماء آپ کو تاریخِ اسلام میں بہت کم ملیں گے، جو تمام علوم میں مجتہد کی حیثیت رکھتے ہوں ایسے علماء تاریخِ اسلام میں بہت کم گزرے ہیں۔ اور والد صاحب رَحِمَهُ اللهُ کو اللہ تعالیٰ نے ایسے ہی علوم نصیب فرمائے تھے کہ وہ ہر فن کے اندر مجتہد کی حیثیت رکھتے تھے۔ دیکھو، اب یہ فعل کی تعریف، جمہور کیا فرماتے ہیں؟ فعل کا مفہوم مرکب ہے تین چیزوں سے، والد صاحب فرما رہے ہیں کہ میرے نزدیک فعل کا مفہوم مرکب ہے چار چیزوں سے بھائی، اور پھر اس پر بڑی طویل بحث کرتے ہیں۔ یہ نہیں کہ ایک مسئلہ ذکر کر دیا بلکہ آگے اس کے باقاعدہ دلائل ذکر کرتے ہیں اور طویل بحث کرتے ہیں تو کوئی تقریباً پچاس کے لگ بھگ صفحے تک وہ اسی پر بحث کرتے چلے جاتے ہیں، دلائل دیتے چلے جاتے ہیں۔

تو والد صاحب رَحِمَهُ اللهُ کی ہر فن اور ہر علم میں انہوں نے تصانیف کی ہیں، اور کسی بھی فن کی ان کی کوئی بھی کتاب اٹھا کر انسان دیکھ لے تو یوں معلوم ہوتا ہے کہ اس شخص کی ساری زندگی اسی ایک فن میں گزری ہے، اسی لیے اتنی گہری باتیں کر رہا ہے بھائی۔ لیکن جب دوسرے فن کو اٹھائیں تو اس میں بھی وہی حالت ہوتی ہے، تیسرے فن کو اٹھائیں تو اس میں بھی یہی حالت ہوتی ہے، چوتھے فن کو اٹھائیں تو اس میں بھی یہی حالت ہوتی ہے۔ تو ایسے علماء تاریخِ اسلام میں بہت کم گزرے ہیں جو ہر فن کے اندر مجتہد کی حیثیت رکھتے ہوں بھائی۔

چنانچہ جیسے مثال کے طور پر علمِ منطق کی تعریف آپ پڑھتے ہیں کہ منطق وہ علم ہے جو نظر و فکر میں غلطی سے انسان کی حفاظت کرتا ہے۔ والد صاحب رَحِمَهُ اللهُ فرماتے تھے کہ میرے نزدیک منطق کی یہ تعریف غلطِ محض ہے بھائی، بالکل غلط تعریف ہے۔ علمِ منطق وہ نظر و فکر میں غلطی سے آپ کی حفاظت نہیں کرتا۔ اگر منطق نظر و فکر میں غلطی سے حفاظت کرتی تو مناطقہ کے آپس میں اختلافات نہیں ہونے چاہئیں تھے بھائی۔ جب غلطی سے حفاظت ہو گئی تو ہر ایک نے ٹھیک بات کہی تو آپس میں اختلاف نہیں ہونا چاہیے۔ لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ مناطقہ کے اختلافات سب سے زیادہ ہیں بھائی، سب سے زیادہ ہیں۔ بلکہ چھوٹے منطقیوں کے اختلافات کو چھوڑیں، اگر آپ یہ کہیں کہ بعض منطقی کیا ہیں؟ چھوٹے منطقی ہیں، منطق نے نظر و فکر میں ان کی غلطی سے پوری حفاظت نہیں کی اس لیے ان سے غلطیاں ہوئیں، تو کم از کم جو منطق کے ائمہ ہیں، جو منطق کے بڑے علماء ہیں کم از کم ان کی تو غلطی سے حفاظت کرنی چاہیے تھی منطق کو، لہٰذا ان میں تو اختلاف نہیں ہونا چاہیے، لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ منطق کے ائمہ کے آپس میں بہت زیادہ اختلافات ہیں بھائی۔ تو فرماتے تھے منطق کی یہ تعریف جو کتابوں میں مذکور ہے یہ غلطِ محض ہے۔ پھر فرماتے میرے نزدیک منطق کی درست تعریف یہ ہے: اَلْمَنْطِقُ هُوَ عِلْمٌ يُعْرَفُ بِهِ طُرُقُ الْأَبْحَاثِ نَقْضًا وَإِبْرَامًا، منطق وہ علم ہے جس کے ذریعے آپ کو بحث کرنے کے طریقے آتے ہیں نَقْضًا وَإِبْرَامًا أَيْ نَفْيًا وَإِثْبَاتًا، نفی اور اثبات کے طور پر کہ یعنی دوسرے کی بات کی نفی کیسے کرنی ہے اور اپنی بات کا اثبات کیسے کرنا ہے۔ منطق کے ذریعے انسان کو بحث کرنے کے طریقے آتے ہیں کہ کس طرح دوسرے سے بحث کرنی ہے۔ چنانچہ جو شخص علمِ منطق جانتا ہو گا اس سے بحث کرنا بڑا مشکل ہے، آپ اس کے سامنے جو بھی بات کریں وہ صغریٰ کبریٰ ملائے گا اور آپ کی بات کو رد کر دے گا، چاہے وہ حق پر ہو یا حق پر نہ ہو۔ چاہے وہ حق پر ہو یا نہ ہو وہ صغریٰ کبریٰ ملائے گا، دلیل بنائے گا اور آپ کی بات کو رد کر دے گا۔ تو دیکھا منطق کے ذریعے اپنی بات کو ثابت کرنا انسان سیکھتا ہے کہ کس طرح اپنی بات ثابت کرنی ہے چاہے حق ہو چاہے ناحق ہو لیکن ثابت کیسے کرنا ہے وہ سیکھ لیتا ہے، اور دوسرے کی بات کو رد کیسے کرنا ہے چاہے حق ہو چاہے ناحق ہو اس کو رد کیسے کرنا ہے۔ تو اَلْمَنْطِقُ هُوَ عِلْمٌ يُعْرَفُ بِهِ طُرُقُ الْأَبْحَاثِ جس کے ذریعے بحثوں کے طریقے جانے جاتے ہیں، نَفْيًا وَإِثْبَاتًا نفی اور اثبات کے طور پر کہ دوسرے کی بات کی نفی کیسے کرنی ہے

اور اپنی بات کا اثبات کیسے کرنا ہے۔ یا فرماتے یوں کہو: اَلْمَنْطِقُ هُوَ عِلْمٌ يُعْرَفُ بِهِ طُرُقُ الِاسْتِدْلَالِ نَفْيًا وَإِثْبَاتًا، منطق وہ علم ہے جس کے ذریعے انسان استدلال کا طریقہ، دلیل بنانے کا طریقہ سیکھتا ہے، نَفْيًا وَإِثْبَاتًا نفی اور اثبات کے طور پر کہ دوسرے کی نفی کیسے کرنی ہے دلیل بنا کر اور اپنا اثبات کیسے کرنا ہے استدلال کرتے ہوئے۔

تو وہ فرماتے ہیں کہ میرے نزدیک فعل کا مفہوم مرکب ہے چار چیزوں سے۔ اور پھر والد صاحب کا کمال یہ کہ ان کی کتابیں دیکھیں تو ان کی عربی اتنی فصیح و بلیغ ہے کہ جسے لفظوں میں بیان نہیں کیا جا سکتا۔ والد صاحب کے جو تلامذہ باہر عرب ممالک میں پڑھنے کے لیے یا کام کے سلسلے میں جن کو جانا پڑتا وہ والد صاحب کو آ کر کبھی کبھی ذکر کیا کرتے تھے کہ استاذ جی ہم فلاں عرب ملک میں گئے ہوئے تھے، ایک بڑے عالم سے ملاقات ہوئی اور ان کے سامنے ہم نے ان کو آپ کی ایک کتاب ہمارے پاس تھی عربی زبان والی تو ہم نے ان کو تحفے کے طور پر پیش کی۔ تو وہ کتاب چند صفحے پڑھ کر ہی وہ حیران رہ گئے اور وہ آپ کے بارے میں پوچھتے رہے کہ اتنی فصیح و بلیغ عربی؟ اتنی فصیح و بلیغ عربی تو آج کا عربی ادیب بھی لکھنے پر قادر نہیں ہے، یہ تو وہ انداز ہے جو آج سے ایک ہزار سال قبل ائمہ لغتِ عرب کا انداز تھا، بے انتہا فصیح و بلیغ بھائی۔ عرب کے محاورات وغیرہ اتنی کثرت سے اس میں استعمال کرتے ہیں اور پھر ایک ہی لفظ دو یا تین جگہ ذکر ہو تو ہر جگہ اس کے لیے الگ الگ لفظ لے کر آتے ہیں۔ چنانچہ بہت سے، یہ ایک آدھ واقعہ نہیں، بہت سے علماء نے یہ واقعات ذکر کیے۔ آپ کو بھی جب کبھی زندگی میں اگر کبھی موقع ملا حضرت کی کوئی کتاب آپ کے پاس ہوئی، کوئی عرب عالم آئے آپ اس کو کتاب تحفے کے طور پر پیش کریں، اگر وہ حضرت سے واقف نہیں ہو گا تو ایک آدھ صفحہ پڑھتے ہی چونک اٹھے گا کہ اتنی فصیح اور اتنی پیاری عربی۔ سمجھ میں آیا؟ وہ اہلِ زبان ہیں، وہ اپنی زبان کو جانتے ہیں، جب کمال کی فصاحت و بلاغت ہو فوراً چند سطروں میں ہی وہ محسوس کر لیتے ہیں بھائی اور اس کا لطف اٹھاتے ہیں۔

چنانچہ بڑے بھائی مولانا زبیر صاحب جب یہ ام القریٰ یونیورسٹی مکہ مکرمہ میں پڑھ رہے تھے، وہ فرماتے ہیں کہ ہمارے ایک استاد تھے وہ مسجد الحرام میں امام بھی تھے بھائی۔ تو اور اساتذہ بھی تھے اور ایک استاد جو تھے وہ مسجد الحرام کے امام تھے، تو ان کے ساتھ کہتے ہیں طبعی تعلق اور لگاؤ تھا کہ یہ امامِ حرم بھی ہیں بھائی۔ تو ایک مرتبہ کہتے ہیں میں اپنے والد صاحب کی کچھ کتابیں جو ساتھ لے گیا تھا وہ میں نے ارادہ کیا کہ امامِ حرم کو تحفے کے طور پر دیتا ہوں۔ چنانچہ جب وہ یونیورسٹی میں اسباق سے فارغ ہو گئے اور وہ اب واپسی کے لیے گاڑی کی طرف جا رہے تھے بھائی، تو راستے میں ایک جگہ برآمدے میں میں کھڑا ان کا انتظار کر رہا تھا کہ ابھی یہاں سے گزریں گے سبق پڑھا کر تو میں ان کو یہ کتابیں پیش کروں گا۔ چنانچہ جب وہ میرے پاس سے گزرنے لگے میں آگے ہوا، سلام کیا اور پھر میں نے وہ کتابیں ہدیے کے طور پر پیش کیں کہ یہ کچھ کتابیں میں بطورِ ہدیہ کے آپ کے لیے لے کر آیا ہوں۔ ارادہ یہ تھا کہ کتابیں دوں گا، سلام کروں گا اور بس ملاقات ختم ہو جائے

گی۔ تو وہ انہوں نے بڑے خوش ہو کر کتابیں لیں اور پھر ویسے ہی جیسے ایک انسان کی صاحبِ مطالعہ کی عادت ہوتی ہے تو ویسے ہی کھڑے کھڑے وہیں ویسے کتاب ایک کھول کر جیسے ایک آدھ دو چار سطروں پہ ویسے ہی نظر ڈال لوں، تو کتاب کو تھوڑا سا کھولا اور کہتے ہیں دو چار سطریں ویسے ہی نظر ڈالی تو ایک دم ٹھٹھک کر بالکل کھڑے ہو گئے، اور فرمانے لگے کہ یہ تمہارے والد صاحب نے کتاب لکھی ہے؟ اور یہ کتاب اس زمانے کے اندر لکھی گئی ہے؟ کیا اس کتاب کو ایک عجمی عالم نے لکھا ہے بھائی؟ یعنی اس پر بھی حیران ہو رہے تھے کہ اس زمانے میں کوئی ایسی عربی لکھ سکتا ہے؟ اور پھر کوئی عجمی آدمی، غیر عرب ایسی عربی لکھ سکتا ہے؟ تو کہتے ہیں وہ دو چار چھ جو سطریں یا ایک آدھ صفحہ جو انہوں نے پڑھا تھا اس صفحے سے اتنا متاثر ہوئے اب اندازہ تو لگائیے کہتے ہیں میرے ساتھ وہ تقریباً پونا گھنٹہ کھڑے رہے اور والد صاحب کے احوال پوچھتے رہے۔ تو دیکھو پونا گھنٹہ امامِ حرم کھڑے ہو جائیں بھائی، کہاں اتنے مصروف لوگ کسی کو وقت دے سکتے ہیں، لیکن اتنا زیادہ ان پر اثر ہوا کہ وہ پونا گھنٹہ کھڑے ہو کر حضرت کے احوال پوچھتے رہے بھائی۔ تو یہ اتنی فصیح و بلیغ عربی ان کی کہ انسان دیکھ کر حیران رہ جاتا ہے بھائی۔

اور والد صاحب کی یہ فصیح و بلیغ عربی اس لیے تھی کہ ایک تو اللہ نے ان کو انتہائی کمال کا ذہن نصیب فرمایا تھا، دوسرا انہوں نے تحصیلِ علم میں بہت زیادہ محنت کی تھی بھائی، حد سے زیادہ محنت کی تھی۔ وہ شب و روز پڑھنے میں مصروف رہتے تھے جب طالبِ علم تھے۔ کہیں ادھر ادھر گھومنے نہیں جاتے تھے بلکہ جنگل میں ایک جگہ مختص کی ہوئی تھی۔ جب مدرسے کے اسباق سبق ختم ہو جاتے تو جنگل میں چلے جاتے اور وہاں سارا دن اپنے سبق یاد کیا کرتے تھے بھائی۔ حافظہ قوی تھا تو خوب یاد کر لیتے حتیٰ کہ اگلے دن استاد کو پورا سبق کتاب کی عبارت سمیت زبانی سناتے تھے بھائی۔ بلکہ عبارت، کتاب کا متن چھوڑیں اس کے حاشیے بھی زبانی یاد کر لیتے تھے بھائی۔ ان کا حافظہ قوی تھا یہ ساری عبارتیں ان کے ذہن میں محفوظ ہوتی چلی گئیں۔ یہ جتنی ابتدائی کتابیں ہیں یہ کافیہ، ہدایۃ النحو، اصول الشاشی وغیرہ یہ ساری کتابیں ان کو زبانی یاد تھیں بھائی۔ اور اسی طرح طلباء سے فرماتے تھے کہ بھائی یہ، یہ دس مقامیں مجھے قُلْ هُوَ اللّٰهُ کی طرح یاد ہیں بھائی، دس مقامیں۔ بلکہ فرماتے قُلْ هُوَ اللّٰهُ میں بھی شاید تھوڑا سا شک ہو، مجھے یہ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ کی طرح یاد ہیں، اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ تو ہر نماز میں پڑھنا پڑتی ہے تو وہ تو ہر ایک کو خوب ازبر ہوتی ہے تو کہتے ہیں مجھے اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ کی طرح دس مقامیں یاد ہیں۔ اسی طرح بہت سے قصیدے عرب شعراء کے یہ سارے ان کو ازبر تھے۔ بہترین زبردست شاعر تھے بھائی عربی زبان کے، ان کے قصیدے انسان پڑھتا ہے حیران رہ جاتا ہے، اتنے فصیح و بلیغ قصیدے بھائی۔

تو بتلانا میں یہ چاہتا ہوں کہ طلباء کو عربی کتاب کی عبارتیں زبانی یاد کرنی چاہئیں۔ ہمارے طلباء عربی زبان میں زیادہ ماہر کیوں نہیں ہوتے؟ کیونکہ صرف بھی سیکھ لیتے ہیں، نحو بھی سیکھ لیتے ہیں لیکن عربی عبارتیں یاد نہیں ہوتیں، ان کے ذہن میں نہیں ہوتیں، اس لیے ان کے لیے عربی لکھنا مشکل ہوتا ہے۔ تو ہر سال اگر کمزور طالبِ علم بھی ہو تو کسی نہ کسی کتاب

کی ہر سال دس پندرہ صفحے پورے سال میں کم از کم یاد کر لیا کرے اور پھر روز دہراتا رہے تاکہ بھولے نہ۔ آپ خود دیکھیں گے اگر آپ بھی اس طریقے پر چلیں گے ایک دو سال کے بعد، تین سال کے بعد آپ آرام سے عربی عبارت لکھ سکیں گے، اپنے امتحانات آپ عربی زبان میں بہترین انداز میں دے سکیں گے بھائی۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو ان کے نقشِ قدم پر چلنے کی توفیق نصیب فرمائے اور ان کی طرح کے علوم ہم سب کو نصیب فرمائے اور ان کی طرح خدمتِ دین کی توفیق نصیب فرمائے بھائی۔ چلیے بس بھائی، هٰذَا هُوَ الْمَرَامُ وَاللّٰهُ أَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْكَلَامِ.

سبق نمبر ۳۵: تعریفِ اسم (۸): اسمائے افعال کا تعریفِ اسم میں دخول اور وضعِ اول کا اعتبار

شرحِ ملا جامی صفحہ: ۲۳ — بتاریخ: ۱۰ اگست ۲۰۲۱ء

▪ تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث

دیکھیے بھئی آگے سبق:

وَالْمُرَادُ بِعَدَمِ الِاقْتِرَانِ أَنْ يَكُونَ بِحَسَبِ الْوَضْعِ الْأَوَّلِ فَدَخَلَ فِيهِ أَسْمَاءُ الْأَفْعَالِ لِأَنَّ جَمِيعَهَا إِمَّا مَنْقُولَةٌ عَنِ الْمَصَادِرِ الْأَصْلِيَّةِ سَوَاءٌ كَانَ النَّقْلُ فِيهَا صَرِيحًا نَحْوُ رُوَيْدَ فَإِنَّهُ قَدْ يُسْتَعْمَلُ مَصْدَرًا أَيْضًا أَوْ غَيْرَ صَرِيحٍ نَحْوُ هَيْهَاتَ فَإِنَّهُ وَإِنْ لَمْ يُسْتَعْمَلْ مَصْدَرًا إِلَّا أَنَّهُ عَلَى وَزْنِ قَوْقَاةٍ مَصْدَرِ قَوْقَى.

گزشتہ سبق میں اِسم کی تعریف کے اندر جو آخری قید آئی تھی غَيْرِ مُقْتَرِنٍ بِأَحَدِ الْأَزْمِنَةِ الثَّلَاثَةِ اس کے بارے میں ہم نے پڑھا بھئی۔ اور ملا جامی رَحِمَهُ اللهُ نے آپ کو بتلایا کہ اس قید کے ذریعے دراصل صاحبِ کافیہ فِعْل کو نکالنا چاہتے ہیں اِسم کی تعریف سے۔ کیونکہ کَلِمَہ کی تین قسمیں ہیں: اِسم، فِعْل اور حَرْف۔ تو اس غَيْرِ مُقْتَرِنٍ کی قید کے ذریعے فِعْل کو نکالنا چاہتے ہیں اور پیچھے جو فِي نَفْسِهِ کی قید آئی تھی اس کے ذریعے حَرْف کو نکال دیا تھا، کیونکہ حَرْف کا معنیٰ فِي نَفْسِهِ نہیں ہوتا بلکہ فِي غَيْرِهِ ہوتا ہے۔

فِي نَفْسِهِ کا معنیٰ کیا تھا آسان لفظوں میں؟ کہ وہ معنیٰ مُسْتَقِل ہو بھئی۔ تو اِسم اور فِعْل دونوں کا معنیٰ مُسْتَقِل ہوتا ہے، اور حَرْف کا معنیٰ غَيْرِ مُسْتَقِل ہوتا ہے۔ تو جب کہہ دیا کہ اِسم وہ کَلِمَہ ہے جو ایسے معنیٰ پر دلالت کرے کہ وہ معنیٰ مُسْتَقِل ہو، تو حَرْف نکل گیا، لیکن فِعْل ابھی بھی داخل ہے کیونکہ فِعْل کا معنیٰ بھی مُسْتَقِل ہے۔ تو اس کو پھر غَيْرِ مُقْتَرِنٍ کی قید کے ذریعے نکال دیا کہ وہ معنیٰ تین زمانوں میں سے کسی زمانے کے ساتھ ملا ہوا نہ ہو بھئی۔ اور فِعْل کا معنیٰ تو تین زمانوں میں سے کسی زمانے کے ساتھ ملا ہوتا ہے، تو وہ اس قید کے ذریعے نکل گیا اِسم کی تعریف سے۔

اور یہاں وہ اشکال بھی پہلے ذکر کیا تھا وہ بھی دوبارہ مختصراً سمجھ لیں کہ اِسم کی تعریف میں لفظ آیا مَعْنًى فِي نَفْسِهِ، ایسا معنیٰ جو اپنی ذات کے اعتبار سے ثابت ہو یعنی مُسْتَقِل ہو، کہ اس سے کون سا معنیٰ مراد ہے؟ یا تو اس سے مَعْنًى مُطَابِقِي

مراد ہوگا یا مَعْنًى تَضَمُّنِي مراد ہوگا۔ اور مَعْنًى اِلْتِزَامِي وہ تو مہجور ہے، وہ تو متروک ہے، تعریفات میں استعمال نہیں ہوتا کیونکہ وہ مَعْنًى مَوْضُوعٌ لَهُ کے خارج پر دلالت کرتا ہے، اس کے ساتھ لازم ہوتا ہے لیکن ہوتا خارج ہے، تو اس کی طرف ذہن فوراً نہیں جاتا، تو اس لیے تعریفات میں وہ مہجور ہے اور متروک ہے۔

تو معلوم ہوا یہ جو معنیٰ کا لفظ آیا، یہ معنیٰ مُسْتَقِل ہونا چاہیے، یہ کون سا معنیٰ مراد ہے؟ مَعْنًى مُطَابِقِي مراد ہے کہ مَعْنًى مُطَابِقِي مُسْتَقِل ہونا چاہیے یا مَعْنًى تَضَمُّنِي مراد ہے کہ مَعْنًى تَضَمُّنِي مُسْتَقِل ہونا چاہیے؟ اگر آپ کہتے ہیں کہ مَعْنًى مُطَابِقِي مُسْتَقِل ہونا چاہیے، پھر تو فِعْل اسی قید سے نکل گیا، کیونکہ فِعْل کا مَعْنًى مُطَابِقِي تو مُسْتَقِل نہیں ہوتا، فِعْل کا مَعْنًى تَضَمُّنِي یعنی وہ جو حَدَث ہے وہ مُسْتَقِل ہوتا ہے۔ تو پھر تو فِي نَفْسِهِ کی قید کے ذریعے فِعْل نکل گیا تو پھر اگلی قید غَيْرِ مُقْتَرِنٍ لگانے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔

اور اگر آپ کہتے ہیں کہ فِي نَفْسِهِ سے مراد جو ہے مَعْنًى تَضَمُّنِي ہے، ایسا مَعْنًى تَضَمُّنِي جو مُسْتَقِل ہو، اِسْم وہ كَلِمَہ ہے جو دلالت کرتا ہے ایسے مَعْنًى تَضَمُّنِي پر کہ وہ معنیٰ کیا ہونا چاہیے؟ مُسْتَقِل ہونا چاہیے، پھر تو بہت سے اِسْم ہی نکل جائیں گے اِسْم کی تعریف سے! کیونکہ مَعْنًى تَضَمُّنِي کس کو کہتے ہیں؟ جو مَعْنًى مَوْضُوعٌ لَهُ کے جُزْء پر جس میں دلالت ہوتی ہے، وہ مَعْنًى مَوْضُوعٌ لَهُ کا جُزْء اس میں مراد ہوتا ہے۔ اور مَعْنًى مَوْضُوعٌ لَهُ کا کوئی جُزْء ہوگا تو مَعْنًى تَضَمُّنِي ہو سکے گا، اگر جُزْء ہی نہیں ہے تو مَعْنًى تَضَمُّنِي وہاں ہوگا ہی نہیں۔ تو وہ اِسْم جن کا مَعْنًى تَضَمُّنِي ہوتا ہی نہیں، یعنی ان کا معنیٰ کا جُزْء ہوتا ہی نہیں ہے، تو وہ تو اس سے نکل گئے۔

جیسے ضَرْبٌ کا کیا معنیٰ ہے؟ پٹائی کرنا۔ اس کا تو ایک ہی معنیٰ ہے، اس میں دو یا تین چیزیں تو ہیں نہیں۔ فِعْل کے اندر تو ایک کیا تھا؟ حَدَث تھا، ایک زمانہ تھا، ایک نِسْبَتٌ إِلَى الْفَاعِلِ۔ وہاں تو مَعْنًى تَضَمُّنِي ہو سکتا ہے کہ کس کا ارادہ کر لیا جائے؟ حَدَث کا ارادہ کر لو یہ ایک جُزْء ہے، یا زمانے کا ارادہ کر لو، یا کس کا ارادہ کر لو نِسْبَتٌ إِلَى الْفَاعِلِ، وہاں تو مَعْنًى تَضَمُّنِي ہو سکتا ہے۔ لیکن ہر لفظ کے تو اس طرح معنیٰ اس کا مرکب نہیں ہوتا، تو وہ اِسْم نکل گئے جن کا مَعْنًى تَضَمُّنِي ہوتا ہی نہیں ہے۔ کیونکہ آپ نے کیا تعریف کی؟ اِسْم وہ كَلِمَہ ہے جو دلالت کرتا ہے ایسے مَعْنًى تَضَمُّنِي پر جو مُسْتَقِل ہو، تو وہ تمام اِسْم نکل گئے جن کا مَعْنًى تَضَمُّنِي ہوتا ہی نہیں ہے۔ ہوگا تو پھر ہم دیکھیں گے مُسْتَقِل ہے یا مُسْتَقِل نہیں ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟

تو یا تو اس سے مَعْنًى مُطَابِقِي مراد لو پھر بھی صحیح نہیں کیونکہ پھر فِعْل نکل جاتا ہے، اور اگر مَعْنًى تَضَمُّنِي مراد لیں تو پھر یہ بھی ٹھیک نہیں کیونکہ بہت سے اِسْم نکل جائیں گے۔ یا اس سے مُطْلَق معنیٰ مراد ہے۔ مُطْلَق معنیٰ، یہ لفظِ مُطْلَق کو نہ دیکھیں، لفظِ مُطْلَق کی وجہ سے طلبہ پریشان ہوتے ہیں، یعنی مَعْنًى مُطْلَق کا مطلب یہ ہے ایسا معنیٰ جس میں کوئی قید نہیں، کوئی بھی معنیٰ ہو لیکن مُسْتَقِل ہونا چاہیے، چاہے وہ مُطَابِقِي ہو چاہے تَضَمُّنِي ہو۔ مَعْنًى مُطْلَق کا کیا معنیٰ؟ مَعْنًى مُطَابِقِي

میں کون سی قید تھی؟ مُطَابِقِي کی۔ مَعْنًى تَضَمُّنِي میں کون سی قید تھی؟ تَضَمُّنِي کی۔ لیکن مُطْلَق معنیٰ جس میں کوئی قید نہ ہو، بس معنیٰ ہونا چاہیے جو بھی ہو لیکن ہونا مُسْتَقِل چاہیے، چاہے مُطَابِقِي ہو چاہے تَضَمُّنِي ہو۔ بات سمجھ میں آگئی؟

تو اگر مُطْلَق معنیٰ مراد ہے کہ کوئی بھی معنیٰ مُسْتَقِل ہو، تو وہ کہتے ہیں وہ بھی یہاں پر مراد لینا ٹھیک نہیں ہے اس لیے کیونکہ مُطْلَق کا وجود خارج میں ہوتا ہی نہیں ہے، مُطْلَق ہمیشہ مُقَیَّد کے ضمن میں پایا جاتا ہے۔ جیسے حَیَوَان ہے مُطْلَق، اور حَیَوَانِ نَاطِق مُقَیَّد ہے، حَیَوَانِ صَاهِل مُقَیَّد ہے، حَیَوَانِ نَاهِق مُقَیَّد ہے، حَیَوَانِ ذُو خُوَار مُقَیَّد ہے۔ تو خارج میں مجھے آپ مُطْلَق حَیَوَان دکھائیں جس میں کوئی قید نہ ہو۔ خارج میں مُطْلَق حَیَوَان ہے ہی نہیں، ہر حَیَوَان دوسرے سے مختلف ہے: بکریاں، بکری ایک قسم کے حَیَوَان ہیں، گائے بیل ایک قسم کے حَیَوَان ہیں، گھوڑا وغیرہ ایک قسم کے حَیَوَان ہیں، گدھا ایک قسم کا حَیَوَان ہے، انسان ایک قسم کا حَیَوَان ہے، تو ہر ایک کا فَصْل ہے جو دوسرے سے اس کو جدا کر رہا ہے۔ آپ پہچانتے ہیں یا نہیں؟ ہر حَیَوَان دوسرے سے مختلف ہے، آپ پہچانتے ہیں یہ فلاں قسم کا حَیَوَان ہے، یہ فلاں قسم کا، یہ فلاں قسم کا، تو سب کے لیے فَصْل ہے، چاہے آپ اس کو جانتے ہیں یا جانتے نہیں ہیں لیکن آپ فرق تو کرتے ہیں نا کہ یہ فلاں قسم کا حَیَوَان ہے، یہ پرندہ ہے، یا یہ اونٹ ہے، یا یہ فلاں ہے، ہر نسل کو آپ جانتے ہیں۔ تو ہر نسل کے لیے کوئی نہ کوئی کیا ہوگا؟ قید ہوگی، کوئی نہ کوئی فَصْل ہوگا، کوئی نہ کوئی قید ہوگی۔ تو آپ مجھے کوئی ایسا حَیَوَان دکھاؤ جس میں کوئی بھی قید نہ ہو۔ ایسا حَیَوَان ہے ہی نہیں، مُطْلَق کا خارج میں وجود ہوتا ہی نہیں ہے، مُطْلَق کا وجود ہمیشہ کس کے ضمن میں ہوتا ہے؟ مُقَیَّد۔ انسان ہے، انسان اصل میں کیا ہے؟ حَیَوَانِ نَاطِق۔ تو جب انسان ہے تو گویا حَیَوَان بھی ہے، اسی کے ضمن میں مُطْلَق حَیَوَان بھی ہے۔

مثلاً میں آپ سے کہتا ہوں کہ مجھے کوئی حَیَوَان لا کر دکھاؤ۔ مجھے؟ میں نے کوئی قید لگائی؟ نہیں، مُطْلَق رکھا۔ اب چاہے آپ گائے لے آئیں تو بھی آپ نے میری بات پوری کر دی، کیونکہ گائے اگرچہ حَیَوَانِ ذُو خُوَار ہے لیکن اسی کے ضمن میں کیا موجود ہے؟ حَیَوَان بھی ہے، مُطْلَق بھی موجود ہے، حَیَوَان تو ہے۔ یا آپ گھوڑا لے آئے تو بھی آپ نے میری بات پر عمل کر دیا، میں نے کیا کہا تھا؟ مجھے کوئی حَیَوَان لا کر دکھاؤ۔ آپ گھوڑا لے آئے تو یہ حَیَوَان ہے کہ نہیں؟ یہ بھی مُطْلَق، تو مُطْلَق اس میں بھی مُطْلَق موجود ہے۔ آپ بکری لے آئے تو بھی آپ نے میری بات پوری کر دی۔ تو مُطْلَق ہمیشہ کس کے ضمن میں ہوتا ہے؟ مُقَیَّد کے ضمن میں، مُقَیَّد کے اندر موجود ہوتا ہے۔ تو مُطْلَق کا الگ وجود نہیں ہوتا۔

تو اگر آپ یہاں معنیٰ سے مُطْلَق معنیٰ مراد لیتے ہیں، تو مُطْلَق کا تو الگ خارج میں وجود ہے ہی نہیں۔ مُطْلَق معنیٰ یعنی جو بھی معنیٰ ہو اور اس میں دو ہی صورتیں ہیں: یا وہ مُطَابِقِي ہوگا یا تَضَمُّنِي ہوگا۔ مَعْنًى مُطَابِقِي کے اندر بھی مُطْلَق معنیٰ ہے، مَعْنًى تَضَمُّنِي کے اندر بھی مُطْلَق معنیٰ ہے، اور مَعْنًى اِلْتِزَامِي اس میں بھی مُطْلَق معنیٰ ہے لیکن وہ یہاں پر مہجور ہے اس لیے اس کو میں بار بار ذکر نہیں کر رہا۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو مُطْلَق بھی ہمیشہ کس کے ضمن میں ہوتا ہے؟ مُقَیَّد کے ضمن میں ہوتا ہے، الگ نہیں ہوتا۔ تو جب مُطْلَق مُقَیَّد کے ضمن میں ہوگا تو وہ یا تو مُطَابِقِي کے ضمن میں ہوگا یا تَضَمُّنِي کے ضمن

میں ہوگا، اور مُطَابِقِي بھی ٹھیک نہیں ہے اور تَضَمُّنِي بھی ٹھیک نہیں ہے، ابھی ہم نے بتا دیا: مُطَابِقِي مراد لو گے تو فِعْل نکل جائے گا کیونکہ فِعْل کا مَعْنًى مُطَابِقِي مُسْتَقِل نہیں ہے، اور مَعْنًى تَضَمُّنِي مراد لو گے تو پھر تو بہت سے اِسْم نکل جائیں گے۔ معلوم ہوا نہ یہاں مَعْنًى مُطَابِقِي مراد لے سکتے ہیں، نہ مَعْنًى تَضَمُّنِي مراد لے سکتے ہیں، نہ مُطْلَق معنیٰ۔ مُطْلَق معنیٰ کا کیا مطلب؟ جو بھی معنیٰ، جو بھی معنیٰ ہو لیکن ہونا مُسْتَقِل چاہیے چاہے مُطَابِقِي ہو چاہے تَضَمُّنِي ہو۔

تو اس کا جواب بھی گزر گیا تھا کہ یہاں معنیٰ سے مراد مُطْلَق معنیٰ ہے۔ کیا مراد ہے؟ مُطْلَق معنیٰ ہے۔ تو بھئی اشکال تو یہ ہوا تھا کہ مُطْلَق کا وجود مُقَیَّد کے ضمن میں ہوتا ہے، مُطْلَق کا تو الگ وجود ہوتا ہی نہیں، تو مُطْلَق معنیٰ بھی یا تو مَعْنًى مُطَابِقِي کے ضمن میں ہوگا یا مَعْنًى تَضَمُّنِي اور دونوں پر تو اعتراض ہو رہا ہے۔

تو اس کا جواب میں نے آپ کو بتلایا تھا بھئی کہ یہاں وجود کی بات ہم نہیں کر رہے کہ مُطْلَق کا وجود، ہم ارادے کی بات کر رہے ہیں کہ یہاں کون سا معنیٰ مراد ہے؟ اور مُطْلَق کا ارادہ ٹھیک ہے۔ مُطْلَق کا ارادہ آپ کر سکتے ہیں۔ ہاں مُطْلَق کا وجود الگ نہیں ہوتا، مُطْلَق ہمیشہ کس کے ضمن میں ہوگا؟ مُقَیَّد کے ضمن میں ہوگا، لیکن مُطْلَق کا آپ ارادہ کر سکتے ہیں۔ جیسے میں نے ابھی آپ سے کہا تھا: میرے لیے کوئی حَیَوَان لے آؤ، مجھے کوئی حَیَوَان لا کر دکھاؤ۔ میں نے کس کا ارادہ کیا؟ مُطْلَق کا ارادہ کیا۔ ارادہ مُطْلَق کا کیا جا سکتا ہے۔ چنانچہ جب میں نے مُطْلَق کا ارادہ کیا، اب آپ کوئی حَیَوَان لے آئیں، آپ جو بھی حَیَوَان لائیں گے ہوگا کیا؟ وہ مُقَیَّد ہوگا، وہ ہوگا کیا؟ مُقَیَّد، کیونکہ مُطْلَق الگ ہوتا ہی نہیں۔ آپ گھوڑا لائے وہ بھی کیا ہے؟ مُقَیَّد وہ حَیَوَانِ صَاهِل ہے، آپ بکری لے آئے وہ بھی کیا ہے؟ وہ بھی مُقَیَّد ہے حَیَوَانِ ذُو رُغَاء ہے، آپ گائے بیل لے آئے وہ بھی مُقَیَّد ہے حَیَوَانِ ذُو خُوَار ہے، آپ گھوڑا لے آئے حَیَوَانِ صَاهِل ہے، آپ گدھا لے آئے حَیَوَانِ نَاهِق ہے، آپ انسان کو لے آئے تو وہ حَیَوَانِ نَاطِق ہے۔ تو ہو گئے سارے مُقَیَّد، لیکن ہر مُقَیَّد کے ضمن میں کیا موجود ہے؟ مُطْلَق بھی موجود ہے، مُطْلَق حَیَوَان بھی ہے۔ تو ہر ایک کو آپ کہتے ہیں یہ حَیَوَان ہے، یہ حَیَوَان ہے، یہ حَیَوَان ہے، تو آپ جو بھی لے آئیں آپ نے میری بات پر عمل کر لیا۔ میں نے کیا کہا تھا؟ کہ مجھے کوئی حَیَوَان لا کر دکھاؤ۔ میں نے مُطْلَق کہا ہے، اس میں کوئی قید نہیں، میں نے مُطْلَق کا ارادہ کیا ہے، اور مُطْلَق کا کیا معنیٰ؟ مجھے کوئی بھی حَیَوَان لا کر دکھا دو۔ تو آپ چاہے گائے لے آئیں آپ نے میری بات پوری کر دی، آپ چاہے گھوڑا لے آئیں آپ نے میری بات پوری کر دی، آپ چاہے اونٹ لے آئیں یا چاہے آپ انسان سامنے لا کر کھڑا کر دیں، ان سب میں، ان سب مُقَیَّد کے ضمن میں کون موجود ہے؟ مُطْلَق یعنی یہ سب حَیَوَان ہیں۔

تو مُطْلَق کا معنیٰ جس میں کوئی قید نہ ہو۔ تو دیکھو میں نے کہا میرے لیے کوئی حَیَوَان مجھے لا کر دکھاؤ، تو میں نے مُطْلَق کا ارادہ کیا، تو مُطْلَق کا ارادہ ٹھیک ہوتا ہے، ہاں مُطْلَق کا علیحدہ وجود نہیں ہوتا، وہ اسی مُقَیَّد کے ضمن میں ہوتا ہے۔ تو یہاں ارادے کی بات چل رہی ہے کہ اِسْم کی تعریف میں جو معنیٰ کا لفظ آیا اس سے کون سا معنیٰ مراد ہے، کس معنیٰ کا ارادہ کیا گیا ہے؟ تو بتلایا کون سے معنیٰ کا ارادہ کیا گیا ہے؟ مُطْلَق معنیٰ کا، کوئی معنیٰ ہونا چاہیے لیکن ہونا کیا چاہیے؟ مُسْتَقِل ہونا چاہیے۔

تو اِسم کے اندر بھی مُسْتَقِل معنیٰ ہوتا ہے، فِعْل میں بھی۔ ہاں، اِسم میں کون سا ہوتا ہے؟ مَعْنًى مُطَابِقِي مُسْتَقِل ہوتا ہے اور فِعْل میں کون سا معنیٰ مُسْتَقِل ہوتا ہے؟ مَعْنًى تَضَمُّنِي ہوتا ہے، تو جو بھی معنیٰ ہو بہرحال ہونا مُسْتَقِل چاہیے۔ تو اِسم بھی داخل کیونکہ اس کا مَعْنًى مُطَابِقِي مُسْتَقِل ہے، اور فِعْل بھی اس کے اندر داخل کیونکہ اس کا مَعْنًى تَضَمُّنِي مُسْتَقِل ہے، اور حَرْف صرف خارج ہو گیا فِي نَفْسِهِ کی قید سے کیونکہ اس کا معنیٰ مُسْتَقِل نہیں ہے۔ تو فِعْل اور اِسم ابھی بھی اس میں داخل تھے، تو پھر آگے غَيْرِ مُقْتَرِنٍ کی قید لگا کر فِعْل کو اس سے نکال دیا۔ اب تعریف سمجھ میں آگئی اچھی طرح؟

اب آگے آئیے بھئی آج کے سبق پر۔ کہتے ہیں: وَالْمُرَادُ بِعَدَمِ الْاِقْتِرَانِ أَنْ يَكُونَ بِحَسَبِ الْوَضْعِ الْأَوَّلِ۔ اب یہاں بھئی کچھ اعتراضات کے جواب دیں گے۔ اعتراضات ہوں گے مثلاً کہ بھئی آپ نے کیا کہا؟ اِسم وہ کَلِمَہ ہے جو دلالت کرتا ہے ایسے معنیٰ پر جو مُسْتَقِل ہونا چاہیے، اور نیز وہ معنیٰ تین زمانوں میں سے کسی زمانے کے ساتھ ملا ہوا نہ ہو۔ اعتراض ہوتا ہے آپ کی یہ اِسم کی تعریف جامع نہیں، کچھ اِسم اس سے نکل گئے بھئی۔ توجہ ہے؟ بھئی کون سے اِسم نکلے؟ کہتے ہیں اِسمِ فِعْل نکل گیا۔ اِسمِ فِعْل آپ نے پڑھا ہے، کچھ اِسم ہیں جو فِعْل والا معنیٰ ادا کرتے ہیں، جیسے رُوَيْدَ کس معنیٰ میں ہے؟ أَمْهِلْ، تو مہلت دے دے، تو یہ اَمْر کے معنیٰ میں ہے، اور اَمْر کے اندر کون سا زمانہ ہوتا ہے؟ مُسْتَقْبِل والا ہوتا ہے۔ اور کچھ اسی طرح اِسمِ فِعْل ہیں وہ مَاضِي کے معنیٰ میں ہیں، جیسے هَيْهَاتَ أَيْ بَعُدَ، وہ دور ہوا، دیکھو مَاضِي والا معنیٰ ہے۔ تو أَسْمَاءُ الْأَفْعَال اس تعریف سے نکل گئے، کیونکہ آپ نے کیا کہا کہ اِسم کے معنیٰ کے ساتھ کوئی زمانہ ملا ہوا نہ ہو، لیکن یہ رُوَيْدَ یہ بھی اِسم ہے، اِسمِ فِعْل نام سے ہی پتہ چل رہا ہے نحوی حضرات اس کو اِسم کہتے ہیں، اور اسی طرح هَيْهَاتَ یہ بھی کیا ہے اِسمِ فِعْل، تو یہ تمام أَسْمَاءُ الْأَفْعَال نکل گئے بھئی کیونکہ ان کے ساتھ تو زمانہ جڑا ہوتا ہے۔ توجہ ہے؟ تو اس کا جواب دیں گے کہ نہیں بھئی، یہ بھی تعریف کے اندر داخل ہیں۔ وجہ یہ کہ اصل اعتبار وَضْعِ أَوَّل کا ہے۔ کس کا اعتبار ہے؟ وَضْعِ أَوَّل کا، کہ جب پہلی مرتبہ ان کو وَضْع کیا گیا تھا تو اس وقت ان کے اندر زمانے والا معنیٰ نہیں تھا۔ توجہ ہے؟ اس وقت ان کے اندر زمانے والا معنیٰ نہیں تھا، بعد میں پھر ان کو دوسرے معنیٰ میں استعمال کرنے لگے، تو یوں سمجھو گویا یہ وَضْعِ ثَانِي ہے۔ کیا ہے؟ بھئی آپ نے پڑھا ہے ایک لفظ ہوتا ہے مَنْقُول بھئی، پڑھا یا نہیں؟ ایک معنیٰ سے اس کو نقل کر لیا جاتا ہے دوسرے معنیٰ کی طرف۔ جیسے صَلَاة عربی زبان میں کسے کہتے تھے؟ دعا کو، لیکن بعد میں اہلِ شریعت نے اس کو نقل کر لیا ایک نئے معنیٰ کی طرف اور وہ خاص عبادت کا نام ہے جس کو ہم نماز کہتے ہیں جس میں رکوع بھی ہوتا ہے، قیام بھی، سجدہ بھی۔ اب اس کو کیا کہتے ہیں؟ صَلَاة۔ تو پہلے صَلَاة کا لفظ وَضْع تھا کس کے لیے؟ دعا کے لیے، اور پھر اس کو نقل کر لیا گیا کس معنیٰ کی طرف؟ نماز کے معنیٰ کی طرف نقل کر لیا گیا، تو اس کو مَنْقُول کہتے ہیں، کیا کہتے ہیں؟ مَنْقُول۔ تو اس میں یوں کہو دوسری وَضْع ہوتی ہے۔ پہلی دفعہ گویا وَضْع تھا کس کے لیے؟ دعا کے لیے، اہلِ لغت نے، اہلِ زبان نے اس کو وَضْع کیا تھا دعا کے لیے، بعد میں اہلِ شریعت نے اسی لفظ کو گویا دوبارہ وَضْع کر لیا کس کے لیے؟ نماز کے لیے وَضْع کر لیا۔ بات

سمجھ میں آگئی؟ تو اصل اعتبار وَضْعِ أَوَّل کا ہوتا ہے، وَضْعِ ثَانِي کا اعتبار نہیں ہوتا۔

یہاں ذکر آیا وَضْع کا بھئی۔ وَضْع کسے کہتے ہیں؟ کہ ایک لفظ کو ایک معنیٰ کے لیے مقرر کیا جائے، اس کو کیا کہتے ہیں؟ وَضْع۔ تو یہ الفاظ کے وَاضِع کون ہیں؟ کس نے وَضْع کیا ہے ان مَعَانِي کے لیے؟ تو علماء کے مختلف اقوال ہیں۔ بعض علماء فرماتے ہیں کہ انسانوں نے وَضْع کیا ہے لفظوں کو مختلف مَعَانِي کے لیے۔ بعض علماء فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے وَضْع کیا ہے الفاظ کو مَعَانِي کے لیے۔ بعض علماء فرماتے ہیں کہ بعض الفاظ کو اللہ تعالیٰ نے وَضْع فرمایا اور بعض کو انسانوں نے وَضْع کیا ہے بھئی۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو مختلف اقوال ہیں بس مختصراً خلاصہ میں آپ کو سنا رہا ہوں بھئی۔ تو بعض علماء کا کیا قول ہے کہ الفاظ کو مَعْنَی کے لیے کس نے وَضْع کیا؟ انسانوں نے، اہلِ علم نے وَضْع کیا ہے، اور یہ رائے ہے اہلِ نظر کی بھئی، یعنی یہ علومِ عقلیہ والوں کی یہ رائے ہے بھئی، جو مناطقہ اور فلاسفہ گزرے ان کی یہ رائے بھئی۔ سمجھ میں آیا؟ مناطقہ اور فلاسفہ، جو اسلام سے پہلے گزرے ہیں بھئی، کیونکہ منطق اور فلسفہ اصل میں یہ مسلمانوں کا علم نہیں، ہاں مسلمانوں نے بعد میں اس علم کو اور عروج پر پہنچا دیا۔ تو اہلِ نظر کی رائے یہ ہے یعنی علومِ عقلیہ والوں کی رائے یہ ہے کہ ان الفاظ کا وَاضِع انسان ہے۔ جبکہ بعض علماء کی رائے یہ ہے کہ الفاظ کے وَاضِع اللہ تعالیٰ ہیں بھئی، اور یہ رائے ہے امام ابو الحسن اشعری رَحِمَهُ اللهُ کی بھئی، وہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ وَاضِع ہیں بھئی۔ جبکہ بعض علماء فرماتے ہیں کہ بعض الفاظ کے وَاضِع اللہ ہیں اور بعض کے وَاضِع انسان ہیں بھئی، اور یہ رائے ہے ابو اسحاق اسفرائینی کی بھئی، تو یہ بعض علماء کی رائے ہے۔

اور علماء نے اس میں ترجیح دی ہے امام ابو الحسن اشعری کی رائے کو کہ الفاظ کے وَاضِع اللہ تعالیٰ ہیں بھئی اللہ تعالیٰ۔ چنانچہ دلیل بھی وہ ذکر فرماتے ہیں، قرآن میں اللہ فرماتے ہیں: وَعَلَّمَ آدَمَ الْأَسْمَاءَ كُلَّهَا، اور اللہ نے آدم علیہ السلام کو تمام أَسْمَاء سکھا دیے کہ کون سا لفظ کس معنیٰ کے لیے وَضْع ہے۔ اور نیز دوسری دلیل دیتے ہیں، قرآن میں اللہ فرماتے ہیں: وَمِنْ آيَاتِهِ خَلْقُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَاخْتِلَافُ أَلْسِنَتِكُمْ وَأَلْوَانِكُمْ، دیکھو اِخْتِلَافِ أَلْسِنَة زبانوں کا مختلف ہونا یہ اللہ اپنی نشانیوں میں سے ذکر فرما رہے ہیں، اور اس سے مراد یہ الفاظ کی وَضْع ہے مَعَانِي کے لیے بھئی۔ اور نیز امام رازی رَحِمَهُ اللهُ دلیلِ عقلی، عقلی دلیل بھی دیتے ہیں۔ کہتے ہیں الفاظ کی وَضْع کے لیے قَوْل چاہیے۔ آپ ایک لفظ کو ایک معنیٰ کے لیے وَضْع کرنا چاہتے ہیں تو دوسرے کو بتلائیں گے بھئی یاد رکھو یہ والا جب بھی میں لفظ بولوں اس کا یہ معنیٰ ہوگا، یہ والا لفظ میں جب بھی بولوں اس کا یہ معنیٰ۔ تو آپ ایک لفظ کو ایک معنیٰ کے لیے وَضْع کر رہے ہیں، یہ دوسرے کو بتائیں گے کس کے ذریعے؟ قَوْل کے ذریعے، بات کر کے بتائیں گے نا؟ تو اس قَوْل کے لیے بھی وَضْع چاہیے یا نہیں؟ اس سے پہلے ایک اور وَضْع ہونی چاہیے یہ جو باقی لفظ آپ بول رہے ہیں کہ: اس لفظ کے لیے میں نے یہ والا لفظ وَضْع کیا ہے، دیکھو کتنے لفظ بولے، ان سب کے بھی مَعَانِي ہیں یا نہیں؟ تو دیکھو یہ معلوم ہوا اس وَضْع سے پہلے یہ جو ابھی آپ نے ایک نئے لفظ کی وَضْع کی، اس سے

پہلے یہ باقی الفاظ کے لیے بھی وَضْع چاہیے، اور ان کی وَضْع بھی قَوْل کے ذریعے ہوگی تو ان سے پہلے ایک اور قَوْل چاہیے، ان کی وَضْع بھی قَوْل سے ہوگی تو اس کے پہلے ایک اور قَوْل چاہیے، تو یہ سلسلہ چلتا ہی رہے گا کبھی رکے گا ہی نہیں، تو یہ تَسَلْسُل لازم آیا اور تَسَلْسُل باطل ہے، کہیں نہ کہیں یہ سلسلہ رکنا چاہیے۔ اور اس کا اور کوئی حل نہیں ہے سوائے اس کے کہ یہ کہا جائے کہ اَوَّلِ وَاضِع کون ہیں؟ اللہ تعالیٰ ہیں بھئی۔ اور پھر اللہ تعالیٰ نے یہ، اللہ تعالیٰ نے وَضْع کیا تو مخلوق کو، انسانوں کو کس طرح سکھایا؟ تو اس میں فرماتے ہیں یا تو اللہ نے بعض انبیاء کی طرف وحی کی جیسے وَعَلَّمَ آدَمَ الْأَسْمَاءَ كُلَّهَا، تو کوئی وحی کے ذریعے سکھایا، یا بعض انسان جو تھے ان کی طرف الہام کیا یعنی ان کے دلوں میں یہ الفاظ اور مَعَانِي ڈالے۔

بات چل رہی تھی کہ اعتراض یہ ہوا کہ آپ نے جو اِسْم کی تعریف کی کہ وہ تین زمانوں میں سے کسی زمانے کے ساتھ اس کا معنیٰ نہیں ملا ہوا ہوتا، تو أَسْمَاءُ الْأَفْعَال اس سے نکل گئے کیونکہ أَسْمَاءُ الْأَفْعَال کے مَعَانِي زمانے کے ساتھ ملے ہوئے ہوتے ہیں۔ تو اس کا جواب دیا کہ بھئی دراصل اعتبار وَضْعِ أَوَّل کا ہے، وَضْعِ أَوَّل کے اعتبار سے یہ مَصْدَر تھے۔ یہ کیا تھے؟ کچھ ان میں سے مَصْدَر تھے، کچھ جو ہیں وہ جَار مَجْرُور تھے یا ظَرْف تھے بھئی، پھر ان کو نقل کیا گیا اس فِعْل والے معنیٰ کی طرف۔ تو کچھ کیا تھے پہلے؟ مَصْدَر، اور مَصْدَر میں زمانہ ہوتا ہے؟ نہیں، دیکھو تو وَضْعِ أَوَّل کے اعتبار سے ان میں زمانہ نہیں تھا، بعد میں ان کو اِسْمِ فِعْل کی طرف نقل کیا گیا تو اب ان میں زمانہ آگیا، اور اعتبار کس کا ہے؟ وَضْعِ أَوَّل کا ہے، تو وَضْعِ أَوَّل کے اعتبار سے ان میں زمانہ نہیں تھا، تو یہ اِسْم کی تعریف میں داخل ہیں۔ اور کچھ ان میں سے پہلے جَار مَجْرُور تھے بھئی، جَار مَجْرُور، جَار مَجْرُور میں بھی کوئی زمانہ ہوتا ہے؟ جَار مَجْرُور میں زمانہ نہیں ہوتا۔ اسی طرح کچھ ان میں سے کیا تھے؟ ظَرْف تھے، ظَرْف کے اندر بھی زمانہ، کیونکہ ظَرْف جگہ یا زمانے کو کہتے ہیں نا؟ جگہ یا زمانے کا نام ہے، تو اس کا معنیٰ بھی زمانے کے ساتھ ملا ہوا نہیں ہوتا۔ بات سمجھ میں آگئی؟ آپ کے ذہن میں اشکال آئے گا کہ ظَرْف آپ نے ہمیں بتایا ظَرْف جگہ یا زمانے کا نام ہے، تو دیکھو زمانہ تو آگیا ظَرْف کے اندر! بھئی میں نے بتایا تھا فِعْل کا معنیٰ الگ ہوتا ہے اور زمانہ اس کے ساتھ الگ جڑا ہوتا ہے، اور ظَرْف وہ تو عینِ زمانے کا نام ہے، زمانہ الگ اس کے ساتھ جڑا ہوا نہیں ہے بھئی۔

جواب سمجھ میں آگیا؟ دیکھیے بھئی کتاب پر، کہتے ہیں: وَالْمُرَادُ بِعَدَمِ الْاِقْتِرَانِ اور عَدَمِ اِقْتِرَان سے مراد یہ ہے یعنی تین زمانوں میں سے کسی زمانے کے ساتھ نہ ملا ہوا ہونے سے مراد یہ ہے کہ أَنْ يَكُونَ بِحَسَبِ الْوَضْعِ الْأَوَّلِ کہ یہ وَضْعِ أَوَّل کے اعتبار سے ہو۔ انہوں نے تعریف میں کیا کہا کہ وہ معنیٰ تین زمانوں میں سے کسی زمانے کے ساتھ ملا ہوا نہ ہو، تو تین زمانوں کے ساتھ نہ ملنے کا مطلب، اس سے مراد کیا ہے؟ وَضْعِ أَوَّل کے اعتبار سے مراد ہے۔

فَدَخَلَ فِيهِ أَسْمَاءُ الْأَفْعَالِ تو اِسْم کی تعریف کے اندر أَسْمَاءُ الْأَفْعَال بھی داخل ہو گئے، لِأَنَّ جَمِيعَهَا إِمَّا مَنْقُولَةٌ عَنِ الْمَصَادِرِ الْأَصْلِيَّةِ اس لیے کیونکہ یہ سارے أَسْمَاءُ الْأَفْعَال یا تو وہ نقل کیے گئے ہیں مَصَادِرِ أَصْلِيَّة سے، کس سے؟ مَصَادِرِ

أَصْلِيَّة سے یعنی جو اصل میں مَصْدَر تھے۔ ضَرْبٌ مَصْدَر ہے، اس کے اندر کوئی زمانہ ہے؟ ضَرْبٌ کا کیا معنیٰ؟ پٹائی کرنا۔ کوئی زمانہ سمجھ میں آیا؟ مَاضِي ہے، حَال ہے یا اِسْتِقْبَال ہے؟ نہیں، زمانہ سمجھ میں نہیں آیا۔ تو یہ سارے کس سے نقل کیے گئے ہیں؟ مَصَادِر سے، اور مَصْدَر کے اندر تو زمانہ نہیں ہوتا۔ تو وَضْعِ أَوَّل میں ان میں زمانہ نہیں تھا، پھر ان کو نقل کیا گیا دوسرے معنیٰ کے لیے یعنی وَضْعِ ثَانِي کی گئی اس دوسرے معنیٰ کے لیے، اِسْمِ فِعْل والے معنیٰ کے لیے، تو اب وَضْعِ ثَانِي ہے اس کا اعتبار نہیں ہے، اعتبار کس کا ہے؟ وَضْعِ أَوَّل کا ہے۔

کہتے ہیں: لِأَنَّ جَمِيعَهَا إِمَّا مَنْقُولَةٌ عَنِ الْمَصَادِرِ الْأَصْلِيَّةِ اس لیے کیونکہ یہ سارے یا تو منقول ہیں مَصَادِرِ أَصْلِيَّة سے یعنی وہ لفظ جو اصل کے اعتبار سے مَصْدَر تھے، سَوَاءٌ كَانَ النَّقْلُ فِيهَا صَرِيحًا، جی یہ کس سے منقول ہیں؟ مَصَادِرِ أَصْلِيَّة سے یعنی اصل میں جو کیا تھے؟ مَصْدَر تھے، توجہ ہے؟ ہاں، پھر ان کو نقل کیا گیا کس کی طرف؟ اِسْمِ فِعْل کے معنیٰ کی طرف۔ تو بعض جو ہیں ان کا مَصْدَر ہونا صَرِيح ہے اور بعض کا مَصْدَر ہونا غَيْرِ صَرِيح ہے۔ ادھر توجہ کریں بھئی، یہ دیکھو یہ ایک لفظ ہے، ایک مَصْدَر ہے، اس کو ہم نے نقل کیا کس کی طرف؟ اِسْمِ فِعْل والے معنیٰ کی طرف، توجہ ہے؟ مَصْدَر کو نقل کیا کس کی طرف؟ اِسْمِ فِعْل والے معنیٰ کی طرف۔ تو کبھی یہ نقل کرنا صَرِيح ہوگا، کبھی غَيْرِ صَرِيح ہوگا۔ کبھی نقل کرنا صَرِيح، صَرِيح کسے کہتے ہیں؟ صاف لفظوں میں، واضح جو ہے۔ بھئی کیا معنیٰ صَرِيح ہوگا اور غَيْرِ صَرِيح؟ مطلب یہ ہے بعض ایسے لفظ ہیں کہ ان کو آپ نے کس کی طرف نقل کر لیا؟ اِسْمِ فِعْل، لیکن مَصْدَر کے معنیٰ میں یہ ابھی بھی استعمال ہوتے ہیں، مَصْدَر بھی استعمال ہوتے ہیں اور اِسْمِ فِعْل بھی استعمال ہوتے ہیں، تو اس کو ہم کہیں گے نَقْلِ صَرِيح، صَرِيح واضح نقل ہے! کیا ہے؟ کیونکہ مَصْدَر میں بھی استعمال ہو رہا ہے اور اِسْمِ فِعْل کے معنیٰ میں بھی استعمال ہو رہا ہے، معلوم ہوا اسی سے نقل کیا گیا ہے۔ اور بعض وہ ہیں کہ جن میں مَصْدَر میں کبھی استعمال کیا ہی نہیں عربوں نے۔ توجہ ہے؟ یہ مَصْدَر ہے ادھر دیکھیے، اور اس کو نقل کیا کس کی طرف؟ اِسْمِ فِعْل کی طرف، لیکن مَصْدَر کے معنیٰ میں یہ کبھی استعمال ہی نہیں ہوا۔ تو اس کو کہیں گے کہ یہ نقل غَيْرِ صَرِيح ہے، یہ کیا ہے؟ یہ نقل کیا ہے؟ یعنی واضح نہیں ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ واضح کون سی ہے؟ ایک لفظ کو آپ نے مَصْدَر کے معنیٰ سے نقل کیا ہے اِسْمِ فِعْل والے معنیٰ کی طرف، تو نَقْلِ صَرِيح یہ ہے کہ مَصْدَر کے معنیٰ میں بھی یہ استعمال ہوتا ہے اور اِسْمِ فِعْل میں بھی، تو یہ صَرِيح ہے نقل، معلوم ہوا اسی مَصْدَر سے نقل کیا ہے اس کو اِسْمِ فِعْل کی طرف۔ اور ایک یہ ہے کہ مَصْدَر کے معنیٰ میں تو وہ استعمال ہی نہیں ہوتا، تو یہ نقل تو ہے لیکن صَرِيح نہیں ہے، یعنی یوں کہو اس میں اس کا مَصْدَر کے معنیٰ میں استعمال ہونے کی ہمارے پاس کوئی دلیل موجود نہیں، ہاں کوئی نہ کوئی ایسی دلیل ضرور ہوگی جس سے اندازہ ہوگا کہ یہ اصل میں کیا ہے؟ مَصْدَر تھا۔ مَصْدَر کے معنیٰ میں استعمال تو نہیں ہوا لیکن کوئی دلیل ہوگی جس سے پتہ چلے کہ یہ کیا تھا اصل میں؟ مَصْدَر تھا۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو نَقْلِ صَرِيح کس کو کہتے ہیں؟ کہ وہ لفظ مَصْدَر کے معنیٰ میں بھی استعمال ہو رہا ہے اور اِسْمِ فِعْل کے معنیٰ میں بھی، اس کو کیا کہیں گے؟ نَقْلِ

صَرِيح۔ اور نَقْلِ غَيْرِ صَرِيح کسے کہیں گے؟ کہ مَصْدَر کے معنیٰ میں استعمال نہیں ہو رہا اب صرف کس معنیٰ میں استعمال ہوتا ہے عربی میں؟ اِسْمِ فِعْل کے معنیٰ میں، تو اس کو کیا کہیں گے نَقْلِ غَيْرِ صَرِيح بھئی۔

دیکھیے کتاب پر کہتے ہیں: سَوَاءٌ كَانَ النَّقْلُ فِيهَا صَرِيحًا برابر ہے کہ ان کے اندر نقل صراحتاً ہو، جیسے نَحْوُ رُوَيْدَ جیسے رُوَيْدَ، فَإِنَّهُ قَدْ يُسْتَعْمَلُ مَصْدَرًا أَيْضًا اس لیے کیونکہ اس کو کبھی کبھار مَصْدَر کے طور پر بھی استعمال کیا جاتا ہے۔ رُوَيْدَ بمعنیٰ أَمْهِلْ کے، رُوَيْدَ زَيْدًا أَيْ أَمْهِلْ زَيْدًا تو یہ اِسْمِ فِعْل ہے۔ لیکن مَصْدَر کے معنیٰ میں بھی استعمال ہوتا ہے، قرآن میں اللہ فرماتے ہیں: فَمَهِّلِ الْكَافِرِينَ أَمْهِلْهُمْ رُوَيْدًا۔ أَمْهِلْهُمْ رُوَيْدًا، یہ أَمْهِلْ فِعْل خود آگیا اور رُوَيْدًا دیکھو مَنْصُوب ہے مَفْعُولِ مُطْلَق ہے، اور وہ مَصْدَر جو ماقبل فِعْل کے معنیٰ میں ہو اس کو کیا کہتے ہیں؟ مَفْعُولِ مُطْلَق۔ تو أَمْهِلْهُمْ رُوَيْدًا یہاں رُوَيْدًا جو آیا یہ مَصْدَر کے معنیٰ میں ہے اور مَفْعُولِ مُطْلَق بن رہا ہے اور مَفْعُولِ مُطْلَق مَنْصُوب ہوتا ہے اسی لیے رُوَيْدًا، اس لیے اس پر نصب ہے بھئی۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو یہ کون سی نقل ہے؟ نَقْلِ صَرِيح ہے بھئی کہ مَصْدَر کے معنیٰ میں ابھی بھی یہ لفظ استعمال ہوتا ہے۔

أَوْ غَيْرَ صَرِيحٍ یا وہ نقل کیا ہوگی؟ غَيْرِ صَرِيح ہوگی، نَحْوُ هَيْهَاتَ جیسے هَيْهَاتَ لفظ بھئی۔ اس کے اندر بھی نقل ہے، اس کو بھی مَصْدَر سے نقل کیا گیا ہے لیکن نَقْلِ صَرِيح نہیں ہے یعنی یہ مَصْدَر کے معنیٰ میں استعمال نہیں ہوتا۔ نَحْوُ هَيْهَاتَ جیسے هَيْهَاتَ، فَإِنَّهُ وَإِنْ لَمْ يُسْتَعْمَلْ مَصْدَرًا اس لیے کیونکہ اس کو اگرچہ مَصْدَر کے طور پر استعمال نہیں کیا جاتا، إِلَّا أَنَّهُ عَلَى وَزْنِ قَوْقَاةٍ لیکن یہ هَيْهَاتَ کس وزن پر ہے؟ قَوْقَاةٍ وزن پر ہے مَصْدَرِ قَوْقَى جو قَوْقَى کا مَصْدَر ہے۔ کس کا مَصْدَر ہے؟ قَوْقَى يُقَوْقِي قَوْقَاةً بھئی، قَوْقَى يُقَوْقِي قَوْقَاةً، یہ مَصْدَر ہے بھئی، یہ مرغی کی آواز کو کہتے ہیں بھئی مرغی کی آواز، مرغی کی آواز اردو میں کیا ہے؟ کوّے کی آواز ہے کائیں کائیں، بکری کی آواز ہے میں میں، بلی کی آواز ہے میاؤں میاؤں، جی مرغی کی کیا آواز ہے؟ مرغی کی آواز اردو میں اس کو تعبیر کرتے ہیں کڑکڑ کے ساتھ، مرغی کڑکڑا رہی ہے۔ سمجھ میں آیا؟ تو کڑکڑانا یا کڑکڑ کرنا یہ ہے مرغی کی آواز۔ تو اس کے لیے عربی میں کیا لفظ ہے؟ قَوْقَىٰ، قَوْقَىٰ يُقَوْقِي قَوْقَاةً.

اب دیکھو هَيْهَاتَ یہ اِسْمِ فِعْل ہے بمعنیٰ بَعُدَ، بعید، دور ہوا وہ، وہ دور ہوا، مَاضِي کے معنیٰ میں ہے، اور یہ مَصْدَر کے معنیٰ میں عربی میں استعمال نہیں ہوتا، تو یہ نَقْلِ غَيْرِ صَرِيح ہے۔ لیکن مَصْدَر یہ مَصْدَر تھا کچھ نہ کچھ اس کے لیے ایک دلیل ہمارے پاس ہے، اور وہ کیا دلیل؟ کہ یہ قَوْقَاة وزن پر ہے، دیکھو هَيْهَات، قَوْقَات، دونوں کا ایک وزن ہے یا نہیں؟ تو یہ قَوْقَاة وزن پر ہے اور قَوْقَاة تو مَصْدَر ہے، معلوم ہوا هَيْهَات بھی اصل میں کیا ہوگا؟ مَصْدَر ہوگا۔

تو کہتے ہیں إِلَّا أَنَّهُ عَلَى وَزْنِ قَوْقَاةَ مگر یہ قَوْقَاةَ کے وزن پر ہے۔ قَوْقَاةَ توجہ ہے؟ قَوْقَاةَ یہ غَيْرِ مُنْصَرِف ہے یہاں پر بھئی۔ عَلَى وَزْنِ قَوْقَاةَ، وَزْن ہے مُضَاف، قَوْقَاةَ ہے مُضَافٌ إِلَيْهِ، اور مُضَافٌ إِلَيْهِ کیا ہوتا ہے؟ مَجْرُور۔ اور تو کہنا تو یوں چاہیے تھا عَلَى وَزْنِ قَوْقَاةٍ، لیکن میں نے کیا پڑھا؟ عَلَى وَزْنِ قَوْقَاةَ، کیوں؟ کیونکہ یہ غَيْرِ مُنْصَرِف ہے۔ توجہ ہے؟ غَيْرِ مُنْصَرِف۔

کون سے دو سبب ہیں اس کے اندر؟ جی بتائیے بھئی، کون سے دو سبب ہیں جس کی وجہ سے یہ غَیْرِ مُنْصَرِف ہے؟ ایک تو اس میں تَأْنِیث ہے، گول تاء نظر آ رہی ہے آپ کو تَاءُ مَرْبُوطَة بھئی، دوسرا سبب کیا؟ کہ یہ عَلَم ہے، عَلَم ہے۔ کیا ہے؟ عَلَم ہے، وہ جو مَصْدَر قَوْقَاة عربی میں آتا ہے اس کا نام ہی ہم نے کیا رکھ دیا؟ قَوْقَاة رکھ دیا۔ توجہ ہے؟ تو اس مَصْدَر کا نام ہی قَوْقَاة رکھ دیا، تو یہ اس وقت عَلَم ہے تو دو سبب کیا ہوئے؟ ایک تَاءِ تَأْنِیث اور ایک عَلَمِیَّت بھئی، تو یہ غَیْرِ مُنْصَرِف ہے۔

إِلَّا أَنَّهُ عَلَى وَزْنِ قَوْقَاةَ مگر یہ قَوْقَاةَ کے وزن پر ہے، کون سا قَوْقَاةَ؟ مَصْدَرِ قَوْقَىٰ، وہ قَوْقَاة جو قَوْقَىٰ کا مَصْدَر ہے، یہ صِفَت ہے قَوْقَاة کی بھئی۔ قَوْقَاة مَجْرُور تو اس لیے اس کی صِفَت مَصْدَرِ قَوْقَىٰ یہ بھی کیا ہے؟ مَجْرُور۔ اچھا میں نے کیا دو سبب بتائے قَوْقَاة میں؟ ایک تَاءِ تَأْنِیث اور ایک عَلَمِیَّت۔ تَاءِ تَأْنِیث تو آپ کو سمجھ میں آ گئی گول تاء ساتھ جڑی ہوئی ہے، یہ عَلَمِیَّت، یہ عَلَم کیسے ہے یہ بات آپ کو ابھی بھی سمجھ میں نہیں آئی ہوگی۔ تو یاد رکھو عَلَم ہونے کی نشانی یہ ہے ذرا اس کا ترجمہ کرو: عَلَى وَزْنِ قَوْقَاةَ یہ کس وزن پر ہے؟ قَوْقَاةَ وزن پر ہے۔ بھئی قَوْقَاةَ کا کیا معنیٰ؟ کڑکڑانا، مرغی کا کڑکڑانا۔ آپ قَوْقَاةَ کا ترجمہ کیوں نہیں کر رہے؟ أَنَّهُ عَلَى وَزْنِ قَوْقَاةَ کیا میرا یہ ترجمہ صحیح ہے سننا ذرا: کہ یہ کڑکڑانے کے وزن پر ہے؟ جی بات ٹھیک ہے میری؟ غلط ہے بھئی! معلوم ہوا یہاں قَوْقَاةَ عَلَم ہے اور آپ ضابطہ جانتے ہیں عَلَم کا ترجمہ نہیں کیا جاتا بھئی، یہ دلیل ہے۔ اگر یہ عَلَم نہ ہوتا تو پھر کیا کیا جاتا اس کا؟ ترجمہ کیا جاتا۔ آپ کسی سے بھی کہیں کہ یہ ترجمہ کرو تو وہ اس قَوْقَاةَ کا ترجمہ نہیں کرے گا بلکہ یوں کہے گا یہ قَوْقَاةَ وزن پر ہے، معلوم ہوا قَوْقَاةَ سے معنیٰ کا ارادہ نہیں ہے بلکہ یہ اس لفظ کا نام ہی کیا رکھ دیا؟ قَوْقَاةَ، تو یہ عَلَم ہے اور عَلَم کا ترجمہ نہیں کیا جاتا۔ آپ کا ایک ساتھی ہے اس کا نام ہے عبداللہ، آپ دوسروں کو بتلاتے ہیں کہ بھئی آج اللہ کا بندہ آیا تھا، بتلاتے ہیں کسی کو اس طرح؟ بلکہ کیا کہتے ہیں؟ عبداللہ آیا تھا۔ دیکھا عَلَم کا ترجمہ نہیں کیا جاتا۔ یاد رکھو جب بھی عبارت کے اندر کوئی ایسا لفظ آ جائے جس کا ترجمہ نہیں کر رہے آپ، تو سمجھ جائیں یہ عَلَم کے درجے میں ہے۔ یہ کس کے درجے میں ہے؟ عَلَم کے درجے میں ہے بھئی۔ بات سمجھ میں آ گئی؟ تو جس لفظ کا ترجمہ نہ ہو وہ کس کے درجے میں ہوتا ہے؟ عَلَم کے درجے میں ہوتا ہے۔

تو کہتے ہیں إِلَّا أَنَّهُ عَلَى وَزْنِ قَوْقَاةَ مَصْدَرِ قَوْقَىٰ مگر یہ کہ یہ قَوْقَاةَ کے وزن پر ہے جو قَوْقَىٰ کا مَصْدَر ہے، أَوْ عَنِ الْمَصَادِرِ الَّتِي كَانَتْ فِي الْأَصْلِ أَصْوَاتًا یا یہ اس کا عَطْف پیچھے وہ جو آیا تھا نا لِأَنَّ جَمِيعَهَا إِمَّا مَنْقُولَةٌ عَنِ الْمَصَادِرِ الْأَصْلِيَّةِ اس لیے کہ یہ سارے اِسْمِ فِعْل یا تو مَنْقُول ہوتے ہیں کس سے؟ مَصَادِرِ أَصْلِيَّة سے، اب آگے آ گیا: أَوْ عَنِ الْمَصَادِرِ الَّتِي كَانَتْ فِي الْأَصْلِ أَصْوَاتًا یا ان مَصَادِر سے جو اصل میں أَصْوَات تھے، آوازیں تھیں۔ أَصْوَات صَوْت کی جمع آوازیں تھیں۔ نَحْوُ صَهْ بھئی، صَهْ، صَاد اور گول ہاء صَهْ۔ صَهْ یہ اِسْمِ فِعْل ہے، اس کا معنیٰ ہے ابھی خاموش ہو جاؤ، ابھی خاموش ہو جاؤ۔ اور یہ اصل میں کہتے ہیں صرف آواز تھی، اس کا کوئی معنیٰ نہیں تھا، صَهْ بس۔ کیا تھی؟ صَهْ، آواز۔ اس کا کوئی معنیٰ نہیں تھا، پھر اس کو سُكُوت مَصْدَر کی طرف نقل کر لیا گیا، کس معنیٰ میں ہوا؟ خاموش ہونا، مَصْدَر کی طرف نقل کر لیا گیا۔ صَهْ پہلے

کیا تھی؟ آواز تھی، معنیٰ اس کا کوئی نہیں تھا، کسی معنیٰ کے لیے یہ وَضْع نہیں تھا، پھر اس کو کس کی طرف نقل کر لیا گیا؟ معنیٰ کی طرف یعنی مَصْدَر کے معنیٰ کی طرف نقل کر لیا گیا اور یہ سُکُوت کے معنیٰ میں ہوا، یعنی سَاکِت ہونا، خاموش ہونا، خاموش ہونے کی طرف نقل کر لیا گیا، اور پھر اس مَصْدَر سے اس کو نقل کر لیا گیا کس کی طرف؟ اِسْمِ فِعْل کی طرف کہ صَهْ ابھی خاموش ہو جاؤ۔ ابھی خاموش ہو جاؤ، تو اس کی طرف اس کو نقل کر لیا گیا۔ تو یہ بھی کس سے نقل کیا گیا ہے؟ صَهْ اِسْمِ فِعْل ہے، اس کو کس سے نقل کیا گیا ہے؟ مَصْدَر سے اور وہ مَصْدَر اصل میں کیا تھا؟ صَوْت تھی، آواز تھا بھئی۔

تو کہتے ہیں أَوْ عَنِ الْمَصَادِرِ الَّتِي كَانَتْ فِي الْأَصْلِ أَصْوَاتًا یہ اِسْمِ فِعْل یا وہ نقل کیے جاتے ہیں ان مَصَادِر سے جو اصل میں أَصْوَات ہوتی ہیں، نَحْوُ صَهْ جیسے کہ صَهْ بھئی۔ أَوْ عَنِ الظَّرْفِ أَوِ الْجَارِّ وَالْمَجْرُورِ اور یہ أَسْمَاءُ الْأَفْعَال یا مَنْقُول ہوتے ہیں کس سے؟ ظَرْف سے یا جَار مَجْرُور سے۔ نَحْوُ أَمَامَكَ، أَمَامَكَ یہ اِسْمِ فِعْل ہے، اور معنیٰ ہے اس کا سامنے نظر رکھو، یعنی سامنے دیکھو۔ یہ کسی کو ڈرانے کے لیے ہے بھئی، تَحْذِیر کے لیے ہے تَحْذِیر بھئی، سامنے کوئی خطرہ ہے یا کوئی چیز ہے تو آپ فوراً دوسرے کو کہتے ہیں أَمَامَكَ! کیا معنیٰ؟ سامنے نظر رکھو، سامنے دیکھو آپ گرنے لگے ہیں یا کوئی اور چیز کوئی خطرہ ہے آگے بھئی۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو أَمَامَكَ اس کا کیا معنیٰ ہے؟ سامنے نظر رکھو یا دیکھ کر چلو، تو یہ تَحْذِیر کے لیے ہے، ڈرانے کے لیے ہے، خبردار کرنے کے لیے ہے۔ اور اصل میں یہ ظَرْف ہے، أَمَام کا کیا معنیٰ؟ سامنے بھئی۔ خَلْف کا کیا معنیٰ؟ پیچھے بھئی۔ تو أَمَام ظَرْف ہے، أَمَامَكَ مُضَافٌ إِلَيْهِ ہیں، اس سارے کو اِسْمِ فِعْل کے طور پر استعمال کرنے لگے، تو یہ اصل میں ظَرْف ہے اور اس سے نقل کر کے کیا بنا لیا گیا؟ اِسْمِ فِعْل، اور جب ظَرْف ہے تو ظَرْف کے ساتھ تو زمانے کا معنیٰ جڑا ہوا نہیں، ظَرْف خود زمانے یا جگہ کا نام ہے لیکن اس کے ساتھ زمانہ جڑا ہوا نہیں ہوتا۔

أَوْ عَلَيْكَ یا عَلَيْكَ، عَلَيْكَ بمعنیٰ اِلْزَمْ لازم ہو جا۔ عَلَيْكَ زَيْدًا تو لازم ہو جا کس کے ساتھ؟ زید کے ساتھ۔ توجہ ہے؟ عَلَيْكَ زَيْدًا تو زید کے ساتھ لازم ہو جا۔ اب دیکھو یہ جَار مَجْرُور ہیں، عَلَىٰ اور كَاف جَارَّة، عَلَىٰ حَرْفِ جَر ہے اور كَاف ضَمِير ہے، تو ان دونوں کو ملا کر اِسْمِ فِعْل بنا لیا، تو معلوم ہوا یہ اِسْمِ فِعْل کس سے نقل کیا گیا ہے؟ جَار مَجْرُور سے، کس سے؟ جَار مَجْرُور سے، جیسے أَمَامَكَ اس کو ظَرْف سے نقل کیا گیا تھا مُضَافٌ مُضَافٌ إِلَيْهِ کے مجموعے سے، اسی طرح یہاں پر بھی اس کو جَار مَجْرُور سے نقل کر لیا گیا۔ عَلَيْكَ کا کیا معنیٰ؟ اِلْزَمْ، تو لازم ہو جا، تو لازم ہو جا زید کے ساتھ۔ أَلْزِمْ زَيْدًا نہیں بھئی، بعض علماء اس کا ترجمہ کیا کر دیتے ہیں؟ أَلْزِمْ، أَلْزَمَ يُلْزِمُ دیکھو معنیٰ میں غور کر لو: عَلَيْكَ زَيْدًا کا ترجمہ ہوتا ہے تو زید کے ساتھ لازم ہو جا، زید کو لازم پکڑ لے یعنی اس کے ساتھ ساتھ رہو، تم کیا کرو؟ زید کے ساتھ ساتھ رہو، تو آپ کہتے ہیں عَلَيْكَ زَيْدًا۔ مثلاً زید جو ہے بڑا محنتی طالب علم ہے، بڑی اچھی عادات ہیں، تو آپ دوسرے کو کہتے ہیں عَلَيْكَ زَيْدًا تم زید کو لازم پکڑو اس کی یعنی اس کے ساتھ ساتھ رہو اور اس کی عادات دیکھ کر سیکھتے چلے جاؤ بھئی۔ تو یہ کس معنیٰ میں ہوا؟ اِلْزَمْ زَيْدًا۔ لَزِمَ يَلْزَمُ کا معنیٰ ہوتا ہے لازم ہونا، تو یہ کس معنیٰ میں ہوا؟ نہیں توجہ؟ میں بیان اس لیے کر رہا ہوں کہ کتابوں میں اس کا ترجمہ

آگے لکھتے ہیں کہ عَلَيْكَ زَيْدًا کا کیا معنیٰ ہے؟ اِلْزَمْ زَيْدًا، اور بعض طلبہ پھر اس کو کیا پڑھتے ہیں؟ أَلْزِمْ زَيْدًا پڑھتے ہیں، أَلْزِمْ زَيْدًا نہ پڑھنا آپ اس کو، کیا پڑھنا؟ اِلْزَمْ کیونکہ یہ بَابِ سَمِعَ سے ہے لَزِمَ يَلْزَمُ، تو زید کے ساتھ لازم ہو جا۔ اور أَلْزَمَ يُلْزِمُ إِلْزَامًا بَابِ إِفْعَال میں لے جاؤ تو اس کا مطلب ہے لازم کر دے، یہ دو مَفْعُول چاہتا ہے، أَلْزِمْ زَيْدًا تو زید کے ساتھ لازم کر دے، کس کو لازم کر دے؟ آگے ایک اور مَفْعُول بھی چاہیے بھئی، تو أَلْزِمْ آپ نے وہاں نہیں پڑھنا بلکہ اس کو کیا پڑھنا ہے؟ اِلْزَمْ پڑھنا ہے۔

دوبارہ ترجمہ دیکھ لیں۔ کہتے ہیں أَوْ عَنِ الظَّرْفِ أَوِ الْجَارِّ وَالْمَجْرُورِ یا وہ أَسْمَاءُ الْأَفْعَال جو ہیں وہ مَنْقُول ہوتے ہیں ظَرْف سے یا جَار مَجْرُور سے، نَحْوُ أَمَامَكَ زَيْدًا وَعَلَيْكَ زَيْدًا جیسے کہ أَمَامَكَ زَيْدًا اور عَلَيْكَ زَيْدًا یہ ظَرْف اور جَار مَجْرُور سے مَنْقُول ہیں۔ فَلَيْسَ لِشَيْءٍ مِنْهَا الدَّلَالَةُ تو نہیں ہے ان میں سے کسی کی بھی دلالت، بھئی یہ جو ہم نے جو بھی ذکر کر دیے چاہے مَصَادِر سے نقل ہوئے ہوں تو وہ جو مَصَادِر ہیں ان کے اندر بھی زمانے والا معنیٰ نہیں ہوتا، اگر یہ آواز سے مَنْقُول ہیں تو اس میں بھی زمانے والا معنیٰ نہیں ہوتا، اور اگر یہ ظَرْف یا جَار مَجْرُور سے مَنْقُول ہیں یہ أَسْمَاءُ الْأَفْعَال تو اس میں بھی زمانے یا جگہ والا معنیٰ نہیں ہوتا۔ تو دیکھو اس وقت تو یہ اِسْمِ فِعْل ہیں ان میں زمانہ ہے لیکن أَصْلِ وَضْع میں جو بھی تھے یہ، چاہے یہ مَصْدَر تھے، چاہے آواز تھی، چاہے جَار مَجْرُور یا ظَرْف تھا، اس میں تو زمانہ نہیں تھا۔ تو أَصْلِ وَضْع میں یہ زمانے سے خالی تھے، تو یہ اِسْم کی تعریف میں داخل ہیں۔ اِسْم بھی اس کو کہتے ہیں جس کے ساتھ تین زمانوں میں سے کوئی زمانہ ملا ہوا نہ ہو، اور ان کے ساتھ بھی أَصْلِ وَضْع میں زمانہ ملا ہوا نہیں تھا تو یہ سب اِسْم کی تعریف میں داخل ہیں۔ بات سمجھ میں آگئی؟ یہ معنیٰ ہے فَلَيْسَ لِشَيْءٍ مِنْهَا الدَّلَالَةُ تو ان میں سے کسی بھی چیز کی دلالت نہیں ہے عَلَى أَحَدِ الْأَزْمِنَةِ الثَّلَاثَةِ تین زمانوں میں سے کسی ایک پر بِحَسَبِ الْوَضْعِ الْأَوَّلِ وَضْعِ أَوَّل کے اعتبار سے۔ وَضْعِ أَوَّل کے اعتبار سے ان میں کسی کے اندر بھی تین زمانوں میں سے کسی زمانے پر دلالت نہیں ہے۔

وَخَرَجَ عَنْهُ الْأَفْعَالُ الْمُنْسَلِخَةُ عَنِ الزَّمَانِ یہ ایک اور اعتراض کا جواب۔ شبہ آسکتا ہے آپ کے ذہن میں بھئی کہ أَفْعَالِ مُقَارَبَة اس کے اندر داخل ہو گئے اِسْم کی تعریف میں۔ أَفْعَالِ مُقَارَبَة وہ ہیں جو ایک چیز کے قریب ہونے پر دلالت کریں، کس چیز کے؟ یاد رکھو یہ جو أَفْعَالِ مُقَارَبَة ہیں یہ ایک اِسْم چاہتے ہیں اور ایک خَبَر چاہتے ہیں، اور یہ اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ یہ جو ہمارا اِسْم ہے اس کی جو آگے خَبَر آرہی ہے یہ خَبَر اس کو حاصل ہونے ہی والی ہے، یہ خَبَر کے ساتھ مُتَّصِف ہونے ہی والا ہے۔ كَادَ زَيْدٌ أَنْ يَضْرِبَ، قریب ہے کہ زید پٹائی کرے، یعنی پٹائی کرنا زید کو حاصل ہونے ہی والا ہے، وہ پٹائی کرنے ہی والا ہے۔ تو یہ أَفْعَالِ مُقَارَبَة قریب ہونے کے معنیٰ پر دلالت کرتے ہیں، ان کے اندر خود زمانہ نہیں، خود ان کے اندر زمانہ نہیں۔ جب خود ان کے اندر زمانہ نہیں تو ان کو کیا کہنا چاہیے؟ اِسْم کہنا چاہیے، توجہ ہے؟ اِسْم کہنا چاہیے، تو یہ تو اِسْم کی تعریف میں داخل ہو گئے کیونکہ ان کا معنیٰ مُسْتَقِل بھی ہے اور تین زمانوں میں سے کسی زمانے کے ساتھ ملا ہوا بھی نہیں۔ کہتے ہیں نہیں بھئی، یہ بھی اِسْم کی تعریف میں داخل نہیں ہو رہے، یہ أَفْعَال ہیں اسی لیے تو نحوی ان کو أَفْعَال

کہتے ہیں أَفْعَالِ مُقَارَبَة۔ بھئی کیوں نہیں داخل؟ کہتے ہیں اصل اعتبار کس کا ہے؟ وَضْعِ أَوَّل کا ہے۔ وَضْعِ أَوَّل کے اعتبار سے ان کے ساتھ زمانہ تھا، پھر بعد میں ان کو زمانے سے خالی کر لیا گیا، اب زمانے والا معنیٰ ان میں نہیں۔ تو أَصْلِ وَضْع میں زمانہ تھا یا نہیں؟ جب أَصْلِ وَضْع میں ان کے ساتھ زمانہ ملا ہوا تھا تو یہ اِسْم ہیں یا فِعْل ہیں؟ فِعْل ہیں، تو یہ فِعْل ہیں یہ فِعْل ہی رہیں گے یہ اِسْم کی تعریف میں داخل نہیں ہیں۔

تو کہتے ہیں: وَخَرَجَ عَنْهُ الْأَفْعَالُ الْمُنْسَلِخَةُ عَنِ الزَّمَانِ اور نکل گئے اس اِسْم کی تعریف سے وہ أَفْعَال الْمُنْسَلِخَةُ جو خالی ہیں، اِنْسَلَخَ کا معنیٰ خالی ہونا، وہ أَفْعَال جو خالی ہیں عَنِ الزَّمَانِ زمانے سے، نَحْوُ عَسَىٰ وَكَادَ جیسے عَسَىٰ اور كَادَ ہیں، لِاقْتِرَانِ مَعَانِيهَا بِهِ اس لیے کیونکہ ان کے مَعَانِي تین زمانوں میں سے کسی ایک زمانے کے ساتھ ملے ہوئے ہیں بِحَسَبِ أَصْلِ الْوَضْعِ ان کی وَضْعِ أَوَّل کے اعتبار سے، اس وقت تو نہیں لیکن وَضْعِ أَوَّل کے اعتبار سے ان کے ساتھ زمانہ ملا ہوا تھا۔

وَخَرَجَ عَنْهُ الْمُضَارِعُ أَيْضًا، جی ایک اور شبہ کا جواب۔ شبہ یہ ہوتا ہے آپ کی اس تعریف سے فِعْلِ مُضَارِع بھی اِسْم کی تعریف میں داخل ہو گیا۔ مُضَارِع کے بارے میں یاد رکھو اس کے بارے میں علماء کے تین مذاہب ہیں بھئی۔ آپ جانتے ہیں فِعْلِ مُضَارِع کے اندر حَال والا معنیٰ بھی ہوتا ہے اور مُسْتَقْبِل والا بھی۔ ہاں جب آپ استعمال کریں گے تو ایک معنیٰ میں استعمال کریں گے یا حَال میں یا اِسْتِقْبَال میں۔ تو دلالت یہ دونوں زمانوں پر کرتا ہے لیکن استعمال ایک وقت میں ایک ہی زمانے کے اندر آپ کریں گے۔ يَضْرِبُ زَيْدٌ بول کر یا تو حَال والا معنیٰ لیں گے کہ زید پٹائی کر رہا ہے، یا يَضْرِبُ زَيْدٌ کہ زید پٹائی کرے گا بھئی مُسْتَقْبِل والا، ایک وقت میں ایک ہی معنیٰ مراد لے سکتے ہیں دونوں معنیٰ کا ارادہ نہیں کر سکتے۔ تو بہر حال مُضَارِع کے اندر تین مذہب ہیں بھئی۔ ایک مذہب یہ ہے بعض علماء فرماتے ہیں کہ مُضَارِع کو اصل میں وَضْع کیا گیا ہے حَال کے لیے اور مُسْتَقْبِل کے معنیٰ میں جو استعمال ہوتا ہے وہ مَجَازًا ہوتا ہے۔ وہ اس کا حَقِيقِي معنیٰ نہیں ہے، جیسے شیر کا لفظ اصل میں ایک جنگلی درندے کے لیے وَضْع ہے لیکن مَجَازًا اس کو کبھی کس کے لیے استعمال کر لیتے ہیں؟ بہادر آدمی کے لیے بھی استعمال کر لیتے ہیں۔ تو اعتبار حَقِيقِي معنیٰ کا ہوتا ہے اور حَقِيقِي معنیٰ کے اعتبار سے مُضَارِع صرف کس کے لیے وَضْع؟ حَال، ایک زمانے کے لیے، تو جب ایک زمانہ اس کے ساتھ ملا ہوا ہے، اور مُسْتَقْبِل والے معنیٰ میں جب استعمال کرتے ہیں یہ مَجَازِي معنیٰ ہے یہ اس کا حَقِيقِي معنیٰ نہیں۔ جبکہ بعض علماء فرماتے ہیں کہ فِعْلِ مُضَارِع کو مُسْتَقْبِل کے معنیٰ کے لیے وَضْع کیا گیا ہے، حَال میں جو استعمال ہوتا ہے وہ مَجَازًا ہے، یہ پہلے قول کے برعکس ہے، پہلے قول والے کیا کہتے تھے؟ حَال کے لیے حَقِيقَت ہے اور مُسْتَقْبِل کے لیے مَجَاز، جبکہ بعض علماء کیا فرماتے ہیں؟ مُسْتَقْبِل میں یہ حَقِيقَت ہے اور حَال کے لیے مَجَاز، یعنی وَضْع ایک ہی زمانے کے لیے ہے چاہے آپ حَال کہیں چاہے مُسْتَقْبِل دوسرے میں وہ مَجَازًا استعمال ہو رہا ہے۔ اور تیسرا مذہب اس میں یہ ہے کہ مُضَارِع کا لفظ مُشْتَرَك ہے دونوں زمانوں میں، دونوں زمانوں۔ بھئی آپ جانتے ہیں کبھی ایک لفظ کے ایک سے زیادہ مَعَانِي آتے ہیں، اس کو مُشْتَرَك کہتے ہیں۔ مُشْتَرِي کا معنیٰ خریدنے والا بھی، اور مُشْتَرِي آسمان میں ایک ستارہ ہے ایک سیارہ ہے اس کا بھی نام ہے۔ توجہ ہے؟ تو یہ جو مُشْتَرَك ہوتا ہے اس

کو ہر معنیٰ کے لیے الگ الگ وَضع کیا جاتا ہے۔ معلوم ہوا مُشْتَرِي کے لفظ کو خریدار کے لیے بھی الگ وَضع کیا گیا الگ مقرر کیا گیا، اور آسمان کے سیارے کے لیے بھی اس کو الگ مقرر کیا گیا۔ اسی طرح لفظِ عَیْن کے بہت سے مَعَانِي آتے ہیں: عَیْن کا معنیٰ چشمہ بھی، عَیْن کا معنیٰ سورج بھی، عَیْن کا معنیٰ گھٹنا بھی، عَیْن کا معنیٰ جاسوس بھی، بات سمجھ میں آرہی ہے؟ تو عَیْن کے علماء نے کوئی ستر کے لگ بھگ مَعَانِي ذکر کیے ہیں بھئی۔ تو یہ عَیْن بہت سے مَعَانِي کے لیے وَضع ہے، تو یہ لفظِ مُشْتَرَك ہوا، اور مُشْتَرَك ہر معنیٰ کے لیے الگ الگ وَضع ہوتا ہے۔ معلوم ہوا چشمے کے لیے الگ اس کو وَضع کیا گیا، اور سورج کے لیے اس کو الگ وَضع کیا گیا، اور جاسوس کے لیے اس کو الگ وَضع کیا گیا، اور عَیْن آنکھ کو بھی کہتے ہیں تو آنکھ کے لیے اس کو الگ وَضع کیا گیا۔

تو لہٰذا بعض علماء فرماتے ہیں کہ فِعْلِ مُضَارِع مُشْتَرَك ہے بَیْنَ الْحَالِ وَالْاِسْتِقْبَال۔ معلوم ہوا دونوں کے لیے وَضع ہے یہ، دونوں معنیٰ اس کے حَقِیقِي ہیں۔ پہلے دو قول میں تو کیا تھا؟ ایک معنیٰ حَقِیقِي تھا اور ایک مَجَازِي۔ لیکن تیسرا قول کیا ہے؟ دونوں معنیٰ اس کے حَقِیقِي ہیں، یہ مُشْتَرَك ہے، دونوں کے لیے الگ الگ وَضع ہے۔ اس قول پر اِشْکَال ہوتا ہے۔ اس قول والوں پر اِشْکَال ہوتا ہے، معلوم ہوا فِعْلِ مُضَارِع مُشْتَرَك ہے حَال میں بھی اور اِسْتِقْبَال میں بھی۔ تو یہ تو اِسْم کی تعریف میں داخل ہو گیا! یہ؟ کس طرح؟ اِسْم کی کیا تعریف کی؟ کہ اس کا معنیٰ تین زمانوں میں سے کسی ایک زمانے کے ساتھ نہ ملا ہوا ہو، تو فِعْلِ مُضَارِع وہ بھی تو ایک زمانے کے ساتھ نہیں ملا ہوا، وہ تو کتنے کے ساتھ ملا ہے؟ دو کے ساتھ ملا ہے۔ تو ہم نے تو کہا تھا ایک کے ساتھ نہ ملا ہو، تو یہ بھی ایک کے ساتھ تو نہیں ملا ہوا کتنے کے ساتھ ملا ہوا ہے؟ دو کے، شرط پوری ہو گئی یا نہیں؟ لہٰذا یہ بھی اِسْم کی تعریف میں داخل ہو گیا۔ توجہ ہے؟

تو اس کا بھی جواب دیں گے آپ کو کہ بھئی جب دو زمانوں کے ساتھ ملا ہوا ہے تو دو کے ضمن میں ان دو کے اندر ایک بھی آگیا کہ نہیں بھئی؟ تو یہ ایک زمانے کے ساتھ بھی جڑا ہوا ہے، لہٰذا یہ بھی تعریف سے خارج ہوا۔ اِشْکَال کیا کیا تھا؟ کہ آپ نے کیا کہا اِسْم ایک زمانے کے ساتھ نہ جڑا ہوا ہو، اور یہ تو کتنے کے ساتھ جڑا ہوتا ہے؟ دو کے ساتھ، تو یہ تو داخل ہو گیا اس میں تو شرط پوری ہے یہ تو ایک کے ساتھ نہیں جڑا ہوا۔ کہتے ہیں نہیں بھئی، جب دو کے ساتھ جڑا ہوا ہے تو دو کے بیچ میں کیا آگیا؟ ایک بھی آگیا، ایک کے ساتھ بھی تو یہ جڑا ہوا ہے، تو لہٰذا یہ کیا ہوا تعریف سے خارج ہوا۔

دیکھیے بھئی کہتے ہیں: وَخَرَجَ عَنْهُ الْمُضَارِعُ أَیْضًا اور اِسْم کی تعریف سے مُضَارِع بھی نکل گیا، فَإِنَّهُ عَلَى تَقْدِیرِ اشْتِرَاكِهِ بَیْنَ الْحَالِ وَالْاِسْتِقْبَالِ اس لیے کیونکہ یہ فِعْلِ مُضَارِع جو ہے یہ حَال اور اِسْتِقْبَال میں اِشْتِرَاك کی تَقْدِیر پر، توجہ ہے لفظ ترجمہ سمجھ لینا بھئی، کہ فِعْلِ مُضَارِع جو ہے حَال اور اِسْتِقْبَال میں اِشْتِرَاك کی تَقْدِیر پر، یعنی اگر اِشْتِرَاك کو فرض کر لیا جائے۔ اصل میں تو یہاں تین مذاہب ہیں: پہلا مذہب کیا؟ حَال میں حَقِیقَت اور مُسْتَقْبِل میں مَجَاز؛ دوسرا کیا؟ مُسْتَقْبِل میں حَقِیقَت اور حَال میں مَجَاز۔ ان دو تعریفوں پر تو کوئی اِشْکَال اعتراض ہوتا ہی نہیں ہے، کیونکہ اعتبار صرف حَقِیقِي معنیٰ کا ہوتا ہے اور

ان دونوں قولوں کے مطابق صرف ایک معنیٰ کے لیے مُضَارِع وَضع ہے، دوسرے میں مَجَاز ہے، تو یہ اِسم کی تعریف سے نکل گیا، ایک زمانے کے ساتھ ملا ہوا ہے اور اِسم کی تعریف میں بھی کیا کہا وہ ایک زمانے کے ساتھ ملا ہوا نہ ہو۔ تو ان پر تو کوئی اِشکَال ہوتا ہی نہیں تھا۔ یہ تیسرا قول جو تھا کہ دونوں کے درمیان مُشْتَرَك ہے اس پر اِشکَال ہوتا تھا۔ تو صرف اسی کا جواب دے رہے ہیں علامہ جامی، وہ پہلے دو مذہبوں کو ذکر ہی نہیں کیا، کہ اگر فِعْلِ مُضَارِع جو ہے یہ فرض کر لیا جائے کہ دونوں کے درمیان مُشْتَرَك ہے، اگر یہ فرض کر لیا جائے یعنی تیسرے مذہب کو مان لیا جائے تو بھی اس کا یہ جواب ہے۔

تو کہتے ہیں: فَإِنَّهُ عَلَى تَقْدِيرِ اشْتِرَاكِهِ بَيْنَ الْحَالِ وَالْاِسْتِقْبَالِ اس لیے کیونکہ فِعْلِ مُضَارِع جو ہے حَال اور اِسْتِقْبَال میں اِشْتِرَاك کی تَقْدِیر پر یعنی اِشْتِرَاك فرض کرنے کی صورت میں، يَدُلُّ عَلَى زَمَانَيْنِ مُعَيَّنَيْنِ مِنَ الْأَزْمِنَةِ الثَّلَاثَةِ یہ دلالت کرتا ہے دو مُعَیَّن زمانوں پر تین زمانوں میں سے، فَيَدُلُّ عَلَى وَاحِدٍ مُعَيَّنٍ أَيْضًا فِي ضِمْنِهِمَا تو ایک مُعَیَّن زمانے پر بھی یہ دلالت کرتا ہے فِي ضِمْنِهَا، فِي ضِمْنِهَا ہے یا فِي ضِمْنِهِمَا ہے؟ فِي ضِمْنِهِمَا۔ جی میری کتاب میں ضِمْنِهَا ہے، یہ ضِمْنِهِمَا ہونا چاہیے۔ تو فَيَدُلُّ عَلَى وَاحِدٍ مُعَيَّنٍ أَيْضًا فِي ضِمْنِهِمَا تو یہ ایک مُعَیَّن زمانے پر بھی دلالت کر رہا ہے فِي ضِمْنِهِمَا دو زمانوں کے ضمن میں۔ دو کے ضمن میں یہ ایک پر بھی دلالت کر رہا ہے، جب ایک پر دلالت کر رہا ہے تو اِسم کی تعریف سے نکل گیا کیونکہ اِسم اس میں قید تھی کہ وہ کسی ایک زمانے پر دلالت نہ کرے۔

إِذْ لَا يَقْدَحُ فِي الدَّلَالَةِ عَلَى أَحَدٍ مُعَيَّنٍ الدَّلَالَةُ عَلَى مَا سِوَاهُ یہاں سے یہ بتلا رہے ہیں کہ اگر یہ قول لیا جائے کہ فِعْلِ مُضَارِع، آپ نے کس قول کو ذکر کیا؟ تیسرے قول کو، کہ فِعْلِ مُضَارِع دونوں زمانوں پر دلالت کرتا ہے حَال پر بھی اور اِسْتِقْبَال پر بھی، اور یہ مُشْتَرَك ہے ان دونوں زمانوں کے درمیان، تو پھر اس صورت میں یہاں تو عُمُومِ مُشْتَرَك لازم آئے گا اور آپ أُصُولِ فِقْہ میں پڑھ چکے ہیں عُمُومِ مُشْتَرَك جائز نہیں۔ عُمُومِ مُشْتَرَك ایک لفظ کے دو معنیٰ ہوں اور آپ دونوں معنیٰ کا ارادہ کر لیں بھئی ایک ہی وقت کے اندر بھئی، یہ جائز نہیں ہے۔ مُشْتَرِي کا لفظ بولیں اور اس سے خریدار کا بھی ارادہ کر لیں اور آسمان کے سیارے کا بھی ارادہ کر لیں، یہ تو عُمُومِ مُشْتَرَك ہے۔ یہ لفظ کیا تھا؟ مُشْتَرَك، کتنے مَعَانِي میں؟ دو میں، اور آپ نے استعمال میں عُمُوم پیدا کر دیا کس طرح؟ دونوں معنیٰ مراد لے لیے پہلا بھی اور دوسرا بھی۔ اور عُمُومِ مُشْتَرَك آپ أُصُولِ فِقْہ میں پڑھ چکے ہیں جائز نہیں ہے، ایک وقت میں ایک معنیٰ کا ارادہ آپ کر سکتے ہیں دونوں مَعَانِي کا ارادہ نہیں کر سکتے۔

تو آپ نے کیا کہا کہ فِعْلِ مُضَارِع، فِعْلِ مُضَارِع جب دو پر دلالت، توجہ سے سنو، فِعْلِ مُضَارِع جب دو پر دلالت کر رہا ہے تو اس کے ضمن میں ایک پر بھی دلالت ہو گئی یا نہیں؟ جی۔ کہتے ہیں بھئی آپ کی بات مان لی جائے دو پر یہ دلالت کر رہا ہے یہ تو عُمُومِ مُشْتَرَك لازم آیا، حَال پر بھی یہ دلالت کر رہا ہے اور اِسْتِقْبَال پر بھی دلالت کر رہا ہے یہ تو عُمُومِ مُشْتَرَك لازم آیا، اور عُمُومِ مُشْتَرَك تو جائز نہیں۔ تو اس کا جواب آپ کو دیں گے شَارِحِ جَامِي کہ بھئی عُمُومِ مُشْتَرَك ایک ہے دلالت میں، ایک ہے ارادے میں۔ عُمُومِ مُشْتَرَك ارادے میں جائز نہیں ہے، دلالت میں جائز ہے بھئی۔ دلالت میں ایک ہی چیز

دس مَعَانِي پر دلالت کر سکتی ہے لیکن ارادہ آپ ایک کا کریں گے۔ جیسے عَیْن کے بہت سارے مَعَانِي ہیں، جیسے ہی میں لفظِ عَیْن بولوں گا دلالت یہ سب پہ کر رہا ہے، ہاں میں ارادہ ان میں سے کسی ایک معنیٰ کا کروں گا، ارادہ میں سب کا نہیں کر سکتا۔

یاد رکھو ایک لفظ سے ایک معنیٰ کا ارادہ آپ تب ہی کر سکتے ہیں جب وہ اس پر دلالت کر رہا ہو۔ اگر وہ دلالت ہی نہ کر رہا ہو اس معنیٰ پر تو اس کا آپ ارادہ بھی نہیں کر سکتے۔ توجہ ہے؟ بکری بول کر میں ہاتھی کا ارادہ کر سکتا ہوں؟ نہیں، کیونکہ بکری کا لفظ ہاتھی پر دلالت کر ہی نہیں رہا۔ دلالت کرتا تو میں ارادہ بھی کر سکتا تھا۔ ہاں عَیْن کے لفظ، عَیْن کا لفظ میں نے جیسے ہی بولا اس نے آنکھ اس پر بھی دلالت کی، اس نے سورج اس پر بھی دلالت کی، اس نے جاسوس پر بھی دلالت کی، اس نے سونا جو ہے سونا چاندی اس پر بھی دلالت کی، تو جب یہ سب پر دلالت کر رہا ہے اب میری مرضی ہے میں جو چاہوں جس معنیٰ کا ارادہ کر لوں، لیکن کروں گا ایک ہی معنیٰ کا ارادہ۔ جیسے کل میں نے مثال دی تھی: اِنْسَان بولو، تو دلالتِ مُطَابِقِي بھی ہوئی، تَضَمُّنِي بھی ہوئی، اِلْتِزَامِي بھی ہوئی۔ اِنْسَان بول کر میں حَیَوَانِ نَاطِق کا بھی ارادہ کر سکتا ہوں یہ دلالتِ مُطَابِقِي ہے، اِنْسَان بول کر صرف حَیَوَان یا صرف نَاطِق کا بھی ارادہ کر سکتا ہوں یعنی ایک جُزْء کا یہ دلالتِ تَضَمُّنِي ہے، اور اِنْسَان بول کر میں اس کے ضِحْك یا اس کی قَابِلِیَّتِ عِلْم کا ارادہ بھی کر سکتا ہوں کہ اس میں اللہ نے علم کی صلاحیت رکھی ہے یہ اس کے ساتھ لازم ہے یہ اس سے جدا نہیں۔ اِنْسَان بول کر میں حَیَوَانِ نَاطِق کا بھی ارادہ کر سکتا ہوں یعنی دلالتِ مُطَابِقِي بھی، اور دلالتِ تَضَمُّنِي کا بھی ارادہ کر سکتا ہوں، اور دلالتِ اِلْتِزَامِي کا ارادہ بھی کر سکتا ہوں۔ اور ارادہ تب ہی کروں گا نا جب وہ دلالت کر رہا ہوگا، دلالت نہیں کرے گا تو میں ارادہ بھی نہیں کر سکتا۔ کتاب بول کر میں قلم کا ارادہ نہیں کر سکتا کیونکہ کتاب قلم پر دلالت نہیں کر رہی بھئی۔ تو ارادہ وہیں ہوگا جب ایک لفظ ایک معنیٰ پر دلالت کر رہا ہو۔ اور اسی لیے میں نے کہا تھا میں نے جیسے ہی لفظِ اِنْسَان بولا تینوں دلالتیں ہو گئیں۔ طلبہ سمجھتے ہیں شاید جس کا ارادہ کیا وہی دلالت ہوئی باقی نہیں ہوئی۔ نہیں، دلالتیں تینوں ہو گئیں، ارادہ میں نے اس میں سے ایک کا کیا ہے۔

تو یہاں پر بھی اعتراض کیا ہوا تھا؟ کہ آپ نے کہا فِعْلِ مُضَارِع دونوں مَعَانِي پر دلالت کر، دونوں زمانوں پر دلالت کر رہا ہے حَال پر بھی اور اِسْتِقْبَال پر بھی، تو دو پر جب دلالت ہوئی تو اس کے ضمن میں ایک پر بھی دلالت ہو گئی۔ تو اِشْکَال ہوا کہ بھئی دو پر دلالت کر رہا ہے یہ تو آپ نے عُمُومِ مُشْتَرَك لے لیا، یہاں تو عُمُومِ مُشْتَرَك لازم آگیا، اور ہم نے پڑھا ہے عُمُومِ مُشْتَرَك جائز نہیں۔ تو ملا جامی رَحِمَهُ اللهُ آپ کو بتائیں گے کہ عُمُومِ مُشْتَرَك دلالت میں جائز ہے، ارادے میں جائز نہیں ہے۔ دلالت دو یا دو سے زیادہ پر بھی ہو سکتی ہے، البتہ ارادہ ایک ہی کا کرنا پڑے گا۔ تو حاصلِ کلام کیا ہوا کہ دلالت میں عُمُومِ مُشْتَرَك جائز ہے، ارادے میں عُمُومِ مُشْتَرَك جائز نہیں ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟

کہتے ہیں: إِذْ لَا یَقْدَحُ فِي الدَّلَالَةِ عَلَى أَحَدِ مُعَیَّنِ الدَّلَالَةُ عَلَى مَا سِوَاهُ اس لیے کیونکہ عیب نہیں ہے، قَدَحَ یَقْدَحُ کا

معنیٰ ہے عیب ہونا، اعتراض ہونا، إِذْ لَا يَقْدَحُ عیب نہیں ہے یا یوں کہو اعتراض نہیں ہوتا کس چیز میں؟ فِي الدَّلَالَةِ عَلَى أَحَدِ مُعَيَّنٍ جب دلالت کر رہا ہو کوئی لفظ کسی مُعَیَّن پر۔ عیب نہیں ہے کسی مُعَیَّن پر دلالت کرنے میں کیا عیب نہیں ہے؟ الدَّلَالَةُ عَلَى مَا سِوَاهُ کہ اس کے علاوہ پر بھی وہ دلالت کرے۔ اس کے علاوہ۔ بھئی دیکھو میں نے لفظِ اِنْسَان بولا، لفظِ اِنْسَان، اور میں نے بتایا کہ جیسے ہی میں نے لفظِ اِنْسَان بولا دلالتِ مُطَابِقِي بھی ہوئی، تَضَمُّنِي بھی ہوئی اور اِلْتِزَامِي بھی ہوئی، تینوں دلالتیں ہو گئیں یا نہیں؟ تو ایک مُعَیَّن دلالت کون سی مثلاً مُطَابِقِي کوئی ایک لے لو، ان میں سے ایک مُعَیَّن دلالت مثلاً کون سی؟ مُطَابِقِي لے لو یا تَضَمُّنِي لے لو یا اِلْتِزَامِي، تو کسی ایک مُعَیَّن دلالت کے ساتھ باقی بھی دلالتیں ہوئیں یا نہیں؟ لیکن یہ ایک مُعَیَّن دلالت کے ساتھ اور دلالتوں کا ہونا عیب نہیں ہے، ہاں ایک مُعَیَّن کے ارادے کے ساتھ اوروں کا بھی ارادہ کرنا یہ کیا ہے؟ عیب ہے یہ قابلِ اعتراض ہے بھئی۔

یہ معنیٰ ہے إِذْ لَا يَقْدَحُ فِي الدَّلَالَةِ عَلَى أَحَدِ مُعَيَّنٍ کیونکہ عیب نہیں ہے کسی ایک مُعَیَّن پر دلالت میں، کیا عیب نہیں ہے؟ الدَّلَالَةُ عَلَى مَا سِوَاهُ کہ دلالت ہو جائے اس کے علاوہ پر بھی، کسی ایک مُعَیَّن پر دلالت میں اس کے علاوہ پر بھی دلالت ہو جائے یہ عیب نہیں، نَعَمْ يَقْدَحُ فِي إِرَادَةِ الْمُعَيَّنِ ہاں عیب ہے کسی مُعَیَّن کے ارادے میں إِرَادَةُ مَا سِوَاهُ اس کے علاوہ کا ارادہ کرنا۔ ایک مُعَیَّن چیز کے ارادے کے اندر دوسری چیز کا بھی ارادہ کرنا یہ عیب ہے، یہ طَعْن کا باعث ہے، اعتراض کا باعث ہے بھئی۔ بات سمجھ میں آگئی؟

پھر عبارت کا ترجمہ دیکھ لیں: إِذْ لَا يَقْدَحُ فِي الدَّلَالَةِ عَلَى أَحَدِ مُعَيَّنٍ الدَّلَالَةُ عَلَى مَا سِوَاهُ اس لیے کیونکہ کسی ایک مُعَیَّن پر دلالت کرنے کے اندر اس کے علاوہ پر دلالت کرنا عیب نہیں ہے، نَعَمْ يَقْدَحُ فِي إِرَادَةِ الْمُعَيَّنِ إِرَادَةُ مَا سِوَاهُ ہاں عیب ہے کسی ایک مُعَیَّن کے ارادے کے اندر اس کے علاوہ کا ارادہ کرنا یہ عیب ہے، یہ اعتراض کا باعث ہے، یہ قَابِلِ طَعْن ہے اس پر اعتراض ہو سکتا ہے۔ وَأَيْنَ الدَّلَالَةُ مِنَ الْإِرَادَةِ، وَأَيْنَ الدَّلَالَةُ مِنَ الْإِرَادَةِ. یاد رکھو یہ جو مِنْ آیا یہاں پر یہ فَصْل کے لیے ہے، دو مُتَضَاد چیزوں کے درمیان دو چیزوں میں فَصْل اور اِمْتِيَاز کے لیے کبھی مِنْ آتا ہے یا آسان لفظوں میں کہو دو چیزوں میں مقابلے کے لیے کبھی مِنْ آتا ہے کہ یہ دونوں چیزیں کیا ہیں؟ ایک دوسرے کے مقابل ہیں، ایک دوسرے سے الگ الگ ہیں، اس کے لیے مِنْ آتا ہے، جیسے وَاللهُ يَعْلَمُ الْمُفْسِدَ مِنَ الْمُصْلِحِ، ایک ہے مُفْسِد فساد پھیلانے والا، ایک ہے مُصْلِح اصلاح کرنے والا، تو وَاللهُ يَعْلَمُ الْمُفْسِدَ اللہ جانتے ہیں فساد کرنے والے کو مِنَ الْمُصْلِحِ مُصْلِح کے مقابلے میں۔ اللہ مُصْلِح کے مقابلے میں فساد کرنے والے کو خوب جانتے ہیں، تو یہاں مِنْ آیا کس لیے آیا؟ دو چیزوں میں فَصْل کے لیے، مقابلے کے لیے کہ مُفْسِد اور مُصْلِح کیا ہیں؟ الگ الگ ہیں، یہ ایک دوسرے کے مقابل ہیں۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو یہاں بھی مِنْ کس لیے آیا؟ مقابلے کے لیے: وَأَيْنَ الدَّلَالَةُ مِنَ الْإِرَادَةِ اور کہاں دلالت ارادے کے مقابلے میں؟ لفظوں پہ غور کرو، وَأَيْنَ الدَّلَالَةُ مِنَ الْإِرَادَةِ اور کہاں دلالت ارادے کے مقابلے میں؟ یعنی دونوں الگ الگ چیزیں ہیں۔ عُمُومِ مَجَاز

یہاں دلالت میں لازم آرہا ہے ارادے میں نہیں، اور دلالت میں عُمُومِ مَجَاز جائز ہے ہاں ارادے کے اندر عُمُومِ مَجَاز جائز نہیں، تو دلالت بالکل الگ چیز ہے ارادہ الگ چیز ہے۔ میں نے اِنْسَان بولا دلالتیں تینوں ہو گئیں اور ارادہ ان میں سے میں ایک کا کروں گا بھئی۔ تو کہتے ہیں وَأَيْنَ الدَّلَالَةُ مِنَ الْإِرَادَةِ اور کہاں دلالت ارادے کے مقابلے میں؟ یعنی دونوں الگ الگ چیزیں ہیں بھئی۔

چلیے بس بھئی، بس کریں بات اچھی طرح سب کو سمجھ میں آگئی۔ تو حاصل یہ ہوا اس سبق کا کہ اِسْم کی تعریف پر اعتراض ہوتا تھا کہ اِسْم کی تعریف جَامِع اور مَانِع نہیں ہے۔ جَامِع نہیں ہے کیونکہ أَسْمَاءُ الْأَفْعَال اس میں سے نکل گئے کیونکہ ان میں تو زمانہ پایا جاتا ہے جبکہ اِسْم کی تعریف میں کیا قید لگا دی؟ کہ اس میں زمانہ نہیں ہونا چاہیے۔ تو اِسْم کی تعریف اپنے تمام افراد کو جَامِع نہیں، أَسْمَاءُ الْأَفْعَال تو اِسْم ہیں بھئی ان کو تو اِسْم کی تعریف میں داخل ہونا چاہیے لیکن آپ نے جب غَيْرِ مُقْتَرِنٍ کی قید لگائی تو یہ أَسْمَاءُ الْأَفْعَال اِسْم کی تعریف سے نکل گئے تو اِسْم کی تعریف اپنے تمام افراد کو جَامِع نہیں۔ اور اِسْم کی تعریف مَانِع بھی نہیں ہے بھئی، اس کے اندر غیر داخل ہو رہے ہیں، جیسے أَفْعَالِ مُقَارَبَة ہیں بھئی۔ أَفْعَالِ مُقَارَبَة جو قریب ہونے پر دلالت کرتے ہیں ان میں زمانہ نہیں ہوتا، جب ان میں زمانہ نہیں ہے تو وہ ہیں تو أَفْعَال لیکن کس میں داخل ہو رہے ہیں؟ اِسْم کی تعریف میں، کیونکہ اِسْم بھی اسے کہتے ہیں جو اپنے معنیٰ پر مُسْتَقِلًا دلالت کرے اور زمانہ اس کے ساتھ کوئی ایک ملا ہوا نہ ہو، تو أَفْعَالِ مُقَارَبَة بھی داخل ہو گئے۔ اسی طرح فِعْلِ مُضَارِع بھی داخل ہو گیا کیونکہ وہ تو ایک زمانے کے ساتھ نہیں ملا ہوتا بلکہ دو زمانوں کے ساتھ ملا ہوتا ہے، تو اِسْم کی تعریف معلوم ہوا مَانِع نہیں اس میں أَفْعَالِ مُقَارَبَة بھی داخل ہو گئے اور فِعْلِ مُضَارِع بھی داخل ہو گیا، اور شَارِح نے پھر اس کے جواب ذکر کر دیے بھئی۔ بات سمجھ میں آگئی؟ چلیے بس بھئی، هٰذَا هُوَ الْمَرَامُ، وَاللهُ أَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْكَلَامِ.

سبق نمبر ۳۶: خواصِ اسم (۱): «وَمِنْ خَوَاصِّہٖ» اور تنوین و لامِ تعریف کے خواص

شرحِ ملا جامی صفحہ: ۲۳ — بتاریخ: ۱۰ اگست ۲۰۲۱ء

▪ تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث

دیکھیے بھئی سبق کتاب پر:[1]

وَلَمَّا فَرَغَ مِنْ بَيَانِ حَدِّ الْاِسْمِ أَرَادَ أَنْ يَذْكُرَ بَعْضَ خَوَاصِّهِ لِيُفِيدَ زِيَادَةَ مَعْرِفَةٍ بِهِ، فَقَالَ: وَمِنْ خَوَاصِّهِ؛ مُنَبِّهًا بِصِيغَةِ جَمْعِ الْكَثْرَةِ عَلَى كَثْرَتِهَا وَبِمِنْ التَّبْعِيضِيَّةِ عَلَى أَنَّ مَا ذَكَرَهُ بَعْضٌ مِنْهَا، وَهِيَ جَمْعُ خَاصَّةٍ، وَخَاصَّةُ الشَّيْءِ مَا يَخْتَصُّ بِهِ وَلَا يُوجَدُ فِي غَيْرِهِ.

گزشتہ سبق میں اسم کی تعریف مکمل ہوئی تھی، اور اسم کی تعریف پر اشکال ہوتا تھا کہ بعض اسم وہ اسم کی تعریف سے خارج ہو گئے، جیسے اسمائے افعال بھئی۔ تو اسمائے افعال ان میں زمانہ ساتھ جڑا ہوتا ہے، اور اسم کی تعریف کے اندر تو مصنف نے قید لگا دی کہ اس کے ساتھ زمانہ جڑا ہوا نہیں ہوتا بھئی۔ تو اسمائے افعال اسم کی تعریف سے خارج ہو گئے۔ تو اس کا جواب ملا جامی رحمہ اللہ نے دیا کہ یہ جو اسمائے افعال ہیں، یہ اسم ہیں، نحویوں کے نزدیک اسم ہیں اور یہ اسم کی

[1]

جدول — خواصِ اسمِ خمسہ (جن سے اسم کی شناخت ہوتی ہے):

خاصۂ اسم	وضاحت	مثال
۱۔ دخولِ ال	اسم پر الف لامِ تعریف داخل ہوتا ہے	اَلرَّجُلُ، اَلْكِتَابُ
۲۔ تنوین	نونِ ساکنہ جو آخرِ اسم میں لاحق ہو	زَيْدٌ، رَجُلٌ
۳۔ دخولِ جر	حرفِ جر یا اضافت سے مجرور ہونا	بِزَيْدٍ، غُلَامُ زَيْدٍ
۴۔ اسنادِ الیہ	مسند الیہ (فاعل، مبتدا، نائب فاعل) بننا	قَامَ زَيْدٌ، زَيْدٌ عَالِمٌ
۵۔ اضافت	مضاف بن کر دوسرے اسم کی طرف منسوب ہونا	كِتَابُ اللّٰهِ

تعریف سے خارج نہیں، کیونکہ اعتبار ان میں اصلِ وضع کا ہے، اور اصلِ وضع کے اعتبار سے یہ اسمائے افعال کے اندر زمانہ نہیں تھا بھئی۔ اصل میں یا تو یہ سارے نقل کیے گئے ہیں مصادر سے، یا یہ نقل کیے گئے ہیں ظرف سے، یا یہ نقل کیے گئے ہیں جار مجرور سے۔ اور مصدر کے اندر بھی زمانہ نہیں ہوتا، اور جار مجرور کے اندر بھی زمانہ نہیں ہوتا، اور اسی طرح ظرف کے اندر بھی زمانہ نہیں ہوتا۔ تو اصلِ وضع کے اعتبار سے ان میں زمانہ نہیں تھا، اور اعتبار اصلِ وضع ہی کا ہے۔ تو جب اصلِ وضع میں ان کے ساتھ زمانہ نہیں تھا تو یہ کس میں داخل ہو گئے؟ اسم کی تعریف میں داخل ہو گئے کیونکہ اصلِ وضع میں ان کے ساتھ زمانہ ملا ہوا نہیں ہے۔

ہاں، پھر یہ جو نقل کیے گئے مصدر سے اسمائے افعال کی طرف، تو کبھی اسمِ فعل کے معنی میں بھی ایک لفظ استعمال ہو رہا ہے، اور اپنے اصل معنی یعنی مصدر کے معنی میں بھی استعمال ہو رہا ہے، تو اس کو ہم کہیں گے کہ یہ صراحتاً نقل ہے، یعنی واضح نقل کی گئی ہے کس سے؟ مصدر سے اسمِ فعل کی طرف۔ اور کبھی کبھار مصدر کے معنی میں تو وہ استعمال نہیں ہوتا، جیسے هَيْهَاتَ، جیسے یہ اسمِ فعل ہے، لیکن یہ مصدر کے معنی میں استعمال نہیں ہوتا۔ لیکن یہ کہتے ہیں اصلِ وضع میں مصدر ہی ہے، ایک دلیل ہمارے پاس موجود، اور وہ یہ کہ یہ قَوْقَاةَ کے وزن پر ہے جو مصدر کا وزن ہے بھئی۔ معلوم ہوا یہ بھی اصل میں کیا ہو گا؟ مصدر ہی ہو گا۔ تو یہ نقل غیرِ صریح ہے، یعنی هَيْهَاتَ مصدر کے معنی میں استعمال نہیں ہوتا اس وقت بھئی۔

اور کبھی وہ مصدر ایسا ہوتا ہے کہ اس کو آواز سے نقل کیا جاتا ہے، جیسے صَهْ بھئی۔ صَهْ کا، صاد اور ہا۔ صَهْ، خاموش ہو جاؤ، یعنی ابھی یہ بات چھوڑ دو، خاموش ہو جاؤ۔ تو یہ اصل میں یہ آواز تھی، صرف صوت، اس کا کوئی معنی نہیں تھا۔ اور پھر اس کے بعد اس کو نقل کر لیا گیا مصدر کی طرف یعنی سکوت، خاموش ہونا، اور پھر اس مصدر سے اس کو نقل کر لیا گیا کس کی طرف؟ اسمِ فعل کی طرف کہ صَهْ، یعنی ابھی خاموش ہو جاؤ، یہ بات چھوڑ دو، اس، خاموش ہو جاؤ۔

اور کبھی کبھار یہ اسمِ فعل جو ہے، یہ ظرف سے منقول ہوتا ہے، جیسے أَمَامَكَ۔ أَمَامَكَ کا کیا معنی؟ سامنے نظر رکھو۔ سامنے نظر۔ یعنی سامنے نظر رکھو، سامنے کی طرف سے کوئی خطرہ وغیرہ ہے، تو اس موقع پر یہ بولتے ہیں أَمَامَكَ، سامنے نظر رکھو۔ یہ تحذیر کے لیے ہے، دوسرے کو خبردار کرنے کے لیے، ڈرانے کے لیے بھئی۔ اور اسی طرح کبھی اسمِ فعل ہے، وہ جار مجرور سے منقول ہو گا، جیسے عَلَيْكَ۔ عَلَيْكَ کس معنی میں ہے؟ اِلْزَمْ۔ عَلَيْكَ زَيْدًا أَيِ اِلْزَمْ زَيْدًا کہ زید کو لازم پکڑو، یعنی اس کے ساتھ ساتھ رہو بھئی۔

اور پھر دوسرا اشکال یہ ہوا تھا کہ افعالِ مقاربہ وہ اسم کی تعریف میں داخل ہو گئے کیونکہ افعالِ مقاربہ کے ساتھ زمانہ نہیں جڑا ہوا ہوتا، تو یہ اسم میں داخل ہو گئے۔ تو اس کا بھی جواب دیا کہ بھئی وضعِ اول کے اندر ان کے ساتھ زمانہ جڑا ہوا تھا،

بعد میں ان کو زمانے سے خالی کر لیا گیا، اور اعتبار تو وضعِ اول ہی کا ہے، تو اس اعتبار سے جب زمانہ جڑا ہوا تھا، تو یہ اسم کی تعریف میں داخل نہیں۔

پھر اعتراض ہوا کہ فعلِ مضارع اسم کی تعریف میں داخل ہو گیا۔ فعلِ مضارع میں میں نے بتلایا کہ تین مذاہب ہیں۔ آپ جانتے ہیں کہ فعلِ مضارع جو ہے اس کے اندر حال کا زمانہ بھی ہوتا ہے اور مستقبل والا بھی۔ حال کے لیے بھی فعلِ مضارع استعمال کرتے ہیں اور مستقبل کے لیے بھی۔ تو فعلِ مضارع کے اندر میں نے تفصیل بیان کی تھی کہ اس میں تین مذاہب ہیں۔ بعض علماء فرماتے ہیں کہ فعلِ مضارع حال کے زمانے میں حقیقت ہے اور مستقبل کے زمانے میں مجاز ہے۔ تو اعتبار تو حقیقی معنی کا ہوتا ہے تو اس اعتبار سے ایک ہی زمانہ ہے، تو اس پر تو کوئی اشکال ہی نہیں، یہ تو اسم کی تعریف سے خارج ہے۔ اسم تو کسی ایک زمانے سے نہیں جڑا ہوا ہوتا، اور یہ تو مثلاً ایک زمانے کے ساتھ جڑا ہوا ہے۔ جب کہ دوسرا قول تھا کہ فعلِ مضارع مستقبل کے اعتبار سے، مستقبل کے اعتبار سے حقیقت ہے اور حال کے اعتبار سے مجاز، تو یہ بھی اسم کی تعریف سے خارج کیونکہ یہ بھی ایک زمانے کے ساتھ جڑا ہوا ہے۔ ہاں، اعتراض ہوتا تھا تیسرے مذہب کی بنیاد پر۔ تیسرے مذہب کے مطابق فعلِ مضارع وہ حال اور استقبال دونوں میں مشترک ہے، دونوں کے لیے الگ الگ وضع کیا گیا ہے۔ ایک مرتبہ اس کو زمانۂ حال کے لیے وضع کیا گیا، اور ایک مرتبہ اس کو زمانۂ مستقبل کے لیے وضع کیا گیا، تو یہ دو زمانوں کے لیے الگ الگ وضع ہے، یہ دونوں میں مشترک ہے بھئی، دونوں میں مشترک ہے۔

تو اس صورت میں فعلِ مضارع دونوں زمانوں میں حقیقت ہے تو اس کے ساتھ دو زمانے جڑے ہوئے ہیں، تو یہ تو اسم کی تعریف میں داخل ہو گیا، کیونکہ اسم کی تعریف میں کیا قید لگائی تھی؟ کہ وہ کسی ایک زمانے سے نہ جڑا ہو، اور یہ بھی ایک زمانے سے نہیں جڑا ہوا، یہ تو دو زمانوں کے ساتھ جڑا ہوا ہے۔ تو کہتے ہیں اگر فعلِ مضارع کے بارے میں اس تیسرے مذہب کو یعنی اشتراک والے مذہب کو لے لیا جائے، پھر بھی فعلِ مضارع اسم کی تعریف میں داخل نہیں، کیونکہ اسم کی تعریف میں کیا قید لگائی؟ ایک زمانے کے ساتھ نہ جڑا ہوا ہو، اور جب یہ دو زمانوں پر دلالت کر رہا ہے، دو کے ساتھ جڑا ہوا ہے، تو دو کے ضمن میں ایک بھی آگیا، تو ایک زمانے کے ساتھ بھی یہ جڑا ہوا ہے، تو یہ تعریف سے خارج ہوا۔ اور پھر اس پر اشکال ہوا کہ یہ تو جو آپ نے تقریر کی اس سے تو عمومِ مشترک لازم آیا، کہ یہ دونوں زمانوں پر کیا کر رہا ہے؟ دلالت کر رہا ہے، اور دو دلالتوں کے ضمن میں ایک پر بھی تو دلالت پائی جا رہی ہے، یہ تو عمومِ مشترک آپ نے کر دیا، کہ ایک لفظ کے دو معنی، دو معنوں پر ایک لفظ دلالت کر رہا ہو، یہ تو جائز نہیں ہے۔ تو اس کا بھی جواب دیا کہ بھئی ایک ہے دلالت، ایک ہے ارادہ۔ دلالت کے اندر عمومِ مشترک جائز ہے، ایک لفظ ایک معنی یا دو یا تین یا چار سب پر دلالت کر سکتا ہے، ہاں ارادہ ایک ہی کا کرنا پڑے گا، تو عمومِ مشترک دلالت میں جائز ہے، ارادے میں جائز نہیں ہے بھئی۔

اب آئیے آج کے سبق پر۔ کہتے ہیں: وَلَمَّا فَرَغَ مِنْ بَيَانِ حَدِّ الْاِسْمِ أَرَادَ أَنْ يَذْكُرَ بَعْضَ خَوَاصِّهِ لِيُفِيدَ زِيَادَةَ مَعْرِفَةٍ

بِہٖ۔ اسم کی تعریف مکمل ہوئی، اب اسم کے خاصے بیان کریں گے بھئی، اسم کے خاصے۔ خاصہ یہ آگے آپ کو خود بھی بتلائیں گے شارحِ جامی۔ خاصہ اسے کہتے ہیں جو ایک چیز میں پایا جائے، یا یوں کہیں کہ وہ صفت جو ایک چیز میں پائی جائے اور دوسری چیزوں میں نہ پائی جائے، اس کے علاوہ چیزوں میں نہ پائی جائے اس کو اس کا خاصہ کہتے ہیں۔ جیسے ضَحْكٌ انسان کا خاصہ ہے، تمام حیوانات میں سے صرف انسان جو ہے وہ ضَحْكٌ کرتا ہے، صرف وہ ضَاحِكٌ ہے اور کوئی حیوان ضَاحِكٌ نہیں، تو ضَحْكٌ انسان کا خاصہ ہے۔ تو خاصہ کسے کہتے ہیں؟ جو ایک چیز میں پایا جائے اور اس کے علاوہ چیزوں میں نہ پایا جائے بھئی، وہ اس چیز کا خاصہ کہلاتا ہے۔

تو اب یہ اسم کے خاصے ذکر کرنے لگے ہیں، یعنی آسان لفظوں میں یوں کہو، اسم کی علامتیں ذکر کرنے لگے ہیں۔ یاد رکھو تعریف سے ایک چیز ذہن میں ممتاز ہوتی ہے اور خاصے سے ایک چیز خارج میں ممتاز ہوتی ہے۔ مثلاً میں آپ سے کہتا ہوں کہ بھئی جاسوسوں سے خبردار رہنا۔ آپ کہتے ہیں بھئی جاسوس کسے کہتے ہیں؟ تو میں آپ کو بتلاتا ہوں کہ جاسوس وہ شخص ہے جو ہماری باتیں دشمن تک پہنچائے۔ جو ہماری باتیں دشمن تک پہنچائے وہ کیا ہے؟ جاسوس ہے۔ اب آپ ذہن میں سمجھ گئے، اچھا جاسوس اس کو کہتے ہیں جو آپ کی باتیں آپ کے دشمن تک پہنچائے۔ تو ذہن میں تو آپ سمجھ گئے جاسوس کسے کہتے ہیں، لیکن خارج میں اس کو پہچانیں گے کیسے بھئی؟ تو پھر مثلاً بتلانے والا اس کی کوئی علامت ذکر کرتا ہے کہ اس نے فلاں، مثلاً، مثلاً فلاں رنگ کے کپڑے پہنے ہوں گے، یا فلاں رنگ کے اس نے جوتے پہنے ہوں گے۔ مثلاً آپ کو پتہ تھا کہ یہ فلاں شخص جو جاسوس ہے اس نے ایسے ایسے کپڑے پہنے ہوئے ہیں۔ تو اب آپ دوسرے کو بھی خبردار کرتے ہیں، لیکن اس کا نام نہیں لیتے بس اس کی علامتیں بتا دیتے ہیں، چاہے ایک ہے یا دو ہیں یا زیادہ، کہ اس اس طرح کے کپڑے پہنے ہوں گے، اس طرح کے جوتے ہوں گے وغیرہ، یہ ان کی نشانیاں ہیں بھئی۔ تو دیکھو جب میں نے ان کی، جب تعریف کی اس کی تو اس سے ذہن میں جاسوس ممتاز ہو گیا کہ اچھا جاسوس اس کو کہتے ہیں، آپ سمجھ گئے۔ اور جب علامتیں ذکر کیں تو علامتوں سے اب آپ اس کو خارج میں بھی پہچان لیں گے کہ اچھا یہ والا آدمی بھی جاسوس ہے، یہ والا بھی جاسوس ہے۔ تو تعریف سے ایک چیز ذہن میں ممتاز ہوتی ہے یعنی باقی چیزوں سے الگ ہو جاتی ہے، انسان اس کو سمجھ لیتا ہے، اور خاصوں کے ذریعے یعنی یوں کہو علامتوں کے ذریعے ایک چیز خارج میں ممتاز ہوتی ہے، انسان اس کو پہچان لیتا ہے۔ تو اسم کی تعریف کر دی، اب آپ کو اسم کا پتہ چل گیا کہ اسم کسے کہتے ہیں؟ کوئی بھی ایسا کلمہ جو اپنے معنی پر مستقلاً دلالت کرے اور اس کے ساتھ تین زمانوں میں سے کوئی زمانہ ملا ہوا نہ ہو وہ کیا ہو گا؟ اسم ہو گا، آپ ذہن میں بات اچھی طرح سمجھ گئے۔ لیکن اب خارج میں اس کو پہچانیں گے کیسے؟ اس کے لیے خاصے اور علامتیں آپ کو بتلائیں گے۔ کہ کسی لفظ پر تنوین آجائے تو سمجھ جاؤ یہ اسم ہے۔ کسی لفظ پر الف لام آجائے تو سمجھ جاؤ یہ اسم ہے۔ کوئی لفظ مسند الیہ بن جائے، سمجھ جاؤ یہ کیا ہے؟ اسم ہے۔ کسی لفظ پر جر آجائے، سمجھ جاؤ یہ کیا ہے؟ اسم ہے۔ تو یہ اب علامتیں ذکر کریں گے، اس سے

اسم کی پوری پہچان آپ کو ہو جائے گی، اور اچھی طرح پہچان ہو جائے گی، بات سمجھ میں آ گئی؟ دیکھیے بھئی۔

کہتے ہیں: وَلَمَّا فَرَغَ مِنْ بَيَانِ حَدِّ الْاِسْمِ، اور جب مصنف رحمہ اللہ یعنی علامہ ابنِ حاجب رحمہ اللہ اسم کی تعریف کے بیان سے فارغ ہوئے، أَرَادَ تو انہوں نے ارادہ کیا أَنْ يَذْكُرَ بَعْضَ خَوَاصِّهِ کہ وہ اسم کے بعض خاصوں کو ذکر کر دیں، لِيُفِيدَ زِيَادَةَ مَعْرِفَةٍ بِهِ تاکہ یہ فائدہ دے اسم کی زیادہ معرفت کا، تاکہ اسم کی اور زیادہ معرفت اور زیادہ پہچان حاصل ہو جائے اس کا یہ فائدہ دے۔ فَقَالَ پس فرمایا: وَمِنْ خَوَاصِّهِ اور اسم کے خاصوں میں سے ہے۔ پہلے متن متن دیکھ لیں۔ کہتے ہیں: وَمِنْ خَوَاصِّهِ اور اسم کے خاصوں میں سے ہے دُخُولُ اللَّامِ وَالْجَرِّ وَالتَّنْوِينِ وَالْإِسْنَادُ إِلَيْهِ وَالْإِضَافَةُ۔ جی، عبارت مل گئی؟ جی۔ اور اسم کے خاصوں میں سے ہے لام کا داخل ہونا یعنی لامِ تعریف کا کسی لفظ پر آنا، اَلرَّجُلُ اس پر الف لام آیا اس سے آپ کو فوراً پتہ چل گیا کہ یہ اسم ہے۔ وَالْجَرِّ اور اسی طرح جر کا داخل ہونا، غُلَامُ زَيْدٍ یہ زید پر جر آ گیا، اس سے فوراً آپ کو پتہ چل گیا کہ یہ کیا ہے؟ اسم ہے، یہ اسم ہے۔ وَالتَّنْوِينِ اور اسی طرح تنوین کا داخل ہونا، غُلَامٌ، غُلَامٌ پر تنوین آ رہی ہے، آپ فوراً سمجھ گئے کہ یہ اسم ہے، یہ اسم کا خاصہ ہے۔ وَالْإِسْنَادُ إِلَيْهِ اس کی طرف اسناد کا ہونا یعنی اس کا مسند الیہ ہونا، کوئی لفظ جب مسند الیہ بن رہا ہو آپ سمجھ جائیں کہ یہ اسم ہے، جیسے، جیسے میں کہتا ہوں عَمْرٌو قَائِمٌ، عمر کھڑا ہے۔ میں نے کس کے بارے میں بات کی؟ عمر کے بارے میں، اور کیا بات کی؟ کہ وہ کھڑا ہے۔ تو جس کے بارے میں بات کی جائے وہ مسند الیہ ہوتا ہے، تو عَمْرٌو یہاں کیا ہے؟ عَمْرٌو قَائِمٌ کے اندر عَمْرٌو کیا ہے؟ مسند الیہ، اس سے کیا پتہ چلا کہ یہ اسم ہے۔ وَالْإِضَافَةُ اور اسی طرح اضافت یہ بھی اسم کے خاصوں میں سے ہے یعنی مضاف ہونا، غُلَامُ زَيْدٍ۔ غُلَامُ مضاف ہے اور زَيْدٍ مضاف الیہ، تو اضافت سے مراد ہے مضاف ہونا۔ کون؟ بھئی غُلَامُ زَيْدٍ اضافت کے لیے دو لفظ چاہئیں، ایک پہلے کو کہتے ہیں مضاف، دوسرے کو کہتے ہیں مضاف الیہ، یہاں صرف مضاف مراد ہے۔ مضاف ہونا اسم کا خاصہ ہے، مضاف الیہ ہونا اسم کا خاصہ نہیں کیونکہ آگے چل کر آپ کو بتلائیں گے کہ کبھی کبھار فعل یا جملہ بھی مضاف الیہ بن جاتا ہے۔ تو معلوم ہوا مضاف الیہ ہونا اسم کا خاصہ نہیں ہے، وہ تو فعل بھی بن جاتا ہے، جملہ بھی بن جاتا ہے، معلوم ہوا اسم کا خاصہ مضاف ہونا ہے، مضاف صرف اسم بنے گا، فعل کبھی نہیں مضاف بنے گا، جملہ یا حرف کبھی مضاف نہیں بنے گا، بات سمجھ میں آ گئی۔ تو یہ پانچ خاصے علامہ ابنِ حاجب نے ذکر کر دیے بھئی۔ یاد رکھو اسم کے بہت سے خاصے ہیں بھئی، دس پندرہ یا بیس بلکہ اس سے بھی زیادہ، بلکہ بعض علماء فرماتے ہیں کہ اسم کے خاصوں کی تعداد کوئی تیس تک پہنچتی ہے بھئی۔ لیکن یہاں یہ صرف چند خاص، بڑے بڑے خاصے ذکر کر دیں گے، بلکہ ان خاصوں کے ضمن میں ہی کئی خاصے آ گئے۔ ان خاصوں کے ضمن میں ہی کئی خاصے آ گئے، ایسے موٹے موٹے خاص خاصے ذکر کر دیے۔ جیسے الف لام کہا، الف لام سے لفظ کیا بنتا ہے؟ معرفہ۔ یاد رکھو معرفہ ہونا بھی اسم کا خاصہ ہے۔ فعل اور حرف کبھی معرفہ نہیں ہوتے، تو دیکھو ایک اور

خاصے کی طرف بھی اشارہ ہو گیا۔ بلکہ معرفہ کی کئی قسمیں ہیں، سب اس کے اندر آگئیں بھئی، وہ سب اسم کے خاصے ہیں۔ اسی طرح جر، جر اسم کا خاصہ ہے، جر اسم کا خاصہ ہے اور جر کس کی وجہ سے آتا ہے؟ حرفِ جر کی وجہ سے، تو حرفِ جر بھی اسم کا خاصہ ہے، حرفِ جر بھی صرف اسم پر داخل ہوتا ہے۔ تو جر کے ذریعے حرفِ جر والے خاصے کی طرف بھی اشارہ ہو گیا۔ اور تنوین ہے بھئی، تنوین کی کئی قسمیں ہیں تنوین کی، ان سب کی طرف اشارہ ہو گیا۔ توجہ ہے؟ ان سب کی طرف اشارہ ہو گیا بھئی۔ اور اسی طرح مسند الیہ ہونا اور اضافت، تو یہ سب ایسے خاصے ہیں کہ ان کے ضمن میں اور خاصوں کی طرف بھی اشارہ ہو جاتا ہے۔ متن سمجھ میں آگیا؟ اب آئیے شرح پر۔

کہتے ہیں: فَقَالَ وَمِنْ خَوَاصِّهِ، اور اسم کے خاصوں میں سے ہے۔ بھئی دیکھو یہ جو مِنْ ہے نا مِنْ، یہ مِنْ تَبْعِيضِيَّةٌ ہے۔ مِنْ خَوَاصِّهِ أَيْ بَعْضُ خَوَاصِّهِ۔ معلوم ہوا سارے خاصے نہیں ذکر کریں گے، بعض خاصے ذکر کریں گے۔ اور خَوَاصِّهِ یہ جمعِ منتہی الجموع کا صیغہ ہے، آپ پڑھ چکے ہیں۔ جمعِ منتہی الجموع کسے کہتے ہیں؟ کون سا صیغہ ہے؟ کہ الفِ جمع کے بعد دو حرف آئیں، یا دو حرف آئیں یا ایک حرفِ مشدد آجائے، یا تین حرف آجائیں۔ مَسَاجِدُ یہ بھی کیا ہے؟ جمعِ منتہی الجموع، دو حرف آگئے۔ دَوَابُّ یہ بھی کیا ہے؟ جمعِ منتہی الجموع ہے، الف کے بعد ایک حرفِ مشدد آیا اور ایک حرفِ مشدد بھی دراصل دو حرف ہوتے ہیں۔ مَصَابِيحُ یہ بھی کیا ہے؟ جمعِ منتہی الجموع ہے، الفِ جمع کے بعد تین حرف آگئے۔ تو مِنْ خَوَاصِّهِ یہ کون سا صیغہ ہے؟ جمعِ منتہی الجموع کا۔

یاد رکھو آگے آپ کو بتلائیں گے کہ اسم کے خاصے زیادہ ہیں بھئی۔ میں نے بتلایا علماء نے لکھا ہے کوئی تیس تک ہیں بھئی اسم کے خاصے، تیس تک۔ تو خَوَاصّ جمعِ کثرت کا صیغہ لے کر آئے۔ آپ پڑھ چکے ہیں نحو میر وغیرہ میں کہ ایک ہے جمعِ قلت اور ایک ہے جمعِ کثرت۔ جمعِ قلت اسے کہتے ہیں کہ تین سے لے کر نو تک جو ہے اس کے افراد ہوں بھئی۔ یہ کتنے پر دلالت کرتی ہے؟ تین سے لے کر نو تک بھئی۔ معلوم ہوا جو دس ہے، دس اور دس سے اوپر یہ کس میں داخل؟ یہ جمعِ کثرت میں۔ جب کہ بعض علماء فرماتے ہیں کہ دس بھی جمعِ قلت میں داخل ہے، یعنی تین سے لے کر دس تک یہ کس کے افراد ہیں؟ جمعِ قلت کے، اور دس سے جو اوپر ہیں وہ کیا ہیں؟ جمعِ کثرت کے افراد ہیں بھئی۔ تو یہ دونوں ذکر، دونوں کتابوں میں آپ کو جگہ جگہ ملیں گے تو آپ نے پریشان نہیں ہونا۔ بعض جگہ کیا فرماتے ہیں؟ جمعِ قلت کے افراد تین سے لے کر نو تک یعنی تین سے نو تک پر یہ دلالت کرتی ہے، اور بعض فرماتے ہیں تین سے لے کر دس تک پر یہ جمعِ قلت دلالت کرتی ہے اور دس سے اوپر جو ہے وہ جمعِ کثرت ہے بھئی۔

اور جمعِ قلت کے اوزان بھی آپ نے نحو میر وغیرہ میں پڑھے ہیں بھئی۔ ایک وزن اس کا ہے أَفْعُلٌ، أَفْعُلٌ جیسے أَكْلُبٌ، كَلْبٌ کی جمع ہے، كَلْبٌ کتے کو کہتے ہیں۔ تو أَكْلُبٌ یہ جمعِ قلت ہے، معلوم ہوا کتنے مراد ہیں کتے؟ تین سے لے کر نو یا دس تک مراد ہیں۔ تو یہ ایک وزن کیا؟ أَفْعُلٌ۔ اور ایک وزن ہے أَفْعَالٌ بھئی، جیسے قلم کی جمع أَقْلَامٌ، فعل کی جمع أَفْعَالٌ، یہ بھی جمعِ قلت

ہے۔ ایک ہے أَفْعِلَةٌ بھئی، جیسے عَوَانٌ کی جمع أَعْوِنَةٌ بھئی۔ عَوَانٌ کہتے ہیں ادھیڑ عمر بھئی، ادھیڑ عمر جو ذرا بڑی عمر کا ہو، جوانی سے آگے نکل جائے اس کو کیا کہتے ہیں؟ ادھیڑ عمر۔ بوڑھا تو نہیں ہے لیکن جوانی سے آگے جو عمر ہے اس کو ادھیڑ عمر کہتے ہیں۔ اس کو عَوَانٌ کہتے ہیں اور اس کی جمع آتی ہے أَعْوِنَةٌ أَيْ أَفْعِلَةٌ، تو یہ أَفْعِلَةٌ بھی کس کا وزن ہے؟ جمعِ قلت کا وزن ہے۔ اور ایک اس کا وزن ہے فِعْلَةٌ، فِعْلَةٌ جیسے غِلْمَةٌ جمع ہے غلام کی۔ غلام، غلام کو بھی کہتے ہیں اور لڑکے کو بھی کہتے ہیں، اس کی جمع کیا آتی ہے؟ غِلْمَةٌ، تو یہ غِلْمَةٌ کون سا صیغہ ہے؟ جمعِ قلت والا۔ تو یہ چار صیغے ہیں، کون کون سے؟ أَفْعُلٌ، أَفْعَالٌ، أَفْعِلَةٌ، اور فِعْلَةٌ۔ اور دو جمعِ سالم بھی بھئی۔ جمعِ مذکر سالم مُسْلِمُونَ، اور جمعِ مؤنث سالم مُسْلِمَاتٌ۔ یہ جب بغیر الف لام کے ہوں تو یہ بھی جمعِ قلت پر دلالت کرتے ہیں، بات سمجھ میں آگئی؟ بغیر الف لام کے جب ہوں۔ تو یہ جمعِ قلت ہیں۔ لیکن یہاں پر صاحبِ کافیہ مِنْ خَوَاصِّهِ، خَوَاصّ لے کر آئے، یہ تو ان چھ وزنوں میں سے نہیں ہے۔ نہ یہ أَفْعُلٌ ہے، نہ أَفْعَالٌ ہے، نہ أَفْعِلَةٌ ہے اور نہ فِعْلَةٌ ہے، اور نہ یہ دو جمعِ سالم یعنی جمعِ مذکر سالم اور جمعِ مؤنث سالم کے صیغوں میں سے ہے۔ تو یہ جمعِ کثرت کا صیغہ لائے اشارہ کرنے کے لیے کہ اسم کی خاصیات کثیر ہیں، دس سے زیادہ ہیں، بات سمجھ میں آگئی؟ اس کی خاصیات تو دس سے زیادہ ہیں لیکن مِنْ شروع میں لے آئے، وَمِنْ خَوَاصِّهِ۔ خَوَاصِّهِ یعنی اسم کے خاصے زیادہ ہیں دس سے، لیکن مِنْ خَوَاصِّهِ، مِنْ تَبْعِيضِيَّةٌ لے آئے کہ ہم بعض ذکر کریں گے، ساروں کو یہاں ذکر نہیں کریں گے۔ وَمِنْ خَوَاصِّهِ اور اسم کے خاصوں میں سے ہے۔

آگے بھئی متن پہ ذرا نظر رکھو، دُخُولُ اللَّامِ، لام کا داخل ہونا یعنی لامِ تعریف کا داخل ہونا۔ ترکیب سمجھ لو۔ وَمِنْ خَوَاصِّهِ، مِنْ جارہ، خَوَاصِّهِ مضاف مضاف الیہ مل کر یہ مجرور مِنْ کے، جار مجرور مل کر یہ خبرِ مقدم ہوئی ثَابِتٌ سے متعلق ہو کر، اور دُخُولُ اللَّامِ یہ مضاف مضاف الیہ مل کر مبتدا۔ دوسری ترکیب بھئی: وَمِنْ خَوَاصِّهِ، بعض علماء فرماتے ہیں یہ جو مِنْ تَبْعِيض کے لیے آتا ہے یہ دراصل اسم ہے۔ یہ کیا ہے؟ اسم ہے، وَمِنْ خَوَاصِّهِ أَيْ بَعْضُ خَوَاصِّهِ۔ اگر یہ قول لے لیا جائے تو پھر یہ مبتدا ہے۔ یہ کیا ہے؟ بھئی دیکھیے نا میں نے آپ کو بتلایا تھا جار مجرور جب بھی کلام میں آئیں وہ خبر تو بن سکتے ہیں، مبتدا نہیں۔ تو اگر مِنْ خَوَاصِّهِ میں مِنْ جو ہے اس کو حرف شمار کریں، یہ مِنْ تَبْعِيض کے لیے ہے اور حرف ہے، حرفِ جر ہے، تو مِنْ خَوَاصِّهِ یہ جار مجرور ہوئے اور جار مجرور کبھی مبتدا نہیں بن سکتے بلکہ کیا بنتے ہیں؟ خبر، تو یہ خبرِ مقدم ہو جائے گی اور دُخُولُ اللَّامِ کیا ہو جائے گا؟ مبتدا مؤخر۔ لیکن بعض علماء کیا فرماتے ہیں کہ یہ مِنْ، یہ اسم ہے، جو مِنْ تَبْعِيض کے لیے آئے وہ اسم ہے، تو جب یہ اسم ہے، تو ہم نے پہلے اس کو خبر کیوں بنایا تھا؟ کیونکہ جار مجرور تھے اور جار مجرور تو مبتدا نہیں بن سکتے، لیکن جب یہ اسم ہے تو پھر تو یہ دو مضاف مضاف الیہ ہیں، تو یہ اب مبتدا بن سکتا ہے۔ تو مِنْ خَوَاصِّهِ یہ ہو جائے گا مبتدا، یہ سارے مضاف مضاف الیہ مل کر مِنْ مضاف، خَوَاصّ مضاف الیہ مضاف، پھر هَا ضمیر مضاف الیہ، پھر یہ سارے مضاف مضاف الیہ وغیرہ مل کر یہ مبتدا اور دُخُولُ اللَّامِ اس کے لیے کیا بن جائے گا؟ خبر بن جائے گا۔

ترکیب سمجھ میں آگئی؟

تو کہتے ہیں: فَقَالَ وَمِنْ خَوَاصِّهِ علامہ ابنِ حاجب نے فرمایا: وَمِنْ خَوَاصِّهِ اور اسم کے خاصوں میں سے ہے۔ مُنَبِّهًا، مُنَبِّهًا تنبیہ کرتے ہوئے۔ دیکھو اب بتلائیں گے آپ کو کہ مِنْ تَبْعِيضِيَّةٌ لائے یہ کس وجہ سے لائے اور خَوَاصِّهِ جمعِ منتہی الجموع کا صیغہ یعنی جمعِ کثرت لائے وہ کس لیے لائے، اب وہ بتانے لگے ہیں۔ کہتے ہیں: مُنَبِّهًا اس حال میں کہ علامہ ابنِ حاجب جو ہیں وہ متنبہ فرما رہے ہیں، بِصِيغَةِ جَمْعِ الْكَثْرَةِ عَلَى كَثْرَتِهَا جمعِ کثرت کے صیغے کے ذریعے وہ تنبیہ فرما رہے ہیں، عَلَى كَثْرَتِهَا أَيْ عَلَى كَثْرَةِ الْخَوَاصِّ، اسم کے کثرتِ خواص پر کہ وہ خاصے کیا ہیں؟ خاصے زیادہ ہیں۔ وَبِمِنْ التَّبْعِيضِيَّةِ عَلَى أَنَّ مَا ذَكَرَهُ بَعْضٌ مِنْهَا اور مِنْ تَبْعِيضِيَّةٌ کے ذریعے وہ اس بات پر متنبہ فرما رہے ہیں کہ أَنَّ مَا ذَكَرَهُ کہ وہ خاصے جو کس نے ذکر کیے ہیں؟ علامہ ابنِ حاجب نے یہ جو پانچ خاصے ذکر کیے ہیں، بَعْضٌ مِنْهَا یہ ان کثیر خاصوں میں سے بعض ہیں، سارے نہیں ہیں۔ وَهِيَ جَمْعُ خَاصَّةٍ اور یہ خَوَاصّ جو ہے یہ جمع ہے خَاصَّةٌ کی۔ وَخَاصَّةُ الشَّيْءِ مَا يَخْتَصُّ بِهِ وَلَا يُوجَدُ فِي غَيْرِهِ اور کسی چیز کا جو خاصہ ہوتا ہے، مَا وہ چیز ہے يَخْتَصُّ بِهِ جو اس چیز کے ساتھ خاص ہو، وَلَا يُوجَدُ فِي غَيْرِهِ اور اس کے علاوہ میں نہ پایا جائے، اس کو خاصہ کہتے ہیں۔ خاصہ کسے کہتے ہیں؟ جو ایک چیز کے ساتھ خاص ہو یعنی اسی میں پایا جائے اور کسی اور میں نہ پایا جائے بھئی۔

یہاں آیا يَخْتَصُّ بھئی۔ یاد رکھو اِخْتَصَّ يَخْتَصُّ اس کا معنی خاص ہونا بھی، اِخْتَصَّ الشَّيْءُ یہ شے خاص ہے، یہ شے خاص ہے۔ اور اس کا معنی خاص کرنا بھی، اِخْتَصَصْتُ الشَّيْءَ میں نے اس شے کو خاص کر دیا۔ یعنی یہ فعلِ لازم بھی ہے، فعلِ متعدی بھی۔ تو جہاں بھی آئے آپ اس کو معروف بھی پڑھ سکتے ہیں، معروف پڑھو گے تو فعلِ معروف کے لیے کیا چاہیے؟ فاعل، تو آگے جو لفظ آئے گا وہ اس کے لیے فاعل بنے گا۔ اور آپ چاہیں تو اس کو مجہول بھی پڑھ سکتے ہیں، اس صورت میں جو آگے مفعول تھا اب وہ کیا بن چکا؟ نائبِ فاعل۔ مطلب یہ کہ اس کے آگے جو لفظ آئے گا اگر آپ نے اس کو فعلِ معروف پڑھا تو وہ آگے والا لفظ مرفوع ہے فاعل ہونے کی وجہ سے، اور اگر آپ نے اس کو مجہول پڑھا تو اس صورت میں جو آگے جو اسم مرفوع ہو گا وہ نَائِبُ الْفَاعِلِ ہو گا۔ تو عموماً دونوں طرح پڑھ سکتے ہیں، ہاں بعض جگہیں ایسی آئیں گی کہ وہاں ایک ہی طرح پڑھنا جائز ہو گا، دونوں طرح پڑھنا جائز نہیں۔ تو کہتے ہیں: وَخَاصَّةُ الشَّيْءِ مَا يَخْتَصُّ بِهِ یا خَاصَّةُ الشَّيْءِ مَا يُخْتَصُّ بِهِ وَلَا يُوجَدُ فِي غَيْرِهِ، اور کسی چیز کا خاصہ وہ چیز ہوتی ہے جو اس کے ساتھ خاص ہو، وَلَا يُوجَدُ فِي غَيْرِهِ اور اس کے علاوہ میں نہ پایا جائے۔

وَهِيَ إِمَّا شَامِلَةٌ جی، ادھر دیکھیے، خاصہ پھر دو قسم پر ہے: ایک خاصۂ شاملہ، ایک خاصۂ غیرِ شاملہ۔ خاصۂ شاملہ نام سے ہی پتہ چل رہا ہے جو اس کے تمام افراد کو شامل ہو، یعنی تمام افراد میں پایا جائے، اور خاصۂ غیرِ شاملہ جو اس شے کے تمام افراد میں نہ پایا جائے۔ توجہ ہے؟ جی۔ جیسے انسان میں اللہ نے علم کی صلاحیت رکھی ہے، اور یہ صلاحیت بعض انسانوں

میں ہے یا تمام انسانوں میں ہے؟ تمام میں، تو یہ خاصۂ شاملہ ہے۔ اور ایک ہے باقاعدہ لکھنا پڑھنا سیکھ لینا، اور یہ لکھنا پڑھنا سیکھ لینا یہ سارے انسان ایسے ہیں یا بعض ایسے ہیں؟ بعض ایسے ہیں، تو دیکھا، تو بِالْقُوَّةِ لکھنا یہ خاصۂ شاملہ ہے تمام انسانوں کا، بِالْقُوَّةِ کا کیا معنی؟ یعنی ان میں صلاحیت رکھی ہے اللہ نے۔ اور بِالْفِعْلِ لکھنا اور پڑھنا یہ بعض انسان ہیں ایسے اور بعض نہیں، تو بِالْقُوَّةِ لکھنا پڑھنا یہ خاصۂ شاملہ ہے، اور بِالْفِعْلِ لکھنا پڑھنا یہ خاصۂ غیرِ شاملہ ہے، بات سمجھ میں آگئی؟ تو کہتے ہیں: وَهِيَ إِمَّا شَامِلَةٌ لِجَمِيعِ أَفْرَادِ مَا هِيَ خَاصَّةٌ لَهُ اور یا تو خاصہ جو ہے وہ شامل ہوگا اس شے کے تمام افراد کو جس کا یہ خاصہ ہے۔ ترجمہ سمجھ میں آرہا ہے؟ وَهِيَ إِمَّا شَامِلَةٌ لِجَمِيعِ أَفْرَادِ مَا هِيَ خَاصَّةٌ لَهُ یا تو خاصہ شامل ہوگا اس شے کے تمام افراد کو جس کا یہ خاصہ ہے، كَالْكَاتِبِ بِالْقُوَّةِ لِلْإِنْسَانِ جیسے انسان کے لیے کاتب بِالْقُوَّةِ ہونا یعنی انسان میں کاتب کے ہونے کی صلاحیت جو ہے یہ خاصۂ شاملہ ہے، تمام افراد کو شامل ہے۔ أَوْ غَيْرُ شَامِلَةٍ یا خاصہ غیرِ شاملہ ہوگا، كَالْكَاتِبِ بِالْفِعْلِ لَهُ جیسے کہ کاتب بِالْفِعْلِ ہے انسان کے لیے، تمام انسان بِالْفِعْلِ کتابت نہیں کر سکتے، بلکہ بعض کر سکتے ہیں بعض نہیں کرتے۔

فَمِنْ خَوَاصِّ الْاِسْمِ دُخُولُ اللَّامِ پس اسم کے خاصوں میں سے جو ہے دُخُولُ اللَّامِ لام کا داخل ہونا ہے، أَيْ لَامِ التَّعْرِيفِ یعنی لامِ تعریف بھئی۔ بتلانا یہ چاہتے ہیں کہ اَللَّامِ سے ہر لام مراد نہیں ہے، بلکہ خاص لام مراد ہے اور وہ لامِ تعریف ہے۔ کیونکہ لامِ تعریف جو ہے وہ اسم کا خاصہ ہے، ورنہ یہ لام، یہ لام کبھی ابتدا کے لیے بھی آتا ہے لامِ ابتدا، لامِ ابتدا اور یہ اسم پر بھی داخل ہو سکتا ہے اور فعل پر بھی داخل ہو سکتا ہے۔ اسی طرح ایک لامِ تاکید ہے، لامِ تاکید وہ فعل پر بھی داخل ہوتا ہے لَأَضْرِبَنَّكَ، دیکھو یہ لام آیا یا نہیں؟ اور اسی طرح ایک لامِ امر ہے لِيَضْرِبْ، چاہیے کہ وہ پٹائی کرے۔ تو لام کئی قسم کا ہے، اور ہر لام تو اسم کا خاصہ نہیں، کون سا لام اسم کا خاصہ ہے؟ لامِ تعریف۔ اسی لیے اَللَّامِ کا کیا ترجمہ کیا؟ أَيْ، أَيْ لَامِ التَّعْرِيفِ۔

▪ متنِ کتاب و تحقیقِ مسائلِ نحویہ

كَدُخُولِ اللَّامِ أَيْ لَامِ التَّعْرِيفِ۔

لَامِ التَّعْرِيفِ، توجہ ہے؟ میں نے لَامِ التَّعْرِيفِ پڑھا کیوں بھئی؟ لام پر میں نے جر کیوں پڑھا؟ نصب یا رفع کیوں نہیں پڑھا؟ کیا وجہ؟ کئی دفعہ میں بیان کر چکا۔ میں نے بتایا تھا یہ أَيْ تفسیر کے لیے آتا ہے، ماقبل والا ہے مُفَسَّر اور مابعد والا ہے مُفَسِّر، یہ تو بات واضح ہے ہر طالب علم جانتا ہے، لیکن اس سے ترکیب حل نہیں ہوتی، ترکیب میں یہ بتانے کی ضرورت نہیں ہے کہ یہ مُفَسَّر ہے یہ مُفَسِّر ہے، ترکیب میں صرف وہ چیزیں بیان کرو جس سے اعراب کا پتہ چلے، اور مُفَسَّر یا مُفَسِّر کہنے سے کوئی اعراب کا پتہ چلا؟ نہیں۔ تو پھر یہ کیا ہے؟ یاد رکھو یہ جو أَيْ سے مابعد ہوتا ہے یہ ماقبل کے لیے بدل بنتا ہے۔ یہ أَيْ کا جو مابعد ہے ماقبل کے لیے بدل، ماقبل والا مُبْدَل مِنْهُ اور مابعد والا بَدَل، اور مُبْدَل مِنْهُ اور بَدَل کا اعراب ایک ہوتا ہے،

اور ماقبل والا لام وہ تو مجرور ہے مضاف الیہ ہے دُخُولُ کے لیے۔ تو آگے جو بدل ہے لَامِ التَّعْرِيفِ وہ بھی کیا ہو گا؟ مجرور ہے کیونکہ بدل اور مبدل منہ کا اعراب ایک ہوتا ہے، بات سمجھ میں آگئی۔ دُخُولُ اللَّامِ أَيْ لَامِ التَّعْرِيفِ.

یعنی اَللَّامِ پر جو الف لام آیا، توجہ ہے؟ یہاں ایک اور بات میں ذکر کر دوں۔ بھئی بعض علماء فرماتے ہیں کہ یہ الف لام عوض ہوتا ہے مضاف الیہ کا۔ یہ الف لام عوض ہوتا ہے مضاف الیہ کا۔ تو اَللَّامِ، معلوم ہوا یہ جو الف لام آیا ان کے مذہب کے مطابق یہ مضاف الیہ کا عوض ہے اور وہ مضاف الیہ کیا ہے؟ شارحِ جامی نے بتلا دیا أَيْ لَامِ التَّعْرِيفِ. مضاف الیہ کیا تھا؟ اصل میں تھا لَامُ التَّعْرِيفِ، توجہ ہے؟ پھر تعریف کو مضاف الیہ کو حذف کیا اور اس کے عوض اس پر کیا لے آئے؟ الف لام لے آئے، کیا بن گیا؟ اَللَّامِ۔ تو دُخُولُ اللَّامِ اصل میں کیا تھا؟ دُخُولُ، نہیں توجہ سبق کی طرف۔ یہ الف لام کبھی عوض ہوتا ہے مضاف الیہ کا، مضاف الیہ کو حذف کر لیتے ہیں اور اس کے عوض مضاف پر الف لام لے آتے ہیں۔ تو اصل میں کیا تھا؟ لَامُ التَّعْرِيفِ تھا، توجہ ہے؟ لَامُ التَّعْرِيفِ تھا، پھر مضاف الیہ کیا ہے؟ تَعْرِيفِ، اس کو حذف کر دیا، اس کو حذف کر دیا اور اس کے عوض لام پر کیا لے آئے؟ الف لام، تو کیا بن گیا؟ اَللَّامِ۔ تو دُخُولُ اللَّامِ اصل میں کیا تھا؟ دُخُولُ لَامِ التَّعْرِيفِ، بات سمجھ میں آگئی؟ تو ان علماء کے نزدیک یہ الف لام عوض ہوتا ہے مضاف الیہ کا۔ جب کہ دیگر علماء فرماتے ہیں کہ الف لام مضاف الیہ کا عوض نہیں بنتا، الف لام کے ذریعے کسی چیز کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے۔ تو اَللَّامِ سے مراد خاص لام ہے، وہ والا لام، اور کون سا لام؟ لامِ تعریف۔ تو یہ جو اَللَّامِ آیا، دوسرا مذہب بیان کر رہا ہوں، اس میں جو الف لام آیا ہے یہ مضاف الیہ کا عوض نہیں ہے کیونکہ ان علماء کے نزدیک الف لام مضاف الیہ کا عوض نہیں بنتا، الف لام کے ذریعے اشارہ کیا جاتا ہے۔ تو یہاں پر بھی کیا کہا؟ دُخُولُ اللَّامِ وہ والے لام کا داخل ہونا، الف لام کے ذریعے اشارہ کر دیا، اور کس لام کی طرف اشارہ ہے؟ لامِ تعریف کی طرف، ہر لام کی طرف اشارہ نہیں۔

تو کہتے ہیں: فَمِنْ خَوَاصِّ الْاِسْمِ دُخُولُ اللَّامِ تو اسم کے خاصوں میں سے ہے لام کا داخل ہونا، کون سا لام؟ أَيْ لَامِ التَّعْرِيفِ یعنی لامِ تعریف بھئی۔ تو دونوں گروہوں کے نزدیک اَللَّامِ سے لامِ تعریف مراد ہے۔ صاحبِ جامی نے آگے جو بتلایا أَيْ لَامِ التَّعْرِيفِ یہ کسی ایک مذہب کو بھی ترجیح نہیں دے رہا، وہ صرف اتنا بتلا رہے ہیں کہ اَللَّامِ سے کیا مراد ہے؟ لامِ تعریف۔ دونوں تقریریں اس پر منطبق ہو جاتی ہیں۔ جن کے نزدیک یہ الف لام عوض ہے کس کا؟ مضاف الیہ کا، تو ان کے نزدیک بھی بات ٹھیک ہو گئی اَللَّامِ أَيْ لَامِ التَّعْرِيفِ۔ اور جن کے نزدیک یہ ہاں الف لام عوض مضاف الیہ کا نہیں ہے بلکہ اس کے ذریعے اشارہ ہو رہا ہے خاص لام کی طرف اور وہ کون سا لام ہے؟ لامِ تعریف، وہ بھی یہاں منطبق ہوتی ہے بات اَللَّامِ سے کیا مراد ہے اس کے ذریعے کس کی طرف اشارہ ہے أَيْ لَامِ التَّعْرِيفِ، بات سمجھ میں آگئی؟ تو مآل یا نتیجہ دونوں کا ایک ہی ہے، البتہ طریقے میں اختلاف ہے۔ تو دونوں کے نزدیک اَللَّامِ سے مراد لامِ تعریف ہے لیکن صرف طریقے میں

اختلاف ہے۔ ایک کہتے ہیں کہ یہ لامِ تعریف کس طرح مراد ہے؟ کہ الف لام عوض ہے اس مضاف الیہ کا، اور دوسرے کیا کہتے ہیں کس طرح مراد ہے؟ کہ اس کی طرف اشارہ ہو رہا ہے، یہ عوض نہیں ہے مضاف الیہ کا۔ دیکھا، یہ دونوں مذہبوں کے مطابق بات ایک ہی جیسی رہے گی۔ اَللَّامِ کی کیا تفسیر کی؟ لامِ تعریف، عبارت پہ نظر رکھو، اَللَّامِ کی تفسیر کی أَيْ کے ساتھ، کیا تفسیر کی؟ لَامِ التَّعْرِيفِ۔ اگر پہلا مذہب لیں تو اس کے مطابق بتلا دیا کہ یہ الف لام عوض ہے مضاف الیہ کا اور وہ مضاف الیہ اَلتَّعْرِيفِ ہے۔ اور اگر دوسرا مذہب لیں تو اس کے مطابق بھی بات ٹھیک ہے کہ اَللَّامِ سے ہر لام نہیں مراد، کون سا لام مراد ہے؟ لامِ تعریف، یعنی الف لام کے ذریعے لامِ تعریف کی طرف اشارہ ہے، یہ بتلا دیا۔

اور لامِ تعریف کون سا ہے بھئی؟ میں نے آپ کو بتلایا تھا کہ الف لام دو قسم پر ہے: ایک الف لام اسمی، ایک الف لام حرفی۔ الف لام اسمی کیا ہے؟ جو اسمِ فاعل اور اسمِ مفعول کے صیغوں پر داخل ہوتا ہے اور یہ دراصل اسمِ موصول ہے۔ یہ اسمِ موصول ہے۔ تو یہاں پر یہ الف لام اسمی مراد نہیں ہے، الف لام حرفی مراد ہے۔ الف لام حرفی کون سا تھا؟ جس کے ذریعے کسی لفظ کو معرفہ بنایا جاتا ہے، اور پھر اس کی چار قسمیں ہیں، کون کون سی؟ یا جنسی ہوگا، یا استغراقی ہوگا، یا عہدِ خارجی ہوگا، یا عہدِ ذہنی، یعنی وہ الف لام مراد ہے جو حرف ہے اسم نہیں، بات سمجھ میں آگئی؟ تو وہ والا الف لام مراد ہے۔ الف لام اسمی تو اسم ہوتا ہے، اسمِ موصول ہوتا ہے، اَلضَّارِبُ کس معنی میں؟ اَلَّذِي يَضْرِبُ، اور اَلْمَضْرُوبُ کس معنی میں؟ اَلَّذِي يُضْرَبُ، یہ تو اسم ہے اسمِ موصول ہے، اور وہ مراد نہیں بلکہ یہاں کون سا لامِ تعریف مراد ہے؟ جو الف لام، دیکھو تعریف والا لام، جو معرفہ بناتا ہے کسی اسم کو۔ اور معرفہ کون سا لام بناتا ہے؟ الف لام حرف والا جو ہے، الف لام اسمی وہ کسی کو معرفہ نہیں بناتا، وہ خود معرفہ ہے وہ اسمِ موصول ہے بھئی۔ تو یہ الف لام حرفی مراد ہے جو کسی لفظ کو معرفہ بناتا ہے۔ اور میں نے یہ بھی آپ کو بتلایا تھا کہ یہ الف لام حرفی کبھی زائد بھی آجاتا ہے۔ کبھی زائد بھی آتا ہے، جیسے اَلْحَسَنُ وَالْحُسَيْنُ رضی اللہ تعالیٰ عنہما۔ حسن اور حسین پر الف لام آیا، اور یہ الف لام کون سا ہے؟ حرفی، اور الف لام حرفی کیا فائدہ دیتا ہے؟ لفظ کو معرفہ بناتا ہے، لیکن حسن اور حسین یہ تو علم ہیں، یہ تو پہلے سے ہی معرفہ ہیں۔ تو ان پر جو الف لام آیا وہ حرفی تو ہے یعنی حرف ہے لیکن وہ لفظ کو معرفہ نہیں بنا رہا، لفظ پہلے سے ہی معرفہ ہے، یہ صرف تحسین کے لیے ہے، لفظ کو خوبصورت بنانے کے لیے ہے۔ جیسے اَلْعَلِيُّ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ اَلْعَلِيُّ پر جو الف لام ہے یہ بھی صرف تحسینِ لفظ کے لیے ہے کیونکہ یہ تو نام ہے پہلے سے ہی معرفہ ہے۔ اَلزُّبَيْرُ، زبیر پر بھی الف لام کیا ہے؟ الف لام حرفی ہے لیکن یہ صرف کس لیے ہے؟ تحسینِ لفظ کے لیے ہے۔ اس کو زائدہ کہتے ہیں، یہ زائد ہے یعنی معنی کا فائدہ نہیں دے رہا صرف لفظوں کو خوبصورت بنا رہا ہے۔ تو الف لام حرفی گویا دو قسم پر ہے: کبھی یہ زائدہ ہوتا ہے اور کبھی غیرِ زائدہ۔ زائدہ صرف تحسینِ لفظ کے لیے آتا ہے، اور جو غیرِ زائدہ ہے اس کی چار قسمیں ہیں: یا وہ جنسی ہوگا، یا استغراقی، یا عہدِ خارجی، یا عہدِ

ذہنی ہو گا۔ تو یہاں لام سے کون سا لام مراد ہے؟ الف لام حرفی مراد ہے۔

کہتے ہیں: فَمِنْ خَوَاصِّ الْاِسْمِ دُخُولُ اللَّامِ اسم کے خاصوں میں سے ہے لام کا داخل ہونا، کون سا لام؟ أَيْ لَامِ التَّعْرِيفِ یعنی کہ لامِ تعریف۔ وَلَوْ قَالَ دُخُولُ حَرْفِ التَّعْرِيفِ لَكَانَ شَامِلًا لِلْمِيمِ فِي مِثْلِ قَوْلِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ: لَيْسَ مِنَ امْبِرِّ امْصِيَامُ فِي امْسَفَرِ۔ یہ حدیث ہے بھئی، حدیث ہے۔ عرب کا ایک قبیلہ ہے حِمیر بھئی، حِمیر قبیلہ ہے، اور یہ قبیلہ طے جو ہے اس کی ایک شاخ ہے۔ قبیلہ طے بھئی حاتم طائی کا جو قبیلہ تھا۔ طَائِيٌّ کیا معنی؟ قبیلہ طے والا، قُرَشِيٌّ کا کیا معنی؟ قبیلہ قریش والا، تو طَائِيٌّ یہ قبیلہ طے کی طرف نسبت ہے، تو حاتم طائی کیوں کہتے تھے؟ کیونکہ وہ قبیلہ طے والا تھا۔ تو اسی قبیلہ طے کی ایک شاخ ہے اس کا نام ہے حِمیر بھئی۔ یہ یمن میں کوئی قبیلہ ہے عرب بھئی قبیلہ۔ اور یہ عرب، یہ عام عرب تو الف لام استعمال کرتے ہیں تعریف کے لیے، یہ الف میم استعمال کرتے ہیں۔ آپ کہتے ہیں اَلرَّجُلُ، وہ کہتے ہیں اَمْرَجُلُ۔ دیکھا، لام کی جگہ میم استعمال کرتے ہیں، توجہ ہے؟ تو الف میم استعمال کرتے ہیں۔ تو یہ ایک صحابی روایت کرتے ہیں، حضور علیہ السلام نے ان سے فرمایا: لَيْسَ مِنَ امْبِرِّ امْصِيَامُ فِي امْسَفَرِ۔ لَيْسَ مِنَ امْبِرِّ یہ میم کی جگہ الف لام لگاتے جاؤ، دیکھو اصل یوں ہو، عام عرب کا کلام ہو تو یوں ہو، یوں ہو گا: لَيْسَ مِنَ الْبِرِّ نیکی نہیں ہے اَلصِّيَامُ روزے فِي السَّفَرِ سفر میں۔ سفر میں روزے رکھنا نیکی نہیں، سفر میں روزے رکھنا نیکی نہیں۔ تو یہ قبیلہ حِمیر کے ایک شخص سے کلام کرتے ہوئے حضور علیہ السلام نے یہ فرمایا۔ وہ چونکہ الف لام کے بجائے الف میم استعمال کرتے تھے، تو حضور علیہ السلام نے انہی کی لغت کے اندر کلام کرتے ہوئے فرمایا: لَيْسَ مِنَ امْبِرِّ امْصِيَامُ فِي امْسَفَرِ، سفر میں روزہ رکھنا نیکی نہیں ہے۔ یہ جب کہ بعض کہتے ہیں کہ انہوں نے حضور سے سوال کیا تھا۔ سوال کیا تھا کیا؟ کہ یا رسول اللہ! وہ سفر پہ تھے اور رمضان آگیا، تو پوچھ رہے تھے کہ روزے رکھیں یا نہ رکھیں؟ اور عرب میں گرمی کا زمانہ ہو اور انسان سفر میں بھی ہو، اگر روزہ رکھ لے گا تو انسان بہت زیادہ، حد سے زیادہ تکلیف میں پڑ جائے گا بھئی۔ تو شریعت نے رخصت دی ہے کہ سفر میں اگر ہو، اور اس طرح مشقت کی جگہ ہو، تو پھر انسان بعد میں روزہ رکھ لے۔ ہاں اگر آج کل کی سہولت ہو، آج کل کی اتنی سہولتیں ہو گئیں، دیکھو آپ اے سی والی گاڑی میں بیٹھتے ہیں اور مثلاً لاہور سے پشاور جاتے ہیں، لیکن اس آرام دہ اور ٹھنڈے سفر کے باوجود اگر آپ سفر میں روزہ رکھیں تو بڑی تکلیف میں کبھی پڑ جاتے ہیں بھئی۔ گاڑی سے تھوڑی دیر کے لیے بھی نکلنا پڑ جائے، پیاس لگ جاتی ہے فوراً گرمی کے اندر بھئی۔ تو عرب کے اندر کتنی تکلیف ہو گی اگر انسان کوئی روزہ رکھ لے۔ تو حضور نے اس موقع پر فرمایا کہ سفر میں روزہ رکھنا نیکی نہیں ہے یعنی روزہ بعد میں رکھ لینا، اس وقت رکھا تو بہت تکلیف اور مصیبت میں پڑ جاؤ گے بھئی۔ تو یہ حدیث کے اندر آیا۔ تو بعضوں نے کہا کہ یہ حضور علیہ السلام نے ہی اسی طرح فرمایا، انہی کی لغت میں انہی کے انداز میں کلام کرتے ہوئے، انہوں نے چونکہ سوال پوچھا تھا کیا، کہ یا رسول اللہ أَمِنَ امْبِرِّ امْصِيَامُ فِي امْسَفَرِ کیا سفر میں روزہ رکھنا نیکی ہے؟ تو حضور نے فرمایا: لَيْسَ مِنَ امْبِرِّ امْصِيَامُ فِي امْسَفَرِ کہ سفر میں روزے رکھنا نیکی نہیں ہے یعنی ابھی نہ رکھو بعد

میں رکھ لو، یہ بہت گرمی شدید زیادہ ہے سفر کی تکلیف الگ ہے۔ تو بعض فرماتے ہیں حضور نے ہی ایسا جواب فرمایا، جب کہ بعض فرماتے ہیں کہ حضور نے تو اپنی لغت میں کہا تھا: لَيْسَ مِنَ الْبِرِّ الصِّيَامُ فِي السَّفَرِ الف لام کے ساتھ فرمایا تھا، لیکن یہ حضور کا جواب نقل کرتے ہیں تو اپنی ہی لغت کے مطابق کر رہے ہیں۔ تو بعض کہتے ہیں یہ لفظ خود حضور کے اپنے ہیں اور بعضوں نے یہ کہا کہ یہ وہ صحابی کے لفظ ہیں وہ اپنی لغت کے مطابق حضور کے قول کو نقل کر رہے ہیں بھئی۔ تو بہرحال اس حدیث میں دیکھو تعریف کے لیے الف لام کے بجائے کیا استعمال ہوا ہے؟ الف میم بھئی، کیا؟ الف میم۔ تو صاحبِ جامی آپ کو بتلائیں گے کہ علامہ ابنِ حاجب نے کہا دُخُولُ اللَّامِ لامِ تعریف کا داخل ہونا اسم کا خاصہ ہے، اگر اس کے بجائے وہ دُخُولُ حَرْفِ التَّعْرِيفِ کہہ دیتے تو لام کے ساتھ ساتھ میم بھی داخل ہو جاتا، کیونکہ میم بھی حرفِ تعریف ہے قبیلہ حِمیر والوں کے نزدیک۔

کہتے ہیں: وَلَوْ قَالَ دُخُولُ حَرْفِ التَّعْرِيفِ اور اگر علامہ ابنِ حاجب جو ہیں دُخُولُ حَرْفِ التَّعْرِيفِ کہہ دیتے، تو لَكَانَ شَامِلًا لِلْمِيمِ تو وہ اس میم کو بھی شامل ہوتا، فِي مِثْلِ قَوْلِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ جیسے کہ حضور علیہ السلام کے اس قول میں ہے: لَيْسَ مِنَ امْبِرِّ امْصِيَامُ فِي امْسَفَرِ۔ سفر میں روزے رکھنا کوئی نیکی نہیں ہے۔ لَكِنَّهُ لَمْ يَتَعَرَّضْ لَهُ اچھا تو ماتن نے یوں کیوں نہیں کہا؟ کہتے ہیں بھئی ماتن نے اس لیے نہیں کہا کیونکہ یہ جو میم ہے تعریف کے لیے یہ زیادہ مشہور نہیں، یہ صرف کون استعمال کرتے ہیں؟ قبیلہ حِمیر والے، قبیلہ حِمیر والے، تو وہ علامہ ابنِ حاجب نے اس کی طرف توجہ ہی نہیں کی، اس کو شمار ہی نہیں کیا کیونکہ یہ مشہور نہیں ہے۔ کہتے ہیں: لَكِنَّهُ لَمْ يَتَعَرَّضْ لَهُ لیکن مصنف اس کے پیچھے نہیں پڑے یعنی انہوں نے اس کی طرف توجہ نہیں کی، اس کو چھوڑ دیا، لِعَدَمِ شُهْرَتِهِ کیونکہ اس کی شہرت نہیں ہے۔ تعریف کے لیے میم کا استعمال یہ مشہور نہیں ہے اس لیے اس کو چھوڑ دیا۔ جب کہ بعض علماء نے اور جواب دیا، وہ فرماتے ہیں کہ یہ میم تعریف کے لیے کوئی الگ چیز نہیں ہے، یہ وہی الف لام تھا، قبیلہ حِمیر والوں نے لام کو کس سے بدل دیا؟ میم سے بدل دیا، تو یہ میم الگ تعریف کے لیے نہیں ہے یہ کس سے بدل کر آیا ہے؟ اسی لام سے بدل کر آیا ہے تو وہ ابھی بھی اس کے اندر داخل ہے۔ جب دُخُولُ اللَّامِ کہہ دیا تو اس میں یہ بھی داخل ہو گیا بھئی، بات سمجھ میں آگئی۔

وَفِي اخْتِيَارِهِ اللَّامَ إِشَارَةٌ إِلَى أَنَّ الْمُخْتَارَ عِنْدَهُ مَا ذَهَبَ إِلَيْهِ سِيبَوَيْهِ مِنْ أَنَّ أَدَاةَ التَّعْرِيفِ هِيَ اللَّامُ وَحْدَهَا زِيدَتْ عَلَيْهَا هَمْزَةُ الْوَصْلِ لِتَعَذُّرِ الْاِبْتِدَاءِ بِالسَّاكِنِ۔ یہ الف لام بھئی اس کے بارے میں یاد رکھیے ائمہ کے تین مذاہب ہیں بھئی۔ امام خلیل ابنِ احمد رحمہ اللہ یہ امام سیبویہ کے استاد ہیں، وہ فرماتے ہیں کہ یہ الف لام جو ہے اَلْ اَلْ کس وزن پر؟ هَلْ۔ هَلْ کے وزن پر یہ جو اَلْ ہے، ہمزہ اور لام، یہ دونوں حرفِ تعریف ہیں، ان کا مجموعہ کیا ہے؟ حرفِ تعریف ہے، اَلْ۔ جب کہ امام سیبویہ فرماتے ہیں کہ اس میں سے صرف لام اصل ہے، یعنی لام حرفِ تعریف ہے، اور ہمزہ کو اس کے ساتھ ملایا گیا ہے۔ کیونکہ لام ساکن ہے، اور ابتدا بالساکن کلامِ عرب میں نہیں ہو سکتی۔ اور لغتوں میں ابتدا بالساکن ہو سکتی ہے، لیکن عربی

زبان میں ابتدا بالساکن نہیں ہے۔ اور لغتوں میں ہو سکتی ہے، مثلاً دیکھو جیسے سکول بھئی۔ سکول جہاں بچے پڑھنے جاتے ہیں، اب سکول کے اندر دیکھو یہ جو سین ہے شروع میں، یہ ساکن ہے۔ سکول۔ دیکھو نہ اس پر زبر ہے، زبر ہوتا تو سَکول ہوتا، سَکول میں نہیں کہہ رہا، میں سکول کہہ رہا ہوں۔ دیکھو نہ زبر ہے، نہ زیر ہے، نہ پیش۔ تو یہ ابتدا بالساکن ہو رہی ہے، تو اور زبانوں میں ابتدا بالساکن ہو سکتی ہے لیکن کلامِ عرب میں ابتدا بالساکن نہیں ہے۔ تو لام چونکہ ساکن تھا، تو اس کے شروع میں ہمزۂ وصل لے آئے، کیونکہ ابتدا بالساکن نہیں ہو سکتی۔

اور ہمزۂ وصل میں تو اصل ہے کسرہ۔ ہمزۂ وصل میں اصل کیا ہے؟ کسرہ ہوتا ہے، لیکن اس میں ہمزہ پر بھی فتحہ لے آئے، کیونکہ الف لام بہت زیادہ استعمال ہوتا ہے اور کثرتِ استعمال تقاضا کرتی ہے خفت کا، کہ لفظ ہلکا ہونا چاہیے۔ اور کسرہ خفیف ہے یا فتحہ خفیف ہے؟ فتحہ أَخَفُّ الْحَرَكَاتِ ہے۔ ضمہ، کسرہ اور فتحہ ان میں سے سب سے ہلکی حرکت فتحہ کی ہے۔ تو اس لیے ہمزۂ وصل بھی مفتوح لائے، فتحہ والا لائے بھئی، بات سمجھ میں آگئی؟ یہ کس کا مذہب ہے؟ امام سیبویہ کا۔ امام خلیل ابنِ احمد کیا فرماتے ہیں؟ کہ حرفِ تعریف اَلْ ہے سارا، کس وزن پر؟ هَلْ کے وزن پر۔ جب کہ امام سیبویہ کیا فرماتے ہیں؟ حرفِ تعریف لام ہے، اور ہمزہ کو ساتھ کیوں ملایا؟ کیونکہ یہ لام ساکن تھا اور ابتدا بالساکن نہیں ہو سکتی، تو شروع میں ہمزۂ وصل لے آئے۔ جب کہ امام مبرد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس میں سے ہمزہ اصل ہے۔ اَلْ اَلْ میں سے ہمزہ جو ہے حرفِ تعریف ہے، لام اس کے ساتھ ویسے ملا دیا گیا۔ تو تین مذاہب ہیں۔

اور صاحبِ کافیہ نے امام سیبویہ کے مذہب کو ترجیح دی۔ چنانچہ فرمایا: دُخُولُ اللَّامِ۔ یہ نہیں فرمایا: دُخُولُ أَلْ یا دُخُولُ الْهَمْزَةِ، نہیں فرمایا، بلکہ کیا کہا؟ دُخُولُ اللَّامِ۔ دیکھا، معلوم ہوا لام اصل ہے، اَلْ یا ہمزہ اصل نہیں۔ وجہ یہ: الف لام میں جو ہمزہ ہے یہ وصلی ہے، درجِ کلام میں گر جاتی ہے یا باقی رہتی ہے؟ گر جاتی ہے۔ اگر ہمزہ کو کہا جائے کہ ہمزہ اصل ہے، تو پھر تو یہ درجِ عبارت میں گر جاتی ہے، اور علامت جو ہے اس کو گرایا نہیں جاتا، وہ تو باقی رہتی ہے۔ چاہے ہمزہ کو اصل قرار دیں چاہے اَلْ کو، دونوں کے اندر ہمزہ ہے یا نہیں؟ ایک میں تو ہمزہ گرے گی تو کل علامت ہی گر گئی، اور اَلْ کے اندر دونوں جب ہوں امام خلیل کا قول لے لیں، تو اس میں ہمزہ گرے گی تو گویا علامت کا جز گر گیا، علامت کا جز حذف کر لیا۔ تو علامت کو حذف نہیں کیا جاتا، نہ اس کے کل کو نہ اس کے جز کو، اس لیے انہوں نے ترجیح دی امام سیبویہ کے مذہب کو بھئی۔

وَفِي اخْتِيَارِهِ اللَّامَ۔ جی اَللَّامَ میں نے اس کو منصوب پڑھا کیوں بھئی؟ وَفِي اخْتِيَارِهِ اللَّامَ۔ یاد رکھو یہ مفعول بن رہا ہے اِخْتِيَار مصدر کے لیے۔ آپ جانتے ہیں کہ مصدر بھی فعل کی طرح عمل کرتا ہے، اپنے فاعل کو رفع دیتا ہے اور اپنے مفعول کو نصب۔ توجہ ہے؟ جی۔ لیکن زیادہ تر مصدر جو ہے اس کے ساتھ یا تو فاعل یا مفعول کو ذکر ہی نہیں کرتے، یا ذکر کرتے ہیں تو عموماً اس کی طرف مصدر کی اضافت کر دیتے ہیں۔ توجہ ہے؟ مثلاً میں آپ سے کہتا ہوں زَيْدٌ ضَارِبٌ زید پٹائی کرنے والا ہے، کس کی پٹائی کر رہا ہے میں نے ذکر نہیں کیا۔ کبھی میں وہ بھی ذکر کروں گا: زَيْدٌ ضَارِبٌ عَمْرًا زید عمر کی پٹائی کرنے والا

ہے۔ اب آپ سے کوئی پوچھے یہ عَمْرًا کو نصب کس نے دیا؟ آپ کیا کہیں گے؟ ضَارِبٌ نے، توجہ ہے؟ جی۔ تو جیسے اسمِ فاعل جو ہے فاعل کو رفع دیتا ہے اور مفعول کو نصب، اسی طرح مصدر جو ہے وہ بھی اپنے فاعل کو رفع دیتا ہے اور اپنے مفعول کو نصب۔ لیکن عموماً مصدر کا استعمال اس طرح کیا جاتا ہے کہ فاعل یا مفعول کی طرف اس کی اضافت کر دیتے ہیں۔ جیسے یہاں پر ہے: فِي اخْتِيَارِهِ، یہ جو ہا ضمیر ہے، یہ ہا ضمیر راجع ہے علامہ ابنِ حاجب کو، انہوں نے اختیار کیا ہے۔ کس کو اختیار کیا ہے؟ اَللَّامَ یہ مفعول ہے۔ تو ہا ضمیر کس کو راجع؟ ابنِ حاجب کو، وہ ہیں اختیار کرنے والے، وہ ہیں فاعل اختیار کے لیے، اور دیکھو فاعل کی طرف اختیار کی اضافت کر دی۔ اخْتِيَارِهِ ان کا اختیار کرنا، کس کا اختیار کرنا؟ علامہ ابنِ حاجب کا، اور کس کو اختیار کرنا؟ اَللَّامَ یہ مفعول ہے اختیار کے لیے۔ تو یہ جو ہا ضمیر ہے یہ لفظوں کے اعتبار سے مجرور ہے کیوں؟ مضاف الیہ ہے، لیکن معنی کے اعتبار سے یہ مرفوع ہے کیونکہ یہ اختیار کے لیے فاعل ہے، بات سمجھ میں آگئی؟

کہتے ہیں: وَفِي اخْتِيَارِهِ اللَّامَ اور علامہ ابنِ حاجب کا لام کو اختیار کرنے میں، إِشَارَةٌ اشارہ ہے، إِلَى أَنَّ الْمُخْتَارَ عِنْدَهُ مَا ذَهَبَ إِلَيْهِ سِيبَوَيْهِ کہ ان کے نزدیک مختار یعنی پسندیدہ وہ ہے جس کی طرف امام سیبویہ گئے ہیں۔ سِيبَوَيْهِ، یاد رکھو یہ مرکب ہے، مرکبِ صوتی۔ صَوت آواز کو کہتے ہیں۔ مرکبِ صوتی اس کو کہتے ہیں جس میں ایک جز آواز ہو، ایک جز آواز ہو۔ سِيبَوَيْهِ، سِيب، سِيب یہ سیب کو کہتے ہیں، کس کو کہتے ہیں؟ جس کو آپ اردو میں سیب کہتے ہیں، تُفَّاحٌ عربی میں تُفَّاحٌ سیب کو کہتے ہیں۔ تو یہ سیب اور وَيْهِ یہ آواز ہے۔ وَيْهِ اس کا کوئی معنی نہیں، یہ آواز ہے، بات سمجھ میں آگئی؟ تو امام سیبویہ کو یہ لقب دیا گیا چونکہ وہ بہت زیادہ ذہین تھے، بڑے قابل تھے، تو ان کو علماء نے سِيبَوَيْهِ کا لقب دیا یعنی سیب کی، وَيْهِ سے مراد یعنی خوشبو لے لیں، سیب کی خوشبو والا، سیب کی خوشبو والا۔ جیسے سیب پھلوں کے اندر اعلیٰ شمار ہوتا ہے، اسی طرح یہ بھی علم کے اعتبار سے بڑا اونچا مقام رکھتے ہیں بھئی۔ تو یہ سِيبَوَيْهِ یہ مرکبِ صوتی ہے، یہ وَيْهِ صرف آواز ہے، کیا ہے؟ آواز ہے بھئی۔ اس میں پہلا جز جو ہے سِيبَ یہ مبنی علی الفتح ہے، اور وَيْهِ یہ مبنی علی الکسر ہے، تو با پر فتحہ اور ہا پر کسرہ یہ مبنی ہے، سِيبَوَيْهِ۔

اچھا تو کہتے ہیں: وَفِي اخْتِيَارِهِ اللَّامَ إِشَارَةٌ إِلَى أَنَّ الْمُخْتَارَ عِنْدَهُ مَا ذَهَبَ إِلَيْهِ سِيبَوَيْهِ اور علامہ ابنِ حاجب کے لام کو اختیار کرنے میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ ان کے نزدیک مختار جو ہے، پسندیدہ جو ہے، وہ ہے جس کی طرف امام سیبویہ گئے ہیں۔ وہ کیا ہے بھئی؟ مَا ذَهَبَ إِلَيْهِ سِيبَوَيْهِ وہ جس کی طرف امام سیبویہ گئے ہیں، ابھی بھی ابہام ہے، آگے مِنْ کے ذریعے ابہام دور کر دیا۔ مِنْ أَنَّ أَدَاةَ التَّعْرِيفِ هِيَ اللَّامُ وَحْدَهَا یعنی یہ کہ أَدَاةُ التَّعْرِيفِ یعنی آلۂ تعریف، یا یوں کہو أَدَاة کا معنی آلہ یعنی حرف مراد ہے۔ أَنَّ أَدَاةَ التَّعْرِيفِ هِيَ اللَّامُ وَحْدَهَا کہ حرفِ تعریف جو ہے صرف لام اکیلا ہے، زِيدَتْ عَلَيْهَا هَمْزَةُ الْوَصْلِ اور اس لام پر ہمزۂ وصل کو بڑھا دیا گیا لِتَعَذُّرِ الْاِبْتِدَاءِ بِالسَّاكِنِ اس لیے کیونکہ ساکن سے ابتدا ممکن نہیں۔ ساکن سے ابتدا ممکن نہیں اس لیے شروع میں ہمزۂ وصل بڑھا دیا گیا۔

وَأَمَّا الْخَلِيلُ اور باقی امام خلیل ابنِ احمد جو ہیں، یہ امام سیبویہ کے استاد ہیں بھئی، تو وَأَمَّا الْخَلِيلُ اور امام خلیل ابنِ احمد جو ہیں فَقَدْ ذَهَبَ إِلَى أَنَّهَا أَلْ كَهَلْ تو وہ اس بات کی طرف گئے ہیں کہ حرفِ تعریف أَلْ ہے كَهَلْ جیسے کہ هَلْ، یعنی هَلْ کے وزن پر۔ وَالْمُبَرِّدُ إِلَى أَنَّهَا الْهَمْزَةُ الْمَفْتُوحَةُ وَحْدَهَا اور امام مبرد اس بات کی طرف گئے ہیں کہ حرفِ تعریف وہ ہمزۂ مفتوحہ ہے وَحْدَهَا اکیلا۔ اکیلا أَلْ میں سے صرف ہمزہ کیا ہے؟ حرفِ تعریف ہے امام مبرد فرماتے ہیں۔ زِيدَتِ اللَّامُ لِلْفَرْقِ بَيْنَهَا وَبَيْنَ هَمْزَةِ الْاِسْتِفْهَامِ۔ بھئی صرف ہمزہ ہے تو لام کو کیوں بڑھایا اس کے ساتھ؟ کہتے ہیں بھئی تاکہ ہمزۂ استفہام سے فرق ہو جائے۔ ہمزۂ استفہام کے لیے بھی تو آتا ہے: أَقَامَ زَيْدٌ کیا زید کھڑا ہے؟ دیکھو یہ ہمزہ کس لیے ہے؟ استفہام کے لیے۔ یا اسی طرح ایک ہمزہ ندا کے لیے بھی آتا ہے: أَزَيْدُ أَيْ يَا زَيْدُ۔ تو اس ہمزہ کے ساتھ لام بڑھا دیا تاکہ ہمزۂ استفہام اور ہمزۂ ندا سے فرق ہو جائے۔ تو کہتے ہیں: زِيدَتِ اللَّامُ لِلْفَرْقِ بَيْنَهَا وَبَيْنَ هَمْزَةِ الْاِسْتِفْهَامِ اس ہمزہ پر لام کو بڑھا دیا گیا تاکہ فرق ہو جائے اس ہمزہ کے درمیان اور ہمزۂ استفہام کے درمیان۔

وَإِنَّمَا اخْتُصَّ دُخُولُ حَرْفِ التَّعْرِيفِ بِالْاِسْمِ لِأَنَّهُ لِتَعْيِينِ مَعْنًى مُسْتَقِلٍّ بِالْمَفْهُومِيَّةِ يَدُلُّ عَلَيْهِ اللَّفْظُ مُطَابَقَةً۔ سوال: حرفِ تعریف جو لام ہے یہ اسم کے ساتھ کیوں خاص ہے؟ اسم کے ساتھ کیوں خاص ہے؟ کہتے ہیں وجہ سنو توجہ سے، توجہ سے، کہتے ہیں اس لیے کیونکہ اس لام کو وضع کیا گیا ہے کہ یہ تعیین کر دے، متعین کر دے۔ بھئی معرفہ کسے کہتے ہیں؟ جو معین متعین ذات پر دلالت کرے، اور نکرہ کسے کہتے ہیں؟ غیرِ معین پر دلالت کرے، تو معرفہ ہمیشہ متعین ذات ہوتی ہے۔ تو اس حرفِ تعریف جو ہے لامِ تعریف، اس کو بھی کس لیے وضع کیا گیا ہے؟ تاکہ یہ متعین کر دے اس معنی کو جو مستقل ہے، جو مستقل بالمفہوم ہے، اور جو اپنے معنی پر مطابقتاً دلالت کر رہا ہے، جو اپنے معنی پر، یا یوں کہو، جو اپنے معنی پر دلالتِ مطابقی کر رہا ہے، جو اپنے... یہ الف لام کس لیے وضع؟ کہ یہ معرفہ بناتا ہے، کس کو معرفہ بناتا ہے؟ اس معنی کو جو معنی مستقل بالمفہوم ہو، جو معنی... تو حرف نکل گیا کیونکہ حرف تو مستقل بالمفہوم نہیں۔ آہاں فعل کا معنی بھی مستقل ہے، اسم کا بھی معنی، لیکن وہ معنی مستقل ہونے کے ساتھ ساتھ معنی مطابقی ہونا چاہیے، اور فعل، فعل کا معنی مطابقی تو مستقل نہیں، تو فعل بھی نکل گیا، صرف کون رہ گیا؟ اسم، تو یہ صرف اسم کی تعریف کے لیے آتا ہے۔ کیونکہ اس کو کس لیے وضع کیا گیا ہے؟ کہ یہ تعیین کرے، متعین کر دے، کون سے معنی کو؟ جو معنی مستقل بھی ہو اور مطابقی بھی ہو۔ اور یہ دونوں چیزیں صرف کس میں ہیں؟ اسم میں ہیں، تو یہ اس لیے صرف اسم پر داخل ہوتا ہے۔

کہتے ہیں: وَإِنَّمَا اخْتُصَّ دُخُولُ حَرْفِ التَّعْرِيفِ بِالْاِسْمِ اور خاص ہے حرفِ تعریف کا اسم پر داخل ہونا، لِأَنَّهُ لِتَعْيِينِ مَعْنًى مُسْتَقِلٍّ بِالْمَفْهُومِيَّةِ، لِأَنَّهُ اس لیے کیونکہ یہ جو حرفِ تعریف ہے لِتَعْيِينِ مَعْنًى مُسْتَقِلٍّ بِالْمَفْهُومِيَّةِ یہ معنی مستقل بالمفہومیت کی تعیین کے لیے ہے، يَدُلُّ عَلَيْهِ اللَّفْظُ مُطَابَقَةً وہ معنی کہ جس پر لفظ مطابقتاً دلالت کر رہا ہو یعنی معنی مطابقی

ہو، اس کی تعیین کے لیے ہے۔ وَالْحَرْفُ لَا يَدُلُّ عَلَى الْمَعْنَى الْمُسْتَقِلِّ تو حرف بھی نکل گیا کیوں؟ کہتے ہیں: وَالْحَرْفُ لَا يَدُلُّ عَلَى الْمَعْنَى الْمُسْتَقِلِّ اور حرف جو ہے وہ تو دلالت نہیں کرتا معنی مستقل پر، وَالْفِعْلُ يَدُلُّ عَلَيْهِ تَضَمُّنًا لَا مُطَابَقَةً اور فعل جو ہے وہ معنی مستقل پر دلالت کرتا ہے تضمن کے اعتبار سے نہ کہ مطابقت کے اعتبار سے، تو وہ بھی نکل گیا۔

وَهَذِهِ الْخَاصَّةُ لَيْسَتْ شَامِلَةً لِجَمِيعِ أَفْرَادِ الْاِسْمِ اور یہ خاصہ اسم کے تمام افراد کو شامل نہیں۔ یہ خاصہ، یہ یعنی یہ خاصہ غیرِ شاملہ ہے۔ خاصۂ شاملہ کسے کہتے تھے؟ جو اس چیز کے تمام افراد میں پایا جائے۔ کہتے ہیں یہ الف لام اسم کا خاصۂ شاملہ نہیں ہے بلکہ غیرِ شاملہ ہے، یہ ہر اسم پر داخل نہیں ہوتا۔ ضمیر پر الف لام داخل ہوتا ہے؟ اسمِ اشارہ پر؟ اسمِ موصول پر؟ نہیں، تو ہر تمام اسموں پر یہ داخل نہیں ہوتا۔ تو معلوم ہوا یہ خاصہ تو ہے اسم کا لیکن شاملہ نہیں ہے بلکہ غیرِ شاملہ ہے۔ کہتے ہیں: وَهَذِهِ الْخَاصَّةُ لَيْسَتْ شَامِلَةً لِجَمِيعِ أَفْرَادِ الْاِسْمِ اور یہ خاصہ جو ہے اسم کے تمام افراد کو شامل نہیں ہے، فَإِنَّ حَرْفَ التَّعْرِيفِ لَا يَدْخُلُ الضَّمَائِرَ وَأَسْمَاءَ الْإِشَارَةِ وَغَيْرَهَا اس لیے کیونکہ حرفِ تعریف جو ہے وہ ضمیروں پر اور اسمائے اشارہ پر وَغَيْرَهَا اور ان کے علاوہ پر داخل نہیں ہوتا۔ یہ داخل نہیں ہوتا، پھر دیکھو، لَا يَدْخُلُ یہ داخل نہیں ہوتا الضَّمَائِرَ ضمیروں پر، وَأَسْمَاءَ الْإِشَارَةِ اور اسمائے اشارہ پر، وَغَيْرَهَا اور ان کے علاوہ اور اسموں پر، كَالْمَوْصُولَاتِ جیسے کہ اسمائے موصولہ، ان پر بھی الف لام داخل نہیں ہوتا۔ وَكَذَلِكَ سَائِرُ الْخَوَاصِّ الْخَمْسِ الْمَذْكُورَةِ هَاهُنَا اور اسی طرح ہیں، سَائِر بمعنی باقی کے، اور اسی طرح باقی جو پانچ خاصے یہاں مذکور ہیں، اور اسی طرح ہیں باقی پانچ خاصے بھی جو یہاں مذکور ہیں۔ بھئی کل پانچ خاصے ہیں، تو ایک کے بارے میں تو بتلا دیا یہ خاصۂ شاملہ نہیں ہے، اور باقی بھی پانچ خاصے اسی طرح ہیں، بھئی باقی تو چار رہ گئے، توجہ ہے؟ جی۔ تو پھر کیا کریں؟ سَائِر یہاں تمام کے معنی میں کر لیں، کس معنی میں؟ تمام کے معنی میں بھی ہے، تو کہتے ہیں وَكَذَلِكَ سَائِرُ الْخَوَاصِّ الْخَمْسِ الْمَذْكُورَةِ اور اسی طرح ہیں تمام وہ پانچ خاصے جو یہاں مذکور ہیں۔ بات سمجھ بھی آئی کہ نہیں؟ جی۔ تو کہتے ہیں: وَكَذَلِكَ سَائِرُ الْخَوَاصِّ الْخَمْسِ الْمَذْكُورَةِ هَاهُنَا اور اسی طرح ہیں وہ سارے پانچ خاصے جو یہاں پر مذکور ہیں۔ یا یوں ترجمہ کر لیں، سَائِر باقی ہی کے معنی میں رکھیں: وَكَذَلِكَ سَائِرُ الْخَوَاصِّ الْخَمْسِ الْمَذْكُورَةِ هَاهُنَا اور اسی طرح وہ پانچ خاصے جو مذکور ہیں یہاں پر، ان میں سے باقی بھی ہیں، ان میں سے باقی بھی اسی طرح ہیں یعنی وہ بھی سب خاصۂ غیرِ شاملہ ہیں بھئی، بات سمجھ میں آگئی؟ جی۔

اچھا چلیے جی بات سمجھ میں آگئی، معلوم ہوا یہاں جتنے خاصے ذکر کریں گے وہ تمام خاصۂ غیرِ شاملہ کی قبیل سے ہیں، یعنی تمام اسموں میں وہ نہیں پائے جائیں گے، ہر خاصہ بعض افراد میں پایا جائے گا، بات سمجھ میں آگئی؟ چلیے بس بھئی، هَذَا هُوَ الْمَرَامُ، وَاللّٰهُ أَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْكَلَامِ۔

سبق نمبر ۳۷: خواصِ اسم (۲): دخولِ جر (لفظی و تقدیری) کا اسم کے ساتھ اختصاص

شرحِ ملا جامی صفحہ: ۲۴ — بتاریخ: ۱۱ اگست ۲۰۲۱ء

▪ تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث

دیکھیے بھئی آگے سبق کتاب پر:

وَمِنْهَا دُخُولُ الْجَرِّ، وَإِنَّمَا اخْتُصَّ دُخُولُ الْجَرِّ بِالِاسْمِ لِأَنَّهُ أَثَرُ حَرْفِ الْجَرِّ فِي الْمَجْرُورِ بِهِ لَفْظًا وَفِي الْمَجْرُورِ بِهِ تَقْدِيرًا كَمَا فِي الْإِضَافَةِ الْمَعْنَوِيَّةِ، وَدُخُولُ حَرْفِ الْجَرِّ لَفْظًا أَوْ تَقْدِيرًا يَخْتَصُّ بِالِاسْمِ لِأَنَّهُ مَوْضُوعٌ لِإِفْضَاءِ مَعْنَى الْفِعْلِ إِلَى الِاسْمِ فَيَنْبَغِي أَنْ يَدْخُلَ الِاسْمَ لِيُفْضِيَ مَعْنَى الْفِعْلِ إِلَيْهِ.

گزشتہ سبق میں ہم نے اسم کے خاصے پڑھنا شروع کیے تھے بھئی، اور وہاں پر صاحبِ کافیہ عبارت لائے تھے: «وَمِنْ خَوَاصِّهِ دُخُولُ اللَّامِ»۔ تو «وَمِنْ خَوَاصِّهِ» میں میں نے بتلایا کہ مِنْ تَبْعِيضِيَّة ہے اور خَوَاصّ جو ہے جَمْعِ كَثْرَت کا صیغہ ہے بھئی۔ ایک ہے جَمْعِ قِلَّت اور ایک ہے جَمْعِ كَثْرَت بھئی۔ جَمْعِ قِلَّت کا اطلاق جو ہے تین سے لے کر نو تک ہوتا ہے، اور دس سے لے کر إِلَى مَا لَا نِهَايَة تک یہ جَمْعِ كَثْرَت ہے بھئی۔ تو گویا جَمْعِ كَثْرَت کی ابتدا دس سے ہو رہی ہے۔ جب کہ بعض علما فرماتے ہیں کہ جَمْعِ قِلَّت جو ہے اس کا اطلاق تین سے لے کر دس تک ہوتا ہے۔ تو اس قول کے مطابق جو دس ہے وہ جَمْعِ قِلَّت کے اندر داخل ہے، اور دس سے اوپر جو ہے وہ ہے جَمْعِ كَثْرَت کے افراد بھئی۔ تو گویا ابتدا کے اعتبار سے دونوں قول موافق ہیں۔ پہلے قول والے بھی کہتے ہیں کہ جَمْعِ قِلَّت کا آغاز تین سے ہوتا ہے، دوسرے قول والے بھی کہتے ہیں کہ جَمْعِ قِلَّت کا آغاز تین سے ہوتا ہے، البتہ انتہا کے اندر اختلاف ہے۔ پہلے قول والے کہتے ہیں کہ جَمْعِ قِلَّت کی انتہا نو پر ہو رہی ہے اور نو سے اوپر جو ہے وہ جَمْعِ كَثْرَت کے افراد ہیں، جب کہ دوسرے قول والے کہتے ہیں کہ جَمْعِ قِلَّت کی انتہا دس پر ہوتی ہے تو دس گویا جَمْعِ قِلَّت کے افراد میں سے ہے اور دس سے اوپر جو ہیں وہ جَمْعِ كَثْرَت کے افراد ہیں۔ تو یہاں پر صاحبِ کافیہ نے «وَمِنْ خَوَاصِّهِ» میں جَمْعِ كَثْرَت کا صیغہ استعمال کر کے اشارہ کر دیا کہ اسم کے خواص زیادہ ہیں بھئی، دس سے زیادہ ہیں۔ میں نے بتلایا کہ علما فرماتے ہیں کہ اسم کے جو خاصے ہیں ان کی تعداد کوئی تیس تک پہنچتی ہے بھئی۔

اور اس کے شروع میں پھر مِنْ تَبْعِيضِيَّة یہاں لے آئے بھئی۔ بتلانا یہ چاہتے ہیں کہ تمام خاصے میں یہاں پر ذکر نہیں کروں گا، بعض خاصے ذکر کروں گا۔ اور میں نے یہ بھی بتلایا کہ یہ جو پانچ خاصے یہاں انہوں نے ذکر کیے ان میں سے ہر خاصے کے ضمن میں کئی کئی خاصے آ گئے بھئی۔ تو گویا یہ پانچ سے زیادہ خاصوں کی طرف یہاں اشارہ ہو رہا ہے۔

پھر اس کے بعد بتلایا تھا کہ خاصہ کہتے ہیں اس چیز کو جو ایک شے کے ساتھ خاص ہو اور غیر میں نہ پائی جائے، اس کو اس شے کا خاصہ کہتے ہیں۔ جیسے ضَحِكْ یہ انسان کا خاصہ ہے بھئی، ضَحِكْ صرف حیوانات میں سے انسان کرتا ہے اور کوئی حیوان ضَحِكْ نہیں کرتا بھئی۔ اور پھر یہ جو خاصہ ہے یہ دو قسم پر ہوتا ہے: کبھی یہ خاصہ شَامِلَة ہوتا ہے اور کبھی غَيْرِ شَامِلَة۔ خَاصَّةُ شَامِلَة کا مطلب یہ ہے کہ وہ خاصہ اس شے کے تمام افراد کو شامل ہے یعنی سب کے اندر پایا جاتا ہے، کوئی ایک فرد بھی اس شے کا ایسا نہیں ہے جس میں وہ خاصہ نہ ہو بلکہ تمام افراد میں ہے۔ اور خَاصَّةُ غَيْرِ شَامِلَة وہ ہے جو تمام افراد میں نہ پایا جائے بلکہ بعض میں پایا جائے۔ اور اس کی مثال بھی شارحِ جامی نے دی تھی بھئی، جیسے انسان کا كَاتِبْ ہونا، انسان کا كَاتِبْ ہونا۔ اب ہر انسان میں اللہ نے صلاحیت رکھی ہے کہ وہ پڑھنا لکھنا سیکھ سکتا ہے، اس میں کتابت کی صلاحیت رکھی ہے۔ تو ایک ہے کتابت کی صلاحیت، اس کو کہیں گے كِتَابَةٌ بِالْقُوَّةِ یعنی بِالْقُوَّةِ كَاتِبْ ہونا، یعنی اس میں کتابت کی صلاحیت ہونا، اور یہ ہر انسان میں ہے بھئی، ہر انسان میں کتابت کی صلاحیت ہے۔ اور ایک ہے كِتَابَةٌ بِالْفِعْلِ بھئی، یعنی بِالْفِعْلِ عملی طور پر کتابت سیکھنا، کتابت کرنا یعنی لکھنا وغیرہ۔ اور یہ صفت تمام انسانوں میں نہیں، جو پڑھنا لکھنا سیکھ لے گا وہ تو كَاتِبٌ بِالْفِعْلِ بن جائے گا اور جو پڑھنا لکھنا نہیں سیکھے گا وہ كَاتِبٌ بِالْفِعْلِ نہیں۔ معلوم ہوا كَاتِبٌ بِالْقُوَّةِ یہ خَاصَّةُ شَامِلَة ہے انسان کے لیے اور كَاتِبٌ بِالْفِعْلِ یہ انسان کے لیے خَاصَّةُ غَيْرِ شَامِلَة ہے بھئی۔

پھر اسم کے خاصے ذکر کرتے ہوئے پہلا خاصہ ذکر کیا: «دُخُولُ اللَّامِ»، لام کا داخل ہونا۔ اور آگے شارحِ جامی نے بتلا دیا: «أَيْ لَامِ التَّعْرِيفِ»، لام سے کون سا لام مراد ہے؟ لَامِ تَعْرِيف۔ اس لیے کیونکہ لام تو کئی قسم پر ہے۔ ایک لَامِ ابْتِدَاء ہے بھئی جو جملے کی تاکید کے لیے آتا ہے اور وہ تو فعل پر بھی داخل ہوتا ہے، وہ تو اسم کا خاصہ نہیں۔ اسی طرح ایک لام جو ہے ویسے تاکید کے لیے آتا ہے جیسے «لَيَضْرِبَنَّ» لام، یہ بھی کس پر داخل ہوتا ہے؟ یہ فعل پر داخل ہوتا ہے۔ اسی طرح لام امر کے لیے بھی آتا ہے: «لِيَضْرِبْ»، چاہیے کہ وہ پٹائی کرے۔ تو یہ لام بھی اسم کے ساتھ خاص نہیں۔ تو پھر لام سے کون سا لام مراد ہے؟ شارحِ جامی نے بتلا دیا لام سے مراد لَامِ تَعْرِيف ہے بھئی۔

اور میں نے بتلایا تھا لَامِ تَعْرِيف سے اَلِفْ لَامِ حَرْفِي مراد ہے، اِسْمِي نہیں۔ کیونکہ اِسْمِي تو حرف ہوتا ہی نہیں وہ تو خود کیا ہے؟ اسم ہے، وہ تو اِسْمِ مَوْصُولْ ہے، وہ تو مَبْنِيَّات کے اندر داخل ہے بھئی۔ تو یہ اَلِفْ لَامِ حَرْفِي مراد ہے، اور اَلِفْ لَامِ حَرْفِي میں نے آپ کو بتلایا کہ یہ کبھی زَائِدَة بھی آتا ہے تَحْسِينِ لَفْظ کے لیے، لفظ کو حسین بنانے کے لیے، جیسے «اَلْحَسَنُ وَالْحُسَيْنُ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُمَا»۔ تو ان ناموں پر جو الف لام داخل ہے یہ تعریف کا فائدہ نہیں دے رہا، کیونکہ یہ لفظ تو

عَلَم ہیں پہلے سے ہی معرفہ ہیں، تو یہاں یہ جو الف لام آیا یہ اَلِف لَامِ حَرْفِي ہے اور یہ صرف تَحْسِينِ لَفْظ کے لیے آیا ہے لفظ کو حسین بنانے کے لیے، اور اپنے معنی کا فائدہ نہیں دے رہا یعنی تعریف کا فائدہ نہیں دے رہا، لیکن یہ بھی اسی کے اندر داخل ہے کیونکہ یہ لَامِ حَرْفِي ہے بھئی، لَامِ تَعْرِيف ہے بھئی۔ تعریف کا فائدہ تو نہیں دے رہا لیکن ہے کیا؟ لَامِ تَعْرِيف ہی ہے۔ اور ایک اَلِف لَامِ حَرْفِي وہ ہوتا ہے جو غَيْرِ زَائِدَة ہوتا ہے جو اپنے معنی کا فائدہ دیتا ہے اور وہ آپ پڑھ چکے ہیں چار قسم پر ہے: یا وہ الف لام جِنْسِي ہوگا، یا اِسْتِغْرَاقِي ہوگا، یا عَهْدِ خَارِجِي ہوگا، یا عَهْدِ ذِهْنِي ہوگا بھئی۔

پھر میں نے یہاں آپ کو بتلایا تھا «دُخُولُ اللَّامِ أَيْ لَامِ التَّعْرِيفِ»، «لَامِ التَّعْرِيفِ» اس کو میں نے مجرور کیوں پڑھا؟ اس کی کیا وجہ؟ کہ یہ تفسیر ہے ماقبل سے اور یہ ترکیب کے اعتبار سے بَدَل بنتا ہے۔ کیا بنتا ہے؟ بَدَل۔ تو ماقبل والا «اَللَّام» جو ہوا مُبْدَلٌ مِنْهُ اور آگے «لَامِ التَّعْرِيفِ» اس سے بَدَل ہوا، اور مُبْدَلٌ مِنْهُ اور بَدَل کا ایک ہی اعراب ہوتا ہے، جو اعراب مُبْدَلٌ مِنْهُ کا ہو وہی اعراب بَدَل پر بھی آتا ہے۔ تو وہ مجرور تھا کیونکہ وہ مُضَافٌ إِلَيْهِ تھا دُخُولُ کے لیے، «دُخُولُ اللَّامِ»، تو یہ «لَامِ التَّعْرِيفِ» کیا ہے اس لام سے بَدَل ہے تو یہ بھی مجرور ہے بھئی۔

پھر میں نے بتلایا تھا کہ یہاں علما کے دو مذاہب ہیں بھئی۔ بعض علما فرماتے ہیں کہ یہ جو الف لام ہوتا ہے یہ عِوَض ہوتا ہے مُضَافٌ إِلَيْهِ کا۔ تو اصل میں «دُخُولُ اللَّامِ» یہ جو الف لام آیا یہ مُضَافٌ إِلَيْهِ کا عِوَض ہے بھئی۔ اور وہ مُضَافٌ إِلَيْهِ کیا ہے؟ «اَلتَّعْرِيف»، کیا ہے؟ «اَلتَّعْرِيف»۔ «دُخُولُ اللَّامِ» اصل میں تھا «دُخُولُ لَامِ التَّعْرِيفِ»، پھر اس تَعْرِيف مُضَافٌ إِلَيْهِ کو حذف کیا گیا اور اس کے عِوَض میں اس لام پر الف لام لے آئے تو کیا بن گیا؟ «دُخُولُ اللَّامِ»۔ تو اس اَللَّام پر جو الف لام ہے یہ عِوَض ہے مُضَافٌ إِلَيْهِ سے۔ جب کہ دوسرے علما فرماتے ہیں کہ الف لام مُضَافٌ إِلَيْهِ کا عِوَض نہیں بنتا۔ الف لام جو ہے اس کے ذریعے کسی چیز کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے۔ تو یہاں پر بھی «دُخُولُ اللَّامِ» اس لام کا داخل ہونا، الف لام کے ذریعے اشارہ کر دیا کوئی خاص لام مراد ہے، اور کون سا لام مراد ہے؟ لَامِ تَعْرِيف بھئی۔ تو دونوں گروہوں کے نزدیک اَللَّام سے لَامِ تَعْرِيف مراد ہے۔ صاحبِ جامی نے آگے جو بتلایا «أَيْ لَامِ التَّعْرِيفِ» یہ کسی ایک مذہب کو بھی ترجیح نہیں دے رہا، وہ صرف اتنا بتلا رہے ہیں کہ اَللَّام سے کیا مراد ہے؟ لَامِ تَعْرِيف۔ دونوں تقریریں اس پر منطبق ہو جاتی ہیں۔ جن کے نزدیک یہ الف لام عِوَض ہے کس کا؟ مُضَافٌ إِلَيْهِ کا، تو ان کے نزدیک بھی بات ٹھیک ہو گئی: «اَللَّامِ أَيْ لَامِ التَّعْرِيفِ»۔ اور جن کے نزدیک یہ الف لام عِوَض مُضَافٌ إِلَيْهِ کا نہیں ہے بلکہ اس کے ذریعے اشارہ ہو رہا ہے خاص لام کی طرف اور وہ کون سا لام ہے؟ لَامِ تَعْرِيف، وہ بھی یہاں منطبق ہوتی ہے بات۔ اَللَّام سے کیا مراد ہے؟ اس کے ذریعے کس کی طرف اشارہ ہے؟ «أَيْ لَامِ التَّعْرِيفِ»۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو مآل یا نتیجہ دونوں کا ایک ہی ہے، البتہ طریقے میں اختلاف ہے۔ تو دونوں کے نزدیک اَللَّام سے مراد لَامِ تَعْرِيف ہے، لیکن صرف طریقے میں اختلاف ہے۔ ایک کہتے ہیں کہ یہ لَامِ تَعْرِيف کس طرح مراد ہے کہ الف لام عِوَض ہے اس مُضَافٌ إِلَيْهِ کا، اور دوسرے کیا کہتے ہیں کس طرح مراد ہے کہ اس کی طرف اشارہ

ہو رہا ہے یہ عِوَض نہیں ہے مُضَافٌ إِلَيْهِ کا۔

پھر اس کے بعد شارحِ جامی نے آپ کو بتلایا تھا کہ مصنف اگر حَرْفِ تَعْرِيف کہہ دیتے، «دُخُولُ حَرْفِ التَّعْرِيفِ»، تو اس میں مِيمِ تَعْرِيف بھی داخل ہو جاتا جیسے کہ اس حدیث میں آیا ہے، حضور علیہ السلام نے فرمایا: «لَيْسَ مِنَ امْبِرِّ امْصِيَامُ فِي امْسَفَرِ»، سفر میں روزہ رکھنا نیکی نہیں ہے۔ میں نے بتایا کہ یہ قبیلہ طَے ہے عرب کا مشہور قبیلہ، اس کی ایک شاخ ہے بھئی حِمْيَر قبیلہ، اور یمن کا ایک قبیلہ ہے، وہ جو ہیں الف لام کے بجائے الف میم بولتے ہیں تعریف کے لیے۔ آپ تو کہتے ہیں «اَلرَّجُلُ»، وہ کہتے ہیں «أَمْرَجُلُ»، لام کی جگہ کیا بولتے ہیں؟ میم بولتے ہیں۔ تو کہتے ہیں اگر صاحبِ کافیہ «دُخُولُ اللَّامِ» کے بجائے «دُخُولُ حَرْفِ التَّعْرِيفِ» کہہ دیتے تو اس صورت میں یہ مِيمِ تَعْرِيف بھی اس کے اندر داخل ہو جاتا، ہر جو بھی حَرْفِ تَعْرِيف ہوتا وہ داخل ہو جاتا اور وہ دو ہیں: ایک لَامِ تَعْرِيف ہے ایک مِيمِ تَعْرِيف۔ لیکن صاحبِ کافیہ نے اس کی طرف توجہ نہیں کی اس لیے کیونکہ اس کی شہرت نہیں، وہ مشہور نہیں۔ تو جو مشہور ہے وہ صرف لام ہے، اس کو ذکر کر دیا۔ جب کہ بعض نے اور جواب دیا، وہ فرماتے ہیں کہ وہ جو میم ہے وہ کوئی الگ حَرْفِ تَعْرِيف نہیں ہے، یہ اصل میں وہی لام تھا، قبیلہ حِمْيَر والوں نے اس لام کو کس سے بدل دیا؟ میم سے بدل دیا۔ تو یہ میم کوئی الگ حَرْفِ تَعْرِيف نہیں ہے، یہ اسی لام سے بدل کر آیا ہے۔ تو جب «دُخُولُ اللَّامِ» کہہ دیا تو اس میں یہ بھی داخل ہو گیا بھئی۔

اس کے بعد میں نے بتلایا تھا کہ الف لام کے اندر تین مذاہب ہیں بھئی۔ ایک مذہب امام خَلِيل ابْنِ أَحْمَد کا ہے جو استاد ہیں امام سِيبَوَيْه کے بھئی۔ وہ فرماتے ہیں کہ یہ حَرْفِ تَعْرِيف «أَلْ» ہے بھئی، «أَلْ»، یہ سارا حَرْفِ تَعْرِيف ہے، «أَلْ» بَرْوَزْنِ «هَلْ» بھئی، بَرْوَزْنِ «هَلْ»، یہ سارا حَرْفِ تَعْرِيف ہے۔ جب کہ ایک مذہب امام مُبَرِّد کا ہے، وہ فرماتے ہیں کہ اس میں سے یہ جو ہمزہ ہے یہ ہے حَرْفِ تَعْرِيف، اور باقی لام کو ویسے بڑھایا گیا تاکہ ہمزۂ استفہام سے فرق ہو جائے، ورنہ تو فرق نہیں ہو سکے گا، تو اس کے ساتھ لام بڑھا دیا۔ اب وہ ہمزہ جو استفہام کے لیے آیا وہ ہے اکیلا، اور یہ جو ہمزہ ہے تعریف کے لیے اس کے ساتھ لام بھی ہے، اس سے دونوں میں فرق ہو جائے گا۔ جب کہ امام سِيبَوَيْه فرماتے ہیں کہ ان میں سے، الف لام میں سے لام اصل ہے، لام اصل ہے، اور لام جو ہے وہ ساکن ہے، اور کلامِ عرب میں ساکن سے تو ابتدا نہیں ہو سکتی، تو شروع میں ہَمْزَۂ وَصْل لے آئے، اور ہَمْزَۂ وَصْل تو اس میں اصل یہ ہے کہ وہ مکسور ہونا چاہیے، مکسور ہونا چاہیے جیسے فعل میں آپ پڑھتے ہیں: «اِضْرِبْ»، «اِفْتَحْ»۔ تو لیکن یہاں پر اس کو مفتوح لے آئے ہَمْزَۂ وَصْل کو، وجہ یہ کہ فتحہ جو ہے وہ أَخَفُّ الْحَرَكَات ہے، تمام حرکتوں میں سب سے خفیف ہے، اور الف لام بھی كَثِيرُ الِاسْتِعْمَال ہوتا ہے، اس لیے وہ والا ہَمْزَۂ وَصْل لائے جو انتہائی خفیف ہے، سب سے خفیف ہے بھئی۔

اور علامہ ابْنِ حَاجِب رحمہ اللہ نے امام سِيبَوَيْه کے مذہب کو ترجیح دی ہے، چنانچہ فرمایا: «دُخُولُ اللَّامِ»۔ «دُخُولُ الْهَمْزَةِ» بھی نہیں کہا اور «دُخُولُ أَلْ» بھی نہیں کہا بلکہ کیا کہا؟ «دُخُولُ اللَّامِ»۔ معلوم ہوا وہ کس کے مذہب کو ترجیح دے

رہے ہیں؟ امام سِیبَوَیْہ کے مذہب کو ترجیح دے رہے ہیں۔ اور وجہ یہ، وجہ یہ ترجیح دینے کی وجہ یہ ہے کہ اگر ہمزہ کو قرار دیا جائے کہ یہ اصل ہے، «أَلْ» میں سے ہمزہ اصل ہے، تو ہمزہ یہ تو ہَمْزَۂ وَصْلِي ہے، یہ تو دَرْجِ عبارت میں ہر جگہ گرتا چلا جاتا ہے اور علامت جو ہے اس کو حذف نہیں کیا جاتا بھئی، لہٰذا اس کو اصل قرار نہیں دیا جا سکتا۔ اور امام خَلِيل ابْنِ أَحْمَد کیا فرماتے ہیں کہ «أَلْ» یہ سارا جو ہے حَرْفِ تَعْرِيف ہے، اس کو بھی ترجیح نہیں دی کیونکہ اس کے اندر بھی ہمزہ داخل تھا تو، اور یہ ہمزہ کیا ہے دَرْجِ عبارت میں گر جاتا ہے، تو امام مُبَرِّد کی بات لیں تو حَرْفِ تَعْرِيف کیا ہے؟ ہمزہ، تو گویا پوری علامت ہی گر جاتی ہے دَرْجِ عبارت کے اندر، ہمزہ گر گیا تو پوری علامت ہی گر گئی۔ اور امام خلیل کا مذہب لیا جائے تو «أَلْ» جو ہے یہ حَرْفِ تَعْرِيف ہے، اس میں سے ایک جز ہمزہ دَرْجِ عبارت میں گر جاتا ہے، حالانکہ علامت جو ہے اس کو گرنا نہیں چاہیے، نہ اس کے کُل کو گرنا چاہیے نہ اس کے جز کو گرنا چاہیے، تو اس لیے انہوں نے ترجیح دی امام سِیبَوَیْہ کے مذہب کو۔

اور میں نے آپ کو یہاں ایک قیمتی نکتہ بھی بتلایا تھا کہ امام سِیبَوَیْہ فرماتے ہیں یہ لام ساکن ہے اور اِبْتِدَاءٌ بِالسَّاكِن تو کلامِ عرب میں نہیں ہو سکتی، اس لیے اس کے شروع میں ہَمْزَۂ وَصْل کو بڑھا دیا گیا۔ میں نے بتلایا تھا کہ کلامِ عرب میں اِبْتِدَاءٌ بِالسَّاكِن نہیں ہو سکتی، اور زبانوں کے اندر اِبْتِدَاءٌ بِالسَّاكِن ہو سکتی ہے، اور اس کی جیسے میں نے مثال دی تھی جیسے سکول بھئی۔ سکول جہاں بچے پڑھنے جاتے ہیں، اب سکول کے اندر دیکھو یہ جو سین ہے شروع میں، یہ ساکن ہے۔

سکول۔ دیکھو، نہ اس پر زبر ہے، زبر ہوتا تو سَکول ہوتا، سَکول میں نہیں کہہ رہا، میں سکول کہہ رہا ہوں۔ دیکھو، نہ زبر ہے نہ زیر ہے نہ پیش، تو یہ اِبْتِدَاءٌ بِالسَّاكِن ہو رہی ہے۔ تو اور زبانوں میں اِبْتِدَاءٌ بِالسَّاكِن ہو سکتی ہے لیکن کلامِ عرب میں اِبْتِدَاءٌ بِالسَّاكِن نہیں ہے۔

اس کے بعد پھر انہوں نے آپ کو یہ بتلایا تھا کہ بھئی یہ لَامِ تَعْرِيف یہ اسم کے ساتھ خاص کیوں ہے؟ یہ اسم کا خاصہ کیوں ہے؟ یہ فعل اور حرف پر کیوں نہیں داخل ہوتا؟ تو اس کی وجہ انہوں نے بتلائی تھی کہ یہ جو حَرْفِ تَعْرِيف ہے لام یہ ایسے معنی کی تَعْيِين کے لیے لایا جاتا ہے کہ وہ معنی مُسْتَقِل ہو اور مُطَابِقِي ہو، وہ معنی کیا ہو؟ مُسْتَقِل ہو اور مُطَابِقِي، یعنی جس پر لفظ مُطَابِقِي طور پر دلالت کر رہا ہو۔ تو اب اس سے حرف بھی نکل گیا کیونکہ حرف کا تو معنی ہی مُسْتَقِل نہیں ہوتا۔ فعل کا معنی مُسْتَقِل ہوتا ہے لیکن کون سا معنی؟ وہ تَضَمُّنِي معنی ہوتا ہے مُطَابِقِي نہیں، تو فعل بھی نکل گیا۔ تو یہ صرف کس پر داخل ہوتا ہے؟ اسم پر۔ بات سمجھ میں آئی کہ نہیں؟ اس کو کس لیے وضع کیا گیا ہے؟ تاکہ یہ تَعْيِين کرے اس معنی کی جو مُسْتَقِل بھی ہے اور لفظ اس پر مُطَابِقَةً دلالت کر رہا ہے بھئی۔ میں نے آپ کو بتلایا تھا ایک ہے معرفہ اور ایک ہے نکرہ۔ معرفہ کسے کہتے ہیں؟ جو مُعَيَّن ذات پہ دلالت کرے، اور نکرہ کسے کہتے ہیں؟ جو غَيْرِ مُعَيَّن ذات پر دلالت کرے۔ تو یہ الف لام بھی تَعْيِين کے لیے آتا ہے، کسی چیز کو مُتَعَيَّن کرنے کے لیے، لیکن کون سی چیز کو مُتَعَيَّن کرے گا؟ کون سے معنی کو؟ جو مُسْتَقِل ہو اور اس پر لفظ مُطَابِقِي طور پر دلالت کر رہا ہو، اور وہ صرف اسم ہوتا ہے، یا یوں کہو وہ صرف اسم

کا معنی ہوتا ہے، لہٰذا یہ صرف اسم پر داخل ہو گا، فعل اور حرف پر داخل نہیں ہو گا۔

اور اس کے بعد آخر میں انہوں نے آپ کو بتلایا تھا کہ یہ والا جو خاصہ ہے یہ خَاصَّةُ غَيْرِ شَامِلَة ہے، یہ تمام اسموں پر داخل نہیں ہوتا۔ جیسے اِسْمِ إِشَارَة ہے، اسی طرح ضمیریں ہیں، اسی طرح أَسْمَاءِ مَوْصُولَة ہیں، ان سب پر الف لام جو تعریف والا ہے یہ داخل نہیں ہوتا۔ اور بلکہ فرمایا کہ جتنے خاصے یہاں ذکر ہوئے یہ پانچ کے پانچ سب خَاصَّةُ غَيْرِ شَامِلَة کی قبیل سے ہیں۔ بات سمجھ میں آ گئی۔

جی اب آئیے آج کے سبق پر بھئی:

▪ متنِ کتاب و تحقیقِ مسائلِ نحویہ

وَمِنْهَا دُخُولُ الْجَرِّ، وَإِنَّمَا اخْتُصَّ دُخُولُ الْجَرِّ بِالِاسْمِ لِأَنَّهُ أَثَرُ حَرْفِ الْجَرِّ فِي الْمَجْرُورِ بِهِ لَفْظًا وَفِي الْمَجْرُورِ بِهِ تَقْدِيرًا كَمَا فِي الْإِضَافَةِ الْمَعْنَوِيَّةِ.

«وَمِنْهَا دُخُولُ الْجَرِّ»۔ کافیہ کی عبارت بھئی، کافیہ کی عبارت کیا تھی صرف متن متن؟ «وَمِنْ خَوَاصِّهِ دُخُولُ اللَّامِ وَالْجَرِّ»، «وَالْجَرِّ»۔ اور تو یہ وَاو اور اَلْجَرّ کے درمیان «مِنْهَا دُخُولُ» یہ لفظ صاحبِ جامی نے ذکر کیے بھئی۔ بتلانا یہ چاہتے ہیں کہ یہ جَرّ کا عطف اَللَّام پر ہے، اور اَللَّام پر کیا لفظ داخل تھا؟ دُخُولُ۔ دُخُولُ مضاف تھا اور اَللَّامِ مُضَافٌ إِلَيْهِ۔ اسی طرح یہ «وَالْجَرِّ» اس کو بھی کیسے پڑھیں گے؟ مجرور پڑھیں گے کہ اس کا عطف اس کے اوپر ہے۔ تو کہتے ہیں «وَمِنْهَا دُخُولُ الْجَرِّ»، اور اسم کے خاصوں میں سے جو ہے وہ جَرّ کا داخل ہونا ہے۔

«وَإِنَّمَا اخْتُصَّ دُخُولُ الْجَرِّ بِالِاسْمِ»۔ سوال: یہ جَرّ اسم کا خاصہ کیوں ہے؟ جَرّ اسم کا خاصہ کیوں ہے؟ تو آپ کو بتلائیں گے کہ یہ جو جَرّ ہے یہ دراصل أَثَر ہوتا ہے حَرْفِ جَرّ کا۔ حَرْفِ جَرّ کسی کلمے پر داخل ہوتا ہے اور اس کو کیا دے دیتا ہے؟ جَرّ دے دیتا ہے، تو یہ کس کا أَثَر ہے؟ حَرْفِ جَرّ کا۔ اور حَرْفِ جَرّ جو ہے وہ صرف اسم پر داخل ہوتا ہے، تو جو اس کا أَثَر ہے ظاہر سی بات ہے وہ بھی صرف کس میں آئے گا؟ اسم میں ہی آئے گا۔ حَرْفِ جَرّ فعل یا حرف پر داخل ہی نہیں ہوتا، جب ان پر داخل ہی نہیں ہوتا تو اس کا جو أَثَر ہے یعنی جَرّ وہ بھی فعل اور حرف میں نہیں پایا جائے گا، صرف اسی میں پایا جائے گا جس پر حَرْفِ جَرّ داخل ہو رہا ہے، اور حَرْفِ جَرّ تو صرف کس پر داخل ہوتا ہے؟ اسم پر۔

پھر یہاں ایک اور بات سمجھ لو۔ یاد رکھو حَرْفِ جَرّ کبھی لفظوں میں ہوتا ہے اور اس کو ہم جَارّ مَجْرُور سے تعبیر کرتے ہیں، جیسے «مَرَرْتُ بِزَيْدٍ» یہ با جَارَّة ہے اور زَيْدٍ مَجْرُور، جَارّ مَجْرُور یہ مل کر «مَرَرْتُ» سے متعلق ہیں، تو اس کو جَارّ مَجْرُور کہتے ہیں۔ اور کبھی حَرْفِ جَرّ جو ہے وہ تَقْدِيرًا ہوتا ہے، حَرْفِ جَرّ تَقْدِيرًا ہوتا ہے، اور وہ إِضَافَتِ مَعْنَوِيَّة کے اندر ہوتا

ہے۔ آپ نے پڑھا ہے کہ إضَافَت، بلکہ پہلے إضَافَتِ لَفْظِيَّة اور مَعْنَوِيَّة کو سمجھ لیں۔

إضَافَتِ لَفْظِيَّة اسے کہتے ہیں کہ صیغہ صفت کا ہو اور مضاف ہو رہا ہو اپنے معمول کی طرف۔ صیغہ صفت کا ہو اور مضاف ہو رہا ہو اپنے معمول کی طرف۔ اور صفت کے صیغے سے مراد تمام صفت کے صیغے نہیں ہیں، صرف اِسمِ فَاعِل، اِسمِ مَفْعُول اور صِفَتِ مُشَبَّهَة ہیں۔ اِسمِ فَاعِل، اِسمِ مَفْعُول اور صِفَتِ مُشَبَّهَة، صرف یہ تین صیغے مراد ہیں، اِسمِ تَفْضِيل وغیرہ اس کے اندر داخل نہیں۔ تو صیغہ صفت کا ہو اور مضاف ہو اپنے معمول کی طرف، تو یہ ہے إضَافَتِ لَفْظِي۔ میں نے آپ کو بتلایا تھا کہ جس طرح فعل کے لیے ہمیشہ فاعل یا نَائِبُ فَاعِل چاہیے اسی طرح یہ جو صفت کے صیغے ہیں ان کے لیے بھی ہمیشہ فاعل یا نَائِبُ فَاعِل چاہیے۔

«زَيْدٌ ضَارِبٌ» کیا ترکیب کریں گے؟ «زَيْدٌ» مَرْفُوع لَفْظًا بتدا، «ضَارِبٌ» مَرْفُوع لَفْظًا صیغہ اِسمِ فَاعِل، اس کے اندر «هُوَ» ضمیر مَرْفُوع مَحَلًّا اس کا فاعل جو کس کو راجع؟ زید کو، یہ ربط بھی آگیا۔ اِسمِ فَاعِل اپنے فاعل سے مل کر شِبْهِ جُمْلَة ہو کر خبر، بتدا خبر مل کر جُمْلَة اِسْمِيَّة خَبَرِيَّة ہوا۔ تو «ضَارِبٌ» صفت کا صیغہ ہے اِسمِ فَاعِل ہے، اور اس نے عمل کیا اور «هُوَ» ضمیر جو اس کے اندر چھپی ہوئی ہے اس کو رفع دے دیا۔ تو یہ ضمیر کو رفع دیا ہے، اور کبھی اسمِ ظاہر میں بھی یہ عمل کرتا ہے، مثلاً اسی کے ساتھ عمرو لے آؤ: «زَيْدٌ ضَارِبٌ عَمْرًا»، «زَيْدٌ ضَارِبٌ عَمْرًا»۔ اب آپ سے کوئی پوچھے کہ «عَمْرًا» کو نصب کس نے دیا؟ تو آپ کیا کہیں گے؟ «ضَارِبٌ» نے دیا، کہ یہ صفت کا صیغہ ہے اور صفت کے صیغے بالکل اپنے فعل جیسا عمل کرتے ہیں۔ جیسے فِعْلِ مَعْرُوف جو ہے «ضَرَبَ» وہ ایک فاعل کو رفع دیتا ہے اور مفعول کو نصب، «ضَرَبَ زَيْدٌ عَمْرًا»، یہ «زَيْدٌ» کو رفع کس نے دیا؟ «ضَرَبَ» نے، اور «عَمْرًا» کو نصب کس نے دیا؟ «ضَرَبَ» نے۔ تو جیسے فعل اپنے فاعل کو رفع دیتا ہے فِعْلِ مَعْرُوف اور مفعول کو نصب دیتا ہے، اسی طرح صفت کے صیغے جو ہیں وہ بھی اپنے فاعل یا نَائِبُ فَاعِل کو رفع دیں گے اور اپنے مفعول کو نصب دیں گے۔

تو یہاں کیا ترکیب ہم کر رہے تھے؟ «زَيْدٌ ضَارِبٌ عَمْرًا»۔ پھر ترکیب کریں: «زَيْدٌ» مَرْفُوع لَفْظًا بتدا، «ضَارِبٌ» مَرْفُوع لَفْظًا صیغہ اِسمِ فَاعِل۔ اب اس کے لیے فاعل بھی چاہیے اور آگے «عَمْرًا» تو منصوب ہے وہ تو فاعل نہیں بن سکتا، تو پھر اسی کے اندر ضمیر نکالیں گے کیونکہ فاعل ضرور چاہیے، فاعل کے بغیر صفت کا صیغہ یا فعل نہیں آسکتے۔ تو اس کے اندر «هُوَ» ضمیر مَرْفُوع مَحَلًّا اس کا فاعل جو کس کو راجع؟ زید کی طرف راجع ہے، یہ ربط بھی آگیا شِبْهِ جُمْلَة کا بتدا کے ساتھ۔ اور آگے «عَمْرًا» مَنْصُوب لَفْظًا مَفْعُولٌ بِهِ کس کے لیے؟ «ضَارِبٌ» کے لیے۔ تو «ضَارِبٌ» صیغہ اِسمِ فَاعِل اپنے فاعل اور مَفْعُولٌ بِهِ سے مل کر شِبْهِ جُمْلَة ہو کر یہ خبر زید کے لیے، بتدا خبر مل کر جُمْلَة اِسْمِيَّة خَبَرِيَّة ہوا۔ «زَيْدٌ ضَارِبٌ عَمْرًا»، زید پٹائی کرنے والا ہے یا یوں کہو، میں نے بتلایا تھا اِسمِ فَاعِل کا ترجمہ «کرنے والا» اس کے ساتھ نہ کیا کریں یہ اچھا ترجمہ نہیں بنتا، ہاں کہیں کہیں ایسا بھی موقع آئے گا جہاں اسی طرح ترجمہ کریں گے تو بات اچھی بنے گی، لیکن عموماً اس کے بغیر ترجمہ کیا کریں بھئی۔ «زَيْدٌ ضَارِبٌ عَمْرًا»، زید عمرو کی پٹائی کر رہا ہے، اگر حال مراد ہے، اور اگر ماضی کا ارادہ ہے ماضی کی بات

کسی کی بتلائی آپ نے، تو زید نے عمرو کی پٹائی کی، اور اگر آپ مستقبل کی بات کرنا چاہتے ہیں کہ بھئی وہ کل پٹائی کرے گا تو ترجمہ کریں گے زید عمرو کی پٹائی کرے گا۔ تو یہ معلوم ہوا یہ «عَمْرًا» مَفْعُولٌ بِهِ ہے «ضَارِبٌ» کے لیے، «ضَارِبٌ» عامل اور «عَمْرًا» اس کے لیے مَفْعُولٌ بِهِ بھئی۔

اور کبھی اسی طرح اس «ضَارِبٌ» کا فاعل اسمِ ظاہر بھی آسکتا ہے، کیونکہ فعل کے لیے فاعل یا نَائِبُ فَاعِل ضرور چاہیے اور وہ فاعل یا نَائِبُ فَاعِل ضمیر بھی ہو سکتی ہے اور اسمِ ظاہر بھی، لیکن آئے گا ایک ہی: اگر اسمِ ظاہر فاعل آگیا تو پھر ضمیر نہیں آئے گی اور اگر ضمیر آگئی تو پھر اسمِ ظاہر فاعل نہیں آئے گا۔ اور نیز فاعل یا نَائِبُ فَاعِل ہمیشہ فعل کے بعد آتے ہیں، فعل پر مُقَدَّم نہیں ہوتے۔ تو اسی طرح صفت کے صیغے بھی ہیں، صفت کے صیغوں کے لیے بھی فاعل یا نَائِبُ فَاعِل ایک ہی آئے گا، ایک سے زیادہ نہیں، ضمیر بھی آسکتی ہے اور اسمِ ظاہر بھی: اگر اسمِ ظاہر آگیا تو پھر ضمیر اس کے اندر نکالنے کی ضرورت نہیں، اور اگر اسمِ ظاہر آگے نہ آیا پھر فاعل یا نَائِبُ فَاعِل تو ضرور چاہیے پھر اسی کے اندر ضمیر نکال لیں گے۔ اور جیسے فاعل یا نَائِبُ فَاعِل ہمیشہ فعل کے بعد آتا ہے فعل پر کبھی مُقَدَّم نہیں ہو سکتا، اسی طرح یہ جو صفت کے صیغے ہیں ان کا بھی فاعل یا نَائِبُ فَاعِل ان کے بعد ہی آئے گا، ان پر مُقَدَّم نہیں ہو سکتا۔

تو ابھی جو ہم نے ترکیب کی «زَيْدٌ ضَارِبٌ عَمْرًا» اس میں فاعل کس کو بنایا؟ «هُوَ» ضمیر کو جو «ضَارِبٌ» کے اندر چھپی ہوئی تھی۔ کیوں؟ کیونکہ آگے کوئی اسمِ ظاہر فاعل نہیں آرہا تھا۔ ہاں اگر ہم فاعل اسمِ ظاہر آگے لے آئیں: «زَيْدٌ ضَارِبٌ أَبُوهُ عَمْرًا»، «زَيْدٌ ضَارِبٌ أَبُوهُ عَمْرًا»۔ تو اب ترکیب کیسے ہوگی؟ «زَيْدٌ» مَرْفُوع لَفْظًا مبتدا، «ضَارِبٌ» مَرْفُوع لَفْظًا صیغہ اِسْمِ فَاعِل۔ یہ «ضَارِبٌ» کیوں مرفوع ہے؟ خبر ہے مبتدا کی اور خبر مرفوع ہوتی ہے۔ اور «أَبُوهُ»، «أَبُو» مَرْفُوع لَفْظًا مضاف۔ یہ مرفوع کیوں ہے؟ یہ فاعل بن رہا ہے «ضَارِبٌ» کا۔ تو «أَبُو» مَرْفُوع لَفْظًا مضاف۔ آپ کو کیسے پتا چلا یہ مضاف ہے؟ ہاں مضاف کیسے؟ کیونکہ اس کے ساتھ ضَمِيرِ مُتَّصِل جڑی ہوئی ہے، اور جس اسم کے ساتھ بھی ضَمِيرِ مُتَّصِل آجائے وہ آپس میں مُضَاف مُضَافٌ إِلَيْهِ بنتے ہیں۔ کس کے ساتھ؟ اسم کے ساتھ، میں نے فعل اور حرف کی بات نہیں کی، فعل کے ساتھ بھی ضَمِيرِ مُتَّصِل آئے گی کبھی اور حرف کے ساتھ بھی ضَمِيرِ مُتَّصِل آئے گی، لیکن میں بات کر رہا ہوں صرف اسم کی۔ جب اسم کے ساتھ ضَمِيرِ مُتَّصِل آئے تو اس اسم کو بناؤ مضاف اور ضمیر کو بناؤ مُضَافٌ إِلَيْهِ۔ تو «أَبُوهُ» مَرْفُوع لَفْظًا مضاف اور «هَاء» ضمیر مَجْرُور مَحَلًّا مُضَافٌ إِلَيْهِ۔ مجرور کیوں؟ کیونکہ مُضَافٌ إِلَيْهِ ہے۔ اور یہ ضمیر راجع ہے زید کی طرف، یہ ربط دے گی بھئی شِبْهِ جُمْلَة کو مبتدا کے ساتھ۔ تو «أَبُو» مضاف اپنے مُضَافٌ إِلَيْهِ سے مل کر یہ فاعل ہوا «ضَارِبٌ» کے لیے، اور آگے «عَمْرًا» یہ منصوب مَفْعُولٌ بِهِ ہوا «ضَارِبٌ» کے لیے۔ تو اِسْمِ فَاعِل اپنے فاعل اور مَفْعُولٌ بِهِ سے مل کر شِبْهِ جُمْلَة ہو کر خبر، مبتدا خبر مل کر جُمْلَة اِسْمِيَّة خَبَرِيَّة ہوا۔ اب آپ کا کوئی ساتھی آپ پر اعتراض کرتا ہے، وہ کہتا ہے

کہ «ضَارِبٌ» کے اندر آپ نے ضمیر نہیں نکالی، «ضَارِبٌ» میں ہم نے پڑھا ہے ضمیر ہوتی ہے آپ نے ضمیر نہیں نکالی، آپ کی ترکیب درست نہیں ہے، تو آپ کیا جواب دیں گے؟ کہ فاعل ایک ہی آسکتا ہے، اور وہ آگے اسمِ ظاہر آگیا، اب اس کے اندر ضمیر نکالنے کی ضرورت نہیں ہے، اور اگر ضمیر نکال لی تو پھر «أَبُوهُ» اس کے لیے فاعل نہیں بن سکتا بھئی۔

تو اب دیکھیے یہ «ضَارِبٌ» ہے عامل اور یہ صفت کا صیغہ ہے اِسمِ فَاعِل ہے، اور «أَبُوهُ» اس کے لیے فاعل اور «عَمْرًا» اس کے لیے مفعول۔ تو یہ جو صفت کے صیغے ہیں، اس کی جب اضافت کر دی جائے اپنے معمول کی طرف تو اس کو کہتے ہیں إِضَافَتِ لَفْظِيَّة۔ اس «ضَارِبٌ» کی اضافت کر دو «أَبُوهُ» کی طرف، یا اس کی اضافت کر دو «عَمْرًا» کی طرف۔ توجہ ہے؟ «أَبُوهُ» بھی اس کا معمول ہے، اس میں بھی یہ عمل کر رہا ہے رفع دے رہا ہے، «عَمْرًا» بھی اس «ضَارِبٌ» کا معمول ہے کہ وہ اس کو نصب دے رہا ہے۔ توجہ ہے؟ تو یہ دونوں اس کے معمول ہیں «ضَارِبٌ» کے، اور «ضَارِبٌ» صیغہ ہے صفت کا۔ تو صفت کے صیغے کی جب آپ اضافت کر دیں اپنے معمول کی طرف اس کو کہتے ہیں إِضَافَتِ لَفْظِي۔ صیغہ صفت کا ہو اور مضاف ہو اپنے معمول کی طرف، اس کو کیا کہتے ہیں؟ إِضَافَتِ لَفْظِي۔ توجہ ہے؟ جیسے، کیسے، کیا بن جائے گا؟ «أَبُوهُ» کی طرف اضافت کر دو ذرا: «ضَارِبُ أَبِيهِ»، «ضَارِبُ أَبِيهِ»۔ کیونکہ ضَارِبُ ہوا مضاف تو «ضَارِبٌ» سے تنوین گر جائے گی کیونکہ مضاف سے تنوین یا نُونِ تَثْنِيَة یا نُونِ جَمْع ہو وہ گر جاتا ہے، تو تنوین گر گئی، اور «أَبِيهِ» وہ مُضَافٌ إِلَيْهِ بن گیا اور مُضَافٌ إِلَيْهِ کیا ہوتا ہے؟ مجرور، اور «أَبِيهِ» کس میں سے ہے؟ أَسْمَاءِ سِتَّةِ مُكَبَّرَةِ مُوَحَّدَةِ مُضَافَةٍ إِلَى غَيْرِ يَاءِ مُتَكَلِّم، اور اس کا جر کس کے ساتھ آتا ہے؟ یا کے ساتھ، تو اس لیے «ضَارِبُ أَبِيهِ»۔ تو دیکھو یہ صفت کا صیغہ ہے جو مضاف ہو رہا ہے اپنے معمول کی طرف۔ تو دیکھو یہ صفت کا صیغہ ہے مضاف ہو رہا ہے اپنے معمول کی طرف، تو یہ جو ضَارِبُ کی اضافت ہو رہی ہے أَبِي کی طرف یہ إِضَافَتِ لَفْظِيَّة ہے۔

اور یاد رکھنا، إِضَافَتِ لَفْظِيَّة صرف لفظوں میں تخفیف کا فائدہ دیتی ہے اور کوئی فائدہ نہیں، اور کوئی فائدہ نہیں۔ لفظوں میں کیا تخفیف آئی؟ «ضَارِبٌ» سے تنوین گر گئی، «ضَارِبٌ» سے تنوین گر گئی۔ یہ جو اضافت ہے آپ جانتے ہیں کہ اس کی وجہ سے تنوین بھی گر جاتی ہے مضاف سے، اور اگر نُونِ تَثْنِيَة ہو وہ بھی گر جاتا ہے، اور اگر نُونِ جَمْع ہو تو وہ بھی گر جاتا ہے۔ تو اضافت کی وجہ سے لفظ میں تخفیف آگئی بھئی۔ لفظ کی ادائیگی آسان ہو گئی۔ کیونکہ تنوین نونِ ساکن کا نام ہے۔ اسی طرح نونِ تثنیہ بھی ہے، نونِ جمع بھی ہے۔ تو یہ سب ایک، ایک حرف گویا کم ہو گیا، اور ظاہر سی بات ہے کہ ایک حرف کم ہو جائے تو لفظ کی ادائیگی آسان ہو جاتی ہے بھئی۔

جبکہ اس کے مقابلے میں دوسری اضافتِ معنوی ہے۔ اضافتِ لفظی کسے کہتے ہیں؟ کہ صیغہ صفت کا ہو اور مضاف ہو اپنے معمول کی طرف۔ ابھی ہم نے «ضَارِبٌ» کی اضافت کس کی طرف کی؟ «أَبِيهِ» کی طرف۔ اگر اس کی اضافت «عَمْرٍو» کی طرف کر دو تو بھی ایک ہی بات ہے: «ضَارِبُ عَمْرٍو»۔ «ضَارِبُ عَمْرٍو» اور «أَبُوهُ» پھر اسی طرح مرفوع رہے گا کیونکہ

وہ فاعل ہے بھئی۔ تو اب بھی «ضَارِبٌ» صفت کا صیغہ ہے اور اس کی اضافت ہو رہی ہے کس کی طرف؟ اپنے معمول کی طرف۔ تو معمول چاہے فاعل ہو چاہے مفعول ہو، دونوں میں سے جو بھی ہو۔ تو صیغہ صفت کا ہے اور مضاف ہو رہا ہے اپنے معمول کی طرف اور یہ اضافت اضافتِ لفظی کہلاتی ہے اور اضافتِ لفظی کا اور کوئی فائدہ نہیں صرف یہ لفظوں میں تخفیف کا فائدہ دیتی ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟

تو «زَيْدٌ ضَارِبٌ أَبُوهُ عَمْرًا»۔ «أَبُوهُ» «ضَارِبٌ» کے لیے کیا تھا؟ فاعل۔ اور «عَمْرًا» کیا تھا؟ مفعول۔ تو یہ دونوں معمول تھے۔ اور ان دونوں کی طرف کیسے اضافت ہو گی میں نے بتلا دیا۔ «أَبُوهُ» کی طرف اضافت کرو جو کہ فاعل ہے، تو فاعل بھی معمول ہوتا ہے اسمِ فاعل کا، تو «ضَارِبُ أَبِيهِ»۔ اور مفعول کی طرف بھی اضافت کی مثال ہم نے کر لی، مفعول کیا تھا «ضَارِبٌ» کے لیے؟ «عَمْرًا»۔ تو کیا بن گیا اضافت کے بعد؟ «ضَارِبُ عَمْرٍو» بن گیا۔ دونوں کی مثال کر لی۔ یہ دونوں معمول ہیں صیغہ صفت کے یعنی اسمِ فاعل کے۔ تو یہ بات یاد رکھنا یہ سمجھانے کے لیے دونوں مثالیں ہم نے کر لیں، ورنہ عموماً اسمِ فاعل کی اضافت مفعول کی طرف کی جاتی ہے۔ اسمِ فاعل کی اضافت مفعول کی طرف کی جاتی ہے: «ضَارِبُ عَمْرٍو»، عَمْر کی پٹائی کرنے والا۔ اور فاعل کی طرف عموماً اسمِ فاعل کی اضافت نہیں کی جاتی۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو بہرحال مثالیں ہم نے کر لیں تاکہ بات آپ کو اچھی طرح سمجھ میں آجائے کہ معمول کون کون سے ہیں اور کیسے ان کی طرف اضافت ہوتی ہے۔ فاعل وہ بھی معمول ہوتا ہے صیغہ صفت کا اور مفعول جو ہے وہ بھی معمول ہوتا ہے۔ تو اس طرح ان کی طرف اضافت کی جائے تو وہ کیا کہلائے گی؟ اضافتِ لفظیہ کہلائے گی۔ بات سمجھ میں آگئی؟

جیسے قرآن میں بھی اس کی مثال بھی ہے: «هَذَا عَارِضٌ مُمْطِرُنَا»۔ «هَذَا عَارِضٌ مُمْطِرُنَا»۔ «عَارِضٌ» کہتے ہیں بادل کو، اور «مُمْطِرُنَا»، «أَمْطَرَ يُمْطِرُ» کا معنی بارش برسانا۔ «مُمْطِرُنَا» یہ «نَا» مفعول ہے، جو ہم پر کیا کرے گا؟ بارش برسائے گا۔ تو یہ وہ کفار نے بادل آتا ہوا دیکھا جس میں عذاب تھا، تو وہ بادل دیکھ کر کہنے لگے: «هَذَا عَارِضٌ مُمْطِرُنَا»۔ تو یہ «عَارِضٌ» موصوف ہے اور «مُمْطِرُنَا» اس کی صفت۔ یہ ایسا بادل ہے جو ہم پر بارش برسائے گا۔ یہ ایسا بادل ہے جو ہم پر، تو اس میں تو دراصل عذاب تھا لیکن وہ اس کو دیکھ کر کہنے لگے کہ یہ تو خوب کالا بادل ہے، یہ خوب بارش برسائے گا۔ دیکھو «عَارِضٌ» موصوف ہے اور «مُمْطِرُنَا» یہ اس کی صفت ہے۔ اب آپ کے ذہن میں اشکال آئے گا: «عَارِضٌ» تو ہے نکرہ، اور «مُمْطِرُنَا» یہ تو مضاف مضاف الیہ مل کر معرفہ بن گئے، کیونکہ «مُمْطِرٌ» یہ نکرہ ہے اور «نَا» ضمیر کی طرف مضاف ہے اور ضمیر معرفہ ہوتی ہے، اور جو لفظ معرفہ کی طرف مضاف ہو جائے وہ بھی کیا بن جاتا ہے؟ معرفہ بن جاتا ہے۔ تو جواب اب آپ کو سمجھ میں آگیا ہو گا کہ بھئی یہ «مُمْطِرٌ» صفت کا صیغہ ہے، اسمِ فاعل ہے بھئی، اور یہ «نَا» اس کے لیے مفعول ہے، اور تو یہ صفت کے صیغے کی اضافت ہو رہی ہے اپنے معمول کی طرف، اور یہ صرف لفظوں میں تخفیف کا فائدہ دیتی ہے، «مُمْطِرٌ» سے تنوین گر گئی بس۔ اور یہ ابھی بھی تقدیرِ انفصال میں ہے، یعنی یہ «مُمْطِرٌ» کا لفظ جیسے اضافت سے پہلے نکرہ تھا ابھی

بھی نکرہ کا نکرہ ہی ہے۔ نہ اس میں تعریف آئی، نہ اس کے اندر تخصیص آئی، یہ صرف اس میں لفظوں کے اندر تخفیف آئی ہے۔ تو یہ ابھی بھی نکرہ کا نکرہ ہے۔ تو «عَارِضٌ» بھی نکرہ اور «مُمْطِرُنَا» کے اندر یہ جو «مُمْطِرٌ» کا لفظ آیا یہ بھی کیا ہے؟ نکرہ ہے۔ تو یہ اس کی صفت بن سکتا ہے۔ یہ ہے اضافتِ لفظی۔ بات سمجھ میں آگئی؟

جبکہ جو اضافت ایسی نہ ہو، جو اضافت اس کے علاوہ ہو وہ سب اضافتِ معنویہ ہیں۔ کون سی نہ ہو؟ لفظی۔ لفظیہ کسے کہتے تھے؟ صیغہ صفت کا ہو اور مضاف ہو اپنے معمول کی طرف، یہ ہے اضافتِ لفظی۔ اس کے علاوہ جتنی اضافتیں ہیں وہ اضافتِ معنوی ہیں۔ اس میں پھر دونوں صورتیں آگئیں: یا تو صیغہ ہی صفت کا نہ ہو اور مضاف ہو رہا ہو، «غُلَامُ زَيْدٍ»۔ «غُلَامٌ» صفت کا صیغہ ہے؟ نہیں، تو یہ اضافتِ معنویہ ہے۔ یا صیغہ تو صفت کا ہو لیکن اپنے معمول کی طرف مضاف نہ ہو بھئی، معمول کی طرف مضاف نہ ہو، جیسے «كَرِيمُ الْبَلَدِ» بھئی، «كَرِيمُ الْبَلَدِ»۔ اب دیکھو «كَرِيمٌ» کا معنی ہے سخی، سخی۔ اور اس کی اضافت ہو رہی ہے «الْبَلَدِ» کی طرف۔ «كَرِيمٌ» صفتِ مشبہ ہے بھئی، اور اس کی اضافت ہو رہی ہے «الْبَلَدِ» کی طرف۔ اور تو یہ اضافت فاعل یا مفعول کی طرف نہیں ہے، فاعل یا مفعول کے علاوہ کی طرف ہے۔ تو لہٰذا یہ، یہ اضافتِ معنوی ہوئی بھئی۔ صیغہ صفت کا ہو مضاف ہو اپنے معمول کی طرف یہ ہے اضافتِ لفظی، اور اس کے علاوہ جتنی اضافتیں ہوں گی وہ کیا ہیں؟ اضافتِ معنوی ہیں۔ لہٰذا اس میں دونوں قسمیں داخل ہو گئیں: یا تو جو مضاف ہے وہ سرے سے صفت کا صیغہ ہی نہ ہو جیسے «غُلَامُ زَيْدٍ»، یہ بھی کیا ہے؟ اضافتِ معنویہ۔ اور یا صیغہ تو صفت کا ہے لیکن اپنے معمول یعنی فاعل یا مفعول کی طرف مضاف نہیں ہے جیسے «كَرِيمُ الْبَلَدِ»۔ «كَرِيمٌ» صفتِ مشبہ ہے، صفت کا صیغہ ہے، لیکن یہ اپنے معمول یعنی فاعل یا مفعول کی طرف یہاں مضاف نہیں ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ «كَرِيمُ الْبَلَدِ» شہر کا سخی، یعنی شہر کا بڑا سخی جو ہے۔ معنی سمجھ میں آگیا؟

تو میں نے آپ کو بتلایا، اضافتِ لفظیہ صرف لفظوں میں تخفیف کا فائدہ دیتی ہے، اور تنوین یا قائم مقامِ تنوین یعنی نونِ تثنیہ اور نونِ جمع وہ گر جاتے ہیں، اور کوئی فائدہ نہیں اس کا۔ جبکہ اضافتِ معنویہ وہ کبھی تعریف کا فائدہ دے گی اور کبھی تخصیص کا فائدہ دے گی۔ توجہ ہے؟ یعنی اس کی وجہ سے کبھی لفظ، مضاف جو ہے وہ معرفہ بن جائے گا، اور کبھی تخصیص کا فائدہ دے گی یعنی وہ معرفہ تو نہیں بنے گا لیکن معرفہ کے قریب ہو جائے گا، یعنی اس کے افراد کم ہو جائیں گے بھئی۔ یعنی اس کا اشتراک کم ہو جائے گا بھئی۔ جیسے دیکھو میں نے کہا «غُلَامٌ»۔ «غُلَامٌ» نکرہ ہے، اور اس کی میں نے اضافت کر دی «زَيْدٍ» کی طرف، تو یہ اضافتِ لفظی ہے یا معنوی ہے؟ معنوی ہے، اور اس نے تعریف کا فائدہ دیا۔ جب بھی نکرہ کی اضافت معرفہ کی طرف کریں گے تو وہ تعریف کا فائدہ دے گی۔ تو «غُلَامٌ» تو نکرہ تھا لیکن «زَيْدٌ» تو معرفہ تھا، اس کی طرف جب آپ نے «غُلَامٌ» کی اضافت کی تو اس نے تعریف کا فائدہ دیا اور اب یہ «غُلَامٌ» بھی معرفہ بن گیا۔ تو «غُلَامُ زَيْدٍ» کے اندر «غُلَامٌ» معرفہ بن چکا۔ یہ اس وقت ہے جب نکرہ کی اضافت معرفہ کی طرف کریں۔ اور اگر نکرہ کی اضافت نکرہ کی

طرف کریں تو پھر یہ تخصیص کا فائدہ دے گی یہ اضافتِ معنویہ، جیسے «غُلَامُ رَجُلٍ»۔ فرض کریں دنیا کے اندر بھئی دس لاکھ غلام ہیں، ان میں سے پانچ لاکھ مردوں کے غلام ہیں اور پانچ لاکھ عورتوں کے غلام ہیں۔ تو اب جب آپ نے کہا «غُلَامٌ» تو کتنے احتمال؟ دس لاکھ، سب پہ بولا جا سکتا ہے۔ لیکن جب آپ نے کہا «غُلَامُ رَجُلٍ» تو عورتوں کے غلام نکل گئے۔ تو کتنے احتمال رہ گئے؟ پانچ لاکھ۔ تو دیکھا یہ ہے احتمالات کا کم ہو جانا، یہ کیا ہے؟ یہ اس کو کہتے ہیں تخصیص۔ معرفہ تو نہیں بنا لیکن معرفہ کے قریب ہو گیا۔ معرفہ تو ایک معین پر دلالت کرتا ہے، تو یہ معرفہ تو نہ بنا لیکن اشتراک اس میں کم ہو گیا، جب اشتراک کم ہوا تو معرفہ کے قریب ہو گیا۔ تو اضافتِ لفظیہ وہ صرف لفظوں میں تخفیف کا فائدہ دیتی ہے، اور اضافتِ معنویہ وہ معرفہ کی طرف اضافت ہو تو وہ تعریف کا فائدہ دے گی اور وہ نکرہ کی طرف اضافت ہو تو وہ تخصیص کا فائدہ دے گی۔

تو اضافتِ معنویہ میں اصل مقصود جو ہوتی ہے وہ تعریف یا تخصیص ہوتی ہے۔ لفظوں میں یہاں بھی تخفیف آئے گی، لفظوں میں بھی تخفیف آئے گی۔ «غُلَامُ زَيْدٍ» جب اضافت کی تو غلام سے تنوین گر گئی۔ اسی طرح نونِ تثنیہ یا جمع ہو تو وہ بھی گر جائے گا۔ تو لفظوں میں بھی تخفیف آتی ہے لیکن اصل مقصود یہاں کیا ہوتا ہے؟ کہ تعریف یا تخصیص مقصود ہوتی ہے۔ جبکہ اضافتِ لفظیہ اس میں صرف لفظوں میں تخفیف آئی، نہ تو تعریف آئی اور نہ ہی تخصیص۔ کیا مثال ہم نے کی تھی؟ «ضَارِبُ أَبِيهِ»۔ یہ «ضَارِبٌ» کی اضافت کس کی طرف ہو گئی؟ «أَبِيهِ» کی طرف، اور «أَبِيهِ» یعنی «أَبِي زَيْدٍ» معرفہ ہے یا نکرہ ہے؟ «أَبِي زَيْدٍ» یہ معرفہ ہے بھئی، کیا ہے؟ معرفہ۔ «أَبٌ» کی اضافت «ہ» ضمیر کی طرف ہو رہی ہے اور ضمیر معرفہ ہے تو «أَبٌ» بھی کیا بن گیا؟ معرفہ۔ تو «ضَارِبُ أَبِيهِ»، تو یوں کہو «ضَارِبٌ» کی اضافت ہو رہی ہے «أَبِيهِ» کی طرف اور وہ معرفہ ہے، اور معرفہ کی طرف جب اضافت کی جائے تو وہ تعریف کا فائدہ دیتی ہے، لیکن یہاں یہ تعریف کا فائدہ نہیں دے رہی۔ یعنی جیسے اضافت سے پہلے «ضَارِبٌ» نکرہ تھا ابھی بھی اسی طرح نکرہ کا نکرہ ہے۔ توجہ ہے؟ «ضَارِبٌ» کی اضافت میں کس کی طرف کر رہا ہوں؟ «أَبِيهِ» کی طرف، لیکن یہ اضافتِ لفظیہ ہے، معنویہ ہوتی تو پھر یہ تعریف کا فائدہ دیتی اور «ضَارِبٌ» کا لفظ بھی معرفہ بن جاتا، لیکن یہ اضافت کون سی ہے؟ اضافتِ لفظی، اور یہ صرف تخفیف کا فائدہ دے رہی ہے، تنوین گر گئی۔ تنوین بھی گر جاتی ہے اور اگر نونِ تثنیہ یا جمع ہو تو وہ بھی گر جاتا ہے، اور اس کا کوئی فائدہ نہیں۔ نہ یہاں تعریف آئی نہ تخصیص آئی، اور یہ لفظ جیسے اضافت سے پہلے نکرہ تھا جیسے «ضَارِبٌ»، «زَيْدٌ ضَارِبٌ أَبُوهُ عَمْرًا»، تو «ضَارِبٌ» اکیلا کیا تھا؟ نکرہ تھا، تو جیسے یہ پہلے نکرہ تھا ابھی بھی اسی طرح ہی ہے۔ یعنی نہ اس میں تعریف آئی اور نہ تخصیص آئی، تو یہ تقدیرِ انفصال میں ہے۔ یوں فرض کر لو ابھی بھی الگ الگ ہی ہیں۔ جیسے الگ ہوتے ہوئے اس میں نہ تعریف تھی نہ تخصیص تھی ابھی بھی یہ اس میں نہ تعریف ہے اور نہ تخصیص ہے۔ بات سمجھ میں آ گئی؟

اب آئیے دیکھیے بھئی کتاب پر۔ اتنی زیادہ تفصیل میں نے بیان کی، آگے چونکہ اضافتِ معنویہ اور لفظیہ کا ذکر آ رہا ہے۔

اب آپ کو بات سمجھ میں آئے گی، دیکھیے بھئی۔ کہتے ہیں: «وَإِنَّمَا اخْتُصَّ دُخُولُ الْجَرِّ بِالِاسْمِ»۔ جی کیسے عبارت پڑھیں گے ذرا پڑھو بھئی: «وَإِنَّمَا» جی «وَإِنَّمَا اخْتُصَّ دُخُولُ الْجَرِّ بِالِاسْمِ»۔ «بِالِاسْمِ» نہیں بھئی، اسم کا ہمزہ وصلی ہے گر جائے گا۔ «بِلِاسْمِ»، لام کے نیچے کسرہ پڑھو بھئی۔ کہتے ہیں: «وَإِنَّمَا اخْتُصَّ دُخُولُ الْجَرِّ بِالِاسْمِ»۔ اچھا، نیز میں نے آپ کو بتایا تھا «اخْتَصَّ» یہ فعلِ لازم بھی ہے اور فعلِ متعدی بھی۔ تو یہاں پر بھی اسی طرح آپ اس کو معروف بھی پڑھ سکتے ہیں فعلِ لازم بنا لیں: «وَإِنَّمَا اخْتَصَّ دُخُولُ الْجَرِّ»، جَرّ کا داخل ہونا خاص ہے، اور آپ چاہیں تو مجہول پڑھیں اور پھر «دُخُولُ الْجَرِّ» کو نائب فاعل بنا دیں، تو دونوں طرح پڑھ سکتے ہیں۔ معنی ایک ہی رہے گا دونوں صورتوں میں۔ «وَإِنَّمَا اخْتُصَّ دُخُولُ الْجَرِّ بِالِاسْمِ» اور جَرّ کا داخل ہونا اسم کے ساتھ خاص ہے، «لِأَنَّهُ أَثَرُ حَرْفِ الْجَرِّ» اس لیے کیونکہ یہ حرفِ جَرّ کا اثر ہے۔

ہاں بھئی، ایک بات رہ گئی تھی وہ بھی سمجھ لیں۔ تو یہ اضافتِ لفظیہ یہ صرف تخفیف کا فائدہ دیتی ہے، اور اضافتِ معنویہ تعریف یا تخصیص کا فائدہ دیتی ہے۔ اور آپ نے پڑھا ہے کہ یہ اضافتِ معنویہ جو ہے اس میں حرفِ جَرّ مُقَدَّر ہوتا ہے۔ «غُلَامُ زَيْدٍ» اصل میں کیا تھا؟ «غُلَامٌ لِزَيْدٍ»۔ تو یہاں پر حرفِ جَرّ مُقَدَّر ہوتا ہے، اور وہ جو حرفِ جَرّ مُقَدَّر ہو کبھی وہ لَام ہو گا، کبھی مِنْ ہو گا اور کبھی فِي۔ اگر مضاف الیہ جو ہے وہ مضاف کے لیے جنس ہو تو پھر مِنْ مُقَدَّر ہو گا، جیسے «خَاتَمُ فِضَّةٍ» چاندی کی انگوٹھی، تو یہ خَاتَم کے لیے فِضَّةٍ جو مضاف الیہ ہے وہ جنس ہے، وہ بیان کر رہا ہے کہ یہ انگوٹھی کس جنس کی ہے؟ چاندی کی ہے، تو «خَاتَمُ فِضَّةٍ» یہ مضاف الیہ جنس بیان کر رہا ہے کس کی؟ مضاف کی، تو اس جگہ پر پھر مِنْ مُقَدَّر ہوتا ہے أَيْ «خَاتَمٌ مِنْ فِضَّةٍ»، چاندی سے بنی ہوئی انگوٹھی۔ اور اگر مضاف الیہ مضاف کے لیے وقت ہو تو پھر وہاں فِي مُقَدَّر ہوتا ہے کیونکہ وقت کے لیے، ظرفیّت کے لیے فِي آتی ہے، جیسے «صَلَاةُ اللَّيْلِ» رات کی نماز، اصل میں کیا ہے؟ «صَلَاةٌ فِي اللَّيْلِ»، کیونکہ لَیل جو مضاف الیہ ہے وہ مضاف کے لیے وقت ہے۔ تو یہاں کیا مُقَدَّر؟ فِي مُقَدَّر۔ اور اگر ان دونوں کے علاوہ ہو یعنی مضاف الیہ نہ تو مضاف کے لیے جنس ہو اور نہ اس کے لیے وقت ہو تو پھر وہاں لَام مُقَدَّر ہوتا ہے، جیسے «غُلَامُ زَيْدٍ»، یہ زَیْد غلام کی نہ تو جنس بیان کر رہا ہے اور نہ اس کا وقت بھئی، تو لہٰذا یہاں لَام مُقَدَّر ہو گا «غُلَامٌ لِزَيْدٍ»۔ تو اضافتِ معنویہ کے اندر حرفِ جَرّ مُقَدَّر ہوتا ہے، اضافتِ معنویہ میں حرفِ جَرّ مُقَدَّر ہوتا ہے، اور وہ کبھی لَام ہو گا، کبھی فِي اور کبھی مِنْ۔

اب دیکھیے کتاب پر۔ کہتے ہیں: «وَإِنَّمَا اخْتُصَّ دُخُولُ الْجَرِّ بِالِاسْمِ» اور جَرّ کا داخل ہونا اسم کے ساتھ خاص ہے «لِأَنَّهُ أَثَرُ حَرْفِ الْجَرِّ فِي الْمَجْرُورِ بِهِ لَفْظًا وَفِي الْمَجْرُورِ بِهِ تَقْدِيرًا»۔ میں نے آپ کو کیا بتایا؟ کہ یہ جَرّ اثر ہے حرفِ جَرّ کا۔ یہ جَرّ اثر ہے حرفِ جَرّ کا۔ اور یہ حرفِ جَرّ کبھی لفظوں میں ہوتا ہے اور اس کو جار مجرور کہتے ہیں، جیسے «بِزَيْدٍ»، یہ بَاء کیا ہے؟ لفظوں میں موجود ہے، اور کبھی حرفِ جَرّ تقدیراً ہوتا ہے جیسے اضافتِ معنویہ میں ہے: «غُلَامُ زَيْدٍ»، یہ زَیْدٍ مجرور ہے لیکن

یہ اثر ہے اس حرفِ جرّ کا جو یہاں مُقدّر ہے «غُلَامٌ لِزَيْدٍ»۔ تو کبھی حرفِ جرّ لفظوں میں ہو گا تو اس کو کیا کہیں گے؟ جار مجرور۔ اور کبھی حرفِ جرّ تقدیراً ہوتا ہے اور اس کو مضاف مضاف الیہ کہتے ہیں، اس کو جار مجرور نہیں کہتے۔ تو یہ جو جرّ ہوتا ہے یہ اثر ہوتا ہے حرفِ جرّ کا، چاہے وہ حرفِ جرّ لفظوں میں ہو چاہے تقدیراً ہو۔ توجہ ہے؟ یہ جرّ کس کا اثر ہوتا ہے؟ حرفِ جرّ کا، چاہے حرفِ جرّ لفظوں میں ہو چاہے تقدیراً ہو۔ اور حرفِ جرّ صرف اسم پر داخل ہوتا ہے، تو اس کا اثر جو جرّ ہے وہ بھی صرف کس میں ہو گا؟ اسم میں۔ اس لیے صاحبِ کافیہ نے آپ کو بتایا کہ جرّ اسم کا خاصہ ہے کیونکہ یہ اثر ہے کس کا؟ حرفِ جرّ کا، اور حرفِ جرّ کس کے ساتھ خاص؟ اسم کے ساتھ، تو اس کا اثر جرّ بھی اسم کے ساتھ خاص ہو گا۔

اب دیکھیے بھئی کتاب پر۔ کہتے ہیں: «وَإِنَّمَا اخْتُصَّ دُخُولُ الْجَرِّ بِالِاسْمِ» کہ جرّ کا داخل ہونا اسم کے ساتھ خاص ہے «لِأَنَّهُ أَثَرُ حَرْفِ الْجَرِّ» کیونکہ یہ حرفِ جرّ کا اثر ہے، کس میں؟ «فِي الْمَجْرُورِ بِهِ» وہ جس کو جرّ دیا گیا ہے بِهِ أَيْ بِحَرْفِ الْجَرِّ، وہ جس کو جرّ دیا گیا ہے حرفِ جرّ کے ذریعے «لَفْظًا» باعتبار لفظوں کے، «وَفِي الْمَجْرُورِ بِهِ» اور وہ جس کو جرّ دیا گیا ہے بِهِ أَيْ بِحَرْفِ الْجَرِّ حرفِ جرّ کے ذریعے «تَقْدِيرًا» یعنی وہ حرفِ جرّ کیا ہے؟ تقدیراً ہے، «كَمَا فِي الْإِضَافَةِ الْمَعْنَوِيَّةِ» جیسے کہ اضافتِ معنویہ میں ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ جیسے اضافتِ معنویہ میں ہے۔ تو یہ جرّ اثر ہوتا ہے حرفِ جرّ کا کس میں؟ وہ جو مجرور ہے، وہ جو مجرور ہے یہ اس میں حرفِ جرّ کا اثر ہوتا ہے، اور یہ حرفِ جرّ کبھی لفظاً ہوتا ہے اور کبھی تقدیراً ہوتا ہے، لفظاً ہو تو اس کو کیا کہتے ہیں؟ جار مجرور، اور تقدیراً ہو تو اس کو کیا کہتے ہیں؟ مضاف اور مضاف الیہ۔ یہ اب ترجمہ ایک دفعہ پھر دیکھ لو، یہاں ترجمہ بڑا مشکل ہے بھئی «فِي الْمَجْرُورِ بِهِ لَفْظًا»، لہٰذا اس ترجمے کو یاد رکھنا یہ آپ کو کام آئے گا بھئی، یہاں ترجمہ ویسے کریں گے ترجمہ صحیح مشکل ہو جائے گا آپ کے لیے کرنا۔ پھر دیکھو: «لِأَنَّهُ أَثَرُ حَرْفِ الْجَرِّ» اس لیے کیونکہ یہ جو جرّ ہوتا ہے یہ حرفِ جرّ کا اثر ہوتا ہے «فِي الْمَجْرُورِ بِهِ لَفْظًا» اس اسم میں جس کو جرّ دیا گیا ہے بِهِ أَيْ بِحَرْفِ الْجَرِّ لَفْظًا، وہ اسم جس کو حرفِ جرّ کے ذریعے جرّ دیا گیا ہے لفظاً باعتبار لفظوں کے، «وَفِي الْمَجْرُورِ بِهِ تَقْدِيرًا» اور وہ اس اسم میں جس کو جرّ دیا گیا ہے بِهِ أَيْ بِحَرْفِ الْجَرِّ تَقْدِيرًا، جس کو جرّ دیا گیا ہے حرفِ جرّ کے ذریعے تقدیراً بھئی، «كَمَا فِي الْإِضَافَةِ الْمَعْنَوِيَّةِ» جیسے کہ اضافتِ معنویہ کے اندر ہے۔

«وَدُخُولُ حَرْفِ الْجَرِّ لَفْظًا أَوْ تَقْدِيرًا يَخْتَصُّ بِالِاسْمِ» اور حرفِ جرّ کا داخل ہونا لفظاً یا تقدیراً دونوں طرح جو ہے «يَخْتَصُّ بِالِاسْمِ» یہ خاص ہے اسم کے ساتھ۔ کیوں؟ بھئی اسم کے ساتھ کیوں خاص ہے یہ حرفِ جرّ کا داخل ہونا؟ ادھر دیکھیے، کہتے ہیں اس لیے، یہ آپ کو بتلائیں گے، کہتے ہیں اس لیے کیونکہ حرفِ جرّ کو وضع ہی اس لیے کیا گیا ہے کہ یہ فعل کے معنی کو اسم تک پہنچا دے۔ حرفِ جرّ کو کس لیے وضع کیا گیا ہے؟ فعل کے معنی کو اسم تک پہنچا دے، تو یہ اسم پر داخل ہو گا تو فعل کے معنی کو اسم تک پہنچائے گا ورنہ تو نہیں پہنچا سکتا۔ تو کہتے ہیں: «وَدُخُولُ حَرْفِ الْجَرِّ لَفْظًا أَوْ تَقْدِيرًا

يَخْتَصُّ بِالِاسْمِ» اور حرفِ جَرّ کا لفظاً یا تقدیراً داخل ہونا یہ خاص ہے اسم کے ساتھ «لِأَنَّهُ مَوْضُوعٌ لِإِفْضَاءِ مَعْنَى الْفِعْلِ إِلَى الِاسْمِ» اس لیے کیونکہ اس کو وضع کیا گیا ہے کہ یہ پہنچا دے فعل کے معنی کو «إِلَى الِاسْمِ» اسم تک۔ کہاں تک پہنچا دے؟ اسم تک۔

عبارت پہ غور کر رہے ہیں؟ کیسے پڑھیں گے «لِإِفْضَاءِ مَعْنَى الْفِعْلِ إِلَى الِاسْمِ»؟ جی «إِلَى الِاسْمِ»؟ تمام طلباء اسی طرح پڑھتے ہیں، نہیں بھئی، «إِلَ لِاسْمِ»۔ «إِلَ لِاسْمِ»، لام کو کھینچنا نہیں ہے۔ لام کو نہیں، «إِلَ» «إِلَ» «إِلَ لِاسْمِ»۔ بھئی کس طرح؟ بھئی یاد رکھو، یہ ہمارے ہاں رائج غلطی ہے طلباء میں۔ آپ نے پڑھا ہے کہ یہ جو گردانیں ہم پڑھتے ہیں، باب، جو باب آتے ہیں: بابِ اِفْعَال ہے، بابِ اِفْتِعَال ہے، بابِ اِنْفِعَال ہے وغیرہ، آپ پڑھ چکے ہیں کہ ان تمام بابوں کا ہمزہ ہمزہ وصلی ہے سوائے بابِ اِفْعَال کے۔ بابِ اِفْعَال کا ہمزہ قطعی ہے وہ درجِ عبارت میں نہیں گرتا، باقی جتنے ہمزہ ہیں وہ ہمزہ وصلی ہیں وہ درمیانِ عبارت میں گر جائیں گے۔ تو اب اس کو پڑھنا کیسے ہے؟ پڑھنا کیسے ہے؟ اس میں پھر طلباء پریشان ہوتے ہیں، جیسے یہاں آیا «إِلَ لِاسْمِ»۔ «إِلَ لِاسْمِ»۔ اسم کا تو ہمزہ وصلی ہے وہ تو گر گیا، تو لام کو جَرّ دے دیا، کیا پڑھیں گے؟ «لِاسْمِ»۔ لیکن یہ «إِلَى» کو کیسے پڑھنا ہے؟ میں نے بتایا اس کو کیسے پڑھو گے؟ «إِلَ لِاسْمِ»۔ «إِلَ لِاسْمِ»۔ «إِلَى لِاسْمِ» نہیں پڑھنا بلکہ «إِلَ لِاسْمِ» پڑھنا ہے۔ تو یہ کیسے ہمیں پتہ چلے گا کہاں کس طرح پڑھنا ہے؟ تو یاد رکھو اس کے لیے بابِ اِفْعَال کا ایک مصدر لے آؤ اور اس پر الف لام بھی داخل کر دو، مثلاً «إِسْلَام»۔ «إِسْلَام» کون سا صیغہ ہے؟ مصدر ہے بابِ اِفْعَال کا۔ اس کا ہمزہ قطعی ہے یہ نہیں گرے گا۔ اس پر ذرا الف لام لے آؤ، کیسے پڑھیں گے؟ «الْإِسْلَام»۔ «الْإِسْلَام»۔ اب اس پر ذرا «إِلَى» داخل کرو۔ «إِلَى» داخل کرو۔ کیسے پڑھیں گے؟ «إِلَى الْإِسْلَامِ»۔ «إِلَلْ» «إِلَى» «إِلَى» کے آخر میں تو الف تھا بھئی وہ جو یا سے بدل کر آیا ہے۔ «إِلَى»، لام کو میں کھینچ رہا ہوں کہ نہیں کھینچ رہا؟ تو یہ الف ہے۔ وہ الف کدھر گیا؟ جواب یہ کہ وہ اجتماعِ ساکنین سے گر گیا۔ اجتماعِ ساکنین۔ کیسے؟ «إِلَى»، آگے کیا تھا؟ «الْإِسْلَام»۔ اس میں ہمزہ وصلی گر گیا شروع کا الف لام والا، اب کیا رہ گیا؟ لام کے نیچے کسرہ آگیا، «لِإِسْلَام» آگیا، «لِإِسْلَام»۔ اور آپ اس سے پہلے کیا لے آئے؟ «إِلَى»۔ تو «إِلَى» کے آخر میں کیا ہے؟ الف۔ الف ساکن ہے، اور «لِإِسْلَام»، یہ لام اس کو جو حرکت دی ہے یہ عارضی حرکت ہے یا اس کی مستقل حرکت ہے؟ یہ عارضی ہے، اور عارضی حرکت کا کوئی اعتبار نہیں، تو یوں سمجھو گویا لام ابھی بھی ساکن ہے۔ تو لام بھی ساکن اور ماقبل میں «إِلَى» کا الف آیا وہ بھی کیا ہے؟ ساکن، تو اجتماعِ ساکنین آیا، اور اجتماعِ ساکنین جب آجائے اجتماعِ ساکنین عَلَى غَيْرِ حَدِّهِ، تو اس میں اگر اول مدہ ہو تو اس کو کیا کرتے ہیں؟ گرا دیتے ہیں، تو یہاں بھی اول الف ہے مدہ ہے اس کو گرا دیں گے، اور کیسے پڑھیں گے؟ «الْإِسْلَام» پر «إِلَى» داخل کرو اور پڑھو: «إِلَى الْإِسْلَامِ»۔ دیکھا وہ الف گر گیا، «إِلَلْ» «إِلَلْ» «إِلَالْ» نہیں پڑھ رہا میں بلکہ وہ الف گر چکا، کیسے پڑھ رہا ہوں؟ «إِلَى الْإِسْلَامِ»۔ معلوم ہوا

کہ «إِلَی» کو جب آگے ساکن کے ساتھ ملاتے ہیں تو اس کا الف گر جاتا ہے، اس کا الف گر جاتا ہے۔

تو یہاں پر بھی اسی طرح ہے: «إِلَ لِاسْمِ»۔ کیا تھا عبارت؟ «لِإِفْضَاءِ مَعْنَى الْفِعْلِ إِلَى» یہ تھا «الِاسْمِ»، کیا تھا؟ «الِاسْمِ»۔ پھر اسم کا ہمزہ تو وصلی ہے درجِ عبارت میں گر گیا، کیا بن گیا؟ «اَلِسْمِ» لام کے نیچے کسرہ پڑھو «اَلِسْمِ»۔ «اَلِسْمِ»۔ پھر اس پر «إِلَی» داخل ہوا تو یہ «ال» کا ہمزہ بھی گر گیا۔ «ال» کا ہمزہ بھی گر گیا۔ اب کیا رہ گیا؟ «إِلَ لِاسْمِ» رہ گیا، «إِلَ لِاسْمِ»۔ اب یہ لام متحرک ہے لیکن یہ حرکت اس کی عارضی ہے، جب عارضی حرکت ہے تو اس کو کیا شمار کریں گے؟ ساکن۔ اور لام بھی ساکن اور ماقبل میں «إِلَی» کے آخر میں جو الف آیا وہ بھی ساکن، تو اجتماعِ ساکنین آیا، اور اجتماعِ ساکنین آئے تو پھر کیا کرتے ہیں؟ اگر وہ اول مدہ ہو تو اس کو گرا دیتے ہیں، تو اس کا الف گر گیا تو کیسے پڑھیں گے؟ «إِلَ لِاسْمِ»۔ «إِلَ» جیسے، بتانا میں یہ چاہتا ہوں اس طرح کا لفظ آجائے کہ جس میں آپ لام کو حرکت دیتے ہیں، ہمزہ وصلی گر چکا ہے، اور لام کو حرکت دے دی، اب اس پر «إِلَی» آگیا یا «فِي» آگیا تو اس کو ملا کر کیسے پڑھیں گے؟ تو اس کو یاد رکھو «الْإِسْلَام» کے ساتھ اس کو جوڑ کر دیکھ لینا، جس طرح وہاں پڑھتے ہو اسی طرح یہاں بھی پڑھ دینا۔ «الْإِسْلَام» پر «إِلَی» داخل ہوتا تھا تو کیسے پڑھتے تھے؟ «إِلَى الْإِسْلَامِ»، معلوم ہوا «إِلَی» کے آخر کا الف گر جاتا تھا، تو یہاں پر بھی اسی طرح پڑھو: «إِلَ لِاسْمِ»۔ «إِلَ لِاسْمِ»۔ دیکھو آپ تیز پڑھ رہے ہیں سننے والے کو نہیں پتہ چلے گا، وہ سمجھے گا شاید «إِلَى الِاسْمِ» پڑھ کر گیا ہے۔ دیکھو میری عبارت ذرا سننا: «لِإِفْضَاءِ مَعْنَى الْفِعْلِ إِلَى الِاسْمِ»۔ دیکھا سننے والا سمجھ رہا ہے شاید میں نے «إِلَى الِاسْمِ» پڑھا، حالانکہ نہیں میں نے کیا پڑھا؟ «إِلَ لِاسْمِ»۔ بات سمجھ میں؟ اسی طرح «فِي» کو اس پر داخل کرو، کیسے پڑھیں گے؟ جی؟ «فِيلِ اسْمِ»؟ پھر ہمزہ وصلی پڑھ رہے ہو اسم کا؟ ہاں، ذرا «فِي» کو اسلام پر، «الْإِسْلَام» پر «فِي» کو لے آؤ، کیسے پڑھتے ہو؟ «فِي الْإِسْلَامِ»۔ کیا تبدیلی آئی؟ «فِي» کی یا گر گئی۔ «فِيلِ إِسْلَام» پڑھا آپ نے یا «فِي الْإِسْلَامِ»؟ دیکھا یا گر گئی اجتماعِ ساکنین کی وجہ سے، تو یہاں پر بھی یا کو گرا دو، کیسے پڑھیں گے اگر «اَلِسْمِ» پر «فِي» داخل کرو؟ ہاں «فِ لِاسْمِ»۔ «فِ لِاسْمِ»۔ طریقہ آگیا؟

جی، دوبارہ ترجمہ دیکھیے، کہتے ہیں: «وَدُخُولُ حَرْفِ الْجَرِّ لَفْظًا أَوْ تَقْدِيرًا يَخْتَصُّ بِالِاسْمِ» اور حرفِ جرّ کا لفظاً یا تقدیراً داخل ہونا یہ خاص ہے اسم کے ساتھ «لِأَنَّهُ مَوْضُوعٌ لِإِفْضَاءِ مَعْنَى الْفِعْلِ إِلَى الِاسْمِ» اس لیے کیونکہ حرفِ جرّ کو وضع کیا گیا ہے کہ یہ فعل کے معنی کو پہنچا دے اسم تک، «فَيَنْبَغِي أَنْ يَدْخُلَ الِاسْمَ» تو مناسب یہ ہے کہ یہ اسم پر داخل ہو «لِيُفْضِيَ مَعْنَى الْفِعْلِ إِلَيْهِ» تاکہ یہ فعل کے معنی کو اس اسم تک پہنچا دے۔

«وَأَمَّا الْإِضَافَةُ اللَّفْظِيَّةُ» یہاں سے ایک اعتراض کا جواب دے رہے ہیں۔ اعتراض یہ ہوتا ہے کہ اے صاحبِ جامی! آپ نے جو دلیل ذکر کی وہ آپ کے دعویٰ کے مطابق نہیں۔ تو آپ نے جو دلیل ذکر کی وہ دعویٰ کے مطابق نہیں۔ دعویٰ کیا تھا کہ جرّ خاص ہے اسم کے ساتھ۔ توجہ ہے؟ جرّ خاص ہے اسم کے ساتھ اور دلیل کیا ذکر کی کہ وہ جرّ جو حرفِ جرّ کی وجہ سے آتا ہے وہ کس کے ساتھ خاص ہے؟ اسم کے ساتھ۔ تو وہ جرّ جو اس حرفِ جرّ کی وجہ سے نہ آئے ویسے آجائے

تو یہ دلیل اس کو تو شامل نہیں ہے۔ بھئی جَرّ دو قسم کا ہے: ایک وہ جَرّ جو کس کی وجہ سے آئے؟ حرفِ جَرّ کی وجہ سے، اور ایک وہ جَرّ ہے جو حرفِ جَرّ کی وجہ سے نہ آئے۔ تو دعویٰ کیا تھا کہ جَرّ کس کے ساتھ خاص ہے؟ اسم کے ساتھ۔ اور آپ نے دلیل کیا دی کہ وہ جَرّ جو حرفِ جَرّ کی وجہ سے آئے وہ اسم کے ساتھ خاص ہے۔ اس سے یہ تو ثابت نہیں ہوا کہ ہر جَرّ اسم کے ساتھ خاص ہے۔ دعویٰ تو کیا تھا؟ ہر جَرّ کس کے ساتھ خاص ہے؟ اسم۔ اور دلیل کیا دے دی؟ کہ وہ جَرّ جو کس کی وجہ سے آئے؟ حرفِ جَرّ کی وجہ سے آئے، وہ کس کے ساتھ خاص ہے؟ اسم کے ساتھ۔ حالانکہ دعویٰ تو یہ نہیں ہے، دعویٰ تو ہے ہر جَرّ جو ہے اسم کے ساتھ خاص ہے۔ تو آپ کی دلیل دعویٰ کے مطابق نہیں۔ اشکال سمجھ بھی آیا کہ نہیں؟

یاد رکھو اسم پر جَرّ کبھی حرفِ جَرّ کی وجہ سے آتا ہے، کبھی اس کے علاوہ وجہ سے بھی جَرّ آجاتا ہے۔ توجہ ہے؟ اس کے علاوہ وجہ سے بھی جَرّ آجاتا ہے، جیسے اضافتِ لفظیہ ہے۔ جیسے اضافتِ لفظیہ کے اندر «ضَارِبُ أَبِيهِ»، یہ ضَارِب نے جَرّ دیا أَبِيهِ کو اور یہاں کوئی حرفِ جَرّ مُقَدَّر نہیں ہے۔ تو یہ جَرّ حرفِ جَرّ کی وجہ سے آیا ہے یا اس کے علاوہ آیا ہے؟ اس کے علاوہ۔ تو دعویٰ یہ تھا کہ اسم کے خاصے ذکر ہو رہے ہیں، اسم کے خاصوں میں سے ایک ہے جَرّ کا داخل ہونا۔ معلوم ہوا ہر قسم کا جَرّ جو ہے وہ صرف کس پر داخل ہوگا؟ اسم پر، وہ اسم کے ساتھ خاص ہے، فعل یا حرف میں نہیں آئے گا۔ اور دلیل آپ نے کیا ذکر کی؟ وہ جَرّ جو کس کی وجہ سے آئے؟ حرفِ جَرّ کی وجہ سے، وہ خاص ہے کس کے ساتھ؟ اسم کے ساتھ۔ تو دوسرے جَرّ تو نکل گئے۔ معلوم ہوا وہ تو اسم کے ساتھ خاص نہیں۔ تو دلیل یعنی دلیل کے اندر وہ نہیں آرہے۔ دعویٰ تھا عام کہ ہر جَرّ اسم کے ساتھ خاص ہے اور دلیل یہ دے دی کہ وہ جو جَرّ حرفِ جَرّ کی وجہ سے آئے وہ اسم کے ساتھ خاص ہے۔

تو اب اس کا جواب دینے لگے ہیں کہ بھئی دیکھو، یہ جو اضافتِ لفظیہ کے اندر جو جَرّ آتا ہے وہ اگرچہ حرفِ جَرّ کا اثر نہیں، لیکن اضافتِ لفظیہ فَرْع ہے اور اضافتِ معنویہ اَصْل ہے۔ توجہ ہے؟ اضافتِ معنویہ اَصْل ہے اور اضافتِ لفظیہ فَرْع ہے۔ تو جب اَصْل کے اندر جو جَرّ آتا ہے وہ اسم کے ساتھ خاص ہے، تو فَرْع کے اندر جو جَرّ آئے وہ بھی کس کے ساتھ خاص ہونا چاہیے؟ اسم کے ساتھ خاص ہونا چاہیے۔ دلیل سمجھ میں آگئی؟ تو کہتے ہیں ہم نے جو پہلے دلیل دی تھی وہ اس جَرّ کی تھی جو حرفِ جَرّ کا اثر ہو، اور دوسرا جَرّ جو اضافتِ لفظیہ کی وجہ سے آئے اس کی دلیل اب ہم دے رہے ہیں کہ اضافتِ لفظیہ چونکہ فَرْع ہے اضافتِ معنویہ کی، تو اضافتِ معنویہ میں جو جَرّ آتا ہے وہ اسم کے ساتھ خاص ہے، تو اضافتِ لفظیہ والا جَرّ بھی اسم کے ساتھ خاص ہونا چاہیے۔ ورنہ تو لازم آئے گا کہ فَرْع مخالف ہے اَصْل کے، حالانکہ فَرْع اَصْل کے مخالف نہیں ہوتی۔ تو فَرْع اَصْل کے مطابق ہوتی ہے، اَصْل کے تابع ہوتی ہے، اَصْل کے مخالف نہیں۔ اور اضافتِ معنویہ والا جَرّ تو صرف کس کے ساتھ خاص ہے؟ اسم کے ساتھ۔ تو اضافتِ لفظیہ والا جَرّ بھی کس کے ساتھ خاص ہونا چاہیے؟ اسم

کے ساتھ۔ ورنہ تو کیا لازم آئے گا کہ فَرْع اَصْل کے مخالف ہو گئی، اور یہ درست نہیں ہے۔ بات سمجھ میں آ گئی؟

دیکھیے بھئی۔ کہتے ہیں: «وَأَمَّا الإِضَافَةُ اللَّفْظِيَّةُ فَهِيَ فَرْعٌ لِلْمَعْنَوِيَّةِ»، باقی اضافتِ لفظیہ جو ہے یہ فَرْع ہے اضافتِ معنویہ کی، «فَيَنْبَغِي أَنْ لَا يُخَالِفَ الأَصْلَ»، تو مناسب یہ ہے کہ یہ اَصْل کی مخالفت نہ کرے۔ یہ اَصْل کی مخالفت نہ کرے۔ اضافتِ معنویہ والا جَرّ اسم کے ساتھ خاص ہے تو اضافتِ لفظیہ بھی اس کے مطابق ہونی چاہیے، یہ جَرّ بھی کس کے ساتھ خاص ہونا چاہیے؟ اسم کے ساتھ۔ تو مناسب یہ ہے کہ یہ جو فَرْع ہے یہ اَصْل کی مخالفت نہ کرے۔

«بِأَنْ يُخْتَصَّ»، یہاں سے مخالفت کی صورتیں ذکر کر رہے ہیں۔ دو صورتیں ہو سکتی ہیں مخالفت کی۔ ایک صورت یہ: اَصْل، اَصْل سے مراد کیا ہے؟ اضافتِ معنویہ۔ اَصْل کا جَرّ کس کے ساتھ خاص ہے؟ اسم کے ساتھ۔ تو فَرْع کا جَرّ بھی کس کے ساتھ خاص ہونا چاہیے؟ اسم۔ اگر ایسا نہیں تو پھر تو اَصْل کی مخالفت لازم آئے گی۔ اور اَصْل کی مخالفت کی دو صورتیں ہو سکتی ہیں: کہ اَصْل تو خاص تھا اسم کے ساتھ، فَرْع خاص ہو جائے فعل کے ساتھ، یہ بھی کیا ہے؟ مخالفت ہے۔ اور ایک صورت یہ ہے مخالفت کی کہ اَصْل تو صرف اسم کے ساتھ خاص تھا، اور فَرْع جو ہے یعنی اضافتِ لفظیہ، اس کی وجہ سے جو جَرّ آیا، وہ اسم میں بھی آ جائے اور فعل میں بھی آ جائے۔ تو اس صورت میں تو فَرْع اَصْل سے بھی بڑھ گئی بھئی۔ فَرْع اَصْل تو صرف کس کے ساتھ خاص؟ اسم کے ساتھ۔ اور فَرْع اسم اور فعل دونوں میں ہے، تو فَرْع کا درجہ تو زیادہ ہو گیا۔ اَصْل کا درجہ اعلیٰ ہوتا ہے، فَرْع کا درجہ اعلیٰ نہیں، اور اگر فَرْع دونوں میں پائی جائے پھر تو فَرْع کا درجہ بڑھ گیا بھئی، وہ تو اَصْل سے بھی بڑھ گئی بھئی۔ بات سمجھ میں آ گئی؟

تو مخالفت کی کتنی صورتیں؟ دو۔ دو صورتیں۔ توجہ سے سمجھ لو بھئی، چھوٹی سی باریک سی بات ہے لیکن سمجھ لو اس کو۔ کیا کہا انہوں نے؟ کہ وہ جَرّ جو کس کی وجہ سے آیا؟ اضافتِ معنویہ کی وجہ سے، وہ کس کے ساتھ خاص؟ اسم کے ساتھ۔ تو وہ جَرّ جو کس کی وجہ سے آئے؟ اضافتِ لفظیہ کی وجہ سے، وہ بھی کس کے ساتھ خاص ہونا چاہیے؟ اسم کے ساتھ۔ تو معلوم ہوا سارے جَرّ اسم کے ساتھ خاص ہیں۔ اگر ایسا نہیں ہو گا پھر تو فَرْع کا مخالفت کرنا لازم آئے گا اَصْل کی، کہ وہ اَصْل کی مخالفت کر رہی ہے۔ اور اَصْل کی مخالفت کی کتنی صورتیں ہو سکتی ہیں؟ دو صورتیں ہو سکتی ہیں۔ ایک صورت یہ کہ اَصْل تو خاص تھا اسم کے ساتھ، فَرْع کس کے ساتھ خاص ہو جائے؟ فعل کے ساتھ، یہ بھی مخالفت ہے۔ اور اَصْل تو خاص تھا اسم کے ساتھ اور فَرْع اسم اور فعل دونوں میں آ جائے، یہ بھی کیا ہے؟ مخالفت ہے۔ تو دونوں نہیں ہونے چاہئیں۔ اَصْل کو فَرْع کے مخالف نہیں ہونا چاہیے۔ وہ فعل کے ساتھ خاص ہو، یہ بھی نہیں ہونا چاہیے، اور وہ فعل یا اسم دونوں میں پائی جائے، یہ بھی نہیں ہونی چاہیے۔ فَرْع کو اَصْل کے موافق ہونا چاہیے، اور اَصْل کے موافق ہو تو پھر یہ صرف کس کے ساتھ خاص ہو گی؟ اسم کے ساتھ۔ بات سمجھ میں آ گئی؟

تو کہتے ہیں: «وَأَمَّا الإِضَافَةُ اللَّفْظِيَّةُ فَهِيَ فَرْعٌ لِلْمَعْنَوِيَّةِ»، تو اضافتِ لفظیہ جو ہے یہ فَرْع ہے معنویہ کی، «فَيَنْبَغِي أَنْ لَا يُخَالِفَ الأَصْلَ»، تو مناسب یہ ہے کہ یہ جو فَرْع ہے یہ مخالفت نہ کرے اَصْل کی، «بِأَنْ يُخْتَصَّ»، یہ بَاء تصویریہ ہے، مخالفت کی دونوں صورتیں ذکر کریں گے، «بِأَنْ يُخْتَصَّ»، بایں صورت کہ یہ جو فَرْع ہے یہ خاص ہو جائے «بِمَا»، مَا سے مراد ہے فعل، اس فعل کے ساتھ «يُخَالِفُ» جو مخالف ہے، «مَا»، دوسرا مَا جو آیا اس سے مراد اسم ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ «مَا يُخَالِفُ» میں جو مَا آیا یہ کیا ہے؟ فعل۔ یہ عبارت مشکل ہے، اس کو سمجھ لو۔ «مَا يُخَالِفُ» کے اندر جو مَا آیا اس سے مراد ہے فعل، اور آگے جو «مَا يَخْتَصُّ» آرہا ہے اس میں جو مَا ہے اس سے مراد ہے اسم۔ «بِأَنْ يُخْتَصَّ»، بایں صورت کہ یہ جو فَرْع ہے یہ خاص ہو جائے «بِمَا يُخَالِفُ»، اس چیز کے ساتھ خاص ہو جائے جو مخالف ہے، کس چیز کے مخالف ہے؟ «مَا يَخْتَصُّ بِهِ الأَصْلُ»، وہ اسم جس کے ساتھ اَصْل خاص ہے۔ تو کہتے ہیں «بِأَنْ يُخْتَصَّ بِمَا يُخَالِفُ مَا يَخْتَصُّ بِهِ الأَصْلُ»، بایں صورت کہ یہ جو فَرْع ہے یہ خاص ہو جائے اس چیز کے ساتھ جو مخالف ہے اس چیز کے جس کے ساتھ اَصْل خاص تھی۔ «أَعْنِي الْفِعْلَ» یعنی کہ فعل، یہ «مَا يُخَالِفُ» کی تفسیر کر رہے ہیں کہ یہ خاص ہو جائے اس چیز کے ساتھ جو اسم کے مخالف ہے یعنی کہ فعل بھئی۔ بھئی مَا، مراد اس سے کیا ہے؟ ایک جگہ اسم مراد ہے ایک جگہ فعل، تو ہم یوں کرتے ہیں «مَا يُخَالِفُ» میں مَا کی جگہ فعل لے آئیں گے اور «مَا يَخْتَصُّ» آگے آرہا ہے اس کی جگہ اسم لے آئیں گے، تو پھر عبارت واضح ہو جائے گی۔ بایں صورت کہ یہ فَرْع خاص ہو جائے اس فعل کے ساتھ جو مخالف ہے اس اسم کے جس کے ساتھ اَصْل یعنی اضافتِ معنویہ خاص تھی۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو «أَعْنِي الْفِعْلَ»، یہ «مَا يُخَالِفُ» کا مصداق بیان کر رہے ہیں کہ اس سے کیا مراد ہے؟ فعل۔ کہ یہ خاص ہو جائے فعل کے ساتھ خاص ہو جائے جو اسم کے مخالف ہے۔

«أَوْ يَزِيدَ عَلَيْهِ»، اس کا عطف «يُخْتَصَّ» پر کریں: «بِأَنْ يُخْتَصَّ»۔ دوسری صورت کیا ہے؟ مخالفت کی دوسری صورت کیا تھی؟ کہ دونوں میں پائی جائے، یعنی فَرْع اَصْل پر بھی بڑھ جائے۔ وہی بیان کر رہے ہیں: «أَوْ يَزِيدَ عَلَيْهِ»، یا بایں صورت کہ یہ فَرْع اَصْل پر بھی بڑھ جائے «بِأَنْ يَعُمَّ الاسْمَ وَالْفِعْلَ»، بایں صورت کہ یہ اسم اور فعل دونوں کو عام ہو جائے، دونوں میں آجائے۔ بات سمجھ میں آگئی؟

تو حاصلِ کلام کیا ہوا؟ حاصلِ کلام یہ ہوا کہ اے صاحبِ جامی! آپ کی دلیل دعویٰ کے مطابق نہیں۔ دعویٰ کیا تھا کہ ہر طرح کا جَرّ وہ خاص ہے اسم کے ساتھ، اور دلیل آپ نے یہ دی کہ وہ جَرّ جو حرفِ جَرّ کی وجہ سے آتا ہے وہ خاص ہے اسم کے ساتھ۔ ایک جَرّ جو ہے وہ حرفِ جَرّ کے بغیر بھی تو آتا ہے جو اضافتِ لفظیہ میں آتا ہے۔ تو اس کا بھی جواب دے رہے ہیں کہ آپ کی بات ٹھیک ہے، ہم نے صرف دعوے کے ایک جز کی ابھی دلیل دی ہے کہ جَرّ دو طرح سے آتا ہے: کبھی حرفِ جَرّ کی وجہ سے، کبھی اس کے بغیر۔ تو جو حرفِ جَرّ کی وجہ سے آئے ہم نے ثابت کر دیا وہ خاص ہے اسم کے ساتھ۔ تو جو حرفِ جَرّ کے بغیر جَرّ آتا ہے اس کی دلیل اب ہم آگے دینے لگے ہیں۔ وہ دلیل یہ ہے کہ اضافتِ لفظیہ

اور معنویہ میں سے اضافتِ معنویہ اَصْل ہے، تو اضافتِ معنویہ کی وجہ سے جو جَرّ آئے وہ جب اسم کے ساتھ خاص ہے تو اضافتِ لفظیہ جو فَرْع ہے اس کی وجہ سے جو جَرّ آئے وہ بھی خاص ہونا چاہیے اسم کے ساتھ۔ کیونکہ اگر ایسا نہیں ہو گا تو پھر لازم آئے گا کہ فَرْع مخالفت کر رہی ہے اَصْل کی، اور مخالفت کی دو صورتیں ہیں وہ دونوں اس میں آگئیں، مخالفت نہیں ہونی چاہیے۔ یہ بھی مخالفت ہے کہ اَصْل تو کس کے ساتھ خاص؟ اسم کے ساتھ، اور فَرْع خاص ہو جائے فعل کے ساتھ، یہ بھی مخالفت، یہ بھی نہیں ہونا چاہیے۔ اور یہ بھی مخالفت ہے کہ اَصْل تو خاص ہے اسم کے ساتھ اور فَرْع اسم اور فعل دونوں میں آجائے، پھر تو فَرْع کا درجہ اَصْل سے بڑھ جائے گا، حالانکہ فَرْع کا درجہ اَصْل سے زیادہ نہیں ہوتا۔ بات سمجھ میں آ گئی؟ لہٰذا اضافتِ لفظیہ وہ بھی خاص ہوئی اسم کے ساتھ، تو اس کا جَرّ بھی خاص ہو گیا اسم کے ساتھ۔ تو دو ہی تو قسم کے جَرّ تھے: ایک حرفِ جَرّ کی وجہ سے آتا تھا، ایک اضافتِ لفظیہ کی وجہ سے۔ ہم نے دلیل سے ثابت کر دیا دونوں اسم کے ساتھ خاص ہیں۔

بھئی انہوں نے کیا کہا؟ ایک اعتراض کا جواب دیا یہاں پر کہ آپ کی دلیل دعوے کے مطابق نہیں۔ دعویٰ تو کیا تھا کہ جَرّ اسم کا خاصہ ہے، اور دلیل کیا دی کہ وہ جَرّ جو حرفِ جَرّ کا اثر ہوتا ہے وہ کس کے ساتھ خاص ہے؟ اسم کے ساتھ خاص ہے۔ تو وہ جَرّ جو حرفِ جَرّ کے بغیر آئے جیسے اضافتِ لفظیہ میں، آپ کی دلیل اس کو تو شامل نہیں ہے۔ تو اس کے لیے باقاعدہ الگ دلیل دی کہ اضافتِ معنویہ اَصْل ہے اور اضافتِ لفظیہ اس کی فَرْع۔ تو جب اَصْل جو ہے یعنی اضافتِ معنویہ، اس میں جو جَرّ آتا ہے وہ اسم کے ساتھ خاص ہے تو چاہیے کہ اضافتِ لفظیہ میں جو جَرّ آئے وہ بھی کس کے ساتھ خاص ہونا چاہیے؟ اسم کے ساتھ خاص ہونا چاہیے، کیونکہ فَرْع اَصْل کے موافق ہوتی ہے، اس کے مخالف نہیں ہوتی۔

یہ اتنی لمبی تقریر کرنا پڑی۔ یاد رکھیے یہ جمہور کے مذہب پر یہ تقریر کرنا پڑی، کیونکہ جمہور کے نزدیک جو ہے اضافتِ لفظیہ کے اندر جو جَرّ آتا ہے وہاں حرفِ جَرّ مُقَدَّر نہیں ہوتا۔ وہ جَرّ جو ہے حرفِ جَرّ کا اثر نہیں ہوتا۔ جمہور کے نزدیک بھئی اضافتِ معنویہ میں جو جَرّ آئے وہ کس کا اثر ہوتا ہے؟ حرفِ جَرّ کا، لیکن اضافتِ لفظیہ میں جو جَرّ آئے وہ حرفِ جَرّ کا اثر نہیں ہوتا۔ تو یہ جمہور کے مذہب کے مطابق اعتراض ہوتا تھا اور صاحبِ جامی نے اس کا جواب دے دیا۔ اگر صاحبِ کافیہ کا مذہب لیا جائے تو پھر تو نہ یہ اشکال ہوتا ہے اور نہ جواب دینے کی ضرورت ہے۔ صاحبِ کافیہ کے نزدیک چاہے اضافتِ لفظیہ ہو چاہے اضافتِ معنویہ، دونوں کے اندر جو جَرّ آتا ہے وہ حرفِ جَرّ وہاں مُقَدَّر ہوتا ہے۔ جب دونوں میں حرفِ جَرّ مُقَدَّر ہے تو دونوں اضافتوں میں جو جَرّ آیا وہ کس کا اثر ہوا؟ حرفِ جَرّ کا۔ اور حرفِ جَرّ تو خاص ہے کس کے ساتھ؟ اسم کے ساتھ۔ تو وہ جَرّ بھی کس کے ساتھ خاص ہو گا؟ اسم کے ساتھ۔ تو وہ دلیل دونوں کو شامل ہوئی، پھر اعتراض ہی نہیں بنتا۔ بات سمجھ میں؟ کیونکہ یہ دونوں جَرّ کس کی وجہ سے آرہے ہیں؟ حرفِ جَرّ کی وجہ سے۔ تو جب حرفِ جَرّ اسم کے ساتھ خاص ہے تو اس کا جَرّ بھی کس کے ساتھ خاص ہو گا؟ اسم کے ساتھ خاص ہو گا۔ تو اگر صاحبِ کافیہ کے مذہب کو لیا جائے

تو پھر تو یہ اعتراض وارد ہی نہیں ہوتا اور نہ جواب دینے کی ضرورت ہے۔ بات سمجھ میں آگئی اچھی طرح؟

آگے دیکھیے: «وَمِنْهَا دُخُولُ التَّنْوِينِ» اور اسم کے خاصوں میں سے ایک جو ہے وہ تنوین کا داخل ہونا ہے «بِأَقْسَامِهِ» اپنی تمام قسموں کے ساتھ، اپنی تمام قسموں کے ساتھ۔ بھئی یاد رکھو یہ آپ کو بتلائیں گے کہ تنوین کی پانچ قسمیں ہیں۔ آگے حروف کی بحث جب آئے گی وہاں تنوین کے بارے میں تفصیل بیان کریں گے اور آپ کو بتلائیں گے کہ تنوین پانچ قسم پر ہے: ایک تنوینِ تمکّن ہے، ایک تنوینِ تنکیر ہے، ایک تنوینِ عِوَض ہے، ایک تنوینِ مقابلہ ہے اور ایک تنوینِ ترنّم ہے۔ یہ پانچ قسمیں ہیں۔ ان میں سے جو تنوینِ ترنّم ہے وہ عام ہے، وہ اسم کے ساتھ بھی جڑتی ہے، فعل کے ساتھ بھی اور حرف کے ساتھ بھی۔

یہ اشعار میں استعمال ہوتی ہے۔ ایک بات عام کلام میں کی جائے اور ایک شعر میں کی جائے۔ دیکھو شعر کے اندر جو بات کی جائے اس کا لطف ہی بڑھ جاتا ہے بھئی۔ تو وہاں پر آخر میں کبھی تنوین لے آتے ہیں، چاہے آخر میں فعل آ رہا ہو، چاہے حرف ہو، چاہے اسم ہو، تنوین لے آتے ہیں ترنّم کے لیے۔ کس کے لیے؟ ترنّم کے لیے، آواز کو لمبا کرنے کے لیے، اور نیز نون آیا، نون کی ادائیگی کے وقت غنہ کیا جاتا ہے، ناک میں آواز لے جاتے ہیں اور آواز کو لمبا کیا جاتا ہے۔ تو وہ ترنّم کے لیے تنوین لائی جاتی ہے، وہ عام ہے، اسم، فعل، حرف سب میں آتی ہے۔ جبکہ باقی چار قسم کی جو تنوینیں ہیں وہ اسم کے ساتھ خاص ہیں۔ کون کون سی؟ ایک تنوینِ تمکّن ہے، ایک تنوینِ تنکیر ہے، ایک تنوینِ عِوَض ہے اور ایک تنوینِ مقابلہ۔

تنوینِ تمکّن جو ہے اسمِ متمکّن پر آتی ہے۔ آپ نے پڑھا ہے اسم دو قسم پر ہے: ایک اسمِ متمکّن، ایک غیرِ متمکّن۔ اسمِ متمکّن معرب کو کہتے ہیں اور غیرِ متمکّن مبنی کو کہتے ہیں۔ توجہ ہے؟ یہ ضمیریں، اسمائے اشارہ، اسمائے موصولہ، یہ مبنیات ہیں، ان کو غیرِ متمکّن کہتے ہیں۔ اور یہ جو معرب کی سولہ قسمیں آپ نے پڑھی ہیں اعراب کے اعتبار سے، یہ سب کیا ہیں؟ یہ اسمِ متمکّن ہیں، یہ اعراب کو جگہ دیتے ہیں۔ تمکّن کا معنی قادر ہونا۔ تمکّن کا کیا معنی؟ قادر ہونا۔ تو یہ بھی اسم قادر ہیں اعراب کو جگہ دینے پر، اور باقی وہ غیرِ متمکّن وہ اس بات پر قادر نہیں کہ وہ اعراب کو جگہ دے دیں۔ اور یاد رکھو اسم کے اندر اصل ہے معرب ہونا۔ مبنی اسم ویسے نہیں ہوتا، اس کی مبنی الاصل کے ساتھ مشابہت آجائے تو وہ مبنی بنتا ہے۔ اور مبنی الاصل تین چیزیں ہیں: مبنی الاصل تین چیزیں ہیں: فعلِ ماضی، فعلِ امر اور تمام حروف۔ تو دیکھو اس میں اسم ایک بھی نہیں ہے، فعلِ ماضی ہے، فعلِ امر ہے اور تمام حروف، تو اسم ایک بھی نہیں ہے۔ تو مبنی الاصل یہ تین چیزیں ہیں۔ تو اسم کے اندر اصل ہے معرب ہونا۔ ہاں، اگر کسی اسم کی ان تینوں میں سے کسی کے ساتھ مشابہت آجائے تو پھر وہ بھی کیا بن جائے گا؟ مبنی بن جائے گا، اور اس کو پھر اسمِ غیرِ متمکّن کہیں گے۔ تو اسم کے اندر اصل معرب ہونا ہے۔

تو یہ جو تنوینِ تمکّن ہے یہ بتلاتی ہے کہ یہ اسم متمکّن ہونے میں بڑا پکا ہے۔ متمکّن ہونے میں بڑا پکا ہے، یعنی اپنی اصل پر باقی ہے، تنوین کو جگہ دے رہا ہے: «جَاءَنِي زَيْدٌ»، «رَأَيْتُ زَيْدًا»، «مَرَرْتُ بِزَيْدٍ»۔ تو یہ یعنی اسم اپنی اصل پر ہے، اور اسم میں اصل بھی کیا ہے؟ متمکّن ہونا ہے، غیرِ متمکّن ہونا نہیں ہے۔ تو تنوینِ تمکّن یہ بتلاتی ہے کہ یہ اسم متمکّن ہے، یعنی اپنی اصل پر ہے۔

اور ایک ہے تنوینِ تنکیر بھئی۔ تنوینِ تنکیر جو ہے وہ نکرہ پر آتی ہے۔ اور یہ صرف اسمِ فعل میں آتی ہے۔ کس میں آتی ہے؟ اسمِ فعل میں آئے گی۔ یہ «زَيْدٌ»، «غُلَامٌ» وغیرہ پر جو تنوین آتی ہے یہ تنوینِ تمکّن ہے بھئی۔ یہ تنوینِ تمکّن ہے بھئی۔ اور یہ جو اسمِ فعل میں تنوین آتی ہے یہ تنکیر کے لیے ہے۔ جیسے دیکھو آپ نے اسمِ فعل پڑھا تھا گزشتہ سبق میں «صَهْ» بھئی، صَاد اور گول ہَا ہے، «صَهْ»۔ یہ اسمِ فعل ہے اور یہ بغیر تنوین کے ہو تو یہ معرفہ ہے، اور تنوین کے ساتھ ہو «صَهٍ» تو یہ نکرہ ہے۔ «صَهْ» بغیر تنوین کے معرفہ، اور «صَهٍ» تنوین کے ساتھ ہو تو یہ نکرہ۔ تو یہ تنوین تنکیر کی علامت ہے اسمِ فعل کے اندر بھئی۔ تو عام اسم کے اندر جو تنوین آتی ہے وہ تنوینِ تمکّن ہوتی ہے بھئی، اور یہ اسمِ فعل کے اندر جو تنوین آتی ہے یہ تنوینِ تنکیر ہے۔ «صَهْ» کا معنی ہے خاموش ہو جاؤ اس وقت، یعنی اس وقت خاموش ہو جاؤ۔ تو یہ معرفہ ہے بھئی معرفہ، یعنی اس وقت خاموش ہو جاؤ، خاص وقت کے اندر خاموش ہو جاؤ، اسی وقت میں۔ اور اگر «صَهٍ» ہو تو اس کا معنی ہے کسی وقت خاموش ہو جاؤ، «صَهٍ» یعنی کبھی تو خاموش ہو جاؤ، کبھی تو خاموش ہو جاؤ۔ تو وہ تنکیر کے لیے ہے۔ یا جبکہ بعضوں نے یہ فرق کیا کہ «صَهْ» کا معنی ہے یہ جو بات ابھی تم کر رہے ہو بس خاموش ہو جاؤ، اس کو چھوڑ دو۔ تو ہر چیز سے خاموش کرنا مراد ہے یا خاص بات سے؟ خاص بات سے، تو یہ معرفہ ہے۔ اور ایک ہے «صَهٍ»، مطلب ہر بات چھوڑ دو، بالکل خاموش ہو جاؤ۔ تو دیکھو یہ عام ہے، اس میں ہر بات سے منع کیا جا رہا ہے۔ تو «صَهْ» جب بغیر تنوین کے ہو تو یہ اسمِ فعل ہے معرفہ، یعنی ابھی خاموش ہو جاؤ یا اس بات سے خاموش ہو جاؤ۔ اور «صَهٍ» ہو تنوین کے ساتھ، تو معنی یہ ہے ہر بات سے خاموش ہو جاؤ، یا کسی وقت تو خاموش ہو جاؤ۔ یہ معنی ہے۔

اور تیسری ہے تنوینِ عِوَض۔ تنوینِ عِوَض وہ ہے جو مضاف الیہ کے عِوَض میں آئے۔ جو کس کے عِوَض آئے؟ مضاف الیہ کے عِوَض آئے۔ جیسے آپ جانتے ہیں کہ «كُلّ» کا لفظ ہمیشہ مضاف الیہ چاہتا ہے۔ «كُلّ» کا معنی سارا، بھئی کس چیز کا سارا؟ آگے مضاف الیہ چاہیے بھئی۔ تو یہ ہمیشہ مضاف الیہ چاہتا ہے، لیکن کبھی کبھار اس کے مضاف الیہ کو حذف کر دیتے ہیں اور اس کے عِوَض «كُلّ» پر تنوین لے آتے ہیں، اور یوں کہتے ہیں «كُلٌّ»۔ جب بھی عبارت کے اندر «كُلٌّ» تنوین کے ساتھ آجائے تو آپ سمجھ جائیں کہ یہ جو تنوین ہے یہ عِوَض ہے مضاف الیہ سے، أَيْ «كُلُّ وَاحِدٍ»، ہر ایک۔ یا جیسے «حِينَئِذٍ» کے اندر ہے۔ «حِينَئِذٍ» یا «يَوْمَئِذٍ»، یہ تنوین «يَوْمَئِذٍ»، یہ جو آخر میں تنوین آ رہی ہے یہ عِوَض ہے مضاف الیہ سے۔ آگے مضاف الیہ تھا پورا جملہ: «حِينَ إِذْ كَانَ كَذَا»۔ تو وہ «كَانَ كَذَا» پورا جملہ تھا مضاف الیہ، «إِذْ» تھا مضاف اور

پورا جملہ تھا مضاف الیہ، اس پورے جملے کو حذف کیا اور اس کے عِوَض «إِذْ» پر تنوین لے آئے: «حِينَئِذٍ»۔ اسی طرح «يَوْمَئِذٍ» اصل میں کیا تھا؟ «يَوْمَ إِذْ كَانَ كَذَا»۔ تو یہاں پر بھی «إِذْ» مضاف تھا اور «كَانَ كَذَا» مضاف الیہ، مضاف الیہ کو حذف کیا اور اس کے عِوَض «إِذْ» پر تنوین لے آئے۔ تو یہ ہے تنوینِ عِوَض جو مضاف الیہ کے عِوَض آتی ہے۔

اور ایک ہے تنوینِ مقابلہ بھئی۔ تنوینِ مقابلہ وہ ہے جو جمع مؤنث سالم میں آتی ہے: «مُسْلِمَاتٌ» اور «مُسْلِمَاتٍ»۔ آپ نے پڑھا ہے کہ اس پر نصب بھی کسرہ کی شکل میں آتا ہے، «مُسْلِمَاتًا» کبھی نہ پڑھنا بھئی، «مُسْلِمَاتٌ» یا «مُسْلِمَاتٍ» پڑھیں گے۔ اس کا نصب بھی کسرہ کی شکل میں آتا ہے، نصب میں بھی پڑھیں گے «مُسْلِمَاتٍ» اور جَرّ میں بھی پڑھیں گے «مُسْلِمَاتٍ»۔ تو یہ جو تنوین آ رہی ہے جمع مؤنث سالم پر، علمائے نحو فرماتے ہیں کہ یہ تنوینِ مقابلہ ہے بھئی۔ تنوینِ مقابلہ یعنی جو دوسرے کے مقابلے میں اس کو دی گئی ہے۔ دیکھو «مُسْلِمَات» کے اندر یہ جو تَا ہے یہ تانیث کی علامت ہے۔ اسی طرح اس کے مقابلے میں جمع مذکر سالم ہے «مُسْلِمُونَ»، اس میں جو وَاو ہے وہ جمع مذکر کی علامت ہے۔ «مُسْلِمُونَ» میں وَاو، «مُسْلِمُونَ» حالتِ رفعی میں اور «مُسْلِمِينَ» حالتِ جری میں، تو یہ وَاو اور یَا یہ جمع مذکر کی علامت ہے، لیکن اس کے ساتھ ساتھ ایک نون بھی ساتھ جوڑا گیا ہے۔ ایک نون بھی ساتھ جوڑا گیا، اور یہ نون تنوین کا قائم مقام ہے۔ جیسے اضافت کے وقت تنوین گر جاتی ہے یہ والا نون بھی گر جاتا ہے۔ «غُلَامٌ» تنوین ہے، اضافت کرو: «غُلَامُ زَيْدٍ»، تنوین گر گئی۔ «مُسْلِمُونَ» نون ہے، اضافت کرو: «مُسْلِمُو مِصْرٍ»، نون کیا ہوا؟ گر گیا۔ تو یہ نون تنوین کا قائم مقام۔ تو وَاو اور یَا جو آئے «مُسْلِمُونَ» اور «مُسْلِمِينَ» میں، یہ جمع مذکر کی علامت ہیں، اور یہ جو نون آخر میں آیا یہ تنوین کے قائم مقام اس کو دیا گیا۔ جب اس کو تنوین کے قائم مقام نون دے دیا گیا، تو «مُسْلِمَاتٍ» اس کے اندر بھی آخر میں تَا جو ہے وہ تانیث کی علامت ہے، تو اب یہ اس کے مقابلے میں ہے بھئی، تو پھر اس کو بھی مقابلے کے طور پر تنوین دے دی گئی۔ بات سمجھ میں آ گئی؟

تو کل کتنی قسم کی تنوین؟ پانچ۔ اس میں سے تنوینِ ترنّم کے علاوہ باقی چاروں وہ اسم کے ساتھ خاص ہیں: تنوینِ تمکّن بھی، تنوینِ تنکیر بھی، تنوینِ عِوَض بھی اور تنوینِ مقابلہ بھی بھئی۔

تو کہتے ہیں: «وَمِنْهَا دُخُولُ التَّنْوِينِ بِأَقْسَامِهِ» اور اسم کے خاصوں میں سے تنوین بھی ہے «بِأَقْسَامِهِ» اپنی تمام قسموں کے ساتھ، «إِلَّا تَنْوِينَ التَّرَنُّمِ» سوائے تنوینِ ترنّم کے۔ «وَسَيَجِيءُ فِي آخِرِ الْكِتَابِ إِنْ شَاءَ اللهُ تَعَالَى تَعْرِيفُهُ» اور عنقریب آ جائے گی کتاب کے آخر میں ان شاء اللہ تعالیٰ «تَعْرِيفُهُ» اس کی تعریف۔ «تَعْرِيفُهُ» فاعل ہے «سَيَجِيءُ» کے لیے، یہ مرفوع ہے۔ کیا آ جائے گی کتاب کے آخر میں؟ «تَعْرِيفُهُ» اس تنوین کی تعریف بھئی۔ تو کہتے ہیں: «وَسَيَجِيءُ فِي آخِرِ الْكِتَابِ إِنْ شَاءَ اللهُ تَعَالَى تَعْرِيفُهُ وَبَيَانُ أَقْسَامِهِ» اور عنقریب کتاب کے آخر میں ان شاء اللہ تنوین کی تعریف آ جائے گی «وَبَيَانُ أَقْسَامِهِ» اور اس کی اقسام کا بیان بھی آ جائے گا، «عَلَى وَجْهٍ» ایسے طریقے پر کہ «يَظْهَرُ جِهَةُ اخْتِصَاصِ مَا عَدَا تَنْوِينَ التَّرَنُّمِ بِهِ» کہ جس سے ظاہر ہو جائے گا۔ کیا ظاہر ہو گا؟ بھئی ادھر دیکھیے، میں نے بتایا تنوین کی پانچ قسمیں ہیں، چار قسمیں اسم کے

ساتھ خاص ہیں اور ایک قسم اسم کے ساتھ خاص نہیں۔ تو چار قسمیں اسم کے ساتھ خاص کیوں ہیں؟ یہ بھی آجائے گا، اور ایک قسم اسم کے ساتھ خاص کیوں نہیں ہے؟ یہ بھی آجائے گا۔ تو معلوم ہوا چار قسموں کا اختصاص اسم کے ساتھ کیوں ہے وہ بھی آجائے گا، اور ایک قسم کا عدمِ اختصاص کیوں ہے وہ بھی آجائے گا۔ اب ذرا ترجمہ غور سے سننا بھئی۔ تو کہتے ہیں: «وَسَيَجِيءُ فِي آخِرِ الْكِتَابِ إِنْ شَاءَ اللهُ تَعَالَى تَعْرِيفُهُ وَبَيَانُ أَقْسَامِهِ» اور ان شاء اللہ کتاب کے آخر میں عنقریب اس تنوین کی تعریف بھی آجائے گی اور اس کی تمام اقسام کا بیان بھی آجائے گا «عَلَى وَجْهٍ» ایسے طریقے پر کہ «يَظْهَرُ جِهَةُ اخْتِصَاصِ مَا عَدَا تَنْوِينَ التَّرَنُّمِ بِهِ» کہ جس سے ظاہر ہو جائے گا۔ کیا ظاہر ہو گا؟ «جِهَةُ اخْتِصَاصِ مَا عَدَا تَنْوِينَ التَّرَنُّمِ بِهِ أَيْ بِالِاسْمِ»۔ ترجمہ آخر سے ہو گا: ظاہر ہو جائے گا کیا ظاہر ہو گا؟ اسم کے ساتھ تنوینِ ترنّم کے علاوہ کے اختصاص کی جہت۔ تنوینِ ترنّم کے علاوہ اور جو تنوینیں ہیں ان کا اختصاص اسم کے ساتھ کیوں ہے وہ بھی وجہ آجائے گی۔ «وَجِهَةُ عَدَمِ اخْتِصَاصِ تَنْوِينِ التَّرَنُّمِ بِهِ» اور اس کا ترجمہ بھی آخر سے «بِهِ أَيْ بِالِاسْمِ»: اور اسم کے ساتھ تنوینِ ترنّم کے عدمِ اختصاص کی جہت بھی ظاہر ہو جائے گی۔ بات سمجھ میں آئی؟ ترجمہ پھر دیکھو: «عَلَى وَجْهٍ» ایسے طریقے پر «يَظْهَرُ» کہ ظاہر ہو جائے گا، کیا ظاہر ہو گا؟ اسم کے ساتھ تنوینِ ترنّم کے علاوہ کے اختصاص کی جہت اور وجہ بھی ظاہر ہو جائے گی «وَجِهَةُ عَدَمِ اخْتِصَاصِ تَنْوِينِ التَّرَنُّمِ بِهِ» اور اسم کے ساتھ تنوینِ ترنّم کے اختصاص نہ ہونے کی جہت بھی اور وجہ بھی ظاہر ہو جائے گی۔ بات سمجھ میں آگئی؟ چلیے بس بھئی، بس بھئی۔ «هَذَا هُوَ الْمَرَامُ، وَاللهُ أَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْكَلَامِ»۔

سبق نمبر ۳۸: خواصِ اسم (۳): اسنادِ الیہ اور اضافت کا اسم کے خواص میں سے ہونا

شرحِ ملا جامی صفحہ: ۲۵ — بتاریخ: ۱۲ اگست ۲۰۲۱ء

▪ تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث

دیکھیے بھائی آگے سبق۔

وَمِنْهَا الْإِسْنَادُ إِلَيْهِ هُوَ بِالرَّفْعِ عَطْفٌ عَلَى الدُّخُوْلِ لَا عَلَى مَدْخُوْلِهِ لِأَنَّ الْمُتَبَادَرَ مِنَ الدُّخُوْلِ الذِّكْرُ فِي الْأَوَّلِ أَوِ اللُّحُوْقُ بِالْآخِرِ وَكِلَاهُمَا مُنْتَفِيَانِ فِي الْإِسْنَادِ وَكَذَا فِي الْإِضَافَةِ وَالْمُرَادُ بِهِ كَوْنُ الشَّيْءِ مُسْنَدًا إِلَيْهِ۔

گزشتہ سبق میں ہم اسم کے خاصے پڑھ رہے تھے بھائی۔ سب سے پہلا خاصہ آپ نے پڑھا وہ اس پر لام کا داخل ہونا ہے یعنی لامِ تعریف کا داخل ہونا۔ دوسرا خاصہ ہے جر کا داخل ہونا، جر کا داخل ہونا۔ اور پھر یہ جر اسم کے ساتھ خاص کیوں ہے اس کی وجہ صاحبِ جامی نے آپ کو بتلائی تھی کہ یہ جو جر ہوتا ہے یہ اثر ہے حرفِ جر کا۔ اور حرفِ جر صرف اسم پر داخل ہوتا ہے تو اس کا اثر بھی صرف کس پر ظاہر ہوگا؟ اسم پر ہی ظاہر ہوگا بھائی، اسم پر ہی۔ اور پھر یہ جو حرفِ جر ہے کبھی لفظوں میں ہوتا ہے اور کبھی تقدیراً ہوتا ہے۔ لفظوں کے اندر حرفِ جر ہو تو اس کو علمِ نحو کی اصطلاح میں جار مجرور کہتے ہیں، اور تقدیراً جر ہو تو اس کو اضافت کہتے ہیں یعنی مضاف اور مضاف الیہ بھائی، اور یہ اضافتِ معنویہ میں ہوتا ہے۔ معلوم ہوا حرفِ جر کبھی لفظاً ہوگا جیسے بِزَيْدٍ، اور کبھی حرفِ جر تقدیراً ہوگا جیسے غُلَامُ زَيْدٍ یہ اصل میں کیا ہے غُلَامٌ لِزَيْدٍ۔

میں نے آپ کو بتلایا تھا کہ اضافت دو قسم پر ہے: ایک اضافتِ لفظیہ ہے اور ایک اضافتِ معنویہ ہے۔ اضافتِ لفظیہ یہ ہے کہ صیغہ صفت کا ہو اور مضاف ہو اپنے معمول کی طرف یعنی اپنے فاعل یا اپنے مفعول کی طرف۔ آپ جانتے ہیں کہ فعل اپنے فاعل کو رفع دیتا ہے اور مفعول کو نصب۔ اسی طرح صفت کے صیغے جو ہیں وہ بھی اپنے فاعل کو رفع دیتے ہیں

اور اگر مفعول ہو تو اس کو نصب دیتے ہیں۔ تو صیغہ صفت کا ہو اور مضاف ہو اپنے معمول کی طرف یعنی اپنے فاعل یا اپنے مفعول کی طرف، اور صیغہ صفت کا ہو۔ اور صفت کے صیغوں میں میں نے بتلایا تمام صفت کے صیغے نہیں مراد بلکہ اسمِ فاعل، اسمِ مفعول اور صفتِ مشبہ، یعنی اسمِ تفضیل اس کے اندر داخل نہیں ہے بھائی۔ تو اسمِ فاعل یا اسمِ مفعول یا صفتِ مشبہ ہو اور یہ اپنے معمول کی طرف یعنی جس میں یہ عمل کر رہے تھے، جس کو یہ رفع یا نصب دے رہے تھے اس کی طرف ان کی اضافت کر دیں، تو صیغہ صفت کا ہے اور مضاف ہے اپنے معمول کی طرف، اس کو کہتے ہیں اضافتِ لفظی بھائی۔ اور اضافتِ لفظی کے اندر کوئی حرفِ جر مقدر نہیں ہوتا، یعنی یہاں تقدیراً حرفِ جر کی وجہ سے جر نہیں ہے بلکہ یہی جو صفت کا صیغہ ہے یہی جر دے رہا ہے مضاف الیہ کو۔ جیسے اس کی مثال ہم نے کی تھی زَیْدٌ ضَارِبٌ أَبُوْهُ عَمْرًا، تو زَیْدٌ ضَارِبٌ یہ ضَارِبٌ صیغہ ہے صفت کا، أَبُوْهُ ہے اس کا اس کے لیے فاعل ہے، اس کا معمول ہے، اس میں یہ عمل کر رہا ہے، اور عَمْرًا اس کے لیے مفعول ہے، یہ بھی اس کا معمول ہے۔ تو اس صفت کے صیغے کی اضافت کر دو اپنے فاعل یا مفعول کی طرف، اس کو کیا کہیں گے؟ اضافتِ لفظی کہیں گے۔

اور میں نے یہ بھی بتلایا تھا کہ اضافتِ لفظی صرف تخفیف کا فائدہ دیتی ہے، یعنی مضاف سے تنوین یا قائم مقامِ تنوین گر جائے گا۔ تنوین وہ تو آپ جانتے ہیں بھائی نونِ ساکن کا نام ہے، اور قائم مقامِ تنوین جو ہے وہ نونِ تثنیہ اور نونِ جمع ہے۔ اضافت سے تنوین بھی گرتی ہے، نونِ تثنیہ اگر ہو وہ بھی گر جاتا ہے اور اگر نونِ جمع ہو وہ بھی گر جاتا ہے۔ تو نونِ تثنیہ اور نونِ جمع اس کو کیا کہتے ہیں؟ قائم مقامِ تنوین، یہ تنوین کے قائم مقام ہیں بھائی۔ تو اضافتِ لفظیہ صرف تخفیف کا فائدہ دیتی ہے یعنی تنوین گر جائے گی مضاف سے یا قائم مقامِ تنوین گر جائے گا اور لفظ میں تخفیف آگئی، اس کی ادائیگی آسان ہو گئی کیونکہ ایک حرف کم ہو گیا۔

تو اضافتِ لفظیہ کے علاوہ باقی تمام جو اضافتیں ہیں وہ اضافتِ معنویہ کہلاتی ہیں۔ اضافتِ لفظیہ کیا تھی؟ صیغہ صفت کا ہو اور مضاف ہو اپنے معمول کی طرف۔ اس کے علاوہ جتنی قسمیں ہیں اضافت کی وہ اضافتِ معنویہ ہیں۔ اس میں وہ صورت بھی آگئی کہ سرے سے صفت کا صیغہ ہی نہ ہو وہ مضاف ہو رہا ہے جیسے غُلَامُ زَیْدٍ، غُلَامُ صفت کا صیغہ نہیں ہے، تو یہ اضافتِ معنویہ ہے۔ یا صیغہ تو صفت کا ہو لیکن اپنے معمول کی طرف مضاف نہ ہو یعنی اپنے فاعل یا مفعول کی طرف مضاف نہ ہو، جیسے کَرِیْمُ الْبَلَدِ، کَرِیْمُ الْبَلَدِ۔ اب کَرِیْمٌ شَرِیْفٌ وزن پر ہے صفتِ مشبہ ہے اور اس کی اضافت الْبَلَدِ کی طرف ہو رہی ہے جو اس کا معمول نہیں ہے یعنی نہ اس کے لیے فاعل ہے اور نہ مفعول ہے، تو یہ صیغہ تو صفت کا ہے لیکن اپنے معمول کی طرف مضاف نہیں، تو یہ بھی کون سی اضافت ہوئی؟ اضافتِ معنویہ۔ اور اضافتِ معنویہ وہ تعریف یا تخصیص کا فائدہ دیتی ہے۔ یعنی اگر نکرہ کی اضافت معرفہ کی طرف کریں گے تو وہ نکرہ بھی معرفہ بن جائے گا۔ غُلَامٌ نکرہ تھا لیکن زَیْدٌ معرفہ کی طرف اضافت کی تو اب غُلَامُ زَیْدٍ میں غُلَامٌ کیا بن گیا؟ معرفہ بن گیا۔ اور یا یہ تخصیص کا فائدہ دے گی اگر نکرہ کی

اضافت نکرہ کی طرف کر دیں، غُلَامُ رَجُلٍ، دیکھو غُلَامٌ کی اضافت رَجُلٍ نکرہ کی طرف کی تو یہ ابھی بھی نکرہ ہے، پہلے بھی نکرہ تھا اب بھی نکرہ، البتہ اس میں تخصیص آگئی۔ تخصیص کہتے ہیں تَقْلِيْلُ الْاِشْتِرَاكِ، اشتراک کم ہو گیا، پہلے یہ زیادہ افراد پر صادق آرہا تھا اب کم افراد پر صادق آئے گا۔ غُلَامُ رَجُلٍ جب کہہ دیا تو غُلَامُ امْرَأَةٍ سارے اس سے خارج ہو گئے، اب ان پر یہ لفظ نہیں بولا جا سکتا۔ تو یہ اس میں تخصیص آگئی۔ تو اضافتِ لفظیہ صرف لفظوں میں تخفیف کا فائدہ دیتی ہے جبکہ اضافتِ معنویہ اس میں لفظوں میں بھی تخفیف آئے گی، تنوین اور قائم مقامِ تنوین وہ اضافتِ معنویہ میں بھی گر جاتے ہیں، دیکھو غُلَامُ زَيْدٍ، غُلَامٌ سے تنوین گر گئی۔ لیکن لفظوں میں تخفیف کے ساتھ ساتھ بڑا فائدہ اس میں کیا ہے؟ تعریف کا یا تخصیص کا فائدہ ہوتا ہے۔

اور پھر میں نے یہ بتایا تھا کہ اضافتِ معنویہ کے اندر یا لَامْ مقدر ہوتا ہے یا مِنْ یا فِيْ۔ اگر مضاف الیہ مضاف کے لیے جگہ یا زمانہ ہو تو وہاں پھر فِيْ مقدر ہوگا کیونکہ فِيْ ظرفیت کے لیے آتا ہے، جیسے صَلَاةُ اللَّيْلِ۔ اب دیکھو یہ لَيْلٌ زمانہ ہے صَلَاةٌ کے لیے، رات کی نماز، تو یہاں فِيْ مقدر ہوگا یعنی صَلَاةٌ فِي اللَّيْلِ۔ اور اگر مضاف الیہ مضاف کے لیے جنس ہو تو وہاں مِنْ مقدر ہوگا جیسے خَاتَمُ فِضَّةٍ، چاندی کی انگوٹھی، معلوم ہوا یہ چاندی انگوٹھی کے لیے جنس ہے تو یہ یہاں مِنْ مقدر ہے یعنی خَاتَمٌ مِنْ فِضَّةٍ۔ اور اگر اس کے علاوہ ہو یعنی مضاف الیہ نہ مضاف کے لیے ظرف ہو اور نہ ہی جنس ہو پھر وہاں لَامْ مقدر ہوگا جیسے غُلَامُ زَيْدٍ، یہ زَيْدٌ نہ غُلَامٌ کے لیے جنس ہے اور نہ ہی ظرف ہے، تو یہاں لَامْ مقدر ہوگا یعنی غُلَامٌ لِزَيْدٍ۔

تو معلوم ہوا یہ جو اضافتِ معنویہ ہے اس کے اندر حرفِ جر مقدر ہوتا ہے جبکہ اضافتِ لفظیہ کے اندر حرفِ جر مقدر نہیں ہوتا۔ تو اشکال ہوا۔ اشکال یہ ہوا کہ اے صاحبِ جامی! آپ کی دلیل دعوے کے مطابق نہیں۔ دعویٰ تو کیا تھا کہ ہر جر وہ خاصہ ہے کس کا؟ اسم کا، جر اسم کا خاصہ ہے، معلوم ہوا ہر جر اسم پر آئے گا۔ لیکن آپ نے جو دلیل ذکر کی وہ تو صرف اس جر کی بات کی جو حرفِ جر کا اثر ہو۔ آپ نے کہا کہ جر اسم کا خاصہ ہے کیوں؟ کیونکہ یہ حرفِ جر کی وجہ سے آتا ہے اور حرفِ جر چاہے لفظاً ہو یا تقدیراً صرف کس پر آتا ہے؟ اسم پر۔ تو یہ والا جر جو حرفِ جر کی وجہ سے آیا یہ بھی اسم کے ساتھ خاص ہے۔ تو جر تو ایک اور قسم کا بھی ہے جو حرفِ جر کے بغیر آتا ہے، جو اضافتِ لفظیہ میں ہوتا ہے، اس کی تو دلیل آپ نے نہیں دی بھائی۔ تو اس کا بھی پھر انہوں نے جواب دیا تھا کہ بھائی اضافتِ لفظیہ اور معنویہ میں سے اضافتِ معنویہ وہ اصل ہے اور لفظیہ اس کی فرع ہے۔ جب اضافتِ معنویہ والا جر اسم کے ساتھ خاص ہے تو فرع بھی اصل کے موافق ہوتی ہے، تو اس کا اضافتِ لفظیہ کا جر بھی اسم ہی کے ساتھ خاص ہونا چاہیے۔ ورنہ تو لازم آئے گا کہ فرع اصل کے مخالف ہو گئی، تو لازم آئے گا فرع اصل کے مخالف ہو گئی حالانکہ فرع اصل کے مخالف نہیں ہو سکتی۔ اور پھر مخالفت کی صورتیں بھی ذکر کر دی تھیں کہ دو صورتیں ہو سکتی ہیں مخالفت کی۔ اگر وہ جر، وہ جو فرع والا جر ہے یعنی اضافتِ لفظیہ والا جر، اگر وہ اسم کے ساتھ خاص نہیں تو پھر کس کے ساتھ خاص ہوگا؟ یا تو فعل کے ساتھ خاص ہوگا، یہ بھی مخالفت

ہے۔ اور یا دونوں میں، اسم اور فعل دونوں میں پایا جائے گا، یہ بھی کیا ہے؟ فرع اصل کی مخالفت کر رہی ہے اور اس صورت میں تو فرع اصل سے بھی بڑھ جائے گی حالانکہ فرع اصل سے بڑھ نہیں سکتی۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو ثابت ہوا کہ جب اصل اضافتِ معنویہ جو ہے اس کا جر اسم کے ساتھ خاص ہے تو فرع جو ہے یعنی اضافتِ لفظیہ، اس کا جر بھی اسم ہی کے ساتھ خاص ہوگا۔

اور اس کے بعد پھر ہم نے تنوین کے بارے میں پڑھا تھا کہ یہ تنوین جو ہے یہ بھی اسم کا خاصہ ہے۔ اور یہ تنوین جو ہے پانچ قسم پر ہے، ان میں سے تنوینِ ترنم کے علاوہ باقی چاروں قسمیں جو تنوین کی ہیں وہ اسم ہی میں آتی ہیں اور کسی میں نہیں۔ جبکہ تنوینِ ترنم یہ صرف اشعار میں آتی ہے اس کا وزن برقرار رکھنے کے لیے، اس میں ترنم پیدا کرنے کے لیے تاکہ آواز لمبی ہو جائے اور پھر نون ہے غنہ کیا جائے گا ناک میں آواز لے جاتے ہیں، تو یہ اسم میں بھی آسکتی ہے، فعل میں بھی اور حرف میں بھی۔ جبکہ باقی قسمیں جو ہیں تنوین کی یعنی تنوینِ تمکن، تنوین تنکیر، تنوینِ عوض اور تنوینِ مقابلہ، یہ چاروں جو ہیں اسم کے ساتھ خاص ہیں۔ تنوینِ تمکن جو ہے وہ یہ بتلاتی ہے کہ اسم متمکن ہے۔ اسم میں اصل بھی کیا ہے؟ متمکن ہونا۔ ایک متمکن ہوتا ہے وہ اسم جو اعراب کو جگہ دے، اور ایک اسم غیرِ متمکن ہوتا ہے جس کو اسمِ مبنی کہتے ہیں بھائی اور وہ اعراب کو جگہ نہیں دیتا۔ تو یہ تنوینِ تمکن بتلاتی ہے کہ یہ اسم اپنی اصل پر باقی ہے، کس پر؟ اپنی اصل پر باقی ہے۔ تو یہ جو عام اسماء کے اندر تنوین آتی ہے یہ سب تنوینِ تمکن ہے۔ اور دوسری تنوینِ تنکیر ہے بھائی، اور تنوینِ تنکیر صرف اسمِ فعل کے اندر آتی ہے، صَهْ اور صَهٍ۔ صَهْ کا معنی ابھی خاموش ہو جاؤ اور صَهٍ کا معنی کسی وقت تو خاموش ہو جاؤ، تو یہ تنکیر کے لیے ہے تنوین۔ صَهْ ہو تو یہ معرفہ ہے، صَهٍ ہو تو یہ نکرہ ہے۔ تو لہٰذا عام اسماء کے اندر جو تنوین آتی ہے اسم میں، وہ تنوینِ تمکن ہوتی ہے۔ لہٰذا آپ غُلَامٌ پر جو تنوین آرہی ہے یہ نہ سمجھیں کہ یہ تنوین تنکیر والی ہے، یہ تنوین تنکیر والی ہے۔ اگر یہ تنوین تنکیر والی ہوتی، یہ بتلاتی کہ غُلَامٌ نکرہ ہے، تو پھر تو زَيْدٌ پر یہ تنوین نہیں آنی چاہیے تھی، زَيْدٌ تو علم ہے وہ تو معرفہ ہے۔ تو یہ عام اسم میں جو تنوین آتی ہے وہ تنوینِ تمکن ہے، وہ صرف اتنا بتاتی ہے کہ یہ اسم اپنی اصل پر ہے یعنی اسمِ متمکن ہے بھائی۔

اور تیسری قسم تھی تنوینِ عوض اور جو مضاف الیہ کے عوض میں آتی ہے، جیسے حِيْنَئِذٍ اور يَوْمَئِذٍ یا كُلٌّ، كُلٌّ پر بھی جو تنوین آتی ہے وہ مضاف الیہ کے عوض آتی ہے۔ اور چوتھی قسم ہے تنوینِ مقابلہ، وہ تنوین جو جمع مؤنث سالم میں آتی ہے، مُسْلِمَاتٍ اور مُسْلِمَاتٌ۔ یہ تنوین جو ہے یہ مقابلے میں اس کو دی گئی کیونکہ جمع مذکر سالم کے آخر میں نون دیا گیا تھا جو قائم مقامِ تنوین تھا، تو مُسْلِمَاتٍ کو تنوین دے دی گئی اس کے مقابلے میں بھائی۔

اب آگے سبق دیکھیے بھائی۔ کہتے ہیں: وَمِنْهَا الْإِسْنَادُ إِلَيْهِ هُوَ بِالرَّفْعِ عَطْفٌ عَلَى الدُّخُوْلِ لَا عَلَى مَدْخُوْلِهِ۔ اسم کے خاصے ذکر ہو رہے ہیں، تین خاصے ذکر ہو گئے۔ پہلا کیا تھا؟ دُخُوْلُ اللَّامِ۔ وَمِنْ خَوَاصِّهِ دُخُوْلُ اللَّامِ وَالْجَرِّ وَالتَّنْوِيْنِ۔ تو یہ جر

کا عطف بھی اللَّامِ پر تھا اور تنوین کا عطف بھی اللَّامِ پر تھا، اور اللَّامِ تو مضاف الیہ تھا دُخُوْلُ کے لیے اور مجرور تھا، تو یہ سارے بھی کیا تھے؟ مجرور تھے، ان پر ہم نے جر پڑھا۔ لیکن آگے جو آرہا ہے وَمِنْهَا الْإِسْنَادُ إِلَيْهِ، دیکھا؟ وَمِنْهَا الْإِسْنَادُ إِلَيْهِ، یہاں وَمِنْهَا دُخُوْلُ الْإِسْنَادِ نہیں کہا، دخول کا لفظ ختم کر دیا۔ صاحبِ جامی دراصل بتلانا یہ چاہتے ہیں کہ الْإِسْنَادُ إِلَيْهِ اس کو مرفوع پڑھنا، اس کا عطف دُخُوْلُ پر کرنا، اس کا عطف لَامْ پر نہ کرنا۔ وَمِنْ خَوَاصِّهِ دُخُوْلُ اللَّامِ، دُخُوْلُ تو کیا ہے مرفوع، اور اللَّامِ مجرور ہے، تو اس کا عطف لَامْ پر نہ کرنا بلکہ کس پر کرنا؟ دُخُوْلُ پر کرنا۔ وجہ یہ، وجہ یہ کہ دُخُوْلُ کا معنی ہے داخل ہونا، اور داخل ہونا عام ہے کہ لفظ کے شروع میں کوئی چیز آکر جڑ جائے یا لفظ کے آخر میں آکر جڑ جائے، اس کو کہتے ہیں داخل ہونا۔ توجہ ہے؟ کہ یہ اس لفظ پر یہ چیز داخل ہو گئی ہے، چاہے شروع کی جانب سے چاہے آخر کی جانب سے۔ بلکہ زیادہ تر دخول شروع میں آئے تو اس کے لیے دخول کہتے ہیں، اور جو آخر میں آکر جڑے اس کو لحوق کہتے ہیں، لاحق ہونا۔ کیا ہونا؟ لاحق ہونا یعنی آخر میں آکر جڑنا بھائی۔ لیکن یہاں پر جو دخول کا لفظ آیا اس کو عام رکھا صاحبِ جامی نے بھائی۔ دیکھو دُخُوْلُ اللَّامِ، لَامْ کہاں آکر جڑتا ہے لفظ کے ساتھ؟ شروع میں۔ اور دُخُوْلُ الْجَرِّ وَالتَّنْوِيْنِ، یہ جر اور تنوین کہاں آکر جڑتے ہیں؟ آخر میں۔ لیکن سب کو دخول کے تحت رکھا، یعنی دخول ویسے تو کہتے ہیں شروع میں آنا لیکن مجازاً اس کا معنی کر لیں جڑ جانا آکر، کسی لفظ کے ساتھ کسی چیز کا آکر جڑ جانا۔ تو اب اس کا عام معنی کر لیا، اب یہ جڑ جانا عام ہے۔ شروع میں کوئی چیز جڑے تب بھی ہم کہیں گے یہ اس کے ساتھ جڑ گئی، آخر کی طرف سے آکر جڑ جائے تب بھی ہم کیا کہیں گے یہ چیز اس کے ساتھ جڑ گئی، تو گویا مجازی معنی کر لیا دخول کا یعنی اتصال بھائی۔ تو لَامْ تو شروع میں آیا ہے وہ تو اسم پر داخل ہے، اور جر اور تنوین تو آخر میں آئے ہیں ان کے لیے لفظ تو ہے لاحق لیکن مجازاً ان کو بھی کیا کہیں گے کہ وہ بھی داخل ہوئے ہیں اسم پر۔ بات سمجھ میں آگئی؟

لیکن یہ جو اسناد ہے، اسناد اور اسی طرح آگے اضافت آرہی ہے۔ توجہ ہے؟ اسناد یہ تو ایک معنوی چیز ہے دو لفظوں کے درمیان، دو لفظوں کے درمیان جو جوڑ ہے، ایک لفظ کا دوسرے لفظ پر حکم لگا دیا جائے، ان میں ربط دے دیا جائے تو اس کو کہتے ہیں اسناد یعنی ایک چیز کا دوسری چیز پر حکم لگا دیا جائے۔ تو یہ اسناد ان دونوں کے درمیان جو ربط ہے، جو جوڑ ہے اس کو کہتے ہیں۔ اور اسی طرح اضافت بھی دو چیزوں کے درمیان جوڑ کا نام ہے، ان میں جو پہلے آئے اس کو کہتے ہیں مضاف اور دوسرے کو کیا کہتے ہیں مضاف الیہ۔ غُلَامُ زَيْدٍ ان دونوں کے درمیان کیا ہے؟ اضافت ہے۔ تو اضافت بھی ایک معنوی چیز ہے، دو چیزوں کے درمیان جوڑ کو کہتے ہیں، دو لفظوں کے درمیان۔ اور اسناد بھی دو لفظوں کے درمیان جوڑ کو کہتے ہیں۔ لیکن فرق یہ ہے کہ اسناد کے اندر جو ہے وہ بات پوری ہوتی ہے، یعنی وہ جملہ ہوتا ہے، وہ نسبتِ تامہ ہوتی ہے۔ توجہ ہے؟ دیکھو زَيْدٌ قَائِمٌ یہ قَائِمٌ کی نسبت میں نے زَيْدٌ کی طرف کی، اور غُلَامُ زَيْدٍ یہ غُلَامٌ کی نسبت میں نے کس کی

طرف کی؟ زَيْدٌ کی طرف۔ تو دونوں میں نسبت ہے لیکن فرق یہ ہے کہ زَيْدٌ قَائِمٌ اس کے اندر جو قَائِمٌ کی نسبت زَيْدٌ کی طرف ہو رہی ہے یہ نسبتِ تامہ ہے، یعنی پوری ہے اس کے اندر بات۔ اور غُلَامُ زَيْدٍ کے اندر جو غُلَامٌ کی نسبت زَيْدٌ کی طرف ہو رہی ہے وہ نسبتِ تام نہیں ہے بلکہ غیرِ تام ہے۔

تو اسناد وہ بھی ایک معنوی چیز ہے، دو لفظوں کے درمیان جوڑ کا نام ہے۔ دو لفظوں میں جوڑ آنکھوں سے نظر آتا ہے یا اس پہ آپ تلفظ کرتے ہیں؟ زَيْدٌ قَائِمٌ ان دونوں کے درمیان کیا ہے؟ توجہ ہے؟ زَيْدٌ قَائِمٌ میں کیا ہے؟ اسناد ہے۔ اسناد پہ کوئی تلفظ کر رہے ہو؟ نہیں، وہ تو ایک معنوی چیز ہے دو لفظوں کے درمیان جوڑ کا نام ہے۔ اور اسی طرح غُلَامُ زَيْدٍ ان دونوں کے درمیان بھی کیا ہے؟ اضافت ہے، نسبت ہے اور نسبت بھی کس کا نام ہے؟ ایک معنوی چیز ہے۔ تو جب یہ ایک معنوی چیز ہے تو یہ تو لفظوں میں تو شروع میں داخل ہو یا آخر میں آکر داخل ہو نہیں، یہ لفظ کی صفت تو بنتی ہے لیکن اس کے شروع یا آخر میں آکر نہیں جڑتی۔ زَيْدٌ قَائِمٌ میں کیا ہے؟ اسناد ہے، تو معلوم ہوا اسناد دونوں کی صفت ہے لیکن یہ اسناد کہاں آکر جڑی؟ شروع میں یا آخر میں یا بس لفظ کی صفت بن گئی؟ لفظ کی صفت بن رہی ہے، شروع میں یا آخر میں آکر نہیں جڑتی۔ اور دخول کا لفظ تو کس کے لیے بولتے ہیں؟ شروع میں آکر جڑے یا آخر میں آکر جڑے۔ تو لہٰذا یہ اسناد اور اضافت یہ ایسے نہیں ہیں، یہ شروع میں یا آخر میں آکر نہیں جڑتے، یہ معنوی چیز ہے ایک دو لفظوں کے درمیان جوڑ اور ربط کا نام ہے۔ یہ ان لفظوں کی صفت تو بنتی ہے معنوی طور پر لیکن لفظوں کے اندر یہ نظر نہیں آتی یعنی اس پر تلفظ نہیں ہوتا۔ تو اسناد کا عطف اللَّامِ پر نہیں کریں گے، ورنہ تو عبارت بن جائے گی دُخُوْلُ الْإِسْنَادِ إِلَيْهِ، اور اسناد تو اسم پر داخل نہیں ہوتی یعنی شروع اور آخر میں آکر اس کے ساتھ نہیں جڑتی، یہ تو ایک معنوی چیز ہے بھائی۔ یہ کیا ہے؟ معنوی چیز ہے، لفظوں میں ہے ہی نہیں کہ جس پر انسان تلفظ کرے۔ لَامْ الف لام پر بھی انسان کیا کرتا ہے؟ تلفظ، اَلرَّجُلُ دیکھو میں تلفظ کر رہا ہوں۔ جر پہ بھی انسان تلفظ کرتا ہے، مَرَرْتُ بِزَيْدٍ دیکھو جر پہ میں کیا کر رہا ہوں؟ تلفظ کر رہا ہوں۔ اور تنوین پہ بھی انسان تلفظ کرتا ہے، زَيْدٌ دیکھو میں اس پر رفع پر، تنوین پر تلفظ کر رہا ہوں۔ جبکہ اسناد تو ایک معنوی چیز ہے، وہ تو لفظ کے قبیل سے نہیں۔ اور اضافت بھی اسی طرح ایک معنوی چیز ہے، لفظ کے قبیل سے نہیں، لہٰذا اس کے لیے دخول کا لفظ نہیں بولیں گے۔ دُخُوْلُ الْإِسْنَادِ یا دُخُوْلُ الْإِضَافَةِ نہیں کہیں گے۔ تو یہ دخول کے تحت نہیں بلکہ اس کا عطف دُخُوْلُ پر کر دو۔ توجہ ہے؟ عبارت کیا تھی؟ وَمِنْ خَوَاصِّهِ دُخُوْلُ اللَّامِ، اور اسم کے خاصوں میں سے ہے لَامْ کا داخل ہونا۔ اسی لَامْ پر عطف کیا جر کا بھی اور اسی پر عطف کیا تنوین کا بھی، تو وہ بھی دخول کے تحت آگئے: دُخُوْلُ اللَّامِ وَالْجَرِّ وَالتَّنْوِيْنِ۔ لیکن وَالْإِسْنَادُ إِلَيْهِ اس کا عطف اللَّامِ پر نہ کرو بلکہ کس پر کرو؟ دُخُوْلُ پر کرو۔ اور دُخُوْلُ مرفوع تھا تو اسناد کو بھی کیا پڑھو؟ مرفوع: وَمِنْ خَوَاصِّهِ الْإِسْنَادُ إِلَيْهِ، اور اسم کے خاصوں میں سے ہے اس کا مسند الیہ ہونا، وَالْإِضَافَةُ، اور اسم کے خاصوں میں سے ہے اضافت۔

دیکھیے بھائی کتاب پر۔ کہتے ہیں وَمِنْهَا الْإِسْنَادُ إِلَيْهِ اور اسم کے خاصوں میں سے جو ہے الْإِسْنَادُ إِلَيْهِ اس کی طرف اسناد کا ہونا، هُوَ بِالرَّفْعِ یہ الْإِسْنَادُ إِلَيْهِ کس کے ساتھ ہے؟ رفع کے ساتھ ہے یعنی اس پر رفع پڑھنا عَطْفٌ عَلَى الدُّخُوْلِ اس کا عطف کس پر ہے؟ دُخُوْلُ پر ہے، اور وہ مرفوع تھا تو یہ بھی مرفوع ہے، لَا عَلَى مَدْخُوْلِهِ یہ دخول کے مدخول پر اس کا عطف نہیں ہے۔ دخول کا مدخول کون تھا پیچھے؟ لَامْ بھائی، اس پر دخول کا لفظ داخل ہو رہا تھا تو لَامْ کیا ہوا؟ مدخولِ دخول ہوا، اس کا مدخول ہوا، تو اس لَامْ پر یہ عطف نہیں ہے۔ لَا عَلَى مَدْخُوْلِهِ اس کے مدخول پر عطف نہیں ہے یعنی یہ مجرور نہیں ہے۔

بھائی کیوں؟ وجہ کیا ہے؟ اس کا عطف دخول پر کیوں کر رہے ہیں؟ اس کے مدخول پر کیوں نہیں کر رہے؟ کہتے ہیں لِأَنَّ الْمُتَبَادَرَ مِنَ الدُّخُوْلِ، تبادر، تبادر کا معنی ایک چیز کا ذہن کی طرف سبقت کرنا، ذہن میں فوراً آجانا۔ کہتے ہیں اس لیے لِأَنَّ الْمُتَبَادَرَ مِنَ الدُّخُوْلِ اس لیے کہ دخول سے جو تبادر ہوتا ہے، یعنی لفظِ دخول بولیں، داخل ہونا بولیں، تو ذہن میں فوراً یہ بات آتی ہے کہ کوئی چیز لفظ کے شروع میں آکر جڑی ہے یا اس کے آخر میں آکر جڑی ہے بھائی، اور اسناد اور اضافت ایسے نہیں ہیں۔ لِأَنَّ الْمُتَبَادَرَ مِنَ الدُّخُوْلِ اس لیے کیونکہ دخول سے جو چیز تبادر ہوتی ہے یعنی فوراً ذہن میں آتی ہے، الذِّكْرُ فِي الْأَوَّلِ وہ شروع کے اندر ذکر کرنا یعنی لفظ کے شروع میں کسی چیز کو ذکر کرنا یعنی اس کے ساتھ جوڑنا، أَوِ اللُّحُوْقُ بِالْآخِرِ یا آخر میں اس کے ساتھ لاحق ہونا، جڑ جانا۔ دخول سے یہ بات ذہن میں آتی ہے کہ کوئی چیز لفظ کے شروع میں آکر جڑ گئی ہے یا آخر میں آکر جڑ گئی ہے۔ وَكِلَاهُمَا مُنْتَفِيَانِ فِي الْإِسْنَادِ اور یہ دونوں چیزیں اسناد میں منتفی ہیں، اسناد کسی اسم کے شروع یا آخر میں آکر نہیں جڑتا، یہ تو ایک معنوی چیز ہے، یہ لفظ کے قبیل سے نہیں ہے۔ وَكَذَا فِي الْإِضَافَةِ اور اسی طرح اضافت میں بھی ہے، اضافت بھی ایک معنوی چیز ہے لفظ کے قبیل سے نہیں، تو وہ لفظ کے شروع یا آخر میں نہیں جڑے گی۔

وَالْمُرَادُ بِهِ كَوْنُ الشَّيْءِ مُسْنَدًا إِلَيْهِ اور اس سے مراد ایک شے کا مسند الیہ ہونا ہے، اس بات کو اچھی طرح سمجھ لیں۔ وَالْمُرَادُ بِهِ کہتے ہیں اوپر جو متن میں آیا نا وَالْإِسْنَادُ إِلَيْهِ اس سے کیا مراد ہے؟ کہتے ہیں وَالْمُرَادُ بِهِ اس سے مراد جو ہے كَوْنُ الشَّيْءِ مُسْنَدًا إِلَيْهِ ایک شے کا مسند الیہ ہونا ہے۔ بھائی دیکھیے وَالْإِسْنَادُ إِلَيْهِ، إِلَيْهِ کی ہا ضمیر کس کو راجع؟ اسم کو۔ اسم کے خاصوں میں سے کیا ہے؟ الْإِسْنَادُ إِلَيْهِ اس کی طرف اسناد کا ہونا۔ اسم کی طرف اسناد کا کرنا یہ کیا ہے؟ اسم کا خاصہ۔ کہتے ہیں بھائی یہ تو ہر ایک کو پتا ہے اسم کی طرف اسناد کرو گے تو وہ اسم ہی کا خاصہ ہوگا کسی اور چیز کا خاصہ نہیں، تو یہ تو آپ کا کلام بیکار ہوا، اس کا تو کوئی فائدہ نہیں ہوا۔ یہ تو سب جانتے ہیں اسم کی طرف جب اسناد کرو گے تو وہ اسم کا ہی خاصہ ہوگا۔ توجہ ہے؟ بات سمجھ میں آرہی ہے کہ نہیں؟ نہیں سمجھ میں آئی۔ ادھر دیکھو، میرے پاس یہ تین لفظ ہیں: اسم، فعل اور حرف۔ اسم، فعل اور حرف۔ میں ایک چیز کا اسناد اسم کی طرف کرتا ہوں، بتائیے یہ اسناد کس کے ساتھ خاص؟ بولتے کیوں نہیں، خاموش کیوں؟ یہ اسناد کس کے ساتھ خاص؟ میرے پاس تین کلمے ہیں: اسم بھی ہے، فعل بھی ہے، حرف بھی ہے۔ میں ایک چیز کا اسناد کرتا ہوں کس کی طرف؟ اسم کی طرف۔ جب میں نے یہ اسناد اسم کی طرف کیا ہے تو یہ اسناد

کس کے ساتھ خاص ہے؟ ظاہر سی بات ہے جو اسناد اسم کی طرف آپ نے کیا ہے وہ اسناد اسم کے ساتھ ہی خاص ہوگا، فعل اور حرف میں تو نہیں پایا جائے گا کیونکہ اس کی طرف آپ نے اسناد ہی نہیں کیا، اس کی طرف، اس کی طرف جب اسناد ہی نہیں کیا ان دونوں کی طرف، آپ نے اسناد ہی کس کی طرف کیا ہے؟ اسم کی طرف، تو وہ تو اسم کے ساتھ ہی خاص ہوگا۔ تو یہ بتانے کی کیا ضرورت ہے کہ اسم کی طرف جو اسناد کیا جائے وہ اسم کے ساتھ خاص ہوتا ہے؟ یہ تو سب جانتے ہیں۔ اگر میں اسناد فعل کی طرف کروں گا وہ کس کے ساتھ خاص ہوگا؟ فعل کے ساتھ خاص ہوگا۔ میں اسناد اگر حرف کی طرف کروں گا تو وہ اسناد کس کے ساتھ خاص ہوگا؟ حرف کے ساتھ خاص ہوگا۔ تو جس چیز کی طرف اسناد کیا جائے وہ اسی کے ساتھ خاص ہوتا ہے، اوروں میں تو وہ اسناد نہیں ہوتا۔ تو وَالْإِسْنَادُ إِلَيْهِ، إِلَيْهِ کی ہا ضمیر کس کو راجع؟ اسم کو۔ تو اسم کی طرف جو اسناد کیا جائے بھائی یہ تو ظاہر سی بات ہے وہ اسم کے ساتھ ہی خاص ہوگا، تو اس کو خاصوں میں شمار کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ یہ تو سب کو پتا ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟

اسم کی طرف جو اسناد کرو گے وہ اسم کے ساتھ ہی خاص ہے، یہ اسی طرح ہے جیسے میں کہوں: ایک ہے زید کی سخاوت، ایک ہے عمر کی، ایک بکر کی۔ میں کہتا ہوں زید کی سخاوت زید کے ساتھ خاص ہے۔ زید کی سخاوت... بھائی جب سخاوت زید کی ہے تو وہ خاص بھی زید کے ساتھ ہی ہوگی نا، وہ تو عمر کی تو الگ سخاوت ہے بکر کی الگ۔ تو یہاں پر بھی اسی طرح جب آپ نے اسناد ہی اسم کی طرف کیا ہے تو وہ اسناد تو اسم کے ساتھ ہی خاص ہوگا، آپ نے تو فعل اور حرف کی طرف کیا ہی نہیں ہے تو ان میں تو وہ پایا ہی نہیں جائے گا، تو یہ ہمیں بتانے کا کیا فائدہ بھائی؟ اشکال سمجھ میں آیا؟

تو آپ کو بتلائیں گے کہ بھائی وَالْإِسْنَادُ إِلَيْهِ سے مراد یہ نہیں ہے جو آپ سمجھ رہے ہیں، بلکہ وَالْمُرَادُ بِهِ كَوْنُ الشَّيْءِ مُسْنَدًا إِلَيْهِ اس سے مراد یہ ہے ایک شے کا مسند الیہ ہونا، ایک شے کا... کوئی بھی شے جب مسند الیہ بنے سمجھ جاؤ یہ اسم ہے۔ کوئی بھی شے جب کیا بنے؟ مسند الیہ بنے سمجھ جاؤ یہ کیا ہے؟ تو اس وَالْإِسْنَادُ إِلَيْهِ کا یہ معنی نہیں کہ اسم کا مسند الیہ ہونا۔ آپ کیا سمجھے؟ آپ دراصل یہ سمجھ رہے تھے وَالْإِسْنَادُ إِلَيْهِ کا معنی ہے كَوْنُ الْاِسْمِ، كَوْنُ الْاِسْمِ مُسْنَدًا إِلَيْهِ، اسم کا مسند الیہ ہونا، اسم کا... بھائی میرے پاس تین کلمے ہیں اسم، فعل اور حرف۔ میں نے کس کو مسند الیہ بنایا؟ اسم کو۔ جب میں نے اسم کو مسند الیہ بنایا ہے تو یہ اسناد بھی کس کے ساتھ خاص ہوگا؟ اسم کے ساتھ۔ تو آپ تو یہ سمجھ رہے تھے كَوْنُ الْاِسْمِ مُسْنَدًا إِلَيْهِ، اسم کا مسند الیہ ہونا یہ خاص ہے کس کے ساتھ؟ توجہ ہے؟ پھر میرے لفظوں پہ ذرا غور کرو: اسم کا، اسم کا مسند الیہ ہونا، کس کا؟ اسم کا مسند الیہ ہونا یہ تو اسم میں ہی ہوگا نا، فعل میں تو نہیں ہو سکتا۔ تو آپ اس کا معنی سمجھے ہیں اسم کا مسند الیہ ہونا، اور اسم کا مسند الیہ ہونا تو اسم کے ساتھ خاص ہے وہ تو فعل نہیں ہو سکتا، وہ تو حرف نہیں ہو سکتا۔ کہتے ہیں نہیں، اس کا یہ معنی نہیں اسم کا مسند الیہ ہونا۔ معنی ہے ایک شے کا مسند الیہ ہونا، کسی بھی شے کا مسند الیہ ہونا یہ علامت ہے اسم کی کہ وہ شے اسم ہے۔ کوئی بھی شے دنیا میں لے آؤ اور وہ کیا بن جائے؟ وہ مسند الیہ بن رہی ہو، تو وہ کیا

ہوگی؟ اسم ہوگی۔ تو اسم کا مسند الیہ ہونا یہ ترجمہ نہ کرو۔ بات سمجھ بھی آئی کہ اوپر سے گزر گئی؟ وَالْإِسْنَادُ إِلَيْهِ اس کا ترجمہ یہ نہ کرنا کہ اسم کا مسند الیہ ہونا، اسم کا مسند الیہ ہونا وہ تو اسم ہی میں ہوگا فعل میں تو نہیں ہو سکتا وہ۔ بلکہ اس کا معنی کیا ہے؟ كَوْنُ الشَّيْءِ مُسْنَدًا إِلَيْهِ ایک شے کا مسند الیہ ہونا یہ اسم کا خاصہ ہے۔ جو بھی شے مسند الیہ آپ کو مل جائے، جہاں بھی مل جائے یہ علامت ہے یہ کیا ہے یہ شے؟ اسم ہے، یہ اسم ہے، فعل یا حرف نہیں ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟

تو کہتے ہیں وَالْمُرَادُ بِهِ كَوْنُ الشَّيْءِ مُسْنَدًا إِلَيْهِ اور وَالْإِسْنَادُ إِلَيْهِ سے مراد جو ہے كَوْنُ الشَّيْءِ مُسْنَدًا إِلَيْهِ ایک شے کا مسند الیہ ہونا ہے۔ وَإِنَّمَا اخْتُصَّ هٰذَا الْمَعْنَى بِالْاِسْمِ۔ سوال: یہ مسند الیہ ہونا اسم کے ساتھ کیوں خاص ہے؟ مسند الیہ ہونا اسم کے ساتھ کیوں خاص ہے؟ فعل کیوں نہیں مسند الیہ بنتا؟ کہتے ہیں اس لیے کیونکہ فعل کو وضع کیا گیا ہے مسند ہونے کے لیے۔ توجہ ہے؟ فعل کا ہمیشہ اسناد فاعل یا نائبِ فاعل کی طرف ہوگا۔ تو فعل کو وضع ہی کس لیے کیا گیا ہے؟ مسند ہونے کے لیے۔ تو اگر فعل کو مسند الیہ بھی بنا دیں گے یہ تو اس کی وضع کے خلاف ہو جائے گا۔ توجہ ہے؟ فعل کو وضع ہی کس لیے کیا گیا ہے؟ مسند ہونے کے لیے۔ اگر آپ اس کو کیا بنا دیں گے؟ مسند الیہ بنا دیں گے یہ تو اس کی وضع کے خلاف ہو جائے گا، اس کو تو وضع ہی کس لیے کیا گیا ہے؟ مسند ہونا، تو فعل صرف مسند بنے گا کبھی بھی مسند الیہ نہیں بنے گا ورنہ اس کی وضع کے خلاف لازم آئے گا۔ کہتے ہیں وَإِنَّمَا اخْتُصَّ هٰذَا الْمَعْنَى بِالْاِسْمِ اور یہ والا معنی یعنی مسند الیہ ہونا ایک شے کا یہ اسم کے ساتھ خاص ہے لِأَنَّ الْفِعْلَ قَدْ وُضِعَ لِأَنْ يَّكُوْنَ أَبَدًا مُسْنَدًا فَقَطْ اس لیے کیونکہ فعل جو ہے تحقیق اس کو وضع کیا گیا ہے کہ وہ ہمیشہ مسند ہو صرف، فَلَوْ جُعِلَ مُسْنَدًا إِلَيْهِ اگر اس کو مسند الیہ بھی بنا دیا جائے تو يَلْزَمُ خِلَافُ وَضْعِهِ تو اس فعل کی وضع کے خلاف لازم آئے گا۔ حرف کو ذکر ہی نہیں کیا، انہوں نے کیا کہا؟ مسند الیہ ہونا

کس کا خاصہ ہے؟ اسم کا ہے، فعل نہیں ہو سکتا۔ حرف کی بھی تو بات کریں، حرف بھی تو ہمیں بتائیں کہ وہ بھی مسند الیہ نہیں ہو سکتا۔ بھائی اس کی بات پہلے ہو چکی کہ مسند الیہ وہی بنتا ہے جو مستقل بالذات ہو، جو مستقلاً سمجھ میں آرہا ہو، جس کی طرف عقل کی بالذات توجہ ہو۔ اور حرف کا معنی تو مستقل نہیں ہوتا اور وہ بالذات اس کی طرف ذہن کی توجہ نہیں ہوتی، لہٰذا وہ مسند الیہ نہیں بن سکتا۔ یہ بات ظاہر ہے بھائی، کیونکہ محکوم علیہ اور محکوم بہ ہونے کے لیے معنی مستقل ہونا چاہیے، اور وہ صرف اسم کا معنی مستقل ہے اور فعل کا معنی مستقل ہے، تو ان دونوں میں تو ذہن میں آسکتا ہے کہ فعل کیوں نہیں مسند الیہ بن رہا۔ اور حرف کا تو معنی ہی مستقل نہیں ہے تو اس کا تو احتمال ہی نہیں ہے، وہ نہ تو محکوم علیہ بن سکتا ہے نہ محکوم بہ۔

معلوم ہوا مسند الیہ ہونا کس کا خاصہ ہے؟ اسم کا۔

بھائی ہم آپ کو دکھاتے ہیں فعل مسند الیہ بن رہا ہے: ضَرَبَ فِعْلٌ۔ ضَرَبَ فعل ہے، بات پوری ہے کہ نامکمل ہے؟ ضَرَبَ

فِعْلٌ، ضَرَبَ فعل ہے، دیکھو اس میں بات پوری ہے۔ لو دیکھو فعل بھی مسند الیہ بن رہا ہے۔ ضَرَبَ فِعْلٌ اس میں ضَرَبَ مسند الیہ ہے، بتدا ہے، ضَرَبَ فِعْلٌ میں نے کس کے بارے میں بات کی؟ ضَرَبَ کے بارے میں، تو ضَرَبَ کیا بن گیا؟ مسند الیہ، اور کیا بات کی؟ کہ وہ فعل ہے، تو وہ خبر بن گئی۔ اسی طرح میں کہتا ہوں مِنْ حَرْفٌ، کس کے بارے میں بات کی؟ مِنْ کے بارے میں، تو مِنْ کیا بنے گا؟ مسند الیہ۔ مِنْ حَرْفٌ، مِنْ حرف ہے، تو مِنْ حَرْفٌ میں نے کس کے بارے میں بات کی؟ حرف کے بارے میں، مِنْ کے بارے میں، تو وہ کیا ہے؟ مسند الیہ، اور کیا بات کی؟ کہ وہ حرف ہے، تو حَرْفٌ یہ کیا بن گیا؟ مسند یعنی خبر بن گیا۔ تو آپ نے تو کہا تھا مسند الیہ صرف اسم بنتا ہے، ہم نے آپ کو دکھا دیا ضَرَبَ فِعْلٌ اس میں یہ ضَرَبَ مسند الیہ بن رہا ہے، اور مِنْ حَرْفٌ اس میں مِنْ مسند الیہ بن رہا ہے۔ کیا جواب دیں گے بھائی؟

شاباش! یہاں یاد رکھو یہ ضَرَبَ فِعْلٌ اس میں یہ ضَرَبَ علم ہے بھائی، علم کے درجے میں ہے۔ سمجھ میں آیا؟ اور اس کی علامت میں نے آپ کو بتلائی تھی کہ جب لفظ بول کر لفظ مراد ہو معنی مراد نہ ہو تو پھر وہ علم ہوتا ہے۔ دیکھو ضَرَبَ فِعْلٌ، کیا ترجمہ کیا؟ ضَرَبَ فعل ہے۔ بھائی ضَرَبَ کا ترجمہ کیوں نہیں کر رہے؟ ضَرَبَ کا معنی تو ہے اس ایک آدمی نے گزشتہ زمانے میں پٹائی کی، یہ ترجمہ آپ نہیں کر رہے۔ ضَرَبَ کا ترجمہ نہیں کر رہے معلوم ہوا ضَرَبَ یہاں علم ہے، یعنی وہ جو عبارتوں میں گردانوں میں آپ ضَرَبَ ضَرَبَ پڑھتے ہیں اس کا نام ہی ہم نے کیا رکھ دیا؟ ضَرَبَ، تو یہ علم کے درجے میں ہے اس وقت، اور علم کیا ہوتا ہے؟ اسم ہے، اسم کی قسم ہے، تو لہٰذا یہ اس وقت علم ہے، اس وقت یہ فعل ہے ہی نہیں یہ علم ہے، اسم ہے۔ یا یہ هٰذَا اللَّفْظُ کی تاویل میں ہے: هٰذَا اللَّفْظُ فِعْلٌ، یہ والا لفظ کیا ہے؟ فعل ہے۔ اسی طرح مِنْ حَرْفٌ، مِنْ کا معنی تو ہے شروع کرنا، تو مِنْ حَرْفٌ اس کا ترجمہ کرو: مِنْ حرف ہے، دیکھا آپ مِنْ کا ترجمہ نہیں کر رہے، معلوم ہوا یہ مِنْ بھی یہاں علم ہے، علم کے درجے میں ہے، وہ جو عبارتوں میں مِنْ آتا ہے اس کا ہم نے نام ہی کیا رکھ دیا؟ مِنْ رکھ دیا۔ یا یہ هٰذَا اللَّفْظُ کی تاویل میں ہے: هٰذَا اللَّفْظُ حَرْفٌ، یہ والا جو حرف ہے یعنی مِنْ یہ حرف ہے۔ تو مسند الیہ ہونا اسم کا خاصہ ہے، ضَرَبَ فِعْلٌ اس میں یہ ضَرَبَ اس وقت اسم ہے، علم ہے۔ اسی طرح مِنْ حَرْفٌ اس کے اندر جو مِنْ ہے یہ اس وقت اسم ہے، علم ہے بھائی۔

آگے دیکھیے: وَمِنْهَا الْإِضَافَةُ، اور اسم کے خواص میں سے اضافت ہے بھائی۔ اس کو بھی مرفوع پڑھنا: وَمِنْهَا الْإِضَافَةُ، اسم کے خاصوں میں سے اضافت ہے۔ بھائی اضافت میں نے آپ کو بتلایا اضافت دو لفظوں کے درمیان نسبت کا نام ہے، غُلَامُ زَيْدٍ میں نے غُلَامٌ کی نسبت کر دی کس کی طرف؟ زَيْدٍ کی طرف کہ یہ زید کا غلام ہے، بکر یا عمر کا غلام نہیں ہے۔ تو اضافت دو لفظوں میں نسبت کا نام ہے، نسبت کا نام ہے، اور یہ اضافت کس کا خاصہ ہے؟ اسم کا۔ تو یہ تو دو لفظوں میں جوڑ ہے، پہلے کو کہتے ہیں مضاف اور بعد والے کو کہتے ہیں مضاف الیہ، تو اس اضافت سے کیا مراد ہے؟ مضاف ہونا اسم کا خاصہ ہے یا مضاف الیہ ہونا اسم کا خاصہ ہے؟ تو آپ کو بتلائیں گے کہ مضاف ہونا اسم کا خاصہ ہے۔ اضافت سے

کیا مراد ہے؟ ایک شے کا مضاف ہونا، یہ علامت ہے اس کے اسم ہونے کی، جو بھی شے جہاں بھی آپ کو نظر آجائے کہ وہ مضاف بن رہی ہے سمجھ جاؤ وہ اسم ہے۔ بھائی مضاف الیہ کی بات کیوں نہیں کرتے؟ آگے چل کر آپ کو بتائیں گے کیونکہ مضاف الیہ کبھی جملہ بھی بن جاتا ہے یا فعل بھی بن جاتا ہے، فعل بھی کیا بن جاتا ہے؟ مضاف الیہ بن جاتا ہے، معلوم ہوا مضاف الیہ صرف اسم نہیں بنتا بلکہ اسم کے ساتھ ساتھ فعل بھی بنتا ہے، اس لیے اس کو ذکر نہیں کیا۔

تو کہتے ہیں وَمِنْهَا الْإِضَافَةُ اسم کے خاصوں میں سے اضافت ہے، أَيْ كَوْنُ الشَّيْءِ مُضَافًا یعنی ایک چیز کا مضاف ہونا، بِتَقْدِيْرِ حَرْفِ الْجَرِّ لَا بِذِكْرِهِ لَفْظًا تقدیرِ حرفِ جر کے ساتھ نہ کہ حرفِ جر کے ذکر کے ساتھ لفظوں میں۔ یعنی اضافت میں حرفِ جر ہمیشہ تقدیراً ہونا چاہیے، لفظوں میں نہیں ہونا چاہیے۔ بھائی یہ قید کیوں لگا رہے ہیں کہ تقدیراً ہونا چاہیے لفظوں میں نہیں ہونا چاہیے؟ کہتے ہیں اس لیے کہ مَرَرْتُ بِزَيْدٍ، مَرَرْتُ بِزَيْدٍ حرفِ جر کو کس لیے وضع کیا گیا ہے؟ یہ فعل کے معنی کو پہنچاتا ہے کس کی طرف؟ اسم کی طرف، تو اس با نے کیا فائدہ دیا؟ مَرَرْتُ بِزَيْدٍ، اس با نے مَرَرْتُ کا معنی پہنچا دیا کہاں تک؟ زید تک۔ توجہ ہے؟ مَرَرْتُ زید میں براہِ راست عمل نہیں کر سکتا تھا کیونکہ مَرَرْتُ فعلِ لازم ہے، فاعل پر بات پوری ہو جاتی ہے اور مَرَرْتُ کے ساتھ تَا ضمیر فاعل کی جڑی ہوئی ہے۔ آگے زید کو میں معمول بنانا چاہتا تھا تو پھر مَرَرْتُ اس میں براہِ راست عمل نہیں کر سکتا اس کو نصب نہیں دے سکتا، تو میں نے حرفِ جر کی مدد لے لی: مَرَرْتُ بِزَيْدٍ۔ تو یوں کہیں گے کہ یہ مَرَرْتُ کی اضافت ہو رہی ہے کس کی طرف؟ زید کی طرف، کیونکہ اضافت کا معنی ہے نسبت، تو اگر حرفِ جر لفظوں میں ہو، توجہ ہے؟ اگر حرفِ جر لفظوں میں ہو پھر تو فعل بھی مضاف بن گیا، اس کو بھی مضاف کہنا پڑے گا کیونکہ یہ مَرَرْتُ کی اضافت ہو رہی ہے کس کی طرف؟ زید کی طرف، لیکن یہ با لفظوں میں موجود ہے، توجہ ہے؟ لفظوں میں موجود ہے۔ تو لہٰذا اضافت سے وہ والی اضافت مراد ہے جس میں حرفِ جر تقدیراً ہوتا ہے، جیسے غُلَامُ زَيْدٍ، اس کے اندر حرفِ جر تقدیراً ہے لفظاً نہیں، اگر لفظاً کی بات کرو گے تو فعل بھی اس کے اندر آجائے گا حالانکہ فعل یہاں مراد نہیں ہے۔ تو لہٰذا ہم نے قید لگا دی کہ کون سی اضافت مراد ہے؟ جس میں حرفِ جر تقدیراً ہو، اور اس میں مضاف جو ہے وہ اسم کا خاصہ ہے وہ صرف اسم بنے گا۔

کہتے ہیں أَيْ كَوْنُ الشَّيْءِ مُضَافًا بِتَقْدِيْرِ حَرْفِ الْجَرِّ یعنی ایک شے کا مضاف ہونا حرفِ جر کی تقدیر کے ساتھ یعنی حرفِ جر کو فرض کرتے ہوئے، لَا بِذِكْرِهِ لَفْظًا نہ کہ اس کو لفظوں کے اعتبار سے ذکر کرتے ہوئے۔

وَوَجْهُ اخْتِصَاصِهَا بِالْاِسْمِ۔ بھائی کیا وجہ ہے یہ اضافت اسم کا خاصہ کیوں، مضاف ہونا اسم کے خاصہ کیوں ہے؟ کہتے ہیں اس لیے کیونکہ اضافت سے تین چیزوں میں سے ایک چیز لازم آئے گی۔ اضافتِ لفظیہ میں کیا؟ تخفیف آجاتی ہے لفظ میں، کیا آجاتی ہے؟ تخفیف آتی ہے۔ اور اضافتِ معنویہ میں تخفیف بھی آئے گی اور ساتھ ساتھ تعریف اور تخصیص بھی آئے گی، تعریف اور تخصیص بھی۔ تو معلوم ہوا تین چیزیں اضافت کے ساتھ لازم ہیں: یا صرف کیا ہوگی؟ تخفیف آئے گی

لفظوں میں یعنی تنوین اور قائم مقامِ تنوین گر جائے گا۔ یا اگر اضافتِ معنویہ ہے تو تخفیف بھی آئے گی اور ساتھ اگر معرفہ کی طرف اضافت ہو رہی ہے تو تعریف بھی آجائے گی وہ مضاف بھی معرفہ بن جائے گا۔ اور اگر نکرہ کی طرف اضافت ہے تو لفظوں میں تخفیف بھی آئے گی اور نیز تخصیص بھی آجائے گی یعنی افراد کم ہو جائیں گے۔ توجہ ہے؟ تو اضافت کے ساتھ تین چیزیں لازم ہیں: تعریف، تخصیص اور تخفیف، تعریف، تخصیص اور تخفیف۔ یہ تینوں چیزیں لازم ہیں کس کے ساتھ؟ اضافت کے ساتھ، اور یہ تینوں چیزیں صرف اسم میں ہوتی ہیں، کس میں ہوتی ہیں؟ اسم میں۔ توجہ ہے؟

ادھر دیکھیے، ادھر دیکھیے یہ ہے اضافت اور اضافت کے ساتھ تین چیزیں لازم ہیں، تو اضافت ہوا ملزوم اور یہ چیزیں ہوئیں لازم۔ اور جب یہ تین چیزیں صرف اسم میں ہوتی ہیں یعنی یہ لازم صرف اسم میں ہوتا ہے تو ملزوم بھی صرف کس میں ہوگا؟ اسم میں۔ توجہ ہے؟ پھر سنو، جیسے دیکھو سورج کے نکلنے کے ساتھ دن کا ہونا لازم ہے، توجہ ہے؟ سورج کے نکلنے کے ساتھ دن کا ہونا لازم، تو دن کا ہونا ہوا لازم اور سورج کا نکلنا ہوا ملزوم، تو جب لازم پایا جائے معلوم ہوا ملزوم بھی ہے، بات سمجھ میں آرہی؟ یہاں پر بھی اسی طرح ہے، ایک ہے اضافت اور اضافت کے ساتھ کتنی چیزیں لازم ہیں؟ تین چیزیں، کون سی؟ تعریف، تخصیص اور تخفیف۔ تو یہ چیزیں اضافت کے ساتھ لازم ہیں تو اضافت کیا ہوا؟ ملزوم، توجہ ہے؟ ملزوم ہوا۔ اور یہ تین چیزیں صرف اسم میں ہوتی ہیں: تعریف، معرفہ بھی صرف اسم ہوتا ہے، تخصیص بھی صرف کس میں آتی ہے؟ اسم میں، اور تخفیف بھی صرف کس میں آتی ہے؟ اسم میں، نہ فعل میں اور نہ حرف میں۔ فعل اور حرف میں نہ تعریف ہوتی ہے، نہ تخصیص ہوتی ہے اور نہ تخفیف ہوتی ہے۔ تو یہ تین چیزیں جو اضافت کے ساتھ لازم تھیں یہ صرف اسم میں ہیں تو ان کا ملزوم بھی صرف کس میں ہوگا؟ اسم میں ہوگا۔ نہیں بات سمجھ میں آئی؟ یہ تین چیزیں کیا ہیں اضافت کے ساتھ؟ لازم، یہ چیزیں اضافت کے ساتھ لازم، اضافت کیا ہے؟ ملزوم، ملزوم ہے، اور یہ جو تین چیزیں ہیں یہ صرف اسم میں پائی جاتی ہیں اور کسی میں نہیں، تو جب یہ لازم اسم میں ہے تو معلوم ہوا اضافت بھی صرف کس میں ہے؟ اسم میں۔ کہیں اور اگر اضافت ہوتی، ادھر دیکھو، اگر اضافت فعل میں ہوتی تو تعریف، تخصیص یا تخفیف ان میں سے کچھ آنا چاہیے تھا فعل میں یا نہیں؟ جی، کیونکہ یہ تو اضافت کے ساتھ لازم ہیں، فعل میں ان میں سے تینوں میں سے کچھ بھی نہیں آتا۔ اگر اضافت حرف میں پائی جاتی تو اس کے اندر بھی تعریف، تخصیص یا تخفیف ان میں سے کچھ نہ کچھ آنا چاہیے تھا لیکن حرف میں بھی ان میں سے کچھ نہیں آتا۔ اور یہ تین چیزیں صرف اسم میں آتی ہیں معلوم ہوا اضافت بھی صرف کس میں ہے؟ اسم میں ہوتی ہے یعنی مضاف بھی صرف اسم ہوتا ہے۔ اگر حرف یا فعل مضاف ہوتا تو پھر وہاں پر بھی ان تین چیزوں میں سے کچھ نہ کچھ ضرور آنا چاہیے تھا، بات سمجھ میں آگئی؟

تو کہتے ہیں وَوَجْهُ اخْتِصَاصِهَا بِالْاِسْمِ اور اضافت کے اسم کے ساتھ خاص ہونے کی وجہ یہ ہے: اخْتِصَاصُ لَوَازِمِهَا کہ اس کے لوازم جو ہیں ان کا اختصاص ہے، کون سے لوازم؟ مِنَ التَّعْرِيْفِ وَالتَّخْصِيْصِ وَالتَّخْفِيْفِ یعنی کہ تعریف، تخصیص اور تخفیف، ان کا اختصاص ہے بِهِ أَيْ بِالْاِسْمِ کس کے ساتھ؟ اسم کے ساتھ۔ عبارت سمجھ میں آگئی؟ اب ذرا ترجمہ دوبارہ دیکھ لیں۔ کہتے ہیں وَوَجْهُ اخْتِصَاصِهَا بِالْاِسْمِ اور اضافت کے اسم کے ساتھ اختصاص کی وجہ یہ ہے اخْتِصَاصُ لَوَازِمِهَا مِنَ التَّعْرِيْفِ وَالتَّخْصِيْصِ وَالتَّخْفِيْفِ بِهِ کہ اضافت کے جو لوازم ہیں یعنی تعریف، تخصیص اور تخفیف وہ اسم کے ساتھ خاص ہیں۔

وَإِنَّمَا فَسَّرْنَا الْإِضَافَةَ بِكَوْنِ الشَّيْءِ مُضَافًا۔ بھائی ادھر دیکھیے، اضافت تو دو چیزوں کے درمیان نسبت کا نام ہے تو آپ نے اضافت کا کیا معنی کیا؟ مضاف ہونا، تو مضاف الیہ ہونا کیوں نہیں مراد لیا؟ یا دونوں کیوں نہیں مراد لیے؟ تو آپ کو بتلا رہے ہیں کہ بھائی مضاف الیہ ہونا، فعل اور جملہ بھی کبھی مضاف الیہ بن جاتا ہے، وہ اسم کے ساتھ خاص نہیں، اس لیے ہم نے مضاف ہونے کو ذکر کیا۔ کہتے ہیں وَإِنَّمَا فَسَّرْنَا الْإِضَافَةَ بِكَوْنِ الشَّيْءِ مُضَافًا اور ہم نے اضافت کی تفسیر کی ایک شے کا مضاف ہونا لِأَنَّ الْفِعْلَ أَوِ الْجُمْلَةَ قَدْ يَقَعُ مُضَافًا إِلَيْهِ اس لیے کیونکہ فعل یا جملہ جو ہے وہ بھی کبھی مضاف الیہ واقع ہو جاتے ہیں، كَمَا فِيْ جیسے کہ اس مثال میں ہے بھائی، اللہ تعالیٰ کا قول ہے: يَوْمُ يَنْفَعُ الصَّادِقِيْنَ صِدْقُهُمْ۔ تو دیکھو يَوْمُ یہ مضاف ہے کس کی طرف؟ يَنْفَعُ الصَّادِقِيْنَ صِدْقُهُمْ اس جملے کی طرف، اس جملے کی طرف یہ مضاف ہے، تو يَنْفَعُ الصَّادِقِيْنَ صِدْقُهُمْ یہ پورا جملہ مضاف الیہ ہے۔ تو معلوم ہوا مضاف الیہ ہونا صرف اسم میں نہیں ہوتا بلکہ جملہ بھی مضاف الیہ ہوتا ہے، اسی لیے اضافت سے کیا مراد لیا؟ ایک شے کا مضاف ہونا مراد لیا یہ اسم کا خاصہ ہے، مضاف الیہ ہونا نہیں۔

نیز ایک اور بات دیکھیے، پیچھے آیا تھا لِأَنَّ الْفِعْلَ أَوِ الْجُمْلَةَ قَدْ يَقَعُ مُضَافًا إِلَيْهِ اس لیے کیونکہ کبھی فعل یا جملہ جو ہے مضاف الیہ واقع ہوتے ہیں۔ دراصل یہاں علماء کے دو گروہ ہیں۔ بعض علماء فرماتے ہیں کہ یہ يَوْمُ کی اضافت يَنْفَعُ الصَّادِقِيْنَ صِدْقُهُمْ پورے جملے کی طرف ہے، اس کی اضافت تو پورا جملہ مضاف الیہ ہے۔ اس میں الصَّادِقِيْنَ یہ مفعول بہ ہے اور صِدْقُهُمْ یہ فاعل بنے گا اور فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر یہ مضاف الیہ بنے گا کس کے لیے؟ يَوْمُ کے لیے، تو پورا جملہ مضاف [الیہ]۔ اور جبکہ بعض علماء فرماتے ہیں کہ یہ يَوْمَ کی اضافت جملے کی طرف نہیں ہے بلکہ يَنْفَعُ فعل کی طرف ہے، کس کی طرف ہے؟ فعل کی طرف اس کی اضافت ہو رہی ہے بھائی۔ یعنی اب الصَّادِقِيْنَ اور صِدْقُهُمْ کو يَنْفَعُ کے ساتھ جوڑنے کی ضرورت نہیں، اس کے بغیر ہی اس کی طرف اضافت ہو رہی ہے، وہ جڑیں گے تو یہ تو جملہ بن جائے گا۔ تو ایک قول یہ ہے یا معلوم ہوا پورے جملے کی طرف اضافت ہو رہی ہے، اور دوسرا قول یہ کہ صرف يَنْفَعُ کا جو فعل ہے اس کی طرف اضافت ہو رہی ہے۔ تو صاحبِ جامی نے دونوں کی طرف اشارہ کر دیا کس طرح؟ پیچھے کیا کہا تھا: لِأَنَّ الْفِعْلَ أَوِ

الْجُمْلَةَ قَدْ يَقَعُ مُضَافًا إِلَيْهِ کہ اس لیے کیونکہ فعل یا جملہ بھی کبھی مضاف الیہ واقع ہوتا ہے كَمَا فِيْ جیسے کہ اس مثال میں ہے، دیکھا دونوں کو ذکر کر دیا فعل یا جملہ بھی مضاف الیہ واقع ہوتا ہے۔

وَقَدْ يُقَالُ اور کبھی کہا جاتا ہے کہ هٰذَا بِتَأْوِيْلِ الْمَصْدَرِ کہ یہ مصدر کی تاویل میں ہے، یہ جو يَنْفَعُ الصَّادِقِيْنَ صِدْقُهُمْ یہ پورا جملہ کس کی تاویل میں ہے؟ مصدر کی تاویل میں ہے۔ دیکھیے آگے عبارت: أَيْ يَوْمُ نَفْعِ الصَّادِقِيْنَ، تو اب يَوْمُ کی اضافت نَفْعِ مصدر کی طرف ہو گئی بھائی، اور مصدر تو اسم ہے، توجہ ہے؟ مصدر تو اسم۔ تو اگر یہ قول لے لیا جائے تو پھر تو مضاف ہونا بھی اسم کا خاصہ ہے اور مضاف الیہ ہونا بھی اسم کا خاصہ ہے۔ یعنی اگر کسی جگہ آپ کو نظر آجائے کہ اسم مضاف ہو رہا ہے جملے یا فعل کی طرف تو وہ بھی کس تاویل میں ہوگا؟ وہ مصدر کی تاویل میں ہو جائے گا اور مصدر تو کیا ہے؟ اسم ہے، معلوم ہوا وہ بھی اسم کی تاویل میں ہے، تو مضاف الیہ ہونا بھی کس کا خاصہ بن گیا؟ اسم کا خاصہ بن گیا، مصدر کیا ہوتا ہے؟ اسم۔ بات سمجھ میں آئی؟ انہوں نے کیا کہا تھا کہ اضافت سے کیا مراد ہے؟ ایک شے کا مضاف ہونا، مضاف الیہ نہیں کیونکہ وہ تو فعل بھی ہوتا ہے یا جملہ بھی، اور بتلا دیا کہ بعض اس میں یہ فرماتے ہیں کہ یہ فعل یا جملے کی طرف مضاف نہیں ہے بلکہ یہ جملہ مصدر کی تاویل میں ہے اور وہ مضاف الیہ بن رہا ہے، تو اس صورت میں تو پھر مضاف الیہ ہونا بھی کس کا خاصہ ہو گیا؟ اسم کا ہی خاصہ ہوا، مضاف بھی اسم کا خاصہ تھا اور مضاف الیہ جملہ یا فعل ہے اس کو بھی کس تاویل میں کر لیا؟ مصدر یعنی اسم کی تاویل میں کر لیا، تو مضاف الیہ بھی اسم ہی ہوتا ہے اس کا مطلب ہے ہمیشہ۔ جو بھی جملہ آپ کو نظر آئے مضاف الیہ بن رہا ہے وہ کس تاویل میں کر لو؟ مصدر، اور مصدر تو اسم ہوتا ہے، معلوم ہوا مضاف الیہ ہونا بھی اسم کا خاصہ ہے۔

کہتے ہیں وَقَدْ يُقَالُ هٰذَا بِتَأْوِيْلِ الْمَصْدَرِ اور کبھی کہا جاتا ہے کہ یہ مصدر کی تاویل میں ہے أَيْ يَوْمُ نَفْعِ الصَّادِقِيْنَ، دیکھو يَنْفَعُ کے بجائے مصدر لے آئے نَفْعِ الصَّادِقِيْنَ۔

فَالْإِضَافَةُ بِتَقْدِيْرِ حَرْفِ الْجَرِّ۔ اب بتانے لگے ہیں، کہتے ہیں اگر یہ والا قول لے لیں تو پھر تو وہ اضافت جو حرفِ جر کی تقدیر کے ساتھ ہوتی ہے، ادھر دیکھیے پھر بات سمجھ لو مشکل ہو جائے گی۔ ادھر دیکھیے، انہوں نے کیا کہا تھا؟ اضافت سے کیا مراد ہے؟ ایک شے کا مضاف ہونا کس کے ساتھ؟ حرفِ جر کی تقدیر کے ساتھ کہ حرفِ جر وہاں مقدر ہو۔ ایک شے کا مضاف ہونا حرفِ جر کی تقدیر کے ساتھ یہ اسم کا خاصہ ہے۔ کہتے ہیں اگر یہ والا قول لے لو تو پھر مضاف اور مضاف الیہ دونوں اس میں داخل ہو گئے، چاہے مضاف ہو چاہے مضاف الیہ ہو حرفِ جر کی تقدیر کے ساتھ، یا یوں کہو کہ جو بھی اضافت ہوگی حرفِ جر کی تقدیر کے ساتھ وہ مطلقاً اسم کا خاصہ ہے، جو بھی اضافت ہو حرفِ جر کی تقدیر کے ساتھ وہ اسم کا خاصہ ہے جو بھی اضافت ہو، یعنی چاہے وہ مضاف ہو چاہے مضاف الیہ ہو۔ اضافت کا معنی انہوں نے کیا کیا تھا؟ ایک

شے کا مضاف ہونا، لیکن اب بتلا دیا کہ یہ والا قول لے لو تو مضاف بھی اسم کا خاصہ، مضاف الیہ بھی اسم کا خاصہ۔ تو یوں کہو کہ وہ اضافت جو حرفِ جر کے ساتھ ہو وہ مطلقاً اسم کا خاصہ ہے، یعنی چاہے جو مضاف ہے وہ ہو چاہے مضاف الیہ ہو دونوں یہ اسم کے خاصے ہیں۔ یہ معنی ہے: فَالْإِضَافَةُ بِتَقْدِيْرِ حَرْفِ الْجَرِّ مُطْلَقًا يَخْتَصُّ بِالْاِسْمِ، پس وہ اضافت جو تقدیرِ حرفِ جر کے ساتھ ہو مطلقاً چاہے مضاف ہو چاہے مضاف الیہ دونوں صورتوں میں يَخْتَصُّ بِالْاِسْمِ یہ خاص ہے اسم کے ساتھ۔

سوال آگے: وَإِنَّمَا قَيَّدْنَاهُ، ایک سوال کا جواب دے رہے ہیں۔ سوال یہ کہ آپ نے کہا تھا اضافت کا معنی ہے ایک شے کا مضاف ہونا تقدیرِ حرفِ جر کے ساتھ، لفظوں میں حرفِ جر نہ ہو بلکہ تقدیراً ہو، یہ کیوں قید لگائی تھی؟ وہ میں نے وجہ آپ کو بتلا دی تھی کہ تقدیرِ حرفِ جر اس لیے کیا تاکہ فعل نکل جائے: مَرَرْتُ بِزَيْدٍ، اس میں مَرَرْتُ کی اضافت ہو رہی ہے کس کی طرف؟ زید کی طرف، لیکن اس میں بالفظوں کے اندر موجود ہے، تو اضافت تقدیرِ حرفِ جر کے ساتھ ہو وہ اسم کا خاصہ ہے، جو ذکرِ حرفِ جر کے ساتھ ہو لفظوں میں وہ اسم کا خاصہ نہیں وہ فعل میں بھی ہوتی ہے۔

تو کہتے ہیں وَإِنَّمَا قَيَّدْنَاهُ بِقَوْلِنَا بِتَقْدِيْرِ حَرْفِ الْجَرِّ اور ہم نے اس کو مقید کیا، ایک شے کے مضاف ہونے کو مقید کیا تھا بِقَوْلِنَا اپنے اس قول کے ساتھ کہ بِتَقْدِيْرِ حَرْفِ الْجَرِّ، لِئَلَّا يَنْتَقِضَ تاکہ کہیں یہ ٹوٹ نہ جائے یعنی اس پر اعتراض نہ ہو بِقَوْلِنَا ہمارے اس قول کے ساتھ مَرَرْتُ بِزَيْدٍ، فَإِنَّ مَرَرْتُ مُضَافٌ إِلَى زَيْدٍ اس لیے کیونکہ مَرَرْتُ جو ہے وہ مضاف ہے إِلَى زَيْدٍ زید کی طرف بِوَاسِطَةِ حَرْفِ الْجَرِّ لَفْظًا بواسطہ حرفِ جر کے لفظاً باعتبار لفظوں کے کہ حرفِ جر لفظوں میں موجود ہے۔ تو کون سی اضافت اسم کا خاصہ ہے جو تقدیرِ حرفِ جر کے ساتھ ہو، ذکرِ حرفِ جر کے ساتھ نہ ہو ورنہ وہ تو فعل میں بھی پائی جاتی ہے۔ عبارت پہ نظر ہے؟ ترجمہ کر کے دکھاؤ: فَإِنَّ مَرَرْتُ مُضَافٌ إِلَى زَيْدٍ ترجمہ کرو: کیونکہ مَرَرْتُ مضاف ہے کس کی طرف؟ زید کی طرف۔ دیکھا آپ مَرَرْتُ کا ترجمہ نہیں کر رہے معلوم ہوا یہاں مَرَرْتُ هٰذَا اللَّفْظُ کی تاویل میں ہے یا یہ علم کے درجے میں ہے۔

وَهُوَ أَيِ الْاِسْمُ قِسْمَانِ مُعْرَبٌ وَمَبْنِيٌّ۔ اور وہ أَيِ الْاِسْمُ یعنی کہ اسم، کیا بتلانا چاہتے ہیں؟ ضمیر کا مرجع بتلانا چاہتے ہیں کہ هُوَ ضمیر کس کو راجع؟ اسم کو۔ کہتے ہیں وَهُوَ أَيِ الْاِسْمُ یعنی کہ اسم جو ہے قِسْمَانِ دو قسم پر ہے: مُعْرَبٌ وَمَبْنِيٌّ معرب ہے اور مبنی ہے بھائی۔

مُعْرَبٌ وَمَبْنِيٌّ سے پہلے صاحبِ جامی نے قِسْمَانِ کا لفظ نکالا قِسْمَانِ، اس کی کیا وجہ ہے؟ یاد رکھو بعینہ یہی اشکال ہوتا تھا پیچھے جہاں کلمہ کی تقسیم کی تھی: وَهِيَ اسْمٌ وَفِعْلٌ وَحَرْفٌ، کلمہ جو ہے اسم ہے اور فعل ہے اور حرف ہے۔ یہی اعتراض یہاں بھی ہوتا ہے: وَهُوَ مُعْرَبٌ وَمَبْنِيٌّ اور وہ معرب ہے اور مبنی ہے۔ اعتراض یہ ہوتا ہے کہ یہ جو واو ہے یہ جمع کے لیے آتا ہے، یہ واو جمع کے لیے آتا ہے تو چلو پہلے وہ سمجھ لو: وَهِيَ اسْمٌ وَفِعْلٌ وَحَرْفٌ وہ جو کلمہ کی تقسیم کی تھی اور کلمہ جو ہے

اسم ہے اور فعل ہے اور حرف ہے۔ سوال کہ یہ جو واو ہے یہ جمع کے لیے آتا ہے، یہ جو واو عاطفہ ہے یہ جمع کا فائدہ دیتا ہے، تو اسم، فعل اور حرف ان کے بیچ میں کیا آیا؟ واو، اور واو کس کا فائدہ دیتا ہے؟ جمع کا۔ معلوم ہوا اسم کے ساتھ جمع کرو فعل کو بھی اور حرف کو بھی، مطلب ایک ہی چیز اسم بھی ہو، فعل بھی ہو، حرف بھی ہو تو اس کو کلمہ کہیں گے۔ وَهِيَ اسْمٌ وَفِعْلٌ وَحَرْفٌ اسم، فعل اور حرف کے درمیان کیا آیا؟ واو، اور واو کس لیے آتا ہے؟ جمع کے لیے۔ معلوم ہوا ان تینوں کو جمع کر دو ایک ہی چیز میں تینوں اکٹھے ہو جائیں تو اس کے بارے میں ہم کہیں گے هِيَ كَلِمَةٌ، هِيَ اسْمٌ وَفِعْلٌ وَحَرْفٌ کلمہ کیا ہے؟ ایک ہی کلمہ اسم بھی ہو، فعل بھی ہو اور حرف ہو تو اس کو کلمہ کہیں گے۔ توجہ ہے؟ هِيَ ضمیر کس کو راجع؟ کلمہ کو۔ ذرا هِيَ کو ہٹا دو کلمہ کو لے آؤ: اَلْكَلِمَةُ اسْمٌ وَفِعْلٌ وَحَرْفٌ، کلمہ کسے کہتے ہیں؟ اسم، فعل اور حرف کو۔ اور یہ اسم، فعل اور حرف ان کے بیچ میں کیا آیا؟ واو، اور واو کس چیز کے لیے آتا ہے؟ جمع کے لیے۔ معلوم ہوا تینوں چیزیں جمع ہوں گی تو اس کو کلمہ کہیں گے: اَلْكَلِمَةُ اسْمٌ وَفِعْلٌ وَحَرْفٌ، اسم، فعل اور حرف تینوں جمع ہوں گے تو اس کو کیا کہیں گے؟ کلمہ۔ معلوم ہوا ایک ہی لفظ ہو وہ اسم بھی ہو، فعل بھی ہو، حرف بھی ہو تو اس کو کلمہ کہیں گے۔ اشکال سمجھ میں آ رہا ہے؟ کیونکہ یہاں واو آیا اور واو کس چیز کا فائدہ دیتا ہے؟ جمع کا فائدہ دیتا ہے۔

تو آپ کو بتلائیں گے کہ بھائی ہاں واو جمع کا فائدہ دیتا ہے لیکن ایک ہے عطف، ایک ہے حمل۔ ایک ہے عطف، ایک ہے حمل۔ کبھی عطف مقدم ہوتا ہے اور کبھی حمل مقدم ہوتا ہے۔ توجہ ہے؟ حمل کسے کہتے ہیں؟ حکم لگانا ایک چیز کا دوسری چیز پر۔ زَيْدٌ قَائِمٌ میں نے زید پر قائم کا حکم لگایا، توجہ ہے؟ زَيْدٌ قَائِمٌ یہ قَائِمٌ کا میں حکم لگا رہا ہوں کس پر؟ زید پر، یا دوسرے لفظوں میں یوں کہو میں قَائِمٌ کا حمل کر رہا ہوں زید پر۔

تو ایک ہوتا ہے عطف، ایک ہوتا ہے حمل یعنی حکم لگانا۔ تو کبھی عطف مقدم ہوتا ہے حمل پر، اور کبھی حمل مقدم ہوتا ہے عطف پر۔ تو یہ کہاں ہوگا؟ تو یاد رکھو ایک ہے تَقْسِيْمُ الشَّيْءِ إِلَى أَجْزَائِهِ اور ایک ہے تَقْسِيْمُ الشَّيْءِ إِلَى جُزْئِيَّاتِهِ۔ شے کی تقسیم اگر اجزاء کی طرف ہو تو عطف مقدم ہوتا ہے، اور اگر شے کی تقسیم افراد کی طرف ہو یعنی جزئیات کی طرف ہو تو پھر حمل مقدم ہوتا ہے۔

جی اپنے سامنے ذرا ایک مثال لکھو، جلدی کیجیے بھائی۔ اَلسِّكَنْجَبِيْنُ، اَلسِّكَنْجَبِيْنُ لکھو بھائی، اَلسِّكَنْجَبِيْنُ، اَلسِّكَنْجَبِيْنُ خَلٌّ خا اور لام مشدد ہے، خَلٌّ وَعَسَلٌ وَمَاءٌ وَمَاءٌ۔ جی یہ سکنجبین یہ کس کو کہتے ہیں؟ سرکہ، شہد اور پانی کو ملا لیا جائے تو اس مرکب کا نام سکنجبین ہے۔ اس مرکب کا کیا نام ہے؟ کیا کیا چیزیں ہیں؟ خَلٌّ سرکہ کو کہتے ہیں، اور عَسَلٌ شہد کو، اور مَاءٌ پانی۔ سکنجبین کس کا نام ہے؟ سرکہ، شہد اور پانی۔ اور یہ تینوں چیزیں ملیں گی تو پھر ہی وہ سکنجبین کہلائے گی، تو یہ تینوں

سکنجبین کی قسمیں ہیں یا یہ اس کے اجزاء ہیں؟ یہ سکنجبین کے اجزاء ہیں، یہ کیا ہیں؟ اجزاء ہیں، یہ تینوں ملیں گے تو سکنجبین بنے گی۔ تو جب ایک شے کی تقسیم ہو کس کی طرف؟ اجزاء کی طرف۔ یہ سکنجبین کی میں تقسیم کر رہا ہوں اس کے اجزاء کی طرف کہ اس میں تین جزو ہوتے ہیں: خل، عسل اور ماء، تو اس وقت اس صورت میں پھر عطف مقدم ہے حمل پر، عطف مقدم ہے حمل پر۔ کس طرح؟ پہلے عطف کریں گے، عَسَلٌ کا عطف کس پر کریں گے؟ خَلٌّ پر، اور پھر مَاءٌ کا عطف بھی کس پر کریں گے؟ خَلٌّ پر۔ تو یہ عطف ہوگا تینوں جڑ جائیں گی، اب کہیں گے یہ ہے سکنجبین، یہ ہے سکنجبین۔ تو یہاں عطف مقدم ہے، پہلے معطوف اور معطوف علیہ کو آپس میں جوڑیں گے اور پھر جوڑنے کے بعد اس سارے مجموعے کا حمل کریں گے کس پر؟ سکنجبین پر۔ تو کیا مقدم ہے؟ عطف۔ توجہ بھی ہے کہ نہیں؟ کیا مقدم ہے؟ عطف مقدم ہے کس پر؟ حمل پر۔ کیوں؟ کیونکہ یہاں اگر حمل پہلے کریں گے اَلسِّکَنْجَبِیْنُ خَلٌّ سکنجبین سرکے کا نام ہے، یہ بات درست ہے یا غلط ہے؟ ظاہر سی بات ہے یہ غلط ہے، سکنجبین سرکے کا نام نہیں۔ صرف عسل کا حمل کرو: اَلسِّکَنْجَبِیْنُ عَسَلٌ سکنجبین شہد کا نام ہے، یہ بات بھی درست نہیں ہے۔ اَلسِّکَنْجَبِیْنُ مَاءٌ سکنجبین پانی کا نام ہے، یہ بھی درست نہیں ہے۔

دوسری مثال لے لو: چائے۔ چائے جو ہے دودھ، چینی، پتی اور پانی کا نام ہے۔ چائے دودھ، چینی، پتی اور پانی کا نام ہے، یہ چار چیزیں ملیں گی تو چائے بنے گی۔ تو یہ چاروں کو پہلے ان کا ایک دوسرے پر عطف کریں گے، جوڑیں گے اور پھر حمل کریں گے کس پر؟ چائے پر۔ اگر ایک ایک کا حمل کریں تو بات درست نہیں: چائے پانی ہے، جی یہ بات درست ہے یا غلط ہے؟ غلط ہے۔ چائے جو ہے دودھ ہے، دیکھو یہ بات بھی درست نہیں۔ چائے چینی ہے، دیکھو چینی کا حمل بھی چائے پر صحیح نہیں۔ چائے پتی ہے، یہ بھی حمل صحیح نہیں۔ تو جب بھی ایک شے کی تقسیم ہو اجزاء کی طرف، کس کی طرف؟ اجزاء کی طرف، تو عطف مقدم ہوتا ہے حمل پر۔ پہلے سب کا ایک دوسرے پر عطف کرتے ہیں اور پھر حمل کرتے ہیں۔ تو چائے کس کا نام؟ دودھ، چینی، پتی اور پانی۔ تو ان کا ایک دوسرے پر عطف کرو، ان ساروں کو جوڑ دو اور پھر سارے مجموعے کا حمل کر دو کس پر؟ چائے کے اوپر۔ توجہ ہے؟ اب حمل صحیح ہو گیا، چائے ان ساروں کے مرکب کا نام ہے، مجموعے کا نام ہے۔ اسی طرح اَلسِّکَنْجَبِیْنُ خَلٌّ وَعَسَلٌ وَمَاءٌ اس میں صرف خل کا حمل کریں سکنجبین سرکے کا نام ہے، یہ بات بھی صحیح نہیں۔ سکنجبین صرف شہد کا نام ہے، اَلسِّکَنْجَبِیْنُ عَسَلٌ یہ حمل بھی صحیح نہیں۔ بلکہ کیا کرنا پڑے گا پہلے؟ پہلے عطف کرنا پڑے گا اور پھر جب سارے مل جائیں گے خَلٌّ وَعَسَلٌ وَمَاءٌ اس سارے مجموعے کا پھر حمل کریں گے سکنجبین پر، کیونکہ یہ سکنجبین کے اجزاء ہیں۔ تو جب بھی، جب بھی ایک شے کی تقسیم ہو کس کی طرف؟ اجزاء کی طرف تو

عطف مقدم ہوتا ہے حمل پر، پہلے عطف کرتے ہیں اور پھر ساروں کا ملا کر حمل کرتے ہیں۔ بات سمجھ میں آگئی؟

اور جب شے کی تقسیم ہو جزئیات یعنی اپنے افراد کی طرف، کس کی طرف؟ اپنے افراد کی طرف، تو پھر حمل مقدم ہوتا ہے عطف پر۔ جیسے اَلْكَلِمَةُ اسْمٌ وَفِعْلٌ وَحَرْفٌ۔ یہ کلمہ کی تقسیم ہو رہی ہے، یہ اسم، فعل اور حرف یہ کلمہ کے اجزاء ہیں کیا یہ سارے ملیں گے تو کلمہ بنے گا یا ان میں سے ہر ایک کلمہ کی قسم ہے؟ ہر ایک کلمہ کی قسم ہے، تو یہ کلمہ کی تقسیم ہو رہی ہے افراد کی طرف، قسموں کی طرف، جزئیات کی طرف، سمجھ میں آیا؟ جزئی اور فرد کا ایک معنی ہے، تو یہ کلمہ کی تقسیم ہو رہی ہے جزئیات کی طرف یعنی افراد کی طرف۔ اور جب بھی ایک شے کی تقسیم ہو افراد کی طرف تو وہاں حمل مقدم ہوتا ہے کس پر؟ عطف پر، پہلے حمل کرو گے پھر عطف کرو گے۔ تو اَلْكَلِمَةُ اسْمٌ وَفِعْلٌ وَحَرْفٌ تینوں کا ایک دوسرے پر عطف نہیں کرنا ورنہ تو کیا خرابی لازم آئے گی؟ ایک ہی چیز اسم بھی ہو، فعل بھی ہو، حرف بھی ہو پھر اس کو کیا کہیں گے کلمہ۔ بلکہ پہلے کیا کریں گے؟ حمل کریں گے: اَلْكَلِمَةُ اسْمٌ کلمہ کیا ہے؟ کلمہ اسم ہوتا ہے، وَفِعْلٌ اور کلمہ فعل ہوتا ہے، وَحَرْفٌ اور کلمہ حرف ہوتا ہے، اب بات ٹھیک بن گئی۔ تو جب شے کی تقسیم ہو إِلَى أَجْزَاءٍ تو پھر عطف مقدم ہوتا ہے حمل پر، اور جب شے کی تقسیم ہو إِلَى جُزْئِيَّاتٍ تو حمل مقدم ہوتا ہے عطف پر۔ بات سمجھ میں آگئی؟

تو یہاں پر بھی اسی طرح ہے، اب دیکھیے سبق پر: وَهُوَ أَيِ الْاِسْمُ قِسْمَانِ مُعْرَبٌ وَمَبْنِيٌّ۔ هُوَ ضمیر کس کو راجع؟ اسم کی طرف، تو اس کی جگہ ذرا الْاِسْمُ لے آؤ: الْاِسْمُ مُعْرَبٌ وَمَبْنِيٌّ، اسم معرب اور مبنی ہے۔ درمیان میں کیا آیا؟ واو آیا، اور واو کس چیز کا فائدہ دیتا ہے؟ جمع کا۔ معلوم ہوا ایک ہی شے معرب بھی ہو اور مبنی بھی ہو اس کو اسم کہیں گے۔ تو جواب کیا گزر گیا؟ کہ یہ اسم کی تقسیم ہو رہی ہے کس کی طرف؟ اجزاء کی... اسم کی تقسیم ہو رہی ہے جزئیات کی طرف ہو رہی ہے نہ کہ اجزاء کی طرف، لہٰذا جب یہ جزئیات کی طرف تقسیم ہے تو یہاں حمل مقدم ہے عطف پر۔ دونوں کو ملا کر نہیں پھر حمل کریں گے بلکہ یوں ہوگا کہ الْاِسْمُ مُعْرَبٌ وَمَبْنِيٌّ، اسم معرب ہوتا ہے دیکھو حمل کر دیا، اور اسم مبنی ہوتا ہے، اب بات ٹھیک بن گئی۔ بات سمجھ میں آگئی؟

دیکھیے اب۔ کہتے ہیں وَهُوَ أَيِ الْاِسْمُ قِسْمَانِ، اور وہ یعنی کہ اسم جو ہے قِسْمَانِ۔ قِسْمَانِ نکال کر کیا بتلانا چاہتے ہیں صاحبِ جامی؟ کہ جو آگے آ رہی ہیں مُعْرَبٌ وَمَبْنِيٌّ یہ اسم کی قسمیں ہیں، یہ اسم کے اجزاء نہیں ہیں، تو یہ تَقْسِيمُ الشَّيْءِ إِلَى جُزْئِيَّاتٍ کے قبیل سے ہے اور اس کے اندر کیا مقدم ہوتا ہے؟ حمل مقدم ہوتا ہے عطف پر۔ یا تو یہ بتلانا چاہتے ہیں۔ یا دوسرا جواب دے رہے ہیں اسی کا کہ بھائی یہاں پر معرب اور مبنی یہ هُوَ کی خبر ہیں ہی نہیں، یہ هُوَ کی خبر... هُوَ سے کیا مراد ہے؟ اسم نا۔ یہ الْاِسْمُ مُعْرَبٌ وَمَبْنِيٌّ یہاں تو اشکال لازم آتا تھا وہی اشکال جو میں نے ذکر کر دیا اور جواب بھی بتلا دیا کہ یہاں پر حمل مقدم

ہے کس پر؟ عطف پر۔ صاحبِ جامی یا تو قِسْمَانِ کہہ کر اسی جواب کی طرف اشارہ کر رہے ہیں کہ یہ جو آگے دو آ رہی ہیں یہ دو قسمیں ہیں اسم کی، اور جب قسم کی طرف تقسیم ہو تو وہاں حمل مقدم ہوتا ہے تو آپ بھی کیا کرنا؟ حمل کو مقدم رکھنا عطف پر۔

یا وہ یہ بتلانا چاہتے ہیں، دوسرا جواب دینا چاہتے ہیں، کہ مُعْرَبٌ وَمَبْنِيٌّ اس کو خبر بناؤ ہی نا تاکہ اشکال لازم آئے، بلکہ خبر محذوف ہے قِسْمَانِ۔ خبر کیا ہے؟ قِسْمَانِ یہ خبر ہے: وَهُوَ قِسْمَانِ، اور وہ اسم دو قسم پر ہے۔ توجہ ہے؟ تو اب یہ قِسْمَانِ کو خبر بنا لو اور مُعْرَبٌ وَمَبْنِيٌّ اس کو اس سے بدل بنا لو، کیا بنا لو؟ بدل بنا لو۔ اور آپ جانتے ہیں کہ بدل اور مبدل منہ کا اعراب ایک ہوتا ہے، قِسْمَانِ یہ خبر ہے مرفوع ہے تو مُعْرَبٌ وَمَبْنِيٌّ یہ بھی مرفوع ہیں۔ تو یہ بدل ہیں، قِسْمَانِ ہے مبدل منہ دو قسمیں ہیں، کون سی دو قسمیں؟ مُعْرَبٌ وَمَبْنِيٌّ معطوف اور معطوف علیہ کو ملاؤ اور اس کو بدل بنا دو۔ بات سمجھ میں آ گئی؟ یہ دو قسمیں ہیں۔ ایک ترکیب کہ یہ مُعْرَبٌ وَمَبْنِيٌّ کو کیا کر دو؟ قِسْمَانِ سے بدل بنا دو۔ دوسری ترکیب، اس کو بدل نہ بناؤ، ان کے لیے الگ بتدا محذوف نکالو: أَيْ هُمَا مُعْرَبٌ وَمَبْنِيٌّ۔ اَلْاِسْمُ قِسْمَانِ اسم کی دو قسمیں ہیں، بھائی وہ کون سی قسمیں ہیں؟ هُمَا مُعْرَبٌ وَمَبْنِيٌّ وہ دو قسمیں جو ہیں معرب اور مبنی ہیں۔ تو هُمَا بتدا اور مُعْرَبٌ وَمَبْنِيٌّ معطوف علیہ اور معطوف مل کر یہ اس کی خبر۔ توجہ ہے؟ یا دونوں کے لیے الگ الگ بتدا نکال لو بھائی کہ وہ دو قسمیں ہیں: أَحَدُهُمَا مُعْرَبٌ وَثَانِيهِمَا مَبْنِيٌّ۔ أَحَدُهُمَا محذوف نکالا یہ بتدا اور مُعْرَبٌ اس کی خبر، توجہ ہے؟ اور ثَانِيهِمَا یہ دوسرا بتدا اور مَبْنِيٌّ اس کی خبر اس کی۔ تو دونوں کے لیے الگ الگ بتدا محذوف نکال لو یا دونوں کے لیے اکٹھا ایک ہی محذوف بتدا نکال لو، یا ان دونوں کو بدل بنا دو کس سے؟ قِسْمَانِ سے۔

تو دو جواب ہو گئے۔ کیا جواب؟ کہ قِسْمَانِ کیوں لے کر آئے صاحبِ جامی؟ یا تو وہ بتلانا چاہ رہے ہیں کہ یہ تقسیم تَقْسِيمُ الشَّيْءِ إِلَى الْأَقْسَامِ ہے، تَقْسِيمُ الشَّيْءِ إِلَى الْأَجْزَاءِ نہیں ہے، لہٰذا یہاں پر حمل مقدم ہے عطف پر۔ یا وہ یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ اس کو خبر بناؤ ہی نا بلکہ خبر کس کو بناؤ؟ قِسْمَانِ، محذوف یہ خبر ہے اور وہ اس کے لیے بدل ہے، یا اس کے لیے الگ بتدا محذوف نکال لیں، دونوں کے لیے چاہے ایک ہی بتدا محذوف نکالیں چاہے دونوں کے لیے الگ الگ نکال لیں۔

تو کہتے ہیں وَهُوَ أَيِ الْاِسْمُ قِسْمَانِ اور اسم جو ہے وہ دو قسم پر ہے: مُعْرَبٌ وَمَبْنِيٌّ معرب ہے اور مبنی ہے۔ معرب اور مبنی لِأَنَّهُ لَا يَخْلُوْ إِمَّا أَنْ يَّكُوْنَ مُرَكَّبًا مَعَ غَيْرِهِ أَوْ لَا۔ اب یہاں سے وجہِ حصر ذکر کر رہے ہیں، وجہِ حصر۔ بھائی پہلے ذرا اگلا متن دیکھ لیں، متن دیکھ لیں: فَالْمُعْرَبُ الْمُرَكَّبُ الَّذِيْ لَمْ يُشْبِهْ مَبْنِيَّ الْأَصْلِ۔ معرب جو ہے وہ اسم ہے جو مرکب ہو جس کو جوڑا گیا ہو، الَّذِيْ لَمْ يُشْبِهْ مَبْنِيَّ الْأَصْلِ جو کہ مبنی الاصل کے مشابہ نہیں ہے۔ مبنی الاصل کے مشابہ نہیں ہے۔ دیکھو مبنی الاصل تین چیزیں ہیں: فعلِ ماضی، فعلِ امر حاضر اور تمام حروف۔ فعلِ ماضی، فعلِ امر اور تمام حروف۔ دیکھو ان میں اسم ایک بھی نہیں ہے، فعلِ ماضی، فعلِ امر اور تمام حروف، تو ان تینوں کو کہتے ہیں مبنی الاصل۔ تو اسم جو مبنی ہوتا ہے ان کی ان تینوں میں سے کسی کے ساتھ مشابہت آ جاتی ہے، جس کی وجہ سے اسم بھی مبنی بن جاتا ہے بھائی۔

تو معرب کسے کہتے ہیں؟ کہ وہ مرکب ہو یعنی کسی کے ساتھ جوڑا گیا ہو ترکیب میں۔ توجہ ہے؟ ترکیب میں... اور یاد رکھنا ترکیب سے مراد ایسی ترکیب ہے جس میں اس کا عامل بھی ساتھ ہو، اس کا عامل بھی ساتھ ہو، اور نیز وہ مبنی الاصل کے مشابہ بھی نہ ہو۔ تو دو قیدیں آگئیں بھائی، دو قیدیں آگئیں معرب کی تعریف میں: کیا؟ ایک کیا؟ کہ وہ ترکیب میں واقع ہو، جوڑا گیا ہو۔ دوسری قید کیا؟ مبنی الاصل کے مشابہ نہ ہو۔ توجہ سے بھائی! معرب کی تعریف کی دو چیزوں کے ساتھ: نمبر ایک کیا؟ وہ ترکیب میں جوڑا گیا ہو، ترکیب میں واقع ہو وہ اسم۔ اور دوسری بات، وہ مبنی الاصل کے مشابہ نہ ہو۔ ایک شرط ہے وجودی، ایک شرط ہے عدمی: ترکیب میں ہونا چاہیے اور مبنی الاصل کے مشابہ نہیں ہونا چاہیے۔ تو ایک شرط کیا ہے؟ وجودی، اس کا ہونا ضروری اور وہ کیا؟ ترکیب میں ہونا ضروری ہے۔ اور ایک شے کا نہ ہونا ضروری عدمی ہے اور وہ کیا ہے؟ کہ مبنی الاصل کے مشابہ نہ ہو۔ یاد رکھو صاحبِ کافیہ کے نزدیک اکیلا لفظِ زید آپ کہیں، زید یہ مبنی ہے معرب نہیں۔ صاحبِ کافیہ کا مذہب بیان کر رہا ہوں۔ صاحبِ کافیہ کے نزدیک اکیلا لفظ آپ کیا کہیں؟ زید کہیں زید۔ بھائی زید ویسے تو معرب ہے جَاءَنِيْ زَيْدٌ دیکھو اس پر رفع آرہا ہے، لیکن جب یہ اکیلا ہو زید تو صاحبِ کافیہ کے نزدیک یہ معرب نہیں ہے بلکہ مبنی ہے، کیونکہ معرب کے لیے ان کے ہاں دو شرطیں ہیں: ایک تو وہ ترکیب میں واقع ہو اور ترکیب بھی ایسی ہو جس میں اس کا عامل بھی ساتھ موجود ہو، اور ساتھ وہ مبنی الاصل کے مشابہ بھی نہ ہو، دونوں چیزیں ہونی چاہئیں۔ اور زید، زید ترکیب میں واقع ہے؟ اس کے ساتھ کوئی اور لفظ جڑا ہوا ہے؟ نہیں، یہ تو اکیلا ہے تو یہ ترکیب میں واقع نہیں ہے تو یہ معرب نہیں۔ تو اکیلا لفظِ زید جو ہے یہ صاحبِ کافیہ کے نزدیک مبنی ہے، کیونکہ معرب کے لیے کتنی شرطیں ہیں؟ دو شرطیں: پہلی شرط کیا؟ ترکیب میں ہو، اور یہ تو ترکیب میں ہی نہیں ہے اکیلا لفظِ زید ہے، تو یہ ان کے نزدیک مبنی ہے۔

اور ترکیب بھی ایسی کہ اس کے اندر اس کا عامل بھی موجود ہو بھائی، اور جیسے غُلَامُ زَيْدٍ، غُلَامُ زَيْدٍ۔ یہ غُلَامُ زَيْدٍ کے اندر جو لفظِ غلام آیا یہ بھی صاحبِ کافیہ کے نزدیک مبنی ہے۔ غُلَامُ زَيْدٍ میں جو غلام کا لفظ آیا یہ بھی صاحبِ کافیہ کے نزدیک مبنی ہے۔ کیوں؟ کیونکہ ابھی تو بتایا معرب کے اندر دو شرطیں ہیں: ایک تو یہ کہ ترکیب میں ہو اور ترکیب بھی کس قسم کی ہو کہ اس میں اس کا عامل بھی ہو، اور دوسری شرط کیا؟ مبنی الاصل کے مشابہ نہ ہو۔ تو یہ غُلَامُ زَيْدٍ اس کے اندر غلام کا لفظ ترکیب میں تو ہے، زید کے ساتھ جڑا ہوا ہے، لیکن اس کے اندر غلام کا عامل نہیں ہے۔ غلام پر آپ کیا پڑھنا چاہتے ہیں؟ رفع، رفع خود بخود آتا ہے یا عامل کی وجہ سے آتا ہے؟ عامل کی وجہ سے، تو رفع نہیں پڑھ سکتے۔ نصب پڑھنا چاہتے ہیں، نصب خود آتا ہے یا عامل کی وجہ سے؟ عامل کی وجہ سے، عامل تو کوئی نہیں ہے تو نصب بھی نہیں پڑھ سکتے۔ اور جر بھی نہیں پڑھ سکتے کیونکہ کوئی عاملِ جر بھی نہیں ہے۔ تو کیسے پڑھیں گے؟ غُلَامْ زَيْدٍ۔ اس میں غلام کیا ہے؟ مبنی ہے صاحبِ کافیہ کے نزدیک، ترکیب میں تو واقع ہے لیکن ساتھ اس کا عامل نہیں۔ ہاں آپ اس کو غُلَامُ زَيْدٍ بھی پڑھ دیں گے تو یہ جو آپ نے میم پر پیش پڑھا یہ ویسے حرکت ہے اعراب نہیں، تو یہ صاحبِ کافیہ کے نزدیک مبنی ہی ہے بھائی، کیونکہ معرب کسے کہتے ہیں وہ جو ترکیب میں

ہو اور ترکیب بھی ایسی ہو جس میں اس کا عامل ہو بھائی۔ ہاں البتہ غُلَامُ زَيْدٍ اس میں جو زید ہے یہ معرب ہے صاحبِ کافیہ کے نزدیک، کیونکہ یہ ترکیب میں بھی واقع ہے اور ترکیب بھی ایسی ہے جس میں عامل بھی موجود ہے یہ مضاف اس کو جر دے رہا ہے، اور نیز یہ مبنی الاصل کے مشابہ بھی نہیں ہے، توجہ ہے؟ تو لہٰذا یہ معرب ہے۔ تو غُلَامُ زَيْدٍ میں غلام کا لفظ یہ مبنی ہے صاحبِ کافیہ کے نزدیک، اور زید کا لفظ یہ معرب ہے بھائی۔

نیز وہ لفظ مبنی الاصل کے مشابہ نہیں ہونا چاہیے، یعنی فعلِ ماضی، فعلِ امر اور حرف کے مشابہ نہیں ہونا چاہیے۔ اور آپ کو آگے چل کر بتائیں گے یہ مشابہت سے مراد مناسبت ہے، اور خاص مناسبتیں مراد ہیں، کیا مراد ہیں؟ خاص مناسبتیں مراد ہیں۔ جیسے دیکھو، جیسے مثلاً اسمِ اشارہ اور اسمِ موصول یہ دونوں حرف کے مشابہ ہیں اس لیے یہ دونوں بھی مبنی ہیں۔ حرف تو ہیں مبنی الاصل، اور جو اس کے مشابہ ہو جائے گا وہ بھی کیا بن جائے گا؟ مبنی۔ اسمِ اشارہ بھی حرف کے مشابہ، اسمِ موصول بھی حرف کے مشابہ۔ بھائی کس طرح حرف کے مشابہ؟ کہتے ہیں جس طرح حرف اپنا معنی ادا کرنے میں محتاج ہے کہ اس کے ساتھ اور کلمے جڑیں پھر یہ اپنے معنی پر دلالت کرتا ہے ویسے دلالت نہیں کرتا، اسی طرح اسمِ اشارہ بھی مشار الیہ کا محتاج ہے۔ بھائی اسمِ اشارہ هٰذَا یہ تو میں کتاب کی طرف بھی کر سکتا ہوں هٰذَا اشارہ، قلم کی طرف بھی کر سکتا ہوں، تو جب تک میں اشارہ نہیں کروں گا آپ کو کیا پتا چلے گا هٰذَا سے کیا مراد ہے؟ تو هٰذَا کے لیے کیا ضروری؟ هٰذَا اسمِ اشارہ ہے اس کے لیے مشار الیہ ہونا ضروری، تو یا ہاتھ سے اشارہ کرنا پڑے گا اشارہِ حسیہ، یا لفظوں کے اندر میں کہتا ہوں مثلاً هٰذَا الْكِتَابُ یہ والی کتاب، تو لفظوں میں میں کس کی طرف اشارہ کر رہا ہوں؟ مشار الیہ کا پتا چل رہا ہے آپ کو یا نہیں؟ کس کی طرف اشارہ کر رہا ہوں؟ کتاب کی طرف۔ اور کبھی لفظوں میں تو میں لفظ الْكِتَابُ نہیں لاتا، صرف ہاتھ سے اشارہ کر دیتا ہوں: هٰذَا۔ اب بھی آپ سمجھ گئے کہ هٰذَا سے کیا مراد ہے؟ یہ کتاب مراد ہے جس کی طرف میں نے ہاتھ سے اشارہ کیا۔ تو هٰذَا کے لیے ہمیشہ کیا چاہیے؟ مشار الیہ، اور وہ مشار الیہ لفظوں میں بھی ذکر ہو سکتا ہے اور ہاتھ وغیرہ کے ذریعے بھی اس کی طرف اشارہ ہو سکتا ہے۔ تو معلوم ہوا اسمِ اشارہ کا معنی سمجھ میں ہی نہیں آئے گا جب تک مشار الیہ کا پتا نہ چل جائے، اور مشار الیہ کا پتا کبھی لفظوں سے چلتا ہے اور کبھی اشارہِ حسیہ وغیرہ سے یا کوئی قرینہ ہوتا ہے وہ بتلاتا ہے۔ تو معلوم ہوا اسمِ اشارہ کس کا محتاج؟ مشار الیہ کا، اس کے بغیر اس کا معنی سمجھ میں نہیں آئے گا کیونکہ هٰذَا کا معنی تو ہے یہ، یہ تو دنیا کی کوئی بھی چیز ہو سکتی ہے جو بھی مذکر ہے، تو جب تک اس کے لیے مشار الیہ نہیں آئے گا اس کا معنی سمجھ میں نہیں آئے گا کہ اس هٰذَا سے کیا مراد ہے۔

اور اسی طرح اسمِ موصول ہے۔ اسمِ موصول کے لیے آپ جانتے ہیں آگے صلہ ضرور چاہیے، جب تک اسمِ موصول کے ساتھ صلہ نہیں ملے گا اسمِ موصول کا معنی آپ کو سمجھ میں نہیں آئے گا۔ جَاءَ الَّذِيْ آیا وہ جو کہ، آیا وہ جو کہ، کچھ بات سمجھ میں آئی؟ نہیں، آگے صلہ لاؤں گا اب بات آپ کو سمجھ میں آئے گی: جَاءَ الَّذِيْ ضَرَبَكَ آیا وہ آدمی جس نے آپ کی پٹائی

کی تھی۔ اب دیکھو بات سمجھ میں آگئی، الَّذِيْ کے آگے ضَرَبَكَ یہ میں نے صلہ جوڑ دیا اب بات پوری ہو گئی۔ تو موصول کا معنی سمجھ میں نہیں آتا جب تک اس کے ساتھ صلہ جوڑ دیں۔ تو اسمِ موصول صلے کا محتاج اپنا معنی ادا کرنے میں، اور اسمِ اشارہ مشار الیہ کا محتاج اپنا معنی ادا کرنے میں، تو یہ کس کی طرح ہو گئے؟ حرف کی طرح ہو گئے، حرف بھی اپنا معنی ادا کرنے میں اور کلموں کا محتاج ہے۔ تو جب یہ حرف کے مشابہ ہوئے، وہ تو تھا مبنی الاصل تو یہ بھی کیا بن گئے؟ مبنی بن گئے۔ اس لیے اسمِ اشارہ مبنیات کے قبیل سے ہے، اسمِ غیرِ متمکن ہے، اسی لیے اسمِ موصول جو ہے وہ مبنیات میں سے ہے وہ غیرِ متمکن ہے بھائی۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو معلوم ہوا صاحبِ کافیہ کے نزدیک معرب کسے کہیں گے؟ وہ اسم جو ترکیب میں واقع ہو اور ترکیب بھی ایسی ہو جس میں اس کا عامل بھی ہو، اور نیز وہ مبنی الاصل کے مشابہ بھی نہ ہو اور ہر مشابہت نہیں مراد خاص مشابہتیں مراد ہیں۔

اچھا اب وجہِ حصر ذکر کرنے لگے ہیں، وجہِ حصر۔ دیکھیے بھائی کتاب پر۔ کہتے ہیں لِأَنَّهُ لَا يَخْلُوْ إِمَّا أَنْ يَّكُوْنَ مُرَكَّبًا مَعَ غَيْرِهِ أَوْ لَا۔ وجہِ حصر، کہتے ہیں لِأَنَّهُ لَا يَخْلُوْ اس لیے کیونکہ اسم وہ خالی نہیں ہے إِمَّا أَنْ يَّكُوْنَ مُرَكَّبًا مَعَ غَيْرِهِ أَوْ لَا یا تو وہ اسم غیر کے ساتھ مرکب ہوگا یا مرکب نہیں، غیر کے ساتھ جوڑا گیا ہوگا یا غیر کے ساتھ نہیں جوڑا گیا ہوگا۔ اگر نہیں جوڑا گیا وہ کیا؟ مبنی۔ اور اگر جوڑا گیا ہے پھر: إِمَّا أَنْ يُشْبِهَ مَبْنِيَّ الْأَصْلِ أَوْ لَا پھر وہ مبنی الاصل کے مشابہ ہوگا یا مشابہ نہیں۔ اگر مبنی الاصل کے مشابہ ہے تو بھی مبنی ہوگا، اور اگر مشابہ نہیں تو پھر وہ معرب ہوگا۔ وجہِ حصر سمجھ میں آئی؟ پھر دیکھو ادھر دیکھیے کہ اسم یا تو ترکیب میں واقع ہوگا یا واقع نہیں، دو صورتیں ہو گئیں۔ پھر ترکیب میں جب وہ واقع ہو گیا پھر دو صورتیں ہیں: یا تو وہ مبنی الاصل کے مشابہ ہوگا یا مشابہ نہیں ہوگا۔ تو تین صورتیں بنتی ہیں: اگر وہ ترکیب میں نہ ہو، ترکیب میں نہ ہو تو بھی مبنی۔ اور اگر ترکیب میں واقع ہے لیکن مبنی الاصل کے مشابہ ہے تو بھی وہ مبنی ہے۔ اور اگر ترکیب میں واقع ہے اور مبنی الاصل کے مشابہ نہیں ہے تو وہ معرب ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ یہ اب وجہِ حصر بھی دوبارہ دیکھو اس کو بھی ذکر کریں گے اور پھر آپ کو بتائیں گے کہ معرب وہ ہے جس میں دونوں شرطیں پوری ہوں: ترکیب میں بھی واقع ہو اور مبنی الاصل کے مشابہ بھی نہ ہو، وہ معرب ہے اور باقی صورتیں جو ہیں وہ مبنی کی ہیں بھائی۔

کہتے ہیں لِأَنَّهُ لَا يَخْلُوْ إِمَّا أَنْ يَّكُوْنَ مُرَكَّبًا مَعَ غَيْرِهِ أَوْ لَا اس لیے کیونکہ اسم وہ خالی نہیں ہے یا تو وہ غیر کے ساتھ مرکب ہوگا یا نہیں ہوگا۔ وَالْأَوَّلُ اور پہلا یعنی وہ جو مرکب ہے غیر کے ساتھ، إِمَّا أَنْ يُشْبِهَ مَبْنِيَّ الْأَصْلِ أَوْ لَا وہ یا تو مبنی الاصل کے مشابہ ہوگا یا نہیں ہوگا۔ وَهٰذَا أَعْنِي الْمُرَكَّبَ الَّذِيْ لَمْ يُشْبِهْ مَبْنِيَّ الْأَصْلِ اور یہ یعنی وہ مرکب جو مبنی الاصل کے مشابہ نہیں ہے، هُوَ الْمُعْرَبُ وہ معرب ہے۔ وَمَا عَدَاهُ اور اس کے علاوہ جو ہے، أَعْنِي غَيْرَ الْمُرَكَّبِ یعنی وہ جو مرکب ہی نہیں ہے ترکیب میں ہی واقع نہیں ہے، اسی طرح وَالْمُرَكَّبَ الَّذِيْ يُشْبِهُ مَبْنِيَّ الْأَصْلِ اور اسی طرح وہ مرکب جو مبنی الاصل کے مشابہ ہے، مَبْنِيٌّ یہ دونوں کیا ہیں؟ مبنی ہیں۔ جو ترکیب میں واقع نہیں وہ بھی مبنی اور جو مبنی الاصل کے مشابہ ہے وہ بھی مبنی

ہے۔

چلیے بس کریں بس بھائی، بات اچھی طرح سمجھ میں آگئی، حل ہو گیا سارا؟ چلیے بس بھائی، هٰذَا هُوَ الْمَرَامُ وَاللّٰهُ أَعْلَمُ بِحَقِيْقَةِ الْكَلَامِ۔

سبق نمبر ۳۹: المعرب (۱): تعریفِ معرب («اَلْمُرَکَّبُ الَّذِیْ لَمْ یُشْبِہْ مَبْنِیَّ الْاَصْلِ»)

شرحِ ملا جامی صفحہ: ۲۵ — بتاریخ: ۱۵ اگست ۲۰۲۱ء

▪ تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث

دیکھیے بھائی آگے سبق:

فَالْمُعْرَبُ الَّذِي هُوَ قِسْمٌ مِنَ الِاسْمِ، الْمُرَكَّبُ أَيِ الِاسْمُ الَّذِي رُكِّبَ مَعَ غَيْرِهِ تَرْكِيبًا يَتَحَقَّقُ مَعَهُ عَامِلُهُ، فَيَدْخُلُ فِيهِ زَيْدٌ وَقَائِمٌ وَهٰؤُلَاءِ فِي قَوْلِكَ زَيْدٌ قَائِمٌ وَقَامَ هٰؤُلَاءِ. بِخِلَافِ مَا لَيْسَ بِمُرَكَّبٍ أَصْلًا مِنَ الْأَسْمَاءِ الْمَعْدُودَةِ نَحْوُ أَلِف، بَا، تَا، زَيْد، عَمْر، بَكْر، وَبِخِلَافِ مَا هُوَ مُرَكَّبٌ مَعَ غَيْرِهِ لٰكِنْ لَا تَرْكِيبًا يَتَحَقَّقُ مَعَهُ عَامِلُهُ كَغُلَامٍ فِي غُلَامِ زَيْدٍ، فَإِنَّ جَمِيعَ ذٰلِكَ مِنْ قَبِيلِ الْمَبْنِيَّاتِ عِنْدَ الْمُصَنِّفِ رَحِمَهُ اللهُ.

اچھا گزشتہ سبق میں ہم اسم کے خاصے پڑھ رہے تھے بھائی۔ مصنف نے کل اسم کے پانچ خاصے ذکر کیے اور میں نے آپ کو بتلایا تھا کہ ان میں سے ہر خاصہ جو ہے اس کے ضمن میں کئی خاصے آ گئے بھائی۔ تو گزشتہ سبق میں آخری دو خاصے الْإِسْنَادُ إِلَيْهِ وَالْإِضَافَةُ ہم نے پڑھا تھا بھائی۔ اور شارح جامی نے آپ کو بتلایا تھا کہ وَالْإِسْنَادُ إِلَيْهِ اس پر رفع پڑھنا اور اس کا عطف دخول پر کرنا اور وہ تو مرفوع ہے تو اس کو بھی مرفوع پڑھنا بھائی، تو اس کا عطف اس دخول کے مدخول یعنی لام پر نہ کرنا کیونکہ لام تو مجرور ہے، مضاف الیہ ہے، تو پھر اس پر بھی کیا پڑھنا پڑے گا؟ جر۔ اور حالانکہ اس پر جر پڑھیں گے تو بات درست نہیں رہتی۔ اس لیے کیونکہ دخول کا جو معنی ذہن میں آتا ہے وہ یہ کہ ایک چیز لفظ کے شروع میں داخل ہو یا لفظ کے آخر میں داخل ہو بھائی۔ جبکہ اسناد اور اضافت دونوں معنوی چیزیں ہیں۔ یہ ایک لفظ کے شروع یا آخر میں نہیں آتیں، بلکہ دو لفظوں کے درمیان جو جوڑ ہے اور ربط ہے، اگر وہ نسبت تامہ ہو تو اس کو اسناد کہتے ہیں۔ اور اگر نسبت تامہ نہ ہو، ویسے ایک چیز کی نسبت دوسری چیز کی طرف کی گئی ہے تو اس کو اضافت کہتے ہیں۔ تو اضافت بھی معنوی چیز، دو چیزوں کے درمیان ربط اور جوڑ کا نام ہے، اور اسناد بھی ایک معنوی چیز، دو لفظوں کے درمیان جوڑ اور ربط کا نام ہے۔ تو یہ لفظ کے شروع میں یا آخر میں داخل نہیں ہوتے بھائی۔ تو اگر لام پر عطف کرتے پھر تو معنی ہوتا کہ اسناد کا داخل ہونا اور اضافت کا

داخل ہونا لفظ کے شروع یا آخر میں، حالانکہ یہ معنی صحیح نہیں بنتا کیونکہ یہ لفظ کے شروع یا آخر میں داخل نہیں ہوتے بھائی۔

اور پھر انہوں نے یہ بھی بتلایا تھا کہ اسناد سے مراد ہے ایک شے کا مسند الیہ ہونا، ایک شے کا مسند الیہ ہونا۔ یہ ترجمہ نہیں کیا کہ اسم کا مسند الیہ ہونا۔ اس لیے کیونکہ اسم کا مسند الیہ ہونا وہ تو اسم ہی کے ساتھ خاص ہے ظاہر سی بات ہے۔ میرے پاس مثلاً تین لفظ ہیں بھائی۔ ایک ہے اسم، ایک ہے فعل، ایک ہے حرف۔ میں اسم کی طرف اسناد کرتا ہوں۔ تو جب میں نے یہ اسناد کی ہی اسم کی طرف ہے تو یہ تو خاص بھی اسم ہی کے ساتھ ہوگی۔ یہ اسناد تو فعل یا حرف میں نہیں ہو سکتی۔ وَالْإِسْنَادُ إِلَيْهِ اگر اس کا ترجمہ یہ کر دیا جاتا کہ اسم کا مسند الیہ ہونا، اسم کا مسند الیہ ہونا یہ اسم کا خاصہ ہے۔ بھائی اسم کا مسند الیہ ہونا وہ تو اسم ہی کے ساتھ خاص ہوگا نا، اسم کا مسند الیہ ہونا تب فعل میں یا حرف میں نہیں ہو سکتا بھائی۔ یہ ایسے ہی ہے جیسے آپ کہیں زید کی سخاوت زید کے ساتھ خاص ہے۔ بھائی جب زید کی سخاوت ہے تو ظاہر سی بات ہے وہ زید کے ساتھ ہی خاص ہوگی نا، وہ تو عمر اور بکر میں نہیں پائی جائے گی۔ عمر اور بکر میں تو ان کی اپنی سخاوت ہو سکتی ہے، زید کی سخاوت نہیں ہو سکتی۔

وَالْإِسْنَادُ إِلَيْهِ کا ترجمہ یہ نہ کرنا کہ اسم کا مسند الیہ ہونا بلکہ کیا ترجمہ کرو؟ ایک شے کا مسند الیہ ہونا۔ شے عام ہے۔ جو بھی شے ہو۔ جب وہ مسند الیہ بن جائے تو سمجھ جاؤ یہ اسم ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ جو بھی شے کیا بن جائے؟ مسند الیہ بن جائے۔ جو بھی لفظ آپ کو عبارت میں نظر آئے کہ وہ مسند الیہ بن رہا ہے، ساتھ ہی سمجھ جانا ایک دوسری بات بھی کہ یہ کیا ہے؟ اسم ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟

پھر سوال پیدا ہوا کہ فعل کیوں مسند الیہ نہیں بن سکتا؟ تو شارح جامی نے آپ کو بتلایا کہ فعل کو وضع ہی اس لیے کیا گیا ہے کہ اس کا اسناد کسی چیز کی طرف کیا جائے۔ کہ وہ ہمیشہ یعنی مسند بنے، تو اس کو وضع ہی مسند بننے کے لیے کیا گیا ہے۔ تو اگر اس کو مسند الیہ بنائیں گے یہ تو اس کی وضع کے خلاف لازم آئے گا بھائی۔ تو وضع کے خلاف لازم آئے گا اور یہ درست نہیں۔ اور اسی طرح بتلایا کہ اضافت جو ہے یہ بھی اسم کا خاصہ ہے۔ بھائی اضافت تو دو چیزوں کے درمیان نسبت کا نام ہے۔ پہلے کو کہتے ہیں مضاف، دوسرے کو کہتے ہیں مضافٌ الیہ۔ تو اضافت تو ایک معنوی چیز ہے۔ اس سے کیا مراد ہے؟ مضاف ہونا اسم کا خاصہ ہے یا مضاف الیہ ہونا اسم کا خاصہ ہے یا دونوں اسم کے خاصے ہیں، مضاف ہونا بھی اسم کا خاصہ اور مضاف الیہ ہونا بھی اسم کا خاصہ؟ تو کہتے ہیں اس سے مراد ہے مضاف ہونا۔ ایک شے کا مضاف ہونا یہ اسم کا خاصہ ہے اور یہ مضاف بھی تقدیرِ حرفِ جر کے ساتھ ہو۔ ایک شے کا مضاف ہونا یہ اسم کا خاصہ ہے، مضاف الیہ ہونا نہیں۔ کیونکہ مضاف الیہ فعل یا جملہ بھی بنتے ہیں۔ فعل یا جملہ بھی بنتے ہیں جیسے مثال بھی ذکر کر دی يَوْمُ يَنْفَعُ الصَّادِقِينَ صِدْقُهُمْ۔ تو اس میں يَوْم کی اضافت يَنْفَعُ کی طرف ہو رہی ہے۔ اور پھر اس میں علماء کا اختلاف، بعض فرماتے ہیں کہ یہ يَوْم کی اضافت صرف لفظِ يَنْفَعُ یعنی فعل کی طرف اضافت ہو رہی ہے، اور بعض فرماتے ہیں کہ نہیں، فعل اپنے فاعل وغیرہ

اور متعلقات سے ملے گا اور جملہ بنے گا اور جملے کی طرف یہ یَوْم کی اضافت ہو رہی ہے، تو اس میں علماء کے دو گروہ ہیں۔ تو بعض کیا فرماتے ہیں یہ اضافت کس کی طرف ہے؟ فعل کی طرف۔ بعض کیا فرماتے ہیں یہ اضافت ہے جملے کی طرف۔ تو بہرحال چاہے فعل کی طرف اضافت مانو چاہے جملے کی طرف اضافت مانو، تو دونوں صورتوں میں مضاف الیہ غیرِ اسم ہے۔ ایک قول کے مطابق مضاف الیہ فعل ہے، دوسرے قول کے مطابق مضاف الیہ جملہ ہے۔ تو معلوم ہوا مضاف الیہ ہونا اسم کا خاصہ نہیں ہے، وہ تو فعل بھی بن سکتا ہے اور جملہ بھی بن سکتا ہے مضاف الیہ۔ معلوم ہوا صرف مضاف ہونا کس کا خاصہ ہے؟ اسم کا خاصہ ہے۔

اور نیز یہ بھی بتلایا انہوں نے آپ کو کہ مضاف ہونا بِتَقْدِيرِ حَرْفِ الْجَرِّ، حرف جر کی تقدیر کے ساتھ۔ یعنی حرف جر وہاں مقدر ہونا چاہیے، لفظوں میں نہیں ہونا چاہیے۔ بھائی یہ قید آپ نے کیوں لگائی؟ کہتے ہیں اس لیے کیونکہ فعل کی بھی اضافت اور نسبت کر دی جاتی ہے اسم کی طرف۔ مَرَرْتُ بِزَيْدٍ۔ اس میں مَرَرْتُ فعل کی نسبت ہو رہی ہے کس کی طرف؟ زید کی طرف۔ کس کے ذریعے؟ بواسطۂ حرف جر، مَرَرْتُ بِزَيْدٍ۔ کہ مَرَرْتُ کی نسبت اس با کے ذریعے کس کی طرف ہو رہی ہے؟ زید کی طرف ہو رہی ہے۔ تو یہاں حرف جر تقدیراً ہے یا لفظوں میں ہے؟ لفظوں میں موجود ہے۔ تو لفظوں میں جب حرف جر موجود ہو پھر تو فعل کی بھی اضافت ہو جاتی ہے۔ فعل بھی مضاف بن جاتا ہے۔ اسی لیے کیا کہا کہ وہ حرف جر تقدیراً ہونا چاہیے۔ تب مضاف ہونا اسم کے ساتھ خاص ہے۔ اگر حرف جر لفظوں میں ہو تو پھر تو فعل بھی مضاف بنتا ہے، اس کی بھی اضافت یعنی نسبت کی جاتی ہے حرف جر کے ذریعے۔

انہوں نے آپ کو کیا بتلایا؟ مضاف ہونا اسم کا خاصہ ہے، مضاف الیہ ہونا اسم کا خاصہ نہیں۔ لیکن کہتے ہیں بعض علماء فرماتے ہیں کہ جب اسم کی اضافت جو ہے وہ فعل یا جملے کی طرف ہو تو وہ مصدر کی تاویل میں ہوتا ہے۔ وہ فعل یا جملہ کس تاویل میں ہوتا ہے؟ مصدر کی تاویل میں ہوتا ہے۔ جیسے يَوْمُ يَنْفَعُ الصَّادِقِينَ صِدْقُهُمْ یہ کس تاویل میں ہے؟ يَوْمُ نَفْعِ الصَّادِقِينَ۔ دیکھو يَنْفَعُ کو مصدر کی تاویل میں کر لیا، اور مصدر تو اسم ہے۔ مصدر تو اسم ہے۔ مضاف ہونا خاصہ ہے اسم کا، جب بھی کوئی اسم مضاف ہو گا کس کی طرف؟ فعل یا جملے کی طرف، تو وہ فعل یا جملہ کس تاویل میں ہو گا؟ مصدر کی تاویل میں ہو گا اور مصدر بھی کیا ہوتا ہے؟ اسم ہوتا ہے۔ پھر تو مضاف الیہ ہونا بھی اسم کا خاصہ ہو گیا۔ مضاف ہونا تو ہم نے بتا دیا کس کا خاصہ ہے؟ اسم کا خاصہ ہے۔ مضاف الیہ ہونا اسم کا خاصہ نہیں تھا، مضاف الیہ تو فعل بھی بنتا ہے اور جملہ بھی۔ لیکن بعض کیا فرماتے ہیں کہ جب فعل یا جملہ کیا بنے؟ مضاف الیہ، تو وہ کس تاویل میں ہوتا ہے؟ مصدر کی تاویل میں اور مصدر بھی کیا ہے؟ اسم ہے۔ مضاف تو تھا ہی اسم، مضاف الیہ بھی اسم ہی ہوتا ہے ہر جگہ پر۔ معلوم ہوا مضاف ہونا بھی اسم کا خاصہ اور مضاف الیہ ہونا بھی اسم کا خاصہ ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟

ہم نے کیا ترجمہ کیا تھا اضافت کا؟ مضاف ہونا۔ مضاف ہونا۔ کیونکہ اضافت دو چیزوں کی صفت بن رہی تھی، مضاف

کی بھی اور مضاف الیہ کی بھی۔ مضاف کی اضافت کی جاتی ہے اور مضاف الیہ کی طرف اضافت کی جاتی ہے۔ اور ہم نے اضافت کا کیا ترجمہ کیا تھا؟ مضاف ہونا۔ لیکن اگر یہ قول لے لیا جائے، پھر تو مضاف الیہ ہونا بھی کس کا خاصہ ہے؟ اسم کا۔ تو پھر یوں کہیں گے کہ اضافت، وہ اضافت جو حرف جر کی تقدیر کے ساتھ ہو، وہ اضافت مطلقاً اسم کا خاصہ ہے۔ وہ اضافت جو بِتَقْدِيرِ حَرْفِ الْجَرِّ کے ساتھ ہو، وہ مطلقاً اسم کا خاصہ ہے۔ مطلقاً کیا معنی؟ یعنی چاہے مضاف ہو چاہے مضاف الیہ ہو، دونوں میں سے جو بھی ہو۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو اب مضاف ہونے کے ساتھ اس کا ترجمہ کرنے کی ضرورت نہیں۔ حاصل کلام کیا کہ اگر یہ قول لے لیا جائے تو اضافت جو ہے مطلقاً جب وہ کس کے ساتھ ہو؟ حرف جر کی تقدیر کے ساتھ ہو، تو وہ اسم کا خاصہ ہے، جو مضاف ہو وہ بھی اسم ہو گا اور جو مضاف الیہ ہو وہ بھی اسم ہو گا۔ یہ معنی تھا یہ جو گزشتہ سبق میں آخر میں آیا تھا: فَالْإِضَافَةُ بِتَقْدِيرِ حَرْفِ الْجَرِّ مُطْلَقًا يَخْتَصُّ بِالِاسْمِ، پس وہ اضافت جو تقدیر حرف جر کے ساتھ ہو وہ مطلقاً خاص ہے کس کے ساتھ؟ اسم کے ساتھ اگر یہ والا قول لے لیا جائے بھائی۔

اس کے بعد انہوں نے آپ کو بتلایا تھا کہ یہ جو اسم جو ہے یہ دو قسم پر ہے: معرب ہے اور مبنی ہے بھائی۔ اور معرب اور مبنی سے پہلے قِسْمَانِ کا لفظ شارح جامی نے ذکر کیا تھا۔ میں نے بتلایا تھا کہ یہ یہی بعینہ یہی اعتراض جو شروع میں کلمہ کی تعریف کے بعد کلمہ کی تقسیم کی تھی وَهِيَ اسْمٌ وَفِعْلٌ وَحَرْفٌ کہ کلمہ جو ہے اسم اور فعل اور حرف ہوتا ہے۔ تو وہاں پر بھی وہ اسم فعل اور حرف کے درمیان کیا آیا تھا؟ واو۔ اور واو جمعیت کا فائدہ یعنی جمع ہونے کا فائدہ دیتا ہے۔ تو اس کا مطلب ہے یہ تینوں چیزیں جمع ہوں گی تو اس کو کلمہ کہیں گے۔ معلوم ہوا ایک ہی چیز اسم بھی ہو، وہی چیز فعل بھی ہو، وہی چیز حرف بھی ہو، اب اس کو کہیں گے یہ کلمہ ہے۔ کیونکہ کیا کہا؟ وَهِيَ اسْمٌ وَفِعْلٌ وَحَرْفٌ۔ اسم فعل اور حرف کے درمیان کیا لائے؟ واو۔ اور واو کیا تقاضا کرتا ہے کہ ان کو کیا ہونا چاہیے؟ جمع۔ اور یہ سارا مجموعہ پھر بنے گا خبر کس کے لیے؟ کلمہ کے لیے۔ تو الْكَلِمَةُ کلمہ وہ چیز ہے کہ اسم فعل اور حرف تینوں اکٹھے ہوں ایک ہی لفظ میں۔ ایک ہی لفظ اسم بھی ہو، فعل بھی ہو، حرف بھی ہو، اس کو کیا کہیں گے؟ کلمہ کہیں گے۔ حالانکہ یہ تو درست نہیں ہے۔ اسم فعل اور حرف تو ایک دوسرے کی قسیم ہیں، ایک دوسرے کے مقابل ہیں، جمع ہو ہی نہیں سکتے۔ ایک لفظ جب اسم ہو گا تو وہ فعل اور حرف نہیں ہو سکتا، اور ایک لفظ جب فعل ہو گا تو وہ اسم اور حرف نہیں ہو سکتا، اور ایک لفظ جب حرف ہو گا تو وہ اسم اور فعل نہیں ہو سکتا، یہ کبھی اکٹھے ہوتے ہی نہیں ہیں۔ پھر تو اس کا مطلب ہے کلمہ کا وجود ہی کوئی نہیں۔ تو اس کا جواب دیا تھا کہ بھائی دراصل یہاں دو چیزیں ہیں۔ ایک ہے حمل اور ایک ہے عطف۔ حمل ہوتا ہے ایک چیز کا دوسری چیز پر حکم لگانا۔ زَيْدٌ قَائِمٌ، زَيْدٌ ہے محکومٌ علیہ اور اس پر قَائِمٌ کا حکم لگایا گیا ہے۔ اسی حکم لگانے کو حمل بھی کہتے ہیں۔ زَيْدٌ قَائِمٌ، میں نے زید پر کیا حکم لگایا؟ قیام کا۔ کس قیام کا؟ تو یوں کہیں گے کہ میں نے قَائِمٌ کا حمل کیا ہے زید پر۔ یا یوں کہیں گے میں نے قیام کا حمل کیا

ہے کس پر؟ زید پر۔ تو یہ جو حکم لگایا جاتا ہے، یہ جو نسبت کی جاتی ہے اس کو حمل کہتے ہیں۔ اور ایک ہے عطف کہ جس میں حروف عطف سے پہلے جو آئے اس کو کہتے ہیں معطوفٌ علیہ اور بعد والے کو معطوف کہتے ہیں بھائی، معطوف کہتے ہیں۔

تو دو چیزیں ہیں یہاں، ایک ہے حمل اور ایک ہے عطف۔ تو جب ایک چیز کی تقسیم ہو رہی ہو اجزاء کی طرف، تو پھر عطف مقدم ہوتا ہے۔ اور جب ایک چیز کی تقسیم ہو رہی ہو جزئیات کی طرف، یعنی افراد کی طرف، یعنی اقسام کی طرف۔ افراد، جزئیات، اقسام ایک ہی چیز ہے۔ چاہے میں افراد کہہ دوں، چاہے میں جزئیات کہہ دوں، چاہے میں اقسام کہہ دوں۔ تو جزئیات اور افراد بالکل ایک چیز۔ مثلاً آپ انسان کے افراد ہیں، آپ میں سے ہر ایک انسان ہے۔ اور یوں بھی کہہ سکتے ہیں آپ انسان کی جزئیات ہیں۔ آپ انسان کی جزئیات ہیں۔ تو جب ایک شے کی تقسیم ہو اجزاء کی طرف تو پھر عطف مقدم ہوتا ہے۔ مثلاً میں کہتا ہوں چائے جو ہے وہ دودھ، چینی، پتی اور پانی کا نام ہے۔ چائے دودھ، چینی، پتی اور پانی کا نام ہے، یعنی یہ چاروں چیزیں چائے کے اجزاء ہیں، یہ ملیں گے تو چائے بنے گی، یہ چائے کے افراد نہیں ہیں۔ افراد نہیں ہیں بلکہ یہ اجزاء ہیں، یہ چاروں ملیں گے تو پھر چائے بنے گی۔ تو اس جب یہ اجزاء کی طرف ایک چیز کی تقسیم ہو تو پہلے عطف کرتے ہیں ان کا ایک دوسرے پر، ان ساروں کو ملا دیتے ہیں اور پھر حمل کرتے ہیں مبتدا یعنی چائے پر پھر حمل کریں گے۔ یہ ساری چیزیں ملیں گی تو پھر ہی ان کو ہم کہیں گے یہ چائے ہے۔ یا دوسری مثال جیسے میں نے عربی میں جملہ لکھوایا تھا: اَلسِّکَنْجَبِینُ خَلٌّ وَعَسَلٌ وَمَاءٌ، سکنجبین کس کا نام ہے؟ سرکہ، شہد اور پانی۔ ان تین چیزوں کو ملائیں گے۔ اب یہ سکنجبین کے اجزاء ہیں۔ لہٰذا یہاں حمل پہلے نہیں کریں گے۔ حمل کرو ذرا ایک کا، سِکَنْجَبِینُ خَلٌّ سرکہ ہے، یہ بات صحیح ہے؟ نہیں۔ سکنجبین شہد ہے، یہ بات صحیح ہے؟ یہ بھی نہیں صحیح۔ سکنجبین پانی ہے، یہ بھی نہیں صحیح۔ تو یہاں پہلے عطف کریں گے ان تینوں کا ایک دوسرے پر عطف کر کے جوڑ دیں گے کہ یہ تینوں مل گئے، اب اس کا حمل کس پر کر دیں گے؟ سکنجبین پر کہ یہ سارے ملے تو کیا کہلائے؟ سکنجبین۔

تو جب ایک شے کی تقسیم ہو کس کی طرف؟ اجزاء کی طرف، تو عطف مقدم اور حمل مؤخر۔ اور جب ایک شے کی تقسیم جو ہے افراد کی طرف ہو تو پھر حمل مقدم ہوتا ہے۔ لہٰذا کلمہ کس کا نام ہے؟ اسم اور فعل اور حرف۔ تو حمل مقدم ہے، یوں کہیں گے کہ کلمہ اسم ہے اور کلمہ فعل ہے اور کلمہ حرف ہے، اب عطف سے اب حمل صحیح ہو گیا ایک ایک کا، حمل الگ الگ ہو رہا ہے۔ تو میں نے بتلایا تھا کہ یہ جو صاحب جامی ہیں، صاحب جامی، انہوں نے مُعْرَبٌ وَمَبْنِيٌّ سے پہلے قِسْمَانِ کا لفظ نکالا۔ اس میں دو تقریریں ہو سکتی ہیں۔ یا تو وہ بتلانا یہ چاہتے ہیں کہ یہ جو آگے معرب اور مبنی آ رہے ہیں یہ اسم کی قسمیں ہیں، اجزاء نہیں ہیں۔ گویا یہ تقسیم الی الافراد ہے، تقسیم الی الاجزاء نہیں۔ اور جب تقسیم الی الافراد ہو تو حمل

مقدم ہوتا ہے کس پر؟ عطف پر۔ ورنہ تو بظاہر یہ لگتا تھا وَهُوَ مُعْرَبٌ وَمَبْنِيٌّ، اسم معرب اور مبنی ہوتا ہے، معلوم ہوا درمیان میں واو آیا جمع کے لیے، معلوم ہوا ایک ہی چیز معرب اور مبنی ہوگی حالانکہ ایک ہی چیز معرب اور مبنی نہیں ہوتی، یہ دونوں ایک دوسرے کے مقابل ہیں جو معرب ہے وہ مبنی نہیں اور جو مبنی ہے وہ معرب نہیں ہے۔ بات اچھی طرح سمجھ میں آ گئی؟ تو یہاں پر بھی انہوں نے قِسْمَانِ لفظ نکال کر کیا بتلا دیا؟ کہ یہ دونوں قسمیں ہیں۔ جب یہ دونوں قسمیں ہیں تو قسموں کے اندر کیا مقدم ہوتا ہے؟ حمل مقدم ہوتا ہے عطف پر۔ یا یہ کہنا چاہتے ہیں صاحب جامی کہ مُعْرَبٌ وَمَبْنِيٌّ اس کو خبر بناؤ ہی نا، اس کی خبر، هُوَ کی خبر محذوف ہے أَيْ قِسْمَانِ، یہ ہے خبر۔ وَهُوَ قِسْمَانِ، اسم دو قسم پر ہے۔ اور آگے مُعْرَبٌ وَمَبْنِيٌّ اس کو اسی قِسْمَانِ سے یا تو بدل بنا دو اور بدل اور مبدل منہ کا اعراب ایک ہوتا ہے، قِسْمَانِ مرفوع تھا، خبر تھی، تو یہ بھی مرفوع ہیں، یہ بدل ہیں اس سے۔ یا دوسری صورت یہ ہے کہ ان کے لیے بتدا محذوف نکال لو۔ اور چاہے تو دونوں کے لیے ایک ہی بتدا محذوف نکالو کہ هُمَا مُعْرَبٌ وَمَبْنِيٌّ وہ قسمیں معرب اور مبنی ہیں اسم کی، یا دونوں کے لیے الگ الگ بتدا محذوف نکال لو: أَحَدُهُمَا مُعْرَبٌ، تو مُعْرَبٌ کے لیے أَحَدُهُمَا بتدا محذوف نکال لو، وَالثَّانِيهِمَا مَبْنِيٌّ، مبنی کے لیے ثَانِيهِمَا الگ بتدا محذوف نکال لو اور ان کو خبر بنا دو۔

اس کے بعد پھر ہم نے متن حل کیا تھا۔ صاحب کافیہ نے معرب کی تعریف کی تھی اور کہا تھا: فَالْمُعْرَبُ الْمُرَكَّبُ الَّذِي لَمْ يُشْبِهْ مَبْنِيَّ الْأَصْلِ، معرب وہ مرکب ہے جو مبنی الاصل کے مشابہ نہ ہو۔ معرب وہ مرکب ہے، معرب کی تعریف کر رہے ہیں، معرب کسے کہتے ہیں؟ وہ مرکب جو مبنی الاصل کے مشابہ نہ ہو، یعنی وہ اسم جس کو غیر کے ساتھ جوڑا گیا ہو۔ اور میں نے بتلایا تھا ایسی ترکیب مراد ہے جس میں اس کا عامل بھی موجود ہو۔ تو معرب وہ اسم ہے جس کو غیر کے ساتھ جوڑا گیا ہو ایسی ترکیب کے ساتھ جس میں اس کا عامل بھی موجود ہو اور نیز وہ مبنی الاصل کے مشابہ بھی نہ ہو۔ یہ دو شرطیں ہیں معرب میں۔ پہلی شرط کیا؟ کہ وہ ترکیب میں ہو اور ترکیب بھی کیسی ہو؟ جس میں اس کا عامل ہو۔ اور دوسری شرط کیا؟ کہ مبنی الاصل کے مشابہ نہ ہو۔ اور مبنی الاصل کتنی چیزیں ہیں؟ تین: فعل ماضی، فعل امر اور تمام حروف بھائی۔ تو ان کے مشابہ نہ ہو۔ اور میں نے بتلایا تھا ہر مشابہت بھی نہیں مراد، کچھ خاص مشابہتیں مراد ہیں جو آگے مبنیات کی بحث میں آئیں گی، دعا کرو اللہ تعالیٰ اس ساری کتاب کو اسی سال تمت تک پہنچانے کی توفیق نصیب فرمائے، اور وقت میں خوب اللہ تعالیٰ برکت نصیب فرمائے بھائی۔ تو وہاں آجائے گا، خاص مناسبتیں مراد ہیں۔ جیسے ایک مناسبت میں نے ذکر کر دی تھی، ایک مناسبت اور وہ کیا؟ کہ یہ اسم اشارہ اور اسمائے موصولہ یہ بھی مبنی ہیں۔ مبنی الاصل دیکھو تین چیزیں ہیں: فعل ماضی، امر اور تمام حروف۔ ان میں سے اسم ایک بھی نہیں ہے۔ ہاں، اسم کے اندر آٹھ قسموں کو ہم نے مبنی قرار دیا ہے، اس کو اسم غیر متمکن کہتے ہیں۔ اور یہ معرب کو کہتے ہیں اسم متمکن اور جو مبنی ہوتا ہے اس کو کیا کہتے ہیں؟ اسم غیر متمکن۔ اور وہ آٹھ قسمیں ہیں اور ان میں سے ایک بھی مبنی الاصل نہیں ہے، پھر ان کو مبنی کیوں قرار دیا؟ بھائی ان کی دراصل اس

مبنی الاصل کے ساتھ مشابہت ہوتی ہے۔ تو اس وجہ سے ان کو مبنی قرار دیا ہے اور خاص مشابہتیں مراد ہیں بھائی۔ ان میں سے ایک مشابہت میں ذکر کر رہا ہوں، مثلاً اسم اشارہ اور اسم موصول یہ دونوں حرف کے مشابہ ہیں۔ اور حرف تو مبنی الاصل ہے، تو یہ بھی کیا بن گئے؟ مبنی الاصل۔ بھائی یہ کس طرح حرف کے مشابہ ہیں؟ کہتے ہیں جیسے دیکھو حرف اپنا معنی بیان کرنے میں اور کلموں کے جڑنے کا محتاج ہے۔ جیسے حرف غیر کا محتاج ہے اپنا معنی ادا کرنے میں، اسی طرح اسم اشارہ بھی محتاج ہے مشارٌ الیہ کا، اسم اشارہ بھی محتاج ہے مشارٌ الیہ کا۔ تو دیکھو ھٰذَا اسم اشارہ ہے، اس کے ذریعے تو کسی بھی مفرد مذکر چیز کی طرف اشارہ کیا جا سکتا ہے۔ تو اگر میں بغیر اشارے کے صرف کہوں ھٰذَا، آپ کو کچھ پتہ چلا کیا مراد ہے؟ نہیں۔ کیونکہ ھٰذَا اس کے ذریعے تو کتاب کی طرف بھی اشارہ ہو سکتا ہے، اس کے ذریعے تو قلم کی طرف بھی اشارہ ہو سکتا ہے، اس کے ذریعے تو کاغذ کی طرف بھی اشارہ ہو سکتا ہے، اس کے ذریعے تو اور کسی بھی چیز کی طرف اشارہ ہو سکتا ہے۔ تو اسم اشارہ کا معنی پتہ ہی نہیں چلے گا جب تک اس کے ساتھ مشارٌ الیہ نہیں آئے گا، اور مشارٌ الیہ کبھی لفظوں میں آتا ہے اور کبھی اس کی طرف اشارۂ حسیہ ہوتا ہے یا کوئی قرینہ بتلاتا ہے، تو بہرحال مشارٌ الیہ کا پتہ چلنا چاہیے۔ چاہے کوئی قرینہ بتلا دے، چاہے ہاتھ وغیرہ سے اشارہ کر دے، چاہے لفظ ذکر کر دے، کسی نہ کسی طرح مشارٌ الیہ کا پتہ چلنا چاہیے۔ مثلاً میں ہاتھ سے اشارہ کرتا ہوں کتاب کی طرف، ھٰذَا، اب آپ سمجھ گئے کہ ھٰذَا سے کیا مراد ہے؟ کتاب۔ یہ اشارۂ حسیہ ہے بھائی۔ اشارۂ حسیہ نظر آ رہا ہے آپ کو کس چیز کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ اور کبھی ھٰذَا الْکِتَابُ، جی مشارٌ الیہ کیا؟ کتاب، وہ لفظوں کے اندر اس کے ساتھ ذکر ہو گئی۔ اور کبھی کوئی قرینہ ہوتا ہے وہ بتلا دیتا ہے۔ تو کوئی نہ کوئی چیز ایسی ہو جو بتلا دے کہ مشارٌ الیہ کیا۔ تو معلوم ہوا اسم اشارہ کس کا محتاج؟ مشارٌ الیہ کا، اس کے بغیر اس کا معنی سمجھ میں نہیں آئے گا۔ تو یہ حرف کے مشابہ ہوا تو یہ بھی کیا بن گیا؟ مبنی بن گیا۔ اسی طرح اسم موصول جو ہے اس کا معنی پورا سمجھ میں نہیں آتا جب تک اس کے ساتھ صلہ نہ جوڑا جائے، تو وہ صلے کا محتاج ہوا تو وہ بھی حرف کی طرح ہوا جو اپنے معنی بتانے میں غیر کا محتاج ہوتا ہے، تو اس لیے اسم اشارہ بھی مبنی ہے اور اسم موصول بھی مبنی ہے۔

اس کے بعد صاحب جامی نے وجہ حصر ذکر کی تھی کہ یہ دو قسمیں کیوں ہیں بھائی اسم کی، معرب اور مبنی؟ تو بتلایا تھا کہ اسم کے اندر دو ہی صورتیں ہو سکتی ہیں: یا تو وہ غیر کے ساتھ ترکیب میں واقع ہو گا یا ترکیب میں واقع نہیں ہو گا۔ اور پھر جب ترکیب میں واقع ہو تو پھر وہ مبنی الاصل کے مشابہ ہو گا یا مشابہ نہیں ہو گا۔ جب اسم ترکیب میں بھی ہو اور مبنی الاصل کے مشابہ بھی نہ ہو، تو پھر وہ معرب کہلائے گا، باقی صورتوں میں وہ مبنی کہلائے گا۔ وہ ترکیب میں ہی واقع نہ ہو سرے سے تو بھی وہ مبنی ہے، جیسے زید اکیلا لفظ، یہ کیا ہے؟ صاحب کافیہ کے نزدیک مبنی ہے بھائی۔ زید پر آپ رفع پڑھنا چاہتے ہیں، بھائی رفع تو خود نہیں آتا اس کے لیے تو عامل چاہیے۔ یہاں تو کوئی عامل نہیں ہے، تو نہ رفع پڑھ سکتے ہیں نہ نصب نہ جر۔ زید یہ کیا

ہے؟ یہ مبنی ہے صاحب کافیہ کے نزدیک۔ اور اسی طرح غُلَامُ زَيْدٍ، غلام کو میں نے زید کے ساتھ جوڑ دیا۔ اب غلام پر آپ رفع پڑھنا چاہتے ہیں؟ نہیں بھائی رفع، نصب، جر تینوں کے لیے عامل چاہیے، یہاں کوئی عامل نہیں۔ ہاں زَيْدٍ جو مضاف الیہ ہے اس پر جر پڑھ رہے ہیں کیونکہ مضاف الیہ کو مضاف جر دیتا ہے۔ تو غلام بھی ترکیب میں ہے، زید بھی ترکیب میں ہے، لیکن غلام کے ساتھ اس کا عامل نہیں ہے جبکہ زید کے ساتھ اس کا عامل ہے جو اس کو جر دے رہا ہے۔ اور نیز یہ دونوں مبنی الاصل کے مشابہ نہیں ہیں۔ غلام بھی مبنی الاصل کے مشابہ نہیں، عام عبارتوں میں آتا ہے غلام کا لفظ تو آپ اس پر رفع نصب اور جر وغیرہ پڑھتے ہیں یا نہیں پڑھتے؟ زید بھی عام عبارتوں میں آتا ہے آپ اس پر رفع نصب جر پڑھتے ہیں۔ معلوم ہوا یہ دونوں مبنی الاصل کے مشابہ نہیں، وہ شرط تو پوری ہے اور ترکیب میں بھی واقع ہیں لیکن ترکیب کے اندر ایک کا عامل ہے ایک کا عامل نہیں، اور ہم نے کیا کہا تھا ترکیب ایسی ہونی چاہیے جس میں اس کا عامل ہو۔ لہٰذا غُلَامُ زَيْدٍ اس میں غلام کا لفظ صاحب کافیہ کی تعریف کے مطابق مبنی ہے کیونکہ یہ ایسی ترکیب میں ہے جس میں اس کا عامل ساتھ نہیں، جبکہ زید کا لفظ جو ہے صاحب کافیہ کے نزدیک معرب ہے کیونکہ یہ ترکیب میں بھی واقع ہے، ایسی ترکیب جس میں اس کا عامل بھی ہے اور نیز یہ مبنی الاصل کے مشابہ بھی نہیں ہے، تو اس لیے یہ معرب ہے۔

اب دیکھیے آگے بھائی۔ کہتے ہیں: فَالْمُعْرَبُ الَّذِي هُوَ قِسْمٌ مِنَ الِاسْمِ، الْمُرَكَّبُ أَيِ الِاسْمُ الَّذِي رُكِّبَ مَعَ غَيْرِهِ تَرْكِيبًا يَتَحَقَّقُ مَعَهُ عَامِلُهُ۔ بھائی متن کیا ہے؟ فَالْمُعْرَبُ الْمُرَكَّبُ الَّذِي لَمْ يُشْبِهْ مَبْنِيَّ الْأَصْلِ۔ نظر ہے متن پر؟ فَالْمُعْرَبُ الْمُرَكَّبُ الَّذِي لَمْ يُشْبِهْ مَبْنِيَّ الْأَصْلِ۔ صاحب جامی نے معرب کے بعد لفظ نکالا فَالْمُعْرَبُ الَّذِي هُوَ قِسْمٌ مِنَ الِاسْمِ، کہ معرب وہ والا مراد ہے جو اسم کی قسم ہے، مطلق معرب مراد نہیں ہے بھائی۔ بھائی یہ کیوں؟ یہ صاحب جامی کو یہ کہنے کی ضرورت کیوں پیش آئی؟

اشکال یہ ہوتا ہے، اشکال یہ ہوتا ہے، سنیے بھائی۔ آپ کی معرب کی یہ تعریف فعل مضارع کو شامل نہیں، حالانکہ فعل مضارع بھی معرب ہے آپ جانتے ہیں بھائی۔ يَضْرِبُ دیکھو رفع ہے، لَنْ يَضْرِبَ دیکھو نصب آیا اور لَمْ يَضْرِبْ دیکھو جزم آیا، تو فعل مضارع بھی کیا ہے؟ معرب ہے، اس کا آخر بھی بدلتا ہے بھائی عوامل کے بدلنے سے۔ تو وہ بھی معرب ہے لیکن آپ کی یہ تعریف فعل مضارع کو شامل نہیں، تو آپ کی یہ تعریف اپنے افراد کو جامع نہیں۔ کیونکہ یہ تعریف فعل مضارع پر صادق نہیں آتی۔ فعل مضارع میں یاد رکھو بھائی دو مذہب ہیں بھائی۔ ایک ہے بصرہ والوں کا مذہب، علمائے نحو ہیں جو بصرہ کے، اور دوسرے کوفہ کے نحوی۔ بصرہ کے نحوی کہتے ہیں کہ فعل مضارع بھی اصل میں مبنی تھا بھائی، ہر فعل اصل کے اعتبار سے مبنی ہوتا ہے۔ تو فعل مضارع بھی کیا تھا؟ فعل ہے، اور فعل اصل کے اعتبار سے کیا ہوتا ہے؟ مبنی، تو فعل مضارع بھی مبنی تھا اصل میں۔ لیکن پھر اس کی مشابہت آگئی اسم فاعل کے ساتھ۔ کس کے ساتھ؟ اسم فاعل کے ساتھ۔ اسی لیے اس کو فعل مضارع کہتے ہیں، مضارع کا معنی ہے مشابہ، یہ کس کے مشابہ ہے؟ اسم فاعل کے۔ بات سمجھ میں آرہی ہے؟ فعل مضارع کی بحث آپ نے پڑھی ہوگی ہدایۃ النحو میں بھی، کافیہ میں بھی، تو وہاں تفصیل بیان ہوتی ہے کہ

فعل مضارع کو فعل مضارع کیوں کہتے ہیں؟ کیونکہ یہ اسم فاعل کے مشابہ ہے۔ لفظوں میں بھی اس کے مشابہ، معنی میں بھی اس کے مشابہ۔ لفظوں میں اس طرح مشابہ کہ جتنے حروف فعل مضارع کے ہوتے ہیں اتنے ہی حروف اسم فاعل کے بھی ہوتے ہیں۔ یَضْرِبُ کتنے حروف؟ چار۔ ضَارِبٌ اسی سے اسم فاعل کتنے حروف؟ چار۔ اچھا یُکْرِمُ کتنے حروف؟ چار۔ یُکْرِمُ چار حروف اور مُکْرِمٌ اس کے بھی کتنے حروف؟ چار۔ یَسْتَخْرِجُ کتنے حروف؟ یَسْتَخْرِجُ کتنے حروف؟ چھ۔ اور مُسْتَخْرِجٌ اس کے بھی کتنے حروف؟ چھ۔ تو حروف بھی برابر ہوتے ہیں۔ نیز حرکات و سکنات بھی برابر ہوتی ہیں۔ فعل مضارع کے اندر جس حرف پر حرکت آئے گی اسم فاعل میں بھی وہاں جو حرف آرہا ہوگا وہاں پر حرکت آئے گی، یعنی یوں کہو کہ فعل مضارع اور اسم فاعل ساکن کے مقابلے میں ساکن آئے گا اور متحرک کے مقابلے میں متحرک آئے گا۔ یَسْتَخْرِجُ، یَسْتَخْرِجُ دوسرا حرف بھی ساکن اور چوتھا بھی ساکن، توجہ ہے؟ یَسْتَخْرِجُ، سین بھی ساکن اور خا بھی ساکن، دوسرا حرف بھی ساکن اور چوتھا بھی ساکن۔ مُسْتَخْرِجٌ اسم فاعل لے آؤ، اس میں بھی دیکھو دوسرا حرف بھی ساکن اور چوتھا بھی ساکن۔ یَضْرِبُ جی کون سا ساکن؟ دوسرا۔ ضَارِبٌ کون سا ساکن؟ دوسرا۔ تو حرکات و سکنات میں بھی ایک جیسے ہوتے ہیں، حروف کی تعداد میں بھی ایک جیسے ہوتے ہیں۔ نیز جیسے فعل مضارع پر تاکید والا لام داخل ہوتا ہے لَأَضْرِبَنَّ، دیکھا لام تاکید آگیا۔ اسی طرح اسم فاعل پر بھی لام تاکید داخل ہوتا ہے إِنَّ زَيْدًا لَضَارِبٌ. بات سمجھ میں آرہی؟ تو دیکھو لفظوں میں بھی مشابہت ہے اور معنی میں بھی مشابہت ہے، جیسے فعل مضارع حال اور استقبال کے لیے آتا ہے اسی طرح اسم فاعل بھی حال اور استقبال کے لیے آتا ہے۔ تو لفظوں میں بھی مشابہت اور معنی میں بھی مشابہت، تو فعل مضارع اصل میں کیا تھا؟ مبنی۔ پھر اسم فاعل کے ساتھ مشابہت آئی تو کیا بن گیا؟ معرب بن گیا۔

تو اشکال یہ ہوتا ہے آپ کی یہ معرب کی تعریف جامع نہیں، معرب تو اسم بھی ہوتا ہے فعل مضارع بھی ہوتا ہے، لیکن آپ کی اس تعریف سے فعل مضارع تعریف سے خارج ہو گیا کیونکہ آپ نے کیا تعریف کی معرب کی؟ وہ مرکب جو مبنی الاصل کے مشابہ نہ ہو، اور فعل مضارع تو مبنی الاصل کے مشابہ ہے، فعل مضارع بھی اصل میں کیا تھا؟ مبنی۔ جیسے مبنی الاصل اصل کے اعتبار سے مبنی ہے، فعل مضارع بھی اصل کے اعتبار سے کیا ہے؟ مبنی ہے، تو اس کی ان کے ساتھ مشابہت آگئی بھائی۔ تو آپ کی تعریف فعل مضارع کو شامل نہیں، حالانکہ وہ بھی معرب ہے۔ تو فعل مضارع آپ کی تعریف سے خارج ہو گیا حالانکہ اس کو بھی داخل ہونا چاہیے تھا۔ فعل مضارع کا کیا اشکال ہوا؟ کہ آپ کی تعریف جامع نہیں ہے، فعل مضارع بھی معرب ہے اور آپ کی تعریف اس پر صادق نہیں آرہی، وہ اس میں داخل نہیں ہو رہا۔

اور نیز آپ کی یہ تعریف مانع بھی نہیں ہے، اس میں غیر داخل ہو رہا ہے۔ غیر داخل ہو رہا ہے۔ جیسے ضَرَبَ زَيْدٌ، ضَرَبَ فعل ماضی ہے اور اس کو ہم نے کس کے ساتھ جوڑ دیا؟ زید کے ساتھ، تو یہ ترکیب میں واقع ہے۔ ضَرَبَ زَيْدٌ کس میں واقع ہے؟ ترکیب میں واقع ہے اور نیز یہ مبنی الاصل کے مشابہ بھی نہیں ہے، ترکیب میں بھی واقع ہے اور مبنی الاصل کے مشابہ

بھی نہیں ہے کیونکہ یہ تو خود مبنی الاصل ہے۔ جب خود مبنی الاصل ہے تو مبنی الاصل کے مشابہ ہوا؟ نہیں۔ تو دیکھو دونوں شرطیں پوری: ترکیب میں بھی واقع ضَرَبَ زَيْدٌ اور مبنی الاصل کے مشابہ بھی نہیں، تو یہ تعریف میں داخل ہو گیا، اس کو بھی معرب کہنا چاہیے، حالانکہ یہ تو مبنی الاصل ہے بھائی۔

نیز فعل امر بھی اس میں داخل ہو گیا، اِضْرِبْ زَيْدًا۔ اِضْرِبْ فعل امر کس میں واقع ہے؟ ترکیب میں، اور نیز یہ مبنی الاصل کے مشابہ بھی نہیں کیونکہ یہ تو خود کیا ہے؟ مبنی الاصل، تو یہ بھی کیا ہے؟ معرب کی تعریف میں داخل ہو گیا۔ نیز مَرَرْتُ بِزَيْدٍ، مَرَرْتُ بِزَيْدٍ۔ یہ بِزَيْدٍ حرف جر ہے، با جارہ، حرف جر، یہ ترکیب میں بھی واقع ہے اور نیز یہ مبنی الاصل کے مشابہ بھی نہیں کیونکہ یہ تو خود کیا ہے؟ مبنی الاصل ہے، یہ خود کیا ہے؟ مبنی الاصل۔ تو ضَرَبَ زَيْدٌ میں ضَرَبَ ترکیب میں بھی واقع ہے اور مبنی الاصل کے مشابہ بھی نہیں کیونکہ یہ تو خود مبنی الاصل ہے۔ اِضْرِبْ زَيْدًا، اِضْرِبْ ترکیب میں بھی واقع ہے اور مبنی الاصل کے مشابہ نہیں کیونکہ یہ تو خود کیا ہے؟ مبنی الاصل ہے۔ اور مَرَرْتُ بِزَيْدٍ کے اندر جو با ہے یہ ترکیب میں بھی واقع ہے اور مبنی الاصل کے مشابہ بھی نہیں کیونکہ یہ تو خود کیا ہے؟ مبنی الاصل۔ تو یہ تینوں بھی معرب کی تعریف میں داخل ہو گئے، تو آپ کی تعریف مانع نہیں دخول غیر سے، غیر معرب اس میں داخل ہو رہے ہیں۔ آپ کی تعریف جامع بھی نہیں کیونکہ اس سے فعل مضارع خارج ہو رہا ہے اور آپ کی تعریف مانع بھی نہیں کیونکہ فعل ماضی، فعل امر اور حروف بھی اس کے اندر داخل ہو رہے ہیں۔

تو اس کا جواب دے رہے ہیں شارح جامی، کہتے ہیں: فَالْمُعْرَبُ الَّذِي هُوَ قِسْمٌ مِنَ الِاسْمِ، کہ بھائی معرب وہ والا معرب جو اسم کی قسم ہے ہم اس کی بات کر رہے ہیں۔ توجہ ہے؟ ہم کس معرب کی بات کر رہے ہیں؟ وہ معرب جو اسم کی قسم ہے ہم اس کی بات کر رہے ہیں۔ تو فعل مضارع تو داخل نہیں ہوا آپ کا اشکال تھا کہ فعل مضارع کیوں نہیں داخل ہو رہا، اس کو بھی داخل ہونا چاہیے؟ بھائی ہم بات ہی اسم کی کر رہے ہیں، فعل مضارع تو فعل ہے، وہ تو اس کے اندر داخل ہونا بھی نہیں چاہیے بھائی۔ اس کی بات ہی ہم نہیں کر رہے۔ تو فعل مضارع اگر نہیں داخل ہوا تو ہونا بھی یہی چاہیے کہ اس کو داخل نہیں ہونا چاہیے۔ اور باقی آپ نے کیا کہا تھا؟ کہ فعل ماضی داخل ہو رہا ہے، فعل امر داخل ہو رہا ہے اور تمام حروف داخل ہو رہے ہیں؟ تو اس کا بھی جواب دے دیا کہ بھائی یہ نہیں داخل ہو سکتے، ہم اس معرب کی بات کر رہے ہیں جو اسم ہو اور یہ تو فعل ہیں یا حروف ہیں، یہ تو داخل ہی نہیں ہو سکتے اس کے اندر۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو لہٰذا فَالْمُعْرَبُ الَّذِي هُوَ قِسْمٌ مِنَ الِاسْمِ پس وہ معرب جو کہ اسم کی قسم ہے، وہ معرب جو اسم کی قسم ہے بھائی، پیچھے ابھی بتایا اسم کی قسم ہے۔

تو اسم ہوا مقسم اور معرب اور مبنی کیا ہوئیں اس کی قسمیں، توجہ ہے؟ ہمارے ہاں رائج یہ ہے عموماً کہتے ہیں مَقْسَم بھائی، مَقْسَم کہتے ہیں۔ بات سمجھ میں آرہی ہے؟ بھائی سنو، ایک ہوتا ہے مَقْسِم، ایک ہے قِسْم، ایک ہے قَسِیم بھائی۔

مَقْسِم، قِسْم اور قَسِیم۔ جیسے کہتے ہیں: اَلْکَلِمَةُ اسْمٌ وَفِعْلٌ وَحَرْفٌ۔ تو یہ اسم، فعل اور حرف یہ قسمیں ہیں کس کی؟ کلمہ کی، تو کلمہ کو کہیں گے مَقْسِم بھائی، کیا کہیں گے؟ مَقْسِم اسم ظرف کا صیغہ ہے، تقسیم ہونے کی جگہ۔ یہ کلمہ کیا ہے؟ ان کے تقسیم ہونے کی جگہ ہے، یعنی اسی کی یہ قسمیں ہیں، یہی کلمہ تقسیم ہوا ہے تین قسموں کے اندر۔ تو جس کی قسمیں ہوں اس کو مَقْسِم کہتے ہیں۔ تو کلمہ جو ہے اسم فعل اور حرف کی طرف نظر کریں تو کلمہ کو کیا کہیں گے؟ مَقْسِم۔ اور اسم، فعل اور حرف ان کو کلمہ کی طرف دیکھیں تو کیا کہیں گے؟ قِسْم کہیں گے کہ یہ کلمہ کی قسمیں ہیں۔ اور آپس میں ایک دوسرے کی طرف نظر کرتے ہوئے ان کو قَسِیم کہتے ہیں۔ قَسِیم، قَسِیم یعنی ایک دوسرے کے مقابل ہیں۔ اسم قَسِیم ہے کس کی؟ فعل اور حرف کی، اور فعل قَسِیم ہے کس کی؟ اسم اور حرف کی، اور حرف قَسِیم ہے کس کی؟ اسم اور فعل کی۔ تو یہ سب آپس میں ایک دوسرے کے مقابل ہیں، یہ جمع نہیں ہو سکتے۔ تو مَقْسِم کی طرف نظر کرتے ہوئے یہ اسم فعل اور حرف قِسْم کہلاتے ہیں، اور آپس میں ایک دوسرے کی طرف نظر کرتے ہوئے ایک دوسرے کے مقابل ہیں تو یہ قَسِیم کہلاتے ہیں۔ اور جس کی یہ قسمیں ہیں اس کو کیا کہتے ہیں؟ مَقْسِم کہتے ہیں بھائی۔ بات سمجھ میں آئی؟ ہمارے ہاں جو رائج ہے عموماً مَقْسَم کہتے ہیں، مَقْسَم کہتے ہیں، لیکن صحیح لفظ مَقْسِم ہے بھائی، قَسَمَ یَقْسِمُ، باب ضرب ہے بھائی، اور قَسَمَ یَقْسِمُ سے اسم ظرف کیا آئے گا؟ مَقْسِم آئے گا بھائی۔

تو یہ معرب بھی اسم کی قسم ہے تو یہ بھی اسم ہی ہو گا۔ تو کہتے ہیں: فَالْمُعْرَبُ الَّذِي هُوَ قِسْمٌ مِنَ الِاسْمِ، الْمُرَكَّبُ أَيِ الِاسْمُ الَّذِي رُكِّبَ مَعَ غَيْرِهِ۔ الْمُرَكَّبُ کے بعد شارح جامی فرما رہے ہیں: أَيِ الِاسْمُ الَّذِي رُكِّبَ مَعَ غَيْرِهِ، یعنی وہ اسم جس کو جوڑا گیا ہو غیر کے ساتھ تَرْكِيبًا ایسی ترکیب میں يَتَحَقَّقُ مَعَهُ عَامِلُهُ جس میں اس کا عامل بھی پایا جائے۔ ایسی ترکیب جس میں اس کا عامل بھی پایا جائے۔ یہ دراصل اعتراض ہوتا تھا۔ صاحب کافیہ نے کیا فرمایا؟ فَالْمُعْرَبُ الْمُرَكَّبُ، معرب جو ہے وہ مرکب ہوتا ہے، توجہ ہے؟ وہ مرکب ہوتا ہے جو مبنی الاصل کے مشابہ نہ ہو۔ تو اشکال ہوتا ہے کہ معرب کس کی قسم ہے؟ اسم کی۔ اور اسم کس کی قسم ہے؟ کلمہ کی۔ اور کلمہ کی تعریف میں آیا تھا: اَلْكَلِمَةُ لَفْظٌ وُضِعَ لِمَعْنًى مُفْرَدٍ، وہاں افراد کی قید آئی تھی باقاعدہ۔ معلوم ہوا اسم تو مفرد ہو گا بھائی۔ جب اسم مفرد ہے تو معرب بھی کیا ہونا چاہیے؟ مفرد ہونا چاہیے، تو معرب تو مفرد ہوتا ہے۔ اور آپ نے تو ہمیں کیا کہا؟ معرب مرکب ہوتا ہے۔ تو آپ کی بات صحیح نہیں، معرب مرکب نہیں ہوتا، معرب مفرد ہوتا ہے۔ تو اس کا جواب دیا کہ یہ الْمُرَكَّبُ اس کا موصوف محذوف ہے بھائی۔ موصوف، موصوف کیا ہے؟ الِاسْمُ۔ فَالْمُعْرَبُ الِاسْمُ الْمُرَكَّبُ، فَالْمُعْرَبُ الِاسْمُ الْمُرَكَّبُ، دیکھا معرب وہ اسم ہے جو مرکب ہو یعنی جس کو ترکیب میں جوڑا گیا ہو۔

کیا جواب دے دیا؟ کہ اس کا موصوف، الْمُرَكَّبُ کا موصوف محذوف ہے بھائی۔ اور میں نے آپ کو بتلایا تھا کہ الف لام دو قسم پر ہے: ایک الف لام اسمی اور ایک الف لام حرفی۔ الف لام اسمی کسے کہتے ہیں؟ جو اسم فاعل اور اسم مفعول کے

صیغوں پر داخل ہو، اور یہ کیا ہے دراصل؟ یہ اسم موصول ہے۔ تو الضَّارِبُ کس معنی میں ہے؟ اَلَّذِي يَضْرِبُ۔ اور الْمَضْرُوبُ کس معنی میں ہے؟ اَلَّذِي يُضْرَبُ۔ تو بتلائیں گے آپ کو کہ یہاں پر بھی جو الْمُرَكَّبُ آیا، یہ مُرَكَّب اسم مفعول کا صیغہ ہے اور اس پر الف لام داخل ہے اور یہ کس معنی میں ہے؟ اَلَّذِي رُكِّبَ مَعَ غَيْرِهِ۔ یہ تو یہ کس معنی میں ہے الْمُرَكَّبُ؟ اَلَّذِي رُكِّبَ مَعَ غَيْرِهِ۔ اس کا موصوف محذوف ہے الِاسْمُ، اور یہ کس معنی میں ہے؟ اَلَّذِي رُكِّبَ مَعَ غَيْرِهِ۔ عبارت کیا بن گئی؟ فَالْمُعْرَبُ الِاسْمُ الَّذِي رُكِّبَ مَعَ غَيْرِهِ، پس معرب وہ اسم ہے جو ترکیب میں واقع ہو، جس کو جوڑا گیا ہو مَعَ غَيْرِهِ اپنے غیر کے ساتھ۔ توجہ ہے؟ اب اشکال ختم ہو گیا۔ آپ نے کیا کہا تھا؟ معرب کو تو مرکب نہیں ہونا چاہیے، آپ نے تو کیا کہہ دیا معرب مرکب ہے؟ تو جواب دے دیا کہ بھائی مرکب، یہ خبر نہیں ہے الْمُرَكَّبُ بلکہ اس کا موصوف محذوف ہے: الِاسْمُ الْمُرَكَّبُ، وہ اسم جو مرکب ہو یعنی جس کو غیر کے ساتھ جوڑا گیا ہو۔ بات سمجھ میں آگئی؟ اور وہ اسم جو غیر کے ساتھ جوڑا گیا ہو ظاہر سی بات ہے وہ تو مفرد ہی ہو گا بھائی۔

تو حاصل کلام یہ کہ یہاں جو مرکب کا لفظ آیا، یہ اس مرکب کے معنی میں نہیں ہے جو مفرد کے مقابلے میں آتا ہے۔ ایک ہوتا ہے مفرد، ایک ہوتا ہے مرکب۔ تو یہاں جو مرکب آیا اس سے وہ والا مرکب نہیں مراد جو کس کے مقابلے میں ہے؟ نہیں توجہ سبق کی طرف۔ بھائی اشکال کیا ہوا تھا؟ آپ نے کیا کہا؟ کہ معرب کو تو مفرد ہونا چاہیے اور آپ نے تو ہمیں کیا کہہ دیا؟ معرب کیا ہوتا ہے؟ مرکب ہوتا ہے۔ کہتے ہیں بھائی دراصل آپ غلط سمجھے ہیں، آپ سمجھے یہ مرکب سے کون سا مرکب مراد ہے جو کس کے مقابلے میں آئے؟ مفرد کے مقابلے میں۔ جب یہ مرکب ہے تو معلوم ہوا مفرد نہیں۔ مرکب ہے تو مفرد نہیں۔ تو کہتے ہیں یہاں جو مرکب آیا یہ وہ مرکب نہیں ہے جو مفرد کے مقابلے میں آتا ہے بلکہ یہاں مرکب بمعنی اَلَّذِي رُكِّبَ مَعَ غَيْرِهِ، وہ اسم ہے جو غیر کے ساتھ جوڑا گیا ہو۔ یاد رکھو یہ جو مرکب ہے نا یہ دو قسم پر ہے: ایک مرکب بنفسہ، ایک ہے مرکب بغیری۔ ایک مرکب بنفسہ، ایک مرکب بغیری۔ آپ سمجھے شاید اس مرکب سے مرکب بنفسہ مراد ہے، حالانکہ اس سے مرکب بنفسہ نہیں بلکہ مرکب بغیری مراد ہے۔ مرکب بغیری۔ کس طرح؟ دیکھو غُلَامُ زَيْدٍ۔ غُلَامُ زَيْدٍ۔ یہ دو لفظ ہیں۔ اس سارے کا مجموعہ، دونوں کا مجموعہ یہ کیا کہلائے گا؟ مرکب۔ یہ مرکب بنفسہ ہے، اپنی ذات کے اعتبار سے مرکب ہے، اس میں دو کلمے ہیں، دو ہوں یا دو سے زیادہ ہوں۔ تو اس میں کتنے کلمے؟ دو۔ تو یہ غُلَامُ زَيْدٍ یہ سارا کیا ہے؟ مرکب بنفسہ ہے۔ اور ایک ہوتا ہے مرکب بغیری وہ جو غیر کے ساتھ جوڑا گیا ہو۔ تو اس غُلَامُ زَيْدٍ کے اندر غُلَام یہ مرکب بغیری ہے، اس غلام کو جوڑا گیا ہے کس کے ساتھ؟ زید کے ساتھ۔ اور زید کو جوڑا گیا ہے کس کے ساتھ؟ غلام کے ساتھ۔ تو اس سارے مجموعے میں غلام کے بارے میں کہیں گے صرف لفظِ غلام کو دیکھتے ہوئے کہ یہ مرکب بغیری ہے، اس کو غیر کے ساتھ جوڑا گیا ہے۔ اسی طرح زید کے لفظ کے بارے میں کہیں گے کہ یہ بھی کیا ہے؟ مرکب بغیری ہے، اس کو غلام کے ساتھ جوڑا گیا ہے۔ اور دونوں کا مجموعہ جو ہے اس کو کیا کہیں گے؟ مرکب بنفسہ۔ تو آپ مرکب سے سمجھے شاید مرکب بنفسہ مراد ہے، حالانکہ مرکب بنفسہ یہاں

نہیں مراد بلکہ مرکب بغیری، ہوگا مفرد ہی لیکن غیر کے ساتھ اس کو جوڑا گیا ہے بھائی۔ بات سمجھ میں آگئی؟

دیکھیے کتاب پر کہتے ہیں: فَالْمُعْرَبُ الَّذِي هُوَ قِسْمٌ مِنَ الِاسْمِ، پس وہ معرب جو کہ اسم کی قسم ہے، الْمُرَكَّبُ أَيِ الِاسْمُ الَّذِي، دیکھا الْمُرَكَّبُ میں نے آپ کو کیا بتلایا کہ اس کا موصوف محذوف ہے الِاسْمُ، اور یہ الْمُرَكَّبُ کس معنی میں ہے؟ الَّذِي رُكِّبَ مَعَ غَيْرِهِ۔ اب دیکھو شارح جامی یوں کریں گے، آگے الَّذِي رُكِّبَ مَعَ غَيْرِهِ بھی لائیں گے، یہ کس کا ترجمہ کریں گے؟ الْمُرَكَّبُ کا، اور اس سے پہلے الِاسْمُ کا لفظ بھی نکال دیں گے، بتلا دیں گے کہ اس سے پہلے موصوف بھی محذوف ہے یہاں پر۔ عبارت سمجھ میں آرہی ہے؟ الْمُرَكَّبُ کو بھی کھول لیں گے اور اس سے پہلے اسم کا لفظ بھی لے آئیں گے۔ تو کہتے ہیں: الْمُرَكَّبُ أَيِ الِاسْمُ الَّذِي رُكِّبَ مَعَ غَيْرِهِ، یعنی وہ اسم جس کو جوڑا گیا ہو اپنے غیر کے ساتھ، اپنے علاوہ کے ساتھ۔ اور میں نے بتلایا تھا ترکیب بھی ایسی ہونی چاہیے جس کے اندر اس کا عامل بھی پایا جائے بھائی، عامل بھی پایا جائے بھائی۔ تو کہتے ہیں: تَرْكِيبًا يَتَحَقَّقُ مَعَهُ عَامِلُهُ، ایسی ترکیب۔ یہ مفعول مطلق واقع ہو رہا ہے۔ پیچھے رُكِّبَ فعل آیا الَّذِي رُكِّبَ مَعَ غَيْرِهِ اور تَرْكِيبًا یہ کیا واقع ہو رہا ہے؟ مصدر ہے جو ماقبل فعل کے معنی میں ہے اس کو مفعول مطلق کہتے ہیں۔ اور تَرْكِيبًا نکرہ ہے اور نکرہ کے بعد يَتَحَقَّقُ فعل آرہا ہے، اور نکرہ کے بعد فعل آئے تو اس کے لیے کیا بنتا ہے؟ صفت۔ اور موصوف صفت کا ترجمہ کیسے کرتے ہیں؟ موصوف سے پہلے ایسا یا ایسی کا لفظ لے آتے ہیں۔ تو کہتے ہیں: أَيِ الِاسْمُ الَّذِي رُكِّبَ مَعَ غَيْرِهِ، یعنی وہ اسم جس کو غیر کے ساتھ جوڑا گیا ہو، تَرْكِيبًا يَتَحَقَّقُ مَعَهُ عَامِلُهُ، ایسی ترکیب کہ جس میں اس کا عامل بھی پایا جائے، جس میں اس کا عامل بھی موجود ہو، جس میں اس کا عامل بھی موجود ہو، عامل بھی ساتھ موجود ہو۔

میں نے بتلایا کہ صاحب کافیہ کے نزدیک اکیلا زید کا لفظ یہ بھی مبنی ہے۔ اور غُلَامُ زَيْدٍ کے اندر یہ جو غلام کا لفظ ہے یہ بھی مبنی۔ کیونکہ یہ اگرچہ یہ ترکیب میں بھی واقع ہے اور مبنی الاصل کے مشابہ بھی ہے، لیکن اس غلام پر کوئی عامل نہیں ہے جو اس کو رفع نصب یا جر دے۔ تو ترکیب بھی کیسی ہونی چاہیے جس میں اس کا عامل بھی ہو۔ اسی لیے یہ قید لگا دی تاکہ غُلَامُ زَيْدٍ کے اندر جو غلام کا لفظ ہے وہ معرب ہونے سے نکل جائے، وہ صاحب کافیہ کے نزدیک معرب نہیں ہے۔ تو صاحب جامی بتلاتے ہیں: تَرْكِيبًا يَتَحَقَّقُ مَعَهُ عَامِلُهُ، ایسی ترکیب جس میں اس کے ساتھ اس کا عامل بھی پایا جائے، جس میں اس کا عامل بھی پایا جائے۔

اب ہر وہ اسم اس کے اندر آگیا جو ترکیب میں ہو اور اس کا عامل بھی پایا جائے اور وہ مبنی الاصل کے مشابہ بھی نہ ہو۔ زَيْدٌ قَائِمٌ۔ زَيْدٌ کیا ہے؟ اسم ہے، مبتدا ہے۔ اور قَائِمٌ بھی اسم ہے اور خبر ہے۔ توجہ ہے؟ خبر ہے۔ اور نیز، نیز یہ دونوں آپس میں جڑے ہوئے ہیں تو ترکیب میں بھی واقع ہیں۔ اور ترکیب بھی ایسی ہے کہ جن کے اندر ان کا عامل بھی موجود ہے۔ زَيْدٌ قَائِمٌ، ان دونوں میں کیا عامل ہے؟ ابتدا عامل ہے۔ کیا عامل ہے؟ ابتدا۔ ابتدا کسے کہتے ہیں؟ شروع کرنا، یہ تو لفظی معنی ہے۔ بھائی طلبہ پریشان ہوتے ہیں کہ ابتدا کیا چیز ہے۔ بھائی ابتدا اس کو کہتے ہیں کہ ایک اسم مسند الیہ یا مسند بن رہا ہو اور

عامل کوئی نہ ہو، تو یہ ہے ابتدا۔ ایک اسم کیا بن رہا ہو؟ مسند یا مسند الیہ بن رہا ہو اور عاملِ لفظی کوئی نہ ہو، عامل نہ کہیں یوں کہیں عاملِ لفظی۔ ایک اسم مسند اور یا مسند الیہ بن رہا ہے اور عاملِ لفظی کوئی نہیں، تو بس کہتے ہیں اس میں ابتدا عامل ہے۔ کسے کہیں گے؟ دہراؤ ذرا۔ کوئی اسم مسند الیہ یا مسند بن رہا ہو اور کوئی عاملِ لفظی نہ ہو تو کیا کہیں گے؟ ان میں عامل کیا ہے؟ ابتدا ہے۔ یعنی یوں کہو مسند اور مسند الیہ کا عاملِ لفظی سے خالی ہونا یہ ہے ابتدا۔ مسند یا مسند الیہ کا عاملِ لفظی سے خالی ہونا یہ ہے ابتدا۔ اب صرف اس میں بتدا اور خبر داخل ہو گئے، باقی کوئی بھی نہیں اس میں۔ صرف دو چیزیں آئیں: بتدا اور خبر۔ یہ دونوں، بتدا ہوتا ہے مسند الیہ اور خبر کیا ہوتی ہے؟ مسند۔ تو ایک اسم مسند الیہ بن رہا ہے، ایک کیا بن رہا ہے؟ مسند، اور عاملِ لفظی سے دونوں خالی ہیں۔ کوئی عاملِ لفظی یہاں موجود نہیں جو ان کو رفع دے رہا ہو، تو کیا کہیں گے؟ جب عاملِ لفظی نہیں ہے تو عامل کون ہے؟ ابتدا ہے۔ کیا ہے؟ ابتدا، یہ مرفوع ہیں ابتدا کی وجہ سے۔ زَیْدٌ قَائِمٌ، زید کو رفع کس نے دیا؟ ابتدا نے۔ قَائِمٌ کو رفع کس نے دیا؟ ابتدا نے۔ ابتدا کس چیز کا نام ہے؟ عاملِ لفظی سے خالی ہونا کس کا؟ مسند اور مسند الیہ کا، ہر لفظ کا نہیں، مسند اور مسند الیہ کا عاملِ لفظی سے خالی ہونا یہ ہے ابتدا بھائی ابتدا۔

تو لہٰذا انہوں نے کیا کہا؟ معرب وہ ہے جو ترکیب میں واقع ہو اور ترکیب بھی ایسی ہو جس کے میں اس کا عامل بھی پایا جائے بھائی، عامل بھی پایا جائے۔ اب زَیْدٌ قَائِمٌ دو اسم ہیں، ایک مسند الیہ بن رہا ہے ایک مسند بن رہا ہے اور دونوں میں ابتدا بھی عامل ہے، تو یہ دونوں ترکیب میں بھی واقع ہیں اور ترکیب بھی ایسی ہے کہ ان کے اندر ان کا عامل بھی ہے، عامل کیا؟ ابتدا۔ بات سمجھ میں آئی؟ ابتدا یہاں ان کو رفع دے رہی ہے۔ یعنی یوں کہو عاملِ لفظی نہیں ہوتا تو پھر وہاں عامل کس کو بناتے ہیں؟ ابتدا کو عامل قرار دیتے ہیں، اور یہ صرف بتدا اور خبر میں ہے اور جگہ نہیں۔ تو یہ دونوں عاملِ لفظی سے خالی ہیں تو زَیْدٌ قَائِمٌ یہ مسند الیہ اور مسند ہیں اور عاملِ لفظی سے خالی، تو ان کے اندر ابتدا عامل ہے، تو زَیْدٌ قَائِمٌ اس میں ترکیب بھی ہے یہ دونوں آپس میں جڑے ہوئے ہیں اور ایسی ترکیب ہے جن میں عامل بھی پایا جا رہا ہے، معنوی ہے، اب وہ عامل معنوی ہے لفظوں میں نہیں ہے، لفظوں میں تو صرف زید اور قائم ہیں، معمول موجود ہیں لفظوں میں، لفظوں کے اندر عامل موجود نہیں ہے، عامل معنوی یہ ایک معنوی چیز ہے بھائی۔ بات سمجھ میں آگئی؟ یہ جو ابتدا ہے۔ تو یہ ایسی ترکیب ہے جس میں ان کا عامل بھی ہے اور نیز یہ مبنی الاصل کے مشابہ بھی نہیں، نہ زید کی مشابہت ہے مبنی الاصل سے نہ قَائِمٌ کی، تو اب زید اور قَائِمٌ دونوں معرب کی تعریف میں داخل ہو گئے۔ غُلَامُ زَیْدٍ میں جو غلام تھا وہ تو داخل نہیں ہو رہا تھا، کیوں نہیں ہو رہا تھا؟ کیونکہ وہاں عامل نہیں تھا، لیکن زَیْدٌ قَائِمٌ دونوں داخل ہو گئے کیونکہ دونوں میں عامل ہے بھائی۔

اور نیز قَامَ هٰؤُلَاءِ۔ قَامَ هٰؤُلَاءِ۔ قَامَ فعل، هٰؤُلَاءِ یہ اسم اشارہ ہے قریب کے لیے جمع کے لیے، یہ سب کھڑے ہو گئے۔ قَامَ هٰؤُلَاءِ، یہ سب کھڑے ہو گئے۔ اب یہ جو هٰؤُلَاءِ ہے یہ بھی ترکیب میں واقع ہے قَامَ کے ساتھ، قَامَ تو فعل ہے نا ہم فعل کی بات تو نہیں کر رہے، ہم تو صرف اسم کی بات کر رہے ہیں، معرب کی بات کر رہے ہیں، وہ معرب جو اسم ہوتا ہے تو قَامَ

کی تو بات نہیں۔ قَامَ هٰؤُلَاءِ کے اندر قَامَ مسند ہے اور هٰؤُلَاءِ اس کا فاعل ہے، فاعل۔ تو یہ ترکیب میں واقع ہے هٰؤُلَاءِ، اور ترکیب بھی کیسی ہے؟ ترکیب بھی ایسی ہے جس میں اس کا عامل یعنی قَامَ بھی موجود ہے۔ یہ بھی اس کے اندر داخل ہو گیا۔ آپ کہیں گے یہ تو مبنی الاصل کے مشابہ ہے، یہ معرب میں کیسے داخل؟ نہیں بھائی ابھی الَّذِي لَمْ يُشْبِهْ مَبْنِيَّ الْأَصْلِ یہ قید تو ابھی آگے آنے والی ہے، ابھی تو جب مرکب کہا، کیا کہا؟ مرکب کہا، تو یہ قَامَ هٰؤُلَاءِ والا هٰؤُلَاءِ بھی تعریف میں داخل ہو گیا، آگے جب کہیں گے الَّذِي لَمْ يُشْبِهْ مَبْنِيَّ الْأَصْلِ پھر یہ نکل جائے گا۔ یہ تو مبنی الاصل کے مشابہ ہے، اسم اشارہ ہے بھائی۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو ابھی جب الْمُرَكَّبُ کہا، تو اس کے اندر ہر وہ اسم آگیا جو ترکیب میں بھی ہو اور ساتھ عامل بھی ہو۔ اور باقیوں کے اندر تو عامل لفظوں میں ہوتا ہے وہ تو بات ظاہر تھی، بتدا اور خبر میں تو عامل لفظوں میں نہیں ہوتا، بتایا وہ بھی اس کے اندر داخل ہو گیا، کیونکہ بتدا اور خبر دونوں کس میں واقع ہیں؟ ترکیب میں ہیں، ایک دوسرے کے ساتھ جڑے ہوئے ہیں، اور ترکیب بھی کیسی ہے کہ اس ترکیب میں ان کا عاملِ معنوی بھی موجود ہے بھائی۔ یہ بھی داخل ہو گئے معرب کی تعریف میں، اور هٰؤُلَاءِ بھی معرب کی تعریف میں داخل ہو گیا کیونکہ قَامَ هٰؤُلَاءِ کے اندر هٰؤُلَاءِ وہ ترکیب میں واقع ہے اور ایسی ترکیب ہے جس میں اس کا عامل بھی ہے۔ اس کو معرب کی تعریف سے آگے چل کر ہم نکال دیں گے۔ بات سمجھ میں آگئی؟

تو کہتے ہیں: فَيَدْخُلُ فِيهِ زَيْدٌ وَقَائِمٌ وَهٰؤُلَاءِ، تو اس مرکب کے اندر داخل ہو گیا زید بھی اور قائم بھی اور هٰؤُلَاءِ بھی، فِي قَوْلِكَ جو کہ آپ کے اس قول میں ہے: زَيْدٌ قَائِمٌ، دیکھو اس قول میں زَيْدٌ اور قَائِمٌ یہ دونوں بتدا خبر ہیں یہ بھی داخل ہو گئے اس مرکب میں، وَقَامَ هٰؤُلَاءِ اور جیسے قَامَ هٰؤُلَاءِ کے اندر هٰؤُلَاءِ یہ ہے یہ بھی اس کے اندر داخل ہو گیا۔ بِخِلَافِ مَا لَيْسَ بِمُرَكَّبٍ أَصْلًا، بخلاف اس اسم کے جو مرکب ہی نہ ہو، أَصْلًا أَيْ قَطْعًا، جو قطعی طور پر یعنی سرے سے مرکب ہی نہ ہو۔ مِنَ الْأَسْمَاءِ الْمَعْدُودَةِ، یعنی وہ اسماء جن کو شمار کیا جاتا ہے۔

بھائی بعض اوقات آپ چیزوں کو شمار کرتے ہیں۔ کیا کرتے ہیں؟ جیسے استاد آپ کو کہتا ہے بھائی حروف تہجی سناؤ، تو آپ کیسے سناتے ہیں؟ الف، با، تا، ثا، جیم، حا، خا۔ تو دیکھو یہ اب حروف تہجی سنا رہے ہیں آپ ان کو شمار کر رہے ہیں۔ اسی طرح کبھی آپ اور چیزیں گنتے ہیں۔ آپ چیزوں کو گن رہے ہوتے ہیں، یا جیسے اپنے ساتھیوں کو شمار کر رہے ہیں، گن رہے ہیں: زید، عمر، بکر، خالد، عثمان وغیرہ یہ لفظ آپ ذکر کرتے جا رہے ہیں۔ اب یہاں دیکھو ترکیب ہی نہیں ہے سرے سے۔ یہ تو آپ صرف شمار کر رہے ہیں۔ ترکیب ہے؟ نہیں۔ جی؟ یہاں کوئی ترکیب نہیں ہے، آپ لفظوں کو یہ الگ الگ شمار کرتے جا رہے ہیں۔ حروف تہجی کیا ہیں؟ الف، پھر با، پھر تا، پھر ثا، تو یہ صرف شمار کر رہے ہیں یہاں ترکیب نہیں۔ یا اپنے ساتھیوں کو شمار کرتے ہیں زید، عمر، بکر، خالد، تو یہ صرف شمار کر رہے ہیں۔ تو یہ جو اسمائے معدودہ ہیں، اسمائے معدودہ، یاد رکھو یہ صاحب کافیہ کے نزدیک یہ مبنی ہیں کیونکہ یہ ترکیب میں واقع نہیں۔ ترکیب بھی ہونی چاہیے اور ترکیب بھی

ایسی ہو جس میں عامل بھی ساتھ ہو، اور نیز وہ مبنی الاصل کے مشابہ نہ ہو۔ تو یہ اسمائے معدودہ تعریف میں داخل ہوئے یا نکل گئے؟ اَلمُرَکَّبُ کہتے ہی یہ نکل گئے کیونکہ یہ تو ترکیب میں واقع نہیں ہیں۔

تو کہتے ہیں: بِخِلَافِ مَا لَيْسَ بِمُرَكَّبٍ أَصْلًا، بخلاف وہ اسم جو سرے سے مرکب ہی نہ ہو، مِنَ الْأَسْمَاءِ الْمَعْدُودَةِ، اسمائے معدودہ میں سے یعنی وہ اسماء جن کو شمار کیا جائے، نَحْوُ أَلِف، بَا، تَا، جی آگے زَيْد، عَمْر، بَكْر۔ یہ الگ الگ شمار کر رہے ہیں۔ بِخِلَافِ مَا هُوَ مُرَكَّبٌ مَعَ غَيْرِهِ، بخلاف اس کے جو غیر کے ساتھ مرکب ہے، جو غیر کے ساتھ مرکب ہے، لٰكِنْ لَا تَرْكِيبًا يَتَحَقَّقُ مَعَهُ عَامِلُهُ، لیکن وہ ایسی ترکیب میں نہیں ہے جس میں اس کا عامل بھی ساتھ پایا جا رہا ہو۔ كَغُلَامٍ، جیسے کہ غلام کا لفظ ہے فِي غُلَامِ زَيْدٍ۔ غلامِ زیدٍ، یہ اس کو ذرا الگ کر لو، یہاں تو فِي کی اس وجہ سے جر ہم نے پڑھ لیا، بلکہ اس کو بھی اسی طرح پڑھ لو: فِي غُلَامِ زَيْدٍ، فِي غُلَام زَيْدٍ، جیسے اوپر ہم نے پڑھا تھا: الف، با، تا، زید، عمر، بکر، زَيْدٌ نہیں پڑھنا، عَمْرٌ نہیں پڑھنا، بَكْرٌ نہیں پڑھنا، کیونکہ یہ صرف اسمائے معدودہ ہیں، شمار کیے جا رہے ہیں، ترکیب میں نہیں ہیں، اور رفع کے لیے عامل چاہیے ہوتا ہے، تو یہاں بھی کیسے پڑھو؟ كَغُلَام فِي غُلَامِ زَيْدٍ، جیسے غُلَامِ زَيْدٍ کے اندر غُلَام کا لفظ ہے بھائی۔ یہ اگرچہ ترکیب میں ہے لیکن ترکیب میں اس کا عامل ساتھ نہیں، تو صاحب کافیہ کے نزدیک یہ بھی کس میں سے ہے؟ یہ مبنیات میں سے ہے بھائی۔ کس میں سے ہے؟ مبنیات میں سے۔

پھر سنو حاصل کلام: صاحب کافیہ کی تعریف چل رہی ہے معرب کی۔ صاحب کافیہ نے کیا فرمایا؟ معرب وہ اسم ہے جو غیر کے ساتھ ترکیب میں واقع ہو۔ توجہ ہے؟ جب یہ کہا تو زَيْدٌ قَائِمٌ مبتدا اور خبر دونوں بھی اس کے اندر داخل ہو گئے، قَامَ هٰؤُلَاءِ یہ بھی اس کے اندر داخل ہو گیا کیونکہ یہ سب ترکیب میں بھی ہیں اور ساتھ ان کا عامل بھی ہے۔ اسمائے معدودہ نکل گئے کیونکہ وہ تو سرے سے ترکیب میں ہی نہیں۔ اسی طرح غُلَامِ زَيْدٍ میں جو غُلَام ہے یہ بھی کیا ہوا؟ نکل گیا کیونکہ یہ ترکیب میں تو ہے لیکن ساتھ اس کا عامل نہیں۔ یہ سارے صاحب کافیہ کے نزدیک مبنی ہیں۔ کہتے ہیں: فَإِنَّ جَمِيعَ ذٰلِكَ مِنْ قَبِيلِ الْمَبْنِيَّاتِ عِنْدَ الْمُصَنِّفِ، کیونکہ یہ سارے جو ہیں یہ مبنیات کی قبیل سے ہیں مصنف رحمہ اللہ کے نزدیک۔ کون سارے؟ جو سرے سے ترکیب میں ہی واقع نہ ہوں یعنی اسمائے معدودہ، اور یا جو ترکیب میں تو واقع ہے لیکن ایسی ترکیب نہیں ہے جس میں اس کا عامل ہو۔ یہ سارے کس میں داخل ہو گئے؟ مبنیات میں داخل ہو گئے، یہ مبنیات کی قبیل سے ہیں مصنف کے نزدیک بھائی۔

الَّذِي لَمْ يُشْبِهْ أَيْ لَمْ يُنَاسِبْ مُنَاسَبَةً مُؤَثِّرَةً فِي مَنْعِ الْإِعْرَابِ مَبْنِيَّ الْأَصْلِ. یہ دوسری قید آ گئی: الَّذِي لَمْ يُشْبِهْ. لَمْ يُشْبِهْ کے بعد صاحب جامی اس کا معنی کر رہے ہیں أَيْ لَمْ يُنَاسِبْ۔ یہاں مشابہت سے مناسبت مراد ہے۔ مشابہت تو اسے کہتے ہیں نا کہ ایک چیز دوسری چیز جیسی ہو صفت کے اندر۔ آپ کہتے ہیں زَيْدٌ كَالْأَسَدِ فِي الشَّجَاعَةِ، زید شیر جیسا ہے بہادری میں۔ تو مشابہت کسے کہتے ہیں؟ کہ ایک چیز دوسری چیز جیسی ہو کس چیز کے اندر؟ صفت کے اندر۔ ایک چیز دوسری چیز

جیسی ہو صفت کے اندر بھائی۔ تو یہاں صاحب جامی بتلا رہے ہیں کہ یہاں مشابہت سے مشابہت نہیں مراد، بلکہ مناسبت مراد ہے۔ کیونکہ اگر مشابہت کہا جائے، مشابہت، پھر تو ہر معرب وہ مبنی الاصل کے مشابہ ہے۔ ہر معرب... پھر تو معرب کوئی بچے گا ہی نہیں۔ کیوں؟ کیونکہ معرب بھی لفظ ہوتا ہے اور مبنی الاصل بھی کیا ہیں؟ لفظ ہیں۔ یا معرب بھی ایک کلمہ ہے جو وہ لفظ جس کا کچھ معنی ہو، اور مبنی الاصل بھی کیا ہے؟ ایک کلمہ ہے جس کا کچھ نہ کچھ معنی ہے۔ تو مشابہت ہے یا نہیں؟ تو مشابہت تو ہے، تو بتلائیں گے آپ کو کہ نہیں بھائی یہاں مشابہت نہیں مراد، وصف کے اندر اشتراک مراد نہیں ہے، بلکہ مناسبت مراد ہے اور کچھ خاص مناسبتیں ہیں وہ مراد ہیں، ہر مناسبت بھی مراد نہیں ہے۔ تو یہاں مشابہت جو ہے مناسبت کے معنی میں ہے۔

الَّذِي لَمْ يُشْبِهْ أَيْ لَمْ يُنَاسِبْ، یعنی مناسب نہ ہو، مُنَاسَبَةً مُؤَثِّرَةً فِي مَنْعِ الْإِعْرَابِ، بتلا رہے ہیں مناسبت سے ہر مناسبت مراد نہیں ہے۔ مناسبت عام ہے، وہ ہر طرح کی مناسبت ہو سکتی ہے۔ تو یاد رکھو یہاں علماء ذکر فرماتے ہیں کہ چیزیں جو ہیں ان میں اشتراک چار طرح اشتراک ہو سکتا ہے: کبھی دو چیزوں کی جنس ایک ہوتی ہے، کبھی دو کی نوع ایک ہوتی ہے، کبھی دونوں کی صفت ایک ہوتی ہے، اور کبھی دونوں کی صورت ایک جیسی ہوتی ہے۔ دو چیزوں میں اشتراک چار طرح ہو سکتا ہے: یا دونوں کی جنس ایک ہو گی، یا دونوں کی نوع ایک ہو گی، یا دونوں کی صفت ایک ہو گی، یا دونوں کی صورت ایک جیسی ہو گی۔

جنس ایک جیسی ہو، جیسے آپ کہیں انسان اور گائے بیل بکری، سب کی جنس حیوان ہے۔ تو ہم کہیں گے یہ انسان اور گائے بیل بکری یہ سب حیوان ہونے میں شریک ہیں۔ اور کبھی کبھار جو اشتراک ہوتا ہے وہ نوع میں ہوتا ہے، جیسے زید، عمر اور بکر یہ سب کیا ہیں؟ انسان ہیں، سب کی نوع ایک ہی ہے بھائی، انسان ہونے میں سارے شریک ہیں۔ اور کبھی جو اشتراک ہوتا ہے وہ صفت میں ہوتا ہے، جیسے میں کہتا ہوں زید شیر جیسا ہے بہادری میں، معلوم ہوا بہادری کی صفت میں دونوں شریک ہیں۔ اور کبھی کبھار صورت میں اشتراک ہوتا ہے، جیسے آپ کہتے ہیں کہ یہ میری کتاب آپ کی کتاب جیسی ہے، دیکھو دونوں کی صورت کیا ہے؟ ایک جیسی۔ یا آپ جیسے کہیں شیر کی تصویر شیر جیسی ہے، دیکھو دونوں میں اشتراک ہے کس چیز کے اندر؟ شکل و صورت میں۔ یا آپ کہتے ہیں یہ دونوں بھائی ایک دوسرے جیسے ہیں، یعنی کس میں؟ شکل و صورت میں مثلاً جڑواں ہیں۔

تو اشتراک کتنی قسم کا ہو سکتا ہے؟ چار قسم کا: یا اشتراک جنس میں ہو گا، یا نوع میں ہو گا، یا صفت میں ہو گا، یا صورت میں ہو گا۔ تو اگر جنس میں اشتراک ہو اس کو کہتے ہیں مجانست، توجہ ہے؟ مجانست۔ اور اگر نوع میں اشتراک ہو تو اس کو کہتے ہیں مماثلت۔ اور اگر صفت میں اشتراک ہو تو اس کو کہتے ہیں مشابہت۔ اور اگر صورت میں اشتراک ہو اس کو

کہتے ہیں مشاکلت، مشاکلہ۔ مجانسہ، مماثلہ، مشابہہ اور مشاکلہ۔ مجانسہ کا کیا معنی؟ جنس ایک۔ مماثلہ کا کیا معنی؟ نوع ایک۔ اور مشابہت کا کیا معنی؟ صفت ایک ہے۔ اور مشاکلت کا کیا معنی؟ شکل ایک، صورت ایک ہے بھائی۔ تو یہ چار قسموں کا اشتراک ہے، اور مناسبت عام ہے وہ سب کو شامل ہے۔ مناسبت کا لفظ آپ مجانست کے لیے بھی بول سکتے ہیں، مماثلت کے لیے بھی بول سکتے ہیں، یہ لفظ آپ مشابہت کے لیے بھی بول سکتے ہیں اور یہ لفظ آپ مشاکلت کے لیے بھی بول سکتے ہیں۔ تو مناسبت عام، تو یہ چار قسم کے اشتراک ہیں اور مناسبت عام ہے یہ سب کو شامل ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو بتلا دیا کہ یہاں جو متن میں لَمْ يُشْبِهْ آیا اس سے مشابہت نہیں مراد بلکہ یہ کس معنی میں ہے؟ مناسبت ہے اور مناسبت ہونا عام ہے۔

اور بتلائیں گے کہ ہر مناسبت بھی نہیں مراد، خاص مناسبتیں مراد ہیں جس کی وجہ سے وہ کلمہ مبنی بن جائے۔ اسم اشارہ کو مبنی قرار دیا کس وجہ سے؟ کیونکہ اس کی مشابہت ہے یعنی مناسبت ہے کس کے ساتھ؟ حرف کے ساتھ۔ کس چیز میں؟ محتاج ہونے میں۔ جیسے حرف اپنا معنی بتانے میں غیر کا محتاج، اسی طرح اسم اشارہ مشارٌ الیہ کا محتاج، اور اسم موصول صلہ کا محتاج ہے۔ اسی طرح، اسی طرح جیسے رُوَيْدَ بمعنی أَمْهِلْ کے، یہ رُوَيْدَ اسم فعل مبنی ہے کیونکہ یہ کس معنی میں ہے؟ أَمْهِلْ کے معنی میں ہے۔ تو جب کوئی اسم مبنی الاصل کے معنی میں ہو تو پھر دونوں میں مناسبت آگئی، تو اس صورت میں یہ کیا ہے؟ رُوَيْدَ مبنی ہے۔ اسمائے افعال کس میں سے ہیں؟ مبنیات میں سے، تو یہ کیوں مبنی ہوتے ہیں؟ کہ یہ مبنی الاصل کے معنی میں ہوتے ہیں، بعض ماضی کے معنی میں ہیں، بعض امر کے معنی میں ہیں، تو یہ مبنی الاصل کے معنی میں ہیں، تو یہ بھی ایک قسم کی مناسبت ہے بھائی۔ تو مناسبت عام ہے بھائی۔ باقی تفصیل آجائے گی مبنیات کی بحث میں، بس اتنا یاد رکھیں کہ یہاں مشابہت سے مراد مناسبت ہے یعنی یوں کہیں یہاں مشابہت مناسبت کے معنی میں ہے، اور ہر مناسبت نہیں مراد، وہ کچھ خاص مناسبتیں مراد ہیں جس کی وجہ سے کوئی اسم مبنی بن جاتا ہے، اور وہ چھ ہیں بھائی، وہ آگے ذکر کریں گے، چھ مناسبتیں ہیں۔ بات سمجھ میں آگئی؟

تو کہتے ہیں: أَيْ لَمْ يُنَاسِبْ مُنَاسَبَةً مُؤَثِّرَةً فِي مَنْعِ الْإِعْرَابِ، یعنی وہ اسم جس کی ایسی مناسبت نہ ہو جو مؤثر ہو منع اعراب کے اندر، ایسی مناسبت نہ ہو۔ مَبْنِيَّ الْأَصْلِ، کس کے ساتھ؟ مبنی الاصل کے ساتھ۔ أَيِ الْمَبْنِيَّ الَّذِي هُوَ الْأَصْلُ فِي الْبِنَاءِ۔ بتلانا یہ چاہتے ہیں کہ مَبْنِيَّ الْأَصْلِ، یہ ان دونوں میں اضافت بیانیہ ہے بھائی یعنی اضافت بیانی ہے۔ اضافت بیانی... بھائی یاد رکھو ایک ہوتا ہے مضاف، ایک ہوتا ہے مضاف الیہ، دونوں الگ الگ ہوتے ہیں۔ غُلَامُ زَيْدٍ، غُلَام الگ ذات ہے اور زَيْد الگ ذات ہے۔ لیکن کبھی کبھار ایسا ہوتا ہے کہ مضاف الیہ آکر مضاف کا بیان کرتا ہے کہ مضاف سے کیا مراد ہے۔ توجہ ہے؟ مضاف آیا۔ اب اس مضاف سے کیا مراد ہے؟ تو آگے مضاف الیہ آکر اس کا بیان کر دیتا ہے۔ تو اس کو اضافت بیانی کہتے ہیں، اور اس میں مضاف اور مضاف الیہ ایک دوسرے سے غیر نہیں ہوتے، یہ ایک ہی چیز ہوتے ہیں۔ یہ دونوں...

کیونکہ مضاف الیہ کیا کر رہا ہے؟ مضاف کا بیان کر رہا ہے کہ مضاف سے کیا مراد ہے بھائی۔ جیسے، جیسے شرح تہذیب میں آپ نے پڑھا لفظ آل کی اصل کے بارے میں بتلاتے ہوئے شارح فرماتے ہیں کہ آل جو ہے أَصْلُهُ أَهْلٌ، آل کی اصل کیا ہے؟ أَهْلٌ ہے، بِدَلِيلِ أُهَيْلٍ، أُهَيْلٍ کی دلیل کی وجہ سے، أُهَيْلٍ کی بِدَلِيلِ أُهَيْلٍ۔ دلیل مضاف، أُهَيْلٍ مضاف الیہ، تو یہ دونوں مضاف مضاف الیہ ہیں، لیکن یہاں اضافت بیانی ہے، یعنی مضاف الیہ بیان کر رہا ہے مضاف کا: بِدَلِيلِ ایک دلیل کی وجہ سے، اور وہ دلیل کیا ہے؟ أُهَيْلٌ ہے۔ آپ نے پڑھا ہے: التَّصْغِيرُ وَالتَّكْسِيرُ يَرُدَّانِ الْأَشْيَاءَ إِلَى أُصُولِهَا۔ آپ کسی لفظ کی اصل معلوم کرنا چاہتے ہیں کہ اس کی اصل کیا تھی، اس کا مادہ کیا تھا، تو آپ اس کی تصغیر نکال کر دیکھ لیں کلام عرب میں، تو اس سے اس کی اصل کا پتہ چل جائے گا۔ جیسے أَرْضٌ یہ عربی میں مؤنث استعمال ہوتا ہے، بھائی یہ کیوں مؤنث ہے؟ ہم نے اس کی اصل اس کی تصغیر نکالی تو اس کی تصغیر استعمال ہے أُرَيْضَةٌ، اور اس میں گول تا جڑی ہوئی ہے، معلوم ہوا یہ عربی میں مؤنث اس لیے ہے کہ یہ اصل میں اس کے ساتھ گول تا تھی بھائی۔

اور اسی طرح کسی اسم کی اصل نکالنی ہو تو اس کی جمع تکسیر بنا لو۔ جمع تکسیر جس جمع میں آکر مفرد کا وزن ٹوٹ جاتا ہے، جیسے رَجُلٌ کی جمع رِجَالٌ، دیکھو اس میں رَجُلٌ کا سارا وزن ٹوٹ گیا۔ رَجُلٌ میں را پر زبر تھا، رِجَالٌ میں را کے نیچے زیر ہے، رَجُلٌ میں جیم پر پیش تھی، رِجَالٌ میں جیم پر زبر ہے، رَجُلٌ میں جیم کے بعد لام ہے اور رِجَالٌ میں جیم کے بعد الف ہے، تو مفرد کا سارا وزن ٹوٹ گیا۔ اس کو کیا کہتے ہیں؟ جمع تکسیر۔ اور جمع تکسیر سے کسی چیز کی اصل کا پتہ چلتا ہے، جیسے دِينَارٌ، ہم دِينَارٌ کی اصل پتہ چلانا چاہتے ہیں کہ دِينَارٌ کی اصل کیا ہے؟ تو دیکھا اس کی جمع تکسیر دَنَانِيرُ آتی ہے۔ کیا آتی ہے؟ دَنَانِيرُ۔ اور دَنَانِيرُ کے اندر تو دو نون ہیں اور دِينَارٌ میں تو ایک نون ہے، معلوم ہوا یہاں اصل میں دو نون تھے، دِينَارٌ اصل میں تھا دِنَّارٌ، کیا تھا؟ دِنَّارٌ، دو نون تھے بھائی، پھر پہلے نون کو یا سے بدل دیا دِينَارٌ تخفیف کے لیے۔ دِنَّارٌ کو پڑھنا آسان یا دِينَارٌ کو پڑھنا آسان؟ دِينَارٌ۔ تو لہٰذا اس لیے اس پہلے نون کو کس سے بدل دیا؟ یا سے بدل دیا۔ تو یہ جو یا تھی یہ اصل میں نون تھی بھائی، دو نون تھے۔ کس سے پتہ چلا؟ جمع تکسیر سے۔ تو کسی بھی لفظ کی اصل کا پتہ چلانا ہو تو عربی میں اس کی تصغیر کو دیکھ لیں یا اس کی جمع تکسیر کو دیکھ لیں، اس سے آپ کو اس لفظ کی اصل کا پتہ چل جائے گا۔

تو یہاں بھی بتلا رہے ہیں کہ آل کی اصل اہل ہے اور دلیل کیا ہے؟ بِدَلِيلِ أُهَيْلٍ، أُهَيْلٍ دلیل کی وجہ سے بھائی۔ یہ آل کی تصغیر جو عربی میں استعمال ہوتی ہے وہ أُهَيْلٌ ہے۔ اس أُهَيْلٌ تصغیر سے پتہ چل گیا کہ اس کے درمیان تو ہا ہے بھائی، معلوم ہوا آل بھی اصل میں کیا تھا؟ اہل تھا، اس کے بھی درمیان میں ہا تھی بھائی۔ تو کیا دلیل ہے؟ أُهَيْلٌ۔ تو بِدَلِيلِ أُهَيْلٍ دلیل ہے مضاف، أُهَيْلٍ ہے مضاف الیہ اور یہ اضافت بیانی ہے۔ وہ دلیل کیا ہے؟ أُهَيْلٌ ہے، دیکھا وہی دلیل أُهَيْلٌ ہے، کیا أُهَيْلٌ کوئی الگ چیز ہے؟ وہی دلیل ہی کا بیان ہو رہا ہے کہ وہ دلیل أُهَيْلٌ ہے بھائی۔ تو یہاں پر بھی اضافت بیانیہ ہے بھائی، مَبْنِيِّ ہے مضاف، الْأَصْلِ ہے مضاف الیہ، لیکن یہ دونوں الگ الگ نہیں ہیں، یہ دونوں ایک ہی چیز ہیں۔ مَبْنِيِّ الْأَصْلِ یعنی وہ بنی الْأَصْلِ جو اصل ہے، وہ بنی جو اصل ہے یعنی بنی ہونے میں، وہ بنی جو اصل ہے بنی ہونے میں۔ وہ بھی بنی ہے

یا نہیں؟ وہ بھی تو وہ دونوں ایک ہی چیز ہیں بھائی۔ أَيِ الْمَبْنِيِّ الَّذِي هُوَ الْأَصْلُ فِي الْبِنَاءِ، یعنی وہ مبنی جو کہ اصل ہے بنا کے اندر، فَالْإِضَافَةُ بَيَانِيَّةٌ، تو یہ اضافت بیانیہ ہے۔

اور مبنی الاصل کیا کیا ہیں؟ کہتے ہیں: وَهُوَ الْمَاضِي وَالْأَمْرُ بِغَيْرِ اللَّامِ وَالْحَرْفُ، ماضی ہے، وہ امر جو بغیر لام کے ہو یعنی امر حاضر ہے اِضْرِبْ وغیرہ، وَالْحَرْفُ اور حرف، یہ تین ہیں۔ وَبِهٰذَا الْقَيْدِ، اور اس قید کے ذریعے، کون سی قید؟ یہ جو متن میں آیا الَّذِي لَمْ يُشْبِهْ مَبْنِيَّ الْأَصْلِ، معرب وہ ہے جو مرکب ہو اور مبنی الاصل کے مشابہ نہ ہو، اس قید سے وہ جو هٰؤُلَاءِ داخل ہوا تھا وہ نکل گیا۔ کیونکہ وہ ترکیب میں بھی ہے، قَامَ هٰؤُلَاءِ یہ ترکیب میں بھی ہے هٰؤُلَاءِ اور اس ترکیب میں اس کا عامل بھی ساتھ ہے، لیکن دوسری شرط پوری نہیں۔ ہم نے کیا کہا تھا؟ وہ مبنی الاصل کے مشابہ نہ ہو، اور یہ تو مبنی الاصل کے مشابہ ہے، تو یہ نکل گیا اس میں سے۔

تو کہتے ہیں: وَبِهٰذَا الْقَيْدِ اور اس قید کے ذریعے خَرَجَ نکل گیا مِثْلُ هٰؤُلَاءِ، هٰؤُلَاءِ جیسے لفظ، فِي مِثْلِ قَامَ هٰؤُلَاءِ، قَامَ هٰؤُلَاءِ جیسی مثالوں میں جو هٰؤُلَاءِ کا لفظ ہے یہ اس قید کے ذریعے نکل گیا۔ ترجمہ دوبارہ دیکھیں، کہتے ہیں: وَبِهٰذَا الْقَيْدِ خَرَجَ مِثْلُ هٰؤُلَاءِ فِي مِثْلِ قَامَ هٰؤُلَاءِ، کہتے ہیں اس قید کے ذریعے قَامَ هٰؤُلَاءِ جیسی مثالوں میں جو هٰؤُلَاءِ کا لفظ ہے، اس جیسے لفظ نکل گئے، لِكَوْنِهِ مُشَابِهًا لِمَبْنِيِّ الْأَصْلِ، اس وجہ سے کہ یہ مبنی الاصل کے مشابہ ہے، كَمَا سَيَجِيءُ فِي بَابِهِ إِنْ شَاءَ اللهُ تَعَالَى، جیسے کہ عنقریب آجائے گا فِي بَابِهِ اس مبنی کے باب کے اندر إِنْ شَاءَ اللهُ تَعَالَى اگر اللہ نے چاہا بھائی۔ بات سمجھ میں آ گئی؟ حل ہو گیا سارا یہاں تک؟ چلیے بس بھائی هٰذَا هُوَ الْمَرَامُ وَاللهُ أَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْكَلَامِ۔

سبق نمبر ۴۰: المعرب (۲): صاحبِ کشاف اور جمہور کے نزدیک اسمائے معدودہ کے اعراب کی بحث

شرحِ ملا جامی صفحہ: ۲۶ — بتاریخ: ۱۶ اگست ۲۰۲۱ء

▪ تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث

دیکھیے بھائی آگے سبق کتاب پر:

اِعْلَمْ أَنَّ صَاحِبَ الْكَشَّافِ جَعَلَ الْأَسْمَاءَ الْمَعْدُودَةَ الْعَارِيَةَ عَنِ الْمُشَابَهَةِ الْمَذْكُورَةِ مُعْرَبَةً، وَلَيْسَ النِّزَاعُ فِي الْمُعْرَبِ الَّذِي هُوَ اسْمُ مَفْعُولٍ مِنْ قَوْلِكَ أَعْرَبْتُ، فَإِنَّ ذٰلِكَ لَا يَحْصُلُ إِلَّا بِإِجْرَاءِ الْإِعْرَابِ عَلَى آخِرِ الْكَلِمَةِ بَعْدَ التَّرْكِيبِ، بَلْ فِي الْمُعْرَبِ اصْطِلَاحًا۔

گزشتہ سبق میں ہم نے معرب کی تعریف شروع کی تھی بھائی۔ صاحبِ کافیہ نے آپ کو بتلایا اَلْمُعْرَبُ الْمُرَكَّبُ الَّذِي لَمْ يُشْبِهْ مَبْنِيَّ الْأَصْلِ، معرب وہ مرکب ہے، وہ اسم ہے جس کو غیر کے ساتھ جوڑا گیا ہو اور نیز وہ مبنی الاصل کے مشابہ نہ ہو۔ تو دو شرطیں لگا دیں: ایک تو یہ کہ ترکیب میں ہونا چاہیے معرب کو، اور دوسری شرط یہ کہ وہ مبنی الاصل کے مشابہ نہ ہو۔ ایک شرط ہے وجودی، اس کا ہونا ضروری، اور ایک شرط ہے عدمی، اس کا نہ ہونا ضروری۔ وجودی کیا؟ کہ ترکیب میں ہو، اور عدمی کیا؟ کہ مبنی الاصل کے مشابہ نہ ہو، تو اس کو معرب کہیں گے بھائی، اس کو معرب کہیں گے۔

اس پر اشکال ہوا تھا کہ اے صاحبِ کافیہ! آپ کی تعریف جامع مانع نہیں۔ جامع یعنی اپنے تمام افراد کو جمع کرنے والی نہیں، اس لیے کیونکہ فعلِ مضارع اس کے اندر داخل نہیں ہو رہا حالانکہ وہ بھی معرب ہے اور اس کو بھی اس میں داخل ہونا چاہیے۔ اور نیز آپ کی یہ تعریف مانع بھی نہیں، یعنی اس کے اندر غیرِ معرب کو داخل نہیں ہونا چاہیے لیکن وہ داخل ہو رہے ہیں، جیسے ضَرَبَ زَيْدٌ، یہ ضَرَبَ فعلِ ماضی ہے اور ترکیب میں واقع ہے، اور نیز یہ مبنی الاصل کے مشابہ نہیں ہے کیونکہ یہ تو خود مبنی الاصل ہے۔ تو یہ بھی اس کے اندر داخل۔ اِضْرِبْ عَمْرًا، اِضْرِبْ جو ہے یہ ترکیب میں بھی واقع ہے اور مبنی الاصل کے مشابہ بھی نہیں کیونکہ یہ تو خود مبنی الاصل ہے، فعلِ امر ہے۔ اور مَرَرْتُ بِزَيْدٍ، یہ با جو ہے ترکیب میں واقع ہے اور نیز یہ بھی مبنی الاصل کے مشابہ نہیں کیونکہ یہ تو حرف ہے، یہ تو خود مبنی الاصل ہے۔ تو آپ کی تعریف مانع نہیں کیونکہ

اس کے اندر فعلِ مضارع بھی داخل ہو رہا ہے، فعلِ امر حاضر بھی داخل ہو رہا ہے، اور حرف بھی داخل ہو رہا ہے۔ تو آپ کی تعریف جامع نہیں یعنی اس میں فعلِ مضارع داخل نہیں، اور مانع بھی نہیں کیونکہ اس کے اندر فعلِ ماضی، فعلِ امر اور حروف داخل ہو رہے ہیں۔

میں نے بتلایا تھا کہ فعلِ مضارع جو ہے وہ بھی معرب ہے بھائی، اس میں اختلاف ہے علماء کا۔ البتہ بصرہ والوں کا مذہب یہ ہے کہ ہر فعل اصل کے اعتبار سے مبنی ہے، یعنی فعلِ مضارع بھی اصل کے اعتبار سے کیا تھا؟ مبنی تھا۔ پھر اس کی مشابہت آئی اسمِ فاعل کے ساتھ، تو اس لیے یہ کیا بن گیا؟ معرب بن گیا۔ یہ اسم کے ساتھ اس کی مشابہت آگئی، اور اسم کے اندر اصل کیا ہے کہ وہ متمکن ہونا چاہیے، اعراب کو جگہ دینے والا ہو بھائی۔ تو لہٰذا اس وجہ سے یہ اس کو فعلِ مضارع کہتے ہیں، مضارع کا معنیٰ مشابہ، تو اس کی اسم کے ساتھ یعنی اسمِ فاعل کے ساتھ مشابہت آئی۔ میں نے بتلایا کہ لفظوں میں بھی مشابہت ہے اور معنیٰ میں بھی مشابہت ہے۔ لفظوں میں مشابہت اس طرح ہے کہ جتنے حروف اسمِ فاعل کے، اتنے ہی حروف فعلِ مضارع کے۔ نیز اسمِ فاعل میں جہاں جہاں حرکت آتی ہے، فعلِ مضارع میں بھی وہاں حرکت آتی ہے، اور اسمِ فاعل میں جہاں جہاں سکون آتا ہے جس حرف پر، فعلِ مضارع میں بھی اس حرف پر سکون آتا ہے۔ تو متحرک کے مقابلے میں متحرک آتا ہے اور ساکن کے مقابلے میں ساکن آتا ہے، حرکتیں بے شک الگ الگ ہوں لیکن متحرک کے مقابلے میں کیا آئے گا؟ متحرک، اور ساکن کے مقابلے میں ساکن۔ تو اس طرح حروف کی تعداد میں بھی مشابہت، حروف کی حرکات و سکنات میں بھی مشابہت، اور نیز جیسے اسمِ فاعل پر لامِ تاکید داخل ہوتا ہے اسی طرح فعلِ مضارع پر بھی تاکید والا لام داخل ہوتا ہے، لَأَضْرِبَنَّكَ میں ضرور بالضرور آپ کی پٹائی کروں گا، دیکھا یہ لامِ تاکید اس پر داخل ہو گیا، جیسے کہ اسمِ فاعل پر لامِ تاکید داخل ہوتا ہے، إِنَّ زَيْدًا لَقَائِمٌ دیکھو قَائِمٌ پر لام داخل ہے تاکید والا۔ اور معنیٰ میں بھی مشابہت ہے کہ جیسے اسمِ فاعل حال اور استقبال دونوں کے لیے ہے، اسی طرح فعلِ مضارع بھی حال اور استقبال دونوں کے لیے ہے۔ تو فعلِ مضارع جو ہے یہ اصل کے اعتبار سے مبنی تھا لیکن پھر اسمِ فاعل سے مشابہت کی وجہ سے یہ کیا بن گیا؟ معرب بن گیا۔ تو اصل کے اعتبار سے یہ مبنی الاصل کے مشابہ ہے، کیونکہ یہ اصل میں خود کیا تھا؟ مبنی الاصل۔ تو اصل کے اعتبار سے یہ ان کے مشابہ ہے، اور آپ نے تو تعریف میں کیا قید لگا دی؟ مبنی الاصل کے مشابہ نہ ہو، اور یہ تو مشابہ ہے۔ جیسے وہ اصل کے اعتبار سے مبنی ہیں یہ بھی اصل کے اعتبار سے کیا ہے؟ مبنی۔ تو یہ ان کے مشابہ ہے، یہ تعریف سے نکل گیا کیونکہ تعریف میں تو آپ نے قید لگائی جو مبنی الاصل کے مشابہ نہ ہو، اور یہ تو مبنی الاصل کے مشابہ ہے۔ تو آپ کی تعریف جامع بھی نہیں اور مانع بھی نہیں۔

تو صاحبِ جامی نے مُعْرَب کے بعد کہا اَلَّذِي هُوَ قِسْمٌ مِنَ الْاِسْمِ، کہ ہر معرب یہاں نہیں مراد، وہ معرب مراد ہے جو اسم کی قسم ہے۔ تو اب تمام اعتراضات ختم ہوئے۔ کیونکہ فعلِ مضارع وہ تو اسم ہی نہیں ہے، اور اسی طرح فعلِ ماضی، فعلِ امر اور حرف یہ داخل ہو رہے تھے، بھائی یہاں معرب سے ہر معرب نہیں مراد بلکہ کون سا معرب مراد ہے؟ جو اسم کی

قسم ہے، یعنی جو اسم ہے۔ تو لہٰذا یہ سب چیزیں معرب کی تعریف سے خارج ہوئیں اور ان کو خارج ہی ہونا چاہیے بھائی۔ فعلِ مضارع آپ نے کہا تھا خارج ہے، بھائی ہونا ہی خارج چاہیے کیونکہ ہم اسمِ معرب کی بات کر رہے ہیں، مطلق معرب کی بات نہیں کر رہے۔ اور ماضی، امر اور حروف آپ نے کہا تھا یہ داخل ہو رہے ہیں، اب جب ہم نے بتلا دیا کہ معرب سے اسمِ معرب مراد ہے اب یہ داخل نہیں ہو سکتے کیونکہ یہ اسم نہیں ہیں، یہ فعل ہیں یا حرف ہیں بھائی۔

اس کے بعد دوسرا اشکال یہ ہوا تھا کہ آپ نے کہا معرب کیا ہے؟ اَلْمُعْرَبُ الْمُرَكَّبُ، معرب وہ مرکب ہوتا ہے، حالانکہ معرب تو اسم کی قسم ہے اور اسم وہ کلمہ کی قسم ہے، اور کلمہ کی تعریف کیا پڑھی تھی آپ نے؟ لَفْظٌ وُضِعَ لِمَعْنًى مُفْرَدٍ، تو اس کی تعریف میں افراد کی قید ہے کہ وہ لفظ مفرد ہو گا یا معنیٰ مفرد ہو گا، مفرد دونوں کی صفت بن سکتی ہے نا، لفظ کی بھی اور معنیٰ کی بھی۔ لیکن بہرحال مآل دونوں میں ایک ہی ہے، آپ چاہے لفظ کی صفت بنائیں چاہے معنیٰ کی صفت بنائیں۔ مفرد لفظ کسے کہتے ہیں؟ کہ جزِ لفظ جزِ معنیٰ پر دلالت نہ کرے، تو وہ لفظ بھی مفرد ہوتا ہے اور وہ معنیٰ بھی مفرد ہوتا ہے۔ اور اگر معنیٰ مفرد ہو تو معنیٰ مفرد کسے کہتے ہیں؟ کہ جزِ لفظ جزِ معنیٰ پر دلالت نہ کرے تو یہ والا معنیٰ کیا کہلاتا ہے؟ مفرد، اور وہ لفظ بھی کیا کہلاتا ہے؟ مفرد کہلاتا ہے، بات ایک ہی ہے دونوں صورتوں میں۔ تو معلوم ہوا کلمہ تو مفرد ہوتا ہے۔ تو آپ نے تو کیا کہہ دیا اَلْمُعْرَبُ الْمُرَكَّبُ، معرب مرکب ہوتا ہے، تو آپ کی یہ تعریف صحیح نہیں۔

تو اس کا جواب دیا کہ یہاں الْمُرَكَّبُ جو ہے اس کا موصوف محذوف ہے، أَيِ الْاِسْمُ الْمُرَكَّبُ، یعنی وہ اسم جو مرکب ہو، اور مُرَكَّب وہ اسمِ مفعول ہے، اس پر الف لام جو ہے وہ اَلَّذِي کے معنیٰ میں ہے، یعنی أَيِ الْاِسْمُ الَّذِي رُكِّبَ مَعَ غَيْرِهِ۔ توجہ ہے؟ اَلَّذِي رُكِّبَ مَعَ غَيْرِهِ، یعنی معرب وہ اسم ہے اَلَّذِي رُكِّبَ مَعَ غَيْرِهِ جس کو غیر کے ساتھ جوڑا گیا ہو۔ حاصل یہ کہ یہاں جو مرکب کا لفظ آیا اس سے مرکب بنفسہٖ نہیں مراد بلکہ مرکب بغیرہٖ مراد ہے، أَيْ مَعَ غَيْرِهِ۔ غُلَامُ زَيْدٍ یہ دونوں جڑے ہوئے ہیں آپس میں، تو یہ سارا مجموعہ مرکب بنفسہٖ ہے، اپنی ذات کے اعتبار سے مرکب ہے، اور اس کے اندر جو صرف غُلَام کا لفظ ہے یا صرف زَيْد کا لفظ ہے، یہ مرکب بغیرہٖ ہے، اس کو غیر کے ساتھ جوڑا گیا ہے، غلام کو زید کے ساتھ جوڑا گیا ہے اور زید کو غلام، تو ان میں سے ہر ایک الگ الگ یہ مرکب بغیرہٖ ہے، اور سارا مجموعہ کیا ہے؟ مرکب بنفسہٖ، اپنی ذات کے اعتبار سے یہ سارا مجموعہ مرکب ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو یہاں مرکب سے مرکب بغیرہٖ مراد ہے، مرکب بنفسہٖ مراد نہیں بھائی۔

اور ساتھ صاحبِ جامی نے مزید فرمایا کہ تَرْكِيبًا يَتَحَقَّقُ مَعَهُ عَامِلُهُ، یہ جوڑنا بھی ایسا ہو کہ اس ترکیب میں اس کا عامل بھی ساتھ موجود ہو بھائی، عامل بھی ساتھ ہونا چاہیے۔ اب زَيْدٌ قَائِمٌ، مبتدا خبر دونوں اس کے اندر داخل ہو گئے، کیونکہ یہ دونوں کیا ہوتے ہیں؟ ترکیب میں واقع ہوتے ہیں، مبتدا کے لیے خبر اور خبر کے لیے مبتدا، دونوں آپس میں جڑے ہوئے ہیں، اور یہ ایسی ترکیب ہے جن میں ان کا عامل بھی ہے، اور ان دونوں میں عامل کیا ہے؟ ابتدا۔ ابتدا کسے کہتے ہیں؟ میں نے آپ کو بتلایا تھا کہ مسند یا مسند الیہ ہو اور عاملِ لفظی سے خالی ہو، تو پھر بھائی مسند الیہ ہے یا مسند ہے تو رفع تو آئے گا۔ ان

دونوں پر کیا آئے گا؟ اسم ہے، مبتدا اور خبر ہیں، ان پر رفع آتا ہے، اور رفع خود بخود تو نہیں آتا اس کے لیے تو عامل چاہیے۔ تو یہ رفع ان پر کہاں سے آیا؟ ان میں تو کوئی عاملِ لفظی نہیں ہے! تو جمہور کے نزدیک ان دونوں کے اندر عامل ابتدا ہے، یعنی عاملِ لفظی سے خالی ہونا۔ ایک اسم کیا بنے؟ مسند بنے یا مسند الیہ بنے اور عاملِ لفظی سے خالی ہو تو اس کے اندر کہیں گے ابتدا عامل ہے، یعنی عاملِ معنوی ہے، لفظی عامل تو کوئی نہیں، عاملِ لفظی سے تو خالی ہیں، تو پھر کیا مان لو یہاں پر عاملِ معنوی ہے جو ان کو رفع دے رہا ہے، اور اس عاملِ معنوی کا نام کیا ہے؟ ابتدا۔ اور طلبہ پریشان ہوتے ہیں پتہ نہیں وہ عاملِ معنوی کیا ہے، ابتدا کیا چیز ہے، میں نے بتایا بس عاملِ لفظی سے خالی ہونا یہ ہے ابتدا۔ اسم ہو، مسند یا مسند الیہ ہو، اور عاملِ لفظی سے خالی ہے تو اب ہم کیا کہیں گے؟ یہ ابتدا ہے ان کے اندر عامل۔ بات سمجھ میں آگئی؟ اور یہ صرف مبتدا خبر میں ابتدا عامل ہوتی ہے اور کسی جگہ یہ ابتدا عامل نہیں ہے۔

تو لہٰذا زَيْدٌ قَائِمٌ یہ مبتدا خبر بھی اس میں داخل ہو گئے، یہ بھی ترکیب میں واقع ہیں اور ساتھ ان کا عامل یعنی ابتدا بھی ہے۔ اور قَامَ هٰؤُلَاءِ، یہ هٰؤُلَاءِ اسمِ اشارہ ہے اور میں نے آپ کو بتلایا تھا کہ اسمِ اشارہ کس میں سے ہے؟ مبنیات میں سے، لیکن یہ بھی اس کے اندر داخل ہو گیا، کیونکہ ابھی تعریف پوری نہیں ہوئی، ابھی صرف کیا کہا ہے؟ وہ اسم جو ترکیب میں واقع ہو غیر کے ساتھ اور وہ ترکیب بھی ایسی ہو جس میں اس کا عامل بھی موجود ہو، تو قَامَ هٰؤُلَاءِ، یہ هٰؤُلَاءِ بھی اسی طرح ہے، ترکیب میں بھی واقع ہے اور اس کے ساتھ اس کا عامل قَامَ بھی موجود ہے، قَامَ بھی موجود ہے۔ ہاں، آگے چل کر جب وہ کہیں گے اَلَّذِي لَمْ يُشْبِهْ مَبْنِيَّ الْأَصْلِ پھر هٰؤُلَاءِ نکل جائے گا کیونکہ یہ تو مبنی ہے، معرب نہیں ہے۔ تو هٰؤُلَاءِ بھی اس کے اندر داخل ہو گیا۔

تو وہ لفظ نکل گئے جو ترکیب میں واقع نہ ہوں، جیسے اسمائے معدودہ ہیں، وہ اسماء جن کو شمار کیا جاتا ہے وہ تو سرے سے ترکیب میں ہی نہیں واقع۔ تو وہ اَلْمُرَكَّبُ ان پر صادق ہی نہیں آرہا، اَلَّذِي رُكِّبَ مَعَ غَيْرِهِ ان پر صادق ہی نہیں آرہا، تو وہ اسمائے معدودہ وہ بھی نکل گئے، وہ اسماء جن کو شمار کیا جاتا ہے، کسی چیز کو گنتے ہیں بھائی اس کو شمار کرتے ہیں، وہ بھی نکل گئے اس سے۔ اور نیز کوئی لفظ ترکیب میں واقع ہو لیکن عامل ساتھ نہ ہو وہ بھی نکل گیا، جیسے غُلَامُ زَيْدٍ۔ تو دیکھو غُلَامُ زَيْدٍ دونوں ترکیب میں ہیں، اور زَيْدٍ کے ساتھ عامل ہے کیونکہ مضاف کیا کرتا ہے؟ مضاف الیہ کو جر دیتا ہے۔ مضاف جو ہے مضاف الیہ کو جر دیتا ہے، تو زید ترکیب میں بھی واقع ہے اور ساتھ عامل بھی ہے یعنی غلام وہ اس کو جر دے رہا ہے، اور نیز مبنی الاصل کے یہ مشابہ بھی نہیں ہے، تو یہ تو معرب ہے۔ جبکہ غلام کا لفظ جو ہے وہ مبنی ہے صاحبِ کافیہ کی تعریف کے مطابق، کیوں؟ کیونکہ یہ ترکیب میں تو ہے لیکن اس ترکیب میں اس کا عامل ساتھ نہیں ہے۔ آپ اس غلام پر رفع پڑھنا چاہتے ہیں، نصب، جر، بھائی کچھ بھی نہیں پڑھ سکتے، جو بھی پڑھنا ہے اس کے لیے کیا چاہیے؟ عامل چاہیے بھائی۔ تو لہٰذا یہ غلام کا لفظ یہ مبنی ہے صاحبِ کافیہ کے نزدیک، کیونکہ یہ اگرچہ ترکیب میں بھی واقع ہے، مبنی الاصل کے مشابہ بھی نہیں

ہے، لیکن اس کا عامل ساتھ موجود نہیں۔ تو اسمائے معدودہ بھی اس سے نکل گئے، کیوں؟ اَلْمُرَکَّبُ کی قید لگاتے ہی اسمائے معدودہ بھی نکل گئے اور غُلَامُ زَیْدٍ جیسے لفظ بھی نکل گئے۔

اور پھر اس کے بعد میں نے بتلایا تھا کہ اَلَّذِي لَمْ یُشْبِهْ وہ اسم جو مشابہ نہ ہو، اور مشابہت سے مراد یہاں میں نے بتلایا مناسبت ہے، مناسبت، اور مناسبت عام ہے کہ وہ کسی بھی قسم کی مناسبت ہو، تو لیکن ہو ایسی مناسبت جو منعِ اعراب کا فائدہ دے، منعِ اعراب کے اندر مؤثر ہو، اعراب کو روک دے، اعراب کو، تو وہ خاص مناسبتیں مراد ہیں، ورنہ تو ہر معرب بھی لفظ ہے اور مبنی الاصل بھی کیا ہیں؟ لفظ ہیں، تو مشابہت تو بایں لحاظ بھی موجود ہے، یہ بھی لفظ وہ بھی لفظ۔ یا ہر اسم کلمہ ہے اور مبنی الاصل بھی کیا ہیں؟ کلمہ ہیں، تو یہ بھی کلمہ وہ بھی کلمہ، مشابہت تو موجود ہے، لیکن ہر مشابہت مراد نہیں ہے بلکہ خاص مشابہت یا یوں کہیں خاص مناسبت مراد ہے جو منع اعراب میں مؤثر ہو، اثر دکھائے، اعراب کو روک دے، مبنی بنا دے لفظ کو بھائی۔ اور وہ چھ قسم کی مناسبتیں ہیں جو آگے مبنیات کے باب میں آئیں گی بھائی۔ ان میں سے ایک مناسبت یہاں انہوں نے، میں نے بتلا دی تھی آپ کو، جیسے اسمِ اشارہ اور اسمِ موصول، یہ مبنی الاصل یعنی حرف کے مشابہ ہیں، جیسے حرف اپنا معنیٰ بتانے میں غیر کا محتاج، اسی طرح اسمِ اشارہ بھی اپنا معنیٰ بتانے میں مشار الیہ کا محتاج اور اسمِ موصول بھی اپنا معنیٰ بتانے میں صلہ کا محتاج، تو یہ حرف کی طرح ہوئے، اور حرف تو مبنی الاصل ہے تو یہ دونوں بھی کیا بن گئے؟ مبنی بن گئے۔ بات سمجھ میں آگئی؟

میں نے آپ کو بتلایا تھا کہ مناسبت عام ہے، یہاں دراصل چار قسم کے اشتراک ہو سکتے ہیں دو چیزوں میں: کبھی دو چیزوں کی جنس ایک ہوتی ہے، اس کو مجانست کہتے ہیں۔ جیسے انسان کی جنس بھی حیوان، گائے بیل بکری کی جنس بھی حیوان، تو اس میں ہم کیا کہیں گے؟ ان میں مجانست ہے، ان میں مجانست ہے یعنی جنس ایک ہے۔ اور کبھی اشتراک نوع کے اندر ہوتا ہے، جیسے زید، عمرو اور بکر، ان سب کی نوع ایک ہے، تو اس کو کہیں گے مماثلت، یہ سب آپس میں ایک دوسرے کے مماثل ہیں بھائی۔ اور کبھی جو ہے اشتراک وہ صفت میں ہوتا ہے اور اس کو مشابہت کہتے ہیں، جیسے ہم کہتے ہیں زید شیر جیسا ہے، یعنی صفتِ شجاعت کے اندر، بہادری کی صفت کے اندر۔ تو صفت کے اندر اشتراک ہو تو اس کو مشابہت کہتے ہیں۔ اور کبھی جو ہے اشتراک ہوتا ہے شکل و صورت میں، اس کو مشاکلہ کہتے ہیں بھائی۔ جیسے میں نے بتلایا کہ ایک قلم ہے دوسرے قلم جیسا ہو، یا ایک کتاب ہے دوسری کتاب جیسی ہے، یا ایک بھائی جو ہے اپنے بھائی جیسا ہے، تو دیکھو شکل و صورت ایک جیسی ہو، اس کو مشاکلہ کہتے ہیں۔ تو یہاں لَمْ یُشْبِهْ یہ آپ نہ سمجھیں کہ یہاں تو مشابہت کا ذکر آیا، معلوم ہوا صفت کے اندر اشتراک ہو گا، کوئی اسم مبنی کب بنے گا؟ جب مبنی الاصل کے ساتھ صفت میں اشتراک آ جائے، نہیں بھائی صفت میں اشتراک مراد نہیں بلکہ یہاں مشابہت کس معنیٰ میں ہے؟ مناسبت کے معنیٰ میں ہے، کوئی

بھی مناسبت آجائے جو منعِ اعراب کے اندر مؤثر ہو تو وہ اسم مبنی بن جائے گا۔

اور پھر آخر میں یہ بتلایا تھا کہ یہ جو مَبْنِيُّ الْأَصْلِ ہے، مَبْنِيِّ الْأَصْلِ، یہ جو مضاف مضاف الیہ ہیں، اس میں اضافتِ بیانیہ ہے۔ اضافتِ بیانیہ اس کو کہتے ہیں جس میں جو مضاف الیہ ہوتا ہے وہ مضاف کا بیان کرتا ہے۔ مَبْنِيِّ الْأَصْلِ، مَبْنِيِّ، مبنی یہ ہے مضاف۔ بھائی مبنی، کیا مراد ہے اس سے، مبنی سے؟ آگے بتلا دیا الْأَصْلِ، وہ والا مبنی جو اصل ہو بنا کے اندر، تو مبنی اور اصل دونوں ایک ہی چیز ہیں بھائی۔

اب آئیے آج کے سبق پر بھائی۔ دیکھیے بھائی:

اِعْلَمْ أَنَّ صَاحِبَ الْكَشَّافِ جَعَلَ الْأَسْمَاءَ الْمَعْدُودَةَ الْعَارِيَةَ عَنِ الْمُشَابَهَةِ الْمَذْكُورَةِ مُعْرَبَةً۔

یہاں سے یہ بتلا رہے ہیں آپ کو کہ یہ جو اسمائے معدودہ ہیں، اسمائے معدودہ، اس کے اندر صاحبِ مفصل اور صاحبِ کافیہ کا اختلاف ہے۔ صاحبِ مفصل کے نزدیک جو ہے یہ اسمائے معدودہ جو ہیں یہ معرب ہیں۔ یہ معرب ہیں، اور صاحبِ کافیہ کے نزدیک یہ مبنی ہیں۔ بھائی اسمائے معدودہ جس میں کوئی ترکیب نہیں ہوتی، آپ محض ویسے چیزوں کو شمار کر رہے ہیں یا گن رہے ہیں، اس وقت ان پر تلفظ کرتے ہیں، جیسے حروفِ تہجی پر آپ تلفظ کرتے ہیں الف، با، تا، ثا، جیم، دیکھو آپ حروفِ تہجی شمار کروا رہے ہیں، استاد کو سبق سنا رہے ہیں، یہاں کوئی ترکیب ہے؟ ترکیب نہیں۔ اور اسی طرح یا ساتھیوں کے نام گنواتے ہیں آپ زید، عمرو، بکر، خالد وغیرہ، تو اس میں کوئی ترکیب نہیں، یا ایسے اور کوئی بھی چیز آپ شمار کر رہے ہوں جہاں ترکیب نہ ہو، تو یہ جو اسمائے معدودہ ہیں اس میں صاحبِ مفصل یعنی علامہ زمخشری اور صاحبِ کافیہ کا اختلاف ہے۔

صاحبِ مفصل یا یوں کہو صاحبِ کشاف جو ہے، میں نے بتلایا تھا کہ کشاف یہ تفسیر ہے علامہ زمخشری کی بھائی، اور مفصل بھی انہی کی کتاب، اور اسی مفصل سے صاحبِ کافیہ نے اپنی کتاب کافیہ اخذ کی ہے، اور صاحبِ کافیہ نے اس مفصل کی ایک شرح بھی لکھی ہے جس کا نام ایضاح ہے۔ علامہ زمخشری کا انتقال ہوا ہے ۵۳۸ ہجری میں جبکہ صاحبِ کافیہ کا انتقال ہوا ہے ۶۴۶ ہجری میں بھائی، تو یہ ان سے مؤخر ہیں بھائی۔ تو صاحبِ کافیہ کے نزدیک یہ اسمائے معدودہ یہ مبنی ہیں، اور صاحبِ مفصل کے نزدیک یہ معرب ہیں۔ اسی لیے صاحبِ کافیہ نے جو معرب کی تعریف کی اس میں الْمُرَكَّبُ کی قید ذکر کر دی اَلَّذِي رُكِّبَ مَعَ غَيْرِهِ، وہ اسم جس کو غیر کے ساتھ جوڑا گیا ہو۔ اسمائے معدودہ نکل گئے، وہاں تو ترکیب ہی نہیں، ان کو تو جوڑا ہی نہیں گیا کسی کے ساتھ۔ جبکہ صاحبِ مفصل نے یہ الْمُرَكَّبُ کی قید اپنی تعریف کے اندر نہیں لگائی جب وہ معرب کی تعریف کرتے ہیں، تو ان کے نزدیک یہ معرب ہیں بھائی۔

تو اختلاف جو ہے یہ معربِ اصطلاحی کے اندر ہے، یاد رکھو ایک ہے معربِ لغوی، ایک ہے معربِ اصطلاحی۔ معربِ لغوی، مُعْرَب کون سا صیغہ ہے؟ اسمِ مفعول ہے۔ تو اسمِ مفعول کس کو کہیں گے؟ معرب کسے کہیں گے؟ وہ اسم جس

کو باقاعدہ اعراب دیا گیا ہے، ضَرَبَ زَیْدٌ، جی زَیْدٌ کو میں نے اعراب دیا یا نہیں؟ عربی زبان کے اعتبار سے یہ معرب ہے، اس کو اعراب دیا گیا ہے باقاعدہ۔ ضَرَبَ زَیْدٌ تو یہ زَیْدٌ کو باقاعدہ اعراب دیا گیا ہے۔ اور اگر میں اس پر وقف کروں تو کیسے کہوں گا؟ ضَرَبَ زَیْدْ، تو عربی زبان کے اعتبار سے یہ معرب نہیں ہے، اس کو اعراب نہیں دیا گیا، اس پر تو وقف کر دیا گیا۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو عربی زبان کے اعتبار سے معرب تو اس کو کہیں گے جس کو باقاعدہ لفظوں کے اندر اعراب دے دیا جائے بھائی، اس پر اعراب پڑھ دیا جائے بھائی، اس کو معرب کہیں گے۔ اور جب ایک لفظ کو باقاعدہ اعراب دے دیا گیا تو پھر تو سب کے نزدیک وہ معرب ہی ہو گا۔ اس میں تو پھر جھگڑا ہی نہیں ہے کیونکہ اس پر تو اعراب کا اجراء کر دیا گیا ہے باقاعدہ، کوئی شخص اب کہے گا یہ معرب نہیں ہے؟ جب باقاعدہ اعراب دے دیا گیا پھر جھگڑا ہو سکتا ہے؟ پھر تو صاحبِ کافیہ کے نزدیک بھی یہ کیا ہے؟ معرب ہے، اعراب دیا گیا، علامہ زمخشری کے نزدیک بھی کیا ہے؟ معرب ہے، یعنی اعراب اس کو دیا گیا ہے، ضَرَبَ زَیْدٌ، اس زَیْدٌ کو کیا کیا گیا ہے؟ تو ایک ہے معربِ لغوی، معربِ لغوی کے اندر تو دونوں کا اختلاف ہے ہی نہیں بھائی، معربِ لغوی کسے کہیں گے؟ جس کو باقاعدہ لفظوں میں اعراب کا اس پر اجراء کر دیا جائے۔

تو اختلاف معربِ اصطلاحی میں ہے کہ اصطلاح میں معرب کسے کہیں گے؟ اصطلاح میں۔ تو صاحبِ مفصل جو ہیں، علامہ زمخشری فرماتے ہیں: جو اسم بھی ترکیب کے بعد اس پر اعراب جاری ہو سکیں، اس کو معرب کہیں گے۔ ہر وہ اسم کہ اگر وہ ترکیب میں واقع ہو جائے تو اس پر اعراب جاری ہو سکیں، یعنی اس میں صلاحیت ہے اعراب کو جگہ دینے کی، تو اس کو معرب کہیں گے۔ لہٰذا میں نے کہا زید، عمرو، بکر، اسمائے معدودہ ہیں، لیکن یہ زید، یہ والا عمرو جب یہ ترکیب میں واقع ہو جائے تو اعراب اس پر جاری ہو سکتے ہیں یا نہیں؟ تو ان میں صلاحیت تو ہے، تو ان کے نزدیک محض صلاحیتِ اعراب کافی ہے اور یہ پھر معرب کہلائے گا۔ ان کو ہم کیا کہیں گے؟ معرب کہیں گے، یعنی جس میں اعراب کو قبول کرنے کی صلاحیت ہو اور وہ مبنی الاصل کے مشابہ بھی نہ ہو بھائی۔ تو انہوں نے صرف صلاحیت کا اعتبار کیا ہے، بالفعل اعراب کا مستحق ہونے کا اعتبار نہیں کیا۔ بات سمجھ بھی آرہی ہے کہ نہیں؟ معلوم ہوا زید، عمرو، بکر، خالد، کوئی ترکیب نہیں، لیکن صاحبِ مفصل کے نزدیک یہ سارے لفظ، یہ سارے اسم کیسے ہیں کہ اگر یہ ترکیب میں واقع ہو گئے تو یہ اعراب کی صلاحیت رکھتے ہیں، ان پر رفع، نصب، جر آسکتا ہے، کیونکہ یہ مبنی الاصل کے مشابہ نہیں ہیں، تو ان کو وہ معرب کہتے ہیں۔

جبکہ صاحبِ کافیہ فرماتے ہیں: صرف اعراب کی صلاحیت کافی نہیں بلکہ باقاعدہ ترکیب میں واقع ہو اور اعراب کا مستحق بھی بن جائے، پھر اس کو معرب کہیں گے۔ صرف اعراب کی صلاحیت کافی نہیں بلکہ باقاعدہ اعراب کا مستحق بن جائے، پھر اس کو معرب کہیں گے۔ اور زید، عمرو، بکر، خالد جب اکیلے ہیں، اس وقت یہ اعراب کے مستحق ہیں؟ اس وقت یہ اعراب کے مستحق نہیں۔ ہاں، یہ جب ترکیب میں آجائیں گے ضَرَبَ زَیْدٌ، ضَرَبَ۔ اب آپ چاہے ضَرَبَ زَیْدٌ پڑھیں چاہے آپ ضَرَبَ زَیْدْ پڑھیں، وقف کر دیں، دونوں صورتوں میں جب یہ ترکیب میں آگیا اور ترکیب بھی ایسی ہے جس میں اس کا

عامل بھی ہے اور نیز یہ مبنی الاصل کے مشابہ بھی نہیں، تو یہ اعراب کا مستحق بن گیا، کیا بن گیا؟ جب یہ اعراب کا مستحق بن گیا اب آپ چاہے اعراب پڑھو یا نہ پڑھو، صاحبِ کافیہ کے نزدیک یہ معرب ہے۔ چاہے آپ وہ ضَرَبَ زَيْدٌ پڑھو چاہے آپ ضَرَبَ زَيْدٌ پڑھو۔ یہ کیا ہے؟ اعراب کا باقاعدہ مستحق بن چکا ہے۔ تو صاحبِ مفصل نے صرف صلاحیت کا اعتبار کیا کہ اعراب کا مستحق ہونے کی صلاحیت ہو، اور صاحبِ کافیہ نے اعراب کا مستحق ہونے کی صلاحیت، صرف اس کا اعتبار نہیں کیا بلکہ باقاعدہ اعراب کے مستحق ہونے کا اعتبار کیا ہے۔ فرق سمجھ میں آیا؟

تو اکیلا زید، عمرو، بکر، یہ صاحبِ مفصل کے نزدیک معرب ہیں کیونکہ ان میں اعراب کا مستحق ہونے کی صلاحیت ہے۔ جبکہ صاحبِ کافیہ کے نزدیک یہ مبنی ہیں کیونکہ ان کے نزدیک صرف اعراب کا مستحق ہونے کی صلاحیت کافی نہیں بلکہ اعراب کا باقاعدہ مستحق بھی ہو جائے، اور وہ کب ہو گا؟ جب ترکیب میں واقع ہو اور ترکیب بھی کس قسم کی ہو جس میں اس کا عامل بھی ہو، اور نیز وہ مبنی الاصل کے مشابہ بھی نہ ہو۔ تو اب ضَرَبَ زَيْدٌ، یہ زَيْدٌ، یہ صاحبِ کافیہ کے نزدیک معرب ہے۔ یہ کیا ہے؟ معرب ہے، کیونکہ یہ باقاعدہ اعراب کا مستحق ہو چکا ہے۔ اب چاہے آپ اعراب نہ بھی پڑھیں، یہ پھر بھی کیا کہلائے گا صاحبِ کافیہ کے نزدیک؟ معرب ہی کہلائے گا۔ آپ نے کہا ضَرَبَ زَيْدْ، آپ نے تو اعراب نہیں پڑھے، لغوی اعتبار سے یہ معرب نہیں ہے، ضَرَبَ زَيْدْ کیونکہ آپ نے تو وقف کر دیا، آپ نے تو اعراب جاری نہیں کیا، تو یہ معرب نہیں یعنی اعراب نہیں دیا گیا لغوی اعتبار سے اس کو، لیکن اصطلاح کے اعتبار سے صاحبِ کافیہ کے نزدیک یہ معرب ہے کیونکہ یہ اعراب کا مستحق ہو چکا ہے، اعراب کا مستحق ہو چکا ہے، ترکیب میں واقع ہے اور اس میں اس کا عامل بھی ہے اور یہ مبنی الاصل کے مشابہ بھی نہیں ہے، تو یہ اعراب کا مستحق ہو چکا ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟

مختصر لفظوں میں یوں کہو: صاحبِ مفصل نے بھی اعراب بالقوۃ کا اعتبار کیا، کس کا؟ جس میں اعراب کی صلاحیت ہو، جیسے زید، عمرو، بکر، ان میں صلاحیت ہے یا نہیں؟ توجہ ہے؟ میں ذرا گہری بات کرنے لگا ہوں، گہری بات۔ بھائی ایک ہے لفظ پر آپ باقاعدہ اعراب کو جاری کر دیتے ہیں، ضَرَبَ زَيْدٌ، آپ نے زید کو باقاعدہ اعراب دے دیے، تو یہ معربِ لغوی ہے، یہ مُعْرَب ہے، اسمِ مفعول ہے، جس کو اعراب دیا گیا ہے، تو اس میں تو اختلاف ہی نہیں ہے، یہ تو سب کے نزدیک کیا ہے؟ معرب۔ اختلاف کس میں ہے؟ معربِ اصطلاحی میں۔ اور معربِ اصطلاحی میں یہ جو ضَرَبَ زَيْدٌ، اس زید پر آپ اعراب نہ پڑھیں ذرا، وقف کر دیں، ضَرَبَ زَيْدْ۔ تو صاحبِ مفصل کے نزدیک بھی یہ معرب ہے اور صاحبِ کافیہ کے نزدیک بھی یہ معرب ہے، حالانکہ یہ معربِ لغوی تو نہیں۔ آپ نے اس کو اعراب دیا ہے؟ آپ نے اس پر اعراب کا اجراء کیا ہے؟ تو معربِ لغوی تو نہیں ہے لیکن معربِ اصطلاحی ہے، صاحبِ کافیہ کے نزدیک بھی اور صاحبِ مفصل کے نزدیک بھی۔ معلوم ہوا دونوں کے نزدیک بالفعل اعراب دینا ضروری نہیں ہے بلکہ بالقوۃ اعراب ہی کافی ہے، بلکہ بالقوۃ اعراب کی صلاحیت ہی کافی ہے۔ لیکن فرق اتنا ہے کہ اعراب بالقوۃ یعنی اعراب کی صلاحیت وہ دو قسم کی ہو گئی: ایک وہ اعراب بالقوۃ ہے جو بالفعل کے قریب ہے، بالفعل کے، اور ایک وہ اعراب بالقوۃ ہے جو بالفعل سے بعید ہے۔ توجہ ہے؟ نہیں

توجہ، نہیں توجہ۔

صاحبِ مفصل کے نزدیک بھی معرب کے لیے اعراب بالفعل ضروری ہے یا اعراب بالقوۃ کافی ہے؟ بالقوۃ کافی۔ صاحبِ کافیہ کے نزدیک بھی اعراب بالفعل ضروری ہے یا بالقوۃ کافی ہے؟ بالقوۃ کافی ہے۔ ضَرَبَ زَیْدٌ، دونوں کے نزدیک یہ زید معرب ہے۔ لیکن فرق یہ ہے دونوں کے بالقوۃ میں کہ صاحبِ مفصل اس اعراب بالقوۃ کا اعتبار کرتے ہیں جو بالفعل سے دور ہے، صرف صلاحیت ہو ایک اسم میں تو اس کو کیا کہتے ہیں؟ معرب۔ اور صاحبِ کافیہ وہ اعراب بالقوۃ جو بالفعل کے قریب ہے، یعنی باقاعدہ ایک اسم اعراب کا مستحق بن جائے، ایک اسم باقاعدہ ترکیب میں واقع ہو جائے، اس کا عامل بھی ہو، اور پھر چاہے اعراب نہ بھی پڑھو، پھر بھی اعراب چاہے، جیسے ضَرَبَ زَیْدٌ، یہ زید کیا ہے؟ ترکیب میں بھی ہے اور عامل بھی ساتھ ہے، لیکن آپ نے اعراب اس پر پڑھا نہیں، اعراب پڑھا نہیں لیکن یہ اعراب کا مستحق ہو چکا ہے، یہ کیا ہے اعراب کا؟ تو ایک یہ والا ضَرَبَ زَیْدٌ کے اندر جو زید ہے یہ اعراب کا مستحق ہو چکا ہے، اور ایک اکیلا لفظِ زید ہے، توجہ ہے؟ اکیلا لفظِ زید ہے، تو صاحبِ مفصل کے نزدیک وہ اکیلا لفظ کیا ہے؟ معرب ہے، یعنی اس میں انہوں نے اعراب بالقوۃ کا اعتبار کیا، لیکن وہ اعراب بالقوۃ بالفعل سے بعید ہے، کیا؟ یہ اکیلا زید ہے، اس پر اعراب بالفعل نہیں آ سکتا، کیوں؟ کیونکہ اس کو ترکیب میں بھی لانا پڑے گا اور ترکیب کے اندر اس کے ساتھ عامل کو بھی لانا پڑے گا اور پھر اس کے بعد اس پر اعراب جاری ہو سکتا ہے۔ تو یہ معرب ہے بالقوۃ، لیکن کس قسم کا معرب بالقوۃ ہے؟ جو بالفعل سے دور ہے۔ نہیں سمجھ میں آ رہی؟ یہ بالفعل سے دور ہے۔ اکیلا زید صاحبِ مفصل کے نزدیک معرب ہے، کیا ہے؟ معرب ہے، اور یہ بالفعل اعراب اس پر آ سکتا ہے لیکن بڑا دور ہے، اس کو ترکیب میں بھی لانا پڑے گا اور ترکیب بھی ایسی ہو جس میں اس کا عامل بھی ہو، تو صاحبِ مفصل اعراب بالقوۃ کا اعتبار کرتے ہیں لیکن وہ اعراب بالقوۃ کہ وہ بالفعل سے بعید ہے بھائی۔ وہ بالقوۃ ہونا کیا ہے؟ بالفعل سے بعید ہے، کیونکہ یہ تو ترکیب میں سرے سے نہیں ہے۔ اور صاحبِ کافیہ جو ہے وہ بھی اعراب بالقوۃ کا اعتبار کرتے ہیں لیکن کون سا بالقوۃ؟ جو بالفعل کے قریب ہے، جیسے ضَرَبَ زَیْدٌ، یہ ان صاحبِ کافیہ کے نزدیک معرب ہے، کیا ہے؟ آپ نے زید پر کوئی اعراب جاری کیا؟ نہیں، لیکن اس میں صلاحیت آ گئی یا نہیں؟ اور یہ بالفعل کے قریب آ گیا، کیونکہ صرف آپ نے اعراب اوپر نہیں پڑھا ورنہ تو یہ ترکیب میں بھی آ چکا ہے، عامل بھی ساتھ آ چکا ہے، اب صرف اعراب کا اجراء باقی رہ گیا۔ اعراب کا صرف اجراء باقی رہ گیا۔ تو صاحبِ مفصل نے بھی بالقوۃ کا اعتبار کیا لیکن وہ والا بالقوۃ جو بالفعل سے بہت دور ہے ابھی، اور صاحبِ کافیہ نے بھی بالقوۃ کا اعتبار کیا لیکن وہ والا بالقوۃ جو بالفعل کے قریب ہے، ترکیب میں بھی آ چکا ہے، اعراب کا مستحق بھی ہو چکا ہے، اب صرف اس پر اعراب کا پڑھنا رہ گیا ہے، پڑھو یا نہ پڑھو اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا، وہ معرب ہے بھائی۔ بات سمجھ میں آ گئی؟ اچھی طرح؟

تو معربِ لغوی کسے کہتے ہیں؟ جس پر باقاعدہ لفظوں میں جس پر اعراب جاری کر دیا جائے، اور اس میں تو پھر کسی کا بھی اختلاف نہیں، اس میں اختلاف ہو ہی نہیں سکتا، جب بالفعل ایک لفظ پر اعراب جاری کر دیا گیا پھر تو وہ سب کے نزدیک

کیا ہے؟ معرب۔ لیکن یہاں معربِ اصطلاحی کی بات ہو رہی ہے۔ صاحبِ مفصل کے نزدیک معرب کسے کہیں گے؟ اس میں صرف مستحقِ اعراب ہونے کی صلاحیت ہونی چاہیے، لہٰذا اسمائے معدودہ وہ بھی کیا ہیں؟ معرب۔ جبکہ صاحبِ کافیہ مستحقِ اعراب ہونے کی صرف صلاحیت کا اعتبار نہیں کرتے بلکہ باقاعدہ وہ بالفعل کیا ہو جائیں؟ مستحقِ اعراب ہو جائیں، اس کا اعتبار کرتے ہیں۔

دیکھیے بھائی کتاب پر:

اِعْلَمْ أَنَّ صَاحِبَ الْكَشَّافِ جَعَلَ الْأَسْمَاءَ الْمَعْدُودَةَ الْعَارِيَةَ عَنِ الْمُشَابَهَةِ الْمَذْكُورَةِ مُعْرَبَةً.

تو جان لے کہ صاحبِ کشاف یعنی وہی علامہ زمخشری جو ہیں، جَعَلَ الْأَسْمَاءَ الْمَعْدُودَةَ، انہوں نے قرار دیا ہے اسمائے معدودہ کو، وہ اسمائے معدودہ الْعَارِيَةَ عَنِ الْمُشَابَهَةِ الْمَذْكُورَةِ جو خالی ہوں اس مشابہتِ مذکورہ سے، وہ اسمائے معدودہ جو اس مشابہتِ مذکورہ سے خالی ہوں یعنی جو مبنی الاصل کے مشابہ نہ ہوں، مُعْرَبَةً، ان کو کیا قرار دیا ہے؟ معرب قرار دیا ہے۔

وَلَيْسَ النِّزَاعُ فِي الْمُعْرَبِ الَّذِي هُوَ اسْمُ مَفْعُولٍ مِنْ قَوْلِكَ أَعْرَبْتُ.

اور جھگڑا نہیں ہے اس معرب کے بارے میں جو کہ اسمِ مفعول ہے مِنْ قَوْلِكَ أَعْرَبْتُ آپ کے قول أَعْرَبْتُ سے۔ آپ کا قول جو أَعْرَبْتُ ہے، أَعْرَبْتُ کا کیا معنیٰ؟ میں نے اعراب دیا، میں نے اعراب کا اجراء کیا۔ توجہ ہے؟ تو أَعْرَبْتُ فعل سے جو اسمِ مفعول آتا ہے یعنی مُعْرَب یعنی وہ لفظ جس کو باقاعدہ اعراب جس پر جاری کیا گیا ہو، وہ مراد نہیں، اس میں جھگڑا نہیں، جب اعراب جاری کر دیا گیا پھر تو جھگڑا ہے ہی نہیں، پھر تو سب کے نزدیک وہ معرب ہے، جھگڑا صرف معربِ اصطلاحی میں ہے بھائی۔ تو کہتے ہیں وَلَيْسَ النِّزَاعُ فِي الْمُعْرَبِ الَّذِي هُوَ اسْمُ مَفْعُولٍ مِنْ قَوْلِكَ أَعْرَبْتُ، اور جھگڑا نہیں ہے اس معرب کے بارے میں جو آپ کے قول أَعْرَبْتُ سے اسمِ مفعول ہے، فَإِنَّ ذٰلِكَ لَا يَحْصُلُ إِلَّا بِإِجْرَاءِ الْإِعْرَابِ عَلَى آخِرِ الْكَلِمَةِ بَعْدَ التَّرْكِيبِ، اس لیے کیونکہ وہ والا معرب جو ہے یعنی معربِ لغوی وہ تو حاصل نہیں ہو گا مگر یہ کہ اعراب کا اجراء کر دیا جائے عَلَى آخِرِ الْكَلِمَةِ کلمہ کے آخر پر بَعْدَ التَّرْكِيبِ ترکیب کے بعد، یہ تو اسی وقت معرب کہلائے گا اور پھر تو اس میں کوئی جھگڑا ہی نہیں۔ بَلْ فِي الْمُعْرَبِ اصْطِلَاحًا، بلکہ جھگڑا جو ہے معرب کے اندر ہے اصْطِلَاحًا باعتبار اصطلاح کے، کہ اصطلاحی اعتبار سے معرب کسے کہتے ہیں۔

فَاعْتَبَرَ الْعَلَّامَةُ مُجَرَّدَ صَلَاحِيَّةِ اسْتِحْقَاقِ الْإِعْرَابِ بَعْدَ التَّرْكِيبِ، پس اعتبار کیا علامہ نے یعنی علامہ زمخشری نے اعتبار کیا ہے مُجَرَّدَ صَلَاحِيَّةِ اسْتِحْقَاقِ الْإِعْرَابِ بَعْدَ التَّرْكِيبِ، کہ صرف اعراب کا مستحق ہونے کی صلاحیت ہو بَعْدَ التَّرْكِيبِ، کس کے بعد؟ ایک اسم میں ترکیب کے بعد اعراب کا مستحق ہونے کی صلاحیت ہو تو یہ کافی ہے، اس کو ہم معرب کہیں گے۔ لہٰذا اسمائے معدودہ بھی داخل ہو گئے، یہ بھی جب مبنی الاصل کے مشابہ نہ ہوں اور ترکیب میں واقع ہو کر اعراب کے مستحق ہونے کی صلاحیت رکھتے ہیں، تو پھر ان کو کیا کہیں گے؟ معرب کہیں گے۔ تو کہتے ہیں فَاعْتَبَرَ الْعَلَّامَةُ مُجَرَّدَ

صَلَاحِيَّةِ اسْتِحْقَاقِ الْإِعْرَابِ بَعْدَ التَّرْكِيبِ، تو علامہ زمخشری نے اعتبار کیا ہے ترکیب کے بعد اعراب کا مستحق ہونے کی صلاحیت کا صرف، صرف اس صلاحیت کا اعتبار کیا ہے۔ وَهُوَ ظَاهِرٌ مِنْ كَلَامِ الْإِمَامِ عَبْدِ الْقَاهِرِ، اور یہی ظاہر ہے امام عبد القاہر کے کلام سے بھی، یہی ظاہر ہے امام عبد القاہر کے کلام سے بھی۔

یاد رکھو یہ امام عبد القاہر جو ہیں یہ بہت بڑے نحوی گزرے ہیں اور یہ امام ہیں علمِ بلاغت کے بھائی، علمِ بلاغت کے۔ دروس البلاغہ اور مختصر المعانی میں ان کا ذکر ملے گا آپ کو جگہ جگہ بھائی، بلاغت کی جہاں کتاب آئے گی اس میں ان کا ذکر ملے گا۔ ان کا انتقال ہوا ہے ۴۷۱ ہجری میں، یعنی یہ علامہ زمخشری سے پہلے گزرے ہیں، علامہ زمخشری کا انتقال تو ۵۳۸ ہجری میں ہوا ہے۔ تو یہ بہت بڑے بلاغت کے امام ہیں اور بلاغت میں ان کی دو کتابیں بڑی مشہور ہیں بھائی: ایک کا نام ہے اسرار البلاغہ، اسرار البلاغہ، اور ایک کا نام ہے دلائل الاعجاز، جس میں یہ قرآن کی فصاحت و بلاغت کو بیان کرتے ہیں کہ قرآن کتنا فصیح و بلیغ ہے بھائی۔ تو یہ شیخ عبد القاہر یہ بلاغت کے امام ہیں۔ جبکہ دوسرے جو ہیں علامہ زمخشری بھائی، یہ بہت بڑے نحوی گزرے ہیں اور ان کی کتاب مفصل جو ہے نحو کی عظیم کتابوں میں سے ہے۔ یاد رکھو علامہ زمخشری جو تھے یہ معتزلی تھے۔ معتزلہ ایک گمراہ فرقہ گزرا ہے بھائی۔ یہ علامہ زمخشری جنہوں نے کشاف جیسی عظیم کتاب لکھی، جنہوں نے مفصل جیسی عظیم کتاب لکھی، لیکن یہ معتزلی تھے۔ معتزلہ ایک گمراہ فرقہ گزرا ہے اور یہ فلسفے کے بہت بڑے ماہر تھے، فلسفے کے بہت بڑے ماہر تھے، حتیٰ کہ انہوں نے فلسفے کو اصل ٹھہرا لیا اور قرآن و حدیث میں کوئی بات فلسفے کے خلاف آتی تو فلسفے کی بات کو اٹل سمجھتے، قرآن و حدیث میں تاویل کر کے اس کو فلسفے کے مطابق کرنے کی کوشش کرتے تھے، بجائے اس کے کہ قرآن و حدیث کو اصل سمجھا جائے اور فلسفے میں تاویل کی جائے، اس کی کوئی اور تقریر کی جائے، وہ فلسفے کے اصولوں کو اٹل سمجھتے تھے کہ یہ تو قطعی ہیں، ان میں تو کوئی غلطی ہے ہی نہیں، تو چنانچہ قرآن و حدیث کی تاویل کیا کرتے تھے۔

چنانچہ یہ کہتے تھے کہ جنت اور جہنم کا وجود نہیں ہے، جنت اور جہنم کا وجود نہیں ہے، قیامت میں اللہ تعالیٰ پھر ان کو اس وقت پیدا فرمائیں گے۔ اس لیے کیونکہ یہ نو کُرے ہیں، سمجھ میں آیا؟ نو کُرے ہیں، یعنی نو آسمان ہیں، کتنے؟ نو آسمان۔ قرآن تو سات آسمانوں کو ذکر کرتا ہے لیکن فلسفے میں نو آسمانوں کا ذکر ہے، یہ فلسفے کی بات کو اٹل سمجھتے تھے کہ نو آسمان ہیں، اور ان نو آسمانوں سے باہر نہ خلا ہے نہ ملا ہے، نہ کوئی خالی جگہ ہے نہ بھری جگہ ہے، بس یہی ہے، نو آسمان ہیں بس۔ ان کے کہنے کا مطلب یہ تھا گویا اللہ کے پاس جگہ ہی نہیں ہے جہاں پر جنت اور جہنم کو پیدا فرمائیں، کیونکہ یہ نو کُرے ہیں، نو آسمان ہیں، ان سے باہر نہ خلا ہے نہ ملا، نہ خالی جگہ ہے نہ بھری ہوئی جگہ ہے، خلا کا معنیٰ خالی جگہ، ملا کا معنیٰ بھری ہوئی جگہ۔ جگہ ہی نہیں اللہ کہاں پیدا فرمائیں؟ ہاں، قیامت میں اللہ جب ان چیزوں کو سمیٹ دیں گے، ان کو لپیٹ دیں گے تو پھر اللہ جنت اور جہنم کو پیدا فرمائیں گے۔ تو دیکھا فلسفے کو اصل بنایا، قرآن و حدیث میں تاویل کر لی بھائی۔

اور نیز یہ معراجِ جسمانی کے منکر تھے، حالانکہ اہلِ سنت والجماعت کے نزدیک حضور علیہ السلام معراج پر اپنے بدنِ

مبارک کے ساتھ تشریف لے گئے تھے، یہ کوئی خواب نہیں تھا بلکہ باقاعدہ حضور علیہ السلام تشریف لے گئے تھے آسمانوں پر۔ یہ کہتے ہیں بھائی کہ یہ زمین کے گرد ایک کُرۂ نار ہے، آگ کا ایک کُرہ ہے جس نے زمین کو، گیند ہے جس نے زمین کو چاروں طرف سے گھیرا ہوا ہے بھائی، اور اس آگ میں سے کوئی گزر ہی نہیں سکتا، جو گزرے گا جل جائے گا۔ تو معراج جسمانی نہیں تھی بلکہ منامی تھی بھائی، خواب تھا، خواب تھا۔ تو دیکھا فلسفے کے اصول کو اصل سمجھا اور قرآن و حدیث میں تاویل کر لی بھائی، قرآن و حدیث میں تاویل کر لی، حالانکہ آج آپ دیکھ رہے ہیں کہ خلائی جہاز خلا میں جا رہے ہیں اور آ رہے ہیں، کوئی کُرۂ نار نہیں ہے بھائی، کوئی کُرۂ نار زمین کے گرد موجود نہیں ہے، لیکن انہوں نے فلسفے کو اصل سمجھا۔ تو یہ گمراہ فرقہ تھا بھائی، اور علماء فرماتے ہیں ان کو ان کی کثرتِ علم نے گمراہ کر دیا۔ کبھی کبھار کثرتِ علم بھی گمراہی کا سبب بن جاتی ہے بھائی۔ تو یہ چونکہ فلسفے اور منطق کے بہت بڑے ماہر تھے بھائی تو اس کو اصل ہی ٹھہرا لیا بھائی۔ تو یہ ہیں علامہ زمخشری بھائی۔ لیکن معتزلی ہیں لیکن بہرحال کشاف جیسی عظیم تفسیر انہوں نے لکھی اور اسی طرح مفصل جیسی عظیم نحوی کتاب انہوں نے لکھی بھائی۔

تو علامہ زمخشری جو ہیں ان کے نزدیک معرب کس کو کہتے ہیں؟ وہ اسم جس میں اعراب کا مستحق ہونے کی صلاحیت ہو، تو صرف صلاحیت کافی ہے۔ جبکہ صاحبِ کافیہ ان کے نزدیک صرف صلاحیت کافی نہیں بلکہ بالفعل اعراب کا مستحق ہو جائے۔

دیکھیے بھائی کتاب پر: کہتے ہیں وَاعْتَبَرَ الْمُصَنِّفُ رَحِمَهُ اللَّهُ مَعَ الصَّلَاحِيَّةِ حُصُولَ الِاسْتِحْقَاقِ بِالْفِعْلِ، جبکہ مصنف یعنی صاحبِ کافیہ نے صلاحیت کے ساتھ ساتھ اعتبار کیا ہے حُصُولَ الِاسْتِحْقَاقِ بِالْفِعْلِ کہ بالفعل وہ اسم جو ہے اعراب کا مستحق ہو جائے، حصولِ استحقاق ہو جائے، اعراب کا مستحق ہونا اس کو حاصل ہو جائے یعنی وہ مستحق ہو جائے اعراب کا۔ وَلِهٰذَا أَخَذَ التَّرْكِيبَ فِي تَعْرِيفِهِ، اسی لیے صاحبِ کافیہ نے ترکیب کو لیا ہے اس معرب کی تعریف میں، ترکیب کو ذکر کیا کہ الْمُرَكَّبُ وہ مرکب ہونا چاہیے بھائی۔ یہ معنیٰ ہے وَلِهٰذَا أَخَذَ التَّرْكِيبَ فِي تَعْرِيفِهِ، اور اسی وجہ سے صاحبِ کافیہ نے ترکیب کو لیا ہے یعنی اس کو ذکر کیا ہے فِي تَعْرِيفِهِ أَيْ فِي تَعْرِيفِ الْمُعْرَبِ. وَأَمَّا وُجُودُ الْإِعْرَابِ بِالْفِعْلِ فِي كَوْنِ الِاسْمِ مُعْرَبًا فَلَمْ يَعْتَبِرْهُ أَحَدٌ، اور باقی اعراب کا بالفعل ہونا وَأَمَّا وُجُودُ الْإِعْرَابِ بِالْفِعْلِ باقی اعراب کا بالفعل ہونا فِي كَوْنِ الِاسْمِ مُعْرَبًا اسم کے معرب ہونے میں، فَلَمْ يَعْتَبِرْهُ أَحَدٌ اس کا کسی نے اعتبار نہیں کیا۔ یعنی معرب اسی کو کہیں گے جس پر باقاعدہ اعراب آ جائے، ضَرَبَ زَيْدٌ، زَيْدٌ پر میں نے کیا جاری کر دیا؟ اعراب۔ اس کو معرب کہا جائے، اس کا اعتبار کسی نے نہیں کیا، یہ تو بالاتفاق معرب ہے بھائی، اصطلاحی معرب کسے کہتے ہیں اس میں اختلاف کیا ہے۔ معنیٰ سمجھ آ رہا ہے؟

تو کہتے ہیں وَأَمَّا وُجُودُ الْإِعْرَابِ بِالْفِعْلِ باقی اعراب کا بالفعل ہونا فِي كَوْنِ الِاسْمِ مُعْرَبًا اسم کے معرب ہونے میں، فَلَمْ يَعْتَبِرْهُ أَحَدٌ اس کا اعتبار کسی نے نہیں کیا۔ وَلِذٰلِكَ يُقَالُ اور اسی وجہ سے کہا جاتا ہے، دیکھو یہ عبارت سمجھ لو: لَمْ تُعْرَبِ

الْكَلِمَةُ وَهِيَ مُعْرَبَةٌ، لَمْ تُعْرَبِ الْكَلِمَةُ وَهِيَ مُعْرَبَةٌ۔ ایک شخص ہے مثلاً عبارت پڑھ رہا ہے، ضَرَبَ زَيْدٌ لکھا ہوا ہے، اس نے کیا پڑھا؟ ضَرَبَ زَيْدٌ، کیا پڑھا؟ ضَرَبَ زَيْدٌ، تو اس موقع پر کہتے ہیں لَمْ تُعْرَبِ الْكَلِمَةُ، اس کلمہ کو اعراب نہیں دیا گیا، یعنی زید کو۔ اس نے زید کو اعراب دیا؟ توجہ ہے؟ اس نے کیا پڑھا؟ ضَرَبَ زَيْدٌ، زید پر اعراب نہیں پڑھا، تو اس موقع پر کیا کہتے ہیں؟ لَمْ تُعْرَبِ الْكَلِمَةُ اس کلمے پر اعراب نہیں پڑھا گیا، اس کلمے کو اعراب نہیں دیا گیا، وَهِيَ مُعْرَبَةٌ، حالانکہ یہ معرب ہے، اس حال میں کہ یہ کیا ہے؟ معرب ہے، اس حال میں کہ یہ معرب ہے۔ دیکھا اس کلمے کو اعراب نہیں دیا گیا، کون سا اعراب مراد ہے؟ بالفعل اعراب نہیں دیا گیا، یعنی اعرابِ لغوی، اور حالانکہ یہ معرب ہے، معلوم ہوا کون سا معرب ہے؟ اصطلاحی، کیا مراد ہے؟ اصطلاحی۔ کہ اس کلمے کو اعراب نہیں دیا گیا یعنی لفظوں میں تو اعراب اس پر جاری نہیں کیا گیا حالانکہ یہ تو کیا ہے؟ معرب ہے، اصطلاح کے اعتبار سے یہ تو معرب ہے، اس پر تو اعراب جاری کرنا چاہیے تھا بھائی۔ تو دیکھو کلمہ پر اعراب جاری نہیں ہوا پھر بھی اس کو معرب کہا جا رہا ہے، پھر بھی اس کو معرب کہا جا رہا ہے، معلوم ہوا اصطلاح کے اندر معرب صرف اسی کو نہیں کہتے جس پر بالفعل اعراب جاری ہو جائے بلکہ جس میں اعراب کی صلاحیت آجائے اس کو بھی معرب کہتے ہیں۔ تو اس کو کس طرح پڑھنا؟ لَمْ تُعْرَبِ الْكَلِمَةُ، اور یہ الْكَلِمَةُ اس کا نائب فاعل بن جائے گا، اس کو فعلِ مجہول پڑھو، لَمْ تُعْرَبِ الْكَلِمَةُ اس کلمے کو اعراب نہیں دیا گیا، وَهِيَ مُعْرَبَةٌ اس حال میں کہ یہ معرب ہے۔ یا اس کو مخاطب کا صیغہ پڑھو پھر فعلِ مجہول نہ پڑھو فعلِ معروف پڑھو: لَمْ تُعْرِبِ الْكَلِمَةَ، اس شخص کو کہا جا رہا ہے جس نے اعراب نہیں دیا۔ لَمْ تُعْرِبِ الْكَلِمَةَ آپ کلمۃ کو مفعول بناؤ، تو نے اس کلمے کو اعراب نہیں دیا، آپ نے اس کلمے کو اعراب نہیں دیا وَهِيَ مُعْرَبَةٌ حالانکہ یہ معرب ہے۔ تو دونوں طرح پڑھ سکتے ہیں، فعلِ مجہول پڑھیں تو الْكَلِمَةُ کو نائب فاعل بنائیں اور مخاطب کا صیغہ پڑھیں تو پھر فعلِ معروف پڑھیں لَمْ تُعْرِبْ اس کے اندر أَنْتَ ضمیر فاعل اور الْكَلِمَةَ کو کیا بناؤ؟ مفعول بناؤ۔

یہاں تک عبارت سمجھ میں آگئی؟ کہتے ہیں وَلِذٰلِكَ يُقَالُ لَمْ تُعْرِبِ الْكَلِمَةَ وَهِيَ مُعْرَبَةٌ، اور اسی وجہ سے کہا جاتا ہے لَمْ تُعْرِبِ الْكَلِمَةَ کہ تو نے کلمے کو اعراب نہیں دیا وَهِيَ مُعْرَبَةٌ حالانکہ یہ معرب ہے۔ یہ چار پانچ سطریں پہلے جہاں سے ہم نے آج کا سبق شروع کیا، یہ اِعْلَمْ أَنَّ صَاحِبَ الْكَشَّافِ سے لے کر وَهِيَ مُعْرَبَةٌ جو ابھی جہاں تک ہم نے پڑھا، یاد رکھو یہ ساری عبارت میر سید السند کی ہے۔ یہ کس کی عبارت ہے؟ میر سید السند جو ہیں انہوں نے رضی کی شرحِ کافیہ ہے، اس کے اوپر حاشیہ جو لکھا وہاں سے یہ عبارت لی گئی ہے میر سید السند کی بھائی۔ اور اس میں انہوں نے فرق ذکر کیا کہ صاحبِ کشاف اور صاحبِ کافیہ دونوں کا مذہب الگ الگ ہے معرب کے بارے میں بھائی۔

چلیے بس بھائی، هٰذَا هُوَ الْمَرَامُ وَاللّٰهُ أَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْكَلَامِ۔

سبق نمبر ۴۱: المعرب (۳): اسمائے مبنیہ کی علتِ بناء اور مصنف کے مسلک کی توجیہ

شرحِ ملا جامی صفحہ: ۲۶ — بتاریخ: ۱۷ اگست ۲۰۲۱ء

▪ تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث

آگے سبق دیکھیے بھئی!

وَاِنَّمَا عَدَلَ الْمُصَنِّفُ رَحِمَهُ اللّٰهُ عَمَّا هُوَ الْمَشْهُوْرُ عِنْدَ الْجُمْهُوْرِ مِنْ اَنَّ الْمُعْرَبَ مَا اخْتَلَفَ اٰخِرُهٗ بِاخْتِلَافِ الْعَوَامِلِ لِاَنَّ الْغَرَضَ مِنْ تَدْوِيْنِ عِلْمِ النَّحْوِ اَنْ يَّعْرِفَ بِهٖ اَحْوَالَ اَوَاخِرِ الْكَلِمَةِ فِى التَّرْكِيْبِ مَنْ لَّمْ يَتَتَبَّعْ لُغَةَ الْعَرَبِ وَلَمْ يَعْرِفْ اَحْكَامَهَا بِالسَّمَاعِ مِنْهُمْ۔

گزشتہ سبق میں شارحِ جامی نے آپ کو بتلایا تھا کہ صاحبِ مفصل یعنی علامہ زمخشری اور صاحبِ کافیہ یعنی علامہ ابنِ حاجب کے درمیان اختلاف ہے اسمائے معدودہ کے بارے میں، وہ اسماء جو ترکیب میں واقع نہ ہوں، جن کو شمار کیا جا رہا ہے، یعنی جو بھی اسم ہے جو ترکیب میں واقع نہیں ہے، اس کے بارے میں ان دونوں میں اختلاف ہے۔ صاحبِ مفصل کے نزدیک یہ معرب ہیں جبکہ یہ مبنی الاصل کے ساتھ ان کی مشابہت نہ ہو۔ کیونکہ یہ جو اسمائے معدودہ ہیں، جن کی مبنی الاصل کے ساتھ مشابہت نہیں، ان میں صلاحیت ہے کہ یہ جب بھی ترکیب میں آئیں گے تو ان پر اعراب آجائے گا بھئی۔ تو یہ اعراب کی صلاحیت رکھتے ہیں کہ ان پر اعراب آجائے، اگرچہ فی الحال اعراب نہیں لیکن ان میں صلاحیت تو ہے، تو لہٰذا یہ معرب ہیں۔

جبکہ صاحبِ کافیہ وہ فرماتے ہیں کہ صرف صلاحیت کافی نہیں معرب کے لیے، بلکہ ترکیب میں واقع ہو اور وہ ترکیب بھی ایسی ہو جس میں اس کا عامل بھی موجود ہو، یعنی وہ بالفعل اعراب کا مستحق بن جائے۔ اب چاہے آپ اعراب پڑھیں یا نہ پڑھیں، وہ اعراب کا مستحق بن چکا ہے، تو اب اس کو معرب کہیں گے۔ جیسے ضَرَبَ زَيْدٌ۔ ضَرَبَ زَيْدٌ۔ یہ زَيْدٌ فاعل ہے ضَرَبَ کا۔ اب یہ ترکیب میں بھی واقع ہے اور نیز اس کے ساتھ اس کا عامل یعنی ضَرَبَ بھی موجود ہے، اب اس کو معرب کہیں گے چاہے آپ اعراب پڑھیں یا نہ پڑھیں۔ آپ چاہیں کہیں ضَرَبَ زَيْدٌ تو بھی یہ معرب ہے، اور آپ چاہیں اعراب نہ

پڑھیں ضَرَبَ زَیْدْ آپ وقف کر دیں آخر میں، رفع نہ پڑھیں بھئی، کوئی اعراب نہ پڑھیں، تو بھی اس کو کیا کہیں گے؟ معرب۔ کیوں کہیں گے معرب؟ کیونکہ یہ بالفعل اعراب کا مستحق ہو چکا ہے۔ یہ ترکیب میں بھی واقع ہے اور اس میں اس کا عامل بھی موجود اور نیز مبنی الاصل کے ساتھ اس کی مشابہت بھی نہیں ہے۔ اب آپ چاہے اعراب پڑھیں یا نہ پڑھیں، آپ کے پڑھنے نہ پڑھنے سے کچھ نہیں ہوگا، یہ اعراب کا مستحق ہو چکا ہے۔ اور جو بھی ایسا کلمہ ہو جو ترکیب میں بھی واقع ہو اور اس کا عامل بھی موجود ہو، وہ اعراب کا مستحق ہو جاتا ہے، اس کو معرب کہتے ہیں۔

چنانچہ اسی لیے صاحبِ کافیہ نے جو معرب کی تعریف کی، اس میں مرکب کی قید لگائی کہ وہ ترکیب میں واقع ہو اپنے عامل کے ساتھ، تاکہ اسمائے معدودہ اس تعریف سے نکل جائیں کیونکہ صاحبِ کافیہ کے نزدیک یہ اسمائے معدودہ معرب نہیں ہیں۔ جبکہ صاحبِ مفصل کے نزدیک یہ اسمائے معدودہ معرب ہیں، اسی لیے انہوں نے معرب کی جو تعریف کی اس کے اندر انہوں نے مرکب کی قید ذکر نہیں کی بھئی۔

اور اسی میں معربِ لغوی کا ذکر بھی آیا تھا۔ معربِ لغوی اس کو کہیں گے جس پر باقاعدہ بالفعل اعراب آجائے۔ مُعْرَبٌ دیکھو اسمِ مفعول کا صیغہ ہے۔ اَعْرَبَ یُعْرِبُ اِعْرَاباً، اعراب کا کیا مطلب ہے؟ اعراب دینا، تو مُعْرَبٌ کس کو کہیں گے؟ جس کو اعراب دیا گیا ہو، تو جب ایک لفظ کو بالفعل اعراب دے دیا گیا جیسے ضَرَبَ زَیْدٌ، اب یہ زَیْد کو اعراب دے دیا گیا۔ اور اگر میں پڑھوں ضَرَبَ زَیْدْ، تو دیکھو میں نے وقف کیا، اعراب نہیں دیا۔ تو جب اعراب دے دیا تو اس وقت یہ معربِ لغوی ہے، یعنی اس کو اعراب دیا گیا ہے، اسمِ مفعول۔ مُعْرَب کا کیا معنی؟ جس کو اعراب دیا جائے، تو عربی زبان کے اعتبار سے معرب اس کو کہتے ہیں جس کو باقاعدہ اعراب دے دیا گیا ہو۔ جیسے مَضْرُوْبٌ اس کو کہتے ہیں جس پر باقاعدہ ضرب واقع ہو چکی ہے، تو عربی زبان کے اعتبار سے مُعْرَب اس کو کہیں گے جس کو باقاعدہ اعراب دے دیا گیا ہو۔ تو جب میں کہوں گا ضَرَبَ زَیْدٌ، اب اس لفظِ زَیْد کو باقاعدہ اعراب دے دیا گیا، تو یہ لغوی معرب ہے، یہ کیا ہے؟ لغوی۔ اور اگر میں اس پر وقف کروں ضَرَبَ زَیْدْ، تو یہ تو میں نے اعراب نہیں دیا، تو یہ معربِ لغوی نہیں ہے، اس کو اعراب نہیں دیا گیا۔

تو معربِ لغوی کے اندر تو کسی کا اختلاف نہیں ہے۔ معربِ لغوی کسے کہتے ہیں؟ جب ایک لفظ پر باقاعدہ اعراب آ جائے، وہ تو بالاتفاق سب کے نزدیک معرب ہی ہے، اس میں تو جھگڑا ہو ہی نہیں سکتا، اختلاف ہو ہی نہیں سکتا۔ جب ایک لفظ کو باقاعدہ اعراب دے دیا گیا، ضَرَبَ زَیْدٌ، زَیْدٌ پر باقاعدہ میں نے اعراب پڑھ دیا، پھر تو اس میں اختلاف کی گنجائش ہی نہیں ہے، پھر تو بالاتفاق سب کے نزدیک یہ کیا ہے؟ معرب ہی ہے۔ لیکن اختلاف جو ہے دونوں کا، صاحبِ کافیہ اور صاحبِ مفصل کا، وہ معربِ اصطلاحی میں ہے۔ اس معربِ لغوی میں اختلاف نہیں ہے، یہ تو ہے ہی معرب، صاحبِ کافیہ کے نزدیک بھی یہ معرب ہے، اس کو اعراب دیا گیا ہے، صاحبِ مفصل کے نزدیک بھی اس کو اعراب دیا گیا ہے، یہ

کیا ہے؟ معرب، اس میں اختلاف کی گنجائش ہی نہیں ہے۔ ہاں اختلاف کس میں ہے؟ معربِ اصطلاحی میں، اصطلاح میں معرب کسے کہیں گے؟ تو صاحبِ مفصل کے نزدیک اکیلا لفظ زَیْد ہو اس کو بھی معرب کہیں گے کیونکہ یہ مبنی الاصل کے مشابہ نہیں، اور اس میں صلاحیت ہے، یہ جب بھی ترکیب میں واقع ہوگا اس پر کیا آسکتا ہے؟ اعراب آسکتا ہے، تو اکیلے زَیْد کو بھی معرب کہیں گے۔

اور جبکہ صاحبِ کافیہ کے نزدیک اکیلے زَیْد کو زَیْدٌ عَمْرٌو بَکْرٌ اس کو معرب نہیں کہیں گے، کیونکہ ان کے نزدیک صرف صلاحیت کافی نہیں ہے کہ اس میں اعراب کی صلاحیت ہو کلمہ کے اندر، بلکہ باقاعدہ وہ ترکیب میں واقع ہو اور ترکیب بھی ایسی ہو جس میں اس کا عامل بھی ہو۔ تو صاحبِ کافیہ کے نزدیک صرف صلاحیت کافی نہیں، بلکہ بالفعل وہ اعراب کا مستحق بن جائے، اس کو معرب کہیں گے۔ اور اکیلا زَیْد یہ مستحقِ اعراب ہے؟ اس وقت آپ اس پر اعراب پڑھ سکتے ہیں؟ نہیں، اس وقت یہ مستحقِ اعراب ہے ہی نہیں، اس کے لیے اس کو ترکیب میں بھی واقع کرنا پڑے گا اور ترکیب بھی ایسی ہونی چاہیے جس میں اس کا عامل بھی موجود ہو جیسے ضَرَبَ زَیْدٌ۔ اب یہ جو زَیْد ہے یہ صاحبِ کافیہ کے نزدیک معرب ہے۔ آپ زَیْدٌ پر رفع پڑھیں یا نہ پڑھیں، یہ اعراب کا مستحق ہو چکا ہے، کیونکہ ترکیب میں بھی واقع ہے اور عامل بھی ساتھ ہے جو کس کا تقاضا کر رہا ہے؟ رفع کا۔ تو آپ ضَرَبَ زَیْدٌ پڑھیں تو بھی معرب، ضَرَبَ زَیْدْ پڑھیں دال پر وقف کر لیں تو بھی معرب ہے۔

تو معلوم ہوا ضَرَبَ زَیْدْ جب آپ اس پر وقف کرتے ہیں تو بھی صاحبِ کافیہ کے نزدیک یہ معرب ہے بھئی۔ صاحبِ کافیہ کے، صاحبِ مفصل کے نزدیک تو ہے ہی، صاحبِ کافیہ کے نزدیک بھی اب یہ معرب ہے، حالانکہ آپ اس پر اعراب نہیں پڑھ رہے۔ معلوم ہوا صاحبِ کافیہ کے نزدیک بھی بالفعل اعراب کا ہونا ضروری نہیں ہے، بلکہ اعراب کا بالفعل مستحق ہونا ہی کافی ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ معلوم ہوا صاحبِ مفصل ان کے نزدیک بھی اعراب بالقوۃ کا اعتبار ہے، اور صاحبِ کافیہ کے نزدیک بھی اعراب بالقوۃ کا اعتبار ہے۔ اکیلا لفظِ زَیْد، صاحبِ مفصل کے نزدیک یہ کیا ہے؟ معرب ہے، کیوں؟ کیونکہ اس میں اعراب بالقوۃ ہے، یعنی اس میں اعراب کی صلاحیت ہے، بات سمجھ میں آگئی؟ اور صاحبِ کافیہ کے نزدیک بھی ضَرَبَ زَیْدْ میں نے وقف کر دیا دال پر، میں نے اعراب نہیں پڑھا، ان کے نزدیک پھر بھی یہ زَیْد کیا ہے؟ یہ معرب ہے، یعنی معلوم ہوا صاحبِ کافیہ کے نزدیک بھی اعراب بالقوۃ کا اعتبار ہے۔ اس زَیْد پر رفع پڑھنا ضروری نہیں، آپ وقف بھی کر دیں پھر بھی یہ اعراب کا مستحق ہو چکا ہے۔ تو صاحبِ کافیہ بھی اعراب بالقوۃ کا اعتبار کرتے ہیں اور اسی کو معربِ اصطلاحی کہتے ہیں، اور صاحبِ مفصل بھی اعراب بالقوۃ کا اعتبار کرتے ہیں، لیکن دونوں کے اعراب بالقوۃ میں فرق ہے۔ صاحبِ مفصل اس اعراب بالقوۃ کا اعتبار کرتے ہیں جو بالفعل اعراب سے بہت دور ہے، جو بالفعل اعراب سے، زَیْد اکیلا لفظ ہے، صاحبِ مفصل کیا فرماتے ہیں؟ اس میں صلاحیت ہے یا نہیں اعراب کی؟ تو اس میں اعراب کی صلاحیت ہے تو وہ اعراب بالقوۃ کا اعتبار کر رہے ہیں اور ان کے نزدیک یہ زَیْد معرب ہے۔ لیکن یہ بالفعل اعراب سے

بہت دور ہے، اس پر بالفعل زَیْدٌ آپ پڑھ ہی نہیں سکتے۔ کیوں؟ کیونکہ پہلے اس کو کس میں لانا پڑے گا؟ ترکیب میں، کیونکہ رفع نصب خود نہیں آتے، تو اس کو ترکیب میں لانا پڑے گا اور ترکیب بھی ایسی ہو جس میں اس کا عامل بھی آئے جو اس پر رفع یا نصب یا جر کا باقاعدہ تقاضا کرے، پھر اس کے بعد اس پر بالفعل اعراب آسکے گا۔ تو معلوم ہوا صاحبِ مفصل اعراب بالقوۃ کا اعتبار کر رہے ہیں، مثلاً لفظِ زَیْد میں ہے، لیکن یہ اعراب بالقوۃ اعراب بالفعل سے بہت بعید ہے کیونکہ اس کے لیے اس کو ترکیب میں بھی لانا پڑے گا اور اس کے عامل کو بھی ساتھ لانا پڑے گا۔

اور صاحبِ کافیہ وہ بھی اعراب بالقوۃ کا اعتبار کرتے ہیں، ضَرَبَ زَیْدْ دیکھو زَیْد پر میں نے وقف کیا لیکن پھر بھی صاحبِ کافیہ اس کو کیا کہتے ہیں؟ معرب کہتے ہیں، تو وہ بھی اعراب بالقوۃ کا اعتبار کرتے ہیں، لیکن یہ وہ اعراب بالقوۃ ہے جو اعراب بالفعل کے بہت قریب ہے، اعراب بالفعل کے بہت، آپ نے صرف اعراب پڑھا نہیں ہے باقی اعراب کا تو یہ مستحق ہو چکا ہے۔ آپ پڑھ سکتے ہیں اس پر ضَرَبَ زَیْدٌ۔ اب یہ بالفعل اعراب آگیا۔ توجہ ہے؟ ضَرَبَ زَیْدْ بالفعل میں نے اعراب پڑھا؟ بالفعل پڑھا اعراب؟ نہیں، لیکن یہ بالفعل کے قریب ہے، ضَرَبَ زَیْدٌ میں پڑھ بھی سکتا ہوں۔ تو صاحبِ کافیہ بھی کس اعراب کا اعتبار کر رہے ہیں؟ اعراب بالقوۃ کا۔ صاحبِ مفصل بھی کس کا اعتبار کر رہے ہیں؟ اعراب بالقوۃ کا۔ لیکن صاحبِ مفصل اس اعراب بالقوۃ کا اعتبار کر رہے ہیں جو بالفعل اعراب سے بہت دور ہے، اس اکیلے زَیْد پر بالفعل اعراب آسکتا ہے؟ نہیں، یہ بہت دور ہے، اس کو ترکیب میں بھی لانا پڑے گا، اس کے ساتھ عامل کو بھی لانا پڑے گا۔ اور صاحبِ کافیہ بھی اعراب بالقوۃ کا اعتبار کرتے ہیں لیکن یہ بالقوۃ اعراب اعراب بالفعل کے بہت قریب ہے، صرف آپ نے پڑھا نہیں ہے ورنہ ترکیب میں بھی ہے، عامل بھی ہے، سب کچھ موجود ہے، صرف پڑھنا باقی ہے۔

چنانچہ اس کی پھر مثال بھی ذکر کی: لَمْ تُعْرَبِ الْکَلِمَۃُ، کلمہ کو اعراب نہیں دیا گیا، وَہِیَ مُعْرَبَۃٌ، اس حال میں کہ یہ معرب ہے۔ مثلاً ایک جملہ لکھا ہوا تھا ضَرَبَ زَیْدٌ، آپ نے صرف یہ پڑھا ضَرَبَ زَیْدْ، آپ نے دال پر وقف کر لیا۔ تو اس موقع پر کہا جاتا ہے لَمْ تُعْرَبِ الْکَلِمَۃُ، اس کلمہ کو اعراب نہیں دیا گیا یعنی اس پر اعراب نہیں پڑھا گیا، وَہِیَ مُعْرَبَۃٌ، حالانکہ یہ تو معرب ہے، اس پر کیا پڑھنا چاہیے تھا؟ رفع۔ دیکھا؟ اعراب نہیں دیا گیا حالانکہ یہ تو کیا ہے؟ معرب ہے! معلوم ہوا اعراب بالفعل ضروری نہیں معرب میں، بلکہ اعراب بالقوۃ ہی کافی ہے صاحبِ کافیہ کے نزدیک بھی بھئی۔ اور میں نے بتایا اس کو مخاطب کا صیغہ بھی پڑھ سکتے ہیں: لَمْ تُعْرِبِ الْکَلِمَۃَ، آپ نے کلمہ کو اعراب نہیں دیا، آپ نے ضَرَبَ زَیْدْ پڑھا، آپ کو ضَرَبَ زَیْدٌ پڑھنا چاہیے تھا لیکن آپ نے کیا پڑھا ہے؟ ضَرَبَ زَیْدْ، تو آپ کو کیا کہا جاتا ہے لَمْ تُعْرِبِ الْکَلِمَۃَ، آپ نے تو اس کلمہ کو اعراب نہیں دیا، وَہِیَ مُعْرَبَۃٌ، حالانکہ یہ تو معرب ہے بھئی۔ بات سمجھ میں آگئی؟

جی اب آئیے آج کے سبق پر۔ کہتے ہیں: وَاِنَّمَا عَدَلَ الْمُصَنِّفُ رَحِمَہُ اللّٰہُ عَمَّا ہُوَ الْمَشْہُوْرُ عِنْدَ الْجُمْہُوْرِ مِنْ اَنَّ الْمُعْرَبَ مَا اخْتَلَفَ اٰخِرُہٗ بِاخْتِلَافِ الْعَوَامِلِ۔

یہاں سے ایک سوال کا جواب دے رہے ہیں صاحبِ جامی بھئی۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ صاحبِ کافیہ نے جمہور کی تعریف چھوڑ کر معرب کی نئی تعریف کیوں کی؟ یاد رکھو جمہور جو ہے وہ معرب کی تعریف کرتے ہیں، یہ اسی سطر میں جو میں نے ابھی پڑھا: وَاِنَّمَا عَدَلَ الْمُصَنِّفُ رَحِمَهُ اللّٰهُ عَمَّا هُوَ الْمَشْهُوْرُ عِنْدَ الْجُمْهُوْرِ مِنْ اَنَّ الْمُعْرَبَ مَا اخْتَلَفَ اٰخِرُهٗ بِاخْتِلَافِ الْعَوَامِلِ۔ جمہور کے نزدیک معرب کی یہ تعریف مشہور ہے: اَلْمُعْرَبُ مَا اخْتَلَفَ اٰخِرُهٗ بِاخْتِلَافِ الْعَوَامِلِ، معرب وہ اسم ہے جس کا آخر بدلتا ہو عوامل کے بدلنے سے۔ معرب کسے کہتے ہیں؟ جس کا آخر بدلتا ہو عوامل کے بدلنے سے۔ یہ جمہور تعریف کرتے ہیں معرب کی۔ لیکن صاحبِ کافیہ نے بالکل ایک نئی تعریف کر دی، انہوں نے کیا فرمایا؟ اَلْمُعْرَبُ الْمُرَكَّبُ الَّذِیْ لَمْ يُشْبِهْ مَبْنِیَّ الْاَصْلِ، معرب وہ مرکب ہے جو مبنی الاصل کے مشابہ نہ ہو۔ جو مبنی الاصل کے مشابہ نہ ہو، تو ایک بالکل نئی تعریف کر دی، جمہور کی تعریف کو چھوڑ دیا۔ تو سوال پیدا ہوتا ہے صاحبِ کافیہ نے جمہور کی تعریف کو کیوں چھوڑا؟ معرب کی نئی تعریف کیوں کی؟

تو اس کا جواب ذکر کرنے لگے ہیں۔ حاصلِ جواب یہ ہے کہ صاحبِ جامی آپ کو بتلائیں گے کہ جمہور کی تعریف اگر کی جائے معرب کی، تو پھر اس سے دور لازم آتا ہے۔ کیا لازم آتا ہے؟ دور لازم آتا ہے۔ دور۔ دور کسے کہتے ہیں؟ اس کی تعریف لکھ لیجیے بھئی، یہ آپ کے کام آئے گی۔ اَلدَّوْرُ، لکھیے بھئی، اَلدَّوْرُ هُوَ تَوَقُّفُ الشَّیْءِ عَلٰی مَا يَتَوَقَّفُ عَلَيْهِ۔

لکھ لیا؟ دیکھیے بھئی، دور اسے کہتے ہیں کہ ایک شے ایسی چیز پر موقوف ہو جائے کہ وہ چیز خود اس پہلی چیز پر موقوف ہے۔ توجہ ہے؟ دور کسے کہتے ہیں؟ کہ ایک چیز کا جاننا وہ موقوف ہو جائے دوسری چیز پر، اور وہ دوسری چیز ایسی ہے کہ اس کا جاننا اس پہلی چیز پر موقوف ہے۔ یہ پہلی چیز آپ کو تب سمجھ میں آئے گی جب آپ کو وہ دوسری چیز سمجھ میں آجائے، اور وہ دوسری چیز وہ تو ویسے سمجھ میں آ نہیں سکتی، وہ بھی آپ کو تب سمجھ میں آئے گی جب یہ پہلی چیز آپ کو سمجھ میں آجائے، اور اس میں پھر ایک چیز بھی سمجھ میں نہیں آسکتی، کیونکہ پہلی چیز کو جاننے کے لیے دوسری کا جاننا ضروری، تو پہلی چیز دوسری پر موقوف ہوئی، اور دوسری چیز کو جاننے کے لیے پہلی چیز کا جاننا ضروری، تو وہ پہلی چیز پر موقوف ہوئی، تو ایک کا بھی پتہ نہیں چل سکتا۔ ایک کا بھی پتہ نہیں چل سکتا، اس کو دور کہتے ہیں بھئی، دور بھئی۔

جیسے آپ نے کسی سے پوچھا کہ زید کا گھر کہاں ہے؟ اس نے کہا عمر کے گھر کے سامنے۔ عمر کے گھر کے سامنے۔ معلوم ہوا زید کے گھر کی معرفت آپ کو تب ہوگی جب آپ کو عمر کے گھر کا پتہ چل جائے۔ توجہ ہے؟ معلوم ہوا زید کے گھر کا تب پتہ چلے گا جب عمر کے گھر کا پتہ چل جائے۔ اب آپ نے اس سے پوچھا اچھا عمر کا گھر کہاں ہے؟ اس نے کہا عمر کا گھر زید کے گھر کے سامنے ہے۔ معلوم ہوا عمر کے گھر کا آپ کو تب پتہ چلے گا جب آپ کو کس کا پتہ چل جائے؟ زید کے گھر کا۔ اب دیکھو اس میں ایک کا بھی پتہ نہیں چل سکتا۔ زید کے گھر کا پتہ کب چلے گا؟ جب عمر کے گھر کا پتہ چل جائے، تو زید کے گھر کا جاننا موقوف ہوا کس پر؟ عمر کے گھر کی، یوں کہو زید کے گھر کی معرفت موقوف ہوئی کس پر؟ عمر کے گھر کی معرفت

پر، اور عمر کے گھر کی معرفت وہ کس پر موقوف ہے؟ زید کے گھر کی معرفت پر۔ تو زید کے گھر کا پتہ تب چلے گا جب عمر کے گھر کا پتہ چلے اور عمر کے گھر کا تب پتہ چلے گا جب زید کے گھر کا پتہ چلے، اس میں ایک کا بھی پتہ نہیں چل سکتا بھئی۔ ایک کا بھی پتہ نہیں چل سکتا۔ زید کے گھر کا پتہ چلے گا آپ کو؟ تب چلے گا جب آپ کو عمر کے گھر کا پتہ چلے۔ اب آپ عمر کے گھر کو جاننے کی کوشش کرتے ہیں تو اس کی تعریف کیا کی گئی؟ وہ جو زید کے گھر کے سامنے ہے، بھئی زید کے گھر کے بارے میں ہی تو ہم پوچھ رہے تھے! اب عمر کے گھر کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے کہا جی زید کے گھر کے سامنے ہے، معلوم ہوا عمر کے گھر کا تب پتہ چلے گا جب زید کے گھر کا پتہ چلے۔ تو دونوں ایک دوسرے پر موقوف ہو گئے اور اس کو دور کہتے ہیں۔ تَوَقُّفُ الشَّیْءِ، ایک شے کا موقوف ہونا، عَلٰی مَا، اس شے پر، یَتَوَقَّفُ عَلَیْہِ، جو اس شے پر موقوف ہے، پہلی شے پر، تو ایک شے اس چیز پر موقوف ہو جائے کہ اس کا جاننا اس پہلی شے پر موقوف ہو، اس کو دور کہتے ہیں۔

تو صاحبِ جامی آپ کو بتلائیں گے کہ صاحبِ کافیہ نے معرب کی نئی تعریف اس لیے کی کیونکہ جمہور کی تعریف اگر کی جائے تو دور لازم آتا ہے۔ کیا لازم آتا ہے؟ دور لازم آتا ہے۔ کس طرح؟ کس طرح؟ دیکھو بھئی، ذرا اپنی کاپی پر لکھیں بھئی، کاپی پر لکھیں۔ کاپی پر لکھیے بھئی۔ لکھیے: معرب کی معرفت۔ معرب کی معرفت۔ سطر کے شروع میں لکھیں، معرب کی معرفت۔ لکھ لیا؟ ہاں، اس سے اب تین چار لفظوں کے برابر جگہ خالی چھوڑ دیں اور آگے لکھیں: اختلافِ آخر کی معرفت۔ اختلافِ آخر کی معرفت۔ اختلافِ آخر کی معرفت، لکھ لیا؟ جی۔ سطر کے شروع میں آپ نے لکھا معرب کی معرفت، اور آخر میں آپ نے لکھا کچھ فاصلے پر اختلافِ آخر کی معرفت۔ بھئی معرب کی معرفت ضروری ہے، جب معرب کی معرفت ہوگی تو آپ کو اختلافِ آخر کی بھی معرفت ہو جائے گی کہ لفظوں کے آخر کو کس طرح بدلتے ہیں کلامِ عرب میں۔ معرب کی معرفت آپ کو ہوگی، آپ کو معرب کی پہچان ہو جائے گی تو پھر کیا حاصل ہوگا؟ آپ کو اختلافِ آخر کی معرفت ہو جائے گی کہ کس طرح عربی زبان میں کلموں کے آخر بدلتے ہیں، کہاں پر رفع پڑھنا ہے، کہاں نصب پڑھنا ہے، کہاں جر پڑھنا ہے۔ تو اختلافِ آخر کی پہچان، توجہ ہے؟ ذرا اس پہ نظر رکھیں جو میں نے لکھوایا: اختلافِ آخر کی معرفت یعنی اختلافِ آخر کی پہچان، یہ موقوف ہو گئی کس پر؟ معرب کی معرفت پر، معرب کی معرفت اور اس کی پہچان ہوگی تو آپ کو اختلافِ آخر کی بھی پہچان ہوگی۔ معلوم ہوا اختلافِ آخر کی معرفت یہ موقوف ہے اور معرب کی تعریف کیا ہے؟ موقوفٌ علیہ۔ تو لہٰذا معلوم ہوا آپ کو اختلافِ آخر سے پہلے معرب کا پتہ ہونا چاہیے۔ معرب کا پہلے پتہ چلے گا تو پھر اختلافِ آخر کا بھی آپ کو پتہ چلے گا، تو اختلافِ آخر موقوف ہوا کس پر؟ معرب کی معرفت پر۔

اب معرب کی معرفت آپ حاصل کرنا چاہتے ہیں تو معرب کی تعریف کی جاتی ہے، جمہور کیا تعریف کرتے ہیں معرب کی؟ اَلْمُعْرَبُ مَا اخْتَلَفَ اٰخِرُہٗ بِاخْتِلَافِ الْعَوَامِلِ، معرب وہ اسم ہے کہ جس کا آخر اختلافِ عوامل سے بدلتا ہو۔ معلوم ہوا معرب کی پہچان بھی، معرب کی پہچان آپ کو تب ہوگی جب آپ کو اختلافِ آخر کی پہچان ہو جائے۔ تعریف پہ نظر ہے؟

معرب کی کیا تعریف کی؟ معرب کسے کہتے ہیں؟ جس کا آخر بدلتا ہو، معلوم ہوا جس کا آخر بدلتا ہو، اس کا اختلافِ آخر کا آپ کو پتہ چلے گا تو معرب آپ کو سمجھ میں آئے گا۔ تو دیکھو معرب کی معرفت معلوم ہوا موقوف ہو گئی کس پر؟ اختلافِ آخر کی معرفت پر، تعریف کے اندر آگیا نا، معرب کی تعریف کیا کر دی مَا اخْتَلَفَ اٰخِرُهٗ، معلوم ہوا معرب آپ کو تب پتہ چلے گا جب آپ کو کس کی معرفت ہو؟ اختلافِ آخر کی معرفت ہو۔ توجہ ہے؟ اب پھر ذرا جو میں نے لکھوایا اس پہ نظر رکھیں: اختلافِ آخر کی معرفت یہ موقوف ہے کس پر؟ معرب کی معرفت پر، اور معرب کی معرفت کس پر موقوف ہو گئی؟ اختلافِ آخر کی معرفت پر موقوف ہو گئی جو آپ نے تعریف کی کہ مَا اخْتَلَفَ اٰخِرُهٗ بِاخْتِلَافِ الْعَوَامِلِ۔ توجہ ہے؟ تو یہ دور لازم آیا۔ اختلافِ آخر کی معرفت موقوف ہو گئی معرب کی معرفت پر، اور معرب کی معرفت موقوف ہو گئی کس پر؟ اختلافِ آخر کی معرفت پر، تو یہ دونوں ایک دوسرے پر موقوف ہو گئے، دونوں میں سے ایک کا بھی پتہ نہیں چلے گا، جیسے زید کا گھر عمر کے سامنے ہے، عمر کا گھر زید کے سامنے ہے، تو دونوں میں سے ایک کا بھی پتہ نہیں چلے گا۔ اختلافِ آخر کی معرفت کس پر موقوف؟ معرب کی معرفت پر، اور معرب کی معرفت کس پر موقوف؟ اختلافِ آخر پر۔ کاپی پر نظر ہے؟ اختلافِ آخر کی معرفت کس پر موقوف؟ معرب کی معرفت پر، اور معرب کی معرفت کس پر موقوف ہو گئی؟ اختلافِ آخر کی معرفت پر، تو یہ دور لازم آیا۔

تو اس دور سے بچنے کے لیے، اس دور سے بچنے کے لیے صاحبِ کافیہ نے معرب کی الگ تعریف کر دی کہ معرب کی معرفت اختلافِ آخر سے تاکہ نہ ہو! اختلافِ آخر سے معرب کی معرفت ہوگی پھر تو دور لازم آئے گا۔ اختلافِ آخر کی معرفت کس سے ہو رہی ہے؟ معرب کی معرفت سے، اور معرب کی معرفت بھی کس سے ہو جائے؟ اختلافِ آخر کی معرفت سے، تو دور لازم آئے گا۔ لہٰذا معرب کی معرفت اختلافِ آخر کے ساتھ نہیں ہونی چاہیے، اس کی الگ تعریف کرنی چاہیے۔ چنانچہ الگ تعریف کر دی کہ معرب جو ہے وہ اسم ہے جو ترکیب میں واقع ہو اور مبنی الاصل کے مشابہ نہ ہو۔ اب معرب کی معرفت اختلافِ آخر پر موقوف نہیں کیونکہ اس کی تعریف ہم نے اختلافِ آخر سے کی ہی نہیں ہے۔ اس کی تعریف تو ہم نے کیا کی ہے؟ جو ترکیب میں واقع ہو اور مبنی الاصل کے مشابہ نہ ہو بھئی۔ اب آپ کو معرب کی معرفت حاصل ہو جائے گی اور جب اس کی معرفت حاصل ہو جائے گی تو پھر اختلافِ آخر کی معرفت بھی حاصل ہو جائے گی۔ بات سمجھ میں آگئی اچھی طرح؟

یہاں ایک اور بات یاد رکھیے، صاحبِ جامی جو تقریر کریں گے، میں نے مختصر آسان لفظوں میں آپ کو مسئلہ سمجھا دیا کہ کس طرح دور لازم آتا ہے۔ صاحبِ جامی ذرا لمبی تقریر کریں گے، علمی انداز میں، علمی رنگ کے اندر، گہری بات کریں گے، تو اس میں وہ آپ کو یہ بھی بتلائیں گے کہ یہ جو علمِ نحو ہے اس کا مقصدیہ ہے، علمِ نحو کا مقصدیہ ہے کہ اس کے ذریعے انسان اختلافِ آخر کو پہچان لے۔ یعنی علمِ نحو کا بڑا مقصدیہ ہے کہ آپ اختلافِ آخر کو پہچان لیں تاکہ آپ کو پتہ چلے کہاں

رفع پڑھتے ہیں، کہاں نصب پڑھتے ہیں، کہاں جر پڑھتے ہیں۔ معرب کی آپ کو پہچان ہو جائے، مبنی کی آپ کو پہچان ہو جائے، تو آپ کو پتہ لگ جائے کہ مبنی کو نہیں بدلنا، معرب کو بدلنا ہے، اس کے آخر کو بدلنا ہے۔ تو علمِ نحو کی بڑی غرض کیا ہے؟ اہم غرض کیا ہے؟ کہ اختلافِ آخر کا پتہ چل جائے، اختلافِ آخر کا، توجہ ہے؟ ملا جامی رحمہ اللہ جو تقریر کریں گے وہ میں سمجھا رہا ہوں، نفسِ مسئلہ آپ سمجھ گئے، میں نے تقریر مکمل کر لی، اب جو وہ بیان کریں گے پوری تفصیل وہ بھی سمجھ لیں، کہ ملا جامی رحمہ اللہ کیا فرماتے ہیں کہ علمِ نحو کی غرض کیا ہے؟ مقصد کیا ہے؟ یہ علم سیکھنے کا، یہ پڑھنے کا مقصد کیا ہے؟ کہ طالبِ علم کو کیا پتہ چل جائے؟ اختلافِ آخر کا پتہ چل جائے کہ کون سے کلمے ہیں جن کا آخر عربی زبان میں بدلتا ہے ترکیب میں جب واقع ہوں، کہاں رفع پڑھتے ہیں، کہاں نصب پڑھتے ہیں، کہاں جر پڑھتے ہیں، یہ طالبِ علم کو پتہ چل جائے۔ بات سمجھ میں آرہی ہے؟

علمِ نحو کی غرض کیا ہے کہ اختلافِ آخر کا پتہ چل جائے۔ اب یاد رکھو یہ جو اختلافِ آخر کا پتہ چلتا ہے، اس کے دو طریقے ہیں۔ ایک طریقہ یہ ہے کہ آپ کلامِ عرب کا تتبع کریں اور اس کا سماع کریں، عربوں سے ان کا کلام سنیں، عربوں کے کلام کو پڑھیں، اور اس طرح آپ کو پتہ چل جائے گا کہ عرب کس لفظ کے آخر کو بدلتے ہیں، کس لفظ کے آخر کو نہیں بدلتے، کون سا لفظ معرب ہے، کون سا لفظ معرب نہیں، اور معرب میں کہاں پر رفع پڑھتے ہیں، کہاں نصب پڑھتے ہیں، کہاں جر پڑھتے ہیں، یہ کس طرح پتہ چلے گا؟ کلامِ عرب کا تتبع کریں، تتبع کا معنی کوشش کرنا، جستجو کرنا، محنت کرنا۔ تو آپ کلامِ عرب میں کوشش کرتے ہیں، محنت کرتے ہیں، جو قابلِ اعتماد عرب کلام ہے اس کو پڑھتے ہیں، مثلاً احادیث کا مطالعہ کرتے ہیں، پھر اسی طرح قرآن میں آپ دیکھتے ہیں، اسی طرح جو قدیم عرب شعراء کا کلام ہے آپ اس کو پڑھتے ہیں اور ان میں غور کرتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ ان سب کے اندر ہم دیکھ رہے ہیں فاعل مرفوع ہوتا ہے، مفعول کیا ہوتا ہے؟ منصوب ہوتا ہے، اور مضاف الیہ مجرور ہوتا ہے، یہ ساری چیزیں آپ وہاں سے اخذ کرتے ہیں۔ کہاں سے؟ کلامِ عرب سے۔ کس سے؟ تو وہ شخص جو کلامِ عرب سے ان چیزوں کو سیکھتا ہے، اس کو علمِ نحو کی کوئی حاجت نہیں۔ اس کو علمِ نحو کی کوئی حاجت نہیں، آپ کو نحو کی ایک بھی کتاب کھول کر دیکھنے کی ضرورت نہیں، آپ کو اگر اللہ نے ذہن دیا ہے آپ کلامِ عرب میں جستجو کریں، غور کریں اور اس کے ذریعے آپ کو یہ ساری باتیں سمجھ میں آجائیں گی جو علمائے نحو نے نحو کی کتابوں میں لکھی ہیں بھئی۔

تو یہ ایک طریقہ ہے، تو نحو کا مقصد کیا؟ اختلافِ آخر کو پہچاننا، توجہ ہے؟ نحو کا مقصد کیا ہے؟ کہ ترکیب میں جب لفظ آ جائیں تو ان کا آخر کس طرح بدلتا ہے اس کو جاننا۔ تو اس اختلافِ آخر کو جاننے کے دو طریقے ہیں: ایک یہ کہ جو سیکھنا چاہتا ہے وہ کلامِ عرب میں جستجو کرے، اس کا تتبع کرے، اس میں محنت اور کوشش کرے اور عربوں سے ان کے کلام کو سنے کہ وہ کس طرح استعمال کرتے ہیں، اور دوسرا طریقہ یہ ہے جو یہ تتبع نہیں کر سکتا، جو عربوں سے سماع نہیں کر سکتا، تو پھر وہ

علمِ نحو کی کتاب کھولتا ہے اور وہاں اس کو مل جاتا ہے کہ فاعل مرفوع ہوتا ہے، مفعول منصوب ہوتا ہے اور مضاف الیہ مجرور، ساری نحو کی بحثیں اس کو مل جاتی ہیں۔ تو نحو کا مقصد کیا ہے؟ اختلافِ آخر کا پتہ چلنا، اور نحو کی ضرورت کس آدمی کو ہے؟ جو کلامِ عرب کا تتبع نہیں کر سکتا، جو تتبع کر سکتا ہے اس کو علمِ نحو کی کوئی حاجت نہیں، وہ کلامِ عرب سے ساری چیزیں جان لے گا۔ تو علمِ نحو کا مقصد ہے اختلافِ آخر کو جاننا، اور اختلافِ آخر کو جاننے کے دو طریقے ہیں: ایک کلامِ عرب کا تتبع کیا جائے اور دوسرا کیا ہے؟ علمِ نحو سے سیکھ لیا جائے، تو علمِ نحو میں آسانی سے آپ کو ساری چیزیں مل جائیں گی، آپ کو کلامِ عرب کے اندر سالہا سال لگانے کی ضرورت نہیں ہے، علماء نے خود سالہا سال عمریں لگا دیں اس کے اندر اور پھر سارے ضابطے نکال کر آپ کے سامنے نحو میں رکھ دیے، اب آپ نحو کی کتاب اٹھاتے ہیں اَلْفَاعِلُ مَرْفُوْعٌ، بس یہ جملہ پڑھا اور آپ کو پتہ چل گیا فاعل پر کیا پڑھنا ہے؟ رفع پڑھنا ہے۔

تو صاحبِ جامی فرما رہے ہیں، پھر سنو، پھر سنو، وہ فرماتے ہیں کہ علمِ نحو کی تدوین کا مقصد، یعنی علمِ نحو کو جمع کرنے، مدون کرنے اور اس کو ترتیب دینے کا مقصد یہ ہے کہ وہ شخص جو کلامِ عربی کا تتبع نہیں کر سکتا، وہ بھی عربی زبان کے قاعدوں کو جان لے، ضابطوں کو جان لے، تاکہ اس کو اختلافِ آخر کا پتہ چل جائے کہ کس کلمے کا آخر بدلتا ہے، کس کا آخر نہیں بدلتا، معرب مبنی کی اس کو پہچان ہو جائے نحو کے ذریعے، تو معرب کے ساتھ وہ معرب والا معاملہ کرے گا، اس میں رفع نصب جر کے مطابق اس میں تبدیلی لائے گا، اور مبنی کے ساتھ مبنی والا معاملہ کرے گا، اس میں اختلافِ آخر نہیں لے کر آئے گا۔ یہ ہے علمِ نحو کا مقصد۔ اور جو عربی کلام کا تتبع کرتا ہے اس کو ان نحوی قواعد کی حاجت نہیں، اور جو تتبع نہیں کر سکتا اس کو ان قاعدوں کی حاجت ہے۔ تو نحو کا مقصد کیا ہوا؟ اختلافِ آخر کو پہچاننا، توجہ ہے؟ اختلافِ آخر کو پہچاننا بھئی۔ جی، اب دیکھیے کتاب پر۔

دیکھیے بھئی، کہتے ہیں: وَاِنَّمَا عَدَلَ الْمُصَنِّفُ رَحِمَهُ اللّٰهُ عَمَّا هُوَ الْمَشْهُوْرُ عِنْدَ الْجُمْهُوْرِ، مصنف نے عدول کیا اس تعریف سے جو مشہور ہے جمہور کے نزدیک۔ بھئی وہ کیا ہے مشہور؟ وہ کون سی تعریف مشہور ہے؟ ابھی بھی ابہام تھا تو مِنْ کے ذریعے اس کا بیان کر دیا: مِنْ اَنَّ الْمُعْرَبَ مَا اخْتَلَفَ اٰخِرُهٗ بِاخْتِلَافِ الْعَوَامِلِ، یعنی کہ معرب وہ اسم ہے کہ جس کا آخر بدلتا ہو اختلافِ عوامل سے۔ معرب وہ اسم ہے جس کا آخر بدلتا ہو اختلافِ عوامل سے، عوامل بدل رہے ہیں تو اسم اس کا آخر بھی بدل رہا ہے، اس کو معرب کہتے ہیں۔ یہ تعریف مشہور ہے کس کے نزدیک؟ جمہور کے نزدیک۔ اور مصنف یعنی صاحبِ کافیہ نے اس سے عدول کیا، اس سے رخ کو پھیر لیا، نئی تعریف کر دی، کیوں؟ کہتے ہیں لِاَنَّ الْغَرَضَ مِنْ تَدْوِيْنِ عِلْمِ النَّحْوِ، اس لیے کیونکہ وہ جو غرض ہے یعنی غرضِ اہم بھئی، اہم غرض جو ہے علمِ نحو سے وہ کیا؟ اَنْ يُّعْرِفَ بِهٖ اَحْوَالَ اَوَاخِرِ الْكَلِمَةِ فِي التَّرْكِيْبِ، کہ اس کے ذریعے جان لے اواخرِ کلمہ کے احوال کو، کلموں کے آخر کے احوال کو جان لے کہ آخرِ کلمہ کے کس طرح کے احوال ہوں گے، کہاں رفع پڑھنا ہے، کہاں نصب اور کہاں جر، فِي التَّرْكِيْبِ جب یہ ترکیب

میں واقع ہوں۔ احوالِ اواخرِ کلمہ کو جان لے جب یہ کس میں واقع ہوں؟ ترکیب میں واقع ہوں۔ بھئی یاد رکھو، علمِ نحو کی غرض صرف اختلافِ آخر کو پہچاننا نہیں ہے، توجہ ہے؟ علمِ نحو کی غرض صرف اختلافِ آخر کو پہچاننا نہیں ہے، بلکہ اس کی غرض یہ بھی ہے کہ آپ کو پتہ چل جائے کہ عربی زبان میں کلام کیسے کرتے ہیں، لفظوں کو آپس میں کیسے جوڑتے ہیں۔ توجہ ہے؟ جملہ کیسے بناتے ہیں، جار مجرور کو کیسے ملایا جاتا ہے، تو یہ بھی مقصد ہے علمِ نحو کا۔ اسی طرح یہ بھی آپ کو پتہ چل جائے کس لفظ کو مقدم رکھنا ہے، کس کو مؤخر رکھنا ہے، کس لفظ کو معرفہ لانا ہے، کس کو نکرہ لانا ہے، کس کو موصوف بنانا ہے، کس کو صفت بنانا ہے۔ تو یہ علمِ نحو کے یہ صرف یہی مقصد نہیں ہے کہ اختلافِ آخر کو پہچان لیا جائے، بلکہ کلام کو جوڑا کیسے جاتا ہے، کلام بنایا کیسے جاتا ہے، کس چیز کو مقدم کرنا ہے، کس کو مؤخر کرنا ہے وغیرہ، یہ سب علمِ نحو کی اغراض ہیں، لیکن ان میں سب سے اہم غرض کیا ہے؟ اختلافِ آخر کو پہچاننا، کہاں رفع پڑھنا ہے، کہاں نصب اور کہاں جر پڑھنا ہے۔

بات سمجھ میں آگئی؟ تو لِاَنَّ الْغَرَضَ، تو اب آپ یہ نہ کہیں کہ علمِ نحو کی تو اور بھی غرض ہے، صرف اختلافِ آخر کو پہچاننا نہیں، تو مراد یہ ہے غرضِ اہم بھئی۔ جو اہم غرض ہے، اہم مقصد ہے وہ بیان کر رہے ہیں۔ کہتے ہیں لِاَنَّ الْغَرَضَ مِنْ تَدْوِيْنِ عِلْمِ النَّحْوِ، تدوین کا معنی جمع کرنا بھئی، مرتب کرنا، اکٹھا کرنا۔ لِاَنَّ الْغَرَضَ مِنْ تَدْوِيْنِ عِلْمِ النَّحْوِ، اس لیے کیونکہ علمِ نحو کی تدوین سے جو اصل جو اہم غرض ہے وہ یہ ہے کہ اَنْ يَّعْرِفَ بِهٖ کہ اس کے ذریعے جان لے، اس کے ذریعے پہچان لے، کس چیز کو پہچان لے؟ اَحْوَالَ اَوَاخِرِ الْكَلِمَةِ فِى التَّرْكِيْبِ، ترکیب میں اواخرِ کلمہ کے احوال کو، ان کو جان لے کہ ان کے اواخر کو کس طرح پڑھنا ہے۔

کون پہچان لے؟ کہ علمِ نحو کی غرض یہ ہے کہ اس کے ذریعے اواخرِ کلمہ کو پہچان لے، بھئی کون پہچان لے؟ آگے فاعل آرہا ہے: مَنْ لَّمْ يَتَتَبَّعْ لُغَةَ الْعَرَبِ وَلَمْ يَعْرِفْ اَحْكَامَهَا بِالسَّمَاعِ مِنْهُمْ۔ مَنْ لَّمْ يَتَتَبَّعْ لُغَةَ الْعَرَبِ، اواخرِ کلمہ کے احوال کو پہچان لے، مَنْ وہ شخص لَمْ يَتَتَبَّعْ لُغَةَ الْعَرَبِ جس نے لغتِ عرب کا تتبع نہیں کیا، جس نے لغتِ عرب میں کوشش اور جستجو کوشش اور جستجو نہیں کی، وَلَمْ يَعْرِفْ اَحْكَامَهَا اور جس نے عربی لغت کے احکام کو نہیں جانا بِالسَّمَاعِ مِنْهُمْ عربوں سے سن کر۔ جس شخص نے عربی زبان میں تلاش و جستجو نہیں کی اور عربوں سے سن کر لغتِ عربی کے احکام کو نہیں پہچانا، تو وہ کیا کر سکتا ہے؟ علمِ نحو کے ذریعے اواخرِ کلمہ کے احوال کو پہچان سکتا ہے۔ اور جس نے تتبع کے ذریعے اور سماع کے ذریعے جانا ہے کلامِ عرب کو، اس کو علمِ نحو کی کوئی حاجت نہیں ہے۔

پھر دیکھیے ترجمہ: لِاَنَّ الْغَرَضَ مِنْ تَدْوِيْنِ عِلْمِ النَّحْوِ اَنْ يَّعْرِفَ بِهٖ اَحْوَالَ اَوَاخِرِ الْكَلِمَةِ فِى التَّرْكِيْبِ، اس لیے کیونکہ اہم غرض جو ہے علمِ نحو کی تدوین سے وہ یہ ہے کہ اس کے ذریعے جان لے ترکیب میں اواخرِ کلمہ کے احوال کو، کون جان لے؟

مَنْ لَّمْ يَتَتَبَّعْ لُغَةَ الْعَرَبِ وہ شخص جس نے لغتِ عرب کا، عربی زبان کا تتبع نہیں کیا، وَلَمْ يَعْرِفْ اَحْكَامَهَا اور وہ جس نے عربی زبان کے احکام کو نہیں پہچانا بِالسَّمَاعِ مِنْهُمْ عربوں سے سن کر۔ یہ ہے کہ وہ پہچان لے۔ جس نے تلاش اور جستجو نہیں کی وہ اواخرِ کلمہ کے احوال کو پہچان لے، کس کے ذریعے؟ علمِ نحو۔ بھئی ایک تو وہ ہے جس نے تتبع کیا ہے، وہ تو اسی سے تتبع سے ہی جان لے گا سارا کچھ، اس کو علمِ نحو کی ضرورت نہیں۔ تو جس نے تتبع نہیں کیا وہ بھی عربی زبان میں اواخرِ کلمہ کے احوال کو پہچان لے کس کے ذریعے؟ علمِ نحو کے ذریعے وہ پہچان لے گا۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو یہ علمِ نحو کی غرض ہے بھئی اس کی تدوین کی۔

فَاِنَّ الْعَارِفَ بِاَحْكَامِهَا، اس لیے کیونکہ وہ شخص جو جاننے والا ہے عربی زبان کے احکام کو كَذٰلِكَ اس طریقے پر، كَذٰلِكَ اس طریقے پر، کس طریقے پر؟ یعنی تتبع اور سماع سے، جو شخص اس طریقے سے عربی زبان کے احکام کو جان لیتا ہے یعنی تتبع اور جستجو کر کے، کہتے ہیں مُسْتَغْنٍ عَنِ النَّحْوِ، یہ والا شخص جو ہے علمِ نحو سے بے نیاز ہے، اس کو علمِ نحو کی کوئی حاجت نہیں ہے۔

ترجمہ سمجھ میں آرہا ہے؟ کہتے ہیں فَاِنَّ الْعَارِفَ بِاَحْكَامِهَا كَذٰلِكَ مُسْتَغْنٍ عَنِ النَّحْوِ، اس لیے کیونکہ وہ شخص جو عربی زبان کے احکام کو پہچانتا ہے كَذٰلِكَ اس طرح یعنی تتبع اور سماع سے، مُسْتَغْنٍ عَنِ النَّحْوِ وہ علمِ نحو سے بے نیاز ہے۔ وَلَا فَائِدَةَ لَهٗ مُعْتَدًّا بِهَا، میری کتاب میں ہے فِيْمَا فَائِدَةَ لَهٗ، یہ درست نہیں ہے، وَلَا فَائِدَةَ لَهٗ ہونا چاہیے بھئی۔ وَلَا فَائِدَةَ لَهٗ اور اس شخص کو کوئی فائدہ نہیں ہے مُعْتَدًّا بِهَا ایسا فائدہ جو قابلِ شمار بھی ہو فِيْ مَعْرِفَةِ اصْطِلَاحَاتِهِمْ نحویوں کی اصطلاحات کے جاننے میں۔

یہ شخص جو کلامِ عرب کو تتبع اور سماع سے جان لیتا ہے، تتبع اور کوشش اور ان سے سن کر عربی زبان کے سارے احکام کو جان لیتا ہے، اس کو علمِ نحو کا کوئی فائدہ نہیں۔ یعنی ایسا فائدہ جو قابلِ شمار بھی ہو، جو... بھئی ایک آدمی ہے، اس نے عربی زبان کا تتبع اور سماع کے ذریعے اس کے احکام کو جان لیا۔ اب یہ علمِ نحو کو پڑھے گا تو کچھ نہ کچھ فائدہ تو ہوگا، یہ تو نہیں ہو سکتا کچھ بھی فائدہ نہ ہو۔ توجہ ہے؟ تو وہ بتلا رہے ہیں کہ بھئی فائدہ تو ہوگا لیکن یہ کوئی ایسا فائدہ نہیں ہے جس کو شمار بھی کیا جائے، بڑا معمولی سا ہی کوئی فائدہ ہوگا اس کو۔ تو فائدہ تو ہوگا ظاہر سی بات ہے علماء کی باتیں ہیں اس کے اندر، لیکن یہ تو سارے احکام کہاں سے جان چکا ہے؟ کلامِ عرب سے جان چکا ہے، تو یہاں بھی اس کو کوئی نہ کوئی نئی باتیں مل جائیں گی لیکن یہ کوئی ایسا فائدہ نہیں ہے جو قابلِ شمار ہو، یعنی قابلِ شمار یعنی جو زیادہ ہو، زیادہ ہو جس کو شمار بھی کریں کہ یہ فائدہ ہوا ہے بہت بڑا، بلکہ معمولی سا فائدہ ہے جس کو شمار ہی نہ کریں۔

جیسے آپ کسی کے پاس گئے، کسی کے پاس گئے، مثلاً آپ نے اس سے، آپ اس سے چاہتے ہیں مجھے ایک لاکھ روپیہ قرض دے دو کسی ضرورت ہے ضرورت ہے، اس نے آپ کو ایک دو ہزار روپے دے دیے، ایک دو ہزار۔ اب قرض تو

کچھ نہ کچھ آپ کو مل گیا لیکن آپ اس کو شمار کرتے ہی نہیں ہیں، کوئی آپ سے پوچھتا ہے ہاں بھئی اس کے پاس قرض لینے گئے تھے اس نے قرض دیا؟ آپ کہتے ہیں نہیں بھئی اس نے نہیں مجھے قرض دیا۔ یہ ایک آدھ ہزار کس کو، یہ تو قابلِ شمار ہے ہی نہیں، مجھے اس کا فائدہ ہی نہیں ہے، مجھے تو ایک لاکھ روپے کی ضرورت تھی۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو یہاں بھی اسی طرح کہا کہ ان کو علمِ نحو سے کوئی فائدہ نہیں، یعنی کہ بالکل فائدہ ہی نہیں ہے، ہاں فائدہ تو ہوگا لیکن وہ قابلِ شمار نہیں ہے، بہت تھوڑا سا ہوگا۔ یہ معنی ہے کہ وَلَا فَائِدَةَ لَہٗ مُعْتَدًّا بِہَا فِیْ مَعْرِفَةِ اصْطِلَاحَاتِہِمْ، اس کو کوئی ایسا فائدہ نہیں ہے جو قابلِ شمار ہو فِیْ مَعْرِفَةِ اصْطِلَاحَاتِہِمْ ان نحویوں کی اصطلاحات کے جاننے میں، نحویوں کی اصطلاحات کے جاننے میں اس کو کوئی ایسا فائدہ نہیں ہے جو قابلِ شمار ہو یعنی زیادہ ہو۔ بات سمجھ میں آگئی؟ یہاں تک بات سمجھ میں آگئی؟

آگے دیکھیے، کہتے ہیں: فَالْمَقْصُوْدُ مِنْ مَعْرِفَةِ الْمُعْرَبِ مَثَلًا اَنْ یَّعْرِفَ اَنَّہٗ مِمَّا یَخْتَلِفُ اٰخِرُہٗ فِیْ کَلَامِہِمْ لِیَجْعَلَ اٰخِرَہٗ مُخْتَلِفًا فَیُطَابِقُ کَلَامَہُمْ۔

اب یہاں سے وہی بات کریں گے جو میں نے پہلے آپ کو سمجھا دی کاپی پر۔ کیا سمجھایا میں نے؟ کہ معرب کی معرفت یہ آپ کو حاصل ہوگی تو پھر اختلافِ آخر کی بھی معرفت۔ تو معلوم ہوا اختلافِ آخر کی معرفت وہ موقوف ہے کس پر؟ بھئی کاپی پہ نظر رکھیں پھر آپ کو بات سمجھ میں آئے گی۔ معلوم ہوا اختلافِ آخر کی معرفت وہ موقوف ہے کس پر؟ معرب کی معرفت پر۔ اور معرب کی معرفت آپ کو کب حاصل ہوگی؟ مَا اخْتَلَفَ اٰخِرُہٗ بِاخْتِلَافِ الْعَوَامِلِ، جب آپ کو اختلافِ آخر کی معرفت ہو جائے۔ تو اختلافِ آخر کی معرفت موقوف ہو گئی معرب کی معرفت پر، اور معرب کی معرفت موقوف ہو گئی اختلافِ آخر پر، تو یہ دونوں ایک دوسرے پر موقوف ہو گئے، یہ تو دور لازم آیا۔ بات سمجھ میں آگئی؟

اسی بات کو صاحبِ جامی ذکر کریں گے ذرا اور گہرے علمی رنگ میں۔ وہ یوں ذکر کریں گے، ادھر دیکھیے، کہ معرب کی معرفت اس کے ذریعے مقصود یہ ہے کہ آپ کو یہ معرفت حاصل ہو جائے کہ معرب بھی ان چیزوں میں سے ہے جس کا آخر بدلتا ہے، جس کا... ہاں یوں کریں ذرا کاپی پہ لکھیں پھر آپ کو بات سمجھ میں آجائے گی۔ لکھیں بھئی۔ اگلی سطر میں شروع میں لکھیں: مَعْرِفَةُ الْمُعْرَبِ۔ مَعْرِفَةُ الْمُعْرَبِ۔ جی، اب اس کے آگے کچھ فاصلہ دے کر دور کر کے لکھیں: مَعْرِفَةُ اَنَّہٗ مِمَّا یَخْتَلِفُ اٰخِرُہٗ۔ لکھ لیا؟ مَعْرِفَةُ اَنَّہٗ مِمَّا یَخْتَلِفُ اٰخِرُہٗ۔ سطر کے شروع میں کیا لکھا؟ مَعْرِفَةُ الْمُعْرَبِ۔ اور آخر میں کیا لکھا؟ مَعْرِفَةُ اَنَّہٗ مِمَّا یَخْتَلِفُ اٰخِرُہٗ۔

اب اس سطر پہ ذرا نظر رکھنا۔ وہی تقریر جو میں نے اوپر کی تھی وہی تقریر یہاں ہے اب صاحبِ جامی کے الفاظ میں۔ صاحبِ جامی فرماتے ہیں کہ معرب کی معرفت، بھئی علمِ نحو کی تدوین کا مقصد کیا ہے؟ کہ اختلافِ آخر کی معرفت ہو جائے، تو معلوم ہوا معرب کی معرفت سے بھی کیا حاصل ہوگی؟ اختلافِ آخر کی معرفت۔ تو لہٰذا دیکھو اب اس سطر پہ نظر رکھو: مَعْرِفَةُ الْمُعْرَبِ، معرب کو پہچاننا، اس میں مقصود کیا ہے؟ مقصود یہ ہے مَعْرِفَةُ اَنَّہٗ مِمَّا یَخْتَلِفُ اٰخِرُہٗ، یہ جو معرب کی معرفت

ہے یہ جو سطر کے آپ نے شروع میں لکھا، اس کے ذریعے مقصود یہ ہے، کیا مقصود ہے؟ کہ آپ کو اس بات کی معرفت حاصل ہو جائے، وہ سطر جو میں نے لکھوایا اس پہ نظر رکھیں، آپ کو اس بات کی معرفت حاصل ہو جائے کہ اَنَّہٗ مِمَّا یَخْتَلِفُ اٰخِرُہٗ، کہ معرب بھی ان چیزوں میں سے ہے جس کا آخر بدلتا ہے۔ معرب کی معرفت کے ذریعے مقصود کیا ہے؟ کہ آپ کو اس بات کی معرفت حاصل ہو جائے کہ معرب بھی ان چیزوں میں سے ہے جس کا آخر بدلتا ہے۔ تو یہ جو درمیان میں خالی جگہ چھوڑی تھی اس میں چھوٹا سا لکھ لیں: مقصود بھئی، مقصود۔ جی درمیان میں چھوٹا سا لکھ لیں مقصود۔ لکھ لیا؟

جی اب دیکھو بھئی، توجہ سے سنو صاحبِ جامی تقریر کریں گے، یہاں آپ کو سمجھ میں آجائے گا تو تقریر بھی ساری سمجھ میں آجائے گی۔ صاحبِ جامی فرماتے ہیں، اس سطر پہ نظر رکھو، کہ معرفتِ معرب، معرب کی معرفت جو ہے اس کے ذریعے مقصود کیا ہے؟ اس بات کی معرفت، اس بات یہ لفظ دہراؤ، مَعْرِفَۃُ اَنَّہٗ مِمَّا یَخْتَلِفُ اٰخِرُہٗ، اس بات کی معرفت کہ معرب بھی ان چیزوں میں سے ہے جس کا آخر بدلتا ہے۔ توجہ ہے؟ معرب کی معرفت کے ذریعے کیا مقصود ہے؟ کہ اس بات کی پہچان ہو جائے کہ معرب بھی ان چیزوں میں سے ہے جس کا آخر بدلتا ہے۔

معلوم ہوا یہ جو آگے مقصود آیا، مَعْرِفَۃُ اَنَّہٗ مِمَّا یَخْتَلِفُ اٰخِرُہٗ، اس بات کو جاننا کہ معرب ان چیزوں میں سے ہے کہ جس کا آخر بدلتا ہے، توجہ ہے ان لفظوں پہ نظر ہے؟ اس بات کی معرفت کہ معرب ان چیزوں میں سے ہے کہ اس کا آخر بدلتا ہے، اس سے پہلے آپ کو معرب کی معرفت ہونی چاہیے۔ نہیں بات سمجھ میں آئی؟ دیکھو دیکھو پھر دیکھو، میں نے کیا بتایا پھر ذرا اس سطر پہ نظر رکھو۔ معرب کی معرفت، اس کے ذریعے مقصود کیا ہے؟ معرب کی پہچان کیوں مقصد ہے؟ کیوں جاننا چاہتے ہیں؟ تاکہ آپ کو اس بات کی معرفت حاصل ہو جائے کہ اَنَّہٗ مِمَّا یَخْتَلِفُ اٰخِرُہٗ، کہ معرب ان چیزوں میں سے ہے جس کا آخر بدلتا ہے۔ یہ معرب کی معرفت کے ذریعے مقصود ہے۔ جب یہ مقصود ہے تو معلوم ہوا اس مقصود سے پہلے آپ کو معرب کی معرفت ہونی چاہیے۔ یہ جو آخر میں آیا یہ ہے مقصود، تو اس سے پہلے آپ کو کیا حاصل ہونی چاہیے؟ بھئی آپ معرب کو پہچانتے ہیں، مقصد کیا ہے؟ کیا مقصد ہے؟ آپ یہ جاننا چاہتے ہیں کہ معرب ان چیزوں میں سے ہے جس کا آخر بدلتا ہے۔ معرب کو جاننے کا مقصد ہی یہ ہے، تو معلوم ہوا معرب کو جانیں گے تو آپ کو یہ بھی پتہ چل جائے گا کہ معرب بھی ان چیزوں میں سے ہے۔ مقصد بعد میں آتا ہے نا، ایک چیز کے حاصل ہونے کے بعد مقصد حاصل ہوتا ہے۔ آپ چارپائی پر سونا چاہتے ہیں، چارپائی پر تو پہلے چارپائی بنائیں گے پھر اس کے بعد سوئیں گے نا! تو معرب کی معرفت کے ذریعے مقصد کیا ہے؟ اس سطر پہ نظر رکھیں، اس بات کی معرفت کہ معرب ان چیزوں میں سے ہے جس کا آخر بدلتا ہے، تو معلوم ہوا اس مقصد سے پہلے آپ کو کیا ہونا چاہیے؟ معرب کی معرفت ہونی چاہیے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو معرب کی معرفت پہلے حاصل ہونی چاہیے، اور اب اگر آپ معرب کی آپ وہ تعریف کریں جو جمہور نے کی تھی کہ اَلْمُعْرَبُ مَا اخْتَلَفَ اٰخِرُہٗ بِاخْتِلَافِ الْعَوَامِلِ، اس تعریف سے کیا پتہ چلا؟ کہ معرب بھی ان چیزوں میں سے ہے جس کا آخر بدلتا ہے۔ معرب کی تعریف سے آپ کو کیا پتہ چلا؟ معرب ان چیزوں میں سے ہے جن کا آخر بدلتا ہے، مَا اخْتَلَفَ اٰخِرُہٗ بِاخْتِلَافِ الْعَوَامِلِ، آپ نے تعریف ہی یہ کی

ہے!

تو معرب کی تعریف کے ذریعے مقصود کیا تھا؟ اس بات کی معرفت حاصل ہو جائے معرب ان چیزوں میں سے ہے جس کا آخر بدلتا ہے۔ تو معلوم ہوا اس مقصد سے پہلے آپ کو معرب کی معرفت ہونی چاہیے۔ اور معرب کی تعریف تو کیا کی؟ وہ جمہور والی مَا اخْتَلَفَ اٰخِرُهٗ بِاخْتِلَافِ الْعَوَامِلِ، کہ معرب بھی ان چیزوں میں سے ہے جن کا آخر بدلتا ہے۔ تو لہٰذا جو مَعْرِفَةُ الْمُعْرَبِ آپ نے لکھا ہے اس کے نیچے لکھ دیں، بلکہ یوں لکھیں: اَلْمُعْرَبُ مِمَّا يَخْتَلِفُ اٰخِرُهٗ۔ لکھ لیا؟ توجہ ہے؟ اَلْمُعْرَبُ مِمَّا يَخْتَلِفُ اٰخِرُهٗ، یہی تعریف کی نا، مَا اخْتَلَفَ اٰخِرُهٗ بِاخْتِلَافِ الْعَوَامِلِ، معرب کس کو کہتے ہیں؟ کہ جس کا آخر اختلافِ عوامل سے بدلتا ہو۔ تو معرب کے ذریعے مقصود بھی یہ تھا کہ پتہ چل جائے کہ یہ ان چیزوں میں سے ہے جن کا آخر بدلتا ہے، اور معرب کی تعریف بھی یہ کر دی کہ معرب ان چیزوں میں سے ہے جس کا آخر بدلتا ہے۔ تو دیکھو یہ دور لازم آیا۔ معلوم ہوا یہ جو مقصود ہے ذرا اس پہ نظر رکھو، یہ مقصد آپ کو تب حاصل ہوگا جب آپ کو معرب کی پہچان ہوگی، اور معرب کی پہچان کب ہوگی؟ جب آپ کو یہ پتہ چل جائے کہ معرب کس میں سے ہے؟ ان چیزوں میں سے ہے جن کا آخر بدلتا ہے۔ تو یہ دیکھو یہ جو مقصد ہے اس پر مقصد ہی مقدم ہو گیا، وہی مقصد مقدم بھی ہو گیا۔ مَعْرِفَةُ اَنَّهٗ مِمَّا يَخْتَلِفُ اٰخِرُهٗ، مقصود کیا تھا معرب کے ذریعے؟ کہ یہ ان چیزوں میں سے ہے جس کا آخر... اور جی، تو اس سے پہلے آپ کو کیا ہونی چاہیے؟ اور معرب کی معرفت بھی کس سے ہوگی؟ جب یہ پتہ چل جائے کہ معرب ان چیزوں میں سے ہے جن کا آخر بدلتا ہے۔ تو وہی مقصد اپنے سے پہلے ہو گیا، مقصد سے پہلے آپ کو مقصد کو جاننا پڑے گا پھر آپ کو مقصد سمجھ میں آئے گا۔ بات سمجھ میں آگئی؟ یہ ہے دور بھئی، ایک چیز اپنے ہی اوپر موقوف ہو گئی۔ تو اس کو کہتے ہیں تَقَدُّمُ الشَّیْءِ عَلٰی نَفْسِهٖ، ایک چیز اپنی ہی ذات پر مقدم ہو گئی۔ مقصد کیا تھا؟ مَعْرِفَةُ اَنَّهٗ مِمَّا يَخْتَلِفُ اٰخِرُهٗ، اور معرب کی معرفت بھی کس سے ہو رہی ہے؟ اَنَّهٗ مِمَّا يَخْتَلِفُ اٰخِرُهٗ، تو اَنَّهٗ مِمَّا يَخْتَلِفُ اٰخِرُهٗ اس کا پتہ آپ کو تب چلے گا جب اس سے پہلے آپ کو یہ پتہ چل جائے اَنَّهٗ مِمَّا يَخْتَلِفُ اٰخِرُهٗ، تو ایک شے اپنی ہی ذات پر مقدم ہو گئی، اسی کو پہلے جانو گے تو پھر اس شے کو جانو گے، تو یہ دور لازم آیا۔ بات سمجھ میں آگئی؟ اچھی طرح؟

دیکھیے بھئی کتاب پر، کہتے ہیں: فَالْمَقْصُوْدُ مِنْ مَعْرِفَةِ الْمُعْرَبِ مَثَلًا، تو مقصود جو ہے معرب کی معرفت کے ذریعے مثال کے طور پر وہ یہ ہے کہ اَنْ يَّعْرِفَ کہ یہ جان لے کہ اَنَّهٗ مِمَّا يَخْتَلِفُ اٰخِرُهٗ کہ معرب ان چیزوں میں سے ہے جس کا آخر بدلتا ہے۔ معرب کی معرفت سے مقصودیہ ہے، کیا مقصود ہے؟ اَنْ يَّعْرِفَ وہی جو میں نے ابھی آپ کو لکھوایا تھا کاپی پر، اَنْ يَّعْرِفَ اَنَّهٗ مِمَّا يَخْتَلِفُ اٰخِرُهٗ کہ معرب ان چیزوں میں سے ہے جن کا آخر بدلتا ہے فِیْ کَلَامِهِمْ کس میں؟ عربوں کے کلام میں، لِيَجْعَلَ اٰخِرَهٗ مُخْتَلِفًا تاکہ یہ جو جاننے والا ہے تاکہ یہ لِيَجْعَلَ اٰخِرَهٗ مُخْتَلِفًا تاکہ یہ بھی اپنے کلام کے اندر معرب کے آخر کو اسی طرح بدل دے، فَيُطَابِقُ کَلَامَهُمْ تو پھر اس کا کلام بھی عربوں کے کلام جیسا ہو جائے گا۔ ادھر دیکھیے، معرب کی معرفت کے ذریعے مقصودیہ ہے کہ یہ جان لیا جائے کہ معرب بھی ان چیزوں میں سے ہے کہ جن کا آخر بدلتا ہے، تاکہ یہ شخص

جب یہ شخص عربی کلام کرے تو اسی کے مطابق معرب میں تبدیلی لے کر آئے تاکہ اس کا جو کلام ہے اس کی جو عربی ہے وہ عربوں کے کلام کے مطابق ہو جائے۔

فَمَعْرِفَتُہٗ مُتَقَدِّمَۃٌ، تو معلوم ہوا معرب کی جو معرفت ہے وہ مقدم ہے، وہ پہلے ہونی چاہیے۔ معرب کی معرفت ہوگی تو... معرب کی معرفت کے ذریعے غرض کیا ہے؟ وہ کاپی پہ نظر رکھیں، اس بات کی معرفت کہ اَنَّہٗ مِمَّا یَخْتَلِفُ اٰخِرُہٗ کہ یہ بھی ان چیزوں میں سے ہے جن کا آخر بدلتا ہے۔ معلوم ہوا اس سے پہلے، یہ جو مقصد ہے مقصد سے پہلے آپ کو کس کی معرفت ہونی چاہیے؟ معرب کی معرفت پہلے ہونی چاہیے، کیونکہ معرب کی معرفت اس کے ذریعے یہ مقصود ہے تو معرب کی معرفت ہوگی تو پھر مقصود بھی حاصل ہوگا۔ تو کہتے ہیں فَمَعْرِفَتُہٗ مُتَقَدِّمَۃٌ تو لہٰذا معرب کی جو معرفت ہے وہ مقدم ہوگی عَلٰی مَعْرِفَۃِ اَنَّہٗ مِمَّا یَخْتَلِفُ اٰخِرُہٗ اس بات کی معرفت پر کہ یہ معرب ان چیزوں میں سے ہے جس کا آخر بدلتا ہے۔

فَلَوْ کَانَ مَعْرِفَتُہُ الْمُتَقَدِّمَۃُ حَاصِلَۃً بِمَعْرِفَۃِ ہٰذَا الْاِخْتِلَافِ، اگر معرب کی معرفت وہ جو مقدم ہے، معرب کی معرفت جو مقدم ہے، جو پہلے ہونی چاہیے، اگر وہ بھی حاصل ہو رہی ہے بِمَعْرِفَۃِ ہٰذَا الْاِخْتِلَافِ وہ بھی اسی اختلاف کی معرفت سے، اس کی بھی یہی تعریف کی جائے کہ اَنَّہٗ مِمَّا یَخْتَلِفُ اٰخِرُہٗ، اسی اختلاف کے ساتھ معرب کی تعریف کی جائے اور اس سے اس کی پہچان ہو، وَتَعْرِیْفُہٗ بِہٖ اور اس کے ساتھ اس کی تعریف کی جائے، تو وَجَبَ تو واجب ہوگا اَنْ یُّعَرَّفَ اَوَّلًا کہ پہلے معرب کی یہ تعریف کی جائے۔ توجہ ہے؟

اَنَّہٗ مِمَّا یَخْتَلِفُ اٰخِرُہٗ یہ ہے مقصود، اس مقصود سے پہلے کس کو جاننا ضروری؟ معرب کو۔ اور معرب کی کیا تعریف کی؟ کہ اَنَّہٗ مِمَّا یَخْتَلِفُ... تو اَنَّہٗ مِمَّا یَخْتَلِفُ اٰخِرُہٗ اس کو جاننا موقوف ہوا معرب کی معرفت پر، اور معرب کی معرفت وہ موقوف ہوا کس پر؟ کہ اَنَّہٗ مِمَّا یَخْتَلِفُ اٰخِرُہٗ پر۔ تو وَجَبَ تو واجب ہوا اَنْ یُّعَرَّفَ اَوَّلًا کہ پہلے معرب کی یہ تعریف کی جائے بِاَنَّہٗ مِمَّا یَخْتَلِفُ اٰخِرُہٗ کہ معرب ان چیزوں میں سے ہے جس کا آخر بدلتا ہے، یہ تعریف پہلے کرنا پڑے گی۔ کیوں پہلے کرنا پڑے گی؟ لِیُعْرَفَ تاکہ وہ مقصود کو جان لیا جائے۔ اور مقصود کیا ہے وہ ذکر کر رہے ہیں: لِیُعْرَفَ اَنَّہٗ مِمَّا یَخْتَلِفُ اٰخِرُہٗ تاکہ یہ جان لیا جائے کہ معرب ان چیزوں میں سے ہے جس کا آخر بدلتا ہے۔ توجہ ہے؟ تو مقصود بھی یہی مِمَّا یَخْتَلِفُ اٰخِرُہٗ، اور اس سے پہلے یہی جاننا ضروری کہ اَنَّہٗ مِمَّا یَخْتَلِفُ اٰخِرُہٗ۔ ایک چیز اپنی ہی ذات پر کیا ہو گئی؟ مقدم ہو گئی، کیونکہ اَنَّہٗ مِمَّا یَخْتَلِفُ اٰخِرُہٗ اس کا دارومدار کس پر؟ معرب کی معرفت پر، اور معرب کی معرفت کب ہوگی جب آپ کو یہ اس کی تعریف کیا کی؟ مَا اخْتَلَفَ اٰخِرُہٗ بِاخْتِلَافِ الْ... تو یہ پتہ چل جائے کہ معرب بھی کس میں سے ہے؟ مَا اخْتَلَفَ اٰخِرُہٗ بِاخْتِلَافِ الْعَوَامِلِ۔ تو اَنَّہٗ مِمَّا یَخْتَلِفُ اٰخِرُہٗ یہ اپنی ہی ذات پر مقدم ہو گیا، اپنی ذات سے پہلے اس کو جاننا ضروری۔

فَیَلْزَمُ تَقَدُّمُ شَیْءٍ عَلٰی نَفْسِہٖ تو لازم آیا ایک شے کا اپنی ذات پر مقدم ہونا۔ اور یاد رکھو یہ باطل ہے۔ یہ کیا ہے؟ باطل ہے، ایک شے اپنی ذات پر مقدم نہیں ہو سکتی، زید زید پر مقدم نہیں ہو سکتا، زید عمر بکر خالد پر تو مقدم ہو سکتا ہے، اپنی ہی

ذات پر مقدم نہیں ہو سکتا، کیونکہ تقدم کے لیے مغائرت چاہیے، ایک چیز دوسری چیز پر مقدم ہے معلوم ہوا دونوں الگ الگ ہیں، تو ایک ہی چیز اپنی ہی ذات پر مقدم نہیں ہو سکتی۔ بات سمجھ بھی آ رہی ہے کہ نہیں؟

فَيَنْبَغِيْ اَنْ يُّعَرَّفَ اَوَّلًا بِغَيْرِ مَا عَرَّفَهٗ بِهِ الْجُمْهُوْرُ تو مناسب یہ ہے کہ معرب کی تعریف کی جائے اولاً پہلے بِغَيْرِ مَا عَرَّفَهٗ بِهِ الْجُمْهُوْرُ بغیر اس تعریف کے جس کے ساتھ جمہور نے تعریف کی ہے، علاوہ اس تعریف کے۔ اَنَّهٗ مِمَّا يَخْتَلِفُ اٰخِرُهٗ اس سے پہلے کیا ضروری؟ معرب کی معرفت ضروری، تو معرب کی معرفت بِاَنَّهٗ مِمَّا يَخْتَلِفُ سے نہ کرو کوئی اور تعریف کرو، ورنہ اگر اسی سے کرو گے تو پھر تو تَقَدُّمُ الشَّيْءِ عَلٰى نَفْسِهٖ لازم آئے گا۔ تو فَيَنْبَغِيْ مناسب یہ ہے اَنْ يُّعَرَّفَ اَوَّلًا کہ پہلے معرب کی تعریف کی جائے بِغَيْرِ مَا عَرَّفَهٗ بِهِ الْجُمْهُوْرُ بغیر اس تعریف کے ساتھ جس کے ساتھ جمہور نے اس کو اس کی تعریف کی ہے، بغیر ان لفظوں کے جس کے ساتھ جمہور نے اس کی تعریف کی ہے۔

وَيُجْعَلَ مَا عَرَّفُوْهُ بِهٖ مِنْ جُمْلَةِ اَحْكَامِهٖ، اس کا عطف يُعَرَّفَ پر ہے اور اس پر اَنْ داخل تھا تو اس پر بھی اَنْ داخل ہوگا: وَاَنْ يُّجْعَلَ اور کر دیا جائے مَا عَرَّفُوْهُ بِهٖ وہ جس کے ساتھ جن لفظوں کے ساتھ جمہور نے اس کی تعریف کی ہے مِنْ جُمْلَةِ اَحْكَامِهٖ اس کے جملہ احکام میں سے۔ بھئی دیکھیے، معرب کی تعریف ان لفظوں کے ساتھ نہ کرو جن کے ساتھ جمہور نے تعریف کی ہے، ورنہ تو کیا لازم آئے گا؟ تَقَدُّمُ الشَّيْءِ عَلٰى نَفْسِهٖ لازم آئے گا، یا یوں کہو دور لازم آئے گا بھئی، کیا لازم آئے گا؟ دور لازم آئے گا۔ لہٰذا مناسب یہ ہے کہ معرب کی کوئی اور تعریف کی جائے وہ جمہور والی تعریف نہ کی جائے، اور وہ جو جمہور نے تعریف کی ہے اس کو معرب کا حکم قرار دے دیا جائے، معرب کا حکم قرار دے دیا جائے کہ معرب کا حکم یہ ہے کہ یہ ان چیزوں میں سے ہے جس کا آخر بدلتا ہے۔ بات سمجھ میں آ گئی؟

تو کہتے ہیں وَيُجْعَلَ مَا عَرَّفُوْهُ بِهٖ مِنْ جُمْلَةِ اَحْكَامِهٖ اور قرار دے دیا جائے وہ جس کے ساتھ جمہور نے اس کی تعریف کی ہے اس کو قرار دیا جائے بنا اس کو بنا دیا جائے مِنْ جُمْلَةِ اَحْكَامِهٖ معرب کے جملہ احکام میں سے، معرب کے جملہ احکام میں سے اس کو ایک حکم بنا دیا جائے، كَمَا فَعَلَهُ الْمُصَنِّفُ رَحِمَهُ اللّٰهُ جیسے کہ مصنف رحمہ اللہ نے کیا ہے۔ دیکھو آگے متن متن ذرا دیکھو: وَحُكْمُهٗ اَنْ يَّخْتَلِفَ اٰخِرُهٗ بِاخْتِلَافِ الْعَوَامِلِ، اور معرب کا حکم یہ ہے کہ اس کا آخر بدلتا ہے عوامل کے بدلنے سے۔ دیکھو جمہور نے جو تعریف کی تھی معرب کی، مصنف نے کیا کر دیا؟ اس کو معرب کا حکم بنا دیا، اس کا حکم یہ ہے بھئی، اس کا حکم یہ ہے، کیونکہ اگر معرب کی وہ تعریف کرو گے تو تَقَدُّمُ الشَّيْءِ عَلٰى نَفْسِهٖ لازم آئے گا بھئی۔ بات سمجھ میں آ گئی؟ چلیے بس بھئی، هٰذَا هُوَ الْمَرَامُ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِحَقِيْقَةِ الْكَلَامِ.

سبق نمبر ۴۲: المعرب (۴): حکمِ معرب («أَنْ يَخْتَلِفَ آخِرُهُ بِاخْتِلَافِ الْعَوَامِلِ»)

شرحِ ملا جامی صفحہ: ۲۷ — بتاریخ: ۱۷ اگست ۲۰۲۱ء

▪ تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث

آگے دیکھیے سبق بھئی: وَحُكْمُهُ أَيْ مِنْ جُمْلَةِ أَحْكَامِ الْمُعْرَبِ وَآثَارِهِ الْمُتَرَتِّبَةِ عَلَيْهِ مِنْ حَيْثُ هُوَ مُعْرَبٌ أَنْ يَخْتَلِفَ آخِرُهُ أَيِ الْحَرْفُ الَّذِي هُوَ آخِرُ الْمُعْرَبِ ذَاتًا بِأَنْ يَتَبَدَّلَ حَرْفٌ بِحَرْفٍ آخَرَ حَقِيقَةً أَوْ حُكْمًا إِذَا كَانَ إِعْرَابُهُ بِالْحَرْفِ، أَوْ صِفَةً بِأَنْ يَتَبَدَّلَ صِفَةٌ بِصِفَةٍ أُخْرَى حَقِيقَةً أَوْ حُكْمًا إِذَا كَانَ إِعْرَابُهُ بِالْحَرَكَةِ.

اچھا بھئی گزشتہ سبق میں شارحِ جامی رحمہ اللہ نے ایک سوال کا جواب ذکر کیا تھا۔ سوال یہ پیدا ہوا کہ جمہور نے تو معرب کی تعریف کی ہے: مَا اخْتَلَفَ آخِرُهُ بِاخْتِلَافِ الْعَوَامِلِ۔ معرب وہ اسم ہے جس کا آخر بدلتا ہو عوامل کے بدلنے سے۔ لیکن صاحبِ کافیہ نے معرب کی نئی تعریف کر دی کہ الْمُرَكَّبُ الَّذِي لَمْ يُشْبِهْ مَبْنِيَّ الْأَصْلِ۔ معرب وہ مرکب ہے جو مبنی الاصل کے مشابہ نہ ہو بھئی۔ تو نئی تعریف کر دی۔ کیا وجہ ہے صاحبِ کافیہ نے یہ نئی تعریف کیوں کی؟ تو صاحبِ جامی نے آپ کو جواب دیا تھا کہ بھئی دیکھیے یہ جو علمِ نحو ہے، اس کے ذریعے غرض اور مقصود یہ ہے کہ انسان کو اختلافِ آخر کا پتہ چل جائے کلامِ عرب کے اندر بھئی۔ اور اس اختلافِ آخر جو ہے، اس کا پتہ چلانے کی دو صورتیں ہیں: ایک یہ کہ آپ کلامِ عرب کا تتبع کر لیں، اور ایک صورت یہ ہے کہ آپ علمِ نحو کو سیکھ لیں۔ تو جو شخص کلامِ عرب کا تتبع کر لیتا ہے اور ان کو سن کر عربی زبان کے احکام کو جان لیتا ہے، اسے علمِ نحو کی کوئی حاجت نہیں ہے۔ لیکن جو شخص کلامِ عرب کا تتبع نہیں کر سکتا، وہ علمِ نحو پڑھتا ہے، اور علمِ نحو کی تدوین کا مقصد کیا ہے؟ اس کے ذریعے کس بات کا پتہ چل جائے؟ اختلافِ آخر کا پتہ چل جائے بھئی۔ اختلافِ آخر کا اس کو پتہ چل جائے۔

معلوم ہوا علمِ نحو کا بڑا مقصد کیا ہے؟ اختلافِ آخر کا پتہ چلنا۔ تو معرب کی معرفت سے بھی مقصود کیا ہوگا؟ کہ اس کے ذریعے یہ پتہ چل جائے کہ یہ معرب ان چیزوں میں سے ہے کہ جن کا آخر بدلتا ہے۔ بِأَنَّهُ مِمَّا يَخْتَلِفُ آخِرُهُ، کہ معرب بھی ان چیزوں میں ہے جس کا آخر بدلتا ہے۔ تو یہ معرب کے ذریعے مقصود ہے اور مقصود مؤخر ہوتا ہے، لہٰذا اس مقصود سے پہلے

معرب کی معرفت ہونی چاہیے۔ بھئی معرب کی معرفت سے مقصود کیا ہے؟ ہاں تو معرب کی معرفت ہوگی تو مقصود حاصل ہوگا، کہ بغیر معرفت کے بھی حاصل ہو سکتا ہے؟ نہیں، معرب کی معرفت سے مقصودیہ ہے، تو معرب کی معرفت ہوگی تو وہ مقصود بھی حاصل ہوگا، اور وہ کیا ہے؟ کہ معرب ان چیزوں میں سے ہے جس کا آخر بدلتا ہے۔

تو معلوم ہوا کہ اس بات کی معرفت کہ یہ ان چیزوں میں سے ہے جس کا آخر بدلتا ہے، اس سے پہلے معرب کی معرفت آپ کو ہونی چاہیے۔ اور اگر جمہور کی تعریف کر لی جائے، جمہور نے معرب کی کیا تعریف کی؟ کہ معرب ان چیزوں میں سے ہے جس کا آخر بدلتا ہے۔ تو مقصود سے پہلے معرب کا جاننا ضروری، اور معرب کو جاننے کے لیے یہ جاننا ضروری کہ أَنَّهُ مِمَّا يَخْتَلِفُ آخِرُهُ۔ توجہ ہے؟ تو أَنَّهُ مِمَّا يَخْتَلِفُ آخِرُهُ وہ موقوف ہو گیا معرفتِ معرب پر، اور معرفتِ معرب موقوف ہو گئی کس پر؟ کہ أَنَّهُ مِمَّا يَخْتَلِفُ آخِرُهُ پر بھئی۔ اور اس سے دور لازم آیا، یا یوں کہیں تَقَدُّمُ الشَّيْءِ عَلَى نَفْسِهِ، ایک شے اپنی ہی ذات پر مقدم ہو گئی، اور ایک شے اپنی ہی ذات پر مقدم ہونا یہ باطل ہے، درست نہیں ہے۔ تو لہٰذا ضروری ہے کہ معرب کی تعریف اور لفظوں کے ساتھ کی جائے تاکہ دور لازم نہ آئے، اور اسی لیے صاحبِ کافیہ نے معرب کی اور تعریف کی دور سے بچنے کے لیے، اور جو جمہور نے تعریف کی تھی اس کو معرب کے احکام میں سے بنا دیا کہ معرب کا حکم یہ ہے کہ اس کا آخر عوامل کے بدلنے سے بدلتا ہے۔

جی دیکھیے اب آگے سبق، کہتے ہیں: وَحُكْمُهُ أَيْ مِنْ جُمْلَةِ أَحْكَامِ الْمُعْرَبِ وَآثَارِهِ الْمُتَرَتِّبَةِ عَلَيْهِ مِنْ حَيْثُ هُوَ مُعْرَبٌ أَنْ يَخْتَلِفَ آخِرُهُ۔ ذرا صرف متن متن دیکھیے پہلے بھئی۔ کہتے ہیں: وَحُكْمُهُ، اور معرب کا حکم یہ ہے، أَنْ يَخْتَلِفَ آخِرُهُ، کہ اس کا آخر بدلتا ہے، بِاخْتِلَافِ الْعَوَامِلِ، عوامل کے بدلنے سے، لَفْظًا أَوْ تَقْدِيرًا، لفظاً یا تقدیراً۔ اس کا آخر، معرب وہ ہے کہ عوامل کے بدلنے سے اس کا آخر بدلتا ہے، اور کبھی یہ بدلنا لفظاً ہوگا یعنی باقاعدہ تلفظ سے پتہ چل جائے گا، جیسے دیکھو ضَرَبَ زَيْدٌ، میں نے زید پر کیا پڑھا؟ رفع۔ رَأَيْتُ زَيْدًا، میں نے کیا پڑھا؟ نصب۔ یا بلکہ اکیلے لفظ کو دیکھو: زَيْدٌ، میں نے کیا پڑھا؟ رفع۔ زَيْدًا، میں نے کیا پڑھا؟ نصب۔ زَيْدٍ، میں نے کیا پڑھا؟ جر۔ دیکھا؟ یہ تلفظ سے ہی آپ کو پتہ چل رہا ہے۔

تو کبھی کبھار جو تبدیلی آئے گی وہ تلفظ کے اعتبار سے آئے گی، اس کو اعرابِ لفظی کہیں گے۔ اور کبھی کبھار تبدیلی جو آئے گی وہ تقدیراً ہوگی یعنی فرض کر لو تبدیلی آگئی ہے، بظاہر تو کوئی فرق نہیں پایا لیکن فرض کر لو بدل چکا ہے آخر، جیسے جَاءَنِي مُوسَى، رَأَيْتُ مُوسَى، مَرَرْتُ بِمُوسَى۔ دیکھو تین حالتیں ہیں اور تینوں میں وہ یکساں ہے، تینوں میں یکساں ہے لیکن فرض کر لو بدل رہا ہے، فرض کر لو بدل رہا ہے۔ تو لفظِ موسیٰ کا آخر عامل کے بدلنے سے بدل رہا ہے لیکن لفظاً نہیں بدل رہا بلکہ تقدیراً بدل رہا ہے، فرض کر لو بدل رہا ہے۔ تو فرض کر لو کہ بدل رہا ہے بھئی۔

تعریف سمجھ میں آگئی؟ کہتے ہیں: وَحُكْمُهُ أَنْ يَخْتَلِفَ آخِرُهُ بِاخْتِلَافِ الْعَوَامِلِ لَفْظًا أَوْ تَقْدِيرًا، معرب کا حکم یہ ہے کہ

اس کا آخر بدلتا ہے عوامل کے بدلنے سے، لَفْظًا أَوْ تَقْدِيرًا، یا لفظاً بدلتا ہے یا تقدیراً بدلتا ہے۔ یہ تھا متن بھئی۔ اب آئیے شرح کے ساتھ اس کو حل کریں۔ کہتے ہیں: وَحُكْمُهُ أَيْ مِنْ جُمْلَةِ أَحْكَامِ الْمُعْرَبِ۔ یہاں سے یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ وَحُكْمُهُ، معرب کا حکم یہ ہے، یہ نہ سمجھنا کہ یہ معرب کا یہی ایک حکم ہے اور کوئی حکم نہیں ہے۔ بظاہر یہ لگتا ہے شاید معرب کا یہی ایک حکم ہے اور کوئی حکم نہیں، لیکن آپ کو صاحبِ جامی بتلائیں گے کہ یہ تمام احکام نہیں ہیں، معرب کے اور بھی احکام ہیں، تو یہ بھی معرب کے جملہ احکام میں سے ایک حکم ہے جو یہاں پر صاحبِ کافیہ ذکر کر رہے ہیں۔ وَحُكْمُهُ أَيْ مِنْ جُمْلَةِ أَحْكَامِ الْمُعْرَبِ، یعنی معرب کے جملہ احکام میں سے، یعنی تمام احکام میں سے ایک یہ بھی حکم ہے بھئی۔

آگے کہہ رہے ہیں: وَآثَارِهِ الْمُتَرَتِّبَةِ عَلَيْهِ، اور وہ آثار جو اس معرب پر مرتب ہوتے ہیں، جو اس معرب پر مرتب ہوتے ہیں۔ بھئی یاد رکھو جیسے آپ نے گزشتہ، گزشتہ سے پیوستہ سبق میں پڑھا تھا کہ ایک اضافتِ بیانیہ ہوتی ہے۔ اضافتِ بیانیہ کسے کہتے ہیں؟ کہ مضاف الیہ جو ہے وہ مضاف کا بیان کرتا ہے۔ ویسے تو مضاف الگ ذات ہوتی ہے، مضاف الیہ الگ۔ غُلَامُ زَيْدٍ، غلام کی ذات الگ ہے اور زید کی ذات الگ۔ لیکن کبھی کبھار ایک لفظ کے آگے مضاف الیہ لا کر اسی کو بیان کر دیا جاتا ہے۔ جیسے مَبْنِيُّ الْأَصْلِ، یہ جو بنی ہے مضاف اور الاصل کیا ہے؟ مضافٌ الیہ۔ اور مضاف مضاف الیہ سے غیر ہوتا ہے لیکن یہاں یہ دونوں غیر نہیں ہیں۔ یہ اصل اسی بنی کا بیان کر رہا ہے کہ بنی سے کون سا بنی مراد ہے؟ مَبْنِيُّ الْأَصْلِ مراد ہے۔ تو بنی سے بھی بنی مراد اور اصل سے بھی کیا مراد ہے؟ مَبْنِيُّ الْأَصْلِ، تو یہ اسی کو بیان کر رہا ہے۔ تو کبھی کبھار مضاف الیہ کیا کرتا ہے؟ مضاف کا بیان کرتا ہے، تو اس کو اضافتِ بیانیہ کہتے ہیں۔

اور اسی طرح یاد رکھو ایک ہوتا ہے معطوفٌ علیہ اور ایک ہوتا ہے معطوف۔ جَاءَنِي زَيْدٌ وَبَكْرٌ، زید ہے معطوفٌ علیہ جو پہلے آیا ہے اور بکر کیا ہے؟ معطوف۔ اور یاد رکھو یہ معطوف اور معطوف علیہ ایک دوسرے سے غیر ہوتے ہیں، عطف مغایرت کا تقاضا کرتا ہے۔ یہ جو درمیان میں 'اور' کا لفظ آگیا، میرے پاس زید اور عمر آیا، یہ 'اور' بتلا رہا ہے کہ دونوں کی ذات الگ الگ ہے۔ تو عطف بھی مغایرت کا تقاضا کرتا ہے۔ لیکن کبھی کبھار دونوں ایک ہوتے ہیں، معطوفٌ علیہ اور معطوف ایک ہی ہوتے ہیں۔ اور اس میں ایک لفظ لایا جاتا ہے، اس کو معطوفٌ علیہ بناتے ہیں، اور پھر آگے معطوف لا کر اس کی تفسیر کر دی جاتی ہے۔ کیا کر دی جاتی ہے؟ تفسیر کر دی جاتی ہے، اس کو عطفِ تفسیری کہتے ہیں۔ یعنی مثلاً میں نے آپ سے کہا رَأَيْتُ غَضَنْفَرًا، غضنفر شیر کو کہتے ہیں، رَأَيْتُ غَضَنْفَرًا۔ اب ہو سکتا ہے سننے والے کو پتہ نہ چلے کہ غضنفر کسے کہتے ہیں۔ تو میں نے آگے عطف کیا اور کہا وَأَسَدًا۔ کیا کہا؟ غضنفر بھی شیر کو کہتے ہیں، اور آگے اسد جو شیر کے لیے عام لفظ استعمال ہوتا ہے وہ بھی میں نے ذکر کر دیا۔ اب یہاں پر عطف ہے دیکھو درمیان میں حرف واو آرہا ہے، رَأَيْتُ غَضَنْفَرًا وَأَسَدًا۔ لیکن اس کو عطفِ تفسیری کہتے ہیں، اس میں یہ جو معطوف ہے اسی معطوفٌ علیہ کی تفسیر کر رہا ہے، اس کا معنیٰ بیان کر

رہا ہے، اس کو کھول کر بتلا رہا ہے کہ غضنفر کس کو کہتے ہیں؟ شیر کو کہتے ہیں۔ توجہ ہے؟ غضنفر کس کو کہتے ہیں؟ شیر کو کہتے ہیں۔ تو ایک صورت کلام کی یہ تھی میں یوں کہتا رَأَيْتُ غَضَنْفَرًا أَيْ أَسَدًا، میں نے غضنفر کو دیکھا یعنی کہ شیر کو۔ اور ایک طریقہ اس کا یہ ہے کہ میں حرفِ تفسیر أَيْ کے بجائے درمیان میں حرفِ عطف واو لے آتا ہوں، رَأَيْتُ غَضَنْفَرًا وَأَسَدًا، ترجمہ کیا؟ میں نے غضنفر یعنی شیر کو دیکھا، ترجمہ وہی ہوگا، میں نے شیر کو دیکھا۔ بات سمجھ میں آرہی ہے؟ تو عطف مغایرت کا تقاضا کرتا ہے، معطوف غیر ہوتا ہے معطوفٌ علیہ سے، لیکن کبھی کبھار معطوف کے ذریعے اسی معطوفٌ علیہ کے معنیٰ کو بیان کر دیا جاتا ہے، اس کی تفسیر کر دی جاتی ہے، اس کی تشریح کر دی جاتی ہے، اس کو کیا کہتے ہیں؟ عطفِ تفسیری۔ جیسے رَأَيْتُ غَضَنْفَرًا وَأَسَدًا، یہ اسد کوئی غضنفر سے الگ چیز نہیں ہے، یہ اسی غضنفر کے معنیٰ اور مفہوم کو بیان کر رہا ہے، اس کو کیا کہتے ہیں؟ عطفِ تفسیری۔ توجہ ہے؟ اس میں تفسیر بیان کی جا رہی ہے معطوفٌ علیہ کی۔ تو یہاں بھی اسی طرح ہے: أَيْ مِنْ جُمْلَةِ أَحْكَامِ الْمُعْرَبِ وَآثَارِهِ الْمُتَرَتِّبَةِ عَلَيْهِ۔ بھئی معرب کے احکام، احکام سے آپ کی کیا مراد ہے؟ احکام سے کیا مراد ہے؟ معنیٰ بیان کر رہے ہیں کہ احکام سے مراد ہے وہ اثرات جو اس پر مرتب ہوتے ہیں، وہ اثرات جو... معرب کا حکم، توجہ سے ادھر دیکھو، معرب کا حکم یہ ہے، کیا معنیٰ معرب کا حکم یہ ہے؟ یعنی اس پر جو اثر مرتب ہوتا ہے عامل کا وہ یہ ہے کہ وہ فاعل ہوگا تو مرفوع ہوگا، مفعول ہوگا تو منصوب ہوگا، اور مضاف الیہ ہوگا تو مجرور ہوگا۔ تو یہ معرب کے حکم سے کیا مراد ہے؟ وہ جو اس پر اثر مرتب ہوتا ہے عامل کا۔ عامل آئے گا کبھی اس کو رفع دے گا، کبھی نصب دے گا، کبھی جر دے گا۔ تو معرب کے حکم سے کیا مراد ہے؟ وہ جو عامل کا اثر اس پر آرہا ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو کہتے ہیں: أَيْ مِنْ جُمْلَةِ أَحْكَامِ الْمُعْرَبِ وَآثَارِهِ الْمُتَرَتِّبَةِ عَلَيْهِ، یعنی معرب کے جملہ احکام میں سے اور اس کے وہ آثار جو اس معرب پر مرتب ہوتے ہیں، مِنْ حَيْثُ هُوَ مُعْرَبٌ، اس حیثیت سے کہ وہ معرب ہے، اس حیثیت سے کہ وہ معرب ہے۔ معرب کا حکم اس حیثیت سے کہ وہ معرب ہے وہ یہ ہے کہ اس کا آخر عوامل کے بدلنے سے بدلتا ہے۔

بھئی حیثیت کی قید لگائی، معرب ہونے کی حیثیت سے اس کا یہ حکم ہے۔ ورنہ یہی معرب کبھی فاعل ہوگا تو فاعل ہونے کی حیثیت سے اس کا حکم یہ ہے کہ یہ مرفوع ہوگا۔ توجہ ہے؟ معرب ہونے کی حیثیت سے معرب کا کیا حکم؟ ادھر دیکھیے جَاءَنِي زَيْدٌ، جَاءَنِي زَيْدٌ، یہ معرب ہے کہ مبنی ہے زید کا لفظ؟ معرب ہے۔ تو معرب ہونے کی حیثیت سے اس کا حکم کیا ہے؟ کہ اس کا آخر بدلے گا، عوامل کے بدلنے سے اس کا آخر بدلے گا۔ لیکن صرف اس میں ایک ہی حیثیت تو نہیں ہے، زید میں ایک اور حیثیت بھی ہے کہ یہ فاعل بھی ہے۔ یہ فاعل ہونے کی حیثیت سے اس کا حکم کیا ہے؟ اس کا آخر بدلے گا یا اس پر رفع آئے گا؟ اس پر رفع آئے گا، دیکھا فاعل ہونے کی حیثیت سے اس کا حکم یہ نہیں ہے کہ اس کا آخر بدلے گا، بلکہ فاعل ہونے کی حیثیت سے اس کا حکم یہ ہے کہ اس پر رفع آئے گا۔ اگر یہی مفعول ہوتا تو مفعول ہونے کی حیثیت سے اس کا حکم

کیا ہوتا؟ نصب آتا اس پر۔ اگر یہی مضاف الیہ ہوتا تو مضاف الیہ ہونے کی حیثیت سے اس کا کیا حکم تھا؟ جر آتا۔ تو ایک ہی چیز میں کئی حیثیتیں ہوتی ہیں بھئی۔ توجہ ہے؟ ایک ہی چیز میں کئی حیثیتیں ہوتی ہیں، مثلاً دیکھو زید، زید کسی کا بیٹا بھی ہے اور زید کسی کا باپ بھی ہے، اس کی بھی، زید کے بھی بچے ہیں۔ توجہ ہے؟ تو زید باپ ہونے کی حیثیت سے اس کا حکم اور ہے، باپ ہونے کی حیثیت سے بچوں کی بہترین تربیت کرتا ہے، اور بیٹا بھی ہے اس کا بھی، زید کا بھی تو کوئی باپ ہے۔ بیٹا ہونے کی حیثیت سے یہ بڑا ہی باادب ہے۔ توجہ ہے؟ بیٹا ہونے کی حیثیت سے اور حکم دیکھو بیان ہوا، باپ ہونے کی حیثیت سے اور حکم بیان ہوا۔ تو ایک ہی چیز میں کئی بعض اوقات حیثیتیں ہوتی ہیں۔ تو معرب جو ہے وہ ظاہر سی بات ہے ایک کلمہ ہے، تو جب وہ کلمہ ہے تو معرب ہونے کی حیثیت سے اس کا حکم یہ ہے کہ اس کا آخر بدلتا ہے، اور اگر وہ فاعل ہے تو فاعل ہونے کی حیثیت سے اس کا حکم اور ہوگا، مفعول ہونے کی حیثیت سے اور ہوگا، مضاف الیہ ہونے کی حیثیت سے اور ہوگا۔

تو کہتے ہیں: وَآثَارِهِ الْمُتَرَتِّبَةِ عَلَيْهِ مِنْ حَيْثُ هُوَ مُعْرَبٌ، اور معرب کے وہ آثار جو اس پر مرتب ہوتے ہیں اس حیثیت سے کہ وہ معرب ہے، وہ یہ ہے کہ أَنْ يَخْتَلِفَ آخِرُهُ، یہ کہ اس کا آخر بدلتا ہے، کہ اس کا... بھئی اب دیکھیے آپ کو بتلائیں گے کہ اس کا آخر بدلتا ہے یعنی وہ حرف جو معرب کا آخر ہے، وہ بدلتا ہے۔ توجہ ہے؟ معرب سارا نہیں بدلتا، معرب کا آخر بدلتا ہے یعنی جو آخری حرف ہے، اور آخری حرف جو بدلتا ہے کبھی ذات کے اعتبار سے بدل جاتا ہے۔ جیسے أَبُوكَ، أَبَاكَ، أَبِيكَ۔ أَبُوكَ، آخر میں کیا ہے؟ واو۔ حالتِ نصبی میں کیا پڑھیں گے؟ أَبَاكَ۔ حالتِ جری میں کیا پڑھیں گے؟ أَبِيكَ۔ یا دوسری مثال لے لو: تثنیہ ہے، حالتِ رفعی میں کیسے پڑھیں گے؟ رَجُلَانِ مثلاً، رَجُلَانِ الف کے ساتھ، اور حالتِ نصبی جری میں کیسے پڑھیں گے؟ رَجُلَيْنِ۔

تو معرب کا آخر بدلتا ہے یعنی وہ جو آخری حرف ہے وہ بدلتا ہے۔ اور پھر وہ آخری حرف کبھی اس کی ذات ہی بدلے گی، جیسے أَبُوكَ، أَبَاكَ اور أَبِيكَ، آخری حرف کی ذات ہی بدل رہی ہے، کبھی واو ہے، کبھی الف ہے، کبھی یا ہے۔ اور کبھی آخری حرف بدلتا ہے صرف صفت کے اعتبار سے، اس کی ذات نہیں بدلتی، جَاءَنِي زَيْدٌ، رَأَيْتُ زَيْدًا، مَرَرْتُ بِزَيْدٍ۔ اب آخر میں کیا ہے؟ دال۔ زید کے آخر میں کیا ہے؟ دال، اور وہ آخری حرف بدل رہا ہے ذات کے اعتبار سے؟ کیا دال کی جگہ کوئی اور حرف آرہا ہے یا صرف اس کی صفت بدل رہی ہے؟ صفت یعنی اس پر حرکتیں بدل رہی ہیں۔ بات سمجھ میں آ گئی؟ تو معرب کا حکم کیا ہے کہ اس کا آخر بدلتا ہے، اور آخر سے مراد کیا ہے؟ آخری حرف بھئی۔ اور وہ آخری حرف کبھی ذات کے اعتبار سے بدلتا ہے، اس کی ذات ہی بدل جاتی ہے، اور کبھی صفت کے اعتبار سے بدلتا ہے، یعنی اس پر حرکت بدلتی ہے، جیسے جَاءَنِي زَيْدٌ، رَأَيْتُ زَيْدًا اور مَرَرْتُ بِزَيْدٍ۔ بات سمجھ میں آ گئی؟

تو کہتے ہیں: أَنْ يَخْتَلِفَ آخِرُهُ، اس کا آخر بدلتا ہے، أَيِ الْحَرْفُ الَّذِي هُوَ آخِرُ الْمُعْرَبِ، یعنی وہ حرف جو معرب کا آخر ہے وہ بدلتا ہے، ذَاتًا، باعتبار ذات کے۔ ذات کے اعتبار سے بدلنا کیا ہے؟ کہ اس حرف کی ذات ہی بدل جائے۔ دیکھیے: بِأَنْ يَتَبَدَّلَ حَرْفٌ بِحَرْفٍ، بِأَنْ يَتَبَدَّلَ یہ باء تصویریہ ہے، یہ صورت بتلا رہا ہے کہ ذات کیسے بدلے گی؟ کہتے ہیں بایں صورت کہ يَتَبَدَّلَ حَرْفٌ بِحَرْفٍ، ایک حرف بدل جاتا ہے دوسرے حرف سے۔ توجہ ہے؟ جیسے أَبُوكَ، أَبَاكَ اور أَبِيكَ کے اندر واو، الف اور یا بدل رہے ہیں۔ تو کہتے ہیں: بِأَنْ يَتَبَدَّلَ حَرْفٌ بِحَرْفٍ آخَرَ، بایں صورت کہ ایک حرف بدل جاتا ہے دوسرے حرف کے ساتھ، حَقِيقَةً أَوْ حُكْمًا، اور پھر وہ حرف کا بدلنا یا تو حقیقتاً ہوگا یا حکماً ہوگا۔ حقیقتاً ہوگا یا حکماً ہوگا۔ حقیقتاً بدلے گا جیسے جَاءَنِي مُسْلِمَانِ، جَاءَنِي مُسْلِمَانِ، میرے پاس دو مسلمان آئے۔ جَاءَنِي مُسْلِمَانِ، رَأَيْتُ مُسْلِمَيْنِ۔ جی، حقیقتاً بدل رہا ہے، پہلے الف تھا، اب کس سے بدل گیا؟ یا سے۔ اب ذرا نصبی اور جری کو صرف دیکھو: رَأَيْتُ مُسْلِمَيْنِ، میں نے دو مسلمانوں کو دیکھا، مَرَرْتُ بِمُسْلِمَيْنِ، میں دو مسلمانوں کے پاس سے گزرا۔ توجہ ہے؟ تو دیکھو یہ جو تثنیہ ہے، اس کا اعراب جو ہے کس طرح، حرف کے بدلنے سے آتا ہے یا حرکت کے بدلنے سے؟ حرف کے بدلنے سے، اس میں حرف بدلتا ہے۔ لیکن حالتِ نصبی جری میں دیکھو رَأَيْتُ مُسْلِمَيْنِ اور مَرَرْتُ بِمُسْلِمَيْنِ، حرف نہیں بدل رہا، دونوں میں یا ہے اور یا سے ماقبل مفتوح ہے۔ تو جواب یہ کہ یہاں حکماً بدل رہا ہے، حکم لگا دیا کہ بدل رہا ہے۔ تو کبھی حقیقتاً بدلے گا جیسے جَاءَنِي مُسْلِمَانِ اور رَأَيْتُ مُسْلِمَيْنِ، دیکھو بدل رہا ہے حقیقتاً بدل رہا ہے، اور کبھی حکماً بدلے گا، حکماً بدلنے کا کیا مطلب؟ یعنی حکم لگا دیا جائے گا کہ یہ بدل رہا ہے، جیسے رَأَيْتُ مُسْلِمَيْنِ اور مَرَرْتُ بِمُسْلِمَيْنِ۔ تو کہتے ہیں: بِأَنْ يَتَبَدَّلَ حَرْفٌ بِحَرْفٍ آخَرَ، بایں صورت کہ ایک حرف بدل جاتا ہے دوسرے حرف کے ساتھ، حَقِيقَةً أَوْ حُكْمًا، اور یہ بدلنا حقیقتاً ہوگا یا حکماً ہوگا، إِذَا كَانَ إِعْرَابُهُ بِالْحَرْفِ، جب کہ اس معرب کا اعراب حرف کے ساتھ ہو۔

أَوْ صِفَةً، یہ صِفَةً کا عطف ہے ذَاتًا پر، یا وہ حرف جو آخرِ معرب ہے وہ بدلتا ہے صِفَةً باعتبار صفت کے، یعنی اس کی صفت بدلتی ہے، خودبیان کر رہے ہیں: بِأَنْ يَتَبَدَّلَ صِفَةٌ بِصِفَةٍ أُخْرَى، بایں صورت کہ بدلتی ہے ایک صفت دوسری صفت کے ساتھ، حَقِيقَةً أَوْ حُكْمًا، یہ بدلنا جو ہے صفت کا بدلنا بھی کبھی حقیقتاً ہوتا ہے اور کبھی حکماً ہوتا ہے۔ توجہ ہے؟ معرب کا حکم کیا ہے کہ اس کا آخر بدلتا ہے، اس کا آخر بدلے گا، آخر سے کیا مراد ہے؟ اس کا آخری حرف، توجہ ہے؟ اور آخری حرف وہ بدلتا ہے، کبھی اپنی ذات کے اعتبار سے بدل جاتا ہے، ایک حرف کی جگہ دوسرا حرف آتا ہے، اور کبھی وہ صفت کے اعتبار سے بدلتا ہے، ذات تو نہیں بدلی جیسے زَيْدٌ، زَيْدًا، زَيْدٍ، دال کی ذات تو نہیں بدلی ہاں اس کی صفت بدل گئی کہ اس پر حرکت بدل گئی، کبھی رفع ہے، کبھی نصب ہے اور کبھی جر، تو صفت بدل جاتی ہے، ایک صفت کی جگہ یعنی ایک حرکت کی جگہ دوسری حرکت آجاتی ہے۔ اور پھر یہ حرکت کا بدلنا بھی کبھی حقیقتاً ہوتا ہے کبھی حکماً۔ جَاءَنِي زَيْدٌ، رَأَيْتُ زَيْدًا، مَرَرْتُ

بِزَيْدٍ، اس میں حرکت بدل رہی ہے اور حقیقتاً بدل رہی ہے زید کے آخر میں۔ توجہ ہے؟ اور کبھی حکماً بدلے گی حرکت، جیسے جَاءَنِي أَحْمَدُ، رَأَيْتُ أَحْمَدَ، مَرَرْتُ بِأَحْمَدَ۔ غیر منصرف ہے، کسرہ اور تنوین اس پر نہیں آتے۔ جَاءَنِي أَحْمَدُ، رفع ہے، رَأَيْتُ أَحْمَدَ، حقیقتاً بدل رہے ہیں، پہلے رفع تھا اب کیا آگیا؟ نصب آگیا۔ لیکن صرف نصب اور جر پہ ذرا نظر رکھو: رَأَيْتُ أَحْمَدَ، مَرَرْتُ بِأَحْمَدَ۔ پہلے بھی فتحہ ہے، اب بھی کیا ہے؟ فتحہ ہے۔ تو حقیقتاً تو نہیں بدل رہا لیکن حکماً بدل رہا ہے، حکماً حکم لگا دیا جائے گا کہ بدل رہی ہے صفت۔ کیونکہ پہلے جو فتحہ آیا وہ کون سا فتحہ ہے؟ وہ نصب ہے، وہ رَأَيْتُ أَحْمَدَ یہ کیا ہے اس وقت؟ منصوب، تو یہ فتحہ کون سا والا ہے؟ نصب والا فتحہ ہے۔ اور مَرَرْتُ بِأَحْمَدَ، اب جو فتحہ آیا یہ کون سا فتحہ ہے؟ جر والا فتحہ ہے۔ تو حقیقتاً تو صفت نہیں بدل رہی، حرکت نہیں بدل رہی، لیکن حکم لگا دیا جائے گا کہ صفت بدل رہی ہے۔

تو کہتے ہیں: أَوْ صِفَةً، یا معرب کا آخر بدلے گا صفت کے اعتبار سے، بِأَنْ يَتَبَدَّلَ صِفَةٌ بِصِفَةٍ أُخْرَى حَقِيقَةً أَوْ حُكْمًا، بایں صورت کہ ایک صفت بدل جائے گی دوسری صفت کے ساتھ حقیقتاً یا حکماً، إِذَا كَانَ إِعْرَابُهُ بِالْحَرَكَةِ، جب کہ اس کا اعراب کیا ہو؟ حرکت کے ساتھ ہو بھئی۔ إِذَا كَانَ إِعْرَابُهُ بِالْحَرَكَةِ، جب کہ اس معرب کا اعراب حرکت کے ساتھ ہو۔ اس کا اعراب حرکت کے ساتھ ہو۔ تو کبھی کبھار وہ حرف یا وہ حرکت حقیقتاً بدلتی ہے معرب میں، اور کبھی حکماً بدلتی ہے یعنی حکم لگا دیا جاتا ہے۔ یعنی یوں سمجھو، ادھر دیکھو، حکماً بدلنے کا مطلب یہ ہے، حکماً بدلنے کا مطلب یہ ہے کہ بظاہر کوئی تبدیلی نہیں آرہی لیکن دلالتِ مقصودی بدل چکی ہے، وہ دلالت جو مقصود ہے اس کے ذریعے وہ بدل چکی ہے۔ توجہ ہے؟ رَأَيْتُ أَحْمَدَ، رَأَيْتُ أَحْمَدَ، أحمد پر نصب آیا، یہ نصب اس کے ذریعے کس چیز پر دلالت مقصود ہے؟ اس کے مفعول ہونے پر دلالت مقصود ہے، یہ نصب بتلا رہا ہے کہ یہ اس وقت کیا ہے؟ مفعول ہے، منصوب ہے۔ اور جب میں کہوں مَرَرْتُ بِأَحْمَدَ، اب حرکت تو نہیں بدلی لیکن دلالتِ مقصودی بدل گئی، یہ والا جو فتحہ آیا یہ کیا بتلا رہا ہے؟ کہ یہ مضاف الیہ ہے، مجرور ہے حرفِ جر کی وجہ سے۔ یہ مجرور ہے، مضاف الیہ ہے، مضاف الیہ ہے نا؟ حرفِ جر کے ذریعے بھی تو فعل کی اضافت یعنی نسبت کی جاتی ہے کس کی طرف؟ اسم کی طرف، توجہ ہے؟ تو مَرَرْتُ کی نسبت ہوئی باء کے ذریعے کس کی طرف؟ اسم یعنی أحمد کی طرف، تو مَرَرْتُ ہوا مضاف اور جس کی طرف نسبت ہوئی وہ ہوا مضافٌ الیہ۔ مضاف کا کیا معنیٰ؟ جس کی نسبت کی جائے، جس کی اضافت کی جائے، اور مضاف الیہ جس کی طرف نسبت کی جائے۔ تو حاصلِ کلام کیا ہوا کہ حکماً اعراب بدلنے کا کیا مطلب ہے؟ مطلب یہ ہے کہ دلالتِ مقصودی بدل گئی ہے۔ دلالتِ مقصودی بدل گئی ہے۔ رَأَيْتُ أَحْمَدَ اور مَرَرْتُ بِأَحْمَدَ، بظاہر تو کوئی تبدیلی نہیں لیکن ایک میں جو فتحہ ہے اس میں دلالت مقصود ہے مفعولٌ بہ ہونے پر، اور مَرَرْتُ بِأَحْمَدَ اس کے اندر جو دلالت فتحہ کے ذریعے مقصود ہے وہ کس پر ہے کہ یہ مضافٌ الیہ ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو اس کو کہیں گے حکماً تبدیلی آچکی ہے بھئی۔

جی آگے دیکھیے بھئی: بِاخْتِلَافِ الْعَوَامِلِ، عوامل کے بدلنے کی وجہ سے۔ معرب کا حکم یہ ہے کہ اس کا آخر بدلتا ہے بِاخْتِلَافِ الْعَوَامِلِ، کس کی وجہ سے؟ عوامل کے بدلنے سے۔ آگے بتلا رہے ہیں شارحِ جامی: أَيْ بِسَبَبِ اخْتِلَافِ الْعَوَامِلِ، یہاں بتلا دیا کہ یہ جو بِاخْتِلَافِ پر باء داخل ہے یہ باء سببیہ ہے۔ معرب کا آخر بدلتا ہے اس وجہ سے کہ اس پر عوامل بدلتے ہیں بھئی۔ تو کہتے ہیں: أَيْ بِسَبَبِ اخْتِلَافِ الْعَوَامِلِ الدَّاخِلَةِ عَلَيْهِ فِي الْعَمَلِ، اس وجہ سے کہ عوامل بدلتے ہیں، وہ عوامل الدَّاخِلَةِ عَلَيْهِ جو اس پر داخل ہو رہے ہیں، اس وجہ سے کہ عوامل مختلف ہوتے ہیں وہ عوامل جو اس پر داخل ہو رہے ہیں، فِي الْعَمَلِ، وہ عوامل مختلف ہوتے ہیں کس اعتبار سے؟ عمل کے اعتبار سے۔ وہ عوامل مختلف ہوتے ہیں، معرب وہ ہے جس... ادھر دیکھیے، معرب وہ ہے جس کا آخر بدلتا ہے عوامل کے مختلف ہونے کی وجہ سے، کیونکہ عوامل مختلف ہوتے ہیں عمل کے اندر، بعض عوامل کیا چاہتے ہیں؟ رفع، بعض عوامل کیا چاہتے ہیں؟ نصب، اور بعض کیا چاہتے ہیں؟ جر۔ تو یہ معرب کا آخر بدلتا ہے اس وجہ سے کیونکہ ان پر جو عوامل داخل ہوتے ہیں وہ عمل میں مختلف ہوتے ہیں۔

تو انہوں نے کیا کہا؟ بِاخْتِلَافِ الْعَوَامِلِ کی تفسیر کیا کی؟ أَيْ بِسَبَبِ اخْتِلَافِ الْعَوَامِلِ الدَّاخِلَةِ عَلَيْهِ فِي الْعَمَلِ، اس وجہ سے کہ وہ عوامل مختلف ہوتے ہیں جو اس پر داخل ہو رہے ہیں، مختلف ہوتے ہیں فِي الْعَمَلِ، کس چیز میں؟ عمل میں مختلف ہوتے ہیں، توجہ ہے؟ وہ عوامل عمل میں مختلف ہوتے ہیں۔ آگے صورت بتلا رہے ہیں کس طرح: بِأَنْ يَعْمَلَ، یہ باء تصویریہ ہے، بایں صورت بِأَنْ يَعْمَلَ بَعْضٌ مِنْهَا خِلَافَ مَا يَعْمَلُ الْبَعْضُ الْآخَرُ، بایں صورت کہ ان میں سے جو بعض ہیں وہ عمل کرتے ہیں خِلَافَ مَا يَعْمَلُ الْبَعْضُ الْآخَرُ، اس کے خلاف جو بعض دوسرے عمل کرتے ہیں۔ ان میں سے بعض جو عمل کرتے ہیں وہ اس کے خلاف ہوتا ہے جو بعض دوسرے عمل کرتے ہیں، یعنی بعض کیا کرتے ہیں؟ رفع دیتے ہیں، بعض کیا کرتے ہیں؟ نصب دیتے ہیں، اور بعض کیا کرتے ہیں؟ جر۔ تو دیکھو ہر ایک کا عمل ایک دوسرے سے مختلف ہے۔ تو عمل میں ایک دوسرے سے مختلف ہوتے ہیں۔ آگے آپ کو بتلائیں گے ملا جامی رحمہ اللہ کہ ہم نے فِي الْعَمَلِ کی قید کیوں لگائی، کہ وہ عوامل عمل میں مختلف ہونے چاہئیں، وہ عوامل عمل میں مختلف ہونے چاہئیں۔ کہتے ہیں اس لیے کہ اگر آپ عوامل بدلتے جائیں لیکن وہ سارے مثلاً رفع چاہتے ہیں، تو پھر تو معرب کا آخر نہیں بدل رہا، یا وہ سارے نصب چاہتے ہیں پھر تو معرب کا آخر نہیں بدل رہا، عوامل بدل رہے ہیں اور اس کا آخر نہیں بدل رہا، اور آپ کہیں گے دیکھو عوامل بدل رہے ہیں اور اس کا آخر نہیں بدل رہا۔ وہ بتلا دیا کہ بھئی عمل میں مختلف ہوں، ایک اگر رفع چاہتا ہے تو دوسرا نصب چاہے، تیسرا جر چاہے۔ جیسے دیکھو یہ مثالیں دی ہوئی ہیں آگے ذرا یہ مثالوں پہ نظر رکھو، ایک سطر کے بعد آ رہا ہے: إِنَّ زَيْدًا مَضْرُوبٌ، عبارت مل گئی؟ دو چار لفظوں کے بعد ہے، إِنَّ زَيْدًا مَضْرُوبٌ، دیکھو یہ زَيْدًا منصوب ہے، کیوں منصوب ہے؟ کیونکہ یہ إِنَّ کا اسم ہے اور إِنَّ اس کو نصب دے رہا ہے، إِنَّ کا اسم منصوب ہوتا ہے۔ آگے دیکھو: وَإِنِّي ضَرَبْتُ زَيْدًا، اس میں بھی زَيْدًا منصوب ہے لیکن اب إِنَّ نصب نہیں دے رہا بلکہ کون نصب دے رہا ہے؟ ضَرَبْتُ۔ تو دیکھو عامل بدل گیا ہے لیکن معرب کا آخر نہیں بدل رہا، معرب کا آخر اسی طرح منصوب ہے۔ تیسری مثال دیکھو: إِنِّي ضَارِبٌ زَيْدًا، اب یہ زَيْدًا منصوب ہے،

اب کون نصب دے رہا ہے؟ ضَارِبٌ۔ تو دیکھو عامل تو بدل رہے ہیں لیکن معرب کا آخر نہیں بدل رہا۔ تو آپ کہیں گے دیکھا آپ نے تو ہمیں کیا بتایا تھا کہ معرب وہ ہے جس کا آخر بدلتا ہے عوامل کے بدلنے سے، یہاں تو معرب کا آخر نہیں بدل رہا، عوامل بدل رہے ہیں، إِنَّ زَيْدًا مَضْرُوبٌ اس میں إِنَّ حرف عمل کر رہا ہے زید میں، إِنِّي ضَرَبْتُ زَيْدًا اس میں ضَرَبْتُ فعل عمل کر رہا ہے زید میں، اور إِنِّي ضَارِبٌ زَيْدًا اس میں ضَارِبٌ اسم عمل کر رہا ہے زید میں۔ ہم حرف لے آئے پھر بھی نصب، ہم فعل لے آئے پھر بھی نصب، ہم اسم لے آئے پھر بھی نصب ہے تو معرب کا آخر تو نہیں بدل رہا۔ تو کہتے ہیں ہم نے اسی لیے کہا کہ وہ عوامل مختلف ہونے چاہئیں کس چیز میں؟ عمل میں مختلف ہونے چاہئیں، اور یہ تو عمل میں مختلف نہیں، یہ تو سب نصب دینے والے ہیں۔ بات سمجھ میں آگئی؟ معرب وہ ہے اس کا آخر بدلتا ہے کس وجہ سے؟ عوامل کے بدلنے سے، اور وہ عوامل مختلف ہونے چاہئیں کس چیز میں؟ عمل میں مختلف ہونے چاہئیں۔ اگر ایک رفع کا تقاضا کرنے والا ہو تو دوسرا نصب کا تقاضا کرنے والا ہو، پھر بدلے گا معرب کا آخر۔

کہتے ہیں: وَإِنَّمَا خَصَّصْنَا اخْتِلَافَهَا بِكَوْنِهِ فِي الْعَمَلِ، اور ہم نے خاص کر دیا اخْتِلَافَهَا أَيِ اخْتِلَافَ الْعَوَامِلِ، عوامل کے اختلاف کو ہم نے خاص کر دیا بِكَوْنِهِ فِي الْعَمَلِ، کہ وہ اختلاف کس میں ہونا چاہیے؟ عمل میں اختلاف ہونا چاہیے، لِئَلَّا يَنْتَقِضَ، تاکہ کہیں یہ ٹوٹ نہ جائے یعنی اس پر اعتراض وارد نہ ہو، بِمِثْلِ قَوْلِنَا، ہمارے اس جیسے قول کے ذریعے کہ إِنَّ زَيْدًا مَضْرُوبٌ، وَإِنِّي ضَرَبْتُ زَيْدًا، وَإِنِّي ضَارِبٌ زَيْدًا۔ فَإِنَّ الْعَامِلَ فِي زَيْدًا، اس لیے کیونکہ عامل جو ہے زَيْدًا کے اندر، فِي هَذِهِ الصُّوَرِ، ان صورتوں میں، مُخْتَلِفٌ، وہ مختلف ہے، بدل رہا ہے بھئی، بِالِاسْمِيَّةِ وَالْفِعْلِيَّةِ وَالْحَرْفِيَّةِ، اسمیت، فعلیت اور حرفیت کے ساتھ، کبھی اسم ہے، کبھی فعل ہے اور کبھی حرف ہے، مَعَ أَنَّ آخِرَ الْمُعْرَبِ لَمْ يَخْتَلِفْ بِاخْتِلَافِهِ، باوجود اس کے کہ معرب کا آخر تو نہیں بدل رہا ان کے بدلنے سے۔ تو آپ یہ اعتراض نہ کریں کیونکہ ہم نے بتلا دیا کہ عوامل کے بدلنے سے کیا مراد ہے؟ کہ وہ عمل میں بدلیں بھئی، یعنی اگر ایک ایک قسم کے اعراب کا تقاضا کر رہا ہے تو دوسرا دوسری قسم کے اعراب کا تقاضا کرے، پھر معرب کا آخر بدلے گا۔

لَفْظًا أَوْ تَقْدِيرًا: نُصِبَ عَلَى التَّمْيِيزِ، یہ منصوب ہیں تمیز ہونے کی بنا پر۔ پھر متن متن دیکھو: وَحُكْمُهُ أَنْ يَخْتَلِفَ آخِرُهُ بِاخْتِلَافِ الْعَوَامِلِ، اور معرب وہ ہے جس کا آخر بدلتا ہے عوامل کے مختلف ہونے سے، لَفْظًا أَوْ تَقْدِيرًا، اور یہ بدلنا کیسا ہوگا؟ لفظاً ہوگا یا تقدیراً۔ کبھی لفظوں کے اندر ہمیں تلفظ سے ہی پتہ چلے گا: جَاءَنِي زَيْدٌ، رَأَيْتُ زَيْدًا، مَرَرْتُ بِزَيْدٍ۔ دیکھا زَيْدٌ، زَيْدًا، زَيْدٍ، تلفظ سے پتہ چل رہا ہے یا نہیں؟ رفع، نصب، جر۔ اور کبھی تلفظ سے پتہ نہیں چلے گا، جیسے جَاءَنِي مُوسَى، رَأَيْتُ مُوسَى، مَرَرْتُ بِمُوسَى۔ بدل تو رہا ہے لیکن تقدیراً بدل رہا ہے، لفظاً نہیں بدل رہا۔ بات سمجھ میں آگئی؟

تو کہتے ہیں: لَفْظًا أَوْ تَقْدِيرًا نُصِبَ عَلَى التَّمْيِيزِ، یہ منصوب ہے تمیز ہونے کی بنا پر۔ یہ کیا ہے؟ کون؟ لَفْظًا أَوْ تَقْدِيرًا۔

ترکیب بتا رہے ہیں، یہ جو لَفْظًا أَوْ تَقْدِیرًا آیا یہ منصوب ہیں کیوں؟ کیونکہ یہ تمیز واقع ہو رہے ہیں، اور آپ پڑھ چکے ہیں ہدایۃ النحو اور کافیہ میں کہ تمیز منصوب ہوتی ہے۔ اس پر اشکال ہوتا ہے کہ لَفْظًا أَوْ تَقْدِیرًا تمیز ایک ہے یا دو ہیں؟ دونوں ہیں، دونوں ہیں، لَفْظًا بھی تمیز، تَقْدِیرًا بھی تمیز۔ تو آگے شارحِ جامی نے کیا فرمایا؟ نُصِبَ، اس کو نصب دیا گیا ہے عَلَى التَّمْيِيزِ، کس بنا پر؟ تمیز ہونے کی بنا پر۔ تو نُصِبَ تو مفرد کا صیغہ لے آئے، اس کے اندر تو هُوَ ضمیر ہوتی ہے۔ اور پیچھے دو منصوب آئے ہیں کہ ایک منصوب آیا ہے؟ دو آئے ہیں، تو نُصِبَا تثنیہ والا صیغہ لانا چاہیے تھا کہ یہ دونوں منصوب ہیں کس بنا پر؟ تمیز ہونے کی بنا پر۔ اشکال سمجھ میں آیا؟ تو جواب یہ کہ یہ كُلُّ وَاحِدٍ کی تاویل میں ہے، ان کی طرف مفرد کی ضمیر لوٹائی کس تاویل میں؟ كُلُّ وَاحِدٍ۔ أَيْ نُصِبَ كُلُّ وَاحِدٍ، ان دونوں میں سے ہر ایک منصوب ہے عَلَى التَّمْيِيزِ، کس بنا پر؟ تمیز ہونے کی بنا پر۔

تو کہتے ہیں: نُصِبَ عَلَى التَّمْيِيزِ أَيْ نُصِبَ كُلُّ وَاحِدٍ، ان دونوں میں سے ہر ایک منصوب ہے عَلَى التَّمْيِيزِ، تمیز ہونے کی بنا پر، کس بنا پر؟ تمیز ہونے کی بنا پر منصوب ہے، أَنْ يَخْتَلِفَ لَفْظُ آخِرِهِ أَوْ تَقْدِيرُهُ۔ یہاں تمیز کے بارے میں ایک دو باتیں یاد رکھیں۔ آپ ہدایۃ النحو اور کافیہ میں پڑھ چکے ہیں کہ تمیز جو ہے وہ ابہام کو دور کرنے کے لیے لائی جاتی ہے۔ مثلاً میں آپ سے کہتا ہوں عِنْدِي أَحَدَ عَشَرَ، میرے پاس گیارہ ہیں۔ اب گیارہ کیا ہیں اس میں ابہام ہے، گیارہ کتابیں ہیں، گیارہ قلم ہیں، گیارہ روپے ہیں، گیارہ کاغذ ہیں، کیا چیز گیارہ ہیں؟ تو اس میں ابہام ہے، تو آگے میں تمیز لا کر ابہام کو دور کرتا ہوں: عِنْدِي أَحَدَ عَشَرَ كِتَابًا، کہ میرے پاس گیارہ کتابیں ہیں۔ تو یہ كِتَابًا نے آکر أَحَدَ عَشَرَ سے ابہام کو دور کر دیا، أَحَدَ عَشَرَ تو دنیا کی کوئی بھی چیز ہو سکتی تھی، تو كِتَابًا نے آکر ابہام کو دور کر دیا۔ تو تمیز کیا کرتی ہے؟ ابہام کو دور کرتی ہے۔ پھر یاد رکھو یہ تمیز دو قسم پر ہے۔ کبھی تمیز جو ہے وہ کسی ذات سے ابہام کو دور کرے گی، اور کبھی تمیز جو ہے وہ نسبت سے ابہام کو دور کرے گی۔ توجہ ہے؟ کبھی تمیز ذات سے ابہام کو دور کرے گی اور کبھی نسبت سے۔ جو ذات سے ابہام کو دور کرے اس کو تمیزِ مفرد کہتے ہیں۔ جو ذات سے ابہام کو دور کرے اس کو تمیزِ مفرد کہتے ہیں، جیسے أَحَدَ عَشَرَ، أَحَدَ عَشَرَ اس کی ذات میں ابہام تھا کہ کیا چیز گیارہ مراد ہے، تو اس كِتَابًا نے آکر اس ابہام کو دور کر دیا۔ اور کبھی کبھار جو نسبت ہوتی ہے، ایک چیز کی دوسری چیز کی طرف جو نسبت کی جا رہی ہے، اس نسبت میں ابہام ہوتا ہے، تمیز آکر اس ابہام کو دور کر دیتی ہے۔ تو اس کو کہتے ہیں کہ یہ نسبت سے تمیز ہے۔ توجہ ہے؟ نسبت سے تمیز ہے، اور یہ جو نسبت سے تمیز آتی ہے یہ کبھی فاعل سے ابہام کو دور کرتی ہے، کبھی یہ مفعول سے ابہام کو دور کرتی ہے، کبھی یہ بتدا سے ابہام کو دور کرتی ہے وغیرہ۔ مثلاً ایک آدھ مثال کر لیں، دیکھو فاعل سے ابہام کو دور کرے، جی جیسے مثال ہے بھئی مثال، جیسے آپ نے پڑھا ہے ہدایۃ النحو میں بھی اور کافیہ میں بھی: طَابَ زَيْدٌ نَفْسًا، طَابَ زَيْدٌ نَفْسًا۔ زید اچھا ہے نَفْسًا اپنی ذات کے اعتبار سے، اپنی ذات۔ یہ جو طَابَ کی نسبت زید کی طرف ہو رہی ہے اس میں ابہام تھا کہ زید اچھا ہے، بھئی کس اعتبار سے اچھا ہے؟ اپنی ذات کے اعتبار سے اچھا ہے،

اپنے والد صاحب کے اعتبار سے اچھا ہے کہ اس کے والد صاحب اچھے ہیں، یا اپنے علم کے اعتبار سے اچھا ہے، یا اپنے کسی ہنر کے اعتبار سے اچھا ہے، زید کس اعتبار سے اچھا ہے؟ یا اپنے اخلاق کے اعتبار سے اچھا ہے؟ یہ جو طَابَ کی نسبت زید کی طرف ہو رہی ہے اس میں ابہام تھا، آگے نَفْسًا نے آکر اس ابہام کو دور کر دیا اور بتلا دیا کہ یہاں کیا مراد ہے؟ زید اچھا ہے اپنی ذات کے اعتبار سے اچھا ہے یعنی زید کی ذات اچھی ہے۔ یہ نسبت سے ابہام کو دور کر رہی ہے، کون سی نسبت؟ یہ جو طَابَ کی نسبت ہو رہی ہے کس کی طرف؟ زید کی طرف۔ طَابَ فعل ہے اور زَیْدٌ اس کا فاعل ہے، تو فاعل کی طرف فعل کی نسبت ہوتی ہے، تو یہ جو فعل کی فاعل کی طرف نسبت ہو رہی ہے اس میں ابہام تھا، نَفْسًا نے آکر کیا کر دیا؟ ابہام کو دور کر دیا۔ یہ جو نسبت سے ابہام کو تمیز دور کرے، یہ کبھی فاعل کے درجے میں ہوتی ہے، اور کبھی مفعول، اور کبھی مبتدا کے درجے میں ہوتی ہے۔ توجہ ہے؟ طَابَ زَیْدٌ نَفْسًا، زید اچھا ہے کس اعتبار سے؟ نفس۔ تو یہ تمیز ہے کس سے؟ نسبت سے، اور یہ جو نسبت سے تمیز ہوتی ہے یوں کہیں یہ کبھی مُحَوَّلٌ عَنِ الْفَاعِلِ ہوتی ہے، کبھی مُحَوَّلٌ عَنِ الْمَفْعُولِ ہوتی ہے، کبھی مُحَوَّلٌ عَنِ الْمُبْتَدَا ہوتی ہے۔ کس سے؟ مُحَوَّل کا معنیٰ پھیری گئی ہے، پھیر دیا گیا، اس کو پلٹ دیا گیا۔ توجہ ہے؟ وہ جو نسبت سے تمیز ہوتی ہے کبھی وہ مُحَوَّلٌ عَنِ الْفَاعِلِ ہوتی ہے یعنی یہ فاعل کے درجے میں ہے، یہ کس کے درجے میں ہے؟ فاعل کے درجے میں۔ اور کبھی یہ مُحَوَّلٌ عَنِ الْمَفْعُولِ ہوتی ہے یعنی یہ کس کے درجے میں ہے؟ مفعول کے درجے میں ہے، اور کبھی یہ مُحَوَّلٌ عَنِ الْمُبْتَدَا ہوتی ہے یعنی یہ تمیز کس کے درجے میں ہوتی ہے؟ مبتدا کے درجے میں۔ بات سمجھ میں آگئی؟ کبھی تمیز مفرد ہوتی ہے، کبھی تمیز نسبت سے ہوتی ہے، مفرد سے تمیز وہ ہے جو کسی ذات کے اندر ابہام ہے اس کو دور کرے جیسے أَحَدَ عَشَرَ میں ابہام تھا کِتَابًا نے آکر اس ابہام کو دور کر دیا، اور کبھی تمیز ابہام کو کسی نسبت سے دور کرتی ہے، اور جو نسبت سے تمیز ابہام کو دور کرے وہ کبھی مُحَوَّلٌ عَنِ الْفَاعِلِ ہوتی ہے یعنی وہ فاعل سے پھیری گئی ہے، اصل میں یہ فاعل تھی پھر پھیر کر تمیز بنا دیا گیا، یا مُحَوَّلٌ عَنِ الْمَفْعُولِ ہوتی ہے یعنی اصل میں یہ مفعول تھی پھر پھیر کر تمیز بنا دیا گیا، یا مُحَوَّلٌ عَنِ الْمُبْتَدَا ہوتی ہے یعنی اصل میں یہ کیا تھی؟ مبتدا تھی یہ اس کو پھیر کر تمیز بنا دیا گیا۔

بات سمجھ میں آگئی؟ تو یہ مُحَوَّلٌ عَنِ الْفَاعِلِ کا کیا معنیٰ؟ یہ اصل میں فاعل تھی یا یوں کہو یہ فاعل کے درجے میں ہے۔ اور جو مُحَوَّلٌ عَنِ الْمَفْعُولِ ہے وہ کس کے درجے میں ہے؟ مفعول کے درجے میں ہے، اور جو مُحَوَّلٌ عَنِ الْمُبْتَدَا ہے وہ کس کے درجے میں ہے؟ مبتدا کے درجے میں ہے۔ دیکھو مثالوں سے وضاحت ہوگی: طَابَ زَیْدٌ نَفْسًا، طَابَ زَیْدٌ نَفْسًا، یہ تمیز ہے نسبت سے اور یہ مُحَوَّلٌ عَنِ الْفَاعِلِ ہے، یہ مُحَوَّلٌ عَنِ الْفَاعِلِ ہے۔ مُحَوَّلٌ عَنِ الْفَاعِلِ کا کیا معنیٰ؟ یہ کس کے درجے میں ہے؟ فاعل کے درجے میں ہے، لہٰذا فاعل اس کو بنا دو: طَابَ نَفْسُ زَیْدٍ۔ طَابَ زَیْدٌ نَفْسًا تھا، نَفْسًا کو اٹھا کر فاعل بنا

دو: طَابَ نَفْسُ زَيْدٍ، اچھا ہے، کیا چیز اچھی ہے؟ نَفْسُ زَيْدٍ، زید کی ذات۔ دیکھا یہ کس کے درجے میں ہے؟ بات بھی سمجھ میں آرہی ہے کہ نہیں؟ کہ جو تمیز مُحَوَّلٌ عَنِ الْفَاعِلِ ہو وہ کس کے درجے میں ہوتی ہے؟ فاعل، لہٰذا اس کو فاعل بنا دو، طَابَ زَيْدٌ کے بجائے نفس کا لفظ لے آؤ: طَابَ نَفْسُ زَيْدٍ، زید کی ذات اچھی ہے، دیکھو یہ فاعل بنا دیا، اور معنیٰ ٹھیک ہے یا غلط ہے؟ ٹھیک معنیٰ بن گیا۔ اسی طرح کبھی تمیز مُحَوَّلٌ عَنِ الْمَفْعُولِ ہوتی ہے، وہ مفعول کے درجے میں ہوتی ہے، جیسے قرآن میں اللہ فرماتے ہیں: وَفَجَّرْنَا الْأَرْضَ عُيُونًا، وَفَجَّرْنَا الْأَرْضَ عُيُونًا، اور ہم نے بہا دیا زمین کو، وَفَجَّرْنَا اور ہم نے بہا دیا، فَجَّرَ يُفَجِّرُ تَفْجِيرًا کا معنیٰ ہے بہا دینا جیسے پانی وغیرہ بہا دیا جاتا ہے۔ وَفَجَّرْنَا اور ہم نے بہا دیا الْأَرْضَ زمین کو عُيُونًا باعتبار چشموں کے۔ اب یہ جو عُيُونًا یہ نسبت سے تمیز ہے، یہ جو فَجَّرْنَا کی نسبت ہو رہی ہے اَرض کی طرف اس میں ابہام تھا، ہم نے بہا دیا زمین کو بھئی، تو ابہام تھا کہ کس اعتبار سے؟ تو آگے عُيُونًا نے آکر ابہام کو دور کر دیا کہ چشموں کے اعتبار سے۔ اور یہ مُحَوَّلٌ عَنِ الْمَفْعُولِ ہے یعنی یہ مفعول کے درجے میں ہے، تو اس کو لے جاؤ مفعول بنا دو: وَفَجَّرْنَا الْأَرْضَ، پہلے مفعول کیا تھا؟ الْأَرْضَ تھا، اب کیا لے آؤ؟ عُيُون کو لے آؤ: وَفَجَّرْنَا عُيُونَ الْأَرْضِ، اور ہم نے زمین کے چشموں کو بہا دیا۔ دیکھو معنیٰ ٹھیک ہو گیا یا نہیں؟ تو یہ مُحَوَّلٌ عَنِ الْمَفْعُولِ ہے۔ اور کبھی یہ مُحَوَّلٌ عَنِ الْمُبْتَدَا ہوتی ہے، جیسے عربی میں کہتے ہیں: أَنَا أَكْثَرُ مِنْكَ مَالًا، میں تم سے زیادہ ہوں مَالًا باعتبار مال کے۔ أَنَا أَكْثَرُ مِنْكَ مَالًا، میں تم سے زیادہ ہوں باعتبار مال کے۔ یہ دیکھو میں تم سے زیادہ ہوں، اس میں ابہام تھا کس چیز کے اعتبار سے زیادہ ہیں؟ مَالًا نے آکر کیا کر دیا؟ ابہام کو دور کر دیا، تو یہ نسبت سے تمیز ہے، اور یہ مُحَوَّلٌ عَنِ الْمُبْتَدَا ہے یعنی یہ بتدا کے درجے میں ہے، لہٰذا أَنَا أَكْثَرُ، بتدا کیا تھا؟ أَنَا، اس کی جگہ مال کو لے آؤ وہ جو تمیز ہے، اور أَنَا کی طرف اضافت کر دو، تو کیا بن جائے گا؟ مَالِي، أَنَا تو ضمیرِ منفصل ہے نا متکلم کی ہے، اب متکلم والی ضمیرِ متصل لے آؤ: مَالِي أَكْثَرُ مِنْ مَالِكَ، میرا مال تمہارے مال سے زیادہ ہے۔ مَالِي أَكْثَرُ مِنْ مَالِكَ، دیکھو اب یہ مال کو بتدا بنا دیا، معنیٰ بہترین ہو گیا، میرا مال تمہارے مال سے زیادہ ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو تمیز کبھی نسبت سے ہوتی ہے اور یہ جو نسبت سے تمیز ہو کبھی یہ مُحَوَّلٌ عَنِ الْفَاعِلِ ہوتی ہے، یہ فاعل کے درجے میں ہے، کبھی مُحَوَّلٌ عَنِ الْمَفْعُولِ ہوتی ہے، یہ مفعول کے درجے میں ہے، اور کبھی مُحَوَّلٌ عَنِ الْمُبْتَدَا ہوتی ہے، یہ بتدا کے درجے میں ہے، میں نے سب کی مثالیں ذکر کر دیں، بات سمجھ میں آگئی؟ اب یہاں بھی یہی بیان کریں گے۔

کہتے ہیں: نُصِبَ عَلَى التَّمْيِيزِ، کہ ان میں سے ہر ایک منصوب ہے تمیز ہونے کی بنا پر۔ دیکھو اوپر جو آیا تھا نا يَخْتَلِفُ آخِرُهُ، اس معرب کا آخر بدلتا ہے، یہ جو يَخْتَلِفُ کی نسبت ہو رہی ہے آخر کی طرف اس میں ابہام تھا، تو یہ لَفْظًا اور تَقْدِيرًا نے آ کر اس ابہام کو دور کر دیا، تو یہ نسبت سے تمیز ہے۔ اور نسبت سے تمیز جو ہے وہ یا تو مُحَوَّلٌ عَنِ الْفَاعِلِ ہوتی ہے یا مُحَوَّلٌ عَنِ الْمَفْعُولِ ہوتی ہے یا مُحَوَّلٌ عَنِ الْمُبْتَدَا، یہ کون سی ہے؟ تو آپ کو آگے بتلائیں گے کہ یہ مُحَوَّلٌ عَنِ الْفَاعِلِ ہے۔ یہ مُحَوَّلٌ

عَنِ الْفَاعِلِ ہے، فاعل کے درجے میں ہے۔ أَنْ يَخْتَلِفَ آخِرُهُ، فاعل کون بن رہا ہے؟ ذرا جملے پہ نظر رکھو: أَنْ يَخْتَلِفَ آخِرُهُ، یہ آخِرُهُ فاعل ہے يَخْتَلِفَ کا، فاعل مرفوع ہوتا ہے، آخر بدلتا ہے اس معرب کا۔ تو اب یہ جو لَفْظًا أَوْ تَقْدِيرًا ہے یہ مُحَوَّلٌ عَنِ الْفَاعِلِ ہے، تو لہٰذا اس فاعل کی جگہ اس کو لے جاؤ، عبارت کیا بن جائے گی؟ أَنْ يَخْتَلِفَ لَفْظُ آخِرِهِ، لَفْظُ آخِرِهِ، اور أَنْ يَخْتَلِفَ تَقْدِيرُ آخِرِهِ، عبارت سمجھ میں آگئی؟ کہ اس معرب کے آخر کا لفظ بدلے گا یا اس کی تقدیر بدلے گی بھئی۔ عبارت سمجھ میں آگئی؟

دیکھیے، کہتے ہیں: أَيْ يَخْتَلِفُ لَفْظُ آخِرِهِ أَوْ تَقْدِيرُهُ، یعنی اس کے آخر کا لفظ بدلے گا یا اس کے آخر کی تقدیر بدلے گی۔ تَقْدِيرُهُ کی جو ہاء ضمیر ہے نا یہ آخِرِهِ کی طرف راجع ہے جو ابھی اس کے ساتھ گزرا، تَقْدِيرُهُ أَيْ تَقْدِيرُ آخِرِهِ بھئی۔

أَوْ عَلَى الْمَصْدَرِيَّةِ، یہ دوسری ترکیب بتلا رہے ہیں، میں نے آپ کو بتلایا تھا ایک ہی جگہ کئی کئی ترکیبیں ہو سکتی ہیں۔ ایک ترکیب بتلا دی کہ لَفْظًا أَوْ تَقْدِيرًا یہ منصوب ہیں تمیز ہونے کی بنا پر، اور یہ نسبت سے تمیز ہے، اور یہ مُحَوَّلٌ عَنِ الْفَاعِلِ ہے یہ تمیز بھئی۔ اب دوسری ترکیب بتلا رہے ہیں کہ یہ لَفْظًا یا تَقْدِيرًا یہ منصوب ہیں مصدر ہونے کی بنا پر، کس بنا پر؟ مصدر ہونے کی بنا پر، اور یعنی مفعولِ مطلق ہیں۔ یہ مفعولِ مطلق ہیں، مفعولِ مطلق کسے کہتے ہیں؟ وہ مصدر جو ماقبل فعل کے معنیٰ میں ہو: ضَرَبْتُ ضَرْبًا، ضَرَبْتُ ضَرْبًا، یہ ضَرْبًا مفعولِ مطلق ہے جو ماقبل میں فعل ضَرَبْتُ آیا اس کے معنیٰ میں ہے بھئی، تو یہ مفعولِ مطلق ہیں بھئی۔ اس پر اشکال ہوتا ہے مفعولِ مطلق کیسے بنیں گے؟ پیچھے تو لفظ یا تقدیر کی بات نہیں آئی، پیچھے تو اختلاف کی بات آئی تھی، تو یہاں تو لَفْظًا اور تَقْدِيرًا ہے بھئی، مفعولِ مطلق تو ماقبل فعل کے معنیٰ میں ہوتا ہے، تو آپ کو بتلائیں گے کہ دونوں سے پہلے اختلاف کا لفظ مضاف محذوف نکال لو: أَنْ يَخْتَلِفَ اخْتِلَافَ لَفْظٍ أَوِ اخْتِلَافَ تَقْدِيرٍ، کہ اس کا آخر بدلتا ہے لفظی اختلاف کے ساتھ یا تقدیری اختلاف کے ساتھ۔

کہتے ہیں: أَوْ عَلَى الْمَصْدَرِيَّةِ، یا یہ منصوب ہیں مصدر ہونے کی بنا پر، أَنْ يَخْتَلِفَ اخْتِلَافَ لَفْظٍ أَوْ تَقْدِيرٍ، یعنی مختلف ہوتا ہے اس کا آخر اختلافِ لفظی کے ساتھ یا اختلافِ تقدیری کے ساتھ۔

وَالِاخْتِلَافُ لَفْظًا كَمَا فِي قَوْلِكَ جَاءَنِي زَيْدٌ وَرَأَيْتُ زَيْدًا وَمَرَرْتُ بِزَيْدٍ. اب اختلافِ لفظی اور تقدیری کی صورتیں بتلائیں گے۔ توجہ ہے؟ کہتے ہیں: وَالِاخْتِلَافُ لَفْظًا، اور اختلاف جو لفظوں کے اعتبار سے ہو، كَمَا فِي قَوْلِكَ، جیسے کہ آپ کے اس قول میں ہے: جَاءَنِي زَيْدٌ وَرَأَيْتُ زَيْدًا وَمَرَرْتُ بِزَيْدٍ. دیکھو اس میں زید کا آخر لَفْظًا تلفظ کے اعتبار سے بدل رہا ہے۔

وَتَقْدِيرًا، اور اختلاف جو ہے وہ تقدیراً جو ہے، كَمَا فِي قَوْلِكَ، جیسے کہ آپ کے اس قول میں ہے: جَاءَنِي فَتًى وَرَأَيْتُ فَتًى وَمَرَرْتُ بِفَتًى۔ فَتًى جوان کو کہتے ہیں۔ جَاءَنِي فَتًى، میرے پاس ایک جوان آیا، وَرَأَيْتُ فَتًى، میں نے ایک جوان کو دیکھا، وَمَرَرْتُ بِفَتًى، میں ایک جوان کے پاس سے گزرا۔

جی یہ فَتًى سولہ قسموں میں سے کون سی قسم ہے؟ یہ اسمِ مقصور ہے۔ اسمِ مقصور کسے کہتے ہیں؟ جس کے آخر میں

الفِ مقصورہ آئے۔ توجہ ہے؟ اور الفِ مقصورہ یہاں تقدیراً موجود ہے بھئی، اجتماعِ ساکنین سے گر گیا۔ اصل میں یہ کیا تھا؟ جَاءَنِي فَتَيٌ، یا تھی، اور یا متحرک اور ماقبل فتحہ، تو اس یا کو کس سے بدل دیا؟ الف سے، تو کیا بن گیا؟ فَتَانِ، تنوین والا نون بھی ہے آخر میں، تو جَاءَنِي فَتَانِ، پھر اجتماعِ ساکنین آیا، الف اور نون دونوں ساکن ہیں، تو اور جب اجتماعِ ساکنین عَلَى غَيْرِ حَدِّهِ آئے تو اول اگر مدہ ہو تو اس کو گرا دیتے ہیں، تو اول حرفِ مدہ تھا الف اس کو گرا دیا، کیا بن گیا؟ فَتًى، جَاءَنِي فَتًى۔ تو یہ اعراب تقدیری ہے۔

تو کہتے ہیں: جَاءَنِي فَتًى وَرَأَيْتُ فَتًى وَمَرَرْتُ بِفَتًى۔ دیکھو ان تینوں کے اندر تلفظ میں کوئی تبدیلی نہیں آ رہی، تینوں جگہ ہے فَتًى، فَتًى، فَتًى، لفظاً تبدیلی نہیں، لیکن تقدیراً تبدیلی ہے۔ تو کیا کہیں گے؟ کہ اس کا آخر بدل رہا ہے، تقدیراً بدل رہا ہے یعنی فرض کر لو بدل رہا ہے۔

تو کہتے ہیں: فَإِنَّ أَصْلَهُ فَتَيٌ وَفَتَيًا وَبِفَتَيٍ، کیونکہ اس کی اصل جو ہے فَتَيٌ وَفَتَيًا وَبِفَتَيٍ، ان کی اصل یہ تھی۔ جَاءَنِي فَتًى یہ اصل میں کیا تھا؟ فَتَيٌ، اور پھر کیا کیا؟ ابھی بتایا، یا متحرک ماقبل فتحہ، یا کو کس سے بدلا؟ الف سے، اور پھر الف اجتماعِ ساکنین سے گر گیا تو کیا بن گیا؟ فَتًى۔ حالتِ نصبی میں لے آؤ: رَأَيْتُ فَتًى، یہ فَتًى اصل میں کیا تھا؟ فَتَيًا تھا، رَأَيْتُ نصب دیتا ہے نا، رَأَيْتُ فَتَيًا، پھر وہی ضابطہ، یا متحرک ماقبل تا پر فتحہ، تو یا کو کس سے بدلا؟ الف سے، تو اجتماعِ ساکنین آیا الف کے اندر اور نونِ تنوین کے اندر، تو الف گر گیا، کیا رہ گیا؟ فَتًى۔ توجہ ہے؟ اور تیسری صورت ہے مَرَرْتُ بِفَتًى، یہ جو بِفَتًى ہے یہ کیا تھا؟ بِفَتَيٍ، وہی ضابطہ، یا متحرک ماقبل فتحہ، اس کو کس سے بدلا؟ الف سے، تو کیا بن گیا؟ بِفَتَانِ، آخر میں نونِ تنوین بھی ہے، تو پھر اجتماعِ ساکنین سے الف گر گیا، تو کیا رہ گیا؟ بِفَتًى۔ تو دیکھو تقدیراً تبدیلی آ رہی ہے یہاں پر، تقدیراً بدل رہے ہیں بھئی۔

تو کہتے ہیں: فَإِنَّ أَصْلَهُ فَتَيٌ وَفَتَيًا وَبِفَتَيٍ، اس کی اصل یہ تھی، انْقَلَبَتِ الْيَاءُ أَلِفًا، یا کس سے بدل گئی؟ الف سے، فَصَارَ الْإِعْرَابُ تَقْدِيرِيًّا، تو اعراب تقدیری ہوا۔

یہاں تک بات سمجھ میں آ گئی؟ کہتے ہیں: وَالِاخْتِلَافُ اللَّفْظِيُّ وَالتَّقْدِيرِيُّ أَعَمُّ مِنْ أَنْ يَكُونَ حَقِيقَةً أَوْ حُكْمًا كَمَا أَشَرْنَا إِلَيْهِ۔ اور اختلافِ لفظی اور تقدیری... ادھر دیکھیے، معرب وہ ہے جس کا آخر بدلتا ہو، اور وہ اختلاف کبھی لفظی ہوگا کبھی تقدیری ہوگا۔ آپ کو بتائیں گے چاہے اختلافِ لفظی ہو، چاہے اختلافِ تقدیری ہو، دونوں کے اندر دونوں جو ہیں حقیقتاً بھی ہو سکتے ہیں اور حکماً بھی، دونوں عام ہیں، حقیقتاً بھی ہو سکتے ہیں اور حکماً بھی ہو سکتے ہیں، چاہے اعرابِ لفظی ہو چاہے اعرابِ تقدیری ہو۔ اب آگے اس کی مثالیں بھی پیش کریں گے۔ ادھر دیکھیے اعراب لفظاً ہوگا اور حقیقتاً بدل رہا ہوگا، اعراب لفظاً ہوگا اور حکماً بدل رہا ہوگا۔ حکماً۔ اور پھر کبھی اعراب تقدیراً ہوگا اور حقیقتاً بدل رہا ہوگا، اور کبھی اعراب تقدیراً ہوگا اور حکماً بدل رہا ہوگا۔ بات سمجھ میں آ گئی؟

کہتے ہیں: وَالِاخْتِلَافُ اللَّفْظِيُّ وَالتَّقْدِيرِيُّ أَعَمُّ مِنْ أَنْ يَكُونَ حَقِيقَةً أَوْ حُكْمًا، اور اختلافِ لفظی اور تقدیری وہ عام ہے اس سے کہ وہ حقیقتاً ہو یا حکماً ہو، كَمَا أَشَرْنَا إِلَيْهِ، جیسے کہ ہم نے اس کی طرف اشارہ بھی کر دیا، پیچھے ذکر کیا تھا۔ پیچھے حقیقتاً اور حکماً کو انہوں نے ذکر کیا تھا، اسی میں اشارہ ہو گیا تھا۔ لِئَلَّا يَنْتَقِضَ، تاکہ یہ معرب کا حکم جو ہے یہ ٹوٹ نہ جائے، بِمِثْلِ قَوْلِنَا، ہمارے اس جیسے قول سے: رَأَيْتُ أَحْمَدَ وَمَرَرْتُ بِأَحْمَدَ۔ رَأَيْتُ أَحْمَدَ اس میں بھی دال پر فتحہ، اور مَرَرْتُ بِأَحْمَدَ اس میں بھی دال پر فتحہ۔ تو آپ تو کہیں گے اس کا تو آخر بدل ہی نہیں رہا، یہ تو معرب سے نکل گیا، تو جواب یہ کہ یہ حکماً بدل رہا ہے۔

وَقَوْلِنَا، اور ہمارے اس جیسے قول کے ذریعے: رَأَيْتُ مُسْلِمَيْنِ وَمَرَرْتُ بِمُسْلِمَيْنِ مُثَنًّى أَوْ مَجْمُوعًا، اس حال میں کہ یہ تثنیہ یا جمع ہے۔ دونوں بنا سکتے ہو، پہلے دونوں کو تثنیہ پڑھو: رَأَيْتُ مُسْلِمَيْنِ وَمَرَرْتُ بِمُسْلِمَيْنِ، یا دونوں میں جمع پڑھو: رَأَيْتُ مُسْلِمِينَ وَمَرَرْتُ بِمُسْلِمِينَ۔ تو اس میں بھی دونوں جگہ اعراب نہیں بدل رہا۔ توجہ ہے؟ تو اس میں بھی ہم کیا کہیں گے؟ اعراب حکماً بدل رہا ہے بھئی۔ میں نے بتایا تھا حکماً اعراب بدلنے کا کیا معنیٰ؟ دلالتِ مقصودی بدل رہی ہو۔ رَأَيْتُ مُسْلِمَيْنِ اس میں جو یا آئی وہ کس پر دلالت کر رہی ہے؟ نصب پر، اور مَرَرْتُ بِمُسْلِمِينَ میں جو یا آئی وہ کس پر دلالت کر رہی ہے؟ جر یعنی مضاف الیہ ہونے پر۔ اسی طرح جمع میں بھی ہے۔

فَإِنَّهُ قَدِ اخْتَلَفَ الْعَوَامِلُ فِيهِ وَلَا اخْتِلَافَ فِي آخِرِ أَحْمَدَ حَقِيقَةً بَلْ حُكْمًا، اس لیے کیونکہ ان کے اندر عوامل بدل رہے ہیں وَلَا اخْتِلَافَ فِي آخِرِ أَحْمَدَ، لیکن احمد کے آخر میں کوئی اختلاف نہیں آیا حَقِيقَةً حقیقتاً کوئی اختلاف نہیں آیا، بَلْ حُكْمًا بلکہ حکماً اختلاف آیا ہے۔

فَإِنَّ فَتْحَةَ أَحْمَدَ بَعْدَ النَّاصِبِ عَلَامَةُ النَّصْبِ، اس لیے کیونکہ احمد کا جو فتحہ ہے ناصب یعنی وہ عامل جو نصب دینے والا ہے اس کے بعد جو احمد کا فتحہ آیا وہ فتحہ جو ہے عَلَامَةُ النَّصْبِ وہ نصب کی علامت ہے، وَبَعْدَ الْجَارِّ عَلَامَةُ الْجَرِّ، اور حرفِ جر کے بعد جو فتحہ آیا وہ جر کی علامت ہے۔ وَكَذَا الْحَالُ فِي التَّثْنِيَةِ وَالْجَمْعِ، اور اسی طرح حالت ہے تثنیہ اور جمع میں بھی، وہ جو رَأَيْتُ مُسْلِمَيْنِ اور مَرَرْتُ بِمُسْلِمَيْنِ، اس تثنیہ اور جمع میں بھی حکماً اعراب بدل رہا ہے، ایک صورت میں یا علامت ہے نصب کی اور دوسری صورت میں یا علامت ہے جر کی، تو حکماً اعراب بدل رہا ہے۔

فَآخِرُ الْمُعْرَبِ فِي هَذِهِ الصُّوَرِ يَخْتَلِفُ بِاخْتِلَافِ الْعَوَامِلِ حُكْمًا لَا حَقِيقَةً۔ فَآخِرُ الْمُعْرَبِ فِي هَذِهِ الصُّوَرِ يَخْتَلِفُ بِاخْتِلَافِ الْعَوَامِلِ حُكْمًا لَا حَقِيقَةً، تو معرب کا آخر جو ہے ان صورتوں میں وہ عوامل کے بدلنے سے بدل رہا ہے، حُكْمًا لَا حَقِيقَةً، حکماً بدل رہا ہے حقیقتاً نہیں بدل رہا۔

فَإِنْ قُلْتَ، جی یہاں سے اب ایک اعتراض ذکر کریں گے اور پھر اس کا جواب بھی دیں گے۔ اعتراض یہ ہے بھئی ادھر دیکھیے، اعتراض یہ ہوتا ہے کہ آپ نے جو معرب کا حکم بیان کیا کہ معرب کا آخر بدلتا ہے عوامل کے بدلنے سے، یہ حکم

جامع نہیں ہے، معرب کے تمام افراد کو شامل نہیں ہے۔ یہ حکم معرب کے تمام افراد کو شامل نہیں۔ مثلاً دیکھو زید ایک لفظ تھا اور یہ الگ یعنی ترکیب میں واقع نہیں تھا، میں اس کو ترکیب میں لے آیا اور میں نے کہا: ضَرَبَ زَيْدٌ، ضَرَبَ زَيْدٌ۔ جی مجھے بتائیے یہاں عوامل بدلے ہیں یا اب ایک ہی عامل ابھی آیا ہے؟ ایک ہی عامل آیا ہے، ایک ہی عامل داخل ہوا ہے، اور نیز زَيْدٌ کے آخر میں کیا آیا؟ رفع۔ رفع ہی آیا ہے یا پہلے کچھ اور بھی تھا یہاں؟ رفع ہی آیا ہے۔ تو دیکھو معرب کا آخر بدلا نہیں، عامل بھی نہیں بدلا اور معرب کا آخر بھی نہیں بدلا۔ آپ نے کیا کہا تھا؟ معرب کا آخر بدلتا ہے عوامل کے بدلنے سے، یہاں تو عامل کا دخول ہوا ہے، ابھی بدلا نہیں، دوسرا کوئی عامل آئے گا تو ہم کہیں گے کہ عامل بدل گیا، تو عامل کا دخول ہوا ہے اس لفظِ زید پر۔ اور لفظِ زید پر اعراب بدلا نہیں ہے، لفظِ زید پر اعراب کا حدوث ہوا ہے یعنی اعراب اس کے اوپر آ گئے ہیں۔ بدلنا تو کس کو کہتے ہیں؟ پہلے ایک اعراب ہو پھر دوسرا آ جائے، یہاں تو پہلی دفعہ ہی ایک اعراب آیا ہے۔ تو اس کو حدوثِ اعراب کہتے ہیں، حدوث کا معنیٰ ہونا، ہونا، ایک اعراب اس کے اوپر ہو گیا، کون سا اعراب؟ رفع والا۔ تو یہاں حدوثِ اعراب ہے، اختلافِ اعراب نہیں، اور نیز یہاں دخولِ عامل ہے، اختلافِ عامل نہیں۔ تو یہ زید اس پر تو معرب کا یہ حکم صادق نہیں آ رہا، اس پر تو معرب کا یہ... آپ نے معرب کا حکم ہمیں کیا بتایا؟ کہ اس کا آخر عوامل کے بدلنے سے بدلتا ہے، تو یہ جو ضَرَبَ زَيْدٌ میں نے کہا اس میں یہ والا حکم نہیں پایا جا رہا، اس میں یہ والا حکم نہیں پایا جا رہا۔ یہاں تو اختلافِ عوامل بھی نہیں ہے اور اختلافِ آخر بھی نہیں ہے، بلکہ یہاں دخولِ عامل ہے اور حدوثِ اعراب ہے۔ بات سمجھ میں آ گئی؟ تو اس کا جواب دیں گے۔ تو جواب دیں گے کہ ہمیں آپ کا یہ اعتراض تسلیم ہے، یہ جو ضَرَبَ زَيْدٌ ہے اس میں نہ اختلافِ عوامل ہے اور نہ اختلافِ آخر ہے، لیکن یہ معرب کا دوسرا حکم ہے، ہم نے دوسرا حکم بیان کیا۔ یعنی گویا معرب کے دو حکم ہو گئے: ایک حکم کیا؟ کہ اس کا آخر عوامل کے بدلنے سے بدلتا ہے۔ دوسرا حکم کیا؟ کہ عامل کے اس پر داخل ہونے سے اس پر اعراب کا حدوث ہو جاتا ہے۔ ایک حکم کیا؟ کہ معرب کا آخر بدلتا ہے عوامل کے بدلنے سے، یہ الگ حکم ہے، اور معرب پر اعراب کا حدوث ہوتا ہے عامل کے داخل ہونے سے، یہ الگ حکم ہے۔ تو یہ دونوں الگ الگ حکم ہیں، تو ایک حکم کے ہوتے ہوئے اگر دوسرا نہ پایا جائے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے بھئی۔ تو یہاں پر ضَرَبَ زَيْدٌ کے اندر اب دوسرا حکم تو موجود ہے، اور اختلافِ آخر والا حکم موجود نہیں ہے، اس سے کوئی خرابی لازم نہیں آتی۔ بس اتنا ہم کہیں گے یہ دونوں الگ الگ حکم ہیں بھئی۔ زیادہ سے زیادہ آپ یہ کہیں گے کہ وہ جو اختلافِ آخر والا حکم بیان کیا تھا، وہ حکم وہ خاصہ شاملہ نہیں ہے، معرب کے تمام افراد میں پایا جائے ایسا نہیں ہے، دیکھو ضَرَبَ زَيْدٌ میں یہ والا حکم نہیں پایا جا رہا، تو یہ معلوم ہوا یہ خاصہ شاملہ نہیں ہے، غیرِ شاملہ ہے، بعض میں پایا جائے گا اور بعض میں نہیں پایا جائے گا۔ بات سمجھ میں آ گئی؟

کہتے ہیں: فَإِنْ قُلْتَ، اگر آپ یہ کہیں: لَا يَتَحَقَّقُ الِاخْتِلَافُ لَا فِي آخِرِ الْمُعْرَبِ وَلَا فِي الْعَوَامِلِ إِذَا رُكِّبَ بَعْضُ الْأَسْمَاءِ الْمَعْدُودَةِ غَيْرِ الْمُشَابِهَةِ لِمَبْنِيِّ الْأَصْلِ مَعَ عَامِلِهِ ابْتِدَاءً، کہ اختلاف نہیں پایا جاتا نہ تو معرب کے آخر میں اور نہ ہی عوامل میں، جب جوڑا جائے بعض اسمائے معدودہ کو، وہ اسمائے معدودہ غَيْرِ الْمُشَابِهَةِ لِمَبْنِيِّ الْأَصْلِ جو مبنی الاصل کے مشابہ نہ ہوں، وہ والے اسمائے معدودہ میں سے اگر کسی کو جوڑا جائے مَعَ عَامِلِهِ اپنے عامل کے ساتھ ابْتِدَاءً شروع سے ہی، تو اس کے اندر نہ تو معرب کا آخر بدل رہا ہے اور نہ اس کے اندر عامل بدل رہا ہے۔

إِذْ لَا يَتَرَتَّبُ عَلَيْهِ اخْتِلَافُ الْإِعْرَابِ، اس لیے کیونکہ اس کے اوپر تو اعراب کا مختلف ہونا مرتب نہیں ہو رہا، بَلْ هُنَاكَ حُدُوثُ الْإِعْرَابِ بِدُخُولِ الْعَامِلِ، بلکہ یہاں تو حدوثِ اعراب ہے عامل کے داخل ہونے کی وجہ سے۔ تو نہ اختلافِ عامل اور نہ اختلافِ اعراب، بلکہ حدوثِ اعراب ہے کس کی وجہ سے؟ دخولِ عامل کی وجہ سے۔

قُلْتُ، ہم کہتے ہیں: هَذَا حُكْمٌ آخَرُ مِنْ أَحْكَامِ الْمُعْرَبِ، یہ معرب کے احکام میں سے دوسرا حکم ہے، یہ کوئی، یہ اور حکم ہے، یہ معرب کے احکام میں سے اور حکم ہے، وَالِاخْتِلَافُ حُكْمٌ آخَرُ، اور اختلاف جو ہے وہ دوسرا حکم ہے۔ فَلَوْ لَمْ يَدْخُلْ أَحَدُ الْحُكْمَيْنِ فِي الْآخَرِ لَا فَسَادَ فِيهِ، اگر دو حکموں میں سے ایک جو ہے وہ دوسرے میں داخل نہیں ہوتا تو اس میں کوئی فساد نہیں کوئی خرابی نہیں۔ یعنی اگر حکموں میں سے ایک حکم جو ہے وہ دوسرے حکم میں داخل نہیں ہوتا یعنی دونوں اکٹھے نہیں پائے جاتے تو اس میں کوئی خرابی نہیں ہے، ایک وقت میں ایک حکم ہے دوسرا نہیں ہے، دوسرے کے وقت میں ایک حکم ہے پہلا نہیں ہے۔ تو ایسا ہو سکتا ہے احکام کے اندر، کبھی ایک حکم ہوتا ہے دوسرا نہیں ہوتا، کبھی دونوں حکم پائے جاتے ہیں۔ یہاں زیادہ سے زیادہ یہ کہیں گے آپ کہ ایک حکم کے ہوتے ہوئے دوسرا حکم نہیں ہے، جس وقت اختلافِ عوامل ہے اور اختلافِ آخر ہے اس وقت حدوثِ اعراب نہیں۔ توجہ ہے؟ یا یوں کہیں جس وقت اختلافِ اعراب ہے اس وقت حدوثِ اعراب نہیں، اور جس وقت حدوثِ اعراب ہوتا ہے اس وقت اختلافِ اعراب نہیں ہوتا۔ تو اس میں کوئی خرابی نہیں ہے کہ ایک حکم کے ہوتے ہوئے دوسرا حکم موجود نہ ہو۔

تو کہتے ہیں: فَلَوْ لَمْ يَدْخُلْ أَحَدُ الْحُكْمَيْنِ فِي الْآخَرِ، اگر دو حکموں میں سے کوئی ایک جو ہے وہ داخل نہ ہو دوسرے حکم میں، لَا فَسَادَ فِيهِ، تو اس میں کوئی خرابی نہیں ہے، کوئی فساد نہیں ہے۔ ایک حکم داخل نہ ہو دوسرے حکم میں کیا معنیٰ؟ یعنی ایک کے ہوتے ہوئے دوسرا بھی ہو جائے، ایک کے ہوتے ہوئے دوسرا بھی ہو جائے تو ہم کہیں گے ایک حکم دوسرے میں داخل ہو رہا ہے، لیکن یہاں ایسا نہیں ہے، ایک کے ہوتے ہوئے دوسرا نہیں ہے تو اس میں کوئی فساد نہیں۔

فَإِنَّ لِلْمُعْرَبِ أَحْكَامًا كَثِيرَةً لَمْ تُذْكَرْ هَاهُنَا، اس لیے کیونکہ معرب کے بہت سے ایسے احکام ہیں جو یہاں پر ذکر نہیں کیے

گئے۔ فَلْيَكُنْ هَذَا الْحُكْمُ أَيْضًا مِنْ هَذَا الْقَبِيلِ، تو یہ حکم جو ہے یہ بھی اسی قبیل سے ہو جائے گا یعنی جن کو یہاں ذکر نہیں کیا گیا۔ یہ حدوثِ اعراب والا حکم یہاں ذکر نہیں کیا گیا، تو یہ بھی اسی قبیل سے ہو جائے گا جن کو یہاں ذکر نہیں کیا گیا۔

غَايَةُ الْأَمْرِ، غایتِ امر یہ ہے، انتہائی بات یہ ہے، زیادہ سے زیادہ آپ یہ کہہ سکتے ہیں کہ أَنَّ هَذَا الْحُكْمَ لَا يَكُونُ مِنْ خَوَاصِّهِ الشَّامِلَةِ، کہ یہ والا جو حکم ہے معرب کا، یہ جو اختلافِ آخر والا، یہ خواصِ شاملہ میں سے نہیں ہے۔ یہ خواصِ شاملہ... یہ ہر معرب میں اس کا پایا جانا، ہر معرب میں اس کا پایا جانا ضروری نہیں ہے، کبھی ہوگا اور کبھی نہیں ہوگا۔ بات سمجھ میں آ گئی؟ اچھی طرح؟ چلیے بس بھئی، هَذَا هُوَ الْمَرَامُ وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْكَلَامِ۔

سبق نمبر ۴۳: تعریفِ اعراب (۱): «اَلْإِعْرَابُ مَا اخْتَلَفَ آخِرُهٗ بِهٖ» — حرکت یا حرف کا بیان

شرحِ ملا جامی صفحہ: ۲۸ — بتاریخ: ۱۸ اگست ۲۰۲۱ء

▪ تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث

دیکھیے بھئی آگے سبق۔

اَلْإِعْرَابُ مَا أَيْ حَرَكَةٌ أَوْ حَرْفٌ اخْتَلَفَ آخِرُهُ أَيْ آخِرُ الْمُعْرَبِ مِنْ حَيْثُ هُوَ مُعْرَبٌ ذَاتًا أَوْ صِفَةً بِهِ أَيْ بِتِلْكَ الْحَرَكَةِ أَوِ الْحَرْفِ، وَحِينَ يُرَادُ بِمَا الْمَوْصُولَةِ الْحَرَكَةُ أَوِ الْحَرْفُ لَا يَرِدُ الْعَامِلُ وَالْمَعْنَى الْمُقْتَضِي.

بھئی گزشتہ سبق میں ہم نے معرب کا حکم پڑھا تھا۔ پہلے انہوں نے آپ کو معرب کی تعریف بتلائی اور بتلایا اَلْمُعْرَبُ الْمُرَكَّبُ الَّذِي لَمْ يُشْبِهْ مَبْنِيَّ الْأَصْلِ۔ معرب وہ مرکب ہے جو مبنی الاصل کے مشابہ نہ ہو بھئی۔ اور پھر اس کا حکم بتایا تھا کہ وَحُكْمُهُ أَنْ يَخْتَلِفَ آخِرُهُ بِاخْتِلَافِ الْعَوَامِلِ لَفْظًا أَوْ تَقْدِيرًا۔ کہ معرب جو ہے اس کا حکم یہ ہے کہ اس کا آخر بدلتا ہے عوامل کے بدلنے سے لَفْظًا أَوْ تَقْدِيرًا، اور یہ بدلنا کبھی لَفْظًا ہوتا ہے یعنی تلفظ کے اعتبار سے ہوتا ہے أَوْ تَقْدِيرًا یا کبھی تَقْدِيرًا ہوتا ہے یعنی فرض کر لیا جاتا ہے کہ یہ بدل رہا ہے بھئی۔

جیسے دیکھو جَاءَنِي زَيْدٌ، رَأَيْتُ زَيْدًا، مَرَرْتُ بِزَيْدٍ۔ تو زَيْدٌ، زَيْدًا، زَيْدٍ دیکھو تلفظ سے ہی پتہ چل رہا ہے کہ یہ بدل رہا ہے بھئی۔ اور کبھی کبھار لَفْظًا نہیں بدلتا تَقْدِيرًا بدلتا ہے، جیسے جَاءَنِي مُوسَى، رَأَيْتُ مُوسَى، وَمَرَرْتُ بِمُوسَى۔ یہاں لفظوں کے اعتبار سے یعنی تلفظ کے اعتبار سے کوئی تبدیلی نہیں آ رہی لفظِ مُوسَى میں، لیکن تَقْدِيرًا یہ بدل رہا ہے، یعنی فرض کر لو یہ بدل رہا ہے۔

اور پھر شارحِ جامی نے آپ کو بتلایا تھا کہ وَحُكْمُهُ کہ معرب کا حکم یہ ہے کہ اس کا آخر بدلتا ہے، تو حُكْمُهُ کے بعد بتلایا

تھا کہ حُكْمُهُ سے آپ یہ نہ سمجھ لینا کہ معرب کا صرف یہی ایک حکم ہے، معرب کے اور حکم نہیں ہیں، بلکہ یہ اس کے جملہ احکام میں سے یہ ایک حکم ہے یہاں پر جو بیان ہو رہا ہے۔ اور پھر آگے وَآثَارِهِ الْمُتَرَتِّبَةِ عَلَيْهِ یہ عطفِ تفسیری ہے بھئی۔ میں نے بتلایا کہ معطوفٌ علیہ اور معطوف ایک دوسرے کے مغایر ہوتے ہیں، معطوفٌ علیہ اور ہوتا ہے اور معطوف اور۔ لیکن کبھی کبھار معطوف اور معطوفٌ علیہ دونوں ایک ہی ہوتے ہیں اور یہ عطفِ تفسیری میں ہوتا ہے، جس میں معطوفٌ علیہ کو لایا جاتا ہے اور پھر عطف کے ذریعے اس کے معنی کو بیان کیا جاتا ہے، جیسے میں کہتا ہوں رَأَيْتُ غَضَنْفَرًا وَأَسَدًا، میں نے غضنفر اور شیر کو دیکھا، تو یہ جو أَسَدَ لفظ آیا یہ اسی غضنفر کی تفسیر کر رہا ہے، اس کا معنی بیان کر رہا ہے، تو اس کو کیا کہتے ہیں عطفِ تفسیری، اور اس میں یہ دونوں ایک ہی چیز ہوتے ہیں، الگ الگ نہیں، جو غضنفر ہے وہی اسد ہے اور جو اسد ہے وہی غضنفر ہے۔ تو عطفِ تفسیری میں معطوفٌ علیہ اور معطوف میں اتحاد ہوتا ہے، ایک ہی چیز ہوتی ہے، بس صرف فرق یہ ہوتا ہے کہ جو معطوف ہے وہ اسی معطوفٌ علیہ کی تفسیر کر رہا ہے، اسی کے معنی کو کھول کر وضاحت کر کے بیان کر رہا ہے، اسی کے معنی کی وضاحت کر رہا ہے۔

تو یہ وَآثَارِهِ الْمُتَرَتِّبَةِ عَلَيْهِ میں نے بتلایا یہ عطفِ تفسیری ہے، یعنی یہ حکم کا معنی بیان کر رہے ہیں کہ بھئی حکم سے کیا مراد ہے؟ بتلایا وہ اثر جو اس پر مرتب ہوا، یعنی حکم یہاں کس معنی میں ہے؟ وہ اثر جو کسی شے پر مرتب ہوتا ہے وہ اس شے کا حکم ہے۔ عامل آیا، جَاءَنِي زَيْدٌ، جَاءَ عامل آیا اور زید پر کیا اثر مرتب ہوا؟ کہ اس پر رفع آگیا۔ تو وہ اثر جو کسی شے پر مرتب ہوتا ہے اس کو اس شے کا حکم کہتے ہیں بھئی۔ تو حکم کا یہ معنی نہیں کہ یہ معرب دوسروں پہ اثر ڈالتا ہے، دوسروں میں تبدیلی پیدا کرتا ہے، نہیں نہیں۔ حکم سے مراد یہ ہے کہ عامل اس میں اثر ڈالتا ہے اور یہ اس کے اثر کو قبول کرتا ہے، عامل کا اثر اس پر مرتب ہوتا ہے۔ تو وہ اثر جو کسی شے پر مرتب ہو وہ اس شے کا حکم ہے۔ معرب پر جو حکم مرتب ہوا عامل کے داخل ہونے سے، کیا اثر مرتب ہوا؟ اس پر رفع آئے گا یا نصب آئے گا یا جر آئے گا، تو یہ ہے وہ اثر جو معرب پر مرتب ہو رہا ہے، اس کو اس کا حکم کہیں گے۔

اور بتلایا تھا اس کا حکم کیا ہے؟ کہ معرب کا آخر بدلتا ہے۔ آخر سے مراد معرب کا آخری حرف ہے، وہ بدلتا ہے اور کبھی وہ ذات کے اعتبار سے بدلتا ہے اور کبھی صرف صفت کے اعتبار سے بدلتا ہے۔ ذات کے اعتبار سے ہی بدلتا ہے جیسے جَاءَنِي أَبُوكَ، رَأَيْتُ أَبَاكَ، مَرَرْتُ بِأَبِيكَ۔ تو دیکھو أَبُوكَ اس کے آخر میں واو ہے، رَأَيْتُ أَبَاكَ وہ واو دیکھو کس سے بدل گیا؟ الف سے، اور مَرَرْتُ بِأَبِيكَ اس کے اندر وہ کس سے بدل گیا؟ یا سے بدل گیا۔ تو دیکھو وہ جو آخر ہے یعنی آخری حرف ہے اس کی ذات ہی بدل رہی ہے، کبھی وہ واو ہے، کبھی الف ہے اور کبھی یا ہے۔ اور کبھی جو آخری حرف بدلتا ہے وہ ذات کے اعتبار سے نہیں بدلتا بلکہ صفت کے اعتبار سے بدلتا ہے یعنی اس کی حرکت بدل جاتی ہے، جَاءَنِي زَيْدٌ، رَأَيْتُ

زَيْدًا، مَرَرْتُ بِزَيْدٍ۔ معرب کا آخر کیا ہے یہاں پر؟ دال، لیکن دال کی ذات نہیں بدل رہی بلکہ اس کی صفت یعنی اس کے اوپر حرکت بدل رہی ہے، کبھی رفع والی حرکت ہے، کبھی نصب والی اور کبھی جر والی۔ تو اختلافِ آخر سے کیا مراد ہے؟ آخری حرف کا بدلنا، اور آخری حرف کا بدلنا کبھی اپنی ذات کے اعتبار سے ہوتا ہے کبھی اپنی صفت، یعنی کبھی اس کی ذات بدلتی ہے کبھی اس کی صفت۔ اور پھر چاہے ذات بدلے چاہے صفت بدلے، یہ کبھی حَقِيقَةً ہو گا اور کبھی حُكْمًا ہو گا۔

تو وہ آخر جو بدلے گا کبھی حَقِيقَةً بدلے گا اور کبھی حُكْمًا بدلے گا، یعنی حکم لگا دیا جائے گا کہ بدل رہا ہے اگرچہ حقیقت میں بدل نہیں رہا ہو گا۔ حَقِيقَةً بدلنے کی مثال جیسے جَاءَنِي زَيْدٌ، رَأَيْتُ زَيْدًا، مَرَرْتُ بِزَيْدٍ، یا جَاءَنِي أَبُوكَ، رَأَيْتُ أَبَاكَ، مَرَرْتُ بِأَبِيكَ، یہ حَقِيقَةً بدل رہے ہیں۔ ایک میں حرف بدل رہا ہے اور ایک میں صفت یعنی حرکت بدل رہی ہے بھئی۔ اور کبھی یہ بدلنا حُكْمًا ہو گا، حُكْمًا ہو گا۔ مثلاً رَأَيْتُ مُسْلِمِينَ، مَرَرْتُ بِمُسْلِمِينَ۔ رَأَيْتُ مُسْلِمِينَ یہ حالتِ نصبی میں ہے اور مَرَرْتُ بِمُسْلِمِينَ یہ حالتِ جری میں ہے۔ تو یہاں پر لفظوں کے اعتبار سے تو یہ نہیں بدل رہا، دونوں کے اندر یا ماقبل مکسور ہے، لیکن حُكْمًا یہ بدل رہا ہے یعنی یہ حکم لگا دیا جائے گا کہ یہ بدل رہا ہے۔

میں نے بتلایا تھا کہ حُكْمًا بدلنے کا مطلب یہ ہے کہ وہ جو دلالتِ مقصودی ہے وہ بدل رہی ہے، وہ جو دلالت مقصود ہے وہ بدل رہی ہے۔ رَأَيْتُ مُسْلِمِينَ یہاں پر بھی یا ماقبل مکسور ہے، لیکن یہ یا کس کی علامت ہے؟ نصب والی، نصب کی، کیونکہ رَأَيْتُ نصب دینے والا عامل ہے تو یہ یا کس کی علامت ہے؟ نصب کی علامت ہے، تو یہ یا کس پر دلالت کر رہی ہے؟ نصب پر دلالت کر رہی ہے، توجہ ہے، یعنی مفعول ہونے پر دلالت کر رہی ہے۔ اور مَرَرْتُ بِمُسْلِمِينَ اس کے اندر بھی یا ماقبل مکسور ہے، لیکن یہ یا جر پر دلالت کر رہی ہے، تو اس یا کے ذریعے جر پر دلالت مقصود ہے، یعنی اس بات پر دلالت مقصود ہے کہ یہ مضافٌ الیہ ہے بھئی۔ یہ کیا ہے؟ حرفِ جر کے ذریعے اس کی طرف کسی چیز کی نسبت کی جا رہی ہے، مضافٌ الیہ وہ چیز جس کی طرف نسبت کی جائے۔ تو رَأَيْتُ مُسْلِمِينَ اس میں بھی یا، مَرَرْتُ بِمُسْلِمِينَ اس کے اندر بھی یا، تو حقیقت میں تو نہیں بدل رہے لیکن حکم لگا دیا جائے گا کہ یہ بدل رہے ہیں۔ جو رَأَيْتُ مُسْلِمِينَ میں یا ہے اس کے ذریعے نصب پر دلالت ہو رہی ہے، وہ نصب کی علامت ہے، اور مَرَرْتُ بِمُسْلِمِينَ کے اندر جو یا ہے وہ جر کی علامت ہے، وہ جر پر دلالت کر رہی ہے۔ تو دونوں میں معنیٰ مقصود ہی بدل رہا ہے، ایک میں معنیٰ مقصود کیا رَأَيْتُ مُسْلِمِينَ میں کہ یہ مفعول ہے، اور مَرَرْتُ بِمُسْلِمِينَ اس کے اندر مقصود کیا، کیا بتلانا مقصود ہے کہ یہ مضافٌ الیہ ہے۔ بات سمجھ میں آ رہی ہے؟

یہ تو تھا جہاں اعراب بالْحَرْفِ ہو، اور کبھی حرکت بدلتی ہے تو وہ حرکت کا بدلنا بھی کبھی حَقِيقَةً ہو گا کبھی حُكْمًا ہو گا۔ حَقِيقَةً جیسے جَاءَنِي زَيْدٌ، رَأَيْتُ زَيْدًا، مَرَرْتُ بِزَيْدٍ، حَقِيقَةً حرکت بدل رہی ہے دال کی۔ اور کبھی حُكْمًا حرکت بدلے

گی، جیسے رَأَيْتُ أَحْمَدَ، مَرَرْتُ بِأَحْمَدَ، یہ غیر منصرف ہے۔ حقیقت میں یہ فتحہ نہیں بدل رہا، دونوں جگہ فتحہ ہے بھئی، حقیقت میں بدل نہیں رہا لیکن حکم لگا دیا جائے گا کہ بدل رہا ہے۔ رَأَيْتُ أَحْمَدَ اس کے اندر جو فتحہ ہے وہ نصب کی علامت ہے اور مَرَرْتُ بِأَحْمَدَ اس کے اندر جو فتحہ ہے وہ جر کی علامت ہے۔ تو ایک نصب کی علامت ہے یعنی وہ نصب یہ بتلا رہا ہے کہ یہ مفعولٌ بہ واقع ہو رہا ہے، رَأَيْتُ أَحْمَدَ۔ اور دوسرا مَرَرْتُ بِأَحْمَدَ اس کے اندر فتحہ یہ بتلا رہا ہے کہ یہ مضافٌ الیہ ہے، حرفِ جر کے ذریعے اس کی طرف مَرَرْتُ کی نسبت کی جا رہی ہے۔ مَرَرْتُ ہوا مضاف جس کی نسبت کی جا رہی ہے اور أَحْمَدَ ہوا مضافٌ الیہ۔ بات سمجھ میں آگئی؟ آپ یہ نہ پریشان ہوں کہ مضاف اور مضاف الیہ تو غُلَامُ زَيْدٍ یہ مضاف مضاف الیہ ہیں، بھئی اضافت کا معنی ہے نسبت کرنا، انہوں نے آپ کو بتلایا تھا کہ غُلَامُ زَيْدٍ اس میں حرفِ جر مقدر ہے اور کبھی اضافت میں حرفِ جر لفظوں میں بھی ہوتا ہے اس کو بھی مضاف مضاف الیہ کہتے ہیں، اس کے لیے بھی مضاف مضاف الیہ کا لفظ جیسے مَرَرْتُ بِأَحْمَدَ، اس مَرَرْتُ کی نسبت ہو رہی ہے با کے ذریعے کس کی طرف؟ احمد کی طرف ہو رہی ہے، تو مَرَرْتُ ہوا مضاف اور احمد ہوا مضافٌ الیہ۔

اس کے بعد شارحِ جامی نے آپ کو بتلایا تھا کہ معرب کا حکم یہ ہے کہ اس کا آخر بدلتا ہے اختلافِ عوامل سے۔ بتلایا تھا کہ اختلافِ عوامل سے مراد یہ ہے کہ وہ عوامل مختلف ہوں عمل کے اندر، وہ عوامل مختلف ہوں عمل کے اندر، پھر ہی معرب کا آخر بدلے گا۔ اس کی مثال دی تھی انہوں نے، کیا؟ إِنَّ زَيْدًا مَضْرُوبٌ، اس میں دیکھو إِنَّ عامل ہے اور زَيْدًا منصوب ہے، تو حرف جو ہے زید کو نصب دے رہا ہے۔ وَإِنِّي ضَرَبْتُ زَيْدًا، اس میں بھی زَيْدًا منصوب ہے لیکن یہ مفعول ہے، ضَرَبْتُ فعل اس میں عمل کر رہا ہے۔ اور إِنِّي ضَارِبٌ زَيْدًا، اس کے اندر زَيْدًا منصوب ہے اور ضَارِبٌ اسمِ فاعل اس کے اندر عمل کر رہا ہے۔ تو دیکھو عامل بدل رہے ہیں لیکن زَيْدًا نہیں بدل رہا۔ تو بتلایا کہ بھئی عامل کے بدلنے سے مراد یہ ہے کہ عامل عمل میں بھی مختلف ہونا چاہیے۔ عامل عمل میں بھی مختلف ہو، اور یہ عامل تو بدل رہے ہیں لیکن یہ عمل میں مختلف نہیں ہیں، یہ سب نصب دینے والے ہیں۔ تو عامل مختلف ہوں یعنی ایک نصب دینے والا ہو، دوسرا رفع دینے والا ہو، تیسرا جر دینے والا ہو، تو پھر آخر معرب کا بدلے گا، اگر عامل ہی ایک جیسے ہیں عمل میں تو پھر اس کا آخر نہیں بدلے گا۔

اور پھر انہوں نے بتلایا کہ یہ لَفْظًا أَوْ تَقْدِيرًا یہ جو ہے یہ تمیز واقع ہو رہے ہیں بھئی، تمیز واقع ہو رہے ہیں۔ اور میں نے بتلایا تھا کہ تمیز جو ہے وہ ابہام کو دور کرتی ہے، لیکن کبھی کبھار یہ ذات سے ابہام کو دور کرے گی اور کبھی کبھار یہ نسبت سے ابہام کو دور کرے گی۔ ذات سے جو ابہام کو دور کرے جیسے عِنْدِي أَحَدَ عَشَرَ كِتَابًا، تو یہ أَحَدَ عَشَرَ اس میں ابہام تھا، كِتَابًا نے آکر اس ابہام کو دور کر دیا۔ اور کبھی جو نسبت ہوتی ہے، ایک لفظ کے دوسرے لفظ کی طرف جو نسبت کی جا رہی ہے اس نسبت کے اندر ابہام ہوتا ہے، تمیز آکر اس ابہام کو دور کر دیتی ہے، جیسے طَابَ زَيْدٌ نَفْسًا۔ یہ جو طَابَ کی نسبت ہے زید کی طرف، نَفْسًا نے آکر اس ابہام کو دور کر دیا۔ طَابَ زَيْدٌ زید اچھا ہے، یہ ترجمہ کر لیں، یا طَابَ زَيْدٌ زید خوش ہوا، جو

بھی ترجمہ آپ کرنا چاہیں۔ طَابَ زَيْدٌ زید اچھا ہے، بھئی کس اعتبار سے اچھا ہے؟ علم کے اعتبار سے اچھا ہے، اپنی ذات کے اعتبار سے اچھا ہے یا اخلاق کے اعتبار سے زید اچھا ہے؟ اس میں ابہام تھا، تو آگے نَفْسًا نے آکر ابہام کو دور کر دیا کہ زید اپنی ذات کے اعتبار سے اچھا ہے۔ زید اپنی ذات کے اعتبار سے۔ تو یہ تمیز ہے جو نسبت سے ابہام کو دور کرتی ہے، وہ جو طَابَ کی نسبت ہو رہی تھی زید کی طرف اس میں ابہام تھا، اس نَفْسًا نے آکر اس ابہام کو دور کر دیا۔ اور یہ جو نسبت سے تمیز ہوتی ہے کبھی یہ مُحَوَّلٌ عَنِ الْفَاعِلِ ہوتی ہے، کبھی یہ مُحَوَّلٌ عَنِ الْمَفْعُولِ ہوتی ہے، کبھی یہ مُحَوَّلٌ عَنِ الْمُبْتَدَأِ ہوتی ہے۔ مُحَوَّل یعنی جس کو پھیرا گیا ہے، کبھی اس کو فاعل سے پھیرا گیا ہے یعنی یہ فاعل کے درجے میں تھی۔ یا مُحَوَّلٌ عَنِ الْمَفْعُولِ یعنی اس کو مفعول سے پھیرا گیا ہے یعنی اصل میں تو یہ مفعول تھی پھر پھیر کر کیا بنا لیا گیا؟ تمیز بنا دیا گیا، تو یہ مفعول کے درجے میں ہے۔ اور کبھی مُحَوَّلٌ عَنِ الْمُبْتَدَأِ ہوتی ہے یعنی اصل میں یہ بتدا تھی وہاں سے اس کو پھیر کر کیا بنا دیا گیا؟ تمیز بنا دیا گیا، تو یہ بتدا کے درجے میں ہے۔ اور اس کی مثالیں بھی میں نے ذکر کر دی تھیں بھئی۔

تو لَفْظًا أَوْ تَقْدِيرًا بتلایا تھا کہ یا تو یہ تمیز ہونے کی بنا پر منصوب ہیں یا یہ مصدر ہونے کی بنا پر منصوب ہیں یعنی یہ مفعولِ مطلق واقع ہو رہے ہیں۔ اور مصدر بھئی پیچھے تو لَفْظًا أَوْ تَقْدِيرًا کا فعل نہیں آیا، تو پھر یہ مفعولِ مطلق کیسے ہیں؟ مفعولِ مطلق تو اس کو کہتے ہیں جو ماقبل فعل کے معنی میں ہوتا ہے۔ وہ مصدر جو ماقبل فعل کے معنی میں ہو، پیچھے تو يَخْتَلِفُ آخِرُهُ، پیچھے تو فعل يَخْتَلِفُ آیا ہے اور لفظ یا تقدیر کا فعل نہیں آیا، تو بتلایا کہ بھئی یہاں پر بھی یہ لَفْظًا أَوْ تَقْدِيرًا سے پہلے مضاف محذوف نکال لو، أَيِ اخْتِلَافَ لَفْظٍ یا اخْتِلَافَ تَقْدِيرٍ۔ اب دیکھو یہ اخْتِلَافَ مضاف نکال لیا اور ماقبل میں يَخْتَلِفُ فعل تو گزرا ہے تو یہ اخْتِلَافَ اسی يَخْتَلِفُ کا مصدر ہے۔ تو حکم کیا ہوا؟ معرب کا حکم یہ ہے کہ اس کا آخر بدلتا ہے اور اخْتِلَافَ لَفْظٍ یہ آخر بدلنا یا تو لَفْظًا ہو گا أَوِ اخْتِلَافَ تَقْدِيرٍ یا تَقْدِيرًا ہو گا۔

اور پھر انہوں نے آپ کو یہ بھی بتلایا تھا کہ وہ جو اختلاف ہے وہ چاہے لَفْظًا ہو یا تَقْدِيرًا وہ عام ہے، حَقِيقَةً بھی ہو سکتا ہے اور حُكْمًا بھی ہو سکتا ہے۔

اس کے بعد پھر ایک سوال ذکر کیا تھا صاحبِ جامی نے، سوال یہ پیدا ہوا کہ آپ نے کیا کہا؟ معرب کا حکم یہ ہے کہ اس کا آخر بدلتا ہے عوامل کے بدلنے سے۔ تو اشکال ہوا کہ یہ جو حکم بیان کیا یہ جامع نہیں، یہ معرب کے تمام افراد میں نہیں پایا جاتا، ہم آپ کو دکھاتے ہیں معرب ہے اور اس میں یہ حکم نہیں ہے، اس کا آخر نہیں بدل رہا۔ مثلاً ایک لفظ زید ہے، ہم اس کو پہلی دفعہ ترکیب میں لے کر آتے ہیں، ضَرَبَ زَيْدٌ، تو یہ ضَرَبَ عامل اس پر داخل ہوا ہے، عامل بدلا نہیں ہے، پہلے تو عامل تھا ہی کوئی نہیں، اب عامل اس پر داخل ہوا، اور پھر اس عامل نے اس کو اعراب دیا تو یہ زَيْدٌ پر حدوثِ اعراب ہوا ہے، پہلے اعراب نہیں تھا اب اس پر اعراب آگیا۔ تو دیکھو یہاں اختلافِ آخر بھی نہیں ہے، اختلاف تو اس کو کہتے ہیں نا کہ ایک لفظ پہ پہلے ایک اعراب آئے، پہلے رفع آیا، پھر اس کے بعد نصب یا جر آئے، توجہ ہے، تو ایک اعراب کے

بعد دوسرا اعراب آئے تو اس کو کہتے ہیں کہ اس کا آخر بدل رہا ہے، پہلے زَيْدٌ تھا اب زَيْدًا ہو گیا۔ تو عامل میں اختلاف یہ ہے کہ پہلے ایک عامل تھا پھر دوسرا آجائے، اور معرب کے آخر میں اختلاف یہ ہے کہ پہلے ایک اعراب تھا پھر دوسرا اعراب آ جائے، لیکن یہاں پر تو عامل بھی پہلی مرتبہ داخل ہوا اور اعراب بھی اس پر پہلی دفعہ آیا ہے، تو اس کو تو اختلاف نہیں کہتے۔ اختلاف تو تب ہو گا جب بدلے گا، جب بدلے گا۔ تو یہاں تو حدوثِ اعراب ہے بوجہ دخولِ عامل کے۔

معرب کا حکم آپ نے ہمیں کیا بتایا کہ اختلافِ عامل کی وجہ سے اختلافِ آخر ہو گا، لیکن یہاں تو دخولِ عامل کی وجہ سے حدوثِ اعراب ہو رہا ہے، یہاں اختلافِ عامل بھی نہیں کیونکہ پہلا عامل آیا ہے، دوسرا آئے گا تو ہم کہیں گے بدل گیا اختلاف آگیا، اور نیز یہاں اختلافِ اعراب بھی نہیں ہے بلکہ حدوثِ اعراب ہے پہلی دفعہ اعراب آرہا ہے۔ تو آپ کی یہ تعریف، یہ جو حکم ہے جامع نہیں، یعنی معرب کے تمام افراد میں نہیں پایا جاتا۔ تو اس کا جواب انہوں نے دیا تھا کہ بھئی حدوثِ اعراب ہے معرب پر بوجہ دخولِ عامل کے، یہ الگ حکم ہے معرب کا۔ جو حکم صاحبِ کافیہ نے بیان کیا وہ الگ حکم تھا، اختلافِ عوامل کی وجہ سے اختلافِ آخر۔ اور یہ جو آپ نے اعتراض کیا ہے وہ الگ حکم ہے معرب کا کہ اس پر حدوثِ اعراب ہوتا ہے کس کی وجہ سے؟ دخولِ عامل کی وجہ سے۔ تو زیادہ سے زیادہ آپ یہ کہہ سکتے ہیں کہ یہ جو صاحبِ کافیہ نے جو حکم ذکر کیا تھا اختلافِ آخر والا، یہ خاصۂ شاملہ نہیں ہے، یہ ہر معرب میں نہیں ہوتا، کسی میں ہو گا اور کسی میں نہیں۔ تو گویا معرب کے دو حکم آپ کو پتہ چل گئے، کون کون سے؟ کہ اختلافِ آخر ہو گا کس کی وجہ سے؟ اختلافِ عوامل کی وجہ سے، اور حدوثِ اعراب ہو گا کس کی وجہ سے؟ دخولِ عامل کی وجہ سے، تو دونوں الگ الگ حکم ہیں اور دونوں اکٹھے نہیں پائے جاتے تو اس میں کوئی حرج اور کوئی خرابی نہیں ہے۔

اب آئیے بھئی آج کے سبق پر۔ کہتے ہیں: اَلْإِعْرَابُ مَا أَيْ حَرَكَةٌ أَوْ حَرْفٌ اخْتَلَفَ آخِرُهُ أَيْ آخِرُ الْمُعْرَبِ مِنْ حَيْثُ هُوَ مُعْرَبٌ ذَاتًا أَوْ صِفَةً بِهِ أَيْ بِتِلْكَ الْحَرَكَةِ أَوِ الْحَرْفِ۔

اب اعراب کی تعریف کرنے لگے ہیں کہ اعراب کسے کہتے ہیں؟ پہلے متن متن دیکھ لیجیے: اَلْإِعْرَابُ مَا اخْتَلَفَ آخِرُهُ بِهِ۔ توجہ ہے؟ اَلْإِعْرَابُ اعراب جو ہے مَا، مَا سے مراد ہے حرکت یا حرف، اعراب وہ حرکت یا وہ حرف ہے کہ اخْتَلَفَ آخِرُهُ کہ بدلتا ہے معرب کا آخر بِهِ، یہ بِهِ کی ہا ضمیر مَا کو راجع ہے۔ اعراب وہ چیز ہے، اعراب، اَلْإِعْرَابُ مَا اعراب وہ چیز ہے اخْتَلَفَ آخِرُهُ کہ معرب کا آخر بدلتا ہے بِهِ اس چیز کی وجہ سے۔ تو بِهِ کی ہا ضمیر کس کو راجع ہے؟ مَا کو راجع ہے۔ تو اعراب وہ چیز ہے جس کی وجہ سے معرب کا آخر بدلتا ہے۔ آگے دیکھیے متن بھئی: لِيَدُلَّ عَلَى الْمَعَانِي الْمُعْتَوِرَةِ عَلَيْهِ۔ تاکہ یہ، تاکہ یہ اعراب جو ہے یہ دلالت کرے عَلَى الْمَعَانِي ان معانی پر الْمُعْتَوِرَةِ عَلَيْهِ جو پے در پے آرہی ہیں، ایک کے بعد یا یوں کہیں جو باری باری آرہی ہیں عَلَيْهِ کس پر؟ معرب پر، جو باری باری معرب پر آرہی ہیں۔

دیکھو جَاءَنِي زَيْدٌ، زید میں اس وقت فاعلیت والا معنی ہے، زید فاعل لفظِ زید کیا ہے؟ فاعل۔ اور رَأَيْتُ زَيْدًا، یہاں زید کیا بن رہا ہے؟ مفعول، تو اس میں مفعولیت والا معنی ہے۔ اور مَرَرْتُ بِزَيْدٍ، یہاں زید پر با جارہ داخل ہے تو اس میں مضاف الیہ والا معنی ہے۔ توجہ ہے؟ رفع کس کی علامت ہے؟ آگے آپ کو بتائیں گے، رفع فاعل ہونے کی علامت ہے، نصب مفعول ہونے کی علامت ہے اور جر جو ہے مضاف الیہ ہونے کی علامت ہے۔ توجہ ہے؟ رفع کس کی علامت ہے؟ فاعل ہونے کی، نصب کس کی علامت ہے؟ مفعول ہونے کی، اور جر کس کی علامت ہے؟ مضاف الیہ ہونے کی۔ اعراب کی تعریف کر رہے ہیں: اَلْإِعْرَابُ مَا اخْتَلَفَ آخِرُهُ بِهِ اعراب وہ چیز ہے جس کی وجہ سے معرب کا آخر بدلتا ہے، معرب کا آخر بدلتا ہے۔ کیوں بدلتا ہے؟ لِيَدُلَّ عَلَى الْمَعَانِي الْمُعْتَوِرَةِ عَلَيْهِ تاکہ یہ جو اعراب ہے یہ دلالت کرے وہ معانی جو باری باری اس معرب پر آرہے ہیں، وہ معانی جو باری باری اس معرب پر آرہے ہیں۔ جَاءَنِي زَيْدٌ اس میں کون سا معنی آیا؟ فاعلیت والا، تو دیکھو اس پر رفع آگیا، رفع نے دلالت کردی کس معنی پر؟ فاعلیت والے معنی پر۔ رَأَيْتُ زَيْدًا زیدًا پر کیا آیا؟ نصب، اس نصب نے بتا دیا کہ زیدًا میں کون سا معنی ہے؟ مفعولیت والا۔ مَرَرْتُ بِزَيْدٍ تو یہاں زید پر جر آگیا، اس جر نے کیا بتلایا کہ اس میں کون سا معنی ہے؟ مضافٌ الیہ والا معنی ہے۔ توجہ ہے؟

تو یہ اعراب دلالت کرتے ہیں وہ معانی جو باری باری معرب پر آتے ہیں، ان پر دلالت کرتے ہیں۔ اسی زید پر کبھی فاعلیت والا معنی آئے گا، کبھی مفعولیت والا معنی آئے گا، کبھی اضافت والا معنی آئے گا، لیکن جو بھی معنی آئے گا اس کا پتہ کس سے چلے گا؟ اعراب سے۔ رفع آئے تو وہ دلالت کردے گا کس بات پر؟ کہ اس میں فاعلیت والا معنی آگیا ہے، اگر نصب آئے تو وہ کس پر دلالت کرے گا؟ کہ اس میں مفعولیت والا معنی آگیا ہے، اور جر آجائے تو وہ کیا بتلائے گا کہ اس میں اضافت والا معنی آگیا ہے، یہ مضاف الیہ ہے بھئی۔ تو یہ اعراب کس چیز پر دلالت کرتے ہیں؟ وہ معانی، توجہ ہے، جو معرب پر پے در پے آرہے ہیں، زید کیا ہے؟ معرب ہے، زید معرب ہے، اب اس میں کبھی فاعلیت والا معنی آئے گا، کبھی مفعولیت والا، کبھی اضافت والا، تو یہ اعراب ہمیں بتلائیں گے کہ اس میں اس وقت کون سا معنی ہے۔

اب پھر ایک دفعہ تعریف دیکھ لو۔ کہتے ہیں: اَلْإِعْرَابُ مَا اخْتَلَفَ آخِرُهُ بِهِ لِيَدُلَّ عَلَى الْمَعَانِي الْمُعْتَوِرَةِ عَلَيْهِ۔ اعراب وہ چیز ہے کہ جس کی وجہ سے معرب کا آخر بدلتا ہے تاکہ یہ جو بدلنا، یہ جو اعراب ہے یہ دلالت کرے عَلَى الْمَعَانِي الْمُعْتَوِرَةِ عَلَيْهِ ان معانی پر جو اس پر باری باری آرہے ہیں، باری باری آرہے ہیں یعنی اکٹھے نہیں آرہے، ایک وقت میں ایک معنی آئے گا، یا فاعلیت والا، یا مفعولیت والا، یا اضافت والا بھئی۔

اب آئیے شرح پر بھئی۔ اَلْإِعْرَابُ مَا أَيْ حَرَكَةٌ أَوْ حَرْفٌ۔ مَا کے بعد صاحبِ جامی نے أَيْ حَرَكَةٌ أَوْ حَرْفٌ نکالا، بتلانا چاہتے ہیں کہ مَا کا مصداق کیا ہے، یہاں پر مَا سے کیا مراد ہے بھئی؟ بتلایا کہ مَا سے، مَا تو ویسے عام ہے، ہر شے پر صادق آئے گا جو بھی چیز ہو، توجہ ہے، لیکن یہاں ہر شے مراد نہیں ہے بلکہ کیا مراد ہے؟ حرکت یا حرف مراد ہے۔ اعراب کبھی بِالْحَرَكَةِ

آتا ہے کبھی بالْحَرْفِ آتا ہے، زَيْدٌ، زَيْدًا، زَيْدٍ حرف بدل رہا ہے یا حرکت بدل رہی ہے؟ حرکت بدل رہی ہے۔ اور جَاءَنِي أَبُوكَ، رَأَيْتُ أَبَاكَ، مَرَرْتُ بِأَبِيكَ، حرکت بدل رہی ہے یا حرف بدل رہا ہے؟ حرف بدل رہا ہے۔ تو اعراب کبھی حرکت کے ساتھ آتا ہے، کبھی اعراب حرف کے ساتھ آتا ہے۔ تو اب تعریف اعراب کی کرنے لگے ہیں، اعراب وہ چیز ہے جس کی وجہ سے معرب کا آخر بدلتا ہے، وہ کبھی حرکت ہوگی اور کبھی حرف ہوگا۔ وہی بیان کر رہے ہیں کہ یہاں مَا سے کیا مراد ہے، مَا کا مصداق کیا ہے؟ حَرَكَةٌ أَوْ حَرْفٌ۔ اور نیز دونوں کو نکرہ نکالا: حَرَكَةٌ أَوْ حَرْفٌ۔

میں نے بتلایا تھا ایک مَا موصولہ ہے، ایک مَا موصوفہ۔ مَا موصولہ یہ معرفہ ہوتا ہے بمعنیٰ الَّذِي کے، بمعنیٰ الَّذِي کے معرفہ ہوتا ہے۔ اور اگر یہ مَا موصولہ ہوتا تو صاحبِ جامی کو کیا کہنا چاہیے تھا؟ أَيِ الْحَرَكَةُ أَوِ الْحَرْفُ معرفہ نکالنا چاہیے تھا، توجہ ہے؟ لیکن انہوں نے نکرہ نکالا، بتلانا یہ چاہتے ہیں کہ یہ مَا موصوفہ ہے، یہ مَا موصوفہ ہے۔ مَا موصوفہ جو ہے وہ نکرہ ہوتا ہے، مَا موصولہ کے بعد آگے صلہ آتا ہے اور مَا موصوفہ کے بعد جو آگے جملہ آئے وہ اس کی صفت بنتا ہے، اور مَا موصولہ معرفہ ہے الَّذِي کے معنی میں ہے اسمِ موصول ہے، اور مَا موصوفہ جو ہے وہ شَيْءٌ کے معنی میں ہے نکرہ ہے، کوئی چیز، کوئی بھی چیز ہو سکتی ہے۔ توجہ ہے؟ تو أَيْ حَرَكَةٌ أَوْ حَرْفٌ نکرہ نکال کر بتلا دیا کہ یہ مَا موصولہ نہیں ہے بلکہ مَا موصوفہ ہے، کیونکہ مَا موصولہ تو معرفہ ہوتا ہے پھر تو کہنا چاہیے تھا أَيِ الْحَرَكَةُ أَوِ الْحَرْفُ کہنا چاہیے تھا۔

جبکہ پیچھے ایک اور جواب بھی گزرا تھا۔ کہاں پر؟ جہاں اسم کی تعریف آئی تھی، اَلْاِسْمُ مَا دَلَّ أَيْ كَلِمَةٌ دَلَّتْ۔ یہاں تفصیل گزری تھی کہ اس مَا کو موصولہ بھی بنا سکتے ہیں، اس کو موصولہ بھی بنا سکتے ہیں کہ یہ مَا موصولہ ہے۔ بھئی اگر مَا موصولہ ہو تو پھر تو الْحَرَكَةُ اور الْحَرْفُ کے ساتھ اس کی تفسیر کرنی چاہیے کیونکہ وہ معرفہ ہوتا ہے، تو آگے تفسیر بھی کس کے ساتھ ہونی چاہیے؟ معرفہ کے ساتھ۔ تو اس کا جواب میں نے وہاں ذکر کیا تھا کہ یہاں اسمِ موصول عہدِ خارجی کے لیے نہیں ہے بلکہ عہدِ ذہنی کے لیے ہے، کس کے لیے؟ بھئی الَّذِي جو ہے اس کے ذریعے کوئی خاص چیز مراد لی جاتی ہے، توجہ ہے، یعنی معہودِ خارجی، الَّذِي وہ جو کہ، یہ معرفہ ہے اور معرفہ کسے کہتے ہیں جو کسی معین ذات پر دلالت کرے، توجہ ہے؟ جَاءَ الَّذِي ضَرَبَكَ آیا وہ جو کہ ضَرَبَكَ جس نے آپ کی پٹائی کی تھی، تو جس نے آپ کی پٹائی کی وہ کوئی متعین ہے یا غیر متعین ہے؟ وہ ظاہر سی بات ہے وہ کوئی متعین آدمی ہے، تو یہ جو اسمِ موصول ہوتے ہیں ان کے مدلولات ہوتے ہیں، یہ کسی پر دلالت کرتے ہیں اور وہ خارج میں متعین ہوتا ہے، تو یہ عموماً عہدِ خارجی کے لیے آتے ہیں۔ کس کے لیے؟ عہدِ جیسے الف لام کے اندر آپ نے پڑھا تھا، الف لام حرفی جو ہے اس کے ذریعے کسی چیز کی طرف اشارہ ہوتا ہے، اگر جنس کی طرف اشارہ ہو تو الف لام جنسی، اگر افراد کی طرف اشارہ ہو تو تمام افراد مراد ہوں گے یا بعض۔ اگر تمام مراد ہوں تو الف لام استغراقی، اور اگر اشارہ بعض کی طرف ہو تو پھر وہ بعض خارج میں متعین ہوں گے یا متعین نہیں۔ جو متعین ہیں وہ الف لام کیا کہلاتا

ہے؟ الف لام عہدِ خارجی ہے بھئی، اور اگر وہ متعین نہیں بلکہ ذہن میں اس کا کوئی ایک فرد یا زیادہ تصور کر کے ان کی طرف اشارہ کر دیا تو اس کو الف لام عہدِ ذہنی کہتے ہیں، کیا کہتے ہیں؟ الف لام عہدِ ذہنی کہتے ہیں۔ اور میں نے یہ بھی بتلایا تھا کہ یہ جو الف لام عہدِ ذہنی جس لفظ پر داخل ہو جائے، لفظوں کے اعتبار سے تو وہ معرفہ بن گیا، لفظوں کے اعتبار سے معرفہ بن گیا لیکن معنیٰ کے اعتبار سے وہ نکرہ ہی ہوتا ہے۔

تو یہاں پر بھی یہ جو اسمِ موصول ہیں ان کے مدلولات ہوتے ہیں، یہ کسی چیز پر دلالت کرتے ہیں اور وہ کوئی چیز متعین ہوتی ہے یعنی یہ عہدِ خارجی کے لیے آتے ہیں، یہ کس لیے آتے ہیں؟ عہدِ خارجی کے لیے جو خارج میں کوئی متعین چیز ہوتی ہے اس کے لیے آتے ہیں، لیکن کبھی کبھار یہ عہدِ ذہنی کے لیے بھی آجاتے ہیں، تو اس اعتبار سے یہ معنیٰ کے اعتبار سے نکرہ ہوں گے، کیا ہوں گے؟ معنیٰ کے، لفظوں کے اعتبار سے معرفہ لیکن معنیٰ کے اعتبار سے نکرہ ہے، عہدِ ذہنی کے لیے ہے بھئی۔ تو یہاں پر بھی أَيْ حَرَكَةٌ أَوْ حَرْفٌ نکال کر بتلا دیا کہ مَا، پہلا جواب کیا؟ کہ یا تو یہ مَا موصوفہ ہے پھر تو اسی لیے نکرہ نکالا، اور دوسرا یہ کہ مَا موصولہ بھی بنا لو تو پھر اس کا ترجمہ نکرہ کے ساتھ کیوں کیا؟ بتلانا یہ چاہتے ہیں کہ یہ مَا موصولہ عہدِ خارجی کے لیے نہیں ہے بلکہ عہدِ ذہنی کے لیے ہے، یعنی اس سے کوئی خاص حرکت یا خاص حرف مراد نہیں ہے۔ مَا، مَا تو وہ جو کہ دیکھو کسی کی طرف کوئی مدلول ہے، کوئی مراد ہے، وہ جو کہ یعنی وہ خاص حرکت یا وہ والا خاص حرف، نہیں نہیں نہیں، کوئی خاص حرکت یا خاص حرف یہاں مراد نہیں ہے، بلکہ جو بھی حرکت ہو اور جو بھی حرف ہو سب اس کے اندر آ گئے۔ جس کے ساتھ بھی معرب کا آخر بدلے، جس کے ساتھ بھی، توجہ ہے، نہیں بات سمجھ میں آئی؟ اسمِ موصول کس لیے آتا ہے؟ اسمائے موصولہ جو ہوتے ہیں ان کے مدلولات ہوتے ہیں، یہ کسی چیز پر دلالت کرتے ہیں اور وہ چیز متعین ہوتی ہے، تو معلوم ہوا یہ عہدِ خارجی کے لیے آئیں گے۔ جَاءَ الَّذِي ضَرَبَكَ آیا وہ آدمی جس نے آپ کی پٹائی کی تھی۔ اب مجھے بتاؤ وہ آدمی خارج میں متعین ہے یا غیر متعین ہے؟ وہ تو متعین ہے، تو یہ عہدِ خارجی کے لیے آتے ہیں، ایسی چیز جو خارج میں متعین ہوتی ہے، کیونکہ معرفہ ہے نا، معرفہ اسی کو کہیں گے جو متعین ذات پر دلالت کرے۔ تو یہ عہدِ خارجی کے لیے آتے ہیں لیکن کبھی کبھار یہ عہدِ ذہنی کے لیے بھی آجاتے ہیں۔ تو یہاں پر بھی یہ عہدِ ذہنی کے لیے ہے، اس کا ترجمہ حَرَكَةٌ أَوْ حَرْفٌ کے ساتھ کیا۔ معلوم ہوا اس مَا سے مراد کوئی خاص حرکت مراد نہیں یعنی عہدِ خارجی جو خارج میں متعین ہو، کوئی خاص حرف مراد نہیں جو خارج میں کیا ہو؟ متعین ہو، بلکہ یہ نکرہ کے معنیٰ میں ہے، کوئی بھی حرف کوئی بھی حرکت جو کیا کر دے معرب کے آخر کو بدل دے وہ سب اس کے اندر آ گئے۔ تو یہ عہدِ خارجی کے لیے نہیں ہے بلکہ عہدِ ذہنی کے لیے ہے، یہ بتلانا چاہتے ہیں یعنی حاصلِ جواب یہ۔

یوں کہو تو پہلی تقریر یہ کہ اس مَا کو کیا بناؤ؟ موصوفہ بناؤ، اور أَيْ حَرَكَةٌ أَوْ حَرْفٌ یہ نکرہ نکال کر بتلا دیا کہ یہ مَا موصوفہ ہے موصولہ نہیں۔ دوسری تقریر یہ بھی کر سکتے ہیں آپ کہ یہ مَا موصولہ ہی ہے لیکن أَيْ حَرَكَةٌ أَوْ حَرْفٌ نکرہ نکال کر بتلا دیا کہ یہ مَا

موصولہ جو ہے یہ عہدِ خارجی کے لیے نہیں ہے بلکہ عہدِ ذہنی کے لیے ہے، کوئی بھی حرکت کوئی بھی حرف وہ سب اس میں آ گئے جس سے معرب کا آخر بدلتا ہو۔

تو کہتے ہیں: اَلْإِعْرَابُ مَا أَيْ حَرَكَةٌ أَوْ حَرْفٌ اعراب وہ حرکت یا حرف ہے اخْتَلَفَ آخِرُهُ أَيْ آخِرُ الْمُعْرَبِ۔ دیکھا متن میں آیا تھا آخِرُهُ، صاحبِ جامی نے بتلا دیا أَيْ آخِرُ الْمُعْرَبِ، کیا بتلانا چاہتے ہیں؟ ضمیر کا مرجع بتلانا چاہتے ہیں کہ آخِرُهُ کی ہا ضمیر معرب کو راجع ہے۔ تو کہتے ہیں اعراب وہ حرکت یا حرف ہے اخْتَلَفَ آخِرُهُ کہ بدلتا ہے معرب کا آخر، بدلتا ہے معرب کا آخر، آگے آرہا ہے بِهِ اس کے ذریعے۔ اعراب وہ حرکت یا حرف ہے جس کے ذریعے معرب کا آخر بدلتا ہے۔

اچھا آگے کہتے ہیں مِن حَيْثُ هُوَ مُعْرَبٌ اس حیثیت سے کہ وہ معرب ہے، اس حیثیت سے کہ وہ معرب ہے۔ بھئی حیثیت کی قید کیوں لگائی؟ اعراب وہ ہے کہ جس کی وجہ سے معرب کا آخر بدلتا ہے اس حیثیت سے کہ وہ معرب ہے، یعنی وہ آخر بدل رہا ہے وہ معرب ہونے کی حیثیت سے بدل رہا ہے، کسی اور حیثیت سے نہ بدل رہا ہو۔ آگے چل کر شارحِ جامی آپ کو خود بتائیں گے کہ یہ جو حیثیت کی قید ہم نے لگائی یہ غُلَامِي کو نکالنے کے لیے ہے، یہ کس کو؟

میں نے آپ کو بتلایا تھا بھئی ایک ہی چیز میں کئی حیثیتیں ہو سکتی ہیں، ایک ہی چیز میں کئی حیثیتیں ہو سکتی ہیں۔ جیسے زید ہے، زید کو آپ باپ بھی کہہ سکتے ہیں، زید کو آپ بیٹا بھی کہہ سکتے ہیں، زید کو آپ خاوند بھی کہہ سکتے ہیں، زید کو آپ مالک بھی کہہ سکتے ہیں، لیکن الگ الگ حیثیت سے۔ زید باپ ہے کس حیثیت سے؟ اپنے بیٹوں کی طرف نظر کرتے ہوئے، اپنی اولاد کی طرف نظر کرتے ہوئے۔ اور اسی زید کو آپ بیٹا بھی کہہ سکتے ہیں، لیکن اب کس حیثیت سے؟ اپنے زید کا جو باپ ہے اس کی طرف نظر کرتے ہوئے زید اس کا بیٹا ہے۔ اور اسی زید کو آپ خاوند بھی کہہ سکتے ہیں کہ زید خاوند ہے، لیکن کس حیثیت سے؟ اس کی بیوی کی حیثیت سے کہ اس کی بیوی ہے بھئی۔ اور اسی زید کو آپ مالک بھی کہہ سکتے ہیں کہ اس کا غلام ہے مثلاً عمر اس کا غلام ہے بھئی، تو یہ مالک ہے اپنے مملوک یعنی غلام کے اعتبار سے۔ اور اسی زید کو آپ استاد بھی کہہ سکتے ہیں اس حیثیت سے کہ اس کے شاگرد ہیں، اور اسی زید کو آپ شاگرد بھی کہہ سکتے ہیں اس حیثیت سے کہ اس کا استاد ہے، تو ایک ہی چیز میں کئی حیثیتیں ہو سکتی ہیں بھئی۔ بات سمجھ میں آرہی ہے؟

تو اسی طرح یہاں پر جو معرب کا آخر بدلتا ہے وہ اس حیثیت سے بدلے کہ وہ معرب ہے، کسی اور حیثیت سے نہ بدلے۔ توجہ ہے؟ اور حیثیت سے نہ بدلے۔ کہتے ہیں یہ قید ہم نے اس لیے لگائی تاکہ غُلَامِي جیسے لفظ نکل جائیں۔ غُلَامِي آپ نے پڑھا ہے کوئی اسم بھی جب مضاف ہو یائے متکلم کی طرف، علاوہ جمع مذکر سالم کے، جمع مذکر سالم یعنی مُسْلِمُونَ کے علاوہ کوئی اور لفظ جو ہے وہ مضاف ہو جائے کس کی طرف؟ یائے متکلم کی طرف، تو اس کا اعراب تینوں حالتوں میں تقدیری ہوتا ہے: جَاءَنِي غُلَامِي، رَأَيْتُ غُلَامِي، مَرَرْتُ بِغُلَامِي، توجہ ہے؟ اور یاد رکھو غُلَامِي اس میں غُلَام الگ ہے یا ضمیر الگ

ہے، اور غُلَام مضاف ہے اور یا ضمیر مضافٌ الیہ، کیونکہ میں نے آپ کو ضابطہ بتلایا تھا جس اسم کے ساتھ بھی ضمیرِ متصل آجائے وہ آپس میں کیا بنتے ہیں؟ مضاف مضاف الیہ۔ تو غُلَام کا اعراب الگ بتاؤ گے اور یا ضمیر کا اعراب الگ بتاؤ گے۔ یا کا اعراب تو تینوں جگہ وہ مجرور ہے اور مَحَلًّا مجرور ہے کیونکہ مبنی ہے ضمیر ہے، اور مبنی کا اعراب کیسے آتا ہے؟ مَحَلًّا آتا ہے۔ تو یا ضمیر تو تینوں جملوں میں جَاءَنِي غُلَامِي، رَأَيْتُ غُلَامِي، مَرَرْتُ بِغُلَامِي اس میں یا جو ہے وہ مجرور ہے مَحَلًّا مضافٌ الیہ ہے۔ ہاں غُلَام جَاءَنِي غُلَامِي اس میں غُلَام کا لفظ فاعل ہے لیکن اعراب اس پر ظاہر نہیں ہو رہا، رَأَيْتُ غُلَامِي اس کے اندر غُلَام کا لفظ مفعول ہے لیکن اس پر اعراب ظاہر نہیں ہو رہا، مَرَرْتُ بِغُلَامِي اس کے اندر غُلَام مجرور ہے اس پر حرفِ جر داخل ہے لیکن جر ظاہر نہیں ہو رہا۔

تو یہاں دیکھو غُلَامِي یہ یا کے ساتھ جڑا۔ غُلَامِي، غُلَام کا لفظ غُلَام پر تو رفع بھی آتا ہے نصب بھی جر بھی، جَاءَنِي غُلَامٌ، رَأَيْتُ غُلَامًا، مَرَرْتُ بِغُلَامٍ اس پر تینوں طرح کے اعراب آتے ہیں لیکن یہ غُلَام جڑ گیا یہ لفظِ غُلَام جڑ گیا یائے متکلم کے ساتھ، یہ کس کے ساتھ جڑا؟ یائے متکلم کے ساتھ، اور یا اپنے سے ماقبل کیا چاہتی ہے؟ کسرہ چاہتی ہے، تو اس غُلَام کی میم کے نیچے کسرہ آگیا غُلَامِي۔ تو یہ جو میم کے نیچے کسرہ آیا یہ دیکھو غُلَام کا آخر بدلا ہے، غُلَام کا آخر بدلا ہے لیکن کس حیثیت سے؟ معرب ہونے کی حیثیت سے بدلا ہے یا اس حیثیت سے کہ اس کے بعد یا آرہی ہے؟ اس حیثیت سے کہ اس کے بعد یا آرہی ہے، تو حیثیت کی قید اس لیے لگائی تاکہ غُلَامِي جیسے لفظ نکل جائیں جن میں آخر بدلتا ہے لیکن وہ معرب ہونے کی حیثیت سے نہیں بدل رہا بلکہ یا کا ماقبل ہونے کی حیثیت سے بدل رہا ہے۔ بات سمجھ میں آگئی سب کو اچھی طرح؟

تو کہتے ہیں اعراب وہ چیز ہے جس کی وجہ سے معرب کا آخر بدلتا ہے مِنْ حَيْثُ هُوَ مُعْرَبٌ اس حیثیت سے کہ وہ معرب ہے، تو اس کا آخر بدلتا ہے ذَاتًا أَوْ صِفَةً اس کا آخر بدلتا ہے ذات کے اعتبار سے یا صفت کے اعتبار سے، ذات کے اعتبار سے یا صفت کے اعتبار سے۔ بھئی معرب کے آخر سے کیا مراد ہے؟ گزشتہ سبق میں گزر گیا آج بلکہ میں نے خلاصے میں بھی بیان کر دیا۔ معرب کے آخر سے مراد آخری حرف ہے، معرب کا آخری حرف ہے اور کبھی یہ حرف ہی خود بدلتا ہے، اس کی ذات ہی بدل جاتی ہے، جَاءَنِي أَبُوكَ آخر میں واو ہے أَبُوكَ کے، اور رَأَيْتُ أَبَاكَ اب وہ واو کس سے بدلا؟ الف سے، اور مَرَرْتُ بِأَبِيكَ اب وہ کس سے بدلا؟ یا سے، توجہ ہے؟ تو دیکھو معرب کا آخر بدل رہا ہے یعنی اس کا آخری حرف بدل رہا ہے اور اپنی ذات کے اعتبار سے بدل رہا ہے یعنی اس کی ذات ہی بدل رہی ہے، کبھی واو ہے کبھی الف ہے اور کبھی یا۔ اور کبھی وہ جو آخری حرف ہے وہ اپنی ذات کے اعتبار سے نہیں بدلتا صرف اس کی صفت بدلتی ہے یعنی حرکت بدلتی ہے، جَاءَنِي زَيْدٌ، رَأَيْتُ زَيْدًا، مَرَرْتُ بِزَيْدٍ۔ اس میں معرب کا آخر جو ہے وہ دال ہے لیکن دال کی ذات نہیں بدل رہی بلکہ اس دال کی صفت یعنی حرکت اس پر بدل رہی ہے۔

تو کہتے ہیں ذَاتًا أَوْ صِفَةً ذات کے اعتبار سے یا صفت کے اعتبار سے، معرب کا آخر بدلتا ہے ذات کے اعتبار سے یا صفت، یعنی اس کا آخری حرف بدلے گا یا اس کی صفت بدلے گی یعنی حرکت بدلے گی۔ بِهِ، بِهِ أَيْ بِتِلْكَ الْحَرَكَةِ أَوِ الْحَرْفِ یہ ضمیر کا مرجع بتلا رہے ہیں۔ بِهِ کی ہا ضمیر کس کو راجع ہے؟ مَا کو راجع ہے اور اس مَا سے کیا مراد تھا؟ حرکت یا حرف۔ تو یہ بِهِ کی ہا ضمیر اس مَا کو راجع ہے۔ بِهِ أَيْ بِتِلْكَ الْحَرَكَةِ أَوِ الْحَرْفِ، دیکھا یہ نہیں کہا کہ بِهِ کی ہا ضمیر مَا کو راجع ہے، مصداق بتلا دیا مَا سے کیا مراد تھا؟ مَا کا مصداق کیا تھا؟ حرکت یا حرف، تو بتلا دیا کہ ضمیر اس کی طرف راجع ہے أَيْ بِتِلْكَ الْحَرَكَةِ أَوِ الْحَرْفِ۔ تو اعراب وہ چیز ہے کہ بدلتا ہے معرب کا آخر بِهِ أَيْ بِتِلْكَ الْحَرَكَةِ أَوِ الْحَرْفِ یعنی اس حرکت یا حرف کی وجہ سے اس کا آخر بدلتا ہے۔

▪ متنِ کتاب و تحقیقِ مسائلِ نحویہ

وَحِينَ يُرَادُ بِمَا الْمَوْصُولَةِ الْحَرَكَةُ أَوِ الْحَرْفُ لَا يَرِدُ الْعَامِلُ وَالْمَعْنَى الْمُقْتَضِي.

یہ ایک اعتراض کا جواب دے رہے ہیں۔ اعتراض یہ ہوتا ہے آپ کی یہ تعریف مانع نہیں، اس کے اندر عامل بھی داخل ہو رہا ہے اور معنیٰ مقتضی بھی داخل ہو رہا ہے۔ آپ تعریف کس کی کر رہے ہیں؟ اعراب کی۔ جب اعراب کی تعریف کر رہے ہیں تو صرف اعراب پر صادق آنی چاہیے اور چیزوں پر صادق نہیں ہونی چاہیے، لیکن یہ عامل پر بھی صادق آ رہی ہے اور معنیٰ مقتضی پر بھی صادق آ رہی ہے۔ توجہ ہے؟ دیکھیے ادھر دیکھیے بھئی، جَاءَنِي زَيْدٌ میں جَاءَ فعل لایا اور زَيْدٌ کو اس کے لیے فاعل بنایا، تو جَاءَ ہے عامل، توجہ ہے؟ تو میں جَاءَ عامل لایا اور میں نے اس جَاءَ کی نسبت کس کی طرف کر دی؟ زید کی طرف۔ جب میں نے اس کی نسبت زید کی طرف کر دی تو اس عامل نے زید میں فاعلیت والا معنی پیدا کر دیا۔ زید جَاءَ کے لیے فاعل بن رہا ہے نا؟ تو جب میں نے جَاءَ کی نسبت کس کی طرف کی؟ زید کی طرف، تو اس جَاءَ نے کیا کیا؟ زید کے اندر فاعلیت والا معنی پیدا کر دیا، وہ فاعل بن رہا ہے، اور اس فاعلیت نے تقاضا کیا کہ زید پر کیا آنا چاہیے؟ رفع آنا چاہیے، اور اس رفع کی وجہ سے زید کا آخر بدل گیا۔ توجہ ہے؟

آپ نے کیا کیا؟ لفظِ زید تھا اس پر کوئی اعراب نہیں تھا، آپ اس پر کس کو لے آئے؟ جَاءَ کو، توجہ ہے؟ اس جَاءَ کی نسبت آپ نے کس کی طرف کی؟ زید کی طرف، اس جَاءَ نے زید میں کون سا معنی پیدا کر دیا؟ فاعل کا، فاعلیت والا معنی پیدا کر دیا، توجہ ہے، کہ یہ فاعل ہے، اور اس فاعلیت نے کیا تقاضا کیا کہ اس پر کیا آنا چاہیے؟ رفع آنا چاہیے، تو پھر اس کے بعد اس پر رفع آیا اور جب اس پر رفع آیا تو زید کا آخر بدل گیا۔ توجہ ہے؟ زید کا آخر بدل گیا۔ تو دیکھو زید کے آخر کے بدلنے میں عامل کا بھی دخل ہے، عامل کی وجہ سے زید کا آخر بدل رہا ہے، جَاءَ میں لایا تو زَيْدٌ پڑھا، رَأَيْتُ لایا تو زَيْدًا پڑھا، اور مَرَرْتُ بِزَيْدٍ لایا تو زَيْدٍ پڑھا۔ عامل کی وجہ سے بھی معرب کا آخر بدلتا ہے اور معنیٰ مقتضی کی وجہ سے بھی معرب کا آخر بدلتا ہے۔ توجہ ہے؟ میں نے جَاءَ کی نسبت کی زید کی طرف اس نے کون سا معنی پیدا کر دیا زید میں؟ فاعلیت والا۔ رَأَيْتُ زَيْدًا میں نے

رَأَيْتُ کی نسبت کر دی کس کی طرف؟ زَيْدًا کی طرف، رَأَيْتُ کی نسبت کی زید کی طرف یا یوں کہو میں نے رَأَيْتُ کو متعلق کر دیا کس کے ساتھ؟ زید کے ساتھ، توجہ ہے؟ تو اس نے اس زید میں کون سا معنی پیدا کر دیا؟ مفعولیت والا، اور اس مفعولیت نے کیا تقاضا کیا اس پر کیا آنا چاہیے؟ نصب، اور پھر جب آپ اس پر نصب لے آئے تو اس کا آخر کیا ہوا؟ بدل گیا، توجہ ہے؟

تیسری صورت مَرَرْتُ بِزَيْدٍ، اس میں میں زید پر کیا لے آیا؟ با جارہ۔ اس با جارہ نے زید میں کون سا معنی پیدا کر دیا؟ مضاف الیہ والا۔ ایک ہے فاعلیت، ایک مفعولیت، ایک مضاف الیہ۔ تو اس با نے زید میں کون سا معنی پیدا کر دیا؟ مضاف الیہ والا، اور اس مضاف الیہ والے معنی نے جر کا تقاضا کیا کہ اس پر کیا آنا چاہیے؟ جر۔ چنانچہ آپ نے زَيْدٍ جر پڑھا اس پر اور اس جر کی وجہ سے معرب کا آخر مختلف ہو گیا۔

توجہ ہے؟ ترتیب سمجھ میں آ گئی؟ کہ عامل آتا ہے، عامل داخل ہوتا ہے معرب پر، پھر وہ اس کے اندر ایک معنی پیدا کرتا ہے، اور پھر وہ معنی ایک اعراب کا تقاضا کرتا ہے، اور پھر وہ جب اعراب آتا ہے تو اس کا آخر بدل جاتا ہے۔ توجہ ہے؟ ذرا لکھو اپنی کاپی پر بھئی، لکھو اپنی کاپی پر جلدی کیجیے دو تین لفظ لکھنے ہیں بھئی، پھر آپ کو بات سمجھ میں آ جائے گی۔ جی لکھیے بھئی: اَلْعَامِلُ، اَلْعَامِلُ۔ اَلْعَامِلُ سے تھوڑا سا فاصلہ چھوڑ کر پھر لکھیں: اَلْمَعْنَى الْمُقْتَضِي، اَلْمَعْنَى الْمُقْتَضِي۔ اب اس اَلْمَعْنَى الْمُقْتَضِي سے تھوڑا سا فاصلہ چھوڑ کر آگے لکھیں: اَلْإِعْرَابُ، اَلْإِعْرَابُ۔ اور پھر اس اعراب سے تھوڑا سا فاصلہ دے کر لکھیں: اِخْتِلَافُ الْآخِرِ، اِخْتِلَافُ الْآخِرِ۔ لکھ لیا؟ بس یہ چار صورتیں یہ چار چیزیں سمجھ لو یہاں پر۔ سب سے پہلے معرب پر کون داخل ہوتا ہے؟ عامل۔ پھر عامل کیا کرتا ہے؟ اس معرب میں ایک معنی پیدا کرتا ہے، کبھی فاعلیت والا، کبھی مفعولیت والا اور کبھی مضاف الیہ والا۔ پھر یہ جو معنی ہے یہ اس میں رفع، نصب یا جر کا تقاضا کرتا ہے، تو وہ رفع نصب یا جر وہ اعراب آ جاتا ہے۔ اور پھر جب اعراب آتا ہے تو اس کا آخر مختلف ہو جاتا ہے۔ سب سے پہلے کیا لکھا؟ عامل، پہلے عامل داخل ہوتا ہے۔ پھر کیا آتا ہے؟ معنیٰ مقتضی لِلْإِعْرَابِ بھئی، تو معنیٰ مقتضی آ جاتا ہے۔ پھر یہ معنیٰ مقتضی کی وجہ سے کیا آئے گا اس پر؟ اعراب آئے گا یعنی رفع نصب یا جر، اور پھر اس اعراب کی وجہ سے معرب کا آخر بدل جائے گا۔ بات سمجھ میں آ گئی؟

تو لہٰذا معلوم ہوا یہ معرب کے آخر کے بدلنے میں، توجہ ہے ادھر، معرب کے آخر کے بدلنے میں عامل کا بھی دخل ہے، عامل بھی سبب بن رہا ہے اس کے آخر کے بدلنے کا۔ معنیٰ مقتضی کا بھی دخل ہے، معنیٰ مقتضی بھی سبب بن رہا ہے اس کے آخر کے بدلنے کا، اور اعراب بھی سبب بن رہا ہے اس کے آخر کے بدلنے کا۔ تو تین چیزیں آ گئیں، معرب کا آخر بدل رہا ہے اس میں عامل کا بھی دخل، عامل کے بعد معنیٰ مقتضی جو آتا ہے اس کا بھی دخل ہے، اور اس کے بعد اعراب آتا ہے اعراب کا بھی دخل ہے بھئی۔ توجہ ہے؟ تو آپ کی یہ تعریف تینوں پر صادق آ رہی ہے کیونکہ آپ نے اعراب کی

کیا تعریف کی؟ اعراب وہ چیز ہے جس کی وجہ سے، جس کی وجہ سے معرب کا آخر بدلتا ہے۔ عامل کا دخل ہے یا نہیں اس میں؟ رفع والا عامل آئے گا تو رفع آئے گا، نصب والا آئے گا تو نصب آئے گا، جر والا آئے گا تو جر آئے گا۔ تو عامل پر بھی یہ تعریف صادق آئی، معلوم ہوا عامل کو بھی اعراب کہنا پڑے گا۔ آپ نے اعراب کی تعریف کی نا اعراب وہ چیز ہے جس کی وجہ سے معرب کا آخر بدلتا ہے، تو وہ تو عامل بھی ہے اور وہ معنیٰ مقتضی ہے اس کی وجہ سے بھی آخر بدل رہا ہے، وہ معنیٰ مقتضی بدلتا ہے تو آخر بدل جاتا ہے۔ اور نیز اعراب جو خود ہیں رفع نصب جر وہ بھی اس کے اندر داخل ہو گئے۔ تو آپ کی یہ تعریف مانع نہیں دخولِ غیر سے، آپ نے جو اعراب کی تعریف کی اس کو صرف اعراب پر صادق آنا چاہیے تھا لیکن وہ عامل پر بھی صادق آرہی ہے اور معانیِ مقتضیہ پر بھی صادق آرہی ہے۔

تو اس کا جواب دیں گے صاحبِ جامی کہ دیکھیے صاحبِ کافیہ نے اعراب کی کیا تعریف کی؟ اَلْإِعْرَابُ مَا اخْتَلَفَ آخِرُهُ بِهِ۔ تو اس مَا سے ہم نے کیا مراد لے لیا؟ حرکت یا حرف۔ کیا مراد لیا؟ حرکت یا حرف۔ مَا سے مراد شے نہیں لی کہ اعراب وہ چیز ہے، اگر آپ اس سے چیز مراد لے لیتے، اگر آپ اس کو عام رکھتے کوئی بھی شے ہو جس کی وجہ سے آخر بدلتا ہے، جس کی وجہ سے معرب کا آخر بدلتا ہے، پھر تو یہ تینوں داخل ہوتے اگر مَا سے کیا مراد لیتے؟ شے مراد لیتے، کوئی بھی شے، کوئی بھی شے جس کی وجہ سے معرب کا آخر بدلے اس کو اعراب کہتے ہیں پھر تو یہ تینوں داخل ہو جاتے۔ لیکن ہم نے کیا بتلا دیا کہ مَا سے ہر شے مراد نہیں ہے بلکہ حرکت یا حرف مراد ہے، حرکت یا حرف مراد ہے، تو یہ عامل بھی نکل گیا کیونکہ عامل بھی حرف اور حرکت کا نام نہیں ہے اور معنیٰ مقتضی بھی نکل گیا کیونکہ وہ بھی حرف یا حرکت نہیں ہے۔ تو یہ جو حرکت یا حرف کے ساتھ ہم نے جو مَا کا معنی کر دیا، اب عامل بھی نکل گیا اور معنیٰ مقتضی بھی نکل گیا۔ عامل حرکت کا نام ہے؟ عامل حرف کا نام ہے؟ نہیں۔ اچھا وہ معنیٰ مقتضی حرکت کا نام ہے؟ معنیٰ مقتضی حرف کا نام ہے؟ نہیں۔ تو جب ہم نے مَا کا مصداق بیان کر دیا تو اب عامل بھی نکل گیا اور معنیٰ مقتضی بھی نکل گیا، تو یہ اب تعریف صرف حرکت یا حرف کو شامل ہے یعنی اعراب کو شامل ہے اور کسی چیز کو شامل نہیں ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟

تو کہتے ہیں: وَحِينَ يُرَادُ بِمَا الْمَوْصُولَةِ الْحَرَكَةُ أَوِ الْحَرْفُ لَا يَرِدُ الْعَامِلُ وَالْمَعْنَى الْمُقْتَضِي. اور جب مراد ہے مائے موصولہ کے ذریعے حرکت یا حرف، وَحِينَ يُرَادُ اور جب مراد ہے یعنی جب مائے موصولہ سے حرکت یا حرف مراد ہے، تو لَا يَرِدُ الْعَامِلُ وَالْمَعْنَى الْمُقْتَضِي تو عامل اور معنیٰ مقتضی وارد نہیں ہوتے، یعنی ان کا اعتراض وارد نہیں ہوتا کہ یہ بھی داخل ہو رہے ہیں، کیونکہ ہم نے مائے موصولہ سے کیا مراد لے لیا؟ حرکت یا حرف۔ اور عامل اور معنیٰ مقتضی ان میں سے کوئی بھی حرکت یا حرف نہیں ہے۔

اور پھر میں نے آپ کو بتلایا تھا کہ یہ جو مَا ہے اس میں دو تقریریں کی تھیں: ایک تقریر کیا کہ یہ مائے موصوفہ ہو، دوسری تقریر کیا مائے موصولہ ہو۔ اور مائے موصولہ کی صورت میں اعتراض ہوتا تھا کہ وہ تو معرفہ ہوتا ہے، تو جواب کیا دیا تھا کہ یہ مَا

عہدِ خارجی کے لیے نہیں ہے بلکہ عہدِ ذہنی کے لیے ہے، ہے مَا موصولہ ہی لیکن عہدِ ذہنی کے لیے ہے۔ اس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے، صاحبِ جامی خود فرما رہے ہیں وَحِينَ يُرَادُ بِمَا الْمَوْصُولَةِ یہ کہ یہ جو مائے موصولہ آیا اس کے ذریعے مراد حرکت یا حرف ہے۔ تو دیکھو خود بتلا دیا کہ مَا کون سا ہے؟ موصولہ ہے بھئی۔

▪ متنِ کتاب و تحقیقِ مسائلِ نحویہ

وَلَوْ أُبْقِيَتْ عَلَى عُمُومِهَا خَرَجَا بِالسَّبَبِيَّةِ الْمَفْهُومَةِ مِنْ قَوْلِهِ بِهِ.

یہ ایک تقریر تھی بھئی، توجہ ہے، کہ مَا سے کیا مراد لیا؟ حرکت یا حرف، تو کون نکل گئے؟ عامل بھی نکل گیا اور معنیٰ مقتضی بھی نکل گیا۔ دوسری تقریر کہتے ہیں آپ یوں بھی کر سکتے ہیں یہ تقریر کہ مَا کو عام رکھیں، مَا سے حرکت یا حرف مراد نہ لیں، جو بھی چیز جس کی وجہ سے معرب کا آخر بدلے اس کو کیا کہنا چاہیے؟ اعراب، توجہ ہے؟ جو بھی چیز جس کی وجہ سے معرب کا آخر بدلے اس کو اعراب کہتے ہیں۔ تو اس صورت میں پھر وہ اشکال ہوتا ہے کہ آپ نے تو مَا کو عام رکھا ہے، تو اس کے اندر عامل بھی داخل ہو گیا اور معنیٰ مقتضی بھی داخل ہو گیا۔ تو اس کا بھی جواب دینے لگے ہیں، کہتے ہیں بھئی نہیں، اس صورت میں بھی یہ خارج ہو جائیں گے، اس صورت میں بھی خارج، کس طرح خارج ہوں گے؟ کہتے ہیں دیکھو یہ بِهِ کے اندر اَلْإِعْرَابُ مَا اخْتَلَفَ آخِرُهُ بِهِ اعراب وہ چیز ہے کہ بدلتا ہے معرب کا آخر بِهِ اس کی وجہ سے، اس کی یہ با سببیہ ہے، یہ با یعنی اس کے سبب سے معرب کا آخر بدلتا ہے۔ اعراب کس کو کہتے ہیں؟ جس کے سبب سے، توجہ ہے، اعراب کسے کہتے ہیں؟ جس کے سبب سے معرب کا آخر بدلے۔ کہتے ہیں یہاں با سببیہ ہے اور سبب سے مراد سببِ قریب ہوتا ہے، سبب سے سببِ قریب مراد ہوتا ہے، سببِ بعید مراد نہیں ہوتا۔ جو دور کے اسباب ہیں ان کی طرف ذہن نہیں جاتا بھئی۔ توجہ ہے؟ جو دور کے اسباب ہیں ان کی طرف ذہن نہیں جاتا، جو قریبی سبب ہوتا ہے ذہن اس کی طرف جاتا ہے۔

جیسے یہاں پر دیکھ لو یہ جو معرب کا آخر بدل رہا ہے میں نے آپ کو کاپی پر لکھوایا، اس کے لیے پہلا سبب کیا؟ عامل، عامل سبب بنا۔ پھر عامل نے کس کو وجود دیا؟ معنیٰ مقتضی کو وجود دیا، فاعلیت مفعولیت یا اضافت والے، تو عامل سبب بنا معنیٰ مقتضی کے لیے۔ اور پھر یہ معنیٰ مقتضی سبب بنا اعراب یعنی رفع نصب یا جر کے لیے، اور پھر وہ رفع نصب یا جر یہ سبب بنا کس کے لیے؟ اختلافِ آخر کے لیے۔ توجہ ہے؟ تو ان میں یہ تینوں سبب ہیں، عامل بھی سبب، معنیٰ مقتضی بھی سبب اور اعراب بھی سبب، کس کے لیے؟ اختلافِ آخر کے لیے۔ لیکن سب سے قریبی سبب کون سا ہے؟ اختلافِ آخر کا سب سے قریب اختلافِ آخر کیوں ہے، آخر کیوں بدل رہا ہے؟ سب سے قریبی چیز کیا ہے؟ اعراب ہے۔ اس سے دور کیا ہے؟ معنیٰ مقتضی، اور اس سے دور کیا ہے؟ عامل ہے۔ تو عامل بھی سبب اختلافِ آخر کا، معنیٰ مقتضی بھی سبب اختلافِ آخر کا، اعراب بھی سبب اختلافِ آخر کا، لیکن یہ سبب ایک درجے کے نہیں ہیں۔ اعراب وہ سبب ہے

اختلافِ آخر کا اور یہ سببِ قریب ہے، اس سے دور والا سبب کون سا ہے؟ معنیٰ مقتضی، اور معنیٰ مقتضی براہِ راست اختلافِ آخر کا سبب نہیں ہے، اس کے درمیان ایک واسطہ موجود ہے اعراب والا، توجہ ہے؟ اور عامل بھی براہِ راست آخر کے اختلاف کا سبب نہیں ہے، درمیان میں دو واسطے موجود ہیں بھئی۔

تو اعراب اختلافِ آخر کا سبب ہے بلا واسطہ، اور معنیٰ مقتضی وہ اختلافِ آخر کا سبب ہے ایک واسطے کے ساتھ، اور عامل اختلافِ آخر کا سبب بن رہا ہے لیکن درمیان میں دو واسطے ہیں۔ تو جب سبب ذکر کیا جائے تو قریب والے سبب کی طرف ذہن جاتا ہے، دور والے اسباب کی طرف ذہن نہیں جاتا۔ تو لہٰذا اگر توجہ ہے ادھر دیکھیے، اگر اس مَا کو عام رکھیں، اعراب وہ چیز ہے کہ بدلتا ہے معرب کا آخر بِهِ اس کی وجہ سے، اس کی وجہ سے، تو یہ با سببیہ ہے، تو سببِ قریب جو ہے اعراب ہے، تو ذہن فوراً اعراب ہی کی طرف جاتا ہے اسبابِ بعیدہ کی طرف نہیں جاتا یعنی معنیٰ مقتضی اور عامل کی طرف ذہن نہیں جاتا، تو وہ اس کے اندر داخل ہی نہیں ہیں بھئی، وہ ذہن ہی ان کی طرف نہیں جاتا۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو مَا کو عام رکھیں پھر بھی با سببیہ کی وجہ سے یہ خارج ہو جائیں گے۔ مَا کو عام رکھیں تو بھی عامل اور معنیٰ مقتضی وہ نکل جائیں گے، کس کی وجہ سے؟ اس بائے سببیہ کی وجہ سے، کیونکہ یہ سبب پر دلالت کر رہی ہے اور سبب کون سے سبب کی طرف ذہن جاتا ہے؟ قریب والے کی طرف ذہن جاتا ہے، بعید والے کی طرف ذہن نہیں جاتا، تو وہ اس بائے سببیہ کی وجہ سے نکل جائیں گے کیونکہ اس سے قریب والا سبب مراد ہوتا ہے۔

کیا یہ معنی ہے؟ دیکھیے بھئی کتاب پر: وَلَوْ أُبْقِيَتْ عَلَى عُمُومِهَا اور اگر اس مائے موصولہ کو باقی رکھا جائے اپنے عموم پر، تو خَرَجَا بِالسَّبَبِيَّةِ تو یہ دونوں نکل جائیں گے سببیت کی وجہ سے، کون دونوں؟ عامل اور معنیٰ مقتضی یہ دونوں نکل جائیں گے سببیت کی وجہ سے۔ وہ سببیت الْمَفْهُومَةِ مِنْ قَوْلِهِ بِهِ جو مفہوم ہو رہی ہے جو سمجھ میں آرہی ہے مصنف کے قول بِهِ سے۔ فَإِنَّ الْمُتَبَادِرَ مِنَ السَّبَبِ هُوَ السَّبَبُ الْقَرِيبُ اس لیے کیونکہ وہ چیز جو متبادر ہوتی ہے سبب سے، متبادر وہ چیز جو ذہن میں فوراً آجائے، ذہن میں جلدی آجائے، سبب سے کون سا سبب ذہن میں آتا ہے؟ قریب والا یا بعید والا؟ قریب والا سبب ذہن میں فوراً آتا ہے بعید والا نہیں آتا۔ فَإِنَّ الْمُتَبَادِرَ مِنَ السَّبَبِ هُوَ السَّبَبُ الْقَرِيبُ اس لیے کیونکہ وہ چیز جو متبادر ہوتی ہے سبب سے وہ سببِ قریب ہے۔ وَالْعَامِلُ وَالْمَعْنَى الْمُقْتَضِي مِنَ الْأَسْبَابِ الْبَعِيدَةِ اور عامل اور معنیٰ مقتضی جو ہیں وہ تو اسبابِ بعیدہ میں سے ہیں۔

تو معلوم ہوا اس مَا سے آپ مراد حرکت یا حرف لے لیں، حرکت یا حرف لے لیں تو پھر اسی سے عامل بھی نکل گیا اور معنیٰ مقتضی بھی نکل گیا کیونکہ مَا کو آپ نے عام نہیں رکھا بلکہ اس سے کیا مراد لیا؟ حرکت یا حرف مراد لیا۔ اور اس مَا کو اگر آپ عام رکھیں ہر وہ چیز جس کی وجہ سے آخر بدلتا ہو معرب کا تو اس کو اعراب کہتے ہیں، تو بھی عامل اور معنیٰ مقتضی داخل نہیں بلکہ وہ اس بِهِ کی با کی وجہ سے نکل گئے کیونکہ یہ با کون سی ہے؟ سببیہ، اور کون سے سبب کی طرف ذہن جلدی جاتا ہے؟ سببِ قریب کی طرف۔ تو وہ سببِ قریب تو اعراب ہے وہ داخل ہوا، اور جو اسبابِ بعیدہ ہیں یعنی معنیٰ مقتضی

اور عامل وہ خارج ہو گئے، وہ نکل گئے۔ بات سمجھ میں آ گئی؟

اس پر پھر ایک اشکال ہوتا ہے، پہلی تقریر کیا کی کہ مَا سے کیا مراد لو؟ حرکت یا حرف مراد لے لو، حرکت یا تو عامل بھی نکل گیا اور معنیٰ مقتضی بھی نکل گیا کیونکہ وہ حرکت یا حرف نہیں ہوتے، وہ تو کوئی عامل وہ تو کوئی کلمہ ہو گا، اور معنیٰ مقتضی وہ تو معنی کا نام ہے وہ تو حرف یا حرکت نہیں۔ لیکن کبھی کبھار عامل ایک حرف پر مشتمل ہوتا ہے جیسے مَرَرْتُ بِزَيْدٍ یہ با جارہ ہے، یہ با تو آپ نے مَا سے کیا مراد لیا؟ حرکت یا حرف، تو با بھی حرف ہے یا نہیں؟ اور یہ بھی جر دیتی ہے کہ نہیں؟ اور عامل ہے کہ نہیں؟ تو یہ عامل بھی ہے تو یہ با تو داخل ہو رہی ہے، اسی طرح جو بھی حرف ہو گا جو عامل ہے اور ایک حرف پر مشتمل ہو گا وہ داخل ہو جائے گا، جیسے وَاللّٰهِ یہ واو کیا ہے؟ قسمیہ ہے جارہ ہے، تو یہ بھی جر دے رہا ہے۔ تو آپ نے کیا کہا؟ توجہ نہیں ہے، توجہ نہیں ہے آپ کی۔ کیا کہا کہ مَا سے کیا مراد لو؟ حرکت یا حرف مراد لے لو تو عامل بھی نکل جائے گا کیونکہ وہ حرف یا حرکت نہیں ہوتا، وہ تو کلمہ ہوتا ہے، وہ وہ عامل تو داخل ہو گئے جو ایک حرف پر مشتمل ہوتے ہیں، دیکھو با حرف ہے اور آپ نے بھی مَا سے کیا مراد لیا؟ حرف یا حرکت، تو با جو حرف ہے وہ بھی داخل ہو گئی۔ تو جواب یہ کہ بھئی یہ جو حرف یہاں آیا اس سے حروفِ مبانی مراد ہیں، حروفِ معانی مراد نہیں۔ با تو حروفِ معانی میں سے ہے یعنی اس کا باقاعدہ ایک معنی ہے، یہ مختلف معانی کے لیے استعمال ہوتی ہے عربی زبان میں، اور ہم حروفِ معانی کی بات نہیں کر رہے، حروفِ مبانی یعنی وہ حرف جس سے کوئی کلمہ بنتا ہے جیسے زَيْدٌ وہ زا، یا، دال سے بنا، کوئی زا کا کوئی معنی ہے؟ یا کا کوئی معنی ہے؟ دال کا کوئی معنی ہے؟ نہیں، تو یہ ہیں حروفِ مبانی یعنی جن سے حرف بنتا ہے یعنی حروفِ تہجی، یعنی حروفِ تہجی مراد ہیں حرف سے، وہ حروفِ معانی یہاں مراد نہیں ہیں۔

اچھا ایک اور اشکال یہاں ہوتا ہے، اشکال یہ کہ آپ نے کیا کہا؟ اعراب وہ ہے کہ جس کی وجہ سے، جس کی وجہ سے معرب کا آخر بدلتا ہے۔ توجہ ہے؟ جَاءَنِي مُسْلِمُونَ، رَأَيْتُ مُسْلِمِينَ، کیا بدلا؟ کیا بدلا؟ واو کس سے بدل گیا؟ یا سے۔ لیکن بھئی یہ تو آخر تو نہیں بدلا، آپ نے تو کہا تھا آخر بدلتا ہے معرب کا، آخر میں تو نون ہے نون تو نہیں بدل رہا بلکہ اس سے ماقبل والا بدل رہا ہے۔ اشکال سمجھ میں آیا؟ اسی طرح جَاءَنِي مُسْلِمَانِ تثنیہ لے آؤ، رَأَيْتُ مُسْلِمَيْنِ، اب یہاں پر بھی آخر میں نون ہے نون تو نہیں بدل رہا بلکہ آخر سے ماقبل بدل رہا ہے، اور آپ نے تو ہمیں کیا کہا اعراب کسے کہتے ہیں؟ جس سے معرب کا آخر بدلتا ہے، تو یہ تو آخر نہیں۔ تو جواب ہمیشہ یاد رکھنا بھئی طلبہ پریشان ہوتے ہیں کہ یہاں تو آخر نہیں بدل رہا یہ تو آخر سے ماقبل بدل رہا ہے، تو جواب یہ کہ یہ جو نون ہے یہ تنوین کے قائم مقام ہے، تثنیہ اور جمع میں جو نون آتا ہے یہ کس کے قائم مقام ہے؟ تنوین کے قائم مقام ہے۔ اور جیسے تنوین سے ماقبل جو ہوتا ہے اسی کو آخر سمجھا جاتا ہے تو یہاں بھی نون سے جو ماقبل ہے اسی کو آخر سمجھا جائے گا۔ جَاءَنِي زَيْدٌ، جَاءَنِي جی زید کا آخر کیا ہے؟ دال ہے۔ بھئی تنوین کیوں نہیں کہتے؟ کیونکہ تنوین سے ماقبل کو آخر سمجھا جاتا ہے تنوین کو آخر نہیں سمجھا جاتا۔ بات سمجھ میں آئی؟ میں نے کہا جَاءَنِي زَيْدٌ زید کا آخر کیا؟ آپ نے فوراً کیا کہا؟ دال ہے۔ بھئی تنوین کیوں نہیں کہتے؟ بھئی وجہ یہ کہ تنوین کو آخر نہیں سمجھا جاتا بلکہ تنوین سے

ماقبل کو آخر سمجھا جاتا ہے اور تنوین سے ماقبل دال ہے زید کے آخر میں، تو اس کو آخر سمجھا جاتا ہے۔ تو اسی طرح مُسْلِمَانِ اور مُسْلِمُونَ اس کے اندر بھی یہ جو آخر میں نون آیا یہ نون کس کے قائم مقام ہے؟ تنوین کے قائم مقام ہے، اور تنوین کو آخر جیسے نہیں سمجھا جاتا اسی طرح اس نون کو بھی آخر نہیں سمجھا جائے گا بلکہ اس سے ماقبل کو آخر سمجھا جائے گا۔ بات سمجھ میں آگئی؟

آگے دیکھیے، کہتے ہیں: وَبِقَيْدِ الْحَيْثِيَّةِ خَرَجَ حَرَكَةُ نَحْوِ غُلَامِي لِأَنَّهُ مُعْرَبٌ عَلَى اخْتِيَارِ الْمُصَنِّفِ رَحِمَهُ اللَّهُ.

یہ اسی سوال کا جواب دے رہے ہیں جو میں پہلے ذکر کر چکا۔ پیچھے کیا آیا تھا؟ اعراب وہ ہے جس کی وجہ سے معرب کا آخر بدلتا ہے، مِنْ حَيْثُ هُوَ مُعْرَبٌ کی قید آئی تھی، معرب ہونے کی حیثیت سے اس کا آخر بدلتا ہو کسی اور حیثیت سے نہ بدلتا ہو۔ یہ قید کیوں لگائی تھی؟ تاکہ غُلَامِي جیسے لفظوں کو نکال دیں کیونکہ غُلَامِي کا جو آخر بدلا ہے وہ معرب ہونے کی حیثیت سے نہیں بدلا بلکہ اس حیثیت سے بدلا ہے کہ اس کے بعد کیا آرہی ہے؟ یا آرہی ہے، توجہ ہے؟ تو وہی اب یہ بھی بیان کر رہے ہیں صاحبِ جامی بھی۔ کہتے ہیں وَبِقَيْدِ الْحَيْثِيَّةِ خَرَجَ حَرَكَةُ نَحْوِ غُلَامِي اور حیثیت کی قید کے ذریعے نکل گیا غُلَامِي جیسے لفظوں کی حرکات، یعنی اس میں جو میم کے نیچے حرکت ہے وہ نکل گئی۔ لِأَنَّهُ مُعْرَبٌ عَلَى اخْتِيَارِ الْمُصَنِّفِ اس لیے کیونکہ یہ لفظ معرب ہے مصنف کے اختیار پر، مصنف کے اختیار پر یہ غُلَامِي میں جو غُلَام کا لفظ ہے یہ معرب ہے۔ یاد رکھو وہ اسم جو مضاف ہو یائے متکلم کی طرف، توجہ ہے، علاوہ جمع مذکر سالم کے، یہ آپ نے وہ جو سولہ قسمیں پڑھی ہیں آپ نے نحو میر میں، اسی طرح ہدایۃ النحو میں، اسی طرح کافیہ میں، سب میں اس کو معرب کے اندر شمار کیا ہے، کس میں؟ معرب میں شمار کیا ہے اور کیا کہتے ہیں؟ کہ اس کا آخر تقدیراً بدل رہا ہے، معرب ہے لیکن آخر تقدیراً بدل رہا ہے۔ بعض نحوی حضرات فرماتے ہیں کہ یہ جو غُلَامِي کا لفظ ہے یہ مبنی ہے، جب یائے متکلم کی طرف مضاف ہو گیا تو اب یہ مبنی بن گیا، تو اس کا آخر نہیں بدل رہا تو وہ کہتے ہیں یہ مبنی ہے۔ صاحبِ کافیہ بھی کہتے ہیں اس کا آخر نہیں بدل رہا لیکن یہ معرب ہے تقدیراً بدل رہا ہے۔ تو اسی لیے کہا لِأَنَّهُ مُعْرَبٌ عَلَى اخْتِيَارِ الْمُصَنِّفِ کیونکہ یہ غُلَامِي جیسا لفظ جو ہے یہ معرب ہے مصنف کے اختیار پر یعنی مصنف نے اسی قول کو اختیار کیا ہے۔ لَكِنَّ اخْتِلَافَ هَذِهِ الْحَرَكَةِ عَلَى آخِرِ الْمُعْرَبِ لیکن یہ جو آخری حرکت کا اختلاف ہے معرب کے آخر میں، لَيْسَ مِنْ حَيْثُ إِنَّهُ مُعْرَبٌ بَلْ مِنْ حَيْثُ إِنَّهُ مَا قَبْلَ يَاءِ الْمُتَكَلِّمِ یہ اس حیثیت سے نہیں ہے، یہ جو اس حرکت کا اختلاف آیا توجہ ہے؟ پھر عبارت دیکھ لو: لَكِنَّ اخْتِلَافَ هَذِهِ الْحَرَكَةِ عَلَى آخِرِ الْمُعْرَبِ لیکن یہ جو اس حرکت کا اختلاف آیا معرب کے آخر میں، لَيْسَ مِنْ حَيْثُ إِنَّهُ مُعْرَبٌ یہ اس حیثیت سے نہیں ہے کہ یہ معرب ہے، یہ اختلاف اس وجہ سے نہیں ہے، بَلْ مِنْ حَيْثُ إِنَّهُ مَا قَبْلَ يَاءِ الْمُتَكَلِّمِ بلکہ اس حیثیت سے ہے کہ یہ یائے متکلم سے ماقبل ہے، اور یائے متکلم بھی اپنے سے ماقبل کیا چاہتی ہے؟ کسرہ چاہتی ہے، اس لیے یہ کسرہ آیا ہے، معرب ہونے کی حیثیت سے یہ کسرہ نہیں آیا۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو یہ حَيْثُ کے بعد إِنَّ پڑھیں بھئی، ہمیشہ یاد رکھیں حَيْثُ جو ہے جملے کی طرف مضاف ہوتا ہے جملے

کی طرف، اور جملے پر إِنَّ داخل ہوتا ہے، أَنَّ تو اس کو مفرد کے معنی میں کر دیتا ہے مصدر کے معنی میں کر دیتا ہے، تو حَيْثُ کے بعد ہمیشہ کیا پڑھیں؟ إِنَّ پڑھیں بھئی۔ اور بعض علما بعض ائمہ فرماتے ہیں کہ حَيْثُ جو ہے مفرد کی طرف بھی مضاف ہو سکتا ہے، تو ان کے مذہب پر أَنَّ بھی پڑھا جا سکتا ہے، لیکن جمہور کے نزدیک حَيْثُ کے بعد إِنَّ پڑھیں گے بھئی۔ بات سمجھ میں آگئی؟ چلیے بس بھئی هَذَا هُوَ الْمَرَامُ وَاللّٰهُ أَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْكَلَامِ.

سبق نمبر ۴۴: تعریفِ اعراب (۲): حدِ اعراب کی تکمیل اور «لِيَدُلَّ عَلَى مَعَانٍ» کی قید

شرحِ ملا جامی صفحہ: ۲۸ — بتاریخ: ۱۸ اگست ۲۰۲۱ء

▪ تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث

دیکھیے بھئی آگے سبق:

وَبِهٰذَا الْقَدْرِ تَمَّ حَدُّ الْإِعْرَابِ جَمْعًا وَمَنْعًا لٰكِنَّ الْمُصَنِّفَ رَحِمَهُ اللهُ أَرَادَ أَنْ يُّنَبِّهَ عَلٰى فَائِدَةِ اخْتِلَافِ وَضْعِ الْإِعْرَابِ فَضَمَّ إِلَيْهِ قَوْلَهُ لِيَدُلَّ عَلَى الْمَعَانِي الْمُعْتَبَرَةِ عَلَيْهِ فَكَأَنَّهُ أَرَادَ هٰذَا الْمَعْنٰى.

گذشتہ سبق میں ہم نے اِعراب کی تعریف شروع کی تھی۔ صاحبِ کافیہ نے آپ کو بتلایا کہ الْإِعْرَابُ مَا اخْتَلَفَ آخِرُهُ بِهِ، اِعراب وہ چیز ہے جس کی وجہ سے معرب کا آخر بدلتا ہے۔ صاحبِ جامی نے بتلایا کہ یہ جو مَا ہے اس سے مراد حرکت یا حرف ہے، ہر چیز اس سے مراد نہیں۔ جب اس سے صرف حرکت یا حرف مراد ہے تو عامل بھی نکل گیا اِعراب کی تعریف سے اور معنیٰ مقتضی بھی نکل گیا۔ عامل کی وجہ سے بھی معرب کا آخر بدلتا ہے، معنیٰ مقتضی کی وجہ سے بھی معرب کا آخر بدلتا ہے اور اِعراب کی وجہ سے بھی معرب کا آخر بدلتا ہے، لیکن ان میں یہ عامل سببِ بعید ہے اور اِعراب جو ہے وہ سببِ قریب ہے، اور جو معنیٰ مقتضی ہے وہ سببِ متوسط ہے۔ یعنی عامل اور اختلافِ آخر میں دو واسطے ہیں۔ عامل اور اختلافِ آخر میں دو واسطے ہیں۔ میں نے آپ کو ترتیب بتلائی تھی کہ عامل جب معرب پر داخل ہوتا ہے تو یہ اس میں فاعلیت یا مفعولیت یا اضافت والا معنیٰ پیدا کر دیتا ہے، اور پھر وہ معنیٰ تقاضا کرتا ہے اِعراب کا۔ اگر وہ فاعلیت والا معنیٰ ہو تو وہ رفع کا تقاضا کرے گا، اگر مفعولیت والا ہو تو نصب کا تقاضا کرے گا، اور اضافت والا معنیٰ ہو تو وہ جر کا تقاضا کرے گا، اور پھر جب اس لفظ پر اِعراب آجائے گا تو اس کا آخر بدل جائے گا۔

تو گویا عامل سبب بنا معنیٰ مقتضی کا، اور معنیٰ مقتضی سبب بنا اِعراب کا، اور اِعراب سبب بنا اختلافِ آخر کا۔ تو سبب تو یہ تینوں ہیں، لیکن سب سے قریبی سبب کون سا ہے؟ اِعراب۔ اور جو معنیٰ مقتضی ہے وہ بھی سبب ہے لیکن

درمیان میں ایک واسطہ ہے۔ وہ بھی سبب ہے اختلافِ آخر کا لیکن درمیان میں ایک واسطہ ہے۔ اور عامل بھی سبب ہے اختلافِ آخر کا لیکن درمیان میں دو واسطے ہیں۔ تو لہٰذا جب کہا اِعراب وہ چیز ہے جس کی وجہ سے معرب کا آخر بدلتا ہے، تو اس میں عامل بھی داخل ہو رہا تھا کیونکہ وہ بھی سبب ہے اختلافِ آخر کا، معنیٰ مقتضی بھی داخل ہو رہا تھا اور اِعراب بھی داخل ہو رہے تھے کیونکہ یہ تینوں سبب ہیں اختلافِ آخر کے۔ لیکن صاحبِ جامی نے بتلایا کہ مَا سے مراد ہر چیز نہیں بلکہ اس سے مراد حرکت یا حرف ہے، تو عامل بھی خارج ہوا اور معنیٰ مقتضی بھی خارج ہوا۔ یا فرمایا کہ دوسری تقریر آپ یوں کر لیں کہ مَا کو عام رکھیں کہ اِعراب وہ چیز ہے کہ بدلتا ہے معرب کا آخر بِہٖ اس کے سبب سے۔ تو مَا کو اگر آپ عام بھی رکھیں تو یہ بِہٖ کی با جو ہے سببیہ ہے، اور اس کے ذریعے ذہن جو ہے سببِ قریب کی طرف جاتا ہے، سببِ بعید کی طرف نہیں جاتا۔ تو اس کی وجہ سے ہی جو عامل ہے اور معنیٰ مقتضی ہیں وہ اس تعریف سے نکل گئے، کیونکہ وہ اسبابِ بعیدہ میں سے ہیں، اسبابِ قریبہ میں سے نہیں ہیں۔

اور پھر یہ بھی بتلایا تھا کہ اِعراب وہ ہے جس کی وجہ سے معرب کا آخر بدلتا ہے اس حیثیت سے کہ وہ معرب ہو۔ اس حیثیت سے کہ وہ معرب ہو۔ تو اس کے ذریعے غُلَامِيْ جیسے لفظوں کے اندر جن میں یا کی وجہ سے میم پر کسرہ آیا ہے وہ نکل گئے، کیونکہ غُلَامِيْ میں یا کی وجہ سے میم کا آخر بدلا ہے اور اس پر کسرہ آیا ہے، تو یہ اختلافِ آخر تو ہے لیکن یہ اختلافِ آخر معرب ہونے کی حیثیت سے نہیں آیا بلکہ یا کا ماقبل ہونے کی حیثیت سے آیا ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟

اب آئیے آج کے سبق پر۔ کہتے ہیں: وَبِهٰذَا الْقَدْرِ تَمَّ حَدُّ الْإِعْرَابِ جَمْعًا وَمَنْعًا. کہتے ہیں وَبِهٰذَا الْقَدْرِ اور اتنی مقدار سے، اتنی مقدار سے تَمَّ پوری ہو گئی حَدُّ الْإِعْرَابِ اِعراب کی تعریف جَمْعًا وَمَنْعًا جامع اور مانع ہونے کے اعتبار سے۔ توجہ ہے؟ اِعراب کی تعریف کر رہے ہیں صاحبِ کافیہ۔ ہم نے کل متن حل کیا تھا۔ متن کیا تھا ذرا پھر متن دیکھ لو: اَلْإِعْرَابُ مَا اخْتَلَفَ آخِرُهٗ بِهٖ لِيَدُلَّ عَلَى الْمَعَانِي الْمُعْتَبَرَةِ عَلَيْهِ۔ یہاں پر جا کر اِعراب کی تعریف پوری ہو رہی ہے، توجہ ہے؟ یہاں تک جا کر اِعراب کی تعریف پوری ہو رہی ہے۔ کیا تعریف کی؟ اَلْإِعْرَابُ مَا اخْتَلَفَ آخِرُهٗ بِهٖ لِيَدُلَّ عَلَى الْمَعَانِي الْمُعْتَبَرَةِ عَلَيْهِ۔ اِعراب وہ چیز ہے کہ جس کی وجہ سے معرب کا آخر بدلتا ہے تاکہ یہ جو اِعراب ہے، یہ جو اِعراب کا بدلنا ہے، یہ دلالت کرے کس چیز پر؟ ان معانی پر جو باری باری اس معرب پر آ رہے ہیں۔ کبھی اس پر فاعلیت والا معنیٰ آ رہا ہے، کبھی مفعولیت والا، اور کبھی مضاف الیہ ہونے والا معنیٰ آ رہا ہے۔ تو یہ اِعراب ان پر دلالت کرتے ہیں۔ تو یہ اتنی لمبی تعریف کی۔

اور تعریف آپ جانتے ہیں جنس اور فصل پر مشتمل ہوتی ہے۔ پہلے جنس لاتے ہیں جس کے اندر وہ معرف بھی داخل ہوا اور غیرِ معرف بھی داخل۔ اَلْإِعْرَابُ مَا، اِعراب وہ چیز ہے، تو اس میں ساری دنیا کی چیزیں آگئیں۔ پھر جب کہا يَخْتَلِفُ آخِرُهٗ بِهٖ کہ اس کی وجہ سے معرب کا آخر بدلتا ہے، تو اب ساری چیزیں نکل گئیں صرف اِعراب باقی رہ گیا، یعنی رفع، نصب اور جر۔ توجہ ہے؟ تو تعریف جنس اور فصل پر مشتمل ہوتی ہے۔ تو یہاں پر لفظِ مَا جنس کے درجے میں ہے، اس میں

اِعراب بھی داخل ہوا اور غیرِ اِعراب بھی داخل۔ پھر یَخْتَلِفُ آخِرُهُ بِهِ اس کے ذریعے غیرِ اِعراب سارے نکل گئے۔ تو تعریف جامع مانع ہو گئی۔ صرف یہاں تک: اَلْإِعْرَابُ مَا اخْتَلَفَ آخِرُهُ بِهِ، اِعراب وہ ہے جس کی وجہ سے معرب کا آخر بدلتا ہے۔ بس اتنا حصہ تعریف کا یہ جامع بھی ہے اور مانع بھی ہے۔ اس میں تمام اِعراب آ گئے اور غیرِ اِعراب اس سے نکل گئے۔ توجہ ہے؟

لیکن صاحبِ کافیہ نے تو اور بھی تعریف لمبی کی۔ انہوں نے کہا لِيَدُلَّ عَلَى الْمَعَانِي الْمُعْتَبَرَةِ عَلَيْهِ۔ تو اس پر شارحین نے بعض نے اعتراض کیا کہ تعریف میں جو لفظ لائے جاتے ہیں یا تو وہ جنس کی قبیل سے ہوتے ہیں یا فصل، تو لِيَدُلَّ عَلَى الْمَعَانِي الْمُعْتَبَرَةِ عَلَيْهِ اس کے ذریعے تو آپ کسی کو بھی نہیں نکال رہے، یہ تو فصل نہیں بن رہی۔ تعریف تو پہلے ہی جامع مانع ہو چکی ہے، تو یہ لفظوں کا آپ نے اضافہ کر دیا، تعریف بلاوجہ اتنی لمبی کر دی آپ نے۔ توجہ ہے؟ تعریف میں جو الفاظ لائے جاتے ہیں کس لیے لائے جاتے ہیں؟ کہ غیرِ معرف کو نکال دیا جائے۔ جب بِهِ تک تعریف آپ نے کر دی مَا اخْتَلَفَ آخِرُهُ بِهِ تو تعریف جامع مانع ہو گئی، تو یہ آگے جو ہے اس کو لانے کا کوئی فائدہ نہیں کیونکہ یہ فصل نہیں بن رہی، یہ کوئی فائدہ نہیں دے رہی۔ اعتراض سمجھ میں آ رہا ہے؟

تو پھر چنانچہ بعض شارحین نے پھر کہا کہ یہ جو لِيَدُلَّ آیا جار مجرور ہے اور جار مجرور کے لیے متعلق چاہیے۔ کہتے ہیں اس کو تعریف کا حصہ نہ بناؤ، یہ تعریف سے الگ کر دو۔ کیونکہ تعریف سے جوڑو گے یہ تو فصل نہیں بن رہی، اس قید کا تو کوئی فائدہ نہیں ہے، اس کے ذریعے تو کوئی غیرِ اِعراب نہیں نکل رہا۔ تعریف تو پہلے ہی جامع مانع ہو چکی ہے، تو اس کو کیا کرو؟ تعریف سے جدا کر دو، الگ کر دو، اس کے ساتھ جوڑو ہی نہ۔ تو اس کے لیے پھر انہوں نے یہاں پر وُضِعَ الْإِعْرَابُ یہاں پر مقدر نکال لیا، کہ یہ لِيَدُلَّ کس سے متعلق ہے؟ وُضِعَ الْإِعْرَابُ سے متعلق ہے۔ اِعراب کو وضع کیا گیا ہے، کس لیے وضع کیا گیا ہے؟ لِيَدُلَّ عَلَى الْمَعَانِي الْمُعْتَبَرَةِ عَلَيْهِ، تاکہ وہ دلالت کریں وہ جو باری باری معانی آ رہے ہیں معرب پر۔ اِعراب کو کس لیے وضع کیا گیا ہے؟ تاکہ اِعراب ان معانی پر دلالت کریں جو باری باری اس معرب پر آ رہے ہیں۔ زَيْدٌ اسی زید پر کبھی فاعلیت والا معنیٰ آئے گا، اسی پر کبھی مفعولیت والا معنیٰ آئے گا، اسی میں کبھی اضافت والا معنیٰ آئے گا، تو اس پر یہ اِعراب دلالت کریں گے۔ جَاءَنِي زَيْدٌ یہ زَيْدٌ کا رفع کیا بتلا رہا ہے؟ اس میں کون سا معنیٰ ہے زید میں؟ فاعلیت والا۔ رَأَيْتُ زَيْدًا یہ نصب کیا بتلا رہا ہے؟ کہ زَيْدًا میں کون سا معنیٰ ہے؟ مفعولیت والا۔ اور مَرَرْتُ بِزَيْدٍ یہ زَيْدٍ کی جر کیا بتلا رہی ہے کہ زید میں کون سا معنیٰ ہے؟ اضافت والا یعنی مضاف الیہ والا۔ بات سمجھ میں آ رہی ہے؟ تو یہ اِعراب کو اس لیے وضع کیا گیا ہے کہ یہ جو معانی باری باری معرب پر آتے ہیں ان پر یہ دلالت کرتے رہیں بھئی۔ پڑھنے والے، سننے والے کو پتہ چلتا رہے۔ تو معلوم ہوا تو لِيَدُلَّ کو ان شارحین نے، اس کو...

میں نے آپ کو بتلایا تھا کہ یہ جو جار مجرور ہیں یہ آٹھ چیزوں سے متعلق ہوتے ہیں۔ ترکیب میں یہ بات ذکر ہوئی تھی۔ آٹھ

چیزوں سے۔ ان آٹھ میں سے اگر کوئی کلام میں موجود ہو تو اس کے ساتھ جوڑ دیں گے، ورنہ محذوف نکالیں گے۔ وہ آٹھ چیزیں کون کون سی تھیں؟ نمبر ایک فعل، نمبر دو مصدر، نمبر تین اسمِ فاعل، نمبر چار اسمِ مفعول، نمبر پانچ صفتِ مشبہ، نمبر چھ اسمِ تفضیل، نمبر سات مبالغے کے صیغے، اور نمبر آٹھ اسمِ فعل۔ یہ آٹھ چیزیں ہر وقت آپ کے ذہن میں ہوں کیونکہ یہ ترکیب کے لیے بنیاد ہے بھئی۔ تو وہ آٹھ چیزیں کون سی ذرا پھر دہراؤ۔ نمبر ایک فعل، نمبر دو مصدر، نمبر تین اسمِ فاعل، نمبر چار اسمِ مفعول، نمبر پانچ صفتِ مشبہ، نمبر چھ اسمِ تفضیل، نمبر سات مبالغے کے صیغے، اور نمبر آٹھ اسمِ فعل۔

تو ان آٹھ چیزوں سے جار مجرور متعلق ہوتے ہیں، اور ان میں سے ایک فعل موجود ہے کیا؟ اخْتَلَفَ آخِرُهُ، اخْتَلَفَ آخِرُهُ بِهِ لِيَدُلَّ۔ تو لِيَدُلَّ کو اخْتَلَفَ سے جوڑنے کے بجائے ان شارحین نے کیا کہا؟ اس کو تعریف سے الگ کر دو۔ اگر اخْتَلَفَ سے جوڑو گے پھر تو یہ تعریف کا حصہ بن جائے گا۔ توجہ ہے؟ جار مجرور کو کس سے اگر جوڑ دو؟ اخْتَلَفَ کے فعل سے، تو یہ تو تعریف کا حصہ بن جائے گا اور اس کے ذریعے تو کوئی غیرِ معرب خارج نہیں ہو رہا، یہ فصل والا کام نہیں کر رہا یہ حصہ، تو اس کو تعریف سے الگ کر دو، نکال دو، اور اس کے لیے متعلق الگ محذوف نکال لو أَيْ وُضِعَ الْإِعْرَابُ۔ تو گویا عبارت یوں ہے: وُضِعَ الْإِعْرَابُ لِيَدُلَّ عَلَى الْمَعَانِي الْمُعْتَبَرَةِ عَلَيْهِ۔ اِعراب کو وضع کیا گیا ہے تاکہ وہ اِعراب دلالت کریں وہ معانی جو باری باری اس معرب پر آ رہے ہیں۔ کبھی فاعلیت والا معنیٰ ہو گا، کبھی مفعولیت والا اور کبھی مضاف الیہ والا۔ بات سمجھ میں آ گئی؟ یہ ان شارحین کی تقریر تھی۔ تو انہوں نے کہا کہ یہ قید جو ہے لِيَدُلَّ والی یہ فصل کا کام نہیں کر رہی، لہٰذا اس کو تعریف سے الگ کر دو۔

صاحبِ جامی آپ کو بتلائیں گے کہ نہیں بھئی اس کو تعریف سے الگ نہ کرو۔ الگ نہ کرو، توجہ ہے؟ اس کو اسی اخْتَلَفَ آخِرُهُ سے جوڑو۔ البتہ جب ماتن نے کہہ دیا الْإِعْرَابُ مَا اخْتَلَفَ آخِرُهُ بِهِ، بس تعریف یہاں تک جامع مانع ہو گئی۔ توجہ ہے؟ جامع مانع ہو گئی۔ تمام غیرِ اِعراب اس سے نکل گئے، عامل بھی نکل گیا اور معنیٰ مقتضی بھی نکل گیا۔ صرف اِعراب رہ گئے۔ تعریف جامع مانع ہو گئی۔ لیکن ساتھ اب مصنف ایک اور فائدہ بھی بتلانا چاہتے ہیں کہ یہ معرب پر جو اِعراب آتے ہیں ان کا فائدہ کیا ہے؟ ان کا مقصد کیا ہے؟ تو وہ مقصد بھی بتلانا چاہتے ہیں۔ تعریف تو جامع مانع ہو گئی، توجہ ہے؟ کہاں تک؟ بِهِ تک آ کر۔ کہاں؟ بِهِ تک آ کر تعریف جامع مانع ہو گئی۔ لیکن اب مصنف ایک اور فائدہ بھی ساتھ بتلانا چاہتے ہیں۔ تو یہ جو آگے جو آیا نا لِيَدُلَّ عَلَى الْمَعَانِي الْمُعْتَبَرَةِ عَلَيْهِ، یہ اس کو تعریف سے خارج نہ کرو۔ یہ جامع مانع تعریف کا حصہ تو نہیں، جامع مانع تعریف تو کہاں تک ہو گئی؟ الْإِعْرَابُ مَا اخْتَلَفَ آخِرُهُ بِهِ، یہاں تک تعریف جامع مانع ہو گئی۔ البتہ یہ اسی تعریف ہی کے ساتھ اس کو جوڑ دو، اس میں ایک الگ فائدہ بتلانا چاہتے ہیں مصنف۔ تعریف جامع مانع ہو چکی ہے لیکن ساتھ ایک الگ فائدہ بتلانا چاہتے ہیں۔ تو یہ تعریف کا حصہ ہے اس اعتبار سے نہیں کہ یہ تعریف کو جامع مانع بنا رہا ہے، بلکہ اس حیثیت سے کہ یہ ایک الگ فائدہ بتلا رہا ہے۔ توجہ ہے؟ تو یہ تعریف کا حصہ ہے لیکن جامع مانع ہونے کے اعتبار سے نہیں بلکہ ایک

الگ فائدے کے اعتبار سے تعریف کا حصہ ہے۔

تو کہتے ہیں وَبِهٰذَا الْقَدْرِ اور اتنی مقدار سے تَمَّ حَدُّ الْإِعْرَابِ پوری ہو گئی اِعراب کی تعریف جَمْعًا وَمَنْعًا جامع مانع ہونے کے اعتبار سے۔ اتنی مقدار سے یعنی ابھی تک جو اوپر متن گزر گیا، متن کیا گزرا؟ الْإِعْرَابُ مَا اخْتَلَفَ آخِرُهُ بِهِ۔ اتنی مقدار سے تعریف جامع مانع ہو گئی۔ اب آگے جو ذکر کریں گے وہ تعریف سے متعلق تو ہے لیکن وہ جامع مانع ہونے کے لیے نہیں متعلق بلکہ ایک الگ فائدہ بتانے کے لیے متعلق ہے۔ تو کہتے ہیں: وَبِهٰذَا الْقَدْرِ تَمَّ حَدُّ الْإِعْرَابِ جَمْعًا وَمَنْعًا، اور اتنی مقدار جو ہے اس سے اِعراب کی تعریف جو ہے وہ پوری ہو گئی جامع مانع ہونے کے اعتبار سے۔ لٰكِنَّ الْمُصَنِّفَ رَحِمَهُ اللهُ أَرَادَ أَنْ يُنَبِّهَ عَلٰى فَائِدَةِ اخْتِلَافِ وَضْعِ الْإِعْرَابِ، لیکن مصنف رحمہ اللہ نے ارادہ کیا کہ وہ متنبہ فرما دیں کس بات پر؟ متنبہ فرمائیں کس بات پر؟ متنبہ فرمائیں عَلٰى فَائِدَةِ اخْتِلَافِ وَضْعِ الْإِعْرَابِ۔

وضعِ اِعراب کے مختلف ہونے کے فائدے پر، وضعِ اِعراب کے مختلف ہونے کے فائدے پر متنبہ کر دیں۔ بھئی اِعراب وضع کرنا تھا ٹھیک ہے، اِعراب وضع کر دیا۔ لیکن یہ مختلف اِعراب کیوں وضع کیے؟ ایک رفع، ایک نصب، ایک جر، الگ الگ مختلف اِعراب کیوں وضع کیے؟ تو اس وضعِ اِعراب کے اختلاف کا فائدہ بتلانا چاہتے ہیں، کہ اِعراب مختلف کیوں وضع کیے؟ تو آپ کو بتلائیں گے۔ اِعراب اس لیے مختلف وضع کیے گئے کیونکہ ان کا مدلول مختلف ہوتا ہے۔ کبھی یہ فاعلیت پہ دلالت کرتے ہیں، کبھی مفعولیت پر، اور کبھی مضاف الیہ ہونے پر دلالت کرتے ہیں۔ جب ان کے مدلول مختلف ہیں تو دال جو دلالت کرنے والے ہیں وہ بھی کیا ہونے چاہئیں؟ مختلف، کیونکہ وہ معانی مختلف ہیں۔ ایک معنیٰ ہوتا تو ہم ایک ہی اِعراب وضع کر دیتے، لیکن معانی مختلف ہیں تو اِعراب بھی مختلف وضع کیے گئے، ایک ہی اِعراب وضع نہیں کیا گیا۔ بات سمجھ میں آ گئی؟

تو کہتے ہیں: لٰكِنَّ الْمُصَنِّفَ رَحِمَهُ اللهُ أَرَادَ أَنْ يُنَبِّهَ عَلٰى فَائِدَةِ اخْتِلَافِ وَضْعِ الْإِعْرَابِ، لیکن مصنف رحمہ اللہ نے ارادہ فرمایا کہ وہ متنبہ فرمائیں وضعِ اِعراب کے مختلف ہونے کا جو فائدہ ہے اس پر۔ فَضَمَّ إِلَيْهِ قَوْلَهُ تو چنانچہ مصنف نے اس کے ساتھ ملا دیا قَوْلَهُ اپنے اس قول کو بھی لِيَدُلَّ عَلَى الْمَعَانِي الْمُعْتَبَرَةِ عَلَيْهِ اس قول کو بھی مصنف نے ساتھ ملا دیا۔ بات سمجھ میں آ گئی؟ فَكَأَنَّهُ أَرَادَ هٰذَا الْمَعْنٰى۔

یاد رکھو یہ جو صاحبِ کافیہ ہیں علامہ ابنِ حاجب، انہوں نے خود بھی کافیہ کی ایک شرح پھر لکھی۔ انہوں نے کافیہ لکھی اور پھر خود ہی اس کی ایک شرح بھی لکھی بھئی۔ اور اس شرح کے اندر وہ فرماتے ہیں: الْإِعْرَابُ مَا اخْتَلَفَ آخِرُهُ بِهِ تو اس کی جب انہوں نے شرح کر لی، اگلی بات جب آ رہی تھی لِيَدُلَّ عَلَى الْمَعَانِي الْمُعْتَبَرَةِ عَلَيْهِ تو اس کے بارے میں وہ فرماتے ہیں کہ لَيْسَ هٰذَا مِنْ تَمَامِ الْحَدِّ، یہ حد کے تمام میں سے نہیں ہے، یہ حد کے تمام میں سے نہیں ہے یعنی یہ حد کا حصہ نہیں ہے، تعریف کا حصہ نہیں ہے۔ انہوں نے وہاں خود فرمایا ہے یہ تعریف کا حصہ نہیں۔ توجہ ہے؟

تو صاحبِ جامی آپ کو بتلائیں گے کہ یہ تو ہم بھی کہہ رہے ہیں کہ تعریف پہلے سے کیا ہو چکی ہے؟ جامع مانع ہو چکی ہے، اور صاحبِ کافیہ جو فرما رہے ہیں یہ حد کا حصہ نہیں ہے، اس سے ان کی مراد یہ نہیں ہے کہ اس کو بالکل کاٹ دو، الگ کر دو، اس کے لیے محذوف الگ نکال لو، نہیں نہیں یہ مراد نہیں ہے، بلکہ ان کے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ تعریف تو جامع مانع ہو چکی ہے، یہ اس جامع مانع تعریف کا حصہ نہیں لیکن اس کو اسی کے ساتھ جوڑو، بایں اعتبار کہ اس سے آپ کو ایک اور فائدہ بھی حاصل ہو جائے گا۔

انہوں نے کیا کہا؟ یہ حد کا حصہ نہیں۔ کس نے فرمایا؟ صاحبِ کافیہ نے اپنی شرح میں۔ لیکن ان کے کہنے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ یہ بالکل ہی تعریف سے خارج ہے اور نکلا ہوا ہے۔ ان کے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ تعریف اب تک جتنی گزر گئی وہ جامع مانع ہو چکی ہے، تو جامع مانع ہونے کے اعتبار سے وہ تعریف کافی ہے۔ جامع مانع ہونے کے اعتبار سے وہ تعریف کافی ہے، اور یہ بھی تعریف سے متعلق ہے لیکن جامع مانع ہونے کی حیثیت سے نہیں متعلق بلکہ یہ الگ فائدے پر مشتمل ہونے کی حیثیت سے اسی اخْتَلَفَ سے متعلق ہے۔

فَكَأَنَّهُ أَرَادَ هٰذَا الْمَعْنٰى، گویا کہ مصنف یعنی صاحبِ کافیہ نے اسی معنیٰ کا ارادہ کیا، یہ جو ہم نے بیان کر دیا، انہوں نے اسی معنیٰ کا ارادہ کیا۔ حَيْثُ قَالَ اس طور پر کہ انہوں نے فرمایا ہے اپنی شرح میں لَيْسَ هٰذَا مِنْ تَمَامِ الْحَدِّ کہ یہ جو لِيَدُلَّ عَلَى الْمَعَانِي الْمُعْتَبَرَةِ عَلَيْهِ یہ تمامِ حد میں سے نہیں ہے یعنی حد کا حصہ نہیں ہے۔ یہ معنیٰ ہے کہ یعنی یہ جامع مانع ہونے کے اعتبار سے حد کا حصہ نہیں ہے، ویسے یہ حد کا حصہ ہے۔ تو گویا انہوں نے اسی معنیٰ کا ارادہ کیا اس طور پر کہ انہوں نے فرمایا ہے اپنی شرح میں کہ لَيْسَ هٰذَا مِنْ تَمَامِ الْحَدِّ کہ یہ تمامِ حد میں سے نہیں ہے، ان کا اسی معنیٰ کا ارادہ ہے۔

لَا أَنَّهُ خَارِجٌ عَنِ الْحَدِّ، اس کا ارادہ انہوں نے نہیں کیا کہ یہ حد سے بالکل ہی خارج ہے، تعریف سے بالکل ہی خارج ہے، وَاللَّامَ فِي لِيَدُلَّ مُتَعَلِّقٌ بِأَمْرٍ خَارِجٍ عَنِ الْحَدِّ، اور یہ نہیں کہ یہ جو لام ہے لِيَدُلَّ میں یہ کسی امرِ خارج سے متعلق ہے۔ حد سے نہیں متعلق بلکہ ایک امرِ خارج سے متعلق ہے، اس کے لیے وُضِعَ الْإِعْرَابُ الگ نکالنا پڑے گا، یہ ان کی مراد نہیں ہے، بلکہ ان کی کیا مراد ہے؟ کہ جامع مانع ہونے کے اعتبار سے حد کا حصہ نہیں ہے بلکہ ایک الگ فائدہ ہونے کے اعتبار سے حد کا حصہ ہے۔ تو جب انہوں نے کہا نا لَيْسَ هٰذَا مِنْ تَمَامِ الْحَدِّ یہ حد کا حصہ نہیں ہے یعنی کس اعتبار سے نہیں ہے حصہ؟ جامع مانع ہونے کے اعتبار سے حصہ نہیں ہے، یہ معنیٰ نہیں کہ اس سے بالکل متعلق ہی نہیں ہے، اس کے لیے الگ محذوف نکال لو۔

لَا أَنَّهُ خَارِجٌ عَنِ الْحَدِّ یہ مراد نہیں ہے ان کی کہ یہ حد سے بالکل خارج ہے، وَاللَّامَ اس کو منصوب پڑھو بھئی، یہ اس کا عطف ہے أَنَّهُ کی ہا ضمیر پر اور أَنَّهُ کی ہا ضمیر منصوب ہے أَنَّ کا اسم ہے، تو ان کا یہ ارادہ نہیں ہے کہ یہ حد سے خارج ہے اور ان کا یہ ارادہ نہیں ہے کہ یہ جو لام جو لِيَدُلَّ میں آ رہا ہے مُتَعَلِّقٌ بِأَمْرٍ یہ متعلق ہے ایک ایسی چیز سے خَارِجٍ عَنِ الْحَدِّ جو حد سے خارج ہے، یہ ارادہ ان کا نہیں ہے بلکہ صرف یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ یہ جامع مانع ہونے کے اعتبار سے حد کا حصہ نہیں ہے بلکہ

الگ فائدے کے اعتبار سے حد کا حصہ ہے۔

یَعْنِيْ وُضِعَ الْإِعْرَابُ، توجہ ہے؟ پھر سنو، پھر سنو۔ یہ وُضِعَ الْإِعْرَابُ سے لفظِ وُضِعَ الْإِعْرَابُ مراد ہے یہاں پر، توجہ ہے؟ صاحبِ جامی تقریر کر رہے ہیں وہ فرماتے ہیں کہ جو صاحبِ کافیہ نے کہا نا کہ یہ لِیَدُلَّ یہ حد کا حصہ نہیں، اس سے ان کی مراد یہ ہے کہ یہ جامع مانع ہونے کے اعتبار سے حد کا حصہ نہیں ہے، ان کا یہ ارادہ نہیں ہے کہ یہ حد سے بالکل ہی خارج ہے اس سے جوڑو ہی نہ، بلکہ کس سے جوڑو؟ وُضِعَ الْإِعْرَابُ سے جوڑو۔ وہ وُضِعَ الْإِعْرَابُ جو یہاں مفہوم ہو رہا ہے کلام کے معنیٰ سے اس سے جوڑ دو، یہ ان کی مراد نہیں۔ توجہ ہے؟ جی اب عبارت دیکھو۔

دیکھو پہلے پھر سمجھ لو: لَا أَنَّهُ خَارِجٌ عَنِ الْحَدِّ یہ مراد نہیں ہے ان کی کہ یہ لِیَدُلَّ حد سے خارج ہے، اور یہ مراد نہیں ہے کہ اللَّامَ فِيْ لِيَدُلَّ مُتَعَلِّقٌ بِأَمْرٍ خَارِجٍ عَنِ الْحَدِّ کہ یہ جو لِیَدُلَّ میں لام ہے یہ ایک ایسی چیز سے متعلق ہے جو حد سے خارج ہے۔ کیا چیز حد سے خارج ہے جس کے ساتھ وہ متعلق ہے؟ یَعْنِيْ وُضِعَ الْإِعْرَابُ یعنی کہ وُضِعَ الْإِعْرَابُ سے متعلق ہو یہ ان کا ارادہ نہیں۔ کون سا وُضِعَ الْإِعْرَابُ؟ الْمَفْهُوْمَ مِنْ فَحْوَى الْكَلَامِ، وہ وُضِعَ الْإِعْرَابُ جو مفہوم ہو رہا ہے فحوائے کلام سے۔ فحوائے کلام کہتے ہیں کلام کی مراد، کلام کا معنیٰ، کلام کا مطلب۔ وہ وُضِعَ الْإِعْرَابُ جو کلام کے معنیٰ سے مفہوم ہو رہا ہے، سمجھ میں آرہا ہے۔ توجہ ہے؟ ادھر دیکھو عبارت سمجھ لو یہاں عبارت مشکل ہے۔

یَعْنِيْ، یَعْنِيْ کے بعد آیا وُضِعَ الْإِعْرَابُ، یہ پورا جملہ اس سے لفظ مراد ہیں اس کا ترجمہ نہیں کرنا۔ یعنی کہ یہ ایک امرِ خارج سے متعلق ہے، وہ امرِ خارج کیا ہے؟ وُضِعَ الْإِعْرَابُ ہے، وہ امرِ خارج کیا ہے؟ وُضِعَ الْإِعْرَابُ ہے، تو اس کا دیکھو میں ترجمہ نہیں کر رہا تو یہ لفظ مراد ہیں، تو یہ وُضِعَ الْإِعْرَابُ یَعْنِيْ کے لیے مفعول بن رہا ہے۔ یَعْنِيْ کے لیے کیا بن رہا ہے؟ مفعول، یعنی وہ جس کا ارادہ کیا گیا ہے۔ تو یہ یَعْنِيْ کے لیے کیا بن رہا ہے مفعول اور یہ ہے موصوف اور الْمَفْهُوْمَ اس کی صفت ہے، وہ بھی منصوب پڑھیں گے کیونکہ صفت پر وہی اِعراب آتا ہے جو کس پر آئے؟ موصوف پر۔ یَعْنِيْ وُضِعَ الْإِعْرَابُ الْمَفْهُوْمَ، یعنی وہ وُضِعَ الْإِعْرَابُ الْمَفْهُوْمَ مِنْ فَحْوَى الْكَلَامِ جو سمجھ میں آرہا ہے فحوائے کلام سے، کلام کے معنیٰ سے۔ وہ وُضِعَ الْإِعْرَابُ جو سمجھ میں آرہا ہے کس سے؟ کلام کے مراد سے۔ توجہ ہے؟ معلوم ہوا وُضِعَ الْإِعْرَابُ اس سے لفظ مراد ہیں، لفظ مراد ہیں اس کا ترجمہ نہیں کرنا۔ ویسے اگر ترکیب کرنی ہے وُضِعَ فعل الْإِعْرَابُ اس کا نائب فاعل، لیکن یہاں معنیٰ نہیں مراد بلکہ لفظ مراد ہیں، توجہ ہے؟ اور جب لفظ مراد ہیں تو یہ یَعْنِيْ کے لیے کیا بنے گا؟ مفعول، اور آگے الْمَفْهُوْمَ اس کی صفت آرہی ہے تو اس پر بھی وہی اِعراب آئے گا جو موصوف پر ہوتا ہے، اور موصوف تو ہے محلاً منصوب جملہ ہے نا، جملہ، اور جملے پر اِعراب کیسے آتا ہے؟ محلاً۔ تو یہ وُضِعَ الْإِعْرَابُ پورا جملہ مراد ہے اور یا یوں کہو یہ لفظ ہے اور یہ مبنی ہے کیونکہ جملہ ہے تو اس پر اِعراب کیسے آئے گا محلاً، اور الْمَفْهُوْمَ جو اس کی صفت ہے اس پر لفظاً اِعراب آگیا کیونکہ وہ تو مبنی نہیں ہے۔ توجہ ہے؟ تو ترجمہ کیسے ہوا: یَعْنِيْ وُضِعَ الْإِعْرَابُ الْمَفْهُوْمَ مِنْ فَحْوَى الْكَلَامِ، یعنی وہ وُضِعَ الْإِعْرَابُ جو سمجھ میں آرہا ہے فحوائے کلام سے۔

پھر سنو ترجمہ ادھر دیکھیے۔ کہتے ہیں صاحبِ کافیہ نے فرمایا ہے کہ یہ تمامِ حد میں سے نہیں ہے، لِيَدُلَّ تمامِ حد میں سے نہیں یعنی حد کا حصہ نہیں ہے، اس سے ان کی مراد یہ ہے کہ جامع مانع ہونے کے اعتبار سے حد کا حصہ نہیں ہے، ان کی مراد یہ نہیں ہے کہ اس کے لیے ایک الگ لفظ نکالنا پڑے گا اور اس سے اس کو متعلق کرنا پڑے گا، الگ لفظ کون سا لفظ؟ یعنی کہ وُضِعَ الْإِعْرَابُ، الگ لفظ یعنی کہ وُضِعَ الْإِعْرَابُ جو ہے یہ اس سے متعلق ہو یہ ان کی مراد نہیں ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ اب دیکھیے پھر ترجمہ دیکھ لیں۔

فَكَأَنَّهُ أَرَادَ هٰذَا الْمَعْنٰى، گویا کہ صاحبِ کافیہ نے اسی معنیٰ کا ارادہ کیا، حَيْثُ قَالَ اس حیثیت سے کہ انہوں نے فرمایا ہے شرحِ کافیہ کے اندر لَيْسَ هٰذَا مِنْ تَمَامِ الْحَدِّ کہ یہ جو آگے لِيَدُلَّ آرہا ہے یہ تمامِ حد میں سے نہیں ہے، یہ مراد ہے ان کی یعنی جامع مانع ہونے کے اعتبار سے یہ حد کا حصہ نہیں ہے، یہ نہیں کہ اس سے بالکل متعلق ہی نہیں ہے اس کو الگ کردو۔ لَا أَنَّهُ خَارِجٌ عَنِ الْحَدِّ ان کی یہ مراد نہیں ہے کہ یہ حد سے بالکل خارج ہے اس سے جوڑو ہی نہ، وَاللَّامَ فِيْ لِيَدُلَّ اور ان کی یہ مراد نہیں ہے کہ یہ جو لام ہے لِيَدُلَّ میں یہ متعلق ہے بِأَمْرٍ خَارِجٍ عَنِ الْحَدِّ ایک ایسے امر سے ایک ایسی چیز سے جو حد سے خارج ہے، یعنی بھئی وہ کیا ہے حد سے خارج؟ يَعْنِيْ وُضِعَ الْإِعْرَابُ یعنی کہ وُضِعَ الْإِعْرَابُ الْمَفْهُوْمَ وہ جو سمجھ میں آرہا ہے مِنْ فَحْوَى الْكَلَامِ کلام کے معنیٰ سے اس سے متعلق ہو یہ ان کا ارادہ نہیں ہے۔

فَإِنَّهُ بَعِيْدٌ عَنِ الْفَهْمِ غَايَةَ الْبُعْدِ اس لیے کیونکہ یہ فہم سے بہت زیادہ دور ہے، فہم سے بہت زیادہ دور ہے۔ بھئی دیکھو لِيَدُلَّ عَلَى الْمَعَانِي الْمُعْتَبَرَةِ عَلَيْهِ تاکہ دلالت کرے، دیکھو عبارت آپ پڑھیں، عبارت: الْإِعْرَابُ مَا اخْتَلَفَ آخِرُهُ بِهِ اِعراب وہ چیز ہے جس سے معرب کا آخر بدلتا ہے لِيَدُلَّ تاکہ یہ اختلاف دلالت کرے عَلَى الْمَعَانِي الْمُعْتَبَرَةِ عَلَيْهِ کس پر؟ وہ جو باری باری معانی آرہے ہیں معرب پر۔ تو عبارت پڑھتے ہی ذہن میں یہ آتا ہے کہ یہ لِيَدُلَّ اخْتَلَفَ آخِرُهُ جو پیچھے آیا اسی سے متعلق ہے۔ اخْتَلَفَ آخِرُهُ اس کا آخر بدلتا ہے لِيَدُلَّ تاکہ وہ کیا کرے؟ دلالت کرے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو اس کے لیے وُضِعَ الْإِعْرَابُ نکالنا یہ فہم سے بہت دور ہے، یہ کسی کے ذہن میں نہیں آتا، لہٰذا بعض شارحین نے جو یہاں وُضِعَ الْإِعْرَابُ نکال کر لِيَدُلَّ کو اس سے متعلق کیا ہے یہ صحیح نہیں، یہ بہت بعید احتمال انہوں نے ذکر کردیا۔

کہتے ہیں فَإِنَّهُ بَعِيْدٌ عَنِ الْفَهْمِ غَايَةَ الْبُعْدِ کیونکہ یہ فہم سے بہت زیادہ دور ہے۔ فَاللَّامُ فِيْهِ مُتَعَلِّقٌ بِقَوْلِهِ اخْتَلَفَ آخِرُهُ تو یہ لام جو آیا ہے اس کے اندر یعنی لِيَدُلَّ میں یہ مُتَعَلِّقٌ بِقَوْلِهِ یہ ماتن کے اس قول سے متعلق ہے اخْتَلَفَ آخِرُهُ، اس کے ساتھ یہ متعلق ہے۔ يَعْنِيْ اخْتَلَفَ آخِرُهُ لِيَدُلَّ یہاں تک بات سمجھ میں آگئی؟

يَعْنِيْ اخْتَلَفَ آخِرُهُ لِيَدُلَّ الِاخْتِلَافُ أَوْ مَا بِهِ الِاخْتِلَافُ عَلَى الْمَعَانِيْ يَعْنِي الْفَاعِلِيَّةَ وَالْمَفْعُوْلِيَّةَ وَالْإِضَافَةَ الْمُعْتَبِرَةِ عَلٰى صِيْغَةِ اسْمِ الْفَاعِلِ عَلَيْهِ أَيْ عَلَى الْمُعْرَبِ. لِيَدُلَّ تاکہ یہ دلالت کرے۔ بھئی کیا چیز دلالت کرے؟ کیا چیز دلالت کرے؟ تاکہ یہ دلالت کرے ان باری باری آنے والی معانی پر۔ تو لِيَدُلَّ کے اندر ضمیر کس کو راجع ہے؟ کیا چیز ان معانی پر دلالت

کرے؟ تو دو احتمال ہیں: وہ اختلاف دلالت کرے، وہ، یا وہ اِعراب دلالت کرے۔ ایک ہے اختلاف آخر کا بدلنا اور ایک ہے اِعراب بھئی آخر پر، توجہ ہے؟ اِعراب بدل گیا، مثلاً زید پر رفع تھا پھر کیا آگیا؟ نصب۔ یا تو معنی یہ ہے: یہ جو اِعراب ہے یہ ان باری باری آنے والی معانی پر دلالت کرے، یا یہ بدلنا جو ہے یہ جو، اِعراب نہیں بلکہ یہ اختلاف یعنی معرب کے آخر کا بدلنا ہی دلالت کرے گا کس پر؟ معانیِ معتبرہ پر۔ توجہ ہے؟ تو اس میں دو احتمال ہیں: لِيَدُلَّ کی ضمیر یا تو راجع ہے کس کو؟ اختلاف کو یا مَا بِهِ الِاخْتِلَافُ وہ جس کی وجہ سے اختلاف ہوا یعنی اِعراب۔ بھئی میں نے وہ جو آپ کو کاپی پر لکھوایا تھا ذرا اس پہ نظر رکھیں: پہلے عامل داخل

ہوتا ہے، پھر عامل کی وجہ سے کیا آتا ہے؟ معنیٰ مقتضی آئے گا اس کے اندر وہ پیدا ہو گا، یعنی فاعلیت مفعولیت یا اضافت والا، اور پھر وہ معنیٰ مقتضی تقاضا کرے گا اِعراب کا، اور پھر وہ اِعراب جب آئے گا تو اس کا، معرب کا آخر مختلف ہو جائے گا۔ تو ایک ہے اختلاف سب سے آخر والا، اختلافِ آخر آخر کا بدلنا، اور ایک جو ہے اس سے ماقبل والا اِعراب جس کی وجہ سے اختلافِ آخر ہو رہا ہے۔ تو لِيَدُلَّ کی ضمیر میں دونوں احتمال ہیں، کہ یہ ضمیر کس کو راجع؟ یا تو اختلاف کو راجع کر دیں کہ یہ اختلاف دلالت کرتا ہے، یہ اختلاف دلالت کرتا ہے معانیِ معتبرہ پر بھئی۔ یہ اختلاف دلالت کرتا ہے، یہ اختلاف ہو گا تو پتہ چلے گا معنیٰ بدل گیا کوئی اور معنیٰ آرہا ہے۔ اور بعضوں نے کہا مَا بِهِ الِاخْتِلَافُ جس کے ذریعے یہ اختلاف ہوا ہے، جس کی، جس کے سبب سے یہ اختلاف ہوا ہے یعنی اِعراب۔ یہ اِعراب دلالت کرتے ہیں۔

دیکھیے میں نے آپ کو بتلایا تھا کہ معرب پر سب سے پہلے اِعراب داخل ہوتا ہے، توجہ ہے؟ اِعراب داخل ہوتا ہے، پھر وہ اِعراب اس میں فاعلیت یا مفعولیت یا مضاف الیہ والا معنیٰ اس میں پیدا کرتا ہے، اور پھر یہ معنیٰ اس میں اِعراب کا تقاضا کرتا ہے کہ اس پر یہ والا اِعراب آنا چاہیے، اور پھر جب وہ والا اِعراب آتا ہے تو معرب کا آخر مختلف ہو جاتا ہے۔ معلوم ہوا اِعراب جو ہے یہ سببِ قریب ہے اختلافِ آخر کے لیے۔ اِعراب سببِ قریب ہے اختلافِ آخر کے لیے۔ تو اِعراب اور چیز ہے اختلافِ آخر اور چیز ہے۔ اِعراب سبب ہے اور اختلافِ آخر مسبب ہے۔ تو اب لِيَدُلَّ کی ضمیر میں دونوں احتمال ہیں، اس ضمیر کو اختلاف کی طرف بھی راجع کیا جا سکتا ہے تاکہ وہ اختلافِ آخر جو ہے وہ دلالت کرے ان معانی پر۔ تاکہ وہ اختلافِ آخر جو ہے وہ دلالت کرے ان معانی پر۔ اور نیز لِيَدُلَّ کی ضمیر جو ہے اس کو، اس کو اِعراب کی طرف بھی راجع کر سکتے ہیں۔ اختلاف کی طرف بھی اور اِعراب کی طرف بھی۔ اختلاف کی طرف میں نے ابھی بیان کر دیا، تاکہ وہ اختلافِ آخر دلالت کرے ان معانی پر۔ یا اِعراب کو ضمیر لوٹا دو، تاکہ وہ اِعراب دلالت کریں کس پر؟ ان معانی پر۔

تو اختلاف اور چیز اور اِعراب اور چیز ہے بھئی۔ اسی لیے انہوں نے کہا: لِيَدُلَّ الِاخْتِلَافُ أَوْ مَا بِهِ الِاخْتِلَافُ، تاکہ دلالت کرے وہ اختلاف ان معانی پر أَوْ مَا بِهِ الِاخْتِلَافُ یا دلالت کرے وہ چیز جس کی وجہ سے اختلاف ہے یعنی اِعراب۔ مَا بِهِ الِاخْتِلَافُ سے کیا مراد ہے؟ اِعراب۔ تاکہ وہ اِعراب دلالت کرے ان معانی پر۔ فرق سمجھ میں آگیا؟ دونوں صورتوں میں جس طرف بھی آپ ضمیر لوٹا دیں، چاہے اختلاف کی طرف لوٹا دیں چاہے مَا بِهِ الِاخْتِلَافُ یعنی جس کے ذریعے

اختلاف ہو رہا ہے یعنی کہ اِعراب کی طرف بھئی، دونوں صورتوں میں معنیٰ درست بنتا ہے۔

لِيَدُلَّ أَيِ الِاخْتِلَافُ أَوْ مَا بِهِ الِاخْتِلَافُ، تاکہ دلالت کرے الِاخْتِلَافُ اختلاف دلالت کرے أَوْ مَا بِهِ الِاخْتِلَافُ یا وہ چیز جس کی وجہ سے اختلاف آیا ہے یعنی اِعراب بھئی، وہ، وہ دلالت کرے عَلَى الْمَعَانِيْ ان معانی پر۔ بھئی کون سے معانی؟ يَعْنِي الْفَاعِلِيَّةَ وَالْمَفْعُوْلِيَّةَ وَالْإِضَافَةَ، یعنی فاعلیت مفعولیت اور اضافت والا معنیٰ۔ وہ معانی الْمُعْتَبِرَةِ، عَلٰى صِيْغَةِ اسْمِ الْفَاعِلِ کہتے ہیں یہ اسمِ فاعل کے صیغے پر ہے بھئی یہ، یہ لفظ جو ہے، یعنی اس کو مُعْتَبِرَة پڑھنا اسمِ فاعل پڑھنا مُعْتَوَرَة اسمِ مفعول نہ پڑھنا بھئی۔ بعض شارحین نے اس کو اسمِ مفعول بنایا لیکن شارحِ جامی فرما رہے ہیں اس کو اسمِ فاعل بناؤ بھئی۔ وہ معانی الْمُعْتَبِرَةِ عَلٰى صِيْغَةِ اسْمِ الْفَاعِلِ اسمِ فاعل کے صیغے پر ہے عَلَيْهِ أَيْ عَلَى الْمُعْرَبِ ضمیر کا مرجع بتلا دیا۔ وہ معانی جو باری باری آ رہے ہیں عَلَيْهِ أَيْ عَلَى الْمُعْرَبِ کس پر؟ معرب پر۔ یہ تاکہ یہ اختلاف دلالت کرے، توجہ ہے؟ یہ اختلاف دلالت کرے ادھر دیکھیے: ضَرَبَ زَيْدٌ، رَأَيْتُ زَيْدًا، مَرَرْتُ بِزَيْدٍ، یہ معرب کا آخر بدل رہا ہے یا نہیں؟ تو یہ اختلاف دلالت کر رہا ہے ان معانی پر جو باری باری آ رہے ہیں۔ یہ اختلاف یہ جو بدلنا ہے ایک، ایک اِعراب سے دوسرے اِعراب کی طرف یہ اختلاف ہی دلالت کر رہا ہے وہ معانی جو اس پر باری باری آ رہے ہیں۔ یا یوں کہیں یہ جو اِعراب ہیں یعنی رفع نصب اور جر یہ دلالت کر رہے ہیں ان معانی پر جو اس پر باری باری آ رہے ہیں۔

مُتَعَلِّقٌ بِمُعْتَبِرَةٍ، یہ متعلق ہے مُعْتَبِرَة سے۔ بھئی عَلَيْهِ، لِيَدُلَّ عَلَى الْمَعَانِي الْمُعْتَبِرَةِ عَلَيْهِ، یہ عَلَيْهِ جار مجرور ہے اور یہ متعلق ہے کس سے؟ مُعْتَبِرَة سے، یہ جو پیچھے الْمُعْتَبِرَة کا لفظ آیا اس سے متعلق ہے۔ یہاں اعتراض ہوتا ہے۔ اعتراض یہ کہ اعْتَوَرَ یہ خود متعدی ہے۔ توجہ ہے؟ یہ خود متعدی ہے یہ مفعول کو نصب دیتا ہے۔ کہ یہ مفعول کو نصب دیتا ہے، تو لہٰذا عَلَيْهِ یہ عَلٰى جارہ کو لانے کی کوئی ضرورت نہیں تھی، بلکہ یوں کہا جاتا لِيَدُلَّ عَلَى الْمَعَانِي الْمُعْتَبِرَةِ إِيَّاهُ۔ ضمیرِ منفصل لے آتے منصوب بھئی۔ آپ نے پڑھا ہے: هُوَ یہ ضمیرِ مرفوع منفصل ہے، اور إِيَّاهُ، إِيَّاهُمَا، إِيَّاهُمْ، إِيَّاهَا، إِيَّاهُمَا، إِيَّاهُنَّ، إِيَّاكَ، إِيَّاكُمَا، إِيَّاكُمْ، إِيَّاكِ، إِيَّاكُمَا، إِيَّاكُنَّ، اور اسی طرح إِيَّايَ اور إِيَّانَا، یہ ضمیرِ منصوب منفصل ہے۔ توجہ ہے؟ منصوب منفصل۔ بھئی مُعْتَبِرَة یہ خود مفعول کو نصب دیتا ہے تو آگے مفعول کی ضمیر لے آتے اور یوں کہہ دیتے الْمُعْتَبِرَةِ إِيَّاهُ۔ توجہ ہے؟

بھئی میں نے آپ کو پہلے بتایا تھا کہ یہ حروفِ جارہ جو ہیں یہ فعل کے معنیٰ کو مجرور تک پہنچاتے ہیں، اسم تک پہنچاتے ہیں۔ توجہ ہے؟ مثلاً ضَرَبْتُ زَيْدًا میں نے زید کی پٹائی کی۔ تو یہ جو ضَرَبْتُ ہے یہ ایک مفعول چاہتا ہے، اور آگے زَيْدًا مفعول آ گیا، میں نے زید کی پٹائی کی۔ اب میں اس کے ساتھ ایک اور لفظ لاٹھی کو بھی جوڑنا چاہتا ہوں۔ ضَرَبْتُ زَيْدًا عَصًا بتلانا یہ چاہتا ہوں کہ میں نے لاٹھی سے زید کی پٹائی کی، اور میں اس عَصًا کو بھی مفعول بنانا چاہتا ہوں ضَرَبْتُ کے لیے، لیکن مفعول نہیں بنا سکتا کیونکہ ضَرَبْتُ ایک مفعول چاہتا ہے اور وہ زَيْدًا آ چکا ہے، وہ اس کو نصب دے چکا ہے۔ اب وہ کسی آگے اور مفعول بہ کو نصب نہیں دے سکتا۔ تو اب اس عَصًا کو اب مفعول بہ ہم نہیں بنا سکتے۔ اب میں تو جوڑنا چاہتا ہوں اور یہ براہِ راست اس کے ساتھ جڑ نہیں رہا اس کو نصب نہیں دے رہا، تو پھر حروفِ جارہ کی مدد لی جاتی ہے۔ تو چنانچہ پھر میں

با حرفِ جر مثلاً لے آؤں گا اور اب عَصًا کو میں جوڑ دوں گا: ضَرَبْتُ زَيْدًا بِالْعَصَا۔ اب دیکھو ضَرَبْتُ نے عمل کر دیا عَصًا میں کس کے واسطے سے؟ با کے واسطے سے، توجہ ہے؟ تو یہ جو مجرور ہوتا ہے یہ بھی مفعول بہ ہوتا ہے، لیکن اس کو مفعول بہ غیرِ صریح کہتے ہیں۔ ایک مفعول بہ صریح ہے، صریح یعنی جو صاف لفظوں میں مفعول ہے، ضَرَبْتُ زَيْدًا، زَيْدًا کیا ہے؟ مفعول بہ صریح ہے کہ اس کو فعل باقاعدہ نصب دے رہا ہے۔ اور ایک عَصًا بھی ہے اس میں بھی ضَرَبْتُ عمل کر رہا ہے لیکن براہِ راست عمل نہیں کر سکتا تھا تو میں نے کس کی مدد لی؟ با حرفِ جر کی مدد لی۔ تو یہ جو عَصًا ہے یہ بھی مفعول بہ ہے کس کے لیے؟ ضَرَبْتُ کے لیے، لیکن اس کو مفعول بہ غیرِ صریح کہتے ہیں۔ توجہ ہے؟ تو ایک مفعول بہ صریح ہوتا ہے جس کو فعل براہِ راست نصب دیتا ہے، ایک مفعول بہ غیرِ صریح ہوتا ہے جو حرفِ جر کے واسطے سے اس میں فعل عمل کرتا ہے بھئی۔

تو بِالْعَصَا میں با جارہ کیوں لایا؟ کیونکہ ضَرَبْتُ براہِ راست عَصًا میں عمل نہیں کر رہا تھا۔ تو یہاں پر بھی اسی طرح ہے، الْمُعْتَبِرَةِ یہ براہِ راست مفعول کو نصب دیتا ہے، تو الْمُعْتَبِرَةِ إِيَّاهُ یہ إِيَّاهُ کو مفعول ساتھ لے آتے، یہ مفعول بن جاتا مُعْتَبِرَة کے لیے، تو یہ عَلٰی جارہ کیوں لائے؟ عَلٰی جارہ تو تب لاتے اگر الْمُعْتَبِرَة اس ہا ضمیر کو خود نصب نہ دے سکتا تو آپ عَلٰی جارہ کی مدد لے لیتے، لیکن یہ تو خود نصب دے رہا ہے۔ توجہ ہے؟ جیسے ضَرَبْتُ زَيْدًا یہ ضَرَبْتُ خود زَيْدًا کو نصب دے رہا ہے، تو ضَرَبْتُ عَلٰى زَيْدٍ کہنے کی ضرورت ہے؟ توجہ ہے؟ ضَرَبْتُ کیا کر رہا ہے؟ زَيْدًا کو خود نصب دے رہا ہے، تو اگر آپ یوں کہیں ضَرَبْتُ عَلٰى زَيْدٍ تو فوراً سننے والا کہے گا بھئی عَلٰی لانے کی کیا ضرورت ہے؟ ضَرَبْتُ خود زَيْدًا کو نصب دے دیتا ہے، تو ضَرَبْتُ زَيْدًا کہو، ضَرَبْتُ عَلٰى زَيْدٍ نہ کہو بھئی۔ یہاں بھی اسی طرح الْمُعْتَبِرَةِ یہ خود کیا ہے؟ اعْتَوَرَ يَعْتَوِرُ کا کیا معنیٰ؟ باری باری ایک چیز کو لینا، باری باری ایک چیز کو لینا۔ تو اس میں دیکھو یہ مفعول کو نصب دیتا ہے، جب یہ براہِ راست مفعول کو نصب دیتا ہے تو إِيَّاهُ مفعول ساتھ لے آتے، یہ عَلَيْهِ یہ عَلٰی کو لانے کی ضرورت نہیں تھی، یہ عَلَيْهِ کی ہا ضمیر ویسے ہی ساتھ لے آتے، إِيَّاهُ کہہ دیتے۔ توجہ ہے؟ یہی جو عَلَيْهِ کے آخر میں ہا ضمیر ہے لیکن یہ ضمیرِ مجرور متصل ہے عَلٰی کے ساتھ جڑی ہوئی ہے، عَلٰی کو میں ختم کروں گا تو یہ اکیلی ہا ضمیر نہیں رہ سکتی تو پھر میں اس کو بدل دوں گا إِيَّاهُ سے۔ کس سے بدل دوں گا؟ إِيَّاهُ سے، کیونکہ یہ مُعْتَبِرَة اس کو نصب دے رہا ہے تو مجھے وہ ضمیرِ منفصل چاہیے جو منصوب ہو، اور هُوَ وہ تو مرفوع ضمیر ہے، وہ بھی غائب کی ضمیر ہے، عَلَيْهِ بھی غائب کی ضمیر ہے، إِيَّاهُ بھی غائب کی ضمیر ہے، لیکن عَلَيْهِ کون سی ضمیر ہے؟ مجرور ہے متصل، اور هُوَ کیا ہے؟ مرفوع ہے، بتدا کی جگہ پر هُوَ آتی ہے یا نہیں آتی؟ بتدا مرفوع ہوتا ہے، اور إِيَّاهُ یہ بھی هُوَ ضمیر کی طرح ہے لیکن یہ منصوب ہے۔ توجہ ہے؟ تو یہ سب غائب کی ضمیریں ہیں، تو جب الْمُعْتَبِرَة خود اس عَلَيْهِ کی ہا ضمیر کو نصب دے سکتا ہے تو عَلٰی لانے کی کوئی ضرورت نہیں، یوں کہنا چاہیے تھا: لِيَدُلَّ عَلَى الْمَعَانِي الْمُعْتَبِرَةِ إِيَّاهُ۔

اشکال سمجھ میں آیا؟ تو اس کا جواب دیں گے کہ یہاں تضمین ہے بھئی، یہاں تضمین ہے۔ تضمین یہ کہ ایک فعل کے ضمن میں دوسرا فعل آجائے، یعنی یوں کہو تضمین اسے کہتے ہیں کہ ایک فعل کے اندر دوسرے فعل کے معنیٰ کا آپ لحاظ

رکھتے ہیں، اور کوئی قرینہ دلالت کرتا ہے اس پر جو بتلاتا ہے کہ آپ نے اس فعل کے اندر دوسرے فعل کا معنیٰ کا لحاظ رکھا۔ توجہ ہے؟ ایک فعل آیا، اس فعل کا اپنا معنیٰ ہے، اس کا اپنا معنیٰ بھی مراد ہے، یہ نہیں کہ اس کا معنیٰ ہی چھوڑ دیا، نہیں پھر تو مجاز بن جائے گا۔ توجہ ہے؟ پھر تو مجاز بن جائے گا اگر دوسرا معنیٰ لے لیں۔ نہیں، اس فعل کا اپنا معنیٰ بھی ہے اور اپنے معنیٰ کے ساتھ ساتھ ایک اور فعل کا معنیٰ بھی اس کے اندر ملحوظ رکھا، اس کا بھی لحاظ رکھا، اور کوئی قرینہ قائم کر دیا جو بتلا رہا ہے کہ اس فعل کا اپنے معنیٰ کے ساتھ ساتھ ایک اور فعل کا معنیٰ بھی یہاں ملحوظ ہے، کوئی قرینہ بتلاتا ہے، اور وہ قرینہ عموماً صلہ ہوتا ہے، وہ قرینہ صلہ ہوتا ہے۔ صلہ جانتے ہو؟ میں بتلا چکا ہوں کہ علمِ نحو میں صلہ کا لفظ تین چیزوں کے لیے آتا ہے۔ ایک صلہ جو موصول کا صلہ ہوتا ہے، ایک صلہ کا معنیٰ زائد، اور ایک صلہ وہ حرفِ جر جو فعل کے ساتھ جڑ رہا ہو وہ حرفِ جر اس فعل کا صلہ کہلاتا ہے۔ ضَرَبْتُ زَيْدًا بِالْعَصَا، یہ با جارہ کس سے جڑ رہی ہے؟ ضَرَبْتُ سے۔ تو یہ ضَرَبْتُ سے متعلق ہے تو یوں کہیں گے یہ با صلہ ہے ضَرَبْتُ کا۔ حرفِ جر جس چیز کے ساتھ جڑے یہ اس کا صلہ کہلاتا ہے، تو یہ با جارہ بِالْعَصَا کس سے جڑ رہا ہے؟ ضَرَبْتُ سے۔ تو کیا کہیں گے؟ یہ با جارہ صلہ ہے ضَرَبْتُ کا۔ تو صلہ کا لفظ علمِ نحو میں تین چیزوں کے لیے استعمال ہوتا ہے: ایک موصول کا صلہ، ایک صلہ بمعنیٰ زائد، اور ایک وہ حرفِ جر جو کسی فعل وغیرہ کے ساتھ جڑ رہا ہو وہ اس کا صلہ کہلاتا ہے۔ تو صلہ اس حرفِ جر کو بھی کہتے ہیں جو کسی فعل وغیرہ سے جڑ رہا ہو، اور موصول کا بھی صلہ، اور ایک صلہ بمعنیٰ زائد کے بھی آتا ہے۔ یاد رکھو قرآن میں جب کوئی حرف زائد آجائے یعنی جو اپنے معنیٰ کا فائدہ نہیں دے رہا، تو اس کو زائد نہیں کہتے بلکہ ادب کے طور پر صلہ کہتے ہیں۔ ادب کے طور پر صلہ، قرآن میں کوئی حرف آیا اور وہ زائد ہے تو یوں نہیں کہیں گے یہ حرفِ زائد ہے، یوں کہیں گے یہ صلہ ہے ادب کے طور پر۔ کیوں؟ کیونکہ زائد سے شبہ پڑتا ہے شاید یہ بالکل زائد ہے بے کار ہے بھئی، حالانکہ ایسا نہیں ہوتا بلکہ وہ کلام میں تاکید بھی پیدا کرتا ہے اور کلام میں حسن بھی پیدا کرتا ہے، ہاں زائد ہوتا ہے بایں معنیٰ کہ اپنے معنیٰ کا فائدہ نہیں دے رہا، جو اس کا اپنا معنیٰ ہے اس کا فائدہ نہیں دے رہا۔ کلام میں تاکید بھی پیدا کر رہا ہے، کلام میں حسن بھی پیدا کر رہا ہے۔ تو اگر زائد کہو گے تو لگے گا یہ تو شاید بالکل ہی زائد ہے، تو اس لیے قرآن میں جب کوئی زائد حرف آئے تو کیا کہتے ہیں؟ یہ صلہ ہے۔

تو لہٰذا دیکھو تضمین کی میں بات کر رہا تھا۔ تضمین اسے کہتے ہیں کہ ایک فعل کے اندر دوسرے فعل کے معنیٰ کا بھی لحاظ رکھا جائے، وہ بھی ملحوظ ہو اور اس پر کوئی قرینہ دلالت کرے، اور وہ قرینہ عموماً صلہ ہوتا ہے یعنی آگے کوئی ایک حرفِ جر لے آتے ہیں جو بتلاتا ہے کہ اس فعل میں یہ والا معنیٰ ملحوظ ہے۔ جیسے دیکھو یہاں مُعْتَبِرَة آیا، اعْتَوَرَ ادھر دیکھیے: اعْتَوَرَ يَعْتَوِرُ یہ فعل خود مفعول کو نصب دیتا ہے، اس کے ساتھ عَلٰی استعمال کرنے کی ضرورت نہیں لیکن عَلٰی لائے تو

ہے تو معلوم ہوا اس میں ایک اور فعل کا معنیٰ ملحوظ ہے جس کے ساتھ عَلٰی آتا ہے، جس کے ساتھ عَلٰی آتا ہے۔ اور وہ کیا؟ وہ یہاں کہتے ہیں ورود یا استیلاء کے معنیٰ میں کر لو۔ ورود کا معنیٰ آنا، وارد ہونا۔ ورود کا معنیٰ آنا اور وارد ہونا، اس

کے ساتھ عَلٰی استعمال ہوتا ہے: وَرَدَ عَلَيْهِ وہ اس پر وارد ہوا، اس پر داخل ہوا۔ اور استیلاء کا معنیٰ ہوتا ہے غالب ہونا، اس کے ساتھ بھی عَلٰی استعمال ہوتا ہے: اسْتَوْلَيْتُ عَلٰى ذٰلِكَ میں اس چیز پر غالب آگیا۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو اسْتَوْلٰی کا صلہ بھی عَلٰی استعمال ہوتا ہے اور ورود کا صلہ بھی عَلٰی، یا اور بھی کوئی فعل جو آپ کو مناسب لگے جن کے ساتھ عَلٰی استعمال ہوتا ہے آپ اس کا معنیٰ بھی یہاں ملحوظ رکھ سکتے ہیں۔ بس بتلانے کا مقصد یہ ہے کہ تضمین اسے کہتے ہیں کہ ایک فعل کے اندر دوسرے فعل کا معنیٰ ملحوظ ہوتا ہے اور آگے آنے والا صلہ یعنی حرفِ جر جو ہے وہ اس پر دلالت کر رہا ہوتا ہے۔ الْمُعْتَبِرَةِ کے ساتھ عَلَيْهِ، عَلٰی فعل لے آئے۔ عَلٰی تو مُعْتَبِرَة کے ساتھ استعمال نہیں ہوتا، معلوم ہوا اس کے اندر کسی ایسے فعل کے معنیٰ کا لحاظ رکھا گیا ہے جس کا صلہ عَلٰی آتا ہے، اور وہ یہاں کیا مناسب بنتا ہے؟ ورود یا استیلاء۔ ورود کے ساتھ بھی عَلٰی استعمال ہوتا ہے، استیلاء کے ساتھ بھی، معلوم ہوا ان دونوں میں سے کوئی ایک یہاں جو بھی آپ کو مناسب لگے۔ بلکہ کوئی اور فعل آپ کو مل جائے جن کا معنیٰ اس سے بھی زیادہ مناسب بنے یہاں پر جس کے ساتھ عَلٰی استعمال ہوتا ہو تو آپ کہہ سکتے ہیں کہ یہاں اس فعل کا معنیٰ ملحوظ ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟

أَيْ عَلَى الْمُعْرَبِ مُتَعَلِّقٌ بِمُعْتَبِرَةٍ، یہ عَلَى الْمُعْرَبِ جو ہے یعنی عَلَيْهِ جو ہے یہ متعلق ہے مُعْتَبِرَة سے، عَلٰى تَضْمِيْنِ مِثْلِ مَعْنَى الْوُرُوْدِ وَالِاسْتِيْلَاءِ یعنی ورود اور استیلاء کا جو معنیٰ ہے ان جیسوں کی تضمین کے ساتھ، ان جیسے افعال میں سے کسی ایک کی تضمین یہاں ماننا پڑے گی، یعنی وہ ملحوظ ہے یہاں پر۔ تو کہتے ہیں: عَلٰى تَضْمِيْنِ مِثْلِ مَعْنَى الْوُرُوْدِ وَالِاسْتِيْلَاءِ، یعنی ورود اور استیلاء کے معنیٰ جو ہیں ان جیسوں کی تضمین کے ساتھ۔

يُقَالُ عربی میں کہتے ہیں: اعْتَوَرُوا الشَّيْءَ وَتَعَاوَرُوْهُ، یہ عربی میں کہتے ہیں اعْتَوَرُوا الشَّيْءَ یا تَعَاوَرُوا الشَّيْءَ، دیکھا یہ مفعول کو نصب دے رہا ہے، یہ عربی میں کہتے ہیں اعْتَوَرُوا الشَّيْءَ یا تَعَاوَرُوا الشَّيْءَ عربی میں کہتے ہیں، کب؟ إِذَا تَدَاوَلُوْهُ جب وہ اس کو ہاتھوں ہاتھ لیں یا یوں کہیں جب وہ اس کو باری باری لیں، جب ایک جماعت جب کوئی جماعت ایک چیز کو باری باری لے تو پھر اس کو کیا کہتے ہیں؟ اعْتِوَار کہتے ہیں۔ مثلاً دیکھو، مجھے کسی نے کتاب دی۔ یہ ہماری جماعت ہے مجھے کسی نے کتاب دی۔ میں نے اس کتاب کو لیا، دیکھا، پھر آپ نے مجھ سے کتاب لے لی آپ نے اس کو دیکھا، پھر تیسرے ساتھی نے اس کتاب کو لے لیا اس نے اس کو دیکھا، پھر چوتھے نے لے لیا۔ تو دیکھو باری باری کتاب کو لے رہے ہیں۔ تو اعْتَوَرُوا الشَّيْءَ اور تَعَاوَرُوا الشَّيْءَ عربی میں کہتے ہیں إِذَا تَدَاوَلُوْهُ جب وہ اس کو باری باری لیں، ایک چیز کو باری باری لیں۔

خود معنیٰ بیان کر رہے ہیں: أَيْ أَخَذَهُ جَمَاعَةٌ وَاحِدَةٌ بَعْدَ وَاحِدَةٍ عَلٰى سَبِيْلِ الْمُنَاوَبَةِ وَالْبَدَلِيَّةِ، یعنی جب لے اس کو جَمَاعَةٌ وَاحِدَةٌ ایک جماعت بَعْدَ وَاحِدَةٍ ایک کے بعد، ایک جماعت کے بعد ایک جماعت اس چیز کو لے لے عَلٰى سَبِيْلِ الْمُنَاوَبَةِ وَالْبَدَلِيَّةِ۔ مناوبت کہتے ہیں باری باری لینا، بدلیت بدل۔ باری باری یا بدل کے طریقے پر، پہلے ایک نے لیا پھر بدل کر دوسرے نے لیا پھر اس سے بدل کر تیسرے نے لیا۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو اعْتِوَار اور تَعَاوُر کا فعل عربی میں استعمال

کرتے ہیں جب ایک جماعت ایک چیز کو لے لے، پھر اس سے دوسری لے لے، پھر تیسری لے لے، تو اس وقت یوں کہا جاتا ہے باری باری لینا۔ بات سمجھ میں آگئی؟ پھر دیکھو: يُقَالُ اعْتَوَرُوا الشَّيْءَ وَتَعَاوَرُوْهُ عربی میں کہتے ہیں اعْتَوَرُوا الشَّيْءَ اور تَعَاوَرُوا الشَّيْءَ، کب؟ إِذَا تَدَاوَلُوْهُ جب اس کو وہ باری باری لیں، أَيْ أَخَذَهُ جَمَاعَةٌ وَاحِدَةٌ بَعْدَ وَاحِدَةٍ یعنی اس شے کو ایک جماعت کے بعد ایک جماعت لے عَلٰى سَبِيْلِ الْمُنَاوَبَةِ وَالْبَدَلِيَّةِ باری باری اور بدلیت کے طریقے پر، لَا عَلٰى سَبِيْلِ الِاجْتِمَاعِ اجتماع کے طریقے پر نہیں یعنی اکٹھے نہ لیں بلکہ ایک کے بعد ایک لیں۔ بات سمجھ میں آگئی؟ باری باری لیں۔

فَإِذَا تَدَاوَلَتِ الْمَعَانِي الْمُقْتَضِيَةُ لِلْإِعْرَابِ الْمُعْرَبَ مُتَعَاقِبَةً مُتَنَاوِبَةً غَيْرَ مُجْتَمِعَةٍ لِتَضَادِّهَا، متن میں کیا آیا تھا؟ الْمَعَانِي الْمُعْتَبَرَةِ، وہ معانی جو باری باری آتے ہیں اس پر، وہ معانی جو اس پر... توجہ ہے؟ اعْتِوَار کا کیا معنیٰ؟ اعْتِوَار کا معنیٰ ایک چیز کو باری باری لینا، لیکن اس میں ورود اور استیلاء کا معنیٰ بھی ملحوظ ہے۔ کیا معنیٰ؟ یعنی وہ معانی جو باری باری اس معرب پر آتے ہیں، دیکھا آنے کا معنیٰ ہے، یا وہ معانی جو باری باری اس معرب پر غالب آتے ہیں، کبھی اس میں فاعلیت والا معنیٰ اس پر غالب آئے گا، کبھی مفعولیت والا، کبھی اضافت والا۔ اعْتِوَار میں کس کا معنیٰ ملحوظ؟ ورود اور استیلاء۔ ورود کا کیا معنیٰ؟ آنا۔ استیلاء کا کیا معنیٰ؟ غالب ہونا۔ تو اب ترجمہ سنو دیکھو، متن دیکھو: لِيَدُلَّ عَلَى الْمَعَانِي الْمُعْتَبَرَةِ عَلَيْهِ، تاکہ یہ اختلافِ آخر دلالت کرے ان معانی پر الْمُعْتَبَرَةِ عَلَيْهِ جو باری باری اس معرب پر آرہے ہیں، دیکھا ورود آنے کا معنیٰ میں نے کر دیا، وہ باری باری اس پر آرہے ہیں۔ یا استیلاء کا معنیٰ کر لیں، باری باری اس معرب پر جو معانی غالب آرہے ہیں، کبھی فاعلیت والا معنیٰ غالب آئے گا، کبھی مفعولیت والا، اور کبھی اضافت والا۔ بات سمجھ میں آگئی؟

اور پھر آپ کو بتلا رہے ہیں کہ یہ معانی جو اِعراب کا تقاضا کر رہے ہیں، فاعلیت کس کا تقاضا کرتی ہے؟ رفع کا۔ مفعولیت کس کا تقاضا کرتی ہے؟ نصب کا۔ اور اضافت کس کا تقاضا کرتی ہے؟ جر کا۔ توجہ ہے؟ تو یہ معانی جو اِعراب کا تقاضا کر رہے ہیں، یہ معرب کو باری باری لیتے ہیں۔ فاعلیت والا معنیٰ آیا اس نے معرب کو لے لیا اور کون سا اِعراب آگیا اس پر؟ رفع آگیا۔ مفعولیت والا معنیٰ آیا اور اس نے معرب کو لے لیا۔ تداول کا کیا معنیٰ ہے؟ باری باری لینا۔ توجہ ہے؟ تداول کا معنیٰ ہے باری باری لینا، یہ عبارت پہ نظر رکھو: فَإِذَا تَدَاوَلَتِ الْمَعَانِي الْمُقْتَضِيَةُ لِلْإِعْرَابِ، جب باری باری لیتے ہیں کون لیتے ہیں؟ الْمَعَانِي الْمُقْتَضِيَةُ لِلْإِعْرَابِ، وہ معانی جو اِعراب کا تقاضا کرنے والے ہیں یہ جب باری باری لیتے ہیں، کس کو باری باری لیتے ہیں؟ الْمُعْرَبَ یہ مفعول ہے، معرب کو، کس کو؟ بھئی جب معرب پر مختلف معانی آرہے ہیں تو گویا وہ معرب کو لیتے جا رہے ہیں۔ پہلے فاعلیت والا آیا اس نے معرب کو لے لیا، پھر مفعولیت والا معنیٰ آیا اس نے معرب کو لے لیا، اور پھر اضافت والا معنیٰ آیا اور اس نے معرب کو لے لیا۔ تو یہ الْمُعْرَبَ اس کو مفعول پڑھنا یہ تَدَاوَلَ کا مفعول بنے گا بھئی۔ پیچھے انہوں نے بتلا دیا تھا تَدَاوَلُوْهُ معلوم ہوا اس کے لیے مفعول چاہیے ہوتا ہے بھئی۔

تو کہتے ہیں: فَإِذَا تَدَاوَلَتِ الْمَعَانِي الْمُقْتَضِيَةُ لِلْإِعْرَابِ الْمُعْرَبَ جب وہ معانی جو اِعراب کا تقاضا کرنے والے ہیں وہ

باری باری معرب کو لیتے ہیں مُتَعَاقِبَةً ایک دوسرے کے پیچھے آتے ہوئے مُتَنَاوِبَةً باری باری آتے ہوئے غَيْرَ مُجْتَمِعَةٍ بغیر اکٹھے ہوئے لِتَضَادِّهَا بوجہ ان کے متضاد ہونے کے۔ بھئی اکٹھے نہیں آتے کیونکہ یہ معانی متضاد ہیں، ایک ہی وقت میں ایک چیز کے اندر فاعلیت والا بھی معنیٰ آجائے اور مفعولیت والا بھی آجائے یہ نہیں ہو سکتا، ایک وقت میں ایک معنیٰ آسکتا ہے۔ بات سمجھ میں آرہی ہے؟ ایک وقت میں... تو یہ اکٹھے نہیں آسکتے باری باری ہی آئیں گے۔ فاعلیت والا معنیٰ آئے گا تو مفعولیت والا نہیں ہے، مفعولیت والا آئے گا تو فاعلیت والا نہیں ہوگا۔ تو یہ مُتَعَاقِبَةً اس حال میں کہ یہ جو معانی ہوتے ہیں ایک دوسرے کے پیچھے یعنی باری باری ہوتے ہیں، مُتَنَاوِبَةً اس کا بھی معنیٰ وہی ہے باری باری ہوتے ہیں، غَيْرَ مُجْتَمِعَةٍ اور اکٹھے نہیں ہوتے۔ بھئی کیوں اکٹھے کیوں نہیں ہوتے، باری باری کیوں ہوتے ہیں؟ کہتے ہیں لِتَضَادِّهَا کیونکہ یہ آپس میں متضاد ہیں، ایک دوسرے کے مخالف ہیں بھئی اکٹھے نہیں ہو سکتے۔

تو جب یہ معانی اکٹھے نہیں ہو سکتے فَيَنْبَغِيْ أَنْ تَكُوْنَ عَلَامَاتُهَا أَيْضًا كَذٰلِكَ تو مناسب یہ ہے کہ وہ جو ان کی علامتیں ہیں وہ بھی اسی طرح ہونی چاہئیں، وہ بھی الگ الگ ہونی چاہئیں، ایک، ایک جیسی نہیں ہونی چاہئیں۔ فَيَنْبَغِيْ أَنْ تَكُوْنَ عَلَامَاتُهَا أَيْضًا كَذٰلِكَ تو مناسب یہ ہے کہ ان کی علامتیں بھی اسی طرح ہوں۔ فَوَقَعَ بِسَبَبِهَا اخْتِلَافٌ فِيْ آخِرِ الْمُعْرَبِ تو یہ جو علامتیں ہیں ان کی وجہ سے معرب کے آخر میں اختلاف آئے گا۔ فَوَقَعَ بِسَبَبِهَا اخْتِلَافٌ فِيْ آخِرِ الْمُعْرَبِ تو پھر ان علامتوں کی، چونکہ علامتیں مختلف ہیں تو ان علامتوں کی وجہ سے معرب کا آخر بھی کیا ہوگا؟ مختلف ہو جائے گا۔ بات سمجھ میں آگئی؟ فاعلیت کی صورت میں رفع آئے گا، مفعولیت کی صورت میں نصب آئے گا، اور اضافت کی صورت میں جر آئے گا۔

فَوُضِعَ أَصْلُ الْإِعْرَابِ لِلدَّلَالَةِ عَلٰى تِلْكَ الْمَعَانِيْ، فَوُضِعَ أَصْلُ الْإِعْرَابِ تو اصلِ اِعراب کو وضع کیا گیا ہے لِلدَّلَالَةِ عَلٰى تِلْكَ الْمَعَانِيْ ان معانی پر دلالت کرنے کے لیے۔ اصلِ اِعراب کو وضع کیا گیا ہے ان معانی پر دلالت کرنے کے لیے: رفع فاعلیت پہ دلالت کرے، نصب مفعولیت پہ دلالت کرے اور جر اضافت پر دلالت کرے۔ تو کہتے ہیں: فَوُضِعَ أَصْلُ الْإِعْرَابِ لِلدَّلَالَةِ عَلٰى تِلْكَ الْمَعَانِيْ تو اصلِ اِعراب کو وضع کیا گیا ہے تاکہ یہ دلالت کرے ان معانی پر۔ وَوُضِعَ اور اس اِعراب کو وضع کیا گیا ہے بِحَيْثُ اس طور پر کہ يَخْتَلِفُ بِهِ آخِرُ الْمُعْرَبِ کہ اس کی وجہ سے معرب کا آخر بدلتا ہے لِاخْتِلَافِ تِلْكَ الْمَعَانِيْ ان معانی کے بدلنے کی وجہ سے۔ تو اس اِعراب کی وجہ سے معرب کا آخر بھی بدلتا ہے کیونکہ وہ معانی بدل رہے ہیں، جب وہ معانی بدل رہے ہیں تو جو ان کی علامتیں ہیں وہ بھی بدلتی رہیں گی، تو معرب کا آخر بدلتا رہے گا بھئی۔

یہ جو عبارت آئی فَوُضِعَ أَصْلُ الْإِعْرَابِ اس کو فعل بھی پڑھ سکتے ہیں اور آپ چاہیں تو اس کو مصدر پڑھ لیں: فَوَضْعُ أَصْلِ الْإِعْرَابِ تو اصلِ اِعراب کی جو وضع ہے لِلدَّلَالَةِ عَلٰى تِلْكَ الْمَعَانِيْ وہ ان معانی پر دلالت کرنے کے لیے ہے۔ اصلِ اِعراب کی وضع ان معانی پر دلالت کرنے کے لیے ہے، وَوُضِعَ اور پھر اس اِعراب کو وضع کیا گیا ہے بِحَيْثُ اس طور پر يَخْتَلِفُ بِهِ آخِرُ الْمُعْرَبِ کہ اس سے معرب کا آخر بھی بدلتا ہے لِاخْتِلَافِ تِلْكَ الْمَعَانِيْ ان معانی کے بدلنے کی وجہ سے۔ بھئی ادھر دیکھیے، کہنا یہ چاہتے ہیں کہ چونکہ معرب پر مختلف معانی آتے ہیں، جب وہ معانی مختلف ہیں تو ان کی جو علامتیں ہیں ان

کو بھی کیا ہونا چاہیے؟ مختلف ہونا چاہیے، اور جب وہ علامتیں مختلف ہیں تو پھر معرب کا آخر بھی ان علامتوں کی وجہ سے بدلے گا، کیونکہ اس پر وہ معانی بدل رہے ہیں تو ان کی علامتیں بھی بدل رہی ہیں اور اس کی وجہ سے معرب کا آخر بھی بدل رہا ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ چلیے بس کریں بھئی، بات سمجھ میں آگئی اچھی طرح؟ چلیے بس بھئی، هٰذَا هُوَ الْمَرَامُ وَاللهُ أَعْلَمُ بِحَقِيْقَةِ الْكَلَامِ۔

سبق نمبر ۴۵: تعریفِ اعراب (۳): اعراب کو اسم کے آخر میں رکھنے کی حکمت

شرحِ ملا جامی صفحہ: ۲۹ — بتاریخ: ۱۹ اگست ۲۰۲۱ء

▪ تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث

دیکھیے بھئی آگے سبق، وَإِنَّمَا جُعِلَ الْإِعْرَابُ فِي آخِرِ الْاِسْمِ الْمُعْرَبِ لِأَنَّ نَفْسَ الْاِسْمِ يَدُلُّ عَلَى الْمُسَمَّى وَالْإِعْرَابُ عَلَى صِفَتِهِ، وَلَا شَكَّ أَنَّ الصِّفَةَ مُتَأَخِّرَةٌ عَنِ الْمَوْصُوفِ، فَالْأَنْسَبُ أَنْ يَكُونَ الدَّالُّ عَلَيْهَا أَيْضًا مُتَأَخِّرًا عَنِ الدَّالِّ عَلَيْهِ.

اچھا بھئی، گزشتہ سبق میں اعراب کی تعریف ہم پڑھ رہے تھے۔ صاحبِ کافیہ نے اعراب کی تعریف کی: الْإِعْرَابُ مَا اخْتَلَفَ آخِرُهُ بِهِ لِيَدُلَّ عَلَى الْمَعَانِي الْمُعْتَوِرَةِ عَلَيْهِ۔ کہ اعراب وہ چیز ہے کہ جس کے سبب سے معرب کا آخر بدلتا ہے تاکہ یہ معرب کے آخر کا بدلنا یا یہ جو اعراب ہے یہ دلالت کرے ان معانی پر الْمُعْتَوِرَةِ عَلَيْهِ جو اس معرب پر باری باری آرہے ہیں۔ یعنی کبھی اس میں فاعلیت والا معنی آتا ہے، کبھی مفعولیت والا معنی آتا ہے اور کبھی اضافت والا معنی آتا ہے یعنی مضاف الیہ ہونے والا معنی۔

تو یہ اعراب جو ہیں ان معانی پر دلالت کرتے ہیں۔ صاحبِ جامی نے آپ کو بتلایا تھا کہ مصنف کی تعریف جو ہے الْإِعْرَابُ مَا اخْتَلَفَ آخِرُهُ بِهِ یہاں تک جب تعریف ہو گئی تو اب یہ تعریف جو معرب کی ہے یہ جامع بھی ہے مانع بھی ہے۔ تو لِيَدُلَّ عَلَى الْمَعَانِي الْمُعْتَوِرَةِ عَلَيْهِ اس کا تعریف کے جامع مانع ہونے میں کوئی دخل نہیں۔ لیکن یہ تعریف کے بعد صاحبِ کافیہ ذکر تو فرما رہے ہیں تو بعض شارحین نے کیا کیا؟ انہوں نے کہا کہ بِهِ تک تعریف جامع مانع ہو گئی، لہٰذا اب لِيَدُلَّ جو ہے اس کے ذریعے تو کسی کو بھی نہیں نکالا جا رہا، تو اس کو اسی تعریف سے متعلق نہ کرو، اس کے لیے الگ متعلق محذوف نکال لو اور وہ کیا ہے؟ وُضِعَ الْإِعْرَابُ، یہ محذوف نکال لو اور لِيَدُلَّ کو اس وُضِعَ الْإِعْرَابُ سے جوڑ دو۔ وُضِعَ میں فعل ہے بھئی اور فعل کے ساتھ جار مجرور متعلق ہوتے ہیں، آپ نے پڑھا ہے بھئی۔

تو معنی یوں ہو جائے گا، وُضِعَ الْإِعْرَابُ، اعراب کو وضع کیا گیا ہے، مقرر کیا گیا ہے تاکہ وہ دلالت کریں ان معانی پر جو اس معرب پر باری باری آرہے ہیں۔ تو شارحِ جامی فرما رہے ہیں کہ نہیں بھئی، لِيَدُلَّ کو وُضِعَ الْإِعْرَابُ سے متعلق نہ کرو۔

الْإِعْرَابُ مَا اخْتَلَفَ آخِرُهُ بِهِ یہاں تک آکر تعریف جامع مانع ہو گئی اور آگے جو لِيَدُلَّ ہے اس کے ذریعے کسی کو نکالنا تو مقصود نہیں، لیکن وہ تعریف ہی کا حصہ ہے اور جامع مانع ہونے کے اعتبار سے تعریف کا حصہ نہیں ہے بلکہ ایک مزید فائدے کے اعتبار سے وہ تعریف کا حصہ ہے کہ اس میں مصنف یہ بتلانا چاہتے ہیں یہ جو مختلف اعراب وضع کیے گئے اس کے فائدے پر متنبہ کرنا چاہتے ہیں۔

تعریف تو جامع مانع ہو گئی بھئی، لیکن آگے مصنف کیا بتلانا چاہتے ہیں؟ کہ یہ جو اعراب کو وضع کیا گیا اور مختلف طور پر، یعنی فاعلیت کے لیے رفع وضع کیا گیا، مفعولیت کے لیے نصب وضع کیا گیا اور مضاف الیہ کے لیے جر وضع کیا گیا۔ تو یہ جو وضعِ اعراب کا اختلاف ہے، مختلف قسم کے اعراب ہیں اس کا فائدہ بھی بتلانا چاہتے ہیں بھئی۔ اس کا، کہ یہ اعراب کیوں ہیں؟ کیونکہ معرب پر مختلف معانی آتے ہیں اور یہ جو اعراب ہیں یہ ان معانی پر دلالت کرتے ہیں۔ تو جب وہ معانی مختلف ہیں تو یہ اعراب بھی مختلف ہونے چاہئیں بھئی۔ ایک ہی اعراب مقرر کر دیا جائے پھر تو پتہ نہیں چلے گا کہ کون سا معنی ہے یہاں پر۔ کیونکہ معانی تو تین قسم کے ہیں جو معرب پر آرہے ہیں تو اعراب بھی کتنی قسم کے ہونے چاہئیں؟ تین قسم کے، تاکہ ہر اعراب اپنے معنی پر دلالت کرے۔

تو حاصلِ کلام یہ کہ لِيَدُلَّ سے آگے جو تعریف کا حصہ ہے کہ وہ تعریف سے متعلق تو ہے، تعریف کا حصہ تو ہے، لیکن یہ تعریف کا حصہ اس اعتبار سے نہیں ہے کہ یہ تعریف کو جامع مانع بنا رہا ہے، بلکہ اس لحاظ سے یہ تعریف کا حصہ ہے کہ یہ ایک الگ فائدہ بتلا رہا ہے، اس سے ایک الگ فائدہ حاصل ہو رہا ہے کہ یہ اعراب مختلف قسم کے کیوں وضع کیے گئے بھئی۔ چنانچہ صاحبِ جامی فرماتے ہیں کہ صاحبِ کافیہ نے جو کافیہ کی شرح جب لکھی تو اس میں اس مقام تک یعنی بِهِ تک جب انہوں نے شرح کر لی تو اگلی عبارت جو آرہی تھی لِيَدُلَّ عَلَى الْمَعَانِي الْمُعْتَوِرَةِ عَلَيْهِ، اس کے بارے میں انہوں نے فرمایا کہ یہ تمامِ حد میں سے نہیں ہے۔

یہ تمامِ حد میں سے نہیں ہے، یعنی یہ حد کو پورا کرنے والی چیز نہیں ہے، حد تو پوری ہو چکی ہے جامع مانع ہونے کے اعتبار سے بھئی۔ تو گویا وہ بھی اسی معنی کی طرف اشارہ کر رہے تھے جو ہم نے کہا۔ ہم نے کہا کہ یہ تعریف کا حصہ ہے لیکن جامع مانع ہونے کی حیثیت سے نہیں بلکہ ایک الگ فائدے کی حیثیت سے۔ لہٰذا اس کے لیے وُضِعَ الْإِعْرَابُ الگ محذوف نکالنے کی حاجت نہیں، اس کو اسی اخْتَلَفَ آخِرُهُ سے جوڑا جائے گا بھئی۔ بات سمجھ میں آگئی؟

اس کے بعد لِيَدُلَّ عَلَى الْمَعَانِي الْمُعْتَوِرَةِ عَلَيْهِ، لِيَدُلَّ کے اندر ضمیر جو ہے وہ کس کو راجع ہے وہ بتلایا آپ کو صاحبِ جامی نے۔ دیکھیے میں نے آپ کو بتلایا تھا کہ معرب پر سب سے پہلے اعراب داخل ہوتا ہے، توجہ ہے؟ اعراب داخل ہوتا ہے، پھر وہ اعراب اس میں فاعلیت یا مفعولیت یا مضاف الیہ والا معنی اس میں پیدا کرتا ہے اور پھر یہ معنی اس میں اعراب کا تقاضا کرتا ہے کہ اس پر یہ والا اعراب آنا چاہیے اور پھر جب وہ والا اعراب آتا ہے تو معرب کا آخر مختلف ہو

جاتا ہے۔

معلوم ہوا اعراب جو ہے یہ سببِ قریب ہے اختلافِ آخر کے لیے۔ اعراب سببِ قریب ہے اختلافِ آخر کے لیے۔ تو اعراب اور چیز ہے، اختلافِ آخر اور چیز ہے۔ اعراب سبب ہے اور اختلافِ آخر مسبب ہے۔ تو اب لِيَدُلَّ کی ضمیر میں دونوں احتمال ہیں، اس ضمیر کو اختلاف کی طرف بھی راجع کیا جا سکتا ہے تاکہ وہ اختلافِ آخر جو ہے وہ دلالت کرے ان معانی پر۔ تاکہ وہ اختلافِ آخر جو ہے وہ دلالت کرے ان معانی پر۔ اور نیز لِيَدُلَّ کی ضمیر جو ہے اس کو اعراب کی طرف بھی راجع کر سکتے ہیں۔ اختلاف کی طرف بھی اور اعراب کی طرف بھی۔ اختلاف کی طرف میں نے ابھی بیان کر دیا تاکہ وہ اختلافِ آخر دلالت کرے ان معانی پر۔ یا اعراب کو ضمیر لوٹا دو تاکہ وہ اعراب دلالت کریں کس پر؟ ان معانی پر۔ تو اختلاف اور چیز اور اعراب اور چیز ہے بھئی۔

اسی لیے انہوں نے کہا لِيَدُلَّ الِاخْتِلَافُ أَوْ مَا بِهِ الِاخْتِلَافُ، تاکہ دلالت کرے وہ اختلاف ان معانی پر، أَوْ مَا بِهِ الِاخْتِلَافُ، یا دلالت کرے وہ چیز جس کی وجہ سے اختلاف ہے یعنی اعراب۔ مَا بِهِ الِاخْتِلَافُ سے کیا مراد ہے؟ اعراب، تاکہ وہ اعراب دلالت کرے ان معانی پر۔ فرق سمجھ میں آگیا؟ دونوں صورتوں میں جس طرف بھی آپ ضمیر لوٹا دیں، چاہے اختلاف کی طرف لوٹا دیں چاہے مَا بِهِ الِاخْتِلَافُ یعنی جس کے ذریعے اختلاف ہو رہا ہے یعنی کہ اعراب کی طرف بھئی، دونوں صورتوں میں معنی درست بنتا ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟

اس کے بعد پھر انہوں نے آپ کو یہ بتلایا کہ الْمُعْتَوِرَةِ اس کو اسمِ فاعل کا صیغہ پڑھنا، بعض شارحین نے اس کو الْمُعْتَوَرَةِ اسمِ مفعول کا صیغہ بنایا۔ کہتے ہیں نہیں بھئی اس کو اسمِ فاعل کا صیغہ پڑھو، اور یہ جو عَلَيْهِ ہے اس میں ہَا ضمیر معرب کو راجع ہے، الْمُعْتَوِرَةِ عَلَى الْمُعْرَبِ، وہ معانی جو معرب پر آتے ہیں باری باری۔

اس پر پھر اشکال ہوا کہ اعْتَوَرَ يَعْتَوِرُ یہ فعل تو براہِ راست مفعول کو نصب دیتا ہے۔ تو یہ جو عَلَيْهِ کے اندر ہَا ضمیر آ رہی ہے، اس ہَا کو یہ براہِ راست نصب دے سکتا ہے اور جب براہِ راست نصب دے سکتا ہے تو پھر عَلَى کو بیچ میں لانے کی ضرورت نہیں۔ اسی طرح کہہ دیتے الْمُعْتَوِرَةِ إِيَّاهُ۔ بات سمجھ میں آ رہی ہے؟ مفعول کی ضمیر لے آتے بھئی اور مفعول کیا ہوتا ہے؟ منصوب۔ تو الْمُعْتَوِرَةِ هُوَ نہیں کہیں گے کیونکہ هُوَ ضمیر تو مرفوع ہوتی ہے، وہ تو مبتدا بنے گی یا فاعل بنے گی۔ یہ، یہ تو مفعول ہمیں چاہیے تو مفعول کیا ہوتا ہے؟ منصوب۔ تو ہمیں غائب کی وہ ضمیر چاہیے جو منصوب ہو بھئی اور وہ کون سی ہے؟ إِيَّاهُ۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو هُوَ ضمیر کیا؟ مرفوع، یہ بھی غائب کی ضمیر ہے اور إِيَّاهُ یہ ضمیر بھی غائب کی ہے لیکن یہ منصوب۔ اور عَلَيْهِ کی ہَا ضمیر یہ اس کے اوپر عَلَى داخل ہے، یہ مجرور ہے۔ تو تینوں غائب کی ضمیریں ہیں لیکن جو مقام ہو گا اس کے مطابق ضمیر استعمال کی جاتی ہے۔ تو اگر عَلَيْهِ کی ضرورت نہیں اس کے بغیر ہی یوں عبارت ہونی چاہیے تھی: لِيَدُلَّ عَلَى الْمَعَانِي الْمُعْتَوِرَةِ إِيَّاهُ، تاکہ وہ دلالت کرے جو اس پر باری باری معانی آ رہے ہیں بھئی۔

پھر اس کے بعد بتلایا تھا کہ بھئی اعتوار کے معنی ہیں ایک چیز کو باری باری لینا۔ عربی میں کہتے ہیں اعْتَوَرُوا الشَّيْءَ یا

تَعَاوَرُوا الشَّيْءَ۔ کب؟ جب ایک جماعت کے بعد دوسری جماعت ایک چیز کو باری باری لے بھئی، اس کے لیے اعتوار اور تعاور کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔

تو یہاں پر اعتوار کے ساتھ جو عَلَی لے کر آئے، یہ کس لیے ہے؟ تضمین کے لیے ہے۔ تضمین اسے کہتے ہیں کہ ایک فعل کے اندر دوسرے فعل کا معنی ملحوظ ہو اور آگے کوئی قرینہ ہو جو بتلائے کہ اس فعل کے اندر یہ والا معنی بھی ملحوظ ہے۔ اعْتَوَرَ کا معنی تو ہے باری باری ایک چیز کو لینا اور اس کے لیے صلہ عَلَی نہیں آتا، یعنی اس کے ساتھ عَلَی حرفِ جر استعمال کرنے کی ضرورت نہیں، یہ براہِ راست خود مفعول کو نصب دیتا ہے۔ لیکن اس کے اندر ورود یا استیلاء کا معنی ملحوظ ہے اور ورود اور استیلاء کے ساتھ تو عَلَی استعمال ہوتا ہے۔ تو اس عَلَی نے دلالت کر دی۔ کس بات پر؟ بھئی یہ عَلَی تو اعتوار کے ساتھ استعمال نہیں ہوتا لیکن لے کر آئے، معلوم ہوا یہاں کسی اور فعل کا معنی ملحوظ ہے جس کا صلہ عَلَی آتا ہے اور وہ کیا مناسب؟ جو بھی مناسب بنتا ہو، اور یہاں کیا مناسب بنتا ہے؟ ورود اور استیلاء۔ ورود کا معنی ہے آنا، آنا، وارد ہونا۔ اور استیلاء کا معنی ہے غالب ہونا۔ تو دیکھو دونوں کا ترجمہ معنی میں لے آؤں گا اس میں۔ لِيَدُلَّ عَلَى الْمَعَانِي الْمُعْتَوِرَةِ عَلَيْهِ، تاکہ یہ دلالت کرے ان معانی پر الْمُعْتَوِرَةِ عَلَيْهِ جو اس پر باری باری وارد ہو رہے ہیں۔ وارد ہو رہے ہیں، ان کا ورود ہو رہا ہے، وہ باری باری اس کے اوپر آ رہے ہیں۔

تاکہ یہ اختلافِ آخر کس پر دلالت کرے؟ ان معانی پر جو باری باری اس معرب پر آ رہے ہیں۔ دیکھو ورود کا معنی میں نے کر لیا اس کے اندر۔ یا استیلاء کا معنی کر لو، تاکہ یہ اختلافِ آخر جو ہے یہ دلالت کرے ان معانی پر جو باری باری معرب پر غالب آ رہے ہیں۔ دیکھا، اب غالب آنے کا استیلاء کا معنی میں نے کر لیا۔

جی، اور پھر اس کے بعد حاصلِ کلام انہوں نے بتلایا تھا کہ یہ معانی جب باری باری آتے ہیں معرب پر، یعنی اکٹھے نہیں آتے، اکٹھے کیوں نہیں آ سکتے؟ کیونکہ یہ معانی ایک دوسرے کی ضد ہیں، یہ اکٹھے ہو ہی نہیں سکتے۔ یا فاعلیت والا معنی آئے گا یا مفعولیت والا معنی آئے گا یا مضاف الیہ والا معنی آئے گا، اکٹھے ہو ہی نہیں سکتے۔ تو باری باری آتے ہیں، کبھی ایک معنی کبھی دوسرا معنی۔ جب یہ معانی اکٹھے نہیں ہو سکتے تو ان کی جو علامتیں ہیں وہ بھی اسی طرح ہونی چاہئیں، الگ الگ ہونی چاہئیں تاکہ وہ ان معانی پر دلالت کریں اور جیسے وہ معانی اکٹھے نہیں ہو سکتے تو علامتیں بھی اکٹھی نہیں ہو سکتیں۔ تو اس لیے چونکہ ہر معنی کی علامت الگ ہے تو اس کی وجہ سے معرب کا آخر مختلف ہو گیا۔ کبھی ایک معنی آئے گا تو اس کی علامت آئے گی، کبھی دوسرا معنی آئے گا تو اس کی علامت آئے گی، کبھی تیسرا معنی آئے گا تو اس کی علامت آئے گی۔ تو اس وجہ سے معرب کا آخر بدلتا ہے بھئی۔ بات سمجھ میں آ گئی؟

اب آئیے آج کے سبق پر بھئی۔ کہتے ہیں: وَإِنَّمَا جُعِلَ الْإِعْرَابُ فِي آخِرِ الْاِسْمِ الْمُعْرَبِ لِأَنَّ نَفْسَ الْاِسْمِ يَدُلُّ عَلَى

الْمُسَمَّى وَالْإِعْرَابُ عَلَى صِفَتِهِ۔ بھئی یہ اعراب جو ہیں یہ معرب کے آخر میں آتے ہیں: جَاءَنِي زَيْدٌ، رَأَيْتُ زَيْدًا، مَرَرْتُ بِزَيْدٍ۔ تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ آخر میں کیوں آتے ہیں؟ درمیان میں کیوں نہیں آجاتے معرب کے؟ یا اس کے شروع میں کیوں نہیں آجاتے؟ تو اب وجہ بیان کرنے لگے ہیں صاحبِ جامی اور وہ فرماتے ہیں کہ دیکھو یہ جو اسم ہوتا ہے یہ دلالت کرتا ہے مسمیٰ پر۔ اسم کس پر دلالت کرتا ہے؟ مسمیٰ پر۔ میں نے جیسے ہی زید کہا آپ کے ذہن میں زید کی صورت آگئی۔ دیکھا، لفظِ زید نے کس پہ دلالت کی؟ ذاتِ زید پر۔ تو یہ لفظِ زید، یہ اسم ہے اور ذاتِ زید اس کا مسمیٰ ہے جس پر یہ اسم دلالت کر رہا ہے۔ میں نے جیسے ہی کتاب کہا آپ کے ذہن میں فوراً کتاب کی صورت آگئی۔ تو یہ لفظِ کتاب، یہ ہوا دال اور وہ مسمیٰ کیا ہوا؟ مدلول بھئی، یہ اس پر دلالت کر رہی ہے۔ میں نے جیسے ہی کہا قلم، فوراً آپ کے ذہن میں قلم کی صورت آگئی، تو لفظِ قلم کیا ہوا؟ دالّ، یہ دلالت کر رہا ہے اور کس پر دلالت کر رہا ہے؟ قلم یعنی مسمیٰ۔

پر دلالت کر رہا ہے جو آپ کے ذہن میں آگیا۔ میں نے جیسے ہی کہا بکری آپ کے ذہن میں فوراً ایک حیوان کی صورت آگئی۔ دیکھا، وہ ہے مسمیٰ۔ تو یہ لفظِ بکری کیا ہے؟ اسم۔ اور وہ جو صورت ذہن میں آگئی وہ کیا ہے؟ مسمیٰ ہے۔ توجہ ہے؟ جی۔ تو لفظِ زید ہوا مثلاً اسم اور ذاتِ زید کیا ہوئی؟ مسمیٰ ہوئی۔ تو یہ جو اسم ہوتا ہے یہ مسمیٰ پر دلالت کرتا ہے، مسمیٰ اس کا مدلول ہوتا ہے۔ اور یہ جو اعراب ہے یہ فاعلیت یا مفعولیت یا اضافت پر دلالت کرتا ہے۔ کس پر دلالت کرتا ہے؟ فاعلیت، مفعولیت اور اضافت پر دلالت کرتا ہے۔ تو اعراب ہوا دالّ، یہ دلالت کر رہا ہے اور کس چیز پر دلالت کر رہا ہے؟ فاعلیت یا مفعولیت یا اضافت۔ اور یہ تینوں صفات ہوتی ہیں مسمیٰ کی۔ یہ فاعل ہونا اس مسمیٰ کی صفت ہوتی ہے، یا مفعول ہونا اس مسمیٰ کی صفت ہوگی، یا مضاف الیہ ہونا یہ اس مسمیٰ کی صفت ہوگی۔ توجہ ہے؟ جی۔ تو معلوم ہوا اسم دلالت کر رہا ہے ذاتِ مسمیٰ پر، اسم دلالت کر رہا ہے مسمیٰ پر اور اعراب دلالت کر رہا ہے اس مسمیٰ کی صفت پر۔ ضَرَبَ زَيْدٌ، زید نے پٹائی کی۔ توجہ ہے؟ جی۔ ضَرَبَ زَيْدٌ، زید نے پٹائی کی۔ جیسے ہی میں نے زید کہا آپ کے ذہن میں فوراً آپ کا ایک ساتھی ہے جس کا نام زید ہے، فوراً اس کی صورت آگئی۔ آپ سمجھ گئے کہ زید سے کون سا شخص مراد ہے، اس کی صورت، اس کی پہچان آپ کے ذہن میں آگئی۔ اور نیز، نیز ضَرَبَ زَيْدٌ اس سے کیا پتہ چلا؟ کہ زید نے کسی کی پٹائی کی ہے۔ معلوم ہوا یہ ضاربیت زید کی صفت ہے، توجہ ہے؟ جی۔ زید نے جب کسی کی پٹائی کی ہے تو یہ ضارب ہونا اس کی صفت ہو گئی، وہ ضارب ہے، مضروب نہیں ہے، تو یہ ضارب ہونا اس کی صفت ہے۔ تو مثلاً میں نے کیا کہا؟ ضَرَبَ زَيْدٌ۔ زید نے کس پہ دلالت کی؟ مسمیٰ پر۔ اور یہ رفع نے کس پہ دلالت کی؟ اس کے، اس کے فاعل ہونے پر۔ کس پر؟ بھئی زید نے کسی کی پٹائی کی ہے تو زید ضارب ہوا یا مضروب ہوا؟ ضارب۔ تو ضارب ہونا زید کی صفت ہے، توجہ ہے؟ جی۔ تو ایک ہے ذاتِ زید، ایک ہے اس کی صفت، ذاتِ زید اور، صفت اور۔ جیسے مثلاً عمر اور ہے، عمر کی سخاوت اور۔ عمر ایک ذات کا نام ہے اور سخاوت اس کی صفت ہے۔ اسی طرح زید ایک ذات کا نام ہے اور فاعل ہونا اس کی صفت ہے۔ تو اس کی

ذات پر کس نے دلالت کی؟ لفظِ زید نے، اور اس کی صفت یعنی فاعلیت پر کس نے دلالت کی؟ یہ جو زَیْدٌ کے آخر میں رفع آیا۔ جی۔ یہ زَیْدٌ یہ رفع کس چیز کی علامت ہے؟ فاعلیت کی علامت ہے۔ اس رفع نے کیا بتلایا کہ زید کس صفت کے ساتھ موصوف ہو رہا ہے؟ فاعل ہونے کے ساتھ، اس نے کسی کی پٹائی کی ہے۔ تو لفظِ زید کس پر دلالت کرتا ہے؟ مسمیٰ پر۔ اور یہ رفع کس پر دلالت کرتا ہے؟ اس مسمیٰ کی صفت پر۔ بات سمجھ میں آگئی؟ اور ظاہر سی بات ہے موصوف مقدم ہوتا ہے، صفت مؤخر ہوتی ہے۔ موصوف ہے تو صفت ہے، موصوف نہیں تو صفت کہاں سے؟ زید ہے تو زید کی ضاربیت ہے، زید نہیں تو اس کی ضاربیت کیسے ہو سکتی ہے؟ عمر ہے تو عمر کی سخاوت ہے، عمر نہیں تو اس کی سخاوت کہاں ہو سکتی ہے؟ تو موصوف مقدم ہوتا ہے اور صفت مؤخر، کیونکہ صفت اس کے ساتھ قائم ہے۔ موصوف ہے تو صفت ہے، موصوف نہیں تو صفت بھی نہیں۔ معلوم ہوا نفسِ اسم کس پر دلالت کرتا ہے؟ مسمیٰ پر۔ اور اس کا اعراب کس پر دلالت کرتا ہے؟ اس مسمیٰ کی صفت پر۔ اور جیسے مسمیٰ مقدم ہوتا ہے اور صفت مؤخر ہوتی ہے، تو اسی طرح معرب کا لفظ جو ہے وہ مقدم ہو گا اور اعراب اس کے آخر میں آئے گا۔ بات سمجھ میں آگئی؟ اچھی طرح۔ کیونکہ موصوف مقدم ہوتا ہے اور صفت مؤخر، تو لہٰذا اعراب کو بھی آخر میں آنا چاہیے کیونکہ وہ صفت پر دلالت کر رہا ہے۔

تو کہتے ہیں وَإِنَّمَا جُعِلَ الْإِعْرَابُ فِي آخِرِ الْاِسْمِ الْمُعْرَبِ اعراب جو ہے اس کو اسمِ معرب کے آخر میں کیا گیا لِأَنَّ نَفْسَ الْاِسْمِ يَدُلُّ عَلَى الْمُسَمَّى اس لیے کیونکہ نفسِ اسم جو ہے وہ دلالت کرتا ہے مسمیٰ پر۔ وَالْإِعْرَابَ عَلَى صِفَتِهِ اور اعراب جو ہے اس کی صفت پر دلالت کرتا ہے۔ وَالْإِعْرَابَ اس کا عطف جو ہے نَفْسَ الْاِسْمِ پر کر لیں اور وہ تو منصوب ہے أَنَّ کا اسم ہے تو الْإِعْرَابَ بھی کیا ہو گا؟ منصوب۔ تو کہتے ہیں لِأَنَّ نَفْسَ الْاِسْمِ يَدُلُّ عَلَى الْمُسَمَّى اس لیے کیونکہ نفسِ اسم دلالت کرتا ہے مسمیٰ پر وَالْإِعْرَابَ عَلَى صِفَتِهِ اور اعراب جو ہے اس مسمیٰ کی صفت پر دلالت کرتا ہے۔ وَلَا شَكَّ أَنَّ الصِّفَةَ مُتَأَخِّرَةٌ عَنِ الْمَوْصُوفِ اور اس بات میں کوئی شک نہیں ہے کہ صفت جو ہے موصوف سے مؤخر ہوتی ہے۔ موصوف ہے تو صفت ہے، موصوف نہیں تو صفت بھی نہیں۔ تو کہتے ہیں وَلَا شَكَّ أَنَّ الصِّفَةَ مُتَأَخِّرَةٌ عَنِ الْمَوْصُوفِ اور اس بات میں کوئی شک نہیں کہ صفت جو ہے وہ موصوف سے مؤخر ہوتی ہے۔ فَالْأَنْسَبُ أَنْ يَكُونَ الدَّالُّ عَلَيْهَا أَيْضًا مُتَأَخِّرًا عَنِ الدَّالِّ عَلَيْهِ۔ جی ادھر دیکھیے۔ موصوف مقدم ہوتا ہے اور صفت مؤخر۔ تو نفسِ اسم کس پر دلالت کرتا ہے؟ مسمیٰ پر۔ اور اعراب اس مسمیٰ کی صفت پر۔ تو گویا نفسِ اسم ہوا دَالٌّ عَلَى الْمُسَمَّى اور اعراب ہوا دَالٌّ عَلَى الصِّفَةِ۔ توجہ ہے؟ جی۔ اسم کیا ہوا؟ دَالٌّ عَلَى الْمُسَمَّى، مسمیٰ پہ دلالت کر رہا ہے اور اعراب دَالٌّ عَلَى الصِّفَةِ ہوا، یہ صفت پہ دلالت کر رہا ہے۔ تو جب صفت مؤخر ہوتی ہے موصوف سے تو دَالٌّ عَلَى الصِّفَةِ کو بھی مؤخر ہونا چاہیے دَالٌّ عَلَى الْمُسَمَّى پر بھئی۔ تو کہتے ہیں فَالْأَنْسَبُ أَنْ يَكُونَ الدَّالُّ عَلَيْهَا أَيْضًا مُتَأَخِّرًا عَنِ الدَّالِّ عَلَيْهِ تو مناسب یہ ہے کہ وہ جو دلالت کر رہا ہے عَلَيْهَا أَيْ عَلَى الصِّفَةِ أَيْضًا مُتَأَخِّرًا اس کو بھی متأخر ہونا چاہیے عَنِ الدَّالِّ عَلَيْهِ اس لفظ سے جو اس مسمیٰ پر دلالت کر رہا ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ اسم کس

پہ دلالت کر رہا ہے؟ مسمیٰ پر۔ اور اعراب کس پہ دلالت کر رہا ہے؟ صفت پر۔ اور صفت مؤخر ہوتی ہے۔ جب صفت موصوف سے مؤخر ہے تو لہٰذا دَالٌّ عَلَى الصِّفَةِ کو بھی مؤخر ہونا چاہیے دَالٌّ عَلَى الْمُسَمَّى پر۔

وَهُوَ مَأْخُوذٌ مِنْ أَعْرَبَهُ۔ اب اس کی وجہ تسمیہ ذکر کر رہے ہیں، اعراب کو اعراب کیوں کہتے ہیں؟ کہتے ہیں یا تو یہ ماخوذ ہے أَعْرَبَهُ سے، أَعْرَبَ الْكَلَامَ، زَيْدٌ أَعْرَبَ الْكَلَامَ، تو یہ أَعْرَبَهُ سے ماخوذ ہے۔ أَعْرَبَ الْكَلَامَ کا معنی ہے واضح کلام کرنا۔ زَيْدٌ أَعْرَبَ الْكَلَامَ زید نے واضح کلام کیا یعنی عربی ضابطوں وغیرہ کے مطابق کلام کیا جو واضح ہے جس کا معنی خوب سمجھ میں آرہا ہے، تو عربی میں کہتے ہیں أَعْرَبَ الْكَلَامَ اس نے واضح کلام کیا۔ تو چونکہ یہ اعراب بھی ان معانی کی وضاحت کر دیتا ہے۔ جب رفع آجائے معرب پر تو پتہ چل جاتا ہے اس میں کون سا معنی ہے؟ فاعلیت والا۔ جب نصب آتا ہے تو بتلا دیتا ہے اس میں مفعولیت والا معنی ہے اور معرب پر جب جر آجائے تو پتہ چل جاتا ہے کہ اس میں مضاف الیہ والا معنی ہے۔ تو جیسے أَعْرَبَ الْكَلَامَ کا معنی ہے واضح کرنا، تو اسی طرح یہ جو اعراب ہے یہ بھی اس معنی کی وضاحت کر دیتا ہے جو معرب پر آرہا ہوتا ہے، اس لیے اس کو اعراب کہتے ہیں۔ کیا کہتے ہیں؟ اعراب کو اعراب کیوں کہتے ہیں؟ یہ بھی وضاحت کرتا ہے اس معنی کی جو معرب پر آرہا ہوتا ہے۔ ادھر دیکھیے، ضَرَبَ زَيْدٌ عَمْرًا زید نے پٹائی کی عمر کی۔ فاعل کون؟ زَيْدٌ یہ رفع اس کا بتلا رہا ہے، اور عَمْرًا یہ کیا ہے؟ مفعول ہے، اس کا نصب بتلا رہا ہے۔ لیکن دیکھو اگر میں بغیر اعراب کے کہتا ضَرَبَ زَيْدٌ عَمْرٌو، ضَرَبَ زَيْدٌ عَمْرٌو۔ جی، اب کچھ پتہ چلا آپ کو کہ کون فاعل ہے اور کون مفعول ہے؟ نہیں۔ تو دیکھا اعراب آکر وضاحت کر دیتے ہیں تو اعراب کو اعراب اس لیے کہتے ہیں کیونکہ یہ بھی وضاحت کا فائدہ دیتے ہیں، تو اعراب کا معنی وضاحت کرنا۔ تو کہتے ہیں وَهُوَ مَأْخُوذٌ مِنْ أَعْرَبَهُ اور یہ ماخوذ ہے یعنی اعراب کا لفظ، اعراب کا نام جو ہے وہ لیا گیا ہے أَعْرَبَهُ سے إِذَا أَوْضَحَهُ جب کوئی کلام واضح کرے تو اس وقت کہتے ہیں أَعْرَبَهُ۔ فَإِنَّ الْإِعْرَابَ يُوضِحُ الْمَعَانِيَ الْمُقْتَضِيَةَ اس لیے کیونکہ اعراب جو ہے وہ وضاحت کرتا ہے ان معانی کی جو تقاضا کرنے والے ہیں، وہ معانی جو تقاضا کرنے والے ہیں۔ بھئی کس چیز کا تقاضا کرنے والے ہیں؟ اعراب کا، کس کا؟ اعراب کا۔ فاعلیت کس کا تقاضا کرتی ہے؟ رفع کا۔ مفعولیت کس کا تقاضا کرتی ہے؟ نصب کا اور مضاف الیہ کس کا تقاضا کرتا ہے؟ جر کا۔ تو کہتے ہیں دوبارہ دیکھیں وَهُوَ مَأْخُوذٌ مِنْ أَعْرَبَهُ إِذَا أَوْضَحَهُ کہ اعراب کا لفظ جو ہے یہ أَعْرَبَهُ سے ماخوذ ہے إِذَا أَوْضَحَهُ جب وہ کوئی شخص کلام کو واضح کر دے، فَإِنَّ الْإِعْرَابَ يُوضِحُ الْمَعَانِيَ الْمُقْتَضِيَةَ اس لیے کیونکہ اعراب بھی ان معانی کی وضاحت کر دیتا ہے جو اعراب کا تقاضا کرنے والے ہیں۔

أَوْ مِنْ عَرِبَتْ مَعِدَتُهُ یا یہ اعراب ماخوذ ہے عَرِبَتْ مَعِدَتُهُ سے یعنی عَرِبَ فعل سے ماخوذ ہے۔ کس سے؟ عَرِبَ کا معنی ہوتا ہے ایک چیز کا خراب ہو جانا۔ اس کے لیے عَرِبَ کا لفظ عربی میں بولتے ہیں۔ مثلاً کسی شخص کا معدہ خراب ہو گیا، بدہضمی وغیرہ ہو گئی یا کچھ بیمار ہو گیا تو عربی میں کہتے ہیں عَرِبَتْ مَعِدَتُهُ اس کا معدہ خراب ہے۔ اس کا معدہ خراب ہے۔ تو دیکھو یہ عَرِبَ فساد کے معنی میں ہے کہ اس کا معدہ فاسد ہے، توجہ ہے؟ جی۔ پھر اس عَرِبَ کو بابِ افعال میں لے گئے، تو اس میں

شروع میں ہمزہ کا اضافہ کر دیا اب کیا بن گیا؟ أَعْرَبَ يُعْرِبُ، توجہ ہے؟ أَعْرَبَ يُعْرِبُ۔ اور آپ جانتے ہیں ہر باب کے اپنے اپنے خاصے ہوتے ہیں، اس میں جب کسی لفظ کو لے جاتے ہیں تو وہاں کوئی خاص معنی مقصود ہوتا ہے۔ جیسے ضَرَبَ زَيْدٌ عَمْرًا اس کا کیا معنی ہے؟ زید نے عمر کی پٹائی کی۔ لیکن اگر آپ کسی کو یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ زید اور عمر دونوں نے ایک دوسرے کی پٹائی کی، تو اب ضَرَبَ زَيْدٌ عَمْرًا سے تو یہ سمجھ میں نہیں آتا، تو پھر اس کو آپ بابِ مفاعلہ میں لے جاتے ہیں: ضَارَبَ زَيْدٌ عَمْرًا۔ اب دیکھو زَيْدٌ فاعل ہے اور عَمْرًا مفعول ہے لیکن ضَارَبَ کون سے باب سے لے آئے آپ؟ بابِ مفاعلہ سے، اور بابِ مفاعلہ جانبین سے فعل کو چاہتا ہے۔ اب اس کا ترجمہ یہ نہ کرنا ضَارَبَ زَيْدٌ عَمْرًا کہ زید نے عمر کی پٹائی کی، بلکہ معنی ہو گا زید اور عمر دونوں نے ایک دوسرے کی پٹائی کی۔ زید نے عمر کی پٹائی کی ہے اور عمر نے زید کی پٹائی کی ہے، کیونکہ یہ خاصہ ہے کس کا؟ بابِ مفاعلہ کا، وہ جانبین سے فعل چاہتا ہے۔ تو ہر باب کے اسی طرح مختلف خاصے ہیں تو اسی طرح بابِ افعال کے بھی کئی خاصے ہیں۔ مثلاً ایک خاصہ ہے بابِ افعال کا کہ کسی لفظ کو آپ نے متعدی بنانا ہو تو بابِ افعال میں لے جاتے ہیں۔ جَلَسَ کا معنی بیٹھنا لیکن اگر آپ متعدی بنانا چاہتے ہیں تو اس کو بابِ افعال میں لے جائیں گے: أَجْلَسَ، أَجْلَسَ کا معنی بٹھانا۔ جَلَسْتُ کا معنی میں خود بیٹھا لیکن میں بتانا چاہتا ہوں میں نے دوسرے کو بٹھایا تو اب جَلَسَ سے تو کام نہیں چلے گا تو پھر میں بابِ افعال میں لے جاؤں گا اور یوں کہوں گا أَجْلَسْتُ زَيْدًا میں نے زید کو بٹھایا۔ دیکھو اب یہ متعدی بن گیا، یہ مفعول کو نصب دے رہا ہے۔ اسی طرح ذَهَبْتُ کا معنی میں خود گیا اور أَذْهَبْتُ کا معنی ہے میں دوسرے کو لے گیا، تو یہ متعدی ہو جاتا ہے بابِ افعال میں جب کسی فعل کو لے جائیں۔ اسی طرح بابِ افعال کا ایک خاصہ ہے سلبِ ماخذ۔ سلبِ ماخذ یعنی ماخذ کا سلب کر دیتا ہے، اس کی نفی کر دیتا ہے۔ نفی کر دیتا ہے۔ جیسے فُلُوس عربی میں پیسوں کو کہتے ہیں اور اسی کو بابِ افعال میں لے گئے أَفْلَسَ يُفْلِسُ إِفْلَاسًا تو أَفْلَسَ کا معنی پیسے ہونا نہیں بلکہ مفلس ہونا ہے۔ أَفْلَسَ يُفْلِسُ إِفْلَاسًا فَهُوَ مُفْلِسٌ۔ اب دیکھو یہ مُفْلِس کس سے بنا ہے؟ اسی فُلُوس سے بنا ہے، اس میں وہی مادہ ہے فاء، لام اور سین۔ لیکن اس کو بابِ افعال میں لے گئے تو بابِ افعال میں گویا ایک ہمزہ شروع میں بڑھا دیا أَفْلَسَ يُفْلِسُ، اور اب کیا معنی؟ مفلس کسے کہتے ہیں؟ جس کے پاس پیسے ہوں یا نہ ہوں؟ جس کے پاس پیسے نہ ہوں اس کو مفلس کہتے ہیں کہ فلاں آدمی بڑا مفلس ہے۔ فُلُوس تو پیسوں کو کہتے ہیں لیکن بابِ افعال میں لے گئے تو یہ ہمزہ جو شروع میں بڑھایا یہ کس لیے آیا؟ سلبِ ماخذ، اس نے ماخذ کی نفی کر دی۔ ماخذ کیا تھا؟ فُلُوس تھا پیسے۔ تو مفلس کسے کہتے ہیں؟ اس کے پاس فُلُوس ہیں یا فُلُوس نہیں ہیں؟ فُلُوس نہیں ہیں۔ تو دیکھو یہ سلبِ ماخذ کے لیے آیا، اس ماخذ یعنی فُلُوس کی نفی کر دی۔

اسی طرح یہاں عَرِبَ کا کیا معنی بتلایا؟ فاسد ہونا، ایک چیز کا خراب ہونا۔ لیکن اسی کو بابِ افعال میں لے گئے أَعْرَبَ يُعْرِبُ اب معنی ہو گا خرابی کو دور کرنا، فساد کو ختم کرنا۔ جیسے مفلس کسے کہتے تھے جس کے پاس فُلُوس نہیں ہوتے تھے۔ تو أَعْرَبَ يُعْرِبُ إِعْرَابًا فَهُوَ مُعْرِبٌ وَأُعْرِبَ يُعْرَبُ إِعْرَابًا فَذَاكَ مُعْرَبٌ۔ تو معرب کس کو کہیں گے؟ جس سے فساد کو دور کر دیا گیا،

جس سے فساد کو۔ تو دیکھو عَرِبَ کا معنی تھا

فاسد ہونا اور أَعْرَبَ کا معنی ہے فساد کو دور کرنا۔ تو بابِ افعال کا ہمزہ کبھی کس لیے آتا ہے؟ سلبِ ماخذ کے لیے۔ تو عَرِبَ کا معنی تو تھا فاسد ہونا لیکن جب بابِ افعال میں لے گئے تو اب اس کا معنی کیا ہوا؟ فساد کو دور کرنا۔ تو اعراب بھی کیا کرتا ہے؟ فساد کو دور کر دیتا ہے۔ فساد کو دور کر دیتا ہے۔ ضَرَبَ زَيْدٌ عَمْرًا، میں نے اعراب نہیں پڑھے، ضَرَبَ زَيْدٌ عَمْرٌ۔ معنی سمجھ میں آیا کون فاعل ہے کون مفعول ہے؟ نہیں، پتہ نہیں زید یا عمران میں سے کون فاعل ہے اور کون مفعول ہے، کوئی پتہ نہیں چل رہا۔ لیکن جب میں اسی پر اعراب پڑھوں گا ضَرَبَ زَيْدٌ عَمْرًا، دیکھو اعراب نے اس فساد کو، خرابی کو دور کر دیا یا نہیں؟ جی۔ تو پہلے اس میں ابہام تھا کہ پتہ نہیں کون فاعل ہے کون مفعول ہے، لیکن اعراب نے آکر اس ابہام کے فساد کو دور کر دیا، اب ابہام نہیں ہے، اب پتہ چل گیا ضَرَبَ زَيْدٌ عَمْرًا کہ زید فاعل ہے اور عمر مفعول ہے۔

تو کہتے ہیں أَوْ مِنْ عَرِبَتْ مَعِدَتُهُ، یا یہ ماخوذ ہے عَرِبَتْ مَعِدَتُهُ سے۔ عربی میں کہتے ہیں عَرِبَتْ مَعِدَتُهُ، إِذَا فَسَدَتْ، جب کسی کا معدہ فاسد ہو جائے، خراب ہو جائے۔ عَلَى أَنْ يَكُونَ الْهَمْزَةُ لِلسَّلْبِ، بنابر اس کے کہ اس کا جو ہمزہ ہے وہ سلب کے لیے ہو گا۔ بابِ افعال کا یہ ہمزہ کس لیے ہو جائے گا؟ سلب۔ تو عَرِبَ کو کس میں لے گئے؟ بابِ افعال میں، أَعْرَبَ يُعْرِبُ إِعْرَابًا، تو یہ اعراب بابِ افعال کا مصدر ہے بھئی۔ تو عَرِبَ کو لے گئے بابِ افعال میں تو اس کا ہمزہ جو ہے سلب کے لیے ہو گا۔ فَيَكُونُ مَعْنَاهُ، تو اعراب کا معنی ہو گا إِزَالَةَ الْفَسَادِ، فساد کو زائل کرنا، اس کو ختم کرنا۔ سُمِّيَ بِهِ، تو اعراب کو یہ نام دیا گیا لِأَنَّهُ يُزِيلُ فَسَادَ الْتِبَاسِ بَعْضِ الْمَعَانِي بِبَعْضٍ، اس لیے کیونکہ یہ اعراب جو ہے یہ بھی دور کر دیتا ہے، کس چیز کو دور کرتا ہے؟ فَسَادَ الْتِبَاسِ بَعْضِ الْمَعَانِي بِبَعْضٍ، وہ جو بعض معانی کا بعض کے ساتھ التباس لازم آ رہا تھا اس فساد کو یہ دور کر دیتا ہے۔ اگر اعراب نہ پڑھتے تو پھر تو پتہ ہی نہیں چلنا تھا کہ یہ فاعل ہے یا مفعول، تو معانی کا آپس میں التباس لازم آتا: ضَرَبَ زَيْدٌ عَمْرٌ۔ دیکھو معانی کا التباس ہے، پتہ نہیں کس میں فاعلیت والا معنی ہے اور کس میں مفعولیت والا۔ لیکن جب اعراب آیا تو اس نے اس التباس کے فساد کو دور کر دیا۔ لِأَنَّهُ يُزِيلُ فَسَادَ الْتِبَاسِ بَعْضِ الْمَعَانِي بِبَعْضٍ، اس لیے کیونکہ یہ بعض معانی کا بعض کے ساتھ جو التباس آتا ہے اس کے فساد کو دور کر دیتا ہے، ختم کر دیتا ہے۔

وَأَنْوَاعُهُ أَيْ أَنْوَاعُ إِعْرَابِ الْاِسْمِ ثَلَاثَةٌ: رَفْعٌ وَنَصْبٌ وَجَرٌّ۔ یہاں تک بات سمجھ میں آ گئی؟ جی۔ جی، اب پہلے متن متن دیکھ لیجیے۔ کہتے ہیں وَأَنْوَاعُهُ رَفْعٌ وَنَصْبٌ وَجَرٌّ، اور اعراب کی قسمیں جو ہیں وہ رفع، نصب اور جر ہیں۔ فَالرَّفْعُ عَلَمُ الْفَاعِلِيَّةِ وَالنَّصْبُ عَلَمُ الْمَفْعُولِيَّةِ وَالْجَرُّ عَلَمُ الْإِضَافَةِ، تو رفع جو ہے وہ فاعل کی علامت ہے، عَلَمُ الْفَاعِلِيَّةِ عَلَم یہاں بمعنی علامت کے ہے، تو فَالرَّفْعُ عَلَمُ الْفَاعِلِيَّةِ تو رفع جو ہے فاعل ہونے کی علامت ہے، وَالنَّصْبُ عَلَمُ الْمَفْعُولِيَّةِ اور نصب جو ہے وہ مفعول ہونے کی علامت ہے، وَالْجَرُّ عَلَمُ الْإِضَافَةِ اور جر جو ہے وہ مضاف الیہ ہونے کی علامت ہے بھئی۔

بھئی یاد رکھو یہاں تین قسم کے نام ہیں: رَفْعٌ، نَصْبٌ

جَرٌّ، اور ایک ضَمٌّ، فَتْحٌ، کَسْرٌ، یہ دوسرا۔ اور تیسرا ہے اسی کے ساتھ گول تاء جوڑ دیں: ضَمَّةٌ، فَتْحَةٌ، کَسْرَةٌ۔ کتنی قسم کے نام؟ تین۔ نمبر ایک: رَفْعٌ، نَصْبٌ، جَرٌّ۔ دوسرا ہے ضَمٌّ، فَتْحٌ، کَسْرٌ۔ اور تیسرا اسی کے ساتھ گول تاء جوڑ دیں: ضَمَّةٌ، فَتْحَةٌ، کَسْرَةٌ۔ اس میں یاد رکھیے رَفْعٌ، نَصْبٌ، جَرٌّ یہ نام خاص ہیں معرب کے ساتھ۔ یہ نام خاص ہیں کس کے ساتھ؟ معرب کے ساتھ۔ معرب کبھی مرفوع ہوگا، کبھی منصوب ہوگا، کبھی مجرور ہوگا۔ اور ضَمٌّ، فَتْحٌ، کَسْرٌ بغیر گول تاء کے یہ خاص ہیں مبنی کے ساتھ بھئی۔ کبھی مبنی، وہ مَبْنِيٌّ عَلَى الضَّمِّ ہوگا، کبھی مَبْنِيٌّ عَلَى الْفَتْحِ ہوگا اور کبھی مَبْنِيٌّ عَلَى الْكَسْرِ ہوگا۔ يَا رَجُلُ، دیکھو یہ مَبْنِيٌّ عَلَى الضَّمِّ ہے۔ یا اسی طرح دیکھ لو جَاءَ هٰؤُلَاءِ، یہ هٰؤُلَاءِ فاعل بن رہا ہے لیکن یہ مبنی ہے تو اس پر اعراب ظاہر نہیں ہوا اور آخر میں وہ کسرہ اسی طرح رہا، تو اس کو کہیں گے کہ یہ مَبْنِيٌّ عَلَى الْكَسْرِ ہے۔ یہ مَبْنِيٌّ عَلَى الْكَسْرِ۔ تو رَفْعٌ، نَصْبٌ، جَرٌّ یہ نام خاص ہیں معرب کے ساتھ، ضَمٌّ، فَتْحٌ، کَسْرٌ بغیر گول تاء کے یہ نام خاص ہیں مبنی کے ساتھ اور ضَمَّةٌ، فَتْحَةٌ، کَسْرَةٌ یہ نام دونوں کے ساتھ استعمال ہوتے ہیں، معرب کے ساتھ بھی اور مبنی کے ساتھ بھی۔ بات سمجھ میں آگئی؟ جی۔

اب آئیے کتاب پر، کہتے ہیں وَأَنْوَاعُهُ أَيْ أَنْوَاعُ إِعْرَابِ الْاِسْمِ ثَلَاثَةٌ: رَفْعٌ وَنَصْبٌ وَجَرٌّ۔ بھئی متن میں آیا، توجہ سے، وَأَنْوَاعُهُ رَفْعٌ وَنَصْبٌ وَجَرٌّ، اور اعراب کی قسمیں تین ہیں: رفع و نصب و جر، توجہ ہے؟ جی۔ تین قسمیں ہیں۔ صاحبِ جامی وَأَنْوَاعُهُ جو بتدا آیا اس کے بعد آگے ذکر کرتے ہیں أَيْ أَنْوَاعُ إِعْرَابِ الْاِسْمِ یعنی اسم کے اعراب کی یہ تین قسمیں ہیں: رفع، نصب اور جر۔ کس کے اعراب کی؟ اسم کے۔ سوال: بھئی یہ عبارت نکالنے کی کیا ضرورت ہے؟ دراصل یہاں شبہ پیدا ہو سکتا ہے کسی کے ذہن میں کہ بھئی اعراب تو چار قسم پر ہے، رفع بھی ہے، نصب بھی ہے، جر بھی ہے اور اسی طرح فعلِ مضارع کے اندر جزم بھی آتا ہے۔ يَضْرِبُ، لَنْ يَضْرِبَ اور لَمْ يَضْرِبْ۔ يَضْرِبُ دیکھو رفع آرہا ہے، لَنْ يَضْرِبَ دیکھو نصب آرہا ہے اور لَمْ يَضْرِبْ دیکھو جزم آرہا ہے۔ تو اسم میں رفع، نصب، جر آتا ہے اور فعلِ مضارع میں رفع، نصب اور جزم آتا ہے، تو اعراب کی ایک چوتھی قسم بھی ہے گویا یہاں پر: رفع، نصب، جر اور جزم۔ جزم۔ تو چار قسم کا اعراب ہے تو انہوں نے تین کہا؟ تو شارحِ جامی جواب دے رہے ہیں کہ یہاں ہم اسم کے اعراب کی قسمیں بیان کر رہے ہیں فعلِ مضارع کی نہیں۔ تو اسم کی تو یہی تین قسمیں ہیں، وہ جو جزم چوتھی قسم ہے وہ فعلِ مضارع کے اندر ہے بھئی۔

یہ معنی ہے وَأَنْوَاعُهُ أَيْ أَنْوَاعُ إِعْرَابِ الْاِسْمِ اور اسم کے اعراب کی جو قسمیں ہیں ثَلَاثَةٌ تین ہیں بھئی۔ بھئی رَفْعٌ وَنَصْبٌ وَجَرٌّ یہ خبر ہے أَنْوَاعُهُ کی۔ عبارت پہ توجہ ہے؟ وَأَنْوَاعُهُ یہ ہے بتدا اور رَفْعٌ وَنَصْبٌ وَجَرٌّ یہ ہے اس کی خبر۔ اور اسم کے اعراب کی قسمیں جو ہیں رفع، نصب اور جر ہیں۔ تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ بھئی یہاں تو حمل ٹھیک نہیں بن رہا، تو یہ اس کی خبر ہے۔ تو یہاں پر صاحبِ جامی نے یہ رَفْعٌ وَنَصْبٌ وَجَرٌّ اس سے پہلے ثَلَاثَةٌ کا لفظ نکالا، یہ کیا بتلانا چاہتے ہیں وہ ثَلَاثَةٌ کے ذریعے؟ کہ وَأَنْوَاعُهُ أَيْ أَنْوَاعُ إِعْرَابِ الْاِسْمِ ثَلَاثَةٌ، اسم کے اعراب کی تین قسمیں ہیں، آگے آگیا رَفْعٌ وَنَصْبٌ وَجَرٌّ۔ یہ ثَلَاثَةٌ کا

لفظ وہ کیوں لے کر آئے بھئی؟

بھئی وجہ یہ ہے کہ یہاں اعتراض ہوتا ہے۔ اعتراض یہ: وَأَنْوَاعُهُ، أَنْوَاع جمع ہے، أَنْوَاع جمع ہے کہ اسم کے اعراب کی انواع جو ہیں اس کی اقسام جو ہیں وہ رَفْعٌ وَنَصْبٌ وَجَرٌّ۔ یہاں رَفْعٌ کا حمل أَنْوَاع پر نہیں ہو سکتا۔ اکیلے رَفْعٌ جو خبر میں آرہا ہے رَفْعٌ وَنَصْبٌ وَجَرٌّ، تو یہ جو رَفْعٌ ہے اس کا حمل أَنْوَاع پر نہیں ہو سکتا کیونکہ أَنْوَاع کیا ہے؟ جمع، اور رفع یہ تو ایک نوع ہے۔ اسی طرح نَصْبٌ کا حمل بھی نہیں ہو سکتا، یوں کہا جائے وَأَنْوَاعُهُ نَصْبٌ، یہ بھی درست نہیں۔ اسی طرح جر کا حمل بھی نہیں ہو سکتا وَأَنْوَاعُهُ جَرٌّ۔ اشکال سمجھ میں آرہا ہے؟ کیونکہ مبتدا جمع ہے اور خبر کے اندر رفع، نصب، جر تینوں مفرد ہیں الگ الگ ہیں بھئی۔

تو شارحِ جامی ثَلَاثَةٌ کے لفظ کے ذریعے یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ بھئی یہاں عطف مقدم ہے حمل پر۔ یہاں عطف مقدم ہے حمل پر۔ کبھی حمل مقدم ہوتا ہے کبھی عطف مقدم ہوتا ہے۔ یہاں عطف مقدم ہے یعنی أَنْوَاع جو ہے وہ تو ہے جمع اور ادھر خبر جو آرہی ہے وہ تین چیزیں مفرد الگ: رفع اور نصب اور جر۔ ان میں واو آرہا ہے، واو عطف کے لیے آتا ہے۔ تو پہلے عطف کرو، جب عطف ہو جائے گا تو تینوں مل جائیں گے، جب تین مل گئے تو جمع بن گئے کہ نہیں؟ تین مل گئے تو جمع بن گئے، تو اب اس کا عطف جو ہے أَنْوَاعُهُ پر صحیح ہو جائے گا کہ اس کی اقسام کیا ہیں؟ صرف رفع نہیں، صرف نصب نہیں، صرف جر نہیں بلکہ یہ تینوں ہیں، اس کی اقسام رفع، نصب اور جر ہیں۔ تو یہ ثَلَاثَةٌ نکال کر بتلانا یہ چاہتے ہیں کہ یہ تینوں مل کر خبر بن رہے ہیں، ان میں سے اکیلا اکیلا کوئی خبر نہیں ہے بھئی۔ تو یہاں معلوم ہوا پہلے عطف کرنا پڑے گا، تینوں مل جائیں گے پھر اس کا حمل کریں گے یعنی اس کو خبر بنائیں گے أَنْوَاعُهُ کے لیے۔

تو کہتے ہیں وَأَنْوَاعُهُ أَيْ أَنْوَاعُ إِعْرَابِ الْاِسْمِ ثَلَاثَةٌ رَفْعٌ وَنَصْبٌ وَجَرٌّ، وَأَنْوَاعُهُ اور اس کی انواع یعنی اسم کے اعراب کی جو انواع ہیں تین ہیں: رفع، نصب اور جر۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو ثَلَاثَةٌ کے ذریعے کیا بتلانا چاہتے ہیں؟ کہ عطف مقدم ہے حمل پر۔

یہ تو ایک تقریر کی ثَلَاثَةٌ کی، کیا بتلانا چاہتے ہیں کہ عطف مقدم ہے حمل پر۔ دوسرا جواب یہ بھی دیا جا سکتا ہے کہ یہ جو ثَلَاثَةٌ کا لفظ نکالا صاحبِ جامی نے اس کے ذریعے وہ یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ رَفْعٌ وَنَصْبٌ وَجَرٌّ یہ وَأَنْوَاعُهُ کی خبر یہ نہیں ہے بلکہ اس کی خبر محذوف ہے جو ثَلَاثَةٌ ہے، وَأَنْوَاعُهُ ثَلَاثَةٌ اعراب کی کتنی قسمیں ہیں؟ تین قسمیں ہیں اور پھر آگے رَفْعٌ وَنَصْبٌ وَجَرٌّ اس کو بدل بنائیں گے ثَلَاثَةٌ سے اور بدل اور مبدل منہ کا اعراب ایک ہوتا ہے، تو ثَلَاثَةٌ مرفوع تھا خبر ہے أَنْوَاع کی، تو رَفْعٌ وَنَصْبٌ وَجَرٌّ یہ جو بدل ہے یہ بھی مرفوع ہے بھئی۔ تو ایک ترکیب یہ کہ اگر ثَلَاثَةٌ کو خبر بناؤ تو رَفْعٌ وَنَصْبٌ وَجَرٌّ اس کو بدل بنا دو۔

دوسری صورت یہ ہے کہ رَفْعٌ وَنَصْبٌ وَجَرٌّ ان کے لیے مبتدا محذوف نکال لیں اور ان کو پھر اس کے لیے خبر بنا دیں۔ یا تو ایک ہی مبتدا نکالو تینوں کے لیے اور وہ کیا؟ هِيَ، هِيَ رَفْعٌ وَنَصْبٌ وَجَرٌّ۔ هِيَ جمع بتاویلِ جَمَاعَةٌ کس کے حکم میں ہے؟

واحد مؤنث۔ تو هِيَ ضمیر راجع کر دیں ثَلَاثَة کی طرف، وہ رَفْعٌ وَنَصْبٌ وَجَرٌّ جو ہے اس کو اس کے لیے خبر بنا دیں۔ هِيَ مبتدا اور یہ معطوف اور معطوف علیہ مل کر یہ خبر۔ یا ہر ایک کے لیے الگ الگ مبتدا نکال لو: أَحَدُهَا رَفْعٌ وَثَانِيهَا نَصْبٌ وَثَالِثُهَا جَرٌّ۔ تو أَحَدُهَا مبتدا اور رَفْعٌ اس کی خبر، ان میں سے ایک رفع ہے۔ وَثَانِيهَا نَصْبٌ، ثَانِيهَا مضاف مضاف الیہ مل کر مبتدا اور نَصْبٌ اس کی خبر، اور ان میں سے دوسرا نصب ہے۔ وَثَالِثُهَا جَرٌّ، اور ان میں سے تیسرا جر ہے۔

آگے دیکھیے، کہتے ہیں هٰذِهِ الْأَسْمَاءُ الثَّلَاثَةُ مُخْتَصَّةٌ بِالْحَرَكَاتِ وَالْحُرُوفِ الْإِعْرَابِيَّةِ۔ میں نے آپ کو بتلایا رفع، نصب اور جر یہ خاص ہیں کس کے ساتھ؟ معرب کے ساتھ۔ اور ضَمٌّ، فَتْحٌ، كَسْرٌ یہ خاص ہیں مبنی کے ساتھ اور ضَمَّةٌ، فَتْحَةٌ، كَسْرَةٌ یہ دونوں کے ساتھ استعمال ہوتے ہیں۔ اب یہی بیان کرنے لگے ہیں۔ کہتے ہیں هٰذِهِ الْأَسْمَاءُ الثَّلَاثَةُ مُخْتَصَّةٌ بِالْحَرَكَاتِ وَالْحُرُوفِ الْإِعْرَابِيَّةِ، یہ تین نام جو ہیں یہ خاص ہیں حرکات اور حروفِ اعرابیہ کے ساتھ۔ تو کہتے ہیں هٰذِهِ الْأَسْمَاءُ الثَّلَاثَةُ مُخْتَصَّةٌ بِالْحَرَكَاتِ وَالْحُرُوفِ الْإِعْرَابِيَّةِ کہ یہ جو تین نام ہیں یعنی رفع، نصب اور جر، یہ خاص ہیں حرکات و حروفِ اعرابیہ کے ساتھ۔ آپ جانتے ہیں اعراب کبھی حرف کے ساتھ آتا ہے کبھی حرکت کے ساتھ۔ اعراب بالحرف جیسے جَاءَنِي أَبُوكَ، رَأَيْتُ أَبَاكَ، مَرَرْتُ بِأَبِيكَ، یہ واو، الف اور یا کے ساتھ اعراب ہے تو حروف کے ساتھ ہے اور کبھی اعراب حرکت کے ساتھ آتا ہے جَاءَنِي زَيْدٌ، رَأَيْتُ زَيْدًا، مَرَرْتُ بِزَيْدٍ۔ تو کبھی کبھار اعراب بالحرف آتا ہے اور کبھی اعراب بالحرکت آتا ہے۔ تو یہ جو رفع نصب والے نام ہیں یہ اعراب کے ساتھ خاص ہیں، یعنی وہ جو اعرابی حرکات ہیں یا اعرابی حروف ہیں ان پر یہ بولا جاتا ہے یعنی معرب پر بولا جاتا ہے آسان لفظوں میں۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو کہتے ہیں هٰذِهِ الْأَسْمَاءُ الثَّلَاثَةُ مُخْتَصَّةٌ بِالْحَرَكَاتِ وَالْحُرُوفِ الْإِعْرَابِيَّةِ اور یہ تین نام جو ہیں وہ خاص ہیں حرکات و حروفِ اعرابیہ کے ساتھ یعنی وہ حروف اور وہ حرکات جو اعراب والی ہوتی ہیں۔ وَلَا تُطْلَقُ عَلَى الْحَرَكَاتِ الْبِنَائِيَّةِ أَصْلًا اور ان کا اطلاق نہیں کیا جاتا یعنی ان کو بولا نہیں جاتا حرکاتِ بنائیہ پر أَصْلًا أَيْ قَطْعًا، ان کو قطعی طور پر وہ جو مبنی پر حرکتیں آتی ہیں ان کے لیے نہیں بولا جاتا، استعمال نہیں کیا جاتا۔ معنی سمجھ میں آگیا؟ تو کہتے ہیں وَلَا تُطْلَقُ عَلَى الْحَرَكَاتِ الْبِنَائِيَّةِ أَصْلًا اور ان کا اطلاق حرکاتِ بنائیہ پر قطعاً نہیں ہوتا۔

بِخِلَافِ الضَّمَّةِ وَالْفَتْحَةِ وَالْكَسْرَةِ بخلاف ضمہ، فتحہ اور کسرہ کے۔ میں نے بتلایا بھئی ان کے ساتھ جب گول تاء جڑی ہوئی ہو ضَمَّةٌ، فَتْحَةٌ، كَسْرَةٌ تو پھر یہ دونوں کے لیے استعمال ہوتے ہیں معرب کے لیے بھی اور مبنی کے لیے بھی۔ یہی آپ کو بتلائیں گے کہ جب ان کے ساتھ گول تاء جڑی ہوئی ہو ضَمَّةٌ، فَتْحَةٌ، كَسْرَةٌ تو پھر یہ حرکاتِ بنائیہ کے لیے بھی استعمال ہوتے ہیں اور حرکاتِ اعرابیہ کے لیے بھی استعمال ہوتے ہیں یعنی دونوں پر ان کا اطلاق ہوتا ہے۔ بِخِلَافِ الضَّمَّةِ وَالْفَتْحَةِ وَالْكَسْرَةِ بخلاف ضمہ، فتحہ اور کسرہ کے، فَإِنَّهَا مُسْتَعْمَلَةٌ فِي الْحَرَكَاتِ الْبِنَائِيَّةِ غَالِبًا وَفِي الْحَرَكَاتِ الْإِعْرَابِيَّةِ عَلَى قِلَّةٍ، اس لیے کیونکہ یہ استعمال ہوتے ہیں حرکاتِ بنائیہ میں بھی غَالِبًا زیادہ تر، وَفِي الْحَرَكَاتِ الْإِعْرَابِيَّةِ اور یہ استعمال ہوتے ہیں حرکاتِ اعرابیہ میں عَلَى قِلَّةٍ قلت کے طریقے پر۔ یعنی استعمال دونوں میں ہوتے ہیں لیکن حرکاتِ بنائیہ میں یہ زیادہ استعمال

ہوتے ہیں اور حرکاتِ اعرابیہ میں کم استعمال ہوتے ہیں۔

جی متن ہم نے حل کر لیا تھا، متن کیا تھا؟ فَالرَّفْعُ عَلَمُ الْفَاعِلِيَّةِ وَالنَّصْبُ عَلَمُ الْمَفْعُولِيَّةِ وَالْجَرُّ عَلَمُ الْإِضَافَةِ۔ اب شرح کے ساتھ اس کو دیکھیے بھئی۔ کہتے ہیں فَالرَّفْعُ رفع جو ہے حَرَكَةً كَانَ أَوْ حَرْفًا چاہے وہ حرکت ہو یا حرف ہو۔ بھئی آپ پڑھ چکے ہیں کہ اعراب کبھی بالحرف آتا ہے اور کبھی بالحرکت آتا ہے، تو وہی بیان کر رہے ہیں کہ رفع چاہے حرکت کے ساتھ آئے چاہے حرف کے ساتھ آئے، حرکت کے ساتھ رفع آئے گا زَيْدٌ اور کبھی رفع حرف کے ساتھ آئے گا مُسْلِمُونَ یا أَبُوكَ، واو آرہا ہے، بات سمجھ میں آگئی؟ تو کہتے ہیں فَالرَّفْعُ رفع جو ہے حَرَكَةً كَانَ أَوْ حَرْفًا وہ حرکت ہو یا حرف ہو عَلَمُ الْفَاعِلِيَّةِ أَيْ عَلَامَةُ كَوْنِ الشَّيْءِ فَاعِلًا۔ تو دیکھو متن میں آیا عَلَمُ الْفَاعِلِيَّةِ اور آگے شارحِ جامی نے اس کی شرح کی أَيْ عَلَامَةُ كَوْنِ الشَّيْءِ فَاعِلًا۔ ایک تو یہ بتلا دیا کہ یہ عَلَم بمعنی علامت کے ہے اور دوسرا فاعلیت جو ہے اس کے اندر یہ جو یائے مشدد اور گول تاء آخر میں جڑی ہوئی ہے یہ نسبت کے لیے نہیں ہے مصدر کے لیے ہے، کس کے لیے ہے؟ مصدریت کے لیے ہے بھئی۔ بھئی دیکھو یہ یائے مشدد جو ہے نسبت کے لیے بھی کبھی جوڑتے ہیں، لاہور، اس کے ساتھ یائے مشدد جوڑ دی لَاهُورِيٌّ، لاہور والا، اور اگر وہ مؤنث چیز ہو تو کیا کہتے ہیں؟ لَاهُورِيَّةٌ، لاہور والی۔ تو یہاں پر بھی فاعلیت میں آپ یہ نہ سمجھنا کہ یہ یا نسبت والی ہے بلکہ یہ یا مصدریت والی ہے، مصدر بنانے کے لیے لائی جاتی ہے۔ تو فاعلیت کا کیا معنی ہو گا؟ فاعل ہونا، فاعل ہونا۔ چنانچہ اسی لیے آگے کیا کہا أَيْ عَلَامَةُ كَوْنِ الشَّيْءِ فَاعِلًا، عَلَامَةُ كَوْنِ الشَّيْءِ فَاعِلًا، ایک شے کے فاعل ہونے کی علامت۔ كَوْنُ الشَّيْءِ فَاعِلًا یہ کس کا ترجمہ کر رہے ہیں؟ فاعلیت کا۔ اور كَوْن کیا ہے؟ مصدر، كَوْنُ الشَّيْءِ فَاعِلًا ایک شے کا فاعل ہونا۔ تو دیکھو فاعلیت کا ترجمہ مصدر کے ساتھ کیا بتلا دیا کہ یہ جو آخر میں یائے مشدد اور گول تاء ہے یہ مصدر والی ہے نسبت والی نہیں ہے۔

تو کہتے ہیں عَلَمُ الْفَاعِلِيَّةِ أَيْ عَلَامَةُ

كَوْنِ الشَّيْءِ فَاعِلًا، یعنی علامت ہے ایک شے کے فاعل ہونے کی حَقِيقَةً أَوْ حُكْمًا۔ آگے بتلا رہے ہیں فاعل ہونا عام ہے، حقیقتاً ہو یا حکماً ہو۔ حقیقتاً ہو یا حکماً ہو۔ بھئی حقیقتاً تو فاعل وہ ہے جس کو فعل رفع دیتا ہے، ضَرَبَ زَيْدٌ، یہ ہے، یہ کیا ہے؟ حقیقتاً فاعل ہے۔ لیکن رفع صرف فاعل پر آتا ہے یا مبتدا خبر وغیرہ پر بھی رفع آتا ہے؟ مبتدا اور خبر وغیرہ پر بھی رفع آتا ہے تو وہ تو فاعل نہیں، وہ تو مبتدا اور خبر ہیں۔ تو بتلا دیا کہ فاعل ہونا عام ہے، چاہے حقیقتاً فاعل ہو چاہے حکماً فاعل ہو۔ یہ مبتدا خبر وغیرہ یہ حقیقتاً تو فاعل نہیں لیکن یہ حکماً فاعل ہیں یعنی فاعل کے حکم میں ہیں۔ ان کو کیا حکم دے دیا؟ یہ بھی کس کے درجے میں ہیں؟ فاعل کے درجے میں ہیں۔ کس طرح فاعل کے درجے میں ہیں؟ یعنی جس طرح فاعل کلام میں عمدہ واقع ہوتا ہے، مبتدا اور خبر بھی کلام میں عمدہ واقع ہوتے ہیں۔ کیا واقع ہوتے ہیں؟ عمدہ۔ بھئی میں نے آپ کو بتلایا تھا، ایک ہے

عمدہ، ایک ہے فضلہ۔ عمدہ اور فضلہ ایک دوسرے کے مقابل ہیں، جو عمدہ ہے وہ فضلہ نہیں، جو فضلہ ہے وہ عمدہ نہیں۔ اور عمدہ کسے کہتے ہیں؟ عمدہ کہتے ہیں کلام کا وہ ضروری حصہ جس کے بغیر کلام پورا ہی نہ ہو سکے اور وہ صرف دو حصے ہوتے ہیں، ایک کو کہتے ہیں مسندبہ اور ایک کو کہتے ہیں مسند الیہ۔ تو مسند الیہ اور مسندبہ یہ عمدہ ہوتے ہیں کلام کے اندر۔ توجہ ہے؟ جی۔ تو جملہ اسمیہ اس کے اندر بتدا خبر آتے ہیں، بتدا ہوتا ہے مسند الیہ اور خبر ہوتی ہے مسند۔ تو مسند الیہ یہ بھی عمدہ اور مسندیہ بھی عمدہ۔ تو جملہ اسمیہ میں بتدا اور خبر دونوں عمدہ ہیں۔ اور اسی طرح جملہ فعلیہ کے اندر فعل آتا ہے اور اس کے بعد آگے فاعل یا نائب فاعل آتے ہیں، تو فعل جو ہے وہ مسند بنتا ہے اور فاعل یا نائب فاعل مسند الیہ بنتے ہیں، اور مسند بھی کلام کا ضروری حصہ ہے اور مسند الیہ بھی کلام کا ضروری حصہ ہے، ان کے بغیر کلام پورا ہو ہی نہیں سکتا۔ تو بتدا اور خبر یہ دونوں بھی عمدہ اور فعل اور فاعل یا نائب فاعل یہ بھی کیا ہیں؟ عمدہ ہیں بھئی۔

تو عمدہ کلام کا وہ ضروری حصہ جس کے بغیر کلام پورا ہی نہ ہو سکے اور وہ دو ہوتے ہیں، مسند اور مسند الیہ، تو یہ دونوں عمدہ ہوتے ہیں اور ان کو حذف کرنا جائز نہیں الا یہ کہ کوئی قرینہ موجود ہو جو ہمیں بتلائے کہ بتدا حذف ہے یا خبر حذف ہے وغیرہ۔ بات سمجھ میں آگئی؟ اور دوسرا جو ہے وہ فضلہ، فضلہ کہتے ہیں کلام کا زائد حصہ جس کے بغیر بھی کلام پورا ہو، جیسے ضَرَبَ زَيْدٌ عَمْرًا، زید نے عمر کی پٹائی کی۔ ضَرَبَ مسند، زَيْدٌ مسند الیہ اور عَمْرًا یہ مفعول ہے، یہ فضلہ ہے، نہ یہ مسند ہے نہ مسند الیہ ہے۔ تو یہ جتنے منصوبات ہیں یہ سارے فضلہ ہیں یعنی ان کے بغیر بھی کلام پورا ہے۔ میں نے پہلے کیا کہا تھا؟ ضَرَبَ زَيْدٌ عَمْرًا، میں اگر مفعول کو حذف بھی کر دوں کلام پھر بھی پورا ہے: ضَرَبَ زَيْدٌ، زید نے پٹائی کی۔ اب اگرچہ میں نے مفعول ذکر نہیں کیا لیکن آپ کو بات پوری سمجھ میں آگئی کہ زید نے پٹائی کی ہے، تو کوئی نہ کوئی مضروب تو ہو گا اگرچہ میں نے ذکر نہیں کیا۔ تو کلام کے لیے اصل چیز کیا چاہیے؟ مسند اور مسند الیہ۔ تو یہ جو مفعول وغیرہ ہوتے ہیں، یہ جو جار مجرور ہوتے ہیں، یہ سب فضلہ ہیں، زائد ہیں۔

بات چل رہی تھی کہ فاعل چاہے حقیقتاً ہو یا حکماً ہو۔ حقیقتاً تو فاعل جیسے ضَرَبَ زَيْدٌ یہ زَيْدٌ کیا ہے؟ فاعل۔ اور حکماً فاعل تاکہ بتدا خبر وغیرہ جو اور مرفوعات ہیں وہ بھی اس کے اندر داخل ہو جائیں کیونکہ وہ حقیقت میں تو فاعل نہیں ہیں، وہ تو بتدا ہے یا خبر ہے وغیرہ، لیکن حکماً وہ بھی کیا ہیں؟ فاعل یعنی ان کو فاعل والا حکم دے دیا یعنی وہ کلام، جیسے فاعل کلام میں عمدہ ہوتا ہے، اہم رکن ہے کلام کا، اسی طرح بتدا اور خبر بھی عمدہ ہیں، کلام کا اہم رکن ہوتے ہیں۔ تو کہتے ہیں أَيْ عَلَامَةُ كَوْنِ الشَّيْءِ فَاعِلًا حَقِيقَةً أَوْ حُكْمًا یعنی یہ علامت ہے ایک شے کے فاعل ہونے کی چاہے وہ فاعل حقیقتاً ہو یا حکماً ہو، لِيَشْمَلَ الْمُلْحَقَاتِ بِالْفَاعِلِ أَيْضًا كَالْمُبْتَدَإِ وَالْخَبَرِ وَغَيْرِهِمَا۔ صاحبِ جامی نے بتلایا کہ فاعل ہونا عام ہے چاہے حقیقتاً ہو یا حکماً، یہ عام کیوں کیا انہوں نے؟ کہتے ہیں تاکہ اور مرفوعات بھی اس کے اندر داخل ہو جائیں یعنی بتدا خبر وغیرہ، وہ بھی کیا ہیں؟ فاعل ہونے کی علامت پر مشتمل، توجہ ہے؟ جی۔ انہوں نے کیا کہا؟ ادھر دیکھیے، رفع کس کی علامت ہے؟ فاعل ہونے کی علامت ہے۔ بھئی بتدا تو فاعل نہیں ہے، خبر تو فاعل نہیں ہے، وہ تو نہیں داخل ہو رہے تھے حالانکہ ان پر بھی کیا

آتا ہے؟ رفع۔ تو بتلایا کہ رفع فاعل ہونے کی علامت ہے لیکن فاعل ہونا عام ہے چاہے حقیقتاً فاعل ہو یا حکماً فاعل ہو، جب حکماً فاعل کہہ دیا تو اب یہ جو فاعل کے ساتھ ملحق چیزیں ہیں وہ بھی اس کے اندر داخل ہو گئیں یعنی بتدا خبر وغیرہ بھی۔ تو کہتے ہیں لِيَشْمَلَ الْمُلْحَقَاتِ بِالْفَاعِلِ أَيْضًا تاکہ یہ شامل ہو جائے فاعل کے جو ملحقات ہیں ان کو بھی، كَالْمُبْتَدَإِ وَالْخَبَرِ وَغَيْرِهِمَا جیسے کہ بتدا اور خبر وغیرہ ہیں۔

وَالنَّصْبُ حَرَكَةً كَانَ أَوْ حَرْفًا عَلَمُ الْمَفْعُولِيَّةِ، اور نصب جو ہے چاہے حرکت ہو یا حرف ہو وہ مفعول ہونے کی علامت ہے، أَيْ عَلَامَةُ كَوْنِ الشَّيْءِ مَفْعُولًا حَقِيقَةً أَوْ حُكْمًا، ایک شے کے مفعول ہونے کی علامت ہے حَقِيقَةً أَوْ حُكْمًا چاہے حقیقتاً مفعول ہو چاہے حکماً۔ دیکھا، مفعول ہونا بھی عام ہے، اس لیے کیونکہ منصوبات وہ صرف مفعول تو نہیں منصوب ہوتا بلکہ حال بھی منصوب ہوتا ہے، تمیز بھی منصوب ہوتی ہے، اور بھی چیزیں کلامِ عرب میں منصوب آتی ہیں، تو اگر یہ مفعول ہونے کی علامت ہے تو پھر ان پر نصب کیوں آرہا ہے؟ تو جواب دے دیا کہ مفعول ہونا عام ہے چاہے حقیقتاً ہو یا حکماً، تو باقی منصوبات جو ہیں وہ حقیقتاً تو مفعول نہیں لیکن حکماً وہ بھی مفعول ہیں، مفعول کے حکم میں ہیں یعنی فضلہ ہیں، جیسے مفعول فضلہ ہوتا ہے یہ بھی فضلہ ہیں، زائد ہیں بھئی۔ تو کہتے ہیں أَيْ عَلَامَةُ كَوْنِ الشَّيْءِ مَفْعُولًا یعنی کسی شے کے مفعول ہونے کی علامت ہے یہ نصب جو ہے، حَقِيقَةً أَوْ حُكْمًا اور یہ مفعول ہونا حقیقتاً ہو یا حکماً ہو، لِيَشْمَلَ الْمُلْحَقَاتِ بِهِ تاکہ یہ شامل ہو جائے مفعول کے ملحقات کو۔

وَالْجَرُّ حَرَكَةً كَانَ أَوْ حَرْفًا عَلَمُ الْإِضَافَةِ، اور جر جو ہے حرکت ہو یا حرف ہو وہ اضافت کی علامت ہے، أَيْ عَلَامَةُ كَوْنِ الشَّيْءِ مُضَافًا إِلَيْهِ، یعنی ایک شے کے مضاف الیہ ہونے کی علامت ہے۔ وَإِذَا كَانَتِ الْإِضَافَةُ بِنَفْسِهَا۔ جی یہاں سے یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ دیکھیے پیچھے آیا تھا عَلَمُ الْفَاعِلِيَّةِ، وہاں یائے مشدد اور گول تاء ساتھ جوڑ دی تھی۔ اور آگے آیا عَلَمُ الْمَفْعُولِيَّةِ، وہاں پر بھی یائے مشدد اور گول تاء جوڑ دی۔ تو إِضَافَت کے اندر یائے مشدد اور گول تاء کیوں نہیں جوڑی؟ تو اس کو بتلانے لگے ہیں کہ بھئی إِضَافَت خود مصدر ہے، وہاں جو یائے مشدد اور گول تاء ملائی تھی کس لیے؟ تاکہ وہ مصدر بن جائے۔ فاعل، فاعل تو صفت ہے، مصدر تو نہیں ہے، تو ہم نے مصدر بنا دیا فاعلیت، فاعل ہونا۔ مفعول تو ایک صفت ہے تو ہم نے اس کو مصدر بنا دیا مفعولیت، مفعول ہونا۔ اور اضافت یہ تو خود ہی مصدر ہے، اس کے ساتھ یائے مشدد اور تاء جوڑنے کی ضرورت نہیں ہے۔ تو کہتے ہیں وَإِذَا كَانَتِ الْإِضَافَةُ بِنَفْسِهَا مَصْدَرًا اور جب اضافت خود مصدر ہے لَمْ تَحْتَجْ إِلَى إِلْحَاقِ الْيَاءِ الْمَصْدَرِيَّةِ إِلَيْهَا تو یہ محتاج نہیں ہوا کہ اس کے ساتھ یائے مصدریہ کو ملایا جائے، یہ محتاج نہ ہوا، یہ اضافت محتاج نہ ہوا کہ اس کے ساتھ، اس کے ساتھ یائے مصدریہ کو ملایا جائے۔ ترجمہ سمجھ میں آگیا؟ جی۔ پھر دیکھ لیں، کہتے ہیں وَإِذَا كَانَتِ الْإِضَافَةُ بِنَفْسِهَا مَصْدَرًا اور جب اضافت جو ہے وہ خود مصدر ہے لَمْ تَحْتَجْ إِلَى إِلْحَاقِ الْيَاءِ الْمَصْدَرِيَّةِ إِلَيْهَا تو یہ محتاج نہیں ہے کہ ملایا جائے یائے مصدریہ کو إِلَيْهَا اس کے ساتھ، كَمَا فِي الْفَاعِلِيَّةِ وَالْمَفْعُولِيَّةِ جیسے کہ فاعلیت اور مفعولیت میں تھا، یہ ان کی طرح محتاج نہیں ہے یا کے ملانے کا۔

وَإِنَّمَا اخْتُصَّ الرَّفْعُ بِالْفَاعِلِ وَالنَّصْبُ بِالْمَفْعُولِ وَالْجَرُّ بِالْمُضَافِ إِلَيْهِ۔ سوال: بھئی فاعل کو رفع والی علامت کیوں دے دی؟ اس کو نصب یا جر کیوں نہیں دیا؟ اور مفعول کو نصب والی علامت کیوں دی؟ اس کو رفع یا جر کیوں نہیں دیا؟ اور مضاف الیہ کو جر والی علامت دے دی، اس کو رفع یا نصب کیوں نہیں دیا؟ سوال سمجھ میں آیا؟ جی۔ تو اب بتلانے لگے ہیں کہ بھئی دیکھیے رفع جو ہے سب سے ثقیل حرکت ہے، اس کی زبان پر ادائیگی سب سے مشکل ہے اور فاعل اور مفعول ان میں سے کم جو ہے وہ فاعل ہے۔ فاعل ایک ہی قسم ہے بھئی۔ فاعل کے افراد تو بہت ہوں گے: ضَرَبَ زَيْدٌ يہ زَيْدٌ بھی فاعل ہے، جَاءَ عَمْرٌو يہ عَمْرٌو بھی فاعل ہے، ذَهَبَ خَالِدٌ يہ خالد بھی کیا ہے؟ فاعل۔ افراد تو بہت ہیں لیکن یہ قسم ایک ہی ہے۔ جبکہ مفعول وہ تو پانچ قسم پر ہے: مفعولِ مطلق ہوتا ہے، اسی طرح مفعول بہ ہوتا ہے، اور مفعول لہ ہوتا ہے، مفعول معہ ہوتا ہے اور، اور مفعول فیہ ہوتا ہے، پانچ قسم کے مفعول ہیں۔ تو مفعول کی قسمیں ہوئیں زیادہ اور فاعل کی قسم ایک ہی ہے وہ قلیل ہوئی۔ تو جو قلیل تھی اس کو رفع والی علامت دے دی کیونکہ رفع سب سے ثقیل ہے بھئی، اور جو قسمیں زیادہ تھیں اس کو نصب دے دیا کیونکہ نصب سب سے ہلکی علامت ہے یعنی اس کی زبان پر ادائیگی سب سے آسان ہے۔ تو قلیل کو ثقیل علامت دے دی۔ قلیل جو تھا فاعل اس کو ثقیل، ثقیل جس کی زبان پر ادائیگی دشوار ہو، تو جو قلیل تھا اس کو ثقیل والی علامت دے دی اور جو کثیر تھا اس کو خفیف یعنی ہلکی والی علامت دے دی جو زبان پر آسانی سے ادا ہو جاتی ہے، جو زبان سے آسانی سے ادا ہو جاتی ہے، اور پھر باقی مضاف الیہ رہ گیا تو اب اس کو مجبوراً جر والی حرکت دینا پڑی کیونکہ اور کوئی حرکت باقی ہی نہیں بچی تھی بھئی۔

تو کہتے ہیں وَإِنَّمَا اخْتُصَّ الرَّفْعُ بِالْفَاعِلِ وَالنَّصْبُ بِالْمَفْعُولِ وَالْجَرُّ بِالْمُضَافِ إِلَيْهِ خاص کیا گیا رفع کو فاعل کے ساتھ اور نصب کو مفعول کے ساتھ اور جر کو مضاف الیہ کے ساتھ لِأَنَّ الرَّفْعَ ثَقِيلٌ کیونکہ رفع ثقیل ہے یعنی اس کی زبان پر ادائیگی دشوار ہے وَالْفَاعِلَ قَلِيلٌ اور فاعل، بلکہ وَالْفَاعِلَ پڑھیں بھئی اس کا عطف کس پر کریں؟ الرَّفْعَ پر اور وہ أَنَّ کا اسم ہے، منصوب ہے، تو یہ اس کا عطف بھی اس پر یہ بھی منصوب ہو گا۔ تو کہتے ہیں لِأَنَّ الرَّفْعَ ثَقِيلٌ کیونکہ رفع ثقیل ہے وَالْفَاعِلَ قَلِيلٌ اور فاعل قلیل ہے ایک ہی ہے، قلیل ہے لِأَنَّهُ وَاحِدٌ کیونکہ وہ ایک ہی ہے یعنی ایک ہی قسم ہے، فَأُعْطِيَ الثَّقِيلُ الْقَلِيلَ تو ثقیل جو ہے وہ دے دیا گیا قلیل کو، وَالنَّصْبَ خَفِيفٌ اور نصب خفیف ہے یعنی زبان پر آسانی سے ادا ہو جاتا ہے وَالْمَفَاعِيلَ كَثِيرَةٌ، یا یوں پڑھو وَالنَّصْبَ خَفِيفٌ اس نصب کا عطف بھی اسی الرَّفْعَ پر کریں لِأَنَّ الرَّفْعَ ثَقِيلٌ، اور رفع منصوب تھا وہ أَنَّ کا اسم ہے تو اسی طرح وَالنَّصْبَ اور آگے وَالْمَفَاعِيلَ آ رہا ہے، دونوں کو منصوب پڑھیں بھئی۔ تو کہتے ہیں وَالنَّصْبَ خَفِيفٌ اور اس لیے کیونکہ نصب خفیف ہے وَالْمَفَاعِيلَ كَثِيرَةٌ اور مفاعیل کثیر ہیں لِأَنَّهَا خَمْسَةٌ کیونکہ وہ پانچ ہیں فَأُعْطِيَ الْخَفِيفُ الْكَثِيرَ تو جو خفیف علامت تھی وہ کثیر کو دے دی گئی، وہ کثیر کو دے دی گئی یعنی نصب جو ہے مفاعیل کو دے دیا گیا۔ وَلَمَّا لَمْ يَبْقَ لِلْمُضَافِ إِلَيْهِ عَلَامَةٌ غَيْرُ الْجَرِّ اور جب کوئی علامت باقی نہ رہی مضاف الیہ کے لیے علاوہ جر کے تو جُعِلَ

عَلَامَةً لَهُ تو پھر اس جر کو مضاف الیہ کے لیے علامت بنا دیا گیا۔ رفع فاعل کو دے دیا گیا، نصب مفعول کو دے دیا گیا تو اب جر ہی باقی بچ گیا تھا تو وہ اب مضاف الیہ کو دے دیا گیا۔ یہ معنی ہے وَلَمَّا لَمْ يَبْقَ لِلْمُضَافِ إِلَيْهِ عَلَامَةٌ غَيْرُ الْجَرِّ اور جب باقی نہ رہی مضاف الیہ کے لیے کوئی ایسی علامت جو جر کے علاوہ ہو، جُعِلَ عَلَامَةً لَهُ تو اس جر کو اس کے لیے علامت بنا دیا گیا۔ بات سمجھ میں آگئی؟

اچھا بعض شارحین نے اور وجہ ذکر کی اس کی بھئی۔ ملا جامی رحمہ اللہ نے تو آپ کو بتلایا کہ فاعل جو ہے اس کو رفع والی علامت دی گئی کیونکہ رفع ثقیل ہے اور فاعل قلیل ہے تو قلیل کو ثقیل والی علامت دے دی گئی، اور مفاعیل جو ہیں وہ کثیر ہیں اور فتحہ خفیف ہے تو جو کثیر تھے ان کو خفیف والی حرکت یعنی نصب دے دیا گیا، اور آخر میں صرف جر باقی بچ گیا تھا تو مضاف الیہ کو مجبوراً جر والی حرکت دینا پڑی بھئی۔ تو معلوم ہوا جو مضاف الیہ کو جر والی حرکت دی وہ مجبوری کی وجہ سے دی ہے۔ بعض شارحین نے اور تقریر کی، اس کے اندر پھر یہ مجبوری کی بات کرنے کی ضرورت ہی نہیں ہے بلکہ ان کی تقریر کے مطابق ہر ایک کو جو حرکت دی گئی وہ اس کے مناسب تھی، اس کے ساتھ اس کی مناسبت تھی بھئی۔ تو مضاف الیہ کو بھی جو جر کی حرکت دی گئی وہ جر کی اس کے ساتھ مناسبت تھی اس لیے دی گئی، مجبوری کی وجہ سے نہیں دی گئی بھئی۔ چنانچہ وہ فرماتے ہیں کہ ایک ہے فاعل،

ایک ہے مفعول، ایک ہے مضاف الیہ۔ فاعل سب سے قوی ہے کیونکہ کلام میں عمدہ واقع ہوتا ہے، کلام کا رکن ہے، اس کے بغیر کلام پورا ہی نہیں ہوتا۔ اور مفعول جو ہوتا ہے یہ فضلہ ہوتا ہے، کلام میں زائد چیز ہوتی ہے۔ تو یہ سب سے ضعیف، فاعل سب سے قوی کیونکہ وہ کلام میں عمدہ ہے، کلام کا بنیادی رکن ہے، اس کے بغیر کلام پورا ہی نہیں ہو سکتا۔ اور یہ جو مفعول ہے یہ فضلہ ہے، زائد ہے، اس کے بغیر بھی کلام پورا ہو جاتا ہے تو یہ سب سے ضعیف ہے۔ فاعل سب سے قوی اور مفعول سب سے ضعیف بھئی۔ اور یہ جو مضاف الیہ ہے یہ متوسط ہے، دونوں کے درمیان ہے۔ اس لیے کیونکہ مضاف الیہ جو ہے یہ کبھی کبھار کلام کا رکن بنتا ہے اور کبھی رکن نہیں بنتا۔ کبھی رکن بنے گا جیسے زَيْدٌ فِي الدَّارِ، یہ دیکھو جار مجرور جو ہیں یہ کلام کا رکن بن رہے ہیں یعنی مضاف الیہ۔ زَيْدٌ فِي الدَّارِ، یہ فِي تو صرف حرف ہے نا۔ تو یہ کبھی کلام کا رکن بنتا ہے مضاف الیہ اور کبھی رکن نہیں بنتا۔ رکن کب؟ مثلاً ضَرَبَ زَيْدٌ بِالْعَصَا۔ ضَرَبَ فعل، زَيْدٌ فاعل اور بِالْعَصَا جار مجرور متعلق ہیں کس سے؟ ضَرَبَ سے۔ تو ضَرَبَ ہوا مسند اور زَيْدٌ فاعل جو ہے وہ مسند الیہ، اور یہ بِالْعَصَا نہ یہ مسند ہے اور نہ یہ مسند الیہ ہے، تو دیکھو یہ کلام میں فضلہ واقع ہو رہا ہے، زائد چیز ہے بھئی۔ اور کبھی کبھار یہ جار مجرور جو ہے یہ فضلہ نہیں ہوتا بلکہ یہ کلام کا رکن بنتا ہے، مثلاً میں کہتا ہوں زَيْدٌ فِي الدَّارِ۔ تو دیکھو زَيْدٌ ہے مبتدا اور فِي الدَّارِ ہے، خبر ہے بھئی، تو یہ کلام کا رکن بن رہا ہے باقاعدہ، اس وقت یہ فضلہ نہیں ہے بلکہ عمدہ ہے بھئی۔ تو یہ جار مجرور ہیں اس میں جو یہ مجرور ہے یہ

ہے مضاف الیہ بھئی، مضاف الیہ۔ تو دیکھو ان دو مثالوں میں: ضَرَبَ زَيْدٌ بِالْعَصَا اس میں بِالْعَصَا یعنی جار مجرور کہہ لو یا یوں کہہ لو یہ جو مجرور ہے یعنی مضاف الیہ، وہ فضلہ واقع ہو رہا ہے۔ اور زَيْدٌ فِي الدَّارِ اس کے اندر جو الدَّارِ جو ہے مجرور جو ہے وہ ظرف کا حصہ ہے اور یہ کلام کا رکن بن رہا ہے۔ تو معلوم ہوا مضاف الیہ جو ہے وہ کبھی کلام کا رکن بنتا ہے اور کبھی فضلہ بنتا ہے یعنی کبھی عمدہ ہوتا ہے اور کبھی فضلہ۔ تو اس کا درجہ متوسط ہے۔ سب سے اعلیٰ درجہ فاعل کا کہ وہ ہمیشہ عمدہ ہے، کلام کا اعلیٰ رکن ہے۔ اور سب سے کمزور درجہ مفعول کا ہے کہ وہ ہمیشہ فضلہ بنتا ہے۔ اور مضاف الیہ جو ہے وہ متوسط ہے، کبھی وہ کلام میں عمدہ بنتا ہے، رکن بنتا ہے اور کبھی وہ فضلہ بنتا ہے۔

تو حرکتیں بھی تین قسم کی: رفع جو ہے وہ سب سے قوی حرکت ہے اور جو فتحہ ہے وہ سب سے خفیف اور ضعیف حرکت ہے اور کسرہ جو ہے وہ متوسط درجے کا ہے۔ تو حرکتیں بھی تین قسم کی ہو گئیں: رفع ہے قوی، نصب ہے ضعیف اور جر ہے متوسط۔ اسی طرح فاعل ہے قوی، مفعول ہے ضعیف بھئی، اور مضاف الیہ ہے متوسط۔ تو قوی کو قوی حرکت دے دی، فاعل کو رفع دے دیا۔ متوسط کو متوسط حرکت دے دی یعنی مضاف الیہ کو جر دے دیا۔ اور ضعیف کو ضعیف حرکت دے دی یعنی مفعول کو نصب دے دیا۔ دیکھا، اب اس تقریر کو لیں گے تو جو جر دیا مضاف الیہ کو وہ مجبوری کی وجہ سے نہیں دیا بلکہ اس کے ساتھ اس کی مناسبت ہے بھئی۔ بات سمجھ میں آ گئی؟ تو یہ بعض شارحین نے تقریر کی بھئی۔ جی۔ چلیے بس بھئی، هٰذَا هُوَ الْمَرَامُ، وَاللّٰهُ أَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْكَلَامِ.

سبق نمبر ۴۶: العامل و انواعِ اعراب (۱): عاملِ لفظی و معنوی کی تعریف اور اعراب بالحرکۃ و بالحرف

شرحِ ملا جامی صفحہ: ۳۰ — بتاریخ: ۱۹ اگست ۲۰۲۱ء

■ تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث

دیکھیے بھئی آگے سبق: اَلْعَامِلُ لَفْظِيًّا كَانَ أَوْ مَعْنَوِيًّا مَا بِهِ يَتَقَوَّمُ أَيْ يَحْصُلُ الْمَعْنَى الْمُقْتَضِي أَيْ مَعْنًى مِنَ الْمَعَانِي الْمُعْتَوِرَةِ عَلَى الْمُعْرَبِ الْمُقْتَضِيَةِ لِلْإِعْرَابِ، فَفِي جَاءَ زَيْدٌ جَاءَ عَامِلٌ إِذْ بِهِ حَصَلَ مَعْنَى الْفَاعِلِيَّةِ فِي زَيْدٌ، فَجُعِلَ الرَّفْعُ عَلَامَةً لَهَا، وَفِي رَأَيْتُ زَيْدًا رَأَيْتُ عَامِلٌ إِذْ بِهِ حَصَلَ مَعْنَى الْمَفْعُولِيَّةِ فِي زَيْدًا، فَجُعِلَ النَّصْبُ عَلَامَةً لَهَا، وَفِي مَرَرْتُ بِزَيْدٍ الْبَاءُ عَامِلٌ إِذْ بِهِ حَصَلَ مَعْنَى الْإِضَافَةِ فِي زَيْدٍ، فَجُعِلَ الْجَرُّ عَلَامَةً لَهَا.[1]

اچھا بھئی گزشتہ سبق میں آپ نے پڑھا تھا یہ اعراب جو ہے معرب کے آخر میں کیوں آتا ہے، درمیان میں یا شروع میں کیوں نہیں آتا؟ تو صاحبِ جامی نے آپ کو بتلایا کہ یہ جو اسم ہے یہ مسمیٰ پر دلالت کرتا ہے، اور یہ جو اعراب ہوتے ہیں یہ اس مسمیٰ کی صفت پر دلالت کرتے ہیں، اور ذات مقدم ہوتی ہے صفت پر۔ تو اسی طرح جو دال علی الذات ہے اس کو

[1]

نقشۂ نحوی (۲): معرب و مبنی اور انواعِ اعراب (بالحرکۃ و بالحرف) کا شجرہ:

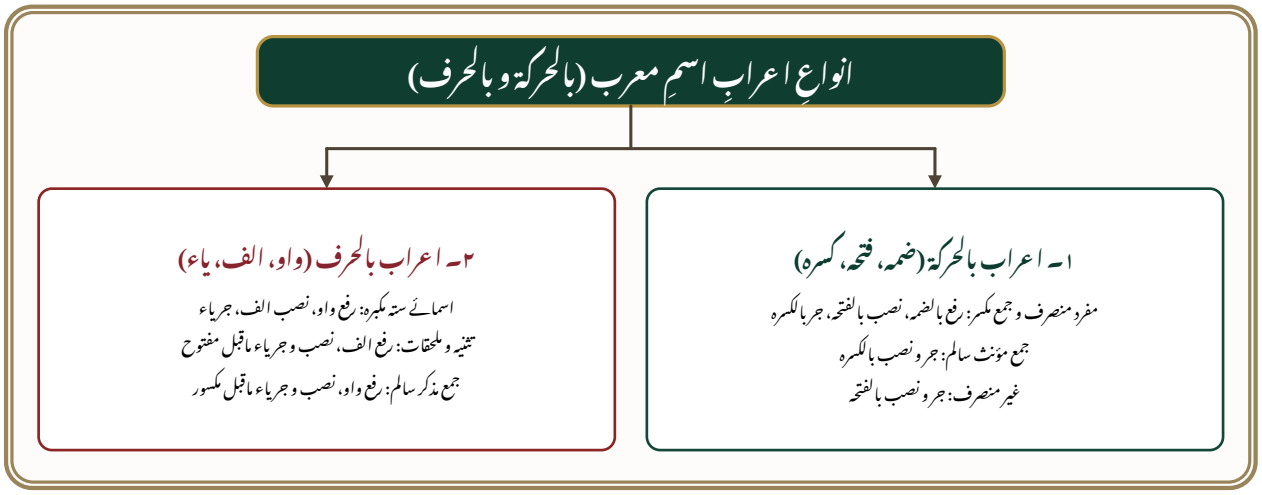

بھی مقدم ہونا چاہیے دال علی الصفت پر۔ تو اس لیے دال علی الصفت یعنی اعراب کو مؤخر کیا گیا بھئی۔ اور پھر اس کے بعد وجہِ تسمیہ ذکر کی تھی کہ یہ اعراب کو اعراب کیوں کہتے ہیں؟ تو بتلایا تھا کہ یہ أَعْرَبَهُ سے ماخوذ ہے۔ جب عربی میں کوئی واضح کلام کرے تو کہتے ہیں أَعْرَبَ الْكَلَامَ فُلَانٌ فلاں نے واضح کلام کیا۔ تو یہ اعراب بھی کیا کرتے ہیں؟ یہ اعراب بھی معنیٰ کی وضاحت کر دیتے ہیں کہ یہ جو اسم ہے یہ فاعل ہے یا مفعول ہے یا مضاف الیہ ہے۔ یا یہ ماخوذ ہے عَرِبَتْ مَعِدَتُهُ سے۔ عَرِبَ کا معنیٰ ہے خراب ہونا، فاسد ہونا، اور پھر اس کو لے گئے بابِ افعال میں۔ اور بابِ افعال میں کبھی ہمزہ سلبِ ماخذ کے لیے آتا ہے، تو یہاں بھی یہ جو ہمزہ ہے سلبِ ماخذ کے لیے ہے، تو اعراب کا معنیٰ ہو گا فساد کو دور کرنا۔ تو اعراب بھی کیا کرتا ہے؟ ابہام کے فساد کو دور کر دیتا ہے۔ اگر آپ اعراب نہیں پڑھیں گے تو پھر پتا نہیں چلے گا کون فاعل ہے اور کون مفعول ہے، لیکن جب اعراب پڑھ دیں گے تو وہ اعراب وہ جو ابہام تھا اس فساد کو دور کر دے گا، ختم کر دے گا، اور پتا چل جائے گا کہ کون فاعل ہے اور کون مفعول ہے۔

پھر اس کے بعد بتلایا تھا کہ اس کی جو قسمیں ہیں انواع جو ہیں وہ تین ہیں: رفع، نصب اور جر۔ اور أَنْوَاعُهُ کے بعد أَنْوَاعُ إِعْرَابِ الِاسْمِ، ایک تو ضمیر کا مرجع بتلایا صاحبِ جامی نے، اور نیز یہ بتلایا کہ یہ اسم کے اعراب کی قسمیں بیان ہو رہی ہیں، لہٰذا آپ یہ اشکال نہ کرنا کہ جزم بھی تو اعراب کی ایک قسم ہے اس کو کیوں نہیں ذکر کیا؟ کیونکہ وہ تو فعل کا اعراب ہے، اسم کا اعراب نہیں۔ اسم کا اعراب تو یہی تین قسمیں ہیں اس کی: رفع، نصب اور جر۔ اور پھر اس کے بعد یہ رفع، نصب اور جر سے پہلے ثَلَاثَةٌ کا لفظ نکالا تھا صاحبِ جامی نے۔ میں نے بتلایا کہ اس میں دو وجہیں آپ ذکر کر سکتے ہیں: یا تو وہ یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ رَفْعٌ وَنَصْبٌ وَجَرٌّ ان میں عطف مقدم ہے، پہلے عطف ہو گا تینوں ملیں گے، پھر ان کا حمل ہو گا أَنْوَاعُهُ پر، کیونکہ أَنْوَاعُهُ جمع ہے اور ایک ایک کا حمل کرو گے تو مفرد کا حمل جمع پر ہو جائے گا، وہ درست نہیں ہے، تو تینوں جب مل جائیں گے تو یہ بھی جمع بن گئے، اب جمع کا حمل جمع پر ٹھیک ہو جائے گا۔ یا وہ یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ یہ أَنْوَاعُهُ کی جو خبر ہے وہ رَفْعٌ وَنَصْبٌ وَجَرٌّ نہیں ہے بلکہ ثَلَاثَةٌ خبر ہے بھئی، اور یہ اس سے بدل واقع ہو رہے ہیں، یا ان کے لیے بتدا الگ محذوف ہے، اور وہ پھر چاہیں ایک ہی بتدا تینوں کے لیے نکال لیں کہ هِيَ رَفْعٌ وَنَصْبٌ وَجَرٌّ وہ تین کون سے ہیں؟ رفع، نصب اور جر ہیں۔ یا ہر ایک کے لیے الگ الگ بتدا نکال لو کہ أَحَدُهَا رَفْعٌ ان انواع میں سے ایک قسم کیا ہے؟ رفع ہے، وَثَانِيهَا نَصْبٌ اور دوسری قسم نصب ہے، وَثَالِثُهَا جَرٌّ اور تیسری قسم جر ہے۔

اس کے بعد پھر انہوں نے یہ بتلایا کہ یہاں تین نام ہیں: رفع، نصب، جر، اور ضَمٌّ، فَتْحٌ اور كَسْرٌ، اور تیسرا ہے ضَمَّةٌ، فَتْحَةٌ، كَسْرَةٌ جس میں گول تا بھی ساتھ آ کر جڑ گئی۔ تو ان میں رفع، نصب اور جر یہ معرب کے ساتھ خاص ہیں یعنی یہ حرکات و حروفِ اعرابیہ پر بولے جاتے ہیں، اور ضَمٌّ، فَتْحٌ، كَسْرٌ یہ حرکاتِ بنائیہ کے ساتھ خاص ہیں، اور ضَمَّةٌ، فَتْحَةٌ، كَسْرَةٌ یہ دونوں پر بولے جاتے ہیں، لیکن حرکاتِ بنائیہ پر ان کا اطلاق زیادہ ہے اور حرکاتِ اعرابیہ پر ان کا اطلاق قلیل ہے بھئی۔

اس کے بعد پھر انہوں نے یہ بتلایا تھا کہ رفع جو ہے وہ فاعل ہونے کی علامت ہے، اور نصب مفعول ہونے کی علامت ہے، اور جر مضاف الیہ ہونے کی علامت ہے۔ اور پھر یہ بھی بتلایا کہ یہ فاعل ہونا عام ہے، چاہے حقیقتاً فاعل ہو چاہے حکماً فاعل ہو، تاکہ باقی مرفوعات بھی اس کے اندر داخل ہو جائیں بھئی، جیسے مبتدا اور خبر ہیں، کیونکہ وہ تو حقیقتاً فاعل نہیں ہیں البتہ حکماً وہ بھی فاعل ہیں، یعنی جیسے فاعل کلام کے اندر عمدہ واقع ہوتا ہے مسند الیہ بنتا ہے، اسی طرح یہ مبتدا خبر وغیرہ یہ بھی کلام میں عمدہ ہوتے ہیں، یعنی مسند الیہ بنتے ہیں یا مسند بنتے ہیں۔ جبکہ نصب جو ہے وہ مفعول ہونے کی علامت ہے، اور مفعول ہونا وہ بھی عام ہے، چاہے حقیقتاً ہو چاہے حکماً ہو، تو مفعول ہونے کو بھی عام کر دیا کہ وہ حقیقتاً ہو چاہے حکماً ہو، تاکہ جو مفعول کے ملحقات ہیں یعنی حال، تمیز وغیرہ وہ بھی اس کے اندر داخل ہو جائیں بھئی۔ اور جر جو ہے وہ مضاف الیہ ہونے کی علامت ہے بھئی، جر مضاف الیہ ہونے کی علامت ہے، اور اس اضافت کے آخر میں یائے مشدد اور گول تا کو نہیں ملایا، وجہ یہ کہ یہ خود ہی مصدر ہے۔ فاعلیت، وہ تو فاعل سے بنا تو اس کو مصدر بنانے کے لیے آخر میں یائے مشدد ملائی گئی، اور مفعولیت، وہ مفعول تو صفت تھی اس کو بھی مصدر بنانے کے لیے یائے مشدد ساتھ لگائی گئی، اور اضافت، یہ تو خود ہی مصدر ہے یہاں یائے مشدد ملانے کی ضرورت نہیں ہے۔

پھر اس کے بعد انہوں نے یہ بتلایا کہ یہ رفع جو ہے فاعل کے ساتھ خاص کیوں ہے، نصب مفعول کے ساتھ خاص کیوں ہے، اور جر مضاف الیہ کے ساتھ خاص کیوں ہے؟ تو بتلایا کہ رفع جو ہے وہ ثقیل ہے اور فاعل قلیل ہیں تو جو قلیل تھے ان کو ثقیل والی حرکت دے دی، اور مفاعیل چونکہ کثیر تھے تو ان کو نصب والی علامت دے دی جو ہلکی ہے خفیف ہے تاکہ کلام میں یہ خفیف حرکت زیادہ آئے، زبان پر ادائیگی آسان ہو۔ اور پھر صرف جر ہی بچ گیا تھا تو مجبوراً مضاف الیہ کو جر ہی دینا پڑا۔

اب آئیے آج کے سبق پر۔ کہتے ہیں: اَلْعَامِلُ لَفْظِيًّا كَانَ أَوْ مَعْنَوِيًّا مَا بِهِ يَتَقَوَّمُ أَيْ يَحْصُلُ الْمَعْنَى الْمُقْتَضِي أَيْ مَعْنًى مِنَ الْمَعَانِي الْمُعْتَوِرَةِ عَلَى الْمُعْرَبِ الْمُقْتَضِيَةِ لِلْإِعْرَابِ. اب عامل کی تعریف کرنے لگے ہیں۔ سب سے پہلے متن متن دیکھ لیجیے۔ کہتے ہیں: اَلْعَامِلُ مَا بِهِ يَتَقَوَّمُ الْمَعْنَى الْمُقْتَضِي لِلْإِعْرَابِ. اَلْعَامِلُ عامل جو ہے مَا وہ چیز ہے بِهِ يَتَقَوَّمُ کہ اس سے حاصل ہوتا ہے، اس کے ذریعے حاصل ہوتا ہے، يَتَقَوَّمُ کا معنیٰ حاصل ہونا، کہ اس کے ذریعے حاصل ہوتا ہے، کیا چیز حاصل ہوتی ہے؟ اَلْمَعْنَى الْمُقْتَضِي لِلْإِعْرَابِ وہ معنیٰ جو اعراب کا تقاضا کر رہا ہے۔ عامل وہ چیز ہے جس کے ذریعے وہ معنیٰ حاصل ہوتا ہے جو اعراب کا تقاضا کرتا ہے۔

میں نے کل آپ کو تین چار چیزیں لکھوائی تھیں کہ سب سے پہلے عامل آتا ہے، معرب کے اوپر عامل داخل ہوتا ہے، اور یہ عامل اس کے اندر ایک معنیٰ پیدا کر دیتا ہے یا فاعلیت والا یا مفعولیت والا یا مضاف الیہ والا، اور پھر یہ معنیٰ تقاضا کرتا ہے اعراب کا، اور پھر جب اعراب آجاتا ہے تو معرب کا آخر مختلف ہو جاتا ہے۔ تو عامل کس کو وجود دیتا ہے؟ معنیٰ مقتضی کو، اور معنیٰ مقتضی یعنی وہ معنیٰ جو تقاضا کرتا ہے اعراب کا۔ تو عامل وہ سبب ہے کس کے لیے؟ معنیٰ مقتضی

کے لیے، اور معنیٰ مقتضی سبب ہے کس کے لیے؟ اعراب کے لیے، اور اعراب سبب ہے کس چیز کے لیے؟ اختلافِ آخر کے لیے۔ بات ذہن میں آگئی؟ گزشتہ سے پیوستہ سبق میں میں نے یہ ساری ترتیب آپ کو لکھوائی تھی۔ تو دیکھو اب یہ جو معنیٰ مقتضی ہے اس کو کون وجود دیتا ہے؟ عامل نے کس کو وجود دیا؟ معنیٰ مقتضی کو، معنیٰ مقتضی نے کس کو وجود دیا؟ اعراب کو، اور اعراب نے کس کو وجود دیا؟ اختلافِ آخر کو۔ تو معنیٰ مقتضی کو کس نے وجود دیا؟ عامل نے بھئی۔ کس نے؟ عامل جو ہے وہ معنیٰ مقتضی کو وجود دیتا ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ وہی یہاں بیان کر رہے ہیں کہ اَلْعَامِلُ مَا بِهِ يَتَقَوَّمُ الْمَعْنَى الْمُقْتَضِي لِلْإِعْرَابِ عامل وہ چیز ہے جس کے ذریعے وہ والا معنیٰ حاصل ہوتا ہے جو اعراب کا تقاضا کرتا ہے، یعنی فاعلیت والا یا مفعولیت والا یا مضاف الیہ والا۔ تو یہ فاعلیت والا معنیٰ یا مفعولیت والا معنیٰ یا مضاف الیہ والا معنیٰ یہ کس سے حاصل ہوا؟ اس کا سبب کون بنا؟ عامل بنا بھئی۔ بات سمجھ میں آگئی؟

دیکھیے بھئی کتاب پر، کہتے ہیں: اَلْعَامِلُ مَا بِهِ يَتَقَوَّمُ الْمَعْنَى الْمُقْتَضِي لِلْإِعْرَابِ عامل وہ چیز ہے کہ اس کے ذریعے حاصل ہوتا ہے وہ معنیٰ جو تقاضا کرتا ہے اعراب کا۔ اب شرح کے ساتھ دیکھیے، کہتے ہیں: اَلْعَامِلُ لَفْظِيًّا كَانَ أَوْ مَعْنَوِيًّا. یہ عامل کے بعد لَفْظِيًّا كَانَ أَوْ مَعْنَوِيًّا نکال کر صاحبِ جامی دراصل یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ یہ جو عامل کی تعریف ہو رہی ہے یہ صرف عاملِ لفظی کی تعریف نہیں ہے بلکہ یہ چاہے عاملِ لفظی ہو چاہے عاملِ معنوی ہو دونوں کی تعریف ہو رہی ہے۔ بھئی ایک ہوتا ہے عاملِ لفظی، ضَرَبَ زَيْدٌ، یہ زَيْدٌ کو رفع کس نے دیا؟ ضَرَبَ نے، اور ضَرَبَ لفظ ہے، آپ نے اس پر تلفظ کیا ہے باقاعدہ۔ اور زَيْدٌ قَائِمٌ، یہ بتدا خبر ہیں، زَيْدٌ پر بھی رفع آیا بتدا ہے، قَائِمٌ پر بھی رفع آیا یہ خبر ہے، اور بتدا اور خبر ان میں عامل ابتدا ہوتی ہے۔ ان میں عامل ابتدا، اور ابتدا کسے کہتے ہیں؟ وہ اسم جو مسند یا مسند الیہ ہو اور عاملِ لفظی سے خالی ہو، تو اس کا عاملِ لفظی سے خالی ہونا، بھئی وہ تو مسند الیہ ہے یا مسند ہے، تو کوئی عامل تو چاہیے، تو وہ عامل اس کو کہتے ہیں کہ اس کے اندر پھر ابتدا عامل ہے۔ تو ابتدا کا کیا معنیٰ؟ مسند یا مسند الیہ کا عاملِ لفظی سے خالی ہونا۔ تو بتدا میں بھی کوئی عاملِ لفظی نہیں، خبر میں بھی کوئی عاملِ لفظی نہیں، تو پھر ان میں عامل ابتدا ہے، یعنی عاملِ لفظی سے یہ خالی ہیں تو یہ ابتدا عامل ہے یہ جو عاملِ معنوی ہے۔ تو یہ عاملِ معنوی ہے یعنی معنیٰ عمل کر رہا ہے یہاں پر کوئی لفظ عمل نہیں کر رہا۔ یہ زَيْدٌ قَائِمٌ، زَيْدٌ کو جو رفع دیا یہ کوئی لفظی عامل نے نہیں دیا بلکہ معنوی عامل نے، معنیٰ نے اس کو رفع دیا ہے اور وہ ابتدا ہے۔ اور قَائِمٌ کو جو رفع دیا وہ بھی ابتدا نے دیا کسی لفظ نے نہیں دیا۔ تو معنیٰ عامل ہے، لفظ عامل نہیں۔ تو عامل کبھی لفظی ہوتا ہے کبھی معنوی۔ صاحبِ جامی بتلا رہے ہیں کہ یہ جو عامل کی تعریف کی جا رہی ہے کہ یہ عاملِ لفظی اور معنوی دونوں کو شامل ہے، دونوں اس کے اندر داخل ہو گئے۔ تو عامل عام ہے چاہے لفظی ہو یا معنوی، تو سب عامل اس میں آگئے بھئی، تو یہ دونوں کی تعریف ہے۔

مَا بِهِ يَتَقَوَّمُ أَيْ يَحْصُلُ. أَيْ يَحْصُلُ کے ذریعے يَتَقَوَّمُ کا معنیٰ بیان کر رہے ہیں صاحبِ جامی کہ یہاں يَتَقَوَّمُ کس معنیٰ

میں ہے؟ يَحْصُلُ کے معنیٰ میں ہے۔ تو عامل وہ چیز ہے بِهِ يَتَقَوَّمُ أَيْ يَحْصُلُ یعنی اس کے ذریعے حاصل ہوتا ہے اَلْمَعْنَى الْمُقْتَضِي وہ معنیٰ جو تقاضا کرنے والا ہے۔ آگے صاحبِ جامی فرما رہے ہیں: أَيْ مَعْنًى مِنَ الْمَعَانِي الْمُعْتَوِرَةِ عَلَى الْمُعْرَبِ الْمُقْتَضِيَةِ لِلْإِعْرَابِ. بھئی متن میں تو آیا الْمَعْنَى الْمُقْتَضِي معرفہ آیا، اَلْمَعْنَى آیا، اور صاحبِ جامی کیا فرما رہے ہیں؟ أَيْ مَعْنًى مِنَ الْمَعَانِي نکرہ کے ساتھ اس کی تفسیر کر رہے ہیں۔ بتلانا یہ چاہتے ہیں کہ اَلْمَعْنَى پر جو الف لام آیا ہے وہ عہدِ خارجی کے لیے نہیں ہے بلکہ عہدِ ذہنی کے لیے ہے، اور عہدِ ذہنی والا الف لام جب کسی لفظ پر داخل ہوتا ہے لفظوں میں تو وہ معرفہ بن جاتا ہے لیکن معنیٰ کے اعتبار سے وہ نکرہ رہتا ہے، اسی لیے مَعْنًى نکرہ کے ساتھ اس کی تفسیر کی۔ تو اس معنیٰ سے کوئی خاص معنیٰ نہیں مراد، کوئی ایک معنیٰ جو اعراب کا تقاضا کرے، چاہے وہ فاعلیت والا معنیٰ ہو چاہے مفعولیت والا ہو چاہے مضاف الیہ والا معنیٰ ہو، کوئی بھی معنیٰ ہو۔ بات سمجھ میں آگئی؟ ورنہ تو اَلْمَعْنَى کا کیا ترجمہ ہوگا؟ وہ والا معنیٰ اگر عہدِ خارجی مراد لیں۔ اگر عہدِ خارجی مراد لیں پھر تو کسی معین معنیٰ کی طرف اشارہ ہوگا، وہ والا معنیٰ جس کے ذریعے کیا حاصل ہو رہا ہے؟ اعراب۔ اور یہاں کوئی معین معنیٰ مراد ہے یا کوئی بھی معنیٰ ہو؟ کوئی بھی معنیٰ ہو چاہے فاعلیت والا ہو چاہے مفعولیت والا ہو چاہے مضاف الیہ والا۔ تو کہتے ہیں: اَلْمَعْنَى الْمُقْتَضِي أَيْ مَعْنًى مِنَ الْمَعَانِي الْمُعْتَوِرَةِ عَلَى الْمُعْرَبِ یعنی کوئی معنیٰ ان معانی میں سے جو باری باری آرہے ہیں معرب پر، اَلْمُقْتَضِيَةِ لِلْإِعْرَابِ وہ معانی جو اعراب کا تقاضا کرنے والے ہیں، وہ معانی جو اعراب کا تقاضا کرنے والے ہیں ان میں سے کوئی ایک معنیٰ جس کے ذریعے حاصل ہو جائے اس کو عامل کہتے ہیں۔ پھر سنو عامل کسے کہتے ہیں؟ عامل وہ چیز ہے جس کے ذریعے کوئی ایسا معنیٰ حاصل ہو جائے جو کس کا تقاضا کر رہا ہو؟ اعراب کا۔ پھر دیکھو بھئی أَيْ مَعْنًى مِنَ الْمَعَانِي الْمُعْتَوِرَةِ عَلَى الْمُعْرَبِ الْمُقْتَضِيَةِ لِلْإِعْرَابِ یعنی کوئی ایک معنیٰ ان معانی میں سے جو باری باری معرب پر آتے ہیں اَلْمُقْتَضِيَةِ لِلْإِعْرَابِ جو اعراب کا تقاضا کرتے ہیں۔ فَفِي جَاءَ زَيْدٌ جَاءَ عَامِلٌ تو جَاءَ زَيْدٌ کے اندر جَاءَ عامل ہے، جس نے زید کو رفع دیا۔ إِذْ بِهِ حَصَلَ مَعْنَى الْفَاعِلِيَّةِ فِي زَيْدٌ اس لیے کیونکہ اس کی وجہ سے فاعلیت والا معنیٰ حاصل ہو گیا فِي زَيْدٌ کس کے اندر؟ زَيْدٌ کے اندر۔ توجہ ہے؟ جَاءَ زَيْدٌ کے اندر جَاءَ عامل ہے کیونکہ اس جَاءَ کی وجہ سے زَيْدٌ میں کون سا معنیٰ حاصل ہوا، کون سا معنیٰ اس کے اندر آگیا؟ فاعلیت والا معنیٰ آگیا، اور اس معنیٰ نے کیا تقاضا کیا؟ کہ اس زید پر کون سا اعراب پڑھو؟ رفع پڑھو کیونکہ یہ فاعل ہے۔ تو کہتے ہیں: فَفِي جَاءَ زَيْدٌ جَاءَ عَامِلٌ تو جَاءَ زَيْدٌ کے اندر جَاءَ عامل ہے إِذْ بِهِ حَصَلَ مَعْنَى الْفَاعِلِيَّةِ فِي زَيْدٌ کیونکہ اس کی وجہ سے فاعلیت والا معنیٰ حاصل ہو رہا ہے زَيْدٌ میں۔

میں نے پڑھا فِي زَيْدٌ، فِي زَيْدٌ۔ فِي تو جر دیتا ہے تو میں نے زَيْدٍ نہیں پڑھا بلکہ کیا پڑھا؟ زَيْدٌ۔ یاد رکھو اس کو کہتے ہیں اعرابِ حکائی، اس کو کیا کہتے ہیں؟ اعرابِ حکائی۔ اعرابِ حکائی یہ ہے کہ ایک لفظ آپ لیتے ہیں کسی جگہ سے، اور اس جگہ میں اس پر جو اعراب تھا یہاں پر بھی وہی اعراب پڑھ دیتے ہیں۔ یہاں پر بھی وہی اعراب۔ تو یہ جو زَيْدٌ کا لفظ لیا ہم نے کہاں سے لیا؟ جَاءَ زَيْدٌ سے۔ توجہ ہے؟ یہ جَاءَ زَيْدٌ سے لیا ہم نے اور جَاءَ زَيْدٌ میں زَيْدٌ پر کون سا اعراب ہے؟ رفع ہے،

جب اس پر رفع ہے تو یہاں پر ہم نے کیا پڑھ دیا؟ یہاں بھی رفع پڑھ دیا۔ اس کو کہتے ہیں اعرابِ حکائی۔ حکایت کا معنیٰ ہوتا ہے بات، بات۔ تو دیکھو اس بات میں، اس حکایت میں جو اعراب تھا وہی اعراب یہاں پڑھ دیا۔ حالانکہ یہاں تو فِي داخل ہو رہا ہے، جر پڑھنا چاہیے، لیکن میں نے اس پر جر نہیں پڑھا بلکہ وہی اعرابِ حکائی پڑھ دیا، یعنی وہ اعراب جو حکایت میں زید پر تھا، اس جملے میں زید پر تھا وہی اعراب یہاں بھی پڑھ دیا۔ تو فِي زَيْدٌ پڑھا۔ تو زَيْدٌ لفظوں کے اعتبار سے مرفوع ہے، لفظوں کے اعتبار سے مرفوع ہے، زَيْدٌ پڑھ رہا ہوں نا، تلفظ رفع پر کر رہا ہوں، نصب پر یا جر پر؟ رفع پر۔ تو لفظوں کے اعتبار سے مرفوع پڑھ رہا ہوں اور کیوں مرفوع پڑھ رہا ہوں؟ اعرابِ حکائی کی وجہ سے، کیونکہ حکایت میں اس پر رفع آیا تھا، جَاءَ زَيْدٌ میں اس پر رفع آیا تھا۔ تو فِي زَيْدٌ اس کے اندر زَيْدٌ لفظوں کے اعتبار سے مرفوع ہے، محلاً مجرور ہے کیونکہ فِي داخل ہو رہا ہے۔ محلاً کیا ہے؟ یہ جگہ جر والی ہے تو یہ محل، محل کا معنیٰ جگہ، محلاً مجرور ہے جگہ کے اعتبار سے مجرور ہے لیکن حکایت کے اعتبار سے مرفوع ہے، اس پر رفع ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟

تو یہ جو اعرابِ حکائی ہوتا ہے کسی لفظ پر آپ کی مرضی ہے، چاہے اس پر اعرابِ حکائی پڑھیں چاہے نہ پڑھیں، تو میں اس کو چاہے فِي زَيْدٌ پڑھوں چاہے فِي زَيْدٍ پڑھوں ایک ہی بات ہے۔ فِي زَيْدٌ پڑھوں تو یہ اعرابِ حکائی ہو جائے گا، جہاں سے لیا تھا وہی اعراب یہاں بھی پڑھ دیا، اور چاہوں تو اس کے محل کے مطابق اس پر میں اعراب پڑھوں اور محل کے اعتبار سے تو یہ مجرور ہے فِي داخل ہو رہا ہے، تو فِي زَيْدٍ پڑھنا بھی صحیح اور فِي زَيْدٌ پڑھنا بھی صحیح۔ لیکن میں نے فِي زَيْدٌ پڑھا وجہ یہ کیونکہ آگے آرہا ہے ایک سطر کے بعد فِي زَيْدًا، کیا آرہا ہے؟ فِي زَيْدًا آرہا ہے۔ دیکھو وہاں بھی شارحِ جامی نے اعرابِ حکائی کے ساتھ اس کو درج کیا ہے۔ تو ساروں پر کیا کرو اعرابِ حکائی پڑھو جو ان دو تین جملوں میں آئیں گے موقع کے مطابق۔

پھر دیکھیے کہتے ہیں: فَفِي جَاءَ زَيْدٌ جَاءَ عَامِلٌ إِذْ بِهِ حَصَلَ مَعْنَى الْفَاعِلِيَّةِ فِي زَيْدٌ تو جَاءَ زَيْدٌ کے اندر جَاءَ عامل ہے کیونکہ اس کی وجہ سے فاعلیت والا معنیٰ حاصل ہو رہا ہے زَيْدٌ میں فَجُعِلَ الرَّفْعُ عَلَامَةً لَهَا تو رفع کو اس کے لیے علامت بنا دیا گیا۔ زید میں فاعلیت والا معنیٰ تھا تو رفع کو اس کے لیے علامت بنا دیا، زَيْدٌ کا رفع کیا بتلا رہا ہے؟ کہ زَيْدٌ میں کون سا معنیٰ ہے؟ فاعلیت والا معنیٰ ہے۔ وَفِي رَأَيْتُ زَيْدًا اور یہ جو رَأَيْتُ زَيْدًا کا جملہ ہے تو اس کے اندر رَأَيْتُ عَامِلٌ، رَأَيْتُ جو ہے وہ عامل ہے، إِذْ بِهِ حَصَلَ مَعْنَى الْمَفْعُولِيَّةِ فِي زَيْدًا اس لیے کیونکہ اس کی وجہ سے مفعولیت والا معنیٰ حاصل ہوا زَيْدًا میں۔ دیکھا یہ زَيْدًا پر پھر اعرابِ حکائی ہے، پیچھے آیا تھا نا رَأَيْتُ زَيْدًا، وہاں زَيْدًا منصوب تھا۔ فَجُعِلَ النَّصْبُ عَلَامَةً لَهَا تو نصب کو اس مفعولیت کے لیے علامت بنا دیا گیا۔ عبارت سمجھ میں آگئی؟ پھر سنو عبارت، کہتے ہیں: وَفِي رَأَيْتُ زَيْدًا رَأَيْتُ عَامِلٌ اور رَأَيْتُ زَيْدًا کے اندر رَأَيْتُ عامل ہے إِذْ بِهِ حَصَلَ مَعْنَى الْمَفْعُولِيَّةِ فِي زَيْدًا اس لیے کیونکہ اس کے ذریعے مفعولیت والا معنیٰ حاصل ہو رہا ہے زَيْدًا میں، فَجُعِلَ النَّصْبُ عَلَامَةً لَهَا تو نصب کو اس مفعولیت کے لیے علامت بنا دیا گیا۔ دیکھو رَأَيْتُ زَيْدًا، اس پر نصب پڑھا، یہ نصب کس پر دلالت کر رہا ہے؟ کہ زَيْدًا میں کون سا معنیٰ ہے؟ مفعولیت والا معنیٰ ہے۔ وَفِي

مَرَرْتُ بِزَيْدٍ اور مَرَرْتُ بِزَيْدٍ کے اندر اَلْبَاءُ عَامِلٌ با جو ہے عامل ہے زید کو جر دے رہی ہے۔ تو کہتے ہیں: وَفِي مَرَرْتُ بِزَيْدٍ، مَرَرْتُ بِزَيْدٍ کے اندر اَلْبَاءُ عَامِلٌ با جو ہے وہ عامل ہے إِذْ بِهِ حَصَلَ مَعْنَى الْإِضَافَةِ فِي زَيْدٍ اس لیے کیونکہ اس کے ذریعے اضافت والا معنیٰ حاصل ہو رہا ہے زَيْدٍ کے اندر فَجُعِلَ الْجَرُّ عَلَامَةً لَهَا تو جر کو اضافت کے لیے علامت بنا دیا گیا۔ مَرَرْتُ بِزَيْدٍ یہ زید پر جو جر آیا اس جر نے کس پر دلالت کر دی؟ کہ اس میں اضافت والا معنیٰ ہے، زید میں اضافت والا معنیٰ ہے۔

فَالْمُفْرَدُ الْمُنْصَرِفُ. جی اب اعراب کی قسمیں شروع ہو گئیں۔ معرب کسے کہتے ہیں وہ بھی انہوں نے آپ کو بتلا دیا، معرب کا حکم بھی بتلا دیا، اور اعراب کسے کہتے ہیں یہ بھی بتلا دیا، اور اعراب کی انواع بھی بتلا دیں کہ رفع، نصب اور جر ہے، اور اس کے بعد پھر عامل کے بارے میں بھی بتلا دیا کہ عامل کسے کہتے ہیں۔ اب اعراب کے اعتبار سے اسم کی جو سولہ قسمیں آپ نے نحو میر میں پڑھی ہیں ان کو اب صاحبِ کافیہ ذکر کریں گے اور بے انتہا مختصر لفظوں میں، صاحبِ کافیہ کی کوشش ہوتی ہے کہ مختصر سے مختصر لفظوں میں میں لمبی سے لمبی بات کر دوں۔ تو وہ مختصر لفظوں میں وہ سولہ قسموں کو بیان کریں گے بھئی۔ دیکھیے بھئی، پہلے متن صرف دیکھ لیں۔

کہتے ہیں: فَالْمُفْرَدُ الْمُنْصَرِفُ وَالْجَمْعُ الْمُكَسَّرُ الْمُنْصَرِفُ بِالضَّمَّةِ رَفْعًا وَالْفَتْحَةِ نَصْبًا وَالْكَسْرَةِ جَرًّا. تو مفرد منصرف جو ہے، مفرد منصرف بھئی جو مفرد ہو یعنی تثنیہ جمع نہ ہو اور منصرف ہو یعنی غیر منصرف نہ ہو، تو مفرد منصرف کسے کہیں گے؟ جو تثنیہ جمع بھی نہ ہو اور غیر منصرف بھی نہ ہو۔ اور اسی طرح جَمْعُ الْمُكَسَّرُ الْمُنْصَرِفُ، جمع مکسر منصرف، جمع مکسر جس میں مفرد کا وزن ٹوٹ جاتا ہے، جیسے رَجُلٌ کی جمع رِجَالٌ بھئی رِجَالٌ۔ رَجُلٌ میں دیکھو را پر زبر ہے اور جیم پر پیش ہے، لیکن رِجَالٌ میں دیکھو را کے نیچے زیر ہے اور جیم پر زبر ہے، اور رَجُلٌ میں تو جیم کے بعد لام تھا لیکن یہاں رِجَالٌ میں جیم کے بعد الف ہے اور پھر لام ہے، تو مفرد کا سارا وزن ٹوٹ گیا، سارا وزن۔ مُسْلِمٌ سے جمع بناؤ مُسْلِمُونَ، دیکھو واو اور نون سے یہ جمع بن گئی لیکن وہ مُسْلِمٌ کا سارا وزن برقرار ہے ابھی بھی، تو اس کو کہتے ہیں جمع سالم یا جمع صحیح، اور یہ جس میں مفرد کا وزن ٹوٹ جائے جیسے رَجُلٌ سے جمع بنی رِجَالٌ اس کو کہتے ہیں جمع مکسر بھئی، جمع مکسر۔ اور دوسری مثال لے لو جیسے طَالِبٌ، طَالِبٌ کی جمع ہے طَلَبَةٌ۔ طَالِبٌ، طا پر زبر ہے اور اس کے بعد الف ہے، اور طَلَبَةٌ اس میں طا کے بعد لام ہے درمیان میں الف ختم کر دیا گیا، تو دیکھو مفرد کا وزن ٹوٹ گیا، طَالِبٌ کا اور وزن طَلَبَةٌ کا اور وزن ہے بھئی۔ تو جمع مکسر، اور جمع مکسر بھی کون سی ہو؟ منصرف ہو بھئی، کون سی جمع؟ منصرف، کیونکہ ایک جمع مکسر وہ ہے جو جمع منتہی الجموع ہے، جمع منتہی الجموع بھئی اور وہ غیر منصرف ہے وہ دو سببوں کے قائم مقام ہے جمع منتہی الجموع، آگے اس کا ذکر آجائے گا، وہ جمع جس میں الفِ جمع کے بعد دو یا تین حرف آجائیں جیسے مَسْجِدٌ کی جمع مَسَاجِدُ، دیکھو الف کے بعد جیم اور دال دو حرف ہیں، یا مِصْبَاحٌ کی جمع مَصَابِيحُ بھئی دیکھو مَصَابِيحُ بھئی الف کے بعد با، یا، حا تین حروف آگئے، تو جمع منتہی الجموع اس میں الفِ جمع کے بعد دو

یا تین حروف ہوتے ہیں اور وہ غیر منصرف ہے، وہ دو سببوں کے قائم مقام ہے، تو لہذا بتلا دیا کہ جمع مکسر سے وہ والی جمع مراد نہیں ہے بلکہ وہ جمع مکسر اَلْمُنْصَرِفُ جو منصرف ہو وہ مراد ہے۔

تو یہ جو دونوں قسمیں ہیں مفرد منصرف اور جمع مکسر منصرف، ان دونوں کا اعراب کیا ہے؟ بِالضَّمَّةِ رَفْعًا کہ ان کا اعراب ضمہ کے ساتھ آئے گا رَفْعًا یعنی رفعی حالت میں، اور وَالْفَتْحَةِ نَصْبًا اور ان کا اعراب فتحہ کے ساتھ آئے گا نصب کی حالت میں، وَالْكَسْرَةِ جَرًّا اور ان کا اعراب کسرہ آئے گا جر کی حالت میں۔ بِالضَّمَّةِ رَفْعًا ان کا اعراب کس کے ساتھ ہوگا؟ بِالضَّمَّةِ ضمہ کے ساتھ، رَفْعًا أَيْ حَالَةَ الرَّفْعِ کس حالت میں؟ رفع کی حالت میں ضمہ کے ساتھ ہوگا۔ وَالْفَتْحَةِ نَصْبًا اور ان کا اعراب فتحہ کے ساتھ ہوگا نَصْبًا أَيْ فِي حَالَةِ النَّصْبِ نصب والی حالت میں۔ اور وَالْكَسْرَةِ جَرًّا اور ان کا اعراب کسرہ کے ساتھ ہوگا جَرًّا أَيْ فِي حَالَةِ الْجَرِّ جر کی حالت میں بھئی۔ مفرد منصرف جیسے رَجُلٌ، جَاءَنِي رَجُلٌ، رَأَيْتُ رَجُلًا، مَرَرْتُ بِرَجُلٍ۔ دیکھا رفع کس کے ساتھ آیا؟ ضمہ کے ساتھ، نصب کس کے ساتھ آیا؟ جَاءَ رَجُلٌ مرفوع ہے اور میں کیا پڑھ رہا ہوں؟ ضمہ۔ تو رفع کس کے ساتھ آیا؟ ضمہ کے ساتھ، جَاءَنِي رَجُلٌ۔ اور نصب کس کے ساتھ آئے گا؟ فتحہ کے ساتھ، رَأَيْتُ رَجُلًا، دیکھو یہ فتحہ آ رہا ہے۔ اور مَرَرْتُ بِرَجُلٍ، یہ جر کس کے ساتھ آرہا ہے؟ کسرہ کے ساتھ آرہا ہے۔ یہ تو تھا مفرد منصرف اس کی مثال۔ جمع مکسر منصرف کی مثال: جَاءَنِي طَلَبَةٌ، رَأَيْتُ طَلَبَةً، مَرَرْتُ بِطَلَبَةٍ، دیکھو اس میں بھی تینوں طرح کے اعراب آرہے ہیں، رفع ضمہ کے ساتھ، نصب فتحہ کے ساتھ اور جر کسرہ کے ساتھ۔

دیکھیے اب شرح کے ساتھ، کہتے ہیں: فَالْمُفْرَدُ الْمُنْصَرِفُ. میں نے آپ کو کیا بتلایا مفرد منصرف سے کون سا اسم مراد ہے؟ جو مفرد ہو یعنی تثنیہ جمع نہ ہو، اور منصرف ہو یعنی غیر منصرف نہ ہو، وہی بیان کر رہے ہیں: أَيِ الِاسْمُ الْمُفْرَدُ الَّذِي لَمْ يَكُنْ مُثَنًّى وَلَا مَجْمُوعًا وَلَا غَيْرَ مُنْصَرِفٍ یعنی وہ اسم مفرد جو تثنیہ، جمع اور غیر منصرف نہ ہو۔ دیکھو متن میں آیا تھا فَالْمُفْرَدُ الْمُنْصَرِفُ اور شرح میں کیا آیا أَيِ الِاسْمُ الْمُفْرَدُ، مفرد سے پہلے اسم کا لفظ نکال لیا شارحِ جامی نے، بتلانا یہ چاہتے ہیں کہ یہ مفرد صفت ہے اور اس کا موصوف اسم محذوف ہے، اَلِاسْمُ الْمُفْرَدُ وہ اسم جو مفرد ہو۔ تو کہتے ہیں: فَالْمُفْرَدُ الْمُنْصَرِفُ أَيِ الِاسْمُ الْمُفْرَدُ الَّذِي لَمْ يَكُنْ مُثَنًّى وَلَا مَجْمُوعًا وَلَا غَيْرَ مُنْصَرِفٍ یعنی وہ اسم مفرد جو کہ نہ تثنیہ ہو اور نہ جمع ہو اور نہ غیر منصرف ہو، كَزَيْدٍ وَرَجُلٍ جیسے کہ زید اور رَجُلٌ، یہ دونوں مفرد منصرف ہیں بھئی۔

تو دیکھیے بھئی صاحبِ کافیہ نے یہاں کہا مفرد منصرف جبکہ ہدایۃ النحو اور نحو میر وغیرہ میں آپ نے پڑھا ہوگا کہ وہ اس کے ساتھ صحیح کی قید بھی لگاتے ہیں: مفرد منصرف صحیح۔ اور پھر اس کے ساتھ ایک اور قسم بھی ذکر کرتے ہیں: جاری مجرائے صحیح بھئی۔ مفرد منصرف صحیح جو مفرد ہو یعنی تثنیہ جمع نہ ہو، منصرف ہو یعنی غیر منصرف نہ ہو، صحیح ہو یعنی ناقص نہ ہو بھئی، یعنی جس کے آخر میں حرفِ علت نہ آئے، جیسے جَاءَنِي زَيْدٌ، رَأَيْتُ زَيْدًا، مَرَرْتُ بِزَيْدٍ، یہ مفرد بھی ہے، منصرف بھی ہے اور صحیح بھی ہے کیونکہ اس کے آخر میں دال ہے واو الف یا یا نہیں۔ اور ایک ہے جاری مجرائے صحیح بھئی،

جاری مجرائے صحیح یعنی قائم مقامِ صحیح۔ جاری مجرائے صحیح آپ پڑھ چکے ہیں وہ اسم ہے جس کے آخر میں واو یا یا آئے لیکن اس کا ماقبل ساکن ہو، جیسے دَلْوٌ اور ظَبْيٌ۔ اور اس پر تینوں طرح کے اعراب لفظاً آتے ہیں: جَاءَنِي ظَبْيٌ، رَأَيْتُ ظَبْيًا، مَرَرْتُ بِظَبْيٍ۔ جَاءَنِي دَلْوٌ، رَأَيْتُ دَلْوًا، مَرَرْتُ بِدَلْوٍ۔ تو دیکھو یہ صحیح تو نہیں لیکن یہ قائم مقامِ صحیح ہے، اس پر تینوں طرح کے اعراب آسکتے ہیں جیسے صحیح پر۔ مفرد منصرف صحیح پر جیسے تینوں اعراب آسکتے تھے اسی طرح جاری مجرائے صحیح پر بھی تینوں اعراب آسکتے ہیں: رفع، نصب اور جر۔ تو یہ صحیح تو نہیں لیکن قائم مقامِ صحیح ہے، جاری مجرائے صحیح ہے۔ قائم مقامِ صحیح کیوں ہے؟ کیونکہ اس پر بھی صحیح کی طرح تینوں اعراب آسکتے ہیں۔ وجہ یہ کہ اس کے آخر میں بے شک واو یا یا ہے لیکن اس واو یا یا کا ماقبل ساکن ہے، ظَبْيٌ دیکھو یا سے ماقبل با ساکن ہے، اور دَلْوٌ دیکھو واو سے ماقبل لام ساکن ہے۔ تو ماقبل میں ساکن آنے کی وجہ سے اب ان پر تینوں طرح کا اعراب پڑھنا آسان ہو گیا، تو یہ صحیح تو نہیں لیکن قائم مقامِ صحیح ہیں یا یوں کہو جاری مجرائے صحیح ہیں۔

تو صاحبِ کافیہ نے مفرد منصرف کہا، صحیح کی قید ساتھ نہیں لگائی۔ کیونکہ اگر صحیح کی قید ساتھ لگا دیتے تو قائم مقامِ صحیح کو بھی پھر بیان کرنا پڑتا، کیونکہ وہ تو صحیح نہیں ہے وہ تو کیا ہے قائم مقامِ صحیح ہے۔ تو صاحبِ کافیہ نے صحیح کی قید نہیں لگائی، تو اب یہ دونوں قسموں کو شامل ہو گیا: مفرد منصرف چاہے وہ صحیح ہو چاہے قائم مقامِ صحیح ہو، وہ بھی کیا ہوتا ہے مفرد ہوتا ہے، منصرف ہوتا ہے، لیکن وہ قائم مقامِ صحیح ہے۔ تو اگر صحیح کی قید لگا دیتے تو صحیح کے ساتھ ساتھ پھر قائم مقامِ صحیح کو الگ بیان کرنا پڑتا اور صاحبِ کافیہ کی کوشش ہوتی ہے مختصر سے مختصر لفظوں میں لمبی بات کر دیں۔ تو انہوں نے مفرد منصرف کے ساتھ صحیح کی قید نہیں لگائی، جب صحیح کی قید نہیں لگائی تو اس میں دونوں آ گئے کہ مفرد منصرف چاہے وہ صحیح ہو چاہے صحیح کے قائم مقام ہو، صحیح نہ ہو۔ بات سمجھ میں آ گئی؟ تو اس میں گویا دو قسمیں آ گئیں، دو قسمیں آ گئیں۔

وَكَذَا الْجَمْعُ الْمُكَسَّرُ الْمُنْصَرِفُ اور اسی طرح جو ہے جمع مکسر منصرف ہے بھئی۔ بھئی جمع مکسر منصرف کسے کہتے ہیں؟ میں نے بتلا دیا وہ جمع مکسر جس میں مفرد کا وزن ٹوٹ جائے اور وہ منتہی الجموع کے وزن پر نہ ہو بھئی۔ أَيِ الَّذِي لَمْ يَكُنْ بِنَاءُ الْوَاحِدِ فِيهِ سَالِمًا وَلَمْ يَكُنْ غَيْرَ مُنْصَرِفٍ كَرِجَالٍ وَطَلَبَةٍ یعنی وہ جمع جس کے اندر واحد یعنی مفرد کی بنا جو ہے سالم نہ رہے صحیح نہ رہے وَلَمْ يَكُنْ غَيْرَ مُنْصَرِفٍ اور وہ غیر منصرف بھی نہ ہو، كَرِجَالٍ وَطَلَبَةٍ جیسے رجال اور طلبہ بھئی۔

فَالْإِعْرَابُ فِي هَذَيْنِ الْقِسْمَيْنِ مِنَ الِاسْمِ عَلَى الْأَصْلِ مِنْ وَجْهَيْنِ تو یہ جو اعراب کی دو قسمیں ہیں اسم میں سے، یعنی اسم میں سے اعراب کے اعتبار سے یہ دو جو قسمیں ہیں یہ اپنی اصل پر ہیں، یہ اصل پر ہیں دو وجہ سے، دو وجہ سے دو اعتبار سے۔ کس طرح؟ کہتے ہیں دیکھو ایک اعراب بالحرکت ہے، ایک اعراب بالحرف ہے۔ اعراب بالحرکت زَيْدٌ زَيْدًا زَيْدٍ حرکت بدل رہی ہے، اور ایک اعراب بالحرف ہے أَبُوكَ أَبَاكَ أَبِيكَ اس میں حرف بدل رہا ہے، توجہ ہے؟ تو ایک اعراب

بالحرف ہے، ایک اعراب بالحرکت ہے۔ یاد رکھو ان دونوں میں سے اصل جو ہے وہ اعراب بالحرکت ہے۔ اصل کیا ہے؟ اعراب بالحرکت اصل ہے اعراب بالحرف اصل نہیں۔ تو ان میں بھی اعراب بالحرکت ہے، جَاءَنِي زَيْدٌ، رَأَيْتُ زَيْدًا، مَرَرْتُ بِزَيْدٍ دیکھو صرف حرکت بدل رہی ہے۔ جَاءَنِي رَجُلٌ، رَأَيْتُ رَجُلًا، مَرَرْتُ بِرَجُلٍ صرف حرکت بدل رہی ہے۔ تو اس اعتبار سے بھی یہ اپنے اصل پر ہیں، ان میں اعراب بالحرکت ہے اعراب بالحرف نہیں، یہ اپنی اصل پر ہیں۔ اور نیز اصل بھی یہ ہے کہ اعراب تینوں حالتوں کا الگ الگ ہونا چاہیے، رفع کی صورت میں ضمہ آنا چاہیے، نصب کی صورت میں فتحہ آنا چاہیے، جر کی صورت میں کسرہ آنا چاہیے۔ بھئی آگے اعراب آنے والا ہے جمع مؤنث سالم، اس کا اعراب کیا ہے؟ جَاءَنِي مُسْلِمَاتٌ، رَأَيْتُ مُسْلِمَاتٍ وَمَرَرْتُ بِمُسْلِمَاتٍ، دیکھو حالتِ نصبی جری ایک جیسی ہے، رَأَيْتُ مُسْلِمَاتٍ اور مَرَرْتُ بِمُسْلِمَاتٍ دونوں صورتوں میں کسرہ آرہا ہے۔ تو اس میں اعراب گویا تین قسم کا ہوا یا صرف دو قسم کا اعراب ہو گیا؟ دو قسم کا ہوا۔ لیکن اصل کیا ہے؟ اعراب تین قسمیں ہیں تو تینوں کے لیے الگ الگ اعراب آنا چاہیے۔ تو یہ جو دو قسمیں آئیں مفرد منصرف اور جمع مکسر منصرف، ان میں اعراب اپنی اصل پر ہے یعنی اعراب بالحرف نہیں ہے بلکہ اعراب بالحرکت ہے، اور نیز اپنی اصل پر ہے بایں اعتبار بھی کہ تینوں حالتوں کے لیے الگ الگ اعراب ہے کوئی ایک اعراب بھی دوسرے کے تابع نہیں ہے۔

تو کہتے ہیں: فَالْإِعْرَابُ فِي هَذَيْنِ الْقِسْمَيْنِ مِنَ الِاسْمِ عَلَى الْأَصْلِ مِنْ وَجْهَيْنِ تو اعراب جو ہے اسم کی ان دونوں قسموں میں عَلَى الْأَصْلِ یہ اپنی اصل پر ہے مِنْ وَجْهَيْنِ دو اعتبار سے: أَحَدُهُمَا ایک تو یہ کہ أَنَّ الْأَصْلَ فِي الْإِعْرَابِ أَنْ يَكُونَ بِالْحَرَكَةِ اعراب میں اصل یہ ہے کہ وہ حرکت کے ساتھ ہونا چاہیے وَالْإِعْرَابُ فِيهِمَا بِالْحَرَكَةِ اور ان دونوں میں بھی اعراب جو ہے حرکت کے ساتھ ہے، وَثَانِيهِمَا اور دوسرا اس اعتبار سے یہ اصل ہے أَنَّهُ إِذَا كَانَ الْإِعْرَابُ بِالْحَرَكَةِ کہ جب اعراب بالحرکت ہو فَالْأَصْلُ أَنْ يَكُونَ بِالْحَرَكَاتِ الثَّلَاثِ فِي الْأَحْوَالِ الثَّلَاثِ تو وہ حرکات بھی تین ہونی چاہئیں تین احوال میں۔ احوال تین ہیں تو حرکات بھی کتنی ہونی چاہئیں؟ تین۔ تو کہتے ہیں: فَالْأَصْلُ أَنْ يَكُونَ بِالْحَرَكَاتِ الثَّلَاثِ فِي الْأَحْوَالِ الثَّلَاثِ. دوبارہ ترجمہ دیکھیے، کہتے ہیں: وَثَانِيهِمَا اور دوسرا اس اعتبار سے اصل ہے کہ إِذَا كَانَ الْإِعْرَابُ بِالْحَرَكَةِ کہ جب اعراب بالحرکت ہو فَالْأَصْلُ أَنْ يَكُونَ بِالْحَرَكَاتِ الثَّلَاثِ فِي الْأَحْوَالِ الثَّلَاثِ تو اصل یہ ہے کہ وہ اعراب تین حرکتوں کے ساتھ ہونا چاہیے تین احوال میں، یعنی تینوں میں الگ الگ حرکتیں ہونی چاہئیں، وَالْإِعْرَابُ فِيهِمَا بِالْحَرَكَاتِ الثَّلَاثِ فِي الْأَحْوَالِ الثَّلَاثِ اور ان کے اندر بھی جو اعراب ہے وہ تین حرکتوں کے ساتھ ہے تین احوال میں۔

فَالْإِعْرَابُ فِيهِمَا بِالضَّمَّةِ رَفْعًا تو اعراب جو ہے ان دونوں قسموں کے اندر ضمہ کے ساتھ آئے گا رَفْعًا أَيْ حَالَةَ الرَّفْعِ. صاحبِ جامی نے رَفْعًا کے بعد أَيْ حَالَةَ الرَّفْعِ نکال کر بتلا دیا کہ یہ مفعول فیہ واقع ہو رہا ہے، یہ ظرف ہے، رَفْعًا کیا واقع ہو رہا ہے؟ ظرف ہے، توجہ ہے؟ کہ یہ مفعول فیہ یعنی ظرف واقع ہو رہا ہے اور مفعول فیہ منصوب ہوتا ہے، مفعول فیہ منصوب ہوتا ہے۔ تو یہ رَفْعًا کس معنیٰ میں ہوا؟ حَالَةَ الرَّفْعِ رفع والی حالت۔ توجہ ہے؟ بِالضَّمَّةِ ان دونوں میں جو اعراب ہے ضمہ

کے ساتھ ہے رَفْعًا أَيْ حَالَةَ الرَّفْعِ رفع والی حالت میں۔ بھئی ظرفیت کے لیے فِي آتا ہے، کیا آتا ہے؟ فِي۔ ذرا فِي لے آؤ پھر آپ کو بات سمجھ میں آئے گی کہ ان دونوں میں جو اعراب ہے بِالضَّمَّةِ ضمہ کے ساتھ ہے فِي حَالَةِ الرَّفْعِ کون سی حالت میں؟ رفع والی حالت میں۔ دیکھو فِي آیا یا نہیں؟ اور فِي کس لیے آتا ہے؟ ظرفیت کے لیے، معلوم ہوا یہ حَالَةَ الرَّفْعِ کیا بن رہا ہے؟ یہ مفعول فیہ ہے یعنی ظرف ہے۔ تو عبارت میں تو کافیہ میں کیا آیا رَفْعًا، صاحبِ جامی نے کیا بتلایا کہ یہ رَفْعًا مفعول فیہ ہے أَيْ حَالَةَ الرَّفْعِ، بِالضَّمَّةِ حَالَةَ الرَّفْعِ ضمہ کے ساتھ ہے اعراب کون سی حالت میں؟ رفع والی حالت میں۔ اور میں نے بتلایا کہ ظرفیت کے لیے کیا آتا ہے فِي، تو یہاں آپ فِي لے آؤ آپ کو معنیٰ سمجھ میں آجائے گا کہ یہ حَالَةَ الرَّفْعِ ظرف بن رہا ہے، کس طرح کہ ان دونوں میں جو اعراب ہے بِالضَّمَّةِ ضمہ کے ساتھ ہے فِي حَالَةِ الرَّفْعِ کون سی حالت میں؟ رفع والی حالت میں۔ دیکھو فِي لے آئے معنیٰ صحیح ہو گیا یا نہیں؟ اور فِي کس لیے آتا ہے؟ ظرفیت کے لیے، معلوم ہوا حَالَةَ الرَّفْعِ یہ کیا بن رہا ہے؟ ظرف ہے۔

تو کہتے ہیں: فَالْإِعْرَابُ فِيهِمَا بِالضَّمَّةِ رَفْعًا أَيْ حَالَةَ الرَّفْعِ تو اعراب ان دونوں میں ضمہ کے ساتھ ہو گا رَفْعًا أَيْ حَالَةَ الرَّفْعِ یعنی رفع کی حالت میں، وَالْفَتْحَةِ نَصْبًا اور اعراب جو ہے ان میں فتحہ کے ساتھ ہو گا نَصْبًا أَيْ حَالَةَ النَّصْبِ یعنی نصب والی حالت میں، وَالْكَسْرَةِ جَرًّا اور اعراب ان میں کسرہ کے ساتھ آئے گا جَرًّا أَيْ حَالَةَ الْجَرِّ یعنی جر والی حالت میں۔

فَنَصْبُ قَوْلِهِ رَفْعًا وَنَصْبًا وَجَرًّا عَلَى الظَّرْفِيَّةِ بِتَقْدِيرِ مُضَافٍ تو یہ جو نصب آیا تھا رَفْعًا نَصْبًا اور جَرًّا میں، بھئی صاحبِ کافیہ نے کیا کہا تھا بِالضَّمَّةِ رَفْعًا وَالْفَتْحَةِ نَصْبًا وَالْكَسْرَةِ جَرًّا ان میں رَفْعًا نَصْبًا جَرًّا ان پر نصب آیا، صاحبِ جامی نے آپ کو بتلا دیا کہ ان میں جو نصب آیا ہے وہ مفعول فیہ یعنی ظرف ہونے کی بنا پر آیا ہے، تو یہ سب کیا بن رہے ہیں ظرف، لیکن ان سے پہلے مضاف محذوف ہے أَيْ حَالَةَ الرَّفْعِ أَيْ حَالَةَ النَّصْبِ أَيْ حَالَةَ الْجَرِّ۔ تو رَفْعًا کس معنیٰ میں ہوا؟ حَالَةَ الرَّفْعِ، اور نَصْبًا کس معنیٰ میں ہوا؟ حَالَةَ النَّصْبِ، اور جَرًّا کس معنیٰ میں ہوا؟ حَالَةَ الْجَرِّ، تو یہ ظرف ہیں بھئی، البتہ ان میں رَفْعًا سے پہلے مضاف حَالَةَ کا لفظ مضاف محذوف نکال لو۔ تو کہتے ہیں: فَنَصْبُ قَوْلِهِ رَفْعًا وَنَصْبًا وَجَرًّا عَلَى الظَّرْفِيَّةِ تو جو نصب آیا ماتن کے قول رَفْعًا وَنَصْبًا وَجَرًّا میں یہ عَلَى الظَّرْفِيَّةِ یہ ظرف ہونے کی بنا پر ہے بِتَقْدِيرِ مُضَافٍ مضاف کی تقدیر کے ساتھ یعنی مضاف مقدر ہے، دیکھو سب میں حَالَةَ کا لفظ لے آئے یا نہیں؟ یہ مضاف بیچ میں انہوں نے نکال کر بتلا دیا کہ یہ محذوف ہے یہاں پر بھئی۔

وَيَحْتَمِلُ النَّصْبَ عَلَى الْحَالِيَّةِ أَوِ الْمَصْدَرِيَّةِ اور یہ حال ہونے کی بنا پر یا مصدر ہونے کی بنا پر بھی نصب کا احتمال رکھتا ہے۔ ہم نے تو بتلا دیا رَفْعًا وَنَصْبًا وَجَرًّا ان پر نصب آیا، تو یہ نصب کس وجہ سے ہے؟ ہم نے تو بتلا دیا کہ یہ ظرف ہونے کی وجہ سے ہے، ظرف منصوب ہوتا ہے تو یہ بھی منصوب ہیں البتہ ان سے پہلے حَالَةَ کا لفظ مضاف محذوف نکال لو۔ اور آپ چاہیں تو یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ ان کا نصب حال ہونے کی بنا پر ہے، حال بھی منصوب ہوتا ہے، یا آپ یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ ان کے اندر جو نصب ہے وہ مصدر ہونے کی بنا پر ہے یعنی مفعولِ مطلق ہونے کی وجہ سے، اور مفعولِ مطلق بھی

کیا ہوتا ہے؟ منصوب۔ تو نصب کی گویا تین وجہیں یہاں جاری ہو سکتی ہیں: ظرف ہونے کی وجہ سے، یا حال ہونے کی وجہ سے، یا مصدر ہونے کی وجہ سے۔ ظرف ہونے کی وجہ سے یعنی مفعول فیہ بن رہا ہے، حال ہونے کی وجہ سے یعنی حال بن رہا ہے، اور مصدر ہونے کی وجہ سے یعنی مفعولِ مطلق بن رہا ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو کہتے ہیں: وَيَحْتَمِلُ النَّصْبَ عَلَى الْحَالِيَّةِ أَوِ الْمَصْدَرِيَّةِ اور یہ حال ہونے یا مصدر ہونے کی بنا پر بھی نصب کا احتمال رکھتا ہے۔

حال کیسے بنے گا؟ حال بنے گا کہ رَفْعًا کو بمعنیٰ مَرْفُوعًا کے لے لیں گے، کس معنیٰ میں؟ مَرْفُوعًا۔ تو رَفْعًا مصدر بمعنیٰ مَرْفُوعًا ہو جائے گا، اور نَصْبًا بمعنیٰ مَنْصُوبًا ہو جائے گا، اور جَرًّا بمعنیٰ مَجْرُورًا ہو جائے گا۔ بھئی اس لیے ادھر دیکھیے کیونکہ یہ جو حال ہے یہ خبر کے درجے میں ہوتا ہے، حال کیا ہے؟ خبر کے درجے میں ہوتا ہے۔ اور خبر کا جیسے مبتدا پر حمل ہوتا ہے تو حال کا بھی ذوالحال پر حمل ہوتا ہے۔ زَيْدٌ قَائِمٌ، یہ قَائِمٌ خبر ہے اس کا حمل میں نے کس پر کیا؟ زید پر، زید پر کیا۔ تو یہ صفت کا صیغہ ہونا چاہیے، تو یہ صفت ہو گی تو پھر ہی حمل ہو سکے گا، اگر یہ مصدر ہو پھر حمل نہیں ہو سکتا۔ زَيْدٌ قِيَامٌ، زید قیام ہے، یہ بات بنتی ہے؟ نہیں، مصدر کا حمل ذات پر نہیں ہو سکتا بلکہ صفت کا حمل ہو گا ذات پر زَيْدٌ قَائِمٌ بھئی۔ تو یہاں پر بھی یہ رَفْعًا وَنَصْبًا وَجَرًّا یہ مصدر ہیں، یہ کیا ہیں؟ مصدر۔ اور آپ کیا کہہ رہے ہیں یہ منصوب ہے کس وجہ سے؟ حال ہونے کی وجہ سے۔ اور حال کا حمل ہوتا ہے کس پر؟ ذوالحال پر، توجہ ہے؟ ذوالحال۔ اور ذوالحال ذات ہے، تو یہ اور یہ مصدر ہیں تو یہ مصدر کا حمل ذوالحال پر نہیں ہو سکتا، تو پھر اس کو صفت کے معنیٰ میں لینا پڑے گا یعنی رَفْعًا بمعنیٰ مَرْفُوعًا کے، اور نَصْبًا بمعنیٰ مَنْصُوبًا کے، اور جَرًّا بمعنیٰ مَجْرُورًا کے لینا پڑے گا۔

بھئی زَيْدٍ جر ہے، توجہ ہے؟ زَيْدٍ جر ہے یہ کہنا صحیح یا زَيْدٍ مجرور ہے یہ کہنا صحیح؟ زَيْدٍ مجرور ہے، زید جر نہیں ہے مصدر نہیں ہے بلکہ مجرور ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو لہٰذا جب حال کا حمل ہوتا ہے ذوالحال پر اور ذوالحال تو ہے ذات اور حال یہاں کیا ہے؟ مصدر ہے، مصدر کا حمل تو ذات پر نہیں ہو سکتا تو اس کو کس معنیٰ میں لینا پڑے گا؟ صفت کے معنیٰ میں لینا پڑے گا۔ اور آپ جانتے ہیں مصدر کبھی اسمِ فاعل کے معنیٰ میں ہوتا ہے کبھی اسمِ مفعول کے معنیٰ میں، تو یہاں یہ اسمِ مفعول کے معنیٰ میں ہو گا، رَفْعًا بمعنیٰ مَرْفُوعًا، اور نَصْبًا بمعنیٰ مَنْصُوبًا، اور جَرًّا بمعنیٰ مَجْرُورًا۔ تو دیکھو گویا کلام یوں بن گیا: فَالْإِعْرَابُ فِيهِمَا بِالضَّمَّةِ تو اعراب جو ہے ان دونوں قسموں میں ضمہ کے ساتھ ہو گا مَرْفُوعًا أَيْ حَالَ كَوْنِهِمَا مَرْفُوعَيْنِ اس حال میں کہ یہ دونوں کیا ہوں مرفوع ہوں۔ اور ان کا اعراب جو ہے بِالْفَتْحَةِ فتحہ کے ساتھ ہو گا نَصْبًا أَيْ حَالَ كَوْنِهِمَا مَنْصُوبَيْنِ اس حال میں کہ یہ دونوں کیا ہوں منصوب ہوں، تو یہ فتحہ کے ساتھ ہوں گے۔ اور وَالْكَسْرَةِ جَرًّا اور ان دونوں کا اعراب کسرہ کے ساتھ ہو گا حَالَ كَوْنِهِمَا مَجْرُورَيْنِ اس حال میں کہ یہ دونوں قسمیں کیا ہوں مجرور۔ یہ دونوں قسمیں مرفوع ہوں گی تو ضمہ کے ساتھ ہوں گی، یہ دونوں قسمیں منصوب ہوں گی تو فتحہ کے ساتھ ہوں گی، عبارت پہ نظر ہے؟ پھر عبارت دیکھو بِالضَّمَّةِ رَفْعًا وَالْفَتْحَةِ نَصْبًا وَالْكَسْرَةِ جَرًّا، اب میں حال کے ساتھ ترجمہ کروں گا: یہ دونوں قسمیں ضمہ کے ساتھ ہوں

گی مرفوع ہونے کی حالت میں، اور یہ دونوں قسمیں فتحہ کے ساتھ ہوں گی منصوب ہونے کی حالت میں، اور یہ دونوں قسمیں کسرہ کے ساتھ ہوں گی مجرور ہونے کی حالت میں۔ دیکھا حال بنا لیا، اور پھر یہ اسمِ مفعول کے معنیٰ میں ہوں گے۔

یا یہ مصدر ہونے کی بنا پر منصوب ہیں، مصدر ہونے کی بنا پر منصوب۔ ضَرَبْتُ ضَرْبًا، یہ ضَرْبًا مفعولِ مطلق ہے۔ مفعولِ مطلق کسے کہتے ہیں؟ جو ماقبل فعل کے معنیٰ میں ہوتا ہے اور یہ منصوب ہوتا ہے۔ تو ضَرَبْتُ ضَرْبًا، یہ ضَرْبًا مصدر ہے جو ماقبل فعل ضَرَبْتُ کے معنیٰ میں ہے، توجہ ہے؟ تو یہاں پر بھی یہ رَفْعًا، نَصْبًا، جَرًّا یہ مفعولِ مطلق واقع ہو رہے ہیں اس لیے منصوب ہیں۔ تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ مفعولِ مطلق تو اس کو کہتے ہیں جو ماقبل فعل کے معنیٰ میں ہو اور پیچھے تو یَرْفَعُ کوئی فعل نہیں گزرا، یَنْصِبُ کوئی فعل نہیں گزرا، اور یَجُرُّ کوئی فعل نہیں گزرا۔ مفعولِ مطلق کسے کہتے ہیں جو ماقبل فعل کے معنیٰ میں ہو۔ ماقبل میں رفع والا فعل آتا تو رَفْعًا اس سے مفعولِ مطلق بنتا، ماقبل میں نصب کا فعل آتا تو نَصْبًا اس سے مفعولِ مطلق بنتا، ماقبل میں جر والا فعل آتا تو جَرًّا اس سے مفعولِ مطلق بنتا۔ تو یہ مفعولِ مطلق کیسے بن سکتے ہیں؟ تو یاد رکھو کہ پھر اس صورت میں ہر ایک کے لیے فعل محذوف نکال لیں گے: أَيْ يُرْفَعُ رَفْعًا، یا یوں کہو رُفِعَ رَفْعًا نُصِبَ نَصْبًا اور جُرَّ جَرًّا۔ پھر ہر ایک کے لیے اس کے مطابق نکال لیں گے۔ تو ان کا اعراب آئے گا بِالضَّمَّةِ کس کے ساتھ؟ ضمہ کے ساتھ، رُفِعَ رَفْعًا کہ ان میں سے ہر ایک کو ضمہ کے ساتھ رفع دیا جائے گا۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو ان کے لیے فعل محذوف نکال لیں گے پھر یہ اس کے لیے مفعولِ مطلق بن جائیں گے۔

تو کہتے ہیں: وَيَحْتَمِلُ النَّصْبَ عَلَى الْحَالِيَّةِ أَوِ الْمَصْدَرِيَّةِ اور یہ نصب کا احتمال بھی رکھتا ہے حال ہونے یا مصدر ہونے کی بنا پر۔ فَالْقِسْمُ الْأَوَّلُ قسمِ اول جو ہے، کون سی قسمِ اول؟ بھئی دو قسمیں ذکر کیں: ایک مفرد منصرف اور ایک جمع مکسر منصرف، ان دونوں کا اعراب کیا ہے کہ رفع ضمہ کے ساتھ آئے گا، نصب فتحہ کے ساتھ اور جر کسرہ کے ساتھ۔ اب دونوں کی الگ الگ مثالیں دیں گے۔ تو کہتے ہیں: فَالْقِسْمُ الْأَوَّلُ مِثْلُ جَاءَنِي رَجُلٌ وَرَأَيْتُ رَجُلًا وَمَرَرْتُ بِرَجُلٍ تو پہلی قسم جو ہے یعنی کہ مفرد منصرف اس کی مثال جو ہے جَاءَنِي رَجُلٌ وَرَأَيْتُ رَجُلًا وَمَرَرْتُ بِرَجُلٍ، تو یہ جو رجل کا لفظ ہے یہ مفرد منصرف ہے بھئی۔ وَالْقِسْمُ الثَّانِي اور دوسری قسم جو ہے یعنی جمع مکسر منصرف اس کی مثال جو ہے، کہتے ہیں: مِثْلُ جَاءَنِي طَلَبَةٌ وَرَأَيْتُ طَلَبَةً وَمَرَرْتُ بِطَلَبَةٍ میرے پاس طلبہ آئے، میں نے طلبہ کو دیکھا اور وَمَرَرْتُ بِطَلَبَةٍ میں طلبہ کے پاس سے گزرا۔ تو دیکھو اس میں طلبہ یہ جمع مکسر منصرف ہے اور اس پر تینوں قسم کے اعراب بالحرکت آرہے ہیں بھئی۔

آگے دیکھیے: جَمْعُ الْمُؤَنَّثِ السَّالِمِ. جَمْعُ الْمُؤَنَّثِ، جَمْعُ مضاف اَلْمُؤَنَّثِ مضاف الیہ۔ جَمْعُ الْمُؤَنَّثِ السَّالِمُ، یہ جَمْعُ یہ مرفوع ہے یہ مبتدا ہے بھئی، اور یہ مضاف ہے اور اَلْمُؤَنَّثِ مضاف الیہ ہے، جَمْعُ الْمُؤَنَّثِ مؤنث کی جمع۔ اور اَلسَّالِمُ یہ صفت ہے جمع کی۔ توجہ ہے؟ بھئی مؤنث کی صفت بناؤ گے تو اَلْمُؤَنَّثِ وہ تو مجرور ہے، کیا پڑھنا پڑے گا؟ اَلسَّالِمِ، موصوف صفت کا اعراب ایک جیسا ہوتا ہے، تو اگر اَلسَّالِمُ مؤنث کی صفت بناؤ گے تو یوں پڑھنا پڑے گا: جَمْعُ الْمُؤَنَّثِ السَّالِمِ، وہ مؤنث جو

سالم ہوتی ہے اس کی جمع، ترجمہ یوں بن جائے گا، وہ مؤنث جو سالم ہوتی ہے۔ بھئی مؤنث سالم ہوتی ہے یا وہ جمع سالم ہوتی ہے؟ جمع سالم ہوتی ہے بھئی کہ اس میں مفرد کا وزن ٹوٹے گا یا نہیں ٹوٹے گا بھئی۔ تو یہ سالم مؤنث کی صفت نہ بناؤ، اس کو جمع کی صفت بناؤ۔ توجہ ہے؟ اور جمع مضاف ہے اَلْمُؤَنَّثِ کی طرف۔ جمع تو ہے نکرہ اور اَلْمُؤَنَّثِ پر الف لام ہے یہ ہے معرفہ، اور نکرہ کی جب اضافت ہو جائے معرفہ کی طرف تو نکرہ بھی کیا بن جاتا ہے؟ معرفہ۔ غلام تو نکرہ ہے لیکن زید کی طرف اضافت کر دو غُلَامُ زَيْدٍ تو غلام بھی کیا بن گیا؟ معرفہ۔ تو جمع کی جب اضافت ہو گئی مؤنث کی طرف تو یہ جمع بھی معرفہ بن گیا۔ اسی لیے اس کی صفت اَلسَّالِمُ معرفہ لے کر آئے بھئی۔ اور صفت پر وہی اعراب آتا ہے جو موصوف پر ہو، تو یہ اَلسَّالِمُ کس کی صفت؟ جمع کی، اور جمع تو مبتدا ہے مرفوع ہے تو اَلسَّالِمُ کو بھی کیا پڑھیں گے؟ مرفوع۔ تو عبارت کیا ہوئی؟ جَمْعُ الْمُؤَنَّثِ السَّالِمُ جمع مؤنث سالم بھئی۔ بات سمجھ میں آگئی؟

اب اس پر اشکال ہوتا ہے، ذرا لفظوں پہ غور کرو: جَمْعُ الْمُؤَنَّثِ السَّالِمُ مؤنث کی وہ جمع اَلسَّالِمُ جو سالم ہو، مؤنث کی وہ جمع جو سالم ہو۔ جمع مؤنث سالم کون سی جمع مراد ہے؟ جیسے مُسْلِمَةٌ کی جمع آتی ہے مُسْلِمَاتٌ جو الف تا کے ساتھ آئے، کس کے ساتھ آئے؟ جمع مؤنث سالم کسے کہتے ہیں جو الف تا کے ساتھ آئے، مُسْلِمَةٌ کی جمع کیا؟ مُسْلِمَاتٌ۔ توجہ ہے؟ وہ جمع جو الف تا کے ساتھ آئے۔ اور یہ جمع جو الف تا کے ساتھ آتی ہے یہ صرف مؤنث کی جمع نہیں آتی، مذکر کی جمع بھی الف تا کے ساتھ آتی ہے۔ جیسے مَجْرُورٌ، مَجْرُورٌ کا لفظ اس کے ساتھ کوئی تانیث والی علامت ہے؟ نہیں، تو یہ مذکر لفظ ہے لیکن اس کی جمع آتی ہے مَجْرُورَاتٌ۔ دیکھا مذکر کی جمع کس کے ساتھ آگئی؟ الف تا کے ساتھ۔ مَنْصُوبٌ کی جمع کیا؟ مَنْصُوبَاتٌ، تو منصوب کا لفظ تو مذکر ہے لیکن اس کی جمع کس کے ساتھ آئی؟ الف تا کے ساتھ۔ تو معلوم ہوا یہ جو الف تا کے ساتھ جمع آتی ہے مذکر کی بھی آتی ہے اور مؤنث کی بھی آتی ہے۔ مُسْلِمَةٌ یہ مؤنث ہے اس کی جمع بھی الف تا کے ساتھ مُسْلِمَاتٌ، اور مَنْصُوبٌ یہ مذکر ہے اس کی جمع بھی الف تا کے ساتھ۔ لیکن لفظوں پہ غور کرو: جَمْعُ الْمُؤَنَّثِ السَّالِمُ مؤنث کی وہ جمع اَلسَّالِمُ جو سالم ہو، مؤنث کی وہ جمع۔ معلوم ہوا یہ جو الف تا والی جمع ہے یہ صرف مؤنث کی جب جمع ہو وہ والی یہاں مراد ہے، اشکال سمجھ میں آرہا ہے؟ کس کی جمع ہو؟ جَمْعُ الْمُؤَنَّثِ مؤنث کی جمع ہو، مؤنث کی جمع ہو اور مؤنث کی کون سی جمع ہو؟ سالم ہو، مکسر نہ ہو۔ تو شبہ پڑتا ہے شاید صرف وہ جو مؤنث کی جمع سالم آئے وہ مراد ہے یعنی مُسْلِمَةٌ کی جمع آئی مُسْلِمَاتٌ یہ مراد ہے، مَجْرُورٌ کی جمع مَجْرُورَاتٌ آئی وہ یہاں مراد نہیں۔ نہیں توجہ سبق کی طرف؟ یہ الف تا والی جمع مؤنث کی بھی آتی ہے اور مذکر کی بھی، تو انہوں نے کیا کہا جَمْعُ الْمُؤَنَّثِ السَّالِمُ مؤنث کی وہ جمع اَلسَّالِمُ جو کیا ہو؟ سالم ہو۔ تو معلوم ہوا مذکر کی جو جمع الف تا کے ساتھ آئی وہ تو نکل گئی اس میں سے۔ مَجْرُورَاتٌ یہ مؤنث کی جمع سالم ہے یا مذکر کی جمع سالم ہے؟ یہ مَجْرُورَاتٌ کس کی جمع ہے؟ مَجْرُورٌ کی، اور مجرور کا لفظ مذکر ہے یا مؤنث ہے؟ مذکر ہے، تو یہ مذکر کی جمع ہے الف تا۔ آپ نے تو کیا کہا جَمْعُ الْمُؤَنَّثِ السَّالِمُ مؤنث کی وہ جمع جو سالم ہو، مؤنث کی وہ جمع، دیکھا معلوم ہوا مذکر کی وہ جمع جو سالم ہو وہ

اس سے نکل گئی۔

بات سمجھ میں آگئی؟ تو اس کا جواب دیں گے کہ نہیں بھئی، یہ اس کا نام ہی یہ ہے۔ یہ عموماً مؤنث کی یہ جمع زیادہ تر آتی ہے اس کا اس لیے اس کا نام یہ رکھ دیا، ہر وہ جمع مراد ہے جو الف تا کے ساتھ آئے چاہے وہ مؤنث کی ہو چاہے وہ مذکر کی ہو، تو یہ اس جمع کا نام ہے بھئی، یہ اس جمع کا نام اور چونکہ یہ زیادہ تر مؤنث کی یہ جمع آتی ہے اس لیے اس کا یہ نام رکھ دیا گیا۔ اب جب یہ جمع آجائے الف تا کے ساتھ تو پھر یہ دیکھنے کی ضرورت نہیں ہے کہ اس کا مفرد مذکر ہے یا مؤنث، سب کا یہی حکم ہے جو آگے بیان ہو گا۔ بات سمجھ میں آگئی؟

تو کہتے ہیں: جَمْعُ الْمُؤَنَّثِ السَّالِمُ جمع مؤنث سالم جو ہے وَهُوَ مَا يَكُونُ بِالْأَلِفِ وَالتَّاءِ اور یہ وہ جمع ہے جو الف اور تا کے ساتھ ہو۔ دیکھا؟ کہتے ہیں لفظوں کی طرف نہ جانا، لفظوں سے تو یوں لگتا ہے کہ مؤنث کی جو جمع سالم ہے صرف اس کا حکم یہ بیان ہو رہا ہے، بلکہ نہیں یہ ہر اس جمع کا حکم ہے جو کس کے ساتھ آئے؟ الف تا کے ساتھ آئے۔ تو وَهُوَ مَا يَكُونُ بِالْأَلِفِ وَالتَّاءِ اس کے ذریعے صاحبِ جامی یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ جمع مؤنث سالم سے اصطلاحی جمع مؤنث سالم مراد ہے اور وہ علمِ نحو میں کسے کہتے ہیں جس کے آخر میں کیا آئے؟ الف تا آئے بھئی، الف تا آئے۔ تو کہتے ہیں: وَهُوَ مَا يَكُونُ بِالْأَلِفِ وَالتَّاءِ اور یہ وہ جمع ہے جو الف اور تا کے ساتھ ہو۔ وَاحْتَرَزَ بِهِ عَنِ الْمُكَسَّرِ فَإِنَّهُ قَدْ عُلِمَ. بھئی یہ السالم کی قید کیوں لگائی؟ کہتے ہیں اس کے ذریعے احتراز کیا مکسر سے، اس لیے کیونکہ جمع مکسر کا حکم تو معلوم ہو چکا ہے پیچھے ہم نے بتا دیا جمع مکسر منصرف کا حکم ابھی گزر گیا۔ تو کہتے ہیں: وَاحْتَرَزَ بِهِ عَنِ الْمُكَسَّرِ اور اس سالم کی قید کے ذریعے احتراز کیا مکسر سے جمع مکسر سے فَإِنَّهُ قَدْ عُلِمَ اس لیے کیونکہ اس کو تو جان لیا گیا ہے۔

بِالضَّمَّةِ رَفْعًا وَالْكَسْرَةِ نَصْبًا وَجَرًّا اس کا اعراب کس طرح آئے گا؟ بِالضَّمَّةِ ضمہ کے ساتھ آئے گا۔ ادھر دیکھیے: مُسْلِمَاتٌ، حالتِ رفعی میں اس پر ضمہ آتا ہے، اور نصبی اور جری دونوں حالتوں میں کسرہ آتا ہے۔ نصبی اور جری دونوں حالتوں میں۔ جَاءَنِي مُسْلِمَاتٌ، رَأَيْتُ مُسْلِمَاتٍ اور مَرَرْتُ بِمُسْلِمَاتٍ۔ تو ضمہ آئے گا کس کے ساتھ؟ رفع کے ساتھ، اور نصب اور جر دونوں کس کے ساتھ آئیں گے؟ کسرہ کے ساتھ۔ اب یہی بیان کر رہے ہیں: بِالضَّمَّةِ رَفْعًا یہ ضمہ کے ساتھ ہو گا حالتِ رفعی میں، وَالْكَسْرَةِ نَصْبًا وَجَرًّا اور کسرہ کے ساتھ ہو گا حالتِ نصبی اور حالتِ جری میں۔

فَإِنَّ النَّصْبَ فِيهِ تَابِعٌ لِلْجَرِّ. بھئی کیا وجہ ہے اس میں دو اعراب کیوں آئے؟ کہتے ہیں بھئی اس کے اندر جو نصب ہے اس کو جر کے تابع کر دیا گیا۔ جر کس کے ساتھ آیا تھا؟ کسرہ کے ساتھ، تو نصب بھی کس کے ساتھ دیا گیا؟ کسرہ کے ساتھ۔ تو نصب کو کس کے تابع کر دیا؟ جر کے تابع کر دیا۔ جر کس کے ساتھ آیا تھا؟ کسرہ کے ساتھ، تو نصب بھی کس طرح دے دیا؟ کسرہ کے ساتھ یعنی نصب کو تابع کر دیا جر کے بھئی۔ بھئی کیوں؟ کہتے ہیں اس لیے کیونکہ یہ فرع ہے جمع مذکر سالم کی۔

جمع مذکر سالم اصل اور جمع مؤنث سالم اس کی فرع۔ اور اصل کے اندر اس طرح تھا تو فرع کو بھی ہم نے اس کے مطابق کر دیا۔ اصل کون؟ مُسْلِمُونَ، اس میں بھی ذرا حالتِ نصبی جری دیکھو: رَأَيْتُ مُسْلِمِينَ اور مَرَرْتُ بِمُسْلِمِينَ، دیکھو دونوں حالتوں میں یا ماقبل مکسور ہے بھئی۔ تو اس میں بھی جو نصب ہے وہ جر کے تابع ہے، تو جب اصل کے اندر نصب جر کے تابع تھا تو فرع یعنی جمع مؤنث سالم کے اندر بھی نصب کو کس کے تابع کر دیا گیا؟ جر کے تابع کر دیا گیا بھئی۔ بات سمجھ میں آگئی؟

کہتے ہیں: فَإِنَّ النَّصْبَ فِيهِ تَابِعٌ لِلْجَرِّ کیونکہ نصب جو ہے اس کے اندر وہ تابع ہے جر کے إِجْرَاءً لِلْفَرْعِ عَلَى وَتِيرَةِ الْأَصْلِ۔ وَتِيرَةٌ کا معنیٰ ہے طریقہ، طریقہ، عَلَى وَتِيرَةِ الْأَصْلِ أَيْ عَلَى طَرِيقَةِ الْأَصْلِ۔ إِجْرَاءً، إِجْرَاءً یہ مفعول لہ ہے۔ إِجْرَاءً مفعول لہ ہے۔ مفعول لہ کسے کہتے ہیں؟ جو ماقبل فعل کی علت بیان کرتا ہے۔ ضَرَبْتُهُ تَأْدِيبًا میں نے اس کی پٹائی کی تَأْدِيبًا ادب سکھانے کے لیے، تو دیکھو یہ تَأْدِيبًا وجہ بتلا رہا ہے کہ پٹائی کیوں کی گئی؟ کیوں کی گئی پٹائی؟ تَأْدِيبًا ادب سکھانے کے لیے۔ تو یہ مفعول لہ ہے اور مفعول لہ منصوب ہوتا ہے، اور یہ ماقبل فعل کی علت بیان کرتا ہے اس کی وجہ بیان کرتا ہے۔ تو یہاں پر بھی یہ إِجْرَاءً یہ وجہ بیان کر رہا ہے کہ فَإِنَّ النَّصْبَ فِيهِ تَابِعٌ لِلْجَرِّ کہ اس جمع مؤنث سالم میں نصب جو ہے وہ جر کے تابع ہے إِجْرَاءً لِلْفَرْعِ عَلَى وَتِيرَةِ الْأَصْلِ تاکہ جاری کیا جائے فرع کو بھی اصل کے طریقے پر، تاکہ فرع کو بھی اصل کے طریقے پر جاری کیا جائے جو طریقہ اصل میں جاری ہے فرع کو بھی اسی طریقے پر جاری کیا جائے، اور اصل جو ہے اس کے اندر تو نصب جر کے تابع تھا تو یہاں بھی نصب کو جر کے تابع کر دیا گیا بھئی۔ تو کہتے ہیں: إِجْرَاءً لِلْفَرْعِ عَلَى وَتِيرَةِ الْأَصْلِ الَّذِي هُوَ جَمْعُ الْمُذَكَّرِ السَّالِمُ تاکہ جاری کیا جائے فرع کو بھی اسی اصل کے طریقے پر اَلَّذِي هُوَ جَمْعُ الْمُذَكَّرِ السَّالِمُ یعنی وہ اصل جو کہ جمع مذکر سالم ہے، تاکہ فرع کو بھی اس اصل کے طریقے پر جاری کیا جائے جو جمع مذکر سالم ہے بھئی۔ فَإِنَّ النَّصْبَ فِيهِ تَابِعٌ لِلْجَرِّ كَمَا سَيَجِيءُ ذِكْرُهُ اس لیے کیونکہ جمع مذکر سالم کے اندر جو نصب ہوتا ہے وہ جر کے تابع ہے كَمَا سَيَجِيءُ جیسے کہ عنقریب آجائے گا ذِكْرُهُ اس کا ذکر۔ مِثْلُ مثال کے طور پر جَاءَتْنِي مُسْلِمَاتٌ دیکھو یہ رفع آیا ضمہ کے ساتھ وَرَأَيْتُ مُسْلِمَاتٍ وَمَرَرْتُ بِمُسْلِمَاتٍ اور نصب اور جر دونوں کسرہ کے ساتھ آگئے۔

غَيْرُ الْمُنْصَرِفِ بِالضَّمَّةِ رَفْعًا وَالْفَتْحَةِ نَصْبًا وَجَرًّا. ادھر دیکھیے **غیر منصرف کا اعراب: غیر منصرف** جَاءَنِي أَحْمَدُ، رَأَيْتُ أَحْمَدَ، مَرَرْتُ بِأَحْمَدَ۔ غیر منصرف پر کسرہ اور تنوین نہیں آتے بھئی، تو جَاءَنِي أَحْمَدُ، رَأَيْتُ أَحْمَدَ، مَرَرْتُ بِأَحْمَدَ۔ رَأَيْتُ أَحْمَدَ یہ نصب ہے دیکھو فتحہ کے ساتھ ہے، نصب ہے مفعول ہے نا، فتحہ کے ساتھ نصب آیا۔ اور مَرَرْتُ بِأَحْمَدَ دیکھو یہ با جارہ داخل ہے لیکن جر بھی کس شکل میں آیا؟ فتحہ کی صورت میں آیا۔ تو غیر منصرف میں جر نصب کے تابع ہوتا ہے۔ جیسے جمع مؤنث سالم میں، جمع مؤنث سالم میں کیا تھا؟ جمع مؤنث سالم میں نصب تابع تھا کس کے؟ جر کے، اور غیر منصرف میں اس کا برعکس ہوتا ہے جو جر ہوتا ہے وہ تابع ہوتا ہے نصب کے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو کہتے ہیں: غَيْرُ الْمُنْصَرِفِ بِالضَّمَّةِ رَفْعًا

غیر منصرف جو ہے اس کا اعراب ضمہ کے ساتھ ہو گا رَفْعًا أَيْ حَالَةَ الرَّفْعِ رفع کی حالت میں، وَالْفَتْحَةِ اور اس کا اعراب فتحہ کے ساتھ آئے گا نَصْبًا وَجَرًّا أَيْ حَالَةَ النَّصْبِ وَحَالَةَ الْجَرِّ نصب اور جر کی حالت میں۔ فَالْجَرُّ فِيهِ تَابِعٌ لِلنَّصْبِ تو اس کے اندر جو جر ہوتا ہے یعنی غیر منصرف میں وہ تابع ہوتا ہے نصب کے كَمَا سَنَذْكُرُهُ جیسے کہ ہم عنقریب ذکر کریں گے۔ نَحْوُ جَاءَنِي أَحْمَدُ وَرَأَيْتُ أَحْمَدَ وَمَرَرْتُ بِأَحْمَدَ تو دیکھو اس کے اندر جَاءَنِي أَحْمَدُ رفع جو ہے ضمہ کے ساتھ آیا، وَرَأَيْتُ أَحْمَدَ وَمَرَرْتُ بِأَحْمَدَ اور نصب اور جر دونوں فتحہ کے ساتھ آئے۔

یہاں تک بات اچھی طرح سمجھ میں آگئی؟ تو معلوم ہوا مفرد منصرف صحیح اور جمع مکسر منصرف ان دونوں کا اعراب رفع ضمہ کے ساتھ، نصب فتحہ کے ساتھ اور جر کسرہ کے ساتھ۔ اور جمع مؤنث سالم جو ہے اس کا رفع ضمہ کے ساتھ اور نصب اور جر دونوں کسرہ کے ساتھ۔ اور غیر منصرف جو ہے اس کا رفع ضمہ کے ساتھ اور نصب اور جر دونوں فتحہ کے ساتھ۔ بات سمجھ میں آگئی؟

تو حاصل یہ ہوا کہ گویا ہم نے اعراب کے اعتبار سے اسم کی پانچ قسمیں پڑھ لیں آج بھئی: ایک مفرد منصرف، مفرد منصرف اور اس میں دو قسمیں آگئیں مفرد منصرف صحیح بھی اور مفرد منصرف جاری مجرائے صحیح وہ بھی اس کے اندر آ گیا، اور اسی طرح جمع مکسر منصرف اور جمع مؤنث سالم اور غیر منصرف، تو یہ پانچ قسمیں ہو گئیں۔ چلیے بس بھئی، هَذَا هُوَ الْمَرَامُ وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْكَلَامِ.

سبق نمبر ۴۷: انواعِ اعراب (۲): اسمائے ستہ مکبرہ کے اعراب کی شرائط

شرحِ ملا جامی صفحہ: ۳۱ — بتاریخ: ۲۱ اگست ۲۰۲۱ء

▪ تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث

دیکھیے بھائی کتاب پر آگے سبق:[1]

أَخُوكَ وَأَبُوكَ وَحَمُوكِ بِكَسْرِ الْكَافِ لِأَنَّ الْحَمَ قَرِيبُ الْمَرْأَةِ مِنْ جَانِبِ زَوْجِهَا فَلَا يُضَافُ إِلَّا إِلَيْهَا وَهَنُوكَ وَالْهَنُ الشَّيْءُ الْمُنْكَرُ الَّذِي يُسْتَهْجَنُ ذِكْرُهُ كَالْعَوْرَةِ الْغَلِيظَةِ وَالصِّفَاتِ الذَّمِيمَةِ وَالْأَفْعَالِ الْقَبِيحَةِ، وَهَذِهِ الْأَسْمَاءُ الْأَرْبَعَةُ مَنْقُوصَاتٌ وَاوِيَّةٌ.

گزشتہ سبق میں ہم نے عامل کے بارے میں پڑھا اور پھر اس کے بعد اعراب کے اعتبار سے جو معرب کی قسمیں ہیں ان کے بارے میں پڑھنا شروع کیا۔ صاحبِ کافیہ نے آپ کو بتلایا تھا کہ الْعَامِلُ مَا بِهِ يَتَقَوَّمُ الْمَعْنَى الْمُقْتَضِي لِلْإِعْرَابِ، کہ عامل وہ چیز ہے جس کے ذریعے وہ معنی حاصل ہوتا ہے جو اعراب کا تقاضا کرتا ہے۔ میں نے آپ کو بتلایا تھا کہ ایک ہے عامل، ایک ہے معنیِ مقتضی، ایک ہے اعراب اور ایک ہے اختلافِ آخر بھائی۔ تو سب سے پہلے جو ہے عامل جو ہے وہ معرب پر داخل ہوتا ہے، مثلاً زید کا لفظ ہے اس پر میں نے جَاءَ فعل داخل کیا، جَاءَ زَيْدٌ۔ اس جَاءَ کا جب میں نے زید کی طرف اسناد کیا تو اس نے زید کے اندر فاعلیت والا معنی پیدا کر دیا۔ اور اس فاعلیت والے معنی نے پھر تقاضا کیا اعراب کا۔ اور پھر اعراب آیا اور پھر اس کی وجہ سے معرب کا آخر مختلف ہو گیا۔

[1]

جدول — اسمائے ستہ مکبرہ اور ان کے اعراب بالحروف کی چار شرائط:

اسمائے ستہ	چار شرائطِ اعراب بالحروف	اعراب و مثال
أَبٌ، أَخٌ، حَمٌ، هَنٌ، فُوْ، ذُوْ	۱۔ مفرد ہوں (تثنیہ / جمع نہ ہوں)، ۲۔ مکبر ہوں (مصغر نہ ہوں)، ۳۔ مضاف ہوں، ۴۔ یائے متکلم کے علاوہ کی طرف مضاف ہوں	رفع واو: أَبُوْكَ، نصب الف: أَبَاكَ، جر یاء: أَبِيْكَ

تو پہلے کون داخل ہوا؟ پہلے داخل ہوا عامل، اور عامل وہ سبب بنا کس کا؟ اس معنیِ مقتضی کا، وہ معنی جو اعراب کا تقاضا کرنے والا ہے یعنی فاعلیت ہے، مفعولیت ہے یا مضاف الیہ ہے بھائی۔ اور پھر اس معنیِ مقتضی کی وجہ سے معمول پر، معرب پر جو ہے وہ اعراب آیا رفع، نصب یا جر بھائی۔ اور پھر اس اعراب کی وجہ سے معرب کا آخر بدل گیا، مختلف ہو گیا۔ تو عامل معلوم ہوا یہ سبب ہے، اس کی وجہ سے وہ معنیِ مقتضی پیدا ہوتا ہے معرب کے اندر جو اعراب کا تقاضا کرنے والا ہے، یعنی اگر وہ فاعلیت والا معنی ہے تو رفع کا تقاضا کرے گا، اور مفعولیت والا معنی ہے تو نصب کا تقاضا کرے گا، اور اضافت والا معنی ہے تو جر کا تقاضا کرے گا بھائی۔

تو عامل جو ہے وہ سبب ہے اس معنیِ مقتضی کا بھائی۔ تو یہی تعریف کی صاحبِ کافیہ نے کہ الْعَامِلُ مَا بِهِ يَتَقَوَّمُ الْمَعْنَى الْمُقْتَضِي لِلْإِعْرَابِ، کہ عامل وہ چیز ہے جس کی وجہ سے وہ معنی حاصل ہوتا ہے معرب میں جو اعراب کا تقاضا کرنے والا ہے۔ اور صاحبِ جامی نے آپ کو یہ بھی بتلایا تھا کہ عاملِ لفظی کی بھی تعریف ہے اور عاملِ معنوی کی بھی۔ عامل چاہے لفظی ہو جیسے جَاءَ زَيْدٌ، اس زَيْدٌ کے اندر جَاءَ لفظ عمل کر رہا ہے۔ اور کبھی عامل معنوی ہوتا ہے یعنی معنی ہوتا ہے، لفظ نہیں ہوتا، جیسے زَيْدٌ قَائِمٌ یہ جو بتدا اور خبر ہیں۔ بتدا میں عامل ابتدا ہے اور ابتدا معنی کا نام ہے، اور اسی طرح خبر کے اندر بھی عامل ابتدا ہے اور ابتدا لفظ کا نام نہیں ہے بلکہ معنی کا نام ہے۔ ابتدا کسے کہتے ہیں؟ عاملِ لفظی سے خالی ہونا مسند اور مسند الیہ کا، اور یہ صرف بتدا اور خبر میں عامل ہے بھائی۔

اس کے بعد پھر اعراب کے اعتبار سے اسم کی تقسیم شروع کی تھی، وہی سولہ قسمیں جو آپ نے نحو میر کے اندر پڑھیں یا وہی قسمیں جو آپ نے ہدایۃ النحو کے اندر پڑھیں۔ ان میں سے پانچ قسمیں ہم نے پڑھ لی تھیں بھائی۔ پہلی قسم تھی مفرد منصرف، اور مفرد منصرف دیکھو نام سے ہی پتا چل رہا ہے جو مفرد ہو یعنی تثنیہ اور جمع نہ ہو، منصرف ہو یعنی غیر منصرف نہ ہو۔ اور دوسری قسم تھی جمع مکسر منصرف بھائی۔ جمع مکسر منصرف یعنی جمع ہو اور مکسر ہو یعنی جس میں مفرد کا وزن ٹوٹ گیا ہو، اور جو منصرف ہو یعنی جمع منتہی الجموع کا صیغہ نہ ہو کیونکہ وہ تو غیر منصرف ہے بھائی۔ تو جمع ہو، جمع مکسر منصرف، جمع مکسر منصرف۔

تو دیکھیے بھائی صاحبِ کافیہ نے یہاں کہا مفرد منصرف، جبکہ ہدایۃ النحو اور نحو میر وغیرہ میں آپ نے پڑھا ہو گا کہ وہ اس کے ساتھ صحیح کی قید بھی لگاتے ہیں: مفرد منصرف صحیح۔ اور پھر اس کے ساتھ ایک اور قسم بھی ذکر کرتے ہیں: جاری مجرائے صحیح بھائی۔ مفرد منصرف صحیح جو مفرد ہو یعنی تثنیہ جمع نہ ہو، منصرف ہو یعنی غیر منصرف نہ ہو، صحیح ہو یعنی ناقص نہ ہو بھائی، یعنی جس کے آخر میں حرفِ علت نہ آئے۔ جیسے جَاءَنِي زَيْدٌ، رَأَيْتُ زَيْدًا، مَرَرْتُ بِزَيْدٍ۔ یہ مفرد بھی ہے، منصرف بھی ہے اور صحیح بھی ہے کیونکہ اس کے آخر میں دال ہے واو، الف یا یا نہیں۔ اور ایک ہے جاری مجرائے صحیح بھائی۔ جاری مجرائے صحیح یعنی قائم مقامِ صحیح۔ جاری مجرائے صحیح آپ پڑھ چکے ہیں وہ اسم ہے جس کے آخر میں واو یا یا آئے

لیکن اس کا ماقبل ساکن ہو، جیسے دَلْوٌ اور ظَبْيٌ۔ اور اس پر تینوں طرح کے اعراب لفظاً آتے ہیں: جَاءَنِي ظَبْيٌ، رَأَيْتُ ظَبْيًا، مَرَرْتُ بِظَبْيٍ، جَاءَنِي دَلْوٌ، رَأَيْتُ دَلْوًا، مَرَرْتُ بِدَلْوٍ۔

تو دیکھو یہ صحیح تو نہیں لیکن یہ قائم مقامِ صحیح ہے، اس پر تینوں طرح کے اعراب آسکتے ہیں جیسے صحیح پر، مفرد منصرف صحیح پر جیسے تینوں اعراب آسکتے تھے اسی طرح جاری مجرائے صحیح پر بھی تینوں اعراب آسکتے ہیں رفع، نصب اور جر۔ تو یہ صحیح تو نہیں لیکن قائم مقامِ صحیح ہے، جاری مجرائے صحیح ہے۔ قائم مقامِ صحیح کیوں ہے؟ کیونکہ اس پر بھی صحیح کی طرح تینوں اعراب آسکتے ہیں۔ وجہ یہ کہ اس کے آخر میں بے شک واو یا یا ہے لیکن اس واو یا یا کا ماقبل ساکن ہے۔ ظَبْيٌ دیکھو یا سے ماقبل با ساکن ہے، اور دَلْوٌ دیکھو واو سے ماقبل لام ساکن ہے، تو ماقبل میں ساکن آنے کی وجہ سے اب ان پر تینوں طرح کا اعراب پڑھنا آسان ہو گیا۔ تو یہ صحیح تو نہیں لیکن قائم مقامِ صحیح ہیں یا یوں کہو جاری مجرائے صحیح ہیں۔

تو صاحبِ کافیہ نے مفرد منصرف کہا، صحیح کی قید ساتھ نہیں لگائی۔ کیونکہ اگر صحیح کی قید ساتھ لگا دیتے تو قائم مقامِ صحیح کو بھی پھر بیان کرنا پڑتا کیونکہ وہ تو صحیح نہیں ہے، وہ تو کیا ہے؟ قائم مقامِ صحیح ہے۔ تو صاحبِ کافیہ نے صحیح کی قید نہیں لگائی تو اب یہ دونوں قسموں کو شامل ہو گیا۔ مفرد منصرف چاہے وہ صحیح ہو، چاہے قائم مقامِ صحیح ہو۔ وہ بھی کیا ہوتا ہے؟ مفرد ہوتا ہے، منصرف ہوتا ہے لیکن وہ قائم مقامِ صحیح ہے۔ تو اگر صحیح کی قید لگا دیتے تو صحیح کے ساتھ ساتھ پھر قائم مقامِ صحیح کو الگ بیان کرنا پڑتا اور صاحبِ کافیہ کی کوشش ہوتی ہے مختصر سے مختصر لفظوں میں لمبی بات کر دیں۔ تو انہوں نے مفرد منصرف کے ساتھ صحیح کی قید نہیں لگائی۔ جب صحیح کی قید نہیں لگائی تو اس میں دونوں آ گئے کہ مفرد منصرف چاہے وہ صحیح ہو چاہے صحیح کے قائم مقام ہو، صحیح نہ ہو۔ بات سمجھ میں آ گئی؟ تو اس میں گویا دو قسمیں آ گئیں، دو قسمیں آ گئیں۔

تو صاحبِ کافیہ نے آپ کو بتلایا کہ مفرد منصرف اور جمع مکسر منصرف ان دونوں کا اعراب ضمہ کے ساتھ آئے گا حالتِ رفعی میں، اور فتحہ کے ساتھ آئے گا حالتِ نصبی میں، اور کسرہ کے ساتھ آئے گا حالتِ جری میں۔ اور میں نے یہ بھی بتلا دیا کہ یہ دیکھنے میں دو قسمیں ہیں حقیقت میں کتنی ہیں؟ تین قسمیں ہیں: ایک مفرد منصرف صحیح، اور ایک مفرد منصرف قائم مقامِ صحیح، اور اسی طرح جمع مکسر منصرف۔ تو یہ تین قسموں کا گویا یہی اعراب ہے۔ تو یہ جو ہیں مفرد منصرف اور جمع مکسر منصرف ان کا اعراب دو اعتبار سے اصل ہے انہوں نے آپ کو بتلایا، دو اعتبار سے۔ ایک تو اس اعتبار سے کہ اصل اعراب کے اندر اعراب بالحرکت ہے۔ ایک اعراب بالحرف ہوتا ہے جَاءَنِي أَبُوكَ، رَأَيْتُ أَبَاكَ، مَرَرْتُ بِأَبِيكَ، یہ اعراب حرف کے ساتھ آ رہا ہے یعنی واو، الف اور یا۔ اور ایک اعراب بالحرکت ہوتا ہے جَاءَنِي زَيْدٌ، رَأَيْتُ زَيْدًا، مَرَرْتُ بِزَيْدٍ۔ تو اصل جو ہے اعراب کے اندر اعراب بالحرکت ہے۔ تو یہ ان دونوں کو بھی مفرد منصرف اور جمع مکسر منصرف ان دونوں کو ان دونوں کا اعراب بایں اعتبار اصل ہے۔ ان دونوں کا کون سا اعراب ہے؟ اصل ہے۔ اصل اعراب بالحرف ہے یا بالحرکت ہے؟ بالحرکت ہے اور ان کا اعراب بھی بالحرکت ہے تو بایں اعتبار بھی ان کا اعراب اصل ہے۔

اور نیز اعراب بالحرکت میں بھی اصل یہ ہے کہ رفع، نصب اور جر تینوں حالتوں میں الگ الگ قسم کا اعراب آنا چاہیے۔ تینوں حالتوں میں؟ یہاں پر بھی دیکھو تینوں حالتوں میں الگ ہے جَاءَنِي زَيْدٌ، رَأَيْتُ زَيْدًا، مَرَرْتُ بِزَيْدٍ۔ رفع ضمہ کے ساتھ، نصب فتحہ کے ساتھ اور جر کسرہ کے ساتھ۔ حالانکہ آگے جمع مؤنث سالم ہے، اس میں رفع ضمہ کے ساتھ اور نصب اور جر دونوں کسرہ کے ساتھ، وہاں دیکھو نصب جر کے تابع ہے۔ تین قسم کے اعراب آرہے ہیں یا اس پر دو ہی قسم کا اعراب ہے لفظوں کے اعتبار سے؟ رفع ہے اور نصب اور جر دونوں تو کسرہ کے ساتھ آرہے ہیں۔ تو اعراب میں بھی اصل کیا ہے؟ اعراب بالحرکت ہونا چاہیے اور پھر اعراب بالحرکت میں بھی اصل کیا ہے کہ تینوں حالتوں میں الگ الگ حرکت آنی چاہیے، تو بایں اعتبار ان دونوں کا اعراب اصل ہے کہ اعراب بالحرکت بھی ہے اور نیز تینوں حالتوں میں الگ الگ اعراب ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟

اس کے بعد جمع مؤنث سالم کا اعراب بتلایا کہ اس کا رفع ضمہ کے ساتھ اور نصب اور جر کسرہ کے ساتھ آتا ہے۔ جَاءَنِي مُسْلِمَاتٌ دیکھو رفع آیا ضمہ کے ساتھ اور رَأَيْتُ مُسْلِمَاتٍ وَمَرَرْتُ بِمُسْلِمَاتٍ اس کا نصب اور جر دونوں کسرہ کے ساتھ آئے۔ اور وجہ بھی ذکر کی تھی کہ اس کے اندر نصب کو بھی جر کے تابع کر دیا گیا۔ نصب کو بھی جر کے، کسرہ کے ساتھ تو جر آتا ہے لیکن نصب بھی کسرہ کے ساتھ آرہا ہے تو نصب کو جر کے تابع کر دیا گیا۔ وجہ یہ کہ یہ فرع ہے جمع مذکر سالم کی اور فرع جو ہے وہ اصل کے موافق ہوتی ہے، تو اصل کے اندر جو ہے وہ جمع مذکر سالم جو ہے جَاءَنِي مُسْلِمُونَ، رَأَيْتُ مُسْلِمِينَ، مَرَرْتُ بِمُسْلِمِينَ، تو اس اصل جو ہے یعنی جمع مذکر سالم اس کے اندر نصب جر کے تابع تھا تو فرع یعنی جمع مؤنث سالم کے اندر بھی نصب کو جر کے تابع کر دیا۔ بات سمجھ میں آگئی؟

تو وَجَمْعُ الْمُؤَنَّثِ السَّالِمُ، جَمْعُ الْمُؤَنَّثِ السَّالِمُ، وَهُوَ مَا يَكُونُ بِالْأَلِفِ وَالتَّاءِ۔ تو حاصل یہ کہ وہ بتلانا یہ چاہتے ہیں کہ جمع مؤنث سالم سے جمع مؤنث سالم اصطلاحی مراد ہے۔ جَمْعُ الْمُؤَنَّثِ السَّالِمُ میں نے آپ کو بتلایا تھا کہ یہ جو جمع کا لفظ ہے مضاف ہو رہا ہے مؤنث کی طرف۔ جَمْعُ الْمُؤَنَّثِ، مؤنث کی جمع، اور السَّالِمُ یہ صفت ہے جمع کی اور جمع مرفوع تو السَّالِمُ کو بھی کیا پڑھیں؟ مرفوع، کیونکہ صفت پر وہی اعراب آتا ہے جو موصوف پر ہو۔ تو یہ مؤنث کی صفت نہیں ہے کیونکہ مؤنث تو مجرور ہے وہ مضاف الیہ ہے، تو اس کو کیسے پڑھیں گے؟ جَمْعُ الْمُؤَنَّثِ السَّالِمُ، مؤنث کی وہ جمع جو سالم ہو۔ ترجمہ کیا ہوا؟ مؤنث کی وہ جمع جو سالم۔ تو ذہن میں فوراً آتا ہے کہ معلوم ہوا مؤنث کی جمع جب سالم آئے تو اس کا یہ اعراب ہے، اگر مذکر کی یہی والی جمع آجائے تو پھر اس کا یہ اعراب نہیں۔ مؤنث کی جمع، کون سی جمع؟ سالم۔ دیکھو مُسْلِمَةٌ کی جمع کیا آئی؟ مُسْلِمَاتٌ، یہ دیکھو یہ مُسْلِمَاتٌ مؤنث کی جمع ہے یعنی مُسْلِمَةٌ کی جمع ہے اور کون سی جمع ہے؟ سالم۔ معلوم ہوا اس کا اعراب یہ ہے، اس کا اعراب یہ ہے: رفع ضمہ کے ساتھ، نصب اور جر کسرہ کے ساتھ۔ اگر مذکر کی یہ جمع آجائے معلوم ہوا اس کا یہ حکم نہیں، شبہ یہ پیدا ہوتا ہے۔ جیسے مجرور مذکر ہے یا مؤنث؟ مذکر ہے، اس کے آخر میں کوئی تانیث کی علامت نہیں، گول

تا بھی نہیں ہے، الفِ مقصورہ یا الفِ ممدودہ بھی نہیں۔ تو مجرور کا لفظ مذکر ہے لیکن اس کی جمع آتی ہے مجرورات الف تا کے ساتھ۔ معلوم ہوا یہ اس کا حکم بیان نہیں ہو رہا، یہاں صرف کس کا حکم بیان ہو رہا ہے؟ کس کا حکم بیان ہو رہا ہے؟ جَمْعُ الْمُؤَنَّثِ السَّالِمُ، مؤنث کی وہ جمع جو سالم ہو۔ اور مجرورات یہ مؤنث کی جمع ہے سالم یا مذکر کی جمع سالم ہے؟ مجرورات کس کی جمع ہے؟ مجرور کی، اور مجرور کا لفظ مذکر ہے مؤنث ہے؟ تو یہ مذکر کی جمع سالم ہے بھائی۔ معلوم ہوا یہ تو اس تعریف سے نکل گئے بھائی، آپ تو صرف کس کی بات کر رہے ہیں جَمْعُ الْمُؤَنَّثِ السَّالِمُ، مؤنث کی وہ جمع جو سالم۔ تو انہوں نے آپ کو بتلایا وَهُوَ مَا يَكُونُ بِالْأَلِفِ وَالتَّاءِ، کہ جمع مؤنث سالم سے مراد وہ جمع ہے جو الف اور تا کے ساتھ آئے۔ کس کے ساتھ آئے؟ الف اور تا کے ساتھ آئے۔ یعنی بتلانا یہ چاہتے ہیں کہ لفظوں کے اعتبار سے نہ دیکھو بلکہ یہ اصطلاح میں جس کو جمع مؤنث سالم کہتے ہیں وہ یہاں مراد ہے، اور اصطلاح میں جمع مؤنث سالم کسے کہتے ہیں؟ جو الف تا کے ساتھ آئے چاہے اس کا مفرد مذکر ہو چاہے اس کا مفرد مؤنث ہو، اس سے قطعِ نظر۔ تو یہ وَهُوَ مَا يَكُونُ بِالْأَلِفِ وَالتَّاءِ کیا بتلانا چاہتے ہیں کہ لفظوں کے اعتبار سے آپ شبہ میں نہ پڑ جانا بلکہ یہ اس جمع کا نام ہے، جو بھی جمع الف تا کے ساتھ آئے علمِ نحو میں اس کو کیا کہا جاتا ہے؟ جَمْعُ الْمُؤَنَّثِ السَّالِمُ۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو چاہے اس کا مفرد مذکر ہو چاہے اس کا مفرد مؤنث ہو سب کا یہی حکم ہے کہ رفع آئے گا ضمہ کے ساتھ اور نصب اور جر آئیں گے کسرہ کے ساتھ۔ تو وَهُوَ مَا يَكُونُ بِالْأَلِفِ وَالتَّاءِ اس کے ذریعے صاحبِ جامی یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ جمع مؤنث سالم سے اصطلاحی جمع مؤنث سالم مراد ہے، اور وہ علمِ نحو میں کسے کہتے ہیں؟ جس کے آخر میں کیا آئے؟ الف تا آئے بھائی، الف تا آئے۔

آگے غیر منصرف کا اعراب آگیا۔ غیر منصرف جو ہے جَاءَنِي أَحْمَدُ، رَأَيْتُ أَحْمَدَ، مَرَرْتُ بِأَحْمَدَ۔ اس کے اندر دیکھو جر جو ہے نصب کے تابع ہے۔ رَأَيْتُ أَحْمَدَ، مَرَرْتُ بِأَحْمَدَ، دونوں صورتوں میں دیکھو فتحہ آرہا ہے۔ غیر منصرف ہے نا، کسرہ اور تنوین تو نہیں آئیں گے لیکن دونوں صورتوں میں فتحہ آرہا ہے، تو جر کو کس کے تابع کر دیا یہاں پر؟ جر کو نصب کے تابع کر دیا۔ جمع مؤنث سالم میں؟ جمع مؤنث سالم میں نصب کو جر کے تابع کیا تھا دونوں کسرہ کے ساتھ آرہے تھے، اور غیر منصرف میں جر کو نصب کے تابع کر دیا دونوں فتحہ کے ساتھ آرہے ہیں۔ بات سمجھ میں آگئی؟ فتحہ تو نصب کی علامت تھا نا۔

تو یہ پانچ قسمیں اعراب کی ہم پڑھ چکے ہیں۔ اب اگلی قسم دیکھیے بھائی، جی آگے یہ آج کا سبق شروع ہو رہا ہے دیکھیے بھائی: أَخُوكَ وَأَبُوكَ وَحَمُوكِ بِكَسْرِ الْكَافِ لِأَنَّ الْحَمَ قَرِيبُ الْمَرْأَةِ مِنْ جَانِبِ زَوْجِهَا فَلَا يُضَافُ إِلَّا إِلَيْهَا وَهَنُوكَ وَالْهَنُ الشَّيْءُ الْمُنْكَرُ الَّذِي يُسْتَهْجَنُ ذِكْرُهُ كَالْعَوْرَةِ الْغَلِيظَةِ وَالصِّفَاتِ الذَّمِيمَةِ وَالْأَفْعَالِ الْقَبِيحَةِ، وَهَذِهِ الْأَسْمَاءُ الْأَرْبَعَةُ مَنْقُوصَاتٌ وَاوِيَّةٌ۔

آگے بھائی اسمائے ستہ مکبرہ کا اعراب آرہا ہے، اسمائے ستہ مکبرہ کا۔ اسمائے ستہ مکبرہ آپ ان کے بارے میں آپ پڑھ چکے ہیں کہ وہ یہ چھ اسم ہیں بھائی، اسمائے ستہ مکبرہ بھائی: أَبٌ، أَخٌ، حَمٌ، هَنٌ، فَمٌ اور ذُو بھائی۔ یہ ہیں اسمائے ستہ بھائی، اسمائے ستہ۔ اور یہ ان کا اعراب حالتِ رفعی میں واو کے ساتھ آئے گا، حالتِ نصبی میں الف کے ساتھ اور حالتِ جری

میں یا کے ساتھ۔ لیکن اس میں دو تین شرطیں بھی آپ نے پڑھی ہوں گی کہ یہ اسمائے ستہ جو ہیں مکبرہ ہوں یعنی ان کی تصغیر نہ ہو بھائی، مکبرہ۔ یاد رکھیے یہ جو عام اسم ہوتا ہے اس کو اسمِ مکبر کہتے ہیں اور پھر ان کی تصغیر لائی جاتی ہے، تصغیر جیسے کتاب بھائی، عام اسم ہے تو اس کو کہیں گے یہ اسمِ مکبر ہے اور پھر اس کی تصغیر لائی جاتی ہے جو عموماً فُعَيْلٌ وزن پر ہوتی ہے بھائی۔ تو اس کی تصغیر کیا آئی؟ كُتَيِّبٌ بھائی، اور تصغیر کے اندر چھوٹا ہونے کا معنی ہوتا ہے، کبھی اور معانی کے لیے بھی لائی جاتی ہے، کبھی شفقت کے لیے، کبھی تحقیر وغیرہ کے لیے، تو بہرحال عموماً اس میں چھوٹا ہونے کا معنی ہوتا ہے۔ تو کتاب کا معنی تو کتاب، لیکن كُتَيِّبٌ اس کا معنی ہے چھوٹی سی کتاب یا یوں کہیں کتابچہ، کتابچہ۔ تو کتاب عام کتاب اس کو اسمِ مکبر کہیں گے اور جو تصغیر آئی اس کی وہ اسمِ مصغر ہے، تو عام اسم کو کیا کہتے ہیں؟ اسمِ مکبر کہتے ہیں، جیسے رَجُلٌ یہ کیا ہے؟ یہ اسمِ مکبر ہے اور اس کی تصغیر کیا لائیں گے؟ رُجَيْلٌ فُعَيْلٌ وزن پر، چھوٹا سا آدمی۔ تو عام اسم کو اسمِ مکبر کہتے ہیں۔

تو یہ جو اسمائے ستہ ہیں ان کا اعراب واو، الف اور یا کے ساتھ آئے گا لیکن اس میں تین شرطیں ذکر کرتے ہیں علمائے نحو بھائی۔ پہلی شرط یہ کہ یہ مکبر ہونے چاہئیں یعنی ان کی تصغیر نہیں بھائی، اس کا یہ حکم نہیں ہے، اور نیز اسمائے ستہ مکبرہ، موحدہ، مضافہ الی غیر یائے متکلم۔ جب یہ مکبر ہوں ان کی مصغر کا یہ حکم نہیں، اور نیز یہ موحد ہوں جب یہ مفرد ہوں تب یہ حکم ہے واو الف یا کے ساتھ ان کا اعراب آئے گا۔ اگر یہ تثنیہ یا جمع ہوئے تو پھر وہی تثنیہ یا جمع والا اعراب آئے گا بھائی، تثنیہ اور جمع۔ تثنیہ کا اعراب کیا تھا؟ رجل سے تثنیہ بناؤ رَجُلَانِ، حالتِ رفعی میں کیا کہتے ہیں؟ رَجُلَانِ، حالتِ نصبی جری میں کیا کہتے ہیں؟ رَجُلَيْنِ۔ اسی طرح جمع مذکر سالم ہے مُسْلِمُونَ حالتِ رفعی میں اور حالتِ نصبی جری میں کیا کہتے ہیں؟ مُسْلِمِينَ۔ تو جیسے تثنیہ اور جمع کا اعراب ہوتا ہے اگر یہ بھی تثنیہ اور جمع ہوئے تو ان میں بھی وہی تثنیہ اور جمع والا اعراب آئے گا۔ تو اس لیے کہا کہ یہ اسمائے ستہ مکبرہ ہوں یعنی ان کی تصغیر نہ ہو، موحدہ یعنی مفرد ہوں تثنیہ جمع نہ ہوں ورنہ تثنیہ جمع والا اعراب آئے گا۔ اور تیسری شرط اس میں یہ لگاتے ہیں کہ مضافہ الی غیر یائے متکلم، یہ مضاف ہوں لیکن یائے متکلم کی طرف مضاف نہ ہوں کیونکہ اگر یائے متکلم کی طرف مضاف ہوئے جیسے غُلَامِي، غُلَامِي یائے ضمیر، یائے متکلم کی طرف مضاف ہے تو اس کا اعراب تینوں حالتوں میں تقدیری ہے۔ توجہ ہے؟ اس کا اعراب تینوں حالتوں میں تقدیری ہے، رفع بھی، نصب بھی اور جر بھی۔ تو اگر یہ بھی یائے متکلم کی طرف مضاف ہوئے تو ان کا اعراب بھی تینوں حالتوں میں تقدیری ہو گا۔ تو لہٰذا اسمائے ستہ ہوں، مکبرہ ہوں یعنی ان کی تصغیر نہ ہو، موحدہ ہوں یعنی تثنیہ جمع نہ ہوں اور مضافہ الی غیر یائے متکلم، مضاف ہوں لیکن یائے متکلم کی طرف مضاف نہ ہوں۔ پھر ان کا اعراب یہ ہے کہ رفع واو کے ساتھ، نصب الف کے ساتھ اور جر یا کے ساتھ۔ جَاءَنِي أَبُوكَ، رَأَيْتُ أَبَاكَ، مَرَرْتُ بِأَبِيكَ۔ تفصیل سمجھ میں آگئی؟ اب یہی بیان کر رہے ہیں صاحبِ کافیہ بھی اور درمیان میں صاحبِ جامی جو ہیں ہر ایک کی تفصیل بھی بیان کریں گے اور آخر میں پھر یہی باتیں جو میں نے کیں

وہ تفصیل سے اعراب کے اندر ذکر کریں گے۔

دیکھیے بھائی کتاب پر۔ کہتے ہیں: أَخُوكَ وَأَبُوكَ وَحَمُوكِ بِكَسْرِ الْكَافِ لِأَنَّ الْحَمَ قَرِيبُ الْمَرْأَةِ مِنْ جَانِبِ زَوْجِهَا فَلَا يُضَافُ إِلَّا إِلَيْهَا۔ أَخُوكَ آپ کا بھائی، اس میں مذکر کی ضمیر بھی پڑھنا صحیح مؤنث کی پڑھنا بھی صحیح۔ أَخُوكَ یعنی یہ مذکر کو کہا جا رہا ہے تو ایک مرد جو ہے تیرا بھائی أَخُوكَ، اور أَخُوكِ مخاطبہ عورت ہے اس کے لیے آئے گا أَخُوكِ تیرا بھائی، تمہارا بھائی یعنی عورت ہے، أَخُوكَ کاف پر فتحہ ہو تو یہ مذکر کی ضمیر ہے اور کاف کے نیچے کسرہ ہو تو یہ مؤنث کی ضمیر ہے۔ تو اس میں دیکھو بھائی مذکر کا بھی ہو سکتا ہے، مذکر مخاطب کا بھی ہو سکتا ہے اور مؤنث مخاطبہ کا بھی ہو سکتا ہے، تو یہاں أَخُوكَ پڑھنا بھی صحیح اور أَخُوكِ پڑھنا بھی صحیح۔ اسی طرح أَبُوكَ تمہارا باپ، تمہارے ابو، اس میں أَبُوكَ پڑھنا بھی صحیح اور أَبُوكِ پڑھنا بھی صحیح۔ لیکن حَمُوكِ آپ کو بتلائیں گے کہ اس کو کاف کے کسرہ کے ساتھ پڑھنا، اس لیے کیونکہ حَمٌ جو ہے حَمٌ عورت کا جو سسر ہوتا ہے اس کو حَمٌ کہتے ہیں۔ عورت کا نکاح ہوا تو اس کے خاوند کا جو باپ ہے وہ اس کا سسر ہے یا اسی طرح خاوند کا بھائی جو ہے اس کو بھی حَمٌ کہتے ہیں، تو یعنی خاوند کی طرف سے جو عورت کے رشتے دار بن جائیں ان کو حَمٌ کہا جاتا ہے۔ توجہ ہے؟ تو یہ رشتے دار عورت کے ہوئے، لہٰذا حَمُوكِ یہاں کاف کے نیچے زیر پڑھو یعنی مؤنث کی ضمیر اس کو پڑھو۔ اس حَمُوكِ کو کس طرح پڑھنا ہے؟ کاف کے کسرے کے ساتھ کیونکہ حَمٌ کس کا ہوتا ہے؟ عورت کا ہوتا ہے۔ بات سمجھ میں؟ جبکہ بعضوں نے کہا کہ میاں بیوی دونوں کی طرف سے ایک دوسرے کے جو رشتے دار بنیں، مرد رشتے دار ان کو حَمٌ کہا جاتا ہے۔ معلوم ہوا خاوند کا جو باپ ہے وہ بیوی کے لیے حَمٌ ہے یا خاوند کا جو بھائی ہے وہ بیوی کے لیے کیا ہے؟ حَمٌ ہے۔ اور بیوی کا جو باپ ہے وہ خاوند کے لیے حَمٌ ہے یا اس کا بھائی جو ہے وہ خاوند کے لیے حَمٌ ہے۔ تو بعض فرماتے ہیں کہ یہ صرف جو مرد کی طرف سے جو اس کا مرد کا باپ ہے یا اس کا بھائی ہے تو یہ بیوی کے حَمٌ کہلاتے ہیں، جبکہ بعض فرماتے ہیں کہ نہیں یہ دونوں کے لیے ہیں، مرد کے لیے بیوی کے باپ اور بھائی وغیرہ حَمٌ ہیں اور بیوی کے لیے خاوند کے باپ اور بھائی حَمٌ ہیں۔ اگر اس قول کو لے لیا جائے پھر تو حَمُوكَ اور حَمُوكِ دونوں طرح پڑھ سکتے ہیں، پھر کیونکہ حَمٌ خاوند کا بھی ہو سکتا ہے جو بیوی کے رشتے دار ہیں اور حَمٌ بیوی کا بھی ہو سکتا ہے جو خاوند کے رشتے دار ہیں بھائی۔

دیکھیے بھائی کہتے ہیں أَخُوكَ وَأَبُوكَ وَحَمُوكِ بِكَسْرِ الْكَافِ، یہ حَمُوكِ جو ہے یہ کاف کے کسرہ کے ساتھ ہے، لِأَنَّ الْحَمَ قَرِيبُ الْمَرْأَةِ مِنْ جَانِبِ زَوْجِهَا، اس لیے کیونکہ حَمٌ جو ہوتا ہے وہ عورت کا قریبی ہے یعنی اس کا رشتے دار ہے مِنْ جَانِبِ زَوْجِهَا اس کے خاوند کی جانب سے، یعنی اس کا سسر یا خاوند کا بھائی جو ہے، فَلَا يُضَافُ إِلَّا إِلَيْهَا، لہٰذا اس حَمٌ کی اضافت نہیں کی جاتی إِلَّا إِلَيْهَا مگر مؤنث کی طرف۔ کس کی طرف؟ مؤنث، حَمُوكِ ہی کہنا پڑے گا حَمُوكَ نہیں کہہ سکتے کیونکہ وہ عورت کے رشتے دار بن گئے ہیں بھائی۔ ہاں، اور میں نے بتایا اگر دوسرا قول لے لو کہ دونوں، تو پھر اس صورت میں حَمُوكِ پڑھنا بھی صحیح اور حَمُوكَ پڑھنا بھی صحیح جب دونوں طرف کے رشتے دار ایک دوسرے کے لیے، میاں بیوی کے لیے حَمٌ کہلاتے ہیں۔

وَهَنُوكِ، وَهَنُوكَ۔ هَنٌ کسے کہتے ہیں دیکھیے، کہتے ہیں وَالْهَنُ الشَّيْءُ الْمُنْكَرُ الَّذِي يُسْتَهْجَنُ ذِكْرُهُ، هَنٌ جو ہے الشَّيْءُ الْمُنْكَرُ وہ ناپسندیدہ چیز ہے الَّذِي يُسْتَهْجَنُ ذِكْرُهُ جس کا ذکر معیوب ہے، جس کا ذکر معیوب ہے، جس کو عیب سمجھا جاتا ہے جس کے ذکر کو۔ بھائی دیکھیے ادھر دیکھیے، هَنٌ کا معنی سمجھ لو، هَنٌ وہ چیز جس کا ذکر عیب سمجھا جاتا ہو، جس کا ذکر کرنا عیب ہو، جیسے کہ انسان کی شرم گاہ ہے۔ اب انسان کی شرم گاہ کو هَنٌ کہتے ہیں، اسی طرح کوئی ایسی بات جس کا ذکر عیب، جو قابلِ مذمت ہو، بری ہو، اس کو بھی هَنٌ کہتے ہیں، یا اسی طرح کوئی بری عادت یا فعل وغیرہ ہو اس کو بھی هَنٌ کہتے ہیں۔ تو ہر وہ چیز جس کا ذکر عیب ہو اس کو عربی میں هَنٌ کہتے ہیں۔

تو کہتے ہیں وَالْهَنُ الشَّيْءُ الْمُنْكَرُ الَّذِي يُسْتَهْجَنُ ذِكْرُهُ، اور هَنٌ وہ ناپسندیدہ چیز ہے، منکر ناپسندیدہ، وَالْهَنُ الشَّيْءُ الْمُنْكَرُ الَّذِي يُسْتَهْجَنُ ذِكْرُهُ، اور هَنٌ وہ ناپسندیدہ چیز ہے کہ جس کا ذکر معیوب ہو یعنی جس کے ذکر کو برا سمجھا جاتا ہے، كَالْعَوْرَةِ الْغَلِيظَةِ جیسے کہ عورتِ غلیظہ ہے۔ یاد رکھو عورت عربی زبان میں اس چیز کو کہتے ہیں جس کا ظاہر کرنا عیب ہو۔ عورت وہ چیز جس کو چھپایا جائے بھائی، جس کا ظاہر کرنا عیب ہو بھائی اس کو عورت کہتے ہیں بھائی، عورت۔ اور خاص طور پر پھر عورتِ غلیظہ لفظ جب بولا جائے تو اس سے مراد شرم گاہ ہوتی ہے۔ عورت ہر وہ چیز جس کا ظاہر کرنا عیب ہو اور پھر خاص طور پر جب اس کے ساتھ غلیظہ کی قید لگا دی جائے الْعَوْرَةُ الْغَلِيظَةُ تو پھر یہ خاص طور پر انسان کی شرم گاہ کے لیے لفظ بولا جاتا ہے۔

یہاں ایک اور ادبی نکتہ آپ کو بتلاؤں بھائی، والد صاحب رحمہ اللہ جو ذکر فرماتے تھے بھائی۔ فرماتے تھے دیکھو الْعَوْرَةُ، عورت کا کیا معنی؟ وہ چیز جس کا ظاہر کرنا عیب ہو، اور اردو زبان میں بھی خاتون کو عورت کہتے ہیں، خواتین ہیں، یہ عورتیں ہیں، بولتے ہیں یا نہیں؟ دیکھا تو اس میں یہ ادبی نکتہ ہے کہ عورت جو ہے اس کو بھی باپردہ ہونا چاہیے اس کا ظاہر کرنا عیب ہے، تو اس میں دیکھو یہ عورت کو جو عورت کہتے ہیں وہ اس وجہ سے عورت کہتے ہیں اردو میں کیونکہ اس کا ظاہر کرنا اور بے پردہ کرنا عیب ہے بھائی۔ تو کہتے ہیں كَالْعَوْرَةِ الْغَلِيظَةِ جیسے کہ عورتِ غلیظہ ہے یعنی انسان کی شرم گاہ، وَالصِّفَاتِ الذَّمِيمَةِ اور جیسے کہ قابلِ مذمت صفات ہیں، بتلا رہے ہیں هَنٌ کسے کہتے ہیں وہ چیز جس کا ذکر کرنا عیب ہو، جیسے کہ عورتِ غلیظہ ہے اور جیسے صفاتِ ذمیمہ ہیں قابلِ مذمت صفات، بری صفات جو ہوتی ہیں، وَالْأَفْعَالِ الْقَبِيحَةِ اور اسی طرح جو قبیح افعال ہیں، ناپسندیدہ افعال ہیں۔ ان سب کو هَنٌ کہتے ہیں کیونکہ ان سب کا ذکر ناپسندیدہ ہے بھائی۔

وَهَذِهِ الْأَسْمَاءُ الْأَرْبَعَةُ مَنْقُوصَاتٌ وَاوِيَّةٌ، اور یہ چار اسم جو ہیں یہ أَخُوكَ، وَأَبُوكَ، وَحَمُوكِ، وَهَنُوكَ، یہ چار اسم یہ مَنْقُوصَاتٌ وَاوِيَّةٌ یہ ناقصِ واوی ہیں بھائی۔ منقوص ناقص سے ہے جس کے آخر میں حرفِ علت آئے بھائی۔ آپ جانتے ہیں حروفِ علت واو، الف اور یا ہیں بھائی، اور جس اسم کے آخر میں حروفِ علت آئیں اس کو ناقص کہتے ہیں، جس کے درمیان میں آئیں اس کو اجوف کہتے ہیں اور جس کے شروع میں آئیں اس کو مثال کہتے ہیں بھائی۔ تو یہ جو چاروں اسم آئے یہ منقوصاتِ

واویہ ہیں یعنی ناقص ہیں اور ناقص بھی کون سے ہیں؟ واوی ہیں یعنی ان کے آخر میں واو ہے بھائی۔ یاد رکھو أَخٌ، أَبٌ، حَمٌ، هَنٌ، علمائے نحو فرماتے ہیں کہ ان سب کے آخر میں واو تھا جس کو حذف کر دیا گیا، گرا دیا گیا بھائی۔ ان سب کے آخر میں واو تھا۔ أَخٌ اس وقت تو ہمزہ اور خا ہیں لیکن اس کے آخر میں واو بھی تھا جو جس کو گرا دیا گیا، ساقط کر دیا گیا۔ أَبٌ اس وقت تو ہمزہ اور با ہے لیکن آخر میں کیا تھا؟ واو بھی تھا بھائی۔ اور دلیل کیا ہے؟ تو دیکھو تثنیہ میں وہ واو آجاتا ہے۔ أَبٌ کی تثنیہ کیا؟ أَبَوَانِ۔ أَخٌ کی تثنیہ کیا؟ أَخَوَانِ، دیکھا؟ اور اسی طرح حَمٌ کی تثنیہ حَمَوَانِ، اور هَنٌ کی هَنَوَانِ۔ تو ان سب میں دیکھو واو آرہا ہے تثنیہ کے اندر۔ تثنیہ کیسے بناتے ہیں؟ آخر میں الف نون جوڑتے ہیں نا؟ تو أَبَوَانِ تو الف نون جوڑا اور یہ واو کہاں سے آیا؟ یہ واو جو حذف ہوا تھا وہ واپس آگیا تثنیہ بناتے وقت بھائی۔ تو کہتے ہیں وَهَذِهِ الْأَسْمَاءُ الْأَرْبَعَةُ مَنْقُوصَاتٌ وَاوِيَّةٌ اور یہ چار اسماء جو ہیں یہ منقوصاتِ واویہ ہیں۔

وَفُوكَ، وَفُوكِ۔ بھائی یہ فُوكَ کا معنی ہے آپ کا منہ۔ یہ وہی فَمٌ ہے، فَمٌ، منہ کو کیا کہتے ہیں؟ فَمٌ۔ یہ اصل میں تھا فَوْهٌ بھائی، توجہ ہے؟ فَمٌ کا لفظ منہ کو کہتے ہیں، یہ اصل میں فَوْهٌ تھا بھائی، آخر میں ہا تھی اور درمیان میں واو تھا تو یہ اجوف ہوا، اجوفِ واوی ہوا، توجہ ہے؟ درمیان میں واو ہے تو اجوفِ واوی ہوا۔ پھر اس ہا کو خلاف القیاس حذف کر لیا گیا، خلاف القیاس، تو کیا رہ گیا؟ فَوٌ، فَوٌ۔ واو متحرک ہو گیا اور ماقبل فا پر فتحہ ہے، اور واو یا یا متحرک ہوں اور ماقبل فتحہ ہو اس کو کس سے بدلتے ہیں؟ الف سے، تو کیا بن جاتا؟ فَانْ، بھائی نونِ تنوین بھی تو ہے آخر میں، فَوٌ سے کیا بن جاتا؟ فَانْ، اور پھر الف گر جاتا تو کیا رہ جاتا؟ فَنْ، یعنی صرف فا رہ جاتی، صرف فا رہ جاتی۔ تو اصل میں یہ فَوْهٌ تھا، ہا کو خلاف القیاس حذف کر دیا گیا اور پھر واو کو میم سے بدل دیا گیا کیونکہ اگر واو کو باقی رکھتے تو واو نے بھی گر جانا تھا، واو نے اجتماعِ ساکنین کی وجہ سے گر جانا تھا الف ہو کر بھائی۔ تو لہٰذا اس کو کس سے بدل دیا گیا؟ میم سے، کیونکہ واو بھی شفوی ہے اور میم بھی شفوی ہے۔ شَفَةٌ کس کو کہتے ہیں؟ ہونٹ کو، تو واو بھی ہونٹوں سے ادا ہوتا ہے اور میم بھی۔ آپ ذرا واو ادا کریں: واو، دیکھا؟ یہ ہونٹوں سے ادا ہو رہا ہے۔ میم ادا کریں ذرا: میم، دیکھا؟ یہ بھی ہونٹوں سے ادا ہو رہا ہے۔ تو واو بھی شفوی تھا ہونٹوں سے ادا ہوتا ہے، میم بھی شفوی ہے ہونٹوں سے ادا ہوتا ہے، تو واو کو میم سے بدل دیا گیا بھائی۔ بات سمجھ میں آگئی؟ اور پھر جب اضافت کرتے ہیں تو وہ واو واپس لے آتے ہیں جیسے فُوكَ، فَمُكَ نہیں کہا بلکہ کیا کہا؟ فُوكَ، فُوكَ، وہ واو واپس آگیا۔ کیوں؟ کیونکہ اب آخر میں مضاف الیہ آکر جڑ گیا ہے، اب واو کے گرنے کا خطرہ نہیں بھائی۔ اب تو اضافت ہو رہی ہے اب تو آخر میں تنوین ہے ہی نہیں اب واو کے گرنے کا خطرہ نہیں، لہٰذا اس میں پھر واو پڑھتے ہیں بھائی۔ اور یاد رکھنا یہ واو کو واپس لانا ضروری نہیں ہے اضافت کے وقت، کبھی اسی میم کو برقرار رکھتے ہیں اور کبھی واپس واو کو لے آتے ہیں۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو دونوں طرح صحیح ہے، واو کے ساتھ بھی فُوكَ کہنا بھی صحیح اور فَمُكَ یوں میم کے ساتھ کہنا بھی صحیح ہے بھائی۔

تو کہتے ہیں وَفُوكَ وَهُوَ أَجْوَفُ وَاوِيٌّ۔ یاد رکھو ان سب کے اندر جو کاف آرہے ہیں سوائے حَمُوكِ، اس میں کاف کے

نیچے کسرہ پڑھیں، باقی سب کے اندر کاف پر فتحہ بھی پڑھ سکتے ہیں، مذکر کی ضمیر بھی بنا سکتے ہیں اور کاف کے نیچے کسرہ بھی پڑھ سکتے ہیں یعنی مؤنث کی ضمیر بھی۔ تو کہتے ہیں وَفُوكَ وَهُوَ أَجْوَفُ وَاوِيٌّ، اور یہ اجوفِ واوی ہے لَامُهُ هَاءٌ۔ بھائی أَجْوَفُ ہے موصوف، وَاوِيٌّ اس کی صفتِ اول ہے، توجہ ہے؟ اور أَجْوَفُ نکرہ ہے اور آپ نے پڑھا ہے نکرہ کے بعد فعل آئے تو وہ اس کے لیے کیا بنتا ہے؟ صفت بنتا ہے، اور فعل ویسے ہی نکرہ کے لیے صفت بنے گا یا پورا جملہ بن کر صفت بنے گا؟ پورا جملہ بن کر صفت بنے گا۔ معلوم ہوا جملہ کس کے حکم میں ہوتا ہے؟ نکرہ کے حکم میں ہوتا ہے۔ تو یہاں پر بھی لَامُهُ یہ ہے بتدا اور هَاءٌ، تو لَامُهُ ہے بتدا اور هَاءٌ ہے اس کی خبر، بتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ، اور جملہ کس کے حکم میں؟ نکرہ کے حکم میں، تو أَجْوَفُ نکرہ ہے موصوف ہے، وَاوِيٌّ اس کی صفتِ اول ہے اور لَامُهُ هَاءٌ یہ جملہ اسمیہ جو بتدا خبر سے مل کر بن رہا ہے یہ اس کی صفتِ ثانی ہے۔ اور موصوف صفت کا ترجمہ کیسے کرتے ہیں؟ موصوف سے پہلے ایسا یا ایسی کا لفظ لاتے ہیں۔ اب ترجمہ سنو: وَهُوَ أَجْوَفُ وَاوِيٌّ لَامُهُ هَاءٌ اور یہ ایسا اجوفِ واوی ہے جس کا لام ہا ہے، جس کا لام ہا ہے، إِذْ أَصْلُهُ فَوْهٌ اس لیے کیونکہ اس کی اصل فَوْهٌ ہے۔ فَوْهٌ بھائی، فا کس کی جگہ؟ حروفِ اصلیہ کا پتا کیسے چلاتے ہیں؟ فا، عین، لام کے مقابلے میں لاتے ہیں تو فَوْهٌ بروزنِ فَعْلٌ۔ فا کے مقابلے میں فا یہ بھی حرفِ اصلی، واو عین کے مقابلے میں معلوم ہوا واو اصلی ہے تو یہ اجوفِ واوی ہے، اور لام کے مقابلے میں ہا ہے تو وہ ہا گر گئی جو لام کے مقابلے میں تھی۔ یہی بیان کر رہے ہیں، کہتے ہیں وَهُوَ أَجْوَفُ وَاوِيٌّ لَامُهُ هَاءٌ یہ ایسا اجوفِ واوی ہے کہ اس کا لام ہا ہے إِذْ أَصْلُهُ فَوْهٌ کیونکہ اس کی اصل جو ہے وہ فَوْهٌ ہے۔

وَذُو مَالٍ، ذُو مَالٍ۔ کہتے ہیں وَهُوَ لَفِيفٌ مَقْرُونٌ، ادھر دیکھیے بھائی، آپ جانتے ہیں لفیف کسے کہتے ہیں؟ جس میں دو حرفِ اصلی حروفِ علت ہوں بھائی، اور پھر یہ دو قسم پر ہے: ایک لفیفِ مقرون، ایک لفیفِ مفروق۔ لفیفِ مقرون کسے کہتے ہیں؟ کہ مقرون قَرْن سے ہے ملے ہوئے، جس میں دونوں حرفِ علت ملے ہوئے ہوں، اکٹھے ہوں، ساتھ ساتھ ہوں، اور یہ عین اور لام کی جگہ جب حرفِ علت آجائیں تو اس کو لفیفِ مقرون کہتے ہیں۔ عین اور لام کی جگہ دیکھو عین اور لام جڑے ہوئے ہیں درمیان میں کوئی اور حرف نہیں آرہا تو اس کو کیا کہیں گے؟ لفیفِ مقرون۔ اور اگر حروفِ علت ایک فا کی جگہ آئے اور ایک لام کی جگہ آئے تو دیکھو دو حرفِ علت آگئے، ہے تو لفیف لیکن کون سا لفیف ہے؟ مفروق ہے کیونکہ یہ دو حرفِ علت یہ آپس میں جدا جدا ہیں بھائی، درمیان میں عین آرہا ہے وہ حرفِ علت نہیں ہے۔ تو لفیفِ مقرون کسے کہیں گے جس میں دونوں حرفِ علت اکٹھے ہوں، جڑے ہوئے ہوں، اور لفیفِ مفروق کسے کہیں گے جس میں دونوں حرفِ علت جدا جدا ہوں، الگ الگ ہوں بھائی۔

اب ذُو کے بارے میں آپ کو بتلائیں گے کہ یہ بھائی لفیفِ مقرون ہے، اصل میں یہ تھا ذَوَوٌ بھائی، ذَوَوٌ۔ تو دیکھو دو واو آرہے ہیں اور دونوں اکٹھے ہیں درمیان میں کوئی اور حرف نہیں تو یہ لفیفِ مقرون ہے بھائی، لفیفِ مقرون۔ تو اس

میں سے بھی آخر سے ایک واو کو حذف کر دیا گیا۔ بات سمجھ میں آ گئی؟ تو کہتے ہیں وَهُوَ لَفِيفٌ مَقْرُونٌ بِالْوَاوَيْنِ اور یہ لفیفِ مقرون ہے دو واو کے ساتھ، إِذْ أَصْلُهُ ذَوَوٌ اس لیے کیونکہ اس کی اصل کیا ہے؟ ذَوَوٌ ہے بھائی ذَوَوٌ ہے۔

وَإِنَّمَا أُضِيفَ، بھائی دیکھیے ذرا مثالوں پر غور کیجیے: أَخُوكَ وَأَبُوكَ وَحَمُوكِ وَهَنُوكَ وَفُوكَ وَذُو مَالٍ۔ باقی سب کی اضافت ضمیر کی طرف کی ہے اور ذُو کی اضافت ضمیر کی طرف نہیں کی بلکہ مال کی طرف کر دی، تو یہ اس کی کیا وجہ ہے؟ اب وہ صاحبِ جامی آپ کو بتلائیں گے۔ کہ بھائی وجہ یہ ہے کہ یہ جو ذُو ہے ذُو اس کو وضع ہی اس لیے کیا گیا ہے کہ یہ مضاف ہو اسمِ جنس کی طرف، کس کی طرف مضاف ہو؟ اسمِ جنس کی طرف مضاف ہو یہ ضمیر کی طرف مضاف ہوتا ہی نہیں۔ یہ اسمِ جنس کو کسی کی صفت بناتا ہے، جیسے مثلاً مال ہے، میں مال کو رجل کی صفت بنانا چاہتا ہوں لیکن رَجُلٌ مَالٌ میں نہیں کہہ سکتا بھائی کیونکہ رجل اور ہے مال اور۔ تو پھر ذُو کا سہارا لیا جاتا ہے: رَجُلٌ ذُو مَالٍ، مال والا آدمی۔ اب دیکھو ترجمہ ٹھیک ہو گیا۔ اب اس کا صفت بننا صحیح۔ تو ذُو کا کیا معنی ہے؟ والا، والا۔ ذُو مَالٍ مال والا، اور اس کی مؤنث یاد رکھو ذَاتُ آتی ہے، اگر عورت ہو مال والی تو کہیں گے اِمْرَأَةٌ ذَاتُ مَالٍ مال والی عورت۔ تو مذکر کے لیے ذُو اور مؤنث کے لیے ذَاتُ۔

اور پھر یاد رکھو یہ جو ذُو ہے اس کی جمع ذَوُونَ بھی آتی ہے اور اسی طرح أُولُو بھی آتی ہے۔ ذَوُونَ اسی لفظ سے ہے دیکھو یہ جیسے رجل کی جمع کیا ہے؟ رِجَالٌ، دیکھو لفظ وہی حروف جو رجل میں تھے وہی کس میں ہیں؟ رِجَالٌ میں۔ اور یہ جو ذُو ہے اس کی جمع ذَوُونَ بھی آتی ہے اور أُولُو بھی آتا ہے۔ ذَوُونَ دیکھو آپ کہنا چاہتے ہیں کئی آدمی مال والے تو کیا کہیں گے؟ رَجُلٌ، ذَوُو مَالٍ، ایک آدمی ہے تو رَجُلٌ ذُو مَالٍ، اور کئی آدمی ہیں تو رِجَالٌ ذَوُو مَالٍ کہیں گے بھائی، اور أُولُو بھی کہہ سکتے ہیں رِجَالٌ أُولُو مَالٍ بھی کہہ سکتے ہیں۔ معلوم ہوا ذَوُونَ بھی جمع ہے ذُو کی اور أُولُو بھی جمع ہے ذُو کی، یعنی معنی کے اعتبار سے اس کی جمع ہے لفظوں کے اعتبار سے اس کی جمع نہیں ہے کیونکہ ذُو کے اندر تو ذال اور واو آ رہے ہیں، أُولُو کے اندر تو ذال اور واو نہیں ہیں۔ تو لفظوں کے اعتبار سے اس کی جمع نہیں ہے بلکہ معنی کے اعتبار سے أُولُو اس کی جمع ہے۔ بات سمجھ میں آ رہی ہے؟ لفظوں کے اعتبار سے ذُو کی جمع کیا؟ ذَوُونَ جیسے مُسْلِمُونَ۔ توجہ ہے؟ مُسْلِمُونَ حالتِ رفعی میں کس کے ساتھ؟ واو کے ساتھ، حالتِ نصبی جری میں یا کے ساتھ۔ ذَوُو مَالٍ حالتِ رفعی میں کہیں گے، حالتِ نصبی جری میں کہیں گے ذَوِي مَالٍ، نون اضافت سے گر گیا بھائی۔ اور اسی کی جمع أُولُو بھی آتی ہے لیکن أُولُو کو کہتے ہیں کہ یہ اس کے لفظ سے نہیں ہے جمع۔ ذُو کی جمع ذَوُونَ بھی آتی ہے اور أُولُو بھی، لیکن ذَوُونَ اسی کے لفظ سے ہے جیسے ذُو کے اندر ذال اور واو اسی طرح ذَوُونَ میں بھی ذال اور واو، تو کہتے ہیں یہ اسی کے لفظ سے جمع آ رہی ہے، اور أُولُو، أُولُو معنی کے اعتبار سے اس کی جمع ہے لفظوں کے اعتبار سے اس کی جمع نہیں کیونکہ لفظوں کے اعتبار سے تو ذُو میں ذال اور واو ہیں اور أُولُو میں تو ذال اور واو نہیں ہیں۔ بات سمجھ میں آ گئی؟

وَإِنَّمَا أُضِيفَ ذُو إِلَى الِاسْمِ الظَّاهِرِ دُونَ الْكَافِ، اور ذُو جو ہے اس کی اضافت اسمِ ظاہر کی طرف کی جاتی ہے نہ کہ کاف

یعنی ضمیر کی طرف، لِأَنَّهُ لَا يُضَافُ إِلَّا إِلَى أَسْمَاءِ الْأَجْنَاسِ، اس لیے کیونکہ اس کی اضافت نہیں کی جاتی مگر اسمائے اجناس کی طرف۔ ذُو کو وضع ہی اس لیے کیا گیا ہے تاکہ یہ اسمِ جنس کو کسی چیز کی صفت بنائے، جیسے رجل کی صفت میں مال بنانا چاہتا ہوں لیکن مال براہِ راست صفت نہیں بن سکتی تو اس کے لیے کس کو وضع کیا گیا ہے؟ ذُو کو، یہ ذُو آکر اس مال کو اس رجل کی صفت بنائے گا، کیسے کہیں گے؟ رَجُلٌ ذُو مَالٍ، تو رَجُلٌ مَالٌ میں نہیں کہہ سکتا تھا تو میں نے ذُو کا سہارا لیا اس کی مدد لی رَجُلٌ ذُو مَالٍ، مال والا آدمی۔ یا رَجُلٌ ذُو عِلْمٍ علم والا آدمی، رَجُلٌ ذُو فَضْلٍ فضل والا آدمی، رَجُلٌ ذُو جَاهٍ مرتبے والا، بڑے مرتبے والا آدمی، تو ذُو کو اس لیے وضع کیا گیا ہے کہ یہ جنس کو صفت بناتا ہے کسی چیز کے لیے، تو یہ ہمیشہ اسمِ جنس کی طرف مضاف ہوگا ضمیر کی طرف مضاف نہیں ہوگا۔

تو کہتے ہیں وَإِنَّمَا أُضِيفَ ذُو إِلَى الِاسْمِ الظَّاهِرِ دُونَ الْكَافِ اور ذُو جو ہے اس کی اضافت کی جاتی ہے اسمِ ظاہر کی طرف نہ کہ کاف کی طرف، لِأَنَّهُ لَا يُضَافُ إِلَّا إِلَى أَسْمَاءِ الْأَجْنَاسِ اس لیے کیونکہ اس کی اضافت نہیں کی جاتی مگر اسمائے اجناس کی طرف۔

فَإِعْرَابُ هَذِهِ الْأَسْمَاءِ السِّتَّةِ۔ اچھا بھائی، بھائی دیکھیے یہ عبارت آئی میں پہلے بھی بیان کر چکا ہوں: وَإِنَّمَا أُضِيفَ ذُو إِلَى الِاسْمِ الظَّاهِرِ، إِلَى اور آگے الِاسْمِ ہے، کیسے پڑھیں گے؟ عموماً طلبہ پڑھتے ہیں: إِلَى الْإِسْمِ، إِلَى الْإِسْمِ۔ نہیں بھائی، اسم کا ہمزہ وصلی ہے وہ درجِ عبارت میں گر جائے گا، تو اسم کا سین بھی ساکن اور ماقبل میں لام بھی ساکن، تو پھر اب السَّاكِنُ إِذَا حُرِّكَ حُرِّكَ بِالْكَسْرِ تو لام کو کسرہ والی حرکت دے دی کیا بن گیا؟ الِاسْمِ، الِاسْمِ۔ اور پھر جب اس الِاسْمِ پر کوئی اور حرف داخل ہوگا تو یہ ال کا ہمزہ بھی گر جائے گا کیونکہ یہ بھی ہمزہ وصلی ہے بھائی۔ بات سمجھ میں آگئی؟ اب اس پر إِلَى لفظ آیا، کیا لفظ آیا؟ إِلَى آیا، تو میں نے بتلایا تھا کہ جب اس طرح کوئی حرف وغیرہ داخل ہو بھائی تو اس کا طریقہ کیا ہے کہ الْإِسْلَامِ پر اس کو داخل کر کے پڑھو۔ الْإِسْلَامِ اس میں ہمزہ قطعی ہے اسلام کا تو وہ نہیں گرے گا، اب اس پر إِلَى کو داخل کرو کیسے پڑھیں گے؟ إِلَى الْإِسْلَامِ۔ دیکھو پہلے تھا إِلَى، إِلَى کے آخر میں الف تھا لیکن إِلَى الْإِسْلَامِ دیکھو وہ الف گر گیا، الف گر گیا۔ تو یہاں پر بھی اسی طرح ہے إِلَى الِاسْمِ آیا، إِلَى الِاسْمِ۔ اور یہاں پر دیکھو لام کیا ہے؟ لام کو ہم نے کسرہ والی حرکت دے دی ہے اور یہ حرکت اس کی عارضی ہے یا مستقل ہے؟ یہ حرکت اس کی عارضی ہے کیونکہ لام بھی ساکن تھا سین بھی ساکن تھا تو ہم نے لام کو کسرہ والی حرکت دے دی تو یہ عارضی حرکت ہے، اور یاد رکھو عارضی حرکت کا کوئی اعتبار نہیں یوں سمجھو یہ ابھی بھی ساکن ہے، یہ ابھی بھی ساکن ہے۔ اور اس پر آگیا إِلَى، تو إِلَى کے آخر میں الف ساکن اور اگلا لام الِاسْمِ کا لام بھی ساکن ہے، تو اجتماعِ ساکنین علی غیر حدہ آیا اور اجتماعِ ساکنین علی غیر حدہ آئے تو کیا کرتے ہیں؟ اگر اول مدہ ہو تو اس کو گراتے ہیں، اگر مدہ نہ ہو تو پھر السَّاكِنُ إِذَا حُرِّكَ حُرِّكَ بِالْكَسْرِ پھر اس کو حرکت دیتے ہیں۔ تو إِلَى کا الف بھی ساکن اور

آگے الِاسْمِ کا لام بھی ساکن تو اب الف اور لام دو ساکن اکٹھے ہو گئے اور ان میں سے اول الف جو ہے وہ حرفِ مدہ ہے تو وہ گر جائے گا۔ تو إِلَى نہیں پڑھیں گے اب إِلَ پڑھیں گے إِلَ، صرف لام پر زبر پڑھیں گے اور الِاسْمِ کے لام کے نیچے اسی طرح زیر پڑھنا ہے: إِلَى الِاسْمِ، إِلَى الِاسْمِ، إِلَى الِاسْمِ۔ دیکھو اب دیکھو میں عبارت پڑھوں گا: وَإِنَّمَا أُضِيفَ ذُو إِلَى الِاسْمِ الظَّاهِرِ، إِلَى الِاسْمِ الظَّاهِرِ، سننے والا سمجھتا ہے شاید میں نے یہ پڑھا إِلَى الْإِسْمِ الظَّاهِرِ۔ پہلے دیکھو ایک میں میں اِسم پڑھوں گا اِسم، اور یہ پڑھنا درست نہیں ہے غلط ہے بھائی لیکن دیکھو: وَإِنَّمَا أُضِيفَ ذُو إِلَى الْإِسْمِ، اور پھر اب میں بغیر ہمزہ کے پڑھوں گا صحیح طریقے سے: وَإِنَّمَا أُضِيفَ ذُو إِلَى الِاسْمِ۔ دیکھو سننے سے پتا نہیں چلتا تو صحیح طریقہ یہ ہے بھائی۔ طریقہ سمجھ میں آگیا؟

اسی طرح اگر اس الِاسْمِ پر فِي داخل ہوتا تو کیسے پڑھتے؟ الْإِسْلَامِ پر فِي داخل کرو: فِي الْإِسْلَامِ، وہاں پر بھی دیکھو الْإِسْلَامِ کا لام بھی ساکن اور فِي کی یا بھی ساکن تو اجتماعِ ساکنین آیا، اول مدہ ہے یا اس کو گرا دیا تو کیا بن گیا؟ فِي الْإِسْلَامِ، یا گر گئی۔ اگر یا ہوتی تو کیسے پڑھتے؟ فِيْ الْإِسْلَامِ، لیکن یا تو گر گئی فِي الْإِسْلَامِ۔ معلوم ہوا فِي کو جب الْإِسْلَامِ سے جوڑتے ہیں تو یا گر جاتی ہے فا کے نیچے صرف زیر پڑھتے ہیں، تو یہاں پر بھی ذرا فِي لے آؤ، الِاسْمِ پر فِي لے آؤ، کیسے پڑھیں گے؟ ہاں فِي، فِي کو داخل کرو: فِي الِاسْمِ، فِي الِاسْمِ، فِي الِاسْمِ۔ طریقہ سمجھ میں آیا؟ اچھا ذرا مِنْ اگر یہاں ہوتا مِنْ کیسے پڑھتے؟ مِنَ الْإِسْلَامِ، دیکھا وہاں معلوم ہوا نون پر زبر پڑھتے ہیں نون پر، تو یہاں ذرا مِنْ لے آؤ الِاسْمِ پر داخل کرو: ہاں وہاں مِنَ الْإِسْلَامِ پڑھتے تھے نون پر زبر پڑھتے تھے یہاں بھی نون پر زبر پڑھو، ہاں مِنَ الِاسْمِ یہ تو طلبہ سب اسی طرح پڑھتے ہیں مِنَ الِاسْمِ، دیکھو مِنَ الِاسْمِ، سننے والا سمجھتا ہے شاید مِنَ الْإِسْمِ پڑھ رہے ہیں حالانکہ مِنَ الْإِسْمِ میں نہیں پڑھ رہا، مِنَ الِاسْمِ۔ طریقہ سمجھ میں آگیا؟ تو اس طرح کا جب بھی موقع آجائے کہ یہ جو لام کو حرکت دے دی ہے الِاسْمِ میں دیکھو لام کو کیا دے دی ہے؟ حرکت دے دی ہے کیونکہ اسم کا ہمزہ گر چکا ہے، لام بھی ساکن ہے آگے سین بھی ساکن ہے۔ تو اس طرح کے لفظ پر جب بھی آپ نے کسی حرف کو داخل کیا اور آپ پریشان ہیں کہ پڑھنا کیسے ہے تو اس کو الْإِسْلَامِ پر داخل کر کے دیکھو، جیسے وہاں کیا جاتا ہے ویسا ہی یہاں بھی کر کر اس کو پڑھ دیں گے۔ طریقہ سمجھ میں آگیا؟ آگے دیکھیے۔

کہتے ہیں فَإِعْرَابُ هَذِهِ الْأَسْمَاءِ السِّتَّةِ، تو اعراب ان چھ اسموں کا، بھائی چھ کے چھ گنوا دیے، ہر ایک کے بارے میں تفصیل بھی بیان کر دی صاحبِ جامی نے، اب ان کا اعراب بیان کریں گے۔ ان کا اعراب آپ جانتے ہیں، ان کا اعراب کس طرح ہے؟ رفع واو کے ساتھ اور نصب الف کے ساتھ اور جر یا کے ساتھ، وہی بیان کر رہے ہیں۔ کہتے ہیں فَإِعْرَابُ هَذِهِ الْأَسْمَاءِ السِّتَّةِ تو ان چھ اسموں کا اعراب جو ہے بِالْوَاوِ رَفْعًا واو کے ساتھ آئے گا، بِالْوَاوِ۔ دیکھو متن متن ذرا دیکھو، کہتے ہیں بِالْوَاوِ وَالْأَلِفِ وَالْيَاءِ، ان کا اعراب جو ہے بِالْوَاوِ وَالْأَلِفِ وَالْيَاءِ واو، الف اور یا کے ساتھ آئے گا۔ صاحبِ

کافیہ کے پاس الفاظ نہیں ہوتے، مختصر لفظوں میں لمبی بات کرنی ہے، تو بس اتنا بتا دیا ان کا اعراب واو، الف اور یا کے ساتھ آئے گا، واو کہاں آئے گا، الف کہاں آئے گا، یا کہاں آئے گا یہ نہیں بتایا، وہ آپ خود سمجھ جائیں، واو کب آئے گا؟ حالتِ رفعی میں، الف کس حالت میں آئے گا؟ حالتِ نصبی میں، اور یا کس حالت میں آئے گی؟ حالتِ جری میں۔ تو یہی بیان کر رہے ہیں دیکھو: بِالْوَاوِ رَفْعًا یعنی أَيْ حَالَةَ الرَّفْعِ تو ان کا اعراب واو کے ساتھ ہو گا حالتِ رفع میں، وَالْأَلِفِ اور ان کا اعراب الف کے ساتھ ہو گا نَصْبًا أَيْ حَالَةَ النَّصْبِ نصب کی حالت میں، وَالْيَاءِ اور ان کا اعراب یا کے ساتھ ہو گا جَرًّا أَيْ حَالَةَ الْجَرِّ یعنی جر کی حالت میں۔

وَلَكِنْ لَا مُطْلَقًا بَلْ حَالَ كَوْنِهَا۔ جی اب شرطیں بیان کرنے لگے ہیں بھائی، اسمائے ستہ مکبرہ کا یہ اعراب ہو گا واو، الف اور یا کے ساتھ لیکن کتنی شرطیں ہیں؟ تین۔ کون کون سی؟ مکبر ہونے چاہئیں مصغر نہیں، نیز دوسری شرط موحد یعنی مفرد ہونے چاہئیں تثنیہ جمع نہیں ہونے چاہئیں، اور تیسری شرط کہ یہ مضاف ہونے چاہئیں یائے متکلم کے علاوہ کی طرف بھائی۔ بغیر اضافت کے ہوں گے تو بھی ان کا یہ اعراب نہیں ہو گا۔ بات سمجھ میں آگئی؟ بغیر اضافت کے ہوں تو کیسے پڑھیں گے؟ جَاءَنِي أَخٌ، رَأَيْتُ أَخًا، مَرَرْتُ بِأَخٍ۔ توجہ ہے؟ تو ان کا اعراب واو، الف اور یا کے ساتھ ہو گا۔

وَلَكِنْ لَا مُطْلَقًا بَلْ حَالَ كَوْنِهَا مُكَبَّرَةً، لیکن مطلقاً ان کا اعراب واو، الف اور یا کے ساتھ نہیں ہو گا۔ مطلقاً یعنی بغیر کسی قید کے ان کا اعراب ہمیشہ واو، الف، یا کے ساتھ آئے؟ نہیں نہیں، تین شرطیں ہیں اب وہ ذکر کرنے لگے ہیں صاحبِ جامی بھائی۔ بَلْ حَالَ كَوْنِهَا مُكَبَّرَةً بلکہ مکبر ہونے کی حالت میں، إِذْ مُصَغَّرَاتُهَا مُعْرَبَةٌ بِالْحَرَكَاتِ اس لیے کیونکہ ان کے جو مصغرات ہیں وہ حرکات کے ساتھ معرب ہیں۔

ان کا اعراب اسمائے ستہ مکبرہ ابھی بتایا ان کا اعراب کس کے ساتھ ہے؟ واو، الف اور یا کے ساتھ، لیکن کس وقت؟ جب یہ مکبر بھی ہوں، مفرد بھی ہوں اور یائے متکلم کے علاوہ کی طرف مضاف بھی ہوں۔ اگر ان میں سے ایک بھی شرط ختم ہوئی تو پھر یہ اعراب واو، الف، یا کے ساتھ نہیں آئے گا۔ مثلاً پہلی شرط کیا؟ کہ یہ مکبر ہونے چاہئیں، اگر مکبر والی شرط ختم کر دو، مصغر لے آؤ، مثلاً أَخٌ کی تصغیر ہے أُخَيٌّ، أَخٌ کی تصغیر کیا ہے؟ أُخَيٌّ، فُعَيْلٌ وزن ہے نا أُخَيٌّ، دو یا تھیں پھر یا کا یا میں ادغام کر دیا کیا بن گیا؟ أُخَيٌّ۔ تو أُخَيٌّ، تو اس کے آخر میں یائے مشدد آرہی ہے، اور یاد رکھنا جس اسم کے آخر میں یائے مشدد یا واوِ مشدد آجائے وہ جاری مجرائے صحیح ہے۔ جس اسم کے آخر میں یائے مشدد یا واوِ مشدد آجائے وہ کیا ہے؟ جاری مجرائے صحیح، اور جاری مجرائے صحیح کا اعراب کس طرح آتا تھا؟ زید کی طرح تھا: جَاءَنِي زَيْدٌ، رَأَيْتُ زَيْدًا، مَرَرْتُ بِزَيْدٍ، جیسے جَاءَنِي دَلْوٌ، رَأَيْتُ دَلْوًا، مَرَرْتُ بِدَلْوٍ، تو ان میں تینوں اعراب الگ الگ حرکتوں کے ساتھ آتے ہیں۔ جیسے لَاهُورِيٌّ، جَاءَنِي لَاهُورِيٌّ، رَأَيْتُ لَاهُورِيًّا، مَرَرْتُ بِلَاهُورِيٍّ، تو یہ سب کیا ہیں؟ جس اسم کے آخر میں بھی کیا آجائے؟ واوِ مشدد یا یائے مشدد، وہ دراصل کیا ہے؟ جاری مجرائے صحیح ہے۔ بھائی جاری مجرائے صحیح کسے کہتے تھے؟ جس کے آخر میں واو یا

یا ہو اور ماقبل اس کا ساکن ہو، تو لَاهُورِيٌّ بھی ایسا ہی ہے لَاهُورِيٌّ اس کے آخر میں یہ جو یائے مشدد ہے دراصل کتنی یا ہیں؟ دو یا، جن میں سے پہلی ساکن ہے اور دوسری متحرک ہے۔ تو یا متحرک ماقبل ساکن آگیا یا نہیں؟ ظَبْيٌ کی طرح ہوا کہ نہیں؟ بات سمجھ میں آگئی؟ اسی طرح مَدْعُوٌّ مثلاً مَدْعُوٌّ کے آخر میں کیا ہے؟ واوِ مشدد، اور واوِ مشدد دراصل کتنے واو ہوتے ہیں؟ دو واو، جن میں سے پہلا ساکن ہوتا ہے اور دوسرا متحرک، تو آخر میں گویا واو آیا اور واو کا ماقبل جو واو ہے وہ ساکن ہے۔ دو یا ہیں نا دوسری متحرک ہے تو پہلے اس سے ماقبل والی یا کیا ہوئی؟ ساکن۔ اسی طرح مَدْعُوٌّ میں بھی کتنے واو ہیں؟ دو، دوسرا واو تو متحرک ہے لیکن پہلا کیا ہے؟ ساکن، تو دیکھو واو اور یا اور ماقبل ساکن ہے تو یہ جاری مجرائے صحیح ہے بھائی۔

تو بات یہ چل رہی تھی کہ اسمائے ستہ مکبرہ جو ہیں ان کا اعراب واو، الف، یا کے ساتھ آئے گا لیکن تین شرطیں ہیں: مکبر بھی ہوں اور مفرد بھی ہوں اور یائے متکلم کے علاوہ کی طرف مضاف بھی ہوں۔ تو مضاف بھی ہونا چاہیے لیکن یائے متکلم کے علاوہ کی طرف بھائی۔ اگر ان میں سے ایک بھی شرط نہیں ہوگی تو پھر یہ اعراب نہیں ہوگا۔ مثلاً اگر مکبر والی شرط پوری نہیں ہے ان کی تصغیر لے آؤ۔ میں نے بتایا أَخٌ کی تصغیر کیا آتی ہے؟ أُخَيٌّ۔ جب أُخَيٌّ آیا تو یہ کون سی قسم بن گیا اعراب کے اعتبار سے؟ جاری مجرائے صحیح بن گیا، کیا بن گیا؟ جاری مجرائے صحیح۔ اور جاری مجرائے صحیح میں اعراب تینوں طرح کے آتے ہیں: جَاءَنِي ظَبْيٌ، رَأَيْتُ ظَبْيًا، مَرَرْتُ بِظَبْيٍ۔ یہاں بھی اسی طرح ہوگا: جَاءَنِي أُخَيُّكَ۔ توجہ ہے؟ تین شرطیں تھیں نا کون کون سی؟ مکبر بھی ہو، موحد بھی ہو اور مضاف بھی ہو غیر یائے متکلم کی طرف۔ ہم نے صرف پہلی شرط ختم کی ہے، مکبر نہیں لائے بلکہ کیا لے آئے؟ مصغر لے آئے۔ باقی موحد والی شرط ابھی بھی ہے أُخَيُّكَ مفرد ہے تثنیہ یا جمع ہے؟ مفرد ہے، اور نیز مضاف ہو رہا ہے کاف کی طرف یعنی غیر یائے متکلم کی طرف۔ تو دو شرطیں تو پوری ہیں: مفرد بھی ہے اور مضاف بھی ہے غیر یائے متکلم کی طرف، لیکن پہلی شرط پوری نہیں ہے کہ مکبر نہیں ہے، تو اس صورت میں وہی جاری مجرائے صحیح والا اعراب آئے گا: جَاءَنِي أُخَيُّكَ، رَأَيْتُ أُخَيَّكَ، مَرَرْتُ بِأُخَيِّكَ۔ طریقہ سمجھ میں آیا؟

کہتے ہیں إِذْ مُصَغَّرَاتُهَا مُعْرَبَةٌ بِالْحَرَكَاتِ اس لیے کیونکہ ان کے جو مصغرات ہیں وہ معرب بالحرکات ہیں، نَحْوُ جَاءَنِي أُخَيُّكَ وَرَأَيْتُ أُخَيَّكَ وَمَرَرْتُ بِأُخَيِّكَ۔ تو أُخَيُّكَ آپ کا چھوٹا بھائی۔

وَمُوَحَّدَةً، اور دوسری شرط کیا ہے؟ پیچھے کیا آیا تھا؟ وَلَكِنْ لَا مُطْلَقًا بَلْ حَالَ كَوْنِهَا مُكَبَّرَةً، کہ مطلقاً ان کا اعراب واو، الف، یا کے ساتھ نہیں ہے بَلْ حَالَ كَوْنِهَا مُكَبَّرَةً بلکہ مکبر ہونے کی حالت میں ہے۔ آگے آرہا ہے وَمُوَحَّدَةً أَيْ حَالَ كَوْنِهَا مُوَحَّدَةً یعنی کہ موحد ہونے کی حالت میں ہے، یہ دوسری شرط آگئی، توجہ ہے؟ تو یہ مُوَحَّدَةً کا عطف کس پر ہے؟ مُكَبَّرَةً پر ہے بھائی: بَلْ حَالَ كَوْنِهَا مُكَبَّرَةً وَمُوَحَّدَةً اور موحد ہونے کی حالت میں۔ إِذِ الْمُثَنَّى وَالْمَجْمُوعُ مِنْهَا مُعْرَبٌ بِإِعْرَابِ التَّثْنِيَةِ وَالْجَمْعِ اس لیے کیونکہ ان میں سے جو تثنیہ اور جمع ہوں وہ معرب ہوں گے تثنیہ اور جمع کے اعراب کے ساتھ، تثنیہ اور جمع۔ مثلاً تثنیہ بناؤ أَخٌ کی: أَخَوَانِ۔ جی حالتِ رفعی میں کیا کہیں گے؟ جَاءَنِي أَخَوَاكَ، جَاءَنِي أَخَوَاكَ، اب صرف دوسری شرط ختم کی

ہے ہم نے۔ مکبر ہے ابھی بھی تصغیر تو نہیں لائے أَخَوَاكَ تصغیر نہیں ہے، ہاں موحد کی شرط ہم نے ختم کر دی مفرد نہیں رکھا بلکہ کیا لے آئے؟ تثنیہ لے آئے، اور اضافت ابھی بھی ہے کاف ضمیر کی طرف۔ تو جَاءَنِي أَخَوَاكَ، رَأَيْتُ أَخَوَيْكَ، مَرَرْتُ بِأَخَوَيْكَ۔ تو دیکھو جب موحد نہ رہے تو پھر تثنیہ ہوئے تو تثنیہ والا اعراب آئے گا اور جمع ہوئے تو جمع والا اعراب آئے گا۔ بات سمجھ میں آگئی؟

تو کہتے ہیں وَمُوَحَّدَةً اور اس حال میں کہ وہ موحد ہوں یہ دوسری شرط آگئی، إِذِ الْمُثَنَّى وَالْمَجْمُوعُ مِنْهَا مُعْرَبٌ بِإِعْرَابِ التَّثْنِيَةِ وَالْجَمْعِ اس لیے کیونکہ تثنیہ اور جمع ان میں سے جو ہیں وہ معرب ہیں تثنیہ اور جمع کے اعراب کے ساتھ۔ عبارت سمجھ میں آگئی؟

انہوں نے کیا کہا تھا؟ بِالْوَاوِ وَالْأَلِفِ وَالْيَاءِ کہ اسمائے ستہ کا اعراب کیا ہے؟ واو، الف اور یا کے ساتھ۔ آگے بتلا دیا وَلَكِنْ لَا مُطْلَقًا مطلقاً نہیں ہے بَلْ حَالَ كَوْنِهَا مُكَبَّرَةً وَمُوَحَّدَةً بلکہ مکبر اور موحد ہونے کی حالت میں یہ اعراب ہے۔ اچھا آگے ابھی ایک اور شرط بھی آنے والی ہے کہ اضافت بھی ہو وہ بھی آئے گی آگے۔ کہتے ہیں وَإِنَّمَا لَمْ يُصَرِّحْ، اچھا اب دیکھیے آگے متن آرہا ہے: مُضَافَةً إِلَى غَيْرِ يَاءِ الْمُتَكَلِّمِ اس حال میں کہ یہ مضاف ہوں لیکن یائے متکلم کے علاوہ کی طرف مضاف ہوں، توجہ ہے؟ یہ متن ہے: مُضَافَةً إِلَى غَيْرِ يَاءِ الْمُتَكَلِّمِ۔ متن ذرا متن پھر دیکھو، صرف متن دیکھو: أَخُوكَ وَأَبُوكَ وَحَمُوكِ وَهَنُوكَ وَفُوكَ وَذُو مَالٍ بِالْوَاوِ وَالْأَلِفِ وَالْيَاءِ مُضَافَةً إِلَى غَيْرِ يَاءِ الْمُتَكَلِّمِ۔ دیکھو متن کے اندر مُكَبَّرَةً کی قید بھی نہیں آئی اور مُوَحَّدَةً کی قید بھی نہیں آئی، لیکن مُضَافَةً کی قید آگئی متن کے اندر، تیسری شرط آگئی۔ تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ بھائی شرطیں تو تین ہیں تو مُضَافَةً تیسری شرط تو ذکر کر دی اور پہلی دو ذکر نہیں کیں، اس کی کیا وجہ ہے؟ تو صاحبِ جامی آپ کو بتلائیں گے کہ بھائی وہاں مثالوں پر ہی اکتفا کر لیا، مثالیں ہی ایسی ذکر کیں أَبُوكَ، أَخُوكَ وغیرہ یہ سارے کیا ہیں؟ مکبر ذکر کیے تصغیر کسی کی ذکر نہیں کی، نیز یہ سارے جو ہیں یہ مفرد ذکر کیے تثنیہ یا جمع ذکر نہیں کیے۔ تو مکبر ہونا اور موحد ہونا اس کو علیحدہ ذکر نہیں کیا کیونکہ یہ بات مثالوں سے ہی سمجھ میں آرہی تھی۔ ہاں مضاف ہونا اس کی وضاحت کی ضرورت تھی اس لیے وہ متن میں ذکر کر دی۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو پہلی دو شرطیں کیوں نہیں ذکر کیں؟ مثالوں پر ہی اکتفا کر لیا کہ مثالوں سے ہی یہ بات سمجھ میں آجاتی ہے۔

کہتے ہیں وَإِنَّمَا لَمْ يُصَرِّحْ بِهَذَيْنِ الْقَيْدَيْنِ اكْتِفَاءً بِالْأَمْثِلَةِ اور مصنف نے یہ مُكَبَّرَةً اور مُوَحَّدَةً کی ان دو قیدوں کی تصریح نہیں کی، اكْتِفَاءً بِالْأَمْثِلَةِ اکتفا کرتے ہوئے مثالوں پر۔ مثالوں پر ہی اکتفا کر لیا کہ مثالوں سے ہی مُوَحَّدَةً ہونا بھی سمجھ میں آرہا ہے اور مُكَبَّرَةً ہونا بھی سمجھ میں آرہا ہے۔

آگے دیکھیے کہتے ہیں مُضَافَةً اس حال میں کہ یہ کیا ہوں؟ مضاف، لِأَنَّهَا إِذَا كَانَتْ مُكَبَّرَةً وَمُوَحَّدَةً وَلَمْ تَكُنْ مُضَافَةً۔ بھائی وجہ ذکر کر رہے ہیں، کہتے ہیں دیکھو اگر پہلی دونوں شرطیں پوری ہوئیں مکبر بھی ہو موحد بھی ہو لیکن مضاف نہ ہو مضاف نہ

ہو، جیسے جَاءَنِي أَخٌ، رَأَيْتُ أَخًا، مَرَرْتُ بِأَخٍ، دیکھو اس میں تو اعراب بالحرکت آرہا ہے واو، الف، یا تو نہیں ہے، جَاءَنِي أَخٌ ضمہ آرہا ہے، رَأَيْتُ أَخًا فتحہ آرہا ہے، مَرَرْتُ بِأَخٍ دیکھو کسرہ آرہا ہے۔ تو اگر یہ مضاف نہیں ہوں گے، موحد بھی ہوں مکبر بھی ہوں لیکن مضاف نہ ہوں پھر ان کا اعراب واو، الف، یا کے ساتھ نہیں آئے گا بلکہ ضمہ، فتحہ اور کسرہ کے ساتھ آئے گا۔

اب دیکھیے مُضَافَةً آگے ذکر کر رہے ہیں وجہ کہ یہ قید کیوں لگائی، کہتے ہیں لِأَنَّهَا إِذَا كَانَتْ مُكَبَّرَةً وَمُوَحَّدَةً وَلَمْ تَكُنْ مُضَافَةً أَصْلًا اس لیے کیونکہ جب یہ اسماء مکبر بھی ہوں موحد بھی ہوں لیکن یہ مضاف نہ ہوں أَصْلًا قطعاً قطعی طور پر یعنی سرے سے مضاف ہی نہ ہوں، فَإِعْرَابُهَا بِالْحَرَكَاتِ تو پھر ان کا اعراب جو ہے وہ حرکات کے ساتھ ہو گا نَحْوُ جَاءَنِي أَخٌ وَرَأَيْتُ أَخًا وَمَرَرْتُ بِأَخٍ۔ بات سمجھ میں آگئی؟

فَيَنْبَغِي أَنْ تَكُونَ مُضَافَةً تو مناسب یہ ہے کہ یہ اسمائے ستہ جو ہیں مضاف ہونے چاہئیں، وَلَكِنْ إِلَى غَيْرِ يَاءِ الْمُتَكَلِّمِ لیکن یائے متکلم کے علاوہ کی طرف ہونے چاہئیں۔ بھائی کیوں؟ یائے متکلم کے علاوہ کی طرف کیوں؟ وجہ یہ کہ اگر یائے متکلم کی طرف ان کی اضافت کریں گے تو پھر یہ غُلَامِي کی طرح بن جائیں گے اور غُلَامِي کا اعراب تینوں حالتوں میں تقدیری تھا: جَاءَنِي غُلَامِي، رَأَيْتُ غُلَامِي، مَرَرْتُ بِغُلَامِي۔ میں نے آپ کو بتایا تھا غُلَامِي غُلَام مضاف ہے اور یا ضمیر مضاف الیہ، یا کا اعراب الگ بتانا ہے غُلَام کا اعراب الگ۔ یا تو مجرور ہے محلاً کیونکہ مضاف الیہ ہے، غُلَام مضاف یا ضمیر مضاف الیہ، اور یا ضمیر ہے مبنی ہے تو اس کا اعراب تو ہمیشہ محلاً آئے گا۔ بات چل رہی ہے لفظِ غُلَام کی جو مضاف ہو رہا ہے یا کی طرف، اس کا کیا اعراب ہے؟ تو آپ پڑھ چکے کہ اس کا اعراب تینوں حالتوں میں تقدیری ہے: جَاءَنِي غُلَامِي یہ مرفوع ہے تقدیراً، مرفوع ہے تقدیراً، رفع پر آپ کوئی تلفظ کر رہے ہیں؟ غُلَامِي جی میم کے نیچے زیر ہے رفع نہیں ہے، اور رَأَيْتُ غُلَامِي دیکھو اب فتحہ بھی کیا ہے؟ تقدیراً ہے، اور اسی طرح مَرَرْتُ بِغُلَامِي جر بھی تقدیراً ہے۔ بھائی جر کیوں تقدیراً ہے؟ جر تو موجود ہے مَرَرْتُ بِغُلَامِي با جارہ ہے اور غُلَامِي کی میم کے نیچے بھی کیا ہے؟ زیر، کسرہ تو موجود ہے، تو جواب یہ کہ یہ کسرہ با کی وجہ سے نہیں آیا یہ یا کی وجہ سے کسرہ ہے بھائی تو یہ اعراب نہیں ہے یہ حرکت ہے، توجہ ہے؟ یا اپنے سے ماقبل کیا چاہتی تھی؟ کسرہ، تو غُلَامِي تو غُلَام کو جب یا سے جوڑا تو یا سے ماقبل میم تھا اس کے نیچے کیا آگیا؟ کسرہ۔ تو کسرہ پہلے کا موجود ہے، مضاف مضاف الیہ آپس میں جڑ چکے ہیں اب ان کے اوپر آپ نے عامل با جارہ کو داخل کیا مَرَرْتُ بِغُلَامِي، تو با جارہ کی وجہ سے یہ کسرہ آیا یا یہ کسرہ پہلے کا موجود ہے؟ یہ پہلے کا موجود ہے بھائی، جب یہ پہلے کا موجود ہے تو اس کو جر قرار نہیں دیا جا سکتا یہ صرف حرکت ہے بھائی۔ تو تینوں حالتوں میں اعراب تقدیری ہے غُلَامِي کا۔ تو اسی طرح جب یہ اسمائے ستہ کی اضافت یا کی طرف کریں گے تو اس کا اعراب بھی تینوں حالتوں میں تقدیری ہو گا: جَاءَنِي أَبِي، رَأَيْتُ أَبِي، مَرَرْتُ بِأَبِي، دیکھا؟ تینوں حالتوں میں أَبْ کا اعراب تقدیری ہے۔

تو کہتے ہیں فَيَنْبَغِي أَنْ تَكُونَ مُضَافَةً وَلَكِنْ إِلَى غَيْرِ يَاءِ الْمُتَكَلِّمِ، تو مناسب یہ ہے کہ یہ مضاف ہونا چاہیے لیکن غیر یائے

متکلم کی طرف، لِأَنَّهَا إِذَا كَانَتْ مُضَافَةً إِلَى يَاءِ الْمُتَكَلِّمِ اس لیے کیونکہ جب یہ مضاف ہو گا یائے متکلم کی طرف فَحَالُهَا كَسَائِرِ الْأَسْمَاءِ الْمُضَافَةِ إِلَيْهَا تو پھر ان کا حال بھی ان باقی اسماء کی طرح ہو گا جو مضاف ہوتے ہیں یا کی طرف۔ جیسے اور اسماء جب یا کی طرف مضاف ہوتے ہیں تو ان کا اعراب تقدیری ہوتا ہے تو ان کا بھی اعراب پھر کیا ہو گا؟ تقدیری ہو گا اگر یا کی طرف مضاف ہوں۔

چلیے بس کریں بھائی۔ بات سمجھ میں آگئی؟ اچھی طرح؟ چلیے بس بھائی هَذَا هُوَ الْمَرَامُ وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْكَلَامِ.

سبق نمبر ۴۸: انواعِ اعراب (۳): اسمائے ستہ کے مضاف ہونے اور یائے متکلم سے احتراز کی تحقیق

شرحِ ملا جامی صفحہ: ۳۲ — بتاریخ: ۲۲ اگست ۲۰۲۱ء

▪ تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث

آگے دیکھیے سبق بھائی، وَلَمْ يَكْتَفِ فِي هٰذَا الشَّرْطِ بِالْمِثَالِ لِئَلَّا يُتَوَهَّمَ اشْتِرَاطُ إِضَافَتِهَا بِكَوْنِهَا إِلَى الْكَافِ، وَإِنَّمَا جُعِلَ إِعْرَابُ هٰذِهِ الْأَسْمَاءِ بِالْحُرُوفِ لِأَنَّهُمْ لَمَّا جَعَلُوا إِعْرَابَ الْمُثَنَّى وَجَمْعِ الْمُذَكَّرِ السَّالِمِ بِالْحُرُوفِ، أَرَادُوا أَنْ يَجْعَلُوا إِعْرَابَ بَعْضِ الْآحَادِ أَيْضًا كَذٰلِكَ لِئَلَّا يَكُونَ بَيْنَهُمَا وَبَيْنَ الْآحَادِ وَحْشَةٌ وَمُنَافَرَةٌ تَامَّةٌ۔

گزشتہ سبق میں اعراب کے اعتبار سے معرب کی جو چھٹی قسم ہے، یعنی اسمائے ستہ مکبرہ، اس کے بارے میں ہم نے پڑھنا شروع کیا تھا۔ اور میں نے آپ کو بتلایا تھا کہ اسمائے ستہ جو ہیں یہ، ان کا اعراب واو، الف اور یا کے ساتھ آتا ہے، لیکن مطلقاً نہیں بلکہ تین شرطیں ہیں: پہلی شرط یہ کہ یہ مکبر ہونے چاہئیں، دوسری شرط یہ کہ یہ موحد یعنی مفرد ہونے چاہئیں، اور تیسری شرط یہ کہ یائے متکلم کے علاوہ کی طرف ان کو مضاف ہونا چاہیے۔ تو جب یہ تینوں شرطیں پوری ہوں، یہ مکبر بھی ہوں یعنی ان کی تصغیر نہ ہو، مفرد ہوں یعنی ان کی تثنیہ اور جمع نہ ہو، اور یہ مضاف ہوں علاوہ یائے متکلم کی طرف، تو ان کا رفع واو کے ساتھ، نصب الف کے ساتھ اور جر یا کے ساتھ آتا ہے بھائی۔ اور صاحبِ جامی نے ہر ایک کی تفصیل بھی آپ کو بتلائی تھی۔

کہ أَخُوكَ، أَبُوكَ، اور اسی طرح هَنُوكَ اور فُوكَ، ان سب کے اندر کاف جو آخر میں مضاف الیہ ہے اس پر فتحہ بھی پڑھ سکتے ہیں اور کسرہ بھی، یعنی ان کی اضافت مذکر کی طرف بھی صحیح ہے اور مؤنث کی طرف بھی صحیح ہے۔ جبکہ حَمُوكِ اس میں کاف کے کسرہ کے ساتھ اس کو پڑھنا پڑے گا، کیونکہ حَمٌ جو ہے وہ خاوند کی طرف سے جو عورت کا قریبی ہے اس کو حَمٌ کہتے ہیں، یعنی خاوند کا باپ ہے یعنی سسر یا اس کا بھائی وغیرہ بھائی۔ تو یہ عورت کے حَمٌ ہیں بھائی حَمٌ، اور یہ عورت کے حَمٌ ہیں تو حَمُوكِ یوں کہیں گے، حَمُوكَ نہیں کہیں گے۔ لیکن میں نے بتلایا تھا کہ اگر دوسرا قول لیا جائے، دوسرا قول یہ ہے کہ خاوند کی طرف سے جو بیوی کے رشتے دار ہیں وہ بیوی کے حَمٌ، اور بیوی کی طرف سے جو خاوند کے رشتے دار بن گئے یعنی

بیوی کا باپ، بھائی وغیرہ وہ خاوند کے حَمٌ بن گئے۔ تو اس صورت میں تو پھر حَمٌ خاوند کے لیے بھی ہیں اور بیوی کے لیے بھی ہیں، تو پھر حَمُوكَ پڑھنا بھی صحیح اور حَمُوكِ پڑھنا بھی صحیح ہے بھائی۔

اس کے بعد هَنُوكَ کے بارے میں صاحبِ جامی نے آپ کو بتلایا تھا کہ هَنٌ جو ہے عربی زبان میں ہر اس چیز کو کہتے ہیں کہ جس کا ذکر عیب سمجھا جاتا ہو، جس کا ذکر ناپسندیدہ ہو، چاہے وہ عورتِ غلیظہ ہو، چاہے صفاتِ ذمیمہ ہو، اور چاہے افعالِ قبیحہ۔ تو جو بھی ایسی چیز جس کا ذکر عیب سمجھا جاتا ہے، سخت ناپسند کیا جاتا ہے اس کو هَنٌ کہتے ہیں بھائی، هَنٌ کہتے ہیں۔

اور یہ چاروں جو ہیں، یہ أَخُوكَ، أَبُوكَ، حَمُوكِ اور هَنُوكَ، یہ سارے منقوصاتِ واوی ہیں، یعنی ناقص ہیں، ان سب کے آخر میں واو تھا بھائی، یعنی ان کا آخری حرف حذف ہوا ہے۔ اور اس کا پتا ان کی تثنیہ سے چلتا ہے۔ کیونکہ أَخٌ کی تثنیہ آتی ہے أَخَوَانِ، أَبٌ کی تثنیہ آتی ہے أَبَوَانِ، حَمٌ کی تثنیہ آتی ہے حَمَوَانِ اور هَنٌ کی تثنیہ آتی ہے هَنَوَانِ۔ تو ان کی تثنیہ دلیل ہے اس بات کی کہ یہ، کہ یہ ناقصِ واوی ہیں۔ دیکھو، أَبٌ اس میں تو ہمزہ اور با ہے، واو تو نہیں ہے، لیکن جب تثنیہ بنا رہے ہیں تو واو بھی آگیا أَبَوَانِ۔ أَخٌ کے آخر میں تو خا ہے، لیکن جب تثنیہ بنا رہے ہیں تو أَخَوَانِ واو آگیا۔ اسی طرح حَمٌ کے آخر میں تو میم ہے، لیکن جب تثنیہ بنا رہے ہیں حَمَوَانِ تو وہاں واو آگیا۔ اور اسی طرح هَنٌ کے آخر میں نون ہے، لیکن جب تثنیہ بنا رہے ہیں تو هَنَوَانِ دیکھو واو آگیا۔ معلوم ہوا ان سب کے آخر میں واو تھا، تو یہ سب ناقصِ واوی ہیں بھائی۔

اور فُوكَ، فُوكَ کے بارے میں میں نے آپ کو بتلایا، فُوكَ اس کا معنی ہے آپ کا منہ بھائی۔ یہ وہی فَمٌ لفظ ہے فَمٌ۔ تو یہ فَمٌ اصل میں کیا تھا؟ فَوْهٌ تھا بھائی، فا، واو اور ہا۔ تو یہ فَعْلٌ وزن پر تھا، یہ اجوف ہے، درمیان میں واو ہے اور آخر میں ہا ہے۔ پھر اس ہا کو خلافِ قیاس حذف کر لیا گیا۔ تو اب جو ہے واو آخری حرف بن گیا۔ اب جب اس واو پر اعراب آئے گا تو واو متحرک ہو جائے گا، اور جب متحرک ہو گا تو پھر یہ واو متحرک ماقبل فا پر فتحہ ہے، تو اس کو کس سے بدلنا پڑے گا؟ الف سے۔ اور جب الف سے بدلے گا تو پھر الف بھی ساکن آگے تنوین والا نون بھی ساکن، فَانْ بن جائے گا فَانْ، الف بھی ساکن تنوین کا نون بھی ساکن، تو اجتماعِ ساکنین عَلٰی غَيْرِ حَدِّهٖ آیا تو الف گر جائے گا تو فَنْ رہ جائے گا، یعنی صرف فا رہ جائے گی صرف فا، ایک حرف رہ جائے گا۔ تو لہٰذا اس کا علاج پہلے سے ہی یہ کر لیا گیا کہ وہ جو واو تھا اس کو میم سے بدل دیا گیا، کیونکہ واو بھی شفوی ہے صرف ہونٹوں کی حرکت سے ادا ہوتا ہے، زبان کا اس کی ادائیگی میں دخل نہیں، اور میم بھی شفوی ہے ہونٹوں کی ادائیگی سے ادا ہوتا ہے، زبان کا اس کی ادائیگی میں دخل نہیں ہے۔ تو لہٰذا واو کو میم سے بدل دیا گیا تو فَمٌ ہوا، اور پھر جب اضافت کرتے ہیں تو وہ واو واپس لے آتے ہیں فُوكَ۔ بات سمجھ میں آگئی؟ کیونکہ آخر میں اب وہ مضاف الیہ آگیا، اب وہ واو پر تنوین نہیں آئے گی اور تنوین کی وجہ سے اس کے گرنے کا احتمال نہیں۔ اور یاد رکھنا یہ واو کو واپس لانا ضروری نہیں ہے اضافت کے وقت، کبھی اسی میم کو برقرار رکھتے ہیں اور کبھی واپس واو کو لے آتے ہیں۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو دونوں طرح صحیح ہے، واو کے ساتھ بھی فُوكَ کہنا بھی صحیح اور فَمُكَ یوں میم کے ساتھ کہنا بھی

صحیح ہے بھائی۔

اچھا اس کے بعد بتلایا کہ ذُو مَالٍ، اس میں ذُو کی اضافت مال کی طرف کی، ضمیر کی طرف نہیں کی، اگرچہ باقی تمام جو ہیں ان کی اضافت ضمیر کی طرف کی ہے، لیکن ذُو کی اضافت ضمیر کی طرف نہیں کی۔ وجہ اس کی یہ کہ یہ جو ذُو ہے اس کو وضع کیا گیا ہے کہ یہ مضاف ہوتا ہے اسمِ جنس کی طرف، اور اس اسمِ جنس کو یہ ماقبل کی صفت، موصوف کے لیے صفت بناتا ہے۔ مثلاً مال ہے یا علم ہے یا فضل ہے، اس کو میں کسی کی صفت بنانا چاہتا ہوں، تو رَجُلٌ فَضْلٌ یہ کہنا بھی صحیح نہیں، رَجُلٌ مَالٌ یہ کہنا بھی صحیح نہیں، تو پھر ذُو کا سہارا لیا جاتا ہے، ذُو کی مدد لی جاتی ہے، اور ذُو کو اس اسمِ جنس کی طرف مضاف کر دیتے ہیں، اور پھر یہ اس موصوف کے لیے صفت بن جاتا ہے، تو رَجُلٌ ذُو مَالٍ، مال والا آدمی، دیکھو اب ترجمہ بہترین ہو گیا۔

تو ان کا اعراب جو ہے واو، الف اور یا کے ساتھ آتا ہے، حالتِ رفعی میں واو کے ساتھ، حالتِ نصبی میں الف کے ساتھ اور حالتِ جری میں یا کے ساتھ۔ اور پھر صاحبِ جامی نے آپ کو بتلایا کہ ان کا یہ اعراب مطلقاً نہیں آئے گا، یعنی جہاں بھی یہ اسمائے ستہ آجائیں تو ان کا یہی اعراب آپ پر جاری کریں، نہیں نہیں، بلکہ اس کے اندر تین شرطوں کا لحاظ رکھنا پڑے گا کہ پہلی شرط کیا؟ کہ یہ مکبر ہونے چاہئیں، اور دوسری شرط یہ کہ مفرد ہونے چاہئیں، اور تیسری شرط یہ کہ یائے متکلم کے علاوہ کی طرف مضاف ہونے چاہئیں۔ اور مکبر کسے کہتے ہیں؟ میں نے آپ کو بتلایا تھا کہ عام اسم جو ہے اس کو مکبر کہتے ہیں۔ کِتَابٌ یہ کیا ہے؟ مکبر۔ قَلَمٌ یہ کیا ہے؟ مکبر۔ تو اسی طرح ہر عام اسم جو بھی ہے اس کو اسمِ مکبر کہتے ہیں۔ پھر اس کی تصغیر بنائی جاتی ہے عموماً فُعَیْلٌ وزن پر، تو وہ تصغیر ہے اس کو اسمِ مصغر کہتے ہیں۔ تو کتاب کی تصغیر کیا آئے گی؟ کُتَیْبٌ، رَجُلٌ کی تصغیر کیا آئے گی؟ رُجَیْلٌ، تو یہ عموماً چھوٹے ہونے کا معنی ادا کرتی ہے، اور بھی اس کے مقاصد ہوتے ہیں، لیکن عام طور پر چھوٹا ہونے کا معنی ادا کرتی ہے۔ تو ایک شرط یہ کہ یہ مکبر ہونے چاہئیں، ان کی تصغیر نہیں، کیونکہ اگر اس کی تصغیر ہوئی تو تصغیر جو ہے جیسے مثلاً أَخٌ کی تصغیر کیا ہے؟ أُخَيٌّ، یائے مشدد آخر میں آگئی، اور میں نے بتایا تھا جس اسم کے آخر میں یائے مشدد یا واوِ مشدد آجائے وہ دراصل قائم مقامِ صحیح ہے، کیا ہے؟ قائم مقامِ صحیح ہے، اور قائم مقامِ صحیح جاری مجریٰ صحیح، اس کا اعراب تو حرکت کے ساتھ ہوتا ہے واو الف یا کے ساتھ نہیں ہوتا۔ جَاءَنِي أُخَيٌّ، رَأَيْتُ أُخَيًّا، مَرَرْتُ بِأُخَيٍّ۔ تو مکبر ہونے چاہئیں اور نیز مفرد ہونے چاہئیں، موحد ہونے چاہئیں، تثنیہ اور جمع نہ ہوں، کیونکہ اگر ان کی تثنیہ آ گئی تو پھر تثنیہ والا اعراب آجائے گا، اور اگر ان کی جمع آگئی تو پھر جمع والا اعراب آئے گا۔ اور تیسری شرط یہ تھی کہ یہ یائے متکلم کے علاوہ کی طرف مضاف ہوں بھائی۔

اور یہ جو تیسری شرط ہے اس کو صاحبِ کافیہ نے بھی ذکر کیا، مُضَافَةً إِلَى غَيْرِ يَاءِ الْمُتَكَلِّمِ۔ تو سوال پیدا ہوا کہ پہلی دو شرطوں کو کیوں نہیں ذکر کیا، مُوَحَّدَةً مُكَبَّرَةً، وہ بھی ذکر کرنا چاہیے تھا۔ تو صاحبِ جامی نے آپ کو جواب دیا کہ اس میں پہلی

دو شرطوں کے سلسلے میں مثالوں پر ہی اکتفا کر لیا، وہ جو أَخُوكَ، أَبُوكَ، حَمُوكِ، هَنُوكَ، فُوكَ اور ذُو مَالٍ مثالیں دیں، انہی پر اکتفا کر لیا، انہی مثالوں سے سمجھ میں آرہا ہے کہ یہ سب مکبر ہونے چاہئیں کیونکہ سارے مکبر ہیں بھائی، اور نیز یہ مفرد ہونے چاہئیں دیکھو یہ سارے کیا ہیں؟ مفرد ہیں۔ تو مثالوں سے ہی سمجھ میں آرہا تھا ان کا مکبر اور موحد ہونا، تو اس کو ذکر نہیں کیا۔ اور اضافت کے اندر تفصیل تھی، اضافت کے اندر تفصیل تھی اس لیے اس کو علیحدہ باقاعدہ ذکر کیا بھائی۔

تو تینوں شرطیں پوری ہوں گی تو پھر اس کا یہ اعراب ہے، رفع واو کے ساتھ، نصب الف کے ساتھ اور جر یا کے ساتھ۔ ان میں سے کوئی ایک شرط بھی ختم ہوئی تو اعراب کی قسم ہی بدل جائے گی۔ مثلاً اضافت ختم کر دو تو اعراب بالحرف آئے گا جَاءَنِي أَخٌ، رَأَيْتُ أَخًا، مَرَرْتُ بِأَخٍ، دیکھو واو الف یا نہیں آئے۔ اور اسی طرح اگر مفرد نہ ہوئے تو تثنیہ جمع والا اعراب آئے گا، اور اگر مصغر ہوا تو پھر وہ جاری مجریٰ صحیح والا اعراب آجائے گا۔ تفصیل سمجھ میں آگئی۔ اب آئیے آج کے سبق پر بھائی، دیکھیے بھائی۔

کہتے ہیں وَلَمْ يَكْتَفِ فِي هٰذَا الشَّرْطِ بِالْمِثَالِ لِئَلَّا يُتَوَهَّمَ اشْتِرَاطُ إِضَافَتِهَا بِكَوْنِهَا إِلَى الْكَافِ۔ بھائی دیکھیے کل تین شرطیں ہیں: مُكَبَّرَةً اور دوسری شرط مُوَحَّدَةً اور تیسری شرط مُضَافَةً إِلَى غَيْرِ يَاءِ الْمُتَكَلِّمِ۔ تو سوال پیدا ہوا کہ پہلی دو کا متن میں ذکر نہیں کیا، اور جواب بھی گزر گیا، کیوں نہیں ذکر کیا؟ کیونکہ مثالوں پر اکتفا کیا۔ تو سوال پیدا ہوا پھر یہ تیسری کے لیے مثالوں پر کیوں نہیں اکتفا کیا؟ اس میں بھی مثالوں پر اکتفا کر لیتے، مثالوں سے پتا چل رہا ہے کہ یہ کیا ہونے چاہئیں؟ مضاف ہونے چاہئیں۔ کہتے ہیں بھائی مثالوں کے اندر ان میں سے اکثر کی اضافت کاف ضمیر کی طرف ہے، اگر اس میں بھی مثالوں پر اکتفا کر لیتے تو پڑھنے والے کے ذہن میں یہ وہم پیدا ہوتا کہ ان کو جب کاف ضمیر کی طرف مضاف کریں تب ان کا اعراب الف واو اور یا کے ساتھ ہے، کسی اور مضاف الیہ کی طرف ان کی اضافت کریں پھر ان کا یہ اعراب نہیں ہے۔ تو وہاں تفصیل کی ضرورت تھی، تو وضاحت کی ضرورت تھی، تو صاحبِ کافیہ نے باقاعدہ وضاحت کی کہ مُضَافَةً إِلَى غَيْرِ يَاءِ الْمُتَكَلِّمِ، یائے متکلم کے علاوہ جس چیز کی طرف بھی آپ اضافت کریں گے ان کی، باقی دو شرطیں بھی پوری ہوں اور یا ضمیر کے علاوہ کسی بھی چیز کی طرف مضاف ہوں گے، تو پھر ان کا یہی اعراب ہے واو، الف اور یا کے ساتھ۔ ہاں اگر یا کی طرف مضاف ہوں گے، کس کی طرف؟ یا کی طرف، تو پھر اس وقت تینوں حالتوں میں اعراب تقدیری ہو گا، جیسے غُلَامِي کا اعراب تینوں حالتوں میں تقدیری تھا، جَاءَنِي غُلَامِي، رَأَيْتُ غُلَامِي، مَرَرْتُ بِغُلَامِي، دیکھو تینوں حالتوں میں اعراب تقدیری۔ تو اگر یا ضمیر کی طرف اضافت ہو گی تو ان کا اعراب بھی تینوں حالتوں میں تقدیری ہو گا، جَاءَنِي أَبِي، رَأَيْتُ أَبِي، مَرَرْتُ بِأَبِي بھائی یہ تینوں میں دیکھو اعراب تقدیری ہے لفظِ أَبٌ کا بھائی۔

بات سمجھ میں آگئی؟ مثال پر کیوں نہیں اکتفا کیا اضافت کے بارے میں؟ کیونکہ ورنہ وہم پڑتا کہ شاید کاف کی طرف اضافت کرنا ضروری ہے پھر ہی یہ واو الف یا کے ساتھ اعراب ہو گا، کسی اور کی طرف اضافت کریں گے تو واو الف یا

کے ساتھ نہیں ہو گا۔ دیکھیے بھائی۔

کہتے ہیں وَلَمْ يَكْتَفِ فِي هٰذَا الشَّرْطِ بِالْمِثَالِ اور اس شرط میں مثال پر اکتفا نہیں کیا لِئَلَّا يُتَوَهَّمَ اشْتِرَاطُ إِضَافَتِهَا تاکہ کہیں وہم نہ ہو اشْتِرَاطُ إِضَافَتِهَا، هَا ضمیر راجع ہے ان اسمائے ستہ کو، إِضَافَتِهَا کی هَا ضمیر کس کو راجع؟ اسمائے ستہ کو، تاکہ لِئَلَّا يُتَوَهَّمَ تاکہ وہم نہ ہو اشْتِرَاطُ إِضَافَتِهَا ان اسماء کی اضافت کی شرط لگانے سے، ان اسماء کے میں اضافت کی شرط لگانے سے یہ وہم نہ ہو بِكَوْنِهَا إِلَى الْكَافِ کہ وہ اضافت کاف کی طرف ہے، بِكَوْنِهَا کی هَا ضمیر راجع ہے اضافت کی طرف، إِضَافَتِهَا کی هَا ضمیر کس کو راجع؟ اسمائے ستہ کو، اور بِكَوْنِهَا کی هَا ضمیر کس کو راجع؟ اضافت کو۔

دیکھو ترجمہ پھر سنو، کہتے ہیں وَلَمْ يَكْتَفِ فِي هٰذَا الشَّرْطِ بِالْمِثَالِ اور اس شرط میں مثال پر اکتفا نہیں فرمایا صاحبِ کافیہ نے لِئَلَّا يُتَوَهَّمَ تاکہ کہیں وہم نہ کیا جائے اشْتِرَاطُ إِضَافَتِهَا اس کی، ان اسمائے ستہ کی اضافت کی شرط لگانے سے، تاکہ ان اسمائے ستہ کی اضافت کی شرط لگانے سے یہ وہم نہ کیا جائے بِكَوْنِهَا إِلَى الْكَافِ کہ یہ اضافت کاف کی طرف ہو گی، ہمیشہ کس کی طرف ہو گی؟ کاف کی طرف، تاکہ کہیں یہ وہم نہ کیا جائے اس لیے اس کی تصریح کر دی بھائی متن کے اندر۔

وَإِنَّمَا جُعِلَ إِعْرَابُ هٰذِهِ الْأَسْمَاءِ بِالْحُرُوفِ یہاں سے صاحبِ جامی تین نکتے بیان فرمائیں گے بھائی تین نکتے۔ پہلا نکتہ اس بارے میں ہے کہ ان کو یہ اعراب بالحروف کیوں دیا گیا؟ یہ تو مفرد ہیں بھائی اسمائے ستہ کیا ہیں؟ مفرد، اور مفرد کے اندر اصل اعراب بالحرکت ہوتا ہے، تو ان کو اعراب بالحرکت دینا چاہیے تھا، جیسے جَاءَنِي أَبٌ، رَأَيْتُ أَبًا، مَرَرْتُ بِأَبٍ، پھر ان کو اعراب بالحرف کیوں دیا گیا؟ تو اصل تو اعراب کیا ہے بالحرکت بھائی مفرد کے اندر، تو ان کو اعراب بالحرکت دینا چاہیے تھا، ان کو اعراب بالحروف کیوں دیا گیا؟ دوسری بات یہ ذکر کریں گے کہ چلیں اعراب بالحروف مفرد کو دینا ہی تھا، تو چھ کو ہی کیوں دیا گیا، چھ سے کم یا زیادہ کو کیوں نہیں دیا گیا اعراب بالحروف؟ اور پھر تیسرا نکتہ یہ بیان فرمائیں گے کہ اگر چھ کو ہی اعراب بالحروف دینا تھا تو انہی چھ کو کیوں دیا، کوئی اور چھ کیوں نہیں منتخب کیے بھائی، یہی چھ کیوں منتخب کیے أَخٌ، أَبٌ وغیرہ بھائی؟ بات سمجھ میں آ گئی؟ کتنے نکتے بیان فرمائیں گے؟ تین نکتے۔ پہلا نکتہ یہ کہ مفرد کے اندر تو اصل اعراب بالحرکت ہے، تو یہ بھی مفرد ہیں تو ان کو بھی اعراب بالحرکت دینا چاہیے تھا، تو پھر ان کو اعراب بالحروف کیوں دیا؟ پھر دوسری بات یہ ذکر فرمائیں گے کہ پھر اعراب بالحروف چھ کو ہی کیوں دیا گیا، کم یا زیادہ کو کیوں نہیں دیا گیا؟ اور تیسرا نکتہ یہ بیان فرمائیں گے کہ انہی چھ کو کیوں دیا گیا، کہ کوئی اور چھ اسم مفرد کیوں نہیں منتخب کیے گئے؟ بات سمجھ میں آ گئی؟

تو فرماتے ہیں، کہتے ہیں وَإِنَّمَا جُعِلَ إِعْرَابُ هٰذِهِ الْأَسْمَاءِ بِالْحُرُوفِ۔ جی پہلے ادھر دیکھیے وجہ سمجھ لیجیے کہ ان اسماء کو اعراب بالحروف کیوں دیا گیا؟ کہتے ہیں وجہ یہ کہ جب تثنیہ اور جمع جو ہیں، تثنیہ اور جمع مذکر سالم، جب تثنیہ اور جمع کو اعراب بالحروف دے دیا گیا۔ تثنیہ کا اعراب کیا؟ حالتِ رفعی میں رَجُلَانِ، جَاءَنِي رَجُلَانِ، رَأَيْتُ رَجُلَيْنِ، مَرَرْتُ بِرَجُلَيْنِ، تو حالتِ

رفعی میں الف کے ساتھ اور حالتِ نصبی جری میں یا کے ساتھ۔ اسی طرح جمع مذکر سالم ہے: جَاءَنِي مُسْلِمُونَ، رَأَيْتُ مُسْلِمِينَ، مَرَرْتُ بِمُسْلِمِينَ، حالتِ رفعی میں واو کے ساتھ، نصبی اور جری میں یا کے ساتھ۔ تو کہتے ہیں یہ جو تثنیہ ہے اور جمع ہے ان کو اعراب بالحروف دیا گیا، جب ان کو اعراب بالحروف دیا گیا تو کچھ مفرد کو بھی اعراب بالحروف دے دیا گیا تاکہ ان میں کچھ مناسبت پیدا ہو جائے۔ اگر مفرد کو صرف اعراب بالحرکت دیتے اور ان تثنیہ اور جمع کو صرف اعراب بالحروف دیتے، پھر تو کوئی مناسبت معلوم نہ ہوتی، یوں معلوم ہوتا ان میں بالکل ایک دوسرے سے دوری ہے، جدائی ہے، ان میں آپس میں کوئی مناسبت ہی نہیں ہے۔ حالانکہ تثنیہ بھی تو مفرد سے بنتا ہے، جمع بھی تو مفرد سے بنتا ہے، تو مناسبت جب لفظوں کے اندر مناسبت تھی تو اعراب میں بھی کیا کیا؟ مناسبت پیدا کی کہ کچھ مفرد کو بھی وہی اعراب دے دیا جو تثنیہ اور جمع کو دیا تھا، اور تثنیہ اور جمع کو اعراب بالحروف دیا تھا تو کچھ مفرد کو بھی اعراب بالحروف دے دیا تاکہ ان میں مناسبت پیدا ہو جائے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ دیکھیے بھائی۔

کہتے ہیں وَإِنَّمَا جُعِلَ إِعْرَابُ هٰذِهِ الْأَسْمَاءِ بِالْحُرُوفِ ان اسماء کا اعراب جو ہے حروف کے ساتھ قرار دیا گیا لِأَنَّهُمْ لَمَّا جَعَلُوا إِعْرَابَ الْمُثَنَّى وَجَمْعِ الْمُذَكَّرِ السَّالِمِ بِالْحُرُوفِ اس لیے کیونکہ جب نحویوں نے جَعَلُوا قرار دیا یا بنا دیا جو بھی ترجمہ کر لیں، اس لیے کیونکہ جب نحویوں نے تثنیہ اور جمع مذکر سالم کے اعراب کو حروف کے ساتھ بنا دیا، ان دونوں کا اعراب حروف کے ساتھ بنا دیا، تو أَرَادُوا تو نحویوں نے ارادہ کیا أَنْ يَجْعَلُوا إِعْرَابَ بَعْضِ الْآحَادِ أَيْضًا كَذٰلِكَ کہ بعض آحاد جو ہیں یعنی بعض مفرد جو ہیں ان کا اعراب بھی اسی طرح بنا دیں، یعنی حروف کے ساتھ بنا دیں، تاکہ ان میں کیا آجائے؟ مناسبت۔ تو انہوں نے ارادہ کیا کہ أَنْ يَجْعَلُوا إِعْرَابَ بَعْضِ الْآحَادِ أَيْضًا كَذٰلِكَ کہ وہ بعض مفرد کا اعراب بھی اسی طرح بنا دیں یعنی حروف کے ساتھ بنا دیں، لِئَلَّا يَكُونَ بَيْنَهُمَا وَبَيْنَ الْآحَادِ وَحْشَةٌ وَمُنَافَرَةٌ تَامَّةٌ۔ لِئَلَّا يَكُونَ بَيْنَهُمَا تاکہ نہ ہو یہ دونوں، کون دونوں؟ تثنیہ اور جمع، وَبَيْنَ الْآحَادِ اور آحاد یعنی مفرد جو ہیں، تاکہ تثنیہ اور جمع اور مفرد کے درمیان نہ ہو وَحْشَةٌ وحشت نہ ہو وَمُنَافَرَةٌ تَامَّةٌ اور منافرتِ تامہ نہ ہو۔

وحشت کا معنی ہے عدمِ انسیت، انسیت کا نہ ہونا، آپس میں انس کا نہ ہونا۔ یاد رکھو یہ جو انسان ہے، انسان کو اس لیے انسان کہتے ہیں کہ انسان ایک دوسرے سے انس رکھتے ہیں، ایک دوسرے سے مانوس ہوتے ہیں، مل جل کر رہتے ہیں۔ تو اس لیے انسان کو انسان کہتے ہیں کہ انسان مل جل کر رہتے ہیں، اور چنانچہ آپ بھی دیکھتے ہیں اگر کسی شخص کو لمبے عرصے تک جدا اکیلا رہنا پڑ جائے تو وہ کتنی تکلیف میں پڑ جاتا ہے، تو انسان ایک دوسرے کے ساتھ انس رکھتے ہیں۔ اسی طرح حیوانات بھی ہیں بھائی حیوانات۔ کچھ حیوانات وہ ہیں کہ جو انسانوں کے ساتھ مانوس ہیں، انسانوں کے پاس رہتے ہیں، جیسے گائے، بیل، بکری وغیرہ، اونٹ ہے اور یہ مرغیاں وغیرہ، یہ حیوانات دیکھو انسانوں کے پاس رہتے ہیں، یہ انسانوں سے مانوس ہوتے ہیں۔ اور کچھ حیوانات وہ ہیں جو انسانوں سے مانوس نہیں ہوتے، وہ جنگلوں میں رہتے ہیں بھائی، جیسے ہرن

ہے، ہرن ہے، اسی طرح جنگلی گائے وغیرہ ہے اور درندے وغیرہ ہیں، دیکھو یہ انسانوں سے مانوس نہیں ہوتے، تو ان حیوانات کو وحشی کہا جاتا ہے۔ وحشی یعنی یہ غیر مانوس ہیں، مانوس نہیں ہیں۔ تو وحشی کا کیا معنی؟ جس میں انس نہ ہو، جو مانوس نہ ہو۔ تو یہاں وحشت کا لفظ آیا، وحشت کا معنی ہے عدمِ انسیت، انسیت کا نہ ہونا یعنی بیزاری ہونا، دوری ہونا۔ اور مُنَافَرَةٌ تَامَّةٌ، منافرت کا معنی ہے باہم ایک دوسرے سے نفرت کرنا، بابِ مفاعلہ ہے بھائی، اور باہم ایک دوسرے سے نفرت کرنا۔ تو کہتے ہیں جب تثنیہ اور جمع کا اعراب حروف کے ساتھ بنایا گیا تو کچھ مفرد کا اعراب بھی اسی طرح کر دیا یعنی ان کو بھی حروف والا اعراب دے دیا تاکہ مفرد اور یہ جو تثنیہ جمع ہے ان کے درمیان وحشت اور منافرتِ تامہ نہ ہو جائے بھائی، کچھ مناسبت آ جائے بھائی۔ بات سمجھ میں آ گئی؟ تو کہتے ہیں لِئَلَّا يَكُونَ بَيْنَهُمَا وَبَيْنَ الْآحَادِ وَحْشَةٌ وَمُنَافَرَةٌ تَامَّةٌ تاکہ کہیں تثنیہ اور جمع اور مفرد کے درمیان وحشت یعنی عدمِ انسیت اور منافرتِ تامہ یعنی ایک دوسرے سے نفرت نہ ہو جائے۔

وَإِنَّمَا اخْتَارُوا، جی اب دوسرا نکتہ بیان کرنے لگے ہیں کہ چھ مفرد جو ہیں انہی کو اعراب بالحرف کیوں دیا گیا، کم یا زیادہ کو کیوں نہیں دیا گیا؟ تو اس کی وجہ بھی آپ کو بتلائیں گے کہ وجہ یہ کہ تین حالتیں ہیں تثنیہ کی اور تین حالتیں ہیں جمع کی، یعنی رفع، نصب، جر تثنیہ پر بھی آتا ہے اور جمع پر بھی آتا ہے، تو تین حالتیں تثنیہ کی ہو گئیں اور تین حالتیں جمع کی ہو گئیں تو کل چھ حالتیں ہوئیں، اس لیے چھ اسموں کو یہ اعراب بالحرف دے دیا گیا۔ ان میں بھی چھ حالتوں میں یہ اعراب بالحرف ہے نا، تثنیہ میں تین حالتوں میں اور تین حالتیں جمع کی، تو کل کتنی صورتوں میں اعراب بالحرف آ رہا ہے ان میں؟ چھ حالتیں وہ بنتی ہیں، تو چھ ہی مفرد لے لیے ان میں بھی اعراب بالحرف آ جائے گا، تو یہ ان چھ کے برابر ہو گئے۔

کہتے ہیں وَإِنَّمَا اخْتَارُوا أَسْمَاءً سِتَّةً اور چھ اسموں کو اختیار کیا لِأَنَّ إِعْرَابَ كُلٍّ مِنَ الْمُثَنَّى وَالْمَجْمُوعِ ثَلَاثَةٌ اس لیے کیونکہ تثنیہ اور جمع میں سے ہر ایک کا اعراب تین ہے، تین تین اعراب ہیں دونوں کے، فَجَعَلُوا فِي مُقَابَلَةِ كُلِّ إِعْرَابٍ اسْمًا تو نحویوں نے بنا دیا ہر اعراب کے مقابلے میں ایک اسم، ہر اعراب کے مقابلے میں ایک اسم کو مقرر کر دیا۔

وَإِنَّمَا اخْتَارُوا، اب تیسرا نکتہ بیان کرنے لگے ہیں کہ چھ اسموں پر یہ اعراب لائے تو انہی چھ کو کیوں پسند کیا، کوئی اور چھ اسم کیوں نہیں لے کر آئے، یہی اسمائے ستہ مکبرہ کیوں لے کر آئے؟ تو اب وجہ بیان کریں گے۔ وجہ دیکھو سمجھ لو، کہتے ہیں وجہ یہ کہ ان اسماء کی، یہ جو چھ اسم ہیں، ان کی تثنیہ اور جمع کے ساتھ مناسبت ہے۔ دو مناسبتیں ہیں ان کی تثنیہ اور جمع کے ساتھ: کہ جیسے تثنیہ اور جمع تعدد کی خبر دیتے ہیں، تثنیہ کا معنی کتنے افراد؟ دو افراد، جمع کا معنی کم از کم کتنے افراد؟ تین، تو جیسے تثنیہ اور جمع تعدد کی خبر دیتے ہیں اسی طرح یہ جو چھ اسم ہیں یہ بھی تعدد کی خبر دیتے ہیں، ان کا معنی بھی تعدد کی خبر دیتا ہے۔ کس طرح؟ دیکھو، أَخٌ، أَخٌ کس کو کہیں گے؟ جس کا کوئی اور أَخٌ ہو۔ أَبٌ، أَبٌ کس کو کہیں گے؟ جس کا کوئی بیٹا یا بیٹی ہو۔ اسی طرح، اسی طرح حَمٌ، حَمٌ وہ عورت کا سسر ہے، جب سسر کا ذکر آیا تو وہ عورت کی بھی اس نے خبر دے دی کہ یہ

کسی عورت کا کیا ہے؟ سسر ہے، تو اس میں بھی دیکھو تعدد ہے۔ اور اسی طرح فَمٌ، فَمٌ کا معنی منہ، تو منہ سے اس میں بھی تعدد ہے کہ کوئی شخص ہے جس کا منہ ہے، تو اس نے دیکھو صاحبِ فم کی خبر دی۔ اسی طرح هَنٌ کا معنی شرم گاہ وغیرہ، تو اس نے صاحبِ هن کی خبر دے دی، اس نے تعدد کی خبر دے دی۔ اور اسی طرح ذُو جو ہے، ذُو آگے مضاف الیہ چاہتا ہے جس یعنی ذُو کا معنی صاحب یعنی والا والا، رَجُلٌ ذُو مَالٍ، تو معلوم ہوا ایسا آدمی جو مال والا ہے، تو ذُو کا معنی کیا؟ والا، تو کس چیز والا ہے؟ اس کی اس نے خبر دے دی، یعنی آگے کوئی اسمِ جنس وغیرہ ہے جو اس کے ساتھ جڑ کر کیا بنے گا؟ صفت بنے گا۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو ذُو نے صاحب پر دلالت کی اور ساتھ ہی وہ چیز جس کو وہ صفت بنا رہا ہے اس پر بھی دلالت کی۔ تو دیکھو یہ سب بھی تعدد کی خبر دیتے ہیں، ان کے معانی تعدد کی خبر دیتے ہیں ان میں تعدد ہے۔ تو جیسے تثنیہ اور جمع میں تعدد ہے ان کے معنی بھی تعدد کی خبر دیتے ہیں۔

اور دوسری مناسبت یہ ہے کہ ان کے آخر میں بھی ایسے حروف ہیں جو اعراب بننے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ أَبٌ، أَخٌ یہ جو جتنے چھ ذکر کیے، عربوں سے ہم نے کس طرح سنا ہے؟ اسی طرح سنا ہے جَاءَنِي أَبُوكَ، رَأَيْتُ أَبَاكَ، مَرَرْتُ بِأَبِيكَ، تو دیکھو ان کے آخر میں واو، الف اور یا آرہے ہیں اور یہ واو، الف اور یا یہ اعراب بننے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ تو ہم نے عربوں سے سنا ہے جب ان لفظوں کو وہ ترکیب میں لے کر آتے ہیں، یہ ساری شرطیں پوری ہوتی ہیں اور ترکیب میں لاتے ہیں، تو وہ جو ان کے آخر میں واو حذف ہوا تھا، توجہ ہے؟ وہ جو واو حذف ہوا تھا اس کو واپس لے آتے ہیں اور کبھی واو پڑھتے ہیں، کبھی الف پڑھتے ہیں اور کبھی اس کو یا پڑھتے ہیں۔ تو یاد رکھو یہ اعراب بالحرف جو ہے وہ حرفِ مدہ کے ساتھ ہوتا ہے، کیا؟ اعراب بالحرف کس کے ساتھ ہوگا؟ حروفِ مدہ کے ساتھ۔ ایک اعراب بالحرکت ہے، ایک اعراب بالحرکت ہے وہ کس کے ساتھ آتا ہے؟ ضمہ، فتحہ اور کسرہ۔ اور ایک اعراب بالحرف ہے، اعراب بالحرف ہمیشہ حرفِ مدہ کے ساتھ آئے گا، اور حروفِ مدہ تو تین ہی ہیں واو، الف اور یا۔ تو ان کے دیکھو ان کے آخر میں حروفِ مدہ آرہے تھے جَاءَنِي أَبُوكَ، رَأَيْتُ أَبَاكَ، مَرَرْتُ بِأَبِيكَ۔ تو عربوں سے ہم نے سنا ہے کہ جب وہ ان لفظوں کو ترکیب میں واقع کرتے ہیں، جس وقت اعراب کا موقع ہوتا ہے، اس وقت ان کو وہ کبھی واو کے ساتھ پڑھتے ہیں، کبھی الف کے ساتھ اور کبھی یا کے ساتھ، تو گویا ان کے آخر میں ایسے حروف موجود ہیں جو اعراب بننے کی صلاحیت رکھتے ہیں، جو اعراب بننے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ تو انہی کو بس جَاءَنِي أَبُوكَ، جَاءَنِي أَبُوكَ، کیا نحویوں نے عربوں کو بتایا یا عربوں سے سن کر ضابطہ بنایا گیا؟ عربوں سے سن کر۔ یاد رکھو یہ نحو جو ہے نحو بعد میں یہ مسلمان علماء نے اس فن کو ایجاد کیا، انہوں نے اس کو وجود دیا، اور عرب وہ تو پہلے سے یہ زبان بولتے تھے اسی طرح تھے، تو لیکن ایسے پیارے ضابطے بنائے کہ یوں لگتا ہے جیسے ضابطوں کو دیکھ دیکھ کر زبان بنائی گئی ہے، حالانکہ ضابطے بعد میں بنائے گئے زبان پہلے سے تھی۔ تو ہم نے عربوں سے سنا اس طرح کہ وہ جَاءَنِي أَبُوكَ کہتے

ہیں، رَأَيْتُ أَبَاكَ کہتے ہیں، مَرَرْتُ بِأَبِيكَ کہتے ہیں۔ تو اب دیکھو یہ جو لفظ تھے ان کے آخر میں واو، الف اور یا تھے اور واو اور الف اور یا یہ حروفِ مدہ ہیں، یہ اعراب بننے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ کوئی اور حرف آخر میں ہوتا تو پھر تو وہ اعراب بننے کی صلاحیت نہ رکھتا۔ تو جب اعراب کے موقع پر ہم نے عربوں سے سنا ہے یعنی جب یہ ترکیب میں واقع ہوتے ہیں تو اسی طرح وہ پڑھتے ہیں۔ تو ان کے آخر میں وہ یہ حروف لے آتے ہیں اور یہ حروف اعراب بننے کی صلاحیت رکھتے ہیں، تو نحوی حضرات نے انہی کو اعراب قرار دے دیا۔ نحوی حضرات نے انہی کو اعراب قرار دے دیا کہ حالتِ رفعی میں یہ جو واو آیا یہی اس کا اعراب ہے، حالتِ نصبی میں جو الف آیا یہی اس کا اعراب ہے، اور حالتِ جری میں جو یا آئی یہی اس کا اعراب ہے۔ یہ کس لیے؟ یہ کس طرح؟ عربوں سے سنا ہے ہم نے وہ اسی طرح استعمال کرتے ہیں تو اس لیے ان کو اعراب بنا دیا گیا، اعراب قرار دے دیا گیا۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو دو وجہ ہو گئیں، دو وجہ ذکر ہو گئیں کہ انہی چھ کو یہ اعراب بالحرف کیوں دیا گیا؟ کہ ان کی مشابہت ہے تثنیہ اور جمع سے: جیسے تثنیہ اور جمع جو ہیں تعدد پر دلالت کرتے ہیں، ان یہ جو چھ کے چھ ہیں ان کے معانی بھی تعدد کی خبر دیتے ہیں، اور نیز جیسے تثنیہ اور جمع کے آخر میں کیا تھا؟ ایسے حروف تھے جو اعراب کی صلاحیت رکھتے تھے، اسی طرح ان کے آخر میں بھی ایسے حروف ہیں جو اعراب بننے کی صلاحیت رکھتے ہیں، تو انہی کو اعراب قرار دے دیا۔

تو عرب تو اسی طرح پڑھتے تھے جَاءَنِي أَبُوكَ، رَأَيْتُ أَبَاكَ، مَرَرْتُ بِأَبِيكَ، لیکن وہ یہ تو نہیں کہتے تھے یہ واو رفع ہے، یہ الف نصب ہے، یہ یا جر ہے۔ یہ نصب، یہ رفع، نصب، جر یہ تو نحویوں کی اصطلاحات ہیں بھائی، عرب کو تو ان کا پتا ہی نہیں تھا رفع کیا چیز ہے نا۔ ان کی اپنی زبان تھی بس وہ بولتے تھے، بچپن سے ہی سیکھ لیتا ہر بچہ بڑوں سے سیکھ لیتا اسی طرح بولتا تھا۔ لیکن نحویوں نے کیا کیا؟ وہی واو جو عربوں سے سنا تھا اس واو کو کیا قرار دے دیا؟ رفع۔ اسی الف کو جو عربوں سے سنا تھا کیا قرار دے دیا؟ نصب۔ اور وہی یا جو کس سے سنی تھی؟ عربوں سے سنی تھی اسی کو جر قرار دے دیا۔ تو ہم نے عربوں سے سنا کہ وہ جب یہ والے لفظ ترکیب میں ان کو استعمال کرتے ہیں تو ان کے آخر میں یہ واو، الف اور یا پڑھتے ہیں، اور یہ واو، الف اور یا یہ تو اعراب بننے کی صلاحیت رکھتے ہیں کیونکہ حروفِ مدہ ہیں، تو نحویوں نے بھی انہی کو کیا قرار دے دیا؟ اعراب قرار دے دیا۔ بات سمجھ میں آگئی؟

دیکھیے بھائی کتاب پر، کہتے ہیں وَإِنَّمَا اخْتَارُوا هٰذِهِ الْأَسْمَاءَ السِّتَّةَ اور نحویوں نے انہی چھ اسموں کو اختیار کیا، یعنی انہی کو اعراب بالحرف دیا، لِمُشَابَهَتِهَا الْمُثَنَّى وَالْمَجْمُوعَ اس وجہ سے کہ ان کی مشابہت ہے الْمُثَنَّى وَالْمَجْمُوعَ تثنیہ اور جمع کے ساتھ فِي كَوْنِ مَعَانِيهَا مُنْبِئَةً عَنْ تَعَدُّدٍ۔ کس چیز میں یہ تثنیہ اور جمع کے مشابہ ہیں یہ والے چھ اسم؟ کہتے ہیں فِي كَوْنِ مَعَانِيهَا اس بات میں کہ ان کے معانی جو ہیں ان اسمائے ستہ کے مُنْبِئَةً عَنْ تَعَدُّدٍ وہ خبر دیتے ہیں تعدد کی، یہ سارے خبر دیتے ہیں تعدد کی یعنی ان کے معنی سے تعدد کا احساس ہوتا ہے، أَخٌ سے احساس ہوتا ہے کہ اس کا کوئی أَخٌ اور ہے، أَبٌ سے احساس ہوتا ہے کہ اس کا ابْنٌ یا بِنْتٌ ہے، اور اسی طرح حَمٌ سے احساس ہوتا ہے کہ کوئی امْرَأَةٌ ہے جس کا یہ حَمٌ ہے، اور اسی طرح فَمٌ

اور هَنٌ سے احساس ہوتا ہے کہ کوئی ان کا صاحب ہے، صَاحِبُ الْفَمِ ہے، صَاحِبُ الْهَنِ ہے، اور اسی طرح ذُو سے احساس ہوتا ہے کہ، ذُو کا معنی کیا؟ ذُو کا معنی ہے صاحب، تو یہ مَا يُصَاحِبُهُ کی خبر دیتا ہے کہ کس چیز کا صاحب ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو یہ ان میں تعدد ہے بھائی۔ دیکھیے بھائی دوبارہ ترجمہ۔ کہتے ہیں وَإِنَّمَا اخْتَارُوا هٰذِهِ الْأَسْمَاءَ السِّتَّةَ لِمُشَابَهَتِهَا الْمُثَنَّى وَالْمَجْمُوعَ اور انہی چھ اسموں کو اختیار کیا نحوی حضرات نے بوجہ ان کی مشابہت ہونے کے تثنیہ اور جمع کے ساتھ، فِي كَوْنِ مَعَانِيهَا مُنْبِئَةً عَنْ تَعَدُّدٍ اس بات میں کہ ان کے معانی جو ہیں وہ تعدد کی خبر دیتے ہیں، تعدد کا احساس دیتے ہیں، وَلِوُجُودِ حَرْفٍ صَالِحٍ لِلْإِعْرَابِ فِي أَوَاخِرِهَا اور اس وجہ سے کہ وجود ہے ایک ایسے حرف کا جو صلاحیت رکھتا ہے اعراب کی ان کے اواخر میں۔ اس وجہ سے کہ ان کے آخر میں ایسا حرف ہوتا ہے جو اعراب بننے کی صلاحیت رکھتا ہے، کس وقت؟ حِينَ الْإِعْرَابِ جس وقت ان کو اعراب دیا جاتا ہے یعنی جب یہ ترکیب میں واقع ہوتے ہیں، سَمَاعًا باعتبارِ سماع کے یعنی عربوں سے سننے کے اعتبار سے، حِينَ الْإِعْرَابِ سَمَاعًا جس وقت ان کو اعراب دیا جاتا ہے باعتبار عربوں سے سننے کے۔ عربوں سے سننے کے اعتبار سے حِينَ الْإِعْرَابِ جس وقت ان کو اعراب دیا جاتا ہے یعنی ترکیب میں واقع ہوتے ہیں تو اس وقت نحویوں نے دیکھا کہ ان کے آخر میں ایسا حرف ہوتا ہے یعنی واو، الف اور یا جو اعراب بننے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ تو ان دو وجہ سے ان، انہی کو جو ہے اعراب بالحرف دیا گیا۔ بات سمجھ میں آگئی؟ جی تو یہ دوسری علت ذرا دوبارہ ترجمہ دیکھ لیں: وَلِوُجُودِ حَرْفٍ صَالِحٍ لِلْإِعْرَابِ فِي أَوَاخِرِهَا اور اس وجہ سے کہ پایا جاتا ہے ایسا حرف جو صلاحیت رکھتا ہے اعراب کی ان کے اواخر میں، ان کے آخر میں، حِينَ الْإِعْرَابِ جس وقت ان کو اعراب دیا جاتا ہے سَمَاعًا باعتبارِ سماع کے یعنی عربوں سے سننے کے اعتبار سے ان کے آخر میں ایسا حرف ہوتا ہے۔

بِخِلَافِ سَائِرِ الْأَسْمَاءِ الْمَحْذُوفَةِ الْأَعْجَازِ۔ بھائی یہاں مَحْذُوفَةِ الْأَعْجَازِ آیا۔ مَحْذُوفَةِ الْأَعْجَازِ وہ اسم جن کا آخر میں کوئی حرف حذف کر لیا جائے ان کو مَحْذُوفَةُ الْأَعْجَازِ کہتے ہیں۔ أَعْجَازٌ جمع ہے عَجُزٌ کی عَجُزٌ، اور عَجُزٌ جو ہے یہ حیوان کے پچھلے دھڑ کو کہتے ہیں، جیسے مثلاً گائے ہے، گائے کا ایک اگلا حصہ سر کی جانب اور ایک پچھلا دھڑ ہے پچھلا حصہ ہے، اس کو عَجُزٌ کہتے ہیں۔ کیا کہتے ہیں؟ اس کو عَجُزٌ کہتے ہیں۔ کسی حیوان کو یہ دیکھنے کے لیے کہ یہ موٹا تازہ ہے یا کمزور ہے اس کے عَجُزٌ کو دیکھا جاتا ہے، پچھلا دھڑ اگر وہ گوشت سے پر ہے معلوم ہوا حیوان یہ کیا ہے؟ موٹا ہے، اور اگر ہڈیاں نکلی ہوئی ہیں تو وہ عَجُزٌ سے ظاہر ہوں گی۔ بات سمجھ میں آ رہی ہے؟ تو اس کو عَجُزٌ کہتے ہیں پچھلے دھڑ کو، اور اس کی جمع ہے أَعْجَازٌ بھائی۔ اور میں نے بتایا کہ کچھ اسم جن کے آخری حرف کو حذف کر لیا جاتا ہے ان کو مَحْذُوفَةُ الْأَعْجَازِ کہتے ہیں، یعنی وہ اسم ہیں جن کے آخری دھڑ کو آخری حصے کو حذف کر لیا گیا ہے۔ یاد رکھو یہ جو اسمائے ستہ گزرے پیچھے، یہ سب مَحْذُوفَةُ الْأَعْجَازِ ہیں، ان سب کے آخر سے کوئی نہ کوئی حرف حذف ہے۔ جیسے انہوں نے بتایا کہ پہلے چار جو ہیں أَخٌ، أَبٌ وغیرہ ان کے آخر سے واو حذف ہوا ہے، اور فَمٌ یہ اصل میں کیا تھا فَوْهٌ تو اس کے آخر سے ہا حذف ہے، اور ذُو کی اصل کیا تھی ذَوَوٌ تو اس کے آخر سے ایک واو حذف ہے، تو یہ بھی مَحْذُوفَةُ الْأَعْجَازِ ہیں۔

تو اب آپ کو بتلائیں گے کہ انہی چھ کو منتخب کیا کیونکہ ان کے آخر میں ایسے حروف موجود ہیں جو اعراب بننے کی صلاحیت رکھتے ہیں، جبکہ ان کے علاوہ اور بھی مَحْذُوفَةُ الْأَعْجَازِ اسم ہیں جیسے یَدٌ، یَدٌ اصل میں تھا یَدَوٌ، یَدٌ ہاتھ کو کہتے ہیں لیکن اصل میں کیا تھا یَدَوٌ آخر میں واو تھا۔ دَمٌ، دَمٌ خون کو کہتے ہیں لیکن آخر میں واو تھا دَمَوٌ۔ تو اور بھی اسماء ہیں جن کے آخر سے حروف کو حذف کیا جاتا ہے یعنی وہ بھی مَحْذُوفَةُ الْأَعْجَازِ ہیں، لیکن وہ جب ترکیب میں واقع ہوتے ہیں تو ہم نے عربوں سے نہیں سنا کہ وہ محذوف حروف کو واپس لے آئیں۔ بات سمجھ میں آگئی؟ یہ ان میں یہ أَخٌ، أَبٌ وغیرہ بھی مَحْذُوفَةُ الْأَعْجَازِ اور یَدٌ، دَمٌ وغیرہ بھی مَحْذُوفَةُ الْأَعْجَازِ، لیکن وہ جو اسمائے ستہ ہیں وہ جب ترکیب میں آتے ہیں تو وہ حروف عرب واپس لے آتے ہیں لیکن یَدٌ اور دَمٌ وغیرہ جو ہیں ان میں وہ حروف واپس نہیں لاتے۔ جب واپس نہیں لاتے تو اب ان میں جو واو وغیرہ حذف ہوئے ہیں ہم ان کو اعراب قرار نہیں دے سکتے کیونکہ عرب ان کو پڑھتے ہی نہیں، ہم نے کبھی عرب سے سنا ہی نہیں کہ ان کے آخر میں وہ واو واپس لا کر اس کو پڑھ دیں۔ بات سمجھ میں آگئی؟ جی دیکھیے بھائی، کہتے ہیں بِخِلَافِ سَائِرِ الْأَسْمَاءِ الْمَحْذُوفَةِ الْأَعْجَازِ، سَائِرٌ بمعنی باقی بھائی باقی، بخلاف باقی وہ اسماء جو مَحْذُوفَةُ الْأَعْجَازِ ہیں كَيَدٍ وَدَمٍ جیسے کہ یَدٌ ہے اور دَمٌ ہے، ان کو یہ اعراب نہیں دیا گیا فَإِنَّهُ لَمْ يُسْمَعْ فِيهَا مِنَ الْعَرَبِ اس لیے کیونکہ ان کے اندر عربوں سے نہیں سنا گیا، کیا نہیں سنا گیا؟ إِعَادَةُ الْحُرُوفِ الْمَحْذُوفَةِ کہ إِعَادَةٌ کا معنی واپس لوٹانا کہ وہ حروفِ محذوفہ کو واپس لوٹائیں، حروفِ محذوفہ جو حذف کر لیے گئے ان کو واپس لوٹائیں اور دوبارہ ان کو پڑھ دیں، ایسا ہم نے عربوں سے نہیں سنا۔ تو عربوں سے نہیں سنا گیا إِعَادَةُ الْحُرُوفِ الْمَحْذُوفَةِ کہ وہ حروفِ محذوفہ کا اعادہ کر لیں عِنْدَ الْإِعْرَابِ اعراب کے وقت میں یعنی جب ترکیب میں واقع ہوں تو وہ واپس لے آئیں ہم نے عربوں سے ایسا نہیں سنا، تو اس لیے ان کو یہ اعراب بالحروف نہیں دیا صرف انہی چھ کو دیا۔

آگے دیکھیے کہتے ہیں: الْمُثَنَّى وَمَا يُلْحَقُ بِهِ، وَهُوَ كِلَا وَكِذَا كِلْتَا، وَلَمْ يَذْكُرْهُ لِكَوْنِهِ فَرْعَ كِلَا۔ جی پہلے صرف متن متن دیکھ لو بھائی۔ کہتے ہیں: الْمُثَنَّى وَكِلَا مُضَافًا إِلَى مُضْمَرٍ وَاثْنَانِ بِالْأَلِفِ وَالْيَاءِ۔ عبارت مل گئی ساری؟ الْمُثَنَّى وَكِلَا مُضَافًا إِلَى مُضْمَرٍ وَاثْنَانِ بِالْأَلِفِ وَالْيَاءِ۔ کہتے ہیں تثنیہ جو ہے الْمُثَنَّى یعنی تثنیہ وَكِلَا اور اسی طرح كِلَا جو ہے مُضَافًا إِلَى مُضْمَرٍ اس حال میں کہ كِلَا مضاف ہو ضمیر کی طرف وَاثْنَانِ اور اسی طرح اثْنَانِ، یہ جو تینوں ہیں تثنیہ، كِلَا اور اثْنَانِ ان کا اعراب جو ہے بِالْأَلِفِ وَالْيَاءِ الف اور یا کے ساتھ آئے گا۔ تثنیہ کا اعراب کیا ہے؟ حالتِ رفعی میں رَجُلَانِ دیکھو الف ہے، اور حالتِ نصبی جری میں رَجُلَيْنِ یا ہے بھائی۔ تو یہ تینوں قسمیں جو ہیں تثنیہ، كِلَا اور اثْنَانِ ان کا اعراب کیا ہے؟ بِالْأَلِفِ وَالْيَاءِ الف اور یا کے ساتھ آئے گا۔ الف کس وقت آئے گا؟ حالتِ رفعی میں، اور یا کب آئے گی؟ حالتِ نصبی اور جری میں آئے گی بھائی۔ اب آئیے شرح پر بھائی۔

کہتے ہیں: الْمُثَنَّى وَمَا يُلْحَقُ بِهِ، کہتے ہیں تثنیہ اور وہ جو اس کے ساتھ ملحق ہیں، جن کو تثنیہ کے ساتھ ملایا گیا ہے، یعنی كِلَا

اور اثنَانِ۔ صاحبِ جامی بتلانا یہ چاہتے ہیں کہ یہ جو کِلَا اور اثنَانِ ہے، توجہ ہے؟ کِلَا اور اثنَانِ یہ تثنیہ نہیں ہیں، یہ تثنیہ کے ساتھ ملحق ضرور ہیں لیکن تثنیہ نہیں۔ بھائی دیکھو تثنیہ، تثنیہ کا معنی بھی ہے دو۔ کِلَا بھی آتا ہے دو کے لیے، جَاءَنِي رَجُلَانِ كِلَاهُمَا میرے پاس وہ دونوں آدمی آئے، كِلَاهُمَا وہ دونوں، تو یہ بھی تثنیہ کے لیے آتا ہے۔ اور اثنَانِ اس کا معنی بھی دو ہے۔ تو بظاہر شبہ ہوتا ہے کہ بھائی ان کو الگ الگ کیوں ذکر کر دیا؟ صرف الْمُثَنَّى تثنیہ کہہ دیتے تو سارے اس میں آ گئے تھے، كِلَا بھی تثنیہ ہے اور اثْنَانِ بھی تثنیہ۔ تو صاحبِ جامی آپ کو بتلا رہے ہیں کہ نہیں بھائی، كِلَا اور اثْنَانِ یہ تثنیہ نہیں ہیں بھائی۔ تثنیہ کس کو کہتے ہیں؟ یاد رکھو تثنیہ اس کو کہتے ہیں جس کا کوئی مفرد ہو اور پھر اس مفرد کے آخر میں الف اور نون جوڑ دیا جاتا ہے حالتِ رفعی میں، یا یا اور نون جوڑ دیا جاتا ہے حالتِ نصبی جری میں تاکہ وہ دو پر دلالت کرے۔ تو تثنیہ کے لیے مفرد کا ہونا ضروری ہے، جیسے رَجُلَانِ یہ دو پر دلالت کر رہا ہے لیکن اس کا مفرد بھی ہے کیا؟ رَجُلٌ، اسی رَجُلٌ کے آخر میں الف نون جوڑا تو تثنیہ بن گیا۔ تو تثنیہ اصطلاح میں کس کو کہتے ہیں؟ جس کا معنی دو ہو؟ نہیں نہیں، تثنیہ اس کو کہتے ہیں جس کے آخر میں الف اور نون کو جوڑ کر دو پر دلالت اس کی کی جائے، دو پر دلالت مقصود ہو بھائی۔ تو اس کے لیے مفرد کا ہونا بھی ضروری اور پھر اسی مفرد کے آخر میں الف نون کو جوڑا جاتا ہے۔ اور كِلَا اور اثْنَانِ ایسے نہیں ہیں۔ كِلَا اس کے آخر میں تو الف نون ہے ہی نہیں، تو معلوم ہوا یہ اصطلاحی تثنیہ نہیں ہے۔ اور اثْنَانِ، اثْنَانِ کے آخر میں الف اور نون ہے لیکن اس کو تو عربوں نے وضع ہی ایسے کیا ہے، میں نے بتایا تثنیہ کے لیے مفرد کا ہونا ضروری ہے جیسے رَجُلَانِ کا مفرد کیا؟ رَجُلٌ، تو اثْنَانِ کا مفرد نہیں ہے بھائی اثْنٌ، نہیں بھائی اثْنٌ استعمال ہی نہیں ہوتا علیحدہ۔ بات سمجھ میں آ گئی؟ تو كِلَا کا معنی بھی دو، اثْنَانِ کا معنی بھی دو، لیکن یہ اصطلاحی تثنیہ نہیں ہیں۔ اصطلاحی تثنیہ کسے کہتے ہیں؟ جس کا کوئی مفرد ہو اور اس کے آخر میں الف نون کو ملایا جائے۔ تو كِلَا میں تو الف نون سرے سے ہے ہی نہیں، اور اثْنَانِ میں ہے لیکن اس کا مفرد استعمال نہیں ہوتا۔ تو یہ تثنیہ نہیں ہیں، تو یہ ملحقاتِ تثنیہ میں سے ہیں، کس میں سے ہیں؟ یعنی تثنیہ کے ساتھ ان کو ملایا گیا ہے، تثنیہ والا حکم ان کو بھی دے دیا۔ تثنیہ کا اعراب جیسے الف اوریا کے ساتھ آتا ہے ان دونوں کا اعراب بھی الف اوریا کے ساتھ۔ تو گویا تین قسمیں ہو گئیں جن کا اعراب الف اوریا کے ساتھ آئے گا: تثنیہ، كِلَا اور اثْنَانِ۔

اور پھر آپ کو صاحبِ جامی یہ بھی بتائیں گے کہ كِلَا کے ساتھ كِلْتَا بھی ہے، كِلَا مذکر کے لیے آتا ہے اور كِلْتَا مؤنث کے لیے۔ تو كِلْتَا کو ذکر نہیں فرمایا حالانکہ كِلْتَا کا بھی یہی اعراب ہے۔ تو آپ کو بتلائیں گے بھائی وجہ یہ کہ كِلَا مذکر ہے اور كِلْتَا مؤنث، اور مذکر اصل ہے اور مؤنث اس کی فرع ہے، تو جب مذکر اصل کو ذکر کر دیا تو فرع اس کے ضمن میں خود ہی آ گئی بھائی۔ جیسے قرآن میں آپ دیکھ لیں بھائی، احکامات جو ہیں وہ حکم مردوں کو مذکر کے صیغے ہوتے ہیں، تو لیکن طبعاً عورتیں بھی اس میں داخل ہیں کیونکہ وہ فرع ہیں بھائی۔ تو كِلَا کے ساتھ كِلْتَا بھی داخل ہو گیا اسی کے اندر۔ اور اثْنَانِ، اسی طرح اثْنَانِ مذکر کے لیے ہے تو اس کے ساتھ اثْنَتَانِ اور ثِنْتَانِ بھی داخل ہو گئے۔ اثْنَانِ مذکر کے لیے اور اثْنَتَانِ اور ثِنْتَانِ کس کے

لیے؟ مؤنث کے لیے استعمال ہوتے ہیں، تو وہ بھی داخل ہو گئے کیونکہ مذکر کا ذکر آگیا اصل آگیا تو فرع بھی اس میں داخل ہو گئی۔ اور پھر یہ بھی یاد رکھنا کِلَا، کِلْتَا اس میں کِلْتَا کے اندر تا ہے، اثْنَانِ مذکر کے لیے اور اثْنَتَانِ اور ثِنْتَانِ مؤنث کے لیے ان میں بھی تا ہے، لیکن یہ تا تانیث والی نہیں ہے کیونکہ تانیث والی تا آخر میں آکر جڑتی ہے، درمیان میں نہیں آتی بھائی۔ تو کِلْتَا وضع مؤنث کے لیے ہے، ہے مؤنث کے لیے لیکن یہ تا تانیث والی نہیں ہے۔ مذکر کے لیے بس عربوں نے کِلَا وضع کیا اور مؤنث کے لیے کِلْتَا، اسی طرح مذکر کے لیے اثْنَانِ وضع کیا اور مؤنث کے لیے اثْنَتَانِ اور ثِنْتَانِ، تو یہ تا جو ہے یہ تانیث کے لیے نہیں ہے بھائی۔

جی دیکھیے اب، کہتے ہیں: اَلْمُثَنَّى وَمَا يُلْحَقُ بِهِ، تثنیہ اور وہ جو اس کے ساتھ ملحق ہیں جن کو تثنیہ کے ساتھ جوڑا گیا ہے ملایا گیا ہے، بھائی وہ کیا کیا ہیں؟ کہتے ہیں: وَهُوَ كِلَا وہ، اور وہ كِلَا ہے، وَكَذَا كِلْتَا اور اسی طرح كِلْتَا بھی ہے وَلَمْ يَذْكُرْهُ ماتن نے یعنی صاحبِ کافیہ نے اس کو ذکر نہیں فرمایا لِكَوْنِهِ فَرْعَ كِلَا اس لیے کیونکہ یہ كِلَا کی فرع ہے بھائی۔

مُضَافًا أَيْ حَالَ كَوْنِ كِلَا وَكِلْتَا مُضَافًا، بتلا رہے ہیں کہ یہ جو مُضَافًا آیا یہ حال ہے كِلَا سے۔ پیچھے کیا آیا تھا؟ اَلْمُثَنَّى وَكِلَا مُضَافًا۔ تو یہ نہ سمجھنا کہ یہ مضاف کا تعلق كِلَا اور مثنیٰ دونوں سے ہے، نہیں نہیں، تثنیہ اور كِلَا دونوں مضاف ہوں، نہیں بلکہ اس کا تعلق صرف کس سے ہے؟ كِلَا سے۔ اور كِلَا کے ضمن میں كِلْتَا بھی آگیا تو لہٰذا دونوں ذکر کر دیے صاحبِ جامی نے کہ مُضَافًا أَيْ حَالَ كَوْنِ كِلَا وَكِلْتَا مُضَافًا۔ یہ حَالَ كَوْنِ نکال کر بتلا دیا کہ مُضَافًا جو منصوب ہے یہ حال ہونے کی وجہ سے ہے، حال پر کیا آتا ہے؟ نصب، تو مُضَافًا پر بھی دیکھو نصب آیا یہ حال ہونے کی وجہ سے ہے۔ تو کہتے ہیں مُضَافًا أَيْ حَالَ كَوْنِ كِلَا وَكِلْتَا مُضَافًا اس حال میں کہ كِلَا اور كِلْتَا جو ہیں وہ مضاف ہوں إِلَى مُضْمَرٍ ضمیر کی طرف، کس کی طرف؟ ضمیر کی طرف مضاف ہوں۔

یاد رکھو یہ جو كِلَا اور كِلْتَا جب ضمیر کی طرف مضاف ہوں تو پھر یہ اعراب ہو گا، یعنی رفع کس کے ساتھ؟ الف کے ساتھ، نصب اور جر یا کے ساتھ۔ جَاءَنِي كِلَاهُمَا وَكِلْتَاهُمَا، یہ حالتِ رفعی میں ہے دیکھو فاعل بن رہے ہیں، جَاءَنِي كِلَاهُمَا الف کے ساتھ ہے وَكِلْتَاهُمَا۔ حالتِ نصبی جری میں یا کے ساتھ آئیں گے: رَأَيْتُ كِلَيْهِمَا وَكِلْتَيْهِمَا اور مَرَرْتُ بِكِلَيْهِمَا وَبِكِلْتَيْهِمَا۔ بات سمجھ میں آرہی ہے؟

تو كِلَا پر یہ اعراب آئے گا جب یہ ضمیر کی طرف مضاف ہو، یعنی رفع کس کے ساتھ؟ الف کے ساتھ، نصب اور جر یا کے ساتھ، جب یہ كِلَا کس کی طرف مضاف ہو؟ ضمیر کی طرف۔ اگر یہ اسمِ ظاہر کی طرف مضاف ہوا، پھر یاد رکھو اس پر تینوں طرح کے اعراب تقدیری آئیں گے۔ کیونکہ یہ پھر مضاف ہوتا ہے ہمیشہ معرف باللام کی طرف، یا ضمیر کی طرف یا معرف باللام کی طرف۔ تو آگے مثلاً معرف باللام لے آؤ، اَلرَّجُلَيْنِ یہ مضاف الیہ ہم لے آئے۔ كِلَا الرَّجُلَيْنِ، توجہ ہے؟ كِلَا اور الرَّجُلَيْنِ، اب كِلَا مضاف ہے لیکن ضمیر کی طرف ہے یا اسمِ ظاہر کی طرف ہے؟ اسمِ ظاہر۔ اور انہوں نے کیا قید

لگائی؟ مُضَافًا إِلَى مُضْمَرٍ، کہ ضمیر کی طرف مضاف ہو تو یہ اعراب ہو گا، رفع الف کے ساتھ، نصب اور جریا، توجہ ہے؟ رفع کس کے ساتھ؟ الف کے ساتھ، اور نصب اور جریا کے ساتھ، یہ کب ہو گا؟ جب یہ كِلَا کس کی طرف مضاف ہو؟ ضمیر کی طرف۔ جب یہ اسمِ ظاہر یعنی معرف باللام کی طرف مضاف ہو گا پھر تینوں حالتوں میں اعراب تقدیری ہوں گے اور كِلَا کو اسی طرح پڑھنا ہے كِلَا، كِلَيْ نہیں پڑھنا، كِلَا، اور آگے الرَّجُلَيْنِ مثلاً جوڑ دو: جَاءَنِي كِلَا الرَّجُلَيْنِ۔ كِلَا الرَّجُلَيْنِ، الف جو ہے اجتماعِ ساکنین سے گر گیا، توجہ ہے؟ كِلَا الرَّجُلَيْنِ تو کیسے پڑھیں گے؟ كِلَا الرَّجُلَيْنِ۔ حالتِ رفعی میں یوں ہے، نصبی میں بھی یوں، جری میں بھی یوں، یہ الف اسی طرح رہے گا اور پھر اجتماعِ ساکنین سے گرے گا: جَاءَنِي كِلَا الرَّجُلَيْنِ، رَأَيْتُ كِلَا الرَّجُلَيْنِ، مَرَرْتُ بِكِلَا الرَّجُلَيْنِ۔ دیکھو کوئی تبدیلی نہیں آ رہی۔

تو معلوم ہوا جب یہ كِلَا اسمِ ظاہر کی طرف مضاف ہو گا تو پھر اس کا اعراب تقدیراً ہو گا۔ کیا ہو گا؟ اعراب تقدیراً ہو گا۔ اور اعراب بالحرکت ہو گا بالحروف نہیں ہو گا۔ جب یہ ضمیر کی طرف مضاف ہو تو پھر تو اعراب بالحروف ہے۔ تثنیہ کا اعراب کیا ہے؟ الف اور یا کے ساتھ، اعراب بالحروف ہے یا اعراب بالحرکت ہے؟ اعراب بالحروف ہے بھائی الف اور یا آ رہے ہیں، تو كِلَا کا بھی یہی اعراب ہے جب ضمیر کی طرف مضاف ہو، حروف کے ساتھ ہے الف اور یا۔ لیکن جب یہ كِلَا مضاف ہو اسمِ ظاہر کی طرف تو پھر ہر جگہ اسی طرح پڑھیں گے كِلَا الرَّجُلَيْنِ، كِلَا الرَّجُلَيْنِ۔ الف اسی طرح رہے گا۔ تو علمائے نحو فرماتے ہیں کہ اس صورت میں اس کا اعراب بالحرف نہیں ہے بلکہ بالحرکت ہے، اعراب بالحرکت ہے، توجہ ہے؟ اعراب بالحرکت، رفع کس کے ساتھ آتا ہے؟ ضمہ کے ساتھ، نصب فتحہ کے ساتھ، جر کسرہ کے ساتھ، اور وہ تینوں اس پر نہیں پڑھے جا سکتے کیونکہ آخر میں الف موجود ہے۔ جَاءَنِي مُوسَى، رَأَيْتُ مُوسَى، مَرَرْتُ بِمُوسَى، دیکھو اس میں آخر میں کیا موجود ہے؟ الف موجود ہے، وہ اعراب کو جگہ ہی نہیں دے رہا، تو تینوں حالتوں میں اعراب تقدیری۔ اسی طرح كِلَا الرَّجُلَيْنِ: جَاءَنِي كِلَا الرَّجُلَيْنِ، رَأَيْتُ كِلَا الرَّجُلَيْنِ، مَرَرْتُ بِكِلَا الرَّجُلَيْنِ، اس میں بھی تینوں طرح کے اعراب تقدیری ہیں، اور کون سے تقدیری ہیں؟ اعراب بالحرف یا اعراب بالحرکت؟ اعراب بالحرکت تقدیری ہیں۔ بات سمجھ میں آ گئی؟ یہ تو تھا نفسِ مسئلہ، نفسِ مسئلہ۔

اب اس کی وجہ کیا ہے؟ جب ضمیر کی طرف مضاف ہو تو اعراب بالحروف دے دیتے ہو اے نحویو اس کو، اور جب یہ اسمِ ظاہر کی طرف مضاف ہو تو پھر آپ کہتے ہو یہ اعراب بالحرکت ہے اور تقدیری ہے، اس کی کیا وجہ ہے؟ تو بڑی گہری بات ذکر فرمائیں گے دیکھیے بھائی۔

کہتے ہیں مُضَافًا إِلَى مُضْمَرٍ جب یہ مضاف ہو ضمیر کی طرف۔ وَإِنَّمَا قَيَّدَ بِذٰلِكَ اور ماتن نے یعنی صاحبِ کافیہ نے كِلَا کو مقید کیا اس قید کے ساتھ کہ وہ مضاف ہونا چاہیے کس کی طرف؟ ضمیر کی طرف، اس کے ساتھ مقید کیا، یہ قید اس کے ساتھ لگا دی، لِأَنَّ كِلَا بِاعْتِبَارِ لَفْظِهِ مُفْرَدٌ وَبِاعْتِبَارِ مَعْنَاهُ مُثَنًّى۔ اس لیے کیونکہ كِلَا جو ہے اپنے لفظ کے اعتبار سے مفرد

ہے وَبِاعْتِبَارِ مَعْنَاهُ مُثَنًّى اور اپنے معنی کے اعتبار سے تثنیہ ہے۔ فَلَفْظُهُ يَقْتَضِي الْإِعْرَابَ بِالْحَرَكَاتِ تو اس کا لفظ جو ہے، لفظوں کے اعتبار سے مفرد ہے تو لفظ کیا تقاضا کرتے ہیں؟ اعراب بالحرکت ہونا چاہیے، مفرد ہے، اور معنی تثنیہ والا ہے تو معنی کیا تقاضا کرتا ہے؟ اعراب بالحروف ہونا چاہیے۔ تو کہتے ہیں فَلَفْظُهُ يَقْتَضِي الْإِعْرَابَ بِالْحَرَكَاتِ تو اس کا لفظ جو ہے وہ تقاضا کرتا ہے اعراب بالحرکات کا، وَمَعْنَاهُ يَقْتَضِي الْإِعْرَابَ بِالْحُرُوفِ اور اس کا معنی تقاضا کرتا ہے اعراب بالحروف کا۔ فَرُوعِيَ فِيهِ كِلَا الِاعْتِبَارَيْنِ پس رعایت رکھی گئی اس كِلَا کے اندر كِلَا الِاعْتِبَارَيْنِ دونوں اعتباروں کی رعایت رکھی گئی، ہم نے لفظوں کا بھی لحاظ رکھا اور معنی کا بھی لحاظ رکھا۔ فَإِذَا أُضِيفَ إِلَى الْمُظْهَرِ الَّذِي هُوَ الْأَصْلُ پس جب اس کی اضافت کر دی گئی إِلَى الْمُظْهَرِ اسمِ ظاہر کی طرف الَّذِي هُوَ الْأَصْلُ وہ اسمِ ظاہر جو اصل ہے، وہ اسمِ ظاہر جو اصل ہے۔

یہ سمجھ لو بھائی، یہ ذرا گہری بات ہے۔ ایک ہے ضمیر، ایک ہے اسمِ ظاہر۔ اسمِ ظاہر جو ہے اصل ہے اور ضمیر اس کی فرع ہے۔ ایک اسمِ ظاہر ہے، ایک ہے ضمیر۔ اسمِ ظاہر ہے اصل اور ضمیر ہے فرع۔ وجہ؟ وجہ یہ کہ اسمِ ظاہر جو ہے وہ اپنے معنی پر خود دلالت کرتا ہے، وہ اپنے معنی پر دلالت کرتا ہے، جبکہ یہ جو ضمیر ہے اس کے ذریعے کسی سے کنایہ کیا جاتا ہے۔ اسمِ ظاہر اپنے معنی پر دلالت کرتا ہے، اور ضمیر جو ہے اس کے ذریعے کسی سے کنایہ کیا جاتا ہے۔ تو یہ ضمیر محتاج ہوئی مَكْنِيٌّ عَنْهُ کی، اور اسمِ ظاہر وہ مَكْنِيٌّ عَنْهُ کا محتاج نہیں وہ تو اپنے معنی پر دلالت کر رہا ہے، لیکن ضمیر تو کنایہ ہے، کنایہ ہے کسی اور معنی سے، تو یہ کس کی محتاج ہوئی؟ مَكْنِيٌّ عَنْهُ کی۔

اچھا بھائی پہلے ذرا کنایہ سمجھ لو پھر آپ کو بات سمجھ میں آئے گی۔ توجہ سے بھائی، گہری بات ہے۔ کنایہ اسے کہتے ہیں کہ لفظ بول کر معنیٰ موضوع لہ کا ارادہ نہ کیا جائے بلکہ غیرِ موضوع لہ کا ارادہ کیا جائے، البتہ موضوع لہ کا ارادہ بھی وہاں ٹھیک ہو بھائی۔ مثلاً میں آپ کو بتانا چاہتا ہوں کہ زید کا قد لمبا ہے۔ زید کا قد لمبا ہے۔ تو ایک تو میں سیدھے صاف الفاظ میں کہوں: زید کا قد لمبا ہے، اس کو کہتے ہیں صریح۔ صریح یعنی صاف لفظوں میں میں نے ایک بات ذکر کر دی۔ اور یاد رکھو صریح میں اتنا لطف نہیں ہوتا۔ بات جتنی گہری ہوتی ہے اس کو سمجھنے کا لطف آتا ہے۔ آپ بھی سبق میں پڑھ رہے ہوتے ہیں، کبھی کوئی گہری بات سمجھ میں آتی ہے تو عجیب لطف اور سرور محسوس ہوتا ہے۔ تو جتنی بات گہری ہوتی ہے سمجھنے کا اتنا ہی لطف بڑھ جاتا ہے۔ تو ایک ہے صریح، ایک ہے کنایہ۔ صریح کے اندر ایک بات صاف لفظوں میں ہوتی ہے، اور کنایہ میں وہی بات تھوڑی ذرا گھما کر ہوتی ہے۔ تو کنایہ کا لطف ہوتا ہے۔ تو مثلاً میں آپ کو بتانا کیا چاہتا ہوں؟ زید کا قد لمبا ہے۔ تو ایک ہے میں صاف لفظوں میں کہوں: زید کا قد لمبا ہے، ایک اسی بات کو میں کنایہ کے رنگ میں کہتا ہوں اور یوں کہتا ہوں: زید کی قمیص لمبی ہے۔ زید کی قمیص لمبی ہے، اور ارادہ کس کا کیا؟ کہ اس کا قد لمبا ہے۔ تو دیکھو، قمیص لمبی ہے یہ بول کر وہی معنیٰ موضوع لہ مراد ہے یا اور معنیٰ مراد ہے؟ اور معنیٰ مراد ہے، یعنی اس کا قد لمبا ہے۔ تو معنیٰ موضوع لہ کا ارادہ نہیں کیا بلکہ دوسرے معنیٰ کا ارادہ کیا۔

توجہ ہے؟ ایک اور بات سمجھ لو۔ ایک ہوتا ہے کنایہ، ایک ہے مجاز۔ کنایہ اور مجاز الگ الگ ہیں۔ مجاز میں بھی معنیٰ غیرِ موضوع لہ کا ارادہ ہوتا ہے، کنایہ میں بھی غیرِ موضوع لہ کا ارادہ ہوتا ہے۔ جیسے دیکھو، میں نے کہا زید کی قمیص لمبی ہے، اور قمیص بول کر قمیص مراد ہے یا اس کا قد مراد ہے؟ قد مراد ہے، تو معنیٰ غیرِ موضوع لہ کا میں نے ارادہ کیا، یہ قمیص تو قمیص کے لیے لفظ وضع ہے، قد کے لیے تو وضع نہیں، تو معنیٰ غیرِ موضوع لہ کا میں نے ارادہ کیا۔ اور اسی طرح ایک شخص کمرے کے اندر داخل ہوا، میں نے کہا شیر آگیا۔ اب شیر کا ایک حقیقی معنیٰ ہے یعنی جنگلی درندہ، لیکن کیا میں نے یہاں معنیٰ موضوع لہ کا ارادہ کیا یا غیرِ موضوع لہ کا؟ غیرِ موضوع لہ کا یعنی بہادر آدمی آگیا۔ تو مجاز کے اندر بھی غیرِ موضوع لہ کا ارادہ ہوتا ہے، اور کنایہ میں بھی غیرِ موضوع لہ کا ارادہ ہوتا ہے۔ کنایہ کیا تھا؟ میں نے قمیص بول کر کس معنیٰ کا ارادہ کیا؟ قد کا۔ اور دیکھو دوسرا، مجاز میں بھی غیرِ موضوع لہ کا ارادہ تھا، آیا انسان تھا اور میں نے کیا کہہ دیا؟ شیر آگیا، یعنی شیر بول کر کیا مراد ہے؟ بہادر آدمی، تو معنیٰ موضوع لہ تو تھا درندہ، میں نے درندے کا ارادہ نہیں کیا کہ درندہ آگیا بلکہ کس معنیٰ کا ارادہ کیا؟ بہادر آدمی یعنی غیرِ موضوع لہ کا۔ تو کنایہ میں بھی غیرِ موضوع لہ کا ارادہ ہوتا ہے، اور مجاز میں بھی غیرِ موضوع لہ کا ارادہ ہوتا ہے۔ لیکن فرق یہ ہے کہ مجاز کے اندر وہیں پر حقیقی معنیٰ کا ارادہ نہیں کر سکتے آپ، جبکہ کنایہ میں حقیقی معنیٰ کا ارادہ بھی ٹھیک ہوتا ہے۔ میں نے کیا کہا؟ زید کی قمیص لمبی ہے، اور ارادہ کیا؟ قد لمبا ہے۔ لیکن اگر قمیص کا میں ارادہ کرنا چاہوں تو کر سکتا ہوں یا نہیں؟ تب بھی کلام ٹھیک ہے زید کی قمیص لمبی ہے۔ جبکہ مجاز میں ایسا نہیں۔ وہ آدمی کمرے کے اندر داخل ہوا میں نے کیا کہا؟ شیر آگیا ہے، اور کس معنیٰ کا ارادہ کیا؟ بہادر آدمی کا۔ لیکن کیا میں حقیقی معنیٰ کا ارادہ کر سکتا ہوں کہ جنگلی درندہ آ گیا ہے؟ نہیں، کیونکہ یہاں تو جنگلی درندہ نہیں آیا یہاں تو انسان آیا ہے، تو اس میں دیکھو حقیقی معنیٰ کا ارادہ نہیں ہو سکتا۔ یہ فرق ہے کنایہ اور مجاز میں۔ مجاز بھی معنیٰ غیرِ موضوع لہ میں استعمال ہوتا ہے، کنایہ بھی معنیٰ غیرِ موضوع لہ میں استعمال ہوتا ہے، لیکن فرق یہ ہے کہ مجاز کے اندر معنیٰ موضوع لہ کا ارادہ نہیں کر سکتے ورنہ معنیٰ خراب ہو جائے گا، اور کنایہ کے اندر معنیٰ موضوع لہ کا بھی ارادہ ہو سکتا ہے۔ تو میں نے کیا کہا؟ زید کی قمیص لمبی ہے، اور ارادہ کس کا کیا؟ کہ اس کا قد لمبا ہے۔ اگر میں قمیص ہی کا ارادہ کر دوں پھر یہ کنایہ نہیں ہے، کنایہ میں تو ہمیشہ غیرِ موضوع لہ کا ارادہ ہوتا ہے۔ یہاں تک بات سمجھ میں آگئی؟

جیسے عربی میں کہتے ہیں: زَيْدٌ طَوِيلُ النِّجَادِ۔ زَيْدٌ طَوِيلُ نِجَادٌ کہتے ہیں پرتلا بھائی، یہ جیسے آج کل بندوق وغیرہ کندھے سے لٹکاتے ہیں اس میں ایک پٹا سا ہوتا ہے کندھے سے لٹکاتے ہیں، اسی طرح قدیم زمانے میں تلوار کو جب کندھے سے لٹکاتے تھے تو ایک چمڑا ہوتا لمبا سا جسے کندھے پر ڈال کر اس سے تلوار لٹکائی جاتی تھی، اس کو پرتلا کہتے ہیں پرتلا، یا اسی طرح حمائل بھی کہتے ہیں حمائل۔ تو آپ کبھی کتابوں میں کبھی ذکر آتا ہے: اس نے تلوار حمائل کی اور گھر سے نکل گیا، کیا معنیٰ؟ یعنی کندھے سے تلوار لٹکا لی۔ تو دیکھو، اب میں آپ سے کہتا ہوں زَيْدٌ طَوِيلُ النِّجَادِ زید کی حمائل لمبی ہے، اور ارادہ کس کا کیا؟ اس کا قد لمبا ہے۔ ظاہر سی بات ہے جس آدمی کی حمائل لمبی ہو گی اس کا قد بھی کیا ہو گا؟ لمبا ہو گا۔ تو کنایہ میں دیکھو یاد

رکھو، ملزوم بول کر لازم کا ارادہ ہوتا ہے۔ حمائل کے لمبے ہونے کے ساتھ لازم ہے کیا؟ قد کا لمبا ہونا، یا جیسے قمیص کے لمبے ہونے کے ساتھ لازم ہے قد کا لمبا ہونا۔ قمیص اسی کی لمبی ہوگی جس کا قد لمبا ہوگا، جس کا قد چھوٹا ہے اس کی قمیص تو لمبی نہیں ہوگی۔ تو کنایہ میں ملزوم بول کر لازم کا ارادہ کیا جاتا، توجہ ہے؟ معنٰی غیرِ موضوع لہ ہوتا ہے، اور لازم ہوتا ہے ملزوم کے ساتھ۔ تو لہٰذا میں اب آپ کو بتانا چاہتا ہوں زید لمبے قد والا ہے تو میں کہوں گا زَيْدٌ طَوِيلُ النِّجَادِ، اور معنٰی وہی ہے: زید لمبے قد والا ہے۔ اور میں اگر حقیقی معنٰی کا ارادہ کرنا چاہوں وہ بھی یہاں ٹھیک بن سکتا ہے: زید کی حمائل لمبی ہے، دیکھو یہ معنٰی بھی ٹھیک بن رہا ہے۔ تو کنایہ میں ملزوم بول کر لازم کا ارادہ ہوتا ہے، معنٰی غیرِ موضوع لہ ہوتا ہے اور موضوع لہ کے ساتھ لازم ہوتا ہے اس سے جدا نہیں ہوتا، جیسے لمبی قمیص کے ساتھ لمبا قد لازم ہے، لمبی حمائل کے ساتھ لمبا قد لازم ہے۔

اور نیز یاد رکھو، یہ کنایہ جو ہے کنایہ، اس سے کلام کا لطف بڑھ جاتا ہے کیونکہ بات گہری ہو گئی۔ ایک تھا سیدھا سیدھا میں کہہ دیتا زید کا قد لمبا ہے اس میں وہ لطف نہیں تھا، لیکن جب میں نے کہا زید کی قمیص لمبی ہے اور ارادہ کیا قد لمبا ہے، یا میں نے کہا زَيْدٌ طَوِيلُ النِّجَادِ ذکر نجاد کا کیا اور ارادہ قد کا کیا تو دیکھو بات کا لطف بڑھ گیا۔ تو ایک تو اس میں بات گہری ہوتی ہے، نیز یاد رکھو کنایہ اس لیے بھی اعلیٰ ہے کہ اس میں دعویٰ مع الدلیل کے ہوتا ہے۔ بھائی ایک ہے صرف دعویٰ، ایک یہ ہے کہ دعوے کے ساتھ دلیل بھی آجائے، کس میں لطف زیادہ ہے؟ دعوے میں دلیل بھی آجائے۔ دیکھو میں نے کہا زَيْدٌ طَوِيلُ النِّجَادِ، زید لمبے قد والا ہے، لمبے حمائل والا ہے یہ ترجمہ نہ کرنا ورنہ یہ تو حقیقت بن جائے گا یہ کنایہ نہیں ہے۔ زَيْدٌ طَوِيلُ النِّجَادِ کیا ترجمہ؟ زید لمبے قد والا ہے۔ دعویٰ بھی آیا اور ساتھ دلیل بھی آگئی، دلیل کیا؟ کہ اس کی حمائل لمبی ہے، یہ دلیل ہے بھائی۔ تو دیکھا دعویٰ کس کے ساتھ ہوا؟ دلیل کے۔ میں نے کہا زید کی قمیص لمبی ہے، اور ارادہ کیا قد لمبا ہے: زید کا قد لمبا ہے اور ساتھ دلیل بھی آگئی کیا؟ کہ اس کی قمیص لمبی ہے، یہ دلیل ہے اس بات کی کہ اس کا قد لمبا ہے۔ تو اس لیے کہتے ہیں: اَلْكِنَايَةُ أَبْلَغُ مِنَ الصَّرِيحِ، توجہ ہے؟ اَلْكِنَايَةُ أَبْلَغُ مِنَ الصَّرِيحِ یعنی اَلْكِنَايَةُ أَفْضَلُ مِنَ الصَّرِيحِ، کنایہ صریح سے افضل ہوتا ہے کیونکہ اس میں دعویٰ مع الدلیل کے ہوتا ہے۔

اچھا بات یہ چل رہی تھی کہ کنایہ میں لفظ ایک بولتے ہیں اور ارادہ دوسرے معنٰی کا ہوتا ہے، ارادہ دوسرے معنٰی کا ہوتا ہے۔ اسی طرح یہ جو ضمیر ہے، ضمیر کے اندر بھی علماء فرماتے ہیں یہ کنایہ ہوتا ہے۔ مثلاً میں نے کہا جَاءَنِي زَيْدٌ میرے پاس زید آیا، آگے میں کہتا ہوں وَهُوَ صَدِيقِي اور وہ میرا دوست ہے۔ اب هُوَ سے کون مراد ہے؟ زید، ضمیر کس کو راجع ہے؟ زید کو راجع ہے۔ تو زید تو اس کا نام ہے، اب هُوَ بول کر کون مراد؟ زید، اس کو کہتے ہیں کنایہ۔ ایک اسم بول کر دوسرے اسم کا ارادہ کیا جائے، هُوَ بول کر کون مراد؟ زید مراد، ایک اسم بول کر دوسرے اسم کا ارادہ کیا جائے اس کو کہتے ہیں کنایہ بھائی۔ مثلاً آپ کا نام ہے زید، آپ کا نام کیا؟ زید۔ آپ میرے مخاطب ہیں، میں آپ سے بات کر رہا ہوں، تو اب مخاطب کا نام

لیتے ہیں یا ضمیر ذکر کرتے ہیں؟ ضمیر ذکر کرتے ہیں۔ تو میں نے کہا كَيْفَ أَنْتَ، کیا کہا؟ كَيْفَ أَنْتَ، اور اس أَنْتَ مثلاً آپ کا نام زید ہے، اس أَنْتَ سے کون مراد ہے اس وقت؟ زید، میرا مخاطب زید مراد ہے، تو دیکھا اس میں کنایہ ہے۔ یا میں اپنی بات کرتا ہوں، اور مثلاً میرا نام زید ہے اور میں کہتا ہوں أَنَا جَالِسٌ میں بیٹھا ہوں، اس أَنَا کے ذریعے میں نے کنایہ کیا کس سے؟ میرا نام زید ہے مثلاً تو أَنَا سے میں نے کس سے کنایہ کیا؟ زید سے یعنی اپنے، یوں کہو ایک اسم کے ذریعے کنایہ کرنا دوسرے اسم سے۔ یا یوں کہو ایک اسم سے ارادہ کرنا دوسرے اسم کا، اس کو کیا کہتے ہیں؟ کنایہ۔ تو ضمیروں میں کیا ہوتا ہے؟ کنایہ ہوتا ہے۔ ضمیر مختصر ہوتی ہے اور اس میں کنایہ ہوتا ہے بات مختصر ہو جاتی ہے بھائی۔

بات یہ چل رہی تھی کہ یہ جو اسمِ ظاہر ہے، یہ ہے یہ ہے اصل اور ضمیر کیا ہے؟ کنایہ ہے، بات سمجھ میں آگئی؟

چلیے بس کریں بس بھائی، بات یہاں تک سمجھ میں آگئی، کنایہ اچھی طرح سمجھ میں آگیا، چلیے بس بھائی، هٰذَا هُوَ الْمَرَامُ، وَاللّٰهُ أَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْكَلَامِ۔

سبق نمبر ۴۹: انواعِ اعراب (۴): کِلَا و کِلْتَا کی اسمِ ظاہر اور ضمیر کی طرف اضافت کا اعراب

شرحِ ملا جامی صفحہ: ۳۲ — بتاریخ: ۲۲ اگست ۲۰۲۱ء

▪ تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث

دیکھیے بھائی آگے سبق، کہتے ہیں: فَاِذَا اُضِيْفَ اِلَى الْمُظْهَرِ الَّذِىْ هُوَ الْاَصْلُ رُوعِىَ جَانِبُ لَفْظِهِ الَّذِىْ هُوَ الْاَصْلُ، وَاُعْرِبَ بِالْحَرَكَاتِ الَّتِىْ بِىَ الْاَصْلُ، لٰكِنْ تَكُوْنُ حَرَكَاتُهُ تَقْدِيْرِيَّةً، لِاَنَّ آخِرَهُ اَلِفٌ تَسْقُطُ بِالْتِقَاءِ السَّاكِنَيْنِ، نَحْوُ جَاءَنِىْ كِلَا الرَّجُلَيْنِ وَرَاَيْتُ كِلَا الرَّجُلَيْنِ وَمَرَرْتُ بِكِلَا الرَّجُلَيْنِ۔

گذشتہ سبق میں اسمائے ستہ مکبرہ کے بارے میں ہم نے پڑھا اور اسی طرح تثنیہ، کلا اور اثنان کے اعراب کے بارے میں پڑھا۔ صاحب جامی نے آپ کو بتلایا کہ یہ جو اسمائے ستہ مکبرہ ہیں ان کو اعراب بالحرف اس لیے دیا گیا کیونکہ تثنیہ اور جمع کو اعراب بالحرف دیا گیا تھا تو کچھ حروف کو بھی اعراب بالحرف دے دیا گیا تاکہ تثنیہ اور جمع اور مفردوں کے درمیان جو ہے وحشت اور منافرت تامہ نہ ہو جائے بھائی۔ تو ان میں کچھ مناسبت پیدا ہو جائے۔ پھر چھ اسموں کو منتخب کیا گیا اعراب بالحرف کے لیے، وجہ اس کی یہ کہ تثنیہ اور جمع کی اعراب کے اعتبار سے کل چھ حالتیں بنتی ہیں: رفع، نصب اور جر۔ تثنیہ میں بھی تین اور جمع میں بھی تین۔ تو کل چھ حالتیں ہو گئیں تو ہر حالت کے مقابلے میں ایک ایک اسم کو اعراب دے دیا گیا۔

اور پھر یہ بھی بتلایا تھا کہ انہی چھ کا انتخاب کیوں کیا، تو اس کی دو وجہیں ذکر کیں۔ ایک تو یہ کہ ان کی تثنیہ اور جمع کے ساتھ مشابہت ہے کیونکہ جیسے تثنیہ اور جمع تعدد پر دلالت کرتے ہیں، یہ جو ہے یہ اسمائے ستہ بھی تعدد کی خبر دیتے ہیں بھائی، تعدد کی خبر دیتے ہیں۔ جیسے اَخٌ یہ بتلاتا ہے کوئی اور اَخ ہے جس کا یہ بھائی ہے۔ اَبٌ یہ خبر دیتا ہے بیٹا یا بیٹی ہے جس کی وجہ سے اس کو اَب کہا جا رہا ہے۔ اسی طرح حَم کہا گیا تو حَم نے عورت کی خبر دی کہ کسی عورت کا یہ حَم ہے۔ اور اسی طرح فَم اور ہَن جو ہے انہوں نے صاحبِ فَم اور صاحبِ ہَن کی خبر دی بھائی۔ اور ذُو مَال نے آگے مضاف الیہ یعنی مَا يُصَاحِبُهُ کی خبر دی بھائی۔ کس کی؟ ذُو کا معنی صاحب، تو اس نے مَا يُصَاحِبُهُ کی خبر دی۔ تو یہ سب جو ہیں تعدد کی خبر دیتے ہیں، تو ان کی

مشابہت ہے۔ اور نیز اس وجہ سے ان کو اعراب بالحرف دیا گیا انہی چھ کو کیونکہ ان کے آخر میں ایسے حرف موجود تھے جو اعراب بننے کی صلاحیت رکھتے تھے جس وقت ان کو اعراب دیا جاتا ہے، عربوں سے سننے کے اعتبار سے۔ ہم نے عربوں سے اسی طرح سنا ہے کہ اعراب کے موقع میں ان کے ساتھ واؤ، الف اور یا پڑھتے ہیں۔ اور واؤ، الف اور یا یہ حروفِ مدہ ہیں، یہ اعراب بننے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ جبکہ ان کے علاوہ باقی جو اسماء ہیں محذوفۃ الاعجاز، ان میں ہم نے عربوں سے نہیں سنا کبھی کہ وہ جو حرف حذف ہوئے ہیں وہ واپس آجائیں۔ تو ان کے آخر میں ایسے حروف نہیں تھے جو اعراب بننے کی صلاحیت رکھتے بھائی۔

اس کے بعد تثنیہ اور اس کے ملحقات کا اعراب آیا تھا کہ تثنیہ، کِلا جب وہ مضاف ہو ضمیر کی طرف، اور اِثْنَانِ وغیرہ ان کا رفع الف کے ساتھ آئے گا، نصب اور جر یا کے ساتھ۔ اور کِلا اور اِثْنَانِ ان کو تثنیہ نہیں کہا بلکہ ملحق بالتثنیہ کہا کہ تثنیہ کے ساتھ ملحق ہیں۔ وجہ یہ میں نے آپ کو بتلایا تھا تثنیہ اس کو کہتے ہیں کہ جس کا کوئی مفرد ہو اور اس مفرد کے آخر میں الف نون ملا کر پھر اس سے تثنیہ بنایا جائے۔ تو کِلا اس کے آخر میں تو الف نون ہی نہیں ہے۔ اور اِثْنَتَانِ اس کے آخر میں بے شک الف نون ہے لیکن اس کا مفرد استعمال نہیں ہوتا۔ تو یہ اصطلاحی تثنیہ نہیں ہیں، تو یہ ملحق بالتثنیہ ہو گئے۔ اور پھر یہ بھی بتایا کہ ماتن نے کِلا کو ذکر کیا حالانکہ ایک کِلْتَا بھی ہے، اس کو بھی ذکر کرنا چاہیے تھا۔ تو بتلایا کہ اصل کِلا ہے مذکر ہے، تو جب اصل کو ذکر کر دیا تو فرع کا ذکر بھی آگیا، تو فرع بھی ضمناً آگئی بھائی۔

اس کے بعد صاحبِ کافیہ نے کِلا کے ساتھ قید لگائی تھی کہ کِلا جب وہ مضاف ہو ضمیر کی طرف۔ کِلا جب وہ، تو یہ قید کیوں لگائی؟ میں نے آپ کو بتلایا تھا کہ کِلا کے استعمال کے دو طریقے ہیں: یا یہ ضمیر کی طرف مضاف ہوتا ہے، یا پھر یہ اسمِ ظاہر کی طرف جو معرف باللام ہو اس کی طرف مضاف ہوتا ہے۔ تو جب یہ ضمیر کی طرف مضاف ہو تو پھر اس وقت اس کا اعراب الف اور یا کے ساتھ آتا ہے۔ اور جب یہ اسمِ ظاہر معرف باللام کی طرف مضاف ہو تو پھر اس کا اعراب بالحرکت ہوتا ہے اور تینوں حالتوں میں تقدیری ہوتا ہے۔ جَاءَنِیْ کِلَا الرَّجُلَیْنِ، رَاَیْتُ کِلَا الرَّجُلَیْنِ، مَرَرْتُ بِکِلَا الرَّجُلَیْنِ۔ یہ الف اسی طرح رہتا ہے بدلتا نہیں بھائی، اور الف ہے آخر میں اور الف پر تو رفع نصب جر نہیں آسکتا، تو پھر اعراب تقدیری ہو گا۔

اس کے بعد یہ ذکر کر رہے تھے کہ یہ جو ماتن نے قید لگائی کہ یہ کِلا جب مضاف ہو ضمیر کی طرف، اس وقت اس کو اعراب بالحرف دیتے ہیں یعنی الف اور یا والا، اس کی کیا وجہ ہے؟ تو نکتہ بیان فرما رہے تھے صاحبِ جامی بھائی، اور فرمایا کہ دیکھو یہ جو کِلا ہے اس میں دو حالتیں ہیں۔ لفظوں کے اعتبار سے یہ مفرد ہے کیونکہ الف نون آخر میں نہیں ہے، اور معنی کے اعتبار سے یہ تثنیہ ہے دو پر دلالت کرتا ہے۔ تو اس کا جو لفظ ہے وہ تقاضا کرتا ہے اعراب بالحرکات کا اور اس کا معنی تقاضا کرتا ہے اعراب بالحروف کا، تو ہم نے دونوں کی رعایت رکھی بھائی، دونوں کی رعایت رکھی۔ تو جب یہ اسمِ ظاہر کی طرف مضاف ہوتا ہے تو اس کو اعراب بالحرکت دیے۔ وجہ کیا؟ میں وجہ ذکر کر رہا تھا، کیونکہ ایک ہے اسمِ ظاہر ایک ہے ضمیر۔

میں نے آپ کو بتلایا کہ اسمِ ظاہر اصل ہے اور ضمیر فرع۔ وجہ یہ کہ اسمِ ظاہر اپنے معنی پر خود دلالت کرتا ہے، یہ مکنی عنہ کا محتاج نہیں۔ جبکہ ضمیر جو ہوتی ہے وہ مکنی عنہ کی محتاج۔ مکنی عنہ وہ چیز جس سے کنایہ کیا گیا۔ مَکْنِیٌّ عَنْہُ وہ چیز جس سے کنایہ کیا گیا۔ تو کنایہ کسی چیز سے کیا جائے گا نا تو وہ چیز بھی چاہیے بھائی، اس کے بغیر تو کنایہ نہیں ہو سکتا۔

میں نے آپ کو بتلایا تھا کہ کنایہ کہتے ہیں ملزوم بول کر لازم کا ارادہ کرنا، یعنی معنی غیر موضوع لہ کا ارادہ کرنا۔ اور مجاز اور کنایہ میں فرق بھی بتلایا تھا کہ مجاز میں بھی معنی غیر موضوع لہ کا ارادہ ہوتا ہے اور کنایہ میں بھی معنی غیر موضوع لہ کا ارادہ ہوتا ہے۔ لیکن فرق یہ کہ مجاز کے اندر معنی حقیقی کا اسی جگہ پر ارادہ نہیں ہو سکتا، جبکہ کنایہ کے اندر معنی حقیقی کا ارادہ بھی وہاں پر درست بنتا ہے۔ تو کنایہ کسے کہتے ہیں؟ ملزوم بول کر لازم کا ارادہ کرنا یعنی ایک چیز بول کر دوسرے معنی کا ارادہ کرنا۔ ضمیر میں بھی اسی طرح ہے، مثلاً میں نے کہا جَاءَنِیْ زَیْدٌ، اور دوسری دفعہ اب آگے میں کیا کہتا ہوں: وَہُوَ صَدِیْقِیْ۔ اب اس ہُوَ سے کون مراد ہے؟ زید مراد ہے، تو ایک اسم بول کر دوسرے اسم کا ارادہ کیا، اس کو کہتے ہیں کنایہ، کنایہ کہتے ہیں۔ تو یہ ضمیر محتاج ہے کس کی؟ مکنی عنہ، کس سے کنایہ کیا ہے بھائی، زید چاہیے یا نہیں؟ زید کے بغیر ہُوَ کا معنی تو سمجھ میں نہیں آئے گا بھائی۔ تو ضمیر محتاج ہوئی مکنی عنہ کی، جبکہ اسمِ ظاہر مکنی عنہ کا محتاج نہیں۔ تو معلوم ہوا اسمِ ظاہر اصل ہے اور ضمیر فرع ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟

اب ادھر دیکھیے۔ اسمِ ظاہر اصل ہے، تو جب کِلا کی اضافت کرتے ہیں اسمِ ظاہر کی طرف تو پھر کہتے ہیں ہم نے لفظوں کی رعایت رکھی کیونکہ لفظ اصل ہے معنی فرع ہے۔ توجہ ہے؟ لفظ اصل ہے معنی فرع۔ میں لفظ بولوں گا تو معنی آپ کو سمجھ میں آئے گا، اگر میں لفظ نہیں بولوں گا تو معنی سمجھ میں آسکتا ہے آپ کو؟ جی؟ نہیں، جب تک لفظ میں بولوں گا نہیں معنی آپ کو سمجھ میں نہیں آئے گا۔ یہ میں تقریر کر رہا ہوں تو آپ سمجھتے جا رہے ہیں، اگر میں تقریر نہ کروں خاموشی سے بیٹھ کر صرف معانی سوچتا رہوں تو آپ کو کچھ بات سمجھ میں آئے گی؟ نہیں۔ تو لفظ ہوا اصل اور معنی ہوا فرع۔ معلوم ہوا اسمِ ظاہر اصل ہے اور ضمیر فرع۔ اسی طرح لفظ اصل ہے اور معنی فرع۔ اسی طرح اعراب بالحرکات اصل ہے اور اعراب بالحرف فرع۔ توجہ ہے؟ پھر دہراؤ۔ اسمِ ظاہر اصل اور ضمیر فرع۔ اسی طرح لفظ اصل اور معنی فرع۔ اور اعراب بالحرکات اصل اور اعراب بالحرف فرع ہے۔ اسی لیے، اسی لیے تو تثنیہ اور جمع کو اعراب بالحرف دیا گیا، تثنیہ اور جمع کو اعراب بالحرف دیا گیا، کیونکہ تثنیہ اور جمع کس سے بنتے ہیں؟ مفرد سے۔ تو مفرد ہوا اصل اور تثنیہ جمع ہوئے فرع۔ اور مفرد کو کون سا اعراب دیا ہے؟ اعراب بالحرکت، تو فرع کو کون سا دیا ہے؟ اعراب بالحرف دیا ہے۔ تو اعراب بالحرکت اصل ہے اور اعراب بالحرف فرع ہے۔

تو لہٰذا جب کِلا کی اضافت ہوئی معرف باللام کی طرف یعنی اسمِ ظاہر کی طرف، تو اسمِ ظاہر کیا ہے اصل ہے یا فرع ہے؟ اصل ہے۔ ایک صورت یہ ہے کِلا کی اضافت ضمیر کی طرف ہو، ایک صورت یہ ہے کہ اسمِ ظاہر معرف باللام کی

طرف ہو۔ تو کِلا کی اضافت جب کس کی طرف ہو؟ اسمِ ظاہر کی طرف، اور اسمِ ظاہر کیا ہے؟ اصل ہے۔ جب اسمِ ظاہر اصل ہے تو ہم نے بھی یہاں پر کِلا کی اصل کا لحاظ رکھا یعنی لفظ کا، کِلا کے۔ ایک کِلا کا لفظ ہے ایک معنی، جب کِلا کی اضافت کس کی طرف ہوئی؟ معرف باللام کی طرف یعنی اسمِ ظاہر کی طرف، تو اسمِ ظاہر اصل ہے۔ تو جب اسم میں اصل کی طرف اضافت ہوئی تو ہم نے بھی کِلا کے اندر اصل کی رعایت رکھی، اور کِلا ایک ہے لفظ ایک ہے معنی، اصل کیا؟ لفظ۔ تو ہم نے کِلا کے لفظ کی رعایت رکھی کیونکہ وہ اصل ہے، اور اس کو اعراب بالحرکت دیا کیونکہ وہ بھی اصل ہے۔ توجہ ہے؟ پھر دہراؤ۔ جب کِلا کی اضافت ہوئی کس کی طرف؟ معرف باللام کی طرف، اور معرف باللام تو کیا ہے؟ اصل۔ تو ہم نے بھی اس کِلا کے اندر اصل کی رعایت رکھی، اور اصل کِلا میں کیا ہے؟ لفظ ہے، لفظ کی رعایت رکھی۔ اور اس کو ہم نے اصل والا اعراب دیا، اور وہ کون سا ہے؟ اعراب بالحرکت ہے۔ اور جب کِلا کی اضافت ضمیر کی طرف ہوئی اور ضمیر تو کیا ہے؟ فرع، تو ہم نے بھی کِلا میں معنی کی رعایت رکھی، اور معنی تو کیا ہے؟ فرع، اور اس کو اعراب بالحرف دیا اور وہ بھی کیا ہے؟ فرع۔ بات سمجھ میں آئی؟ نہیں توجہ۔ تین چیزیں ہیں اصل اور تین چیزیں ہیں فرع۔ اسمِ ظاہر ہے اصل اور ضمیر ہے فرع، اور اسی طرح لفظ ہے اصل اور معنی ہے فرع، اور اعراب بالحرکت ہے اصل اور اعراب بالحرف ہے فرع۔ تو جب کِلا کی اضافت ہوئی اسمِ ظاہر کی طرف تو کس کی طرف اضافت ہو رہی ہے؟ اصل کی طرف۔ تو کس کا لحاظ رکھو؟ کِلا کے لفظ کا کیونکہ لفظ بھی کیا ہے؟ اصل۔ اور لفظ کے اعتبار سے تو کِلا کیا ہے؟ مفرد۔ جب مفرد ہے تو کون سا اعراب آنا چاہیے؟ اعراب بالحرکت آنا چاہیے، تو ہم نے اس کو اعراب بالحرکت دیا۔ تو کِلَا الرَّجُلَيْنِ تینوں حالتوں میں اعراب بالحرکت ہے، البتہ اعراب تقدیری ہے کیونکہ کِلا کے آخر میں الف موجود ہے۔ کون سا اعراب دیا؟ بالحرکت۔ اور جب یہ ضمیر کی طرف مضاف ہوا تو ضمیر کیا ہے؟ فرع، اور جب فرع ہے تو ہم نے کِلا میں بھی فرع کی رعایت کی یعنی اس کے معنی کی، کِلا کے معنی کی رعایت کی کیونکہ معنی بھی کیا ہے؟ فرع، اور اس کو اعراب بھی فرع والا دیا کون سا؟ اعراب بالحروف دے دیا۔ اسی لیے کِلَاہُمَا اور کِلَيْہِمَا، بات سمجھ میں آگئی۔

دیکھیے کتاب پر۔ کہتے ہیں: فَاِذَا اُضِيْفَ اِلَى الْمُظْهَرِ الَّذِيْ هُوَ الْاَصْلُ، جب کِلا کی اضافت کی گئی اس اسمِ ظاہر کی طرف جو اصل ہے۔ اسمِ ظاہر کیا ہے؟ اصل ہے۔ رُوعِيَ جَانِبُ لَفْظِهٖ، تو پھر کِلا کے لفظ کی جانب کی رعایت کی گئی، الَّذِيْ هُوَ الْاَصْلُ، وہ لفظ جو کہ اصل ہے۔ وَاُعْرِبَ بِالْحَرَكَاتِ، اور اس کو اعراب بالحرکات دیا گیا، الَّتِيْ هِيَ الْاَصْلُ، جو کیا ہے؟ اعراب بالحرکات بھی اصل ہے۔ لٰكِنْ تَكُوْنُ حَرَكَاتُهٗ تَقْدِيْرِيَّةً، لیکن اس کی یہ جو حرکات ہیں یہ تقدیری ہیں بھائی، اس کی یہ حرکات تقدیری ہیں۔ کیوں؟ لِاَنَّ آخِرَهٗ اَلِفٌ، کیونکہ اس کے آخر میں الف ہے، تَسْقُطُ بِالْتِقَاءِ السَّاكِنَيْنِ، اور وہ الف گر گیا کس کی وجہ سے؟ التقاء ساکنین کی وجہ سے۔ دیکھو کِلا اور آگے آیا اَلرَّجُلَيْنِ۔ اَلرَّجُلَيْنِ، اَلرَّجُلَيْنِ کے شروع میں ہمزہ وصلی وہ گر گیا اور لام جو ہے اس کو را کر کے را میں کیا کر دیا گیا؟ ادغام کر دیا گیا۔ تو اب پہلے را بھی ساکن اور کِلا کے آخر میں الف بھی

ساکن، تو الف اور را دو ساکن جمع ہوئے، اجتماع ساکنین آیا، اور اجتماع ساکنین میں دو ہی صورتیں ہیں: اگر اول حرفِ مدہ ہو تو اس کو گرا دیتے ہیں ورنہ اس کو کسرہ والی حرکت دے دیتے ہیں۔ تو کِلا الف بھی ساکن را بھی ساکن، تو اجتماع ساکنین آیا۔ ان میں سے اول کون؟ الف، اور وہ کیا ہے حرفِ مدہ، تو اس کو گرا دیا تو کیا بن گیا؟ کِلَ الرَّجُلَيْنِ، اب الف نہیں پڑھنا کِلَ الرَّجُلَيْنِ۔ طریقہ سمجھ میں آگیا۔ تو کہتے ہیں: لِاَنَّ آخِرَهُ اَلِفٌ تَسْقُطُ بِالْتِقَاءِ السَّاكِنَيْنِ، کیونکہ اس کے آخر میں ایسا الف ہے، دیکھو اَلِفٌ نکرہ آیا اور اس کے بعد فعل آیا تو یہ اس کے لیے کیا بنے گا؟ صفت۔ اور موصوف صفت کا ترجمہ کیسے کرتے ہیں؟ موصوف سے پہلے ایسا یا ایسی کا لفظ لاتے ہیں۔ تو کہتے ہیں: لِاَنَّ آخِرَهُ اَلِفٌ تَسْقُطُ بِالْتِقَاءِ السَّاكِنَيْنِ، اس لیے کیونکہ اس کِلا کے آخر میں ایسا الف ہے جو گر جاتا ہے التقاء ساکنین سے، یعنی اس کی وجہ سے اعراب تقدیری آیا۔ نَحْوُ جَاءَنِيْ كِلَا الرَّجُلَيْنِ، دیکھو تینوں حالتوں میں کِلَا ہی رہے گا، کِلَیْ نہیں بنے گا۔ جَاءَنِيْ كِلَا الرَّجُلَيْنِ وَرَاَيْتُ كِلَا الرَّجُلَيْنِ وَمَرَرْتُ بِكِلَا الرَّجُلَيْنِ، دیکھو تینوں حالتوں میں اعراب تقدیری ہے، جَاءَنِيْ كِلَا الرَّجُلَيْنِ، یہ مرفوع ہے تقدیراً، ضمہ تقدیری ہے یہاں پر۔ اور رَاَيْتُ كِلَا الرَّجُلَيْنِ، یہاں فتحہ تقدیری ہے تو یہ منصوب ہے تقدیراً۔ اور مَرَرْتُ بِكِلَا الرَّجُلَيْنِ، جر کس کے ساتھ آتا ہے؟ کسرہ کے ساتھ، تو یہاں کسرہ تقدیری ہے۔ تلفظ میں ضمہ، فتحہ، کسرہ آئے؟ نہیں، تو اعراب تقدیری ہیں بھائی۔ سب کو بات سمجھ میں آگئی۔

آگے دیکھیے۔ کہتے ہیں: وَاِذَا اُضِيْفَ اِلَى الْمُضْمَرِ الَّذِيْ هُوَ الْفَرْعُ، اور جب اس کِلا کی اضافت کی گئی اس ضمیر کی طرف الَّذِيْ هُوَ الْفَرْعُ جو کہ فرع ہے، رُوعِيَ جَانِبُ مَعْنَاهُ الَّذِيْ هُوَ الْفَرْعُ، تو رعایت کی گئی اس کِلا کے معنی کی جانب کی الَّذِيْ هُوَ الْفَرْعُ وہ معنی جو فرع ہے، وَاُعْرِبَ بِالْحُرُوْفِ، اور اس کو اعراب بالحروف دیا گیا الَّتِيْ هِيَ الْفَرْعُ، وہ اعراب بالحروف جو فرع ہے بھائی۔ نَحْوُ جَاءَنِيْ كِلَاهُمَا وَرَاَيْتُ كِلَيْهِمَا وَمَرَرْتُ بِكِلَيْهِمَا۔ بات سب کو سمجھ میں آگئی اچھی طرح۔

آگے دیکھیے بھائی۔ کہتے ہیں: فَلِذٰلِكَ قَيَّدَ كَوْنَ اِعْرَابِهِ بِالْحُرُوْفِ بِكَوْنِهِ مُضَافًا اِلٰى مُضْمَرٍ۔ اسی وجہ سے صاحبِ کافیہ نے کِلا کو مقید کیا تھا۔ تو معلوم ہوا یہ جو تثنیہ کا اعراب کس کے ساتھ آتا ہے؟ الف اور یا، کِلا میں بھی اعراب الف اور یا کے ساتھ آئے گا، لیکن مطلقاً یا جب وہ ضمیر کی طرف مضاف ہو؟ جب ضمیر کی طرف مضاف ہو، تو یہی بات ذکر کر رہے ہیں۔ کہتے ہیں: فَلِذٰلِكَ، اسی وجہ سے، قَيَّدَ كَوْنَ اِعْرَابِهِ بِالْحُرُوْفِ، ماتن نے مقید کیا اس کے اعراب بالحروف ہونے کو، اس کِلا کے اعراب بالحروف ہونے کو مقید کیا بِكَوْنِهِ مُضَافًا اِلٰى مُضْمَرٍ، اس کے مضاف الی مضمر ہونے کے ساتھ۔ یہ کیا ہونا چاہیے؟ مضاف الی ضمیر کی طرف مضاف ہونا چاہیے، پھر اس کا اعراب بالحروف آئے گا ویسے نہیں آئے گا۔

وَاِثْنَانِ وَكَذَا اِثْنَتَانِ وَثِنْتَانِ۔ اور اسی طرح ہے اِثْنَانِ بھی، وَكَذَا اِثْنَتَانِ وَثِنْتَانِ، اور اسی طرح ہے اِثْنَتَانِ بھی اور ثِنْتَانِ بھی۔ میں نے بتایا اِثْنَانِ کا معنی دو، لیکن یہ مذکر کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ اِثْنَتَانِ اور ثِنْتَانِ کا معنی بھی دو، لیکن یہ مؤنث کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ ایک اور قیمتی بات یاد رکھنا۔ یاد رکھو یہ جو اِثْنَانِ اور اِثْنَتَانِ ہے، اس کے شروع میں جو ہمزہ ہے

یہ ہمزہ وصل ہے، یہ درجِ عبارت میں گر جاتا ہے۔ لیکن یہاں نہیں گرے گا، وَاِثْنَتَانِ یوں پڑھیں گے، وَثِنْتَانِ نہ پڑھنا بھائی، وَثِنْتَانِ نہ پڑھنا۔ کیا وجہ ہے؟ وجہ میں بتلا چکا ہوں پہلے ہی بھائی۔ کیا وجہ؟ دیکھو عبارت کیسے پڑھیں گے: اَلْمُثَنّٰی وَکِلَا مُضَافًا اِلٰی مُضْمَرٍ وَاِثْنَانِ، وَاِثْنَانِ، ہمزہ کو نہیں گرانا۔ کیوں نہیں گرانا؟ وجہ یہ، وجہ یہ کہ یہاں یہ لفظ علم کے درجے میں ہے، لفظ بول کر لفظ مراد ہے۔ اِثْنَانِ کا معنی تو دو ہے لیکن یہاں جو بھی اس کا ترجمہ کرے گا اس کا ترجمہ دو کے ساتھ نہیں کرے گا۔ پھر سنو: اَلْمُثَنّٰی وَکِلَا مُضَافًا اِلٰی مُضْمَرٍ وَاِثْنَانِ۔ جی کیسے ترجمہ کریں گے؟ اَلْمُثَنّٰی تثنیہ، وَکِلَا اور کِلا، دیکھا کِلا کا ترجمہ ہم نہیں کر رہے، معلوم ہوا لفظ مراد ہے، کِلا سے لفظ۔ جب مُضَافًا اِلٰی مُضْمَرٍ، اس حال میں کہ یہ کِلا مضاف ہو ضمیر کی طرف، وَاِثْنَانِ اور اِثْنَانِ، دیکھا وَاِثْنَانِ دیکھا آپ اس کا ترجمہ نہیں کر رہے۔ دو اور دوبوں نہیں کہہ رہے، اور اِثْنَانِ۔ تو جب لفظ بول کر لفظ کا ارادہ کیا جائے تو وہ علم کے درجے میں ہوتا ہے، تو یہ اِثْنَانِ بھی کیا ہے؟ علم ہے۔ جب یہ علم بن گیا تو اب وہ ہمزہ قطعی بن گیا، وہ وصلی نہ رہا۔ تو وہ جو عبارتوں میں اِثْنَانِ اور اِثْنَتَانِ آتا ہے اس کا نام ہی اِثْنَانِ اور اِثْنَتَانِ رکھ دیا، تو اب اس میں ہمزہ نہیں گرے گا بھائی۔

تو کہتے ہیں: وَاِثْنَانِ وَکَذَا اِثْنَتَانِ وَثِنْتَانِ، اور اسی طرح ہے اِثْنَتَانِ اور ثِنْتَانِ بھی، کیونکہ یہ مؤنث ہے تو یہ فرع ہے، تو جب اصل کا ذکر آگیا تو فرع اس کے تابع ہے وہ بھی آگئی بھائی۔ فَاِنَّ ہٰذِہِ الْاَلْفَاظَ، اب وجہ ذکر کرنے لگے ہیں کہ اِثْنَانِ اور اِثْنَتَانِ وغیرہ کو ان کو یہ تثنیہ والا اعراب کیوں دیا، حالانکہ یہ تو تثنیہ نہیں ہیں۔ کہتے ہیں وجہ یہ کہ یہ تثنیہ اصطلاحی تو نہیں ہیں کیونکہ ان کا مفرد اِثْنٌ استعمال نہیں ہوتا، حالانکہ تثنیہ میں تو ضروری ہے کہ اس کا مفرد بغیر الف نون کے بھی استعمال ہوتا ہو۔ تو ان کا تو مفرد اِثْنٌ استعمال نہیں ہوتا۔ ہاں البتہ ان کی صورت تثنیہ جیسی ہے، جیسے تثنیہ کے آخر میں الف نون آتا ہے ان کے آخر میں بھی کیا ہے؟ الف نون۔ نیز ان کا معنی بھی تثنیہ والا ہے، تثنیہ کا معنی بھی ہوتا ہے دو اور ان کا معنی بھی ہے دو۔ تو چونکہ ان کی صورت بھی تثنیہ جیسی، معنی بھی تثنیہ جیسا، اس لیے ان کو بھی تثنیہ والا اعراب دے دیا گیا۔ کہتے ہیں: فَاِنَّ ہٰذِہِ الْاَلْفَاظَ وَاِنْ کَانَتْ مُفْرَدَۃً، کیونکہ یہ الفاظ جو ہیں اگرچہ مفرد ہیں، کون سے الفاظ؟ اِثْنَانِ، اِثْنَتَانِ اور ثِنْتَانِ۔ یہ الفاظ جو ہیں وَاِنْ کَانَتْ مُفْرَدَۃً اگرچہ یہ مفرد ہیں، لٰکِنْ صُوْرَتُہَا صُوْرَۃُ التَّثْنِیَۃِ، لیکن ان کی صورت تثنیہ کی صورت ہے، یعنی ان کے آخر میں الف نون جڑا تو ہوا ہے، صورت تو اس جیسی ہے، وَمَعْنَاہَا مَعْنَی التَّثْنِیَۃِ، اور ان کا معنی بھی تثنیہ والا معنی ہے کیونکہ ان کا معنی بھی ہے دو، فَاُلْحِقَتْ بِہَا، تو ان کو بھی تثنیہ کے ساتھ ملا دیا گیا۔

آگے دیکھیے۔ کہتے ہیں: بِالْاَلِفِ، یہ تثنیہ اور کِلا جب مضاف ہو ضمیر کی طرف اور اِثْنَانِ، ان تینوں کا اعراب بتانے لگے ہیں۔ تو یہ تین قسموں کا اعراب بتانے لگے ہیں، کون سی تین قسمیں؟ نمبر ایک تثنیہ، نمبر دو کِلا، نہ صرف کِلا نہیں کہنا، کِلا جب وہ مضاف ہو کس کی طرف؟ ضمیر کی طرف، یہ قید ساتھ ضرور لگانی ہے ورنہ تو تفصیل آپ نے پڑھ لی بھائی کہ ہمیشہ الف یا یا کے ساتھ کِلا کا اعراب نہیں آتا ہمیشہ۔ تو تثنیہ، کِلا جب وہ مضاف ہو ضمیر کی طرف، اور اسی طرح اِثْنَانِ وغیرہ، ان سب

کا اعراب کس کے ساتھ آئے گا؟ الف اور یا کے ساتھ، اب وہ بتانے لگے ہیں۔ کہتے ہیں: بِالْاَلِفِ، ان کا اعراب الف کے ساتھ ہو گا رَفْعًا اَیْ حَالَۃَ الرَّفْعِ، رفع کی حالت میں۔ وَالْیَاءِ، اور یا کے ساتھ آئے گا، ایسی یا الْمَفْتُوْحِ مَا قَبْلَہَا، جس کا ماقبل مفتوح ہو۔

ادھر دیکھیے، تثنیہ کا اعراب کیسے آتا ہے؟ حالتِ رفعی میں الف، اور نصبی جری میں یا ماقبل مفتوح۔ اور حالتِ نصبی جری میں یا ماقبل مفتوح، یا ماقبل مفتوح۔ تو وہی بیان کر رہے ہیں۔ کہتے ہیں: بِالْاَلِفِ رَفْعًا، ان کا اعراب الف کے ساتھ آئے گا رَفْعًا اَیْ حَالَۃَ الرَّفْعِ، رفع کی حالت میں، وَالْیَاءِ اور یا کے ساتھ آئے گا الْمَفْتُوْحِ مَا قَبْلَہَا، ایسی یا جس کا ماقبل مفتوح ہو، نَصْبًا وَجَرًّا اَیْ حَالَۃَ النَّصْبِ وَالْجَرِّ، نصب اور جر کی حالت میں یا کے ساتھ آئے گا۔

بھائی وَالْیَاءِ یہ ہے موصوف، اور الْمَفْتُوْحِ یہ ہے اس کی صفت۔ الْمَفْتُوْحِ یہ کیا ہے اس کی؟ صفت۔ اور یہ صفت بحالِ متعلقہ ہے۔ یہ صفت بحالِ متعلقہ ہے، زبان سے دہراؤ، صفت بحالِ متعلقہ۔ یاد رکھو صفت دو قسم پر ہوتی ہے: ایک صفت بحالہ ہے، ایک صفت بحالِ متعلقہ ہے۔ جیسے مثلاً زَیْدٌ قَائِمٌ۔ زید ہے مبتدا اور قَائِمٌ ہے اس کی خبر۔ یہ جو خبر ہوتی ہے یہ بھی صفت ہی ہوتی ہے۔ زَیْدٌ قَائِمٌ زید کھڑا ہے، جی قیام کس کی صفت ہے؟ زید کی صفت ہے، تو یہ خبر بھی کیا ہے؟ صفت ہی ہوتی ہے۔ تو یہاں پر یہ قیام کس کے لیے ہے؟ زید کے لیے۔ تو اس کو کہیں گے صفت بحالہ، یعنی یہ ایسی صفت ہے جو اپنے موصوف کی حالت بیان کر رہی ہے۔ توجہ ہے؟ یہ قَائِمٌ خبر کس کی؟ زید کی، اور قائم بھی کون ہے؟ زید ہے، تو اس کو کیا کہیں گے؟ صفت بحالہ، یعنی ایسی صفت جو اپنے موصوف کی حالت کو بیان کرے، بِحَالِہِ اَیْ بِحَالِ الْمَوْصُوْفِ، ہا ضمیر موصوف کو راجع۔ تو یہ زَیْدٌ قَائِمٌ، قَائِمٌ کس کی صفت؟ قائم کون ہے؟ زید ہے یا کوئی اور ہے؟ زید ہے، تو یہ قَائِمٌ ایسی صفت ہے جو بحالہ ہے یعنی اپنے موصوف کی حالت بیان کر رہی ہے، زید کے لیے خبر ہے اور زید ہی کی حالت بیان کر رہی ہے کسی اور کی حالت بیان نہیں کر رہی۔

دوسری مثال لے لو، زَیْدٌ قَائِمٌ اَبُوْہُ۔ یہ اَبُوْہُ کیا بن رہا ہے؟ جی زَیْدٌ قَائِمٌ اَبُوْہُ، زَیْدٌ ہے مبتدا۔ ترکیب کرو، زَیْدٌ مرفوع لفظاً مبتدا، قَائِمٌ مرفوع لفظاً صیغہ اسمِ فاعل۔ جی آگے اَبُوْہُ آ رہا ہے، اب ہُوَ ضمیر نکالنے کی ضرورت نہیں ہے۔ آگے اَبُوْہُ، اَبُوْ مرفوع لفظاً مضاف، مرفوع کیوں؟ یہ فاعل ہے قَائِمٌ کے لیے۔ اور ہا ضمیر مجرور محلاً مضاف الیہ، مضاف مضاف الیہ مل کر یہ فاعل ہوا کس کے لیے؟ قَائِمٌ کے لیے۔ اور اسمِ فاعل اپنے فاعل سے مل کر شبہ جملہ ہو کر خبر، اور اس میں جو اَبُوْہُ کے آخر میں ہا ضمیر تھی وہ ربط دے رہی ہے، وہ کس کو راجع ہے؟ زید کو، زید کو۔ قَائِمٌ اَبُوْہُ یہ شبہ جملہ بنے گا نا سارا، اور شبہ جملہ کو بھی کسی چیز سے جوڑنے کے لیے کیا چاہیے؟ ربط چاہیے، تو یہ اَبُوْہُ کی ہا ضمیر ربط دے رہی ہے۔ زَیْدٌ قَائِمٌ اَبُوْہُ، ترجمہ کیجیے، زید کے اس کے ابو کھڑے ہیں۔ قَائِمٌ اَبُوْہُ، قائم ہُوَ ہے زید ہے یا اَبُوْہُ ہے؟ اَبُوْہُ قائم ہے۔ بات سمجھ میں آ گئی۔ اب دیکھو غور کرو ذرا لفظوں پہ، قَائِمٌ لفظوں میں خبر کس کی؟ زید کی، یا یوں کہو قَائِمٌ لفظوں میں صفت کس کی؟ زید کی، اور

معنی میں صفت زید کی یا زید کے باپ کی؟ زید کے باپ کی۔ تو یہ ہے صفت بحالِ متعلقہ، صفت بحالِ متعلقہ، کہ لفظوں میں صفت ہو ایک کی، معنی میں صفت ہو اس کے متعلق کی۔ زید کا باپ زید کا متعلق ہے بھائی۔ تو صفت بحالہ کسے کہتے ہیں؟ صفت بحالہ کہ لفظوں میں جس کی صفت ہو معنی میں بھی اسی کی صفت ہو، اور صفت بحالِ متعلقہ کہ لفظوں میں صفت ہو ایک کی معنی میں صفت ہو اس کے متعلق کی۔ توجہ ہے؟ پھر سنو، زَیْدٌ قَائِمٌ، قَائِمٌ لفظوں میں صفت کس کی؟ زید کی، یعنی خبر ہے، خبر بھی صفت کے درجے میں، تو قَائِمٌ لفظوں میں خبر زید کی، لفظوں میں صفت زید کی، اور معنی میں بھی صفت کس کی ہے؟ زید کی ہے، قیام کس کے لیے ثابت ہے؟ زید کے لیے۔ اور زَیْدٌ قَائِمٌ اَبُوْہُ، یہ قَائِمٌ لفظوں میں صفت کس کی؟ زید کی، لیکن معنی میں صفت زید کی نہیں ہے بلکہ زید کے متعلق کی ہے، اس کے باپ کی۔ بات سمجھ میں آگئی۔

تو یہ دو قسم کی صفتیں ہوتی ہیں۔ یہاں پر بھی دیکھیے کتاب پر، وَالْیَاءِ یہ ہے موصوف، الْمَفْتُوْحِ یہ اس کی صفت ہے۔ موصوف صفت کا اعراب ایک ہوتا ہے، وَالْیَاءِ مجرور ہے تو الْمَفْتُوْحِ یہ بھی کیا ہو گا؟ مجرور۔ ادھر دیکھیے مجھے بتائیے تثنیہ میں رفع کس کے ساتھ؟ الف کے ساتھ، اور نصب اور جر یا کے ساتھ۔ یہ یا مفتوح ہوتی ہے یا اس یا کا ماقبل مفتوح ہوتا ہے؟ یا کا ماقبل مفتوح ہوتا ہے، رَجُلَیْنِ، یا تو ساکن ہے بھائی۔ تو یہاں پر بھی دیکھو وَالْیَاءِ، کہ ان تینوں کا اعراب جو ہے حالتِ نصبی جری میں کس کے ساتھ آئے گا؟ وَالْیَاءِ، ایسی یا الْمَفْتُوْحِ کہ مفتوح ہو، کیا چیز مفتوح ہو؟ مَا قَبْلَہَا اَیْ مَا قَبْلَ الْیَاءِ، یہ نائب فاعل ہے الْمَفْتُوْحِ کا بھائی۔ بات سمجھ میں آگئی؟ یہ نائب فاعل ہے، کہ مفتوح مَا قَبْلَہَا اَیْ مَا قَبْلَ الْیَاءِ، یا کا ماقبل مفتوح ہوتا ہے۔ تو الْمَفْتُوْحِ لفظوں میں صفت کس کی؟ یا کی، یا موصوف مجرور، الْمَفْتُوْحِ صفت بھی مجرور، لیکن وہ یا مفتوح ہوتی ہے یا اس کا ماقبل؟ ماقبل، تو یہ صفت بحالِ متعلقہ ہے۔ بات سمجھ میں آگئی۔ تو کہتے ہیں: وَالْیَاءِ، اور ان کا اعراب جو ہو گا وہ ایسی یا کے ساتھ ہو گا الْمَفْتُوْحِ مَا قَبْلَہَا کہ جس کا ماقبل مفتوح ہو گا، نَصْبًا وَجَرًّا، حالتِ نصبی میں اور حالتِ جری میں ایسی یا آئے گی بھائی۔ کَمَا سَیَجِیْءُ، جیسے کہ عنقریب آجائے گا، جیسے کہ عنقریب آجائے گا۔ ابھی آگے جمع کے اندر جا کر یہ بتلائیں گے کہ ان کو یہ اعراب کیوں دیا گیا، حالتِ رفعی میں الف کے ساتھ اور نصبی جری میں یا کے ساتھ کیوں دیا گیا، اب وہ تفصیل آگے جمع مذکر سالم کا جب اعراب ذکر کریں گے تو وہاں ذکر کریں گے۔ تو کہتے ہیں: کَمَا سَیَجِیْءُ، جیسے کہ عنقریب آجائے گا۔

جَمْعُ الْمُذَکَّرِ السَّالِمُ۔ جَمْعُ الْمُذَکَّرِ السَّالِمُ، جَمْعُ مضاف، الْمُذَکَّرِ مضاف الیہ، جَمْعُ الْمُذَکَّرِ، کیا ترجمہ ہوا؟ مضاف مضاف الیہ ہیں، مذکر کی جمع۔ جَمْعُ الْمُذَکَّرِ، مذکر کی جمع۔ اور آگے جو السَّالِمُ آیا یہ مذکر کی صفت نہیں ہے، اگر یہ مذکر کی صفت ہوتی تو مُذَکَّرٍ وہ تو مجرور ہے مضاف الیہ ہے تو السَّالِمِ اس کو بھی کیا ہونا چاہیے تھا؟ مجرور ہونا چاہیے تھا۔ یہ کس کی صفت ہے؟ یہ جمع کی صفت ہے، اور جمع مرفوع ہے جَمْعُ الْمُذَکَّرِ، تو السَّالِمُ اس کی صفت بھی کیا آگئی؟ مرفوع۔ تو ترجمہ کیا ہوا؟ جَمْعُ الْمُذَکَّرِ السَّالِمُ، مذکر کی وہ جمع جو سالم ہو، مذکر کی وہ جمع جو سالم ہو۔ تو اس سے تو معلوم ہوا کہ وہ جمع سالم نکل گئی جو مؤنث

کی ہو۔ یاد رکھو یہ جو واؤ نون کے ساتھ اور یا نون کے ساتھ جمع آتی ہے مُسْلِمُوْنَ اور مُسْلِمِیْنَ، یہ مذکر کی بھی جمع آتی ہے اور بعض اوقات مؤنث کی بھی یہی جمع آتی ہے۔ مُسْلِمٌ مذکر ہے، کوئی علامتِ تانیث جڑی ہوئی ہے؟ مُسْلِمٌ کا لفظ کیا ہے؟ مذکر ہے۔ اور اس کی جمع آئی مُسْلِمُوْنَ اور مُسْلِمِیْنَ، تو یہ مذکر کی جمع سالم ہے، کس کی؟ مُسْلِمٌ مذکر تھا اس کی یہ جمع سالم۔ اور کبھی یہ مؤنث کی جمع بھی سالم آتی ہے جیسے سَنَۃٌ۔ سَنَۃٌ سال کو کہتے ہیں، آپ اردو میں بھی استعمال کرتے ہیں کہ کس سن میں آپ کی پیدائش ہوئی ہے، تو سَنَۃٌ کسے کہتے ہیں؟ سال۔ اور اس کی جمع عربی میں استعمال ہوتی ہے سِنُوْنَ اور سِنِیْنَ، حالتِ رفعی میں سِنُوْنَ نصبی جری میں سِنِیْنَ۔ تو یہ سَنَۃٌ کے آخر میں تو گول تا جڑی ہوئی ہے، تو یہ تو مؤنث ہے یہ لفظ۔ تو دیکھو مؤنث کی جمع بھی کیا آئی؟ واؤ نون کے ساتھ آگئی۔ اسی طرح اَلْاَرْضُ ہے، اَرْضٌ آپ نے پڑھا ہے کہ یہ مؤنث سماعی ہے کیونکہ اس کی تصغیر نکال لو، تصغیر کیا ہے؟ اُرَیْضَۃٌ، تو وہاں پر گول تا موجود ہے، معلوم ہوا کہ یہ اَرْض کا لفظ مؤنث ہے، تو عرب اس کو مؤنث استعمال کرتے ہیں۔ اور اس کی جمع اَلْاَرَضُوْنَ آتی ہے واؤ نون کے ساتھ، اور حالتِ نصبی جری میں اَلْاَرَضِیْنَ۔ تو دیکھو مُسْلِمٌ مذکر لفظ تھا اس کی بھی جمع واؤ نون کے ساتھ، اور سَنَۃٌ اور اَرْضٌ مؤنث ہیں اور ان کی بھی جمع واؤ نون کے ساتھ۔ بات سمجھ میں آگئی۔

لیکن انہوں نے کیا کہا؟ جَمْعُ الْمُذَکَّرِ السَّالِمُ، مذکر کی وہ جمع جو سالم ہو۔ مذکر کی وہ جمع، تو مؤنث کی بھی یہی جمع آتی ہے یا نہیں؟ سَنَۃٌ اور اَرْضٌ کی بھی آتی ہے، وہ تو نکل گئے اس حکم سے۔ آپ نے تو کیا کہا مذکر کی جمع ہو یعنی مفرد کیا ہونا چاہیے؟ مذکر ہونا چاہیے، مذکر کی جمع سالم۔ مؤنث کی جمع سالم وہ تو نکل گئی اس سے۔ نہیں توجہ نہیں بات سمجھ میں آئی؟ انہوں نے کیا کہا؟ مذکر کی جو جمع سالم ہے، تو معلوم ہوا جو مؤنث کی جمع سالم ہے سَنَۃٌ اور اَرْضٌ کی وہ تو نکل گئی بھائی۔ تو آپ کو صاحبِ جامی بتلائیں گے کہ بھائی لفظوں کو نہ دیکھیں یہ اس کا نام ہے، یہ کیا ہے؟ یہ اس جمع کا نام ہے جو واؤ نون کے ساتھ آئے۔ جو بھی جمع واؤ نون کے ساتھ آئے اس کا نام کیا ہے؟ جَمْعُ الْمُذَکَّرِ السَّالِمُ۔ چاہے اس کا مفرد مذکر ہو چاہے اس کا مفرد مؤنث ہو، سب اس میں آگئے۔ آپ یہ نہ کہیں صرف مذکر کی جمع آگئی مؤنث کی جمع نہیں، بلکہ یہ جَمْعُ الْمُذَکَّرِ السَّالِمُ سے نحویوں کی اصطلاح میں یہ ہر اس جمع کو کہتے ہیں جو واؤ نون کے ساتھ آئے چاہے اس کا مفرد مذکر ہو چاہے مذکر نہ ہو۔ جیسے جَمْعُ الْمُؤَنَّثِ السَّالِمُ، وہاں بھی یہی شبہ پڑتا تھا کہ مؤنث کی جمع سالم، تو مُسْلِمَۃٌ اس کی جمع بھی کیا آتی ہے؟ مُسْلِمَاتٌ، دیکھو مُسْلِمَۃٌ مؤنث ہے۔ لیکن مذکر لفظ لے آؤ مَجْرُوْرٌ، مَنْصُوْبٌ، مَفْتُوْحٌ، ان کی جمع بھی کیا آتی ہے؟ مَجْرُوْرٌ کے آخر میں تو کوئی علامت تانیث کی نہیں ہے لیکن اس کی جمع الف تا کے ساتھ آرہی ہے مَجْرُوْرَاتٌ، مَنْصُوْبَاتٌ۔ تو معلوم ہوا یہ جمع مذکر کی بھی آتی ہے الف تا کے ساتھ اور مؤنث کی بھی۔ تو جب آپ نے کہا تھا جَمْعُ الْمُؤَنَّثِ السَّالِمُ مؤنث کی جمع سالم تو مذکر تو نکل گئے اس میں سے، وہ بھی حالانکہ الف تا کے ساتھ آتے ہیں، تو وہاں بھی صاحبِ جامی نے کیا بتلایا تھا؟ کہ اس سے

اصطلاحی جمع مؤنث سالم مراد ہے، اور لفظوں پر نہ دیکھو بس اس کا نام ہی یہ ہے، جو جمع بھی الف تا کے ساتھ آئے اس کا نام ہے جَمْعُ الْمُؤَنَّثِ السَّالِمُ، اور جو بھی جمع واؤ نون کے ساتھ آئے اس کا نام ہی کیا ہے جَمْعُ الْمُذَكَّرِ السَّالِمُ۔

دیکھیے بھائی، کہتے ہیں: جَمْعُ الْمُذَكَّرِ السَّالِمُ وَالْمُرَادُ بِهِ مَا سُمِّيَ بِهِ اصْطِلَاحًا، اور مراد اس جمع مذکر سالم سے مَا وہ جمع ہے سُمِّيَ بِهِ جس کو جمع مذکر سالم کہتے ہیں، جس کا نام جمع مذکر سالم رکھا گیا ہے اصْطِلَاحًا اصطلاح میں، یعنی نحویوں کی اصطلاح میں جس کو جمع مذکر سالم کہتے ہیں وہ یہاں مراد ہے، آپ لفظوں کی وجہ سے دھوکے میں نہ پڑیں کہ صرف یہ مذکر کی جمع سالم مراد ہے مؤنث کی نہیں مراد، بلکہ اصطلاحی جمع مذکر سالم مراد ہے اور وہ عام ہے چاہے اس کا مفرد مذکر ہو یا نہ ہو اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ تو کہتے ہیں: وَالْمُرَادُ بِهِ مَا سُمِّيَ بِهِ اصْطِلَاحًا، اور اس سے مراد جو ہے وہ جمع ہے جس کو جمع مذکر سالم کے نام کے ساتھ موسوم کیا گیا ہے باعتبار اصطلاح کے۔ وَهُوَ الْجَمْعُ بِالْوَاوِ وَالنُّوْنِ، اور یہ وہ جمع ہے جو واؤ اور نون کے ساتھ آئے، جو بھی جمع واؤ اور نون کے ساتھ آئے وہ سب اس میں آ گئے۔ فَيَدْخُلُ فِيْهِ نَحْوُ السِّنِيْنَ وَالْاَرَضِيْنَ، تو اس کے اندر سِنِيْنَ اور اَرَضِيْنَ جیسے جمع بھی داخل ہو گئے، مِمَّا لَمْ يَكُنْ وَاحِدُهُ مُذَكَّرًا، یعنی کہ وہ جن کا واحد مذکر نہیں ہے، وہ جن کا واحد مذکر نہیں وہ بھی اس میں داخل ہو گئے۔ لٰكِنْ يُجْمَعُ بِالْوَاوِ وَالنُّوْنِ، لیکن ان کو جمع کیا جاتا ہے واؤ اور نون کے ساتھ۔ عبارت سمجھ میں آئی؟ اس میں سِنِيْنَ اور اَرَضِيْنَ بھی داخل ہو گئے، یعنی کہ وہ جن کا واحد مذکر تو نہیں ہے لیکن ان کی جمع کس کے ساتھ آتی ہے؟ واؤ اور نون کے ساتھ۔

کہتے ہیں: وَمَا أُلْحِقَ بِهِ وَهُوَ أُوْلُوْ۔ جی یہ جمع مذکر سالم بھی ہے اور جو اس کے ساتھ ملحق ہیں وہ بھی اس کے اندر داخل ہو گئے۔ ملحق کیا کیا ہیں؟ آپ کو بتائیں گے ایک ہے أُوْلُوْ اور ایک ہے عِشْرُوْنَ وَاَخَوَاتُهَا، عِشْرُوْنَ اور اس کے جو اخوات ہیں۔ مُسْلِمُوْنَ اس کا اعراب کیا؟ حالتِ رفعی میں واؤ کے ساتھ اور نصبی جری میں یا کے ساتھ۔ اسی طرح أُوْلُوْ ہے، حالتِ رفعی میں أُوْلُوْ کہیں گے، نصبی جری میں أُوْلِيْ کہیں گے۔ یاد رکھو یہ جو أُوْلُوْ ہے نا أُوْلُوْ، یہ جمع ہے ذُوْ کی میں پہلے بیان کر چکا ہوں، ذُوْ کی جمع ہے۔ ذُوْ کی ایک جمع آتی ہے ذَوُوْنَ اور ایک جمع کیا استعمال ہوتی ہے أُوْلُوْ۔ تو یہ لفظوں کے اعتبار سے أُوْلُوْ کی جمع نہیں ہے کہ اس سے جمع بنا لی گئی، نہیں نہیں۔ أُوْلُوْ کا معنی ہے والا، ذُوْ مَالٍ مال والا، اور أُوْلُوْ کا معنی ہے والے جمع کے لیے، أُوْلُوْ مَالٍ مال والے۔ تو یہ معنی کے اعتبار سے اس کی جمع ہے لفظوں کے اعتبار سے اس کی جمع نہیں، یعنی وہ ذُوْ جیسے مفرد کے لیے استعمال ہوتا ہے أُوْلُوْ وہی معنی ادا کرتا ہے لیکن کس کے لیے استعمال ہوتا ہے؟ جمع کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ اور أُوْلُوْ کے رسم الخط میں ایک اور بات یاد رکھنا بھائی أُوْلُوْ، أُوْلُوْ۔ آپ کی کتابوں میں أُوْلُوْ کس طرح لکھا ہے؟ الف، لام اور واؤ ہے؟ الف کے بعد واؤ ہے کہ نہیں؟ واؤ ہونا چاہیے۔ الف کے بعد یعنی ہمزہ، ہمزہ کے بعد واؤ ہونا چاہیے اور پھر لام واؤ، صحیح رسم الخط اس کا یہ ہے بھائی۔ وجہ یہ کہ أُوْلُوْ حالتِ رفعی میں کیسے کہیں گے؟ أُوْلُوْ

مَالٍ، مال والے، اور حالتِ نصبی جری میں کیسے پڑھیں گے؟ أُوْلِیْ مَالٍ۔ اگر ہمزہ کے بعد واؤ نہیں لکھو گے تو ہمزہ لام یا اس طرح لکھنا پڑے گا۔ توجہ ہے؟ تو یہ بالکل اِلٰی جیسی صورت بن جائے گی، تو پڑھنے والے کو نہیں پتہ چلے گا اِلٰی مَالٍ ہے یا أُوْلِیْ مَالٍ ہے۔ تو التباس سے بچنے کے لیے ہمزہ کے بعد کس کو لکھتے ہیں؟ واؤ۔ توجہ ہے؟ اور کس حالت میں التباس آرہا تھا؟ حالتِ نصبی جری میں، حالتِ نصبی جری میں التباس آتا تھا۔ جب اس میں واؤ لکھتے ہیں تو اب حالتِ رفعی میں بھی واؤ لکھتے ہیں تاکہ ہر جگہ ایک جیسے ایک جیسی صورت بن جائے لفظ کی بھائی۔ بات سمجھ میں آگئی۔

دیکھیے بھائی اب کتاب پر۔ کہتے ہیں جمع مذکر سالم جو ہے وَمَا أُلْحِقَ بِهٖ، اور جو اس کے ساتھ ملحق ہے بھائی۔ کیا کیا ملحق ہیں؟ کہتے ہیں: وَہُوَ أُوْلُوْ، وہ أُوْلُوْ ہے، جَمْعُ ذُوْ یہ ذُوْ کی جمع ہے، لَا عَنْ لَفْظِهٖ، لیکن ذُوْ کے لفظ سے نہیں ہے، ذُوْ کے۔ بتلانا یہ چاہتے ہیں کہ لفظوں کے اعتبار سے یہ اس کی جمع نہیں ہے، معنی کے اعتبار سے جمع ہے، ذُوْ کا معنی ہے والا اور أُوْلُوْ کا معنی والے بھائی۔

وَعِشْرُوْنَ وَاَخَوَاتُهَا، اور اسی طرح عِشْرُوْنَ اور جو اس کے اخوات ہیں۔ اخوات سے کیا مراد؟ کہتے ہیں اخوات جو اس کے مشابہ ہیں، اس کے جو مثل ہیں، یعنی ثَلٰثُوْنَ، اَرْبَعُوْنَ، خَمْسُوْنَ وغیرہ، یہ سب مراد ہیں۔ اور ان کو اخوات کہا یہ اس کے مشابہ ہیں چونکہ بہنیں بھی ایک دوسرے کے مشابہ ہوتی ہیں اس لیے اخوات کہا۔ اور نیز اَخ نہیں کہا بلکہ اخوات کہا، أُخْتٌ کی تاویل میں لیا، یعنی عِشْرُوْنَ کی تاویل کرلی کَلِمَةٌ کے اعتبار سے۔ یعنی عِشْرُوْنَ کلمہ ہے اور کلمہ کے آخر میں گول تا ہے تو یہ مؤنث ہے، تو اس لیے أُخْتٌ سے اس کو تعبیر کیا۔ تو کہتے ہیں عِشْرُوْنَ اور اس کے اخوات جو ہیں، بھائی اخوات سے کیا مراد؟ کہتے ہیں: اَیْ نَظَائِرُہَا السَّبْعُ، جو اس کی سات نظیریں ہیں، سات نظیریں جو اس کے سات مثل ہیں، کون کون سے؟ عِشْرُوْنَ تو گزر گیا، اس کی سات نظیریں ہیں: نمبر ایک ثَلٰثُوْنَ، نمبر دو اَرْبَعُوْنَ، نمبر تین خَمْسُوْنَ، نمبر چار سِتُّوْنَ، نمبر پانچ سَبْعُوْنَ، نمبر چھ ثَمَانُوْنَ اور نمبر سات تِسْعُوْنَ۔ تو دیکھو یہ سات نظیریں ہیں، یہ عِشْرُوْنَ کے مثل ہیں۔ تو کہتے ہیں: اَیْ نَظَائِرُہَا السَّبْعُ یعنی اس کی سات نظیریں جو ہیں، نظیر کا معنی ہے مثل، جو اس کے ساتھ اس جیسے کلمے ہیں۔ وَہِیَ ثَلٰثُوْنَ اِلٰی تِسْعِیْنَ، اور یہ ثَلٰثُوْنَ سے لے کر تِسْعِیْنَ تک ہے۔

وَلَیْسَ عِشْرُوْنَ جَمْعَ عَشَرَةَ وَلَا ثَلٰثُوْنَ جَمْعَ ثَلٰثَةَ۔ یہ ایک سوال کا جواب دے رہے ہیں۔ سوال یہ کہ آپ نے تین قسمیں ہمیں شمار کروائیں: ایک جمع مذکر سالم، ایک أُوْلُوْ، اور ایک عِشْرُوْنَ وَاَخَوَاتُهَا۔ بھائی یہ عِشْرُوْنَ کو الگ کیوں شمار کیا آپ نے؟ یہ تو جمع مذکر سالم میں داخل ہو رہا تھا کس میں؟ جمع مذکر سالم میں داخل ہو رہا ہے۔ کہتے ہیں نہیں بھائی یہ جمع نہیں ہے، عِشْرُوْنَ جمع۔ آپ کے ذہن میں ہو گا شاید یہ عِشْرُوْنَ عَشَرَةٌ کی جمع ہے۔ اگر یہ عَشَرَةٌ کی جمع ہوتی تو پھر اس کا اطلاق تیس پر ہونا چاہیے تھا، تیس پر ہون۔ جیسے مُسْلِمٌ، مُسْلِمٌ کا کیا معنی؟ ایک مسلمان، اور مُسْلِمُوْنَ یہ کم از کم کتنے پر بولا جائے گا؟ تین پر۔ معلوم ہوا اس کو تین گنا کرو پھر اس پر وہ تین مقدار ہو پھر اس پر بولا جاتا ہے۔ تو اگر یہ عِشْرُوْنَ عَشَرَةٌ کی جمع ہوتی

تو عَشَرَۃٌ کتنے کو کہتے ہیں؟ دس کو۔ تو اس دس کی تین مقداریں کرو اس کو عِشْرُوْنَ کہنا چاہیے تھا یعنی تیس کو، حالانکہ تیس کو تو نہیں کہتے یہ تو بیس کو کہتے ہیں۔ اسی طرح ثَلٰثُوْنَ، آپ یہ نہ سمجھنا یہ ثَلٰثَۃٌ کی جمع ہے، اگر ثَلٰثَۃٌ کی جمع ہوتی تو ثَلٰثَۃٌ کو تین گنا کرو کتنا بنا؟ نو، تو نو کو بھی ثَلٰثُوْنَ کہنا چاہیے تھا۔ اسی طرح اَرْبَعُوْنَ کو آپ اَرْبَعَۃٌ کی جمع نہ سمجھو ورنہ تو اَرْبَعَۃٌ کو تین دفعہ کر دو کتنا بن گیا؟ بارہ، تو بارہ کو بھی اَرْبَعُوْنَ کہنا چاہیے تھا۔ اسی طرح خَمْسُوْنَ ہے، خَمْسُوْنَ کو خَمْسَۃٌ کی جمع نہ سمجھو ورنہ تو خَمْسَۃٌ کو تین دفعہ کر دو کتنا بن گیا؟ پندرہ، پندرہ کو بھی خَمْسُوْنَ کہنا چاہیے تھا۔ بات سمجھ میں آگئی۔

تو کہتے ہیں: وَلَیْسَ عِشْرُوْنَ جَمْعَ عَشَرَۃَ، اور عِشْرُوْنَ جو ہے وہ عَشَرَۃٌ کی جمع نہیں ہے۔ دیکھو وَلَیْسَ عِشْرُوْنَ جَمْعَ عَشَرَۃَ، جَمْعَ پڑھا بھائی میں نے منصوب پڑھا کیونکہ یہ لَیْسَ کی خبر ہے اور لَیْسَ کیا کرتا ہے؟ اپنے اسم کو رفع دیتا ہے اور خبر کو نصب۔ اور عَشَرَۃَ میں نے اس کو عَشَرَۃَ پڑھا، یہ وجہ یہ کہ یہ غیر منصرف ہے۔ یہ کیا ہے؟ غیر، اور غیر منصرف اگرچہ دیکھو عَشَرَۃَ یہاں مضاف الیہ بن رہا ہے لیکن یہ غیر منصرف ہے، اور غیر منصرف پر کسرہ اور تنوین نہیں آتے۔ اس لیے تنوین بھی نہیں آئی اور کسرہ بھی نہیں آیا، ہے یہ مجرور اس وقت مضاف الیہ ہے۔ بھائی غیر منصرف کیوں ہے کیا وجہ ہے کون سے دو سبب ہیں؟ جی، ایک تو تانیث ہے تا تانیث جڑی ہوئی ہے ساتھ، دوسرا سبب، ہاں دوسرا علم ہے عَشَرَۃٌ بول کر عَشَرَۃٌ کا لفظ مراد ہے اس کا معنی یعنی دس مراد نہیں ہے۔ تو لہٰذا یہ غیر منصرف ہے۔ تو کہتے ہیں: لَیْسَ عِشْرُوْنَ جَمْعَ عَشَرَۃَ، یہ عِشْرُوْنَ جو ہے وہ عَشَرَۃٌ کی جمع نہیں ہے، وَلَا ثَلٰثُوْنَ جَمْعَ ثَلٰثَۃَ، اور نہ ثَلٰثُوْنَ جو ہے وہ ثَلٰثَۃٌ کی جمع ہے۔ یہاں بھی ثَلٰثَۃَ غیر منصرف ہے، ایک سبب کیا؟ تانیث، اور دوسرا کیا؟ علمیت۔ اسی طرح وہ جو اوپر آیا تھا وَاِثْنَانِ وَاِثْنَتَانِ وَثِنْتَانِ، وہ بھی غیر منصرف ہیں بھائی۔ دو سبب کیا؟ ایک علم ہے دوسرا سبب الف نون زائدتان بھائی، لہٰذا آپ غیر منصرف والا اعراب بھی اس پر پڑھ سکتے ہیں: وَاِثْنَانُ وَاِثْنَتَانُ وَثِنْتَانُ۔ بات سمجھ میں آگئی؟ اور آپ چاہیں تو جیسے ان کو لفظوں میں پڑھا جاتا ہے وہاں تو نون پر زیر ہوتا ہے تو آپ یہاں نون پر زیر بھی پڑھ سکتے ہیں، دونوں طرح صحیح ہے۔ تو کہتے ہیں: وَلَیْسَ عِشْرُوْنَ جَمْعَ عَشَرَۃَ وَلَا ثَلٰثُوْنَ جَمْعَ ثَلٰثَۃَ، اور عِشْرُوْنَ عَشَرَۃٌ کی جمع نہیں ہے اور نہ ثَلٰثُوْنَ ثَلٰثَۃٌ کی جمع ہے، وَاِلَّا تَصِحُّ اِطْلَاقُ عِشْرِیْنَ عَلٰی ثَلٰثِیْنَ، ورنہ صحیح ہوتا عِشْرِیْنَ کا اطلاق ثَلٰثِیْنَ پر، ورنہ تو عِشْرُوْنَ کا اطلاق تیس پر بھی ہونا چاہیے تھا، لِاَنَّہٗ ثَلٰثَۃُ مَقَادِیْرِ الْعَشَرَۃِ، کیونکہ وہ کیونکہ وہ عَشَرَۃٌ کی تین مقداریں ہیں۔

ثَلٰثِیْنَ، تیس جو ہے اس میں کتنے دس ہیں؟ تین دس ہیں، تو اس کو بھی عِشْرُوْنَ کہنا چاہیے تھا۔ لِاَنَّہٗ ثَلٰثَۃُ مَقَادِیْرِ الْعَشَرَۃِ، کیونکہ وہ عَشَرَۃٌ کی وہ دس کی تین مقداریں ہیں۔ اوپر کیا آیا: وَاِلَّا تَصِحُّ اِطْلَاقُ عِشْرِیْنَ عَلٰی ثَلٰثِیْنَ، ورنہ تو عِشْرِیْنَ کا اطلاق ثَلٰثِیْنَ پر صحیح ہوتا۔ عِشْرُوْنَ کا اطلاق ثَلٰثِیْنَ پر صحیح ہوتا اور ہم نے کبھی عربوں سے بھی سنا ہوتا کہ وہ ثَلٰثِیْنَ کو عِشْرِیْنَ کہہ رہے ہیں، لیکن ہم نے کبھی عربوں سے نہیں سنا۔ وَاِطْلَاقُ ثَلٰثِیْنَ عَلَی التِّسْعَۃِ، اور اس کا عطف پیچھے جو آیا تھا نا اِطْلَاقُ عِشْرِیْنَ اس پر کریں، اور ورنہ صحیح ہوتا ثَلٰثِیْنَ کا اطلاق تِسْعَۃٌ پر، کتنے پر؟ ثَلٰثِیْنَ کا اطلاق نو پر صحیح ہوتا اگر یہ ثَلٰثِیْنَ کس کی جمع

ہوتی؟ ثَلٰثَۃٌ کی، کیونکہ نو ثَلٰثَۃٌ سے تین گنا ہے، تو اس کو بھی ثَلٰثِیْنَ کہنا چاہیے تھا۔ لیکن ہم نے عربوں سے کبھی نہیں سنا کہ انہوں نے تِسْعَۃٌ پر ثَلٰثِیْنَ کا اطلاق کیا ہو، نو کو انہوں نے کیا کہا ہو؟ تیس کہا ہو، ایسا ہم نے کبھی نہیں سنا۔ عبارت سمجھ میں آگئی؟ پھر ایک دفعہ عبارت دیکھ لیں: وَاِلَّا تَصِحُّ اِطْلَاقُ عِشْرِیْنَ عَلٰی ثَلٰثِیْنَ لِاَنَّہٗ ثَلٰثَۃُ مَقَادِیْرِ الْعَشَرَۃِ وَاِطْلَاقُ ثَلٰثِیْنَ عَلَی التِّسْعَۃِ لِاَنَّہَا ثَلٰثَۃُ مَقَادِیْرِ الثَّلٰثَۃِ، ورنہ صحیح ہوتا عِشْرِیْنَ کا اطلاق ثَلٰثِیْنَ پر کیونکہ ثَلٰثِیْنَ جو ہے وہ تین مقدار ہے عَشَرَۃٌ سے، اور صحیح ہوتا ثَلٰثِیْنَ کا اطلاق تِسْعَۃٌ پر لِاَنَّہَا ثَلٰثَۃُ مَقَادِیْرِ الثَّلٰثَۃِ کیونکہ نو جو ہے وہ تین مقداریں ہیں ثَلٰثَۃٌ کی۔ بات سمجھ میں آگئی۔

وَعَلٰی ہٰذَا الْقِیَاسِ الْبَوَاقِی، اور باقی بھی اسی قیاس پر ہیں اسی طریقے پر ہیں، یعنی اَرْبَعُوْنَ اَرْبَعَۃٌ کی جمع نہیں ہے اور خَمْسُوْنَ خَمْسَۃٌ کی جمع نہیں ہے۔ وَاَیْضًا ہٰذِہِ الْاَلْفَاظُ تَدُلُّ عَلٰی مَعَانٍ مُعَیَّنَۃٍ وَلَا تَعْیِیْنَ فِی الْجُمُوْعِ، اور نیز اس لیے بھی، دوسری دلیل دے رہے ہیں۔ پہلی دلیل کیا دی؟ بات یہ کی کہ عِشْرُوْنَ عَشَرَۃٌ کی جمع نہیں اور ثَلٰثُوْنَ ثَلٰثَۃٌ کی جمع نہیں، ورنہ نو پر بھی اس کا اطلاق صحیح ہوتا۔ اور نیز اس لیے بھی کہ یہ جو عدد ہیں یہ جمع نہیں ہیں، یہ جمع، جمع نہیں ہیں، کیونکہ یہ معین عدد پر دلالت کرتے ہیں۔ عِشْرُوْنَ کا کیا معنی؟ بیس۔ ثَلٰثُوْنَ کا کیا معنی؟ تیس۔ اَرْبَعُوْنَ کا کیا معنی؟ چالیس۔ یہ معین عدد پر دلالت کر رہے ہیں، اور جمع معین عدد پہ دلالت نہیں کرتی، جمع کا اطلاق ہوتا ہے تین سے اوپر کسی بھی عدد پر، تین بھی مراد لے سکتے ہو چار بھی، پانچ بھی، چھ۔ بات سمجھ میں آرہی ہے؟ تو جمع کا اطلاق کسی معین عدد پہ ہوتا ہے یا تین یا تین سے اوپر پر اطلاق ہوتا ہے؟ تو جمع جو ہے جمع معین عدد پر دلالت نہیں کرتا، جمع معین عدد پر دلالت نہیں کرتا۔ جمع جب آپ، مثلاً میں نے کہا رِجَالٌ، جمع ہے یا نہیں؟ کتنے رَجُل مراد ہیں؟ تین، چار، پانچ؟ نہیں، تین بھی لے سکتے ہو، چار بھی، پانچ بھی، سب جمع کا میں کوئی معین عدد نہیں ہوتا، رِجَالٌ کا معنی کچھ آدمی۔ تو بات سمجھ میں آگئی۔ بات یہ ہوئی تھی کہ عِشْرُوْنَ وغیرہ تو جمع مذکر سالم میں ہی داخل ہو رہے تھے، ان کو علیحدہ ذکر کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ تو جواب دیا کہ نہیں یہ جمع نہیں ہیں، ان کے آخر میں واؤ نون آیا اس کا یہ مطلب نہیں کہ یہ جمع ہیں۔ دو وجہیں ذکر کیں، ایک تو یہ کہ اگر یہ عَشَرَۃٌ کی جمع ہوتی تو پھر تو اس کا اطلاق پھر تیس پر بھی ہونا چاہیے تھا، اور اسی طرح ثَلٰثُوْنَ کا اطلاق نو پر ہونا چاہیے تھا۔ اور دوسری وجہ یہ کہ یہ جمع نہیں ہیں کہ جمع کا اطلاق کسی معین عدد پر نہیں ہوتا بلکہ تین اور تین سے اوپر پر اس کا اطلاق ہوتا ہے اور وہ کوئی معین عدد نہیں ہے بھائی۔ یہ معنی ہے: وَاَیْضًا ہٰذِہِ الْاَلْفَاظُ تَدُلُّ عَلٰی مَعَانٍ مُعَیَّنَۃٍ، اور نیز یہ الفاظ دلالت کرتے ہیں معین معانی پر یعنی معین عدد پر، وَلَا تَعْیِیْنَ فِی الْجُمُوْعِ، اور جمعوں میں تعیین نہیں ہوتی۔

بِالْوَاوِ رَفْعًا وَالْیَاءِ الْمَکْسُوْرِ مَا قَبْلَہَا نَصْبًا وَجَرًّا۔ اب اعراب بتا رہے ہیں کہ یہ جو تینوں گزر گئے کون کون؟ جمع مذکر سالم، اُوْلُوْ اور عِشْرُوْنَ وَاَخَوَاتُہَا، یہ جو ہیں ان کا اعراب بِالْوَاوِ واؤ کے ساتھ آئے گا رَفْعًا حالتِ رفعی میں، وَالْیَاءِ اور یا کے ساتھ، ایسی یا الْمَکْسُوْرِ مَا قَبْلَہَا جس کا ماقبل مکسور ہو، جس کا ماقبل کیا ہو؟ مکسور ہو، نَصْبًا وَجَرًّا حَالَۃَ النَّصْبِ وَالْجَرِّ، کس حالت میں؟ نصبی اور جری حالت میں بھائی۔ تو ان کا اعراب واؤ کے ساتھ آئے گا حالتِ رفعی میں، اور حالتِ نصبی

جری میں ایسی یا جس کا ماقبل، ایسی یا جس کا ماقبل مکسور ہو۔ یا مکسور ہوگی یا ماقبل مکسور ہوگا؟ ماقبل، تو یہ بھی صفت بحالِ متعلقہ ہے بھائی، یہ مَا قَبْلَهَا اس کے لیے فاعل بن رہا ہے۔ وَالْيَاءِ الْمَكْسُوْرِ، اور ایسی یا کہ مکسور ہو مَا قَبْلَهَا اس یا کا ماقبل۔ اس کا اعراب آئے گا ایسی یا جس کا ماقبل مکسور ہو، نَصْبًا وَجَرًّا حالتِ نصبی میں اور حالتِ جری میں بھائی۔

اچھا چلیے بس کریں، بات سمجھ میں آگئی، چلیے بس بھائی۔ هٰذَا هُوَ الْمَرَامُ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِحَقِيْقَةِ الْكَلَامِ.

سبق نمبر ۵۰: انواعِ اعراب (۵): تثنیہ و جمع اور ان کے ملحقات کا اعراب بالحروف

شرحِ ملا جامی صفحہ: ۳۳ — بتاریخ: ۲۳ اگست ۲۰۲۱ء

▪ تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث

دیکھیے بھائی کتاب پر: وَإِنَّمَا جُعِلَ إِعْرَابُ الْمُثَنَّى مَعَ مُلْحَقَاتِهِ وَالْجَمْعِ مَعَ مُلْحَقَاتِهِ بِالْحُرُوفِ لِأَنَّهُمَا فَرْعَانِ لِلْوَاحِدِ وَفِي آخِرِهِمَا حَرْفٌ يَصْلُحُ لِلْإِعْرَابِ وَهُوَ عَلَامَةُ التَّثْنِيَةِ وَالْجَمْعِ فَنَاسَبَ أَنْ يُجْعَلَ ذَلِكَ الْحَرْفُ إِعْرَابَهُمَا لِيَكُونَ إِعْرَابُهُمَا فَرْعًا لِإِعْرَابِهِ كَمَا أَنَّهُمَا فَرْعَانِ لَهُ لِأَنَّ الْإِعْرَابَ بِالْحُرُوفِ فَرْعٌ لِلْإِعْرَابِ بِالْحَرَكَاتِ.

بھائی گزشتہ سبق میں تثنیہ اور اس کے ملحقات اور اسی طرح جمع مذکر سالم اور اس کے ملحقات کا اعراب ہم نے پڑھا تھا بھائی۔ صاحبِ کافیہ نے آپ کو بتلایا کہ تثنیہ اور اسی طرح اس کے ساتھ جو ملحق ہے یعنی کِلَا جب وہ ضمیر کی طرف مضاف ہو اور اسی طرح اِثْنَانِ جو ہیں، ان تینوں کا اعراب حالتِ رفعی میں الف کے ساتھ آئے گا اور حالتِ نصبی جری میں ایسی یا جس کا ماقبل مفتوح ہو۔ اور پھر تفصیل بھی بیان کی تھی صاحبِ جامی نے۔ اور بتلایا تھا کہ کِلَا کا اعراب جو ہے، اس میں ضمیر کی طرف مضاف ہونے کی شرط اس لیے لگائی کہ کِلَا جو ہے اس کے استعمال کے دو ہی طریقے ہیں: یا یہ ضمیر کی طرف مضاف ہوتا ہے یا یہ معرّف باللام کی طرف مضاف ہوتا ہے۔ تو ایک صورت میں اس کو اعراب بالحروف دے دیا گیا جب یہ ضمیر کی طرف مضاف ہو، اور ایک صورت میں اس کو اعراب بالحرکت دے دیا گیا جب یہ معرّف باللام کی طرف مضاف ہو۔ اور وہ اعراب بالحرکت بھی تقدیراً ہوتا ہے تینوں حالتوں میں کیونکہ اس کے آخر میں الف ہوتا ہے اور الف پر حرکت نہیں آسکتی۔ تو جَاءَنِي كِلَا الرَّجُلَيْنِ، رَأَيْتُ كِلَا الرَّجُلَيْنِ، مَرَرْتُ بِكِلَا الرَّجُلَيْنِ، الف اسی طرح برقرار رہے گا اور پھر اجتماعِ ساکنین سے گر جائے گا، یہاں درمیان میں یا نہیں آئے گی بھائی۔ کیونکہ یہ جب معرّف باللام کی طرف مضاف ہو تو اس کا اعراب بالحرکات ہوتا ہے اور تینوں حرکات یہاں تقدیراً ہیں، الف کی وجہ سے ظاہر نہیں ہو سکتیں۔ اور جب ضمیر کی طرف مضاف ہو تو پھر اس کو اعراب بالحرف دیا گیا ہے۔

اور اس کی وجہ انہوں نے آپ کو بتلائی تھی کہ وجہ یہ، نکتہ اس میں یہ ہے کہ یہ جو ضمیر ہے یہ ہے فرع اور اسمِ ظاہر ہے

اصل۔ تو جب اس کی اضافت اسمِ ظاہر کی طرف ہوئی تو وہ تو اصل ہے، تو اس وقت اس کے لفظ کا اعتبار کیا گیا۔ ایک ہے کِلَا کا لفظ، ایک ہے اس کا معنی۔ لفظوں کے اعتبار سے یہ مفرد ہے اور معنی کے اعتبار سے یہ تثنیہ ہے۔ لفظ اس کے تقاضا کرتے ہیں کہ اس کو اعراب بالحرکت دیا جائے اور معنی اس کا تقاضا کرتا ہے کہ اس کو اعراب بالحرف دیا جائے کیونکہ یہ تثنیہ ہے بھائی۔ تو لہذا جب یہ اسمِ ظاہر کی طرف مضاف تھا تو اسمِ ظاہر اصل ہے، تو پھر اس کے اندر اس کے لفظ یعنی اصل کا اعتبار کیا کیونکہ لفظ بھی کیا ہے اصل، اور لفظ کے اعتبار سے تو یہ مفرد ہے، تو پھر اس کو اصل اعراب دیا گیا کیونکہ اعراب بالحرکات وہ اصل ہے اور اعراب بالحروف اس کی فرع ہے۔ تو جب یہ اسمِ ظاہر کی طرف مضاف ہو تو اس کے لفظ کا یعنی اس کی اصل کا اعتبار کیا گیا اور اس کو اصل اعراب دیا گیا یعنی اعراب بالحرکت۔ اور جب اس کی اضافت ضمیر کی طرف ہو تو ضمیر فرع ہے تو اس کے معنی کا لحاظ کیا گیا کیونکہ معنی بھی فرع ہے، اور اس کو اعراب بالحروف دیا گیا کیونکہ اعراب بالحروف بھی فرع ہے۔

اور پھر میں نے آپ کو یہ بھی بتلایا تھا کہ یہ جو اِثْنَانِ، اِثْنَتَانِ اور ثِنْتَانِ ہیں، ان کا ہمزہ وصلی ہے، درجِ عبارت میں گر جاتا ہے، لیکن یہاں یہ علم کے درجے میں ہے تو لہذا اب یہاں ہمزہ وصلی نہیں گرے گا کیونکہ لفظ بول کر لفظ مراد ہے اس کا معنی مراد نہیں ہے، تو یہاں یہ ہمزہ قطعی ہے۔ اور پھر چاہیں تو اس کو غیر منصرف کے طور پر پڑھیں کیونکہ اس میں دو سبب ہیں: ایک الف نون مزیدتان ہے اور ایک علمیت ہے، تو اور یہ حالتِ رفعی میں ہے تو وَ اِثْنَانْ یوں بھی پڑھ سکتے ہیں۔ اور وَ اِثْنَانِ وہی حرکت جو اس پر عام استعمال میں نون کے نیچے کسرہ ہوتا ہے، تو وہی حرکت بھی یہاں آپ پڑھ سکتے ہیں۔ تو وَ اِثْنَانْ یوں پڑھنا بھی صحیح، وَ اِثْنَانِ یوں پڑھنا بھی صحیح ہے بھائی۔ جی تو ان تینوں کا اعراب حالتِ رفعی میں الف کے ساتھ اور حالتِ نصبی جری میں ایسی یا جس کا ماقبل مفتوح ہو۔

اس کے بعد جمع مذکر سالم کا اعراب آپ نے پڑھا اور بتلایا تھا کہ جمع مذکر سالم جو ہے، اس سے لغوی معنی مراد نہ لینا جَمْعُ الْمُذَكَّرِ السَّالِمُ، مذکر کی وہ جمع جو سالم ہو، اس سے تو مؤنث کی جو جمع واو نون کے ساتھ آتی ہے وہ تو نکل جائے گی۔ تو اس میں بتلایا صاحبِ جامی نے کہ اس سے مراد جمع مذکر سالم اصطلاحی ہے، اور جمع مذکر سالم اصطلاحی نحویوں کے ہاں اس کو کہتے ہیں جو واو نون کے ساتھ آئے، اب چاہے اس کا مفرد مذکر ہو چاہے مؤنث اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ حاصلِ کلام یہ: جَمْعُ الْمُؤَنَّثِ السَّالِمُ، جمع مذکر سالم لغوی معنی کے اعتبار سے نہیں مراد بلکہ اصطلاحی معنی کے اعتبار سے مراد ہے۔ لغوی معنی یعنی عربی زبان کے اعتبار سے تو معنی بنتا ہے جَمْعُ الْمُذَكَّرِ السَّالِمُ، مذکر کی وہ جمع جو سالم ہو، لیکن وہ لغوی معنی یہاں مراد نہیں ہے بلکہ اصطلاحی معنی مراد ہے بھائی۔

تو جمع مذکر سالم اور اس کے ساتھ جو ملحق ہیں یعنی أُولُو اور اسی طرح عِشْرُونَ اور اس کے جو اخوات ہیں، ان سب کا اعراب یہ ہے کہ حالتِ رفعی میں واو کے ساتھ آئیں گے اور حالتِ نصبی جری میں یا ماقبل مکسور کے ساتھ آئیں گے۔

اور أُولُو میں نے آپ کو بتلایا تھا کہ یہ ذُو کی جمع ہے لیکن معنی کے اعتبار سے اس کی جمع ہے، لفظوں کے اعتبار سے اس کی جمع نہیں ہے۔ اور جبکہ عِشْرُونَ اور جو اس کے اخوات ہیں یعنی ثَلَاثُونَ وغیرہ یہ جمع نہیں ہیں۔ ان کی صورت تو جمع والی ہے لیکن یہ جمع نہیں ہیں بھائی۔ کیونکہ اگر یہ جمع ہوتے، مثلاً عِشْرُونَ آپ کہیں جی یہ عَشَرَةٌ کی جمع ہے، تو عَشَرَةٌ کی جب اگر جمع ہے تو پھر کم از کم کتنے افراد پر جمع کا اطلاق ہوتا ہے؟ تین افراد پر۔ تو عَشَرَةٌ کے تین افراد ہوتے یعنی تین گنا ہوتا عَشَرَةٌ یعنی تیس، اس کو بھی عِشْرُونَ کہنا چاہیے تھا لیکن ہم نے عربوں سے کبھی نہیں سنا کہ انہوں نے تیس کو عِشْرُونَ کہا ہو۔ اسی طرح ثَلَاثُونَ ثَلَاثَةٌ کی جمع نہیں ہے، ورنہ تو ثَلَاثُونَ کا اطلاق کتنے پر ہونا چاہیے تھا؟ تِسْعَةٌ پر بھی ہونا چاہیے تھا کیونکہ ثَلَاثَةٌ کو تین دفعہ کریں کتنا بن گیا؟ تِسْعَةٌ یعنی نو، تو نو کو بھی ثَلَاثُونَ کہنا چاہیے تھا۔ تو یہ جمع نہیں ہیں اور ایک اور وجہ بھی ذکر کی کہ یہ جمع نہیں، کیونکہ یہ عددِ معین پر دلالت کرتے ہیں، عِشْرُونَ کا معنی بیس، ثَلَاثُونَ کا معنی تیس، حالانکہ جمع جو ہوتی ہے وہ تین اور تین سے اوپر کوئی بھی عدد ہو اس پر لَا عَلَى التَّعْيِينِ دلالت کرتی ہے، تعیین نہیں ہوتی کون سا ہے، کون سا عدد مراد ہے، لیکن ان میں تو عدد کیا ہے متعین ہے تو یہ معلوم ہوا جمع نہیں ہیں بھائی۔ تو ان سب کا اعراب حالتِ رفعی میں واو کے ساتھ اور نصبی جری میں یا کے ساتھ آئے گا۔

بات سمجھ میں آگئی۔ اب تک ہم اعراب کے اعتبار سے اسم کی بارہ قسمیں پڑھ چکے ہیں بھائی۔ کتنی قسمیں؟ بارہ قسمیں۔ کون کون سی؟ مفرد منصرف، اس کے اندر دو قسمیں آگئی تھیں صحیح بھی اور غیر صحیح بھی، تو دو یہ ہو گئیں؛ جمع مکسر منصرف، تین ہو گئیں؛ جمع مؤنث سالم، چار ہو گئیں؛ غیر منصرف، پانچ؛ اسمائے ستہ مکبرہ موحدہ مضافہ الی غیر یاء المتکلم، یہ ساری شرطیں ساتھ ذکر کرنی ہیں، ان میں سے ایک بھی شرط نہ ہوئی تو وہ اعراب کی قسم ہی بدل جائے گی، تو اسمائے ستہ مکبرہ موحدہ مضافہ الی غیر یاء المتکلم یہ چھٹی قسم ہو گئی، چھ قسمیں ہو گئیں؛ اور تثنیہ اور اسی طرح كِلَا جب مضاف ہو ضمیر کی طرف اور اِثْنَانِ، تین یہ قسمیں ہو گئیں، چھ اور تین نو ہو گئیں؛ اور جمع مذکر سالم اور اسی طرح أُولُو اور عِشْرُونَ اور اس کے اخوات، تو تین یہ ہو گئے، تو بارہ قسمیں ہم پڑھ چکے ہیں سولہ میں سے بھائی۔ اور ابھی چار قسمیں باقی ہیں جن کا آگے ذکر آئے گا۔

تو گزشتہ سبق میں ہم جمع مذکر سالم کے بارے میں پڑھ رہے تھے اور اب آگے دیکھیے آج کا سبق بھائی۔ کہتے ہیں: وَإِنَّمَا جُعِلَ إِعْرَابُ الْمُثَنَّى مَعَ مُلْحَقَاتِهِ وَالْجَمْعِ مَعَ مُلْحَقَاتِهِ بِالْحُرُوفِ لِأَنَّهُمَا فَرْعَانِ لِلْوَاحِدِ۔ اب یہاں سے نکتہ بیان کر رہے ہیں کہ تثنیہ اور جمع کو اعراب بالحروف کیوں دیا گیا؟ تثنیہ اور جمع کو اعراب بالحروف کیوں دیا گیا بھائی؟ تثنیہ کا اعراب کیا تھا؟ حالتِ رفعی میں الف اور حالتِ نصبی جری میں یا ماقبل مفتوح۔ اور جمع مذکر سالم کا اعراب کیا ہے؟ حالتِ رفعی میں واو اور حالتِ نصبی جری میں یا ماقبل مکسور۔ تو یہ جو تثنیہ اور جمع ہیں ان کو اعراب بالحروف دیا گیا اس میں نکتہ کیا ہے؟ تو آپ کو بتلائیں گے صاحبِ جامی کہ دیکھیے مفرد ہے اصل اور اسی سے آگے بنتے ہیں تثنیہ اور جمع، تو مفرد ہوا اصل اور تثنیہ جمع ہوئے

اس کے فرع۔ تو اصل کو اعراب بالحرکت دیا تھا تو فرع کو اعراب بالحرف دے دیا کیونکہ اعراب بالحرکت اصل ہے اور اعراب بالحروف فرع ہے، تو اصل کو اصل والا اعراب دے دیا مفرد کو اعراب بالحرکت دے دیا اور فرع کو فرع والا اعراب دے دیا یعنی اعراب بالحروف دے دیا۔

تو کہتے ہیں: وَإِنَّمَا جُعِلَ إِعْرَابُ الْمُثَنَّى مَعَ مُلْحَقَاتِهِ، تثنیہ کا اس کے ملحقات سمیت ان کا اعراب بنایا گیا، وَالْجَمْعِ مَعَ مُلْحَقَاتِهِ اور جمع کا اعراب ساتھ اس کے ملحقات کے، ان کا اعراب بنایا گیا بِالْحُرُوفِ کس کے ساتھ؟ حروف کے ساتھ۔ عبارت سمجھ میں آگئی؟ تو یہ وَالْجَمْعِ اس کا عطف ہے مُثَنَّى پر اور مُثَنَّى مضاف الیہ ہے إِعْرَابُ کے لیے۔ پھر دیکھو عبارت، کہتے ہیں: وَإِنَّمَا جُعِلَ إِعْرَابُ الْمُثَنَّى مَعَ مُلْحَقَاتِهِ وَالْجَمْعِ مَعَ مُلْحَقَاتِهِ بِالْحُرُوفِ، تثنیہ کا اعراب اس کے ملحقات سمیت اور جمع کا اعراب اس کے ملحقات سمیت جو ہے بِالْحُرُوفِ حروف کے ساتھ بنایا گیا، حروف کے ساتھ قرار دیا گیا، لِأَنَّهُمَا فَرْعَانِ لِلْوَاحِدِ کیونکہ یہ تثنیہ اور جمع جو ہیں فرع ہیں واحد کی، وَفِي آخِرِهِمَا حَرْفٌ يَصْلُحُ لِلْإِعْرَابِ اور ان کے آخر میں ایسا حرف بھی تھا جو صلاحیت رکھتا ہے اعراب کی۔

اعراب، کون سے حروف اعراب بنتے ہیں؟ واو، الف اور یا یعنی حروفِ مدہ، اور ان کے آخر میں بھی ہم نے عربوں سے اسی طرح پڑھا سنا ہے وہ مُسْلِمُونَ اور مُسْلِمِينَ بولتے ہیں، رَجُلَانِ اور رَجُلَيْنِ بولتے ہیں، تو ان کے آخر میں بھی کیا ہے ایسا حرف ہے جو اعراب بننے کی صلاحیت رکھتا ہے اور وہ کیا ہے واو، الف اور یا۔ تثنیہ میں کیا؟ رَجُلَانِ اور رَجُلَيْنِ الف اور یا، اور جمع میں کیا؟ مُسْلِمُونَ اور مُسْلِمِينَ واو اور یا۔ اس پر اشکال ہوتا ہے کہ ان کے آخر میں تو نون ہے بھائی، توجہ ہے؟ ان کے آخر میں تو نون ہے، ان کے آخر میں تو ایسا حرف نہیں ہے جو اعراب بننے کی صلاحیت رکھے، نون سے ماقبل میں ہے ایسا حرف، لیکن اعراب تو کہاں آتا ہے؟ آخر میں۔ بھائی میں پہلے بتا چکا ہوں کہ یہ جو تثنیہ اور جمع میں نون ہے یہ تنوین کے قائم مقام ہے، جیسے زَيْدٌ کے آخر میں تنوین آتی ہے اسی طرح تثنیہ اور جمع کے اندر یہ نون دے دیا گیا یہ تنوین کے قائم مقام ہے۔ جیسے تنوین کسی اسم پر آجائے تو پتہ چل جاتا ہے کہ یہ اسم تام ہو گیا، آگے کوئی مضاف الیہ نہیں آرہا۔ آگے کوئی، کیونکہ اضافت کی صورت میں تو تنوین گر جاتی ہے جیسے مثلاً غُلَامٌ، غُلَامٌ کے آخر میں جب تنوین موجود ہے اس کا مطلب ہے آگے کوئی مضاف الیہ نہیں آرہا کیونکہ اگر مضاف الیہ آتا تو تنوین نے گر جانا تھا۔ تو جیسے یہ تنوین ایک اسم کے تام ہونے اور پورا ہونے کی علامت ہوتی ہے کہ اسم پورا ہو گیا آگے کوئی اس کے ساتھ جڑنے والا لفظ نہیں ہے، اسی طرح تثنیہ اور جمع کے اندر یہ جو نون ہے یہ قائم مقام ہے تنوین کا بھائی، اور یہ بھی دلالت کرتا ہے کہ یہ تثنیہ یا یہ جمع تام ہو گیا ہے آگے مضاف الیہ نہیں ہے کیونکہ اگر آگے مضاف الیہ آیا تو یہ دونوں نون گر جاتے ہیں، تثنیہ والا بھی گر جاتا ہے اور جمع والا بھی۔ تثنیہ اور جمع کا نون کس کے قائم مقام ہے؟ تنوین کے قائم مقام۔ اب مجھے بتائیے ادھر دیکھیے زَيْدٌ، جی اس کے آخر میں کون سا حرف ہے؟ دال ہے۔ دیکھو تنوین کے آنے سے بھی دال پھر بھی آخر دال ہی کو قرار دیا جاتا ہے، تو یہاں

پر بھی رَجُلَانِ اس کے آخر میں کیا ہے؟ الف کو کہا جائے گا کیونکہ نون تنوین کے قائم مقام ہے، تنوین کو آخر شمار نہیں کیا جاتا تو اس نون کو بھی آخر شمار نہیں کیا جائے گا۔ اسی طرح مُسْلِمُونَ کے آخر میں کیا ہے؟ واو ہے، یہ نون جو ہے اس کو یہ تو تنوین کے قائم مقام ہے اس کو آخر شمار نہیں کیا جائے گا۔ بات سمجھ میں آگئی؟

تو کہتے ہیں: وَفِي آخِرِهِمَا حَرْفٌ يَصْلُحُ لِلْإِعْرَابِ اور ان کے آخر میں ایسا حرف ہے جو صلاحیت رکھتا ہے اعراب ہونے کی، وَهُوَ عَلَامَةُ التَّثْنِيَةِ وَالْجَمْعِ اور وہ حرف جو ہے تثنیہ اور جمع کی علامت ہے، رَجُلَانِ اور رَجُلَيْنِ یہی الف اور یا تثنیہ کی علامت بھی ہیں، اور مُسْلِمُونَ اور مُسْلِمِينَ یہی واو اور یا جمع ہونے کی علامت بھی ہیں، تو یہ اعراب بننے کی بھی صلاحیت رکھتے ہیں اور یہ تثنیہ اور جمع کی علامتیں بھی ہیں۔ تو کہتے ہیں: وَهُوَ عَلَامَةُ التَّثْنِيَةِ وَالْجَمْعِ اور وہ تثنیہ اور جمع کی علامت ہے، فَنَاسَبَ أَنْ يُجْعَلَ ذَلِكَ الْحَرْفُ إِعْرَابَهُمَا تو مناسب ہوا کہ اس حرف کو ان کا اعراب

قرار دے دیا جائے، لِيَكُونَ إِعْرَابُهُمَا فَرْعًا لِإِعْرَابِهِ تاکہ یہ تثنیہ اور جمع کا جو اعراب ہے وہ مفرد کے اعراب کی فرع ہو جائے۔ تثنیہ اور جمع مفرد کی فرع ہیں تو مفرد میں اصل کیا ہے؟ اعراب بالحرکات، تو ان کو کیا دے دینا چاہیے؟ تثنیہ اور جمع کو اعراب بالحروف دے دینا چاہیے تاکہ جیسے یہ خود مفرد کی فرع ہیں ان کا اعراب بھی اس مفرد کے اعراب کی فرع ہو جائے۔ تو یہ معنی ہے کہ فَنَاسَبَ أَنْ يُجْعَلَ ذَلِكَ الْحَرْفُ إِعْرَابَهُمَا لِيَكُونَ إِعْرَابُهُمَا فَرْعًا لِإِعْرَابِهِ تاکہ یہ تثنیہ اور جمع کا اعراب جو ہے مفرد کے اعراب کی فرع ہو جائے، كَمَا أَنَّهُمَا فَرْعَانِ لَهُ جیسے کہ تثنیہ اور جمع یہ خود فرع ہیں لَهُ أَيْ لِلْوَاحِدِ یا لِلْمُفْرَدِ کس کی، کس کی فرع ہیں؟ مفرد کی، لِأَنَّ الْإِعْرَابَ بِالْحُرُوفِ فَرْعٌ لِلْإِعْرَابِ بِالْحَرَكَاتِ اس لیے کیونکہ اعراب بالحروف جو ہے وہ فرع ہے اعراب بالحرکات کی، اعراب بالحرکات اصل اور اعراب بالحروف فرع۔

وَلَمَّا جُعِلَ إِعْرَابُهُمَا بِالْحُرُوفِ، نکتہ بیان کر دیا صاحبِ جامی نے کہ تثنیہ اور جمع کو اعراب بالحروف کیوں دیا گیا۔ اب آگے نکتہ بیان کریں گے کہ تثنیہ کو الف اور یا کے ساتھ اعراب کیوں دیا گیا اور جمع کو واو اور یا کے ساتھ اعراب کیوں دیا گیا؟ اعراب بالحروف تو تین حروف ہیں واو، الف اور یا، یہ تو آپ نے ہمیں بتا دیا کہ تثنیہ اور جمع کو اعراب بالحروف کیوں دیا کیونکہ یہ فرع ہیں اور اعراب بالحرف بھی فرع ہے تو فرع کو فرع والا اعراب دے دیا، لیکن پھر تثنیہ کو الف اور یا کے ساتھ اعراب کیوں دیا اور جمع کو واو اور یا کے ساتھ اعراب کیوں دیا؟ اب اس کا نکتہ بیان کریں گے بھائی نکتہ۔ نکتہ یہ بیان کریں گے آپ کو بتلائیں گے کہ بھائی اعراب کے حروف تو تین ہیں واو، الف اور یا، واو الف اور یا، اور تثنیہ اور جمع کے اعراب چھ ہیں: تثنیہ وہ یا مرفوع ہو گا یا منصوب ہو گا یا مجرور، یا یوں کہو اس پر رفع آئے گا یا نصب آئے گا یا جر، اسی طرح جمع میں بھی تین احوال ہیں یا رفع آئے گا یا نصب یا جر، تو اعراب کل کتنے ان کے؟ چھ، اور اعراب والے حروف کتنے؟ تین۔ تو یہ تینوں اگر ہم تثنیہ کو دے دیں تو جمع بغیر اعراب کے رہ جائے گا اور اگر یہ تینوں ہم جمع کو دے دیں تو پھر تثنیہ بغیر اعراب کے رہ جائے گا، تو لہذا یہ تین اعراب دونوں میں تقسیم کر دیے۔ یہ تین اعراب دونوں میں تقسیم کر دیے۔ اور ان تین میں سے جو الف تھا اس کو تثنیہ میں رفع کی علامت قرار دے دیا اور جو واو تھا اس کو جمع میں رفع کی علامت قرار دے

دیا گیا، کیونکہ الف کی مناسبت تھی تثنیہ کے ساتھ اور واو کی مناسبت تھی جمع کے ساتھ، کیونکہ یہ جو الف ہے یہ تثنیہ کی ضمیر بھی ہے فعل کے اندر آتی ہے، ضَرَبَ ضَرَبَا دیکھو یہ الف کیا ہے تثنیہ کی ضمیر ہے، اور اسی طرح یَضْرِبُ یَضْرِبَانِ اس کے اندر بھی یہ جو الف ہے یہ تثنیہ کی ضمیر ہے، تو یہ جو الف ہے اس کی مناسبت تھی تثنیہ کے ساتھ اور واو کی مناسبت ہے جمع کے ساتھ کیونکہ واو جو ہے جمع کی ضمیر آتی ہے فعل کے اندر، ضَرَبَ ضَرَبُوا دیکھو واو آگیا، یَضْرِبُ یَضْرِبَانِ یَضْرِبُونَ دیکھو اس میں واو آگیا، تو الف کی مناسبت تھی کس کے ساتھ؟ تثنیہ کے ساتھ تو تثنیہ کو حالتِ رفعی میں الف دے دیا، اور واو کی مناسبت تھی جمع کے ساتھ تو جمع کو حالتِ رفعی میں واو دے دیا۔ بات یہاں تک سمجھ میں آگئی؟

اب چار حالتیں باقی رہ گئیں: تثنیہ میں بھی نصب اور جر کی جگہ باقی ہے اور جمع کے اندر بھی نصب اور جر والی حالت باقی ہے۔ تو کہتے ہیں اب یا رہ گئی تھی۔ الف تثنیہ کو دے دیا، واو جمع کو دے دیا حالتِ رفعی کے لیے، اور یا بچ گئی تھی، تو وہ یا جو ہے اب حالتِ جری چاہے تثنیہ میں ہو چاہے جمع میں، حالتِ جری میں دونوں کو یا دے دی گئی۔ دونوں کو یا۔ کہتے ہیں اس لیے کیونکہ یا کی مناسبت ہے کسرہ کے ساتھ۔ یا کی مناسبت کس کے ساتھ ہے؟ کسرہ کے ساتھ مناسبت ہے، اور اسم میں آپ نے پڑھا تھا رفع کس کی علامت؟ فاعل ہونے کی، نصب کس کی علامت؟ مفعول ہونے کی، اور جر کس کی علامت ہے؟ مضاف الیہ ہونے کی علامت ہے، اور جر کے لیے کسرہ آتا ہے مفرد میں، اور یہ جو یا ہے اس کی کسرہ کے ساتھ مناسبت ہے۔ یاد رکھو علمائے نحو فرماتے ہیں یہ جو یا ہے یہ دو کسروں سے پیدا ہوئی ہے۔ کس سے؟ دو کسروں سے بنی ہے یہ یا۔ یہ جو الف ہے یہ دو فتحوں سے بنا ہے، اور یہ جو واو ہے یہ دو ضموں سے پیدا ہوا ہے۔ توجہ ہے؟ واو کس سے پیدا ہوا؟ دو ضموں سے، الف کس سے پیدا ہوا؟ دو فتحوں سے، اور یا کس سے پیدا ہوئی ہے؟ دو کسروں کے ساتھ۔ تو مفرد کے اندر حالتِ جری میں کیا آتا ہے؟ کسرہ۔ تو یہ تثنیہ اور جمع میں بھی اصل پر چلتے ہوئے یا دے دی ان کو، جر کے لیے مفرد میں کیا آتا ہے؟ کسرہ۔ کیا آتا ہے؟ کسرہ۔ تو ان کو دونوں کی جو حالتِ جری تھی ان کو بھی یا دے دی گئی اصل پر چلتے ہوئے، کس پر؟ کس طرح اصل پر چلے؟ ضمہ، فتحہ، کسرہ، جر کے لیے کس کو استعمال کیا جاتا ہے؟ کسرہ کو استعمال کیا جاتا ہے، اور ہمارے پاس کیا تھی؟ یا۔ یا کی مناسبت کس سے؟ کسرہ، جیسے مفرد میں جر کے لیے کسرہ دیتے ہیں تو تثنیہ اور جمع میں جر کے لیے کس کو مقرر کر دیا؟ یا کو مقرر کر دیا کیونکہ یا کی کسرہ کے ساتھ مناسبت ہے بھائی۔

تو اب یا دے دی گئی دونوں کو حالتِ جری میں۔ اب حالتِ نصبی رہ گئی، اب اس کے لیے ہمارے پاس کوئی حرف نہیں بچا۔ الف بھی استعمال ہو گیا تثنیہ کی رفع میں، واو استعمال ہو گیا جمع کی رفع میں، اور یا استعمال ہو گئی تثنیہ اور جمع دونوں کی جر میں، دونوں کے جر میں استعمال ہو گئی۔ اب حالتِ نصبی دونوں کی باقی ہے، اب کیا کریں؟ کہتے ہیں اب ہمارے پاس اور تو کوئی صورت نہیں اور کوئی حرف بچا ہی نہیں، تو اب اس نصب کو کسی کے تابع کرنا پڑے گا: یا تو اس کو رفع کے تابع کر دو یا اس کو جر کے تابع کر دو۔ رفع کے تابع کر دو یعنی وہاں رفع میں الف اور واو ہے تو ان میں بھی کیا لے

آؤ الف اور واو، یا جر کے تابع کر دو جر کے اندر ان میں یا ہے تو نصب میں بھی کیا دے دو؟ یا دے دو۔ تو کہتے ہیں ہم نے پھر جر کے تابع اس کو کر دیا، کس کے؟ جر کے تابع کر دیا۔ کیوں جر کے تابع کیا؟ کہتے ہیں اس لیے کیونکہ نصب کی جر کے ساتھ مناسبت ہے بھائی۔ نصب کی، نصب کو رفع کے تابع نہیں کیا بلکہ نصب کو جر کے تابع کر دیا یعنی نصب والی حالت میں بھی ان کو یا ہی دے دی۔ بھائی کیا وجہ ہے نصب کو جر کے تابع کیوں کیا؟ کہتے ہیں اس لیے کہ دونوں میں مناسبت ہے، دونوں کلام کے اندر فضلہ واقع ہوتے ہیں۔ کیا واقع ہوتے ہیں؟ یعنی منصوب اور مجرور کلام میں فضلہ واقع ہوتے ہیں۔ آپ نے پڑھا تھا کہ رفع کس کی علامت ہے؟ فاعل ہونے کی، تو جو فاعل ہے یا جو فاعل کے حکم میں ہے ان پر رفع پڑھتے ہیں یعنی جو کلام کا اہم رکن ہوتا ہے مسند اور مسند الیہ اس پر رفع پڑھتے ہیں۔ اور یہ نصب کس کی علامت ہے؟ مفعول کی علامت ہے اور مفعول کیا ہوتا ہے؟ کلام میں فضلہ ہوتا ہے، اور جر جو ہے وہ مضاف الیہ کی علامت ہے اور مضاف الیہ بھی عموماً کیا ہوتا ہے؟ کلام کے اندر فضلہ واقع ہوتا ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو نصب اور جر یوں کہو یا منصوب اور مجرور دونوں میں کیا تھی؟ مناسبت تھی، دونوں کلام میں کیا واقع ہوتے ہیں؟ فضلہ واقع ہوتے ہیں، زائد واقع ہوتے ہیں۔ میں نے بتایا تھا ایک ہے عمدہ اور ایک ہے فضلہ۔ عمدہ کسے کہتے ہیں؟ کلام کا اہم اور بنیادی جز جس کے بغیر کلام پورا ہی نہ ہو سکے اور وہ دو ہیں: مسند اور مسند الیہ۔ اور جملہ اسمیہ میں مسند اور مسند الیہ کو کیا کہتے ہیں؟ مبتدا خبر، یہ عمدہ ہیں بھائی دونوں۔ اسی طرح جملہ فعلیہ کے اندر، جملہ فعلیہ کے اندر مسند اور مسند الیہ کو کیا کہتے ہیں؟ مسند کو فعل اور مسند الیہ کو فاعل یا نائب فاعل کہتے ہیں تو یہ دونوں بھی کیا ہیں کلام کے اندر عمدہ ہیں۔ یہ دونوں مسند اور مسند الیہ ہوں گے تو کلام پورا ہو گا ویسے کلام پورا نہیں ہو سکتا، جبکہ اس کے علاوہ باقی جتنے منصوبات مجرورات وغیرہ ہیں وہ سب، وہ سب فضلہ ہیں بھائی فضلہ ہیں۔ تو یہاں پر بھی منصوب اور مجرور فضلہ ہیں یعنی مضاف الیہ اور مفعول۔ آپ کہیں گے بھائی مضاف الیہ تو آپ نے ہمیں بتایا تھا، آپ نے ہمیں مضاف الیہ میں بتایا تھا کہ کبھی وہ کلام کا اہم رکن بھی بن جاتا ہے اور کبھی فضلہ بھی رہتا ہے، توجہ ہے؟ تو بھائی وہ زیادہ تر جو ہے فضلہ ہی واقع ہوتا ہے، کبھی کبھار وہ کلام کا رکن بھی بن جاتا ہے، زَيْدٌ فِي الدَّارِ دیکھو یہ فِي الدَّارِ کیا بن رہا ہے؟ خبر بن رہا ہے، کیا بن رہا ہے؟ تو جار مجرور کبھی خبر بنتے ہیں تو خبر کے مقام میں اور خبر کیا ہوتی ہے؟ عمدہ ہوتی ہے، تو یہ عمدہ بھی ہوتے ہیں لیکن کم ہوتے ہیں زیادہ تر، زیادہ تر یہ فضلہ ہی واقع ہوتے ہیں بھائی کیونکہ ان کا متعلق عبارت میں ذکر ہوتا ہے بھائی۔

بات سمجھ میں آگئی؟ تو پھر سنو وجہ، کیا وجہ ہوئی؟ کہ ہمارے پاس تین حروف تھے تثنیہ اور جمع کو ہم نے دینے تھے، اب تین حالتیں ہیں تثنیہ کی اور تین حالتیں ہیں جمع کی، تو تینوں جو ہیں تین حروف ہیں وہ تثنیہ کو بھی نہیں دے سکتے ورنہ جمع بغیر حروف کے رہ جائے گا اور جمع کو بھی تینوں حروف نہیں دے سکتے ورنہ تو تثنیہ بغیر اعراب کے رہ جائے گا، تو پھر ہم نے

ان کے درمیان اس کو تقسیم کیا اور تقسیم اس طرح کیا کہ الف کو تثنیہ کے اندر رفع کی علامت قرار دے دیا کیونکہ الف کی تثنیہ کے ساتھ مناسبت ہے کیونکہ یہ الف تثنیہ کی ضمیر ہے فعل کے اندر استعمال ہوتی ہے، اور جو واو ہے اس کی جمع کے ساتھ مناسبت ہے کیونکہ واو جو ہے وہ جمع کی ضمیر ہے جو فعل کے اندر استعمال ہوتی ہے، تو تثنیہ کو الف دیا حالتِ رفعی میں اور جمع کو واو دیا حالتِ رفعی میں۔ اس کے بعد یا باقی بچ گئی تھی، تو حالتِ جری میں دونوں کو ہم نے یا دے دی کیونکہ حالتِ جری کے اندر کسرہ آتا ہے اور یا بھی کسرہ کے ساتھ یا کی مناسبت ہے بھائی۔ یا کی کسرہ کے ساتھ مناسبت ہے تو حالتِ جری میں ہم نے یا دے دی، اور پھر حالتِ نصبی جو ہے وہ رہ گئی تھی اس کو یا تو ہم رفع کے تابع کر سکتے تھے یا جر کے تابع کر سکتے تھے، تو ہم نے جر کے تابع کر دیا کیونکہ جر کے ساتھ اس نصب کی مناسبت موجود ہے کیونکہ نصب اور جر یعنی یوں کہو منصوب اور مجرور یہ دونوں کلام میں فضلہ واقع ہوتے ہیں، تو اس لیے ہم نے نصب کو جر کے تابع کر دیا اور نصب والی حالت میں بھی ان پر یا آتی ہے۔ یہاں تک بات سمجھ میں آگئی؟ اب دیکھیے کتاب پر۔

تو کہتے ہیں: وَلَمَّا جُعِلَ إِعْرَابُهُمَا بِالْحُرُوفِ اور جب ان دونوں کا اعراب حروف کے ساتھ بنا دیا گیا، کن دونوں کا؟ تثنیہ اور جمع کا۔ وَكَانَ حُرُوفُ الْإِعْرَابِ ثَلَاثَةً اور اعراب والے حروف تین ہیں، وَإِعْرَابُهُمَا سِتَّةً اور ان دونوں کے اعراب تو چھ ہیں: ثَلَاثَةٌ لِلْمُثَنَّى وَثَلَاثَةٌ لِلْمَجْمُوعِ، تین تثنیہ کے ہیں اعراب اور تین جمع کے ہیں، رفع نصب اور جر تثنیہ میں بھی اور رفع نصب جر جمع میں بھی، تو ان کے چھ اعراب ہیں۔ فَلَوْ جُعِلَ إِعْرَابُ كُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا بِتِلْكَ الْحُرُوفِ الثَّلَاثَةِ، جی تین حروف ہیں ادھر دیکھیے تین حروف ہیں اعراب والے اور حالتیں کتنی ہیں؟ چھ۔ تو یہی تین تثنیہ کو بھی دے دیں یہی تین جمع کو بھی دے دیں یہ بھی نہیں کر سکتے ہم کیونکہ پھر تو التباس لازم آئے گا، پتہ ہی نہیں چلے گا تثنیہ کون سا ہے اور جمع کون سا ہے۔ اور تینوں تثنیہ کو دے دیں یہ بھی نہیں کر سکتے پھر جمع بغیر اعراب کے رہ جائے گا، اور تینوں جمع کو دے دیں تو یہ بھی نہیں کر سکتے کیونکہ تثنیہ بغیر اعراب کے رہ جائے گا۔ دیکھیے بھائی، کہتے ہیں: فَلَوْ جُعِلَ إِعْرَابُ كُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا بِتِلْكَ الْحُرُوفِ الثَّلَاثَةِ اگر اعراب بنا دیا جائے ان میں سے ہر ایک کا بِتِلْكَ الْحُرُوفِ الثَّلَاثَةِ ان تین حروف کے ساتھ، اگر ان تین حروف کے ساتھ ان دونوں میں سے ہر ایک کا اعراب بنا دیا جائے، تثنیہ کا بھی یہی تین اور جمع کے بھی یہی تین واو الف اور یا، تو لَوَقَعَ الِالْتِبَاسُ تو التباس واقع ہو گا۔ کیا واقع ہو گا؟ التباس واقع ہو گا، تثنیہ اور جمع میں فرق ہی نہیں ہو سکے گا۔ وَلَوْ خُصَّ الْمُثَنَّى بِهَا اور اگر تثنیہ کے ساتھ خاص کر دیا جائے ان تین حروف کو، تو بَقِيَ الْمَجْمُوعُ بِلَا إِعْرَابٍ تو جمع بغیر اعراب کے رہ جائے گا۔ وَلَوْ خُصَّ الْمَجْمُوعُ بِهَا اور اگر جمع کے ساتھ ان تین حروف کو خاص کر دیا جائے، تو بَقِيَ الْمُثَنَّى بِلَا إِعْرَابٍ تو تثنیہ بغیر اعراب کے رہ جائے گا۔ فَوُزِّعَتْ عَلَيْهِمَا تو ان تین حروف کو ان پر تقسیم کر دیا گیا۔ وَزَّعَ يُوَزِّعُ تَوْزِيعٌ کا کیا معنی؟ تقسیم کرنا۔ فَوُزِّعَتْ عَلَيْهِمَا تو ان پر ان تین حروف کو یعنی تثنیہ اور جمع پر ان تین حروف کو تقسیم کر دیا گیا۔ بِأَنْ جَعَلُوا الْأَلِفَ، اچھا بھائی۔

اچھا دیکھیے بھائی یہاں آیا فَلَوْ جُعِلَ إِعْرَابُ كُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا بِتِلْكَ الْحُرُوفِ الثَّلَاثَةِ لَوَقَعَ، لَوَقَعَ الِالْتِبَاسُ۔ دیکھا عام طلبہ اس کو کیسے پڑھیں گے؟ لَوَقَعَ الْاِلْتِبَاسُ، لَوَقَعَ الْاِلْتِبَاسُ۔ بھائی یہ میں نے بتلایا کہ یہ درست نہیں ہے بھائی، یہ اِلْتِبَاس بابِ افتعال ہے اور بابِ افتعال کا ہمزہ وصلی ہے۔ میں نے طریقہ سکھایا تھا میں نے تفصیل بیان کی تھی کہ ان کو کیسے پڑھتے ہیں بھائی۔ دیکھو اس میں ذرا پھر دیکھ لو اور طریقہ واضح ہو جائے گا آپ کے لیے۔ دیکھو اِلْتِبَاس اس کے شروع میں ہمزہ وصلی ہے، یہ درجِ عبارت میں گر جاتا ہے۔ اس پر الف لام داخل ہوا تو وہ اِلْتِبَاس کا ہمزہ گر گیا، اب لام آگے ساکن ہے اور اس پر ال داخل ہوا تو اس کا لام بھی ساکن، تو دونوں لام ساکن ہیں: ایک ال والا لام ہے اور ایک اِلْتِبَاس والا لام۔ تو اجتماعِ ساکنین آیا، دونوں لام ساکن ہیں تو پہلے والے لام کو کسرہ دے دیں گے، کیسے پڑھیں گے؟ اِلْلْتِبَاسُ، اِلْلْتِبَاسُ۔ دیکھو سننے میں پتہ ہی نہیں چلے گا کہ میں نے اَلْاِلْتِبَاسُ پڑھا ہے یا اَلِلْتِبَاسُ، اَلِلْتِبَاسُ۔ طریقہ سمجھ میں آیا؟ اب دیکھو اسی طرح تھا اَلِسْمُ۔ اسم کا ہمزہ بھی وصلی ہے، تو وہ درجِ عبارت میں گر جاتا ہے، اس پر الف لام آگیا تو سین بھی ساکن اور الف لام والا لام بھی ساکن تو لام کو کسرہ دے دیا، تو کیا بن گیا؟ اَلِسْمُ۔ تو یہاں کیا بن گیا؟ اَلِلْتِبَاسُ۔ اب ان پر فِي یا إِلَى یا مِنْ وغیرہ کوئی حرف داخل ہو اس کو پڑھنا کیسے ہے؟ تو میں نے بتلایا تھا کہ لفظ اَلْإِسْلَام لے آؤ، لفظ اَلْإِسْلَام۔ اس میں ہمزہ قطعی ہے، إِسْلَام بابِ افعال ہے، ہمزہ قطعی ہے، اس پر وہ لفظ لے آؤ اور جوڑ کر دیکھو جیسے وہاں پڑھیں گے اسی طرح یہاں بھی پڑھیں۔ مثلاً یہاں کیا آیا؟ لَوَقَعَ، اور آگے ہے اَلِلْتِبَاسُ، اَلِلْتِبَاسُ۔ پھر الف لام والا ہمزہ وصلی ہے وہ بھی گر گیا۔ وہ بھی گر گیا، تو اب آیا لَوَقَعَ لِلْتِبَاسُ، لَوَقَعَ لِلْتِبَاسُ پڑھیں گے۔ طریقہ سمجھ میں آیا؟ اور اگر اس پر إِلَى داخل ہوتا پھر کیسے پڑھتے؟ إِلَى اِلْلْتِبَاسِ، نہیں بھائی میں نے طریقہ تو بتایا اَلْإِسْلَام پر ذرا إِلَى کو لے آؤ۔ إِلَى کو اَلْإِسْلَام پر داخل کرو۔ إِلَى الْإِسْلَامِ۔ کیا بن گیا؟ إِلَى الْإِسْلَامِ۔ معلوم ہوا إِلَى، إِلَا الْإِسْلَام پڑھ رہا ہوں یا إِلَى الْإِسْلَامِ؟ إِلَى الْإِسْلَامِ۔ معلوم ہوا إِلَى کے آخر میں جو الف ہے وہ گر چکا ہے۔ إِلَى کے آخر میں الف ہے، آگے اَلْإِسْلَام ہمزہ تو وصلی ہے گر گیا اب لام ساکن ہے، تو إِلَى کا الف بھی ساکن اور اَلْإِسْلَام کا لام بھی ساکن، تو اجتماعِ ساکنین آیا، اور اجتماعِ ساکنین میں دو صورتیں ہوتی ہیں: اگر اول حرفِ مدہ ہو تو اس کو گرا دیتے ہیں، اور اگر حرفِ مدہ اول نہ ہو تو پھر اس کو کسرہ والی حرکت دیتے ہیں۔ تو یہاں إِلَى کے آخر میں کیا؟ الف، اور إِسْلَام کے شروع میں کیا؟ لام، تو لام بھی ساکن اور ماقبل میں الف بھی ساکن تو اجتماعِ ساکنین آیا، اور اول کیا ہے اس میں؟ حرفِ مدہ، تو وہ گر جائے گا، تو کیسے پڑھیں گے؟ إِلَى الْإِسْلَامِ۔ إِلَى، معلوم ہوا إِلَى کا الف گر جاتا ہے اجتماعِ ساکنین سے۔ تو یہاں پر بھی اسی طرح ہے۔ ابھی ہم نے کیا پڑھا؟ اَلِلْتِبَاسِ، کیا تھا لفظ؟ اَلِلْتِبَاسِ۔ اب اس پر إِلَى آیا، تو ہمزہ تو گر گیا اَلِلْتِبَاس کا، شروع کا ہمزہ جو ہے الف لام والا وہ بھی گر گیا۔ اب کیا بن گیا؟ إِلَى اور لِلْتِبَاسِ، إِلَى لِلْتِبَاسِ۔ لام کے نیچے ہم زیر دے چکے ہیں، لیکن یہ جو لام کو زیر دی ہے یہ مستقل حرکت ہے اس کی یا عارضی حرکت دی ہے؟ یہ عارضی حرکت ہے اجتماعِ ساکنین کی

وجہ سے دی ہے تو گویا یہ لام ابھی بھی ساکن ہے، لِلْتِبَاس کا لام ابھی بھی ساکن ہے، تو یہ لام بھی ساکن اور ماقبل میں إِلَى کے آخر میں جو الف ہے وہ بھی ساکن تو اجتماعِ ساکنین آیا، اور اجتماعِ ساکنین میں کیا کرتے ہیں؟ اول اگر مدہ ہو تو اس کو گرا دیتے ہیں، تو إِلَى کا الف گر گیا، تو کیسے پڑھیں گے؟ إِلَ، لِل، لام کے نیچے کسرہ پڑھنا ہے۔ لام کے نیچے، توجہ ہے؟ إِلَى کا الف کیوں گرا؟ اجتماعِ ساکنین کی وجہ سے۔ لام کے نیچے تو کسرہ پہلے آچکا ہے، اِلْتِبَاس تھا نا اس پر کیا داخل کیا؟ الف لام، تو اِلْتِبَاس کا ہمزہ گر گیا اور لام کو پھر کسرہ دے دیا کیا بن گیا؟ اَلِلْتِبَاسُ، اَلِل تِبَاسُ۔ پھر اَل کا ہمزہ بھی گر گیا۔ اب لام کے نیچے کسرہ ہے لیکن اس کو حرکت نہ شمار کرو، اس کو ساکن ہی شمار کرو کیونکہ یہ عارضی حرکت ہے، تو إِلَى کا الف گر گیا اجتماعِ ساکنین سے، اب کیسے پڑھیں گے؟ إِلَ لِلْتِبَاسِ، إِلَ لِلْتِبَاسِ۔ طریقہ سمجھ میں آیا؟ اور اگر مِنْ کو لے آؤ پھر کیسے پڑھو گے؟ مِنَ الْإِسْلَامِ، وہاں نون پر کیا آتا تھا؟ زبر، تو یہاں بھی نون پر زبر پڑھو: مِنَ لِلْتِبَاسِ، مِنَ اِلْلِتِبَاسِ دیکھو۔ اور اگر فِي آجائے، فِي کو اَلْإِسْلَام پر داخل کرو کیسے پڑھو گے؟ فِي الْإِسْلَامِ، دیکھو وہاں بھی یا گر گئی فا کے نیچے صرف زیر پڑھ رہے ہو۔ تو یہاں پر بھی فِي لِلْتِبَاسِ ہے، فِي کی یا گرا دو۔ ہاں ہاں، جوڑنا نہیں، لام کے نیچے زیر نہیں ختم کرنی، وہ عارضی اس کو شمار نہیں کرنا، اس کی وجہ سے یا گرے گی لیکن پڑھنی اس پر زیر ہی ہے بھائی، تو کیسے پڑھیں گے؟ ہاں فِي لِلْتِبَاسِ، فِي لِلْتِبَاسِ۔ طریقہ سمجھ میں آگیا؟ فِي لِلْتِبَاسِ۔

تو کہتے ہیں: فَوُزِّعَتْ عَلَيْهِمَا تو یہ واو الف اور یا کو ان دونوں پر تقسیم کر دیا گیا تثنیہ اور جمع پر، بِأَنْ جَعَلُوا الْأَلِفَ عَلَامَةَ الرَّفْعِ فِي الْمُثَنَّى بَايں صورت، یہ با تصویریہ ہے، با تصویریہ ہے صورت بتلا رہے ہیں کہ کس طرح تقسیم کیا گیا، کہتے ہیں: بِأَنْ جَعَلُوا الْأَلِفَ عَلَامَةَ الرَّفْعِ بَايں صورت کہ یہ الف کو تثنیہ کی علامت قرار دے دیا گیا فِي الْمُثَنَّى تثنیہ میں، لِأَنَّهُ ضَمِيرُ الْمَرْفُوعِ لِلتَّثْنِيَةِ فِي الْفِعْلِ کیونکہ یہی الف جو ہے ضمیرِ مرفوع ہے تثنیہ کے لیے فعل کے اندر بھی، نَحْوُ يَضْرِبَانِ وَضَرَبَا تو دیکھو دونوں میں الف ضمیر ہے، یہ الف جو ہے تثنیہ کو دے دیا۔ وَالْوَاوَ عَلَامَةَ الرَّفْعِ، وَالْوَاوَ اس کا عطف ہے پیچھے جو آیا تھا نا بِأَنْ جَعَلُوا الْأَلِفَ عَلَامَةَ الرَّفْعِ، الف کو کیا بنایا؟ رفع کی علامت، کس میں؟ تثنیہ میں، اب آگے بتا رہے ہیں وَالْوَاوَ عَلَامَةَ الرَّفْعِ فِي الْمَجْمُوعِ اور واو کو رفع کی علامت بنا دیا مجموع میں، کس میں؟ مجموع میں۔ تو یہ واو کا عطف ہے الف پر اور عَلَامَةَ الرَّفْعِ کا عطف ہے عَلَامَةَ الرَّفْعِ پر اور دونوں منصوب ہیں۔ تو کہتے ہیں: وَالْوَاوَ عَلَامَةَ الرَّفْعِ فِي الْمَجْمُوعِ اور واو کو جو ہے رفع کی علامت قرار دے دیا فِي الْمَجْمُوعِ جمع کے اندر، لِأَنَّهُ ضَمِيرُ الْمَرْفُوعِ لِلْجَمْعِ فِي الْفِعْلِ کیونکہ یہ جو واو ہے یہ ضمیرِ مرفوع ہے جمع کے لیے فعل کے اندر، نَحْوُ يَضْرِبُونَ وَضَرَبُوا جیسے يَضْرِبُونَ اور ضَرَبُوا اس میں واو ضمیر ہے، تو واو کی مناسبت تھی جمع کے ساتھ اور الف کی مناسبت تھی تثنیہ کے ساتھ تو الف تثنیہ کو دے دیا رفع کے لیے اور واو جمع کو دے دیا گیا رفع کے لیے۔

وَجَعَلُوا إِعْرَابَهُمَا بِالْيَاءِ حَالَ الْجَرِّ اور بنا دیا ان دونوں کا اعراب بِالْيَاءِ یا کے ساتھ حَالَ الْجَرِّ کس حالت میں؟ جر کی

حالت میں، عَلَى الْأَصْلِ اصل پر چلتے ہوئے۔ اصل پر چلتے ہوئے جر کی حالت میں کون سا اعراب دیا؟ یا والا، کیونکہ جر کسرہ کے ساتھ دیا جاتا ہے اور یا کسرہ کے مناسب ہے کیونکہ یا دو کسروں سے پیدا ہوئی ہے۔ تو کہتے ہیں: وَجَعَلُوا إِعْرَابَهُمَا بِالْيَاءِ اور ان دونوں کا اعراب یا کے ساتھ بنا دیا حَالَ الْجَرِّ جر کی حالت میں عَلَى الْأَصْلِ اصل پر چلتے ہوئے۔ وَفَرَّقُوا بَيْنَهُمَا، دونوں کو حالتِ جری میں یا دے دی گئی لیکن دونوں میں پھر فرق کیا گیا۔ فرق کیا گیا، کیسے؟ کہ تثنیہ میں جو یا دی گئی اس کے ماقبل کو فتحہ دے دیا، رَجُلَيْنِ دیکھو یا سے ماقبل لام پر فتحہ ہے، اور جمع کے اندر جو یا دی گئی اس کے ماقبل کو کسرہ دے دیا، مُسْلِمِينَ۔ طریقہ سمجھ میں آیا؟ تاکہ فرق ہو جائے دونوں کے اندر۔ اور تثنیہ میں یا سے ماقبل کو فتحہ دیا اور جمع میں یا سے ماقبل کو کسرہ دیا، وجہ یہ کہ فتحہ ہے خفیف اور کسرہ ہے ثقیل، اور تثنیہ جو ہے وہ کثیر ہے وہ زیادہ ہے جمع کے مقابلے میں، توجہ ہے؟ تثنیہ زیادہ ہے جمع کے مقابلے میں، تو جو چیز زیادہ ہے، جو زیادہ آئے گی زیادہ استعمال ہوگی، تو اس کو ہلکی حرکت دے دی تاکہ ادائیگی آسانی سے ہو سکے، اور جو قلیل ہے اس کو ثقیل یعنی کسرہ کی حرکت دے دی کیونکہ وہ تو قلیل ہے اگر اس پر ثقل آتا بھی ہے تو زیادہ زیادہ جگہ وہ نہیں آئے گا بھائی۔ بات سمجھ میں آگئی؟

تو کہتے ہیں: وَفَرَّقُوا بَيْنَهُمَا بِأَنْ فَتَحُوا مَا قَبْلَ الْيَاءِ فِي التَّثْنِيَةِ اور فرق کیا ان دونوں کے درمیان یعنی تثنیہ اور جمع میں بایں صورت بِأَنْ فَتَحُوا مَا قَبْلَ الْيَاءِ فِي التَّثْنِيَةِ کہ فتحہ دے دیا یا کے ماقبل کو تثنیہ میں، لِخِفَّةِ الْفَتْحَةِ بوجہ فتحہ کے خفیف ہونے کے، وَكَثْرَةِ التَّثْنِيَةِ اور تثنیہ کے کثیر ہونے کے۔ تثنیہ چونکہ کثیر ہے لہذا اس کو خفیف حرکت دی اور جو جمع ہے وہ قلیل ہے لہذا اس کو ثقیل حرکت دی۔ بھائی کس طرح؟ تثنیہ کثیر کس طرح ہے اور جمع قلیل کس طرح ہے؟ بھائی دیکھو آپ کے پاس چھ افراد ہوں، چھ افراد آپ اس کے تثنیہ بناؤ کتنے تثنیہ بنیں گے؟ تین بن جائیں گے، کتنے؟ تین تثنیہ بنیں گے، چھ میں سے تین تثنیہ بنیں گے۔ اور چھ میں سے جمع بناؤ کتنے بنیں گے؟ دو بنیں گے، کیونکہ جمع میں کم از کم کتنے افراد؟ تین، تو دیکھا جمع دو بنی اور تثنیہ تین بنے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ یا دوسری مثال لے لو: زید، عمر، بکریہ تین افراد ہیں، اس میں جمع کتنے؟ ایک ہی جمع، تینوں مل کر ایک جمع بن جائیں گے، اور تثنیہ کتنے؟ زید عمر بکر تین ہیں، زید اور عمریہ بھی تثنیہ، زید اور عمریہ بھی تثنیہ، اور زید اور بکریہ بھی تثنیہ، عمر اور بکریہ بھی تثنیہ، گویا تین تثنیہ بن گئے بھائی، ایک جمع بنی اور تثنیہ تین بن گئے، تو معلوم ہوا تثنیہ کثیر ہے اور جمع قلیل ہے۔ نیز ایک اور بات یاد رکھنا، جمع مذکر سالم کی بات چل رہی ہے، یاد رکھو جمع مذکر سالم کے لیے کئی شرطیں ہیں بھائی آگے چل کر یہ بیان کریں گے کہ اگر کسی اسم سے جمع مذکر سالم بنانا چاہتے ہو تو اس کی یہ یہ شرطیں ہیں: اگر وہ اسمِ محض ہے تو یہ شرطیں ہیں، اگر وہ صفت کا صیغہ ہے تو یہ شرطیں ہیں، وہ شرطیں پوری ہوں گی تو پھر آپ جمع مذکر سالم بنا سکتے ہیں، توجہ ہے؟ تو اس میں شرطیں ہیں باقاعدہ اور تثنیہ میں کوئی شرط نہیں ہے، اور ظاہر سی بات ہے جس چیز میں شرطیں ہوں وہ قلیل ہوتی ہے اور جس میں شرطیں نہ ہوں وہ کثیر ہوتی ہے بھائی۔ تو معلوم ہوا تثنیہ کثیر ہے اور جمع قلیل، تو اس لیے جو کثیر تھی اس کو خفیف حرکت دے دی اور جو قلیل تھی اس کو ثقیل حرکت دے دی۔ دیکھیے بھائی دوبارہ

ترجمہ دیکھ لیجیے، کہتے ہیں: وَفَرَّقُوا بَيْنَهُمَا اور ان دونوں کے درمیان یعنی تثنیہ اور جمع میں فرق کیا گیا بِأَنْ فَتَحُوا مَا قَبْلَ الْيَاءِ فِي التَّثْنِيَةِ بَاٰیں صورت کہ فتحہ دے دیا گیا یا سے ماقبل کو تثنیہ میں، لِخِفَّةِ الْفَتْحَةِ وَكَثْرَةِ التَّثْنِيَةِ اس وجہ سے کہ فتحہ جو ہے وہ خفیف ہے اس کی زبان پر ادائیگی آسان ہے وَكَثْرَةِ التَّثْنِيَةِ اور تثنیہ کے کثیر ہونے کی وجہ سے۔ وَكَسَرُوهُ فِي الْجَمْعِ لِثِقَلِ الْكَسْرَةِ وَقِلَّةِ الْمَجْمُوعِ اور یا کے ماقبل کو کسرہ دے دیا فِي الْجَمْعِ کس کے اندر؟ جمع میں، لِثِقَلِ الْكَسْرَةِ کسرہ کے ثقیل ہونے کی وجہ سے، وَقِلَّةِ الْمَجْمُوعِ اور جمع کے قلیل ہونے کی وجہ سے۔ وَحَمَلُوا النَّصْبَ عَلَى الْجَرِّ لَا عَلَى الرَّفْعِ اور نصب جو ہے اس کو محمول کیا جر پر، لَا عَلَى الرَّفْعِ رفع پر محمول نہیں کیا یعنی رفع کے تابع نہیں بنایا بلکہ جر کے تابع بنایا، لِمُنَاسَبَةِ النَّصْبِ بِالْجَرِّ اس وجہ سے کہ نصب کی مناسبت ہے جر کے ساتھ، لِوُقُوعِ كُلٍّ مِنْهُمَا فَضْلَةً فِي الْكَلَامِ اس لیے کیونکہ ان میں سے ہر ایک جو ہے وہ کلام میں فضلہ واقع ہوتا ہے یعنی منصوب اور مجرور فضلہ بنتے ہیں۔

وَلَمَّا فَرَغَ مِنْ تَقْسِيمِ الْإِعْرَابِ إِلَى الْحَرَكَةِ وَالْحَرْفِ وَبَيَانِ مَوَاضِعِهِمَا الْمُخْتَلِفَةِ شَرَعَ فِي بَيَانِ مَوَاضِعِ الْإِعْرَابِ اللَّفْظِيِّ وَالتَّقْدِيرِيِّ۔ یہ آگے آنے والے متن کے لیے تمہید ہے۔ صاحبِ جامی آپ کو بتلائیں گے کہ آگے صاحبِ کافیہ اعرابِ لفظی اور اعرابِ تقدیری کو بیان کرنے لگے ہیں کہ اعراب دو قسم پر ہے: ایک اعرابِ لفظی ہے اور ایک اعرابِ تقدیری ہے۔ یاد رکھنا کہ اعرابِ لفظی وہ ہوتا ہے جس میں باقاعدہ اعراب پر تلفظ کیا جاتا ہے، تلفظ سے ہی پتہ چل جاتا ہے کہ کون سا اعراب ہے۔ مثلاً دیکھو زَيْدٌ، زَيْدًا، زَيْدٍ دیکھو سننے سے ہی پتہ چل رہا ہے کہ میں رفع پڑھ رہا ہوں یا نصب یا جر، زَيْدٌ میں نے کیا پڑھا؟ جی، رفع؛ زَيْدًا نصب؛ زَيْدٍ جر۔ دیکھا تلفظ سے سننے سے ہی لفظوں سے ہی آپ کو پتہ چل رہا ہے۔ رَجُلَانِ میں نے کیا پڑھا؟ رفع کیونکہ حالتِ تثنیہ کا رفع الف کے ساتھ آتا ہے؛ رَجُلَيْنِ میں نے کیا پڑھا؟ نصب یا جر پڑھا بھائی؛ مُسْلِمُونَ میں نے کیا پڑھا؟ رفع کیونکہ جمع مذکر سالم کا رفع واو کے ساتھ آتا ہے اور میں اس پر باقاعدہ تلفظ کر رہا ہوں؛ اور مُسْلِمِينَ میں نے کیا پڑھا؟ نصب یا جر کیونکہ جمع مذکر سالم کا نصب یا جر جو ہے وہ یا ماقبل مکسور کے ساتھ آتا ہے۔ تو دیکھو تلفظ سے ہی، سننے سے ہی آپ کو اعراب کا پتہ چل رہا ہے اس کو اعرابِ لفظی کہتے ہیں، کیا کہتے ہیں؟ اعرابِ لفظی کہتے ہیں۔ اور یہ جو ابھی تک صاحبِ کافیہ نے بارہ قسمیں بیان کیں بھائی اعراب کے اعتبار سے، ان سب میں اعرابِ لفظی تھا بھائی۔ جَاءَنِي أَبُوكَ، میں نے کیا پڑھا أَبُوكَ پر کیا پڑھا؟ رفع، دیکھو أَبُوكَ، أَبَاكَ، أَبِيكَ۔ أَبُوكَ پر میں نے کیا پڑھا؟ رفع، أَبَاكَ نصب، اور أَبِيكَ جر، تو دیکھو اعرابِ لفظی وہ ہوتا ہے کہ باقاعدہ لفظ سے ہی یعنی تلفظ سے ہی اعراب کا پتہ چل جائے۔ جبکہ اس کے مقابلے میں اعرابِ تقدیری ہے: اعرابِ تقدیری وہ ہے جہاں تلفظ سے اعراب کا پتہ نہ چلے۔ جَاءَ مُوسَى، رَأَيْتُ مُوسَى، مَرَرْتُ بِمُوسَى دیکھو تینوں حالتوں میں یہ لفظ اسی طرح ہے، یہ لفظِ مُوسَى اس میں کوئی تبدیلی نہیں آرہی، کچھ پتہ نہیں چل رہا کہ کون سا اعراب ہے اس پر، تو اس کو کیا کہیں گے؟ اعرابِ تقدیری کہیں گے۔ تو اب صاحبِ جامی آپ کو بتلائیں گے کہ دیکھو آگے اعرابِ لفظی اور تقدیری کو صاحبِ کافیہ بیان کرنے لگے ہیں۔

جی اب دیکھیے بھائی صرف متن متن دیکھیے: التَّقْدِيرُ فِيمَا تَعَذَّرَ كَعَصًا وَغُلَامِي مُطْلَقًا أَوِ اسْتُثْقِلَ كَقَاضٍ رَفْعًا وَجَرًّا وَنَحْوُ

مُسْلِمِيَّ رَفْعًا وَاللَّفْظِيُّ فِيمَا عَدَاهُ۔ دیکھ لیا متن؟ جی، دیکھو متن پہلے سمجھ لیں۔ یہاں سے یاد رکھو صاحبِ کافیہ جو ہے اعرابِ تقدیری اور لفظی کا ضابطہ بیان فرما رہے ہیں کہ اعرابِ تقدیری کہاں آئے گا اور اعرابِ لفظی کہاں آئے گا؟ تو آپ کو بتلائیں گے کہ اعرابِ تقدیری دو جگہ آئے گا بھائی معرب کے اندر، دو جگہ اعرابِ تقدیری آئے گا: ایک وہ جگہ جہاں اعراب کا پڑھنا ممکن ہی نہ ہو، ایک وہ جگہ، جیسے جَاءَنِي مُوسَى، رَأَيْتُ مُوسَى، مَرَرْتُ بِمُوسَى، اس کے آخر میں الف آرہا ہے اور الف پر نہ رفع آسکتا ہے نہ نصب اور نہ جر، تو یہاں اعراب کا پڑھنا ممکن ہی نہیں ہے۔ تو تقدیری اعراب جو ہے وہ دو جگہ آئے گا معرب کے اندر: ایک تو وہ جب اعراب کا پڑھنا ممتنع ہو ممکن ہی نہ ہو، یا دوسری جگہ کہ اعراب کا پڑھنا ممکن تو ہے لیکن زبان پر اس کی ادائیگی ثقیل ہے، جیسے قَاضٍ، جَاءَنِي قَاضِيٌ دیکھو ضمہ یا پر ثقیل ہے، اب ضمہ پڑھا تو جا سکتا ہے یا پر لیکن وہ ثقیل ہے۔ تو تقدیری اعراب کتنی جگہ آئے گا معرب میں؟ دو جگہ: ایک تو وہ جب اعراب کا پڑھنا ممتنع ہو ممکن ہی نہ ہو، یا دوسری جگہ کہ اعراب کا پڑھنا ممکن تو ہے لیکن زبان پر اس کی ادائیگی ثقیل ہے۔ اور پھر اعرابِ لفظی جو ہے ان دونوں جگہوں کے علاوہ باقی سب جگہ اعرابِ لفظی آئے گا معرب میں یعنی اس اعراب پر باقاعدہ آپ تلفظ کریں گے۔ ابھی تک یہ جتنی اعراب کی قسمیں آپ نے پڑھیں یہ بارہ قسمیں بھائی، ان سب کے اندر اعرابِ لفظی تھا بھائی۔ جَاءَنِي زَيْدٌ، رَأَيْتُ زَيْدًا، مَرَرْتُ بِزَيْدٍ۔ جَاءَتْنِي مُسْلِمَاتٌ، رَأَيْتُ مُسْلِمَاتٍ، مَرَرْتُ بِمُسْلِمَاتٍ۔ دیکھا، بات سمجھ میں آگئی؟ تو ان دونوں جگہوں کے علاوہ باقی تمام جگہ لفظی اعراب آئے گا معرب کے اندر۔ ضابطہ سمجھ میں آگیا؟

اب یہ متن کا ذرا ترجمہ بھی دیکھ لیں۔ کہتے ہیں: التَّقْدِيرُ فِيمَا تَعَذَّرَ تقدیری اعراب اس اسمِ معرب میں ہوگا جس میں اعراب متعذر ہو جائے یعنی اعراب کا پڑھنا ممکن ہی نہ رہے، كَعَصًا وَغُلَامِي جیسے کہ عَصًا اور غُلَامِي ہے، عَصًا یہ اسمِ مقصور ہے بھائی، عَصًا کیا ہے؟ اسمِ مقصور ہے، آپ نے پڑھا ہے ایک ہے اسمِ منقوص ایک ہے اسمِ مقصور بھائی۔ طلبہ کو اس میں عموماً اشتباہ واقع ہوتا ہے۔ بھائی نام سے ہی اندازہ ہو جاتا ہے یہ کون سی قسم ہے۔ اسمِ مقصور جس کے آخر میں الفِ مقصورہ آئے بھائی جیسے مُوسَى، عِيسَى وغیرہ بھائی۔ اور ایک ہے اسمِ منقوص اس میں منقوص نَاقِص سے ہے نَاقِص سے، یعنی جس کے آخر میں یا ہے اور ماقبل کسرہ، آخر میں حرفِ علت آئے تو اس کو ناقص کہتے ہیں نا، تو قَاضِي جیسا لفظ ہے، اب دیکھو یہ اسمِ منقوص ہے کہ آخر میں یا ہے اور ماقبل اس کے کسرہ ہے بھائی۔

كَعَصًا وَغُلَامِي، عَصًا یہ اسمِ مقصور ہے بھائی، اسمِ مقصور۔ اسمِ مقصور کسے کہتے ہیں؟ جس کے آخر میں الفِ مقصورہ آئے بھائی، الفِ مقصورہ آئے۔ اور یہ الفِ مقصورہ کبھی لفظوں میں ہوتا ہے کبھی تقدیراً ہوتا ہے۔ کبھی تقدیراً ہوتا ہے، جیسے عَصَا، عَصَا اصل میں تھا عَصَوٌ، توجہ ہے؟ عَصَوٌ، پھر واو متحرک ماقبل فتحہ تو وہ کس سے بدلا؟ الف سے۔ تو عَصَاْ بن گیا، آخر میں نونِ تنوین بھی ہے بھائی، تو عَصَاْنْ بن گیا، اور پھر الف اجتماعِ ساکنین سے گر گیا: الف بھی ساکن، تنوین کا نون بھی ساکن۔ تو جب اجتماعِ ساکنین آئے تو اول اگر حرفِ مدہ ہو تو اس کو گرا دیتے ہیں، تو یہاں پر بھی اول الف تھا جو

حرفِ مدہ ہے تو الف گر گیا تو کیا رہ گیا؟ عَصًا۔ تو یہ عَصًا اسمِ مقصور ہے اور الف یہاں تقدیراً موجود ہے، فرض کر لو موجود ہے کیونکہ وہ مجبوری کی وجہ سے گرانا پڑا اجتماعِ ساکنین لازم آرہا تھا۔ ہاں اسی عَصًا پر الف لام لے آؤ، تو اَلْعَصَا اب الف نہیں گرے گا، کیوں؟ کیونکہ وہ الف کیوں گرا تھا؟ اجتماعِ ساکنین سے، اور اجتماعِ ساکنین کس کے ساتھ آیا تھا؟ تنوین کے ساتھ، اور جب الف لام آیا تو اب تنوین آئے گی؟ تو تنوین نہیں، جب تنوین نہیں تو اجتماعِ ساکنین نہیں، جب اجتماعِ ساکنین نہیں تو اب وہ الف نہیں گرے گا، تو اَلْعَصَا۔ تو اَلْعَصَا یہ بھی ہے اسمِ مقصور اور عَصًا یہ بھی کیا ہے؟ اسمِ مقصور ہے بھائی، اسمِ مقصور ہے۔ تو اس میں دیکھو آخر میں الف آرہا ہے، چاہے الف لفظاً ہو جیسے اَلْعَصَا، یا الف تقدیراً ہو جیسے عَصًا، تو آخر میں اب حرکت کا پڑھنا ممکن نہیں ہے کیونکہ الف ھمیشہ ساکن ہوتا ہے: نہ اس پر رفع پڑھ سکتے ہو، نہ نصب اور نہ جر، تو اس میں اعراب تینوں حالتوں میں تقدیری ہو گا۔

اسی طرح غُلَامِي، غُلَامِي کوئی بھی اسم علاوہ جمع مذکر سالم کے جب وہ مضاف ہو یائے متکلم کی طرف، تو اس کا اعراب تینوں حالتوں میں تقدیری ہوتا ہے۔ میں نے آپ کو بتلایا تھا غُلَامِي اس کے اندر غُلَام کا اعراب الگ ہے اور یا ضمیر مضافٌ الیہ ہے اس کا اعراب الگ ہے، یا ضمیر جو ہے مبنی ہے اور مضاف الیہ ہے اور مضاف الیہ مجرور ہوتا ہے تو یہ مجرور محلاً ہے، مجرور محلاً۔ بات چل رہی ہے لفظِ غُلَام کے اعراب کی، تو غُلَامِي جب ہم کہتے ہیں تو کون سا لفظ مراد ہوتا ہے؟ یہ جو غُلَام ہے اس کا اعراب تینوں حالتوں میں تقدیری ہے۔ وجہ یہ کہ اس کے ساتھ عامل کے داخل ہونے سے پہلے مضاف الیہ آکر جڑا ہے اس کے ساتھ، اور مضاف الیہ کیا ہے؟ یا، اور یا اپنے سے ماقبل کیا چاہتی ہے؟ کسرہ۔ تو غُلَامٌ، غُلَامًا، غُلَامٍ اس میم پر تو ہر طرح کا اعراب آسکتا تھا، اس پر تو رفع بھی آسکتا تھا نصب بھی اور جر بھی، لیکن جب یا کے ساتھ آکر یہ غُلَام کا لفظ جڑا تو یا اپنے سے ماقبل کیا چاہتی ہے؟ کسرہ، تو اب غُلَامِي کسرہ آگیا۔ اب اس غُلَامِي کے اوپر آپ عامل داخل کریں، چاہے رفع والا ہو، نصب والا ہو یا جر والا، جَاءَنِي غُلَامِي، رَأَيْتُ غُلَامِي، مَرَرْتُ بِغُلَامِي، تینوں صورتوں میں اس میں کوئی تبدیلی نہیں آتی، تو معلوم ہوا اعراب تینوں حالتوں میں تقدیری ہے۔ غُلَام پر تو تینوں اعراب آرہے تھے جَاءَنِي غُلَامٌ، رَأَيْتُ غُلَامًا، مَرَرْتُ بِغُلَامٍ، اور اس وقت ایک بھی اعراب ہم نہیں پڑھ رہے تینوں تقدیری ہیں بھائی۔ ہاں اس پر ایک اشکال ہوتا ہے کہ مَرَرْتُ بِغُلَامِي حالتِ جری میں تو میم کے نیچے کیا آنا چاہیے؟ کسرہ آنا چاہیے، اور اس وقت بھی کیا ہے؟ کسرہ، تو اس کو اعراب قرار دے دو حالتِ جری میں۔ مَرَرْتُ بِغُلَامِي با کیا تقاضا کر رہی ہے؟ غُلَام کے میم کے نیچے کیا آنا چاہیے؟ کسرہ، اور میم کے نیچے کسرہ موجود ہے تو اس کو جر قرار دے دو، آپ جر کی حالت میں بھی کہتے ہو جر بھی تقدیری ہے؟ کہتے ہیں نہیں بھائی، یہ جو کسرہ آیا ہے یہ عامل کے داخل ہونے سے پہلے کا آیا ہوا ہے یا کی وجہ سے، لہذا اس کو جر قرار نہیں دیا جا سکتا۔ آپ کہیں جی وہ والا کسرہ چلا گیا یہ نیا کسرہ آگیا، بھائی وہ کسرہ کیوں چلا گیا؟ بغیر سبب کے تو کسرہ نہیں جا سکتا، تو وہ یا کی وجہ سے کسرہ آچکا ہے، اب اس کو عامل کی وجہ سے کسرہ قرار نہیں دیا جا سکتا۔ بات سمجھ میں آ گئی؟ یعنی اسے اعراب قرار نہیں دیا جا سکتا۔

تو یہ معنی ہے دیکھیے پھر ذرا ترجمہ متن متن کا دیکھ لیں، کہتے ہیں: التَّقْدِيرُ فِيمَا تَعَذَّرَ تقدیری اعراب جو ہے اس اسمِ معرب میں ہو گا جس میں اعراب متعذر ہو جائے یعنی ممکن نہ رہے اس کا ظاہر کرنا، كَعَصًا وَغُلَامِي جیسے کہ عَصًا اور غُلَامِي میں ہے، مُطْلَقًا، مُطْلَقًا یعنی تینوں حالتوں میں، کسی حالت کی قید نہیں ہے کہ حالتِ رفعی میں اعراب تقدیری ہو گا یا نصبی میں تقدیری ہو گا یا حالتِ جری میں تقدیری ہو گا، بلکہ مُطْلَقًا یعنی ہر حالت میں، مُطْلَقًا جس میں کوئی قید نہیں ہے رفع نصب یا جر کی کوئی قید نہیں مُطْلَقًا ہر یعنی ہر حالت میں ان کا اعراب تقدیری ہو گا، عَصًا یعنی اسمِ مقصور کا بھی اور غُلَامِي یعنی وہ اسم جو مضاف ہو یائے متکلم کی طرف علاوہ جمع مذکر سالم، ان کا مُطْلَقًا اعراب تقدیری ہے یعنی تینوں حالتوں میں۔

أَوِ اسْتُثْقِلَ یا تقدیری اعراب جو ہے اس اسمِ معرب میں ہو گا اسْتُثْقِلَ جس کے اندر اعراب ثقیل ہو، كَقَاضٍ رَفْعًا وَجَرًّا وَنَحْوُ مُسْلِمِيَّ رَفْعًا جیسے کہ قَاضٍ ہے رفع اور جر کی حالت میں۔ قَاضِي کون سی قسم ہے سولہ قسموں میں سے؟ اسمِ منقوص ہے۔ اور اسمِ منقوص کسے کہتے ہیں؟ کہ آخر میں یا ہو اور ماقبل کسرہ ہو۔ اور غُلَامِي اور قَاضِي میں کیا فرق ہے؟ غُلَامِي میں بھی یا سے ماقبل کسرہ ہے، قَاضِي میں بھی یا سے ماقبل کسرہ ہے، کیا فرق ہے؟ ہاں غُلَامِي میں یا الگ ہے غُلَام مضاف یا ضمیر مضافٌ الیہ، غُلَامِي کا کیا مطلب کیا ترجمہ ہے؟ میرا غُلَام، اور قَاضِي اس کے اندر یا قَاضِي کی اپنی ہے بھائی، تو یہ آپ نے ہمیشہ خیال رکھنا ہے دونوں میں یہ فرق ہے۔ تو قَاضِي جو ہے یہ اسمِ منقوص ہے، اس کے آخر میں یا ہے، اور یا پر ضمہ بھی ثقیل ہوتا ہے اور کسرہ بھی ثقیل۔ ہاں فتحہ خفیف ہے وہ یا کے اوپر آسکتا ہے۔ تو حالتِ رفعی میں کیا ہو گا؟ قَاضِيٌ، توجہ ہے؟ قَاضِيٌ، سب سے پہلے ضابطہ دیکھتے ہیں کہ یا ماقبل فتحہ تو نہیں؟ یا متحرک ہو اور ماقبل فتحہ ہو، سب سے پہلے یہ والا قانون دیکھتے ہیں، قَاضِيٌ میں یا متحرک ہے لیکن ماقبل فتحہ نہیں ورنہ اس کو ہم الف سے بدلتے۔ تو جب ماقبل فتحہ نہیں پھر دوسرا قانون دیکھتے ہیں کہ یا پر ضمہ ثقیل ہے تو یا پر سے ضمہ گرا دیا۔ تو یا ساکن ہو گئی اور آگے تنوین کا نون ہے وہ بھی ساکن ہے تو کیا بن گیا؟ قَاضِيْنْ، قَاضِيْنْ۔ یا بھی ساکن نون بھی ساکن اجتماعِ ساکنین آیا اور اجتماعِ ساکنین بھی عَلَى غَيْرِ حَدِّهِ ہے، تو اول ان میں حرفِ مدہ ہے یا، وہ گر گئی، تو کیا بن گیا؟ قَاضٍ، تو اس کو لکھتے بھی کیسے ہیں؟ ضاد کے نیچے دو زیر ڈال دیتے ہیں قَاضٍ، یا نہیں ساتھ لکھتے۔ اور حالتِ جری میں دیکھ لو، حالتِ جری میں کیا تھا؟ قَاضِيٍ، قَاضِيٍ۔ پھر یا کے نیچے کسرہ ثقیل تھا گرا دیا کیا بن گیا؟ قَاضِيْنْ، پھر اسی طرح قَاضِيْنْ بن گیا، پھر اجتماعِ ساکنین سے یا گر گئی تو کیا بن گیا؟ قَاضٍ۔ تو حالتِ رفعی میں بھی پڑھیں گے قَاضٍ یعنی رفع تقدیراً ہے، اور حالتِ جری میں بھی پڑھیں گے قَاضٍ یعنی جر تقدیراً ہے یعنی کسرہ تقدیراً ہے، تو حالتِ رفعی میں بھی اعراب اس کا کیا ہو گا؟ تقدیری قَاضٍ کا، اور حالتِ جری میں بھی اعراب کیا ہو گا؟ تقدیری ہو گا بھائی۔ وہ جو ضمہ یا کسرہ آیا تھا اس پر آپ تلفظ کر رہے ہیں؟ نہیں، تو یہ اعراب کیا ہوا دونوں حالتوں میں؟ تقدیری ہوا۔ ہاں فتحہ آسکتا ہے کیونکہ فتحہ خفیف ہے بھائی، تو رَأَيْتُ قَاضِيًا، اس میں یہ یا نہیں گرے گی بھائی۔ تو حالتِ رفعی میں کیسے کہیں گے؟ جَاءَنِي قَاضٍ، رَأَيْتُ قَاضِيًا، اور مَرَرْتُ بِقَاضٍ۔ طریقہ سمجھ میں آیا؟ اور یہ یا کیوں گری؟

اجتماعِ ساکنین کی وجہ سے، توجہ ہے؟ کس کے ساتھ اجتماعِ ساکنین آیا تھا؟ تنوین کے ساتھ، لہذا اگر اس پر الف لام لے آؤ پھر یا نہیں گرے گی: اَلْقَاضِي، اَلْقَاضِي، تو جَاءَنِي الْقَاضِي ضمہ نہیں پڑھنا یا پر کیونکہ ضمہ یا پر ثقیل ہے، رَأَيْتُ الْقَاضِيَ فتحہ پڑھیں گے کیونکہ فتحہ خفیف ہے یا پر آسکتا ہے، اور مَرَرْتُ بِالْقَاضِي اس کے اندر بھی یا پر کسرہ نہیں پڑھیں گے کیونکہ کسرہ یا پر ثقیل ہے، تو کسرہ اور ضمہ دونوں یا سے گریں گے اور خود یا اجتماعِ ساکنین کی صورت میں گرے گی ویسے نہیں گرے گی جب نونِ تنوین آگے ہو۔ تو جیسے اسمِ مقصور کے اندر کبھی الف تقدیراً ہوتا تھا اور کبھی الف لفظوں میں ہوتا تھا، اسی طرح یہ جو قَاضٍ ہے اس کے اندر بھی کبھی یا تقدیراً ہوگی اور کبھی یا لفظوں میں ہوگی۔ تقدیراً کب ہوگی؟ جب اجتماعِ ساکنین سے گر جائے بغیر الف لام کے قَاضٍ کا لفظ آجائے یا قَاضِي جیسا کوئی لفظ آجائے: جَاءَنِي قَاضٍ، رَأَيْتُ قَاضِيًا، مَرَرْتُ بِقَاضٍ، یہ اسمِ منقوص ہے، اسمِ منقوص کسے کہتے ہیں؟ جس کے آخر میں یا ہو اور ماقبل کسرہ ہو۔ قَاضٍ، جَاءَنِي قَاضٍ یہاں تو کوئی یا نہیں ہے؟ آپ کہیں گے یہ تقدیراً یا موجود ہے اجتماعِ ساکنین کی وجہ سے گری ہے جیسے عَصًا کے اندر تقدیراً الف موجود تھا۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو معلوم ہوا قَاضِي کے اندر اعراب ثقیل ہو جاتا ہے کون سی دو حالتوں میں؟ رفعی اور جری حالت میں، نصبی حالت میں ثقیل نہیں ہوتا، اسی لیے دیکھیے کتاب پر متن متن كَقَاضٍ رَفْعًا وَجَرًّا جیسے کہ قَاضِي ہے رفع اور جر کی حالت میں۔

وَنَحْوُ مُسْلِمِيَّ اور جیسے کہ مُسْلِمِيَّ ہے بھائی، رَفْعًا حالتِ رفعی میں، حالتِ رفعی میں۔ بھائی ادھر دیکھیے مُسْلِمِيَّ اصل میں تھا مُسْلِمُونَ اور اس کے ساتھ یا متکلم کی آکر جڑ گئی۔ غُلَامِي کے ساتھ یا آکر جڑتی تھی، وہاں کیا قید لگائی تھی؟ کوئی بھی اسم جب مضاف ہو یائے متکلم کی طرف علاوہ جمع مذکر سالم کے۔ جمع مذکر سالم اب آرہا ہے مُسْلِمِيَّ اس کا الگ اعراب ہے، غُلَامِي کا اعراب کیا تھا تینوں حالتوں میں تقدیری، لیکن یہ جو مُسْلِمِيَّ ہے اس کا صرف ایک حالت میں اعراب تقدیری ہے اور وہ حالتِ رفعی ہے بھائی، حالتِ نصبی اور جری میں اس کا اعراب لفظی ہے۔ مُسْلِمِيَّ اصل میں کیا تھا؟ مُسْلِمُونَ، اور آخر میں یا متکلم کی آکر جڑ گئی، اضافت ہوئی مُسْلِمُونَ کا نون گر گیا، مُسْلِمُوِيَ ہوا، تو واو اور یا جمع ہو گئے۔ یاد رکھو جب بھی واو اور یا جمع ہو جائیں اور ان میں سے اول ساکن ہو، اول چاہے اول یا ہو چاہے واو ہو لیکن اول کو ساکن ہونا چاہیے، تو مُسْلِمُوِيَ واو اور یا جمع ہو گئے اور ان میں پہلے کون ہے؟ واو، اور واو کیا ہے؟ ساکن ہے، تو اس صورت میں اس واو کو بھی یا کر کے یا میں ادغام کرتے ہیں، چاہے پہلے یا ہو چاہے پہلے واو، جو بھی ہو جب پہلا ساکن ہو تو جو واو آرہا ہو چاہے واو پہلے ہے چاہے واو بعد میں ہے اس واو کو یا کر کے یا میں ادغام کرتے ہیں، تو ادغام کر دیا کیا بن گیا؟ مُسْلِمُيَّ، مُسْلِمِيَّ، مُسْلِمِيَّ ہوا بھائی۔ تو پھر اب یا ہے اور یا سے ماقبل میم پر ضمہ ہے اور یا اپنے سے ماقبل کیا چاہتی ہے؟ کسرہ چاہتی ہے، تو کسرہ دے دیا کیا بن گیا؟ مُسْلِمِيَّ۔ توجہ ہے؟ تو مُسْلِمِيَّ حالتِ رفعی میں کیا تھا؟ مُسْلِمُوِيَ تھا، کیا تھا؟ تو یہ دیکھو دو لفظ ہیں یہ

مُسْلِمِيَّ دراصل دو لفظ ہیں: ایک مُسْلِمُونَ کا اعراب آپ نے الگ بتانا ہے اور یا جو ساتھ جڑی ہے اس کا اعراب الگ بتانا ہے، یا تو مضاف الیہ ہے اس کا اعراب جر ہے، وہ مجرور ہے محلاً ضمیر ہے مبنی ہے، جبکہ مُسْلِمُونَ وہ تو جمع مذکر سالم ہے اور جمع مذکر سالم کا رفع کس کے ساتھ آتا ہے؟ واو کے ساتھ، اور مُسْلِمِيَّ جی میں اس واو پر تلفظ کر رہا ہوں کہ نہیں کر رہا؟ مُسْلِمِيَّ میں نے واو پڑھا؟ نہیں، تو دیکھا یہ اعراب تقدیری ہے۔ یہ حالتِ رفعی میں واو کیا ہے؟ تقدیری ہے، لفظوں میں وہ واو نہیں وہ واو یا ہو کر یا کے ساتھ اس کا ادغام ہو چکا ہے، تو اعراب لفظی نہیں ہے، توجہ ہے؟ مُسْلِمُونَ کا رفع کس کے ساتھ آتا ہے؟ واو کے ساتھ اور وہ واو اس وقت اس پر میں تلفظ نہیں کر رہا، جب تلفظ نہیں کر رہے تو اعراب لفظی ہوا یا تقدیری ہوا؟ اعرابِ لفظی کسے کہتے ہیں؟ کہ اس اعراب پر باقاعدہ انسان تلفظ کرتا ہے اور یہاں مُسْلِمُونَ کے واو پر میں تلفظ کر رہا ہوں؟ نہیں، وہ تو یا بن چکا ہے، تو یہاں اعراب کیا ہوا؟ تقدیری ہوا، اور کون سی حالت میں؟ حالتِ رفعی میں کیونکہ واو کس حالت میں آتا ہے مُسْلِمُونَ میں؟ حالتِ رفعی میں۔ اب حالتِ نصبی جری میں لے آؤ ذرا مُسْلِمُونَ کو، مُسْلِمِينَ، اب اس کی اضافت کرو یا کی طرف، تو نون آخر سے گر گیا، کیا بن گیا؟ مُسْلِمِيَ، ایک یا پہلے ساکن ہے دوسری یا ضمیر ہے، مُسْلِمِيَ، جی پھر یا کا یا میں کیا کر دیا؟ ادغام کر دیا، تو کیا بن گیا؟ مُسْلِمِيَّ، مُسْلِمِيَّ۔ تو حالتِ رفعی میں بھی پڑھا مُسْلِمِيَّ، حالتِ نصبی جری میں بھی کیا پڑھیں گے؟ مُسْلِمِيَّ، لیکن حالتِ رفعی میں اعراب آنا کس کے ساتھ چاہیے تھا مُسْلِمُونَ کا؟ واو کے ساتھ اور واو تو ہم تلفظ نہیں کر رہے تو اعراب کیا ہوا؟ تقدیری، اور حالتِ نصبی جری میں کیسے پڑھیں گے؟ مُسْلِمِيَّ، تو حالتِ نصبی جری میں اعراب کس کے ساتھ آتا ہے جمع مذکر سالم کا؟ یا کے ساتھ، اور وہ یا گر چکی ہے یا ابھی بھی موجود ہے؟

وہ ابھی بھی موجود ہے، صرف ادغام ہوا ہے اس کا، وہ یا ابھی بھی موجود ہے، تو اعراب لفظی ہوا یا تقدیری ہوا؟ لفظی ہوا بھائی۔ بات سمجھ میں آ گئی؟ تو یہ اس لیے مُسْلِمِيَّ جو ہے اس میں رفع تقدیراً ہے اور نصب اور جر میں اعراب لفظی ہے، بات سمجھ میں آ گئی؟ یہ معنی ہے دیکھیے متن: وَنَحْوُ مُسْلِمِيَّ رَفْعًا اور مُسْلِمِيَّ جیسا جو ہے لفظ جو ہے کہ اس میں اعراب تقدیری ہو گا رَفْعًا کون سی حالت میں؟ رفع والی حالت میں تقدیری ہو گا، معلوم ہوا نصب اور جر والی حالت میں اعراب تقدیری نہیں ہو گا۔

آگے متن دیکھیے: وَاللَّفْظِيُّ فِيمَا عَدَاهُ اور لفظی اعراب جو ہے فِيمَا عَدَاهُ ان دو صورتوں کے علاوہ ہے۔ کون سی دو صورتیں؟ معرب کے اندر دو صورتوں میں اعراب تقدیری آتا ہے: پہلی صورت کہ اگر اعراب کا پڑھنا ممکن نہ رہے، دوسری صورت کہ اعراب کا پڑھنا ثقیل ہو جائے، تو ان دو صورتوں کے علاوہ باقی تمام صورتوں میں اعرابِ لفظی ہو گا۔ تو کہتے ہیں: وَاللَّفْظِيُّ فِيمَا عَدَاهُ اور لفظی اعراب جو ہے ان دو صورتوں کے علاوہ میں ہو گا۔ سوال: فِيمَا عَدَاهُ ان دونوں کے علاوہ میں، توجہ ہے؟ ان دونوں کے علاوہ میں کتنی صورتیں ذکر ہوئیں پیچھے؟ دو، اور فِيمَا عَدَاهُ دیکھو ہا ضمیر تو مفرد کی راجع کر رہے ہیں، عَدَاهُمَا کہنا چاہیے تھا؟ تو جواب یہ کہ یہ ہا ضمیر ماقبل کو راجع ہے مَذْكُور کی تاویل میں۔ وَاللَّفْظِيُّ اور اعرابِ لفظی جو

ہے فِيمَا عَدَا الْمَذْكُورَ مذکورہ کے علاوہ میں ہو گا، کس کے؟ مذکورہ کے علاوہ میں ہو گا، اور مذکورہ چاہے ایک چیز ہو چاہے دس ہو سب اس کے اندر آ گئیں بھائی۔ تو یہ ہا ضمیر ان دونوں کو راجع ہے کس تاویل میں؟ مَذْكُور کی تاویل میں یا یوں کہو مَا ذُكِرَ کی تاویل میں، فِيمَا عَدَا مَا ذُكِرَ، وَاللَّفْظِيُّ فِيمَا عَدَا مَا ذُكِرَ، تو ہا ضمیر کس کو راجع؟ مَا ذُكِرَ کو راجع ہے جو پیچھے ذکر ہو چکا چاہے وہ ایک چیز ہے چاہے دو ہیں چاہے دس ہیں ہمیں اس سے بحث نہیں ضمیر ان کو راجع کر دی مفرد والی کس تاویل میں؟ مَا ذُكِرَ کی تاویل میں۔

حاصلِ کلام کیا ہوا؟ کہ تقدیری اعراب معرب کے اندر کب آئے گا؟ جب اعراب کا پڑھنا ممکن نہ رہے یا اعراب کا پڑھنا ثقیل ہو جائے۔ اعراب کا پڑھنا ممکن نہ رہے جیسے کہ اس کی مثال ہے اسمِ مقصور بھائی، اس کے آخر میں الف ہوتا ہے اعراب پڑھا ہی نہیں جا سکتا، یا اس کی دوسری مثال ہے جب کوئی اسم مضاف ہو جائے یائے متکلم کی طرف علاوہ جمع مذکر سالم کے، تو یہاں پر بھی اب اعراب کا پڑھنا ممکن نہیں ہے اور ان میں مطلقاً تینوں حالتوں میں چاہے رفع ہو نصب ہو یا جر تینوں صورتوں میں اعراب تقدیری ہو گا۔ اور اعراب جو ہے اس وقت بھی تقدیری ہوتا ہے جب معرب پر اعراب کا پڑھنا ثقیل ہو جائے، اور ثقیل جو ہے وہ جیسے کہ قَاضٍ ہے، قَاضٍ کے اندر اعراب کا پڑھنا ثقیل ہے کون سی حالتوں میں؟ حالتِ رفعی میں اور حالتِ جری میں۔ اور جیسے کہ مُسْلِمِيَّ اس کے اندر اعراب کا پڑھنا ثقیل ہے کون سی حالت میں؟ حالتِ رفعی میں صرف۔ اور جبکہ ان کے علاوہ باقی جتنی صورتیں ہیں معرب کی ان میں اعرابِ لفظی ہوتا ہے یعنی باقاعدہ اعراب پر تلفظ کیا جاتا ہے، اور یہ پیچھے بارہ قسمیں گزر گئیں بھائی، ان سب میں اعراب کون سا تھا؟ لفظی تھا۔ بات سمجھ میں آ گئی؟ چلیے بس بھائی، هَذَا هُوَ الْمَرَامُ وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْكَلَامِ۔

سبق نمبر ۵۱: انواعِ اعراب (٦): اعرابِ تقدیری و لفظی کا اجمالی خلاصہ اور غیر منصرف کی تمہید

شرحِ ملا جامی صفحہ: ۳۴ — بتاریخ: ۲۳ اگست ۲۰۲۱ء

▪ تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث

دیکھیے بھائی آگے سبق: وَلَمَّا فَرَغَ مِنْ تَقْسِيمِ الْإِعْرَابِ إِلَى الْحَرَكَةِ وَالْحَرْفِ وَبَيَانِ مَوَاضِعِهِمَا الْمُخْتَلِفَةِ شَرَعَ فِي بَيَانِ مَوَاضِعِ الْإِعْرَابِ اللَّفْظِيِّ وَالتَّقْدِيرِيِّ الَّذَيْنِ أُشِيرَ إِلَى تَقْسِيمِهِ إِلَيْهِمَا فِيمَا سَبَقَ وَلَمَّا كَانَ التَّقْدِيرِيُّ أَقَلَّ أَشَارَ إِلَيْهِ أَوَّلًا ثُمَّ بَيَّنَ أَنَّ اللَّفْظِيَّ مَا عَدَاهُ.

اچھا بھائی گزشتہ سبق میں صاحبِ جامی نے آپ کو بتلایا تھا کہ تثنیہ اور جمع کو اعراب بالحرف کیوں دیا گیا؟ تو وجہ انہوں نے بتلائی تھی کہ مفرد جو ہے وہ اصل ہے اور تثنیہ اور جمع اس کی فرع ہیں، وہ مفرد ہی سے بنتی ہیں تثنیہ اور جمع۔ تو اصل کو جب اعراب بالحرکت دیا تھا تو فرع کو اعراب بالحرف دے دیا کیونکہ ان کے آخر میں ایسے حروف بھی موجود تھے جو اعراب بننے کی صلاحیت رکھتے تھے۔ پھر اس کے بعد یہ نکتہ بیان فرمایا کہ یہ جو واو، الف، یا ہیں ان میں سے تثنیہ کو الف اور یا کیوں دیا اور جمع کو واو اور یا کیوں دیا؟ تو اس کی وجہ ذکر کی تھی کہ بھائی ہمارے پاس اعراب کے تین حروف ہیں: واو، الف اور یا۔ اور یہ تثنیہ اور جمع دونوں کو دے دیں تو پھر تو تثنیہ اور جمع میں التباس لازم آئے گا، ہم فرق ہی نہیں کر سکیں گے کون سا لفظ تثنیہ ہے اور کون سا لفظ جمع ہے۔ تو لہٰذا دونوں کو یہ اعراب نہیں دیے، دونوں کو یہی حروف نہیں دیے گئے۔ اور یہی تینوں حروف صرف تثنیہ کو بھی نہیں دے سکتے کیونکہ پھر جمع بغیر اعراب کے رہ جائے گا اور جمع کو بھی نہیں دے سکتے یہ تینوں حروف ورنہ تو تثنیہ بغیر اعراب کے رہ جائے گا، تو پھر یوں کیا گیا کہ ان کو تقسیم کر دیا گیا تثنیہ اور جمع میں۔ تو حالتِ رفعی میں تثنیہ کو الف دے دیا کیونکہ الف کی تثنیہ کے ساتھ مناسبت تھی کیونکہ یہ الف جو ہے یہ تثنیہ کی ضمیر واقع ہوتی ہے فعل کے اندر۔ اور واو جو ہے حالتِ رفعی میں جمع کو دے دیا گیا کیونکہ جمع کی واو کے ساتھ مناسبت ہے کیونکہ یہ واو جو ہے یہ جمع کی ضمیر واقع ہوتا ہے افعال کے اندر بھائی۔

پھر اس کے بعد یا رہ گئی تھی تو وہ حالتِ جری جو ہے، چاہے تثنیہ کی ہو چاہے جمع کی ہو، دونوں کو یا دے دی گئی اصل

پر چلتے ہوئے، کیونکہ جر میں اصل بھی کیا ہے، کس کے ساتھ ہونا چاہیے؟ کسرہ کے ساتھ، اور یا کی مناسبت ہے کسرہ کے ساتھ کیونکہ یا دو کسروں سے بنی ہے۔ تو حالتِ جری میں یا دے دی گئی۔ اور پھر دونوں میں فرق یہ کیا گیا کہ تثنیہ کے اندر یا کے ماقبل کو فتحہ دے دیا گیا کیونکہ فتحہ خفیف ہے اور تثنیہ کثیر ہیں۔ اور جمع کے اندر یا کے ماقبل کو کسرہ دے دیا گیا کیونکہ کسرہ ثقیل ہے اور جمع قلیل ہے بھائی۔ پھر اس کے بعد نصب رہ گیا تھا۔ اب نصب کے اندر دو صورتیں تھیں: یا تو اس نصب کو ہم رفع کے تابع کر دیں یا اس نصب کو ہم جر کے تابع کر دیں۔ تو ہم نے نصب کو جر کے تابع کر دیا کیونکہ نصب اور جر دونوں میں مناسبت موجود ہیں، دونوں فضلہ واقع ہوتے ہیں۔

اس کے بعد پھر اگلا متن ہم نے حل کیا تھا بھائی۔ صاحبِ کافیہ نے آپ کو بتلایا کہ ایک اعراب ہوتا ہے تقدیری، ایک اعراب ہوتا ہے لفظی۔ تقدیری اعراب وہاں آئے گا معرب کے اندر جہاں اعراب کا پڑھنا ممکن نہ رہے یا اعراب کا پڑھنا ثقیل ہو جائے۔ اور اس کے علاوہ باقی تمام صورتوں میں اعرابِ لفظی آئے گا معرب کے اندر۔ اور اعراب کا پڑھنا ممکن ہی نہ رہے جیسے کہ عَصًا ہے۔ عَصًا کیا ہے؟ اسمِ مقصور ہے، اس کے آخر میں الفِ مقصورہ تقدیراً موجود ہے اور الف پر تو نہ رفع آسکتا ہے، نہ نصب آسکتا ہے اور نہ جر۔ تو اس پر مطلقاً تینوں حالتوں میں اعراب تقدیری آئے گا۔ اور اسی طرح غُلَامِي جیسا لفظ، یعنی وہ اسم جو مضاف ہو یائے متکلم کی طرف، علاوہ جمع مذکر سالم۔ یہ علاوہ جمع مذکر سالم کی قید کیوں لگاتے ہیں؟ کیونکہ اس کی وہ الگ قسم ہے، وہ آگے مُسْلِمِيَّ الگ آرہی ہے کہ جمع مذکر سالم مضاف ہے کس کی طرف؟ یا ضمیر کی طرف، تو اس کا اعراب تینوں حالتوں میں تقدیری نہیں ہے، وہ صرف حالتِ رفعی میں تقدیری ہے اور جبکہ یہ غُلَامِي کا اعراب تینوں حالتوں میں تقدیری ہے بھائی۔ اور پھر بتلایا تھا کہ اعراب تقدیری وہاں ہوگا جہاں اعراب کی ادائیگی زبان پر ثقیل ہو، دشوار ہو، جیسے کہ قَاضٍ جیسے لفظوں میں ہے، یعنی اسمِ منقوص کے اندر کہ اس کے اندر حالتِ رفعی اور جری میں یا پر ضمہ اور کسرہ دونوں ثقیل ہوتے ہیں تو اعراب تقدیری ہوگا جبکہ نصب اس پر پڑھا جا سکتا ہے۔ اور اسی طرح اعراب ثقیل ہوگا مُسْلِمِيَّ جیسی مثالوں کے اندر تو وہاں بھی اعراب تقدیری ہوگا لیکن صرف کون سی حالت میں اعراب تقدیری ہوگا؟ رفعی حالت میں۔ رفعی حالت میں مُسْلِمُونَ کا واو ہم نہیں پڑھ رہے تو اعراب تقدیری ہے اور نصبی جری میں بھی مُسْلِمِيَّ پڑھ رہے ہیں۔ توجہ ہے؟ بھئی یہ مُسْلِمِيَّ، حالتِ رفعی میں بھی مُسْلِمِيَّ، نصبی میں بھی جری میں بھی: جَاءَنِي مُسْلِمِيَّ، رَأَيْتُ مُسْلِمِيَّ، مَرَرْتُ بِمُسْلِمِيَّ۔ تو اس میں دو لفظ ہیں: ایک مُسْلِمُونَ اور ایک یا۔ یا تو مضاف الیہ ہے اس کا اعراب تو مجرور ہوگی وہ ہمیشہ محلاً کیونکہ مبنی ہے۔ ہاں مُسْلِمُونَ کا اعراب ہے اس پر آپ نے غور کرنا ہے تو آپ کو رٹا لگانے کی بھی ضرورت نہیں ہے خود ہی آپ کو بات سمجھ میں آجائے گی۔ جَاءَنِي مُسْلِمِيَّ، یہاں کیا ہونا چاہیے تھا؟ مُسْلِمُونَ، واو ہونا چاہیے تھا، لیکن واو پر تو ہم تلفظ نہیں کر رہے تو رفع کیا ہوا؟ تقدیراً۔ اور رَأَيْتُ مُسْلِمِيَّ و مَرَرْتُ بِمُسْلِمِيَّ، یہاں میم کے بعد کیا ہونی چاہیے تھی؟ یا، اور وہ یا ابھی بھی موجود ہے صرف اس کا ادغام ہوا ہے، موجود ابھی بھی ہے تو حالتِ نصبی اور جری میں اعراب ان کا لفظی ہوگا۔

اب دیکھیے آج کا سبق بھئی۔ کہتے ہیں: وَلَمَّا فَرَغَ مِنْ تَقْسِيمِ الْإِعْرَابِ إِلَى الْحَرَكَةِ وَالْحَرْفِ وَبَيَانِ مَوَاضِعِهِمَا الْمُخْتَلِفَةِ، جب مصنف رحمہ اللہ اعراب کی تقسیم سے فارغ ہو گئے، وہ جو انہوں نے اعراب کی تقسیم کی حرکت اور حرف کی طرف، پھر ترجمہ سنو: وَلَمَّا فَرَغَ مِنْ تَقْسِيمِ الْإِعْرَابِ إِلَى الْحَرَكَةِ وَالْحَرْفِ، اور جب مصنف رحمہ اللہ وہ اعراب کی حرکت اور حرف کی طرف تقسیم سے فارغ ہو گئے، وَبَيَانِ مَوَاضِعِهِمَا الْمُخْتَلِفَةِ، اور ان کے مختلف جگہوں کے بیان سے بھی فارغ ہو گئے کہ اعراب بالحرکت کہاں آئے گا، اعراب بالحرف کہاں آئے گا، یہ بارہ قسمیں پیچھے انہوں نے ذکر کر دیں بھائی۔ تو شَرَعَ فِي بَيَانِ مَوَاضِعِ الْإِعْرَابِ اللَّفْظِيِّ وَالتَّقْدِيرِيِّ، تو مصنف شروع ہوئے اعرابِ لفظی اور اعرابِ تقدیری کی جگہیں بیان کرنے میں۔ اب وہ جگہیں بیان کریں گے کہاں اعرابِ لفظی آئے گا اور کہاں اعرابِ تقدیری آئے گا بھائی۔

سوال پیدا ہوتا ہے کہ مصنف کو پہلے ہمیں بتانا چاہیے تھا کہ اعراب دو قسم پر ہوتا ہے: ایک لفظی اور ایک تقدیری۔ پہلے تقسیم کرنی چاہیے تھی، پھر جگہیں بتانی چاہیے تھیں کہاں تقدیری آئے گا اور کہاں لفظی آئے گا۔ تو انہوں نے تقسیم کی نہیں اور شروع ہو گئے فوراً ہی کیا بتلانا؟ کہ تقدیری اعراب کہاں آئے گا اور لفظی کہاں آئے گا۔ تو صاحبِ جامی آپ کو بتائیں گے کہ بے شک یہاں صراحتاً تو نہیں بتایا کہ اعراب دو قسم پر ہے لفظی اور تقدیری لیکن پیچھے اشارہ کر چکے ہیں۔ پیچھے اشارہ کر چکے ہیں جہاں معرب کا حکم انہوں نے بیان کیا تھا: وَحُكْمُهُ أَنْ يَخْتَلِفَ آخِرُهُ لَفْظًا أَوْ تَقْدِيرًا، کہ معرب وہ ہے جس کا آخر بدلتا ہے کبھی لفظاً بدلتا ہے اور کبھی تقدیراً۔ وہاں اشارہ ہو گیا تھا کہ اعراب دو قسم پر ہوتا ہے ایک لفظی اور ایک تقدیری۔ تو دوبارہ صاحبِ کافیہ نے ذکر نہیں کیا کیونکہ صاحبِ کافیہ کے پاس الفاظ کم ہیں، جب ایک دفعہ اشارہ ہو چکا تو دوبارہ اس کو ذکر کرنے کی کوئی حاجت نہیں ہے۔

تو کہتے ہیں: شَرَعَ فِي بَيَانِ مَوَاضِعِ الْإِعْرَابِ اللَّفْظِيِّ وَالتَّقْدِيرِيِّ، تو مصنف رحمہ اللہ شروع ہو گئے اعرابِ لفظی اور اعرابِ تقدیری کی جگہیں بیان کرنے کے بارے میں۔ الَّذَيْنِ، یہ تثنیہ پڑھنا بھئی، الَّذِينَ نہ پڑھنا۔ الَّذِينَ جمع کے لیے آتا ہے اور الَّذَيْنِ تثنیہ کے لیے آتا ہے، اور دونوں کا رسم الخط ہی الگ ہے۔ الَّذِينَ میں ایک لام لکھتے ہیں اور الَّذَيْنِ میں دو لام لکھتے ہیں، دو لام۔ تو یہ دو لام ہیں الَّذَيْنِ۔ تو شروع ہوئے اعرابِ لفظی اور تقدیری کی جگہیں بیان کرنے میں، الَّذَيْنِ، وہ اعرابِ لفظی اور تقدیری، أُشِيرَ إِلَى تَقْسِيمِهِ، کہ اشارہ کیا گیا ہے إِلَى تَقْسِيمِهِ أَيْ تَقْسِيمِ الْإِعْرَابِ، اعراب کی تقسیم کی طرف اشارہ کیا گیا ہے، إِلَيْهِمَا، ان دونوں کی طرف یعنی لفظی اور تقدیری کی طرف، فِيمَا سَبَقَ، ماقبل میں، وہ جو گزر چکا وہاں اس کی طرف اشارہ ہو چکا۔ بات سمجھ میں آ گئی؟ عبارت سمجھ میں آ گئی؟ الَّذَيْنِ أُشِيرَ إِلَى تَقْسِيمِهِ إِلَيْهِمَا، وہ لفظی اور تقدیری اعراب الَّذَيْنِ أُشِيرَ إِلَى تَقْسِيمِهِ إِلَيْهِمَا کہ اشارہ کیا گیا ہے اس اعراب کے تقسیم ہونے کا إِلَيْهِمَا ان دونوں کی طرف فِيمَا سَبَقَ ما سبق میں یعنی ماقبل کے اندر بھئی۔

وَلَمَّا كَانَ التَّقْدِيرِيُّ أَقَلَّ، یہاں سے صاحبِ جامی یہ بتلا رہے ہیں کہ بھئی اعرابِ لفظی اور اعرابِ تقدیری، ان میں سے اعرابِ لفظی اصل ہے اور اعرابِ تقدیری اس کی فرع۔ معرب میں اصل یہ ہے کہ اعراب لفظوں میں آنا چاہیے اور تقدیری وہ جو کسی رکاوٹ یا کسی مانع کی وجہ سے لفظوں میں اعراب نہیں آسکتا اس کو اعرابِ تقدیری کہتے ہیں۔ تو اصل کیا ہے؟ اعرابِ لفظی، اور فرع کیا ہے؟ اعرابِ تقدیری۔ تو لہٰذا پہلے اصل کو بیان کیا جاتا ہے اس کے بعد فرع کو، تو پہلے اعرابِ لفظی کو بیان کرنا چاہیے تھا صاحبِ کافیہ کو اور اس کے بعد اعرابِ تقدیری کو۔ لیکن صاحبِ کافیہ نے اعرابِ تقدیری کو پہلے بیان کیا اور اعرابِ لفظی کو اس کے بعد بیان کیا۔ تو اس کی وجہ بتلا رہے ہیں کہ دیکھیے اعرابِ لفظی جو ہے وہ بارہ قسموں میں آتا ہے جو پیچھے ذکر ہو گئیں، تو اس میں تفصیل زیادہ تھی اگر اس کو بیان کرتے تو اس میں بڑی تفصیل بیان کرنا پڑتی۔ اور اعرابِ تقدیری صرف چار جگہ آتا ہے جو آگے آنے والی ہیں۔ چار جگہ آتا ہے تو اعرابِ تقدیری میں تفصیل کم تھی بھئی۔ تو پہلے وہ اعرابِ تقدیری کو اس لیے بیان کیا کہ اس میں تفصیل کم تھی، تھوڑی سی باتوں سے ہی سارا مسئلہ بیان ہو جائے گا۔ تو اعرابِ تقدیری کو بیان کر دیں گے کہ ان چار جگہ اعرابِ تقدیری آتا ہے۔ چار جگہ کہہ لو یا یوں کہو دو جگہیں ہیں جہاں پر اعرابِ تقدیری آتا ہے، جہاں اعرابِ لفظی ممکن نہ ہو یا اعراب کیا ہو؟ ثقیل ہو، ان دو جگہوں میں اعرابِ تقدیری آتا ہے، اور آخر میں پھر کہہ دیں گے ان کے علاوہ باقی سب جگہ اعرابِ لفظی آتا ہے۔ تو دیکھو تقدیری کو مختصراً بیان کیا اور لفظی کی تفصیل بیان ہی نہیں کی بس مختصراً کہہ دیا تقدیری اعراب کے علاوہ جو باقی جگہیں ہیں وہاں پر کیا آئے گا معرب میں اعرابِ لفظی آئے گا۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو کیوں مقدم کیا اعرابِ تقدیری کو؟ کیونکہ اعرابِ تقدیری کم ہے بھئی، کم جگہوں میں آتا ہے اور اعرابِ لفظی زیادہ میں آتا ہے، تو لہٰذا جو کم ہے پہلے اس کو بیان کر دیں گے اور باقی لفظی کے بارے میں بس صرف اتنا کہہ دیں گے کہ باقی جگہ اعرابِ لفظی آئے گا۔ تو یہ معنی ہے: وَلَمَّا كَانَ التَّقْدِيرِيُّ أَقَلَّ، اور جب تقدیری اعراب قلیل ہے یعنی لفظی کے مقابلے میں، تو أَشَارَ إِلَيْهِ أَوَّلًا، تو پہلے اس کی طرف اشارہ کیا یعنی پہلے اس کو بیان کیا، ثُمَّ بَيَّنَ أَنَّ اللَّفْظِيَّ مَا عَدَاهُ، پھر اس کے بعد یہ بیان کیا کہ لفظی اس کے علاوہ ہے۔

فَقَالَ، بھئی یہاں مَا عَدَاهُ آیا یاد رکھنا۔ یہ عَدَا، یہ لفظ استثناء کے لیے استعمال ہوتا ہے، یہ عَدَا۔ دیکھو لفظی اعراب جو ہے مَا عَدَاهُ، اس کے علاوہ میں ہے، اس کے علاوہ میں ہے، بات سمجھ میں آگئی؟ تو یہ لفظ استثناء کے لیے استعمال ہوتا ہے یہ عَدَا، اور یہ حرفِ جر کے طور پر بھی استعمال ہوتا ہے اور یہ فعل کے طور پر بھی استعمال ہوتا ہے۔ توجہ ہے؟ کبھی یہ مابعد کو جر دے گا، آپ سمجھ جائیں یہ اس وقت حرفِ جر ہے، اور کبھی یہ مابعد کو نصب دے گا، سمجھ جائیں اس وقت فعل ہے اور آگے اس کا مفعول ہے۔ عَدَا کیا ہے؟ یہ علاوہ کے معنی میں استعمال ہوتا ہے اور استثناء کے لیے آتا ہے اور کبھی یہ حرفِ جر کے طور پر استعمال ہوتا ہے اور کبھی فعل کے طور پر۔ جب حرفِ جر ہوگا تو مابعد کو جر دے گا اور جب فعل ہوگا تو مابعد کو نصب دے گا۔ لیکن اگر اس سے پہلے مَا آجائے پھر ہمیشہ یہ فعل ہی ہوگا۔ تو یہاں بھی مَا عَدَاهُ، عَدَا سے

پہلے کیا آیا؟ مَا، تو یہاں عَدَاهُ کیا ہے؟ فعل ہے اور آگے ہا ضمیر اس کا مفعول ہے، ہا ضمیر کیا ہے؟ بات سمجھ میں آگئی؟

تو کہتے ہیں: ثُمَّ بَيَّنَ أَنَّ اللَّفْظِيَّ مَا عَدَاهُ، پھر یہ بیان کیا کہ لفظی اعراب جو ہے اس کے علاوہ ہے یعنی اس تقدیری اعراب کے علاوہ۔ فَقَالَ، تو مصنف نے فرمایا، ماتن نے فرمایا: التَّقْدِيرُ أَيْ تَقْدِيرُ الْإِعْرَابِ۔ التَّقْدِيرُ یہ ہے متن اور أَيْ تَقْدِيرُ الْإِعْرَابِ یہ صاحبِ جامی آگے فرما رہے ہیں، کیا بتلانا چاہتے ہیں؟ یہاں دراصل بتلانا چاہتے ہیں کہ التَّقْدِيرُ بمعنی تَقْدِيرُ الْإِعْرَابِ کے ہے۔ التَّقْدِيرُ بمعنی تَقْدِيرُ الْإِعْرَابِ۔ تَقْدِير سے ہر تقدیر مراد نہیں ہے، اعراب کی تقدیر مراد ہے بھئی۔ اور میں نے پہلے بھی یہ بیان کیا تھا کہ اس میں نحویوں کے دو مذاہب ہیں۔ بعض نحوی حضرات فرماتے ہیں کہ یہ جو الف لام ہوتا ہے یہ عوض ہوتا ہے مضاف الیہ کا۔ تو یہاں پر بھی التَّقْدِيرُ میں جو الف لام ہے وہ عوض ہے مضاف الیہ کا۔ تو اصل میں یہ کیا تھا؟ تَقْدِيرُ الْإِعْرَابِ۔ پھر آخر سے اعراب کو حذف کیا گیا اور تقدیر پر الف لام لے آئے۔ اور یاد رکھو یہ مذہب ہے علمائے کوفہ کا، علمائے کوفہ کا۔ کوفہ کے جو نحوی ہیں وہ فرماتے ہیں کہ یہ جو الف لام ہوتا ہے یہ عوض ہوتا ہے عوض ہوتا ہے مضاف الیہ کا۔ جبکہ بصرہ کے نحوی حضرات فرماتے ہیں کہ نہیں، الف لام مضاف الیہ کا عوض نہیں ہوتا، الف لام کے ذریعے اشارہ کیا جاتا ہے۔ تو یہاں پر بھی التَّقْدِيرُ سے ہر تقدیر مراد نہیں ہے، الف لام کے ذریعے کسی خاص تقدیر کی طرف اشارہ ہو رہا ہے اور وہ تَقْدِيرُ الْإِعْرَابِ ہے، اعراب کی تقدیر مراد ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو نتیجہ مآل دونوں میں ایک ہی نکلے گا۔ کوفہ والوں کے نزدیک بھی التَّقْدِيرُ سے کیا مراد ہے؟ تَقْدِيرُ الْإِعْرَابِ۔ بصرہ والوں کے نزدیک بھی التَّقْدِيرُ سے کیا مراد ہے؟ تَقْدِيرُ الْإِعْرَابِ۔ لیکن طریقہ مختلف ہے: کوفہ والے کہتے ہیں کہ التَّقْدِيرُ سے تَقْدِيرُ الْإِعْرَابِ اس طرح مراد ہے کہ التَّقْدِيرُ میں الف لام عوض ہے مضاف الیہ سے۔ جبکہ بصرہ والے کہتے ہیں کہ التَّقْدِيرُ سے تَقْدِيرُ الْإِعْرَابِ اس طرح مراد ہے کہ الف لام کے ذریعے اس تَقْدِيرُ الْإِعْرَابِ کی طرف اشارہ ہو رہا ہے بھئی، ہر تقدیر مراد نہیں ہے بلکہ کون سی مراد ہے؟ تَقْدِيرُ الْإِعْرَابِ۔ تو صاحبِ جامی نے آگے فرمایا: أَيْ تَقْدِيرُ الْإِعْرَابِ۔ دونوں مذہبوں کے مطابق یہاں تقریر جاری ہو سکتی ہے، چاہے آپ اس الف لام کو عوض بنا لیں مضاف الیہ کا، چاہے اس الف لام کے ذریعے آپ اشارہ کر دیں تَقْدِيرُ الْإِعْرَابِ کی طرف۔

تو کہتے ہیں: التَّقْدِيرُ أَيْ تَقْدِيرُ الْإِعْرَابِ فِيمَا، فِيمَا یہ ہے متن، فِيمَا تَعَذَّرَ۔ اب اس مَا سے کیا مراد ہے؟ بتلایا: أَيْ فِي الِاسْمِ الْمُعْرَبِ، یہ مَا سے مراد اسمِ معرب ہے۔ مَا سے مراد؟ تو کہتے ہیں تقدیری اعراب جو ہے فِيمَا أَيْ فِي الِاسْمِ الْمُعْرَبِ اس اسمِ معرب میں ہوگی، الَّذِي تَعَذَّرَ، کہ جس میں متعذر ہو، کیا متعذر ہو؟ الْإِعْرَابُ فِيهِ، اس میں اعراب متعذر ہو۔ کیا معنی متعذر ہو؟ أَيِ امْتَنَعَ ظُهُورُهُ فِي لَفْظِهِ، یعنی ممتنع ہو، ناممکن ہو اعراب کا ظاہر ہونا اس کے لفظوں میں۔ اعراب کا لفظوں میں ظاہر ہونا۔ توجہ ہے؟ انہوں نے کیا کہا؟ کہ تقدیری اعراب اس جگہ آئے گا جہاں اعراب ممتنع ہو۔ کیا معنی ممتنع ہو؟ یعنی لفظوں میں ظاہر ہونا ممکن نہ ہو۔ لفظوں میں ظاہر ہونا ممکن نہ ہو۔ کہتے ہیں بھئی دیکھو امْتَنَعَ کا یہ معنی نہ کرنا کہ اعراب کا آنا ہی ممکن نہ ہو، اعراب کا نفسِ اعراب ہی ممکن نہیں ہے۔ نفسِ اعراب ہی ممکن نہیں ہے وہ تو مبنی کے اندر ہوتا ہے بھئی۔

تو یہاں نفسِ اعراب ناممکن نہیں ہے بلکہ اعراب کا ظہور ناممکن ہے، اعراب ظاہر نہیں ہو سکتے، آتو رہا ہے: جَاءَنِي عَصًا، رَأَيْتُ عَصًا، مَرَرْتُ بِعَصًا۔ اعراب آرہا ہے لیکن ظاہر نہیں ہو سکتا کیونکہ آخر میں الف ہے بھئی۔ تو اسی لیے کہا کہ أَيِ امْتَنَعَ ظُهُورُهُ، کہ اعراب کا ظہور ممتنع ہوتا ہے فِي لَفْظِهِ اس کے لفظوں میں، یعنی لفظوں کے اعتبار سے اعراب ظاہر نہیں ہو سکتا۔ وَذٰلِكَ، اور یہ اس وقت ہوگا، إِذَا لَمْ يَكُنِ الْحَرْفُ الَّذِي هُوَ مَحَلُّ الْإِعْرَابِ قَابِلًا لِلْحَرَكَةِ الْإِعْرَابِيَّةِ، کہ جب وہ حرف جو محلِ اعراب ہے وہ قابل نہ ہو حرکتِ اعرابیہ کے، وہ حرکتِ اعرابیہ کے قابل نہ ہو، جیسے آخر میں کیا آجائے؟ الف آ جائے۔ ترجمہ سمجھ میں آرہا ہے؟

کہتے ہیں: وَذٰلِكَ إِذَا لَمْ يَكُنِ الْحَرْفُ الَّذِي هُوَ مَحَلُّ الْإِعْرَابِ قَابِلًا لِلْحَرَكَةِ الْإِعْرَابِيَّةِ، اور یہ اس وقت ہوگا جب وہ حرف جو محلِ اعراب ہے وہ حرکتِ اعرابیہ کے قابل نہ ہو، كَمَا فِي الِاسْمِ الْمُعْرَبِ بِالْحَرَكَةِ، جیسے کہ اس اسم میں جو معرب بالحرکت ہے یعنی جس کو اعراب بالحرکت دیا گیا ہے، الَّذِي فِي آخِرِهِ أَلِفٌ مَقْصُورَةٌ، کہ جس کے آخر میں الفِ مقصورہ ہے، جس کے آخر میں کیا ہے؟ الفِ مقصورہ۔ ترجمہ سمجھ میں آگیا؟ پھر ایک دفعہ ترجمہ دیکھ لیں: كَمَا فِي الِاسْمِ الْمُعْرَبِ بِالْحَرَكَةِ الَّذِي فِي آخِرِهِ أَلِفٌ مَقْصُورَةٌ، جیسے کہ اس اسم میں جس کو اعراب بالحرکت دیا گیا ہے جس کے آخر میں الفِ مقصورہ ہے، سَوَاءٌ كَانَتْ مَوْجُودَةً فِي اللَّفْظِ، برابر ہے کہ وہ الفِ مقصورہ لفظوں میں موجود ہو، كَالْعَصَا بِلَامِ التَّعْرِيفِ، جیسے کہ الْعَصَا ہے لامِ تعریف کے ساتھ۔ الْعَصَا دیکھو اس میں الف نہیں گرے گا، لفظوں میں الف موجود ہے۔ أَوْ مَحْذُوفَةً، یا جس کے اندر الف جو ہے محذوف ہے، بِالْتِقَاءِ السَّاكِنَيْنِ، التقاءِ ساکنین کی وجہ سے، كَعَصًا، جیسے کہ عَصًا ہے، بِالتَّنْوِينِ، تنوین کے ساتھ ہے بھئی یہ عَصًا کو کیسے پڑھنا؟ تنوین کے ساتھ۔ فَإِنَّ الْأَلِفَ الْمَقْصُورَةَ فِي الصُّورَتَيْنِ غَيْرُ قَابِلَةٍ لِلْحَرَكَةِ، اس لیے کیونکہ الفِ مقصورہ دونوں صورتوں میں، چاہے لفظوں میں ہو چاہے محذوف ہو، دونوں صورتوں میں غَيْرُ قَابِلَةٍ لِلْحَرَكَةِ، الف جو ہے وہ حرکت کے قابل نہیں، وہ حرکت قبول کرنے والا نہیں۔

وَكَمَا فِي الِاسْمِ الْمُعْرَبِ بِالْحَرَكَةِ الْمُضَافِ إِلَى يَاءِ الْمُتَكَلِّمِ، اور جیسے کہ اس اسم میں جو معرب بالحرکت ہے، الْمُضَافِ إِلَى يَاءِ الْمُتَكَلِّمِ، اور مضاف ہے یائے متکلم کی طرف، جیسے اس میں ہے یعنی اس میں بھی اعراب متعذر ہے، نَحْوُ غُلَامِي، جیسے کہ غُلَامِي۔ فَإِنَّهُ لَمَّا اشْتَغَلَ مَا قَبْلَ يَاءِ الْمُتَكَلِّمِ بِالْكَسْرَةِ، بھئی غُلَامِي کے اندر اعراب کیوں نہیں آسکتا؟ کیونکہ یا سے ماقبل میم پر پہلے ہی کسرہ آچکا، وہ کسرہ سے مشغول ہو چکا ہے۔ یہی بیان کر رہے ہیں: فَإِنَّهُ لَمَّا اشْتَغَلَ مَا قَبْلَ يَاءِ الْمُتَكَلِّمِ بِالْكَسْرَةِ، اس لیے کیونکہ جب یائے متکلم کا ماقبل مشغول ہو گیا کسرہ کے ساتھ، بھئی کیوں مشغول بالکسرہ ہوا؟ لِلْمُنَاسَبَةِ، مناسبت کی وجہ سے کیونکہ کسرہ کی یا کے ساتھ مناسبت ہے۔ تو جب وہ مشغول ہو گیا، جب مشغول ہو گیا یائے متکلم کا ماقبل کسرہ کے ساتھ مناسبت کی وجہ سے، قَبْلَ دُخُولِ الْعَامِلِ، اور یہ مشغول ہوا کسرہ کے ساتھ عامل کے آنے کے بعد یا اس سے پہلے ہی؟ اس سے پہلے ہی، تو قَبْلَ دُخُولِ الْعَامِلِ، عامل کے داخل ہونے سے پہلے ہی۔ تَوَامْتَنَعَ، امْتَنَعَ أَنْ يَدْخُلَ عَلَيْهِ حَرَكَةٌ أُخْرَى، تو ممتنع ہو گیا کہ اس یا کے ماقبل پر کوئی دوسری حرکت داخل ہو جائے، بَعْدَ دُخُولِهِ، اس عامل کے داخل ہونے

کے بعد، مُوَافِقَةً لَهَا أَوْ مُخَالِفَةً، چاہے اس کے موافق ہو چاہے اس کے مخالف۔ ادھر دیکھیے بتانا یہ چاہتے ہیں کہ غُلَامِي جیسے لفظ ہیں ان کے اندر یا آکر ساتھ جڑی، یا نے اپنے سے ماقبل کسرہ کا تقاضا کیا تو میم پر کسرہ آگیا۔ اب یہ کسرہ عامل کے داخل ہونے سے پہلے ہی ہے۔ تو یہ میم جو یا سے ماقبل ہے یہ کسرہ کے ساتھ مشغول ہو چکا ہے، مشغول۔ اب اس میم پر کوئی اور حرکت داخل نہیں ہو سکتی، چاہے اس کے مخالف حرکت ہو چاہے موافق ہو۔ یعنی چاہے رفع ہو چاہے نصب ہو چاہے جر ہو۔ رفع اور نصب تو کسرہ کے مخالف ہیں، اور جر کسرہ کے ساتھ آئے تو کسرہ تو کسرہ کے موافق ہے، تو چاہے مخالف ہو یعنی ضمہ یا فتحہ ہو وہ بھی داخل نہیں ہو سکتا، اور چاہے اس کے موافق ہو یعنی اعراب والا کسرہ وہ بھی اس پر اب داخل نہیں ہو سکتا کیونکہ ایک کسرہ یہاں پہلے سے موجود ہے۔

یہ معنی ہے کہ جب عامل سے پہلے اس پر کسرہ آگیا تو امْتَنَعَ أَنْ يَدْخُلَ عَلَيْهِ حَرَكَةٌ أُخْرَى بَعْدَ دُخُولِهِ، تو ممتنع ہو گیا کہ اس یا کے ماقبل پر کوئی دوسری حرکت داخل ہو جائے، بَعْدَ دُخُولِهِ، عامل کے داخل ہونے کے بعد، مُوَافِقَةً لَهَا أَوْ مُخَالِفَةً، چاہے وہ نئی حرکت جو عامل کی وجہ سے حرکت آنی ہے چاہے وہ اس کے موافق ہو چاہے اس کے... کوئی حرکت اس پر نئی داخل نہیں ہو سکتی۔ بات سمجھ میں آگئی؟ دیکھو یہ مُوَافِقَةً لَهَا، چاہے اس کو مرفوع پڑھ لو مُوَافِقَةٌ لَهَا أَوْ مُخَالِفَةٌ، اور اس صورت میں ان کو صفت بنا دو جو پیچھے آیا نا حَرَكَةٌ أُخْرَى، حَرَكَةٌ أُخْرَى، یہ حَرَكَةٌ موصوف، أُخْرَى یہ صفت ہے حرکت کی، اسی طرح مُوَافِقَةٌ لَهَا أَوْ مُخَالِفَةٌ یہ بھی صفت کس کی؟ حرکت کی۔ یا چاہے آپ مُوَافِقَةً لَهَا أَوْ مُخَالِفَةً اس کو اس سے حال بنا لیں، تو حال بھی صفت کے درجے میں ہوتا ہے، تو اس کو منصوب بھی پڑھ سکتے ہو اور مرفوع بھی: مُوَافِقَةٌ لَهَا بھی پڑھ سکتے ہو اور مُوَافِقَةً لَهَا بھی۔

تو کہتے ہیں: امْتَنَعَ أَنْ يَدْخُلَ عَلَيْهِ حَرَكَةٌ أُخْرَى بَعْدَ دُخُولِهِ مُوَافِقَةً لَهَا أَوْ مُخَالِفَةً، تو ممتنع ہو گیا کہ اس یا کے ماقبل پر کوئی اور حرکت داخل ہو جائے بَعْدَ دُخُولِهِ عامل کے داخل ہونے کے بعد، بَعْدَ دُخُولِهِ یہ ہا ضمیر عامل کو راجع کرو۔ ممتنع ہو بھئی دیکھو غُلَامِي میں یا آکر جڑی، یا اپنے سے ماقبل کیا چاہتی ہے؟ کسرہ، تو میم پر کسرہ آگیا۔ اب عامل کے داخل ہونے کے بعد اب مزید کوئی نئی حرکت اس پر نہیں آسکتی، چاہے اس کے موافق ہو، یہ جو میم کے نیچے کسرہ ہے، اس چاہے اس کسرے کے موافق کوئی حرکت آنا چاہے چاہے اس کے مخالف آنا چاہے کوئی حرکت نہیں آسکتی۔ یہ معنی ہے تو کہ امْتَنَعَ أَنْ يَدْخُلَ عَلَيْهِ حَرَكَةٌ أُخْرَى، تو ممتنع ہے کہ اس یا کے ماقبل پر کوئی اور حرکت داخل ہو، بَعْدَ دُخُولِهِ عامل کے داخل ہونے کے بعد، مُوَافِقَةً لَهَا أَوْ مُخَالِفَةً، وہ حرکت وہ دوسری حرکت جو ہے وہ چاہے اس کی حرکت کے موافق ہو چاہے اس کی حرکت کے مخالف ہو۔

فَمَا ذَهَبَ إِلَيْهِ بَعْضٌ مِنْ أَنَّ إِعْرَابَ مِثْلِ هٰذَا الِاسْمِ فِي حَالَةِ الْجَرِّ لَفْظِيٌّ غَيْرُ مَرْضِيٍّ۔ بھئی دیکھیے بعض نحوی حضرات اس بات کی طرف گئے ہیں، ادھر دیکھیے، کہ غُلَامِي میں جو غلام ہے اس پر رفع بھی نہیں آسکتا، نصب بھی نہیں آسکتا لیکن

کسرہ جو اس پر آیا یہ کسرہ جر والا ہے، یہ کسرہ جر والا ہے۔ کہتے ہیں بعض علماء اس طرف بھی گئے ہیں کہ جر اس پر لفظاً آتا ہے بھئی۔ جمہور تو کیا فرماتے ہیں؟ تینوں اعراب تقدیراً۔ لیکن بعض نحوی کیا فرماتے ہیں؟ جر اس پر لفظاً آتا ہے: مَرَرْتُ بِغُلَامِي، اب یہ جو با جارہ ہے یہ غُلَامِي کو باقاعدہ لفظوں میں جر دے رہی ہے۔ تو یہ جو کسرہ ہے اب یہ وہ یا کی وجہ سے نہیں ہے بلکہ کس کی وجہ سے ہے؟ با کی وجہ سے ہے۔ کہتے ہیں بعض نحوی اس طرف بھی گئے ہیں لیکن یہ قول پسندیدہ نہیں، جمہور نے اس قول کو ترجیح نہیں دی، پسند نہیں کیا۔ تو کہتے ہیں: فَمَا ذَهَبَ إِلَيْهِ بَعْضٌ، اور وہ جس کی طرف بعض نحوی گئے ہیں، کس بات کی طرف گئے ہیں؟ مِن بیان ہے، مِنْ أَنَّ إِعْرَابَ مِثْلِ هٰذَا الِاسْمِ، یعنی کہ ان جیسے اسموں کا اعراب جو ہے، فِي حَالَةِ الْجَرِّ، جر والی حالت میں، لَفْظِيٌّ، لفظی ہوتا ہے۔ تو وہ جس کی طرف بعض نحوی حضرات گئے ہیں کہ ان جیسے اسموں کا اعراب حالتِ جری میں لفظی ہوتا ہے، غَيْرُ مَرْضِيٍّ، یہ پسندیدہ نہیں ہے، جمہور نے اس کو پسند نہیں کیا۔

مُطْلَقًا، یعنی مطلقاً اعراب تقدیری ہوگا، أَيْ فِي الْأَحْوَالِ الثَّلَاثِ، مُطْلَقًا کا کیا معنی؟ یعنی کوئی قید نہیں ہے کہ حالتِ رفعی میں ہوگا یا نصبی میں ہوگا یا جری میں بلکہ مطلقاً ہر حالت میں، وہی بیان کر رہے ہیں کہ اعراب تقدیری ہوگا أَيْ فِي الْأَحْوَالِ الثَّلَاثِ یعنی کہ تینوں حالتوں میں۔ مُطْلَقًا أَيْ فِي الْأَحْوَالِ الثَّلَاثِ، مطلقاً یعنی تینوں احوال میں، يَعْنِي كَوْنَ الْإِعْرَابِ تَقْدِيرِيًّا فِي هٰذَيْنِ النَّوْعَيْنِ مِنَ الِاسْمِ الْمُعْرَبِ إِنَّمَا هُوَ فِي جَمِيعِ الْأَحْوَالِ غَيْرُ مُخْتَصٍّ بِبَعْضِهَا. يَعْنِي، يَعْنِي كَوْنَ الْإِعْرَابِ تَقْدِيرِيًّا، یعنی اعراب کا تقدیری ہونا، فِي هٰذَيْنِ النَّوْعَيْنِ، یہ جو دو قسمیں ہیں، مِنَ الِاسْمِ الْمُعْرَبِ، اسمِ معرب میں سے ان دو قسموں میں اعراب کا تقدیری ہونا، إِنَّمَا هُوَ فِي جَمِيعِ الْأَحْوَالِ، یہ تمام احوال میں ہوگا، غَيْرُ مُخْتَصٍّ بِبَعْضِهَا، یہ بعض احوال کے ساتھ خاص نہیں بلکہ تمام احوال میں اعراب تقدیری ہوگا۔

آگے دیکھیے: أَوِ اسْتُثْقِلَ، عَطْفٌ عَلَى تَعَذَّرَ۔ أَوِ اسْتُثْقِلَ یہ فعل ہے اور اس کا عطف ہے ماقبل میں جو تَعَذَّرَ فعل آیا تھا۔ عبارت کیسے بن گئی تھی؟ التَّقْدِيرُ فِيمَا تَعَذَّرَ أَوِ اسْتُثْقِلَ۔ تقدیری اعراب اس اسمِ معرب میں ہوگا جس پر اعراب ممتنع ہو یا اسْتُثْقِلَ یا ثقیل ہو۔ کہتے ہیں عَطْفٌ عَلَى تَعَذَّرَ یہ تَعَذَّرَ پر عطف ہے، أَيْ تَقْدِيرُ الْإِعْرَابِ فِيمَا تَعَذَّرَ أَوْ فِي الِاسْمِ الَّذِي اسْتُثْقِلَ ظُهُورُ الْإِعْرَابِ فِي لَفْظِهِ، یعنی تقدیری اعراب فِيمَا تَعَذَّرَ اس اسمِ معرب میں ہوگا جس میں اعراب متعذر ہو، أَوْ فِي الِاسْمِ الَّذِي یا اس اسم میں ہوگا، اسْتُثْقِلَ ظُهُورُ الْإِعْرَابِ فِي لَفْظِهِ، کہ اعراب کا ظاہر ہونا ثقیل ہے اس کے لفظوں میں۔ وَذٰلِكَ إِذَا كَانَ مَحَلُّ الْإِعْرَابِ قَابِلًا لِلْحَرَكَةِ الْإِعْرَابِيَّةِ، اور یہ اس وقت ہوگا کہ جب محلِ اعراب حرکتِ اعرابیہ کے قابل ہو۔ بھئی بتایا تھا اعراب ممتنع ہوگا، کب؟ جب وہ حرف جس پر اعراب آنا ہے وہ حرکتِ اعرابیہ کے قابل ہی نہ ہو، جیسے آخر میں کیا آجائے؟ الف آجائے، یا اس کے بعد یا آرہی ہو جیسے کہ غُلَامِي، تو وہ دیکھو حرکتِ اعرابیہ کے قابل ہی نہیں ہے۔ اور یہاں پر اعراب ثقیل کب ہوگا؟ کہ جو آخر میں حرف ہے وہ اعراب کے قابل تو ہے، اعراب آتو سکتا ہے لیکن زبان پر اس کی ادائیگی ثقیل ہے۔ تو کہتے ہیں: وَذٰلِكَ إِذَا كَانَ مَحَلُّ الْإِعْرَابِ قَابِلًا لِلْحَرَكَةِ الْإِعْرَابِيَّةِ، اور یہ اعراب کا ثقیل ہونا اس وقت ہوگا جب وہ جو محلِ اعراب ہے وہ حرکتِ اعرابیہ کے قابل ہو، وَلٰكِنْ يَكُونُ ظُهُورُهُ فِي اللَّفْظِ ثَقِيلًا

عَلَى اللِّسَانِ، لیکن اعراب کا ظاہر ہونا لفظوں میں یہ ثقیل ہوتا ہے عَلَى اللِّسَانِ زبان پر، كَمَا فِي الِاسْمِ الَّذِي فِي آخِرِهِ يَاءٌ مَكْسُورٌ مَا قَبْلَهَا، جیسے کہ اس اسم میں جس کے آخر میں يَاءٌ مَكْسُورٌ مَا قَبْلَهَا، ایسی یا ہو، مَكْسُورٌ مَا قَبْلَهَا، کہ جس کا ماقبل کیا ہو؟ مکسور۔ دیکھا یہ مَكْسُورٌ پھر صفت بحالِ متعلقہ آگئی لفظوں میں یہ مَكْسُورٌ صفت ہے یا کی، اور یا مرفوع ہے تو مَكْسُورٌ بھی مرفوع۔ لیکن مَا قَبْلَهَا أَيْ مَا ثَبَتَ قَبْلَهَا یہ اس کے لیے کیا بنا؟ فاعل، کیونکہ یا مکسور نہیں ہوتی بلکہ یا کا ماقبل مکسور ہوتا ہے۔

تو کہتے ہیں: كَمَا فِي الِاسْمِ الَّذِي فِي آخِرِهِ يَاءٌ مَكْسُورٌ مَا قَبْلَهَا، جیسے کہ اس اسم میں جس کے آخر میں ایسی یا ہو جس کا ماقبل مکسور ہو، سَوَاءٌ كَانَتْ مَحْذُوفَةً بِالْتِقَاءِ السَّاكِنَيْنِ، برابر ہے کہ وہ یا محذوف ہو التقاءِ ساکنین کی وجہ سے، كَقَاضٍ، جیسے کہ قَاضٍ۔ دیکھو اس میں یا کیا ہے؟ محذوف ہے التقاءِ ساکنین کی وجہ سے۔ أَوْ غَيْرَ مَحْذُوفَةٍ، یا وہ یا محذوف نہ ہو، كَالْقَاضِي، جیسے کہ الْقَاضِي۔ دیکھو قَاضٍ بغیر الف لام کے ہے تو یا محذوف ہے، اور الْقَاضِي الف لام کے ساتھ ہے تو اب یا محذوف نہیں کیونکہ اجتماعِ ساکنین یہاں نہیں ہے۔

حاصلِ کلام کیا ہوا کہ اعراب کا ثقیل ہونا وہاں ہوگا جہاں آخری حرف قابلِ حرکت تو ہے، حرکتِ اعرابیہ تو اس پر آ سکتی ہے لیکن اگر حرکتِ اعرابیہ آئے گی تو زبان پر اس کی ادائیگی ثقیل ہو جائے گی۔ اور یہ کس جگہ ہوگا؟ کہتے ہیں یہ اس اسم میں ہوگا جس کے آخر میں ایسی یا آئے جس کا ماقبل کیا ہو؟ مکسور ہو، یعنی اسمِ منقوص بھئی، اور جس کے آخر میں یا ہو اور ماقبل مکسور ہو، چاہے یہ یا لفظوں میں ہو یا لفظوں میں نہ ہو یعنی التقاءِ ساکنین سے گر گئی ہو۔ دونوں صورتوں میں اعراب اس میں تقدیری ہوگا لیکن مطلقاً نہیں بلکہ حالتِ رفعی اور حالتِ جری میں، حالتِ رفعی اور حالتِ جری میں۔ تو کہتے ہیں: رَفْعًا وَجَرًّا، رفع اور جر کی حالت میں، أَيْ فِي حَالَتَيِ الرَّفْعِ وَالْجَرِّ، یعنی رفع اور جر کی حالت میں۔ اس کو کیسے پڑھیں گے؟ أَيْ فِي حَالَتَيِ الرَّفْعِ وَالْجَرِّ۔ اصل میں تھا أَيْ فِي حَالَتَيْنِ، تثنیہ، تو نون اضافت کی وجہ سے گر گیا۔ تو اب یا بھی ساکن اور الرَّفْعِ اس کے اندر لام کو را کر کے را میں ادغام کر دیا وہ را بھی ساکن۔ تو پھر یا اور را جمع ہو گئے، اور اول ان میں سے مدہ ہو تو اس کو گراتے ہیں، اور یا ماقبل میں ہے وہ تو مدہ نہیں ہے، کیا حَالَتَيْ، اس یا سے ماقبل تو فتحہ ہے، یا سے ماقبل کسرہ ہو پھر اس کو حرفِ مدہ کہتے ہیں ویسے تو حرفِ مدہ نہیں کہتے، تو اس صورت میں یا اور را دونوں ساکن جمع ہوئے اور اول ان میں سے حرفِ مدہ نہیں ہے تو پھر اس کو کسرہ والی حرکت دے دی تو فِي حَالَتَيِ الرَّفْعِ، طریقہ سمجھ میں آیا؟

أَيْ فِي حَالَتَيِ الرَّفْعِ وَالْجَرِّ، یعنی رفع اور جر کی حالت میں، لَا فِي حَالَةِ النَّصْبِ، نصب کی حالت میں نہیں، اس صورت میں اعراب تقدیری نہیں ہوگا۔ بھئی کیوں؟ رفع اور جر کی حالت میں کیوں، نصب کی حالت میں کیوں نہیں؟ بتلانے لگے ہیں کہ لِاسْتِثْقَالِ الضَّمَّةِ وَالْكَسْرَةِ عَلَى الْيَاءِ، اس لیے کیونکہ ضمہ اور کسرہ یا پر ثقیل ہیں، دُونَ الْفَتْحَةِ، نہ کہ فتحہ، فتحہ ثقیل نہیں ہے وہ آ سکتا ہے یا پر۔

وَنَحْوُ مُسْلِمِيَّ، اور جیسے کہ مُسْلِمِيَّ۔ کہتے ہیں: عَطْفٌ عَلَى قَوْلِهِ كَقَاضٍ، یہ عطف ہے ماتن کے قول كَقَاضٍ پر۔ توجہ ہے؟ پیچھے متن میں آیا تھا: أَوِ اسْتُثْقِلَ كَقَاضٍ۔ یہ کاف مثل کے معنی میں ہے، کاف جارہ ہے، قَاضٍ مجرور ہے۔ اور یاد رکھو اس کا مبتدا محذوف ہے: مِثَالُهُ كَقَاضٍ۔ استثقالِ اعراب کی مثال کیا ہے؟ اعراب کے ثقیل ہونے کی مثال کیا ہے؟ كَقَاضٍ، جیسے کہ قَاضٍ، یہ ہے خبر۔ اور اس کا مبتدا محذوف ہے مِثَالُهُ۔ مِثَالُ مرفوع لفظاً مضاف، ہا ضمیر مجرور محلاً مضاف الیہ، مضاف اور مضاف الیہ مل کر مبتدا۔ اور كَقَاضٍ، کاف جارہ اور قَاضٍ مجرور، جار مجرور مل کر متعلق ہوئے ثَابِتٌ سے اور یہ خبر بن جائے گی۔ طریقہ سمجھ میں آیا؟ تو كَقَاضٍ یہ ہے، یہ ظرفِ مستقر ہے۔ كَقَاضٍ اس کو کیا بنایا؟ خبر۔ تو جار مجرور کا جب متعلق عبارت میں ذکر نہ ہو محذوف نکالنا پڑے اس کو کیا کہتے ہیں؟ ظرفِ مستقر۔ تو كَقَاضٍ کیا بن رہا ہے؟ خبر، تو خبر کے مقام میں جار مجرور ہے تو یہ ظرفِ مستقر ہے ثَابِتٌ محذوف نکالنا پڑے گا۔ آگے جو وَنَحْوُ مُسْلِمِيَّ آیا صاحبِ جامی آپ کو بتائیں گے کہ نَحْوُ مُسْلِمِيَّ اس کا عطف ہو رہا ہے كَقَاضٍ پر۔ کس پر؟ بھئی وہ تو جار مجرور ہے اور یہ تو مضاف مضاف الیہ ہیں نَحْوُ مُسْلِمِيَّ، نَحْوُ مضاف اور مُسْلِمِيَّ مضاف الیہ، تو اس پر کیسے عطف ہو گیا؟ کہتے ہیں بھئی وہ خبر ہے اور یہ بھی خبر ہے: مِثَالُهُ كَقَاضٍ، اور مِثَالُهُ نَحْوُ مُسْلِمِيَّ۔ تو خبر کا خبر پر عطف ہو رہا ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟

کاف کا کیا معنی؟ مثل، كَقَاضٍ أَيْ مِثْلُ قَاضٍ۔ توجہ ہے؟ اور نَحْوُ مُسْلِمِيَّ اس کا بھی کیا معنی؟ مِثْلُ مُسْلِمِيَّ، نَحْوُ کا معنی بھی مثل۔ تو سوال: صاحبِ کافیہ یہ نَحْوُ کا لفظ کیوں لائے؟ نَحْوُ کا لفظ کیوں لائے؟ پیچھے دیکھو، پیچھے تھا كَعَصًا وَغُلَامِي، كَعَصًا وَغُلَامِي۔ غُلَامِي کا عطف کر دیا عَصًا پر اور عَصًا پر کاف جارہ داخل تھا تو ایک ہی کاف جارہ لے آئے، دوبارہ نَحْوُ نہیں لے کر آئے۔ توجہ ہے؟ اور یہاں پر اس مُسْلِمِيَّ کا عطف قَاضٍ پر کر دیتے تو وہی کاف دونوں پر داخل ہو رہا ہے گویا، تو نَحْوُ لانے کی ضرورت ہی نہیں تھی، مِثْلُ قَاضٍ وَمِثْلُ مُسْلِمِيَّ خود ہی ہو جاتا۔ اشکال سمجھ میں آرہا ہے؟ تو یہ نَحْوُ دوبارہ کیوں لے کر آئے حالانکہ صاحبِ کافیہ تو ایک لفظ بیکار نہیں لے کر آتے؟ تو وجہ یہ کہ اگر صاحبِ کافیہ نَحْوُ نہ لاتے صرف یوں کہہ دیتے كَقَاضٍ وَمُسْلِمِيَّ بات تو ٹھیک تھی پھر بھی، عطف تو ٹھیک ہو جاتا، لیکن پھر پتا نہ چلتا کہ یہ دونوں ایک ہی قسم ہیں یا الگ الگ ہیں، یہ دونوں ایک ہی قسم ہیں یا الگ الگ ہیں۔ حالانکہ یہ دونوں الگ الگ قسمیں ہیں: قَاضٍ اس پر اعراب تقدیری صرف دو حالتوں میں آتا ہے اور مُسْلِمِيَّ میں اعراب ایک حالت میں آتا ہے۔ دونوں بالکل الگ الگ ہیں، قسمیں بھی الگ اور اعرابِ تقدیری بھی الگ الگ صورتوں میں آرہا ہے۔ تو اس لیے نَحْوُ کا لفظ لا کر اسی کی طرف اشارہ کر دیا کہ یہ دونوں میں اعراب، یہ دونوں قسمیں بھی الگ ہیں اور دونوں میں تقدیری اعراب کی صورتیں بھی الگ ہیں۔ جبکہ وہاں پر عَصًا پر غُلَامِي کا عطف کر دیا تھا کیونکہ عَصًا میں بھی تینوں حالتوں میں اعراب تقدیری اور غُلَامِي میں بھی تینوں حالتوں میں اعراب تقدیری تھا۔ بات سمجھ میں آگئی؟

تو کہتے ہیں: وَنَحْوُ مُسْلِمِيَّ عَطْفٌ عَلَى قَوْلِهِ كَقَاضٍ، یہ عطف ہے ماتن کے قول كَقَاضٍ پر بھئی، یعنی پوری خبر پر یہ عطف ہے۔ يَعْنِي تَقْدِيرَ الْإِعْرَابِ لِلِاسْتِثْقَالِ قَدْ يَكُونُ فِي الْإِعْرَابِ بِالْحَرَكَةِ، اب ادھر دیکھیے بھئی: عَصًا، عَصًا میں اعراب متعذر

تھا کیونکہ آخر میں الف تھا اور الف پر نہ رفع آسکتا ہے نہ نصب اور نہ جر۔ غُلَامِي میں اس میں بھی غُلَام پر تینوں اعراب تقدیری تھے کیونکہ یا سے ماقبل جو ہے وہ جو میم ہے اس پر نہ رفع آسکتا ہے نہ نصب اور نہ جر۔ اور ان دونوں میں اعراب یاد رکھو بالحرکت ہے: عَصًا میں بھی اعراب بالحرکت ہے لیکن تقدیری ہے، اعراب بالحرکت، اعراب بالحرکت ہے نا، عَصًا میں الف کو اعراب بنایا ہے یا ضمہ فتحہ کسرہ کو اعراب بنایا ہے؟ اگر اعراب الف کو بنایا ہے تو الف تو آرہا ہے نا اس کے آخر میں الْعَصَا، الف تو آرہا ہے، بعض صورتوں میں گرے گا بعض صورتوں میں نہیں گرے گا تو پھر تو اعراب لفظی کہنا چاہیے تھا۔ تو اس کا اعراب بالحروف نہیں ہے بلکہ کس کے ساتھ ہے؟ بالحرکت ہے اور حرکتیں الف پر آسکتی ہیں؟ نہیں، تو اس لیے اعراب تقدیری۔ اور غُلَامِي میں بھی غلام کا اعراب بالحرکت ہے تو اس کا بھی اعراب تقدیری۔ معلوم ہوا کہ اعراب متعذر ہوتا ہے صرف اعراب بالحرکت میں۔ اعراب، دو صورتیں ہیں نا اعرابِ تقدیری کی: یا وہ اعراب متعذر ہوگا یا ثقیل ہوگا۔ متعذر اعراب صرف اعراب بالحرکت میں ہوتا ہے۔ توجہ، نہیں توجہ؟ ایک ہے اعراب بالحرکت، ایک ہے اعراب بالحروف۔ اور اسی طرح اعراب کبھی لفظاً ہوتا ہے کبھی تقدیراً۔ تقدیراً اعراب کب ہوگا؟ جب آخری حرف پر حرکت نہ لائی جا سکے، تو معلوم ہوا اعراب بالحرکت ہی میں اعراب متعذر ہوگا اور کسی صورت میں اعراب بالحرف میں متعذر نہیں ہوگا۔ بات سمجھ، نہیں سمجھ میں آئی؟ بھئی اعرابِ تقدیری کی دو صورتیں ہیں، کتنی؟ اعرابِ تقدیری اس وقت بھی ہوگا جب اعراب کا لانا ہی ممکن نہ رہے، اور اس وقت بھی اعراب تقدیری ہوگا جب اعراب کا لانا ممکن تو ہے لیکن ثقیل ہے۔ تو جو اعراب کا لانا ممکن ہی نہ رہے یہ صرف اعراب بالحرکت کی صورت میں ہوگا، اعراب بالحرکت کی صورت میں ہوگا کہ حرکت کو لانا ممکن ہی نہیں ہے عَصًا اور غُلَامِي کے اوپر بھئی۔ اور اعراب کا ثقیل ہونا یہ اعراب بالحرکت میں بھی ہو سکتا ہے یہ اعراب بالحرف میں بھی ہو سکتا ہے۔ قَاضٍ اس پر اعراب کا لانا ثقیل ہے یعنی حرکت کا لانا ثقیل ہے، اور مُسْلِمِيَّ اس کا اعراب تقدیراً ہے اس پر اعراب کا لانا ثقیل ہے اور یہ واو اعراب بالحرف اس کا لانا کیا ہے؟ ثقیل ہے۔ تو معلوم ہوا اعراب کا پڑھنا ممکن ہی نہ رہے وہ صرف کس میں ہوگا؟ اعراب بالحرکت میں، اور اعراب کا پڑھنا ثقیل ہو جائے یہ اعراب بالحرکت میں بھی ہو سکتا ہے جیسے قَاضٍ میں ہے اور اعراب بالحرف میں بھی ہو سکتا ہے جیسے کس میں ہے؟ مُسْلِمِيَّ میں۔ اب بات سمجھ میں آگئی؟

تو کہتے ہیں: يَعْنِي تَقْدِيرَ الْإِعْرَابِ لِلِاسْتِثْقَالِ، یعنی اعراب کا تقدیری ہونا ثقیل ہونے کی وجہ سے، قَدْ يَكُونُ فِي الْإِعْرَابِ بِالْحَرَكَةِ، یہ کبھی اعراب بالحرکت میں ہوگا، وَقَدْ يَكُونُ فِي الْإِعْرَابِ بِالْحَرْفِ، اور کبھی یہ اعراب بالحرف میں ہوگا، نَحْوُ مُسْلِمِيَّ، جیسے کہ مُسْلِمِيَّ ہے، بِخِلَافِ تَقْدِيرِ الْإِعْرَابِ لِلتَّعَذُّرِ، بخلاف اعراب کا تقدیری ہونا لِلتَّعَذُّرِ، متعذر ہونے کی وجہ سے جو اعراب کا تقدیری ہونا ہے، فَإِنَّهُ مُخْتَصٌّ بِالْإِعْرَابِ بِالْحَرَكَةِ، وہ خاص ہے کس کے ساتھ؟ اعراب بالحرکت کے ساتھ بھئی۔

رَفْعًا، رَفْعًا، رَفْعًا یہ مُسْلِمِيَّ سے حال واقع ہو رہا ہے تو یہ حال ہے: وَنَحْوُ مُسْلِمِيَّ رَفْعًا، اور مُسْلِمِيَّ جیسی مثالوں میں حالتِ رفعی میں اعراب کا پڑھنا ثقیل ہے تو اعراب تقدیری ہوگا۔ يَعْنِي تَقْدِيرَ الْإِعْرَابِ فِي نَحْوِ مُسْلِمِيَّ إِنَّمَا هُوَ فِي حَالَةِ الرَّفْعِ فَقَطْ، یعنی اعراب کا تقدیری ہونا مُسْلِمِيَّ جیسی مثالوں میں وہ صرف حالتِ رفعی میں ہے، دُونَ النَّصْبِ وَالْجَرِّ، نہ کہ نصب اور جر میں، نَحْوُ جَاءَنِي مُسْلِمِيَّ، جیسے جَاءَنِي مُسْلِمِيَّ۔ ادھر دیکھیے جَاءَنِي مُسْلِمِيَّ اصل میں کیا تھا؟ مُسْلِمُونَ اور پھر یا تھی، نون گر گیا تو کیا تھا؟ جَاءَ مُسْلِمُويَ۔ پھر واو اور یا جمع ہوئے واو ساکن تھا، اس کو یا کر کے یا میں ادغام کیا تو کیا بن گیا؟ مُسْلِمُيَّ، پھر میم کو کسرہ دیا تو کیا بن گیا؟ مُسْلِمِيَّ۔ اب یہی بیان کریں گے، کہتے ہیں: نَحْوُ جَاءَنِي مُسْلِمِيَّ فَإِنَّ أَصْلَهُ مُسْلِمُويَ، اس لیے کیونکہ اس کی اصل جو تھی وہ مُسْلِمُويَ تھی، بِسُقُوطِ النُّونِ بِالْإِضَافَةِ، نون کے ساقط ہونے سے بِالْإِضَافَةِ اضافت کی وجہ سے، فَاجْتَمَعَ الْوَاوُ وَالْيَاءُ، تو واو اور یا جمع ہو گئے مُسْلِمُويَ کے اندر، وَالسَّابِقُ مِنْهُمَا سَاكِنٌ، اور ان میں سے جو مقدم تھا وہ ساکن تھا، جو پہلے تھا وہ ساکن تھا، فَانْقَلَبَتِ الْوَاوُ يَاءً، تو وہ واو پلٹ گیا یا ہو کر یعنی وہ واو یا بن گیا، وَأُدْغِمَتِ الْيَاءُ فِي الْيَاءِ، اور یا کا یا میں ادغام کر دیا گیا، وَكُسِرَ مَا قَبْلَ الْيَاءِ، اور یا کے ماقبل کو کسرہ دے دیا گیا تو مُسْلِمِيَّ ہو گیا، فَلَمْ يَبْقَ عَلَامَةُ الرَّفْعِ الَّتِي هِيَ الْوَاوُ فِي اللَّفْظِ، تو باقی نہ رہی رفع کی وہ علامت جو کہ واو ہے، رفع کی وہ علامت جو واو ہے وہ لفظوں میں باقی نہ رہی، تو کہتے ہیں: فَلَمْ يَبْقَ عَلَامَةُ الرَّفْعِ الَّتِي هِيَ الْوَاوُ فِي اللَّفْظِ، تو بس باقی نہ رہی رفع کی وہ علامت جو کہ واو ہے لفظوں میں، فَصَارَ الْإِعْرَابُ فِي حَالَةِ الرَّفْعِ تَقْدِيرِيًّا، تو اعراب جو ہے حالتِ رفع میں تقدیری ہو گیا، بِخِلَافِ حَالَتَيِ النَّصْبِ وَالْجَرِّ، بخلاف نصب اور جر کی حالتوں کے۔ فَإِنَّ الْإِدْغَامَ، وہاں پر نصب اور جر والی حالتوں میں کیا ہوا تھا؟ یا کا یا میں ادغام ہوا تھا، یا تو پہلے ہی موجود تھی، تو کیا ادغام کی وجہ سے یا گر گئی یا ابھی بھی موجود ہے؟ ابھی بھی موجود ہے تو باقی دونوں حالتوں میں اعراب لفظی ہے، ہم اس یا پر باقاعدہ تلفظ کر رہے ہیں۔ تو کہتے ہیں: بِخِلَافِ حَالَتَيِ النَّصْبِ وَالْجَرِّ، بخلاف نصب اور جر کی حالت کے، فَإِنَّ الْإِدْغَامَ لَا يُخْرِجُ الْيَاءَ عَنْ حَقِيقَتِهَا، اس لیے کیونکہ ادغام جو ہے وہ یا کو اس کی حقیقت سے نہیں نکالتا، یا ابھی بھی موجود ہے اور یا ہی ہے، فَإِنَّ الْيَاءَ الْمُدْغَمَةَ أَيْضًا يَاءٌ، اس لیے کیونکہ وہ یا جس کا ادغام کر دیا گیا وہ بھی یا ہی ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو نصب اور جر میں اعراب لفظی ہی ہے مُسْلِمِيَّ کا۔

وَقَدْ يَكُونُ الْإِعْرَابُ بِالْحُرُوفِ تَقْدِيرِيًّا فِي الْأَحْوَالِ الثَّلَاثِ، جی، یہاں سے صاحبِ جامی ایک نیا فائدہ آپ کو بتلا رہے ہیں۔ کہتے ہیں: وَقَدْ يَكُونُ الْإِعْرَابُ بِالْحُرُوفِ تَقْدِيرِيًّا، اور کبھی کبھار اعراب بالحروف بھی تقدیری ہوتا ہے، فِي الْأَحْوَالِ الثَّلَاثِ، تینوں احوال میں۔ بھئی مُسْلِمِيَّ ہو یا اس کے اندر اعراب بالحرف تھا اور تقدیری تھا صرف کتنی حالتوں میں؟ ایک حالت میں۔ اور کبھی تینوں حالتوں میں اعراب بالحرف تقدیری ہوتا ہے۔ اور وہ کب؟ جب یہ اسمائے ستہ مکبرہ جب یہ مضاف ہو جائیں معرف باللام کی طرف۔ اسمائے ستہ مکبرہ اس کے اندر کتنی شرطیں تھیں؟ تین۔ پہلی شرط کیا؟ مکبر ہوں۔ دوسری شرط؟ موحد ہوں۔ تیسری؟ مضاف ہوں لیکن یائے متکلم کی طرف مضاف نہ ہوں۔ اگر مضاف تو ہوں لیکن یہ

معرف باللام کی طرف مضاف ہو جائیں تو پھر تینوں حالتوں میں ان کا اعراب تقدیری ہوگا اور تقدیرِ حرف کے ساتھ ہوگا۔ جیسے أَبُو اس کے ساتھ میں الرَّجُلُ کو جوڑتا ہوں: جَاءَنِي... کیسے پڑھیں گے أَبُو کو الرَّجُلُ سے ذرا جوڑو؟ جَاءَنِي أَبُو الرَّجُلِ، دیکھو وہ واو گر گیا۔ کیوں گرا؟ کیونکہ واو بھی ساکن اور الرَّجُلِ کے اندر جو را آرہی تھی وہ بھی ساکن، تو اجتماعِ ساکنین آیا، اول مدہ تھا گر گیا۔ تو جَاءَنِي أَبُو الرَّجُلِ، رَأَيْتُ أَبَا الرَّجُلِ، دیکھو یہاں الف گر گیا۔ اور مَرَرْتُ بِأَبِي الرَّجُلِ، یہاں یا گر گئی۔ تو تینوں جگہ واو، الف، یا تو آتو رہے ہیں لیکن کیا ہم ان پر تلفظ کر رہے ہیں، ان کو پڑھ رہے ہیں، یا وہ التقاءِ ساکنین سے وہ واو، الف اور یا گر چکے ہیں؟ وہ گر چکے ہیں، جب گر چکے ہیں ہم ان پر تلفظ نہیں کر رہے تو تینوں صورتوں میں اعراب تقدیری ہے۔ جَاءَنِي أَبُو الرَّجُلِ، رَأَيْتُ أَبَا الرَّجُلِ، مَرَرْتُ بِأَبِي الرَّجُلِ، تینوں صورتوں میں اعراب تقدیری ہے۔

تو کہتے ہیں: وَقَدْ يَكُونُ الْإِعْرَابُ بِالْحُرُوفِ تَقْدِيرِيًّا، اور کبھی کبھار اعراب بالحروف جو ہے وہ تقدیری ہوتا ہے، فِي الْأَحْوَالِ الثَّلَاثِ، تینوں احوال میں، فِي مِثْلِ جَاءَنِي أَبُو الْقَوْمِ وَرَأَيْتُ أَبَا الْقَوْمِ وَمَرَرْتُ بِأَبِي الْقَوْمِ، اس جیسی مثالوں میں۔ جَاءَنِي أَبُو الْقَوْمِ، قوم کا معنی لوگ، آیا میرے پاس ان لوگوں کے ابو، ان لوگوں کا باپ آیا، اور رَأَيْتُ أَبَا الْقَوْمِ یا مَرَرْتُ بِأَبِي الْقَوْمِ۔ فَإِنَّهُ لَمَّا سَقَطَ حُرُوفُ الْإِعْرَابِ عَنِ اللَّفْظِ، اس لیے کیونکہ جب حروفِ اعراب ساقط ہو گئے، گر گئے عَنِ اللَّفْظِ لفظوں سے، بِالْتِقَاءِ السَّاكِنَيْنِ، التقاءِ ساکنین کی وجہ سے، تَوَلَمْ يَبْقَ، لَمْ يَبْقَ الْإِعْرَابُ لَفْظًا، تو اعراب لفظاً ہو کر باقی نہ رہا، بَلْ صَارَ تَقْدِيرِيًّا، بلکہ تقدیری ہو گیا۔ بات سمجھ میں آگئی؟

دیکھو صاحب جامی نے اس کو علیحدہ بیان کیا۔ کیوں؟ وجہ یہ کہ پیچھے انہوں نے بتایا تقدیری ہوگا دو جگہ: ایک وہ جگہ جہاں اعراب کا پڑھنا ممکن ہی نہ ہو اور ایک وہ جگہ جہاں اعراب کا پڑھنا ثقیل ہو، پھر اس ثقیل کے اندر تفصیل بتائی کہ ثقیل جیسے قاضی جیسی مثالیں ہیں ان میں رفع کے اندر بھی ثقیل ہے اعراب اور جر کی حالت میں بھی ثقیل، اور جیسے مُسْلِمِيَّ ہے اس کے اندر صرف رفع کی حالت میں اعراب ثقیل ہے اعراب بالحرف ہے۔ تو دیکھو اعراب بالحرف ہے اور تقدیراً ہے۔ تو یہ جو ہے اس کو اس میں داخل نہیں کر سکتے تھے بھئی، اس میں صرف ایک حالت میں اعراب بالحرف تقدیری ہے اور یہ جو جَاءَنِي أَبُو الْقَوْمِ، رَأَيْتُ أَبَا الْقَوْمِ، مَرَرْتُ بِأَبِي الْقَوْمِ اس میں اعراب بالحرف تینوں حالتوں میں تقدیری ہے۔ اور یہ اس سے مختلف ہے بھئی۔ مختلف ایک اس اعتبار سے وہاں ایک حالت میں اعراب تقدیری ہے اور یہاں تینوں حالتوں میں، نیز مختلف اس اعتبار سے بھی ہے کہ وہاں مُسْلِمِيَّ مضاف مضاف الیہ ہیں، یا ضمیر ہے جڑی ہوئی ہے، اور ضمیر کون سی ضمیر ہے؟ مجرور، اور ضمیرِ مجرور جو ہے وہ الگ ہو ہی نہیں سکتی کلمے سے۔ مجرور صرف... یاد رکھو ضمیرِ مرفوع منفصل بھی ہوتی ہے، متصل بھی ہوتی ہے، جو ضمیرِ منصوب ہو وہ بھی متصل بھی ہوتی ہے اور منفصل بھی ہوتی ہے، لیکن مجرور صرف متصل ہوتی ہے، منفصل ہوتی ہی نہیں۔ تو وہاں مُسْلِمِيَّ کے اندر یا ضمیر مُسْلِمُونَ کے ساتھ جڑی ہے اور یہ اتنا پکا اتصال ہے کہ گویا ایک ہی کلمہ سمجھو، اس کو کیا سمجھو؟ ایک ہی کلمہ سمجھو، لہٰذا اس کے اندر تو اعرابِ تقدیری کو ذکر کر دیا لیکن أَبُو الْقَوْمِ، أَبَا الْقَوْمِ، أَبِي الْقَوْمِ اس کو اس میں داخل نہیں کیا، اس کو ذکر نہیں کیا کیونکہ یہاں تو باقاعدہ، یہاں جو واو،

الف، یا جو اعراب کے گرے ہیں وہ اگلے کلمے کے ساتھ جڑنے کی وجہ سے گرے ہیں، اگلے کلمے کے ساتھ جڑنے کی وجہ سے گرے ہیں، اور أَبُو الگ کلمہ ہے اور الْقَوْمِ یا الرَّجُلِ الگ کلمہ ہے، اور الرَّجُلِ اور الْقَوْمِ کیا اکیلے جدا ہو سکتے ہیں یا نہیں مضاف سے؟ ہو سکتے ہیں، ضمیر تو جدا نہیں ہو سکتی تھی لیکن یہ جدا ہو سکتے ہیں، لہٰذا اس کو صاحبِ کافیہ نے شمار نہیں کیا کیونکہ یہاں جو اعراب تقدیری ہو رہا ہے وہ اگلے کلمے کی وجہ سے ہو رہا ہے، وہ الگ کلمہ ہے باقاعدہ، اور مُسْلِمِيَّ کے اندر بھی یا اگرچہ الگ کلمہ ہے لیکن اس کو الگ شمار نہیں کیا کیونکہ اس کا اتصال بڑا شدید ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟

آگے دیکھیے، کہتے ہیں: وَاللَّفْظِيُّ أَيِ الْإِعْرَابُ الْمُتَلَفَّظُ بِهِ، متن میں کیا آیا؟ اللَّفْظِيُّ، اللَّفْظِيُّ۔ کہتے ہیں: وَاللَّفْظِيُّ أَيِ الْإِعْرَابُ الْمُتَلَفَّظُ بِهِ فِيمَا عَدَاهُ، اور لفظی جو ہے یعنی اعرابِ متلفظ بہ جو ہے فِيمَا عَدَاهُ ان مذکورہ صورتوں کے علاوہ میں ہے، ان مذکورہ صورتوں کے علاوہ میں ہے۔ بھئی متن میں آیا اللَّفْظِيُّ اور صاحبِ جامی آگے فرما رہے ہیں الْإِعْرَابُ الْمُتَلَفَّظُ بِهِ، دراصل بتلانا یہ چاہتے ہیں کہ اللَّفْظِيُّ کا موصوف محذوف ہے اور وہ الْإِعْرَابُ ہے، تو اللَّفْظِيُّ اصل عبارت کیا ہے؟ وَالْإِعْرَابُ اللَّفْظِيُّ۔ توجہ ہے؟ یاد رکھو یہ جو یائے نسبت جس اسم کے ساتھ مل جائے یہ صفت کے صیغے کے درجے میں ہو جاتا ہے۔ لاہور، اس کے ساتھ یائے مشدد جوڑ دو نسبت والی کیا بن گیا؟ لَاهُورِيٌّ، اب اس کا کیا معنی؟ لاہور والا، اب یہ صفت کے درجے میں ہے، لاہور والا یہ کوئی چیز ہوگی، یہ کوئی آدمی ہوگا یا کوئی عورت ہوگی یا کوئی چیز۔ تو یہ صفت کے صیغے کے درجے میں ہو جاتا ہے۔ اور یاد رکھو جیسے قَائِمٌ کا صیغہ ہے، کون سا صیغہ؟ اسمِ فاعل، اور اسمِ فاعل کے لیے کیا چاہیے؟ فاعل چاہیے، اور مَضْرُوبٌ یہ کون سا صیغہ ہے؟ اسمِ مفعول، اور اس کے لیے کیا چاہیے؟ نائب فاعل، اسی طرح اب یہ جو لَاهُورِيٌّ یہ جو یائے نسبت جس کے ساتھ جڑ گئی اس کے لیے بھی اب فاعل یا نائب فاعل چاہیے، اور یہ صفت بنے گا۔ اب اس کے لیے فاعل چاہیے یا نائب فاعل چاہیے تو بعض علماء اس کی تاویل کرتے ہیں کہ یہ اسمِ منسوب ہے، نسبت سے ہے، منسوب ہے اس کی نسبت کی گئی ہے، اور منسوب کون سا صیغہ ہے؟ اسمِ مفعول، اور اسمِ مفعول کے لیے کیا چاہیے؟ نائب فاعل، تو اس یہ لَاهُورِيٌّ یہ بھی اسمِ منسوب ہے، اس کے اندر ہُوَ ضمیر ہوگی جو نائب فاعل بنے گی اور یہ اس چیز کی طرف لوٹے گی جس کے ساتھ آپ نے اس کو جوڑنا ہے۔ میں نے بتایا تھا جملہ یا شبہِ جملہ کو جب بھی کسی چیز سے جوڑنا ہو کیا ضروری ہے؟ ربط ضروری ہے۔ تو اب اگر آپ کہنا چاہتے ہیں رَجُلٌ لَاهُورِيٌّ، تو رَجُلٌ موصوف، لَاهُورِيٌّ اسمِ منسوب، اس کے اندر ہُوَ ضمیر مرفوع محلاً اس کا نائب فاعل جو کس کو راجع؟ رَجُلٌ موصوف کو، لاہوری کون ہے؟ وہ رَجُلٌ ہے، تو اسمِ منسوب اپنے نائب فاعل سے مل کر شبہِ جملہ ہو کر یہ صفت ہوا رَجُلٌ کے لیے، تو یہ موصوف صفت بن گئے۔ تو رَجُلٌ لَاهُورِيٌّ کیا ترجمہ؟ ایسا آدمی جو منسوب ہے لاہور کی طرف۔ تو اس کے اندر ضمیر کو کیا بنایا؟ نائب فاعل، کیونکہ لَاهُورِيٌّ کس تاویل میں ہے؟ اسمِ منسوب کی تاویل میں ہے، توجہ ہے؟ اسمِ منسوب۔ جبکہ بعض علماء اس کی تاویل کرتے ہیں اسمِ فاعل کے ساتھ کہ یہ اسمِ منتسب ہے، یہ کیا ہے؟ یہ اسمِ منتسب ہے، ایسا اسم ہے جس کی نسبت ہو رہی ہے، تو اس صورت میں اس کے

اندر ہُوَ ضمیر فاعل بناتے ہیں وہ۔ تو بہرحال بات ایک ہی ہے چاہے آپ اس کو اسمِ منسوب کی تاویل میں لیں چاہے اسمِ منتسب کی تاویل میں لیں، منسوب اسمِ مفعول کا صیغہ ہے اور منتسب اسمِ فاعل کا صیغہ ہے تو اس کے مطابق ضمیر کو فاعل یا نائب فاعل بنا لیں گے۔ تو بتانا یہ چاہتے ہیں: وَاللَّفْظِيُّ أَيِ الْإِعْرَابُ الْمُتَلَفَّظُ بِهِ، الْإِعْرَابُ کا لفظ نکال کر صاحبِ جامی نے موصوف بتلا دیا کہ اللَّفْظِيُّ یہ تو اسمِ منسوب ہے یہ تو صفت بنتا ہے، تو اس کا موصوف کیا ہے؟ بتلایا الْإِعْرَابُ ہے۔ اور اللَّفْظِيُّ میں نے کیا بتایا؟ یہ صفت کے صیغے کے درجے میں ہے، اسی لیے کہا الْمُتَلَفَّظُ بِهِ، دیکھو اسمِ مفعول کا صیغہ آگے لے آئے، وہ اعراب الْمُتَلَفَّظُ بِهِ جس پر تلفظ کیا جائے بھئی۔

فِيمَا عَدَاهُ، ان کے علاوہ میں ہوگا، يَعْنِي فِيمَا عَدَا مَا ذُكِرَ، دیکھا؟ اس کے علاوہ میں جو ماقبل میں ذکر ہو چکا۔ میں نے پہلے آپ کو بتلا دیا کہ پیچھے تو دو چیزیں ذکر ہوئی تھیں: ایک صورت میں اعراب متعذر ہوتا ہے اور ایک صورت میں اعراب ثقیل ہوتا ہے، تو یہاں تو ہا ضمیر مفرد کی لے آئے، تثنیہ کی ضمیر چاہیے تھی، تو بتلا دیا یہ ضمیر کس کو راجع ہے؟ ماقبل کو راجع ہے مَا ذُكِرَ کی تاویل میں، جو ماقبل میں ذکر ہو چکا۔ وَاللَّفْظِيُّ فِيمَا عَدَاهُ، اور لفظی اعراب ان کے علاوہ میں ہوگا جو پیچھے ذکر ہو چکے، اب وہ چاہے ایک چیز ہے چاہے دو ہیں چاہے دس ہیں سب اس کے اندر آ گئے، تو یہ مَا ذُكِرَ کی تاویل میں ہا ضمیر ان دونوں کی طرف راجع کر دی۔ مِمَّا تَعَذَّرَ، یعنی کہ اب بیان کر رہے ہیں بھئی پیچھے کیا ذکر ہوئے تھے؟ مِنْ کے ذریعے بیان ہے: مِمَّا تَعَذَّرَ فِيهِ الْإِعْرَابُ أَوِ اسْتُثْقِلَ، یعنی وہ جس کے اندر اعراب جو ہے متعذر تھا یا ثقیل تھا۔ بات سمجھ میں آ گئی اچھی طرح؟ تو لفظی اعراب ان دو صورتوں کے علاوہ ہوگا۔ چلیے بس بھئی، هٰذَا هُوَ الْمَرَامُ وَاللّٰهُ أَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْكَلَامِ۔

الْبَابُ الرَّابِعُ: بَابُ غَيْرِ الْمُنْصَرِفِ وَأَسْبَابُ مَنْعِ الصَّرْفِ التِّسْعَةُ

بابِ غیرِ منصرف: تعریف، اسبابِ منعِ صرفِ تسعہ (عدل، وصف، تانیث، معرفہ، عجمہ، جمع، ترکیب، الف و نون، وزنِ فعل) — اسباق ۵۲ تا ۷۶

سبق نمبر ۵۲: غیرِ منصرف (۱): تعریفِ غیر منصرف اور اسبابِ تسعہ کا تعارف

شرحِ ملا جامی صفحہ: ۳۵ — بتاریخ: ۲۴ اگست ۲۰۲۱ء

■ تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث

دیکھیے بھائی آگے سبق:[1]

وَلَمَّا ذَكَرَ فِي تَفْصِيلِ الْمُعْرَبِ الْمُنْصَرِفَ وَغَيْرَ الْمُنْصَرِفِ وَكَانَ غَيْرُ الْمُنْصَرِفِ أَقَلَّ مِنَ الْمُنْصَرِفِ وَبِمَعْرِفَتِهِ يُعْرَفُ الْمُنْصَرِفُ عَلَى قِيَاسِ الْإِعْرَابِ التَّقْدِيرِيِّ وَاللَّفْظِيِّ عَرَّفَ غَيْرَ الْمُنْصَرِفِ وَاكْتَفَى بِتَعْرِيفِهِ فَقَالَ غَيْرُ الْمُنْصَرِفِ مَا أَيِ اسْمٌ مُعْرَبٌ فِيهِ عِلَّتَانِ۔

گزشتہ سبق میں آپ نے پڑھا تھا کہ اعراب جو ہے اس کی دو قسمیں ہیں بھائی، ایک اعرابِ لفظی ہے اور ایک اعرابِ تقدیری ہے۔ اعرابِ لفظی وہ ہے جس میں باقاعدہ اعراب پر تلفظ کیا جاتا ہے، تلفظ سے ہی اعراب کا پتہ چل جاتا ہے، جیسے

[1]

نقشۂ نحوی (۳): اسبابِ منعِ صرفِ تسعہ اور ان کی تقسیم کا شجرہ:

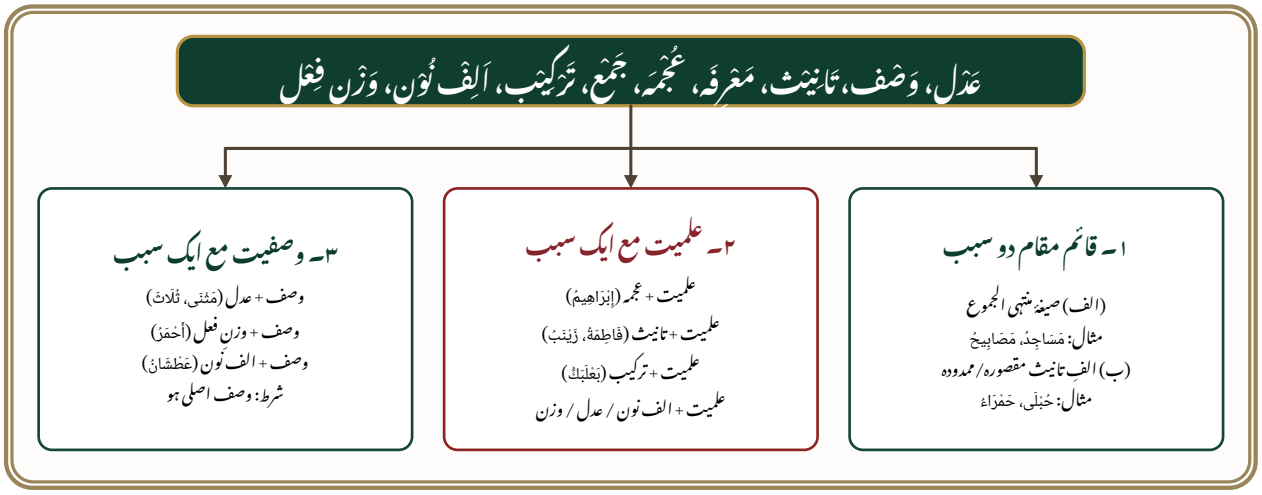

زَيْدٌ، زَيْدًا، زَيْدٍ۔ دیکھو، سننے سے ہی آپ کو پتہ چل رہا ہے کہ میں رفع پڑھ رہا ہوں یا نصب یا جر۔ زَيْدٌ پر میں نے دیکھو رفع پڑھا، زَيْدًا پر نصب، اور زَيْدٍ پر جر۔ تو یہ اعرابِ لفظی ہے اور دوسری قسم ہے اعرابِ تقدیری۔ اعرابِ تقدیری وہ ہے جس پر تلفظ نہیں کیا جاتا بھائی، جس پر تلفظ نہیں کیا جاتا، جیسے اسمِ مقصور ہے بھائی، جَاءَنِي مُوسٰى، رَأَيْتُ مُوسٰى، مَرَرْتُ بِمُوسٰى۔ دیکھو یہاں اعراب تقدیراً ہے، تلفظ سے پتہ نہیں چل رہا کہ رفع ہے یا نصب ہے یا جر ہے۔

اس کے بعد پھر علامہ جامی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اعرابِ تقدیری کو صاحبِ کافیہ نے مقدم کیا، حالانکہ اصل اعرابِ لفظی ہے اور اعرابِ تقدیری اس کی فرع ہے، تو اصل کو مقدم ہونا چاہیے اور فرع کو مؤخر۔ لیکن اعرابِ تقدیری کو اس لیے مقدم کر دیا کہ اس کے اندر تفصیل کم تھی، اور اعرابِ لفظی میں تفصیل زیادہ تھی۔ تو جو قلیل تھا یعنی کم قسموں میں آ رہا تھا، جس میں تفصیل کم تھی، اس کو مقدم کر دیا، اور لفظی کے بارے میں صرف یہ کہہ دیا کہ ان کے علاوہ باقی جگہوں میں معرب کے اندر اعرابِ لفظی ہو گا۔ تو یہ چار جگہیں ذکر کیں جن میں اعراب کیا ہے؟ تقدیری ہے بھائی۔

اور پھر بتلایا تھا کہ اعرابِ تقدیری اس اسمِ معرب میں آئے گا کہ جہاں پر اعراب کا پڑھنا متعذر ہو یا ثقیل ہو۔ اعراب کا پڑھنا متعذر ہو یعنی پڑھنا ممکن ہی نہ ہو۔ اور وجہ اس کی یہ کہ وہ آخری حرف، کہ وہ آخری حرف جس پر اعراب آنا ہے، وہ اعراب کو قبول کرنے کی صلاحیت ہی نہیں رکھتا۔ جیسے الفِ مقصورہ ہے، جَاءَنِي مُوسٰى، رَأَيْتُ مُوسٰى، مَرَرْتُ بِمُوسٰى۔ اس کے آخر میں الفِ مقصورہ ہے اور الف جو ہے وہ حرکت کو قبول کرنے کی صلاحیت ہی نہیں رکھتا۔ یا جیسے غُلَامِي ہے بھائی، غُلَامِي کے اندر یاء اس کے ساتھ آ کر جڑ گئی اور یاء اپنے سے ماقبل کسرہ چاہتی ہے، تو غُلَامِي کی میم کے نیچے کسرہ آ گیا بھائی۔ اب یہ غُلَامِي کی جو میم ہے اس میں اعراب کی صلاحیت ہی باقی نہ رہی۔ اب اس پر کوئی اور حرکت نہیں آ سکتی، نہ اس کے موافق حرکت آ سکتی ہے نہ اس کے مخالف۔ اس کے موافق حرکت آ جائے یعنی کسرہ ہے تو کسرہ ہی لے آؤ، یا اس کے مخالف لے آؤ یعنی ضمہ یا فتحہ لے آؤ، نہیں بھائی کوئی ایک حرکت بھی یہاں نہیں آ سکتی بھائی، حرکت یہاں پہلے سے ہی موجود ہے وہی رہے گی۔ بات سمجھ میں آ گئی؟

تو اعراب متعذر کہاں ہوتا ہے جہاں آخری حرف میں اعراب کو قبول کرنے کی صلاحیت ہی نہ ہو۔ اور دوسری جگہ جہاں اعرابِ تقدیری آئے گا کہ جہاں اعراب کا پڑھنا ثقیل ہو۔ اور یہ اس جگہ پر ہو گا جس میں وہ جو محلِ اعراب ہے یعنی آخری حرف ہے، وہ اعراب کو قبول کرنے کی صلاحیت تو رکھتا ہے، جیسے قَاضٍ (قَاضِيٌ)، قَاضِيًا، قَاضٍي۔ اب یہ جو یاء ہے یہ اس پر ضمہ اور کسرہ اس پر آ تو سکتا ہے، لیکن اس کی ادائیگی زبان پر ثقیل ہو تو اس پر بھی اعراب تقدیری آئے گا اور صرف کون سی دو حالتوں میں؟ رفعی اور جری حالت میں۔ نصبی حالت میں نصب یعنی فتحہ اس پر آ سکتا ہے کیونکہ فتحہ یاء پر ثقیل نہیں۔

تو یہ اعراب بالحرکت جو ہے یہ ثقیل ہوا، اور اسی طرح کبھی اعراب بالحرف بھی ثقیل ہو جاتا ہے، جیسے مُسْلِمِيَّ

حالتِ رفعی میں، یہ اصل میں کیا تھا مُسْلِمُوْيٌ، پھر واؤ اور یاء جمع ہوئے، اول ساکن تھا تو واؤ کو یاء کر کے یاء میں ادغام کر دیا گیا تو مُسْلِمُيٌّ ہوا، پھر یاء اپنے سے ماقبل کسرہ چاہتی ہے تو مُسْلِمِيٌّ ہو گیا بھائی۔ اب اس کے اندر دیکھو حالتِ رفعی میں یہ مُسْلِمُونَ اور یاء ہیں بھائی، تو مُسْلِمُونَ کے اعراب کی بات چل رہی ہے، اس کا رفع کس کے ساتھ آتا ہے؟ واؤ کے ساتھ۔ اور جَاءَ مُسْلِمِيٌّ، کیا میں اس وقت کوئی واؤ پڑھ رہا ہوں؟ واؤ نہیں پڑھ رہا، وہ واؤ تو یاء ہو کر اس کا یاء میں ادغام ہو چکا ہے، تو یہ اس کا رفع تقدیری ہوا بھائی۔ اس مُسْلِمِيٌّ میں مُسْلِمُونَ جو آ رہا ہے اس کا رفع تقدیری ہو گیا۔ اور نصب اور جر جو ہیں وہ لفظی ہوں گے کیونکہ نصب اور جر مُسْلِمُونَ کا کس کے ساتھ آتا ہے؟ یاء کے ساتھ مُسْلِمِينَ، اور اس کو یاء کے ساتھ جوڑا تو پھر نون اضافت سے گر گیا تو کیا بن گیا مُسْلِمِيْ يَ، پھر یاء کا یاء میں ادغام کیا تو کیا بن گیا مُسْلِمِيٌّ۔ تو دیکھو ان کا نصب اور جر یاء کے ساتھ آتا تھا اور وہ یاء ابھی بھی موجود ہے، صرف اس کا ادغام ہوا ہے یاء کے اندر، اور ادغام سے کوئی چیز کی حقیقت نہیں بدل جاتی، تو وہ یاء ابھی بھی موجود ہے، تو نصب اور جر ان میں لفظی ہے بھائی۔

اور اس کے بعد صاحبِ جامی نے آپ کو بتلایا تھا کہ کبھی کبھار اعراب بالحرف تقدیری ہوتا ہے تینوں حالتوں میں، اور وہ کب؟ وہ جب اسمائے ستہ مکبرہ موحدہ مضافہ إِلىٰ غَيْرِ يَاءِ الْمُتَكَلِّمِ یہ جب مضاف ہو جائیں معرف باللام کی طرف۔ تینوں شرطیں پوری ہوں، مکبر ہوں یعنی ان کی تصغیر نہ ہو، موحد ہوں یعنی مفرد ہوں تثنیہ جمع نہ ہوں، اور یائے متکلم کے علاوہ کی طرف مضاف ہوں۔ تو تینوں شرطیں پوری ہیں تو ان شرطوں کے پورا ہوتے ہوئے وہ کس کی طرف مضاف ہو گئے؟ معرف باللام کی طرف۔ اب دیکھو معرف باللام کی طرف مضاف ہیں تو دیکھو اضافت تو پائی جا رہی ہے اور اضافت بھی غیرِ یائے متکلم کی طرف ہے، تو اس صورت میں واؤ، الف اور یاء اس کے اندر اعراب آئے گا لیکن پھر وہ واؤ، الف اور یاء اجتماعِ ساکنین کی وجہ سے گر جائیں گے، تو ان پر تلفظ نہیں ہو گا، جب ان پر تلفظ نہیں ہو گا تو اعراب تقدیری ہو جائے گا۔ جَاءَنِي أَبُو الْقَوْمِ، رَأَيْتُ أَبَا الْقَوْمِ، مَرَرْتُ بِأَبِي الْقَوْمِ۔ تو جَاءَنِي أَبُو الْقَوْمِ، میں واؤ پڑھ رہا ہوں یا واؤ اجتماعِ ساکنین سے گر چکا ہے؟ گر چکا ہے تو اعراب کیا ہوا؟ تقدیری۔ واؤ آیا تو، لیکن اجتماعِ ساکنین سے گر گیا۔ اور رَأَيْتُ أَبَا الْقَوْمِ، جی، أَبَا الْقَوْمِ پڑھ رہا ہوں یا أَبَ الْقَوْمِ؟ أَبَ الْقَوْمِ، دیکھو الف میں نہیں پڑھ رہا، الف اجتماعِ ساکنین کی وجہ سے گر چکا ہے، تو الف آیا تو لیکن گر گیا تو اعراب کیا ہوا؟ تقدیری۔ اور اسی طرح مَرَرْتُ بِأَبِي الْقَوْمِ، دیکھو یہاں یاء گر چکی ہے، اگر یاء برقرار ہوتی تو میں کیسے پڑھتا؟ أَبِيْ الْقَوْمِ، لیکن میں کیا پڑھ رہا ہوں؟ أَبِ الْقَوْمِ، تو یاء گر چکی ہے تو اعراب تقدیری ہوا بھائی۔

لیکن اس کو صاحبِ کافیہ نے شمار نہیں کیا، اس کو ذکر نہیں فرمایا، وجہ یہ کہ یہاں پر جو الف، واؤ اور یاء ہیں وہ آئے تو ہیں، شرطیں ساری پوری ہیں، آئے ہیں، لیکن اگلے کلمے کی وجہ سے یہ گرے ہیں کیونکہ آگے ساکن آ رہا تھا تو اجتماعِ ساکنین سے یہ گرے ہیں۔ جبکہ غُلَامِي اور مُسْلِمِيٌّ اس میں بھی دیکھو ساتھ یاء جڑی ہوئی ہے، جیسے أَبُو الْقَوْمِ میں کیا جڑا ہوا ہے ساتھ؟ مضاف الیہ، اور اس کی وجہ سے واؤ، الف اور یاء گر رہے ہیں، تو یہاں غُلَامِي اور مُسْلِمِيٌّ کے اندر بھی یاء ساتھ

جڑی ہے، مضاف الیہ آیا ہے، اور پھر اس کی وجہ سے یہ اعراب کی قسم بنی، لیکن ان کو باقاعدہ الگ شمار کیا بھائی، حالانکہ یہاں بھی دو کلمے ہیں۔ وجہ یہ کہ یہ جو ضمیرِ مجرور ہے یہ متصل ہے، یہ جزوِ کلمہ کی طرح ہے۔ کیوں جزوِ کلمہ کی طرح ہے؟ میں نے آپ کو بتلایا تھا کہ ضمیر تین قسم پر ہے، مرفوع، منصوب اور مجرور۔ یہ جو مرفوع ضمیر ہے یہ متصل بھی ہوتی ہے اور منفصل بھی۔ متصل ہوتی ہے کسی لفظ سے جڑی ہوئی آتی ہے، اور کبھی منفصل ہوتی ہے اکیلی کسی سے نہیں جڑتی۔ تو مرفوع منفصل بھی ہوتی ہے اور متصل بھی۔ اسی طرح منصوب جو ہے وہ بھی متصل بھی ہوتی ہے اور منفصل بھی۔ جبکہ مجرور صرف متصل ہوتی ہے وہ منفصل آتی ہی نہیں ہے۔ تو یہاں پر جو ضمیر ہے مضاف الیہ ہے غُلَامِي اور مُسْلِمِيَّ میں وہ مجرورِ متصل ہے، تو وہ اکیلی رہتی نہیں ہے، تو اس کو کس کی طرح شمار کیا؟ جزوِ کلمہ کی طرح شمار کیا کیونکہ مجرور منفصل تو ہوتی نہیں ہے، تو یہ جزوِ کلمہ کی طرح ہے، جب جزوِ کلمہ کی طرح ہے تو گویا ایک لفظ ہے، تو اس لیے ان کے اعراب کو ذکر کیا۔ بات سمجھ میں آگئی؟

اور اس کے بعد آخر میں آپ کو بتلایا کہ لفظی اعراب ان دونوں کے علاوہ میں ہو گا، یعنی جہاں اعراب متعذر ہو اور جہاں اعراب ثقیل ہو ان دو صورتوں کے علاوہ باقی تمام جگہ معرب کے اندر اعراب لفظی آئے گا۔ تو دیکھو لفظی میں کتنی زیادہ تفصیل تھی۔ لفظی میں بڑی تفصیل تھی بھائی، پیچھے بارہ قسمیں ذکر ہوئیں ان میں سب میں اعراب بالحرکات یا بالحروف تھا اور وہ اعرابِ لفظی تھا، اور یہ جو اعرابِ تقدیری ہے یہ صرف چار قسموں میں آیا۔ تو دیکھو لفظی میں تفصیل زیادہ تھی، بارہ قسموں میں تھا، اور تقدیری میں تفصیل کم تھی، وہ صرف چار قسموں میں تھا۔ تو اس لیے صاحبِ کافیہ نے تقدیری کو پہلے بیان کیا تاکہ تھوڑی تفصیل بیان کرنا پڑے کیونکہ تقدیری اعراب تھوڑے ہیں، اور باقیوں کے بارے میں کہہ دیا کہ ان کے علاوہ باقی سب میں کیا ہے؟ اعرابِ لفظی ہے۔ تو اب اعرابِ لفظی کی پوری تفصیل بیان کرنے کی حاجت نہ پڑی بھائی۔

اب آئیے آج کے سبق پر بھائی:

وَلَمَّا ذَكَرَ فِي تَفْصِيلِ الْمُعْرَبِ، یہ آگے آنے والے متن کی تمہید ہے بھائی، آگے صاحبِ کافیہ غیرِ منصرف کا بیان شروع فرما رہے ہیں۔ تو صاحبِ جامی آپ کو بتلا رہے ہیں کہ غیرِ منصرف کا بیان ماقبل میں گزر چکا ہے، جہاں اعراب کے اعتبار سے اسم کی قسمیں ذکر ہوئی تھیں وہاں پر صاحبِ کافیہ نے آپ کو غیرِ منصرف کے بارے میں بتلایا تھا کہ غیرِ منصرف کا اعراب حالتِ رفعی میں ضمہ کے ساتھ اور حالتِ نصبی جری میں فتحہ کے ساتھ آئے گا۔ وہاں غیرِ منصرف کا ذکر آگیا تھا، اب اس کی تفصیل بیان کرنے لگے ہیں۔

تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ اسم میں اصل تو ہے منصرف ہونا، صاحبِ کافیہ کو پہلے منصرف کا بیان کرنا چاہیے تھا کہ منصرف کسے کہتے ہیں اور اس کے بعد غیرِ منصرف کا بیان کرنا چاہیے تھا۔ تو صاحبِ جامی آپ کو بتلائیں گے کہ بھائی منصرف میں

تفصیل زیادہ تھی اور غیرِ منصرف میں تفصیل کم ہے، تو پہلے غیرِ منصرف کو بیان کر دیں گے اور اس کے علاوہ جو اسمِ معرب ہوں گے وہ منصرف ہوں گے، وہ خود بخود سمجھ میں آجائیں گے۔ غیرِ منصرف کی تعریف کر کے آپ کو بتلائیں گے کہ غیرِ منصرف وہ ہوتا ہے جس میں غیرِ انصراف کی دو علتیں پائی جائیں، یا کوئی ایک ایسی علت پائی جائے جو دو کے قائم مقام ہو، اس کو غیرِ منصرف کہتے ہیں۔ تو اس سے خود ہی منصرف بھی سمجھ میں آگیا کہ جو ایسا نہیں ہو گا تو ظاہر سی بات ہے وہ معرب منصرف ہو گا بھائی۔ تو اس لیے غیرِ منصرف کو بیان کریں گے اور منصرف کو بیان نہیں کریں گے جیسے پیچھے آیا تھا بھائی، اعرابِ لفظی اور تقدیری کے اندر اعرابِ لفظی اصل تھا اور تقدیری فرع تھا، لیکن لفظی کے اندر تفصیل زیادہ تھی اور تقدیری میں تفصیل کم تھی، تو صاحبِ کافیہ نے تقدیری اعراب کو پہلے بیان کیا اور لفظی کے بارے میں صرف اتنا کہہ دیا کہ اس کے علاوہ جو ہے یعنی یہ تقدیری کے علاوہ اعراب معرب میں ہمیشہ کیا ہو گا؟ لفظی ہو گا۔ لیکن غیرِ منصرف میں وہ یہ بھی نہیں کہیں گے کہ یہ غیرِ منصرف ہے اس کے علاوہ جو ہو گا وہ منصرف ہو گا، نہیں یہ بھی نہیں کہیں گے کیونکہ بات خود ہی سمجھ میں آجائے گی، کیونکہ معرب دو ہی قسم پر ہے یا وہ منصرف ہے یا غیرِ منصرف ہے، تو جب غیرِ منصرف سمجھ میں آگیا تو یہ بات بھی سمجھ میں آگئی کہ جو ایسا نہیں ہو گا وہ منصرف ہو گا۔ بات سمجھ میں آگئی؟

اب دیکھیے بھائی، کہتے ہیں: وَلَمَّا ذَكَرَ فِي تَفْصِيلِ الْمُعْرَبِ الْمُنْصَرِفَ وَغَيْرَ الْمُنْصَرِفِ، اور جب ذکر کر دیا صاحبِ کافیہ نے معرب کی تفصیل میں، کیا ذکر کیا؟ الْمُنْصَرِفَ وَغَيْرَ الْمُنْصَرِفِ، منصرف اور غیرِ منصرف کو پیچھے جہاں اعراب کے اعتبار سے اسم کی قسمیں آئی تھیں۔ تو جب معرب کی تفصیل میں صاحبِ کافیہ نے منصرف اور غیرِ منصرف کو ذکر کر دیا، وَكَانَ غَيْرُ الْمُنْصَرِفِ أَقَلَّ مِنَ الْمُنْصَرِفِ، اور غیرِ منصرف جو ہے وہ منصرف کے مقابلے میں قلیل ہے، وَبِمَعْرِفَتِهِ يُعْرَفُ الْمُنْصَرِفُ، اور غیرِ منصرف کو جاننے سے منصرف کو بھی جان لیا جائے گا، عَلَى قِيَاسِ الْإِعْرَابِ التَّقْدِيرِيِّ وَاللَّفْظِيِّ، اعرابِ تقدیری اور لفظی کے قیاس پر، ان کے طریقے پر۔ جیسے وہاں کیا تھا؟ تقدیری کو بیان کر دیا تو لفظی کے بارے میں صرف اتنا کہہ دیا اس کے علاوہ وہ اعراب لفظی ہے۔ تو وہاں جیسے اقل کو ذکر کر کے اکثر کو پہچان لیا گیا، یہاں پر بھی غیرِ منصرف اقل ہے تو اس کو ذکر کر دیں گے تو جو اکثر ہے یعنی منصرف اس کو بھی جان لیا جائے گا۔ یہ معنی ہے وَبِمَعْرِفَتِهِ يُعْرَفُ الْمُنْصَرِفُ اور غیرِ منصرف کی معرفت سے منصرف کو بھی جان لیا جائے گا عَلَى قِيَاسِ الْإِعْرَابِ التَّقْدِيرِيِّ وَاللَّفْظِيِّ اعرابِ تقدیری اور لفظی کے قیاس پر، انہی کے قیاس پر انہی کے طریقے پر بھائی۔

عَرَّفَ غَيْرَ الْمُنْصَرِفِ یہ جزا آگئی بھائی، پیچھے آیا تھا لَمَّا، لَمَّا شرط کے لیے آتا ہے اور یہ اس کی جزا ہے۔ عَرَّفَ غَيْرَ الْمُنْصَرِفِ تو تعریف کی مصنف نے غیرِ منصرف کی، تو تعریف کی مصنف نے غیرِ منصرف کی۔ دیکھو شرط جزا کس طرح بنتے ہیں، ترجمہ صرف دیکھو ترجمہ: جب مصنف نے معرب کی تعریف میں منصرف اور غیرِ منصرف کو ذکر کر دیا، اور غیرِ منصرف جو ہے منصرف کے مقابلے میں کم ہے، اور غیرِ منصرف کو جاننے سے منصرف کو جان لیا جائے گا، تو عَرَّفَ غَيْرَ

الْمُنْصَرِفِ تو پھر مصنف نے غیرِ منصرف کی تعریف کی کہ غیرِ منصرف کو جاننے سے منصرف کو بھی جان لیا جائے گا بھائی۔

وَاكْتَفَى بِتَعْرِيفِهِ اور اس غیرِ منصرف کی تعریف پر ہی اکتفا کیا، یعنی منصرف کی تعریف سرے سے ذکر ہی نہیں کی صاحبِ کافیہ نے، کیونکہ منصرف کو بھی جان لیا جائے گا۔ جب غیرِ منصرف کو پہچان لیا کہ غیرِ منصرف وہ ہے جس میں دو علتیں ہوں یا کوئی ایک علت ہو جو قائم مقام دو کے ہو، تو منصرف کو بھی اس سے جان لیا گیا، جو ایسا نہیں ہو گا یقیناً وہ کیا ہے؟ منصرف۔ تو اس کو جب جان لیا گیا تو صرف غیرِ منصرف پر اکتفا کر لیا کہ اسی سے منصرف بھی سمجھ میں آجائے گا، کیونکہ وَبِضِدِّهَا تَتَبَيَّنُ الْأَشْيَاءُ بھائی، چیزوں کا پتہ ان کی ضد سے چلتا ہے۔ آپ کو گرمی کا پتہ چل جائے تو سردی خود بخود آپ کو سمجھ میں آجائے گی، آپ کو دن کا پتہ چل جائے تو رات خود بخود آپ کو سمجھ میں آجائے گی۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو چیزوں کا پتہ ان کی اضداد سے ان کی ضدوں سے چلتا ہے، تو جب غیرِ منصرف سمجھ میں آجائے گا تو منصرف بھی سمجھ میں آجائے گا۔ یہ معنی ہے وَاكْتَفَى بِتَعْرِيفِهِ اور صاحبِ کافیہ نے صرف غیرِ منصرف کی تعریف پر اکتفا کیا۔

فَقَالَ تو فرمایا: غَيْرُ الْمُنْصَرِفِ، جی اب صرف ذرا متن متن دیکھیے: غَيْرُ الْمُنْصَرِفِ مَا فِيهِ عِلَّتَانِ مِنْ تِسْعٍ أَوْ وَاحِدَةٌ مِنْهَا تَقُومُ مَقَامَهُمَا۔ غیرِ منصرف مَا، مَا سے مراد ہے اسمِ معرب، غیرِ منصرف وہ اسمِ معرب ہے فِيهِ عِلَّتَانِ، غیرِ منصرف وہ معرب ہے فِيهِ عِلَّتَانِ جس کے اندر دو علتیں ہوں مِنْ تِسْعٍ نو علتوں میں سے۔ بھائی یاد رکھو یہ غیرِ انصراف کی نو علتیں ہیں، جن کا آگے ذکر آرہا ہے دو چار سطروں کے بعد۔ نو اسباب ہیں غیرِ انصراف کے، ان نو اسباب میں سے جب دو اسباب کسی اسم کے اندر آجائیں گے یا کوئی ایک آجائے گا جو دو کے قائم مقام ہو تو وہ اسم کیا کہلائے گا؟ غیرِ منصرف کہلائے گا بھائی۔ تو کہتے ہیں غَيْرُ الْمُنْصَرِفِ مَا فِيهِ عِلَّتَانِ غیرِ منصرف وہ معرب ہے جس کے اندر دو علتیں ہوں مِنْ تِسْعٍ نو علتوں میں سے أَوْ وَاحِدَةٌ مِنْهَا یا ان نو میں سے کوئی ایک ایسی علت ہو تَقُومُ مَقَامَهُمَا جو ان دو کے قائم مقام ہو۔ تو یاد رکھو یہ جو تَقُومُ مَقَامَهُمَا ہے یہ صفت ہے وَاحِدَةٌ مِنْهَا کے لیے، ان میں سے کوئی ایک ایسی علت تَقُومُ مَقَامَهُمَا جو دو علتوں کے قائم مقام ہو۔ تو یہ تَقُومُ مَقَامَهُمَا یہ نکرہ کے بعد تَقُومُ مَقَامَهُمَا جملہ آیا اور یہ اس کے لیے صفت بنے گا، اور موصوف صفت کا ترجمہ کیسے کرتے ہیں؟ موصوف سے پہلے ایسا یا ایسی کا لفظ لے آتے ہیں۔ تو غیرِ منصرف وہ معرب ہے جس میں نو علتوں میں سے دو علتیں ہوں یا کوئی ایک ایسی علت ہو تَقُومُ مَقَامَهُمَا جو ان دو علتوں کے قائم مقام ہو بھائی۔ یہ ہے غیرِ منصرف۔ بات سمجھ میں آگئی؟

اب دیکھیے شرح کے ساتھ بھائی: غَيْرُ الْمُنْصَرِفِ مَا أَيِ اسْمٌ مُعْرَبٌ۔ جی مَا کی تفسیر کی صاحبِ جامی نے أَيِ اسْمٌ مُعْرَبٌ کہ مَا سے مراد ہے اسمِ معرب۔ یہ مَا کا مصداق بیان کر رہے ہیں اور اسْمٌ مُعْرَبٌ نکرہ نکالا، بتلانا یہ چاہتے ہیں کہ یہ مَا موصوفہ ہے موصولہ نہیں، کیونکہ مَا موصولہ تو معرفہ ہوتا ہے جو بمعنی الَّذِي کے ہوتا ہے، اگر یہ مَا موصولہ لیں گے تو پھر آگے معرفہ کے ساتھ اس کی تفسیر کرنی پڑے گی أَيِ الِاسْمُ الْمُعْرَبُ، أَيِ الِاسْمُ الْمُعْرَبُ۔ تو مَا کو موصوفہ بنایا کیونکہ مَا خبر ہے، غَيْرُ الْمُنْصَرِفِ یہ

ہے مبتدا اور مَا فِيهِ عِلَّتَانِ یہ ہے اس کی خبر، اور خبر میں اصل یہ ہے کہ وہ نکرہ ہونی چاہیے تو اس لیے مَا کو موصوفہ بنایا۔ تو غَيْرُ الْمُنْصَرِفِ مَا غیرِ منصرف وہ اسمِ معرب ہے فِيهِ عِلَّتَانِ جس میں دو علتیں ہوں۔

آگے شارحِ جامی فرماتے ہیں: تُؤَثِّرَانِ بِاجْتِمَاعِهِمَا وَاسْتِجْمَاعِ شَرَائِطِهِمَا فِيهِ أَثَرًا سَيَجِيءُ ذِكْرُهُ۔ عِلَّتَانِ کے بعد تُؤَثِّرَانِ نکالا بھائی کہ وہ دو علتیں ایسی ہوں جو مؤثر بھی ہوں، جو مؤثر بھی ہوں بھائی، مؤثر بھی ہوں۔ مثلاً دیکھیے آپ کو بتلائیں گے کہ یہ اسبابِ منعِ صرف کی نو علتیں ہیں بھائی، اور ان میں سے بعض علتیں دو کے قائم مقام ہیں اور بعض جو ہیں وہ دو اکٹھی ہو جائیں گی، جمع ہو جائیں گی تو وہ لفظ کو غیرِ منصرف بنا دیں گی، لیکن اس میں ضروری ہے کہ ان دو علتوں کی شرطیں بھی پوری ہوں بھائی، ان دو علتوں کی اگر شرطیں پوری نہیں ہوں گی تو پھر وہ اثر نہیں ڈالیں گی بھائی، پھر وہ اس لفظ کو غیرِ منصرف نہیں بنائیں گی۔ جیسے قَائِمَةٌ، اب قَائِمَةٌ دیکھو یہ صفت بھی ہے، معلوم ہوا کوئی مؤنث ذات ہے جو قیام سے موصوف ہو رہی ہے، تو قَائِمَةٌ یہ صفت بھی ہے اور اس کے آخر میں تانیث کی علامت تاء بھی جڑی ہوئی ہے، تو یہ وصف بھی ہے اور مؤنث بھی ہے، تانیث بھی اس کے اندر ہے، دو سبب آ گئے لیکن پھر بھی یہ غیرِ منصرف نہیں ہے بلکہ منصرف ہے، آپ اس پر تنوین پڑھتے ہیں بھائی۔ اسی طرح مَرَرْتُ بِنِسْوَةٍ أَرْبَعٍ، میں چار عورتوں کے پاس سے گزرا، نِسْوَةٍ موصوف ہے اور أَرْبَعٍ اس کی صفت۔ اب یہ أَرْبَعٍ یہ اس کے اندر وزنِ فعل بھی ہے، أَرْبَعْ بر وزن أَكْرَمْ، دیکھو آخر کو نہ دیکھیں باقی سارا وزن وہی ہے فعل والا، أَكْرَمَ کی طرح ہے أَرْبَعَ بھائی، تو أَرْبَعَ بر وزن أَكْرَمْ، تو یہ وزنِ فعل بھی ہے أَرْبَعَة میں اور نیز اس میں وصفیت بھی ہے، بِنِسْوَةٍ أَرْبَعٍ، نِسْوَةٍ ہے موصوف اور أَرْبَعٍ ہے اس کی صفت، تو دو سبب آ گئے لیکن اس کے باوجود آپ دیکھ رہے ہیں اس پر کسرہ بھی آ رہا ہے اور تنوین بھی بھائی، مَرَرْتُ بِنِسْوَةٍ أَرْبَعٍ بھائی۔ یہ غیرِ منصرف نہیں حالانکہ دو سبب آ گئے، کون کون سے دو سبب؟ وزنِ فعل بھی اور وصف بھی۔ تو دو علتیں آ گئیں لیکن اس کے باوجود یہ لفظ جو ہے منصرف ہے۔ وجہ اس کی یہ کہ شرطیں یہاں پوری نہیں ہیں بھائی۔ وصف کے اندر شرط یہ ہے کہ وہ اصلِ وضع کے اعتبار سے وصف ہونا چاہیے، یعنی عربوں نے جب اس لفظ کو وضع کیا تھا تو وصف کے طور پر وضع کیا ہو، اور أَرْبَعٍ اس کو تو وصف کے طور پر وضع نہیں کیا گیا، یہ تو ایک عدد کا نام ہے، یعنی چار کا جو عدد ہے اس کو أَرْبَعَة کہتے ہیں عربی زبان میں، یعنی وہ عدد جو تین سے بڑا ہے اور پانچ سے چھوٹا ہے۔ تو اس عدد کے لیے أَرْبَعَة کا لفظ وضع کیا گیا ہے، تو یہاں پر مَرَرْتُ بِنِسْوَةٍ أَرْبَعٍ یہاں تو أَرْبَعَة کیا واقع ہو رہا ہے؟ صفت، لیکن اصلِ وضع میں یہ صفت نہیں، اصل میں اس کو صفت کے لیے وضع نہیں کیا گیا تھا بعد میں وصف کے طور پر استعمال کیا گیا۔ تو آپ کو بتلائیں گے متن میں کیا آیا؟ مَا فِيهِ عِلَّتَانِ وہ معرب جس کے اندر دو علتیں ہوں۔ صاحبِ جامی آپ کو بتلائیں گے وہ دو علتیں ایسی ہوں کہ مؤثر بھی ہوں، جمع ہونے کے ساتھ ساتھ ان کی شرطیں بھی ان میں پوری ہوں بھائی۔

تو کہتے ہیں فِيهِ عِلَّتَانِ تُؤَثِّرَانِ، دیکھو عِلَّتَانِ نکرہ آیا اور اس کے بعد تُؤَثِّرَانِ فعل آیا، اور نکرہ کے بعد فعل آئے تو وہ عموماً

اس کے لیے کیا بنتا ہے؟ صفت، تو دیکھو جب ہم ترجمہ کریں گے تو اس عِلَّتَانِ سے پہلے ایسا یا ایسی کا لفظ لائیں گے، تو تُؤَثِّرَانِ وہ دو علتیں اس کے اندر مؤثر ہوں بِاجْتِمَاعِهِمَا اپنے اکٹھے ہونے کی وجہ سے، الگ الگ مؤثر نہیں ہیں بلکہ اکٹھے ہونے کی وجہ سے، مثلاً زَيْدٌ، زَيْدٌ کے اندر علمیت ہے لیکن اکیلی علمیت مؤثر ہے؟ جی، اکیلی علمیت مؤثر نہیں۔ ضَارِبٌ، ضَارِبٌ کے اندر وصفیت ہے لیکن اکیلی وصفیت مؤثر نہیں، بلکہ دو ہوں گے اور تو دو علتیں ہوں گی اور ان کی ساری شرطیں بھی پوری ہوں گی تو پھر یہ مؤثر بنیں گی۔ بات سمجھ میں آ رہی ہے؟ تُؤَثِّرَانِ بِاجْتِمَاعِهِمَا کہ وہ دو علتیں مؤثر ہوں اپنے جمع ہونے، اپنے اکٹھے ہونے کی وجہ سے، وَاسْتِجْمَاعِ شَرَائِطِهِمَا، اسْتِجْمَاع کا معنیٰ یہاں کریں مکمل ہونا، پورا ہونا، وَاسْتِجْمَاعِ شَرَائِطِهِمَا اور اپنی شرطوں کے مکمل ہونے کی وجہ سے۔ وہ دو علتیں مؤثر ہوں اپنے اکٹھے ہونے کی وجہ سے اور اپنی شرطوں کے پورا ہونے کی وجہ سے، مکمل ہونے کی وجہ سے یہ مؤثر ہوں، فِيهِ اس اسمِ معرب میں، ہا ضمیر کس کو راجع؟ اسمِ معرب جو پیچھے مَا آیا تھا اس کی طرف۔ بات سمجھ میں آ گئی؟ تو وہ مؤثر بھی ہوں فِيهِ اس کے اندر، أَثَرًا اور مؤثر ہوں کس طرح؟ ایسا اثر ڈالیں سَيَجِيءُ ذِكْرُهُ کہ جس کا ذکر عنقریب آ جائے گا۔ أَثَرًا ہے موصوف نکرہ ہے اور آگے سَيَجِيءُ ذِكْرُهُ فعل آیا تو یہ اس کے لیے کیا بنے گا؟ صفت بنے گا کہ یہ دو شرطیں اپنے اکٹھے ہونے اور اپنی شرائط کے پورا ہونے کی وجہ سے مؤثر ہوں یعنی اثر ڈالیں، أَثَرًا سَيَجِيءُ ذِكْرُهُ ایسا اثر جس کا ذکر عنقریب آ جائے گا۔ یہ مؤثر ہوں اور اس طرح کا اثر ڈالیں جس کا ذکر عنقریب آ جائے گا۔ آگے چل کر آپ کو بتلائیں گے کہ غیرِ منصرف کا حکم یہ ہے، نہ اس پر کسرہ آ سکتا ہے اور نہ تنوین آ سکتی ہے۔ تو دیکھو یہ جب دو علتیں جمع ہو گئیں، انہوں نے ایسا اثر ڈالا کہ غیرِ منصرف پر کسرہ بھی اب نہیں آ سکتا اور تنوین بھی نہیں آ سکتی۔ تو أَثَرًا سَيَجِيءُ ذِكْرُهُ اس سے مراد جو آگے وہ غیرِ منصرف کا حکم بیان کریں گے کہ اس پر کیا اثر مرتب ہوتا ہے ان دو علتوں کی وجہ سے، نہ اس پر کسرہ آ سکتا ہے اور نہ تنوین آ سکتی ہے۔ بات سمجھ میں آ گئی؟

آگے ذرا دیکھیے: مِنْ عِلَلِ تِسْعٍ، متن میں تھا مِنْ تِسْعٍ، صاحبِ جامی نے تِسْعٍ سے پہلے عِلَلِ کا لفظ نکال کر بتلا دیا کہ یہ تِسْعٍ صفت واقع ہے اور اس کا موصوف عِلَلٍ محذوف ہے، کہ غیرِ منصرف وہ معرب ہے جس میں دو علتیں ہوں مِنْ عِلَلِ تِسْعٍ نو علتوں میں سے، جس کے اندر نو علتوں میں سے دو علتیں پائی جائیں۔ اب ترجمہ سنیے: غَيْرُ الْمُنْصَرِفِ مَا أَيِ اسْمٌ مُعْرَبٌ فِيهِ عِلَّتَانِ تُؤَثِّرَانِ بِاجْتِمَاعِهِمَا وَاسْتِجْمَاعِ شَرَائِطِهِمَا فِيهِ أَثَرًا سَيَجِيءُ ذِكْرُهُ مِنْ عِلَلِ تِسْعٍ۔ غیرِ منصرف وہ اسمِ معرب ہے کہ جس کے اندر نو علتوں میں سے کوئی دو ایسی علتیں ہوں جو اپنے جمع ہونے اور اپنے شرائط کے پورا ہونے کی وجہ سے ایسا اثر ڈالیں جس کا عنقریب ذکر آ جائے گا۔ ترجمہ سمجھ میں آ گیا؟ تو عِلَّتَانِ موصوف ہے اور تُؤَثِّرَانِ صفت ہے بھائی۔

أَوْ عِلَّةٌ وَاحِدَةٌ مِنْهَا، متن میں آیا تھا أَوْ وَاحِدَةٌ مِنْهَا، صاحبِ جامی نے وَاحِدَةٌ سے پہلے عِلَّةٌ کا لفظ نکال کر بتلا دیا کہ یہ وَاحِدَةٌ صفت ہے اور اس کا موصوف عِلَّةٌ محذوف ہے۔ یا اس میں کوئی ایک ایسی علت ہو، مِنْهَا أَيْ مِنْ تِلْكَ التِّسْعِ، دیکھا یہ ضمیر کا مرجع بتلا دیا، ایک علت ہو ان میں سے کن میں سے؟ ان نو علتوں میں سے، تو یہ ہَا ضمیر وہ نو کو راجع ہے بھائی، تو ان نو میں

سے کوئی ایک علت ہو۔ تَقُومُ کہ قائم مقام ہو، یہ والی جو ایک علت ہے یہ قائم مقام ہو، تو تَقُومُ کے اندر ضمیر ہے جو کس کو راجع ہے؟ پیچھے جو علتِ واحدہ کا ذکر آیا تھا، تو یہ اس کے لیے صفت بنے گا، ایک ایسی علت تَقُومُ مَقَامَهُمَا جو دو علتوں کے قائم مقام ہو۔ تو تَقُومُ هٰذِهِ الْعِلَّةُ الْوَاحِدَةُ یہ ضمیر کا مرجع بتلا رہے ہیں کہ تَقُومُ کے اندر جو هِيَ ضمیر ہے کس کو راجع ہے؟ پیچھے وہ جو علتِ واحدہ کا ذکر آیا تھا، وہ علتِ واحدہ جو ہے قائم مقام ہو دو علتوں کے بھائی۔ تو تَقُومُ هٰذِهِ الْعِلَّةُ الْوَاحِدَةُ قائم ہو جائے یہ ایک علت مَقَامَهُمَا ان دو علتوں کے مقام پر۔ مَقَامَهُمَا میں هُمَا ضمیر ہے یہ ضمیر کس کو راجع ہے؟ صاحبِ جامی بتلا رہے ہیں: أَيْ مَقَامَ هَاتَيْنِ الْعِلَّتَيْنِ ان دو علتوں کے قائم مقام ہو جائے، یہ کیا ہو جائے؟ پیچھے ذکر آیا تھا مَا فِيهِ عِلَّتَانِ یہ جو دو علتیں ذکر ہوئی تھیں یہ هُمَا ضمیر ان کو راجع ہے، مَقَامَهُمَا أَيْ مَقَامَ هَاتَيْنِ الْعِلَّتَيْنِ ان دو علتوں کے قائم مقام ہو جائے بھائی۔

بھائی یہ والی ایک علت ان دو علتوں کے قائم مقام ہو جائے، کیا مطلب ہے بھائی ایک علت دو علتوں کے قائم مقام ہو جائے؟ تو آپ کو بتلا رہے ہیں بِأَنْ تُؤَثِّرَ وَحْدَهَا تَأْثِيرَهُمَا، کہ یعنی اس ایک علت کا دو علتوں کے قائم مقام ہونے کا معنیٰ یہ ہے کہ جیسے وہ دو علتیں مؤثر تھیں، اسی طرح یہ ایک علت بھی انہی کی طرح مؤثر ہو، انہی جیسا اثر ڈالے، اور جیسے ان دو کی وجہ سے ایک معرب جو ہے وہ غیرِ منصرف بنتا تھا تو اس ایک کی وجہ سے یہ بھی اسی جیسا اثر ڈالے گی اور اس ایک کی وجہ سے بھی وہ معرب غیرِ منصرف ہو جائے گا۔ تو بِأَنْ تُؤَثِّرَ وَحْدَهَا تَأْثِيرَهُمَا یہ باء تصویریہ ہے، صورت بتلا رہے ہیں کہ یہ ایک علت دو کے قائم مقام کیسے ہو گی؟ اس کی صورت کیا ہے؟ کہتے ہیں بِأَنْ تُؤَثِّرَ وَحْدَهَا بایں صورت کہ یہ اکیلی اثر ڈالے تَأْثِيرَهُمَا ان دو جیسی تاثیر، ان دو جیسا اثر ڈالے۔

تو یہاں تک غیرِ منصرف کی تعریف مکمل ہوئی۔ غیرِ منصرف کسے کہتے ہیں؟ وہ معرب جس کے اندر کوئی دو علتیں ہوں نو علتوں میں سے، یا کوئی ایک ایسی علت ہو جو ان دو کے قائم مقام ہو، یعنی انہی کی طرح مؤثر ہو بھائی۔

تو یہاں جو انہوں نے مَا کی تفسیر کی أَيِ اسْمٌ مُعْرَبٌ، مَا کی تفسیر کس کے ساتھ کی؟ اسمِ معرب کے ساتھ کی، لہٰذا اب آپ کوئی مبنی لے آئیں اور اشکال کرنا چاہیں کہ دیکھو یہ فلاں مبنی ہے اس کے اندر دو علتیں پائی جا رہی ہیں، یہ کیا ہے؟ مبنی ہے لیکن اس میں دو علتیں پائی جا رہی ہیں اور آپ کی تعریف کے مطابق جس میں دو علتیں پائی جائیں اس کو کیا ہونا چاہیے؟ غیرِ منصرف، لیکن اس کو علمائے نحو غیرِ منصرف نہیں کہتے وہ تو اس کو مبنی کہتے ہیں، وہ تو اس کو مبنی کہتے ہیں، تو آپ کی تعریف جامع نہیں۔ تو جواب گزر گیا مَا أَيِ اسْمٌ مُعْرَبٌ، مَا سے کیا مراد ہے؟ اسمِ معرب مراد ہے، ہم مبنی کی بات ہی نہیں کر رہے لہٰذا مبنی کو لے کر آپ اعتراض بھی نہیں کر سکتے۔ بات سمجھ میں آ گئی؟ تو اس لیے مَا کا مصداق ذکر کر دیا کہ مَا سے مراد ہر چیز دنیا کی نہیں ہے بلکہ اسمِ معرب ہے لہٰذا اب آپ مبنی وغیرہ کو لے کر اشکال نہیں کر سکتے۔

آگے دیکھیے: وَهِيَ أَيِ الْعِلَلُ التِّسْعُ مَجْمُوعُ مَا فِي هٰذَيْنِ الْبَيْتَيْنِ۔ جی یہ هِيَ ضمیر راجع ہے عِلَلِ تِسْعَ کو، اور وہ نو علتیں

وہ یہ ہیں، آگے شعر میں وہ نو علتیں بیان کریں گے بھائی۔ تو هِيَ ضمیر کس کو راجع؟ عِلَلِ تِسْعَ، پیچھے جو نو علتوں کا ذکر آیا تھا، اور وہ نو علتیں ہیں تو وہ جمع ہے اور جمع بتاویلِ جَمَاعَةٌ واحد مؤنث کے حکم میں، اس لیے اس کی طرف هِيَ ضمیر راجع کر دی کہ وہ نو علتیں یہ والی ہیں بھائی۔

دیکھو آگے نو علتیں آ رہی ہیں ذرا شعر کو دیکھو بھائی:

▪ متنِ کتاب و تحقیقِ مسائلِ نحویہ

عَدْلٌ وَوَصْفٌ وَتَأْنِيثٌ وَمَعْرِفَةٌ

وَعُجْمَةٌ ثُمَّ جَمْعٌ ثُمَّ تَرْكِيبُ

وَالنُّونُ زَائِدَةً مِنْ قَبْلِهَا أَلِفٌ

وَوَزْنُ فِعْلٍ وَهٰذَا الْقَوْلُ تَقْرِيبُ

یہ دو شعر ہیں بھائی دو شعر، اور اس میں وہ نو علتیں ذکر کی گئی ہیں بھائی۔

اب یہ هِيَ ہے بتدا، وہ نو علتیں کون سی ہیں؟ آگے شعر کے ذکر کر دیا کہ وہ عدل، وصف، تانیث، معرفہ وغیرہ ہیں۔ توجہ ہے؟ تو اس پر اشکال ہوتا ہے کہ هِيَ ضمیر یہ ہے بتدا، اور آگے عَدْلٌ وَوَصْفٌ وَتَأْنِيثٌ وغیرہ یہ کیا ہیں اس کی خبر، تو بتدا تو ہے جمع کیونکہ هِيَ کس کو راجع؟ عِلَلِ تِسْعَ کو اور عِلَلِ تِسْعَ نو ہیں تو یہ جمع ہے، اور آگے خبر جو آ رہی ہے عَدْلٌ وَوَصْفٌ وَتَأْنِيثٌ اب ایک ایک کا حمل کرو ذرا بتدا پر: وہ عِلَلِ تِسْعَ عدل ہیں؟ یہ تو بات نہیں بنتی۔ وہ نو علتیں عدل ہیں؟ صرف عدل وہ نو علتیں ہیں یا اور بھی ہیں ساتھ؟ تو عدل کا گویا حمل ہو رہا ہے بتدا پر یعنی هِيَ پر کہ وہ نو علتیں عدل ہیں، یہ درست نہیں۔ اسی طرح اب اگلا ہے وصف، وہ نو علتیں وصف ہیں، یہ بھی مفرد کا عطف جمع پر صحیح نہیں ہے بھائی، بتدا کیا ہے؟ جمع، اور خبر کیا ہے؟ مفرد۔ پھر تیسرے کو لے آئیں اور وہ نو علتیں تانیث ہیں، یہ بھی درست نہیں ہے بھائی، وہ تانیث تو اکیلی نو علتیں نہیں ہیں۔ اشکال سمجھ میں آ رہا ہے؟ تو یہاں اشکال ہوتا ہے کہ بھائی یہاں تو حمل صحیح نہیں بنتا، آگے عَدْلٌ وَوَصْفٌ وَتَأْنِيثٌ الگ الگ ذکر ہو رہے ہیں اور ان میں سے ہر ایک کا حمل کس پر ہے؟ بتدا پر، اور یہ حمل صحیح نہیں بنتا کیونکہ بتدا ہے جمع اور خبر کیا بن جائے گی؟ مفرد، اور مفرد کا حمل جمع پر نہیں ہو سکتا، وہ نو علتیں عدل ہیں یہ نہیں ہو سکتا یہ کلام صحیح نہیں۔

تو صاحبِ جامی آپ کو بتلائیں گے کہ بھائی یہاں پر عطف مقدم ہے حمل پر، یہاں پر عطف مقدم ہے حمل پر، یہ بات میں پہلے بیان کر چکا ہوں، کہاں پر؟ الْكَلِمَةُ هِيَ اسْمٌ وَفِعْلٌ وَحَرْفٌ۔ تو یہاں اشکال ہوتا تھا کہ هِيَ ضمیر کس کو راجع؟ کلمہ کو،

اور اسْمٌ وَفِعْلٌ وَحَرْفٌ ان کے درمیان واؤ آیا اور واؤ کس لیے آتا ہے؟ جمع کے لیے، معلوم ہوا یہ تینوں جمع ہوں گے ایک لفظ کے اندر تو اس کو کلمہ کہیں گے بھائی، حالانکہ ایسا تو کوئی لفظ ہے ہی نہیں کہ وہ اسم، فعل اور حرف تینوں اس میں جمع ہو جائیں اکٹھے ہو جائیں۔ تو جواب گزر گیا تھا کہ یہاں پر حمل مقدم ہے عطف پر، پہلے عطف نہ کرو بلکہ ایک ایک کا الگ الگ حمل کرتے جاؤ بھائی، تو حمل مقدم ہے عطف پر، تو اب کیا بن گیا؟ کلمہ اسم ہے، دیکھو اب بات ٹھیک بن گئی، کلمہ فعل ہے، اب بات ٹھیک بن گئی، اور کلمہ حرف ہے، اب بات ٹھیک بن گئی۔ تو وہاں دیکھو حمل مقدم تھا عطف پر بھائی، اور یہاں پر، یہاں پر عطف مقدم ہے حمل پر کہ پہلے ساروں کا ایک دوسرے پر عطف کرو، نو علتیں ذکر ہیں اور ان کے درمیان حروفِ عطف ہیں تو ان ساروں کا ایک دوسرے پر عطف کرو، اب یہ نو امور بن گئے، یہ خبر بن گئی هِيَ کی۔ هِيَ وہ عِلَلِ تِسْعَ یہ نو چیزیں ہیں، اب بات ٹھیک بن گئی۔ هِيَ جو ہے وہ بھی جمع ہے اور آگے جو خبر ہے وہ بھی عطف کے بعد کیا بن گئی؟ جمع بن گئی۔

دیکھیے بھائی کتاب پر: کہتے ہیں وَهِيَ أَيِ الْعِلَلُ التِّسْعُ، دیکھو ضمیر کا مرجع بتلا دیا کہ هِيَ ضمیر عِلَلِ تِسْعَ کو راجع ہے، تو کہتے ہیں وَهِيَ أَيِ الْعِلَلُ التِّسْعُ مَجْمُوعُ مَا فِي هٰذَيْنِ الْبَيْتَيْنِ وہ مجموعہ ہے اس کا جو ان دو شعروں میں ہے۔ عِلَلِ تِسْعَ کیا ہیں؟ وہ مجموعہ ہے ان چیزوں کا جو ان دو شعروں میں آئیں یعنی جو ان کا مجموعہ بناؤ عطف کرو ایک دوسرے پر پھر اس کے بعد اس سارے مجموعے کو خبر بنا دو۔ تو کہتے ہیں وَهِيَ أَيِ الْعِلَلُ التِّسْعُ اور وہ تسع علتیں جو ہیں مَجْمُوعُ مَا فِي هٰذَيْنِ الْبَيْتَيْنِ وہ مجموعہ ہے ان چیزوں کا جو ان دو شعروں میں ہیں مِنَ الْأُمُورِ التِّسْعَةِ یعنی کہ نو امور، وہ نو امور جو ہیں ان کا مجموعہ اس کے لیے خبر بنے گا، یعنی عطف مقدم ہے حمل پر یہ بتلانا چاہتے ہیں۔

لَا كُلُّ وَاحِدٍ نہ کہ ہر ایک، یعنی ہر ایک عِلَلِ تِسْعَ نہیں ہے بلکہ نو کا مجموعہ عِلَلِ تِسْعَ ہیں بھائی۔ یہ لَا كُلُّ وَاحِدٍ اس کا عطف ہے مَجْمُوعُ مَا پر، کس پر؟ مَجْمُوعُ، کہ عِلَلِ تِسْعَ وہ مجموعہ ہے ان چیزوں کا لَا كُلُّ وَاحِدٍ ہر ایک نہیں، وہ ہر ایک عِلَلِ تِسْعَ نہیں ہے حَتّٰى يُقَالَ یہاں تک کہ یہ اعتراض کیا جائے۔ ادھر دیکھیے، وہی اعتراض ذکر کریں گے، کہتے ہیں کہ عِلَلِ تِسْعَ ان نو چیزوں کا مجموعہ ہے ان میں سے ہر ایک عِلَلِ تِسْعَ نہیں ہے کہ یہاں تک کہ آپ پھر اعتراض کریں کہ یہ تو ہر ایک کا حمل عِلَلِ تِسْعَ پر نہیں ہو سکتا، ایک ایک کا حمل عِلَلِ تِسْعَ پر نہیں ہو سکتا، یہ اعتراض آپ نہیں کر سکتے کیونکہ ان میں سے ہر ایک عِلَلِ تِسْعَ نہیں ہے بلکہ ان کا مجموعہ عِلَلِ تِسْعَ ہے۔ تو کہتے ہیں لَا كُلُّ وَاحِدٍ ان میں سے ہر ایک جو ہے وہ عِلَلِ تِسْعَ نہیں ہے حَتّٰى يُقَالَ یہاں تک کہ یہ اعتراض کیا جائے لَا يَصِحُّ الْحُكْمُ عَلَى الْعِلَلِ التِّسْعِ بِكُلِّ وَاحِدٍ مِنْ هٰذِهِ الْأُمُورِ کہ حکم لگانا صحیح نہیں ہے عِلَلِ تِسْعَ پر ان امور میں سے ہر ایک کا، ان امور میں سے ہر ایک کا علیحدہ علیحدہ حکم لگانا عِلَلِ تِسْعَ پر صحیح نہیں۔ کہتے ہیں یہ اعتراض آپ تب کرتے اگر ہر ایک کو ہم نے خبر بنایا ہوتا، ہر ایک خبر نہیں ہے مجموعہ جو ہے وہ خبر ہے۔

وَذٰلِكَ الْمَجْمُوعُ اور وہ مجموعہ یہ ہے بھائی: شِعْرٌ: عَدْلٌ وَوَصْفٌ وَتَأْنِيثٌ وَمَعْرِفَةٌ — وَعُجْمَةٌ ثُمَّ جَمْعٌ ثُمَّ تَرْكِيبُ۔ عدل

ہے اور وصف ہے اور تانیث ہے اور معرفہ ہے وَعُجْمَةٌ اور عجمہ ہے ثُمَّ جَمْعٌ اور جمع ہے ثُمَّ تَرْكِيبٌ اور پھر ترکیب ہے۔ بھائی یہاں باقیوں کے درمیان واؤ آرہا تھا عطف کے لیے اور آگے کہا ثُمَّ جَمْعٌ اور ثُمَّ تَرْكِيبٌ، جمع اور ترکیب کے لیے ثُمَّ لے کر آئے، اور ثُمَّ یاد رکھو تراخی کے لیے آتا ہے، کس کے لیے؟ تراخی۔ جَاءَنِي زَيْدٌ ثُمَّ عَمْرٌو، آیا میرے پاس زید پھر عمر، اور یہ ثُمَّ تراخی کے لیے آتا ہے یعنی دو چیزوں میں دوری بیان کرتا ہے، معلوم ہوا زید پہلے آیا ہے عمر بعد میں اور عمر فوراً نہیں آیا اس کے بعد کافی دیر بعد آیا ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو تراخی کا معنیٰ ہے دو چیزوں میں دوری کرنا بھائی، دوری کرنا۔ تو ثُمَّ بھی کیا کرتا ہے؟ دو چیزوں میں دوری، ترتیب کا بھی فائدہ دیا کہ جَاءَنِي زَيْدٌ ثُمَّ عَمْرٌو معلوم ہوا زید پہلے ہے اور عمر بعد میں اور عمر فوراً بعد میں نہیں آیا بلکہ کافی دیر کے بعد آیا ہے بھائی۔ تو ثُمَّ تراخی کے لیے آتا ہے۔ تو یہاں شعر میں بھی ثُمَّ آیا تو اس سے تو بظاہر یوں معلوم ہوتا ہے کہ پہلے جو چار پانچ ذکر ہوئے یہ پہلے ہیں اور پھر ان کے بعد کافی دیر کے بعد جمع اور ترکیب جو ہیں یہ سبب بنیں گے۔ تو آپ کو بتلائیں گے صاحبِ جامی کہ یہاں پر جو ثُمَّ آیا صرف شعر کے وزن کی حفاظت کے لیے لایا گیا ہے۔ میں نے بتلایا تھا آپ کو، یاد رکھو، یاد رکھو یہ جو اشعار ہیں ان کے خاص اوزان ہوتے ہیں، ایک حرف بھی ادھر ادھر ہو جائے پورے شعر کا وزن خراب ہو جاتا ہے۔ آپ بھی اپنی زبان میں اشعار پڑھتے ہیں، دیکھو اشعار کے اندر ایک خاص ترنم ہوتا ہے، خاص روانگی ہوتی ہے، شعر پڑھتے ہی عجیب لطف محسوس ہوتا ہے، اور جس شعر کا وزن ٹھیک نہ ہو سننے والا جس کو ذرا بھی ذوق ہوتا ہے سنتے ہی کہہ دیتا ہے بھائی اس شعر کا وزن ٹھیک نہیں ہے، تو اشعار کے اپنے خاص اوزان ہوتے ہیں۔ تو یہاں اس وزنِ شعر کی حفاظت کے لیے ثُمَّ لے کر آئے، اگر ثُمَّ کے بجائے واؤ لے آتے تو پھر شعر کا وزن صحیح نہ رہتا بھائی۔

تو کہتے ہیں: وَالْعُدُولُ فِي عَطْفِ هَاتَيْنِ الْعِلَّتَيْنِ مِنَ الْوَاوِ إِلَى ثُمَّ اور یہ جو عدول کیا گیا، عدول کیا گیا فِي عَطْفِ هَاتَيْنِ الْعِلَّتَيْنِ ان دو علتوں کے عطف میں، کون سی دو علتیں؟ ثُمَّ جَمْعٌ ثُمَّ تَرْكِيبٌ یہ جو دو علتیں ہیں جمع اور ترکیب ان کے عطف میں عدول کیا گیا کس سے؟ واؤ سے ثُمَّ کی طرف، واؤ کے بجائے کیا لے آئے؟ ثُمَّ لے آئے۔ تو یہ جو عدول کیا گیا یعنی پھرا گیا فِي عَطْفِ هَاتَيْنِ الْعِلَّتَيْنِ ان دو علتوں کے عطف میں مِنَ الْوَاوِ إِلَى ثُمَّ واؤ سے ثُمَّ کی طرف جو عدول کیا گیا لِمُجَرَّدِ الْمُحَافَظَةِ عَلَى الْوَزْنِ یہ صرف وزن پر محافظت کے لیے ہے، مُجَرَّد کا معنیٰ صرف، یہ صرف وزن پر محافظت کے لیے ہے، وزن کی حفاظت کے لیے ہے یہاں اور کوئی مقصد نہیں ہے، تراخی وغیرہ یہاں مقصود نہیں، یہ سب سبب بنیں گے اور ان میں سے کسی کے درمیان تراخی نہیں ہے بھائی۔

آگے دیکھیے: وَالنُّونُ زَائِدَةٌ مِنْ قَبْلِهَا أَلِفٌ اور نون بھائی زَائِدَةٌ، وَالنُّونُ زَائِدَةٌ مِنْ قَبْلِهَا أَلِفٌ وَوَزْنُ فِعْلٍ وَهٰذَا الْقَوْلُ تَقْرِيبٌ. اور نون زَائِدَةٌ اس حال میں کہ زائدہ ہو مِنْ قَبْلِهَا أَلِفٌ اس سے پہلے الف۔ اسبابِ منعِ صرف ذکر ہو رہے ہیں، پہلے شعر میں کیا آیا؟ عدل، وصف، تانیث، معرفہ، عجمہ، جمع، ترکیب، یہ سات ہو گئے۔ آگے وَالنُّونُ زَائِدَةٌ مِنْ قَبْلِهَا أَلِفٌ اور نون اس حال میں، یہ زَائِدَةٌ حال واقع ہو رہا ہے نون سے، اور نون اس حال میں کہ اس نون سے پہلے الف زائدہ ہو، اس نون

سے پہلے الف زائدہ ہو، تو یہ الف نون زائدتان کا ذکر آگیا۔ وَوَزْنُ فِعْلٍ اور نواں سبب کیا ہے؟ وزنِ فعل ہے۔ وَهٰذَا الْقَوْلُ تَقْرِيبٌ اور یہ والا قول تقریب ہے۔ دیکھو هٰذَا الْقَوْلُ یہ ہے مبتدا اور تَقْرِيبٌ ہے اس کی خبر، اور یہ مصدر ہے، تَقْرِيبٌ بابِ تفعیل کا مصدر ہے اور آپ جانتے ہیں مصدر کا حمل ذات پر صحیح نہیں، جیسے آپ کہیں زَيْدٌ عَدْلٌ تو یہ عَدْلٌ کس معنیٰ میں لینا پڑے گا؟ عَادِلٌ کے معنیٰ میں لینا پڑے گا بھائی، کیونکہ عدل مصدر ہے اور مصدر کا حمل ذات پر صحیح نہیں، تو چنانچہ پھر مصدر کو اسمِ فاعل کے معنیٰ میں لے لیتے ہیں یا کبھی اسمِ مفعول کے معنیٰ میں لے لیتے ہیں، جیسے زَيْدٌ عَدْلٌ یہاں عدل کو کس معنیٰ میں لے لیا؟ عَادِلٌ اسمِ فاعل کے معنیٰ میں لے لیا، اب کلام ٹھیک بن گیا زَيْدٌ عَادِلٌ زید عدل کرنے والا ہے بھائی، یعنی زید عادل ہے۔ تو یہاں پر بھی اسی طرح ہے وَهٰذَا الْقَوْلُ ہے مبتدا اور تَقْرِيبٌ یہ ہے اس کی خبر، اور خبر تو مصدر ہے اور مصدر کا حمل ذات پر صحیح نہیں، تو پھر آپ اس کو اسمِ فاعل یا اسمِ مفعول جس تاویل میں بھی کرنا چاہیں کر سکتے ہیں۔ مثلاً ہم اس کو اسمِ فاعل کی تاویل میں کر لیتے ہیں اور یہ والا قول، یہ والا قول مُقَرِّبٌ قریب کرنے والا ہے، یہ والا قول قریب کرنے والا ہے، مراد یہ ہے کہ یہ نو اسباب جو ہیں یہ جو نو علتیں ہیں ان کو شعر کی صورت میں ذکر کیا گیا اور شعر کو یاد کرنا آسان ہوتا ہے وہ انسان کو پھر بھولتا نہیں ہے۔ تو یہ والا قول جو ہے یعنی ان نو علتوں کو شعر کی صورت میں ذکر کرنا مُقَرِّبٌ یہ قریب کرنے والا ہے ان نو علتوں کو إِلَى الْأَذْهَانِ ذہنوں کے۔ یہ ذہنوں کے قریب کرنے والا ہے یہ قول لِلْحِفْظِ یاد کرنے کے لیے۔ مُقَرِّبٌ کہ یہ قول کیا ہے؟ تَقْرِيبٌ أَيْ مُقَرِّبٌ قریب کرنے والا ہے بھائی۔ کیا معنیٰ پھر بھی بات پوری سمجھ میں نہیں آرہی تو اس کے ساتھ اور لفظوں کو جوڑ دیں جس سے بات واضح ہو جائے، کہ یہ قول قریب کرنے والا ہے یعنی ان نو علتوں کو یہ قریب کرتا ہے ذہنوں کے لِلْحِفْظِ یاد کرنے کے لیے، ان کو یعنی حفظ کرنا یاد کرنا آسان ہو جاتا ہے۔ ایک ان کو ویسے ذکر کیا جائے وہ یاد کرنا مشکل ہو گا اور ایک یہ اشعار کی صورت میں ذکر کر دیا جائے تو اب یہ حفظ کے لیے ذہنوں کے قریب ہو گیا، ذہن اس کو جلدی یاد کر لیں گے۔ تو یہ تقریب کو کس معنیٰ میں لیا؟ مُقَرِّب اسمِ فاعل کے معنیٰ میں، یا اس کو مُقَرَّب اسمِ مفعول کی تاویل میں کر لیں کہ هٰذَا الْقَوْلُ یہ والا قول مُقَرَّبٌ إِلَى الْأَذْهَانِ یہ کیا ہے؟ ذہنوں کے قریب کیا گیا ہے لِلْحِفْظِ یاد کرنے کے لیے کیونکہ شعر کی صورت میں ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو دونوں طرح آپ اس کی تاویل کر سکتے ہیں۔ یہاں تک بات اچھی طرح سمجھ میں آگئی، حل ہو گیا سارا؟ چلیے بس بھائی هٰذَا هُوَ الْمَرَامُ وَاللّٰهُ أَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْكَلَامِ۔

سبق نمبر ۵۳: غیرِ منصرف (۲): اسبابِ منعِ صرف کا شعر اور ان کی تقسیم

شرحِ ملا جامی صفحہ: ۳۶ — بتاریخ: ۲۴ اگست ۲۰۲۱ء

- **تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث**

آگے سبق دیکھیے بھئی۔

وَالنُّوْنُ زَائِدَةٌ مِّنْ قَبْلِهَا أَلِفٌ

وَوَزْنُ فِعْلٍ وَّهٰذَا الْقَوْلُ تَقْرِيْبُ

فَقَوْلُهُ زَائِدَةٌ مَّنْصُوْبٌ عَلٰى أَنَّهُ حَالٌ إِذِ الْمَعْنٰى وَتَمْنَعُ النُّوْنُ الصَّرْفَ حَالَ كَوْنِهَا زَائِدَةً وَقَوْلُهُ أَلِفٌ فَاعِلُ الظَّرْفِ أَعْنِيْ مِنْ قَبْلِهَا أَوْ مُبْتَدَأٌ خَبَرُهُ الظَّرْفُ الْمُتَقَدِّمُ.

بھئی گزشتہ سبق میں ہم نے غیر منصرف کے بارے میں پڑھنا شروع کیا تھا، اور میں نے آپ کو بتلایا تھا کہ اسم معرب جو ہے وہ دو قسم پر ہے: یا وہ منصرف ہوگا یا غیر منصرف۔ اور منصرف جو ہے وہ اصل ہے۔ منصرف اسم میں اصل کیا ہے؟ وہ منصرف ہونا چاہیے اور غیر منصرف جو ہے وہ خلاف الاصل ہے۔ تو مصنف جو ہے، صاحبِ کافیہ کو پہلے منصرف کو ذکر کرنا چاہیے تھا کیونکہ وہ اصل ہے، اور اس کے بعد غیر منصرف کو۔ تو شارح جامی نے آپ کو بتلایا کہ غیر منصرف کو صاحبِ کافیہ نے اس لیے مقدم فرمایا کیونکہ غیر منصرف قلیل ہیں، تھوڑے سے ہیں، اور منصرف زیادہ ہیں، تو اگر منصرف کو بیان کرتے تو بڑی لمبی تفصیل بیان کرنا پڑتی، تو پہلے غیر منصرف کو بیان کر دیا۔ اور غیر منصرف جب آپ کو سمجھ میں آ گیا تو منصرف بھی آپ کو خود ہی سمجھ میں آ جائے گا، کیونکہ تَتَبَيَّنُ الْأَشْيَاءُ بِأَضْدَادِهَا، کیونکہ چیزوں کا پتہ ان کی ضد سے چل جاتا ہے۔ جیسے آپ کو سردی کا پتہ چل جائے، سردی آپ کو سمجھ میں آ جائے تو گرمی کو بھی سمجھ جائیں گے، صبح کا پتہ چل جائے تو شام کا بھی آپ کو پتہ چل جائے گا، دن آپ کو سمجھ میں آ جائے تو رات بھی آپ کو سمجھ میں آ جائے گی بھئی۔ تو چیزوں کا پتہ ان کی ضد سے چلتا ہے۔ تو صاحبِ کافیہ پہلے غیر منصرف کو لے آئے کیونکہ اس کی بحثیں تھوڑی تھیں، اور

جب غیر منصرف آپ کو سمجھ میں آگیا تو منصرف بھی اسی پر قیاس کرتے ہوئے سمجھ میں آجائے گا کہ جو ایسا نہیں ہوگا، جو غیر منصرف جیسے نہیں ہوگا، معلوم ہوا وہ کیا ہوگا؟ وہ معرب منصرف ہوگا بھئی۔

اور پھر بتلایا تھا کہ غیر منصرف جو ہے، کہ غیر منصرف وہ اسم معرب ہے جس میں دو ایسی علتیں ہوں جو مؤثر ہو جائیں، جب اکٹھی ہو جائیں اور شرطیں ان کی پوری ہو جائیں، تو وہ اثر ڈالیں اپنا اسم کے اوپر اور اس کو کیا بنا دیں؟ غیر منصرف۔ تو اس میں دو علتیں ہوں، کتنی علتوں میں سے؟ نو علتوں میں سے۔ یا کوئی ایک ایسی علت ہو جو دو کے قائم مقام ہو، اور یہ ایک علت دو کے قائم مقام کس طرح ہوگی؟ کہ یہ ایک ہی اسی طرح مؤثر بن جائے گی جس طرح وہ دو مل کر مؤثر ہوتی تھیں بھئی۔

اور پھر اس کے بعد وہ اسبابِ منعِ صرف آئے تھے شعر کی صورت میں، کیا؟ کہ عَدْلٌ وَّوَصْفٌ وَّتَأْنِيْثٌ وَّمَعْرِفَةٌ وَعُجْمَةٌ ثُمَّ جَمْعٌ ثُمَّ تَرْكِيْبُ۔ اور اس شعر سے پہلے وَهِيَ لے کر آئے تھے صاحبِ کافیہ۔ اور یہ هِيَ ضمیر راجع ہے عِلَلِ تِسْعَہ کو۔ تو وہ علل تسعہ جو ہیں، آگے شعر کے اندر وہ نو بیان کر دیں۔ تو یہاں اشکال ہوتا تھا کہ وَهِيَ ضمیر تو راجع ہے علل تسعہ کو اور علل تسعہ جمع ہے، تو گویا مبتدا ہے جمع اور آگے آگیا عَدْلٌ وَّوَصْفٌ، تو یہاں ہر ایک کا حمل نہیں ہو سکتا جمع پر۔ کیونکہ ورنہ تو پھر عبارت یوں بن جائے گی: وَالْعِلَلُ التِّسْعُ عَدْلٌ۔ علل تسعہ عدل ہیں۔ اور پھر اسی طرح علل تسعہ وصف ہیں، اور یہ درست نہیں ہے، مفرد کا حمل جمع پر صحیح نہیں۔ تو صاحبِ جامی نے آپ کو بتلایا کہ یہاں پر عطف مقدم ہے حمل پر، پہلے ان سب کا عطف کرو اور پھر جب مجموعہ بن جائے تو اس سارے مجموعے کو خبر بنا دو علل تسعہ کے لیے۔ تو یہ مجموعہ یہ نو امور جو ہیں یہ ہیں علل تسعہ بھئی۔

اور پھر انہوں نے آپ کو یہ بھی بتلایا کہ یہ جو شعر کے اندر جو ثُمَّ کا لفظ آیا، یہ تراخی کے لیے یہاں نہیں ہے بلکہ صرف وزنِ شعری کی رعایت کے لیے ہے، اس کی حفاظت کے لیے ہے۔ اگر واو لاتے تو شعر کا وزن برقرار نہ رہتا، اس لیے ثُمَّ لے کر آئے تاکہ شعر کا وزن برقرار رہے۔ اب آگے دیکھیے بھئی۔

کہتے ہیں: وَالنُّوْنُ زَائِدَةً مِّنْ قَبْلِهَا أَلِفٌ وَوَزْنُ فِعْلٍ وَّهٰذَا الْقَوْلُ تَقْرِيْبُ۔ اس شعر کی بڑی لمبی تفصیل بیان کریں گے صاحبِ جامی بھئی۔ جی یہاں ترکیب سمجھ لو: وَالنُّوْنُ زَائِدَةً مِّنْ قَبْلِهَا أَلِفٌ۔ وَالنُّوْنُ زَائِدَةً، یہ جو زَائِدَةً آیا یہ منصوب ہے، یہ حال ہے نون سے۔ توجہ ہے؟ بہت مشکل باتیں آئیں گی، خوب توجہ سے سمجھ لو بھئی، ساری ترکیب کی باتیں ہیں۔ وَالنُّوْنُ یہ ہے ذوالحال اور زَائِدَةً یہ ہے حال، اور حال منصوب ہوتا ہے۔ اور نون اس حال میں کہ وہ زائد ہو۔ تو یہ زَائِدَةً حال ہے نون سے۔ اس پر اشکال ہوتا ہے کہ صاحبِ کافیہ کا مذہب تو یہ ہے کہ حال جو ہے وہ فاعل یا مفعول کی حالت بیان کرتا ہے، اور یہ نون نہ تو یہ فاعل ہے اور نہ یہ مفعول ہے، یہ تو خبر بن رہا ہے۔ کیا بن رہا ہے؟ خبر بن رہا ہے۔ پیچھے آیا تھا عَدْلٌ وَّوَصْفٌ وَّتَأْنِيْثٌ، یہ سارے مل کر علل تسعہ کی خبر بن رہے ہیں۔ تو آپ کو صاحبِ جامی بتلائیں گے کہ نہیں، یہاں نون معنی کے اعتبار سے جو ہے وہ فاعل ہے۔ اس لیے کیونکہ یہ جو اشعار ہیں ان میں موانعِ صرف ذکر ہو رہے ہیں، یعنی وہ چیزیں جو صرف

کے لیے مانع ہیں، یعنی منصرف ہونے کے لیے مانع بن جاتی ہیں، کلمہ منصرف نہیں رہتا بلکہ کیا بن جاتا ہے؟ غیر منصرف۔ تو یہ موانعِ صرف کا بیان ہو رہا ہے ان اشعار کے اندر۔ تو گویا یہ نون جو ہے معنی کے اعتبار سے فاعل ہے۔ گویا عبارت یوں ہے: وَتَمْنَعُ النُّوْنُ الصَّرْفَ۔ نون جو ہے وہ روک دیتا ہے الصَّرْفَ منصرف ہونے کو، صرف کو روک دیتا ہے یعنی۔ تو یہ معنی کے اعتبار سے فاعل ہے، لفظوں کے اعتبار سے تو فاعل نہیں لیکن معنی کے اعتبار سے فاعل ہے۔ کس طرح عبارت بن گئی؟ وَتَمْنَعُ النُّوْنُ، اور الصَّرْفَ مفعول بھی نکال لو۔ نون منع کرتا ہے، کس چیز کو منع کرتا ہے؟ صرف کو۔ تو دیکھو نون فاعل ہے معنی کے اعتبار سے، اور جب یہ فاعل ہے تو فاعل سے تو حال آسکتا ہے۔ تو زَائِدَةً اس سے کیا بن گیا؟ حال بن گیا۔

اب ترکیب سنو۔ النُّوْنُ یہ مرفوع لفظاً، یہ ہے ذوالحال بھئی۔ اور زَائِدَةً، زَائِدَةً منصوب لفظاً صیغہ اسمِ فاعل۔ آپ کو میں نے بتایا تھا جیسے فعل کے لیے فاعل یا نائب فاعل چاہیے، صفت کے صیغوں کے لیے بھی فاعل یا نائب فاعل چاہیے، اور صفت کے صیغے اپنے فاعل یا نائب فاعل سے مل کر شبہِ جملہ بنتے ہیں۔ اور جیسے جملے کو کسی چیز سے جوڑنے کے لیے ربط چاہیے، شبہِ جملہ کو بھی جوڑنے کے لیے ربط چاہیے۔ تو زَائِدَةً منصوب لفظاً صیغہ اسمِ فاعل، اس کے اندر هِيَ ضمیر مرفوع محلاً اس کا فاعل۔ هِيَ ضمیر میں نے کیوں نکالی؟ هُوَ کیوں نہیں نکالی؟ کیونکہ مؤنث کا صیغہ ہے زَائِدَةً۔ جب یہ مؤنث کا صیغہ ہے تو مؤنث ضمیر نکالیں گے۔ تو اس کے اندر هِيَ ضمیر اور اس ضمیر کا اعراب کیا؟ مرفوع محلاً۔ مرفوع کیوں؟ کیونکہ وہ اس زائدہ کے لیے فاعل ہے اور فاعل مرفوع ہوتا ہے۔ اور محلاً کیوں کہا؟ کیونکہ مبنی ہے، مبنی کا اعراب محلاً ہوتا ہے۔ تو زَائِدَةً منصوب لفظاً صیغہ اسمِ فاعل، اس کے اندر هِيَ ضمیر مرفوع محلاً اس کا فاعل جو کس کو راجع؟ ذوالحال کو، کس کو راجع؟ ذوالحال، یہ جو نون آیا، تو اس سے ربط آگیا۔ اور آپ یہ نہ کہیں نون کا لفظ تو مذکر ہے، بھئی یاد رکھو یہ جو حروف ہیں نا حروف، یہ عربی میں مذکر بھی استعمال ہوتے ہیں اور مؤنث بھی استعمال ہوتے ہیں، اور زیادہ تر مؤنث ہی استعمال ہوتے ہیں۔ تو نون بھی ایک حرف ہے، جب یہ حرف ہے تو یہ مؤنث زیادہ استعمال ہوتا ہے، تو اس لیے هِيَ ضمیر اس کی طرف راجع کی۔ تو زَائِدَةً منصوب لفظاً صیغہ اسمِ فاعل، اس کے اندر هِيَ ضمیر مرفوع محلاً اس کا فاعل جو کس کو راجع؟ نون کو راجع۔ اور اسمِ فاعل اپنے فاعل سے مل کر شبہِ جملہ ہو کر حال۔ شبہِ جملہ ہو کر حال کس کے لیے؟ نون کے لیے۔ اور یہ حال بن سکتا ہے کیونکہ ہم نے ربط بھی دے دیا بھئی، شبہِ جملہ کو جوڑنے کے لیے بھی کیا چاہیے؟ ربط۔ تو یہ حال کو کس سے جوڑتے ہیں؟ ذوالحال سے، اس لیے ضمیر ہم نے ذوالحال کی طرف راجع کی۔

آگے دیکھیے، مِنْ قَبْلِهَا۔ مِنْ قَبْلِهَا، مِنْ جارہ، قَبْلِ مجرور لفظاً مضاف۔ مجرور کیوں؟ کیونکہ حرفِ جر داخل ہے۔ اور مضاف، آپ کو کیسے پتہ چلا یہ مضاف ہے هَا ضمیر کی طرف؟ ہاں، کسی اسم کے ساتھ بھی جب ضمیر متصل آجائے تو وہ آپس میں کیا بنتے ہیں؟ مضاف مضاف الیہ۔ تو قَبْلِ مجرور لفظاً مضاف، هَا ضمیر مجرور محلاً مضاف الیہ۔ مجرور کیوں؟ مضاف الیہ ہے اور مضاف الیہ مجرور ہوتا ہے۔ اور محلاً کیوں؟ مبنی ہے، ضمیر ہے۔ مضاف اپنے مضاف الیہ سے مل کر مجرور مِنْ کے

لیے، جار مجرور مل کر یہ متعلق ہوا، اس کو متعلق کر لو ثَابِتًا سے، بلکہ ثَابِتَةً سے۔ اس کو متعلق کر لو کس سے؟ جیسے پیچھے زَائِدَةً تھا وہ حال بن رہا تھا نون سے، اسی طرح یہاں ثَابِتَةً ہم منصوب نکال لیتے ہیں اس کو بھی ہم حال بنائیں گے کس سے؟ اسی نون سے۔ زَائِدَةً کو حال بنایا تھا کس سے؟ نون سے، تو ثَابِتَةً نکال کر اس کو بھی کیا کر لیں گے؟ حال بنا لیں گے نون سے۔ جی، تو مِنْ قَبْلِهَا جار مجرور مل کر متعلق ہوئے ثَابِتَةً سے، ثَابِتَةً منصوب لفظاً صیغہ اسمِ فاعل۔ منصوب کیوں؟ کیونکہ حال ہے اور حال منصوب ہوتا ہے۔ اور صیغہ اسمِ فاعل، اور اس کے اندر... جی؟ ہاں اس کے اندر هِيَ ضمیر نہ نکالو، یہ جو آگے أَلِفٌ آرہا ہے اسی کو اس کا فاعل بنا دو۔ کیا بنا دو؟ اچھا، جب الف کو فاعل بنا رہے ہو تو ثَابِتَةً نکالنے کی بھی ضرورت نہیں ہے، ثَابِتًا بھی نکال سکتے ہو۔ کیا نکال سکتے ہو؟ ثَابِتًا بلکہ نکالو، ثَابِتًا صیغہ اسمِ فاعل منصوب لفظاً، اور آگے جو أَلِفٌ آرہا تھا وہ اس کے لیے فاعل ہے، تو یہ أَلِفٌ کو رفع کس نے دیا؟ ثَابِتًا نے دیا، توجہ ہے؟ تو ثَابِتًا صیغہ اسمِ فاعل، یہ اپنے فاعل، کون ہے اس کا فاعل؟ الف، اور اپنے متعلق سے مل کر یعنی مِنْ قَبْلِهَا سے مل کر یہ شبہِ جملہ ہو کر نون سے حال۔ نہیں بھئی حال نہیں بن سکتا، شبہِ جملہ کو بھی کسی چیز سے جوڑنا ہو تو کیا چاہیے؟ ربط چاہیے، ہم نے ربط نہیں دیا، ربط بتاؤ۔ مِنْ قَبْلِهَا، یہ هَا ضمیر نون کو راجع ہے کہ اس نون سے پہلے الف ہو، اس نون سے... تو یہ هَا ضمیر راجع ہے یہ نون کی طرف بھئی۔ اور میں نے بتایا کہ نون حرف ہے اور حرف عربی میں زیادہ تر مؤنث استعمال ہوتے ہیں تو اس لیے مؤنث کی ضمیر راجع کی۔ تو عبارت کیا بن گئی؟ وَالنُّوْنُ زَائِدَةً ثَابِتًا مِّنْ قَبْلِهَا أَلِفٌ، اور نون اس حال میں کہ زائدہ ہو، اور اس حال میں کہ ثابت ہو اس نون سے پہلے الف، اس نون سے پہلے الف ثابت ہو۔ یہاں تک بات سمجھ میں آگئی۔

یہ الف کو فاعل بنایا کس کے لیے؟ ثَابِتًا کے لیے، توجہ ہے؟ میں نے آپ کو بتلایا تھا بھئی ترکیب کے اندر، ترکیب کے اندر کہ یہ جو ثَابِتًا ہم نکالتے ہیں یہ طلبہ کو سمجھانے کے لیے نکالتے ہیں۔ یہاں کوئی ثَابِتًا نہیں، ثَابِتًا جا چکا اور اس کی جگہ مِنْ قَبْلِهَا نے پکڑ لی ہے بھئی۔ مِنْ قَبْلِهَا نے کیا کیا ہے؟ اس کی جگہ پکڑ لی ہے۔ اور جو جو عمل ثَابِتًا کر رہا تھا اب یہ ظرف کرے گا یعنی یہ جار مجرور۔ جار مجرور کو بھی کیا کہتے ہیں؟ ظرف کہتے ہیں۔ اور جار مجرور کا متعلق اگر عبارت میں ذکر ہو تو اس کو کیا کہتے ہیں؟ ظرفِ لغو، اور اگر ان کا متعلق عبارت میں محذوف ہو تو کیا کہتے ہیں؟ ظرفِ مستقر۔ تو اس کو ظرفِ مستقر کہتے ہیں۔ تو ثَابِتًا جا چکا ہے، مِنْ قَبْلِهَا نے اس کی جگہ پکڑ لی، یہ ظرفِ مستقر ہے، اور اب یہ وہ سارے عمل کرے گا جو ثَابِتًا کر رہا تھا۔ ثَابِتًا کیا عمل کر رہا تھا؟ الف کو، فاعل کو رفع دے رہا تھا، اب یہ أَلِفٌ کو رفع یہ ظرف دے گا۔ مِنْ قَبْلِهَا کیا کرے گا؟ الف، بات سمجھ میں آگئی۔ تو اب سنو ترکیب سنو بھئی، اب کوئی ثَابِتًا نکالنے کی ضرورت نہیں۔ ترکیب سنو: مِنْ قَبْلِهَا یہ جار مجرور مل کر ظرفِ مستقر ہوا اور أَلِفٌ اس کے لیے فاعل ہو گیا، اور اس کے اندر هَا ضمیر جو تھی وہ کس کو راجع تھی؟ نون کو، اس سے ربط آگیا۔ تو یہ ظرفِ مستقر اپنے فاعل سے مل کر یہ حال ہوا کس کے لیے؟ نون کے لیے۔ طریقہ سمجھ میں آگیا؟ تو یہ ایک ترکیب۔

دوسری ترکیب، دوسری ترکیب کہ یہ الف کو مِنْ قَبْلِهَا ظرف کے لیے فاعل نہ بناؤ بلکہ مِنْ قَبْلِهَا یہ جار مجرور ہے، اس کو بنا دو خبرِ مقدم اور الف کو بنا دو مبتدا مؤخر۔ میں نے آپ کو بتلایا تھا کہ جار مجرور کبھی مبتدا نہیں بنتے، خبر تو بن سکتے ہیں مبتدا نہیں۔ تو مِنْ قَبْلِهَا یہ جار مجرور ہے، اس کو کیا بنا دو؟ خبرِ مقدم، اور الف کو کیا بنا دو؟ مبتدا مؤخر۔ پہلے الف مرفوع تھا کس وجہ سے؟ ظرف کا فاعل تھا اور فاعل مرفوع ہوتا ہے۔ اب الف مرفوع ہے کس وجہ سے؟ مبتدا ہے اور مبتدا کیا ہوتا ہے؟ مرفوع ہوتا ہے۔ اور دوسرا فرق یہ کہ پہلے مِنْ قَبْلِهَا ظرف تھا وہ منصوب تھا محلاً کیونکہ حال بن رہا تھا اور حال کیا ہوتا ہے؟ منصوب۔ اور اب مِنْ قَبْلِهَا کیا بن رہا ہے؟

خبر بن رہا ہے تو اس وقت یہ مرفوع ہے محلاً، بات سمجھ میں آگئی؟ اب مِنْ قَبْلِهَا کو ہم خبر بنائیں گے اور الف کو مبتدا کس طرح دیکھو: مِنْ قَبْلِهَا یہ جار مجرور مل کر متعلق ہو گئے کس سے؟ ثَابِتٌ سے، کس سے؟ ثَابِتٌ سے۔ ثَابِتٌ مرفوع لفظاً صیغہ اسمِ فاعل۔ پہلے کیا نکالا تھا؟ ثَابِتًا منصوب نکالا تھا کیونکہ حال تھا، اب کیا نکالا؟ ثَابِتٌ کیونکہ اب خبر بنا رہے ہیں، خبر مرفوع ہوتی ہے۔ تو مِنْ قَبْلِهَا جار مجرور مل کر متعلق کس سے؟ ثَابِتٌ سے، ثَابِتٌ مرفوع لفظاً صیغہ اسمِ فاعل۔ مرفوع کیوں؟ خبر ہے، اور اس کے اندر هُوَ ضمیر مرفوع محلاً اس کا فاعل جو کس کو راجع؟ جی؟ خبر کو کس سے جوڑتے ہیں؟ مبتدا سے جوڑتے ہیں، تو اس کے اندر هُوَ ضمیر جو کس کو راجع ہے؟ الف کو راجع ہے۔ اور آپ چاہیں تو ثَابِتَةٌ مؤنث نکال لیں کیونکہ الف حرف ہے اور حرف عربی میں مذکر بھی استعمال ہوتے ہیں اور مؤنث بھی، تو دونوں میں سے جو بھی صیغہ، جو بھی ضمیر آپ لے آئیں۔ اچھا تو ثَابِتٌ صیغہ اسمِ فاعل اپنے فاعل جو هُوَ ہے اور متعلق جو مِنْ قَبْلِهَا ہے ان سے مل کر شبہِ جملہ ہو کر یہ خبر کس کے لیے؟ مبتدا کے لیے۔ اور أَلِفٌ مرفوع ہے یہ ہے مبتدا۔ مبتدا اپنی خبر سے مل کر جملہ اسمیہ ہو کر یہ حال ہے النُّوْنُ سے۔ پہلے وہ ظرف حال تھا اب پورا جملہ حال ہے، تو یہ پورا جملہ محلاً منصوب ہے کیونکہ جملہ مبنی ہے بھئی۔ تو پورا جملہ محلاً منصوب ہے، اور جملے کو بھی جب کسی چیز سے جوڑنا ہو تو درمیان میں کیا ضروری؟ ربط ضروری، اور ربط ہم دے چکے مِنْ قَبْلِهَا کی هَا ضمیر کس کو راجع ہے؟ نون۔ تو گویا نون سے دو حال آگئے: ایک کیا؟ زَائِدَةً یہ حالِ مفرد آیا، اور ایک مِنْ قَبْلِهَا أَلِفٌ یہ پورا جملہ بھی حال ہے، ترجمہ وہی ہوگا۔ اور نون اس حال میں کہ وہ زائدہ ہو اور اس حال میں کہ اس نون سے پہلے الف ہو، توجہ ہے؟

تو ایک ترکیب یہ ہو گئی: زَائِدَةً حالِ مفرد اور مِنْ قَبْلِهَا أَلِفٌ یہ پورا جملہ بھی حال، دونوں حال بن گئے، بات سمجھ میں آ گئی۔ اور ایک ترکیب ہم نے اس سے پہلے کیا کی؟ زَائِدَةً یہ بھی حالِ مفرد اور دوسرا کیا تھا؟ مِنْ قَبْلِهَا، اس ظرف کو ہم نے حال بنایا تھا۔ مِنْ قَبْلِهَا ظرفِ مستقر تھا اور الف اس کے لیے فاعل تھا، تو اس صورت میں بھی یہ حال تھا، تو اس صورت میں بھی یہ حالِ مفرد ہے یعنی جملہ نہیں، جملہ نہیں۔ تو النُّوْنُ ذو الحال، زَائِدَةً یہ پہلا حال، اور مِنْ قَبْلِهَا أَلِفٌ اس کو جملہ نہ بناؤ ظرف بناؤ یہ کیا ہے؟ حالِ ثانی۔ یا دوسری صورت اس کو جملہ بناؤ اور یہ بھی حال، دو حال ہو گئے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو

یہ دونوں حال آرہے ہیں نون سے، تو اس کو کہتے ہیں احوالِ مترادفہ۔ ایک ہی ذوالحال سے کئی حال آجائیں تو ان کو احوالِ مترادفہ کہتے ہیں۔ مترادف کا معنیٰ ایک دوسرے جیسے ہیں، یہ سب ایک دوسرے جیسے ہیں یعنی ایک ہی ذوالحال سے حال واقع ہو رہے ہیں۔ اور ایک ہوتے ہیں احوالِ متداخلہ، احوالِ متداخلہ اسے کہتے ہیں کہ پہلے ذوالحال آتا ہے، پھر اس سے آگے حال آتا ہے، اور اس حال کے اندر ایک ضمیر ہوتی ہے اس سے آگے پھر حال آتا ہے۔ تو ذوالحال سے کیا آیا؟ حال، اور پھر حال سے آگے کیا آگیا؟ حال آگیا، تو اس کو کیا کہتے ہیں؟ احوالِ متداخلہ۔ یہ ایک دوسرے کے اندر داخل ہو رہے ہیں، ذوالحال سے حال آیا اور پھر اس حال سے آگے کیا آیا؟ پھر حال آگیا، تو یہ ایک دوسرے میں داخل ہو گئے۔ تو یہ احوالِ متداخلہ بھی بنا سکتے ہو اور احوالِ مترادفہ بھی بنا سکتے ہو۔ احوالِ مترادفہ تو ہم نے بنا لیا، نون کو ذوالحال بنایا اور باقی دونوں کو حال۔ احوالِ متداخلہ کیسے بنیں گے؟ دیکھو زَائِدَةً کے اندر هِيَ ضمیر تھی اس کو بنا دو ذوالحال، اور آگے مِنْ قَبْلِهَا أَلِفٌ اس سارے کو حال۔ اس زَائِدَةً کے اندر کون سی ضمیر تھی؟ هِيَ ضمیر تھی کس کو راجع تھی؟ نون کو راجع تھی، تو معنی ابھی بھی اسی طرح رہے گا، معنی میں کوئی فرق نہیں پڑے گا کیونکہ چاہے نون سے حال بناؤ یا نون کی ضمیر سے حال بناؤ بات تو ایک ہی ہے، لیکن نام ان کا بدل جائے گا، اب احوالِ متداخلہ کہلائیں گے۔ تو کس طرح؟ زَائِدَةً حال، اور اس کے اندر هِيَ ضمیر جو کس کو راجع ہے نون کو وہ پھر ذوالحال، اور آگے مِنْ قَبْلِهَا أَلِفٌ یہ اس سے کیا بنے گا؟ حال بنے گا۔ اور اس میں حال بننے کی وہی دو صورتیں تھیں: یا تو ظرف بنا دو اور الف کو اس کے لیے فاعل بنا دو، یا اس کو پورا جملہ بنا دو اور حال بنا دو۔ ہاں یہ فرق پڑ گیا کہ پہلے مِنْ قَبْلِهَا کی هَا ضمیر کس کو راجع تھی؟ نون کو کیونکہ نون ذوالحال تھا، اب ذوالحال کون ہے؟ زَائِدَةً کے اندر هِيَ ضمیر ہے، اب مِنْ قَبْلِهَا کی هَا ضمیر اس کو راجع کریں گے، اور وہ بھی مؤنث اور یہ ضمیر بھی مؤنث، دیکھو ضمیر مرجع میں مطابقت ہے۔

اب دیکھیے کتاب پر۔ کہتے ہیں: فَقَوْلُهُ زَائِدَةً مَنْصُوبٌ عَلٰى أَنَّهُ حَالٌ، اور مصنف کا قول جو ہے زَائِدَةً یہ منصوب ہے عَلٰى أَنَّهُ حَالٌ بنا بر اس کے کہ یہ حال ہے۔ بھئی یہ حال ہے، اور حال تو صرف کس کی حالت بیان کرتا ہے؟ فاعل یا مفعول کی اور نون تو فاعل نہیں، تو وہ آپ کو صاحبِ جامی بتائیں گے کہ معنی کے اعتبار سے نون فاعل ہے، کس طرح؟ وَتَمْنَعُ النُّوْنُ الصَّرْفَ، کہ نون مانعِ صرف ہے۔ تو کہتے ہیں إِذِ الْمَعْنٰى، کیونکہ معنی جو ہے یہ ہے: وَتَمْنَعُ النُّوْنُ الصَّرْفَ حَالَ كَوْنِهَا زَائِدَةً، اور نون جو ہے وہ منع کرتا ہے، روکتا ہے صرف کو یعنی منصرف ہونے کو، حَالَ كَوْنِهَا زَائِدَةً، اس حال میں کہ وہ زائدہ ہوتا ہے۔ دیکھو نون کو فاعل بھی بنا دیا اور زَائِدَةً کے بارے میں بتلا دیا حَالَ كَوْنِهَا زَائِدَةً، کہ یہ زَائِدَةً کیا واقع ہو رہا ہے؟ اس فاعل سے حال ہے۔ تو کہتے ہیں وَتَمْنَعُ النُّوْنُ الصَّرْفَ حَالَ كَوْنِهَا زَائِدَةً، اور نون جو ہے یہ صرف کو روکتا ہے اس حال میں کہ یہ زائدہ ہو۔ وَقَوْلُهُ أَلِفٌ، الف کے بارے میں ہم نے کیا پڑھا تھا؟ دو ترکیبیں تھیں: یا تو اس کو ظرف کا فاعل بناؤ یا اس کو مبتدا مؤخر بناؤ، وہی بیان کر رہے ہیں۔ وَقَوْلُهُ أَلِفٌ اور ماتن کا قول أَلِفٌ جو ہے فَاعِلُ الظَّرْفِ یہ ظرف کا فاعل ہے، أَعْنِيْ مِنْ قَبْلِهَا یعنی

کہ مِنْ قَبْلِهَا، یہ جو مِنْ قَبْلِهَا کا ظرف ہے اس کا فاعل ہے، أَوْ مُبْتَدَأٌ خَبَرُهُ الظَّرْفُ الْمُتَقَدِّمُ یا یہ مبتدا ہے اور اس کی خبر وہ ظرف ہے جو اس سے مقدم ہے، جو اس سے پہلے آئی ہے یعنی مِنْ قَبْلِهَا۔

وَلَا يَخْفٰى، اب دیکھو پہلے معنی سمجھ لو ذرا اوپر پھر متن پر آجاؤ۔ وَالنُّوْنُ زَائِدَةٌ مِّنْ قَبْلِهَا أَلِفٌ، اور نون اس حال میں کہ وہ نون زائد ہو، توجہ سے سنو، اس حال میں کہ وہ نون کیا ہو؟ زائد ہو، اور اس حال میں کہ اس نون سے پہلے الف ہو۔ کس کے زائد ہونے کا پتہ چلا؟ نون کے۔ نون اس حال میں کہ وہ نون کیا ہو؟ زائد ہو، اور اس حال میں کہ اس نون سے پہلے کیا ہو؟ الف ہو۔ بھئی الف کے زائد ہونے کا تو پتہ نہیں چلا، صرف اتنا کہا یہ نون زائد ہے اور اس نون سے پہلے کیا ہے؟ الف ہے۔ زائد تو صرف نون ہے، زَائِدَةً کس سے حال ہے؟ نون سے، نون اس حال میں کہ وہ زائد ہے معلوم ہوا یہ نون زائد ہے، اور اس نون سے پہلے کیا ہے؟ الف ہے۔ یہ تو بتا دیا کہ نون سے پہلے الف ہے لیکن یہ نہیں بتایا کہ وہ الف بھی زائد ہے، حالانکہ وہ الف بھی زائد ہے یہ بھی بتانا چاہیے یا نہیں؟ دونوں زائد ہوتے ہیں، کیا کہتے ہیں؟ الف نون زائدتان، یا صرف کہتے ہیں نون زائدہ کہتے ہیں؟ الف نون زائدتان، دونوں کو زائد کہتے ہیں بھئی نحوی حضرات، بات سمجھ میں آگئی؟ تو کہتے ہیں عبارت سے نون کا زائد ہونا تو سمجھ میں آرہا ہے لیکن الف کا زائد ہونا سمجھ میں نہیں آرہا۔ تو کہتے ہیں وَلَا يَخْفٰى اور یہ بات مخفی نہیں ہے، یہ بات پوشیدہ نہیں ہے، کہ أَنَّهُ لَا يُفْهَمُ مِنْ هٰذَا التَّوْجِيْهِ، کہ مفہوم نہیں ہوتا اس توجیہ سے، یہ جو توجیہ کی گئی، یہ جو ترکیب وغیرہ کی گئی اس سے سمجھ میں نہیں آتا، کیا سمجھ میں نہیں آتا؟ زِيَادَةُ الْأَلِفِ، الف کا زیادہ ہونا۔ اس توجیہ سے الف کا زیادہ ہونا سمجھ میں نہیں آتا، مَعَ أَنَّهَا أَيْضًا زَائِدَةٌ، باوجود اس کے کہ وہ بھی زائد ہے، حالانکہ وہ بھی زائد ہے۔ وَلِهٰذَا يُعَبَّرُ عَنْهُمَا بِالْأَلِفِ وَالنُّوْنِ الزَّائِدَتَيْنِ، اسی لیے ان دونوں کو تعبیر کیا جاتا ہے الف نون زائدتین کے ساتھ، دیکھا دونوں کو زائدتین کہتے ہیں۔ دونوں کو زائد، تو دونوں کو تعبیر زائدتین کے ساتھ کیا جاتا ہے، تو معلوم ہوا دونوں زائد ہیں، جب دونوں زائد ہیں تو شعر سے بھی پتہ چلنا چاہیے کہ دونوں زائد ہیں حالانکہ شعر سے صرف کیا سمجھ میں آرہا ہے؟ کہ نون زائد ہے۔

ذرا ترجمہ پھر دیکھ لو۔ وَلَا يَخْفٰى أَنَّهُ لَا يُفْهَمُ مِنْ هٰذَا التَّوْجِيْهِ زِيَادَةُ الْأَلِفِ، اور یہ بات مخفی نہیں ہے کہ اس توجیہ سے یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ الف زائد ہے، مَعَ أَنَّهَا أَيْضًا زَائِدَةٌ، باوجود اس کے کہ الف بھی زائد ہے، وَلِهٰذَا اور اسی وجہ سے کہ یہ الف بھی زائد ہے يُعَبَّرُ عَنْهُمَا ان دونوں کو تعبیر کیا جاتا ہے بِالْأَلِفِ وَالنُّوْنِ الزَّائِدَتَيْنِ، الف اور نون زائدتین کہ یہ دونوں زائد ہیں۔ وَلَوْ جُعِلَ، اب اور ترکیب بتائیں گے صاحبِ جامی۔ صاحبِ جامی، دیکھو وہ دوسری ترکیب ذرا پہلے متن پر آؤ اس کو حل کر لیں۔ وَالنُّوْنُ زَائِدَةً، اب یوں کریں کہ زَائِدَةً کو حال بنایا ہے نون سے، توجہ ہے؟ توجہ ہے؟ اور زَائِدَةً کے اندر هِيَ ضمیر نکالی تھی، نہیں اب هِيَ ضمیر نہ نکالو، اب آگے الف کو اسی زائدہ کے لیے فاعل بنا دو۔ اسی الف کو زائدہ کے لیے فاعل بنا دو، توجہ ہے؟ اور مِنْ قَبْلِهَا کو کس سے جوڑا تھا؟ ثَابِتٌ یا ثَابِتًا سے جوڑا تھا یعنی یہ ظرفِ مستقر تھا۔ ظرفِ مستقر تھا یعنی اس کا عامل محذوف تھا۔ اب یوں کرو اس کو ظرفِ لغو بناؤ، اس کو زائدہ سے ہی جوڑ دو۔ ثَابِتًا کے بجائے زَائِدَةً لفظوں میں موجود ہے اسی کے ساتھ اس کو جوڑ دو۔ زائد ہو مِنْ قَبْلِهَا نون سے پہلے، نون سے پہلے زائد ہو أَلِفٌ کیا زائد

ہو؟ الف۔ ترکیب سمجھ میں آرہی ہے؟ کیا ترکیب کرو؟ زَائِدَةً حال ہے کس سے؟ نون سے۔ لیکن اس زَائِدَةً کے لیے آگے الف کو فاعل بنا دو، اب زَائِدَةً میں ضمیر نکالنے کی ضرورت نہیں۔ اور مِنْ قَبْلِهَا کو پہلے ظرفِ مستقر بنایا تھا، ظرفِ مستقر نہ بناؤ اس کو اسی زَائِدَةً سے جوڑ دو۔ جار مجرور آٹھ چیزوں سے جڑتے ہیں، کون کون سی آٹھ چیزیں ہیں؟ فعل ہے، مصدر ہے، اسمِ فاعل، اسمِ مفعول، صفتِ مشبہ، اسمِ تفضیل، مبالغے کے صیغے اور اسمِ فعل۔ تو دیکھو اس کے اندر اسمِ فاعل بھی ہے، اور زَائِدَةً بھی کون سا صیغہ ہے؟ اسمِ فاعل، تو یہ مِنْ قَبْلِهَا کو اسی زائدہ سے جوڑ دو۔ اور اس کی هَا ضمیر کس کو راجع؟ نون کو راجع ہے، اس نے ربط دے دیا۔ اب تو زائدہ میں کوئی ضمیر نہیں ہے ربط دینے کے لیے کیونکہ الف اس کا فاعل بن گیا، تو یہ جو مِنْ قَبْلِهَا میں هَا ضمیر ہے یہ کس کو راجع کرو؟ نون کو، اب ربط آگیا۔ وَالنُّوْنُ زَائِدَةً مِّنْ قَبْلِهَا أَلِفٌ، اور نون اس حال میں کہ زائد ہو اس نون سے پہلے الف، اور نون اس حال میں کہ اس سے پہلے الف زائد ہو، توجہ ہے؟

اچھا اب اس عبارت میں ذرا غور کرو۔ اس عبارت سے کس کا زائد ہونا سمجھ میں آرہا ہے؟ اور نون اس حال میں کہ اس سے پہلے الف زائد ہو، جی کس کا زائد ہونا سمجھ میں آرہا ہے؟ الف کا زائد ہونا سمجھ میں آرہا ہے، نون کا زائد ہونا تو سمجھ میں نہیں آرہا۔ تو آپ کو شارحِ جامی بتائیں گے کہ اس میں نون کا زائد ہونا بھی سمجھ میں آجاتا ہے۔ نون کا زائد ہونا بھی سمجھ میں آجاتا ہے، کس طرح؟ صاحبِ جامی کی ذرا تقریر سنو، دیکھیے بھئی۔ کہتے ہیں وَلَوْ جُعِلَ الْأَلِفُ فَاعِلًا لِّقَوْلِهِ زَائِدَةً، اور اگر الف کو فاعل بنا دیا جائے ماتن کے قول زَائِدَةً کے لیے، وَالظَّرْفُ مُتَعَلِّقًا بِالزِّيَادَةِ، اور یہ جو ظرف ہے اس کو زیادت کے ساتھ متعلق کر دیا جائے، زَائِدَةً کے ساتھ اس کو متعلق کر دیا جائے، وَأُرِيْدَ بِزِيَادَةِ الْأَلِفِ قَبْلَ النُّوْنِ، اور ارادہ کیا جائے الف کی نون سے پہلے زیادہ ہونے سے... کیا بات سمجھ میں آرہی تھی متن سے؟ وَالنُّوْنُ زَائِدَةً مِّنْ قَبْلِهَا أَلِفٌ، ترجمہ کرو ذرا: اور نون اس حال میں کہ نون سے پہلے الف زائدہ ہو۔ یہ جو لفظ ہیں کہ نون سے پہلے الف زیادہ ہو، اس میں صرف الف کی زیادتی کا ارادہ نہ کیا جائے بلکہ نون کی زیادتی کا بھی ارادہ کر لیا جائے، دونوں کا ارادہ کر لیا جائے۔ اور نون جو ہے اس حال میں کہ اس سے پہلے الف زیادہ ہو، اس سے پہلے... تو یہ جو زائد ہونا ہے، اس زائد ہونے میں دونوں کے اشتراک کا ارادہ کر لیا جائے کہ یہ زائد ہونے میں نون اور الف دونوں شریک ہیں، البتہ، البتہ زائد ہونے کے اندر الف نون سے پہلے آیا ہے، الف نون سے... زائد ہونے میں دونوں شریک ہیں البتہ الف اس سے اس وصف میں اس پر مقدم ہے، پہلے الف زائد ہے اور پھر نون زائد ہے، توجہ ہے؟ بظاہر کیا مفہوم ہوتا ہے؟ زائد صرف کون ہے؟ الف۔ لیکن صاحبِ جامی فرماتے ہیں کہ اس سے نون کا زائد ہونا بھی مفہوم ہو جاتا ہے اگر یہ...

ارادہ کر لیا جائے کہ یہ جو زائد ہونا بیان کیا جا رہا ہے، کس کا زائد ہونا؟ الف کا، یہ صرف الف کا زائد ہونا بیان نہیں ہو رہا بلکہ دونوں کا ارادہ کر لیا جائے۔ اور نون اس حال میں کہ زیادہ ہو اس سے پہلے الف۔ یعنی زیادہ ہونے میں دونوں کے اشتراک کا ارادہ کر لیا جائے، جیسے عربی میں کہتے ہیں، جیسے دیکھو یہ عبارت آرہی ہے دیکھو: جَاءَ زَيْدٌ رَّاكِبًا مِّنْ قَبْلِهِ أَخُوْهُ، آیا زید رَاكِبًا اس حال میں کہ سوار تھا مِنْ قَبْلِهِ أَخُوْهُ اس سے پہلے اس کا بھائی۔ آیا زید اس حال میں کہ اس سے پہلے اس کا

بھائی سوار تھا۔ یہ جو کلام ہے، یہ کلام دلالت کرتا ہے کہ راکب ہونے میں زید اور اس کا بھائی دونوں شریک ہیں، البتہ راکب ہونے میں زید کا بھائی زید پر مقدم ہے۔

جَاءَنِيْ زَيْدٌ رَّاكِبًا مِّنْ قَبْلِهِ أَخُوْهُ، ادھر سنو ترجمہ سنو، جَاءَنِيْ زَيْدٌ رَّاكِبًا مِّنْ قَبْلِهِ أَخُوْهُ، آیا میرے پاس زید اس حال میں کہ اس سے پہلے اس کا بھائی سوار تھا، اس سے پہلے اس کا بھائی سوار تھا۔ معلوم ہوا زید بھی سوار تھا لیکن اس سے پہلے کون سوار تھا؟ اب اشتراک آگیا یا نہیں؟ تو یہاں پر بھی اسی طرح وَالنُّوْنُ اور نون اس حال میں کہ اس سے پہلے الف زائد ہو۔ جیسے کیا تھا؟ آیا زید اس حال میں کہ اس سے پہلے اس کا بھائی سوار تھا، معلوم ہوا زید بھی سوار ہے لیکن بھائی سوار ہونے میں پہلے ہے اس پر مقدم ہے۔ تو یہاں پر بھی وَالنُّوْنُ زَائِدَةً مِّنْ قَبْلِهَا أَلِفٌ کہ نون جو ہے اس حال میں کہ اس سے پہلے الف زائد ہو، اس سے پہلے الف زائد ہو، معلوم ہوا نون بھی زائد ہے البتہ الف اس سے پہلے ہے بھئی زائد ہونے میں۔ جی، بات سمجھ میں آگئی؟ بس اس جملے پہ غور کرو جو جَاءَ زَيْدٌ رَّاكِبًا مِّنْ قَبْلِهِ أَخُوْهُ، آیا زید اس حال میں کہ اس سے پہلے اس کا بھائی سوار تھا، معلوم ہوا زید بھی سوار ہے بھائی بھی سوار ہے لیکن بھائی اس سے سوار ہونے میں پہلے ہے۔ یہاں بھی اسی طرح النُّوْنُ زَائِدَةً مِّنْ قَبْلِهَا أَلِفٌ، نون جو ہے اس حال میں کہ زائد ہے اس سے پہلے الف، معلوم ہوا یہ بھی زائد ہے لیکن الف اس سے پہلے زائد ہے بھئی، بات سمجھ میں آگئی؟

تو کہتے ہیں وَلَوْ جُعِلَ الْأَلِفُ فَاعِلًا لِّقَوْلِهِ زَائِدَةً، اور اگر الف جو ہے اس کو فاعل بنا دیا جائے ماتن کے قول زَائِدَةً سے، وَالظَّرْفُ مُتَعَلِّقًا بِالزِّيَادَةِ، اور ظرف جو ہے اس کو متعلق کر دیا جائے زیادت کے ساتھ، یعنی زَائِدَةً کے ساتھ مِنْ قَبْلِهَا ظرف جو ہے اس کو متعلق کر دیا جائے، وَأُرِيْدَ بِزِيَادَةِ الْأَلِفِ قَبْلَ النُّوْنِ، اور ارادہ کیا جائے نون کے الف سے قبل زیادہ ہونے سے، نون کے الف سے پہلے زیادہ ہونے کے ذریعے... کہ نون الف سے پہلے زائد ہے، تو نون کے الف سے پہلے زائد ہونے کے ذریعے ارادہ کیا جائے اشْتِرَاكَهُمَا فِيْ وَصْفِ الزِّيَادَةِ، کہ دونوں شریک ہیں وصفِ زیادت میں، زائد ہونے میں دونوں شریک ہیں، وَتَقَدُّمَ الْأَلِفِ عَلَيْهَا فِيْ هٰذَا الْوَصْفِ، اس کا عطف ہے اشْتِرَاكَهُمَا سے۔ ارادہ کیا جائے کس کے ذریعے؟ ارادہ کیا جائے وہ جو عبارت آئی تھی زَائِدَةً مِّنْ قَبْلِهَا أَلِفٌ، نون سے پہلے الف کے زائد ہونا، نون سے پہلے الف کے زائد ہونے سے یہ ارادہ کیا جائے کہ یہ دونوں وصفِ زیادت میں شریک ہیں یعنی جیسے الف زائد ہے اسی طرح نون بھی زائد ہے، اس کا ارادہ کیا جائے، وَتَقَدُّمَ الْأَلِفِ عَلَيْهَا فِيْ هٰذَا الْوَصْفِ، اور یہ ارادہ کیا جائے کہ الف اس پر اس وصف میں مقدم ہے یعنی زیادہ ہونے میں دونوں شریک ہیں لیکن الف اس پر اس وصف میں مقدم ہے، تو فُهِمَ زِيَادَتُهُمَا جَمِيْعًا، تو دونوں کی زیادتی سمجھ میں آجاتی ہے۔ اگر یہ ارادہ کر لیا جائے، کیا ارادہ کس سے؟ کون سی عبارت سے؟ الف کا نون سے پہلے زائد ہونے سے یہ ارادہ کر لیا جائے کہ یہ دونوں اس زائد ہونے میں شریک ہیں البتہ الف جو ہے اس زائد ہونے میں اس پر مقدم ہے، تو جب یہ ارادہ کر لیا جائے گا تو فُهِمَ زِيَادَتُهُمَا جَمِيْعًا، زِيَادَتُهَا ہے یا زِيَادَتُهُمَا ہے؟ ہاں؟ تو فُهِمَ زِيَادَتُهُمَا، تو ان دونوں کی زیادتی سمجھ میں آجائے گی جَمِيْعًا دونوں کی اکٹھی بھئی۔ تو اس صورت میں دونوں کی زائد ہونا اکٹھا سمجھ میں آجائے گا۔

بات سمجھ میں آگئی؟ بس وہ جو دوسرا جملہ جو صاحب جامی ذکر کریں گے جَاءَ زَيْدٌ رَّاكِبًا مِّنْ قَبْلِهِ أَخُوْهُ، آیا زید اس حال میں کہ اس سے پہلے اس کا بھائی سوار تھا، معلوم ہوا زید بھی سوار تھا البتہ اس کا بھائی اس سوار ہونے میں اس پر مقدم تھا، یہاں پر بھی اسی طرح ہے کہ نون سے پہلے الف زائد ہے معلوم ہوا نون بھی زائد ہے البتہ الف اس پر زائد ہونے میں مقدم ہے بھئی۔

وَهٰذَا كَمَا إِذَا قُلْتَ، اور یہ اسی طرح ہے جیسے کہ آپ کہیں: جَاءَ زَيْدٌ رَّاكِبًا مِّنْ قَبْلِهِ أَخُوْهُ، آیا زید اس حال میں کہ اس سے پہلے اس کا بھائی سوار تھا۔ فَإِنَّهُ يَدُلُّ عَلَى اشْتِرَاكِهِمَا فِيْ وَصْفِ الرُّكُوْبِ، اس لیے کیونکہ یہ دلالت کرتا ہے عَلَى اشْتِرَاكِهِمَا ان دونوں کے شریک ہونے پر فِيْ وَصْفِ الرُّكُوْبِ رکوب کے وصف میں، کہ یہ رکوب کے وصف میں دونوں شریک ہیں، وَتَقَدُّمِ أَخِيْهِ عَلَيْهِ فِيْ هٰذَا الْوَصْفِ، اور اس کے بھائی کے مقدم ہونے پر۔ فَإِنَّهُ يَدُلُّ عَلَى اشْتِرَاكِهِمَا، اشْتِرَاكِهِمَا پر عطف ہے وَتَقَدُّمِ أَخِيْهِ۔ یہ کلام دلالت کرتا ہے کس چیز پر؟ دو چیزوں پر: ایک کیا ہے؟ عَلَى اشْتِرَاكِهِمَا فِيْ وَصْفِ الرُّكُوْبِ، ایک تو اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ یہ دونوں شریک ہیں وصفِ رکوب میں، اور ایک اس بات پر دلالت کرتا ہے وَتَقَدُّمِ أَخِيْهِ عَلَيْهِ فِيْ هٰذَا الْوَصْفِ، اور اس کا بھائی اس پر مقدم ہے اس وصف میں۔ دو چیزیں اس سے سمجھ میں آرہی ہیں کہ دونوں سواری کے وصف میں شریک ہیں اور بھائی اس وصف میں اس پر مقدم ہے۔ یہ معنی ہے فَإِنَّهُ يَدُلُّ عَلَى اشْتِرَاكِهِمَا فِيْ وَصْفِ الرُّكُوْبِ، کیونکہ یہ مثال جو ہے یہ دلالت کرتی ہے کہ یہ دونوں شریک ہیں وصفِ رکوب میں، وَتَقَدُّمِ أَخِيْهِ عَلَيْهِ، اور اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ اس کا بھائی اس پر مقدم ہے فِيْ هٰذَا الْوَصْفِ اس وصف میں۔ بات سمجھ میں آگئی اچھی طرح؟ چلیے بس بھئی ہٰذَا هُوَ الْمَرَامُ وَاللّٰهُ أَعْلَمُ بِحَقِيْقَةِ الْكَلَامِ۔

سبق نمبر ۵۴: غیرِ منصرف (۳): اسبابِ تسعہ میں علت و سبب اور شرعی و نحوی علت کا فرق

شرحِ ملا جامی صفحہ: ۳۶ — بتاریخ: ۲۵ اگست ۲۰۲۱ء

▪ تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث

دیکھیے بھائی آگے سبق:

وَقَوْلُهُ وَهٰذَا الْقَوْلُ تَقْرِيْبٌ، يَعْنِيْ أَنَّ ذِكْرَ الْعِلَلِ بِصُوْرَةِ النَّظْمِ تَقْرِيْبٌ لَهَا إِلَى الْحِفْظِ لِأَنَّ حِفْظَ النَّظْمِ أَسْهَلُ، أَوِ الْقَوْلُ بِأَنَّ كُلَّ وَاحِدٍ مِنَ الْأُمُوْرِ التِّسْعَةِ عِلَّةٌ قَوْلٌ تَقْرِيْبِيٌّ لَا تَحْقِيْقِيٌّ، إِذِ الْعِلَّةُ فِي الْحَقِيْقَةِ اثْنَانِ مِنْهَا لَا وَاحِدٌ.

بھائی گزشتہ سبق میں ہم نے ترکیب حل کی تھی وَالنُّوْنُ زَائِدَةٌ مِّنْ قَبْلِهَا أَلِفٌ۔ میں نے آپ کو بتلایا تھا کہ یہ نون جو ہے یہ ذوالحال ہے اور زَائِدَةٌ اس سے حال ہے۔ اس پر اشکال ہوا کہ وَالنُّوْنُ، نون تو خبر بن رہا ہے عطف کے ذریعے۔ اور صاحبِ کافیہ کا مذہب تو یہ ہے کہ حال جو ہے وہ فاعل یا مفعول کی حالت بیان کرتا ہے، کسی اور چیز کی حالت بیان نہیں کرتا۔ تو یہ نون یہ تو خبر ہے، اس سے تو زَائِدَةً حال آ ہی نہیں سکتا۔ تو جواب دے دیا تھا صاحبِ جامی نے کہ یہ نون جو ہے لفظوں کے اعتبار سے بے شک خبر بن رہا ہے لیکن معنیٰ کے اعتبار سے یہ فاعل ہے بھائی، یعنی یہ فاعل کے درجے میں ہے۔ کیونکہ یہاں موانعِ صرف ذکر ہو رہے ہیں بھائی، اور موانعِ صرف میں سے ایک کیا ہے؟ نون بھی ہے۔ معلوم ہوا کہ نون بھی منع کرتا ہے صرف کو۔ أَيْ تَمْنَعُ النُّوْنُ الصَّرْفَ، نون منع کرتا ہے صرف کو، نون مانعِ صرف ہے۔ تو دیکھو یہ فاعل بن گیا۔ معنیٰ کے اعتبار سے یہ فاعل ہے تَمْنَعُ فعل کے لیے بھائی۔ تو وَتَمْنَعُ النُّوْنُ الصَّرْفَ نون صرف کو منع کرتا ہے۔ تو معنیٰ کے اعتبار سے یہ فاعل ہے اور جب یہ فاعل ہے تو اس سے حال کا آنا صحیح ہے۔ تو فاعل کا صرف لفظوں میں ہونا ضروری نہیں ہے بلکہ معنیٰ کے اعتبار سے بھی فاعل ہو تو اس سے بھی حال آسکتا ہے۔

تو زَائِدَةً یہ حال ہے اور اس کے اندر هِيَ ضمیر جو ذوالحال یعنی نون کو راجع ہے، اور حروف میں نے بتایا مذکر بھی استعمال ہوتے ہیں عربی میں اور مؤنث بھی لیکن زیادہ تر مؤنث استعمال ہوتے ہیں۔ تو یہ ایک حال ہوا نون سے۔ آگے مِنْ

قَبْلِهَا یہ جار مجرور مل کر متعلق ہوئے ثَابِتًا سے۔ یہ دوسرا حال ثَابِتًا منصوب نکالا کیونکہ یہ بھی حال بنے گا۔ تو ثَابِتًا صیغۂ اسمِ فاعل، اور مِنْ قَبْلِهَا اس ثَابِتًا سے متعلق ہوا، اور أَلِفٌ اس ثَابِتًا کے لیے فاعل بنا دو۔ ثَابِتًا صیغۂ اسمِ فاعل ہے اس کے لیے کیا چاہیے؟ فاعل چاہیے۔ تو ثَابِتًا مِنْ قَبْلِهَا أَلِفٌ، یہ أَلِفٌ کیا بنا ثَابِتًا کے لیے؟ فاعل، اور مِنْ قَبْلِهَا یہ متعلق ہے ثَابِتًا سے۔ اور اس کو حال بنانا ہے کس سے؟ نون سے، تو ذوالحال سے ربط بھی ضروری ہے کیونکہ یہ شبہ جملہ بنے گا اور جس طرح جملے کے لیے ربط ضروری اسی طرح شبہ جملہ کے لیے بھی ربط ضروری۔ تو یہ جو مِنْ قَبْلِهَا یہ هَا ضمیر نون کو راجع ہے، مِنْ قَبْلِهَا أَيْ مِنْ قَبْلِ النُّوْنِ، نون سے پہلے۔ تو ثَابِتًا مِنْ قَبْلِهَا أَلِفٌ یہ سارا جو ہے یہ حال بن جائے گا۔

لیکن میں نے بتایا تھا کہ ثَابِتًا یہ تو طلبہ کو سمجھانے کے لیے بتلایا جاتا ہے کہ مِنْ قَبْلِهَا کس سے متعلق ہے، ثَابِتًا۔ جیسے زَيْدٌ فِي الدَّارِ، زَيْدٌ مبتدا، فِيْ جارہ، الدَّارِ مجرور، جار مجرور مل کر کس سے متعلق؟ ثَابِتٌ، اور ثَابِتٌ مرفوع ہے کیونکہ یہ کیا بنے گا؟ خبر، اور اس کے اندر هُوَ ضمیر فاعل جو کس کو راجع ہے؟ مبتدا کو یعنی زید کو۔ تو ثَابِتٌ صیغۂ اسمِ فاعل اپنے فاعل اور متعلق یعنی فِي الدَّارِ سے مل کر یہ شبہ جملہ ہو کر خبر، شبہ جملہ ہو کر خبر۔ لیکن یاد رکھو یہ طلبہ کو سمجھانے کے لیے بتلایا جاتا ہے کہ یہ جار مجرور ثَابِتٌ سے متعلق ہے، حالانکہ حقیقت میں یہاں کوئی ثَابِتٌ نہیں، ثَابِتٌ جا چکا اور فِي الدَّارِ نے اس کی جگہ پکڑ لی۔ ثَابِتٌ جا چکا اور فِي الدَّارِ نے اس کی جگہ پکڑ لی۔ تو یہ فِي الدَّارِ ظرفِ مستقر کہلاتا ہے۔ جس کا عامل محذوف ہو وہ ظرفِ مستقر کہلاتا ہے۔ اور میں نے وجہ بھی ذکر کی تھی کہ اس کو ظرفِ مستقر کیوں کہتے ہیں؟ مُسْتَقَرٌ یہ ظرف کا صیغہ ہے۔ یہ اسمِ مفعول کا صیغہ نہیں ہے بلکہ یہ ظرف کا صیغہ ہے۔ مُسْتَقَرٌ کا کیا معنیٰ ہوا؟ قرار پکڑنے کی جگہ۔ قرار پکڑنے کی جگہ۔ تو بھائی اس کو ظرفِ مستقر کیوں کہتے ہیں؟ وجہ یہ کہ وہ ثَابِتٌ چلا گیا اور اس کی جگہ یہ فِي الدَّارِ آگیا۔ اور اب وہ جو جو عمل ثَابِتٌ کر رہا تھا وہ سارے عمل فِي الدَّارِ کرے گا۔ اور وہ کیا کر رہا تھا عمل؟ وہ هُوَ ضمیر کو رفع دے رہا تھا جو اس کے اندر چھپی ہوئی تھی۔ تو ثَابِتٌ تو چلا گیا لیکن اس هُوَ ضمیر نے اس فِي الدَّارِ میں قرار پکڑ لیا۔ تو یہ فِي الدَّارِ اس ضمیر کے قرار پکڑنے کی جگہ ہے۔ اس لیے اس کو کیا کہتے ہیں؟ ظرفِ مستقر کہ اس کے اندر وہ ضمیر قرار پکڑ لیتی ہے، یہ اس کے قرار پکڑنے کی جگہ ہے۔ اب تو اب وہ سارا عمل فِي الدَّارِ کر رہا ہے۔ وہ ضمیر اس کے اندر چھپ گئی اور اس کو اب رفع کون دے رہا ہے؟ یہ ظرف یہ فِي الدَّارِ رفع دے رہا ہے، اور یہ ضمیر کس کو راجع ہے؟ زید کو یعنی مبتدا کو راجع ہے۔

تو یہاں پر بھی میں نے کیا بتلایا؟ وَالنُّوْنُ زَائِدَةً وَالنُّوْنُ نون ہے ذوالحال، زَائِدَةً یہ حال نون سے، اور اسی طرح مِنْ قَبْلِهَا أَلِفٌ یہ مِنْ قَبْلِهَا ظرفِ مستقر ہے اور أَلِفٌ اس کا فاعل ہے، اور یہ ظرفِ مستقر یہ حالِ ثانی ہے النُّوْن سے۔ تو ایک ہی ذوالحال سے دو یا تین حال آجائیں تو ان کو احوالِ مترادفہ کہتے ہیں کہ یعنی ایک ہی ذوالحال سے یہ آرہے ہیں۔ مترادف کا معنیٰ ایک دوسرے جیسے بھائی۔ تو یہ بھی کیا ہیں؟ ایک دوسرے جیسے ہیں ایک ہی ذوالحال سے کئی حال آرہے ہیں۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو یہ زَائِدَةً یہ بھی حالِ مفرد ہے یعنی جملہ نہیں، اور مِنْ قَبْلِهَا أَلِفٌ یہ بھی حالِ مفرد ہے یعنی جملہ نہیں۔

دوسری ترکیب یہ تھی کہ یہ مِنْ قَبْلِهَا کو بنا دو خبرِ مقدم اور أَلِفٌ کو کیا بنا دو؟ بتدا مؤخر۔ توجہ ہے؟ اور مِنْ قَبْلِهَا کس سے متعلق؟ ثَابِتٌ سے، اب ثَابِتٌ مرفوع نکالا۔ پہلے منصوب نکالا تھا، پہلے منصوب کیوں تھا؟ کیونکہ حال تھا۔ اب مرفوع کیوں نکالا؟ کیونکہ اب یہ خبرِ مقدم ہے اور أَلِفٌ اس کے لیے کیا ہے؟ بتدا مؤخر۔ اور یہ ثَابِتٌ کے اندر هُوَ ضمیر اب کس کو لوٹائیں گے؟ بتدا کو کیونکہ یہ خبر ہے اور خبر کو کس سے جوڑتے ہیں؟ بتدا سے۔ تو ثَابِتٌ مِنْ قَبْلِهَا أَلِفٌ، تو ثَابِتٌ صیغۂ اسمِ فاعل، اس کے اندر هُوَ ضمیر جو الف کو راجع ہے، مِنْ قَبْلِهَا جار مجرور اس سے متعلق ہو گئے۔ تو اسمِ فاعل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر شبہ جملہ ہو کر یہ خبرِ مقدم اور أَلِفٌ بتدا مؤخر، اور بتدا اپنی خبر سے مل کر یہ پورا جملہ حال ہے۔ تو چاہے آپ اس کو ظرف بنا کر حال بنا دو، چاہے پورا جملہ اسمیہ بنا کر حال بنا دو۔ دونوں میں معنیٰ میں بھی فرق نہیں پڑے گا کیونکہ دونوں میں دونوں حال واقع ہو رہے ہیں۔ چاہے ظرف بناؤ اور ظرف کو حال بناؤ، چاہے پورے جملے کو حال بناؤ۔ تو یہ احوالِ متداخلہ ہو گئے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ پھر سنو النُّوْنُ ہے ذوالحال، زَائِدَةً یہ حال یہ بھی حال نون سے، اور مِنْ قَبْلِهَا أَلِفٌ یا تو اس کو ظرفِ مستقر بنا کر کیا کر دو؟ حال بنا دو، یا اس کو پورا جملہ بنا کر حال بنا دو اسی نون سے۔

یا دوسری ترکیب یہ ہے کہ زَائِدَةً جو حال ہے اس کے اندر جو ضمیر ہے هِيَ ضمیر جو کس کو راجع؟ نون کو، اس کو بنا دو ذوالحال۔ پہلا ذوالحال کون؟ نون۔ نون سے حال کیا آیا؟ زَائِدَةً۔ اور پھر اس زَائِدَةً کے اندر جو هِيَ ضمیر ہے اس کو دوبارہ ذوالحال بناؤ اور آگے مِنْ قَبْلِهَا أَلِفٌ اس کو ظرف یا جملہ بنا کر اس هِيَ ضمیر سے حال بنا دو۔ تو دیکھو اب یہ حال سے حال آ رہا ہے۔ تو ان کو کہتے ہیں احوالِ متداخلہ یعنی وہ حال جو ایک دوسرے کے اندر داخل ہو رہے ہیں۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو اب ترجمہ کیا ہو گا؟ وَالنُّوْنُ اور نون جو ہے زَائِدَةً اس حال میں کہ زائدہ ہو مِنْ قَبْلِهَا أَلِفٌ اور اس حال میں ہو نون کہ اس سے پہلے الف ہو، توجہ ہے؟ نون اس حال میں کہ زائدہ ہو اور نون اس حال میں کہ اس سے پہلے الف ہو۔ اس سے تو صرف نون کا زائدہ ہونا معلوم ہو رہا ہے، الف کا زائدہ ہونا تو نہیں معلوم ہو رہا۔ الف کے بارے میں تو صرف اتنا کہہ رہے ہیں کہ نون سے پہلے کیا ہو؟ الف ہو۔ تو اس کے زائد ہونے کی بات نہیں، تو اس سے صرف نون کا زائد ہونا معلوم ہوا۔

صاحبِ جامی نے کہا تھا یہاں ایک تیسری ترکیب کر لو تو پھر نون اور الف دونوں کا زائدہ ہونا معلوم ہو جائے گا۔ کس طرح؟ کہ یہ زَائِدَةً کو حال بناؤ نون سے اور زَائِدَةً کے اندر هِيَ ضمیر فاعل کی نہ نکالو بلکہ آگے جو الف آ رہا ہے اسی کو فاعل بنا دو زَائِدَةً کے لیے۔ اور مِنْ قَبْلِهَا جار مجرور کے لیے ثَابِتًا نہ نکالو، اس کو اسی زَائِدَةً سے جوڑ دو۔ تو یہ دونوں زَائِدَةً سے جڑ گئے أَلِفٌ بھی اور مِنْ قَبْلِهَا بھی۔ مِنْ قَبْلِهَا یہ اب ظرفِ لغو بن گیا، کیا بن گیا؟ پہلے ظرفِ مستقر تھا اس کا عامل محذوف تھا، اب ظرفِ لغو بن گیا کیونکہ عامل ذکر ہے۔ تو مِنْ قَبْلِهَا بھی زَائِدَةً سے ذکر اور أَلِفٌ بھی زَائِدَةً سے متعلق یعنی اس کے لیے فاعل بن گیا بھائی۔ اب کیا ترجمہ ہو گا؟ کہ اور نون اس حال میں کہ اس سے پہلے الف زیادہ ہو، اور نون اس حال میں کہ اس سے پہلے الف زیادہ ہو۔ کہتے ہیں اس سے الف کا زائد ہونا بھی معلوم ہو رہا ہے اور نون کا زائد ہونا بھی۔ بھائی کس

طرح؟ ہمیں تو صرف الف کا زائد ہونا معلوم ہو رہا ہے کس طرح؟ دیکھو پھر ترجمہ سنو، اور نون اس حال میں کہ اس سے پہلے الف زیادہ ہو۔ دیکھا الف کے زیادہ ہونے کا پتہ چل رہا ہے۔ صاحبِ کافیہ کہتے ہیں نہیں یہ اسی طرح کا کلام ہے جیسے عرب کہتے ہیں جَاءَ زَيْدٌ رَاكِبًا مِّنْ قَبْلِهِ أَخُوْهُ آیا زید اس حال میں کہ اس سے پہلے اس کا بھائی سوار تھا۔ معلوم ہوا زید بھی سوار ہے لیکن اس سے پہلے اس کا بھائی سوار ہے بھائی۔ تو یہاں بھی اسی طرح ہے کہ نون اس حال میں کہ اس سے پہلے الف زائد ہو۔ معلوم ہوا نون بھی زائد ہے لیکن اس سے پہلے الف زائد ہے۔

اب آئیے آج کے سبق پر بھائی۔

▪ متنِ کتاب و تحقیقِ مسائلِ نحویہ

وَقَوْلُهُ وَهٰذَا الْقَوْلُ تَقْرِيْبٌ، يَعْنِيْ أَنَّ ذِكْرَ الْعِلَلِ بِصُوْرَةِ النَّظْمِ تَقْرِيْبٌ لَهَا إِلَى الْحِفْظِ لِأَنَّ حِفْظَ النَّظْمِ أَسْهَلُ۔

اب ترکیب بیان کر رہے ہیں کہ وَهٰذَا الْقَوْلُ تَقْرِيْبٌ، یہ تَقْرِيْبٌ مصدر ہے، اور تو اس کا کیا معنیٰ؟ یہ والا هٰذَا الْقَوْلُ تَقْرِيْبٌ یہ والا قول قریب کرنا ہے، کیا معنیٰ مراد ہے؟ تو بتلا رہے ہیں پہلی توجیہ جو میں نے ذکر کر دی تھی کہ یہ تَقْرِيْبٌ کس معنیٰ میں ہے؟ اسمِ فاعل یا اسمِ مفعول کے معنیٰ میں کر لیں گے۔ یہاں یہ صاحبِ جامی جو ترکیب کر رہے ہیں تو یہ اسمِ فاعل کے معنیٰ میں لینا پڑے گا۔ سنو کس طرح، ادھر دیکھیے: هٰذَا الْقَوْلُ تَقْرِيْبٌ یہ والا قول تقریب ہے یعنی مُقَرِّبٌ ہے، یہ والا قول یہ والا قول قریب کرنے والا ہے کس کو؟ ان نو علتوں کو۔ یہ والا قول قریب کرنے والا ہے، کس کو قریب کر رہا ہے؟ ان نو علتوں کو قریب کر رہا ہے۔ کس چیز کے قریب کر رہا ہے؟ إِلَى الْحِفْظِ یاد کرنے کے۔ یہ ان نو علتوں کو یاد کرنے کے قریب کرنے والا ہے کیونکہ شعر کی صورت میں ہیں علتیں تو یہ جلدی یاد ہو جائیں گی، جلدی حفظ ہو جائیں گی۔

تو کہتے ہیں وَقَوْلُهُ وَهٰذَا الْقَوْلُ تَقْرِيْبٌ اور ماتن کا قول جو آیا کہ هٰذَا الْقَوْلُ تَقْرِيْبٌ، يَعْنِيْ أَنَّ ذِكْرَ الْعِلَلِ بِصُوْرَةِ النَّظْمِ یعنی ان علتوں کو نظم کی صورت میں ذکر کرنا تَقْرِيْبٌ لَهَا یہ ان کو قریب کرنا ہے ان علتوں کو، لَهَا میں هَا ضمیر کس کو راجع؟ علتوں کو۔ تَقْرِيْبٌ لَهَا یہ ان علتوں کو قریب کرنا ہے إِلَى الْحِفْظِ کس؟ حفظ کے، لِأَنَّ حِفْظَ النَّظْمِ أَسْهَلُ اس لیے کیونکہ نظم کو حفظ کرنا زیادہ آسان ہے یعنی نثر کے مقابلے میں بھائی۔ تو یہ تَقْرِيْبٌ یہاں کس معنیٰ میں لے لیں گے؟ مُقَرِّبٌ، کہ یہ کلام یعنی یہ جو نظم ہے یہ مُقَرِّبٌ یہ قریب کرنے والی ہے کس کو قریب کرنے والی ہے؟ ان نو علتوں کو، دیکھو لَهَا آیا قریب کرنے والی ہے لَهَا ان نو علتوں کو إِلَى الْحِفْظِ کس کے؟ حفظ کے۔

أَوِ الْقَوْلُ بِأَنَّ كُلَّ وَاحِدٍ۔ دوسری توجیہ بیان کریں گے کہ یہ والا قول تقریب ہے کیا معنیٰ؟ کہتے ہیں معنیٰ یہ ہے یہ والا قول

تقریبی ہے تحقیقی نہیں۔ تو گویا یہاں یائے نسبت جو ہے وہ محذوف ہے۔ لاہور سے لَاهُوْرِيٌّ یہ یائے مشدد ساتھ ملاتے ہیں نسبت کے لیے، لَاهُوْرِيٌّ کیا معنیٰ؟ لاہور والا، تو یہ یا نسبت کے لیے ہے۔ تو یہاں پر بھی اسی طرح یہ جو تَقْرِيْبٌ ہے اس کے آخر میں یائے نسبت محذوف ہے کہ هٰذَا الْقَوْلُ تَقْرِيْبِيٌّ۔ اور آپ کو میں بتلا چکا ہوں کہ یہ جس کے ساتھ یائے مشدد لگ جائے یہ بھی صفت ہوتا ہے۔ لَاهُوْرِيٌّ لاہور والا، معلوم ہوا کوئی ذات یا کوئی چیز ہے جو اس کے ساتھ موصوف ہو رہی ہے۔ بعض علماء اس کو اسمِ مفعول کی تاویل میں کر لیتے ہیں اور اس کو اسمِ منسوب کہتے ہیں۔ کیا کہتے ہیں؟ اسمِ منسوب۔ مَنْسُوْب کون سا صیغہ ہے؟ مفعول والا، تو یہ اس کو مفعول کی تاویل میں کر لیتے ہیں اور مفعول کے لیے کیا چاہیے؟ نائبِ فاعل چاہیے ہوتا ہے۔ مَضْرُوْب کے لیے کیا چاہیے؟ نائبِ فاعل، اور ضَارِب کے لیے کیا چاہیے؟ فاعل چاہیے۔ تو لہٰذا وہ کہتے ہیں یہ اسمِ منسوب ہے اور اس کے اندر پھر جو ضمیر نکالتے ہیں وہ اس کو پھر نائب الفاعل بناتے ہیں۔ تو لاہور تو جگہ کا نام لیکن لَاهُوْرِيٌّ جب آپ نے کہہ دیا اب یہ اسمِ منسوب بن گیا، اب یہ صفت کے صیغے کے درجے میں ہے، اب اس کے لیے بھی فاعل یا نائبِ فاعل چاہیے بھائی۔ تو اگر یہ اسمِ منسوب کی تاویل میں کر لیں گے تو یہ مفعول کی تاویل میں ہو گا اور اس کے اندر جو ضمیر ہو گی وہ نائب الفاعل بنے گی۔ جبکہ بعض علماء اس کو اسمِ فاعل کی تاویل میں کر لیتے ہیں کہ یہ اسمِ منسوب نہیں ہے۔

بلکہ یہ اسمِ منتسب ہے۔ دیکھو مُنْتَسِب اسمِ فاعل کا صیغہ ہے۔ مُنْتَسِب وہ اسم جس کی نسبت ہو رہی ہے۔ تو یہ اسمِ منتسب ہے، اب بھی ضمیر اس کے اندر نکالیں گے لیکن اب اس کو نائب فاعل نہیں بنائیں گے بلکہ یہ اسمِ فاعل کے درجے میں ہے تو اس کے اندر ضمیر فاعل کے درجے میں ہو گی۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو یہاں پر بھی تَقْرِيْبٌ جو ہے اس کے ساتھ یائے نسبت محذوف نکال لی تَقْرِيْبِيٌّ۔ اب یہ صفت کے درجے میں ہو گیا، اب اس کو اسمِ فاعل اسمِ مفعول کے درجے میں لینے کی ضرورت نہیں کیونکہ یہ خود ہی یہ جب تَقْرِيْبِيٌّ بن گیا تو اسمِ فاعل یا اسمِ مفعول کے درجے میں ہے بھائی۔

تو یہ قول تقریبی ہے تحقیقی نہیں۔ ان نو میں سے ہر ایک کو علت قرار دیا، یعنی ان میں سے ہر ایک کو علت قرار دینا یہ تقریبی قول ہے تحقیقی نہیں۔ کیونکہ ان میں سے ہر ایک علت نہیں ہے بلکہ دو سبب ملیں گے تو علت بنیں گے۔ یاد رکھو علت وہ ہے کہ جب علت پائی جائے تو معلول کا وجود ضرور پایا جائے، علت پائی جائے اور معلول نہ پایا جائے ایسا ہو ہی نہیں سکتا۔ سورج جب نکلے گا دن ضرور ہو گا۔ سورج کا نکلنا دن کے ہونے کے لیے علت ہے۔ سورج نکلے اور دن نہ ہو یہ ہو ہی نہیں سکتا کیونکہ سورج کا نکلنا علت ہے اور جب بھی علت ہو تو معلول ضرور پایا جاتا ہے۔ اسی طرح چابی کا گھومنا یہ علت ہے تالے کے کھلنے کے لیے۔ چابی گھومے گی تو تالا ضرور کھلے گا، چابی گھومے اور تالا نہ کھلے یہ نہیں ہو سکتا بھائی کیونکہ جب بھی علت پائی جائے معلول ضرور پایا جاتا ہے۔ تو ان میں سے یہ جو نو اسباب ہیں ان میں سے ہر ایک کو علت کہا اور علت جب پائی جائے تو معلول ضرور پایا جاتا ہے، تو ان میں سے ایک بھی پائی جائے تو پھر لفظ کو غیر منصرف ہونا

چاہیے۔ حالانکہ ایک جو ہے اس کی وجہ سے لفظ غیر منصرف بنتا ہے؟ مثلاً زَيْدٌ، اب اس کے اندر علمیت ہے لیکن یہ پھر بھی منصرف ہے بھائی۔ معلوم ہوا دو ملیں گے دو سبب ملیں گے تو یہ پھر علت بن جائیں گے۔ جیسے طَلْحَةُ، اب طَلْحَةُ کے اندر دو سبب آ گئے، ایک علمیت ایک تانیث۔ اب یہ لفظ غیر منصرف ہو گیا۔ تو ان میں سے ہر ایک علت ہے یا دو مل کر علت بنتی ہیں؟ دو ملیں گی تو پھر لفظ غیر منصرف بنے گا۔ اگر ہر ایک علت ہے تو پھر تو ایک کے آنے سے بھی معلول کا پایا جانا ضرور ہے، لفظ کو غیر منصرف ہونا ضروری ہونا چاہیے۔ تو ان میں سے ہر ایک کو علت قرار دینا یہ قول تقریبی ہے تحقیقی نہیں، یعنی مطلب یہ ہے کہ ان کو مجازاً علت کہا گیا ہے، یہ علت نہیں ہے حقیقت میں ورنہ تو علت کے ہوتے ہوئے تو معلول ضرور ہوتا ہے پھر تو ایک بھی پائی جائے تو غیر منصرف کا ہونا ضروری ہو گا۔ بات سمجھ میں آ گئی؟

تو کہتے ہیں أَوِ الْقَوْلُ بِأَنَّ كُلَّ وَاحِدٍ مِّنَ الْأُمُوْرِ التِّسْعَةِ عِلَّةٌ قَوْلٌ تَقْرِيْبِيٌّ لَا تَحْقِيْقِيٌّ، اور یہ قول کہ ان امورِ تسعہ میں سے ہر ایک جو ہے وہ علت ہے، قَوْلٌ تَقْرِيْبِيٌّ یہ تقریبی قول ہے تحقیقی قول نہیں یعنی ان کو مجازاً علت کہا گیا ہے، إِذِ الْعِلَّةُ فِي الْحَقِيْقَةِ اثْنَانِ مِنْهَا لَا وَاحِدٌ اس لیے کیونکہ علت حقیقت کے اندر ان میں سے دو ہیں لَا وَاحِدٌ ایک نہیں ہے۔

أَوِ الْقَوْلُ بِأَنَّهَا تِسْعٌ تَقْرِيْبٌ لَهَا إِلَى الصَّوَابِ یا یہ قول کہ یہ نو ہیں، یہ تیسری توجیہ بیان کر رہے ہیں کہ هٰذَا الْقَوْلُ تَقْرِيْبٌ. تیسری توجیہ، بھائی یاد رکھو یہ جو غیر منصرف کے اسباب ہیں اس میں علماء کے کئی مذاہب ہیں۔ بعض علماء فرماتے ہیں کہ اسبابِ منع صرف دو ہیں بس، اور بعض علماء فرماتے ہیں کہ اسبابِ منع صرف گیارہ ہیں، جبکہ جمہور فرماتے ہیں کہ اسبابِ منعِ صرف نو ہیں۔ تو دیکھو تین قول آ گئے تین مذاہب آ گئے ان علتوں کے بارے میں۔ پہلا مذہب کیا کہ یہ علتیں صرف دو ہیں، دوسرا مذہب کیا کہ یہ گیارہ ہیں، اور تیسرا مذہب جو ہے کہ یہ علتیں نو ہیں۔ تو ان علتوں کو اس شعر میں کتنا شمار کیا گیا؟ نو۔ تو یہ والا قول جس میں ان علتوں کو نو بتلایا گیا ہے یہ مُقَرِّبٌ لَهَا إِلَى الصَّوَابِ یہ ان علتوں کو درست بات کے قریب کرنے والا ہے یعنی صحیح مذہب کے قریب کرنے والا ہے۔ صحیح مذہب بھی کیا ہے کہ ان کی تعداد کتنی ہے؟ نو ہے۔ تو اس صورت میں بھی تَقْرِيْبٌ بمعنیٰ مُقَرِّبٌ کے ہے کہ یہ قول قریب کرنے والا ہے کن کو؟ ان علتوں کو قریب کرنے والا ہے کس کے؟ درست مذہب کے، درست مذہب کے۔

أَوِ الْقَوْلُ بِأَنَّهَا تِسْعٌ تَقْرِيْبٌ لَهَا إِلَى الصَّوَابِ یا یہ قول کہ یہ نو ہیں علتیں، یہ قول قریب کرنے والا ہے لَهَا ان علتوں کو إِلَى الصَّوَابِ درست بات کے، لِأَنَّ فِيْ عَدَدِهَا خِلَافًا کیونکہ ان علتوں کی تعداد میں اختلاف ہے، فَقَالَ بَعْضُهُمْ إِنَّهَا تِسْعٌ بعض علماء فرماتے ہیں کہ یہ علتیں نو ہیں، وَقَالَ بَعْضُهُمْ اور بعض فرماتے ہیں اثْنَانِ کہ یہ علتیں دو ہیں، وَقَالَ بَعْضُهُمْ اور بعض فرماتے ہیں أَحَدَ عَشَرَ کہ یہ علتیں گیارہ ہیں، لٰكِنَّ الْقَوْلَ بِأَنَّهَا تِسْعٌ تَقْرِيْبٌ لَهَا إِلَى مَا هُوَ الصَّوَابُ مِنَ الْمَذَاهِبِ الثَّلَاثَةِ لیکن ان علتوں کے نو ہونے کا جو قول ہے، تَقْرِيْبٌ لَهَا أَيْ مُقَرِّبٌ لَهَا وہ ان کو قریب کرنے والا ہے، إِلَى مَا هُوَ الصَّوَابُ اس بات کی طرف جو صحیح ہے درست ہے مِنَ الْمَذَاهِبِ الثَّلَاثَةِ تین مذہبوں میں سے جو درست ہے اس کے قریب کرنے والا ہے یہ قول۔ یہاں تک بات سمجھ میں آ گئی؟

ثُمَّ إِنَّهُ ذَكَرَ أَمْثِلَةَ الْعِلَلِ الْمَذْكُوْرَةِ عَلٰى تَرْتِيْبِ ذِكْرِهَا فِي الْبَيْتَيْنِ۔ اب آگے ان ساروں کی مثالیں ذکر کریں گے، یہ جتنے اسبابِ منعِ صرف ذکر ہوئے، نو اسبابِ منعِ صرف ہیں تو نو ہی مثالیں ذکر کریں گے اور اسی ترتیب سے جس ترتیب سے وہ اسبابِ منعِ صرف شعر میں ذکر تھے بھائی۔ کہتے ہیں ثُمَّ إِنَّهُ ذَكَرَ أَمْثِلَةَ الْعِلَلِ الْمَذْكُوْرَةِ عَلٰى تَرْتِيْبِ ذِكْرِهَا فِي الْبَيْتَيْنِ پھر ذکر کیا ماتن نے أَمْثِلَةَ الْعِلَلِ الْمَذْكُوْرَةِ ان مذکورہ علتوں کی مثالوں کو عَلٰى تَرْتِيْبِ ذِكْرِهَا فِي الْبَيْتَيْنِ اسی ترتیب پر جس پر وہ ذکر ہیں ان دو شعروں میں، فَقَالَ تو فرمایا: مِثْلُ عُمَرَ۔ متن دیکھو پہلے: مِثْلُ عُمَرَ وَأَحْمَرَ وَطَلْحَةَ وَزَيْنَبَ وَإِبْرَاهِيْمَ وَمَسَاجِدَ وَمَعْدِيْكَرِبَ وَعِمْرَانَ وَأَحْمَدَ۔ یہ ہے متن متن۔ اب درمیان میں صاحبِ جامی ہر ایک کے بارے میں بتلاتے جائیں گے کہ یہ کس چیز کی مثال ہے۔

تو کہتے ہیں: مِثْلُ عُمَرَ مِثَالٌ لِلْعَدْلِ جیسے کہ عُمَرَ ہے، یہ مثال ہے عدل کی۔ عُمَرَ کے اندر کون سے دو اسبابِ منعِ صرف ہیں؟ ایک عدل اور ایک علمیت ہے بھائی۔ وَأَحْمَرَ مِثَالٌ لِلْوَصْفِ، یہ مثال ہے وصف کی۔ أَحْمَرَ اس میں کون سے دو اسبابِ منعِ صرف ہیں؟ ایک وزنِ فعل ہے اور ایک وصف ہے۔ وَطَلْحَةَ مِثَالٌ لِلتَّأْنِيْثِ، یہ مثال ہے تانیث کی۔ طَلْحَةَ اس میں کون سے دو اسباب ہیں؟ ایک تانیث اور ایک علمیت بھائی۔ وَزَيْنَبَ مِثَالٌ لِلْمَعْرِفَةِ، اور زَيْنَبَ یہ مثال ہے معرفہ کی۔ اس میں کون سے دو سبب ہیں؟ ایک علمیت ہے اور ایک تانیثِ معنوی ہے بھائی، تانیثِ معنوی۔ بھائی دیکھیے دو مثالیں ذکر کیں، دو علم یہاں لائے صاحبِ کافیہ، ایک طَلْحَةَ دیکھو اس کے آخر میں تائے تانیث جڑی ہوئی ہے، یہ نام مذکر کا ہے لیکن بہرحال یہ تانیث مؤثر ہوگی اور علمیت اور تانیث دونوں جمع ہو گئے تو یہ غیر منصرف ہوگا۔ یہ نام مذکر کا ہے۔ اور آگے معرفہ کے لیے زَيْنَبَ کی مثال لائے۔ دراصل مصنف تانیث کی دو قسموں کی طرف اشارہ کرنا چاہتے ہیں۔ ایک تانیثِ لفظی ہے ایک تانیثِ معنوی۔ تانیثِ لفظی جس میں لفظوں میں کوئی تانیث کی علامت موجود ہو، اور تانیث کی تین علامتیں ہیں: ایک تائے مربوطہ ہے یعنی گول تا بھائی، اور ایک الفِ مقصورہ ہے، اور ایک الفِ ممدودہ۔ الفِ ممدودہ جس کے بعد ہمزہ آتا ہے بھائی، جس کی وجہ سے اس کو اور خوب لمبا کیا جاتا ہے کھینچا جاتا ہے۔ تو تین علامتیں ہو گئیں تانیثِ لفظی کی، تائے مربوطہ، الفِ مقصورہ اور الفِ ممدودہ۔ تو طَلْحَة مثال لا کر اشارہ کر دیا تانیثِ لفظی کی طرف کیونکہ اس میں گول تا موجود ہے۔ اور زَيْنَب لا کر اشارہ کر دیا تانیثِ معنوی کی طرف کہ زینب مؤنث کا نام ہے، معنیٰ کے اعتبار سے تو یہ مؤنث ہے بھائی کیونکہ مؤنث کا نام ہے لیکن اس میں تانیث والی کوئی علامت نہیں، نہ گول تا ہے، نہ الفِ مقصورہ ہے اور نہ الفِ ممدودہ ہے۔ تو یہ دو مثالیں لا کر تانیث کی دو قسموں کی طرف اشارہ کر دیا۔

تو کہتے ہیں وَزَيْنَبَ مِثَالٌ لِلْمَعْرِفَةِ زینب جو ہے یہ معرفہ کی مثال ہے، وَفِي إِيْرَادِ زَيْنَبَ مِثَالًا لِلْمَعْرِفَةِ، أَوْرَدَ يُوْرِدُ إِيْرَاد کا معنیٰ ہے لانا، وَفِي إِيْرَادِ زَيْنَبَ اور زینب کے لفظ کو لانا مِثَالًا لِلْمَعْرِفَةِ معرفہ کے لیے مثال کے طور پر، معرفہ کی مثال کے طور پر زینب کے لفظ کو لانا بَعْدَ طَلْحَةَ کس کے بعد؟ طلحہ کے بعد، إِشَارَةٌ إِلٰى قِسْمَيِ التَّأْنِيْثِ اللَّفْظِيِّ وَالْمَعْنَوِيِّ یہ اشارہ

ہے تانیث کی دو قسمیں جو ہیں لفظی اور معنوی، ان کی طرف اشارہ ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟

بھائی یاد رکھو ایک عبارت کا نکتہ، کبھی ایک چیز کو اجمالاً ذکر کیا جاتا ہے اور پھر آگے اس کی تفصیل بیان کی جاتی ہے۔ جیسے مثلاً میں آپ سے کہتا ہوں میرے تین دوست ہیں، دیکھو اجمال ہے، کون کون ہیں تفصیل میں نے ذکر نہیں کی، اس کو کہتے ہیں اجمال، میرے تین دوست ہیں۔ پھر آگے میں تفصیل بیان کر دیتا ہوں: زَيْدٌ وَعَمْرٌو وَبَكْرٌ زید، عمر اور بکر، یہ ہے تفصیل بھائی، ایک ایک فرد کے بارے میں میں نے بتلا دیا۔ تو اجمال جس میں ساروں کو اکٹھا ذکر کر دیا جائے وہ ہے اجمال، اور ایک ایک کو الگ ذکر کیا جائے اس کو کیا کہتے ہیں؟ تفصیل۔ تو جب بھی اجمال کے بعد تفصیل آجائے عبارت میں تو وہاں عموماً تین طرح کے اعراب پڑھنا جائز ہوتے ہیں۔ کتنے؟ تین۔ جیسے یہاں دیکھو: إِشَارَةٌ إِلٰى قِسْمَيِ التَّأْنِيْثِ، یہ اصل میں تھا قِسْمَيْنِ، نون اضافت کی وجہ سے گر گیا اور پھر یا کو حرکت دے دی کسرہ والی تو کیا بن گیا؟ قِسْمَيِ التَّأْنِيْثِ تانیث کی دو قسمیں۔ تو اس میں اشارہ ہے تانیث کی دو قسموں کی طرف، یہ ہے اجمال، کون سی دو قسمیں کوئی تفصیل نہیں۔ لیکن پھر آگے آگیا اللَّفْظِيِّ وَالْمَعْنَوِيِّ یہ تفصیل آگئی۔ تو اجمال کے بعد جب تفصیل آئے وہاں تین طرح کے اعراب پڑھ سکتے ہیں۔ دیکھو یہ قِسْمَيِ التَّأْنِيْثِ اس کو بنا لو مبدل منہ اور اللَّفْظِيِّ وَالْمَعْنَوِيِّ ان دونوں کو بدل بنا دو۔ دو وہ جہاں اس میں اشارہ ہے تانیث کی دو قسموں کی طرف یعنی کہ لفظی اور معنوی، دیکھا؟ تو اس کو بدل بناتے ہیں اور بدل کا وہی اعراب ہوتا ہے جو مبدل منہ کا ہو۔ وہ دو قسمیں تانیث کی کون سی ہیں؟ لفظی اور معنوی، تو یہ لفظی اور معنوی کو بدل بنایا کس سے؟ تانیث سے نہیں قِسْمَيِ التَّأْنِيْثِ تانیث کی دو قسموں سے، توجہ ہے؟ اور قِسْمَيِ التَّأْنِيْثِ یہ اس پر إِلٰى داخل ہے مجرور ہے، تو لہٰذا اللَّفْظِيِّ وَالْمَعْنَوِيِّ ان کو بھی مجرور پڑھو۔ تو یہ بدل بن گئے اور بدل اور مبدل منہ کا اعراب ایک ہوتا ہے۔ دوسری ترکیب یہ ہے کہ ان کو مفعول بنا دو أَعْنِيْ فعل کے لیے۔ إِشَارَةٌ إِلٰى قِسْمَيِ التَّأْنِيْثِ اس میں اشارہ ہے تانیث کی دو قسموں کی طرف أَعْنِي اللَّفْظِيَّ وَالْمَعْنَوِيَّ میری مراد لفظی اور معنوی ہے۔ دیکھا أَعْنِيْ فعل آیا اس کے اندر أَنَا ضمیر فاعل متکلم کا صیغہ ہے اور اللَّفْظِيَّ وَالْمَعْنَوِيَّ یہ اس کے لیے کیا بن جائیں گے؟ مفعول بن جائیں گے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ دو ترکیبیں۔ تیسری ترکیب یہ ہے کہ ان کو خبر بنا دو ان کے لیے بتدا محذوف نکال دو، کہ دو قسمیں تانیث کی وہ کون سی ہیں؟ هُمَا اللَّفْظِيُّ وَالْمَعْنَوِيُّ وہ دو قسمیں، هُمَا بتدا اور اللَّفْظِيُّ وَالْمَعْنَوِيُّ اس کے لیے خبر۔ تو وہ دو قسمیں جو ہیں وہ لفظی اور معنوی ہیں۔ تو دیکھو ایک ہی بتدا دونوں کے لیے نکال لیا، یا چاہو تو دونوں کے لیے الگ الگ بتدا نکال لو، أَحَدُهُمَا اللَّفْظِيُّ وَثَانِيْهِمَا مَعْنَوِيٌّ ان میں سے ایک لفظی ہے اور دوسرا معنوی ہے۔ تو أَحَدُهُمَا بتدا، اللَّفْظِيُّ اس کی خبر اور خبر مرفوع ہوتی ہے۔ اور ثَانِيْهِمَا بتدا اور الْمَعْنَوِيُّ اس کی خبر اور خبر مرفوع ہوتی ہے۔ تو اس صورت میں پھر رفع پڑھیں گے۔ تو تین ترکیبیں، جہاں بھی اجمال کے بعد تفصیل آجائے وہاں تین ترکیبیں جائز ہوتی ہیں، تین ترکیبیں جائز ہوتی ہیں۔ ایک ترکیب کیا؟ کہ اس کو ماقبل سے بدل بنا دو۔ دوسری ترکیب کیا؟ کہ اس کو أَعْنِيْ فعل کے لیے مفعول بنا دو۔ تیسری؟ کہ اس کو خبر بنا دو۔ بدل بناؤ تو بدل پر وہی اعراب جو مبدل

منہ پر ہے، أَغْنِيْ کے لیے مفعول بناؤ تو پھر اس پر نصب پڑھو، اور اگر مبتدا کے لیے خبر بناؤ تو خبر مرفوع ہوتی ہے پھر رفع پڑھو۔ بات سمجھ میں آگئی؟ معلوم ہوا یہ جو اللَّفْظِيُّ وَالْمَعْنَوِيُّ آیا اس پر تینوں طرح کے اعراب آپ پڑھ سکتے ہیں۔

آگے دیکھیے: وَإِبْرَاهِيْمَ مِثَالٌ لِلْعُجْمَةِ، اور إِبْرَاهِيْمَ جو ہے وہ مثال ہے عجمہ کی۔ إِبْرَاهِيْمَ مثال ہے عجمہ کی، کون کون سے دو سبب ہیں إِبْرَاهِيْمَ میں؟ ایک علمیت ہے اور ایک عجمہ ہے عجمی نام ہے بھائی۔ آپ کہیں گے یہ تو عربی نام ہے قرآن میں آیا ہے بھائی حضرت ابراہیم علیہ السلام۔ جواب یہ کہ عربی زبان اس وقت بنی ہی نہیں تھی بھائی، اس کے بعد عربی زبان بنتی چلی گئی آہستہ آہستہ، سینکڑوں سال گزرے پھر آہستہ آہستہ عربی زبان بن گئی بھائی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زبان عربی نہیں تھی بھائی۔ تو یہ عجمی نام ہے عربی نہیں ہے کیونکہ اس وقت عربی کا وجود ہی نہیں تھا۔

وَمَسَاجِدَ مِثَالٌ لِلْجَمْعِ، اور مَسَاجِدَ یہ مثال ہے جمع کی بھائی۔ یعنی جمع منتہی الجموع ہے اور یہ دو سببوں کے قائم مقام ہے بھائی۔ وَمَعْدِيْكَرِبَ مِثَالٌ لِلتَّرْكِيْبِ، یہ ترکیب کی مثال ہے۔ مَعْدِي اور كَرِب دو الگ الگ لفظ تھے، ایک تھا مَعْدِي دوسرا كَرِب، ان دونوں کو جوڑ دیا تو یہ مَعْدِيْكَرِبَ یہ اسمِ ترکیب ہے دو لفظوں کو جوڑا گیا ہے۔ تو مَعْدِيْكَرِبَ میں کون سے دو سبب؟ ایک علمیت اور ایک ترکیب ہے بھائی۔ وَعِمْرَانَ مِثَالٌ لِلْأَلِفِ وَالنُّوْنِ، یہ مثال ہے اس الف اور نون کی وہ جو زائدہ ہوتے ہیں، وہ جو زائدہ ہوتے ہیں۔ اس میں کون سے دو سبب ہیں؟ ایک علمیت اور ایک الف نون مزیدتان بھائی۔ وَأَحْمَدَ مِثَالٌ لِوَزْنِ الْفِعْلِ، یہ مثال ہے وزنِ فعل کی۔ مثال ہے وزنِ فعل کی۔ أَحْمَدَ میں کون سے دو سبب؟ ایک وزنِ فعل اور ایک علم ہے بھائی۔

آگے دیکھیے، کہتے ہیں: وَحُكْمُهُ أَيْ حُكْمُ غَيْرِ الْمُنْصَرِفِ وَالْأَثَرُ الْمُتَرَتِّبُ عَلَيْهِ مِنْ حَيْثُ اشْتِمَالُهُ عَلٰى عِلَّتَيْنِ أَوْ وَاحِدَةٍ مِّنْهَا تَقُوْمُ مَقَامَهُمَا۔ اب حکم بیان کرنے لگے ہیں غیر منصرف کا۔ پہلے متن متن دیکھ لیجیے۔ کہتے ہیں وَحُكْمُهُ أَنْ لَّا كَسْرَةَ وَلَا تَنْوِيْنَ، حکم اس کا یہ ہے أَنْ لَّا كَسْرَةَ وَلَا تَنْوِيْنَ کہ غیر منصرف جو ہے اس میں نہ کسرہ آتا ہے اور نہ تنوین بھائی۔ کسرہ بھی نہیں آئے گا جَاءَنِيْ أَحْمَدُ دیکھو تنوین بھی نہیں، وَرَأَيْتُ أَحْمَدَ، مَرَرْتُ بِأَحْمَدَ کسرہ بھی نہیں اور تنوین بھی نہیں۔ اس کا جر بھی کس کے تابع ہوتا ہے؟ نصب کے تابع ہوتا ہے، اس پر فتحہ آتا ہے جر کی صورت میں بھی۔ مَرَرْتُ بِأَحْمَدَ۔ جی، أَحْمَدَ کا اعراب بتاؤ اس پر با جارہ داخل ہے۔ مَرَرْتُ بِأَحْمَدَ، ترکیب سنو، مَرَرْتُ فعل با فاعل، تَا ضمیر مرفوع محلاً فاعل، بَا جارہ، أَحْمَدَ مجرور۔ کون سا؟ لفظاً، محلاً، تقدیراً؟ جی؟ لفظاً لفظاً، یہ أَحْمَدَ، اس فتحہ پر آپ تلفظ کر رہے ہیں یا نہیں کر رہے؟ ہاں، تو اس پر آپ باقاعدہ تلفظ کر رہے ہیں تو یہ لفظاً مجرور ہے۔ ہاں اس کا جر آتا ہی فتحہ کی صورت میں ہے۔ یہ جر ہی ہے اس وقت اس پر اور آپ اس پر تلفظ بھی کر رہے ہیں، تو یہ اعرابِ لفظی ہے بھائی۔

جی، تو غیر منصرف کا حکم کیا ہے کہ أَنْ لَّا كَسْرَةَ وَلَا تَنْوِيْنَ، نہ تو اس پر کسرہ آتا ہے اور نہ تنوین، اور نہ تنوین آتی ہے بھائی۔ یہ جو عبارت ہے أَنْ لَّا كَسْرَةَ وَلَا تَنْوِيْنَ، یہ اسی طرح ہے جیسا ہے لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ، لَا كَسْرَةَ وَلَا تَنْوِيْنَ، لَا حَوْلَ وَلَا

قُوَّةَ۔ اور اس کے اندر آپ نے پڑھا ہے کہ پانچ وجہیں پڑھنا جائز ہیں، تو وہی پانچ وجہیں یہاں بھی جائز ہوں گی۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو وہ آگے آجائے گا جہاں لائے نفی جنس کا بیان ہے اس کے اندر لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللهِ کا ذکر آجائے گا، وہاں ہم وہ پانچ وجہیں پڑھیں گے۔ بس اتنا یاد رکھیں کہ یہ عبارت بھی اسی قبیل سے ہے، جیسے وہاں پانچ وجہیں پڑھنا جائز ہیں یہاں بھی پانچ وجہیں پڑھنا جائز ہیں بھائی۔

دیکھیے بھائی اب کتاب پر: وَحُكْمُهُ اور اس کا حکم، بھائی یہ ضمیر کس کو راجع؟ آگے بتلا دیا: أَيْ حُكْمُ غَيْرِ الْمُنْصَرِفِ، کہ یہ ضمیر کا مرجع کیا ہے؟ غیر منصرف ہے۔ غیر منصرف کا حکم یہ ہے۔ وَالْأَثَرُ الْمُتَرَتِّبُ عَلَيْهِ، یہ یاد رکھیے یہ عطفِ تفسیری ہے۔ عطفِ تفسیری میں نے آپ کو بتلایا تھا بھائی یہ جو حروفِ عاطفہ ہیں ان سے ماقبل والے کو کہتے ہیں معطوفٌ علیہ اور مابعد والے کو کہتے ہیں معطوف۔ جَاءَنِيْ زَيْدٌ وَعَمْرٌو، واوٗ سے ماقبل زَيْدٌ آیا اس کو کیا کہیں گے؟ معطوفٌ علیہ، اور واوٗ کے جو مابعد آیا اس کو کیا کہیں گے؟ معطوف۔ اور یاد رکھو یہ معطوفٌ علیہ اور معطوف ایک دوسرے سے غیر ہوتے ہیں، عطف مغایرت کا تقاضا کرتا ہے۔ عطف... جب میں نے کہا میرے پاس زید اور عمر آیا، زید اور عمر آیا، یہ لفظِ اور بیچ میں بتلا رہا ہے کہ دونوں الگ الگ ہیں ایک نہیں ہیں، ورنہ اور لانے کی ضرورت نہیں تھی بھائی۔ تو یہاں بھی جَاءَنِيْ زَيْدٌ وَعَمْرٌو جب عمر اور زید کے درمیان واوٗ آپ لے آئے تو یہ عطف کر رہے ہیں اور عطف تقاضا کرتا ہے کہ یہ دونوں ایک دوسرے سے مغایر ہیں الگ الگ ہیں، دونوں ایک ذات نہیں ہیں۔ لیکن کبھی کبھار ایسا ہوتا ہے کہ معطوف علیہ اور معطوف دونوں ایک ہی ہوتے ہیں اور وہ عطفِ تفسیری ہے۔ وہ عطفِ... عطفِ تفسیری میں دیکھو ایک لفظ لایا جاتا ہے اور پھر اس کا معنیٰ آگے بیان کیا جاتا ہے اور حرفِ أَيْ کے ساتھ نہیں معنیٰ بیان کرتے بلکہ درمیان میں حرفِ عطف واوٗ لے آتے ہیں۔ مثلاً میں نے ایک ساتھی کے سامنے ذکر کیا رَأَيْتُ غَضَنْفَرًا، اب مجھے پتہ ہے کہ اس کو غَضَنْفَر کا معنیٰ سمجھ میں نہیں آئے گا، تو ایک صورت یہ ہے میں معنیٰ آگے یوں بیان کر دوں رَأَيْتُ غَضَنْفَرًا أَيْ أَسَدًا، أَيْ... میں نے غضنفر یعنی شیر کو دیکھا، اب یہ أَيْ نے تفسیر کر دی غضنفر کی کیونکہ أَيْ حرفِ تفسیر ہے۔ اور دوسرا طریقہ یہ ہے کہ جو شخص صرف اور نحو اور عربی قوانین جاننے والا ہے تو اب میں اس کو أَيْ کے بجائے درمیان میں واوٗ لے آؤں گا، رَأَيْتُ غَضَنْفَرًا وَأَسَدًا، معنیٰ وہی ہے میں نے شیر کو دیکھا، کیوں؟ کیونکہ یہ غَضَنْفَر اور أَسَد الگ الگ نہیں ہیں۔ غَضَنْفَر کا معنیٰ بھی شیر، أَسَد کا معنیٰ بھی شیر۔ تو غضنفر کا معنیٰ میں نے بیان کر دیا عطف کر کے، تو یہاں معطوف اور معطوف علیہ دونوں ایک ہی ہیں، یہ عطفِ تفسیری کہلاتا ہے۔ یہ معطوف جو ہے وَأَسَدًا یہ تفسیر کر رہا ہے کس کی؟ غضنفر کی کہ غضنفر کسے کہتے ہیں۔ تو یہاں پر بھی وَالْأَثَرُ الْمُتَرَتِّبُ عَلَيْهِ، یہ حکم کی تفسیر بیان کر رہے ہیں کہ حکم کسے کہتے ہیں؟ وہ اثر جو کسی شے پر مرتب ہوتا ہے۔ وہ اثر جو کسی شے پر مرتب ہوتا ہے اس کو اس شے کا حکم کہتے ہیں۔ تو غیر منصرف پر کیا حکم مرتب ہوتا ہے؟ کیا اثر مرتب ہوتا ہے؟ جب اس میں دو علتیں آجاتی ہیں تو اس پر یہ حکم مرتب ہوتا ہے کہ اب نہ کسرہ آسکتا ہے اور نہ تنوین۔ تو دیکھو یہ اس پر اثر مرتب ہوا ہے۔

تو کہتے ہیں وَحُكْمُهُ أَيْ حُكْمُ غَيْرِ الْمُنْصَرِفِ غیر منصرف کا حکم جو ہے، وَالْأَثَرُ الْمُتَرَتِّبُ عَلَيْهِ اور وہ اثر جو اس پر مرتب ہو، مِنْ حَيْثُ اشْتِمَالُهُ عَلٰى عِلَّتَيْنِ اس حیثیت سے کہ وہ دو علتوں پر مشتمل ہے، أَوْ وَاحِدَةٍ مِّنْهَا تَقُوْمُ مَقَامَهُمَا یا ان میں سے ایک ایسی علت پر مشتمل ہے جو ان دو کے قائم مقام ہے۔ یہ حیثیت کی قید لگا دی۔ حیثیت کی قید، وجہ یہ کہ ادھر دیکھیے: جَاءَنِيْ أَحْمَدُ، جَاءَنِيْ أَحْمَدُ، ترکیب میں احمد کیا بن رہا ہے؟ فاعل، اور فاعل ہونے کی حیثیت سے اس پر کیا آیا؟ رفع۔ رَأَيْتُ أَحْمَدَ، اب احمد کیا بن رہا ہے؟ مفعول بن رہا ہے، اور مفعول ہونے کی حیثیت سے اس پر کیا اثر مرتب ہوا؟ نصب آگیا۔ مَرَرْتُ بِأَحْمَدَ، احمد پر با جارہ داخل ہے، یہ کیا واقع ہو رہا ہے؟ مضاف الیہ مجرور واقع ہو رہا ہے، اور مجرور ہونے کی حیثیت سے اس پر کیا اثر مرتب ہوا؟ اس پر جر آگیا۔ تو ایک ہی چیز میں کئی حیثیتیں ہو سکتی ہیں۔ دیکھو اب یہ احمد غیر منصرف ہے لیکن فاعل ہونے کی حیثیت سے اس کا حکم یہ کہ اس پر رفع آئے گا، مفعول ہونے کی حیثیت سے اس کا حکم یہ کہ اس پر نصب آئے گا، اور مضاف الیہ ہونے کی حیثیت سے اس کا حکم یہ کہ اس پر جر آئے گا۔ بتلا رہے ہیں کہ مضاف الیہ کے حکم سے مراد یہ ہے، وہ اثر جو اس پر مرتب ہو فاعل ہونے کی حیثیت سے نہیں، مفعول یا مضاف الیہ ہونے کی حیثیت سے نہیں، بلکہ کس حیثیت سے؟ غیر منصرف ہونے کی حیثیت سے، یعنی دو علتیں پائے جانے کی وجہ سے جو حکم اس پر مرتب ہو وہ مراد ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ ہر حکم مراد نہیں ہے۔

تو یہ معنیٰ ہے مِنْ حَيْثُ اشْتِمَالُهُ عَلٰى عِلَّتَيْنِ اس حیثیت سے کہ وہ مشتمل ہے دو علتوں پر أَوْ وَاحِدَةٍ مِّنْهَا تَقُوْمُ مَقَامَهُمَا یا ایک ایسی علت پر جو ان دو کے قائم مقام ہے۔ اس حیثیت سے کہ اس میں دو علتیں ہیں یا ایک قائم مقام دو کے ہے، اس حیثیت سے غیر منصرف کا حکم کیا؟ کسرہ بھی نہیں آئے گا اور تنوین بھی نہیں۔ اور فاعل ہونے کی حیثیت سے اس کا حکم کیا؟ اس پر رفع آئے گا۔ تو وہ حیثیت اور تھی یہ حیثیت اور ہے۔ تو یہ جو کسرہ اور تنوین نہیں آئے گا غیر منصرف پر، یہ کس حیثیت سے ہے؟ غیر منصرف ہونے کی حیثیت سے ہے بھائی، بات سمجھ میں آگئی؟

آگے دیکھیے: أَنْ لَّا كَسْرَةَ فِيْهِ وَلَا تَنْوِيْنَ۔ وَأَنْ لَّا كَسْرَةَ فِيْهِ یہ بتلا رہے ہیں کہ یہ كَسْرَةَ لائے نفی جنس کا اسم ہے اور فِيْهِ خبر جو ہے محذوف ہے۔ فِيْهِ لائے نفی جنس کی خبر محذوف ہے۔ کہ أَنْ لَّا كَسْرَةَ فِيْهِ کہ اس میں نہ تو کسرہ ہوتا ہے وَلَا تَنْوِيْنَ اور نہ تنوین آتی ہے۔ وَذٰلِكَ لِأَنَّ لِكُلِّ عِلَّةٍ فَرْعِيَّةً فَإِذَا وَقَعَ فِي الْاِسْمِ عِلَّتَانِ حَصَلَ فِيْهِ فَرْعِيَّتَانِ۔

یہاں سے اب وجہ بیان کرنے لگے ہیں کہ غیر منصرف پر کسرہ اور تنوین کیوں نہیں آتے بھائی؟ دیکھو، عجیب تقریر ہے علمائے نحو کی انسان حیران رہتا ہے۔ ایسے انداز میں، اتنے خوبصورت انداز میں یہ ضابطے ذکر کرتے ہیں کہ یوں لگتا ہے یہ ضابطوں کو دیکھ دیکھ کر عربی زبان بنائی گئی، حالانکہ عربی زبان پہلے ہے اور ضابطے بعد میں ہیں لیکن وہ ضابطے ایسے زبردست ہیں اور ایسے کمال کے بنا دیے کہ جیسے یوں لگتا ہے ان کو دیکھ کر عربی زبان بنائی گئی۔ اب سوال پیدا ہوا کہ

یہ غیر منصرف پر کسرہ اور تنوین کیوں نہیں آتے؟ ایک تو سیدھا سا جواب ہے: بھائی ہم نے عربوں سے اسی طرح سنا ہے وہ اس پر کسرہ اور تنوین پڑھتے ہی نہیں ہیں۔ کسرہ اور تنوین... لیکن بھائی سوال یہ عرب کیوں نہیں پڑھتے اس کی وجہ کیا ہے؟ تو اب اس کی وجہ بتائیں گے کہ اس وجہ سے بھائی، اور بتائیں گے آپ کو کہ یہ جو غیر منصرف ہوتا ہے اس میں دو علتیں پائی جاتی ہیں اور ہر علت جو ہے اس میں فرعیت ہے۔ ہر علت میں کیا ہے؟ فَرْعِيَّةٌ دیکھو یہ یائے مشدد ساتھ جوڑ دی فرع کے یہ مصدریت کے لیے ہے، مصدر بنانے کے لیے۔ فرعیت کا کیا معنیٰ؟ فرع ہونا۔ ایک ہوتا ہے اصل ایک ہے فرع، اور ایک اسی سے مصدر بنا لیا فرعیت، کیا معنیٰ؟ فرع ہونا۔ تو یاد رکھو یہ جو نو علتیں ذکر ہوئیں ان میں سے ہر علت میں فرعیت ہے یعنی ہر علت فرع ہے۔ ہر علت کیا ہے؟ یعنی ہر علت میں فرع ہونے والی صفت ہے۔ ہر علت میں... یہ نو جو علتیں ہیں ان سب میں یہ سب فرع ہیں، ان میں فرع ہونے والی صفت پائی جا رہی ہے۔ تو جب اسم کے اندر، جب اسم کے اندر دو علتیں آجائیں تو گویا اس میں دو فرعیتیں آگئیں، کیونکہ ہر علت میں کیا ہے؟ فرعیت ہے۔ تو جب دو علتیں اسم میں آگئیں تو کتنی فرعیتیں آگئیں؟ دو فرعیتیں آگئیں، یعنی دو اعتبار سے وہ اسم فرع ہو گیا۔ اصل نہ رہا، دو اعتبار سے فرع بن گیا، تو اس کی مشابہت ہو گئی فعل کے ساتھ، اور فعل کے اندر بھی دو فرعیتیں پائی جاتی ہیں۔ تو اسم میں جب دو فرعیتیں آئیں تو یہ فعل کے مشابہ ہوا اور جب فعل کے مشابہ ہوا تو فعل والا حکم ہم نے دے دیا، فعل کے اندر کسرہ بھی نہیں آتا اور تنوین بھی نہیں آتی۔ فعل کا اعراب کیا ہے؟ رفع، نصب اور جزم، جر نہیں آتا۔ جر... تو فعل کے اندر جر نہیں۔ تو لہٰذا یہی حکم ہم نے اسم کو بھی دے دیا اب اس میں غیر منصرف کو بھی کہ اس میں کسرہ نہیں آئے گا۔ اور نیز فعل پر تنوین بھی نہیں آتی کیونکہ تنوین تنوین سے مراد تنوینِ تمکن ہے، تنوینِ تمکن جو بتلاتی ہے کہ اسم اپنی اصل پر ہے۔ یاد رکھو اسم کے اندر اصل یہ ہے کہ وہ متمکن ہو۔ اسم دو قسم پر ہے: ایک اسمِ متمکن ایک اسمِ غیر متمکن۔ غیر متمکن جو ہے مبنیات کو کہتے ہیں، جو اسم کی قسمیں ہیں نا مبنی، ضمیر ہے، اسمائے اشارہ، اسمائے موصولہ وغیرہ ان کو کہتے ہیں غیر متمکن، یہ اعراب کو جگہ نہیں دیتے۔ اور باقی اسم کیا کہلاتے ہیں عام اسم؟ اسمِ متمکن، وہ اعراب کو جگہ دیتے ہیں جو مثالیں آپ پیچھے پڑھ چکے ہیں جَاءَنِيْ زَيْدٌ رَأَيْتُ زَيْدًا وغیرہ یہ سارے اعراب کو جگہ دیتے ہیں۔ تو اسم کے اندر اصل ہے کہ وہ متمکن ہونا چاہیے اور اگر وہ غیر متمکن ہے تو دراصل اس کی مبنی الاصل کے ساتھ مشابہت آگئی۔ مبنی الاصل کیا کیا ہیں؟ فعلِ ماضی ہے، فعلِ امر ہے اور تمام حروف۔ دیکھو اس میں اسم ایک بھی نہیں ہے۔ فعلِ ماضی ہے، فعلِ امر ہے اور تمام حروف، تو ان کے ساتھ جب اسم کی مشابہت آجاتی ہے خاص قسم کی مشابہت، تو وہ اسم بھی مبنی بن جاتا ہے غیر متمکن بن جاتا ہے۔ خود اپنی ذات کے اعتبار سے اسم غیر متمکن نہیں ہوتا، ان مشابہتوں کی وجہ سے غیر متمکن بنتا ہے۔ معلوم ہوا اسم کے اندر اصل کیا ہے کہ وہ کیا ہونا چاہیے؟ متمکن ہونا چاہیے۔ اور یہ جو تنوینِ تمکن ہے یہ اسم پر جب آتی ہے یہ بتلا دیتی ہے کہ یہ اسم اپنی اصل پر ہے۔ جَاءَنِيْ زَيْدٌ رَأَيْتُ زَيْدًا مَرَرْتُ بِزَيْدٍ اس پر تنوین آ رہی ہے، معلوم ہوا اسم اپنی اصل پر ہے، اسم اپنی اصل پر

ہے۔ اور جب میں نے کہا جَاءَنِيْ أَحْمَدُ رَأَيْتُ أَحْمَدَ مَرَرْتُ بِأَحْمَدَ معلوم ہوا اسم اپنی اصل پر نہیں ہے، اس کی مشابہت آگئی ہے کس کے ساتھ؟ فعل کے ساتھ، توجہ ہے؟ اور فعل پر کسرہ اور تنوین نہیں آتی تھی اس لیے اب اس پر بھی کسرہ اور تنوین نہیں آئے گی۔ تو یہ اسم اب اپنی اصل پر ہے یا اصل سے نکل گیا ہے؟ اصل سے نکل گیا ہے۔ بات سمجھ میں آ گئی اچھی طرح؟

معلوم ہوا معلوم ہوا تنوینِ تمکن اسم کے متمکن ہونے کی علامت ہے یعنی اسم کے اپنی اصل پر ہونے کی علامت ہے۔ اور جب اسم کی مشابہت کس کے ساتھ آگئی؟ فعل کے ساتھ، توجہ ہے؟ پھر سنو، پھر سنو: یہ جتنی نو علتیں بیان ہوئیں ہر علت میں فرعیت ہے یعنی فرع ہونے والا وصف ہے۔ ہر علت اصل نہیں ہے بلکہ فرع ہے، اس میں فرع ہونے والا وصف ہے، وہ موصوف ہے کس کے ساتھ؟ فرعیت کے ساتھ، اس میں فرع ہونے والا وصف ہے۔ تو جب اسم کے اندر دو علتیں آگئیں تو دو فرعیتیں آگئیں، دو اعتبار سے وہ اسم فرع بن گیا۔ اصل نہ رہا، دو اعتبار سے فرع بن گیا، تو اس کی مشابہت ہو گئی فعل کے ساتھ، اور فعل کے اندر بھی دو فرعیتیں پائی جاتی ہیں۔ تو اسم میں جب دو فرعیتیں آئیں تو یہ فعل کے مشابہ ہوا اور جب فعل کے مشابہ ہوا تو فعل والا حکم ہم نے دے دیا، فعل کے اندر کسرہ بھی نہیں آتا اور تنوین بھی نہیں آتی۔

پریشان نہیں ہونا، میں تفصیل بیان کروں گا ان شاء اللہ بالکل اچھی طرح سمجھ میں آجائے گا۔ فعل میں دو فرعیتیں کیا ہیں؟ فعل میں ایک فرعیت یہ ہے کہ یہ محتاج ہوتا ہے فاعل کا بھائی۔ فاعل کے بغیر فعل ہو سکتا ہے؟ ضَرَبَ کا فعل پایا جائے اور کوئی فاعل نہ ہو ایسا ہو سکتا ہے؟ نہیں۔ معلوم ہوا فعل اپنے وجود میں فاعل کا محتاج ہے۔ فاعل ہو گا تو فعل ہو سکتا ہے، فاعل نہیں تو فعل بھی نہیں۔ تو فعل محتاج ہوا فاعل کا۔ اور ایک ہوتا ہے محتاج ہونا اور ایک ہوتا ہے غیر محتاج ہونا، اصل یہ ہے کہ محتاج نہیں ہونا چاہیے اور محتاج ہونا اس کی فرع ہے۔ اصل کیا ہے؟ محتاج نہ ہو، اور محتاج ہونا اس کی فرع ہے۔ تو اسم جو ہے وہ فاعل کا محتاج نہیں ہوتا، تو اسم ہوا اصل، اور فعل فاعل کا محتاج ہے تو فعل ہوا فرع بھائی۔ جیسے یہی بات پیچھے آئی تھی کہاں پر؟ کہ ایک ہے اسمِ ظاہر ایک ہے ضمیر۔ اسمِ ظاہر اصل ہے اور ضمیر فرع ہے، کیوں؟ کیونکہ اسمِ ظاہر وہ کسی چیز کا محتاج نہیں اپنا معنیٰ بتانے میں، جبکہ ضمیر اپنا معنیٰ بتانے میں مکنی عنہ کی محتاج ہے جس سے کنایہ کیا گیا۔ جس سے کنایہ کیا گیا۔ یہ بحث کہاں پر آئی تھی؟ کِلَا کے اندر یہ بات آئی تھی۔ کِلَا کا جب اعراب ذکر کیا تھا کہ کِلَا جب ضمیر کی طرف مضاف ہو گا تو اس کا اعراب بالحرف آئے گا، کِلَاهُمَا اور کِلَيْهِمَا، اور جب یہ اسمِ ظاہر کی طرف مضاف ہو گا كِلَا الرَّجُلَيْنِ تو پھر اس کا اعراب بالحرکۃ آئے گا بھائی۔ وہاں یہ ذکر ہوا تھا کہ کِلَا جب مضاف ہو اسمِ ظاہر کی طرف، تو اسمِ ظاہر اصل ہے تو پھر اس کو اعراب بھی اس کے لفظ یعنی اصل کے اعتبار سے دیا اور وہ اعراب بالحرکۃ ہے۔ اور کِلَا جب مضاف ہو ضمیر کی طرف، اور ضمیر تو فرع ہے تو اس کو اعراب بھی فرع والا دیا یعنی اعراب

بالحرف دیا بھائی۔ تو اسمِ ظاہر اصل ہے اور ضمیر فرع۔ کس طرح اسمِ ظاہر اصل ہے؟ کہ وہ مکنی عنہ جس سے کنایہ کیا گیا، اس کا محتاج نہیں۔ اور ضمیر محتاج ہوتی ہے مکنی عنہ کی۔ دیکھو میں نے کہا جَاءَنِيْ زَيْدٌ میرے پاس زید آیا، وَهُوَ أَخِيْ اور وہ میرا بھائی ہے۔ اس هُوَ سے کون مراد؟ زید۔ تو دیکھو هُوَ بول کر، ایک اسم بول کر دوسرے اسم کا کنایہ کیا۔ هُوَ سے کون مراد؟ زید۔ ضمیر میں ایک اسم بول کر کنایہ کیا جاتا ہے دوسرے اسم سے، تو اس میں کنایہ ہے۔ بات سمجھ میں آئی؟ کنایہ بھی کسے کہتے ہیں؟ ایک لفظ بول کر دوسرے معنیٰ کا ارادہ کرنا۔ تو ضمیر میں بھی کیا ہوتا ہے؟ کنایہ ہوتا ہے، ایک اسم سے کنایہ کیا گیا دوسرے اسم کا۔ تو گویا ضمیر محتاج ہو گئی مکنیٌ عنہ کی، جس سے کنایہ کیا گیا ہے۔ کوئی مکنی عنہ ہو گا تو ضمیر کا معنیٰ هُوَ کا معنیٰ سمجھ میں آئے گا۔ اگر پیچھے زید کا ذکر ہی نہیں گزرا تو هُوَ کا معنیٰ بھی سمجھ میں نہیں آئے گا۔ تو اسمِ ظاہر کسی کا محتاج نہیں اور ضمیر مکنی عنہ کی محتاج ہے، تو وہ فرع ہوئی اور اسمِ ظاہر کیا ہوا؟ اصل۔

یہاں پر بھی اسی طرح ہے، یہ جو فعل ہے یہ محتاج ہے فاعل کا۔ اسم کسی چیز کا محتاج نہیں، تو اسم ہوا اصل، اور فعل محتاج ہے فاعل کا اور محتاج ہونا یہ فرع ہے۔ تو اسم ہوا اصل اور فعل ہوا فرع۔ تو یہ ایک فرعیت آگئی فعل کے اندر، فرع ہونے کا وصف آیا۔ دوسرا، فعل مشتق ہوتا ہے مصدر سے۔ ضَرْبٌ سے ضَرَبَ بنا۔ ضَرْبٌ سے ضَرَبَ بنا۔ تو ضَرْبٌ مصدر ہے، وہ ہے مشتق منہ۔ اور فعل کیا ہے؟ مشتق۔ تو فعل کے لیے اصل کیا؟ مصدر، اور فعل کیا اس کی؟ فرع۔ توجہ ہے؟ مشتق منہ اصل ہوتا ہے اور مشتق فرع۔ تو فعل محتاج ہونے کے اعتبار سے بھی فرع اور اسی طرح فعل مشتق ہونے کے اعتبار سے بھی فرع، تو دو فرعیتیں ہیں فعل کے اندر۔ دو اعتبار سے فعل فرع ہے، محتاج ہونے کے اعتبار سے بھی کہ یہ فاعل کا محتاج ہے اور مشتق ہونے کے اعتبار سے بھی کہ یہ اسم سے مشتق ہے۔ اور اسم دو اعتبار سے اصل ہے کہ وہ محتاج بھی نہیں کسی کا اور وہ مشتق منہ بھی ہے فعل کے لیے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو فعل میں دو فرعیتیں آگئیں۔ تو اسی طرح یہ جو علتیں ہیں ان میں سے ہر ایک میں فرعیت ہے، فرع ہونے والا وصف ہے۔ تو جب دو علتیں کسی اسم میں آئیں گی تو اس اسم میں بھی دو فرعیتیں آگئیں، دو اعتبار سے وہ اسم فرع بن گیا، تو اس کی مشابہت ہوئی کس کے ساتھ؟ فعل کے ساتھ، وہ بھی دو اعتبار سے فرع تھا۔ تو اس کو بھی فعل والا حکم دے دیا، اور فعل پر تو کسرہ بھی نہیں آتا اور تنوین بھی نہیں آتی، لہٰذا اس پر کسرہ بھی نہیں آئے گا اور تنوین بھی نہیں آئے گی۔ بات سمجھ میں آگئی؟

اب دیکھیے کتاب پر۔ کہتے ہیں: وَذٰلِكَ اور یہ اس وجہ سے، کہ اس پر کسرہ اور تنوین نہیں آتا، وہ اس وجہ سے لِأَنَّ لِكُلِّ عِلَّةٍ فَرْعِيَّةً اس لیے کیونکہ ہر علت کے لیے فرعیت ہے یعنی فرع ہونا ہے۔ فَإِذَا وَقَعَ فِي الْاِسْمِ عِلَّتَانِ حَصَلَ فِيْهِ فَرْعِيَّتَانِ تو جب واقع ہو جائیں اسم کے اندر دو علتیں تو اس اسم کو دو فرعیتیں حاصل ہو گئیں، دو اعتبار سے وہ فرع بن گیا۔ فَيُشْبِهُ الْفِعْلَ تو یہ اسم فعل کے مشابہ ہوا مِنْ حَيْثُ إِنَّ لَهُ فَرْعِيَّتَيْنِ بِالنِّسْبَةِ إِلَى الْاِسْمِ کہ فعل کے لیے بھی دو فرعیتیں ہوتی ہیں

اسم کی نسبت سے، اسم کی نسبت سے اس میں دو فرعیتیں۔ اسم کسی کا محتاج نہیں اور فعل محتاج ہے۔ اسم مشتق نہیں اور وہ مشتق ہے۔ تو مِنْ حَيْثُ إِنَّ لَهُ فَرْعِيَّتَيْنِ بِالنِّسْبَةِ إِلَى الْاِسْمِ تو اس حیثیت سے کہ فعل کے لیے بھی دو فرعیتیں ہوتی ہیں اسم کی طرف نسبت کرتے ہوئے: إِحْدَاهُمَا افْتِقَارُهُ إِلَى الْفَاعِلِ ان دو فرعیتوں میں سے ایک تو یہ ہے کہ فعل جو ہے وہ محتاج ہوتا ہے فاعل کا۔ وَأُخْرَاهُمَا اور دوسری فرعیت جو ہے اشْتِقَاقُهُ مِنَ الْمَصْدَرِ وہ فعل کا مشتق ہونا ہے مصدر سے۔

فَمُنِعَ مِنْهُ الْإِعْرَابُ الْمُخْتَصُّ بِالْاِسْمِ۔ ادھر دیکھیے، جب اسم کے اندر دو علتیں آگئیں تو گویا اس میں دو فرعیتیں آگئیں، جب دو فرعیتیں آگئیں تو اس کی مشابہت کس سے ہو گئی؟ فعل سے۔ جب فعل سے مشابہت ہو گئی تو اب اس سے وہ اعراب منع کر دیے گئے روک دیے گئے جو اسم کے ساتھ مختص ہیں۔ کسرہ اور تنوین کس کے ساتھ مختص؟ اسم۔ تو جو چیز اسم کے ساتھ مختص تھی اب وہ منع کر دی گئی، اب وہ نہیں آسکتی کیونکہ اس لفظ کی مشابہت کس کے ساتھ آگئی ہے؟ فعل کے ساتھ آگئی ہے۔ تو یہ معنیٰ ہے فَمُنِعَ مِنْهُ الْإِعْرَابُ الْمُخْتَصُّ بِالْاِسْمِ تو روک دیا گیا اس اسم سے جس کے اندر دو علتیں آئی تھیں، تو اس سے روک دیا گیا الْإِعْرَابُ الْمُخْتَصُّ بِالْاِسْمِ وہ اعراب جو خاص ہے اسم کے ساتھ۔ بھائی وہ کون سا اعراب ہے جو اسم کے ساتھ خاص ہے؟ کہتے ہیں وَهُوَ الْجَرُّ وَالتَّنْوِيْنُ الَّذِيْ هُوَ عَلَامَةُ التَّمَكُّنِ وہ جر ہے اور وہ تنوین ہے جو تمکن کی علامت ہے، جو بتلاتی ہے کہ اسم اپنی اصل پر ہے۔ تنوینِ تمکن یہ بتلاتی ہے کہ اسم اپنی اصل پر ہے۔

یاد رکھو، آپ کو میں نے بتلایا تھا کہ یہ تنوین پانچ قسم پر ہے: ایک تنوینِ تمکن ہے، ایک تنوینِ عوض ہے، ایک تنوینِ مقابلہ ہے، ایک تنوینِ ترنم ہے، اور ایک تنوینِ تنکیر ہے بھائی۔ یہاں صرف تنوینِ تمکن اسم پر نہیں آسکتی کیونکہ وہ کیا بتلاتی ہے؟ کہ اسم اپنی اصل پر ہے۔ تنوینوں کی تفصیل کیا تھی؟ تنوینِ تمکن جیسے غُلَامٌ، زَيْدٌ وغیرہ پر تنوین آتی ہے۔ یہ تنکیر والی تنوین نہیں ہے بلکہ یہ تمکن والی ہے، ورنہ اگر یہ تنکیر والی ہوتی تو پھر تو زَيْدٌ پر نہیں آنی چاہیے تھی کیونکہ وہ تو معرفہ ہے۔ تو یہ صرف یہ بتلا رہی ہے کہ اسم متمکن ہے اپنی اصل پر ہے غیر منصرف نہیں ہے۔ اور دوسری تنکیرِ عوض ہے جو مضاف الیہ کے عوض آتی ہے، جیسے كُلٌّ۔ كُلٌّ پر جو تنوین کہیں پر بھی آپ کو نظر آئے سمجھ جائیں کہ یہ عوض ہے مضافٌ الیہ سے، کیونکہ كُلٌّ کا معنیٰ ہے سارا، بھائی کس چیز کا سارا؟ آگے مضاف الیہ چاہیے بھائی۔ تو كُلُّ وَاحِدٍ، تو دیکھا وَاحِدٍ کو ختم کیا اور كُلٌّ پر کیا لے آئے؟ تنوین۔ یا حِيْنَئِذٍ، یہ حِيْنَئِذٍ کے آخر میں جو تنوین آرہی ہے یہ تنوین عوض ہے مضافٌ الیہ سے۔ اصل میں تھا حِيْنَ إِذْ كَانَ كَذَا، كَانَ كَذَا کو حذف کیا اور إِذٍ کو تنوین دے دی۔ تو یہ ہے تنوینِ عوض۔ اور ایک تنوینِ ترنم ہے، تنوینِ ترنم یہ اسم کے ساتھ خاص نہیں یہ تو فعل میں بھی آجاتی ہے حرف میں بھی، یہ صرف اشعار کے اندر آتی ہے۔ اگلی قسم ہے تنوینِ تنکیر بھائی۔ یہ تنوینِ تنکیر یہ صرف اسمِ فعل میں آتی ہے جیسے صَهْ اور صَهٍ۔ صَهْ کا معنیٰ ہے ابھی خاموش ہو جاؤ، یہ معرفہ ہے۔ اور صَهٍ کا معنیٰ ہے کبھی تو خاموش ہو جاؤ، تو یہ نکرہ ہے بھائی۔ اور ایک ہے تنوینِ مقابلہ۔ تنوینِ مقابلہ وہ ہے

جو جمع مؤنث سالم پر آتی ہے، مُسْلِمَاتٌ اور مُسْلِمَاتٍ، یہ تنوینِ مقابلہ ہے بھائی۔ تنوینِ مقابلہ۔ جیسے مُسْلِمُوْنَ اور مُسْلِمِيْنَ وہاں پر ایک نون تھا یہ نون تنوین کے قائم مقام ہے۔ کس کے قائم مقام؟ تنوین کے قائم مقام۔ تو جمع مذکر سالم کو جب نون دے دیا گیا جو تنوین کے قائم مقام ہے تو ادھر مُسْلِمَاتٍ کو بھی ایک تنوین اس کے مقابلے میں دے دی گئی، کیونکہ وہ بھی جمع سالم ہے یہ بھی جمع سالم ہے بھائی۔ تو معلوم ہوا مُسْلِمَاتٍ اور مُسْلِمَاتٌ یہ تنوین تنکیر کے لیے نہیں، یہ عوض کے لیے نہیں، یہ تمکن کے لیے نہیں، یہ کس لیے ہے؟ مقابلے کے لیے ہے۔ لہٰذا ایک عورت کا نام مُسْلِمَاتٌ رکھ دیا گیا۔ کیا رکھ دیا گیا؟ مُسْلِمَاتٌ۔ اب دیکھو نام بن گیا، علمیت بھی آگئی، علمیت بھی آگئی اور تانیث یہ جمع مؤنث سالم ہے تانیث بھی آ گئی۔ تو اب کیسے پڑھیں گے؟ جَاءَتْنِيْ مُسْلِمَاتٌ پڑھیں گے؟ نہیں، جَاءَتْنِيْ مُسْلِمَاتٌ پڑھیں گے بھائی۔ یہ غیر منصرف ہے لیکن پھر بھی مُسْلِمَاتٌ پڑھیں گے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ کیوں؟ کیونکہ یہ جو تنوین اس پر آ رہی ہے یہ تمکن والی نہیں ہے۔ غیر منصرف سے تمکن والی تنوین گرتی ہے، یہ تو تنوین کون سی ہے؟ مقابلے والی ہے۔ ابھی بھی بات آپ کو سمجھ میں نہ آئی ہو دوسری مثال دیکھو: کسی آدمی کا نام مُسْلِمُوْنَ رکھ دیتے ہیں، اب یہ وصف بھی ہے اور علم بھی ہے تو کیا نون آخر سے گرے گا؟ نہیں۔ تو جیسے یہ نون نہیں گرتا اسی طرح مُسْلِمَاتٌ سے تنوین بھی نہیں گرے گی کیونکہ یہ تمکن والے نہیں ہیں، صرف کون سی تنوین گرتی ہے؟ تمکن والی تنوین گرتی ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟

تو یہ معنیٰ ہے: وَهُوَ الْجَرُّ وَالتَّنْوِيْنُ الَّذِيْ هُوَ عَلَامَةُ التَّمَكُّنِ یعنی وہ اعراب جو اسم کے ساتھ خاص ہے وہ جر ہے اور وہ تنوین الَّذِيْ هُوَ عَلَامَةُ التَّمَكُّنِ جو کہ تمکن کی علامت ہے۔

وَإِنَّمَا قُلْنَا لِكُلِّ عِلَّةٍ فَرْعِيَّةٌ اور ہم نے کہا کہ ہر علت کے لیے فرعیت ہے، لِأَنَّ کیونکہ اب آگے تفصیل بیان کریں گے کہ ہر علت میں فرعیت کیسے ہے؟ ہر علت فرع کیسے ہے؟ عدل میں فرعیت کیسے ہے؟ وصف میں فرعیت کیسے ہے؟ تانیث میں فرعیت کیسے ہے؟ ایک ایک کو بیان کریں گے۔ دیکھیے بھائی، کہتے ہیں وَإِنَّمَا قُلْنَا لِكُلِّ عِلَّةٍ فَرْعِيَّةٌ اور ہم نے کہا کہ ہر علت کے لیے فرعیت ہے یعنی ہر علت میں فرع ہونے کا وصف ہے، لِأَنَّ الْعَدْلَ فَرْعُ الْمَعْدُوْلِ عَنْهُ اس لیے کیونکہ عدل فرع ہے معدول عنہ کی۔

بھائی دیکھیے، عدل کہتے ہیں اسم کو پھیرنا ایک صورت سے دوسری صورت کی طرف۔ جیسے یہ عُمَر لفظ ہے اس کے بارے میں کہتے ہیں یہ اصل میں تھا عَامِرٌ، عَامِرٌ اور پھر پھیر کر ایک نئی صورت عُمَر دے دی گئی۔ اب مجھے بتائیے عَامِرٌ یہ ہے اصل اور عُمَر کیا ہو گیا؟ فرع، تو دیکھا۔ تو عَامِرٌ یہ ہے معدول عنہ جس سے پھیرا گیا ہے۔ عُمَر کو پھیرا گیا تو عُمَر ہوا معدول اور عَامِرٌ ہوا معدول عنہ۔ تو دیکھو عدل جو ہے وہ فرع ہے کس کی؟ معدول عنہ کی فرع ہے، جس میں عدل آئے گا وہ معدول عنہ کی فرع بن جائے گا۔ بات سمجھ میں آگئی؟ معدول عنہ ہوا اصل اور معدول ہوا فرع۔ لِأَنَّ الْعَدْلَ فَرْعُ الْمَعْدُوْلِ

عَنْهُ اس لیے کیونکہ عدل جو ہے وہ فرع ہے معدول عنہ کی۔

وَالْوَصْفَ فَرْعُ الْمَوْصُوْفِ اور وصف جو ہے فرع ہے موصوف کی۔ ایک ہوتا ہے موصوف ایک ہے صفت۔ موصوف اصل ہے، موصوف ہوگا تو صفت ہوگی، موصوف نہیں تو صفت بھی نہیں۔ تو اس لیے وَالْوَصْفَ فَرْعُ الْمَوْصُوْفِ وصف جو ہے وہ فرع ہے موصوف کی۔

وَالتَّأْنِيْثَ فَرْعُ التَّذْكِيْرِ۔ دیکھو وَالتَّأْنِيْثَ یہ میں نے اس کو منصوب پڑھا، پیچھے وَالْوَصْفَ اس کو بھی منصوب پڑھا، پیچھے الْعَدْلَ وہ بھی منصوب تھا کیونکہ وہ أَنَّ کا اسم ہے۔ تو یہ سارے جتنے آگے علتیں ذکر ہوں گی سب کو منصوب پڑھنا ہے، یہ اسی أَنَّ کے اسم پر سب کا عطف ہے بھائی۔ تو کہتے ہیں وَالتَّأْنِيْثَ فَرْعُ التَّذْكِيْرِ اور تانیث جو ہے وہ فرع ہے تذکیر کی۔ تانیث فرع ہے تذکیر کی، مذکر ہونا اصل ہے مؤنث ہونا فرع ہے، لِأَنَّكَ تَقُوْلُ قَائِمٌ ثُمَّ قَائِمَةٌ اس لیے کیونکہ آپ پہلے قَائِمٌ کہتے ہیں پھر قَائِمَةٌ کہتے ہیں۔ پہلے مذکر صیغہ بنا پھر اس کے ساتھ تانیث کی علامت جوڑ کر کیا بنا لیا گیا؟ مؤنث بنا لیا گیا۔ بات سمجھ میں آگئی؟ امام رازی رحمہ اللہ تفسیرِ کبیر میں فرماتے ہیں کہ تانیث جو ہے وہ فرع ہے تذکیر کی لفظاً بھی اور معناً بھی۔ لفظاً بھی فرع ہے پہلے مذکر کا لفظ بنا پھر اس کے بعد مؤنث کا لفظ بنا، اور معناً بھی تانیث فرع ہے تذکیر کی لِأَنَّ الذَّكَرَ أَكْمَلُ مِنَ الْأُنْثٰى کیونکہ مذکر جو ہے وہ مؤنث کے مقابلے میں زیادہ کامل ہے بھائی۔ لِأَنَّ الذَّكَرَ أَكْمَلُ مِنَ الْأُنْثٰى مذکر جو ہے مؤنث کے مقابلے میں زیادہ کامل ہے بھائی۔

آگے دیکھیے: وَالتَّعْرِيْفَ فَرْعُ التَّنْكِيْرِ اور تعریف جو ہے یعنی معرفہ ہونا یہ فرع ہے تنکیر کی، نکرہ ہونے کی، لِأَنَّكَ تَقُوْلُ رَجُلٌ ثُمَّ الرَّجُلُ اس لیے کیونکہ آپ پہلے رَجُلٌ کہتے ہیں، ثُمَّ پھر الرَّجُلُ کہتے ہیں، پھر اس کو معرفہ بناتے ہیں۔ تو معلوم ہوا نکرہ اصل ہے اور معرفہ اس کی فرع ہے بھائی۔

وَالْعُجْمَةَ فِيْ كَلَامِ الْعَرَبِ فَرْعُ الْعَرَبِيَّةِ عجمہ بھائی عجمی زبان والا ہونا کسی لفظ کا یہ فرع ہے عربی ہونے کی، کیونکہ ہر زبان میں اصل کیا ہے کہ اپنی ہی زبان کے الفاظ ہونے چاہئیں یا دوسری زبان کے ہونے چاہئیں؟ اپنی زبان کے، تو اپنی زبان کے ہونا یہ ہے اصل، دوسری زبان کا ہونا یہ ہے فرع۔ یہ معنیٰ ہے وَالْعُجْمَةَ فِيْ كَلَامِ الْعَرَبِ فَرْعُ الْعَرَبِيَّةِ اور عجمہ عربی کلام کے اندر یہ فرع ہے عربی ہونے کی، إِذِ الْأَصْلُ فِيْ كُلِّ كَلَامٍ أَنْ لَّا يُخَالِطَهُ لِسَانٌ آخَرُ اس لیے کیونکہ اصل جو ہے ہر کلام میں وہ یہ ہے کہ اس کے ساتھ کوئی اور زبان نہ ملی ہوئی ہو۔ تو جو اور زبان ملے گی وہ کیا ہوگی؟ فرع ہوگی بھائی۔

وَالْجَمْعَ فَرْعُ الْوَاحِدِ اور جمع جو ہے وہ فرع ہے واحد کی، کیونکہ مفرد ہوتا ہے اس مفرد سے پھر جمع بنتی ہے بھائی۔ جمع کے لیے مفرد کا ہونا ضروری ہے تو جمع فرع ہوئی کس کی؟ واحد یعنی مفرد کی۔ تو کہتے ہیں وَالْجَمْعَ فَرْعُ الْوَاحِدِ جمع جو ہے فرع ہے واحد کی۔

وَالتَّرْكِيْبَ فَرْعُ الْإِفْرَادِ اور ترکیب فرع ہے افراد یعنی مفرد ہونے کی۔ ترکیب فرع ہے مفرد ہونے کی، ترکیب میں کیا

کرتے ہیں؟ دو لفظوں کو جوڑتے ہیں نا پھر ہی ترکیب ہوگی پھر ہی مرکب بنے گا، تو وہ دو الگ الگ مفرد تھے اور ان کو جوڑ کر پھر مرکب بنایا۔ تو مفرد ہے اصل اور ترکیب ہے فرع، وہ مفرد نہ ہوتے تو یہ ترکیب بھی نہیں ہو سکتی تھی بھائی۔ تو کہتے ہیں وَالتَّرْكِيْبَ فَرْعُ الْإِفْرَادِ اور ترکیب جو ہے وہ فرع ہے مفرد ہونے کی۔

وَالْأَلِفَ وَالنُّوْنَ الزَّائِدَتَيْنِ فَرْعُ مَا زِيْدَتَا عَلَيْهِ اور الف نون زائدتان جو ہیں وہ فرع ہیں مَا زِيْدَتَا عَلَيْهِ کی، یہ فرع ہیں مَا زِيْدَتَا عَلَيْهِ کی جن پر ان کی زیادتی کی گئی۔ جیسے عِمْرَانُ، عِمْرَانُ میں یہ جو الف نون زائدتان ہیں یہ فرع ہیں کس کی؟ ع م ر، اس کو ذرا الگ کر دو، اس کے ساتھ کس کو جوڑا؟ الف نون کو، معلوم ہوا ع م ر وہ اصل ہے اور الف نون ان کی فرع ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو الف نون کیا ہیں؟ زائد، اور کس پر ان کو بڑھایا؟ کس پر الف نون کا اضافہ کیا؟ ع م ر پر، تو ان کو کہیں گے مَا زِيْدَتَا عَلَيْهِ وہ جن پر ان کو بڑھایا گیا۔ ع م ر پر الف نون کو بڑھایا گیا تو ع م ر کیا ہوئے؟ مَا زِيْدَتَا عَلَيْهِ، تو مَا زِيْدَتَا عَلَيْهِ وہ اصل اور الف نون زائدتان اس کی فرع بھائی۔ وہ ہوں گے تو الف نون بڑھاؤ گے، اگر وہی نہیں ہے تو کس پر الف نون آپ بڑھاؤ گے بھائی؟ تو کہتے ہیں وَالْأَلِفَ وَالنُّوْنَ الزَّائِدَتَيْنِ فَرْعُ مَا زِيْدَتَا عَلَيْهِ الف اور نون زائدتان یہ فرع ہیں مَا زِيْدَتَا عَلَيْهِ کی بھائی۔

وَوَزْنَ الْفِعْلِ فَرْعُ وَزْنِ الْاِسْمِ اور وزنِ فعل فرع ہے وزنِ اسم کی۔ ادھر دیکھیے: أَحْمَرُ، اس میں کیا آیا؟ وزنِ فعل، توجہ ہے؟ وزنِ فعل۔ معلوم ہوا فعل والا وزن کس میں آگیا؟ اسم۔ اصل تو یہ ہے کہ اسم کے اندر اپنا ہی وزن آنا چاہیے کسی دوسرے کا وزن نہیں آنا چاہیے۔ تو جب دوسرے کا وزن اسم کے اندر آگیا تو یہ فرع ہو گیا اسم کے وزن کی۔ اسم کا اپنا وزن اصل اور یہ وزن جو نیا آیا یہ فرع۔ کیونکہ اصل یہی ہے کہ اسم کا وزن اسم میں ہونا چاہیے فعل کا وزن فعل میں ہونا چاہیے، تو جب فعل کا وزن اسم میں آگیا تو یہ اسم کے وزن کی فرع ہو گیا۔ تو کہتے ہیں وَوَزْنَ الْفِعْلِ فَرْعُ وَزْنِ الْاِسْمِ وزنِ فعل جو ہے وہ فرع ہے وزنِ اسم کی، لِأَنَّ الْأَصْلَ فِيْ كُلِّ نَوْعٍ أَنْ لَّا يَكُوْنَ فِيْهِ الْوَزْنُ الْمُخْتَصُّ بِنَوْعٍ آخَرَ اس لیے کیونکہ اصل جو ہے ہر قسم کے اندر وہ یہ ہے کہ اس کے اندر وہ وزن نہ پایا جائے جو خاص ہو دوسری نوع کے ساتھ۔ فَإِذَا وُجِدَ فِيْهِ هٰذَا الْوَزْنُ تو جب اس کے اندر وہ والا وزن پایا گیا یعنی دوسری نوع والا دوسری قسم والا، كَانَ فَرْعًا لِوَزْنِهِ الْأَصْلِيِّ تو یہ اس چیز کے وزنِ اصلی کے لیے فرع ہوا۔ یعنی اسم کے اندر جب فعل والا وزن آیا تو اسم کے وزنِ اصلی کے لیے یہ کیا بن گیا؟ فرع بن گیا۔ اسم کا اپنا وزن وہ اصلی اور یہ فعل والا وزن جو اس میں آیا اسم میں یہ اس کی فرع۔ بات سمجھ میں آ گئی؟

چلیے بس کریں بھائی۔ سارا حل ہو گیا اچھی طرح؟ چلیے بس بھائی، هٰذَا هُوَ الْمَرَامُ وَاللهُ أَعْلَمُ بِحَقِيْقَةِ الْكَلَامِ.

سبق نمبر ۵۵: غیرِ منصرف (۴): ضرورتِ شعری یا تناسب کے لیے غیر منصرف کو منصرف پڑھنے کا جواز

شرحِ ملا جامی صفحہ: ۳۷ — بتاریخ: ۲۶ اگست ۲۰۲۱ء

▪ تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث

آگے سبق دیکھیے بھئی۔

وَيَجُوزُ أَيْ لَا يَمْتَنِعُ سَوَاءٌ كَانَ ضَرُورِيًّا أَوْ غَيْرَ ضَرُورِيٍّ صَرْفُهُ أَيْ جَعْلُهُ فِي حُكْمِ الْمُنْصَرِفِ بِإِدْخَالِ الْكَسْرَةِ وَالتَّنْوِينِ فِيهِ لَا جَعْلُهُ مُنْصَرِفًا حَقِيقَةً فَإِنَّ غَيْرَ الْمُنْصَرِفِ عِنْدَ الْمُصَنِّفِ رَحِمَهُ اللَّهُ تَعَالَى مَا فِيهِ عِلَّتَانِ أَوْ وَاحِدَةٌ تَقُومُ مَقَامَهُمَا وَبِإِدْخَالِ الْكَسْرَةِ وَالتَّنْوِينِ لَا يَلْزَمُ خُلُوُّ الِاسْمِ عَنْهُمَا وَقِيلَ الْمُرَادُ بِالصَّرْفِ مَعْنَاهُ اللُّغَوِيُّ لَا الِاصْطِلَاحِيُّ وَالضَّمِيرُ فِي صَرْفِهِ رَاجِعٌ إِلَى حُكْمِهِ۔

اچھا بھئی، گزشتہ سبق میں غیر منصرف کی بحث ہم کر رہے تھے بھئی۔ شارحِ جامی رحمہ اللہ نے آپ کو بتلایا کہ وَهَذَا الْقَوْلُ تَقْرِيبٌ، اس کا کیا معنی ہے؟ اس سے کیا مراد ہے؟ تو تین توجیہات کیں بھئی، تین معانی بیان کیے کہ یا تو اس کا یہ معنی ہے کہ یہ قول تقریب ہے یعنی قریب کرنے والا ہے ان نو علتوں کو حفظ کے۔ یہ قول جو ہے ان نو علتوں کو حفظ کے قریب کرنے والا ہے کہ کیونکہ یہ نظم کی صورت میں ذکر ہیں اور نظم کو یاد کرنا آسان ہوتا ہے۔

اور دوسری توجیہ یہ کی کہ یہاں تَقْرِيبٌ جو ہے اس کے ساتھ یائے نسبت محذوف ہے۔ معنی یہ ہے کہ یہ جو ان میں سے ہر ایک کو علت قرار دیا گیا ہے یہ قول تقریبی ہے، تحقیقی نہیں۔ کیونکہ ان میں سے ہر ایک علت نہیں ہے، بلکہ دو مل کر علت بنتی ہیں۔ کیونکہ علت جب پائی جائے تو معلول کا پایا جانا ضروری ہے، تو ان میں سے ایک سبب پایا جائے تو اس سے لفظ غیر منصرف نہیں ہوتا، بلکہ دو سبب پائے جائیں تو پھر لفظ غیر منصرف ہوتا ہے۔ معلوم ہوا دو ملیں گی تو وہ علت بنیں گی۔ تو ان میں سے ہر ایک کو علت کہنا یہ قول تقریبی ہے یعنی مجازی ہے، تحقیقی نہیں ہے بھئی۔

اور تیسری توجیہ یہ کی تھی کہ یہ قول کہ یہ علتیں نو ہیں، یہ قول جو ہے تَقْرِيبٌ أَيْ مُقَرِّبٌ وہ قریب کرنے والا ہے ان علتوں کو درست مذہب کے۔ کیونکہ یہاں تین مذاہب ذکر کیے ہیں صاحبِ جامی نے۔ بعض علماء فرماتے ہیں کہ علتوں کی تعداد کتنی ہے؟ دو۔ بعضوں نے کہا گیارہ۔ اور جبکہ جمہور کیا کہتے ہیں؟ کہ علتوں کی تعداد نو ہے بھئی۔ تو لہٰذا اس شعر کے اندر بھی ان کو نو شمار کیا گیا۔ تو ان علتوں کو نو کہنا یہ قول اس کو درست مذہب کے قریب کرنے والا ہے۔

اس کے بعد مصنف رحمہ اللہ نے ہر ایک کی مثال ذکر کی تھی جتنے اسبابِ منعِ صرف ذکر ہوئے تھے۔ اور پھر آگے وَحُكْمُهُ کے بعد شارحِ جامی نے آپ کو بتلایا تھا أَيْ حُكْمُ غَيْرِ الْمُنْصَرِفِ وَالْأَثَرُ الْمُتَرَتِّبُ عَلَيْهِ۔ میں نے آپ کو بتلایا تھا کہ یہ جو وَالْأَثَرُ الْمُتَرَتِّبُ عَلَيْهِ آیا یہ عطفِ تفسیری ہے۔ عطفِ تفسیری اسے کہتے ہیں کہ یہ جو معطوف ہوتا ہے وہ معطوفٌ علیہ کا بیان کرتا ہے۔ حُكْمُ غَيْرِ الْمُنْصَرِفِ یعنی غیر منصرف کا حکم، وہ کیا ہے؟ تو بتلا دیا کہ اس حکم کسے کہتے ہیں؟ وہ اثر جو غیر منصرف پر مرتب ہوتا ہے وہ اس غیر منصرف کا حکم ہے۔ اور اس حیثیت سے کہ وہ مشتمل ہوتا ہے دو علتوں پر۔ حیثیت کی قید بھی ضروری ہے کیونکہ ایک ہی چیز میں بعض اوقات کئی حیثیتیں ہوتی ہیں۔ جیسے زید کو باپ بھی کہیں گے لیکن وہ اپنے اولاد کی طرف نسبت کرتے ہوئے، زید کو بیٹا بھی کہیں گے لیکن وہ اور حیثیت سے ہے یعنی زید کے باپ کی طرف نسبت کرتے ہوئے زید اس کا بیٹا ہے، زید کو مالک بھی کہیں گے لیکن یہ اور نسبت سے ہے، زید اپنے مملوک کی نسبت سے زید کیا ہے؟ مالک ہے، زید کو خاوند بھی کہیں گے لیکن اور حیثیت سے یعنی وہ اپنی بیوی کی طرف نسبت اس کی کریں تو اس حیثیت سے وہ کیا ہے؟ خاوند ہے۔ تو چیزوں میں مختلف حیثیتیں ہو سکتی ہیں۔ تو یہاں پر بھی غیر منصرف کا حکم یہ ہے کہ اس پر کسرہ بھی نہیں آتا اور تنوین بھی نہیں، لیکن کس حیثیت سے؟ اس حیثیت سے کہ اس میں دو علتیں ہیں یا ایک علت قائم مقام دو کے ہے، یا مختصر لفظوں میں کہہ دو اس حیثیت سے کہ وہ غیر منصرف ہے۔ غیر منصرف ہونے کی حیثیت سے اس پر کیا اثر مرتب ہوتا ہے؟ کہ اس پر کسرہ بھی نہیں آتا اور تنوین بھی نہیں آتی۔ اور دوسری حیثیتیں لیں تو پھر حکم اور ہو گا۔ یہی غیر منصرف اگر فاعل بنے تو فاعل ہونے کی حیثیت سے اس کا یہ حکم نہیں ہے کہ اس پر کسرہ اور تنوین نہیں آئے گا بلکہ فاعل ہونے کی حیثیت سے اس کا حکم یہ ہے کہ اس پر رفع آئے گا۔ اسی طرح اگر یہ مفعول بنے تو مفعولٌ بہ ہونے کی حیثیت سے اس کا حکم یہ ہو گا کہ اس پر نصب آئے گا۔

اس کے بعد پھر یہ بھی بتلایا تھا کہ یہ کسرہ اور تنوین کیوں نہیں آتے غیر منصرف پر؟ تو وجہ بیان کی تھی کہ یہ جو علتیں ہیں ان میں سے ہر علت کے اندر فرعیت ہے۔ فرعیت میں نے بتلایا یہ یائے مشدد جو ساتھ جوڑی گئی ہے مصدر بنانے کے لیے ہے۔ جیسے ضَارِبٌ سے مصدر بنا لیتے ہیں ضَارِبِيَّةٌ، کیا ترجمہ؟ ضارب ہونا۔ اور اسی طرح مَضْرُوبٌ سے مصدر بنا لیا مَضْرُوبِيَّةٌ، کیا معنی؟ مضروب ہونا۔ تو یہاں پر بھی فَرْعٌ کے ساتھ یائے مشدد اور گول تا جوڑ دی گئی تو کیا بن گیا؟ فَرْعِيَّةٌ یعنی فرع ہونا۔ تو ہر علت کے لیے فرعیت ہے یعنی ہر علت میں فرع ہونے والا وصف موجود ہے۔ ہر علت فرع ہے، اس کے لیے کوئی نہ

کوئی اصل ہے بھئی۔

تو جس اسم کے اندر دو علتیں آجائیں گی تو اس اسم میں دو فرعیتیں آگئیں یعنی وہ دو اعتبار سے فرع ہو گیا تو وہ مشابہ ہو گیا فعل کے۔ کیونکہ فعل کے اندر بھی دو فرعیتیں ہیں یعنی دو اعتبار سے وہ فرع ہے بھئی۔ کس طرح، کیا دو فرعیتیں ہیں فعل میں؟ ایک تو یہ کہ فعل محتاج ہوتا ہے فاعل کا، تو ایک ہے محتاج ہونا اور ایک ہے محتاج نہ ہونا۔ محتاج نہ ہونا اصل ہے، اسم کسی فاعل کا محتاج نہیں۔ تو اس اعتبار سے کہ اسم محتاج نہیں اسم ہوا اصل اور فعل محتاج ہے فاعل کا اس کے بغیر فعل کا وجود ہی نہیں ہو سکتا تو لہٰذا فعل فرع ہوا اسم کی، فعل کیا ہوا؟ فرع ہوا اسم کی۔ اور دوسرا یہ کہ فعل جو ہے اس کا اشتقاق ہوتا ہے مصدر سے تو مصدر یعنی اسم ہوا اصل اور فعل ہوا اس کی فرع کہ فعل اس سے بنایا گیا ہے بھئی۔ تو فعل کے اندر دو فرعیتیں آگئیں تو جب اسم کے اندر بھی دو علتیں آئیں گی تو اس میں بھی دو فرعیتیں آگئیں، جب دو فرعیتیں آئیں تو فعل کے ساتھ اس کی مشابہت ہو گئی۔ جب فعل کے ساتھ مشابہت ہو گئی تو وہ اعراب جو اسم کے ساتھ خاص تھا اب وہ اس اسم پر نہیں آئے گا۔ وہ اعراب جو اسم کے ساتھ خاص تھا وہ اب اس اسم میں نہیں آئے گا کیونکہ اس کی مشابہت کس کے ساتھ ہو گئی ہے؟ فعل کے ساتھ ہو گئی ہے۔ اور وہ کون سے اعراب ہیں؟ ایک کسرہ ہے اور ایک تنوینِ تمکن ہے۔ اب کسرہ بھی نہیں آئے گا یہ غیر منصرف بن چکا اور اب تنوین بھی نہیں آئے گی کیونکہ کسرہ اور تنوین فعل میں نہیں آتے، یہ صرف کس میں آتے ہیں؟ اسم میں۔ تو جب یہ فعل کے مشابہ ہوا تو جو چیز فعل میں نہیں آتی اب وہ اس میں بھی نہیں آئے گی، یا دوسرے لفظوں میں یوں کہہ لو کہ یہ دو چیزیں خاص تھیں اسم کے ساتھ تو جب اس کی فعل کے ساتھ مشابہت آگئی تو اب وہ چیزیں جو اسم کے ساتھ خاص ہیں وہ اس میں نہیں آئیں گی۔

اس کے بعد پھر وہ جو نو اسبابِ منعِ صرف ہیں ان میں فرعیت بھی بیان کی تھی کہ کس طرح ہر علت میں فرعیت ہے، تو بتلایا تھا کہ عدل یہ فرع ہے کس کی؟ مَعْدُولٌ عَنْهُ کی۔ اصل تو یہ ہے جس وزن پر کوئی اسم ہے اسی پر رہنا چاہیے لیکن جب اس کو پھیر کر نئے وزن پر لے گئے تو یہ کیا ہوا اس کی؟ فرع ہوا۔ تو عدل فرع ہے مَعْدُولٌ عَنْهُ کی یعنی جس سے پھیرا گیا۔ جیسے عُمَرُ کو کس سے بنایا گیا؟ عَامِرٌ سے، تو عَامِرٌ ہوا مَعْدُولٌ عَنْهُ اور عُمَرُ کیا ہوا؟ مَعْدُولٌ، تو اس کے اندر فرعیت آگئی مَعْدُولٌ عَنْهُ ہے اصل اور یہ عُمَرُ کیا ہے؟ فرع ہے بھئی تو یہ عدل، عدل جو ہے اس میں فرعیت ہے بھئی، یہ فرع ہے مَعْدُولٌ عَنْهُ کی۔

اسی طرح وصف فرع ہے موصوف کی بھئی، کیونکہ موصوف اصل ہے اور وصف، وصف وہ اس کے ساتھ قائم ہے۔ موصوف ہے تو وصف بھی ہے، موصوف نہیں تو وصف بھی نہیں ہے۔

اسی طرح تانیث فرع ہے تذکیر کی کیونکہ آپ پہلے کہتے ہیں قَائِمٌ، دیکھو صیغہ بنا لیا اسمِ فاعل کا اور پھر اس کے ساتھ تانیث کی تا وغیرہ جوڑ کر اس کو مؤنث بناتے ہیں قَائِمَةٌ۔ تو معلوم ہوا مذکر اصل ہے اور مؤنث اس کی فرع، تو تانیث فرع

ہے تذکیر کی بھئی، تانیث فرع ہے تذکیر کی۔

اسی طرح تعریف فرع ہے تنکیر کی، اصل اسم میں کیا ہے؟ وہ نکرہ ہوتا ہے پھر اس کو معرفہ بنایا جاتا ہے۔ جیسے رَجُلٌ دیکھو نکرہ ہے پھر اس پر الف لام داخل کیا جاتا ہے الرَّجُلُ اس کو معرفہ بنا لیا جاتا ہے۔ تو الف لام اس کے ساتھ ملا کر الرَّجُلُ کو کیا کر دیا گیا؟ معرفہ بنا لیا گیا۔ تو معلوم ہوا تعریف فرع ہے تنکیر کی۔

اور اسی طرح عجمہ جو ہے وہ فرع ہے عربیت کی کیونکہ اصل ہر زبان میں یہ ہے کہ اس کے ساتھ کسی اور زبان کے الفاظ نہیں ملنے چاہئیں، لیکن جب دوسری زبان کے الفاظ اس میں آ گئے تو وہ فرع ہیں بھئی، اس زبان کے اپنے الفاظ کی نسبت سے یہ فرع ہیں۔ اب زبان کے اپنے الفاظ وہ ہوئے اصل اور یہ دوسری زبان سے آیا ہے تو یہ ہوا فرع، تو معلوم ہوا عجمہ فرع ہے عربی ہونے کی۔

اور اسی طرح جمع فرع ہے واحد کی یعنی مفرد کی، کیونکہ جمع مفرد سے بنتی ہے پہلے مفرد ہوتا ہے پھر اس سے جمع بنائی جاتی ہے۔

اسی طرح ترکیب فرع ہے افراد کی، أَفْرَدَ يُفْرِدُ إِفْرَادٌ کا معنی مفرد ہونا، پہلے مفرد ہوں گے پھر ان کو جوڑا جائے گا تو ترکیب ہو گی۔ اگر مفرد نہیں ہے تو ترکیب کیسے ہو سکتی ہے؟ تو افراد جو ہے وہ اصل ہے کس کے لیے؟ ترکیب کے لیے تو ترکیب اس کی فرع ہے۔

اسی طرح الف نون زائدتان جو ہیں وہ مَزِيدَتَا عَلَيْهِ کی فرع ہیں، جیسے عِمْرَانُ، اس کے اندر ع، م، ر جو شروع میں آیا یہ ہے مَزِيدَتَا عَلَيْهِ جس پر الف نون کی زیادتی کی گئی تو یہ ہیں اصل اور الف نون ہیں زائد۔ ع، م، ر اصل ہیں اگر یہ نہ ہوتے تو الف نون کی زیادتی کس پر کرتے بھئی؟ تو معلوم ہوا وہ ہے اصل اور یہ ہیں فرع، یا جیسے عُثْمَانُ بھئی ع، ث، م یہ ہے اصل اور الف نون اس پر زائد ہے بھئی۔

اور اسی طرح وزنِ فعل جو ہے وہ وزنِ اسم کی فرع ہے۔ اس لیے کیونکہ ہر قسم میں ہر قسم جو ہے اس کے اندر اپنا وزن آنا چاہیے، کسی اور قسم کا وزن نہیں۔ کچھ وزن ہیں اسم کے کچھ وزن ہیں فعل کے۔ اسم میں اسم کا وزن آنا چاہیے فعل میں فعل کا وزن، لیکن فعل کا وزن جب اسم میں آ گیا تو یہ وزن کیا ہوا؟ فرع ہوا، اسم کے اپنے وزن وہ اصل اور دوسری قسم یعنی فعل کا وزن اس کے اندر آ گیا وہ فرع ہوا۔ بات سمجھ میں آ گئی۔

اب آئیے آج کے سبق پر بھئی۔ دیکھیے بھئی، کہتے ہیں: وَيَجُوزُ أَيْ لَا يَمْتَنِعُ سَوَاءٌ كَانَ ضَرُورِيًّا أَوْ غَيْرَ ضَرُورِيٍّ۔ پہلے متن متن دیکھ لیجیے بھئی۔ کہتے ہیں: وَيَجُوزُ صَرْفُهُ لِلضَّرُورَةِ أَوْ لِلتَّنَاسُبِ مِثْلُ سَلَاسِلَا وَأَغْلَالَا۔ وَيَجُوزُ صَرْفُهُ اور غیر منصرف کی صرف بھی جائز ہے۔ صَرْفُهُ أَيْ صَرْفُ غَيْرِ الْمُنْصَرِفِ غیر منصرف کی صرف بھی جائز ہے، صرف یعنی اس کو منصرف

پڑھنا۔ غیر منصرف کو منصرف پڑھنا بھی جائز ہے۔ کس وجہ سے؟ لِلضَّرُورَةِ ضرورت کی وجہ سے، أَوْ لِلتَّنَاسُبِ یا تناسب کی وجہ سے۔

ضرورت سے مراد یاد رکھیے ضرورتِ شعری ہے بھئی، ضرورتِ شعری۔ میں نے آپ کو بتلایا تھا کہ اشعار کے خاص اوزان ہوتے ہیں۔ ایک حرف بھی ادھر ادھر ہو جائے تو سارے شعر کا وزن خراب ہو جاتا ہے۔ آپ بھی اشعار پڑھتے ہیں دیکھو ان میں ایک خاص روانی ہوتی ہے، ایک خاص ترنم ہوتا ہے، اور جس شعر میں ذرا بھی وزن خراب ہو تو سننے والا جو ہے اس کو اگر اللہ نے ذوق دیا ہے وہ فوراً اس کو محسوس کر لے گا کہ نہیں بھئی اس شعر میں روانی نہیں ہے، اس شعر میں کچھ لطف نہیں ہے، ترنم نہیں ہے بھئی۔ تو اشعار کے خاص اوزان ہوتے ہیں۔ تو بعض اوقات اب شعر کے اندر غیر منصرف لفظ کو لے کر آئے، اب اس پر کسرہ اور تنوین نہیں پڑھیں گے تو شعر کا وزن ٹھیک نہیں رہتا۔ تو اب مجبوراً پھر کیا کرنا پڑتا ہے؟ غیر منصرف کو منصرف پڑھنا پڑتا ہے ضرورتِ شعری کی وجہ سے۔ اور یہ واجب ہوتا ہے، لازم ہوتا ہے۔ کیوں لازم ہے؟ کیوں واجب ہے؟ ہاں تاکہ شعر کا وزن ٹھیک رہے۔ اگر آپ غیر منصرف کے اوپر کسرہ اور تنوین اس وقت نہیں پڑھیں گے تو سارا شعر کا وزن ٹوٹ جائے گا بھئی۔ تو یہ جو ضرورتِ شعری کی وجہ سے غیر منصرف کو منصرف پڑھا جاتا ہے یہ واجب ہے، لازم ہے، اس کے بغیر شعر کا وزن ہی صحیح نہیں بنے گا۔

اور کبھی کبھار غیر منصرف کو منصرف پڑھتے ہیں تناسب کی وجہ سے۔ کس کی وجہ سے؟ تناسب کی وجہ سے۔ تناسب یعنی مناسبت۔ دو کلمے اکٹھے آ گئے ان میں سے ایک منصرف ہے ایک غیر منصرف ہے۔ اب منصرف پر تو کسرہ یا تنوین آ رہے ہیں اور غیر منصرف پر کسرہ یا تنوین نہیں لاتے تو دونوں میں مناسبت نہیں رہتی بھئی۔ توجہ ہے؟ دو کلمے اکٹھے آ گئے ایک ہے منصرف ایک ہے غیر منصرف۔ منصرف پر تو کسرہ اور تنوین آئیں گے اور غیر منصرف پر کسرہ اور تنوین نہیں۔

آئیں گے تو دونوں میں مناسبت نہیں ہو گی بھئی دونوں میں۔ تو لہٰذا پھر ایسے موقع پر غیر منصرف کو منصرف پڑھنا، منصرف کرنا جائز ہے۔ جیسے قرآن میں ہے بھئی سَلَاسِلًا وَأَغْلَالًا۔ سَلَاسِلًا وَأَغْلَالًا۔ اب دیکھو سَلَاسِلُ مَسَاجِدُ وزن ہے اور یہ جمع منتہی الجموع کا وزن ہے اور جمع منتہی الجموع دو سببوں کے قائم مقام ہے، تو یہ غیر منصرف ہے، نہ اس پر کسرہ آ سکتا ہے اور نہ تنوین۔ لیکن اس پر سَلَاسِلًا تنوین آ گئی بھئی۔ تنوین کیوں آئی؟ کیونکہ اس کے پڑوس میں، اس کے ساتھ جو ہے ایک اور لفظ ہے أَغْلَالًا۔ اب اس پر تنوین آ رہی ہے جب اس پر تنوین آ رہی ہے تو اس کے ساتھ مناسبت، اس کے مناسب کرنے کے لیے، اس کے ساتھ مناسبت پیدا کرنے کے لیے سَلَاسِلَ پر بھی تنوین لائی گئی بھئی۔ تو سَلَاسِلًا وَأَغْلَالًا، اب دیکھو دونوں میں مناسبت ہے۔ دونوں میں مناسبت آ گئی بھئی۔ تو اب یاد رکھو یہ جو مناسبت کی وجہ سے غیر منصرف کو منصرف کیا جاتا ہے یہ واجب اور لازم نہیں ہے۔ واجب اور لازم نہیں ہے، ہاں بہتر ہے، بہتر ہے کلمات میں مناسبت ہونی چاہیے بھئی، مناسبت نہ ہو یہ پسندیدہ نہیں۔ معلوم ہوا ضرورت کی وجہ سے غیر منصرف کو منصرف پڑھنا

واجب ہو جاتا ہے، ضروری ہو جاتا ہے، اور مناسبت کے لیے غیر منصرف کا منصرف پڑھنا واجب نہیں ہوتا۔ توجہ ہے؟ جائز ہے لیکن واجب نہیں ہے۔ یہاں تک بات سمجھ میں آگئی؟

تو حاصلِ کلام یہ ہوا کہ غیر منصرف کو منصرف بنانا ضرورت اور تناسب کی وجہ سے ہوتا ہے۔ کس کی وجہ سے؟ ضرورت اور تناسب کی وجہ سے۔ ضرورت کی وجہ سے منصرف بنانا یا منصرف پڑھنا واجب ہے، واجب ہے، اور تناسب کی وجہ سے جائز ہے واجب نہیں۔

تو اب یہاں پر آیا دیکھو متن میں وَيَجُوزُ صَرْفُهُ اور غیر منصرف کی صرف جائز ہے یعنی اس کو منصرف پڑھنا جائز ہے۔ یہاں آیا يَجُوزُ، يَجُوزُ کا تو کیا مطلب ہے؟ جائز ہے پڑھو یا نہ پڑھو۔ حالانکہ آگے ضرورت اور تناسب ذکر ہو رہا ہے۔ ضرورت میں پڑھنا واجب ہوتا ہے اور تناسب میں پڑھنا جائز ہوتا ہے، تو یہ يَجُوزُ واجب کو تو شامل نہیں۔ يَجُوزُ کا مطلب تو ہے جائز، معلوم ہوا واجب نہیں ہے۔ اور حالانکہ آگے جب تفصیل بیان کی تو اس میں ضرورت کو بھی ذکر کیا اور تناسب کو بھی، اور ضرورت کی وجہ سے تو پڑھنا واجب ہو جاتا ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو یہ يَجُوزُ کے تحت تو داخل نہیں ہوتا کہ غیر منصرف کو منصرف پڑھنا جائز ہے ضرورت کی وجہ سے، بھئی جائز نہیں ہے بلکہ واجب ہے تو یہ تو يَجُوزُ میں داخل نہیں ہو رہا۔ بات سمجھ میں آئی؟ پھر سنو، يَجُوزُ صَرْفُهُ غیر منصرف کو منصرف پڑھنا جائز ہے، دو وجہیں ذکر کیں: ایک لِلضَّرُورَةِ اور ایک لِلتَّنَاسُبِ۔ یعنی ان کی وجہ سے پڑھنا جائز ہے، ان دو وجوہات کی وجہ سے غیر منصرف کو منصرف پڑھنا جائز ہے لیکن يَجُوزُ تو ان دونوں کو شامل ہی نہیں ہوتا۔ ان دو کی وجہ سے جائز کیسے؟ ان میں سے ایک کی وجہ سے تو واجب ہونا چاہیے۔ اشکال سمجھ میں آگیا؟

تو اب آگے صاحبِ جامی اس کا جواب دے رہے ہیں۔ کہتے ہیں: وَيَجُوزُ أَيْ لَا يَمْتَنِعُ سَوَاءٌ كَانَ ضَرُورِيًّا أَوْ غَيْرَ ضَرُورِيٍّ کہ یہ يَجُوزُ لَا يَمْتَنِعُ کے معنی میں ہے یعنی یہاں امکانِ عام مقید بجانب الوجود مراد ہے۔ کیا مراد ہے؟ امکانِ عام مقید بجانب الوجود مراد ہے، اور وہ عام ہوتا ہے، وہ ضروری کو بھی شامل ہوتا ہے اور غیر ضروری کو بھی شامل ہوتا ہے۔

امکانِ عام اور امکانِ خاص بھئی یہ کسے کہتے ہیں؟ یہ ذرا لکھ لیجیے چند باتیں بھئی۔ لکھیے بھئی، جلدی جلدی لکھیے۔

امکان دو قسم پر ہے: ایک امکانِ عام اور ایک امکانِ خاص۔

نمبر ایک امکانِ عام، جی اس کی تعریف لکھیے: الْإِمْكَانُ الْعَامُّ هُوَ سَلْبُ الضَّرُورَةِ عَنِ الْجَانِبِ الْمُخَالِفِ۔

سلب س، ل، ب، سلب، سلب کا کیا معنی ہوتا ہے؟ نفی کرنا۔ قضیہ سالبہ اور موجبہ آپ نے پڑھا ہے تو سلب کا کیا معنی؟ نفی۔ الْإِمْكَانُ الْعَامُّ هُوَ سَلْبُ الضَّرُورَةِ عَنِ الْجَانِبِ الْمُخَالِفِ۔ ترجمہ سمجھ میں آرہا ہے؟ آسان ترجمہ ہے بھئی لکھنے کی نہیں ضرورت۔ دیکھو امکانِ عام وہ کہتے ہیں سَلْبُ الضَّرُورَةِ عَنِ الْجَانِبِ الْمُخَالِفِ، جانبِ مخالف سے ضرورت کی نفی۔ توجہ

ہے؟ جانبِ مخالف سے ضرورت کی نفی، یعنی جانبِ مخالف ضروری نہیں۔ جانبِ مخالف ضروری نہیں۔ دیکھو دو جانبیں ہوتی ہیں، ایک میں ہوگا وجود، ایک میں ہوگا عدم۔ دونوں ایک دوسرے کے مخالف ہیں۔ جب وجود ہے معلوم ہوا عدم نہیں ہے اور جب عدم ہے معلوم ہوا وجود نہیں۔ وجود کا معنی کیا؟ ایک چیز کا ہونا، اور عدم کا کیا معنی؟ نہ ہونا۔ مثلاً میں نے آپ سے کہا ہو سکتا ہے زید آیا ہو۔ دیکھو میں آنے کو ذکر کر رہا ہوں یا نہ آنے کو؟ ہو سکتا ہے زید آیا ہو۔ آنے کو ذکر کر رہا ہوں، نفی کا لفظ یہاں کوئی نہیں ہے، ہو سکتا ہے زید آیا ہو۔ اور دیکھو ہو سکتا ہے، ممکن ہے، اسی کو آپ ممکن کہتے ہیں، ممکن ہے زید آیا ہو، یہی امکان کی بات چل رہی ہے۔ اسی کو امکان کہہ لو، ممکن ہے کہہ لو، یا ہو سکتا ہے کہہ لو، تو یہ امکان ہے بھئی۔ تو میں نے مثلاً کیا کہا؟ ہو سکتا ہے زید آیا ہو، یہ تو اس میں آنا ذکر ہے، آنا ذکر۔ جانبِ مخالف کیا؟ نہ آنا یعنی عدم ہے۔ معلوم ہوا عدم ضروری نہیں، معلوم ہوا نہ آنا ضروری نہیں۔ اور کبھی نہ آنا ذکر ہوتا ہے، ہو سکتا ہے زید نہ آیا ہو۔ دیکھو اب یہ کس چیز کا امکان ذکر کیا جا رہا ہے؟ نہ آنے کا یعنی عدم کا امکان۔ توجہ ہے؟ تو عدم ذکر ہو رہا ہے، تو عدم کی جانبِ مخالف کیا؟ وجود، عدم کی جانبِ مخالف کیا؟ میں نے کیا کہا ہو سکتا ہے نہ آیا ہو، نفی لے آیا۔ تو یہ عدم ذکر ہو رہا ہے، نہ آنا ذکر ہو رہا ہے، اس کی جانبِ مخالف کیا؟ آنا، یعنی آنے کا وجود اس میں ذکر ہوگا۔ بات سمجھ میں آگئی۔ تو امکانِ عام کسے کہتے ہیں؟ جانبِ مخالف سے ضرورت کا سلب، جانبِ مخالف سے ضرورت کا سلب یعنی اگر ہونے کا ذکر ہے تو اس کی جانبِ مخالف کیا؟ نہ ہونا یعنی عدم ضروری نہیں۔ اور اگر نہ ہونا ذکر ہو تو نہ ہونے کی جانبِ مخالف کیا؟ ہونا یعنی وجود ضروری نہیں ہے۔ اچھا چلیے ذرا لکھیے میں پھر تفصیل بیان کرتا ہوں۔

جی آگے لکھیے: الْإِمْكَانُ الْخَاصُّ۔ یہ اب امکانِ خاص کی تعریف آگئی۔ الْإِمْكَانُ الْخَاصُّ هُوَ سَلْبُ الضَّرُورَةِ عَنِ الْجَانِبَيْنِ۔ لکھ لیا؟ الْإِمْكَانُ الْخَاصُّ هُوَ سَلْبُ الضَّرُورَةِ عَنِ الْجَانِبَيْنِ۔ امکانِ خاص وہ ضرورت کی نفی ہے دونوں جانب سے، یعنی ہونا بھی ضروری نہیں اور نہ ہونا بھی ضروری نہیں۔ سَلْبُ الضَّرُورَةِ ضرورت کی نفی ہے کہ ضروری نہیں ہے ہونا بھی ضروری نہیں اور نہ ہونا بھی ضروری نہیں، وجود بھی ضروری نہیں اور عدم بھی ضروری نہیں بھئی، اس کو امکانِ خاص کہتے ہیں بھئی۔

آگے لکھیے الگ سطر: امکانِ عام کی دو قسمیں ہیں۔ نمبر ایک: امکانِ عام مقید بجانب الوجود، اور اسے لَا يَمْتَنِعُ سے تعبیر کرتے ہیں۔ لکھ لیا؟ کیا لکھا؟ پہلی قسم امکانِ عام مقید بجانب الوجود، اور اسے لَا يَمْتَنِعُ سے تعبیر کرتے ہیں۔ دوسری قسم لکھیے نمبر دو: امکانِ عام مقید بجانب العدم، اور اسے لَا يَجِبُ سے تعبیر کرتے ہیں۔ لکھ لیا؟

جی آگے لکھیے الگ سطر: قضیہ موجبہ میں امکانِ عام ذکر ہو تو یہ امکانِ عام مقید بجانب الوجود ہے، اور قضیہ سالبہ میں امکانِ عام ذکر ہو تو یہ امکانِ عام مقید بجانب العدم ہے۔

آگے الگ سطر لکھیے: امکانِ خاص میں جانبین سے ضرورت کا سلب ہوتا ہے یعنی وجود اور عدم دونوں سے، اور اسے لَا یَجِبُ لَا یَمْتَنِعُ سے تعبیر کرتے ہیں۔ یعنی امکانِ خاص مقید بجانب الوجود بھی ہوتا ہے اور مقید بجانب العدم بھی۔ یہاں تک لکھ لیا؟

اب اس کو تھوڑا سا سمجھ لو۔ بھئی دیکھیے یہ امکانِ عام اور امکانِ خاص آپ پڑھتے رہتے ہیں کتابوں میں اور منطق کے اندر ذکر ہوتا ہے، بڑا مشکل ہے طلباء کو سمجھ میں ہی نہیں آتا بھئی، ان شاء اللہ اب آپ کو پوری طرح یہ بات سمجھ میں آ جائے گی کہ امکانِ عام کسے کہتے ہیں، امکانِ خاص کسے کہتے ہیں۔ میں نے آپ کو بتلایا کہ امکان دو قسم پر ہے: ایک امکانِ عام اور ایک امکانِ خاص۔ امکانِ عام کہتے ہیں سَلْبُ الضَّرُورَةِ عَنِ الْجَانِبِ الْمُخَالِفِ، جانبِ مخالف سے ضرورت کی نفی یعنی جانبِ مخالف ضروری نہیں۔ جانبِ مخالف ضروری نہیں۔ مثلاً ایک قضیہ، قضیہ جانتے ہو؟ قضیہ وہ قول جس کے کہنے والے کو سچا یا جھوٹا کہا جا سکے یعنی جملہ خبریہ۔ جملہ خبریہ کو منطق میں کیا کہتے ہیں؟ قضیہ۔ زید عالم ہے، دیکھو اس کے کہنے والے کو سچا یا جھوٹا کہا جا سکتا ہے۔ تو یہ دو قسم پر ہے یہ قضیہ: یا موجبہ ہو گا زید عالم ہے یا سالبہ ہو گا زید عالم نہیں ہے۔ تو ایک میں ایجاب ہے زید کے لیے عالم ہونے کا اثبات ہے، اور دوسرے میں زید سے عالم ہونے کی نفی۔ ایجاب ہو تو اس کو کہیں گے قضیہ موجبہ اور سلب ہو تو اس کو کہیں گے قضیہ سالبہ کہیں گے بھئی۔ سلب کا معنی ہوتا ہے نفی، تو اس کے اندر نفی ہوتی ہے اس لیے اس کو سالبہ کہتے ہیں بھئی۔ تو جو بھی قضیہ ہو اس میں جو قضیہ ہو گا اس میں یا ایجاب ذکر ہو گا یا سلب ذکر ہو گا۔ یعنی ایک چیز کا ہونا ذکر ہو گا یا نہ ہونا۔ اور اسی طرح یہ امکان ہے، ہو سکتا ہے، آپ بھی کلام میں عام استعمال کرتے ہیں کسی، کوئی ساتھی سے بات کرتے ہوئے آپ کہتے ہیں ہو سکتا ہے زید امتحان میں پاس ہو جائے یا ہو سکتا ہے وہ امتحان میں فیل ہو جائے یا ہو سکتا ہے زید آگیا ہو، ہو سکتا ہے زید نہ آیا ہو۔ تو ہو سکتا ہے یا ممکن ہے ایک ہی بات ہے، تو یہ آپ امکان کا لفظ بولتے رہتے ہیں اپنے کلام میں۔ اب اس کا کیا معنی ہوتا ہے اس کو سمجھ لیں۔ دیکھو یہ جو آپ ہو سکتا ہے کہتے ہیں، آگے کلام مثبت ہو گا یا منفی ہو گا۔ ہو سکتا ہے زید آگیا ہو، دیکھو اس میں نفی نہیں ہے، ایجاب ہے۔ اور ایک ہے ہو سکتا ہے زید نہ آیا ہو، اس میں نفی ہے۔ تو قضیہ موجبہ کے اندر وجود کا ذکر ہوتا ہے ہونے کا۔ ہو سکتا ہے زید آگیا ہو، دیکھو۔

مخالف ہے عدم، اور عدم کی جانبِ مخالف ہے وجود۔ تو اگر وجود ذکر ہے مثلاً میں نے کہا ہو سکتا ہے زید آگیا ہو، ہو سکتا ہے زید آگیا ہو، اس کی جانبِ مخالف کیا؟ عدم، عدم، نہ آنا۔ تو جانبِ مخالف ضروری نہیں، کیا معنی؟ عدم ضروری نہیں۔ عدم، جب میں کہوں ہو سکتا ہے زید آگیا ہو، معلوم ہوا عدم ضروری نہیں۔ اگر عدم ضروری ہوتا تو میں یہ کہہ ہی نہیں سکتا تھا کہ ہو سکتا ہے زید آگیا ہو۔ اگر عدم ضروری ہو تو پھر یہ نہیں کہہ سکتا کہ میں کہ ہو سکتا ہے زید آگیا ہو۔

مثلاً فرض کرو زید جو ہے مکہ مکرمہ میں ہے اور ابھی آپ کی اس سے ٹیلی فون پر بات ہوئی، آپ کو پکا پتا ہے زید اس

وقت کہاں ہے؟ مکہ مکرمہ میں ہے، تو اب آپ اپنے ساتھی کو یہ کہہ سکتے ہیں ہو سکتا ہے زید ابھی گھر آگیا ہو؟ اس کا گھر مثلاً لاہور میں ہے۔ آپ کہہ سکتے ہیں اپنے ساتھی کو کہ ہو سکتا ہے زید ابھی گھر آگیا ہو؟ اب آپ ہو سکتا ہے نہیں کہہ سکتے۔ کیوں؟ کیونکہ اس وقت اس کا نہ آنا ضروری ہے، وہ اس وقت آ ہی نہیں سکتا کیونکہ وہ بہت دور ہے۔ بات سمجھ میں آرہی ہے؟ تو ہو سکتا ہے آپ تب ہی کہتے ہیں جب عدم ضروری نہ ہو، جب عدم... اگر عدم ضروری ہوتا، زید کا نہ آنا ضروری ہوتا، تو آپ کہہ سکتے تھے ہو سکتا ہے زید اپنے گھر ابھی آگیا ہو؟

یا جو دوسری مثال لے لو۔ مثلاً اونٹ ہے اور ایک ہے سوئی کا ناکہ بھئی، سوئی کا سوراخ جو ہے، اب اونٹ کتنا بڑا ہے سوئی کا سوراخ کتنا چھوٹا سا ہے، اب یہ اونٹ اس سوئی کے ناکے میں سے نہیں گزر سکتا۔ تو معلوم ہوا اونٹ کا سوئی کے ناکے سے نہ گزرنا ضروری ہے، لازم ہے۔ توجہ ہے؟ تو اب کیا میں کہہ سکتا ہوں ہو سکتا ہے اونٹ سوئی کے ناکے سے گزر جائے؟ نہیں، کیونکہ جانبِ مخالف ضروری ہے، جانبِ مخالف کیا؟ عدم ضروری ہے۔ جب عدم ضروری ہے تو میں نہیں کہہ سکتا ہو سکتا ہے کہ وجود میں امکان لے آؤں میں۔ تو جب امکان ذکر کیا جائے تو اس کا مطلب ہے جانبِ مخالف ضروری نہیں ہے بھئی، حالانکہ یہاں پر تو نہ گزرنا ضروری ہے تو جانبِ مخالف ضروری ہے۔

تو قضیہ موجبہ میں کیا ذکر ہوتا ہے؟ ایک چیز کا وجود یا یوں کہو ایک چیز کا ثبوت، اور قضیہ سالبہ میں کیا ذکر ہوتا ہے؟ ایک چیز کا عدم ذکر ہوتا ہے، اور وجود اور عدم ایک دوسرے کے مخالف ہیں۔ تو قضیہ موجبہ کے اندر امکانِ عام آجائے تو وہ امکانِ عام مقید بجانب الوجود ہو گا، اور قضیہ سالبہ کے اندر نفی ہوتی ہے تو وہ امکانِ عام مقید بجانب العدم ہو گا۔ اور امکانِ عام جب مقید بجانب الوجود ہو یعنی آپ کہیں ہو سکتا ہے ایسا ہو، تو جانبِ مخالف کیا؟ معلوم ہوا عدم ضروری نہیں جب ہی آپ یہ کہہ رہے ہیں۔ اور جب قضیے کے اندر نفی ذکر ہو: ہو سکتا ہے ایسا نہ ہو، دیکھو نفی ذکر کر رہے ہیں، یہ آپ تب ہی کہیں گے جب وجود ضروری نہیں ہو گا۔ جانبِ مخالف سے ضرورت کی نفی۔ تو میں نے کیا ذکر کیا؟ ہو سکتا ہے زید نہ آیا ہو۔ وجود ذکر کر رہا ہوں یا عدم ذکر کر رہا ہوں؟ عدم ذکر کر رہا ہوں۔ اور عدم کی جانبِ مخالف کیا؟ وجود، معلوم ہوا وجود ضروری نہیں۔ میں تب ہی یہ کہوں گا جب وجود ضروری نہ ہو بھئی، بات سمجھ میں آگئی۔ اگر وجود ضروری ہے پھر میں یہ نہیں کہہ سکتا کہ ہو سکتا ہے زید نہ آیا ہو۔

تو یہ دو قسمیں ہوئیں امکانِ عام کی بھئی۔ تو یہ جو امکانِ عام مقید بجانب الوجود ہوتا ہے اس کو لَا یَمْتَنِعُ سے تعبیر کرتے ہیں، کس سے؟ لَا یَمْتَنِعُ سے یعنی ناممکن نہیں ہے۔ میں نے کہا ہو سکتا ہے زید آگیا ہو، یہ میں کب کہوں گا؟ جب اس کا آنا ناممکن نہ ہو۔ ہو سکتا ہے دیکھو، ہو سکتا ہے کہہ دو یا ناممکن نہیں ہے کہہ دو ایک ہی بات ہے۔ اگر وہ مکہ میں بیٹھا ہے تو پھر میں نہیں کہہ سکتا کہ ابھی زید گھر آجائے گا۔ بھئی اگر وہ مکہ میں بیٹھا ہے پھر اس وقت اس کا گھر اس کا آنا ممکن نہیں یعنی عادتاً ممکن نہیں ہے۔ عادتاً ممکن نہیں ہے کہ وہ گھر ایک دم اس وقت وہ پہنچ جائے۔ ہاں بطورِ کرامت کے آجائے وہ تو

الگ بات ہے لیکن عادتاً یہ ممکن نہیں۔ تو جب میں نے کہا ہو سکتا ہے زید ابھی گھر آگیا ہو، کیا معنی؟ لَا یَمْتَنِعُ، یہ امکانِ عام مقید بجانب الوجود ہے، ہو سکتا ہے آگیا ہو یہ کیا ہے؟ امکانِ عام مقید بجانب الوجود، اس کو کس سے تعبیر کرتے ہیں؟ لَا یَمْتَنِعُ سے تعبیر کرتے ہیں، معلوم ہوا زید کا اس وقت گھر آنا ناممکن نہیں ہے، ممکن ہے۔ بات سمجھ میں آئی؟

تو امکانِ عام مقید بجانب الوجود اس کو لَا یَمْتَنِعُ سے تعبیر کرتے ہیں، اور امکانِ عام مقید بجانب العدم اس کو لَا یَجِبُ سے تعبیر کرتے ہیں یعنی بات ضروری نہیں ہے۔ ضروری نہیں ہے۔ مثلاً میں نے کیا کہا؟ ہو سکتا ہے زید نہ آیا ہو، ہو سکتا ہے زید نہ آیا ہو، نفی ہے یا اثبات ہے؟ نفی ہے، تو یہ امکانِ عام مقید بجانب العدم ہوا۔ اور اس کی جانبِ مخالف کیا؟ وجود، معلوم ہوا آنا ضروری نہیں۔ جانبِ مخالف یعنی وجود یعنی آنا ضروری نہیں ہے۔ تو اس کو کس سے تعبیر کرتے ہیں؟ لَا یَجِبُ سے، کس سے؟ لَا یَجِبُ سے۔

اچھا ہو سکتا ہے ابھی بھی بات پوری طرح واضح نہ ہوئی ہو، یوں کریں ذرا اپنی کاپی پر ایک نقشہ بنائیے بھئی جلدی کیجیے۔ چھوٹا سا ایک، چھوٹی سی ایک صورت ہم بنا لیتے ہیں۔ یوں کرو، صفحے کے درمیان میں ایک نقطہ لگائیں درمیان میں بھئی۔ اس کے دونوں طرف اس نقطے کے آس پاس کوئی دو دو انچ جگہ ہونی چاہیے بس ایسی جگہ نقطہ لگاؤ۔ درمیان میں نقطہ لگا دیں۔ اب اس نقطے سے کوئی ڈیڑھ ڈیڑھ انچ کی تین لکیریں کھینچیں بھئی، ایک پنکھا بنا دیں اس سے۔ ڈیڑھ ڈیڑھ انچ کی، ایک نقطہ لگایا اس نقطے سے دائیں بائیں نیچے یہ تین لکیریں کھینچ دیں بھئی۔ پنکھے جیسی صورت بنا لیں۔ اور زیادہ لمبی لکیریں نہ ہوں لیکن بہرحال ایک ڈیڑھ انچ کی ضرور ہوں کیونکہ ہم نے اس کے ساتھ لکھنا ہے تاکہ تحریر قریب قریب نہ آئے ایک دوسرے سے دور رہے۔ پنکھے کی صورت بنا لی؟

اچھا یاد رکھو یہ جو چیزیں ہیں نا یہ تین قسم کی ہیں بنیادی طور پر۔ کچھ وہ جن کا وجود ممکن ہی نہیں ہے، اور کچھ وہ جن کا ہونا واجب ہے، اور کچھ وہ ہیں جن کا ہونا نہ ہونا برابر ہے۔ تو اس ایک لکیر کے کنارے پر لکھ دیں واجب بھئی۔ کچھ چیزیں ہیں جن کا ہونا واجب ہے، جیسے اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ذات جو ہے وہ واجب الوجود ہے، اس کا ہونا ضروری ہے، اگر اللہ کی ذات نہ ہو تو پھر باقی چیزوں کا وجود ممکن ہی نہیں ہے بھئی۔ تو اللہ کی ذات واجب الوجود ہے۔ تو ایک کنارے پر کیا لکھا، ایک لکیر کے؟ واجب۔ ایک لکیر کے کنارے پر کیا لکھا؟ واجب۔ دوسری طرف اوپر لکھ لیں ممتنع بھئی۔ ممتنع۔ کچھ چیزیں ہیں ان کا وجود ممتنع ہے، وہ ہو ہی نہیں سکتیں۔ جیسے شریکِ باری تعالیٰ، اللہ تعالیٰ کا شریک۔ اللہ کا شریک ممکن ہی نہیں ہے بھئی۔ یا دوسری مثال لے لو جیسے لاشے، لاوجود، لاشے کا وجود ہو ہی نہیں سکتا۔ لاشے ہو ہی نہیں سکتی بھئی کیونکہ جب بھی کوئی لاشے پائی گئی تو وہ تو لاشے نہ رہے گی وہ تو کیا بن جائے گی؟ شے بن جائے گی۔ اسی طرح لاوجود ممکن ہی نہیں ہے کہ پایا جائے کیونکہ لاوجود اگر پایا جائے گا وہ تو لاوجود نہ رہے گا بلکہ کیا بن جائے گا؟ وجود بن جائے گا۔ تو کچھ چیزیں

ہیں واجب، ایک کنارے پر آپ نے کیا لکھا؟ واجب۔ دوسرے خط کے کنارے پر کیا لکھا؟ ممتنع، کچھ چیزیں جو ہیں ممتنع ہیں یعنی وہ ہو ہی نہیں سکتیں۔ اور تیسری قسم ہے ممکن بھئی، تیسرے کنارے پر لکھ لیں ممکن۔ کچھ چیزیں ممکن ہیں یعنی ان کا ہونا نہ ہونا برابر ہے، ہوں تب بھی ٹھیک، نہ ہوں تب بھی ٹھیک۔ اور یہ جیسے تمام چیزیں آپ کائنات میں دیکھ رہے ہیں یہ سب ممکنات ہیں، ان کا نہ ہونا ضروری اور نہ نہ ہونا ضروری۔ ہمیں اللہ نے پیدا فرمایا انسانوں کو، اگر اللہ انسانوں کو پیدا نہ فرماتے تو بھی کائنات کا نظام اللہ چلا سکتے تھے، کوئی اور مخلوق پیدا فرما دیتے۔ تو گویا بنیادی طور پر چیزیں کتنی قسم کی ہو گئیں؟ تین: واجب، ممتنع، اور ممکن۔ ممکن کس کو کہتے ہیں؟ جس کا ہونا نہ ہونا برابر ہو، ہو تو بھی کوئی حرج نہیں، نہ ہو تو بھی کوئی حرج نہیں۔

اچھا اب اس پہ نظر رکھیں۔ یہ جو واجب ہے اس کو تعبیر کس سے کریں گے؟ یَجِبُ سے۔ تو واجب کے ساتھ لکھ لیں یَجِبُ۔ واجب کے ساتھ لکھ لیں چھوٹا سا یَجِبُ۔ دیکھا اس چیز کا ہونا واجب ہے، یَجِبُ فعل ہے بھئی۔ جب یہ یَجِبُ ہے تو باقی دو چیزیں کیا ہو گئیں؟ لَا یَجِبُ ہو گئیں بھئی۔ تو ممتنع کے پاس بھی لکھ لو لَا یَجِبُ، لَا یَجِبُ، اور ممکن کے نیچے بھی لکھ لو لَا یَجِبُ، ممکن کے نیچے بھی لکھ لو لَا یَجِبُ۔ صورت سمجھ میں آ رہی ہے؟ واجب جو ہے وہ ہے یَجِبُ، جب وہ یَجِبُ ہے تو ظاہر سی بات ہے باقی دونوں چیزیں لَا یَجِبُ، ان کے ساتھ ہم نے لَا یَجِبُ لکھ لیا۔

اچھا ان میں سے ایک قسم ہے ممتنع، ممتنع کا کیا معنی؟ أَيْ یَمْتَنِعُ۔ لہٰذا ممتنع کے پاس لکھ لیں یَمْتَنِعُ، یَمْتَنِعُ لکھیں۔ اس کو کس سے تعبیر کرتے ہیں؟ یَمْتَنِعُ سے۔ جب یہ یَمْتَنِعُ ہے تو باقی دونوں کیا ہو گئے؟ لَا یَمْتَنِعُ۔ تو باقی دونوں کے ساتھ لَا یَمْتَنِعُ لکھو بھئی۔ واجب کے پاس بھی لَا یَمْتَنِعُ لکھو، اور ممکن کے پاس بھی لَا یَمْتَنِعُ لکھو۔ لکھ لیا؟

اب ذرا ممکن پہ نظر رکھیں۔ جو ممکن تھا اس کے پاس دونوں قیدیں آ گئیں: لَا یَجِبُ لَا یَمْتَنِعُ۔ اس کا ہونا بھی ضروری نہیں اور نہ ہونا بھی ضروری نہیں، تو یہ امکانِ خاص ہے بھئی۔ یہ امکانِ خاص ہے دیکھو، اس کو میں نے لکھوایا تھا آپ کو کس سے تعبیر کرتے ہیں؟ وہ جو ابھی میں نے لکھوایا ذرا اس پہ نظر رکھو وہ جو تعریفیں لکھوائیں: امکانِ خاص میں جانبین سے ضرورت کا سلب ہوتا ہے اور اسے لَا یَجِبُ لَا یَمْتَنِعُ سے تعبیر کرتے ہیں، دیکھو لَا یَجِبُ لَا یَمْتَنِعُ آ گیا بھئی۔

اور امکانِ عام وہ کتنی قسم پر تھا؟ دو قسم پر۔ ایک کو کس سے تعبیر کرتے ہیں؟ ذرا دیکھو وہ جو میں نے تعریف لکھوائی: ایک امکانِ عام مقید بجانب الوجود ہے، اس کو کس سے تعبیر کرتے ہیں؟ لَا یَمْتَنِعُ سے۔ اب ذرا اس نقشے پہ نظر رکھو: لَا یَمْتَنِعُ میں کتنی چیزیں آ گئیں؟ دو آ گئیں، واجب بھی آ گیا اور ممکن بھی آ گیا۔ واجب بھی اور ممکن، دونوں لَا یَمْتَنِعُ ہیں بھئی۔ اور امکانِ عام مقید بجانب العدم اس کو کس سے تعبیر کرتے ہیں؟ لَا یَجِبُ سے، اور لَا یَجِبُ میں کتنی چیزیں آئیں؟ لَا یَجِبُ میں بھی دو چیزیں آ گئیں: ممتنع بھی آ گیا لَا یَجِبُ میں اور ممکن بھی آ گیا۔ توجہ ہے؟ لَا یَجِبُ میں کیا کیا آیا؟ ممتنع اور

ممکن۔ اور لَا یَمْتَنِعُ میں کتنی چیزیں آئی تھیں؟ دو چیزیں: واجب اور ممکن، یہ دو چیزیں لَا یَمْتَنِعُ میں آئی تھیں۔

دیکھو اور مزید سمجھ لو۔ مثلاً میں آپ سے کہتا ہوں ادھر دیکھیے، اب ذرا اس نقشے پہ بھی نظر رکھنا اور تعریف بھی سننا۔ میں کہتا ہوں ہو سکتا ہے زید آگیا ہو۔ آنے کو ذکر کر رہا ہوں وجود کو یا عدم کو؟ وجود کو۔ ہو سکتا ہے زید آگیا ہو، میں نے نفی والا کوئی لفظ استعمال نہیں کیا تو یہ کیا ہے؟ وجود کا ذکر ہو رہا ہے۔ تو یہ کون سا امکان ہوا؟ امکانِ عام مقید بجانب الوجود۔ اور اس کو کس سے تعبیر کرتے ہیں؟ لَا یَمْتَنِعُ سے، کس سے؟ لَا یَمْتَنِعُ سے۔ میں نے کہا ہو سکتا ہے زید آگیا ہو، اس کی جانبِ مخالف نکالو ذرا۔ عدم بھئی، اس میں کیا ذکر وجود ذکر ہے، تو جانبِ مخالف کیا؟ عدم، معلوم ہوا عدم ضروری نہیں یعنی زید کا نہ آنا ضروری نہیں۔ اگر نہ آنا ضروری ہوتا تو میں یہ نہیں کہہ سکتا تھا کہ ہو سکتا ہے زید آگیا ہو۔ تو نہ آنا ضروری نہیں۔ تو جب میں نے کہا ہو سکتا ہے زید آگیا ہو، تو یہ امکانِ عام ہے مقید بجانب الوجود، اس کو کس سے تعبیر کرتے ہیں؟ لَا یَمْتَنِعُ سے یعنی ناممکن نہیں ہے اس کا آنا، اس کا آنا ناممکن نہیں ہے، تو لَا یَمْتَنِعُ سے تعبیر کرتے ہیں۔ اور اس میں کتنی صورتیں آگئیں؟ دو صورتیں: واجب ہو وہ بھی اس کے اندر آگیا اور ممکنِ خاص وہ بھی اس کے اندر آگیا۔ یہ امکانِ عام مقید بجانب الوجود ہے نا، مقید بجانب الوجود۔ جب مقید بجانب الوجود ہے معلوم ہوا جانبِ مخالف ضروری نہیں، اور جانبِ مخالف کیا ہے؟ عدم، معلوم ہوا عدم ضروری نہیں، بس صرف اتنا پتا چلا۔ توجہ ہے؟ جب میں نے کہا ہو سکتا ہے زید آگیا ہو تو جانبِ مخالف کیا؟ عدم یعنی نہ آنا، یعنی معلوم ہوا عدم ضروری نہیں، نہ آنا ضروری نہیں۔ جب نہ آنا ضروری نہیں تو آنا چاہے ضروری ہو یا نہ ہو دونوں آگئے اس کے اندر۔ یوں کہو اور مختصر لفظوں میں: ہو سکتا ہے زید آگیا ہو، یہ امکانِ عام مقید بجانب الوجود، وجود ممکن ہے یوں کہو وجود ممکن ہے، معلوم ہوا عدم ضروری نہیں۔ جب عدم ضروری نہیں تو وجود چاہے ضروری ہو چاہے ضروری نہ ہو دونوں اس میں داخل ہو گئے، جیسے اس نقشے میں تھا۔

ہاں نیچے ایک دو سطریں اور لکھ لیں پھر آپ کو شاید پھر پوری بات واضح ہو جائے آپ کے لیے۔ لکھیے بھئی:

امکانِ عام مقید بجانب الوجود میں جانبِ عدم سے ضرورت کی نفی ہوتی ہے، یعنی عدم ضروری نہیں، اور وجود خواہ ضروری ہو یا نہ ہو دونوں اس میں داخل ہیں۔

اب کچھ بات سمجھ میں آئی؟ امکانِ عام مقید بجانب الوجود میں کیا ذکر ہوتا ہے؟ کہ عدم ضروری نہیں ہے، باقی وجود چاہے ضروری ہو یا نہ ہو دونوں صورتیں آگئیں اس میں۔ اسی طرح دوسرے کو، دوسرا بھی سمجھ لیں: امکانِ عام مقید بجانب العدم۔ عدم، اس میں عدم ذکر ہوتا ہے معلوم ہوا وجود ضروری نہیں۔ وجود ضروری نہیں ہے، عدم چاہے ضروری ہو یا نہ ہو دونوں اس میں آگئے، بات سمجھ میں آگئی۔

تو یہ ہے امکانِ عام، بات سمجھ میں آگئی؟ یہ ہم عام کلام میں بھی استعمال کرتے رہتے ہیں۔ آپ بھی جیسے میں نے

مثالیں ذکر کر دیں، آپ کہتے ہیں ہو سکتا ہے زید آگیا ہو، آپ بھی کہتے ہیں ہو سکتا ہے زید نہ آیا ہو۔ یا کوئی شخص ایک بات ذکر کرتا ہے کہ میں زید کے پاس جا رہا ہوں مجھے کچھ قرض کی ضرورت ہے، آپ اس کو کہتے ہیں ہو سکتا ہے زید آپ کی مدد کر دے، یا کبھی آپ کہتے ہیں ہو سکتا ہے وہ آپ کی مدد نہ کرے۔ تو دیکھا، ہو سکتا ہے وہ آپ کی مدد کر دے معلوم ہوا یہ کون سا امکان ہے؟ امکانِ عام مقید بجانب الوجود، معلوم ہوا عدم ضروری نہیں۔ عدم ضروری نہیں، اور وجود وہ چاہے ضروری ہو یا نہ ہو دونوں اس میں داخل ہو گئے۔

اور پھر یہ امکانِ عام کو امکانِ عام کیوں کہتے ہیں اور امکانِ خاص کو امکانِ خاص کیوں کہتے ہیں؟ وجہ یہ کہ امکانِ عام میں ایک وقت میں ایک قید ہوتی ہے: یا صرف لَا يَمْتَنِعُ یا صرف لَا يَجِبُ۔ توجہ ہے؟ لَا يَجِبُ ہو گا یا صرف لَا يَمْتَنِعُ ہو گا۔ جبکہ امکانِ خاص میں دونوں قیدیں ہوتی ہیں، جیسے اس نقشے میں آپ نے دیکھا ممکن کے نیچے کیا آگیا تھا؟ لَا يَجِبُ لَا يَمْتَنِعُ، یعنی اس کا وجود بھی ضروری نہیں ہوتا اور عدم بھی ضروری نہیں، تو اس میں دو قیدیں ہوتی ہیں۔ اور آپ بھی جانتے ہیں جتنی قیدیں بڑھتی جائیں چیز خاص ہوتی چلی جاتی ہے۔ مثلاً میں نے کہا مسلمان، تمام دنیا کے مسلمانوں پر یہ صادق آتا ہے۔ اب میں ایک قید بڑھاتا ہوں: پاکستانی مسلمان، اب دیکھو باقی دنیا کے مسلمان اس سے خارج ہو گئے، صرف کن پر صادق آئے گا؟ پاکستانی مسلمان۔ پھر میں ایک اور قید بڑھاتا ہوں: پاکستانی لاہوری مسلمان، اب دیکھو پاکستان میں جو لاہور کے علاوہ مسلمان ہیں وہ بھی اس سے نکل گئے۔ دیکھا؟ تو جتنی قیدیں بڑھاتے جاؤ چیز میں تخصیص آتی جاتی ہے، اس کے افراد کم ہوتے چلے جاتے ہیں۔ تو امکانِ خاص کے اندر کتنی قیدیں؟ دو، تو لہٰذا اس کو کیا کہا؟ امکانِ خاص، اس میں قیدیں زیادہ۔ اور دوسرے امکانِ عام میں ایک وقت میں ایک قید ہوتی ہے اس لیے اس کو کیا کہا؟ امکانِ عام کہا۔ بات سمجھ میں آگئی؟

اب آئیے کتاب پر بھئی۔ تو کہتے ہیں: وَيَجُوزُ أَيْ لَا يَمْتَنِعُ سَوَاءٌ كَانَ ضَرُورِيًّا أَوْ غَيْرَ ضَرُورِيٍّ۔ وَيَجُوزُ کے بعد شارحِ جامی فرما رہے ہیں أَيْ لَا يَمْتَنِعُ معلوم ہوا کون سا امکان مراد ہے؟ امکانِ عام مقید بجانب الوجود، جس میں عدم ضروری نہیں ہوتا۔ جانبِ مخالف سے ضرورت کی نفی یعنی عدم ضروری نہیں ہوتا، اور وجود چاہے ضروری ہو یا ضروری نہ ہو دونوں اس میں داخل ہو گئے۔ تو لہٰذا لِلضَّرُورَةِ أَوْ لِلتَّنَاسُبِ، غیر منصرف کو منصرف پڑھنا ضرورت کی وجہ سے ضروری ہوتا ہے، واجب ہوتا ہے، اور تناسب کی وجہ سے ضروری نہیں ہوتا۔ تو يَجُوزُ کا کیا ترجمہ کر دیا؟ لَا يَمْتَنِعُ، جس کے اندر عدم ضروری نہیں ہوتا اور وجود چاہے ضروری ہو چاہے ضروری نہ ہو دونوں داخل ہو گئے۔ تو یہ معنی ہے أَيْ لَا يَمْتَنِعُ سَوَاءٌ كَانَ ضَرُورِيًّا أَوْ غَيْرَ ضَرُورِيٍّ، برابر ہے کہ وہ جو ہے ضروری ہو یا ضروری نہ ہو، دونوں اس میں داخل ہو گئے۔

تو حاصلِ جواب یہ کہ صاحبِ جامی بتلانا یہ چاہتے ہیں کہ وَيَجُوزُ یہاں پر يُمْكِنُ کے معنی میں ہے، جائز ہے یعنی ممکن ہے۔ يَجُوزُ کس معنی میں؟ ممکن ہے۔ تو ممکن امکان کا ذکر آگیا، اور امکان تو دو قسم پر ہے: یا امکانِ عام یا امکانِ خاص۔ یہاں امکانِ عام مراد ہے۔ اور پھر امکانِ عام دو قسم پر ہے: ایک مقید بجانب الوجود ایک مقید بجانب العدم۔ اور یہاں کون

سا ہے؟ ہاں امکانِ عام مقید بجانب الوجود، کیونکہ یَجُوزُ صَرْفُهُ یہاں نفی والا کوئی لفظ نہیں ہے، تو امکانِ عام مقید بجانب الوجود مراد ہے، اور اس کو کس سے تعبیر کرتے ہیں؟ لَا یَمْتَنِعُ سے، اور اس میں عدم ضروری نہیں ہوتا، وجود خواہ ضروری ہو یا نہ ہو دونوں آ گئے۔ تو وجود ضروری ہو یا نہ ہو دونوں آ گئے، اسی لیے کہا: سَوَاءٌ كَانَ ضَرُورِيًّا أَوْ غَيْرَ ضَرُورِيٍّ برابر ہے کہ وہ ضروری ہو یا ضروری نہ ہو۔

صَرْفُهُ، اور جائز ہے صَرْفُهُ غیر منصرف کو منصرف بنانا، غیر منصرف کو منصرف بنانا۔ آگے صاحبِ جامی فرما رہے ہیں: أَيْ جَعْلُهُ فِي حُكْمِ الْمُنْصَرِفِ یعنی اس کو منصرف کے حکم میں کر دینا۔ یہاں مراد یہ ہے، یہ جو آیا نا یَجُوزُ صَرْفُهُ، مراد یہ ہے کہ غیر منصرف کو منصرف کے حکم میں کر دیا جاتا ہے، حقیقتاً وہ غیر منصرف جو ہے وہ منصرف نہیں بنتا۔ کیوں؟ وجہ یہ کہ غیر منصرف کی تعریف کیا کی صاحبِ کافیہ نے؟ وہ معرب جس کے اندر دو علتیں ہوں یا کوئی ایک علت جو دو کے قائم مقام ہو۔ تو اگر ایک غیر منصرف کلام میں، شعر میں آ گیا مثلاً، آپ اس پر کسرہ یا تنوین پڑھ دیتے ہیں، کسرہ یا تنوین پڑھ دیتے ہیں تو وہ منصرف نہیں بنا بھئی۔ توجہ ہے؟ کیوں نہیں بنا؟ کیونکہ غیر منصرف کسے کہتے تھے؟ جس میں دو علتیں ہوں یا ایک علت قائم مقام دو کے۔ تو آپ نے اس پر کسرہ یا تنوین پڑھ دیا، تو ابھی بھی اس کے اندر وہ دو علتیں ہیں یا نہیں ہیں؟ علتیں تو ابھی بھی ہیں، معلوم ہوا یہ غیر منصرف ابھی بھی ہے۔ بات سمجھ میں آ گئی؟ غیر منصرف تو ابھی بھی ہے جو صاحبِ کافیہ نے تعریف کیا۔ ہاں ہم نے اس کو حکم کس کا دے دیا؟ منصرف والا حکم دے دیا، منصرف نہیں بنایا بلکہ صرف اس کا حکم دیا ہے، حقیقتاً منصرف نہیں بنا کیونکہ ابھی بھی وہ تعریف اس پر صادق آ رہی ہے کہ اس کے اندر دو علتیں ہیں یا کوئی ایک علت جو قائم مقام دو کے ہے وہ موجود ہے۔

تو کہتے ہیں: أَيْ جَعْلُهُ فِي حُكْمِ الْمُنْصَرِفِ یعنی اس کو منصرف کے حکم میں کر دینا، یعنی یہ جائز ہے۔ کس طرح؟ باتصویر یہ ہے، صورت بتلا رہے ہیں کہ منصرف کے حکم میں کیسے کرتے ہیں: بِإِدْخَالِ الْكَسْرَةِ وَالتَّنْوِينِ فِيهِ بایں صورت کہ اس پر کسرہ اور تنوین کو داخل کر دیا جاتا ہے۔ لَا جَعْلُهُ مُنْصَرِفًا حَقِيقَةً اس کو حقیقتاً منصرف نہیں بنایا جاتا۔ فَإِنَّ غَيْرَ الْمُنْصَرِفِ عِنْدَ الْمُصَنِّفِ مَا فِيهِ عِلَّتَانِ أَوْ وَاحِدَةٌ تَقُومُ مَقَامَهُمَا اس لیے کیونکہ غیر منصرف جو ہے وہ مصنف رحمہ اللہ کے نزدیک وہ معرب ہے جس کے اندر دو علتیں ہوں یا کوئی ایک جو دو کے قائم مقام ہو۔ وَبِإِدْخَالِ الْكَسْرَةِ وَالتَّنْوِينِ لَا يَلْزَمُ خُلُوُّ الِاسْمِ عَنْهُمَا اور اس پر کسرہ یا تنوین داخل کر دینے سے لَا يَلْزَمُ یہ لازم نہیں آتا خُلُوُّ الِاسْمِ عَنْهُمَا کہ اسم ان دو علتوں سے خالی ہو گیا۔ کسرہ یا تنوین داخل کرو گے تو وہ دو علتوں سے کوئی خالی ہو جائے گا؟ وہ دو علتیں تو ابھی بھی ہیں، جب دو علتیں ہیں تو اس کو کیا کہیں گے؟ غیر منصرف ہی کہیں گے، معلوم ہوا منصرف والا حکم دیا ہے، منصرف بنایا نہیں ہے بھئی۔

وَقِيلَ اور کہا گیا ہے، یہاں دوسرا جواب دے رہے ہیں۔ ایک جواب تو یہ کہ منصرف کے حکم میں کر دیا جاتا ہے حقیقتاً

منصرف نہیں بنایا جاتا۔ اور ترجمہ کیا ہوا؟ وَيَجُوزُ صَرْفُهُ اور جائز ہے، صَرْفُهُ کی ہا ضمیر کس کو راجع؟ غیر منصرف کو، اور جائز ہے غیر منصرف کی صرف یعنی اس کو منصرف کے حکم میں کرنا جائز ہے۔ حقیقتاً منصرف نہیں کیا جائے گا بلکہ منصرف کے حکم میں کیا جائے گا۔ جبکہ بعض علماء نے اور جواب دیا، وہ فرماتے ہیں صَرْفُهُ اس سے منصرف ہونا مراد نہ لیں۔ وَيَجُوزُ صَرْفُهُ توجہ ہے؟ صَرْفُهُ کا کیا معنی کیا؟ منصرف کرنا۔ منصرف، یہ منصرف کرنا مراد نہ لیں بلکہ صرف کا لغوی معنی مراد لے لیں، اور صرف کا لغوی معنی ہوتا ہے پھیرنا، ایک چیز کو ایک حالت سے دوسری حالت کی طرف پھیرنا۔ تو صرف کا معنی کر لیں پھیرنا، لغوی معنی۔ اور ہا ضمیر جو ہے یہ غیر منصرف کو نہ راجع کریں بلکہ یہ غیر منصرف کے حکم کو راجع کر دیں۔ تو وَيَجُوزُ صَرْفُهُ اور جائز ہے اس کو پھیرنا، کس کو؟ غیر منصرف کے حکم کو۔ اور غیر منصرف کے حکم کو پھیرنا جائز ہے۔ پہلے حکم کیا تھا؟ اس پر کسرہ یا تنوین نہیں آئے گا، اب اس حکم کو پھیر دیا کہ کسرہ اور تنوین آسکتا ہے ضرورت یا تناسب کی وجہ سے۔

تو کہتے ہیں: وَقِيلَ اور کہا گیا ہے الْمُرَادُ بِالصَّرْفِ مَعْنَاهُ اللُّغَوِيُّ لَا الِاصْطِلَاحِيُّ کہ صرف سے مراد جو ہے وہ اس کا لغوی معنی ہے نہ کہ اصطلاحی۔ اصطلاحی معنی تو کیا تھا؟ منصرف کرنا، یہ منصرف کرنا نہ مراد لیں بلکہ پھیرنا مراد لیں۔ وَالضَّمِيرُ فِي صَرْفُهُ رَاجِعٌ إِلَى حُكْمِهِ اور یہ جو ضمیر ہے صَرْفُهُ میں یہ راجع ہے غیر منصرف کے حکم کو راجع ہے۔ یہ ضمیر کس کو راجع کریں؟ غیر منصرف کے حکم کو راجع کریں، غیر منصرف کو راجع نہ کریں۔ دو توجیہات سمجھ میں آئیں یا نہیں؟ اچھی طرح۔

تو یوں پڑھیں: وَالضَّمِيرُ فِي صَرْفُهُ، وہ جو صَرْفُهُ میں ضمیر ہے، فِی جارہ آیا لیکن میں نے پھر بھی صَرْفُهُ پڑھا، یہ کون سا اعراب ہے؟ یہ اعرابِ حکائی ہے بھئی۔ وہ جو جملے میں، وہ جو متن میں آیا تھا وَيَجُوزُ صَرْفُهُ اس میں اس صَرْفُهُ پر رفع تھا تو یہاں پر بھی میں نے کیا پڑھ دیا؟ صَرْفُهُ، اس کو اعرابِ حکائی کہتے ہیں۔ تو کہتے ہیں: وَالضَّمِيرُ فِي صَرْفُهُ رَاجِعٌ إِلَى حُكْمِهِ اور صَرْفُهُ کے اندر جو ضمیر ہے وہ غیر منصرف کے حکم کو راجع ہے۔ یہاں تک بات سمجھ میں آگئی۔

اور یہ بھی یاد رکھنا کہ بعض علماء نے غیر منصرف کی اور تعریف کی ہے، انہوں نے کہا ہے غیر منصرف وہ ہے جس پر کسرہ یا تنوین نہ آئے۔ صاحبِ کافیہ نے تو کیا تعریف کی؟ غیر منصرف وہ ہے جس میں دو علتیں ہوں یا ایک علت دو کے قائم مقام ہو۔ ان کی تعریف کے مطابق تو آپ کسرہ یا تنوین لے آئیں پھر بھی دو علتیں موجود ہیں تو اس کو غیر منصرف ہی کہنا پڑے گا۔ جبکہ بعض علماء نے کیا تعریف کی غیر منصرف کی؟ جس پہ کسرہ اور تنوین نہ آئے۔ تو جب ضرورت وغیرہ کی وجہ سے آپ اس کا، اس پر کسرہ یا تنوین لے آئے تو اب یہ باقاعدہ منصرف ہی بن گیا، کیونکہ اب ان کی تعریف اس پر صادق ہی نہیں آرہی۔ انہوں نے کیا کہا تھا؟ غیر منصرف وہ ہے جس پر کسرہ یا تنوین نہ آئے، اور اس پر تو کسرہ اور تنوین آرہے ہیں معلوم ہوا اب یہ غیر منصرف نہیں رہا بلکہ کیا بن گیا ہے؟ منصرف بن گیا ہے ان کی تعریف کے مطابق۔ بات سمجھ میں آگئی۔

اچھا یہ عبارت ذرا سمجھ لو۔ کہتے ہیں: وَقِيلَ الْمُرَادُ بِالصَّرْفِ مَعْنَاهُ اللُّغَوِيُّ لَا الِاصْطِلَاحِيُّ۔ اس کو پڑھیں گے کیسے؟ دیکھو اِصْطِلَاحِيٌّ، اِصْطِلَاح مصدر ہے بابِ افتعال کا، اور بابِ افتعال کا ہمزہ وصلی ہوتا ہے درمیانِ عبارت میں گر جاتا ہے۔ اس پر الف لام داخل ہوا، جب الف لام داخل ہوا تو اِصْطِلَاح کا ہمزہ گر گیا، تو لام بھی ساکن آگے صاد بھی ساکن، تو اجتماعِ ساکنین علیٰ غیر حدہ آیا، تو اول مدہ ہو تو اس کو گراتے ہیں لیکن یہاں تو اول لام ہے مدہ نہیں ہے تو پھر السَّاكِنُ إِذَا حُرِّكَ حُرِّكَ بِالْكَسْرِ تو کسرہ والی حرکت دے دی، کیا بن گیا؟ اَلِاصْطِلَاحِيُّ۔ الف لام آیا نا، اَلِاصْطِلَاحِيُّ، اَلِاصْطِلَاحِيُّ۔ اب اس کے اوپر لَا کو داخل کیا۔ توجہ ہے؟ لَا کو داخل کیا۔ اب کیسے پڑھیں گے؟ لَا لِاصْطِلَاحِيٌّ؟ طلباء عموماً یوں ہی پڑھتے ہیں لَلِاصْطِلَاحِيُّ۔ نہیں بھئی، اِصْطِلَاحِي کا ہمزہ تو گر چکا ہے اور اس لام کو ہم کسرہ دے چکے ہیں، اَلِاصْطِلَاحِيُّ۔ اب لام کے نیچے ہم کسرہ پڑھ رہے ہیں، اور اس پر لَا داخل ہو گیا، تو کیسے پڑھیں گے؟ دیکھو بلکہ پہلے میں نے ذکر کیا تھا کہ اَلْإِسْلَام کے ساتھ جوڑ کر دیکھو، بلکہ یہیں دیکھ لو، یہ دیکھو اَلِاصْطِلَاحِيُّ، یہ جو لام کے نیچے کسرہ آیا اَلِاصْطِلَاحِيُّ یہ کسرہ مستقل ہے یا عارضی آیا ہے؟ عارضی آیا ہے، تو اس لام کو ابھی بھی ساکن ہی سمجھو۔ پڑھنا کسرہ ہی ہے، بات سمجھ میں آ رہی ہے؟ اس کے نیچے کسرہ ہی آپ نے پڑھنا ہے لیکن ویسے یہ کسرہ عارضی ہے تو یوں سمجھو گویا یہ ساکن ہے۔ حرکت ہم دے چکے ہیں لیکن یوں سمجھو کہ یہ ساکن ہے۔ جب یہ ساکن ہے تو اس کے اوپر لَا آگیا، لَا کے آخر میں الف ہے وہ الف بھی ساکن، آگے لام بھی... بھی ساکن۔ تو اجتماعِ ساکنین آیا، اول کیا ہے؟ حرفِ مدہ۔ وہ الف گر گیا، تو گویا اب صرف لام پر زبر پڑھیں گے، کیا پڑھیں گے؟ لام پر زبر۔ اور آگے لِاصْطِلَاحِيٌّ، وہ لام کے نیچے زیر اسی طرح پڑھنا ہے، تو کیسے پڑھیں گے؟ لَلِاصْطِلَاحِيُّ۔ لَلِاصْطِلَاحِيُّ۔ اب روانی سے پڑھیں: لَلِاصْطِلَاحِيُّ، لَلِاصْطِلَاحِيُّ۔ دیکھو سننے والا یوں ہی سمجھتا ہے شاید آپ نے لَلِاصْطِلَاحِيُّ پڑھا ہے، لَلِاصْطِلَاحِيُّ، لیکن آپ نے دراصل ضابطے اور قانون کے مطابق پڑھا ہے بھئی۔

چلیے بس کریں بھئی، بات اچھی طرح سمجھ میں آگئی۔ چلیے بس بھئی، هَذَا هُوَ الْمَرَامُ، وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْكَلَامِ۔

سبق نمبر ٥٦: غیرِ منصرف (٥): ضرورتِ شعری میں منصرف کو غیر منصرف پڑھنے کا حکم

شرحِ ملا جامی صفحہ: ٣٧ — بتاریخ: ٢٦ اگست ٢٠٢١ء

▪ تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث

آگے سبق دیکھیے بھئی۔

لِضَرُورَةٍ أَيْ لِضَرُورَةِ وَزْنِ الشِّعْرِ أَوْ رِعَايَةِ الْقَافِيَةِ فَإِنَّهُ إِذَا وَقَعَ غَيْرُ الْمُنْصَرِفِ فِي الشِّعْرِ فَكَثِيرًا مَا يَقَعُ مِنْ مَنْعِ صَرْفِهِ انْكِسَارٌ يُخْرِجُهُ عَنِ الْوَزْنِ أَوِ انْزِحَافٌ يُخْرِجُهُ عَنِ السَّلَاسَةِ، أَمَّا الْأَوَّلُ فَقَوْلُهُ شِعْرٌ: صُبَّتْ عَلَيَّ مَصَائِبٌ لَوْ أَنَّهَا صُبَّتْ عَلَى الْأَيَّامِ صِرْنَ لَيَالِيَا.

بھئی گزشتہ سبق میں صاحبِ کافیہ نے آپ کو بتلایا تھا کہ غیر منصرف کو منصرف پڑھنا بھی جائز ہے، ضرورت کی وجہ سے یا تناسب کی وجہ سے بھئی۔ اور پھر یہاں اشکال ہوتا تھا کہ صاحبِ کافیہ تو یَجُوزُ لے کر آئے ہیں، اور آگے جو ہے ذکر کیا کہ یہ غیر منصرف کو منصرف پڑھنا جائز ہوتا ہے یا تو ضرورتِ شعری کی وجہ سے یا تناسب کی وجہ سے، اور ضرورتِ شعری کی وجہ سے تو یہ واجب ہوتا ہے کہ غیر منصرف کو منصرف پڑھا جائے، تو یَجُوزُ، یَجُوزُ کے اندر تو جانبین برابر ہوتی ہیں۔ جب آپ کو کہا جائے کہ آپ کے لیے یہ کام جائز ہے، معلوم ہوا آپ چاہیں کریں یا نہ کریں، دونوں صورتیں اس میں آتی ہیں۔ لیکن یہاں جو آگے تفصیل ذکر کی گئی کہ ضرورت اور تناسب کی وجہ سے یہ صرف جائز ہوتی ہے، اس میں تو ضرورت کا ذکر آیا اور ضرورت کی وجہ سے تو واجب ہوتا ہے، تو یَجُوزُ کا لفظ اس کو شامل نہیں۔ یَجُوزُ کا لفظ اس کو شامل نہیں، یَجُوزُ میں تو دونوں جانبیں برابر ہوتی ہیں اور جبکہ ضرورت میں تو اس کا کرنا واجب ہوتا ہے، تو واجب یَجُوزُ کے اندر داخل نہیں بھئی، واجب یَجُوزُ میں داخل نہیں۔

تو صاحبِ جامی نے آپ کو بتلایا تھا کہ یہاں پر یہ جو یَجُوزُ آیا یہ یُمْكِنُ کے معنی میں ہے۔ جائز ہے یعنی ممکن ہے، اور امکان جو ہے یہاں امکانِ عام مراد ہے مقید بجانب الوجود، جس کو کس سے تعبیر کرتے ہیں؟ لَا يَمْتَنِعُ سے تعبیر کرتے ہیں

بھئی، لَا یَمْتَنِعُ سے۔ میں نے آپ کو بتلایا کہ امکان دو قسم پر ہے: ایک امکانِ عام اور ایک امکانِ خاص۔ پھر امکانِ عام کہتے ہیں جانبِ مخالف سے ضرورت کی نفی۔ ایک ہے وجود، ایک ہے عدم۔ اگر وجود ذکر ہے تو جانبِ مخالف یعنی عدم، معلوم ہوا عدم ضروری نہیں۔ اور اگر عدم ذکر ہے یعنی قضیہ سالبہ ہے تو پھر معلوم ہوا جب کہ عدم ممکن ہے، معلوم ہوا جانبِ مخالف یعنی وجود ضروری نہیں۔ میں نے آپ کو بتلایا تھا کہ امکانِ عام دو قسم پر ہے: ایک امکانِ عام مقید بجانب الوجود، اور ایک امکانِ عام مقید بجانب العدم۔ امکانِ عام مقید بجانب الوجود جو ہے اس کو لَا یَمْتَنِعُ سے تعبیر کرتے ہیں، اور امکانِ عام مقید بجانب العدم اس کو لَا یَجِبُ سے تعبیر کرتے ہیں۔

اور قضیہ موجبہ کے اندر جب امکان کا ذکر آتا ہے تو اس سے امکانِ عام مقید بجانب الوجود مراد ہوتا ہے۔ مثلاً میں نے کہا ہو سکتا ہے زید آیا ہو، تو یہ دیکھو اس میں نفی نہیں ہے، یہ قضیہ موجبہ ہے، تو اس میں امکانِ عام مقید بجانب الوجود ہے، تو اس کی جانبِ مخالف کیا؟ عدم، معلوم ہوا عدم ضروری نہیں۔ جب عدم ضروری نہیں، وجود چاہے ضروری ہو یا نہ ہو دونوں اس میں آ گئے۔ عدم بس ضروری نہیں ہے۔ عدم ضروری نہیں ہے، باقی وجود ضروری ہو یا ضروری نہ ہو۔

تو یہ امکانِ عام ہے بھئی، اور دوسرا ہے امکانِ خاص۔ امکانِ خاص کے اندر جانبین سے ضرورت کی نفی ہوتی ہے، یعنی وجود بھی ضروری نہیں اور عدم بھی ضروری نہیں۔ اور اسی لیے اس کو امکانِ خاص کہتے ہیں کہ اس میں دو قیدیں آ گئیں، اور جتنی قیدیں بڑھتی جائیں چیز خاص ہوتی چلی جاتی ہے، اس کے افراد کم ہوتے چلے جاتے ہیں۔ تو اس کے اندر چونکہ دو قیدیں تھیں اس لیے اس کو امکانِ خاص کہا، اور امکانِ عام میں ایک قید ہوتی ہے ایک وقت کے اندر، اس لیے اس کو امکانِ عام کہا، وہ اس کے مقابلے میں عام ہے بھئی۔ اور پھر میں نے آپ کو بتلایا تھا کہ چیزیں بنیادی طور پر تین قسم کی ہیں بھئی: کچھ واجب ہیں، کچھ ممتنع ہیں، کچھ ممکن ہیں۔ تو جو واجب ہے اس کا ہونا ضروری، وہ ہے یَجِبُ، تو باقی دونوں وہ کیا ہوئے؟ لَا یَجِبُ، تو لَا یَجِبُ کے اندر ممتنع بھی آ گیا اور ممکن بھی آ گیا۔ اور جو ممتنع ہے اس کو تعبیر کس سے کرتے ہیں؟ یَمْتَنِعُ سے کہ وہ ناممکن ہے، تو باقی دونوں قسمیں کیا ہو گئیں؟ لَا یَمْتَنِعُ، لَا یَمْتَنِعُ بھئی، اس میں دونوں صورتیں آ گئیں: واجب بھی اور ممکن بھی داخل ہو گئے۔ تو یہاں پر بھی امکان سے کیا مراد ہے؟ امکانِ عام مقید بجانب الوجود، کیونکہ یَجُوزُ صَرْفُهُ قضیہ موجبہ ہے اور قضیہ موجبہ میں جب امکان ذکر ہو تو وہ امکانِ عام مقید بجانب الوجود ہوتا ہے اور اس کو تعبیر کس سے کرتے ہیں؟ لَا یَمْتَنِعُ سے، یعنی ناممکن نہیں ہے۔ تو امکانِ عام مقید بجانب الوجود ہے، معلوم ہوا عدم ضروری نہیں۔ عدم ضروری نہیں، اور وجود چاہے ضروری ہو یا ضروری نہ ہو دونوں اس کے اندر آ گئے بھئی۔ تو لِضَرُورَةٍ بھی آ گیا اور لِتَنَاسُبٍ بھی آ گیا۔ لِضَرُورَةٍ میں ضروری ہوتا ہے، واجب ہوتا ہے، اور لِتَنَاسُبٍ میں ضروری نہیں ہوتا۔ تو یَجُوزُ کس معنی میں ہے؟ یُمْکِنُ کے معنی میں ہے، یعنی ممکن ہے، اور کون سا امکان مراد ہے؟ امکانِ عام مقید بجانب الوجود مراد ہے۔

اس کے بعد صَرْفُهُ کے بعد صاحبِ جامی نے آپ کو بتلایا تھا کہ غیر منصرف کو منصرف کرنا جائز ہے۔ تو بتلایا کہ بھئی معنی یہ ہے کہ منصرف کرنا نہیں بلکہ منصرف کے حکم میں کرنا جائز ہے، یعنی منصرف والا حکم دینا اس کو جائز ہے، حقیقتاً یہ منصرف نہیں بنے گا، کیونکہ صاحبِ کافیہ نے غیر منصرف کی کیا تعریف کی؟ کہ غیر منصرف وہ ہے جس میں دو سبب پائے جائیں یا ایک سبب جو دو کے قائم مقام ہو۔ تو اگر آپ غیر منصرف پر ضرورت وغیرہ کی وجہ سے کسرہ یا تنوین لے بھی آئیں تو اس کسرے اور تنوین کے لانے سے وہ دو علتیں تو نہیں ختم ہوں گی۔ جب دو علتیں ہیں تو صاحبِ کافیہ کی تعریف کے مطابق یہ کیا ہے؟ غیر منصرف ہی ہے۔ جبکہ بعضوں نے دوسرا جواب دیا کہ یہ جو صَرْفُهُ ہے، صَرْفُهُ کا لغوی معنی کر لیں۔ اس کا ترجمہ منصرف کرنا نہ کریں، بلکہ اس کا ترجمہ کر لیں پھیرنا، ایک حالت سے دوسری حالت کی طرف پھیرنا۔ اور حُكْمُهُ کی ہا ضمیر راجع کر دیں حکم کی طرف، وہ جو غیر منصرف کا حکم گزرا۔ أَيْ يَجُوزُ صَرْفُهُ، جائز ہے پھیرنا اس حکم کو، غیر منصرف کے اس حکم کو پھیرنا جائز ہے، یعنی حکم تو ہے کہ اس پر کسرہ یا تنوین نہیں آئے گا، لیکن اس کو پھیرنا اور کسرہ اور تنوین کو داخل کرنا یہ بھی جائز ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟

اب آئیے آگے دیکھیے بھئی۔ کہتے ہیں: لِضَرُورَةٍ أَيْ لِضَرُورَةِ وَزْنِ الشِّعْرِ أَوْ رِعَايَةِ الْقَافِيَةِ۔ تو غیر منصرف کو منصرف کا حکم دینا جائز ہے لِضَرُورَةٍ ضرورت کی وجہ سے۔ اب ضرورت سے کیا مراد ہے؟ کہتے ہیں أَيْ لِضَرُورَةِ وَزْنِ الشِّعْرِ وزنِ شعر کی ضرورت کی وجہ سے، أَوْ رِعَايَةِ الْقَافِيَةِ یا رعایتِ قافیہ کی ضرورت کی وجہ سے۔ کہ رعایتِ قافیہ رکھنے کے لیے بھئی۔ قافیہ، بھئی اشعار آپ جانتے ہیں۔ عربی اشعار میں جو شعر کے آخر میں وزن جو ہے، ہر ایک قصیدہ ہو تو ہر شعر کے اندر آخر میں وہی وزن لایا جاتا ہے، اس کو قافیہ کہتے ہیں۔ قصیدے میں اشعار کا اختتام ایک جیسے حرف پر اور ایک جیسے وزن پر ہوتا ہے۔ توجہ ہے؟ قصیدے کے اندر اشعار کا اختتام ایک جیسے وزن اور ایک جیسے حرف پر ہوتا ہے۔ تو یہ جو ایک جیسا وزن سب شعروں کے آخر میں آرہا ہو اس کو کہتے ہیں قافیہ۔ رعایتِ قافیہ یعنی قافیہ کی رعایت رکھی جاتی ہے، قافیہ کا لحاظ رکھا جاتا ہے۔ اور یہ جو ایک حرف آخر میں ایک جیسا آتا ہے اس کو حرفِ روی کہتے ہیں۔ اس کا بھی ذکر آگے آنے والا ہے، حَرْفٌ رَوِيٌّ۔ یہ جو شعر کے بالکل آخر میں جو حرف آئے اس کو کیا کہتے ہیں؟ حرفِ روی کہتے ہیں۔ اور یہ تمام اشعار میں ایک ہی جیسا آتا ہے قصیدے کے اندر۔

جیسے سبع معلقات ہیں بھئی۔ سبع معلقات میں امرؤ القیس جو ہے اپنے معلقے میں کہتا ہے: قِفَا نَبْكِ مِنْ ذِكْرَى حَبِيبٍ وَمَنْزِلِ، بِسِقْطِ اللِّوَى بَيْنَ الدَّخُولِ فَحَوْمَلِ۔ تو دیکھو حَوْمَلِ یہ وزن آیا آخر میں، یہ ہے قافیہ۔ یہ حَوْمَلِ وزن کیا ہے؟ یہ ہے قافیہ۔ اور یہ جو لام آخر میں آیا یہ ہے حرفِ روی۔ یہ کیا ہے؟ حرفِ روی۔ اب پورے قصیدے کے اندر وہ اس وزن کا بھی لحاظ رکھتا ہے اور اس لام کا بھی لحاظ رکھتا ہے۔ مثلاً اگلا شعر دیکھ لو: فَتُوضِحَ فَالْمِقْرَاةِ لَمْ يَعْفُ رَسْمُهَا، لِمَا نَسَجَتْهَا مِنْ جَنُوبٍ وَشَمْأَلِ۔ دیکھو وہاں کیا تھا؟ حَوْمَلِ، یہاں کیا آیا؟ شَمْأَلِ، دیکھو وہی وزن، وزن بھی وہی اور آخر میں جو لام پہلے

شعر میں آخر میں لامِ مکسور تھا، یہاں بھی کیا ہے؟ لامِ مکسور ہے۔ تو یہ جو لام ہے اس کو کیا کہیں گے؟ حرفِ روی کہیں گے۔ اور جو آخر میں وزن آیا اس کو کیا کہیں گے؟ قافیہ کہیں گے۔

تیسرا شعر دیکھ لیں بھئی: تَرَى بَعَرَ الْآرَامِ فِي عَرَصَاتِهَا، وَقِيعَانِهَا كَأَنَّهُ حَبُّ فُلْفُلِ، كَأَنَّهُ حَبُّ فُلْفُلِ۔ دیکھو حَوْمَلِ، شَمْأَلِ، فُلْفُلِ۔ آپ کہیں گے نہیں بھئی فُلْفُلِ میں تو حرکتیں الگ ہیں۔ بھئی بات وزنِ شعری کی چل رہی ہے۔ وزنِ شعری کے اندر متحرک کے مقابلے میں متحرک آنا چاہیے، ساکن کے مقابلے میں ساکن آنا چاہیے، حرکتیں ایک جیسی ہونا ضروری نہیں ہیں۔ حَوْمَلِ، دیکھو حا متحرک اور واو ساکن۔ فُلْفُلِ، دیکھو اس میں فا متحرک اور لام ساکن۔ پھر حَوْمَلِ، میم پر حرکت اور آگے لام مکسور۔ اور فُلْفُلِ، اس کے آخر میں بھی فا متحرک اور آگے لام مکسور ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو وزنِ شعری کے اندر متحرک کے مقابلے میں متحرک آتا ہے، ساکن کے مقابلے میں ساکن آتا ہے، حرکتوں کا ایک جیسا ہونا ضروری نہیں ہے بھئی۔ تو اس کو رعایتِ قافیہ کہتے ہیں۔ اور یہ جو شعر کے آخر میں حرف آتا ہے اس کو حرفِ روی کہتے ہیں، اور اسی کی نسبت سے قصیدے کا نام بھی رکھا جاتا ہے۔ تو جیسے یہاں پر ہر شعر کے آخر میں لام آرہا ہے تو اس کو کہیں گے قصیدہ لامیہ۔ قصیدہ لامیہ، لام والا قصیدہ بھئی، یعنی جس کے آخر میں لام آرہا ہے۔ اسی طرح اگر دال آئے گا تو قصیدہ دالیہ بھئی، اگر تا آئے گی تو قصیدہ تائیہ بھئی، اسی طرح میم آئے گا تو قصیدہ میمیہ بھئی۔ تو یہ حرفِ روی کے اعتبار سے قصیدے کی نسبت کی جاتی ہے اس حرفِ روی کی طرف بھئی۔

اب دیکھیے کتاب پر۔ کہتے ہیں: أَيْ لِضَرُورَةِ وَزْنِ الشِّعْرِ أَوْ رِعَايَةِ الْقَافِيَةِ۔ وزنِ شعر کی ضرورت کی وجہ سے اور اسی طرح رعایتِ قافیہ کی وجہ سے۔ فَإِنَّهُ إِذَا وَقَعَ غَيْرُ الْمُنْصَرِفِ فِي الشِّعْرِ اس لیے کیونکہ جب غیر منصرف شعر میں واقع ہوتا ہے تو فَكَثِيرًا مَا تو بسا اوقات جو ہے يَقَعُ مِنْ مَنْعِ صَرْفِهِ واقع ہوتا ہے اس کے غیر منصرف ہونے کی وجہ سے۔ مِنْ اجلیہ ہے علت بیان کر رہا ہے۔ كَثِيرًا مَا يَقَعُ مِنْ مَنْعِ صَرْفِهِ تو بسا اوقات اس غیر منصرف کی منعِ صرف کی وجہ سے کیا واقع ہوتا ہے؟ انْكِسَارٌ۔ انکسار کا معنی ہے ٹوٹنا، ٹوٹنا۔ تو اس میں ٹوٹن واقع ہوتی ہے۔ يُخْرِجُهُ عَنِ الْوَزْنِ جو اس کو وزن سے نکال دیتا ہے۔ قصیدے کے اندر غیر منصرف آیا تو اس غیر منصرف کی وجہ سے اس کا وزن ٹوٹ جائے گا بھئی، بات سمجھ میں آگئی؟

اچھا، اسی طرح آگے زحاف کا ذکر آرہا ہے۔ أَوِ انْزِحَافٌ يُخْرِجُهُ عَنِ السَّلَاسَةِ۔ زحاف یاد رکھو، یہ شعر کے اندر مخصوص جگہوں پر خاص قسم کا تغیر و تبدل جو ہے اس کو زحاف کہتے ہیں۔ آپ نے چونکہ یہ فن ابھی پڑھا نہیں، پوری تفصیل تو یہاں ذکر نہیں کی جا سکتی، بس مختصراً اتنا یاد رکھیں: شعر کے مخصوص اوزان ہوتے ہیں۔ اس وزن کے اندر بعض اوقات معمولی سی تبدیلی کر کے ایک نیا وزن اسی میں بنا لیا جاتا ہے۔ تو زحاف کسے کہتے ہیں؟ شعر کے اندر مخصوص جگہوں پر مخصوص قسم

کی جو تبدیلی ہے اس کو زحاف کہتے ہیں۔ اس میں کبھی یوں کیا جاتا ہے کسی حرفِ ساکن کو حذف کر لیتے ہیں۔ کبھی کبھار یوں کرتے ہیں متحرک کو ساکن کر لیتے ہیں، اور کبھی یوں کرتے ہیں متحرک کو حذف کر لیتے ہیں۔ توجہ ہے؟ کیا کرتے ہیں؟ کبھی ساکن حرف کو حذف کر لیا، کبھی متحرک کو حذف کر لیا، کبھی صرف حرکت کو حذف کیا۔ توجہ ہے؟ کیا کیا جاتا ہے؟ کبھی حرفِ ساکن کو حذف کر لیا، کبھی صرف حرکت کو حذف کر لیا، اور کبھی متحرک کو حذف کیا یعنی دونوں چیزیں حذف کر دیں، حرف بھی حذف ہو گیا اور ساتھ حرکت بھی حذف ہو گئی۔ جیسے مثلاً فَاعِلُنْ، فَاعِلُنْ، اس کے اندر یہ الف ساکن ہے، کبھی اس کو گرا دیں گے، فَعِلُنْ بن گیا۔ کیا بن گیا؟ فَعِلُنْ۔ دیکھو ایک نیا وزن بنا لیا۔ یا جیسے مُتَفَاعِلُنْ، مُتَفَاعِلُنْ میں تا پر دیکھو فتحہ ہے۔ تا یعنی متحرک ہے۔ تا کیا ہے؟ متحرک ہے، تو اس تا کو ساکن کر دیا، مُتْفَاعِلُنْ۔ بات سمجھ میں آ گئی؟ تو مُتْفَاعِلُنْ بن گیا تو وہ مُسْتَفْعِلُنْ بن گیا گویا کہ۔ مُتْفَاعِلُنْ اور مُسْتَفْعِلُنْ دونوں کا ایک ہی وزن ہے۔ بات سمجھ میں آ گئی؟ شعر کے اندر جو ہے ضمہ کے مقابلے میں ضمہ، فتحہ کے مقابلے میں فتحہ، کسرہ کے مقابلے میں کسرہ اس طرح نہیں دیکھا جاتا، بس یہ دیکھا جاتا ہے ساکن کے مقابلے میں ساکن آنا چاہیے اور متحرک کے مقابلے میں متحرک آنا چاہیے۔ تو مُتْفَاعِلُنْ اور مُسْتَفْعِلُنْ دیکھو دونوں کا ایک ہی وزن ہے، ساکن کے مقابلے میں ساکن آ رہا ہے اور متحرک کے مقابلے میں متحرک آ رہا ہے۔ تو یہاں تو بہرحال حرکتیں بھی ایک جیسی ہیں، لیکن چاہے حرکتیں ایک جیسی نہ بھی ہوں، بس صرف ساکن کے مقابلے میں ساکن آنا چاہیے اور متحرک کے مقابلے میں متحرک آنا چاہیے۔ تو شعر کے اندر یہ جو مخصوص قسم کی تبدیلی کی جاتی ہے اس کو زحاف کہتے ہیں۔ مختلف قسم کی تبدیلیاں کی جاتی ہیں، ان میں سے ایک تبدیلی کا نام کیا ہے؟ زحاف ہے، زحاف۔

تو یاد رکھو یہ جو زحاف ہے، اس کی وجہ سے شعر کے وزن میں روانی برقرار نہیں رہتی۔ عموماً زحاف کی وجہ سے شعر کے اندر وہ روانی اور وہ سلاست اور وہ ترنم باقی نہیں رہتا بھئی۔ میں نے بتایا شعر کے مخصوص اوزان ہوتے ہیں، ایک حرف ادھر ادھر ہو جائے تو شعر کا وزن ٹوٹ جاتا ہے۔ لیکن آپ دیکھتے ہیں انہی اوزان پر ہر شاعر اپنی اپنی بات کرتا ہے۔ ہر شاعر کسی ایک چیز کے بارے میں شعر کہتا ہے، دوسرا دوسری چیز کے بارے میں، تیسرا تیسری چیز کے بارے میں، تو بعض اوقات شعر بناتے ہوئے، شعر بناتے ہوئے شاعر کو کوئی ایسا لفظ نہیں ملتا کہ جو پورا شعر کا وزن برقرار رکھا جا سکے۔ تو وہاں پر ان کے لیے زحاف کی گنجائش ہوتی ہے، وہ معمولی سا رد و بدل کر سکتے ہیں وزن میں، لیکن خاص طریقے سے، ہر طریقے سے نہیں۔ خاص طریقے سے ان کو معمولی سے رد و بدل کی اس میں گنجائش ہوتی ہے، جس کی وجہ سے شعر کا وزن بدلتا ضرور ہے لیکن شعر کا وزن ٹوٹتا نہیں، خراب نہیں ہوتا۔ اس کی وجہ سے سلاست اور روانی میں کمی آ جاتی ہے، البتہ شعر کا وزن پھر بھی برقرار ہوتا ہے۔ اگر وہ اس کی گنجائش اس کو نہ دیتے تو پھر شاعر کے لیے وہاں کوئی لفظ اس کو مل ہی نہیں رہا تھا جو مناسب لفظ وہ وہاں لے کر آتا۔ تو اس کے لیے گویا یوں سمجھیں کچھ اس کو رخصت مل جاتی ہے کہ وہ وزن میں معمولی

سی رد و بدل کے ساتھ بھی کہہ سکتا ہے۔ لیکن وہ رد و بدل بھی میں نے بتایا خاص قسم کا ہوتا ہے جس سے وزن تھوڑا بدلتا ہے، ٹوٹتا نہیں ہے، خراب نہیں ہوتا۔ تو اس کو زحاف کہتے ہیں بھئی، کیا کہتے ہیں؟ زحاف کہتے ہیں۔

اچھا، دیکھیے بھئی اب پھر ترجمہ دیکھ لیں۔ کہتے ہیں: فَإِنَّهُ إِذَا وَقَعَ غَيْرُ الْمُنْصَرِفِ فِي الشِّعْرِ اس لیے کیونکہ جب غیر منصرف جو ہے وہ شعر میں واقع ہوتا ہے، فَكَثِيرًا مَا يَقَعُ مِنْ مَنْعِ صَرْفِهِ تو بسا اوقات اس کے غیر منصرف ہونے کی وجہ سے واقع ہوتا ہے۔ کیا واقع ہوتا ہے؟ انْكِسَارٌ يُخْرِجُهُ عَنِ الْوَزْنِ، یعنی ایسی کسر، ایسی ٹوٹن واقع ہوتی ہے جو اس شعر کو وزن سے نکال دیتی ہے۔ أَوِ انْزِحَافٌ یا اس میں ایسا زحاف واقع ہوتا ہے يُخْرِجُهُ عَنِ السَّلَاسَةِ جو اس شعر کو سلاست سے نکال دیتا ہے۔ سلاست کا معنی ہے روانی۔ اشعار میں کیا ہوتا ہے؟ خاص قسم کی روانی اور ترنم ہوتا ہے، تو وہ زحاف کی وجہ سے وہ وزن تو مثلاً نہیں ٹوٹا لیکن روانی نہ رہی شعر کی۔

أَمَّا الْأَوَّلُ پہلے کی مثال۔ تو پہلے کی مثال کہ جس میں غیر منصرف کو غیر منصرف پڑھا جاتا تو شعر کا وزن ٹوٹ جاتا، تو شعر کے وزن کو ٹوٹنے سے بچانے کی ضرورت کی وجہ سے غیر منصرف کو منصرف پڑھا گیا۔ جیسے: أَمَّا الْأَوَّلُ پہلے کی مثال، فَقَوْلُهُ جیسے کہ ایک شاعر کا قول ہے، شِعْرٌ: صُبَّتْ عَلَيَّ مَصَائِبٌ لَوْ أَنَّهَا صُبَّتْ عَلَى الْأَيَّامِ صِرْنَ لَيَالِيَا۔ صُبَّ، صَبَّ يَصُبُّ کے معنی ہوتے ہیں انڈیلنا، ایک چیز پر پانی وغیرہ ڈالنا یا کوئی اور چیز ڈالنا۔ تو یہاں ڈالنے کا معنی کر لیں۔ صُبَّتْ عَلَيَّ میرے اوپر ڈال دی گئیں، یا یوں کہیں میرے اوپر نازل ہوئیں مَصَائِبٌ، یہ ہے محلِ استشہاد بھئی۔ یہاں مَصَائِب یہ غیر منصرف ہے لیکن ضرورتِ شعری کی بنا پر اس پر تنوین پڑھی گئی، کیونکہ اگر اس پر تنوین نہیں پڑھیں گے تو سارا شعر کا وزن ہی خراب ہو جائے گا۔

صُبَّتْ عَلَيَّ مَصَائِبٌ میرے اوپر تکلیفیں ڈالی گئیں، میرے اوپر بہت سی تکلیفیں ڈالی گئیں۔ لَوْ أَنَّهَا صُبَّتْ عَلَى الْأَيَّامِ اگر وہ ڈالی جاتیں دنوں پر، جو ایام ہیں، دن ہیں ان پر اگر یہ تکلیفیں ڈالی جاتیں، یہ مصیبتیں ڈالی جاتیں، صِرْنَ لَيَالِيَا تو وہ راتیں ہو جاتے۔ وہ دن بدل کر کیا بن جاتے؟ رات بن جاتے، ان کی روشنی ختم ہو جاتی بھئی، اتنی تکلیفیں۔ یہ حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا شعر ہے بھئی۔ کہ ایک مرتبہ حضور علیہ السلام کی وفات کے بعد وہ قبرِ مبارک پر تشریف لائیں، تو وہاں غم کی کیفیت، بے انتہا غم کی کیفیت ان پر طاری تھی، اس وقت انہوں نے یہ شعر پڑھا کہ صُبَّتْ عَلَيَّ مَصَائِبٌ میرے اوپر اتنی مصیبتیں نازل ہوئی ہیں، اگر یہ مصیبتیں دنوں کے اوپر نازل ہوتیں تو وہ دن بدل کر کیا بن جاتے؟ رات بن جاتے، ان کی روشنی ہی ختم ہو جاتی بھئی۔ تو یہ حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اس موقع پر پڑھے۔ تو پھر اس میں علماء فرماتے ہیں، بعض کہتے ہیں یہ ان کا اپنا شعر ہے اور بعض کہتے ہیں یہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا شعر ہے بھئی۔ معنی سمجھ میں آگیا؟

آگے دیکھیے، کہتے ہیں: وَأَمَّا الثَّانِي اور دوسرا جو ہے، کون سا دوسرا؟ جس میں زحاف سے بچنے کے لیے غیر منصرف کو منصرف پڑھا گیا۔ اگر غیر منصرف پڑھا جاتا تو شعر میں زحاف واقع ہوتا، تو یہ دوسرے کی مثال ہے جس میں زحاف سے بچنے

کے لیے غیر منصرف کو منصرف پڑھا گیا۔ پہلے میں تھا وزن ٹوٹ جاتا اگر اس کو غیر منصرف پڑھتے، اور دوسرا زحاف جو ہے جس میں غیر منصرف کو منصرف پڑھا گیا ہے۔ توجہ ہے؟ اگر اس کو غیر منصرف بھی پڑھا جاتا تو وزن پھر بھی نہیں خراب ہونا تھا۔ وزن، ہاں وزن پھر بھی خراب نہیں ہونا تھا، البتہ وہ جو شعر تھا وہ سلاست سے نکل جاتا، اس میں وہ روانی نہ رہتی بھئی۔

کہتے ہیں: وَأَمَّا الثَّانِي دوسرے کی مثال، فَقَوْلُهُ جیسے کہ شاعر کا قول ہے، شِعْرٌ: أَعِدْ ذِكْرَ نُعْمَانٍ لَنَا إِنَّ ذِكْرَهُ هُوَ الْمِسْكُ مَا كَرَّرْتَهُ يَتَضَوَّعُ۔ أَعِدْ، أَعَادَ يُعِيدُ کے معنی ہیں لوٹانا۔ ذِكْرَ نُعْمَانٍ، نعمان جو ہے امامِ اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا نام ہے۔ ابو حنیفہ کنیت ہے اور نام کیا ہے؟ نعمان بھئی۔ أَعِدْ ذِكْرَ نُعْمَانٍ لَنَا شاعر کہتا ہے کہ ہمارے لیے نعمان یعنی ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا ذکر لوٹاؤ، یعنی دوبارہ ان کا ذکر کرو۔ إِنَّ ذِكْرَهُ هُوَ الْمِسْكُ کہ بے شک ان کا ذکر جو ہے هُوَ الْمِسْكُ وہ مشک خوشبو ہے۔ آپ جانتے ہیں مشک سب سے قیمتی خوشبوؤں میں شمار ہوتی ہے، ہرن کے نافے سے حاصل کی جاتی ہے، تو بہت قیمتی خوشبو ہے اور سب سے اعلیٰ خوشبوؤں میں شمار ہوتی ہے۔ تو کہتا ہے شاعر إِنَّ ذِكْرَهُ هُوَ الْمِسْكُ کہ امام صاحب کا ذکر جو ہے وہ تو مشک خوشبو ہے، مَا كَرَّرْتَهُ يَتَضَوَّعُ جس قدر تو اس کا تکرار کرے گا یعنی جتنا اس کو تو بار بار دہرائے گا يَتَضَوَّعُ، تضوع کا معنی ہے خوشبو کا پھوٹنا، خوشبو کا پھیلنا، تم جس قدر ان کا ذکر کرو گے اسی قدر خوشبو پھیلتی چلی جائے گی۔

یاد رکھو علماء فرماتے ہیں کہ بڑے اولیاء، اللہ کے جلیل القدر اولیاء کا ذکر کیا جائے جس مجلس کے اندر تو وہاں اللہ کی رحمت نازل ہوتی ہے، اللہ کی رحمت برسنے لگتی ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ اللہ کے اولیاء کا ذکر، اللہ کے خاص خاص بڑے اولیاء ان کا ذکر جس مجلس میں کیا جاتا ہے، ان کی باتیں دوسروں کو سنائی جاتی ہیں، اس طریقے سے ان کا ذکر کیا جاتا ہے تو وہاں اللہ کی رحمت برستی ہے بھئی۔ تو شاعر کہتا ہے: أَعِدْ ذِكْرَ نُعْمَانٍ لَنَا إِنَّ ذِكْرَهُ کہ ہمارے لیے نعمان کا ذکر پھر دہراؤ، کیونکہ ان کا ذکر جو ہے هُوَ الْمِسْكُ مَا كَرَّرْتَهُ يَتَضَوَّعُ وہ تو مشک خوشبو ہے، جیسے جتنی بار بھی لگایا جائے اس کی خوشبو پھیلتی چلی جاتی ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ جس قدر بھی اس کو دہرایا جائے، بار بار لوٹایا جائے یا بار بار اس کو لگایا جائے تو وہ پھیلتی چلی جاتی ہے۔ معنی سمجھ میں آگیا؟ کہتے ہیں، کہتے ہیں یہ شعر ہے امامِ شافعی رحمہ اللہ کا، انہوں نے امام صاحب کی شان میں یہ شعر ذکر فرمایا بھئی۔

فَإِنَّهُ لَوْ فُتِحَ نُونُ نُعْمَانَ اس لیے کیونکہ اگر فتحہ دیا جائے نعمان کے نون کو، لَوْ فُتِحَ نُونُ نُعْمَانَ۔ نعمان اس کے آخر میں الف نون مزیدتان بھی ہیں اور یہ علم بھی ہے تو یہ غیر منصرف ہے، لیکن دیکھو شعر کے اندر أَعِدْ ذِكْرَ نُعْمَانٍ لَنَا اس پر کسرہ اور تنوین پڑھی گئی بھئی۔ اب اگر اس پر نُعْمَانَ لَنَا پڑھ دیتے یعنی غیر منصرف بھی اس کو پڑھ دیا جاتا تو بھی وزن نہیں ٹوٹنا تھا، شعر کا وزن برقرار رہتا، لیکن شعر کے اندر وہ روانی نہ رہتی، سلاست نہ رہتی۔ تو کہتے ہیں: فَإِنَّهُ لَوْ فُتِحَ نُونُ نُعْمَانَ مِنْ غَيْرِ تَنْوِينٍ اگر فتحہ دے دیا جاتا نعمان کے نون کو یعنی جو آخر میں نون ہے مِنْ غَيْرِ تَنْوِينٍ بغیر تنوین کے، يَسْتَقِيمُ الْوَزْنُ تو

بھی وزن درست رہتا، وَلَكِنْ يَقَعُ فِيهِ زِحَافٌ يُخْرِجُهُ عَنِ السَّلَاسَةِ لیکن اس کے اندر زحاف واقع ہوتا جو اس کو سلاست سے نکال دیتا، كَمَا يَحْكُمُ بِهِ سَلَامَةُ الطَّبْعِ جیسے کہ اس کا فیصلہ کرتی ہے سلامتِ طبع۔ طبیعت کی سلامتی اس کا فیصلہ کرتی ہے، جس کی طبیعت سلیم ہو، جس کو اللہ نے ذوق دیا ہو وہ فوراً سنتے ہی شعر کے وزن میں تھوڑی سی بھی خرابی ہو، تھوڑی سی بھی روانی میں کمی آجائے، وہ فوراً اس کو محسوس کر لیتا ہے۔ یہ معنی ہے كَمَا يَحْكُمُ بِهِ سَلَامَةُ الطَّبْعِ جیسے طبیعت کی سلامتی اس کا فیصلہ کرتی ہے، یعنی یہ حکم لگا دیتی ہے۔

فَإِنْ قُلْتَ، جی اب یہاں سے ایک اعتراض ذکر کریں گے اور پھر اس کا جواب۔ اعتراض یہ کہ بات چل رہی ہے ضرورت کی، ضرورتِ شعری کہ جس کا کرنا ضروری ہوتا ہے، اس کے بغیر شعر کا وزن ہی صحیح نہیں رہتا، اور آپ اس کے درمیان زحاف کو بھی ذکر کر رہے ہیں۔ حالانکہ زحاف آپ نے ابھی ہمیں خود بتایا کہ أَعِدْ ذِكْرَ نُعْمَانٍ لَنَا اگر اس نعمان کو غیر منصرف یعنی فتحہ کے ساتھ بھی پڑھ دیا جاتا تو وزن تو نہ ٹوٹتا۔ تو معلوم ہوا کہ زحاف سے بچنا ضروری نہیں ہے، شعر کا وزن تو پھر بھی برقرار ہے، شعر کا وزن تو پھر بھی برقرار ہے، تو معلوم ہوا زحاف سے بچنا ضروری نہیں۔ جب بچنا ضروری نہیں تو اس کو لِضَرُورَةٍ کے تحت آپ نے کیسے ذکر کر دیا؟ اور اس کو کیسے ضروری قرار دے دیا؟ تو آپ کو بتلائیں گے صاحبِ جامی کہ بھئی بعض زحافات سے بچنا ضروری ہوتا ہے جب اس سے بچا جا سکے۔ کیونکہ زحاف کی وجہ سے شعر میں سلاست جو ہے اس میں کمی آرہی تھی، سلاست سے وہ شعر نکل رہا تھا، تو بعض اوقات جب زحاف سے بچنا ممکن ہو تو شعراء کے نزدیک وہاں بچنا ضروری ہوتا ہے، تو یہ بھی لِضَرُورَةٍ کے تحت داخل ہے، بات سمجھ میں آگئی؟

تو کہتے ہیں: فَإِنْ قُلْتَ الِاحْتِرَازُ عَنِ الزِّحَافِ لَيْسَ بِضَرُورِيٍّ اگر آپ یہ کہیں کہ زحاف سے بچنا وہ تو ضروری نہیں ہے، فَكَيْفَ يَشْمَلُهُ قَوْلُهُ لِضَرُورَةٍ تو ماتن کا قول لِضَرُورَةٍ اس کو کیسے شامل ہوا؟ وہ اس کو کیسے شامل ہوا؟ وہ تو اس پر صادق ہی نہیں آرہا۔ قُلْنَا ہم کہتے ہیں: الِاحْتِرَازُ عَنْ بَعْضِ الزِّحَافَاتِ کہ بعض زحافات سے بچنا، إِذَا أَمْكَنَ الِاحْتِرَازُ عَنْهُ جب اس سے بچنا ممکن ہو، تو ضَرُورِيٌّ عِنْدَ الشُّعَرَاءِ وہ ضروری ہوتا ہے شعراء کے نزدیک۔ بعض زحافات سے بچنا جب ممکن ہو تو وہ شعراء کے نزدیک ضروری ہوتا ہے۔

آگے دیکھیے بھئی، کہتے ہیں: وَأَمَّا الضَّرُورَةُ الْوَاقِعَةُ لِرِعَايَةِ الْقَافِيَةِ فَكَمَا فِي قَوْلِهِ اور باقی وہ ضرورت جو واقع ہوتی ہے رعایتِ قافیہ کی وجہ سے، فَكَمَا فِي قَوْلِهِ جیسے کہ اس قول میں ہے، اس شعر میں ہے: سَلَامٌ عَلَى خَيْرِ الْأَنَامِ وَسَيِّدِي، سَلَامٌ عَلَى خَيْرِ الْأَنَامِ وَسَيِّدِي، حَبِيبِ إِلَهِ الْعَالَمِينَ مُحَمَّدٍ، بَشِيرٍ نَذِيرٍ هَاشِمِيٍّ مُكَرَّمٍ، عَطُوفٍ رَؤُوفٍ مَنْ يُسَمَّى بِأَحْمَدِ۔ یہ بھی کہتے ہیں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اشعار ہیں بھئی۔ وہ فرماتے ہیں: سَلَامٌ عَلَى خَيْرِ الْأَنَامِ سلامتی ہو عَلَى خَيْرِ الْأَنَامِ، انام کہتے ہیں مخلوق کو بھئی، مخلوقات۔ سلامتی ہو عَلَى خَيْرِ الْأَنَامِ ان پر جو تمام مخلوقات سے افضل ہیں، بہتر ہیں، وَسَيِّدِي اور جو سردار ہیں، حَبِيبِ إِلَهِ الْعَالَمِينَ وہ تمام جہانوں کے جو معبود ہیں ان کے محبوب ہیں، مُحَمَّدٍ یعنی کہ محمد صلی اللہ علیہ

وسلم۔ بَشِيرٍ وہ خوشخبری دینے والے ہیں، نَذِيرٍ، نذیر کا کیا ترجمہ؟ ڈرانے والے، عموماً طلبہ یہی ترجمہ کرتے ہیں۔ بہتر ترجمہ اس کا یہ ہے: نَذِيرٍ خبردار کرنے والے ہیں۔ کیا کرنے والے ہیں؟ دیکھو اب کتنا بہترین ترجمہ ہو گیا، ڈرانے والے اور ایک ہے خبردار کرنے والے، یعنی اگر اس دین کی طرف نہیں آؤ گے تو پھر آخرت میں بڑا خوفناک انجام ہو گا، تو خبردار کرنے والے ہیں۔

تو نَذِيرٍ خبردار کرنے والے ہیں، هَاشِمِيٍّ ہاشمی ہیں یعنی قبیلہ بنو ہاشم سے تعلق رکھتے ہیں، مُكَرَّمٍ معزز ہیں، عَطُوفٍ شفقت کرنے والے ہیں، رَؤُوفٍ مہربان ہیں، مَنْ يُسَمَّى بِأَحْمَدِ جو موسوم ہیں احمد کے نام کے ساتھ، یعنی ان کا نام کیا ہے؟ احمد۔ اب دیکھو مقامِ استشہاد ہے بِأَحْمَدِ۔ تو یہ أَحْمَد یہ تو غیر منصرف ہے، لیکن یہاں پر اس پر کسرہ پڑھا گیا، کس لیے؟ رعایتِ قافیہ کے لیے بھئی۔ کیونکہ اشعار کے اندر دیکھو پیچھے کیا آیا تھا؟ حَبِيبِ إِلَهِ الْعَالَمِينَ مُحَمَّدٍ، وہاں پر بھی دال پر کسرہ تھا۔ اور یہاں پر بھی پھر کیا ہوگا؟ دال پر کسرہ ہوگا پھر ہی رعایتِ قافیہ ہوگی بھئی۔ میں نے بتایا قافیہ کسے کہتے ہیں؟ شعر کے آخر میں جو وزن آئے تو اس کو برقرار رکھنے کے لیے یہاں کسرہ ضروری ہے۔

فَإِنَّهُ لَوْ قَالَ بِأَحْمَدَ بِالْفَتْحِ اس لیے کیونکہ اگر شاعر جو ہے وہ بِأَحْمَدَ کہہ دیتے فتحہ کے ساتھ، لَا يُخِلُّ بِالْوَزْنِ تو یہ وزن میں تو خلل نہ ڈالتا، وَلَكِنَّهُ يُخِلُّ بِالْقَافِيَةِ لیکن یہ قافیہ میں خلل ڈال دیتا، فَإِنَّ حَرْفَ الرَّوِيِّ فِي سَائِرِ الْأَبْيَاتِ اس لیے کیونکہ حرفِ روی جو ہے فِي سَائِرِ الْأَبْيَاتِ باقی اشعار کے اندر، الدَّالُ الْمَكْسُورَةُ وہ دالِ مکسورہ ہے۔ حرفِ روی کسے کہتے ہیں میں پہلے بیان کر چکا۔ شعر کا آخری حرف جو ہے اس کو کیا کہتے ہیں؟ حرفِ روی، جس کی طرف اس قصیدے کی نسبت کی جاتی ہے۔ تو یہاں دیکھو دال ہے، تو یہ کیا کہلائے گا؟ قصیدہ دالیہ بھئی۔

أَوْ لِلتَّنَاسُبِ یا تناسب کی وجہ سے۔ غیر منصرف کو منصرف کا حکم دینا جائز ہے ضرورت کی وجہ سے، أَوْ لِلتَّنَاسُبِ یا تناسب یعنی مناسبت کی وجہ سے۔ دیکھیے خود معنی بیان کر رہے ہیں: أَيْ وَيَجُوزُ صَرْفُ غَيْرِ الْمُنْصَرِفِ لِيَحْصُلَ التَّنَاسُبُ بَيْنَهُ وَبَيْنَ الْمُنْصَرِفِ اور غیر منصرف کی صرف جائز ہے لِيَحْصُلَ التَّنَاسُبُ تاکہ تناسب حاصل ہو جائے بَيْنَهُ وَبَيْنَ الْمُنْصَرِفِ اس غیر منصرف اور منصرف کے درمیان، لِأَنَّ رِعَايَةَ التَّنَاسُبِ بَيْنَ الْكَلِمَاتِ أَمْرٌ مُهِمٌّ عِنْدَهُمْ اس لیے کیونکہ کلمات کے درمیان مناسبت کی رعایت رکھنا أَمْرٌ مُهِمٌّ یہ اہم چیز ہے عِنْدَهُمْ عربوں کے نزدیک۔ عربوں کے نزدیک کلمات میں بھی کیا ہونی چاہیے؟ مناسبت ہونی چاہیے، یہ واجب تو نہیں ہے لیکن اہم ہے ان کے نزدیک بھئی، وَإِنْ لَمْ يَصِلْ إِلَى حَدِّ الضَّرُورَةِ اگرچہ یہ حدِ ضرورت تک نہ پہنچا ہو۔ یعنی ضروری تو نہیں لیکن اہم ضرور ہے بھئی۔

تو وَإِنْ لَمْ يَصِلْ یہ إِنْ سے پہلے واو آیا، یہ إِنْ وصلیہ ہے بھئی، «اگرچہ» کے ساتھ اس کا ترجمہ کیا جاتا ہے۔ تو کہتے ہیں یہ ان کے نزدیک اہم چیز ہے وَإِنْ لَمْ يَصِلْ إِلَى حَدِّ الضَّرُورَةِ اگرچہ یہ ضرورت کی حد کو نہیں پہنچتا۔ مِثْلُ سَلَاسِلَا وَأَغْلَالًا جیسے

سَلَاسِلًا وَأَغْلَالًا۔ اب دیکھو میں نے بتلا دیا کہ أَغْلَالًا پر تنوین آ رہی تھی، تو سَلَاسِلًا جو ہے اس پر بھی تنوین لائی گئی مناسبت کی وجہ سے، حالانکہ سَلَاسِل یہ غیر منصرف ہے بھئی۔ اور سَلَاسِل یہ زنجیروں کو کہتے ہیں، زنجیروں کو، اور أَغْلَال یہ طوق بھئی جو گلے میں مجرموں کے گلے میں طوق ڈالے جاتے ہیں، جس کے ساتھ ان کے ہاتھوں کو باندھ دیا جاتا ہے گلے کے ساتھ، تو سَلَاسِلًا وَأَغْلَالًا۔

تو حَيْثُ صُرِفَ سَلَاسِلًا اس حیثیت سے کہ صُرِفَ سَلَاسِلًا لِتَنَاسُبِ الْمُنْصَرِفِ الَّذِي يَلِيهِ کہ سَلَاسِلًا جو ہے اس کو منصرف کیا گیا لِتَنَاسُبِ الْمُنْصَرِفِ اس منصرف کی مناسبت کی وجہ سے الَّذِي يَلِيهِ جو اس کے ساتھ ملا ہوا ہے، جو اس کے ساتھ واقع ہے، أَعْنِي أَغْلَالًا یعنی کہ أَغْلَالًا۔

فَقَوْلُهُ سَلَاسِلًا وَأَغْلَالًا جی، اب دیکھیے ذرا متن یہ جو مثال پہ نظر رکھو۔ دیکھو یہ سَلَاسِلًا یہ ہے مثال اس غیر منصرف کی جس پر کیا پڑھا گیا؟ جس پر تنوین پڑھی گئی، یعنی اس کو منصرف والا حکم دیا گیا۔ اور أَغْلَالًا یہ مثال ہے اس اسم کی جس کی وجہ سے غیر منصرف کو منصرف پڑھا گیا۔ بات سمجھ میں آ گئی؟ تو یہ سَلَاسِلًا وَأَغْلَالًا آپ یہ نہ سمجھیں یہ دو مثالیں ہیں دونوں غیر منصرف ہیں، نہیں بلکہ دراصل اس میں دونوں اسم آ گئے۔ ایک وہ غیر منصرف جس کو کیا پڑھا گیا؟ منصرف، اور ایک وہ منصرف جس کی وجہ سے اس غیر منصرف کو منصرف پڑھا گیا، تو یہ دونوں کی مثال ہے۔ تو صاحبِ کافیہ دونوں کی مثال دینا چاہتے تھے، صرف سَلَاسِلًا کہہ دیتے تو یہ اس غیر منصرف کی تو مثال بن جاتی لیکن جس اسم کی وجہ سے اس کا حکم بدلا ہے اس کی مثال نہ رہتی، بات سمجھ میں آ گئی؟

تو کہتے ہیں فَقَوْلُهُ سَلَاسِلًا وَأَغْلَالًا مِثَالٌ لِمَجْمُوعِ غَيْرِ الْمُنْصَرِفِ سَلَاسِلًا وَأَغْلَالًا یہ مثال ہے لِمَجْمُوعِ غَيْرِ الْمُنْصَرِفِ مجموعے کی، اس غیر منصرف کا مجموعہ الَّذِي صُرِفَ جس کو منصرف کیا گیا، وَالْمُنْصَرِفِ اور اس منصرف کا الَّذِي صُرِفَ غَيْرُ الْمُنْصَرِفِ لِتَنَاسُبِهِ کہ غیر منصرف کو منصرف پڑھا گیا لِتَنَاسُبِهِ اس کی مناسبت کی وجہ سے۔ عبارت سمجھ میں آئی؟ پھر دیکھو: فَقَوْلُهُ سَلَاسِلًا وَأَغْلَالًا مصنف کا قول سَلَاسِلًا وَأَغْلَالًا جو ہے مِثَالٌ لِمَجْمُوعِ غَيْرِ الْمُنْصَرِفِ، آگے آ رہا ہے وَالْمُنْصَرِفِ، یہ غیر منصرف اور منصرف دونوں کے مجموعے کی، یوں کہو مجموعے دونوں کی اکٹھی مثال ہے، دونوں کی مجموعی مثال ہے۔ کس کی؟ غیر منصرف اور منصرف کی۔ غیر منصرف کون سا؟ جس کو منصرف پڑھا گیا۔ اور منصرف کون سا؟ جس کی وجہ سے منصرف پڑھا گیا بھئی۔ یہ معنی ہے مِثَالٌ لِمَجْمُوعِ غَيْرِ الْمُنْصَرِفِ یہ مثال ہے اکٹھی اس غیر منصرف کی الَّذِي صُرِفَ جس کو منصرف پڑھا گیا، وَالْمُنْصَرِفِ اور اس منصرف کی الَّذِي صُرِفَ غَيْرُ الْمُنْصَرِفِ لِتَنَاسُبِهِ کہ جس کی مناسبت سے غیر منصرف کو منصرف پڑھا گیا۔ سَلَاسِلًا وَأَغْلَالًا یہ دونوں کی مثال ہے، وہ غیر منصرف جس کو منصرف پڑھا گیا اس میں وہ بھی ہے، اور اس کے اندر وہ اسم بھی ہے جس کی وجہ سے غیر منصرف کو، جس کے ساتھ مناسبت پیدا کرنے کے لیے غیر منصرف کو منصرف پڑھا گیا بھئی۔

تو کہتے ہیں وَمَا يَقُومُ مَقَامَهُمَا الْجَمْعُ وَأَلِفَا التَّأْنِيثِ اور وہ علت جو دو علتوں کے قائم مقام ہے وہ ان میں سے ایک جو ہے وہ جمع ہے، اور دوسری جو ہے أَلِفَا التَّأْنِيثِ تانیث کے دو الف ہیں بھئی۔ یہ دیکھو وَأَلِفَا التَّأْنِيثِ، اصل میں کیا تھا؟ أَلِفَانِ، نون اضافت کی وجہ سے گر گیا، أَلِفَا التَّأْنِيثِ تانیث کے دو الف۔

عبارت سمجھ میں آ رہی ہے؟ یہ جو تانیث ہے، تانیثِ لفظی کی تین علامتیں ہیں بھئی۔ ایک تائے مربوطہ ہے یعنی گول تا، ایک اسی طرح الفِ مقصورہ ہے، ایک الفِ ممدودہ ہے۔ الفِ ممدودہ وہ ہے جس میں الف کے بعد ہمزہ آتا ہے، یہ ہے الفِ ممدودہ۔ اور اس میں یاد رکھنا یہ دراصل دو الف تھے بھئی، دو الف تھے، اور پھر دوسرے کو ہمزہ سے بدل دیا گیا۔ اور یہ جو دوسرا الف جو ہمزہ سے بدلا ہے اصل میں یہ تانیث کے لیے ہے، پہلا الف تانیث کے لیے نہیں۔ تو یہ الف جو ہمزہ سے بدل گیا یہ ہے تانیث کی علامت۔ اور اس سے پہلے چونکہ الف ہے، اور الف کے بعد جب ہمزہ آئے تو اس الف کو خوب لمبا کرتے ہیں، کھینچتے ہیں، تو اس لیے اس کو الفِ ممدودہ کہتے ہیں۔ تو الفِ مقصورہ وہ ایک الف ہے، اور الفِ ممدودہ حقیقت میں دو الف تھے اور اس میں سے جو دوسرا تھا وہ کس سے بدل گیا؟ ہمزہ سے، اور دراصل یہ تانیث کی علامت ہے، یہ جو پہلا الف ہے ہمزہ سے ماقبل میں جو الف ہے یہ تانیث کی علامت نہیں ہے بھئی۔

تو یہ أَلِفَا التَّأْنِيثِ سے یہ دو الف مراد ہیں تانیث والے، یعنی الفِ مقصورہ اور الفِ ممدودہ۔ أَلِفَا التَّأْنِيثِ، یہ أَلِفَا مضاف ہے اور التَّأْنِيثِ مضاف الیہ ہے۔ أَلِفَا التَّأْنِيثِ، جی اعراب بتائیے۔ أَلِفَا یہ کیا ہے؟ مرفوع ہے۔ مرفوع ہے، خبر بن رہا ہے نا الْجَمْعُ وَأَلِفَا التَّأْنِيثِ۔ وَمَا يَقُومُ مَقَامَهُمَا یہ ہے مبتدا، یہ مَا کیا ہے؟ مبتدا ہے، اور يَقُومُ مَقَامَهُمَا یہ اس کا صلہ ہے موصول کا، موصول صلہ مل کر مبتدا، اور الْجَمْعُ وَأَلِفَا التَّأْنِيثِ یہ معطوف علیہ اپنے معطوف سے مل کر یہ کیا بنے گا؟ خبر، اور خبر کیا ہوتی ہے؟ مرفوع۔ تو یہ أَلِفَا التَّأْنِيثِ اس کا اعراب مجھے بتلائیے بھئی۔ أَلِفَا مرفوع، مرفوع ہے، اور کون سا مرفوع ہے؟ لفظاً ہے، تقدیراً ہے یا محلاً ہے؟ وَأَلِفَا التَّأْنِيثِ۔ یہ تقدیراً ہے؟ جی؟ الف، شاباش یہ تقدیراً ہے، أَلِفَا دیکھو أَلِفَا التَّأْنِيثِ۔ اصل میں کیا تھا؟ أَلِفَانِ، تو یہ تثنیہ ہے اور رفع کس کے ساتھ آتا ہے؟ الف کے ساتھ، اور یہ الف ابھی موجود ہے أَلِفَانِ، لیکن جب اس کی اضافت کر دی التَّأْنِيثِ کی طرف اب کیسے پڑھیں گے؟ أَلِفَا التَّأْنِيثِ، وہ الف اجتماعِ ساکنین کی وجہ سے گر گیا، تو اب اس الف پر آپ تلفظ کر رہے ہیں؟ نہیں تلفظ کر رہے، تو معلوم ہوا یہ اب کیا ہے؟ مرفوع ہے، یہ أَلِفَا مرفوع تقدیراً ہے بھئی، تقدیراً ہے۔ جیسے پیچھے مثال آئی تھی جَاءَنِي أَبُو الْقَوْمِ، رَأَيْتُ أَبَا الْقَوْمِ، مَرَرْتُ بِأَبِي الْقَوْمِ، وہاں پر بھی وہ واو، الف اور یا اجتماعِ ساکنین سے گر گئے تھے تو اعراب تقدیری تھا بھئی۔

اب دیکھیے بھئی کتاب پر۔ کہتے ہیں: وَمَا يَقُومُ مَقَامَهُمَا، اور مَا سے کیا مراد ہے؟ أَيِ الْعِلَّةُ الْوَاحِدَةُ، دیکھو مَا کی تفسیر کی صاحبِ جامی نے أَيِ الْعِلَّةُ الْوَاحِدَةُ وہ ایک علت۔ دیکھو مَا کی تفسیر معرفہ کے ساتھ کی، معلوم ہوا یہ مَا کون سا ہے؟ مَا موصولہ ہے، موصوفہ نہیں۔ بھئی وجہ یہ ہے کہ یہ مبتدا بن رہا ہے اور مبتدا میں اصل ہے کہ وہ معرفہ ہونا چاہیے، اس لیے اس کو مَا موصوفہ نہیں بنایا بلکہ مَا موصولہ بنایا کیونکہ مَا موصولہ معرفہ ہوتا ہے۔

تو کہتے ہیں وَمَا يَقُومُ مَقَامَهُمَا أَيِ الْعِلَّةُ الْوَاحِدَةُ الَّتِي تَقُومُ مَقَامَ الْعِلَّتَيْنِ مِنَ الْعِلَلِ التِّسْعِ یعنی وہ ایک علت جو دو علتوں کے قائم مقام ہوتی ہے مِنَ الْعِلَلِ التِّسْعِ نو علتوں میں سے۔ پھر سنو ترجمہ: الْعِلَّةُ الْوَاحِدَةُ الَّتِي تَقُومُ مَقَامَ الْعِلَّتَيْنِ مِنَ الْعِلَلِ التِّسْعِ، ترجمہ آخر سے دیکھو: ان نو علتوں میں سے وہ ایک علت جو دو کے قائم مقام ہوتی ہے۔ ان نو علتوں میں سے وہ ایک علت جو دو علتوں کے قائم مقام ہوتی ہے، عِلَّتَانِ وہ دو علتیں ہیں بھئی۔ یہ عِلَّتَانِ یہ خبر ہے بھئی مَا يَقُومُ مَقَامَهُمَا کی۔ نو علتوں میں سے وہ ایک علت جو دو کے قائم مقام ہوتی ہے عِلَّتَانِ وہ دو علتیں ہیں بھئی، دو علتیں ہیں۔

تو بتلانا یہ چاہتے ہیں کہ وَمَا يَقُومُ مَقَامَهُمَا یہ ہے مبتدا اور اس کی خبر الْجَمْعُ وَأَلِفَا التَّأْنِيثِ کو نہ بنائیں بلکہ اس کی خبر کس کو بنا دو؟ عِلَّتَانِ مُكَرَّرَتَانِ اس کو خبر بنا دیں، اس کو خبر بنا دیں۔ اور وہ دو علتیں ہیں مُكَرَّرَتَانِ جو مکرر ہیں۔ مُكَرَّرَتَانِ بھئی وہ دو علتیں جو مکرر ہیں۔ یہ مُكَرَّرَتَانِ کا لفظ اس لیے لائے صاحبِ جامی کہ بتلانا یہ چاہتے ہیں یا یوں کہیں ایک اعتراض کا جواب دینا چاہتے ہیں۔ اعتراض یہ کہ دو علتیں جب اسم میں آتی تھیں تو اسم میں دو فرعیتیں آتی تھیں اور اس کی وجہ سے وہ فعل کے مشابہ ہوتا تھا، فعل میں بھی کتنی فرعیتیں؟ دو فرعیتیں۔ تو اگر یہ ایک علت جو ہے جو دو علتوں کے قائم مقام ہے یہ جب آئے گی تو پھر تو اسم میں ایک فرعیت آئی، کیا آئی؟ ایک فرعیت کی وجہ سے تو اسم فعل کے مشابہ نہیں بنے گا بھئی، کم از کم کتنی فرعیتیں آئیں؟ دو۔ تو آپ کو بتلا رہے ہیں کہ یہ دو علتیں بھی ایسی ہیں جن میں تکرار ہے بھئی۔ ان میں کیا ہے؟ تکرار ہے۔ دیکھو آگے چل کر آپ کو بتلائیں گے کہ یہ جو جمع منتہی الجموع کا صیغہ ہے یہ دوسرے درجے پہ آتا ہے۔ یاد رکھو عربی زبان میں ایک لفظ کی ایک جمع آتی ہے، پھر آگے اس جمع کی جمع آتی ہے، پھر کبھی کبھار آگے پھر اس جمع کی جمع آتی ہے، تو یہ تین تین چار چار تک یہ سلسلہ چلا جاتا ہے کہ پہلے مفرد کی ایک جمع آئی، پھر آگے جمع کی جمع آئی، پھر اس جمع کی آگے جمع آئی، تو یہ تین تین چار چار تک بعض اوقات سلسلہ چلا جاتا ہے۔ تو یہ جو جمع منتہی الجموع ہے یہ عموماً دوسرے درجے پر آتی ہے، کس میں؟ دوسرے درجے پر آتی ہے۔ پہلے اس کی ایک جمع آئی، مثلاً كَلْبٌ، كَلْبٌ چھوٹے کاف کے ساتھ اس کا معنی ہے کتا، اس کی جمع آتی ہے أَكْلُب، أَكْلُب، پھر اس أَكْلُب کی جمع آگے آتی ہے أَكَالِب بھئی۔ تو دیکھو جمع کی جمع آئی، اور أَكَالِب یہ کون سا صیغہ ہے؟ جمع منتہی الجموع والا، اور کتنے نمبر پر آیا؟ دوسرے نمبر پر۔ تو یوں سمجھو گویا جمع میں تکرار آگیا، دو دفعہ جمع آگئی۔ جب دو دفعہ جمع آگئی تو گویا دو فرعیتیں آگئیں۔ یہ دو جمعیں آگئیں، تو جمع میں تکرار آیا تو یوں سمجھو ایک فرعیت نہیں ہے بلکہ دو فرعیتیں ہیں بھئی۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو جب دو فرعیتیں آگئیں تو اب یہ دو علتوں کے قائم مقام بن گیا بھئی۔

تو کہتے ہیں عِلَّتَانِ مُكَرَّرَتَانِ ان نو میں سے وہ ایک علت جو دو کے قائم مقام ہو عِلَّتَانِ وہ دو ایسی علتیں ہیں مُكَرَّرَتَانِ جو مکرر ہوتی ہیں یعنی جن میں تکرار ہوتا ہے، قَامَتْ كُلُّ وَاحِدَةٍ مِنْهُمَا مَقَامَ الْعِلَّتَيْنِ ان میں سے ہر ایک علت جو ہے وہ دو علتوں کے قائم مقام ہے لِتَكْرَارِهِمَا ان کے تکرار کی وجہ سے، ان کے تکرار کی وجہ سے بھئی، ان کے تکرار کی وجہ سے۔ إِحْدَاهُمَا

الْجَمْعُ ان میں سے ایک کیا ہے؟ ان دو علتوں میں سے ایک جمع ہے، وہ جمع الْبَالِغُ إِلَى صِيغَةِ مُنْتَهَى الْجُمُوعِ جو پہنچنے والی ہے منتہی الجموع کے صیغے تک۔ وہ جمع جو کہاں تک پہنچ گئی؟ جمع منتہی الجموع تک، یعنی پہلے مفرد کی ایک جمع آئی پھر اس کے بعد وہ دوبارہ جمع آکر کہاں تک پہنچ گئی؟ جمع منتہی الجموع تک بھئی۔ فَإِنَّهُ قَدْ تَكَرَّرَ فِيهِ الْجَمْعِيَّةُ حَقِيقَةً اس لیے کیونکہ تحقیق اس کے اندر تکرار آگیا جمعیت کا حقیقتاً۔ حقیقتاً جمع ہونے کا تکرار آگیا، كَأَكَالِبَ وَأَسَاوِرَ وَأَنَاعِيمَ۔

أَكَالِب میں نے بتلا دیا یہ كَلْب کی جمع ہے، كَلْب کی جمع پہلے کیا آتی ہے؟ أَكْلُب اور پھر اس کی جمع أَكَالِب۔ تو یہ جمع منتہی الجموع ہے اور دوسرے درجے میں آئی ہے، وہ گویا جمع کا تکرار آگیا، جب جمع کا تکرار آیا تو یہ دو سببوں کے قائم مقام ہو گیا بھئی۔ وَأَسَاوِرَ، أَسَاوِر جمع ہے سِوَارٌ کی، اور سِوَار کنگن کو کہتے ہیں، سِوَار کنگن کو کہتے ہیں، اور سِوَار کی جمع ہے أَسْوِرَةٌ، اور پھر اس أَسْوِرَةٌ کی جمع أَسَاوِر آتی ہے بھئی۔ تو دیکھو یہ بھی دوسرے درجے پر آئی۔ وَأَسَاوِرَ وَأَنَاعِيمَ، جی أَنَاعِيم جمع ہے نَعَم کی، نَعَم مویشی کو کہتے ہیں بھئی یہ گائے، بیل، بکری، اونٹ وغیرہ، تو یہ مویشی ان کو کیا کہتے ہیں؟ نَعَم۔ اس نَعَم کی جمع أَنْعَام بھئی، اور پھر اس أَنْعَام کی جمع أَنَاعِيم۔ تو دیکھو جمع منتہی الجموع آیا اور دوسرے درجے میں آیا تو گویا اس میں تکرارِ جمع ہے، تو یہ دو علتوں کے قائم مقام ہے۔

تو کبھی کبھار جمعیت کا اس کے اندر حقیقتاً تکرار آتا ہے، پہلے ایک جمع آتی ہے اور پھر جمع منتہی الجموع آتا ہے۔ اور کبھی حقیقتاً تو دوسرے درجے میں یہ جمع نہیں آتی، پہلے ہی درجے میں آجاتی ہے، جیسے مَسْجِد کی جمع مَسَاجِد، دیکھو اب فوراً پہلے ہی درجے میں جمع منتہی الجموع آگئی۔ یا مِصْبَاح کی جمع مَصَابِيح، فوراً پہلے ہی درجے میں منتہی الجموع، جمع منتہی الجموع آگئی۔ کہتے ہیں بھئی یہ بھی حکماً اسی کے درجے میں ہے، کیونکہ اس کی صورت اور وزن بالکل اس جیسا ہے، تو لہذا اس کا بھی وہی حکم۔ اس وہاں تکرارِ جمعیت حقیقتاً تھی، تو حکماً یہاں بھی تکرارِ جمعیت کو سمجھا جائے گا۔ تو یہاں پر بھی تکرارِ جمعیت کا حکم لگا دیا جائے گا، اگرچہ حقیقتاً نہیں لیکن حکماً ہے بھئی۔

أَوْ حُكْمًا یا تکرارِ جمعیت اس میں ہو گا حکماً، كَالْجُمُوعِ الْمُوَافِقَةِ لَهَا فِي عَدَدِ الْحُرُوفِ وَالْحَرَكَاتِ وَالسَّكَنَاتِ جیسے کہ وہ جمعیں جو ان جمعوں کے موافق ہیں عددِ حروف میں بھی، حروف کی تعداد میں بھی، وَالْحَرَكَاتِ وَالسَّكَنَاتِ اور حرکات اور سکنات میں بھی۔ دیکھو مَسَاجِد، أَسَاوِر، دیکھو حروف بھی برابر ہیں اور حرکات و سکنات بھی ایک جیسی ہیں، برابر ہیں۔ اور أَنَاعِيم اور اسی طرح کیا ہے؟ مَصَابِيح، تو مَصَابِيح جو ہے وہ حروف کی تعداد میں بھی اور حرکات و سکنات میں بھی أَنَاعِيم کی طرح ہے۔ كَمَسَاجِدَ وَمَصَابِيحَ جیسے کہ مَسَاجِد اور مَصَابِيح ہے، وَثَانِيَتُهُمَا التَّأْنِيثُ لَكِنْ لَا مُطْلَقًا بَلْ بَعْضُ أَقْسَامِهِ اور ان علتوں میں سے دوسری علت جو ہے التَّأْنِيثُ وہ تانیث ہے، لَكِنْ لَا مُطْلَقًا لیکن مطلقاً ہر تانیث نہیں، بَلْ بَعْضُ أَقْسَامِهِ بلکہ اس کی بعض اقسام ہیں، وَهُوَ أَلِفَا التَّأْنِيثِ اور وہ تانیث کے دو الف ہیں بھئی، الْمَقْصُورَةُ وَالْمَمْدُودَةُ مقصورہ اور ممدودہ۔ دو الف تانیث والے: ایک الفِ مقصورہ اور ایک الفِ ممدودہ۔

میں نے کل آپ کو بتلایا تھا بھئی کہ ایک چیز کا اجمالاً ذکر آئے اور پھر اس کی تفصیل آجائے، تو وہاں تین طرح پڑھنا جائز ہے: رفع بھی، نصب بھی، اور جر بھی۔ یہاں پر بھی دیکھو وَهُوَ أَلِفَا التَّأْنِيثِ وہ تانیث کے دو الف ہیں بھئی۔ أَلِفَا التَّأْنِيثِ اجمالاً ذکر آگیا، تفصیل نہیں بیان کی کہ ایک ممدودہ ہوتا ہے اور ایک مقصورہ، پھر آگے تفصیل بیان کر دی کہ تانیث کے دو الف کون سے ہیں؟ الْمَقْصُورَةُ وَالْمَمْدُودَةُ۔ تو الْمَقْصُورَةُ وَالْمَمْدُودَةُ یہ اجمال کے بعد تفصیل آگئی۔ تو اس میں اب تین وجہیں پڑھنا جائز ہیں، کس طرح؟ یا تو اس کو بدل بنا دو أَلِفَا التَّأْنِيثِ تانیث کے دو الف، تو یہ أَلِفَا سے بدل بنے گا اور وہ مرفوع ہے، تو الْمَقْصُورَةُ وَالْمَمْدُودَةُ یہ بدل بھی مرفوع ہوگا۔ یا اس کو أَعْنِي فعل کے لیے مفعول بناؤ، أَعْنِي الْمَقْصُورَةَ وَالْمَمْدُودَةَ، تو اس صورت میں یہ منصوب ہوگا۔ یا تیسری ترکیب یہ کہ اس کو خبر بناؤ، اس کے لیے مبتدا محذوف نکال لو، اور پھر ایک ہی مبتدا سب کے لیے نکال لو: أَيْ هُمَا الْمَقْصُورَةُ وَالْمَمْدُودَةُ وہ دو الف کیا ہیں؟ مقصورہ اور ممدودہ ہیں۔ تو هُمَا یہ ہے مبتدا جو أَلِفَا التَّأْنِيثِ کی طرف راجع ہے، اور الْمَقْصُورَةُ وَالْمَمْدُودَةُ اس کی خبر۔ یا دونوں میں سے ہر ایک کے لیے الگ الگ مبتدا نکال لو، کیسے؟ إِحْدَاهُمَا الْمَقْصُورَةُ وَثَانِيَتُهُمَا الْمَمْدُودَةُ۔ الْمَقْصُورَةُ مونث ہے نا، تو اس کے لیے مبتدا بھی کیسا نکالو؟ مونث۔ إِحْدَاهُمَا ان دونوں میں سے ایک، کن دونوں میں سے؟ الف میں، ان دو الفوں میں سے ایک جو ہے الْمَقْصُورَةُ وہ الفِ مقصورہ ہے، وَثَانِيَتُهُمَا الْمَمْدُودَةُ اور دوسرا ممدودہ ہے۔

تو کہتے ہیں اور تانیث کے دو الف یعنی الفِ مقصورہ اور الفِ ممدودہ، أَيْ كُلُّ وَاحِدَةٍ مِنْهُمَا یعنی ان میں سے ہر ایک۔ بتلانا یہ چاہتے ہیں: تانیث کے دو الف اکٹھے ذکر کیے، تو یہ نہ سمجھنا کہ یہ دونوں اکٹھے ہوں گے تو پھر یہ دو سببوں کے قائم مقام ہوں گے، بلکہ دونوں میں سے ہر ایک الگ الگ دو سببوں کے قائم مقام ہے۔ یہ معنی ہے أَيْ كُلُّ وَاحِدَةٍ مِنْهُمَا یعنی ان دونوں میں سے ہر ایک جو ہے وہ دو سببوں کے قائم مقام ہے۔ كَحُبْلَى وَحَمْرَاءَ جیسے حُبْلَى اور حَمْرَاء بھئی۔ لِأَنَّهُمَا لَازِمَتَانِ اب یہاں سے وجہ ذکر کر رہے ہیں کہ یہ تانیث کے جو دو الف ہیں یہ دو سببوں کے قائم مقام کیوں ہیں؟ تو آپ کو بتلائیں گے کہ ان کو کلمہ کے ساتھ ہی وضع کیا گیا ہے۔ جب اس حُبْلَى کو وضع کیا گیا تھا تو الف کے ساتھ وضع کیا گیا تھا، اور حَمْرَاء جو ہے جب اس کو وضع کیا گیا تھا تو اس الفِ ممدودہ کے ساتھ وضع کیا گیا تھا، اور یہ ان کے ساتھ لازم ہے، جدا نہیں ہو سکتا کیونکہ وضع ہی ایسی ہے۔ وضع ہی، ایک چیز وضع کے اعتبار سے ہی اس کے ساتھ ہے تو اس کو اب جدا نہیں کر سکتے۔ چنانچہ حُبْلَى اس سے یہ الف جدا نہیں ہوتا، عرب حُبْلٌ کہیں استعمال کر لیں؟ نہیں بھئی ہم نے آج تک نہیں سنا، معلوم ہوا یہ الف کبھی بھی حُبْلَى سے جدا نہیں ہوتا۔ اور اسی طرح حَمْرَاء اس میں سے حُمْرٌ کو علیحدہ استعمال کر لیں عرب؟ ہم نے کبھی آج تک نہیں سنا، تو معلوم ہوا یہ دونوں الف وضع کے اعتبار سے ہی اس کلمے کے ساتھ لازم ہیں۔ توجہ ہے؟ تو ایک تو آگئی اس کلمے میں تانیث، اور دوسرا سبب آگیا لزومِ تانیث، تانیث کا اس کے ساتھ لازم ہونا۔ تانیث کا، تو تانیث کا اس کے ساتھ لازم ہونا اس کو ایک اور تانیث کے درجے میں اتار لیا، تو دو تانیثیں گویا آگئیں بھئی۔ کتنی تانیث؟ دو تانیثیں۔

جب دو تانیثیں آئیں تو دو فرعیتیں آگئیں، تو اب اسم کس کی طرح ہو گیا؟ فعل کی طرح ہو گیا۔ تو دو سبب اس میں کیا؟ تانیث اور لزومِ تانیث ہے، تانیث کا لازم ہونا، تو اس کو بھی ایک تانیث ہی کے درجے میں اتار لیا۔

تو کہتے ہیں كَحُبْلَى وَحَمْرَاءَ جیسے حُبْلَى اور حَمْرَاء، لِأَنَّهُمَا لَازِمَتَانِ لِلْكَلِمَةِ وَضْعًا اس لیے کیونکہ یہ دونوں الف جو ہیں یہ کلمہ کے ساتھ لازم ہیں وَضْعًا باعتبارِ وضع کے، لَا تُفَارِقَانِهَا أَصْلًا یہ جدا ہوتے ہی نہیں أَصْلًا أَيْ قَطْعًا قطعی طور پر جدا نہیں ہوتے، فَلَا يُقَالُ فِي حُبْلَى حُبْلٌ وَلَا فِي حَمْرَاءَ حُمْرٌ لہٰذا حُبْلَى میں حُبْلٌ نہیں کہتے اور حَمْرَاء میں حُمْرٌ نہیں کہتے یعنی استعمال نہیں کرتے، فَيُجْعَلُ لُزُومُهُمَا لِلْكَلِمَةِ بِمَنْزِلَةِ تَأْنِيثٍ آخَرَ تو ان دونوں کا کلمہ کے ساتھ جو لزوم ہے اس کو ایک اور تانیث کے درجے میں کر لیا گیا۔ ترجمہ سمجھ میں آیا؟ فَيُجْعَلُ لُزُومُهُمَا لِلْكَلِمَةِ بِمَنْزِلَةِ تَأْنِيثٍ آخَرَ تو ان دونوں کا کلمہ کے ساتھ جو لزوم ہے اس کو ایک اور تانیث کے درجے میں کر لیا گیا، فَصَارَ التَّأْنِيثُ مُكَرَّرًا تو تانیث مکرر ہو گئی یعنی دو دفعہ آگئی۔

بِخِلَافِ التَّاءِ، یہاں تک بات سمجھ میں آگئی۔ اسی لیے اوپر صاحبِ جامی نے کیا فرمایا تھا؟ عِلَّتَانِ مُكَرَّرَتَانِ دو ایسی علتیں ہیں جو مکرر ہیں یعنی جن میں تکرار ہے، تو جمع منتہی الجموع میں بھی تکرار کبھی حقیقتاً ہوگا کبھی حکماً ہوگا تو جمعیت کا اس میں تکرار ہے، اور الفِ ممدودہ اور الفِ مقصورہ جو تانیث والے ہیں ان میں بھی تکرار ہے، تو گویا تکرارِ تانیث ہے وہاں پر۔ بِخِلَافِ التَّاءِ، اب یہاں سے ایک سوال کا جواب دے رہے ہیں۔ سوال کا جواب کہ یہ الفِ تانیث ان کو دو سببوں کے قائم مقام کیا، یہ تا جو ہے وہ بھی تانیث کی علامت ہے، اس کو دو سببوں کے قائم مقام کیوں نہیں کیا؟ تو اب بتلانے لگے ہیں کہ جو تا ہے یہ وضع کے اعتبار سے کلمے کے ساتھ نہیں ہوتی، بلکہ یہ تو صرف مذکر مونث میں فرق کرنے کے لیے لائی جاتی ہے۔ یہی قَائِمٌ مذکر کے لیے استعمال کرنا ہے تو تا لانے کی کوئی ضرورت نہیں، یہی قَائِمٌ آپ مونث کے لیے استعمال کرنا چاہتے ہیں تو ساتھ تا لے آؤ۔ تو یہ تا کس لیے ہے؟ مذکر اور مونث میں فرق کرنے کے لیے ساتھ ملائی جاتی ہے، یہ باعتبارِ وضع کے کلمے کے ساتھ لازم نہیں ہے۔

تو کہتے ہیں بِخِلَافِ التَّاءِ بخلاف تا کے، فَإِنَّهَا لَيْسَتْ لَازِمَةً لِلْكَلِمَةِ بِحَسَبِ أَصْلِ الْوَضْعِ کیونکہ یہ جو ہے کلمہ کے ساتھ لازم نہیں ہے اصلِ وضع کے اعتبار سے، فَإِنَّهَا وُضِعَتْ فَارِقَةً بَيْنَ الْمُذَكَّرِ وَالْمُؤَنَّثِ اس لیے کیونکہ اس تا کو وضع کیا گیا ہے فرق کرنے کے لیے مذکر اور مونث کے درمیان۔ فَلَوْ عَرَضَ اللُّزُومُ بِعَارِضٍ كَالْعَلَمِيَّةِ مَثَلًا لَمْ يَقُمْ قُوَّةَ اللُّزُومِ الْوَضْعِيِّ۔ عبارت پہ نظر ہے؟ لَمْ يَقُمْ قُوَّةَ اللُّزُومِ الْوَضْعِيِّ۔ قَوِيَ يَقْوَى کا معنی قوت والا ہونا، طاقتور ہونا، اور قُوَّةً آگے جو آرہا ہے یہ قُوَّةً اسی کا مصدر ہے بھئی۔ وہ مصدر جو ماقبل فعل کے معنی میں ہو اس کو کیا کہتے ہیں؟ مفعولِ مطلق۔ تو یہ مفعولِ مطلق ہے بھئی قُوَّةَ اللُّزُومِ۔ اور یہ مفعولِ مطلق آپ نے پڑھا ہے کہ یہ کبھی تشبیہ کے لیے آتا ہے: جَلَسْتُ جِلْسَةَ الْقَارِي میں کس کی طرح بیٹھا؟ قاری کی طرح بیٹھا، تو یہ قسم اور نوع بتلانے کے لیے آتا ہے، تو یہاں پر بھی قُوَّةَ اللُّزُومِ الْوَضْعِيِّ یہ تشبیہ کے لیے ہے: وضعی لزوم جیسی قوت، وضعی لزوم جیسی قوت بھئی۔

دیکھیے بھئی، فَلَوْ عَرَضَ اللُّزُومُ، فَلَوْ عَرَضَ اللُّزُومُ بِعَارِضٍ۔یہاں سے ایک سوال کا جواب دے رہے ہیں۔ سوال یہ کہ آپ نے کیا کہا؟ یہ تا مذکر اور مونث میں فرق کرنے کے لیے لائی جاتی ہے اور کلمے کے ساتھ لازم نہیں ہوتی، کبھی جڑ جاتی ہے کبھی جدا ہو جاتی ہے۔ ہم آپ کو دکھاتے ہیں کہ کبھی کبھار یہ تا کلمہ کے ساتھ لازم ہو جاتی ہے، جیسے قَائِمَةٌ، قَائِمَةٌ یہ کسی کا نام رکھ دیں، اب یہ تا لازم ہو گئی کیونکہ علم میں کوئی تبدیلی نہیں کی جاتی، اب یہ قَائِمَةٌ سے یہ تا جدا نہیں ہو سکتی، تو اس تا کو بھی کیا کرنا چاہیے؟ دو سببوں کے قائم مقام قرار دینا چاہیے۔ تو آپ کو بتلائیں گے کہ نہیں بھئی، اصل اعتبار وضعِ اول کا ہے۔ اور وضعِ اول کے اعتبار سے یہ صرف مذکر مونث میں فرق کرنے کے لیے ہے، یہ کلمے کے ساتھ لازم نہیں ہے، اور یہ جو علم بنایا گیا تو علم کے اندر بھی وضع ہوتی ہے لیکن یہ وضعِ ثانی ہے بھئی، کسی کا نام رکھ دیا گیا تو یہ دوسری مرتبہ گویا اس لفظ کو وضع کیا گیا، اور اعتبار کس کا ہے؟ وضعِ اول کا ہے۔ تو اس علمیت کی وجہ سے بھی یہ تا لازم ہو گئی کلمہ کے ساتھ، لیکن یہ اس کا لزوم اتنا قوی نہیں ہے جیسا لزوم کس میں تھا قوی؟ وضعِ اول میں جیسا قوی تھا۔

تو کہتے ہیں فَلَوْ عَرَضَ اللُّزُومُ اگر لزوم عارض ہو جائے بِعَارِضٍ کسی عارض کی وجہ سے، كَالْعَلَمِيَّةِ جیسے کیا ہے؟ جیسے کہ علمیت ہے یعنی علمیت علم ہونا، مَثَلًا مثال کے طور پر، تو کہتے ہیں لَمْ يَقْوَ قُوَّةَ اللُّزُومِ الْوَضْعِيِّ تو یہ قوی نہیں ہوتا قُوَّةَ اللُّزُومِ الْوَضْعِيِّ لزومِ وضعی کی قوت کی طرح۔ جیسے ایک لزوم وضع کے اعتبار سے ہوتا ہے وہ بڑا قوی لزوم ہے وہ جدا ہی نہیں ہوتا، اور ایک لزوم آیا علمیت کی وجہ سے یہ اس جیسا قوی لزوم نہیں ہے، تو اس کو اس کا حکم نہیں دیا جا سکتا۔ تو یہ معنی ہے لَمْ يَقْوَ، قَوِيَ يَقْوَى کا معنی قوت والا ہونا، طاقتور ہونا۔ لَمْ يَقْوَ قُوَّةَ اللُّزُومِ الْوَضْعِيِّ تو یہ لزومِ وضعی کی طرح طاقتور نہیں ہو سکتا۔ بات اچھی طرح سمجھ میں آگئی؟ چلیے بس بھئی، هَذَا هُوَ الْمَرَامُ وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْكَلَامِ۔

سبق نمبر ۵۷: اسبابِ منعِ صرف (۱): «اَلْعَدْلُ» کی تعریف اور عدلِ تحقیقی و تقدیری

شرحِ ملا جامی صفحہ: ۳۹ — بتاریخ: ۲۸ اگست ۲۰۲۱ء

▪ تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث

دیکھیے بھائی آگے سبق:[1]

فَالْعَدْلُ مَصْدَرٌ مَبْنِيٌّ لِلْمَفْعُولِ أَيْ كَوْنُ الِاسْمِ مَعْدُولًا، خُرُوجُهُ أَيْ خُرُوجُ الِاسْمِ أَيْ كَوْنُهُ مُخْرَجًا عَنْ صِيغَتِهِ الْأَصْلِيَّةِ، أَيْ عَنْ صُورَتِهِ الَّتِي يَقْتَضِي الْأَصْلُ وَالْقَاعِدَةُ أَنْ يَكُونَ ذَلِكَ الِاسْمُ عَلَيْهَا.

گزشتہ سبق میں غیر منصرف کا بیان چل رہا تھا، اور صاحبِ کافیہ نے آپ کو بتلایا کہ غیر منصرف کا حکم یہ ہے کہ اس پر نہ کسرہ آتا ہے اور نہ تنوین آتی ہے۔ اور غیر منصرف کو منصرف کرنا، یعنی منصرف پڑھنا بھی جائز ہے ضرورت کی وجہ سے یا تناسب کی وجہ سے۔ تو اس پر اشکال ہوا تھا کہ وَيَجُوزُ صَرْفُهُ کہ غیر منصرف کا منصرف پڑھنا جائز ہے اور آگے دو وجہیں ذکر ہوئی تھیں لِلضَّرُورَةِ أَوْ لِلتَّنَاسُبِ، ضرورت کی وجہ سے یا تناسب کی وجہ سے۔ اور ضرورت سے مراد ہے ضرورتِ شعری۔ اور ضرورتِ شعری کی وجہ سے تو غیر منصرف کو منصرف پڑھنا جائز نہیں ہوتا بلکہ واجب ہوتا ہے، کیونکہ اس کے بغیر شعر کا وزن ٹوٹ جاتا ہے۔ اوپر کہا وَيَجُوزُ، جائز ہے اس کو منصرف پڑھنا، اور آگے لِلضَّرُورَةِ سے پتا چلا کہ اس کا پڑھنا

[1]

جدول — عدلِ تحقیقی اور عدلِ تقدیری کی اقسام و امثلہ:

قسمِ عدل	تعریف و ضابطہ	امثلہ
عدلِ تحقیقی	صیغہ اپنے اصل سے حقیقتاً منتقل ہو اور اس کے ثبوت پر دلیل ہو	ثُلَاثَ، مَثْلَثَ (از ثَلَاثَةً ثَلَاثَةً)، أُخَرَ، سَحَرَ
عدلِ تقدیری	صرف منعِ صرف کے لیے معدول فرض کیا جائے	عُمَرُ، زُفَرُ، زُحَلُ (از عَامِر، زَافِر، زَاحِل)

ضروری ہے، تو ضروری جو ہوا وہ تو جائز کے اندر داخل نہیں ہوگا۔ جائز کا تو معنی کیا سمجھ میں آتا ہے؟ کہ جس کا کرنا نہ کرنا برابر ہو، یعنی اس کا کرنا ضروری نہ ہو بھئی۔

تو صاحبِ جامی نے آپ کو بتلایا تھا کہ یہ یَجُوزُ جو ہے لَا یَمْتَنِعُ کے معنی میں ہے۔ یعنی یَجُوزُ یہاں یُمْکِنُ کے معنی میں ہے، ممکن ہے اس کی صرف بھی، غیر منصرف کی صرف بھی ممکن ہے بھئی۔ تو امکان آگیا، اور امکان دو قسم پر ہے: ایک امکانِ عام، ایک امکانِ خاص۔ امکانِ عام کہتے ہیں جانبِ مخالف سے ضرورت کی نفی۔ جانبِ مخالف سے ضرورت کی نفی، یعنی جانبِ مخالف ضروری نہیں ہے۔ مثلاً ایک ہے وجود اور ایک ہے عدم۔ ایک ہے وجود اور ایک ہے عدم۔ جب وجود کا امکان ذکر کیا جائے کہ یہ چیز ہو سکتی ہے، تو اس کی جانبِ مخالف کیا؟ عدم۔ معلوم ہوا عدم ضروری نہیں۔ عدم ضروری نہیں، اور یہ جو وجود ہے یہ چاہے ضروری ہو یا نہ ہو، دونوں اس کے اندر آگئے۔ بس عدم ضروری نہیں ہے، تو اس کو امکانِ عام کہتے ہیں بھئی جس میں جانبِ مخالف سے ضرورت کی نفی ہوتی ہے۔

اور دو جانبین کون کون سی ہیں میں نے بتلا دیا: ایک ہے وجود، ایک ہے عدم۔ وجود جس میں ایک چیز کے ہونے کا ذکر ہو، اور عدم جس میں ایک چیز کے نہ ہونے کا ذکر ہو۔ مثلاً میں کہتا ہوں: ہو سکتا ہے زید آجائے۔ دیکھو اس میں آنے کا ذکر ہے، وجود کا ذکر ہے۔ اور ایک ہے میں کہتا ہوں: ہو سکتا ہے زید نہ آئے۔ دیکھو اس میں نہ آنے کا ذکر ہے، یعنی عدم کا ذکر ہے۔ تو وجود اور عدم یہ ایک دوسرے کے مخالف ہیں۔ جہاں وجود ہوگا وہاں عدم نہیں، جہاں عدم ہے وہاں وجود نہیں۔ دونوں میں سے ایک چیز ہوگی بھئی۔ یعنی قضیہ یا موجبہ ہوگا یا سالبہ ہوگا۔ اگر وہ قضیہ موجبہ ہو جس میں ایک چیز کا دوسری چیز کے لیے اثبات ہوتا ہے، کہ مثلاً زید عالم ہے، تو دیکھو اس میں ایجاب ہے، اس میں وجود کا ذکر ہے، ایک چیز کے لیے دوسری چیز کا وجود ثابت ہے بھئی۔ اور ایک ہے کہ زید عالم نہیں ہے، یہ قضیہ سالبہ ہے، تو یہاں عدم کا ذکر ہو رہا ہے۔ تو بہرحال امکان دو قسم پر ہے: ایک امکانِ عام اور ایک امکانِ خاص۔ امکانِ عام میں جانبِ مخالف سے ضرورت کی نفی ہوتی ہے، اور امکانِ خاص میں دونوں جانب سے ضرورت کی نفی ہوتی ہے، یعنی ہونا بھی ضروری نہیں اور نہ ہونا بھی ضروری نہیں۔

اور پھر یہ امکانِ عام دو قسم پر ہے: ایک امکانِ عام مقیّد بجانبِ الوجود، اور ایک امکانِ عام مقیّد بجانبِ العدم۔ امکانِ عام مقیّد بجانبِ الوجود جو مقیّد ہو وجود کی جانب، یعنی جس میں ہونے کا ذکر ہو۔ اور امکانِ عام مقیّد بجانبِ العدم جو عدم کے ساتھ، عدم کی جانب میں مقیّد ہو، یعنی جس میں نہ ہونے کا ذکر ہو بھئی۔ تو امکانِ عام جب مقیّد بجانبِ الوجود ہو تو وہ لَا یَمْتَنِعُ کے معنی میں ہوتا ہے۔ کس معنی میں؟ لَا یَمْتَنِعُ یعنی عدم ضروری نہیں۔ تو عدم ضروری نہیں، اور باقی وجود چاہے ضروری ہو یا نہ ہو دونوں اس میں داخل ہو گئے۔ تو اس کو امکانِ عام مقیّد بجانبِ الوجود کہتے ہیں اور اس کو لَا یَمْتَنِعُ سے تعبیر کرتے ہیں۔ اور دوسرا امکانِ عام مقیّد بجانبِ العدم ہے اور اس کو لَا یَجِبُ سے تعبیر کرتے ہیں۔ لَا یَجِبُ سے،

جس میں نہ ہونا ذکر ہوتا ہے۔ جب نہ ہونا ذکر ہوا تو معلوم ہوا ہونا ضروری نہیں۔ ہونا ضروری، جب ہونا ضروری نہیں ہے تو نہ ہونا دونوں آگئے، چاہے ضروری ہو یا نہ ہو دونوں اس کے اندر آگئے۔

تو یہاں پر بھی بتلا دیا وَیَجُوزُ سے کیا مراد ہے؟ لَا یَمْتَنِعُ مراد ہے، یعنی امکانِ عام مقیّد بجانبِ الوجود مراد ہے، اور اس کو لَا یَمْتَنِعُ سے تعبیر کرتے ہیں، اور اس کے اندر وجود ذکر ہوتا ہے۔ کیا ذکر ہوتا ہے؟ وجود ذکر ہوتا ہے، مقیّد بجانبِ الوجود ہے۔ اور معلوم ہوا اس کی جانبِ مخالف ضروری نہیں، یعنی عدم ضروری نہیں۔ تو اس میں عدم ضروری نہیں ہوتا، باقی وجود چاہے ضروری ہو یا ضروری نہ ہو دونوں آگئے۔ تو لِلضَّرُورَةِ میں ضروری ہے اور لِلتَّنَاسُبِ میں ضروری نہیں، دونوں اس کے اندر آگئے بھئی۔

اس کے بعد یہ لِلضَّرُورَةِ کے بارے میں ہم نے پڑھا تھا بھئی آخری سبق میں، اور انہوں نے آپ کو بتلایا تھا کہ ضرورت سے مراد ضرورتِ شعری ہے بھئی۔ اور کبھی یہ ضرورتِ شعری ہوتی ہے کہ شعر کے وزن کو برقرار رکھنے کے لیے غیر منصرف کو منصرف پڑھا جاتا ہے، اور کبھی رعایتِ قافیہ کی ضرورت کی وجہ سے غیر منصرف کو منصرف پڑھا جاتا ہے۔ اور انہوں نے آپ کو بتلایا تھا کہ جس وقت غیر منصرف شعر میں واقع ہوتا ہے تو بسا اوقات اس کے غیر منصرف ہونے کی وجہ سے شعر کے اندر کسر واقع ہوتی ہے، یعنی اس کا وزن ٹوٹ جاتا ہے، اس کو شعر کے وزن سے نکال دیتا ہے۔ اور کبھی اس کے اندر زحاف واقع ہوتا ہے، اور زحاف کی وجہ سے وہ سلاست سے نکل جاتا ہے۔ سلاست کا معنی میں نے بتلایا تھا روانی۔ اشعار کے اندر خاص روانی اور ترنّم ہوتا ہے بھئی، خاص روانی۔ جس کو ذرا بھی اللہ نے ذوق دیا ہو، بلکہ عام آدمی بھی شعر کے اندر جو روانی ہے، عام آدمی بھی، ہر سلیم الطبع آدمی شعر کے اندر روانی اور سلاست کو محسوس کرتا ہے کہ اس کے اندر خاص ایک ترنّم ہے، خاص روانی ہے اور اس کے پڑھنے کا ایک خاص لطف ہے بھئی۔ تو شعر کے اندر خاص سلاست ہوتی ہے۔ لیکن اگر غیر منصرف جو ہے کبھی وہ آجائے تو اس کی وجہ سے شعر کی روانی متأثر ہوتی ہے۔ شعر کی روانی متأثر ہوتی ہے یعنی شعر کے اندر زحاف واقع ہوتا ہے۔

زحاف میں نے بتلایا بھئی، زحاف شعر کے اندر مخصوص جگہوں پر مخصوص قسم کی تبدیلی کرنے کو زحاف کہتے ہیں۔ اور یہ تین قسم کی ہوتی ہے۔ کبھی کبھار کیا کیا جاتا ہے؟ ساکن کو حذف کر لیتے ہیں۔ کبھی صرف حرکت کو حذف کرتے ہیں۔ اور کبھی متحرک کو حذف کر لیتے ہیں۔ کتنی صورتیں ہیں؟ تین۔ کبھی ساکن کو حذف کرتے ہیں، کبھی صرف حرکت کو حذف کرتے ہیں، اور کبھی متحرک کو حذف کرتے ہیں۔ تو جب متحرک کو حذف کیا، معلوم ہوا وہ حرف بھی حذف اور اس کی حرکت بھی حذف، اس میں دونوں چیزیں آگئیں۔ پھر سنو تین صورتیں: ساکن میں صرف ایک حرف حذف ہوا۔ جب حرکت حذف کی تو اس میں صرف حرکت حذف ہوئی، حرف حذف نہیں ہوا۔ اور جب حرفِ متحرک کو حذف کیا تو وہ

حرف بھی حذف اور اس کی حرکت بھی حذف ہو گئی۔ تو یاد رکھو یہ جو زحاف ہے، اس کی وجہ سے شعر کے وزن میں روانی برقرار نہیں رہتی۔ عموماً زحاف کی وجہ سے شعر کے اندر وہ روانی اور وہ سلاست اور وہ ترنّم باقی نہیں رہتا بھئی۔

میں نے بتایا شعر کے مخصوص اوزان ہوتے ہیں۔ ایک حرف ادھر ادھر ہو جائے تو شعر کا وزن ٹوٹ جاتا ہے۔ لیکن آپ دیکھتے ہیں انہی اوزان پر ہر شاعر اپنی اپنی بات کرتا ہے۔ ہر شاعر کسی ایک، شاعر ایک چیز کے بارے میں شعر کہتا ہے، دوسرا دوسری چیز کے بارے میں، تیسرا تیسری چیز کے بارے میں۔ تو بعض اوقات شعر بناتے ہوئے شاعر کو کوئی ایسا لفظ نہیں ملتا کہ جو پورا شعر کا وزن برقرار رکھا جا سکے۔ تو وہاں پر ان کے لیے زحاف کی گنجائش ہوتی ہے۔ وہ معمولی سا ردّ و بدل کر سکتے ہیں وزن میں، لیکن خاص طریقے سے، ہر طریقے سے نہیں۔ خاص طریقے سے ان کو معمولی سے ردّ و بدل کی اس میں گنجائش ہوتی ہے، جس کی وجہ سے شعر کا وزن بدلتا ضرور ہے لیکن شعر کا وزن ٹوٹتا نہیں، خراب نہیں ہوتا۔ اس کی وجہ سے سلاست اور روانی میں کمی آجاتی ہے، البتہ شعر کا وزن پھر بھی برقرار ہوتا ہے۔ اگر وہ اس کی گنجائش اس کو نہ دیتے تو پھر شاعر کے لیے وہاں کوئی لفظ اس کو مل ہی نہیں رہا تھا جو مناسب لفظ ہو وہاں لے کر آتا۔ تو اس کے لیے گویا یوں سمجھیں کچھ اس کو رخصت مل جاتی ہے کہ وزن میں معمولی سی وہ ردّ و بدل کے ساتھ بھی کہہ سکتا ہے۔ لیکن وہ ردّ و بدل بھی میں نے بتایا خاص قسم کا ہوتا ہے، جس سے وزن تھوڑا بدلتا ہے، ٹوٹتا نہیں ہے، خراب نہیں ہوتا۔ تو اس کو زحاف کہتے ہیں بھئی۔ کیا کہتے ہیں؟ زحاف کہتے ہیں۔

تو پہلے کی مثال کہ جس میں غیر منصرف کو غیر منصرف پڑھا جاتا تو شعر کا وزن ٹوٹ جاتا، تو شعر کے وزن کو ٹوٹنے سے بچانے کی ضرورت کی وجہ سے غیر منصرف کو منصرف پڑھا گیا۔ جیسے: صُبَّتْ عَلَيَّ مَصَائِبٌ لَوْ أَنَّهَا صُبَّتْ عَلَى الْأَيَّامِ صِرْنَ لَيَالِيَا۔ میں نے بتایا یہ حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا شعر ہے بھئی۔ تو پھر علماء کا اس میں اختلاف: بعض فرماتے ہیں یہ حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا شعر ہے، اور بعض کہتے ہیں یہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا شعر ہے جو حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے پڑھا بھئی۔

وَأَمَّا الثَّانِي، اور دوسرے کی مثال جس میں زحاف سے بچنے کے لیے غیر منصرف کو منصرف پڑھا گیا۔ اگر غیر منصرف پڑھا جاتا تو شعر میں زحاف واقع ہوتا، تو یہ دوسرے کی مثال ہے جس میں زحاف سے بچنے کے لیے غیر منصرف کو منصرف پڑھا گیا۔ جیسے: أَعِدْ ذِكْرَ نُعْمَانٍ لَنَا، یہ مقامِ استشہاد جو ہے نُعْمَانٍ ہے بھئی نُعْمَانٍ۔ اور یہ نُعْمَانُ اس میں الف نون زائدتان ہیں اور یہ غیر منصرف ہے، لیکن زحاف سے بچنے کے لیے اس کو منصرف پڑھا گیا: أَعِدْ ذِكْرَ نُعْمَانٍ لَنَا۔ اور میں نے بتایا یہ امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا نام ہے بھئی۔ تو شاعر، تو امام شافعی رحمہ اللہ کا یہ شعر ہے وہ فرماتے ہیں: أَعِدْ ذِكْرَ نُعْمَانٍ لَنَا إِنَّ ذِكْرَهُ هُوَ الْمِسْكُ مَا كَرَّرْتَهُ يَتَضَوَّعُ۔ کہ ہمارے لیے نعمان کا ذکر دہرائیے یعنی امام اعظم ابو حنیفہ کا، إِنَّ ذِكْرَهُ هُوَ الْمِسْكُ کہ بے شک ان کا ذکر جو ہے وہ مشک خوشبو ہے، مَا كَرَّرْتَهُ يَتَضَوَّعُ جس قدر اس کو بار بار دہراؤ گے اتنی ہی اس کی خوشبو

مہکتی جائے گی، پھیلتی جائے گی بھئی۔

فَإِنَّهُ لَوْ فُتِحَ نُونُ نُعْمَانَ مِنْ غَيْرِهِ، یہاں سے آگے یہ بیان کر رہے ہیں کہ یہاں نُعْمَانُ جو غیر منصرف تھا اس کو منصرف پڑھا گیا صرف زحاف سے بچنے کے لیے۔ اگر اس کو غیر منصرف ہی پڑھا جاتا تو شعر میں زحاف واقع ہو جاتا۔ کیا واقع ہوتا؟ زحاف واقع ہوتا۔ البتہ شعر کا وزن پھر بھی برقرار رہتا۔ شعر کا وزن تو برقرار رہتا لیکن زحاف کی وجہ سے شعر میں سلاست نہ رہتی، روانی نہ رہتی، اس میں وہ ترنّم نہ رہتا۔ تو زحاف سے بچنے کے لیے شاعر نے نُعْمَانٍ غیر منصرف کو منصرف پڑھا بھئی۔

پھر اعتراض یہ ہوا کہ آپ نے ہمیں بتلا دیا کہ زحاف شعر میں آجائے تو اس سے شعر کا وزن نہیں ٹوٹتا۔ شعر کا وزن نہیں ٹوٹتا۔ تو پھر جب شعر کا وزن برقرار ہے تو پھر تو زحاف اگر آ بھی جائے تو کوئی حرج نہیں۔ معلوم ہوا زحاف سے بچنا واجب نہیں ہے بھئی، کیونکہ شعر کا وزن ٹھیک رہتا ہے زحاف کے باوجود۔ تو معلوم ہوا زحاف سے بچنا واجب نہیں، تو آپ نے اس کو لِلضَّرُورَةِ کے تحت کیسے ذکر کر دیا؟ لِلضَّرُورَةِ میں تو وہ چیز ذکر ہو جس کا کرنا ضروری ہے، اور زحاف سے بچنا تو ضروری نہیں، تو لِلضَّرُورَةِ کیسے اس زحاف کو شامل ہوئی بھئی؟ تو اس کا جواب دیا کہ بھئی بعض زحافات سے بچنا ضروری ہوتا ہے جب اس سے بچا جا سکے۔ کیونکہ زحاف کی وجہ سے شعر میں سلاست جو ہے اس میں کمی آ رہی تھی، سلاست سے وہ شعر نکل رہا تھا، تو بعض اوقات جب زحاف سے بچنا ممکن ہو تو شعراء کے نزدیک وہاں بچنا ضروری ہوتا ہے، تو یہ بھی لِلضَّرُورَةِ کے تحت داخل ہے۔ بات سمجھ میں آگئی۔

وَأَمَّا الضَّرُورَةُ الْوَاقِعَةُ لِرِعَايَةِ الْقَافِيَةِ، جی میں نے بتلایا تھا قافیہ جو ہے شعر کے آخر میں جو وزن آتا ہے اس کو قافیہ کہتے ہیں۔ قصیدے کے پہلے شعر میں جو قافیہ آتا ہے شاعر اختتامِ قصیدہ تک اس قافیے کا خیال رکھتا ہے، اس کا خیال رکھنا ضروری ہے بھئی۔ جیسے میں نے مثال ذکر کی تھی کہ امرؤ القیس جو ہے اپنے معلقے میں کہتا ہے: قِفَا نَبْكِ مِنْ ذِكْرَى حَبِيبٍ وَمَنْزِلِ بِسِقْطِ اللِّوَى بَيْنَ الدَّخُولِ فَحَوْمَلِ۔ تو دیکھو یہ حَوْمَلِ یہ ہے قافیہ۔ حَوْمَلِ وزن جو شعر کے آخر میں آ رہا ہے یہ کیا ہے؟ قافیہ۔ اور اسی پر وہ آخر تک چلتے رہے گا امرؤ القیس، پورے قصیدے کے اندر یہ حَوْمَلِ وزن برقرار رکھے گا۔ اور حَوْمَلِ وزن سے مراد یہ ہے کہ یعنی متحرک کے مقابلے میں متحرک اور ساکن کے مقابلے میں ساکن۔ چنانچہ اگلا شعر ہے بھئی:

فَتُوضِحَ فَالْمِقْرَاةِ لَمْ يَعْفُ رَسْمُهَا لِمَا نَسَجَتْهَا مِنْ جَنُوبٍ وَشَمْأَلِ۔ دیکھا حَوْمَلِ، شَمْأَلِ۔ تیسرا شعر دیکھ لیں بھئی: تَرَى بَعَرَ الْأَرْآمِ فِي عَرَصَاتِهَا وَقِيعَانِهَا كَأَنَّهُ حَبُّ فُلْفُلِ۔ كَأَنَّهُ حَبُّ فُلْفُلِ، دیکھو حَوْمَلِ، شَمْأَلِ، فُلْفُلِ۔ آپ کہیں گے نہیں بھئی فُلْفُلِ میں تو حرکتیں الگ ہیں۔ بھئی بات وزنِ شعری کی چل رہی ہے، وزنِ شعری کے اندر متحرک کے مقابلے میں متحرک آنا چاہیے، ساکن کے مقابلے میں ساکن آنا چاہیے، حرکتیں ایک جیسی ہونا ضروری نہیں ہے۔ حَوْمَلِ دیکھو ح متحرک اور و ساکن، فُلْفُلِ دیکھو اس میں ف متحرک اور ل ساکن۔ پھر حَوْمَلِ میم پر حرکت اور آگے ل مکسور، اور فُلْفُلِ اس کے آخر

میں بھی ف متحرک اور آگے ل مکسور ہے۔ تو وزنِ شعری کے اندر متحرک کے مقابلے میں متحرک آتا ہے، ساکن کے مقابلے میں ساکن آتا ہے، حرکتوں کا ایک جیسا ہونا ضروری نہیں ہے بھئی۔

تو اس کو رعایتِ قافیہ کہتے ہیں، اور یہ جو شعر کے آخر میں حرف آتا ہے اس کو حرفِ رَوِی کہتے ہیں، حَرْفٌ رَوِيٌّ۔ اور یہ حرفِ رَوِی جو ہے اسی کی طرف قصیدے کی نسبت کی جاتی ہے۔ جیسے اس کے آخر میں ل آیا تھا تو اس کو کہیں گے قصیدہ لامیہ۔ اگر آخر میں ت آجائے تو کہیں گے قَصِيدَةٌ تَائِيَّةٌ۔ اور اگر آخر میں م آجائے تو قَصِيدَةٌ مِيمِيَّةٌ۔ اگر ن آجائے تو قَصِيدَةٌ نُونِيَّةٌ۔ تو اسی حرفِ رَوِی جو بالکل آخر میں آیا جیسے یہاں ل ہے: حَوْمَلِ، شَمْأَلِ، فُلْفُلِ، دیکھو آخر میں ل آرہا ہے، اس کو کیا کہتے ہیں؟ حَرْفٌ رَوِيٌّ، حرفِ رَوِی بھئی۔ اور شاعر پورے قصیدے میں اس کا اہتمام کرتا ہے کہ ہر شعر کے آخر میں یہی حرف آئے، جیسے یہاں پر ل مکسور آیا تو پورے قصیدے کے اندر آخر میں ل مکسور لے کر آیا شاعر بھئی۔

اس کے بعد بتلایا تھا کہ کبھی کبھار غیر منصرف کو منصرف پڑھا جاتا ہے مناسبت کی وجہ سے، تاکہ دو کلموں میں مناسبت حاصل ہو جائے۔ ایک ہے غیر منصرف اور ایک ہے منصرف، دو کلمے اکٹھے آگئے۔ اب غیر منصرف جو ہے اس پر تنوین نہیں آئے گی اور منصرف پر تنوین آئے گی، تو دونوں میں مناسبت نہیں معلوم ہوگی۔ مناسبت بھی عرب کے ہاں بڑی ضروری ہے کلمات کے اندر۔ تو چنانچہ وہ منصرف کی رعایت کرتے ہوئے غیر منصرف پر بھی کسرہ اور تنوین پڑھ دیتے ہیں۔ جیسے سَلَاسِلًا وَأَغْلَالًا۔ سَلَاسِلَ دیکھو یہ جمع منتہی الجموع کا وزن ہے، اور یہ دو سببوں کے قائم مقام ہے، لیکن اس کے ساتھ جو أَغْلَالًا لفظ تھا وہ منصرف تھا، اس پر تنوین آرہی تھی، تو سَلَاسِلًا کو بھی وہی حکم دے دیا گیا اور اس پر بھی تنوین لائی گئی۔ تو سَلَاسِلًا وَأَغْلَالًا یہ دونوں کی مثال ہے، یعنی وہ اسم جس کو مناسبت کی وجہ سے منصرف پڑھا گیا وہ اسم بھی ہے اس میں، اور جس اسم کی وجہ سے اس کو منصرف پڑھا گیا وہ بھی اس میں ہے، تو یہ دونوں کی مثال ہے بھئی۔

اور پھر آپ کو صاحبِ کافیہ نے یہ بھی بتلایا تھا کہ وہ علتیں جو دو علتوں کے قائم مقام ہیں وہ دو ہیں: ایک جمع اور ایک الفِ تانیث، تانیث کے دو الف۔ کیونکہ یہ دونوں علتیں مکرّر ہیں، ان میں تکرار ہے، تو ان کی وجہ سے دو فرعیتیں آگئیں۔ اشکال ہوتا تھا نا کہ ایک علت دو کے قائم مقام کیسے ہو سکتی ہے؟ کیونکہ یہ علت کی وجہ سے اسم میں فرعیت آتی ہے، اور فعل کے اندر دو فرعیتیں ہیں تو اسم کی مشابہت کس کے ساتھ آگئی؟ فعل کے ساتھ۔ لیکن مشابہت کب آئے گی؟ جب کم از کم دو فرعیتیں آئیں تو پھر فعل کی طرح ہو جائے گا اسم، کیونکہ فعل میں بھی دو فرعیتیں ہیں۔ تو جب ایک سبب دو کے قائم مقام ہے تو اسم میں تو ایک فرعیت آئی اس کی وجہ سے، اور ایک فرعیت کی وجہ سے اس کی مشابہت تو فعل کے ساتھ پوری نہیں ہے۔ تو جواب دیا کہ یہ جو علتیں ہیں، یہ دو علتیں جو دو سببوں کے قائم مقام ہیں، ان میں تکرار ہے بھئی۔ یہ جمع منتہی الجموع، یہ عموماً دوسرے نمبر پر آتی ہے، دوسرے درجے میں، جیسے کلب کی جمع آتی ہے أَكْلُبٌ اور پھر اس أَكْلُبٌ کی جمع

آتی ہے أَكَالِبُ بھئی۔ تو معلوم ہوا گویا دو مرتبہ جمع آگئی، جمع کا تکرار آگیا، تو یہ دو فرعیتوں کے قائم مقام ہو گئی۔

اسی طرح تانیث کے جو دو الف ہیں، الفِ مقصورہ اور ممدودہ، وہ بھی دو تانیث کے درجے میں ہیں۔ دو تانیث کے درجے میں کس طرح؟ ایک تو وہ الفِ تانیث والا، وہ ایک الفِ تانیث ہے ایک اس کی وجہ سے فرعیت آئی۔ دوسرا ان میں لزومِ تانیث ہوتا ہے، یعنی اس الف کو اس کلمے کے ساتھ ہی وضع کیا گیا ہے، یہ الف اس کلمے سے جدا ہوتا ہی نہیں۔ تو ایک تانیث ہے اور ایک لزومِ تانیث ہے، تانیث اس کلمے کے ساتھ لازم ہے۔ تو اس لزومِ تانیث کو ایک اور تانیث کے درجے میں اتار لیا گیا، تو گویا دو تانیثیں آگئیں، تو گویا تانیث کا تکرار آگیا۔ جب تانیث کا تکرار آیا، تو ایک تانیث کی وجہ سے فرعیت آتی تھی تو دو تانیثوں کی وجہ سے دو فرعیتیں آگئیں۔ جیسے جمع کے اندر دو جمعوں کی وجہ سے دو فرعیتیں آگئیں، تو اس کی مناسبت آگئی، مشابہت آگئی فعل کے ساتھ، اس لیے یہ لفظ کیا ہو جائے گا؟ کلمہ غیر منصرف ہو جائے گا۔

اور پھر آپ کو یہ بھی بتلایا تھا کہ بھئی ت کو دو سببوں کے قائم مقام کیوں نہیں کیا؟ تو بتلایا کہ یہ جو ت ہے یہ وضع کے اعتبار سے کلمے کے ساتھ لازم نہیں ہوتی، بلکہ یہ تو صرف مذکر مؤنث میں فرق کرنے کے لیے ساتھ ملائی جاتی ہے۔ وہی ضَارِبٌ ہے: مذکر کے لیے استعمال کرتے ہو تو اسی طرح رکھیں گے، اور مؤنث کے لیے استعمال کرو تو فرق کرنے کے لیے ساتھ کیا ملا دیں گے؟ تائے مربوطہ یعنی گول ت ساتھ ملا دیں گے۔ تو یہ جو تائے تانیث ہے یہ کلمے کے ساتھ لازم نہیں ہوتی، یہ صرف مذکر اور مؤنث میں فرق کرنے کے لیے لائی جاتی ہے۔ اور کبھی یہ ت بھی لازم ہو جاتی ہے جب اس لفظ کو کسی کا نام بنا دیا جائے۔ جیسے قَائِمَةٌ کے ساتھ تائے تانیث جڑی، لیکن یہ تو اس کے ساتھ لازم نہیں ہے، لیکن پھر اس کو کسی کا نام بنا دیا گیا۔ اور جب نام بنایا یعنی علم بنایا، تو علم میں تو کوئی تبدیلی نہیں ہو سکتی، لہٰذا اب یہ ت اس سے جدا نہیں ہو سکتی۔ تو کہتے ہیں بھئی یہاں بھی اگرچہ لزوم تو آگیا لیکن وہ جو وضعِ اوّل میں جیسے لزوم کے اندر قوت تھی وہ قوت یہاں پر نہیں۔ وہ جو کلمہ کو وضعِ اوّل میں الف کو جوڑا گیا تھا اس کلمے کے ساتھ، وہ لزوم بڑا قوی تھا اور یہ اس درجے کا قوی نہیں ہے، لہٰذا یہ اس کے درجے میں نہیں۔ یا یوں کہیں کہ اعتبار وضعِ اوّل کا ہے، وضعِ اوّل میں جو لازم ہو تانیث والی علامت اس کا اعتبار ہے، اور یہ جو علم بنایا گیا یہ تو وضعِ ثانی ہے۔ ایک لفظ ایک معنی کے لیے وضع تھا پہلے، پھر کسی کا نام رکھا گیا تو گویا یہ دوبارہ اس کے لیے وضع کر لیا گیا۔ تو وضعِ ثانی کا اعتبار نہیں ہے بلکہ کس کا اعتبار ہے؟ وضعِ اوّل کا۔ اور وضعِ اوّل کے اعتبار سے تو یہ ت لازم نہیں تھی، لہٰذا یہ دو سببوں کے قائم مقام نہیں ہو سکتی۔ بات سمجھ میں آگئی۔

اب آگے دیکھیے بھئی۔ کہتے ہیں: فَالْعَدْلُ مَصْدَرٌ مَبْنِيٌّ لِلْمَفْعُولِ أَيْ كَوْنُ الِاسْمِ مَعْدُولًا، خُرُوجُهُ أَيْ خُرُوجُ الِاسْمِ أَيْ كَوْنُهُ مُخْرَجًا عَنْ صِيغَتِهِ الْأَصْلِيَّةِ، أَيْ عَنْ صُورَتِهِ الَّتِي يَقْتَضِي الْأَصْلُ وَالْقَاعِدَةُ أَنْ يَكُونَ ذَلِكَ الِاسْمُ عَلَيْهَا.

پہلے متن متن دیکھ لیجیے بھئی۔ کہتے ہیں: فَالْعَدْلُ خُرُوجُهُ عَنْ صِيغَتِهِ الْأَصْلِيَّةِ۔ عدل جو ہے خُرُوجُهُ أَيْ خُرُوجُ الِاسْمِ،

اسم کا نکلنا عَنْ صِيغَتِهِ الْأَصْلِيَّةِ اپنے صیغہ اصلیہ سے۔ اسم کا اپنے صیغہ اصلیہ سے نکلنا یہ عدل کہلاتا ہے۔ اسم کا اپنے صیغہ اصلیہ سے نکلنا یہ عدل کہلاتا ہے۔ بھئی صیغہ اصلیہ کسے کہتے ہیں؟ بھئی صیغہ اصلیہ وہ ہے جس کا قانون اور ضابطہ تقاضا کر رہا ہو۔ قانون اور ضابطہ تقاضا کر رہا ہے کہ اس لفظ کو اس طرح ہونا چاہیے، لیکن اس کو پھیر کر ایک نئی شکل دے دی گئی، اس کو کیا کہتے ہیں؟ عدل۔ مثلاً جیسے عُمَرُ، عُمَرُ کی اصل ہے علمائے نحو فرماتے ہیں عَامِرٌ، اور عَامِرٌ دیکھو فَاعِلٌ صفت کا صیغہ ہے، اسمِ فاعل کا صیغہ ہے۔ تو مجرّد کے صیغوں سے اسمِ فاعل کس وزن پر آتا ہے؟ فَاعِلٌ وزن پر آتا ہے اور عَامِرٌ بھی اسی وزن پر ہے۔ لیکن اس کو پھیر کر ایک نیا وزن بنا لیا گیا، ایک نئی صورت دے دی گئی عُمَرُ۔ دیکھو نئی صورت دے دی گئی، تو لفظ کو پھیر دیا گیا کس سے؟ اپنے صیغہ اصلیہ سے۔ صیغہ اصلیہ کون سا؟ جس کا قانون اور ضابطہ تقاضا کر رہا تھا۔ قانون اور ضابطہ کیا تھا؟ کہ اسمِ فاعل جو ہے ثلاثی مجرّد سے فَاعِلٌ وزن پر آتا ہے اور عَامِرٌ بھی اسی فَاعِلٌ وزن پر تھا، قانون کے مطابق تھا، پھر اس کو پھیر کر ایک نئی صورت دے دی گئی۔ تو اس کو عدل کہتے ہیں کہ اسم کا اپنے صیغہ اصلیہ سے نکلنا، یعنی یوں کہو اسم کا اپنی قانونی شکل سے نکل کر ایک نئی شکل اختیار کر لینا یہ کیا ہے؟ عدل ہے۔

دیکھیے بھئی، کہتے ہیں: فَالْعَدْلُ مَصْدَرٌ مَبْنِيٌّ لِلْمَفْعُولِ أَيْ كَوْنُ الِاسْمِ مَعْدُولًا۔ فَالْعَدْلُ، عدل جو ہے مَصْدَرٌ بتلا دیا کہ عَدْلٌ یہ مصدر ہے بھئی۔ کون سا صیغہ ہے؟ مصدر ہے۔ اور مَصْدَرٌ مَبْنِيٌّ لِلْمَفْعُولِ، مصدر مبنی للمفعول ہے۔ کیا معنی میں بتلا چکا ہوں آپ کو؟ مبنی للمفعول ہونے کا کیا معنی؟ یعنی یہ مصدرِ مجہول ہے۔ مصدرِ مجہول ہے۔ بھئی دیکھو جیسے فعلِ معروف کے لیے فاعل چاہیے اور فعلِ مجہول کے لیے نائب فاعل چاہیے۔ فعل کبھی معروف ہوتا ہے اور کبھی مجہول۔ اسی طرح یہ جو مصدر ہے یہ بھی کبھی مصدرِ معروف ہوتا ہے اور کبھی مجہول ہوتا ہے۔ جیسے دیکھو ضَرْبٌ، ضَرْبٌ کا معنی پٹائی کرنا بھی، اور اس کا معنی پٹائی کیے جانا بھی، یعنی پٹائی ہونا بھی۔ ضَرْبٌ کا معنی پٹائی کرنا بھی اور ضَرْبٌ کا معنی پٹائی ہونا بھی۔ یوں یاد رکھو کہ جیسے فعل معروف اور مجہول ہوتا ہے، اسی طرح مصدر بھی معروف اور مجہول ہوتا ہے۔ جیسے ضَرْبٌ کا معنی پٹائی کرنا بھی اور ضَرْبٌ کا معنی پٹائی ہونا بھی، پٹائی ہونا بھی یعنی پٹائی کیے جانا بھی۔ اور اسی طرح شُرْبٌ، شُرْبٌ کا معنی پینا بھی اور شُرْبٌ کا معنی پیا جانا بھی۔ اور أَكْلٌ، أَكْلٌ کا معنی کھانا بھی اور أَكْلٌ کا معنی کھانے کو کھایا جانا بھی بھئی۔ تو اردو میں تو دیکھو مختلف ہے: پینا الگ، پیا جانا الگ۔ پٹائی کرنا الگ، اور پٹائی کیے جانا الگ۔ لیکن عربی میں وہی مصدر معروف کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے اور وہی مصدر مجہول کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے۔

چنانچہ آپ گردانوں میں پڑھتے ہیں: ضَرَبَ يَضْرِبُ ضَرْبًا فَهُوَ ضَارِبٌ۔ دیکھو یہ صرفِ صغیر ہے، اور صرفِ صغیر میں صرف، صرفِ کبیر کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے۔ ضَرَبَ صرف ایک صیغہ لائے، باقی پوری گردان آپ خود پڑھ لیجیے گا ماضی کی چودہ صیغے ہیں بھئی، ہم نے اشارہ کر دیا ضَرَبَ اس طرح گردان شروع ہوگی ماضی معروف کی۔ يَضْرِبُ مضارع کے چودہ صیغے ہیں مضارع معروف کے لیکن صرف ایک صیغہ يَضْرِبُ لے آئے، پوری گردان کی طرف اشارہ کر دیا کہ پہلا صیغہ يَضْرِبُ

ہے، باقی گردان آپ اسی وزن پر خود بنا لیں، خود پڑھ لیں۔ پھر ضَرَبَ یَضْرِبُ ضَرْبًا یہ مصدر لایا گیا۔ پھر اس کے بعد فَهُوَ ضَارِبٌ، اسمِ فاعل کا وزن بھی بتلا دیا کہ باقی گردان آپ خود پڑھ لیں۔ اس کے بعد وَضُرِبَ فعلِ مجہول لے آئے۔ فعلِ مجہول کے چودہ صیغے ہیں لیکن ایک ہی صیغہ لے آئے کہ اشارہ کر دیا کہ ضُرِبَ اس طرح ہوگی فعلِ مجہول کی گردان ضُرِبَ، اور باقی گردان آپ خود پڑھ لیجیے۔ پھر یُضْرَبُ فعلِ مجہول مضارع لے آئے، اس میں بھی پوری گردان کی طرف اشارہ کر دیا۔ اور آگے پھر ضَرْبًا آیا، پھر ضَرْبًا آیا۔

تو اشکال ہوتا ہے کہ یہ تو صرفِ صغیر ہے، اس میں تو ایک ایک صیغہ لا کر پوری گردان کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے، تو پھر ضَرْبًا مصدر ایک دفعہ آگیا تھا تو دوبارہ اس کو کیوں ذکر کیا گیا؟ ایک لفظ کو بیکار لے آئے یہاں؟ تو جواب یہ کہ نہیں بھئی، بزرگوں کا، علماء کا کوئی ایک کام بھی بیکار نہیں، اس میں کوئی نہ کوئی بڑی گہری بات یا گہرا نکتہ ہوتا ہے، وہ الگ بات ہے آپ کا ذہن اس تک پہنچے یا نہ پہنچے۔ تو یہ جو دوسرا ضَرْبًا لائے اس میں اشارہ اس بات کی طرف ہے کہ یہ مصدرِ مجہول ہے۔ وہ مصدر جو پہلے گزرا تھا وہ معروف تھا کیونکہ وہ فعلِ معروف کے بعد آیا تھا ضَرَبَ یَضْرِبُ ضَرْبًا۔ اور یہ ضُرِبَ یُضْرَبُ ضَرْبًا، یہ ضَرْبًا جو ہے فعلِ مجہول کے بعد آیا ہے، یہ مصدرِ مجہول ہے۔ اور دیکھو ضَرَبَ یَضْرِبُ ضَرْبًا اس ضَرْبًا کو منصوب پڑھا کیونکہ یہ مفعولِ مطلق ہے۔ مفعولِ مطلق کسے کہتے ہیں؟ وہ مصدر جو ماقبل فعل کے معنی میں ہو۔ تو یہاں بھی ضَرْبًا سے پہلے یَضْرِبُ کا فعل تھا اس لیے اس پر نصب پڑھا بھئی۔ تو دیکھا ایک ضَرْبًا ہے وہ مصدرِ معروف ہے اور دوسرا مصدر جو ہے ضَرْبًا وہ مصدرِ مجہول ہے۔ اور نیز یہ نکتہ بتلا دیا کہ عربی میں مصدرِ معروف اور مجہول ایک ہی وزن ہے دونوں کا۔ وہی ضَرْبًا معروف مصدر کے طور پر بھی استعمال ہوتا ہے اور وہی ضَرْبًا مجہول مصدر کے طور پر بھی استعمال ہوتا ہے۔ اب وہ موقع کے مطابق آپ خود غور کریں گے کہ کہاں پر مصدر کون سے معنی میں استعمال ہو رہا ہے۔

پھر میں نے آپ کو ایک اور بات بھی بتلائی تھی کہ یہ جو مصدر ہے، مصدر ہے کبھی یہ اسمِ فاعل کے معنی میں بھی آجاتا ہے اور کبھی اسمِ مفعول کے معنی میں بھی۔ جیسے میں کہتا ہوں زَیْدٌ عَدْلٌ، تو یہ عَدْلٌ مصدر ہے اور یہ کس معنی میں ہے؟ عَادِلٌ یعنی اسمِ فاعل کے معنی میں ہے۔ تو اسی طرح مصدر کبھی اسمِ فاعل کے معنی میں استعمال ہوتا ہے اور کبھی اسمِ مفعول کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ تو کبھی کبھی عبارت میں اس طرح آجاتا ہے جیسے یہاں آیا: فَالْعَدْلُ مَصْدَرٌ مَبْنِيٌّ لِلْمَفْعُولِ، یہ مصدر بنی للمفعول ہے، بنی للمفعول۔ اب طلباء سے پوچھیں بھئی اس کا کیا معنی؟ وہ اس کا ترجمہ کرتے ہیں کہ معلوم ہوا یہ مصدر جو ہے

ہے، اسمِ مفعول کے معنی میں ہے، مَبْنِيٌّ لِلْمَفْعُولِ یہ مصدر کس معنی میں ہے؟ اسمِ مفعول کے معنی میں، یعنی عَدْلٌ بمعنی مَعْدُولٍ کے ہے۔ حالانکہ یہ بات درست نہیں ہے بھئی۔ یہاں صرف اتنا بتایا جا رہا ہے کہ یہ مصدر بنی للمفعول ہے۔ بھئی دیکھو یہ جو فعلِ معروف ہوتا ہے نا، اس کو بنایا گیا ہے، بَنَى یَبْنِي کا معنی بنانا، اس کو بنایا گیا ہے کہ فاعل کی طرف اس

کی نسبت کی جائے گی۔ اس کا اسناد کس کی طرف کیا جائے گا؟ فاعل کی طرف۔ تو یہ جو فعلِ معروف ہوتا ہے اس کو کہتے ہیں مَبْنِيٌّ لِلْفَاعِلِ، کہ اس کو فاعل کے لیے بنایا گیا ہے۔ کبھی کسی جگہ کتاب میں عبارت آتی ہے، تو مصنف کو خیال ہوتا ہے کہ میں نے تو ضَرَبَ لکھا ہے، کوئی اس کو ضُرِبَ نہ پڑھ جائے۔ کوئی ضُرِبَ نہ پڑھ جائے، تو وہ آگے لکھ دیتا ہے: مَبْنِيٌّ لِلْفَاعِلِ، کہ یہ جو ضَرَبَ ہے یہ مبنی للفاعل ہے، یعنی اس کو فاعل کے لیے بنایا گیا ہے، یعنی یہ فعلِ معروف ہے۔ یہ فعلِ معروف ہے اس کو مجہول نہ پڑھنا۔ تو فعل کے آگے وہ لکھ دیتے ہیں۔ تو فعل جو ہے کبھی اس کو فاعل کے لیے بنایا جاتا ہے جب وہ معروف ہو، اور فعلِ مجہول کا اسناد کس کی طرف کیا جاتا ہے؟ نائب الفاعل یعنی مفعول کی طرف، تو اس کے بارے میں کہتے ہیں کہ یہ فعل جو ہے مَبْنِيٌّ لِلْمَفْعُولِ، اس کو بنایا گیا ہے کس کے لیے؟ مفعول کے لیے، یعنی مفعول کی طرف اس کی نسبت کی جاتی ہے۔

تو جب کتاب کے اندر یہ آجائے مَصْدَرٌ مَبْنِيٌّ لِلْمَفْعُولِ تو اس کا صرف اتنا معنی ہے کہ یہ مصدرِ مجہول ہے۔ یہ مصدرِ مجہول ہے۔ اور کبھی آئے گا مَصْدَرٌ مَبْنِيٌّ لِلْفَاعِلِ، اس کا صرف یہ معنی ہے کہ یہ مصدر معروف ہے، مبنی للفاعل ہے یعنی مصدرِ معروف ہے۔ باقی کہ یہ اسمِ فاعل یا اسمِ مفعول کے معنی میں ہے، یہ یہاں بیان نہیں ہو رہا۔ صرف اتنا بتایا گیا یہ مصدر معروف ہے یا مجہول ہے۔ ہاں، وہ الگ بات ہے، مصدر کبھی اسمِ فاعل اسمِ مفعول کے معنی میں بھی آتا ہے، لیکن اسمِ فاعل کے معنی میں وہ مصدر آئے گا جو مبنی للفاعل ہوگا، یعنی مصدرِ معروف۔ توجہ ہے؟ تو مصدر کا مبنی للفاعل ہونا، اس میں صرف کیا بیان ہوا؟ کہ یہ مصدرِ معروف ہے۔ پھر آگے یہ اسمِ فاعل کے معنی میں ہے یا نہیں وہ الگ بات ہے، وہ یہاں پر ذکر نہیں۔ لیکن اگر کسی مصدر کے بارے میں یہ کہہ دیا جائے: یہ مصدر اسمِ فاعل کے معنی میں ہے، جیسے عَدْلٌ بمعنی عَادِلٍ کے ہے، تو آپ سمجھ جائیں کہ یہ جو عَدْلٌ ہے یہ مصدرِ معروف ہے۔

ماتن نے تو کتاب والا تو صرف کیا بتائے گا آپ کو؟ کہ عَدْلٌ کس معنی میں ہے؟ عَادِلٌ کے معنی میں۔ تو دو باتیں سمجھ جانا اس سے: ایک تو یہ کہ اسمِ فاعل کے معنی میں ہے، یہ بات تو لفظوں سے سمجھ میں آرہی ہے۔ ساتھ ایک اور بات بھی سمجھ جانا کہ یہ مصدر مبنی للفاعل ہے یعنی معروف ہے، کیونکہ اسمِ فاعل کے معنی میں مصدرِ معروف ہوتا ہے، مصدرِ مجہول نہیں۔ اور جب کہہ دیا جائے کہ یہ مصدر اسمِ مفعول کے معنی میں ہے، کس معنی میں؟ تو ساتھ ہی ایک اور بات بھی سمجھ جانا، کیا؟ کہ یہ مصدرِ مجہول ہے، کیونکہ مصدرِ مجہول جو ہے وہ اسمِ مفعول کے معنی میں ہوتا ہے، وہ اسمِ فاعل کے معنی میں نہیں۔ بات سمجھ میں آگئی۔ ایک ہے مصدر کا معروف و مجہول ہونا، ایک ہے مصدر کا اسمِ فاعل یا اسمِ مفعول کے معنی میں ہونا۔ تو یہ الگ چیز ہے کہ اسمِ فاعل یا اسمِ مفعول کے معنی میں ہے۔ تو جب کہا جائے مصدر مبنی للفاعل ہے، صرف کیا پتا چلا؟ کہ یہ مصدر معروف ہے۔ اور جب کہا جائے مصدر مبنی للمفعول ہے تو صرف کیا پتا چلا؟ یہ مصدر مجہول

ہے، بس اتنا پتا چلا۔ آگے یہ اسمِ فاعل یا اسمِ مفعول کے معنی میں ہے یا نہیں وہ یہاں پر ذکر نہیں ہے۔ لیکن جب آپ کو یہ کہا جائے کہ یہ مصدر اسمِ فاعل کے معنی میں ہے، تو پھر آپ کو دو باتوں کا پتا چل گیا، کیا؟ ایک تو یہ کہ اسمِ فاعل کے معنی میں ہے، دوسرا یہ بھی پتا چل گیا کہ یہ مصدر مبنی للفاعل ہے کیونکہ جو مصدر معروف ہوتا ہے وہی اسمِ فاعل کے معنی میں ہوتا ہے، اور مصدرِ مجہول جو ہے وہ اسمِ مفعول کے معنی میں ہوتا ہے۔

تو یہاں صرف کیا بتایا گیا؟ مَصْدَرٌ مَبْنِيٌّ لِلْمَفْعُولِ، کہ مصدر مبنی للمفعول ہے۔ أَيْ كَوْنُ الِاسْمِ مَعْدُولًا، یعنی اسم کا معدول ہونا۔ اسم کا معدول ہونا۔ یہ صاحبِ جامی فرما رہے ہیں۔ عَدْلٌ کے آگے انہوں نے ذکر کیا مَصْدَرٌ مَبْنِيٌّ لِلْمَفْعُولِ، ایک تو یہ بتا دیا کہ یہ مصدرِ مجہول ہے، اور پھر یہ عَدْلٌ کس معنی میں ہے؟ دیکھو عَدْلٌ کا معنی ہے پھیرنا، اور مصدرِ مجہول کیا ہوگا؟ پھیرا جانا۔ توجہ ہے؟ تو معلوم ہوا یہ پھیرنے کے معنی میں نہیں ہے بلکہ پھیرے جانے کے معنی میں ہے، پھیرا جانا۔ اور مراد کیا ہے؟ كَوْنُ الِاسْمِ مَعْدُولًا، اسم کا معدول ہونا۔ اسم کا معدول ہونا۔ دراصل یہاں اشکال ہوتا ہے، توجہ سے بھئی!

اشکال یہ کہ عدل کی تعریف خُرُوجُهُ کے ساتھ کی جا رہی ہے۔ عدل کی تعریف کس سے کی جا رہی ہے؟ خُرُوجُهُ سے کی جا رہی ہے۔ اور عدل ہے فعلِ متعدی۔ عدل کا معنی ہے پھیرنا۔ تو کلمے کو ایک صورت سے دوسری صورت کی طرف پھیرنا، یہ کس کا کام ہے؟ متکلم کا۔ توجہ ہے؟ متکلم ایک لفظ کو ایک صورت سے کس کی طرف پھیر دے گا؟ دوسری صورت کی طرف۔ تو معلوم ہوا یہ عدل متکلم کی صفت ہے۔ عدل متکلم کی صفت ہے، جیسے میں کہتا ہوں ضَرَبَ زَيْدٌ عَمْرًا، کس نے پٹائی کی عمرو کی؟ زید نے، معلوم ہوا یہ ضرب کس کی صفت ہے؟ زید کی صفت ہے، پٹائی اس نے کی ہے۔ تو یہاں بھی عدل کا معنی پھیرنا، اور پھیرنے والا کون ہوتا ہے؟ متکلم جو کلام کر رہا ہے، جو عربی زبان پر تکلم کر رہا ہے، عدل اس کی صفت ہے۔ اور خُرُوجُهُ اسم کا نکلنا، یہ تو کلمہ کی صفت ہے۔ کلمہ کیا ہوگا، اسم کیا ہوگا؟ اپنے صیغہ اصلیہ سے نکلے گا۔ توجہ ہے؟ تو عدل صفت ہوئی کس کی؟ متکلم کی۔ اور خُرُوجُهُ صفت ہوئی کس کی؟ کلمہ کی، اسم کی، وہ اسم کی صفت ہوئی۔ تو لہٰذا دونوں میں تو مطابقت ہی نہیں ہے۔ عدل سے پتا چلا یہ صفت کس کی؟ متکلم کی۔ آگے جب تعریف شروع کی پتا کیا چلا یہ صفت کس کی؟ کلمہ کی صفت بیان ہو رہی ہے۔ تو معرّف سے کیا پتا چلا؟ معرّف کون ہے جس کی تعریف کی جا رہی ہے عدل کی، اور تعریف کیا ہے خُرُوجُهُ کے ساتھ، معرّف سے کیا پتا چلا یہ صفت کس کی ہے؟ متکلم کی۔ اور تعریف سے کیا پتا چلا یہ صفت کس کی ہے؟ کلمہ کی۔ دونوں میں مطابقت ہی نہیں ہے بھئی۔ اشکال سمجھ میں آیا؟

دوسرا اشکال یہ ہوتا ہے کہ عدل یہ ہے فعلِ متعدی۔ پھیرنا، دیکھو کسی کلمے کو پھیرے گا۔ کوئی متکلم کیا کرے گا؟ کلمے کو پھیرے گا۔ ضَرَبَ زَيْدٌ عَمْرًا، ضَرَبَ کیا ہے؟ فعلِ متعدی، زید نے پٹائی کی، معلوم ہوا کوئی نہ کوئی مضروب ہے۔ تو یہاں بھی متکلم نے پھیرا ہے، معلوم ہوا کوئی کلمہ ہے جس کو اس نے پھیرا ہے۔ تو عدل فعلِ متعدی، اور خروج کا معنی ہے نکلنا، یہ

تو ہے فعلِ لازم۔ خروج کا کیا معنی؟ نکلنا۔ خَرَجَ زَيْدٌ، زید نکلا۔ مجھے بتائیے کوئی مفعول کی ضرورت ہے؟ نہیں۔ لیکن عَدَلَ زَيْدٌ، زید نے پھیرا، کوئی معدول چاہیے یا نہیں چاہیے؟ جیسے ضَرَبَ زَيْدٌ، زید نے پٹائی کی، کوئی مضروب چاہیے یا نہیں چاہیے؟ مضروب چاہیے۔ تو عدل فعلِ متعدی ہے اور خروج فعلِ لازم ہے، تو فعلِ متعدی کی تعریف کرنا فعلِ لازم کے ساتھ یہ صحیح نہیں۔ تو دو اشکال ہو گئے۔ پہلا اشکال کیا؟ کہ عدل صفت کس کی؟ متکلم کی، اور آگے جو تفسیر آپ نے بیان کی اس کی خُرُوجُهُ کے ساتھ، وہ تو صفت کس کی ہے؟ کلمہ کی ہے، تو دونوں میں مطابقت ہی نہیں ہے۔ آپ عدل کی تعریف خروج کے ساتھ نہیں کر سکتے۔ دوسرا اشکال یہ ہوا کہ عدل ہے فعلِ متعدی اور خروج کیا ہے؟ فعلِ لازم ہے، آپ فعلِ متعدی کی تفسیر فعلِ لازم کے ساتھ نہیں کر سکتے۔

تو بتلا دیا مصنف نے کہ یہ جو عدل ہے یہاں مصدر بنی للمفعول ہے بھئی، مصدر بنی للمفعول ہے۔ أَيْ كَوْنُ الِاسْمِ مَعْدُولًا یعنی اسم کا معدول ہونا۔ اسم کا معدول ہونا۔ جی، یہ کس کی صفت ہے؟ اسم کا معدول ہونا یہ اسم کی صفت ہے۔ خُرُوجُهُ بھی کس کی صفت تھی؟ اسم کی۔ اور معدول ہونا یہ بھی کس کی صفت ہے؟ اسم کی صفت ہے، اسم معدول ہوگا یا معدول نہیں ہوگا۔ جواب سمجھ میں آیا؟ کہ یہاں پر عدل کیا ہے؟ مصدر بنی للمفعول ہے اور یہ کس معنی میں ہے؟ اسم کا معدول ہونا۔ تو دیکھو یہ تو معدول ہونا تو اسم کی صفت ہے بھئی، اور خُرُوجُهُ یہ بھی کس کی صفت ہے؟ اسم کی صفت، تو دونوں میں اب تعارض نہ رہا بھئی، اشکال ختم ہوا۔ دوسرا اشکال کیا تھا؟ کہ عدل فعلِ متعدی ہے اور یہ خروج کیا ہے؟ فعلِ لازم ہے۔ تو جواب دیا: أَيْ كَوْنُ الِاسْمِ مَعْدُولًا، اسم کا معدول ہونا، دیکھو فعلِ لازم جیسا ترجمہ کر دیا اس کا۔ اسم کا معدول ہونا۔ اسم کا معدول ہونا۔ جیسے خُرُوجُهُ کا کیا معنی تھا؟ اسم کا نکلنا، اور اس کا کیا معنی ہے؟ اسم کا معدول ہونا، تو اس کا ترجمہ کس طریقے پر کر دیا؟ فعلِ لازم کے طریقے پر کر دیا کہ اس کا معنی یہاں ہے اسم کا معدول ہونا۔ دونوں اشکال ختم ہوئے، بات سمجھ میں آ گئی۔

تو کہتے ہیں فَالْعَدْلُ مَصْدَرٌ مَبْنِيٌّ لِلْمَفْعُولِ، عدل جو ہے یہ مصدر بنی للمفعول ہے، یعنی ایسا مصدر ہے مَبْنِيٌّ لِلْمَفْعُولِ جس کو مفعول کے لیے بنایا گیا ہے، یعنی مصدرِ مجہول ہے۔ أَيْ كَوْنُ الِاسْمِ مَعْدُولًا، یعنی اسم کا معدول ہونا۔ خُرُوجُهُ أَيْ خُرُوجُ الِاسْمِ، ضمیر کا مرجع بتلا دیا خُرُوجُهُ أَيْ خُرُوجُ الِاسْمِ۔ کیسے پڑھیں گے؟ طلباء پڑھتے ہیں خُرُوجُ الْاِسْمِ، نہیں بھئی خُرُوجُ الِاسْمِ، لام کے نیچے زیر پڑھیں۔ أَيْ خُرُوجُ الِاسْمِ یعنی اسم کا نکلنا۔ بھئی اسم کا نکلنا کیا معنی؟ أَيْ كَوْنُهُ مُخْرَجًا، یعنی اسم کا مخرج ہونا، نکالا ہوا ہونا۔ جیسے کیا تھا پیچھے كَوْنُ الِاسْمِ مَعْدُولًا، اسم کا معدول ہونا، یہاں بھی خروجِ اسم سے کیا مراد ہے؟ کیا حاصلِ معنی کیا ہے؟ اسم کا مخرج ہونا۔ وجہ یہ، بھئی دیکھو یہ جو عدل ہے اس میں اخراج کا اعتبار ضروری ہے، اسم کو ایک صورت سے نکال کر دوسری صورت دینا، تو دیکھو اخراج ضروری ہے، ایک صورت سے صیغہ اصلیہ سے اخراج ہونا چاہیے

نئی صورت کی طرف۔ تو عدل کی بنیاد ساری کس پر ہے؟ اس اخراج پر ہے، ایک صورت سے نکال کر دوسری صورت دی ہے تو عدل ہے، اگر نہیں دی تو پھر عدل کہاں سے بھئی؟ تو عدل کی بنیاد کس پر ہے؟ اخراج پر ہے، اخراج ہوگا تو عدل ہے اخراج نہیں تو عدل بھی نہیں، تو اسی لیے خُرُوجُهُ کا حاصلِ معنی بیان کر دیا: اسم کا نکلنا مراد یہ ہے اسم کا مخرج ہونا، یعنی نکالا ہوا ہونا، اسم کا نکالا ہوا ہونا۔ تو یہ حاصلِ معنی بیان کر دیا۔

عَنْ صِيغَتِهِ الْأَصْلِيَّةِ، عَنْ صِيغَتِهِ کی ہا ضمیر اسم کو راجع ہے، اس اسم کے صیغہ اصلیہ سے۔ اسم کا نکالا ہوا ہونا، اسم کا مخرج ہونا کس سے؟ اپنے صیغہ اصلیہ سے، اپنے صیغہ اصلیہ سے۔ تو دیکھو یہاں پر صِيغَتِهِ کی ہا ضمیر کس کو راجع؟ اسم کو راجع ہے، توجہ ہے؟ اصلی صیغہ سے نکالنا، اور اصلی صیغہ سے کیا مراد ہے میں نے بتلایا تھا، جس کا قانون اور ضابطہ تقاضا کر رہا ہو۔ جیسے عَامِرٌ سے کیا بنا؟ عُمَرُ۔ قانون اور ضابطہ کیا تقاضا کر رہا تھا؟ کہ عَامِرٌ وزن ہونا چاہیے۔ تو قانون جس کا تقاضا کر رہا تھا وہ ہے صیغہ اصلیہ، اس سے نکال لینا، ایک نئی صورت دینا، یہ کیا ہے؟ عدل ہے۔

أَيْ عَنْ صُورَتِهِ الَّتِي، یہاں سے بتلانا یہ چاہتے ہیں کہ بھئی صیغہ، یاد رکھیے صیغہ صورت اور مادے دونوں کا نام ہوتا ہے۔ صیغہ صورت اور مادے دونوں کا نام ہوتا ہے۔ ضَارِبٌ کون سا صیغہ ہے؟ اسمِ فاعل، اس میں مادہ بھی ہے اور صورت بھی ہے، پھر کہیں گے یہ اسمِ فاعل ہے۔ مَضْرُوبٌ کون سا صیغہ ہے؟ اسمِ مفعول ہے، اس میں مادہ بھی ملحوظ ہے اور صورت بھی ملحوظ ہے بھئی۔ لیکن یہاں پر صیغہ سے مراد صرف صورت ہے بھئی۔ أَيْ عَنْ صُورَتِهِ، دیکھو صورت کے ساتھ ترجمہ کیا۔ یعنی ایک اسم کو نکالا جائے اس کے صیغہ اصلیہ سے دوسرے صیغے کی طرف، معلوم ہوا مادہ وہی رہے گا، صرف کیا بدلے گی؟ صورت بدلے گی، مادہ نہیں بدلے گا۔ توجہ ہے؟ مادہ نہیں بدلے گا، دیکھو عَامِرٌ سے کیا بنایا؟ عُمَرُ بنایا، مادہ وہی ہے ع م ر، تو مادہ نہیں بدلے گا۔ تو یہاں صیغہ اصلیہ سے نکالنے کا کیا معنی ہے؟ اس صورت سے نکال کر نئی صورت دے دینا، مادہ کے اندر کوئی تبدیلی نہیں ہوگی۔

أَيْ عَنْ صُورَتِهِ الَّتِي يَقْتَضِي الْأَصْلُ وَالْقَاعِدَةُ أَنْ يَكُونَ ذَلِكَ الِاسْمُ عَلَيْهَا، یعنی وہ صورت جس کا تقاضا اصل اور ضابطہ کر رہا ہو کہ أَنْ يَكُونَ ذَلِكَ الِاسْمُ عَلَيْهَا کہ اس اسم کو اس صورت پر ہونا چاہیے۔ یعنی وہ صورت کہ جس کا تقاضا اصل اور ضابطہ کر رہا ہے کہ اسم کو اس صورت پر ہونا چاہیے، تو اس صورت سے نکال دینا جس کا تقاضا ضابطہ کر رہا تھا۔ یہ ہے خُرُوجُ الِاسْمِ عَنْ صِيغَتِهِ الْأَصْلِيَّةِ۔ ترجمہ سمجھ میں آگیا؟ پھر ترجمہ دیکھ لیں: أَيْ عَنْ صُورَتِهِ الَّتِي يَقْتَضِي الْأَصْلُ وَالْقَاعِدَةُ أَنْ يَكُونَ ذَلِكَ الِاسْمُ عَلَيْهَا، یعنی وہ صورت جس کا تقاضا ضابطہ اور قاعدہ کر رہا ہو کہ اسم کو اس پر ہونا چاہیے، اس صورت سے اس کو نکالنا۔

وَلَا يَخْفَى، یہاں سے تین چار اشکالات کے جواب دیں گے بھئی۔ آپ یہیں پر پوری بات سمجھ لیجیے دیکھیے: اسم کو نکالنا صیغہ اصلیہ سے، اشکال ہوتا ہے: آپ کی تعریف تو مشتقات کو بھی شامل ہو گئی۔ ضَارِبٌ کس سے بنا ہے؟ ضَرْبٌ سے،

مَضْرُوبٌ بھی کس سے بنا ہے؟ ضَرْبٌ سے۔ تو دیکھا یہاں ضَارِبٌ کو بھی اس کے صیغہ اصلیہ سے نکال کر ایک نئی صورت دے دی گئی، مَضْرُوبٌ کو بھی اس کے صیغہ اصلیہ سے نکال کر ایک نئی صورت دے دی گئی، تو لہٰذا ان میں بھی عدل کو ماننا چاہیے۔ ان میں بھی کیا آگیا؟ عدل۔ جب ان میں ضَارِبٌ اور مَضْرُوبٌ میں عدل آگیا، تو یہ تو صفت کے صیغے ہیں، تو صفت بھی آگئی، عدل بھی آگیا، دو سبب آگئے، لہٰذا ان کو غیر منصرف پڑھنا چاہیے، حالانکہ ان کو کوئی بھی غیر منصرف نہیں کہتا۔ اشکال سمجھ میں آیا؟

تو جواب دیا، کہتے ہیں دیکھو عَنْ صِيغَتِهِ الْأَصْلِيَّةِ، اس میں صیغہ کی اضافت ہا ضمیر کی طرف ہے اور یہ ہا ضمیر اسم کو راجع ہے۔ اسم کو اپنے صیغے سے نکالنا، اسم کا اپنے صیغے سے نکلنا۔ اور مجھے بتائیے ضَرْبٌ کون سا صیغہ ہے؟ مصدر ہے۔ ضَارِبٌ کون سا صیغہ ہے؟ اسمِ فاعل۔ تو کیا ضَارِبٌ اور ضَرْبٌ کا ایک معنی ہے؟ جی؟ ایک معنی نہیں۔ میں نے آپ سے پوچھا ضَرْبٌ کون سا صیغہ، آپ نے کیا کہا؟ مصدر۔ میں نے کہا ضَارِبٌ کون سا صیغہ، آپ نے کیا کہا؟ اسمِ فاعل ہے۔ جب ضَارِبٌ اسمِ فاعل ہے، معلوم ہوا ضَرْبٌ اس کا اپنا صیغہ نہیں ہے، وہ تو اور صیغہ ہے۔ بات سمجھ میں آرہی ہے؟ کیا ضَارِبٌ کا اپنا صیغہ ہے ضَرْبٌ؟ کیا وہ بھی اسمِ فاعل ہے؟ نہیں۔ اسی طرح میں نے پوچھا ضَرْبٌ کون سا صیغہ، آپ نے کیا کہا؟ مصدر۔ اور میں نے کہا مَضْرُوبٌ کون سا صیغہ، آپ نے کیا کہا؟ اسمِ مفعول۔ تو کیا یہ جو ضَرْبٌ ہے یہ مَضْرُوبٌ کا اپنا صیغہ ہے، وہ بھی اسمِ مفعول کا صیغہ ہے کوئی؟ نہیں۔ تو یاد رکھو عدل میں معنی نہیں بدلتا، عدل میں صرف صورت بدلتی ہے، توجہ ہے؟ صورت بدلتی ہے۔ تو لہٰذا ضَرْبٌ کا معنی اور وہ مصدر ہے، ضَارِبٌ کا معنی اور دیکھو معنی باقاعدہ بدل رہا ہے، حالانکہ عدل میں معنی نہیں بدلتا بھئی۔ تو جب صِيغَتِهِ کہہ دیا، اسم کا نکلنا اپنے صیغے سے، تو ضَارِبٌ یہ تو اپنے صیغے سے نہیں نکلا، یہ تو مصدر سے نکلا ہے بھئی، لہٰذا اس کو عدل نہیں کہیں گے۔ بات سمجھ میں آگئی۔

دوسرا اشکال یہ ہوتا ہے، دوسرا اشکال کہ بھئی کچھ اسم ایسے ہیں جن میں کبھی کوئی ایک حرف حذف کر لیا جاتا ہے۔ جیسے کچھ اسم ایسے ہیں جن کا آخری حرف حذف کر لیا گیا، جیسے یَدٌ اصل میں کیا تھا؟ یَدَوٌ، اور دَمٌ اصل میں کیا تھا؟ دَمَوٌ تھا۔ تو یہ تو مَحْذُوفَةُ الْأَعْجَازِ ہیں۔ میں نے بتایا تھا أَعْجَاز جمع ہے عَجُز کی، اور عَجُز کہتے ہیں پچھلے دھڑ کو۔ آپ گائے بیل بکری وغیرہ خریدنے جاتے ہیں تو اس کے پچھلے دھڑ کو دیکھتے ہیں: اگر وہ گوشت سے پر ہے تو اس کا مطلب ہے یہ حیوان خوب موٹا تازہ ہے، اور اگر پچھلا دھڑ ہڈیاں نکلی ہوئی ہوں تو اس سے اندازہ لگایا جاتا ہے کہ یہ حیوان بڑا کمزور ہے بھئی۔ تو یہ یہاں پر بھی کلمے کے اندر بھی جو آخری حصہ ہے وہ بھی عَجُز کی طرح ہے۔ تو دیکھو یَدَوٌ سے آخر میں و حذف ہوا، یہ اس کا عَجُز ہے، اور دَمَوٌ سے و حذف ہوا، یہ اس کا عَجُز یعنی آخری دھڑ ہے۔ تو کبھی کبھار کلمے کے آخر سے کوئی حرف حذف کر لیا جاتا ہے، کبھی درمیان سے حذف کرتے ہیں، جیسے مَقُولٌ اسمِ مفعول کا صیغہ ہے، یہ اصل میں کیا تھا؟ مَقْوُولٌ، توجہ

ہے؟ مَقُولٌ اصل میں کیا تھا؟ مَقْوُولٌ، تو اس کے درمیان سے ایک حرف کو حذف کر لیا گیا۔ اور اسی طرح کبھی شروع سے ایک حرف حذف کر لیا جاتا ہے، جیسے عِدَۃٌ اصل میں کیا تھا؟ وَعْدٌ تھا، پھر و کو حذف کر کے آخر میں کیا لے آئے؟ گول ت لے آئے بھئی، تو عِدَۃٌ ہوا۔ تو یہ جن سے کیا کیا جاتا ہے؟ ایک آدھ حرف کو حذف کر لیا جاتا ہے، تو ان کو بھی دیکھو اصل صورت سے نکال لیا گیا، کیا کیا گیا؟ یَدٌ کو اصل صورت یَدَوٌ سے نکال لیا گیا، ایک نئی صورت دے دی گئی، تو ان میں بھی کیا کہنا چاہیے؟ عدل کہنا چاہیے ان کو، کہ ان میں عدل ہوا ہے۔ مَقُولٌ میں بھی کیا کہنا چاہیے؟ عدل ہوا ہے۔ عِدَۃٌ میں بھی کیا کہنا چاہیے؟ عدل ہوا ہے۔ لیکن کوئی بھی اس بات کا قائل نہیں ہے بھئی کہ ان میں عدل ہے۔ تو اس کا جواب دے رہے ہیں کہ بھئی مراد اس سے یہ ہے کہ صرف صورت میں تبدیلی آئے، مادے میں تبدیلی نہ آئے۔ یَدَوٌ اور دَمَوٌ میں تو مادے کے اندر تبدیلی آگئی، مادہ ہی حذف کر دیا گیا، مادہ برقرار رہنا چاہیے۔ عدل میں مادہ برقرار رہنا چاہیے، لہٰذا یَدٌ اور دَمٌ کا اعتراض بھی ختم، عِدَۃٌ اور مَقُولٌ وغیرہ کا اعتراض بھی ختم ہوا۔ کیونکہ اس میں مادہ باقی نہیں بھئی۔

پھر اشکال ہوتا ہے، اشکال یہ ہوتا ہے کہ مغیراتِ قیاسیہ جو ہیں ان کے اندر بھی عدل کو ماننا چاہیے۔ ان کے اندر عدل کو ماننا چاہیے۔ مثلاً مَقُولٌ، مَقُولٌ یہ اصل میں کیا تھا؟ مَقْوُولٌ، تو یہ ہے اس کا صیغہ اصلیہ، اصل صورت ہے۔ اسمِ مفعول کا وزن کیا ہے ثلاثی مجرّد میں؟ مَفْعُولٌ، مَقْوُولٌ دیکھو اسی وزن پر ہے۔ پھر اس کو قوانین اور ضابطوں کے تحت کیا کیا گیا؟ مَقْوُولٌ میں و کی حرکت ق کو دے دی گئی، توجہ ہے؟ و کی حرکت ق کو دے دی گئی، اب دو و ساکن جمع ہوئے، اجتماعِ ساکنین علی غیر حدّہ آیا، اور اس میں اگر اوّل مدہ ہو تو اس کو گراتے ہیں، تو ایک و کو گرا دیا، توجہ ہے؟ تو کیا بن گیا؟ مَقُولٌ۔ اب کون سے و کو گرایا؟ بعض علمائے نحو فرماتے ہیں کہ جو زائد تھا اس کو گرایا کیونکہ ایک اصلی ہے،

اصلی کو نہیں گراتے، بلکہ کس کو گراتے ہیں؟ زائد۔ تو مَفْعُولٌ کے اندر ایک جو و زائد آرہا تھا اس کو گرا دیا تو کیا بن گیا؟ مَقُولٌ۔ جبکہ بعض علمائے نحو فرماتے ہیں: نہیں، یہاں زائد کو نہیں گرانا، اصل کو گرانا ہے۔ کس کو؟ بھئی اصل کو کیوں گرانا ہے، زائد کو گراتے ہیں؟ کہتے ہیں نہیں، یہ جو زائد آرہا ہے یہ علامت ہے، یہ ہمیں بتا رہا ہے کہ یہ اسمِ مفعول کا صیغہ ہے۔ مَفْعُولٌ میں یہ و نہ آتا تو ہمیں پتا ہی نہ چلتا یہ کون سا صیغہ ہے؟ اسمِ مفعول کا۔ تو یہ و اسمِ مفعول کے صیغے کی علامت ہے اور علامت کو نہیں گرایا جاتا، لہٰذا اصلی کو گرائیں گے یہاں پر۔ تو گویا دو گروہ ہو گئے: بعض کے نزدیک مَقُولٌ میں جو و گرا ہے وہ اصلی گرا ہے، جب و اصلی گرا ہے تو معلوم ہوا مادہ باقی پورا نہ رہا، تو لہٰذا یہ بھی دَمٌ اور یَدٌ کی طرح کیا ہوا؟ نکل گیا۔ توجہ ہے؟ اور بعض کے نزدیک، بعض کے نزدیک مادہ نہیں بدلا بلکہ زائد جو تھا وہ گرا ہے، مادہ ابھی بھی باقی ہے بھئی، مادہ ابھی بھی باقی ہے، تو یہ بھی عدل کے اندر داخل ہوا۔ یہ بھی کس میں داخل ہوا؟ عدل میں داخل ہوا۔ کس طرح داخل ہوا؟ کہ بھئی اصل قانون کیا تھا، صورت کیا ہونی چاہیے؟ مَقْوُولٌ ہونی چاہیے تھی، پھر آپ نے اس سے نکال کر ایک نئی صورت دے دی مَقُولٌ، مادہ بھی باقی ہے لہٰذا اس کو بھی کیا کہنا چاہیے؟ عدل کہنا چاہیے۔ تو آپ کو بتائیں گے کہ بھئی جو نئی صورت

دی ہو وہ قانون اور ضابطے کے مطابق نہیں ہونی چاہیے۔ پہلی صورت تو قانون اور ضابطے کے مطابق تھی مَقْوُولٌ، دوسری قانون اور ضابطے کے مطابق نہیں ہونی چاہیے، اور مَقُولٌ کی دوسری صورت بھی قانون اور ضابطے کے مطابق ہے یا نہیں؟ قانون لگا کر باقاعدہ آپ نے اجتماعِ ساکنین کی وجہ سے ایک و کو گرایا ہے۔ تو مَقْوُولٌ سے کیا بن گیا؟ مَقُولٌ۔ پہلی صورت بھی قانون کے مطابق اور مَقُولٌ یہ بھی قانون اور ضابطے کے مطابق ہے، قوانینِ اعلال وغیرہ کے قوانین لگائے یا نہیں لگائے آپ نے؟ تو یہ بھی قانون کے مطابق ہے، حالانکہ عدل میں دوسری صورت، نئی صورت ہوتی ہے وہ کسی قانون اور ضابطے کے تحت نہیں ہوتی، لہٰذا یہ مغیراتِ قیاسیہ بھی نکل گئے۔

پھر ایک اور اشکال ہوتا ہے کہ کچھ صیغے جو شاذ ہوتے ہیں وہ اس کے اندر داخل ہو گئے، کچھ شاذ جمعیں وغیرہ جو ہیں وہ اس کے اندر داخل ہو گئے۔ جیسے قَوْسٌ، قَوْس کمان کو کہتے ہیں، تیر کمان بھئی۔ اس قَوْس کی جمع جو ہے أَقْوُسٌ آتی ہے، ہمزہ ق و س، أَقْوُسٌ۔ حالانکہ قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ اس کی جمع أَقْوَاسٌ آنی چاہیے تھی۔ اس کی جمع أَقْوَاسٌ آنی چاہیے تھی۔ تو معلوم ہوا یہ أَقْوُسٌ جو جمع آئی یہ خلافِ ضابطہ ہے۔ یہ خلافِ ضابطہ ہے۔ معلوم ہوا، ادھر دیکھیے، معلوم ہوا قَوْس کی جمع پہلے بنائی گئی أَقْوَاسٌ، اور وہ أَقْوَاسٌ تو کیا تھی؟ قانون اور ضابطے کے مطابق۔ پھر اس أَقْوَاسٌ سے کیا بنا لیا گیا؟ أَقْوُسٌ، اب یہ خلافِ ضابطہ ہے، اب تو یہ آپ کی تعریف میں داخل ہو گیا، آپ نے بھی ہمیں کیا کہا تھا؟ کہ پہلا صیغہ قانون کے مطابق ہو، دوسرے کو قانون کے مطابق نہیں ہونا چاہیے، تو لہٰذا اب یہ أَقْوُسٌ خلافِ قانون ہو گیا۔ پہلے قَوْس سے کیا بنا؟ أَقْوَاسٌ۔ پھر أَقْوَاسٌ سے کیا بنا؟ أَقْوُسٌ۔ تو پہلا صیغہ جو بنا وہ قانون کے مطابق بنا، فَعْلٌ کی جمع أَفْعَالٌ آتی ہے بھئی، بات سمجھ میں آئی؟ اور پھر اس کو نکالا گیا، نئی صورت دی گئی اور وہ خلافِ قانون ہے۔ تو جواب دے رہے ہیں کہ نہیں بھئی ہمیں یہ تسلیم نہیں ہے کہ قَوْس کی جمع پہلے أَقْوَاسٌ لائی گئی اور پھر وہاں سے اس سے أَقْوُسٌ بنائی گئی، بلکہ یہاں ابتداءً ہی قَوْس کی جمع أَقْوُسٌ بنا دی گئی۔ ابتداءً ہی قَوْس کی جمع کیا لائی گئی؟ أَقْوُسٌ لائی گئی۔ لہٰذا یہاں پہلا صیغہ قانون کے مطابق اور دوسرا خلافِ قانون، تو ایسا نہیں ہے، بلکہ ابتداءً ہی قَوْس کی جمع أَقْوُسٌ لائی گئی یعنی خلافِ قانون لائی گئی۔ لہٰذا اب ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ یہ أَقْوُسٌ کس سے نکلا ہے؟ أَقْوَاسٌ سے۔ اگر یہ کہیں گے تو پھر تو عدل میں یہ داخل ہوگا، لیکن یہ درست نہیں ہے بھئی۔ أَقْوُسٌ أَقْوَاسٌ سے نہیں بنی، بلکہ ابتداءً قَوْس کی جمع ہی کیا لائی گئی؟ أَقْوُسٌ لائی گئی۔ تو لہٰذا یہ عدل کی تعریف میں داخل نہیں۔ بات سمجھ میں آ گئی۔

جی دیکھیے بھئی، کہتے ہیں: وَلَا يَخْفَى أَنَّ صِيغَةَ الْمَصْدَرِ لَيْسَتْ صِيغَةَ الْمُشْتَقَّاتِ، اور یہ بات مخفی نہیں ہے کہ مصدر کا جو صیغہ ہے وہ مشتقات کا صیغہ نہیں ہے۔ فَبِإِضَافَةِ الصِّيغَةِ إِلَى ضَمِيرِ الِاسْمِ، پس صیغہ کی اضافت اسم کی ضمیر کی طرف کرنے سے، خَرَجَتِ الْمُشْتَقَّاتُ كُلُّهَا، تمام مشتقات نکل گئے۔ بات سمجھ میں آئی؟ بات کیا ہوئی تھی کہ صیغہ کی اضافت ہے ہا ضمیر کی طرف اور ہا ضمیر اسم کو راجع ہے، اسم کو نکالنا اپنے صیغے سے۔ اور ضَارِبٌ جو ضَرْبٌ سے بنا ہے تو یہ ضَرْبٌ ضَارِبٌ

کا اپنا صیغہ نہیں۔ اور اسی طرح مَضْرُوبٌ ضَرْبٌ سے بنا ہے تو یہ ضَرْبٌ مَضْرُوبٌ کا اپنا صیغہ نہیں، وہ تو مصدر ہے اور یہ اسمِ مفعول یا اسمِ فاعل ہے، دونوں کا صیغہ ہی الگ الگ ہے، اور یہ تھا کہ اپنے ہی صیغہ سے نکلے۔ بات سمجھ بھی آ رہی ہے کہ نہیں؟

آگے دیکھیے: وَأَنَّ الْمُتَبَادَرَ مِنْ خُرُوجِهِ عَنْ صِيغَتِهِ الْأَصْلِيَّةِ أَنْ تَكُونَ الْمَادَّةُ بَاقِيَةً، اور متبادر، متبادر کا معنی جو چیز ذہن کی طرف سبقت کرے، تو صیغہ اصلیہ سے نکلنے سے ذہن میں یہ بات آتی ہے کہ مادے کو باقی ہونا چاہیے، کس کو؟ مادہ نہیں بدلنا چاہیے۔ لہٰذا اسمائے محذوفۃ الاعجاز وغیرہ کا اعتراض ختم کیونکہ اس میں مادہ باقی نہیں رہتا۔ وَأَنَّ الْمُتَبَادَرَ دیکھو یہ أَنَّ الْمُتَبَادَرَ یہ اس کا عطف پیچھے آیا تھا نا وَلَا يَخْفَى أَنَّ صِيغَةَ الْمَصْدَرِ، یہ أَنَّ صِيغَةَ الْمَصْدَرِ یہ فاعل ہے وَلَا يَخْفَى کا۔ أَنَّ کیا کرتا ہے؟ جملہ اسمیہ پر داخل ہو کر اس کو مفرد کے معنی میں کر دیتا ہے تو یہ فاعل بنے گا وَلَا يَخْفَى کا۔ آگے بھی ایک دو جگہ اور بھی آئے گا اسی طرح أَنَّ الْمُتَبَادَرَ اس کا عطف بھی اسی أَنَّ صِيغَةَ الْمَصْدَرِ پر ہے، تو یہ بھی اس کا فاعل بنے گا، یعنی یہ بات بھی مخفی نہیں ہے کہ أَنَّ الْمُتَبَادَرَ مِنْ خُرُوجِهِ عَنْ صِيغَتِهِ الْأَصْلِيَّةِ کہ اسم کا صیغہ اصلیہ سے نکلنا اس سے جو بات متبادر ہوتی ہے یعنی ذہن میں فوراً آتی ہے کہ أَنْ تَكُونَ الْمَادَّةُ بَاقِيَةً وَالتَّغَيُّرُ إِنَّمَا وَقَعَ فِي الصُّورَةِ فَقَطْ کہ مادہ باقی ہوگا اور تبدیلی صرف اس کی صورت میں آئی واقع ہوئی ہوگی، فَلَا يَنْتَقِضُ بِمَا حُذِفَ عَنْهُ بَعْضُ الْحُرُوفِ تو لہٰذا یہ تعریف نہیں ٹوٹتی ان اسموں کے ذریعے جن میں سے بعض حروف کو کیا کر لیا جائے؟ حذف کر لیا جائے، چاہے شروع میں ہو، چاہے درمیان میں ہو، چاہے آخر میں ہو، تو ان کو لے کر تعریف پر اعتراض نہیں کیا جا سکتا۔

پھر ترجمہ دیکھیے: وَأَنَّ الْمُتَبَادَرَ مِنْ خُرُوجِهِ عَنْ صِيغَتِهِ الْأَصْلِيَّةِ، اور صیغہ اصلیہ سے اسم کے نکلنے سے جو بات ذہن میں متبادر ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ أَنْ تَكُونَ الْمَادَّةُ بَاقِيَةً کہ مادہ جو ہے وہ باقی ہوگا وَالتَّغَيُّرُ إِنَّمَا وَقَعَ فِي الصُّورَةِ فَقَطْ اور جو تغیر ہوا ہے وہ صرف اس کی صورت میں ہوگا، فَلَا يَنْتَقِضُ بِمَا حُذِفَ عَنْهُ بَعْضُ الْحُرُوفِ لہٰذا عدل کی یہ تعریف ٹوٹتی نہیں ہے یعنی اس پر اعتراض وارد نہیں ہوتا بِمَا ان اسموں کے ذریعے کہ حُذِفَ عَنْهُ بَعْضُ الْحُرُوفِ جن میں سے بعض حروف کو حذف کر لیا گیا ہو، كَالْأَسْمَاءِ الْمَحْذُوفَةِ الْأَعْجَازِ جیسے کہ وہ اسماء جن کے آخر کو حذف کر لیا گیا ہو، مِثْلُ يَدٍ وَدَمٍ جیسے کہ يَدٍ اور دَمٍ بھئی۔ فَإِنَّ الْمَادَّةَ لَيْسَتْ بَاقِيَةً فِيهَا اس لیے کیونکہ ان کے اندر تو مادہ باقی نہیں ہے۔

وَأَنَّ خُرُوجَهُ، جی یہ اب تیسری بات، اس کا عطف بھی اسی پر ہے، اور یہ بات بھی مخفی نہیں ہے کہ أَنَّ خُرُوجَهُ عَنْ صِيغَتِهِ الْأَصْلِيَّةِ کہ اسم کا اپنے صیغہ سے نکلنا يَسْتَلْزِمُ دُخُولَهُ فِي صِيغَةٍ أُخْرَى یہ مستلزم ہے کہ وہ اسم داخل ہو جائے دوسرے صیغے میں یعنی دوسری صورت میں، أَيْ مُغَايِرَةٍ لِلْأُولَى ایسی صورت جو پہلی صورت کے مغایر ہو۔ نئی صورت بھی آئے گی۔ وَلَا يَبْعُدُ أَنْ يُعْتَبَرَ اور یہ بات بھی بعید نہیں ہے کہ أَنْ يُعْتَبَرَ مُغَايَرَتُهَا لَهَا کہ اعتبار کیا جائے اس دوسرے صیغے کا مغایر ہونے کا، مُغَايَرَتُهَا ہا ضمیر کس کو راجع؟ دوسرے صیغے کو۔ بھئی پیچھے آیا تھا نا کہ صیغہ اصلیہ سے نکلنا اس کے ساتھ لازم ہے کہ اسم داخل ہوگا ایک نئے صیغے میں یعنی ایک نئی صورت میں۔ تو ایک ہے صیغہ اصلیہ، ایک ہے صیغہ اخریٰ نیا صیغہ، توجہ ہے؟ دوسرا صیغہ۔ تو اب مُغَايَرَتُهَا یہ ہا ضمیر راجع ہے دوسرے صیغے کو کہ وہ دوسرا صیغہ مغایر ہونا چاہیے لَهَا اس صیغہ

اصلیہ سے۔ یہ دوسرا صیغہ اس پہلے صیغہ سے مغایر ہونا چاہیے بھئی۔

وَلَا يَبْعُدُ أَنْ يُعْتَبَرَ مُغَايَرَتُهَا لَهَا اور یہ بات بعید نہیں ہے کہ اعتبار کیا جائے مُغَايَرَتُهَا اس دوسرے صیغ کا مغایر ہونا مختلف ہونا لَهَا اس صیغہ اصلیہ سے فِي كَوْنِهَا غَيْرَ دَاخِلَةٍ تَحْتَ أَصْلٍ وَقَاعِدَةٍ اس بات میں کہ یہ داخل نہ ہو کسی اصل اور قاعدے کے تحت۔ کہتے ہیں بھئی دیکھیے: ایک ہے صیغہ اصلیہ، جب اس صیغہ اصلیہ سے اسم نکلے گا تو اس کے ساتھ لازم ہے معلوم ہوا کہ ایک نیا صیغہ آئے گا نئی صورت آئے گی۔ تو صرف صورت ہی نہیں آئے گی بلکہ جیسے یہ صورت اس پہلی صورت سے مغایر ہے اسی طرح یہ بایں لحاظ بھی مغایر ہوگی کہ وہ پہلی صورت ضابطے کے مطابق تھی اور ثانی کے لیے کوئی ضابطہ نہیں ہے۔ بایں اعتبار بھی ان میں کیا ہوگی؟ مغایرت ہوگی۔ تو کہتے ہیں: وَلَا يَبْعُدُ أَنْ يُعْتَبَرَ مُغَايَرَتُهَا لَهَا اور یہ بات بعید نہیں ہے کہ اعتبار کیا جائے کہ وہ دوسرا صیغہ جو ہے وہ مغایر ہونا چاہیے صیغہ اصلیہ سے۔ کس چیز میں مغایر ہونا چاہیے؟ فِي كَوْنِهَا غَيْرَ دَاخِلَةٍ تَحْتَ أَصْلٍ وَقَاعِدَةٍ اس بات میں کہ یہ جو دوسرا صیغہ ہے یہ داخل نہ ہو کسی اصل اور ضابطے کے تحت۔ كَمَا كَانَتِ الْأُولَى جیسے کہ پہلا داخل تھا کسی ضابطے کے تحت۔ تو ضابطے کے تحت ہونے کے اندر بھی مخالفت ہونی چاہیے۔ تو کہتے ہیں: كَمَا كَانَتِ الْأُولَى دَاخِلَةً تَحْتَهُ جیسے کہ پہلا صیغہ جو ہے وہ ایک ضابطے کے تحت داخل تھا۔ فَخَرَجَتْ عَنْهُ الْمُغَيَّرَاتُ الْقِيَاسِيَّةُ تو مغیراتِ قیاسیہ بھی اس سے نکل گئے، مغیراتِ قیاسیہ بھی اس سے نکل گئے۔ قَالَ کس سے بنا ہے؟ قَوَلَ سے۔ جی قَوَلَ بھی قانون کے مطابق کیونکہ ماضی کس وزن پر آتی ہے؟ ضَرَبَ، کس وزن پر؟ تو قَوَلَ اصل، پھر اس قَوَلَ سے کیا بنا؟ قَالَ، اور یہ بھی قانون کے مطابق ہے، ایک نئی صورت آئی لیکن اس میں بھی و متحرک ماقبل فتحہ اس کو کس سے بدلتے ہیں؟ الف سے۔ تو پہلی صورت بھی ضابطے کے مطابق، قَوَلَ نَصَرَ دیکھو وہی وزن ہے یا نہیں؟ وہ کیونکہ ماضی بابِ نَصَرَ میں ماضی نَصَرَ یعنی تینوں حرف پر فتحہ ہوتا ہے۔ تو پہلی صورت بھی صیغے ضابطے کے مطابق، اور قَالَ جو دوسری صورت بنی وہ بھی ضابطے کے مطابق۔ لہٰذا یہ جو مغیراتِ قیاسیہ ہیں، یہ قیاسی تبدیلیاں جو آپ ابواب میں صیغوں میں کرتے ہیں وہ بھی اس سے نکل گئیں، ان کو عدل نہیں کہیں گے کیونکہ ان میں پہلی صورت کے ساتھ ساتھ دوسری صورت بھی قانون کے مطابق ہے بھئی۔ تو یہ تمام مغیراتِ قیاسیہ نکل گئے اس سے۔

وَأَمَّا الْمُغَيَّرَاتُ الشَّاذَّةُ فَلَا نُسَلِّمُ۔ جی مغیراتِ شاذہ کا اعتراض ہوتا تھا کس طرح؟ قَوْس کی جمع کیا آئی؟ أَقْوَاسٌ۔ پھر أَقْوَاسٌ سے نیا صیغہ کیا بنا لیا؟ أَقْوُسٌ۔ تو أَقْوَاسٌ تو ضابطے کے مطابق تھی، قَوْس کی جمع ضابطے کے مطابق آنی بھی کیا چاہیے؟ أَقْوَاسٌ۔ لیکن اس سے جو نئی صورت بنائی گئی أَقْوُسٌ وہ خلافِ ضابطہ ہے، لہٰذا یہ تو تب تعریف میں داخل ہو رہا ہے، یہ تو قانون کے مطابق نہیں ہے دوسری صورت جو ہے۔ تو اس کا بھی جواب دیں گے کہ یہ بات تسلیم نہیں ہے کہ قَوْس کی جمع پہلے أَقْوَاسٌ آئی اور پھر اس سے أَقْوُسٌ بنا، بلکہ قَوْس سے براہِ راست کیا بن گیا؟ أَقْوُسٌ بن گیا، تو یہاں کوئی ایسی صورت نہیں ہے درمیان میں جو ضابطے کے مطابق ہو اور پھر نئی صورت بنائی جائے۔ کہتے ہیں: وَأَمَّا الْمُغَيَّرَاتُ الشَّاذَّةُ اور باقی جو

مغیراتِ شاذہ ہیں، شاذ اس کو کہتے ہیں جو استعمال کے اعتبار سے ٹھیک ہے لیکن قانون کے اعتبار سے ٹھیک نہیں، یعنی قانون کی گرفت میں نہیں آرہا اس کو شاذ کہتے ہیں۔ بھئی میں نے آپ کو بتلایا یہ جو صرف و نحو کے قوانین ہیں یہ سارے بعد میں بنائے گئے ہیں، عربوں کی زبان پہلے تھی وہ عربی بولتے تھے، لیکن بعد میں قرآن و حدیث کی حفاظت کے لیے علماء نے صرف و نحو وغیرہ علوم کو باقاعدہ ایجاد کیا، وجود دیا اور ایسے ایسے قانون اور ضابطے بنائے کہ یوں لگتا ہے قانون اور ضابطے پہلے تھے اور عربی زبان اس کے مطابق اس کو دیکھ کر بنائی گئی۔ جیسے قَالَ اصل میں کیا تھا؟ قَوَلَ۔ حالانکہ ہم نے عربوں سے آج تک نہیں سنا کسی نے قَوَلَ پڑھا ہو، کیا پڑھا ہو؟ قَوَلَ پڑھا ہو، ہم نے تو صرف قَالَ سنا ہے، لیکن علمائے نحو نے اللہ تعالیٰ ان کو اجرِ عظیم نصیب فرمائے کتنی آسانیاں کر دیں بھئی۔ اب دیکھو قَالَ کی اصل قَوَلَ تھی، بھئی کیوں اصل قَوَلَ تھی؟ کہتے ہیں اس لیے کیونکہ ماضی فَعَلَ وزن پر آتی ہے بابِ نَصَرَ سے۔ کس وزن پر؟ فَعَلَ، تو یہ تو ہے قَالَ، معلوم ہوا اس کی اصل بھی کیا ہوگی؟

قَوَلَ ہوگی، کیا ہوگی؟ قَوَلَ۔ تو اس طرح کر کے ایک ایک ضابطے کے مطابق انہوں نے ایک ایک لفظ کو پرکھا اور ضابطے کے تحت اس کو لے آئے۔ لیکن کچھ لفظ ایسے تھے علماء نے بڑی کوشش کی کہ وہ کسی طرح قانون کے اندر آجائیں لیکن وہ قانون کے تحت نہیں آرہے۔ تو اس کو انہوں نے شاذ قرار دے دیا۔ کیا قرار دیا؟ شاذ۔ شاذ کا یہ معنی نہیں کہ وہ غلط ہیں، شاذ کا معنی یہ ہے کہ ہمارے قانون کے تحت نہیں آرہے، ہم نے تو بڑی کوشش کی کہ کسی طرح یہ قانون کے تحت آجائیں لیکن یہ قانون کے تحت نہیں آرہے۔ تو ان کو شاذ کہتے ہیں۔ یعنی عرب اس کو قَوْس کی جمع أَقْوُسٌ ہی بولتے ہیں، معلوم ہوا یہ استعمال کے اعتبار سے بالکل ٹھیک ہے، عرب پڑھتے ہی أَقْوُسٌ ہیں لیکن ہمیں ابھی تک سمجھ میں نہیں آیا کہ یہ قَوْس کی جمع أَقْوُسٌ کیوں آئی، کوئی قانون ابھی تک ہم بنانے میں کامیاب نہیں ہو سکے۔ ایک ضابطہ ہونا جس پر اور بھی لفظ آئیں اس کے مطابق ان میں تبدیلی ہو، ایسا ضابطہ ابھی تک ہمیں سمجھ میں نہیں آیا، کوئی ہم ضابطہ نہیں بنا سکے۔ تو أَقْوُسٌ استعمال کے اعتبار سے ٹھیک ہے لیکن ضابطے کی گرفت میں نہیں آرہا تو بایں اعتبار اس کو کیا کہتے ہیں؟ شاذ کہتے ہیں۔ بات سمجھ میں آگئی؟

جیسے دیکھو عَوِرَ یَعْوَرُ، عَوِرَ یَعْوَرُ، عَوِرَ یَعْوَرُ و متحرک ہے ماقبل فتحہ ہے، اس کو کس سے بدلنا چاہیے؟ الف سے، لیکن عرب اس کو اسی طرح پڑھتے ہیں۔ تو چنانچہ علماء پھر فرماتے ہیں یہ شاذ ہیں بھئی، یہ شاذ ہیں بھئی یعنی قانون کے تحت نہیں آرہے۔ اور جبکہ بعض پھر کہتے ہیں کہ یہ اصلِ مادہ پر دلالت کرنے کے لیے اس کو باقی رکھا گیا تاکہ پتا چل جائے، اگر اس کو عَارَ پڑھ دیا جاتا تو مادے کا پتا نہیں چلتا کہ یہاں درمیان میں و تھا یا یا تھی، تو اس لیے اس کو اس کی اصل پر برقرار رکھا بھئی۔ تو بہرحال بعض صیغے ہوتے ہیں بعض علماء کے نزدیک شاذ ہوتے ہیں، پھر بعض علماء کوئی نہ کوئی قانون ایسا بنا لیتے ہیں اس میں تبدیلی کر کے کہ وہ شاذ بھی غیرِ شاذ بن جاتے ہیں، جیسے علم الصیغہ وغیرہ میں آپ نے پڑھا ہے، بعض وہ قوانین کی تقریر ایسی

فرماتے ہیں کہ میری یہ تقریر لے لو گے تو یہ فلاں فلاں کلمے کا شاذ ہونا ختم ہو جائے گا، وہ قانون کے تحت آجائے گا بھئی۔

تو کہتے ہیں: وَأَمَّا الْمُغَيَّرَاتُ الشَّاذَّةُ اور باقی مغیراتِ شاذہ جو ہیں فَلَا نُسَلِّمُ تو ہمیں یہ بات تسلیم نہیں ہے کہ أَنَّهَا مُخْرَجَةٌ عَنِ الصِّيَغِ الْأَصْلِيَّةِ کہ یہ نکالے گئے ہیں صیغِ اصلیہ سے۔ فَإِنَّ الظَّاهِرَ أَنَّ مِثْلَ أَقْوُسٍ وَأَنْيُبٍ مِنَ الْجُمُوعِ الشَّاذَّةِ اس لیے کیونکہ ظاہر یہی ہے کہ أَقْوُسٌ اور أَنْيُبٌ جیسی جو جموعِ شاذہ ہیں لَيْسَتْ مُخْرَجَةً عَمَّا هُوَ الْقِيَاسُ فِيهَا ان کو نکالا نہیں گیا اس صیغے سے جو قیاس ہے ان کے اندر، أَعْنِي أَقْوَاسًا وَأَنْيَابًا یعنی أَقْوَاسًا وَأَنْيَابًا۔ ظاہر یہی ہے کہ أَقْوُسٌ اور أَنْيُبٌ کو أَقْوَاسٌ اور أَنْيَابٌ سے نہیں نکالا گیا، بَلْ إِنَّمَا جُمِعَ الْقَوْسُ وَالنَّابُ ابْتِدَاءً عَلَى أَقْوُسٍ وَأَنْيُبٍ عَلَى خِلَافِ الْقِيَاسِ بلکہ قَوْس اور نَاب کو جمع کیا گیا ابتداءً شروع سے ہی کس وزن پر؟ عَلَى أَقْوُسٍ وَأَنْيُبٍ، أَقْوُس اور أَنْيُب کے وزن پر، أَقْوُس اور أَنْيُب پر ان کی جمع بنائی گئی شروع سے ہی عَلَى خِلَافِ الْقِيَاسِ خلافِ قیاس بھئی، خلافِ قیاس طریقے پر، مِنْ غَيْرِ أَنْ يُعْتَبَرَ جَمْعُهُمَا أَوَّلًا عَلَى أَقْوَاسٍ وَأَنْيَابٍ بغیر اس کے کہ اعتبار کیا جائے پہلے ان کی جمع جو تھی وہ أَقْوَاس اور أَنْيَاب پر تھی وَإِخْرَاجُ أَقْوُسٍ وَأَنْيُبٍ عَنْهُمَا اور پھر أَقْوُس اور أَنْيُب کو ان سے نکالا گیا، یہ اعتبار یہاں نہیں کیا جاتا۔ بات سمجھ میں آگئی؟

جی تو یہ أَقْوُسٌ میں نے بتایا یہ قَوْس کی جمع ہے بھئی اور یہ کمان کو کہتے ہیں تیر کمان۔ اسی طرح نَابٌ جو ہے نَابٌ، نَابٌ یہ کچلی کے دانت کو کہتے ہیں، یہ اگر آپ دیکھیں یہ چار دانت سامنے والے، ان کے ساتھ جو دائیں بائیں جو دو دانت ہیں وہ ذرا نوکیلے ہیں، یہ اوپر بھی اور نیچے بھی، یہ جو چار نوکیلے دانت ہیں ان کو نَابٌ کہتے ہیں کچلی والے دانت۔ سمجھ میں آیا؟ یہ حیوانات میں آپ غور کریں: کچھ حیوانات جو ہیں سبزی خور ہیں جیسے گائے بیل بکری وغیرہ، اور کچھ حیوانات جو ہیں گوشت خور ہیں جیسے شیر کتا بھیڑیا وغیرہ۔ جو سبزی خور حیوانات ہیں ان کو اللہ نے ہموار دانت دیے ہیں، گائے بیل بکری کے سارے دانت ہموار ہیں، ایک بھی دانت نوک والا نہیں، کیونکہ ان کو ہموار دانتوں کی ضرورت ہے گھاس کو کھانے کے لیے تو اللہ نے بھی ویسے ہی دانت دیے۔ اور گوشت خور جانوروں کو گوشت کھانے کے لیے چیرنے پھاڑنے کے لیے ان کو نوکیلے دانتوں کی ضرورت تھی تو اللہ نے ان کو نوکیلے دانت دیے بھئی۔ اور انسان کو اللہ نے دونوں طرح کے دانت دیے ہیں، اس میں اشارہ ہے کہ انسان سبزی بھی کھا سکتا ہے اور گوشت بھی کھا سکتا ہے۔ تو یہ جو کچلی کا دانت ہے نوک دار اس کو کہتے ہیں نَابٌ، اور اس کی جمع أَنْيُبٌ آتی ہے خلافِ قیاس بھئی، حالانکہ ضابطے کے مطابق جمع کیا آنی چاہیے؟ أَنْيَابٌ آنی چاہیے بھئی۔ چلیے بس کریں بس بھئی، هَذَا هُوَ الْمَرَامُ وَاللهُ أَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْكَلَامِ۔

سبق نمبر ۵۸: اسبابِ منعِ صرف (۲): تعریفِ عدل پر وارد اعتراضات اور شارحین کے جوابات

شرحِ ملا جامی صفحہ: ۳۹ — بتاریخ: ۲۹ اگست ۲۰۲۱ء

▪ تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث

آگے سبق دیکھیے بھئی:

وَقَالَ بَعْضُ الشَّارِحِينَ: قَدْ جَوَّزَ بَعْضُهُمْ تَعْرِيفَ الشَّيْءِ بِمَا هُوَ أَعَمُّ مِنْهُ إِذَا كَانَ الْمَقْصُودُ تَمْيِيزَهُ عَنْ بَعْضِ مَا عَدَاهُ، فَيُمْكِنُ أَنْ يُقَالَ: الْمَقْصُودُ هَاهُنَا تَمْيِيزُ الْعَدْلِ عَنْ سَائِرِ الْعِلَلِ لَا عَنْ كُلِّ مَا عَدَاهُ، فَحَيْثُ حَصَلَ بِتَعْرِيفِهِ هَذَا التَّمْيِيزُ لَا بَأْسَ بِكَوْنِهِ أَعَمَّ مِنْهُ، فَحِينَئِذٍ لَا حَاجَةَ فِي تَصْحِيحِ هَذَا التَّعْرِيفِ إِلَى ارْتِكَابِ تِلْكَ التَّكَلُّفَاتِ.

بھئی گزشتہ سبق میں ہم نے عدل کے بارے میں پڑھنا شروع کیا۔ صاحبِ کافیہ نے آپ کو بتلایا کہ اَلْعَدْلُ خُرُوجُهُ عَنْ صِيغَتِهِ الْأَصْلِيَّةِ، کہ عدل جو ہے وہ اسم کا نکلنا ہے صیغۂ اصلیہ سے۔ اور صیغۂ اصلیہ سے مراد وہ صیغہ ہے جس کا قانون اور ضابطہ تقاضا کر رہا ہو۔ قانون اور ضابطہ تقاضا کر رہا ہے کہ ایک اسم کو اس صورت پر ہونا چاہیے، لیکن اس اسم کو اس صورت سے نکال کر ایک نئی صورت دے دی جائے، اس کو کہتے ہیں عدل بھئی۔

اور پھر صاحبِ جامی نے آپ کو بتلایا تھا کہ یہ عدل جو ہے یہاں یہ مَصْدَرٌ مَبْنِيٌّ لِلْمَفْعُولِ ہے۔ میں نے آپ کو بتلایا تھا کہ جیسے فعلِ معروف کے لیے فاعل چاہیے، اسی طرح فعلِ مجہول کے لیے نائب فاعل چاہیے۔ تو معلوم ہوا فعلِ معروف کو بنایا گیا ہے فاعل کے لیے کہ فاعل کی طرف اس کا اسناد کیا جائے، اور فعلِ مجہول کو بنایا گیا ہے کہ مفعول کی طرف اس کا اسناد کیا جائے۔ تو فعلِ معروف کو کہتے ہیں مَبْنِيٌّ لِلْفَاعِلِ، اور فعلِ مجہول کو کہتے ہیں مَبْنِيٌّ لِلْمَفْعُولِ بھئی۔

اسی طرح یہ جو مصدر ہے یہ بھی دو قسم پر ہے بھئی: ایک مصدر معروف ہے، ایک مصدر مجہول ہے۔ البتہ عربی زبان میں دونوں کے لیے ایک ہی صیغہ استعمال ہوتا ہے۔ یہی ضَرْبٌ، اس کا معنی پٹائی کرنا بھی، اور اسی کا معنی پٹائی کیے جانا

بھی۔ اسی طرح شُرْبٌ، اسی شُرْبٌ کا معنی پینا بھی، اور یہی شُرْبٌ جو ہے مصدر مجہول بھی ہے، اس کا معنی پیا جانا بھی۔ اسی طرح أَكْلٌ، ہمزہ، کاف اور لام، أَكْلٌ کا معنی کھانا کھانا بھی، اور أَكْلٌ کا معنی کھایا جانا بھی۔ تو یہ مصدر معروف ہے ایک، اور ایک مصدر مجہول ہے بھئی، مصدر مجہول ہے۔

اور میں نے بتلایا تھا کہ یہاں جو صاحبِ جامی نے بتلایا اَلْعَدْلُ مَصْدَرٌ مَبْنِيٌّ لِلْمَفْعُولِ، تو طلبہ عموماً اس کا معنی یہ کرتے ہیں کہ یہ مَصْدَرٌ مَبْنِيٌّ لِلْمَفْعُولِ ہے یعنی یہ اسمِ مفعول کے معنی میں ہے۔ یہ بات درست نہیں ہے بھئی۔ یہ مَبْنِيٌّ لِلْمَفْعُولِ کے ذریعے صرف اتنا بتایا گیا کہ یہ مصدر مجہول ہے۔ یاد رکھو، مصدر کبھی معروف ہوتا ہے اور کبھی مجہول۔ اسی طرح مصدر کبھی اسمِ فاعل کے معنی میں ہوتا ہے اور کبھی اسمِ مفعول کے معنی میں۔ یہی ضَرْبٌ کبھی ضَارِبٌ کے معنی میں ہوگا اور یہی ضَرْبٌ کبھی مَضْرُوبٌ کے معنی میں ہوگا۔

لیکن ایک بات یاد رکھنا، ضَرْبٌ جب ضَارِبٌ کے معنی میں ہو معلوم ہوا یہ مصدر معروف ہے۔ مصدر معروف ضَارِبٌ کے معنی میں ہو سکتا ہے، مصدر مجہول ضَارِبٌ کے معنی میں نہیں ہو سکتا۔ اور جب آپ کو بتا دیا جائے کہ یہ ضَرْبٌ بمعنی مَضْرُوبٌ کے ہے، تو آپ خود بخود سمجھ جانا کہ یہ ضَرْبٌ مصدر مجہول ہے، کیونکہ مصدر مجہول اسمِ مفعول کے معنی میں ہوتا ہے، مصدر معروف اسمِ مفعول کے معنی میں نہیں ہوتا۔ معلوم ہوا مصدر اسمِ فاعل کے معنی میں تب ہوگا جب وہ مصدر معروف ہو، اور مصدر اسمِ مفعول کے معنی میں تب ہوگا جب وہ مصدر مجہول ہو۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو مصدر کا معروف اور مجہول ہونا اور چیز، اور اسمِ فاعل اور اسمِ مفعول کے معنی میں ہونا اور چیز۔

تو جب، ادھر دیکھیے، جب کتاب میں یہ لکھا ہوا آجائے کہ یہ مَصْدَرٌ مَبْنِيٌّ لِلْفَاعِلِ ہے، تو اس نے صرف ایک بات آپ کو بتلائی کہ یہ کون سا مصدر ہے؟ مصدر معروف ہے کہ یہ مصدر معروف ہے۔ یہ اسمِ فاعل کے معنی میں ہے یا نہیں، یہ بات اس سے پتہ نہیں چلی۔ اور اسی طرح جب مصدر کے آگے آجائے مَصْدَرٌ مَبْنِيٌّ لِلْمَفْعُولِ، تو اس سے صرف یہ پتہ چلا کہ یہ مصدر کون سا ہے؟ مصدر مجہول ہے، یہ اسمِ مفعول کے معنی میں ہے یا نہیں، یہ پتہ نہیں چلا۔ تو معلوم ہوا مصدر کے آگے مَبْنِيٌّ لِلْفَاعِلِ آجائے تو صرف ایک بات کا پتہ چلتا ہے کہ مصدر معروف ہے، اور جب مصدر کے آگے مَبْنِيٌّ لِلْمَفْعُولِ آجائے تو صرف ایک بات کا پتہ چلتا ہے کہ یہ مصدر مجہول ہے۔

لیکن اگر مصدر کے آگے یہ لکھا ہوا آجائے کہ یہ مصدر اسمِ فاعل کے معنی میں ہے، توجہ ہے؟ اب آپ کو دو باتوں کا پتہ چل گیا۔ کون سی دو باتیں؟ ایک تو یہ کہ یہ اسمِ فاعل کے معنی میں ہے، یعنی ضَرْبٌ بمعنی ضَارِبٌ کے ہے۔ دوسری ایک بات خود بخود آپ کو پتہ چل گئی، وہ کیا؟ کہ مصدر معروف ہے، کیونکہ مصدر معروف ضَرْبٌ ضَارِبٌ کے معنی میں ہو سکتا ہے۔ اور اسی طرح جب کسی مصدر کے آگے لکھا ہوا آجائے مثلاً ضَرْبٌ ہے، کہ یہ مصدر یہ مَضْرُوبٌ کے معنی میں ہے، تو اب آپ

کو دو باتیں پتہ چل گئیں۔ کیا؟ کہ ایک تو یہ کہ یہ اسمِ مفعول کے معنی میں ہے، دوسرا یہ بھی پتہ چلا کہ یہ مصدر مجہول ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟

تو یہاں پر بھی صاحبِ جامی نے جب کہا مَصْدَرٌ مَبْنِيٌّ لِلْمَفْعُولِ، اس سے صرف یہ پتہ چلا کہ یہ مصدر مجہول ہے، یہ اسمِ مفعول کے معنی میں ہے یہ پتہ نہیں چلا۔ اگر یہ مفعول کے معنی میں ہو پھر ترجمہ کیا ہوگا؟ عدل بمعنی مَعْدُولٌ کے ہو جائے گا۔ توجہ ہے؟ حالانکہ یہاں عدل بمعنی مَعْدُولٌ کے نہیں ہے، بلکہ كَوْنُ الِاسْمِ مَعْدُولًا، اسم کا معدول ہونا، مصدر مصدری معنی میں ہی ہے۔ توجہ ہے؟ مصدر مصدری معنی میں ہی ہے، معدول، معدول تو وہ اسم ہوگا بھئی۔

اور پھر آگے بتلایا أَيْ كَوْنُ الِاسْمِ مَعْدُولًا، اسم کا معدول ہونا۔ یہ دراصل دو اشکال یہاں ہوتے ہیں ان کا جواب دے رہے ہیں۔ ایک اشکال تو یہ کہ عدل کا معنی ہے پھیرنا، اور یہ پھیرنا یہ متکلم کی صفت ہوتی ہے، وہ لفظ کو ایک صورت سے دوسری صورت کی طرف پھیرتا ہے۔ اور خُرُوجُهُ کا معنی ہے نکلنا، اور نکلنا یہ تو اسم کی صفت ہوتی ہے، اسم ایک صورت سے نکلتا ہے دوسری صورت کی طرف۔ تو یہاں پر عدل کی تفسیر خُرُوجُهُ کے ساتھ کرنا صحیح نہیں، کیونکہ ایک صفت ہے متکلم کی، تو دوسری صفت ہے کلمہ کی، دونوں الگ الگ چیزیں ہیں، کہاں متکلم اور کہاں اسم بھئی! دوسرا اعتراض یہ ہوتا ہے کہ عدل جو ہے مصدر یہ متعدی ہے بھئی، اور خروج کیا ہے؟ فعلِ لازم ہے بھئی، تو فعلِ متعدی کی تفسیر فعلِ لازم کے ساتھ کرنا صحیح نہیں۔

تو اس کا جواب دے دیا کہ بھئی عدل مَصْدَرٌ مَبْنِيٌّ لِلْمَفْعُولِ ہے اور اس کا معنی کیا ہے؟ كَوْنُ الِاسْمِ مَعْدُولًا، اسم کا معدول ہونا۔ دیکھا، اب ہم نے اس کا ترجمہ بھی لازمی والا کر لیا۔ اسم کا معدول ہونا۔ اور یہ صفت کس کی ہے؟ اسم کی ہے نا، یا اسم معدول ہوگا یا معدول نہیں، تو اسم کا معدول ہونا یہ اسم کی صفت ہے بھئی۔ متکلم جو ہے وہ عدل کرنے والا ہے، وہ معدول ہونے والا نہیں ہے، معدول ہونا کس کی صفت ہوگی؟ اسم کی ہوگی۔ اب كَوْنُ الِاسْمِ مَعْدُولًا، اسم کا معدول ہونا، یہ بھی اسم کی صفت، اور خُرُوجُهُ، یہ بھی اسم کی صفت، تو دونوں میں مطابقت آگئی۔ اور نیز پھر دوسرا اشکال کیا تھا؟ کہ عدل تو ہے فعلِ متعدی اور خروج کیا ہے؟ فعلِ لازم۔ وہ اشکال بھی ختم ہوا، کیونکہ كَوْنُ الِاسْمِ مَعْدُولًا، دیکھو ہم نے لازم والا ترجمہ کر لیا، اسم کا معدول ہونا۔

پھر خُرُوجُهُ کی ہا ضمیر اسم کو راجع ہے، اور خروج کا حاصلِ معنی بھی بتلا دیا: اسم کا نکلنا یعنی اسم کا مُخْرَجٌ ہونا، یعنی نکالا ہوا ہونا بھئی، اسم کا نکالا ہوا ہونا، کیونکہ میں نے بتایا کہ عدل کی بنیاد اخراج پر ہے، کہ اس کو نکالا گیا ہو ایک وزن سے دوسرے وزن کی طرف، اسی پر اس کی بنیاد ہے بھئی۔ تو یہاں اخراج کا اعتبار کرنا پڑے گا، اسی لیے كَوْنُهُ مُخْرَجًا کے ساتھ اس کا حاصلِ معنی بیان کر دیا کہ اسم کا مخرج ہونا، یعنی جس میں اخراج کیا گیا ہو۔

عَنْ صِيغَتِهِ الْأَصْلِيَّةِ اس کے صیغۂ اصلیہ سے۔ بتلایا آپ کو انہوں نے کہ صیغے سے یہاں صرف صورت مراد ہے، مادہ

مراد نہیں، کہ صرف صورت سے نکالنا، ایک نئی صورت دینا۔ اور پھر دو تین اشکالات ہوتے تھے، کہ پہلا اشکال یہ کہ آپ کی تعریف جو ہے وہ مشتقات پر بھی صادق آتی ہے، جیسے ضَارِبٌ کو ضَرْبٌ سے بنایا گیا ہے، تو دیکھو ایک نئی صورت دے دی گئی۔ تو جواب دیا کہ بھئی صِیغَتِهِ کے اندر ہا ضمیر اسم کو راجع ہے، اسم کو اپنے صیغے سے نکالنا، اور ضَارِبٌ کو جو ضَرْبٌ سے نکالا گیا ہے تو ضَرْبٌ اس کا اپنا صیغہ نہیں ہے، یہ تو مصدر کا صیغہ ہے، اور یہ خود اسمِ فاعل کا صیغہ ہے بھئی، تو یہ اپنے صیغے سے نہیں نکالا گیا بلکہ دوسرے کے صیغے سے نکالا گیا ہے۔ تو مشتقات نکل گئے، ان میں عدل نہیں۔

دوسرا اعتراض یہ ہوا کہ کچھ اسماء جو ہیں محذوفۃ الاعجاز ہیں، تو ان کو دیکھو ان سے ایک حرف حذف کر لیا گیا، معلوم ہوا ان کو نکال کر ایک نئی صورت دے دی گئی۔ تو جواب اس کا بھی دے دیا کہ اس سے مراد یہ ہے کہ مادہ باقی رہنا چاہیے، صرف صورت میں تبدیلی آنی چاہیے، اور جہاں پر حروفِ اصلیہ حذف ہو گئے، وہاں تو مادہ ہی باقی نہ رہا، لہٰذا وہ اسماء کہ جن کے اندر تبدیلی آجاتی ہے وہ بھی اس عدل سے نکل گئے، ان میں بھی عدل نہیں ہے۔

پھر اسی طرح مغیراتِ قیاسیہ کا اعتراض ہوا تھا، کہ مغیراتِ قیاسیہ، جیسے قَالَ اصل میں کیا تھا؟ قَوَلَ، پھر قَوَلَ سے قَالَ بنایا گیا، تو دیکھو ایک نئی صورت دے دی گئی قَالَ کو۔ تو اس کا بھی جواب دیا کہ بھئی صورت بھی بدلے، اور صورت کے ساتھ ساتھ اس بات میں بھی دونوں میں مغایرت ہو کہ پہلا قانون کے مطابق ہے تو دوسرے کو قانون کے مطابق نہیں ہونا چاہیے، حالانکہ قَوَلَ بھی قانون کے مطابق اور قَالَ بھی قانون کے مطابق ہے بھئی۔ بات سمجھ میں آگئی؟ حالانکہ عدل میں ایسا نہیں ہوتا، پہلا قانون کے مطابق ہوتا ہے، دوسرا والا قانون کے مطابق نہیں ہوتا۔

اور پھر کہتے ہیں جموعِ شاذہ وغیرہ جو ہیں، وہ کلمے جو شاذ ہوتے ہیں، وہ بھی اس سے نکل گئے بھئی۔ جیسے قَوْسٌ کی جمع أَقْوُسٌ ہے، تو کہتے ہیں بھئی یہ قَوْسٌ پہلے اس کی جمع أَقْوَاسٌ بنائی گئی، پھر أَقْوَاسٌ سے اس کو کیا کیا گیا؟ نکال کر ایک نئی صورت أَقْوُسٌ دی گئی، تو یہ بھی عدل میں داخل۔ تو اس کا بھی جواب دے دیا کہ نہیں بھئی، ہمیں یہ تسلیم نہیں ہے کہ قَوْسٌ کی جمع پہلے أَقْوَاسٌ بنائی گئی اور پھر أَقْوُسٌ، بلکہ ابتداءً ہی قَوْسٌ سے کیا بنا لیا گیا؟ أَقْوُسٌ خلافِ قیاس بنا لیا گیا۔ تو یہاں ایسا نہیں ہے کہ پہلے کوئی ایک صیغہ تھا جو قانون کے مطابق تھا، پھر اس سے بدل کر أَقْوُسٌ بنایا گیا، نہیں۔ اور عدل میں یہ ضروری ہوتا ہے کہ پہلا صیغہ قانون کے مطابق ہو اور پھر اس سے نکال کر دوسری صورت بنائی جائے، اور یہاں درمیان میں کوئی ایسا صیغہ نہیں جو قانون کے مطابق ہو۔ بات سمجھ میں آگئی؟

اب آگے دیکھیے بھئی۔ آگے دیکھیے بھئی، کہتے ہیں: وَقَالَ بَعْضُ الشَّارِحِينَ: قَدْ جَوَّزَ بَعْضُهُمْ تَعْرِيفَ الشَّيْءِ بِمَا هُوَ أَعَمُّ مِنْهُ إِذَا كَانَ الْمَقْصُودُ تَمْيِيزَهُ عَنْ بَعْضِ مَا عَدَاهُ. بھئی یہاں سے شارحِ جامی آپ کو بتلائیں گے کہ ہم نے تو بتلایا کہ عدل کی تعریف جامع مانع ہے بھئی۔ اور مشتقات، اور اسی طرح اسمائے محذوفۃ الاعجاز وغیرہ، اور مغیراتِ قیاسیہ، اور جموعِ شاذہ وغیرہ اس کے اندر داخل نہیں ہیں۔ لیکن ان چیزوں کو نکالنے کے لیے ہمیں تکلفات سے کام لینا پڑا بھئی۔

مشتقات کو نکالنے کے لیے ہم نے کہا کہ صِیغَتِہٖ میں ہا ضمیر اسم کو راجع ہے، تو صیغہ کی اضافت اسم کی طرف ہو رہی ہے، کہ عدل اس کو کہتے ہیں کہ اسم نکلے اپنے صیغۂ اصلیہ سے۔ جب اپنے صیغۂ اصلیہ سے نکلے تو معلوم ہوا یہ مشتقات نکل گئے، کیونکہ مشتقات وہ اپنے صیغے سے نہیں نکلتے بلکہ وہ تو مصدر کے صیغے سے نکلتے ہیں۔ تو ضَارِبٌ کا صیغہ اور، مصدر کا صیغہ اور، تو ضَارِبٌ اپنے صیغے سے نہیں نکلا بلکہ ضَرْبٌ یعنی مصدر کے صیغے سے نکلا ہے۔ اسی طرح مَضْرُوبٌ کا صیغہ اور، ضَرْبٌ کا صیغہ اور، تو مَضْرُوبٌ اپنے صیغے سے نہیں نکلا بلکہ ضَرْبٌ یعنی مصدر کے صیغے سے نکلا ہے۔ تو اس قید کے ذریعے تو چلو ٹھیک ہے مشتقات خارج ہو گئے۔

لیکن آگے جو دو تین چیزیں اور نکالیں، ایک تو اسمائے محذوفۃ الاعجاز کو نکالا، ایک مغیراتِ قیاسیہ کو نکالا، اور اسی طرح جموعِ شاذہ وغیرہ کو نکالا، ان سب کو نکالنے کے لیے تکلفات سے کام لینا پڑا۔ مشتقات کے نکالنے کے لیے تو ٹھیک ہے لفظوں سے کام لیا کہ صِیغَتِہٖ میں صیغہ کا لفظ ہا ضمیر کی طرف مضاف ہے اس لیے مشتقات نکل گئے۔ لیکن اسمائے محذوفۃ الاعجاز میں کیا جواب دیا؟ کہ تبادر ذہن میں یہی ہوتا ہے کہ صورت بدلنی چاہیے، معلوم ہوا مادہ برقرار رہنا چاہیے۔ دیکھا، ویسے ہی ایک تکلف سے کام لے لیا۔ لفظوں کے اندر تو کوئی یہ بات ذکر نہیں ہے کہ مادہ باقی رہنا چاہیے، صرف صورت بدلنی چاہیے بھئی، یہ تو لفظوں سے کہیں معلوم نہیں ہو رہا۔ تو دیکھو تکلف سے کام لیا کہ تبادر یہی ہوتا ہے کہ مادہ باقی رہنا چاہیے، لہٰذا اسمائے محذوفۃ الاعجاز وغیرہ نکل گئے۔

پھر اس کے بعد کہا مغیراتِ قیاسیہ جو ہیں وہ اس کے اندر داخل ہو رہے تھے، جیسے قَالَ اصل میں کیا تھا؟ قَوَلَ، تو قَوَلَ سے کیا بن گیا؟ قَالَ۔ تو دیکھو ایک صورت سے نکل کر دوسری صورت میں آگیا، تو اس کو بھی عدل کہنا چاہیے۔ اسی طرح یَبِیعُ اصل میں کیا تھا؟ یَبْیِعُ، یَبْیِعُ یَضْرِبُ وزن پر، تو پھر اس سے کیا بنا لیا؟ یَبِیعُ بنا لیا، تو دیکھو اپنی اصل صورت سے نکل آیا صیغہ، تو یہ جو مغیراتِ قیاسیہ ہیں یہ بھی عدل کے اندر داخل ہو رہے تھے۔

تو پھر تکلف سے کام لیا کہ بھئی جب صیغہ اپنی صورت سے نکلے گا تو ایک نئی صورت آئے گی۔ تو جیسے وہ صورت پہلی صورت کے مغایر ہے، اسی طرح اس چیز میں بھی دونوں میں مغایرت ہونی چاہیے کہ پہلی صورت جو تھی وہ ضابطے کے موافق تھی تو دوسری کو کیا ہونا چاہیے؟ ضابطے کے موافق نہیں ہونا چاہیے۔ دیکھو یہ بھی تکلف سے کام لیا، صورت میں مغایرت ہے تو اس چیز میں بھی مغایرت ہونی چاہیے کہ ایک ضابطے کے مطابق ہے تو دوسرا ضابطے کے مطابق نہیں ہونا چاہیے، یہ بھی تکلف سے کام لیا۔ تو دیکھو تکلفات سے کام لینا پڑا۔

تو بعض شارحین فرماتے ہیں کہ ان تکلفات سے کام لینے کی کوئی ضرورت نہیں۔ وجہ یہ کہ یہاں پر جو عدل کو ذکر کیا گیا، اس عدل کو جدا کرنا ہے باقی اسبابِ منعِ صرف سے۔ تمام دنیا کی چیزوں سے جدا کرنا مقصد نہیں ہے بلکہ کس سے جدا کرنا مقصد ہے؟ صرف اسبابِ منعِ صرف سے۔ جب صرف اسبابِ منعِ صرف سے جدا کرنا مقصود ہے، جب ان سے جدا

کرنا مقصود ہے، تو خُرُوجُهُ عَنْ صِيغَتِهِ الْأَصْلِيَّةِ کے ذریعے وہ ان سب سے جدا ہو گیا۔ کہ عدل میں کیا ہوتا ہے؟ اسم اپنے اصلی صیغے سے نکلتا ہے، ایک نئی صورت اختیار کرتا ہے۔ اور باقی جو اسبابِ منعِ صرف ہیں، وزنِ فعل اس میں بھی ایسا نہیں، تانیث اس میں بھی ایسا نہیں، معرفہ اس میں بھی ایسا نہیں، الف نون مزیدتان اس میں بھی ایسا نہیں، تو کسی پر یہ تعریف صادق نہیں آ رہی، تو عدل باقی اسبابِ منعِ صرف سے جدا ہو گیا۔ جب جدا ہو گیا تو یہ تکلفات کرنے کی ضرورت نہیں کہ مشتقات کو بھی نکالنا چاہیے، مغیراتِ قیاسیہ کو بھی نکالنا چاہیے، اور اسمائے مخذوفۃ الاعجاز وغیرہ، جموعِ شاذہ وغیرہ ان سب کو نکالنا چاہیے، اس کی ضرورت نہیں، کیونکہ ان سے ہم جدا کر ہی نہیں رہے، ہمارا مقصد ہی نہیں ہے، ان کی طرف ہماری نظر ہی نہیں ہے، ہماری نظر صرف اس وقت کس کی طرف ہے؟ اسبابِ منعِ صرف کی طرف ہے، ان سے ہم نے جدا کرنا ہے۔

اس کو کہتے ہیں تعریف بالاعم بھئی۔ متاخرین کے نزدیک تعریف جامع مانع ہونی چاہیے۔ لہٰذا صاحبِ جامی کو یہ تکلفات سے کام لینا پڑا یہ بتلانے کے لیے کہ عدل کی تعریف جامع مانع ہے۔ اس میں نہ مشتقات داخل ہو رہے ہیں، نہ اس کے اندر اسمائے مخذوفۃ الاعجاز داخل ہو رہے ہیں، نہ اس میں مغیراتِ قیاسیہ داخل ہو رہے ہیں، نہ اس میں جموعِ شاذہ داخل ہو رہی ہیں، یہ عدل کی تعریف کیا ہے؟ جامع مانع ہے۔ لیکن بعض علماء فرماتے ہیں کہ تعریف بالاعم بھی جائز ہے، تعریف بالاعم بھی جائز ہے جب مقصد صرف بعض ما عدا سے جدا کرنا ہو، بعض چیزوں سے صرف جدا کرنا مقصد ہو، تعریف بالاعم بھی جائز۔

جامع مانع تعریف کسے کہتے ہیں؟ کہ جس چیز پر معرَّف صادق آئے اس پر تعریف بھی صادق آئے، اور جس پر معرَّف صادق نہ آئے اس پر تعریف بھی صادق نہ آئے۔ جیسے انسان کی تعریف ہم کیا کرتے ہیں؟ حیوانِ ناطق۔ تو جس جس چیز پر انسان صادق آئے اس پر حیوانِ ناطق بھی صادق آنا چاہیے، اور جس پر انسان صادق نہیں آ رہا مثلاً حجر ہے تو اس پر حیوانِ ناطق بھی صادق نہیں آنا چاہیے۔ یعنی تعریف جامع بھی ہو، اپنے تمام افراد کو جمع بھی کر لے، اور مانع بھی ہو، کوئی غیرِ معرَّف اس کے اندر داخل بھی نہ ہو، تو تعریف کو کیا ہونا چاہیے؟ جامع مانع۔

جبکہ اس کے مقابلے میں تعریف بالاعم یہ ہے کہ ایک لفظِ اعم کے ذریعے معرَّف کی تعریف کر دی جائے۔ جیسے کسی نے مجھ سے پوچھا: فَرَسٌ کسے کہتے ہیں؟ فَرَسٌ کیا چیز ہے؟ میں نے کہا: حَيَوَانٌ، فَرَسٌ کیا ہے؟ حَيَوَانٌ ہے۔ اب دیکھو حَيَوَانٌ تو فَرَسٌ سے زیادہ عام ہے، حَيَوَانٌ کے اندر تو انسان بھی داخل ہو رہا ہے، فَرَسٌ بھی، گائے، بیل، بکری وغیرہ سب داخل ہو رہے ہیں۔ تو یہ میں نے فَرَسٌ کی تعریف کس کے ذریعے کر دی؟ اعم کے ذریعے، ایک ایسی لفظ کے ذریعے جو اس سے زیادہ عام ہے۔ تو تعریف بالاعم بھی وہ علماء فرماتے ہیں جائز ہے جب بعض ما عدا سے جدائی کرنا مقصود ہو۔ مثلاً اس نے مجھ سے پوچھا تھا کہ فَرَسٌ کیا ہے، اب میں اس کو صرف شجر و حجر، درخت اور پتھر وغیرہ جمادات جو ہیں، میں صرف ان سے جدا کرنا چاہتا ہوں، تو میں نے اس کو کہا اَلْفَرَسُ حَيَوَانٌ، فَرَسٌ حیوان ہے۔ تو دیکھو حَيَوَانٌ جب میں نے کہا تو فَرَسٌ

شجر سے بھی جدا ہو گیا کیونکہ شجر بھی حیوان نہیں، اور حجر سے بھی جدا ہو گیا کیونکہ حجر بھی حیوان نہیں۔

تو بعض اوقات جب کسی چیز کی پہچان کروانی ہوتی ہے، تعریف کے ذریعے پہچان کروائی جاتی ہے نا، تو بعض اوقات پہچان کے ذریعے مقصد صرف یہ ہوتا ہے کہ بعض چیزوں سے اس کو جدا کر دیا جائے۔ اور یہاں پر بھی اس نے مجھ سے فَرَسٌ پوچھا تھا تو وہ ساری دنیا کی چیزوں سے جدائی اس کا مقصد نہیں ہے کہ ساری دنیا کی چیزوں سے جدا کر کے فَرَسٌ بتلاؤ، بلکہ وہ بعض ما عدا سے جدائی مقصود ہے، یعنی شجر و حجر سے وہ جدا کرنا چاہتا ہے کہ ان سے کیا فرق ہے اس کا؟ تو میں نے کہا حَیَوَانٌ، کہ فَرَسٌ کیا ہوتا ہے؟ حیوان، اب شجر و حجر سے جدا ہو گیا بھئی۔

یہ آپ بھی استعمال کرتے ہیں، مثلاً گلاب کا پھول ہے، اب کسی شخص نے گلاب کو نہیں، گلاب کے بارے میں اس کو پتہ نہیں ہے، تو وہ آپ سے پوچھتا ہے کہ بھئی یہ گلاب کیا چیز ہے؟ آپ اس کو کہتے ہیں ایک پھول ہے۔ دیکھا، اب پھول تو عام ہے، وہ ہر طرح کے پھولوں پر صادق آتا ہے، لیکن آپ نے، یہاں کیا مقصود تھا؟ تمام دنیا کی چیزوں سے جدا کرنا مقصود نہیں تھا بلکہ کچھ چیزوں سے جدا کرنا مقصود تھا، کچھ نہ کچھ اس کو پہچان حاصل ہو گئی۔ تو یہ ہے تعریف بالاعم، یعنی ایک ایسی تعریف کرنا جو معرَّف سے زیادہ عام ہو، اس کے مقابلے میں زیادہ عام ہو اور چیزیں بھی اس کے اندر داخل ہو رہی ہوں، لیکن میں نے بتایا جب بعض ما عدا سے جدائی کرنا مقصود ہو تو تعریف بالاعم بھی جائز ہے۔

یہاں پر بھی اسی طرح وہ شارحین فرماتے ہیں کہ عدل کی ایسی تعریف کی کہ جس کے اندر مشتقات بھی داخل ہو رہے ہیں، مغیراتِ قیاسیہ بھی داخل ہو رہے ہیں، اسمائے محذوفۃ الاعجاز وغیرہ بھی داخل ہو رہے ہیں، جموعِ شاذہ بھی داخل ہو رہی ہیں، تو تعریف بالاعم کی، لیکن یہ تعریف بالاعم بھی صحیح ہے کیونکہ ان تمام چیزوں سے عدل کو جدا کرنا مقصد ہی نہیں ہے، مقصد صرف کس سے جدا کرنا ہے؟ باقی اسبابِ منعِ صرف سے، وہ کتنے باقی ہیں؟ آٹھ۔ ان آٹھ سے عدل جدا ہو گیا کیونکہ عدل میں کیا ہے؟ خُرُوجُهُ عَنْ صِيغَتِهِ الْأَصْلِيَّةِ، اور باقی کسی کے اندر خُرُوجُهُ عَنْ صِيغَتِهِ الْأَصْلِيَّةِ نہیں ہوتا۔ تو ان شارحین کے اگر قول کو لیا جائے تو پھر ان تکلفات میں پڑنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ بات سمجھ میں آ گئی؟

دیکھیے بھئی اب کتاب پر۔ کہتے ہیں: وَقَالَ بَعْضُ الشَّارِحِينَ قَدْ جَوَّزَ بَعْضُهُمْ، اور بعض شارحین نے فرمایا ہے کہ قَدْ جَوَّزَ بَعْضُهُمْ کہ بعض علماء نے جائز قرار دیا ہے، تَعْرِيفَ الشَّيْءِ بِمَا هُوَ أَعَمُّ مِنْهُ، ایک شے کی تعریف کرنا ایسی چیز کے ساتھ جو اس سے زیادہ عام ہو، إِذَا كَانَ الْمَقْصُودُ تَمْيِيزَهُ عَنْ بَعْضِ مَا عَدَاهُ، جبکہ مقصود جو ہے اس چیز کو جدا کرنا ہو بعض ما عدا سے، بعض چیزوں سے، اس کے علاوہ بعض چیزوں سے جدا کرنا مقصود ہو، تمام چیزوں سے جدا کرنا مقصود نہ ہو۔ فَيُمْكِنُ أَنْ يُقَالَ، تو ممکن ہے کہ یہاں پر یوں کہا جائے کہ اَلْمَقْصُودُ هَاهُنَا تَمْيِيزُ الْعَدْلِ عَنْ سَائِرِ الْعِلَلِ، کہ یہاں پر مقصود جو ہے وہ عدل کو جدا کرنا ہے عَنْ سَائِرِ الْعِلَلِ باقی علتوں سے۔ سائر بمعنی باقی کے بھی آتا ہے اور بمعنی تمام کے بھی، تو یہاں مقصود جو ہے تَمْيِيزُ الْعَدْلِ عَنْ سَائِرِ الْعِلَلِ وہ عدل کو جدا کرنا ہے باقی علتوں سے، لَا عَنْ كُلِّ مَا عَدَاهُ، نہ کہ تمام ما عدا سے، اس

کے علاوہ باقی تمام چیزوں سے جدا کرنا یہاں مقصود نہیں۔ فَحَيْثُ حَصَلَ بِتَعْرِيفِهِ هَذَا التَّمْيِيزُ، تو جب یہ والی تمیز حاصل ہو گئی اس عدل کی تعریف سے، اس یہ والی تمیز یہ والی جدائی کیا ہو گئی حاصل یہ والا امتیاز حاصل ہو گیا عدل کی تعریف کے ذریعے، یعنی باقی اسبابِ منعِ صرف سے یہ جدا ہو گیا، تو لَا بَأْسَ بِكَوْنِهِ أَعَمَّ مِنْهُ، تو کوئی حرج نہیں ہے اس تعریف کے اس سے اعم ہونے میں، عدل سے زیادہ عام ہونے میں کوئی حرج نہیں ہے، کیونکہ یہاں تمام چیزوں سے جدا کرنا مقصد ہی نہیں ہے بلکہ صرف ان باقی علتوں سے جدا کرنا مقصد ہے اور وہ اس تعریف کے ذریعے حاصل ہو جاتا ہے۔ تو کہتے ہیں: فَحِينَئِذٍ لَا حَاجَةَ فِي تَصْحِيحِ هَذَا التَّعْرِيفِ إِلَى ارْتِكَابِ تِلْكَ التَّكَلُّفَاتِ، تو اس وقت یعنی جب بعض چیزوں سے جدا کرنا مقصد تھا اور وہ حاصل ہو گیا ہے تو لَا حَاجَةَ کوئی ضرورت نہیں ہے فِي تَصْحِيحِ هَذَا التَّعْرِيفِ اس تعریف کو صحیح کرنے کے لیے إِلَى ارْتِكَابِ تِلْكَ التَّكَلُّفَاتِ ان تکلفات کا ارتکاب کرنے کی۔ تو لہٰذا اس تعریف کو صحیح کرنے کے لیے یعنی جامع مانع بنانے کے لیے ان تکلفات کا ارتکاب کرنے کی اب کوئی ضرورت نہیں ہے کیونکہ تمام چیزوں سے جدا کرنا یہاں مقصد ہی نہیں ہے بلکہ صرف ان باقی علتوں سے جدا کرنا یہاں مقصد ہے۔

لیکن محشی حضرات لکھتے ہیں بھئی کہ ضرورت ہے عدل کو باقی چیزوں سے جدا کرنے کی، اس لیے کیونکہ یہاں پر یہ غیر منصرف کی پہچان ہمیں کروائی جا رہی ہے، غیر منصرف کی پہچان ہمیں تب ہی ہوگی جب ہمیں ان علتوں کا صحیح طور پر پتہ چلے گا، اور غیر منصرف کو ہم نے جدا کرنا ہے کس سے؟ منصرف سے بھئی۔ تو ان علتوں کی ہمیں صحیح پہچان ہوگی تو پھر ہم غیر منصرف کو منصرف سے جدا کر کے پہچان سکیں گے۔ تو یہاں پر جو عدل کی تعریف کی گئی، یہاں صرف علتوں سے جدا کرنا نہیں مقصود، بلکہ اور جتنے تغیر و تبدل ہوتے ہیں منصرف کے اندر ان سے بھی جدا کرنا مقصود ہے تاکہ کہیں ان کو ہم عدل نہ سمجھیں، تاکہ ہم ان کو عدل نہ سمجھیں۔ جب ہمیں پوری پہچان ہو گئی، جب تعریف کو صاحبِ جامی نے اپنی تقریر کے ذریعے بتلا دیا کہ یہ تعریف جامع مانع ہے، اب کہیں پر اور تغیر و تبدل ہوتا ہے، یہ مشتقات میں بھی کیا ہوتا ہے تغیر اشتقاق کے وقت تغیر و تبدل ہوتا ہے، اسی طرح مغیراتِ قیاسیہ میں بھی تغیر و تبدل ہوتا ہے، اسی طرح جو اسمائے محذوفۃ الاعجاز وغیرہ ہیں ان میں بھی ہوتا ہے، جموعِ شاذہ میں بھی ہوتا ہے، تو تاکہ ہمیں پتہ ہو کہ یہ عدل نہیں ہیں۔ تو یہاں اصل مقصد کیا ہے؟ غیر منصرف کی پہچان منصرف کے مقابلے میں، لہٰذا ضروری ہے کہ تعریف جامع مانع ہونی چاہیے تاکہ منصرف کے اندر جو تغیر و تبدل ہو اس کو کہیں ہم عدل نہ سمجھیں۔ بات سمجھ میں آ گئی؟

آگے دیکھیے: وَاعْلَمْ أَنَّا نَعْلَمُ قَطْعًا أَنَّهُمْ لَمَّا وَجَدُوا ثُلَاثَ وَمَثْلَثَ وَأُخَرَ وَجُمَعَ وَعُمَرَ غَيْرَ مُنْصَرِفٍ، وَلَمْ يَجِدُوا فِيهَا سَبَبًا ظَاهِرًا غَيْرَ الْوَصْفِيَّةِ أَوِ الْعَلَمِيَّةِ، احْتَاجُوا إِلَى اعْتِبَارِ سَبَبٍ آخَرَ، وَلَمْ يَصْلُحْ لِلِاعْتِبَارِ إِلَّا الْعَدْلُ فَاعْتَبَرُوهُ فِيهَا.

یہاں سے صاحبِ جامی بعض دیگر علماء کے قول کو رد فرما رہے ہیں۔ یاد رکھو ذرا گہری بات ہے توجہ سے سننا۔ بعض علماء فرماتے ہیں کہ ہمیں عدل کا پتہ پہلے چلتا ہے اور پھر اس کے بعد ہم کلمے پر غیر منصرف ہونے کا حکم لگاتے ہیں۔ توجہ

ہے؟ معلوم ہوا عِلْمٌ بِالْعَدْلِ یعنی عدل کو جاننا یہ مقدم ہے عِلْمٌ بِغَیْرِ الِانْصِرَافِ پر۔ عِلْمٌ بِالْعَدْلِ یہ مقدم ہے کس پر؟ عِلْمٌ بِغَیْرِ الِانْصِرَافِ پر۔ ہمیں عدل کا پتہ پہلے چلتا ہے اور پھر اس کے بعد ہم کلموں پر غیر منصرف ہونے کا حکم لگاتے ہیں، اور یہ ہے عدلِ تحقیقی میں۔ بلکہ پہلے ایک آدھ اور بات سمجھ لیں۔

یاد رکھو یہ جو عدل ہے یہ دو قسم پر ہے بھئی: ایک عدلِ تحقیقی ہے، ایک عدلِ تقدیری ہے۔ عدلِ تحقیقی وہ ہے جس میں ہمارے پاس کوئی دلیل موجود ہو عدل پر، اور عدلِ تقدیری قَدَّرَ یُقَدِّرُ تَقْدِیرًا کا معنی ہے فرض کرنا، جس میں ہمارے پاس عدل پر کوئی دلیل موجود نہ ہو۔ تو جہاں عدل پر دلیل موجود ہے اس کو کیا کہتے ہیں؟ عدلِ تحقیقی، اور جہاں عدل پر کوئی دلیل موجود نہیں اس کو کہتے ہیں عدلِ تقدیری، یعنی یہاں عدل کو فرض کر لیا گیا ہے۔

جیسے دیکھو، جیسے آگے آئے گا بھئی، ثُلَاثٌ اور مَثْلَثٌ، ثُلَاثٌ اور مَثْلَثٌ کا معنی ہے تین تین، تین تین۔ اور یہ ہم نے عربوں سے سنا ہے کہ یہ غیر منصرف ہیں بھئی۔ تو اب یہ تین تین ان کا معنی ہے: ثُلَاثٌ کا معنی بھی تین تین، مَثْلَثٌ کا معنی بھی تین تین۔ تو دیکھو ثُلَاثٌ لفظ ایک ہے اور معنی کے اندر تکرار ہے، تین تین دو مرتبہ تین کہنا پڑے گا۔ تو دیکھو لفظ ایک اور معنی میں تکرار۔ اسی طرح مَثْلَثٌ بھی ہے، مَثْلَثٌ لفظ ایک اور معنی تین تین، دیکھو معنی دو دفعہ آ رہا ہے، حالانکہ لفظ ایک ہو تو معنی ایک ہوتا ہے معنی میں تکرار نہیں ہوتا بھئی۔ معلوم ہوا کہ یہ ثُلَاثٌ اصل میں ثَلَاثَةٌ ثَلَاثَةٌ تھا، یعنی لفظ میں بھی تکرار تھا، لفظ میں بھی تکرار تھا، پھر اس ثَلَاثَةٌ ثَلَاثَةٌ اس کا معنی کیا تھا تین تین، اس سے پھیر کر ایک نیا لفظ ثُلَاثٌ بنا لیا گیا۔ تو اب دیکھو یہ عدل ہے، ثَلَاثَةٌ ثَلَاثَةٌ سے پھیر کر عدل کر کے ایک لفظ کیا بنا لیا گیا ثُلَاثٌ، اور اسی طرح ایک لفظ کیا بنا لیا گیا؟ مَثْلَثٌ بنا لیا گیا۔ تو اب دیکھو لفظ ایک ہے معنی دو، کیونکہ یہ حقیقت میں کیا تھا ثُلَاثٌ؟ ثَلَاثَةٌ ثَلَاثَةٌ تھا، اسی طرح مَثْلَثٌ بھی اصل میں کیا تھا؟ ثَلَاثَةٌ ثَلَاثَةٌ تھا۔ تو دیکھو یہاں ہمارے پاس عدل کی، عدل پر دلیل موجود ہے اور وہ دلیل کیا ہے؟ کہ ان کے معنی میں تکرار ہے۔

ثُلَاثٌ کا معنی کیا؟ تین تین، دو مرتبہ تین کہنا پڑے گا، تو اس کے معنی میں تکرار ہے اور تکرارِ معنی تب ہوتا ہے جب لفظ میں تکرار ہو، معلوم ہوا یہ پہلے اصل میں کیا تھا؟ ثَلَاثَةٌ ثَلَاثَةٌ تھا، تو یہاں ہمارے پاس دلیل موجود ہے۔ اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ عدل کی ہمارے پاس کوئی دلیل موجود نہیں ہوتی، جیسے عُمَرُ اور زُفَرُ۔ عُمَرُ جو ہے اس کو ہم نے عربوں سے غیر منصرف سنا، اور پھر ہم نے غور کیا کہ یہ عُمَرُ اور زُفَرُ کو عرب غیر منصرف کیوں پڑھتے ہیں؟ تو ہمیں اس میں ایک سبب ملا علمیت۔ عُمَرُ بھی عَلَم ہے نام ہے، زُفَرُ بھی عَلَم ہے نام ہے، لیکن ان کے اندر دوسرا اور کوئی سبب نہیں تھا، حالانکہ نحویوں کا ضابطہ ہے کہ کوئی لفظ غیر منصرف تب بنتا ہے جب اس میں دو سبب پائے جائیں، اور عرب اس کو غیر منصرف استعمال کرتے ہیں، وہ ان پر نہ کسرہ پڑھتے ہیں نہ تنوین پڑھتے ہیں، تو یہ ہیں تو غیر منصرف، تو سبب بھی دو ہونے چاہئیں بھئی، ایک سبب سے نہیں ہونا چاہیے، تو پھر مجبوراً نحویوں کو اس میں عدل کو فرض کرنا پڑا۔

اپنے ضابطے کو بچانے کے لیے، ضابطہ کیا تھا کہ غیر منصرف کون سا کلمہ بنے گا جس میں دو سبب پائے جائیں، تو لہٰذا اب جب عُمَرُ میں عدل کو بھی فرض کر لیا تو ایک علمیت آ گئی ایک عدل آ گیا، تو اب یہ لفظ ضابطے کے مطابق ہو گیا کہ ان دو سببوں کی وجہ سے یہ غیر منصرف ہے۔ تو یہ عُمَرُ کہتے ہیں اصل میں تھا عَامِرٌ، دلیل کیا ہے؟ دلیل کوئی بھی نہیں بھئی، بس صرف اپنے ضابطے کو بچانے کے لیے فرض کر لیا گیا۔ اسی طرح زُفَرُ اصل میں کیا تھا؟ زَافِرٌ، بس اپنے ضابطے کو بچانے کے لیے فرض کر لیا گیا۔ تو اس کو کہتے ہیں عدلِ تقدیری۔ تو عدلِ تحقیقی وہ ہے جہاں پر کوئی دلیل موجود ہوتی ہے عدل پر، اور عدلِ تقدیری وہ ہے جس کے اندر عدل پر کوئی دلیل موجود نہیں ہوتی۔

تو اب دیکھیے یہ دو علماء کے دو گروہ ہیں بھئی۔ میں ذکر کر رہا تھا کہ یہاں صاحبِ جامی رد کر رہے ہیں بعض علماء کو، وہ علماء فرماتے ہیں کہ جہاں عدلِ تحقیقی ہوتا ہے، عدلِ تقدیری نہیں، وہ تو ہم نے فرض کیا، اس کو ذرا ایک طرف رکھ دیں، جہاں عدلِ تحقیقی ہوتا ہے وہاں ہمیں عدل کا پتہ پہلے چلتا ہے اور پھر اس کے بعد ہم کلمے پر غیر منصرف ہونے کا حکم لگاتے ہیں۔ جیسے ثُلَاثُ، ثُلَاثُ کے اندر ایک تو اس میں وصفیت ہے یہ وصف ہے بھئی، اور دوسرا اس کے اندر ہمیں عدل کا پتہ چلا تو اب ہم نے اس پر حکم لگا دیا کہ یہ غیر منصرف ہے۔ ایک کیا وصف، دوسرا عدل، تو عدل کا علم پہلے ہوا اور غیر منصرف ہونے کا علم اس کے بعد ہوا۔ تو عِلْمٌ بِالْعَدْلِ مقدم ہے ان علماء کے نزدیک کس سے؟ عِلْمٌ بِغَيْرِ الِانْصِرَافِ پر، پہلے عدل کا علم ہوتا ہے پھر غیر منصرف ہونے کا حکم لگایا جاتا ہے کس کے اندر؟ عدلِ تحقیقی میں، تقدیری میں نہیں۔ تو عدلِ تحقیقی کے اندر، تو ان کے نزدیک عِلْمٌ بِالْعَدْلِ مقدم ہے عِلْمٌ بِغَيْرِ الِانْصِرَافِ پر۔

جبکہ علامہ جامی فرماتے ہیں کہ نہیں، عِلْمٌ بِغَيْرِ الْمُنْصَرِفِ مقدم ہے کس پر؟ عِلْمٌ بِالْعَدْلِ پر۔ عِلْمٌ بِالْ... پہلے ہمیں اس کے غیر منصرف ہونے کا پتہ چلا، ہم نے عربوں سے سنا وہ ان کو غیر منصرف پڑھتے ہیں ثُلَاثُ اور مَثْلَثُ کو، پھر اس کے بعد ہم نے غور کیا کہ اس میں کون سے دو سبب ہیں؟ تو دیکھا ایک سبب وصف ہے، دوسرا تو کوئی سبب ہی ہمیں نہیں مل رہا، تو پھر ہم نے اس میں عدل کا اعتبار کر لیا۔ عدل کا اعتبار کر لیا، اور پھر اس کے بعد اس ثُلَاثُ اور مَثْلَثُ کی اصل کیا تھی، اس پر ہمیں ایک دلیل بھی مل گئی۔ اس پر ہمیں دلیل بھی مل گئی کہ ان کی اصل ثَلَاثَةٌ ثَلَاثَةٌ تھی، اور دلیل کیا کہ ان کے معنی میں تکرار ہے، معلوم ہوا ان کے اصل میں بھی کیا تھا؟ لفظوں میں بھی تکرار تھا۔ تو وہ دیگر علماء کیا فرماتے ہیں کہ عدل کا پتہ پہلے چلتا ہے اور غیرِ انصراف کا پتہ بعد میں، جبکہ علامہ جامی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ نہیں غیرِ انصراف کا پتہ پہلے چلتا ہے کس میں؟ عدلِ تحقیقی والی صورت میں، غیرِ انصراف کا پتہ پہلے چلتا ہے اور اس کے بعد پھر ہم اس میں عدل کا اعتبار کرتے ہیں۔

دیکھو ایک ہے عدلِ تحقیقی، ایک ہے عدلِ تقدیری۔ توجہ سے سنو۔ عدلِ تحقیقی میں، بلکہ یہ اپنے سامنے ذرا کاپی پہ دو چار لفظ لکھ لیں، پھر آپ کو بات سمجھ میں آئے گی ذرا الفاظ مشکل ہیں بھئی۔ جلدی جلدی لکھیے بھئی۔ بھئی دو قسمیں

ہیں: عدلِ تحقیقی کسے کہتے ہیں اور عدلِ تقدیری، دونوں مذاہب لکھنے ہیں مختصر لفظوں میں آپ کو، پھر اس کے بعد میں مزید تفصیل بیان کرتا ہوں۔ پہلے لکھیے بھئی: عدلِ تحقیقی، عدلِ تحقیقی، عدلِ تحقیقی۔ اب اس میں وہ جو اختلاف ہے وہ لکھیے: بعض علماء کے نزدیک، بعض علماء کے نزدیک عدلِ تحقیقی میں اخراجِ محقق ہوتا ہے، اخراجِ محقق، میم ح قاف دو نقطوں والا اور پھر قاف دو نقطوں والا، مُحَقَّق، کہ عدلِ تحقیقی میں اخراجِ محقق ہوتا ہے اصلِ محقق سے، اصلِ محقق سے۔ جبکہ صاحبِ جامی کے نزدیک اخراجِ مقدر ہوتا ہے، اخراجِ مقدر ہوتا ہے اصلِ محقق سے۔ لکھ لیا؟ جی اب دوسرا لکھیے: عدلِ تقدیری۔ عدلِ تقدیری میں کوئی اختلاف نہیں، عدلِ تقدیری میں کوئی اختلاف نہیں، دونوں کے نزدیک اس میں اخراجِ مقدر ہوتا ہے، اخراجِ مقدر ہوتا ہے اصلِ مقدر سے، اخراجِ مقدر ہوتا ہے اصلِ مقدر سے۔ لکھ لیا؟

جی بس اب اس کو سمجھ لیں۔ بھئی دیکھیے یہ عدلِ تقدیری کے اندر دونوں میں کوئی اختلاف نہیں۔ عدلِ تقدیری کس میں تھا؟ جیسے عُمَرُ اور زُفَرُ میں تھا۔ عُمَرُ اور زُفَرُ کو کس سے نکالا گیا ہے؟ عَامِرٌ اور زَافِرٌ سے، اور اس پر کوئی دلیل موجود نہیں۔ معلوم ہوا، ادھر دیکھیے بھئی، یہ جو عُمَرُ اور زُفَرُ کے لیے عَامِرٌ اور زَافِرٌ کو اصل قرار دیا گیا، اس کا اصل ہونا بھی محقق نہیں ہے۔ یہ اصل بھی محقق نہیں ہے، ویسے فرض کر لی کہ عُمَرُ کی اصل کیا تھی؟ عَامِرٌ تھی، زُفَرُ کی اصل کیا تھی؟ زَافِرٌ تھی، ویسے ہی فرض کر لی، کوئی دلیل موجود نہیں۔ تو یہ جو اصل ہے یہ بھی مقدر ہے یعنی فرض کر لیا گیا ہے کہ یہ ان کی اصل ہے۔ اور پھر عَامِرٌ سے جو عُمَرُ بنایا گیا، عَامِرٌ سے جو اخراج کیا گیا عُمَرُ کا، یہ بھی فرض کر لیا گیا، اس پر بھی کوئی دلیل موجود نہیں۔ معلوم ہوا عُمَرُ کے لیے جو عَامِرٌ کو اصل قرار دیا گیا تو یہ اصل بھی مقدر اور اس اصل سے اخراج بھی مقدر ہے یعنی فرض کر لیا گیا ہے، حقیقت میں نہیں ہے۔ تو عدلِ تقدیری کے اندر اصل بھی کیا ہوتا ہے؟ مقدر، اور اخراج بھی کیا ہوتا ہے؟ مقدر۔ اصل کو بھی فرض کیا اور اخراج کو بھی فرض کیا دونوں کے نزدیک۔

جبکہ عدلِ تحقیقی کے اندر دونوں میں اختلاف ہے۔ عدلِ تحقیقی کے اندر بعض علماء فرماتے ہیں کہ اصل جو ہے وہ بھی محقق ہے اور اخراج بھی محقق ہے۔ اصل بھی محقق اور اخراج بھی محقق۔ اصل بھی محقق ہے، دیکھو ثُلَاثٌ کو کس سے بنایا گیا؟ ثَلَاثَةٌ ثَلَاثَةٌ سے، یہ اصل بھی محقق ہے کہ یہی ہے اس کی اصل بھئی، ثُلَاثٌ کی اصل یہی، تو یہ اصل بھی محقق۔ اور انہوں نے کیا کہا تھا؟ عدل کا پہلے پتہ چلتا ہے یا غیرِ انصراف کا؟ عدل کا پہلے پتہ چلتا ہے۔ تو یہ ثَلَاثَةٌ ثَلَاثَةٌ اس کی اصل یہ بھی محقق، اور پھر اس سے نکالنا اور ثُلَاثٌ بنانا یہ بھی کیا ہے؟ محقق ہے، اس کے بعد اعتبار کیا گیا غیرِ انصراف کا، اس کے بعد کس کا اعتبار کیا گیا؟ پہلے پتہ چلا عدل کا، اصل بھی محقق، پھر اصل سے نکالنا بھی محقق کہ واقعی اسی سے نکالا گیا ہے، اور پھر اس کے بعد پتہ چلا کہ ہاں بھئی جب نکالا گیا ہے تو عدل آگیا، جب عدل آگیا تو اب کلمے میں ایک سبب پہلے بھی ہے ایک یہ بھی آگیا، اب اس کو کیا پڑھنا چاہیے؟ غیر منصرف۔ تو یہ علماء فرماتے ہیں کہ عِلْمٌ بِالْعَدْلِ مقدم ہے کس پر؟ عِلْمٌ بِغَيْرِ الِانْصِرَافِ پر۔ تقریر سمجھ میں آرہی ہے؟ تو ان علماء کے نزدیک یہ جو عدلِ تحقیقی ہے اس کے اندر اصل بھی محقق اور اس

سے جو نکالا گیا لفظ کو وہ بھی محقق ہے بھئی، وہ فرض نہیں کیا گیا حقیقتاً اس سے نکالا گیا ہے۔

جبکہ صاحبِ جامی اور تقریر فرماتے ہیں، وہ فرماتے ہیں کہ ثُلَاثٌ کی اصل ثَلَاثَةٌ ثَلَاثَةٌ ہے یہ تو محقق ہے، اس پر تو دلیل موجود ہے، دلیل کیا ہے کہ ثُلَاثٌ کے معنی ہیں تین تین، اور معنی میں تکرار تب ہی ہوتا ہے جب لفظوں میں بھی کیا ہو؟ تکرار ہو، تو اصل پر دلیل موجود ہے کہ ثُلَاثٌ کی اصل کیا؟ ثَلَاثَةٌ ثَلَاثَةٌ، تو یہ اصل تو محقق ہے، اصل تو محقق ہے، لیکن پھر اس ثَلَاثَةٌ ثَلَاثَةٌ کو پھیر کر ثُلَاثٌ بنایا گیا، کہتے ہیں یہ مقدر ہے بھئی، یہ فرض کر لیا۔ یہ... کیونکہ پہلے کس کا پتہ چلتا ہے؟ غیرِ انصراف کا، اس کے بعد کس کا اعتبار کرنا پڑتا ہے؟ عدل کا۔

صاحبِ جامی، یاد رکھیے، وہ تقریر فرمائیں گے۔ پہلے دوبارہ دہرا لیں: باقی علماء کیا فرماتے ہیں؟ کہ عدل کا علم پہلے ہوتا ہے اور پھر اس کلمے پر غیرِ انصراف کا حکم بعد میں لگایا جاتا ہے، جبکہ علامہ جامی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ نہیں، پہلے غیرِ انصراف کا پتہ چلتا ہے۔ ہم سنتے ہیں عربوں سے کہ یہ ثُلَاثٌ اور مَثْلَثٌ کو غیر منصرف پڑھتے ہیں، ثُلَاثٌ، مَثْلَثٌ، عُمَرُ وغیرہ سب کو غیر منصرف پڑھتے ہیں، ہم نے عربوں سے اسی طرح سنا ہے۔ تو ہم نے غور کیا ان کے اندر ہمیں ایک ایک سبب مل رہا ہے: عُمَرُ کے اندر علمیت ہے بس دوسرا سبب ہی کوئی نہیں، اسی طرح ثُلَاثٌ مَثْلَثٌ ان میں وصفیت ہے دوسرا سبب ہی کوئی نہیں، حالانکہ ایک سبب سے تو کوئی کلمہ غیر منصرف نہیں بنتا، تو مجبور ہو کر اس میں کیا فرض کرنا پڑا؟ عدل کو فرض کرنا پڑا، دیکھا؟ عدل کو فرض کرنا پڑا، اس اخراج کو فرض کرنا پڑا، تو اخراج مقدر ہوگا ہمیشہ بھئی، عدل کو فرض کرنا پڑے گا کس لیے؟ اپنے ضابطے کو بچانے کے لیے۔

تو معلوم ہوا پہلے ہمیں یہ پتہ چلا کہ عربوں نے ان دو کلموں کو غیر منصرف پڑھا ہے، اس کے بعد پھر ہم نے غور کیا تو اس میں ہمیں ایک سبب مل رہا تھا دوسرا تھا ہی نہیں، تو ہم نے کس کا اعتبار کر لیا؟ عدل کا اعتبار کر لیا یعنی اخراج کا اعتبار کر لیا کہ اس کو نکالا گیا ہے ایک صورت سے دوسری صورت کی طرف۔ اور یہ جو اخراج ہے اس کا ہم نے اعتبار کیا ہے، اس کا ہمیں اعتبار کرنا پڑا، تو معلوم ہوا جب ہمیں اعتبار کرنا پڑا تو اخراج حقیقتاً ہوا ہے یا وہ بھی مقدر ہے ماننا پڑا ہمیں؟ ماننا پڑا ہمیں، کیا کرنا پڑا؟ ماننا پڑا ہمیں، اعتبار کرنا پڑا۔ حقیقتاً ثَلَاثَةٌ ثَلَاثَةٌ سے ثُلَاثٌ کا اخراج ہوا ہو اس کی ہمارے پاس کوئی دلیل موجود نہیں، اس کی اصل پر تو دلیل موجود ہے لیکن اخراج، اخراج کا تو ہم نے صرف اعتبار کیا ہے بھئی اپنے ضابطے کو بچانے کے لیے۔ تو صاحبِ جامی کے نزدیک عدلِ تحقیقی کے اندر اصل تو محقق ہوتی ہے، اصل پر تو دلیل موجود ہوتی ہے لیکن یہ جو اخراج ہے یہ اعتباری ہی ہوتا ہے، ہمیں اس کا اعتبار کرنا پڑتا ہے، تو یہ محقق نہیں ہے بلکہ یہ مقدر ہے۔ بات سمجھ میں آگئی اچھی طرح؟

اب دیکھیے کتاب پر: وَاعْلَمْ اور تو جان لے أَنَّا نَعْلَمُ قَطْعًا کہ ہم جانتے ہیں قطعی طور پر، یقینی طور پر کہ أَنَّهُمْ لَمَّا وَجَدُوا ثُلَاثَ وَمَثْلَثَ وَأُخَرَ وَجُمَعَ وَعُمَرَ غَيْرَ مُنْصَرِفٍ، کہ أَنَّهُمْ لَمَّا وَجَدُوا کہ نحوی حضرات جو ہیں جب انہوں نے پایا ثُلَاثَ، مَثْلَثَ،

أُخَرَ، جُمَعَ اور عُمَرَ کو، کیا پایا؟ غَيْرَ مُنْصَرِفٍ، ان کو انہوں نے غیر منصرف پایا، وَلَمْ يَجِدُوا فِيهَا سَبَبًا ظَاهِرًا غَيْرَ الْوَصْفِيَّةِ أَوِ الْعَلَمِيَّةِ، اور اس کے اندر انہیں کوئی سببِ ظاہری نہیں ملا غَيْرَ الْوَصْفِيَّةِ أَوِ الْعَلَمِيَّةِ علاوہ وصفیت یا علمیت کے۔ یہ دیکھو ثُلَاثَ، مَثْلَثَ، أُخَرَ، جُمَعَ، ان کے اندر وصفیت کے...

علاوہ اور کچھ نہیں ملا، اور عُمَرُ کے اندر علمیت کے علاوہ کچھ نہیں، یعنی سب میں...

ایک ایک سبب ہی ملا نحویوں کو، بات سمجھ میں آرہی ہے؟ یہ معنی ہے: وَلَمْ يَجِدُوا فِيهَا سَبَبًا ظَاهِرًا غَيْرَ الْوَصْفِيَّةِ أَوِ الْعَلَمِيَّةِ، اور انہوں نے ان لفظوں کے اندر کوئی ظاہری سبب نہیں پایا سوائے وصفیت اور علمیت کے۔ تو احْتَاجُوا إِلَى اعْتِبَارِ سَبَبٍ آخَرَ، تو محتاج ہوئے ایک اور سبب کے اعتبار کرنے کی جانب، ان کو ایک اور سبب کا اعتبار کرنا پڑا، ماننا پڑا، فرض کرنا پڑا، اور وہ عدل تھا، معلوم ہوا یہ جو عدل ہے، یہ جو اخراج ہے یہ مقدر ہے، اعتباری ہے، حقیقی نہیں۔ تو کہتے ہیں: احْتَاجُوا إِلَى اعْتِبَارِ سَبَبٍ آخَرَ، تو محتاج ہوئے ایک اور سبب کا اعتبار کرنے کی طرف، وَلَمْ يَصْلُحْ لِلِاعْتِبَارِ إِلَّا الْعَدْلُ، اور صلاحیت نہیں رکھتا تھا اعتبار کی إِلَّا الْعَدْلُ سوائے عدل کے۔ عدل کے علاوہ کسی اور کا اعتبار نہیں کیا جا سکتا تھا بھئی، کیونکہ ثُلَاثَ، مَثْلَثَ، أُخَرَ، جُمَعَ ان میں آپ دیکھ لیں بھئی، ان میں اور کوئی سبب نہیں: اس میں الف نون مزیدتان بھی نہیں، یہ ثُلَاثَ مَثْلَثَ وغیرہ یہ معرفہ بھی نہیں ہیں، اسی طرح یہ وزنِ فعل بھی نہیں ہیں، تو باقی جتنے سبب آپ دیکھ لیں کوئی بھی ان پر صادق نہیں آتا، تو پھر کس کا اعتبار کرنا پڑا ان سب میں؟ عدل کا اعتبار کرنا پڑا۔ تو کہتے ہیں: وَلَمْ يَصْلُحْ لِلِاعْتِبَارِ إِلَّا الْعَدْلُ، اور صلاحیت نہیں رکھتا تھا اعتبار کرنے کی سوائے عدل کے یعنی صرف عدل ہی کا اعتبار کیا جا سکتا تھا، فَاعْتَبَرُوهُ فِيهَا، تو نحویوں نے ان کے اندر عدل کا اعتبار کر لیا۔

حاصلِ کلام کیا؟ کہ پہلے لفظوں کو سنا عربوں سے کہ یہ غیر منصرف ہیں، پھر اس میں مجبور ہو کر کس کا اعتبار کرنا پڑا؟ عدل کا اعتبار کرنا پڑا۔ لَا أَنَّهُمْ ایسا نہیں ہے، لَا أَنَّهُمْ تَنَبَّهُوا لِلْعَدْلِ فِيمَا عَدَا عُمَرَ مِنْ هَذِهِ الْأَمْثِلَةِ، ایسا نہیں ہے کہ وہ متنبہ ہوئے عدل پر فِيمَا عَدَا عُمَرَ، عُمَرَ کے علاوہ مِنْ هَذِهِ الْأَمْثِلَةِ ان مثالوں میں، فَجَعَلُوهُ غَيْرَ مُنْصَرِفٍ تو انہوں نے اس کو غیر منصرف قرار دے دیا عدل اور سببِ آخر کی وجہ سے۔ بھئی ادھر دیکھیے، کہتے ہیں پہلے کس کا پتہ چلا؟ غیرِ انصراف کا، پھر اس کے بعد اس میں کس کا اعتبار کیا؟ عدل کا، ایسا نہیں ہے کہ نحویوں کو پہلے ان لفظوں میں، عُمَرَ کے علاوہ، کیونکہ عُمَرَ کے اندر تو عدلِ تقدیری ہے، عدلِ تحقیقی کے اندر اختلاف ہے نا، تو کہہ رہے ہیں عُمَرَ کے علاوہ یہ جو باقی لفظ ہم نے ذکر کیے جن میں عدلِ تحقیقی ہے، جس میں اختلاف ہے، کہتے ہیں ان کے اندر ایسا نہیں تھا کہ نحویوں کو پہلے سے عدل کا پتہ چل گیا، پھر عدل کا پتہ چلنے کے بعد انہوں نے دیکھا ایک سبب اور بھی ہے، عدل بھی ہے، تو انہوں نے کیا حکم لگا دیا اس پر؟ غیر منصرف ہونے کا۔ ایسا نہیں ہے، بات سمجھ میں آگئی؟ یہ معنی ہے: لَا أَنَّهُمْ تَنَبَّهُوا لِلْعَدْلِ، یہ نہیں کہ وہ پہلے متنبہ ہوئے تھے عدل کے بارے میں فِيمَا عَدَا عُمَرَ، عُمَرَ کے علاوہ میں وہ عدل پر متنبہ ہوئے یعنی ان کو پتہ چلا کہ ان کے، عُمَرَ کے علاوہ باقیوں میں تو عدل ہے، عُمَرَ کا استثنا کیوں کر رہے ہیں؟ کیونکہ اس میں عدلِ تقدیری ہے، عدلِ تقدیری میں تو اختلاف ہی نہیں ہے، اس

میں تو وہ بھی مانتے ہیں کہ عدل کو فرض کیا گیا ہے، کس کو؟ عدل کو فرض کیا گیا ہے۔ تو اس کا یہ معنی نہیں کہ وہ متنبہ ہوئے عدل پر فِيمَا عَدَا عُمَرَ، عُمَرَ کے علاوہ میں مِنْ هَذِهِ الْأَمْثِلَةِ ان مثالوں میں۔ ان مثالوں میں عُمَرَ کے علاوہ باقیوں میں ایسا نہیں ہے کہ وہ عدل پر متنبہ ہوئے ہوں، فَجَعَلُوهُ غَيْرَ مُنْصَرِفٍ لِلْعَدْلِ وَسَبَبٍ آخَرَ، پھر انہوں نے اس کو غیر منصرف قرار دے دیا عدل اور سببِ آخر کی وجہ سے۔ بات سمجھ میں آرہی ہے؟

اچھا دیکھو، فِيمَا عَدَا عُمَرَ، یہ عبارت جگہ جگہ اس طرح کی فِيمَا عَدَاهُ، یہ عبارت بار بار آرہی ہے۔ میں نے پہلے آپ کو بتلایا تھا کہ یہ جو عَدَا ہے، یہ استثنا کے لیے استعمال ہوتا ہے، اور یہ جر بھی دیتا ہے اور نصب بھی دیتا ہے۔ جر دیتا ہے یہ حرفِ جر ہو کر، جب اس کے بعد کوئی کلمہ مجرور آجائے تو آپ سمجھ جائیں کہ یہ اس وقت حرفِ جر ہے۔ اور کبھی یہ نصب دیتا ہے اور اس وقت آپ سمجھ جائیں یہ فعل ہے، اور یہ جس کو نصب دے رہا ہے یہ اس کا مفعول بہ ہے بھئی۔ تو یہ فعل کے طور پر بھی استعمال ہوتا ہے اور حرفِ جر کے طور پر بھی۔ لیکن اس سے پہلے اگر مَا آجائے، جیسے یہاں ہے مَا عَدَا، تو اس وقت پھر یہ فعل ہی ہوتا ہے اور ما بعد اس کا جو ہے وہ منصوب ہوتا ہے مفعول بہ ہونے کی بنا پر۔ تو یہاں پر ما قبل میں ایک دو جگہ آیا فِيمَا عَدَاهُ، دیکھو وہاں پر بھی اس سے پہلے مَا ہے۔ یہاں پر بھی فِيمَا عَدَا عُمَرَ، یہاں پر بھی عَدَا سے پہلے مَا آیا، تو عُمَرَ اس کو منصوب پڑھیں یہ اس کے لیے مفعول بہ ہے۔

وَلَكِنْ لَا بُدَّ فِي اعْتِبَارِ الْعَدْلِ مِنْ أَمْرَيْنِ۔ یہاں تک بات سمجھ میں آگئی؟ حاصلِ کلام کیا ہوا کہ پہلے نحوی حضرات کو پتہ چلا کہ یہ جو کلمات ہیں ثُلَاثُ، مَثْلَثُ وغیرہ، یہ غیر منصرف ہیں، پھر اس کے اندر انہوں نے تلاش کیا تو کوئی دوسرا سبب نہیں ملا، ایک ہی سبب تھا وصفیت والا، تو پھر کس کا اعتبار کر لیا؟ عدل کا۔ ایسا نہیں ہے کہ پہلے اس میں ان کو عدل کا پتہ چلا اور پھر عدل اور ایک اور سبب کی وجہ سے ان کو کیا قرار دے دیا نحویوں نے؟ غیر منصرف۔ ایسا نہیں ہے، ایسا نہیں ہے۔

کہتے ہیں: وَلَكِنْ لَا بُدَّ فِي اعْتِبَارِ الْعَدْلِ مِنْ أَمْرَيْنِ، لیکن کہتے ہیں ضروری ہے عدل کا اعتبار کرنے میں دو چیزوں کا ہونا: أَحَدُهُمَا وُجُودُ أَصْلٍ لِلِاسْمِ الْمَعْدُولِ، ایک تو یہ کہ اصل کا وجود ہونا چاہیے لِلِاسْمِ الْمَعْدُولِ وہ اسم جس کو پھیرا گیا ہے۔ کیا ہونا چاہیے؟ بھئی عدل کس کو کہتے ہیں؟ ایک صورت سے پھیرنا دوسری صورت کی طرف، تو اس کے لیے اصل بھی چاہیے، کیا چاہیے؟ اصل بھی چاہیے، اور پھر اس اصل سے اخراج بھی چاہیے، دو چیزیں ہیں عدل میں۔ کتنی چیزیں؟ ایک کیا چاہیے؟ اصل، اور دوسرا اس اصل سے اخراج بھی ہو بھئی۔ تو کہتے ہیں: وَلَا بُدَّ فِي اعْتِبَارِ الْعَدْلِ مِنْ أَمْرَيْنِ، اور ضروری ہے عدل میں دو چیزوں کا اعتبار کرنا: أَحَدُهُمَا وُجُودُ أَصْلٍ لِلِاسْمِ الْمَعْدُولِ، ایک تو اصل کا وجود اسمِ معدول کے لیے، یعنی عُمَرُ کے لیے ایک اصل ضرور چاہیے پھر ہی عدل مانیں گے بھئی۔ وَثَانِيهِمَا اعْتِبَارُ إِخْرَاجِهِ عَنْ ذَلِكَ الْأَصْلِ، اور دوسرا یہ کہ اس اصل سے اخراج کا اعتبار بھی، اصل بھی چاہیے اور اس اصل سے اخراج کا اعتبار بھی۔ دیکھو اخراج کے ساتھ اعتبار کا لفظ ذکر کیا، کہ یہ جو اخراج ہے اس کا تو ہر حال میں اعتبار ہی کرنا پڑتا ہے، حقیقتاً یہاں اخراج نہیں ہے بھئی۔ إِذْ لَا يَتَحَقَّقُ

الْفَرْعِيَّةُ بِدُونِ اعْتِبَارِ ذَلِكَ الْإِخْرَاجِ، اس لیے کیونکہ فرع ہونا وہ ثابت ہی نہیں ہو سکتا جب تک اس اخراج کا اعتبار نہ کیا جائے۔ جب ایک اصل سے کلمے کو نکالا گیا ہے تو پھر ہی کہا جائے گا کہ اخراج پایا گیا اور وہ ہے اصل اور یہ کیا ہے؟ فرع، تو فرع کے لیے اخراج ضروری ہے بھئی اس کے بغیر فرع نہیں ہو سکتی۔ کہتے ہیں: إِذْ لَا يَتَحَقَّقُ الْفَرْعِيَّةُ بِدُونِ اعْتِبَارِ ذَلِكَ الْإِخْرَاجِ، اس لیے کیونکہ فرعیت جو ہے اس کا تحقق نہیں ہو سکتا یعنی اس کا ثبوت نہیں ہو سکتا بِدُونِ اعْتِبَارِ ذَلِكَ الْإِخْرَاجِ بغیر اس اخراج کا اعتبار کیے۔

فَفِي بَعْضِ تِلْكَ الْأَمْثِلَةِ يُوجَدُ دَلِيلٌ غَيْرُ مَنْعِ الصَّرْفِ عَلَى وُجُودِ الْأَصْلِ الْمَعْدُولِ عَنْهُ۔ فَفِي بَعْضِ تِلْكَ الْأَمْثِلَةِ، تو ان میں سے بعض مثالوں میں، یہ جو پیچھے مثالیں گزر گئیں، پیچھے کون کون سی مثالیں تھیں؟ ثُلَاثُ، مَثْلَثُ، أُخَرُ، جُمَعُ اور عُمَرُ۔ عُمَرُ میں تو عدلِ تقدیری ہے، باقی چاروں میں کیا ہے؟ عدلِ تحقیقی، اب وہ بیان کر رہے ہیں۔ کہتے ہیں: فَفِي بَعْضِ تِلْكَ الْأَمْثِلَةِ، تو ان میں سے بعض مثالوں کے اندر يُوجَدُ دَلِيلٌ، پائی گئی ایسی دلیل غَيْرُ مَنْعِ الصَّرْفِ، جو منعِ صرف کے علاوہ تھی، عَلَى وُجُودِ الْأَصْلِ الْمَعْدُولِ عَنْهُ، یہ دلیل تھی منعِ صرف کے علاوہ کس چیز پر؟ عَلَى وُجُودِ الْأَصْلِ اس اصل کے وجود پر الْمَعْدُولِ عَنْهُ جس سے اسم کو پھیرا گیا ہے۔ ایک دلیل بھی پائی گئی اصل کے وجود پر، ثُلَاثُ کے لیے دلیل پائی گئی کہ یہ اصل میں کیا تھا؟ ثَلَاثَةٌ ثَلَاثَةٌ تھا جس سے اس کو پھیرا گیا ہے، تو دلیل بھی پائی گئی، اور دلیل کیا تھی؟ کیونکہ اس کے معنی میں تکرار ہے، معلوم ہوا یہ لفظوں میں بھی اصل میں تکرار تھا۔ تو کہتے ہیں: فَفِي بَعْضِ تِلْكَ الْأَمْثِلَةِ يُوجَدُ دَلِيلٌ غَيْرُ مَنْعِ الصَّرْفِ عَلَى وُجُودِ الْأَصْلِ الْمَعْدُولِ عَنْهُ، تو ان میں سے بعض مثالوں کے اندر دلیل پائی گئی منعِ صرف کے علاوہ عَلَى وُجُودِ الْأَصْلِ الْمَعْدُولِ عَنْهُ اس اصل کے وجود پر جس سے اسم کو پھیرا گیا ہے۔ فَوُجُودُهُ مُحَقَّقٌ بِلَا شَكٍّ، تو اس کا وجود محقق ہو گیا بغیر شک کے، اصل کا وجود کیا ہو گیا؟ محقق ہو گیا، ثابت شدہ ہو گیا، اب اس میں کسی شک کی گنجائش نہیں کہ ثُلَاثُ کی اصل ثَلَاثَةٌ ثَلَاثَةٌ ہے، اس میں کسی شک کی گنجائش نہیں۔ کیوں نہیں گنجائش؟ کیونکہ ہمیں دلیل مل گئی باقاعدہ جس سے پتہ چلا کہ ثُلَاثُ کی اصل ثَلَاثَةٌ ثَلَاثَةٌ ہے۔ تو کہتے ہیں: فَوُجُودُهُ مُحَقَّقٌ بِلَا شَكٍّ، تو وہ جو اصل ہے اس کا وجود محقق ہے بغیر کسی شک کے۔ وَفِي بَعْضِهَا لَا دَلِيلَ غَيْرَ مَنْعِ الصَّرْفِ، اور بعضوں کے اندر کوئی دلیل نہیں ہے علاوہ منعِ صرف کے، فَيُفْرَضُ لَهُ أَصْلٌ، تو اس کے لیے اصل کو فرض کر لیا گیا۔

تو ان کے لیے اصل محقق ہوئی یا مفروض ہوئی؟ بعض کے لیے تو دلیل مل گئی تھی کہ یہ ہے ان کی اصل تو وہ اصل کیا ہوئی ان کے لیے؟ محقق ہوئی، ثابت شدہ ہوئی۔ اور بعضوں کے لیے ہمیں دلیل نہیں ملی، لیکن ان کے لیے اصل کو فرض کر لیا گیا، تو یہ اصل ان کے لیے محقق ہوئی یا مقدر اور مفروض ہوئی؟ مقدر اور مفروض ہوئی کیونکہ یہاں اصل کے اصل ہونے پر کوئی دلیل موجود نہیں۔ یہ معنی ہے: وَفِي بَعْضِهَا لَا دَلِيلَ غَيْرَ مَنْعِ الصَّرْفِ، اور بعضوں میں کوئی دلیل نہیں تھی علاوہ منعِ صرف کے، فَيُفْرَضُ لَهُ أَصْلٌ، تو اس کے لیے ایک اصل کو فرض کر لیا گیا، جیسے عُمَرُ کے لیے عَامِرٌ کو فرض کر لیا

گیا کہ یہ اس کی اصل ہے۔ لِيَتَحَقَّقَ الْعَدْلُ بِإِخْرَاجِهِ عَنْ ذَلِكَ الْأَصْلِ، تاکہ تحقق ہو جائے عدل کا، عدل پایا جائے بِإِخْرَاجِهِ عَنْ ذَلِكَ الْأَصْلِ اس اصل سے اخراج کی وجہ سے۔ اصل تو ضرور چاہیے تاکہ اخراج پایا جائے، اس کے اخراج کے بغیر تو عدل ہو نہیں سکتا، تو عُمَرُ کے لیے کیا کر لیا گیا؟ دلیل تو کوئی نہیں لیکن ایک اصل کو فرض کر لیا گیا تو وہ اصلِ مقدر ہوئی، تاکہ، یہ اصلِ مقدر کو کیوں فرض کیا گیا؟ تاکہ اخراج پایا جائے کہ اس سے اس کو نکالا گیا ہے، جب نکالا گیا ہے پھر ہی عدل ہوگا ورنہ تو عدل نہیں ہوگا۔ یہ معنی ہے: فَيُفْرَضُ لَهُ أَصْلٌ تو اس کے لیے ایک اصل کو فرض کر لیا گیا لِيَتَحَقَّقَ الْعَدْلُ تاکہ عدل پایا جائے، کس طرح پایا جائے؟ بِإِخْرَاجِهِ عَنْ ذَلِكَ الْأَصْلِ اس اصل سے اخراج کر کے۔

فَانْقِسَامُ الْعَدْلِ إِلَى التَّحْقِيقِيِّ وَالتَّقْدِيرِيِّ۔ جی اب حاصلِ کلام بتلانے لگے ہیں، حاصلِ کلام یہ کہ یہ جو عدل کی دو قسمیں ہیں: تحقیقی اور تقدیری، ان کے اندر وہ بعض علماء کے نزدیک عدلِ تحقیقی وہ ہے جس میں اخراج محقق ہو، جس میں، ابھی جو میں نے آپ کو لکھوایا، جس میں اخراج محقق ہو، اور عدلِ تقدیری وہ ہے جس میں اخراج مقدر ہو، فرض کیا گیا ہو۔ جبکہ جامی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ نہیں، اخراج تو ہمیشہ مقدر ہی ہوگا، اس کا تو آپ نے اعتبار کیا ہے، فرض کیا ہے۔ تو عدلِ تحقیقی اور عدلِ تقدیری: عدلِ تحقیقی اس کو کہیں گے جس میں اصل جو ہے وہ محقق ہو، تحقیقی ہو، اور عدلِ تقدیری اس کو کہیں گے جس میں وہ جو اصل ہے وہ تقدیری ہو۔ تو یہ جو عدل کی دو قسمیں بنیں بھئی تحقیقی اور تقدیری، بعض علماء کے نزدیک یہ کس اعتبار سے ہے؟ اخراج کے اعتبار سے، کہ عدلِ تحقیقی میں اخراج کیا ہوتا ہے؟ تحقیقی، اور عدلِ تقدیری میں اخراج کیا ہوتا ہے؟ تقدیری ہوتا ہے۔ جبکہ جامی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک یہ جو تحقیقی اور تقدیری ہے یہ اخراج کی صفت نہیں، اخراج تو ہر جگہ تقدیری ہی ہے، اخراج کا تو اعتبار کیا ہے صرف ہم نے اپنے ضابطے کو بچانے کے لیے، عدل تو ہمیشہ کیا ہوتا ہے؟ اعتباری ہی ہوتا ہے، البتہ اس کی جو اصل ہے، اس اصل پر کبھی دلیل ہوتی ہے کبھی نہیں، تو وہ اصل کبھی تحقیقی ہوگا کبھی تقدیری ہوگا۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو بعض علماء کے نزدیک یہ جو تحقیقی اور تقدیری ہونا ہے یہ کس کی صفت ہے؟ اخراج کی صفت ہے، یہ اخراج کبھی حقیقتاً ہوتا ہے اور کبھی تقدیراً، جبکہ جامی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اخراج تو ہمیشہ تقدیری ہی ہوگا، ہاں یہ اس کی اصل جو ہے وہ کبھی تحقیقی ہوگی اور کبھی تقدیری۔ اصل پر کبھی ہمیں دلیل مل جائے گی پتہ چل جائے گا یہی اس کی اصل ہے، اور کبھی ہمیں دلیل نہیں ملے گی تو ہمیں فرض کرنا پڑے گا، تو اصل جو ہے وہ تحقیقی یا تقدیری ہوگا، اخراج تو ہمیشہ تقدیری ہی ہوگا۔

تو کہتے ہیں: فَانْقِسَامُ الْعَدْلِ إِلَى التَّحْقِيقِيِّ وَالتَّقْدِيرِيِّ، تو یہ عدل جو تقسیم ہوتا ہے تحقیقی اور تقدیری کی طرف، إِنَّمَا هُوَ بِاعْتِبَارِ كَوْنِ ذَلِكَ الْأَصْلِ مُحَقَّقًا أَوْ مُقَدَّرًا، وہ بایں اعتبار ہے کہ وہ اصل جو ہے وہ محقق ہے یا مقدر ہے۔ وَأَمَّا اعْتِبَارُ إِخْرَاجِ الْمَعْدُولِ اور باقی معدول کے اخراج کا اعتبار کرنا عَنْ ذَلِكَ الْأَصْلِ اس اصل سے، کہ اس اصل سے اس معدول کا اخراج کیا گیا ہے، لِيَتَحَقَّقَ الْعَدْلُ تاکہ عدل پایا جائے، فَلَا دَلِيلَ عَلَيْهِ اس پر تو کوئی دلیل موجود نہیں ہے إِلَّا مَنْعُ الصَّرْفِ سوائے کس

کے؟ صرف منعِ صرف ہے، معلوم ہوا عدل کا تو اعتبار ہی کرنا پڑے گا، عدل تو تقدیری ہی ہے ہمیشہ، وہاں غیرِ انصراف کے علاوہ اور کوئی دلیل نہیں کہ ثُلَاثُ کو ثَلَاثَةٌ ثَلَاثَةٌ سے اخراج کیا گیا۔ اخراج پر دلیل نہیں ہے، ہاں اس کے اصل ہونے پر دلیل موجود ہے۔ تو کہتے ہیں: وَأَمَّا اعْتِبَارُ إِخْرَاجِ الْمَعْدُولِ عَنْ ذَلِكَ الْأَصْلِ لِيَتَحَقَّقَ الْعَدْلُ فَلَا دَلِيلَ عَلَيْهِ إِلَّا مَنْعُ الصَّرْفِ، اور باقی اس معدول کے اخراج کا اعتبار کرنا اس اصل سے تاکہ عدل کا تحقق ہو جائے، عدل پایا جائے، تو اس پر منعِ صرف کے علاوہ اور کوئی دلیل نہیں۔ فَعَلَى هَذَا قَوْلُهُ، تو بنا بر اس کے مصنف کا جو قول ہے: تَحْقِيقًا.

اب ذرا متن متن دیکھ لیں، تقریر سمجھ میں آگئی؟ یہ مشکل مقام تھا بھئی، چلیے الحمد للہ حل ہوا بھئی۔ دیکھیے بھئی متن بھئی: تَحْقِيقًا كَثُلَاثَ وَمَثْلَثَ وَأُخَرَ وَجُمَعَ، أَوْ تَقْدِيرًا كَعُمَرَ وَزُفَرَ وَبَابِ قَطَامِ فِي تَمِيمٍ۔ تو عدل جو ہے وہ یا تو تحقیقی ہوگا كَثُلَاثَ وَمَثْلَثَ وَأُخَرَ وَجُمَعَ، جیسے ثُلَاثُ اور مَثْلَثُ، أُخَرُ اور جُمَعُ بھئی۔ أَوْ تَقْدِيرًا، یا عدلِ تقدیری ہوگا كَعُمَرَ وَزُفَرَ وَبَابِ قَطَامِ فِي تَمِيمٍ، جیسے عُمَرُ میں ہے اور زُفَرُ ہے اور بابِ قَطَامِ میں ہے فِي تَمِيمٍ أَيْ فِي لُغَةِ بَنِي تَمِيمٍ بنو تمیم کی لغت میں بھئی، بنو تمیم کی لغت میں۔ تو یہ عدل کی دو قسمیں ہیں: تَحْقِيقًا أَوْ تَقْدِيرًا بھئی۔

تقریر گزر گئی بھئی، مفصل تقریر بھئی، مفصل بیان گزر گیا کہ یہ جو تَقْدِيرًا اور تَحْقِيقًا ہے یہ عدل نہیں ہوتا، وہ اصل جو ہے وہ محقق ہوگی یا مقدر ہوگی۔ تو کہتے ہیں: فَعَلَى هَذَا قَوْلُهُ تَحْقِيقًا، تو بنا بر اس کے یہ جو عدل کا مفہوم ہم نے ذکر کر دیا بھئی، قَوْلُهُ تَحْقِيقًا، ماتن کا قول جو تَحْقِيقًا آیا، مَعْنَاهُ، اس کا معنی ہے: خُرُوجًا كَائِنًا عَنْ أَصْلٍ مُحَقَّقٍ.

بھئی پہلے اس کو سمجھ لو، یہ بھی ذرا مشکل مقام ہے۔ تَحْقِيقًا یہ آپ کو بتلائیں گے کہ یہ جو تَحْقِيقًا ہے یہ مفعولِ مطلق ہے۔ یہ مفعولِ مطلق، اور مفعولِ مطلق کسے کہتے ہیں؟ وہ مصدر جو ما قبل فعل کے معنی میں ہو، ضَرَبْتُ ضَرْبًا یہ ضَرْبًا کیا ہے؟ مفعولِ مطلق ہے کیونکہ یہ مصدر ما قبل فعل کے معنی میں ہے۔ تو یہاں پر بھی یہ تَحْقِيقًا جو ہے یہ مفعولِ مطلق ہے، أَيْ خُرُوجًا تَحْقِيقًا، یہاں موصوف محذوف ہے کیونکہ پیچھے تحقیق کا کوئی فعل نہیں گزرا، ہاں خروج گزرا تھا، کیا گزرا تھا؟ خروج، تو یہاں خُرُوجًا محذوف نکال لیں، أَيْ خُرُوجًا تَحْقِيقًا أَوْ خُرُوجًا تَقْدِيرًا، خُرُوجًا تَحْقِيقًا أَوْ خُرُوجًا تَقْدِيرًا۔ توجہ سے بھئی، تو یہ تَحْقِيقًا یہ مفعولِ مطلق ہے خود یہ اپنے موصوف کے اعتبار سے، اپنے موصوف خُرُوجًا کے اعتبار سے یہ مفعولِ مطلق ہے۔ تو یہ مفعولِ مطلق ہوا باعتبارِ موصوفِ محذوف کے، وہ موصوف جو محذوف ہے، تو خُرُوجًا تَحْقِيقًا، بات سمجھ میں آگئی؟

تو اب یہ خُرُوجًا ہوا موصوف اور تَحْقِيقًا اس کی صفت، اور خروج یہاں ذات ہے بھئی۔ ذات سے مراد یہ نہیں جس کا الگ خارج میں وجود ہو، بلکہ ذات سے مراد ہے جس پر حکم لگایا جائے، کیا کیا جائے؟ جس پر حکم لگایا جائے، تو وہ خروج بھی یہاں دیکھو موصوف ہے، موصوف پر صفت کا حکم لگایا جاتا ہے یا نہیں؟ توجہ ہے؟ تو یہ جو صفت ہوتی ہے یہ بھی دراصل اس موصوف پر حکم لگایا جائے، جیسے مثلاً میں کہتا ہوں زَيْدٌ قَائِمٌ، تو زید پر میں قَائِمٌ کا حکم لگا رہا ہوں، تو جیسے خبر کے اندر

بتدا پر حکم لگایا جاتا ہے اسی طرح صفت بھی جب لائی جائے تو دراصل موصوف پر کیا کیا جاتا ہے؟ حکم لگایا جاتا ہے۔ تو یہاں خُرُوجًا ہوا موصوف، خُرُوجًا ہوا موصوف اور اس پر حکم لگایا جا رہا ہے، اور جس چیز پر حکم لگایا جائے اس کو ذات کہتے ہیں، کیا کہتے ہیں؟ ذات کہتے ہیں۔ آپ یہ نہ کہیں خروج تو مصدر ہے اور آگے تَحْقِیقًا بھی کیا ہے مصدر، نہیں ذات سے مراد یہ ہے جس پر حکم لگایا جائے، یہ معنی نہیں کہ اس کا الگ خارج میں وجود ہونا چاہیے، بلکہ ذات سے مراد کیا ہے؟ جس پر حکم لگایا جائے۔ تو یہاں پر بھی خُرُوجًا کیا ہوا؟ ذات ہوئی۔ اور تَحْقِیقًا یہ صفت ہوئی، اس کا اس پر حکم لگایا جا رہا ہے۔ اور تَحْقِیقًا یہ تو مصدر ہے تو مصدر کا حکم ذات پر نہیں لگایا جا سکتا، جیسے زَیْدٌ عَدْلٌ یہ عدل مصدر ہے تو اس کو کس معنی میں لینا پڑتا ہے؟ عَادِلٌ کے معنی میں، تو یہاں پر بھی تَحْقِیقًا کو یا اسمِ فاعل کے معنی میں لینا پڑے گا یا اسمِ مفعول کے معنی میں پھر ہی حمل صحیح ہوگا، پھر ہی یہ اس کی صفت بنے گا۔ تو چنانچہ اس کو پھر اسمِ مفعول کے معنی میں لے لیں گے مُحَقَّقًا، أَيْ خُرُوجًا مُحَقَّقًا، ایسا خروج جو محقق ہو، ثابت شدہ ہو۔ ایسا خروج جو، دیکھا خُرُوجًا مُحَقَّقًا موصوف صفت بن رہے ہیں یا نہیں؟ ایسا خروج مُحَقَّقًا جو کیا ہو؟ محقق ہو بھئی۔

تو اب خُرُوجًا مُحَقَّقًا وہ خروج کیسا ہوگا؟ یا محقق ہوگا أَوْ تَقْدِیرًا یا مقدر ہوگا۔ یہ مذہب ہے وہ باقی علماء کا جو کیا فرماتے تھے؟ کہ عدلِ تحقیقی میں خروج محقق ہوتا ہے اور عدلِ تقدیری میں خروج مقدر ہوتا ہے۔ جبکہ علامہ جامی رحمۃ اللہ علیہ تو کیا فرماتے ہیں؟ دونوں جگہ خروج مقدر ہوتا ہے۔ تو اگر خُرُوجًا مُحَقَّقًا، مُحَقَّقًا کو براہِ راست صفت بنائیں خروج کی پھر تو یہ علامہ جامی کے خلاف ہو جائے گی یہ بات، ایسا خروج جو محقق ہو أَوْ خُرُوجًا مُقَدَّرًا یا ایسا خروج جو مقدر ہو۔ اشکال سمجھ میں آ رہا ہے؟ تو جواب اس کا بتلائیں گے آپ کو کہ بھئی یہاں یہ جو مُحَقَّقًا آیا یہ صفت بحالہ نہیں ہے، بلکہ یہ صفت بحالِ متعلقہ ہے۔ صفت بحالِ متعلقہ، یہ اچھی طرح سمجھ لو میں پہلے بھی بیان کر چکا ہوں لیکن یہ جگہ جگہ آتی ہے اور طلبہ پریشان ہوتے ہیں۔ یہ کہاں آیا تھا یہ ذکر؟ تثنیہ اور جمع کا جہاں اعراب ذکر ہوا تھا وہاں آیا تھا: ایسی یا مَكْسُورٌ مَا قَبْلَهَا جس کا ما قبل کیا ہو؟ مکسور ہو، تو یا کی صفت آئی تھی مکسور، تو وہ یا خود نہیں مکسور ہوتی مَا قَبْلَهَا اس یا کا ما قبل مکسور ہوتا ہے۔ بات سمجھ میں آ گئی؟

پھر چلو دوبارہ سمجھ لیں، ایک ہوتی ہے صفت بحالہ، ایک ہوتی ہے صفت بحالِ متعلقہ۔ صفت بحالہ جو ایسے معنی پر دلالت کرے جو موصوف کے اندر پایا جائے، اور صفت بحالِ متعلقہ جو ایسے معنی پر دلالت کرے جو موصوف میں نہ پایا جائے بلکہ موصوف کے کسی متعلق میں پایا جائے۔ مثلاً میں آپ سے کہتا ہوں زَیْدٌ قَائِمٌ، زَیْدٌ قَائِمٌ، زَیْدٌ مبتدا اور قَائِمٌ مرفوع لفظاً صیغۂ اسمِ فاعل، اس کے اندر ہُوَ ضمیر مرفوع محلاً اس کا فاعل جو کس کو راجع؟ زید کو۔ تو یہ قَائِمٌ لفظوں میں خبر کس کی؟ زید کی، اور معنی میں بھی یہ خبر زید ہی کی ہے بھئی، قائم کون ہے؟ زید ہی قائم ہے، یہ قیام کس کے اندر پایا جا رہا ہے؟ زید کے اندر۔ تو زَیْدٌ قَائِمٌ، یہ جو قائم ہے لفظوں میں صفت زید کی ہے اور معنی میں بھی یہ صفت زید کی ہے، یعنی یہ معنی زید

ہی میں قیام والا پایا جا رہا ہے۔ آپ یہ نہ کہیں زید تو ہے مبتدا اور قَائِمٌ تو خبر ہے یہ تو صفت نہیں ہے، بھئی خبر بھی تو صفت ہی ہوتی ہے نا۔ زَيْدٌ قَائِمٌ کیا معنی؟ میرے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ زید کے اندر قیام کی صفت موجود ہے۔ زید کے اندر... تو یہ خبر بھی صفت ہوتی ہے۔ تو زَيْدٌ قَائِمٌ یہ قَائِمٌ خبر کس کی؟ زید کی، یعنی یوں کہو یہ صفت کس کی؟ لفظوں میں صفت زید کی، معنی میں بھی صفت زید کی ہے یہ قیام کس کے اندر پایا جا رہا ہے؟ زید کے اندر۔

اور اگر میں یوں کہوں: زَيْدٌ قَائِمٌ أَبُوهُ، زَيْدٌ مرفوع لفظاً مبتدا، قَائِمٌ مرفوع لفظاً صیغۂ اسمِ فاعل، أَبُوهُ، أَبُو مرفوع لفظاً مضاف، مرفوع کیوں؟ کیونکہ یہ قَائِمٌ کے لیے فاعل ہے، توجہ ہے؟ فاعل ہے۔ اور ہَا ضمیر مجرور محلاً مضاف الیہ، یہ کس کو راجع؟ زید کو راجع، کیونکہ یہ شبہ جملہ بنے گا اور شبہ جملہ کو جوڑنے کے لیے ربط چاہیے۔ تو أَبُو مرفوع لفظاً مضاف، ہَا ضمیر مجرور محلاً مضاف الیہ، مضاف مضاف الیہ مل کر یہ فاعل کس کے لیے؟ قَائِمٌ کے لیے۔ اسمِ فاعل اپنے فاعل سے مل کر شبہ جملہ ہو کر یہ زید کے لیے خبر، تو دیکھو شبہ جملہ کو زید کے لیے خبر بنایا تو ربط ضروری تھا، قَائِمٌ کے اندر تو کوئی ضمیر نہیں ہے کیونکہ آگے اس کا فاعل اسمِ ظاہر آرہا ہے تو اس کے ساتھ ایک ضمیر جڑی ہوئی تھی وہ کس کو لوٹا دی؟ زید کو لوٹا دی۔ تو یہ قَائِمٌ صیغۂ اسمِ فاعل اپنے فاعل سے مل کر شبہ جملہ ہو کر زید کے لیے خبر، مبتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔ زَيْدٌ قَائِمٌ أَبُوهُ ترجمہ کیجیے: زید کہ قائم ہے اس کا باپ۔ معلوم ہوا قیام زید کی صفت ہے یا اس کے باپ کی صفت ہے؟ اس کے باپ کی صفت ہے۔ اب دیکھو قَائِمٌ لفظوں میں صفت ہے زید کی، خبر بن رہی ہے کس کے لیے؟ زید کے لیے، تو لفظوں میں یہ صفت ہے زید کی لیکن معنی میں یہ صفت زید کی نہیں ہے بلکہ زید کے متعلق یعنی اس کے باپ کی صفت ہے۔ اس کو کہتے ہیں صفت بحالِ متعلقہ، صفت بحالِ متعلقہ۔ تو صفت جو ہوتی ہے وہ ایسے معنی پر دلالت کرتی ہے جو موصوف میں پایا جائے یا موصوف کے متعلق میں پایا جائے۔ اگر وہ معنی موصوف کے اندر پایا جا رہا ہے تو اس کو صفت بحالہ کہتے ہیں، أَيْ بِحَالِ الْمَوْصُوفِ ایسی صفت جو موصوف کی حالت بیان کر رہی ہے، اور کبھی صفت جو ہے، صفت ایسے معنی پر دلالت کرتی ہے جو موصوف میں نہیں ہوتا بلکہ موصوف کے متعلق میں ہوتا ہے، اور اس کو صفت بحالِ متعلقہ کہتے ہیں یعنی ایسی صفت جو موصوف کی حالت نہیں بیان کر رہی بلکہ موصوف کے متعلق کی حالت بیان کر رہی ہے۔ قیام زید کے اندر نہیں ہے بلکہ کس میں ہے؟ أَبُوهُ اس کے باپ میں ہے بھئی۔

تو یہاں پر بھی اگر یہ دیکھو کتاب پر تَحْقِيقًا اس کا موصوف کیا؟ خُرُوجًا، خُرُوجًا تَحْقِيقًا، اور یہ تَحْقِيقًا کس معنی میں؟ مُحَقَّق کے معنی میں، تو خُرُوجًا مُحَقَّقًا وہ خروج یا محقق ہوگا یا وہ خروج مقدر ہوگا، تو یہ محقق اور مقدر صفت کس کی بنائیں؟ خُرُوجًا کی بنائیں تو پھر یہ صفت بحالہ ہوئی یعنی وہ خروج محقق ہوگا یا مقدر۔ یہ تو وہ دوسرے علماء کا مذہب تھا، صاحبِ جامی کے نزدیک تو وہ خروج ہمیشہ مقدر ہوتا ہے وہ کبھی محقق نہیں ہوتا۔ تو پھر کیا کریں بھئی؟ تو اس کا جواب یہ کہ یہ جو مُحَقَّقًا آیا

اس کو صفت بحالہ نہ بناؤ بلکہ اس کو صفت بحالِ متعلقہ بنا دو۔ توجہ ہے؟ اس کو صفت بحالِ متعلقہ بنا دو۔ کیسے؟ کہ خُرُوجًا ایسا خروج مُحَقَّقًا أَصْلُهُ فاعل الگ نکال دو، فاعَل نہیں بلکہ نائب فاعل، نائب فاعل الگ نکال دو مُحَقَّقًا اسمِ مفعول ہے اس کے لیے نائب فاعل چاہیے۔ خُرُوجًا ایسا خروج مُحَقَّقًا أَصْلُهُ جس کی اصل محقق ہو۔ صاحبِ جامی کے نزدیک بھی خروج محقق ہوتا ہے یا اس کی اصل محقق ہوتی ہے؟ ثُلَاثٌ کی اصل ثَلَاثَةٌ ثَلَاثَةٌ ہے یہ محقق ہے، خروج محقق نہیں۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو لہٰذا تَحْقِيقًا کو صفت بحالہ نہ بناؤ بلکہ کیا بناؤ؟ صفت بحالِ متعلقہ بنا دو اشکال ختم ہو جائے گا: أَيْ خُرُوجًا مُحَقَّقًا أَصْلُهُ، ایسا خروج مُحَقَّقًا أَصْلُهُ جس کی اصل محقق ہے، خروج خود نہیں محقق بلکہ اس کی اصل محقق۔ عدلِ تحقیقی میں کیا ہوتی ہے؟ اصل محقق ہوتی ہے نا کہ ثُلَاثٌ کی اصل کیا ہے؟ ثَلَاثَةٌ ثَلَاثَةٌ ہے یہ محقق ہے اس پر دلیل موجود ہے بھئی۔ بات سمجھ میں آگئی اچھی طرح؟ تو پھر یہ مُحَقَّقًا کو کیا بنائیں گے؟ صفت بحالہ نہیں بنائیں گے، وہ خروج نہیں محقق ہوتا بلکہ اس خروج کی اصل جو ہے وہ محقق ہوتی ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟

تو کہتے ہیں: فَعَلَى هَذَا قَوْلُهُ، تو بنا بر اس کے جو ہم نے ذکر کر دیا، قَوْلُهُ تَحْقِيقًا ماتن کا قول تَحْقِيقًا جو ہے، مَعْنَاهُ اس کا معنی جو ہے: خُرُوجًا كَائِنًا عَنْ أَصْلٍ مُحَقَّقٍ، ایسا خروج كَائِنًا أَيْ ثَابِتًا کہ ثابت ہو عَنْ أَصْلٍ مُحَقَّقٍ، کس سے ثابت ہو وہ خروج؟ اصلِ محقق سے ثابت ہو، کس سے ثابت ہو؟ اصلِ محقق سے۔ توجہ ہے؟ میں نے کیا تقریر کی؟ کہ وہ خروج ایسا ہو مُحَقَّقًا أَصْلُهُ جس کی اصل کیا ہو؟ محقق ہو، خود خروج نہیں محقق بلکہ اس کی اصل۔ وہی بات یہاں بھی کر رہے ہیں: خُرُوجًا كَائِنًا، ایسا خروج كَائِنًا أَيْ ثَابِتًا عَنْ أَصْلٍ مُحَقَّقٍ جو کس سے ہو؟ اصلِ محقق سے ہو یعنی اس کی اصل محقق ہے، خود خروج محقق نہیں ہے۔ تو اسی معنی کو صاحبِ جامی نے ان لفظوں میں بیان کر دیا کہ یہ مُحَقَّقًا جو ہے اس سے خروج کی صفت نہ بناؤ، وہ خروج نہیں محقق ہوتا بلکہ عَنْ أَصْلٍ مُحَقَّقٍ یہ محقق اصل کی صفت بناؤ کہ وہ اصل محقق ہوتی ہے بھئی۔ تو کہتے ہیں: مَعْنَاهُ خُرُوجًا كَائِنًا عَنْ أَصْلٍ مُحَقَّقٍ، دیکھا خُرُوجًا نکالا، بتلایا یہ مفعولِ مطلق ہے، یہ کیا ہے؟ مفعولِ مطلق ہے، اور تَحْقِيقًا بتلا دیا کہ وہ محقق وہ خروج نہیں ہوتا بلکہ محقق کیا ہوتی ہے؟ وہ اصل محقق ہوتی ہے۔ اور یہ كَائِنًا، دیکھا كَائِنًا نکال کر کیا بتلایا؟ کہ یہ جو عَنْ أَصْلٍ مُحَقَّقٍ ہے یہ صفت بن رہی ہے خروج کی: خُرُوجًا ثَابِتًا، تو خُرُوجًا كَائِنًا عَنْ أَصْلٍ مُحَقَّقٍ کہ ایسا خروج کہ جو ثابت ہو اصلِ محقق سے يَدُلُّ عَلَيْهِ دَلِيلٌ غَيْرُ مَنْعِ الصَّرْفِ جس پر...

ایسی دلیل دلالت کر رہی ہو جو منعِ صرف کے علاوہ ہو۔ ثُلَاثٌ کی اصل کیا؟ ثَلَاثَةٌ ثَلَاثَةٌ، اس، یہ آپ نے ویسے قرار دے دی یا کوئی دلیل بھی موجود ہے؟ دلیل بھی موجود ہے، تو یہ اصل مقدر ہوئی یا محقق ہوئی؟ محقق ہوئی کیونکہ اس پر دلیل موجود ہے، دلیل موجود ہے اس لیے اس کو محقق کہا جائے گا۔ یہی بیان کر رہے ہیں کہ خُرُوجًا كَائِنًا عَنْ أَصْلٍ مُحَقَّقٍ، ایسا خروج جو ثابت ہے ایسی اصلِ محقق سے يَدُلُّ عَلَيْهِ دَلِيلٌ جس پر کوئی دلیل بھی دلالت کر رہی ہے غَيْرُ مَنْعِ الصَّرْفِ علاوہ منعِ صرف، منعِ صرف کے علاوہ بھی کوئی دلیل اس پر دلالت کر رہی ہے بھئی۔

اور پھر یہ بھی یاد رکھنا کہ یہ تَحْقِيقًا اس کو ہم نے کیا قرار دیا؟ مفعولِ مطلق، کیا قرار دیا؟ اور کس اعتبار سے؟ کہ اس کا

موصوف خُرُوجًا محذوف ہے، خُرُوجًا محذوف ہے۔ اور یہ بھی یاد رکھو کہ یہ مفعولِ مطلق ہے، مفعولِ مطلق کسے کہتے ہیں؟ کہ وہ مصدر جو ما قبل فعل کے معنی میں ہو، اور ما قبل میں تو کوئی فعل گزرا ہی نہیں، ما قبل میں تو خُرُوجُهُ مصدر گزرا تھا، خُرُوجُهُ خُرُوجًا تَحْقِيقًا، تو یہ خُرُوجًا تَحْقِيقًا اس کو کیسے مفعولِ مطلق آپ قرار دیتے ہیں؟ مفعولِ مطلق تو اس کو کہتے ہیں کہ ما قبل میں اس کا فعل موجود ہو بھئی اور ما قبل میں تو کوئی خَرَجَ یا یَخْرُجُ کا فعل موجود نہیں۔ تو جواب یہ کہ یہ خُرُوجُ جو پیچھے آیا تھا، خُرُوجُهُ، یہ أَنْ يَخْرُجَ کی تاویل میں ہے، کس تاویل میں ہے؟ بھئی يَخْرُجُ فعل ہے، يَخْرُجُ فعل پر أَنْ داخل کر دو تو یہ کس معنی میں کر دیتا ہے اس کو؟ مصدر کے معنی میں کر دیتا ہے، تو گویا خُرُوجُهُ کس معنی میں ہے؟ أَنْ يَخْرُجَ کے معنی میں ہے، کس معنی میں؟ أَنْ يَخْرُجَ، کیونکہ وہ مصدر جو عمل کرتا ہے وہ فعل مع أَنْ کی تاویل میں ہوتا ہے، توجہ ہے؟ مصدر عمل کرتا ہے، مصدر اپنے فاعل کو رفع دیتا ہے اپنے مفعول کو نصب، مصدر جب عمل کر رہا ہو تو وہ أَنْ مع الفعل کی تاویل میں ہوتا ہے۔ تو یہ خُرُوجُهُ یہ عمل کر رہا ہے۔ کیسے؟ بھئی دیکھیے خُرُوجُهُ، خروج کی اضافت ہو رہی ہے ہَا ضمیر کی طرف، یہ، اس کو تو عمل نہیں کہیں گے، یہ عمل نہیں ہے، کیونکہ عمل کا کیا معنی؟ اپنے فاعل کو رفع دے یا اپنے مفعول کو نصب دے، اور یہ تو مضاف ہے اور ہَا ضمیر مضاف الیہ ہے۔ خُرُوجُهُ نکلنا، کس کا نکلنا؟ اسم کا نکلنا، تو معنی کے اعتبار سے یہ ہَا ضمیر اس کے لیے فاعل ضرور ہے لیکن لفظوں کے اعتبار سے یہ فاعل نہیں ہے بلکہ کیا بن رہی ہے؟ مضاف الیہ بن رہی ہے۔ ہاں البتہ آگے آرہا ہے عَنْ صِيغَتِهِ الْأَصْلِيَّةِ، یہ جار مجرور ہے اور آپ نے پڑھا ہے جار مجرور آٹھ چیزوں میں سے کسی ایک سے متعلق ہوتا ہے، ان آٹھ چیزوں میں سے ایک مصدر بھی ہے بھئی۔ تو یہ عَنْ صِيغَتِهِ الْأَصْلِيَّةِ یہ متعلق ہوا خُرُوجُ سے، اور یاد رکھو جار مجرور جس سے متعلق ہوتا ہے وہ دراصل ان کے اندر عامل ہوتا ہے، معلوم ہوا یہ خُرُوجُ عامل ہے کس کے اندر؟ عَنْ صِيغَتِهِ الْأَصْلِيَّةِ کے اندر۔ تو یہ ایسا مصدر ہے جو عامل ہے اور جو مصدر عامل ہوتا ہے وہ کس تاویل میں ہوتا ہے؟ أَنْ مع الفعل کی تاویل میں ہوتا ہے۔ تو یہ خُرُوجُ کس تاویل میں ہوا؟ أَنْ يَخْرُجَ کی تاویل میں ہوا، اور جب یہ أَنْ يَخْرُجَ کی تاویل میں ہوا تو يَخْرُجُ فعل آگیا یا نہیں آگیا؟ تو لہٰذا اس سے مفعولِ مطلق کا آنا صحیح ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو یہ ہمیشہ یاد رکھنا وہ مصدر جو عمل کرتا ہے وہ أَنْ مع الفعل کی تاویل میں ہوتا ہے۔ ضَرْبٌ اگر کہیں عمل کر رہا ہو تو وہ أَنْ يَضْرِبَ کے معنی میں ہوگا۔

كَثُلَاثَ وَمَثْلَثَ جیسے کہ ثُلَاثُ اور مَثْلَثُ ہے۔ وَالدَّلِيلُ عَلَى أَصْلِهِمَا أَنَّ فِي مَعْنَاهُمَا تَكْرَارًا دُونَ لَفْظِهِمَا، اور دلیل ان کی اصل پر یہ ہے کہ ان دونوں کے معنی کے اندر تکرار ہے دُونَ لَفْظِهِمَا نہ کہ ان دونوں کے لفظوں میں۔ وَالْأَصْلُ أَنَّهُ إِذَا كَانَ الْمَعْنَى مُكَرَّرًا يَكُونُ اللَّفْظُ أَيْضًا مُكَرَّرًا، اور ضابطہ یہ ہے کہ جب معنی مکرر ہو تو لفظ بھی مکرر ہوتا ہے، لفظ میں بھی تکرار ہوتا ہے، كَمَا فِي جَاءَنِي الْقَوْمُ ثَلَاثَةً ثَلَاثَةً، جیسے کہ اس جملے میں ہے جَاءَنِي الْقَوْمُ ثَلَاثَةً ثَلَاثَةً، وہ لوگ میرے پاس آئے ثَلَاثَةً ثَلَاثَةً تین تین ہو کر۔ وہ لوگ میرے پاس آئے تین تین ہو کر، دیکھا معنی کے اندر میں تین تین لا رہا ہوں، وجہ کیا ہے؟ کیونکہ لفظوں کے اندر بھی ثَلَاثَةً ثَلَاثَةً دو مرتبہ ہے بھئی۔ تو جیسے اس کے اندر معنی میں تکرار آیا ہے اس وجہ سے کیونکہ لفظوں میں

تکرار تھا، تو فَعُلِمَ تو اس سے یہ بات معلوم ہو گئی أَنَّ أَصْلَهُمَا لَفْظٌ مُكَرَّرٌ کہ یہ ثُلَاثُ اور مَثْلَثُ جو ہیں ان کی اصل جو ہے ایسا لفظ ہے جو مکرر ہے یعنی جس میں تکرار ہے، وَهُوَ ثَلَاثَةٌ ثَلَاثَةٌ اور وہ ثَلَاثَةٌ ثَلَاثَةٌ ہے۔

وَكَذَا الْحَالُ فِي أُحَادَ وَمَوْحَدَ وَثُنَاءَ وَمَثْنَى إِلَى رُبَاعَ وَمَرْبَعَ بِلَا خِلَافٍ۔ اچھا بھئی، ثُلَاثُ اور مَثْلَثُ: ثُلَاثُ کا معنی تین تین، مَثْلَثُ کا معنی بھی تین تین۔ یہ صرف تین کے لیے نہیں استعمال ہوتے، یہ تین سے لے کر دس تک اسی طرح استعمال ہوتے ہیں (ایک سے لے کر دس تک)۔ ایک ہو تو ایک کے لیے کیا کہیں گے؟ أُحَادَ ایک ایک، یا مَوْحَدَ اس کا معنی بھی کیا؟ ایک ایک۔ تثنیہ ہو تو اس کے لیے ثُنَاءَ، ثُنَاءَ کا کیا معنی؟ دو دو، اور اسی طرح مَثْنَى مَوْحَدَ کے وزن پر اس کا بھی کیا معنی؟ دو دو۔ اسی طرح ثُلَاثُ اور مَثْلَثُ تین تین۔ اسی طرح رُبَاعَ وَمَرْبَعَ، رُبَاعَ کا معنی بھی چار چار، مَرْبَعَ کا معنی بھی چار چار۔ تو یہ دس تک اسی طرح ہیں، لیکن ایک سے لے کر چار تک یہ تو بالاتفاق ہے، تمام نحوی فرماتے ہیں، تمام نحوی فرماتے ہیں کہ ایک سے چار تک یہ بالاتفاق اسی طرح استعمال ہوتے ہیں: أُحَادَ اور مَوْحَدَ بھی، ثُنَاءَ اور مَثْنَى بھی، ثُلَاثُ اور مَثْلَثُ بھی، اور رُبَاعَ اور مَرْبَعَ بھی، یہ سارے استعمال ہوتے ہیں اس میں اتفاق ہے۔ ہاں اس سے اوپر خُمَاسَ اور مَخْمَسَ، سُدَاسَ اور مَسْدَسَ، اور سُبَاعَ اور مَسْبَعَ، اور ثُمَانَ اور مَثْمَنَ، اور اسی طرح تُسَاعَ اور مَتْسَعَ، اور عُشَارَ مَعْشَرَ اس میں اختلاف ہے۔ یہ پانچ سے لے کر دس تک میں اختلاف ہے: بعض کہتے ہیں یہ استعمال ہوتے ہیں اس طرح، بعض فرماتے ہیں کہ استعمال نہیں ہوتے۔ صاحبِ جامی آپ کو فرمائیں گے کہ حق یہ ہے، درست یہ ہے کہ یہ دس تک استعمال ہوتے ہیں، اگرچہ بعضوں نے چار سے اوپر کا انکار کیا ہے لیکن درست یہ ہے کہ یہ دس تک اسی طرح استعمال ہوتے ہیں۔ تو کہتے ہیں: وَكَذَا الْحَالُ فِي أُحَادَ وَمَوْحَدَ اور اسی طرح حال ہے أُحَادَ اور مَوْحَدَ میں بھی، وَثُنَاءَ وَمَثْنَى ثُنَاءَ اور مَثْنَى میں بھی إِلَى رُبَاعَ وَمَرْبَعَ رُبَاعَ اور مَرْبَعَ تک بھئی بِلَا خِلَافٍ بغیر کسی اختلاف کے یعنی ان میں معنی کے اندر تکرار ہے اور ان کی اصل بھی معلوم ہوا اس میں بھی تکرار تھا۔ وَفِيمَا وَرَاءَهَا إِلَى عُشَارَ وَمَعْشَرَ خِلَافٌ، اور ان کے علاوہ میں عُشَارَ اور مَعْشَرَ تک خِلَافٌ اس میں اختلاف ہے، وَالصَّوَابُ مَجِيئُهَا اور درست جو ہے ان کا آنا ہے یعنی یہ آتے ہیں دس تک اسی طرح آتے ہیں بھئی۔

وَالسَّبَبُ فِي مَنْعِ صَرْفِ ثُلَاثَ وَمَثْلَثَ وَأَخَوَاتِهِمَا، اور منعِ صرف کا سبب ثُلَاثُ اور مَثْلَثُ اور جو ان کے اخوات ہیں یعنی ان جیسے جو اور کلمے ہیں ان میں منعِ صرف کا سبب جو ہے: الْعَدْلُ وَالْوَصْفُ، عدل اور وصف ہے بھئی، عدل اور وصف۔ ایک تو ان کے اندر وصف ہے ثُلَاثُ اور مَثْلَثُ میں، اور ایک عدل ہے۔ تو اس پر اشکال ہوتا ہے، توجہ سے بھئی، طلبہ عموماً ان کے ذہنوں میں یہ اشکال آتا ہے کہ عدل تو ٹھیک ہے ہمیں تسلیم ہے، ثُلَاثُ اصل میں کیا تھا؟ ثَلَاثَةٌ ثَلَاثَةٌ، لیکن وصف اس میں کہاں سے آگیا؟ ثَلَاثَةٌ تو وضع ہے عدد کے لیے بھئی، جیسے وہ مثال گزری تھی مَرَرْتُ بِنِسْوَةٍ أَرْبَعٍ میں چار عورتوں کے پاس سے گزرا، تو أَرْبَعٍ کا لفظ تو عدد کے لیے وضع ہے بھئی، ورنہ اگر اس میں وصفیت کا اعتبار کریں تو بِنِسْوَةٍ أَرْبَعَ کہنا چاہیے تھا کیونکہ ایک وزنِ فعل ہے اور ایک وصفیت، لیکن وصفیت کا اعتبار نہیں کیا گیا، کیوں نہیں کیا گیا؟ کیونکہ أَرْبَعَ وہ عدد کے لیے وضع ہے، وصف کے لیے وضع نہیں ہے۔ تو یہاں بھی ثُلَاثُ کو کس سے بنایا گیا؟ ثَلَاثَةٌ ثَلَاثَةٌ سے، اور ثَلَاثَةٌ تو عدد کے لیے وضع ہے بھئی، تو اس میں تو جو وصفیت ہے وہ عارضی وصفیت ہے، وصفیتِ اصلیہ نہیں اور

عارضی وصفیت کا کوئی اعتبار نہیں۔ تو ثُلَاثُ میں صرف ایک سبب ہے، کیا؟ عدل، وصف نہیں۔ جب وصف نہیں تو پھر یہ غیر منصرف کیوں ہے؟ اشکال سمجھ میں آگیا؟ تو جواب یہ کہ بھئی ثَلَاثَةٌ کے اندر تو وصفیت نہیں تھی لیکن ثُلَاثُ کے اندر وصفیت ہے اصلِ وضع کے اعتبار سے ہی۔ توجہ ہے؟

جی پہلے ایک بات سمجھ لیں: دیکھو میں آپ کو کچھ پیسے دیتا ہوں اور میں آپ سے کہتا ہوں کہ تین روپے زید، عمر اور بکر کو دے دینا۔ تین روپے، میں ایک دفعہ لفظِ تین بولتا ہوں۔ تین روپے زید، عمر، بکر کو دے دینا، کیا معنی؟ یعنی یہ تین روپے ان تینوں میں تقسیم کرنا، معلوم ہوا ایک ایک روپیہ سب کو دینا، یہ تین روپے ان تینوں میں تقسیم کر دینا، بات سمجھ میں آ گئی؟ اور ایک صورت یہ کہ میں تین کا لفظ دو دفعہ لاتا ہوں کہ یہ تین تین روپے ان کو دے دینا، اب کیا مطلب ہے کلام کا؟ اب ہر ایک کو مطلب ہے تین تین دے دینا۔ تو یہ جو تین تین آیا، دیکھو جَاءَنِي الْقَوْمُ ثَلَاثَةً ثَلَاثَةً وہ لوگ میرے پاس تین تین ہو کر آئے۔ تو جب یہ دو دفعہ ذکر ہوتا ہے تو یہ صرف وصف ہی کے طور پر ذکر ہوتا ہے عدد کے لیے نہیں، عدد ذکر کرنا تھا وہ تو ایک دفعہ میں ذکر ہو سکتا تھا، تو جب یہ دو دفعہ ذکر ہوتا ہے تو یہ استعمال ہی کس طریقے پر ہو رہا ہے؟ وصف کے طریقے پر۔ توجہ ہے؟ وہ لوگ میرے پاس آئے ثَلَاثَةً ثَلَاثَةً کیا مطلب؟ میں عدد بیان کر رہا ہوں یا یہ ان لوگوں کی صفت بیان کر رہا ہوں کہ وہ تین تین ہو کر آئے؟ ان کی صفت بیان کر رہا ہوں۔ تو جب یہ عدد دو دفعہ استعمال ہو تو یہ استعمال ہی وصف کے طور پر ہو رہا ہے۔ اور اسی ثَلَاثَةً ثَلَاثَةً یہ جو وصف کے طور پر استعمال ہو رہا تھا اسی سے ثُلَاثُ بنایا۔ یہ جو ثَلَاثَةً ثَلَاثَةً کس طرح تھا؟ وصف کے طور پر، اسی سے کیا بنایا؟ ثُلَاثُ، تو ثُلَاثُ کو بھی اسی وصفیت کے لیے وضع کیا گیا ہے۔ تو وہ اصلِ وضع کے اعتبار سے ہی وصف ہے، وہ کوئی عدد کے لیے وضع ہی نہیں ہے۔ وہ ثَلَاثَةٌ ثَلَاثَةٌ وہ اکٹھے جو وصف کے طور پر استعمال ہو رہے تھے ان کے لیے ایک ہی لفظ بنا لیا کیا؟ ثُلَاثُ۔ تو اب یہ جو ثُلَاثُ ہے اس سے عدد مراد نہیں ہوتا، اس سے معدود مراد ہوتا ہے، تین تین معلوم ہوا کوئی چیز ہے جو تین تین جس کا وصف آپ ذکر کر رہے ہیں۔ تو یہ جو ثُلَاثُ ہے یہ عدد کے لیے وضع ہی نہیں یہ تو وضع ہی کس کے لیے ہے؟ معدود کے لیے یعنی موصوف کے لیے وضع ہے بطورِ صفت کے وضع ہے۔ بات سمجھ میں آئی کہ نہیں؟ ثَلَاثَةٌ اکیلا تھا وہ تو تھا عدد کے لیے، لیکن جب آپ نے اس کو استعمال کیا دو دفعہ ثَلَاثَةً ثَلَاثَةً اب یہ عدد کے طور پر ہے یا وصف کے طور پر؟ وصف، آپ ان لوگوں کی تعداد بتا رہے ہیں کہ تین تین ہو کر آئے وصف کے طور پر لے کر آئے۔ جیسے تھا مَرَرْتُ بِنِسْوَةٍ أَرْبَعٍ، یہ أَرْبَعٍ کیوں لائے تھے آپ؟ نِسْوَةٍ کی صفت بنا رہے تھے کہ وہ عورتیں چار ہیں، عدد وغیرہ کی بات یہاں نہیں ہے۔ تو یہاں پر بھی جب ثَلَاثَةً ثَلَاثَةً کہا دو دفعہ کہا تو یہ اب وصف کے طور پر ہے اور اسی کو مختصر کر کے کیا بنا لیا؟ ثُلَاثُ، تو ثُلَاثُ کو عدد کے لیے بنایا گیا یا اس وصف کے لیے؟ وصف کے لیے، معدود کے لیے بنایا گیا تو اس میں اصلِ وضع کے اعتبار سے ہی وصفیت ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو لہٰذا اب آپ یہ نہ کہیں کہ ثُلَاثُ میں صرف عدل ہے اور وصفیت عارضی ہے، نہیں اس میں اصلِ وضع کے اعتبار سے ہی وصفیت ہے، تو عدل بھی آیا اور وصفیتِ اصلیہ بھی آگئی تو اب یہ دو سبب بن گئے تو یہ کیا بن گیا؟ غیر منصرف۔

یہ معنی ہے: کہتے ہیں وَالسَّبَبُ فِي مَنْعِ صَرْفِ ثُلَاثَ وَمَثْلَثَ وَأَخَوَاتِهِمَا الْعَدْلُ وَالْوَصْفُ، اور منعِ صرف کا سبب جو ہے ثُلَاثَ اور مَثْلَثَ اور اس کے جو اخوات ہیں ان میں وہ عدل اور وصف ہے، لِأَنَّ الْوَصْفِيَّةَ الْعَارِضِيَّةَ اس لیے کیونکہ وہ وصفیت جو عارض ہوئی تھی الَّتِي كَانَتْ فِي ثَلَاثَةٍ ثَلَاثَةٍ جو کس کے اندر تھی؟ ثَلَاثَةٍ ثَلَاثَةٍ میں جو وصفیت عارض ہوئی تھی، صَارَتْ أَصْلِيَّةً وہ اصلی ہو گئی فِي ثُلَاثَ وَمَثْلَثَ ثُلَاثَ اور مَثْلَثَ میں لِاعْتِبَارِهَا اس لیے کیونکہ یہ جو وصفیتِ عارضیہ ہے یہ معتبر ہے فِيمَا، مَا سے مراد ہے معنی، اس معنی کے اندر وُضِعَا لَهُ جس کے لیے ان دونوں کو وضع کیا گیا یعنی ثُلَاثَ اور مَثْلَثَ کو۔ یہ دونوں، یہ وصفیت معتبر ہے اس معنی میں جس کے لیے ثُلَاثَ اور مَثْلَثَ کو وضع، بھئی ثُلَاثَ اور مَثْلَثَ کو کس کے لیے وضع کیا گیا؟ ثَلَاثَةٌ ثَلَاثَةٌ کے لیے، کون سا ثَلَاثَةٌ ثَلَاثَةٌ؟ جو وصف کے طور پر تھا۔ تو لہٰذا یہ ثُلَاثَ اور مَثْلَثَ کو جس معنی کے لیے وضع کیا گیا اس میں وصفیت معتبر تھی، بات سمجھ میں آگئی؟ یہ معنی ہے: لِاعْتِبَارِهَا فِيمَا وُضِعَا لَهُ، اس لیے کیونکہ وہ وصفیت جو ہے وہ معتبر تھی فِيمَا اس معنی کے اندر، اس معنی کے اندر وُضِعَا لَهُ جس کے لیے یہ ثُلَاثَ اور مَثْلَثَ دونوں کو وضع کیا گیا، بات سمجھ میں آگئی؟ چلیے بس بھئی، هَذَا هُوَ الْمَرَامُ، وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْكَلَامِ۔

سبق نمبر ۵۹: اسبابِ منعِ صرف (۳): «أُخَرَ» اور «سَحَرَ» میں عدلِ تحقیقی و تقدیری کی تحقیق

شرحِ ملا جامی صفحہ: ۴۰ — بتاریخ: ۲۹ اگست ۲۰۲۱ء

▪ تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث

سبق دیکھیے بھئی کتاب پر: وَأُخَرَ جَمْعِ أُخْرَى مُؤَنَّثِ آخَرَ، وَآخَرُ اسْمُ التَّفْضِيلِ، لِأَنَّ مَعْنَاهُ فِي الْأَصْلِ أَشَدُّ تَأَخُّرًا، ثُمَّ نُقِلَ إِلَى مَعْنَى غَيْرٍ، وَقِيَاسُ اسْمِ التَّفْضِيلِ أَنْ يُسْتَعْمَلَ بِاللَّامِ أَوِ الْإِضَافَةِ أَوْ كَلِمَةِ مِنْ، وَحَيْثُ لَمْ يُسْتَعْمَلْ بِوَاحِدٍ مِنْهَا عُلِمَ أَنَّهُ مَعْدُولٌ مِنْ أَحَدِهَا.

گذشتہ سبق میں شارح جامی نے آپ کو بتلایا کہ بعض شارحین فرماتے ہیں کہ بعض علماء نے ذکر کیا ہے تعریف بالاعم بھی جائز ہے جب بعض ما عدا سے ایک چیز کو جدا کرنا ہو۔ مثلاً آپ سے کسی نے فرس کے بارے میں پوچھا کہ فرس کسے کہتے ہیں؟ تو آپ اس کو کہتے ہیں: اَلْفَرَسُ حَيَوَانٌ، فرس حیوان ہے۔ تو آپ نے دیکھو اس کو تمام چیزوں سے جدا نہیں کیا کیونکہ حیوان تو عام ہے، اس میں تو انسان بھی داخل ہے، فرس بھی داخل ہے، گائے، بیل، بکری بھی داخل ہیں۔ لیکن آپ کا مقصد تمام چیزوں سے اس کو جدا کرنا تھا ہی نہیں۔ آپ اس کو صرف شجر و حجر سے جدا کرنا چاہتے تھے اور جب حیوان کہہ دیا تو شجر و حجر سے فرس جدا ہو گیا کیونکہ نہ شجر حیوان ہے اور نہ حجر حیوان ہے۔ تو تعریف جو ہے وہ بالاعم بھی جائز ہے جب بعض ما عدا سے جدا کرنا مقصود ہو۔ اور یہاں پر بھی عدل کو تمام چیزوں سے جدا کرنا مقصود نہیں ہے بلکہ باقی کے اسبابِ منعِ صرف جو ہیں ان سے جدا کرنا مقصود ہے، ان سے جدا کر کے بتانا ہے کہ بھئی اس کو عدل کہتے ہیں، پھر دوسرے کے بارے میں بتاتے ہیں اس کو وصف کہتے ہیں، پھر تیسرے کے بارے میں بتلاتے ہیں کہ اس کو معرفہ کہتے ہیں۔ تو صرف ان اسباب سے جدا کرنا مقصود ہے، باقی چیزوں سے جدا کرنا مقصود نہیں، لہٰذا یہ مقصد اس تعریف سے حاصل ہو گیا۔ جب اس تعریف سے یہ مقصد حاصل ہو گیا تو پھر تکلفات میں پڑنے کی ضرورت نہیں کہ آپ مشتقات کو بھی نکالنے کی کوشش کریں، آپ اسمائے محذوفۃ الاعجاز کو بھی نکالنے کی کوشش کریں، اور اسی طرح مغیراتِ قیاسیہ اور جموعِ شاذہ وغیرہ کو بھی نکالنے کی کوشش کریں، ان تکلفات میں پڑنے کی ضرورت نہیں۔ لیکن میں نے بتلایا کہ محشی حضرات لکھتے ہیں کہ نہیں بھئی،

تعریف کا جامع مانع ہونا چاہیے کیونکہ یہاں جو ہے غیر منصرف کی پہچان کروائی جا رہی ہے، تو عدل کے ذریعے غیر منصرف کی پہچان ہو گی ہمیں اور وہ منصرف سے جدا ہو گا۔ تو لہٰذا اب پوری تعریف ہونی چاہیے تاکہ منصرف کے اندر جو تغیر و تبدل ہوتا ہے، ایک صورت سے دوسری صورت بنتی ہے، تاکہ کہیں ہم پر وہ مشتبہ نہ ہو جائے، ہمیں پوری طرح پتا چل جائے کہ جو تبدیلیاں منصرف میں ہوتی ہیں وہ اور ہیں اور یہ جو عدل والی تبدیلی ہے غیر منصرف میں یہ اور تبدیلی ہے، لہٰذا ان کو یہ تفصیل ذکر کرنی چاہیے، یہ بے کار نہیں ہے۔

اس کے بعد صاحبِ جامی نے بعض علماء کو رد کیا تھا۔ بعض علماء فرماتے ہیں کہ یہ جو عدل ہے، اس کا پتا ہمیں پہلے چلتا ہے اور غیر منصرف ہونے کا حکم اس کے بعد لگایا جاتا ہے۔ جبکہ صاحبِ جامی فرماتے ہیں نہیں، غیر منصرف ہونے کا پتا ہمیں پہلے چلتا ہے اور اس کے بعد اس میں ہم عدل کا اعتبار کرتے ہیں تاکہ ہمارا ضابطہ بچ جائے۔ تو عدل دو قسم پر ہے: ایک عدلِ تحقیقی اور ایک عدلِ تقدیری۔ میں نے بتایا عدلِ تحقیقی وہ ہے جس میں دلیل ہوتی ہے اور عدلِ تقدیری وہ ہے جس میں دلیل نہیں ہوتی۔ تو صاحبِ جامی اور وہ دیگر علماء کا عدلِ تقدیری کے اندر تو اتفاق ہے کہ اس کے اندر جس کو اصل قرار دیا گیا وہ بھی مقدر ہے یعنی اس کو فرض کیا گیا ہے، ہمارے پاس دلیل کوئی نہیں موجود۔ اور پھر اس اصل سے اس کو جو نکالا گیا وہ اخراج بھی فرض کیا گیا ہے۔ تو عدلِ تقدیری کے اندر وہ اصل بھی مقدر ہوتی ہے اور اس اصل سے نکالنا یعنی اخراج بھی مقدر ہوتا ہے، فرض کیا جاتا ہے۔ اس میں دونوں گروہوں کا اتفاق ہے۔ البتہ عدلِ تحقیقی میں دونوں کا اختلاف ہے۔ دیگر علماء کے نزدیک عدلِ تحقیقی کے اندر اصل بھی محقق ہوتی ہے اور اس سے جو اخراج ہے وہ بھی محقق ہوتا ہے۔ وہ بھی محقق ہوتا ہے۔ مثلاً ہمارے سامنے ثُلَاثُ آیا تو یہ علماء فرماتے ہیں کہ ثُلَاثُ کے اندر ایک سبب وصف تھا، پھر ہم نے غور کیا تو ہمیں اس کے اندر عدل کا بھی پتا چلا۔ تو جب عدل کا بھی پتا چلا، معلوم ہوا اس اصل سے اس کا اخراج بھی محقق ہو گیا کہ یہ اصل میں کیا تھا؟ ثَلَاثَةٌ ثَلَاثَةٌ تھا، پھر کیا بنایا گیا؟ ثُلَاثُ بنایا گیا۔ تو وہ اصل بھی محقق اور اس سے اخراج بھی محقق ہوا، اور پھر اس کے بعد اب حکم لگایا گیا کہ یہ غیر منصرف ہے۔ تو اصل بھی اس میں محقق اور اس اصل سے اخراج بھی محقق ہے۔ جبکہ صاحبِ جامی فرماتے ہیں نہیں، ہمیں پہلے غیر انصراف کا علم ہوتا ہے اور پھر ہم اس کے اندر اخراج کا یعنی عدل کا اعتبار کرتے ہیں۔ تو یہ جو اخراج ہے یہ تو ہمیشہ مقدر ہی ہو گا، ہم ہی اس کا اعتبار کرتے ہیں اپنے ضابطے کو بچانے کے لیے۔ ہاں، وہ اصل جو ہے وہ کبھی محقق ہو گی، کبھی مقدر۔ اگر عدلِ تقدیری ہے تو وہ اصل مقدر ہے، ہم نے فرض کی ہے، دلیل کوئی نہیں ہے۔ اور اگر یہ عدلِ تحقیقی ہے تو یہاں اصل کے اصل ہونے پر دلیل موجود ہے، تو اصل محقق ہے البتہ وہ اخراج وہ مقدر ہی ہے، وہ اعتباری ہی ہے، وہ ہم نے اعتبار کیا ہے۔ تو لہٰذا کہتے ہیں عدل کے اندر دو چیزوں کا ہونا ضروری ہے: ایک تو اصل کا وجود ہونا چاہیے اور دوسرا اس اخراج کا اعتبار کرنا پڑے گا۔ اور وہ اصل اگر وہ محقق ہے یعنی اس پر دلیل موجود ہے تو اس کو عدلِ تحقیقی کہیں گے، اور اگر اس پر کوئی دلیل نہیں

تو اس کو عدلِ تقدیری کہیں گے بھئی۔ جبکہ اخراج وہ ہمیشہ مقدر ہوتا ہے، اس کا اعتبار کرنا پڑتا ہے۔

اس کے بعد تَحْقِيقًا آیا تھا بھئی۔ میں نے بتلایا تھا کہ یہ تَحْقِيقًا یہ مفعولِ مطلق ہے۔ اور پیچھے خُرُوجُهُ آیا تھا، وہ خُرُوجُهُ کس تاویل میں ہے؟ أَنْ يَخْرُجَ کی تاویل میں ہے۔ جو بھی مصدر عمل کرتا ہے یاد رکھو وہ أَنْ مَعَ الْفِعْلِ کی تاویل میں ہوتا ہے۔ تو پیچھے بھی أَنْ يَخْرُجَ فعل آیا اور یہاں بھی خُرُوجًا مصدر آیا، تو یہ مصدر ماقبل فعل کے معنیٰ میں ہے، تو یہ مفعولِ مطلق بنے گا اور یہ خُرُوجًا یہاں محذوف ہے۔ تو تَحْقِيقًا یہ مفعولِ مطلق ہے باعتبار موصوفِ محذوف کے کہ اس کا موصوف جو محذوف ہے وہ ہے اصل میں مفعولِ مطلق بھئی۔ اور میں نے یہ بھی بتلایا کہ یہ تَحْقِيقًا اس کو مُحَقَّق کے معنیٰ میں لینا پڑے گا اس لیے کیونکہ خُرُوجًا مُحَقَّقًا، خُرُوجًا ہے موصوف اور تَحْقِيقًا ہے اس کی صفت، اور صفت کے اندر موصوف پر حکم لگایا جاتا ہے، اور جس پر حکم لگایا جائے وہ ذات ہوتی ہے۔ کیا ہوتی ہے؟ خُرُوجًا مُحَقَّقًا، آپ یہ نہ کہیں کہ خُرُوجًا بھی تو مصدر ہے، بھئی یہاں ذات سے مراد یہ وہ ذات نہیں ہے جس کا خارج میں وجود ہو، جس کا خارج میں وجود ہو، پھر تو واقعی خروج ذات نہیں ہے کیونکہ خروج تو مصدر ہے اور میں آپ کو بتا چکا ہوں مصدر کا خارج میں وجود نہیں ہوتا۔ لیکن یہاں خروج کو ذات والا حکم دیں گے بمعنیٰ کہ اس پر حکم لگایا جا رہا ہے، تو جس پر حکم لگایا جائے اس کو ذات کہتے ہیں۔ مثلاً میں آپ کو کہتا ہوں: الْخُرُوجُ مَصْدَرٌ، خروج کیا ہے؟ مصدر ہے، جملہ صحیح ہے یا غلط ہے؟ جملہ صحیح ہے، بات صحیح ہے، تو دیکھو خروج پر میں مصدر ہونے کا حکم لگا رہا ہوں، اور جس پر حکم لگایا جاتا ہے اس کو کیا کہتے ہیں؟ ذات کہتے ہیں۔ کیا کہتے ہیں؟ ذات۔ تو ذات صرف اسی کو نہیں کہتے جس کا خارج میں وجود ہو بلکہ جس پر حکم لگایا جا سکے اس کو بھی کیا کہتے ہیں؟ ذات کہتے ہیں بھئی۔ تو یہاں پر بھی خُرُوجًا تَحْقِيقًا، خروج پر تَحْقِيقًا کا حکم لگایا جا رہا ہے اور تَحْقِيقًا تو ہے مصدر اور خروج تو ہے ذات، تو ذات پر مصدر کا حکم صحیح نہیں، تو پھر تَحْقِيقًا کو کس معنیٰ میں لیا؟ مُحَقَّقًا اسمِ مفعول کے معنیٰ میں لے لیا: ایسا خروج جو مُحَقَّق ہو۔ بھئی ایسا خروج جو مُحَقَّق ہو یہ تو ان علماء کا مذہب بن گیا، ان کے نزدیک عدلِ تحقیقی میں خروج کیا ہوتا ہے؟ مُحَقَّق، اور عدلِ تقدیری میں خروج کیا ہوتا ہے؟ مقدر۔ تو میں نے بتایا کہ یہ صفت بحالِ متعلقہ ہی ہے بھئی، أَيْ خُرُوجًا مُحَقَّقًا أَصْلُهُ، ایسا خروج کہ خود نہیں مُحَقَّق بلکہ اس کی اصل جو ہے وہ مُحَقَّق ہے، وہ معدول عنہ جس سے اسم کو پھیرا گیا ہے وہ اصل مُحَقَّق ہے بھئی۔ بات سمجھ میں آگئی؟

اور اس کے بعد پھر ثُلَاثُ اور مَثْلَثُ کی مثال آئی تھی اور شارح جامی نے آپ کو بتلایا کہ یہ ثُلَاثُ اور مَثْلَثُ، ثَلَاثَةٌ ثَلَاثَةٌ سے معدول ہیں، اور یہ ایک سے لے کر چار تک یہ اسی طرح استعمال ہوتے ہیں اور یہ بالاتفاق ہے، البتہ چار سے اوپر دس تک اس میں اختلاف ہے؛ بعض کہتے ہیں کہ یہ چار سے اوپر استعمال نہیں ہوتے لیکن صحیح قول یہی ہے کہ چار سے اوپر بھی اسی طرح یہ استعمال ہوتے ہیں۔ تو ان کے اندر منعِ صرف میں جو سبب ہے ایک وصفیت ہے اور ایک عدل ہے۔ اس پر اشکال ہوتا ہے کہ عدل تو ہمیں تسلیم ہے لیکن وصفیت، وصفیت تو اس میں نہیں کیونکہ یہ معدول ہے ثَلَاثَةٌ ثَلَاثَةٌ سے،

اور ثَلَاثَة تو عدد کا نام ہے، وہ تو صفت نہیں۔ تو جواب یہ کہ ثَلَاثَة کے اندر اگر کبھی وصفیت آئے گی وہ عارضی ہوتی ہے۔ تو جَاءَنِي الْقَوْمُ ثَلَاثَةً ثَلَاثَةً، یہ جو ثَلَاثَة یہاں آئے یہ تو اصل میں وضع ہے عدد کے لیے لیکن یہاں ان میں وصفیت آگئی، یہ وصفیت ہے عارضی۔ یہ وصفیت ہے عارضی، لیکن جب ثَلَاثَةٌ ثَلَاثَةٌ اکٹھا تھا وصف کے طور پر، اسی کو پھیر کر کیا بنا دیا؟ ثُلَاثُ۔ تو اب یہ ثُلَاثُ کس سے معدول ہے؟ ثَلَاثَةٌ ثَلَاثَةٌ سے، اور وہ ثَلَاثَةٌ ثَلَاثَةٌ عدد کے لیے تھا یا وصف کے لیے؟ وہ وصف کے لیے تھا، تو معلوم ہوا ثُلَاثُ بھی کس کے لیے وضع ہے؟ وصف ہی کے لیے وضع ہے، تو اس میں اصلِ وضع کے اعتبار سے وصفیت آگئی، تو اب وصفیت بھی مؤثر ہوگی اور عدل بھی مؤثر ہے، تو اب یہ غیر منصرف ہیں ان دو سببوں کی وجہ سے، یعنی عدل بھی ہے اور وصفیتِ اصلیہ بھی ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ اب آئیے آج کے سبق پر بھئی۔

کہتے ہیں: وَأُخَرَ جَمْعِ أُخْرَى مُؤَنَّثِ آخَرَ، وَأُخَرَ جَمْعِ أُخْرَى، یہ أُخَرَ کا عطف ہے ثُلَاثَ وَمَثْلَثَ پر، اور ان پر کاف جارہ داخل تھا تو یہ بھی مجرور ہے، لیکن یہ غیر منصرف ہے اور اس پر جر فتحہ کی صورت میں آتا ہے، تو یہ اس وقت مجرور ہے لفظاً بھئی کیونکہ أُخَرَ اس فتحہ پر ہم باقاعدہ تلفظ کر رہے ہیں۔ اور آگے جَمْعِ أُخْرَى یہ اس کی صفت ہے بھئی، اور صفت پر وہی اعراب آتا ہے جو کس پر آئے؟ موصوف پر، تو أُخَرَ یہ موصوف یہ بھی مجرور لیکن یہ غیر منصرف، اور جَمْعِ أُخْرَى یہ اس کی صفت بھی مجرور ہے۔ تو کہتے ہیں: وَأُخَرَ جَمْعِ أُخْرَى، اور یہ أُخَرُ جو ہے أُخْرَى کی جمع ہے۔ اچھا بھئی پہلے مسئلہ سمجھ لیں۔ بات عدل کی چل رہی ہے بھئی، عدل کی۔ یاد رکھو یہ أُخَرُ جو ہے یہ غیر منصرف ہے بھئی، أُخَرُ۔ اور یہ دراصل جمع ہے أُخْرَى کی، اور أُخْرَى مؤنث ہے آخَرُ کی جو اسمِ تفضیل ہے۔ آپ نے بھی گردانوں میں پڑھا ہے: وَأَفْعَلُ التَّفْضِيلِ الْمُذَكَّرُ مِنْهُ أَضْرَبُ وَالْجَمْعُ أَضَارِبُ وَالْمُؤَنَّثُ مِنْهُ ضُرْبَى ضُرْبَيَانِ ضُرَبٌ، ضُرَبٌ دیکھا؟ یہ وہی أُخَرٌ یہ وہی صیغہ ہے۔ تو یہ أُخَرُ یہ جمع ہے اور یہ کس کی جمع ہے؟ أُخْرَى کی۔ بھئی ادھر دیکھو، اسمِ تفضیل آتا ہے أَفْعَلُ وزن پر، أَفْعَلُ۔ یاد رکھو یہ أَفْعَلُ وزن پر اسمِ تفضیل بھی آتا ہے اور اسی وزن پر ایک صفت بھی آتی ہے جسے صفتِ مشبہ کہتے ہیں بھئی، جیسے آگے آئے گا أَجْمَعُ۔ أَجْمَعُ یہ کیا ہے؟ صفتِ مشبہ ہے۔ تو آخَرُ یہ بھی وہی وزن أَفْعَلُ، اور أَجْمَعُ یہ بھی وہی وزن تو یہ صفتِ مشبہ ہے۔ توجہ ہے؟ أَفْعَلُ وزن پر اسمِ تفضیل بھی آتا ہے اور صفتِ مشبہ بھی۔ اسمِ تفضیل جیسے أَضْرَبُ، أَنْصَرُ، أَفْتَحُ وغیرہ، اور صفتِ مشبہ جیسے أَحْمَرُ، أَبْيَضُ وغیرہ۔ أَحْمَرُ کا کیا معنیٰ؟ سرخ، لیکن اس کا معنیٰ زیادہ سرخ نہیں بھئی، یہ صفت کا صیغہ ہے، صفتِ مشبہ ہے، اسمِ تفضیل نہیں ہے۔ اسی طرح أَبْيَضُ کا کیا معنیٰ؟ اس کا معنیٰ سفید ہے، زیادہ سفید نہیں بھئی۔ تو أَفْعَلُ وزن اسمِ تفضیل کے لیے بھی آتا ہے اور صفتِ مشبہ کے لیے بھی، اور اس کو أَفْعَلُ صِفَتِي کہتے ہیں۔ جب وہ صفتِ مشبہ کے لیے أَفْعَلُ وزن آئے تو کیا کہتے ہیں اس کو؟ أَفْعَلُ صِفَتِي یعنی صفت والا أَفْعَلُ بھئی، اور اس کو کیا کہتے ہیں؟ أَفْعَلُ التَّفْضِيلِ، کون سا أَفْعَلُ؟ تفضیل والا أَفْعَلُ بھئی۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو یہ أَفْعَلُ اسمِ تفضیل ہو تو پھر اس کی مؤنث آتی ہے أُخْرَى۔ توجہ ہے؟ أُخْرَى، جیسے أَضْرَبُ وَالْجَمْعُ أَضَارِبُ وَالْمُؤَنَّثُ مِنْهُ ضُرْبَى، أُخْرَى۔ اور پھر یہ جو مؤنث أُخْرَى ہے، اس کی جمع أُخَرُ آتی ہے،

کیا آتی ہے؟ أُخَرُ آتی ہے۔ توجہ ہے بھئی؟ تو اس کی جمع أُخَرُ آتی ہے، تو یہ أُخَرُ کس کی جمع؟ أُخْرَى کی۔ پھر دہراؤ، بار بار دہراؤ بھئی، یہ أُخَرُ کس کی جمع؟ أُخْرَى کی۔ اور أُخْرَى کس کی مؤنث؟ آخَرُ اسمِ تفضیل کی۔ البتہ اب یہ غَيْرُ کے معنیٰ میں استعمال ہوتا ہے، یہ تفضیل کے لیے نہیں استعمال ہوتا۔ جَاءَنِي زَيْدٌ وَرَجُلٌ آخَرُ۔ جَاءَنِي زَيْدٌ، میرے پاس زید آیا، وَرَجُلٌ آخَرُ، اور اس کے علاوہ ایک اور آدمی آیا۔ تو دیکھو رَجُلٌ آخَرُ، یہ اب تفضیل کے معنیٰ میں نہیں ہے بلکہ یہ غَيْرٌ کے معنیٰ میں ہے، رَجُلٌ غَيْرُهُ، اس کے علاوہ ایک آدمی آیا، لیکن اصلِ وضع میں یہ اسمِ تفضیل ہے بھئی۔

اور یاد رکھو، یہ جو اسمِ تفضیل ہے اس کے استعمال کے تین طریقے ہیں۔ یہ کبھی کبھار الف لام کے ساتھ استعمال ہوتا ہے: جَاءَنِي زَيْدٌ الْأَفْضَلُ، میرے پاس وہ زید آیا جو سب سے افضل ہے، دیکھو الف لام میں لے آیا۔ اور کبھی کبھار یہ مِنْ کے ساتھ استعمال ہوتا ہے: جَاءَنِي زَيْدٌ أَفْضَلُ مِنْ عَمْرٍو، میرے پاس وہ زید آیا جو عمرو سے افضل ہے۔ تیسری صورت یہ اضافت کے ساتھ استعمال ہوتا ہے: جَاءَنِي زَيْدٌ أَفْضَلُ الْقَوْمِ، میرے پاس وہ زید آیا جو ساری قوم سے افضل ہے بھئی۔ تو اسمِ تفضیل کے استعمال کے کتنے طریقے؟ الف لام کے ساتھ یا مِنْ کے ساتھ یا اضافت کے ساتھ۔ اور یہ جو، یہ جو أُخَرُ ہے یہ ان تین میں سے کسی کے ساتھ بھی نہیں استعمال ہو رہا، یہ أُخَرُ ان تین میں سے کسی کے ساتھ بھی نہیں استعمال ہو رہا، معلوم ہوا ان میں سے کسی ایک سے یہ معدول ہے، اس کو پھیرا گیا ہے۔ یہ اصل میں تھا الْأُخَرُ، پھر پھیر کر أُخَرُ بنا لیا گیا۔ یا یہ اصل میں کیا تھا؟ یا یہ اصل میں تھا أُخَرُ مِنْ، یعنی مِنْ اس کے ساتھ تھا پھر اس کو پھیر کر أُخَرُ بنا لیا گیا۔ البتہ اضافت والی صورت کا علماء نے اعتبار نہیں کیا۔ بعض علماء فرماتے ہیں یہ أُخَرُ یہ معدول ہے کس سے؟ الْأُخَرُ سے۔ توجہ ہے؟ الْأُخَرُ سے۔ بعض کیا فرماتے ہیں؟ یہ أُخَرُ مِنْ سے معدول ہے۔ اور تیسری صورت کیا تھی اسمِ تفضیل کے استعمال کی؟ اضافت کے ساتھ استعمال ہو، کہتے ہیں اس سے کوئی بھی معدول نہیں مانتا۔ وجہ یہ: مثلاً اگر اس کے آگے کوئی مضاف الیہ ہوتا تو جب مضاف الیہ کو ختم کیا جاتا ہے تو تین چیزوں میں سے ایک چیز وہاں لازماً کرنا پڑتی ہے۔ یا تو اس مضاف الیہ کے عوض میں اس مضاف پر تنوین لے آتے ہیں، جیسے حِينَ إِذْ كَانَ كَذَا، حِينَ إِذْ كَانَ كَذَا، تو كَانَ كَذَا مضاف الیہ تھا، اس کو حذف کیا تو کیا کہنے لگے؟ حِينَئِذٍ، دیکھو عوض میں تنوین لے آئے۔ یا تھا كُلُّ وَاحِدٍ، وَاحِدٍ کو حذف کیا تو كُلٌّ پر کیا لے آئے؟ تنوین۔ توجہ ہے؟ میں نے آپ کو پہلے بتایا تھا یہ كُلٌّ پر جب تنوین آتی ہے یہ عوض ہوتی ہے مضاف الیہ کا۔ اسی طرح حِينَئِذٍ پر جو تنوین آتی ہے یہ بھی تنوین عوض ہے، کس کے عوض میں آتی ہے؟ مضاف الیہ۔ تو مضاف الیہ کو جب بھی حذف کریں تو مضاف پر تنوین لانا پڑے گی۔ یا دوسری صورت یہ ہے کہ مضاف الیہ کو جب بھی حذف کریں مضاف کو مبنی بنانا پڑے گا، جیسے قَبْلُ اور بَعْدُ۔ جب ان کے مضاف الیہ کو حذف کر لیا جائے تو یہ مبنی علی الضم ہو جاتے ہیں، مبنی علی الضم ہو جاتے ہیں۔ تیسری صورت یہ ہے کہ جب آپ مضاف الیہ کو حذف کر دیں تو پھر ویسی ہی ایک اور اضافت آگے آپ کو لانا پڑے گی، جیسے يَا تَيْمَ تَيْمَ عَدِيٍّ۔ يَا تَيْمُ تَيْمَ عَدِيٍّ، توجہ ہے؟ یہ آگے بحث بھی آجائے گی، منادیٰ کی بحث میں یہ تفصیل آجائے

گی، بس یہاں اتنا یاد رکھیں: يَا تَيْمُ تَيْمَ عَدِيٍّ اصل میں تھا يَا تَيْمَ عَدِيٍّ، توجہ ہے؟ يَا تَيْمَ عَدِيٍّ، ایک دفعہ تَيْمَ تھا: يَا تَيْمَ عَدِيٍّ، پھر عَدِيٍّ مضاف الیہ کو حذف کر لیا۔ جب مضاف الیہ کو حذف کیا تو یہ تَيْمُ اکیلا رہ گیا اور منادیٰ مفرد معرفہ ہو تو مبنی علی الضم ہو جاتا ہے، تو اس لیے اس کو کیا پڑھا؟ يَا تَيْمُ۔ تو مضاف الیہ کو حذف کیا یا نہیں کیا؟ تو جب مضاف الیہ کو حذف کیا تو اس کے عوض ویسی ہی اضافت دوبارہ لانی پڑی اور پھر آگے کہنا پڑا تَيْمَ عَدِيٍّ۔ ایک عَدِيٍّ کو حذف کیا، اس کے عوض پوری مضاف مضاف الیہ کو دوبارہ لانا پڑا تَيْمَ عَدِيٍّ۔ تو کلام کیا بن گیا؟ يَا تَيْمُ تَيْمَ عَدِيٍّ۔ توجہ ہے؟ اصل میں کیا تھا؟ يَا تَيْمَ عَدِيٍّ، پھر کیا کیا؟ مضاف الیہ عَدِيٍّ کو حذف کیا، اور جب مضاف الیہ کو حذف کیا جاتا ہے تو تین چیزوں میں سے ایک کام کیا جاتا ہے: یا تنوین لاتے ہیں، یا اس کو مبنی بنا دیتے ہیں، یا اسی جیسی اضافت دوبارہ لاتے ہیں۔ تو يَا تَيْمَ عَدِيٍّ یہ آپس میں مضاف مضاف الیہ تھے، عَدِيٍّ کو حذف کر دیا تو اسی اضافت کو پورا دوبارہ لانا پڑا، مضاف کو بھی اور مضاف الیہ کو بھی، تو کیسے پڑھیں گے؟ يَا تَيْمُ تَيْمَ عَدِيٍّ۔ معلوم ہوا جب مضاف الیہ کو حذف کیا جائے تو کیا کیا جاتا ہے؟ تین چیزوں میں سے ایک چیز ضرور آئے گی وہاں پر۔ کیا؟ یا تنوین آئے گی، یا وہ مبنی بن جائے گا، یا پھر دوبارہ اضافت لانی پڑے گی۔ اور یہاں پر تینوں میں سے کوئی بھی نہیں ہے: أُخَرُ، تنوین بھی نہیں ہے، یہاں یہ مبنی بھی نہیں ہے، اور یہاں دوبارہ کوئی اضافت بھی نہیں۔ لہٰذا اضافت والی صورت سے تو یہ معدول نہیں ہے، اس کی طرف کوئی بھی علماء میں سے نہیں گیا۔ البتہ بعض فرماتے ہیں کہ یہ الْأُخَرُ تھا، یعنی الف لام کے ساتھ استعمال ہو رہا تھا، پھر اس سے اس کو پھیر لیا گیا، اور بعض کیا فرماتے ہیں کہ یہ مِنْ کے ساتھ تھا أُخَرُ مِنْ، اس سے یہ معدول ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تقریر اچھی طرح سمجھ میں آگئی؟

دیکھیے بھئی کتاب پر، کہتے ہیں: وَأُخَرَ جَمْعِ أُخْرَى، کہ أُخَرُ جو ہے یہ أُخْرَى کی جمع ہے، اور یہ أُخْرَى کیا ہے؟ کہتے ہیں: مُؤَنَّثِ آخَرَ، یہ آخَرُ کی مؤنث ہے اسمِ تفضیل کی۔ وَآخَرُ اسْمُ التَّفْضِيلِ، اور آخَرُ جو ہے وہ اسمِ تفضیل ہے۔ لِأَنَّ مَعْنَاهُ فِي الْأَصْلِ، اس لیے کیونکہ اس کا معنیٰ جو تھا اصل میں، أَشَدُّ تَأَخُّرًا، زیادہ شدید باعتبار مؤخر ہونے کے۔ آپ جانتے ہیں کہ اسمِ تفضیل جو ہے یہ ثلاثی مجرد سے آتا ہے، ثلاثی مزید سے نہیں آتا۔ اور آپ علم الصیغہ وغیرہ میں پڑھ چکے ہیں کہ اگر آپ ثلاثی مزید فیہ یا رباعی وغیرہ سے اسمِ تفضیل والا معنیٰ ادا کرنا چاہتے ہیں تو اس کا طریقہ یہ ہے کہ أَشَدُّ یا أَكْثَرُ جیسا لفظ لے آؤ، أَشَدُّ اور أَكْثَرُ یہ اسمِ تفضیل لے آؤ، اور ساتھ اسی باب کے مصدر کو منصوب لے آؤ باعتبار تمیز کے۔ مثلاً میں اکرام جو ہے، بابِ أَكْرَمَ يُكْرِمُ إِكْرَامًا، بابِ افعال سے اسمِ تفضیل لانا چاہتا ہوں، تو اس سے تو اسمِ تفضیل نہیں آتا، تو پھر أَشَدُّ اور أَكْثَرُ سے اسمِ تفضیل بنا لوں گا اور آگے إِكْرَامًا کو ساتھ تمیز کے طور پر ذکر کر دوں گا: زَيْدٌ أَشَدُّ إِكْرَامًا مِنْ عَمْرٍو، زید زیادہ شدید ہے باعتبار اکرام کرنے کے مِنْ عَمْرٍو کس کے مقابلے میں؟ عمرو کے مقابلے میں۔ تو باقی ابواب سے جب اسمِ تفضیل والا معنیٰ ادا کرنا ہو تو أَشَدُّ یا أَكْثَرُ وغیرہ اس جیسا کوئی اسمِ تفضیل بنا کر لے آتے ہیں اور اسی باب کے مصدر کو آگے منصوب لے آتے ہیں تمیز کے طور پر، تو أَشَدُّ إِكْرَامًا، توجہ ہے؟ أَشَدُّ اسْتِخْرَاجًا، أَشَدُّ دَحْرَجَةً، بات سمجھ میں آ رہی ہے؟ تو اس طرح

آگے مصدر کو منصوب لے آتے ہیں وہ اور وہ تمیز بنتا ہے۔ تو یہاں پر بھی دیکھو: لِأَنَّ مَعْنَاهُ فِي الْأَصْلِ، اس لیے کیونکہ اس کا معنیٰ جو تھا اصل میں، أَشَدُّ تَأَخُّرًا، زیادہ شدید تَأَخُّرًا باعتبار متأخر ہونے کے۔ تو یہ تَأَخُّر کون سا باب ہے؟ بابِ تفعّل، یہ ثلاثی مزید فیہ ہے اور اسمِ تفضیل کا معنیٰ ادا کرنا تھا تو ساتھ کیا لے آئے؟ أَشَدُّ اسمِ تفضیل لے آئے اور تَأَخُّرًا کو آگے تمیز بنا دیا۔ تو یہ کس معنیٰ میں تھا آخَرُ اسمِ تفضیل؟ لِأَنَّ مَعْنَاهُ فِي الْأَصْلِ أَشَدُّ تَأَخُّرًا، اس لیے کیونکہ اس کا معنیٰ اصل میں تھا أَشَدُّ تَأَخُّرًا، زیادہ شدید باعتبار متأخر ہونے کے، یعنی زیادہ متأخر بھئی۔ ثُمَّ نُقِلَ إِلَى مَعْنَى غَيْرٍ، پھر اس کو نقل کر لیا گیا غَيْرٍ کے معنیٰ کی طرف۔ ثُمَّ نُقِلَ إِلَى مَعْنَى غَيْرٍ، پھر اس کو نقل کر لیا گیا غَيْرٍ کے معنیٰ کی طرف۔ وَقِيَاسُ اسْمِ التَّفْضِيلِ أَنْ يُسْتَعْمَلَ بِاللَّامِ، اور اسمِ تفضیل میں قیاس یہ ہے کہ اس کو استعمال کیا جائے بِاللَّامِ لام کے ساتھ، یعنی الف لام کے ساتھ، أَوِ الْإِضَافَةِ، یا اضافت کے ساتھ، أَوْ كَلِمَةِ مِنْ، یا کلمہ مِنْ کے ساتھ استعمال کیا جائے۔ یہ تین طریقے ہیں اسمِ تفضیل کے استعمال کے: یا اضافت کے ساتھ، یا لام کے ساتھ، یا مِنْ کے ساتھ۔ وَحَيْثُ لَمْ يُسْتَعْمَلْ بِوَاحِدٍ مِنْهَا، اور چونکہ اس کو استعمال نہیں کیا گیا بِوَاحِدٍ مِنْهَا ان میں سے کسی ایک کے ساتھ بھی، یہ جو أُخَرُ استعمال ہوتا ہے یہ ان میں سے کسی طریقے کے ساتھ استعمال نہیں ہوتا، تو عُلِمَ یہ جان لیا گیا أَنَّهُ مَعْدُولٌ مِنْ أَحَدِهَا، کہ یہ ان میں سے کسی ایک طریقے سے معدول ہے۔ فَقَالَ بَعْضُهُمْ، تو بعض نحوی حضرات فرمانے لگے کہ إِنَّهُ مَعْدُولٌ عَمَّا فِيهِ اللَّامُ، کہ یہ معدول ہے اس اسمِ تفضیل سے جس کے اندر لام ہو، أَيْ عَنِ الْأُخَرِ، یعنی یہ الْأُخَرِ سے معدول ہے۔ وَقَالَ بَعْضُهُمْ هُوَ مَعْدُولٌ عَمَّا ذُكِرَ مَعَهُ مِنْ، کہ یہ معدول ہے اس اسمِ تفضیل سے کہ ذکر کیا جائے اس کے ساتھ مِنْ کو بھی، أَيْ عَنْ أُخَرَ مِنْ، یعنی یہ أُخَرُ مِنْ سے معدول ہے۔ وَإِنَّمَا لَمْ يَذْهَبْ إِلَى تَقْدِيرِ الْإِضَافَةِ، اور نہیں گیا کوئی بھی اضافت والی تقدیر کی طرف کہ اضافت سے یہ معدول ہے، اس طرف کوئی بھی نہیں گیا، لِأَنَّهَا تُوجِبُ التَّنْوِينَ أَوِ الْبِنَاءَ أَوْ إِضَافَةً، اس لیے کیونکہ یہ ثابت کرتا ہے تنوین کو یا بناء یعنی مبنی ہونے کو، أَوْ إِضَافَةً أُخْرَى، یا دوسری اضافت کو، کیونکہ اگر یہ اضافت سے معدول ہو تو یا تو تنوین لانا پڑے گی، یا مبنی بنانا پڑے گا، یا دوسری اضافت اس جیسی لانا پڑے گی۔ معنیٰ سمجھ میں آگیا؟ یہ معنیٰ ہے لِأَنَّهَا تُوجِبُ التَّنْوِينَ أَوِ الْبِنَاءَ أَوْ إِضَافَةً أُخْرَى، اس لیے کیونکہ اضافت والی تقدیر جو ہے یہ ثابت کرتی ہے یا یوں کہہ لیں یہ واجب کرتی ہے تنوین کو، أَوِ الْبِنَاءَ یا مبنی ہونے کو، أَوْ إِضَافَةً أُخْرَى مِثْلَهَا یا ایک اور اضافت جو اسی کے مثل ہو، اس کو یہ واجب کرتی ہے۔ نَحْوُ حِينَئِذٍ، جیسے کہ حِينَئِذٍ، دیکھو اس میں مضاف الیہ کو حذف کیا تو کیا لانا پڑی؟ تنوین۔ وَقَبْلُ، دیکھو اس کے اندر مضاف الیہ کو حذف کیا تو یہ کیا بن گیا؟ مبنی بن گیا۔ وَيَا تَيْمَ تَيْمَ عَدِيٍّ، اور اس کے اندر دیکھو ایک عَدِيٍّ کو حذف کیا تو اس کے عوض پوری اضافت اسی جیسی لانی پڑی بھئی۔ وَلَيْسَ فِي أُخَرَ شَيْءٌ مِنْ ذَلِكَ، اور أُخَرُ کے اندر ان میں سے کوئی بھی چیز نہیں ہے۔ ان میں سے کوئی بھی چیز نہیں ہے أُخَرُ کے اندر: نہ اس کے اندر تنوین ہے، نہ بناء ہے، اور نہ اس جیسی کوئی اور اضافت ہے، تو فَتَعَيَّنَ تو یہ متعین ہو گیا أَنْ يَكُونَ مَعْدُولًا عَنْ أَحَدِ الْآخَرَيْنِ، کہ یہ دوسرے دو طریقوں میں سے کسی سے معدول ہے، یا تو یہ الف لام والی صورت سے معدول ہے یا مِنْ والی صورت سے۔ پھر اس میں بھی یاد رکھو کہ علماء فرماتے ہیں کہ یہ جو لام والی صورت سے معدول،

یہ وجہ زیادہ قوی ہے کس کے مقابلے میں؟ مِنْ کے مقابلے میں معدول ہونے سے۔ وجہ یہ کہ اسمِ تفضیل جب الف لام کے ساتھ استعمال ہوتا ہے تو اس میں موصوف کے ساتھ مطابقت ہوتی ہے۔ موصوف مفرد تو آگے اسمِ تفضیل بھی کیا ہو گا؟ مفرد۔ موصوف تثنیہ تو اسمِ تفضیل بھی تثنیہ، جمع کے لیے جمع، مذکر کے لیے مذکر، مؤنث کے لیے مؤنث۔ جَاءَنِي زَيْدٌ الْأَفْضَلُ، جَاءَنِي الزَّيْدَانِ الْأَفْضَلَانِ، جَاءَنِي الزَّيْدُونَ الْأَفْضَلُونَ، جَاءَتْنِي هِنْدٌ الْفُضْلَى، جَاءَتْنِي الْهِنْدَانِ الْفُضْلَيَانِ، جَاءَتْنِي الْهِنْدَاتُ الْفُضْلَيَاتُ، دیکھا؟ مفرد کے لیے مفرد، تثنیہ کے لیے تثنیہ، جمع کے لیے جمع، مذکر کے لیے مذکر، مؤنث کے لیے مؤنث، اور یہ أُخَرُ یہ بھی جمع ہے یا نہیں؟ یہ بھی جمع ہے۔ لیکن اگر یہ مِنْ کے ساتھ جب استعمال ہوتا ہے تو پھر یہ بدلتا نہیں، سب کے لیے اسی طرح رہتا ہے: زَيْدٌ أَفْضَلُ مِنْ عَمْرٍو، توجہ ہے؟ زَيْدٌ أَفْضَلُ مِنْ عَمْرٍو، یہ أَفْضَلُ کس کے ساتھ استعمال ہو رہا ہے؟ مِنْ کے ساتھ، تو اب یہ بدلے گا نہیں، الف لام کے ساتھ تھا تو بدل رہا تھا، مِنْ کے ساتھ ہے اب نہیں بدلے گا: زَيْدٌ أَفْضَلُ مِنْ عَمْرٍو، الزَّيْدَانِ أَفْضَلُ مِنْ عَمْرٍو، الزَّيْدُونَ أَفْضَلُ مِنْ عَمْرٍو، هِنْدٌ أَفْضَلُ مِنْ عَمْرٍو، الْهِنْدَانِ أَفْضَلُ مِنْ عَمْرٍو، الْهِنْدَاتُ أَفْضَلُ مِنْ عَمْرٍو، کوئی تبدیلی نہیں بھئی، سب کے لیے وہی أَفْضَلُ رہے گا۔ ہاں ضمیریں اس کے اندر بدلتی جائیں گی، مفرد کے لیے مفرد کی ضمیر نکالنا، تثنیہ کے لیے تثنیہ کی نکالنا، جمع کے لیے جمع کی، مذکر کے لیے مذکر ضمیر نکالنا اور مؤنث کے لیے مؤنث ضمیر۔ تو اگر یہ مِنْ والی صورت سے معدول ہوتا تو اس کو آخَرُ ہونا چاہیے تھا، أُخَرُ نہیں ہونا چاہیے تھا۔ توجہ ہے؟ جیسے وہاں أَفْضَلُ سب صورتوں میں أَفْضَلُ استعمال ہو رہا تھا۔ تو ان میں سے زیادہ قوی قول کون سا ہے؟ کہ یہ الف لام والی صورت سے معدول ہے۔ مِنْ والی صورت سے بھی معدول درست ہے البتہ وہ زیادہ قوی نہیں ہے بھئی۔

یہاں ایک اور بات یاد رکھیں، عموماً طلبہ سوال کرتے ہیں، سوال یہ کہ دیکھو أُخَرُ یہ جمع ہے کس کی؟ أُخْرَى کی، اور أُخْرَى مؤنث ہے کس کی؟ آخَرُ اسمِ تفضیل کی۔ لہٰذا یہ جو گردانوں میں ہم پڑھتے ہیں: وَأَفْعَلُ التَّفْضِيلِ الْمُذَكَّرُ مِنْهُ أَضْرَبُ وَالْجَمْعُ أَضَارِبُ وَالْمُؤَنَّثُ مِنْهُ ضُرْبَى ضُرْبَيَانِ ضُرَبٌ، کہتے ہیں یہ ضُرَبٌ اس کو ضُرَبٌ پڑھنا چاہیے، یہ بھی غیر منصرف پڑھنا چاہیے، کیا پڑھنا چاہیے؟ غیر منصرف پڑھنا چاہیے، تنوین نہیں پڑھنی چاہیے کیونکہ ایک اس کے اندر وصفیت ہے، یہ وصف کسی کا بیان کر رہا ہے، اور نیز دوسرا اس کے اندر عدل ہے بھئی۔ بات سمجھ میں آگئی؟ چنانچہ بعض علماء بھی اس پر پریشان ہوتے ہیں کہ یہاں اس کو غیر منصرف ہونا چاہیے یا منصرف بھئی، لیکن آپ نے گردانوں میں کیا پڑھا ہے؟ ضُرَبٌ، منصرف پڑھا ہے، منصرف پڑھا ہے۔ چنانچہ صاحبِ نوادر الاصول فرماتے ہیں کہ أُخَرُ کے اندر عدل ہونے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ جو بھی فُعَل وزن پر آرہا ہے آپ سب میں ہی عدل مان لیں بھئی اور اس کو غیر منصرف پڑھنا شروع کر دیں، نہیں نہیں، صرف أُخَرُ کے اندر عدل ہے، باقی ہر اس وزن پر جو بھی اسمِ تفضیل جو بھی ایسا ہے ہر ایک میں عدل نہیں ہے۔ تو کچھ دن قبل ایک طالب علم نے یہی سوال مجھ سے کیا بھئی، اللہ نے ایک اور جواب ذہن میں ڈال دیا بھئی، ایک اور جواب۔ امید ہے اس سے اور زیادہ آپ کی تسلی ہو جائے گی۔ کہ بھئی یہ جو أُخَر جو ہے اس کو ہم معدول مانتے ہیں کس سے؟ الْأُخَرُ سے یا أُخَرُ مِنْ سے۔ تو یہ عدل ہم ضُرْبَى ضُرْبَيَانِ ضُرَبٌ، اس کے اندر یہ عدل ہم نہیں مان سکتے۔ کیوں نہیں مان سکتے؟ وجہ

یہ، یہ جو بتایا گیا اسمِ تفضیل کے تین طریقے، یہ اس کے استعمال کے اعتبار سے ہیں تین طریقے، توجہ ہے؟ اور استعمال کب ہو گا اسمِ تفضیل؟ جب آپ اپنے کلام میں لے کر آئیں گے۔ جب آپ اپنے کلام میں لائے نہیں، استعمال نہیں کیا، جب اسمِ تفضیل کیا ہوتا ہے؟ کلام میں استعمال ہو گا تو استعمال کے اعتبار سے یہ اس کے تین طریقے ہیں۔ تو أُخَرُ بھی جب کلام میں استعمال ہو رہا ہے تو ان میں سے کسی ایک طریقے سے استعمال ہونا چاہیے، لیکن یہ تینوں میں سے کسی کے ساتھ بھی استعمال نہیں ہوتا اس لیے اس میں عدل کو مانا جاتا ہے۔ اور باقی جو ہم گردانوں میں پڑھ رہے ہیں وہ تو ابھی گردان ہے، وہ تو استعمال ہی نہیں ہوا کلام کے اندر بھئی۔ توجہ ہے؟ وہ کسی کلام میں استعمال ہو گا تو وہاں آپ کو الف لام لانا پڑے گا، یا مِنْ لانا پڑے گا، یا اضافت کرنا پڑے گی، پھر اس کے بعد کسی ایک سے آپ اس کو عدل کریں گے، پھیریں گے تو پھر عدل ماننا پڑے گا۔ تو یہاں پر جو عدل مانا گیا وہ استعمال کے تین طریقوں میں سے کسی ایک سے عدل کیا گیا ہے، اور وہ جو گردان میں ہم پڑھ رہے ہیں وہ تو ابھی گردان ہے، وہ تو ابھی کلام میں استعمال ہی نہیں ہوا۔ توجہ ہے؟ جیسے خود آپ دیکھ لیں: وَأَفْعَلُ التَّفْضِيلِ الْمُذَكَّرُ مِنْهُ أَضْرَبُ وَالْجَمْعُ أَضَارِبُ، أَضْرَبُ، اس کے ساتھ مِنْ ہے؟ الف لام ہے؟ اضافت ہے؟ نہیں۔ تو یہ اشکال تو یہاں بھی ہوتا ہے کہ یہاں اضافت کیوں نہیں ہے؟ یہاں الف لام کیوں نہیں ہے؟ یہاں مِنْ کیوں نہیں ہے؟ تو آپ کیا جواب دیں گے؟ یہ استعمال کے طریقے ہیں، جب آپ استعمال کریں گے اپنے کلام میں تو آپ نے ان تین طریقوں میں سے کسی ایک کا لحاظ رکھنا ہے، ویسے نہیں استعمال کر سکتے۔ تو لہٰذا یہ جو ضُرْبَى ضُرْبَيَانِ ضُرَبٌ، اس کو ضُرَبٌ منصرف ہی پڑھنا ہے۔ ہاں، جب استعمال کریں گے وہاں اگر عدل ہوا پھر اس کو غیر منصرف پڑھ سکیں گے۔ تو اس کے اندر عدل ہم نہیں مان سکتے جب تک استعمال نہیں ہوا۔ اور جب عدل نہیں ہے تو صرف ایک ہی سبب ہے، کون سا؟ صفت ہے، وصف ہے، اور ایک سبب کی وجہ سے تو کوئی لفظ غیر منصرف نہیں بنتا۔ جبکہ أَضْرَبُ، أَضْرَبُ، اس کے اندر ایک سبب وصف ہے تو دوسرا عدل نہیں ہے بلکہ وزنِ فعل ہے، وہ ابھی بھی موجود ہے لہٰذا اس کو ابھی سے کیا پڑھیں گے؟ غیر منصرف پڑھیں گے، جبکہ ضُرَبٌ کو ابھی غیر منصرف نہیں پڑھیں گے جب تک عدل آ نہیں جاتا اس کے اندر۔ بات سمجھ میں آ گئی؟

آگے دیکھیے بھئی: وَجُمَعَ جَمْعِ جَمْعَاءَ مُؤَنَّثِ أَجْمَعَ، وَكَذَلِكَ كُتَعُ وَبُتَعُ وَبُصَعُ، وَقِيَاسُ فَعْلَاءَ مُؤَنَّثِ أَفْعَلَ إِنْ كَانَتْ صِفَةً أَنْ تُجْمَعَ عَلَى فُعْلٍ كَحَمْرَاءَ عَلَى حُمْرٍ، وَإِنْ كَانَتِ اسْمًا أَنْ تُجْمَعَ عَلَى فَعَالَى أَوْ فَعْلَاوَاتٍ كَصَحْرَاءَ عَلَى صَحَارَى أَوْ صَحْرَاوَاتٍ.

جی اب جُمَعَ کے بارے میں سمجھ لیجیے بھئی۔ بھئی میں نے آپ کو بتلایا تھا کہ یہ أَفْعَلُ وزن پر اسمِ تفضیل بھی آتا ہے اور ایک صفتِ مشبہ بھی۔ اسمِ تفضیل جو آتا ہے اس کی مؤنث کیا آتی ہے؟ أُخْرَى، فُعْلَى وزن پر، کس وزن پر؟ فُعْلَى وزن پر، اور اس کی جمع کیا آتی ہے؟ فُعَلٌ آتی ہے۔ توجہ ہے؟ تو جب أَفْعَلُ اسمِ تفضیل ہو تو اس کی مؤنث فُعْلَى آتی ہے، الفِ

مقصورہ ہے آخر میں۔ لیکن اگر یہ أَفْعَلُ صفتی ہو تو اس کی مؤنث فَعْلَاءُ وزن پر آتی ہے۔ توجہ ہے؟ اگر أَفْعَلُ صفتی ہو تو اس کی مؤنث کیا آئے گی؟ فَعْلَاءُ، اب آخر میں الفِ ممدودہ ہے۔ توجہ سے سمجھ لیں، پھر سنیں: اگر أَفْعَلُ کون سا ہو؟ اسمِ تفضیل ہو، تو پھر اس کی مؤنث کیا آتی ہے؟ فُعْلَى، أُخْرَى، ضُرْبَى، آخر میں الفِ مقصورہ ہے، الفِ ممدودہ نہیں۔ لیکن یہ جو أَفْعَلُ صفتی ہوتا ہے، صفتِ مشبہ، اس کی جو مؤنث ہے وہ فَعْلَاءُ وزن پر آتی ہے آخر میں ہمزہ بھی ہے یعنی الفِ ممدودہ ہے آخر میں۔ تو اسمِ تفضیل کی مؤنث کیا؟ فُعْلَى، اور أَفْعَلُ صفتی کی مؤنث کیا؟ فَعْلَاءُ، فاء پر زبر ہے بھئی، فَعْلَاءُ۔ تو أَحْمَر، أَحْمَر کا کیا معنیٰ؟ زیادہ سرخ یا سرخ؟ سرخ، تو یہ اسمِ تفضیل ہے یا أَفْعَلُ صفتی ہے؟ أَفْعَلُ صفتی ہے، تو اس کی مؤنث کیا آئے گی؟ حَمْرَاءُ۔ غیر منصرف ہے کیونکہ یہ الفِ تانیث دو سببوں کے قائم مقام ہے بھئی۔ تو حَمْرَاءُ، أَبْيَض کی مؤنث کیا آئے گی؟ بَيْضَاءُ۔ اسی طرح أَجْمَعُ آگے آرہا ہے، أَجْمَعُ کی مؤنث کیا آئے گی؟ ہاں، أَجْمَعُ أَفْعَلُ صفتی ہے، اس کی مؤنث کیا آئے گی؟ ہاں وہی ابھی تو بتایا جَمْعَاءُ۔ أَجْمَعُ کیا ہے؟ أَفْعَلُ صفتی ہے، تو اس کی مؤنث بھی کیا آئے گی؟ جَمْعَاءُ، حَمْرَاءُ، بَيْضَاءُ۔ تو یہ حَمْرَاءُ اس کی مؤنث۔ اور پھر اس حَمْرَاءُ، یہ جو مؤنث ہے، اس کی جمع فُعْلٌ آتی ہے۔ اس کی جمع فُعْلٌ آتی ہے۔ پھر دہراؤ: أَفْعَلُ اگر اسمِ تفضیل ہو اس کی مؤنث کیا؟ فُعْلَى، الفِ مقصورہ کے ساتھ اور فاء پر ضمہ ہے۔ اور اس کی جمع کیا آئی تھی؟ فُعَلٌ، أُخَرُ، أُخَرُ فُعَل آئی تھی، فُعْلَى کی جمع کیا؟ فُعَلٌ۔ اور اب بات آگئی أَفْعَلُ صفتی کی، أَفْعَلُ صفتی اس کی مؤنث کیا آتی ہے؟ فَعْلَاءُ، کیا آتی ہے؟ فَعْلَاءُ، اور اس فَعْلَاءُ کی جمع کیا آتی ہے؟ فُعْلٌ۔ توجہ ہے؟ اس کی جمع کیا تھی؟ فُعَلٌ، فُعَلٌ، اور اس کی جمع کیا ہے؟ فُعْلٌ، عین ساکن ہے۔ پھر ایک دفعہ دہرا لیں: اگر أَفْعَلُ صفتی ہو اس کی مؤنث کیا آتی ہے؟ فَعْلَاءُ، فَعْلَاءُ، اور پھر اس کی جمع کیا آتی ہے؟ فُعْلٌ۔ جیسے أَحْمَر کی مؤنث حَمْرَاءُ اور اس حَمْرَاءُ کی جمع کیا آئے گی؟ حُمْرٌ، حُمْرٌ۔ اچھا بات چل رہی ہے جُمَعَ کی، جُمَعُ۔ جُمَعُ یہ غیر منصرف ہے بھئی۔ اب جُمَعُ غیر منصرف کیوں ہے؟ تو یہ جُمَعُ یاد رکھو یہ جمع ہے جَمْعَاءُ کی، اور یہ جَمْعَاءُ مؤنث ہے کس کی؟ أَجْمَعُ کی۔ پھر دہراؤ: یہ جُمَعُ جمع ہے کس کی؟ جَمْعَاءُ کی، اور جَمْعَاءُ مؤنث ہے کس کی؟ أَجْمَعُ جو أَفْعَلُ صفتی ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ اب دیکھیے کتاب پر۔ کہتے ہیں: وَجُمَعَ جَمْعِ جَمْعَاءَ، اور جُمَعَ جو ہے یہ جَمْعَاءَ کی جمع ہے، مُؤَنَّثِ أَجْمَعَ، وہ جَمْعَاءَ جو أَجْمَعَ کی مؤنث ہے۔ وَكَذَلِكَ كُتَعُ وَبُتَعُ وَبُصَعُ، اور اسی طرح كُتَعُ، بُتَعُ اور بُصَعُ یہ بھی جمع ہیں کس کی؟ كَتْعَاءَ، بَتْعَاءَ اور بَصْعَاءَ کی، اور وہ كَتْعَاءَ، بَتْعَاءَ اور بَصْعَاءَ یہ مؤنث ہیں کس کی؟ أَكْتَعُ، أَبْتَعُ اور أَبْصَعُ۔ طریقہ سمجھ میں آگیا؟ اسی طرح ہے، جیسے أَجْمَعُ تھا اسی طرح أَكْتَعُ، أَبْتَعُ اور أَبْصَعُ، اور پھر جیسے أَجْمَعُ کی مؤنث کیا آتی تھی؟ جَمْعَاءُ، تو ان کی مؤنث کیا آئے گی؟ كَتْعَاءُ، بَتْعَاءُ، بَصْعَاءُ، اور پھر جَمْعَاءُ کی جمع کیا آئی؟ جُمَعُ، تو لہٰذا ان کی جمع بھی کیا آئے گی؟ كُتَعُ، بُتَعُ، بُصَعُ، اور یہ تاکید کے لیے استعمال ہوتے ہیں آپ پڑھ چکے ہیں: جَاءَنِي الْقَوْمُ أَجْمَعُونَ، وہ لوگ سارے آئے میرے پاس بھئی۔ تو یہ تاکید کے لیے استعمال ہوتے ہیں اور آگے توابع کے اندر تاکید کا مفصل بیان آجائے گا۔ مثلاً آپ کہتے ہیں: جَاءَنِي الْقَوْمُ أَجْمَعُونَ أَكْتَعُونَ أَبْتَعُونَ أَبْصَعُونَ، یعنی وہ ساری قوم والے آئے بھئی۔ اور یہ، یہ جو أَكْتَعُونَ أَبْتَعُونَ أَبْصَعُونَ، یہ أَجْمَعُ کے تابع ہیں، یعنی یہ أَجْمَعُ کے ساتھ استعمال ہوتے ہیں۔ تو أَجْمَعُ کے ساتھ چاہے ان ساروں کو استعمال

کریں، چاہے ان میں سے ایک کو استعمال کریں، چاہے ان میں سے کسی کو بھی استعمال نہ کریں، اور أَجْمَعُ یہ تاکید کے لیے آتا ہے بھئی: جَاءَنِي الْقَوْمُ أَجْمَعُونَ، وہ لوگ میرے پاس آئے سارے کے سارے۔ تو یہ تاکید کے لیے آتا ہے بھئی۔ تو اس أَجْمَعُ کی مؤنث کیا ہے؟ جَمْعَاءُ، اور جَمْعَاءُ کی جمع کیا استعمال ہوتی ہے؟ جُمَعُ، اور جُمَعُ غیر منصرف ہے بھئی۔

یہ جو جُمَعُ کس کی جمع ہے؟ جَمْعَاءُ کی، توجہ ہے؟ جَمْعَاءُ یعنی فَعْلَاءُ وزن کی۔ اور یاد رکھو یہ فَعْلَاءُ وزن یہ أَفْعَلُ صفتی کی مؤنث بھی آتا ہے اور یہ اسمِ محض کے طور پر بھی استعمال ہوتا ہے جیسے صَحْرَاءُ، دیکھا؟ الف ہے اور آخر میں ہمزہ۔ تو صَحْرَاءُ یہ تو أَفْعَلُ صفتی نہیں ہے، یہ اس کی مؤنث نہیں ہے، یہ تو اسمِ محض ہے۔ توجہ ہے؟ تو صَحْرَاءُ کیا ہے؟ اسمِ محض، اور کس وزن پر ہے؟ جَمْعَاءُ وزن پر۔ تو یہ جَمْعَاءُ وزن کبھی أَفْعَلُ صفتی کی مؤنث ہوتا ہے اور کبھی اسمِ محض ہوتا ہے۔ توجہ ہے؟ جَمْعَاءُ کون سا وزن؟ فَعْلَاءُ، اور صَحْرَاءُ کون سا وزن؟ فَعْلَاءُ۔ لیکن جَمْعَاءُ جو ہے وہ أَفْعَلُ کی مؤنث ہے اور صَحْرَاءُ اسمِ محض ہے، توجہ ہے؟ تو یہ جب أَفْعَلُ صفتی کی مؤنث ہو یعنی جَمْعَاءُ ہے جیسے، تو پھر اس کی جمع فُعْلٌ وزن پر آتی ہے، جیسے أَحْمَر کی مؤنث کیا؟ حَمْرَاءُ، اور اس حَمْرَاءُ کی جمع کیا؟ حُمْرٌ، حُمْرٌ فُعْلٌ وزن پر آتی ہے، توجہ ہے؟ پھر سنو: أَفْعَلُ صفتی کی مؤنث کیا آتی ہے؟ فَعْلَاءُ، اور اس فَعْلَاءُ کی جمع کیا آتی ہے؟ فُعْلٌ، اور یہ جُمَعُ، یہ فُعْلٌ وزن پر ہے؟ نہیں، یہ اس وزن پر نہیں ہے، بات سمجھ میں آگئی؟ اور ایک ہے صَحْرَاءُ، ایک اسمِ محض ہے، اس اگر اسمِ محض ہو فَعْلَاءُ وزن پر، تو اس کی جمع فَعَالَى اور فَعْلَاوَاتٌ آتی ہے، جیسے صَحْرَاءُ بھئی اس کی جمع صَحَارَى بھی آتی ہے اور صَحْرَاوَاتٌ بھی آتی ہے۔ یہ فَعْلَاءُ وزن أَفْعَلُ صفتی کی مؤنث کے طور پر بھی آتا ہے اور یہ اسمِ محض کے طور پر بھی آتا ہے۔ تو اگر یہ أَفْعَلُ صفتی کی مؤنث ہو تو اس کی جمع کیا آتی ہے؟ فُعْلٌ، اور اگر یہ اسمِ محض ہو تو اس کی جمع کیا آتی ہے؟ فَعَالَى یا فَعْلَاوَاتٌ، توجہ ہے؟ تو یہ جو جُمَعُ آیا، یہ جو جُمَعُ آیا، یہ ان تینوں میں سے کسی ایک سے معدول ہے: یا تو یہ جُمْعٌ سے معدول ہے، یا یہ جَمَاعَى سے معدول ہے، یا یہ جَمْعَاوَاتٌ سے معدول ہے۔ توجہ ہے؟ پھر سنو: یہ جو فَعْلَاءُ وزن ہے یہ أَفْعَلُ صفتی کی مؤنث میں بھی آتا ہے اور اسمِ محض کے اندر بھی۔ اگر یہ أَفْعَلُ صفتی کی مؤنث ہے تو اس کی جمع کیا آنی چاہیے؟ فُعْلٌ آنی چاہیے۔ اور اگر یہ اسمِ محض ہے تو پھر کیا آنی چاہیے؟ فَعَالَى یا فَعْلَاوَاتٌ آنی چاہیے۔ لیکن یہ جُمَعُ، یہ تو ان تینوں میں سے ایک بھی نہیں ہے۔ اگر یہ فَعْلَاءُ صفت تھی تو پھر تو یہ جُمْعٌ آنا چاہیے تھا، اور اگر یہ اسمِ محض کی جمع آئی ہے تو پھر اس کو جَمَاعَى یا جَمْعَاوَاتٌ آنا چاہیے تھا۔ لیکن یہ ان تینوں میں سے ایک بھی نہیں ہے، معلوم ہوا یہ ان تینوں میں سے کسی ایک سے معدول ہے، پھیرا گیا ہے بھئی۔ حاصلِ کلام کیا؟ کہ فَعْلَاءُ وزن صفت کے طور پر بھی آتا ہے، صفت کی مؤنث بھی ہے اور اسمِ محض بھی ہے۔ اگر یہ صفت کی مؤنث ہے تو پھر اس کی جمع کیا آنی چاہیے؟ فُعْلٌ، اور اگر یہ اسمِ محض ہے تو پھر جمع کیا آنی چاہیے؟ فَعَالَى یا فَعْلَاوَاتٌ آنی چاہیے۔ اور جُمَعُ یہ تو نہ فُعْلٌ ہے، نہ جَمَاعَى ہے، نہ یہ جَمْعَاوَاتٌ ہے، معلوم ہوا یہ ان تینوں میں سے کسی ایک سے معدول ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ اتنا تو طے ہے کہ یہ جُمَعُ جمع ہے جَمْعَاءُ کی، اور جَمْعَاءُ جو ہے وہ فَعْلَاءُ کا وزن ہے، اور فَعْلَاءُ

وزن کبھی صفت میں آتا ہے کبھی اسم میں۔ صفت میں آئے تو اس کی جمع فُعْلٌ آتی ہے اور اسم میں آئے تو جمع فَعَالَى یا فَعْلَاوَاتٌ آتی ہے۔ تو ان تین میں سے کوئی ایک جمع ہونی چاہیے تھی، لیکن تینوں میں سے ایک بھی نہیں ہے، معلوم ہوا ان میں سے کسی ایک سے معدول ہے، پھیری گئی ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ اب دیکھیے کتاب پر۔

کہتے ہیں: وَجُمِعَ جَمْعِ جَمْعَاءَ، کہ یہ جَمْعَاءُ کی جمع ہے، مُؤَنَّثِ أَجْمَعَ، وہ جَمْعَاءُ جو أَجْمَعَ کی مؤنث ہے۔ وَكَذَلِكَ كُتَعُ وَبُتَعُ وَبُصَعُ، اور اسی طرح كُتَعُ، بُتَعُ اور بُصَعُ بھی ہیں۔ وَقِيَاسُ فَعْلَاءَ مُؤَنَّثِ أَفْعَلَ، اور وہ فَعْلَاءُ جو أَفْعَلُ کی مؤنث ہے اس میں قیاس یہ ہے کہ إِنْ كَانَتْ صِفَةً، اگر وہ صفت ہو، یعنی کہ اگر یہ صفت ہو تو فُعْلٌ جمع آنی چاہیے، اور اگر وہ اسمِ محض ہے تو فَعَالَى یا فَعْلَاوَاتٌ جمع آنی چاہیے۔ تو کہتے ہیں: وَقِيَاسُ فَعْلَاءَ مُؤَنَّثِ أَفْعَلَ إِنْ كَانَتْ صِفَةً، اور فَعْلَاءُ جو أَفْعَلُ کی مؤنث ہے اس میں قیاس یہ ہے کہ إِنْ كَانَتْ صِفَةً کہ اگر وہ صفت ہو، تو أَنْ تُجْمَعَ عَلَى فُعْلٍ، کہ اس کو جمع کیا جائے فُعْلٍ وزن پر، كَحَمْرَاءَ عَلَى حُمْرٍ، جیسے حَمْرَاءُ کو جمع کیا جاتا ہے حُمْرٌ وزن پر یعنی اس کی جمع حُمْرٌ آتی ہے۔ وَإِنْ كَانَتِ اسْمًا، اور اگر یہ فَعْلَاءُ جو ہے اسمِ محض ہے، تو أَنْ تُجْمَعَ عَلَى فَعَالَى أَوْ فَعْلَاوَاتٍ، تو قیاس یہ ہے کہ اس کی جمع لائی جائے فَعَالَى یا فَعْلَاوَاتٍ وزن پر، كَصَحْرَاءَ عَلَى صَحَارَى أَوْ صَحْرَاوَاتٍ، جیسے صَحْرَاءُ کی جمع جو ہے صَحَارَى یا صَحْرَاوَاتٌ آتی ہے۔ فَأَصْلُهَا، تو اس جُمَعُ کی اصل جو ہے، إِمَّا جُمْعٌ أَوْ جَمَاعَى أَوْ جَمْعَاوَاتٌ، تو اس کی اصل یا تو جُمْعٌ ہے یا جَمَاعَى ہے یا جَمْعَاوَاتٌ ہے۔ فَإِذَا اعْتُبِرَ إِخْرَاجُهَا عَنْ وَاحِدَةٍ مِنْهَا، جب اعتبار کیا گیا کہ اس کو نکالا گیا ہے ان میں سے کسی ایک سے، تو تَحَقَّقَ الْعَدْلُ، تو اس میں عدل پایا گیا۔ فَأَحَدُ السَّبَبَيْنِ فِيهَا، تو دو سببوں میں سے ایک جو ہے ان کے اندر، تو ان کے اندر بھئی یہ جو جُمَعُ، كُتَعُ، بُتَعُ، بُصَعُ وغیرہ یہ سارے جو ہیں، ان کے اندر ایک سبب جو ہے الْعَدْلُ التَّحْقِيقِيُّ، وہ عدلِ تحقیقی ہے۔ عدلِ تحقیقی ہے جس میں ہمارے پاس دلیل موجود ہے کہ اس کی اصل یا تو فُعْلٌ ہے یا فَعَالَى ہے یا فَعْلَاوَاتٌ ہے، دلیل ذکر کر دی تفصیلاً بھئی۔ تو دو سببوں میں سے ایک اس میں عدلِ تحقیقی ہے، وَالْآخَرُ الصِّفَةُ الْأَصْلِيَّةُ، اور دوسری صفتِ اصلیہ ہے یعنی اصلِ وضع کے اعتبار سے یہ صفت ہے۔ اب اگرچہ یہ صفت کے طور پر استعمال نہیں ہوتا، اب تو یہ تاکید کے طور پر استعمال ہوتا ہے۔ جَاءَنِي الْقَوْمُ أَجْمَعُونَ، یہ أَجْمَعُونَ، الْقَوْمُ کے لیے صفت ہے یا تاکید ہے؟ ہاں، یہ تاکید ہے، توجہ ہے؟ یہ تاکید کے طور پر استعمال ہوتا ہے، تو یہ اب صفت والا معنیٰ اس کے اندر نہیں، لیکن اصلِ وضع میں یہ کیا تھا؟ صفت ہے بھئی، وہ أَجْمَعُ صفتی سے بنا ہے یہ بھئی۔ تو کہتے ہیں: وَالْآخَرُ الصِّفَةُ الْأَصْلِيَّةُ، اور دوسرا سبب اس میں صفتِ اصلیہ ہے۔ وَإِنْ صَارَتْ بِالْغَلَبَةِ فِي بَابِ التَّأْكِيدِ اسْمًا، اگرچہ یہ غلبے کی وجہ سے تاکید کے باب میں اسم بن گیا ہے۔ یہ أَجْمَعُ وغیرہ یاد رکھو بھئی، یہ تاکید کے لیے آتے ہیں: جَاءَنِي الْقَوْمُ أَجْمَعُونَ، تو یہ صفت نہیں ہیں، الْقَوْمُ مؤکد اور أَجْمَعُونَ تاکید، اور آپ نے توابع میں پڑھا ہے کہ تاکید بھی کس میں سے ہے؟ توابع میں سے ہے، اور اس پر وہی اعراب آتا ہے جو مؤکد پر ہوتا ہے، تو الْقَوْمُ مرفوع ہے تو أَجْمَعُونَ یہ بھی کیا آیا؟ مرفوع، تو الْقَوْمَ اگر منصوب یا مجرور ہوتا تو أَجْمَعِينَ بھی مجرور یا منصوب اس کے مطابق آتا بھئی۔ تو لہٰذا یہ

أَجْمَعُ اصلِ وضع کے اعتبار سے تو وصف ہے لیکن بعد میں تاکید کے باب میں استعمال ہوا، اور غلبۂ استعمال کی وجہ سے یہ کیا بن گیا؟ اسم بن گیا، اب اس میں صفت والا معنیٰ نہیں۔ غلبۂ استعمال اس کو کہتے ہیں کہ لفظ اپنے بعض افراد کے ساتھ خاص ہو جائے، اپنے بعض افراد کے ساتھ خاص ہو جائے، اور تو اس کو غلبۂ اسمیت کہتے ہیں۔ غلبۂ اسمیت کہتے ہیں۔ تو یہ وضع تو تھا کس کے لیے؟ صفت کے لیے، لیکن پھر یہ بابِ تاکید میں کیا بن گیا؟ اسم بن گیا، اب یہ وصف والا معنیٰ اس کے اندر نہیں ہے بلکہ یہ کس لیے آتا ہے؟ صرف تاکید کے لیے آتا ہے، اور اس سے مخصوص جماعت مراد ہوتی ہے، جس لفظ کے بعد یہ آئے گا وہی مخصوص جماعت اس سے مراد ہوگی۔ جیسے جَاءَنِي الْقَوْمُ أَجْمَعُونَ، تو الْقَوْمُ کے بعد آیا أَجْمَعُونَ، تو اس أَجْمَعُونَ سے وہی مخصوص قوم مراد ہے یعنی الْقَوْمُ، اور یہ اسی کے معنیٰ میں تاکید پیدا کر رہا ہے، یہ صفت نہیں ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو کہتے ہیں: وَإِنْ صَارَتْ بِالْغَلَبَةِ فِي بَابِ التَّأْكِيدِ اسْمًا، اگرچہ یہ غلبے کی وجہ سے بابِ تاکید میں اسم بن گیا۔

یہاں تک بات سمجھ میں آگئی۔ معلوم ہوا یہ جُمَعُ، كُتَعُ، بُتَعُ، بُصَعُ وغیرہ ہیں ان میں ایک سبب کیا ہے؟ عدلِ تحقیقی، اور دوسرا سبب کیا ہے؟ وصفِ اصلی، وصفِ اصلی ہے، اگرچہ یہ اب وصف کے طور پر استعمال نہیں ہوتے اور اب صرف تاکید کے لیے استعمال ہوتے ہیں اسم کے طور پر، لیکن وصفِ اصلی جو ہے وہ ابھی بھی معتبر ہے، تو لہٰذا یہ غیر منصرف ہیں۔ باقی کہتے ہیں: وَفِي أَجْمَعَ وَأَخَوَاتِهِ، جبکہ أَجْمَعُ اور اس کے اخوات جو ہیں، یعنی جو أَفْعَلُ صفتی ہوتے ہیں، ان میں أَحَدُ السَّبَبَيْنِ، ان میں دو سببوں میں سے ایک جو ہے، وَزْنُ الْفِعْلِ وَالْآخَرُ الصِّفَةُ الْأَصْلِيَّةُ، ایک وزنِ فعل ہے اور دوسرا صفتِ اصلیہ ہے۔ جُمَعُ میں دو سبب کیا؟ جُمَعُ اور اس کے جو اخوات ہیں یعنی كُتَعُ، بُتَعُ، بُصَعُ وغیرہ، ان میں دو سبب کیا؟ ایک عدلِ تحقیقی کہ یہ معدول ہے یا فُعْلٌ سے یا فَعَالَى سے یا فَعْلَاوَاتٌ سے، تو ایک عدلِ تحقیقی ہے اور دوسرا سبب کیا؟ وصفیتِ اصلیہ، اس وقت یہ وصف نہیں لیکن اصلاً یہ کیا تھے؟ وصف۔ جبکہ أَجْمَعُ وغیرہ اور اس کے جو اخوات ہیں، یعنی جو أَفْعَلُ صفتی ہوتے ہیں، ان کے اندر جو غیر انصراف کے دو سبب ہوتے ہیں وہ کون سے ہیں؟ ان میں عدل نہیں، عدل صرف کس کے اندر ہے؟ جُمَعُ کے اندر ہے، أَجْمَعُ کے اندر عدل نہیں۔ تو پھر ان کے اندر دو سبب کون سے؟ تو بتلا دیا کہ ان کے اندر جو دو سبب ہیں وہ ایک وزنِ فعل ہے، أَجْمَعُ بروزنِ أَكْرَمُ بھئی، اور دوسرا وصفیتِ اصلیہ ہے، تو ان میں یہ دو سبب ہیں۔ بات سمجھ میں آگئی؟ چلیے یہ باقی پھر کل پڑھ لیں گے، یہاں تک بات اچھی طرح سمجھ میں آگئی۔ ہاں، ایک قیمتی نکتہ یہاں بیان کر دوں بھئی۔ قیمتی نکتہ۔

اچھا بھئی یہاں پر آیا: وَإِنْ صَارَتْ بِالْغَلَبَةِ فِي بَابِ التَّأْكِيدِ اسْمًا، یہ جُمَعُ وغیرہ جو ہیں اگرچہ یہ غلبہ کی وجہ سے تاکید کے باب میں اسم بن گئے ہیں۔ میں نے آپ کو بتلایا کہ جَاءَنِي الْقَوْمُ أَجْمَعُونَ، یہ أَجْمَعُونَ، الْقَوْمُ کے لیے تاکید بنتا ہے اور یہ صفت نہیں ہے بھئی، صفت نہیں ہے۔ تو یہ اصلِ وضع کے اعتبار سے تو صفت ہیں لیکن اس وقت اب یہ اسم بن چکے ہیں، ان میں صفت والا معنیٰ نہیں ہے۔ تو یہ دلالت کرتے ہیں مخصوص جماعت پر، یعنی جس کے ما بعد آئیں گے وہ مخصوص جماعت

اس سے مراد ہوتی ہے اور یہ اس میں تاکید پیدا کرتے ہیں۔ جَاءَنِي الْقَوْمُ كُلُّهُمْ أَجْمَعُونَ، تو الْقَوْمُ ہے مؤکد اور أَجْمَعُونَ اس کے لیے تاکید، تو یہ مخصوص قوم کے معنیٰ میں ہے۔ تو انہوں نے کیا کہا: وَإِنْ صَارَتْ بِالْغَلَبَةِ فِي بَابِ التَّأْكِيدِ اسْمًا، اگرچہ یہ غلبے کی وجہ سے بابِ تاکید میں اسم بن گیا ہے۔ یاد رکھو، اس کو کہتے ہیں غلبۂ اسمیت۔ غلبۂ اسمیت جو ہے اس کو کہتے ہیں کہ لفظ کو اپنے بعض افراد کے ساتھ خاص کر دینا، اس کو غلبۂ اسمیت کہتے ہیں۔ انہوں نے کہا وَإِنْ صَارَتْ بِالْغَلَبَةِ فِي بَابِ التَّأْكِيدِ اسْمًا، تو یہ اصلِ وضع میں تو وصف تھا لیکن اب یہ غلبہ کی وجہ سے کیا بن چکا ہے؟ اسم، تاکید کے باب میں یہ کیا بن چکا ہے؟ اسم۔ یہ تاکید بنتا ہے، یہ صفت نہیں بنتا، اور یہ مخصوص قوم کے معنیٰ میں ہوتا ہے۔ جَاءَنِي الْقَوْمُ أَجْمَعُونَ، تو یہ أَجْمَعُونَ جو ہے الْقَوْمُ کے لیے صفت نہیں ہے، یہ تاکید پیدا کر رہا ہے اس میں، اور یہ اسم بن چکا ہے غلبے کی وجہ سے، تاکید کے باب میں یہ کیا بن چکا ہے؟ اسم بن چکا ہے، اس سے مخصوص جماعت مراد ہوتی ہے، جس کے بعد یہ آئے گا اس سے وہ مخصوص جماعت مراد ہو گی۔ جَاءَنِي الْقَوْمُ أَجْمَعُونَ، الْقَوْمُ کے بعد آیا تو اس سے مراد وہی مخصوص قوم مخصوص لوگ مراد ہیں، تو یہ اسی میں تاکید پیدا کر رہا ہے، تو یہ غلبے کی وجہ سے اسم بن چکا ہے۔ اب یاد رکھو غلبہ کسے کہتے ہیں؟ غلبۂ اسمیت اسے کہتے ہیں کہ لفظ جو ہے وہ بعض افراد کے ساتھ خاص ہو جائے، ان کے لیے اسم بن جائے۔ جیسے آگے غیر انصراف کے اسباب ذکر ہو رہے ہیں، وصفیت ذکر ہو گی، اور وہاں پر أَسْوَدُ اور أَرْقَمُ آئے گا، اور یہ أَسْوَدُ تو ہر کالی چیز کو کہتے تھے، أَرْقَمُ ہر چتکبری چیز کو کہتے تھے جس میں سفید اور کالا رنگ اکٹھا ہو، سفید بھی ہو اور کالا بھی ہو، لیکن پھر بعد میں ایک خاص قسم کے سانپ کا نام کیا پڑ گیا؟ أَسْوَدُ، اسی طرح ایک خاص قسم کے سانپ جس میں سفید اور کالا رنگ دونوں تھے اس کا نام أَرْقَمُ پڑ گیا، تو یہ ہے غلبۂ اسمیت۔ پہلے تو یہ وصف تھے، أَسْوَدُ اور أَرْقَمُ کیا تھے؟ وصف، ہر کالی چیز کو أَسْوَدُ کہتے، ہر چتکبری چیز کو أَرْقَمُ کہتے، لیکن پھر یہ بعض افراد کے لیے اسم بن گیا، توجہ ہے؟ تو غلبہ کسے کہتے ہیں؟ کہ ایک لفظ کا اپنے بعض افراد کے ساتھ خاص ہو جانا۔ جیسے مثلاً پانچ غلام ہیں، ان میں سے ہر ایک غلام ہے، ہر ایک غلام، لیکن یہ لفظِ غلام ان میں سے ایک کے ساتھ خاص ہو گیا، اب میں جب بھی غلام کہتا ہوں آپ سمجھ جاتے ہیں یہ والا مراد ہے، حالانکہ وہ پانچوں غلام ہیں لیکن ایک کے ساتھ وہ نام خاص ہو گیا، ہیں پانچوں غلام، بات سمجھ میں آ رہی ہے؟ اسی طرح أَسْوَدُ ہر کالی چیز ہے لیکن عام جب بولا جاتا ہے أَسْوَدُ سے وہ خاص سانپ مراد لیا جاتا ہے۔ تو غلبۂ اسمیت کسے کہتے ہیں؟ کہ لفظ کا اپنے بعض افراد کے ساتھ خاص ہو جانا، ان کے لیے اسم بن جانا، ان کے لیے اسم بن جانا۔ تو أَجْمَعُونَ وغیرہ یہ بھی اصلِ وضع کے اعتبار سے تو وصف ہیں لیکن یہ تاکید کے باب میں غلبے کی وجہ سے اب کیا بن چکے ہیں؟ اسم بن چکے ہیں، اب یہ صفت والا معنیٰ ادا نہیں کر رہے، یہ صفت نہیں بن رہے، یہ تاکید بن رہے ہیں۔

یہاں آپ کو ایک قیمتی نکتہ بتلاؤں، ایک قیمتی نکتہ جو میرے والد شیخ الحدیث والتفسیر حضرت مولانا محمد موسیٰ روحانی

بازی رحمہ اللہ درسِ حدیث میں بیان فرماتے تھے بھئی۔ ان کی باتیں بڑی عجیب ہوتی تھیں، ایسے عجیب و غریب نکتے بیان کرتے کہ انسان حیران رہ جاتا تھا۔ درسِ حدیث کے اندر، درسِ حدیث کے اندر حدیث کی وجہِ تسمیہ پر بحث کرتے ہوئے کہ حدیث کو حدیث کیوں کہتے ہیں؟ حضور علیہ السلام کے اقوال و افعال کو حدیث کا نام کیوں دیا گیا؟ اس کی وجہ ذکر کرتے ہوئے وہ ایک عجیب نکتہ بیان فرماتے تھے کہ انسان حیران رہ جاتا ہے۔ علماء نے بہت سی وجوہات لکھی ہیں، آپ کتابوں میں پڑھیں گے کہ حدیث کو حدیث کیوں کہتے ہیں۔ حدیث کا ویسے معنیٰ ہوتا ہے بات، حدیث کا کیا معنیٰ؟ بات۔ میں بات کر رہا ہوں یہ بھی بات ہے تو یہ بھی حدیث ہے، آپ بولیں گے یہ بھی بات ہے یہ بھی حدیث، کوئی تیسرا بات کرے گا تو وہ بھی حدیث ہے۔ لیکن اصطلاح میں حدیث صرف کس کو کہتے ہیں؟ حضور علیہ السلام کی باتوں کو کہتے ہیں۔ تو اس کی کیا وجہ ہے؟ علماء نے مختلف وجوہات ذکر کیں۔ والد صاحب وہ وجوہات ذکر کرتے اور پھر آخر میں اپنی ایک وجہ ذکر کرتے تھے، اتنی عجیب و بدیع وجہ کہ انسان حیران رہ جاتا ہے۔ فرماتے تھے کہ حدیث کو حدیث کہنے کی وجہ یہ ہے کہ یہ حدیث عَلَم بالغلبہ ہے۔ یہ حدیث کیا ہے؟ عَلَم بالغلبہ ہے۔ عَلَم بالغلبہ کہ ایک اسم دوسری چیز کے لیے عَلَم بن جائے، نام بن جائے بھئی۔ تو یہ عَلَم بالغلبہ ہے، اور اس کے ذریعے اشارہ ہوتا ہے کہ یہ والا فرد اپنے تمام افراد میں اتنا کامل ہے کہ کوئی اس جیسا ہے ہی نہیں۔ حدیث تو ہر بات کو کہتے ہیں لیکن یہ حضور علیہ السلام کی باتوں کے لیے یہ عَلَم بن گیا، نام بن گیا۔ اس میں اشارہ اس بات کی طرف ہے کہ حدیث کے افراد تو بہت سارے، ہر شخص کی بات کیا ہے؟ حدیث، لیکن یہ فرد جو ہے یہ اتنا کامل، اتنا اعلیٰ ہے کہ یہی حدیث کہلانے کا مستحق ہے، اور کوئی حدیث تو حدیث ہے ہی نہیں، اور کسی کی بات تو حضور علیہ السلام کی باتوں کے سامنے وہ حدیث کہلانے کے لائق ہی نہیں ہے، صرف حضور علیہ السلام کی باتیں ہی جو ہیں وہ بات یعنی حدیث کہلانے کے لائق ہیں۔ اور یہی نکتہ ہے مدینہ منورہ کو مدینہ کہا جاتا ہے، مدینہ تو ہر شہر کو کہتے ہیں لیکن یہ مدینہ حضور علیہ السلام کے شہر کے لیے عَلَم بالغلبہ بن گیا، یعنی یہ شہر اتنا کامل ہے کہ یہی ایک شہر کہلانے کے لائق ہے باقی تو کوئی اور شہر کہلانے کے لائق ہی نہیں ہے۔ اور اسی طرح جیسے ابنِ عباس، حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارہ بیٹے تھے لیکن جب ابنِ عباس کہیں تو ایک بیٹا ذہن میں آتا ہے حضرت عبداللہ ابنِ عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما۔ تو اس میں بھی یہ بھی عَلَم بالغلبہ ہے، یعنی حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بیٹوں میں یہ بیٹا اتنا کامل ہے کہ یہی ابنِ عباس کہلانے کے لائق ہے۔ یا جیسے قرآن کا نام کیا ہے؟ الکتاب بھی کہتے ہیں، یہ بھی عَلَم بالغلبہ ہے، یعنی تمام کتابوں میں یہی ایک کتاب اتنی کامل اور اعلیٰ درجے کی ہے کہ یہ کتاب کہلانے کے لائق ہے، اس کے سامنے تو اور کوئی کتاب، کتاب ہی نہیں ہے بھئی۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو یہ ہے عَلَم بالغلبہ، والد صاحب یہ عجیب وجہ ذکر کرتے تھے حدیث کے لیے وجہِ تسمیہ کے اندر بھئی۔ تو اللہ نے ان کو عجیب علوم نصیب فرمائے تھے، انسان پڑھتا ہے حیران رہ جاتا ہے۔ ان کی کوئی کتاب اٹھا لیں، کوئی کتاب اٹھا لیں، کہیں ادھر ادھر کی کوئی بات نہیں، خالص علمی باتیں چل رہی ہوتی ہیں اور جس کو ذرا بھی ذوق ہوتا ہے وہ ان میں ایسا ڈوب

جاتا ہے کہ کتاب رکھنے کو دل ہی نہیں کرتا، اور پھر چیزوں کو بیان بھی کرتے ہیں ایسے عجیب و لطیف پیرائے میں کہ انسان اس سے سیر ہوتا ہی نہیں، جی چاہتا ہے پڑھتا ہی چلا جاؤں، پڑھتا ہی چلا جاؤں۔ اور ان کی جو بھی کتاب اٹھا لیں، انہوں نے ہر فن کے اندر کتابیں لکھیں اور جس فن کی بھی کتاب اٹھا لو یوں لگتا ہے اسی فن کے اندر ان کی ساری زندگی گزری ہے۔ اس فن کے بنیادی اصولوں پر بحث کر کے بعض اوقات کہتے ہیں میرے نزدیک یہ اس طرح نہیں ہونا چاہیے تھا، اس طرح ہونا چاہیے تھا، اور پھر ایسے دلائل ذکر کرتے ہیں کہ انسان حیران رہ جاتا ہے بھئی۔ تو اللہ تعالیٰ ان کے کروڑہا درجات بلند فرمائے اور ہم سب کو ان کے نقشِ قدم پر چلنے کی توفیق نصیب فرمائے اور انہی کی طرح کے علوم ہم سب کو نصیب فرمائے۔ چلیے بس بھئی، هَذَا هُوَ الْمَرَامُ، وَاللّٰهُ أَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْكَلَامِ.

سبق نمبر ٦٠: اسبابِ منعِ صرف (۴): جُمَعُ، کُتَعُ، بُصَعُ اور شاذ جموع کا بیان

شرحِ ملا جامی صفحہ: ۴۱ — بتاریخ: ۳۰ اگست ۲۰۲۱ء

▪ تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث

سبق دیکھیے بھائی آگے کتاب پر: وَعَلَى مَا ذَكَرْنَا لَا يَرِدُ الْجُمُوعُ الشَّاذَّةُ كَأَنَائِيبِ وَأَقْوُسٍ، فَإِنَّهُ لَمْ يُعْتَبَرْ إِخْرَاجُهَا عَمَّا هُوَ الْقِيَاسُ فِيهِمَا كَالْأَنْيَابِ وَالْأَقْوَاسِ، كَيْفَ وَلَوِ اعْتُبِرَ جَمْعُهَا أَوَّلًا عَلَى أَنْيَابٍ وَأَقْوَاسٍ فَلَا شُذُوذَ فِي هَذِهِ الْجَمْعِيَّةِ، وَلَا قَاعِدَةَ لِلِاسْمِ الْمُخْرَجِ لِيَلْزَمَ مِنْ مُخَالَفَتِهَا الشُّذُوذُ، فَمِنْ أَيْنَ يُحْكَمُ فِيهِمَا بِالشُّذُوذِ، وَمِنْ هَذَا تَبَيَّنَ الْفَرْقُ بَيْنَ الشَّاذِّ وَالْمَعْدُولِ۔

گزشتہ سبق میں عدل کی بحث چل رہی تھی بھائی۔ اور مصنف نے آپ کو بتلایا کہ عدل اسے کہتے ہیں کہ کسی اسم کو نکالا جائے اس کے صیغۂ اصلیہ سے، یعنی وہ صیغہ جس کا قانون اور ضابطہ تقاضا کر رہا تھا، اس صیغے سے نکال کر اسم کو ایک نئی صورت دے دی جائے اس کو عدل کہتے ہیں بھائی۔ اور پھر اس کے اندر علما کا اختلاف تھا۔ بعض علما فرماتے ہیں کہ یہ جو خروج ہے اسم کا، عدلِ تحقیقی کے اندر یہ جو خروج ہے یہ تحقیقاً ہوگا، اور عدلِ تقدیری کے اندر یہ خروج تقدیراً ہوگا بھائی۔ جبکہ صاحبِ جامی فرماتے ہیں کہ نہیں، یہ خروج تو ہمیشہ تقدیراً ہی ہوتا ہے، یہ خروج تو ہمیشہ تقدیراً ہوتا ہے، ہاں اس کی اصل کیا ہے اس پر ہمارے پاس کبھی دلیل موجود ہوتی ہے، کبھی دلیل موجود نہیں ہوتی۔ تو وہ اصل جو ہے اگر اس پر دلیل موجود ہو تو اس کو اصلِ محقق کہیں گے، اور اگر اس پر دلیل موجود نہ ہو تو اس کو اصلِ مقدر کہیں گے۔ تو یہ جو عدل کی تقسیم کی گئی تحقیقاً اور تقدیراً کی طرف، یہ اس خروج کے اعتبار سے نہیں ہے، خروج تو ہمیشہ مقدر ہوگا، بلکہ یہ تقسیم ہے اس اصل کے اعتبار سے کہ یہ عدل جو ہے، اس کے اندر جو اصل ہے کبھی وہ محقق ہوگی کبھی مقدر ہوگی، تو اس اعتبار سے عدل کی دو قسمیں بن گئیں: ایک عدلِ تحقیقی اور ایک عدلِ تقدیری بھائی۔

اور اس کے بعد پھر اس کی مثالیں ہم کر رہے تھے۔ گزشتہ سبق میں أُخَرُ اور جُمَعُ کے بارے میں ہم نے پڑھا تھا بھائی۔ آپ نے پڑھا کہ یہ أُخَرُ جو ہے یہ غیر منصرف استعمال ہوتا ہے، اور یہ جمع ہے أُخْرَى کی، اور أُخْرَى مؤنث ہے اسمِ

تفضیل آخَرُ کی۔ تو آخَرُ اسمِ تفضیل ہے، اس کی مؤنث أُخْرَى آئی اور پھر اس أُخْرَى کی جمع کیا آئی؟ أُخَرُ آئی۔ اور یہ غیر منصرف ہے۔ ایک سبب تو اس کے اندر وصفیت ہے، اور دوسرا سبب اس کے اندر عدل کا اعتبار کیا گیا، کیونکہ اسمِ تفضیل کے استعمال کے تین طریقے ہیں: یا الف لام کے ساتھ، یا مِنْ کے ساتھ، یا اضافت کے ساتھ۔ اور یہ أُخَرُ ان تینوں میں سے کسی ایک کے ساتھ بھی استعمال نہیں ہوتا۔ معلوم ہوا یہ ان تین میں سے کسی ایک سے معدول ہے۔ یا تو یہ معدول ہے الْأُخَرُ سے، یا یہ معدول ہے أُخَرُ مِنْ سے، جبکہ اضافت سے معدول ہونے کا کسی نے اعتبار نہیں کیا۔ بعض علما نے کیا کہا؟ یہ معدول ہے الْأُخَرُ سے۔ بعضوں نے کیا کہا؟ یہ معدول ہے أُخَرُ مِنْ سے۔ لیکن اضافت سے معدول ہونے کا اعتبار کسی نے نہیں کیا۔

وجہ یہ کہ اضافت سے اگر اس کو معدول مانا جائے تو اضافت کے اندر جب آپ اضافت کو ختم کرتے ہیں، مضاف الیہ کو حذف کرتے ہیں، تو اس کے ساتھ تین چیزوں میں سے ایک چیز پھر ضرور کرنا پڑے گی۔ یا تو جب مضاف الیہ حذف کریں گے تو وہ مضاف اس پر تنوین آجائے گی، جیسے كُلُّ وَاحِدٍ تھا، پھر وَاحِدٍ کو حذف کیا تو كُلٌّ پر تنوین آگئی، یا جیسے حِينَ إِذْ كَانَ كَذَا تھا، كَانَ كَذَا کو حذف کیا مضاف الیہ کو حذف کیا تو حِينَئِذٍ دیکھو إِذْ پر تنوین آگئی۔ اور کبھی مضاف الیہ کو حذف کرتے ہیں تو وہ کلمہ مبنی بن جاتا ہے، جیسے قَبْلُ اور بَعْدُ مضاف الیہ چاہتے ہیں بھائی، قَبْلُ کا معنیٰ پہلے، بَعْدُ کا معنیٰ بعد میں، بھائی کس چیز سے پہلے، کس کے بعد؟ تو آگے مضاف الیہ چاہیے، تو اس مضاف الیہ کو کبھی لفظوں سے حذف کر دیتے ہیں، تو اس صورت میں یہ قَبْلُ اور بَعْدُ مبنی علی الضم بن جاتے ہیں۔ تو دیکھا مضاف الیہ کو حذف کرنے کی وجہ سے لفظ کو مبنی بنانا پڑتا ہے۔ اور کبھی کبھار جب مضاف الیہ کو حذف کرتے ہیں، اضافت کو ختم کرتے ہیں، تو اسی جیسی ایک اور اضافت آگے لانا پڑتی ہے، جیسے يَا تَيْمَ عَدِيٍّ اس میں سے تَيْمَ مضاف عَدِيٍّ مضاف الیہ، تو عَدِيٍّ مضاف الیہ کو حذف کر دیا گیا تو پھر اسی جیسی ایک اور اضافت آگے لانی پڑی، یعنی آگے دوبارہ تَيْمَ عَدِيٍّ لانا پڑا، تو کلام کس طرح ہوگیا؟ يَا تَيْمُ تَيْمَ عَدِيٍّ۔ یہ تَيْمَ عَدِيٍّ دوبارہ کیوں لانا پڑا؟ کیونکہ پہلے کے مضاف الیہ کو حذف کیا تھا، اضافت کو ختم کیا تھا، تو اسی جیسی ایک اور اضافت آگے لانا پڑی۔ تو معلوم ہوا جب مضاف الیہ کو حذف کرتے ہیں تو تین چیزوں میں سے ایک کا ارتکاب ضرور کرنا پڑتا ہے: یا تو تنوین لانا پڑتی ہے مضاف پر، یا اس کو مبنی بنانا پڑتا ہے، یا اسی جیسی ایک اور اضافت آگے لانا پڑتی ہے۔ اور أُخَرُ کے اندر ان تینوں میں سے کوئی بھی چیز نہیں ہے: نہ تو أُخَرُ پر تنوین آئی ہے، نہ یہ مبنی بنا ہے، اور نہ آگے کوئی اور اضافت لائی گئی۔ تو لہٰذا اضافت سے تو یہ معدول نہیں ہے۔ ہاں باقی دو چیزوں میں سے کسی ایک سے معدول ہے: یا تو الْأُخَرُ سے معدول ہے یا أُخَرُ مِنْ سے۔

اور پھر اس میں بھی میں نے بتایا کہ الْأُخَرُ سے معدول ماننا یہ قول قوی ہے بمقابلہ دوسرے قول میں کہ جس کے اندر اس کو أُخَرُ مِنْ سے معدول مانا گیا۔ وجہ یہ کہ مِنْ کے ساتھ جب اسمِ تفضیل استعمال ہوتا ہے تو پھر اس میں کوئی تبدیلی نہیں

آتی، وہ مذکر، مؤنث، مفرد، تثنیہ، جمع سب کے لیے یکساں رہتا ہے۔ مثلاً میں آپ کو کہنا چاہتا ہوں: زَيْدٌ أَضْرَبُ مِنْ عَمْرٍو۔ أَضْرَبُ مِنْ کے ساتھ میں لے کر آیا تو یہ مذکر، مؤنث، مفرد، تثنیہ، جمع سب کے لیے یکساں رہے گا: زَيْدٌ أَضْرَبُ مِنْ عَمْرٍو، الزَّيْدَانِ أَضْرَبُ مِنْ عَمْرٍو، الزَّيْدُونَ أَضْرَبُ مِنْ عَمْرٍو۔ دیکھا، مفرد، تثنیہ، جمع سب کے لیے أَضْرَبُ ہی ہے اس میں کوئی تبدیلی نہیں آرہی۔ اور مؤنث کے لیے بھی اسی طرح ہے: هِنْدٌ أَضْرَبُ مِنْ عَمْرٍو، الْهِنْدَانِ أَضْرَبُ مِنْ عَمْرٍو، الْهِنْدَاتُ أَضْرَبُ مِنْ عَمْرٍو۔ دیکھا أَضْرَبُ تو حالانکہ مذکر کا صیغہ ہے لیکن کسی کے لیے بدل نہیں رہا، نہ مؤنث کے لیے بدل رہا ہے، نہ تثنیہ کے لیے، نہ جمع کے لیے۔ تو أُخَرُ جو ہے وہ تو جمع ہے بھائی، تو جب مِنْ کے ساتھ استعمال ہوتا ہے پھر تو مفرد ہی رکھتے ہیں اس کو، تو معلوم ہوا أُخَرُ کو أُخَرُ مِنْ سے معدول ماننا ضعیف ہے، کیونکہ یہ تو جمع ہے اور مِنْ کے ساتھ جب استعمال ہوتا ہے وہ تو مفرد استعمال ہوتا ہے ہمیشہ۔

اور پھر میں نے یہ نکتہ بھی بتلایا تھا آپ کو کہ گردان کے اندر جو آتا ہے ضُرْبَى ضُرْبَيَاتٌ ضُرَبٌ اس کو تنوین کے ساتھ پڑھنا ہے۔ بعض علما پر بھی یہ مقام مشتبہ ہوا اور طلبہ بھی اس میں پریشان ہوتے ہیں کہ بھائی أُخَرُ کے اندر عدل مانا ہے تو ضُرْبَى ضُرْبَيَاتٌ ضُرَبٌ جو ہے اس میں بھی عدل ماننا چاہیے، لہٰذا اس کو بھی غیر منصرف ہونا چاہیے۔ میں نے دو جواب ذکر کر دیے تھے۔ ایک جواب صاحبِ نوادر الاصول کا ہے بھائی۔ صاحبِ نوادر الاصول فرماتے ہیں، یہ صرف کی کتاب ہے فارسی میں بھائی، تو یہ صاحبِ نوادر الاصول فرماتے ہیں کہ أُخَرُ کے اندر عدل ماننے کا یہ معنیٰ نہیں کہ جو بھی کلمہ اس وزن پر آئے گا، جو بھی ایسا کلمہ ہوگا، اس کے اندر آپ کو عدل ماننا پڑے، یہ لازم نہیں آتا۔ اور دوسرا جواب میں نے ذکر کیا تھا کہ ضُرْبَى ضُرْبَيَاتٌ ضُرَبٌ یہاں عدل ماننے کی کوئی وجہ نہیں ہے، کیونکہ یہ جو اسمِ تفضیل کے تین طریقے ذکر ہوئے: الف لام، اضافت یا مِنْ کے ساتھ، یہ استعمال کے اعتبار سے تین طریقے ہیں، اور ضُرْبَى ضُرْبَيَاتٌ ضُرَبٌ اس کو تو کسی نے ابھی کلام میں استعمال کیا ہی نہیں۔ کسی نے اگر کلام میں استعمال کیا ہو اور اس کے بعد پھر یہ کسی طریقے سے استعمال نہ ہو رہا ہو تو پھر ہم کہیں گے کہ اس میں عدل بھی ہے بھائی۔ بات سمجھ میں آگئی؟ اور پھر میں نے اس کی دلیل بھی دی تھی کہ دیکھو کہ آپ گردان کس طرح پڑھتے ہیں: وَأَفْعَلُ التَّفْضِيلِ الْمُذَكَّرُ مِنْهُ أَضْرَبُ وَالْجَمْعُ أَضَارِبُ۔ اب یہاں أَضْرَبُ آیا تو سوال پیدا ہوتا ہے نہ تو اس پر الف لام ہے، نہ اس کے ساتھ مِنْ ہے، نہ آگے مضاف الیہ آرہا ہے، تو یہ تو تین طریقوں میں سے کسی بھی طریقے سے نہیں ہے۔ تو جواب کیا؟ کہ وہ استعمال کے اعتبار سے تین طریقے ہیں، یہاں تو ابھی استعمال نہیں، یہ تو صرف آپ گردان یاد کر رہے ہیں۔

اس کے بعد ہم نے جُمَعُ کے بارے میں پڑھا تھا۔ جُمَعُ میں نے آپ کو بتلایا کہ جیسے یہ أَفْعَلُ اسمِ تفضیل ہے اسی طرح یہ أَفْعَلُ صفتِ مشبہ بھی ہے، اس کو أَفْعَلُ صِفْتِي کہتے ہیں۔ کیا کہتے ہیں؟ أَفْعَلُ صِفْتِي۔ یہ دراصل صفتِ مشبہ ہے۔ چنانچہ أَحْمَرُ، أَحْمَرُ کا معنیٰ سرخ ہے، زیادہ سرخ نہیں، معلوم ہوا یہ اسمِ تفضیل نہیں ہے بلکہ أَفْعَلُ صِفْتِي ہے۔ أَبْيَضُ کا معنیٰ سفید

ہے، زیادہ سفید نہیں، معلوم ہوا یہ أَفْعَلُ صِفْتِي ہے بھائی۔ تو یہ أَفْعَلُ صِفْتِي جو ہے اس کی جمع فَعْلَاءُ وزن پر آتی ہے، آخر میں ہمزہ بھی ہے: فَعْلَاءُ۔ أَفْعَلُ اسمِ تفضیل تھا اس کی مؤنث کیا آتی تھی؟ فُعْلَى، الفِ مقصورہ کے ساتھ تھی اور فا پر ضمہ تھا، جبکہ أَفْعَلُ صِفْتِي جو ہے اس کی مؤنث کیا آتی ہے؟ فَعْلَاءُ، اس میں فا پر زبر ہے اور آخر میں الفِ ممدودہ ہے بھائی۔ اور یہ دو سببوں کے قائم مقام ہے، یہ غیر منصرف بنا دیتا ہے کلمے کو بھائی۔ اور پھر فَعْلَاءُ جو ہے اس کی جمع جو ہے فُعْلٌ وزن پر آتی ہے، جیسے أَحْمَرُ اس کی مؤنث کیا آئے گی؟ حَمْرَاءُ، اور پھر اس حَمْرَاءُ کی جمع کیا آئے گی؟ حُمْرٌ، فُعْلٌ۔ حَمْرَاءُ وزن توجہ ہے، یہ فَعْلَاءُ وزن یہ أَفْعَلُ صِفْتِي کی مؤنث بھی آتا ہے اور عام اسم کے اندر بھی یہ وزن آتا ہے۔ دو جگہ آتا ہے، کس کے اندر؟ أَفْعَلُ صِفْتِي کی مؤنث بھی آتا ہے اور اسمِ محض بھی آتا ہے۔ أَفْعَلُ صِفْتِي کی جب یہ مؤنث ہو تو اس فَعْلَاءُ کی جمع فُعْلٌ آتی ہے، اور جب یہ فَعْلَاءُ وزن کسی اسمِ محض کے اندر آئے تو پھر اس کی جمع فَعَالَى یا فَعْلَاوَاتٌ آتی ہے۔ اور جُمَعُ، جُمَعُ نہ تو یہ فُعْلٌ وزن ہے، نہ فَعَالَى ہے، نہ فَعْلَاوَاتٌ ہے۔ جُمَعُ جمع ہے جَمْعَاءُ کی بھائی۔ توجہ ہے؟ یہ جَمْعَاءُ یا تو أَجْمَعُ کی مؤنث ہے یا یہ اسمِ محض ہے۔ اگر جَمْعَاءُ کو أَفْعَلُ صِفْتِي کی مؤنث مانیں تو جمع فُعْلٌ آنی چاہیے تھی، یعنی جُمْعٌ آنی چاہیے تھی، جُمَعُ نہیں آنی چاہیے تھی۔ اور اگر یہ اب جَمْعَاءُ کو آپ اسمِ محض مانیں تو پھر اس صورت میں اس کی جمع جَمَاعَى یا جَمْعَاوَاتٌ آنی چاہیے تھی، جُمَعُ نہیں آنی چاہیے تھی۔ معلوم ہوا یہ ان تین میں سے کسی ایک سے معدول ہے۔ اتنا تو طے ہے یہ جَمْعَاءُ کی جمع ہے اور وہ جَمْعَاءُ یا صفت کا صیغہ ہے یا اسمِ محض ہے، اور ان دونوں کی یہی تین جمعیں آتی ہیں، چوتھی کوئی جمع آتی نہیں۔ اور جُمَعُ نہ جُمْعٌ ہے، نہ جَمَاعَى ہے، نہ جَمْعَاوَاتٌ ہے۔ معلوم ہوا یہ ان تینوں میں سے کسی ایک سے اس کو پھیرا گیا ہے، معدول ہے۔ تو لہٰذا اس کے اندر عدل آگیا بھائی، تو یہ غیر منصرف ہے بھائی۔ تو دو سبب اس کے اندر کیا ہوئے؟ ایک تو وصفیت ہے، اس وقت وصف نہیں ہے، اب یہ تاکید کے طور پر استعمال ہوتا ہے، لیکن اصل کے اعتبار سے یہ کیا تھا؟ وصف ہے، تو اس وصفیتِ اصلیہ کے اعتبار سے ایک اس میں وصف ہوا اور دوسرا اس میں عدل ہوا، تو اس وجہ سے یہ غیر منصرف ہے۔ جبکہ آخَرُ جو ہے، آخَرُ اسی کا جو مذکر ہے، مفرد مذکر آخَرُ، اس کے اندر عدل نہیں ہے بھائی۔ آخَرُ کے اندر دو سبب کیا؟ ایک وصفیتِ اصلیہ اور دوسرا وزنِ فعل ہے بھائی۔ تو صرف جُمَعُ جو ہے اس کے اندر عدل کا اعتبار کیا گیا، آخَرُ وغیرہ کے ہر صیغے کے اندر عدل کا اعتبار کرنے کی ضرورت نہیں بھائی۔

اب آئیے آج کے سبق پر بھائی۔ کہتے ہیں: وَعَلَى مَا ذَكَرْنَا لَا يَرِدُ الْجُمُوعُ الشَّاذَّةُ كَأَنَائِيبِ وَأَقْوُسٍ، فَإِنَّهُ لَمْ يُعْتَبَرْ إِخْرَاجُهُمَا عَمَّا هُوَ الْقِيَاسُ فِيهِمَا كَالْأَنَائِيَابِ وَالْأَقْوَاسِ۔ ملا جامی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ جو ہم نے تقریر کر دی ابھی تک اتنی طویل تقریر کی، اس کی وجہ سے جموعِ شاذہ کا اشکال بھی وارد نہیں ہو سکتا بھائی۔ جموعِ شاذہ کا اشکال بھی وارد نہیں ہو سکتا، اس لیے کیونکہ ہم نے آپ کو بتلا دیا کہ عدل کے لیے دو چیزوں کا ہونا ضروری ہے: ایک اس کے لیے اصل کا ہونا بھی ضروری، اور پھر اس اصل سے اخراج کا اعتبار کرنا بھی ضروری ہے بھائی۔ تو قَوْسٌ کی جمع أَقْوُسٌ آئی، أَقْوُسٌ آئی،

اس کے اندر اخراج کا اعتبار نہیں کیا گیا۔ کیوں نہیں کیا گیا؟ کیونکہ یہ کلامِ عرب میں منصرف استعمال ہوتی ہیں: أَقْوُسٌ، أَنْيُبٌ۔ تو یہ کیسے استعمال ہوتی ہیں؟ یہ عربی زبان میں منصرف استعمال ہوتی ہیں۔ جب یہ جمعیں منصرف استعمال ہیں تو کیا ان میں عدل کا اعتبار کرنے کی ضرورت ہے؟ بھائی عدل کا اعتبار تو نحوی اس لیے کرتے تھے تاکہ ان کا ضابطہ بچ جائے بھائی۔ بعض کلمے ان کو مل گئے کہ عرب ان کو غیر منصرف پڑھتے ہیں لیکن دوسرا سبب نہیں مل رہا، تو مجبوراً اس میں کس کا اعتبار کرنا پڑا؟ عدل کا اعتبار کرنا پڑا۔ اور أَقْوُسٌ اور أَنْيُبٌ یہ تو غیر منصرف عرب پڑھتے ہی نہیں ہیں، ان کو تو منصرف پڑھتے ہیں۔ جب منصرف پڑھتے ہیں تو یہاں عدل کا اعتبار کرنے کی کوئی حاجت نہیں۔ جب عدل کا اعتبار نہیں کیا تو معلوم ہوا جیسے ہم نے کیا کہا تھا؟ ہم نے کیا کہا تھا کہ جَمْعَاءُ کی جمع کیا آئی؟ یا جُمْعٌ آئی یا جَمَاعَى آئی یا جَمْعَاوَاتٌ آئی اور پھر اس سے عدل کر کے کیا بنا لیا گیا؟ جُمَعُ بنا لیا گیا۔ کہتے ہیں یہ بات اب یہاں یہ جموعِ شاذہ کے اندر نہیں چل سکتی۔ یعنی آپ یہ نہیں کہہ سکتے کہ قَوْسٌ اور نَابٌ کی جمع پہلے أَقْوَاسٌ اور أَنْيَابٌ ضابطے کے مطابق آئی، کیا آئی؟ ضابطے کے مطابق، جیسے جَمْعَاءُ کی جمع جُمْعٌ یا جَمَاعَى یا جَمْعَاوَاتٌ پہلے ضابطے کے مطابق آئی اور پھر اس سے اس کو نکال کر کیا بنا لیا گیا؟ جُمَعُ بنا لیا گیا، تو یہ علت اور یہ وجہ یہ تقریر جو ہے جموعِ شاذہ میں آپ نہیں کر سکتے کہ آپ یوں کہیں کہ یہ جو قَوْسٌ اور نَابٌ ہیں ان کی پہلے جمع کیا بنائی گئی؟ أَقْوَاسٌ اور أَنْيَابٌ ضابطے کے مطابق بنائی گئی، کیونکہ اجوف جو ہے جب فَعْلٌ وزن پر آتا ہے تو پھر اس کی جمع ضابطے کے مطابق أَفْعَالٌ وزن پر آتی ہے۔ تو دیکھو قَوْسٌ یہ بھی اجوف، نَابٌ یہ بھی اجوف اور کس وزن پر ہے؟ فَعْلٌ وزن پر ہے اور اجوف جب فَعْلٌ وزن پر آئے تو اس کی جمع کیا آتی ہے؟ أَفْعَالٌ آتی ہے۔ تو پھر ان کی جمع بھی پہلے کیا لائی گئی؟ أَقْوَاسٌ اور أَنْيَابٌ لائی گئی اور پھر اس أَقْوَاسٌ اور أَنْيَابٌ جو ضابطے کے مطابق تھے ان سے عدل کر کے ایک نیا صیغہ بنا لیا گیا، أَقْوَاسٌ سے کیا بنا لیا؟ أَقْوُسٌ، اور أَنْيَابٌ سے کیا بنا لیا؟ أَنْيُبٌ بنا لیا، تو آپ کہیں دیکھا اس کے اندر بھی عدل آگیا لہٰذا ان کو بھی کیا کہنا چاہیے؟ ان کو بھی غیر منصرف۔ کہتے ہیں نہیں بھائی! غیرِ انصراف ہم بتا چکے مقدم ہوتا ہے، ہم عربوں سے سنتے ہیں کہ وہ کسی کلمے کو غیر منصرف پڑھتے ہیں اور پھر جب ہمیں کوئی اور سبب نہیں ملتا پھر ہم مجبور ہوتے ہیں کس کا اعتبار کریں؟ عدل کا۔ اور أَقْوُسٌ اور أَنْيُبٌ ان کو تو عرب منصرف پڑھتے ہیں، لہٰذا یہاں پر عدل کا اعتبار کرنے یعنی ان کو ایک وزن سے دوسرے وزن کی طرف اخراج کا اعتبار کرنے کی کوئی حاجت نہیں ہے۔

تو کہتے ہیں: وَعَلَى مَا ذَكَرْنَا اور جو ہم نے ذکر کر دیا، یعنی یہ جو پوری تفصیل ہم نے بیان کر دی، لَا يَرِدُ الْجُمُوعُ الشَّاذَّةُ اس کی وجہ سے جموعِ شاذہ وارد نہیں ہوتیں۔ شاذہ میں یاد رکھیے یہ ذال مشدد ہے۔ جموعِ شاذہ وارد نہیں ہوتیں، یعنی ان کا اعتراض وارد نہیں ہوتا، كَأَنْيُبٍ وَأَقْوُسٍ جموعِ شاذہ جیسے کہ أَنْيُبٍ اور أَقْوُسٍ، فَإِنَّهُ لَمْ يُعْتَبَرْ إِخْرَاجُهُمَا عَمَّا هُوَ الْقِيَاسُ فِيهِمَا اس لیے کیونکہ ان کے اندر یہ اعتبار نہیں کیا گیا کہ ان دونوں کا اخراج کیا گیا ہے عَمَّا اس جمع سے هُوَ الْقِيَاسُ فِيهِمَا جو ان دونوں میں قیاسی ہے، كَالْأَنْيَابِ وَالْأَقْوَاسِ جیسے کہ أَنْيَاب اور أَقْوَاس۔ یعنی ان میں یہ اعتبار نہیں کیا گیا کہ پہلے ان کی جمع کیا

آئی؟ أَنْيَاب اور أَقْوَاس آئی، ضابطے کے مطابق آئی اور پھر اس سے نکال کر ایک نیا صیغہ أَقْوُس اور أَنْيُب بنا لیا گیا، ان میں یہ اعتبار نہیں کیا گیا۔ کیوں نہیں اعتبار کیا گیا؟ کیونکہ ضرورت نہیں ہے، یہ غیر منصرف ہیں ہی نہیں، عرب ان کو پڑھتے ہی نہیں ہیں۔

كَيْفَ اور کیسے، کہتے ہیں کیسے اعتبار کیا جا سکتا ہے، وَلَوِ اعْتُبِرَ جَمْعُهُمَا أَوَّلًا عَلَى أَنْيَابٍ وَأَقْوَاسٍ اگر یہ اعتبار کر لیا جائے کہ اولاً ان دونوں کی جمع جو تھی وہ أَنْيَاب اور أَقْوَاس پر تھی، پھر اس کو پھیر کر أَقْوُس اور أَنْيُب بنایا گیا، تو پھر تو فَلَا شُذُوذَ فِي هَذِهِ الْجَمْعِيَّةِ پھر تو اس جمعیت میں شاذ ہونا ہے ہی نہیں۔ اگر آپ یہ تقریر کریں کہ پہلے اس کی جمع کیا آئی؟ أَقْوَاس اور أَنْيَاب، پھر پھیر کر کیا بنایا گیا؟ أَقْوُس اور أَنْيُب، پھر تو اس کو شاذ کہنا ہی نہیں چاہیے۔ جیسے دیکھو، جُمَعُ، جُمَعُ کو کوئی شاذ کہتا ہے؟ جُمَعُ کو کوئی بھی شاذ نہیں کہتا۔ تو پھر تو ان جموعِ شاذہ کو بھی شاذ نہیں کہنا چاہیے۔ جیسے جُمَعُ کے اندر عدل مانا گیا کہ پہلے ان کی جمع ضابطے کے مطابق آئی یعنی جُمْعٌ یا جَمَاعَى یا جَمْعَاوَاتٌ، پھر اس سے پھیر کر کیا بنایا گیا؟ جُمَعُ، تو عدل مانا گیا، تو اس میں عدل مانا گیا، کوئی اس کو شاذ کہتا ہے؟ نہیں کوئی بھی شاذ نہیں کہتا۔ تو پھر تو اگر اس کے اندر بھی ایسا ہوا ہو تو پھر ان جمعوں کو تو شاذ کہنا ہی نہیں چاہیے، جیسے جُمَعُ وغیرہ کو کوئی شاذ نہیں کہتا۔ تو کہتے ہیں كَيْفَ اور یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ان کے اخراج کا اعتبار کیا جائے، وَلَوِ اعْتُبِرَ جَمْعُهُمَا أَوَّلًا عَلَى أَنْيَابٍ وَأَقْوَاسٍ اگر یہ اعتبار کیا جائے کہ ان دونوں کی جمع جو ہے پہلے أَنْيَاب اور أَقْوَاس پر آئی، فَلَا شُذُوذَ فِي هَذِهِ الْجَمْعِيَّةِ پھر تو اس جمعیت کے اندر، اس جمع ہونے میں کوئی شذوذ ہے ہی نہیں۔

وَلَا قَاعِدَةَ لِلِاسْمِ الْمُخْرَجِ یہاں ایک اور سوال کا جواب دے رہے ہیں۔ اعتراض یہ کہ جُمَعُ کو شاذ نہیں کہا گیا کیونکہ ان کی پہلی جمع کس پر تھی؟ ضابطے کے مطابق تھی، پھر اس سے عدل ہوا۔ تو ہو سکتا ہے ان کی جمع بھی ضابطے کے مطابق پہلے أَقْوَاس اور أَنْيَاب آئی، پھر اس سے أَقْوُس اور أَنْيُب بنایا گیا، لیکن جُمَعُ کو شاذ نہیں کہتے، ان کو شاذ کہتے ہیں، کیونکہ ہو سکتا ہے یہ جو أَقْوَاس اور أَنْيَاب سے ان کو نکال کر کیا بنایا گیا؟ أَقْوُس اور أَنْيُب، اس میں کسی ضابطے کی خلاف ورزی ہو گئی ہوگی، عدل کے ضابطے کی خلاف ورزی ہو گئی ہوگی۔ کیا ہو گئی ہوگی؟ جُمَعُ کو کس سے بنایا گیا؟ جُمْعٌ یا جَمَاعَى یا جَمْعَاوَاتٌ سے، لیکن اس جُمَعُ بنانے میں عدل کے ضابطے کی مخالفت چونکہ نہیں ہوئی اس لیے اس کو شاذ نہیں کہا، اور ان کے اندر أَقْوَاس اور أَنْيَاب سے جب أَقْوُس اور أَنْيُب بنایا گیا تو عدل کے ضابطے کی خلاف ورزی ہو گئی ہوگی، اس لیے ان کو شاذ کہہ دیا گیا ہوگا۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو اس کا بھی جواب دے رہے ہیں کہ نہیں بھائی، آپ یہ بھی نہیں کہہ سکتے کہ عدل کے ضابطے کی خلاف ورزی ہوئی ہے، اس لیے کیونکہ عدل کا تو کوئی ضابطہ ہی نہیں ہے بھائی۔ تو کہتے ہیں: وَلَا قَاعِدَةَ لِلِاسْمِ الْمُخْرَجِ اور وہ اسم جس کو نکالا جائے اس کے لیے کوئی ضابطہ بھی نہیں ہے، لِيَلْزَمَ مِنْ مُخَالَفَتِهَا الشُّذُوذُ کہ لازم آئے اس کی مخالفت کرنے سے شذوذ۔ یعنی اسم وہ اسم جس کو نکالا گیا ہے یعنی جس میں عدل کیا گیا ہے، اس میں کوئی ضابطہ ہی نہیں ہے کہ جس کی مخالفت کی وجہ سے شذوذ لازم آئے اور آپ کہیں جی اس وجہ سے شاذ قرار دیا ہے کیونکہ ان میں عدل کے قانون کی

مخالفت ہوئی ہے۔ عدل کا تو کوئی قانون ہی نہیں ہے۔ تو جُمَعُ کو کس سے بنایا گیا؟ جُمْعٌ، جَمَاعَی یا جَمْعَاوَاتٌ سے، اور وہ ضابطے کے مطابق تھیں اور عدل کا کوئی ضابطہ نہیں، بس اس سے جُمَعُ بنا لیا گیا اور اس کو شاذ نہیں کہا جاتا۔ تو اگر أَقْوُس اور أَنْيُب کو بھی أَقْوَاس اور أَنْيَاب سے بنایا گیا ہوتا تو پھر تو ان کو شاذ کہنا ہی نہیں چاہیے تھا بھائی، ان میں تو عدل ماننا چاہیے تھا۔ اور نیز عدل کا کوئی ضابطہ بھی نہیں ہے کہ آپ کہیں کہ اس ضابطے کی شاید خلاف ورزی ہوئی ہو اس لیے ان کو شاذ کہہ دیا گیا۔ کہتے ہیں نہیں بھائی عدل کا کوئی ضابطہ ہی نہیں ہے بھائی۔ تقریر بھی سمجھ میں آرہی ہے کہ نہیں؟

تو کہتے ہیں: فَمِنْ أَيْنَ يُحْكَمُ فِيهِمَا بِالشُّذُوذِ تو پھر ان میں شذوذ کا حکم کہاں سے لگایا گیا؟ پھر تو، پھر ان میں شذوذ کا حکم کہاں سے لگایا گیا؟ اگر پہلے جمع کیا ہوتی؟ أَقْوَاس، اور پھر کیا بنتی؟ أَقْوُس، پھر تو شاذ ہے ہی نہیں، پھر تو أَقْوَاس اور أَنْيَاب ضابطے کے مطابق جمع ہے اور پھر آگے صرف عدل ہوا ہے، تو پھر تو اس اعتبار سے بھی ان کو شاذ نہیں کہنا چاہیے۔ اور اس اعتبار سے بھی ان کو شاذ نہیں کہا جا سکتا کہ انہوں نے عدل کے ضابطے کی مخالفت کی ہوگی، عدل صحیح طریقے، قانون کے مطابق نہیں ہوا ہوگا، کیونکہ عدل کا تو کوئی ضابطہ ہی نہیں ہے۔ لیکن پھر بھی تمام نحوی حضرات ان کو کیا کہتے ہیں؟ شاذ کہتے ہیں۔ معلوم ہوا کہ یہاں پر ان کی جمع ابتداءً ہی خلافِ قیاس، ضابطہ ضابطے کے مطابق تو کیا آنا چاہیے تھا؟ أَقْوَاس اور أَنْيَاب، لیکن ابتداءً ہی خلافِ ضابطہ ان کی جمع أَقْوُس اور أَنْيُب بنائی گئی، تو اس لیے ان کو شاذ کہا جاتا ہے۔ تقریر سمجھ میں آگئی؟

تو کہتے ہیں: فَمِنْ أَيْنَ يُحْكَمُ فِيهِمَا بِالشُّذُوذِ تو پھر کہاں سے شذوذ کا حکم لگایا جاتا ہے؟ کہتے ہیں: وَمِنْ هَذَا تَبَيَّنَ الْفَرْقُ بَيْنَ الشَّاذِّ وَالْمَعْدُولِ اور اس سے فرق واضح ہوگیا شاذ اور معدول کے درمیان۔ ایک ہوتا ہے شاذ، ایک ہوتا ہے معدول، دونوں میں فرق بھی واضح ہوگیا ہماری تقریر سے۔ شاذ کس کو کہتے ہیں؟ جو خلافِ قانون ہو۔ اور معدول کس کو کہتے ہیں؟ جس اصل سے اس کو پھیرا گیا ہے وہ اصل کیا ہوتی ہے؟ قانون کے مطابق ہوتی ہے، اور جبکہ شاذ جو ہے وہ خلافِ قیاس اس کو بنایا جاتا ہے ضابطے کے خلاف بھائی۔

آگے دیکھیے: أَوْ تَقْدِيرًا: أَيْ خُرُوجًا كَائِنًا عَنْ أَصْلٍ مُقَدَّرٍ مَفْرُوضٍ يَكُونُ الدَّاعِي إِلَى تَقْدِيرِهِ وَفَرْضِهِ مَنْعَ الصَّرْفِ لَا غَيْرُ۔ لَا غَيْرُ اس کو مبنی پڑھنا بھائی۔ یاد رکھو یہ غَيْرُ مضاف الیہ چاہتا ہے، کیا چاہتا ہے؟ مضاف الیہ چاہتا ہے۔ غَيْرُ کا معنیٰ علاوہ، بھائی کس کے علاوہ؟ زید کے علاوہ، عمر کے علاوہ، بکر کے علاوہ، آگے مضاف الیہ چاہیے۔ تو اس کے مضاف الیہ کو کبھی حذف کر دیتے ہیں اور اس صورت میں یہ بھی قَبْلُ اور بَعْدُ کی طرح مبنی بن جاتا ہے۔ تو یہاں پر بھی اسی طرح ہے لَا غَيْرُ اس کو مبنی علی الضم پڑھیں گے۔

اچھا: أَوْ تَقْدِيرًا بھائی۔ پیچھے کیا آیا تھا؟ تَحْقِيقًا، اور بتلایا تھا کہ وہ تَحْقِيقًا کیا ہے؟ مفعولِ مطلق ہے باعتبارِ موصوفِ

محذوف کے: تَحْقِيقًا أَيْ خُرُوجًا تَحْقِيقًا۔ اور پھر یہ تَحْقِيقًا کس معنیٰ میں ہے؟ مُحَقَّقًا کے معنیٰ میں۔ اور پھر یہ بھی بتایا تھا کہ یہ مُحَقَّقًا یہ خُرُوجًا کی صفت بحالہ نہیں ہے بلکہ صفت بحالِ متعلقہ ہے: أَيْ خُرُوجًا مُحَقَّقًا أَصْلُهُ، ایسا خروج کہ اس کی اصل محقق ہو، خود خروج محقق نہیں بھائی۔ یہاں بھی وہی تقریر ہے بھائی: أَوْ تَقْدِيرًا أَيْ خُرُوجًا كَائِنًا عَنْ أَصْلٍ مُقَدَّرٍ مَفْرُوضٍ۔ تو یہ تَقْدِيرًا یہ مفعولِ مطلق ہے باعتبارِ موصوفِ محذوف کے، اس کا موصوف جو ہے خُرُوجًا وہ محذوف ہے، اور اصل میں وہ مفعولِ مطلق بن رہا ہے کس کے لیے؟ پیچھے جو خُرُوجُهُ آیا تھا یعنی أَنْ يَخْرُجَ جو آیا تھا بھائی۔ تو یہ خُرُوجًا تَقْدِيرًا، اور تَقْدِيرًا یہ صفت بنے گی کس کے لیے؟ خروج کے لیے۔ اور خروج یاد رکھو، خروج یہ جو مصدر ہے نا مصدر، مصدر کا خارج میں وجود نہیں ہوتا۔ مصدر جو ہے وہ ایک وصف ہے، ایک معنیٰ ہے جس کا خارج میں اپنا الگ کوئی وجود نہیں۔ تو یہاں پر یہ خُرُوجًا موصوف ہے اور تَقْدِيرًا اس کی صفت ہے بھائی۔ تو یہ جو خُرُوجًا ہے یہ ہوا ذات، اور تَقْدِيرًا کیا ہوا؟ وصف، وصف، اور وصف کا حمل ذات پر صحیح نہیں۔ تو آپ کے ذہن میں اشکال آئے گا بھائی یہ میں تقریر پہلے بھی کر چکا ہوں کہ خُرُوجًا بھی مصدر ہے، تَحْقِيقًا بھی مصدر ہے، لیکن پہلے کو آپ کہہ رہے ہیں ذات، دوسرے کو آپ کیا کہہ رہے ہیں؟ وصف۔ بھائی یاد رکھو، ذات سے مراد وہ ذات نہیں کہ جس کا خارج میں الگ وجود ہو، ذات کہتے ہیں ہر وہ چیز کہ جس کے بارے میں خبر دی جا سکے، جس پر حکم لگایا جا سکے، اس کو ذات کہتے ہیں۔ تو دیکھو مصدر کے بارے میں بھی خبر دی جا سکتی ہے، مثلاً میں آپ سے کہتا ہوں: ضَرْبٌ مَصْدَرٌ، ضَرْبٌ مصدر ہے۔ ضَرْبٌ کے بارے میں خبر دی یا نہیں دی؟ کہ ضَرْبٌ مصدر ہے۔ الْخُرُوجُ مَصْدَرٌ، خروج کیا ہے؟ مصدر ہے۔ تو مصدر کے بارے میں بھی خبر دی جا سکتی ہے، اور جس چیز کے بارے میں خبر دی جا سکے اس کو کیا کہتے ہیں؟ ذات کہتے ہیں۔ تو یہاں بھی یہ جو موصوف صفت ہوتے ہیں اس کے اندر بھی موصوف پر یہ صفت والا حکم لگایا جاتا ہے۔ جیسے مبتدا خبر ہوتے ہیں: زَيْدٌ قَائِمٌ، زَيْدٌ ہے مبتدا اور قَائِمٌ ہے خبر، یہ قَائِمٌ کا حمل ہوتا ہے مبتدا پر، یعنی یہ خبر والا حکم لگایا جا رہا ہے کس پر؟ زید پر کہ زید قائم ہے، یعنی اس میں قیام کی صفت موجود ہے۔ تو اسی طرح یہ جو صفت ہوتی ہے اس میں بھی موصوف پر حکم لگایا جاتا ہے: جَاءَنِي رَجُلٌ شُجَاعٌ، میرے پاس ایسا آدمی آیا جو بہادر ہے، تو رَجُلٌ ہے موصوف، شُجَاعٌ ہے اس کی صفت، یہ شجاع ہونے کا حکم میں کس پہ لگا رہا ہوں؟ رَجُلٌ پہ۔ تو یہ جو موصوف ہوتا ہے یہ بھی ذات ہوتی ہے اور صفت جو ہے وہ صفت جو ہے یہ اس پر آپ حکم لگا رہے ہیں۔ تو یہاں پر بھی خُرُوجًا تَقْدِيرًا آیا تو خروج کیا ہوا؟ ذات، کیونکہ اس کی صفت لا رہے ہیں اور صفت بھی کس کے درجے میں ہے؟ خبر کے درجے میں ہے گویا اس پر حکم لگایا جا رہا ہے، اور ذات پر مصدر کا حمل صحیح نہیں۔ تو اب تَقْدِيرًا جو ہے اس کو اسمِ مفعول کے معنیٰ میں لے لیں گے: أَيْ خُرُوجًا مُقَدَّرًا، ایسا خروج جو مقدر ہے یعنی جس کو فرض کیا گیا ہے۔ اب دیکھو معنیٰ ٹھیک ہوگیا، ایسا خروج جس کو فرض کیا گیا ہے۔ اور پھر یہ صفت بحالِ متعلقہ بناؤ بھائی، کہ وہ خروج نہیں مقدر بلکہ اس کا بلکہ اس کی اصل جو ہے وہ مقدر ہے: خُرُوجًا مُقَدَّرًا أَصْلُهُ، ایسا خروج کہ جس کی اصل مقدر ہے۔ صفت بحالہ سمجھ میں آگئی

تھی بات کہ نہیں؟ مثلاً پھر سمجھ لو، ایک صفت بحالہ ہوتی ہے ایک صفت بحالِ متعلقہ۔ صفت بحالہ وہ ہے جو ایسے معنیٰ پر دلالت کرے جو موصوف میں پایا جائے، اور صفت بحالِ متعلقہ وہ ہے جو ایسے معنیٰ پر دلالت کرے جو موصوف میں نہ ہو بلکہ موصوف کے متعلق میں ہو: جَاءَنِي رَجُلٌ عَالِمٌ، میرے پاس ایسا آدمی آیا رَجُلٌ عَالِمٌ کہ وہ عالم ہے، رَجُلٌ موصوف، عَالِمٌ اس کی صفت، اور یہ عالم ہونے کا وصف بھی کس میں ہے؟ اسی آدمی میں ہے، تو یہ صفت بحالہ ہے۔ اور ایک میں یوں کہتا ہوں: جَاءَنِي رَجُلٌ عَالِمٌ أَبُوهُ، میرے پاس ایسا آدمی آیا کہ عالم ہے أَبُوهُ اس کا باپ۔ اب یہ دیکھو لفظوں میں یہ عَالِمٌ صفت کس کی؟ رَجُلٌ کی، لیکن معنیٰ میں صفت کس کی؟ اس کے باپ کی، وہ رجل عالم نہیں ہے بلکہ اس کا باپ عالم ہے، تو اس کو کہتے ہیں صفت بحالِ متعلقہ۔ یہاں پر بھی اسی طرح ہے: خُرُوجًا تَقْدِيرًا أَيْ خُرُوجًا مُقَدَّرًا، ایسا خروج کہ مقدر ہو، خود خروج نہیں، أَصْلُهُ اس خروج کی اصل جو ہے وہ مقدر ہو، فرض کر لی جائے، تو یہ صفت بحالہ نہیں ہے بلکہ صفت بحالِ متعلقہ ہے۔

تو کہتے ہیں: أَيْ خُرُوجًا كَائِنًا، دیکھو خروج کے بعد كَائِنًا صفت نکال رہے ہیں عَنْ أَصْلٍ مُقَدَّرٍ کے لیے: أَيْ خُرُوجًا ایسا خروج، یہ معنیٰ بیان کر رہے ہیں، معنیٰ، میں نے ترکیب بتا دی آپ کو، کیا ترکیب؟ خُرُوجًا تَقْدِيرًا، تقدیر کس معنیٰ میں؟ مُقَدَّرٍ کے معنیٰ میں، اور خُرُوجًا مُقَدَّرًا کہ یہ مقدر صفت بحالِ متعلقہ ہے تو یہ اس کا نائب الفاعل کس کو بنائیں گے؟ أَصْلُهُ کو بنائیں گے بھائی، ایسا خروج کہ جس کی اصل مقدر ہے، اصل کو فرض کیا گیا ہے، اور خروج تو ہوتا ہی ہمیشہ مقدر ہے بھائی۔ تو یہاں سے یہ معنیٰ بیان کر رہے ہیں: أَيْ خُرُوجًا كَائِنًا عَنْ أَصْلٍ مُقَدَّرٍ، یعنی ایسا خروج کہ ثابت ہو کس سے؟ عَنْ أَصْلٍ مُقَدَّرٍ اصلِ مقدر سے۔ دیکھا مقدر کو اصل کی صفت بنایا کہ وہ اصل مقدر ہوتی ہے خود خروج مقدر نہیں ہوتا۔ تو ایسا خروج كَائِنًا عَنْ أَصْلٍ مُقَدَّرٍ جو ثابت ہو ایسی اصل سے جو مقدر ہے، اور مَفْرُوضٍ ایک اور صفت بھی لے آئے اصل کے لیے: أَصْلٍ موصوف، مُقَدَّرٍ صفتِ اول، مَفْرُوضٍ صفتِ ثانی، اور یہ دوسری صفت یہ پہلی صفت کا معنیٰ بیان کر رہی ہے، مقدر کا کیا معنیٰ؟ مفروض بھائی، مقدر کا کیا معنیٰ؟ مفروض، عَنْ أَصْلٍ مُقَدَّرٍ مَفْرُوضٍ، یعنی ایسا خروج جو ثابت ہو ایسی اصل سے جو مقدر ہو یعنی مفروض ہو، فرض کی گئی ہے، جیسے عمر کی اصل کیا فرض کر لی گئی؟ عَامِرٌ، زُفَرَ کی اصل کیا فرض کر لی گئی؟ زَافِرٌ، تو یہاں یہ مقدر ہے اور مفروض ہے۔

يَكُونُ الدَّاعِي إِلَى تَقْدِيرِهِ وَفَرْضِهِ، یعنی وہ چیز جو دعوت دے رہی ہے إِلَى تَقْدِيرِهِ وَفَرْضِهِ، تَقْدِيرِهِ أَيْ تَقْدِيرِ الْأَصْلِ، یہ ہا ضمیر اصل کو راجع ہے۔ یہ یوں کریں: اصل کو بنائیں موصوف، مقدر اس کی صفتِ اول، مفروض اس کی صفتِ ثانی، اور پھر اس کے بعد يَكُونُ فعل آگیا اور نکرہ کے بعد فعل آئے تو وہ بھی اس کے لیے کیا بنتا ہے عموماً؟ صفت، تو یہ صفتِ ثالثہ آگئی بھائی، اور يَكُونُ الدَّاعِي إِلَى تَقْدِيرِهِ وَفَرْضِهِ مَنْعَ الصَّرْفِ لَا غَيْرُ یہ پورا جملہ صفت بنے گا اصل کے لیے۔ اور جب جملے کو کسی بھی چیز سے جوڑنا ہو درمیان میں کیا ضروری ہے؟ ربط ضروری ہے، تو یہ جو تَقْدِيرِهِ کے آخر میں ہا ضمیر ہے اور فَرْضِهِ کے آخر میں ہا ضمیر ہے یہ دونوں اسی اصل کی طرف راجع ہیں تو یہ ربط بھی آگیا۔ تو يَكُونُ الدَّاعِي کہ وہ اصل ایسا

ہو کہ وہ جو داعی ہے جو دعوت دینے والا ہے إِلَى تَقْدِيرِهِ اس اصل کو فرض کرنے کی طرف، وَفَرْضِهِ، دیکھا یہ عطفِ تفسیری ہے بھائی۔ واوٗ کے ذریعے کیا کیا جاتا ہے؟ عطف، اور وَفَرْضِهِ کا عطف کس پر ہے؟ تَقْدِيرِهِ پر۔ اور میں نے آپ کو بتلایا تھا معطوف علیہ اور معطوف ایک دوسرے سے غیر ہوتے ہیں، الگ الگ ہوتے ہیں، لیکن کبھی کبھار دونوں ایک ہی چیز ہوتے ہیں اور وہ عطفِ تفسیری میں ہوتا ہے کہ معطوف علیہ ایک لفظ کو مصنف لے کر آتا ہے اور پھر آگے تفسیر کرتا ہے اس کی عطف کی صورت میں تاکہ کہیں پڑھنے والے کو معنیٰ میں کوئی وہم نہ ہو یا معنیٰ سمجھ میں نہ آئے۔ تو یہاں پر بھی تَقْدِيرِهِ کا کیا معنیٰ ہے؟ وَفَرْضِهِ، یہ فَرْضِهِ کے ذریعے اس کا معنیٰ بیان کر دیا۔ کہ يَكُونُ الدَّاعِي إِلَى تَقْدِيرِهِ وَفَرْضِهِ کہ وہ جو دعوت دینے والا ہے اس اصل کی تقدیر کی اور اس کے فرض کرنے کی طرف، مَنْعَ الصَّرْفِ وہ صرف کیا ہے؟ منعِ صرف ہے، لَا غَيْرُ اس کے علاوہ کوئی اور چیز نہیں۔

بھائی ادھر دیکھیے: عُمَرُ، زُفَرُ، ان کے لیے آپ نے اصل کو فرض کر لیا کہ ان کی اصل کیا ہے؟ عَامِرٌ اور زَافِرٌ ہے۔ یہ آپ نے کیوں فرض کیا؟ عَامِرٌ اور زَافِرٌ کو ان کے لیے اصل کیوں فرض کیا؟ کیونکہ عرب عُمَرَ اور زُفَرَ کو غیر منصرف پڑھتے ہیں، اور جب غیر منصرف پڑھتے ہیں ان میں علمیت کے علاوہ اور کوئی سبب ہی نہیں ہے، تو اب ہم مجبور ہو گئے، اس کو کیا، اس میں کیا ماننا پڑے گا؟ عدل، اور عدل کے لیے اخراج ضروری ہے، تو اور اخراج کے لیے کیا چاہیے؟ اصل چاہیے، تو جب اخراج کو فرض کر لیا یعنی عدل کو فرض کیا تو ان کے لیے اصل کو بھی فرض کر لیا۔ تو یہ جو ان کے لیے اصل کو فرض کیا گیا ہے یہاں پر کوئی دلیل موجود نہیں ہے سوائے منعِ صرف کے۔ ثُلَاثَ مَثْلَثَ میں تو دلیل موجود تھی، أُخَرُ جُمَعُ میں تو دلیل موجود تھی کہ یہ ان کی اصل ہے، لیکن یہاں کوئی دلیل موجود نہیں ہے سوائے منع صرف کے۔ یہ معنیٰ ہے کہ يَكُونُ الدَّاعِي إِلَى تَقْدِيرِهِ وَفَرْضِهِ مَنْعَ الصَّرْفِ لَا غَيْرُ، کہ وہ چیز جو دعوت دینے والی ہے کہ ان کی اصل جو ہے اس کو فرض کر لیا جائے وہ منعِ صرف ہے کوئی اور چیز نہیں ہے۔

یہاں ایک اور اشکال بھی ذکر کرتے ہیں شارحین، چلو وہ بھی سمجھ لو بھائی۔ دیکھیے انہوں نے کیا کہا کہ عدل دو قسم پر ہے: یا تحقیقاً ہوگا یا تقدیراً ہوگا۔ توجہ ہے؟ عدل یا تحقیقاً ہوگا یا تقدیراً ہوگا۔ شارحِ جامی نے آپ کو کیا بتلایا؟ کہ عدل تو ہوتا ہی ہمیشہ تقدیری ہے، عدل تو ہوتا ہی تقدیری ہے، ہاں وہ اصل کبھی تحقیقاً ہوگی اور کبھی تقدیراً ہوگی، وہ اصل کبھی محقق ہوگی اور کبھی مقدر ہوگی۔ توجہ ہے؟ معلوم ہوا عدل ہمیشہ کیا ہوگا؟ تقدیری ہوگا۔ تو اشکال ہوتا ہے کہ انہوں نے عدل کی تقسیم کی اور کیا کہا؟ کہ عدل یا تو تحقیقی ہوگا یا تقدیری ہوگا۔ توجہ ہے؟ یہ کس کی تقسیم کر رہے ہیں؟ عدل کی، اور عدل تو خود ہمیشہ کیا ہوتا ہے؟ تقدیری ہوتا ہے، تو عدل جو تقدیری ہے اس کی دو قسمیں بنا دیں یا عدل تقدیری ہوگا یا تحقیقی ہوگا۔ توجہ ہے؟ اس کو کہتے ہیں کہ ایک چیز کی تقسیم کرنا إِلَى نَفْسِهِ وَإِلَى غَيْرِهِ اور یہ باطل ہے۔ ایک چیز کی تقسیم کرنا إِلَى نَفْسِهِ وَغَيْرِهِ یہ باطل ہے بھائی، ایک چیز کو اپنے اور غیر کی طرف تقسیم کر دیا جائے بھائی۔ عدل خود کیا ہے؟ تقدیری ہے، تو پھر اس کی

تقسیم آگے تحقیقی کی طرف آپ کیسے کر رہے ہو بھائی؟ وہ عدل جو تقدیری ہے وہ یا کیا ہوگا؟ یا تحقیقی ہوگا یا تقدیری ہوگا۔ دیکھا؟ تقدیری تو چلو یہ خود ہے، یہ تحقیقی یہ تو اس کے اندر داخل ہی نہیں ہے، تو چیز کی تقسیم ہو رہی ہے کس کی طرف؟ اپنی ذات کی طرف بھی اور غیر کی طرف بھی جو اس کے اندر داخل ہی نہیں تھا اس کی طرف آپ اس کی تقسیم کر رہے ہیں بھائی۔ تو اس کو کیا کہتے ہیں؟ تَقْسِيمُ الشَّيْءِ إِلَى نَفْسِهِ وَإِلَى غَيْرِهِ، اور یہ باطل ہے بھائی۔ عدل جب تقدیری ہے تو پھر تحقیقی کی طرف اس کی تقسیم ہو ہی نہیں سکتی بھائی۔ بات سمجھ میں آگئی؟ اور پھر اس کا جواب بھی گزر چکا ہے، جواب بھی گزر چکا ہے کہ یہ عدل جو ہے اس کی تقسیم نہیں ہو رہی تحقیقی اور تقدیری کی طرف، بلکہ اس عدل کے اندر جو اصل جس کو اصل قرار دیا گیا ہے وہ دو قسم پر ہے: یا وہ تحقیقی ہوگی یا تقدیری۔ یا یوں کہو یہ جو عدل تحقیقی اور تقدیری کی طرف تقسیم ہو رہا ہے تو یہ اپنے اعتبار سے تقسیم نہیں ہو رہا کہ عدل دو قسم پر ہے تحقیقی یا تقدیری، بلکہ یہ اس اصل کے اعتبار سے تقسیم ہو رہا ہے کہ عدل کے اندر جس کو اصل مانا گیا ہے وہ اصل یا تحقیقی ہوگی یا تقدیری ہوگی۔ تو اب عدل کی تقسیم إِلَى نَفْسِهِ وَإِلَى غَيْرِهِ لازم نہیں آئی کہ وہ تحقیقی عدل نہیں ہے بلکہ تحقیقی کیا ہے؟ وہ اصل ہوگی بھائی، یا وہ تقدیری بھی اصل ہوگی۔

آگے دیکھیے بھائی: كَعُمَرَ وَكَذَلِكَ زُفَرَ، جیسے کہ عُمَرَ ہے اور اسی طرح زُفَرَ ہے۔ فَإِنَّهُمَا لَمَّا وُجِدَا غَيْرَ مُنْصَرِفَيْنِ اس لیے کیونکہ جب ان دونوں کو غیر منصرف پایا گیا، یعنی عمر اور زفر کو، وَلَمْ يُوجَدْ فِيهِمَا سَبَبٌ ظَاهِرٌ إِلَّا الْعَلَمِيَّةَ اور ان میں کوئی بھی ظاہری سبب نہیں پایا گیا سوائے علمیت کے، تو اعْتُبِرَ فِيهِمَا الْعَدْلُ تو ان دونوں میں عدل کا اعتبار کر لیا گیا۔ وَلَمَّا تَوَقَّفَ اعْتِبَارُ الْعَدْلِ عَلَى وُجُودِ الْأَصْلِ اور جب عدل کا اعتبار وہ موقوف ہے عَلَى وُجُودِ الْأَصْلِ کس پر؟ اصل کے وجود پر، عدل تب ہی ہوگا نا کہ کوئی اصل بھی ہو اس کے لیے، اگر اصل نہیں تو عدل یعنی اخراج کیسے ہو سکتا ہے؟ تو کہتے ہیں: وَلَمَّا تَوَقَّفَ اعْتِبَارُ الْعَدْلِ عَلَى وُجُودِ الْأَصْلِ اور جب عدل کا اعتبار وہ موقوف ہے اصل کے وجود پر، وَلَمْ يَكُنْ فِيهِمَا دَلِيلٌ عَلَى وُجُودِهِ غَيْرَ مَنْعِ الصَّرْفِ اور ان دونوں کے اندر کوئی دلیل موجود نہیں تھی عَلَى وُجُودِهِ اصل کے وجود پر، غَيْرَ مَنْعِ الصَّرْفِ علاوہ منعِ صرف کے۔ منعِ صرف کے علاوہ اور کوئی دلیل موجود نہیں تھی کہ ان کی اصل کیا ہے، صرف غیر منصرف پڑھ رہے تھے، معلوم ہوا کوئی نہ کوئی ان کے لیے اصل بھی ہے جہاں سے ان کو پھیرا گیا ہے، تو جب ان کی اصل پر منعِ صرف کے علاوہ کوئی دلیل موجود نہیں تھی تو قُدِّرَ فِيهِمَا تو ان دونوں میں فرض کر لیا گیا کہ أَنَّ أَصْلَهُمَا عَامِرٌ وَزَافِرٌ کہ ان دونوں کی اصل جو ہے عَامِرٌ اور زَافِرٌ ہے، عُدِلَا عَنْهُمَا اور ان دونوں کو ان سے پھیرا گیا ہے إِلَى عُمَرَ وَزُفَرَ عُمَرَ اور زُفَرَ کی طرف۔ تقریر سمجھ میں آگئی؟

وَمِثْلُ بَابِ قَطَامِ اور جیسے کہ قَطَامَ کا باب ہے، جیسے کہ قَطَامَ کا باب ہے، وہ قَطَامَ الْمَعْدُولَةِ عَنْ قَاطِمَةٍ جس کو پھیرا گیا ہے قَاطِمَةٌ سے، قَاطِمَةٌ سے پھیرا گیا ہے بھائی۔ قَاطِمَة کا معنیٰ ہے کاٹنے والی، یا اس کا معنیٰ ہے زیادہ گوشت کھانے

والی، تو اسی سے قَاطِمَة سے عدل کر کے کیا لفظ بنا لیا گیا؟ قَطَامَ، قَطَامَ بنا لیا گیا بھائی۔ قَطَامَ کے باب سے کیا مراد ہے؟ آپ کو آگے چل کر یہ بتلائیں گے صاحبِ جامی کہ قَطَامَ سے مراد وہ فَعَالِ وزن ہے، قَطَامِ، فَعَالِ، دیکھا؟ وہ فَعَالِ وزن ہے جو علم ہو کس کے لیے؟ مؤنث ذات کے لیے، اور نیز اس کے آخر میں را بھی نہ آئے۔ حَضَارِ، طَمَارِ، دیکھو یہ بھی وہی وزن ہے حَضَارِ، طَمَارِ، فَعَالِ وزن ہے لیکن آخر میں کیا آ رہی ہے؟ را۔ تو یہ جو بابِ قَطَامِ سے مراد جو ہے وہ فَعَالِ وزن ہے جو علم ہو، پہلی شرط، اور علم بھی کس کے لیے ہو؟ مؤنث ذات کے لیے ہو، معنیٰ کے لیے علم نہ ہو بلکہ مؤنث ذات کے لیے علم ہو، اور نیز تیسری شرط یہ ہے کہ اس کے آخر میں را بھی نہ آتی ہو۔ تو بابِ قَطَامِ سے کیا مراد ہے جس کے اندر کتنی شرطیں ہوں؟ تین شرطیں: پہلی شرط کیا؟ علم ہو، دوسری شرط کیا؟ کہ مؤنث ذات کے لیے علم ہو، تیسری شرط؟ کہ اس کے آخر میں را بھی نہ آئے۔ پھر دہراؤ بھائی، بابِ قَطَامِ سے کیا مراد ہے؟ وہ فَعَالِ جو کیا ہو؟ جو علم ہو، نام ہو، اور نام بھی کس کا ہو؟ مؤنث ذات کا نام ہو، معنیٰ کا نام نہ ہو، اور تیسری شرط کیا؟ کہ اس کے آخر میں را نہ آئے بھائی۔ آگے چل کر آپ کو بتائیں گے کہ کچھ نام آتے ہیں جیسے طَمَارِ، حَضَارِ، یہ نام جو ہیں ان کے آخر میں را ہے اور یہ مبنی ہیں، یہ مبنی ہیں، اور ہماری بحث معرب کے بارے میں چل رہی ہے یا مبنی کے بارے میں؟ معرب کے بارے میں چل رہی ہے، غیر منصرف کیا ہے؟ معرب۔ تو وہ حَضَارِ اور طَمَارِ وہ ان کے آخر میں را ہے وہ مبنی ہیں بھائی، وہ مبنی ہیں۔ تو یہ فَعَالِ وزن علم میں بھی آتا ہے اور ان کے آخر میں را ہو تو وہ مبنی ہوتے ہیں بھائی۔ جبکہ اسی طرح یہ فَعَالِ وزن چار جگہ آتا ہے بھائی، چار جگہ۔ کون کون سی جگہ؟ ایک تو یہ فَعَالِ یہ اسمِ فعل میں بھی یہ وزن آتا ہے، جیسے نَزَالِ بمعنی اِنْزِلْ، اترآؤ، اترآؤ، تو کیا کہتے ہیں؟ نَزَالِ، یہ خصوصاً کسی کو میدانِ جنگ میں مقابلے کے لیے کہتے ہیں بھائی، سمجھ میں آیا؟ قدیم زمانے میں جب فوجوں میں جنگ ہوتی تھی، دونوں فوجیں آمنے سامنے آگئیں، کھڑی ہوگئیں، مثلاً ایک فوج یہاں کھڑی ہے دوسری بالکل سامنے صفیں بنا کر کھڑی ہوگئی، تو اب ان ہوتا یوں تھا کہ فوراً جنگ نہیں شروع ہوتی تھی، عموماً ادھر سے ایک دو بہادر نکلتے تھے درمیان میں اور پھر وہ دوسرے کو کہتے تھے: نَزَالِ، آؤ بھائی اترو بھائی میدان میں، کون اترتا ہے میدان میں؟ پھر ادھر سے دوسرا کوئی سامنے سے مقابلے میں آتا، اور پھر یہ دونوں آپس میں لڑتے اور سارے دیکھ رہے ہوتے تھے بھائی، اور پھر ان میں سے کوئی ایک دوسرے کو قتل کر دیتا تھا، پھر اس کے بعد دوسرا آتا، پھر ادھر سے ایک اور آتا، پھر ان کا آپس میں مقابلہ ہوتا۔ اس طرح شروع میں چند مقابلے ہوتے اور پھر اس کے بعد جنگ شروع ہو جاتی تھی عام جنگ بھائی، جیسے صحابہ کے واقعات میں بھی پڑھتے ہیں بھائی کہ صحابہ بھی میدان میں اترتے تھے جب مشرکین سے جنگ ہوتی تھی۔

تو صحابہ اپنی اپنی شجاعت کا مظاہرہ کرتے۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی اسی طرح میدان میں اترتے تھے۔ تو کہتے ہیں ایک مرتبہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ میدان میں اترے۔ جو دوسری طرف سے مقابل آیا تھا وہ بڑا طاقتور اور مضبوط اور پورا لوہے کے اندر ڈوبا ہوا تھا بھائی، پورا اسلحہ اس نے پہنا ہوا تھا۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ صحابہ وغیرہ

کے پاس کچھ ہوتا ہی نہیں تھا، زیادہ سے زیادہ کسی کے پاس کوئی زرہ ہے، ایک آدھ زرہ کسی کے چند ایک کے پاس ہوتی تھی، تو حضرت علی مقابلے کے لیے آئے بھائی۔ اور کہتے ہیں مقابلہ شروع ہوا اور اس نے اتنا زوردار وار کیا کہ حضرت علی نے ڈھال تھی حضرت علی کے ہاتھ میں لوہے کی بھائی وہ ڈھال ہی ٹوٹ گئی بھائی، اتنی زوردار اس نے تلوار چلائی بھائی۔ تو اس نے تلوار چلائی حضرت علی کی ڈھال ٹوٹ گئی۔ اور پھر حضرت علی کی باری آئی۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بجلی کی رفتار سے تلوار گھمائی بھائی، پوری تلوار گھوم گئی کسی کو کچھ پتہ نہیں چلا کہ کیا ہوا ہے بھائی۔ پھر اچانک اس دوسرے کا گھوڑا ہلا تو اس آدمی کا سر کٹ کر نیچے گر گیا بھائی۔ وہ تلوار اتنی رفتار سے چلائی تھی کہ گردن کو کاٹ کر گزر گئی تھی اور سر اپنی جگہ پر تھا کسی کو پتہ ہی نہیں چلا بھائی۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو یہ تھے ہمارے صحابہ اور الحمد للہ اللہ نے ہمیں صحابہ کی محبت نصیب فرمائی ہے بھائی۔

اچھا تو یہ نَزَالِ یہ اسمِ فعل ہے، یہ اسمِ فعل ہے اور یہ بمعنی اِنْزِلْ کے ہے، اتر آؤ۔ اور یہ اِنْزِلْ کے معنیٰ میں ہے تو یہ مبنی ہے، یہ کیا ہے؟ مبنی ہے۔ آپ نے پڑھا ہے کہ اسمِ فعل جو ہیں یہ فعل کا معنیٰ ادا کرتے ہیں اس لیے یہ مبنی ہوتے ہیں، ان کی مشابہت ہے مبنی الاصل کے ساتھ۔ تو فعلِ امر بھی کیا ہے؟ مبنی الاصل۔ مبنی الاصل کتنی چیزیں ہیں؟ فعلِ ماضی، فعلِ امر اور تمام حروف۔ تو فعلِ امر بھی مبنی الاصل ہے۔ تو یہ نَزَالِ یہ اسی اِنْزِلْ کے مشابہ ہوگیا، یعنی وہ امر ہے تو یہ بھی امر ہے، تو یہ بھی مبنی ہوا۔ تو یہ ایک فَعَالِ وزن یہ آگیا، نَزَالِ فَعَالِ وزن ہے، نَزَالِ فَعَالِ، اور یہ مبنی ہے۔

اسی طرح ایک فَعَالِ وزن آتا ہے وہ علم ہے مصدر کے لیے، جیسے فَجَارِ بمعنی الْفُجُورِ۔ الْفُجُورِ کیا ہے؟ مصدر ہے۔ توجہ ہے؟ فجور مصدر ہے، اور میں اس پر الف لام بھی لے کر آیا، یعنی یہ مصدرِ معرفہ ہے بھائی، اس کے معنیٰ میں ہے فَجَارِ۔ تو فَجَارِ صرف فجور کے معنیٰ میں ہے یا الْفُجُورِ کے معنیٰ میں ہے؟ الْفُجُورِ، معلوم ہوا یہ مصدرِ معرفہ کے معنیٰ میں ہے تو یہ علم ہے۔ فَجَارِ کیا ہے؟ علم ہے۔ توجہ ہے؟ علم معرفہ ہوتا ہے یا نکرہ ہوتا ہے؟ معرفہ، اس لیے میں نے یہ کہا کہ یہ فَجَارِ فجور کے معنیٰ میں نہیں ہے بلکہ کس معنیٰ میں ہے؟ الْفُجُورِ کے معنیٰ میں۔ تو فَجَارِ علم ہے کس کے لیے؟ مصدر کے لیے، مصدر کے لیے۔

اور اسی طرح ایک صفت آتی ہے مؤنث کے لیے، جیسے فَسَاقِ، فَسَاقِ بمعنی فَاسِقَةٍ۔ عورت کو عموماً ندا دینے کے لیے یہ استعمال کرتے ہیں: یَا فَسَاقِ، یعنی اے فاسقہ بھائی۔ تو یہ فَسَاقِ معدول ہے کس سے؟ فَاسِقَةٍ سے، توجہ ہے؟ فَاسِقَةٌ سے یہ معدول ہے فَسَاقِ۔ اور اسی طرح یہ فَجَارِ کس سے معدول ہے؟ الْفُجُورِ سے معدول ہے۔ اور نَزَالِ کس سے معدول ہے؟ ہاں اِنْزِلْ سے، کس سے معدول ہے؟ اِنْزِلْ سے۔ اور اسی طرح یہاں کتاب میں آیا قَطَامَ، قَطَامَ معدول ہے کس سے؟ انہوں نے بتلا دیا عَنْ قَاطِمَةٍ یہ قَاطِمَةٍ سے معدول ہے۔ تو ان سب کے اندر عدل ہے۔ تو یہ نَزَالِ یہ ہے مبنی، توجہ ہے؟ کیوں مبنی؟ کیونکہ یہ اِنْزِلْ امر کے معنیٰ میں ہے تو یہ اس کے مشابہ ہوگیا، تو وہ مبنی تھا یہ بھی کیا بن گیا؟ مبنی۔ اسی طرح فَجَارِ

اور فَسَاقِ وہ بھی مبنی ہیں، کیونکہ ان کی مشابہت ہے کس کے ساتھ؟ نَزَالِ کے ساتھ۔ جو نَزَالِ کا وزن وہی وزن فَجَارِ اور فَسَاقِ کا بھی، اور نیز جیسے نَزَالِ کے اندر عدل تھا اسی طرح فَجَارِ اور فَسَاقِ کے اندر بھی عدل ہے۔ تو ان کی مشابہت آگئی نَزَالِ کے ساتھ، اور نَزَالِ تو مبنی تھا تو یہ دونوں بھی کیا بن گئے؟ مبنی بن گئے۔

جبکہ قَطَامَ رہ گیا بھائی۔ قَطَامَ یاد رکھو آپ کو بتلائیں گے کہ یہ بنو تمیم کی لغت میں یہ غیر منصرف ہے بھائی، غیر منصرف۔ اور اس میں دو سبب کون سے ہیں؟ جی؟ دیکھو ایک تو یہ علم ہے، کس کے لیے ہے؟ مؤنث ذات کے لیے ہے، اور را والا نہیں ہونا چاہیے، تو علم بھی ہو اور علم بھی مؤنث ذات کے لیے ہو اور اس کے آخر میں رانہ آئے۔ تو یہ علم بھی ہے اور نیز علم بھی کس کا ہے؟ مؤنث ذات کا، تو یہ علمیت کی وجہ سے اور تانیث کی وجہ سے یہ غیر منصرف ہے، علمیت اور تانیث کی وجہ سے یہ غیر منصرف ہے بھائی۔ اور اس کے اندر اس کے اندر عدل کا اعتبار کیا گیا کہ اس کے اندر کیا ہے؟ عدل ہے، اور اس کو کس سے پھیرا گیا ہے؟ قَاطِمَةُ سے اس کو پھیرا گیا ہے۔

بھائی وجہ کیا؟ اس میں عدل کا اعتبار کیوں کیا؟ تو آپ کو بتلائیں گے کہ یہاں ادھر دیکھیے، قَطَامَ کے اندر پہلے سے ہی دو سبب موجود ہیں غیرِ انصراف کے: علمیت بھی ہے اور تانیث بھی ہے۔ تو غیرِ انصراف کے دو اسباب اس میں پہلے ہی موجود تھے، پھر بھی اس کے اندر عدل کا اعتبار کیا گیا، کس لیے؟ اپنی نظیروں پر محمول کرتے ہوئے، کس پر؟ اپنی نظیروں پر حمل کرنے کے لیے، کس پر؟ اپنی نظیروں پر حمل کرنے کے لیے۔ جیسے دیکھو یہ بابِ قَطَامَ یہ علم ہوتا ہے اعیانِ مؤنثہ کے لیے، اسی طرح حَضَارِ اور طَمَارِ یہ ذواتُ الراء یہ بھی علم ہیں اعیانِ مؤنثہ کے لیے لیکن ان کے آخر میں کیا ہے؟ را ہے۔ تو یہ قَطَامَ جو ہے نظیر ہے کس کی؟ حَضَارِ اور طَمَارِ کی۔ جیسے وہ علم ہیں اعیانِ مؤنثہ کے لیے، یہ قَطَامَ بھی کیا ہے؟ علم ہے اعیانِ مؤنثہ کے لیے، وزن بھی وہی، علم بھی ہے اور علم بھی کس کے لیے؟ اعیانِ مؤنثہ کے لیے۔ تو جب حَضَارِ اور طَمَارِ کے اندر عدل کا اعتبار کیا تو پھر اس کی جو نظیر تھی یعنی بابِ قَطَامَ، اس کے اندر بھی عدل کا اعتبار کر لیا، اس کے اندر بھی عدل کا اعتبار کر لیا۔ کس لیے؟ غیر منصرف بنانے کے لیے نہیں، کیونکہ دو سبب تو اس کے اندر پہلے ہی موجود ہیں، کون کون سے؟ تانیث اور علمیت، وہ تو پہلے ہی موجود ہیں، یہ پہلے سے ہی غیر منصرف ہے۔ صرف کس لیے اعتبار کیا اس کے اندر عدل کا؟ اپنی نظیروں پر حمل کرنے کے لیے، اپنی نظیروں پر محمول کرنے کے لیے۔ اس کی نظیریں کیا ہیں؟ حَضَارِ اور طَمَارِ وہ اس کی نظیر ہیں، وہ بھی فَعَالِ وزن پر، وہ بھی اعیانِ مؤنثہ کے لیے علم ہیں، اور بابِ قَطَامَ بھی کیا ہے؟ اعیانِ مؤنثہ کے لیے علم ہے اور فَعَالِ وزن پر ہے، تو ان کے اندر جب عدل کا اعتبار کیا تو اس کے اندر بھی عدل کا اعتبار کر لیا۔ بات سمجھ میں آگئی؟

اچھا دیکھو یہ جو حَضَارِ اور طَمَارِ ہیں نا یہ علم ہیں، اور علم بھی کس کے ہیں؟ مؤنث ذات کے، تو ان میں دو سبب ہیں:

ایک علمیت، ایک تانیث۔ توجہ ہے؟ حَضَارِ اور طَمَارِ جن کے آخر میں را ہے اس کو بنو تمیم والے بنی پڑھتے ہیں، کیا پڑھتے ہیں؟ بنی۔ وہ بنو تمیم والے حَضَارِ اور طَمَارِ کو بنی پڑھتے ہیں اور ہم نے غور کیا کہ یہ حَضَارِ اور طَمَارِ بنی کیوں ہیں؟ بنی کے لیے تو وجہ چاہیے۔ تو اس کے اندر ہمیں دو سبب ملے، کون کون سے؟ ایک علمیت اور ایک تانیث۔ علمیت اور تانیث دو سبب آئے۔ بھائی دو سببوں کے ذریعے فعل کے ساتھ مشابہت آجاتی ہے اور کلمہ غیر منصرف بنتا ہے، لیکن یہ تو بنی ہیں، معلوم ہوا کوئی اور سبب بھی ہونا چاہیے تاکہ اور زیادہ مشابہت آجائے، اور غیرِ انصراف سے اگلا درجہ پھر کس کا ہے؟ بنی کا ہے تاکہ وہ ان کو حاصل ہو جائے۔ یہ تقریر کس کی چل رہی ہے؟ نحویوں کی۔ نحوی حضرات اعتبار کر رہے ہیں کیونکہ بنو تمیم والے وہ تو ان کو پڑھتے ہی بنی ہیں، وہ حَضَارِ طَمَارِ پڑھتے ہیں اس پر اعراب پڑھتے ہی نہیں ہیں۔ اب نحوی حضرات غور کر رہے ہیں کہ بھائی یہ بنی کیوں ہیں؟ دو سبب تو ان کے اندر مل گئے، کون کون سے؟ ایک علمیت اور ایک تانیث، لیکن دو سببوں سے تو لفظ غیر منصرف بنتا ہے، بنی تو نہیں بنتا، تو مجبوراً ان کو ان میں عدل کا اعتبار کرنا پڑا، کس کا اعتبار کرنا پڑا؟ عدل، تاکہ تین سبب آجائیں اور جب تین سبب آئیں گے تو اب کلمہ غیر منصرف نہیں بنے گا بلکہ کیا بن جائے گا؟ بنی بن جائے گا۔ تو نحوی حضرات کو مجبوراً حَضَارِ اور طَمَارِ کے اندر عدل کا اعتبار کرنا پڑا تاکہ اس کے بنی ہونے کی وجہ بیان کی جا سکے۔ پھر جب حَضَارِ اور طَمَارِ کے اندر انہوں نے عدل کا اعتبار کیا تو قَطَامَ وغیرہ کے اندر بھی عدل کا اعتبار کر لیا تاکہ سب کا ایک ہی حکم ہو، یہ نہ ہو کہیں پر آپ عدل مان رہے ہیں اور کہیں پر عدل نہیں مان رہے۔ تو اس وجہ سے قَطَامَ کے اندر عدل کا اعتبار کیا گیا۔ کس لیے؟ اپنی نظیروں پر محمول کرنے کے لیے، اپنے جیسوں پر محمول کرنے کے لیے، یعنی جیسے حَضَارِ اور طَمَارِ میں عدل تھا ان میں بھی کیا مان لو؟ عدل، اگرچہ یہاں عدل کی حاجت نہیں تھی، عدل کی حاجت نہیں تھی کیونکہ یہ تو پہلے سے ہی غیر منصرف ہے بھائی، اس میں دو سبب کیا ہیں؟ علمیت اور تانیث، یہ تو غیر منصرف ہے عدل کی کوئی حاجت ہی نہیں، لیکن اپنی نظیروں پر محمول کرنے کے لیے اس میں عدل کا اعتبار کر لیا گیا۔ اور نیز پھر کیا کہا کہ یہ کس سے معدول ہے؟ قَاطِمَةِ سے، تو یہ قَاطِمَةِ کو اس کی اصل قرار دیا یہ بھی فرض کر لیا، یہاں پر کوئی اور دلیل موجود نہیں ہے۔ اصل پر اگر دلیل موجود ہو تو وہ عدل کیا ہوتا ہے؟ تحقیقی، اور اگر اصل پر دلیل نہ ہو تو وہ عدل تقدیری ہوتا ہے، اور اس وقت ہم کس کو پڑھ رہے ہیں؟ عدلِ تقدیری کو، اسی کے اندر بابِ قَطَامَ کو ذکر کر رہے ہیں، معلوم ہوا اس کے اندر بھی جو عدل ہے وہ کون سا ہے؟ تقدیری ہے، لیکن کیوں، اس کو کیوں عدل کو مانا گیا اس کے اندر؟ اپنی نظیروں پر محمول کرنے کے لیے۔

دیکھیے اب کتاب پر: وَمِثْلُ بَابِ قَطَامِ اور قَطَامَ باب کی مثل جو ہیں، بھائی پیچھے آیا تھا متن متن دیکھیے: أَوْ تَقْدِيرًا كَعُمَرَ وَبَابِ قَطَامِ، یا جو خروج ہے وہ تقدیراً ہوگا جیسے عمر ہے یا بابِ قَطَامَ ہے۔ صاحبِ جامی نے وَبَابِ قَطَامِ اس سے پہلے مِثْلُ کا لفظ نکال لیا، کیا لفظ نکالا؟ مِثْلُ۔ صاحبِ کافیہ نے تو کہا تھا كَعُمَرَ وَبَابِ قَطَامِ، وَبَابِ قَطَامِ، لیکن صاحبِ جامی نے درمیان میں مِثْلُ کا لفظ نکال لیا۔ بتلانا یہ چاہتے ہیں کہ عمر میں بھی عدلِ تقدیری ہے اور بابِ قَطَامَ کے اندر بھی عدلِ تقدیری ہے،

لیکن دونوں الگ الگ قسمیں ہیں۔ عمر کے اندر عدل کا اعتبار کیا گیا ضرورت کی وجہ سے کیونکہ اس کو عرب غیر منصرف پڑھتے ہیں اور دوسرا کوئی سبب ہی نہیں تھا لہذا اس میں کس کو ماننا پڑا؟ عدل کو ماننا پڑا، جبکہ بَابُ قَطَامِ اس طرح نہیں ہے، اس کے اندر عدل کا جو اعتبار کیا گیا وہ اس کو غیر منصرف پڑھنے کے لیے اعتبار نہیں کیا گیا، اس کے تو پہلے سے ہی دو سبب موجود تھے، یہاں اس کے اندر جو عدل کا اعتبار کیا گیا وہ صرف اپنی نظیروں پر محمول کرنے کے لیے ہے، تو دونوں الگ الگ قسمیں ہیں، دونوں میں عدل تو تقدیری ہے لیکن الگ الگ قسمیں ہیں۔ بات سمجھ میں آگئی؟ اور پھر صاحبِ کافیہ نے یہ نہیں فرمایا کَعُمَرَ وَقَطَامَ، صرف قَطَامَ کہہ دیتے، یہ بَابِ قَطَامِ کہنے کی کیا ضرورت پیش آئی؟ کہتے ہیں دراصل بتلانا یہ چاہتے ہیں کہ یہ صرف قَطَامَ کا حکم نہیں ہے بلکہ قَطَامَ کے پورے باب کا یعنی اس جیسے جو بھی کلمے آئیں جن میں تین شرطیں ہوں، کون کون سی؟ علم ہو اور علم بھی کس کا ہو؟ مؤنث کا ہو، اور تیسری شرط کیا؟ آخر میں رانہ آتی ہو، تو یہ پورے باب کا یہی حکم ہے بھائی صرف قَطَامَ کا حکم نہیں ہے۔

تو کہتے ہیں: وَمِثْلُ بَابِ قَطَامِ الْمَعْدُولَةِ عَنْ قَاطِمَةٍ جس کو پھیرا گیا ہے قَاطِمَةٌ سے، وَأَرَادَ بِبَابِهَا دیکھا باب کا لفظ کیوں لائے؟ پورے کہ یہ صرف قَطَامَ کا یہ حکم نہیں پورے باب کا ہے، یہی بیان کر رہے ہیں، کہتے ہیں: وَأَرَادَ بِبَابِهَا اور ماتن نے بابِ قَطَامَ سے ارادہ کیا كُلَّ مَا هُوَ عَلَى فَعَالِ ہر اس لفظ کا جو فَعَالِ وزن پر ہو، عَلَمًا اور کیا ہو؟ علم ہو، لِلْأَعْيَانِ الْمُؤَنَّثَةِ کس کے لیے؟ مؤنث ذاتوں کے لیے، عین ذات کو کہتے ہیں اس کی جمع اعیان ہے، لِلْأَعْيَانِ الْمُؤَنَّثَةِ مؤنث ذاتوں کے لیے، مِنْ غَيْرِ ذَوَاتِ الرَّاءِ اور ذواتُ الراء میں سے نہ ہو، یعنی را والا لفظ نہ ہو یعنی اس کے آخر میں رانہ آتی ہو۔ کتنی شرطیں؟ عَلَمًا، اور پھر دوسری شرط کیا؟ علم بھی کس کا ہو؟ اعیانِ مؤنثہ کا، تیسرا اس کے آخر میں رانہ ہو۔

بھائی عَلَمًا کی قید لگائی، کیوں عَلَمًا کی قید کیوں لگائی؟ عَلَمًا کی قید لگائی، میں نے بتایا بھائی یہ فَعَالِ وزن کئی چیزوں میں آتا ہے: یہ نَزَالِ اسمِ فعل میں بھی آتا ہے، یہ فَجَارِ علمِ مصدر کے اندر بھی آتا ہے، فَجَارِ مصدر ہے، اور اسی طرح یہ يَا فَسَاقِ یہ صفت کے لیے بھی آتا ہے، بات سمجھ میں آرہی ہے؟ تو لہذا جب کہا عَلَمًا علم ہو، تو نَزَالِ بھی نکل گیا کیونکہ نَزَالِ وہ علم نہیں ہے وہ تو اسمِ فعل ہے، اور نیز يَا فَسَاقِ یہ فَسَاقِ بھی نکل گیا کیونکہ یہ بھی علم نہیں ہے یہ تو کیا ہے؟ صفت ہے۔ ہاں البتہ فَجَارِ ابھی بھی داخل ہے۔ فَجَارِ، فَجَارِ کیا ہے؟ کس معنیٰ میں ہے؟ الْفُجُورِ، تو یہ فَجَارِ علم ہے کس کے لیے؟ الْفُجُورِ کے لیے، فجور معنیٰ گناہ کرنا بھائی، بات سمجھ میں آگئی؟ تو فَجَارِ کس معنیٰ میں ہے؟ یہ علم ہے کس کے لیے؟ الْفُجُورِ کے لیے، اور الْفُجُورِ یہ ذات ہے یا معنیٰ ہے مصدر ہے؟ معنیٰ ہے، یہ مصدر ہے، مصدر تو ذات نہیں ہے مصدر تو وصف ہے بھائی۔ تو جب عَلَمًا کہا کون کون نکل گئے؟ فَسَاقِ بھی نکل گیا اور نَزَالِ بھی نکل گیا۔ پھر کہا کہ علم ہو لِلْأَعْيَانِ الْمُؤَنَّثَةِ اعیانِ مؤنثہ کے لیے، تو فَجَارِ بھی نکل گیا، کیونکہ وہ اعیان کے لیے علم نہیں ہے وہ تو مصدر کے لیے علم ہے بھائی۔ اور میں نے

آپ کو پہلے بتایا ہے کہ مصدر ایک معنیٰ ہے ایک وصف ہے خارج میں اس کا کوئی وجود نہیں، یہ کسی کی صفت بنتا ہے، مثلاً میں نے کہا ضَرَبَ زَيْدٌ تو معلوم ہوا ضرب زید کی صفت ہے، یہ ضرب کیا ہے؟ زید کی صفت ہے۔ تو یہ جو مصدر ہوتا ہے اس کا خارج میں وجود نہیں ہوتا یہ صرف ایک معنیٰ ہے، یہ کسی کی صفت بنتا ہے اس کا اپنا الگ وجود نہیں۔ تو معلوم ہوا مصدر ذات نہیں ہے بلکہ کس کا نام ہے؟ معنیٰ کا نام ہے۔ تو جب کہا کہ وہ علم ہو لِلْأَعْيَانِ الْمُؤَنَّثَةِ مؤنث ذاتوں کے لیے، تو یہ فَجَارِ جو علم ہے الْفُجُورِ کے لیے یہ اس سے خارج ہوگیا، یہ اس سے کیا ہوا؟ خارج ہوگیا، کیونکہ فَجَارِ علم تو ہے لیکن مؤنث ذات کے لیے نہیں ہے بلکہ معنیٰ کے لیے ہے، کس کے لیے؟ معنیٰ یعنی مصدر کے لیے یہ علم ہے، تو یہ اس قید کے ذریعے یہ بھی خارج ہوگیا۔ اور مِنْ غَيْرِ ذَوَاتِ الرَّاءِ کے ذریعے وہ علم خارج ہوگئے جن کے آخر میں را آتی ہے، تو اس کے ذریعے حَضَارِ اور طَمَارِ خارج ہوگئے، کیونکہ ان کے آخر میں تو کیا ہے؟ را ہے۔ قیدوں کا فائدہ سمجھ میں آیا؟

کہتے ہیں: فِي لُغَةِ بَنِي تَمِيمٍ بنو تمیم کی لغت میں بھائی۔ بھائی متن میں تھا فِي تَمِيمٍ، صاحبِ جامی نے بتلا دیا فِي لُغَةِ بَنِي تَمِيمٍ یعنی مراد یہ ہے کہ بنو تمیم کی لغت میں۔ یاد رکھو یہ جو بنو تمیم ہے یہ عرب کا ایک بڑا قبیلہ ہے بھائی، اور یہ تمیم یہ ان کا کوئی باپ دادا گزرا اس کی طرف نسبت ہے۔ تو ان کی طرف جو اوپر کوئی دادا بڑا مشہور آدمی گزرتا تھا اس کی طرف نسبت کی جاتی تھی بھائی۔ تو بنو تمیم اصل میں کیا تھا؟ بَنُونَ، بَنُونَ، اور بَنُونَ جمع ہے اِبْنٌ کی۔ حالتِ رفعی میں کہتے ہیں بَنُونَ، حالتِ نصبی جری میں کہتے ہیں بَنِينَ۔ اور پھر جب اس کی اضافت کی جائے تو نونِ جمع اضافت سے گر جاتا ہے تو بَنُو تَمِيمٍ یا بَنِي تَمِيمٍ پڑھتے ہیں، کیا معنیٰ؟ تمیم کے بیٹے، یعنی اس کی جو اولاد ہے آگے، تو بَنُو تَمِيمٍ۔

تو کہتے ہیں: فِي لُغَةِ بَنِي تَمِيمٍ تو یہ بنو تمیم کی لغت میں ہے، فَإِنَّهُمُ اعْتَبَرُوا الْعَدْلَ فِي هَذَا الْبَابِ تو انہوں نے، کنہوں نے؟ دیکھو ذرا غور کرو: فَإِنَّهُمُ اعْتَبَرُوا الْعَدْلَ فِي هَذَا الْبَابِ انہوں نے اعتبار کیا عدل کا اس باب میں، انہوں نے یہ بابِ قَطَامَ کے اندر عدل کا اعتبار کیا، کنہوں نے اعتبار کیا؟ بنو تمیم والوں نے؟ نہیں بھائی، بنو تمیم کو تو عدل کا پتہ بھی نہیں ہے بھائی، وہ تو ان کی اپنی زبان ہے۔ نحویوں نے اعتبار کیا، کس نے؟ یہ جو اسبابِ منعِ صرف کا اعتبار کرتے ہیں یہ نحوی کرتے ہیں، وہ جو عربی زبان بولنے والے ہیں ان کو تو ان اسباب کا پتہ بھی نہیں ہے، لیکن وہ ضابطوں کے مطابق بولتے ہیں کیونکہ ان کی اپنی زبان ہے بھائی۔ فَإِنَّهُمُ اعْتَبَرُوا الْعَدْلَ فِي هَذَا الْبَابِ اس لیے کیونکہ نحوی حضرات جو ہیں انہوں نے عدل کا اعتبار کیا اس باب میں یعنی بابِ قَطَامَ میں، حَمْلًا عَلَى ذَوَاتِ الرَّاءِ فِي الْأَعْلَامِ الْمُؤَنَّثَةِ حمل کرتے ہوئے وہ جو ذواتُ الراء، حَمْلًا عَلَى ذَوَاتِ الرَّاءِ محمول کرتے ہوئے وہ جو را والے ہیں، را والے لفظ ہیں، فِي الْأَعْلَامِ الْمُؤَنَّثَةِ کس میں؟ اعلامِ مؤنثہ میں۔ بھائی حَضَارِ طَمَارِ میں میں نے بتلایا تھا نا کہ اس کے اندر عدل کا اعتبار کرنا پڑا، کیوں کرنا پڑا؟ کیونکہ اس کو بنو تمیم والے مبنی پڑھتے ہیں، اور ان میں صرف دو سبب ہیں: ایک علمیت اور تانیث، اور دو سببوں سے تو کوئی لفظ مبنی نہیں بنتا، تو پھر

ان کو مجبوراً کس کا اعتبار کرنا پڑا؟ عدل کا بھی اعتبار کرنا پڑا تو تین سبب ہوگئے، اب وہ کیا ہوئے؟ مبنی، ضابطے کو بچانے کے لیے۔ حَضَارِ اور طَمَارِ کو بنو تمیم والے کیا پڑھتے ہیں؟ مبنی، اور سبب اس میں کتنے ہیں؟ دو ہیں، علمیت اور تانیث، اور دو سببوں سے تو لفظ غیر منصرف بنتا ہے مبنی تو نہیں بنتا، لہٰذا اس میں کوئی تیسرا سبب بھی ہونا چاہیے تاکہ یہ مبنی بن جائے بھائی۔ تو اس لیے انہوں نے اس میں عدل کا اعتبار کیا، اور پھر اسی پر حمل کرتے ہوئے بابِ قَطَامَ میں بھی کس کا اعتبار کیا؟ عدل کا اعتبار کیا۔ تو یہ معنیٰ ہے حَمْلًا لَهُ عَلَى ذَوَاتِ الرَّاءِ فِي الْأَعْلَامِ الْمُؤَنَّثَةِ ان کو محمول کرتے ہوئے وہ جو ذواتُ الراء ہیں را والے لفظ ہیں فِي الْأَعْلَامِ الْمُؤَنَّثَةِ کس کے اندر؟ اعلامِ مؤنثہ میں، اعلام جمع ہے علم کی، اعلامِ مؤنثہ میں، مِثْلُ حَضَارِ وَطَمَارِ جیسے کہ حَضَارِ اور طَمَارِ۔ حَضَارِ یہ کوئی ستارے کا نام ہے، اور طَمَارِ اسی طرح یہ کسی اونچی جگہ جو ہے اس کا نام وغیرہ ہے بھائی، کوئی شہر ہوگا اونچا ہوگا تو اس کا نام طَمَارِ۔ فَإِنَّهُمَا مَبْنِيَّتَانِ اس لیے کیونکہ یہ دونوں جو ہیں یہ مبنی ہیں، وَلَيْسَ فِيهِمَا إِلَّا سَبَبَانِ اور نہیں ہے ان دونوں میں مگر دو سبب، اور وہ دو سبب کیا ہیں؟ الْعَلَمِيَّةُ وَالتَّأْنِيثُ علمیت اور تانیث۔ بھائی دو سبب ہیں، وَالسَّبَبَانِ لَا يُوجِبَانِ الْبِنَاءَ اور دو سبب تو بناء کو واجب نہیں کرتے، دو سببوں کی وجہ سے تو کوئی لفظ مبنی نہیں بنتا، فَاعْتَبَرُوا فِيهِمَا الْعَدْلَ تو نحویوں نے اعتبار کیا ان دونوں میں عدل کا، کن دونوں میں؟ یعنی حَضَارِ اور طَمَارِ کے اندر، لِتَحْصِيلِ سَبَبِ الْبِنَاءِ تاکہ بناء کا سبب حاصل ہو جائے، تاکہ یہ ان کو کیا بنایا جا سکے؟ مبنی بھائی۔

فَلَمَّا اعْتَبَرُوا فِيهِمَا الْعَدْلَ لِتَحْصِيلِ سَبَبِ الْبِنَاءِ پس جب انہوں نے ان دونوں کے اندر عدل کا اعتبار کیا بناء کے سبب کو حاصل کرنے کے لیے، تو اعْتَبَرُوا فِيمَا عَدَاهُمَا تو ان کے علاوہ کے اندر بھی انہوں نے اعتبار کر لیا، مِمَّا جَعَلُوهُ مُعْرَبًا غَيْرَ مُنْصَرِفٍ أَيْضًا وہ جن کو انہوں نے معرب غیر منصرف قرار دیا ہے۔ بھائی حَضَارِ اور طَمَارِ تو مبنی ہیں، ان کے علاوہ جو بابِ قَطَامَ جن کو بنو تمیم والوں نے کیا بنایا ہے؟ معرب غیر منصرف، یعنی اس کو وہ کیا پڑھتے ہیں؟ معرب پڑھتے ہیں غیر منصرف، تو اس کے اندر بھی نحویوں نے عدل کا اعتبار کر لیا۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو کہتے ہیں: اعْتَبَرُوا فِيمَا عَدَاهُمَا تو حَضَارِ اور طَمَارِ کے علاوہ کے اندر بھی نحویوں نے عدل کا اعتبار کر لیا، بھائی کن کے اندر؟ کہتے ہیں مِمَّا جَعَلُوهُ مُعْرَبًا غَيْرَ مُنْصَرِفٍ أَيْضًا یعنی وہ جن کو بنو تمیم والوں نے معرب غیر منصرف بنایا ہے، اس کے اندر بھی نحویوں نے اعتبار کر لیا عدل کا، أَيْضًا یعنی ان کے اندر بھی اعتبار کر لیا نحویوں نے عدل کا، حَمْلًا عَلَى نَظَائِرِهِ ان کی نظیروں پر یعنی ان کے مثلوں پر محمول کرتے ہوئے، مَعَ عَدَمِ الِاحْتِيَاجِ إِلَيْهِ لِتَحَقُّقِ السَّبَبَيْنِ لِمَنْعِ الصَّرْفِ باوجود اس کے کہ قَطَامَ کے اندر عدل کی کوئی حاجت نہیں تھی کیونکہ اس کے اندر بھی دو سبب پہلے سے موجود تھے، کون کون سے؟ علمیت اور تانیث۔ تو یہ معنیٰ ہے کہ تو اس کو نظیروں پر حمل کرتے ہوئے اس میں عدل کا اعتبار کیا، مَعَ عَدَمِ الِاحْتِيَاجِ إِلَيْهِ باوجودیہ کہ یہ اس میں احتیاج نہیں تھی عدل کی، لِتَحَقُّقِ السَّبَبَيْنِ لِمَنْعِ الصَّرْفِ اس لیے کیونکہ منعِ صرف کے لیے دو سبب پائے جا رہے تھے، اور وہ کون کون سے تھے؟ الْعَلَمِيَّةِ وَالتَّأْنِيثِ علمیت اور تانیث بھائی۔ تو کہتے ہیں: فَاعْتِبَارُ الْعَدْلِ فِيهِ تو عدل کا جو اعتبار کیا گیا بابِ قَطَامَ کے اندر، إِنَّمَا هُوَ لِلْحَمْلِ عَلَى نَظَائِرِهِ وہ اس کو اپنی نظیروں پر محمول کرنے کے لیے ہے، اس لیے عدل کا اعتبار کیا گیا، لَا

لِتَحْصِيلِ سَبَبِ مَنْعِ الصَّرْفِ منعِ صرف کے سبب کو حاصل کرنے کے لیے نہیں، کیونکہ منعِ صرف تو اس میں پہلے سے ہی موجود تھی، دو سبب تو پہلے سے ہی موجود تھے۔

اچھا۔ بھائی یہاں عبارت آئی، یہ دیکھ لیجیے، کہتے ہیں وَلَيْسَ فِيهِمَا یہ ایک دو سطریں پہلے عبارت آئی تھی: وَلَيْسَ فِيهِمَا إِلَّا سَبَبَانِ الْعَلَمِيَّةُ وَالتَّأْنِيثُ، اور ان میں نہیں پائے جاتے مگر دو سبب، کون کون سے؟ علمیت اور تانیث۔ بھائی دیکھو میں نے آپ کو بتلایا تھا ایک چیز کو پہلے اجمالاً ذکر کیا جائے اور پھر آگے اس کی تفصیل ذکر کی جائے تو وہاں تین اعراب جائز ہوتے ہیں۔ یہاں پر بھی وَلَيْسَ فِيهِمَا إِلَّا سَبَبَانِ نہیں ہے ان دونوں میں مگر دو سبب، حَضَارِ اور طَمَارِ میں صرف دو سبب ہیں، اجمالاً بیان کر دیا کون سے دو سبب ہیں یہ بیان نہیں کیا، آگے پھر تفصیل کر دی وہ دو سبب کون سے ہیں؟ الْعَلَمِيَّةُ وَالتَّأْنِيثُ۔ تو یہاں یہ الْعَلَمِيَّةُ وَالتَّأْنِيثُ میں تینوں اعراب پڑھنا جائز ہیں؟ ہاں یہاں جر نہیں پڑھ سکتے۔ دیکھو کون سے تین اعراب؟ سَبَبَانِ سے ان کو بدل بناؤ، اور سَبَبَانِ مرفوع ہے، تثنیہ کا رفع کس کے ساتھ آتا ہے؟ الف کے ساتھ، تو یہ مرفوع ہے، تو الْعَلَمِيَّةُ وَالتَّأْنِيثُ ان کو بھی مرفوع پڑھو بدل بنا دو، سَبَبَانِ مبدل منہ اور الْعَلَمِيَّةُ وَالتَّأْنِيثُ بدل۔ یا ان کے لیے ابتدا نکال لو چاہے ایک ہی ابتدا دونوں کے لیے نکال لو: هُمَا الْعَلَمِيَّةُ وَالتَّأْنِيثُ، یا الگ الگ ابتدا نکال لو: أَحَدُهُمَا الْعَلَمِيَّةُ وَثَانِيهِمَا التَّأْنِيثُ۔ یا اس کو مفعول بناؤ أَعْنِي فعل کے لیے: أَعْنِي الْعَلَمِيَّةَ وَالتَّأْنِيثَ، وہ دو سبب کون سے ہیں؟ أَعْنِي میری مراد جو ہے الْعَلَمِيَّةَ وَالتَّأْنِيثَ۔ تو یہاں تین وجوہِ اعراب آگئیں: رفع، رفع کی دو وجہیں، یا تو رفع پڑھو گے بدل ہونے کی وجہ سے کیونکہ مبدل منہ پر پیچھے رفع ہے تو اس پر بھی کیا؟ رفع، اور یا رفع پڑھو گے خبر ہونے کی بنا پر۔ یا نصب پڑھو گے مفعولِ بہ ہونے کی بنا پر۔ جر یہاں نہیں پڑھ سکتے بھائی کیونکہ ماقبل میں اگر مبدل منہ مجرور ہوتا تو پھر جر بھی پڑھ سکتے تھے۔ اسی طرح آگے آئیے بھائی، ایک سطر بعد آیا: لِتَحَقُّقِ السَّبَبَيْنِ لِمَنْعِ الصَّرْفِ اس لیے کہ دو سببین پائے جا رہے ہیں منعِ صرف کے لیے، آگے آگیا الْعَلَمِيَّةِ وَالتَّأْنِيثِ یہ انہی یہ جو پیچھے دو سببین آئے انہی کا بیان ہے، تو اس میں بھی کتنے اعراب پڑھ سکتے ہیں؟ یہاں تینوں اعراب: رفع، نصب اور جر۔ اس علمیت اور تانیث کو بدل بناؤ کس سے؟ السَّبَبَيْنِ سے، اور وہ مجرور ہے مضاف الیہ ہے تو یہ بھی کیا پڑھو؟ مجرور۔ یا اس پر نصب پڑھو أَعْنِي کے لیے مفعول بناؤ۔ یا ان پر رفع پڑھو ان کو خبر بناؤ ابتدا محذوف کے لیے۔ یہاں تک بات سمجھ میں آگئی؟

معلوم ہوا ادھر دیکھیے حاصلِ کلام یہ کہ بَابُ قَطَامِ کے اندر جو عدل کا اعتبار کیا گیا وہ اس لیے نہیں اعتبار کیا گیا کہ اس کے بغیر کلمہ غیر منصرف ہی نہیں ہو رہا تھا، کلمہ تو پہلے سے ہی غیر منصرف تھا۔ یوں کہو وہاں جو عدل کا اعتبار کیا گیا وہ کلمے کے غیر منصرف ہونے کے لیے اعتبار نہیں کیا گیا بلکہ اپنی نظیروں پر حمل کرنے کے لیے کیا گیا ہے۔ چنانچہ بعض علماء فرماتے ہیں کہ صاحبِ کافیہ کو یہ عبارت ذکر نہیں کرنی چاہیے تھی وَبَابِ قَطَامِ فِي تَمِيمٍ، اور بابِ قَطَامِ جو ہے بنو تمیم کی لغت میں، یہ ذکر نہیں کرنا چاہیے تھا، کیوں؟ کیونکہ یہاں پر صاحبِ کافیہ وہ عدل بیان کر رہے ہیں جس کی وجہ سے کلمہ کیا بنتا ہے؟ غیر

منصرف بنتا ہے، اور بابِ قَطَامِ کے اندر جو عدل کا اعتبار کیا اس کی وجہ سے وہ غیر منصرف نہیں بن رہا وہ تو پہلے سے ہی غیر منصرف ہے، تو لہٰذا اس کو یہاں کا ذکر کرنے کی کوئی حاجت نہیں تھی۔ جبکہ بعض علماء فرماتے ہیں کہ بھائی جیسے ایک مسئلہ ذکر کرتے ہوئے بات سے بات نکلتی ہے اور اس مسئلے سے متعلق اور بھی کوئی چیزیں ساتھ ذکر کر دی جاتی ہیں، تو یہاں پر چونکہ عدلِ تقدیری کا ذکر آیا تھا اور عدلِ تقدیری جیسے عمر اور زفر میں ہوا ہے اسی طرح بابِ قَطَامِ میں بھی عدلِ تقدیری ہے تو اس مناسبت سے اس کو بھی یہاں ذکر کر دیا بھائی۔

دیکھیے بھائی کتاب پر، کہتے ہیں: وَلِهَذَا يُقَالُ اور اسی وجہ سے یہ کہا جاتا ہے کہ ذِكْرُ بَابِ قَطَامِ هَاهُنَا لَيْسَ فِي مَحَلِّهِ کہ بابِ قَطَامِ کا ذکر یہاں پر جو ہوا ہے یہ اپنے محل پر اپنے مقام پر نہیں ہے، لِأَنَّ الْكَلَامَ فِيمَا قُدِّرَ فِيهِ الْعَدْلُ لِتَحْصِيلِ سَبَبِ مَنْعِ الصَّرْفِ اس لیے کیونکہ کلام جو ہے ان کلموں کے بارے میں ہے کہ جن کے اندر عدل کو فرض کر لیا گیا لِتَحْصِيلِ سَبَبِ مَنْعِ الصَّرْفِ تاکہ منعِ صرف کا سبب حاصل ہو جائے، تاکہ منعِ صرف کا سبب حاصل ہو جائے ان کلموں کے بارے میں بات چل رہی ہے، جبکہ بابِ قَطَامِ اس میں سے نہیں ہے بھائی۔

وَإِنَّمَا قَالَ فِي تَمِيمٍ کہتے ہیں صاحبِ کافیہ نے کہا فِي تَمِيمٍ کہا، لِأَنَّ الْحِجَازِيِّينَ يَبْنُونَهُ اس لیے کیونکہ حجاز والے جو ہیں وہ اس کو مبنی بناتے ہیں، مبنی پڑھتے ہیں، یہ بابِ قَطَامِ جو ہے اس کو اہلِ حجاز کیا پڑھتے ہیں؟ مبنی، اسی لیے صاحبِ کافیہ نے فِي تَمِيمٍ کہا کہ بنو تمیم والے اس کو غیر منصرف پڑھتے ہیں، تو اہلِ حجاز یہ عرب کا بڑا علاقہ ہے بھائی اور یہ مکہ مدینہ اسی میں آتے ہیں، جیسے صوبہ ہوتا ہے نا صوبہ بڑا علاقہ، اسی طرح حجاز عرب کا ایک بڑا علاقہ وہ حجاز کہلاتا ہے اور یہ مکہ اور مدینہ اسی کے اندر آتے ہیں۔ تو بنو تمیم والے اس کو غیر منصرف پڑھتے ہیں بابِ قَطَامِ کو اور اہلِ حجاز اس کو مبنی پڑھتے ہیں، جب مبنی پڑھتے ہیں پھر تو وہ ہماری بحث سے ہی خارج ہو جاتا ہے بھائی۔ تو کہتے ہیں: لِأَنَّ الْحِجَازِيِّينَ يَبْنُونَهُ اس لیے کیونکہ اہلِ حجاز جو ہیں وہ اس کو مبنی بناتے ہیں مبنی پڑھتے ہیں، فَلَا يَكُونُ مِمَّا نَحْنُ فِيهِ تو اس صورت میں یہ اس بحث میں سے نہیں ہے جس میں ہم ہیں، ہم تو معرب کی بحث پڑھ رہے ہیں، اگر ان کے مذہب کو لیا جائے پھر تو یہ مبنی ہے یہ ہماری بحث سے ہی خارج ہے۔

وَالْمُرَادُ مِنْ بَنِي تَمِيمٍ ہاں یہاں سے یہ بتائیں گے کہ بنو تمیم سے بھی سارے بنو تمیم والے نہیں مراد اکثر مراد ہیں، اکثر مراد ہیں۔ کہتے ہیں: وَالْمُرَادُ مِنْ بَنِي تَمِيمٍ أَكْثَرُهُمْ اور بنو تمیم سے مراد جو ہیں ان کے اکثر ہیں، فَإِنَّ الْأَقَلِّينَ مِنْهُمْ اس لیے کیونکہ ان میں سے تھوڑے سے جو ہیں لَمْ يَجْعَلُوا ذَوَاتِ الرَّاءِ مَبْنِيَّةً وہ ذواتِ را کو مبنی نہیں بناتے۔ اکثر تو ذواتِ را کو کیا بناتے ہیں؟ مبنی بناتے ہیں، لیکن تھوڑے سے ہیں وہ ذواتِ را کو مبنی نہیں بناتے، وہ ذواتِ را کو غیر منصرف پڑھتے ہیں، توجہ سے سنو بھائی، تھوڑے سے وہ ذواتُ الراء یعنی حَضَارِ اور طَمَارِ اس کو وہ مبنی نہیں پڑھتے بلکہ کیا پڑھتے ہیں؟ غیر منصرف۔ اور پھر تو ضابطے کے مطابق ہیں بھائی، کیونکہ ان کے اندر دو ہی تو سبب ہیں: علمیت اور تانیث، تو ہونا بھی کیا چاہیے؟ غیر منصرف۔ ہمیں عدل کا اعتبار کیوں کرنا پڑا؟ کیونکہ اکثر اس کو مبنی پڑھتے ہیں تو اس کے لیے تیسرا سبب چاہیے، تو اگر جو وہ

تھوڑے سے ہیں وہ اس کو غیر منصرف پڑھتے ہیں پھر تو عدل ماننے کی کوئی حاجت ہی نہیں ہے بھائی۔ فَإِنَّ الْأَقَلِّينَ مِنْهُمْ لَمْ يَجْعَلُوا ذَوَاتِ الرَّاءِ مَبْنِيَّةً اس لیے کیونکہ ان میں سے تھوڑے جو ہیں انہوں نے ذواتُ الراء جو نام ہیں ان کو مبنی نہیں بنایا، بَلْ جَعَلُوهَا غَيْرَ مُنْصَرِفَةٍ بلکہ انہوں نے ان کو غیر منصرف بنایا ہے، فَلَا حَاجَةَ إِلَى اعْتِبَارِ الْعَدْلِ فِيهَا لہٰذا اس میں عدل کا اعتبار کرنے کی کوئی حاجت نہیں ہے، لِتَحْصِيلِ سَبَبِ الْبِنَاءِ تاکہ بناء کا سبب حاصل ہو جائے، وَحَمْلِ مَا عَدَاهَا عَلَيْهَا اور تاکہ حمل کیا جائے اس کے علاوہ کا اس پر۔ بات سمجھ میں آ رہی ہے؟ کیا کہنا چاہتے ہیں؟ کہنا یہ چاہتے ہیں کہ تھوڑے سے جو ہیں وہ حَضَارِ اور طَمَارِ کو مبنی نہیں پڑھتے، وہ کیا پڑھتے ہیں؟ غیر منصرف۔ جب غیر منصرف پڑھتے ہیں تو اب اس میں مبنی بنانے کے لیے کسی تیسرے سبب کا اعتبار کرنے کی ضرورت ہے؟ اب تو مبنی وہ پڑھتے ہی نہیں ہیں، تو مبنی بنانے کے لیے تیسرے سبب کا اعتبار کرنے کی بھی کوئی ضرورت نہیں، اور اس کی نظیروں پر حمل کرنے کی بھی ضرورت نہیں کیونکہ اس کے اندر عدل ہے ہی نہیں۔ یہ معنیٰ ہے فَلَا حَاجَةَ إِلَى اعْتِبَارِ الْعَدْلِ فِيهَا تو ان کے اندر پھر عدل کا اعتبار کرنے کی حاجت نہیں، لِتَحْصِيلِ سَبَبِ الْبِنَاءِ وَحَمْلِ مَا عَدَاهَا عَلَيْهَا تاکہ بناء کا سبب حاصل ہو جائے اور تاکہ اس کے علاوہ کو اس پر محمول کر لیا جائے، اس کی یہاں ضرورت ہی نہیں ہے بھائی۔

اور یہاں یہ یاد رکھنا بھائی یہ جو ذَوَاتِ لفظ آیا، یہ ایک سطر قبل: فَإِنَّ الْأَقَلِّينَ مِنْهُمْ لَمْ يَجْعَلُوا ذَوَاتِ الرَّاءِ مَبْنِيَّةً کیونکہ بنو تمیم میں سے جو تھوڑے سے ہیں انہوں نے ذواتُ الراء کو مبنی نہیں بنایا، یعنی وہ ذواتُ الراء کو مبنی نہیں پڑھتے بلکہ غیر منصرف پڑھتے ہیں۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو یہ عبارت پر نظر ہے: فَإِنَّ الْأَقَلِّينَ مِنْهُمْ لَمْ يَجْعَلُوا ذَوَاتِ الرَّاءِ مَبْنِيَّةً۔ دیکھو بتلانا میں یہ چاہتا ہوں کہ یہ ذَوَاتِ لفظ جو آیا اس کو جمع مؤنث سالم نہ سمجھنا، یہ جمع مؤنث سالم نہیں ہے یہ ذَاتٌ کی جمع ہے، کس کی جمع؟ ذَاتٌ کی جمع ہے، تو یہ تا اس کی اپنی ہے، تو یہ ذَاتٌ کی جمع کیا آئی؟ ذَوَاتٌ، تو یہ جمع مؤنث سالم نہیں۔ اور جمع مؤنث سالم ہو تو اس کا رفع کس کے ساتھ آتا ہے؟ ضمہ کے ساتھ، اور نصب اور جر دونوں کس کے ساتھ آتے ہیں؟ کسرہ کے ساتھ۔ جمع مؤنث سالم میں نصب کی صورت میں فتحہ نہیں آتا، کسرہ ہی آتا ہے، لیکن یہاں ہم نے کیا پڑھا؟ فَإِنَّ الْأَقَلِّينَ مِنْهُمْ لَمْ يَجْعَلُوا ذَوَاتَ الرَّاءِ، دیکھو فتحہ پڑھا بھائی۔ یہ منصوب ہے اور نصب کی حالت میں فتحہ پڑھ رہے ہیں، اگر یہ جمع مؤنث سالم ہوتا تو پھر تو کیا پڑھنی چاہیے تھی؟ کسرہ پڑھنا چاہیے تھا لَمْ يَجْعَلُوا ذَوَاتِ الرَّاءِ ہونا چاہیے تھا، لیکن ذَوَاتِ الرَّاءِ آپ نے نہیں پڑھنا کیونکہ یہ جمع مؤنث سالم نہیں ہے، یہ تا اس کی اپنی ہے بھائی، ذَاتٌ دیکھو ذَال الف تا، اسی کی جمع کیا آگئی؟ ذَوَاتٌ، تو یہ تا اصلی ہے یہ جمع مؤنث سالم والی تا نہیں ہے بھائی۔

تو یہ بابِ قَطَامَ کی بحث کا خلاصہ سن لیجیے مختصر لفظوں میں، اگر بات پوری طرح واضح نہیں ہوئی تھی تو اب مختصر لفظوں میں ان شاء اللہ پوری بحث آپ کو سمجھ میں آجائے گی۔ یاد رکھیے یہ فَعَالِ وزن چار چیزوں میں آتا ہے، پورے کلامِ عرب میں یہ چار چیزوں میں فَعَالِ وزن آتا ہے: یا تو یہ کبھی آئے گا اسمِ فعل کے اندر جیسے نَزَالِ بمعنی اِنْزِلْ، اور یا کبھی یہ

آئے گا علمِ مصدر کے طور پر جیسے فَجَارِ بمعنی الْفُجُورِ کے، یا یہ آئے گا وصف کے طور پر جیسے یَا فَسَاقِ بمعنی فَاسِقَةٌ، اور کبھی یہ علم ہوگا اعیانِ مؤنثہ کے لیے۔ پھر یہ جو علم ہے اعیانِ مؤنثہ کے لیے یہ پھر دو حال ہیں اس کے اندر: کبھی اس کے آخر میں را آئے گی اور کبھی اس کے آخر میں را نہیں آئے گی۔ پھر دہرائیے بھائی، یہ وزن کتنی چیزوں میں آتا ہے؟ چار چیزوں میں: یا تو یہ آئے گا کس میں؟ اسمِ فعل کے اندر جیسے نَزَالِ بمعنی اِنْزِلْ، یا یہ آئے گا علمِ مصدر کے طور پر جیسے فَجَارِ بمعنی الْفُجُورِ، یا یہ آئے گا وصف کے طور پر جیسے فَسَاقِ بمعنی فَاسِقَةٌ، اور یا یہ علم ہوگا اعیانِ مؤنثہ کے لیے۔ اور پھر یہ جو علم ہے اعیانِ مؤنثہ کے لیے اس میں دو صورتیں ہیں: کبھی اس کے آخر میں را ہوگی کبھی آخر میں را نہیں ہوگی۔ کبھی آخر میں را ہوگی جیسے حَضَارِ اور طَمَارِ، اور کبھی را نہیں ہوگی جیسے قَطَامَ۔ گویا کل پانچ قسمیں ہوگئیں، پانچ قسمیں ہوگئیں۔ اہلِ حجاز ان پانچوں کو مبنی پڑھتے ہیں، اہلِ حجاز ان پانچوں کو مبنی پڑھتے ہیں تو پھر تو یہ ہماری بحث سے ہی خارج ہیں: نَزَالِ یہ بھی مبنی علی الکسر، فَجَارِ یہ بھی مبنی علی الکسر، فَسَاقِ یہ بھی مبنی علی الکسر، قَطَامِ یہ بھی مبنی علی الکسر اہلِ حجاز والے قَطَامِ کو بھی مبنی علی الکسر مبنی پڑھتے ہیں، اور حَضَارِ بھی مبنی علی الکسر۔ تو اہلِ حجاز تو ان پانچوں کو مبنی علی الکسرہ پڑھتے ہیں، تو ان کے نزدیک تو یہ ہماری بحث سے ہی خارج کیونکہ ہم تو معرب کی بحث پڑھ رہے ہیں اور معرب کے اندر غیر منصرف کا باب چل رہا ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ البتہ بنو تمیم والے ان پانچ میں سے صرف یہ جو بابِ قَطَامَ ہے کہ جو علم ہے اور علم بھی کس کے لیے؟ اعیانِ مؤنث کے لیے، اور جس کے آخر میں را نہ آتی ہو، اس کو وہ غیر منصرف پڑھتے ہیں۔ باقی چاروں کو وہ بھی مبنی پڑھتے ہیں: نَزَالِ اسمِ فعل ہے اس کو بھی مبنی پڑھتے ہیں، علمِ مصدر ہے فَجَارِ اس کو بھی مبنی پڑھتے ہیں، وصف ہے یَا فَسَاقِ اس کو بھی مبنی پڑھتے ہیں، اور اسی طرح حَضَارِ اور طَمَارِ جو علم ہے اعیانِ مؤنثہ کا اور آخر میں را ہے اس کو بھی یہ مبنی پڑھتے ہیں۔ صرف یہ قَطَامَ جو ہے یہ باب جو ہے یعنی جو علم بھی ہے اعیانِ مؤنثہ کے لیے اور آخر میں را نہیں ہے، اس کو بنو تمیم والے غیر منصرف پڑھتے ہیں۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو اب صرف یہ ایک رہ گیا غیر منصرف، اسی لیے صاحبِ کافیہ نے فرمایا: وَبَابِ قَطَامَ فِي تَمِيمٍ کہ قَطَامَ کا جو باب ہے بنو تمیم کی لغت کے اندر بھائی۔ تو اہلِ حجاز ساروں کو پڑھتے ہیں مبنی، اور بنو تمیم وہ بھی ساروں کو مبنی پڑھتے ہیں سوائے کس کے؟ بابِ قَطَامَ کے۔ اور بابِ قَطَامَ کے اندر جو ہے عدلِ تقدیری ہے۔ اس کے اندر عدلِ تقدیری کیوں ہے؟ وجہ یہ کہ یہ محمول ہے اپنی نظیروں پر۔ اس کی نظیریں کیا ہیں؟ حَضَارِ اور طَمَارِ۔ جیسے وہ فَعَالِ وزن پر ہیں، یہ قَطَامَ بھی فَعَالِ وزن پر، جیسے وہ علم اعیانِ مؤنثہ کے لیے حَضَارِ اور طَمَارِ، اسی طرح قَطَامَ بھی علم ہے اعیانِ مؤنثہ کے لیے۔ تو جب نحوی حضرات نے حَضَارِ اور طَمَارِ کے اندر عدل کا اعتبار کیا تو پھر انہوں نے قَطَامَ کے اندر بھی عدل کا اعتبار کیا اپنی نظیروں پر محمول کرتے ہوئے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ کہ جب عدل کا اعتبار کیا ہے اس فَعَالِ میں جو علم ہے اعیانِ مؤنثہ کے لیے، تو پھر ساروں کے اندر عدل کا اعتبار کر لیا چاہے وہ ذواتُ

الراء ہوں چاہے ذواتُ الراء نہ ہوں بھائی۔ بات سمجھ میں آگئی؟

تو حاصل یہ ہوا کہ قَطَامَ کے اندر جو عدل کا اعتبار کیا نحوی حضرات نے وہ اس کو غیر منصرف بنانے کے لیے نہیں ہے، غیرِ انصراف کے دو سبب تو اس میں پہلے سے ہی موجود تھے، یہ اس میں علمیت بھی ہے اور نیز یہ مؤنث ذات کا نام ہے تو تانیثِ معنوی بھی اس کے اندر موجود ہے، اس میں عدل کا اعتبار صرف کس لیے کرنا پڑا؟ اپنی نظیروں پر محمول کرنے کے لیے، کہ اس کی نظیریں جو حَضَارِ اور طَمَارِ تھیں ان کے اندر عدل کو فرض کیا تو اس کے اندر بھی عدل کو فرض کر لیا۔ تو یہاں پر قَطَامَ میں جو عدل کو فرض کیا گیا وہ اس کو غیر منصرف بنانے کے لیے نہیں ہے بلکہ صرف اپنی نظیروں پر محمول کرنے کے لیے ہے۔ چنانچہ اسی لیے بعض شارحین بعض علماء فرماتے ہیں کہ صاحبِ کافیہ نے یہاں پر جو بابِ قَطَامَ کو ذکر کیا یہ اپنے محل میں نہیں ہے، اس کو یہاں ذکر نہیں کرنا چاہیے تھا، اس لیے کیونکہ یہاں پر وہ عدل ذکر ہو رہا ہے جو غیرِ انصراف کا سبب بنتا ہے، اور قَطَامَ کے اندر جو عدل فرض کیا گیا ہے وہ غیرِ انصراف کا سبب نہیں بن رہا، قَطَامَ تو پہلے سے ہی غیر منصرف ہے دو سبب تو اس میں پہلے سے ہی موجود ہیں، لہٰذا صاحبِ کافیہ کو یہاں بابِ قَطَامَ کو ذکر نہیں کرنا چاہیے تھا۔ بات سمجھ میں آگئی؟

والد صاحب رحمہ اللہ یہاں جامی پر حاشیے میں لکھتے ہیں کہ حَضَارِ اور طَمَارِ کے اندر علمائے نحو کو تیسرے سبب کا اعتبار کرنا پڑا تاکہ اس کے مبنی ہونے کی وجہ بیان کی جا سکے کہ مبنی کیوں ہے؟ کیونکہ اس کے اندر تین سبب ہیں: دو سبب ہوں تو کلمہ غیر منصرف بنتا ہے، تین ہوں تو کلمہ مبنی بن جاتا ہے۔ تو انہوں نے حَضَارِ اور طَمَارِ کے اندر عدل کا اعتبار کیا تاکہ وجہ بتلا دیں کہ یہ مبنی کیوں ہے، عرب اس کو مبنی کیوں استعمال کرتے ہیں؟ کہ اس کے اندر تین اسباب ہیں۔ تو فرماتے ہیں لیکن یہ ضابطہ ٹوٹ جاتا ہے آذربائیجان سے۔ آذربائیجان یہ شہر ہے بھائی یہ کوئی افغانستان کے اس طرف روس کے علاقے میں، اور یہ آذربائیجان یاد رکھو یہ غیر منصرف استعمال ہوتا ہے، غیر منصرف، حالانکہ اس کے اندر چار سبب جمع ہو رہے ہیں: علمیت بھی ہے اس کے اندر، تانیث بھی ہے، یاد رکھو شہروں کے نام جو ہیں وہ عربی زبان میں مؤنث استعمال ہوتے ہیں، بَلْدَۃٌ کی تاویل میں، کس تاویل میں؟ بَلْدَۃٌ اور بَلْدَۃٌ کے آخر میں کیا ہے؟ گول تا ہے، تو ہر شہر کا نام مؤنث شمار ہوتا ہے، تو آذربائیجان کے اندر ایک تو علمیت ہے یہ نام ہے شہر کا، دوسرا یہ اس کے اندر تانیث ہے کہ یہ بَلْدَۃٌ ہے بھائی، اور نیز یہ عجمی نام ہے تو عجمہ بھی آگیا تین سبب ہوگئے، اور الف نون مزیدتان بھی ہیں اس کے اندر تو کتنے سبب ہوگئے؟ چار سبب ہوگئے، تو اصول کے مطابق اس کو کیا ہونا چاہیے تھا؟ مبنی ہونا چاہیے تھا، لیکن یہ غیر منصرف استعمال ہوتا ہے۔ تو نحویوں کا یہ ضابطہ بھی ٹوٹ جاتا ہے کہ تین سبب ہوں تو کلمہ مبنی بن جاتا ہے، آذربائیجان میں چار سبب ہیں لیکن پھر بھی وہ غیر منصرف ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟

بھائی عدل کی بحث مکمل ہوئی بھائی۔ آگے وصف کا ذکر آرہا ہے وہ ان شاء اللہ ہم اگلے سبق میں پڑھیں گے۔ یہاں

عدل کے بارے میں دو تین چھوٹی چھوٹی باتیں ضرور یاد رکھیے بھائی۔ یاد رکھو عدل جو ہے اس کے چھ اوزان ہیں بھائی۔ علماء نے تلاش کیا کہ کون کون سے اوزان ہیں جن میں عدل ہوا ہے؟ تو وہ چھ اوزان ہیں، چھ اوزان۔ وہ چھ اوزان کون سے ہیں؟ مَفْعَل، فُعَال فا پر ضمہ ہے، فُعَال، اور اسی طرح فا پر فتحہ بھی ہے فَعَال، اور اسی طرح فِعْل فا کے نیچے زیر ہے اور عین ساکن ہے فِعْل، اور اسی طرح فَعَل فا اور عین دونوں پر فتحہ ہے، اور ایک ہے فُعَل جیسے کہ عُمَرُ بھائی فا پر ضمہ ہے۔ تو عدل کے کتنے اوزان ہیں؟ چھ اوزان ہیں بھائی: مَفْعَل، فَعَال، فُعَال، فِعْل، فَعَل اور فُعَل، یاد کر لیں بھائی۔ پھر دہرائیں، کون سے چھ اوزان؟ مَفْعَل، فَعَال، فُعَال، فِعْل، فَعَل اور فُعَل بھائی۔ تو یہ چھ اوزان ہیں اور یاد رکھنا یہ جو عدل ہے یہ وزنِ فعل کے ساتھ کبھی بھی جمع نہیں ہوتا۔ یہ عدل جو ہے وزنِ فعل کے ساتھ کبھی بھی جمع نہیں ہوتا، اس لیے کیونکہ عدل کے اوزان الگ ہیں اور فعل کے اوزان الگ۔ یہ جو چھ وزن ہیں عدل کے دیکھو کون کون سے: پہلا کیا ہے؟ مَفْعَل، دیکھو مَفْعَل یہ وزن کبھی فعل میں نہیں آتا۔ دوسرا کیا ہے؟ فَعَال، فَعَال وزن بھی آپ نے فعل میں کہیں نہیں پڑھا۔ تیسرا ہے فُعَال، فُعَال یہ بھی فعل میں آپ نے کبھی نہیں پڑھا۔ اگلا ہے فِعْل وزن فا کے کسرہ کے ساتھ اور عین کے سکون کے ساتھ، یہ وزن بھی فعل کے اندر آپ نے کبھی نہیں پڑھا۔ ایک فَعَل، فَعَل وزن البتہ ہے فعل کے اندر، فَعَل جیسے ضَرَبَ، فَعَلَ ضَرَبَ، دیکھا؟ تو فَعَل وزن جو ہے وہ فعل کے اندر ہے، لیکن یاد رکھو یہ اوزانِ فعل میں سے یہ والا وزن جو ہے فَعَل وزن یہ معتبر نہیں، یہ غیرِ انصراف کا سبب نہیں بنتا۔ توجہ ہے؟ بھائی آگے اوزانِ فعل کی بحث آئے گی، اوزانِ فعل غیرِ انصراف کا سبب بنتے ہیں، تو صاحبِ جامی آپ کو بتلائیں گے کہ یہ جو فعلِ معروف ہے یعنی فَعَل وزن، یہ والا وزنِ فعل غیرِ انصراف کا سبب نہیں بنتا۔ فُعِل، فُعِل وزن جو ہے ضُرِبَ، ضُرِبَ وزن جو ہے فُعِل، یہ تو غیرِ انصراف کا سبب بنتا ہے، لیکن فَعَل وزن جو ہے غیرِ انصراف کا سبب نہیں بنتا۔ اور اگلا وزن ہے جی فُعَل بھائی عُمَرُ بھائی، دیکھو یہ وزن بھی فعل کے اندر نہیں۔ تو دیکھو عدل کے چھ اوزان آپ کے سامنے میں نے ذکر کیے، کون کون سے؟ مَفْعَل، فَعَال، فُعَال، فِعْل، فَعَل اور فُعَل۔ ان میں سے صرف ایک فَعَل وزن ہے جو فعل والا ہے، لیکن اوزانِ فعل میں سے یہ فَعَل وزن یہ غیرِ انصراف کا سبب بنتا ہی نہیں یعنی یہ وزنِ فعل معتبر ہی نہیں۔ تو معلوم ہوا وہ اوزانِ فعل جو غیرِ انصراف کا سبب بنتے ہیں وہ اور ہیں اور عدل کے اوزان اور ہیں، تو یہ کبھی بھی جمع نہیں ہوتے۔ ایک ہی اسم کے اندر وزنِ فعل بھی آجائے اور عدل بھی آجائے اور دونوں غیرِ انصراف کا سبب بنیں، ایسا کبھی بھی نہیں ہو سکتا کیونکہ عدل کے اوزان اور ہیں اور فعل کے اوزان اور ہیں بھائی۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو یہ چھ ہیں عدل کے اوزان بھائی، ان کے علاوہ اور کہیں آپ کو عدل نہیں ملے گا۔ اور یہ جو ہم نے مثالیں کیں دیکھو انہی میں سے کوئی نہ کوئی ایک مثال تھی۔ أُخَرُ، جُمَعَ، عُمَرَ، زُفَرَ سب کس وزن پر ہیں؟ فُعَل وزن پر۔ ثُلَاثَ کس وزن پر ہے؟ فُعَال وزن پر ہے۔ مَثْلَثَ کس وزن پر ہے؟ مَفْعَل وزن پر ہے۔ تو یہی چھ اوزان ہیں۔ اور ان میں سے ایک وزن بھی فعل کا نہیں، عدل کے اوزان الگ اور وزنِ فعل کے اوزان الگ۔ جب وزن الگ الگ ہیں تو ایک وقت میں ایک

وزن آسکتا ہے، دونوں آہی نہیں سکتے۔ تو لہٰذا عدل کبھی بھی وزنِ فعل کے ساتھ جمع نہیں ہوگا۔ اور وصفیت اور علمیت کے ساتھ یہ جمع ہو جاتے ہیں۔ یہ جو ابھی تک آپ نے مثالیں پڑھیں: عُمَرَ اور زُفَرَ میں ایک سبب کیا تھا؟ علم تھا اور دوسرا سبب عدل تھا۔ اور ثُلَاثَ مَثْلَثَ اور أُخَرَ جُمَعَ ان کے اندر ایک سبب کیا تھا؟ عدل تھا اور دوسرا وصف تھا۔ اور بَابُ قَطَامِ، قَطَامَ کے اندر ایک سبب علم تھا اور دوسرا عدل بھی ہے اور تانیث بھی ہے۔ تو معلوم ہوا یہ جو عدل ہے یہ وزنِ فعل کے ساتھ جمع نہیں ہوتا، البتہ علمیت اور وصف تانیث وغیرہ کے ساتھ یہ جمع ہو جاتا ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ چلیے بس بھائی، هَذَا هُوَ الْمَرَامُ وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْكَلَامِ۔

سبق نمبر ٦١: اسبابِ منعِ صرف (٥): «اَلْوَصْفُ» کی تعریف اور وصفِ اصلی کی شرط

شرحِ ملا جامی صفحہ: ۴۲ — بتاریخ: ۱ ستمبر ۲۰۲۱ء

▪ تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث

آگے دیکھیے سبق بھائی۔ اَلْوَصْفُ وَهُوَ كَوْنُ الِاسْمِ دَالًّا عَلَى ذَاتٍ مُبْهَمَةٍ مَأْخُوذَةٍ مَعَ بَعْضِ صِفَاتِهَا سَوَاءٌ كَانَتْ هَذِهِ الدَّلَالَةُ بِحَسَبِ الْوَضْعِ مِثْلُ أَحْمَرَ فَإِنَّهُ مَوْضُوعٌ لِذَاتٍ مَا أُخِذَتْ مَعَ بَعْضِ صِفَاتِهَا الَّتِي هِيَ الْحُمْرَةُ.

بھائی اسبابِ منع صرف چل رہے ہیں اور صاحبِ کافیہ نے آپ کو بتلایا کہ اسبابِ منع صرف نو ہیں اور ان میں سے دو سبب کسی کلمے کے اندر آجائیں گے تو وہ کلمہ غیر منصرف بن جائے گا، یا کوئی ایک ان میں سے جو دو کے قائم مقام ہو وہ جب کلمے میں آجائے گا تو وہ کلمہ غیر منصرف بن جائے گا بھائی۔ اور وہ اسباب جو دو کے قائم مقام ہیں وہ دو ہیں بھائی۔ ایک ہے جمع اور تانیث کے دو الف بھائی۔ جمع یعنی منتہی الجموع کا جو صیغہ ہے یہ بھی دو سببوں کے قائم مقام، اور اسی طرح یہ جو تانیث کے دو الف ہیں، ایک الفِ مقصورہ اور ایک الفِ ممدودہ، تو یہ جو ہیں یہ بھی دو سببوں کے قائم مقام ہیں۔ جب تانیث کا الف کسی کلمے میں آجائے تو پھر کوئی دوسرا سبب دیکھنے کی ضرورت نہیں، یہی دو سببوں کے قائم مقام ہیں۔

اور پھر گزشتہ سبق میں ہم عدل کے بارے میں پڑھ رہے تھے کہ عدل جو ہے ایک اسم کا نکلنا اپنے صیغۂ اصلیہ سے بھائی، صیغۂ اصلیہ سے۔ اور پھر یہ دو قسم پر ہے: تَحْقِيقًا او تَقْدِيرًا بھائی۔ تَحْقِيقًا وہ عدل جس کے اندر اس کی اصل محقق ہو یعنی اصل پر کوئی دلیل موجود ہو۔ اور تَقْدِيرًا وہ ہے کہ جس کے اندر جو اصل ہے وہ محقق نہیں بلکہ فرض کر لی گئی ہے، اس پر غیر انصراف کے علاوہ اور کوئی دلیل موجود نہیں۔

اور گزشتہ سبق میں ہم نے پڑھا تھا کہ جموعِ شاذہ کا اشکال عدل پر نہیں ہو سکتا۔ اس لیے کیونکہ جموعِ شاذہ جو ہیں جیسے أَقْوُس اور أَنْيُب، یہ جمع ہیں قَوْس اور نَاب کی اور ان کو ابتداءً ہی خِلَافُ الْقِيَاس جو ہے أَقْوُس اور أَنْيُب جمع بنا لیا گیا۔ ایسا نہیں ہوا کہ پہلے ان کی جمع ضابطے کے مطابق أَقْوَاس اور أَنْيَاب بنائی گئی ہو اور پھر أَقْوُس اور أَنْيُب بنایا گیا ہو۔ اس لیے

کیونکہ اگر پہلے ضابطے کے مطابق ان کی جمع بنائی جاتی، پھر تو ان کو شاذ کہنے کی کوئی وجہ ہی نہیں تھی بھائی، کیونکہ ان کی جمع ضابطے کے مطابق تھی۔

توجہ ہے؟ بھائی دیکھیے پھر سنو۔ جُمَع جو ہے، اس کو کوئی بھی شاذ نہیں کہتا۔ نحوی حضرات فرماتے ہیں کہ یہاں جُمَع جو ہے یہ جمع ہے جَمْعَاء کی، لیکن پہلے یہ جمع قاعدے کے مطابق بنائی گئی یعنی جُمْعٌ یا جَمْعَاء یا جَمْعَاوَات بنائی گئی اور پھر اس سے پھیر کر کیا بنا لیا گیا؟ جُمَع بنا لیا گیا، تو اس کو کوئی بھی شاذ نہیں کہتا۔ تو یہ جو جموعِ شاذہ ہیں، اگر ان میں بھی یہ مان لیا جائے کہ پہلے ان کی جمع أَقْوَاس اور أَنْيَاب بنائی گئی، پھر اس سے پھیر کر أَقْوُس اور أَنْيُب بنایا گیا، تو پھر تو ان کو بھی شاذ نہیں کہنا چاہیے۔ معلوم ہوا ان کو أَقْوَاس اور أَنْيَاب سے نہیں پھیرا گیا بلکہ براہِ راست ابتداءً ہی کیا جمع بنا لی گئی؟ أَقْوُس اور أَنْيُب بنا لی گئی۔

اور پھر آپ یہ بھی نہیں کہہ سکتے— کسی کے ذہن میں آئے گا کہ نہیں بھائی ہو سکتا ہے بنی تو یہ أَقْوَاس اور أَنْيَاب سے ہی ہیں، لیکن أَقْوَاس اور أَنْيَاب سے جب اس میں عدل کیا گیا تو ہو سکتا ہے عدل کے کسی ضابطے کی خلاف ورزی ہو گئی ہو، اس وجہ سے ان کو شاذ کہہ دیا گیا ہو۔ جُمَع جو ہے اس میں بھی عدل، اور أَقْوُس اور أَنْيُب میں بھی فرض کرو کیا ہے؟ عدل ہے۔ لیکن وہ تھا ضابطے کے مطابق، وہ عدل کے ضابطے کے مطابق جُمَع بنا اس لیے اس کو شاذ نہیں کہا گیا، لیکن ہو سکتا ہے یہ أَقْوُس اور أَنْيُب اس میں عدل کے ضابطے کی خلاف ورزی ہوئی ہو، اس لیے ان کو جموعِ شاذہ کہا گیا ہو۔ تو اس کا بھی بتلایا کہ نہیں بھائی کوئی ضابطہ بھی نہیں ہے۔ کوئی ضابطہ بھی نہیں ہے عدل کا کہ جس کے خلاف ہونے کی وجہ سے ان کو شاذہ کہا گیا ہو۔ تو لہٰذا معلوم ہوا کہ ان کی جمع اولاً پہلے أَقْوَاس اور أَنْيَاب نہیں بنائی گئی بلکہ براہِ راست أَقْوُس اور أَنْيُب بنائی گئی۔ اگر آپ یہ تسلیم نہیں کرتے تو پھر ان کو جموعِ شاذہ کیوں کہا جاتا ہے؟ اس کی کوئی وجہ ہی نہیں بنتی بھائی۔ اگر پہلے أَقْوَاس اور أَنْيَاب بنایا گیا ہو اور پھر أَقْوُس اور أَنْيُب بنایا گیا ہو، پھر تو اس کو شاذ کہنا بنتا ہی نہیں ہے، ان کو شاذ کہنا ہی نہیں چاہیے بھائی۔ بات سمجھ میں آگئی۔

اس کے بعد تَقْدِيرًا کا لفظ آیا تھا۔ میں نے بتلایا تھا کہ یہ تَقْدِيرًا یہ بھی مفعولِ مطلق ہے باعتبارِ موصوفِ محذوف کے، أَيْ خُرُوجًا تَقْدِيرًا۔ اور پھر یہ تَقْدِيرًا جو ہے اس کا حمل ہو رہا ہے خروجِ ذات پر، لہٰذا یہ مُقَدَّر کے معنی میں، اسمِ مفعول کے معنی میں لے لیں گے، أَيْ خُرُوجًا مُقَدَّرًا۔ اور پھر اس کو صفت بِحَالِهِ نہیں بنائیں گے بلکہ صفت بِحَالِ مُتَعَلِّقِهِ بنائیں گے، أَيْ خُرُوجًا مُحَقَّقًا أَصْلُهُ۔ وہ خروج نہیں محقق، بلکہ اس خروج کی اصل جو ہے وہ محقق ہے بھائی۔

اور پھر میں نے آپ کو یہ بھی بتلایا تھا کہ یہاں ایک اشکال ہوتا ہے تَحْقِيقًا اور تَقْدِيرًا پر کہ خُرُوج یہ صاحبِ جامی کے نزدیک مُقَدَّر ہے۔ تو اس کی تقسیم کر دی کس کی طرف؟ تَحْقِيقًا اور تَقْدِيرًا کی طرف۔ بھائی خروج خود تَقْدِيرًا ہے تو پھر

اس کی تقسیم تَحْقِیقًا کی طرف کیسے کی جا سکتی ہے؟ تو یہ تو تَقْسِیمُ الشَّیْءِ إِلَی نَفْسِهِ وَإِلَی غَیْرِهِ لازم آیا بھائی۔ خروج تَقْدِیرًا ہے تو پھر اس کی قسم تَحْقِیقًا کیسے بن سکتی ہے؟ تو اس میں کیا خرابی لازم آئی؟ تَقْسِیمُ الشَّیْءِ إِلَی نَفْسِهِ وَإِلَی غَیْرِهِ لازم آئی۔ تو اس کا بھی جواب ہو گیا بھائی کہ یہ خروج جو ہے وہ تحقیقی اور تقدیری نہیں ہے بلکہ اس کی اصل جو ہے وہ تحقیقی اور تقدیری ہو گی۔ خروج تو ہر حال میں تقدیری ہی ہے بھائی۔

اس کے بعد عُمَر کے بارے میں بتلایا تھا کہ عُمَر اور زُفَر جو ہیں ان کو عرب غیر منصرف پڑھتے ہیں اور ان میں علمیت کے علاوہ اور کوئی سبب ہمیں نہ ملا، تو ہم نے اس میں عدل کا اعتبار کر لیا۔ اور ان کی اصل پر بھی کوئی دلیل موجود نہیں تھی، تو عدل کے لیے اصل تو ضرور چاہیے، تو اس اصل کو بھی فرض کر لیا گیا۔ تو یہ ان کی اصل عَامِرٌ اور زَافِرٌ ہے۔

اس کے بعد پھر بَابِ قَطَامِ کے بارے میں آپ نے پڑھا۔ بَابِ قَطَامِ سے کیا مراد ہے؟ میں نے آپ کو بتلایا تھا بھائی کہ بَابِ قَطَامِ سے مراد وہ فَعَالِ وزن ہے جو علم ہو اور علم بھی مؤنث ذات کے لیے ہو اور آخر میں اس کے را بھی نہ ہو بھائی۔ تو یہ جو اس طرح کے لفظ ہیں جو علم ہیں اعیانِ مؤنثہ کے لیے اور آخر میں را نہیں ہے، تو ان کو بنو تمیم والے غیر منصرف پڑھتے ہیں، غیر منصرف پڑھتے ہیں۔

تو یہ جو بَابِ قَطَامِ ہے اس کے اندر بھی عدل کا اعتبار کیا گیا اور یہ عدلِ تقدیری کی قسم ہے، یعنی اس کی اصل جو ہے قَاطِمَةٌ فرض کر لی گئی۔ کیا فرض کر لی گئی؟ قَاطِمَةٌ اس کی اصل فرض کر لی گئی۔ ہمارے پاس اس کے اصل ہونے پر کوئی دلیل موجود نہیں۔ اور اس میں عدل کو کیوں فرض کیا گیا؟ اس کی نظیروں پر حمل کرنے کے لیے۔ دراصل حَضَارِ اور طَمَارِ، یہ نام جو ہیں یہ نام ہیں مؤنث ذات کے اور ان کے آخر میں را ہے۔ بنو تمیم والوں کے نزدیک یہ مبنی ہیں بھائی۔ علمائے نحو نے ان میں غور کیا تو صرف دو سبب ملے، ایک علمیت اور ایک تانیث۔ علمیت اور تانیث دو سبب ہیں، ان کی وجہ سے تو کوئی لفظ مبنی نہیں بنتا، اس کی وجہ سے تو لفظ غیر منصرف بنتا ہے۔ معلوم ہوا اس میں کوئی اور سبب بھی ہونا چاہیے تاکہ غیر انصراف سے بڑھ کر اگلا درجہ مبنی والا حاصل ہو جائے۔ تو بنو تمیم اس کو کیا پڑھتے ہیں؟ مبنی۔ تو لہٰذا اب مجبوراً نحویوں نے اس میں عدل کا بھی اعتبار کر لیا کہ ان میں عدل بھی ہے۔ اور جب ان کے اندر عدل کا اعتبار کیا تو بَابِ قَطَامِ کے اندر بھی عدل کا اعتبار کر لیا۔

اور میں نے بتلایا تھا کہ یہ فَعَالِ وزن جو ہے چار چیزوں میں آتا ہے بھائی۔ پورے کلامِ عرب میں یہ چار چیزوں میں فَعَالِ وزن آتا ہے۔ یا تو یہ کبھی آئے گا اسمِ فعل کے اندر، جیسے نَزَالِ بمعنی اِنْزِلْ۔ اور یا کبھی یہ آئے گا علمِ مصدر کے طور پر، جیسے فَجَارِ بمعنی اَلْفُجُور کے۔ یا یہ آئے گا وصف کے طور پر، جیسے یَا فَسَاقِ بمعنی فَاسِقَةٌ۔ اور کبھی یہ علم ہو گا اعیانِ مؤنثہ کے لیے۔ پھر یہ جو علم ہے اعیانِ مؤنثہ کے لیے، یہ پھر دو حال ہیں اس کے اندر: کبھی اس کے آخر میں را آئے گی اور کبھی

اس کے آخر میں را نہیں آئے گی۔

پھر دہرائیے بھائی، یہ وزن کتنی چیزوں میں آتا ہے؟ چار چیزوں میں۔ یا تو یہ آئے گا کس میں؟ اسمِ فعل کے اندر جیسے نَزَالِ بمعنی اِنْزِلْ۔ یا یہ آئے گا علمِ مصدر کے طور پر جیسے فَجَارِ بمعنی اَلْفُجُور۔ یا یہ آئے گا وصف کے طور پر جیسے فَسَاقِ بمعنی فَاسِقَةٌ۔ اور یا یہ علم ہو گا اعیانِ مؤنثہ کے لیے۔ اور پھر یہ جو علم ہے اعیانِ مؤنثہ کے لیے اس میں دو صورتیں ہیں: کبھی اس کے آخر میں را ہو گی، کبھی آخر میں را نہیں ہو گی۔ کبھی آخر میں را ہو گی جیسے حَضَارِ اور طَمَارِ، اور کبھی را نہیں ہو گی جیسے قَطَامِ۔ گویا کل پانچ قسمیں ہو گئیں، پانچ قسمیں ہو گئیں۔

اہلِ حجاز ان پانچوں کو مبنی پڑھتے ہیں۔ اہلِ حجاز ان پانچوں کو مبنی پڑھتے ہیں تو پھر تو یہ ہماری بحث سے ہی خارج ہیں: نَزَالِ یہ بھی مبنی علی الکسر، فَجَارِ یہ بھی مبنی علی الکسر، فَسَاقِ یہ بھی مبنی علی الکسر، قَطَامِ یہ بھی مبنی علی الکسر—اہلِ حجاز والے یہ قَطَامِ کو بھی مبنی علی الکسر، مبنی پڑھتے ہیں—اور حَضَارِ بھی مبنی علی الکسر۔ تو اہلِ حجاز تو ان پانچوں کو مبنی علی الکسرہ پڑھتے ہیں تو ان کے نزدیک تو یہ ہماری بحث سے ہی خارج، کیونکہ ہم تو معرب کی بحث پڑھ رہے ہیں اور معرب کے اندر غیر منصرف کا باب چل رہا ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟

البتہ بنو تمیم والے ان پانچ میں سے صرف یہ جو بَابُ قَطَامِ ہے کہ جو علم ہے اور علم بھی کس کے لیے؟ اعیانِ مؤنث کے لیے، اور جس کے آخر میں را نہ آتی ہو، اس کو وہ غیر منصرف پڑھتے ہیں۔ باقی چاروں کو وہ بھی مبنی پڑھتے ہیں۔ نَزَالِ اسمِ فعل ہے اس کو بھی مبنی پڑھتے ہیں، علمِ مصدر ہے فَجَارِ اس کو بھی مبنی پڑھتے ہیں، وصف ہے یَا فَسَاقِ اس کو بھی مبنی پڑھتے ہیں، اور اسی طرح حَضَارِ اور طَمَارِ جو علم ہے اعیانِ مؤنثہ کا اور آخر میں را ہے اس کو بھی یہ مبنی پڑھتے ہیں۔ صرف یہ قَطَامِ جو ہے یہ باب جو ہے یعنی جو علم بھی ہے اعیانِ مؤنثہ کے لیے اور آخر میں را نہیں ہے، اس کو بنو تمیم والے غیر منصرف پڑھتے ہیں۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو اب صرف یہ ایک رہ گیا غیر منصرف، اسی لیے صاحبِ کافیہ نے فرمایا: وَبَابِ قَطَامِ فِي تَمِيمٍ، کہ قَطَامِ کا جو باب ہے بنو تمیم کی لغت کے اندر بھائی۔ تو اہلِ حجاز ساروں کو پڑھتے ہیں مبنی اور بنو تمیم وہ بھی ساروں کو مبنی پڑھتے ہیں سوائے کس کے؟ بَابُ قَطَامِ۔

اور بَابُ قَطَامِ کے اندر جو ہے عدلِ تقدیری ہے، اس کے اندر عدلِ تقدیری کیوں ہے؟ وجہ یہ کہ یہ محمول ہے اپنی نظیروں پر۔ اس کی نظیریں کیا ہیں؟ حَضَارِ اور طَمَارِ۔ جیسے وہ فَعَالِ وزن پر ہیں، یہ قَطَامِ بھی فَعَالِ وزن پر؛ جیسے وہ علم اعیانِ مؤنثہ کے لیے حَضَارِ اور طَمَارِ، اسی طرح قَطَامِ بھی علم ہے اعیانِ مؤنثہ کے لیے۔ تو جب نحوی حضرات نے حَضَارِ اور طَمَارِ کے اندر عدل کا اعتبار کیا تو پھر انہوں نے قَطَامِ کے اندر بھی عدل کا اعتبار کیا اپنی نظیروں پر محمول کرتے ہوئے۔ بات سمجھ میں آئی؟ کہ جب عدل کا اعتبار کیا ہے اس فَعَالِ میں جو علم ہے اعیانِ مؤنثہ کے لیے، تو پھر ساروں کے اندر عدل کا

اعتبار کر لیا، چاہے وہ ذَوَاتُ الرَّاء ہوں چاہے ذَوَاتُ الرَّاء نہ ہوں بھائی۔ بات سمجھ میں آگئی؟

تو حاصل یہ ہوا کہ قَطَامِ کے اندر جو عدل کا اعتبار کیا نحوی حضرات نے، وہ اس کو غیر منصرف بنانے کے لیے نہیں ہے۔ غیر انصراف کے دو سبب تو اس میں پہلے سے ہی موجود تھے، یہ اس میں علمیت بھی ہے اور نیز یہ مؤنث ذات کا نام ہے تو تانیثِ معنوی بھی اس کے اندر موجود ہے۔ اس میں عدل کا اعتبار صرف کس لیے کرنا پڑا؟ اپنی نظیروں پر محمول کرنے کے لیے کہ اس کی نظیریں جو حَضَارِ اور طَمَارِ تھیں ان کے اندر عدل کو فرض کیا تو اس کے اندر بھی عدل کو فرض کر لیا۔ تو یہاں پر قَطَامِ میں جو عدل کو فرض کیا گیا وہ اس کو غیر منصرف بنانے کے لیے نہیں ہے بلکہ صرف اپنی نظیروں پر محمول کرنے کے لیے ہے۔ چنانچہ اسی لیے بعض شارحین بعض علماء فرماتے ہیں کہ صاحبِ کافیہ نے یہاں پر جو بَابِ قَطَامِ کو ذکر کیا، یہ اپنے محل میں نہیں ہے، اس کو یہاں ذکر نہیں کرنا چاہیے تھا۔ اس لیے کیونکہ یہاں پر وہ عدل ذکر ہو رہا ہے جو غیر انصراف کا سبب بنتا ہے، اور قَطَامِ کے اندر جو عدل فرض کیا گیا ہے وہ غیر انصراف کا سبب نہیں بن رہا، قَطَامِ تو پہلے سے ہی غیر منصرف ہے، دو سبب تو اس میں پہلے سے ہی موجود ہیں۔ لہٰذا صاحبِ کافیہ کو یہاں بَابِ قَطَامِ کو ذکر نہیں کرنا چاہیے تھا۔ بات سمجھ میں آگئی۔

تو یہ اکثر بنو تمیم کا مذہب ہے کہ وہ حَضَارِ اور طَمَارِ جو ہے اس کو مبنی پڑھتے ہیں۔ اگرچہ ان میں سے تھوڑے سے بنو تمیم والے ایسے بھی ہیں جو حَضَارِ اور طَمَارِ کو غیر منصرف پڑھتے ہیں، مبنی نہیں پڑھتے۔ جب وہ اس کو غیر منصرف پڑھتے ہیں تو اس میں تیسرے سبب کا کوئی اعتبار کرنے کی ضرورت ہی نہیں، یعنی عدل کا اعتبار کرنے کی کوئی ضرورت نہیں، کیونکہ عدل کا اعتبار تو کیوں کیا تھا نحویوں نے؟ اس کو مبنی بنانے کی وجہ بیان کرنے کے لیے کہ یہ مبنی کیوں ہے، دو سببوں سے تو لفظ مبنی نہیں بنتا، ایک علمیت ہے ایک تانیث ہے۔ تو جب بعض بنو تمیم والے اس کو مبنی پڑھتے ہی نہیں، غیر منصرف پڑھتے ہیں اور دو سبب تو اس کے اندر موجود ہیں، ایک علمیت اور ایک تانیث، تو اب عدل کا اعتبار کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔

اور جب اس میں عدل کا اعتبار نہیں کیا تو بَابُ قَطَامِ کے اندر بھی عدل کا اعتبار کرنے کی کوئی ضرورت نہیں، وہ بھی غیر منصرف ہے اور اس میں دو سبب موجود ہیں: علمیت اور تانیث۔

پھر اس کے بعد میں نے یہ بھی بتلایا تھا کہ عدل کے چھ اوزان ہیں بھائی: مَفْعَل، فُعَال، فَعَال، فِعْل، فَعْل اور فُعَل بھائی، یہ چھ وزن ہیں۔ اور ان میں سے ایک وزن بھی فعل والا نہیں۔ تو معلوم ہوا کہ کبھی بھی عدل اور وزنِ فعل اکٹھے نہیں ہو سکتے، کیونکہ فعل کے اوزان الگ اور عدل کے اوزان الگ ہیں، ایک وقت میں ایک ہی وزن آسکتا ہے، دونوں وزن نہیں ہو سکتے بھائی۔ تو عدل کے اوزان چھ ہیں بھائی: مَفْعَل، فَعَال، فُعَال، فِعْل، فَعْل اور فُعَل۔ اور ان اوزان میں سے کوئی بھی وزنِ فعل نہیں ہے سوائے ایک وزن کے اور وہ فَعَل وزن ہے بھائی جیسے فَعَلَ جیسے ضَرَبَ، لیکن یہ جو فَعَل وزن ہے یہ والا

وزنِ فعل غیر انصراف کا سبب نہیں بنتا۔ تو لہٰذا وزنِ فعل اور عدل کبھی بھی ایک اسم کے اندر جمع ہو کر غیر انصراف کا سبب نہیں بنیں گے۔

تو عدل جو ہے وزنِ فعل کے ساتھ تو جمع نہیں ہو سکتا البتہ وصفیت اور علمیت، تانیث وغیرہ کے ساتھ یہ جمع ہو جاتا ہے جیسے کہ مثالیں گزر گئیں۔ دیکھو عُمَر میں عدل جمع ہے علمیت کے ساتھ، جُمَع میں عدل جمع ہے وصفیت کے ساتھ، اور اسی طرح قَطَامِ کے اندر عدل جمع ہے—قَطَامِ کے اندر عدل جمع ہے علمیت اور تانیث دونوں کے ساتھ بھائی۔ بات سمجھ میں آگئی۔

اب آئیے آج کے سبق پر بھائی۔ اَلْوَصْفُ وَهُوَ كَوْنُ الِاسْمِ دَالًّا عَلَى ذَاتٍ مُبْهَمَةٍ مَأْخُوذَةٍ مَعَ بَعْضِ صِفَاتِهَا. جی پہلے متن متن دیکھ لیجیے۔ صاحبِ کافیہ فرماتے ہیں: اَلْوَصْفُ شَرْطُهُ أَنْ يَكُونَ فِي الْأَصْلِ، کہ وصف جو ہے یہ سبب بنتا ہے غیر انصراف کا، لیکن اس کے سبب بننے کے لیے شرط یہ ہے أَنْ يَكُونَ فِي الْأَصْلِ کہ یہ اصل میں یعنی وضع کے اعتبار سے وصف ہونا چاہیے۔

توجہ ہے؟ وصف جو ہے وہ سبب بنے گا کس کا؟ غیر انصراف کا، لیکن وَشَرْطُهُ أَنْ يَكُونَ فِي الْأَصْلِ اس کے غیر انصراف کا سبب بننے کے لیے شرط یہ ہے کہ یہ وصف اصلِ وضع میں وصف ہونا چاہیے۔ اصلِ وضع میں وصف ہونا چاہیے، یعنی جس وقت اس لفظ کو اس کلمے کو وضع کیا گیا تھا تو بطورِ وصف ہی کے وضع کیا گیا تھا۔ بعض اوقات ایک کلمہ وصف نہیں ہوتا لیکن بعد میں استعمال کے اندر وہ کبھی بطورِ وصف کے استعمال کر لیا جاتا ہے، جیسے آپ کو بتلائیں گے کہ أَرْبَعُونَ کا لفظ ایک معین عدد کے لیے وضع ہے، یعنی چار کا عدد، چار، اور یہ أَرْبَعُون اصلِ وضع میں تو وصف نہیں لیکن کبھی کبھار اس کو وصف کے طور پر بھی استعمال کر لیا جاتا ہے، جیسے مَرَرْتُ بِنِسْوَةٍ أَرْبَعٍ، میں چار عورتوں کے پاس سے گزرا۔ تو یہاں دیکھو یہ أَرْبَعٍ صفت ہے نِسْوَةٍ کی۔ تو یہ أَرْبَعٍ جو ہے اصلِ وضع میں وصف نہیں ہے البتہ کبھی کبھار اس کو وصف کے طور پر استعمال کر لیا جاتا ہے، جیسے یہاں پر نِسْوَةٍ ہے موصوف اور أَرْبَعٍ ہے اس کی صفت۔ معلوم ہوا وہ عورتیں چار ہونے کے ساتھ موصوف ہو رہی ہیں، ان میں چار والا وصف موجود ہے کہ ان کی تعداد کتنی ہے؟ چار ہے بھائی۔ تو دیکھو اب یہ جو أَرْبَعٍ ہے یہ اس کے اندر وصفیت آگئی لیکن یہ وصفیت اصلی نہیں ہے بلکہ عارضی ہے بھائی، عارضی ہے بھائی استعمال کے اندر آئی ہے۔ لہٰذا اس وصفیت کا کوئی اعتبار نہیں، لہٰذا مَرَرْتُ بِنِسْوَةٍ أَرْبَعٍ یہ دیکھو أَرْبَعٍ کو میں منصرف پڑھ رہا ہوں، منصرف پڑھ رہا ہوں، حالانکہ اگر دیکھا جائے تو اس کے اندر دو سبب موجود ہیں: ایک وصفیت ہے، اس وقت یہ وصف ہے، اور دوسرا وزنِ فعل ہے أَرْبَع بر وزنِ أَكْرَم ہے بھائی۔ تو وزنِ فعل بھی ہے اور وصفیت بھی ہے لیکن یہ وصفیت مؤثر نہیں، یہ غیر انصراف کا سبب نہیں بنتی کیونکہ غیر انصراف کے لیے وہ وصف سبب بنے گا جو اصلِ وضع کے اعتبار سے ہو۔

اور پھر جب اصلِ وضع کے اعتبار سے ایک وصف ہو تو بعد میں غلبۂ اسمیت کی وجہ سے اگر اس سے وصفیت ختم بھی ہو جائے پھر بھی کوئی نقصان نہیں، وہ پھر بھی مؤثر رہے گا۔ وہ پھر بھی مؤثر رہے گا، جیسے آپ کو آگے بتائیں گے، جیسے أَسْوَد، أَسْوَد ایک کالے رنگ کا سانپ ہے اس کو عربی میں أَسْوَد کہتے ہیں۔ ویسے تو أَسْوَد کا معنی ہے کالی چیز، کوئی بھی چیز کالی ہو اس کو أَسْوَد کہا جا سکتا ہے، مثلاً قلم کالے رنگ کا ہے تو ہم کہیں گے یہ أَسْوَد ہے، کتاب کالے رنگ کی ہے تو ہم کہیں گے یہ أَسْوَد ہے، وہ سانپ بھی کالے رنگ کا۔ تو أَسْوَد کا لفظ اصلِ وضع میں وصف ہے، اصلِ وضع میں وصف ہے، پھر بعد میں یہ ایک کالے رنگ کے سانپ کے ساتھ یہ نام خاص ہو گیا۔ اب باقی چیزوں پر بھی بولا جاتا ہے لیکن باقی چیزوں کے لیے کوئی قرینہ چاہیے۔ مثلاً قلم پڑا ہے میں نے ہاتھ سے اشارہ کر کے کہا هَذَا أَسْوَدُ، اب آپ سمجھ گئے أَسْوَد سے کیا مراد ہے؟ یہ والا کالا قلم مراد ہے۔ یا میں آپ سے کہتا ہوں هَذَا كِتَابٌ أَسْوَدُ، دیکھو اب یہاں کتاب کے بعد أَسْوَد کا لفظ آیا، أَسْوَد اس کی صفت ہے، معلوم ہوا أَسْوَد سے کیا مراد ہے؟ کتاب۔ تو باقی چیزوں کے ساتھ بھی أَسْوَد ابھی بھی استعمال ہوتا ہے لیکن ان کے لیے کوئی قرینہ چاہیے ہوتا ہے، جیسے یہاں لفظِ کتاب آگیا یا جیسے میں نے قلم کی طرف اشارہ کر دیا۔ اگر بغیر قرینے کے أَسْوَد بولا جائے تو پھر اس سے وہ سانپ مراد ہوتا ہے۔ مثلاً عرب کسی دوسرے کو بتلاتا ہے رَأَيْتُ أَسْوَدَ، اب دیکھو یہاں کوئی لفظ وغیرہ نہیں جس سے پتہ چلے أَسْوَد سے کیا مراد ہے، کوئی قرینہ نہیں ہے۔ جب کوئی قرینہ نہ ہو تو کیا مراد ہو گا؟ وہ سانپ مراد ہو گا۔ توجہ ہے؟ تو اس کالے رنگ کے سانپ کا نام ہی أَسْوَد پڑ گیا بھائی۔

تو اب دیکھو اس پر اسمیت غالب آگئی، اسمیت غالب آگئی یعنی غلبۂ اسمیت کی وجہ سے یہ نام بن گیا۔ غلبۂ اسمیت پہلے بھی بیان ہو چکا ہے کہ لفظ کا اپنے بعض افراد کے ساتھ خاص ہو جانا، یہ ہے غلبۂ اسمیت۔ لفظ کا اپنے بعض افراد کے ساتھ خاص ہو جانا یہ ہے غلبۂ اسمیت۔ مثلاً أَسْوَد، أَسْوَد تو ہر کالی چیز کو کہتے تھے، ہر کالی چیز کے لیے وضع تھا۔ انہی کالی چیزوں میں سے ایک فرد کیا تھا؟ کالا سانپ بھی تھا، تو اس کے ساتھ یہ کثرتِ استعمال یعنی اس کے بارے میں یہ اتنا زیادہ استعمال ہوا کہ آہستہ آہستہ اس سانپ کا نام ہی أَسْوَد پڑ گیا بھائی۔ اب جب أَسْوَد بغیر قرینے کے بولا جائے تو کیا مراد ہوتا ہے؟ وہ کالا سانپ۔ تو أَسْوَد اور چیزوں میں بھی استعمال ہوتا ہے لیکن ان کے لیے قرینہ چاہیے، جبکہ سانپ کے لیے استعمال کرنا ہو تو پھر کسی قرینے کی ضرورت نہیں، آپ جیسے ہی أَسْوَد کہیں گے ذہن میں فوراً وہ کالا سانپ آجائے گا۔ اس کو کیا کہتے ہیں؟ غلبۂ اسمیت۔ تو اب دیکھو یہ اس کے لیے اسم بن گیا، اب اس میں وصف والا معنی نہیں۔ یہ اس کا نام بن گیا ہے، بات سمجھ میں آگئی؟ اس کو کہتے ہیں غلبۂ اسمیت۔ پہلے وصف تھا اب یہ اپنے بعض افراد کے لیے اسم بن گیا ہے، غلبۂ اسمیت۔ دیکھو اسم ہونا اس پر غالب ہو گیا، اب وصف ہونا اس میں نہیں ہے۔

تو یہ اس کالے سانپ کے لیے نام بن گیا بھائی۔ تو جب نام بن گیا، وصفیت ختم ہو گئی، وصفیت ختم ہو گئی لیکن

اصلِ وضع میں یہ وصف تھا لہٰذا وہ جو وصفیت اصلِ وضع کے اعتبار سے تھی ابھی بھی مؤثر ہے۔ لہٰذا سانپ نظر آیا، آپ یہ نہیں کہیں گے هَذَا أَسْوَدٌ، نہیں تنوین نہیں لائیں گے، یہ غیر منصرف ہے۔ دو سبب اس میں کون کون سے ہیں؟ ایک تو وزنِ فعل ہے، أَسْوَد بر وزنِ أَكْرَم ہے، اور دوسرا وصفیتِ اصلیہ ہے، فی الحال وصفیت نہیں ہے لیکن اصل میں کیا تھا اس میں؟ اصل میں یہ وصف تھا تو یہ وصفیت جو اصل میں تھی وہ ابھی بھی معتبر ہے۔ تو لہٰذا معلوم ہوا کہ وصف جو ہے وہ غیر انصراف کا سبب بنتا ہے لیکن اس کی شرط یہ ہے کہ وہ اصلِ وضع میں وصف ہونا چاہیے۔ جب اصلِ وضع میں وصف ہو تو پھر غلبۂ اسمیت اس کو نقصان نہیں دیتا، غلبۂ اسمیت کی وجہ سے اس کا غیر انصراف کا سبب ہونا ختم نہیں ہوتا۔ غلبۂ اسمیت آجائے پھر بھی اس کا کوئی نقصان نہیں، یہ پھر بھی سبب بنے گا کس کے لیے؟ غیر انصراف کے لیے۔

دیکھیے بھائی متن متن ذرا۔ کہتے ہیں اَلْوَصْفُ شَرْطُهُ أَنْ يَكُونَ فِي الْأَصْلِ، وصف جو ہے اس کے غیر انصراف کا سبب بننے کے لیے شرط یہ ہے أَنْ يَكُونَ فِي الْأَصْلِ کہ یہ وصف ہونا چاہیے اصل میں یعنی وضع کے اعتبار سے، جب اس کو وضع کیا گیا تھا تو وصف کے طور پر وضع کیا گیا ہو بھائی۔ فَلَا تَضُرُّهُ الْغَلَبَةُ، تو پھر اس کو غلبہ ضرر نہیں دیتا۔ جب اصلِ وضع کے اعتبار سے وصف ہے پھر غلبۂ اسمیت آ بھی جائے، کسی چیز کے لیے اسم بن بھی جائے تو بھی اب یہ غلبۂ اسمیت اس کو نقصان نہیں دے گا۔ غلبۂ اسمیت جب اسمیت اس پر غالب آگئی اب یہ وصف نہیں ہے، اب وصف نہیں ہے، تو اب وصفیت تو ختم ہوئی لیکن غلبۂ اسمیت اس کو اب نقصان نہیں دے گا، اصلِ وضع کے اعتبار سے یہ وصف تھا تو وہ وصفیت ابھی بھی معتبر ہے، وہ ابھی بھی مؤثر ہے، وہ ابھی بھی سبب بنے گی غیر انصراف کا، تو أَسْوَد کیا ہوگا؟ غیر منصرف ہوگا۔

آگے ذرا متن اور متن دیکھیے بھائی۔ فَلِذَلِكَ، اور اسی وجہ سے صُرِفَ، صُرِفَ یعنی منصرف ہے مَرَرْتُ بِنِسْوَةٍ أَرْبَعٍ۔ یہ مَرَرْتُ بِنِسْوَةٍ أَرْبَعٍ میں جو أَرْبَعٍ کا لفظ ہے یہ منصرف ہے۔ کیوں منصرف ہے؟ کیونکہ شرط پوری نہیں۔ اگرچہ أَرْبَعٍ میں دو سبب ہیں: ایک وصفیت، یہ وصف بن رہا ہے نسوہ کے لیے، نِسْوَةٍ موصوف أَرْبَعٍ صفت، تو وصفیت بھی ہے اور وزنِ فعل بھی ہے، لیکن یہ وصفیت معتبر نہیں کیونکہ أَرْبَعَ کا لفظ اصلِ وضع میں وصف نہیں تھا بلکہ اصلِ وضع میں تو یہ عدد تھا، لہٰذا یہ وصفیت معتبر نہیں تو یہ ابھی بھی منصرف ہی ہے۔

وَامْتَنَعَ أَسْوَدُ وَأَرْقَمُ، اور اسی وجہ سے ممتنع ہے أَسْوَد اور أَرْقَم لِلْحَيَّةِ، اس حال میں کہ یہ سانپ کے لیے ہے، یعنی سانپ کے نام ہیں۔ أَسْوَد ایک کالے رنگ کا سانپ ہے۔ أَسْوَد کا لفظ ویسے تو ہر چیز کے لیے وضع تھا، ہر کالی چیز کے لیے، لیکن پھر ایک کالے رنگ کے سانپ کے لیے یہ اسم بن گیا اس میں کثرتِ استعمال کی وجہ سے، تو غلبۂ اسمیت آگیا۔ اسم ہونا اس پر غالب آگیا، اب وصف ہونا کیا ہوا؟ ختم۔ جبکہ أَرْقَم وہ چتکبرے رنگ کا سانپ ہے جس میں سفید اور کالے نشان ہوتے ہیں، سفیدی بھی اس میں ہوتی ہے اور کالا رنگ بھی ہوتا ہے، تو اس چتکبرے سانپ کو جو ہے أَرْقَم کہتے ہیں۔ تو دیکھو أَرْقَم یہ اصلِ وضع میں وصف تھا۔ ہر چتکبری چیز کے لیے أَرْقَم کا لفظ وضع تھا۔ کوئی بھی چیز ایسی ہو جس میں سفید

اور کالا رنگ اکٹھا ہو، کچھ سفید ہے کچھ کالا ہے یا جگہ جگہ سفید ہے جگہ جگہ کالا رنگ ہے، تو اس کو أَرْقَم کہتے ہیں، اس کے لیے عربی میں أَرْقَم کا لفظ وضع ہے۔ لیکن بعد میں کثرتِ استعمال سے یہ ایک سانپ کے لیے نام بن گیا، غلبۂ اسمیت آگیا، یہ اس کے لیے اسم بن گیا۔ اسم ہونا غالب ہوا، وصف ہونا ختم، وصف ہونا ختم۔ تو اب یہ اس کے لیے نام بن گیا، اب جب أَرْقَم کا لفظ مطلق بولا جائے یعنی بغیر کسی قرینے کے تو اس سے وہ سانپ مراد ہوتا ہے۔ اور میں نے یہ بھی بتایا کہ أَسْوَد اور أَرْقَم سانپوں کے نام بن گئے لیکن اور چیزوں کے لیے بھی استعمال ہوتے ہیں۔ اور کوئی کالی چیز ہو اس کے لیے بھی أَسْوَد استعمال ہوتا ہے اور کوئی چتکبری چیز ہے اس کے لیے بھی أَرْقَم استعمال ہوتا ہے، لیکن باقی چیزوں میں استعمال کے لیے قرینہ چاہیے، کیا چاہیے؟ قرینہ چاہیے، یہ مراد ہے۔ بغیر قرینے کے جب أَسْوَد اور أَرْقَم بولیں گے تو اس سے کیا مراد ہو گا؟ وہ دو قسم کے سانپ جو ہیں وہ مراد ہوتے ہیں۔ تو اب دیکھو ان پر اسمیت غالب آگئی ہے جب ان کو سانپ کے لیے استعمال کیا جائے تو اب یہ اسم ہیں وصف نہیں، لیکن غلبۂ اسمیت کوئی نقصان نہیں دے گا کیونکہ اصلِ وضع میں یہ کیا ہیں؟ وصف ہیں، تو وہ وصف مؤثر ہو گا اور یہ غیر منصرف ان کو پڑھیں گے بھائی۔ اسی لیے میں نے کیا کہا کہ وَامْتَنَعَ أَسْوَدُ وَأَرْقَمُ، دیکھو میں غیر منصرف پڑھ رہا ہوں دونوں کو۔ تو اسی وجہ سے ممتنع ہے أَسْوَد اور أَرْقَم لِلْحَيَّةِ، اس حال میں کہ یہ نام ہیں سانپ کے۔

تو دو تفریعات کیں بھائی۔ فَلِذَلِكَ، اسی وجہ سے أَرْبَعٍ منصرف ہے اور أَسْوَد اور أَرْقَم غیر منصرف ہے۔ دو تفریعات کیں، اسی وجہ سے أَرْبَعٍ کیا ہے؟ منصرف، اور أَسْوَد اور أَرْقَم کیا ہے؟ غیر منصرف۔ یہ دراصل پیچھے جو دو باتیں ذکر کیں ان پر تفریع کی ہے۔ ایک کیا؟ کہ اصلِ وضع میں وصف ہونا چاہیے، تو اس پر تفریع کر دی اسی لیے مَرَرْتُ بِنِسْوَةٍ أَرْبَعٍ میں أَرْبَعٍ کیا ہے؟ منصرف، کیونکہ وہ اصلِ وضع میں وصف نہیں۔ اور دوسرا دوسری بات کیا ذکر کی تھی؟ کہ اصلِ وضع میں جب وصف ہو تو پھر غلبۂ اسمیت نقصان نہیں دیتا، اور اسی لیے أَسْوَدُ اور أَرْقَمُ جو ہیں یہ غیر منصرف ہیں کیونکہ یہ اصلِ وضع میں وصف ہیں تو اب ان کو غلبۂ اسمیت ان میں آ بھی گیا ہے وہ ان کے لیے نقصان دہ نہیں، یعنی ان کے سبب بننے کو وہ ختم نہیں کرتا، ابھی بھی یہ سبب بنیں گے۔ بات سمجھ میں آگئی۔

اب آئیے جی شرح کے ساتھ دیکھیے۔ کہتے ہیں: اَلْوَصْفُ وَهُوَ كَوْنُ الِاسْمِ دَالًّا عَلَى ذَاتٍ مُبْهَمَةٍ مَأْخُوذَةٍ مَعَ بَعْضِ صِفَاتِهَا۔ بھائی دیکھیے، وصف جو ہے نا وصف، وصف اس اسم کو کہتے ہیں جو ذاتِ مبہمہ پر دلالت کرے اور اس میں اس کے بعض اوصاف بھی ملحوظ ہوں۔ توجہ ہے؟ وصف کسے کہتے ہیں؟ وصف اس اسم کو کہتے ہیں— جیسے دیکھو ضَارِبٌ، مَضْرُوبٌ، شُجَاعٌ وغیرہ، یہ سب وصف ہیں۔ ضَارِبٌ بھی کیا ہے؟ وصف، مَضْرُوبٌ بھی کیا ہے؟ وصف، شُجَاعٌ بہادر یہ بھی کیا ہے؟ وصف، أَحْمَرُ، أَحْمَرُ کا معنی سرخ یہ بھی وصف ہے، اسی طرح أَبْيَضُ یہ بھی کیا ہے؟ وصف ہے۔ تو وصف اس اسم کو کہتے ہیں جو ذاتِ مبہم پر دلالت کرے، کس پر؟ ذاتِ مبہم پر دلالت کرے، اور نیز اس میں اس کے بعض اوصاف بھی ملحوظ ہوتے

ہیں، بعض صفات بھی ملحوظ ہوتی ہیں۔ دیکھو یہ ذرا کتاب پر تعریف دیکھو: اَلْوَصْفُ وَهُوَ كَوْنُ الِاسْمِ دَالًّا عَلَى ذَاتٍ مُبْهَمَةٍ مَأْخُوذَةٍ مَعَ بَعْضِ صِفَاتِهَا۔ دیکھو یہاں آیا كَوْنُ الِاسْمِ، ذرا اس كَوْنُ کو ختم کر دیں، صرف یوں پڑھیں: اِسْمٌ دَالٌّ عَلَى ذَاتٍ مُبْهَمَةٍ۔ عبارت سمجھ میں آ رہی ہے؟ اِسْمٌ دَالٌّ عَلَى ذَاتٍ مُبْهَمَةٍ، دَالٌّ لام مشدد ہے بھائی، اِسْمٌ دَالٌّ عَلَى ذَاتٍ مُبْهَمَةٍ، وہ اسم جو دلالت کرنے والا ہو عَلَى ذَاتٍ مُبْهَمَةٍ کس پر؟ ایک مبہم ذات پر، مَأْخُوذَةٍ مَعَ بَعْضِ صِفَاتِهَا کہ وہ ذات ماخوذ ہو اپنی بعض صفات کے ساتھ، یعنی اس کی بعض صفات اس میں ملحوظ ہوں، اس کو کہتے ہیں وصف۔ وصف ایک خاص قسم کے اسم کا نام ہے۔ وصف کس کا نام ہے؟ ایک خاص قسم کے اسم کا نام ہے، جیسے ضَارِبٌ یہ خاص قسم کا اسم ہے اس کو کیا کہتے ہیں؟ وصف۔ اسی طرح مَضْرُوبٌ یہ خاص قسم کا اسم ہے اس کو وصف کہتے ہیں، شُجَاعٌ یہ ایک خاص قسم کا اسم ہے اس کو وصف کہتے ہیں، أَحْمَرُ یہ خاص قسم کا اسم ہے اس کو وصف کہتے ہیں۔

ابھی میں نے تعریف آپ کو بتلائی: اِسْمٌ دَالٌّ، دیکھو ذرا غور کرو، ضَارِبٌ۔ ضَارِبٌ ایک اسم ہے دَالٌّ جو دلالت کرنے والا ہے عَلَى ذَاتٍ مُبْهَمَةٍ کس پر؟ ایک مبہم ذات پر۔ دیکھو میں نے کہا زَيْد، آپ کا ایک ساتھی ہے زید، آپ کے ذہن میں وہ متعین ذات آ گئی۔ تو لفظِ زید دیکھو ایک متعین ذات پہ دلالت کر رہا ہے۔ میں نے عَمْر کہا، آپ کے ایک ساتھی کا نام عمر ہے وہ فوراً آپ کے ذہن میں آ گیا، تو دیکھو عمر نے بھی ایک معین ذات پر دلالت کی۔ لیکن یہ جو وصف ہوتا ہے یہ ذاتِ مبہم پر دلالت کرتا ہے۔ ضَارِبٌ کا معنی پٹائی کرنے والا، لیکن کیا جب میں نے ضَارِبٌ کہا کوئی معین شخص آپ کے ذہن میں آیا؟ نہیں، یہ ضَارِب زید بھی ہو سکتا ہے، یہ عمر بھی ہو سکتا ہے، یہ بکر بھی ہو سکتا ہے، خالد بھی ہو سکتا ہے، تو یہ کس پر دلالت کرتا ہے؟ ذاتِ مبہم پر۔ پھر جس کے ساتھ آپ جوڑیں گے یہ اس کے لیے وصف بن جائے گا، زَيْدٌ ضَارِبٌ دیکھو اب ضَارِبٌ کو زید سے جوڑ دیا، بَكْرٌ ضَارِبٌ تو ضَارِبٌ کو بکر سے جوڑ دیا، عَمْرٌو ضَارِبٌ تو ضَارِبٌ کو کس سے جوڑ دیا؟ عمر سے۔ تو دیکھو ذاتِ مبہم ہے آپ اس کو کسی بھی ذات کے ساتھ جوڑ سکتے ہیں۔ تو ضَارِبٌ، مَضْرُوبٌ، شُجَاعٌ وغیرہ یہ ایسے اسم ہیں، اِسْمٌ دَالٌّ عَلَى ذَاتٍ مُبْهَمَةٍ، یہ ایسے اسم ہیں جو دلالت کرتے ہیں کس پر؟ مبہم ذات پر، یعنی معین نہیں ہوتی۔ ضَارِب کوئی بھی ذات جو ضرب لگانے والی ہے اس کو کیا کہیں گے؟ ضَارِب، یہ کوئی معین ذات نہیں ہے۔ تو وصف کسے کہتے ہیں؟ ایسا اسم جو دلالت کرتا ہے کس پر؟ ذاتِ مبہم پر۔ اور مبہم ذات پر مطلقاً دلالت کرتا ہے یا اس میں اس کے کوئی صفت بھی ملحوظ ہوتی ہے؟ صفت بھی ملحوظ ہے۔ ضَارِبٌ اس کو کہیں گے

جس میں ضاربیت والی صفت ہو، مضروب اس کو کہیں گے جس میں مضروبیت والی صفت ہو، أحمر سرخ اس کو کہیں گے جس میں حمرۃ یعنی سرخی والی صفت ہو، بات سمجھ میں آ رہی ہے؟ شجاع اس کو کہیں گے جس میں شجاعت والی صفت ہو۔ تو وصف کس کا نام؟ وصف ایک خاص قسم کے اسم کا نام ہے۔ توجہ ہے؟ وصف ایک خاص قسم کے اسم

کا نام ہے، شُجَاعٌ یہ اسم کیا ہے؟ وصف۔ جبکہ بعض اسم وہ وصف نہیں ہوتے جیسے رَجُلٌ، رَجُلٌ وصف نہیں ہے بھائی، رَجُلٌ تو ذات کا نام ہے، کِتَابٌ، کِتَابٌ وصف نہیں ہے، کِتَابٌ ذات کا نام ہے، قَلَمٌ، قَلَمٌ ذات کا نام ہے یہ وصف نہیں ہے، جبکہ ضَارِبٌ، مَضْرُوبٌ، شُجَاعٌ وغیرہ یہ جو صفت کے صیغے ہیں ان کو وصف کہتے ہیں۔

وصف بھی کہہ لیں چاہے صفت کہہ لیں۔ علمائے بصرہ وصف اور صفت کا لفظ استعمال کرتے ہیں اس کے لیے، جبکہ علمائے کوفہ نعت کا لفظ استعمال کرتے ہیں نون، عین اور لمبی تا، وہ اس کو نعت کہتے ہیں، جبکہ بصرہ والے صفت بھی کہتے ہیں اس کو اور وصف بھی۔ تو صفت اور وصف کس کا نام ہے؟ ایک خاص قسم کے اسم کا نام ہے، کون سا اسم؟ جو ذاتِ مبہم پر دلالت کرتا ہے اور اس کے اندر اس کے کچھ اوصاف بھی ملحوظ ہوتے ہیں۔ بات سمجھ میں آگئی؟

تو دیکھو یہ تعریف بھائی۔ وصف کسے کہتے ہیں؟ اِسْمٌ دَالٌّ، میں نے بتایا نا کَوْنُ الِاسْمِ دَالًّا اس میں کَوْن کو ذرا ختم کر دیں، اِسْمٌ دَالٌّ وہ اسم جو دلالت کرنے والا ہو عَلَى ذَاتٍ مُبْهَمَةٍ ایک مبہم ذات پر مَأْخُوذَةٍ مَعَ بَعْضِ صِفَاتِهَا کہ جو ماخوذ ہو یعنی ملحوظ ہو اپنی بعض صفات کے ساتھ، کس کے ساتھ؟ بعض صفات کے ساتھ، بعض صفات کہا یہ ایک کو بھی شامل ہے دو کو بھی اور زیادہ کو بھی۔ جیسے میں نے بیان کیا تھا کہ الف لام حرفی جو ہے اس کے ذریعے کسی چیز کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے، تو اس کے ذریعے اشارہ کیا جاتا ہے اور اشارہ کبھی جنس کی طرف ہوتا ہے کبھی افراد کی طرف۔ اگر جنس کی طرف اشارہ ہو تو اس کو الف لامِ جنسی کہتے ہیں، اگر افراد کی طرف اشارہ ہو پھر یا تو تمام افراد کو اشارہ ہو گا یا بعض کو۔ اگر تمام کو اشارہ ہے تو وہ الف لامِ استغراقی، اگر بعض کو اشارہ ہے تو وہ بعض خارج میں متعین ہوں گے یا متعین نہیں۔ اگر وہ متعین ہیں خارج میں تو وہ الف لامِ عہدِ خارجی، اور اگر خارج میں متعین نہیں تو الف لامِ عہدِ ذہنی۔ تو دیکھا الف لامِ عہدِ خارجی کس کو کہتے ہیں؟ جس کے ذریعے تمام افراد کو نہیں اشارہ ہوتا، بعض کو اشارہ ہوتا ہے۔ کس کو؟ بعض، دیکھا اب بعض میں سب آگئے، ایک بھی ہو سکتا ہے دو بھی زیادہ بھی۔

جیسے میں نے کہا اَلرَّجُلُ، کیا ترجمہ؟ وہ آدمی، دیکھا کسی مخصوص شخص کی طرف اشارہ ہے۔ میں نے کہا اَلرَّجُلَانِ، کیا معنی؟ وہ دو آدمی، دیکھا دو کی طرف اشارہ ہے۔ میں نے کہا اَلرِّجَالُ، دیکھو جمع لے آیا، وہ سب آدمی۔ تو اس میں دیکھو تمام افراد کی طرف اشارہ نہیں ہے، اَلرَّجُلُ کے ذریعے اشارہ ہوا ایک کی طرف، اَلرَّجُلَانِ کے ذریعے اشارہ ہوا دو کی طرف، اور اَلرِّجَالُ کے ذریعے اشارہ ہوا دو سے زیادہ کی طرف۔ بہرحال کُل نہیں ہے کچھ مخصوص مقدار ہے۔ تو دیکھو ایک، دو اور دو سے زیادہ سب کی طرف اشارہ ہو سکتا ہے، تو ہر ایک کو الگ ذکر کرنے کے بجائے کہہ دیتے ہیں بعض افراد، اشارہ ہے بعض افراد۔ تو الف لامِ عہدِ خارجی کے ذریعے بعض افراد کی طرف اشارہ ہو سکتا ہے، وہ ایک بھی ہو سکتا ہے دو بھی اور زیادہ بھی۔ یہاں پر بھی اسی طرح آیا کہ مَأْخُوذَةٍ مَعَ بَعْضِ صِفَاتِهَا کہ وہ ذات ماخوذ ہوتی ہے اپنے بعض صفات کے ساتھ یعنی

بعض صفات اس کی ملحوظ ہوتی ہیں، اس میں ایک بھی ہو سکتی ہے دو بھی زیادہ بھی ہو سکتی ہیں، تو عموماً ایک ہی صفت ملحوظ ہوتی ہے۔

تو معلوم ہوا حاصلِ کلام کیا کہ وصف کس کا نام ہے؟ ایک خاص قسم کے اسم کا نام ہے۔ ضَارِبٌ، فَاتِحٌ، مَانِعٌ، مَضْرُوبٌ، مَفْتُوحٌ، شُجَاعٌ، حَسَنٌ اور یہ ساری دیکھو صفت کے صیغے ہیں، اسی طرح أَحْمَرُ، أَبْيَضُ یہ سارے صفت کے صیغے ہیں، تو یہ وصف ہیں، یہ کیا ہیں؟ وصف۔ تو معلوم ہوا وصف کس کا نام ہے؟ ایک خاص قسم کے اسم کا نام ہے۔

اب اشکال یہ ہوتا ہے کہ بھئی یہ جو اسبابِ منع صرف ہیں–توجہ سے سنو بھائی–یہ جو اسبابِ منع صرف ہیں یہ سارے اعراض کی قبیل سے ہیں، یہ عرض ہیں، یہ کیا ہیں؟ عرض، اور وصف تو ذات کا نام ہے وہ خاص قسم کے اسم کا نام ہے بھائی۔ توجہ ہے؟ یہ جتنے اسبابِ منع صرف ہیں یہ اعراض ہیں، اعراض ہیں یعنی یہ عرض بنتے ہیں کسی چیز کے لیے صفت بنتے ہیں، جبکہ آپ نے جو وصف ذکر کر دیا یہ تو ذات کا نام ہے بھائی۔ وصف کس کا نام؟ ذات کا نام ہے، تو اسبابِ منع صرف میں آپ نے ذات کو کہاں سے ذکر کر دیا؟ یہ تو سارے اوصاف تھے بھائی۔

تو یہ اسبابِ منع صرف سارے اوصاف ہیں بھائی، جیسے مثلاً دیکھو عُمَر، عُمَر اس میں دو اسبابِ منع صرف کون سے؟ ایک علمیت اور ایک عدل، تو دیکھو یہ جو عُمَر کا لفظ ہے یہ علمیت کے ساتھ موصوف ہو رہا ہے، علمیت اس کی صفت ہے، اور نیز عدل اس کی صفت ہے بھائی، عدل کے ساتھ یہ موصوف ہو رہا ہے۔ جیسے فَاطِمَةُ، یہ فاطمہ کا لفظ علم ہونے کے ساتھ موصوف ہو رہا ہے اور نیز تانیث کے ساتھ موصوف ہو رہا ہے۔ یہ اسبابِ منع صرف کیا ہیں؟ اوصاف ہیں، بات نہیں سمجھ میں آئی؟ دیکھو عُمَر، عُمَر ایک اسم ہے، عُمَر کیا ہے؟ ایک اسم ہے اور اس کی صفت کیا ہے؟ یہ علم ہے، اور اس کی صفت کیا ہے؟ اس میں عدل ہے بھائی، تو یہ علمیت کے ساتھ بھی موصوف ہو رہا ہے اور عدل کے ساتھ بھی موصوف ہو رہا ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ اسی طرح فاطمہ بھائی، فاطمہ کا لفظ موصوف ہو رہا ہے کس کے ساتھ؟ علمیت کے ساتھ بھی، علمیت اس کی صفت ہے اور نیز یہ کس کے ساتھ موصوف ہے؟ تانیث کے ساتھ، تو مؤنث ہونا اس کی صفت ہے۔ جیسے إِبْرَاهِيمَ، إِبْرَاهِيمَ اس میں ایک تو علمیت ہے ایک عجمہ ہے بھائی۔ علمیت دیکھو یہ ابراہیم کا جو کلمہ ہے یہ جو لفظ ہے یہ موصوف ہو رہا ہے علم ہونے کے ساتھ، علم ہونا اس کی صفت ہے بھائی، اور اسی طرح عجمی ہونا اس کی صفت ہے، تو یہ اسبابِ منع صرف اوصاف کی قبیل سے ہیں اور آپ نے جو وصف ذکر کر دیا وہ ذات کی قبیل سے ہے بھائی۔ کیوں وہ خاص اسم کا نام ہے، وہ خاص اسم کا نام ہے، بات سمجھ میں آرہی ہے؟

تو دیکھو عُمَر کس صفت کے ساتھ موصوف ہو رہا ہے؟ علمیت اور عدل۔ یہ جو علمیت دیکھو علم ہونا، مصدر ذکر ہو رہا ہے۔ عدل، عدل یہ بھی مصدر ہے بھائی، اسم کا معدول ہونا، اور اسی طرح عجمہ لفظ کا عجمی ہونا۔ دیکھو یہ مصدر ہے، یاد

رکھو مصدر ایک معنی کا نام ہے، خارج میں اس کا وجود نہیں یہ کسی کی صفت بنتا ہے۔ ضَرَبَ زَيْدٌ دیکھو زید نے ضرب لگائی تو ضرب زید کی صفت بن گئی۔ ضرب زید کی، تو مصدر جو ہے یاد رکھو یہ ذات نہیں ہے یہ ایک معنی کا نام ہے جس کا خارج میں وجود نہیں یہ کسی کی صفت بنتا ہے، تو یہ جتنے اسبابِ منع صرف ہیں آپ دیکھ لیں یہ اوصاف کی قبیل سے ہیں ذات کی قبیل سے نہیں ہیں، اور آپ نے کس کو ذکر کر دیا؟ وصف کو، اور وصف تو کس کا نام ہے؟ وہ ایک مخصوص اسم کا نام ہے یعنی ذات کا نام ہے، کس کا نام ہے؟ بھائی لگتا ہے ابھی بھی بات سمجھ میں نہیں آئی۔

بھائی دیکھو ایک ہوتی ہے ذات ایک ہے اس کا وصف۔ ذات سے مراد یہ—ذات کا یہ معنی نہیں جس کا خارج میں الگ وجود ہو، نہیں نہیں—ذات کا معنی یہ، ذات سے مراد یہ ہے جس کے بارے میں خبر دی جا سکے۔ جس کے بارے میں خبر دی جا سکے یعنی اس کو مبتدا بنائیں اور اس کے لیے خبر لے آئیں، یا اس کو موصوف بنائیں اس کی صفت لے آئیں۔ میں نے آپ کو بتایا صفت کا بھی حمل ہوتا ہے موصوف پر: رَجُلٌ شُجَاعٌ، یہ شجاع کون ہے؟ رجل ہے، تو شجاع صفت کا حمل ہو رہا ہے کس پر؟ رجل پر۔ تو ذات وہ ہے جس کے بارے میں خبر دی جا سکے۔ ابھی بھی شاید آپ کو بات سمجھ میں نہ آئی ہو۔ یہ جتنے اسبابِ منع صرف ہیں یہ ہیں اوصاف، اور یہ جو وصف ذکر کیا یہ ایک مخصوص اسم کا نام ہے یہ ہے ذات بھائی، یہ ہے ذات۔ دیکھو پھر ذرا غور کرو: عُمَر یہ ایک اسم ہے علم ہے نا، اور علم بھی کیا ہوتا ہے؟ اسم ہوتا ہے، تو عُمَر ایک علم ہے اور اس کی صفت کیا؟ علمیت، علم ہونا اس کی صفت ہے۔ تو دیکھو اسم ہوا ذات اور علمیت ہوئی اس کی صفت، اسی طرح اس کی دوسری صفت کیا ہے؟ عدل۔ یہ عُمَر اسم ہے اور اس کا معدول ہونا یہ اس کی صفت ہے۔ فَاطِمَةُ، فاطمہ ایک اسم ہے اور مؤنث ہونا اس کی صفت ہے، اسی طرح علم ہونا اس کی صفت ہے۔ تو معلوم ہوا فاطمہ لفظ یہ ہے ذات، اور مؤنث ہونا اور علم ہونا یہ اس کی صفت ہے بھائی۔ دیکھا ذات اور صفت کا فرق سمجھ میں آرہا ہے؟ جو اسم ہے وہ بن رہا ہے موصوف یعنی وہ ہے ذات بھائی، وہ ہے ذات۔ یا دوسرا دیکھ لو: إِبْرَاهِيمَ، إِبْرَاهِيمَ دیکھو یہ ایک اسم ہے اور اس کی صفت کیا ہے؟ علمیت، علم ہونے کے ساتھ یہ موصوف ہے، تو یہ اسم خود کیا ہے؟ موصوف اور علمیت اس کی صفت۔ دیکھا یہ موصوف ہے یعنی یہ ذات ہے اور علمیت اس کی صفت، اسی طرح یہ موصوف ہے یہ ابراہیم موصوف ہے اور عجمہ اس کی صفت ہے، عجمہ اس کی صفت ہے، اس میں عجمہ کا وصف پایا جا رہا ہے تو اسم ذات ہے اور یہ جو اسبابِ منع صرف ہیں یہ کیا ہیں؟ یہ اوصاف۔

ابراہیم کے اندر کون سا وصف ہے؟ علمیت، اور کون سا وصف ہے؟ عجمہ، یہ عجمہ اور علمیت کیا ہیں اسبابِ منع صرف ہیں نا، تو دیکھو اسم ہے ذات اور یہ اسبابِ منع صرف ان کے لیے صفت بن رہے ہیں، معلوم ہوا یہ اسبابِ منع صرف کس قبیل سے ہیں؟ اعراض کے قبیل سے ہیں، اور وصف جو ہے وہ تو ایک خاص اسم کا نام ہے اور اسم وہ تو موصوف بنتا ہے اس کے اندر یہ اسبابِ منع صرف پائے جاتے ہیں تو وہ ہوا ذات، وہ ہوا موصوف اور یہ اسبابِ منع

صرف اس کے لیے صفت ہوئے، تو اسبابِ منع صرف صفت کی قبیل سے ہیں اور اسم جو ہے وہ ذات کی قبیل سے ہے۔ بات سمجھ میں آگئی۔ تو یہ اشکال ہوتا تھا یہاں پر بھائی۔

تو صاحبِ جامی اب اس کا جواب دیں گے، دیکھیے بھائی کتاب پر۔ بھئی اس وصف کا کیا معنی میں نے کیا؟ وصف کسے کہتے ہیں؟ ایک مخصوص اسم کا نام ہے اور اس کی کیا تعریف ہے؟ اَلْوَصْفُ هُوَ اسْمٌ دَالٌّ عَلَى ذَاتٍ مُبْهَمَةٍ مَأْخُوذَةٍ مَعَ بَعْضِ صِفَاتِهَا، وہ اسم جو دلالت کرنے والا ہو ذاتِ مبہمہ پر اور وہ ملحوظ ہو اپنی بعض صفات کے ساتھ وہ ذات بھائی، اس کو کہتے ہیں وصف۔ تو صاحبِ جامی آپ کو بتلائیں گے بھائی، صاحبِ جامی کہ یہ جو وصف ہے یہاں پر ذات نہیں مراد یہاں اس سے وہ اسم نہیں مراد جو ذات ہے بلکہ كَوْنُ الِاسْمِ مَعْدُولًا—دیکھیے عبارت پر نظر ہے؟—وَهُوَ كَوْنُ الِاسْمِ دَالًّا، اسم کا دلالت کرنے والا ہونا، دیکھا مصدری معنی کر دیا، کون سا معنی کر دیا؟ اسم کا دلالت کرنے والا ہونا۔ دیکھو یہ اب وصف بن گیا، مصدری معنی کر دیا اور مصدر تو ذات کا نام نہیں ہے مصدر تو کس کا نام ہے؟ وصف کا نام ہے جو کسی کی صفت بنتا ہے۔ بات سمجھ میں آگئی۔

تو اس لیے صاحبِ جامی نے کہا: اَلْوَصْفُ وَهُوَ كَوْنُ الِاسْمِ دَالًّا، وہ اسم کا دلالت کرنے والا ہونا، بھئی کس چیز پر دلالت کرنے والا؟ عَلَى ذَاتٍ مُبْهَمَةٍ ایک ایسی مبہم ذات پر مَأْخُوذَةٍ مَعَ بَعْضِ صِفَاتِهَا جو ملحوظ ہو اپنی بعض صفات کے ساتھ۔ ضَارِبٌ یہ ایک مبہم ذات پر دلالت کر رہا ہے اور اس میں ملحوظ ہے بعض صفات بھی بھائی کہ وہ کیا ہو؟ اس میں ضارب ہونے والی صفت ہو بھائی۔ أَحْمَرُ، أَحْمَرُ یہ ایک اسم ہے تو یہ دلالت کر رہا ہے ایک مبہم ذات پر اور وہ ذات اس میں اس کی بعض صفات یعنی حُمْرَة یعنی سرخی ملحوظ ہے کہ اس میں سرخی ہے بھائی۔ تو دیکھا صاحبِ جامی نے وصف کا معنی اِسْمٌ دَالٌّ کے ساتھ نہیں کیا کیونکہ ورنہ تو پھر ذات بن جاتی ہے اور اسبابِ منع صرف تو صفات ہیں بھائی وہ ذات نہیں ہیں، تو لہٰذا صاحبِ جامی نے اَلْوَصْف کا معنی کس کے ساتھ بیان کیا؟ كَوْنُ الِاسْمِ دَالًّا اسم کا دلالت کرنے والا ہونا، دیکھا مصدری معنی کر دیا، تو بتلایا کہ یہ بھی یہاں اعراض کی قبیل سے ہے ذات کی قبیل سے نہیں ہے بھائی۔

تو کہتے ہیں: وَهُوَ كَوْنُ الِاسْمِ دَالًّا عَلَى ذَاتٍ مُبْهَمَةٍ مَأْخُوذَةٍ مَعَ بَعْضِ صِفَاتِهَا، وہ اسم کا دلالت کرنے والا ہونا ایسی ذات پر جو مبہم ہو اور ملحوظ ہو اپنی بعض صفات کے ساتھ۔

بلکہ یاد رکھو كَوْنُ الِاسْمِ دَالًّا یہ كَوْنُ الشَّيْءِ شَيْئًا اس کے ساتھ حاصل بالمصدر کو بیان کیا جاتا ہے۔ کس کو؟ حاصل بالمصدر، اور ذرا گہرائی میں آپ کو لے جائیں بھائی، توجہ سے سنو۔ بتلانا یہ چاہتے ہیں کہ یہاں وصف جو ہے اس سے ذات والا معنی بھی نہیں مراد، مصدری معنی بھی نہیں مراد بلکہ حاصل بالمصدر مراد ہے۔ کیا مراد ہے؟ حاصل بالمصدر۔ میں نے آپ کو بتلایا تھا کہ مصدر کا خارج میں کوئی وجود نہیں، مصدر ایک معنی کا نام ہے، کس کا نام ہے؟ معنی کا نام ہے، تو خارج

میں آپ کو مصدر دکھائی نہیں دے سکتا۔ خارج میں مصدر کا وجود ہے ہی نہیں تو دکھائی کہاں سے دے؟ یہ ایک معنی ہے، ایک وصف ہے بھائی۔ ہاں مصدر سے جو ہیئت اور صورت حاصل ہو یا مصدر کا جو اثر ہوتا ہے

وہ ہمیں دکھائی دیتا ہے۔ مصدر کا جو اثر ہوتا ہے وہ ہمیں دکھائی دیتا ہے، خود مصدر دکھائی نہیں دیتا۔ آپ کو خارج میں کبھی ضَرْب نظر نہیں آئے گی، خارج میں کیونکہ ضَرْب مصدر ہے۔ آپ کہیں گے نہیں ہمیں تو ضَرْب نظر آتی ہے، کوئی ایک شخص دوسرے کی پٹائی کر رہا ہے دیکھو یہ ضَرْب پائی جا رہی ہے، نہیں بھائی یہ جو آپ کو دکھائی دے رہی ہے یہ مصدر نہیں ہے یہ حاصل بالمصدر ہے، اس ضَرْب کی وجہ سے جو اثر حاصل ہوا جو صورت حاصل ہوئی جو اثر ہوا وہ آپ کو دکھائی دے رہا ہے۔

تو یوں کہو اردو میں ذرا وضاحت ہو جاتی ہے، خارج میں آپ کو پٹائی کرنا یہ ہے مصدر، خارج میں آپ کو پٹائی کرنا نہیں نظر آتا، خارج میں آپ کو پٹائی نظر آتی ہے۔ دیکھو پٹائی کرنے سے جو حالت حاصل ہوئی وہ کیا ہے؟ پٹائی ہے، آپ کو پٹائی نظر آتی ہے۔ یا یوں کہو دوسرے لفظوں میں مصدر ہے ضَرْب کا معنی ہے مارنا، خارج میں آپ کو مارنا کبھی نہیں نظر آئے گا بلکہ خارج میں اس سے جو صورت حاصل ہوئی یعنی مار، آپ کو خارج میں مار نظر آئے گی۔ بات سمجھ میں آگئی؟ اسی طرح ہنسنا مصدر ہے، خارج میں آپ کو کبھی ہنسنا نہیں نظر آئے گا خارج میں آپ کو ہنسی نظر آئے گی بھائی۔ تو مصدر خارج میں دکھائی نہیں دیتا کیونکہ مصدر کا خارج میں کوئی وجود ہے ہی نہیں کہ دکھائی دے، ہاں اس مصدر سے جو کیفیت اور جو صورت حاصل ہوتی ہے یا یوں کہو جو مصدر کا اثر ہوتا ہے وہ ہمیں دکھائی دیتا ہے۔ تو یہاں حاصل بالمصدر مراد ہے اور اس کو کَوْن کے ساتھ تعبیر کرتے ہیں: کَوْنُ الِاسْمِ دَالًّا، اسم کا دلالت کرنے والا ہونا، اسم کا دلالت کرنے والا ہونا۔

جیسے اور تفصیل ذرا سمجھ لو۔ میں نے کیا بتایا حاصل بالمصدر کسے کہتے ہیں؟ مصدر کا جو اثر ہوتا ہے اس کو کیا کہتے ہیں؟ حاصل بالمصدر۔ اور مصدر سے جو صورت حاصل ہو خارج میں، جو ہیئت حاصل ہو، ہیئت کا معنی صورت، جو ہیئت حاصل ہو خارج میں وہ ہمیں نظر آتی ہے۔ ہمیں ہنسنا نہیں نظر آتا ہمیں ہنسی نظر آتی ہے، ہمیں پٹائی کرنا نہیں نظر آتا ہمیں پٹائی نظر آتی ہے۔ چلنا، ہمیں خارج میں چلنا نہیں نظر آتا ہمیں خارج میں چال نظر آتی ہے۔ ہمیں رفتن، رفتن کا معنی جانا، ہمیں رفتن نظر نہیں آتا ہمیں رفتار نظر آتی ہے۔ جو مصدر سے صورت حاصل ہو گئی وہ ہمیں دکھائی دیتی ہے۔

اور تفصیل سمجھو: دیکھو زید نے ضرب لگائی، زید نے ضَرَبَ زَیْدٌ عَمْرًا، زید نے عمر کی پٹائی کی، تو ضَرْب مصدر پایا گیا، توجہ ہے؟ یہ ضَرْب مصدر پایا گیا، لیکن یہ ہمیں ضَرْب نہیں نظر آئی، ضَرْب کا اثر نظر آیا۔ ضَرْب کا—اور اثر کیا ہے؟ یعنی وہ پٹائی نظر آئی ہمیں، کیا نظر آئی؟ پٹائی۔ یا یوں کہو زید کا ضارب ہونا ہمیں نظر آیا اور عمر کا مضروب ہونا ہمیں نظر آیا، خود ضَرْب نہیں نظر آئی۔ ضَرَبَ زَیْدٌ عَمْرًا، زید نے عمر کی پٹائی کی، دیکھو ضَرْب مصدر پایا گیا، اس مصدر کا کیا اثر ہوا؟ کہ زید ضارب بنا اور عمر مضروب بنا، تو ہمیں خارج میں ضَرْب نہیں نظر آئی ہمیں زید کا ضارب ہونا نظر آیا، اس ضَرْب سے جو صورت حاصل ہوئی جو کیفیت حاصل ہوئی یعنی زید کا ضارب ہونا ہمیں نظر آیا اور عمر کا مضروب ہونا۔ جب دیکھو ضَرْب پائی گئی یہ ضَرْب

زید کی صفت بن گئی اور یہی ضَرْب عمر کی بھی صفت بن گئی، لیکن زید کی صفت ہے یہ ضَرْب کس اعتبار سے؟ کہ زید ضارب ہے، اور یہی ضَرْب عمر کی صفت بھی ہے لیکن کس اعتبار سے؟ کہ عمر مضروب ہے، تو اس ضَرْب کی وجہ سے زید کے اندر ضارب ہونے والی صفت آ گئی۔ زید کے اندر ضارب ہونے والی صفت آ گئی: أَيْ كَوْنُ زَيْدٍ ضَارِبًا، كَوْنُ زَيْدٍ ضَارِبًا۔ کیا ترجمہ؟ زید کا ضارب ہونا، یہ ہمیں نظر آیا خارج میں۔ اور یہی ضَرْب کس کی صفت بنی؟ عمر کی بھی صفت بنی، اور کس طرح؟ كَوْنُ عَمْرٍو مَضْرُوبًا، عمر کا مضروب ہونا، یہ ہمیں خارج میں نظر آیا۔

تو یہ ضَرْب کا کیا اثر ہوا؟ كَوْنُ زَيْدٍ ضَارِبًا، یا یوں کہو ضارب ہونا یہ زید کی صفت بن گئی، مضروب ہونا یہ عمر کی صفت بن گئی، اور یہ جو صفت بنی یہ مصدر نہیں ہے یہ حاصل بالمصدر ہے۔ اس ضَرْب کی وجہ سے زید کو کون سی صفت حاصل ہوئی؟ ضارب ہونے والی، اور عمر کو کون سی صفت حاصل ہوئی؟ مضروب ہونے والی، تو یہ حاصل بالمصدر ہے۔ تو مصدر تاثیر کا نام ہے اور حاصل بالمصدر اس اثر کا نام ہے۔ دیکھو ضَرْب ہوئی، ضَرْب ہوئی تو ضَرْب ایک تاثیر ہے، ضَرْب کیا ہے؟ اور اس تاثیر کا اثر کیا ہوا؟ زید کا ضارب ہونا اور عمر کا مضروب ہونا، تو ہمیں زید کا ضارب ہونا نظر آیا، ہمیں عمر کا مضروب ہونا نظر آیا۔ تو ضارب ہونا کس کی صفت؟ زید کی، اور مضروب ہونا کس کی صفت؟ عمر کی۔ تو یہاں پر بھی كَوْنُ الِاسْمِ، كَوْنُ الِاسْمِ دَالًّا، اسم کا دال ہونا، دیکھا یہ حاصل بالمصدر ہے۔ یہ کیا ہے؟ حاصل بالمصدر یہاں پر مراد ہے، جیسے عدل کے اندر آیا تھا، دیکھیے ذرا عدل والی عبارت نکالیے بھائی جہاں عدل کی بات شروع ہوئی تھی، انہوں نے کیا کہا تھا: فَالْعَدْلُ مَصْدَرٌ مَبْنِيٌّ لِلْمَفْعُولِ، کہ عدل جو ہے یہ مصدر مبنی للمفعول ہے أَيْ كَوْنُ الِاسْمِ مَعْدُولًا، اسم کا معدول ہونا، اسم کا۔ دیکھو متکلم نے—ادھر دیکھیے— متکلم نے ایک اسم کو پھیرا ایک صورت سے دوسری صورت کی طرف، تو یہ پھیرنا یہ پھیرنا یہ اس کلمے کی صفت بن گیا، لیکن یہ مصدر نہیں بلکہ حاصل بالمصدر، اور وہ کیا ہے؟ اس اسم کا معدول ہونا، اسم کا۔ تو یہ اسم کو جب پھیرا گیا ہے تو معدول ہونا اس کی صفت بن گیا بھائی، معدول ہونا صفت بن گیا، تو یہ اسم موصوف ہو گیا معدول ہونے کے ساتھ اور وہ جس سے پھیرا ہے وہ موصوف ہو گیا مَعْدُولٌ عَنْهُ ہونے کے ساتھ کہ اس سے پھیرا گیا ہے۔ جیسے عُمَر کو کس سے پھیرا؟ عَامِرٌ سے، تو عُمَر موصوف ہو گیا کس کے ساتھ؟ معدول ہونے کے ساتھ، معدول ہونا اس کی صفت بن گیا اور عَامِرٌ وہ موصوف ہو گیا کس کے ساتھ؟ مَعْدُولٌ عَنْهُ ہونے کے ساتھ کہ اس سے پھیرا گیا ہے۔ تو اسی لیے صاحبِ جامی نے وہاں پر عدل کا معنی کیا بیان کیا تھا: كَوْنُ الِاسْمِ مَعْدُولًا، اسم کا معدول ہونا، اور اسی طرح خروج کا کیا ترجمہ کیا تھا: كَوْنُ الِاسْمِ مُخْرَجًا، اسم کا مخرج ہونا، یعنی وہ جو حاصل بالمصدر ہے وہ صفت بنتی ہے مصدر صفت نہیں بنتا۔

ضَرْب مصدر خارج میں پایا گیا زید نے ضَرْب لگائی عمر کو، تو ضَرْب کا مصدر خارج میں پایا گیا اور اس ضَرْب کی وجہ سے یہ ضَرْب زید کی بھی صفت بنی اور عمر کی بھی صفت بنی، لیکن یہ ضَرْب مصدر صفت بنی یا حاصل بالمصدر؟ حاصل بالمصدر، اور وہ کیا ہے؟ زید کا ضارب ہونا، تو ضارب ہونا یہ زید کی صفت ہوا اور یہی ضَرْب عمر کی بھی صفت بنی لیکن مصدر نہیں بلکہ

حاصل بالمصدر یعنی اس مصدر کا جو اثر ہے اور وہ مضروب ہونا۔ تو ضارب ہونا دیکھو ضارب ہونا، دیکھو ترجمہ وہی مصدری انداز میں ہے، اور مضروب ہونا دیکھو یہ بھی مصدر والا ترجمہ لیکن یہ حاصل بالمصدر ہے۔ تو دیکھو اردو میں، اردو میں جیسے میں نے بتایا ہمیں خارج میں پٹائی کرنا نہیں نظر آتا پٹائی نظر آتی ہے۔ پٹائی کرنا ہے مصدر اور پٹائی ہے حاصل بالمصدر۔ ہمیں خارج میں ہنسنا نہیں نظر آتا بلکہ ہمیں خارج میں ہنسی نظر آتی ہے، ہنسنا ہے مصدر اور ہنسی ہے حاصل بالمصدر۔ ہمیں خارج میں مارنا نظر نہیں آتا ہمیں خارج میں مار نظر آتی ہے، تو مارنا ہے مصدر اور مار ہے حاصل بالمصدر بھائی۔ ہمیں خارج میں چلنا نہیں نظر آتا، چلنا ہے مصدر اور چال ہے حاصل بالمصدر ہے بھائی۔ تو ہمیں خارج میں حاصل بالمصدر نظر آتا ہے، اردو میں دونوں میں فرق ہے، مصدر کے لیے الگ لفظ ہے حاصل بالمصدر کے لیے الگ ہے۔ مصدر کے لیے ہے ہنسنا، مارنا، پٹائی کرنا اور حاصل بالمصدر کے لیے ہے ہنسی، پٹائی اور مار بھائی۔ دیکھا اردو میں دونوں میں فرق ہے لیکن عربی کے اندر وہی مصدر والا لفظ جو ہے مصدر کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے اور حاصل بالمصدر کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے، اور پھر مصدرِ معروف کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے مصدرِ مجہول کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے، تو اس ضَرْب کا معنی پٹائی کرنا بھی اور اس ضَرْب کا معنی پٹائی کیے جانا یعنی پٹائی ہونا بھی، معروف بھی ہے اور مجہول بھی ہے اور پھر یہ حاصل بالمصدر کے لیے بھی یہی ضَرْب استعمال ہو گا، تو اسی ضَرْب کا معنی ضارب ہونا بھی اور اسی ضَرْب کا معنی مضروب ہونا بھی۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو لہٰذا یہ جو اسبابِ منع صرف ہیں ان کا معنی صاحبِ جامی كَوْنُ الِاسْمِ مَعْدُولًا، كَوْنُ الِاسْمِ مُخْرَجًا، كَوْنُ الِاسْمِ دَالًّا یہ كَوْن کے ساتھ کر رہے ہیں، بتلانا کیا چاہتے ہیں کہ کیا مراد ہے یہاں پر؟ حاصل بالمصدر مراد ہے کیونکہ صفت جو بنتی ہے کسی کی وہ حاصل بالمصدر بنتا ہے مصدر خود صفت نہیں بنتا۔ بات سمجھ میں آگئی۔

دیکھیے بھائی اب کتاب پر۔ تو کہتے ہیں: اَلْوَصْفُ وَهُوَ كَوْنُ الِاسْمِ دَالًّا عَلَى ذَاتٍ مُبْهَمَةٍ مَأْخُوذَةٍ مَعَ بَعْضِ صِفَاتِهَا، وصف جو ہے وہ اسم کا دلالت کرنے والا ہونا ایسی ذات پر جو مبہم ہے اور ماخوذ ہے اپنی بعض صفات کے ساتھ۔ دیکھا اسم کا دلالت کرنے والا ہونا، یہ دیکھا یہ اسم کے اندر یہ معنی آجائے گا یہ اس کی صفت بن جائے گا۔

سَوَاءٌ كَانَتْ هَذِهِ الدَّلَالَةُ، وصف کسے کہتے ہیں؟ کہ اسم دلالت کرنے والا ہو ذاتِ مبہمہ پر اور اس میں اس کی بعض صفات بھی ملحوظ ہوں، پھر یہ جو اسم کا دال ہونا ہے یہ کبھی اصلِ وضع کے اعتبار سے ہو گا کہ وضع ہی اسم کو اس طریقے پر کیا گیا ہے کہ وہ ذاتِ مبہمہ پر دلالت کرے بھائی، اور کبھی کبھار وضع کے اعتبار سے تو وہ ایسا نہیں البتہ استعمال کے اعتبار سے وہ کسی ذاتِ مبہمہ پر دلالت کرتا ہے بعض صفات کے ساتھ بھائی۔

تو کہتے ہیں: سَوَاءٌ كَانَتْ هَذِهِ الدَّلَالَةُ بِحَسَبِ الْوَضْعِ، برابر ہے کہ یہ دلالت کرنا جو ہے وضع کے اعتبار سے ہو، مِثْلُ أَحْمَرَ جیسے کہ أَحْمَرَ، أَحْمَرَ کا کیا معنی؟ سرخ چیز، کوئی سرخ چیز بھائی، تو دیکھو ایک ذاتِ مبہم پر دلالت کر رہا ہے اور اس میں وصف سرخی بھی ملحوظ ہے وہ ذات کس قسم کی ہو اس میں کون سا رنگ ہو؟ سرخی والا۔ تو کہتے ہیں مِثْلُ أَحْمَرَ جیسے أَحْمَرَ، فَإِنَّهُ

مَوْضُوعٌ لِذَاتٍ مَا اس لیے کیونکہ اس کو وضع کیا گیا ہے کسی ذات کے لیے–ذَاتٍ ہے نکرہ، ذَاتٍ ہے نکرہ، نکرہ تو غیر معین پر دلالت کرتا ہے کوئی ذات، اور آگے مَا لا کر پھر اسی کے ابہام میں تاکید پیدا کر دی جاتی ہے۔ ذات کے اندر ابہام تھا کون سی ذات؟ مَا لا کر اسی ابہام کو اور پکا کر دیا گیا–لِذَاتٍ مَا کوئی ایک ذات، کوئی ایک ذات، ترجمہ سمجھ میں آ رہا ہے؟ فَإِنَّهُ مَوْضُوعٌ لِذَاتٍ مَا اس لیے کیونکہ اس کو وضع کیا گیا ہے لِذَاتٍ مَا کسی ذات کے لیے، أُخِذَتْ مَعَ بَعْضِ صِفَاتِهَا جو ماخوذ ہے یعنی ملحوظ ہے اپنی بعض صفات کے ساتھ، بھئی بعض صفات کون سی؟ کہتے ہیں الَّتِي هِيَ الْحُمْرَةُ وہ جو کہ سرخی ہے، جو ملحوظ ہے اپنی بعض صفات یعنی سرخی کے ساتھ۔

تو دیکھو اس میں یہ دلالت جو ہے وضع کے اعتبار سے ہے۔ أَوْ بِحَسَبِ الِاسْتِعْمَالِ یا وہ دلالت جو ہے استعمال کے اعتبار سے ہو گی، مِثْلُ أَرْبَعٍ جیسے أَرْبَعُون کا لفظ ہے فِي مَرَرْتُ بِنِسْوَةٍ أَرْبَعٍ اس مثال کے اندر، فَإِنَّهُ مَوْضُوعٌ لِمَرْتَبَةٍ مُعَيَّنَةٍ مِنْ مَرَاتِبِ الْعَدَدِ اس لیے کیونکہ یہ أَرْبَعَة کا لفظ اس کو وضع کیا گیا ہے لِمَرْتَبَةٍ مُعَيَّنَةٍ ایک معین مرتبے کے لیے ایک معین درجے کے لیے مِنْ مَرَاتِبِ الْعَدَدِ عدد کے درجوں میں سے۔ عدد کے درجوں میں سے ایک معین درجے کے لیے أَرْبَعَة کا لفظ وضع ہے اور وہ تین سے بڑا ہے اور پانچ سے چھوٹا ہے، اس معین مرتبے کے لیے أَرْبَعَة کا لفظ وضع ہے یہ کسی وصف کے لیے وضع نہیں ہے۔ تو اس کو وضع کیا گیا ہے عدد کے مراتب میں سے ایک معین مرتبے کے لیے، فَلَا وَصْفِيَّةَ فِيهِ بِحَسَبِ الْوَضْعِ تو اس أَرْبَعَة کے اندر کوئی وصفیت نہیں ہے وضع کے اعتبار سے، بَلْ قَدْ تَعْرِضُهُ الْوَصْفِيَّةُ ہاں کبھی کبھار اس کو وصفیت عارض آ جاتی ہے، كَمَا فِي الْمِثَالِ الْمَذْكُورِ جیسے کہ اس مذکورہ مثال میں ہے کون سی جو اوپر گزری مَرَرْتُ بِنِسْوَةٍ أَرْبَعٍ، اس میں أَرْبَعٍ کو وصفیت عارض ہو گئی پیش آ گئی خود یہ وصف کے لیے وضع نہیں ہے۔

فَإِنَّهُ لَمَّا أُجْرِيَ فِيهِ عَلَى النِّسْوَةِ یہ عبارت سمجھ لو: فَإِنَّهُ اس لیے کیونکہ لَمَّا جب أُجْرِيَ اس أَرْبَعَة کو جاری کیا گیا اس أَرْبَعَة کو جاری کیا گیا فِيهِ اس مثال میں جو پیچھے گزری مَرَرْتُ بِنِسْوَةٍ أَرْبَعٍ، دیکھو اس مثال پہ نظر رکھو اس مثال میں أَرْبَعٍ کو نِسْوَةٍ پر جاری کیا گیا یعنی اس کی صفت بنایا گیا۔ أَرْبَعَة تو عدد کا نام تھا لیکن یہاں پر أَرْبَعَة کو کس پر جاری کر دیا گیا؟ نِسْوَةٍ پر، جاری کرنے کا کیا معنی؟ اس کی صفت بنایا گیا۔ فَإِنَّهُ لَمَّا أُجْرِيَ فِيهِ اس لیے کیونکہ یہ جو أَرْبَعٍ کا لفظ ہے جب اس کو جاری کیا گیا فِيهِ اس مذکورہ مثال میں عَلَى النِّسْوَةِ کس پر جاری کیا گیا؟ نِسْوَةٍ پر، الَّتِي هِيَ مِنْ قَبِيلِ الْمَعْدُودَاتِ لَا الْأَعْدَادِ وہ نِسْوَةٍ جو کہ معدودات کی قبیل سے ہے اعداد کی قبیل سے نہیں۔ عدد وہ تو معین مرتبوں کا نام ہے اور نِسْوَةٍ

وہ عدد نہیں ہے وہ تو معدود ہے جن کو گنا جاتا ہے بھائی۔ تو أَرْبَعَة کے لفظ کو کس پر جاری کیا گیا؟ نِسْوَةٍ پر، اور نِسْوَةٍ وہ تو عدد نہیں ہے بلکہ کیا ہے؟ معدود ہے، تو معلوم ہوا کہ یہاں اس کو وصف کے طور پر استعمال کیا گیا ہے، عدد کے طور پر استعمال نہیں کیا گیا۔

پھر دیکھیے، دیکھو لَمَّا أُجْرِيَ فِيهِ عَلَى النِّسْوَةِ، أَجْرَى الشَّيْءَ عَلَى شَيْءٍ کا معنی ہوتا ہے ایک شے کو دوسری شے پر جاری

کرنا یعنی اس کو اس کی صفت بنانا، ایک شے کو دوسری شے کے صفت بنانا۔ تو یہاں بھی أَرْبَعَة کو نِسْوَةٍ پر جاری کیا گیا یعنی اس کے لیے صفت بنایا گیا۔ فَإِنَّهُ لَمَّا أُجْرِيَ فِيهِ عَلَى النِّسْوَةِ اس لیے کیونکہ أَرْبَعَة کے لفظ کو جب اس مثال کے اندر نِسْوَةٍ پر جاری کیا گیا، وہ نِسْوَةٍ الَّتِي هِيَ مِنْ قَبِيلِ الْمَعْدُودَاتِ لَا الْأَعْدَادِ وہ نِسْوَةٍ جو کہ معدودات کی قبیل سے ہے نہ کہ اعداد کی، تو عُلِمَ تو یہ بات معلوم ہو گئی—جب اس کو نِسْوَةٍ پر جاری کیا گیا تو یہ بات معلوم ہو گئی—أَنَّ مَعْنَاهُ مَرَرْتُ بِنِسْوَةٍ مَوْصُوفَةٍ بِالْأَرْبَعِيَّةِ کہ اس کا معنی یہ ہے کہ میں ایسی عورتوں پر گزرا جو موصوف ہو رہی تھیں أَرْبَعَة ہونے کے ساتھ بھائی، جو موصوف ہو رہی تھیں۔ معلوم ہوا یہ صفت بن رہا ہے یہاں پر، یہاں عدد مراد نہیں ہے۔

وَهَذَا مَعْنًى وَصْفِيٌّ عَرَضَ لَهُ فِي الِاسْتِعْمَالِ، اور یہ ایسا وصفی معنی ہے عَرَضَ لَهُ جو اس أَرْبَعَة کو عارض آگیا، پیش آیا ہے فِي الِاسْتِعْمَالِ کس کے اندر؟ استعمال میں، لَا أَصْلِيٌّ یہ معنی اصلی نہیں ہے بِحَسَبِ الْوَضْعِ وضع کے اعتبار سے۔ یہ جو أَرْبَعٍ میں وصف والا معنی آیا ہے یہ اس کو استعمال کی وجہ سے عارض ہوا ہے یہ اصلی معنی وضع کے اعتبار سے اصلی نہیں ہے۔ یہ معنی ہے وَهَذَا مَعْنًى وَصْفِيٌّ عَرَضَ لَهُ فِي الِاسْتِعْمَالِ لَا أَصْلِيٌّ بِحَسَبِ الْوَضْعِ، اس لیے کیونکہ یہ ایسا وصفی معنی ہے جو اس أَرْبَعَة کو عارض ہوا ہے استعمال کے اندر نہ کہ یہ اصلی ہے باعتبارِ وضع کے۔ وَالْمُعْتَبَرُ فِي سَبَبِيَّةِ مَنْعِ الصَّرْفِ هُوَ الْوَصْفُ الْأَصْلِيُّ، اور معتبر جو ہے منع صرف کا سبب ہونے میں هُوَ الْوَصْفُ الْأَصْلِيُّ وہ وصفِ اصلی ہے، وہ معتبر ہے وہ منع صرف کا سبب بنتا ہے، لِأَصَالَتِهِ اپنے اصل ہونے کی وجہ سے۔ وہ سبب بنتا ہے غیر انصراف کا اپنے اصل ہونے کی وجہ سے، لَا الْعَرَضِيُّ لِعَرَضِيَّتِهِ نہ کہ عرضی۔

بات کیا ہوئی؟ منع صرف کے اندر سبب ہونے میں جو معتبر ہے وہ وصفِ اصلی ہے اپنے اصل ہونے کی وجہ سے، لَا الْعَرَضِيُّ وصفِ عرضی نہیں ہے لِعَرَضِيَّتِهِ اپنے عرضی ہونے کی وجہ سے۔ اپنے عرضی ہونے کی وجہ سے یہ عرضی سبب نہیں بنے گا، بات سمجھ میں آگئی۔

ترجمہ سمجھ میں آیا؟ کہتے ہیں: وَالْمُعْتَبَرُ فِي سَبَبِيَّةِ مَنْعِ الصَّرْفِ هُوَ الْوَصْفُ الْأَصْلِيُّ، اور معتبر جو ہے منع صرف کا سبب ہونے میں وہ وصفِ اصلی ہے لِأَصَالَتِهِ اپنے اصل ہونے کی وجہ سے، یہ معتبر ہے، لَا الْعَرَضِيُّ وصفِ عرضی معتبر نہیں ہے، کیوں نہیں معتبر؟ لِعَرَضِيَّتِهِ اپنے عارضی ہونے کی وجہ سے بھائی۔

اچھا بات ساری سمجھ میں آگئی؟ چلیے بس بھائی هَذَا هُوَ الْمَرَامُ وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْكَلَامِ.

سبق نمبر ٦٢: اسبابِ منعِ صرف (٦): وصفیت کے غیر منصرف ہونے میں شرائط (عدمِ قبولِ تائے تانیث)

شرحِ ملا جامی صفحہ: ٤٢ — بتاریخ: ١ ستمبر ٢٠٢١ء

▪ تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث

آگے سبق دیکھیے بھائی۔ فَلِذٰلِكَ قَالَ الْمُصَنِّفُ رَحِمَهُ اللّٰهُ شَرْطُهُ أَيْ شَرْطُ الْوَصْفِ فِيْ سَبَبِيَّةِ مَنْعِ الصَّرْفِ أَنْ يَّكُوْنَ وَصْفًا فِي الْأَصْلِ الَّذِيْ هُوَ الْوَضْعُ بِأَنْ يَّكُوْنَ وَضْعُهُ عَلَى الْوَصْفِيَّةِ لَا أَنْ تَعْرِضَهُ الْوَصْفِيَّةُ بَعْدَ الْوَضْعِ فِي الْاِسْتِعْمَالِ۔

بھائی گزشتہ سبق میں ہم نے وصف کے بارے میں پڑھنا شروع کیا تھا بھائی، اور وصف جو ہے وہ اس اسم کا نام ہے جو ذاتِ مبہمہ پر دلالت کرتا ہے اور اس میں بعض اوصاف ملحوظ ہوتے ہیں۔ جیسے ضَارِبٌ، ضَارِبٌ ایک ذاتِ مبہم پر دلالت کر رہا ہے اور اس کے اندر بعض اوصاف ملحوظ ہیں کہ وہ ذات ضرب لگانے والی ہے۔ اسی طرح مَضْرُوْبٌ، یہ ایک اسم ہے جو دلالت کر رہا ہے ایک مبہم ذات پر جو ملحوظ ہے بعض اوصاف کے ساتھ اور وہ یہ کہ یہ، اس پر ضرب واقع ہوئی ہے۔ تو معلوم ہوا وصف جو ہے وہ ذات کا نام ہے، یعنی ایک مخصوص اسم کا نام ہے۔ جیسے ضَارِبٌ، مَضْرُوْبٌ، شُجَاعٌ، حَسَنٌ، أَحْمَرُ، أَبْيَضُ وغیرہ، یہ سارے اوصاف ہیں۔ یہ سارے اسم دلالت کرتے ہیں ذاتِ مبہم پر۔ ان کو آپ کسی کی بھی صفت بنا سکتے ہیں، زید کے ساتھ جوڑنا چاہیں، عمرو، بکر، خالد کے ساتھ۔ کیونکہ یہ کسی معین پر دلالت نہیں کر رہے، تو جس کے ساتھ جوڑیں گے پھر یہ اسی پر دلالت کرے گا۔ تو یہ معین ذات پر دلالت نہیں کرتے بلکہ کس پر کرتے ہیں؟ مبہم ذات پر دلالت کرتے ہیں۔ اور مبہم ذات پر مطلقاً دلالت نہیں کرتے جیسے رَجُلٌ اور كِتَابٌ مطلقاً ذات پر دلالت کرتے ہیں، بلکہ ان میں وصف بھی ایک ملحوظ ہوتا ہے۔ ضَارِبٌ ایک ایسی ذات پر دلالت کرتا ہے جو مبہم ہے اور ضاربیت کے ساتھ موصوف ہے۔ مَضْرُوْبٌ ایک مبہم ذات پر دلالت کرتا ہے لیکن وہ ایسی ہے جو مضروبیت کے ساتھ موصوف ہے بھائی۔ شُجَاعٌ ایک مبہم ذات پر دلالت کر رہا ہے لیکن وہ شجاعت کے ساتھ موصوف ہے بھائی۔

تو وصف جو ہے معلوم ہوا وہ خاص قسم کے اسم کا نام ہے۔ یہ شُجَاعٌ، مَضْرُوْبٌ وغیرہ یہ اسم کیا کہلاتے ہیں؟ وصف کہلاتے ہیں۔ تو وصف تو اسم کا نام ہوا، اور اسبابِ منعِ صرف تو سارے اعراض کے قبیل سے ہیں، تو اس کو یہاں کیسے

ذکر کر دیا؟ اسبابِ منعِ صرف یہ تو اعراض ہیں بھائی، جیسے میں نے کہا عُمَرُ غیر منصرف ہے، تو اس کے اندر دو سبب کون سے؟ آپ نے کہا ایک علمیت اور ایک عدل۔ معلوم ہوا عُمَرُ یہ جو اسم ہے، یہ ہے موصوف اور علمیت اس کی صفت ہے، یہ علم ہے بھائی، یہ علم ہونے کے ساتھ موصوف ہے۔ اور اسی طرح عدل، یہ معدول ہونے کے ساتھ موصوف ہے، تو معدول ہونا اس کی صفت ہے بھائی۔ تو معلوم ہوا یہ جو اسبابِ منعِ صرف ہوتے ہیں، یہ صفت ہوتے ہیں کسی اسم کی، تو یہ اعراض کے قبیل سے ہیں۔ کس قبیل سے؟ اعراض کے قبیل سے۔ اور جو آپ نے وصف یہاں ذکر کیا، وصف تو ایک اسم کا نام ہے، وہ تو ذات کا نام ہے، اسم تو موصوف ہوتا ہے اور آگے اس کی اعراض آتی ہیں، جیسے عُمَرُ کیا ہے؟ اسم ہے اور اس کی صفات ہیں کون کون سی؟ علمیت بھی ہے اور عدل بھی ہے۔ تو اسم ذات ہوتی ہے، تو پھر آپ نے وصف کو کیسے ذکر کر دیا اسبابِ منعِ صرف میں؟ یہ تو ذات ہے بھائی۔

تو جواب دیا کہ بھائی یہاں وصف جو ہے، وصف سے اس کا مصدری معنیٰ مراد ہے، وَهُوَ كَوْنُ الْاِسْمِ دَالًّا، اسم کا دلالت کرنے والا ہونا۔ دیکھا؟ یہ اسم کی صفت ہے۔ یہ اسم کی صفت ہے، کہ اسم دلالت کرنے والا ہوگا کسی وصف پر یا دلالت کرنے والا نہیں ہوگا۔ جُمَعُ دیکھو، اس میں ایک سبب کیا؟ ایک عدل ہے اور دوسرا وصف ہے، یعنی وصفیت کے ساتھ یہ موصوف ہو رہا ہے، اس میں وصفیت والی صفت ہے۔ بات سمجھ میں آ رہی ہے؟ تو یہاں بتلا دیا کہ وصف سے مراد جو ہے وہ ذات نہیں مراد، بلکہ یہاں بھی وہی مصدری معنیٰ یا یوں کہو حاصل بالمصدر مراد ہے، أَيْ كَوْنُ الْاِسْمِ دَالًّا، کہ اسم کا دلالت کرنے والا ہونا کسی ذاتِ مبہمہ پر اور جس میں اس کی بعض صفات بھی ملحوظ ہوں۔

جیسے میں نے مثال ذکر کی تھی کہ زید نے ضرب لگائی، تو یہ جو مصدر ہے اس کا خارج میں وجود نہیں، یہ ہمیں خارج میں دکھائی نہیں دیتا، یہ ایک معنیٰ کا نام ہے۔ البتہ خارج میں ہمیں جو دکھائی دیتا ہے وہ حاصل بالمصدر ہے۔ جب زید نے ضرب لگائی، ضرب ہمیں نظر نہیں آئی ہاں اس کا اثر نظر آیا، اور وہ کیا؟ یعنی یوں کہو، پٹائی کرنا نہیں نظر آیا بلکہ کیا نظر آئی؟ پٹائی۔ مارنا نہیں نظر آیا بلکہ کیا نظر آئی؟ مار۔ اسی طرح کوئی ہنسا، تو یہ ہنسنا مصدر ہے، خارج میں ہمیں ہنسنا نہیں نظر آتا، ہمیں خارج میں ہنسی نظر آتی ہے۔ اسی طرح دوڑنا، دوڑنا مصدر ہے، خارج میں ہمیں دوڑنا نہیں نظر آتا، خارج میں ہمیں دوڑ نظر آتی ہے۔ چلنا مصدر ہے، لیکن خارج میں ہمیں چلنا نہیں نظر آتا بلکہ ہمیں اس کا اثر یعنی چال نظر آتی ہے۔ تو جب زید نے ضرب لگائی تو یہ ضرب صفت بن گئی زید کی بھی اور یہ ضرب صفت بن گئی عمرو کی بھی۔ یا یوں کہو کہ جب زید نے ضرب لگائی تو ہمیں ضرب نہیں نظر آئی یعنی مارنا نہیں نظر آیا بلکہ مار نظر آئی۔ یا یوں کہو ہمیں پٹائی کرنا نہیں نظر آیا بلکہ پٹائی نظر آئی بھائی، پٹائی نظر آئی۔ اور پھر جب زید نے ضرب لگائی تو یہ ضرب زید کی صفت بن گئی اور یہی ضرب عمرو کی بھی صفت بن گئی۔ لیکن یہ ضرب زید کی صفت ہے کس اعتبار سے؟ کہ زید ضَارِبٌ ہے۔ اور عمرو کی صفت ہے یہ ضرب کس اعتبار سے؟ کہ وہ مَضْرُوْبٌ ہے۔ تو دیکھو ضَارِبٌ ہونا زید کی صفت بن گیا، اور مَضْرُوْبٌ ہونا عمرو کی صفت بن گیا۔ یہ ضَارِبٌ ہونا، مَضْرُوْبٌ ہونا، دیکھو ضَارِبٌ ہونا، دیکھو مصدر والا ترجمہ کر رہا ہوں، مَضْرُوْبٌ ہونا مصدر والا ترجمہ کر رہا ہوں لیکن یہ حاصل بالمصدر ہیں۔

یہ کیا ہیں؟ حاصل بالمصدر ہیں۔ تو جب ضرب پائی گئی تو زید ضَارِبٌ ہونے کے ساتھ موصوف ہوا، عمرو مَضْرُوْبٌ ہونے کے ساتھ موصوف ہوا۔ اسی طرح جب عدل کیا تو وہ کلمہ معدول ہونے کے ساتھ موصوف ہو جاتا ہے۔ تو یہاں حاصل بالمصدر مراد ہے۔

اور پھر انہوں نے آپ کو بتلایا کہ یہ جو وصف ہے یہ دو قسم پر ہوتا ہے۔ کبھی وضع کے اعتبار سے وصف ہوتا ہے، کبھی صرف استعمال کے اعتبار سے وصف ہوتا ہے۔ وضع کے اعتبار سے وصف جیسے أَحْمَرُ، یہ وضع کے اعتبار سے ہی وصف ہے بھائی، وضع کے اعتبار سے اس کو وضع ہی کس لیے کیا گیا ہے؟ وصف کے طور پر۔ اور ایک ہے أَرْبَعٌ، أَرْبَعٌ کے اندر بھی وصفیت کبھی آجاتی ہے، لیکن اصلِ وضع کے اعتبار سے وہ عدد کے لیے وضع ہے، ہاں کبھی کبھار استعمال میں اس کے اندر وصفیت آجاتی ہے جیسے مَرَرْتُ بِنِسْوَةٍ أَرْبَعٍ۔ اب یہ أَرْبَعٌ کو ہم نے کس پر جاری کیا؟ نِسْوَةٌ پر۔ جاری کرنے کا کیا معنیٰ؟ یعنی اس کے لیے صفت بنایا۔ معلوم ہوا کہ اس وقت صفت بن رہا ہے، وہ جو نِسْوَةٌ ہیں وہ موصوف ہو رہی ہیں چار ہونے کے ساتھ، کہ ان کی تعداد کتنی ہے؟ چار ہے بھائی، چار ہے۔ تو حاصلِ کلام یہ کہ غیر انصراف کا سبب بننے میں وہ وصف معتبر ہے جو اصلی ہو، یعنی وضع کے اعتبار سے ہو۔ وہ وصف جو عارضی ہو وہ معتبر نہیں ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ اب آگے دیکھیے آج کا سبق بھائی۔

تو کہتے ہیں فَلِذٰلِكَ قَالَ الْمُصَنِّفُ رَحِمَهُ اللّٰهُ شَرْطُهُ أَيْ شَرْطُ الْوَصْفِ فِيْ سَبَبِيَّةِ مَنْعِ الصَّرْفِ أَنْ يَّكُوْنَ وَصْفًا فِي الْأَصْلِ۔ اسی لیے مصنف رحمہ اللہ نے فرمایا شَرْطُهُ أَيْ شَرْطُ الْوَصْفِ، دیکھا ہَاء ضمیر کا مرجع بتلا دیا صاحبِ جامی نے کہ اس کی شرط یعنی وصف کی شرط کس چیز میں؟ فِيْ سَبَبِيَّةِ مَنْعِ الصَّرْفِ، منعِ صرف کا سبب ہونے میں۔ منعِ صرف کا سبب ہونے میں وصف کی شرط کیا ہے؟ أَنْ يَّكُوْنَ وَصْفًا فِي الْأَصْلِ، کہ اس کا وصف ہونا اصل میں ہو۔ اصل سے کیا مراد ہے؟ اصل میں وہ وصف ہو۔ کہتے ہیں الَّذِيْ هُوَ الْوَضْعُ، وہ اصل جو کہ وضع ہے۔ کہ وصف غیر انصراف کا سبب بنے گا لیکن اس کے لیے شرط یہ ہے کہ وہ اصل کے اندر وصف ہونا چاہیے۔ اصل میں وصف ہونے کا کیا معنیٰ؟ یعنی وضع کے اعتبار سے اس کو وصف ہونا چاہیے۔

بِأَنْ يَّكُوْنَ، باء تصویریہ ہے، یہ صورت بتلا رہا ہے کہ وضع کے اعتبار سے وصف کیسے ہوگا؟ کہ بِأَنْ يَّكُوْنَ وَضْعُهُ عَلَى الْوَصْفِيَّةِ، بایں صورت کہ اس لفظ کی وضع ہی کس لیے ہو؟ وصف کے طور پر ہو۔ لَا أَنْ تَعْرِضَهُ الْوَصْفِيَّةُ بَعْدَ الْوَضْعِ فِي الْاِسْتِعْمَالِ، ایسا نہ ہو کہ وصفیت اس کو پیش آجائے، اس کو لاحق ہو جائے بَعْدَ الْوَضْعِ، وضع کے بعد، فِي الْاِسْتِعْمَالِ، کس کے اندر؟ فِي الْاِسْتِعْمَالِ، استعمال میں بھائی۔ سَوَاءٌ بَقِيَ عَلَى الْوَصْفِيَّةِ الْأَصْلِيَّةِ أَوْ زَالَتْ عَنْهُ، بھائی اصلِ وضع میں وصف ہونا چاہیے پھر چاہے غلبہ اسمیت کی وجہ سے یہ وصفیت زائل بھی ہو جائے، اسم بن جائے، پھر بھی یہ وصفیت معتبر ہے، یہ مؤثر ہے، یہ غیر انصراف کا سبب بنے گی۔ سَوَاءٌ بَقِيَ عَلَى الْوَصْفِيَّةِ الْأَصْلِيَّةِ، برابر ہے کہ وہ اسم جو ہے وہ وصفیتِ اصلیہ

پر باقی رہے، أَوْ زَالَتْ عَنْهُ، یا اس سے وہ وصفیت زائل ہو جائے۔

فَلَا تَضُرُّهُ، پس اس کو نقصان نہیں دیتا۔ دیکھیے متن دیکھیے، فَلَا تَضُرُّهُ الْغَلَبَةُ، تو غلبہ جو ہے اس وصف کو نقصان نہیں دیتا، غلبہ تو غلبہ اس کو نقصان نہیں دیتا۔ بھائی کیا معنیٰ نقصان نہیں دیتا؟ یعنی بھائی دیکھیے جب ایک لفظ اصلِ وضع کے اعتبار سے وصف ہے، اب غلبہ اسمیت اس پر آگیا، اب وہ وصف کے طور پر نہیں استعمال ہوتا بلکہ اپنے بعض افراد کے لیے اسم کے طور پر استعمال ہوتا ہے۔ تو دیکھو غلبہ اسمیت آگیا، لیکن یہ غلبہ اسمیت اس کو نقصان نہیں دے گا کس چیز میں؟ غیر انصراف کا سبب بننے میں، غیر انصراف کا سبب بننے میں کوئی نقصان نہیں دے گا، یہ ابھی بھی غیر انصراف کا سبب بنے گا بھائی۔ تو کہتے ہیں فَلَا تَضُرُّهُ، تو اس کو نقصان نہیں دے گا۔ کیسے نقصان دینے کی صورت کیا ہے؟ باء تصویریہ صورت بتلا رہے ہیں، بِأَنْ تُخْرِجَهُ عَنْ سَبَبِيَّةِ مَنْعِ الصَّرْفِ، بایں صورت کہ اس کو منعِ صرف کا سبب ہونے سے نکال دے۔ اسمیت اس پر غالب آجائے اور یہ اس کو غیر انصراف کا سبب ہونے سے نکال دے، اس کو غیر انصراف کا سبب نہ بننے دے، ایسا نہیں ہوگا۔ یہ نقصان اس کو، غلبہ اسمیت یہ نقصان اس کو اب نہیں دے سکتا کیونکہ اصلِ وضع میں وہ وصف ہے بھائی۔ یہ معنیٰ ہے فَلَا تَضُرُّهُ، لہٰذا اس کو نقصان نہیں دے گا بِأَنْ تُخْرِجَهُ عَنْ سَبَبِيَّةِ مَنْعِ الصَّرْفِ الْغَلَبَةُ، بایں صورت کہ اس کو نکال دیں منعِ صرف کا سبب ہونے سے۔ کون نکال دے؟ الْغَلَبَةُ، غلبہ، غلبہ اسمیت اس کو غیر منصرف کا سبب ہونے سے نکال دے ایسا نہیں ہوگا۔

متن میں آیا تھا الْغَلَبَةُ، آگے صاحبِ جامی بتلا رہے ہیں أَيْ غَلَبَةُ الْاِسْمِيَّةِ، غلبہ اسمیت بھائی بھائی، غلبہ اسمیت مراد ہے بھائی یہاں پر غلبے سے۔ أَيْ غَلَبَةُ الْاِسْمِيَّةِ عَلَى الْوَصْفِيَّةِ، یعنی اسمیت کا غالب آنا وصفیت پر۔ وَمَعْنَى الْغَلَبَةِ، غلبہ کا معنیٰ میں نے بیان کیا تھا، کسے کہتے ہیں؟ کہ اسم کا اپنے بعض افراد کے ساتھ خاص ہو جانا، یہ کیا ہے؟ غلبہ اسمیت ہے۔ تو کہتے ہیں وَمَعْنَى الْغَلَبَةِ اور غلبہ کا معنیٰ جو ہے اِخْتِصَاصُهُ بِبَعْضِ أَفْرَادِهِ، اس اسم کا خاص ہو جانا اپنے بعض افراد کے ساتھ، بِحَيْثُ لَا يَحْتَاجُ فِي الدَّلَالَةِ عَلَيْهِ إِلَى قَرِينَةٍ، اس طور پر کہ وہ محتاج نہ ہو اس پر دلالت کرنے میں إِلَى قَرِينَةٍ، کسی قرینے کا۔ أَسْوَدُ کا لفظ کالے سانپ کے ساتھ خاص ہو گیا، اب أَسْوَدُ بول کر جب کالے سانپ کا آپ ارادہ کریں تو کسی قرینے کی ضرورت نہیں۔ آپ جیسے ہی أَسْوَدُ بولیں فوراً سننے والا عرب کیا سمجھے گا؟ کہ کالے سانپ کی بات ہو رہی ہے۔ اگر کسی اور چیز کا آپ ارادہ کرتے ہیں وہ بھی کر سکتے ہیں لیکن اس کے لیے پھر قرینہ چاہیے ہوگا بھائی۔ تو کہتے ہیں وَمَعْنَى الْغَلَبَةِ اِخْتِصَاصُهُ بِبَعْضِ أَفْرَادِهِ اور غلبہ اسمیت کا معنیٰ جو ہے اسم کا خاص ہونا اپنے بعض افراد کے ساتھ بِحَيْثُ لَا يَحْتَاجُ فِي الدَّلَالَةِ عَلَيْهِ إِلَى قَرِينَةٍ، اس طور پر کہ اسم محتاج نہ رہے اس پر دلالت کرنے میں إِلَى قَرِينَةٍ کسی قرینے کا۔

كَمَا أَنَّ أَسْوَدَ كَانَ مَوْضُوعًا لِكُلِّ مَا فِيهِ سَوَادٌ، جیسے کہ أَسْوَدُ کا لفظ اس کو وضع کیا گیا تھا لِكُلِّ مَا فِيهِ سَوَادٌ، ہر ایسی چیز کے لیے جس میں سَوَاد یعنی سیاہی ہو، جس میں سیاہی ہو، کالا رنگ ہو۔ ثُمَّ كَثُرَ اسْتِعْمَالُهُ فِي الْحَيَّةِ السَّوْدَاءِ، پھر اس کا استعمال کثیر ہو گیا فِي الْحَيَّةِ السَّوْدَاءِ، کالے سانپ میں۔ حَيَّةٌ کس کو کہتے ہیں؟ سانپ۔ پھر اس کا استعمال کثیر ہوا کالے

سانپ کے اندر بِحَيْثُ لَا يَحْتَاجُ فِي الْفَهْمِ عَنْهُ إِلٰى قَرِيْنَةٍ، اس طور پر یعنی اتنا کثیر الاستعمال ہوا کہ یہ محتاج نہ رہا فِي الْفَهْمِ عَنْهُ، یہ جو کالا سانپ جو ہے محتاج نہ رہا فِي الْفَهْمِ عَنْهُ اس سے مفہوم ہونے میں، اس سے سمجھے جانے میں إِلٰى قَرِيْنَةٍ، کسی قرینے کا۔ اب یہ جو اس کا معنیٰ ہے یعنی کالا سانپ، یہ اب اس أَسْوَدُ لفظ سے سمجھ میں آنے کے لیے کسی قرینے کا محتاج نہیں۔ أَسْوَدُ سے خود بخود کون سا معنیٰ سمجھ میں آتا ہے؟ کالے سانپ والا۔ یہ معنیٰ ہے بِحَيْثُ لَا يَحْتَاجُ فِي الْفَهْمِ عَنْهُ إِلٰى قَرِيْنَةٍ، اس طور پر کہ یہ کالا سانپ جو ہے اب وہ محتاج نہیں ہے اس أَسْوَدُ لفظ سے مفہوم ہونے میں إِلٰى قَرِيْنَةٍ کسی قرینے کا۔ فَلِذٰلِكَ، اسی وجہ سے، اسی وجہ بھائی فَلِذٰلِكَ صاحبِ کافیہ نے فرمایا، اور اس کے ذریعے آگے تفریع کر رہے ہیں، دو چیزوں کی تفریع کریں گے۔ کہتے ہیں اسی وجہ سے أَرْبَعٌ منصرف ہے آگے کہیں گے۔ أَرْبَعٌ منصرف ہے، کیوں أَرْبَعٌ منصرف ہے؟ کیونکہ اصلِ وضع کے اعتبار سے وصف نہیں، اور شرط کیا تھی؟ اصلِ وضع کے اعتبار سے وصف ہونا چاہیے۔ اور دوسری تفریع یہ کریں گے کہ أَسْوَدُ اور أَرْقَمُ یہ، ان پر غلبہ اسمیت آگیا ہے اب، اب یہ کالے اور چتکبرے سانپ کا نام بن چکے ہیں، لیکن پھر بھی غلبہ اسمیت ان کو نقصان نہیں دے گا، یہ پھر بھی غیر منصرف ہیں، یہ پھر بھی غیر منصرف ہیں۔ گویا آگے دو چیزیں ذکر کر رہے ہیں صاحبِ کافیہ، کون کون سی؟ أَرْبَعٍ کا منصرف ہونا اور أَسْوَدُ اور أَرْقَمُ کا غیر منصرف ہونا۔ أَرْبَعَةٌ کا منصرف ہونا کس وجہ سے ہے؟ کیونکہ وہ شرط پوری نہیں، اصلِ وضع میں وصف ہونا چاہیے۔ اور أَسْوَدُ اور أَرْقَمُ ان کے غیر منصرف ہونا کس وجہ سے ہے؟ کہ جب اصلِ وضع میں وصف ہو تو غلبہ اسمیت پھر نقصان نہیں دیتا۔ تو دو باتوں پر آگے دو چیزوں کی تفریع کر رہے ہیں۔ لیکن فَلِذٰلِكَ اسمِ اشارہ تو مفرد کا لے آئے، اسی وجہ سے، ذٰلِكَ تو مفرد کے لیے اشارہ ہوتا ہے، ایک چیز کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے، تو صاحبِ جامی آپ کو بتلائیں گے کہ ذٰلِكَ اشارہ ہے ان دونوں کی طرف مَذْكُوْرٌ کی تاویل میں۔ پس اس وجہ سے، کس وجہ سے؟ وہ جو ذکر کر دیا گیا، وہ جو مذکور ہوا، اب وہ چاہے ایک چیز ہو چاہے دس چیزیں ہوں مذکور میں ساری آگئیں۔ تو یہ ذٰلِكَ اشارہ ہے ماقبل کی دونوں چیزوں کو کس تاویل میں؟ مَذْكُوْرٌ کی تاویل میں۔ دیکھیے بھائی فَلِذٰلِكَ، دیکھو فَلِذٰلِكَ الْمَذْكُوْرِ مِنِ اشْتِرَاطِ إِضَالَةِ الْوَصْفِيَّةِ، اور اسی وجہ سے جو ذکر کیا گیا، مِن بیان ہے، کیا ذکر کیا گیا؟ دو چیزیں، مِنِ اشْتِرَاطِ إِضَالَةِ الْوَصْفِيَّةِ، یعنی وصف کے اصل ہونے کی شرط لگانا، وَعَدَمِ مَضَرَّةِ الْغَلَبَةِ، اور غلبے کا نقصان دہ نہ ہونے کی وجہ سے۔ دو چیزیں پیچھے ذکر ہوئیں، اَلْمَذْكُوْرِ کے آگے مِن کے ذریعے بیان کر دیا کہ مذکور سے پیچھے والی دو، وہ جو ذکر کیا گیا یعنی کیا ذکر کیا گیا؟ یعنی وصف کے اندر اصل ہونے کی شرط اور غلبے کے نقصان دہ نہ ہونے کی وجہ سے۔

آگے اب تفریع کر رہے ہیں، یہ دو چیزیں ہیں۔ کون کون سی؟ نمبر ایک صُرِفَ، صُرِفَ متن دیکھو، صُرِفَ مَرَرْتُ بِنِسْوَةٍ أَرْبَعٍ، منصرف پڑھا گیا مَرَرْتُ بِنِسْوَةٍ أَرْبَعٍ کو۔ منصرف پڑھا گیا مَرَرْتُ بِنِسْوَةٍ أَرْبَعٍ، یعنی اس کے اندر جو أَرْبَعٌ کا لفظ ہے وہ مراد ہے کہ اس کو منصرف پڑھا گیا۔ تو کہتے ہیں صُرِفَ، منصرف پڑھا گیا لِعَدَمِ إِضَالَةِ الْوَصْفِيَّةِ، وصفیت کے اصل نہ ہونے کی وجہ سے، منصرف بنایا گیا، منصرف پڑھا گیا کس کو؟ أَرْبَعٌ، أَرْبَعٌ کے لفظ کو فِيْ قَوْلِهِمْ، عربوں کے اس قول کے اندر مَرَرْتُ

بِنِسْوَةٍ أَرْبَعٍ، اچھا اس قول میں مَرَرْتُ بِنِسْوَةٍ أَرْبَعٍ۔ وَامْتَنَعَ، اور اسی وجہ سے ممتنع ہے مِنَ الصَّرْفِ، کس چیز سے ممتنع ہے؟ صرف سے ممتنع ہے یعنی غیر منصرف ہے لِعَدَمِ مَضَرَّةِ الْغَلَبَةِ، بوجہ غلبے کے نقصان دہ نہ ہونے کے ممتنع ہے صرف سے یعنی غیر منصرف ہے، کیا چیز؟ أَسْوَدُ وَأَرْقَمُ، أَسْوَدُ اور أَرْقَمُ۔ حَيْثُ صَارَا اسْمَيْنِ لِلْحَيَّةِ، اس طور پر کہ یہ دو نام ہو گئے ہیں لِلْحَيَّةِ، سانپ کے لیے بھائی، یہ دونوں سانپ کے لیے نام ہو گئے ہیں۔ اَلْأَوَّلُ لِلْحَيَّةِ السَّوْدَاءِ، پہلا جو ہے وہ کالے سانپ کے لیے ہے یعنی أَسْوَدُ جو ہے، وَالثَّانِي لِلْحَيَّةِ الَّتِي فِيهَا سَوَادٌ وَّبَيَاضٌ، اور دوسرا یعنی کہ أَرْقَمُ جو ہے اس سانپ کے لیے جس کے اندر فِيهَا سَوَادٌ وَّبَيَاضٌ، جس میں سیاہی اور سفیدی ہوتی ہے، یعنی کالا رنگ بھی ہوتا ہے اور سفید رنگ بھی۔

وَأَدْهَمُ لِلْقَيْدِ، اسی طرح یاد رکھو أَدْهَمُ جو ہے یہ بیڑی کا نام ہے، کس کا نام ہے؟ قَيْدٌ کا معنیٰ ہے بیڑی، بیڑی۔ بھائی وہ زنجیریں جو قیدیوں کو پہنائی جاتی ہیں، آپ جانتے ہیں قیدیوں کو پاؤں میں، ہاتھوں میں، گردن میں یہ زنجیروں میں اس کو باندھا جاتا ہے، تو وہ جو زنجیریں ہیں وہ جو بیڑیاں ہیں ان کو عربی میں قَيْدٌ کہتے ہیں، قَيْدٌ کہتے ہیں۔ تو أَدْهَمُ ان بیڑیوں کو أَدْهَمُ کہتے ہیں۔ أَدْهَمُ جو ہے یاد رکھو یہ ہر کالی چیز کے لیے وضع تھا۔ جیسے أَسْوَدُ ہر کالی چیز کے لیے وضع تھا أَدْهَمُ بھی ہر کالی چیز کے لیے وضع تھا۔ اور ابھی بھی یہ اور چیزوں کے لیے جو کالی چیزیں ہیں ان کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ لیکن یہ بیڑیاں جو ہیں وہ جو قیدی کو زنجیریں پہنائی جاتی ہیں ان کے لیے اسم بن گیا۔ جیسے أَسْوَدُ اور أَرْقَمُ خاص سانپوں کے لیے اسم بن گئے، تو أَدْهَمُ بھی غلبہ اسمیت کی وجہ سے اسم بن گیا بیڑی کے لیے بھائی۔ اور بیڑی کے اندر بھی دیکھو سیاہی ہوتی ہے، سیاہی مائل ہوتی ہے وہ، کالا رنگ ہوتا ہے اس میں۔ تو یہ أَدْهَمُ یہ اب بیڑی کا نام بن گیا۔ اصلِ وضع میں تو وصف تھا، اب کیا بن گیا؟ نام بن گیا۔ لیکن جب اصلِ وضع میں وصف ہو تو غلبہ اسمیت نقصان نہیں دیتا اس لیے أَدْهَمُ غیر منصرف ہے بھائی۔ تو کہتے ہیں وَأَدْهَمُ، اور أَدْهَمُ جو ہے حَيْثُ صَارَ اسْمًا لِّلْقَيْدِ، اس طور پر کہ یہ اسم بن گیا ہے قید کے لیے، بیڑی کے لیے مِنَ الْحَدِيْدِ، وہ بیڑی جو کس سے ہوتی ہے؟ وہ بیڑی جو لوہے سے ہوتی ہے یعنی لوہے کی ہوتی ہے لِمَا فِيْهِ مِنَ الدُّهْمَةِ، اس وجہ سے کہ اس کے اندر دُهْمَةٌ ہوتی ہے۔ بیڑی میں یعنی زنجیروں میں دُهْمَةٌ ہوتی ہے، أَغْنِي السَّوَادَ، یعنی سیاہی۔ دُهْمَةٌ کا کیا معنیٰ؟ سیاہی۔ تو یہ دُهْمَةٌ سے أَدْهَمُ ہے بھائی۔ أَغْنِي السَّوَادَ یعنی سیاہی۔

فَإِنَّ هٰذِهِ الْأَسْمَاءَ وَإِنْ خَرَجَتْ عَنِ الْوَصْفِيَّةِ، تو یہ والے جو اسماء ہیں یعنی أَسْوَدُ، أَرْقَمُ اور أَدْهَمُ یہ اسماء جو ہیں وَإِنْ خَرَجَتْ عَنِ الْوَصْفِيَّةِ، اگرچہ یہ وصف ہونے سے خارج ہو گئے ہیں، اب یہ وصف نہیں ہیں لِغَلَبَةِ الْاِسْمِيَّةِ، غلبہ اسمیت کی وجہ سے، لٰكِنَّهَا بِحَسَبِ أَصْلِ الْوَضْعِ أَوْصَافٌ، لیکن یہ اصلِ وضع کے اعتبار سے اوصاف ہیں۔ لَمْ يُهْجَرِ اسْتِعْمَالُهَا فِيْ مَعَانِيْهَا الْأَصْلِيَّةِ أَيْضًا بِالْكُلِّيَّةِ، لَمْ يُهْجَرْ نہیں چھوڑا گیا اسْتِعْمَالُهَا ان کا استعمال، یہ أَسْوَدُ، أَرْقَمُ اور أَدْهَمُ یہ اگرچہ اسم بھی بن گئے لیکن اصلی معنیٰ یعنی وصف کے طور پر یہ ابھی بھی استعمال ہوتے ہیں۔ تو یہ معنیٰ ہے کہ یہ ایسے اوصاف ہیں لَمْ يُهْجَرِ اسْتِعْمَالُهَا کہ چھوڑا نہیں گیا ان کے استعمال کو فِيْ مَعَانِيْهَا الْأَصْلِيَّةِ، ان کے اصلی معانی یعنی وصفی معانی کے، یعنی وہ جو اوصاف والے معانی ہیں ان کے اندر ان کے استعمال کو نہیں چھوڑا گیا، أَيْضًا، یعنی اس میں بھی استعمال کو نہیں

چھوڑا گیا بِالْكُلِّيَّةِ پورے طور پر، کلی طور پر۔ ترجمہ سمجھ میں آیا؟ بھائی دیکھیے أَوْصَافٌ آیا نکرہ اور لَمْ يُهْجَرْ اس کے بعد فعل آیا، اور نکرہ کے بعد فعل آئے تو وہ اس کے لیے کیا بنتا ہے؟ صفت۔ تو اب دیکھیے ترجمہ أَوْصَافٌ سے پہلے میں ایسا یا ایسی کا لفظ لاؤں گا۔ تو کہتے ہیں دوبارہ سنو، فَإِنَّ هٰذِهِ الْأَسْمَاءَ وَإِنْ خَرَجَتْ عَنِ الْوَصْفِيَّةِ، اگرچہ یہ والے اسماء جو ہیں یہ وصفیت سے خارج ہو گئے ہیں لِغَلَبَةِ الْاِسْمِيَّةِ غلبہ اسمیت کی وجہ سے، لٰكِنَّهَا بِحَسَبِ أَصْلِ الْوَضْعِ أَوْصَافٌ، لیکن یہ اصلِ وضع کے اعتبار سے ایسے اوصاف ہیں کہ لَمْ يُهْجَرِ اسْتِعْمَالُهَا کہ ان کے استعمال کو چھوڑا نہیں گیا فِيْ مَعَانِيْهَا الْأَصْلِيَّةِ أَيْضًا، ان کے معانی اصلیہ میں بھی بِالْكُلِّيَّةِ پورے طور پر، کہ ان کے استعمال کو ان کے معانی اصلیہ میں بھی پورے طور پر نہیں چھوڑا گیا۔

فَالْمَانِعُ مِنَ الصَّرْفِ فِيْ هٰذِهِ الْأَسْمَاءِ الصِّفَةُ الْأَصْلِيَّةُ وَوَزْنُ الْفِعْلِ، پس وہ چیز جو مانع ہے صرف سے یعنی دو اسباب جو ہیں ان کے اندر، تو کہتے ہیں فَالْمَانِعُ مِنَ الصَّرْفِ فِيْ هٰذِهِ الْأَسْمَاءِ، تو وہ جو مانع ہے صرف سے ان اسموں کے اندر، الصِّفَةُ الْأَصْلِيَّةُ، وہ ایک صفتِ اصلیہ ہے وَوَزْنُ الْفِعْلِ، اور دوسرا وزنِ فعل ہے۔ وَأَمَّا عِنْدَ اسْتِعْمَالِهَا فِيْ مَعَانِيْهَا، جی ادھر دیکھیے، بتانا یہ چاہتے ہیں یہ أَسْوَدُ، أَرْقَمُ اور أَدْهَمُ یہ اب اسم بن چکے ہیں، تو لیکن پھر بھی وصفیتِ اصلیہ معتبر ہے اور وہ وصفیتِ اصلیہ اور وزنِ فعل کی وجہ سے یہ کیا پڑھے جائیں گے؟ غیر منصرف۔ اور کہتے ہیں یہ اپنے اصلی وصف والے معنیٰ میں بھی استعمال ہوتے ہیں۔ جب وصف والے معنیٰ میں استعمال ہوں پھر تو غیر منصرف ہونے میں کوئی شک ہی نہیں ہے کیونکہ اصلِ وضع میں بھی وصف اور فی الحال مثلاً استعمال بھی کس لیے ہو رہے ہیں؟ وصف کے طور پر، کس طور پر؟ وصف کے طور پر۔ تو پھر ایک وصفیت ہے اور ایک وزنِ فعل۔ نہیں بات سمجھ میں آئی؟ اشکال تو صرف اس وقت ہو رہا تھا کہ جب وصفیت کو چھوڑ کر ان کو کیا بنا دیا گیا؟ اسم بنا دیا گیا، اس وقت اشکال ہوتا تھا کہ وہ وصفِ اصلی معتبر ہے یا نہیں؟ انہوں نے بتایا وصفِ اصلی پھر بھی معتبر ہے۔ تو جب اسم بننے کے باوجود وصفِ اصلی معتبر ہے، تو اگر وصف ہی کے طور پر استعمال ہوں پھر تو کوئی شک کی گنجائش ہی نہیں ہے۔ پھر تو ان کو اسم بنایا ہی نہیں گیا بلکہ وصفِ اصلی بھی ہے ان کے اندر اور فی الحال بھی وصف ہے اور وزنِ فعل بھی ہے بھائی۔ کہتے ہیں وَأَمَّا عِنْدَ اسْتِعْمَالِهَا فِيْ مَعَانِيْهَا الْأَصْلِيَّةِ، اور باقی ان کا جو استعمال ہے ان کے اصلی معانی میں یعنی وصف والے معانی میں، فَلَا إِشْكَالَ فِيْ مَنْعِ صَرْفِهَا، پھر تو کوئی اشکال ہی نہیں ہے ان کے منعِ صرف میں یعنی ان کے غیر منصرف ہونے میں، لِوَزْنِ الْفِعْلِ وَالْوَصْفِ فِي الْأَصْلِ وَالْحَالِ، بوجہ وزنِ فعل کے وَالْوَصْفِ فِي الْأَصْلِ وَالْحَالِ، اور وصف کی وجہ سے جو اصل میں بھی ہے وَالْحَالِ اور فی الحال بھی ہے بھائی۔

آگے دیکھیے وَضَعُفَ مَنْعُ أَفْعٰى، جی صرف متن متن دیکھیے بھائی۔ وَضَعُفَ مَنْعُ أَفْعٰى لِلْحَيَّةِ وَأَجْدَلٍ لِّلصَّقْرِ وَأَخْيَلٍ لِّلطَّائِرِ۔ یہاں سے ایک اور بات بتلا رہے ہیں آپ کو۔ بتلانا یہ چاہتے ہیں کہ وصف جو ہے یہ سبب بنے گا غیر انصراف کے لیے، لیکن شرط کیا ہے کہ اصلِ وضع میں وصف ہونا چاہیے۔ اب آگے آپ کو بتلا رہے ہیں کہ اصلِ وضع میں اس کا وصف ہونا یقینی ہونا چاہیے، وہمی نہیں ہونا چاہیے۔ اصلِ وضع میں وصف ہونا یقینی ہونا چاہیے، صرف وہمی نہیں ہونا چاہیے۔ اگر اصلِ وضع

میں وصف ہونا یقینی نہیں ہے بلکہ صرف وہمی بات ہے، تو اس کا غیر انصراف کا سبب بننا ضعیف ہوگا بھائی۔ یہ کیا ہوگا؟ اس کا غیر انصراف کا سبب بننا ضعیف ہوگا بھائی۔ دیکھیے بھائی۔ کہتے ہیں وَضَعُفَ مَنْعُ أَفْعٰی لِلْحَیَّةِ، متن متن صرف دیکھیے۔ اور ضعیف ہے مَنْعُ أَفْعٰی، أَفْعٰی یہ ایک زہریلا سانپ ہے بھائی، انتہائی زہریلا اور خطرناک سانپ ہے، اس کو أَفْعٰی کہتے ہیں بھائی۔ یہ اس کا غیر منصرف ہونا یہ ضعیف ہے۔ تو کہتے ہیں ضَعُفَ مَنْعُ أَفْعٰی لِلْحَیَّةِ، اور ضعیف ہے أَفْعٰی کا غیر منصرف ہونا یعنی اس کی صرف کا منع ہونا ضعیف ہے لِلْحَیَّةِ، اس حال میں کہ یہ نام ہے کس کا؟ سانپ کا۔ بھائی دراصل یہ سانپ ہے بڑا خطرناک اور زہریلا سانپ ہے اور اس کو أَفْعٰی کہتے ہیں، اور أَفْعٰی میں شبہ پڑتا ہے، وہم ہوتا ہے کہ شاید یہ فَعْوَةٌ سے مشتق ہے۔ أَفْعٰی دیکھو، مادہ ایک جیسا لگ رہا، دونوں کا ایک جیسا ہے بظاہر۔ أَفْعٰی تو شبہ ہوتا ہے شاید یہ أَفْعٰی کس سے بنا ہوگا؟ فَعْوَةٌ سے، اور فَعْوَةٌ جو ہے خُبث کو کہتے ہیں، خباثت کو کہتے ہیں۔ یعنی ایک چیز کا بدباطن ہونا، یعنی اس کی طبیعت میں ہی شرارت کا ہونا، اس کو کہتے ہیں خباثت بھائی۔ سمجھ میں آیا؟ ایک شخص ہے اس کی طبیعت میں ہی شرارت ہے، وہ جہاں جاتا ہے کچھ نہ کچھ شرارت کر کے آتا ہے، اس کی طبیعت میں ہی شرارت ہے بھائی۔ بعض لوگ ایسے ہوتے ہیں بھائی۔ تو أَفْعٰی ایک خطرناک زہریلا سانپ ہے، تو اس میں شبہ ہوتا ہے کہ شاید یہ کس سے بنا ہے؟ فَعْوَةٌ سے۔ فَعْوَةٌ کس کو کہتے ہیں؟ خُبث، اسی سے اسم کیا بنا لیا؟ أَفْعٰی۔ ہر وہ چیز جس میں خباثت ہو اس کو أَفْعٰی کہتے تھے، اس کو أَفْعٰی کہتے تھے۔ لیکن پھر یہ أَفْعٰی خاص ہو گیا ایک خطرناک زہریلے سانپ کے ساتھ، چونکہ اس سانپ میں بھی خباثت ہے، وہ بڑا ہی خطرناک اور زہریلا ہے، وہ نقصان پہنچانے والا ہے، تو یہ اس کے ساتھ خاص ہو گیا، یہ اس کے ساتھ خاص ہو گیا۔ لیکن یہ جتنا ذکر ہوا یہ یقینی بات نہیں، ایک وہمی بات ہے، ذہن میں آتا ہے کہ شاید اس طرح ہوگا۔ أَفْعٰی ہر خبیث چیز کو عربی میں نہیں کہتے، أَفْعٰی صرف کس کو کہتے ہیں؟ اس سانپ کو کہتے ہیں۔ توجہ ہے؟ أَفْعٰی صرف اس سانپ کو کہتے ہیں لیکن شبہ ہوتا ہے کہ شاید یہ أَفْعٰی کس سے بنا ہوگا؟ فَعْوَةٌ سے، اور فَعْوَةٌ سے یہ صفتِ مشبہ بنا لی، کیا معنیٰ؟ أَفْعٰی، جیسے أَحْمَرُ کا کیا معنیٰ تھا؟ سرخ، أَبْیَضُ کا کیا معنیٰ تھا؟ سفید۔ تو أَفْعٰی کا کیا معنیٰ ہوا؟ جس میں خباثت ہو۔ حالانکہ یہ یقینی نہیں، عربوں سے اب بھی ہم نے نہیں سنا کہ کسی خبیث چیز کے لیے وہ أَفْعٰی بولتے ہوں، ہم نے عربوں سے نہیں سنا۔ تو یہ أَفْعٰی زہریلے سانپ کا نام ہے، تو اس کا فَعْوَةٌ سے مشتق ہونا یقینی نہیں، ایک وہمی بات ہے، وہم، ذہن میں ایک وہم آتا ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو أَفْعٰی اگر فَعْوَةٌ سے مشتق ہوتا پھر تو یہ اصلِ وضع میں ہی کیا تھا؟ صفت کا صیغہ تھا، لیکن اس پر کوئی دلیل موجود نہیں۔ معلوم ہوا أَفْعٰی کا اصلِ وضع میں صفت ہونا یقینی نہیں، ایک وہمی بات ہے۔ یقینی نہیں ایک وہمی بات ہے۔ اور ہم نے تو کیا کہا تھا؟ کہ اصلِ وضع میں اسم کا وصف ہونا یقینی ہونا چاہیے۔ لہٰذا یہ أَفْعٰی اس کا غیر منصرف ہونا یہ ضعیف ہے، یعنی ضعیف لغت ہے بھائی۔ آپ غیر منصرف پڑھ سکتے ہیں لیکن یہ اعلیٰ لغت نہیں ہے بلکہ کمزور لغت ہے بھائی۔

اسی طرح أَجْدَلٌ، أَجْدَلٌ جو ہے یہ صَقْرٌ کا نام ہے، ص ق ر یہ متن میں آرہا ہے۔ صَقْرٌ یاد رکھو شکرے کو کہتے ہیں، شکرا۔

شکرا یہ عقاب کی نسل کا پرندہ ہے، اور جیسے عقاب بڑا طاقتور پرندہ ہے یہ شکرا بھی بڑا طاقتور پرندہ ہے، اور یہ دوسرے پرندوں کا شکار کر کے ان کا گوشت کھاتے ہیں بھائی۔ تو یہ شکرا صَقْرٌ اس کو أَجْدَلٌ کہتے ہیں۔ کیا کہتے ہیں؟ أَجْدَلٌ۔ اور أَجْدَلٌ میں شبہ ہوتا ہے کہ شاید یہ جَدَلٌ سے مشتق ہے، جَدَلٌ، ج دل۔ جَدَلٌ قوت کو کہتے ہیں، تو چونکہ شکرے میں بھی بڑی قوت ہوتی ہے اس لیے اس کو أَجْدَلٌ کہہ دیا۔ معلوم ہوا جَدَلٌ سے أَجْدَلٌ کا لفظ بنایا گیا، اور أَجْدَلٌ جو ہے یہ ہر طاقتور چیز کو کہتے تھے، پھر یہ خاص ہو گیا کس کے ساتھ؟ شکرے کے ساتھ، کس کے ساتھ؟ شکرے کے ساتھ۔ لیکن یہ صرف وہم آتا ہے، ہم نے نہیں سنا عربوں سے کہ انہوں نے ہر طاقتور چیز کے لیے کیا لفظ بولا ہو؟ أَجْدَلٌ کا لفظ بولا ہو۔ تو أَجْدَلٌ کا جَدَلٌ سے مشتق ہونا یقینی نہیں بلکہ وہمی ہے، لہٰذا أَجْدَلٌ کو غیر منصرف پڑھنا ضعیف ہے کیونکہ اصلِ وضع میں اس کا وصف ہونا یقینی نہیں ہے۔

اسی طرح أَخْيَلُ، أَخْيَلُ ایک پرندہ ہے بھائی اور اس کے جسم پر داغ ہوتے ہیں، داغ ہوتے ہیں، تو اس کو أَخْيَلُ کہتے ہیں۔ تو شبہ ہوتا ہے، وہم ہوتا ہے شاید یہ خَالٌ سے بنا ہے، یہ أَخْيَلُ کس سے بنا؟ خَالٌ، خ ا ل، خَالٌ۔ اور خَالٌ کہتے ہیں یہ جو جسم پر تل ہوتا ہے، آپ بھی دیکھتے ہیں انسانی بدن پر بعض اوقات وہ چھوٹا سا کالا نشان جس کو کیا کہتے ہیں؟ تل کہتے ہیں، عربی میں اس کو خَالٌ کہتے ہیں، خَالٌ۔ اسی خَالٌ کی جمع ہے خِيْلَانٌ بھائی۔ تو اس پرندے کو أَخْيَلُ کہتے ہیں تو شبہ ہوتا ہے شاید یہ خَالٌ سے یہ أَخْيَلُ بنایا گیا ہے کیونکہ اس پرندے کے بھی پروں پر داغ اور نشان ہوتے ہیں، تو شاید یہ أَخْيَلُ خَالٌ سے بنایا گیا، اور أَخْيَلُ ہر اس چیز کو کہتے تھے جس کے جسم پر داغ ہوتے تھے، پھر اس کو خاص کر دیا کس کے ساتھ؟ ایک پرندے کے ساتھ۔ تو یہ شبہ ہوتا ہے، یہ یقینی بات نہیں۔ لہٰذا أَخْيَلُ کا غیر منصرف ہونا ضعیف ہے۔ تقریر سمجھ میں آئی؟ تو ان کا غیر منصرف ہونا ضعیف ہے، کیوں ضعیف ہے؟ کیونکہ أَفْعٰى یہ فَعْوَةٌ سے مشتق تھا اور یہ اصلِ وضع میں وصف تھا اس پر کوئی دلیل موجود نہیں، تو اس أَفْعٰى کا وصف ہونا یہ اصلِ وضع میں یقینی نہیں۔ اسی طرح أَجْدَلٌ، اس أَجْدَلٌ کا غیر منصرف ہونا ضعیف ہے اس لیے کیونکہ أَجْدَلٌ کا وصف ہونا اصلِ وضع کے اعتبار سے یہ یقینی نہیں ہے۔ اور اسی طرح وہ داغ والے پرندے کو جو أَخْيَلُ کہا جاتا تھا تو اس أَخْيَلُ کا غیر منصرف ہونا ضعیف ہے، کیوں ضعیف ہے؟ کیونکہ اصلِ وضع میں اس أَخْيَلُ کا وصف ہونا یقینی نہیں ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟

دیکھیے بھائی اب، ذرا متن متن دیکھ لیں۔ کہتے ہیں وَضَعُفَ مَنْعُ أَفْعٰى لِلْحَيَّةِ، اور ضعیف ہے مَنْعُ أَفْعٰى أَيْ مَنْعُ صَرْفِ أَفْعٰى بھائی، أَفْعٰى کی منعِ صرف ضعیف ہے لِلْحَيَّةِ اس حال میں کہ یہ سانپ کا نام ہے، وَأَجْدَلٍ لِّلصَّقْرِ، اور أَجْدَلٌ کی منعِ صرف جو ہے وہ بھی ضعیف ہے لِلصَّقْرِ اس حال میں کہ یہ کس کا نام ہے؟ شکرے کا نام ہے، وَأَخْيَلٍ لِّلطَّائِرِ، اور اسی طرح أَخْيَلُ جو ہے اس کا غیر منصرف ہونا بھی ضعیف ہے لِلطَّائِرِ اس حال میں کہ یہ کس کا نام ہے؟ پرندے کا نام ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو دیکھو یہ جو میں نے تقریر کی نا کہ أَفْعٰى میں شبہ ہوتا تھا کہ شاید یہ کس سے مشتق ہے؟ فَعْوَةٌ سے اور پھر ہر خباثت والی چیز کو کیا کہنے لگے عرب؟ أَفْعٰى کہنے لگ پڑے، اور پھر اس ایک فرد کے ساتھ أَفْعٰى کا اسم خاص ہو گیا، تو دیکھو

یہ ایک وہم پڑتا ہے، ایسا ہے نہیں۔ اسی طرح أَجْدَلٌ کے بارے میں وہم پڑتا ہے کہ شاید یہ جَدَلٌ سے مشتق ہوا ہوگا اور پھر عرب ہر طاقتور چیز کو أَجْدَلٌ کہتے ہوں گے، اور پھر اس میں سے یہ ایک پرندہ بھی تھا تو یہ بھی اس کے افراد میں سے ایک فرد تھا، پھر غلبہ اسمیت کی وجہ سے اس کے ساتھ یہ أَجْدَلٌ کا لفظ خاص ہو گیا، تو یہ بھی ایک وہمی بات ہے یقینی نہیں۔ اسی طرح أَخْيَلُ جو ہے یہ شبہ ہوتا ہے یہ خَالٌ سے مشتق ہوا ہوگا، اور خَالٌ تو داغ کو کہتے ہیں، پھر اس خَالٌ سے عربوں نے أَخْيَلُ لفظ بنایا ہوگا، اور پھر ہر خَالٌ والی چیز کو کیا کہتے ہوں گے؟ أَخْيَلُ، انہی میں ایک پرندہ بھی تھا اس کے جسم پر بھی داغ تھے، پھر اسی پرندے کے لیے غلبہ اسمیت سے یہ کیا بن گیا ہوگا؟ اسم بن گیا ہوگا۔ یہ ساری وہمی باتیں ہیں یقینی نہیں، تو یہ غیر انصراف کا سبب بننا ضعیف ہے۔

اب دیکھیے شرح کے ساتھ بھائی۔ کہتے ہیں وَضَعُفَ مَنْعُ أَفْعٰى، اور ضعیف ہے منعِ صرف أَفْعٰى کی اِسْمًا لِّلْحَيَّةِ اس حال میں کہ یہ اسم ہے سانپ کا، عَلٰى زَعْمِ وَصْفِيَّتِهِ، اس کی وصفیت کے گمان پر، اس کی وصفیت کا یعنی گمان ہوتا ہے کہ شاید یہ أَفْعٰى کس سے بنا ہوگا؟ فَعْوَةٌ سے، لیکن فَعْوَةٌ سے اس کا بننا یقینی نہیں۔ تو یہ معنیٰ ہے عَلٰى زَعْمِ وَصْفِيَّتِهِ، اس کے وصف ہونے کے گمان پر، لِتَوَهُّمِ اشْتِقَاقِهِ مِنَ الْفَعْوَةِ الَّتِيْ هِيَ الْخُبْثُ، بوجہ وہم ہونے کے کہ اس کا اشتقاق ہوا ہے اس فَعْوَةٌ سے الَّتِيْ هِيَ الْخُبْثُ، جو خُبث کا نام ہے، جو خُبث ہے۔ وَكَذٰلِكَ مَنْعُ أَجْدَلٍ لِّلصَّقْرِ، اور اسی طرح ضعیف ہے أَجْدَلٌ کی منعِ صرف بھی لِلصَّقْرِ، اس حال میں کہ یہ شکرے کا نام ہے، عَلٰى زَعْمِ وَصْفِيَّتِهِ، اس کی وصفیت کا گمان کرتے ہوئے، اس کی وصفیت کا گمان، دیکھو زَعْمٌ کا لفظ لا رہے ہیں، زَعْمٌ کہتے ہیں گمانِ باطل کو بھائی کہ یعنی درست خیال نہیں ہے غلط خیال ہے، عَلٰى زَعْمِ وَصْفِيَّتِهِ، اس کے وصف ہونے کا گمان کرتے ہوئے، لِتَوَهُّمِ اشْتِقَاقِهِ مِنَ الْجَدْلِ بِمَعْنَى الْقُوَّةِ، بوجہ یہ وہم ہونے کے کہ اس کا اشتقاق ہوا ہے جَدَلٌ سے بِمَعْنَى الْقُوَّةِ، وہ جَدَلٌ جو قوت کے معنیٰ میں ہے۔ وَأَخْيَلِ لِّلطَّائِرِ، اور اسی طرح ضعیف ہے منعِ صرف أَخْيَلُ کی لِلطَّائِرِ، اس حال میں کہ یہ نام ہے پرندے کا، أَيْ لِطَائِرٍ ذِيْ خِيْلَانٍ، یعنی ایسا پرندہ ذِيْ خِيْلَانٍ جو داغوں والا ہے، ذُوْ مَالٍ کا کیا معنیٰ؟ مال والا، تو یہ خِيْلَانٌ جمع ہے خَالٌ کی۔ أَيْ طَائِرٍ ذِيْ خِيْلَانٍ، یعنی ایسا پرندہ جو داغوں والا ہے، عَلٰى زَعْمِ وَصْفِيَّتِهِ، اس کی وصفیت کا گمان کرتے ہوئے، لِتَوَهُّمِ اشْتِقَاقِهِ مِنَ الْخَالِ، یہ وہم کرنے کی وجہ سے کہ اس کا اشتقاق ہوا ہے مِنَ الْخَالِ، کس سے؟ خَالٌ سے۔

وَوَجْهُ ضَعْفِ مَنْعِ الصَّرْفِ فِيْ هٰذِهِ الْأَسْمَاءِ، اور منعِ صرف کے ضعیف ہونے کی وجہ ان اسماء کے اندر جو ہے، عَدَمُ الْجَزْمِ بِكَوْنِهَا أَوْصَافًا أَصْلِيَّةً، جَزْمٌ کہتے ہیں یقین کو۔ ان اسماء کے اندر منعِ صرف کے ضعیف ہونے کی وجہ جو ہے وہ عَدَمُ الْجَزْمِ بِكَوْنِهَا أَوْصَافًا أَصْلِيَّةً، وہ یقین کا نہ ہونا ہے ان کے اوصافِ اصلیہ ہونے میں۔ ان کے اوصافِ اصلیہ ہونا یہ یقینی نہیں ہے۔ تو کہتے ہیں وَوَجْهُ ضَعْفِ مَنْعِ الصَّرْفِ فِيْ هٰذِهِ الْأَسْمَاءِ، تو منعِ صرف کے ضعیف ہونے کی وجہ ان اسموں کے اندر عَدَمُ الْجَزْمِ، وہ یقین کا نہ ہونا ہے، بھائی کس چیز کا یقین نہیں ہے؟ کہتے ہیں بِكَوْنِهَا أَوْصَافًا أَصْلِيَّةً، ان کا اوصافِ اصلیہ

ہونا، ان کے اوصافِ اصلیہ کا یقین نہ ہونے کی وجہ سے ہے ان کا منعِ صرف کا ضعیف ہونا۔ فَإِنَّهَا لَمْ يُقْصَدْ بِهَا الْمَعَانِي الْوَصْفِيَّةُ، اس لیے کیونکہ ان کے ذریعے ان کے وصفی معانی کا ارادہ نہیں کیا گیا مُطْلَقًا، یعنی مطلقاً کبھی بھی ارادہ نہیں کیا گیا، لَا فِي الْأَصْلِ وَلَا فِي الْحَالِ، نہ تو اصل میں، نہ تو اصل میں یعنی جب ان کو وضع کیا گیا تھا، وَلَا فِي الْحَالِ، اور نہ فی الحال۔ ہم نے نہیں سنا عربوں سے کہ انہوں نے أَفْعٰی کا لفظ ہر خبیث چیز کے لیے استعمال کیا ہو، یا أَجْدَلُ کا لفظ ہر طاقتور چیز کے لیے استعمال کیا ہو، یا أَخْيَلُ کا لفظ ہر داغ والی چیز کے لیے استعمال کیا گیا ہو، تو ہم نے نہیں سنا۔

مَعَ أَنَّ الْأَصْلَ فِي الْاِسْمِ الصَّرْفُ، باوجود اس کے کہ اسم میں اصل جو ہے وہ صرف ہے یعنی منصرف ہونا، اسم میں اصل کیا ہے؟ منصرف ہونا ہے۔ بھائی دو وجہیں ذکر کر دیں یہ دوسری وجہ مَعَ أَنَّ الْأَصْلَ فِي الْاِسْمِ الصَّرْفُ، باوجود اس کے کہ اسم میں اصل جو ہے منصرف ہونا ہے۔ دو سبب ہیں، بھائی یہ أَفْعٰی، أَجْدَلُ، أَخْيَلُ ان کے اندر منعِ صرف ضعیف ہے، کیا وجہ؟ ایک تو ان کا اوصافِ اصلیہ ہونا یقینی نہیں، اور دوسرا یہ کہ اسم کے اندر اصل جو ہے منصرف ہونا ہے، تو منصرف ہونے والی جہت کو قوت حاصل ہوگی۔ دراصل یہاں اشکال ہوتا ہے، اشکال ہوتا ہے کہ بھائی ان کا اصلِ وضع میں اوصاف ہونا یقینی نہیں لیکن وہم تو آگیا یا نہیں؟ تو پھر تو برابر ہونا چاہیے، منصرف پڑھنا اور غیر منصرف پڑھنا برابر ہونا چاہیے۔ تو کہتے ہیں نہیں بھائی، ایک وجہ تو یہ کہ ان کا اصلِ وضع میں اوصاف ہونا یقینی نہیں، دوسری وجہ یہ کہ اسم کے اندر اصل منصرف ہونا ہے، تو اس لیے منصرف ہونے کی جہت جو ہے وہ قوی رہے گی، تو ان کا منصرف پڑھنا جو ہے یہ اعلیٰ ہے اور ان کا غیر منصرف پڑھنا ضعیف ہے بھائی۔ تو یہ معنیٰ ہے کہ مَعَ أَنَّ الْأَصْلَ فِي الْاِسْمِ الصَّرْفُ، باوجود اس کے کہ اسم کے اندر اصل جو ہے وہ صرف ہے یعنی منصرف ہونا ہے، بات سمجھ میں آگئی۔

اچھا یہاں آیا کہ یہ أَسْوَدُ اور أَرْقَمُ سانپوں کے نام بن گئے، کیا بن گئے؟ نام بن گئے، تو اب آپ کے ذہن میں یہ نہ آئے کہ یہ علم بن گئے۔ نہیں نہیں علم نہیں، ایک عام اسم ہے ایک علم ہے بھائی، اسم اور ہے علم اور ہے۔ علم وہ ہے جو ایک معین ذات پر دلالت کرتا ہے۔ میں نے زید کہا دیکھو ایک معین ذات آپ کے ذہن میں آگئی، میں نے عمرو کہا ایک معین ذات آپ کے ذہن میں آگئی۔ جبکہ اسم ایسا نہیں ہوتا، مثلاً دیکھو ایک کالا سانپ آیا میں نے کہا هٰذَا أَسْوَدُ، یہ کالا سانپ ہے۔ پھر ایک اور آیا میں نے کیا کہا؟ هٰذَا أَسْوَدُ، پھر ایک تیسرا آیا میں نے کیا کہا؟ هٰذَا أَسْوَدُ، دیکھا ہر ایک کو میں أَسْوَدُ کہہ رہا ہوں۔ معلوم ہوا یہ علم نہیں ہے، اگر علم ہوتا پھر تو ایک معین پر بولا جانا تھا۔ تو یہ اسم بنے ہیں، علم نہیں بنے۔

اور یہاں ایک اور قیمتی بات یہ وصف کے بارے میں یاد رکھیے۔ جیسے میں نے آپ کو بتلایا تھا کہ عدل جو ہے وہ وزنِ فعل کے ساتھ جمع نہیں ہوتا کیونکہ عدل کے اوزان علیحدہ ہیں اور فعل کے اوزان علیحدہ ہیں، اسی طرح یاد رکھو یہ جو وصف ہے یہ علمیت کے ساتھ کبھی جمع نہیں ہوتا۔ وصف علمیت کے ساتھ کبھی جمع نہیں ہوتا، کیونکہ وصف ذاتِ مبہم پر دلالت

کرتا ہے اور علم ذاتِ معین پر دلالت کرتا ہے، تو ایک ہی لفظ میں اگر یہ دونوں جمع ہو جائیں پھر تو ایک ہی لفظ مبہم پر بھی دلالت کرے گا اور معین پر بھی کرے گا، یہ تو نہیں ہو سکتا بھائی۔ یا تو وہ معین ذات پہ دلالت کرے گا یا مبہم پر، ایک وقت میں ایک ہی دلالت ہو سکتی ہے۔ لہٰذا وصف علمیت کے ساتھ کبھی جمع نہیں ہوتے۔

اچھا یہ آخر میں بھائی ذرا یہ متن دوبارہ دیکھ لیں، وَضَعْفَ مَنْعُ أَفْعَى لِلْحَيَّةِ وَأَجْدَلٍ لِلصَّقْرِ وَأَخْيَلٍ لِلطَّائِرِ بھائی۔ آپ نے پڑھ لیا کہ ان کے اندر غیر منصرف ہونا ضعیف ہے بھائی، تو اعلیٰ لغت یہ ہے کہ ان کو منصرف پڑھا جائے، تو یہ عبارت یوں پڑھیے گا بھائی وَضَعْفَ مَنْعُ أَفْعًى لِلْحَيَّةِ وَأَجْدَلٍ لِلصَّقْرِ وَأَخْيَلٍ لِلطَّائِرِ تنوین کے ساتھ پڑھیں بھائی، ان کو منصرف پڑھنا۔ تو دیکھا عام عربی لغت کے اندر أَفْعًى پڑھنا یہ اعلیٰ لغت ہے اور أَفْعٰى یعنی غیر منصرف پڑھنا یہ ضعیف لغت ہے۔ اسی طرح أَخْيَلٍ پڑھنا عام عربی کے اندر یہ اعلیٰ لغت ہے کہ اس کو منصرف پڑھا جائے اور أَخْيَلَ یعنی غیر منصرف پڑھنا یہ ضعیف ہے۔ اسی طرح عام عربی کے اندر جیسے یہاں پر ہے أَجْدَلٍ پڑھنا یہ اعلیٰ لغت ہے کہ اس کو منصرف پڑھا اور أَجْدَلَ پڑھنا ضعیف لغت ہے بھائی۔ اور یہاں ایک قیمتی نکتہ بھی یاد رکھنا بھائی۔ یاد رکھو یہ أَفْعًى، أَجْدَلٌ اور أَخْيَلُ، یہ عام کلامِ عرب میں ان کو منصرف استعمال کرنا اولیٰ ہے اور غیر منصرف استعمال کرنا ان کا ضعیف ہے۔ لیکن یہاں جو عبارت کے اندر آئے تو یہاں یہ قطعی طور پر غیر منصرف ہیں بھائی، یہاں قطعی طور پر یہ غیر منصرف ہیں۔ اور غیر منصرف اس وجہ سے کہ یہاں أَفْعٰى بول کر أَفْعٰى کا لفظ مراد ہے، یہاں معنیٰ کا ارادہ نہیں، تو یہ علم کے درجے میں ہوا۔ اور اسی طرح أَجْدَلُ بول کر أَجْدَلُ کا لفظ مراد ہے معنیٰ مراد نہیں، تو یہ علم کے درجے میں ہے۔ اسی طرح أَخْيَلُ بول کر أَخْيَلُ کا لفظ مراد ہے، تو یہ علم کے درجے میں ہے۔ میں نے آپ کو بتلایا تھا کہ جب لفظ بول کر لفظ کا ارادہ کیا جائے تو وہ علم کے درجے میں ہوتا ہے۔ اور اس کا پتا آپ ترجمے سے کر سکتے ہیں، جو علم کے درجے میں ہوتا ہے اس کا ترجمہ نہیں کیا جاتا۔ لہٰذا اگر آپ سے کوئی کہے کہ اس عبارت کا ترجمہ کرو تو آپ کیسے ترجمہ کریں گے؟ وَضَعْفَ مَنْعُ أَفْعًى، اور ضعیف ہے منعِ صرف أَفْعٰى کی۔ دیکھا؟ أَفْعٰى کی، بھائی أَفْعٰى تو ایک سانپ کو کہتے ہیں لیکن آپ اس کا ترجمہ سانپ والا نہیں کر رہے۔ اسی طرح وَأَجْدَلٍ، اور ضعیف ہے منعِ صرف أَجْدَلَ کی، اور اسی طرح أَخْيَلَ کی۔ تو دیکھو آپ لفظ کا ترجمہ نہیں کر رہے، تو جب لفظ کا ترجمہ نہ کیا جائے تو معلوم ہوا لفظ بول کر لفظ مراد ہے اور یہ علم ہے، یعنی وہ جو عبارتوں میں عربی زبان میں أَفْعًى، أَجْدَلٌ اور أَخْيَلُ کے لفظ آتے ہیں ان کا نام ہی ہم نے أَفْعًى، أَجْدَلُ اور أَخْيَلُ رکھ دیا۔ تو یہاں پر اس وقت یہ غیر منصرف ہیں۔ ایک سبب ان کے اندر علمیت ہے اور دوسرا سبب وزنِ فعل ہے، یہ سب أَكْرَمُ وزن پر ہیں، أَفْعَلُ وزن پر ہیں۔ تو ان سب میں دو دو سبب پائے جا رہے ہیں، ایک علمیت اور ایک وزنِ فعل۔ اور جب دو اسبابِ منعِ صرف کسی کلمے میں آجائیں تو وہ غیر منصرف ہو جاتا ہے۔ تو یہاں یہ تینوں قطعاً غیر منصرف ہیں۔ بحث چل رہی ہے وصف کی، تو وصف یہاں سبب نہیں بن رہا غیر انصراف کا بلکہ کون سے دو سبب ہیں؟ علمیت اور وزنِ فعل ہے بھائی، یہ علم ہیں بھائی۔ اور علمیت اور وصف کبھی جمع

نہیں ہوتے بھائی۔ تو بات چل رہی ہے وصف کی لیکن یہ غیر منصرف ہیں علمیت اور وزنِ فعل کی وجہ سے بھائی۔

پھر ان کو پڑھنا کیسے ہے یہاں پر جب یہ غیر منصرف ہیں؟ تو بعض علماء فرماتے ہیں کہ غیر منصرف ہیں تو غیر منصرف ہی ان کو پڑھیں گے، لہٰذا یوں پڑھیں گے وَضَعُفَ مَنْعُ أَفْعٰی لِلْحَیَّةِ وَأَجْدَلَ لِلصَّقْرِ وَأَخْیَلَ لِلطَّائِرِ۔ تو بعض علماء فرماتے ہیں ان کو پڑھیں گے بھی غیر منصرف یہاں پر، اور غیر منصرف پر تو کسرہ اور تنوین نہیں آتے تو یہاں پر بھی کسرہ اور تنوین نہیں آئیں گے۔ تو یہ أَفْعَی اصل میں کیا تھا؟ أَفْعَیٌ تھا، أَفْعَیٌ پھر یاء متحرک ماقبل فتحہ اس کو کس سے بدلا؟ الف سے، کیا بن گیا؟ أَفْعَانْ۔ پھر الف اجتماعِ ساکنین سے گر گیا تو کیا بن گیا؟ أَفْعَی بن گیا۔ تو اس کے آخر میں گویا الفِ مقصورہ ہے بھائی، کبھی لفظوں میں ہوگا اور کبھی تقدیراً ہوگا، اس وقت الفِ مقصورہ تقدیراً یہاں موجود ہے، اجتماعِ ساکنین کی وجہ سے گرا ہے بھائی۔ تو بعض علماء فرماتے ہیں کہ یہاں ان کو غیر منصرف ہی پڑھیں گے، کیا پڑھیں گے؟ غیر منصرف۔ اور پھر کس طرح پڑھیں گے؟ وَضَعُفَ مَنْعُ أَفْعٰی، اب أَفْعَی نہیں پڑھیں گے کیونکہ یاء الف سے بدلی تھی اور پھر الف اور نونِ تنوین کے اندر اجتماعِ ساکنین آیا تھا اور پھر الف گر گیا تھا تو کیا بن گیا تھا؟ أَفْعَی۔ لیکن جب غیر منصرف ہوگا پھر تو آخر میں تنوین نہیں آئے گی، پھر یاء الف سے تو بدلے گی لیکن اجتماعِ ساکنین سے گرے گی نہیں، تو پھر کیسے پڑھیں گے؟ أَفْعٰی۔ تو بعض علماء فرماتے ہیں کہ یہاں ان کو غیر منصرف ہی پڑھیں گے وَضَعُفَ مَنْعُ أَفْعٰی وَأَجْدَلَ وَأَخْیَلَ۔ جبکہ بعض علماء فرماتے ہیں کہ یہاں یہ ہیں تو غیر منصرف لیکن ان کو پڑھیں گے منصرف والی صورت پر ہی، یعنی وَضَعُفَ مَنْعُ أَفْعَی وَّأَجْدَلٍ وَّأَخْیَلٍ پڑھیں گے۔ یعنی منصرف کی طرح پڑھیں گے، ہیں غیر منصرف لیکن پڑھیں گے کس کی طرح؟ منصرف کی طرح، اور یہ پڑھنا واجب ہے بعض علماء فرماتے ہیں۔ بھائی کیوں واجب کیوں ہے؟ کہتے ہیں دراصل یہ اس أَفْعَی، أَجْدَلٍ اور أَخْیَلٍ کی بات ہو رہی ہے جو کلامِ عرب میں استعمال ہوتے ہیں، اور کلامِ عرب میں ان کا منصرف ہونا اعلیٰ ہے بھائی۔ تو اس کے ساتھ اس کی مشاکلت ہے، کیا ہے؟ مشاکلت ہے، یہ اس کے ہم شکل ہے، تو اسی طرح پڑھیں گے جیسے اس کو پڑھا جاتا ہے بھائی۔ تو لہٰذا وَضَعُفَ مَنْعُ أَفْعَی وَّأَجْدَلٍ وَّأَخْیَلٍ پڑھنا واجب ہے بعض علماء فرماتے ہیں۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو ہیں یہاں پر یہ قطعی طور پر غیر منصرف، البتہ پڑھیں گے کیسے؟ تو دونوں طرح پڑھ سکتے ہیں بھائی آپ۔ بعض علماء فرماتے ہیں کہ منصرف کی طرح پڑھنا واجب اور بعض کہتے ہیں غیر منصرف ہیں تو غیر منصرف کی طرح ان کو پڑھیں گے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ اسی لیے آپ کی کتابوں میں ہو یا نہ ہو میری کتاب میں أَفْعَی کے اوپر لکھا ہوا ہے مَعًا، میم، عین اور الف ہے۔ اسی طرح أَجْدَلٍ کے اوپر لکھا ہوا ہے مَعًا، اسی طرح أَخْیَلٍ کے اوپر لکھا ہوا ہے مَعًا۔ معنیٰ یہ ہے دونوں طرح پڑھ سکتے ہیں اس کو أَفْعٰی بھی اور أَفْعَی بھی، أَجْدَلَ بھی اور أَجْدَلٍ بھی، أَخْیَلَ بھی اور أَخْیَلٍ بھی۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو یہ مَعًا جو لکھا ہوا ہے اس کا یہ معنیٰ ہے بھائی۔

چلیے بس بھائی، هٰذَا هُوَ الْمَرَامُ وَاللّٰهُ أَعْلَمُ بِحَقِیْقَةِ الْكَلَامِ۔

سبق نمبر ٦٣: اسبابِ منعِ صرف (٧): «اَلتَّأْنِيثُ» (بالتاء و بالالف و المعنوی) کی شرائط

شرحِ ملا جامی صفحہ: ۴۳ — بتاریخ: ۴ ستمبر ۲۰۲۱ء

▪ متنِ کافیہ و شرحِ ملا جامی کی قراءت

التَّأْنِيثُ اللَّفْظِيُّ الْحَاصِلُ بِالتَّاءِ لَا بِالْأَلِفِ، فَإِنَّهُ لَا شَرْطَ لَهُ، شَرْطُهُ فِي سَبَبِيَّةِ مَنْعِ الصَّرْفِ الْعَلَمِيَّةُ، أَيْ عَلَمِيَّةُ الْاِسْمِ الْمُؤَنَّثِ، لِيَصِيرَ التَّأْنِيثُ لَازِمًا، لِأَنَّ الْأَعْلَامَ مَحْفُوظَةٌ عَنِ التَّصَرُّفِ بِقَدْرِ الْإِمْكَانِ، وَلِأَنَّ الْعَلَمِيَّةَ وَضْعٌ ثَانٍ، وَكُلُّ حَرْفٍ وُضِعَتِ الْكَلِمَةُ عَلَيْهِ لَا يَنْفَكُّ عَنِ الْكَلِمَةِ.

▪ عبارت کی نحوی توضیح، ترکیب اور قواعدِ کافیہ

بھائی گزشتہ سبق میں ہم وصف کے بارے میں پڑھ رہے تھے اور صاحبِ جامی نے آپ کو بتلایا کہ وصف جو ہے غیرِ انصراف کا سبب بنے گا بشرطیکہ وہ اصلِ وضع کے اعتبار سے وہ وصف ہو بھائی، یعنی اس کو وضع ہی وصف کے طور پر کیا گیا ہو۔ لہٰذا اگر ایک اسم ہے اس کو وصف کے لیے وضع نہیں کیا گیا اور پھر اس کو استعمال وصف کے طور پر کر لیا جائے تو اس کے اندر جو وصفیت آئی وہ عارضی ہے، اس کا کوئی اعتبار نہیں، اس کی وجہ سے کلمہ غیرِ منصرف نہیں بنے گا

بھائی۔ جیسے مَرَرْتُ بِنِسْوَةٍ أَرْبَعٍ، أَرْبَعَة کا لفظ جو ہے وہ عدد کے لیے وضع ہے، وصف کے لیے وضع نہیں۔[1]

اور جب اصلِ وضع کے اعتبار سے ایک لفظ جو ہے وصف ہے، تو یہ وصفیت معتبر ہے اگرچہ بعد میں غلبۂ اسمیت کی وجہ سے اب اس سے وصفیت ختم ہو گئی، جیسے أَسْوَدُ اور أَرْقَمُ بھائی۔ یہ ہر کالی اور چتکبری چیز کے لیے وضع تھے لیکن بعد میں سانپوں کی خاص قسموں کے لیے یہ نام بن گئے بھائی کثرتِ استعمال سے۔ اب یہ سانپوں کے لیے اسم ہے، وصف نہیں۔ اب اس میں وصفیت نہیں۔ اور میں نے آپ کو فرق بھی بتلایا تھا کہ ایک ہوتا ہے اسم اور ایک ہے علم۔ اسم اور علم میں کیا فرق ہے؟ کہ علم جو ہوتا ہے وہ ذاتِ معین پر دلالت کرتا ہے اور اسم جو ہے وہ ذاتِ غیرِ معین پر دلالت کرتا ہے۔ تو لہٰذا یہ جو أَسْوَد اور أَرْقَم ہیں یہ اسم بنے ہیں، علم نہیں بنے۔ آپ یہ نہ کہیں شاید علم بن گئے ہیں، نہیں بھائی۔ میں نے مثال سے بھی سمجھایا تھا کہ ایک کالا سانپ آیا میں کہتا ہوں یہ أَسْوَد ہے۔ اگر یہ علم ہے پھر تو دوسرے کو نہیں أَسْوَد کہنا چاہیے لیکن دوسرا کالا سانپ آیا میں نے کہا یہ بھی أَسْوَد ہے۔ تیسرا آیا میں نے کہا یہ بھی أَسْوَد ہے۔ دیکھو ہر ایک کو میں أَسْوَد کہہ رہا ہوں، معلوم ہوا یہ علم نہیں ہے۔

جیسے میرے سامنے زید آیا۔ اب زید علم ہے تو میں نے کہا یہ زید ہے۔ اب ایک اور شخص بالکل ویسا ہی شکل و صورت بھی ویسی، کپڑے بھی ویسے، حلیہ بھی ویسا وہ آتا ہے تو اب میں کبھی بھی نہیں کہوں گا یہ بھی زید ہے، میں کہوں گا یہ زید جیسا ہے، یہ زید جیسا ہے۔ تو علم جو ہوتا ہے وہ معین ذات پر دلالت کرتا ہے جبکہ اسم جو ہے وہ اسم ہے یعنی معین ذات کے لیے نہیں ہے، بس ایک ذات پر دلالت کرتا ہے۔

تو لہٰذا اصلِ وضع کے اندر وصف ہونا چاہیے، لہٰذا أَرْبَعٍ وہ اصلِ وضع میں وصف نہیں، تو وہ منصرف ہے، اس میں جو وصفیت ہے وہ مؤثر نہیں، یوں کہو۔ وہ جو وصفیت أَرْبَعَة کے اندر آ رہی ہے، وصفیت تو ہے لیکن غیرِ انصراف کا سبب بننے میں وہ مؤثر نہیں۔ جبکہ أَسْوَد اور أَرْقَم اصلِ وضع میں چونکہ وصف تھے، بعد میں اگرچہ اسمیت ان پر غالب آ گئی لیکن پھر بھی وہ وصفیت جو اصلِ وضع کے اعتبار سے تھی وہ مؤثر ہے اور یہ ابھی بھی غیرِ منصرف ہوں گے بھائی۔ اور اگر ان

[1]

جدول — تانیث کی تین اقسام اور منعِ صرف کی شرائط:

قسمِ تانیث	شرطِ منعِ صرف	امثلہ
تانیث بالتاء	علمیت کے ساتھ بلا قید غیر منصرف	فَاطِمَةُ، طَلْحَةُ، حَمْزَةُ
تانیث بالالف	الفِ مقصورہ یا ممدودہ بذاتِ خود دو اسباب کے قائم مقام	حُبْلَى، بُشْرَى، حَمْرَاءُ، صَحْرَاءُ
تانیثِ معنوی	علمیت + (تین حروف سے زائد یا وسط متحرک یا عجمی)	زَيْنَبُ، سَقَرُ (هِنْدٌ میں دونوں وجوہ جائز)

کو استعمال ہی وصف کے لیے کیا جائے، بھائی یہ وہ سانپوں کے نام بھی ہیں اور اس کے علاوہ اور چیزوں کے لیے بھی استعمال ہوتے ہیں، اور بھی کوئی چیز کالی ہو اس کو کہتے ہیں أَسْوَد۔ کہتے ہیں پھر تو اس کے غیرِ منصرف ہونے میں کوئی شک اور شبہ ہی نہیں۔ شک اور شبہ تو صرف کس وقت آتا تھا؟ جب یہ سانپوں کے نام بن گئے تھے، وصفیت ختم ہو گئی تھی، تو اس وقت شبہ آتا تھا کہ پتہ نہیں اب بھی یہ وصفیت معتبر ہے یا نہیں۔ انہوں نے بتایا پھر بھی معتبر ہے۔ تو اگر یہ کسی اور چیز کے لیے أَسْوَد اور أَرْقَم کا لفظ استعمال ہوتا ہے تو وہاں تو اصلِ وضع میں بھی وصفیت اور فی الحال استعمال بھی کس طرح ہو رہے ہیں؟ وصف کے طور پر۔ تو لہٰذا اس صورت میں تو اشکال ہی کوئی نہیں ہوتا ان کے غیرِ منصرف ہونے میں بھائی۔

اور کہتے ہیں اسی وجہ سے کہ اصلِ وضع میں وصف ہونا چاہیے، کہتے ہیں ضعیف ہے أَفْعٰی کو غیرِ منصرف پڑھنا، یہ سانپ کا نام ہے۔ اسی طرح أَجْدَل یہ شکرے کو کہتے ہیں، اس کا غیرِ منصرف پڑھنا ضعیف ہے، اور اسی طرح أَخْیَل یہ پرندے کا نام ہے، یہ بھی ضعیف ہے۔ وجہ یہ کیونکہ ان کے اندر وصفیت کا گمان ہوتا ہے کہ شاید یہ أَفْعٰی جو ہے فَعْوَۃٌ سے بنا ہوگا، اور فَعْوَۃٌ تو خباثت کو کہتے ہیں، اور یہ سانپ بھی نقصان دہ چیز ہے، تو شاید اس وجہ سے یہ فَعْوَۃٌ سے صفت کا صیغہ أَفْعٰی بنا ہوگا، اور پھر اس سانپ کے ساتھ یہ خاص ہو گیا ہوگا، لیکن یہ ایک وہمی بات ہے، اس پر دلیل کوئی نہیں موجود۔ ہم نے نہیں دیکھا، نہ عربوں سے سنا کہ کہیں انہوں نے أَفْعٰی کو اس سانپ کے علاوہ اور کسی خباثت والی چیز کے لیے استعمال کیا ہو۔ تو معلوم ہوا أَفْعٰی کا اصلِ وضع میں وصف ہونا یقینی نہیں، وہمی ہے، ہاں وہم ہوتا ہے شاید یہ فَعْوَۃٌ سے مشتق ہوا ہوگا، اسی سے بنایا گیا ہوگا۔

اسی طرح أَجْدَل، أَجْدَل شکرے کو کہتے ہیں، میں نے بتایا شکرا عقاب کی نسل کا ایک طاقتور پرندہ ہے جو دوسرے پرندوں کا شکار کرتا ہے۔ تو أَجْدَل میں بھی شبہ ہوتا ہے کہ شاید یہ جَدْل سے مشتق ہوا ہوگا، اور جَدْل کے معنی ہیں قوت، تو اسی سے وصف کا صیغہ عربوں نے بنا لیا ہوگا أَجْدَل ہر طاقتور چیز کے لیے، اور پھر یہ خاص ہو گیا ہوگا اس شکرے کے ساتھ، لیکن یہ ایک وہمی بات ہے، یقینی نہیں، اس پر کوئی دلیل موجود نہیں۔ ہم نے عربوں سے سنا نہیں کہ انہوں نے أَجْدَل کا لفظ کسی اور طاقتور چیز کے لیے استعمال کیا ہو۔

اسی طرح أَخْیَل ایک پرندے کا نام ہے، اور أَخْیَل اس میں شبہ ہوتا ہے شاید یہ خَال سے مشتق ہوگا، اور خَال جو بدن پر داغ ہوتا ہے، نشان ہوتا ہے، انسانی بدن پر جو کالا تل ہوتا ہے اس کو خَال کہتے ہیں۔ تو اس پرندے کے بدن پر بھی داغ ہیں، تو شبہ ہوتا ہے شاید یہ خَال سے بنا ہوگا، أَخْیَل خَال سے بنا ہوگا اور پھر اس پرندے کے جسم پر بھی داغ ہیں تو اس کا نام کیا پڑ گیا؟ أَخْیَل پڑ گیا، لیکن یہ ایک وہم ہے، کوئی ہمارے پاس اس کی دلیل موجود نہیں کہ ہم نے سنا ہو کہ عرب جو ہیں ہر داغ والی شے کو أَخْیَل کہتے ہوں، ہم نے ایسا نہیں سنا۔ تو معلوم ہوا یہ أَفْعٰی، أَجْدَل اور أَخْیَل ان کا اصلِ وضع میں وصف

ہونا یقینی نہیں، وہمی ہے، ان کا اصلِ وضع کے اعتبار سے وصف ہونا یقینی نہیں صرف وہمی ہے، لہٰذا یہ أَفْعٰی، أَخْیَل اور أَجْدَل کو غیرِ منصرف پڑھنا ضعیف ہے، یعنی کمزور لغت ہے بھائی۔

پھر اس پر اشکال ہوتا ہے کہ بھائی ان کے اندر وصفیت کا احتمال تو آگیا، آپ نے کہا ان کا غیرِ منصرف پڑھنا ضعیف ہے حالانکہ احتمال تو آگیا، تو دونوں جانبیں برابر ہونی چاہئیں۔ اگر ان کا وصف ہونا یقینی نہیں تو وصف نہ ہونا بھی تو یقینی نہیں ہے۔ دونوں جانبیں آگئیں ناں، احتمال تو آگیا کہ ہو سکتا ہے یہ کس سے بنے ہوں؟ یہ وہ فَعْوَۃٌ یا جَدْل یا خَال سے بنے ہوں، تو دونوں جانبیں برابر ہونی چاہئیں، لہٰذا منصرف پڑھنا اور غیرِ منصرف پڑھنا برابر ہونا چاہیے۔ لیکن آپ کہتے ہیں نہیں منصرف پڑھیں گے، غیرِ منصرف پڑھنا ضعیف ہے، تو آپ نے منصرف ہونے کی جانب کو قوت دے دی، اس کی کیا وجہ ہے؟ تو جواب دیا کہ ہاں آپ کی بات ٹھیک ہے، دونوں جانبیں برابر بنتی ہیں لیکن اسم کے اندر اصل ہے منصرف ہونا، تو یہ ترجیح دے دیتا ہے منصرف ہونے کی جانب کو۔ منصرف ہونا اور غیرِ منصرف ہونا کیا ہو گئے؟ برابر۔ لیکن پھر منصرف ہونے کی جانب جو ہے اس کو قوت حاصل ہو گئی کس کی وجہ سے؟ ایک اور دلیل آگئی اور وہ یہ کہ اسم کے اندر اصل منصرف ہونا ہے، تو صرف اس وہم کی بنیاد پر ان کو غیرِ منصرف نہیں پڑھا جائے گا بلکہ منصرف پڑھنا اعلیٰ ہے۔ بات سمجھ میں آگئی۔

آگے دیکھیے بھائی آج کا سبق، کہتے ہیں: التَّأْنِیثُ اللَّفْظِيُّ الْحَاصِلُ بِالتَّاءِ لَا بِالْأَلِفِ، فَإِنَّهُ لَا شَرْطَ لَهُ، شَرْطُهُ فِي سَبَبِيَّةِ مَنْعِ الصَّرْفِ الْعَلَمِيَّةُ. جی پہلے صرف متن متن دیکھ لیجیے بھائی: التَّأْنِیثُ بِالتَّاءِ شَرْطُهُ الْعَلَمِيَّةُ. سب سے پہلے تانیث کو سمجھ لیں بھائی۔ آپ نے ہدایۃ النحو میں پڑھا ہوگا کہ ایک ہوتا ہے مذکر اور ایک ہے مؤنث۔ مؤنث اس کو کہتے ہیں جس میں تانیث کی کوئی علامت پائی جائے، اس کو کیا کہتے ہیں؟ مؤنث کہتے ہیں۔ اور جس میں تانیث کی علامت نہ ہو اس کو مذکر کہتے ہیں۔ اور تانیث کی علامتیں دراصل تین ہیں: ایک تاء ہے تائے مربوطہ، گول تاء ہے بھائی، اور ایک الفِ مقصورہ ہے اور ایک الفِ ممدودہ ہے۔ یہ جو تاء ہے جو تانیث کی علامت ہے یاد رکھو یہ وہ تاء ہے جو زائد ہوتی ہے، حروفِ اصلیہ میں سے نہیں ہوتی، زائد ہوتی ہے اور یہ وقف کی صورت میں ہا بن جاتی ہے اور اس کا ماقبل ہمیشہ مفتوح ہوتا ہے۔ اس کا ماقبل ہمیشہ مفتوح ہوتا ہے، ضَارِبَةٌ، دیکھو یہ تاء کیا ہے؟ گول تاء ہے اور یہ وقف کی صورت میں ہا بن جاتی ہے ضَارِبَهْ بھائی، وقف کرتے ہوئے کیسے پڑھیں گے؟ ضَارِبَهْ، اور اس کا ماقبل مفتوح ہے اور یہ زائد ہے دیکھو حروفِ اصلیہ کے بعد آرہی ہے۔ تو تائے تانیث کسے کہتے ہیں؟ جو زائد ہو، اس کا ماقبل مفتوح ہو اور حالتِ وقف میں کس سے بدل جائے؟ ہا سے بدل جائے۔ لہٰذا أُخْتٌ اور بِنْتٌ اس کے آخر میں تو لمبی تاء لکھی جاتی ہے، یہ تائے تانیث نہیں ہے، کیونکہ یہ تو زائد نہیں ہیں، یہ زائد نہیں، نیز یہ وقف کی صورت میں ہا بھی نہیں بنتی بھائی، اور نیز ان کا ماقبل مفتوح بھی نہیں۔ تو لہٰذا یہ بِنْتٌ، أُخْتٌ وغیرہ نکل گئے۔

تو تانیث کی علامتیں تین ہیں: ایک تائے مربوطہ، ایک الفِ مقصورہ اور ایک الفِ ممدودہ۔ اور آپ کو انہوں نے بتلایا

تھا کہ الفِ مقصورہ اور ممدودہ یہ دو سببوں کے قائم مقام ہیں، یہ تانیث والے جو الفِ مقصورہ اور ممدودہ یہ دو سببوں کے قائم مقام ہیں۔ دو سببوں کے قائم مقام کتنے اسباب تھے؟ دو تھے: ایک جمع یعنی منتہی الجموع کا صیغہ ہو اور دوسرا تانیث کے جو دو الف ہیں یعنی الفِ مقصورہ اور الفِ ممدودہ۔ تو جب جمع منتہی الجموع کا صیغہ آجائے تو کوئی دوسرا سبب دیکھنے کی ضرورت نہیں، یہ دو سببوں کے قائم مقام ہے، اس لفظ کو غیرِ منصرف پڑھیں۔ اور اسی طرح تانیث والا الفِ مقصورہ یا الفِ ممدودہ آجائے تو وہ بھی دو سببوں کے قائم مقام ہے، دوسرا کوئی سبب دیکھنے کی ضرورت نہیں۔ اور یہ جو الفِ مقصورہ یہ تو ایک الف ہوتا ہے آخر میں، بات سمجھ میں آگئی؟ یہ کھڑی زبر نہ کہیں، کھڑی زبر کی صورت میں طلبہ سمجھتے ہیں شاید الفِ مقصورہ کھڑی زبر کو کہتے ہیں، نہیں نہیں، الفِ مقصورہ یہ عام الف ہے بھائی۔ یہ کس کے مقابلے میں ہے؟ ممدودہ کے مقابلے میں، ممدودہ میں الف کے بعد ہمزہ آتا ہے اور اس کو خوب لمبا کیا جاتا ہے۔ اور الفِ ممدودہ میں میں نے آپ کو بتلایا تھا کہ یہ دو الف تھے دراصل، یہ دو الف، جیسے حَمْرَاءُ یہ ایک الف ہے اور آخر میں جو ہمزہ ہے یہ بھی دراصل الف تھا اور یہ پھر الفِ زائدہ کے بعد جب حرفِ علت آجائے واؤ الف یاء تو اس کو ہمزہ سے بدلتے ہیں۔ کس سے بدلتے ہیں؟ ہمزہ سے بدلتے ہیں، جیسے اس کی کوئی مثال، الفِ زائدہ کے بعد واؤ الف یاء آئے تو اس کو ہمزہ سے بدلتے ہیں بھائی، گردانوں میں آپ نے کتنے ہی صیغے پڑھے ہوں گے، اجوف ناقص میں کوئی دیکھو۔ ہاں جیسے، جیسے دیکھو قَائِلٌ اصل میں کیا تھا؟ قَاوِلٌ تھا، پھر الفِ زائدہ کے بعد واؤ آیا تو کس سے بدل گیا؟ ہمزہ سے۔ تو یہاں پر بھی اسی طرح حَمْرَاءُ یہ دو الف تھے، یہ جو الفِ زائدہ کے بعد ہمزہ آیا یہ وہ الف تھا جو بدل گیا ہمزہ سے۔ اور یاد رکھو یہ جو دو الف آئے یہ پہلا الف زائد ہے، یہ صرف مد کے لیے ہے آواز کو لمبا کرنے کے لیے، اور ثانی الف یہ تانیث والا ہے جو اب ہمزہ سے بدل چکا ہے، یہ ہمیشہ یاد رکھنا۔ یہ ثانی الف جو کس سے بدل چکا؟ ہمزہ، یہ ہے تانیث کے لیے بھائی۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو تانیث کی تین علامتیں ہیں بھائی: ایک تائے مربوطہ، ایک الفِ مقصورہ اور ایک الفِ ممدودہ بھائی۔

اور یہ بھی یاد رکھنا، کبھی کبھار یہ تاء مقدر بھی ہوتی ہے، کبھی تاء مقدر ہوتی ہے جو بعض تصرفات میں ظاہر ہو جاتی ہے۔ مثلاً دَار، دَار کی مؤنث دُوَيْرَةٌ آتی ہے، دیکھو تصغیر۔ میں نے آپ کو ضابطہ بتلایا تھا: التَّصْغِيرُ وَالتَّكْسِيرُ يَرُدَّانِ الْأَشْيَاءَ إِلَى أُصُولِهَا، کہ تصغیر اور جمعِ تکسیر جس میں مفرد کا وزن ٹوٹ جاتا ہے وہ چیزوں کو اپنی اصل کی طرف لوٹاتے ہیں۔ آپ نے ایک لفظ کے مادے کا پتہ چلانا ہے کہ یہ اصل میں کیا تھا تو اس کی تصغیر دیکھ لیں بھائی، تصغیر، تو اس سے آپ کو اس لفظ کی اصل کا پتہ چل جائے گا۔ جیسے دَار کی مؤنث کیا آتی ہے؟ دُوَيْرَةٌ۔ ایک تو آپ کو یہ پتہ چل گیا کہ یہ جو الف ہے یہ دراصل واؤ تھا، دُوَيْرَةٌ میں دیکھو الف کی جگہ کیا آگیا؟ واؤ آگیا۔ اور دوسرا آپ کو یہ پتہ چل گیا کہ یہ دَار کا لفظ اصل میں اس کے ساتھ گول تاء تھی، یعنی یہاں تاء مقدر ہے اس کے ساتھ۔ اسی لیے عرب دَار کو مؤنث استعمال کرتے ہیں۔ اور اسی طرح أَرْضٌ، أَرْض زمین کو کہتے ہیں، اس کو بھی عرب مؤنث استعمال کرتے ہیں، اس کی کیا وجہ؟ تو آپ نے اس کی تصغیر نکالی، تو تصغیر

کیا آئی؟ أُرَيْضَةٌ، دیکھو وہاں گول تاء موجود ہے۔ تو یہ جو مقدر ہوتی ہے ناں مقدر، یہ ہمیشہ صرف تاء یہ گول تاء مقدر ہوتی ہے، الفِ ممدودہ یا مقصورہ وہ مقدر مقدر نہیں ہوتے، کیونکہ آپ پڑھ چکے ہیں وہ کلمے کے ساتھ لازم ہیں، وہ کلمے سے جدا ہوتے ہی نہیں۔ اسی لیے تو یہ دو سببوں کے قائم مقام ہیں بھائی۔ بات سمجھ میں آرہی ہے؟ کہ وہ کلمے کو وضع ہی الف کے ساتھ کیا گیا ہے، اور جیسے حُبْلٰی مثال بھی گزری تھی پیچھے یہ جامی کے اندر آئی تھی کہ حُبْلٰی ہم نے کبھی عربوں سے نہیں سنا کہ انہوں نے حُبْلٌ استعمال کیا ہو، یا حَمْرَاءَ حَمْرَاء بھائی، اور ہم نے عربوں سے کبھی نہیں سنا کہ انہوں نے حَمْرٌ استعمال کیا ہو۔ تو یہ لازم ہیں، یہ جدا ہوتے ہی نہیں۔ صرف تاء ہے وہ مقدر ہو جاتی ہے، دیکھو جدا ہو گئی بس مقدر ہے۔

تو تانیث دو قسم پر ہو گئی: ایک تانیثِ لفظی، ایک تانیثِ معنوی۔ تانیثِ معنوی کے اندر تاء مقدر ہوتی ہے، یعنی لفظوں میں کوئی تانیث کی علامت نہیں اور مقدر کیا ہے؟ تاء ہے، الف نہیں مقدر ہو سکتے کیونکہ الف تو جدا ہی نہیں ہوتے۔ اور دوسری تانیثِ لفظی ہے، وہ تانیث تاء کے ساتھ بھی آتی ہے اور الفِ مقصورہ کے ساتھ بھی اور الفِ ممدودہ کے ساتھ بھی۔ تفصیل سمجھ میں آگئی؟ اب دیکھیے، اب آپ کو متن متن دیکھیے، کہتے ہیں: التَّأْنِيثُ بِالتَّاءِ شَرْطُهُ الْعَلَمِيَّةُ، تانیث بالتاء جو ہے یعنی وہ تانیثِ لفظی جو کس کے ساتھ آئے؟ تاء کے ساتھ آئے، شَرْطُهُ الْعَلَمِيَّةُ اس کی شرط علم ہونا ہے۔ اس کی شرط، تانیث بالتاء سبب بنے گی غیرِ انصراف کا لیکن اس کے لیے شرط ہے کہ وہ علم ہونا چاہیے۔ جیسے فَاطِمَةُ، جیسے طَلْحَةُ، یہ دیکھو یہ تاء ہے اور یہ کلمے کے ساتھ جڑی ہوئی ہے اور یہ علم ہے کلمہ کیا ہے؟ علم ہے، طلحہ بھی علم اور فاطمہ بھی علم ہے۔ تو تانیث بالتاء غیرِ انصراف کا سبب بنے گی لیکن اس کی شرط یہ ہے کہ وہ کلمہ علم ہونا چاہیے۔

بھائی کیا وجہ ہے؟ علم کیوں ہونا چاہیے؟ وجہ آپ کو بتلائیں گے کہ بھائی یہ تاء جو ہے یہ کبھی ساتھ جڑ جاتی ہے کبھی الگ ہو جاتی ہے۔ یہ کلمے کے ساتھ مستقل نہیں رہتی۔ مذکر کے لیے مثلاً آپ ضَارِبٌ کہتے ہیں اور مؤنث کے لیے کیا کہتے ہیں؟ ضَارِبَةٌ۔ تو یہ تاء کبھی کلمے سے جڑتی ہے کبھی علیحدہ ہو جاتی ہے، جبکہ غیرِ انصراف کے لیے قوی سبب چاہیے۔ کیا چاہیے؟ قوی، غیرِ منصرف کلمہ ہے جو اپنی اصل سے نکل جاتا ہے۔ اصل تو ہے اسم میں منصرف ہونا، تو اس غیرِ انصراف کے اسباب کیا کرتے ہیں؟ اس کو اصل سے نکال دیتے ہیں، تو اس کے لیے کوئی قوی سبب چاہیے، ضعیف سبب اس کو اپنی اصل سے نہیں نکال سکتے۔ تو لہٰذا یہ تاء یہ تو کمزور ہے، یہ تو کبھی جڑتی ہے کبھی الگ ہو جاتی ہے، تو لہٰذا اس میں علمیت کی قید لگا دی۔ جب علم ہوگا تو علم میں تبدیلی نہیں کی جاتی۔ علم میں تبدیلی نہیں کی جاتی۔ تو جب تاء کے ساتھ ایک لفظ کو کسی کا علم بنا دیا گیا اب یہ تاء پختہ ہو گئی، اب یہ اس کلمے سے جدا نہیں ہوگی کیونکہ علم بن گیا اور علم میں کوئی تبدیلی نہیں کی جاتی۔

آگے متن دیکھیے: وَالْمَعْنَوِيُّ كَذٰلِكَ، اور معنوی بھی اسی طرح ہے یعنی تانیثِ معنوی بھی اسی طرح ہے، اس کے اندر بھی علمیت شرط ہے۔ اس کے اندر علمیت شرط ہے۔ لیکن فرق ہے دونوں کے اندر بھائی۔ جب تانیث بالتاء میں جب علمیت آجائے گی تو وہ وجوباً غیرِ انصراف کا سبب بنے گی۔ وہ تانیث کیا ہے؟ بھائی طَلْحَةُ یہ نام رکھ دیا گیا اور اس کے ساتھ تاء بھی ہے۔ تو اب یہ تانیث وجوباً غیرِ انصراف کا سبب بنے گی۔ تو ایک سبب کیا ہوا؟ علمیت، دوسرا سبب کیا ہوا؟ تانیث۔ اب اس میں اور کوئی شرط دیکھنے کی ضرورت نہیں بھائی۔ جب تانیث بالتاء اس کے ساتھ جب علمیت آجائے تو شرط پوری ہو گئی۔ لہٰذا اب یہ تانیث بالتاء سبب بنے گی کس چیز کا؟ غیرِ انصراف کا، اب اس کلمے کو کیا پڑھنا پڑے گا؟ غیرِ منصرف ہی پڑھنا پڑے گا۔ لیکن تانیثِ معنوی جو ہے، تانیثِ معنوی اس کے اندر لفظوں کے اندر تاء موجود نہیں، تو یہ اس تاء کے مقابلے میں کمزور ہے۔ ایک ہے لفظوں میں تاء، ایک ہے تائے مقدرہ بھائی، کہ تاء لفظوں میں نہیں ہے بلکہ مقدر ہے۔ میں نے بتایا کہ تانیثِ معنوی میں تاء مقدر ہوتی ہے، الفِ ممدودہ یا مقصورہ مقدر نہیں ہوتے۔ تو اس کے اندر بھی تاء مقدر ہے۔ تو ایک تاء ہے لفظوں میں، ایک تاء ہے مقدر، ظاہر سی بات ہے یہ تائے مقدرہ اس کے مقابلے میں ضعیف ہے بھائی۔ یہ کیا ہے؟ وہ تاء تو لفظوں میں موجود ہے، اس کے ساتھ جب علمیت آئے گی تو وہ قوی ہے، وہ غیرِ انصراف کا سبب بن جائے گی فوراً۔ وہاں کسی اور چیز کی ضرورت نہیں۔ لیکن یہاں پر تو تاء مقدر ہے۔ جب تاء مقدر ہے تو اس کے اندر جب علمیت کی شرط تھی تو اس کے اندر بھی علمیت کی شرط، جب قوی کے اندر علمیت شرط تھی تو ضعیف کے اندر علمیت بطریقِ اولیٰ شرط ہوگی، تو اس کے اندر بھی علمیت شرط ہو گئی۔

پھر یہ چونکہ یہ تاء مقدر ہے، لفظوں میں نہیں ہے اس لیے یہ سببِ ضعیف ہے۔ بات سمجھ میں آرہی ہے؟ لہٰذا اس کے وجوب کے لیے تین شرطوں میں سے ایک شرط اور پوری ہونی چاہیے۔ تین شرطوں میں سے ایک شرط: یا تو کلمہ تین حروف سے زائد ہو۔ حاصل سن لو بھائی، ایک لفظ مؤنثِ معنوی ہے اور اس کے ساتھ علمیت بھی جمع ہو گئی، تو اب دو سبب آگئے، دو سبب آگئے، لیکن تانیثِ معنوی ضعیف ہے کمزور ہے، تو آپ چاہیں اس کا اعتبار کریں چاہے اعتبار نہ کریں۔ اعتبار کرتے ہیں تو آپ کلمے کو غیرِ منصرف پڑھ لیں: ایک علمیت ہے ایک تانیثِ معنوی ہے۔ اور آپ چاہیں تو اعتبار نہ کریں کیونکہ لفظوں میں تو کوئی علامت نہیں آئی، تو تانیث کیا ہے؟ کمزور ہے ضعیف ہے۔ لہٰذا هِنْدٌ، هِنْدٌ کو منصرف پڑھنا بھی جائز، غیرِ منصرف پڑھنا بھی جائز۔ منصرف پڑھنا کیوں جائز؟ کیونکہ اس میں ایک سبب تو علمیت ہے اور دوسرا تانیثِ معنوی ہے، لیکن تانیثِ معنوی کے ساتھ تین شرطوں میں سے ایک شرط اور ہونی چاہیے تھی وہ آگے ذکر ہوں گی، وہ کوئی بھی نہیں ہے۔ تو آپ چاہیں تو اس تانیث کا اعتبار کریں چاہے اعتبار نہ کریں۔ اگر آپ اعتبار کرتے ہیں تو ایک علمیت ہے ایک تانیث ہے، اس کو غیرِ منصرف پڑھو هِنْدٌ۔ اور آپ چاہیں تو اس تانیث کا اعتبار نہ کریں بلکہ کیسے پڑھیں؟ هِنْدٌ۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو تانیثِ معنوی کے اندر علمیت شرط ہے غیرِ انصراف کے جواز، غیرِ انصراف پڑھنا جائز ہو جاتا ہے۔ توجہ ہے؟

ھِنْدٌ میں ایک سبب کیا آیا؟ علمیت، دوسرا یہ مؤنث کا نام ہے، تو تانیثِ معنوی آگئی۔ تو لہٰذا علمیت کے ساتھ جب تانیثِ معنوی آجائے تو اس لفظ کا غیرِ منصرف پڑھنا جائز ہو جاتا ہے، واجب نہیں۔ تانیث بالتاء میں جب علمیت آتی تھی تو اس لفظ کا غیرِ انصراف واجب ہوتا تھا اور تانیثِ معنوی میں واجب نہیں ہے بلکہ صرف جائز ہے۔ ہاں آگے تین چیزیں اور ہیں، ان میں سے کوئی ایک آجائے گی تانیثِ معنوی کے ساتھ، تو پھر اس کا غیرِ منصرف کا سبب بننا اور اس لفظ کا غیرِ منصرف پڑھنا واجب ہو جائے گا۔ اور وہ کیا؟ کہ وہ کلمہ تین حروف سے زائد پر مشتمل ہو، یا اگر تین سے زائد پر مشتمل نہیں ہے صرف تین پر مشتمل ہے تو پھر کم از کم درمیان والا حرف متحرک ہونا چاہیے، اور اگر درمیان والا متحرک بھی نہیں ہے، ساکن ہے، تو پھر کم از کم کلمہ عجمی ہونا چاہیے۔

تانیثِ معنوی غیرِ انصراف کا سبب بنتی ہے لیکن وجوباً نہیں بلکہ جوازاً۔ اور اگر وجوباً کب بنے گی؟ جب تین چیزوں میں سے کوئی ایک مزید بھی پائی جائے، وہ کون کون سی ہے؟ تین حروف سے کلمہ زائد ہو، لہٰذا زَیْنَبُ غیرِ منصرف ہے۔ اب دیکھو اس میں تانیث کی کوئی علامت نہیں لیکن یہ مؤنث کا نام ہے، تو یہ تانیثِ معنوی ہے اس کے اندر بھائی۔ تو ایک سبب علمیت، دوسرا سبب تانیثِ معنوی۔ اور تانیثِ معنوی کی وجہ سے کلمے کو غیرِ منصرف پڑھنا جائز ہوتا ہے یا واجب ہوتا ہے؟ جب اس کے ساتھ علمیت آجائے تو پڑھنا جائز، لیکن اس کے ساتھ ایک اور چیز بھی پائی گئی اور وہ کیا کہ کلمہ تین حروف سے زائد ہے، اب تانیثِ معنوی وجوباً سبب بنے گی غیرِ انصراف کا، اور کلمے کو غیرِ منصرف ہی پڑھنا پڑے گا۔ وجہ اس کی یہ کہ بھائی یہ جو اسبابِ منعِ صرف ہیں ناں یہ کلمے میں ثقل پیدا کرتے ہیں، کیونکہ یہ سب فرع ہیں۔ یہ سب کیا ہیں؟ فرع ہیں۔ مثلاً عدل جو ہے کلمے کا معدول ہونا، کلمے کا معدول ہونا، تو یہ معدول ہونا فرع ہوا کس کی؟ معدول عنہ کی جس سے پھیرا گیا ہے۔ جیسے عُمَر کو کس سے پھیرا گیا ہے؟ عَامِرٌ سے۔ تو عَامِرٌ ہوا اصل اور عُمَر ہوا فرع۔ اسی طرح وصف جو ہے یہ فرع ہے موصوف کی۔ موصوف ہے اصل، وصف ہے اس کی فرع۔ موصوف ہوگا تو وصف ہوگا، موصوف نہیں تو وصف کا علیحدہ وجود ہی نہیں ہو سکتا۔ اسی طرح آگے مثلاً معرفہ آرہا ہے، نکرہ ہونا ہے اصل اور معرفہ ہونا ہے فرع۔ اسی طرح مذکر ہونا ہے اصل اور مؤنث ہونا ہے فرع۔ تو دیکھو ان سب کے اندر فرعیت والا معنی ہے یہ جتنے اسبابِ منعِ صرف ہیں اور ان کی وجہ سے کلمے میں ثقل آتا ہے۔ کیا آتا ہے؟ ایک کلمہ اپنی اصل پر ہو اس میں ثقل نہیں، ایک فرعیت اس میں آجائے تو اس میں کیا آجائے گا؟ ثقل آجائے گا۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو یہ جو تانیثِ معنوی ہے یہ تو ایک معنوی چیز ہے، اس کی وجہ سے کلمے میں کوئی ثقل نہیں آرہا۔ تانیثِ معنوی کے اندر شرط کیا ہے؟ علم ہونا چاہیے۔ تو علم ہونے کی وجہ سے تو ثقل آگیا۔ علم ہونے کی وجہ سے۔ لیکن تانیثِ معنوی اس کی وجہ سے تو ثقل نہیں آرہا، وہ تو صرف ایک معنوی چیز ہے لفظوں میں تو اس کی کوئی علامت ہی نہیں ہے۔ تو اس کے لیے تاکہ اس کی وجہ سے بھی ثقل آجائے تو تین شرطوں میں سے ایک شرط ہونی چاہیے کہ کلمہ تین حروف سے زائد پر مشتمل ہو۔ اور آپ جانتے ہیں جتنے حروف بڑھتے جائیں کلمہ زبان پر ثقیل ہوتا

چلا جاتا ہے، جتنے حروف کم ہوں گے زبان پر ادائیگی آسان ہوگی۔ تو جیسے زَیْنَب، تو اس کے اندر دیکھو تانیثِ معنوی ہے، تانیث، یہ ایک مؤنث کا نام ہے اور تانیثِ معنوی کے ساتھ شرط کیا تھی؟ علمیت۔ اور تانیثِ معنوی غیرِ انصراف کا سبب بنتی ہے وجوباً یا جوازاً؟ جوازاً۔ لیکن پھر ساتھ ایک اور شرط بھی پوری ہو گئی تین شرطوں میں سے، اور وہ کیا کہ یہ تین حروف سے زائد، اس کی وجہ سے اب کلمے میں ثقل آگیا۔ ایک ثقل آیا علمیت کی وجہ سے، ایک ثقل آیا یہ جو تین حروف سے زائد ہو گیا اس کی وجہ سے ثقل آگیا، تو اب یہ کلمہ کیا بن گیا؟ غیرِ منصرف، اب اس کو غیرِ منصرف پڑھنا واجب ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟

یا اگر تین حروف سے زائد نہیں ہے کلمہ، تین حروف والا ہے، تو پھر کم از کم درمیان والا متحرک ہونا چاہیے تاکہ اس کلمے میں ثقل آجائے بھائی۔ اس لیے کیونکہ ایک وہ کلمہ ہے جس کا درمیان والا حرف ساکن ہے، اور ایک وہ کلمہ ہے جس کا درمیان متحرک ہے، تو دیکھو جس کا درمیان متحرک ہوگا وہ ثقیل ہوگا، جیسے ایک ہے ضَرْبٌ، ایک ہے ضَرَبٌ۔ کس کی ادائیگی زبان پر آسان؟ ضَرْبٌ کی ادائیگی زبان پر آسان ہے۔ تو لہٰذا تین شرط، پہلی شرط کیا؟ کہ کلمہ تین حروف سے زائد ہو تاکہ اس میں کیا آجائے؟ ثقل۔ اگر تین حروف پر مشتمل ہے تو پھر درمیان والا کیا ہونا چاہیے؟ متحرک، تاکہ کلمے میں کیا آجائے؟ ثقل۔ اور اگر درمیان والا متحرک بھی نہیں ہے تو پھر تیسری صورت یہ ہے کہ کلمہ عجمی ہونا چاہیے۔ جب کلمہ عجمی ہوگا تو ظاہر سی بات ہے غیر زبان کا لفظ عربوں کے لیے زبان پر ادائیگی ثقیل ہوگی بھائی۔ تو یہ جو شرطیں لگائیں تین چیزوں میں سے ایک ہونی چاہیے، یہ صرف کلمے میں ثقل پیدا کرنے کے لیے ہے۔

تو تانیثِ معنوی چونکہ وہ تو صرف ایک معنوی چیز ہے، اگر وہ کلمے میں آئے گی تو پھر وہ غیرِ انصراف کا سبب بنے گی جوازاً، وجوباً نہیں۔ اس کو وجوباً سبب بنانے کے لیے تین چیزوں میں سے ایک چیز اور بھی اس کے ساتھ آنی چاہیے تاکہ کلمے میں ثقل آجائے: یا تو وہ تین حروف سے زائد ہونا چاہیے، یا اگر تین سے زائد نہیں ہے تو درمیان والا متحرک ہونا چاہیے، اور اگر درمیان والا متحرک بھی نہیں ہے تو کلمہ عجمی زبان کا ہونا چاہیے تاکہ اس میں ثقل آجائے، اور پھر وہ وجوباً غیرِ انصراف کا سبب بنے گا۔ لہٰذا زَیْنَبُ اس میں ایک سبب علمیت ہے اور ایک تانیثِ معنوی بھی ہے اور نیز وجوب کے لیے کیا ضروری تھا؟ تین سے زائد ہو، وہ تین سے زائد بھی ہے، اس لیے اس کو غیرِ منصرف پڑھنا واجب۔ اسی طرح ایک ہے مثلاً سَقَر، سَقَر جہنم کے طبقات میں سے ایک طبقہ ہے بھائی اور اس کا نام سَقَر ہے سَقَر۔ اور اب دیکھو یہ سَقَر اس کے اندر ایک سبب کیا؟ تانیثِ معنوی ہے، تانیثِ معنوی ہے، یہ مؤنث استعمال ہوتا ہے، اور تانیثِ معنوی کے لیے شرط کیا تھی؟ علمیت، تو یہ علم بھی ہے۔ اور تانیثِ معنوی کے ساتھ ساتھ اس کے وجوب کی شرط بھی پوری ہو رہی ہے کہ درمیان والا حرف متحرک ہے بھائی۔ اسی طرح آگے لفظ آئیں گے مَاہُ وَجُوزُ، مَاہ اور جُوز یہ دو شہروں کے نام ہیں اور ایک سبب ان میں علمیت ہے اور دوسرا سبب کیا ہے؟ تانیثِ معنوی ہے، اور تانیثِ معنوی وہ تو غیرِ انصراف کا سبب

بنتا ہے جوازاً جوازاً، وجوباً نہیں۔ وجوب کے لیے کیا ضروری تھا؟ یا تین حروف سے زائد ہو، یہ مَاہ اور جُود تین حروف سے زائد نہیں۔ یا دوسری شرط تھی اگر تین حروف پر مشتمل ہے تو درمیان والا متحرک ہونا چاہیے، مَاہ اور جُود میں درمیان میں الف اور واؤ ہیں وہ تو ساکن ہیں، دوسری شرط بھی پوری نہیں۔ تو تیسری بات یہ تھی کہ کلمہ جو ہے عجمی ہونا چاہیے، یہ مَاہ اور جُود عربی نام نہیں ہیں یہ عجمی ہیں، تو لہٰذا اس میں اب تانیثِ معنوی سبب بنے گی غیرِ انصراف کا وجوباً اور اس کو اب غیرِ منصرف پڑھنا پڑے گا، اس پر نہ کسرہ پڑھ سکتے ہیں آپ اور نہ تنوین پڑھ سکتے ہیں۔

دیکھیے بھائی ذرا متن متن دیکھ لیجیے، کہتے ہیں: التَّأْنِيثُ بِالتَّاءِ شَرْطُهُ الْعَلَمِيَّةُ، تانیث بالتاء جو ہے اس کی شرط علمیت ہے، وَالْمَعْنَوِيُّ كَذٰلِكَ، اور معنوی بھی اسی طرح ہے یعنی اس میں بھی علمیت کی شرط ہے، وَشَرْطُ تَحَتُّمِ تَأْثِيرِهِ، وَشَرْطُ تَحَتُّمِ تَأْثِيرِهِ، تَحَتُّم کا معنی ایک چیز کا لازمی ہونا، ضروری ہونا اور تَأْثِيرِهِ کی ہا ضمیر راجع ہے تانیثِ معنوی کو، تَأْثِيرِهِ کی ہا ضمیر کس کو راجع؟ تانیثِ معنوی، ترجمہ میں آخر سے کروں گا بھائی توجہ سے سنو بھائی: وَشَرْطُ تَحَتُّمِ تَأْثِيرِهِ، اور تانیثِ معنوی کے مؤثر ہونے کے وجوب کی شرط جو ہے، تانیثِ معنوی مؤثر ہو جائے وجوباً اس کی شرط کیا ہے؟ آگے تین چیزوں میں سے ایک بتلا رہے ہیں، کہتے ہیں تین چیزوں میں سے ایک ہونی چاہیے: الزِّيَادَةُ عَلَى الثَّلَاثَةِ، کہ وہ کلمہ تین سے زیادہ حروف پر مشتمل ہو، أَوْ تَحَرُّكُ الْأَوْسَطِ، یا درمیان والا حرف جو ہے وہ متحرک ہونا چاہیے، أَوِ الْعُجْمَةُ، یا وہ کلمہ عجمی ہونا چاہیے۔ آگے فَهِنْدٌ يَجُوزُ صَرْفُهُ، تو هِنْدٌ جو ہے اس کی صرف جائز ہے، هِنْدٌ کی صرف جائز ہے یعنی اس کو منصرف بھی پڑھ سکتے ہو غیرِ منصرف بھی۔ غیرِ منصرف کیوں پڑھ سکتے ہو؟ کیونکہ دو سبب موجود ہیں، کیا؟ ایک تانیثِ معنوی یہ مؤنث کا نام ہے، یہ عورتوں کا نام ہے قدیم عرب میں عام استعمال ہوتا تھا۔ تو هِنْدٌ ایک تانیثِ معنوی ہے اور دوسرا علمیت ہے۔ تو تانیثِ معنوی ہے، لیکن تانیثِ معنوی کے ساتھ باقی تین چیزوں میں سے کوئی بھی نہیں ہے: نہ یہ تین حروف سے زائد ہے، نہ درمیان والا متحرک ہے، نہ یہ عجمی ہے۔ صرف تانیثِ معنوی ہو، ان تین چیزوں میں سے کوئی چیز ساتھ نہ ہو، پھر تو یہ تانیثِ معنوی آپ چاہیں اعتبار کریں چاہے اعتبار نہ کریں۔ آپ اس کا اعتبار کرتے ہیں تو دو سبب کلمے میں آ تو گئے: ایک تانیثِ معنوی اور ایک علمیت، تو اس کو غیرِ منصرف پڑھو، اس پر نہ کسرہ پڑھو اور نہ تنوین۔ اور آپ چاہیں تو اس کا اعتبار نہ کریں بھائی کیونکہ اس کی وجہ سے تو کوئی ثقل ہی نہیں آیا، وہ تو ایک معنوی چیز تھی، تو آپ کلمے کو منصرف بھی پڑھ سکتے ہیں۔ تو هِنْدٌ پڑھنا بھی صحیح اور هِنْدُ بغیر تنوین کے پڑھنا بھی صحیح ہے۔ تو کہتے ہیں فَهِنْدٌ يَجُوزُ صَرْفُهُ، تو هِنْدٌ جو ہے اس کی صرف جائز ہے یعنی اس کو منصرف پڑھنا۔ وَزَيْنَبُ وَسَقَرُ وَمَاهُ وَجُورُ مُمْتَنِعٌ، زینب، سقر اور ماہ و جور یہ ممتنع ہیں یعنی ان کی صرف ممتنع ہے یعنی ان کو منصرف پڑھنا ممتنع ہے، ان کو غیرِ منصرف پڑھیں گے۔ زینب میں کیا سبب ہے؟ ایک علمیت ہے اور ایک تانیثِ معنوی، اور تانیثِ معنوی کے ساتھ وجوب کی شرط بھی پوری ہو رہی ہے یعنی تین حروف سے زائد ہے۔ اور سَقَر کے اندر علمیت ہے اور تانیثِ معنوی ہے اور اس کے ساتھ اس کے وجوب کی شرط درمیان والا حرف متحرک وہ بھی پوری ہو رہی ہے۔ اور مَاہ اور جُود اس میں علمیت بھی ہے اور تانیثِ معنوی کے ساتھ ساتھ اس کے وجوب کی جو شرط ہے کہ

کلمہ عجمی ہونا چاہیے وہ اس میں پوری ہے۔

بات سمجھ میں آگئی؟ جی اب آئیے بھائی شرح کے ساتھ سارا دوبارہ دیکھیں۔ کہتے ہیں: التَّأْنِيثُ اللَّفْظِيُّ الْحَاصِلُ بِالتَّاءِ، تانیث کے بعد لفظی کا لفظ نکالا بھائی صاحبِ جامی نے۔ بتلانا یہ چاہتے ہیں کہ یہ جو آگے بات ہو رہی ہے التَّأْنِيثُ بِالتَّاءِ تانیث بالتاء وہ تانیث جو تاء کے ساتھ ہو۔ بھائی ایک تانیثِ لفظی ہے، ایک تانیثِ معنوی۔ تانیثِ معنوی میں بھی کیا مقدر ہوتی ہے؟ تاء مقدر ہوتی ہے، تو صرف تانیث تانیث بالتاء کہا جائے اس سے تو معنوی تانیث خارج نہیں ہوتی، یہ تو دونوں کو شامل ہے۔ لہٰذا بتلا دیا اللَّفْظِيُّ نکال کر بتلا دیا کہ یہاں جو تانیث بالتاء ذکر ہو رہی ہے وہ تانیثِ لفظی کی بات ہو رہی ہے تانیثِ معنوی کی نہیں۔ بات سمجھ میں آئی؟ تانیثِ معنوی میں بھی کیا مقدر ہوتی ہے؟ تاء مقدر ہوتی ہے بعض اوقات، میں نے بتایا جیسے تصغیر کے اندر ظاہر ہو جاتی ہے، تو یہاں تانیث بالتاء سے تانیثِ لفظی مراد ہے۔ تو کہتے ہیں: التَّأْنِيثُ اللَّفْظِيُّ الْحَاصِلُ بِالتَّاءِ.

دیکھو الْحَاصِلُ یہ نکالا بتلانا یہ چاہتے ہیں بِالتَّاءِ یہ جو جار مجرور ہے یہ جار مجرور تانیث کی صفت ہے بھائی۔ کیا ہے؟ تانیث کی صفت بن رہی ہے بھائی۔ یاد رکھو میں نے آپ کو بتلایا تھا نکرہ کے بعد جار مجرور آجائے، نکرہ کے بعد جار مجرور، تو وہ عموماً اس کے لیے صفت بنتا ہے۔ مثلاً میں کہتا ہوں رَأَيْتُ رَجُلًا مِنْ قُرَيْشٍ، رَأَيْتُ رَجُلًا مِنْ قُرَيْشٍ، رَجُلًا موصوف، مِنْ قُرَيْشٍ جار مجرور ہے۔ اچھا جار مجرور، اور جار مجرور آپ نے پڑھا آٹھ چیزوں سے متعلق ہوتے ہیں: فعل ہے، مصدر ہے، اسمِ فاعل، اسمِ مفعول، صفتِ مشبہ وغیرہ۔ یہاں فعل موجود ہے رَأَيْتُ رَجُلًا مِنْ قُرَيْشٍ، لیکن یہ رَأَيْتُ سے نہیں جڑ رہا، رَأَيْتُ مِنْ قُرَيْشٍ میں نے قریش سے دیکھا؟ بات نہیں بنتی بھائی۔ تو معلوم ہوا یہ صفت بن رہا ہے کس کی؟ رَجُلًا کی، کہ رَجُلًا نکرہ آیا اس کے بعد مِنْ قُرَيْشٍ جار مجرور آیا اور جار مجرور جب نکرہ کے بعد آئے اور کسی کے ساتھ نہ جڑ رہا ہو تو اس کی صفت بنتا ہے، اور صفت ویسے ہی نہیں بناتے بلکہ اس کے لیے متعلق محذوف نکالنا پڑے گا۔ جار مجرور مل کر متعلق ہوں گے ثَابِتًا سے، رَأَيْتُ رَجُلًا ثَابِتًا مِنْ قُرَيْشٍ۔ یہ ثَابِتًا میں نے منصوب کیوں نکالا؟ کیونکہ اس کا موصوف رَجُلًا منصوب ہے، تو اور صفت پر وہی اعراب آتا ہے جو موصوف پر آتا ہے، تو رَجُلًا ثَابِتًا مِنْ قُرَيْشٍ۔ اور اگر معرفہ کے بعد جار مجرور آجائے تو وہ عموماً اس کے لیے حال بنتا ہے، جیسے اگر یہاں ہوتا رَأَيْتُ الرَّجُلَ مِنْ قُرَيْشٍ، تو یہ مِنْ قُرَيْشٍ کیا بنے گا؟ الرَّجُلَ سے حال بنے گا۔ الرَّجُلَ ذوالحال، رَأَيْتُ الرَّجُلَ مِنْ قُرَيْشٍ، الرَّجُلَ ذوالحال، یہ مفعول ہے رَأَيْتُ کے لیے، ذوالحال ہے اور مِنْ قُرَيْشٍ جار مجرور مل کر کس سے متعلق؟ ثَابِتًا سے، یہ حال بن رہا ہے کیونکہ الرَّجُلَ ہے معرفہ اور ثَابِتًا ہے نکرہ بھائی، اور موصوف صفت میں تعریف و تنکیر میں مطابقت ہوتی ہے، تو نکرہ معرفہ کے لیے صفت نہیں بن سکتا تو یہ حال بنے گا: رَأَيْتُ الرَّجُلَ ثَابِتًا مِنْ قُرَيْشٍ، توجہ ہے؟ اور پھر ذوالحال اپنے حال سے مل کر یہ مفعول بہ بنے گا کس کے لیے؟ رَأَيْتُ کے لیے۔ تو یہ حال بنے گا۔

تو ضابطہ کیا ہوا؟ جار مجرور اگر نکرہ کے بعد آئے تو وہ صفت بنے گا اس کے لیے، اور اگر معرفہ کے بعد آئے تو عموماً

اس کے لیے حال۔ لیکن بعض علماء وہ اس کو بھی صفت بناتے ہیں، معرفہ کے بعد اگر جار مجرور آئے تو اس کو بھی کیا بنا دیتے ہیں؟ صفت بناتے ہیں، جیسے یہاں آپ دیکھ رہے ہیں: التَّأْنِيثُ الْحَاصِلُ بِالتَّاءِ۔ التَّأْنِيثُ ہے معرفہ اور اس کے بعد آیا بِالتَّاءِ جار مجرور، تو جار مجرور معرفہ کے بعد آئے تو کیا بناتے ہیں؟ حال۔ لیکن انہوں نے کیا بنایا؟ صفت، الْحَاصِلُ معرفہ نکالا بھائی۔ التَّأْنِيثُ بھی معرفہ تھا اور جار مجرور کا متعلق بھی کیا نکالا؟ معرفہ، تو معرفہ کے بعد معرفہ آئے تو وہ کیا بنتے ہیں؟ موصوف صفت بنتے ہیں۔ تو التَّأْنِيثُ اللَّفْظِيُّ الْحَاصِلُ بِالتَّاءِ، تو تانیث ہوا موصوف، اللَّفْظِيُّ اس کی ہوئی صفتِ اول اور الْحَاصِلُ بِالتَّاءِ ہوئی صفتِ ثانی۔

تو کہتے ہیں: التَّأْنِيثُ اللَّفْظِيُّ الْحَاصِلُ بِالتَّاءِ، وہ تانیثِ لفظی جو حاصل ہوتاء کے ذریعے، لَا بِالْأَلِفِ، نہ کہ وہ جو الف کے ذریعے حاصل ہو۔ بھائی کیوں، الف والی کو کیوں نہیں ذکر کیا؟ کہتے ہیں: فَإِنَّهُ لَا شَرْطَ لَهُ، وہ جو تانیث بالالف ہے اس کے لیے کوئی شرط نہیں ہے، تانیث بالالف وہ تو خود دو سببوں کے قائم مقام ہے بھائی۔ تو کہتے ہیں: شَرْطُهُ، یہ تانیث بالتاء جو ہے اس کی شرط جو ہے، بھائی شرط کس چیز میں؟ فِي سَبَبِيَّةِ مَنْعِ الصَّرْفِ، منعِ صرف کا سبب ہونے میں، کس میں؟ بھائی تانیث بالتاء آپ کہیں گے بھائی ضَارِبَةٌ، ضَارِبَةٌ میں تو تانیث بالتاء ہے اور علمیت نہیں ہے اور آپ نے تو ہمیں کیا کہا تانیث بالتاء میں کیا شرط ہے؟ علمیت۔ کہتے ہیں بھائی ویسے شرط نہیں ہے کہ اس کے بغیر تانیث بالتاء آ ہی نہیں سکتی، ہمارا کہنے کا مطلب یہ ہے کہ تانیث بالتاء کے غیرِ انصراف کا سبب بننے کے لیے، غیر... ہاں، تو تانیث بالتاء بغیر علمیت کے خود تو آسکتی ہے لیکن وہ غیرِ انصراف کا سبب نہیں بنے گی، غیرِ انصراف کا سبب بننے کے لیے شرط کیا ہے؟ علمیت۔ تو کہتے ہیں: شَرْطُهُ فِي سَبَبِيَّةِ مَنْعِ الصَّرْفِ، تانیث بالتاء جو ہے اس کی شرط منعِ صرف کا سبب بننے میں، الْعَلَمِيَّةُ وہ علمیت ہے، علم ہونا ہے۔ أَيْ عَلَمِيَّةُ الْاِسْمِ الْمُؤَنَّثِ، یعنی اس اسمِ مؤنث کا علم ہونا، اس اسمِ مؤنث کا علم ہونا۔

توجہ سے سن لو بھائی، یہ جگہ مشکل ہے ذرا۔ بھائی دیکھیے یہاں آیا الْعَلَمِيَّةُ اور یہ علمیت آپ کو میں نے بتلایا ہے کہ اسم کو کبھی کبھار مصدر بنانے کے لیے اس کے آخر میں یائے مشدد اور گول تاء جوڑ دیتے ہیں۔ الْعَلَمِيَّةُ، کیا معنی؟ علم ہونا، علمیت کا کیا معنی؟ علم ہونا، یعنی کسی شے کا علم ہونا، علمیت کا کیا معنی؟ کسی شے کا علم ہونا، اور اس کو کس طرح تعبیر کرتے ہیں؟ كَوْنُ الشَّيْءِ عَلَمًا۔ علمیت کا کیا معنی ہے؟ علم ہونا، کوئی چیز ہوگی ناں جو علم ہوگی، تو کیسے تعبیر کرتے ہیں؟ كَوْنُ الشَّيْءِ عَلَمًا، ایک شے کا علم ہونا۔ اور یہاں کس کی بات چل رہی ہے؟ کس کے علم ہونے کی بات چل رہی ہے؟ تانیث بالتاء کی۔ تو گویا عبارت یوں بن گئی: كَوْنُهُ عَلَمًا، اس شے کی جگہ ہا ضمیر تانیث کو لوٹا دو۔ توجہ ہے؟ كَوْنُهُ، اس شے کا علم ہونا، کس شے کا علم ہونا؟ تانیث کا، كَوْنُهُ عَلَمًا، تانیث کا علم ہونا۔ عبارت سمجھ میں آگئی؟ اب عبارت دیکھو بھائی: التَّأْنِيثُ بِالتَّاءِ تانیث بالتاء جو ہے شَرْطُهُ اس کی شرط یہ ہے كَوْنُهُ عَلَمًا کہ وہ کیا ہونی چاہیے؟ علم ہونی چاہیے، اور یہ عبارت درست نہیں،

یہ عبارت درست نہیں۔ بھائی کیوں نہیں درست؟ کہتے ہیں دیکھو کَوْنُهُ عَلَمًا کس کو علم ہونا چاہیے؟ تانیث بالتاء کو، کس کو؟ تانیث بالتاء کو علم ہونا چاہیے۔ بھائی تانیث کون سا صیغہ ہے؟ کون سا صیغہ ہے؟ مصدر ہے بابِ تفعیل کا، مؤنث ہونا، مؤنث ہونا یہ کیا ہے؟ مصدر ہے، اور مصدر آپ نے پڑھا وصف کا نام ہے وہ ذات کا نام نہیں ہے۔ اور آگے آگیا کَوْنُهُ عَلَمًا، علم تو اسم کا نام ہوتا ہے: زید علم ہے، بکر علم ہے، عمر علم ہے۔ تو کَوْنُهُ ہا ضمیر کس کو راجع؟ تانیث کو، اور تانیث کیا ہے؟ وصف ہے ذات نہیں، اور آگے علم آیا عَلَمًا اور علم کس کا نام؟ ذات کا نام ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو دیکھو کَوْنُهُ عَلَمًا، تانیث کا علم ہونا، تانیث کا علم ہونا تانیث وصف ہے اور آپ اس پر حمل کر رہے ہیں علم کا اور علم تو کیا ہے؟ ذات ہے، ذات کا حمل وصف پر نہیں ہو سکتا بھائی، ذات کا حمل... جیسے ذات پر وصف کا حمل صحیح نہیں اسی طرح وصف پر ذات کا حمل بھی صحیح نہیں۔ تانیث علم ہو سکتی ہے؟ جی؟ تانیث اسم کا نام ہے یا تانیث اسم کی صفت ہوتی ہے؟ اسم کی صفت ہوتی ہے اور علم تو اسم بنتا ہے۔ توجہ ہے؟ علم کس کو کہتے ہیں؟ اسم کو کہتے ہیں، تو تانیث اس کی صفت ہے، تو وہ اسم علم ہو سکتا ہے خود تانیث تو علم نہیں ہو سکتی۔ فرق سمجھ میں آرہا ہے؟ تو تانیث کس کا نام؟ صفت، تانیث صفت ہے اور علم کیا ہے؟ اسم ہے یعنی ذات ہے، اور وصف پر ذات کا حمل صحیح نہیں۔ تانیث علم نہیں ہو سکتی، کوئی اسم جو ہے وہ علم ہو سکتا ہے۔

تو لہٰذا اسی لیے صاحبِ جامی نے الْعَلَمِيَّةُ کا ترجمہ یہ نہیں کیا، دیکھو آگے کیا کہا: شَرْطُهُ الْعَلَمِيَّةُ أَيْ عَلَمِيَّةُ الْاِسْمِ الْمُؤَنَّثِ، اسمِ مؤنث کا علم ہونا۔ حالانکہ کیا ترجمہ کرنا چاہیے تھا؟ كَوْنُهُ عَلَمًا۔ الْعَلَمِيَّةُ کا کیا معنی ہوتا ہے؟ ایک شے کا علم ہونا، اور یہاں کس کی بات چل رہی ہے؟ تانیث کی، تو عبارت کیا لانی چاہیے تھی؟ كَوْنُهُ کہہ دیتے یا كَوْنُ التَّأْنِيثِ عَلَمًا کہ وہ تانیث کیا ہونی چاہیے؟ علم۔ اور تانیث تو وصف ہے اور علم تو ذات ہے اور وصف ذات کیسے ہو سکتا ہے بھائی؟ بات سمجھ میں آگئی؟ تو اسی لیے صاحبِ جامی نے كَوْنُهُ عَلَمًا کے ساتھ اس کا ترجمہ نہیں کیا بلکہ کیا کہا؟ أَيْ عَلَمِيَّةُ الْاِسْمِ الْمُؤَنَّثِ۔ اس میں الف لام کو عوض بنا دیا مضاف الیہ سے۔ الْعَلَمِيَّةُ علم ہونا أَيْ عَلَمِيَّةُ الْاِسْمِ الْمُؤَنَّثِ اس اسمِ مؤنث کا علم ہونا۔ کس کا؟ تانیث نہیں علم ہوگی، وہ جو اسمِ مؤنث ہوگا جس کی تانیث صفت ہے اس کو کیا ہونا چاہیے؟ علم۔ جیسے دیکھو فاطمہ، فاطمہ کا وصف کیا ہے؟ تانیث ہے، تو یہ اسمِ مؤنث ہوا، یہ... اور تانیث اس کی... توجہ ہے؟ یہ فاطمہ کا لفظ کیا ہے؟ زبان سے دہراؤ بھائی، فاطمہ کا لفظ کیا ہے؟ علم ہے علم ہے، اور تانیث اس کی صفت ہے، تو دیکھا یہ جو اسم ہے یہ علم ہے، یہ تانیث علم نہیں ہے۔ تو صاحبِ جامی نے الْعَلَمِيَّةُ کا کیا ترجمہ کیا؟ أَيْ عَلَمِيَّةُ الْاِسْمِ الْمُؤَنَّثِ۔ تو صاحبِ جامی نے بتلایا کہ یہ الف لام عوض ہے مضاف الیہ کا۔ الْعَلَمِيَّةُ سے کیا مراد ہے؟ عَلَمِيَّةُ الْاِسْمِ الْمُؤَنَّثِ اس مؤنث اسم کا علم ہونا، اب بات ٹھیک بن گئی۔ وہ مؤنث اسم علم ہے، وہ تانیث علم نہیں ہے۔ تو الْعَلَمِيَّةُ سے کیا مراد ہے؟ عَلَمِيَّةُ الْاِسْمِ الْمُؤَنَّثِ۔ تو عَلَمِيَّةُ مضاف، الْاِسْمِ

الْمُؤَنَّثِ یہ مضاف الیہ، اور اس کو حذف کر کے اس پر کیا لے آئے تھے؟ الف لام۔ تو یہاں پر دونوں تقریریں ٹھیک ہو جاتی ہیں، یہاں آیا الْعَلَمِيَّةُ أَيْ عَلَمِيَّةُ الْاِسْمِ الْمُؤَنَّثِ، چاہے آپ اس کو عوض بنا لیں الف لام کا، اور آپ چاہیں کہیں کہ اس علمیت کے ذریعے اشارہ ہے کس کی طرف عَلَمِيَّةُ الْاِسْمِ الْمُؤَنَّثِ، دونوں تقریریں یہاں ٹھیک ہیں۔

پھر دیکھیے بھائی، کہتے ہیں: التَّأْنِيثُ بِالتَّاءِ شَرْطُهُ الْعَلَمِيَّةُ، تانیث بالتاء جو ہے اس کی شرط جو ہے وہ علم ہونا ہے یعنی اس اسمِ مؤنث کا علم ہونا ہے بھائی۔ لِيَصِيرَ التَّأْنِيثُ، اب وجہ ذکر کر رہے ہیں بھائی کہ یہ آپ نے علمیت کی شرط کیوں لگائی؟ میں نے وجہ ذکر کر دی کیونکہ یہ جو تاء ہے یہ کبھی ساتھ کلمہ کے جڑتی ہے اور کبھی علیحدہ ہو جاتی ہے تو اس نے غیرِ انصراف کا سبب بننا ہے اور غیرِ انصراف کے سبب کوئی قوی سبب چاہیے، ضعیف سبب کام نہیں کرے گا۔ تو قوی سبب کیا ہے کہ یہ کلمے کے ساتھ لازم ہو جائے، اور لازم ہونے کی صورت کیا ہے؟ کلمے کو کیا ہونا چاہیے؟ علم ہونا چاہیے کیونکہ علم میں تبدیلی نہیں کی جاتی۔ کہتے ہیں: لِيَصِيرَ التَّأْنِيثُ لَازِمًا تاکہ تانیث جو ہے لازم ہو جائے کلمہ کے ساتھ۔ لِأَنَّ الْأَعْلَامَ مَحْفُوظَةٌ عَنِ التَّصَرُّفِ، اس لیے کیونکہ جو علم ہوتے ہیں وہ محفوظ ہوتے ہیں عَنِ التَّصَرُّفِ، وہ تصرف سے یعنی تبدیلی سے محفوظ ہوتے ہیں، بِقَدْرِ الْإِمْكَانِ جس قدر ممکن ہو سکے، بِقَدْرِ الْإِمْكَانِ وہ تبدیلی سے محفوظ ہوتے ہیں یعنی جس قدر ہو سکے۔ وجہ یہ کہ علم میں بھی کبھی کبھی تبدیلی آتی ہے، جیسے آپ نے پڑھا ہے ترخیم بھائی، تَرْخِيمُ الْمُنَادَى، منادیٰ کے اندر جا کر آپ پڑھیں گے کہ منادیٰ میں کبھی ترخیم کی جاتی ہے یعنی منادیٰ کے آخر سے ایک یا چند حروف کو حذف کر لیا جاتا ہے تاکہ لفظ مختصر ہو جائے، تو يَا حَارِثُ اس میں کیا پڑھتے ہیں؟ يَا حَارِ، ثاء کو حذف کر لیا، یا پڑھتے ہیں يَا حَارُ، یا اسی طرح يَا مَنْصُورُ تو اس میں کیا کرتے ہیں؟ واؤ اور راء کو حذف کر دیتے ہیں يَا مَنْصُ۔ تو دیکھو ترخیم ہوتی ہے کبھی کس کے اندر؟ منادیٰ کے اندر دیکھو ایک آدھ حرف ختم کر دیا جاتا ہے۔ ترخیم آگے بات اور تفصیل بھی آ جائے گی کہ بھائی دیکھو مثلاً میں نے زید کو آواز دی کہ اے زید میرے لیے پانی لے آؤ، تو میرا مقصود کیا ہے؟ یا زید کہنا مقصد ہے یا پانی لے آؤ وہ کہنا مقصد ہے؟ پانی لے آؤ میرا مقصد ہے، تو یہ جو ندا دی جاتی ہے یہ غیرِ مقصود ہوتی ہے، تو انسان چاہتا ہے یہ ذرا جلدی ختم ہو جائے اور میں اپنی مقصودی بات کر دوں، تو وہاں يَا حَارِثُ کہنے کے بجائے کیا کہہ دیتے ہیں؟ يَا حَارِ، مختصر تاکہ جلدی سے جلدی میں اپنی مقصودی بات اس کو ذکر کر دوں۔ تو یہ ترخیم کرتے ہیں اور کس میں ہوتی ہے؟ علم میں دیکھو، تو آخر سے ایک حرف کمی کر دی، تبدیلی تو آ گئی بھائی، تصرف تو ہو گیا علم کے اندر۔ اسی طرح کبھی ضرورتِ شعری کی وجہ سے بھی، شعر کے خاص اوزان ہوتے ہیں تو ایک علم ہے تو کبھی کبھار شعر کا وزن برابر نہیں بنتا تو اس اسم سے کچھ ایک آدھ حرف کو ختم کر دیا جاتا ہے۔ تو اعلام جو ہیں وہ تصرف سے محفوظ ہوتے ہیں بِقَدْرِ الْإِمْكَانِ یعنی بہت کم کہیں ان میں کوئی تصرف کیا جاتا ہے۔ تو

کہتے ہیں: لِيَصِيرَ التَّأْنِيثُ لَازِمًا تاکہ تانیث لازم ہو جائے، لِأَنَّ الْأَعْلَامَ مَحْفُوظَةٌ عَنِ التَّصَرُّفِ بِقَدْرِ الْإِمْكَانِ کیونکہ اعلام جو ہیں وہ تصرف سے، تبدیلی سے محفوظ ہوتے ہیں بِقَدْرِ الْإِمْكَانِ جس قدر ہو سکے۔ دوسری وجہ: وَلِأَنَّ الْعَلَمِيَّةَ وَضْعٌ ثَانٍ، وَكُلُّ حَرْفٍ وُضِعَتِ الْكَلِمَةُ عَلَيْهِ لَا يَنْفَكُّ عَنِ الْكَلِمَةِ. دوسری وجہ یہ کہ یہ جو اعلام ہوتے ہیں ان میں وضعِ ثانی ہوتی ہے، ان میں وضعِ ثانی ہوتی ہے، پھر جب وضعِ ثانی ہوئی تو اس پر گویا باقاعدہ کلمے کو وضع کر دیا گیا، اور جب ایک کلمے کو جن حروف پر وضع کیا جاتا ہے وہ اس سے جدا نہیں ہوتے، وہ اس سے جدا نہیں ہوتے۔ مثلاً ضَارِبَةٌ، ضَارِبَةٌ یہ تاء تانیث کی ہے اور یہ ضَارِبٌ اور ضَارِبَةٌ میں فرق کے لیے ہے، لیکن یہی ضَارِبَةٌ آپ نے اٹھا کر کسی کا علم رکھ دیا۔ اب جب علم اس کا رکھا ہے تو اس میں ایک وضعِ ثانی ہے، گویا آپ نے اس پورے لفظِ ضَارِبَةٌ کو اس ذات کے لیے دوبارہ وضع کیا، تو یہ وضعِ ثانی ہے۔ تو وضعِ اول میں تو ضَارِبٌ کے ساتھ تاء نہیں تھی لیکن اب جب نام کسی کا رکھا ہے آپ ضَارِبٌ رکھا یا ضَارِبَةٌ رکھا؟ ضَارِبَةٌ رکھا، تو تاء کو ملا کر نام رکھا ہے، یہ وضع کر دیا اسی کے لیے، تو اب یہ تاء اس سے جدا نہیں کیونکہ یہ تاء کیا ہے؟ آپ نے وضع کے اندر ہی ساتھ شامل کر دی۔ تو کہتے ہیں: وَلِأَنَّ الْعَلَمِيَّةَ وَضْعٌ ثَانٍ، اس لیے کیونکہ علمیت جو ہے یہ وضعِ ثانی ہے، وَكُلُّ حَرْفٍ وُضِعَتِ الْكَلِمَةُ عَلَيْهِ لَا يَنْفَكُّ عَنِ الْكَلِمَةِ، اور ہر وہ حرف جس پر کلمے کو وضع کیا جائے یہ کلمے سے جدا نہیں ہوتا بھائی۔

آگے دیکھیے، کہتے ہیں: وَالتَّأْنِيثُ الْمَعْنَوِيُّ كَذٰلِكَ، اور تانیثِ معنوی بھی اسی طرح ہے، تانیثِ معنوی بھی اسی طرح۔ کیا معنی؟ یعنی جیسے تانیثِ لفظی بالتاء جو تھی اس میں علمیت کی شرط تھی، تانیثِ معنوی میں بھی علمیت کی شرط، کیونکہ وہ تاء لفظوں میں تھی اور یہاں تاء مقدر ہے، اور جو لفظوں میں ہے وہ ہے قوی اور جو مقدر ہے وہ ہے ضعیف، تو جب قوی کے اندر علمیت شرط تھی تو ضعیف کے اندر بھی علمیت شرط ہے۔ تو کہتے ہیں: وَالتَّأْنِيثُ الْمَعْنَوِيُّ كَذٰلِكَ اور تانیثِ معنوی بھی اسی طرح ہے، أَيْ كَالتَّأْنِيثِ اللَّفْظِيِّ بِالتَّاءِ یعنی یہ بھی تانیثِ لفظی بالتاء کی طرح ہے۔ بھائی کس چیز میں؟ فِي اشْتِرَاطِ الْعَلَمِيَّةِ فِيهِ، اس میں علمیت کے شرط لگانے میں کہ اس میں بھی علمیت کی شرط لگائی گئی ہے بھائی۔

بھائی جب اس میں بھی شرط ہے، جب تانیثِ لفظی بالتاء میں بھی علمیت شرط اور تانیثِ معنوی میں بھی علمیت شرط ہے تو دونوں کو اکٹھا ذکر کر دیتے۔ تانیثِ لفظی کو الگ ذکر کیا تانیثِ معنوی کو الگ، دونوں کو اکٹھا ذکر کر دیتے جب دونوں کے اندر علمیت شرط ہے۔ کہتے ہیں بھائی دراصل دونوں میں فرق ہے بھائی: تانیثِ لفظی بالتاء میں علمیت شرط ہے، وہ وجوباً مؤثر ہوگی غیرِ انصراف کا سبب بننے کے لیے۔ اور تانیثِ معنوی میں علمیت شرط ہے، وہ وجوباً سبب نہیں بنے گی بلکہ جوازاً بھائی۔ تو دونوں میں فرق ہے اس لیے اس کو الگ ذکر کیا۔ کہتے ہیں: إِلَّا أَنَّ بَيْنَهُمَا فَرْقًا، مگر یہ کہ ان دونوں کے درمیان فرق ہے، فَإِنَّهَا فِي التَّأْنِيثِ اللَّفْظِيِّ بِالتَّاءِ شَرْطٌ لِوُجُوبِ مَنْعِ الصَّرْفِ، اس لیے کیونکہ تانیثِ لفظی بالتاء جو ہے وہ شَرْطٌ لِوُجُوبِ مَنْعِ الصَّرْفِ، وہ شرط ہے منعِ صرف کے وجوب کے لیے۔ تانیثِ لفظی بالتاء میں علمیت شرط ہے لِوُجُوبِ مَنْعِ الصَّرْفِ، منعِ صرف کے وجوب کے لیے کہ اس کو وجوباً غیرِ منصرف پڑھیں گے۔ وَفِي الْمَعْنَوِيِّ شَرْطٌ لِجَوَازِهِ، اور معنوی

کے اندر علمیت شرط ہے لِجَوَازِهِ اس کے منعِ صرف کے جواز کے لیے۔ وَلَا بُدَّ فِي وُجُوبِهِ، اور ضروری ہے منعِ صرف کے وجوب میں مِنْ شَرْطٍ آخَرَ ایک اور شرط کا ہونا بھی، كَمَا أَشَارَ إِلَيْهِ بِقَوْلِهِ جیسے کہ اس کی طرف اشارہ کیا ماتن نے اپنے اس قول کے ذریعے: وَشَرْطُ تَحَتُّمِ تَأْثِيرِهِ، أَيْ شَرْطُ وُجُوبِ تَأْثِيرِ التَّأْنِيثِ الْمَعْنَوِيِّ.

بھائی متن میں کیا آیا؟ شَرْطُ تَحَتُّمِ تَأْثِيرِهِ، تَحَتُّم کا معنی بیان کر دیا أَيْ شَرْطُ وُجُوبِ تَأْثِيرِ. نیز متن میں کیا آیا تھا؟ تَأْثِيرِهِ، ہا ضمیر کس کو راجع ہے؟ وہ بھی بتلا دیا أَيْ تَأْثِيرِ التَّأْنِيثِ الْمَعْنَوِيِّ بھائی۔ تو کہتے ہیں: أَيْ شَرْطُ وُجُوبِ تَأْثِيرِ التَّأْنِيثِ الْمَعْنَوِيِّ، تانیثِ معنوی کی تاثیر کے وجوب کی جو شرط ہے فِي مَنْعِ الصَّرْفِ غیرِ منصرف ہونے میں، أَحَدُ الْأُمُورِ الثَّلَاثَةِ تین چیزوں میں سے ایک ہے۔ الزِّيَادَةُ عَلَى الثَّلَاثَةِ تین پر زیادہ ہونا۔ کیا معنی بھائی تین پر زیادہ ہونا؟ کہتے ہیں: أَيْ زِيَادَةُ حُرُوفِ الْكَلِمَةِ عَلَى ثَلَاثَةٍ، یعنی کلمے کے حروف کا تین پر زیادہ ہونا، مِثْلُ زَيْنَبَ جیسے کہ زَيْنَبَ ہے۔ أَوْ تَحَرُّكُ الْحَرْفِ الْأَوْسَطِ، یا درمیان والے حرف کا متحرک ہونا۔ بھائی متن میں تھا تَحَرُّكُ الْأَوْسَطِ، توجہ ہے؟ تَحَرُّكُ الْأَوْسَطِ، اور صاحبِ جامی نے درمیان میں حرف کا لفظ نکال دیا أَوْ تَحَرُّكُ الْحَرْفِ الْأَوْسَطِ، بتلانا یہ چاہتے ہیں کہ أَوْسَطِ کا موصوف محذوف ہے، الْحَرْفُ الْأَوْسَطُ۔ تو کہتے ہیں: أَوْ تَحَرُّكُ الْحَرْفِ الْأَوْسَطِ، یا درمیان والے حرف کا متحرک ہونا مِنْ حُرُوفِهَا الثَّلَاثَةِ کس میں سے؟ تین حروف میں سے، مِثْلُ سَقَرَ جیسے سَقَرَ ہے بھائی۔ أَوِ الْعُجْمَةُ، یا تیسری شرط یہ ہے کہ عجمہ ہونا چاہیے مِثْلُ مَاهَ وَجُورَ جیسے مَاهَ اور جُورَ۔ وَإِنَّمَا اشْتُرِطَ فِي وُجُوبِ تَأْثِيرِ التَّأْنِيثِ الْمَعْنَوِيِّ أَحَدُ الْأُمُورِ الثَّلَاثَةِ.

یہاں سے وجہ ذکر کر رہے ہیں کہ بھائی تانیثِ معنوی میں آپ نے ایک اور شرط بھی لگا دی کہ ان تین چیزوں میں سے ایک چیز بھی ہونی چاہیے، اس کی کیا وجہ ہے؟ میں نے تفصیل ذکر کر دی: تاکہ کلمے میں ثقل آجائے، کیا آجائے؟ ثقل، کیونکہ تانیثِ معنوی تو معنوی چیز ہے، بھائی علمیت کی وجہ سے تو ثقل آگیا لیکن تانیث تو ایک معنوی چیز ہے لفظوں میں تو اس کا اثر ہی نہیں ہے تو اس کی وجہ سے کلمے میں ثقل نہیں آرہا، اور کلمہ ثقیل ہوتا ہے۔ اسی لیے یاد رکھو اس پر کسرہ اور تنوین نہیں پڑھتے، یہ جو غیرِ منصرف ہے اس پر کسرہ اور تنوین کیوں نہیں پڑھتے؟ کیونکہ کلمے میں ثقل آجاتا ہے، کلمہ پہلے ہی ثقیل ہے اس میں دو فرعیتیں آچکی ہیں، اس میں دو فرعیتیں آچکی ہیں، دو سبب آچکے ہیں تو کلمہ پہلے ہی ثقیل ہو چکا ہے، اب کسرہ لاؤ گے؟ کسرہ تو ثقیل ہے بھائی کسرہ اس لیے نہیں لا سکتے، اور نیز تنوین لاؤ گے؟ تنوین تو نونِ ساکن کا نام ہے ایک حرف اور بڑھ جائے گا تو اور زیادہ ثقل آجائے گا۔ تو لہٰذا یہاں تانیثِ معنوی کے وجوب کے لیے ان تین چیزوں میں سے ایک چیز کی شرط لگائی گئی کس لیے؟ تاکہ کلمے میں ثقل پیدا ہو جائے۔

وَإِنَّمَا اشْتُرِطَ اور شرط لگائی گئی ہے فِي وُجُوبِ تَأْثِيرِ التَّأْنِيثِ الْمَعْنَوِيِّ تانیثِ معنوی کے تاثیر کے واجب ہونے میں شرط لگائی گئی ہے، أَحَدُ الْأُمُورِ الثَّلَاثَةِ تین چیزوں میں سے ایک چیز کی، کیوں؟ لِيَخْرُجَ الْكَلِمَةُ بِثِقْلِ أَحَدِ الْأُمُورِ الثَّلَاثَةِ عَنِ الْخِفَّةِ، تاکہ نکل جائے کلمہ ان تین چیزوں میں سے کسی ایک کے ثقل کی وجہ سے عَنِ الْخِفَّةِ خفت سے، خفیف ہونے سے نکل جائے۔ آگے خفت کی صفت آرہی ہے: عَنِ الْخِفَّةِ الَّتِي مِنْ شَأْنِهَا أَنْ تُعَارِضَ ثِقْلَ أَحَدِ السَّبَبَيْنِ. بھائی ادھر دیکھیے:

ایک لفظ ہے اس میں تانیثِ معنوی آگئی اور تانیثِ معنوی کے ساتھ کیا آگئی؟ علمیت۔ توجہ ہے؟ تو علمیت کی وجہ سے تو ثقل آگیا، لیکن تانیثِ معنوی کی وجہ سے اگر ان تین میں سے کوئی بھی نہیں ہوگا تو کوئی ثقل آیا؟ جی؟ کوئی ثقل نہیں آیا، یعنی ثقل صرف علمیت سے آیا ہے، تانیث کی وجہ سے کوئی ثقل نہیں آیا، تانیث آنے کے باوجود ابھی بھی کلمے میں خفت ہے، وہ خفیف ہے۔ ایک ثقل آیا ہے، ایک طرف ثقل ہے تو دوسری طرف خفت ہے، تو یہ خفت مقابل بن جائے گی اس ثقل کے، یہ خفت مقابل بنے گی اس ثقل کا۔ تو لہٰذا یہ خفت جب اس ثقل کے مقابل بن گئی تو پوری طرح کلمہ ثقیل نہیں ہوا، جب ثقیل نہیں ہوا تو آپ چاہیں تو اس کا اعتبار کریں تانیثِ معنوی کا اور آپ چاہیں تو اعتبار نہ کریں۔ تو یہ خفت کس کے مقابل ہو جائے گی؟ وہ جو ثقل آرہا ہے کس کی وجہ سے؟ علمیت کی وجہ سے۔ تو کہتے ہیں: لِيَخْرُجَ الْكَلِمَةُ تاکہ کلمہ نکل جائے بِثِقْلِ أَحَدِ الْأُمُورِ الثَّلَاثَةِ ان تین امور میں سے کسی ایک کے ثقل کی وجہ سے یہ کلمہ نکل جائے، عَنِ الْخِفَّةِ الَّتِي مِنْ شَأْنِهَا أَنْ تُعَارِضَ ثِقْلَ أَحَدِ السَّبَبَيْنِ اس خفت سے جس کی شان یہ ہے، جس کی حالت یہ ہے، شان کا کیا معنی؟ وہ خفت جس کی حالت یہ ہے کہ أَنْ تُعَارِضَ ثِقْلَ أَحَدِ السَّبَبَيْنِ کہ یہ مقابل بن جاتی ہے دو سببوں میں سے کسی ایک کے ثقل کے، دو سببوں میں سے ایک کی وجہ سے جو ثقل آرہا ہے یہ خفت اس کے مقابل بن جاتی ہے، فَتُزَاحِمَ تَأْثِيرَهُ تو یہ اس کے مؤثر ہونے میں مزاحم بن جائے گی، مقابل بن جائے گی، ثقل کی تاثیر پوری طرح نہیں آئے گی کلمے کے اندر۔ معنی سمجھ میں آگیا؟ پھر دیکھ لیجیے، کہتے ہیں: لِيَخْرُجَ الْكَلِمَةُ بِثِقْلِ أَحَدِ الْأُمُورِ الثَّلَاثَةِ عَنِ الْخِفَّةِ الَّتِي مِنْ شَأْنِهَا أَنْ تُعَارِضَ ثِقْلَ أَحَدِ السَّبَبَيْنِ تاکہ کلمہ نکل جائے ان تین امور میں سے کسی ایک کے ثقل کی وجہ سے وہ خفت جس کی شان یہ ہے کہ دو سببوں میں سے ایک کی جو ثقل آ رہا ہے یہ خفت اس کے مقابل بن جائے گی، فَتُزَاحِمَ تَأْثِيرَهُ تو یہ اس کی تاثیر میں بھی مقابل بن جائے گی، کیا بن جائے گی؟ مقابل بن جائے گی یعنی اس ثقل نہیں آنے دے گی۔

وَثِقْلُ الْأَوَّلَيْنِ ظَاهِرٌ، اچھا ان کی وجہ سے ثقل آتا ہے کن کی وجہ سے؟ تین حروف سے زائد ہو یا درمیان والا متحرک ہو یا عجمہ ہو۔ بھائی تین سے زائد ہو تو اس کا ثقیل ہونا واضح ہے، درمیان والا حرف متحرک ہو تین میں تو اس کا ثقل بھی ظاہر ہے، یہ عجمہ کی وجہ سے ثقل کیسے آتا ہے یہ ہمیں بات سمجھ میں نہیں آتی؟ تو آپ کو بتائیں گے کہ بھائی عجمہ کی وجہ سے بھی ثقل اس لیے آتا ہے کہ یہ غیرِ عربی لفظ ہے اور عرب کے لیے اپنی زبان کے علاوہ باقی زبانوں کا لفظ وہ ثقیل، ہر زبان میں اسی طرح ہے دوسری زبان کا لفظ اس زبان میں ثقیل ہوتا ہے۔ تو کہتے ہیں: وَثِقْلُ الْأَوَّلَيْنِ ظَاهِرٌ پہلی دو چیزوں کا ثقل تو ظاہر ہے یعنی تین حروف سے زائد ہونا یا درمیان والے حرف کا متحرک ہونا ان کا ثقل تو ظاہر ہے، وَكَذَا الْعُجْمَةُ اور اسی طرح عجمہ بھی ہے، لِأَنَّ لِسَانَ الْعَجَمِ ثَقِيلٌ عَلَى الْعَرَبِ اس لیے کیونکہ عجمیوں کی جو زبان ہے وہ ثقیل ہے عربوں پر، ان کے لیے عجمی زبان ثقیل ہے۔

فَهِنْدٌ يَجُوزُ صَرْفُهُ، تو هِنْدٌ جو ہے اس کی صرف جائز ہے، معلوم ہوا صرف بھی جائز اور منعِ صرف بھی جائز ہے۔ نَظَرًا إِلَى انْتِفَاءِ شَرْطِ تَحَتُّمِ تَأْثِيرِ التَّأْنِيثِ الْمَعْنَوِيِّ، بھائی صرف جائز ہے نظر کرتے ہوئے إِلَى انْتِفَاءِ شَرْطِ تَحَتُّمِ تَأْثِيرِ التَّأْنِيثِ

الْمَعْنَوِيِّ تانیثِ معنوی کی تاثیر کے وجوب کی شرط منتفی ہونے کی وجہ سے۔ تانیثِ معنوی کے جو وجوب کی شرط ہے وہ منتفی ہے بھائی، بھائی وہ کیا ہے؟ کہتے ہیں: أَعْنِي أَحَدَ الْأُمُورِ الثَّلَاثَةِ یعنی ان تین چیزوں میں سے ایک، ایک بھی اس کے اندر نہیں پائی جا رہی، تو لہٰذا اس کی صرف بھی جائز، وَيَجُوزُ عَدَمُ صَرْفِهِ اور اس کی عدمِ صرف بھی جائز ہے نَظَرًا إِلَى وُجُودِ السَّبَبَيْنِ فِيهِ اس بات کی طرف نظر کرتے ہوئے کہ دو سبب اس میں پائے جا رہے ہیں۔ هِنْدٌ میں دو سبب تو بہرحال ہیں بھائی: ایک علمیت ہے ایک تانیثِ معنوی، تو لہٰذا غیرِ منصرف بھی پڑھ سکتے ہو اور چاہے تو منصرف پڑھو کیونکہ وجوب والی شرط منتفی ہے بھائی۔

وَزَيْنَبُ وَسَقَرُ عَلَمًا لِطَبَقَةٍ مِنْ طَبَقَاتِ النَّارِ، طَبَقَة یہ باء پر فتحہ پڑھنا بھائی، وَسَقَرُ عَلَمًا اور سَقَر جو ہے اس حال میں کہ یہ علم ہے لِطَبَقَةٍ مِنْ طَبَقَاتِ النَّارِ جہنم کے طبقوں میں سے ایک طبقے، طبقہ کہتے ہیں درجے کو بھائی، جہنم کے درجات میں سے ایک درجے کا نام ہے، اللہ تعالیٰ ہم سب کی حفاظت فرمائے بھائی جہنم سے۔ تو سَقَر یہ علم ہے جہنم کے طبقوں میں سے ایک طبقے کا۔ تو وَزَيْنَبُ وَسَقَرُ اور زینب اور سقر جو ہیں وَمَاهُ وَجُورُ عَلَمَيْنِ لِبَلْدَتَيْنِ اور مَاہ اور جُور یہ اس حال میں کہ یہ دونوں علم ہیں دو شہروں کے بھائی، لیکن عجمی شہر ہیں عرب نہیں ہیں بھائی۔ تو مُمْتَنِعٌ تو یہ مُمْتَنِعٌ صَرْفُهَا ان کی صرف ممتنع ہے بھائی، ان کی صرف ممتنع ہے بھائی یعنی ان کو غیرِ منصرف ہی پڑھا جائے گا۔ بھائی کیا وجہ ہے غیرِ منصرف پڑھنا ان کا واجب کیوں ہے؟ اب ہر ایک کی وجہ ذکر کریں گے۔ وجہ مجھے آپ بتا دیجیے: زینب میں کون سے دو سبب ہیں؟ ایک علمیت، دوسرا تانیثِ معنوی اور ساتھ اس کے وجوب والی شرط بھی پوری ہے، کون سی؟ تین حروف سے زیادہ۔ اور سقر اس کے اندر ایک سبب کیا؟ علمیت، دوسرا تانیثِ معنوی اور اس کے ساتھ اس کے وجوب کی شرط یعنی درمیان والا حرف متحرک ہو وہ بھی پوری۔ اور ماہ و جور اس میں کیا دو سبب؟ ایک علمیت ہے اور ایک تانیثِ معنوی اور اس کے ساتھ اس کے وجوب کی شرط عجمہ بھی ہے بھائی۔

تو کہتے ہیں: أَمَّا زَيْنَبُ فَلِلْعَلَمِيَّةِ وَالتَّأْنِيثِ الْمَعْنَوِيِّ تو زینب جو ہے تو یہ غیرِ منصرف ہے علمیت کی وجہ سے وَالتَّأْنِيثِ الْمَعْنَوِيِّ اور تانیثِ معنوی کی وجہ سے مَعَ شَرْطِ تَحَتُّمِ تَأْثِيرِهِ ساتھ اس تانیثِ معنوی کی تاثیر کے وجوب کی شرط کے، یعنی وہ بھی پائی جا رہی ہے، وَهُوَ الزِّيَادَةُ عَلَى الثَّلَاثَةِ اور وہ تین پر زیادہ ہونا ہے۔ وَأَمَّا سَقَرُ فَلِلْعَلَمِيَّةِ وَالتَّأْنِيثِ الْمَعْنَوِيِّ اور سقر جو ہے اس کی صرف بھی ممتنع ہے علمیت کی وجہ سے اور تانیثِ معنوی کی وجہ سے، مَعَ شَرْطِ تَحَتُّمِ تَأْثِيرِهِ وَهُوَ تَحَرُّكُ الْأَوْسَطِ اور تانیثِ معنوی کے ساتھ اس کے تاثیر کے وجوب کی شرط بھی پائی جا رہی ہے وَهُوَ تَحَرُّكُ الْأَوْسَطِ اور وہ درمیان والے حرف کا متحرک ہونا ہے۔ وَأَمَّا مَاهُ وَجُورُ فَلِلْعَلَمِيَّةِ وَالتَّأْنِيثِ الْمَعْنَوِيِّ اور باقی ماہ و جور تو وہ علمیت کی وجہ سے ہے وَالتَّأْنِيثِ الْمَعْنَوِيِّ مَعَ شَرْطِ تَحَتُّمِ تَأْثِيرِهِ اور دوسرا سبب تانیثِ معنوی ہے ساتھ اس کی تاثیر کے وجوب کی شرط کے کہ وہ بھی پائی جا رہی ہے وَهُوَ الْعُجْمَةُ اور وہ عجمہ ہے بھائی۔ بات سمجھ میں آگئی؟

اچھا بھائی یہاں مَاهُ وَجُورُ کا ذکر آیا تھا بھائی، مَاہ اور جُور یہ عجمی نام ہیں شہروں کے۔ بھائی میں پہلے بتلا چکا ہوں کہ یہ جو

شہروں کے نام ہیں یہ عربی میں عموماً مؤنث استعمال ہوتے ہیں، تو ایک سبب ان کے اندر تانیث اور ایک سبب ان کے اندر علمیت، تو یہ غیرِ منصرف استعمال ہوتے ہیں۔ اور اصل اس کے اندر تلاش اور جستجو ہے۔ آپ کو کلامِ عرب میں تلاش اور جستجو کرنا پڑے گی۔ بعض کو وہ منصرف استعمال کرتے ہیں بعض کو غیرِ منصرف، زیادہ کو غیرِ منصرف استعمال کرتے ہیں لیکن بعض کو منصرف بھی استعمال کرتے ہیں۔ تو جب غیرِ منصرف استعمال کریں تو پھر دو سبب غیرِ انصراف والے کون کون سے ہیں ہمیشہ یاد رکھنا: ایک تو اس میں تانیث اور ایک علمیت۔ اور تانیث کس تاویل میں، تانیث کیسے ہے؟ کہتے ہیں بَلْدَۃٌ یا بُقْعَۃٌ کی تاویل میں۔ بَلْدَۃٌ یا بُقْعَۃٌ، بَلْدَۃٌ کس کو کہتے ہیں؟ شہر۔ تو دیکھو مثلاً لاہور ہے: ایک تو لاہور علمیت ہے اس میں، دوسرا لاہور بَلْدَۃٌ ہے، تو دیکھو بَلْدَۃٌ میں کیا ہے؟ تانیث والی تاء، بَلْدَۃ شہر کو کہتے ہیں۔ یا بُقْعَۃٌ کی تاویل میں کر لو، با قاف ہے دو نقطوں والا عین اور گول تاء، بُقْعَۃٌ زمین کے ٹکڑے کو کہتے ہیں، تو شہر بھی کیا ہوتا ہے؟ زمین کا ایک ٹکڑا ہوتا ہے، تو بُقْعَۃٌ یا بَلْدَۃٌ کی تاویل کے ساتھ تانیث کا اعتبار کرتے ہیں۔

اور کبھی کبھی آپ کو ایسے شہروں کے نام ملیں گے جن کو عرب مذکر ہی استعمال کرتے ہیں، تو ایک تو علمیت ہے، دوسرا اب وہاں اس کو بَلْدَۃٌ یا بُقْعَۃٌ کی تاویل میں نہیں لیں گے ورنہ تو دو سبب آجائیں گے، بلکہ اس کو مَکَانٌ أَوْ مَوْضِعٌ، دیکھو مَکَان کا معنی بھی جگہ، مَوْضِعٌ میم واؤ ضاد اور عین، مَوْضِع کا معنی بھی جگہ، تو اب دیکھو صرف ایک سبب ہے۔

اسی طرح قبیلوں کے نام بھی یاد رکھیں، اس میں بھی اصل تتبع ہے، آپ کو دیکھنا پڑے گا عرب کس کو غیرِ منصرف استعمال کرتے ہیں اور کس کو منصرف۔ اگر قبیلے کا نام آپ کو غیرِ منصرف ملے تو سمجھ جائیں کہ ایک سبب ہے علمیت اور ایک سبب ہے تانیث، اور تانیث کس اعتبار سے؟ أُمٌّ کی تاویل میں، کس تاویل میں؟ أُمٌّ ماں ماں کو کہتے ہیں بھائی۔ تو أُمٌّ مؤنث ہے، تانیث آگئی اور علمیت بھی ہے۔ اور بعض قبیلوں کے نام مذکر آتے ہیں، تو وہاں پر ایک علمیت ہے اور دوسرا پھر أَبٌ کی تاویل میں، أَبٌ یعنی باپ ہے۔ یہ قبیلوں کے نام اوپر باپ یا ماں کی طرف نسبت ہوتی ہے، زیادہ تر باپ کی طرف کوئی دیکھو بَنُو تَمِیم آیا تھا، یہ تَمِیم کوئی اوپر باپ دادا گزرا تھا جس کا نام تَمِیم تھا اور بڑا مشہور آدمی تھا، تو اس کے آگے جتنی اولاد چلی اس کو بَنُو تَمِیم کہتے ہیں، تَمِیم کے بیٹے، تَمِیم کی اولاد بھائی۔ اسی طرح کبھی مؤنث کوئی ماں ہے وہ مشہور تھی اور اس کی طرف پھر نسبت کر دی جاتی ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟

چلیے بس بھائی، هٰذَا هُوَ الْمَرَامُ، وَاللّٰهُ أَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْكَلَامِ.

سبق نمبر ٦٤: اسبابِ منعِ صرف (٨): مؤنثِ معنوی کو مذکر کا نام رکھنے کا حکم اور «اَلْمَعْرِفَۃُ»

شرحِ ملا جامی صفحہ: ٤٤ — بتاریخ: ٤ ستمبر ٢٠٢١ء

▪ تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث

دیکھیے بھائی آگے سبق:

فَإِنْ سُمِّيَ بِهِ أَيْ بِالْمُؤَنَّثِ الْمَعْنَوِيِّ مُذَكَّرٌ فَشَرْطُهُ فِي سَبَبِيَّةِ مَنْعِ الصَّرْفِ الزِّيَادَةُ عَلَى الثَّلَاثَةِ، لِأَنَّ الْحَرْفَ الرَّابِعَ فِي حُكْمِ تَاءِ التَّأْنِيثِ قَائِمٌ مَقَامَهَا، فَقَدَمٌ وَهُوَ مُؤَنَّثٌ مَعْنَوِيٌّ سَمَاعِيٌّ بِاعْتِبَارِ مَعْنَاهُ الْجِنْسِيِّ إِذَا سُمِّيَ بِهِ رَجُلٌ مُنْصَرِفٌ، لِأَنَّ التَّأْنِيثَ الْأَصْلِيَّ زَالَ بِالْعَلَمِيَّةِ لِلْمُذَكَّرِ مِنْ غَيْرِ أَنْ يَقُومَ شَيْءٌ مَقَامَهُ، وَالْعَلَمِيَّةُ وَحْدَهَا لَا تَمْنَعُ الصَّرْفَ.

بھائی گزشتہ سبق میں ہم نے اسبابِ منعِ صرف میں سے تانیث کے بارے میں پڑھنا شروع کیا تھا بھائی، اور میں نے آپ کو بتلایا کہ ایک ہوتا ہے مذکر اور ایک ہے مؤنث۔ مؤنث اس کو کہتے ہیں جس کے اندر کوئی تانیث کی علامت پائی جائے، اور جس کے اندر تانیث کی علامت نہ ہو اس کو مذکر کہتے ہیں۔ اور تانیث کی علامتیں تین ہیں: ایک تا ہے، اور ایک الفِ مقصورہ ہے، اور ایک الفِ ممدودہ ہے۔ اور اسی طرح یہ تا کبھی لفظوں میں آتی ہے کبھی مقدر ہوتی ہے تو اس کو تانیثِ معنوی کہتے ہیں۔ تو گویا تانیث دو قسم پر ہو گئی: ایک لفظی اور ایک معنوی۔ تانیثِ لفظی وہ جس میں لفظوں کے اندر کوئی تانیث کی علامت ہو، اور تانیثِ معنوی جس میں تا مقدر ہو یعنی لفظوں میں کوئی تانیث کی علامت نہ ہو۔

تو اب آپ کو بتلا رہے ہیں کہ وہ تانیثِ لفظی جو تا کے ساتھ ہو، اس کی شرط یہ ہے کہ وہ علم ہونا چاہیے بھائی۔ کیا ہونا چاہیے؟ علم ہونا چاہیے، تبھی وہ غیرِ انصراف کا سبب بنے گی بھائی۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ یہ جو تا ہے، یہ کبھی کلمے کے ساتھ جڑ جاتی ہے اور کبھی اس سے جدا ہو جاتی ہے، اور غیرِ انصراف کے لیے قوی سبب چاہیے بھائی۔ تو یہ تانیث بِالتَّاءِ ضعیف

سبب ہے، قوی نہیں۔ اور غیرِ انصراف کے لیے قوی سبب چاہیے اس لیے کیونکہ غیرِ انصراف کلمے کو اصل سے یعنی منصرف ہونے سے نکال کر غیرِ منصرف بنا دیتا ہے، تو اس کے لیے قوی سبب چاہیے۔ تو اس کے لیے پھر علمیت کی شرط لگا دی کہ جب علمیت آجائے گی اس کلمے میں، تو اب وہ تا کلمے کے ساتھ لازم ہو جائے گی، جدا نہیں ہو گی، یعنی بِقَدْرِ الْإِمْكَانِ بھائی۔ اور دوسری وجہ یہ ذکر کی کیونکہ جب یہ تا کے ساتھ کسی لفظ کو کسی کا علم بنا دیا جاتا ہے، تو دراصل یہ وضعِ ثانی ہوتی ہے، اور کلمے کو جن حروف کے ساتھ وضع کر دیا جائے وہ اس سے جدا نہیں ہوتے، تو یہ تا بھی اب کلمے کے ساتھ پختہ ہو گئی، اب اس سے جدا نہیں ہو گی بھائی۔

اور میں نے یہاں آپ کو بتلایا تھا کہ التَّأْنِيثُ بِالتَّاءِ شَرْطُهُ الْعَلَمِيَّةُ، کہ یہ الْعَلَمِيَّةُ کا معنی جو ہے صاحبِ جامی نے أَيْ عَلَمِيَّةُ الْاِسْمِ الْمُؤَنَّثِ کے ساتھ کیا۔ بتلانا یہ چاہتے ہیں کہ الْعَلَمِيَّةُ کے اندر جو الف لام ہے یہ اسمِ اشارہ ہے، کس کی طرف؟ خاص علمیت کی طرف۔ اور وہ کس چیز کی علمیت ہے؟ اسمِ مؤنث۔ کہ تانیث بِالتَّاءِ میں شرط یہ ہے کہ وہ جو اسمِ مؤنث ہے اس کی علمیت، اس کا علم ہونا شرط ہے، وہ جو اسمِ مؤنث ہے اس کا علم ہونا شرط ہے۔ تو یہ صاحبِ جامی نے اس کو الف لام کو یا تو عوض بنایا مضاف الیہ کا یا اس کے ذریعے اشارہ کیا۔ سوال یہ کہ علمیت، یہ تو یائے مشدد اور گول تا ساتھ جڑی ہوئی ہے، اور یہ یائے مشدد اور گول تا تو مصدر بنانے کے لیے لائی جاتی ہے، اور اس کا ترجمہ کس کے ساتھ کیا جاتا ہے؟ كَوْنُ الشَّيْءِ، مثلاً علمیت ہے تو كَوْنُ الشَّيْءِ عَلَمًا، ایک شے کا علم ہونا۔ اور کس کی بات چل رہی ہے یہاں؟ تانیث کی۔ تو عبارت کیا بن جائے گی؟ كَوْنُ التَّأْنِيثِ عَلَمًا یا كَوْنُهُ عَلَمًا، تانیث کا علم ہونا۔ اور تانیث کا علم ہونا یہ تو ہو نہیں سکتا، تانیث تو صفت ہے اور علم تو ذات ہے بھائی، تو صفت ذات کیسے ہو سکتی ہے بھائی؟ تانیث صفت ہے، وہ علم، وہ ذات کیسے بن سکتی ہے؟ تو چونکہ یہاں خرابی لازم آتی تھی اگر اس طرح ترجمہ کیا جاتا، تو اس لیے صاحبِ جامی نے اس کا ترجمہ کس کے ساتھ کیا؟ کہ یہ الف لام اشارہ ہے کس کی طرف؟ أَيْ عَلَمِيَّةُ الْاِسْمِ الْمُؤَنَّثِ کی طرف اشارہ ہے کہ وہ اسمِ مؤنث کیا ہو، تانیثِ لفظی بِالتَّاءِ میں شرط ہے، کیا شرط ہے؟ اس اسمِ مؤنث کا علم ہونا، اس اسمِ مؤنث کا علم ہونا شرط ہے بھائی۔

اور پھر انہوں نے یہ بھی بتایا آپ کو کہ تانیثِ معنوی کے اندر بھی علمیت شرط ہے، لیکن دونوں میں فرق ہے۔ تانیثِ لفظی بِالتَّاءِ جو ہے اس میں علمیت شرط تھی وجوبِ غیرِ انصراف کے لیے، یعنی وہ غیرِ انصراف کا سبب بنتا تھا وجوباً جب علمیت آجاتی تھی۔ جبکہ تانیثِ معنوی جو ہے وہ غیرِ انصراف کا سبب بنتی ہے جوازاً بھائی۔ ہاں اس کے ساتھ تین شرطوں، تین چیزوں میں سے کوئی ایک اور پوری ہو جائے، تو پھر تانیثِ معنوی بھی وجوباً غیرِ انصراف کا سبب بنے گی۔ اور وہ تین چیزیں کون سی ہیں؟ کہ وہ تین حروف سے زائد ہونا چاہیے کلمہ؛ اگر تین سے زائد نہیں ہے، تین حروف والا ہے تو پھر کم از کم درمیان والا متحرک ہونا چاہیے؛ اگر درمیان والا متحرک بھی نہیں ہے تو کم از کم وہ کلمہ عجمی ہونا چاہیے۔ وجہ یہ کہ اس کی وجہ سے کلمے میں ثقل آئے گا بھائی۔ تین حروف سے جو کلمہ زائد ہو، ظاہر سی بات ہے وہ زبان پر ثقیل ہو گا۔ اسی

طرح درمیان والا ایک لفظ ہے، درمیان والا حرف متحرک ہے اور ایک کا درمیان والا حرف ساکن ہے، جیسے ضَرْبٌ اور ضَرَبٌ، تو ظاہر سی بات ہے ضَرْبٌ اس کی ادائیگی زبان پر آسان ہے۔ تو درمیان والا جب متحرک ہو گا تو ثقل آجائے گا۔ یا پھر اگر ایسا بھی نہ ہو تو کلمہ عجمی ہونا چاہیے، کیونکہ عربوں کے لیے عجمی زبان کا کلمہ ان کی زبان پر ثقیل ہو گا۔ تو اس لیے ان تین میں سے کوئی ایک چیز ضرور ہونی چاہیے تاکہ کلمے میں ثقل پیدا ہو جائے۔

لہٰذا اب ھِنْدٌ جو ہے، کہتے ہیں اس کو منصرف پڑھنا بھی جائز، غیرِ منصرف پڑھنا بھی جائز۔ منصرف پڑھنا کیوں جائز؟ کیونکہ ایک سبب علمیت تو ہے، دوسرا سبب تانیثِ معنوی ہے، لیکن وہ تانیثِ معنوی اس کی وجہ سے کوئی کلمے میں ثقل نہیں آیا۔ جب ثقل نہیں آیا تو کلمہ ابھی بھی خفیف ہے، جب خفیف ہے تو تنوین بھی پڑھو کسرہ بھی پڑھو بھائی، منصرف استعمال کرو۔ اور آپ چاہیں تو اس کو غیرِ منصرف بھی پڑھ سکتے ہیں کیونکہ بہرحال دو سبب آتو گئے ہیں، ایک علمیت ہے اور ایک تانیثِ معنوی ہے۔ جبکہ زَیْنَبُ، سَقَرُ اور مَاهُ وَ جُورُ، ان کو غیرِ منصرف ہی پڑھیں گے کیونکہ ان میں ایک تو علمیت ہے اور ایک تانیثِ معنوی ہے، اور تانیثِ معنوی کے ساتھ اس کے وجوب کی شرط بھی پوری ہو رہی ہے کہ تین حروف سے زائد ہو، یا درمیان والا متحرک ہو، یا کلمہ کیا ہو؟ عجمی ہو بھائی۔

آگے دیکھیے بھائی آج کا سبق بھائی۔ کہتے ہیں: فَإِنْ سُمِّيَ بِهِ أَيْ بِالْمُؤَنَّثِ الْمَعْنَوِيِّ مُذَكَّرٌ فَشَرْطُهُ فِي سَبَبِيَّةِ مَنْعِ الصَّرْفِ الزِّيَادَةُ عَلَى الثَّلَاثَةِ۔ یہاں سے اب یہ بیان کریں گے کہ بھائی ایک لفظ ہے اس کے اندر تانیثِ معنوی ہے۔ اب یہ کسی مذکر کا نام رکھ دیتے ہیں، توجہ ہے؟ لفظ میں کون سی صفت ہے؟ تانیثِ معنوی والی صفت ہے، اب کسی مذکر کا نام رکھ دیتے ہیں۔ تو اب علمیت بھی آگئی، تو کیا یہ تانیث مؤثر ہو گی؟ اب تو یہ نام کس کا رکھا ہے؟ مذکر کا نام رکھا ہے، اب تو یہاں تانیث کو مؤثر نہیں ہونا چاہیے۔ تو آپ کو بتائیں گے کہ بھائی اگر یہ مذکر کا نام رکھ دیں، تو پھر وہ تین حروف سے زائد ہو تو پھر یہ تانیثِ معنوی ابھی بھی سبب بنے گی کس کا؟ غیرِ انصراف کا۔ مثلاً دیکھو قَدَمٌ، قدم عربی میں پاؤں کو کہتے ہیں، پاؤں بھائی۔ یہ ٹانگ کا وہ نیچے والا حصہ جس میں جوتے پہنے جاتے ہیں، اس کو عربی میں قَدَمٌ کہتے ہیں اور اردو میں کیا کہتے ہیں؟ پاؤں بھائی۔ اب یہ جو قَدَمٌ ہے یہ عربی میں مؤنث استعمال ہوتا ہے۔ یہ جو جسم کے اعضاء دو دو ہیں، یہ سب عربی میں مؤنث استعمال ہوتے ہیں: یَدٌ، ہاتھ کتنے ہیں؟ دو؛ آنکھیں کتنی ہیں؟ دو؛ کان کتنے ہیں؟ دو؛ اور اسی طرح پاؤں کتنے ہیں؟ دو۔ تو جسم کے جو جو بھی اعضاء ہیں، کہنیاں ہیں، کتنی ہیں؟ دو بھائی۔ تو جسم کے جو جو اعضاء دو دو ہیں وہ سب عربی میں مؤنث استعمال ہوتے ہیں۔ تو قَدَمٌ بھی کتنے؟ دو، تو یہ مؤنث استعمال ہوتا ہے، اور اس میں کوئی تانیث والی علامت نہیں، نہ گول تا ہے، نہ الفِ مقصورہ ہے، نہ الفِ ممدودہ ہے، تو اس میں تانیثِ معنوی ہے۔ اور یہ مؤنثِ معنوی اس کو کسی مذکر کا نام رکھ دیا، مثلاً قَدَمٌ کسی آدمی کا نام رکھ دیا، تو اب دیکھو یہ جب مذکر کا نام رکھ دیں، تو پھر یہ تانیثِ معنوی تب مؤثر بنے گی جب

تین حروف سے زیادہ ہو، اور قَدَمٌ تو تین حروف پر مشتمل ہے، لہٰذا یہ سبب نہیں بنے گا غیرِ انصراف کا۔ اب یہ منصرف، اس کو منصرف ہی پڑھیں گے: جَاءَنِي قَدَمٌ، رَأَيْتُ قَدَمًا، مَرَرْتُ بِقَدَمٍ۔

اور اگر تین حروف سے زیادہ ہو، مثلاً عَقْرَبٌ، عَقْرَبٌ عربی زبان میں، عَقْرَبٌ جو ہے بچھو کو کہتے ہیں، بچھو کو کہتے ہیں، اور یہ عربی میں مؤنث استعمال ہوتا ہے۔ یہ عربی میں مؤنث استعمال ہوتا ہے۔ جیسے وہ صاحبِ کافیہ جو ہے ان کی نظم ہے جس میں انہوں نے اشعار کے اندر مؤنثِ معنوی جو ہیں ان کو جمع کیا ہے بھائی، تو اس میں وہ فرماتے ہیں: وَجَهَنَّمُ ثُمَّ السَّعِيرُ وَعَقْرَبُ، وَجَهَنَّمُ ثُمَّ السَّعِيرُ وَعَقْرَبُ، وَالْأَرْضُ ثُمَّ الْإِسْتُ وَالْعَضُدَانِ۔ تو دیکھا عَقْرَبٌ کو انہوں نے کس میں شمار کیا ہے؟ مؤنثِ معنوی میں شمار کیا ہے۔ تو یہ عَقْرَبٌ بچھو کو کہتے ہیں اور یہ مؤنث استعمال ہوتا ہے عربی زبان میں۔ اب یہ کسی شخص کا نام رکھ دیا عَقْرَبٌ، تو یہ تین حروف سے زائد ہے، لہٰذا اب یہ تانیثِ معنوی مؤثر بنے گی اور کلمے میں ایک علمیت آگئی، ایک تانیثِ معنوی آگئی، تو یہ کلمہ غیرِ منصرف ہو گا۔ جیسے دیکھو طَلْحَةُ کس کا نام ہے؟ مذکر کا نام ہے، تو ایک علمیت ہے اور ایک ساتھ تائے تانیث ہے، تو لہٰذا یہ غیرِ منصرف ہے۔ تو یہاں پر عَقْرَبٌ کے اندر یہ جو چوتھا حرف ہے یہ اس تا کے قائم مقام ہے، یہ اس تا کے، تو جب عَقْرَبٌ کسی مرد کا نام، جیسے طَلْحَةُ کے اندر وہ تانیث کی تا موجود تھی تو وہ مؤثر تھی غیرِ انصراف کا سبب بن رہی تھی، تو عَقْرَبٌ کے اندر بھی یہ جو با ہے یہ کس کے قائم مقام ہے؟ اس تا کے قائم مقام ہے، لہٰذا یہ تانیث مؤثر ہو گی اور غیرِ انصراف کا سبب بنے گی۔

کہتے ہیں: فَإِنْ سُمِّيَ بِهِ أَيْ بِالْمُؤَنَّثِ الْمَعْنَوِيِّ، اگر موسوم کیا جائے بِهِ، ہا ضمیر کا مرجع بتلایا أَيْ بِالْمُؤَنَّثِ الْمَعْنَوِيِّ، اگر موسوم کیا جائے مؤنثِ معنوی کے ذریعے یعنی نام رکھا جائے مؤنثِ معنوی کے ذریعے، مُذَكَّرٌ کسی مذکر کا، فَشَرْطُهُ فِي سَبَبِيَّةِ مَنْعِ الصَّرْفِ، تو اس کی شرط جو ہے منعِ صرف کے سبب ہونے میں، الزِّيَادَةُ عَلَى الثَّلَاثَةِ، کہ اس کے حروف تین سے زائد ہونے چاہئیں۔ لِأَنَّ الْحَرْفَ الرَّابِعَ فِي حُكْمِ تَاءِ التَّأْنِيثِ قَائِمٌ مَقَامَهَا، اس لیے کیونکہ جو چوتھا حرف ہے وہ تائے تانیث کے حکم میں ہو گا، قَائِمٌ مَقَامَهَا، اس کا قائم مقام ہو گا۔ چوتھا حرف کس کے حکم میں؟ تائے تانیث کے حکم میں، اس کا قائم مقام ہو گا۔ تو جب عَقْرَبٌ کسی مرد کا نام رکھا، چوتھا حرف موجود ہے یا نہیں؟ چوتھا ابھی بھی موجود ہے، جیسے طَلْحَةُ کے اندر تا موجود تھی تو وہ غیرِ انصراف کا سبب بنی تھی، تو یہ با بھی کیا ہے عَقْرَبٌ میں غیرِ انصراف کا سبب بنے گی۔ یہ صرف چوتھے کی بات نہیں ہے، پانچ حروف والا ہو تو پانچواں حرف جو ہے وہ کیا بنے گا؟ تا کے قائم مقام بن جائے گا۔

فَقَدَمٌ وَهُوَ مُؤَنَّثٌ مَعْنَوِيٌّ سَمَاعِيٌّ بِاعْتِبَارِ مَعْنَاهُ الْجِنْسِيِّ إِذَا سُمِّيَ بِهِ رَجُلٌ، پس قَدَمٌ جو ہے وہ مؤنثِ معنوی ہے، قَدَمٌ میں کوئی تانیث والی علامت ہے؟ گول تا یا الفِ مقصورہ یا ممدودہ؟ تو یہ مؤنثِ معنوی ہے۔ سَمَاعِيٌّ، سماعی ہے یعنی عربوں سے ہم نے اس کو مؤنث ہی سنا ہے۔ اس مؤنثِ معنوی کو کیا کہتے ہیں؟ سماعی یعنی عربوں سے ہم نے اس کو سنا ہے کہ وہ اس کو مؤنث استعمال کرتے ہیں۔ اور یہ مؤنثِ معنوی ہے، سماعی ہے بِاعْتِبَارِ مَعْنَاهُ الْجِنْسِيِّ، اپنے جنسی

معنی کے اعتبار سے۔ کس اعتبار سے؟ جنسی معنی کیا ہے قَدَمٌ کا؟ قَدَمٌ کس کو کہتے ہیں عربی زبان میں؟ پاؤں کو کہتے ہیں، تو یہ جنس ہے، پاؤں جنسِ پاؤں کو قَدَمٌ کہتے ہیں، اور یہ عربی میں مؤنث استعمال ہوتا ہے۔ تو کہتے ہیں بِاعْتِبَارِ مَعْنَاهُ الْجِنْسِيِّ، یہ مؤنثِ معنوی سماعی ہے بِاعْتِبَارِ مَعْنَاهُ الْجِنْسِيِّ، اپنے جنسی معنی کے اعتبار سے، إِذَا سُمِّيَ بِهِ رَجُلٌ، جب اس کے ساتھ کسی آدمی کو موسوم کیا جائے یعنی اس کا یہ نام رکھا جائے، فَمُنْصَرِفٌ، تو یہ منصرف ہو گا، لِأَنَّ التَّأْنِيثَ الْأَصْلِيَّ زَالَ بِالْعَلَمِيَّةِ لِلْمُذَكَّرِ، اس لیے کیونکہ وہ تانیث جو اصلی تھی وہ ختم ہو گئی، زائل ہو گئی بِالْعَلَمِيَّةِ لِلْمُذَكَّرِ، مذکر کے نام رکھنے کی وجہ سے۔ مذکر کا نام رکھ دیا تو وہ تانیث تو ختم ہو گئی۔ مِنْ غَيْرِ أَنْ يَقُومَ شَيْءٌ مَقَامَهُ، بغیر اس کے کہ کوئی اور چیز اس کے قائم مقام ہو جائے۔ تین حروف تھے، چوتھا حرف بھی نہیں ہے ورنہ وہ تا کے قائم مقام ہو جاتا۔ تو تانیث ختم ہوئی، اب یہ غیرِ انصراف کا سبب نہیں بنے گی۔ وَالْعَلَمِيَّةُ وَحْدَهَا لَا تَمْنَعُ الصَّرْفَ، اور علمیت اکیلی جو ہے وہ صرف کو منع نہیں کرتی، وہ اکیلی کلمے کو غیرِ منصرف نہیں بناتی۔

وَعَقْرَبٌ، اور عَقْرَبٌ جو ہے، وَهُوَ مُؤَنَّثٌ مَعْنَوِيٌّ سَمَاعِيٌّ بِاعْتِبَارِ مَعْنَاهُ الْجِنْسِيِّ، یہ مؤنثِ معنوی ہے، سماعی ہے یعنی عربوں سے ہم نے اسی طرح اس کو سنا ہے، بِاعْتِبَارِ مَعْنَاهُ الْجِنْسِيِّ، اپنے جنسی معنی کے اعتبار سے۔ عَقْرَبٌ ایک موذی جانور ہے، اذیت، تکلیف دینے والا، تو یہ عَقْرَبٌ جو ہے یہ مؤنث ہے کیونکہ یہ مُؤْذِيَةٌ مِنَ الْمُؤْذِيَاتِ ہے، کیا ہے؟ مُؤْذِيَةٌ۔ دیکھو مُؤْذِيَةٌ میں تانیث والی تا آ رہی ہے یا نہیں؟ تو بہ ایں تاویل یہ مؤنث ہے بھائی۔ توجہ ہے؟ جیسے مُعْجِزَةٌ، انبیاء کے معجزات ہوتے ہیں، تو معجزہ، معجزہ مؤنث استعمال ہوتا ہے، اس کا موصوف محذوف ہے، أَيْ آيَةٌ مُعْجِزَةٌ، ایسی نشانی جو دوسروں کو کیا کر دیتی ہے؟ عاجز کر دیتی ہے۔ تو یہاں پر بھی عَقْرَبٌ جو ہے، یہ مؤنث استعمال ہوتا ہے، کس تاویل پر؟ مُؤْذِيَةٌ، کہ یہ اذیت دینے والی ایک چیز ہے، مِنَ الْمُؤْذِيَاتِ، یا پر شد نہ پڑھیں، مُؤْذِيَةٌ مِنَ الْمُؤْذِيَاتِ، کیونکہ یہ مؤذیات میں سے ایک مؤذی چیز ہے، اذیت دینے والی چیزوں میں سے ایک اذیت دینے والی چیز ہے بھائی۔

تو کہتے ہیں: وَعَقْرَبٌ وَهُوَ مُؤَنَّثٌ مَعْنَوِيٌّ سَمَاعِيٌّ، تو یہ مؤنثِ معنوی ہے، کس اعتبار سے مؤنثِ معنوی ہے؟ اپنی جنس کے اعتبار سے، یعنی جنسی معنی، جب اس کا معنی بچھو کے کرتے ہیں، کیا کرتے ہیں؟ اس معنی کے اعتبار سے یہ مؤنث، مؤنث استعمال ہوتا ہے عربی میں، جیسے قَدَمٌ کا لفظ، وہ معنیِ جنسی کے اعتبار سے مؤنث ہے، یعنی معنیِ جنسی کیا؟ یعنی پاؤں، جب قَدَمٌ کا معنی پاؤں کے کیا جائے عربی زبان میں تو یہ مؤنث استعمال ہوتا ہے۔ اسی طرح عَقْرَبٌ کا معنی جب بچھو کے کیا جائے، تو یہ جو اس کا جنسی معنی ہے، ایک خاص جنس کا نام ہے، ایک خاص چیز کا نام ہے، اس اعتبار سے یہ کیا استعمال ہوتا ہے عربی میں؟ مؤنث۔ یہ معنی ہے۔ کہتے ہیں: وَهُوَ مُؤَنَّثٌ مَعْنَوِيٌّ سَمَاعِيٌّ بِاعْتِبَارِ مَعْنَاهُ الْجِنْسِيِّ، اور وہ مؤنثِ معنوی سماعی ہے اپنے معنیِ جنسی کے اعتبار سے، إِذَا سُمِّيَ بِهِ رَجُلٌ، جب اس کے ساتھ کسی آدمی کو موسوم کیا جائے، مُمْتَنِعٌ صَرْفُهَا، تو اس کی صرف ممتنع ہے، یعنی اس کو غیرِ منصرف پڑھیں گے، لِأَنَّهُ وَإِنْ زَالَ التَّأْنِيثُ بِعَلَمِيَّتِهِ لِلْمُذَكَّرِ، اس لیے کیونکہ اگرچہ اس کی تانیث زائل ہو گئی ہے مذکر کے لیے علم ہونے کی وجہ سے، فَالْحَرْفُ الرَّابِعُ قَائِمٌ مَقَامَهُ، تو چوتھا

حرف جو ہے وہ اس تانیث کے قائم مقام ہے، بِدَلِيلِ أَنَّهُ إِذَا صُغِّرَ۔ بھائی چوتھا حرف، ادھر دیکھیے، چوتھا حرف تانیث کے قائم مقام ہے، تانیث کے۔ بھائی کیا وجہ ہے، اس میں آپ نے چوتھے حرف کو تانیث کے قائم مقام بنایا، قَدَمٌ میں آپ تیسرے کو قائم مقام بنا دیتے؟ قَدَمٌ میں، توجہ ہے؟ میری بات سمجھ میں آ رہی ہے؟ آپ نے کہا قَدَمٌ کسی مذکر کا نام رکھو، تو یہ غیرِ منصرف نہیں بنے گا کیونکہ اس میں تانیث ختم ہو چکی۔ بھائی اس میں تیسرا حرف ہے، اس کو کس کے قائم مقام کر دو؟ تائے تانیث کے قائم مقام کر دو، تیسرے حرف کو تائے تانیث کے قائم مقام کر دو، جیسے عَقْرَبٌ میں آپ نے چوتھے حرف کو کس کے قائم مقام کیا ہے؟ تا، توجہ نہیں ہے میرا خیال۔ قَدَمٌ میں کیا کرو؟ تیسرا حرف ہے اس کو بھی تا کے قائم مقام کر دو، جیسے عَقْرَبٌ میں آپ نے کیا کہا؟ چوتھا حرف کس کے قائم مقام ہے؟ تا کے قائم مقام۔

کہتے ہیں نہیں بھائی، آپ قَدَمٌ کی ذرا تصغیر لے آئیں، اس کی تصغیر آتی ہے قُدَيْمَةٌ۔ دیکھو میم کے بعد تا الگ آ رہی ہے! معلوم ہوا یہ تا الگ تھی اور قَدَمٌ میں آ کر یہ تا کیا ہو گئی؟ حذف ہو گئی، تو میم تو قائم مقام نہیں ہے تا کے بھائی، تا الگ تھی جو اب مقدر ہے، حذف ہو چکی ہے۔ اور عَقْرَبٌ کی تا، اس کی تصغیر نکالو، تو وہ کیا بنے گی؟ عُقَيْرِبٌ، عَقْرَبٌ کی تصغیر عُقَيْرِبٌ آتی ہے۔ اب دیکھو عُقَيْرِبٌ تصغیر لے آئے، اس میں بھی گول تا موجود نہیں ہے، معلوم ہوا یہ با اس تا کے قائم مقام ہو سکتی ہے۔ جبکہ قُدَيْمَةٌ میں تو میم کے علاوہ تا الگ تھی، تو وہ میم اس کا قائم مقام نہیں قرار دے سکتے، لیکن عُقَيْرِبٌ اس میں تو تا ہے ہی نہیں، معلوم ہوا یہ با خود ہی کس کے قائم مقام ہے؟ تا کے قائم مقام ہے۔

تو دیکھیے اب کتاب پر، کہتے ہیں: وَعَقْرَبٌ وَهُوَ مُؤَنَّثٌ مَعْنَوِيٌّ سَمَاعِيٌّ بِاعْتِبَارِ مَعْنَاهُ الْجِنْسِيِّ، اور عَقْرَبٌ جو ہے وہ مؤنثِ معنوی سماعی ہے اپنے جنسی معنی کے اعتبار سے، إِذَا سُمِّيَ بِهِ رَجُلٌ مُمْتَنِعٌ صَرْفُهَا، جب اس کے ساتھ کسی آدمی کو موسوم کیا جائے یعنی کسی آدمی کا یہ نام رکھا جائے، مُمْتَنِعٌ صَرْفُهَا، تو اس کی صرف ممتنع ہے بھائی، لِأَنَّهُ وَإِنْ زَالَ التَّأْنِيثُ بِعَلَمِيَّتِهِ لِلْمُذَكَّرِ، اگرچہ اس کی تانیث جو ہے وہ زائل ہو گئی ہے مذکر کے لیے علم ہونے کی وجہ سے، فَالْحَرْفُ الرَّابِعُ قَائِمٌ مَقَامَهُ، تو چوتھا حرف جو ہے وہ اس تانیث کے قائم مقام ہے، بِدَلِيلِ أَنَّهُ إِذَا صُغِّرَ قَدَمٌ، اس دلیل سے کہ جب تصغیر لائی جائے قَدَمٌ کی، تو ظَهَرَتْ تَاءُ الْمُقَدَّرَةِ، تو تائے مقدرہ ظاہر ہو جاتی ہے، كَمَا تَقْتَضِيهِ قَاعِدَةُ التَّصْغِيرِ، جیسے کہ تصغیر کا ضابطہ تقاضا کرتا ہے۔ تصغیر کا ضابطہ کیا تقاضا کرتا ہے؟ کہ وہ اشیاء کو اپنی اصل کی طرف لوٹا دیتا ہے، تو یہاں بھی اصل کی طرف لوٹے گا قَدَمٌ اور تا ظاہر ہو جائے گی، فَيُقَالُ قُدَيْمَةٌ، تو قُدَيْمَةٌ کہا جائے گا، بِخِلَافِ عَقْرَبٍ، بخلاف عَقْرَبٌ کے، فَإِنَّهُ إِذَا صُغِّرَ يُقَالُ عُقَيْرِبٌ، اس لیے کیونکہ جب اس کی تصغیر لائی جائے تو یوں کہا جاتا ہے عُقَيْرِبٌ، مِنْ غَيْرِ إِظْهَارِ التَّاءِ، بغیر تا کو ظاہر کیے۔ دیکھا اس میں تا ظاہر نہیں ہوئی، لِأَنَّ الْحَرْفَ الرَّابِعَ قَائِمٌ مَقَامَهُ، اس لیے کیونکہ چوتھا حرف جو ہے وہ اس تا کے قائم مقام ہے، فَعَقْرَبٌ إِذَا سُمِّيَ بِهِ رَجُلٌ امْتَنَعَ صَرْفُهُ لِلْعَلَمِيَّةِ وَالتَّأْنِيثِ الْحُكْمِيِّ، تو عَقْرَبٌ جب اس کے ساتھ کسی آدمی کا نام رکھا جائے

تو اس کی صرف جو ہے وہ ممتنع ہو گی لِلْعَلَمِيَّةِ، کس کی وجہ سے؟ علم ہونے کی وجہ سے، وَالتَّأْنِيثِ الْحُكْمِيِّ، اور تانیثِ حکمی کی وجہ سے۔ یعنی تانیث کا حکم لگا دیا جائے گا اس میں، کیونکہ چوتھا حرف کس کے قائم مقام ہے؟ تا کے قائم مقام ہے۔ بات سمجھ میں آ گئی۔

دیکھیے آگے بھائی: الْمَعْرِفَةُ أَيِ التَّعْرِيفُ، لِأَنَّ سَبَبَ مَنْعِ الصَّرْفِ هُوَ وَصْفُ التَّعْرِيفِ لَا ذَاتُ الْمَعْرِفَةِ، شَرْطُهَا أَيْ شَرْطُ تَأْثِيرِهَا فِي مَنْعِ الصَّرْفِ أَنْ تَكُونَ عَلَمِيَّةً۔ معرفہ بھائی، اس سے پہلے متن متن دیکھ لیجیے، کہتے ہیں: الْمَعْرِفَةُ شَرْطُهَا أَنْ تَكُونَ عَلَمِيَّةً، معرفہ بھی سبب بنے گا غیرِ انصراف کا، لیکن اس کی شرط جو ہے علم ہونا ہے، وہ تعریف کون سی ہونی چاہیے؟ علم والی تعریف ہونی چاہیے، تو صرف یہ سبب بنے گا، باقی معرفہ کی جو قسمیں ہیں وہ غیرِ انصراف کا سبب نہیں بنیں گی۔ توجہ ہے؟ دیکھیے میں نے آپ سے پوچھا لاہور میں کون سے دو اسبابِ منعِ صرف ہیں؟ آپ نے کیا کہا؟ علمیت اور ایک تانیث ہے۔ بھائی علمیت، اصل سبب علمیت نہیں ہے بلکہ اصل سبب تعریف ہے۔ تعریف ہے، لیکن تعریف کی قسموں میں سے صرف علمیت مؤثر ہے اس لیے صرف اسی کو ہم بول دیتے ہیں، ورنہ اصل سبب کیا ہے؟ تعریف ہے۔ تو تعریف کی اور بھی بہت سی قسمیں ہیں، معرفہ کی اور بھی قسمیں ہیں، لیکن وہ غیرِ انصراف کا سبب نہیں بنتیں۔ کیوں؟ دیکھو معرفہ کی کون کون سی قسمیں ہیں؟ تمام ضمیریں ہیں، اسمائے اشارہ ہیں، اسمائے موصولہ ہیں، اعلام ہیں جو علم لوگوں کے نام ہوتے ہیں، اسی طرح معرف بِاللَّام ہے جس پر الف لام آ جائے، ان میں سے کسی ایک کی طرف کوئی اسم مضاف ہو جائے، اور ساتویں قسم ہے معرفہ بالنداء۔ ان سات قسموں میں سے صرف علمیت سبب بنے گی غیرِ انصراف کا، باقی قسمیں نہیں۔

باقی قسمیں کیوں نہیں بنیں گی؟ یہ بھی آگے بیان کریں گے، ابھی سمجھ لیں۔ یہ آپ کو بتلائیں گے کہ بھائی ضمیریں، اسمائے اشارہ، اسمائے موصولہ، یہ تو مبنیات ہیں بھائی، یہ تینوں کیا ہیں؟ مبنی، اور غیرِ منصرف تو معرب ہوتا ہے، تو یہ تو غیرِ انصراف کا سبب نہیں بنیں گے۔ اس کے بعد کیا آ گیا؟ علم، علمیت سبب بنے گی۔ اگلا کیا آیا؟ الف لام اور اضافت بھائی، الف لام اور اضافت، الف لام اور اضافت اس کی وجہ سے تو غیرِ منصرف پر کسرہ آ جاتا ہے، بعض کہتے ہیں کسرہ آتا ہے، بعض کہتے ہیں یہ باقاعدہ منصرف ہو جاتا ہے، کیا ہو جاتا ہے؟ تو الف لام اور اضافت تو غیرِ انصراف کے مخالف ہو گئے بھائی، لہٰذا وہ بھی سبب نہیں بنیں گے غیرِ انصراف کا۔ اور آخری رہ گیا معرفہ بالنداء، معرفہ بالنداء، بھائی معرفہ بالنداء میں تو کلمہ اکثر مبنی بن جاتا ہے: يَا رَجُلُ، يَا زَيْدُ، یا یوں کہتے ہیں کہ یہ معرفہ بالنداء جو ہے یہ معرف بِاللَّام کے درجے میں ہے، کس کے؟ معرف بِاللَّام کے درجے میں ہے اور معرف بِاللَّام تو، الف لام تو غیرِ انصراف کے مخالف ہے۔ بھائی معرفہ بالنداء معرف بِاللَّام کے درجے میں کیسے ہے؟ کہتے ہیں دیکھو يَا رَجُلُ دراصل اسی طرح ہے جیسے آپ نے یوں کہا ہو: يَا أَيُّهَا الرَّجُلُ۔ یاد رکھو آگے چل کر آپ کو بتائیں گے: يَا بھی آلۂ تعریف، الف لام بھی آلۂ تعریف، کسی کلمے کو معرفہ بنانا ہو تو ایک

صورت یہ ہے کہ اس پر یَا لے آؤ، ایک صورت کیا ہے؟ الف لام لے آؤ۔ ندا کے موقع پر یہ جو یَا آتی ہے وہ اس لفظ کو معرفہ بنا دیتی ہے۔ تو یَا بھی آلہِ تعریف، الف لام بھی آلہِ تعریف، تو یہ دونوں جمع نہیں ہو سکتے۔ لہٰذا رَجُلٌ بغیر الف لام کے ہے، تو اب میں یَا کے ساتھ ندا دے سکتا ہوں یَا رَجُلُ، لیکن اگر رَجُلٌ پر الف لام آجائے اَلرَّجُلُ، تو اس پر تو الف لام آگیا ایک آلہِ تعریف آگیا، اب یَا اَلرَّجُلُ میں نہیں کہہ سکتا، دونوں آلہِ تعریف جمع ہو جائیں گے، تو پھر درمیان میں أَیُّھَا مذکر کے لیے اور أَیَّتُھَا مؤنث کے لیے لے آتے ہیں۔ تو اَلرَّجُلُ کو ندا دینی ہو کیسے دیں گے؟ یَا أَیُّھَا الرَّجُلُ۔ تو لہٰذا یہ جو معرفہ باندا ہے یہ معرف بِاللَّام کے درجے میں ہے، یَا رَجُلُ کس درجے میں ہے؟ یَا أَیُّھَا الرَّجُلُ کے درجے میں ہے، تو یہ معرف بِاللَّام کے درجے میں ہے اور الف لام یہ تو غیرِ انصراف کے مخالف ہے، لہٰذا صرف علمیت سبب بنے گی غیرِ انصراف کا، باقی کوئی اور تعریف جو ہے غیرِ انصراف کا سبب نہیں بنے گی۔

جی دیکھیے اب آپ کتاب پر، کہتے ہیں: اَلْمَعْرِفَةُ أَيِ التَّعْرِيفُ، اور معرفہ جو ہے اسبابِ منعِ صرف میں سے۔ بھائی معرفہ، معرفہ تو اسم ہوتا ہے بھائی، معرفہ ہو گا یا نکرہ ہو گا، توجہ ہے؟ اسبابِ منعِ صرف چل رہے ہیں اور کئی دفعہ یہ بات ذکر ہو چکی کہ یہ اسبابِ منعِ صرف کس قبیل سے ہیں؟ اوصاف اور اعراض کے قبیل سے ہیں، اور معرفہ وہ تو اسم ہوتا ہے وہ تو ذات ہے بھائی۔ تو آگے بتلا دیا: أَيِ التَّعْرِيفُ، یعنی کہ تعریف ہے، یعنی معرفہ ہونا، ایک شے کا معرفہ ہونا، تو معرفہ یہاں کس معنی میں ہے؟ تعریف کے معنی میں ہے۔ توجہ ہے؟ یعنی دیکھو اسم ہے معرفہ، تو تعریف اس اسم کی صفت بن گئی۔ اگر ایک نکرہ ہو اسم تو تنکیر اس کی صفت ہوتی ہے، وہ نکرہ ہے۔ تو ایک لفظ معرفہ ہے تو اس کی صفت کیا؟ تعریف، توجہ ہے؟ معلوم ہوا معرفہ ہے ذات، تعریف ہے اس کی صفت، معرفہ ہے ذات، تعریف ہے اس کی صفت، تو یہاں ذات بول کر صفت مراد ہے، ذات بول کر تو معرفہ بول کر تعریف مراد ہے۔ یا دوسرے لفظوں میں یوں کہو: معرفہ ہے اسم، تعریف ہے اس کی صفت، یا یوں کہو: معرفہ ہے محل اور تعریف ہے اس کا حال، اس کی حالت۔ اسم کیا ہو گا؟ یا معرفہ ہو گا یا نکرہ ہو گا، تو معرفہ یا نکرہ یہ ہے محل، اور تعریف و تنکیر اس کی حالت ہے، کیا ہے؟ تو یہاں پر بھی معرفہ محل بول کر حال یعنی اس کی صفت مراد ہے۔ تو آسان لفظوں میں یوں کہہ لو موصوف بول کر صفت مراد ہے، یا یوں کہو محل بول کر حال مراد ہے۔ صفت کے لیے موصوف چاہیے نا؟ تو یہ موصوف اس کے لیے محل ہے، یہ محل ہے تو صفت ہے، محل نہیں تو صفت بھی نہیں۔ زید ہے تو زید کی سخاوت ہے، زید نہیں تو زید کی سخاوت بھی نہیں، تو زید ہوا محل اور سخاوت ہوئی اس کی، اس کی حالت بھائی، کیا ہوئی؟ اس کی حالت۔ تو محل اور حال کہہ لو یا موصوف صفت کہہ لو بات ایک ہی ہے بھائی، تو یہاں موصوف بول کر صفت مراد ہے یا محل بول کر حال مراد ہے، بات سمجھ میں آگئی۔

اس پر اشکال ہوتا ہے: بھائی معرفہ بول کر حال مراد ہے، بھائی آپ سیدھی طرح تعریف کہہ دیتے، کیا کہہ دیتے؟ ہمیں تاویل کرنا پڑی کہ معرفہ بولا ہے اور مراد کیا ہے؟ تعریف، موصوف بولا ہے اور مراد کیا ہے؟ صفت، یا محل بولا ہے اور مراد

کیا ہے؟ حال، اتنی لمبی تقریر کرنا پڑی، آپ مختصراً کہہ دیتے: اَلتَّعْرِيفُ، صاحبِ کافیہ اَلتَّعْرِيفُ کہہ دیتے۔ تو جواب یہ کہ بھائی پیچھے وہ نو اسبابِ منعِ صرف انہوں نے اکٹھے ذکر کیے تھے اور وہاں کیا آیا تھا؟ اسبابِ منعِ صرف کیا تھا؟ عَدْلٌ وَوَصْفٌ وَتَأْنِيثٌ وَمَعْرِفَةٌ، جہاں غیرِ منصرف کا باب شروع ہوا تھا وہاں عَدْلٌ وَوَصْفٌ وَتَأْنِيثٌ وَمَعْرِفَةٌ، چونکہ وہاں معرفہ ذکر تھا تو وہ تھا اجمالی ذکر، اب ہر ایک کی تفصیل بیان کر رہے ہیں تاکہ دونوں ایک دوسرے کے موافق رہیں بھائی۔ اور وہاں معرفہ کیوں لائے تھے؟ وہاں تعریف کیوں نہیں کہا؟ وجہ یہ کہ وہاں شعر تھا، شعر کا وزن نہیں رہتا تھا اگر تعریف کہہ دیتے تو شعر کا سارا وزن خراب ہو جاتا، تو اس لیے صاحبِ کافیہ معرفہ کا لفظ لائے اور معرفہ بول کر تعریف مراد ہے۔

تو کہتے ہیں: اَلْمَعْرِفَةُ أَيِ التَّعْرِيفُ، معرفہ یعنی کہ تعریف، لِأَنَّ سَبَبَ مَنْعِ الصَّرْفِ هُوَ وَصْفُ التَّعْرِيفِ لَا ذَاتُ الْمَعْرِفَةِ۔ بھائی معرفہ بول کر تعریف کیوں مراد لیا؟ کیونکہ اسبابِ منعِ صرف چل رہے ہیں اور اسبابِ منعِ صرف ذات ہیں یا اوصاف ہیں بھائی؟ اوصاف ہیں۔ تو کہتے ہیں: لِأَنَّ سَبَبَ مَنْعِ الصَّرْفِ، اس لیے کیونکہ منعِ صرف کا سبب جو ہے هُوَ وَصْفُ التَّعْرِيفِ، وہ تعریف کا وصف ہے، لَا ذَاتُ الْمَعْرِفَةِ، نہ کہ معرفہ کی ذات بھائی۔

شَرْطُهَا أَيْ شَرْطُ تَأْثِيرِهَا فِي مَنْعِ الصَّرْفِ، شَرْطُهَا أَيْ شَرْطُ الْمَعْرِفَةِ، کس کی شرط؟ معرفہ کی شرط، اور معرفہ سے کیا مراد؟ تعریف۔ بھائی تعریف کا لفظ مذکر ہے، بلکہ تعریف مصدر ہے، مصدر جو ہے مذکر بھی استعمال ہوتا ہے مؤنث بھی، آپ نے مصدر کی طرف اگر ضمیر لوٹانی ہو تو مذکر ضمیر بھی لوٹا سکتے ہیں، مؤنث ضمیر بھی لوٹا سکتے ہیں، چنانچہ کہتے ہیں: اَلْمَصْدَرُ كَالْمُخَنَّثِ، مصدر جو ہے وہ مخنث کی طرح ہے، قَدْ يُذَكَّرُ وَقَدْ يُؤَنَّثُ، کبھی اس کو مذکر لایا جاتا ہے اور کبھی مؤنث بھائی۔ تو اَلْمَصْدَرُ كَالْمُخَنَّثِ قَدْ يُذَكَّرُ وَقَدْ يُؤَنَّثُ۔

تو شَرْطُهَا کی ہا ضمیر راجع ہے معرفہ کو، اور معرفہ سے کیا مراد ہے؟ تعریف بھائی۔ تو کہتے ہیں: شَرْطُهَا، اور یہ معرفہ ہونے کی شرط جو ہے، أَيْ شَرْطُ تَأْثِيرِهَا فِي مَنْعِ الصَّرْفِ، یعنی منعِ صرف میں مؤثر ہونے کی جو شرط ہے، أَنْ تَكُونَ عَلَمِيَّةً، کہ وہ کیا ہونا چاہیے؟ علم ہونا چاہیے، کیا ہونا چاہیے؟ علم ہونا چاہیے بھائی۔

یہاں اشکال ہوتا ہے، مشکل مقام ہے، توجہ سے سمجھ لیں بھائی۔ اشکال یہ: علمیت کا کیا معنی؟ علم ہونا، أَيْ كَوْنُ الشَّيْءِ عَلَمًا، ایک شے کا علم ہونا۔ اور کس شے کا علم ہونا؟ یہاں کس کی بات چل رہی ہے؟ معرفہ، اور معرفہ سے کیا مراد ہے؟ تعریف، تعریف کا علم ہونا، كَوْنُ التَّعْرِيفِ عَلَمًا، یا كَوْنُهَا عَلَمًا کہہ لیں، كَوْنُهَا عَلَمًا۔ توجہ ہے؟ مشکل مقام ہے، خوب توجہ سے۔ اور أَنْ تَكُونَ آیا اس سے ماقبل میں۔ أَنْ تَكُونَ، یہ أَنْ بھی کیا کرتا ہے؟ تَكُونَ کو جس فعل پر داخل ہوتا ہے اس کو مصدر کے معنی میں کر دیتا ہے۔ تو أَنْ تَكُونَ عَلَمِيَّةً، کہ اس کا علم ہونا، بھائی کس کی بات چل رہی ہے؟ کس کا علم ہونا؟ معرفہ کا، تو تَكُونَ کے اندر هِيَ ضمیر کس کو راجع؟ معرفہ کو، اور أَنْ اس کو مصدر بنا دے گا۔ اور مصدر کس طرح بناتے ہیں؟ أَنْ تَكُونَ، یہ أَنْ کیا کرے گا تَكُونَ کو کس معنی میں کر دے گا؟ كَوْن کے معنی میں، کس معنی میں؟ كَانَ يَكُونُ كَوْنًا، كَوْن کے

یعنی مصدر کے معنی میں کرے گا، اور پھر کیا کرتے ہیں مصدر کی اضافت کس کی طرف کرتے ہیں؟ فاعل کی طرف کرتے ہیں، جیسے دیکھو ضَرَبَ زَيْدٌ عَمْرًا، ضَرَبَ زَيْدٌ عَمْرًا۔ میں آپ سے پوچھتا ہوں مضمونِ جملہ کیا ہے؟ اس جملے میں کیا بات بیان ہو رہی ہے؟ تو اس کا طریقہ یہ ہے کہ وہ جو فعل ہے اس کا مصدر نکالتے ہیں اور فاعل کی طرف اس کی اضافت کر دیتے ہیں۔ اس جملے ضَرَبَ زَيْدٌ عَمْرًا، ضَرَبَ کا مصدر کیا؟ ضَرْبٌ، اور فاعل کیا؟ زَيْدٌ، تو یوں کہیں گے: ضَرْبُ زَيْدٍ، اور آگے مفعول یا جار مجرور کو ساتھ ویسے ہی ذکر کر دیتے ہیں۔ میں نے پوچھا ضَرَبَ زَيْدٌ عَمْرًا اس جملے میں کیا بیان ہوا؟ اس کا مضمون کیا ہے؟ آپ کیا کہیں گے؟ ضَرْبُ زَيْدٍ عَمْرًا، اس میں زید کا عمرو کی پٹائی کرنا، دیکھو مصدری ترجمہ کر رہا ہوں، اس جملے میں کیا بیان ہوا؟ زید کا پٹائی کرنا عمرو کی، زید کا عمرو کی پٹائی کرنا اس جملے میں بیان ہوا ہے، پٹائی کرنا دیکھو مصدری ترجمہ کر رہا ہوں۔ جملہ کیا تھا؟ ضَرَبَ زَيْدٌ عَمْرًا، زید نے عمرو کی پٹائی کی، اب اس کا ذرا مصدر، اس کو بناؤ مضمونِ جملہ نکالو: ضَرْبُ زَيْدٍ عَمْرًا، ضَرْبُ زَيْدٍ عَمْرًا، اور فِي الدَّارِ ہوتا تو اس کو بھی ساتھ جوڑ دو: ضَرَبَ زَيْدٌ عَمْرًا فِي الدَّارِ۔ اگر میں آپ سے پوچھتا ہوں کہ مضمونِ جملہ کیا ہے؟ آپ کیا کہیں گے؟ ضَرْبُ زَيْدٍ عَمْرًا فِي الدَّارِ، اس جملے کے اندر ضَرْبُ زَيْدٍ عَمْرًا فِي الدَّارِ بیان ہو رہا ہے کہ زید، زید کا عمرو کی گھر کے اندر پٹائی کرنا، یہ بیان ہو رہا ہے۔

اچھا، عام فعل ہو تو اس کے فاعل کی طرف اضافت کرتے ہیں، یہاں تو آیا كَانَ، كَانَ افعالِ ناقصہ میں سے ہے، اس کے لیے ایک اسم چاہیے ایک خبر، تو پھر كَانَ کی اضافت اس کے اسم کی طرف کر دیتے ہیں کیونکہ وہ فاعل کے درجے میں ہے، حتیٰ کہ بعض علماء اس کو فاعل ہی کہتے ہیں كَانَ کا۔ تو كَانَ کی اضافت کس کی طرف کریں گے؟ كَانَ کے اسم کی طرف، کس کی طرف؟ تو یہاں آیا أَنْ تَكُونَ عَلَمِيَّةً، یہ أَنْ تَكُونَ کے اندر هِيَ ضمیر کس کو راجع؟ معرفہ کی طرف راجع، تو اب أَنْ تَكُونَ اس کو مصدر بنا دے گا۔ بنائیے: أَنْ تَكُونَ، كَوْن، اور كَوْن کی اضافت کریں هَا ضمیر کی طرف: كَوْنُهَا، كَوْنُهَا۔ هِيَ ضمیر مرفوع تھی اور یہ كَوْنُهَا، هَا ضمیر مجرور ہے متصل ہے، ہے وہ بھی واحد مؤنث کی ضمیر تھی یہ بھی واحد مؤنث کی ہے۔ تو أَنْ تَكُونَ کس معنی میں ہوا؟ كَوْنُهَا۔ اچھا عَلَمِيَّةً، علمیت کے اندر یہ یائے مشدد اور گول تا، یہ بھی مصدر والی ہے، تو علمیت کا کیا معنی؟ علم ہونا، كَوْنُ عَلَمٍ، کس کا علم ہونا؟ کس کی بات چل رہی ہے؟ معرفہ کی، تو علمیت کا معنی بھی ہوا كَوْنُهَا عَلَمًا، علمیت کا معنی بھی کیا ہوا؟ كَوْنُهَا عَلَمًا، معرفہ کا علم ہونا۔ توجہ ہے؟ هَا ضمیر راجع ہے معرفہ کو اور معرفہ سے مراد تعریف ہے بھائی۔ تو علمیت کس معنی میں ہوا؟ كَوْنُهَا عَلَمًا، اور أَنْ تَكُونَ کس معنی میں ہوا؟ كَوْنُهَا، تو عبارت یوں بن گئی: شَرْطُهَا كَوْنُهَا كَوْنُهَا عَلَمًا، عبارت کیا بن گئی؟ شَرْطُهَا كَوْنُهَا كَوْنُهَا عَلَمًا، یہ پہلا كَوْنُهَا کس سے بنا؟ أَنْ تَكُونَ سے، اور دوسرا كَوْنُهَا عَلَمًا یہ کس سے بنا؟ علمیت سے، تو دو دفعہ كَوْن آ رہا ہے بھائی۔ اشکال سمجھ میں آیا؟ تو یہ اشکال ہوتا ہے۔

تو صاحبِ جامی بھائی عجیب تاویل کریں گے، سارا اشکال ختم ہو جائے گا۔ وہ تاویل یہ کریں گے کہ علمیت جو ہے، علمیت کا ترجمہ كَوْنُهَا عَلَمًا نہ کرو، اس کا ترجمہ کرو هٰذَا النَّوْعُ، کیا ترجمہ کرو؟ هٰذَا النَّوْعُ، یہ ایک قسم ہے، یہ والی قسم۔ بھائی

دیکھو، تعریف کئی قسم پر ہو سکتی ہے، توجہ ہے؟ اب سنو ذرا: تعریف ہے جنس، تعریف ہے جنس، اور اس کی مختلف انواع ہیں، جیسے دیکھو حیوان ہے جنس اور اس کی کئی انواع ہیں: انسان بھی اس کی نوع، گائے بیل بھی اس کی نوع، بکری بھی اس کی نوع، گھوڑا بھی اس کی نوع، ہاتھی بھی اس کی نوع، تو حیوان ہے جنس اور یہ ساری کیا ہیں اس کی انواع۔ اسی طرح تعریف، معرفہ ہونا، کس کی بات کر رہا ہوں؟ مصدر کی بات کر رہا ہوں، تعریف، معرفہ ہونا، معرفہ ہونا کی کئی انواع ہیں، یہ جنس ہے اور اس کی کئی انواع ہیں: مثلاً علم ہونا یہ بھی ایک نوع ہے معرفہ کی، اسی طرح اسمِ اشارہ ہونا یہ بھی ایک نوع ہے معرفہ کی، اسمِ موصول ہونا یہ بھی کیا ہے؟ معرفہ کی ایک نوع ہے، اور اسی طرح معرف بِاللَّام ہونا یہ بھی کیا ہے؟ ایک نوع۔ تو معلوم ہوا معرفہ ہے، تعریف ہے ایک جنس، اور آگے علمیت وغیرہ اس کی نوع ہے بھائی۔ یہ معرفہ، مصدر مصدر پہ توجہ رکھنا، مصدر کی بات چل رہی ہے، کیونکہ اسبابِ منعِ صرف کس کے قبیل سے ہیں؟ اوصاف اور اعراض کی۔ تو یہ معرفہ ہونا علم ہونے کے ساتھ بھی ہو سکتا ہے، اسمِ اشارہ ہونا اس کے ساتھ بھی ہو سکتا ہے، اسمِ موصول ہونا اس کے ساتھ بھی ہو سکتا ہے، معرف بِاللَّام ہونا اس کے ساتھ بھی ہو سکتا ہے۔ معلوم ہوا علمیت تعریف کی ایک نوع ہے، تعریف کی ایک نوع۔ اب عبارت بہترین ہو گئی: علمیت کا کیا ترجمہ کیا؟ هٰذَا النَّوْعُ، یہ والی خاص نوع، علمیت والی، علمیت والی خاص نوع۔ تو کیا عبارت بن گئی؟ علمیت کی جگہ لے آئیں هٰذَا النَّوْعُ: أَنْ تَكُونَ هٰذَا النَّوْعَ، معرفہ کی شرط کیا ہے؟ أَنْ تَكُونَ هٰذَا النَّوْعَ، کہ وہ یہ والی نوع ہونی چاہیے۔ اب أَنْ تَكُونَ کو ہٹاؤ اور كَوْنُهَا کو لے آؤ: وَشَرْطُهَا كَوْنُهَا هٰذَا النَّوْعَ، كَوْنُهَا، اس معرفہ کا یہ والی، یعنی اس تعریف کا، معرفہ سے کیا مراد ہے؟ تعریف نا، تو اس تعریف کا یہ والی نوع ہونا شرط ہے، تعریف والی یہ نوع ہونی چاہیے، کوئی اور نوع نہیں ہونی چاہیے۔ عبارت حل ہو گئی یا نہیں؟

دیکھیے بھائی: أَيْ كَوْنُ هٰذَا النَّوْعِ مِنْ جِنْسِ التَّعْرِيفِ، یعنی اس نوع کا ہونا مِنْ جِنْسِ التَّعْرِيفِ، جنسِ تعریف میں سے، عَلَى أَنْ يَكُونَ الْيَاءُ مَصْدَرِيَّةً، بنا بر اس کے کہ یہ یا مصدر والی ہے بھائی، بنا بر اس کے کہ یا مصدر والی ہے، بات سمجھ میں آگئی؟ یہ ساری تقریر ہم نے کیا کی یا مصدر والی ہے، کیونکہ اسی صورت میں خرابی لازم آرہی تھی نا کہ كَوْن دو دفعہ آرہا تھا، كَوْن دو دفعہ آرہا تھا۔ ایک اور خرابی بھی لازم آرہی تھی اس میں، کیا؟ ایک تو كَوْن دو دفعہ آرہا تھا، دوسری خرابی یہ تھی كَوْن، علمیت کا کیا ترجمہ پہلے کر رہے تھے؟ مصدری ترجمہ: علم ہونا أَيْ كَوْنُهَا عَلَمًا، کس کا علم ہونا؟ معرفہ کا علم ہونا، اور معرفہ سے کیا مراد ہے؟ تعریف کا علم ہونا، اور تعریف ذات ہے یا وصف ہے؟ وصف ہے، اور علم تو کیا ہوتا ہے؟ ذات ہوتا ہے، تو دوسری خرابی یہ لازم آرہی تھی کہ علم یعنی ذات کا حمل ہو رہا تھا وصف یعنی تعریف پر بھائی، اور ذات کا حمل تو وصف پر صحیح نہیں۔ تو جب یہ تقریر کر دی کہ علمیت سے هٰذَا النَّوْعُ مراد لے لو، تو اب ساری خرابی دور ہو گئی، طریقہ سمجھ میں آیا؟

عَلَى أَنْ يَكُونَ الْيَاءُ مَصْدَرِيَّةً أَوْ مَنْسُوبَةً۔ یاد رکھو یہ جو مصدریت، مصدریت کے اندر یہ جو یا آئی، عبارت پر نظر ہے؟ عَلَى أَنْ يَكُونَ الْيَاءُ مَصْدَرِيَّةً، یہ مصدریت کے اندر یہ جو یائے مشدد اور گول تا آرہی ہے یہ نسبت والی ہے، جیسے لاہوریت

کا کیا معنی؟ لاہور والی، تو مصدریت کا کیا معنی؟ مصدر والی۔ تو عَلَى أَنْ يَكُونَ الْيَاءُ مَصْدَرِيَّةً، بنا بر اس کے کہ یا مصدر والی ہو، أَوْ مَنْسُوبَةً إِلَى الْعَلَمِ، یا منسوب ہو علم کی طرف، تو یہ مَنْسُوبَةً کا عطف مَصْدَرِيَّةً پر ہے بھائی۔ تو کہتے ہیں: عَلَى أَنْ يَكُونَ الْيَاءُ مَصْدَرِيَّةً، اس بنا پر کہ یا جو ہے وہ مصدر والی ہے، أَوْ مَنْسُوبَةً إِلَى الْعَلَمِ، یہ مَنْسُوبَةً کا عطف ہے مَصْدَرِيَّةً پر، یا اس بنا پر کہ یہ یا منسوب ہے إِلَى الْعَلَمِ۔

جی یہ دوسری تقریر کریں گے، اور یہ دوسری تقریر اس کو سب نے اختیار کیا ہے، پسند کیا ہے، اس پہ کوئی اشکال نہیں۔ أَنْ تَكُونَ عَلَمِيَّةً، کہ علمیت کے اندر جو یا ہے اس کو مصدر والی یا نہ بناؤ، اس کو مصدر والی یا نہ بناؤ، بلکہ اس یا کو نسبت والی یا بنا دو۔ جیسے لاہوری کا کیا معنی؟ لاہور والا، تو عَلَمِيٌّ کا کیا معنی؟ علم والا۔ اور اسی کے ساتھ چونکہ وہ معرفہ کا لفظ پیچھے مؤنث تھا، تو تا بھی لے آیا ساتھ۔ جیسے لاہوری کا کیا معنی؟ لاہور والا، اور مؤنث ہو تو کیا کہیں گے؟ لاہوریت، تو یہاں پر بھی اسی طرح کس کی بات چل رہی ہے؟ معرفہ کی بات چل رہی ہے، معرفہ سے مراد تعریف ہے، تو بات کس کی چل رہی ہے؟ معرفہ کی، اور وہ معرفہ اس کے لیے صفت جب لائیں گے عَلَمِيٌّ کہیں گے یا عَلَمِيَّةٌ کہیں گے؟ عَلَمِيَّةٌ کیونکہ وہ مؤنث ہے بھائی۔ بات سمجھ میں آ رہی؟ تو یہاں یہ عَلَمِيَّةً کے اندر یا اس کو مصدریت کے لیے نہ بناؤ بلکہ نسبت کے لیے بنا لو، گویا یہ اسمِ منسوب ہے۔ یہ کیا ہے؟ اسمِ منسوب ہے۔ اور اسمِ منسوب یاد رکھو یہ جس اسم کے آخر میں یائے مشدد لگا دی جائے کسی چیز کی طرف نسبت کرنے کے لیے، اس کو اسمِ منسوب کہتے ہیں۔ اور یہ کس وزن پر ہے؟ مَنْسُوبٌ، مَفْعُولٌ وزن پر ہے، تو اس کے اندر پھر یاد رکھو یہ صفت کے صیغے کے درجے میں ہوتا ہے، تو یہ کس وزن پر ہے؟ مَنْسُوبٌ، تو یہ مَفْعُول وزن پر ہے، تو اس کے اندر پھر ضمیر بھی نکالتے ہیں نائب الفاعل بھائی۔ اور بعض اس کو اسمِ مُنْتَسِب کی تاویل میں لیتے ہیں یعنی اسمِ فاعل بناتے ہیں، اور اسمِ فاعل کے لیے کیا چاہیے؟ فاعل، تو پھر اس کے اندر هُوَ ضمیر فاعل کی نکالتے ہیں۔ مذکر ہو تو مذکر کی ضمیر نکالیں گے، مؤنث ہو تو مؤنث کی۔ تو یہاں عَلَمِيَّةً یہ کیا ہے؟ مؤنث، تو اس کے اندر هِيَ ضمیر نکالیں گے، اور اگر آپ اس کو اسمِ منسوب کی تاویل میں لیتے ہیں تو هِيَ ضمیر نائب فاعل بنے گی، اور اگر مُنْتَسِب کی تاویل میں لیتے ہیں تو هِيَ ضمیر فاعل بنے گی۔ تو زیادہ تر اس کو اسمِ منسوب کی تاویل میں ہی لیتے ہیں بھائی۔ بہرحال صرف لفظی اختلاف ہے اس سے کوئی اثر نہیں پڑتا۔ تو یہ اسمِ منسوب بھی کیا ہے؟ صفت کے صیغے کے درجے میں ہوتا ہے اور اس میں ضمیر نکالتے ہیں۔

اب عبارت کیا بن گئی؟ أَنْ تَكُونَ، أَنْ تَكُونَ کس معنی میں ہوا؟ كَوْنُهَا، اس کے اندر هِيَ ضمیر ہے نا معرفہ کو راجع، كَوْنُهَا، اس معرفہ کا، وہ جو تعریف ہے، عَلَمِيَّةً، کون سی ہونی چاہیے؟ علم والی ہونی چاہیے، وہ تعریف، اب کوئی اشکال نہیں ہوتا کہ شَرْطُهَا، معرفہ کی شرط یہ ہے أَنْ تَكُونَ عَلَمِيَّةً، کہ وہ تعریف علم والی تعریف ہونی چاہیے۔ دیکھو اب کوئی خرابی ہے؟ ترجمے میں کوئی خرابی لگ رہی ہے آپ کو؟ وہ تعریف کون سی ہونی چاہیے؟ علم والی ہونی چاہیے، تو یہ تو یا نسبت کی ہے بھائی، یہ اس کا حمل اس پر ہو سکتا ہے بھائی۔ تو کہتے ہیں: عَلَى أَنْ يَكُونَ الْيَاءُ مَصْدَرِيَّةً أَوْ مَنْسُوبَةً إِلَى الْعَلَمِ، یا یہ یا جو ہے منسوب

ہے علم کی طرف یعنی یہ یا نسبت والی ہے، بِأَنْ تَكُونَ حَاصِلَةً فِي ضِمْنِهِ، با ایں صورت کہ وہ تعریف جو ہے وہ حاصل ہو رہی ہے فِي ضِمْنِهِ، اس علم کے ضمن میں۔ ادھر دیکھیے، وہ تعریف کون سی ہونی چاہیے؟ علم والی ہونی چاہیے، یعنی وہ تعریف علم کے ذمن میں حاصل ہونی چاہیے، کسی اور ضمن میں، کسی اور کے ضمن میں نہیں ہونی چاہیے۔ یہ معنی ہے: بِأَنْ تَكُونَ حَاصِلَةً فِي ضِمْنِهِ، با ایں صورت کہ وہ جو تعریف ہے وہ علم کے ضمن میں حاصل ہو رہی ہو، عَلَى أَنْ يَكُونَ الْبَاءُ لِلنِّسْبَةِ، بنا بر اس کے کہ یہ یا جو ہے نسبت کے لیے ہو، یہ دوسری تقریر ہے۔ بات سمجھ میں آگئی۔

یہاں بھائی أَنْ تَكُونَ عَلَمِيَّةً، یہ دونوں صورتوں میں عَلَمِيَّةً کو ہم نے منصوب پڑھا، یہ تَكُونَ کی خبر ہے، توجہ ہے؟ ہاں، ایک ترکیب یہ بھی آپ کر سکتے ہیں یہاں کہ أَنْ تَكُونَ عَلَمِيَّةٌ، کہ اس كَانَ کو ناقصہ نہ بنائیں، تامہ بنا لیں۔ توجہ ہے؟ كَانَ ناقصہ وہ ہوتا ہے جس کے لیے ایک اسم چاہیے ایک خبر چاہیے: كَانَ زَيْدٌ قَائِمًا، زید کھڑا تھا۔ اور کبھی كَانَ تامہ آتا ہے اور وہ بمعنی ثَبَتَ کے ہوتا ہے، اس کے لیے صرف فاعل آتا ہے، مثلاً میں کہتا ہوں كَانَ زَيْدٌ أَيْ ثَبَتَ زَيْدٌ، زید تھا، زید تھا، صفت کی کوئی ضرورت نہیں کھڑا تھا بیٹھا تھا نہیں نہیں، یہ كَانَ تامہ ہے۔ جیسے كَانَ مَطَرٌ، بارش تھی، بارش ہوئی تھی، یہاں کسی خبر کی ضرورت نہیں۔ تو كَانَ کبھی تامہ آتا ہے، صرف کس کو چاہتا ہے؟ فاعل کو، آگے کسی مفعول وغیرہ کی ضرورت نہیں، اور یہ کس معنی میں ہوتا ہے؟ ثَبَتَ کے معنی میں۔ تو اس صورت میں أَنْ تَكُونَ اس کے اندر کوئی ضمیر نہیں ہے، بلکہ یہ عَلَمِيَّةٌ اس کے لیے فاعل بن جائے گا، کیا بن جائے گا؟ عَلَمِيَّةٌ اس کے لیے فاعل بن جائے گا، پھر اس کو مرفوع پڑھیں گے۔ اب بلکہ یہ جامی کی عبارت کے زیادہ مطابق ہو گیا: أَنْ تَكُونَ عَلَمِيَّةٌ، بنائیے مصدر: أَنْ تَكُونَ سے مصدر بناؤ كَوْنٌ، اور مصدر کی اضافت کس کی طرف کرتے ہیں؟ فاعل کی طرف: كَوْنُ عَلَمِيَّةٍ، اور علمیت سے کیا مراد ہے؟ هٰذَا النَّوْعُ، تو کیا بن گیا؟ كَوْنُ هٰذَا النَّوْعِ، دیکھو جامی بھی یہی فرما رہے ہیں: أَيْ كَوْنُ هٰذَا النَّوْعِ مِنْ جِنْسِ التَّعْرِيفِ، اس نوع کا ہونا جنسِ تعریف میں سے، دیکھا۔ ذرا ترجمہ دیکھ لو متن متن کا: شَرْطُهَا أَنْ تَكُونَ عَلَمِيَّةً، كَانَ کو تامہ ہم نے بنایا ہے، اب ترجمہ سنو: شَرْطُهَا، اور معرفہ کی شرط یہ ہے أَنْ تَكُونَ عَلَمِيَّةً أَيْ ثُبُوتُ عَلَمِيَّةٍ، کیا ہونا چاہیے؟ علمیت کا ثبوت ہونا چاہیے، یعنی اس علمیت کے ضمن میں جنسِ تعریف حاصل ہونی چاہیے۔ شَرْطُهَا أَنْ تَكُونَ مَعْرِفَةً، معرفہ کی، معرفہ سے مراد تعریف ہے، تعریف ہے، لفظ تو میں معرفہ بول رہا ہوں کیونکہ ضمیر هَا کی اس کی طرف راجع ہے، تو معرفہ یعنی تعریف کی شرط کیا ہے؟ أَنْ تَكُونَ عَلَمِيَّةً، کہ علمیت ثابت ہونی چاہیے، یعنی یہ والی نوع ثابت ہونی چاہیے مِنْ جِنْسِ التَّعْرِيفِ، کس میں سے؟ جنسِ تعریف میں سے۔ معنی سمجھ میں آگیا؟

جی آگے دیکھیے۔ کہتے ہیں: وَإِنَّمَا جُعِلَتْ مَشْرُوطَةً بِالْعَلَمِيَّةِ، بھائی اب وجہ بیان کر رہے ہیں میں بیان کر چکا ہوں، کیا وجہ بیان کی تھی؟ کہ باقیوں کو کیوں شرط قرار نہیں دیتے، تعریف کی تو اور بھی قسمیں ہیں؟ تو بتلایا تھا کہ باقیوں میں صلاحیت ہی نہیں ہے، وہ غیرِ انصراف کا سبب نہیں بن سکتیں، کچھ ان میں سے مبنی ہیں اور کچھ غیرِ انصراف کے خلاف ہیں۔ مبنی کون

کون ہیں؟ ضمیریں بھی مبنی، اور اسمائے اشارہ بھی، اسمائے موصولہ بھی۔ اور کچھ کیا ہیں؟ وہ غیرِ انصراف کے خلاف ہیں، جیسے الف لام اور اضافت، یہ تو غیرِ منصرف کو بھی کیا بنا دیتے ہیں؟ منصرف بنا دیتے ہیں۔ کہتے ہیں: وَإِنَّمَا جُعِلَتْ مَشْرُوطَةً بِالْعَلَمِيَّةِ، اور یہ جو تعریف ہے، یا یوں کہو معرفہ، معرفہ بول کر تعریف مراد ہے، کہتے ہیں یہ جو معرفہ ہے یعنی تعریف جو ہے، مَشْرُوطَةً بِالْعَلَمِيَّةِ، اس کے ساتھ علمیت کی شرط لگائی گئی ہے، لِأَنَّ تَعْرِيفَ الْمُضْمَرَاتِ وَالْمُبْهَمَاتِ لَا يُوجَدُ إِلَّا فِي الْمَبْنِيَّاتِ، اس لیے کیونکہ مضمرات اور مبہمات کی جو تعریف ہے، معرفہ ہونا ہے، وہ لَا يُوجَدُ وہ نہیں پایا جاتا إِلَّا فِي الْمَبْنِيَّاتِ، مگر کس کے اندر؟ مبنیات میں۔ مضمرات یعنی ضمیریں، مبہمات، مبہمات یاد رکھو نحو کے اندر یہ اسمِ اشارہ اور اسمِ موصول کو مبہمات کہتے ہیں، کیونکہ اسمِ اشارہ وہ مشارٌ الیہ کا محتاج ہے اس کے بغیر اس کا معنی سمجھ میں نہیں آتا، تو وہ بھی مبہم ہے بغیر مشارٌ الیہ کے؛ اور اسمِ موصول کا معنی بغیر صلے کے سمجھ میں نہیں آتا، تو موصول بھی بغیر صلے کے کیا ہے؟ مبہم ہے، اس لیے ان کو مبہمات کہتے ہیں۔ تو جب مبہمات کہہ دیا، دونوں چیزیں اس میں آگئیں: اسمائے اشارہ بھی اور اسمائے موصولہ بھی۔ چنانچہ فرماتے ہیں: لِأَنَّ تَعْرِيفَ الْمُضْمَرَاتِ وَالْمُبْهَمَاتِ لَا يُوجَدُ إِلَّا فِي الْمَبْنِيَّاتِ، اس لیے کیونکہ مضمرات اور مبہمات والی تعریف جو ہے وہ نہیں پائی جاتی إِلَّا فِي الْمَبْنِيَّاتِ، مگر کس کے اندر؟ مبنیات کے اندر۔ وَمَنْعُ الصَّرْفِ مِنْ أَحْكَامِ الْمُعْرَبَاتِ، اور منعِ صرف تو معرب کے احکام میں سے ہے بھائی، وہ تو ہماری بحث سے ہی خارج ہو جاتے ہیں بھائی مبنیات۔

وَالتَّعْرِيفَ بِاللَّامِ، اس کا عطف کریں لِأَنَّ تَعْرِيفَ الْمُضْمَرَاتِ پر، وَالتَّعْرِيفَ بِاللَّامِ أَوِ الْإِضَافَةِ يَجْعَلُ غَيْرَ الْمُنْصَرِفِ مُنْصَرِفًا كَمَا سَيَجِيءُ، اور تعریف باللام یا بالاضافت جو ہے، یہ تو غیرِ منصرف کو بھی منصرف بنا دیتی ہے كَمَا سَيَجِيءُ جیسے کہ عنقریب آجائے گا بھائی۔ جب اسم پر الف لام آجائے یا اس کی اضافت ہو جائے تو اس پر کسرہ آجاتا ہے، تو بعض علماء فرماتے ہیں کہ صرف یہ ابھی بھی غیرِ منصرف ہے، البتہ منصرف کے حکم میں ہو گیا، جبکہ بعض فرماتے ہیں نہیں، اب یہ غیرِ منصرف رہا ہی نہیں بلکہ منصرف بن چکا ہے بھائی۔ فَلَا يُتَصَوَّرُ كَوْنُهُ سَبَبًا لِمَنْعِ الصَّرْفِ، تو جب یہ غیرِ منصرف کو منصرف بنا دیتے ہیں فَلَا يُتَصَوَّرُ كَوْنُهُ سَبَبًا لِمَنْعِ الصَّرْفِ، تو تصور نہیں کیا جا سکتا کہ یہ سبب ہو گا منعِ صرف کے لیے۔ فَلَمْ يَبْقَ إِلَّا التَّعْرِيفُ الْعَلَمِيُّ، تو تعریفِ علمی کے علاوہ اور کوئی چیز نہ بچی۔ سمجھ میں آیا بھائی؟

کہتے ہیں: وَإِنَّمَا جَعَلَ الْمَعْرِفَةَ سَبَبًا، جی سوال کہ انہوں نے معرفہ کو سبب بنایا، بھائی علمیت کو سبب قرار دے دیتے کہ غیرِ انصراف کا ایک سبب علمیت ہے، علم ہونا ہے، جیسے کہ علامہ زمخشری نے کیا ہے مفصل کے اندر۔ مفصل جس سے یہ کافیہ ماخوذ ہے، اس میں انہوں نے علمیت کو سبب قرار دیا ہے، معرفہ یا تعریف کو سبب نہیں قرار دیا۔ لیکن صاحبِ کافیہ نے معرفہ یعنی تعریف کو سبب قرار دیا، اس کی کیا وجہ؟ کہتے ہیں وجہ یہ کہ یہ اسبابِ منعِ صرف جو ہیں یہ ان سب میں فرعیت ہے، یہ سب فرع ہیں۔ تو اگر علمیت کہہ دیتے تو اس میں فرع ہونا اتنا ظاہر نہیں تھا، لیکن جب تعریف کہہ دیا اب

فرع ہونا ظاہر ہو گیا کہ تنکیر ہے اصل اور تعریف ہے فرع۔ تو یہ علمیت تنکیر کے مقابلے میں لانا اتنا واضح نہیں تھا، بلکہ کس کو لے آئے اس کے مقابلے میں؟ تعریف کو تنکیر کے مقابلے میں لے آئے، اب تعریف کا فرع ہونا واضح ہو گیا کہ نکرہ ہے اصل اور معرفہ ہے فرع بھائی۔

کہتے ہیں: وَإِنَّمَا جَعَلَ الْمَعْرِفَةَ سَبَبًا وَالْعَلَمِيَّةَ شَرْطَهَا، کہ صاحبِ کافیہ نے معرفہ کو سبب قرار دیا اور علمیت کو اس کے لیے شرط قرار دیا، وَلَمْ يَجْعَلِ الْعَلَمِيَّةَ سَبَبًا كَمَا جَعَلَ الْبَعْضُ، اور علمیت کو سبب نہیں قرار دیا جیسے کہ بعض نے قرار دیا ہے، لِأَنَّ فَرْعِيَّةَ التَّعْرِيفِ لِلتَّنْكِيرِ أَظْهَرُ، اس لیے کیونکہ تعریف کا فرع ہونا لِلتَّنْكِيرِ کس کے لیے؟ تنکیر کے لیے، أَظْهَرُ یہ زیادہ ظاہر ہے۔ علمیت کا فرع ہونا تنکیر کے لیے اتنا ظاہر نہیں۔ تو تعریف کا تنکیر کے لیے فرع ہونا یہ زیادہ ظاہر ہے مِنْ فَرْعِيَّةِ الْعَلَمِيَّةِ لَهُ، کس کے مقابلے میں؟ علمیت کا تنکیر کے لیے فرع ہونا۔ تنکیر ہے اصل، ایک ہے کہ علمیت کو اس کی فرع قرار دے دیا جائے، اور ایک ہے کہ تعریف کو اس کی فرع قرار دے دیا جائے، تو تنکیر کے لیے تعریف کا فرع ہونا زیادہ ظاہر ہے کس کے مقابلے میں؟ کہ تنکیر کے مقابلے میں علمیت کو فرع قرار دیا جائے۔ بات سمجھ میں آ گئی؟ یہ معنی ہے: لِأَنَّ فَرْعِيَّةَ التَّعْرِيفِ لِلتَّنْكِيرِ أَظْهَرُ مِنْ فَرْعِيَّةِ الْعَلَمِيَّةِ لَهُ، اس لیے کیونکہ تنکیر کے لیے تعریف کا فرع ہونا یہ زیادہ ظاہر ہے۔بمقابلہ تنکیر کے لیے علمیت کے فرع ہونے کے۔ بات سمجھ میں آ گئی؟ سارا حل ہو گیا۔ چلیے بس بھائی، هٰذَا هُوَ الْمَرَامُ وَاللهُ أَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْكَلَامِ۔

سبق نمبر ٦٥: اسبابِ منعِ صرف (٩): «اَلْعُجْمَۃُ» کی تعریف، شرائط اور ثلاثی ساکن الوسط کا حکم

شرحِ ملا جامی صفحہ: ۴۵ – بتاریخ: ۸ ستمبر ۲۰۲۱ء

▪ تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث

دیکھیے بھئی آگے سبق کتاب پر:

اَلْعُجْمَۃُ وَہِیَ کَوْنُ اللَّفْظِ مِمَّا وَضَعَہُ غَیْرُ الْعَرَبِ وَلِتَأْثِیرِہَا فِی مَنْعِ الصَّرْفِ شَرْطَانِ شَرْطُہَا الْأَوَّلُ أَنْ تَکُوْنَ عَلَمِیَّۃً أَیْ مَنْسُوْبَۃً إِلَی الْعَلَمِ فِی اللُّغَۃِ الْعَجَمِیَّۃِ بِأَنْ تَکُوْنَ مُتَحَقِّقَۃً فِی ضِمْنِ الْعَلَمِ فِی الْعَجَمِ حَقِیْقَۃً کَإِبْرَاہِیْمَ.

گزشتہ سبق میں ہم تانیث کے بارے میں پڑھ رہے تھے۔ اور صاحبِ کافیہ نے آپ کو بتلایا کہ تانیثِ لفظی بالتاء جو ہے وہ غیرِ انصراف کا سبب بنے گی اور اس کے لیے شرط جو ہے وہ علمیت ہے۔ اور تانیثِ معنوی بھی اسی طرح ہے، یعنی اس میں بھی علمیت شرط ہے۔ البتہ دونوں میں فرق یہ ہے کہ تانیثِ لفظی بالتاء کے اندر علمیت شرط ہے وجوبِ غیرِ انصراف کے لیے، یعنی جب تانیث بالتاء آجائے اور پھر علمیت بھی آجائے تو پھر لفظ کو وجوباً غیر منصرف پڑھیں گے۔ جبکہ تانیثِ معنوی کے اندر علمیت جو ہے غیرِ انصراف کے جواز کی شرط ہے بھئی، یعنی اس لفظ کو غیر منصرف پڑھنا جائز ہو جائے گا جب تانیثِ معنوی کے ساتھ علمیت آجائے۔ اور وجوب کے لیے ایک اور شرط پوری ہونی چاہیے، اور وہ یہ کہ وہ لفظ جو ہے یا تو تین حروف سے زائد ہونا چاہیے، اور اگر زائد نہیں ہے صرف تین حروف والا ہے تو پھر کم از کم درمیان والا حرف متحرک ہونا چاہیے، اور اگر درمیان والا حرف بھی متحرک نہیں ہے تو پھر کم از کم لفظ کو عجمی ہونا چاہیے۔ ان تین میں سے کوئی ایک بات پوری ہو جائے گی تو اب یہ غیرِ انصراف کا سبب بنے گی وجوباً بھئی یہ تانیثِ معنوی۔

اور اس کے بعد پھر انہوں نے آپ کو بتلایا تھا کہ تانیثِ معنوی کے ساتھ اگر کسی مذکر کا نام رکھ دیا جائے تو کیا پھر بھی یہ تانیثِ معنوی مؤثر ہوگی، یہ غیرِ انصراف کا سبب بنے گی؟ وجہ یہ کیونکہ آپ نے مذکر کا نام رکھ دیا ہے۔ تو اب اس تانیثِ معنوی کے مؤثر ہونے کے لیے صاحبِ کافیہ فرماتے ہیں کہ وہ لفظ جو ہے وہ تین حروف سے زائد پر مشتمل ہونا چاہیے تاکہ

جو آخری حرف ہے وہ تا کے قائم مقام بن جائے بھئی، تا کے قائم مقام بن جائے۔ چنانچہ فرماتے ہیں کہ قَدَمٌ جو مؤنثِ معنوی ہے کہ اگر کسی مذکر کا یہ نام رکھ دیا جائے تو پھر یہ تین حروف سے زائد نہیں ہے لہٰذا یہ غیرِ انصراف کا سبب نہیں بنے گا۔ اور جبکہ عَقْرَبٌ یہ مؤنثِ سماعی ہے، مؤنثِ معنوی ہے، اگر کسی مذکر کا نام عَقْرَب رکھ دیا جائے تو یہ چونکہ تین حروف سے زائد ہے تو یہ تانیثِ معنوی مؤثر ہو گی اور غیرِ انصراف کا سبب بنے گی بھئی۔ اس لیے کیونکہ اس کے اندر جو چوتھا یا پانچواں حرف جو آئے گا وہ تائے تانیث کے قائم مقام ہو جائے گا، تو گویا ابھی بھی تانیث حکماً موجود ہے بھئی۔ حکم لگا دیا جائے گا گویا ابھی بھی تانیث موجود ہے بھئی، حکم لگا دیا جائے گا۔ آپ نے ضابطہ پڑھا ہے: اَلتَّصْغِيْرُ يَرُدُّ الْأَشْيَاءَ إِلٰى أُصُوْلِهَا۔ چنانچہ قَدَم کی جب تصغیر دیکھی گئی تو وہ عربی زبان میں قُدَيْمَةٌ آتی ہے بھئی۔ تو معلوم ہوا یہاں پر قَدَمٌ کے اندر تا مقدر ہے جو تصغیر کے اندر ظاہر ہو گئی، اور یہ تا میم کے بعد آ رہی ہے، اور قَدَمٌ میں تو میم کے بعد کوئی حرف نہیں، تو لہٰذا کوئی حرف اس تا کے قائم مقام نہیں۔ جبکہ عَقْرَب کی تصغیر جو ہے وہ عُقَيْرِبٌ آتی ہے، وہاں تصغیر کے اندر بھی تائے تانیث موجود نہیں۔ معلوم ہوا یہاں جو چوتھا حرف ہے وہ خود ہی تائے تانیث کے قائم مقام ہے۔ اور جب یہ عَقْرَب کسی کا نام رکھ دیا گیا تو یہ چوتھا حرف ابھی بھی موجود ہے، تو گویا حکماً تانیث ابھی بھی موجود ہے، یعنی یہ حکم لگا دیا جائے گا کہ تانیث موجود ہے، یعنی تا موجود ہے۔ بات سمجھ میں آ گئی۔

اس کے بعد ہم نے معرفہ کے بارے میں پڑھا تھا بھئی۔ اور انہوں نے آپ کو بتلایا تھا کہ معرفہ سے مراد تعریف ہے، یعنی معرفہ ہونا، معرفہ ہونا۔ اس لیے کیونکہ معرفہ اور نکرہ یہ تو اسم ہوتے ہیں اور اسم تو ذات ہے، اور یہ اسبابِ منعِ صرف جتنے ہیں یہ تو اعراض اور صفات کی قبیل سے ہیں۔ تو معرفہ بول کر کیا مراد ہے؟ تعریف۔ تعریف کا کیا مطلب؟ کیا ترجمہ کریں گے تعریف کا؟ معرفہ ہونا۔ کیا ترجمہ کریں گے؟ معرفہ ہونا۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب تعریف سبب ہے تو تعریف ہی کو صاحبِ کافیہ ذکر کر دیتے، معرفہ کو ذکر کرنے کی کیا ضرورت تھی؟ تو میں جواب ذکر کر چکا کہ جب غیرِ انصراف کی بحث شروع ہوئی تھی تو وہاں صاحبِ کافیہ نے شعر کی صورت میں تمام اسبابِ منعِ صرف کو اکٹھا ذکر کیا تھا، اور وہاں معرفہ کا لفظ ذکر تھا کیونکہ تعریف کو ذکر کیا جاتا تو شعر کا وزن درست نہ رہتا۔ تو وہاں چونکہ معرفہ کا لفظ ذکر تھا اس لیے تفصیل بیان کرتے وقت بھی معرفہ ہی کا لفظ ذکر کر دیا بھئی۔ تو معرفہ بول کر کیا مراد ہے؟ تعریف بھئی۔

اور پھر اس کی شرط ذکر کی تھی کہ یہ معرفہ یا تعریف جو ہے غیرِ انصراف کا سبب بنے گی اس کے لیے شرط کیا ہے؟ کہتے ہیں: شَرْطُهَا أَنْ تَكُوْنَ عَلَمِيَّةً۔ علم ہونا چاہیے، وہ تعریف کیا ہو؟ علم ہو۔ اس پر اشکال ہوتا ہے کہ عَلَمِيَّةً، عَلَمِيَّةً اس میں یا مصدر والی ہے اور علمیت کا کیا معنی؟ علم ہونا، یعنی کسی شے کا علم ہونا، كَوْنُ الشَّيْءِ عَلَماً، ایک شے کا علم ہونا، اور یہاں کس کی بات کی جا رہی ہے؟ تعریف کی، تو كَوْنُهَا عَلَماً، تعریف کا علم ہونا۔ بھئی تعریف تو وصف ہے اور علم تو ذات ہے۔

دیکھو زید، عمرو، بکر یہ سب کیا ہیں؟ علم ہیں، اور علم معلوم ہوا اسم ہوتا ہے اور اسم تو ذات ہے، اور تعریف یعنی معرفہ ہونا یا نکرہ ہونا یہ تو اسم کی صفت ہوتی ہے۔ تو کَوْنُہَا عَلَماً تعریف کا علم ہونا، تو دیکھو علم کا حمل ہو رہا ہے تعریف پر۔ کَوْنُہَا عَلَماً، کَوْنُہَا عَلَماً، تعریف کا علم ہونا، تو علم کا حمل ہو رہا ہے تعریف پر۔ تعریف ہے وصف اور علم ہے ذات، تو ذات کا حمل وصف پر صحیح نہیں۔ جس طرح وصف کا حمل ذات پر صحیح نہیں، اسی طرح ذات کا حمل بھی وصف پر صحیح نہیں ہے۔

تو ایک تو یہ اعتراض یہاں ہوتا ہے۔ دوسرا اعتراض یہ کہ أَنْ تَکُوْنَ عَلَمِیَّۃً، تو عَلَمِیَّۃً کس معنی میں ہوا؟ کَوْنُہَا عَلَماً، اور أَنْ تَکُوْنَ کے اندر ہِیَ ضمیر ہے وہ بھی اس معرفہ کو راجع اور معرفہ سے کیا مراد؟ تعریف، تو أَنْ تَکُوْنَ بھی کس معنی میں ہوا؟ کَوْنُہَا۔ تو عبارت گویا یوں بن گئی: شَرْطُہَا کَوْنُہَا کَوْنُہَا عَلَماً، تو دو دفعہ کَوْن آرہا ہے، تو یہ عبارت درست نہیں رہتی بھئی۔ تو ایک تو یہ اعتراض کہ تکرار آرہا ہے کَوْن کا اور دوسرا یہ کہ ذات کا حمل ہو رہا ہے وصف پر۔ تو صاحبِ جامی نے اس کی عجیب تقریر کی کہ سارا اشکال ختم ہو گیا۔ انہوں نے علمیت کا ترجمہ ہٰذَا النَّوْع کے ساتھ کر دیا۔ علمیت کا ترجمہ کس کے ساتھ کر دیا؟ ہٰذَا النَّوْع۔ بھئی دیکھو تعریف ایک جنس ہے، معرفہ ہونا جنس ہے، معرفہ ہونا دیکھو میں مصدر ذکر کر رہا ہوں۔ اور معرفہ ہونے کی کئی صورتیں ہیں: ایک صورت علم ہونا، ایک صورت اسمِ اشارہ ہونا، دیکھو میں مصدری ترجمے کرتا جا رہا ہوں، علم ہونا، اسمِ اشارہ ہونا، اسمِ موصول ہونا، معرف باللام ہونا۔ دیکھو تو یہ تعریف جنس ہے اور تعریف کی کئی انواع ہیں، ان انواع میں سے ایک نوع کیا ہے؟ علمیت بھی ہے، ان میں سے ایک نوع علمیت بھی ہے۔ تو علمیت کا ترجمہ کس کے ساتھ کر دیا؟ ہٰذَا النَّوْع کے ساتھ کہ یہ ہٰذَا النَّوْع کی تاویل میں ہے بھئی ہٰذَا النَّوْع کی۔ تو عبارت گویا یوں بن گئی: شَرْطُہَا أَنْ تَکُوْنَ ہٰذَا النَّوْعَ کہ معرفہ کی شرط یہ ہے کہ معرفہ یعنی تعریف جو ہے وہ اس نوع والی ہونی چاہیے، تعریف یہ نوع ہونی چاہیے، یعنی علمیت والی ہونی چاہیے، اسمِ اشارہ یا اسمِ موصول وغیرہ والی نہیں ہونی چاہیے بھئی۔ تو اب عبارت حل ہو گئی بھئی، بات سمجھ میں آگئی۔

اور دوسری تقریر یہ کہ أَنْ تَکُوْنَ عَلَمِیَّۃً کہ اس کے اندر اگر یائے نسبت والی مان لی جائے پھر تو کوئی اشکال ہی نہیں ہوتا، جیسے لَاہُوْرِیٌّ کیا معنی؟ لاہور والا، اور مؤنث ہو تو کیا کہیں گے؟ لَاہُوْرِیَّۃٌ لاہور والی۔ یہاں پر بھی ہے أَنْ تَکُوْنَ عَلَمِیَّۃً کہ وہ تعریف جو ہے علمیت والی ہونی چاہیے، تعریف جو ہے علمیت والی ہونی چاہیے۔ تو لہٰذا پھر تو اشکال ہی کوئی نہیں بھئی۔

اور میں نے آپ کو بتلایا تھا کہ یہاں ایک ترکیب یہ بھی ہے کہ أَنْ تَکُوْنَ عَلَمِیَّۃٌ آپ پڑھیں بھئی، عَلَمِیَّۃٌ پر رفع پڑھیں، اس کو کَانَ کی خبر نہ بنائیں بلکہ اس تَکُوْنُ کو تامہ بنا لیں۔ میں نے بتایا تھا ایک کَانَ ناقصہ ہے ایک کَانَ تامہ۔ کَانَ ناقصہ وہ ہے جو ایک اسم چاہتا ہے اور ایک خبر، اس کے بغیر بات پوری نہیں ہوتی، جبکہ کَانَ تامہ جو ہے وہ ثَبَتَ کے معنی میں ہوتا ہے اور وہ صرف فاعل پر بات پوری ہو جاتی ہے، جیسے کَانَ مَطَرٌ بارش ہوئی تھی، بارش ہوئی تھی، یہاں کسی خبر کی ضرورت نہیں۔

تو لہٰذا یہاں کَانَ کو تامہ بنا لیں اور عَلَمِیَّۃٌ کو اس کا فاعل بنا لیں، تو عبارت یوں ہو گئی: شَرْطُہَا أَنْ تَکُوْنَ عَلَمِیَّۃٌ۔ اور شرط جو ہے أَنْ تَکُوْنَ، أَنْ تَکُوْنَ کس معنی میں ہوا؟ کَوْن کے معنی میں، اور عَلَمِیَّۃٌ کس معنی میں ہے؟ ہٰذَا النَّوْع کے معنی میں، تو کَوْن کی اضافت کر دیں فاعل کی طرف: شَرْطُہَا کَوْنُ ہٰذَا النَّوْعِ۔ تو یہ تقریر جو ہے صاحبِ جامی کی تقریر کے زیادہ موافق ہے کیونکہ انہوں نے بھی اسی طرح آگے ترجمہ کیا ہے: أَیْ کَوْنُ ہٰذَا النَّوْعِ، شَرْطُہَا کَوْنُ، شرط جو ہے معرفہ کی اس نوع کا ہونا ہے جنسِ تعریف کی اور انواع میں سے، جنسِ تعریف کی اور انواع میں سے اس نوع کا ہونا یہ شرط ہے بھئی۔ عبارت سمجھ میں آ گئی۔

پھر سوال پیدا ہوا کہ تعریف کی تو بہت سی انواع ہیں، تو ان میں سے صرف علمیت کیوں معتبر ہے؟ صرف علمیت کی شرط کیوں لگائی ہے؟ تو اس کا جواب بھی ہو گیا تھا کہ بھئی باقی انواع وہ غیرِ انصراف کے منافی ہیں بھئی۔ بعض تو وہ ہیں جو لفظ کو مبنی بنا دیتی ہیں، جیسے تعریف بالضمائر، اسی طرح مبہمات ہیں۔ میں نے بتایا تھا مبہمات علمِ نحو کے اندر اسمائے اشارہ اور اسمائے موصولہ کو مبہمات کہتے ہیں کیونکہ ان کے معنی کا پتا نہیں چلتا جب تک اسمِ اشارہ کے بعد مشارٌ الیہ کا پتا نہ چل جائے اور جب تک اسمِ موصول کے بعد صلہ ذکر نہ ہو جائے ان کا معنی سمجھ میں نہیں آتا، اس لیے ان کو مبہمات کہتے ہیں۔ تو کہتے ہیں جو تعریف مضمرات کے ذریعے ہے یا وہ تعریف جو مبہمات کے ذریعے ہے وہ تو لفظ کو مبنی بنا دیتی ہے اور غیرِ انصراف یہ تو معرب کی قسم ہے، تو یہ تو پھر ہماری بحث سے ہی خارج ہو جاتے ہیں یہ جو تعریف بالمضمرات اور تعریف بالمبہمات ہے۔ اور باقی جو تعریف باللام یا بالاضافت ہے، بھئی الف لام اور اضافت یہ تو غیرِ انصراف کے منافی ہیں، غیر منصرف پر بھی اگر الف لام داخل ہو جائے یا اس کی اضافت ہو جائے تو اس پر کسرہ آ جاتا ہے۔ تو بعض کہتے ہیں کہ اس وقت یہ ہے تو غیر منصرف البتہ منصرف کے حکم میں ہو گیا ہے، جبکہ بعض علماء فرماتے ہیں کہ منصرف کے حکم میں نہیں ہوا بلکہ یہ باقاعدہ منصرف ہی بن گیا ہے اس وقت۔ تو دیکھو الف لام اور اضافت یہ تو غیرِ انصراف کے منافی ہیں بھئی، یہ تو غیر منصرف کو بھی کیا بنا دیتے ہیں؟ منصرف بنا دیتے ہیں۔ تو تعریف کی صرف ایک ہی نوع بچ گئی تھی اور وہ علمیت ہے، اسی لیے اس کی شرط لگا دی کہ تعریف کون سی ہونی چاہیے؟ علم والی ہونی چاہیے۔

اس کے بعد پھر یہ ذکر کیا تھا کہ بھئی علمیت کو براہِ راست سبب بنا دیتے۔ جب معرفہ میں سے صرف علمیت مراد ہے، باقی اسبابِ تعریف مراد ہی نہیں ہیں، تو سیدھا سیدھا کہہ دیتے وَالْعَلَمِیَّۃُ اسبابِ منعِ صرف میں سے ایک علمیت ہے۔ تو اس کا جواب بھی گزر گیا کہ بھئی یہ جتنے اسبابِ منعِ صرف ہیں ان میں فرعیت والا وصف ہے، یہ سب فرع ہیں کسی نہ کسی چیز کی۔ تو یہ جو معرفہ ہے یہ فرع ہے نکرہ کی، یہ فرع ہے، تو تعریف کے اندر بھی فرعیت ہے، فرعیت والا وصف موجود ہے کس کے مقابلے میں؟ تنکیر کے مقابلے میں۔ اگر علمیت کہہ دیا جاتا تو علمیت کا فرع ہونا تنکیر کے مقابلے میں اتنا واضح نہیں تھا۔ مثلاً میں آپ سے پوچھتا ہوں: بھئی نکرہ، نکرہ کے مقابلے میں کیا آتا ہے؟ معرفہ۔ آپ فوراً کہیں گے معرفہ، آپ علم

نہیں کہیں گے۔ آپ علم نہیں کہیں گے۔ معلوم ہوا نکرہ کے مقابلے میں معرفہ آتا ہے علم نہیں آتا، علم ہے تو اس کے مقابلے میں لیکن اس کا اس کے مقابلے میں ہونا یا اس کی فرع ہونا اتنا ظاہر نہیں ہے جتنا کس کے مقابلے میمیں نکرہ۔ نکرہ کے مقابلے میں علم کا فرع ہونا یا اس کے مقابلے میں ہونا اتنا واضح نہیں جتنا معرفہ ہے بھئی۔ تو تنکیر کے مقابلے میں فوراً تعریف ذہن میں آتی ہے، ذہن اس کی طرف جاتا ہے، تو تعریف کا فرع ہونا تنکیر کے لیے یہ واضح ہے بمقابلہ علمیت کے بھئی۔

آگے سبق دیکھیے بھئی: اَلْعُجْمَۃُ وَہِیَ کَوْنُ اللَّفْظِ مِمَّا وَضَعَہُ غَیْرُ الْعَرَبِ۔ آج ہم اسبابِ منعِ صرف میں سے عجمہ جو ہے اس کے بارے میں پڑھیں گے بھئی۔

عجمہ بھئی۔ عجمہ کی تفسیر کر رہے ہیں صاحبِ جامی بھئی۔ کہتے ہیں: وَہِیَ کَوْنُ اللَّفْظِ مِمَّا وَضَعَہُ غَیْرُ الْعَرَبِ، یہ لفظ کا ہونا ہے مِمَّا، یہ مِمَّا اصل میں کیا تھا؟ مِنْ مَا، تو یہ مَا سے مراد الفاظ ہیں بھئی۔ وَہِیَ کَوْنُ اللَّفْظِ یہ لفظ کا ہونا مِمَّا ان الفاظ میں سے وَضَعَہُ غَیْرُ الْعَرَبِ جن کو غیرِ عرب نے وضع کیا ہو۔ ایک وہ لفظ جس کو عرب نے وضع کیا وہ تو ہے عربی بھئی، اور جس کو غیرِ عرب نے وضع کیا وہ کیا ہے؟ عجمی لفظ ہو گا بھئی، عجمہ ہو گا اس میں۔ تو صاحبِ جامی نے عجمہ کی تفسیر کی وَہِیَ کَوْنُ اللَّفْظِ۔ وجہ دراصل یہ کہ عجمہ جو ہے عربی زبان میں عجمہ کا معنی ہوتا ہے زبان میں لکنت ہونا۔ آپ نے دیکھا ہو گا بعض لوگ جو ہیں بولتے ہوئے ان کی زبان اٹکتی ہے بھئی، بعض کی کچھ تھوڑی اٹکتی ہے، بعض کی تو بہت زیادہ زبان اٹکتی ہے، ایک ایک لفظ ادا کرنا ان کے لیے بعض اوقات مشکل ہو جاتا ہے، بار بار ادا کرتے ہیں اور زبان اٹک جاتی ہے۔ تو اس کو کہتے ہیں لکنت بھئی۔ تو یہ جو زبان میں لکنت ہے اس کو عجمہ کہتے ہیں، زبان میں لکنت کا ہونا۔ تو اسی طرح عجمہ کا معنی ہے کلام میں ابہام ہونا، کوئی شخص بات کرے اور اس کی بات واضح نہ ہو، پوری طرح آپ کو سمجھ میں نہ آئے تو آپ کہیں گے کہ اس کے کلام میں عجمہ ہے یعنی ابہام ہے بھئی۔ تو عجمہ کا معنی کیا ہوا؟ زبان میں لکنت ہونا اور کلام میں ابہام ہونا۔ اور یہاں اسبابِ منعِ صرف کے اندر عجمہ ذکر ہوا تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ بھئی زبان کے اندر لکنت ہونا یا کلام کا مبہم ہونا یہ کیسے سبب بنے گا غیرِ انصراف کا؟ تو صاحبِ جامی بتلا رہے ہیں کہ نہیں بھئی یہاں عجمہ کا وہ معنی مراد نہیں جو آپ سمجھ رہے ہیں کہ زبان میں لکنت ہونا یا کلام کا مبہم ہونا، بلکہ یہاں عجمہ کا معنی ہے کہ لفظ کا غیرِ عربی ہونا، یعنی وہ لفظ کہ اس کو غیرِ عرب نے وضع کیا ہو یعنی عجمی لفظ ہو۔ تو عجمہ کا یہاں معنی لفظ کا غیرِ عربی ہونا بھئی۔

تو کہتے ہیں: اَلْعُجْمَۃُ وَہِیَ کَوْنُ اللَّفْظِ مِمَّا وَضَعَہُ غَیْرُ الْعَرَبِ، یہ لفظ کا ہونا ان الفاظ میں سے جس کو غیرِ عرب نے وضع کیا ہو۔ اور کَوْنُ اللَّفْظِ کے ساتھ تفسیر کی عجمہ کی۔ اس لیے کیونکہ اسبابِ منعِ صرف جتنے آپ نے پڑھے ہیں سب اوصاف کی قبیل سے ہیں، یہ سب لفظ کی صفت بنتے ہیں۔ یہ سب لفظ کی، کلمہ کی صفت بنتے ہیں۔ دیکھو کلمہ وہ معرفہ ہو گا یا نکرہ، تو معرفہ ہونا یا نکرہ ہونا اس کی صفت ہے۔ کلمہ علم ہو گا یا علم نہیں، تو علم ہونا یا نہ ہونا یہ کلمہ کی صفت ہو گا۔ اسی طرح کلمہ

جو ہے اس کے اندر عدل ہو گا یا نہیں، یعنی معدول ہونا کلمہ کی صفت ہو گا یا صفت نہیں۔ اسی طرح وصف ہونا، کلمہ جو ہے وہ وصف ہونے کے ساتھ موصوف ہو گا یا موصوف نہیں۔ تو یہ سارے جتنے اسبابِ منعِ صرف ہیں یہ اوصاف کی قبیل سے ہیں۔ اسی لیے صاحبِ جامی نے بھی عجمہ کا ترجمہ وَہِیَ کَوْنُ اللَّفْظِ کے ساتھ کیا۔ کس کے ساتھ؟ لفظ کا ہونا مِمَّا وَضَعَہُ غَیْرُ الْعَرَبِ ان الفاظ میں سے جس کو غیرِ عرب نے وضع کیا ہو۔ اور میں نے بتایا تھا کَوْنُ اللَّفْظِ یہ جو ہے یہ حاصل بالمصدر کا ترجمہ اس طرح کیا جاتا ہے۔ کس کا؟ ایک ہوتا ہے مصدر، ایک ہے حاصل بالمصدر بھئی۔ مصدر ایک معنی کا نام ہے جس کا خارج میں الگ وجود نہیں، ہمیں خارج میں مصدر دکھائی نہیں دیتا، ہاں مصدر سے جو کیفیت اور جو صورت حاصل ہوتی ہے وہ ہمیں دکھائی دیتی ہے، یعنی مصدر کا اثر ہمیں خارج میں دکھائی دیتا ہے۔ تو جب ایک لفظ کو عجم نے وضع کیا ہو، انہوں نے اس کو وضع کیا ہے تو اس کلمہ کی صفت کیا بن گئی؟ عجمہ بن گئی، یعنی غیرِ عرب کا وضع کیا ہوا ہونا یہ اس کی صفت بن گئی۔ تو یہ حاصل بالمصدر ہے بھئی۔ تو کہتے ہیں: وَہِیَ کَوْنُ اللَّفْظِ مِمَّا وَضَعَہُ غَیْرُ الْعَرَبِ یہ لفظ کا ہونا ہے ان الفاظ میں سے جس کو غیرِ عرب نے وضع کیا ہو۔ وَلِتَأْثِیرِہَا فِیْ مَنْعِ الصَّرْفِ شَرْطَانِ، اور اس کے مؤثر ہونے کے لیے منعِ صرف کے اندر شَرْطَانِ، دو شرطیں ہیں۔ کتنی شرطیں ہیں؟ دو شرطیں ہیں بھئی۔

بھئی پہلے متن دیکھ لیں بھئی، متن دیکھ لیں۔ کہتے ہیں: اَلْعُجْمَۃُ شَرْطُہَا أَنْ تَکُوْنَ عَلَمِیَّۃً فِی الْعَجَمِیَّۃِ وَتَحَرُّکُ الْأَوْسَطِ أَوِ الزِّیَادَۃُ عَلَی الثَّلَاثَۃِ فَنُوْحٌ مُنْصَرِفٌ وَشَتَرُ وَإِبْرَاہِیْمُ مُمْتَنِعٌ۔

عجمہ بھئی۔ عجمہ کی، عجمہ سبب بنتا ہے غیرِ انصراف کا، اس کی شرط کیا ہے؟ صاحبِ کافیہ فرماتے ہیں: شَرْطُہَا أَنْ تَکُوْنَ عَلَمِیَّۃً، اس کی شرط یہ ہے کہ وہ علم ہونا چاہیے، وہ لفظ کیا ہونا چاہیے؟ علم ہونا چاہیے، فِی الْعَجَمِیَّۃِ أَیْ فِی اللُّغَۃِ الْعَجَمِیَّۃِ، عجمی زبان کے اندر بھی علم ہونا چاہیے۔ وجہ یہ ہے کہ کسی بھی زبان والے کے لیے دوسری زبان ثقیل ہوتی ہے۔ تو جب عربی زبان والے غیرِ عربی لفظ کو اپنی زبان میں لائیں گے تو ان کے لیے اس کی ادائیگی دشوار ہوتی ہے، ثقیل ہوتی ہے۔ تو پھر اس زبان والے اس لفظ میں تبدیلی کر کے اس کو اپنی زبان کے مطابق ڈھال لیتے ہیں، جس کی وجہ سے اس کلمے میں ثقل کم ہو جاتا ہے، اس کی زبان پر ادائیگی آسان ہو جاتی ہے۔ توجہ ہے؟ کسی بھی زبان والے جب کسی کلمے کو اپنی زبان میں لے کر آتے ہیں کسی دوسری زبان سے تو پھر اس کے اندر وہ تبدیلی کر دیتے ہیں تاکہ ان کے لیے اس لفظ کی ادائیگی زبان پر آسان ہو۔ جیسے دیکھو بھئی ڈاکٹر، ڈاکٹر کے لفظ کو عربی زبان میں، عربی زبان میں منتقل کیا گیا اور عربوں نے اس کو اپنی زبان کے مطابق ڈھال لیا۔ اب ڈاکٹر کو وہ دُکْتُوْر کہتے ہیں بھئی، کیا کہتے ہیں؟ دُکْتُوْر بھئی۔ دیکھا؟ ڈاکٹر کا لفظ ان کے لیے ثقیل تھا تو انہوں نے لفظ کو اپنی زبان کے مطابق تبدیل کر لیا۔ اسی طرح ٹیلی ویژن بھئی، ٹیلی ویژن کا لفظ عربی زبان کی طرف منتقل کیا گیا لیکن یہ لفظ عربوں کے لیے ثقیل تھا، انہوں نے اس کو بدل لیا تِلِفِزْیُوْن۔ اب وہ کیا بولتے ہیں؟ تِلِفِزْیُوْن۔ اب دیکھو یہ ان کے لیے آسان ہے، اپنی زبان کے مطابق انہوں نے لفظ میں تبدیلی کر لی۔ اسی طرح بھئی فارسی میں لگام

کا لفظ ہے لگام، گھوڑے کو جو پہنائی جاتی ہے لگام، اس کو عربی کی طرف منتقل کیا گیا تو عربوں نے اس کے اندر تبدیلی کر دی اور گاف کو جیم سے بدل دیا، تو اس کو اب وہ لِجَام پڑھتے ہیں بھئی۔ لگام کا لفظ فارسی سے منتقل کیا گیا کس کی طرف؟ عربی کی طرف، تو دیکھو اس میں بھی عربوں نے تبدیلی کر دی اور کیا پڑھتے ہیں؟ لِجَام پڑھتے ہیں بھئی۔ تو دیکھو کوئی بھی زبان والے جب کسی لفظ کو اپنی زبان کی طرف منتقل کرتے ہیں تو اس میں ایسی تبدیلی کر دیتے ہیں کہ ان کے لیے اس لفظ کی ادائیگی آسان ہو جاتی ہے۔

اسی لیے عجمہ جو ہے اس کے اندر شرط لگائی گئی، یہ غیرِ انصراف کا سبب بنے گا لیکن شرط یہ ہے کہ یہ عجمی زبان میں علم ہونا چاہیے۔ وجہ یہ کہ علم کے اندر جو ہے تبدیلی نہیں کی جاتی، اس کو اسی طرح استعمال کیا جاتا ہے جس طرح ایک زبان میں تھا اسی طرح دوسری زبان میں بھی استعمال ہو گا۔ جیسے، جیسے ابراہیم بھئی۔ ابراہیم اب عجمی نام ہے، حضرت ابراہیم علیہ السلام اس زمانے میں ابھی عربی زبان بنی ہی نہیں تھی بھئی، تو یہ عجمی نام ہے بھئی۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام کے بعد جو ہے آہستہ آہستہ عربی زبان بننا شروع ہوئی اور ہوتے ہوتے حضور علیہ السلام کے زمانے میں عربی کی فصاحت و بلاغت اپنے عروج پر پہنچ گئی، یہاں تک کہ عرب اپنے علاوہ باقی تمام دنیا کو عجم کہنے لگے۔ یعنی انہیں اپنی زبان پر اتنا فخر اور تکبر تھا کہ زبان ہے تو ہماری زبان ہے، باقی دنیا کو وہ عجم کہتے تھے۔ عجم کا معنی ہے گونگے بھئی، یعنی باقی دنیا والوں کی زبان ہمارے سامنے اسی طرح ہے جیسے وہ گونگے ہوں بھئی، یعنی ان کی زبان ہماری زبان کے سامنے لا زبان ہے بھئی۔ تو ابراہیم جو ہے یہ دیکھو ایک عجمی نام ہے اور اس کو نقل کیا گیا عربی زبان کی طرف، اور علم میں کوئی تبدیلی نہیں کی جاتی تو یہ عربی زبان میں بھی اسی طرح ہے۔ اور چونکہ عجمی نام ہے اس لیے عربوں کے لیے اس کی ادائیگی ثقیل ہو گی بھئی، ادائیگی کیا ہو گی؟ ثقیل ہو گی۔ اسی وجہ سے یہ غیر منصرف جو ہے اس پر کسرہ اور تنوین نہیں آتے کیونکہ اس کی ادائیگی زبان پر ثقیل ہوتی ہے۔ کلمے میں دو سبب آ چکے، کلمے میں دو سبب آ گئے، ہر سبب کی وجہ سے کلمے میں ثقل پیدا ہوتا ہے۔ ایک ثقل آئے تو وہ اتنا زیادہ نہیں، ایک سبب آئے، لیکن جب دو سبب آ گئے تو ثقل زیادہ ہو گیا کلمے میں، اب اس پر کسرہ اور تنوین نہیں پڑھتے کیونکہ کسرہ اور زیادہ ثقل پیدا کر دے گا۔ پہلے ہی دو ثقل ہیں اب تیسرا ثقل آ جائے گا۔ تنوین بھی نہیں پڑھیں گے کیونکہ تنوین تو ایک نونِ ساکن کا نام ہے، یعنی ایک حرف بڑھ جائے گا، اور جتنے حروف بڑھتے جائیں کلمے کی زبان پر ادائیگی دشوار ہوتی چلی جاتی ہے۔ تو لہٰذا جب کلمے میں دو اسباب آ جائیں تو دو ثقل آ چکے، اب اس کے بعد اس پر کسرہ اور تنوین نہیں پڑھتے ورنہ تو پھر تیسرا ثقل بھی اس کے اندر آ جائے گا اور زبان پر ادائیگی بہت دشوار ہو جائے گی۔ تو لہٰذا عجمہ کے اندر شرط یہ ہے کہ وہ عجمی زبان کے اندر علم ہونا چاہیے۔ چنانچہ جب عرب اس کو اپنی زبان کی طرف نقل کریں گے تو پھر علم میں کوئی تبدیلی نہیں کی جاتی وہ اسی طرح رہے گا، اور عربوں کی زبان پر اس کی ادائیگی دشوار ہو گی، کلمے میں ثقل پیدا ہو گا اور وہ غیرِ انصراف کا سبب بنے گا۔

تو کہتے ہیں: عجمہ جو ہے، شَرْطُهَا أَنْ تَكُوْنَ عَلَمِيَّةً فِي الْعَجَمِيَّةِ، عجمہ جو ہے اس کی شرط یہ ہے کہ وہ عجمہ علم والا ہونا چاہیے عجمی زبان میں۔ ایک شرط تو یہ ہے۔ دوسری شرط یاد رکھو: عجمہ کے لیے دوسری شرط یہ ہے کہ وہ تین حروف سے زائد ہونا چاہیے وہ کلمہ، یا اگر تین حروف پر مشتمل ہے تو درمیان والا حرف متحرک ہونا چاہیے۔ تین حروف سے زائد ہو گا تو دیکھو کلمے میں ثقل آئے گا، یا اگر تین پر مشتمل ہے تو درمیان والا حرف متحرک ہونا چاہیے، کیونکہ ایک وہ کلمہ ہے جس کے درمیان والا حرف ساکن ہے اور ایک وہ کلمہ ہے جس کے درمیان والا حرف متحرک ہے، ظاہر سی بات ہے جس کا درمیان متحرک ہے اس کی ادائیگی زبان پر ثقیل ہو گی۔ جیسے ضَرْبٌ اور ضَرَبٌ، دیکھو ضَرَبٌ کی ادائیگی زبان پر ثقیل ہے بھئی۔ تو عجمہ کے لیے دو شرطیں ذکر کر دیں انہوں نے: پہلی شرط کیا؟ کہ وہ عجمی زبان میں علم ہونا چاہیے تاکہ جب عربی کی طرف منتقل کیا جائے تو اس میں کوئی تبدیلی نہ کی جائے۔ دوسری شرط یہ کہ دو چیزوں میں سے ایک چیز ضرور ہونی چاہیے بھئی: یا تو درمیان والا حرف متحرک ہو یا کلمہ تین حروف سے زائد پر مشتمل ہونا چاہیے۔ جب یہ دونوں شرطیں پوری ہو جائیں گی تو عجمہ مؤثر ہو گا اور غیرِ انصراف کا سبب بنے گا۔

تو یہ معنی دیکھیے بھئی متن، کہتے ہیں: شَرْطُهَا أَنْ تَكُوْنَ عَلَمِيَّةً فِي الْعَجَمِيَّةِ، عجمہ کی شرط یہ ہے کہ وہ عجمہ علم والا ہونا چاہیے عجمی زبان میں۔ وَتَحَرُّكُ الْأَوْسَطِ أَوِ الزِّيَادَةُ عَلَى الثَّلَاثَةِ، اور درمیان والے حرف کا متحرک ہونا، أَوِ الزِّيَادَةُ عَلَى الثَّلَاثَةِ یا تین حروف سے زیادہ ہونا، تین حروف پر زیادہ ہونا، یہ دوسری شرط آ گئی۔ فَنُوْحٌ مُنْصَرِفٌ، تو نوح کا لفظ منصرف ہے بھئی۔ حضرت نوح علیہ السلام یہ تو حضرت ابراہیم علیہ السلام سے بھی پہلے گزرے ہیں، اور میں نے بتایا عربی زبان حضرت اسماعیل علیہ السلام کے بعد بننا شروع ہوئی بھئی، تو نوح علیہ السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام سے بھی پہلے گزرے ہیں اور یہ عجمی نام ہے۔ تو اس کے اندر پہلی شرط تو پوری ہے، علم تو ہے عجمی زبان میں بھی کیا ہے علم، لیکن دوسری شرط پوری نہیں کہ تین حروف سے زیادہ پر مشتمل ہونا چاہیے یا درمیان والا متحرک ہونا چاہیے۔ نوح جو ہے نہ تو تین حروف سے زائد پر مشتمل ہے، نہ اس کے درمیان والا حرف متحرک ہے بلکہ وہ تو ساکن ہے واو بھئی۔ تو لہٰذا فَنُوْحٌ مُنْصَرِفٌ، تو نوح کا لفظ منصرف ہے بھئی۔

آگے دیکھیے بھئی: وَشَتَرُ وَإِبْرَاهِيْمُ مُمْتَنِعٌ، اور شَتَر اور ابراہیم جو ہیں ممتنع ہیں، یعنی ان کی صرف ممتنع ہے بھئی۔ دیکھو شَتَر اور ابراہیم یہ دونوں علم ہیں بھئی علم، ان میں سبب عجمہ ہے اور عجمہ کے لیے شرط کیا تھی؟ علم ہونا چاہیے، علم والی شرط بھی دونوں میں پوری ہے، شَتَر یہ بھی ایک قلعے کا نام ہے اور ابراہیم یہ بھی علم ہے، اور نیز دوسری شرط بھی ان کے اندر پوری ہے: شَتَر تین حروف پر مشتمل ہے لیکن درمیان والا متحرک ہے، اور ابراہیم جو ہے تین سے زیادہ حروف پر مشتمل ہے، تو یہ دونوں لفظ غیر منصرف ہیں بھئی، نہ ان پر کسرہ آئے گا اور نہ تنوین آئے گی بھئی۔

اب آئیے بھئی شرح کے ساتھ اس کو حل کریں۔ اَلْعُجْمَةُ وَهِيَ كَوْنُ اللَّفْظِ مِمَّا وَضَعَهُ غَيْرُ الْعَرَبِ وَلِتَأْثِيْرِهَا فِيْ مَنْعِ

الصَّرْفِ شَرْطَانِ، اور عجمہ کے مؤثر ہونے کے لیے فِیْ مَنْعِ الصَّرْفِ منعِ صرف کے اندر شَرْطَانِ دو شرطیں ہیں بھئی۔ عبارت پر نظر ہے۔

دیکھیے بھئی عبارت ذرا متن متن دیکھ لیں۔ اَلْعُجْمَۃُ یہ ہے بتدائے اول۔ اور آگے شَرْطُہَا أَنْ تَکُوْنَ عَلَمِیَّۃً فِی الْعَجَمِیَّۃِ وَتَحَرُّکُ الْأَوْسَطِ أَوِ الزِّیَادَۃُ عَلَی الثَّلَاثَۃِ، یہ پورا جملہ خبر ہے عجمہ کی۔ یہ پورا جملہ خبر ہے عجمہ کی۔ تو عجمہ ہوا بتدائے اول اور آگے یہ پورا جملہ اس کی خبر، اور یہ جو جملہ ہے یہ پھر جملہ اسمیہ ہے اور جملہ اسمیہ کے اندر ایک بتدا آتا ہے اور ایک خبر۔ تو لہٰذا یہ جو شَرْطُہَا ہے یہ پھر ہے بتدا، تو یہ بتدائے ثانی ہوا۔ توجہ ہے؟ عجمہ کیا ہے؟ بتدائے اول اور اس کی خبر پورا جملہ اسمیہ ہے، اور جملہ اسمیہ کے اندر کیا ہوتے ہیں؟ بتدا اور خبر، تو شَرْطُہَا جو ہے یہ ہے بتدائے ثانی۔ اور أَنْ تَکُوْنَ عَلَمِیَّۃً یہ آخر تک یہ ساری اس کی خبر ہے۔ پھر اس خبر میں ذرا غور کریں: أَنْ تَکُوْنَ عَلَمِیَّۃً فِی الْعَجَمِیَّۃِ یہ ہے معطوفٌ علیہ، اور آگے وَتَحَرُّکُ الْأَوْسَطِ أَوِ الزِّیَادَۃُ عَلَی الثَّلَاثَۃِ یہ ہے معطوف بھئی۔ دو شرطیں ہیں نا؟ پہلی شرط کیا؟ أَنْ تَکُوْنَ عَلَمِیَّۃً فِی الْعَجَمِیَّۃِ کہ وہ عجمہ علم والا ہونا چاہیے عجمی زبان میں، یہ ہے معطوفٌ علیہ۔ اور دوسری شرط کیا؟ دو چیزوں میں سے ایک ہونی چاہیے، تَحَرُّکُ الْأَوْسَطِ أَوِ الزِّیَادَۃُ عَلَی الثَّلَاثَۃِ۔ توجہ ہے؟ أَنْ تَکُوْنَ عَلَمِیَّۃً فِی الْعَجَمِیَّۃِ یہ ہے معطوفٌ علیہ بھئی، اور آگے جتنا آرہا ہے وَتَحَرُّکُ الْأَوْسَطِ أَوِ الزِّیَادَۃُ عَلَی الثَّلَاثَۃِ یہ اس پر معطوف ہے بھئی۔ تو یہ معطوفٌ علیہ اور معطوف مل کر یہ خبر بنیں گے شَرْطُہَا کی۔ عبارت سمجھ میں آرہی ہے؟ یہ خبر بنیں گے کس کی؟ شَرْطُہَا کی، اور پھر یہ شَرْطُہَا اپنی خبر سے مل کر یہ خبر بنے گا عجمہ کے لیے۔ تو شَرْطُہَا کی خبر میں دو چیزیں ہیں: معطوفٌ علیہ بھی ہے اور معطوف بھی ہے۔

تو صاحبِ جامی نے جو پیچھے کہا نا وَلِتَأْثِیْرِہَا فِیْ مَنْعِ الصَّرْفِ شَرْطَانِ اور عجمہ کے مؤثر ہونے کے لیے منعِ صرف کے اندر شَرْطَانِ دو شرطیں ہیں۔ بھئی صاحبِ کافیہ نے تو دو شرطیں نہیں کہا، انہوں نے تو صرف کہا شَرْطُہَا عجمہ کی شرط یہ ہے، لیکن آگے اس کی خبر جو ہے اس میں ایک معطوفٌ علیہ ذکر کیا اور ایک معطوف۔ معلوم ہوا درحقیقت یہ دو شرطیں ہیں، کتنی شرطیں ہیں؟ دو شرطیں ہیں، دو شرطیں ہیں۔ اور معلوم ہوا کہ یہاں حمل مقدم ہے عطف پر، پھر ہی دو شرطیں بنیں گی۔ میں نے آپ کو بتلایا تھا کہ کبھی کبھار حمل مقدم ہوتا ہے اور کبھی عطف مقدم ہوتا ہے۔ اَلْکَلِمَۃُ اِسْمٌ وَفِعْلٌ وَحَرْفٌ۔ یہاں دیکھو اسم، فعل اور حرف ان کے درمیان واو آیا، اور واو آتا ہے جمعیت کے لیے، جمع کرنے کے لیے، یہ عطف کا فائدہ دیتا ہے، جمعیت کا فائدہ دیتا ہے۔ معلوم ہوا اسم کے ساتھ فعل اور حرف یہ دونوں جمع ہو جائیں گے تو پھر اس کو کلمہ کہیں گے۔ اَلْکَلِمَۃُ اِسْمٌ وَفِعْلٌ وَحَرْفٌ۔ معلوم ہوا اسم، فعل اور حرف یہ جمع ہوں گے، ایک ہی لفظ اسم بھی ہوگا، فعل بھی ہوگا، حرف بھی ہوگا، تو پھر اس کو الکلمہ کہیں گے۔ تو اس کا جواب میں نے بتلایا تھا کہ بھئی یہاں پر حمل مقدم ہے، یعنی اَلْکَلِمَۃُ اِسْمٌ، دیکھو پہلے حمل کر دیا اسم کو جوڑ دیا الکلمہ سے، کلمہ اسم ہے، پھر اس کے بعد وَفِعْلٌ اب فعل کو جوڑا کلمہ فعل ہے، پھر حرف کو جوڑا کلمہ حرف ہے۔ تو یہاں پر دیکھو حمل مقدم ہے، حمل مقدم ہے عطف پر۔ اگر عطف مقدم کریں

گے، تینوں کو پہلے جوڑیں گے پھر حمل کریں گے پھر تو خرابی لازم آئے گی بھئی۔ بات سمجھ میں آگئی۔ تو یہاں پر بھی اسی طرح ہے، شَرْطُهَا جو ہے یہ ہے بتدائے ثانی، اور آگے اس کی خبر جو ہے وہ معطوفٌ علیہ اور معطوف سے مل کر بن رہی ہے، تو یہاں پر بتلانا یہ چاہتے ہیں کہ حمل مقدم ہے عطف پر۔ پہلے أَنْ تَكُوْنَ عَلَمِيَّةً فِي الْعَجَمِيَّةِ اس کا حمل کر دو شَرْطُهَا پر۔ ایک شرط کیا ہے کہ وہ علم ہونا چاہیے عجمی زبان میں۔ اور اس کے بعد وَتَحَرُّكُ الْأَوْسَطِ أَوِ الزِّيَادَةُ عَلَى الثَّلَاثَةِ اس کا حمل کر دو کس پر؟ شَرْطُهَا پر۔ تو جب حمل مقدم ہے تو معلوم ہوا پھر یہ ایک شرط نہیں ہے کتنی شرطیں ہیں؟ دو شرطیں ہیں بھئی۔ تو اسی کی طرف اشارہ کیا صاحبِ جامی نے وَلِتَأْثِيْرِهَا فِيْ مَنْعِ الصَّرْفِ شَرْطَانِ کہ عجمہ کے منعِ صرف میں مؤثر ہونے کے لیے دو شرطیں ہیں۔

آگے دیکھیے کہتے ہیں: شَرْطُهَا الْأَوَّلُ، پہلی شرط یہ ہے أَنْ تَكُوْنَ عَلَمِيَّةً۔ دیکھا شَرْطُهَا کے بعد صاحبِ جامی نے الْأَوَّلُ کا لفظ نکال کر بتلا دیا کہ یہاں حمل مقدم ہے عطف پر اور دیکھنے میں یہ ایک شرط ہے لیکن حقیقت میں کتنی شرطیں ہیں؟ دو شرطیں ہیں۔ اَلشَّرْطُهَا الْأَوَّلُ یہ پہلی شرط ہے، کون سی؟ أَنْ تَكُوْنَ عَلَمِيَّةً کہ وہ عجمہ علم والا ہونا چاہیے۔ أَيْ مَنْسُوْبَةً إِلَى الْعَلَمِ۔ دیکھو یہ پھر ویسی ہی عبارت آگئی جیسے معرفہ کے اندر آئی تھی کہ اَلْمَعْرِفَةُ شَرْطُهَا أَنْ تَكُوْنَ عَلَمِيَّةً، معرفہ کی شرط کیا ہے؟ کہ وہ تعریف علم والی ہونی چاہیے۔ اور وہاں صاحبِ جامی نے دو تقریریں کی تھیں۔ ایک تقریر کیا کی تھی؟ کہ علمیت کے اندر یہ یا مصدر والی بنا لو، کون سی بنا لو؟ مصدر والی، اور پھر اس کو ہٰذَا النَّوْع کی تاویل میں کر لو، یہ والی نوع، کیونکہ تعریف کی کئی انواع ہیں۔ تعریف یعنی معرفہ ہونا، دیکھو مصدر والا ترجمہ کر رہا ہوں۔ ایک صورت کیا ہے، ایک نوع اس کی کیا؟ علم ہونا، دوسری نوع کیا؟ اسمِ اشارہ ہونا، تیسری؟ ضمیر ہونا، اسمِ موصول ہونا، معرف باللام ہونا وغیرہ۔ تو یہ انواع ہو گئیں تعریف کی، تو علمیت کے اندر یا کون سی بنائی تھی؟ مصدر والی بنائی تھی۔ اور دوسری تقریر کیا کی تھی؟ کہ علمیت کے اندر یا نسبت والی بنا لو، نسبت والی بنا دو یعنی وہ جو علم کی طرف منسوب ہو۔ دو تقریریں کی تھیں، ذہن میں بات آگئی۔ یہاں پر صرف وہ یہ کہہ رہے ہیں: أَنْ تَكُوْنَ عَلَمِيَّةً أَيْ مَنْسُوْبَةً إِلَى الْعَلَمِ، یعنی علم کی طرف منسوب ہو بھئی، علم کی طرف منسوب ہو۔ تو معلوم ہوا یہ جو علمیت کے اندر یہاں یا آئی ہے یہ نسبت والی ہے، یہ نسبت والی ہے، یہ مصدر والی نہیں ہو سکتی یہاں۔ یہاں مصدر والی نہیں ہو سکتی یا، اس لیے کیونکہ وہاں بات چل رہی تھی تعریف کی، اور تعریف ایک جنس تھی اور علم ہونا اس کی ایک نوع تھی۔ توجہ ہے؟ معرفہ کے اندر بات کس کی چل رہی تھی؟ تعریف کی، اور تعریف کی ایک نوع کیا تھی، ایک قسم کیا تھی؟ علم ہونا۔ علم ہونا بھی تعریف کی ایک قسم ہے۔ لیکن یہاں پر أَنْ تَكُوْنَ عَلَمِيَّةً یہاں پر یہ تقریر نہیں چل سکتی کیونکہ علم ہونا عجمہ کی نوع نہیں ہے بھئی، علم ہونا عجمہ کی نوع نہیں ہے، عجمہ کو جنس بنائیں اور اس کی مختلف انواع بنا دیں وہ تقریر یہاں نہیں چل سکتی۔ نہیں بات واضح ہوئی میرا خیال۔ پھر سنو بھئی دیکھو بھول گئے ہو ساری تقریر۔

بھئی دیکھو تعریف کا کیا معنی؟ معرفہ ہونا۔ معرفہ ہونے کی کئی صورتیں ہیں: ایک صورت کیا؟ کہ علم ہو، ایک صورت کیا؟ ضمیر ہو، ایک صورت کیا؟ اسمِ اشارہ ہو، ایک صورت کیا؟ اسمِ موصول ہو، ایک صورت کیا ہے؟ معرف باللام ہو، اور ایک صورت ہے اضافت وغیرہ۔ یہ ساری کس کی قسمیں ہیں؟ معرفہ کی، تعریف کی قسمیں ہیں۔ توجہ ہے؟ یہ ساری تعریف کی قسمیں ہیں، تو وہاں عبارت کیا آئی تھی؟ أَنْ تَكُوْنَ عَلَمِيَّةً، أَنْ تَكُوْنَ... اور تَكُوْنَ کے اندر ہِیَ ضمیر کس کو راجع تھی؟ معرفہ کو، اور معرفہ سے کیا مراد تھی؟ تعریف۔ توجہ ہے؟ علم ہونا تعریف کی ایک نوع، تو اس کو کس تاویل میں کر لیا؟ ہٰذَا النَّوْع کی تاویل میں کہ تعریف جو ہے اس نوع والی ہونی چاہیے۔ لیکن یہاں یہ تقریر نہیں چل سکتی، اس لیے کیونکہ یہاں کیا عبارت آئی؟ أَنْ تَكُوْنَ عَلَمِيَّةً، أَنْ تَكُوْنَ کے اندر ہِیَ ضمیر کس کو راجع؟ عجمہ کو، اور عَلَمِيَّةً میں اگر یا مصدر والی بنائیں تو معنی یہ بن جائے گا کہ آپ نے عجمہ کو بنا دیا جنس اور علم ہونا اس کی ایک نوع ہے، حالانکہ علم ہونا یہ عجمہ کی نوع تو نہیں ہے، یہ تو تعریف کی ایک نوع ہے۔ کسی لفظ کو معرفہ بنانا کتنی صورتیں ہیں؟ معرفہ کی کتنی قسمیں ہیں؟ سات قسمیں، دیکھا وہ ساری معرفہ کی انواع ہیں لیکن عجمہ کی انواع میں تو علم ذکر... علم نہیں آتا بھئی۔ بات سمجھ میں آگئی۔

تو کہتے ہیں: شَرْطُهَا الْأَوَّلُ أَنْ تَكُوْنَ عَلَمِيَّةً أَيْ مَنْسُوْبَةً إِلَى الْعَلَمِ، اور عجمہ کی پہلی شرط یہ ہے کہ أَنْ تَكُوْنَ عَلَمِيَّةً کہ وہ عجمہ علم والا ہونا چاہیے، أَيْ مَنْسُوْبَةً إِلَى الْعَلَمِ یعنی علم کی طرف منسوب ہونا چاہیے۔ فِي اللُّغَةِ الْعَجَمِيَّةِ، عجمی زبان میں بھئی۔ بھئی متن میں تھا فِي الْعَجَمِيَّةِ، صاحبِ جامی نے درمیان میں اللُّغَة کا لفظ نکال کر بتلا دیا کہ یہ الْعَجَمِيَّة صفت ہے اور اس کا موصوف اللُّغَة یہاں پر محذوف ہے۔ تو عجمہ کی شرط یہ ہے کہ وہ علم کی طرف منسوب ہونا چاہیے فِي اللُّغَةِ الْعَجَمِيَّةِ عجمی زبان میں۔ توجہ ہے؟ عجمہ میں نے کیا بتلایا علمیت کی شرط کیوں لگائی؟ کیونکہ ہر زبان والے جب کسی لفظ کو اپنی زبان میں لاتے ہیں تو اس میں تبدیلی کر دیتے ہیں، تو عرب بھی اس میں تبدیلی کر دیں گے۔ جب تبدیلی کر دیں گے تو لفظ میں ثقل نہیں رہے گا، تو پھر وہ غیرِ انصراف کا سبب نہیں بنے گا۔ لہٰذا کیا شرط ہے کہ وہ لفظ کیا ہونا چاہیے؟ عجمی زبان میں ہی علم ہونا چاہیے تاکہ جب اس کو عربی زبان کی طرف نقل کریں تو اس میں کوئی تبدیلی نہ کی جائے بھئی۔

اچھا یہاں یاد رکھیے بعض کافیہ کے نسخوں میں ہے فِي الْعَجَمِيَّةِ اور بعض نسخوں میں ہے فِي الْعُجْمَةِ۔ بعض کافیہ کے نسخوں میں کیا ہے؟ أَنْ تَكُوْنَ عَلَمِيَّةً فِي الْعَجَمِيَّةِ، اور بعض کافیہ کے نسخوں میں یوں ہے: أَنْ تَكُوْنَ عَلَمِيَّةً فِي الْعُجْمَةِ۔ یاد رکھو دونوں صورتوں میں آسان ترکیب یاد رکھو: یہ فِي الْعَجَمِيَّةِ ہو یا فِي الْعُجْمَةِ ہو، دونوں صورتوں میں اس کو صفت بنا دو عَلَمِيَّةً کی۔ اور جب الْعَجَمِيَّة ہو تو اس سے پہلے اللُّغَة کا لفظ موصوف محذوف نکالیں جیسے صاحبِ جامی نے کیا۔ اور اگر الْعُجْمَة کا لفظ آیا یہاں پر فِي الْعُجْمَةِ، تو پھر عجمہ سے پہلے وقت کا لفظ مضاف محذوف نکال لیں، پھر موصوف نہ نکالیں بلکہ وقت کا لفظ، تو عبارت یوں بن جائے گی: شَرْطُهَا أَنْ تَكُوْنَ عَلَمِيَّةً فِيْ وَقْتِ الْعُجْمَةِ۔ دیکھیے بھئی ذرا متن متن کی عبارت پھر دیکھ لیں: اَلْعُجْمَةُ شَرْطُهَا أَنْ تَكُوْنَ عَلَمِيَّةً فِي الْعَجَمِيَّةِ، تو بعض کافیہ کے نسخوں میں ہے فِي الْعَجَمِيَّةِ اور بعض کافیہ کے

نسخوں میں ہے فِی الْعُجْمَۃِ۔ فِی الْعَجَمِیَّۃِ پڑھیں یا فِی الْعُجْمَۃِ پڑھیں، دونوں صورتوں میں یہ جو جار مجرور ہے اس کی آسان ترکیب یہ ہے کہ اس کو صفت بنا دیں علمیت کے لیے بھئی۔ اور جار مجرور براہِ راست تو صفت نہیں بنتا تو اس کے لیے ثَابِتَۃً درمیان میں نکال لیں گے، موصوف عَلَمِیَّۃً وہ منصوب ہے تو ثَابِتَۃً وہ بھی منصوب نکالیں گے، اور عَلَمِیَّۃً کے ساتھ تانیث کی تا جڑی ہوئی ہے تو ثَابِتَۃً بھی مؤنث نکالیں گے۔ تو عبارت کیسے بن گئی؟ أَنْ تَکُوْنَ عَلَمِیَّۃً ثَابِتَۃً فِی الْعَجَمِیَّۃِ یا فِی الْعُجْمَۃِ۔ اور الْعَجَمِیَّۃ ہو تو پھر اس سے پہلے موصوف کیا نکالنا ہے؟ فِی اللُّغَۃِ الْعَجَمِیَّۃِ، اور اگر الْعُجْمَۃ ہو تو پھر الْعُجْمَۃ سے پہلے مضاف وقت کا لفظ مضاف محذوف نکال لیں، أَیْ فِیْ وَقْتِ الْعُجْمَۃِ۔ توجہ ہے؟ تو دیکھو ترجمہ کیسے ہو گا۔ ہم پہلے اس کو الْعَجَمِیَّۃ پڑھتے ہیں، عبارت یوں بن گئی: شَرْطُہَا أَنْ تَکُوْنَ عَلَمِیَّۃً ثَابِتَۃً فِی اللُّغَۃِ الْعَجَمِیَّۃِ، عجمہ کی شرط یہ ہے کہ وہ عجمہ جو ہے ایسی علمیت ہو جو عجمی زبان میں ثابت ہو، وہ ایسی... دیکھو موصوف سے پہلے کیا لے آتے ہیں؟ ایسا یا ایسی کا لفظ لے آتے ہیں۔ تو عجمہ کی شرط یہ ہے: أَنْ تَکُوْنَ عَلَمِیَّۃً ثَابِتَۃً فِی اللُّغَۃِ الْعَجَمِیَّۃِ کہ عجمہ کی شرط یہ ہے کہ وہ عجمہ جو ہے ایسی علمیت ہو جو ثابت ہو عجمی زبان میں، یعنی عجمی زبان میں ہی وہ علم ہونا چاہیے، عجمی زبان میں ہی وہ علم ہونا چاہیے۔ یا دوسری صورت میں جب یہ نسخہ کیا ہو فِی الْعُجْمَۃِ، فِی الْعُجْمَۃِ ہو تو پھر وقت کا لفظ مضاف محذوف نکال لیں گے، أَیْ فِیْ وَقْتِ الْعُجْمَۃِ۔ اور عبارت پھر کیا بن گئی؟ شَرْطُہَا أَنْ تَکُوْنَ عَلَمِیَّۃً ثَابِتَۃً فِیْ وَقْتِ الْعُجْمَۃِ، فِیْ وَقْتِ الْعُجْمَۃِ۔ عجمہ کی شرط یہ ہے کہ وہ عجمہ اے یسی علمیت ہو جو ثابت ہو عجمہ کے وقت، جو ثابت ہے عجمہ کے وقت ثابت ہو، یعنی عجمی زبان میں ہوتے ہوئے ہی ثابت ہے عربی کی طرف منتقل ہونے سے پہلے ہی بھئی۔ تو یہ عَلَمِیَّۃً ثَابِتَۃً فِیْ وَقْتِ الْعُجْمَۃِ کہ عجمہ کی شرط یہ ہے کہ وہ عجمہ ایسی علمیت ہو ثَابِتَۃً جو ثابت ہو فِیْ وَقْتِ الْعُجْمَۃِ کس وقت؟ عجمہ کے وقت میں، یعنی جب عجمی زبان میں یہ لفظ وضع کیا گیا تھا تو اس وقت ہی علمیت ثابت تھی بھئی۔ بات سمجھ میں آ گئی۔

بِأَنْ تَکُوْنَ مُتَحَقِّقَۃً فِیْ ضِمْنِ الْعَلَمِ فِی الْعَجَمِ حَقِیْقَۃً۔ اب ادھر دیکھیے حاصلِ کلام یہ: عجمہ کی پہلی شرط یہ ہے کہ وہ لفظ عجمی زبان میں ہی علم ہونا چاہیے، عجمی زبان میں ہی علم ہونا چاہیے۔ پھر یاد رکھو عجمی زبان میں ہی علم ہو گا یا تو حقیقتاً یا حکماً، دو صورتیں بتائیں گے صاحبِ جامی آپ کو۔ کہ جیسے ابراہیم کا لفظ، یہ عجمی زبان میں حقیقتاً علم تھا بھئی۔ اس کو پھر عربی زبان کی طرف منتقل کیا گیا، اور علم میں تو کوئی تبدیلی نہیں کی جاتی لہذا اس میں بھی کوئی تبدیلی نہیں کی گئی، تو ایک عجمی لفظ ہے اور اس میں کوئی تبدیلی بھی نہیں کی گئی لہذا اس کے اندر ثقل ہے، زبان پر اس کی ادائیگی دشوار ہے بھئی۔

اور کبھی کبھار جو لفظ عربی زبان کی طرف منتقل کیا گیا وہ عجمی زبان میں علم نہیں ہوتا، عجمی زبان میں علم نہیں ہوتا، جیسے آپ کو بتلائیں گے قَالُوْن بھئی۔ قَالُوْن یہ آگے کتاب کے اندر ہی لفظ آ رہا ہے۔ قَالُوْن بھئی یہ رومی زبان کا لفظ ہے اور قَالُوْن کا معنی ہے اچھی چیز، کوئی بھی چیز اچھی ہو اس کو قَالُوْن کہتے ہیں۔ تو یہ رومی زبان میں جو ہے قَالُوْن ہر اچھی چیز کو کہتے تھے، یہ علم نہیں ہے۔ لیکن پھر اس کو جب عربی کی طرف منتقل کیا گیا، تو عربی کی طرف منتقل کرتے وقت اس میں

کوئی تبدیلی نہیں کی گئی۔ جیسے علم کو منتقل کرتے ہوئے کوئی تبدیلی نہیں کی جاتی اسی طرح لفظِ قَالُوْن کو منتقل کرتے ہوئے بھی کوئی تبدیلی نہیں کی گئی۔ تو قَالُوْن کا لفظ عجمی زبان میں حقیقتاً تو علم نہیں ہے، وہاں تو یہ اسمِ جنس تھا ہر اچھی چیز کے لیے یہ لفظ استعمال ہوتا تھا، لیکن جب عربی کی طرف نقل کیا گیا تو کوئی تبدیلی نہیں کی گئی، اسی طرح اس کو برقرار رکھا گیا جس طرح علم کو برقرار رکھتے ہیں اس میں تبدیلی نہیں کرتے۔ تو گویا قَالُوْن کا لفظ حقیقتاً تو عجمی زبان میں علم نہیں تھا لیکن حکماً گویا یہ بھی علم ہی تھا۔ حکماً یہ علم تھا یعنی جس طرح علم میں کوئی تبدیلی نہیں کی جاتی اس کے اندر بھی کوئی تبدیلی نہیں کی گئی، تو حقیقتاً تو علم نہیں لیکن حکماً علم ہی کے درجے میں ہے، یعنی اس پر حکم لگا دیا گیا علم والا ہی۔

دیکھیے بھئی اب کتاب پر، کہتے ہیں: بِأَنْ تَكُوْنَ مُتَحَقِّقَةً فِيْ ضِمْنِ الْعَلَمِ فِي الْعَجَمِ حَقِيْقَةً، با تصویر یہ ہے، صورت بتلا رہے ہیں، کس چیز کی صورت؟ کہ وہ لفظ جس کو عربی زبان کی طرف منتقل کیا جائے وہ عجمہ میں یعنی عجمی زبان میں ہی علم ہونا چاہیے، اور پھر عجمی زبان میں ہی علم ہونا یا تو حقیقتاً ہو گا یا حکماً ہو گا۔ حقیقتاً کی مثال جیسے ابراہیم، اور حکماً کی مثال جیسے قَالُوْن ہے بھئی کہ یہ اس میں بھی بغیر تبدیلی کے اس کو عربی زبان کی طرف نقل کیا گیا جس طرح علم کو نقل کیا جاتا ہے۔

تو کہتے ہیں: بِأَنْ تَكُوْنَ مُتَحَقِّقَةً بایں صورت کہ وہ عجمہ مُتَحَقِّقَةً ثابت ہو فِيْ ضِمْنِ الْعَلَمِ علم کے ضمن میں فِي الْعَجَمِ عجمی زبان کے اندر حَقِيْقَةً كَإِبْرَاهِيْمَ جیسے ابراہیم ہے، کہ ابراہیم حقیقتاً عجمی زبان کے اندر علم تھا، تو یہ جو عجمہ ہے یہ علم کے ضمن میں ابراہیم کے اندر ثابت ہو رہا ہے۔ کس کے ضمن میں؟ علم ہے یہ بھئی۔ تو کہتے ہیں: بِأَنْ تَكُوْنَ مُتَحَقِّقَةً فِيْ ضِمْنِ الْعَلَمِ فِي الْعَجَمِ حَقِيْقَةً كَإِبْرَاهِيْمَ، بایں صورت کہ وہ عجمہ جو ہے ثابت ہونا چاہیے علم کے ضمن میں فِي الْعَجَمِ عجمی زبان کے اندر حقیقتاً كَإِبْرَاهِيْمَ جیسے ابراہیم ہے۔ أَوْ حُكْماً یا یہ عجمی زبان میں علم کے ضمن میں ثابت ہو گا حکماً بھئی، حقیقتاً نہیں بلکہ حکماً۔ بھئی کس طرح حکماً کس طرح؟ آگے صورت بتلا رہے ہیں: بِأَنْ يَنْقُلَهُ الْعَرَبُ مِنْ لُغَةِ الْعَجَمِ، بایں صورت کہ عرب اس کو نقل کریں عجمی زبان سے إِلَى الْعَلَمِيَّةِ کس کی طرف؟ علمیت کی طرف نقل کر دیں، مِنْ غَيْرِ تَصَرُّفٍ فِيْهِ قَبْلَ النَّقْلِ بغیر کوئی تصرف کیے اس کے اندر نقل سے پہلے۔ تو قَالُوْن کا لفظ عجمی زبان میں اسمِ جنس تھا، ہر اچھی چیز کو کہتے تھے، لیکن پھر عربی زبان میں اس کو کس کی طرف نقل کر لیا؟ علمیت کی طرف نقل کر لیا، تو عجمی زبان میں تو یہ علم نہیں تھا لیکن عربی میں کس کی طرف نقل کیا گیا؟ علمیت کی طرف، اور بغیر کوئی تبدیلی کیے اسی طرح رکھا جیسے علم کو نقل کرتے ہوئے اس میں تبدیلی نہیں کی جاتی۔

جی ترجمہ ایک دفعہ پھر دیکھ لیں: أَوْ حُكْماً یا وہ حکماً علم ہو گا بِأَنْ يَنْقُلَهُ الْعَرَبُ مِنْ لُغَةِ الْعَجَمِ إِلَى الْعَلَمِيَّةِ بایں صورت کہ نقل کریں عرب اس کو عجمی زبان سے إِلَى الْعَلَمِيَّةِ علم ہونے کی طرف، مِنْ غَيْرِ تَصَرُّفٍ فِيْهِ قَبْلَ النَّقْلِ بغیر کوئی تصرف

کیے اس کے اندر نقل کرنے سے پہلے، عربی زبان کی طرف منتقل کرنے سے پہلے اس میں کوئی تبدیلی نہ کریں، کَقَالُوْنَ جیسے کہ قَالُوْن ہے بھئی۔

یاد رکھو قَالُوْن یہ امام قَالُوْن بھئی امام قَالُوْن یہ قراءت کے امام ہیں بھئی، قراءت کے امام ہیں۔ اور قَالُوْن رومی زبان میں ہر اچھی چیز کو کہتے تھے۔ لیکن پھر امام قَالُوْن کو یہ نام دیا، یہ لقب دیا امام نافع یا امام مالک رحمہما اللہ نے بھئی۔ یہ لقب دیا چونکہ ان کی قراءت بہت زبردست تھی بہت اچھی تھی اس لیے ان کو قَالُوْن کہنے لگ پڑے۔ یہ جو امام قَالُوْن تھے یہ بھی دراصل روم کے قیدیوں میں سے تھے، معلوم ہوا کہ رومیوں سے مسلمانوں کی جنگ ہوئی ہو گی، کوئی قیدی آئے ہوں گے تو یہ بھی ان میں شامل تھے، اور پھر یہ مسلمان ہو گئے اور پھر وہیں پر انہوں نے قراءت سیکھی ہو گی، اور چونکہ بہت عمدہ اور اعلیٰ قراءت فرماتے تھے تو جو ان کے استاد تھے امام نافع بھئی، یا اسی زمانے میں امام مالک رحمہ اللہ تھے، ان دونوں میں سے کہتے ہیں کسی ایک نے ان کو یہ لقب دیا، تو اب یہ امام قَالُوْن کے نام سے مشہور ہیں بھئی۔ اور اصل نام ان کا ہے عیسیٰ بھئی، تو اصل نام ان کا عیسیٰ ہے بھئی۔ اور کہتے ہیں یہ بہرے تھے بھئی، بہت اونچا سنتے تھے، بہت اونچا حتیٰ کہ ڈھول کی آواز بھی ان کو سنائی نہیں دیتی تھی بھئی اتنے بہرے تھے بھئی۔ اور چنانچہ پھر قراءت کیسے سیکھی؟ کہتے ہیں یہ جو ان کے استاد تھے بھئی امام نافع، امام نافع قراءِ سبعہ میں سے ہیں بھئی، سات قراء جو مشہور قراء ہیں ان میں سے ایک امام نافع رحمہ اللہ ہیں، یہ ان کے شاگرد تھے بھئی۔ اور یہ کہتے ہیں اپنا کان بالکل استاد کے منہ کے قریب رکھتے تھے بھئی، پھر ان کو آواز سنائی دیتی تھی۔ اور کہتے ہیں اس طرح سالہا سال تک یہ ان کے پاس رہے اور پورا قرآن انہوں نے زبردست طریقے سے سیکھ لیا، ان کی شہرت ہو گئی ہر طرف بھئی، دور دور سے لوگ ان کے پاس قرآن سیکھنے کے لیے آتے تھے۔ انہوں نے بہت وقت امام نافع رحمہ اللہ کے ساتھ گزارا، حتیٰ کہ کہتے ہیں پورا قرآن تجوید کے ساتھ سیکھنے کے بعد بھی یہ بیس سال تک ان کی خدمت میں مزید رہے بھئی۔ تو یہ استاد کے ہونٹوں کے بالکل قریب کان رکھتے اور پھر ان کی تلاوت سنتے تھے اور سیکھتے تھے بھئی۔ اور جب یہ پڑھاتے تھے، پڑھاتے تھے اب شاگرد قراءت کر رہا ہے، تو شاگرد کے ہونٹوں کی حرکت سے وہ اس کی غلطی پکڑ لیتے تھے فوراً بھئی۔ اور بہت عمدہ قراءت کرتے تھے تو ان کو قَالُوْن کا لقب دیا گیا بھئی، امام قَالُوْن بھئی۔

تو کہتے ہیں: کَقَالُوْنَ جیسے کہ قَالُوْن ہے، فَإِنَّهُ كَانَ فِي الْعَجَمِ اسْمَ جِنْسٍ اس لیے کیونکہ یہ قَالُوْن کا لفظ جو ہے عجمی زبان میں اسمِ جنس ہے، سُمِّيَ بِهِ أَحَدُ رُوَاةِ الْقُرَّاءِ اور موسوم کیا گیا اس نام کے ساتھ یعنی یہ نام رکھا گیا أَحَدُ رُوَاةِ الْقُرَّاءِ رواتِ قراء میں سے ایک کا، وہ قراء جو قراءت کو روایت کرنے والے ہیں ان میں سے ایک کا نام قَالُوْن رکھا گیا، تو یہ امام قَالُوْن کہلاتے ہیں، کیا کہلاتے ہیں؟ امام قَالُوْن رحمہ اللہ بھئی۔ تو کہتے ہیں: سُمِّيَ بِهِ أَحَدُ رُوَاةِ الْقُرَّاءِ اس نام کے ساتھ موسوم کیا گیا رواتِ قراء میں سے ایک کو لِجَوْدَةِ قِرَاءَتِهِ ان کی قراءت کے عمدہ ہونے کی وجہ سے، قَبْلَ أَنْ يَتَصَرَّفَ فِيْهِ الْعَرَبُ قبل

اس کے کہ تصرف کریں اس کے اندر عرب، یعنی عربوں کے تصرف کرنے سے پہلے ہی ان کا یہ نام رکھا گیا یعنی اس میں عربی زبان میں کوئی تصرف نہیں کیا گیا۔ فَكَأَنَّهُ كَانَ عَلَماً فِي الْعَجَمِيَّةِ تو گویا کہ یہ لفظ جو تھا یہ علم ہی تھا عجمی زبان میں، یعنی حقیقت میں تو علم نہیں تھا لیکن گویا جیسے یہ اسی طرح بن گیا جیسے عجمی زبان میں بھی کیا تھا علم تھا یعنی نقل کرتے ہوئے کوئی اس میں تبدیلی نہیں کی گئی۔ تو کہتے ہیں: فَكَأَنَّهُ كَانَ عَلَماً فِي الْعَجَمِيَّةِ تو گویا کہ یہ علم تھا عجمی زبان میں۔

وَإِنَّمَا جُعِلَتْ شَرْطاً لِئَلَّا يَتَصَرَّفَ فِيْهَا الْعَرَبُ مِثْلَ تَصَرُّفَاتِهِمْ فِيْ كَلَامِهِمْ۔ کہتے ہیں یہ علمیت کو شرط قرار دیا گیا لِئَلَّا يَتَصَرَّفَ فِيْهَا الْعَرَبُ تاکہ کہیں عرب اس کے اندر تصرف نہ کریں، تاکہ جس لفظ کو نقل کیا جا رہا ہے کہیں عرب اس کے اندر تصرف نہ کریں، مِثْلَ تَصَرُّفَاتِهِمْ فِيْ كَلَامِهِمْ جس طرح کہ عرب تصرفات کرتے ہیں فِيْ كَلَامِهِمْ اپنے کلام میں، كَلَامِهِمْ کی ہُمْ ضمیر کس کو راجع؟ عرب کو کہ جس طرح عرب اپنے کلام میں کیا کرتے ہیں؟ تصرفات کرتے ہیں، کبھی لفظ پر الف لام لاتے ہیں، کبھی تنوین لاتے ہیں، اور کبھی اس کی اضافت کرتے ہیں، تو اس طرح کا کوئی تصرف تاکہ عرب اس کے اندر نہ کریں بھئی۔ تو کہتے ہیں: وَإِنَّمَا جُعِلَتْ شَرْطاً یہ علمیت کو شرط قرار دیا گیا لِئَلَّا يَتَصَرَّفَ فِيْهَا الْعَرَبُ تاکہ کہیں عرب اس کے اندر تصرف نہ کریں مِثْلَ تَصَرُّفَاتِهِمْ فِيْ كَلَامِهِمْ جس طرح کہ عرب اپنے کلام میں تصرفات کرتے ہیں، فَتَضْعُفُ فِيْهِ الْعُجْمَةُ تو عجمہ اس کے اندر ضعیف ہو جائے گا۔ تو عجمہ اس کے اندر ضعیف ہو جائے گا، بھئی اگر عرب اس کے اندر تصرف کر دیں گے تو عجمہ اس کے اندر ضعیف ہو جائے گا، اب کلمے میں ثقل نہیں رہے گا، فَلَا تَصْلُحُ سَبَباً لِمَنْعِ الصَّرْفِ تو پھر وہ عجمہ صلاحیت نہیں رکھے گا کہ وہ منعِ صرف کے لیے سبب بن جائے بھئی۔ اگر عرب اس میں تصرف کر دیں گے تو پھر یہ غیرِ انصراف کا سبب بننے کی صلاحیت نہیں... بھئی غیرِ انصراف کا سبب کیوں بنتا ہے عجمی کلمہ؟ کیونکہ اس کی ادائیگی عربوں کے لیے دشوار ہے، اور اگر عرب اس کے اندر تبدیلی کر دیں گے تو پھر تو ان کے لیے ادائیگی دشوار نہیں رہے گی، ثقل ختم ہو جائے گا، تو پھر یہ عجمہ جو ہے غیرِ انصراف کا سبب نہیں بنے گا۔

تو کہتے ہیں: فَلَا تَصْلُحُ سَبَباً لِمَنْعِ الصَّرْفِ تو پھر یہ عجمہ جو ہے یہ منعِ صرف کے لیے سبب بننے کی صلاحیت نہیں رکھے گا۔ فَعَلٰى هٰذَا تو اسی بنا پر، لَوْ سُمِّيَ بِمِثْلِ لِجَامٍ اگر موسوم کر دیا جائے کسی کو لجام جیسے لفظ سے، اگر کسی کا نام رکھ دیا جائے لجام بھئی، میں نے بتایا لجام، لجام یہ فارسی لفظ لگام ہے بھئی، لگام جو گھوڑے کو پہنائی جاتی ہے اس کو قابو میں رکھنے کے لیے، اس پر سواری کرنے کے لیے، اسی لگام کے لفظ کو عرب اپنی زبان میں لے گئے اور اس میں تبدیلی کر دی اور اس کو اب وہ لجام پڑھتے ہیں، دیکھو لام کو کسرہ بھی دے دیا اور گاف کو جیم سے بدل دیا۔ تو کہتے ہیں: فَعَلٰى هٰذَا لَوْ سُمِّيَ بِمِثْلِ لِجَامٍ لَا يَمْتَنِعُ صَرْفُهُ اسی لیے اگر لجام جیسے لفظ کے ساتھ کسی کو اگر موسوم کر دیا جائے یعنی کسی کا نام لجام رکھ دیا جائے، تو لَا يَمْتَنِعُ صَرْفُهُ تو اس کی صرف ممتنع نہیں یعنی اس کو غیر منصرف نہیں پڑھیں گے لِعَدَمِ عَلَمِيَّتِهِ فِي الْعُجْمَةِ بوجہ علمیت

نہ ہونے کے فِی الْعُجْمَةِ عجمہ میں، عجمہ میں علمیت نہ ہونے کی وجہ سے کیونکہ دیکھو اس میں تو عربوں نے تبدیلی کر دی بھئی۔

وَشَرْطُهَا الثَّانِیْ أَحَدُ الْأَمْرَیْنِ، اور عجمہ کی دوسری شرط جو ہے أَحَدُ الْأَمْرَیْنِ دو چیزوں میں سے ایک چیز ہونی چاہیے، کون سی دو چیزیں؟ یا کلمہ تین حروف سے زائد پر مشتمل ہو یا اگر تین پر مشتمل ہے تو درمیان والا متحرک ہونا چاہیے۔ تو کہتے ہیں: وَشَرْطُهَا الثَّانِیْ أَحَدُ الْأَمْرَیْنِ اور عجمہ کی دوسری شرط جو ہے دو چیزوں میں سے ایک چیز کا ہونا: تَحَرُّكُ الْحَرْفِ الْأَوْسَطِ۔ بھئی متن میں تھا تَحَرُّكُ الْأَوْسَطِ، اور صاحبِ جامی نے درمیان میں حرف کا لفظ نکال دیا، أَیْ تَحَرُّكُ الْحَرْفِ الْأَوْسَطِ، بتلانا یہ چاہتے ہیں کہ اَلْأَوْسَط یہ صفت ہے اور اس کا موصوف اَلْحَرْف محذوف ہے، کہ درمیان والا حرف متحرک ہونا چاہیے، أَوِ الزِّیَادَةُ عَلَى الثَّلَاثَةِ یا تین حروف پر زائد ہونا چاہیے کلمہ بھئی۔ تو کہتے ہیں: أَیْ عَلٰى ثَلَاثَةِ أَحْرُفٍ، متن میں آیا تھا أَوِ الزِّیَادَةُ عَلَى الثَّلَاثَةِ تین پر زیادہ ہو، بھئی تین پر زیادہ کیا معنی؟ آگے شارحِ جامی تفسیر کر رہے ہیں أَیْ عَلٰى ثَلَاثَةِ أَحْرُفٍ کہ اَلثَّلَاثَة سے مراد ثَلَاثَةُ أَحْرُفٍ ہے بھئی، تین حروف مراد ہیں۔ أَیْ عَلٰى ثَلَاثَةِ أَحْرُفٍ یعنی تین حروف پر زیادہ ہونا چاہیے۔ بھئی کیوں یہ شرط کیوں لگاتے ہیں؟ کہتے ہیں: لِئَلَّا یُعَارِضَ الْخِفَّةُ أَحَدَ السَّبَبَیْنِ، تاکہ یہ جو خفت ہے یہ دو سببوں میں سے ایک کے مقابل نہ ہو جائے، دو سببوں میں سے ایک کے مقابل نہ ہو جائے۔ بھئی دیکھیے یہ جو اسبابِ منعِ صرف ہیں ان کی وجہ سے کلمے میں ثقل پیدا ہوتا ہے۔ تو اگر عجمہ جو ہے اس میں علمیت تو ہو لیکن تین حروف سے زیادہ نہیں ہے یا درمیان والا متحرک نہیں ہے تو پھر تو کلمے میں کوئی ثقل آیا ہی نہیں، تو ایک سبب تو آجائے گا لیکن خود عجمہ کی وجہ سے کلمے میں کوئی ثقل... بھئی کلمے میں کوئی سے دو سبب آئیں گے، ان میں سے ایک عجمہ ہو گا، دوسرا مثلاً علمیت ہے، تو علمیت کی وجہ سے تو ثقل آگیا لیکن خود عجمہ کی وجہ سے کوئی ثقل نہیں آیا۔ تو جب یہ دوسری شرط پوری نہیں ہو گی تو کلمہ خفیف ہے، تو اس کی خفت وہ جو دوسرا سبب ہے مثلاً علمیت اس کے مقابل بن جائے گی، وہ تو ثقل پیدا کر رہا ہے لیکن یہ دوسری طرف ثقل نہیں ہے بلکہ خفت ہے، تو پھر کلمہ غیر منصرف نہیں بنے گا بلکہ منصرف رہے گا بھئی۔ یہ معنی ہے لِئَلَّا یُعَارِضَ الْخِفَّةُ أَحَدَ السَّبَبَیْنِ تاکہ یہ جو خفت ہے یہ مقابل نہ ہو جائے دو سببوں میں سے ایک کے۔

یاد رکھنا امام سیبویہ رحمہ اللہ اور دیگر نحوی حضرات وہ صرف زیادت علی الثلاثہ کی شرط لگاتے ہیں۔ عجمہ کے اندر ایک علمیت ہونی چاہیے اور ایک زیادت علی الثلاثہ تین حروف سے زائد ہونا چاہیے، درمیان والے حرف کے متحرک ہونے کا وہ اعتبار نہیں کرتے۔ چنانچہ آگے شَتَر کا لفظ آئے گا، شَتَر کا لفظ صاحبِ کافیہ کے نزدیک وہ غیر منصرف ہے کیونکہ صاحبِ کافیہ درمیان والے حرف کے متحرک ہونے کا اعتبار کرتے ہیں لہٰذا ان کے نزدیک شَتَر غیر منصرف۔ جبکہ امام سیبویہ کے نزدیک عجمہ میں شرط ہے کہ تین حروف سے زیادہ ہونا چاہیے، اور ابراہیم یہ تو تین حروف سے زیادہ ہے لہٰذا اس کے اندر عجمہ مؤثر ہو گا یہ غیر منصرف ہو گا، لیکن شَتَر تو تین حروف سے زیادہ نہیں لہٰذا ان کے نزدیک شَتَر کا لفظ غیر منصرف نہیں ہے بلکہ منصرف ہے بھئی۔ بات سمجھ میں آگئی۔

آگے دیکھیے کہتے ہیں: فَنُوْحٌ مُنْصَرِفٌ، تو نوح کا لفظ جو ہے منصرف ہے۔ هٰذَا تَفْرِیْعٌ بِالنَّظَرِ إِلَى الشَّرْطِ الثَّانِیْ، یہ تفریع

ہے شرطِ ثانی کی طرف نظر کرتے ہوئے، کس کی طرف؟ بھئی دو شرطیں ذکر کیں صاحبِ کافیہ نے: ایک شرط یہ کہ علم ہونا چاہیے، دوسری شرط یہ کہ تین حروف سے زیادہ ہو یا درمیان والا متحرک ہو، تو یہ جو نوح کی تفریع کی یہ شرطِ ثانی پر ہے، کس پر؟ شرطِ ثانی پر تفریع کر رہے ہیں کہ نوح کے اندر شرطِ ثانی نہیں پائی جا رہی لہٰذا یہ منصرف ہے۔ نوح حالانکہ عجمی نام ہے، پہلی شرط پوری علمیت ہے لیکن دوسری شرط پوری نہیں کہ تین سے زیادہ ہونا چاہیے یا درمیان والا متحرک ہونا چاہیے، تو دوسری شرط پوری نہیں تو لہٰذا نوح کا لفظ منصرف ہے۔ لفظِ نوح کے بارے میں یاد رکھیں علامہ زمخشری بھئی جن کی کتاب مفصل سے یہ کافیہ ماخوذ ہے بھئی، علامہ زمخشری کے نزدیک نوح جو ہے اس کو منصرف پڑھنا بھی جائز غیر منصرف پڑھنا بھی جائز ہے۔ وہ اس کو قیاس کرتے ہیں ہند پر بھئی۔ ہند آپ نے پڑھا تھا تانیثِ معنوی، تانیثِ معنوی وہ غیرِ انصراف کا سبب بنتی ہے جوازی طور پر، وجوباً کب سبب بنے گی؟ جب کلمہ تین حروف سے زائد ہو یا درمیان والا متحرک ہو یا کم از کم عجمی ہو، ان تین میں سے کوئی ایک بات پوری ہو تو پھر تانیثِ معنوی غیرِ انصراف کا سبب بنتی ہے وجوباً۔ لیکن ہند کے اندر ہند مؤنث کا نام تو ہے، تانیثِ معنوی تو ہے، لیکن دوسری شرط پوری نہیں۔ علمیت والی شرط تو پوری ہے، تانیثِ معنوی میں ایک شرط علمیت تھی، علمیت والی شرط تو پوری ہے ہند بھی نام ہے، لیکن دوسری شرط پوری نہیں، نہ تو یہ تین حروف سے زائد ہے نہ درمیان والا متحرک ہے اور نہ ہی یہ عجمی نام ہے، تو اس کو منصرف پڑھنا بھی جائز اور غیر منصرف پڑھنا بھی جائز۔ آپ چاہیں تو تانیثِ معنوی کا اعتبار کریں اور آپ چاہیں تو نہ کریں۔ آپ تانیثِ معنوی کا اعتبار کرتے ہیں تو ایک علمیت ایک تانیثِ معنوی غیر منصرف پڑھیں، اور آپ چاہیں تو تانیثِ معنوی کا اعتبار نہ کریں کیونکہ کلمے کے اندر کوئی ثقل آیا ہی نہیں ہے تو پھر صرف علمیت ہے تانیثِ معنوی گویا ہے ہی نہیں تو پھر اس کو منصرف پڑھ دیں۔ تو علامہ زمخشری فرماتے ہیں نوح بھی اسی طرح ہے، نوح بھی اسی طرح ہے، اس کے اندر عجمہ بھی ہے اور علمیت بھی ہے لیکن عجمہ کی وجہ سے کوئی ثقل نہیں آیا، آپ چاہیں اس عجمہ کا اعتبار کریں چاہیں اعتبار نہ کریں۔ اگر عجمہ کا اعتبار کرتے ہیں تو نوح کو غیر منصرف پڑھیں ایک علمیت ایک عجمہ، اور آپ چاہیں تو عجمہ کا اعتبار کریں ہی نہ کیونکہ اس کی وجہ سے کوئی ثقل ہی نہیں آیا کلمے میں، جب ثقل نہیں آیا تو صرف ایک سبب علمیت ہے عجمہ گویا ہے ہی نہیں، جب عجمہ ہے ہی نہیں ایک ہی سبب ہے تو کلمے کو کیا پڑھو؟ منصرف۔ یہ کس کے نزدیک ہے؟ علامہ زمخشری کے نزدیک۔ لیکن صاحبِ کافیہ کے نزدیک نوح جو ہے وہ منصرف ہی ہے اس کو غیر منصرف نہیں پڑھ سکتے۔ اور آگے وجہ بھی بتلائیں گے کہ بھئی دیکھو آپ نوح کو ہند پر قیاس نہیں کر سکتے۔ ہند کے اندر کون سا سبب تھا؟ تانیثِ معنوی، اور نوح کے اندر کیا ہے؟ عجمہ۔ لیکن تانیثِ معنوی کو کہتے ہیں کچھ نہ کچھ قوت حاصل ہے عجمہ کے مقابلے میں۔ دونوں میں تھوڑا سا فرق ہے، کس طرح؟ کہ اس کو تھوڑی سی قوت حاصل ہے، بھئی دیکھو تانیثِ معنوی وہ بھی معنوی چیز یہاں پر عجمہ بھی کیا ہے؟ لفظوں میں تو کوئی اثر ہے نہیں معنوی چیز ہے، لیکن تانیثِ معنوی کو کچھ قوت حاصل ہے، کس طرح قوت حاصل ہے؟ کہ بھئی اس کے اندر جو تا مقدر ہوتی ہے

کبھی کبھی وہ ظاہر بھی ہو جاتی ہے، جیسے اس کی تصغیر نکالیں تو وہ تا آجاتی ہے، جیسے ہند، ہند کی تصغیر نکالیں تو وہ ہُنَیْدَۃٌ آتی ہے، دیکھو وہ تا ظاہر ہو گئی۔ تو اس میں وہ تا کبھی کبھی ظاہر بھی ہو جاتی ہے جبکہ نوح کے اندر جو عجمہ ہے وہ کبھی بھی ظاہر نہیں ہوتا، تو یہ اس کے مقابلے میں ضعیف ہوا لہٰذا اس کو اس پر قیاس نہیں کر سکتے۔ تو ہند کے اندر تو دونوں وجہیں پڑھنا جائز لیکن جو نوح ہے یہ منصرف ہی ہے اس کو غیر منصرف نہیں پڑھیں گے، یہ کس کی رائے ہے؟ صاحبِ کافیہ کی رائے ہے جبکہ علامہ زمخشری فرماتے ہیں کہ نوح بھی ہند کی طرح ہے اس کو بھی دونوں طرح پڑھ سکتے ہیں۔

تو کہتے ہیں: فَنُوْحٌ مُنْصَرِفٌ تو نوح کا لفظ جو ہے منصرف ہے، ہٰذَا تَفْرِیْعٌ بِالنَّظَرِ إِلَی الشَّرْطِ الثَّانِیْ یہ تفریع ہے شرطِ ثانی کی طرف نظر کرتے ہوئے، فَانْصِرَافُ نُوْحٍ إِنَّمَا ہُوَ لِانْتِفَاءِ الشَّرْطِ الثَّانِیْ پس نوح کا منصرف ہونا وہ شرطِ ثانی کے منتفی ہونے کی وجہ سے ہے یعنی اس کے نہ ہونے کی وجہ سے ہے۔ وَہٰذَا اخْتِیَارُ الْمُصَنِّفِ اور یہ مصنف کا اختیار ہے، مصنف نے اس بات کو اختیار کیا ہے لِأَنَّ الْعُجْمَۃَ سَبَبٌ ضَعِیْفٌ اس لیے کیونکہ عجمہ سببِ ضعیف ہے، لِأَنَّہٗ أَمْرٌ مَعْنَوِیٌّ اس لیے کیونکہ یہ ایک معنوی چیز ہے، عجمہ کیا ہے؟ معنوی چیز ہے، لفظوں میں اس کی کوئی علامت وغیرہ نہیں تو یہ ایک معنوی چیز ہے۔ فَلَا یَجُوْزُ اعْتِبَارُہَا مَعَ سُکُوْنِ الْأَوْسَطِ لہٰذا جائز نہیں ہے کہ عجمہ کا اعتبار کیا جائے مَعَ سُکُوْنِ الْأَوْسَطِ درمیان والے حرف کے ساکن ہونے کے ساتھ، درمیان والے حرف کے ساکن ہوتے ہوئے۔ وَأَمَّا التَّأْنِیْثُ اور باقی جو تانیث ہے، فَإِنَّ لَہٗ عَلَامَۃً مُقَدَّرَۃً تَظْہَرُ فِیْ بَعْضِ التَّصَرُّفَاتِ تو تانیثِ معنوی جو ہے اس کے لیے ایسی علامت ہے مُقَدَّرَۃً جو مقدر ہوتی ہے اور تَظْہَرُ فِیْ بَعْضِ التَّصَرُّفَاتِ اور بعض تصرفات میں وہ ظاہر بھی ہو جاتی ہے، فَلَہٗ نَوْعُ قُوَّۃٍ لہٰذا تانیثِ معنوی کو ایک نوع کی ایک قسم کی قوت حاصل ہے، فَجَازَ أَنْ یُّعْتَبَرَ مَعَ سُکُوْنِ الْأَوْسَطِ وَأَنْ لَّا یُعْتَبَرَ تو تانیثِ معنوی کے اندر جائز ہے کہ اس کا اعتبار کیا جائے مَعَ سُکُوْنِ الْأَوْسَطِ درمیان والے حرف کے ساکن ہونے کے ساتھ، وَأَنْ لَّا یُعْتَبَرَ اور یہ بھی جائز ہے کہ اس کا اعتبار نہ کیا جائے، اس میں تو دونوں صورتیں ہیں لیکن نوح کے اندر دونوں صورتیں جائز نہیں، یہ کس کی رائے ہے؟ صاحبِ کافیہ کی بھئی۔

فَإِنْ قُلْتَ یہاں سے ایک اعتراض ذکر کریں گے۔ ادھر دیکھیے بھئی اعتراض سمجھ لو۔ اعتراض یہ ہوتا ہے کہ پیچھے مَاہُ وَجُوْرُ گزرے تھے، مَاہُ وَجُوْرُ یہ دونوں نام ہیں دو شہروں کے، ایک شہر کا نام مَاہ ایک کا نام جُوْر۔ اور دیکھو اس میں تانیثِ معنوی ہے، اور تانیثِ معنوی کے اندر دو شرطیں تھیں: ایک علمیت، اور مَاہُ وَجُوْرُ میں علمیت موجود ہے، اور دوسری شرط کیا تھی؟ کہ تین حروف سے زائد ہو یا درمیان والا متحرک ہو یا کم از کم لفظ کیا ہونا چاہیے؟ عجمی، تو یہ مَاہ اور جُوْر بھی عجمی ہیں، تو دوسری شرط بھی پوری، تو لہٰذا مَاہُ وَجُوْرُ کو غیر منصرف پڑھنا واجب ہے، مَاہُ وَجُوْرُ کو غیر منصرف پڑھنا واجب ہے بھئی۔ تو سوال پیدا ہوا کہ مَاہ اور جُوْر اس کے اندر تو آپ نے عجمہ کا اعتبار کیا یا نہیں؟ تانیثِ معنوی کے اندر پہلی شرط کیا تھی؟ علمیت، دوسری شرط کیا تھی؟ تین سے زائد ہو یا درمیان والا متحرک ہو یا عجمی ہونا چاہیے، دیکھا یہاں عجمہ کا

آپ نے اعتبار کر لیا اور اس کی وجہ سے کیا حکم لگا دیا؟ کہ مَاہ اور جُوْر کا غیر منصرف پڑھنا واجب ہے اس کو منصرف نہیں پڑھ سکتے، حالانکہ مَاہ اور جُوْر میں بھی درمیان والا حرف ساکن ہے۔ اشکال سمجھ میں آرہا ہے؟ تو نوح کے اندر بھی درمیان والا حرف ساکن ہے، تو یہاں پر بھی عجمہ کا اعتبار کرنا چاہیے بھئی۔ اشکال سمجھ میں آیا؟ تو جواب دیں گے کہ بھئی مَاہ اور جُوْر جو ہے اس کے اندر غیرِ انصراف کے جو دو سبب ہیں ایک علمیت ہے ایک تانیث ہے، عجمہ سبب نہیں ہے، عجمہ صرف تانیثِ معنوی کو قوت دے رہا تھا، مستقل سبب نہیں ہے۔ مَاہ اور جُوْر میں دو سبب کون سے؟ ایک علمیت، علم ہے نام ہے شہروں کے، دوسرا کیا؟ تانیثِ معنوی ہے، توجہ ہے؟ تانیثِ معنوی۔ ہاں تانیثِ معنوی کے اندر کیا شرط تھی؟ علمیت ہونی چاہیے وہ شرط بھی پوری، اور دوسری شرط کیا تھی؟ کہ تین سے زائد ہو یا درمیان والا متحرک ہو یا لفظ کیا ہونا چاہیے؟ عجمی ہونا چاہیے، تو یہ عجمی ہونا شرط تھا کس کے لیے؟ تانیثِ معنوی کے لیے بھئی۔ تو یہاں پر مَاہ اور جُوْر کے اندر عجمہ کا اعتبار کیا وہ الگ مستقل سبب نہیں بن رہا یہاں۔ بات سمجھ میں آرہی ہے؟ مَاہ اور جُوْر میں دو سبب کون سے ہیں؟ علمیت ہے اور دوسرا تانیثِ معنوی ہے، ہاں عجمہ اسی تانیثِ معنوی کو قوت دے رہا تھا، خود یہ سبب نہیں بن رہا غیرِ انصراف کا۔ تو فرق دونوں میں یہ ہے کہ مَاہ اور جُوْر میں عجمہ وہ صرف تانیثِ معنوی کو قوت دینے کے لیے اس کا اعتبار کیا گیا ہے، اور نوح کے اندر اگر عجمہ کو سبب بنا دیا جائے پھر تو اس کو مستقل سبب بنانا پڑے گا، کہ نوح کے اندر پھر دو سبب کون سے ہوں گے؟ ایک علمیت ایک عجمہ۔ دیکھا عجمہ کو مستقل سبب قرار دینا پڑے گا۔ تو لہٰذا عجمہ میں جب درمیان والا حرف ساکن ہو پھر یہ مستقل سبب نہیں بن سکتا، ہاں دوسرے سبب کو قوت دے سکتا ہے لیکن خود سبب نہیں بنے گا۔ بات سمجھ میں آگئی۔

کہتے ہیں: فَإِنْ قُلْتَ اگر آپ یہ اعتراض کریں قَدِ اعْتُبِرَتِ الْعُجْمَۃُ فِیْ مَاہَ وَجُوْرَ کہ تحقیق عجمہ کا اعتبار کیا گیا مَاہ اور جُوْر میں مَعَ سُکُوْنِ الْأَوْسَطِ فِیْمَا سَبَقَ باوجود درمیان والے حرف کے ساکن ہونے کے فِیْمَا سَبَقَ وہ جو ماقبل میں بات گزر گئی بھئی تانیثِ معنوی کے اندر، فَلِمَ لَمْ تُعْتَبَرْ ہٰہُنَا تو پھر یہاں پر اس کا اعتبار کیوں نہیں کیا گیا؟ قُلْنَا ہم کہتے ہیں (جواب دینے لگے ہیں)۔ کہتے ہیں قُلْنَا ہم کہتے ہیں: اِعْتِبَارُہَا فِیْمَا سَبَقَ کہ عجمہ کا جو اعتبار تھا فِیْمَا سَبَقَ ماقبل کے اندر جو گزر گیا اس کے اندر، إِنَّمَا ہُوَ لِتَقْوِیَۃِ سَبَبَیْنِ آخَرَیْنِ وہ قوت دینے کے لیے تھا دو دوسرے سببوں کو، لِئَلَّا یُقَاوِمَ سُکُوْنُ الْأَوْسَطِ أَحَدَہُمَا تاکہ کہیں مقابل نہ ہو جائے سُکُوْنُ الْأَوْسَطِ درمیان کے، درمیان والے حرف کا ساکن ہونا، تاکہ درمیان والے حرف کا ساکن ہونا یہ مقابل نہ ہو جائے أَحَدَہُمَا ان دونوں میں سے ایک کے۔ بھئی دیکھیے مَاہ اور جُوْر، مَاہ اور جُوْر میں ایک تو علمیت والا ثقل آگیا، توجہ ہے؟ دوسرا ثقل تانیثِ معنوی کی وجہ سے آنا تھا، لیکن تانیثِ معنوی وہ بھی ایک معنوی چیز ہے، تو اس کی وجہ سے ثقل نہیں تھا، تو اس کے ساتھ کس کا اعتبار کر لیا؟ عجمہ کا، تو اب عجمہ کی وجہ سے اس تانیثِ معنوی میں قوت آگئی، اب جو خفت تھی اب وہ دوسرے سبب کا جو ثقل آرہا تھا یعنی علمیت کا اس کے مقابل نہ ہو سکی تو دو سبب بن گئے۔

پھر دیکھیے بھئی، کہتے ہیں: قُلْنَا اعْتِبَارُہَا فِیْمَا سَبَقَ إِنَّمَا ہُوَ لِتَقْوِیَۃِ سَبَبَیْنِ آخَرَیْنِ، کہ عجمہ کا جو اعتبار کیا گیا ماقبل کے اندر وہ دو دوسرے سببوں کو قوت دینے کے لیے ہے، لِئَلَّا یُقَاوِمَ – قَاوَمَ یُقَاوِمُ کے معنی مقابل ہونا معارض ہونا – لِئَلَّا یُقَاوِمَ سُکُوْنُ الْأَوْسَطِ أَحَدَہُمَا تاکہ درمیان والے حرف کا ساکن ہونا یہ معارض نہ ہو جائے أَحَدَہُمَا ان دو سببوں میں سے ایک کے یعنی اس کے ثقل کے یہ معارض نہ ہو جائے۔ فَلَا یَلْزَمُ مِنِ اعْتِبَارِہَا لِتَقْوِیَۃِ سَبَبٍ آخَرَ، لہٰذا کسی دوسرے سبب کو قوت دینے کے لیے اس کا اعتبار کرنے سے یہ لازم نہیں آتا – ترجمے پہ نظر ہے – فَلَا یَلْزَمُ مِنِ اعْتِبَارِہَا لِتَقْوِیَۃِ سَبَبٍ آخَرَ لہٰذا کسی دوسرے سبب کو قوت دینے کے لیے عجمہ کا اعتبار کرنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ اِعْتِبَارُ سَبَبِیَّتِہَا بِالِاسْتِقْلَالِ کہ اس کے سبب ہونے کا اعتبار کیا جائے بِالِاسْتِقْلَالِ۔ کسی دوسرے سبب کو تقویت دینے کے لیے عجمہ کا اعتبار کرنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ مستقلاً اس کو بھی اس کے بھی سبب ہونے کا اعتبار کیا جائے بھئی، جب درمیان والا حرف ساکن ہے تو پھر یہ اس کو مستقلاً سبب شمار نہیں کیا جائے گا اس میں اتنی قوت نہیں ہے بھئی۔

کہتے ہیں: وَشَتَرُ اور شَتَر جو ہے وَہُوَ اسْمُ حِصْنٍ بِدِیَارِ بَکْرٍ، حِصْنٌ حا، صاد اور نون یہ قلعے کو کہتے ہیں بھئی وہ جو فوجی عمارت بنائی جاتی تھی مضبوط جس کے اندر پھر فوج رہتی تھی تاکہ کوئی اور حملہ آور آئے تو فوج اندر رہ کر اس کا مقابلہ کر سکے، تو کہتے ہیں: وَشَتَرُ وَہُوَ اسْمُ حِصْنٍ بِدِیَارِ بَکْرٍ، شَتَر یہ ایک قلعے کا نام ہے دیارِ بکر میں بھئی، دیارِ بکر کوئی علاقہ ہو گا تو اس میں ایک قلعے کا نام ہے۔ تو شَتَر اس میں ایک سبب کیا؟ علمیت، اور دوسرا سبب کیا؟ عجمہ ہے عجمہ، اور عجمہ کی شرط بھی پوری ہے، درمیان والا حرف متحرک ہے۔ وَإِبْرَاہِیْمُ اور اسی طرح ابراہیم کا لفظ جو ہے مُمْتَنِعٌ صَرْفُہُمَا ان دونوں کی صرف ممتنع ہے، لِوُجُوْدِ الشَّرْطِ الثَّانِیْ فِیْہِمَا ان میں دوسری شرط پائے جانے کی وجہ سے، فَإِنَّ فِیْ شَتَرَ تَحَرُّکَ الْأَوْسَطِ وَفِیْ إِبْرَاہِیْمَ الزِّیَادَۃَ عَلَی الثَّلَاثَۃِ اس لیے کیونکہ شَتَر کے اندر درمیان والا حرف متحرک ہے اور ابراہیم میں جو ہے وہ تین حروف سے زیادہ ہے۔

وَإِنَّمَا خَصَّ التَّفْرِیْعَ بِالشَّرْطِ الثَّانِیْ۔ سوال: فَنُوْحٌ مُنْصَرِفٌ وَشَتَرُ وَإِبْرَاہِیْمُ مُمْتَنِعٌ، صاحبِ جامی نے آپ کو بتلایا کہ یہ صاحبِ کافیہ تفریع کر رہے ہیں شرطِ ثانی پر، کس پر؟ شرطِ ثانی کیا تھی؟ درمیان والا حرف متحرک ہو یا تین حرف سے زیادہ ہو۔ نُوْحٌ اس میں یہ دونوں نہیں لہٰذا یہ منصرف ہے، اور شَتَر اور ابراہیم میں ان دونوں میں سے ایک ہے تو یہ کیا ہیں؟ غیر منصرف۔ سوال یہ کہ شرطِ ثانی پر تو تفریع کی اس کے لیے تو آگے مثالیں ذکر کیں اور شرطِ اول علمیت کی جو شرط لگائی تھی اس پر تفریع نہیں کی، اس کے لیے بھی تو مثالیں ذکر کرنی چاہیے تھیں۔ تو اس کا جواب دے رہے ہیں صاحبِ جامی اور آپ کو بتلائیں گے کہ بھئی یہاں صاحبِ کافیہ کوئی ان کا مقصد مثالیں دینا نہیں ہے، مثالیں دینا ان کا مقصد... وہ صرف بتلانا چاہتے ہیں کہ لفظِ نوح جو ہے اس میں حق یہ ہے کہ اس کو منصرف ہی پڑھیں گے۔ علامہ زمخشری تو فرماتے ہیں کہ نوح کو منصرف بھی پڑھ سکتے ہیں اور غیر منصرف بھی لیکن حق یہ ہے کہ نوح کو منصرف ہی پڑھیں گے بھئی۔ تو لہٰذا نوح کے اندر جو حق تھا ان کے نزدیک اس پر متنبہ کرنا چاہتے تھے، اس لیے انہوں نے نوح کی مثال ذکر کی کہ دیکھو نوح کے اندر دوسری

شرط میں سے کوئی چیز نہیں تو لہٰذا نوح کو منصرف پڑھیں گے۔ تو نوح کے اندر دوسری شرط ہے یا نہیں ہے؟ نہیں ہے۔ تو جب نہ ہونے پر نوح کی مثال پیش کر دی تو پھر ہونے پر کہ دوسری شرط جس میں پائی جائے اس لیے پھر آگے شَتَر اور ابراہیم کو بھی ذکر کر دیا کہ اس کے اندر دوسری شرط پائی جا رہی ہے، ورنہ اصل مقصد یہاں پر مثالیں ذکر کرنا ان کا مقصد نہیں تھا بھئی۔

تو کہتے ہیں: وَإِنَّمَا خَصَّ التَّفْرِيْعَ بِالشَّرْطِ الثَّانِيْ اور صاحبِ کافیہ نے خاص کیا تفریع کو دوسری شرط کے ساتھ، لِأَنَّ غَرَضَهُ التَّنْبِيْهُ عَلٰى مَا هُوَ الْحَقُّ عِنْدَهُ اس لیے کیونکہ ان کا مقصد جو ہے وہ متنبہ کرنا ہے اس بات پر جو حق ہے ان کے نزدیک، بھئی کیا وہ حق کیا ہے؟ مِنْ کے ذریعے بیان کر رہے ہیں پیچھے جو مَا هُوَ الْحَقُّ آیا وہ حق کیا ہے؟ کہتے ہیں: مِنِ انْصِرَافِ نَحْوِ نُوْحٍ یعنی کہ نوح جیسے لفظ کا منصرف ہونا۔

وَلِهٰذَا قَدَّمَ انْصِرَافَهُ۔ ادھر دیکھیے: نوح اس میں دوسری شرط نہیں ہے، اور شَتَر اور ابراہیم میں دوسری شرط ہے، تو کہتے ہیں بھئی اگر تفریع کرنا ہی مقصد ہوتا تو پھر پہلے جس میں شرط پوری ہے تو شَتَر اور ابراہیم کو پہلے ذکر کرنا چاہیے تھا اور جس کے اندر شرط پوری نہیں ہے یعنی نوح اس کو بعد میں ذکر کرنا چاہیے تھا۔ لیکن کہتے ہیں ہم نے آپ کو بتا دیا کہ یہاں وہ مثالیں ذکر کرنا ان کا مقصد ہی نہیں ہے، وہ صرف نوح کے اندر جو حق مذہب تھا اس کو بیان کرنا چاہتے ہیں، اسی لیے نوح کے لفظ کو مقدم کر دیا اگرچہ نوح کے اندر تو شرط عدمی ہے تو اس کو تو آخر میں ذکر کرنا چاہیے تھا۔ کہتے ہیں: وَلِهٰذَا قَدَّمَ انْصِرَافَهُ اور اسی لیے مصنف نے نوح کے منصرف ہونے کو مقدم کر دیا مَعَ أَنَّهُ مُتَفَرِّعٌ عَلَى انْتِفَاءِ الشَّرْطِ الثَّانِيْ باوجود اس کے کہ نوح جو ہے وہ متفرع ہو رہا ہے شرطِ ثانی کے منتفی ہونے پر یعنی اس کے نہ ہونے پر، وَالْأَوْلٰى اور اولیٰ تو یہ ہے زیادہ لائق تو یہ ہے تَقْدِيْمُ مَا هُوَ مُتَفَرِّعٌ عَلٰى وُجُوْدِهٖ اور اولیٰ تو یہ ہے کہ مقدم کیا جائے اس کو جو متفرع ہو رہا ہے دوسری شرط کے وجود پر، كَمَا لَا يَخْفٰى جیسے کہ یہ بات مخفی نہیں ہے، یہ بات ظاہر ہے بھئی، پہلے وجودی مثال ذکر کرتے پھر عدمی ذکر کرنی چاہیے تھی بھئی۔ بات سمجھ میں آگئی۔

وَاعْلَمْ أَنَّ أَسْمَاءَ... جی یہاں سے ایک مزید فائدہ ذکر کر رہے ہیں کہ چونکہ نوح اور ابراہیم دو انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے نام آگئے تو اب صاحبِ جامی آپ کو بتلا رہے ہیں کہ کون کون سے انبیاء کے نام منصرف ہیں اور کون سے غیر منصرف ہیں۔ تو کہتے ہیں: وَاعْلَمْ تو جان لے أَنَّ أَسْمَاءَ الْأَنْبِيَاءِ عَلَيْهِمُ السَّلَامُ مُمْتَنِعٌ عَنِ الصَّرْفِ إِلَّا سِتَّةً کہ انبیاء کے جو نام ہیں وہ صرف سے ممتنع ہیں یعنی غیر منصرف ہیں إِلَّا سِتَّةً مگر چھ، چھ نام ہیں وہ منصرف ہیں باقی سارے غیر منصرف۔ وہ چھ کون سے؟ کہتے ہیں: مُحَمَّدٌ وَصَالِحٌ وَشُعَيْبٌ وَهُوْدٌ عَلَيْهِمُ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ، محمد، صالح، شعیب اور ہود بھئی لِكَوْنِهَا عَرَبِيَّةً یہ منصرف ہیں بھئی، بھئی کل چھ منصرف ہیں ان میں سے چار یہ ہو گئے، بھئی یہ کیوں منصرف؟ کہتے ہیں لِكَوْنِهَا عَرَبِيَّةً بوجہ ان کے عربی ہونے کے، یہ سارے نام کیا ہیں؟ عربی ہیں۔ وَنُوْحٌ وَلُوْطٌ لِخِفَّتِهِمَا اور نوح اور لوط بھئی علیہم الصلوٰۃ والسلام

یہ دونوں یہ عجمی نام ہیں لیکن یہ منصرف ہیں لِخِفَّتِہِمَا خفیف ہونے کی وجہ سے، کیونکہ نوح میں بھی درمیان والا حرف ساکن ہے اور لوط کے اندر بھی درمیان والا حرف ساکن ہے۔

وَقِیْلَ اور کہا گیا ہے کہ إِنَّ ہُوْداً کَنُوْحٍ کہ ہود بھی نوح کی طرح ہے، توجہ ہے؟ انہوں نے تو ذکر کیا کہ ہود جو ہے عربی نام ہے، نوح اور لوط صرف یہ غیر عربی ہیں، لیکن بعض علماء فرماتے ہیں کہ إِنَّ ہُوْداً کَنُوْحٍ کہ ہود جو ہے یہ بھی نوح کی طرح ہے یعنی یہ بھی عجمی نام ہے، اور پھر یہ منصرف کیوں ہے؟ اس میں بھی وہی وجہ کہ درمیان ساکن ہے تو یہ خفت کی وجہ سے منصرف ہے۔ تو کہتے ہیں: وَقِیْلَ إِنَّ ہُوْداً کَنُوْحٍ اور کہا گیا ہے کہ ہود جو ہے وہ نوح کی طرح ہے لِأَنَّ سِیْبَوَیْہِ قَرَنَہُ مَعَہُ اس لیے کیونکہ امام سیبویہ جو ہیں انہوں نے قَرَنَہُ انہوں نے ہود کو ملایا ہے مَعَہُ أَیْ مَعَ نُوْحٍ بھئی۔ قَرَنَہُ کی ہا ضمیر راجع ہے ہود کو اور مَعَہُ کی ہا ضمیر راجع ہے نوح کو۔ لِأَنَّ سِیْبَوَیْہِ قَرَنَہُ مَعَہُ اس لیے کیونکہ امام سیبویہ نے قَرَنَہُ ہود کو ملایا ہے مَعَہُ أَیْ مَعَ نُوْحٍ کس کے ساتھ؟ نوح کے ساتھ۔ امام سیبویہ نے اپنی کتاب کے اندر ہود کو نوح کے بعد ذکر کیا ہے، کس کے بعد؟ ہود کو نوح کے بعد ذکر کیا ہے، معلوم ہوا ہود کس کی طرح ہے؟ نوح کی طرح یعنی عجمی ہے بھئی۔ امام سیبویہ بھئی انسان حیران ہوتا ہے، کہتے ہیں ان کا انتقال بتیس سال کی عمر میں ہوا بھئی اور بعض کہتے ہیں کہ چالیس سال کی عمر میں، سمجھ میں آیا؟ تقریباً یوں سمجھو جوانی ہی کے ایام تھے بھئی، تو بتیس سے چالیس اسی کے اندر ان کا انتقال ہوا اور ان کی بات علمِ نحو میں پہاڑ کی طرح سمجھی جاتی ہے بھئی۔

آگے دیکھیے: وَیُؤَیِّدُہُ مَا یُقَالُ مِنْ أَنَّ الْعَرَبَ... وَیُؤَیِّدُہُ مَا یُقَالُ، یہ مَا فاعل ہے یُؤَیِّدُ کا بھئی، بات سمجھ میں آرہی ہے؟ وَیُؤَیِّدُہُ مَا یُقَالُ مِنْ أَنَّ الْعَرَبَ مِنْ وُلْدِ إِسْمَاعِیْلَ عَلَیْہِ الصَّلَاۃُ وَالسَّلَامُ، اور کہتے ہیں اس کی تائید ہوتی ہے وہ جو کہا جاتا ہے یعنی یہ کہ جو عرب ہیں مِنْ وُلْدِ إِسْمَاعِیْلَ، یہ وُلْد پڑھنا بھئی وَلَد نہیں، وَلَد کی جمع وُلْد ہے بھئی کہ أَنَّ الْعَرَبَ مِنْ وُلْدِ إِسْمَاعِیْلَ کہ عرب جو ہیں حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں سے ہیں۔ عرب، کہتے ہیں جو امام سیبویہ نے ذکر کیا ہے اس کی تائید اس بات سے بھی ہوتی ہے جو کہا جاتا ہے کہ عرب جو ہیں حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں سے ہیں۔ معلوم ہوا عرب حضرت اسماعیل علیہ السلام کے بعد ہیں پہلے نہیں، اور حضرت ہود علیہ السلام وہ تو حضرت اسماعیل علیہ السلام سے پہلے گزرے ہیں بھئی، معلوم ہوا ہود بھی کس کی طرح ہے؟ نوح کی طرح ہے عربی لفظ نہیں ہے بلکہ عجمی ہے بھئی۔ تو کہتے ہیں: وَیُؤَیِّدُہُ مَا یُقَالُ مِنْ أَنَّ الْعَرَبَ مِنْ وُلْدِ إِسْمَاعِیْلَ اور اس کی تائید ہوتی ہے وہ جو کہا جاتا ہے کہ عرب جو ہیں حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں سے ہیں، وَمَنْ کَانَ قَبْلَ ذٰلِکَ فَلَیْسَ بِعَرَبِیٍّ اور وہ جو حضرت اسماعیل علیہ السلام سے پہلے تھے وہ عربی نہیں ہیں، وَہُوْدٌ قَبْلَ إِسْمَاعِیْلَ عَلَیْہِمَا الصَّلَاۃُ وَالسَّلَامُ اور حضرت ہود جو ہیں حضرت ابراہیم علیہ السلام سے پہلے تھے فِیْمَا یُذْکَرُ ان تواریخ میں جن کو ذکر کیا جاتا ہے یعنی تاریخ کی کتابوں میں جو ذکر کیا جاتا ہے، بات سمجھ میں آگئی؟ فِیْمَا یُذْکَرُ اس کے اندر جو ذکر کیا جاتا ہے یعنی وہ تاریخیں جو ذکر کی جاتی ہیں انبیاء وغیرہ اور ان کے احوال کی اس سے پتہ

چلتا ہے کہ حضرت ہود علیہ السلام حضرت اسماعیل علیہ السلام سے پہلے گزرے ہیں تو ہود کو کس کے ساتھ ہونا چاہیے؟ نوح کے ساتھ ہونا چاہیے یعنی عجمی نام ہے۔ تو کہتے ہیں: فَكَانَ كَنُوْحٍ تو پھر یہ کس کی طرح ہوا؟ نوح کی طرح ہوا بھئی۔

اچھا بھئی انہوں نے یہاں ذکر کیا بھئی کہ انبیاء کے نام جو ہیں وہ غیر منصرف ہیں سوائے چھ ناموں کے، چھ نام ذکر کیے، جبکہ محشی یہاں فرماتے ہیں کہ چھ نام نہیں بلکہ آٹھ نام ہیں بھئی، آٹھ نام۔ اور وہ اس میں شامل فرماتے ہیں حضرت شیث علیہ السلام، شین، یا اورثا بھئی شیث علیہ السلام، اور اسی طرح حضرت عزیر علیہ الصلوٰۃ والسلام۔ تو محشی فرماتے ہیں کہ حضرت شیث علیہ السلام اور حضرت عزیر علیہ السلام ان کو بھی شامل کرنا چاہیے تھا یہ بھی منصرف ہیں، تو منصرف اسماء جو ہیں انبیاء کے ان کی تعداد چھ نہیں ہے بلکہ آٹھ ہے بھئی آٹھ ہے۔

تو والد صاحب رحمہ اللہ سے کوئی بات غالباً میں نے کوئی بات پوچھی اور کتاب کا یہی مقام تھا، اور تو مجھے یاد نہیں کہ کیا بات پوچھی اور کیا انہوں نے ذکر فرمایا، ہاں ان کی ایک چھوٹی سی بات مجھے یاد ہے کہ یہ انبیاء کے نام کے بارے میں ذکر کرتے ہوئے حاشیے کو انہوں نے دیکھا تو مسکرانے لگ پڑے اور فرمایا کہ حاشیے والے بھی مذاق کر رہے ہیں، حاشیے والے دراصل حاشیے میں فرماتے ہیں کہ دو اور انبیاء کے نام بھی یہاں ذکر ہونے چاہیے تھے، اور نحو کی تمام بڑی کتابوں میں یہی چھ نام ذکر ہیں، نحو کی تمام بڑی کتابوں میں یہی چھ نام ذکر ہیں حالانکہ دو نام اور بھی تھے، اور آگے وہ فرماتے ہیں کہ اگر میں یہ ذکر نہ کرتا کہ یہ دو نام اور بھی ہیں، وہ حاشیے والے فرما رہے ہیں: اگر میں یہ ذکر نہ کرتا کہ یہ دو نام اور بھی ہیں تو قریب تھا نحوی حضرات کا، نحوی علماء کا شاید اس پر اجماع ہی ہو جاتا کہ یہی چھ نام ہیں حالانکہ چھ تو نہیں ہیں بلکہ آٹھ ہیں۔ تو والد صاحب رحمہ اللہنے جب حاشیہ یہ بتلاتے ہوئے حاشیے پر ان کی نظر پڑی تو مسکرانے لگ پڑے اور فرمانے لگے کہ حاشیے والے بھی مذاق کر رہے ہیں کہ قریب تھا اجماع ہو جاتا اگر میں نہ بتلاتا بھئی۔ بات سمجھ میں آگئی۔

جی چلیے بس کریں، بس بھئی، ہٰذَا ہُوَ الْمَرَامُ وَاللّٰہُ أَعْلَمُ بِحَقِیْقَۃِ الْکَلَامِ۔

سبق نمبر ٦٦: اسبابِ منعِ صرف (١٠): «اَلْجَمْعُ» (صیغۂ منتہی الجموع) اور دو اسباب کے قائم مقام ہونا

شرحِ ملا جامی صفحہ: ٤٦ — بتاریخ: ٩ ستمبر ٢٠٢١ء

▪ تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث

آگے سبق دیکھیے بھئی:[1]

اَلْجَمْعُ وَهُوَ سَبَبٌ قَائِمٌ مَقَامَ السَّبَبَيْنِ، شَرْطُهُ أَيْ شَرْطُ قِيَامِهِ مَقَامَ السَّبَبَيْنِ صِيغَةُ مُنْتَهَى الْجُمُوعِ، وَهِيَ الصِّيغَةُ الَّتِي كَانَ أَوَّلُهَا مَفْتُوحًا وَثَالِثُهَا أَلِفًا وَبَعْدَ الْأَلِفِ حَرْفَانِ أَوْ ثَلَاثَةٌ أَوْسَطُهَا سَاكِنٌ، وَهِيَ الصِّيغَةُ الَّتِي لَا تُجْمَعُ جَمْعَ التَّكْسِيرِ مَرَّةً أُخْرَى، وَلِهٰذَا سُمِّيَتْ صِيغَةَ مُنْتَهَى الْجُمُوعِ.

اچھا بھئی، گزشتہ سبق میں اسبابِ منعِ صرف میں سے پانچواں سبب عجمہ ہم نے پڑھا تھا بھئی۔ اس کے بارے میں صاحبِ جامی نے آپ کو بتلایا کہ عجمہ اسے کہتے ہیں کہ لفظ جو ہے ان الفاظ میں سے ہو جن کو غیرِ عرب نے وضع کیا ہو بھئی۔ اور اس کے منعِ صرف میں مؤثر ہونے کے لیے دو شرطیں ہیں۔ پہلی شرط یہ کہ علمیت ہو بھئی، اور یہ علمیت عجمی زبان میں ہونی چاہیے تاکہ عرب جب اسے اپنی زبان کی طرف نقل کریں تو یہ تغیر و تبدل سے محفوظ رہے۔ وجہ یہ کہ کسی بھی دوسری

[1] جدول — صیغۂ منتہی الجموع کی شرائط اور منقوص کا اعراب:

نوع	شرط / قاعدہ	مثال
صحیح الآخر	الفِ جمع کے بعد ٢ حروف یا ٣ حروف وسط ساکن ہوں (بلا تاء)	مَسَاجِدُ، مَصَابِيحُ
منقوص (جَوَارٍ)	رفع و جر میں یاء محذوف مع تنوینِ عوض؛ نصب میں فتحہ ظاہر	هٰؤُلَاءِ جَوَارٍ، رَأَيْتُ جَوَارِيَ

زبان کے الفاظ جب کوئی زبان، کسی زبان والے اپنی طرف منتقل کرتے ہیں، اپنی زبان کی طرف، تو اس لفظ کی ادائیگی ان کے لیے دشوار ہوتی ہے، ثقیل ہوتی ہے، تو اس میں وہ اپنی زبان کے مطابق تبدیلی کر لیتے ہیں۔ تو یہاں پر بھی اگر کسی عجمی لفظ کو عربی زبان کی طرف منتقل کیا جائے گا تو عرب اس کے اندر تبدیلی کر دیں گے اور اس سے اس کا ثقل ختم ہو جائے گا۔ تو لہٰذا شرط ہے کہ وہ لفظ عجمی زبان میں ہی علم ہونا چاہیے۔ اور علم جو ہوتا ہے وہ بقدرِ امکان تغیر اور تصرف سے محفوظ ہوتا ہے۔ تو جب یہ علم ہوگا تو عربی زبان کی طرف جب عرب اسے منتقل بھی کریں گے تو اس میں کوئی تبدیلی نہیں کریں گے اور جب تبدیلی نہیں ہوگی تو پھر اس لفظ کی ادائیگی ان کے لیے ثقیل ہوگی اور جس کی وجہ سے یہ عجمہ سبب بنے گا غیرِ انصراف کا۔

اور اس کے ساتھ ایک اور شرط بھی صاحبِ کافیہ نے ذکر کی کہ دو چیزوں میں سے ایک چیز مزید اس میں ہونی چاہیے کہ یہ کلمہ تین حروف سے زائد پر مشتمل ہو، اور اگر تین حروف پر مشتمل ہے تو درمیان والا حرف متحرک ہونا چاہیے بھئی۔ چنانچہ «نُوحٌ» بھئی۔ «نُوحٌ» اس کے اندر پہلی شرط تو پوری ہے، علم تو ہے اور عجمی زبان کا علم ہے، لیکن دوسری شرط پوری نہیں، یعنی یہ تین حروف سے زیادہ پر نہیں مشتمل یا درمیان والا اس کا متحرک نہیں ہے، تو اس لیے یہ منصرف ہے بھئی۔ میں نے آپ کو یہ بھی بتلایا تھا کہ یہ جو دوسری شرط ہے اس میں صاحبِ کافیہ نے دو چیزیں ذکر کیں: درمیان والا حرف متحرک ہونا چاہیے یا تین حروف سے زائد پر مشتمل ہونا چاہیے۔ البتہ امام سیبویہ کے نزدیک درمیان والے حرف کے متحرک ہونے کا کوئی اعتبار نہیں، بلکہ عجمہ کے لیے ایک شرط علمیت ہے اور دوسری شرط یہ ہے کہ تین حروف سے زائد پر مشتمل ہو۔ لیکن صاحبِ کافیہ کے نزدیک درمیان والا حرف متحرک ہو وہ بھی معتبر ہے۔ چنانچہ آگے ایک لفظ آئے گا اور وہ کیا «شَتَرٌ» بھئی۔ «شَتَرٌ» یہ صاحبِ کافیہ کے نزدیک اس کا درمیان والا حرف متحرک ہے تو دونوں شرطیں پوری ہو گئیں، تو اس کے اندر عجمہ مؤثر ہے، یہ علم بھی ہے اور درمیان والا حرف متحرک بھی ہے۔ لیکن امام سیبویہ اور دیگر نحوی حضرات جو ان کے ساتھ ہیں وہ فرماتے ہیں کہ یہ «شَتَرٌ» غیرِ منصرف نہیں ہے بلکہ یہ منصرف ہے کیونکہ ان کے نزدیک عجمہ کے مؤثر ہونے کے لیے تین حروف سے زائد ہونا ضروری ہے بھئی۔

اور پھر اس کے بعد یہ بھی بتلایا تھا صاحبِ جامی نے کہ کبھی کبھار وہ لفظ جس کو عربی زبان کی طرف نقل کیا گیا وہ حقیقتاً عجمی زبان میں بھی علم ہوگا، جیسے «إِبْرَاهِيمُ»۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام بھئی عرب جو ہیں یہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کے بعد جو ہے یہ عربی زبان کا آغاز ہوا آہستہ آہستہ۔ تو حضرت ابراہیم علیہ السلام عرب سے پہلے گزرے ہیں۔ تو یہ «إِبْرَاهِيمُ» لفظ جو ہے یہ عجمی نام ہے اور یہ عجمی زبان میں بھی علم تھا بھئی۔ تو یہ مثال ہے اس لفظ کی جو حقیقتاً عجمی زبان میں علم تھا بھئی۔ اور کبھی کبھار حقیقتاً تو عجمی زبان میں علم نہیں ہوتا، لیکن اس کے ساتھ علم والا معاملہ کر لیا جاتا ہے یعنی بغیر کسی تبدیلی کے اس کو عربی زبان کی طرف نقل کیا جاتا ہے اور علم بنا دیا جاتا ہے، جیسے کہ «قَالُونُ» ہے۔ میں

نے بتایا آپ کو کہ یہ «قَالُونُ» جو ہے، یہ امام قالون رحمہ اللہ قراءت کے بہت بڑے امام گزرے ہیں، اور یہ شاگرد ہیں امام نافع رحمہ اللہ کے، اور امام نافع رحمہ اللہ جو ہیں قرّاءِ سبعہ میں سے ہیں بھئی، قرّاءِ سبعہ میں سے۔ اور یہ ان کے شاگرد تھے امام قالون، اور یہ روم کے قیدیوں میں سے تھے، پھر معلوم ہوا یہ اسلام لائے ہوں گے اور پھر وہیں پر امام نافع کی صحبت اختیار کی اور ان سے پورے قرآن کی قراءت انہوں نے، پورے قرآن کی سیکھا، اور یہ انتہائی بہرے تھے بھئی۔ حتیٰ کہ کہتے ہیں اتنے بہرے تھے کہ ڈھول کی آواز بھی ان کو سنائی نہیں دیتی تھی بھئی۔ تو یہ قراءت سیکھنے کے لیے اپنے کان کو استاد کے منہ کے قریب رکھتے تھے تو پھر اس سے کچھ آواز ان کو سنائی دیتی تھی بھئی۔ اور اسی طرح جب یہ استاد بن گئے تو یہ بہرے تھے، اب تلامذہ ان کے سامنے قرآن پڑھ رہے ہیں، یہ سنتے تو نہیں تھے لیکن طلباء کے ہونٹوں کی حرکت سے وہ ان کی غلطی کو پکڑ لیا کرتے تھے، غلطی بتلا دیا کرتے تھے بھئی۔ جبکہ بعض علماء نے لکھا ہے کہ یہ انتہائی بہرے تھے، ڈھول وغیرہ کی آواز بھی نہیں سنتے تھے، لیکن یہ قرآن کا اعجاز تھا، یہ ان کی کرامت تھی کہ قرآن کو بغیر کسی رکاوٹ کے یہ بہترین انداز میں سنتے تھے۔ تو بعضوں نے یہ لکھا ہے ان کے بارے میں۔ تو بہرحال یہ رومی قیدیوں میں سے تھے اور ان کا نام عیسیٰ تھا اور بہت بڑے قاری گزرے بھئی۔ رومی زبان میں «قَالُون» اچھی چیز کو کہتے ہیں، کوئی بھی اچھی چیز ہو اس کو قالون کہتے۔ تو آپ کی قراءت چونکہ بہت زبردست تھی تو اس لیے امام نافع نے یا اسی زمانے میں امام مالک رحمہ اللہ بھی تھے، ان دونوں میں سے ایک نے آپ کو یہ قالون کا نام دیا بھئی۔ تو آپ امام قالون کے نام سے مشہور ہیں بھئی۔ تو یہ جو قالون ہے دیکھو یہ اسمِ جنس ہے، ہر اچھی چیز کو کہتے۔ یہ علم نہیں تھا عجمی زبان میں، لیکن اس کے ساتھ علم والا معاملہ کیا گیا یعنی جب اس کو عربی زبان کی طرف نقل کیا گیا تو بغیر تصرف کے اس کو علم بنا دیا گیا۔ تو گویا یہ عجمی زبان میں حقیقتاً تو علم نہیں تھا لیکن حکماً علم تھا یعنی اس جیسا حکم ہو گیا اس کا کہ بغیر تصرف کے یہ نام بنا دیا گیا بھئی۔

تو صاحبِ کافیہ کے نزدیک «نُوحٌ» جیسے لفظ جو ہیں وہ منصرف ہیں کیونکہ اس کے اندر دوسری شرط پوری نہیں۔ جبکہ علامہ زمخشری رحمہ اللہ کے نزدیک «نُوحٌ» کا لفظ «هِنْدٌ» کی طرح ہے اور «هِنْدٌ» کے اندر تانیثِ معنوی تھی اور دوسری شرط پوری نہیں تھی کہ تین سے زائد ہو یا درمیان والا متحرک ہو یا عجمہ ہو، تو «هِنْدٌ» کے اندر اختیار ہے آپ چاہے اس کو منصرف پڑھیں چاہے غیرِ منصرف پڑھیں۔ تو علامہ زمخشری فرماتے ہیں کہ «نُوحٌ» بھی اسی طرح ہے، اس کو منصرف پڑھنا بھی جائز اور غیرِ منصرف پڑھنا بھی جائز۔ تو گویا وہ «نُوحٌ» کو قیاس کرتے ہیں «هِنْدٌ» پر بھئی۔ جبکہ صاحبِ کافیہ جو ہیں ان کے نزدیک حق بات یہی ہے کہ «نُوحٌ» کو غیرِ منصرف پڑھنا صحیح نہیں، چنانچہ اسی لیے انہوں نے نوح کی مثال کو ذکر کیا۔

تو صاحبِ کافیہ کے نزدیک عجمہ کے اندر اگر وہ تین حروف پر مشتمل ہو اور درمیان والا حرف ساکن ہو تو اس کا کوئی اعتبار نہیں کرتے اور یہ عجمہ ان کے نزدیک مؤثر نہیں ہے۔ اس پر اشکال ہوتا ہے کہ «مَاه» اور «جُور» تانیثِ معنوی کے اندر «مَاه» اور «جُور» لفظ گزرے تھے، تو «مَاه» اور «جُور» جو ہے اس میں تانیثِ معنوی ہے، درمیان والا حرف ساکن

ہے، لیکن وہاں پھر بھی عجمہ کا اعتبار کیا گیا اور وہ لفظ عربی میں غیرِ منصرف پڑھا جاتا ہے۔ تو وہاں پر تو «مَاہ» اور «جُور» کے اندر درمیان والا حرف ساکن ہے پھر بھی عجمہ کا اعتبار کیا جا رہا ہے، اور «نُوحٌ» کے اندر آپ فرماتے ہیں درمیان والا ساکن ہے لیکن عجمہ کا اعتبار نہیں کریں گے۔ تو اس کا بھی جواب دیا تھا صاحبِ جامی نے کہ «مَاہ» اور «جُور» کے اندر جو دو سبب ہیں غیرِ انصراف کے وہ علمیت اور تانیث ہے، عجمہ سبب نہیں ہے۔ عجمہ صرف ان دو باقی سببوں کو تقویت دے رہا ہے، ان کو قوت دے رہا ہے۔ تو دو اسباب اس میں کیا ہیں؟ ایک علمیت اور ایک تانیثِ معنوی ہے، تو عجمہ صرف اس کو قوت دے رہا ہے۔ تو لہٰذا وہاں عجمہ کو ہم نے سبب قرار نہیں دیا، صرف تقویت کے لیے ایک سبب قرار دیا ہے۔ جبکہ «نُوحٌ» جو ہے، «نُوحٌ» کے اندر اگر عجمہ کا اعتبار کیا جائے تو دو سبب جو بنیں گے وہ علمیت اور عجمہ بنیں گے، تو عجمہ کو گویا مستقل سبب قرار دینا پڑے گا، حالانکہ عجمہ جب تین حروف پر مشتمل ہو اور درمیان والا حرف ساکن ہو تو اس کو مستقل سبب قرار نہیں دیا جا سکتا کیونکہ اس کی وجہ سے کلمے میں کوئی ثقل پیدا نہیں ہوا بھئی۔

اب آگے دیکھیے آج کا سبق بھئی۔ کہتے ہیں: «اَلْجَمْعُ وَهُوَ سَبَبٌ قَائِمٌ مَقَامَ السَّبَبَيْنِ، شَرْطُهُ أَيْ شَرْطُ قِيَامِهِ مَقَامَ السَّبَبَيْنِ صِيغَةُ مُنْتَهَى الْجُمُوعِ.» جی، آج چھٹا سبب ہے بھئی اسبابِ منعِ صرف میں سے جمع بھئی۔ اور یاد رکھو یہ جو جمع ہے دو سببوں کے قائم مقام ہے بھئی، دو سببوں کے۔ اور اس کے اندر شرط ہے کہ منتہی الجموع کا صیغہ ہونا چاہیے بھئی، منتہی الجموع کا۔ دیکھیے بھئی پہلے متن متن دیکھ لیں۔ کہتے ہیں: «اَلْجَمْعُ شَرْطُهُ صِيغَةُ مُنْتَهَى الْجُمُوعِ بِغَيْرِ هَاءٍ كَمَسَاجِدَ وَمَصَابِيحَ، وَأَمَّا فَرَازِنَةٌ فَمُنْصَرِفٌ.» جمع سبب بنے گا غیرِ انصراف کا، اور اس کے لیے شرط کیا ہے؟ صیغہ منتہی الجموع والا ہونا چاہیے۔ منتہی الجموع کا صیغہ آپ کو صاحبِ جامی بتلائیں گے وہ صیغہ ہے جس میں درمیان میں الف آتا ہے جمع کے لیے اور الف سے قبل دو حروف ہوں گے اور الف کے بعد یا تو ایک حرفِ مشدد آئے گا یا دو حروف ہوں گے یا تین ایسے حروف ہوں گے جن کا درمیان والا حرف ساکن ہوگا بھئی۔ جیسے مسجد کی جمع «مَسَاجِدُ» بھئی، اسی طرح «دَوَابُّ» دیکھو یہاں الف کے بعد ایک حرفِ مشدد ہے، اور جیسے «مَصَابِيحُ» بھئی، جیسے یہاں الف کے بعد تین حروف ہیں اور درمیان والا حرف ساکن ہے بھئی۔

اور بھئی آپ کو یاد ہو جہاں صاحبِ کافیہ نے اسبابِ منعِ صرف شروع کیے تھے تو وہاں پر انہوں نے آپ کو بتلایا تھا کہ وہ سبب جو دو سببوں کے قائم مقام ہیں وہ دو ہیں بھئی: ایک جمع اور ایک تانیث کے جو دو الف ہیں بھئی۔ جب یہ دونوں جس لفظ کے اندر آجائیں تو اس لفظ میں دوسرے سبب کو تلاش کرنے کی ضرورت نہیں، یہ خود ہی دو سببوں کے قائم مقام ہیں۔ اور وہاں انہوں نے بتلایا تھا کہ یہ جمع دو سببوں کے قائم مقام کس وجہ سے ہے؟ کہتے ہیں اس لیے کیونکہ عربی زبان میں ایک لفظ کی جمع آتی ہے، پھر آگے اس کی دوبارہ جمع آتی ہے، پھر آگے اس جمع کی آگے دوبارہ جمع آتی ہے۔ تو دو دو، تین تین، چار چار مرتبہ یہ سلسلہ چلتا چلا جاتا ہے۔ صورت سمجھ میں آ رہی ہے؟ پہلے ایک مفرد آیا، اس کے بعد اس کی جمع،

پھر اس جمع کی آگے جمع، پھر آگے اس جمع کی جمع کی جمع۔ تو اس میں یہ جو جمع منتہی الجموع کا صیغہ ہے، یہ بعض اوقات دوسرے درجے پر آتا ہے۔ کس درجے پر؟ مثلاً مفرد کی ایک جمع آئی پھر اس جمع کی جو جمع آتی ہے وہ منتہی الجموع کا صیغہ ہوتا ہے۔ تو دیکھو اس کے اندر گویا دو دفعہ جمعیت آگئی۔ اس لیے یہ دو سببوں کے قائم مقام ہے۔ کتنی دفعہ جمع ہوا؟ دو مرتبہ۔ تو کبھی کبھار تو دو مرتبہ حقیقتاً جمع ہوگا، اور کبھی کبھار پہلی مرتبہ میں ہی یہ وزن آجاتا ہے جمع کے اندر بھئی۔ پہلی مرتبہ میں ہی جیسے مسجد کی جمع «مَسَاجِدُ» پہلی مرتبہ میں ہی یہ وزن آگیا، تو یہ حقیقتاً تو دو دفعہ جمع نہیں لیکن صورت اسی جیسی ہے تو یہ یعنی یوں کہیں گے کہ یہ حکماً دو دفعہ جمع ہے۔ کیا ہے؟ حکماً دو دفعہ، یعنی اس کو بھی وہی حکم دے دیا کہ یہ بھی گویا دو دفعہ جمع ہوئی ہے۔ اور دو دفعہ جمع ہوئی تو یہ دو سببوں کے قائم مقام ہو گئی۔ تو اب یہ جمع اکیلی ہی سبب بنے گی غیرِ انصراف کا کیونکہ یہ دو سببوں کے قائم مقام ہے۔

تو کہتے ہیں: «اَلْجَمْعُ شَرْطُهُ صِيغَةُ مُنْتَهَى الْجُمُوعِ»، جمع جو ہے اس کی شرط جو ہے منتہی الجموع کا صیغہ ہے «بِغَيْرِ هَاءٍ» بغیر ہا کے۔ یعنی اس صیغے کے ساتھ ہا نہ جڑے بھئی، جیسے «فَرَازِنَةٌ» بھئی۔ «فَرَازِنَةٌ» جمع ہے «فِرْزِين» کی یا «فِرْزَان» کی آپ کو صاحبِ جامی بھی آگے بتلائیں گے بھئی۔ اب «فَرَازِنَةٌ» دیکھو یہ وہی وزن ہے لیکن آخر میں تا جڑی ہوئی ہے تانیث والی جو حالتِ وقف میں ہا کے ساتھ بدل جاتی ہے۔ جیسے «ضَارِبٌ» کی مؤنث کیا؟ «ضَارِبَةٌ»، اور اسی پر وقف کریں گے تو کیا بن جائے گا؟ «ضَارِبَهْ». بھئی۔ تو «بِغَيْرِ هَاءٍ» یہ ہا سے مراد تائے تانیث ہے۔ یعنی وہ صیغہ بغیر ہا کے ہو، ہا یعنی تائے تانیث اس کے ساتھ جڑی ہوئی نہ ہو، تو «فَرَازِنَةٌ» جیسے لفظ نکل گئے بھئی کیونکہ اس کے ساتھ تائے تانیث جڑی ہوئی ہے۔ آگے مثالیں بھی ذکر کیں: «كَمَسَاجِدَ وَمَصَابِيحَ» بھئی، جیسے کہ «مَسَاجِدَ» اور «مَصَابِيحَ» ہے بھئی۔

یہاں ایک اور قیمتی بات یاد رکھنا۔ یہ جمعِ منتہی الجموع کا صیغہ جو ذکر کیا، اس سے مراد وزنِ صوری ہے بھئی۔ ایک وزنِ صرفی ہوتا ہے، ایک وزنِ صوری ہوتا ہے اور ایک وزنِ عروضی ہوتا ہے علمِ عروض جو جس میں یہ اشعار کا وزن آپ پڑھیں گے بھئی۔ اشعار کا وزن آگے یہ فن باقاعدہ آجائے گا، یہ جو اشعار ہیں ان کے مخصوص اوزان ہوتے ہیں، اور ایک حرف ادھر ادھر ہو جائے تو پورے شعر کا وزن خراب ہو جاتا ہے۔ تو اس میں خاص اوزان ہوتے ہیں، تو اس کو وزنِ عروضی کہتے ہیں۔ یہ اشعار کا جو علم ہے اس علم کا نام ہے علمِ عروض، تو وہ جو وزن ہوتا ہے اس کو وزنِ عروضی کہتے ہیں۔ کتنی قسمیں ہو گئیں وزن کی؟ تین: ایک وزنِ صرفی، ایک وزنِ صوری ص کے ساتھ، صورت سے ہے، وزنِ صوری، اور ایک وزنِ عروضی۔

وزنِ صرفی وہ ہے جس میں حرکات و سکنات بھی ایک جیسی ہوتی ہیں اور حرفِ اصلی کے مقابلے میں اصلی آتا ہے، زائد کے مقابلے میں زائد آتا ہے۔ جیسے آپ سے کوئی پوچھے «ضَارِبٌ» کا کیا وزن ہے؟ آپ کیا کہتے ہیں؟ «فَاعِلٌ»۔ دیکھا ضاد کے مقابلے میں کیا لائے؟ فا۔ اور الف زائد ہے تو اس کے مقابلے میں الف لائے۔ را اصلی ہے تو اس کے مقابلے میں

عین لائے، اور با بھی اصلی ہے تو اس کے مقابلے میں لام لے کر آئے بھئی۔ آپ سے کوئی پوچھے «أَكْرَمَ» اس کا کیا وزن ہے؟ آپ کیا کہیں گے؟ «أَفْعَلَ»۔ تو دیکھو زائد کے مقابلے میں زائد لائے، اصلی کے مقابلے میں اصلی لائے اور حرکات و سکنات بالکل ایک جیسی۔ «أَكْرَمَ»، «أَفْعَلَ»، دیکھو «أَكْرَمَ» میں ہمزہ پر کیا ہے؟ زبر، «أَفْعَلَ» میں بھی ہمزہ پر زبر۔ «أَكْرَمَ» کے اندر کاف ساکن ہے، «أَفْعَلَ» میں فا ساکن ہے۔ «أَكْرَمَ» میں را پر زبر ہے، «أَفْعَلَ» میں بھی عین پر زبر ہے۔ بات سمجھ میں آرہی ہے؟ تو وزنِ صرفی کسے کہتے ہیں؟ کہ اصلی کے مقابلے میں اصلی آئے، زائد کے مقابلے میں زائد آئے اور حرکات و سکنات بالکل ایک جیسی ہوں۔

دوسرا وزن ہے وزنِ صوری۔ وزنِ صوری وہ ہے جس کے اندر، جس کے اندر صرف حرکات و سکنات ایک جیسی ہوتی ہیں، البتہ اصلی کے مقابلے میں اصلی یا زائد کے مقابلے میں زائد اس میں نہیں ہوتا بھئی۔ جیسے دیکھو، جیسے «مَسَاجِدُ»، «مَسَاجِدُ»، اسی طرح «ضَوَارِبُ»، اسی طرح «أَسَاوِرُ»۔ یہ دیکھو تینوں کی صورت ایک جیسی ہے۔ «مَسَاجِدُ» کس وزن پر؟ «مَفَاعِلُ»۔ جی، «أَسَاوِرُ» کس وزن پر؟ «أَفَاعِلُ»۔ اور «ضَوَارِبُ» کس وزن پر؟ «فَوَاعِلُ»۔ تو دیکھو وزنِ صرفی تینوں کے الگ الگ ہیں۔ «مَسَاجِدُ» کا وزن آپ نے کیا بتایا؟ «مَفَاعِلُ»۔ «ضَوَارِبُ» کا کیا بتایا؟ «فَوَاعِلُ»۔ اور «أَسَاوِرُ» کا کیا بتلایا؟ «أَفَاعِلُ» بتلایا۔ تو وزنِ صرفی تینوں کے الگ الگ ہیں، لیکن وزنِ صوری تینوں کے ایک ہیں بھئی۔ تینوں کے اندر الف سے قبل دو حروف ہیں اور دونوں پر فتحہ ہے، اور تینوں کے اندر الف کے بعد دو حروف ہیں جن میں سے پہلے کے نیچے کسرہ ہے بھئی۔ بات سمجھ میں آرہی ہے؟ تو صورت بالکل ایک جیسی ہے، ہاں البتہ اصلی کے مقابلے میں اصلی یا زائد کے مقابلے میں زائد یہاں یہ نہیں دیکھا جاتا، بس صورت ایک جیسی ہونی چاہیے یعنی حرکات و سکنات ایک جیسی ہونی چاہئیں: زبر کے مقابلے میں زبر آئے، زیر کے مقابلے میں زیر آئے، سکون کے مقابلے میں سکون آئے بھئی۔ صورت سمجھ میں آ گئی؟

اور تیسرا ہے وزنِ عروضی بھئی۔ وزنِ عروضی کے اندر پھر حرکات و سکنات بھی ایک جیسی ہونا ضروری نہیں۔ اصلی کے مقابلے میں اصلی یا زائد کے مقابلے میں زائد یہ بھی نہیں دیکھنے کی ضرورت، حرکات و سکنات ایک جیسی ہونی چاہئیں یعنی فتحہ کے مقابلے میں فتحہ آئے، ضمہ کے مقابلے میں ضمہ آئے، یہ بھی دیکھنے کی ضرورت نہیں۔ صرف اس میں یہ دیکھا جاتا ہے: متحرک کے مقابلے میں متحرک ہونا چاہیے اور ساکن کے مقابلے میں ساکن ہونا چاہیے۔ بات سمجھ میں آرہی؟ مثلاً لکھیں ایک لفظ لکھیں اپنے سامنے ذرا۔ لکھیے بھئی: «شَرِيفٌ»، «شَرِيفٌ»۔ اب آپ سے کوئی پوچھے کہ «شَرِيفٌ» کا وزنِ صرفی کیا ہے؟ آپ کیا کہیں گے؟ «فَعِيلٌ»، «فَعِيلٌ»۔ لیکن اگر آپ سے کوئی پوچھے اس کا وزنِ عروضی کیا ہے؟ کہ اس کا وزنِ عروضی کیا ہے؟ تو یاد رکھو اس کا وزنِ عروضی ہے «فَعُولُنْ»۔ لکھو ذرا۔ بھئی لکھنا کس طرح ہے ادھر دیکھو: فا، عین، واو اور لام اور پھر نون بھی ساتھ لکھنا ہے، «فَعُولُنْ» لکھیے بھئی۔ «فَعُولُنْ»۔ لکھ لیا؟ فا، عین، واو، لام اور آخر میں نون بھئی۔ اب دیکھو «شَرِيفٌ» کا وزن کیا ہے وزنِ عروضی؟ «فَعُولُنْ» ہے۔ «شَرِيفٌ» میں پہلا حرف کیا؟ شین، متحرک

ہے۔ «فَعُولُنْ» میں بھی پہلا حرف کیا؟ فا، متحرک ہے۔ «شَرِيفٌ» میں دوسرا حرف را، وہ بھی متحرک ہے، اور «فَعُولُنْ» میں بھی عین دوسرا حرف جو ہے وہ متحرک ہے۔ «شَرِيفٌ» کے اندر تیسرا حرف یا جو ہے وہ ساکن ہے، «فَعُولُنْ» میں بھی تیسرا حرف واو جو ہے ساکن ہے۔ «شَرِيفٌ» کے اندر آخر میں فا متحرک ہے اور پھر آگے تنوین کا نون ہے جو ساکن ہے، تو «فَعُولُنْ» کے اندر بھی آخر میں لام جو ہے متحرک ہے اور آگے نون ساکن ہے۔ تو اب دیکھو «شَرِيفٌ» کا وزنِ عروضی کیا؟ «فَعُولُنْ»۔ صرف دیکھو حرکتیں بھی ایک جیسی نہیں، بس متحرک کے مقابلے میں متحرک ہے اور ساکن کے مقابلے میں ساکن ہے بھئی۔

تو یہاں یاد رکھنا صیغہ منتہی الجموع میں جو صیغہ ذکر کیا گیا اس سے وزنِ صوری مراد ہے، وزنِ صرفی بھی مراد نہیں اور وزنِ عروضی بھی مراد نہیں ہے بھئی۔ یعنی الف سے قبل دو حروف ہونے چاہئیں اور دونوں پر فتحہ ہونا چاہیے، اور الف کے بعد ایک حرفِ مشدد ہو یا دو حرف ہوں جن میں سے پہلے کے نیچے کسرہ ہو، یا تین حروف ہوں جن میں درمیان والا ساکن ہو بھئی۔

تو کہتے ہیں: «كَمَسَاجِدَ وَمَصَابِيحَ»، جیسے کہ «مَسَاجِدَ» اور «مَصَابِيحَ» ہیں، «وَأَمَّا فَرَازِنَةٌ فَمُنْصَرِفٌ»، اور باقی «فَرَازِنَةٌ» کا لفظ جو ہے وہ منصرف ہے۔ کیونکہ انہوں نے کیا شرط لگائی تھی؟ کہ صیغہ منتہی الجموع کا ہو بغیر ہا کے، اور یہ تو ہا کے ساتھ ہے یعنی اس کے ساتھ تو تائے مربوطہ جڑی ہوئی ہے بھئی۔

اب دیکھیے بھئی شرح کے ساتھ عبارت دیکھیے۔ کہتے ہیں: «اَلْجَمْعُ وَهُوَ سَبَبٌ قَائِمٌ مَقَامَ السَّبَبَيْنِ»، جمع جو ہے «وَهُوَ سَبَبٌ»، «سَبَبٌ» ہے موصوف اور «قَائِمٌ» ہے اس کی صفت بھئی۔ اور موصوف صفت کا ترجمہ کیسے کرتے ہیں؟ موصوف سے پہلے «ایسا» یا «ایسی»۔ کہتے ہیں: «وَهُوَ سَبَبٌ» اور وہ ایسا سبب ہے «قَائِمٌ مَقَامَ السَّبَبَيْنِ» جو دو سببوں کے قائم مقام ہے۔ «شَرْطُهُ» اس کی شرط جو ہے، «أَيْ شَرْطُ قِيَامِهِ مَقَامَ السَّبَبَيْنِ»، یعنی اس کے دو سببوں کے قائم مقام ہونے کی شرط جو ہے «صِيغَةُ مُنْتَهَى الْجُمُوعِ»، وہ منتہی الجموع کا صیغہ ہے۔ بھئی وہ کسے کہتے ہیں؟ کہتے ہیں: «وَهِيَ الصِّيغَةُ الَّتِي كَانَ أَوَّلُهَا مَفْتُوحًا وَثَالِثُهَا أَلِفًا»، یہ وہ صیغہ ہے جس کا اول جو ہے مفتوح ہو، یعنی اول حرف پر فتحہ ہو، «وَثَالِثُهَا أَلِفًا» اور تیسرا حرف الف ہو بھئی۔ دوسرے حرف کو ذکر نہیں کیا اس لیے کیونکہ الف سے ماقبل ہمیشہ فتحہ ہی آسکتا ہے، کوئی اور حرکت نہیں آسکتی۔ جی، «وَبَعْدَ الْأَلِفِ حَرْفَانِ»، اور الف کے بعد دو حرف ہوں۔ دیکھو حرفِ مشدد کو ذکر نہیں کیا کیونکہ حرفِ مشدد بھی دراصل دو حرف ہی ہوتے ہیں۔ تو کہتے ہیں: «وَبَعْدَ الْأَلِفِ حَرْفَانِ»، اور الف کے بعد دو حرف ہوں «أَوْ ثَلَاثَةٌ أَوْسَطُهَا سَاكِنٌ»۔ دیکھو «ثَلَاثَةٌ» ہے نکرہ، اور نکرہ کے بعد میں نے آپ کو بتلایا تھا فعل آجائے تو وہ عموماً اس کے لیے صفت بنتا ہے، اور فعل براہِ راست صفت بنے گا یا اپنے فاعل یا نائب فاعل سے مل کر جملہ بنے گا اور جملہ بن کر صفت بنے گا؟ جملہ بنے گا اور پھر صفت بنے گا۔ اس سے آپ کو ایک اور بات بھی پتہ چل گئی کہ جو جملہ ہوتا ہے وہ نکرہ کے حکم میں ہوتا ہے،

چاہے جملہ اسمیہ ہو چاہے جملہ فعلیہ۔ تو «ثَلَاثَةٌ» آیا نکرہ، اور اس کے بعد «أَوْسَطُهَا سَاكِنٌ» یہ جملہ اسمیہ آگیا، اس کے اندر «أَوْسَطُهَا» ہے مبتدا اور «سَاكِنٌ» ہے اس کی خبر۔ تو یہ جملہ اسمیہ آیا اور نکرہ کے بعد جملہ ہے تو وہ عموماً اس کے لیے کیا بنتا ہے؟ صفت۔ تو یہ «أَوْسَطُهَا سَاكِنٌ» «ثَلَاثَةٌ» کے لیے صفت بنے گا، اور موصوف صفت کا ترجمہ کیسے کرتے ہیں؟ موصوف سے پہلے «ایسا» یا «ایسی» کا لفظ لاتے ہیں۔ دیکھیے بھئی۔ کہتے ہیں: «وَبَعْدَ الْأَلِفِ حَرْفَانِ» اور الف کے بعد دو حرف ہوں «أَوْ ثَلَاثَةٌ أَوْسَطُهَا سَاكِنٌ»، یا ایسے تین حروف ہوں «أَوْسَطُهَا سَاكِنٌ» جن کے درمیان والا حرف ساکن ہو بھئی۔

«وَهِيَ الصِّيغَةُ الَّتِي لَا تُجْمَعُ جَمْعَ التَّكْسِيرِ مَرَّةً أُخْرَى»، اور یہ وہ صیغہ ہے کہ جس کی جمع نہیں لائی جاتی جمعِ تکسیر، جمعِ تکسیر بھئی «مَرَّةً أُخْرَى» ایک مرتبہ پھر۔ یعنی پھر دوبارہ اس کی جمعِ تکسیر نہیں لائی جاتی۔ بھئی دیکھو وجہ بتلانے لگے ہیں، وجہ بتلانے لگے ہیں کہ یہ جمعِ منتہی الجموع کا جو صیغہ ہے اس کو جمعِ منتہی الجموع کیوں کہتے ہیں؟ بھئی آپ لفظوں پر غور کر لیں اسی سے آپ کو بات سمجھ میں آجائے گی: جمعِ منتہی الجموع، یعنی جس پر جمعوں کی انتہا ہو رہی ہے۔ جمعِ منتہی الجموع ایسی جمع جس پر جمعوں کی انتہا ہو رہی ہے۔ بھئی میں نے آپ کو بتلایا کہ عربی میں کبھی کبھار ایک لفظ کی جمع آتی ہے، پھر آگے اس جمع کی جمع آتی ہے، پھر آگے پھر اس کی آگے جمع آتی ہے، پھر آگے اس کی جمع آتی ہے، یہ سلسلہ بعض اوقات چار چار، پانچ پانچ مرتبہ تک چلا جاتا ہے۔ تو اس کے اندر جمعِ منتہی الجموع کا صیغہ بھی آئے گا بھئی۔ تو جمع آتی رہے گی اور جمع کے اوزان ٹوٹتے ہیں، جیسے مسجد کی جمع کیا آئی؟ «مَسَاجِدُ» آئی۔ «مَسَاجِدُ» یہ تو پہلے درجے میں ہی آگئی، لیکن یہ عام طور پر دوسرے درجے میں آتی ہے، جیسے پیچھے اس کی مثال گزری تھی: «كَلْبٌ» کی جمع کیا آتی ہے؟ «أَكْلُبٌ»، اور پھر «أَكْلُبٌ» کی جمع آتی ہے «أَكَالِبُ»۔ اسی طرح «نَعَمٌ» مویشی کو کہتے ہیں، «نَعَمٌ» کی جمع آتی ہے «أَنْعَامٌ»، اور پھر اس کی جمع آتی ہے «أَنَاعِيمُ» بھئی۔ اسی طرح «سِوَارٌ» کنگن کو کہتے ہیں وہ جو ہاتھ میں زیور پہنا جاتا ہے، اور اس کی جمع «أَسْوِرَةٌ» آتی ہے، اور پھر «أَسْوِرَةٌ» کی جمع آگے «أَسَاوِرُ» آتی ہے۔ تو دیکھو یہ جمع بعض اوقات دوسرے درجے میں آتی ہے۔ تو دیکھو یہ جو جمع کے بعد جمع آتی ہے اور پھر جمع آتی ہے تو وزن ٹوٹتے چلے جاتے ہیں۔ جیسے «كَلْبٌ» اس کی جمع کیا آئی پہلے؟ «أَكْلُبٌ»۔ تو دیکھو «أَكْلُبٌ» کے اندر «كَلْبٌ» کا وزن ٹوٹ گیا۔ پھر «أَكْلُبٌ» کی جمع کیا آئی؟ «أَكَالِبُ»۔ «أَكَالِبُ» کے اندر دیکھو وہ «أَكْلُبٌ» والا وزن ٹوٹ گیا، ایک نئی صورت آگئی۔ اسی طرح «نَعَمٌ» کی جمع کیا آئی؟ «أَنْعَامٌ»، دیکھو «نَعَمٌ» کا وزن ٹوٹ گیا۔ پھر «أَنْعَامٌ» کی جمع کیا آئی؟ «أَنَاعِيمُ» بھئی، اس میں وہ «أَنْعَامٌ» کا وزن پھر ٹوٹ گیا۔ اسی طرح «سِوَارٌ» کی جمع «أَسْوِرَةٌ»، دیکھو «سِوَارٌ» کا وزن ٹوٹ گیا۔ پھر «أَسْوِرَةٌ» کی جمع کیا آئی؟ «أَسَاوِرُ»، جس میں دیکھو پھر وہ «أَسْوِرَةٌ» والا وزن ٹوٹ گیا۔ تو یہ جو جمعیں بنتی جاتی ہیں تو اس میں ماقبل والی جمع کا وزن ٹوٹ جاتا ہے، ماقبل والی جمع کا وزن ٹوٹ جاتا ہے، لیکن جب منتہی الجموع والا صیغہ آجائے، اس کے بعد آگے بھی جمعیں آسکتی ہیں لیکن آگے پھر جمعِ سالم آئیں گی، جمعِ مکسر نہیں۔ بھئی میں نے آپ کو بتلایا تھا جمع دو قسم پر ہے: ایک جمعِ مکسر، ایک جمعِ سالم۔ جمعِ سالم وہ ہے جس میں مفرد کا وزن ٹوٹتا نہیں، جیسے «مُسْلِمٌ»

کی جمع «مُسْلِمُونَ»، اور اسی طرح «مُسْلِمَةٌ» کی جمع «مُسْلِمَاتٌ»۔ دیکھو جمع میں مفرد کا وزن نہیں ٹوٹا۔ جبکہ کبھی کبھار مفرد کا وزن جمع میں ٹوٹ جاتا ہے، جیسے «رَجُلٌ» کی جمع «رِجَالٌ»، «مَسْجِدٌ» کی جمع «مَسَاجِدُ»۔ تو یہ جو جمعِ منتہی الجموع کا صیغہ جب آجائے تو اس کے بعد پھر آگے جمعِ مکسر نہیں آتی۔ مثلاً «كَلْبٌ» کی جمع کیا آئی؟ «أَكْلُبٌ»، وزن ٹوٹ گیا، مفرد کا وزن ٹوٹ گیا۔ پھر «أَكْلُبٌ» کی جمع کیا آئی؟ «أَكَالِبُ»، تو «أَكَالِبُ» میں دیکھو «أَكْلُبٌ» کا وزن ٹوٹ گیا۔ اب یہ جو صیغہ آگیا منتہی الجموع والا، اس کے بعد آگے اگر جمعیں آئیں تو اس میں وزن نہیں ٹوٹے گا، یعنی اس سے آگے اگر جمع آئی تو وہ جمعِ سالم ہوگی، جمعِ مکسر نہیں ہوگی۔ تو گویا یہ جمعِ منتہی الجموع کا صیغہ وہ صیغہ ہے جس پر جمعِ مکسر کی انتہا ہو جاتی ہے، اس سے آگے پھر جمعِ مکسر نہیں آتی بلکہ کیا آسکتی ہے؟ جمعِ سالم آسکتی ہے۔ تو اس لیے اس کو صیغہ منتہی الجموع کہتے ہیں کہ اس پر انتہا ہو رہی ہے، کس کی انتہا؟ جمعِ مکسر کی انتہا ہو رہی ہے، آگے جمعِ سالم تو آسکتی ہے، جمعِ مکسر نہیں آسکتی۔ کتاب پر دیکھیے کہتے ہیں: «وَهِيَ الصِّيغَةُ الَّتِي لَا تُجْمَعُ جَمْعَ التَّكْسِيرِ مَرَّةً أُخْرَى»، اور یہ وہ صیغہ ہے کہ جس کی جمعِ تکسیر دوبارہ نہیں لائی جاتی۔

«لَا تُجْمَعُ جَمْعَ التَّكْسِيرِ». یہ «جَمْعَ التَّكْسِيرِ» یاد رکھنا یہ مفعولِ مطلق ہے بھئی۔ «لَا تُجْمَعُ» اس کے اندر «هِيَ» ضمیر جو کس کو راجع ہے؟ یہ «الَّتِي» کو، مراد وہ صیغہ ہے بھئی، پیچھے جو موصوف ہے «الَّتِي» کو راجع۔ جمعِ منتہی الجموع وہ صیغہ ہے «الَّتِي لَا تُجْمَعُ» جس کو جمع نہیں کیا جاتا، «جَمْعَ التَّكْسِيرِ» کون سی جمع؟ جمعِ تکسیر۔ بھئی آپ نے پڑھا ہے مفعولِ مطلق جو ہے وہ کبھی کبھار نوع بیان کرنے کے لیے آتا ہے، ایک چیز کی قسم۔ «جَلَسْتُ جِلْسَةَ الْقَارِئِ» میں بیٹھا کس کی طرح؟ قاری کے بیٹھنے کی طرح۔ تو یہاں پر بھی «لَا تُجْمَعُ جَمْعَ التَّكْسِيرِ» اس کی جمع نہیں لائی جاتی، کون سی جمع؟ جمعِ تکسیر نہیں لائی جاتی، ویسے جمع آسکتی ہے آگے لیکن جمعِ تکسیر نہیں آتی۔

تو کہتے ہیں: «وَلِهٰذَا سُمِّيَتْ صِيغَةَ مُنْتَهَى الْجُمُوعِ»، اسی لیے اس کو منتہی الجموع کا صیغہ کہتے ہیں «لِأَنَّهَا جُمِعَتْ فِي بَعْضِ الصُّوَرِ مَرَّتَيْنِ تَكْسِيرًا» اس لیے کیونکہ اس کی جمع لائی جاتی ہے بعض صورتوں میں «مَرَّتَيْنِ» دو مرتبہ «تَكْسِيرًا» تکسیر کرتے ہوئے، اس کو توڑتے ہوئے۔ اس کی جمع لائی جاتی ہے بعض صورتوں میں دو مرتبہ تکسیر کرتے ہوئے، بھئی دو مرتبہ وزن ٹوٹتا ہے جیسے ابھی مثالیں گزر گئیں بھئی: «كَلْبٌ» کی جمع کیا؟ «أَكْلُبٌ»، اور «أَكْلُبٌ» کی جمع کیا؟ «أَكَالِبُ»، تو دیکھو دو دفعہ وزن ٹوٹ گیا بھئی۔ «فَانْتَهَى تَكْسِيرُهَا الْمُغَيِّرُ لِلصِّيغَةِ»، «فَانْتَهَى» تو انتہا ہو جاتی ہے «تَكْسِيرُهَا» اس کی وہ تکسیر «الْمُغَيِّرُ لِلصِّيغَةِ» جو صیغے کو بدلنے والی ہے۔ جب منتہی الجموع کا صیغہ آجائے تو اس تکسیر کی انتہا ہو جاتی ہے جو صیغے کی صورت بدلنے والی ہے۔ یعنی اب تکسیر نہیں آئے گی یعنی جمعِ مکسر آگے نہیں آئے گی بلکہ جمعِ سالم آئے گی۔ تو کہتے ہیں: «لِأَنَّهَا جُمِعَتْ فِي بَعْضِ الصُّوَرِ مَرَّتَيْنِ تَكْسِيرًا» اس لیے کیونکہ اس کی جمع بعض صورتوں میں دو مرتبہ لائی جاتی ہے «تَكْسِيرًا» وزن کو توڑتے ہوئے، «فَانْتَهَى تَكْسِيرُهَا الْمُغَيِّرُ لِلصِّيغَةِ» تو پھر انتہا ہو جاتی ہے اس کی اس تکسیر کی جو بدلنے والی ہے صیغے

کو۔ «فَأَمَّا جَمْعُ السَّلَامَةِ فَإِنَّهُ لَا يُغَيِّرُ الصِّيغَةَ»، تو باقی جمعِ سلامت جو ہے وہ صیغے کو بدلتی نہیں ہے۔ «فَيَجُوزُ أَنْ تُجْمَعَ جَمْعَ السَّلَامَةِ» تو جائز ہے کہ اس کی جمعِ سلامت لائی جائے، پھر دوبارہ اس کو جمع کیا جائے کس طریقے پر؟ جمعِ سلامت کے طریقے پر بھئی۔ پیچھے میں نے بتلایا تھا «لَا تُجْمَعُ جَمْعَ التَّكْسِيرِ» یہ «جَمْعَ التَّكْسِيرِ» کیا واقع ہو رہا ہے؟ مفعولِ مطلق۔ یہاں پر بھی «فَيَجُوزُ أَنْ تُجْمَعَ جَمْعَ السَّلَامَةِ» یہ «جَمْعَ السَّلَامَةِ» بھی کیا واقع ہو رہا ہے؟ مفعولِ مطلق۔ پس جائز ہے «أَنْ تُجْمَعَ جَمْعَ السَّلَامَةِ» کہ اس کی جمعِ سلامت لائی جائے، «كَمَا يُجْمَعُ أَيَامِنُ جَمْعُ أَيْمَنَ عَلَى أَيَامِنِينَ»، جیسے کہ جمع لائی جاتی ہے «أَيَامِنُ» کی، کس کی؟ «أَيَامِنُ» «جَمْعُ أَيْمَنَ»، وہ «أَيَامِنُ» جو جمع ہے «أَيْمَنَ» کی، «عَلَى أَيَامِنِينَ» کیا لائی جاتی ہے اس کی جمع؟ «أَيَامِنِينَ»۔ بھئی دیکھو «أَيْمَنُ» یہ کوئی کہتے ہیں جگہ کا نام ہے، ویسے «أَيْمَنُ» دائیں کو بھی کہتے ہیں بھئی، دایاں اور بایاں بھئی، یعنی دائیں جانب والا اور بائیں جانب والا، تو اس کو «أَيْمَنُ» اور «أَيْسَرُ» کہتے ہیں، «أَيْمَنُ» کا معنی دایاں اور «أَيْسَرُ» کا معنی بایاں۔ لیکن یہاں پر کہہ رہے ہیں کہ یہ کوئی جگہ ہے اس کا نام ہے «أَيْمَنُ»۔ اس «أَيْمَنُ» کی جمع آتی ہے «أَيَامِنُ»۔ اور «أَيَامِنُ» دیکھو کون سا صیغہ ہے؟ جمعِ منتہی الجموع والا۔ اس کی جمع آگے «أَيَامِنِينَ» یا «أَيَامِنُونَ» آتی ہے یعنی جمعِ سلامت آتی ہے۔ تو صیغہ منتہی الجموع کا یہ معنی نہیں کہ آگے اس کی جمع ہی نہیں آئے گی، اس کی جمع آسکتی ہے جیسے «أَيَامِنُ» کی جمع کیا آئی؟ «أَيَامِنُونَ» یا «أَيَامِنِينَ» آئی، لیکن وہ جمعِ مکسر نہیں ہے بلکہ جمعِ سلامت ہے بھئی۔ تو کہتے ہیں: «كَمَا يُجْمَعُ أَيَامِنُ جَمْعُ أَيْمَنَ» جیسے کہ «أَيْمَنُ» کی جمع «أَيَامِنُ» جو ہے اس کی جمع لائی جاتی ہے «عَلَى أَيَامِنِينَ» «أَيَامِنِينَ» کی صورت پر، «وَصَوَاحِبُ جَمْعُ صَاحِبَةٍ عَلَى صَوَاحِبَاتٍ»، اور جیسے «صَاحِبَةٌ» کی جمع ہے «صَوَاحِبُ»، اور «صَوَاحِبُ» کی جمع پھر «صَوَاحِبَاتٌ» لائی جاتی ہے۔ اب دیکھو «صَوَاحِبُ»، «صَوَاحِبُ» کون سا صیغہ ہے؟ منتہی الجموع والا بھئی، اور اس کی جمع آگے «صَوَاحِبَاتٌ» آتی ہے، تو جمعِ مکسر آگے نہیں آئی بلکہ کون سی جمع آئی؟ جمعِ سلامت آئی۔ تو کہتے ہیں: «وَصَوَاحِبُ جَمْعُ صَاحِبَةٍ» اور وہ «صَوَاحِبُ» جو جمع ہے «صَاحِبَةٍ» کی، «عَلَى صَوَاحِبَاتٍ» اس کی جمع «صَوَاحِبَاتٍ» پر لائی جاتی ہے۔

«وَإِنَّمَا اشْتُرِطَتْ لِتَكُونَ صِيغَتُهُ مَصُونَةً عَنْ قَبُولِ التَّغَيُّرِ فَتُؤَثِّرُ.» بھئی وجہ کیا ہے؟ جمع کو سبب قرار دیا اور منتہی الجموع کے صیغے کو اس کے لیے شرط قرار دیا۔ کہتے ہیں وجہ اس کی یہ کہ سبب بنے گی جمعیت بھئی، یہ جمع ہونا یہ ہے سبب بھئی۔ تو اب اس کے اندر ہم نے شرط لگا دی کہ منتہی الجموع کا وزن ہونا چاہیے تاکہ صیغہ آگے محفوظ ہو جائے وزن ٹوٹنے سے، صیغہ محفوظ ہو جائے آگے۔ اب آگے اس کا وزن نہیں ٹوٹے گا، اگر آگے اس کے بعد کوئی جمع آئی تو وہ جمعِ سلامت آئے گی، جمعِ مکسر نہیں آئے گی۔ تو صیغہ محفوظ ہو گیا ہر قسم کی تبدیلی سے۔ جب ہر قسم کی تبدیلی سے محفوظ ہو گیا تو اس کی جمعیت کے اندر قوت آگئی بھئی۔ کیا آگئی؟ قوت آگئی، کیونکہ اسبابِ منعِ صرف جو ہیں یہ اسم کو اصل سے نکال دیتے ہیں۔ اسم کے اندر اصل ہے منصرف ہونا، اور غیرِ منصرف کیا ہے؟ خلاف الاصل۔ تو یہ اسبابِ منعِ صرف کیا کرتے ہیں؟ اسم کو اپنی اصل سے نکال دیتے ہیں، تو اس کے لیے سببِ قوی چاہیے، ضعیف سبب کام نہیں کرے گا۔ تو اگر جمع

جو ہے وہ آگے پھر ٹوٹ کر اس کا وزن بدل رہا ہے تو معلوم ہوا پھر وہ جمعیت اتنی قوی نہیں، لیکن صیغہ منتہی الجموع کے اندر تو دوبارہ وزن نہیں ٹوٹتا، معلوم ہوا اب یہ جو جمعیت ہے یہ تبدیلی سے محفوظ ہے، اس کے اندر قوت موجود ہے، اب آگے اس کا وزن نہیں ٹوٹے گا، اب یہ مؤثر بنے گی اور وہ لفظ کو کیا بنا دے گی؟ غیرِ منصرف بنا دے گی۔ یہ معنی ہے: «وَإِنَّمَا اشْتُرِطَتْ لِتَكُونَ صِيغَتُهُ مَصُونَةً عَنْ قَبُولِ التَّغَيُّرِ فَتُؤَثِّرُ»، اور شرط لگائی گئی ہے یہ منتہی الجموع کے صیغے کی تاکہ اس کا صیغہ جو ہے یہ جمع کا یہ محفوظ ہو جائے «عَنْ قَبُولِ التَّغَيُّرِ» تبدیلی کو قبول کرنے سے، یہ صیغہ محفوظ ہو جائے تبدیلی کو قبول کرنے سے، اب تبدیلی کو قبول نہ کرے، «فَتُؤَثِّرُ» تو پھر یہ مؤثر ہوگا، اپنا اثر دکھائے گا کیونکہ اب اس کے اندر قوت ہے بھئی۔

«بِغَيْرِ هَاءٍ»، بغیر ہا کے بھئی، بغیر ہا کے۔ «بِغَيْرِ هَاءٍ مُنْقَلِبَةٍ عَنْ تَاءِ التَّأْنِيثِ حَالَةَ الْوَقْفِ، أَوِ الْمُرَادُ بِهَا تَاءُ التَّأْنِيثِ بِاعْتِبَارِ مَا يَؤُولُ إِلَيْهِ حَالَةَ الْوَقْفِ.» بھئی سبب کیا ہے؟ غیرِ انصراف کا سبب ہے جمع۔ منتہی الجموع کا صیغہ نہیں، بلکہ سبب کیا ہے؟ جمع۔ ہاں اس جمع کے لیے آگے شرط کیا ہے؟ صیغہ کون سا ہو؟ منتہی الجموع والا ہو «بِغَيْرِ هَاءٍ» بغیر ہا کے۔ اور میں نے بتایا ہا سے کیا مراد ہے؟ تائے تانیث مراد ہے بھئی، جو حالتِ وقف میں کس سے بدل جاتی ہے؟ ہا سے۔ تو یہاں صاحبِ کافیہ نے ذکر کیا «بِغَيْرِ هَاءٍ»، وہ منتہی الجموع کا صیغہ بغیر ہا کے ہونا چاہیے۔ تو اس سے یا تو ہا ہی مراد ہے، کون سی ہا؟ وہ ہا، وہ جو تائے تانیث تھی جو وقف کی حالت میں کیا بن گئی؟ ہا بن گئی۔ تو یہ ہا مراد ہے جو کس سے بدل کر آئی ہے؟ تا سے۔ کس سے بدل کر آئی ہے؟ تو معلوم ہوا ہا بول کر ہا ہی مراد ہے۔ ہا بول کر کون سی ہا؟ جو کس سے بدل کر آئی ہے؟ تائے تانیث سے بدل کر آئی ہے، بات سمجھ میں آگئی؟ تو کہتے ہیں: «بِغَيْرِ هَاءٍ مُنْقَلِبَةٍ عَنْ تَاءِ التَّأْنِيثِ حَالَةَ الْوَقْفِ»، اس حال میں کہ وہ ہا جو ہے وہ بدلی ہوئی ہو «عَنْ تَاءِ التَّأْنِيثِ» تائے تانیث سے «حَالَةَ الْوَقْفِ» وقف کی حالت میں۔ تو ہا بول کر کیا مراد؟ ہا ہی مراد۔ «أَوِ الْمُرَادُ بِهَا تَاءُ التَّأْنِيثِ»، یا ذکر تو ہے ہا اور مراد ہے وہ تائے تانیث۔ کیا مراد ہے؟ تائے تانیث۔ ابھی وہ ہا میں بدلی تو نہیں، ابھی بدلے گی، تو چونکہ ایک حالت اس کی آنے ہی والی ہے، اس حالت کی طرف یہ بدلنے ہی والی ہے تو ابھی سے اس کو ہا کہہ دیا، ابھی سے ہی اس کو ہا کہہ دیا۔ جیسے وہ حدیث پیچھے گزری تھی: «مَنْ قَتَلَ قَتِيلًا فَلَهُ سَلَبُهُ»، میں نے بتایا تھا یہاں «قَتِيل» بمعنی مقتول کے ہے: جس نے کسی مقتول کو قتل کیا۔ بھئی مقتول کو کیا قتل کیا جائے گا؟ مقتول تو وہ ہے جس کو قتل کر دیا گیا۔ تو اس سے مراد زندہ ہے لیکن چونکہ اس کا مقتول ہونا قریب تھا تو اس کو حدیث میں پہلے سے ہی کس کے ساتھ تعبیر کر دیا گیا؟ مقتول کے ساتھ۔ اور میں نے بتایا اس کو مجاز بالمشارفہ کہتے ہیں، کیا کہتے ہیں؟ مجاز بالمشارفہ۔ ایک چیز ایک وصف کے ساتھ موصوف ہونے ہی والی ہے تو ابھی سے اس کو یعنی اس کو پہلے سے ہی اس کے ساتھ موصوف کر دیا جائے۔ تو ایک شخص جو قتل ہونے ہی والا ہے پہلے ہی اس کو کیا کہہ دیا گیا؟ مقتول کہہ دیا گیا، مقتول کی صفت کے ساتھ اس کو موصوف کر دیا گیا۔ تو اس کو کیا کہتے ہیں؟ مجاز بالمشارفہ۔ «شَارَفَ يُشَارِفُ مُشَارَفَةً» کے معنی قریب ہونا، چونکہ وہ بھی مقتول ہونے کے قریب ہے اس لیے اس کو مقتول کہہ دیا گیا۔ نیز اسی کو باعتبارِ مایؤول کے بھی کہتے ہیں، باعتبارِ ما

یؤول کے۔ «آلَ یَؤُولُ» کے معنی ہوتے ہیں لوٹنا، لوٹنا۔ ایک چیز ایک حالت کی طرف لوٹنے ہی والی ہے، قریب ہی ہے، تو آپ نے ابھی سے اس کو اس کے ساتھ موصوف کر دیا، اس کو کیا کہتے ہیں؟ باعتبارِ مایؤول کے۔ تو اس کے اندر دیکھو «مَنْ قَتَلَ قَتِیلًا فَلَهُ سَلَبُهُ» تو یہاں «قَتِیلٌ» ان کو کہا گیا مجاز بالمشارفہ کے طور پر، یا یوں کہو باعتبارِ مایؤول کے کہہ دیا گیا۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو یہاں پر بھی «بِغَیْرِ هَاءٍ»، ہا بول کر تا مراد ہے تو تا کو ابھی سے ہا کہہ دیا، اس کو ابھی سے ہا کہہ دیا، کس اعتبار سے؟ مجاز بالمشارفہ کے یا باعتبارِ مایؤول کے بھئی۔ «بِغَیْرِ هَاءٍ» دو تقریر، دو یعنی ہا سے یا تو ہا ہی مراد ہے یا تا مراد ہے۔ اگر ہا سے ہا مراد ہے تو معنی یہ ہے وہ ہا جو تا سے بدل کر آئی ہے وہ والی ہا مراد ہے، تو ہا سے معلوم ہوا ہا بول کر ہا ہی مراد ہے۔ یا ہا بول کر تا مراد ہے تو تا کو ابھی سے ہا کہہ دیا مجاز بالمشارفہ کے یا باعتبارِ مایؤول کے بھئی۔ دیکھیے دوبارہ ترجمہ کہتے ہیں: «بِغَیْرِ هَاءٍ مُنْقَلِبَةٍ عَنْ تَاءِ التَّأْنِیثِ حَالَةَ الْوَقْفِ»، بغیر ہا کے اس حال میں کہ وہ بدلی ہوئی ہو تائے تانیث سے حالتِ وقف میں، «أَوِ الْمُرَادُ بِهَا تَاءُ التَّأْنِیثِ» یا اس سے مراد جو ہے تائے تانیث ہے، ہا سے کیا مراد ہے؟ تائے تانیث ہے «بِاعْتِبَارِ مَا یَؤُولُ إِلَیْهِ حَالَةَ الْوَقْفِ» باعتبار اس حالت کے جس کی طرف وہ لوٹنے والی ہے «حَالَةَ الْوَقْفِ» وقف کی حالت میں۔

«فَلَا یَرِدُ نَحْوُ فَوَارِهَ جَمْعِ فَارِهَةٍ.» لہٰذا «فَوَارِهُ» جیسے لفظوں کا اعتراض وارد نہیں ہو سکتا۔ «فَوَارِهُ» جمع ہے «فَارِهَةٍ» کی، «فَارِهَةٌ»۔ اب «فَوَارِهُ» کے آخر میں تو ہا ہے تو بھئی اس کا اعتراض آپ نہیں کر سکتے کیونکہ یہ ہا تو اصلی ہے، اور «بِغَیْرِ هَاءٍ» کے اندر جو ہا کا ذکر تھا اس سے کیا مراد ہے؟ وہ تائے تانیث جو ہے پھر جو وقف کی حالت میں ہا سے بدل جاتی ہے وہ مراد ہے، تو «فَوَارِهُ» اس سے نکل گیا کیونکہ اس کے آخر میں یہ جو ہا ہے یہ اصلی ہے، یہ تائے تانیث سے بدل کر نہیں آئی بھئی۔ تو کہتے ہیں: «فَلَا یَرِدُ نَحْوُ فَوَارِهَ جَمْعِ فَارِهَةٍ»، لہٰذا «فَوَارِهُ» جو جمع ہے «فَارِهَةٍ» کی اس کا اعتراض وارد نہیں ہوتا۔ «فَارِهَةٌ» کے معنی ہیں ماہر بھئی، ماہر، ماہر، اور اسی طرح اس کا معنی پھرتیلا بھی ہے بھئی، پھرتیلا، چاق و چوبند بھئی، تیز و طرار جو ہے۔ گھوڑے کی بھی یہ صفت ہوتا ہے، گھوڑا جو تیز و طرار گھوڑا ہو اس کو «فَارِهَة» کہتے ہیں بھئی۔ اور یاد رکھنا ایک صرفی نکتہ بھئی: «فَوَارِهُ» اس کو «فَارِهَةٍ» کی جمع بنایا صاحبِ جامی نے، کہ یہ کس کی جمع ہے؟ «فَارِهَةٍ» کی ہے، «فَارِهٌ» کی نہیں۔ اس لیے کہ «فَارِهٌ» دیکھو یہ صفت کا صیغہ ہے، اور «فَاعِلٌ» تو جہ ہے؟ «فَاعِلٌ» جب صفت کا صیغہ ہو، «فَارِهٌ» کون سا صیغہ ہے؟ «فَاعِلٌ»، تو «فَاعِلٌ» جب صفت کا صیغہ ہو، مذکر ہو، تو اس کی جمع «فَوَاعِلُ» نہیں آتی۔ ہاں «فَاعِلَةٌ» ہو صفت کا صیغہ، اس کی جمع «فَوَاعِلُ» آسکتی ہے۔ اس کی جمع «فَوَاعِلُ» آئے گی۔ اور جو مذکر ہو «فَاعِلٌ»، اس کی جمع «فَوَاعِلُونَ» یا «فَوَاعِلِینَ» آتی ہے بھئی۔ کیا بات ہوئی؟ کہ صفت کا صیغہ «فَاعِلٌ» یا «فَاعِلَةٌ» وزن پر آتا ہے، تو اگر وہ «فَاعِلٌ» وزن مذکر ہو تو اس کی جمع «فَوَاعِلُ» نہیں آئے گی بلکہ «فَوَاعِلُونَ» یا «فَوَاعِلِینَ» آئے گی، اور اگر صفت کا صیغہ تا کے ساتھ ہے یعنی مؤنث ہے «فَاعِلَةٌ»، پھر اس کی جمع کیا آتی ہے؟ «فَوَاعِلُ» وزن آتی ہے، اسی لیے صاحبِ جامی نے بتلایا کہ یہ «فَوَارِهُ» یہ «فَارِهٌ» کی جمع نہیں ہے بلکہ کس کی جمع ہے؟ «فَارِهَةٌ» کی جمع ہے۔

کہتے ہیں: «وَإِنَّمَا اشْتُرِطَ كَوْنُهَا بِغَیْرِ هَاءٍ لِأَنَّهَا لَوْ كَانَتْ مَعَ هَاءٍ كَانَتْ عَلَى زِنَةِ الْمُفْرَدَاتِ.» بھئی کیا وجہ ہے؟ یہ شرط

کیوں لگائی کہ بغیرہا کے ہونا چاہیے؟ بغیرہا کے؟ تو وجہ ذکر کر رہے ہیں: کہتے ہیں اگر تائے تانیث ساتھ آکر جڑے گی اس وزن کے ساتھ تو پھر مفرد کا وزن بن جائے گا۔ جیسے آگے ذکر کریں گے «فَرَازِنَةٌ»، «فَرَازِنَةٌ» کے آخر میں دیکھو یہ گول تا آکر جڑ گئی تو یہ اب مفرد والا وزن بن گیا۔ «فَرَازِنَةٌ»، اسی وزن پر آتا ہے «عَلَانِيَةٌ»، «كَرَاهِيَةٌ»، «طَوَاعِيَةٌ»۔ دیکھو یہ سارے مفرد ہیں۔ «عَلَانِيَةٌ»، «كَرَاهِيَةٌ»، «طَوَاعِيَةٌ» یہ سب کیا ہیں؟ مفرد ہیں۔ تو جب اس جمعِ منتہی الجموع کے صیغے کے آخر میں گول تا آکر جڑ جائے، جیسے «فَرَازِنَةٌ»، تو یہ کس وزن پر ہو گیا؟ کس صورت پر ہو گیا؟ مفرد والے صورت پر ہو گیا، لہٰذا اس کی جمعیت میں کمزوری آگئی۔ جب اس کی جمعیت میں کمزوری آگئی، اب یہ دو سببوں کے قائم مقام نہیں ہوگا بھئی۔ کہتے ہیں:

«وَإِنَّمَا اشْتُرِطَ كَوْنُهَا بِغَيْرِ هَاءٍ»، شرط لگائی گئی کہ یہ صیغہ بغیرہا کے ہو، «لِأَنَّهَا لَوْ كَانَتْ مَعَ هَاءٍ كَانَتْ عَلَى زِنَةِ الْمُفْرَدَاتِ»، اس لیے کیونکہ اگر یہ ہا کے ساتھ ہوا تو یہ مفردات کے وزن پر ہوگا، «كَفَرَازِنَةٍ فَإِنَّهَا عَلَى زِنَةِ كَرَاهِيَةٍ وَطَوَاعِيَةٍ»، جیسے کہ «فَرَازِنَةٌ»، کیونکہ یہ جو ہے «عَلَى زِنَةِ كَرَاهِيَةٍ وَطَوَاعِيَةٍ»، یہ «كَرَاهِيَةٌ» اور «طَوَاعِيَةٌ» کے وزن پر ہے، «بِمَعْنَى الْكَرَاهَةِ وَالطَّاعَةِ» جو کس معنی میں ہے؟ کراہت اور طاعت۔ «كَرَاهِيَةٌ» بمعنی کراہت کے ہے یعنی ناپسند کرنا، اور «طَوَاعِيَةٌ» بمعنی طاعت کے ہے یعنی فرمانبرداری کرنا۔ «فَيَدْخُلُ فِي قُوَّةِ جَمْعِيَّتِهِ فُتُورٌ» تو داخل ہو جائے گا اس کی جمعیت کی قوت کے اندر «فُتُورٌ»۔ فتور کا معنی کمزوری بھئی۔ جب یہ مفرد کے وزن پر ہو گیا تو اس کی جمعیت کی قوت میں کمزوری واقع ہو گئی۔ «فَيَدْخُلُ فِي قُوَّةِ جَمْعِيَّتِهِ فُتُورٌ»، تو اس کی جمعیت کی جو قوت تھی اس کے اندر کمزوری داخل ہو گئی۔

اچھا یہاں ایک اور بات یاد رکھیں بھئی: «كَفَرَازِنَةٍ» عبارت پر نظر ہے؟ «كَفَرَازِنَةٍ فَإِنَّهَا عَلَى زِنَةِ كَرَاهِيَةٍ وَطَوَاعِيَةٍ»۔ «فَرَازِنَةٌ» کا لفظ عربی میں منصرف استعمال ہوتا ہے، اسی لیے کیا پڑھا آپ نے؟ «كَفَرَازِنَةٍ» دیکھو منصرف پڑھا۔ اسی طرح «عَلَى زِنَةِ كَرَاهِيَةٍ وَطَوَاعِيَةٍ»، یہ کس وزن پر ہیں؟ «كَرَاهِيَةٍ» اور «طَوَاعِيَةٍ»، دیکھو یہ بھی منصرف ہیں، یہ مفرد کا وزن ہے یہ تو منتہی الجموع کا وزن ہی نہیں ہے، تو یہ بھی ان کو بھی منصرف پڑھا آپ نے، اگرچہ یہ یہاں پر غیرِ منصرف ہیں، یہاں پر غیرِ منصرف ہیں۔ «فَرَازِنَةٌ» کے اندر دو سبب کیا ہیں؟ ایک تائے تانیث ہے، دوسرا؟ «فَرَازِنَةٌ» سے «فَرَازِنَةٌ» کا لفظ مراد ہے تو یہ علم ہے بھئی، تو ایک علمیت آگئی اور ایک تانیث آگئی۔ اسی طرح «كَرَاهِيَةٌ» سے «كَرَاهِيَةٌ» کا لفظ مراد ہے تو ایک علمیت آگئی، ایک تائے تانیث بھی ہے بھئی۔ اسی طرح «طَوَاعِيَةٌ» کے اندر علمیت بھی ہے اور تانیث بھی ہے۔ تو یہ ہیں تو غیرِ منصرف، اور یہ بات میں نے پہلے بیان کی تھی وہ جو اوصاف کا ذکر آیا تھا: «وَضَعْفَ مَنْعُ أَفْعَى وَأَجْدَلٍ وَأَخْيَلٍ» بھئی، وہاں میں نے آپ کو بتلایا تھا کہ دونوں طرح پڑھنا جائز ہے۔ تو یہاں پر بھی دونوں طرح پڑھ سکتے ہیں، اور میں نے بتایا تھا یہ بعض علماء فرماتے ہیں کہ اس کو یہاں کہ یہ ہیں تو غیرِ منصرف لیکن یہاں ان کو منصرف ہی پڑھیں گے کس وجہ سے؟ مشاکلت کی وجہ سے۔ کس کی وجہ سے؟ مشاکلت یعنی یہ ہم شکل ہیں۔ وہ جو «فَرَازِنَةٌ» عربی زبان میں استعمال ہوتا ہے اس کا نام ہی ہم نے «فَرَازِنَةٌ» رکھ دیا، وہ جو «كَرَاهِيَةٌ» اور «طَوَاعِيَةٌ» عربی زبان میں استعمال ہوتے ہیں ان

کا نام ہی ہم نے «كَرَاهِيَةٌ» اور «طَوَاعِيَةٌ» رکھ دیا بھئی، اور وہ تو منصرف استعمال ہوتے ہیں، توجہ ہے؟ وہ کیا استعمال ہوتے ہیں؟ منصرف۔ اور یہاں پر اگرچہ یہ جو عبارت میں آئے اس وقت یہ غیرِ منصرف ہیں، لیکن ان کی شکل ان کی شکل کی طرح ہے، اور ان پر تو کسرہ اور تنوین پڑھتے ہیں، تو لہٰذا ان پر بھی کسرہ اور تنوین پڑھیں گے، اور یہ زیادہ بہتر ہے بھئی، کیا ہے؟ زیادہ بہتر ہے۔ معلوم ہوا وہاں صفت کے اندر بھی «وَضَعُفَ مَنْعُ أَفْعَى وَأَجْدَلٍ وَأَخْيَلٍ» پڑھنا بہتر ہے بھئی، یہاں پر بھی اسی طرح پڑھیں گے۔

اچھا جی، آگے دیکھیے بھئی۔ کہتے ہیں: «وَلَا حَاجَةَ إِلَى إِخْرَاجِ نَحْوِ مَدَائِنِيٍّ فَإِنَّهُ مُفْرَدٌ مَحْضٌ.» بھئی بعض علماء فرماتے ہیں کہ صاحبِ کافیہ کو «بِغَيْرِ هَاءِ وَيَاءِ النِّسْبَةِ» کہنا چاہیے تھا، «بِغَيْرِ هَاءٍ وَيَاءِ النِّسْبَةِ»، کہ وہ منتہی الجموع کا صیغہ بغیر ہا کے ہو اور بغیر یائے نسبت کے ہو۔ یائے نسبت جیسے لاہور سے «لَاهُورِيٌّ»، «لَاهُورِيٌّ» کا کیا معنی؟ لاہور والا۔ تو ہا بھی اس کے ساتھ جڑی ہوئی نہ ہو اس صیغے کے ساتھ اور یائے نسبت بھی نہ جڑی ہوئی ہو، تاکہ «مَدَائِنِيٌّ» جیسے لفظ نکل جائیں۔ «مَدَائِنِيٌّ» مدائن والا۔ مدائن شہر کا نام تھا۔ مدائن کیا تھا؟ ایک شہر کا نام تھا، جیسے لاہور کی طرف نسبت کرتے ہیں «لَاهُورِيٌّ» کہتے ہیں تو مدائن کی طرف نسبت کرتے ہوئے کیا کہتے تھے؟ «مَدَائِنِيٌّ»۔ تو اب دیکھو «مَدَائِنُ»، «مَدَائِنُ» اس کے ساتھ یائے نسبت جڑ گئی، اب یہ مفرد کا صیغہ بن گیا۔ «مَدَائِنِيٌّ» کا کیا معنی؟ مدائن والا۔ تو یہ یا ملائی جاتی ہے کس کے لیے؟ مفرد کے لیے، بات سمجھ میں آگئی؟ مفرد کے لیے۔ تو اب دیکھو اس کے آخر میں یائے نسبت ہے اور یہ منصرف ہے، تو اس کو بھی نکالنا چاہیے تھا صاحبِ کافیہ کو، «بِغَيْرِ هَاءٍ وَبِغَيْرِ يَاءِ النِّسْبَةِ» کہنا چاہیے بھئی۔ تو صاحبِ جامی اس کا جواب دیں گے کہ نہیں بھئی، یائے نسبت کی قید لگانے کی کوئی ضرورت نہیں۔ اس لیے کیونکہ «مَدَائِنِيٌّ» یہ تو جمع ہے ہی نہیں بھئی، یہ تو مفرد ہے بھئی۔ «لَاهُورِيٌّ» کا کیا معنی؟ لاہور والا، معلوم ہوا ایک شخص ہے یا ایک چیز ہے جو کس کی طرف منسوب ہے؟ لاہور کی طرف۔ تو لہٰذا «مَدَائِنِيٌّ» کے اندر جب یائے نسبت آگئی تو یہ مفرد کے لیے ہے، یہ جمع کے لیے ہے ہی نہیں۔ تو جب جمع کے لیے ہے ہی نہیں تو اس کو نکالنے کے لیے کوئی قید لگانے کی ضرورت نہیں کیونکہ بات تو جمع کی چل رہی ہے، یہ اس کے اندر داخل ہی نہیں۔

کہتے ہیں: «وَلَا حَاجَةَ إِلَى إِخْرَاجِ نَحْوِ مَدَائِنِيٍّ» اور «مَدَائِنِيٌّ» جیسے لفظوں کو نکالنے کی کوئی حاجت نہیں، «فَإِنَّهُ مُفْرَدٌ مَحْضٌ»، اس لیے کیونکہ یہ مفردِ محض ہے، یعنی یہ صرف مفرد ہے، «لَيْسَ جَمْعًا لَا فِي الْحَالِ وَلَا فِي الْمَآلِ»، نہ تو یہ فی الحال جمع ہے، «وَلَا فِي الْمَآلِ» اور نہ ہی مآل یعنی آگے چل کر بھی اس کے جمع بننے کا کوئی احتمال نہیں ہے بھئی۔ «وَإِنَّمَا الْجَمْعُ مَدَائِنُ وَهُوَ لَفْظٌ آخَرُ»، اور جمع تو «مَدَائِنُ» ہے بھئی، «وَهُوَ لَفْظٌ آخَرُ» اور وہ دوسرا لفظ ہے بھئی۔ بھئی دیکھو ایک ہے مدینہ کی جمع آتی ہے «مَدَائِنُ»۔ توجہ ہے؟ مدینہ کی جمع کیا؟ «مَدَائِنُ»۔ یہ «مَدَائِنُ» یہ تو جمع ہے اور یہ غیرِ منصرف ہے کیونکہ صیغہ کون سا ہے؟ منتہی الجموع والا، یہ دو سببوں کے قائم مقام ہے۔ جبکہ مدائن میں نے بتایا وہ ایک شہر کا نام ہے، شہر کا

نام ہے، یعنی مدینہ کی جمع کیا؟ «مَدَائِنُ»، اور پھر اس شہر کا نام ہی کیا رکھ دیا گیا؟ مدائن رکھ دیا گیا۔ اب یہ علم ہے، اب یہ علم ہے، اور پھر اسی کی طرف جب نسبت کرتے ہیں تو یا ساتھ ملا دیتے ہیں یائے مشدد تو کیا کہتے ہیں؟ «مَدَائِنِيٌّ» کہتے ہیں۔ «وَإِنَّمَا الْجَمْعُ مَدَائِنُ وَهُوَ لَفْظٌ آخَرُ»، اور جمع تو «مَدَائِنُ» ہے اور وہ دوسرا لفظ ہے، «بِخِلَافِ فَرَازِنَةٍ فَإِنَّهَا جَمْعُ فِرْزِينٍ أَوْ فِرْزَانٍ بِكَسْرِ الْفَاءِ»، بخلاف «فَرَازِنَةٍ» کے، اس لیے کیونکہ یہ «فِرْزِينٍ» یا «فِرْزَانٍ» کی جمع ہے «بِكَسْرِ الْفَاءِ» فا کے کسرہ کے ساتھ۔ «فِرْزِينٌ» میں بھی فا کے نیچے کسرہ ہے اور «فِرْزَانٌ» میں بھی فا کے نیچے کسرہ ہے۔ تو «فَرَازِنَةٌ» بھی اسی طرح ہے، «مَلَائِكَةٌ» بھی اسی طرح ہے بھئی۔ «فَرَازِنَةٌ» کے آخر میں بھی تا ہے اور «مَلَائِكَةٌ» کے آخر میں بھی تا ہے، تو یہ منصرف ہیں بھئی، یہ منصرف ہیں بھئی۔

اور «فَرَازِنَةٌ» یاد رکھو «فَرَازِنَةٌ» جمع ہے «فِرْزِينٌ» کی یا «فِرْزَانٌ» کی بھئی۔ اور «فِرْزِينٌ» یا «فِرْزَانٌ» یہ شطرنج کے اندر جو وزیر ہوتا ہے اس کو کہتے ہیں بھئی۔ تو شطرنج کے اندر یہ وزیر جو ہے یہ سب سے خطرناک ہوتا ہے بھئی۔ یہ آٹھ طرف چل سکتا ہے اور اگر درمیان میں کوئی اور گوٹی وغیرہ نہ ہو تو ایک کنارے سے دوسرے کنارے تک چل سکتا ہے۔ تو شطرنج میں سب سے خطرناک یہ وزیر ہوتا ہے اور اس کو «فِرْزِينٌ» یا «فِرْزَانٌ» کہتے ہیں اور اس کی جمع «فَرَازِنَةٌ» آتی ہے بھئی۔

«فَعُلِمَ مِمَّا سَبَقَ أَنَّ صِيغَةَ مُنْتَهَى الْجُمُوعِ عَلَى قِسْمَيْنِ»، پس یہ بات معلوم ہو گئی وہ جو ماقبل میں گزر گیا کہ «أَنَّ صِيغَةَ مُنْتَهَى الْجُمُوعِ عَلَى قِسْمَيْنِ» کہ منتہی الجموع کا صیغہ جو ہے وہ دو قسم پر ہے: «أَحَدُهُمَا مَا يَكُونُ بِغَيْرِ هَاءٍ وَثَانِيهِمَا مَا يَكُونُ بِهَاءٍ»، ان میں سے ایک وہ ہے جو بغیر ہا کے ہو، «وَثَانِيهِمَا» اور دوسرا جو ہے «مَا يَكُونُ بِهَاءٍ» جو کس کے ساتھ ہو؟ ہا کے ساتھ ہو۔ «فَأَمَّا مَا كَانَ بِغَيْرِ هَاءٍ فَمُمْتَنِعٌ صَرْفُهُ لِوُجُودِ شَرْطِ تَأْثِيرِهَا»، پس وہ صیغہ جو بغیر ہا کے ہے «فَمُمْتَنِعٌ صَرْفُهُ» تو اس کی صرف ممتنع ہے «لِوُجُودِ شَرْطِ تَأْثِيرِهَا» بوجہ اس کی مؤثر ہونے کی شرط پائے جانے کے، کہ اس کے مؤثر ہونے کی شرط پائی جا رہی ہے جو بغیر ہا کے ہے، اور شرط بھی کیا لگائی تھی؟ کہ صیغہ منتہی الجموع کا بغیر ہا کے ہونا چاہیے۔ «كَمَسَاجِدَ»، جیسے کہ «مَسَاجِدَ» ہے، «مِثَالٌ لِمَا بَعْدَ أَلِفِهِ حَرْفَانِ»، یہ مثال ہے اس جمع کی جس کے الف کے بعد دو حرف ہیں، «وَمَصَابِيحَ»، اور «مَصَابِيحَ» جو ہے «مِثَالٌ لِمَا بَعْدَ أَلِفِهِ ثَلَاثَةُ أَحْرُفٍ أَوْسَطُهَا سَاكِنٌ»، کہ یہ مثال ہے اس جمع کی جس کے الف کے بعد تین حروف ہیں، «أَوْسَطُهَا سَاكِنٌ»، تین ایسے حروف، «أَوْسَطُهَا سَاكِنٌ» جن کے درمیان والا حرف ساکن ہے بھئی۔

«وَأَمَّا فَرَازِنَةٌ وَأَمْثَالُهَا مِمَّا هِيَ عَلَى صِيغَةِ مُنْتَهَى الْجُمُوعِ مَعَ الْهَاءِ فَمُنْصَرِفٌ لِفَوَاتِ شَرْطِ تَأْثِيرِ الْجَمْعِيَّةِ وَهُوَ كَوْنُهَا بِلَا هَاءٍ.» اور باقی «فَرَازِنَةٌ» اور اس کے مثل لفظ جو ہیں «مِمَّا هِيَ» یعنی کہ وہ الفاظ جو «عَلَى صِيغَةِ مُنْتَهَى الْجُمُوعِ مَعَ الْهَاءِ» جو منتہی الجموع کے صیغے پر ہیں «مَعَ الْهَاءِ» کس کے ساتھ؟ ہا کے ساتھ، یعنی ہا بھی ساتھ ہے، «فَمُنْصَرِفٌ» تو یہ منصرف ہے «لِفَوَاتِ شَرْطِ تَأْثِيرِ الْجَمْعِيَّةِ» بوجہ فوت ہو جانے کے جمعیت کے مؤثر ہونے کی شرط کے۔ اس وجہ سے «لِفَوَاتِ شَرْطِ تَأْثِيرِ الْجَمْعِيَّةِ» جمعیت کے مؤثر ہونے کی جو شرط ہے وہ فوت ہو گئی ہے، وہ رہ گئی ہے، «وَهُوَ كَوْنُهَا بِلَا

هَاءٍ» اور وہ اس کا بغیر ہا کے ہونا ہے، وہ اس کا بغیر ہا کے ہونا ہے۔

تو دیکھو «وَأَمَّا فَزَازِنَةٌ فَمُنْصَرِفٌ»، یہاں بھی اسی طرح بھئی: «فَزَازِنَةٌ» یہاں غیرِ منصرف ہے، غیرِ منصرف ہے، ایک تانیث ہے اور ایک علمیت ہے، لیکن یہاں پڑھیں گے کیسے؟ «فَزَازِنَةٌ» پڑھیں گے یعنی مشاکلت کی وجہ سے کہ جو عربی زبان میں «فَزَازِنَةٌ» لفظ آتا ہے وہ منصرف ہوتا ہے تو اس کو بھی اسی طرح پڑھیں گے بھئی۔ بات سمجھ میں آگئی؟ اچھی طرح حل ہو گیا؟ چلیے بس بھئی۔ هٰذَا هُوَ الْمَرَامُ وَاللّٰهُ أَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْكَلَامِ.

سبق نمبر ٦٧: اسبابِ منعِ صرف (١١): «حَضَاجِرُ» اور «سَرَاوِيلُ» میں جمع کے حکم کی تحقیق

شرحِ ملا جامی صفحہ: ٤٧ — بتاریخ: ٩ ستمبر ٢٠٢١ء

▪ تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث

دیکھیے بھائی آگے سبق، کہتے ہیں: وَحَضَاجِرُ عَلَمًا لِلضَّبُعِ. هٰذَا جَوَابُ سُؤَالٍ مُقَدَّرٍ تَقْدِيرُهُ أَنَّ حَضَاجِرَ عَلَمُ جِنْسٍ لِلضَّبُعِ يُطْلَقُ عَلَى الْوَاحِدِ وَالْكَثِيرِ، كَمَا أَنَّ أُسَامَةَ عَلَمُ جِنْسٍ لِلْأَسَدِ فَلَا جَمْعِيَّةَ فِيهِ، وَصِيغَةُ مُنْتَهَى الْجُمُوعِ لَيْسَتْ مِنْ أَسْبَابِ مَنْعِ الصَّرْفِ بَلْ هِيَ شَرْطٌ لِلْجَمْعِيَّةِ فَيَنْبَغِي أَنْ يَكُونَ مُنْصَرِفًا لٰكِنَّهُ غَيْرُ مُنْصَرِفٍ.

بھائی گزشتہ سبق میں ہم نے جمع کے بارے میں پڑھنا شروع کیا بھائی۔ صاحبِ کافیہ نے آپ کو بتلایا کہ یہ جو جمع ہے یہ دو سببوں کے قائم مقام ہے اور اس کی شرط یہ ہے، یعنی اس کے دو سببوں کے قائم مقام ہونے کی شرط یہ ہے کہ مُنْتَهَى الْجُمُوعِ کا صیغہ ہونا چاہیے بغیر ہا کے، یعنی اس کے آخر میں تائے تانیث نہیں ہونی چاہیے بھائی۔ اور مُنْتَهَى الْجُمُوعِ جو ہے، اس صیغے کو مُنْتَهَى الْجُمُوعِ کا صیغہ کیوں کہتے ہیں؟ میں نے وجہ بتلائی تھی کہ اس پر جمعِ تکسیر کی انتہا ہو جاتی ہے، اس کے بعد اگر اس کی آگے مزید جمع آئے تو وہ جمعِ سلامت تو آسکتی ہے جمعِ تکسیر نہیں آسکتی۔ چنانچہ اس کی مثال بھی صاحبِ جامی نے ذکر کی کہ أَيَامِينُ جو ہے اس کی جمع أَيَامِنِينَ، دیکھو جمعِ مذکر سالم آتی ہے، اور اسی طرح صَوَاحِبُ کی جمع صَوَاحِبَاتٌ جمعِ مؤنث سالم آتی ہے۔ تو یہ مُنْتَهَى الْجُمُوعِ کے صیغے ہیں لیکن آگے ان کی جمعِ تکسیر نہیں آتی بلکہ جمعِ سالم آتی ہے بھائی۔

اور یہ شرط کیوں لگائی؟ وجہ یہ کہ یہ جو اسبابِ منعِ صرف ہیں یہ کلمے کو مُنْصَرِف ہونے سے نکال دیتے ہیں، یعنی اسم کو اس کی اصل سے نکال دیتے ہیں، لہٰذا اس کے لیے کوئی قوی سبب چاہیے۔ اور جب یہ صیغہ آجائے گا تو یہ قوی سبب بنے گا اس لیے کیونکہ اب کلمہ تبدیلی سے محفوظ ہو گیا، یعنی آگے اس کی جمعِ تکسیر نہیں آسکتی۔ تو اب اس کی جمعیت میں قوت آگئی، اب یہ مؤثر بنے گا بھائی۔ اور بغیر ہا کے ہو، اس لیے کیونکہ اگر ہا ساتھ جڑ جائے تو پھر وہ مفرد کا وزن بن جاتا ہے جیسے فَرَازِنَةٌ بھائی۔ اس کے آخر میں گول تا ہے تو یہ مفرد کا وزن بن گیا جیسے عَلَانِيَةٌ، كَرَاهِيَةٌ، طَوَاعِيَةٌ، یہ سب مفرد ہیں بھائی۔

اور پھر میں نے یہ بھی بتلایا تھا کہ یہ مُنْتَهَى الْجُمُوعِ کا جو صیغہ ہے اس کی صورت مراد ہے، یعنی وزنِ صوری مراد ہے، وزنِ صرفی یا وزنِ عروضی مراد نہیں۔ ایک ہوتا ہے وزنِ صرفی، جس میں اصلی کے مقابلے میں اصلی آتا ہے، زائد کے مقابلے میں زائد، اور حرکات و سکنات بھی بالکل ایک جیسی ہوتی ہیں، یعنی فتحہ کے مقابلے میں فتحہ، ضمہ کے مقابلے میں ضمہ، کسرہ کے مقابلے میں کسرہ اور سکون کے مقابلے میں سکون آتا ہے۔ جبکہ دوسرا وزنِ صوری ہے، اس میں حرکات و سکنات تو ایک جیسی ہوتی ہیں لیکن اصلی کے مقابلے میں اصلی ہے یا زائد ہے یہ نہیں دیکھا جاتا، جیسے مَسَاجِدُ، أَسَاوِرُ اور ضَوَارِبُ، تینوں کے وزن، وزنِ صرفی تو الگ الگ ہیں لیکن وزنِ صوری تینوں کا ایک ہی ہے۔ اور تیسری وزن کی قسم جو ہے وہ وزنِ عروضی ہے، وزنِ عروضی کے اندر حرکات و سکنات بھی ایک جیسی ہونا ضروری نہیں، بس صرف متحرک کے مقابلے میں متحرک آنا چاہیے اور ساکن کے مقابلے میں ساکن آنا چاہیے، چاہے حرکتیں الگ الگ ہوں بھائی، جیسے شَرِيفٌ بروزن فَعُولٌ۔ اب شَرِيفٌ میں تو شین پر زبر ہے اور فَعُولٌ میں فا پر ضمہ ہے، لیکن حرکتوں کو نہیں دیکھنا کہ الگ الگ ہیں، بس صرف یہ دیکھنا ہے کہ متحرک کے مقابلے میں متحرک ہونا چاہیے بھائی۔ بات سمجھ میں آگئی۔

اب آئیے آج کے سبق پر بھائی۔ کہتے ہیں: وَحَضَاجِرُ عَلَمًا لِلضَّبُعِ هٰذَا جَوَابُ سُؤَالٍ مُقَدَّرٍ۔ بھائی صاحبِ کافیہ نے ضابطہ آپ کو بتلا دیا کہ جمع جو ہے یہ غیرِ انصراف کا سبب بنے گی اور یہ دو سببوں کے قائم مقام ہے، لیکن شرط یہ ہے کہ صیغہ جمع مُنْتَهَى الْجُمُوعِ والا ہونا چاہیے اور بغیرہا کے ہو بھائی، بغیرہا کے۔ تو اس پر اشکال ہوتا ہے کہ حَضَاجِرُ، حَضَاجِرُ یہ علمِ جنس ہے ضَبُع کے لیے بھائی، علمِ جنس ہے ضَبُع کے لیے۔ یاد رکھو ضَبُع جو ہے یہ عربی زبان میں ایک تو یہ لگڑ بگڑ کو کہتے ہیں بھائی۔ لگڑ بگڑ ایک حیوان ہے بھائی، کتے کے مشابہ ہے بلکہ کتے سے معمولی سا شاید بڑا ہوگا، تھوڑا سا معمولی سا بڑا ہوگا اور اس کی شکل بڑی کریہہ اور خوفناک ہوتی ہے بھائی، اور کتے کے تو اگلے اور پچھلے پاؤں دونوں برابر ہوتے ہیں، جبکہ یہ لگڑ بگڑ جو ہے اس کے پچھلے پاؤں نسبتاً چھوٹے ہوتے ہیں اگلے پاؤں کے مقابلے میں بھائی، تو اس کا پچھلا حصہ تھوڑا سا نیچے کو جھکا ہوا ہوتا ہے بھائی اور یہ بڑا ہی خوفناک جانور ہے بھائی، تو اس لگڑ بگڑ کو عربی میں ضَبُع کہتے ہیں۔ لیکن یہاں ضَبُع سے لگڑ بگڑ نہیں مراد بلکہ یہاں بجو مراد ہے۔ بجو کہتے ہیں یہ کوئی اور حیوان ہے اور اس کو بھی ضَبُع کہتے ہیں بھائی، تو ضَبُع سے یہاں بجو مراد ہے بھائی۔ اور یہ کوئی اور حیوان ہے، کہتے ہیں اس کا پیٹ بہت بڑا ہوتا ہے، تو اس کو اردو میں بجو کہتے ہیں اور عربی میں ضَبُع بھائی۔

تو یہ جو حَضَاجِرُ ہے بھائی یہ علمِ جنس ہے ضَبُع کے لیے یعنی بجو کے لیے۔ یاد رکھو ایک ہوتی ہے جمع اور ایک ہے اسمِ جنس۔ جمع میں دیکھو مفرد کا صیغہ اور ہوتا ہے، جمع کا صیغہ اور۔ مثلاً ایک کتاب ہو تو اس کو کہیں گے كِتَابٌ، دو کتابیں ہوں تو کہیں گے كِتَابَانِ، اور جمع ہو تو کہیں گے كُتُبٌ، كُتُبٌ کہیں گے۔ اسی طرح اردو میں بھی ہے، ایک کتاب ہو تو کتاب کہیں گے اور زیادہ ہوں، اردو میں تو چونکہ تثنیہ ہے ہی نہیں، تو ایک سے جب زیادہ ہوں تو اس کو کتابیں کہیں گے۔ دیکھو لفظ ہی

بدل گیا، ایک کے لیے لفظ ہے کتاب اور ایک سے زیادہ کے لیے کتابیں۔ تو جمع جو ہے اس کا اطلاق دو سے زائد پر ہوتا ہے، جبکہ یہ جو اسمِ جنس ہے یہ اسی لفظ کا اطلاق مفرد پر بھی ہوتا ہے اور تثنیہ، جمع سب پر وہی بولا جاتا ہے، یعنی قلیل ہو یا کثیر سب پر وہی لفظ بولا جاتا ہے، جیسے انسان۔ انسان اسمِ جنس ہے، یہ قلیل پر بھی بولا جاتا ہے اور کثیر پر بھی۔ ایک انسان ہو تو بھی ہم کہتے ہیں یہ انسان ہے، دو یا زیادہ انسان ہوں تب بھی ہم کہتے ہیں یہ انسان ہیں۔ دیکھا وہی لفظ انسان مفرد کے لیے بھی اور تثنیہ، جمع وغیرہ سب پر وہ بولا جا رہا ہے، قلیل اور کثیر سب پر بولا جا رہا ہے، لفظ میں کوئی تبدیلی نہیں آ رہی، حالانکہ ایک کے لیے کتاب تھا، دو کے لیے کِتَابَانِ اور جمع کے لیے کُتُبٌ۔ اسی طرح دوسری مثال لے لیں: ایک کو کہیں گے رَجُلٌ، دو ہوں گے تو رَجُلَانِ، اور جمع ہو تو کہیں گے رِجَالٌ، دیکھو لفظ ہی بدلتے جا رہے ہیں، لیکن اسمِ جنس وہ ایک ہی لفظ قلیل پر بھی بولا جاتا ہے اور کثیر پر بھی، تو انسان کا لفظ سب پر بولا جائے گا، اس کو کہتے ہیں اسمِ جنس۔ جبکہ یہ حَضَاجِرُ، یہ ہے علمِ جنس بھائی، علمِ جنس۔ علمِ جنس اور اسمِ جنس میں صرف اتنا فرق ہے کہ اسمِ جنس جو ہے وہ نکرہ ہوتا ہے جبکہ علمِ جنس جو ہے، نام سے ہی پتہ چل رہا ہے دیکھو علم ہے جنس کے لیے، تو یہ معرفہ ہوتا ہے۔ فرق سمجھ میں آیا؟ تو اسمِ جنس نکرہ ہوتا ہے اور علمِ جنس معرفہ ہوتا ہے۔

اب دیکھو یہاں اشکال یہ ہوتا ہے کہ حَضَاجِرُ یہ علمِ جنس ہے ضَبُع کے لیے یعنی بجو کے لیے، تو معلوم ہوا اس کا اطلاق قلیل اور کثیر سب پر ہوتا ہے، معلوم ہوا یہ جمع نہیں، معلوم ہوا یہ جمع نہیں۔ جب یہ جمع نہیں ہے تو پھر تو اس کو مُنْصَرِف ہونا چاہیے تھا بھائی، حالانکہ عرب اس کو غَيْرُ مُنْصَرِفٍ استعمال کرتے ہیں۔ دیکھو حَضَاجِرُ صیغہ تو بے شک جمع مُنْتَهَى الْجُمُوعِ والا ہے، حَضَاجِرُ اسی وزن پر ہے، توجہ ہے؟ لیکن صیغہ سبب نہیں بنتا غیرِ انصراف کا، غیرِ انصراف کا سبب جمعیت بنتی ہے جمع ہونا، ہاں اس جمع ہونے کے اندر شرط یہ ہے کہ صیغہ کون سا ہونا چاہیے؟ مُنْتَهَى الْجُمُوعِ کا، تو جمع ہونے کو پہلے دیکھیں گے اور صیغے کو بعد میں دیکھیں گے۔ لیکن حَضَاجِرُ یہ تو جمع ہے ہی نہیں، یہ تو علمِ جنس ہے، تو بے شک صیغہ اس کا جمع مُنْتَهَى الْجُمُوعِ والا ہے لیکن صیغہ تو سبب ہی نہیں بنتا، سبب تو کیا بنتا ہے؟ جمعیت بنتی ہے سبب، تو اس کو تو مُنْصَرِف ہونا چاہیے، لیکن ہم نے سنا ہے عرب اس کو غَيْرُ مُنْصَرِفٍ استعمال کرتے ہیں۔ تو اس کا جواب دیں گے صاحبِ کافیہ آپ کو کہ بھئی حَضَاجِرُ اس وقت اگرچہ یہ علمِ جنس ہے لیکن یہ اصلِ وضع میں جمع ہے، اصلِ وضع میں یہ جمع ہے، پھر جمع سے اس کو نقل کر کے علمِ جنس بنا لیا گیا۔ اس وقت اگرچہ یہ علمِ جنس ہے لیکن اصلِ وضع میں یہ کیا ہے؟ جمع ہے، تو جمع سے اس کو نقل کر کے علمِ جنس بنا لیا گیا۔ تو یہ اصل میں، یہ اصل میں جمع تھا بھائی۔ یہ جمع تھا حِضَجْرٌ کی، حِضَجْرٌ یہ لفظ آگے آ جائے گا کتاب کے اندر بھی: ح ہے، ضاد ہے، جیم اور را، ح کے نیچے زیر، ضاد پر زبر اور جیم ساکن ہے: حِضَجْرٌ۔ حِضَجْرٌ کا معنی ہوتا ہے بڑے پیٹ والا، وہ چیز جس کا پیٹ بڑا ہو اس کو حِضَجْرٌ کہتے ہیں اور کہتے ہیں یہ جو بجو

ہے اس کا پیٹ بھی بہت بڑا ہوتا ہے، تو حِضَجْرٌ کی جمع کیا بنائی گئی؟ حَضَاجِرُ، اور پھر اس حَضَاجِرُ کو نقل کر کے علمِ جنس بنا دیا گیا بجو کے لیے۔ جب یہ علمِ جنس بن گیا اب اس کا اطلاق قلیل پر بھی ہوتا ہے اور کثیر پر بھی۔ معلوم ہوا ایک بجو ہو اس کو بھی کیا کہیں گے؟ حَضَاجِرُ۔ بھئی ایک ہے پھر اس کو حَضَاجِرُ کیسے کہیں گے؟ تو آپ کو بتلائیں گے کہ اس کا پیٹ اپنے باقی بدن کے مقابلے میں بہت بڑا ہوتا ہے، تو گویا کہ ہر فرد جو ہے وہ ایک پوری جماعت ہے یہ بڑے پیٹ والوں کی، بڑے پیٹ والوں کی ایک پوری جماعت ہے گویا۔ تو دیکھو بات سمجھ میں آرہی ہے؟ دیکھو نا حَضَاجِرُ علمِ جنس بن گیا، اب اس کا اطلاق قلیل پر بھی ہو گا اور کثیر پر بھی۔ جب قلیل پر ہوا معلوم ہوا اس کے ہر فرد کو بھی حَضَاجِرُ کہہ سکتے ہیں، جب ہر فرد کو حَضَاجِرُ کہہ سکتے ہیں بھئی حَضَاجِرُ تو جمع ہے اس کا اطلاق ہر فرد پر کیسے ہوتا ہے؟ تو بتلائیں گے آپ کو کہ بھئی کہ اس کا پیٹ اتنا بڑا ہوتا ہے گویا اس ہر ایک جو ہے وہ ایک پوری جماعت ہے بڑے پیٹ والوں کی بھئی، ہر ایک پوری جماعت ہے بڑے پیٹ والوں کی تو ہر فرد ہی گویا حَضَاجِرُ ہے بھئی، بات سمجھ میں آگئی۔

بات سمجھ میں آگئی، تو کیا اشکال ہوا کہ حَضَاجِرُ یہ تو علمِ جنس ہے ضَبُع کے لیے اس کے اندر تو جمعیت ہے ہی نہیں، تو صرف صیغہ ہے لیکن صیغہ تو سبب نہیں بنتا سبب تو جمعیت بنتی ہے تو اس کو تو مُنْصَرِف ہونا چاہیے لیکن ہم نے عربوں سے اس کو غَيْرُ مُنْصَرِفٍ سنا ہے، تو صاحبِ کافیہ نے جواب دے دیا کہ یہ فی الحال اگرچہ جمع نہیں لیکن اصلِ وضع میں یہ کیا تھا؟ جمع، اور پھر جمع سے نقل کر کے اس کو علمِ جنس بنایا گیا۔ تو گویا حاصلِ جواب یہ ہوا کہ جمع ہونا عام ہے، چاہے فی الحال جمع ہو چاہے اصلِ وضع میں جمع ہو۔ مَسَاجِدُ اور مَصَابِيحُ یہ تو فی الحال جمع ہیں یہ تو ہیں ہی غَيْرُ مُنْصَرِفٍ، البتہ حَضَاجِرُ وہ فی الحال تو علمِ جنس ہے لیکن اصلِ وضع میں کیا ہے؟ جمع ہے، معلوم ہوا جمع ہونا عام ہے چاہے فی الحال جمع ہو چاہے اصلِ وضع میں جمع ہو، دونوں صورت میں یہ سبب بنے گی غیرِ انصراف کا۔ بات سمجھ میں آگئی۔ دیکھیے بھائی اب کتاب پر۔

کہتے ہیں: وَحَضَاجِرُ عَلَمًا لِلضَّبُعِ، جی پہلے صرف متن متن دیکھ لیں، کہتے ہیں: وَحَضَاجِرُ عَلَمًا لِلضَّبُعِ غَيْرُ مُنْصَرِفٍ، اور حَضَاجِرُ جو ہے، عَلَمًا اس حال میں کہ یہ علم ہے لِلضَّبُعِ بجو کے لیے، غَيْرُ مُنْصَرِفٍ یہ غَيْرُ مُنْصَرِفٍ ہے، لِأَنَّهُ مَنْقُولٌ عَنِ الْجَمْعِ اس لیے کیونکہ اس کو نقل کیا گیا ہے جمع سے۔ کہاں سے نقل کیا گیا؟ جمع سے، یعنی اصلِ وضع میں یہ جمع تھا اب اس کو نقل کر کے کیا بنا لیا گیا؟ علمِ جنس بنا لیا گیا بھائی۔

اب دیکھیے بھائی شرح کے ساتھ، کہتے ہیں: وَحَضَاجِرُ عَلَمًا لِلضَّبُعِ هٰذَا جَوَابُ سُؤَالٍ مُقَدَّرٍ، حَضَاجِرُ اس حال میں کہ یہ علم ہے ضَبُع کے لیے، یہ جواب ہے ایک سوالِ مقدر کا، تَقْدِيرُهُ جس کی تقدیر یہ ہے بھائی۔ تَقْدِيرُهُ اور تَقْرِيرُهُ دونوں طرح پڑھا جاتا ہے اس کو بھائی۔ تَقْدِيرُهُ اگر پڑھیں تو ما قبل میں سُؤَالٍ مُقَدَّرٍ کی بات آئی تو یہ اس کے ساتھ اس کی مناسبت آگئی، اور اگر تَقْرِيرُهُ پڑھیں کہ ایک سوالِ مقدر ہے اس کی تقریر یہ ہے، تو یہ مشہور زیادہ اسی طرح ہے کہ اس کو تَقْرِيرُهُ پڑھتے ہیں،

تو بہرحال دونوں طرح پڑھا جا سکتا ہے بھائی اس کو۔ تو کہتے ہیں هٰذَا جَوَابُ سُؤَالٍ مُقَدَّرٍ یہ ایک سوالِ مقدر کا جواب ہے، بھئی یہاں سوال پیدا ہوتا ہے نا، آپ نے ہمیں کیا کہا؟ غیرِ انصراف کا سبب جمع بنے گی اور اس کے لیے شرط کیا ہے؟ صیغہ مُنْتَهَى الْجُمُوعِ کا ہونا چاہیے، تو حَضَاجِرُ اس میں تو جمعیت ہے ہی نہیں تو اس کو تو مُنْصَرِف ہونا چاہیے بھائی۔ تو وہی اب سوال کی بھی تقریر کریں گے اور آگے پھر جواب بھی ذکر ہو گا بھائی۔ تو کہتے ہیں: هٰذَا جَوَابُ سُؤَالٍ مُقَدَّرٍ یہ ایک سوالِ مقدر کا جواب ہے، تَقْدِيرُهُ اس سوال کی تقدیر یہ ہے، یا تَقْرِيرُهُ۔

اس سوالِ مقدر کی تقریر یہ ہے کہ أَنَّ حَضَاجِرَ عَلَمُ جِنْسٍ لِلضَّبُعِ، کہ حَضَاجِرُ علمِ جنس ہے ضَبُع یعنی بجو کے لیے، يُطْلَقُ عَلَى الْوَاحِدِ وَالْكَثِيرِ، اس کا اطلاق ایک پر بھی ہوتا ہے اور کثیر پر بھی، یعنی اس کو بولا جاتا ہے واحد اور کثیر پر، كَمَا أَنَّ أُسَامَةَ عَلَمُ جِنْسٍ لِلْأَسَدِ، جیسے کہ أُسَامَةُ علمِ جنس ہے لِلْأَسَدِ شیر کے لیے۔ یاد رکھو أُسَامَةُ کا لفظ جو ہے یہ علمِ جنس ہے شیر کے لیے، کس کے لیے؟ شیر کے لیے۔ اور تو اسی لیے یہاں دیکھو أُسَامَةَ ایک اس میں علمیت آ گئی، ایک تانیث آ گئی تا بھی ساتھ ہے، تو اس کو غیرِ منصرف پڑھیں گے بھائی۔ كَمَا أَنَّ أُسَامَةَ عَلَمُ جِنْسٍ لِلْأَسَدِ، جیسے کہ أُسَامَةُ جو ہے وہ علمِ جنس ہے أَسَد یعنی شیر کے لیے۔ فَلَا جَمْعِيَّةَ فِيهِ، تو اس کے اندر کوئی جمعیت نہیں ہے، کس کے اندر؟ بھئی اس کا تعلق أُسَامَةَ سے نہ سمجھنا کہ أُسَامَةَ کے اندر جمعیت نہیں ہے، بلکہ أُسَامَةَ کو تو صرف مثال کے طور پر ذکر کیا، بات چل رہی ہے حَضَاجِرُ کی، پیچھے بتایا کہ حَضَاجِرُ علمِ جنس ہے یہ قلیل اور کثیر پر بولا جاتا ہے جیسے کہ أُسَامَةُ کا لفظ ہے، یعنی یہ بھی اسی کی طرح ہے، فَلَا جَمْعِيَّةَ فِيهِ لہٰذا حَضَاجِرُ کے اندر جمعیت نہیں ہے، وہ جمع نہیں ہے۔ وَصِيغَةُ مُنْتَهَى الْجُمُوعِ لَيْسَتْ مِنْ أَسْبَابِ مَنْعِ الصَّرْفِ، اور مُنْتَهَى الْجُمُوعِ کا صیغہ تو اسبابِ منعِ صرف میں سے نہیں ہے، بَلْ هِيَ شَرْطٌ لِلْجَمْعِيَّةِ، بلکہ یہ تو جمعیت کے لیے شرط ہے، فَيَنْبَغِي أَنْ يَكُونَ مُنْصَرِفًا، تو مناسب یہ ہے کہ حَضَاجِرُ کو مُنْصَرِف ہونا چاہیے، لٰكِنَّهُ غَيْرُ مُنْصَرِفٍ، لیکن وہ تو غَيْرُ مُنْصَرِفٍ ہے، یعنی عربی زبان میں کس طرح استعمال ہوتا ہے؟ غیرِ منصرف استعمال ہوتا ہے۔

وَتَقْرِيرُ الْجَوَابِ، اور جواب کی تقریر یہ ہے کہ أَنَّ حَضَاجِرَ حَالَ كَوْنِهِ عَلَمًا لِلضَّبُعِ غَيْرُ مُنْصَرِفٍ، یہ آپ دیکھ رہے ہیں بھائی؟ أَنَّ حَضَاجِرَ حَالَ كَوْنِهِ عَلَمًا، یہ وہی متن میں جو اوپر آیا تھا: وَحَضَاجِرُ عَلَمًا لِلضَّبُعِ، بتلایا تھا کہ یہ جواب ہے سوالِ مقدر کا، اب اسی عبارت کو ذکر کر رہے ہیں، لیکن متن میں آیا تھا حَضَاجِرُ عَلَمًا اور صاحبِ جامی آگے کیا فرما رہے ہیں کہ جواب کی تقریر یہ ہے کہ أَنَّ حَضَاجِرَ حَالَ كَوْنِهِ عَلَمًا لِلضَّبُعِ، کہ حَضَاجِرُ اس حال میں کہ یہ علم ہے ضَبُع کے لیے، بتلانا یہ چاہتے ہیں کہ متن میں جو عَلَمًا لفظ آیا تھا وہ حال واقع ہو رہا ہے بھائی۔ تو کہتے ہیں وَتَقْرِيرُ الْجَوَابِ اور جواب کی تقریر یہ ہے کہ أَنَّ حَضَاجِرَ حَالَ كَوْنِهِ عَلَمًا لِلضَّبُعِ غَيْرُ مُنْصَرِفٍ، کہ حَضَاجِرُ اس حال میں کہ یہ ضَبُع کے لیے علم ہے غَيْرُ مُنْصَرِفٍ یہ غیرِ منصرف ہے، لَا لِلْجَمْعِيَّةِ الْحَالِيَّةِ بَلْ لِلْجَمْعِيَّةِ الْأَصْلِيَّةِ، جمعیتِ حالیہ کی وجہ سے نہیں یعنی فی الحال تو یہ جمع نہیں ہے، فی الحال تو یہ علمِ جنس ہے، بَلْ لِلْجَمْعِيَّةِ الْأَصْلِيَّةِ بلکہ جمعیتِ اصلیہ کی وجہ سے یعنی اصل میں یہ جمع تھا، لِأَنَّهُ مَنْقُولٌ عَنِ الْجَمْعِ اس لیے کیونکہ اس کو نقل کیا گیا ہے جمع سے۔

فَإِنَّهُ كَانَ فِي الْأَصْلِ جَمْعُ حِضَجْرٍ، اس لیے کیونکہ اصل میں یہ جمع ہے حِضَجْرٍ کی، حا کے نیچے زیر، ضاد پر زبر اور جیم ساکن بھائی۔ فَإِنَّهُ كَانَ فِي الْأَصْلِ جَمْعُ حِضَجْرٍ اس لیے کیونکہ اصل میں یہ حِضَجْرٍ کی جمع ہے، بِمَعْنَى عَظِيمِ الْبَطْنِ، اور حِضَجْرٌ کس معنی میں ہے؟ عَظِيمُ الْبَطْنِ، بڑے پیٹ والا۔ سُمِّيَ بِهِ الضَّبُعُ مُبَالَغَةً فِي عِظَمِ بَطْنِهَا، موسوم کیا گیا اس کے ساتھ ضَبُع کو مبالغہ کرتے ہوئے اس کے پیٹ کے بڑا ہونے میں۔ حَضَاجِرُ جو جمع ہے حِضَجْرٌ کی اس حَضَاجِرُ کے ساتھ ضَبُع کو موسوم کیا گیا مُبَالَغَةً فِي عِظَمِ بَطْنِهَا، مبالغہ کرتے ہوئے اس کے پیٹ کے بڑا ہونے میں، یعنی اس کا پیٹ بڑا ہوتا ہے، اس کا پیٹ بڑا ہوتا ہے، تو پھر اس میں مبالغہ کیا گیا۔ بھائی مبالغہ ہوتا ہے ایک چیز کو بڑھا کر پیش کرنا، مثلاً زید طاقتور آدمی ہے، اب وہ دو یا تین آدمیوں کا اکیلے مقابلہ کر لے گا اتنا طاقتور ہے، لیکن آپ مبالغہ کر کے کہتے ہیں: بھئی زید تو دس آدمیوں سے بھی مقابلہ کر لے گا اکیلا۔ دیکھا؟ بھئی وہ دس سے تو اکیلا مقابلہ نہیں کر سکتا لیکن کم از کم دو تین سے وہ ضرور مقابلہ کر لے گا، تو آپ اسی کو بڑھا چڑھا کر ذکر کرتے ہیں، اس کو کہتے ہیں مبالغہ کرنا۔ تو یہاں پر بھی بجو کا پیٹ بڑا ہوتا ہے لیکن خوب مبالغہ کرتے ہوئے اس بجو کو حَضَاجِرُ کہہ دیا، گویا اس ایک کا پیٹ ہی پوری جماعت کے پیٹ کے برابر ہے بھائی، یہ معنی ہے سُمِّيَ بِهِ الضَّبُعُ مُبَالَغَةً فِي عِظَمِ بَطْنِهَا۔ ضَبُع کو حَضَاجِرُ کے نام کے ساتھ موسوم کیا گیا مُبَالَغَةً فِي عِظَمِ بَطْنِهَا مبالغہ کرتے ہوئے اس کے پیٹ کے بڑا ہونے کے اندر، كَأَنَّ كُلَّ فَرْدٍ مِنْهَا جَمَاعَةٌ مِنْ هٰذَا الْجِنْسِ، گویا کہ ہر فرد مِنْهَا اس ضَبُع میں سے یا اس حَضَاجِرُ میں سے ہر فرد جو ہے جَمَاعَةٌ مِنْ هٰذَا الْجِنْسِ وہ ایک جماعت ہے اس جنس میں سے، یعنی بڑے پیٹ والوں میں سے۔ ہر فرد جو ہے وہ ایک جماعت ہے بڑے پیٹ والوں کی، یوں کہو ہر ضَبُع گویا وہ ایک جماعت ہے بڑے پیٹ والوں کی، یعنی اتنا بڑا پیٹ ہے اس کا۔ تو مِنْ هٰذَا الْجِنْسِ سے مراد ہے یہ والی جنس یعنی بڑے پیٹ والی جنس۔ تو کہتے ہیں كَأَنَّ كُلَّ فَرْدٍ مِنْهَا جَمَاعَةٌ مِنْ هٰذَا الْجِنْسِ، گویا کہ ہر فرد جو ہے ضَبُع میں سے وہ ایک جماعت ہے اس جنس یعنی بڑے پیٹ والوں کی۔ فَالْمُعْتَبَرُ فِي مَنْعِ صَرْفِهِ هُوَ الْجَمْعِيَّةُ الْأَصْلِيَّةُ، پس وہ جس کا اعتبار کیا گیا اس کی منعِ صرف کے اندر وہ جمعیتِ اصلیہ ہے، یعنی یہ حَضَاجِرُ کا لفظ جمعیتِ اصلیہ کی وجہ سے غیرِ منصرف ہے۔

فَإِنْ قُلْتَ، یہاں سے اب ایک اعتراض ذکر کریں گے اور اس کا جواب دیں گے۔ اعتراض یہ، ادھر دیکھیے بھائی، اعتراض یہ کہ آپ نے حَضَاجِرُ کے اندر جمعیتِ اصلیہ کا اعتبار کیا، فی الحال تو وہ علمِ جنس ہے لیکن آپ نے کیا کہا؟ جمعیتِ اصلیہ، اصل میں یہ جمع تھی، اس کا اعتبار کیا ہے۔ کہتے ہیں: بھئی کوئی ضرورت نہیں جمعیتِ اصلیہ کا اعتبار کرنے کی، بلکہ آپ سیدھا سیدھا یہ کہیں: حَضَاجِرُ ایک تو یہ علم ہے، علمِ جنس ہے نا، تو علمیت بھی اس کے اندر ہے، اور دوسرا یہ علمِ جنس ہے ضَبُع کے لیے، کس کے لیے؟ ضَبُع، اور یاد رکھو ضَبُع یہ مؤنث ہے ضِبْعَان کی، اس کے مذکر کو کہتے ہیں ضِبْعَان، بجو کا جو مذکر ہے اس کو کیا کہتے ہیں؟ ضِبْعَان، اور مؤنث کو کہتے ہیں ضَبُع بھائی۔ ضَبُع میں با پر پیش پڑھنا بھی صحیح اور با کو ساکن پڑھنا بھی صحیح ہے، تو ضَبْعٌ پڑھنا بھی صحیح اور ضَبُعٌ پڑھنا بھی صحیح ہے بھائی۔ تو ضَبُع جو ہے یہ مؤنث کو کہتے ہیں اور

اس کا مذکر ضِبْعَان ہے، اور علماء کیا ذکر فرماتے ہیں کہ حَضَاجِرُ علمِ جنس ہے کس کے لیے؟ لِلضَّبُعِ، ضَبُع کے لیے، معلوم ہوا یہ مؤنث کے لیے علمِ جنس ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو ایک اس کے اندر علمیت آگئی، ایک تانیث آگئی، جب دو سبب آگئے تو اب آپ یوں کہیں کہ یہ دو سبب ہیں اس کے غیرِ منصرف ہونے کے، جمعیتِ اصلیہ والا جواب دینے کی کوئی ضرورت نہیں، کیونکہ اس وقت تو یہ علمِ جنس ہے، تو آپ کو جواب کیا دینا پڑا کہ ہاں فی الحال تو علمِ جنس ہے لیکن اصل میں یہ کیا تھی؟ جمع تھی، تو جمعیتِ اصلیہ والا جواب دیا۔ کہتے ہیں: کوئی جمعیتِ اصلیہ کے ساتھ جواب دینے کی حاجت نہیں ہے، اور بلکہ آپ کہیں کہ اس میں دو سبب ہیں، ایک علمیت اور ایک تانیث بھائی۔

تو اس کا جواب دیں گے۔ جواب یہ دیں گے کہ اس کے اندر علمیت ہے لیکن یہ علمیت مؤثر نہیں ہے، یہ غیرِ انصراف کا سبب نہیں بن رہی۔ بھئی کیوں؟ غیرِ انصراف کا سبب کیوں نہیں؟ کہتے ہیں اس لیے کیونکہ جہاں پر علمیت مؤثر ہوتی ہے، غیرِ انصراف کا سبب بنتی ہے، وہاں اگر اس لفظ سے علمیت کو ختم کر دیا جائے تو پھر وہ لفظ، وہ لفظ مُنْصَرِف بن جاتا ہے۔ وہ لفظ کیا بن جاتا ہے؟ بھئی ایک لفظ ہے اس کے اندر علمیت سبب بن رہی ہے غیرِ انصراف کا، تو جب اس کے اندر سے علمیت ختم کر دیں تو اس لفظ کو کیا بن جانا چاہیے؟ مُنْصَرِف بن جانا چاہیے۔ جیسے بھئی طَلْحَةُ، طلحہ کے اندر ایک سبب علمیت ہے اور ایک تائے تانیث ہے، لیکن یہی طلحہ اگر پوری جماعت کا نام رکھ دیں، تو اب یہ نکرہ بن گیا، کیا بن گیا؟ اب علم نہیں، معرفہ نہیں۔ بھئی معرفہ تو اس کو کہتے ہیں نا جو کسی معین ذات پر دلالت کرے، آپ کا ایک ساتھی ہے اس کا نام ہے طلحہ، میں جیسے ہی طلحہ کہتا ہوں آپ کے ذہن میں فوراً وہ ساتھی آجاتا ہے، تو معلوم ہوا دیکھو یہ علم ہے، معرفہ ہے، ایک معین ذات پر دلالت کر رہا ہے، لیکن اگر میں پوری ایک جماعت کا نام طلحہ رکھ دوں، دو یا تین یا چار کا نام کیا کر دوں؟ طلحہ رکھ دوں، اب جب میں آپ سے کہتا ہوں کہ میرے پاس طلحہ آیا تھا، کوئی آپ کو پتہ چلے گا کون سا طلحہ آیا؟ اب آپ کو پتہ ہی نہیں چلے گا، تو معلوم ہوا جب ایک جماعت کا نام رکھ دیا جائے طلحہ تو اب اس سے علمیت ختم ہو جائے گی، کیا ہو جائے گی؟ علمیت ختم ہو جائے گی، مثلاً ایک جماعت ہے تین چار طلباء ہیں سب کا نام طلحہ رکھ دیا گیا بھائی۔ اب میں نے آپ سے کہا: جَاءَنِي طَلْحَةُ، میرے پاس ایک طلحہ آیا تھا بھائی۔ دیکھو آپ کو پتہ چلا کون سا طلحہ آیا ہے؟ نہیں، اسی لیے میں نے اس کو طَلْحَةٌ تنوین کے ساتھ پڑھا، کیونکہ یہ نکرہ ہے بھائی، تو علمیت نہیں ہے، تانیث ہے لیکن ایک سبب سے تو لفظ غیرِ منصرف نہیں بنتا، تو جَاءَنِي طَلْحَةٌ میں نے کہا، اور ترجمہ کیا کیا؟ میرے پاس ایک طلحہ آیا تھا۔ اب ایک ساتھی سامنے آیا، آپ نے میرے سے پوچھا: کیا یہ والا طلحہ آیا تھا؟ میں نے کہا: نہیں، جَاءَنِي طَلْحَةٌ آخَرُ، میرے پاس کوئی دوسرا طلحہ، ایک دوسرا طلحہ آیا تھا بھائی۔ دیکھا؟ طَلْحَةٌ آخَرُ، اس کی صفت بھی میں کیا لے آیا؟ آخَرُ لے آیا بھائی، نکرہ کی صفت نکرہ لے آیا، نکرہ لے آیا۔ تو دیکھو بات یہ چل رہی تھی جس لفظ کے اندر علمیت مؤثر ہوتی ہے اور غیرِ انصراف کا سبب بنتی ہے، اس سے جب علمیت کو ختم کر دیا جائے اور ایک جماعت کا نام رکھ دیا جائے وہ، تو پھر اس سے علمیت ختم ہو

جاتی ہے اور وہ نکرہ بن جاتا ہے۔ تو کہتے ہیں حَضَاجِرُ کے اندر ایسا نہیں ہے، حَضَاجِرُ کے اندر علمیت مؤثر نہیں ہے، اس لیے کیونکہ جب حَضَاجِرُ، ہم اس سے تعریف ختم کرتے ہیں، ایک جماعت کا نام حَضَاجِرُ رکھتے ہیں، تو جب علمیت ختم ہو گئی اب اس کو کیا بننا چاہیے؟ مُنْصَرِف بننا چاہیے، لیکن یہ پھر بھی غیرِ منصرف ہی رہتا ہے، مُنْصَرِف نہیں بنتا۔ معلوم ہوا علمیت اس کے اندر ہے تو لیکن وہ غیرِ انصراف کا سبب نہیں بن رہی، اگر غیرِ انصراف کا سبب بن رہی ہوتی پھر تو نکرہ بنانے کے بعد اس کو مُنْصَرِف ہو جانا چاہیے تھا لیکن یہ مُنْصَرِف نہیں بنتا، تو معلوم ہوا اس کے اندر علمیت مؤثر نہیں۔ اور نیز آپ نے کیا کہا کہ حَضَاجِرُ علمِ جنس ہے ضَبُع کے لیے اور ضَبُع مؤنث کو کہتے ہیں، کہتے ہیں بھئی مؤنث کے لیے اس کا علمِ جنس ہونا مُسَلَّم نہیں، تسلیم نہیں، اس لیے کیونکہ یہ مذکر اور مؤنث سب کے لیے استعمال ہوتا ہے، معلوم ہوا کہ یہ مؤنث کے لیے علمِ جنس نہیں ہے بلکہ مذکر اور مؤنث سب کے لیے ہے، تو معلوم ہوا اس کے اندر علمیت بھی مؤثر نہیں اور اس کے اندر تانیث بھی نہیں ہے کیونکہ یہ مذکر مؤنث دونوں کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ تو حاصل یہ ہوا کہ حَضَاجِرُ کے اندر جو غیرِ انصراف ہے وہ جمعیتِ اصلیہ کی وجہ سے ہے، علمیت اور تانیث کی وجہ سے نہیں ہے بھائی۔ دیکھیے بھائی کتاب پر۔

کہتے ہیں: فَإِنْ قُلْتَ: لَا حَاجَةَ فِي مَنْعِ صَرْفِهِ إِلَى اعْتِبَارِ الْجَمْعِيَّةِ الْأَصْلِيَّةِ، اگر آپ یہ کہیں کہ کوئی ضرورت نہیں ہے حَضَاجِرُ کی منعِ صرف کے اندر جمعیتِ اصلیہ کا اعتبار کرنے کی، فَإِنَّ فِيهِ الْعَلَمِيَّةَ وَالتَّأْنِيثَ، اس لیے کیونکہ اس کے اندر علمیت اور تانیث ہے، اس کے اندر علمیت اور تانیث ہے، لِأَنَّ الضَّبُعَ هِيَ أُنْثَى الضِّبْعَانِ، اس لیے کیونکہ ضَبُع جو ہے وہ مؤنث ہے ضِبْعَان کی۔ کس کے اندر علمیت ہے اور تانیث ہے؟ تانیث کیوں ہے؟ اس کی وجہ بیان کر رہے ہیں لِأَنَّ الضَّبُعَ هِيَ أُنْثَى الضِّبْعَانِ، کیونکہ ضَبُع جو ہے یہ ضِبْعَان کی مؤنث ہے۔ قُلْنَا، قُلْنَا سے جواب دے رہے ہیں، قُلْنَا ہم کہتے ہیں: عَلَمِيَّتُهُ غَيْرُ مُؤَثِّرَةٍ، کہ اس کی علمیت جو ہے وہ مؤثر نہیں ہے، یعنی وہ غیرِ انصراف کا سبب نہیں بن رہی، وَإِلَّا لَكَانَ بَعْدَ التَّنْكِيرِ مُنْصَرِفًا، ورنہ تو یہ تنکیر کے بعد مُنْصَرِف ہوتا یعنی نکرہ بنانے کے بعد مُنْصَرِف ہوتا، لیکن نکرہ بنانے کے بعد بھی یہ مُنْصَرِف نہیں بنتا معلوم ہوا اس کے اندر علمیت مؤثر نہیں۔ اور دوسری بات آپ نے تانیث کی کی تھی، تو کہتے ہیں: وَالتَّأْنِيثُ غَيْرُ مُسَلَّمٍ، اور تانیث بھی اس کے اندر ثابت نہیں ہے، تسلیم نہیں ہے، لِأَنَّهُ عَلَمٌ لِجِنْسِ الضَّبُعِ مُذَكَّرًا كَانَ أَوْ مُؤَنَّثًا، اس لیے کیونکہ یہ علم ہے جنسِ ضَبُع کے لیے، مُذَكَّرًا كَانَ أَوْ مُؤَنَّثًا، چاہے وہ مذکر ہو چاہے مؤنث ہو بھائی۔

یہاں تک بات سمجھ میں آ گئی۔ وَإِنَّمَا اكْتَفَى الْمُصَنِّفُ فِي التَّنْبِيهِ، یہاں سے ایک اور قیمتی بات بیان کر رہے ہیں کہ بھئی مصنف نے یہ کہا کہ حَضَاجِرُ جو ہے منقول ہے جمع سے، حَضَاجِرُ منقول ہے جمع سے، معلوم ہوا اصلِ وضع میں یہ جمع تھا، تو صرف اتنا انہوں نے کہا لِأَنَّهُ مَنْقُولٌ عَنِ الْجَمْعِ یہ جمع سے منقول ہے۔

منقول ہے۔ بھائی سیدھی طرح یوں کہہ دیتے مصنف: وَشَرْطُهُ أَنْ يَكُونَ فِي الْأَصْلِ، جیسے وصف میں کہا تھا۔ وصف میں کیا کہا تھا؟ وصف کی شرط یہ ہے: أَنْ يَكُونَ فِي الْأَصْلِ، کہ اصلِ وضع میں وصف ہونا چاہیے۔ تو یہاں جمع کے اندر بھی

اسی طرح کہہ دیتے کہ جمع کی شرط یہ ہے: أَنْ يَكُونَ فِي الْأَصْلِ، کہ اصلِ وضع میں جمع ہونی چاہیے۔ حَضَاجِرُ فی الحال تو علمِ جنس ہے لیکن اصلِ وضع میں جمع ہے، تو یہاں بھی اسی طرح کی عبارت لے آتے اور یوں کہتے کہ جمع کے اندر بھی شرط یہ ہے کہ وہ اصلِ وضع میں جمع ہونی چاہیے۔ کہتے ہیں: نہیں بھائی، صاحبِ کافیہ نے یوں نہیں ذکر کیا۔ وجہ یہ کہ وصف جو ہے، وصف کبھی اصلِ وضع کے اعتبار سے وصف ہوتا ہے، کبھی بعد میں عارضی طور پر کیا بن جاتا ہے؟ وصف۔ ایک اسم ہوتا ہے لیکن عارضی طور پر کیا بن گیا؟ وصف، جیسے أَرْبَعٌ۔ أَرْبَعٌ اصلِ وضع میں تو وصف نہیں لیکن کبھی کبھی استعمال کس طرح ہو جاتا ہے؟ وصف کے طور پر۔ تو پھر تو اس طرح جمع کے اندر بھی یہ وہم پیدا ہوتا اگر وہ ایسی عبارت مصنف لے آتے کہ اصلِ وضع کے اندر جمع ہونا چاہیے۔ پھر تو جمع کے اندر بھی یہ وہم پیدا ہوتا کہ جمع بھی گویا معلوم ہوا کبھی اصلِ وضع کے اعتبار سے جمع ہوتی ہے اور کبھی عارضی طور پر جمع استعمال ہو جاتی ہے، حالانکہ جمع تو کبھی بھی عارضی طور پر استعمال نہیں ہوتی، جمع تو جب بھی ہو گی ہمیشہ اصلِ وضع کے اعتبار سے ہی جمع ہو گی۔ اسی لیے مصنف نے یہ نہیں فرمایا کہ وَشَرْطُهُ أَنْ يَكُونَ فِي الْأَصْلِ، کہ جمع کی شرط یہ ہے کہ وہ اصلِ وضع میں جمع ہو۔ یہ عبارت اس لیے مصنف نہیں لے کر آئے۔ بات سمجھ میں آ گئی۔

دیکھیے، کہتے ہیں: وَإِنَّمَا اكْتَفَى الْمُصَنِّفُ فِي التَّنْبِيهِ عَلَى اعْتِبَارِ الْجَمْعِيَّةِ الْأَصْلِيَّةِ بِهٰذَا الْقَوْلِ، اور مصنف نے اکتفا کیا فِي التَّنْبِيهِ متنبہ کرنے میں، کس بات پر متنبہ کرنا؟ عَلَى اعْتِبَارِ الْجَمْعِيَّةِ الْأَصْلِيَّةِ جمعیتِ اصلیہ کے اعتبار پر۔ بھائی دیکھو مصنف نے، مصنف نے بتلایا ہمیں، ہمیں متنبہ کیا کہ جمعیتِ اصلیہ معتبر ہے، اس پر ہمیں متنبہ کیا، کس طریقے پر؟ لِأَنَّهُ مَنْقُولٌ عَنِ الْجَمْعِ کہا۔ تو کہتے ہیں: وَإِنَّمَا اكْتَفَى الْمُصَنِّفُ فِي التَّنْبِيهِ عَلَى اعْتِبَارِ الْجَمْعِيَّةِ الْأَصْلِيَّةِ بِهٰذَا الْقَوْلِ، اور مصنف نے جمعیتِ اصلیہ کے اعتبار کرنے پر متنبہ کیا اپنے اس قول کے ذریعے، وَلَمْ يَقُلْ اور یہ نہیں فرمایا: الْجَمْعُ شَرْطُهُ أَنْ يَكُونَ فِي الْأَصْلِ، کہ جمع کی شرط یہ ہے کہ وہ اصلِ وضع میں جمع ہو، اس طرح نہیں فرمایا، كَمَا قَالَ فِي الْوَصْفِ جیسے کہ کس میں فرمایا تھا؟ وصف میں فرمایا تھا، لِئَلَّا يُتَوَهَّمَ، کہتے ہیں تاکہ کہیں یہ وہم نہ کیا جائے کہ أَنَّ الْجَمْعِيَّةَ كَالْوَصْفِ قَدْ تَكُونُ أَصْلِيَّةً مُعْتَبَرَةً، تاکہ یہ وہم نہ کیا جائے کہ جمع ہونا بھی وصف کی طرح ہے قَدْ تَكُونُ أَصْلِيَّةً مُعْتَبَرَةً کبھی تو وہ اصلی ہوتا ہے معتبر ہوتا ہے، وَقَدْ تَكُونُ عَارِضَةً غَيْرَ مُعْتَبَرَةٍ اور کبھی وہ عارضی ہوتا ہے جمع ہونا اور غیرِ معتبر ہوتا ہے۔ تاکہ کہیں یہ وہم نہ پڑے اس لیے یہ عبارت نہیں لے کر آئے، وَلَيْسَ الْأَمْرُ كَذٰلِكَ اور حال یہ ہے کہ معاملہ ایسا نہیں ہے کہ جمعیت کبھی اصلی ہو اور کبھی عارضی ہو، معاملہ ایسا نہیں ہے۔ کہتے ہیں: وَلَيْسَ الْأَمْرُ كَذٰلِكَ اور معاملہ ایسا نہیں ہے، إِذْ لَا يُتَصَوَّرُ الْعُرُوضُ فِي الْجَمْعِيَّةِ، اس لیے کیونکہ جمع کے اندر عارضی ہونے کا تصور نہیں کیا جا سکتا۔ ایک لفظ اصلِ وضع میں جمع نہیں ہے لیکن عارضی طور پر اس کو جمع کے لیے استعمال کر لیا جائے، جیسے ایک اسم اصلِ وضع میں تو وصف نہیں ہے لیکن عارضی طور پر کیا استعمال

کر لیا جائے؟ وصف، تو جمع کے اندر ایسا نہیں ہے کہ اصلِ وضع میں جمع نہ ہو اور عارضی طور پر جمع کے لیے استعمال کر لیا جائے، اس کا تصور جمع میں نہیں ہو سکتا۔ کہتے ہیں: إِذْ لَا يُتَصَوَّرُ الْعُرُوضُ فِي الْجَمْعِيَّةِ، اس لیے کیونکہ جمع کے اندر عروض یعنی عارض ہونے کا تصور نہیں کیا جا سکتا۔

یہاں تک بات سمجھ میں آگئی۔ تو حاصلِ جواب یہ ہوا جمع سبب بنتا ہے غیرِ انصراف کا، اور اس کے لیے شرط یہ ہے کہ صیغہ مُنْتَهَى الْجُمُوعِ کا ہو اور بغیر ہا کے ہو۔ لیکن یہ جمع ہونا عام ہے، چاہے فی الحال جمع ہو جیسے مَسَاجِدُ اور مَصَابِيحُ فی الحال ہی کیا ہیں جمع، یا اصلِ وضع کے اعتبار سے جمع ہو۔ تو جمع ہونا عام ہے، چاہے فی الحال جمع ہو چاہے اصلِ وضع میں ہو۔ حَضَاجِرُ فی الحال تو جمع نہیں لیکن اصلِ وضع میں جمع ہے بھائی۔

آگے دیکھیے، کہتے ہیں: وَسَرَاوِيلُ جَوَابٌ عَنْ سُؤَالٍ مُقَدَّرٍ تَقْدِيرُهُ أَنْ يُقَالَ قَدْ تَفَصَّيْتَ عَنِ الْإِشْكَالِ الْوَارِدِ عَلَى قَاعِدَةِ الْجَمْعِ بِحَضَاجِرَ۔ یہاں سے ایک اور اعتراض کا جواب دیں گے بھائی۔ اعتراض ہوتا ہے سَرَاوِيلُ کے بارے میں۔ سَرَاوِيلُ یاد رکھو عربی زبان میں شلوار کو کہتے ہیں، شلوار اور پاجامہ بھائی۔ تو سَرَاوِيلُ یہ اسمِ جنس ہے، قلیل اور کثیر سب پر بولا جاتا ہے۔ ایک شلوار ہو یا ایک پاجامہ ہو اس کو بھی سَرَاوِيلُ کہتے ہیں، اور زیادہ ہوں ان کو بھی سَرَاوِيلُ کہتے ہیں۔ تو سَرَاوِيلُ اسمِ جنس ہے بھائی۔ تو اشکال ہوتا ہے کہ اے صاحبِ کافیہ! آپ نے ہمیں بتایا کہ غیرِ انصراف کا سبب جمع ہے، اور صیغہ جو ہے اس کے لیے شرط ہے جمع مُنْتَهَى الْجُمُوعِ کا صیغہ اس کے لیے شرط ہے، تو پھر سَرَاوِيلُ غیرِ منصرف کیوں ہے بھائی؟ سَرَاوِيلُ جو ہے یہ تو اصلِ وضع کے اعتبار سے بھی جمع نہیں اور فی الحال بھی جمع نہیں۔ حَضَاجِرُ میں تو آپ نے جان چھڑا لی تھی یہ جواب دے کر کہ فی الحال تو جمع نہیں ہے فی الحال تو علمِ جنس ہے لیکن اصلِ وضع میں کیا تھا؟ جمع تھا۔ لیکن سَرَاوِيلُ میں کیا جواب دیں گے؟ یہ بھی اسمِ جنس ہے قلیل اور کثیر سب پر بولا جاتا ہے اور نہ یہ فی الحال جمع ہے اور نہ اصلِ وضع میں جمع ہے۔ اشکال سمجھ میں آیا؟

بھائی یاد رکھو، یہ جو سَرَاوِيلُ ہے یہ اس کے اندر علماء کا اختلاف ہے، بعض فرماتے ہیں یہ مُنْصَرِف ہے اور بعض فرماتے ہیں یہ غَيْرُ مُنْصَرِفٍ ہے۔ ہاں زیادہ تر استعمالات میں یہ غَيْرُ مُنْصَرِفٍ ہی ہے بھائی۔ تو اگر یہ مُنْصَرِف ہو، توجہ ہے؟ پھر تو کوئی اشکال ہی نہیں، کیونکہ یہ سَرَاوِيلُ صیغہ تو جمع مُنْتَهَى الْجُمُوعِ کا ہے لیکن وہ صیغہ تو سبب نہیں ہے، صیغہ تو سبب نہیں بنتا غیرِ انصراف کا بلکہ سبب تو جمعیت بنتی ہے، جمع ہونا جو ہے وہ سبب بنتا ہے غیرِ انصراف کا۔ تو مُنْصَرِف ہونے کی صورت میں تو اس پر کوئی اشکال ہی نہیں، کیونکہ یہ جمع ہی نہیں یہ اسمِ جنس ہے، جب جمع نہیں تو اس کو ہونا بھی کیا چاہیے؟ مُنْصَرِف ہونا چاہیے، لہٰذا اس صورت پر تو کوئی اشکال وارد نہیں ہوتا۔ اشکال وارد ہوتا ہے غَيْرُ مُنْصَرِفٍ ہونے والی صورت پر، کیونکہ نہ یہ اصلِ وضع میں جمع ہے اور نہ فی الحال جمع ہے تو پھر یہ کیسے غَيْرُ مُنْصَرِفٍ ہے بھائی؟ تو اس کا جواب دیں گے آپ کو اور بتلائیں گے صاحبِ کافیہ کہ بھئی اس کے علماء نے دو جواب دیے ہیں۔

بعض علماء فرماتے ہیں کہ یہ سَرَاوِیلُ کا لفظ عربی ہے ہی نہیں یہ عجمی لفظ ہے، پھر اس کو نقل کیا گیا عربی زبان کی طرف، اور عربی زبان میں جب اس کو لے کر آئے تو دیکھا کہ یہ تو مَصَابِیحُ اور أَنَاعِیمُ یعنی جمع مُنْتَهَى الْجُمُوعِ کے وزن پر ہے۔ تو اس کی صورت ان جیسی تھی، اس کی صورت ان جیسی تھی، اس کا وزن ان جیسا تھا، تو اپنے ہم وزنوں پر محمول کرتے ہوئے اس کو بھی غَيْرُ مُنْصَرِفٍ پڑھا گیا۔ تو بعض علماء نے کیا جواب دیا کہ یہ اصل میں عربی لفظ ہی نہیں ہے بلکہ عجمی لفظ ہے، اور عجمی زبان سے اس کو نقل کیا گیا عربی زبان کے اندر، اور پھر دیکھا گیا تو اس کا وزن تو مُنْتَهَى الْجُمُوعِ والا وزن ہے، تو اس کو انہوں نے جمع مُنْتَهَى الْجُمُوعِ والا حکم ہی دے دیا، اور جمع مُنْتَهَى الْجُمُوعِ تو دو سببوں کے قائم مقام ہے وہ غَيْرُ مُنْصَرِفٍ ہے تو اس کو بھی کیا پڑھا؟ غَيْرُ مُنْصَرِفٍ پڑھا۔ بات سمجھ میں آگئی؟ یعنی اس کو اپنے ہم وزنوں پر محمول کیا، اس کے ہم وزن مَصَابِیحُ اور أَنَاعِیمُ وغیرہ غَيْرُ مُنْصَرِفٍ تھے تو اس کو بھی کیا پڑھا؟ غَيْرُ مُنْصَرِفٍ پڑھا، بات سمجھ میں آگئی۔ غیرِ منصرف پڑھا۔

اس پر پھر اشکال ہوتا ہے کہ بھئی اس کا تو مطلب ہے اسبابِ منعِ صرف نو نہیں بلکہ دس بن گئے بھائی، دس بن گئے، کیونکہ سَرَاوِیلُ کو غَيْرُ مُنْصَرِفٍ پڑھا گیا اور اس کے اندر جمعیت ہے؟ نہیں۔ کوئی اور دو سبب ہیں؟ نہیں۔ تو دیکھو پھر بھی اس کو غَيْرُ مُنْصَرِفٍ پڑھا جا رہا ہے اور کس وجہ سے غَيْرُ مُنْصَرِفٍ پڑھا جا رہا ہے؟ اپنے ہم وزنوں پر محمول کیا گیا۔ اس کے ہم وزن مَصَابِیحُ اور أَنَاعِیمُ وغیرہ غَيْرُ مُنْصَرِفٍ تھے تو اس کو بھی کیا پڑھا گیا؟ غَيْرُ مُنْصَرِفٍ۔ معلوم ہوا اسبابِ منعِ صرف دس ہونے چاہئیں، دس ہونے چاہئیں کیونکہ اس میں تو ایک بھی سبب نہیں ہے صرف صیغہ ہے اور صیغے کی وجہ سے تو کوئی لفظ غَيْرُ مُنْصَرِفٍ نہیں بنتا، کیونکہ اس کے اندر تو نو اسباب میں سے کوئی بھی سبب نہیں ہے، آپ نے اس کے غیرِ انصراف کی کیا وجہ ذکر کی؟ اپنے ہم وزنوں پر محمول کیا گیا۔ معلوم ہوا نہ اس کے اندر عدل ہے، نہ وصف ہے، نہ تانیث ہے، نہ معرفہ، نہ عجمہ، نہ جمع وغیرہ کوئی بھی چیز نہیں ہے، کس وجہ سے غَيْرُ مُنْصَرِفٍ؟ اپنے ہم وزنوں پر محمول کیا گیا، معلوم ہوا یہ بھی غیرِ انصراف کا ایک سبب قرار دینا چاہیے کہ اپنے ہم وزنوں پر محمول کرنا، تو دس ہونے چاہئیں اسبابِ منعِ صرف۔ تو صاحبِ جامی آپ کو بتلائیں گے کہ نہیں بھئی اس جواب کی بنیاد اس بات پر نہیں ہے کہ اپنے ہم وزنوں پر محمول کرنا اس کو ایک الگ سبب قرار دیا جائے، بلکہ اس جواب کی بنیاد، انہوں نے کیا کہا؟ سَرَاوِیلُ کیا ہے؟ عجمی لفظ تھا اور عربی میں لا کر کیا کیا گیا؟ اس کو اپنے ہم وزنوں پر محمول کیا گیا، تو اس جواب کی بنیاد اس پر نہیں ہے کہ یہ اپنے ہم وزنوں پر محمول ہونے کو ایک الگ سبب قرار دیا جائے، نہیں نہیں، بلکہ اسی جمع ہونے کو عام کر دیا گیا، وہ جمع ہونا عام ہے چاہے حقیقتاً ہو چاہے حکماً ہو، چاہے حقیقتاً جمع ہو چاہے حکماً جمع ہو۔ تو دیکھو مَصَابِیحُ یہ تو حقیقتاً جمع ہے، اور سَرَاوِیلُ حقیقتاً تو جمع نہیں لیکن حکم اس کو جمع والا ہی دے دیا گیا، تو اس کو غیرِ منصرف والا حکم دے دیا گیا۔ تو معلوم ہوا جمع کے اندر عموم پیدا کر دیا کہ جمع ہونا عام ہے چاہے حقیقتاً ہو چاہے حکماً ہو۔ تو اس جواب کی بنیاد اس بات پر نہیں ہے کہ اپنے ہم وزنوں پر محمول

کرنا اس کو ایک الگ سبب قرار دے دیا جائے، بلکہ اس جواب کی بنیاد کس چیز پر ہے؟ کہ اس جمعیت کو عام کر دیا جائے، چاہے جمع ہونا حقیقتاً ہو چاہے حکماً۔ مَصَابِیحُ میں جمع حقیقتاً ہے اور سَرَاوِیلُ میں جمع حکماً ہے، یعنی حکم دے دیا اس کو جمع والا۔ بات سمجھ میں آگئی۔ لہٰذا اسبابِ منعِ صرف کو دس بنانے کی کوئی حاجت نہیں ہے، بس اسی جمعیت میں عموم پیدا کر دو، چاہے حقیقتاً ہو جمعیت چاہے حکماً۔ حَضَاجِرُ میں کیا جواب دیا تھا؟ جمع ہونا عام ہے چاہے فی الحال ہو چاہے اصلِ وضع میں ہو، اور سَرَاوِیلُ کے اندر ایک جواب یہ دیا کہ یہ جمع ہونا عام ہے چاہے حقیقتاً جمع ہو چاہے حکماً جمع ہو۔ تو سَرَاوِیلُ حقیقتاً تو جمع نہیں لیکن حکماً جمع ہے یعنی جمع والا حکم دے دیا۔ یہاں تک بات سمجھ میں آگئی۔

بعضوں نے اس کا دوسرا جواب دیا، وہ آگے آجائے گا، پہلے ذرا یہاں تک ہم پڑھ لیں، حل کر لیں۔ دیکھیے بھائی کتاب پر۔ پہلے ذرا متن متن دیکھ لو، کہتے ہیں: وَسَرَاوِیلُ إِذَا لَمْ یُصْرَفْ وَهُوَ الْأَكْثَرُ، اور سَرَاوِیلُ جب اس کو مُنْصَرِف نہ پڑھا جائے اور یہ اکثر ہے یعنی اکثر استعمالات میں یہ کس طرح ہے؟ غَیْرُ مُنْصَرِفٍ ہے۔ تو کہتے ہیں وَسَرَاوِیلُ إِذَا لَمْ یُصْرَفْ وَهُوَ الْأَكْثَرُ، اور سَرَاوِیلُ جب غَیْرُ مُنْصَرِفٍ ہو اور یہ اکثر ہے، فَقَدْ قِیلَ، اب یہ پہلا جواب دے رہے ہیں: فَقَدْ قِیلَ تو کہا گیا ہے أَعْجَمِیٌّ کہ سَرَاوِیلُ ایک عجمی اسم ہے حُمِلَ عَلَى مُوَازِنِهِ جس کو محمول کیا گیا ہے اپنے ہم وزنوں پر، اس کو محمول کیا گیا ہے اپنے ہم وزنوں پر بھائی، اپنے ہم وزنوں پر۔

آگے بھی متن دیکھ لیں: وَقِیلَ هُوَ عَرَبِیٌّ جَمْعُ سِرْوَالَةٍ تَقْدِیرًا۔ بعض علماء نے دوسرا جواب دیا۔ وہ فرماتے ہیں کہ یہ سَرَاوِیلُ عجمی لفظ نہیں ہے بلکہ یہ عربی لفظ ہی ہے بھائی، عربی لفظ ہی ہے۔ جب عربی لفظ ہے تو پھر تو بھئی یہ اسمِ جنس ہے جمع ہے ہی نہیں تو پھر یہ غَیْرُ مُنْصَرِفٍ کیسے ہے؟ تو وہ جواب دیتے ہیں کہ بھئی سَرَاوِیلُ عربی لفظ ہی ہے لیکن چونکہ علمائے نحو کا ضابطہ ہے کہ یہ والا جو وزن ہے بغیر جمعیت کے یہ غیرِ انصراف کا سبب نہیں بنتا، جمع ہو گی تو اس کے بعد پھر یہ وزن دیکھا جائے گا اور غیرِ انصراف کا سبب بنے گا، لیکن سَرَاوِیلُ کو تو عرب کیا کرتے ہیں؟ غیرِ منصرف استعمال کرتے ہیں زیادہ تر، تو علمائے نحو نے اپنے ضابطے کو بچانے کے لیے اس کے اندر جمعیت کو فرض کر لیا کہ فرض کر لو سَرَاوِیلُ جمع ہے سِرْوَالَةٌ کی۔ کس لیے فرض کیا؟ اپنے ضابطے کو بچانے کے لیے، کہتے ہیں بھئی فرض کر لو یہ سَرَاوِیلُ بھی کیا ہے؟ سِرْوَالَةٌ کی جمع ہے بھائی سِرْوَالَةٌ کی۔ تو کہتے ہیں: وَقِیلَ عَرَبِیٌّ جَمْعُ سِرْوَالَةٍ تَقْدِیرًا اور کہا گیا ہے کہ یہ جو سَرَاوِیلُ ہے یہ عربی اسم ہے، جَمْعُ سِرْوَالَةٍ تَقْدِیرًا اور یہ تقدیراً سِرْوَالَةٌ کی جمع ہے، قَدَّرَ یُقَدِّرُ تَقْدِیرًا کا معنی ہے فرض کرنا کہ فرض کر لو کہ یہ کیا ہے سِرْوَالَةٌ کی جمع ہے بھائی۔ سِرْوَالَةٌ یاد رکھو کپڑے کے ٹکڑے کو کہتے ہیں عربی زبان میں، کپڑے کا کوئی بھی ٹکڑا ہو اس کو سِرْوَالَةٌ کہتے ہیں۔

تو اس پر پھر اشکال ہوتا ہے بھائی کہ آپ نے کیا کہا کہ یہ سَرَاوِیلُ عربی لفظ ہی ہے لیکن اس کے اندر جمعیت کو فرض کر لیا گیا کہ یہ سِرْوَالَةٌ کی جمع ہے بھائی، یہ سِرْوَالَةٌ کی جمع ہے۔ تو اس پر اشکال ہوتا ہے بھائی کہ شلوار تو کپڑے کے کئی ٹکڑوں

سے مل کر بنتی ہے، کپڑے کے کئی ٹکڑوں کو جوڑ کر ملا کر سی کر پھر شلوار بنائی جاتی ہے، تو پھر تو یہ حقیقتاً سِرْوَالَةٌ کی جمع ہوئی، اس کو تو حقیقتاً سِرْوَالَةٌ کی جمع کہنا چاہیے! تو یاد رکھو کہ حقیقتاً یہ سِرْوَالَةٌ کی جمع نہیں ہے اس لیے کیونکہ سِرْوَالَةٌ کپڑے کے ہر ٹکڑے کو کہتے ہیں چاہے وہ شلوار میں ہو چاہے کسی اور چیز میں، ہر ٹکڑے کو کیا کہتے ہیں؟ سِرْوَالَةٌ، پھر تو ہر وہ چیز جس کو کپڑے کے ٹکڑوں سے جوڑ کر سی کر بنایا جائے اس کو سَرَاوِيلُ کہنا چاہیے حالانکہ ہر چیز کو سَرَاوِيلُ نہیں کہتے بھائی، ورنہ تو قمیص کو بھی کیا کہنا چاہیے؟ سَرَاوِيلُ کہنا چاہیے بھائی۔ تو معلوم ہوا یہ جو سَرَاوِيلُ کو سِرْوَالَةٌ کی جمع قرار دیا، یہ حقیقتاً نہیں ہے بلکہ تقدیراً ہے، یعنی فرض کر لیں۔ تو حاصل یہ کہ اس جواب کی بنیاد اس بات پر ہے کہ جمع ہونا عام ہے، چاہے حقیقتاً ہو چاہے تقدیراً ہو، چاہے تقدیراً ہو۔ بھائی دیکھو نا دو جواب دیے سَرَاوِيلُ کے: پہلا جواب کیا؟ کہ یہ عجمی لفظ ہے لیکن حکم جمع والا دے دیا، تو جمع ہونا عام ہے چاہے حقیقتاً ہو چاہے حکماً۔ دوسرا جواب کیا؟ کہ یہ عربی لفظ ہی ہے لیکن فرض کر لو یہ کس کی جمع ہے؟ سِرْوَالَةٌ کی جمع ہے۔ معلوم ہوا جمع ہونا عام ہے چاہے حقیقتاً ہو چاہے تقدیراً ہو بھائی۔ بات سمجھ میں آ گئی۔

اب دیکھیے بھائی اوپر دوبارہ دیکھیے شرح کے ساتھ۔ کہتے ہیں: وَسَرَاوِيلُ جَوَابٌ عَنْ سُؤَالٍ مُقَدَّرٍ، یہ جواب ہے ایک سوالِ مقدر کا، تَقْدِيرُهُ یہاں بھی اسی طرح تَقْدِيرُهُ بھی پڑھ سکتے ہیں اور تَقْرِيرُهُ بھی، اس سوال کی تقریر یہ ہے یا اس سوال کی تقدیر یہ ہے، أَنْ يُقَالَ کہ یوں کہا جائے: قَدْ تَفَصَّيْتَ عَنِ الْإِشْكَالِ الْوَارِدِ عَلَى قَاعِدَةِ الْجَمْعِ بِحَضَاجِرَ، کہ تحقیق آپ نے جان چھڑا لی، تَفَصَّى يَتَفَصَّى کا معنی ہے جان چھڑانا، کہ یوں کہا جائے: قَدْ تَفَصَّيْتَ کہ اے صاحبِ کافیہ آپ نے جان چھڑا لی عَنِ الْإِشْكَالِ الْوَارِدِ عَلَى قَاعِدَةِ الْجَمْعِ بِحَضَاجِرَ وہ جو اشکال ہوتا تھا جمع کے ضابطے پر حَضَاجِرُ کے ذریعے۔ حَضَاجِرُ کے ذریعے اشکال ہوتا تھا: آپ نے سبب کس کو قرار دیا ہے؟ جمع کو، اور حَضَاجِرُ تو جمع ہی نہیں ہے، وہاں صاحبِ کافیہ نے کیا جواب دے کر جان چھڑائی تھی؟ کہ جمع ہونا عام ہے چاہے فی الحال ہو چاہے اصلِ وضع میں ہو۔ تو کہتے ہیں قَدْ تَفَصَّيْتَ عَنِ الْإِشْكَالِ الْوَارِدِ عَلَى قَاعِدَةِ الْجَمْعِ بِحَضَاجِرَ کہ آپ نے جان چھڑوا لی تھی وہ جو اشکال وارد ہو رہا تھا جمع کے قانون پر بِحَضَاجِرَ حَضَاجِرُ کے ذریعے، بِجَعْلِ الْجَمْعِ أَعَمَّ مِنْ أَنْ يَكُونَ فِي الْحَالِ أَوْ فِي الْأَصْلِ بایں صورت کہ قرار دیا تھا آپ نے جمع کو کہ وہ جمع ہونا جو ہے عام ہو مِنْ أَنْ يَكُونَ فِي الْحَالِ أَوْ فِي الْأَصْلِ یعنی فی الحال جمع ہو أَوْ فِي الْأَصْلِ یا اصل میں ہو۔ عبارت سمجھ میں آ رہی ہے؟ بِجَعْلِ الْجَمْعِ أَعَمَّ جمع کو زیادہ عام قرار دیتے ہوئے مِنْ أَنْ يَكُونَ فِي الْحَالِ أَوْ فِي الْأَصْلِ یعنی کہ جمع چاہے فی الحال ہو چاہے اصل میں ہو۔ حَضَاجِرُ میں کیا جواب دیا تھا؟ کہ جمع ہونا عام ہے چاہے فی الحال ہو چاہے اصل میں ہو۔ فَمَا تَقُولُ فِي سَرَاوِيلَ، تو آپ کیا فرماتے ہیں سَرَاوِيلُ کے بارے میں؟ فَإِنَّهُ اسْمُ جِنْسٍ يُطْلَقُ عَلَى الْوَاحِدِ وَالْكَثِيرِ وَلَا جَمْعِيَّةَ فِيهِ لَا فِي الْحَالِ وَلَا فِي الْأَصْلِ، اس لیے کیونکہ یہ اسمِ جنس ہے جس کا اطلاق واحد پر بھی ہوتا ہے اور کثیر پر بھی، اور اس کے اندر جمعیت نہیں ہے نہ تو فی الحال ہے اور نہ اصل میں ہے۔

فَأَجَابَ، تو اس کا جواب دیا صاحبِ کافیہ نے بِأَنَّهُ قَدِ اخْتُلِفَ فِي صَرْفِهِ وَمَنْعِهِ مِنْهُ، کہ تحقیق اختلاف کیا گیا ہے فِي صَرْفِهِ أَيْ فِي صَرْفِ سَرَاوِيلَ سَرَاوِيلُ کی صرف میں وَمَنْعِهِ اور سَرَاوِيلُ کے منع میں مِنْهُ أَيْ مِنَ الصَّرْفِ، یہ ہا ضمیر راجع ہے صرف کو، اور سَرَاوِيلُ کو صرف سے منع کرنا۔ عبارت پہ نظر ہے؟ وَمَنْعِهِ، مَنْعِهِ کی ہا ضمیر راجع ہے سَرَاوِيلُ کو اور سَرَاوِيلُ کا منع کرنا، مِنْهُ أَيْ مِنَ الصَّرْفِ، یہ ہا ضمیر راجع ہے صرف کو، اور سَرَاوِيلُ کو صرف سے منع کرنا۔ پھر عبارت دیکھیں: فَأَجَابَ بِأَنَّهُ قَدِ اخْتُلِفَ فِي صَرْفِهِ وَمَنْعِهِ مِنْهُ، تو اس کا جواب دیا صاحبِ کافیہ نے کہ تحقیق اختلاف کیا گیا ہے سَرَاوِيلُ کی صرف میں اور اس کی منعِ صرف کے اندر۔ فَهُوَ إِذَا لَمْ يُصْرَفْ وَهُوَ الْأَكْثَرُ، پس جب اس میں صرف نہ ہو یعنی وہ غیرِ منصرف ہو وَهُوَ الْأَكْثَرُ اس حال میں کہ یہ زیادہ ہے، جب اس کی صرف منع ہو یہ استعمال زیادہ ہے یعنی زیادہ تر استعمالات میں یہ غیرِ منصرف ہی آیا ہے بھائی۔ تو کہتے ہیں إِذَا لَمْ يُصْرَفْ جب اس کی صرف نہ ہو وَهُوَ الْأَكْثَرُ اس حال میں کہ یہ زیادہ ہے، بھائی زیادہ ہے کیا معنی زیادہ ہے؟ کہتے ہیں فِي مَوَارِدِ الِاسْتِعْمَالِ یعنی استعمال کی جگہوں میں، استعمال کی جگہوں میں اس کا غیرِ منصرف ہونا زیادہ ہے، زیادہ تر یہ کس طرح آیا ہے؟ غیرِ منصرف استعمال ہوا ہے بھائی۔ فَيَرِدُ بِهِ الْإِشْكَالُ عَلَى قَاعِدَةِ الْجَمْعِ كَمَا قُلْتَ، تو اس کی وجہ سے اشکال وارد ہوتا ہے جمع کے قانون پر جیسے کہ آپ نے کہا۔

فَقَدْ قِيلَ فِي التَّفَصِّي عَنْهُ أَنَّهُ اسْمٌ أَعْجَمِيٌّ، تو تحقیق کہا گیا ہے اس اشکال سے جان چھڑانے میں کہ یہ عجمی اسم ہے، اس اشکال سے جان چھڑانے میں یعنی بعض علماء نے کیا جواب دیا کہ یہ اسمِ عجمی ہے، لَيْسَ بِجَمْعٍ لَا فِي الْحَالِ وَلَا فِي الْأَصْلِ، یہ جمع نہیں ہے نہ تو فی الحال اور نہ اصل میں، حُمِلَ فِي مَنْعِ الصَّرْفِ عَلَى مُوَازِنِهِ، یہ محمول ہے منعِ صرف کے اندر یعنی غیرِ منصرف ہونے میں یہ محمول ہے عَلَى مُوَازِنِهِ اپنے ہم وزنوں پر، یہ اپنے ہم وزنوں پر جو ہے محمول ہے منعِ صرف کے اندر، أَيْ عَلَى مَا يُوَازِنُهُ مِنَ الْجُمُوعِ الْعَرَبِيَّةِ، یعنی وہ جو اس کے ہم وزن ہیں عربی جمعیں یعنی عربی جمعیں جو ہیں یہ ان پر محمول ہے بھائی، كَأَنَاعِيمَ وَمَصَابِيحَ جیسے کہ أَنَاعِيمُ اور مَصَابِيحُ ہیں۔ فَإِنَّهُ فِي حُكْمِهَا مِنْ حَيْثُ الْوَزْنُ، پس یہ جو سَرَاوِيلُ ہے یہ ان جمعوں کے حکم میں ہے مِنْ حَيْثُ الْوَزْنُ وزن کے اعتبار سے، وزن کے اعتبار سے یہ انہی کے حکم میں ہے، یعنی جیسے ان کا وزن تھا مُنْتَهَى الْجُمُوعِ والا تو وہ غیرِ منصرف تھے تو اس کا بھی وہی وزن تھا تو اس کو بھی وہی حکم دے دیا گیا۔ فَهُوَ وَإِنْ لَمْ يَكُنْ مِنْ قَبِيلِ الْجَمْعِ حَقِيقَةً، تو اگرچہ یہ جمع کی قبیل سے نہیں ہے حقیقتاً، لٰكِنَّهُ مِنْ قَبِيلِهِ حُكْمًا، لیکن یہ جمع کی قبیل سے ہے حکماً باعتبار حکم کے۔ فَالْجَمْعِيَّةُ عَلَى هٰذَا التَّقْدِيرِ أَعَمُّ مِنْ أَنْ تَكُونَ حَقِيقَةً أَوْ حُكْمًا، تو جمع ہونا اس تقدیر پر جو ہے وہ عام ہے کہ وہ حقیقتاً ہو یا حکماً ہو۔ یہاں تک بات سمجھ میں آگئی۔

تو دیکھو سَرَاوِيلُ میں کیا جواب دیا؟ کہ یہ عجمی ہے لیکن اپنے ہم وزنوں پر محمول ہے، تو اس پر پھر کیا اشکال ہوا تھا؟ کہ پھر تو اپنے ہم وزنوں پر محمول کرنا اس کو ایک الگ سبب قرار دینا چاہیے، تو اس کا جواب بھی میں نے ذکر کر دیا تھا کہ اس جواب کی بنیاد اس بات پر نہیں ہے کہ اپنے ہم وزنوں پر محمول کرنے کو الگ سبب قرار دیا جائے بلکہ اس جواب کی بنیاد

کس بات پر ہے؟ کہ جمع ہونا عام ہے چاہے حقیقتاً ہو چاہے حکماً ہو، تو بس جمع میں عموم پیدا کر دو، ایک الگ سبب اعتبار کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ تو کہتے ہیں: فَبِنَاءُ هٰذَا الْجَوَابِ عَلَى تَعْمِيمِ الْجَمْعِيَّةِ، تو اس جواب کی بنیاد جو ہے جمعیت کے اندر عموم پیدا کرنے پر ہے، لَا عَلَى زِيَادَةِ سَبَبٍ آخَرَ عَلَى الْأَسْبَابِ التِّسْعَةِ، اس جواب کی بنیاد اس بات پر نہیں ہے کہ ایک اور سبب کو بڑھا دیا جائے اسبابِ تسعہ پر یعنی نو سببوں پر۔ بات سمجھ میں آئی؟ اس جواب کی بنیاد جمعیت کے اندر تعمیم پر ہے کہ جمعیت میں تعمیم کر دی جائے، اس بات پر اس کی بنیاد نہیں ہے کہ ایک اور سبب کو بڑھا دیا جائے اسبابِ تسعہ پر، ایک اور سبب کو بڑھا دیں۔ بھائی کون سا سبب بڑھا دیں؟ وَهُوَ الْحَمْلُ عَلَى الْمُوَازِنِ، اور وہ اس کے ہم وزنوں پر محمول کرنا۔ عبارت سمجھ میں آئی؟ ادھر دیکھو، ترجمہ بھی دوبارہ سن لیں، جواب کیا ہوا؟ کہ اس جواب کی بنیاد اس بات پر ہے کہ جمع ہونا عام ہے چاہے حقیقتاً ہو چاہے حکماً، تو اسی جمعیت میں عموم پیدا کیا، اسی کے اندر سَرَاوِيلُ کو بھی داخل کر دیا، بجائے اس کے کہ ایک الگ سبب شمار کیا جائے اور وہ کون سا؟ حَمْلٌ عَلَى الْمُوَازِنِ بھائی، اپنے ہم وزنوں پر محمول کرنا، اس کو الگ سبب یہاں قرار نہیں دیا گیا۔ تو دیکھیے دوبارہ ترجمہ، کہتے ہیں: فَبِنَاءُ هٰذَا الْجَوَابِ عَلَى تَعْمِيمِ الْجَمْعِيَّةِ تو اس جواب کی بنیاد جو ہے جمعیت میں تعمیم پر ہے، لَا عَلَى زِيَادَةِ سَبَبٍ آخَرَ عَلَى الْأَسْبَابِ التِّسْعَةِ اس بات پر نہیں کہ ایک اور سبب بڑھا دیا جائے اسبابِ تسعہ پر، وَهُوَ الْحَمْلُ عَلَى الْمُوَازِنِ اور وہ اپنے ہم وزنوں پر محمول کرنا ہے، یعنی اس سبب کو بڑھا دیا جائے اس پر اس جواب کی بنیاد نہیں ہے۔

آگے دیکھیے، کہتے ہیں: وَقِيلَ هُوَ اسْمٌ عَرَبِيٌّ، اور کہا گیا ہے کہ یہ جو سَرَاوِيلُ ہے یہ عربی اسم ہے، لَيْسَ بِجَمْعٍ تَحْقِيقًا، یہ حقیقتاً جمع نہیں ہے، لِأَنَّهُ اسْمُ جِنْسٍ يُطْلَقُ عَلَى الْوَاحِدِ وَالْكَثِيرِ، اس لیے کیونکہ یہ اسمِ جنس ہے جس کا اطلاق واحد اور کثیر پر ہوتا ہے، لٰكِنَّهُ جَمْعُ سِرْوَالَةٍ تَقْدِيرًا وَفَرْضًا، لیکن یہ سِرْوَالَةٌ کی جمع ہے تَقْدِيرًا وَفَرْضًا، تقدیراً اور فرضاً۔ دیکھو متن میں آیا تھا تَقْدِيرًا، آگے وَفَرْضًا یہ صاحبِ جامی فرما رہے ہیں، یہ ہے عطفِ تفسیری بھائی، تَقْدِيرًا کا معنی بیان کر رہے ہیں، ایک صورت یہ تھی یوں کہتے تَقْدِيرًا أَيْ فَرْضًا، لیکن أَيْ کے بجائے کیا لے آئے؟ واو لے آئے، تو یہ عطفِ تفسیری ہے۔ یاد رکھو معطوفٌ علیہ الگ ہوتا ہے اور معطوف الگ، لیکن کبھی دونوں ایک ہی چیز بھی ہوتے ہیں اور وہ عطفِ تفسیری میں ہے، تَقْدِيرًا اور فَرْضًا ایک ہی چیز ہے ایک ہی معنی، بس وہی تَقْدِيرًا کا معنی فَرْضًا کے ذریعے کر دیا بھائی۔ تو کہتے ہیں لٰكِنَّهُ جَمْعُ سِرْوَالَةٍ تَقْدِيرًا وَفَرْضًا لیکن یہ تقدیراً سِرْوَالَةٌ کی جمع ہے یعنی فرض کرتے ہوئے، فَإِنَّهُ لَمَّا وُجِدَ غَيْرَ مُنْصَرِفٍ، اس لیے کیونکہ جب اس کو غیرِ منصرف پایا گیا، وَمِنْ قَاعِدَتِهِمْ أَنَّ هٰذَا الْوَزْنَ بِدُونِ الْجَمْعِيَّةِ لَمْ يَمْنَعِ الصَّرْفَ، اور نحوی حضرات کا قانون ہے اور قاعدہ ہے ضابطہ ہے کہ یہ والا وزن جو ہے بغیر جمع ہونے کے یہ صرف کو منع نہیں کرتا یعنی منصرف ہونے کو منع نہیں کرتا، فَقُدِّرَ، تو فرض کر لیا گیا، تو قُدِّرَ کا نائبِ فاعل آگے آ رہا ہے، کیا فرض کر لیا گیا؟ کہ أَنَّهُ جَمْعُ سِرْوَالَةٍ، یہ ہے قُدِّرَ کا

نائبِ فاعل ہے بھائی، تو قُدِّرَ کا نائبِ فاعل آگے آرہا ہے: أَنَّهُ جَمْعُ سِرْوَالَةٍ، یہ فرض کر لیا گیا کہ یہ سِرْوَالَةٌ کی جمع ہے، کیوں؟ حِفْظًا لِهٰذِهِ الْقَاعِدَةِ، اس قاعدے کی حفاظت کرنے کے لیے، اس قاعدے کی... بھائی نحوی حضرات کا قانون اور ضابطہ ہے کہ یہ والا صیغہ، یہ والا وزن بغیر جمعیت کے غیرِ انصراف کا سبب نہیں بنے گا بلکہ جمعیت ضروری ہے یہ صیغہ اس کے لیے شرط ہے بھائی، سَرَاوِيلُ یہ تو عربی لفظ ہے اسمِ جنس ہے اس میں تو جمعیت ہی نہیں ہے تو پھر یہ کیسے غیرِ منصرف ہے؟ تو اپنے ضابطے کو بچانے کے لیے انہوں نے کیا کہا کہ فرض کر لو یہ جمع ہے کس کی؟ سِرْوَالَةٌ کی۔

دوبارہ عبارت دیکھیے، کہتے ہیں: وَمِنْ قَاعِدَتِهِمْ اور نحوی حضرات کا قانون ہے کہ أَنَّ هٰذَا الْوَزْنَ بِدُونِ الْجَمْعِيَّةِ لَمْ يَمْنَعِ الصَّرْفَ کہ یہ والا وزن جو ہے بغیر جمعیت کے یہ صرف کو منع نہیں کرتا، فَقُدِّرَ حِفْظًا لِهٰذِهِ الْقَاعِدَةِ أَنَّهُ جَمْعُ سِرْوَالَةٍ فرض کر لیا گیا اس قاعدے کی حفاظت کرنے کے لیے، فرض کر لیا گیا کیا فرض کیا گیا؟ کہ أَنَّهُ جَمْعُ سِرْوَالَةٍ کہ یہ سِرْوَالَةٌ کی جمع ہے، فَكَأَنَّهُ سُمِّيَ كُلُّ قِطْعَةٍ مِنَ السَّرَاوِيلِ سِرْوَالَةً، گویا کہ نام رکھا گیا سَرَاوِيلُ میں سے ہر ٹکڑے کا سِرْوَالَةً، دوبارہ دیکھیں: فَكَأَنَّهُ سُمِّيَ كُلُّ قِطْعَةٍ مِنَ السَّرَاوِيلِ گویا کہ نام رکھا گیا ہر ٹکڑے کا سَرَاوِيلُ میں سے، سَرَاوِيلُ کے اندر جو کپڑے کے ٹکڑے تھے ان میں سے ہر ٹکڑے کا نام رکھا گیا سِرْوَالَةً، کیا نام رکھا گیا؟ سِرْوَالَةً نام رکھا گیا۔ دیکھا فَكَأَنَّهُ، گویا کہ یعنی حقیقت میں شلوار کے ہر ٹکڑے کو سِرْوَالَةٌ نہیں کہتے سِرْوَالَةٌ تو عام ہے بھائی۔ فَكَأَنَّهُ سُمِّيَ كُلُّ قِطْعَةٍ مِنَ السَّرَاوِيلِ سِرْوَالَةً تو گویا کہ سَرَاوِيلُ کے ہر ٹکڑے کو سِرْوَالَةٌ کے نام سے موسوم کیا گیا، ثُمَّ جُمِعَتْ سِرْوَالَةٌ عَلَى سَرَاوِيلَ، پھر سِرْوَالَةٌ کی جمع لائی گئی سَرَاوِيلُ پر۔

وَإِذَا صُرِفَ، بھائی دیکھیے سَرَاوِيلُ میں میں نے بتایا کہ بعض فرماتے ہیں یہ مُنْصَرِف ہے اور بعض فرماتے ہیں غیرِ منصرف۔ مُنْصَرِف ہو پھر تو اشکال ہی کوئی نہیں کیونکہ یہ جمع نہیں ہے یہ تو اسمِ جنس ہے بھائی، اور غیرِ منصرف ہو پھر اشکال ہوتا ہے اور اس کے دو جواب گزر گئے بھائی۔ تو اگر مُنْصَرِف ہو پھر تو اشکال ہی نہیں وہ اب ذکر کر رہے ہیں۔ پہلے متن دیکھو، کہتے ہیں: وَإِذَا صُرِفَ فَلَا إِشْكَالَ، اور اگر یہ مُنْصَرِف ہو پھر تو کوئی اشکال ہی نہیں ہے۔ جی اب شرح کے ساتھ ترجمہ دیکھیے۔ کہتے ہیں: وَإِذَا صُرِفَ أَيِ السَّرَاوِيلُ، اور جب مُنْصَرِف پڑھا جائے یعنی سَرَاوِيلُ کو، لِعَدَمِ تَحَقُّقِ جَمْعِيَّتِهِ تَحْقِيقًا، بوجہ تحقیقاً جمعیت کے نہ پائے جانے کے کہ حقیقتاً اس کے اندر جمعیت... جب اس کو مُنْصَرِف پڑھا جائے کیونکہ اس کے اندر حقیقتاً جمعیت نہیں ہے، وَالْأَصْلُ فِي الْأَسْمَاءِ الصَّرْفُ، اور اصل جو ہے اسماء کے اندر مُنْصَرِف ہونا ہے، فَلَا إِشْكَالَ پھر تو کوئی اشکال ہی نہیں، کوئی اشکال ہی نہیں بِالنَّقْضِ بِهِ عَلَى قَاعِدَةِ الْجَمْعِ، کہ کوئی اعتراض کیا جائے بِهِ أَيِ السَّرَاوِيلِ سَرَاوِيلُ کے ذریعے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ پھر تو کوئی اشکال ہی نہیں بِالنَّقْضِ بِهِ کہ کس کے ذریعے اعتراض کیا جائے؟ سَرَاوِيلُ کے ذریعے اعتراض کیا جائے عَلَى قَاعِدَةِ الْجَمْعِ جمع کے قانون پر، بھائی پھر تو اشکال ہی نہیں ہوتا کیونکہ سَرَاوِيلُ جب مُنْصَرِف ہے، جب مُنْصَرِف ہے تو اس کو تو ہونا بھی کیا چاہیے؟ مُنْصَرِف ہونا چاہیے پھر تو کوئی اشکال ہی نہیں ہوتا جمع کے قانون پر

کیونکہ یہ جمع ہے ہی نہیں۔

یہ معنی ہے فَلَا إِشْكَالَ بِالنَّقْضِ بِهِ، تو پھر کوئی اشکال ہی نہیں کہ اس کے ذریعے اعتراض کیا جائے عَلَى قَاعِدَةِ الْجَمْعِ جمع کے قاعدے پر۔ اشکال کیا جائے لِيُحْتَاجَ إِلَى التَّفَصِّي عَنْهُ تاکہ حاجت پیش آئے اس سے چھٹکارا پانے کی۔ پھر تو اشکال ہی نہیں ہوتا کہ جمع کے قاعدے پر اس کے ذریعے اشکال کیا جائے اور پھر اس سے چھٹکارا پانے کے لیے کوئی جواب دینے کی کوشش کی جائے، نہیں بھائی، اشکال ہی نہیں ہوتا جب اشکال نہیں تو کوئی جواب دے کر چھٹکارا پانے کی ضرورت بھی نہیں ہے۔ یہ معنی ہے لِيُحْتَاجَ إِلَى التَّفَصِّي عَنْهُ تاکہ حاجت پیش آجائے اس سے جان چھڑانے کی۔ بات سمجھ میں آگئی۔ اچھا جی چلیے بس بھائی، هٰذَا هُوَ الْمَرَامُ وَاللّٰهُ أَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْكَلَامِ۔

سبق نمبر ٦٨: اسبابِ منعِ صرف (١٢): «جَوَارٍ» اور «غَوَاشٍ» جیسے منقوص صیغۂ منتہی الجموع کا اعراب

شرحِ ملا جامی صفحہ: ٤٨ — بتاریخ: ١١ ستمبر ٢٠٢١ء

▪ تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث

دیکھیے بھئی سبق کتاب پر:

وَنَحْوُ جَوَارٍ أَيْ كُلُّ جَمْعٍ مَنْقُوصٍ عَلَى فَوَاعِلَ يَائِيًّا كَانَ أَوْ وَاوِيًّا كَالْجَوَارِي وَالدَّوَاعِي رَفْعًا وَجَرًّا أَيْ فِي حَالَتَيِ الرَّفْعِ وَالْجَرِّ كَقَاضٍ أَيْ حُكْمُهُ حُكْمُ قَاضٍ بِحَسَبِ الصُّورَةِ فِي حَذْفِ الْيَاءِ عَنْهُ وَإِدْخَالِ التَّنْوِينِ عَلَيْهِ.

بھئی گزشتہ سبق میں اسبابِ منع صرف میں سے جمع کے بارے میں ہم پڑھ رہے تھے۔ صاحبِ کافیہ نے آپ کو بتلایا کہ جمع جو ہے وہ غیر انصراف کا سبب بنتی ہے اور یہ دو سببوں کے قائم مقام ہے، لیکن شرط یہ ہے کہ صیغہ جمع منتہی الجموع کا ہونا چاہیے بغیر ہا کے بھئی۔ اور ہا سے مراد ہے تائے تانیث بھئی۔ لہٰذا فَرَازِنَةٌ اور مَلَائِكَةٌ یہ نکل گئے کیونکہ ان کے آخر میں تائے تانیث ہے بھئی۔ تو جمع منتہی الجموع کا صیغہ ہونا چاہیے۔ تو دیکھو یہ صیغہ ہونا شرط ہے اور اصل سبب جو ہے وہ جمع ہے، تو جمع ہو اس کے بعد پھر دیکھا جائے گا کہ صیغہ منتہی الجموع والا ہے یا نہیں۔ تو معلوم ہوا سبب جو ہے وہ جمعیت بنتی ہے، صیغہ سبب نہیں بنتا۔ اس پر اشکال ہوتا ہے حَزَاجِرُ اور سَرَاوِيلُ کا بھئی، کہ حَزَاجِرُ یہ بھی جمع نہیں حالانکہ عرب اس کو غیر منصرف پڑھتے ہیں۔ تو صیغے کی وجہ سے تو غیر منصرف نہیں پڑھا جا سکتا، یہ پھر کیوں غیر منصرف ہے بھئی؟ اسی طرح سَرَاوِيلُ یہ بھی جمع نہیں یہ بھی اسمِ جنس ہے، اور صرف صیغے کی وجہ سے اس کو غیر منصرف نہیں پڑھا جا سکتا، پھر کیوں اس کو عرب غیر منصرف پڑھتے ہیں؟

تو صاحبِ کافیہ نے جواب دیا کہ حَزَاجِرُ جو ہے یہ ضَبُعٌ کے لیے عَلَمِ جنس ہے۔ اور عَلَمِ جنس بھی اسمِ جنس کی طرح ہے، صرف فرق یہ ہے کہ عَلَمِ جنس معرفہ ہوتا ہے جبکہ اسمِ جنس جو ہے نکرہ ہوتا ہے۔ اور عَلَمِ جنس اور اسمِ جنس ان کا

اطلاق قلیل پر بھی ہوتا ہے اور کثیر پر بھی ہوتا ہے، جبکہ جمع کا اطلاق تو دو سے زیادہ پر ہوتا ہے۔ تو حَزَاجِرُ کے اندر جمعیت نہیں ہے۔ لیکن صاحبِ کافیہ فرماتے ہیں کہ فی الحال اگرچہ حَزَاجِرُ میں جمعیت نہیں، فی الحال یہ عَلَمِ جنس ہے، لیکن اصلِ وضع میں یہ جمع تھا۔ یہ جمع ہے حِزَجْرٌ کی، کس کی جمع ہے؟ حِزَجْرٌ کی، اور حِزَجْرٌ بڑے پیٹ والے کو کہتے ہیں، اور پھر اس کی جمع حَزَاجِرُ تھی، اور پھر یہ حَزَاجِرُ عَلَمِ جنس بنا دیا گیا بجو کے لیے۔ بجو کا پیٹ بہت بڑا ہوتا ہے۔ تو اب ایک بجو ہو اس کو بھی کہتے ہیں حَزَاجِرُ۔ گویا ایک بجو جو ہے اس کا بھی پیٹ اتنا بڑا ہے، مبالغہ کرتے ہوئے یوں کہا گیا گویا ہر بجو کا پیٹ ایک پوری جماعت کے برابر ہے بھئی۔ حَزَاجِرُ جمع ہے نا، تو جمع کا لفظ ان کو دیا گیا بایں اعتبار کہ ہر بجو کا پیٹ گویا ایک پوری جماعت کے برابر ہے بھئی، جماعت کے برابر۔ تو حاصلِ جواب یہ ہوا کہ معلوم ہوا جمع ہونا عام ہے، چاہے فی الحال جمع ہو چاہے اصلِ وضع میں جمع ہو۔

اس پر اشکال ہوا کہ اس کے اندر جمعیتِ اصلیہ کا اعتبار کرنے کی کوئی حاجت نہیں ہے، بلکہ اس کے اندر دو اور سبب موجود ہیں: ایک علمیت اور ایک تانیث۔ علمیت کیونکہ یہ عَلَم ہے، اور دوسرا سبب یہ ہے کہ تانیث، کیونکہ یہ عَلَمِ جنس ہے ضَبُعٌ کے لیے، اور ضَبُعٌ جو ہے وہ مؤنث ہے، مادہ ہے ضِبْعَانٌ کی۔ مذکر کو کیا کہتے ہیں؟ ضِبْعَانٌ، اور مؤنث کو ضَبُعٌ کہتے ہیں۔ تو یہ عَلَمِ جنس ہے ضَبُعٌ کے لیے، تو یہ معلوم ہوا یہ مؤنث کے لیے عَلَمِ جنس ہے، تو دو سبب آ گئے: ایک علمیت اور ایک تانیث۔ تو اس کا بھی جواب دیا کہ نہیں بھئی علمیت اس کے اندر مؤثر نہیں۔ اگر علمیت مؤثر ہوتی تو پھر علمیت کو جب ختم کریں پھر اس کو منصرف ہونا چاہیے تھا، لیکن اس کے اندر سے علمیت کو ختم کر دیں پھر بھی یہ غیر منصرف ہی رہتا ہے، منصرف نہیں بنتا۔ منصرف تو پھر تو اس کو منصرف ہونا چاہیے تھا لیکن یہ پھر بھی منصرف نہیں بنتا۔ جیسے طَلْحَةُ، طَلْحَةُ کے اندر ایک سبب تانیث ہے تا موجود ہے اور ایک علمیت ہے، اس سے علمیت کو ختم کریں تو جَاءَنِي طَلْحَةٌ دیکھو منصرف بن گیا بھئی۔ لیکن حَزَاجِرُ میں ایسا نہیں، حَزَاجِرُ کو اگر نکرہ بھی بنا دیں پھر بھی یہ غیر منصرف رہتا ہے۔ معلوم ہوا اس کے اندر علمیت مؤثر نہیں، وہ غیر انصراف کا سبب نہیں بن رہی۔ اور باقی آپ نے کہا اس میں تانیث ہے، کہتے ہیں یہ بات ہمیں تسلیم نہیں، یہ عَلَمِ جنس ہے ضَبُعٌ کے لیے چاہے مذکر ہو چاہے مؤنث ہو بھئی۔

اور پھر یہ بھی بتلایا کہ وصف کے اندر تو صاحبِ کافیہ نے فرمایا تھا کہ وَشَرْطُهُ أَنْ يَكُونَ فِي الْأَصْلِ کہ وصف کے اندر شرط یہ ہے اصلِ وضع کے اندر وصف ہونا چاہیے۔ تو حَزَاجِرُ کا جواب دینے کے بجائے صرف مختصراً اتنا کہہ دیتے کہ جمعیت میں بھی شرط یہ ہے کہ اصلِ وضع میں جمع ہونی چاہیے۔ کہتے ہیں نہیں بھئی اگر یہ عبارت وہ ذکر کر دیتے پھر اس سے تو یہ وہم پڑتا کہ معلوم ہوا اصلِ وضع میں بھی جمع ہوتی ہے اور کبھی کبھار کوئی لفظ عارضی طور پر بھی جمع کے لیے استعمال کر لیتے ہیں، جیسے وصف کبھی اصلِ وضع کے اعتبار سے وصف ہوتا ہے اور کبھی عارضی طور پر وصف ہوتا ہے، لیکن جمع جو ہے وہ تو ہمیشہ اصلِ وضع کے اعتبار سے جمع ہوتی ہے، کبھی بھی عارضی طور پر جمع نہیں بنتی، اس لیے اس عبارت کو انہوں

نے ذکر نہیں کیا بھئی۔

اور پھر سَرَاوِیلُ کا اعتراض ہوا تھا۔ یاد رکھو سَرَاوِیلُ جو ہے عربی زبان میں شلوار اور پاجامے کو کہتے ہیں، اور یہ اسمِ جنس ہے، قلیل پر بھی اس کا اطلاق ہوتا ہے اور کثیر پر بھی اس کا اطلاق ہوتا ہے۔ اور یہ عربی کے اندر منصرف بھی استعمال ہوتا ہے اور غیر منصرف بھی استعمال ہوتا ہے، البتہ غیر منصرف استعمال اس کا زیادہ ہے بھئی، اور منصرف استعمال تھوڑا ہے۔ منصرف استعمال جو ہے اس صورت میں تو کوئی اشکال ہی نہیں کیونکہ سَرَاوِیلُ جمع نہیں ہے یہ اسمِ جنس ہے، تو اس کو ہونا بھی کیا چاہیے؟ منصرف ہونا چاہیے۔ ہاں جب غیر منصرف استعمال ہوتا ہے اس صورت پر اشکال ہوتا ہے کہ بھئی یہ تو جمع ہی نہیں پھر یہ غیر منصرف کیسے ہے؟ تو اس کے دو جواب ذکر کیے صاحبِ کافیہ نے، کہ بعض علماء نے یہ جواب دیا ہے کہ یہ سَرَاوِیلُ کا لفظ عجمی زبان کا لفظ ہے، اس کو عربی کی طرف نقل کیا گیا، اور پھر دیکھا گیا کہ یہ سَرَاوِیلُ یہ تو مَصَابِیحُ اور أَنَاعِیمُ کے وزن پر ہے، اور مَصَابِیحُ اور أَنَاعِیمُ وہ تو غیر منصرف ہیں، تو اس کو بھی اپنے ہم وزنوں پر محمول کرتے ہوئے اس کو غیر منصرف پڑھا گیا بھئی۔ تو اس جواب کی بنیاد اس بات پر ہے کہ جمع ہونا عام ہے چاہے حقیقتاً جمع ہو چاہے حکماً جمع ہو۔ مَصَابِیحُ اور أَنَاعِیمُ وہ تو حقیقتاً جمع ہیں، جبکہ سَرَاوِیلُ وہ حقیقتاً تو جمع نہیں لیکن حکم اس کو کون سا دے دیا گیا؟ جمع والا دے دیا گیا، تو یہ حکماً جمع ہے۔

تو اس جواب کی بنیاد اس بات پر ہے کہ جمع ہونا عام ہے چاہے حقیقتاً ہو چاہے حکماً ہو۔ دراصل یہاں اشکال ہوتا ہے کہ بھئی آپ نے سَرَاوِیلُ کو غیر منصرف بنایا کس وجہ سے؟ اپنے ہم وزنوں پر محمول کیا۔ معلوم ہوا اس کے اندر اسبابِ منع صرف میں سے کوئی سبب نہیں ہے، ان کے علاوہ ایک نئے سبب کا آپ اضافہ کر رہے ہیں، معلوم ہوا اپنے ہم وزنوں پر محمول کر کے بھی کسی لفظ کو غیر منصرف پڑھا جا سکتا ہے، جیسے کس میں کیا آپ نے؟ سَرَاوِیلُ کے اندر کیا۔ تو اس کا جواب بھی شارحِ جامی نے دیا کہ بھئی یہ جو جواب دیا گیا اس کی بنیاد اس بات پر ہے کہ سبب وہی جمع ہے، سبب کیا ہے؟ وہی جمع ہے۔ ہاں اسی میں عموم پیدا کر دو کہ وہ جمع ہونا عام ہے، کبھی حقیقتاً ہو گی اور کبھی حکماً ہو گی، تو سَرَاوِیلُ کو جمع والا حکم دے دیا بھئی۔ تو اس جواب کی بنیاد اس بات پر نہیں ہے کہ ایک الگ سبب کا اضافہ کر دیا جائے۔ جبکہ بعض علماء نے یہ جواب دیا کہ یہ سَرَاوِیلُ عربی لفظ ہی ہے اور یہ اسمِ جنس ہے، لیکن چونکہ نحوی حضرات کا ضابطہ تھا کہ اس وزن پر جو لفظ آئے وہ غیر منصرف نہیں ہو سکتا بغیر جمعیت کے، جمعیت ہو گی تو پھر یہ وزن مؤثر ہو گا۔ تو لہٰذا جب انہوں نے دیکھا سَرَاوِیلُ تو بغیر جمعیت کے ہی غیر منصرف عرب پڑھتے ہیں، تو اپنے ضابطے اور قانون کو بچانے کے لیے انہوں نے کہا کہ اس سَرَاوِیلُ کے اندر جمعیت کو فرض کر لو، کہ فرض کر لو یہ سِرْوَالَةٌ کی جمع ہے بھئی۔ تو جب فرض کر لیا تو یہ بھی جمع ہوئی، جب جمع ہوئی تو اب اس کا غیر منصرف ہونا ٹھیک ہو گیا۔ تو گویا اس جواب کی بنیاد اس بات پر ہے کہ جمع ہونا عام ہے چاہے حقیقتاً جمع ہو چاہے تقدیراً جمع ہو، فرض کر لیا تقدیراً بھئی۔ تو حَذَاجِرُ کے جواب کی بنیاد کس بات پر ہے؟ کہ جمع ہونا

عام ہے چاہے فی الحال ہو چاہے اصلِ وضع میں ہو۔ سَرَاوِيلُ کے اندر ایک جواب کی بنیاد اس بات پر ہے کہ جمع ہونا عام ہے چاہے حقیقتاً ہو چاہے حکماً ہو، اور دوسرے جواب کی بنیاد اس بات پر ہے کہ جمع ہونا عام ہے چاہے حقیقتاً ہو چاہے تقدیراً ہو بھئی۔ بات سمجھ میں آگئی؟ آگے دیکھیے بھئی۔

کہتے ہیں: وَنَحْوُ جَوَارٍ أَيْ كُلُّ جَمْعٍ مَنْقُوصٍ عَلَى فَوَاعِلَ يَائِيًّا كَانَ أَوْ وَاوِيًّا كَالْجَوَارِي وَالدَّوَاعِي رَفْعًا وَجَرًّا أَيْ فِي حَالَتَيِ الرَّفْعِ وَالْجَرِّ۔ اب جَوَارٍ کے بارے میں آپ کو بتلائیں گے۔ پیچھے سَرَاوِيلُ کا ذکر آیا تھا، تو جیسے سَرَاوِيلُ کے منصرف اور غیر منصرف ہونے میں اختلاف تھا، اسی طرح یاد رکھو یہ جو جَوَارٍ ہے اس کے منصرف اور غیر منصرف ہونے میں بھی اختلاف ہے، اس لیے اس کو بھی یہاں پر صاحبِ کافیہ نے ذکر کر دیا۔ بات سمجھ میں آگئی؟ جَوَارٍ کو کیوں ذکر کیا؟ کہ جس طرح سَرَاوِيلُ کے منصرف اور غیر منصرف ہونے میں اختلاف تھا، اسی طرح جَوَارٍ کے بھی منصرف اور غیر منصرف ہونے میں اختلاف ہے، اس لیے اس کو یہاں ذکر کیا۔

یاد رکھو جَوَارٍ سے کیا مراد ہے؟ جَوَارٍ سے مراد ہر وہ جمعِ منقوص ہے یعنی ناقص ہے جو فَوَاعِلُ وزن پر آئے۔ کس وزن پر؟ فَوَاعِلُ پر، اور منقوص ہو یعنی ناقص ہو، اور ناقص کسے کہتے ہیں؟ جس کے آخر میں حرفِ علت آئے۔ معلوم ہوا اس کے آخر میں بھی حرفِ علت آئے گا، اور واؤ بھی آسکتا ہے اور یا بھی۔ تو یہ جمعِ منقوص واوی ہو یا یائی اس کے بارے میں اب آپ کو بتلائیں گے بھئی۔ جیسے جَوَارِي اور دَوَاعِي۔ جَوَارِي یہ جمع ہے جَارِيَةٌ کی۔ جَرَى يَجْرِي کے معنی ہیں زمین پر بہنا۔ پانی زمین پر بہتا ہے، يَجْرِي الْمَاءُ عَلَى الْأَرْضِ، پانی زمین پر بہتا ہے۔ تو اسی سے اسمِ فاعل آئے گا جَارٍ اور جَارِيَةٌ بھئی، تو یہ جَارِيَةٌ کی جمع ہے جَوَارِي۔ اور اسی طرح دَوَاعِي جمع ہے دَاعِيَةٌ کی، اور دَاعِيَةٌ یہ اسمِ فاعل ہے اور یہ واوی ہے بھئی واوی۔ جَارِيَةٌ تو یائی تھا جَرَى يَجْرِي، اور دَعَا يَدْعُو یہ واوی ہے۔ تو یہ دَوَاعِي اصل میں تھا دَوَاعِوُ، آخر میں واؤ تھا، اور پھر واؤ ماقبل کسرہ تھا تو اس واؤ کو یا سے بدل دیا گیا تو دَوَاعِي ہوا بھئی۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ تو جَوَارٍ سے کیا مراد ہے؟ ہر وہ جمعِ ناقص جو فَوَاعِلُ وزن پر آئے چاہے یائی ہو چاہے واوی ہو۔

اس کے بارے میں تفصیل یاد رکھیں: یہ جو جَوَارٍ جیسے لفظ ہیں یہ قَاضٍ کی طرح ہیں۔ جیسے قَاضٍ میں آپ نے پڑھا ہے کہ حالتِ رفعی اور جری میں یا گر جاتی ہے اور تنوین آجاتی ہے: جَاءَنِي قَاضٍ، جَاءَنِي قَاضٍ، رَأَيْتُ قَاضِيًا، اور مَرَرْتُ بِقَاضٍ۔ جَاءَنِي قَاضٍ یہ دیکھو قَاضٍ حالتِ رفعی میں ہے۔ اصل میں کیا تھا؟ قَاضِيٌ تھا۔ پھر یا پر ضمہ ثقیل تھا اس کو گرا دیا، یا ساکن ہوئی، اور آگے نونِ تنوین بھی ساکن ہے، تو اجتماعِ ساکنین عَلَى غَيْرِ حَدِّهِ آیا۔ کیا بن گیا؟ قَاضِينْ۔ تو اجتماعِ ساکنین عَلَى غَيْرِ حَدِّهِ آیا، اول حرفِ مدہ تھی یا اس کو گرا دیا تو کیا بن گیا؟ قَاضِ۔ اس کو لکھتے کس طرح ہیں؟ قاف، الف اور ضاد کے نیچے دو زیر لکھ دیتے ہیں قَاضِ، یا نہیں لکھتے بھئی۔ تو جَاءَنِي قَاضٍ، رَأَيْتُ قَاضِيًا، ہاں فتحہ خفیف ہے یا پر وہ آئے گا وہ نہیں گرے گا۔ اور جر جو ہے مَرَرْتُ بِقَاضٍ، اس کی جر کے اندر بھی اسی طرح یا گر جائے گی اور ضاد کے نیچے تنوین آجائے گی۔ تو مَرَرْتُ بِقَاضٍ اصل میں کیا تھا؟ مَرَرْتُ بِقَاضِيٍ بھئی، پھر یا پر کسرہ ثقیل تھا اس کو گرا دیا تو کیا بن گیا؟ قَاضِينْ، یا اور نون دو

ساکن اکٹھے ہوئے اور اجتماعِ ساکنین آیا اول مدہ تھا اس کو یعنی یا اس کو گرا دیا کیا بن گیا؟ قَاضٍ ہو گیا۔ اسی طرح یاد رکھو یہ جو جَوَارِي اور دَوَاعِي جیسے لفظ ہیں یہ بھی حالتِ رفعی اور جری میں قَاضٍ کی طرح ہیں۔ جیسے قَاضٍ کے آخر سے یا گر جاتی تھی اور یا سے ماقبل والے حرف کے نیچے تنوین آجاتی تھی، اسی طرح جَوَارٍ حالتِ رفعی میں کہیں گے جَوَارٍ، حالتِ جری میں بھی اسی طرح کہیں گے جَوَارٍ، اور حالتِ نصبی میں پڑھیں گے جَوَارِيَ، غیر منصرف ہے۔ جیسے قَاضِيًا وہاں یا پر فتحہ پڑھتے تھے تو یہاں پر بھی یا پر فتحہ آئے گا بھئی۔ تو حالتِ رفعی میں کیسے پڑھیں گے؟ جَوَارٍ۔ حالتِ جری میں کیسے پڑھیں گے؟ جَوَارٍ۔ اور حالتِ نصبی میں؟ جَوَارِيَ، رَأَيْتُ جَوَارِيَ۔ اب یاد رکھو حالتِ نصبی میں تو بالاتفاق یہ غیر منصرف ہے۔ جَوَارِيَ کون سا وزن ہے؟ فَوَاعِلَ، فَوَاعِلُ وزن ہے جمع منتہی الجموع والا وزن ہے۔ تو حالتِ

نصبی میں تو یہ بالاتفاق غیر منصرف ہے۔ ہاں حالتِ رفعی اور جری میں جب اس کی یا گر چکی ہے، تو اس وقت یہ منصرف ہے یا غیر منصرف؟ تو علماء کے دو گروہ ہیں بھئی۔ تو حالتِ رفعی اور جری میں اختلاف ہے۔ بعض علماء فرماتے ہیں کہ اس وقت یہ منصرف ہے، اور بعض فرماتے ہیں کہ یہ غیر منصرف ہے۔ یہاں تک بات سمجھ میں آگئی؟ تو حالتِ نصبی میں تو بالاتفاق یہ غیر منصرف، اور حالتِ رفعی اور جری کے اندر جب کہ یا گر چکی ہے اور یا سے ماقبل پر تنوین آگئی ہے، اس حالت میں بعض علماء فرماتے ہیں یہ منصرف ہے اور بعض فرماتے ہیں یہ غیر منصرف ہے بھئی۔

دیکھیے بھئی کتاب پر، پہلے متن متن دیکھ لیں۔ کہتے ہیں: وَنَحْوُ جَوَارٍ رَفْعًا وَجَرًّا كَقَاضٍ۔ اور جوارین جیسے الفاظ جو ہیں—میں نے بتلایا جوارین سے کیا مراد ہے: ہر جمعِ منقوص جو فَوَاعِلُ وزن پر ہو، چاہے یائی ہو چاہے واوی ہو—یہ جو ہے رَفْعًا وَجَرًّا، رفع اور جر کی حالت میں كَقَاضٍ، یہ کس کی طرح ہیں؟ قَاضٍ کی طرح ہیں۔ کیسے اس کی طرح ہیں؟ جیسے قَاضٍ کے آخر سے یا گر جاتی ہے اور یا سے ماقبل پر تنوین آجاتی ہے، تو اس کے اندر بھی اسی طرح ہے بھئی۔ تو کہتے ہیں: وَنَحْوُ جَوَارٍ رَفْعًا وَجَرًّا كَقَاضٍ، تو جوارین جیسے الفاظ جو ہیں رفع اور جر کی حالت میں قاضی کی طرح ہیں۔

جی اب شرح کے ساتھ دیکھیے۔ کہتے ہیں: وَنَحْوُ جَوَارٍ أَيْ كُلُّ جَمْعٍ مَنْقُوصٍ عَلَى فَوَاعِلَ، یعنی ہر ایسی جمعِ منقوص عَلَى فَوَاعِلَ جو فَوَاعِلُ وزن پر آئے، يَائِيًّا كَانَ أَوْ وَاوِيًّا، چاہے وہ یائی ہو چاہے واوی ہو، كَالْجَوَارِي وَالدَّوَاعِي، جیسے کہ جَوَارِي اور دَوَاعِي ہیں۔ كَالْجَوَارِي یا کو ساکن پڑھنا، وَالدَّوَاعِي یا کو ساکن پڑھنا، کس کی طرح ہے؟ قاضی کی طرح ہے۔ توجہ ہے؟ بھئی یہ اس وقت غیر منصرف ہیں بھئی جَوَارِي اور دَوَاعِي، لیکن ان پر الف لام آگیا، اور الف لام جب آجائے تو غیر منصرف پر کسرہ آجاتا ہے، اور کسرہ تو یا پر ثقیل ہے تو وہ کسرہ نہیں پڑھیں گے یا کو ساکن پڑھیں گے۔ جبکہ بعض کہتے ہیں کہ جب الف لام اور اضافت ہو جائے تو غیر منصرف وہ منصرف ہی بن جاتا ہے بھئی۔ تو کہتے ہیں: كَالْجَوَارِي وَالدَّوَاعِي جیسے کہ جَوَارِي اور دَوَاعِي ہیں۔

رَفْعًا وَجَرًّا۔ بھئی رَفْعًا وَجَرًّا یہ منصوب ہیں، کس وجہ سے ان پر نصب ہے؟ آگے صاحبِ جامی بتلا رہے ہیں: أَيْ فِي

حَالَتَيِ الرَّفْعِ وَالْجَرِّ۔ اصل میں تھا فِي حَالَتَيْنِ، دو حالتیں ہیں کون سی؟ الرَّفْعِ وَالْجَرِّ۔ پھر حَالَتَيْنِ کی اضافت کر دی الرَّفْعِ وَالْجَرِّ کی طرف تو نون اضافت سے گر گیا، تو اب یا کے نیچے کسرہ پڑھیں گے کیونکہ السَّاكِنُ إِذَا حُرِّكَ حُرِّكَ بِالْكَسْرِ: أَيْ فِي حَالَتَيِ الرَّفْعِ وَالْجَرِّ، یعنی رفع اور جر کی دو حالتوں میں، یعنی رفع اور جر کی دو حالتوں میں۔ یہ صاحبِ جامی فرما رہے ہیں کس کے بعد؟ متن میں آیا رَفْعًا وَجَرًّا، دراصل یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ رَفْعًا وَجَرًّا پر جو نصب آ رہا ہے وہ مفعول فیہ ہونے کی وجہ سے ہے۔ مفعول فیہ کیا ہوتا ہے؟ منصوب، وہ ظرف بنتا ہے، اور یہاں دراصل مضاف محذوف ہے: رَفْعًا أَيْ حَالَةَ الرَّفْعِ، وَجَرًّا أَيْ حَالَةَ الْجَرِّ۔ تو مضاف حالت کا لفظ مضاف نکال لیں گے اور وہ منصوب ہے اور یہ مضاف الیہ ان کو بنا دیں۔ اور آگے پھر فِي لے آئے بھئی، فِي کس لیے آتا ہے؟ ظرفیّت کے لیے آتا ہے کہ ما بعد ما قبل کے لیے ظرف ہے۔ تو کہتے ہیں: رَفْعًا وَجَرًّا أَيْ فِي حَالَتَيِ الرَّفْعِ وَالْجَرِّ، یعنی رفع اور جر کی دو حالتوں میں۔

كَقَاضٍ، قاضی کی طرح ہے۔ بھئی قاضی کی طرح کیسے ہے؟ قاضی کی طرح کیسے ہے؟ جَوَارٍ تو جمع ہے اور قَاضٍ تو مفرد ہے۔ اور جَوَارٍ کے اندر تو اختلاف ہے منصرف اور غیر منصرف ہونے میں، اور قَاضٍ تو منصرف ہے اس پر تو سب کا اتفاق ہے۔ تو آگے بتلا رہے ہیں: أَيْ حُكْمُهُ حُكْمُ قَاضٍ، یعنی اس کا حکم قاضی کے حکم کی طرح ہے۔ تو یہ جو تشبیہ دے رہے ہیں جَوَارٍ کو قَاضٍ کے ساتھ یہ منصرف و غیر منصرف ہونے میں نہیں ہے، یہ مفرد یا جمع ہونے میں نہیں ہے، بلکہ حکم کے اندر تشبیہ دے رہے ہیں کہ جَوَارٍ حکم میں کس کی طرح ہے؟ قَاضٍ کی طرح ہے۔ جیسے قَاضٍ میں آخر سے یا گرتی ہے اور پھر تنوین آجاتی ہے ما قبل پر، اسی طرح جَوَارٍ میں بھی یا گرتی ہے اور تنوین آجاتی ہے حالتِ رفعی اور جری میں۔ تو کہتے ہیں: أَيْ حُكْمُهُ حُكْمُ قَاضٍ بِحَسَبِ الصُّورَةِ، یعنی اس کا حکم قاضی کا حکم ہے یعنی اس کی طرح کا حکم ہے بِحَسَبِ الصُّورَةِ صورت کے اعتبار سے، فِي حَذْفِ الْيَاءِ عَنْهُ وَإِدْخَالِ التَّنْوِينِ عَلَيْهِ، یعنی اس سے یا کے حذف ہونے میں وَإِدْخَالِ التَّنْوِينِ عَلَيْهِ اور اس پر تنوین کے داخل کرنے میں۔ بات سمجھ میں آ رہی ہے؟ پھر ترجمہ دیکھ لیں: أَيْ حُكْمُهُ حُكْمُ قَاضٍ بِحَسَبِ الصُّورَةِ فِي حَذْفِ الْيَاءِ عَنْهُ وَإِدْخَالِ التَّنْوِينِ عَلَيْهِ، جَوَارٍ کا حکم جو ہے وہ قَاضٍ کا حکم ہے صورت کے اعتبار سے اس سے یا کے حذف کرنے میں اور اس پر تنوین کے داخل کرنے میں۔ تَقُولُ، آپ کہتے ہیں: جَاءَتْنِي جَوَارٍ وَمَرَرْتُ بِجَوَارٍ، دیکھو جَاءَتْنِي جَوَارٍ حالتِ رفعی ہے، وَمَرَرْتُ بِجَوَارٍ حالتِ جری ہے با جارہ داخل ہے، كَمَا تَقُولُ جیسے آپ کہتے ہیں: جَاءَنِي قَاضٍ وَمَرَرْتُ بِقَاضٍ، دیکھو اس میں بھی جَاءَنِي قَاضٍ حالتِ رفعی ہے وَمَرَرْتُ بِقَاضٍ یہ حالتِ جری ہے بھئی۔

وَأَمَّا فِي حَالَةِ النَّصْبِ فَالْيَاءُ مُتَحَرِّكَةٌ مَفْتُوحَةٌ، اور باقی نصب والی جو حالت ہے تو اس کے اندر یا متحرک ہوتی ہے اور مفتوح ہوتی ہے، نَحْوُ جیسے کہ رَأَيْتُ جَوَارِيَ، رَأَيْتُ جَوَارِيَ۔ فَلَا إِشْكَالَ فِي حَالَةِ النَّصْبِ، تو کہتے ہیں حالتِ نصب میں تو کوئی اشکال نہیں، لِأَنَّ الِاسْمَ غَيْرُ مُنْصَرِفٍ، کیونکہ اسم یہ جَوَارِيَ غیر منصرف ہے۔ کیوں؟ غیر منصرف کیوں؟ کہتے ہیں: لِلْجَمْعِيَّةِ مَعَ صِيغَةِ مُنْتَهَى الْجُمُوعِ، جمعیت کے ساتھ جمع منتہی الجموع کا صیغہ ہے بھئی۔ تو یہ حالتِ نصبی میں تو غیر منصرف ہے

بالاتفاق۔ بِخِلَافِ حَالَتَيِ الرَّفْعِ وَالْجَرِّ، بخلاف رفع اور جر کی دو حالتوں کے، فَإِنَّهُ قَدِ اخْتُلِفَ فِيهِ، کیونکہ اس کے اندر تحقیق اختلاف کیا گیا ہے، اس کے اندر اختلاف کیا گیا ہے۔

تو دیکھو حالتِ رفعی اور جری میں جَوَارٍ کے اندر اختلاف ہے بھئی۔ حالتِ نصبی میں تو بالاتفاق یہ غیر منصرف ہے، جیسے رَأَيْتُ جَوَارِيَ، تو یہ بالاتفاق غیر منصرف ہے کیونکہ یہ جمع بھی ہے، صیغہ بھی منتہی الجموع کا ہے اور بغیرہا کے ہے۔ تو حالتِ نصبی میں یوں پڑھیں گے: رَأَيْتُ جَوَارِيَ، یہ غیر منصرف ہے بالاتفاق۔ البتہ حالتِ رفعی اور جری میں جب اس کے اندر اعلال ہو چکا، اعلال کی وجہ سے آخر سے یا گر گئی اور کیا رہ گیا؟ جَوَارٍ۔ تو حالتِ رفعی میں بھی پڑھتے ہیں جَوَارٍ، حالتِ جری میں بھی پڑھتے ہیں جَوَارٍ۔ تو حالتِ رفعی اور جری میں اس کے اندر اعلال ہوا ہے اور یا گر گئی ہے۔ اعلال کسے کہتے ہیں؟ یہ سمجھ لیں بھئی۔ یاد رکھو حروفِ علت تین ہیں: واؤ، الف اور یا۔ ان حروفِ علت کے اندر کسی قسم کی کوئی تبدیلی کر دی جائے تو اس کو اعلال کہتے ہیں، کیا کہتے ہیں؟ اعلال کہتے ہیں۔ جیسے دیکھو قَالَ اصل میں کیا تھا؟ قَوَلَ تھا، واؤ متحرک ما قبل فتحہ، اس واؤ کو الف سے بدل دیا کیا بن گیا؟ قَالَ۔ تو ہم کہیں گے یہ قَالَ کے اندر اعلال ہوا ہے۔ اسی طرح بَاعَ اصل میں کیا تھا؟ بَيَعَ، یا متحرک ما قبل فتحہ، اس کو کس سے بدلا؟ الف سے، تو کیا بن گیا؟ بَاعَ۔ تو ہم کہتے ہیں بَاعَ کے اندر اعلال ہوا ہے۔ دیکھو قَالَ کے اندر واؤ بدلا اور بَاعَ کے اندر یا بدلی ہے بھئی۔ تو یاد رکھو یہ جو حروفِ علت ہیں واؤ، الف اور یا، ان کے اندر کسی بھی قسم کی کوئی تبدیلی ہو جائے اس کو اعلال کہتے ہیں، کیا کہتے ہیں؟ اعلال کہتے ہیں، چاہے ان سے صرف حرکت گر جائے، مثلاً واؤ اور یا متحرک تھے اور ان سے حرکت گرا دی یعنی ضمہ یا کسرہ جو ہے واؤ اور یا پر ثقیل ہیں وہ گرا دیا، یا حرفِ علت کو حذف کر دیا، یا حرفِ علت کو بدل دیا کوئی دوسرا حرف اس کی جگہ آگیا جیسے قَالَ، تو اس میں واؤ کس سے بدل گیا؟ الف سے بدل گیا۔ تو حروفِ علت میں کسی بھی قسم کی کوئی تبدیلی آجائے، چاہے صرف اس کی حرکت کو گرا دیں، چاہے اس حرفِ علت کو حذف کر دیں، چاہے اس حرفِ علت کی جگہ کوئی اور حرف لے آئیں، تو ان سب کو اعلال کہتے ہیں۔ تو حرفِ علت میں کسی قسم کی کوئی تبدیلی ہو جائے اسے کیا کہتے ہیں؟ اعلال۔ اور کبھی کبھار مطلق تبدیلی کو بھی اعلال کہہ دیتے ہیں، کلمے میں کسی بھی قسم کی کوئی تبدیلی ہو اس کو بھی اعلال کہہ دیا جاتا ہے۔ تو بہرحال اعلال جو ہے اصل میں حروفِ علت میں جو تبدیلی ہو اس کو کہا جاتا ہے۔

اب دیکھو حالتِ رفعی اور جری میں جَوَارٍ پڑھتے ہیں، حالتِ رفعی اور جری میں جَوَارٍ پڑھتے ہیں، دیکھو یا کو گرا دیا تو اس کے اندر معلوم ہوا اعلال ہوا ہے، کیا ہوا ہے؟ یا حرفِ علت ہے اس کو گرا دیا، اور حرفِ علت میں کوئی بھی تبدیلی کی جائے اس کو کیا کہتے ہیں؟ اعلال۔ تو جَوَارٍ کے اندر اعلال ہوا ہے۔ اب حالتِ نصبی میں کیسے پڑھتے ہیں؟ رَأَيْتُ جَوَارِيَ۔ اور رفعی اور جری میں؟ رفعی میں پڑھیں گے جَاءَتْنِي جَوَارٍ، اور حالتِ جری میں کیسے پڑھیں گے؟ مَرَرْتُ بِجَوَارٍ۔ تو حالتِ

رفعی میں بھی جَوَارٍ، حالتِ جری میں بھی جَوَارٍ پڑھیں گے۔ تو اب یہ جب اس کے اندر اعلال ہو گیا تو اب یہ منصرف ہے یا غیر منصرف؟ اب تو یا گر چکی ہے، تو اس میں علماء کا اختلاف ہے۔ بعض علماء فرماتے ہیں کہ اس وقت یہ منصرف ہے، اور بعض علماء فرماتے ہیں کہ اس وقت یہ غیر منصرف ہے بھئی۔ جَوَارٍ میں اعلال ہو چکا ہے، یا گر چکی ہے، اب اعلال ہونے کے بعد یہ منصرف ہے یا غیر منصرف؟ تو بعض علماء فرماتے ہیں یہ اس وقت منصرف ہے بھئی، اور بعض کیا فرماتے ہیں یہ اس وقت غیر منصرف ہے بھئی۔

تفصیل یاد رکھو، اس کے اندر تین مذاہب ہیں بھئی۔ پہلا مذہب ہے امام زجاج کا بھئی۔ تو پہلا مذہب امام زجاج کا ہے، وہ فرماتے ہیں کہ جَوَارٍ حالتِ رفعی اور جری میں منصرف ہے، حالتِ رفعی اور جری میں منصرف ہے۔ مثلاً حالتِ رفعی ہے جَاءَتْنِي جَوَارٍ، یہ اصل میں تھا جَوَارِيٌ، حالتِ رفعی میں جَوَارِيٌ تھا بھئی، کیونکہ اسم کے اندر اصل یہ ہے کہ وہ منصرف ہو بھئی۔ تو یہ اپنی اصل پر تھا یعنی تنوین کے ساتھ تھا۔ بھئی ایک ہے منصرف، ایک ہے غیر منصرف۔ منصرف جو ہے اس پر تنوینِ تمکن آتی ہے یعنی تنوینِ صرف، اسی کو تنوینِ صرف بھی کہتے ہیں اور تنوینِ تمکن بھی۔ یہ غُلَامٌ، زَيْدٌ وغیرہ پر جو تنوین آ رہی ہے یہ ہمیں بتلا رہی ہے کہ یہ غیر منصرف نہیں ہے بلکہ منصرف ہے، کیونکہ غیر منصرف پر کسرہ بھی نہیں آتا اور تنوین بھی نہیں آتی۔ تو جَوَارِيٌ، جَوَارِيٌ ابھی کلمہ بن رہا ہے، توجہ ہے، ابھی کلمہ بنا نہیں اس میں اعلال وغیرہ کچھ نہیں ہوا، تو یہ کلمہ اپنی اصل پر تھا، اور اصل کیا ہے اسم کے اندر؟ منصرف ہونا، تو جَوَارِيٌ تو یہ تنوین کے ساتھ ہے، یہ کس کے ساتھ ہے؟ کیونکہ اصل ہے اسم میں منصرف ہونا، اور یہ تنوین بھی کون سی ہے؟ تنوینِ صرف ہے بھئی۔ بات سمجھ میں آ گئی؟

تو وہ فرماتے ہیں کہ حالتِ رفعی میں مثلاً یہ جَوَارِيٌ تھا، منصرف تھا، یا پر تنوین آ رہی ہے۔ اب ایک ہوتا ہے اعلال اور ایک ہے غیر منصرف ہونا۔ غیر انصراف چاہتا ہے کہ یہ جَوَارِيٌ سے تنوین گر جائے کیونکہ غیر منصرف پر تنوین نہیں آتی، توجہ ہے؟ اور ایک ہے اعلال، اعلال یہ تقاضا کرتا ہے کہ یا پر ضمہ ثقیل ہے، ضمہ بھی یا پر ثقیل ہوتا ہے کسرہ بھی ثقیل ہوتا ہے، تو اس ضمے کو گرا دو۔ توجہ ہے؟ دو چیزیں آ گئیں: جَوَارِيٌ اپنی اصل پر ہے، اصل ہے اسم کے اندر منصرف ہونا، تو مثلاً حالتِ رفعی میں جَوَارِيٌ تھا بھئی۔ اور اب اس کے اندر اس کے آخر میں تنوین آ رہی ہے، اور یہ تنوین کون سی ہے؟ تنوینِ صرف ہے کیونکہ اسم کے اندر اصل یہ ہے کہ وہ منصرف ہوتا ہے، تو یہ تنوینِ صرف ہے۔ اب لفظِ جَوَارِيٌ اس کی طرف دو چیزیں متوجہ ہو رہی ہیں: ایک اعلال اور ایک غیر انصراف۔ اعلال تقاضا کر رہا ہے کہ جَوَارِيٌ، یا پر ضمہ ثقیل ہے اس ضمے کو گرا دو، توجہ ہے؟ اور ایک ہے غیر انصراف، غیر انصراف چاہتا ہے کہ جَوَارِيٌ سے تنوین گرا دو کیونکہ یہ جمع ہے، جمع منتہی الجموع کا صیغہ ہے اور یہ غیر منصرف ہوتا ہے، لہٰذا اس پر تنوین نہیں آنی چاہیے اس کو غیر منصرف بنا دو۔ ابھی تو منصرف ہے لیکن اس کو کیا بنا دو؟ غیر منصرف بنا دو، کیونکہ جمع بھی ہے اور جمع کی شرطیں بھی پوری ہیں، صیغہ منتہی الجموع کا ہے اور بغیر ہا کے ہے۔ تو دو چیزیں متوجہ ہوئیں: اعلال کیا تقاضا کر رہا ہے؟ یا سے ضمہ گرا دو۔ اور غیر انصراف

کیا تقاضا کر رہا ہے؟ کہ اس سے تنوین گرا دو۔ تو یاد رکھو یہ پہلے مذہب والوں کے نزدیک اعلال مقدم ہے غیر انصراف پر، اعلال مقدم ہے غیر انصراف پر۔ پہلے اعلال کیا جائے گا، اس کے بعد غیر منصرف بنایا جائے گا اگر غیر منصرف بن سکتا ہے۔ بھئی کیوں؟ اعلال کیوں مقدم ہے غیر انصراف پر؟ تو وہ فرماتے ہیں کہ اعلال کا

تعلق کلمے کی ذات سے ہے بھئی۔ کلمہ ابھی بن رہا ہے بھئی، اعلال کے بعد اس کی صورت ایک بنے گی، جیسے قَالَ اصل میں کیا تھا؟ قَوَلَ تھا، پھر اس کے بعد اس میں اعلال ہوا اور قَالَ کلمے کی صورت ایک بن گئی۔ اسی طرح یہاں پر بھی ایک ہے اعلال ایک ہے غیر انصراف۔ اعلال کا تعلق کلمے کی ذات سے ہے کیونکہ ابھی کلمہ بن رہا ہے، جب کلمہ بن جائے گا پھر اس کے بعد ہم دیکھیں گے کہ یہ غیر منصرف ہے یا غیر منصرف نہیں، تو اس کے بعد پھر یعنی غیر انصراف کا حکم لگے گا۔ تو پہلے مذہب والوں کے نزدیک اعلال مقدم ہے غیر انصراف پر۔ کیوں؟ کیا وجہ میں نے ذکر کی؟ کیونکہ اعلال کا تعلق کلمے کی ذات سے ہے۔ یاد رکھو اعلال کا تعلق کلمے کی ذات سے ہے اور غیر منصرف ہونا یہ کلمے کی صفت ہوتی ہے کہ کلمہ کبھی منصرف ہو گا کبھی غیر منصرف ہو گا۔ تو اعلال کا تعلق کلمے کی ذات سے اور غیر انصراف جو ہے اس کا تعلق کلمے کی صفت کے ساتھ ہے، اور ذات مقدم ہوتی ہے صفت پر۔ ذات ہے تو اس کی کوئی صفت بھی ہے، ذات نہیں تو اس کی صفت بھی نہیں۔ تو لہٰذا جب ذات مقدم ہے تو جس چیز کا تعلق ذات سے ہو گا وہ بھی مقدم ہو گی، اعلال کا تعلق ذات سے ہے تو اعلال مقدم ہو گا، اور صفت مؤخر ہے تو جس چیز کا تعلق صفت سے ہو گا وہ بھی مؤخر ہو گی، تو غیر انصراف کا تعلق کس سے ہے؟ کلمے کی صفت سے ہے، لہٰذا غیر انصراف مؤخر ہو گا۔ توجہ ہے؟ پھر سنیں: ایک ہے کلمے کی ذات ایک ہے اس کی صفت۔ ذات مقدم ہے اور صفت مؤخر، تو جب ذات مقدم ہے تو جس چیز کا تعلق ذات سے ہو گا وہ بھی مقدم ہو گی، اور جب صفت مؤخر ہے تو جس چیز کا تعلق صفت سے ہو گا وہ بھی مؤخر ہو گی۔ اعلال کا تعلق کلمے کی ذات سے ہے اس لیے یہ مقدم ہے، اور غیر انصراف کا تعلق کلمے کی صفت سے ہے اس لیے وہ مؤخر ہے۔

چنانچہ وہ فرماتے ہیں پہلے اعلال کیا جائے گا پھر اس کے بعد غیر انصراف والا حکم لگائیں گے اگر اس پر لگ سکا بھئی۔ چنانچہ وہ فرماتے ہیں مثلاً حالتِ رفعی میں آپ کہتے ہیں جَاءَنِي جَوَارٍ، حالتِ رفعی میں اصل میں یہ جَوَارٍ کیا تھا؟ جَوَارِيٌ تھا۔ پھر اعلال کیا چاہتا ہے کہ یا سے ضمہ گرا دیں، اور غیر انصراف کیا چاہتی ہے کہ یا سے تنوین گرا دیں۔ اور کیا مقدم ہے؟ اعلال مقدم ہے۔ چنانچہ پہلے اعلال کیا گیا اور یا سے ضمے کو گرا دیا گیا۔ تو جَوَارِيٌ سے یا سے ضمہ گرایا تو یا بھی ساکن اور آگے نون بھی ساکن، تو کیا بن گیا؟ جَوَارِينْ بن گیا۔ یا بھی ساکن نون بھی ساکن، اجتماعِ ساکنین عَلَى غَيْرِ حَدِّهِ آیا بھئی۔ بات سمجھ میں آ رہی ہے؟ تو ایک ہوتا ہے اجتماعِ ساکنین عَلَى حَدِّهِ ایک عَلَى غَيْرِ حَدِّهِ۔ اجتماعِ ساکنین عَلَى حَدِّهِ وہ ہوتا ہے جس میں اول ساکن مدہ ہو اور ثانی مدغم ہو، ثانی کیا ہو؟ مدغم ہو، جیسے مَادَّةٌ، الف بھی ساکن اور الف کے بعد پہلا دال

بھی ساکن کیونکہ حروفِ مد غم دراصل کتنے حروف ہوتے ہیں؟ دو، جن میں سے پہلا ساکن ہوتا ہے اور ثانی متحرک ہوتا ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو دیکھو مَادَّةٌ یہ اجتماعِ ساکنین عَلَى حَدِّهِ ہے، یہ اسی طرح عربی میں استعمال ہوگا۔ تو یہ اجتماعِ ساکنین عَلَى حَدِّهِ ہے۔ اور اس کے علاوہ جو اجتماعِ ساکنین آئے وہ عَلَى غَيْرِ حَدِّهِ ہے، اس میں اگر اول حرفِ مدہ ہو تو اس کو گرا دیتے ہیں، اور اگر مدہ نہ ہو تو پھر السَّاكِنُ إِذَا حُرِّكَ حُرِّكَ بِالْكَسْرِ تو پھر پہلے کو کسرہ والی حرکت دے دیتے ہیں۔ تو کیا بن گیا؟ جَوَارِينْ بن گیا۔ اب یہ یا بھی ساکن اور نونِ تنوین بھی ساکن، تو اجتماعِ ساکنین عَلَى غَيْرِ حَدِّهِ ہے۔ عَلَى حَدِّهِ میں کیا تھا؟ ثانی کو مدغم ہونا چاہیے، اور یہاں تو ثانی مدغم نہیں ہے، تو لہٰذا اجتماعِ ساکنین عَلَى غَيْرِ حَدِّهِ آیا، اول حرفِ مدہ تھی یعنی یا اس کو گرا دیا تو کیا رہ گیا؟ جَوَارٍ، جَوَارٍ۔ پہلے کیا تھا؟ جَوَارِينْ، اب صرف یا کو گرا دو کیا بن گیا؟ جَوَارٍ، اور اس کو لکھتے بھی کس طرح ہیں؟ جیم، واؤ، الف اور را کے نیچے دو زیر لکھ دیتے ہیں یعنی تنوین لکھ دیتے ہیں، بات سمجھ میں آگئی۔

تو جَوَارٍ ہو گیا۔ تو امام زجاج فرماتے ہیں کہ جب اعلال ہو گیا اب الف کے بعد صرف را ہے ایک حرف ہے، اب وزن ہی نہ رہا جمع منتہی الجموع والا، اب تو یہ مفرد والا وزن بن گیا: جَوَارٍ بروزنِ سَلَامٍ وكَلَامٍ۔ دیکھو سَلَامٌ اور كَلَامٌ یہ تو مفرد ہیں، تو جَوَارٍ کس وزن پر ہوا؟ سَلَامٌ اور كَلَامٌ کے وزن پر ہوا، تو یہ مفرد کا وزن ہے۔ اب تو جمع منتہی الجموع کا وزن ہی باقی نہیں رہا، اور جمع سبب بنتی تھی غیر انصراف کا اس کی شرط کیا تھی کہ صیغہ کون سا ہونا چاہیے؟ جمع منتہی الجموع والا۔ اب تو وہ صیغہ ہی نہیں رہا، اب تو صورت کس جیسی بن گئی؟ مفرد جیسی بن گئی، لہٰذا یہ جَوَارٍ جو ہے حالتِ رفعی اور جری میں منصرف ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ اور اس پر جو تنوین آرہی ہے جَوَارٍ کے را کے نیچے دو تنوین ہے، یہ تنوینِ صرف ہے، یہ وہی تنوینِ تمکن ہے بھئی۔ جَوَارِيٌ اعلال سے پہلے وہ بھی تنوینِ صرف تھی، اور ابھی بھی جَوَارٍ یہ بھی کیا ہے؟ تنوینِ صرف کیونکہ یہ غیر منصرف ہے ہی نہیں یہ تو منصرف ہے بھئی۔ غیر منصرف ہوتا تو ہم کہتے غیر منصرف پر تو تنوین نہیں آسکتی، لیکن یہ تو منصرف ہے، تو یہ منصرف ہے تو اعلال سے پہلے جو تنوین تھی وہ بھی تنوینِ صرف تھی، اور اعلال کے بعد جو ہے وہ بھی تنوینِ صرف ہے کیونکہ یہ کلمہ منصرف ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ حاصلِ کلام کیا ہوا امام زجاج کا؟ امام زجاج رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جَوَارٍ جیسے الفاظ جو ہیں وہ قبل الاعلال بھی منصرف اور بعد الاعلال بھی منصرف، اس لیے کیونکہ اعلال کے بعد اب جمع والی صورت ہی نہیں رہی بلکہ یہ تو مفرد کی صورت بن گئی جَوَارٍ بروزنِ سَلَامٍ اور كَلَامٍ بن گیا، تو جب صیغہ ہی نہیں رہا شرط ہی پوری نہیں ہے تو یہ غیر منصرف نہیں بن سکتا بھئی یہ منصرف ہے، اور اس کے اندر جو تنوین آئی تھی اعلال سے پہلے جو تنوین تھی جَوَارِيٌ وہ بھی تنوینِ صرف تھی کیونکہ اسم کے اندر اصل کیا ہے؟ منصرف ہونا، اور اعلال کے بعد جو تنوین ہے وہ بھی کیا ہے؟ تنوینِ صرف ہے۔ تو یہ امام زجاج رحمہ اللہ کا مذہب ہے بھئی۔

جبکہ دوسرا مذہب ہے امام خلیل ابن احمد، امام سیبویہ اور امام مبرد رحمہم اللہ کا بھئی۔ دوسرے مذہب والے کہتے ہیں

کہ جَوَارٍ حالتِ رفعی اور جری میں اعلال کے بعد اس وقت یہ غیر منصرف ہے، اس وقت یہ کیا ہے؟ غیر منصرف ہے۔ دوسرے مذہب والے فرماتے ہیں کہ حالتِ رفعی میں مثلاً جَوَارِيٌ تھا، کیونکہ اسم کے اندر اصل ہے منصرف ہونا، اور پھر اس کے اندر اعلال ہوا، ان کے نزدیک بھی اعلال مقدم ہے غیر انصراف پر، تو پہلے کیا تھا؟ جَوَارِيٌ۔ یہ تنوین کون سی ہے؟ تنوینِ صرف کیونکہ اسم کے اندر اصل کیا ہے؟ منصرف ہونا۔ پھر اس کے بعد یا پر ضمہ ثقیل تھا اس کو گرا دیا، اعلال کیا بھئی یا کے اندر، پھر اجتماعِ ساکنین آیا یا اور نونِ تنوین کے درمیان جَوَارِينْ بن گیا، پھر یا گر گئی تو کیا بن گیا؟ جَوَارِ۔ تو اب یہ فرماتے ہیں اس وقت یہ غیر منصرف ہے بھئی۔ بھئی غیر منصرف کیسے؟ یہ تو مفرد کا وزن ہے سَلَامٍ اور کَلَامٍ ہے۔ کہتے ہیں بھئی یہ جو یا گری ہے وہ اجتماعِ ساکنین کی وجہ سے گری ہے، یہ یا اجتماعِ ساکنین کی وجہ سے گری ہے، تقدیراً ابھی بھی یا موجود ہے، یا مقدر ہے: قَدَّرَ يُقَدِّرُ تقدیر کا معنی ہے فرض کرنا، یا مقدر ہے یعنی فرض کر لو یہاں پر یا موجود ہے۔ جب یا موجود ہے تو الفِ جمع کے بعد کتنے حروف آ گئے؟ دو

حروف: را بھی ہے اور یا بھی ہے۔ تو یہ جمع بھی ہے، اور جب یا موجود ہے تو صیغہ بھی کون سا؟ جمع منتہی الجموع والا ہوا۔ بھئی لفظوں میں بے شک یا نہیں ہے لیکن تقدیراً یا موجود ہے، تو ابھی بھی صیغہ کون سا ہے تقدیراً؟ جمع منتہی الجموع والا۔ جب یہ جمع منتہی الجموع والا صیغہ ہے تو جمع کی شرطیں پوری ہو گئیں۔ جمع دو سببوں کے قائم مقام ہوتی ہے لیکن کتنی شرطیں تھیں؟ ایک تو یہ کہ صیغہ جمع منتہی الجموع کا ہو اور دوسرا آخر میں ہا جڑی ہوئی یعنی آخر میں تائے تانیث جڑی ہوئی نہ ہو، اور جَوَارٍ کے اندر بھی یا تقدیراً موجود ہے، یہ جمع بھی ہے، صیغہ بھی جمع منتہی الجموع کا ہے، اور آخر میں تائے تانیث بھی جڑی ہوئی نہیں ہے، تو یہ غیر منصرف ہے۔

اور پھر وہ کہتے ہیں کہ شروع میں جَوَارِيٌ وہ جو تنوین تھی وہ تو تھی تنوینِ صرف کیونکہ اسم کے اندر اصل ہے منصرف ہونا، تو وہ تنوینِ صرف تھی۔ پھر جب اعلال ہوا، اب اعلال ہو گیا کیا بن گیا؟ جَوَارٍ، توجہ ہے؟ پہلے کیا تھا؟ جَوَارِيٌ، تنوین کون سی تھی؟ تنوینِ صرف۔ پھر اعلال ہو گیا کیا بن گیا؟ جَوَارٍ۔ اور اب اس پر غیر انصراف والا حکم لگ گیا کہ یہ کیا ہے؟ غیر منصرف۔ کہتے ہیں جب اس پر غیر منصرف والا حکم لگا تو اس کے آخر میں ابھی تک یہ تنوینِ تمکن تھی تنوینِ صرف تھی، جب اس کو غیر منصرف قرار دیا غیر منصرف کا حکم اس پر لگ گیا، دیکھو نا اعلال مقدم ہے کس پر؟ غیر انصراف پر۔ پہلے اعلال ہوا کیا بن گیا؟ جَوَارٍ، اب اعلال ہو چکا، اب کیا حکم لگ گیا؟ یہ غیر منصرف ہے، دوسرے مذہب والوں کے نزدیک اب یہ کیا ہے؟ غیر منصرف۔ جب غیر منصرف ہے تو غیر منصرف پر تو کسرہ اور تنوین نہیں آتے، تو جَوَارٍ کے آخر سے بھی تنوین گر گئی، جَوَارٍ کے آخر سے تنوین گر گئی۔ اور جب وہ تنوین گر گئی تو اب وہ یا واپس آئے گی بھئی، یا کے واپس آنے کا احتمال ہے کیونکہ وہ یا کیوں گری تھی؟ اجتماعِ ساکنین کی وجہ سے، اور کن دو چیزوں میں اجتماعِ ساکنین آیا تھا؟ یا میں اور تنوین میں، یا میں اور تنوین میں، جَوَارِينْ ہوا تھا، یا بھی ساکن تھی اور نونِ تنوین بھی ساکن، تو یا اس لیے گری تھی۔

اب جب وہ نونِ تنوین گر گیا تو اب وہ یا واپس آنے کا احتمال پیدا ہوا، یا واپس آنا چاہتی ہے لفظوں میں، تو اس کے لیے پھر اس کو دوسری تنوین دے دی گئی۔ اب جَوَارٍ کو دوسری تنوین دے دی گئی، یہ تنوین عوض ہے اس یا کا تاکہ کہیں وہ یا واپس نہ آجائے۔ تو جَوَارٍ پر اب جو تنوین اس وقت ہے وہ تنوینِ عوض ہے تنوینِ صرف نہیں، تنوینِ صرف جا چکی، یہ کون سی تنوین ہے؟ تنوینِ عوض، جو کسی چیز کے عوض میں لائی جائے کسی چیز کے بدلے میں لائی جائے، اور یہ تنوین کس کے بدلے میں لائی گئی؟ یا کے بدلے میں لائی گئی کیونکہ یا کے واپس آنے کا احتمال تھا، اگر تنوین نہ لاتے تو یا واپس آجاتی بھئی۔ تو حاصل یہ ہوا دوسرے مذہب کا، جو امام خلیل ابن احمد، امام سیبویہ اور امام مبرد کا مذہب ہے، حاصل یہ کہ جَوَارٍ کا لفظ قبل الاعلال تو یہ منصرف تھا لیکن بعد الاعلال اب اس وقت یہ غیر منصرف ہے، اور قبل الاعلال جو تنوین تھی وہ تنوینِ صرف تھی لیکن اب جو تنوین ہے وہ تنوینِ عوض ہے بھئی۔ اور نیز ان کے نزدیک بھی اعلال مقدم ہے غیر انصراف پر۔

اور پھر مزید تھوڑی تفصیل اس میں اور یاد رکھیں کہ جَوَارٍ کے اندر اب جو اس وقت تنوین آرہی ہے یہ تنوینِ عوض ہے، البتہ ان کا آپس میں پھر اختلاف ہے۔ یہ جو تنوین ہے یہ عوض ہے یا کا یہ مذہب ہے امام خلیل ابن احمد اور امام سیبویہ کا، امام خلیل ابن احمد اور امام سیبویہ کا۔ بھئی ویسے تو یہ تینوں کا امام خلیل ابن احمد، امام سیبویہ اور امام مبرد تینوں کا مذہب ہے کہ جَوَارٍ اس وقت غیر منصرف ہے، قبل الاعلال یہ منصرف تھا بعد الاعلال یہ غیر منصرف ہے، قبل الاعلال اس کی تنوین جو تھی وہ تنوینِ صرف تھی اور بعد الاعلال جو تنوین ہے وہ تنوینِ عوض ہے۔ البتہ اس میں ان کا آپس میں اختلاف ہے کہ یہ تنوین کس چیز کا عوض ہے؟ امام خلیل ابن احمد اور امام سیبویہ فرماتے ہیں کہ یہ تنوین یا کا عوض ہے، یہ تنوین یا کا عوض ہے۔ کیا معنی یا کا عوض ہے؟ یعنی وہ اگر تنوین ہم نہ لاتے تو یا واپس آجاتی، تو اس یا کے عوض میں ہم کیا لے آئے؟ تنوین لے آئے تاکہ یا واپس نہ آجائے۔ جبکہ امام مبرد فرماتے ہیں کہ یہ تنوین وہ جو یا سے ضمہ ہم نے گرایا تھا، یا کی جو حرکت ہم نے گرائی تھی، یہ اس حرکت کا عوض ہے، یہ اس حرکت کا عوض ہے۔ تو معلوم ہوا جَوَارٍ حالتِ رفعی اور جری میں جو تنوین آرہی ہے یہ تنوینِ عوض ہے بھئی دوسرے مذہب والوں کے نزدیک۔ یہ اس وقت غیر منصرف ہے اور تنوین کون سی ہے؟ تنوینِ عوض، البتہ پھر اس میں اختلاف کہ یہ عوض ہے یا کا یا یہ عوض ہے یا کی حرکت کا۔ تو امام خلیل اور امام سیبویہ کا مذہب یہ ہے کہ یہ تنوین یا کا عوض ہے، اور امام مبرد کا مذہب یہ ہے کہ یہ تنوین یا کی حرکت کا عوض ہے، اس کی جو حرکت ہم نے گرائی تھی اس کے عوض میں جَوَارٍ کو تنوین دے دی۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو یہ دو مذاہب ہوئے بھئی۔

تیسرا مذہب جو ہے امام کسائی کا ہے بھئی۔ امام کسائی رحمہ اللہ وہ فرماتے ہیں کہ غیر انصراف مقدم ہے اعلال پر۔ وہ کیا فرماتے ہیں؟ پہلے دونوں مذہب والوں کے نزدیک اعلال مقدم تھا غیر انصراف پر: پہلے کلمے کے اندر اعلال کیا جائے گا اس میں تبدیلیاں کر دی جائیں گی، جب کلمے کی ایک صورت بن جائے اس کے بعد اس پر حکم لگائیں گے کہ یہ غیر منصرف

ہے یا غیر منصرف نہیں۔ جبکہ امام کسائی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: غیر انصراف مقدم ہے اعلال پر، پہلے کلمے کو دیکھیں گے کہ یہ غیر منصرف ہے یا نہیں، اگر وہ غیر منصرف ہے تو یہ حکم پہلے لگائیں گے، پہلے وہ غیر منصرف بنے گا اور اس سے تنوین گر جائے گی، کیا گرے گی؟ تنوین گرے گی، اور پھر اس کے بعد اس میں اعلال کیا جائے گا، اس کے بعد اعلال کیا جائے گا۔ لہٰذا ان کے نزدیک جَوَارٍ مثلاً جَاءَتْنِي جَوَارٍ حالتِ رفعی میں، یہ اصل میں تھا جَوَارِيٌ، اصل میں کیا تھا؟ جَوَارِيٌ تھا، یا یوں کہو کہ یہ اصل میں تھا جَوَارِيٌ کیونکہ اسم کے اندر اصل کیا ہے؟ منصرف ہونا، تو کیا تھا؟ جَوَارِيٌ تھا۔ اب دو چیزیں متوجہ ہوئیں: اعلال کیا تقاضا کر رہا ہے کہ یا پر ضمہ ثقیل ہے اس کو گرا دو، اور غیر انصراف کیا تقاضا کر رہا ہے کہ اس سے تنوین کو گرا دو یہ غیر منصرف ہے، توجہ ہے؟ تو امام کسائی کے نزدیک مقدم کیا ہے؟ غیر انصراف مقدم ہے۔ لہٰذا یا سے ضمہ نہیں گرایا، پہلے مذہب میں تو کیا تھا یا سے ہم نے ضمہ گرایا تھا، اب یا سے تنوین گرا دیں گے کیونکہ پہلے یہ غیر منصرف کا حکم اس پر لگے گا۔ تو جَوَارٍ حالتِ رفعی میں کیا تھا؟ جَوَارِيٌ یعنی اصل پر رکھا ہم نے اصل پر، بات سمجھ میں آگئی؟ پھر اس کے بعد تیسرے مذہب والوں کے نزدیک غیر انصراف مقدم ہے تو تنوین گر گئی کیا رہ گیا؟ جَوَارِيْ۔ تو گویا یوں سمجھو تیسرے مذہب والوں کے نزدیک جَوَارٍ کی اصل جَوَارِيٌ تھی، جَوَارٍ کی اصل کیا تھی؟ جَوَارِيٌ یعنی غیر منصرف ہونا مقدم ہے، اعلال سے پہلے غیر منصرف کا حکم لگا دیا۔

دیکھو اب غیر منصرف ہے، اب ہم اعلال کریں گے اس میں، کیا کریں گے؟ پہلے غیر منصرف کا حکم لگایا اب اعلال۔ تو جَوَارٍ کی اصل کیا حالتِ رفعی میں؟ جَوَارِيٌ کس کے نزدیک؟ امام کسائی کے نزدیک، تو یہ غیر انصراف کا حکم پہلے اس پر لگا دیا۔ اب ہم اس میں اعلال کریں گے: جَوَارِيٌ، ضمہ یا پر ثقیل ہے اور پھر وہ ضمہ گرا دیا تو کیا بن گیا؟ جَوَارِي، توجہ ہے؟ جَوَارِي۔ پھر یہ جو یا سے ضمہ گرایا اس کے عوض یا پر تنوین لے آئے۔ توجہ ہے؟ یا سے جو ضمہ گرایا ہے اس کے عوض تنوین لے آئے بھئی، تنوین کس کا نام ہے؟ نونِ ساکن کا نام ہے۔ تو پہلے کیا تھا؟ جَوَارِيٌ، پھر یا سے ضمہ گرایا کیا بن گیا؟ جَوَارِي، پھر اس وہ جو ضمہ گرایا تھا وہ جو یا کی حرکت گرائی تھی اس کے عوض کیا لے آئے؟ تنوین لے آئے۔ اب یا بھی ساکن اور تنوین کا نون بھی ساکن، تو اجتماعِ ساکنین آیا اور پھر یا گر گئی کیا بن گیا؟ جَوَارٍ۔ تو پہلے کیا تھا؟ جَوَارِيٌ، پھر یا پر ضمہ ثقیل تھا اس کو گرا دیا کیا بن گیا؟ جَوَارِي بن گیا، پھر کیا لے آئے؟ تنوین لے آئے، تنوین کیوں لائے؟ وہ جو یا سے حرکت گرائی تھی، یا کی حرکت کے عوض میں تنوین لے آئے، یہ تنوینِ عوض ہے یہ تنوینِ صرف نہیں ہے کیونکہ کلمہ غیر منصرف ہے۔ سوال: یا سے آپ نے ضمہ گرایا اور تنوین لے آئے بھئی تنوین لانے کی کیا ضرورت ہے؟ کیوں تنوین لے کر آئے؟ تو وجہ یہ، وجہ یہ تاکہ تنوین اور یا میں اجتماعِ ساکنین آئے اور پھر یا گر جائے، جب ایک حرف گرے گا تو کلمہ خفیف ہو جائے گا، جتنے حروف کم ہوتے ہیں کلمے کی زبان پر ادائیگی اتنی ہی آسان ہوتی ہے، تو لہٰذا اس لیے وہ جو حرکت یا سے گرائی تھی اس

کے عوض تنوین اس لیے لائے تاکہ یا پھر گر جائے بھئی اجتماعِ ساکنین آئے یا کے اندر اور نونِ تنوین کے اندر۔ اگر ہم تنوین نہ لاتے پھر تو یا نے نہیں گرنا تھا بھئی، تو کس لیے لے آئے تنوین؟ تاکہ یا گر جائے۔ تو یا پھر گر گئی کیا بن گیا؟ جَوَارٍ بن گیا، تو یہ غیر منصرف ہے بھئی۔ دیکھو جَوَارٍ میں اعلال ہوا ہے یہ تیسرے مذہب کی بات کر رہا ہوں، لیکن اعلال سے پہلے بھی کلمہ غیر منصرف تھا جَوَارِيْ تھا، اور اعلال کے بعد اس وقت بھی غیر منصرف ہے، یہ جو تنوین ہے یہ تنوینِ عوض ہے بھئی۔ بات سمجھ میں آگئی؟

پھر مزید یہ تفصیل یاد رکھنا: یہ جو تیسرا مذہب ہے، اس تیسرے مذہب والوں کے نزدیک صرف حالتِ رفعی میں اعلال ہو گا، حالتِ نصبی اور جری میں اعلال نہیں ہو گا۔ وجہ یہ کہ غیر انصراف مقدم ہے اور اس کے بعد اعلال کیا جاتا ہے، تو حالتِ رفعی میں کیا تھا؟ جَوَارِيْ، تو یا پر ضمہ ثقیل تھا ہمیں اعلال کرنا پڑا۔ اور حالتِ نصبی اور جری اس میں تو غیر منصرف پر فتحہ آتا ہے: جَاءَنِي عُمَرُ، رَأَيْتُ عُمَرَ، مَرَرْتُ بِعُمَرَ۔ تو حالتِ نصبی اور جری میں غیر منصرف پر کیا آتا ہے؟ فتحہ۔ تو لہٰذا حالتِ نصبی اور جری میں یوں ہو گا: رَأَيْتُ جَوَارِيَ، مَرَرْتُ بِجَوَارِيَ، تو دونوں صورتوں میں یا پر فتحہ آ رہا ہے، اور یا پر فتحہ تو خفیف ہے وہ تو ثقیل نہیں ہے تو فتحہ اس پر برقرار رہے گا، لہٰذا حالتِ نصبی میں بھی جَوَارِيَ پڑھیں گے اور حالتِ جری میں بھی جَوَارِيَ پڑھیں گے یعنی یا کو ثابت رکھیں گے گرائیں گے نہیں۔ تو اس تیسرے مذہب والوں کے نزدیک صرف ایک صورت میں اعلال ہوا ہے اور وہ حالتِ رفعی ہے بھئی، وہ کون سی حالت ہے؟ حالتِ رفعی ہے بھئی۔

تو حاصلِ کلام یہ کہ جَوَارٍ کے اندر جو ہیں وہ تین مذاہب ہیں بھئی۔ پہلا مذہب امام زجاج کا ہے، دوسرا امام خلیل ابن احمد، امام سیبویہ اور امام مبرد کا ہے، اور تیسرا مذہب امام کسائی کا ہے۔ امام زجاج فرماتے ہیں کہ یہ جَوَارٍ جیسے جو الفاظ ہیں ان کے اندر اعلال مقدم ہے غیر انصراف پر، پہلے اعلال کیا جائے گا پھر اس کے بعد غیر منصرف ہونے کا حکم لگایا جائے گا، اور ان کے نزدیک کہ جَوَارٍ جو ہے قبل الاعلال بھی یہ منصرف تھا اور بعد الاعلال بھی منصرف ہے، اور اعلال سے پہلے جو تنوین تھی وہ بھی تنوینِ صرف تھی اور اعلال کے بعد جو تنوین ہے وہ بھی تنوینِ صرف ہے بھئی۔ اور جب اعلال ہو گیا تو ابھی بھی یہ منصرف ہے وجہ یہ کیونکہ اب یہ جَوَارٍ جو ہے سَلَامٍ اور كَلَامٍ کے وزن پر ہے یہ مفرد کا وزن ہے، یہ صیغہ منتہی الجموع کا اب رہا ہی نہیں تو لہٰذا اس کو اب غیر منصرف بھی قرار نہیں دے سکتے، تو اعلال سے پہلے بھی منصرف تھا یہ اور اعلال کے بعد بھی منصرف۔ دوسرے مذہب والے فرماتے ہیں کہ اعلال سے پہلے تو یہ منصرف تھا کیونکہ اسم کے اندر اصل ہے منصرف ہونا، البتہ اعلال کے بعد یہ غیر منصرف ہے، اعلال ہوا پھر اب یہ غیر منصرف ہے، بھئی اب کیوں غیر منصرف ہے اب تو مفرد کا وزن ہے؟ تو وہ کہتے ہیں کہ یا تقدیراً ابھی بھی موجود ہے، فرض کر لو یا ابھی بھی موجود ہے اس لیے کیونکہ وہ یا اجتماعِ ساکنین کی وجہ سے گرانی پڑی اور کوئی وجہ نہیں تھی اس کے گرانے کی، وہ یا ابھی بھی موجود ہے۔ ہاں ان کی دلیل بھی یاد رکھیں: وہ کہتے ہیں دیکھو جَوَارٍ جو ہے حالتِ رفعی میں بھی پڑھتے ہیں جَاءَتْنِي جَوَارٍ اور حالتِ جری میں بھی پڑھتے ہیں مَرَرْتُ بِجَوَارٍ۔ حالتِ رفعی ذرا دیکھو جَاءَتْنِي جَوَارٍ، جَاءَتْ چاہتا ہے جَوَارٍ پر رفع آجائے لیکن رفع نہیں

آرہا۔ کیوں نہیں آرہا رفع؟ وجہ یہ کہ اعراب آخری حرف پر آیا کرتا ہے اور آخری حرف را نہیں ہے بلکہ یا ہے جو تقدیراً موجود ہے، اسی لیے را پر اعراب ظاہر نہیں ہوا، تو حالتِ رفعی میں کیسے پڑھا؟ جَاءَتْنِي جَوَارٍ، دیکھو ضمہ ظاہر نہیں ہوا بھئی۔ اور حالتِ جری میں بھی پڑھیں گے مَرَرْتُ بِجَوَارٍ، اب با جارہ عامل موجود ہے لیکن اس کا اثر جَوَارٍ میں ظاہر نہیں ہو رہا، کیوں؟ کیونکہ را آخر ہے ہی نہیں آخر کیا ہے؟ یا ہے اور یا اس وقت مقدر ہے بھئی محذوف ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو یہ دوسرے مذہب والے فرماتے ہیں کہ قبل الاعلال تو جَوَارٍ منصرف تھا لیکن بعد الاعلال یہ غیر منصرف ہے، اور اعلال سے پہلے جو تنوین تھی وہ تو تنوینِ صرف تھی لیکن اس وقت جو تنوین ہے یہ تنوینِ عوض ہے، پھر یہ عوض کس چیز کا ہے اس میں پھر آپس میں ان کا اختلاف ہے: امام خلیل اور امام سیبویہ فرماتے ہیں کہ یہ تنوین عوض ہے یا کا وہ جو یا حذف ہوئی ہے اس کا عوض ہے، وجہ یہ کہ جب جَوَارٍ کلمہ بن گیا اب اعلال ہو چکا، اب اس پر غیر انصراف والا حکم لگا دیا گیا اور یا چونکہ تقدیراً موجود ہے تو یہ اب غیر منصرف ہوا، اور جب غیر منصرف ہوا تو اس سے وہ تنوینِ صرف گر گئی، جب تنوینِ صرف گر گئی اب پھر اس یا کے واپس آنے کا احتمال پیدا ہو گیا کیونکہ وہ یا کس کی وجہ سے گری تھی؟ اس تنوین کی وجہ سے تو گری تھی تو

تنوین جب گر گئی اب وہ یا واپس آنا چاہتی ہے، تو اس کا حل یہ کیا گیا کہ اس یا کے عوض میں تنوین لے آئے تاکہ وہ یا واپس نہ آئے بھئی۔ تو یہ جو تنوین ہے یہ تنوینِ عوض ہے، یہ یا کا عوض ہے۔ جبکہ امام مبرد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ تنوین وہ جو یا سے ضمہ گرایا تھا یہ اس ضمے کا عوض ہے اس حرکت کا عوض ہے، یا کا عوض نہیں ہے بھئی۔

تیسرا مذہب امام کسائی کا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ جَوَارٍ جیسے لفظ جو ہیں قبل الاعلال بھی غیر منصرف اور بعد الاعلال بھی غیر منصرف ہے۔ وجہ یہ کہ ان کے نزدیک غیر انصراف مقدم ہے اعلال پر: پہلے کلمہ غیر منصرف ہو گا اور اس کے بعد پھر اس میں اعلال کیا جائے گا۔ تو معلوم ہوا ان کے نزدیک جَوَارٍ کی اصل کیا تھی؟ جَوَارِيٌ تھی، جَوَارِيٌ۔ اس کے بعد اعلال کیا گیا اور کیا بن گیا؟ جَوَارِي۔ پھر اس کے بعد یا سے جو حرکت گرائی تھی اس کے عوض تنوین لے آئے، تو یہ تنوینِ عوض ہے، کس کے عوض ہے؟ یا کے ضمے کے عوض ہے۔ اور یہ تنوین کیوں لائے؟ کیا مقصد تھا تنوین لانے کا؟ تاکہ یہ یا گر جائے، تنوین میں اور یا میں کیا آئے گا؟ اجتماعِ ساکنین، تو یہ یا گر جائے گی اور اس سے کلمہ خفیف ہو جائے گا، اس لیے یہ تنوین لے کر آئے۔ تو چنانچہ پھر یا گر گئی اور جَوَارٍ ہوا۔ اور اس تیسرے مذہب والوں کے نزدیک یہ جو تنوین ہے یہ تنوینِ عوض ہے بھئی، تنوینِ عوض ہے۔ اور تیسرے مذہب والوں کے نزدیک صرف حالتِ رفعی میں اعلال ہو گا، حالتِ نصبی اور جری میں دونوں صورتوں میں یا کو پڑھیں گے اور اس پر فتحہ آئے گا۔ تو کیسے ان کے نزدیک؟ جَاءَتْنِي جَوَارٍ یہ حالتِ رفعی میں، اور حالتِ نصبی جری میں: رَأَيْتُ جَوَارِيَ، مَرَرْتُ بِجَوَارِيَ، دونوں صورتوں میں یا پڑھیں گے بھئی۔ بات سمجھ میں آگئی؟

جی اب دیکھیے ترجمہ بھئی۔ تو کہتے ہیں: بِخِلَافِ حَالَتَيِ الرَّفْعِ وَالْجَرِّ فَإِنَّهُ قَدِ اخْتُلِفَ فِيهِ، بخلاف رفع اور جر کی دو حالتوں

کے فَإِنَّهُ قَدِ اخْتُلِفَ فِيهِ اس لیے کیونکہ اس کے اندر اختلاف کیا گیا ہے۔ فَذَهَبَ بَعْضُهُمْ إِلَى أَنَّ الِاسْمَ مُنْصَرِفٌ، یہ پہلا مذہب ہے۔ پہلا مذہب کیا تھا؟ امام زجاج کا۔ وہ کیا فرماتے ہیں؟ قبل الاعلال بھی منصرف، بعد الاعلال بھی منصرف۔ قبل الاعلال منصرف کیونکہ اسم کے اندر اصل کیا ہے؟ منصرف ہونا ہے، اور تنوین کون سی ہے؟ تنوینِ صرف۔ اور بعد الاعلال بھی یہ منصرف کیونکہ اعلال کے بعد تو اب مفرد کا وزن بن گیا، اور اب بھی تنوین کون سی ہے؟ صرف کی ہے بھئی۔ اور ان کے نزدیک اعلال مقدم ہوتا ہے غیر انصراف پر۔ دیکھو اب یہ ساری تقریر کریں گے بھئی۔ فَذَهَبَ بَعْضُهُمْ إِلَى أَنَّ الِاسْمَ مُنْصَرِفٌ وَالتَّنْوِينَ فِيهِ تَنْوِينُ الصَّرْفِ، تو بعض نحوی علماء اس بات کی طرف گئے ہیں کہ یہ اسم یعنی اس جیسے جو اسم ہیں وہ منصرف ہیں، وَالتَّنْوِينَ فِيهِ تَنْوِينُ الصَّرْفِ اور وہ جو تنوین ہے اس کے اندر وہ تنوینِ صرف ہے یعنی تنوینِ تمکن ہے۔ لِأَنَّ الْإِعْلَالَ الْمُتَعَلِّقَ بِجَوْهَرِ الْكَلِمَةِ مُقَدَّمٌ عَلَى مَنْعِ الصَّرْفِ الَّذِي هُوَ مِنْ أَحْوَالِ الْكَلِمَةِ بَعْدَ تَمَامِهَا۔ دیکھو ترجمہ بھئی: لِأَنَّ الْإِعْلَالَ الْمُتَعَلِّقَ بِجَوْهَرِ الْكَلِمَةِ، اس لیے کیونکہ وہ اعلال جو متعلق ہوتا ہے جوہرِ کلمہ کے ساتھ یعنی کلمے کی ذات کے ساتھ، جوہرِ کلمہ سے کیا مراد؟ کلمے کی ذات۔ بھئی دیکھو میں نے بتایا: ایک ہے اعلال ایک ہے غیر انصراف۔ اعلال کا تعلق کلمے کی ذات سے ہے کلمہ ابھی بن رہا ہے، اور غیر انصراف وہ کلمے کی صفت بنتی ہے کہ کلمہ غیر منصرف ہے یا غیر منصرف نہیں ہے، اور ظاہر سی بات ہے کہ ذات مقدم ہوتی ہے صفت پر، تو جس چیز کا تعلق ذات سے ہوگا وہ مقدم ہوگی اور جس چیز کا تعلق صفت سے ہوگا وہ مؤخر ہوگی بھئی۔ تو کہتے ہیں: لِأَنَّ الْإِعْلَالَ الْمُتَعَلِّقَ بِجَوْهَرِ الْكَلِمَةِ، اس لیے کیونکہ وہ اعلال جو جوہرِ کلمہ کے ساتھ متعلق ہے یعنی کلمے کی ذات کے ساتھ جو متعلق ہے، مُقَدَّمٌ عَلَى مَنْعِ الصَّرْفِ یہ مقدم ہے اس منع صرف پر، الَّذِي هُوَ مِنْ أَحْوَالِ الْكَلِمَةِ جو کلمے کے احوال میں سے ہے یعنی اس کی صفات میں سے ہے، بَعْدَ تَمَامِهَا کلمے کے پورا ہونے کے بعد، کلمے کے پورا ہونے کے بعد۔ بھئی دیکھیے یہ علماء فرماتے ہیں کہ اعلال مقدم ہے غیر انصراف پر، پہلے کلمہ ابھی بن رہا ہے اعلال کرو، جب کلمہ بن جائے پورا ہو جائے اب اس کے اوپر غیر انصراف والا حکم لگائیں گے اس سے پہلے نہیں لگائیں گے، تو بَعْدَ تَمَامِهَا کا کیا معنی؟ جب کلمہ پورا ہو جائے یعنی بن جائے پوری طرح۔ پھر ترجمہ دیکھ لیں۔ کہتے ہیں: لِأَنَّ الْإِعْلَالَ الْمُتَعَلِّقَ بِجَوْهَرِ الْكَلِمَةِ مُقَدَّمٌ عَلَى مَنْعِ الصَّرْفِ الَّذِي هُوَ مِنْ أَحْوَالِ الْكَلِمَةِ بَعْدَ تَمَامِهَا، اس لیے کیونکہ وہ اعلال جس کا تعلق کلمے کی ذات سے ہے وہ مقدم ہے اس منع صرف پر جو کلمے کے احوال میں سے ہے یعنی اس کی صفات میں سے ہے، بَعْدَ تَمَامِهَا کلمے کے پورا ہو جانے کے بعد۔

فَأَصْلُ جَوَارٍ فِي قَوْلِكَ جَاءَتْنِي جَوَارٍ، پس جَوَارٍ کی جو اصل ہے آپ کے اس قول میں جَاءَتْنِي جَوَارٍ یعنی حالتِ رفعی میں، حالتِ رفعی میں اس جَوَارٍ کی اصل جو ہے جَوَارِيٌ، یہ جَوَارِيٌ تھی، بِالضَّمِّ وَالتَّنْوِينِ ضمہ اور تنوین کے ساتھ، بِنَاءً عَلَى أَنَّ الْأَصْلَ فِي الِاسْمِ الصَّرْفُ بنابر اس کے کہ اسم کے اندر اصل جو ہے وہ منصرف ہونا ہے۔ اسم کے اندر اصل کیا ہے؟ منصرف ہونا ہے۔ تو جَوَارِيٌ اس کو بھی تنوین کے ساتھ پڑھا، منصرف پڑھا کیونکہ اسم کے اندر اصل کیا ہے؟ منصرف ہونا

ہے، اسم کے اندر اصل ہے منصرف ہونا۔ فَبُنِيَ الْإِعْلَالُ عَلَى مَا هُوَ الْأَصْلُ، تو اس اعلال کی بنیاد جو ہے اس چیز پر ہے جو کہ اصل ہے۔ اس اعلال کی بنیاد کس پر ہے؟ وہ جو اصل ہے اسم کے اندر، اور اسم کے اندر اصل کیا ہے؟ منصرف ہونا، اس پر اعلال کی بنیاد رکھی۔ کیا کہا؟ جَاءَتْنِي جَوَارٍ، یہ جَوَارٍ اصل میں کیا تھا؟ جَوَارِيٌ تھا، دیکھو تنوین کے ساتھ پڑھا۔ تنوین کیوں آئی؟ کیونکہ اسم کے اندر اصل ہے منصرف ہونا اور منصرف پر تنوین آتی ہے، تنوینِ تمکن تنوینِ صرف بھئی۔ دوبارہ ترجمہ دیکھ لیں۔ کہتے ہیں: فَأَصْلُ جَوَارٍ فِي قَوْلِكَ جَاءَتْنِي جَوَارٍ جَوَارِيٌ بِالضَّمِّ وَالتَّنْوِينِ، کہتے ہیں آپ کا قول جَاءَتْنِي جَوَارٍ جو ہے اس کے اندر جو جَوَارٍ ہے اس کی اصل جو ہے جَوَارِيٌ بِالضَّمِّ وَالتَّنْوِينِ وہ جَوَارِيٌ ہے ضمے اور تنوین کے ساتھ—آپ دیکھ رہے ہیں جَوَارِيٌ پر ضمہ بھی ہے اور تنوین بھی ہے کیونکہ یہ فاعل بن رہا ہے جَاءَتْنِي کے اندر بھئی، تو اس کی اصل جَوَارِيٌ ہے ضمے اور تنوین کے ساتھ—بِنَاءً عَلَى أَنَّ الْأَصْلَ فِي الِاسْمِ الصَّرْفُ بنابر اس کے کہ اسم کے اندر اصل جو ہے وہ صرف ہے یعنی منصرف ہونا، فَبُنِيَ الْإِعْلَالُ عَلَى مَا هُوَ الْأَصْلُ تو اعلال کی بنیاد رکھی گئی اس چیز پر جو کہ اصل ہے یعنی منصرف ہونا، اسم کے اندر جو اصل ہے یعنی منصرف ہونا اس پر اعلال کی بنیاد رکھی گئی یعنی اس میں پھر اعلال کریں گے اور جَوَارٍ بنے گا بھئی۔ کہتے ہیں: ثُمَّ أُسْقِطَتِ الضَّمَّةُ لِلثِّقَلِ، پھر ضمے کو گرا دیا گیا ثقیل ہونے کی وجہ سے، وَالْيَاءُ لِالْتِقَاءِ السَّاكِنَيْنِ، اور یا کو گرا دیا گیا التقائے ساکنین کی وجہ سے، فَصَارَ جَوَارٍ عَلَى وَزْنِ سَلَامٍ وَكَلَامٍ، تو جَوَارٍ ہو گیا سَلَامٍ اور كَلَامٍ کے وزن پر، فَلَمْ يَبْقَ عَلَى صِيغَةِ مُنْتَهَى الْجُمُوعِ، تو اب یہ منتہی الجموع کے صیغے پر باقی نہ رہا، فَهُوَ بَعْدَ الْإِعْلَالِ أَيْضًا مُنْصَرِفٌ، تو یہ اعلال کے بعد بھی منصرف ہے۔ اعلال ہو گیا، اعلال ہو گیا اب اس پر غیر انصراف والا حکم لگانا چاہتے ہیں لیکن اب وہ لگے گا ہی نہیں۔ کیوں نہیں لگے گا؟ کیونکہ اب منتہی الجموع والا صیغہ ہی نہیں۔ جَوَارٍ جمع تو ہے لیکن جمع کے لیے شرط کیا تھی؟ کہ صیغہ کون سا ہونا چاہیے؟ جمع منتہی الجموع والا، اور جَوَارٍ اس میں تو الف کے بعد صرف را ہے ایک حرف ہے، دو حرف ہوں تو پھر وہ صیغہ منتہی الجموع کا ہوتا ہے۔ تو کہتے ہیں: فَلَمْ يَبْقَ عَلَى صِيغَةِ مُنْتَهَى الْجُمُوعِ تو یہ منتہی الجموع کے صیغے پر باقی نہ رہا، فَهُوَ بَعْدَ الْإِعْلَالِ أَيْضًا مُنْصَرِفٌ تو یہ اعلال کے بعد بھی منصرف ہے، وَالتَّنْوِينُ فِيهِ لِلصَّرْفِ اور تنوین اس کے اندر جو ہے وہ صرف والی ہے یعنی تنوینِ تمکن ہے، كَمَا كَانَ قَبْلَ الْإِعْلَالِ كَذَلِكَ جیسے کہ وہ اعلال سے پہلے ایسی ہی تھی۔ جَوَارِيٌ یہ تنوین بھی کون سی تھی؟ صرف والی، اور جَوَارٍ یہ تنوین بھی کون سی ہے؟ صرف والی ہے۔ امام زجاج کے نزدیک جَوَارِيٌ کے اندر جو تنوین ہے وہ بھی تنوینِ صرف کیونکہ اسم کے اندر اصل کیا ہے؟ منصرف ہونا، اور جَوَارٍ کے اندر جو تنوین ہے وہ بھی تنوینِ صرف ہے کیونکہ یہ اس وقت منصرف ہے غیر منصرف نہیں ہے بھئی۔ تو کہتے ہیں: وَالتَّنْوِينُ فِيهِ لِلصَّرْفِ اور اس کے اندر جو اور جَوَارٍ کے اندر جو تنوین ہے وہ صرف کی ہے، كَمَا كَانَ قَبْلَ الْإِعْلَالِ كَذَلِكَ جیسے کہ وہ اعلال سے پہلے ایسی ہی تھی یعنی جیسے وہ اعلال سے پہلے تنوینِ صرف تھی ابھی بھی تنوینِ صرف ہے۔

وَذَهَبَ بَعْضُهُمْ، اب یہ دوسرا مذہب بیان کرنے لگے ہیں۔ وَذَهَبَ بَعْضُهُمْ اور بعض نحوی حضرات اس بات کی طرف

گئے ہیں، إِلَى أَنَّهُ بَعْدَ الْإِعْلَالِ غَيْرُ مُنْصَرِفٍ کہ یہ اعلال کے بعد غیر منصرف ہے۔ کس کے بعد؟ بعض نحوی اس بات کی طرف گئے ہیں کہ یہ اعلال کے بعد غیر منصرف ہے، کس کے بعد؟ اعلال کے بعد۔ معلوم ہوا ان دوسرے مذہب والوں کے نزدیک بھی اعلال مقدم ہے غیر انصراف پر۔ کیا؟ کس طرح پتہ چلا؟ ذرا لفظوں پہ غور کرو: أَنَّهُ بَعْدَ الْإِعْلَالِ غَيْرُ مُنْصَرِفٍ، کہ یہ اعلال کے بعد بھی غیر منصرف، معلوم ہوا اعلال پہلے ہوا ہے اور اس کے بعد بھی غیر منصرف، تو ان معلوم ہوا ان کے نزدیک بھی اعلال مقدم ہے کس پر؟ غیر انصراف پر جیسے پہلے مذہب والوں کے نزدیک تھا بھئی۔ تو کہتے ہیں: وَذَهَبَ بَعْضُهُمْ إِلَى أَنَّهُ بَعْدَ الْإِعْلَالِ غَيْرُ مُنْصَرِفٍ، اور بعض علماء اس بات کی طرف گئے ہیں کہ یہ جَوَارٍ جیسے لفظ جو ہیں یہ اعلال کے بعد غیر منصرف ہے، لِأَنَّ فِيهِ الْجَمْعِيَّةَ مَعَ صِيغَةِ مُنْتَهَى الْجُمُوعِ، اس لیے کیونکہ اس کے اندر جمعیت بھی ہے ساتھ جمع منتہی الجموع کے صیغے کے۔ وہ کہتے ہیں جَوَارٍ اس وقت بھی جَوَارٍ حالتِ رفعی اور جری میں اعلال کے بعد بھی یہ ابھی بھی غیر منصرف ہے۔ کیوں غیر منصرف ہے؟ کیونکہ جمع بھی ہے یہ جَارِيَةٌ کی جمع ہے، اور صیغہ بھی کون سا ہے؟ صیغہ بھی جمع منتہی الجموع والا ہے۔ سوال: بھئی صیغہ تو وہ والا نہیں ہے یا تو گر چکی ہے؟ کہتے ہیں وہ یا تقدیراً ابھی بھی موجود ہے بھئی۔ یہ معنی ہے لِأَنَّ فِيهِ الْجَمْعِيَّةَ مَعَ صِيغَةِ مُنْتَهَى الْجُمُوعِ، اس لیے کیونکہ اس کے اندر جمعیت بھی ہے ساتھ منتہی الجموع کے صیغے کے۔ بھئی منتہی الجموع کا صیغہ اس میں کیسے ہے؟ میں نے کیا بتلایا؟ کیونکہ یا مقدر ہے، وہی بیان کر رہے ہیں، کہتے ہیں: لِأَنَّ الْمَحْذُوفَ بِمَنْزِلَةِ الْمُقَدَّرِ، اس لیے کیونکہ وہ جو محذوف ہے وہ مقدر کے درجے میں ہے یعنی مقدر ہے فرض کر لو ابھی بھی موجود ہے بھئی۔ لِأَنَّ الْمَحْذُوفَ بِمَنْزِلَةِ الْمُقَدَّرِ، اس لیے کیونکہ محذوف جو ہے وہ مقدر کے درجے میں ہے، وَلِهَذَا لَا يَجْرِي الْإِعْرَابُ عَلَى الرَّاءِ۔ دلیل بھی دے رہے ہیں کہ وہ یا ابھی بھی موجود ہے فرض کر لو۔ کیا دلیل ہے کہ وہ یا ابھی بھی موجود ہے؟ کہتے ہیں آپ دیکھتے نہیں جَاءَتْنِي جَوَارٍ یہ حالتِ رفعی ہے لیکن جَوَارٍ کی را پر کوئی اعراب ظاہر ہوا؟ نہیں، ضمہ ظاہر نہیں ہوا۔ اور مَرَرْتُ بِجَوَارٍ اب یہ حالتِ جری میں ہے را پر کوئی اعراب ظاہر ہوا؟ نہیں ظاہر ہوا۔ کہتے ہیں اسی لیے اعراب ظاہر نہیں ہوا کیونکہ را آخر ہے ہی نہیں یہاں یا بھی مقدر ہے ابھی، یہاں پر یا بھی مقدر ہے بھئی۔ کہتے ہیں: وَلِهَذَا لَا يَجْرِي الْإِعْرَابُ عَلَى الرَّاءِ، اور اسی وجہ سے اعراب جو ہے وہ را پر جاری نہیں ہوتا یعنی اس پر ظاہر نہیں ہوتا۔

وَالتَّنْوِينُ فِيهِ تَنْوِينُ الْعِوَضِ، اور اس کے اندر جو تنوین ہے وہ تنوینِ عوض ہے۔ جَوَارٍ کے اندر اب یہ جو تنوین ہے یہ وہ تنوینِ صرف نہیں ہے بلکہ یہ تنوینِ عوض ہے کیونکہ یہ غیر منصرف ہے، جب یہ غیر منصرف ہے تو تنوینِ صرف اب گر گئی، اب وہ یا واپس آنے کا احتمال تھا تو اب اس کو تنوین دے دی گئی تنوینِ عوض بھئی۔ اور یہ کس کا عوض ہے؟ امام خلیل اور امام سیبویہ کے نزدیک وہ یا واپس آنے کا احتمال ہے تو اس یا کے عوض میں تنوین دے دی یعنی یا کو واپس نہیں لائے بلکہ تنوین لے آئے، اور امام مبرد کے نزدیک یہ تنوین عوض ہے وہ جو یا پر سے ضمہ گرایا تھا یعنی یا کی جو حرکت گرائی تھی یہ اس حرکت کا عوض ہے۔ تو کہتے ہیں: وَالتَّنْوِينُ فِيهِ تَنْوِينُ الْعِوَضِ، اور اس کے اندر جو تنوین ہے وہ تنوینِ

عوض ہے، فَإِنَّهُ لَمَّا أُسْقِطَ تَنْوِينُ الصَّرْفِ اس لیے کیونکہ جب تنوینِ صرف کو گرا دیا گیا، تو عُوِّضَ عَنِ الْيَاءِ الْمَحْذُوفَةِ أَوْ عَنْ حَرَكَتِهَا هَذَا التَّنْوِينُ، عُوِّضَ عَنِ الْيَاءِ الْمَحْذُوفَةِ اور عوض میں اس کو دے دی گئی کس کے عوض میں؟ عَنِ الْيَاءِ الْمَحْذُوفَةِ یائے محذوفہ کے عوض میں، أَوْ عَنْ حَرَكَتِهَا یا اس یائے محذوفہ کی حرکت کے عوض میں اس کو دے دی گئی۔ کیا دے دی گئی؟ کہتے ہیں هَذَا التَّنْوِينُ، یہ والی تنوین۔ یہ جو تنوین اس پر اس وقت موجود ہے یہ اس یائے محذوفہ کے عوض میں یا اس یا کی حرکت کے عوض میں اس کو دے دی گئی۔ پھر ترجمہ دیکھیں، کہتے ہیں: فَإِنَّهُ لَمَّا أُسْقِطَ تَنْوِينُ الصَّرْفِ جب تنوینِ صرف کو گرا دیا گیا، تو عُوِّضَ عَنِ الْيَاءِ الْمَحْذُوفَةِ أَوْ عَنْ حَرَكَتِهَا هَذَا التَّنْوِينُ، تو عوض میں لائی گئی اس یائے محذوفہ کے یا اس کی حرکت کے هَذَا التَّنْوِينُ، کیا لائی گئی؟ یہ والی تنوین جو اس وقت موجود ہے۔ وَعَلَى

هَذَا الْقِيَاسِ حَالَةُ الْجَرِّ بِلَا تَفَاوُتٍ، اور اسی قیاس پر ہے یعنی اسی طریقے پر ہے حالتِ جر بھی، بِلَا تَفَاوُتٍ بغیر کسی فرق کے، تفاوت کا معنی ہے فرق۔ بھئی انہوں نے ابھی تک جتنا اعلال بیان کیا وہ حالتِ رفعی تھی، کون سی؟ حالتِ رفعی، وہ جو جہاں آیا تھا بَعْدَ تَمَامِهَا فَأَصْلُ جَوَارٍ فِي قَوْلِكَ جَاءَتْنِي جَوَارٍ جَوَارِيٌ، کہ جَاءَتْنِي جَوَارٍ کے اندر جو لفظِ جَوَارٍ آیا یہ اصل میں کیا تھا؟ جَوَارِيٌ تھا، یعنی حالتِ رفعی کے اندر اعلال کیسے ہوا وہ سارا بیان کر دیا، اور حالتِ جری بھی کہتے ہیں بالکل اسی طرح ہے، جس طرح کا اعلال حالتِ رفعی میں ہوا ہے حالتِ جری میں بھی بالکل اسی طرح اعلال ہو گا۔ فرق صرف اتنا ہے، وہاں جَوَارِيٌ فرض کیا تھا، یہاں کیا فرض کر لو؟ جَوَارِيٍ فرض کر لو، باقی سارا اعلال اسی طرح ہو گا۔ کہتے ہیں: وَعَلَى هَذَا الْقِيَاسِ حَالَةُ الْجَرِّ بِلَا تَفَاوُتٍ، اور اسی قیاس پر جر والی حالت بھی ہے بغیر کسی فرق کے۔

وَفِي لُغَةِ بَعْضِ الْعَرَبِ، یہ اب تیسرا مذہب بیان کرنے لگے ہیں بھئی۔ تیسرا مذہب کیا تھا؟ کہ غیر انصراف مقدم ہے اعلال پر، اور اعلال صرف حالتِ رفعی میں ہوا ہے، حالتِ نصبی اور جری میں یا کو ثابت رکھیں گے اس کو باقی رکھیں گے۔ کہتے ہیں: وَفِي لُغَةِ بَعْضِ الْعَرَبِ إِثْبَاتُ الْيَاءِ فِي حَالَةِ الْجَرِّ، اور بعض عرب کی لغت میں یا کا اثبات ہو گا حالتِ جر میں یعنی جری حالت میں بھی یا کو گرائیں گے نہیں بلکہ یا کو ثابت رکھیں گے، كَمَا فِي حَالَةِ النَّصْبِ جیسے کہ حالتِ نصب میں ہے۔ توجہ ہے؟ گویا ان کے نزدیک یوں پڑھیں گے، میں پہلے بھی بیان کر چکا: حالتِ رفعی میں جَاءَتْنِي جَوَارٍ، اعلال ہوا ہے، اور حالتِ نصبی جری میں اعلال نہیں ہو گا: رَأَيْتُ جَوَارِيَ، مَرَرْتُ بِجَوَارِيَ، کیونکہ غیر انصراف مقدم ہے اعلال پر، اور جب یہ غیر منصرف ہے تو یا پر فتحہ آیا: رَأَيْتُ جَوَارِيَ، مَرَرْتُ بِجَوَارِيَ، دونوں صورتوں میں فتحہ ہے، اور فتحہ تو یا پر خفیف ہوتا ہے بھئی اس کو گرانے کی ضرورت نہیں ہے بھئی، تو یا ثابت رہے گی حالتِ جر میں بھی۔ تو کہتے ہیں: وَفِي لُغَةِ بَعْضِ الْعَرَبِ إِثْبَاتُ الْيَاءِ فِي حَالَةِ الْجَرِّ كَمَا فِي حَالَةِ النَّصْبِ، اور بعض عرب کی لغت میں یا کو ثابت رکھا جائے گا حالتِ جر میں جیسے کہ حالتِ نصب میں تھا، تَقُولُ مَرَرْتُ بِجَوَارِيَ، دیکھا یا کو ثابت رکھا، كَمَا تَقُولُ رَأَيْتُ جَوَارِيَ جیسے کہ آپ رَأَيْتُ جَوَارِيَ کہتے ہیں اسی طرح آپ مَرَرْتُ بِجَوَارِيَ کہیں گے۔

وَبِنَاءُ هَذِهِ اللُّغَةِ عَلَى تَقْدِيمِ مَنْعِ الصَّرْفِ عَلَى الْإِعْلَالِ، اور اس لغت کی بنیاد اس بات پر ہے کہ منع صرف مقدم ہے اعلال پر بھئی۔ فَإِنَّهُ حِينَئِذٍ تَكُونُ الْيَاءُ مَفْتُوحَةً فِي حَالَةِ الْجَرِّ، اس لیے کیونکہ اس وقت یعنی جب غیر انصراف مقدم ہے اعلال پر، تو اس وقت تَكُونُ الْيَاءُ مَفْتُوحَةً فِي حَالَةِ الْجَرِّ یا مفتوح ہوگی حالتِ جر میں یعنی یا پر فتحہ آئے گا، وَالْفَتْحَةُ خَفِيفَةٌ اور فتحہ خفیف ہے، فَمَا وَقَعَ فِيهِ إِعْلَالٌ تو پھر اس میں اعلال نہیں ہوگا۔ جب فتحہ خفیف ہے تو اب اعلال نہیں، تو حالتِ جر میں اعلال نہیں ہوگا۔

کہتے ہیں: وَأَمَّا فِي حَالَةِ الرَّفْعِ فَأَصْلُ جَوَارٍ جَوَارِيٌ بِالضَّمَّةِ بِلَا تَنْوِينٍ، اور باقی حالتِ رفع جو ہے فَأَصْلُ جَوَارٍ تو جَوَارٍ کی اصل جو ہے جَوَارِيٌ بِالضَّمَّةِ بِلَا تَنْوِينٍ۔ تو رفع کی حالت میں بھئی یہ تیسرے مذہب والوں کے نزدیک جَوَارٍ کی اصل جو ہے جَوَارِيٌ بِالضَّمَّةِ ضمہ کے ساتھ ہے، بِلَا تَنْوِينٍ بغیر تنوین کے کیونکہ غیر منصرف ہے، غیر انصراف مقدم ہے اعلال پر تو اس کو غیر انصراف والا حکم دے دیا تو اب تنوین نہیں ہے اس پر۔ تو کہتے ہیں: وَأَمَّا فِي حَالَةِ الرَّفْعِ فَأَصْلُ جَوَارٍ جَوَارِيٌ بِالضَّمَّةِ بِلَا تَنْوِينٍ، تو کہتے ہیں حالتِ رفع میں جو ہے جَوَارٍ کی اصل وہ جَوَارِيٌ ہے ضمہ کے ساتھ بغیر تنوین کے، حُذِفَتِ الضَّمَّةُ لِلثِّقَلِ ضمہ کو حذف کر لیا گیا ثقیل ہونے کی وجہ سے کیونکہ یا پر ضمہ ثقیل ہے، وَعُوِّضَ عَنْهَا التَّنْوِينُ اور اس کے عوض تنوین لائی گئی۔ دیکھا؟ جَوَارِيٌ یا پر ضمہ ثقیل تھا گرا دیا تو کیا بن گیا؟ جَوَارِي، پھر اس یا سے جو حرکت گرائی تھی اس کے عوض کیا لے آئے؟ تنوین، تو یا بھی ساکن اور نونِ تنوین بھی ساکن، تو اجتماعِ ساکنین عَلَى غَيْرِ حَدِّهِ آیا، اول حرفِ مدہ تھا یعنی یا اس کو گرا دیا کیا بن گیا؟ جَوَارٍ۔ تو کہتے ہیں: وَعُوِّضَ عَنْهَا التَّنْوِينُ اور اس یا کی حرکت کے عوض میں تنوین لائی گئی، فَسَقَطَتِ الْيَاءُ لِالْتِقَاءِ السَّاكِنَيْنِ تو یا گر گئی التقائے ساکنین کی وجہ سے، فَصَارَ جَوَارٍ تو کیا بن گیا؟ جَوَارٍ ہو گیا۔

وَعَلَى هَذِهِ اللُّغَةِ لَا إِعْلَالَ إِلَّا فِي حَالَةٍ وَاحِدَةٍ، اور اس لغت پر لَا إِعْلَالَ إِلَّا فِي حَالَةٍ وَاحِدَةٍ کوئی اعلال نہیں ہے مگر ایک حالت میں۔ یعنی اس لغت کی بنیاد پر یہ جو تیسری لغت ہے اس میں صرف ایک ہی حالت میں اعلال ہوا ہے اور وہ کون سی حالت ہے؟ حالتِ رفعی ہے بھئی، نصبی اور جری میں اعلال نہیں ہوا۔ بِخِلَافِ اللُّغَةِ الْمَشْهُورَةِ بخلاف لغتِ مشہورہ کے، فَإِنَّ فِيهِ الْإِعْلَالَ فِي حَالَتَيْنِ كَمَا عَرَفْتَ اس لیے کیونکہ اس کے اندر اعلال دو حالتوں میں ہے، كَمَا عَرَفْتَ جیسے کہ آپ جان چکے بھئی، جیسے کہ آپ نے جان لیا۔ تیسری لغت والوں کے نزدیک اعلال صرف حالتِ رفعی میں، جبکہ مشہور لغت کیا ہے؟ حالتِ رفعی میں بھی جَوَارٍ پڑھیں گے اعلال ہوا ہے حالتِ رفعی میں، اور حالتِ جری میں بھی جَوَارٍ پڑھیں گے یعنی اس میں بھی اعلال ہوا ہے۔ ہاں پھر ان میں آپس میں اختلاف ہے کہ اعلال کے بعد یہ منصرف ہے یا غیر منصرف، لیکن بہرحال مشہور لغت کے مطابق دو حالتوں میں اعلال ہوگا، جبکہ اس تیسری لغت کے مطابق صرف ایک حالت میں اعلال ہوگا۔ بات سمجھ میں آگئی؟

تو حاصل یہ ہوا کہ تین مذاہب ہو گئے: ایک امام زجاج کا، وہ فرماتے ہیں کہ جَوَارٍ جیسے الفاظ قبل الاعلال بھی منصرف، بعد الاعلال بھی منصرف، اعلال سے قبل بھی تنوینِ صرف، اعلال کے بعد بھی تنوینِ صرف، اور ان کے نزدیک اعلال

مقدم ہوتا ہے غیر انصراف پر۔ اور جبکہ دوسرا مذہب جو ہے امام خلیل، امام سیبویہ اور امام مبرد کا ہے، وہ فرماتے ہیں کہ جَوَادٍ جیسے الفاظ قبل الاعلال تو منصرف ہیں لیکن بعد الاعلال غیر منصرف ہیں، اور وہ یا تقدیراً ابھی بھی موجود ہے اسی لیے اس کے آخر پر را پر جو ہے اعراب ظاہر نہیں ہوتا کیونکہ یہاں یا مقدر ہے بھئی۔ اور پھر وہ فرماتے ہیں کہ اعلال سے پہلے جو تنوین تھی وہ تو تنوینِ صرف تھی لیکن اس وقت جو تنوین ہے یہ تنوینِ عوض ہے، اور پھر امام خلیل اور امام سیبویہ فرماتے ہیں کہ یہ تنوین عوض ہے یا کا، اور جبکہ امام مبرد فرماتے ہیں کہ یہ تنوین عوض ہے یا کی حرکت کے، یا کی حرکت کے۔ جبکہ تیسرا مذہب امام کسائی کا ہے، وہ فرماتے ہیں کہ اعلال صرف ایک حالت میں ہوگا حالتِ رفعی کے اندر، اور باقی حالتِ نصبی اور جری میں یا ثابت رہے گی، اور پھر ان کے نزدیک بھی یہ جو تنوین ہے یہ تنوینِ عوض ہے، اور یہ جو تنوین لائی گئی یہ یا سے ضمہ گرایا اور پھر اس کے عوض تنوین لائے، اور تنوین کیوں لائے؟ تاکہ اجتماعِ ساکنین سے پھر یا گر جائے اور کلمہ خفیف ہو جائے۔ تو ان کے نزدیک صرف حالتِ رفعی میں اعلال ہے، حالتِ نصبی اور جری میں اعلال نہیں، جبکہ لغتِ مشہورہ کے اندر حالتِ رفعی اور جری دونوں صورتوں میں اعلال ہوا ہے، دونوں صورتوں میں جَوَادٍ پڑھیں گے بھئی۔ بات سمجھ میں آگئی؟ چلیے بس بھئی، هَذَا هُوَ الْمَرَامُ وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْكَلَامِ۔

سبق نمبر ٦٩: اسبابِ منعِ صرف (١٣): «اَلتَّرْکِیْبُ» (ترکیبِ مزجی) کی تعریف اور شرائط

شرحِ ملا جامی صفحہ: ٤٩ – بتاریخ: ١٢ ستمبر ٢٠٢١ء

▪ تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث

آگے سبق دیکھیے بھئی۔

التَّرْكِيْبُ وَهُوَ صَيْرُوْرَةُ كَلِمَتَيْنِ أَوْ أَكْثَرَ كَلِمَةً وَاحِدَةً مِنْ غَيْرِ حَرْفِيَّةِ جُزْءٍ فَلَا يَرِدُ النَّجْمُ وَبَصْرِيٌّ عَلَمَيْنِ، شَرْطُهُ الْعَلَمِيَّةُ لِيَأْمَنَ مِنَ الزَّوَالِ فَيَحْصُلُ لَهُ قُوَّةٌ فَيُؤَثِّرُ بِهَا فِيْ مَنْعِ الصَّرْفِ.

بھئی گزشتہ سبق میں ہم «جَوَارٍ» کے بارے میں پڑھ رہے تھے بھئی، اور صاحبِ جامی نے آپ کو بتلایا کہ «جَوَارٍ» سے مراد ہر وہ جمعِ ناقص ہے جو «فَوَاعِلُ» وزن پر آئے، چاہے یائی ہو اور چاہے واوی۔ تو یہ جو «جَوَارٍ» جیسے الفاظ ہیں یہ «قَاضٍ» کی طرح ہیں۔ یعنی جس طرح حالتِ رفعی اور جری کے اندر «قَاضٍ» کی یا گر جاتی ہے اور یا سے ماقبل جو ضاد ہے اس پر تنوین آجاتی ہے، اسی طرح «جَوَارٍ» جیسے جو الفاظ ہیں ان میں بھی حالتِ رفعی اور جری میں یا گر جائے گی اور یا کا ماقبل جو را ہے اس پر تنوین آجائے گی۔ تو حالتِ رفعی اور جری میں پڑھیں گے «جَوَارٍ»، اور حالتِ نصبی جو ہے اس میں «جَوَارِيَ» غیر منصرف پڑھیں گے۔ تو یاد رکھو یہ «جَوَارِيَ» جو حالتِ نصبی میں ہے اس صورت میں تو بالاتفاق یہ غیر منصرف ہے، البتہ حالتِ رفعی اور جری میں اختلاف ہے بھئی۔

میں نے تفصیل بتلائی تھی کہ «جَوَارٍ» کے اندر بھئی تین مذاہب ہیں بھئی۔ پہلا مذہب امام زجاج کا ہے، وہ فرماتے ہیں کہ «جَوَارٍ» جیسے الفاظ جو ہیں ان کے اندر اعلال مقدم ہے غیر انصراف پر بھئی۔ اور اعلال کہتے ہیں کہ حروفِ علت کے اندر کوئی تبدیلی کی جائے اس کو اعلال کہتے ہیں۔ حروفِ علت تین ہیں: واو، الف اور یا۔ تو ان حروفِ علت کے اندر کوئی بھی تبدیلی کی جائے اس کو اعلال کہتے ہیں۔ چاہے حرفِ علت سے حرکت کو گرا دیا جائے، یا حرفِ علت ہی کو گرا دیا جائے، اس کو حذف کر دیا جائے، یا ایک حرفِ علت کی جگہ دوسرا حرفِ علت لے آئیں۔ تو بہرحال حرفِ علت کے اندر جو بھی تبدیلی کی جائے اس کو اعلال کہتے ہیں۔

تو پہلے مذہب والے کہتے ہیں کہ اعلال مقدم ہے غیر انصراف پر، اس لیے کیونکہ اعلال کا تعلق کلمے کی ذات سے، کلمے کے جوہر کے ساتھ ہے اور غیر انصراف کا تعلق کلمے کی صفت کے ساتھ ہے، اور ظاہر سی بات ہے کہ ذات مقدم ہوتی ہے صفت پر، تو جس چیز کا تعلق ذات سے ہوگا وہ مقدم ہوگی اور جس چیز کا تعلق صفت سے ہوگا وہ مؤخر ہوگی، لہٰذا اعلال مقدم ہے غیر انصراف پر۔ چنانچہ وہ فرماتے ہیں کہ «جَاءَتْنِيْ جَوَارٍ» کے اندر جو «جَوَارٍ» ہے، کہتے ہیں اس کی اصل «جَوَارِيٌ» تھی کیونکہ اسم کے اندر اصل منصرف ہونا ہے، تو «جَوَارِيٌ» پر جو تنوین آرہی ہے یہ تنوینِ صرف ہے یعنی تنوینِ تمکن ہے بھئی۔ پھر اعلال مقدم ہے، یا پر ضمہ ثقیل تھا، ضمے کو گرا دیا تو یا ساکن ہو گئی، آگے نونِ تنوین بھی ساکن ہے، «جَوَارِيْن» بن گیا بھئی، تو اجتماعِ ساکنین «عَلٰى غَيْرِ حَدِّهٖ» آیا، اول حرفِ مدہ تھی یا اس کو گرا دیا تو کیا بن گیا؟ «جَوَارٍ» ہوا۔ تو «جَوَارِيٌ» کے اندر جو تنوین تھی وہ بھی تنوینِ صرف تھی اور یہ جو «جَوَارٍ» کے اندر تنوین ہے یہ بھی تنوینِ صرف ہے کیونکہ یہ کلمہ ابھی بھی منصرف ہے۔ وجہ یہ کہ جب اعلال ہو گیا، اب «جَوَارٍ» رہ گیا، یہ تو مفرد کا وزن بن گیا۔ «جَوَارٍ» جو ہے «سَلَامٍ» اور «كَلَامٍ» کے وزن پر ہوا، اور سلام اور کلام یہ تو مفرد ہیں، تو اب جمع منتہی الجموع کا وزن ہی باقی نہیں رہا، لہٰذا یہ منصرف ہے بھئی۔ تو اس کے اندر جو اعلال سے قبل تنوین تھی وہ بھی تنوینِ صرف تھی اور اعلال کے بعد جو تنوین ہے وہ بھی تنوینِ صرف ہے، یہ مذہب تھا امام زجاج کا۔

جبکہ دوسرا مذہب جو ہے امام خلیل، امام سیبویہ اور امام مبرد کا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ «جَوَارٍ» جو ہے اس وقت غیر منصرف ہے، اعلال سے قبل تو یہ منصرف تھا لیکن اس وقت کیا ہے؟ غیر منصرف ہے۔ تو «جَوَارٍ» اس کی اصل کیا تھی؟ «جَوَارِيٌ» تھی، کیونکہ اصل ہے انصراف، تو منصرف تھا، اور ان کے نزدیک بھی اعلال مقدم ہے غیر انصراف پر۔ پھر کیا کیا گیا؟ ضمہ یا پر ثقیل تھا، اس کو گرا دیا گیا، تو یا ساکن ہوئی، آگے نونِ تنوین بھی ساکن «جَوَارِيْن» بن گیا بھئی، تو اجتماعِ ساکنین «عَلٰى غَيْرِ حَدِّهٖ» آیا، تو اول جو یا تھی حرفِ مدہ اس کو گرا دیا، کیا بن گیا؟ «جَوَارٍ» ہو گیا۔ تو یا جو گری ہے وہ اجتماعِ ساکنین کی وجہ سے گری ہے اور تقدیراً ابھی بھی موجود ہے۔ تو لہٰذا یہ جمع بھی ہے اور جمع منتہی الجموع والا صیغہ بھی ہے کیونکہ یا تقدیراً موجود ہے، تو اب اس پر حکم لگ گیا، یہ کیا بن گیا؟ غیر منصرف بھئی۔ تو جب یہ غیر منصرف بنا تو پھر اس کے آخر سے تنوینِ صرف گر گئی۔ جب تنوینِ صرف گری تو پھر اس یا کے واپس آنے کا احتمال تھا، لہٰذا اس یا کے عوض میں یا اس یا کی حرکت کے عوض میں اس کو تنوین دے دی گئی، تاکہ وہ یائے محذوفہ واپس لفظوں میں نہ آجائے۔ اور یہ کہتے ہیں بھئی دیکھو یہاں پر یا تقدیراً موجود ہے اور دلیل اس کی یہ ہے کہ حالتِ رفعی اور جری میں «جَوَارٍ» اسی طرح رہتا ہے، عامل اس پر داخل ہو رہے ہیں، ایک عامل رفع کا تقاضا کر رہا ہے، ایک عامل جر کا تقاضا کر رہا ہے، لیکن را پر اعراب ظاہر نہیں ہو رہا، «جَاءَتْنِيْ جَوَارٍ»، «مَرَرْتُ بِجَوَارٍ»، دیکھا را پر اعراب ظاہر نہیں ہو رہا، وجہ یہ کہ یہاں پر یا تقدیراً ابھی بھی موجود ہے اور اعراب آخری حرف پر آتا ہے اور را تو آخری حرف نہیں ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو ان کے نزدیک معلوم ہوا

کہ اعلال سے قبل جو تنوین تھی وہ تو تنوینِ صرف تھی لیکن اعلال کے بعد جو تنوین ہے وہ تنوینِ عوض ہے۔ اور میں نے بتایا تھا امام سیبویہ اور امام خلیل رَحِمَهُمَا اللهُ کے نزدیک یہ تنوین عوض ہے یا کا، اور امام مبرد رَحِمَهُ اللهُ کے نزدیک یہ تنوین عوض ہے یا کی حرکت کا بھئی۔

اور تیسرا مذہب امام کسائی کا ہے بھئی۔ وہ فرماتے ہیں غیر انصراف مقدم ہے اعلال پر۔ تو جب غیر انصراف مقدم ہے تو «جَوَارٍ» حالتِ رفعی میں کیا ہو گا؟ «جَوَارِيُ»، اور حالتِ نصبی میں «جَوَارِيَ»، اور حالتِ جری میں «جَوَارِيَ»۔ تو حالتِ نصبی اور جری کے اندر تو یا پر فتحہ آرہا ہے، وہ فتحہ برقرار رہے گا، کیونکہ یا پر ضمہ اور کسرہ ثقیل ہوتا ہے، فتحہ ثقیل نہیں ہوتا۔ تو صرف ایک حالت میں اعلال ہو گا اور وہ حالتِ رفعی ہے۔ تو حالتِ رفعی میں «جَوَارِيُ» تھا، پھر یا پر ضمہ ثقیل تھا، گرا دیا، پھر اس ضمے کے عوض کیا لے آئے؟ تنوین لے آئے۔ کیوں تنوین کیوں لائے؟ تاکہ اجتماعِ ساکنین سے یا گر جائے اور کلمہ خفیف ہو جائے، تو پھر یا اجتماعِ ساکنین کی وجہ سے گر گئی، تو کیا بن گیا؟ «جَوَارٍ» بن گیا۔ تو یہ جو «جَوَارٍ» پر تنوین ہے یہ تنوین عوض ہے وہ جو یا کی حرکت ہم نے گرائی تھی۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو اس مذہب کے مطابق اعلال صرف حالتِ رفعی میں ہوا ہے جبکہ مشہور مذہب کے مطابق اعلال دو حالتوں میں ہوا ہے: حالتِ رفعی میں بھی اور حالتِ جری میں بھی۔ بات سمجھ میں آگئی۔

جی اب آگے دیکھیے بھئی۔ کہتے ہیں: «التَّرْكِيْبُ وَهُوَ صَيْرُوْرَةُ كَلِمَتَيْنِ أَوْ أَكْثَرَ كَلِمَةً وَاحِدَةً مِنْ غَيْرِ حَرْفِيَّةٍ جُزْءٍ فَلَا يَرِدُ النَّجْمُ وَبَصْرِيٌّ عَلَمَيْنِ.» اسبابِ منعِ صرف میں سے آج ہم ترکیب کے بارے میں پڑھیں گے بھئی۔ یاد رکھو ترکیب اسے کہتے ہیں کہ دو کلموں کو جوڑ کر ایک کلمہ بنا لیا جائے۔ «رَكَّبَ يُرَكِّبُ تَرْكِيْب» کا معنی ہے جوڑنا، دو یا زیادہ لفظوں کو جوڑ کر ایک ہی کلمہ بنانا اس کو کیا کہتے ہیں؟ ترکیب بھئی۔ بھئی آپ نے پڑھا ہو گا کہ مرکب جو ہے ایک مرکبِ مفید ہے، ایک مرکبِ ناقص۔ مرکبِ مفید جس سے بات پوری سمجھ میں آجائے یعنی کلام کو کہتے ہیں، اور مرکبِ ناقص جس میں بات پوری نہ ہو بھئی اس کو مرکبِ ناقص کہتے ہیں۔ اور پھر اس مرکبِ ناقص کی کئی قسمیں ہیں بھئی۔ ایک مثلاً مرکبِ اضافی ہے، ایک مرکبِ بنائی ہے، ایک مرکبِ منعِ صرف وغیرہ بھئی۔ تو مرکبِ منعِ صرف جو ہے آج ہم اس کے بارے میں پڑھیں گے۔ مرکبِ منعِ صرف دیکھو نام سے ہی پتا چل رہا ہے، وہ لفظ جو مرکب ہے اور منعِ صرف ہے یعنی غیر منصرف ہے بھئی۔ تو ترکیب سے یہاں وہ ترکیب مراد ہے جو غیر انصراف کا سبب بنے گی، اس کی تفصیل مصنف آپ کو بتلائیں گے۔

تو ترکیب کسے کہتے ہیں؟ کہ دو یا زیادہ کلموں کو جوڑ کر ایک ہی کلمہ بنا دینا اس کو ترکیب کہتے ہیں۔ «رَكَّبَ يُرَكِّبُ تَرْكِيْب» کا کیا معنی؟ جوڑنا۔ جیسے «بَعْلَبَكَّ»، «بَعْلَبَكَّ» یہ مرکبِ منعِ صرف ہے، اس کے اندر ترکیب ہے۔ یہ دراصل دو کلموں کو جوڑ کر، ملا کر بنایا گیا ہے۔ ایک لفظ ہے اس میں «بَعْلٌ» اور ایک ہے «بَكٌّ»، تو ان دونوں کو ملا کر ایک شہر کا نام رکھ دیا گیا۔ «بَعْلٌ» ایک بت کا نام تھا جو کہ کسی علاقے میں تھا اور وہاں کے مشرکین اس کی عبادت کیا کرتے تھے، تو اس بت کا نام کیا

تھا؟ «بَعْلٌ»، اور «بَكٌّ» یہ اس علاقے کا کوئی بڑا آدمی تھا، کوئی مشہور آدمی تھا، تو ان دونوں کو ملایا اور شہر کا نام رکھ دیا۔ تو «بَعْلَبَكَّ» اس شہر کا نام ہے اور یہ غیر منصرف ہے۔ یہ تو یہ دو لفظوں کو ملا کر جوڑ دیا، اس میں یاد رکھو پہلا لفظ ہے «بَعْل» اور دوسرا ہے «بَكَّ»، تو دو لفظوں کو جوڑ کر ملا دیا اور اس کے اندر جو پہلا جز ہے وہ مبنی علی الفتح ہے اور دوسرا جز جو ہے وہ معرب ہے، وہ غیر منصرف ہے۔ جوڑ کر نام رکھ دیا اور یہ اب غیر منصرف ہے۔ «جَاءَنِيْ بَعْلَبَكُّ» دیکھا رفع پڑھ رہا ہوں اور بغیر تنوین کے کیونکہ یہ غیر منصرف ہے بھئی۔ کیا ہے؟ ایک علمیت ہے، نام ہے اور ایک ترکیب ہے اس کے اندر۔ تو «بَعْلَبَكُّ» یہ غیر منصرف ہے، اس پر کسرہ بھی نہیں آئے گا اور تنوین بھی نہیں آئے گی۔ جیسے تھا «جَاءَنِيْ عُمَرُ رَأَيْتُ عُمَرَ مَرَرْتُ بِعُمَرَ»، یہاں پر بھی اسی طرح ہے: «جَاءَنِيْ بَعْلَبَكُّ رَأَيْتُ بَعْلَبَكَّ مَرَرْتُ بِبَعْلَبَكَّ»، دیکھا حالتِ نصبی اور جری میں فتحہ آئے گا اور حالتِ رفعی میں ضمہ آئے گا، کسرہ بھی اس پر نہیں آئے گی اور تنوین بھی نہیں آئے گی۔ تو یہ ہے ترکیب بھئی۔ بات سمجھ میں آگئی کہ دو لفظوں کو، دو کلموں کو جوڑ کر ایک کلمہ بنا لینا۔

اب ذرا متن متن دیکھ لیجیے۔ کہتے ہیں «التَّرْكِيْبُ»، ترکیب جو ہے، «شَرْطُهُ الْعَلَمِيَّةُ» اس کی شرط علمیت ہے، علم ہونا چاہیے، «وَأَنْ لَّا يَكُوْنَ بِإِضَافَةٍ وَلَا إِسْنَادٍ» اور اضافت اور اسناد کے ساتھ نہیں ہونا چاہیے، «مِثْلُ بَعْلَبَكَّ» جیسے کہ «بَعْلَبَكَّ» ہے بھئی۔ بھئی ترکیب کی شرط بیان کر رہے ہیں، ترکیب میں آپ کو بتلا رہے ہیں کہ تین شرطیں ہیں۔ پہلی شرط کیا؟ کہ علم ہونا چاہیے۔ دوسری شرط یہ کہ اس میں اضافت نہیں ہونی چاہیے، یعنی وہ آپس میں جن دو لفظوں کو آپ نے ملایا ہے وہ آپس میں مضاف مضاف الیہ نہ بن رہے ہوں، اور تیسری شرط یہ ہے کہ ان کے درمیان اسناد نہیں ہونی چاہیے یعنی وہ جملہ نہیں ہونا چاہیے، کیونکہ اسناد کس میں ہوتی ہے؟ جملے کے اندر ہوتی ہے۔ «زَيْدٌ قَائِمٌ»، «قَائِمٌ» کی اسناد کی جا رہی ہے «زَيْد» کی طرف، تو «زَيْد» ہوا مسند الیہ اور «قَائِمٌ» ہوا مسند اور دونوں کے درمیان کیا موجود ہے؟ اسناد موجود ہے۔ تو لہٰذا اضافت بھی نہیں ہونی چاہیے اور اسناد بھی نہیں۔ توجہ ہے؟ کتنی شرطیں ہو گئیں ترکیب کے لیے؟ تین شرطیں۔ پہلی شرط کیا؟ علم ہونا چاہیے، علم ہونا چاہیے۔ اور دوسری شرط کیا؟ اضافت نہ ہو۔ تیسری شرط کیا؟ اسناد نہ ہو۔ تو ایک شرط وجودی ہے، دو شرطیں عدمی ہیں۔ علم ہونا چاہیے، علم کا ہونا ضروری اور اسناد اور اضافت کا نہ ہونا ضروری ہے۔ تو ترکیب کے اندر تین شرطیں ہو گئیں۔

دیکھیے اب متن دیکھیے ذرا، کہتے ہیں «التَّرْكِيْبُ شَرْطُهُ الْعَلَمِيَّةُ»، ترکیب جو ہے اس کی شرط علمیت ہے، علم ہونا چاہیے۔ بھئی علمیت کی شرط اس لیے لگاتے ہیں کیونکہ آپ نے دو کلموں کو جوڑ کر ایک بنایا ہے۔ تو علم جب بنا دیں گے تو اب یہ ترکیب پکی ہو گئی، کیونکہ علم کے اندر کوئی تبدیلی نہیں کی جاتی۔ اگر علم نہیں ہے تو پھر تو کبھی ان دو لفظوں کو ملائیں گے کبھی الگ کر دیں گے، لیکن جب نام رکھ دیا تو پھر نام کے اندر کوئی تبدیلی نہیں ہوتی۔ اب اس شہر کا نام ہی «بَعْلَبَكَّ» ہے، اب بعل اور بکہ کو علیحدہ نہیں کریں گے۔ تو علمیت کی شرط کیوں لگائی؟ کیونکہ علم کے اندر تبدیلی نہیں کی جاتی، تو جب ترکیب

کے بعد علمیت آگئی، نام رکھ دیا گیا کسی کا، اب یہ ترکیب جائے گی نہیں، ختم نہیں ہوگی، اب یہ ترکیب پکی ہو گئی۔ یہ دو لفظ آپس میں اب پکے جڑ گئے کیونکہ علم کے اندر کوئی تبدیلی نہیں کی جاتی۔

میں پہلے آپ کو بتا چکا کہ اسبابِ منعِ صرف کیا کرتے ہیں؟ لفظ کو غیر منصرف بناتے ہیں۔ اسم کے اندر اصل ہے منصرف ہونا اور غیر منصرف ہونا خلاف الاصل ہے۔ غیر منصرف ہونا خلاف الاصل ہے۔ تو یہ اسبابِ منعِ صرف کیا کرتے ہیں؟ اسم کو اپنی اصل سے نکال کر غیرِ اصل کی طرف لے جاتے ہیں۔ تو اس کے لیے کوئی قوی سبب چاہیے، کمزور سبب اس کو اپنی اصل سے نہیں نکال سکتا۔ تو لہٰذا اسی لیے ترکیب کے اندر بھی علمیت کی شرط لگا دی، تاکہ یہ ترکیب پکی ہو جائے اور اس کے اندر قوت آجائے، اب یہ اسم کو اپنے اصل سے نکال کر غیر منصرف بنائے گی۔ تو کہتے ہیں «التَّرْكِيْبُ شَرْطُهُ الْعَلَمِيَّةُ»، ترکیب جو ہے اس کی شرط جو ہے علمیت ہے، علم ہونا ہے، «وَأَنْ لَّا يَكُوْنَ بِإِضَافَةٍ وَلَا إِسْنَادٍ» اور نیز اضافت نہیں ہونی چاہیے۔ وجہ یہ کہ آگے چل کر آپ کو بتلائیں گے کہ غیر منصرف جو ہے، توجہ ہے، غیر منصرف پر جب الف لام آجائے یا وہ مضاف بن جائے یعنی...

اس کے آگے اضافت کر دی جائے تو اس پر کسرہ آجاتا ہے۔ اس پر کسرہ۔ تنوین تو نہیں آئے گی کیونکہ الف لام آیا ہے، الف لام اور تنوین اکٹھے نہیں ہو سکتے۔ اور اضافت کے ساتھ بھی تنوین نہیں آتی کیونکہ مضاف سے بھی تنوین گر جاتی ہے۔ تو تنوین تو نہیں آسکتی، البتہ کسرہ آجائے گا۔ جیسے «جَاءَنِيْ أَحْمَدُ، رَأَيْتُ أَحْمَدَ، مَرَرْتُ بِأَحْمَدَ»، اب اس پر ذرا الف لام لے آؤ، حالتِ جری میں ذرا الف لام لے آؤ: «مَرَرْتُ بِالْأَحْمَدِ»، دیکھا الف لام آیا تو اب کسرہ آگیا۔ اور اسی طرح اضافت کر دو: «مَرَرْتُ بِأَحْمَدِكَ»، میں آپ کے احمد کے پاس سے گزرا۔ تو اضافت کیا پھر بھی کسرہ آگیا۔ ویسے کیا تھا؟ «مَرَرْتُ بِأَحْمَدَ»، دیکھو کسرہ نہیں آرہا تھا، تنوین بھی نہیں اور کسرہ بھی نہیں، لیکن جب اس پر الف لام لے آؤ یا اضافت کر دو، «مَرَرْتُ بِالْأَحْمَدِ» اور «مَرَرْتُ بِأَحْمَدِكَ»، تو اضافت اور الف لام کی صورت میں غیر منصرف پر کسرہ آجاتا ہے۔ اب پھر اس میں علماء کا اختلاف ہے کہ اس وقت جب اس پر الف لام آگیا یا اس کی اضافت کر دی، تو اب یہ منصرف ہے یا غیر منصرف ہے؟ تو بعض علماء فرماتے ہیں یہ ابھی بھی غیر منصرف ہے، صرف منصرف والا حکم آگیا ہے کہ کسرہ آسکتا ہے، جبکہ بعض کہتے ہیں کہ نہیں اس وقت یہ غیر منصرف ہے ہی نہیں، بلکہ اب یہ منصرف ہو چکا ہے۔

تو غیر منصرف پر جب الف لام آجائے یا اس کی اضافت ہو جائے، تو پھر اس پر کسرہ آجاتا ہے۔ اب اس میں علماء کا اختلاف، بعض کہتے ہیں یہ ابھی بھی غیر منصرف ہے، صرف منصرف والا حکم آیا ہے، یہ خود غیر منصرف ہی ہے، جبکہ بعض کہتے ہیں نہیں، یہ غیر منصرف اب رہا ہی نہیں بلکہ کیا بن گیا ہے؟ منصرف بن گیا ہے۔ وجہ یہ کہ الف لام اور اضافت اسم کے بڑے خاصے ہیں، تو جب یہ آگئے تو اس کی جو مشابہت تھی فعل کے ساتھ وہ کمزور پڑ گئی، تو اب یہ منصرف بن

گیا۔

تو بات چل رہی تھی ترکیب کی۔ ترکیب کے اندر انہوں نے شرط کیا لگائی؟ «وَأَنْ لَّا يَكُوْنَ بِإِضَافَةٍ»، وہ ترکیب اضافت کے ساتھ نہ ہو۔ وجہ یہ میں نے ابھی بتایا کہ اضافت تو غیر منصرف کو منصرف کے حکم میں کر دیتی ہے، جبکہ بعض کے نزدیک تو منصرف ہی بنا دیتی ہے۔ تو جب اضافت وہ غیر انصراف کے منافی ہے، تو وہ غیر انصراف کا سبب بھی نہیں بن سکتی۔ بات کس کی چل رہی ہے؟ ترکیب، اور اس ترکیب نے سبب بننا ہے کس کا؟ غیر انصراف کا۔ اور اس ترکیب میں اگر کیا ہوئی؟ اضافت ہوئی، تو اضافت جب غیر منصرف پر اضافت آتی ہے تو اس کو کیا بنا دیتی ہے؟ منصرف بنا دیتی ہے یا منصرف کے حکم میں کر دیتی ہے۔ معلوم ہوا اضافت غیر انصراف کے منافی ہے، تو جب ترکیب کے اندر اضافت آجائے گی، بھئی اضافت تو غیر انصراف کے منافی ہے، تو وہ غیر انصراف کا سبب کیسے بن سکتی ہے بھئی؟ توجہ ہے؟ کس ترکیب کی بات ہم کر رہے ہیں؟ جو غیر انصراف کا سبب بنے گی۔ اور اضافت تو خود کیا ہے؟ غیر انصراف کے منافی ہے، تو لہٰذا جب اضافت ہو گی ترکیب کے اندر تو وہ غیر انصراف کا سبب نہیں بننے دے گی۔ یہ معنی ہے «وَأَنْ لَّا يَكُوْنَ بِإِضَافَةٍ» اور وہ ترکیب اضافت کے ساتھ نہ ہو۔

«وَلَا إِسْنَادٍ» اور اسناد کے ساتھ بھی نہ ہو، اس لیے کیونکہ جب اسناد آئے گا تو وہ جملہ بن جائے گا۔ جملہ بن جائے گا، اور یاد رکھو جملہ مبنی ہوتا ہے بھئی، حتیٰ کہ بعض علماء تو فرماتے ہیں کہ جملہ مبنی الاصل ہوتا ہے۔ جملہ کیا ہوتا ہے؟ مبنی الاصل ہوتا ہے۔ تو جب دو لفظوں میں اسناد آئے گا پھر تو وہ مبنی بن جائے گا، اور منصرف اور غیر منصرف یہ تو معرب کی قسمیں ہیں، پھر تو وہ ہماری بحث سے ہی خارج ہو جائے گا۔ تو اسی لیے انہوں نے کہا ترکیب جو ہے اضافت والی بھی نہیں ہونی چاہیے اور اسناد والی بھی نہیں ہونی چاہیے۔ اضافت والی کیوں نہیں؟ کیونکہ اضافت غیر انصراف کے منافی ہے۔ اور اسناد والی کیوں نہیں؟ کیونکہ اسناد اگر آئے گا ترکیب کے اندر تو وہ جملہ بنے گا اور جملہ کیا ہوتا ہے؟ مبنی ہوتا ہے، اور غیر منصرف ہونا یہ تو معرب کی قسم ہے بھئی۔

بات سمجھ میں آگئی؟ اب دیکھیے بھئی پھر شروع سے شرح کے ساتھ اب ہم اس کو حل کریں گے۔ کہتے ہیں «اَلتَّرْكِيْبُ وَهُوَ صَيْرُوْرَةُ كَلِمَتَيْنِ أَوْ أَكْثَرَ كَلِمَةً وَاحِدَةً مِنْ غَيْرِ حَرْفِيَّةِ جُزْءٍ فَلَا يَرِدُ النَّجْمُ وَبَصْرِيٌّ عَلَمَيْنِ». ترکیب میں نے آپ کو بتلایا، ترکیب کسے کہتے ہیں؟ کہ دو یا زیادہ کلموں کو جوڑ کر ایک ہی کلمہ بنا دینا اس کو کیا کہتے ہیں؟ ترکیب۔ اب پوری تفصیل بیان کر رہے ہیں شارح جامی بھئی۔ کہتے ہیں «وَهُوَ صَيْرُوْرَةُ كَلِمَتَيْنِ أَوْ أَكْثَرَ» وہ ہو جانا ہے دو کلموں کا یا دو سے زیادہ کا، «كَلِمَةً وَاحِدَةً» ایک ہی کلمہ۔ دو یا زیادہ کلموں کا مل کر ایک ہی کلمہ ہو جانا، «مِنْ غَيْرِ حَرْفِيَّةِ جُزْءٍ» حرفیت... بھئی حرفیت میں نے آپ کو بتلایا ہے بھئی کہ کسی اسم سے مصدر بنانا ہو تو اس کا طریقہ یہ ہے اس کے آخر میں یائے مشدد اور گول تا جوڑ دیتے ہیں۔ جیسے ضارب سے ضاربیت، مضروب سے مضروبیت۔ تو ضاربیت کا کیا معنی؟ ضارب ہونا، مضروبیت کا کیا معنی؟

مضروب ہونا، دیکھو مصدر بن گیا۔ اسی طرح حرف ہے تو «غَيْرِ حَرْفِيَّةٍ»، اس کے ساتھ یائے مشدد اور گول تا جوڑ کر اس کو مصدر بنا دیا۔ حرفیت کا کیا معنی؟ حرف ہونا، کیا معنی؟ حرف ہونا، مصدر بن گیا۔ اب دیکھو «مِنْ غَيْرِ حَرْفِيَّةِ جُزْءٍ»، «مِنْ غَيْرِ حَرْفِيَّةِ جُزْءٍ» تو دیکھو اس میں غیر کی اضافت ہے حرفیت کی طرف اور حرفیت کی اضافت ہے جز کی طرف، اور ترجمہ کہاں سے شروع کرتے ہیں؟ آخر سے، مضاف الیہ سے ترجمہ شروع کرتے ہیں۔ «مِنْ غَيْرِ حَرْفِيَّةِ جُزْءٍ» کسی جز کے حرف ہونے کے بغیر، کسی جز کے حرف ہونے کے بغیر۔

بھئی ترکیب کی بات چل رہی ہے، کہتے ہیں ترکیب یہ ہے، ادھر دیکھیے، ترکیب یہ ہے کہ دو یا زیادہ کلموں کو جوڑ کر ایک کلمہ بنا لیا جائے، لیکن ان میں کوئی جز حرف نہیں ہونا چاہیے۔ ان میں کوئی جز حرف نہیں ہونا چاہیے، اگر حرف اس کا جز ہوا تو وہ ترکیب غیر انصراف کا سبب نہیں بنے گی۔ جیسے دیکھو «أَحَدَ عَشَرَ»، اصل میں کیا تھا؟ «أَحَدٌ وَعَشَرٌ»۔ تو «أَحَدٌ وَعَشَرٌ» تھا، درمیان میں واو حرفِ عطف تھا، پھر اس حرفِ عطف کو، یہ اس عشرہ کے اندر چھپ گیا، دونوں جز مل کر ایک بن گئے اور واو ان کے اندر چھپ گیا، تو اس نے سارے کو مبنی بنا دیا، «أَحَدَ عَشَرَ» یہ سارا کیا ہے؟ مبنی ہے۔ تو دیکھو حرف اس کا جز ہے اور اس نے کیا کیا؟ پورے مرکب کو مبنی بنا دیا۔ اور ہم تو یہاں اس ترکیب کی بات کر رہے ہیں جو غیر انصراف کا سبب بنے گی اور غیر منصرف ہونا یہ تو معرب کی قسم ہے۔ تو جب حرف جز بنے گا تو وہ کبھی تو مبنی بنا دے گا اور کبھی وہ منصرف ہی رہے گا، غیر منصرف نہیں بنے گا۔ بات سمجھ میں؟ تو حرف جو ہے وہ جب جز بنے گا تو کبھی تو وہ مبنی بنا دے گا، جیسے «أَحَدَ عَشَرَ» کو حرف نے کیا بنا دیا؟ مبنی بنا دیا۔ اور کبھی وہ اسی طرح رہے گا بھئی، یعنی معرب منصرف ہی رہے گا۔ ادھر دیکھو، جب حرف جز بنے گا اس مرکب کا، یا تو وہ اس کو مبنی بنائے گا یا اس کو منصرف ہی رہنے دے گا، غیر منصرف کا سبب نہیں بنے گا۔ اسی لیے کہا «مِنْ غَيْرِ حَرْفِيَّةِ جُزْءٍ» کسی جز کے حرف ہونے کے بغیر، کسی جز کے یعنی کوئی جز حرف نہیں ہونا چاہیے، ترکیب سے کون سی ترکیب مراد ہے؟ جس میں کوئی جز حرف نہیں ہونا چاہیے۔

دوبارہ ترجمہ دیکھیے، کہتے ہیں «وَهُوَ صَيْرُوْرَةُ كَلِمَتَيْنِ أَوْ أَكْثَرَ كَلِمَةً وَاحِدَةً مِنْ غَيْرِ حَرْفِيَّةِ جُزْءٍ» اور وہ دو یا زیادہ کلموں کا مل کر ایک کلمہ ہو جانا بغیر اس کے کہ کوئی جز حرف ہو، یا لفظی ترجمہ دیکھ لیں «مِنْ غَيْرِ حَرْفِيَّةِ جُزْءٍ» بغیر کسی جز کے حرف ہونے کے، کہ کوئی جز حرف نہ ہو۔ «فَلَا يَرِدُ النَّجْمُ وَبَصْرِيٌّ عَلَمَيْنِ» لہٰذا اعتراض وارد نہیں ہو سکتا «النَّجْمُ» اور «بَصْرِيٌّ» کے ذریعے «عَلَمَيْنِ» اس حال میں کہ یہ علم ہو۔ بھئی ترکیب میں شرط ہے نا علم ہونا چاہیے، کیا ہونا چاہیے؟ علم ہونا چاہیے۔ اب دیکھو «النَّجْمُ»، یاد رکھو «نَجْمٌ» ستارے کو کہتے ہیں۔ «نَجْمٌ» ستارہ، لیکن اسی پر الف لام لے آئے «النَّجْمُ»، اب یہ نام رکھ دیا ستاروں کے ایک مجموعے کا۔ کس کا نام رکھ دیا؟ ستاروں کے ایک مجموعے کا نام رکھ دیا، اور اس کو اردو میں ثریا کہتے ہیں، ثریا بھی اور پروین بھی۔ تو یہ چھوٹے چھوٹے باریک ستارے ہیں بھئی، اور عرب اس کے ذریعے نظر کی تیزی کا

امتحان لیتے تھے، کہ کس کی نظر تیز ہے اس کو اس میں کتنے ستارے نظر آتے ہیں، تو عام آدمی کو اس میں سات ستارے نظر آتے ہیں، جو تیز نظر والا ہو اس کو نو تک ستارے نظر آتے ہیں، تو اس کو «النَّجْمُ» کہتے ہیں۔ تو دیکھو «النَّجْمُ» اس میں بھی ترکیب ہے، الف لام حرف ہے اور نجم اسم ہے، تو ان دونوں کو ملا کر اس کا نام رکھ دیا، لیکن یہ غیر انصراف کا سبب یہ ترکیب نہیں بنے گی، نہیں بنے گی۔ ترکیب بھی ہے، علمیت بھی ہے، لیکن یہ غیر انصراف کا سبب نہیں بنے گی، کیوں نہیں بنے گی؟ کیونکہ ہم نے کہا تھا کہ اس ترکیب کا جز حرف کو نہیں ہونا چاہیے اور «النَّجْمُ» کے اندر تو الف لام حرف ہے بھئی۔

«وَبَصْرِيٌّ» بَصری دیکھو بصرہ شہر کا نام ہے اور اس کے ساتھ یا نسبت والی ملا دی، یا حرف ہے، تو اب بَصْرِيٌّ یہ کسی کا نام رکھ دیا۔ اب ترکیب بھی ہے، بصرہ لفظ بھی ہے اور یا حرف بھی ہے، تو ترکیب بھی ہو گئی اور علم بھی ہے لیکن یہ غیر منصرف نہیں، کیونکہ ہم نے کیا شرط لگائی تھی؟ وہ ترکیب ایسی ہو جس کے اندر حرف جو ہے اس کا جزء نہ ہو بھئی۔ تو کہتے ہیں «فَلَا يَرِدُ النَّجْمُ وَبَصْرِيٌّ عَلَمَيْنِ» لہٰذا النجم اور بصری اس حال میں کہ یہ علم ہیں ان کا اعتراض وارد نہیں ہوتا۔

«شَرْطُهُ الْعَلَمِيَّةُ» ترکیب کی شرط جو ہے علم ہونا ہے، «لِيَأْمَنَ مِنَ الزَّوَالِ» بھئی یہ علم ہونے کی شرط کیوں لگائی؟ میں نے آپ کو بتلایا تھا، تاکہ وہ ترکیب پکی ہو جائے، علم کے اندر کوئی تبدیلی نہیں کی جاتی، اس ترکیب نے کیا کرنا ہے؟ اسم کو انصراف سے نکال کر غیر انصراف کی طرف لے کر جانا ہے، یعنی اسم کو اپنی اصل سے نکالنا ہے اور اس کے لیے قوی سبب چاہیے۔ تو جب یہ ترکیب علم بن جائے گی تو اب یہ ترکیب زوال سے محفوظ ہو گئی، اب یہ ترکیب ختم نہیں ہو سکتی، اب دونوں لفظوں کو آپ علیحدہ نہیں کر سکتے کیونکہ یہ کیا بن چکے ہیں؟ علم بن چکے ہیں اور علم میں کوئی تبدیلی نہیں کی جاتی، تو اب اس ترکیب میں قوت آگئی، اب جب قوی ہو گئی تو اب یہ غیر انصراف کا سبب بنے گی۔ تو کہتے ہیں «شَرْطُهُ الْعَلَمِيَّةُ» ترکیب کی شرط جو ہے علمیت ہے، «لِيَأْمَنَ مِنَ الزَّوَالِ» تاکہ یہ زوال سے محفوظ ہو جائے، «فَيَحْصُلُ لَهُ قُوَّةٌ» تو اس کو قوت حاصل ہو جائے گی، اس ترکیب کو قوت حاصل ہو جائے گی، «فَيُؤَثِّرُ بِهَا فِي مَنْعِ الصَّرْفِ» تو اس قوت کی وجہ سے یہ مؤثر ہو گی منعِ صرف میں۔

«وَأَنْ لَّا يَكُوْنَ بِإِضَافَةٍ» اور نیز یہ ترکیب جو ہے اس کی شرط یہ ہے کہ یہ اضافت کے ساتھ نہیں ہونی چاہیے، «لِأَنَّ الْإِضَافَةَ تُخْرِجُ الْمُضَافَ إِلَى الصَّرْفِ أَوْ إِلٰى حُكْمِهٖ» اس لیے کیونکہ اضافت جو ہے وہ مضاف کو نکال دیتی ہے «إِلَى الصَّرْفِ» کس کی طرف؟ صرف یعنی منصرف ہونے کی طرف نکال دیتی ہے، یعنی اس کو منصرف بنا دیتی ہے، «أَوْ إِلٰى حُكْمِهٖ» یا منصرف کے حکم کی طرف اس کو نکال دیتی ہے، اس پر منصرف والا حکم آجاتا ہے۔ میں نے آپ کو بتلایا کہ جب غیر منصرف کی اضافت کر دی جائے تو اس پر کسرہ آجاتا ہے، تو پھر بعض علماء کیا فرماتے ہیں کہ یہ اس وقت بھی غیر منصرف ہے لیکن

کس کے حکم میں ہے؟ منصرف کے حکم میں ہے، جبکہ بعض علماء فرماتے ہیں کہ یہ منصرف کے حکم میں نہیں، یہ خود ہی اس وقت منصرف ہو چکا ہے۔ اضافت والی ترکیب بھی نکل گئی۔ مثلاً «عَبْدُ اللهِ»، عبد اللہ کسی کا نام رکھ دیا گیا، اب اس میں ترکیب بھی ہے، لفظِ عبد الگ ہے، لفظِ اللہ الگ ہے، دونوں کو ملایا اور جوڑ کر کسی کا نام رکھ دیا، لیکن اس میں اضافت ہے بھئی اور یہ جو اضافت ہے یہ تو غیر انصراف کے منافی ہے، مضاف جو ہے اگر وہ غیر منصرف ہو تو اضافت کے بعد اب وہ کسرہ اس پر آسکتا ہے، اور حالانکہ غیر منصرف پر تو تنوین اور کسرہ نہیں آسکتے، لیکن اضافت اور الف لام کے آنے کے بعد پھر غیر منصرف پر بھی کسرہ آجاتا ہے، تو پھر بعض علماء فرماتے ہیں یہ منصرف ہی بن گیا جبکہ بعض فرماتے ہیں منصرف تو ابھی نہیں بنا لیکن منصرف کے حکم میں ہو گیا ہے، تو اضافت کیا ہے؟ غیر انصراف کے منافی ہے، لہٰذا یہ جو عبد اللہ علم ہے یہ غیر منصرف نہیں ہے بلکہ منصرف ہے کیونکہ شرط پوری نہیں۔ ترکیب بھی ہے، علمیت بھی ہے لیکن ہم نے کیا کہا تھا؟ اضافت اور اسناد نہیں ہونا چاہیے اور عبد اللہ کے اندر تو اضافت ہے بھئی۔ کہتے ہیں «لِأَنَّ الْإِضَافَةَ تُخْرِجُ الْمُضَافَ إِلَى الصَّرْفِ أَوْ إِلٰى حُكْمِهٖ» اس لیے کیونکہ اضافت جو ہے وہ مضاف کو نکال دیتی ہے «إِلَى الصَّرْفِ» کس کی طرف؟ صرف یعنی منصرف ہونے کی طرف نکال دیتی ہے، یعنی اس کو منصرف بنا دیتی ہے، «أَوْ إِلٰى حُكْمِهٖ» یا منصرف کے حکم کی طرف اس کو نکال دیتی ہے، اس پر منصرف والا حکم آجاتا ہے۔

«فَكَيْفَ تُؤَثِّرُ فِي الْمُضَافِ إِلَيْهِ مَا يُضَادُّهُ أَعْنِيْ مَنْعَ الصَّرْفِ»۔ دیکھو یہ «بَعْلَبَكَّ» پر ذرا نظر رکھو، یہ آخر میں متن میں آیا تھا۔ «بَعْلَبَكَّ»، بعلبک میں پہلا جز ہے «بَعْل» اور دوسرا جز ہے «بَكَّ»۔ تو پہلا جز جو ہے وہ ہے مبنی علی الفتح «بَعْلَ» کیونکہ وہ درمیان میں آگیا۔ کہاں آگیا؟ درمیان میں۔ بھئی دیکھو اعراب کلمے کے آخر میں آتا ہے یا درمیان میں؟ آخر میں آتا ہے۔ تو جب بعل اور بکہ کو ملا دیا، بعل کے آخر میں پہلے لام تھا، لیکن جب یہ بکہ کے ساتھ جڑ گیا اب لام کہاں آگیا؟ اب لام درمیان میں آگیا، تو اب اعراب اس لام پر نہیں آئے گا بلکہ کہاں پر آئے گا؟ آخر میں آئے گا۔

تو جب ان دونوں کو جوڑتے ہیں تو آخر میں اعراب آتا ہے۔ وہاں پھر ہم اس کو غیر منصرف پڑھتے ہیں، جب مرکبِ منعِ صرف ہو۔ کیا پڑھتے ہیں؟ غیر منصرف پڑھتے ہیں۔ اب دیکھو یہ جو اضافت ہے، بات کس کی چل رہی ہے؟ اضافت کی۔ توجہ ہے؟ اضافت میں کتنے اسم چاہئیں؟ دو۔ ایک کو مضاف کہیں گے دوسرے کو مضاف الیہ۔ تو یہ اضافت کیا کرتی ہے؟ مضاف کو منصرف بنا دیتی ہے یا منصرف کے حکم میں کر دیتی ہے۔ توجہ ہے؟ جب اضافت مضاف کو منصرف بنا دیتی ہے یا منصرف کے حکم میں کر دیتی ہے، تو دوسرے جز کو وہ غیر منصرف بنا دے یہ کیسے ہو سکتا ہے؟

بھئی دیکھو نا دو جز ملیں گے۔ دو جز ملنے کے بعد اعراب کہاں ظاہر ہو گا؟ دوسرے کے آخر میں۔ دوسرے کے آخر میں۔ تو جب پہلے کو اس نے اضافت نے کیا بنا دیا؟ منصرف بنا دیا یا منصرف کے حکم میں کر دیا تو دوسرے کو وہ غیر منصرف بنا

دے یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ نہیں توجہ۔ پھر دیکھو۔ ترکیب میں دو اسم ملتے ہیں اور پہلے اسم کا آخر مبنی بن جاتا ہے اور دوسرے اسم کے آخر میں غیر انصراف والا اعراب آئے گا جب وہ ترکیب مؤثر ہو۔ کون سا اعراب آئے گا؟ «جَاءَ بَعْلَبَكُّ، رَأَيْتُ بَعْلَبَكَّ، مَرَرْتُ بِبَعْلَبَكَّ»، اعراب کہاں آ رہا ہے؟ دوسرے اسم کے آخر میں آ رہا ہے۔ تو اضافت کے اندر بھی دو اسم جڑ گئے، جب دو اسم جڑ گئے ہم نے کیا کہا؟ کہ اضافت نہیں ہونی چاہیے۔ وجہ یہ کہ اضافت کیا کرتی ہے؟ اگر مضاف غیر منصرف ہو تو اس کو کیا بنا دیتی ہے؟ منصرف بنا دیتی ہے یا منصرف کے حکم میں کر دیتی ہے، تو دوسرے اسم کے آخر کو، تو دوسرے اسم کو وہ غیر منصرف بنا دے یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ ایک ہی چیز ہے اضافت، پہلے اسم میں کیا اثر کر رہی ہے؟ یا تو اس کو منصرف بنا رہی ہے یا منصرف کے حکم میں کر رہی ہے، تو دوسرے میں اس کے مخالف یعنی غیر انصراف والا حکم لے آئے یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ ایک ہی چیز اضافت ہے، ایک ہی چیز ہے اضافت، وہ دو متضاد حکموں کا سبب نہیں بن سکتی۔ اضافت ایک ہی چیز ہے، یا تو وہ غیر انصراف کا سبب بنے گی یا انصراف کا سبب بنے گی۔ ایک ہو سکتا ہے نا؟ دونوں کا اکٹھا تو نہیں ہو سکتا، انصراف اور غیر انصراف ایک دوسرے کی ضد ہیں۔ تو ایک وقت میں یہ ایک کا سبب بن سکتی ہے، دونوں کا سبب نہیں بن سکتی۔ تو جب اضافت آئی، دو اسم آپس میں جڑے، تو مضاف کو اس نے کس حکم میں کر دیا؟ منصرف کر دیا یا منصرف کے حکم میں کر دیا، تو دوسرے کے اندر وہ اس کے مخالف حکم یعنی غیر انصراف کو لے آئے یہ کبھی بھی نہیں ہو سکتا بھئی۔ اسی لیے کہا اضافت نہیں ہونی چاہیے۔ بات سمجھ میں آ گئی؟

تو کہتے ہیں: «لِأَنَّ الْإِضَافَةَ تُخْرِجُ الْمُضَافَ إِلَى الصَّرْفِ أَوْ إِلٰى حُكْمِهٖ» اس لیے کیونکہ اضافت جو ہے وہ مضاف کو نکال دیتی ہے «إِلَى الصَّرْفِ» منصرف ہونے کی طرف یعنی اس کو منصرف بنا دیتی ہے، «أَوْ إِلٰى حُكْمِهٖ» یا اس کے حکم کی طرف نکال دیتی ہے یعنی اس پر منصرف والا حکم آ جاتا ہے۔ «فَكَيْفَ تُؤَثِّرُ فِي الْمُضَافِ إِلَيْهِ مَا يُضَادُّهُ أَعْنِيْ مَنْعَ الصَّرْفِ» تو پھر یہ اضافت کیسے مؤثر ہو سکتی ہے مضاف الیہ میں «مَا» اس حکم کا «يُضَادُّهُ» جو اس پہلے حکم کے مخالف ہو، اس کے مقابل ہو، «أَعْنِيْ مَنْعَ الصَّرْفِ» یعنی کہ منعِ صرف؟ پہلے دو اسم ہیں نا، ادھر دیکھیے، یہ دو اسم ہیں۔ یہ مضاف ہے، یہ مضاف الیہ۔ مضاف کے اندر اضافت نے کیا کیا؟ اس کو منصرف بنا دیا یا منصرف کے حکم میں کر دیا، تو مضاف الیہ میں وہ غیر انصراف والا حکم لے آئے یہ کیسے ہو سکتا ہے بھئی؟ اس طرح تو اضافت ایک ہی چیز دو متضاد حکموں کا سبب بن جائے گی۔ مضاف کو وہ منصرف بنا رہی ہے اور مضاف الیہ کو غیر منصرف بنا دے، یہ نہیں ہو سکتا بھئی۔ یہ معنی ہے «فَكَيْفَ تُؤَثِّرُ فِي الْمُضَافِ إِلَيْهِ مَا يُضَادُّهُ» تو پھر یہ اضافت کیسے مؤثر ہو سکتی ہے مضاف الیہ میں «مَا يُضَادُّهُ» اس حکم کی جو کہ اس پہلے حکم کے مقابل ہو، اس کے مخالف ہو، «أَعْنِيْ مَنْعَ الصَّرْفِ» یعنی کہ منعِ صرف۔ پہلے میں صرف والا حکم تھا، دوسرے

میں اس کے مخالف یعنی منعِ صرف آجائے، ایسا نہیں ہو سکتا۔

«وَلَا إِسْنَادٍ» اور اسناد بھی نہیں ہونا چاہیے، «لِأَنَّ الْأَعْلَامَ الْمُشْتَمِلَةَ عَلَى الْإِسْنَادِ مِنْ قَبِيْلِ الْمَبْنِيَّاتِ» اس لیے کیونکہ وہ اعلام جو مشتمل ہوتے ہیں اسناد پر، یعنی وہ نام جو کس پر مشتمل ہوں؟ اسناد، جن کے اندر اسناد ہو۔ بھئی یاد رکھو دو کلموں میں جب اسناد آئے تو وہ کیا بن جاتے ہیں؟ مبنی بن جاتے ہیں کیونکہ وہ جملہ بن گیا، تو وہ مبنی بن گئے۔ اسی لیے کہا: «لِأَنَّ الْأَعْلَامَ الْمُشْتَمِلَةَ عَلَى الْإِسْنَادِ مِنْ قَبِيْلِ الْمَبْنِيَّاتِ» اس لیے کیونکہ وہ اعلام جو اسناد پر مشتمل ہوتے ہیں وہ مبنیات کی قبیل سے ہوتے ہیں، «نَحْوُ تَأَبَّطَ شَرًّا» جیسے «تَأَبَّطَ شَرًّا»۔ «تَأَبَّطَ شَرًّا» یہ کوئی شخص تھا، کہتے ہیں اس نے بغل میں کوئی چیز اٹھائی، کسی دوسرے آدمی نے اس کو وہ چیز اٹھاتے ہوئے دیکھ لیا تو اس نے کہا «تَأَبَّطَ شَرًّا»۔ «تَأَبَّطَ» کا معنی ہے کوئی چیز بغل میں اٹھانا۔ کوئی چیز بغل میں اٹھانا یعنی اپنے پہلو پر بازو کے نیچے کوئی چیز اٹھا لینا، اس کو کیا کہتے ہیں؟ «تَأَبَّطَ»۔ «إِبْطٌ» یہ بغل کو کہتے ہیں۔ تو «تَأَبَّطَ» کا معنی کوئی چیز بغل میں اٹھا لینا۔ تو اس طرح کوئی آدمی نے کوئی چیز اٹھائی بغل میں، دوسرے نے اس کو چیز اٹھاتے ہوئے دیکھ لیا، تو کوئی چیز بری چیز ہو گی یا کیا ہو گا، تو اس نے کہا «تَأَبَّطَ شَرًّا» اس آدمی نے شر کو بغل میں اٹھا لیا۔ «تَأَبَّطَ» فعل ہے، بابِ تفعّل ہے، ماضی کا صیغہ ہے، «تَأَبَّطَ تَفَعَّلَ»، اور «شَرًّا» مفعول بہ ہے۔ «تَأَبَّطَ شَرًّا» اس نے شر کو بغل میں اٹھا لیا۔ تو بس پھر اس آدمی کا نام ہی یہ پڑ گیا۔ اب دیکھو یہ پورا جملہ ہے «تَأَبَّطَ شَرًّا»، اس نے شر کو بغل میں اٹھا لیا۔

یا جیسے اس کی مثال ہدایۃ النحو میں گزری تھی «شَابَ قَرْنَاهَا»۔ «شَابَ» کا معنی بالوں کا سفید ہونا، «قَرْن» مینڈھی کو کہتے ہیں بالوں کے جو بال بناتی ہیں عورتیں رسی کی طرح، ہاں چٹیا جو بناتی ہیں۔ تو «شَابَ قَرْنَاهَا» یہ کوئی عورت تھی، اس کے بال سفید ہو گئے تھے، اس نے چٹیا بنائی ہوئی تھی، تو دو چٹیا تھیں، تو کسی نے، عورت نے کسی نے کہہ دیا «شَابَ قَرْنَاهَا» دونوں چٹیا اس کی سفید ہو گئی ہیں۔ بس پھر اس کا نام ہی یہ پڑ گیا «شَابَ قَرْنَاهَا»، اس کی دونوں چٹیا سفید ہو گئی ہیں۔ تو یہ پورا جملہ ہے، یہ مبنی ہے بھئی۔ تو یہ «تَأَبَّطَ شَرًّا»، جبکہ بعضوں نے کہا «تَأَبَّطَ شَرًّا» کے بارے میں، یہ کوئی شخص تھا، یہ لکڑیاں لینے گیا جنگل میں اور وہاں سے لکڑیاں اکٹھی کر کے باندھ کر لے کر آیا۔ اپنے بغل میں اٹھا کر لایا لکڑیوں کو، گھر میں رکھا۔ بیوی نے جب وہ لکڑیوں کو کھولا تو ان میں سے سانپ نکل آیا۔ تو اس وقت بیوی نے کہا «تَأَبَّطَ شَرًّا» کہ اس نے تو شر کو بغل میں اٹھا لیا، یعنی سانپ لے آیا تھا۔ تو بس اس آدمی کا نام ہی کیا پڑ گیا؟ «تَأَبَّطَ شَرًّا» بھئی۔

تو اب یہ جو «تَأَبَّطَ شَرًّا» ہے، دیکھو اس کے ذریعے ایک خاص واقعے کی طرف اشارہ ہوتا ہے۔ تو اب اس میں کوئی تبدیلی نہیں کی جائے گی۔ اگر تبدیلی کریں گے تو واقعے پر دلالت فوت ہو جائے گی بھئی، واقعے پر دلالت فوت ہو جائے گی۔ مثلاً آپ «تَأَبَّطَ شَرٌّ» پڑھیں اگر، تو پھر تو «شَرٌّ» فاعل بن جائے گا: شر نے بغل میں اٹھا لیا! حالانکہ شر نے بغل میں اٹھایا یا اس آدمی نے شر کو بغل میں اٹھایا تھا؟ تو دیکھا، تو لہٰذا یہاں اب اعراب نہیں آسکتا۔ اعراب اگر آیا تو وہ جو خاص واقعے پر

دلالت تھی وہ فوت ہو جائے گی، وہ کسی کو سمجھ میں نہیں آئے گی بھئی۔ تو اس لیے جب اعلام میں اسناد ہو تو ان میں تبدیلی نہیں کی جاتی۔

تو کہتے ہیں «نَحْوَ تَأَبَّطَ شَرًّا، فَإِنَّهَا بَاقِيَةٌ فِيْ حَالَةِ الْعَلَمِيَّةِ» اس لیے کیونکہ یہ جو «تَأَبَّطَ شَرًّا» ہے یہ علمیت کی حالت میں بھی باقی ہے، «عَلٰى مَا كَانَتْ عَلَيْهَا قَبْلَ الْعَلَمِيَّةِ» اسی حالت پر جس پر یہ علمیت سے پہلے تھا۔ علم بننے سے پہلے جیسے اس عورت نے یا اس آدمی نے کیا کہا تھا؟ «تَأَبَّطَ شَرًّا»، تو علم بننے کے بعد بھی یہ اسی حالت پر باقی رہے گا۔ کیوں؟ کہتے ہیں: «فَإِنَّ التَّسْمِيَةَ بِهَا إِنَّمَا هِيَ لِدَلَالَتِهَا عَلٰى قِصَّةٍ غَرِيْبَةٍ» اس لیے کیونکہ اس کے ساتھ نام رکھنا اس وجہ سے کہ یہ دلالت کر رہا ہے ایک انوکھے قصے پر۔ «فَلَوْ تَطْرُقُ إِلَيْهَا التَّغَيُّرُ» («طَرَقَ يَطْرُقُ» کا معنی ہے راستے پر چلنا) اگر تبدیلی اور تغیر اس کے راستے پر چل پڑے یعنی اگر وہ اس کی طرف راستہ پا لے، «يُمْكِنُ أَنْ تَفُوْتَ تِلْكَ الدَّلَالَةُ» تو ممکن ہے کہ وہ دلالت فوت ہو جائے۔ بھئی دیکھیے جب یہ پورا جملہ کسی کا نام رکھا جاتا ہے تو یہ کسی خاص واقعے پر دلالت کرتا ہے۔ اگر اس کے اندر تبدیلی کر دی جائے، تبدیلی کا راستہ اس میں کھل جائے، پھر تو اس واقعے پر دلالت ممکن ہے فوت ہو جائے، یہ اس پر دلالت کرے ہی نہ۔ جیسے میں نے بتایا «تَأَبَّطَ شَرًّا» کے بجائے اگر کیا پڑھیں؟ «تَأَبَّطَ شَرٌّ»، شر نے بغل میں اٹھا لیا! بھئی وہاں اس آدمی نے شر کو بغل میں اٹھایا تھا یا شر نے اسے بغل میں اٹھایا تھا؟ اس آدمی نے شر کو بغل میں اٹھایا تھا، تو یہ سارے واقعے پر وہ دلالت ہی ختم ہو جائے گی، تو اس واقعے پر اس کی دلالت ختم ہو جائے گی۔

دوبارہ ترجمہ دیکھیے، کہتے ہیں: «فَإِنَّ التَّسْمِيَةَ بِهَا إِنَّمَا هِيَ لِدَلَالَتِهَا عَلٰى قِصَّةٍ غَرِيْبَةٍ فَلَوْ تَطْرُقُ إِلَيْهَا التَّغَيُّرُ يُمْكِنُ أَنْ تَفُوْتَ تِلْكَ الدَّلَالَةُ» اس لیے کیونکہ اس کے ساتھ نام رکھنا یہ اس لیے ہے کہ یہ دلالت کرتا ہے ایک انوکھے قصے پر، اگر تغیر راستہ پا لے اس کی طرف تو ممکن ہے کہ وہ دلالت فوت ہو جائے۔ «وَإِذَا كَانَتْ مِنْ قَبِيْلِ الْمَبْنِيَّاتِ» تو اس قسم کے اعلام کس قبیل سے ہوتے ہیں؟ مبنیات کی قبیل سے۔ تو کہتے ہیں «وَإِذَا كَانَتْ مِنْ قَبِيْلِ الْمَبْنِيَّاتِ» اور جب یہ مبنیات کی قبیل سے ہے، «فَكَيْفَ يُتَصَوَّرُ فِيْهَا مَنْعُ الصَّرْفِ الَّذِيْ هُوَ مِنْ أَحْكَامِ الْمُعْرَبَاتِ» تو اس کے اندر اس منعِ صرف کا تصور کیسے کیا جا سکتا ہے جو معربات کے احکام میں سے ہے؟ غیر منصرف ہونا تو معرب کے احکام میں سے ہے، تو جب یہ مبنی ہے تو اس میں غیر انصراف کا تصور کیسے کیا جا سکتا ہے بھئی؟ وہ تو معرب کا حکم ہے بھئی۔

«فَإِنْ قُلْتَ كَانَ عَلَى الْمُصَنِّفِ» یہاں سے ایک اعتراض اور اس کا جواب ذکر کریں گے۔ اعتراض یہ کہ انہوں نے کیا کہا؟ اضافت بھی نہیں ہونی چاہیے اور اسناد بھی نہیں ہونا چاہیے۔ کہتے ہیں ایک دو اور شرطیں بھی مصنف کو لگانی چاہئیں تھیں۔ ایک تو یہ کہ دوسرا جز جو ہے وہ صوت نہیں ہونی چاہیے، کوئی آواز نہیں ہونی چاہیے۔ جیسے «سِيْبَوَيْهِ»، «سِيْبَوَيْهِ» کے اندر یہ جو «وَيْهِ» ہے یہ صرف آواز ہے۔ «سِيْب» یہ سیب کو کہتے ہیں، یہ فارسی لفظ ہے، اور «وَيْهِ» یہ صرف آواز ہے، اس

کا کوئی معنی نہیں۔ اور «سِيْبَوَيْهِ» یاد رکھو یہ مرکبِ بنائی ہے۔ «سِيْبَوَيْهِ»، «سِيْبَ» پہلا جز مبنی علی الفتح اور «وَيْهِ» دوسرا جز مبنی علی الکسر۔ تو یہ چاہے فاعل بنے، مفعول بنے، مجرور مضاف الیہ بنے، ہر حال میں اسی طرح پڑھنا ہے: «جَاءَنِيْ سِيْبَوَيْهِ، رَأَيْتُ سِيْبَوَيْهِ، مَرَرْتُ بِسِيْبَوَيْهِ»۔ «سِيْبَ» پہلا جز مبنی علی الفتح اور دوسرا جز «وَيْهِ» مبنی علی الکسر۔ تو یہ مرکبِ بنائی ہے بھئی۔ تو اس میں پہلا جز «سِيْبَ» یہ اسم ہے اور دوسرا جز صوت ہے۔ تو مصنف کو کیا ذکر کرنا چاہیے تھا؟ کہ دوسرا جز صوت نہیں ہونا چاہیے۔ نیز وہ مرکب حرفِ عطف کو بھی متضمن نہ ہو، اس کے اندر حرفِ عطف بھی نہیں ہونا چاہیے۔ جیسے «أَحَدَ عَشَرَ» اصل میں کیا تھا؟ «أَحَدٌ وَعَشَرٌ»، یہ واو حرفِ عطف اس کے اندر چھپ گیا تو «أَحَدَ عَشَرَ» کیا بن گیا؟ مبنی۔ تو جیسے اسناد کی وجہ سے لفظ کیا بن جاتا ہے؟ مبنی، جملہ بن گیا مبنی بن گیا، اسی طرح یہ صوت اس کا جز بن جائے یا حرف اس کے اندر چھپ جائے تو وہ مرکب بھی کیا ہوتا ہے؟ مرکبِ بنائی۔ تو ان کو بھی ذکر کرنا چاہیے تھا کہ اسناد بھی نہیں ہونی چاہیے، اور دوسرا جز صوت بھی نہیں ہونی چاہیے، اور نیز اس ترکیب کے ضمن میں کوئی حرفِ عطف بھی نہیں ہونا چاہیے۔ تو یہ قیدیں بھی ذکر کرنی چاہئیں تھیں۔

کہتے ہیں: «فَإِنْ قُلْتَ» اگر آپ یہ کہیں، «كَانَ عَلَى الْمُصَنِّفِ أَنْ يَّقُوْلَ» کہ مصنف پر لازم تھا کہ وہ یوں کہتے: «وَأَنْ لَّا يَكُوْنَ الْجُزْءُ الثَّانِيْ مِنَ الْمُرَكَّبِ صَوْتًا» کہ جزِ ثانی مرکب میں سے جو ہے وہ آواز نہیں ہونا چاہیے، «وَلَا مُتَضَمِّنًا لِحَرْفِ الْعَطْفِ» اور نیز وہ حرفِ عطف کو بھی متضمن نہیں ہونا چاہیے، «لِيَخْرُجَ مِثْلُ سِيْبَوَيْهِ وَنِفْطَوَيْهِ» تاکہ «سِيْبَوَيْهِ» اور «نِفْطَوَيْهِ» جیسے لفظ نکل جائیں۔ بات سمجھ میں آگئی؟ «نِفْطَوَيْهِ» بھی اسی طرح ہے، اس میں دوسرا جز صوت ہے، صوت ہے، «نِفْطَوَيْهِ» بھئی۔ تو «نِفْطَوَيْهِ» یہ اس میں بھی دوسرا جز صوت ہے، اور «نِفْطٌ» یہ کوئی خاص قسم کا تیل ہے، خاص قسم کا روغن ہے، اس کا نام ہے بھئی۔ «جَاءَنِيْ نِفْطَوَيْهِ، رَأَيْتُ نِفْطَوَيْهِ، مَرَرْتُ بِنِفْطَوَيْهِ»۔ تو «نِفْطَوَيْهِ» یہ اس میں بھی دوسرا جز صوت ہے۔ «وَمِثْلُ خَمْسَةَ عَشَرَ وَسِتَّةَ عَشَرَ عَلَمَيْنِ» اور اسی طرح «خَمْسَةَ عَشَرَ» اور «سِتَّةَ عَشَرَ» «عَلَمَيْنِ» اس حال میں کہ یہ علم ہوں تاکہ یہ بھی نکل جائیں، یہ بھی نکل جائیں۔

جواب دیں گے، جواب دیں گے کہ بھئی آگے مصنف جو ہیں مبنیات ذکر کریں گے، وہاں پر وہ ان کے بارے میں بتلائیں گے کہ یہ کیا ہیں؟ یہ «سِيْبَوَيْهِ» اور «خَمْسَةَ عَشَرَ» وغیرہ مبنی ہیں۔ توجہ ہے؟ بھئی آگے مبنیات کی بحث آئے گی کتاب میں۔ وہاں پر وہ بتلائیں گے کہ یہ «سِيْبَوَيْهِ» اور «خَمْسَةَ عَشَرَ» وغیرہ مبنی ہیں۔ توجہ ہے؟ جب وہاں بتا دیا تو اسی پر اکتفا کر لیا کہ طالب علم کو وہاں پتہ چل جائے گا کہ یہ ترکیب غیر انصراف کا سبب نہیں بنے گی، بلکہ یہ تو مبنیات ہیں۔ ہاں اسناد کے بارے میں نہیں بتایا تھا کہ اسناد سے کیا بن جاتا ہے کوئی لفظ؟ مبنی بن جاتا ہے، تو اس لیے اس کو یہاں پر ذکر کیا اور باقیوں کو یہاں ذکر نہیں کیا۔

«قُلْنَا» ہم کہتے ہیں «كَأَنَّهُ اكْتَفٰى فِيْ ذٰلِكَ» کہ گویا کہ مصنف نے اکتفا کر لیا اس کے اندر، «بِمَا ذَكَرَهُ فِيْمَا بَعْدُ» وہ جو مصنف نے ذکر کیا بعد میں، «مِنْ أَنَّهُمَا مِنْ قَبِيْلِ الْمَبْنِيَّاتِ» کہ یہ کس قبیل سے ہیں؟ مبنیات کی قبیل سے ہیں۔ «وَأَمَّا الْأَعْلَامُ

الْمُشْتَمِلَةُ عَلَى الْإِسْنَادِ» اور باقی وہ اعلام جو اسناد پر مشتمل ہیں، «فَلَمْ يَذْكُرْ بِنَاءَهَا أَصْلًا» تو وہ اعلام جو اسناد پر مشتمل ہیں، ان کے مبنی ہونے...

کو مصنف نے پوری کتاب میں کہیں بھی ذکر نہیں کیا تھا، تو اس لیے اس کو پھر یہاں پر «وَلَا إِسْنَادٍ» کی قید کے ذریعے یہاں پر ذکر کر دیا کہ اسناد نہیں ہونا چاہیے۔ تو کہتے ہیں: «وَأَمَّا الْأَعْلَامُ الْمُشْتَمِلَةُ عَلَى الْإِسْنَادِ» اور باقی وہ اعلام جو اسناد پر مشتمل ہیں، «فَلَمْ يَذْكُرْ بِنَاءَهَا أَصْلًا» تو ان کے مبنی ہونے کو مصنف نے سرے سے بیان ہی نہیں کیا، «فَلِذٰلِكَ احْتَاجَ إِلٰى إِخْرَاجِهَا» اسی لیے مصنف محتاج ہوئے اس کو نکالنے کے، اس لیے انہوں نے «وَلَا إِسْنَادٍ» کی قید لگائی تاکہ ان کو نکال دیں۔

«مِثْلُ بَعْلَبَكَّ»، جیسے کہ «بَعْلَبَكَّ»، «فَإِنَّهُ عَلَمٌ لِبَلْدَةٍ» اس لیے کیونکہ یہ ایک شہر کا نام ہے، «مُرَكَّبٌ مِنْ بَعْلٍ» یہ مرکب ہے بعل سے، «وَهُوَ اسْمُ صَنَمٍ» اور یہ ایک بت کا نام ہے (ایک بت تھا جو مشرکین اس کی عبادت کرتے تھے)، «وَبَكٍّ» اور نیز یہ مرکب ہے کس سے؟ بَكٌّ سے بھئی۔ «مِنْ بَعْلٍ»، بعل پر عطف ہے بَكٍّ کا، وہ اس پر من داخل ہے مجرور ہے یہ بھی مجرور۔ تو یہ مرکب ہے بعل سے اور بَكٍّ سے۔ «وَهُوَ اسْمُ صَاحِبِ هٰذِهِ الْبَلْدَةِ» اور وہ اس شہر والے کا نام تھا، اس شہر کا کوئی بڑا آدمی تھا اس کا نام بَكٌّ تھا۔ «جُعِلَا اسْمًا وَاحِدًا» ان دونوں کو ایک اسم بنا دیا گیا، «مِنْ غَيْرِ أَنْ يُقْصَدَ بَيْنَهُمَا نِسْبَةٌ إِضَافِيَّةٌ أَوْ إِسْنَادِيَّةٌ أَوْ غَيْرُهُمَا» بغیر اس کے کہ ارادہ کیا جائے کہ ان کے درمیان نسبتِ اضافی ہے یا اسنادی ہے یا ان کے علاوہ کوئی اور نسبت ہے، ان دونوں کے علاوہ کوئی اور نسبت ہے۔ یعنی بعل بت کا نام تھا، بک اس آدمی کا نام تھا، دونوں کو ملا کر اس شہر کا نام رکھا گیا اور ان دونوں کے درمیان اضافت کا ارادہ نہیں کیا گیا کہ یہ آپس میں مضاف مضاف الیہ ہیں، اور نہ ہی اسناد کا ارادہ کیا گیا کہ ان دونوں کے درمیان کیا ہے اسناد، اور نہ ان دونوں کے علاوہ کوئی اور نسبت کا بھی ارادہ نہیں کیا گیا، تو ان کے درمیان کوئی نسبت نہیں ہے۔

بھئی اس کو اچھی طرح سمجھ لیں: «مِنْ غَيْرِ أَنْ يُقْصَدَ بَيْنَهُمَا نِسْبَةٌ إِضَافِيَّةٌ أَوْ إِسْنَادِيَّةٌ أَوْ غَيْرُهُمَا»۔ بھئی یہ بعل اور بک دو لفظوں کو ملایا اور جوڑ کر شہر کا نام رکھ دیا گیا، تو اس کے اندر ترکیب آگئی، لیکن اس ترکیب میں کسی قسم کی نسبت کا ارادہ نہیں کیا گیا، بس دونوں کو ویسے ہی ملایا، جوڑا اور شہر کا نام رکھ دیا۔ دونوں میں کسی قسم کی نسبت کا ارادہ نہیں کیا گیا، نہ تو نسبتِ اضافی کا ارادہ کیا گیا، نہ نسبتِ اسنادیہ کا، نہ اس کے علاوہ کا۔ توجہ ہے؟ یہ ذرا عبارت دیکھو: «مِنْ غَيْرِ أَنْ يُقْصَدَ بَيْنَهُمَا نِسْبَةٌ إِضَافِيَّةٌ» بغیر اس کے کہ ان دونوں کے درمیان ارادہ کیا گیا ہو نسبتِ اضافیہ کا، «أَوْ إِسْنَادِيَّةٌ» یا نسبتِ اسنادیہ کا، «أَوْ غَيْرُهُمَا» یا ان دونوں کے علاوہ۔ یہ «أَوْ غَيْرُهُمَا» کا ترجمہ عموماً عام شروحات والے مانع کے ساتھ کرتے ہیں۔ کس کے ساتھ؟ مانع کے ساتھ کرتے ہیں۔ کہ دیکھو، جیسے نسبتِ اضافی یہ مانع ہے، غیر انصراف کا سبب یہ نہیں بنے گی۔ اوپر بتایا نا «وَأَنْ لَّا يَكُوْنَ بِإِضَافَةٍ وَلَا إِسْنَادٍ» کہ وہ ترکیب ایسی ہو جو اضافت کے ساتھ بھی نہ ہو اور اسناد کے ساتھ بھی نہ ہو۔

تو معلوم ہوا اضافت اور اسناد والی دونوں نسبتیں غیر انصراف کے منافی ہیں۔ دونوں غیر انصراف کے منافی ہیں۔ تو دیکھو ان دونوں کو ملایا، ان دو اسموں کو، اور جوڑ کر ایک کر دیا۔ نہ تو اس کے اندر نسبتِ اضافی کا انہوں نے ارادہ کیا، جنہوں نے ان کو جوڑ کر ملایا، نہ تو اس میں انہوں نے نسبتِ اضافی کا ارادہ کیا ہے کہ یہ آپس میں مضاف مضاف الیہ ہوں، ایسا بھی نہیں۔ اور نہ ہی اس کے اندر نسبتِ اسنادیہ کا ارادہ کیا کہ یہ دونوں آپس میں کیا ہوں، مبتدا خبر ہوں۔ اور نہ ان کے علاوہ کسی اور مانع کا ارادہ کیا، «غَيْرُهُمَا» کا کیا ترجمہ کیا علماء نے؟ مانع کا۔ یعنی جیسے نسبتِ اضافی یہ غیر انصراف کے منافی ہے، جیسے نسبتِ اسنادی یہ غیر انصراف کے منافی ہے، تو نہ ان دونوں کا ارادہ کیا نہ کسی اور مانع کا ارادہ کیا۔ تو جب کسی مانع کا ارادہ ہی نہیں کیا تو «بَعْلَبَكَّ» کے اندر کوئی منافیِ غیر انصراف چیز موجود نہیں۔ تو «بَعْلَبَكَّ» میں غیر انصراف کے منافی کوئی چیز نہیں ہے، جب کوئی چیز نہیں ہے تو یہ غیر منصرف ہے، تو یہ ترکیب سبب بنے گی غیر انصراف کا۔ تو یہ «بَعْلَبَكَّ» کا لفظ کیا ہے؟ غیر منصرف، ایک اس میں ترکیب ہے اور ایک علمیت۔ تو «غَيْرُهُمَا» کا ترجمہ کیا کیا؟ عام شارحین اس کا ترجمہ مانع کے ساتھ کرتے ہیں کہ نسبتِ اضافی کا بھی ارادہ نہیں کیا گیا، نسبتِ اسنادی کا بھی ارادہ نہیں کیا گیا اور اس کے علاوہ کسی اور مانع کا بھی یہاں ارادہ نہیں کیا گیا۔

لیکن یہ یہاں مناسب نہیں بنتا بھئی۔ بات نسبت کی چل رہی ہے، بات کس کی چل رہی ہے؟ نسبت کی چل رہی ہے۔ تو یہاں «غَيْرُهُمَا» سے بھی نسبت ہی مراد لیں گے، کیا مراد لیں گے؟ نسبت ہی مراد لیں گے۔ نسبت۔ یاد رکھو نسبت جو ہے وہ دو قسم پر ہے: ایک نسبتِ تامہ ہے، ایک نسبتِ غیرِ تامہ ہے۔ نسبتِ تامہ جس کو ہم اسناد کہتے ہیں، جس کی وجہ سے جملہ بن جاتا ہے، اور وہ کس کے درمیان ہوتی ہے؟ مثلاً مبتدا اور خبر میں ہے، اسی طرح فعل اور اس کے فاعل یا نائب فاعل کے اندر ہے، یہ کیا ہے؟ نسبتِ تامہ ہے۔ «ضَرَبَ زَيْدٌ» دیکھو «ضَرَبَ» کا اسناد ہے کس کی طرف؟ زید کی طرف، اور یہ پورا جملہ ہے، بات پوری سمجھ میں آ رہی ہے۔ «زَيْدٌ قَائِمٌ» ان دونوں کے درمیان دیکھو نسبتِ تامہ ہے، «قَائِمٌ» کا اسناد ہو رہا ہے زید کی طرف، تو یہ نسبتِ تامہ ہے۔ اور ایک نسبتِ غیرِ تامہ ہے جو تام نہیں ہوتی، نسبت تو ہوتی ہے لیکن تام نہیں یعنی اس میں بات پوری نہیں ہوتی، اور اس کو نسبتِ تقییدیہ کہتے ہیں۔ «قَيَّدَ يُقَيِّدُ تَقْيِيْدًا» کا معنی ہے قید کرنا۔ تو نسبتِ تقییدیہ جس میں ایک چیز کو دوسری چیز کے لیے قید بنا دیا جاتا ہے، البتہ وہ تام نہیں ہوتی، وہ پورا جملہ نہیں ہوتا۔ اور وہ نسبتِ تقییدیہ کی پھر کئی صورتیں ہیں: جیسے مضاف اور مضاف الیہ کے درمیان بھی نسبتِ تقییدیہ ہے۔ جیسے دیکھو غلام کا لفظ الگ تھا، میں نے زید کی طرف اضافت کر دی «غُلَامُ زَيْدٍ»، اب یہ مضاف الیہ قید بن گیا کس کے لیے؟ غلام کے لیے، معلوم ہوا ہر غلام مراد نہیں ہے، کون سا غلام مراد ہے؟ زید کا غلام مراد ہے۔ تو یہاں دونوں کے درمیان نسبت آ گئی، غلام کی نسبت کر دی گئی کس کی طرف؟ زید کی طرف کر دی گئی کہ یہ زید کا غلام ہے بھئی۔ تو یہ نسبتِ اضافیہ ہے اور یہ نسبتِ تقییدیہ ہے، مضاف الیہ جو ہوتا ہے وہ قید ہوتا ہے مضاف کے لیے۔ توجہ ہے؟ تو ان دونوں میں نسبت ہے لیکن بات پوری

نہیں۔ «زید کا غلام»، دیکھو بات پوری نہیں ہے کہ اس کو کیا ہوا، وہ چلا گیا ہے، آ گیا ہے، مر گیا ہے، زندہ ہے، بات پوری نہیں۔ تو یہ نسبتِ غیرِ تامہ ہے اور اس کو نسبتِ تقییدیہ کہتے ہیں («تَقْيِيْدِيَّة» دو یا ہیں بھئی، «قَيَّدَ يُقَيِّدُ تَقْيِيْد»، تو یہ نسبتِ تقییدیہ ہے بھئی)۔

تو ایک قسم نسبتِ تقییدیہ کی کیا ہے؟ اضافت والی نسبت، نسبتِ اضافیہ، جو مضاف مضاف الیہ کے درمیان ہوتی ہے۔ اسی طرح موصوف صفت کے درمیان بھی نسبت ہوتی ہے، «رَجُلٌ شُجَاعٌ» بہادر آدمی۔ دیکھو «رَجُلٌ» ہے موصوف اور «شُجَاعٌ» ہے اس کی صفت۔ اس «شُجَاعٌ» کی نسبت کی جا رہی ہے «رَجُلٌ» کی طرف، کس کی طرف؟ «رَجُلٌ» کی طرف نسبت کی جا رہی ہے، تو یہ نسبتِ توصیفی ہوئی۔ یہ مرکبِ توصیفی ہے جس میں موصوف صفت ہوتے ہیں، تو یہ نسبت کون سی؟ نسبتِ توصیفی، یہ بھی نسبتِ تقییدیہ کی ایک قسم ہے۔ دیکھو «رَجُلٌ» موصوف ہے اور «شُجَاعٌ» اس کی صفت ہے، اور یہ صفت جو ہے یہ قید ہوا کرتی ہے۔ تو یہ بھی کیا ہے؟ نسبتِ تقییدیہ ہے اور یہ بھی، تو یہ بھی غیرِ تامہ ہے۔

اسی طرح، اسی طرح صفت کے جو صیغے ہیں ان کی نسبت ہوتی ہے اپنے فاعل یا نائب فاعل کی طرف۔ دیکھو «ضَارِبٌ»، «ضَارِبٌ» صفت کا صیغہ ہے۔ اس میں فاعل ہے نا؟ ضارب کوئی ذات ہو گی جو ضرب لگانے والی ہے۔ تو یہ صفت کا صیغہ ہے، اور میں نے آپ کو بتلایا تھا جیسے فعل کے لیے فاعل یا نائب فاعل چاہیے، اسی طرح صفت کے صیغوں کے لیے بھی کیا چاہیے؟ فاعل یا نائب فاعل چاہیے۔ تو «ضَارِبٌ» کا اسناد ہو گا اور آگے اگر کوئی اسمِ ظاہر ہوا تو وہ اس کا فاعل بنے گا، ورنہ اسی کے اندر ضمیر نکال لیں گے۔ اور اسی طرح «مَضْرُوْبٌ» اسمِ مفعول ہے۔ اسمِ مفعول کے لیے کیا چاہیے؟ نائب فاعل، تو آگے اگر کوئی اسمِ ظاہر ہوا تو اس کو اس کا نائب فاعل بنا دیں گے، ورنہ اسی کے اندر ضمیر نکال لیں گے۔ اسی طرح مصدر کی بھی نسبت ہوتی ہے اپنے فاعل کی طرف، اپنے فاعل یا نائب فاعل کی طرف اس کی بھی نسبت ہوتی ہے۔ تو یہ جو نسبتیں ہیں، یہ جو صفت کے صیغے کی نسبت ہے اپنے فاعل یا اپنے نائب فاعل وغیرہ کی طرف، یہ بھی نسبتِ تقییدیہ ہیں کیونکہ اس میں بھی بات پوری نہیں۔ میں نے کہا «ضَارِبٌ»، کوئی بات پوری آپ کو سمجھ میں آئی؟ نہیں۔ تو یہ بھی ان میں بھی نسبت ہے تو وہ نسبتِ تقییدیہ ہے۔ تو دیکھا معلوم ہوا نسبتِ تقییدیہ کی کئی قسمیں ہو گئیں: نسبتِ اضافیہ بھی ہے، نسبتِ توصیفیہ بھی ہے، اور وہ جو نسبت ہے صفت کے صیغے اور اس کے فاعل یا نائب فاعل کے درمیان، اسی طرح مصدر کی جو نسبت ہوتی ہے اپنے فاعل وغیرہ کی طرف، یہ بھی کیا ہے؟ سب نسبتِ تقییدیہ ہیں۔

تو صاحبِ جامی فرما رہے ہیں دیکھو کتاب پر: «مِنْ غَيْرِ أَنْ يُقْصَدَ بَيْنَهُمَا نِسْبَةٌ إِضَافِيَّةٌ أَوْ إِسْنَادِيَّةٌ أَوْ غَيْرُهُمَا» کہ بغیر اس کے کہ ارادہ کیا گیا ہو ان دونوں کے درمیان یعنی بعل اور بک کے درمیان کسی ایسی نسبت کا، «إِضَافِيَّةٌ» جو اضافت والی ہو، «أَوْ إِسْنَادِيَّةٌ» یا اسناد والی ہو، «أَوْ غَيْرُهُمَا» یا ان کے علاوہ ہو۔ تو معلوم ہوا «غَيْرُهُمَا» سے بھی نسبت ہی مراد ہے۔ کیا مراد ہے؟ نسبت۔ نہ تو نسبتِ اضافی کا ارادہ کیا گیا ہے ان دو کے درمیان، نہ نسبتِ اسنادی کا، نہ ان کے علاوہ

کسی اور نسبتِ تقییدیہ کا اس میں ارادہ کیا گیا ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟

تو میں نے کیا بتلایا حاصل کیا کہ بعض علماء کیا فرماتے ہیں کہ «غَيْرُهُمَا» سے مانع مراد ہے، جیسے نسبتِ اضافی اور اسنادی مانع ہیں اسی طرح کوئی اور بھی مانع ہو ان میں سے کسی کا یہاں ارادہ نہیں کیا گیا۔ لیکن میں نے بتایا کہ مناسب یہ ہے کہ بات نسبت کی چل رہی ہے تو «غَيْرُهُمَا» سے کیا مراد دیا جائے؟ «غَيْرُهُمَا» ان دونوں کے علاوہ، ترجمہ سمجھ میں آرہا ہے؟ ان دونوں کے علاوہ۔ معلوم ہوا کسی نسبت کی بات چل رہی ہے، یا یہ دو نسبتیں یا ان کے علاوہ۔ چنانچہ محشی کے کلام سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ «غَيْرُهُمَا» سے نسبت مراد ہے۔ اور محشی فرماتے ہیں، توجہ ہے، محشی فرماتے ہیں کہ «غَيْرُهُمَا» کو ذکر کرنے کی ضرورت ہی نہیں تھی کیونکہ صرف یہ دو نسبتیں یہ مانع ہیں اور کوئی نسبت مانع ہی نہیں ہے۔ نسبتِ اضافیہ اور اسنادیہ یہ تو مانع ہیں، یعنی غیر منصرف نہیں بننے دیتیں، غیر منصرف کے لیے یہ سبب نہیں بنتیں، لیکن اور کوئی نسبت، اور کوئی نسبتِ تقییدیہ غیر انصراف سے مانع نہیں ہے، لہٰذا «غَيْرُهُمَا» کو ذکر نہیں کرنا چاہیے تھا۔ لیکن صاحبِ جامی صرف یہ یہاں بتلانا چاہتے ہیں کہ بعل اور بک کو ملایا گیا اور ان میں کسی بھی نسبت کا ارادہ نہیں ہے یعنی ان دونوں کے درمیان کوئی بھی نسبت نہیں ہے۔ چاہے وہ مانع ہو یا نہ ہو، کوئی بھی ان میں نسبت نہیں۔ وہ نسبت جو مانع ہو جیسے اضافیہ اور اسنادیہ وہ بھی اس میں نہیں، اور جو مانع نہ ہو کوئی اور نسبتِ تقییدیہ ہو وہ بھی اس میں نہیں ہے۔ لہٰذا «غَيْرُهُمَا» کو ذکر کرنا چاہیے تھا، صرف وہ صرف وضاحت کرنا چاہتے ہیں کہ بعلبک کے درمیان کوئی بھی نسبت نہیں ہے چاہے مانع ہو چاہے غیرِ مانع ہو، کسی قسم کی کوئی نسبت نہیں ہے۔ ان دونوں کو جوڑ کر ایک اسم بنا دیا گیا بغیر کسی نسبت کے بھئی۔ بات سمجھ میں آگئی؟

تو یہ «بَعْلَبَكٌّ»، اس کے اندر دو سبب کیا؟ ایک علمیت ہے اور ایک ترکیب ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ چلیے بس بھئی، بات اچھی طرح سمجھ میں آگئی۔ چلیے بس بھئی، هٰذَا هُوَ الْمَرَامُ، وَاللّٰهُ أَعْلَمُ بِحَقِيْقَةِ الْكَلَامِ.

سبق نمبر ۷۰: اسبابِ منعِ صرف (۱۴): «اَلْاَلِفُ وَالنُّوْنُ الزَّائِدَتَانِ» کی پہچان اور شرائط

شرحِ ملا جامی صفحہ: ۵۰ — بتاریخ: ۱۴ ستمبر ۲۰۲۱ء

▪ تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث

دیکھیے بھئی کتاب پر۔

اَلْأَلِفُ وَالنُّوْنُ الْمَعْدُوْدَتَانِ مِنْ أَسْبَابِ مَنْعِ الصَّرْفِ تُسَمَّيَانِ مَزِيْدَتَيْنِ لِأَنَّهُمَا مِنَ الْحُرُوْفِ الزَّوَائِدِ، وَتُسَمَّيَانِ مُضَارِعَتَيْنِ أَيْضًا لِمُضَارَعَتِهِمَا لِأَلِفِي التَّأْنِيْثِ فِيْ مَنْعِ دُخُوْلِ تَاءِ التَّأْنِيْثِ عَلَيْهِمَا۔

بھئی گزشتہ سبق میں اسبابِ منعِ صرف میں سے ہم ترکیب کے بارے میں پڑھ رہے تھے۔ تو ترکیب سے کیا مراد ہے؟ صاحبِ جامی نے آپ کو بتلایا تھا کہ ترکیب اسے کہتے ہیں کہ دو یا زیادہ کلموں کا مل کر، جڑ کر ایک ہی کلمہ بن جانا، اور اس کے اندر کوئی جز حرف نہیں ہونا چاہیے۔ مِنْ غَيْرِ حَرْفِيَّةِ جُزْءٍ کسی جز کے حرف ہونے کے بغیر بھئی۔ دو یا زیادہ کلموں کا مل کر ایک کلمہ بن جانا، لیکن ان میں سے کوئی جز حرف نہیں ہونا چاہیے بھئی۔

لہٰذا النَّجْمُ اور بَصْرِيٌّ جیسے لفظ جب یہ علم ہوں وہ اس سے نکل گئے، کیونکہ النَّجْمُ کے اندر الف لام حرف جو ہے وہ ایک جز ہے اور نَجْمٌ جو اسم ہے وہ دوسرا جز ہے۔ تو دیکھو اس کا ایک جز حرف ہے۔ اور اسی طرح بَصْرِيٌّ، اس کے اندر بھی ایک بصرہ شہر کا نام ہے اور ایک یا ہے نسبت والی اور یہ بھی حرف ہے۔ تو دیکھو النَّجْمُ اور بَصْرِيٌّ کے اندر ایک جز حرف ہے، اور انہوں نے تو کیا قید لگائی؟ کہ حرف نہیں ہونا چاہیے۔ لہٰذا النَّجْمُ اور بَصْرِيٌّ کے ذریعے اعتراض نہیں کیا جا سکتا کہ دیکھو یہ علم بنتے ہیں اور ان میں ترکیب بھی ہے، النَّجْمُ میں ایک حرف ملا اور ایک اسم ملا، اور بَصْرِيٌّ کے اندر بھی ایک اسم ملا اور ایک حرف ملا، تو ترکیب بھی ہے اور علمیت بھی ہے، تو اس کو غیرِ انصراف کا سبب ہونا چاہیے، لیکن یہ دونوں تو منصرف ہیں بھئی۔ یہ دونوں منصرف ہیں، تو کہتے ہیں یہ اشکال نہیں ہو سکتا کیونکہ ہم نے بتلا دیا کہ وہ ترکیب ایسی ہو جس میں کوئی ایک جز بھی حرف نہ ہو، اور ان دونوں میں تو ایک جز حرف ہے بھئی۔

اور پھر بتلایا تھا کہ ترکیب کی شرط جو ہے علمیت ہے، علم ہونا چاہیے۔ بھئی کیوں، علم کیوں ہونا چاہیے؟ میں نے وجہ بتلائی تھی کہ وجہ یہ کہ ترکیب میں دو، دو کلمے ملتے ہیں، جڑتے ہیں، تو اگر یہ علم نہیں ہوں گے تو پھر یہ دوبارہ الگ ہو جائیں گے۔ جڑے ہیں اور پھر کیا ہو جائیں گے؟ الگ ہو جائیں گے۔ تو لہٰذا اس میں زوال کا خطرہ ہے، اس ترکیب کے زوال کا خطرہ ہے کہ ترکیب اس میں سے ختم ہو جائے گی، دونوں جز علیحدہ علیحدہ ہو جائیں گے۔ تو اس لیے علمیت کی شرط لگا دی کیونکہ علم جو ہوتا ہے وہ بِقَدْرِ الْإِمْكَانِ تغیر و تبدل سے محفوظ ہوتا ہے۔ علم میں کوئی تبدیلی نہیں کی جاتی، تو جب دو لفظوں کو جوڑ کر ایک کلمہ بنایا اور پھر کسی کا نام رکھ دیا، اب اس کے اندر کوئی تبدیلی نہیں ہوگی۔ جیسے بَعْلَبَكَّ، یہ اصل میں دو کلمے تھے، ایک بَعْلٌ اور ایک بَكٌّ۔ بَعْلٌ بت کا نام تھا اور بَكٌّ اس علاقے کا کوئی بڑا آدمی تھا یا کوئی بادشاہ تھا، تو ان دونوں ناموں کو ملا کر شہر کا نام رکھ دیا گیا بَعْلَبَكَّ۔ اور اس میں میں نے آپ کو بتلایا کہ یہ دو جز جب مل گئے تو پہلے کلمے کا جو آخر تھا، جیسے بَعْلَبَكَّ میں پہلا کلمہ کیا ہے؟ بَعْلٌ، اس کا آخر لام ہے، اور وہ لام اب آخر نہیں، اب وہ بیچ میں آ گیا، اور درمیان میں اعراب نہیں آتے، تو اب اعراب یہاں نہیں آئے گا بعل کے لام پر، بلکہ بَكَّ کے کاف پر اعراب آئے گا، اور پہلا کلمہ جو ہے بَعْلٌ اس کا آخری کلمہ مَبْنِيٌّ عَلَى الْفَتْحِ پڑھیں گے، بَعْلَبَكَّ، دیکھو لام مَبْنِيٌّ عَلَى الْفَتْحِ ہے بھئی۔ تو یہ مرکبِ منعِ صرف ہے بھئی، اور یہ غیرِ منصرف ہے بھئی۔ اس میں ایک علمیت ہے، ایک ترکیب ہے۔ تو اس کو کیسے پڑھیں گے؟ جَاءَنِيْ بَعْلَبَكُّ، دیکھا رفع پڑھا اور بغیر تنوین کے کیونکہ غیرِ منصرف ہے، اور حالتِ نصبی جری میں کاف پر فتحہ پڑھیں گے، رَأَيْتُ بَعْلَبَكَّ، مَرَرْتُ بِبَعْلَبَكَّ۔

انہوں نے علمیت کی شرط لگائی لِيَأْمَنَ مِنَ الزَّوَالِ تاکہ زوال سے یہ محفوظ ہو جائے، یعنی یہ ترکیب زائل نہ ہو، پھر ختم نہ ہو، زوال سے محفوظ ہو جائے۔ اس لیے کیونکہ علم میں کوئی تبدیلی نہیں کی جاتی، تو پھر اس کی وجہ سے اس کے اندر قوت آ جائے گی۔ میں نے بتلایا تھا آپ کو کہ یہ جو اسبابِ منعِ صرف ہیں یہ اسم کو غیرِ منصرف بنا دیتے ہیں، اور اسم کے اندر اصل ہے منصرف ہونا، تو منصرف ہونے سے نکالا اور کیا بنا دیا؟ غیرِ منصرف۔ تو اس کے لیے کوئی قوی سبب چاہیے، ضعیف سبب اسم کو اپنی اصل سے نہیں نکال سکتا۔ تو اس لیے سبب قوی چاہیے، اور ترکیب کے اندر جب علمیت آئے گی اب یہ ترکیب مضبوط ہو گئی، پختہ ہو گئی، اب جدا نہیں ہوگی، اب اس میں قوت آ گئی، اب یہ سبب بنے گی غیرِ انصراف کا اور اسم کو نکال دے گی اپنی اصل سے بھئی۔

اور دوسری اور تیسری شرط اس کے اندر یہ تھی کہ اس ترکیب کے اندر اضافت بھی نہیں ہونی چاہیے اور اسناد بھی نہیں ہونا چاہیے۔ اضافت والی ترکیب بھی نکل گئی، مثلاً عَبْدُ اللهِ۔ عَبْدُ اللهِ کسی کا نام رکھ دیا گیا۔ اب اس میں ترکیب بھی ہے، لفظِ عَبْدٌ الگ ہے، لفظِ اللهِ الگ ہے، دونوں کو ملایا اور جوڑ کر کسی کا نام رکھ دیا، لیکن اس میں اضافت ہے بھئی۔ اور یہ جو اضافت ہے، یہ تو غیرِ انصراف کے منافی ہے۔ مضاف جو ہے، اگر وہ غیرِ منصرف ہو، تو اضافت کے بعد اب وہ کسرہ اس

پر آسکتا ہے، اور حالانکہ غیرِ منصرف پر تو تنوین اور کسرہ نہیں آسکتے، لیکن اضافت اور الف لام کے آنے کے بعد پھر غیرِ منصرف پر بھی کسرہ آجاتا ہے۔ تو پھر بعض علماء فرماتے ہیں یہ منصرف ہی بن گیا، جبکہ بعض فرماتے ہیں منصرف تو ابھی نہیں بنا لیکن منصرف کے حکم میں ہو گیا ہے۔ تو اضافت کیا ہے؟ غیرِ انصراف کے منافی ہے۔ لہٰذا یہ جو عَبْدُ اللہِ علم ہے یہ غیرِ منصرف نہیں ہے بلکہ منصرف ہے کیونکہ شرط پوری نہیں۔ ترکیب بھی ہے، علمیت بھی ہے، لیکن ہم نے کیا کہا تھا؟ اضافت اور اسناد نہیں ہونا چاہیے، اور عَبْدُ اللہِ کے اندر تو اضافت ہے بھئی۔

اور پھر صاحبِ جامی نے فرمایا تھا کہ اضافت جو ہے، اضافت مضاف کو منصرف کر دیتی ہے یا منصرف کے حکم میں کر دیتی ہے، تو مضاف الیہ کے اندر وہ غیرِ انصراف کا سبب بن جائے یہ ممکن نہیں ہے۔ ایک ہی چیز ہے اضافت، مضاف میں وہ کس چیز کا سبب بنے؟ منصرف ہونے کا یعنی غیرِ منصرف کو بھی منصرف بنا دے، اور مضاف الیہ میں منصرف کو کیا بنا دے؟ غیرِ منصرف، یہ نہیں ہو سکتا۔ مضاف کو وہ منصرف بنا رہی ہے اور مضاف الیہ کو وہ غیرِ منصرف بنا رہی ہے، یہ نہیں ہو سکتا بھئی۔ لہٰذا وہ ترکیب اضافت والی نہیں ہونی چاہیے۔

اور نیز اسناد بھی نہیں ہونا چاہیے، اس لیے کیونکہ جب دو لفظوں کے درمیان اسناد آئے گا تو وہ جملہ بن جائے گا اور جملہ تو مبنی ہے بھئی، حتیٰ کہ بعض علماء تو فرماتے ہیں کہ یہ مَبْنِيُّ الْأَصْلِ ہے۔ آپ نے پڑھا ہے مَبْنِيُّ الْأَصْلِ تین چیزیں ہیں: فعلِ ماضی، فعلِ امر اور تمام حروف بھئی۔ تو، تو یہ تین مَبْنِيُّ الْأَصْلِ ہیں، جبکہ بعض علماء فرماتے ہیں کہ جملہ بھی مَبْنِيُّ الْأَصْلِ ہے۔ تو لہٰذا اسناد بھی نہیں ہونا چاہیے ان دو لفظوں کے درمیان جن میں ترکیب آئی ہے بھئی، کیونکہ اسناد اس کو مبنی بنا دے گا، اور مبنی، وہ مبنی، وہ تو معرب کے مقابل ہے بھئی۔ وہ تو ہماری بحث سے ہی خارج ہو جائے گا کیونکہ ہماری بحث معرب کے بارے میں چل رہی ہے کیونکہ غیرِ منصرف یہ معرب کی قسم ہے بھئی۔

اور نیز انہوں نے یہ وجہ بھی بیان کی تھی کہ اسناد جب آئے گا جملہ بنے گا، اور جملہ جب کسی کا نام رکھا جاتا ہے تو وہ دراصل کسی خاص واقعے کی طرف اشارہ کر رہا ہوتا ہے۔ جیسے ایک شخص لکڑیاں جنگل سے لے کر آیا، اور اس کی بیوی نے جب وہ لکڑیوں کو کھولا تو اندر سے سانپ نکل آیا، تو اس نے کیا کہا؟ تَأَبَّطَ شَرًّا کہ اس نے یعنی میرے خاوند نے شر کو بغل میں اٹھا لیا۔ شر کو یعنی اس کو تو علم ہی نہیں تھا اس نے شر کو اپنے بغل میں اٹھا لیا تھا۔ تو پھر یہ اس آدمی کا نام ہی پڑ گیا، نام ہی اب لوگ اس کو پکارتے ہی کس طرح؟ تَأَبَّطَ شَرًّا۔ تو یہ جملہ ہے، تَأَبَّطَ فعل ہے، هُوَ ضمیر اس کے اندر اس کا فاعل ہے، اور شَرًّا مفعول بہ ہے۔ تو اس نے شر کو بغل میں اٹھایا۔ اب یہ جملہ اس واقعے پر دلالت کر رہا ہے، اگر اس کے اندر تبدیلی کی جائے گی تو ہو سکتا ہے پھر یہ اس واقعے پر دلالت نہ کرے بھئی۔ اس لیے بھی وہ اعلام جو اسناد پر مشتمل ہوتے ہیں ان میں کوئی تبدیلی نہیں کی جاتی۔

پھر اس کے بعد اشکال ذکر کیا تھا صاحبِ جامی نے ایک اور اس کا جواب دیا تھا۔ اشکال یہ کہ انہوں نے وَلَا إِسْنَادٍ کی

قید تو لگا دی کہ اسناد نہیں ہونا چاہیے، کیوں نہیں ہونا چاہیے؟ کیونکہ لفظ مبنی بن جاتا ہے، کیا بن جاتا ہے؟ مبنی۔ اسی طرح کہتے ہیں یہ قید بھی لگانی چاہیے تھی کہ وہ جو مرکب ہے اس میں سے کوئی جز صوت نہیں ہونی چاہیے۔ صوت ص، و، لمبی ت، صوت آواز کو کہتے ہیں۔ کہ کوئی جز صوت بھی نہیں ہونا چاہیے اور وہ ترکیب حرفِ عطف کو متضمن ہو ایسا بھی نہیں ہونا چاہیے۔ کیا قید لگانی چاہیے تھی؟ کہ اسناد بھی نہ ہو اور اس میں کوئی جز صوت بھی نہ ہو اور وہ ترکیب کسی حرفِ عطف کو بھی متضمن نہ ہو، تاکہ سِيْبَوَيْهِ اور خَمْسَةَ عَشَرَ جیسے الفاظ نکل جائیں۔ سِيْبَوَيْهِ، میں نے بتایا تھا سِيْبَوَيْهِ اسی طرح نِفْطَوَيْهِ۔ نِفْطَ نون، فا، طا ہے طا کے اوپر زبر ہے، نِفْطَوَيْهِ۔ میں نے بتایا تھا ان دونوں کے اندر یہ جو وَيْهِ آخر میں آرہا ہے نا یہ آواز ہے، یہ صوت ہے، اس کا کوئی معنی نہیں ہے۔ ہاں سِيْب کا معنی ہے سیب بھئی، یہ فارسی زبان کا لفظ ہے۔ سِيْبَوَيْهِ اس میں دیکھو دو جز ہیں: پہلا جز اسم ہے اور دوسرا جز وَيْهِ جو ہے وہ صوت ہے، اور یہ مرکبِ بنائی ہے، اس کے دونوں جز مبنی ہیں۔ سِيْبَ، دیکھا پہلے جز میں با مَبْنِيٌّ عَلَى الْفَتْحِ ہے اور وَيْهِ دوسرا جز جو ہے مَبْنِيٌّ عَلَى الْكَسْرَةِ ہے۔ اس کو ہر جگہ اسی طرح پڑھیں گے: جَاءَنِيْ سِيْبَوَيْهِ، رَأَيْتُ سِيْبَوَيْهِ، مَرَرْتُ بِسِيْبَوَيْهِ۔ اسی طرح جَاءَنِيْ نِفْطَوَيْهِ، رَأَيْتُ نِفْطَوَيْهِ، مَرَرْتُ بِنِفْطَوَيْهِ۔ تو نِفْطَوَيْهِ یہ اس میں بھی دوسرا جز صوت ہے، اور نِفْط یہ کوئی خاص قسم کا تیل ہے، خاص قسم کا روغن ہے، اس کا نام ہے بھئی۔ تو لہٰذا مصنف کو کیا قید لگانی چاہیے تھی؟ کہ ترکیب میں دوسرا جز صوت نہیں ہونا چاہیے، یہ قید بھی لگانی چاہیے تھی تاکہ سِيْبَوَيْهِ اور نِفْطَوَيْهِ جیسے الفاظ نکل جائیں۔ اور نیز یہ قید بھی لگانی چاہیے تھی کہ وہ ترکیب کسی حرفِ عطف کو متضمن نہ ہو، جیسے خَمْسَةَ عَشَرَ یا سِتَّةَ عَشَرَ کسی کا نام رکھ دیا جائے۔ اب خَمْسَةَ عَشَرَ اصل میں کیا تھا؟ خَمْسَةٌ وَعَشَرٌ۔ پھر یہ واو عَشَرٌ کے اندر چھپ گیا اور دونوں جزوں کو ملا دیا گیا، تو کیا بن گیا؟ خَمْسَةَ عَشَرَ، اور اس کے دونوں جز مَبْنِيٌّ عَلَى الْفَتْحِ ہیں۔ اب یہ کسی کا نام رکھ دیا جائے تو دیکھو ترکیب بھی ہے، علمیت بھی ہے، لیکن یہ ایک حرف کو متضمن ہے اس لیے مبنی ہے، جب مبنی ہے تو یہ ہماری بحث سے خارج، جب خارج ہے تو اس کے لیے قید کو ذکر کرنا چاہیے تھا۔ بات سمجھ میں آرہی ہے؟

تو صاحبِ جامی نے اس کا جواب دیا کہ بھئی اسی کتاب میں آگے چل کر مبنیات کا ذکر آئے گا، یہ معرب کا بیان چل رہا ہے پھر مبنیات کا بیان آئے گا۔ تو مبنیات کے اندر صاحبِ کافیہ یعنی علامہ ابنِ حاجب رحمہ اللہ وہ ہمیں بتلائیں گے کہ سِيْبَوَيْهِ جیسے الفاظ اور خَمْسَةَ عَشَرَ جیسے الفاظ مبنی ہیں بھئی۔ تو وہاں چل کر یہ بتا دیں گے کہ یہ دونوں مبنی ہیں، اس لیے یہاں نہیں ذکر کیا کہ وہیں بتانا کافی ہے، طالبِ علم کو وہیں سے پتا چل جائے گا۔ جبکہ اسناد، اسناد سے بھی وہ لفظ مبنی بن جاتے ہیں، یہ پوری کتاب میں انہوں نے کہیں ذکر نہیں کیا تھا، اس لیے اس وجہ سے یہاں ان کو وَلَا إِسْنَادٍ کی قید ذکر کرنا پڑی۔ بات سمجھ میں آگئی؟

اب آگے دیکھیے بھئی۔ کہتے ہیں: اَلْأَلِفُ وَالنُّوْنُ الْمَعْدُوْدَتَانِ مِنْ أَسْبَابِ مَنْعِ الصَّرْفِ تُسَمَّيَانِ مَزِيْدَتَيْنِ لِأَنَّهُمَا مِنَ الْحُرُوْفِ الزَّوَائِدِ۔ آج اسبابِ منعِ صرف میں سے الف نون مزیدتان کے بارے میں ہم پڑھیں گے بھئی۔ الف نون مزیدتان نام

سے ہی پتا چل رہا ہے وہ الف اور نون جو زائد ہوتے ہیں۔ کیا ہوتے ہیں؟ زائد ہوتے ہیں، کلمے کے آخر میں آتے ہیں، زائد ہوتے ہیں اور یہ غیرِ انصراف کا سبب بنتے ہیں۔ جیسے عِمْرَانُ، دیکھو آخر میں الف نون مزیدتان ہیں۔ عِمْرَانُ غیرِ منصرف ہے، ایک علمیت ہے اور ایک الف نون مزیدتان ہے اس کے آخر میں۔ اسی طرح عُثْمَانُ، یہ بھی غیرِ منصرف ہے، ایک علمیت ہے اور ایک الف نون مزیدتان ہے۔ اسی طرح سَلْمَانُ، سَلْمَانُ کے آخر میں بھی یہ الف نون مزیدتان ہیں۔ تو الف نون مزیدتان یہ غیرِ انصراف کا سبب بنتے ہیں لیکن اس کی شرط ہے بھئی۔ دیکھیے پہلے ذرا متن متن دیکھ لیں۔ کہتے ہیں: اَلْأَلِفُ وَالنُّوْنُ إِنْ كَانَتَا فِي اسْمٍ فَشَرْطُهُ الْعَلَمِيَّةُ كَعِمْرَانَ، أَوْ صِفَةٍ فَانْتِفَاءُ فَعْلَانَةٍ وَقِيْلَ وُجُوْدُ فَعْلٰى، وَمِنْ ثَمَّ اخْتُلِفَ فِيْ رَحْمَانَ دُوْنَ سَكْرَانَ وَنَدْمَانٍ۔ اب متن ذرا حل کر لیں۔ کہتے ہیں: اَلْأَلِفُ وَالنُّوْنُ إِنْ كَانَتَا فِي اسْمٍ فَشَرْطُهُ الْعَلَمِيَّةُ۔ یاد رکھو یہ الف نون جو ہے غیرِ انصراف کا سبب بنتا ہے لیکن یہ کبھی کبھار اسم میں آتا ہے اور کبھی صفت میں آتا ہے۔ اسم میں آئے تو اس کی شرط الگ، صفت میں آئے تو اس کی شرط الگ۔ تو اسم میں آئے تو اس کی شرط الگ اور صفت میں آئے تو اس کی شرط الگ۔ صفت کسے کہتے ہیں؟ پہلے یہ سمجھ لو۔ صفت وہ اسم جو کسی مبہم ذات پر دلالت کرے جس میں وصف بھی ملحوظ ہو۔ صفت کسے کہتے ہیں؟ وہ اسم، توجہ سے سنو۔ اسم اور صفت یہ دو چیزیں آ رہی ہیں، اسم کے اندر الگ شرط ہے صفت میں الگ شرط۔ تو صفت کسے کہتے ہیں، اسم کسے کہتے ہیں، یہ سمجھ لو۔ تو صفت، یاد رکھو یہ صفت اور اسم یہ ایک دوسرے کے مقابل ہیں جو یہاں ذکر ہو رہے ہیں۔

صفت سے مراد وہ اسم ہے جو کسی ذاتِ مبہم پر دلالت کرتا ہے اور ساتھ کوئی وصف بھی ملحوظ ہوتا ہے۔ صفت کسے کہتے ہیں؟ وہ اسم جو کسی ذاتِ مبہم پر دلالت کرتا ہے اور ساتھ اس کے کوئی وصف بھی ملحوظ ہوتا ہے، جیسے ضَارِبٌ۔ ضَارِبٌ سے کون مراد ہے؟ زید، عمر، بکر، خالد؟ نہیں، کوئی بھی مراد ہو سکتا ہے، کوئی بھی ذات۔ تو یہ ذاتِ مبہم پر دلالت کر رہا ہے، البتہ ہوگی کوئی ذات جس میں ضاربیت والا وصف ہوگا، پٹائی کرنے والا وصف اس کی صفت ہوگا بھئی۔ تو یہ کسی ذات پہ دلالت کر رہا ہے اور وہ ذات غیرِ معین ہے۔ اور نیز صرف ذات پہ دلالت کر رہا ہے یا اس میں ضاربیت کا وصف بھی ملحوظ ہے؟ وصف بھی ملحوظ ہے کہ وہ ذات کیسی ہے؟ اس میں ضاربیت والی صفت ہے بھئی۔ اسی طرح مَضْرُوْبٌ، مَضْرُوْبٌ ایک ذات پر دلالت کر رہا ہے، معلوم ہوا کوئی ذات ہے جو مضروب ہے، لیکن صرف ذات ہے یا اس کے ساتھ مضروبیت والا وصف بھی ملحوظ ہے؟ مضروبیت والا وصف بھی ملحوظ ہے، معلوم ہوا وہ ذات موصوف ہے مضروبیت کے ساتھ کہ اس کی پٹائی کی گئی ہے بھئی۔

تو وصف کسے کہتے ہیں؟ وصف وہ اسم ہے جو دلالت کرتا ہے کسی ذات پر اور اس میں کوئی وصف بھی ملحوظ ہوتا ہے، جیسے ضَارِبٌ اور مَضْرُوْبٌ۔ یہ کس پہ دلالت کر رہے ہیں؟ ذاتِ مبہم پر، اور ساتھ وصف بھی ملحوظ ہے۔ ضَارِبٌ میں کون سا وصف ہے؟ ضاربیت والا، اور جو مَضْرُوْبٌ ہے اس میں مضروبیت والا۔ تو یاد رکھو یہ جو ضَارِبٌ اور مَضْرُوْبٌ ہیں یہ

ذَاتٌ مَعَ الْوَصْفِ پر دلالت کرتے ہیں، ذات بھی ہے اور ساتھ وصف بھی ملحوظ ہے۔ ضَارِبٌ کا کیا معنی؟ کوئی ذات ہے اور وصف کون سا ہے؟ ضاربیت والا کہ وہ پٹائی کرنے والا ہے۔ اور مَضْرُوْبٌ کوئی ذات ہے اور ساتھ وصف بھی ہے، کون سا وصف؟ کہ مضروبیت والا وصف اس ذات کے اندر ہو۔ اسی طرح أَحْمَرُ، أَحْمَرُ کا کیا معنی؟ سرخ، معلوم ہوا کوئی چیز ہے، کوئی ذات ہے اور وصف بھی ملحوظ ہے کہ کس رنگ کی ہے؟ سرخ رنگ کی ہے۔ اور اسی طرح أَبْيَضُ، أَبْيَضُ کا کیا معنی؟ سفید، معلوم ہوا کوئی ذات ہے اور ساتھ وصف بھی ملحوظ ہے کہ سفید رنگ کی ہے بھئی۔ تو اس کو کہیں گے صفت۔

اور ایک ہے اسمِ محض بھئی، ایک اسمِ محض ہے۔ اسمِ محض وہ ہے جو صرف ذات پر دلالت کرتا ہے، وہاں کوئی وصف ملحوظ نہیں ہوتا، جیسے رَجُلٌ۔ تو رَجُلٌ کا معنی آدمی، تو یہ رَجُلٌ دیکھو ایک ذات پہ دلالت کر رہا ہے لیکن کوئی وصف ملحوظ نہیں۔ اسی طرح فَرَسٌ ہے، فَرَسٌ کا معنی گھوڑا بھئی، یہ ایک ذات پہ دلالت کر رہا ہے لیکن ساتھ کوئی وصف ملحوظ نہیں۔ تو گویا اسم کی دو قسمیں بن گئیں: ایک اسمِ محض ہے اور ایک صفت ہے۔ ایک اسمِ محض یعنی جس میں وصف ملحوظ نہیں، اور وہ اسم جس میں وصف ملحوظ ہے اس کو صفت کہتے ہیں۔ تو گویا دو قسمیں ہو گئیں: ایک اسم اور ایک صفت۔ اسم سے کیا مراد؟ اسمِ محض جس میں وصف ملحوظ نہ ہو۔ اور صفت سے کیا مراد؟ وہ اسم جو ذَاتٌ مَعَ الْوَصْفِ پر دلالت کرے۔ بات سمجھ میں آ گئی؟

تو یاد رکھو، الف نون مزیدتان جو ہیں، اسم میں آئیں تو اس کی شرط الگ ہے، صفت میں آئیں تو شرط الگ ہے۔ کیا شرطیں ہیں آپ کو بتلائیں گے۔ کہ الف نون مزیدتان اگر اسم میں آئیں تو اس کی شرط علمیت ہے، وہ علم ہونا چاہیے۔ جیسے عِمْرَانُ، عِمْرَانُ اسم ہے بھئی، تو عِمْرَانُ دیکھو اس میں الف نون مزیدتان ہیں اور اس کی شرط بھی پوری ہے کہ علم بھی ہے، تو یہ غیرِ انصراف کا سبب بنے گا۔ تو عِمْرَانُ غیرِ منصرف ہے، دو سبب کیا؟ ایک علمیت اور ایک الف نون مزیدتان بھئی۔ تو اسم کے اندر الف نون آئے تو اس کی کیا شرط ہے؟ کہ وہ علم ہونا چاہیے، جیسے عِمْرَانُ، عُثْمَانُ، سَلْمَانُ وغیرہ بھئی۔

لہٰذا ہدایۃ النحو میں ایک اور مثال بھی انہوں نے ذکر کی ہے جیسے سَعْدَانٌ بھئی۔ کہتے ہیں سَعْدَانٌ یہ منصرف ہے، یہ اسم ہے ایک پودے کا نام ہے، ایک پودے کا نام ہے، اسم ہے لیکن شرط نہیں پوری۔ ہم نے کیا کہا تھا؟ اسم کے اندر اگر الف نون آ جائے تو شرط کیا ہے؟ علمیت۔ سَعْدَانٌ علم نہیں ہے۔ آپ کہیں گے بھئی پودے کا تو نام ہے یہ تو علم ہے۔ نہیں بھئی نہیں۔ مثلاً ایک پودا میرے پاس لگا ہوا ہے تو میں آپ کو بتلاتا ہوں هٰذَا سَعْدَانٌ، یہ کیا ہے؟ سعدان پودا ہے۔ دوسرا ایک طرف لگا ہے، میں کہتا ہوں هٰذَا سَعْدَانٌ، یہ بھی سعدان پودا ہے۔ تیسرا ایک لگا ہے، میں نے کہا هٰذَا سَعْدَانٌ، یہ بھی کیا ہے؟ سعدان۔ معلوم ہوا یہ اسم ہے، علم نہیں۔ توجہ ہے؟ علم تو وہ ہوتا ہے جو کسی معین ایک ذات پہ دلالت کرے، اور یہ تو میں ہر پودے کو سعدان کہہ رہا ہوں، معلوم ہوا یہ علم نہیں ہے بلکہ یہ اسم ہے۔ لہٰذا سَعْدَانٌ یہ منصرف ہے۔

اس کے اندر الف نون مزیدتان تو ہیں لیکن یہ اسم کے اندر الف نون مزیدتان ہیں، اور اس کے اندر شرط کیا تھی؟ علم ہونا چاہیے، اور یہ تو علم نہیں، لہٰذا یہ سَعْدَانٌ منصرف ہے بھئی۔

جبکہ اگر صفت کے اندر الف نون مزیدتان آئیں تو اس کی شرط یہ ہے کہ اس کی مؤنث فَعْلَانَةٌ وزن پر نہیں آنی چاہیے۔ اگر الف نون مزیدتان بھئی صفت کے اندر آئیں تو شرط کیا ہے؟ کہ فَعْلَانَةٌ وزن پر اس کی مؤنث نہیں آنی چاہیے۔ لہٰذا نَدْمَانٌ، نَدْمَانٌ کا معنی ہے ہم نشین بھئی، ہم مجلس، جو مجلس میں آپ کے ساتھ اٹھتا بیٹھتا ہے یا آپ کے ساتھ بیٹھا ہوا ہے اس کو کیا کہیں گے؟ وہ ہے نَدْمَانٌ بھئی، آپ کا ہم نشین، آپ کا ہم مجلس بھئی۔ تو نَدْمَانٌ یہ صفت ہے، یہ ذَاتٌ مَعَ الْوَصْفِ پر دلالت کر رہا ہے یعنی ایسی ذات جو آپ کے ساتھ ہم نشین ہے، ہم مجلس ہے۔ تو نَدْمَانٌ کیا ہے؟ صفت ہے، اور صفت کے اندر شرط کیا؟ کہ اس کی مؤنث فَعْلَانَةٌ وزن پر نہیں آنی چاہیے، حالانکہ نَدْمَانٌ کی مؤنث نَدْمَانَةٌ آتی ہے۔ لہٰذا یہ منصرف ہے، شرط پوری نہیں۔ اس میں وصف بھی ہے، الف نون مزیدتان بھی ہیں، یہ وصف ہے نا، وصف بھی ہے اور الف نون مزیدتان بھی ہیں، لیکن اس کے مؤثر ہونے کی شرط کیا تھی؟ اس کی مؤنث فَعْلَانَةٌ نہیں آنی چاہیے، اور اس کی مؤنث تو فَعْلَانَةٌ آتی ہے۔ تو یہ الف نون غیرِ انصراف کا سبب نہیں بنیں گے، یہ منصرف ہے۔

تو بعض علماء نے شرط لگائی کہ اس صفت کی مؤنث فَعْلَانَةٌ نہیں آنی چاہیے، یعنی عدمی شرط لگائی۔ کیا شرط لگائی؟ الف نون مزیدتان اگر صفت کے اندر آئیں تو شرط کیا ہے؟ کہ اس کی مؤنث فَعْلَانَةٌ نہیں آنی چاہیے۔ دیکھو عدمی شرط لگائی۔ جبکہ بعض علماء اس کے اندر وجودی شرط لگاتے ہیں، وہ کہتے ہیں کہ الف نون مزیدتان اگر صفت میں آئیں تو شرط یہ ہے کہ اس کی مؤنث فَعْلٰی، فَعْلٰی وزن پر آنی چاہیے۔ کس وزن پر؟ فَعْلٰی وزن پر آنی چاہیے۔ تو دیکھو انہوں نے وجودی شرط لگائی۔ تو ان کے نزدیک بھی نَدْمَانٌ منصرف ہے، ان کے نزدیک بھی نَدْمَانٌ منصرف ہے۔ کیوں منصرف ہے؟ کیونکہ انہوں نے کیا شرط لگائی؟ اگر الف نون مزیدتان صفت میں آئیں تو شرط کیا ہے؟ اس کی مؤنث فَعْلٰی وزن پر آنی چاہیے، حالانکہ نَدْمَانٌ کی مؤنث تو نَدْمَانَةٌ آتی ہے، نَدْمٰی تو نہیں آتی بھئی۔ تو ان کی شرط بھی پوری نہیں۔ تو بعض علماء وجودی شرط لگاتے ہیں، بعض علماء عدمی شرط لگاتے ہیں۔ عدمی شرط والے کیا فرماتے ہیں؟ کہ اگر، اگر الف نون صفت کے صیغے میں آئیں تو وہ تو اس کی مؤنث فَعْلَانَةٌ نہیں آنی چاہیے، وہ عدمی شرط لگاتے ہیں۔ اور بعض علماء کیا شرط لگاتے ہیں؟ کہ اس کی مؤنث فَعْلٰی آنی چاہیے، یہ وجودی شرط لگاتے ہیں۔ بات سمجھ میں آگئی؟

اب ذرا ترجمہ دیکھیے متن کا۔ کہتے ہیں: اَلْأَلِفُ وَالنُّوْنُ إِنْ كَانَتَا فِي اسْمٍ فَشَرْطُهُ الْعَلَمِيَّةُ، الف اور نون اگر یہ دونوں کسی اسم میں آئیں تو اس کی شرط جو ہے علمیت ہے، یعنی علم ہونا چاہیے وہ، كَعِمْرَانَ جیسے کہ عِمْرَانُ ہے بھئی۔ أَوْ صِفَةٍ فَانْتِفَاءُ فَعْلَانَةٍ، یا صفت کے اندر اگر آئیں تو فَعْلَانَةٌ منتفی ہونا چاہیے یعنی فَعْلَانَةٌ وزن پر اس کی مؤنث نہیں آنی چاہیے، یہ بعض علماء فرماتے ہیں۔ وَقِيْلَ وُجُوْدُ فَعْلٰى، اور بعض علماء فرماتے ہیں کہ شرط یہ ہے کہ فَعْلٰی کا وجود ہونا چاہیے یعنی اس کی مؤنث کس وزن پر آئے؟ فَعْلٰی وزن پر آئے بھئی، فَعْلٰی کا وجود ہونا چاہیے، فَعْلٰی پایا جائے یعنی اس کی مؤنث فَعْلٰی آئے بھئی۔

آگے دیکھیے متن متن بھئی، وَمِنْ ثَمَّ اور اسی وجہ سے، وَمِنْ ثَمَّ اور اسی وجہ سے اخْتُلِفَ فِيْ رَحْمَانَ اختلاف کیا گیا ہے رَحْمَانُ کے اندر بھئی۔ وَمِنْ ثَمَّ، ثَمَّ یاد رکھو یہ اسمِ اشارہ ہے، یہ جگہ کے لیے آتا ہے، یہ لازم الظرفیت ہے، جگہ کے لیے آتا ہے، اس کا معنی ہے وہاں بھئی وہاں۔ ثَمَّ، ایک تو ثُمَّ ہے نا ثا کے ضمہ کے ساتھ وہ حرفِ عطف ہے، اور ثَمَّ ثا کے فتحہ کے ساتھ یہ اسمِ اشارہ ہے مکانِ بعید کے لیے بمعنیٰ وہاں بھئی وہاں۔ پھر یاد رکھو اس کے ساتھ کبھی کبھار گول تا بھی جوڑ دیتے ہیں، ثَمَّةَ، اس تا پر بھی فتحہ پڑھتے ہیں، اور کبھی وقف کی صورت میں وہ ہا سے بدل جاتی ہے، ثَمَّهْ۔ اور کبھی لمبی تا بھی جوڑ دیتے ہیں اس کے ساتھ، ثَمَّتَ۔ توجہ ہے؟ ثَمَّتَ، اور پھر وہ بھی وقف کی حالت میں ساکن کبھی پڑھ دیتے ہیں، ثَمَّتْ۔ تو ثَمَّ کے ساتھ کبھی گول تا ملاتے ہیں اور کبھی لمبی تا، اور اس پر بھی فتحہ پڑھتے ہیں۔ تو لہٰذا کبھی بغیر تا کے ہوگا، کبھی تا کے ساتھ ہوگا، کبھی آئے گا ثَمَّ، کبھی گول تا کے ساتھ ثَمَّةَ، کبھی لمبی تا کے ساتھ ثَمَّتَ۔ اور یہ گول تا بھی حالتِ وقف میں ہا سے بدل جاتی ہے، ثَمَّهْ بھئی ثَمَّهْ۔ تو یہ مختلف طریقوں سے استعمال ہوتا ہے کلامِ عرب میں بھئی۔

تو کہتے ہیں وَمِنْ ثَمَّ اور اسی وجہ سے اخْتُلِفَ فِيْ رَحْمَانَ اختلاف کیا گیا ہے رَحْمَانُ کے اندر بھئی۔ رَحْمَانُ کے منصرف اور غیرِ منصرف ہونے میں اختلاف کیا گیا ہے۔ بعض علماء فرماتے ہیں یہ منصرف ہے اور بعض علماء فرماتے ہیں یہ غیرِ منصرف ہے۔ وجہ اس کی یہ بھئی کہ یہ رَحْمَانُ کا لفظ یہ صفت ہے اور یہ خاص ہے اللہ تعالیٰ کے ساتھ، مخلوق میں سے کسی کے لیے یہ وصف استعمال کرنا جائز نہیں۔ رَحْمَانُ کی تو مؤنث آتی ہی نہیں ہے، یہ خاص ہے کس کے ساتھ؟ اللہ تعالیٰ کے ساتھ۔ تو لہٰذا جب یہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے تو نہ اس کی مؤنث فَعْلَانَةٌ وزن پر آتی ہے اور نہ فَعْلٰى وزن پر۔ بات سمجھ میں آگئی؟ نہ اس کی مؤنث رَحْمَانَةٌ آتی ہے اور نہ رَحْمٰى آتی ہے بھئی۔ تو جن علماء کی شرط کیا تھی؟ کہ صفت کے اندر اگر الف نون مزیدتان آئیں تو شرط کیا ہے؟ کہ اس کی مؤنث فَعْلَانَةٌ نہیں آنی چاہیے، تو شرط پوری ہے؟ رَحْمَانُ کی تو مؤنث آتی ہی نہیں ہے، تو جب مؤنث ہی نہیں آتی تو فَعْلَانَةٌ وزن پر بھی نہیں آئی، جب نہیں آئی تو یہ کیا ہوا ان کے نزدیک؟ غیرِ منصرف ہوا۔ اور بعضوں کے نزدیک شرط کیا تھی؟ کہ فَعْلٰى وزن پر مؤنث آنی چاہیے، وہ شرط یہاں پوری نہیں کیونکہ اس کی تو مؤنث آتی ہی نہیں ہے، تو لہٰذا ان کے نزدیک یہ منصرف ہے۔

تو کہتے ہیں وَمِنْ ثَمَّ اخْتُلِفَ فِيْ رَحْمَانَ اور اسی وجہ سے اختلاف کیا گیا ہے رَحْمَانُ کے اندر، دُوْنَ سَكْرَانَ وَنَدْمَانٍ، لیکن سَكْرَانُ اور نَدْمَانٌ میں اختلاف نہیں، سَكْرَانُ اور نَدْمَانٌ میں اختلاف نہیں کیونکہ اس میں دونوں کی شرطیں پوری ہیں۔ سَكْرَانُ کی مؤنث سَكْرٰى آتی ہے، سَكْرَانَةٌ نہیں آتی۔ تو جنہوں نے شرط کیا لگائی تھی؟ کہ فَعْلَانَةٌ نہیں آنی چاہیے، ان کی شرط بھی پوری، سَكْرَانُ کی مؤنث سَكْرَانَةٌ نہیں آتی۔ اور جنہوں نے شرط لگائی تھی کہ فَعْلٰى وزن پر مؤنث آنی چاہیے، ان کی شرط بھی پوری ہے کیونکہ سَكْرَانُ کی مؤنث سَكْرٰى آتی ہے بھئی۔ توجہ ہے؟ بعضوں نے کیا شرط لگائی تھی؟ عدمی کہ فَعْلَانَةٌ نہیں ہونا چاہیے، تو سَكْرَانَةٌ نہیں آتا۔ اور بعضوں نے وجودی شرط لگائی تھی کہ فَعْلٰى وزن آنا چاہیے، سَكْرٰى آنا چاہیے، اور سَكْرَانُ کی

مؤنث بھی کیا ہے؟ سَکْرٰی آتی ہے۔ تو دونوں کی شرط پوری، تو سَکْرَانُ میں اختلاف نہیں یعنی یہ بالاتفاق غیرِ منصرف ہے۔ اور نَدْمَانٌ، میں نے ابھی بیان کر دی تفصیل اس کی، نَدْمَانٌ بالاتفاق منصرف ہے۔ یہ کب؟ جب نَدْمَانٌ بمعنیٰ ہم نشین کے ہو، ہم نشین بھئی۔ اس کا ایک معنی نادم بھی ہے یعنی شرمندہ، وہ بیان کریں گے۔ جب یہ نادم کے معنی میں نہ ہو بلکہ کس معنی میں ہو؟ ہم نشین کے معنی میں ہو، تو اس وقت یہ بالاتفاق منصرف ہے، کیوں؟ کیونکہ دونوں کی شرطیں پوری نہیں ہیں۔ پہلے گروہ نے کیا شرط لگائی تھی؟ کہ اس کی مؤنث فَعْلَانَۃٌ نہیں آنی چاہیے، اور نَدْمَانٌ کی مؤنث نَدْمَانَۃٌ آتی ہے، ان کی بھی شرط پوری نہیں، اور

دوسرے گروہ نے کیا کہا تھا؟ کہ فَعْلٰی وزن پر مؤنث آنی چاہیے، ان کی بھی شرط پوری نہیں کیونکہ اس کی مؤنث نَدْمٰی نہیں آتی بلکہ نَدْمَانَۃٌ آتی ہے۔ تو دونوں میں سے کسی ایک کی بھی شرط پوری نہیں ہوئی، لہٰذا یہ منصرف۔ پہلے گروہ نے کیا کہا تھا؟ اس کی مؤنث فَعْلَانَۃٌ نہیں آنی چاہیے، حالانکہ اس کی مؤنث فَعْلَانَۃٌ آتی ہے۔ دوسرے گروہ نے کیا کہا تھا؟ اس کی مؤنث فَعْلٰی آنی چاہیے، لیکن اس کی مؤنث تو فَعْلٰی نہیں آتی، تو دونوں میں سے کسی کی بھی شرط پوری نہیں۔ تو یہ الف نون مزیدتان غیرِ انصراف کا سبب نہیں بنیں گے بھئی، اور یہ نَدْمَانٍ، یہ منصرف ہے بالاتفاق بھئی۔ سَکْرَانُ غیرِ منصرف ہے بالاتفاق، اور نَدْمَانٍ منصرف ہے بالاتفاق، اور رَحْمَانُ کے اندر اختلاف ہے بھئی۔ بعض فرماتے ہیں کہ یہ منصرف ہے اور بعض فرماتے ہیں یہ غیرِ منصرف ہے۔

لیکن عجیب بات یہ ہے کہ رَحْمَانُ کا لفظ پورے کلامِ عرب میں بغیر الف لام یا بغیر اضافت کے کبھی استعمال ہی نہیں ہوا۔ معلوم ہوا یہ صرف لفظی اختلاف ہے بھئی۔ یہ کیا ہے؟ صرف لفظی اختلاف ہے کہ رَحْمَانُ منصرف ہے یا غیرِ منصرف ہے، ورنہ تو پورے کلامِ عرب میں جہاں بھی رَحْمَانُ لفظ استعمال ہوا ہے یا الف لام کے ساتھ ہوا ہے یا اضافت کے ساتھ بھئی۔ یاد رکھو یہ آپ کو شارحِ جامی بتلائیں گے کہ رَحْمَانُ یہ صفت ہے ذاتِ باری تعالیٰ کی، اور یہ خاص ہے اللہ تعالیٰ کے ساتھ، مخلوق میں سے کسی کے لیے یہ صفت استعمال کرنا جائز نہیں۔ اور ذاتِ باری تعالیٰ کے لیے بھی یہ صفت جہاں بھی استعمال ہوتی ہے الف لام کے ساتھ استعمال ہوتی ہے، اور الف لام، یہ تو کل کے سبق میں ذکر ہوا تھا کہ اگر الف لام غیرِ منصرف پر بھی داخل ہو جائے تو اس کو کیا بنا دیتا ہے؟ منصرف بنا دیتا ہے یا منصرف کے حکم میں کر دیتا ہے۔ اسی طرح اضافت جو ہے وہ بھی غیرِ انصراف کے منافی ہے، غیرِ منصرف کی بھی جب اضافت کر دی جائے تو وہ، بعض علماء فرماتے ہیں منصرف بن جاتا ہے اور بعض فرماتے ہیں کہ اس کے حکم میں ہو جاتا ہے۔

تو یہ رَحْمَانُ کا لفظ صرف اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ خاص ہے اور یہ ہمیشہ الف لام کے ساتھ استعمال ہوتا ہے۔ اور اضافت کے ساتھ بھی استعمال ہوا ہے، مسیلمہ کذاب ایک مدعیِ نبوت تھا، عَلَیْہِ اللَّعْنَۃُ، اس نے حضور علیہ السلام کے زمانے میں ہی نبوت کا دعویٰ کیا تھا لیکن حضور علیہ السلام نے اس سے کوئی تعرض وغیرہ نہیں فرمایا، اور پھر حضرت ابوبکر

صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے میں مسلمانوں کی ان کے ساتھ زبردست جنگ ہوئی اور جس میں اس کو پھر قتل کر دیا گیا بھئی، قتل کر دیا۔ اور ان کو قتل کیا تھا حضرت وحشی بن حرب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے۔ یہ وہی وحشی بن حرب رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں جنہوں نے حضور علیہ السلام کے چچا حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو غزوۂ احد میں شہید کیا تھا، اس وقت یہ ابھی اسلام نہیں لائے تھے، بعد میں اسلام لے آئے اور بعد میں پھر انہوں نے مسیلمہ کذاب جیسے مدعیِ نبوت کو قتل کر کے حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کا گویا مداوا کر دیا انہوں نے بھئی۔

تو وہ جو مسیلمہ کذاب تھا اس کو اس کے متبعین رَحْمَانُ الْيَمَامَةِ کہتے تھے بھئی، رَحْمَانُ الْيَمَامَةِ۔ تو اس پر اشکال ہوتا ہے کہ رَحْمَانُ کا لفظ تو خاص ہے اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ، پھر اس کے لیے کیسے استعمال کرتے تھے اس کے متبعین؟ تو بعض علماء پھر جواب میں کہتے ہیں کہ بھئی عربی لغت کے اعتبار سے ان کا یہ استعمال غلط تھا کیونکہ رَحْمَانُ کی صفت خاص ہے کس کے لیے؟ اللہ تعالیٰ کے لیے بھئی۔ جبکہ بعض علماء فرماتے ہیں کہ عربی لغت کے اعتبار سے ان کا رَحْمَانُ الْيَمَامَةِ کا لفظ بولنا غلط نہیں ہے، ہاں شرعاً غلط ہے۔ شریعت کے اندر یہ حکم ہے کہ رَحْمَانُ کی صفت یہ اللہ کے علاوہ کسی اور کے لیے استعمال نہیں کی جائے گی، جبکہ انہوں نے اس مدعیِ نبوت کے لیے اس کو استعمال کیا تو یہ شرعاً غلط ہے، عربی اعتبار سے غلط نہیں ہے۔

تو بہرحال رَحْمَانُ کا لفظ دیکھو الف لام کے ساتھ جیسے بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ، اس کے اندر دیکھو الف لام کے ساتھ ہے۔ تو رَحْمَانُ کا لفظ بغیر الف لام کے یا بغیر اضافت کے کہیں بھی کلامِ عرب میں اس کا استعمال نہیں ہوا۔ اور الف لام اور اضافت یہ تو غیرِ منصرف کو بھی منصرف بنا دیتے ہیں یا منصرف کے حکم میں کر دیتے ہیں۔ تو معلوم ہوا یہ صرف لفظی نزاع ہے، یہ جو علماء کا آپس میں اختلاف ہے، بعض اس کو رَحْمَانُ کو منصرف کہتے ہیں بعض غیرِ منصرف، یہ لفظی نزاع ہے، اس پر کوئی ثمرہ عام زبان میں اس پر مرتب نہیں ہوتا بھئی، کیونکہ یہ جہاں بھی استعمال ہوا ہے الف لام یا اضافت کے ساتھ استعمال ہوا ہے بھئی۔

تو کہتے ہیں وَمِنْ ثَمَّ اخْتُلِفَ فِيْ رَحْمَانَ دُوْنَ سَكْرَانَ وَنَدْمَانٍ، اور اسی وجہ سے اختلاف کیا گیا ہے رَحْمَانُ کے اندر نہ کہ سَكْرَانُ اور نَدْمَانٌ کے اندر۔ سَكْرَانُ اور نَدْمَانٌ میں اختلاف نہیں کیا گیا، سَكْرَانُ بالاتفاق غیرِ منصرف ہے کیونکہ دونوں کی شرطیں پوری ہیں، اور نَدْمَانٌ بالاتفاق منصرف ہے کیونکہ دونوں میں سے کسی کی بھی شرط پوری نہیں ہے بھئی۔

اب آئیے بھئی شرح کے ساتھ اس کو حل کریں۔

اَلْأَلِفُ وَالنُّوْنُ الْمَعْدُوْدَتَانِ مِنْ أَسْبَابِ مَنْعِ الصَّرْفِ تُسَمَّيَانِ مَزِيْدَتَيْنِ۔ اَلْأَلِفُ وَالنُّوْنُ وہ الف اور نون، اَلْمَعْدُوْدَتَانِ جن کو شمار کیا جاتا ہے مِنْ أَسْبَابِ مَنْعِ الصَّرْفِ اسبابِ منعِ صرف میں سے، وہ الف اور نون جن کو اسبابِ منعِ صرف میں سے شمار کیا جاتا ہے وہ الف اور نون مراد ہیں، تُسَمَّيَانِ مَزِيْدَتَيْنِ اور ان کو مزیدتین کہتے ہیں لِأَنَّهُمَا مِنَ الْحُرُوْفِ الزَّوَائِدِ اس لیے

کیونکہ یہ حروفِ زوائد میں سے ہیں۔ کس میں سے ہیں؟ اس لیے کیونکہ یہ حروفِ زوائد میں سے ہیں اس لیے ان کو مزیدتین کہتے ہیں۔ توجہ ہے؟ بھئی کیا معنی یہ حروفِ زوائد میں سے ہیں؟ یا تو معنی یہ ہے کہ وہ جو حروف کلامِ عرب میں زائد استعمال ہوتے ہیں، مختلف کلمات میں جو زائد استعمال ہوتے ہیں اور جن کا مجموعہ بعض علماء نے بنایا اَلْیَوْمَ تَنْسَاهُ۔ اَلْیَوْمَ تَنْسَاهُ، دیکھو اَلْیَوْمَ، شروع میں ہمزہ ہے، لام ہے، یا ہے، واو ہے، میم ہے، تَنْسَاهُ تا ہے دو نقطوں والی، نون ہے، سین، الف اور ہا۔ بھئی حروف کے اندر ایک حروفِ اصلیہ ہوتے ہیں اور کچھ حروفِ زائد ہوتے ہیں، تو زائد جب بھی آئیں گے یہی حروف ہوں گے اَلْیَوْمَ تَنْسَاهُ، ان میں سے کوئی ایک ہوگا یعنی ہمزہ، لام، یا، واو، میم، تا، نون، سین، الف اور ہا، ان میں سے کوئی ایک زائد ہوگا۔ تو کہنے کا مطلب یہ ہے لِأَنَّهُمَا مِنَ الْحُرُوْفِ الزَّوَائِدِ اس لیے کیونکہ یہ دونوں حروفِ زوائد میں سے ہیں، کون سے حروفِ زوائد؟ وہ جو اَلْیَوْمَ تَنْسَاهُ ہے جن کا مجموعہ، یہ ان میں سے ہیں اس لیے ان کو مزیدتین کہتے ہیں۔ کیا کہا؟ تُسَمَّيَانِ مَزِيْدَتَيْنِ ان دونوں کو مزیدتین کہتے ہیں لِأَنَّهُمَا مِنَ الْحُرُوْفِ الزَّوَائِدِ کیونکہ یہ حروفِ زوائد میں سے ہیں۔

یا تو یہ معنی ہے اس کلام کا، یا معنی یہ کہنا یہ چاہتے ہیں تُسَمَّيَانِ مَزِيْدَتَيْنِ ان دونوں کو مزیدتین کہتے ہیں لِأَنَّهُمَا مِنَ الْحُرُوْفِ الزَّوَائِدِ یہ حروفِ زوائد میں سے ہیں یعنی یہ ہمیشہ زائد ہوتے ہیں، یہ الف نون جو غیرِ انصراف کا سبب بنتے ہیں یہ ہمیشہ زائد ہوتے ہیں حروفِ اصلیہ میں سے نہیں ہوتے بھئی۔ تو حروفِ زوائد سے یا تو وہ حروفِ زوائد مراد ہیں جو اَلْیَوْمَ تَنْسَاهُ جن کا مجموعہ ہے یا مطلقاً ویسے یہ بتلا رہے ہیں کہ یہ کس میں سے ہوتے ہیں ہمیشہ؟ یہ زائد ہوتے ہیں کبھی بھی اصلی نہیں ہوتے بھئی، اس لیے ان کو مزیدتین کہتے ہیں۔

وَتُسَمَّيَانِ مُضَارِعَتَيْنِ أَيْضًا اور ان کو مضارعتین بھی کہتے ہیں۔ ضَارَعَ يُضَارِعُ کا معنی مشابہ ہونا، یہ دونوں بھی کیا ہیں؟ مشابہ ہوتے ہیں۔ بھئی کس چیز کے مشابہ؟ کہتے ہیں تانیث کے جو دو الف ہیں یہ ان کے مشابہ ہیں۔ تانیث کے جو دو الف ہیں، الفِ ممدودہ اور الفِ مقصورہ، یہ ان کے مشابہ ہیں۔ بھئی کس طرح مشابہ ہیں؟ کہتے ہیں جیسے تانیث کے جو دو الف ہیں، جس کلمے کے ساتھ وہ جڑ جائیں اس کے ساتھ تانیث والی گول تا آکر نہیں جڑتی، جیسے حُبْلٰی، حُبْلٰی کے آخر میں الفِ مقصورہ ہے تانیث والا، اور جیسے حَمْرَاءُ، اس حَمْرَاءُ کے آخر میں الفِ ممدودہ ہے تانیث والا، اب ان دونوں کے ساتھ گول تا آکر کبھی نہیں جڑے گی۔ حُبْلٰی میں آپ کہیں حُبْلَاتٌ نہیں کہہ سکتے، اور حَمْرَاءُ میں آپ حَمْرَاءَةٌ کہہ دیں نہیں کہہ سکتے۔ ان کے ساتھ تائے تانیث نہیں جڑ سکتی۔ کیوں نہیں جڑ سکتی؟ وجہ ظاہر ہے بھئی کہ یہ الف بھی تانیث والے ہیں تو تا لانے کی کیا ضرورت ہے بھئی؟ یہ الف ہی تانیث پر دلالت کر رہے ہیں تو تا لانے کی کوئی ضرورت نہیں۔ تو یہ تانیث والے جو دو الف ہیں ان کے ساتھ تانیث والی تا نہیں جڑ سکتی۔ تو اسی طرح یہ الف نون جو غیرِ انصراف کا سبب بنتے ہیں ان کے ساتھ بھی گول تا نہیں جڑ سکتی۔ ان کے ساتھ بھی گول تا نہیں جڑ سکتی۔ آگے انہوں نے ذکر کیا تھا یا نہیں؟ کہ اس کی مؤنث فَعْلَانَةٌ نہیں آنی چاہیے، یعنی اس کے ساتھ گول تا آکر نہیں جڑنی چاہیے، کیونکہ گول تا آکر جڑے گی پھر تو اس کی

مشابہت جو ہے تانیث کے دو الفوں کے ساتھ وہ ختم ہو جائے گی۔ اس کی مشابہت ہے تانیث کے دو الفوں کے ساتھ، کیا مشابہت ہے؟ جیسے اس میں تائے تانیث نہیں جڑتی ان کے ساتھ بھی تائے تانیث نہیں جڑتی۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو ان کی مشابہت ہے تانیث کے دو الفوں کے ساتھ۔

کہتے ہیں وَتُسَمَّيَانِ مُضَارِعَتَيْنِ أَيْضًا اور ان کو مضارعتین بھی کہتے ہیں یعنی مشابہتین۔ مُضَارِعَتَيْنِ کا کیا معنی؟ مشابہتین، ان کو مشابہتین بھی کہتے ہیں کہ یہ دونوں مشابہ ہیں۔ کیوں؟ مُضَارِعَتَيْنِ کیوں کہتے ہیں؟ کہتے ہیں لِمُضَارَعَتِهِمَا لِأَلِفَيِ التَّأْنِيْثِ بوجہ ان کے مشابہ ہونے کے تانیث کے دو الفوں کے ساتھ فِيْ مَنْعِ دُخُوْلِ تَاءِ التَّأْنِيْثِ عَلَيْهِمَا ان دونوں پر تائے تانیث کے دخول کے منع ہونے کی وجہ سے، کہ ان دونوں پر تائے تانیث کا داخل ہونا منع ہے۔ یہ الف نون مزیدتان کو مضارعتین کہتے ہیں کیونکہ ان دونوں کی مشابہت ہے کس کے ساتھ؟ تانیث کے دو الفوں کے ساتھ۔ کس چیز میں؟ تائے تانیث کے داخل نہ ہونے میں، جیسے ان پر تائے تانیث داخل نہیں ان پر بھی تائے تانیث داخل نہیں۔ یہ معنی ہے لِمُضَارَعَتِهِمَا لِأَلِفَيِ التَّأْنِيْثِ بوجہ ان کی مشابہت ہونے کے تانیث کے دو الفوں کے ساتھ۔ کس چیز میں مشابہت ہے؟ فِيْ مَنْعِ دُخُوْلِ تَاءِ التَّأْنِيْثِ عَلَيْهِمَا کہ ان دونوں پر تائے تانیث کا داخل ہونا منع ہے۔

وَلِلنُّحَاةِ خِلَافٌ فِيْ أَنَّ سَبَبِيَّتَهُمَا لِمَنْعِ الصَّرْفِ إِمَّا لِكَوْنِهِمَا مَزِيْدَتَيْنِ۔ اچھا، بھئی دیکھو یہ الف نون مزیدتان سبب بنتے ہیں غیرِ انصراف کا۔ یہ سبب کیوں بنتے ہیں اس کی وجہ کیا ہے؟ تو علمائے نحو کے دو گروہ ہیں۔ بعض علماء فرماتے ہیں کہ یہ غیرِ انصراف کا سبب اس لیے بنتے ہیں کہ ان کی مشابہت ہے الفِ تانیث کے ساتھ، تانیث کے جو دو الف ہیں ان کے ساتھ ان کی مشابہت ہے، اور وہ تو غیرِ انصراف کا سبب بنتے ہیں، وہ تو خود دو سببوں کے قائم مقام ہیں، تو یہ الف نون جب ان کے مشابہ ہیں تو یہ دونوں بھی غیرِ انصراف کا سبب بنیں گے۔ توجہ ہے؟ تو یہ گویا فرع ہیں الفِ تانیث کی، الفِ تانیث ان کے لیے اصل اور یہ اس کی فرع۔ تو الف نون کے اندر بھی فرعیت آگئی۔ آپ نے پڑھا تھا اسبابِ منعِ صرف جہاں شروع ہوئے تھے، انہوں نے آپ کو بتلایا تھا کہ جتنے اسبابِ منعِ صرف ہیں ان میں فرعیت والا معنی ہے، ان میں فرع ہونے والا معنی ہے، ان کے لیے کوئی اصل ہے اور یہ اس کی فرع۔ تو الف نون زائدتان یہ بھی فرع ہیں، کس کی فرع ہیں؟ تانیث کے دو الفوں کی یہ فرع ہیں، وہ ان کے لیے اصل اور یہ اس کی فرع۔ کس اعتبار سے فرع؟ جیسے ان پر تائے تانیث داخل نہیں ہو سکتی ان پر بھی تائے تانیث داخل نہیں ہو سکتی، یہ بعض علمائے نحو فرماتے ہیں۔ جبکہ بعض علمائے نحو فرماتے ہیں کہ یہ فرع ہیں مزید علیہ کی، یہ فرع ہیں، بھئی جیسے دیکھو عِمْرَانُ، عِمْرَانُ کے اندر یہ عین میم را یہ ہے اصل اور الف نون زائد ہیں، مزیدتان ہیں۔ تو یہ الف نون ان میں فرعیت آگئی یہ فرع ہیں، کس کی؟ عین میم را کی، عین میم را اصل اور یہ اس کی فرع، یہ زائد ہیں نا۔ عین میم را ہوں گے تو الف نون ساتھ آپ جوڑیں گے، اگر عین میم را ہی نہیں ہے تو پھر کس کے ساتھ الف نون جوڑیں گے؟ تو یہ الف نون ہوئے مزیدتان یعنی ان کو بڑھایا گیا ہے، اور کس پر بڑھایا گیا ہے؟ عین میم را پر، تو وہ ہوئے مزید علیہ بھئی، جن پر ان کو بڑھایا گیا ہے۔ توجہ ہے؟ تو بعض علماء فرماتے ہیں کہ یہ الف نون یہ

فرع ہیں کس کی؟ مزید علیہ کی، یہ فرع ہیں مزید علیہ، جن پر ان کو بڑھایا گیا یہ اس کی فرع ہیں۔ تو ان میں فرعیت ہے کس کے اعتبار سے؟ مزید علیہ کے اعتبار سے۔ اور جبکہ بعض علماء فرماتے ہیں ان میں فرعیت ہے کس کے اعتبار سے؟ تانیث کے دو الف کے اعتبار سے، یہ ان کی فرع ہیں۔

تو کہتے ہیں وَلِلنُّحَاةِ خِلَافٌ فِيْ أَنَّ سَبَبِيَّتَهُمَا لِمَنْعِ الصَّرْفِ اور نحویوں کا اختلاف ہے اس بارے میں کہ ان کا سبب ہونا منعِ صرف کے لیے، إِمَّا لِكَوْنِهِمَا مَزِيْدَتَيْنِ یا تو اس وجہ سے ہے کہ یہ دونوں زائد ہیں، لِكَوْنِهِمَا مَزِيْدَتَيْنِ بوجہ ان دونوں کے مزید ہونے کے، زائد ہونے کے، وَفَرْعِيَّتِهِمَا لِلْمَزِيْدِ عَلَيْهِ اور مزید علیہ کے لیے فرع ہونے کی وجہ سے۔ تو علماء کا ان کے منعِ صرف کا سبب ہونے میں اختلاف ہے، إِمَّا لِكَوْنِهِمَا مَزِيْدَتَيْنِ وَفَرْعِيَّتِهِمَا لِلْمَزِيْدِ عَلَيْهِ یا تو اس وجہ سے کہ یہ مزیدتان ہیں اور ان کا فرع ہونا مزید علیہ کے اعتبار سے ہے، وَإِمَّا لِمُشَابَهَتِهِمَا لِأَلِفَيِ التَّأْنِيثِ یا اس وجہ سے کہ ان دونوں کی مشابہت ہے تانیث کے دو الفوں کے ساتھ۔

وَالرَّاجِحُ هُوَ الْقَوْلُ الثَّانِيْ اور کہتے ہیں راجح جو ہے قولِ ثانی ہے۔ صاحبِ جامی کیا فرماتے ہیں؟ راجح کون سا قول ہے؟ قولِ ثانی، یعنی ان کا فرع ہونا مزید علیہ کے اعتبار سے نہیں ہے بلکہ تانیث کے دو الفوں کے اعتبار سے ان کا فرع ہونا ہے۔ کیا وجہ؟ بھئی اس کو ترجیح کیوں دی؟ وجہ یہ کہ دیکھو ابھی ذکر ہوا تھا کہ نَدْمَانٌ بالاتفاق منصرف ہے، نَدْمَانٌ بالاتفاق منصرف ہے، حالانکہ اس میں الف نون زائد ہیں، الف نون زائد ہیں، تو ان میں دیکھو فرعیت ہے نون دال میم یہ شروع میں آرہے ہیں اور پھر الف نون ہے، نَدْمَانٌ میں نون دال میم ہے پہلے، یہ ہیں مزید علیہ اور الف نون کیا ہیں؟ مزیدتان۔ تو دیکھو یہ مزیدتان ہیں یا نہیں؟ یہ مزید علیہ کے اعتبار سے ابھی بھی فرع ہیں، تو فرعیت تو ابھی بھی ہے لیکن یہ غیرِ منصرف نہیں ہے بلکہ کیا ہیں؟ منصرف ہیں، توجہ ہے؟ منصرف ہیں۔ بھئی اگر مزید علیہ ہونے کے اعتبار سے ان کو فرع کہتے ہو کہ ان کے اندر فرعیت ہے، بھئی اگر آپ یہ کہتے ہو کہ یہ فرع ہیں کس کے اعتبار سے؟ مزید علیہ کے اعتبار سے، تو نَدْمَانٌ کے اندر مزید علیہ نون دال میم ابھی بھی ہے یہ تو فرع ہیں تو ان کی فرعیت تو ہے، جب فرعیت ہے تو اس کو سبب بننا چاہیے لیکن سبب نہیں بن رہا، بالاتفاق نَدْمَانٌ منصرف ہے۔

الفِ تانیث کے لیے ان کا فرع ہونا ظاہر ہے۔ الفِ تانیث کے لیے، تانیث کے جو دو الف ہیں ان کے لیے ان کا فرع ہونا ظاہر ہے، نَدْمَانٌ کیوں منصرف؟ کیونکہ اس کے آخر میں تا جڑ رہی ہے، نَدْمَانٌ کی مؤنث کیا آتی ہے؟ نَدْمَانَةٌ، اور الفِ تانیث کے ساتھ اس کی مشابہت ختم ہو گئی، کیونکہ ان کے ساتھ تو تا نہیں جڑتی اور نَدْمَانٌ کی مؤنث کیا آتی ہے؟ نَدْمَانَةٌ، تو دیکھو مشابہت کس کے ساتھ ختم ہوئی ہے؟ تانیث کے دو الفوں کے ساتھ مشابہت ختم ہو گئی، ورنہ تو مزید علیہ تو ابھی بھی موجود ہے اور یہ زائد بھی ہیں تو پھر تو ان میں فرعیت ابھی بھی ہے، ان کو غیرِ انصراف کا سبب بننا چاہیے لیکن یہ نہیں بن رہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ کیا حاصلِ کلام کیا ہوا؟ کہ علماء کا اختلاف ہے کہ یہ غیرِ انصراف کا سبب الف

نون کیوں بنتے ہیں؟ یہ کس چیز کے اعتبار سے ان میں فرعیت ہے؟ بعض علماء فرماتے ہیں مزید علیہ کے اعتبار سے ان میں فرعیت ہے اور بعض علماء فرماتے ہیں کہ تانیث کے جو دو الف ہیں ان کے اعتبار سے ان میں فرعیت ہے، یہ ان کی فرع ہیں۔ اور کس کو ترجیح دی صاحبِ جامی نے؟ تانیث کے جو دو الفوں کے ساتھ جو مشابہت ہے اس کی وجہ سے یہ سبب بنتے ہیں غیرِ انصراف کا، اس کو ترجیح دی صاحبِ جامی نے۔ وجہ یہ کہ نَدْمَانٌ دیکھیں، نَدْمَانٌ بالاتفاق منصرف ہے حالانکہ مزید علیہ ہے یا نہیں؟ نون دال میم یہ ہے مزید علیہ اور الف نون کیا ہیں؟ مزیدتان ہیں، تو مزید علیہ کے اعتبار سے تو یہ ابھی بھی فرع ہیں، مزید علیہ ہے اصل اور یہ ہیں فرع، تو فرعیت والا وصف تو ابھی بھی ان میں موجود ہے لہٰذا اس کو غیرِ منصرف ہونا چاہیے، لیکن اس کو غیرِ منصرف نہیں پڑھتے بلکہ کیا پڑھتے ہیں؟ منصرف۔ کیوں منصرف پڑھتے ہیں؟ کیونکہ اس تانیث کے جو دو الف ہیں ان کے ساتھ مشابہت اس کی ختم ہو گئی۔ کیوں مشابہت ختم ہوئی؟ تانیث کے جو دو الف ہیں ان کے ساتھ تائے تانیث نہیں جڑتی، اور نَدْمَانٌ کی مؤنث نَدْمَانَةٌ آتی ہے اس کے ساتھ تائے تانیث جڑ جاتی ہے۔ بات سمجھ میں آ گئی؟ تو معلوم ہوا کون سا قول راجح ہے؟ تانیث کے دو الفوں کے ساتھ جو ان کی مشابہت والا قول ہے وہ راجح ہے بھئی۔

اب دیکھیے دوبارہ، کہتے ہیں وَلِلنُّحَاةِ خِلَافٌ فِيْ أَنَّ سَبَبِيَّتَهُمَا لِمَنْعِ الصَّرْفِ اور نحویوں کا اختلاف ہے اس بارے میں کہ ان کا سبب ہونا منعِ صرف کے لیے، وہ إِمَّا لِكَوْنِهِمَا مَزِيْدَتَيْنِ بوجہ ان کے مزیدتین ہونے کے وَفَرْعِيَّتِهِمَا لِلْمَزِيْدِ عَلَيْهِ اور مزید علیہ کے لیے ان کے فرع ہونے کی وجہ سے ہے، وَإِمَّا لِمُشَابَهَتِهِمَا لِأَلِفَيِ التَّأْنِيْثِ یا اس وجہ سے کہ ان دونوں کی مشابہت ہے تانیث کے دو الفوں کے ساتھ۔ وَالرَّاجِحُ هُوَ الْقَوْلُ الثَّانِيْ اور راجح جو ہے وہ قولِ ثانی ہے، یعنی الفِ تانیث کے ساتھ مشابہت والا قول راجح ہے بھئی۔

ثُمَّ إِنَّهُمَا إِنْ كَانَتَا فِي اسْمٍ، پھر یہ دونوں اگر اسم میں ہوئے، يَعْنِيْ بِهِ مَا يُقَابِلُ الصِّفَةَ مراد اس سے وہ اسم ہے جو صفت کے مقابل ہو۔ اسم کا لفظ آیا اس سے وہ اسم مراد ہے جو کس کے مقابلے میں آئے؟ صفت۔ میں نے آپ کو بتایا تھا اسم کے اندر اگر الف نون مزیدتان آئیں تو شرط کیا ہے؟ علمیت۔ اور صفت کے اندر آئے تو؟ تو بعضوں نے کیا کہا؟ اس کی مؤنث فَعْلَانَةٌ نہیں آنی چاہیے، اور بعضوں نے کہا اس کی مؤنث فَعْلٰی آنی چاہیے بھئی۔ تو یہاں جو اسم کا لفظ آیا یہ کس کے مقابلے میں آیا؟ صفت کے مقابلے میں۔ اسم اور صفت کسے کہتے ہیں میں نے تفصیل بیان کر دی، اسم کسے کہتے ہیں؟ جو صرف ذات پر دلالت کرے، کوئی وصف وہاں ملحوظ نہ ہو جیسے رَجُلٌ اور فَرَسٌ۔ اور صفت کسے کہتے ہیں؟ جو ذات مع الوصف پر دلالت کرے، ذات پر بھی دلالت ہے اور ساتھ ساتھ وصف بھی ملحوظ ہے جیسے ضَارِبٌ، مَضْرُوْبٌ، أَحْمَرُ، أَبْيَضُ وغیرہ بھئی۔ تو کہتے ہیں يَعْنِيْ بِهِ مَا يُقَابِلُ الصِّفَةَ مراد اس سے جو ہے وہ اسم ہے جو صفت کے مقابلے میں ہے۔

فَإِنَّ الِاسْمَ الْمُقَابِلَ لِلْفِعْلِ وَالْحَرْفِ۔ بھئی دیکھیے ادھر دیکھیے، یہ اسم کا لفظ فعل اور حرف کے مقابلے میں بھی آتا ہے،

توجہ ہے؟ اسم کا لفظ فعل اور حرف کے مقابلے میں بھی آتا ہے، اور اسم کا لفظ صفت کے مقابلے میں بھی آتا ہے۔ اسم کا لفظ فعل اور حرف کے مقابلے میں آتا ہے اس کی کیا تعریف پڑھی آپ نے؟ اَلِاسْمُ مَا دَلَّ عَلٰی مَعْنًی فِيْ نَفْسِهٖ غَيْرِ مُقْتَرِنٍ بِأَحَدِ الْأَزْمِنَةِ الثَّلَاثَةِ، یہ اسم کی تعریف۔ تو بتلانا یہ چاہتے ہیں کہ وہ اسم جو فعل اور حرف کے مقابلے میں آئے وہ والا اسم یہاں مراد نہیں ہے، بلکہ یہاں وہ اسم مراد ہے جو صفت کے مقابلے میں آئے۔ کس کے مقابلے میں؟ صفت۔ تو وہ جو اسم آیا تھا کس کے مقابلے میں؟ فعل اور حرف کے مقابلے میں، اس کی تقسیم ہوتی ہے، اس کی دو قسمیں ہیں: ایک جو صرف ذات پہ دلالت کرے وہ ہے اسمِ محض، اور جو ذات مع الوصف پہ دلالت کرے اس کو صفت کہتے ہیں۔ تو یہ یہاں وہ اسم مراد ہے جو صفت کے مقابلے میں آئے۔

کہتے ہیں فَإِنَّ الِاسْمَ الْمُقَابِلَ لِلْفِعْلِ وَالْحَرْفِ اس لیے کیونکہ وہ اسم جو فعل اور حرف کے مقابلے میں آتا ہے، إِمَّا أَنْ لَّا يَدُلَّ عَلٰی ذَاتٍ مَّا لُوْحِظَ مَعَهَا صِفَةٌ مِنَ الصِّفَاتِ یا تو وہ دلالت نہیں کرے گا کسی ایسی ذات پر لُوْحِظَ مَعَهَا کہ جس کے ساتھ ملحوظ ہو صِفَةٌ مِنَ الصِّفَاتِ صفات میں سے کوئی صفت۔ بھئی ادھر دیکھیے، اسم وہ اسم جو کس کے مقابلے میں آتا ہے؟ فعل یا حرف کے مقابلے میں آتا ہے، اس کی آگے پھر دو قسمیں ہیں: ایک وہ اسم ہوگا جو ذات مع الوصف پہ دلالت کرے، اور ایک وہ ہوگا جو صرف ذات پہ دلالت کرے۔ تو اسم کی دو قسمیں، کون سا اسم؟ جو فعل اور حرف کے مقابلے میں آتا تھا اس کی دو قسمیں ہو گئیں: ایک اسمِ محض اور ایک صفت۔ اسمِ محض کسے کہتے ہیں؟ جو صرف ذات پہ دلالت کرے۔ اور صفت کسے کہتے ہیں؟ جو ذات مع الوصف پہ دلالت کرے۔ وہی یہاں اب صاحبِ جامی بیان کریں گے۔ کس طرح بیان کریں گے؟ دیکھو آپ کو بتائیں گے کہ اسم یا تو دلالت کرے گا ایک ذات پر اور ساتھ کوئی وصف بھی ملحوظ ہوگا، یا ایسی دلالت وہ نہیں کرے گا۔ یا تو وہ دلالت کرے گا ایک ذات پر جس کے ساتھ وصف بھی ملحوظ ہے، یا وہ ایسی دلالت وہ نہیں کرے گا۔ اگر وہ ایسی دلالت کرے جس میں وصف بھی ملحوظ ہے تو اس کو کہتے ہیں صفت، اور اگر ایسی دلالت نہ کرے تو اس کو کہتے ہیں اسم۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو یہاں یہ والا اسم مراد ہے جس میں وصف ملحوظ نہیں ہوتا۔

تو کہتے ہیں إِمَّا أَنْ لَّا يَدُلَّ عَلٰی ذَاتٍ مَّا لُوْحِظَ مَعَهَا صِفَةٌ مِنَ الصِّفَاتِ۔ ذَاتٍ ہے نکرہ، اور نکرہ کے بعد یہ کبھی مَا بڑھا دیتے ہیں، یہ اس کے ابہام کو پکا کر دیتا ہے، ذَاتٍ مَّا کوئی ذات۔ ذَاتٍ نکرہ ہے اور اس کے بعد مَا لے آتے ہیں، یہ مَا بھی نکرہ ہے شَيْءٌ کے معنی میں، تو ذَاتٍ نکرہ ہے اور نکرہ معین چیز پہ دلالت کرتا ہے یا غیرِ معین پر؟ غیرِ معین پر، اور یہ مَا بھی غیرِ معین پر دلالت کر رہا ہے شَيْءٌ کے معنی میں، تو اس نے اسی ابہام کو جو ذات کے اندر تھا اسی کو پکا کر دیا۔ ذات میں کیا تھا؟ ابہام تھا، غیرِ معین ذات پہ وہ دلالت کر رہا ہے، کوئی بھی ذات ہو سکتی ہے، توجہ ہے؟ اور مَا کا بھی کیا معنی؟ شَيْءٌ، کوئی بھی چیز ہو سکتی ہے۔ تو نکرہ کی صفت کبھی مَا لاتے ہیں تاکہ اس نکرہ کے اندر جو ابہام ہے یعنی جو وہ غیرِ معین پہ دلالت کر

رہا ہے اس کو کیا کر دے؟ پکا کر دے۔ جیسے میں کہتا ہوں جَاءَنِيْ رَجُلٌ وَاحِدٌ، رَجُلٌ کا اپنا معنی کیا تھا؟ ایک آدمی۔

آگے وَاحِدٌ نے آکر اسی ایک کے معنی کو پکا کر دیا، کوئی نیا معنی اس میں پیدا نہیں کیا۔ یہاں پر بھی ذَاتٍ کا کیا معنی تھا؟ کوئی ذات، اور مَا کا معنی بھی کوئی چیز، تو اس نے اسی ابہام کو کیا کر دیا؟ پکا کر دیا۔ تو یہ مَا صفت ہے ذَاتٍ کی، اور لُوْحِظَ یہ صفتِ ثانی ہے، کیونکہ نکرہ کے بعد فعل آئے تو کیا بنتا ہے اس کے لیے؟ صفت، تو یہ فعل اس کے لیے صفت بنے گا۔ اور موصوف صفت کا ترجمہ کیسے کرتے ہیں؟ موصوف سے پہلے 'ایسا' یا 'ایسی' کا لفظ لاتے ہیں۔ اب ترجمہ سنو۔

کہتے ہیں فَإِنَّ الِاسْمَ الْمُقَابِلَ لِلْفِعْلِ وَالْحَرْفِ اس لیے کیونکہ وہ اسم جو فعل اور حرف کے مقابل ہوتا ہے، إِمَّا أَنْ لَّا يَدُلَّ عَلٰى ذَاتٍ مَّا یا تو وہ دلالت نہیں کرے گا کسی ایسی ذات پر، لُوْحِظَ مَعَهَا صِفَةٌ مِنَ الصِّفَاتِ کہ جس کے ساتھ صفات میں سے کوئی صفت بھی ملحوظ ہو، كَرَجُلٍ وَفَرَسٍ جیسے رَجُلٌ اور فَرَسٌ۔ رَجُلٌ اور فَرَسٌ ذات پر تو دلالت کر رہے ہیں لیکن ساتھ کوئی وصف ملحوظ نہیں ہے۔ أَوْ يَدُلَّ یا وہ ایسی دلالت کرے گا، یعنی ذات کے ساتھ وصف بھی ملحوظ ہوگا، كَأَحْمَرَ وَضَارِبٍ وَمَضْرُوْبٍ جیسے أَحْمَرُ ہے اور ضَارِبٌ ہے اور مَضْرُوْبٌ ہے، یہ سب ذات مع الوصف پر دلالت کر رہے ہیں۔ فَالْأَوَّلُ يُسَمّٰى اسْمًا وَالثَّانِيْ صِفَةً تو پہلے کو اسم کہتے ہیں اور ثانی کو صفت۔ اول، جس میں ذات کے ساتھ وصف ملحوظ نہ ہو اس کو کیا کہتے ہیں؟ اسم، اور ثانی، جس میں ذات کے ساتھ وصف ملحوظ ہو اس کو صفت کہتے ہیں۔ تو کہتے ہیں فَالْأَوَّلُ يُسَمّٰى اسْمًا وَالثَّانِيْ صِفَةً تو پہلے کو اسم کہتے ہیں اور دوسرے کو صفت۔

فَالْمُرَادُ بِالِاسْمِ الْمَذْكُوْرِ هٰهُنَا پس وہ جو اسم ذکر کیا گیا یہاں پر اس سے مراد، هُوَ هٰذَا الْمَعْنٰى اس سے یہ والا معنی مراد ہے، یہ والا معنی جو صرف ذات پہ دلالت کرتا ہے، وصف ساتھ ملحوظ نہیں ہوتا۔ تو اسم سے یہ والا معنی مراد ہے یعنی جو صرف ذات پر دلالت کرے، لَا الِاسْمُ الشَّامِلُ لِلِاسْمِ وَالصِّفَةِ اس سے وہ اسم مراد نہیں ہے جو اسم اور صفت دونوں کو شامل ہے۔ اس سے وہ اسم مراد نہیں ہے جو اسم اور صفت دونوں کو شامل ہے، کون سا اسم؟ وہ جو فعل اور حرف کے مقابلے میں آیا تھا، وہ اسم یہاں مراد نہیں ہے کیونکہ اس میں تو اسم بھی داخل ہے، اس میں تو صفت بھی داخل ہے، دونوں داخل ہیں۔ اسی کی آگے تقسیم کر کے دو قسمیں بنا دیں کہ یہ جو اسم تھا جو کس کے مقابلے میں تھا؟ فعل اور حرف کے مقابلے میں تھا، اس کی دو قسمیں ہیں: یہ اسم یا تو صرف ذات پہ دلالت کرے گا یا ذات مع الوصف پہ دلالت کرے گا۔ تو وہ جو پہلا اسم تھا جو فعل اور حرف کے مقابلے میں آیا تھا وہ ان دونوں کو شامل تھا، یہ دونوں اسی کی قسمیں ہیں، تو وہ والا اسم یہاں مراد نہیں ہے بلکہ یہ والا اسم مراد ہے جو صفت کے مقابلے میں آیا ہے، وہ اسم مراد نہیں ہے جو فعل اور حرف کے مقابلے میں آیا تھا۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو کہتے ہیں فَالْمُرَادُ بِالِاسْمِ الْمَذْكُوْرِ هٰهُنَا هُوَ هٰذَا الْمَعْنٰى تو وہ اسم جو یہاں ذکر کیا گیا یعنی متن کے اندر اس سے یہ والا معنی مراد ہے، لَا الِاسْمُ الشَّامِلُ لِلِاسْمِ وَالصِّفَةِ وہ اسم مراد نہیں ہے جو شامل ہے اسم اور صفت دونوں کو، یعنی جو فعل اور حرف کے مقابلے میں آیا وہ اسم مراد نہیں۔

فَشَرْطُهُ، أَيْ شَرْطُ الْأَلِفِ وَالنُّوْنِ۔ فَشَرْطُهُ أَيْ شَرْطُ الْأَلِفِ وَالنُّوْنِ الف اور نون کی شرط۔ بتلانا یہ چاہتے ہیں کہ شَرْطُهُ کی هُ ضمیر الف اور نون کو راجع ہے۔ متن میں آیا تھا فَشَرْطُهُ، آگے صاحبِ جامی فرما رہے ہیں شَرْطُ الْأَلِفِ وَالنُّوْنِ، بتلانا یہ چاہتے ہیں کہ شَرْطُهُ کی هُ ضمیر الف اور نون کو راجع ہے۔ سوال: الف اور نون تو دو حرف ہیں، اور شَرْطُهُ کی هُ ضمیر تو مفرد مذکر کی ہے، تو مفرد ضمیر تو تثنیہ کو راجع نہیں ہو سکتی؟ تو بتلائیں گے کہ بھئی یہ دونوں مل کر سبب بن رہے ہیں منعِ صرف کا، تو ایک سبب ہونے کے اعتبار سے ان کو مفرد کی ضمیر راجع کی کہ یہ دونوں مل کر ایک سبب بن رہے ہیں۔

تو کہتے ہیں فَشَرْطُهُ أَيْ شَرْطُ الْأَلِفِ وَالنُّوْنِ فِيْ مَنْعِهِمَا مِنَ الصَّرْفِ الف اور نون کی شرط جو ہے صرف سے ان کے منع کرنے میں، یعنی غیرِ منصرف کا سبب بننے میں۔ وَإِفْرَادُ الضَّمِيْرِ، وہی بتلا رہے ہیں، کہتے ہیں وَإِفْرَادُ الضَّمِيْرِ بِاعْتِبَارِ أَنَّهُمَا سَبَبٌ وَاحِدٌ اور ضمیر کا مفرد ہونا بایں اعتبار ہے کہ یہ دونوں ایک ہی سبب ہیں۔

أَوْ شَرْطُ ذٰلِكَ الِاسْمِ، یہ دوسرا احتمال ذکر کر رہے ہیں کہ شَرْطُهُ کی هُ ضمیر اسم کو راجع کر دو۔ پہلی صورت میں شَرْطُهُ کی هُ ضمیر کس کو راجع کی تھی؟ الف نون، اور پھر اعتراض ہوا کہ وہ تو تثنیہ اور یہ تو مفرد کی ضمیر ہے تو کیا جواب دیا؟ کہ دونوں مل کر ایک ہی سبب ہیں اس لیے مفرد کی ضمیر راجع کی۔ اور دوسری صورت یہ ہے کہ شَرْطُهُ کی هُ ضمیر اسم کو راجع کر دو، وہ جو اسم ہے اس کی شرط کس چیز میں؟ غیرِ منصرف ہونے میں۔ وہ اسم جس کے اندر الف نون آئیں اس کے غیرِ منصرف ہونے میں شرط کیا ہے؟ اَلْعَلَمِيَّةُ علمیت ہے۔ تو کہتے ہیں أَوْ شَرْطُ ذٰلِكَ الِاسْمِ، دیکھا اب ذٰلِكَ الِاسْمِ کو ضمیر راجع کی۔ أَوْ شَرْطُ ذٰلِكَ الِاسْمِ فِي امْتِنَاعِهِ مِنَ الصَّرْفِ یا اس اسم کی شرط جو ہے ممتنع ہونے میں صرف سے، صرف سے ممتنع ہونے میں اس اسم کی شرط کیا ہے؟ اَلْعَلَمِيَّةُ علمیت ہے۔

تو عبارت سمجھ میں آگئی؟ دیکھو فَشَرْطُهُ الْعَلَمِيَّةُ اس کی شرط علمیت ہے، کس کی شرط؟ پہلی صورت میں الف نون، الف نون زائدتان کی شرط یعنی غیرِ انصراف کا سبب بننے میں شرط جو ہے اَلْعَلَمِيَّةُ علمیت ہے جب وہ اسم میں آئے۔ اور یا اس اسم کے صرف سے ممتنع ہونے میں شرط جو ہے وہ علمیت ہے کہ وہ علم ہونا چاہیے۔

تَحْقِيْقًا لِلُزُوْمِ زِيَادَتِهِمَا، تاکہ ان دونوں کی زیادتی لازم ہو جائے۔ بھئی دیکھیے دو وجہیں ذکر کیں انہوں نے، دو وجہیں کہ یہ الف نون مزیدتان غیرِ انصراف کا سبب بنتے ہیں۔ کیوں سبب بنتے ہیں؟ بعض علماء فرماتے ہیں کیونکہ یہ مزید علیہ کی فرع ہیں، اور بعض علماء فرماتے ہیں اس لیے یہ سبب بنتے ہیں کہ ان کی مشابہت ہے تانیث کے دو الفوں کے ساتھ۔ تو اب علمیت کی شرط کیوں لگائی؟ دونوں کے لیے وجہ ذکر کریں گے کہ الف نون مزیدتان جب اسم میں آجائیں تو اس کو علم ہونا چاہیے تاکہ یہ الف نون پکے ہو جائیں، کیا ہو جائیں؟ اب یہ جدا نہیں ہوں گے کلمے سے، اب یہ کلمے سے جدا نہیں ہوں گے۔ تو اب ان کا فرع ہونا پکا ہو گیا، مزید علیہ ان کے لیے اصل اور یہ اس کی فرع، اور یہ اب کلمے سے جدا نہیں ہوتے یعنی ان کا فرع ہونا پکا ہو گیا۔ بات سمجھ میں آگئی؟ یہ معنی ہے تَحْقِيْقًا لِلُزُوْمِ زِيَادَتِهِمَا، تاکہ ان کا زائد ہونا لازم ہو جائے، یہ پھر کلمے

سے جدا نہ ہوں یعنی ان کا زائد ہونا لازم ہو جائے۔ یہ مزیدتین ہیں نا، اور کس کی مزیدتین ہیں؟ مزید علیہ کی، تو مزید علیہ کے لیے تاکہ ان کا فرع ہونا لازم ہو جائے۔ توجہ ہے؟ یہ پہلے قول کے مطابق جنہوں نے کیا کہا تھا؟ یہ الف نون فرع ہیں کس کی؟ مزید علیہ کی، تو ان کے اعتبار سے وجہ بیان کی۔

أَوْ لِيَمْتَنِعَ دُخُوْلُ التَّاءِ، یا تاکہ اس پر تا کا داخل ہونا ممتنع ہو جائے۔ بھئی جب یہ علم بن جائے گا، علم میں تو کوئی تبدیلی نہیں کی جاتی لہذا اب اس پر تا داخل نہیں ہو سکتی، جب تا داخل نہیں ہو سکتی تو الفِ تانیث کے ساتھ جو اس کی مشابہت ہے وہ پکی ہو گئی، اس پر بھی تائے تانیث داخل نہیں ہو سکتی اور یہ جب علم بن گیا اب اس الف نون پر بھی تا داخل نہیں ہو سکتی۔ یہ معنی ہے أَوْ لِيَمْتَنِعَ دُخُوْلُ التَّاءِ یا اس لیے تاکہ تا کا داخل ہونا ممتنع ہو جائے، فَيَتَحَقَّقَ شَبَهُهُمَا بِأَلِفِي التَّأْنِيثِ تاکہ ان کی مشابہت جو ہے وہ پائی جائے الفِ تانیث کے ساتھ، یعنی تانیث کے دو الفوں کے ساتھ ان کی مشابہت متحقق ہو جائے یعنی پائی جائے، موجود ہو جائے۔ جیسے الفِ تانیث کے ساتھ تائے تانیث نہیں آ سکتی اسی طرح اب جب یہ علم بن گیا تو علم میں تو کوئی تبدیلی نہیں کی جاتی تو اب اس کے ساتھ بھی تائے تانیث نہیں آ سکتی۔ بات سمجھ میں آ گئی؟ تو فَيَتَحَقَّقَ شَبَهُهُمَا پڑھنا بھئی، میں نے آپ کو پہلے بھی بتلایا تھا ایک لفظ ہے شِبْهٌ ایک شَبَهٌ، شِبْهٌ کا معنی ہے مثل اور شَبَهٌ کا معنی مشابہت بھئی، مشابہ ہونا یہ مصدر ہے، تو فَيَتَحَقَّقَ شَبَهُهُمَا تو ان دونوں کی مشابہت جو ہے وہ متحقق ہو جائے گی یعنی ثابت ہو جائے گی کس کے ساتھ؟ بِأَلِفِي التَّأْنِيثِ تانیث کے دو الفوں کے ساتھ۔ كَعِمْرَانَ جیسے کہ عِمْرَانُ ہے بھئی، دیکھو یہ غیرِ منصرف ہیں، دو سبب کون سے؟ ایک علمیت ہے اور ایک الف نون مزیدتان ہے بھئی، تو شرط پوری ہے اس کے اندر علمیت والی۔

أَوْ كَانَتَا فِيْ صِفَةٍ، یا وہ دونوں جو ہیں صفت کے اندر آئیں گے، فَانْتِفَاءُ فَعْلَانَةٍ تو پھر انتفائے فَعْلَانَةٌ شرط ہے، فَعْلَانَةٌ وزن پر اس کی مؤنث نہیں آنی چاہیے۔ توجہ ہے؟ بھئی فَعْلَانَةٌ کا لفظ یہاں آیا، یاد رکھو یہاں یہ اس وقت غیرِ منصرف ہے کیونکہ فَعْلَانَةٌ سے فَعْلَانَةٌ کا لفظ مراد ہے، کیا مراد ہے؟ فَعْلَانَةٌ کا لفظ، تو یہ علم کی تاویل میں ہوا اور ساتھ گول تا بھی جڑی ہوئی ہے تانیث والی تو دو سبب آ گئے، ایک علمیت اور ایک تانیث۔ لیکن پڑھیں گے اس کو فَعْلَانَةٍ، فَانْتِفَاءُ فَعْلَانَةٍ۔ کیوں؟ فَعْلَانَةٍ کیوں پڑھیں گے؟ اس وقت تو یہ غیرِ منصرف ہے لیکن پڑھیں گے کیا؟ منصرف، کیونکہ اس کی مشابہت ہے وہ فَعْلَانَةٌ جو منصرف آتے ہیں کلامِ عرب میں۔ بھئی جب فَعْلَانَةٌ تا کے ساتھ آئے تو منصرف ہوتا ہے یا غیرِ منصرف؟ منصرف ہوتا ہے، انہوں نے کہا نا کہ اس کے ساتھ تا نہیں جڑنی چاہیے، جب تا جڑے گی تو منصرف ہوگا یا غیرِ منصرف؟ منصرف ہوگا، تو وہ منصرف ہوتا ہے اس پر تنوین آتی ہے، تو اس فَعْلَانَةٌ کی بھی اس کے ساتھ کیا ہے؟ مشکلات ہے، مشابہت ہے، وہ منصرف پڑھتے ہو تو یہاں بھی کیا پڑھیں گے؟ منصرف پڑھیں گے۔ بات سمجھ میں آ گئی؟ اور اگر آپ فَعْلَانَةَ پڑھ لیں تو بھی ٹھیک ہے بھئی، تو فَعْلَانَةَ بھی پڑھ سکتے ہیں لیکن بہتر یہی ہے کہ اس کو منصرف ہی پڑھا جائے۔

تو کہتے ہیں أَوْ كَانَتَا فِيْ صِفَةٍ یا وہ الف نون مزیدتان جو ہیں وہ صفت میں آئیں گے، فَانْتِفَاءُ فَعْلَانَةٍ تو شرط جو ہے وہ فَعْلَانَةٌ کا منتفی ہونا ہے کہ فَعْلَانَةٌ وزن نہ آئے، یعنی اس کی مؤنث فَعْلَانَةٌ وزن پر نہ آئے۔ أَيْ إِنْ كَانَ الْأَلِفُ وَالنُّوْنُ فِيْ صِفَةٍ فَشَرْطُهُ انْتِفَاءُ فَعْلَانَةٍ یعنی کہ اگر الف اور نون جو ہیں وہ صفت میں ہوں تو اس کی شرط جو ہے وہ فَعْلَانَةٌ کا منتفی ہونا ہے، يَعْنِي امْتِنَاعُ دُخُوْلِ تَاءِ التَّأْنِيْثِ عَلَيْهِ یعنی تائے تانیث کا اس پر داخل ہونا ممتنع ہو۔ اس کی مؤنث فَعْلَانَةٌ نہیں آنی چاہیے، کیونکہ فَعْلَانَةٌ آئے گی پھر تو اس کے ساتھ تائے تانیث جڑ گئی، پھر تو اس کی الفِ تانیث کے ساتھ مشابہت ختم ہو گئی، لہٰذا اس کی مؤنث فَعْلَانَةٌ نہیں آنی چاہیے یعنی یہ تا کو قبول نہ کرتا ہو تاکہ اس کی مشابہت اَلِفَيِ التَّأْنِيْثِ کے ساتھ باقی رہے۔ یہ معنی ہے يَعْنِي امْتِنَاعُ دُخُوْلِ تَاءِ التَّأْنِيْثِ عَلَيْهِ یعنی تائے تانیث کا اس پر داخل ہونا ممتنع ہو، لِيَبْقٰى مُشَابَهَتُهُمَا لِأَلِفَيِ التَّأْنِيْثِ عَلٰى حَالِهَا تاکہ ان دونوں کی جو مشابہت ہے تانیث کے دو الفوں کے ساتھ عَلٰى حَالِهَا اپنے حال پر باقی رہے یعنی وہ ختم نہ ہو۔ الف نون کی مشابہت ہے کس کے ساتھ؟ تانیث کے دو الفوں کے ساتھ۔ تو اگر تا ساتھ آکر جڑے گی تو مشابہت ختم ہو جائے گی، اور تا نہیں جڑے گی تو مشابہت اپنے حال پر باقی رہے گی۔ یہ معنی ہے لِيَبْقٰى مُشَابَهَتُهُمَا لِأَلِفَيِ التَّأْنِيْثِ عَلٰى حَالِهَا تاکہ ان دونوں کی جو مشابہت ہے تانیث کے دو الفوں کے ساتھ وہ اپنے حال پر باقی رہے، یعنی وہ مشابہت اپنے حال پر باقی رہے۔

وَلِذَا انْصَرَفَ عُرْيَانٌ مَعَ أَنَّهُ صِفَةٌ لِأَنَّ مُؤَنَّثَهُ عُرْيَانَةٌ، کہتے ہیں اسی وجہ سے عُرْيَانٌ منصرف ہے باوجود اس کے کہ یہ صفت ہے اور اس کے آخر میں الف نون آرہا ہے۔ کیوں؟ لِأَنَّ مُؤَنَّثَهُ عُرْيَانَةٌ کیونکہ اس کی مؤنث کیا آتی ہے؟ عُرْيَانَةٌ آتی ہے۔ اور دیکھو یہ لفظ کیا ہے؟ عُرْيَانٌ، اور مؤنث کیا ہے؟ عُرْيَانَةٌ۔ تو اوپر جو متن میں آیا نا فَانْتِفَاءُ فَعْلَانَةٍ، فَعْلَانَةٍ کے اندر تو فا پر زبر ہے اور عُرْيَانَةٌ میں تو عین پر پیش ہے، تو عُرْيَانَةٌ یہ تو فَعْلَانَةٌ وزن نہیں ہے یہ تو فُعْلَانَةٌ وزن ہے۔ توجہ ہے؟ تو بتلانا یہ چاہتے ہیں صاحبِ جامی کہ فا کے فتحہ یا ضمہ کو نہ دیکھیں، یہاں مراد صرف یہ ہے کہ وہ الف نون جس صفت کے آخر میں آئیں وہ تا کو قبول نہ کرے چاہے فا پر فتحہ ہو چاہے ضمہ ہو۔ اور عُرْيَانٌ یہ تو تا کو قبول کر رہا ہے عُرْيَانَةٌ اس کی مؤنث آتی ہے، لہٰذا اس کے الف نون جو ہیں وہ غیرِ انصراف کا سبب نہیں بنیں گے۔

وَقِيْلَ شَرْطُهُ وُجُوْدُ فَعْلٰى، اور کہا گیا ہے کہ یہ الف نون جو صفت میں آئیں ان کی شرط جو ہے وجودِ فَعْلٰى ہے، فَعْلٰى کا وجود ہے، فَعْلٰى وزن پر اس کی مؤنث آنی چاہیے۔ بھئی کیوں؟ فَعْلٰى وزن پر اس کی مؤنث کیوں آنی چاہیے؟ ادھر دیکھیے، کیوں آنی چاہیے؟ کہتے ہیں وجہ یہ کہ جب ایک اسم کی مؤنث فَعْلٰى آئے گی تو معلوم ہوا فَعْلَانَةٌ نہیں آئے گی، تو مقصد ان کا بھی وہی ہے، انہوں نے بھی کہا تھا فَعْلَانَةٌ نہیں آنی چاہیے، پہلوں نے بھی کہا فَعْلَانَةٌ نہیں آنی چاہیے، دوسرے جو گروہ والے ان کا بھی مقصد یہی ہے کہ اس کی مؤنث فَعْلَانَةٌ نہیں آنی چاہیے، لیکن یہ کہتے ہیں باقاعدہ دلیل بھی ساتھ ہونی چاہیے کیا ہونی چاہیے؟ دلیل بھی۔ جب اس کی مؤنث فَعْلٰى آگئی تو یہ دلیل ہے معلوم ہوا اس کی مؤنث فَعْلَانَةٌ نہیں آتی، اگر فَعْلَانَةٌ آتی تو فَعْلٰى نہیں آسکتی تھی، ایک وقت میں ایک آسکتی ہے۔

تو کہتے ہیں وَقِيْلَ شَرْطُهُ وُجُوْدُ فَعْلٰى اور کہا گیا ہے کہ اس صفت کی شرط جو ہے فَعْلٰى کا وجود ہے، لِأَنَّهُ مَتٰى كَانَ مُؤَنَّثُهُ فَعْلٰى اس لیے کیونکہ جب اس کی مؤنث فَعْلٰى ہوگی، لَا يَكُوْنُ فَعْلَانَةَ تو پھر فَعْلَانَةَ نہیں ہوگی، فَيَبْقٰى مُشَابَهَتُهُمَا لِأَلِفَيِ التَّأْنِيْثِ عَلٰى حَالِهَا تو ان دونوں کی مشابہت باقی رہے گی تانیث کے دو الفوں کے ساتھ عَلٰى حَالِهَا اپنے حال پر۔

وَمِنْ ثَمَّ، اور اسی وجہ سے، أَيْ وَمِنْ أَجْلِ الْمُخَالَفَةِ فِي الشَّرْطِ یعنی شرط میں مخالفت ہونے کی وجہ سے۔ بتلانا یہ چاہتے ہیں وَمِنْ ثَمَّ کے اندر مِنْ سببیہ ہے جو سبب اور علت بیان کرتا ہے۔ تو کہتے ہیں وَمِنْ ثَمَّ أَيْ وَمِنْ أَجْلِ الْمُخَالَفَةِ فِي الشَّرْطِ اور اسی وجہ سے یعنی شرط میں مخالفت کی وجہ سے اخْتُلِفَ فِيْ رَحْمَانَ، رَحْمَانُ کے اندر اختلاف کیا گیا ہے۔ وَمِنْ ثَمَّ أَيْ وَمِنْ أَجْلِ الْمُخَالَفَةِ فِي الشَّرْطِ، تو دیکھو ثَمَّ جو ہے وہ اسمِ اشارہ بعید ہے اور یہ مکان اور جگہ کے لیے آتا ہے بمعنیٰ وہاں کے۔ لیکن یہاں پر یاد رکھو وَمِنْ ثَمَّ اخْتُلِفَ فِيْ رَحْمَانَ، یہاں ثَمَّ کے ذریعے پیچھے جو اختلاف ذکر ہوا شرط کے اندر اس کی طرف اشارہ ہے، اور وہ تو معنیٰ ہے، وہ تو علماء کے دو گروہ ہیں، بعض انتفائے فَعْلَانَةٌ کی شرط لگاتے ہیں اور بعض جو ہیں وجودِ فَعْلٰى کی شرط لگاتے ہیں، اس وَمِنْ ثَمَّ اور اسی وجہ سے اختلاف کیا گیا ہے رَحْمَانُ میں۔ تو مِنْ ثَمَّ اسی وجہ سے، دیکھو اس کے ذریعے اشارہ ہے وہ جو پیچھے علماء کا اختلاف ذکر کیا گیا، علماء کے دو گروہ کا آپس میں اختلاف ذکر کیا گیا اس کی طرف اشارہ ہے، اور وہ اختلاف وہ تو ایک معنیٰ کا نام ہے، وہ تو کوئی جگہ کا نام نہیں ہے، تو یہاں پر جو ثَمَّ آیا یہ مجازی معنیٰ میں ہے، حقیقی معنیٰ میں نہیں۔ حقیقت میں تو یہ وضع ہے کس کے لیے؟ مکانِ بعید کے لیے، اس کی طرف اشارہ کرنے کے لیے، لیکن یہاں تو اختلاف کی طرف اشارہ ہے، اختلاف تو کوئی جگہ کا نام نہیں ہے، اختلاف تو ایک معنیٰ کا نام ہے، تو یہاں یہ حقیقی معنیٰ میں نہیں ہے بلکہ مجازی معنیٰ میں ہے بھئی۔

تو کہتے ہیں وَمِنْ ثَمَّ أَيْ وَمِنْ أَجْلِ الْمُخَالَفَةِ فِي الشَّرْطِ اور اسی وجہ سے یعنی شرط میں مخالفت کی وجہ سے اخْتُلِفَ فِيْ رَحْمَانَ رَحْمَانُ کے اندر اختلاف کیا گیا ہے فِيْ أَنَّهُ مُنْصَرِفٌ أَوْ غَيْرُ مُنْصَرِفٍ کہ یہ منصرف ہے یا غیرِ منصرف ہے۔ فَإِنَّهُ لَيْسَ لَهُ مُؤَنَّثٌ اس لیے کیونکہ اس کی کوئی مؤنث نہیں ہے، لَا رَحْمٰى وَلَا رَحْمَانَةٌ نہ تو رَحْمٰى اس کی مؤنث ہے اور نہ رَحْمَانَةٌ۔ لِأَنَّهُ صِفَةٌ خَاصَّةٌ لِلّٰهِ تَعَالٰى اس لیے کیونکہ یہ ایسی صفت ہے جو خاص ہے اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ، لَا يُطْلَقُ عَلٰى غَيْرِهِ تَعَالٰى اس کا اطلاق اللہ کے علاوہ کسی اور پر نہیں ہوتا، یعنی یہ صفت اللہ کے علاوہ کسی اور پر نہیں بولی جاتی، لَا عَلٰى مُذَكَّرٍ وَلَا عَلٰى مُؤَنَّثٍ نہ تو کسی مذکر پر اور نہ کسی مؤنث پر۔ فَعَلٰى مَذْهَبِ مَنْ شَرَطَ انْتِفَاءَ فَعْلَانَةٍ پس ان علماء کے مذہب پر جنہوں نے فَعْلَانَةٌ کے انتفاء کی شرط لگائی تھی، فَهُوَ غَيْرُ مُنْصَرِفٍ یہ غیرِ منصرف ہے کیونکہ اس کی مؤنث فَعْلَانَةٌ نہیں آتی۔ وَعَلٰى مَذْهَبِ مَنْ شَرَطَ وُجُوْدَ فَعْلٰى اور ان علماء کے مذہب پر جنہوں نے وجودِ فَعْلٰى کی شرط لگائی تھی، فَهُوَ مُنْصَرِفٌ تو یہ منصرف ہے کیونکہ اس کی مؤنث فَعْلٰى نہیں آتی بھئی۔

دُوْنَ سَكْرَانَ، بھئی متن کو متن سے جوڑیں بھئی، اخْتُلِفَ فِيْ رَحْمَانَ دُوْنَ سَكْرَانَ وَنَدْمَانٍ، رَحْمَانُ میں تو اختلاف کیا گیا

ہے، سَکْرَانُ اور نَدْمَانٌ میں اختلاف نہیں کیا گیا۔ تو کہتے ہیں دُوْنَ سَکْرَانَ نہ کہ سَکْرَانُ میں یعنی اس میں اختلاف نہیں ہے۔ فَإِنَّهُ لَا خِلَافَ فِيْ مَنْعِ صَرْفِهِ اس لیے کیونکہ اس کی منعِ صرف میں کوئی اختلاف نہیں ہے، لِوُجُوْدِ الشَّرْطِ عَلَى الْمَذْهَبَيْنِ اس لیے کیونکہ شرط پائی جا رہی ہے دونوں مذہبوں پر، فَإِنَّ مُؤَنَّثَهُ سَكْرٰى لَا سَكْرَانَةٌ اس لیے کیونکہ اس کی مؤنث سَكْرٰى ہے نہ کہ سَكْرَانَةٌ۔ تو جنہوں نے کہا تھا سَكْرَانَةٌ نہیں آنی چاہیے تو اس کی مؤنث بھی سَكْرَانَةٌ نہیں آتی تو ان کے نزدیک یہ غیرِ منصرف۔ اور جو کہتے تھے کہ اس کی مؤنث فَعْلٰى یعنی سَكْرٰى آنی چاہیے تو اس کی مؤنث بھی سَكْرٰى آتی ہے، تو دونوں کے نزدیک شرط پوری ہے، دونوں کے نزدیک یہ غیرِ منصرف ہے بھئی۔

وَدُوْنَ نَدْمَانٍ اور نہ کہ نَدْمَانٌ کے اندر، یعنی اس میں بھی اختلاف نہیں۔ بھئی سَكْرَانُ کے غیرِ منصرف ہونے میں اور نَدْمَانٌ کے منصرف ہونے میں کوئی اختلاف نہیں۔ تو کہتے ہیں وَدُوْنَ نَدْمَانٍ اور نہ کہ نَدْمَانٌ کے اندر یعنی اس میں بھی اختلاف نہیں ہے۔ فَإِنَّهُ لَا خِلَافَ فِيْ صَرْفِهِ اس لیے کیونکہ اس کی صرف میں کوئی اختلاف نہیں ہے، لِانْتِفَاءِ الشَّرْطِ عَلَى الْمَذْهَبَيْنِ اس وجہ سے کہ شرط منتفی ہے دونوں مذہبوں پر یعنی دونوں میں سے کسی کی بھی شرط پوری نہیں، لِأَنَّ مُؤَنَّثَهُ نَدْمَانَةٌ لَا نَدْمٰى اس لیے کیونکہ اس کی مؤنث نَدْمَانَةٌ ہے نہ کہ نَدْمٰى۔ اس کی مؤنث نَدْمَانَةٌ آئی تو پہلے مذہب والوں نے تو کہا تھا نَدْمَانَةٌ نہیں آنی چاہیے تو ان کی شرط پوری نہیں، تو ان کے نزدیک منصرف۔ اور دوسرے مذہب والوں کے مطابق اس کی مؤنث نَدْمٰى آنی چاہیے تھی، لیکن نَدْمٰى تو نہیں آتی بلکہ کیا آتی ہے؟ نَدْمَانَةٌ، تو ان کی بھی شرط پوری نہیں۔ تو دونوں کے مطابق یہ منصرف ہے بھئی۔

کہتے ہیں هٰذَا إِذَا كَانَ نَدْمَانُ بِمَعْنَى النَّدِيْمِ، کہتے ہیں یہ اس وقت ہے جب یہ نَدْمَانٌ بمعنیٰ نَدِيْمٌ کے ہو یعنی ہم نشین کے معنیٰ میں ہو، وَأَمَّا إِذَا كَانَ بِمَعْنَى النَّادِمِ اور جب یہ نَدْمَانٌ بمعنیٰ نَادِمٌ کے ہو، نَادِمٌ کا کیا معنیٰ؟ شرمندہ بھئی، پشیمان بھئی، فَهُوَ غَيْرُ مُنْصَرِفٍ بِالِاتِّفَاقِ تو پھر اس صورت میں یہ غیرِ منصرف ہے بالاتفاق، لِأَنَّ مُؤَنَّثَهُ نَدْمٰى لَا نَدْمَانَةٌ اس لیے کیونکہ جب نَدْمَانٌ بمعنیٰ نَادِمٌ کے ہو تو اس کی مؤنث نَدْمٰى ہے نہ کہ نَدْمَانَةٌ۔ توجہ ہے؟ اس کی مؤنث کیا ہے؟ نَدْمٰى، جب یہ کس معنیٰ میں ہو؟ نَادِمٌ کے معنیٰ میں ہو۔ تو اس کی مؤنث نَدْمٰى آئی تو پہلے والوں کی شرط بھی پوری، انہوں نے کیا کہا تھا؟ فَعْلَانَةٌ نہ آئے، اس کی بھی فَعْلَانَةٌ مؤنث نہیں آئی بلکہ نَدْمٰى آئی، اور دوسرے والوں کی شرط بھی پوری، انہوں نے کیا کہا تھا؟ وجودِ فَعْلٰى، اور یہاں بھی وجودِ نَدْمٰى ہے، بات سمجھ میں آگئی؟

میں نے آپ کو پہلے بتلا دیا کہ فَانْتِفَاءُ فَعْلَانَةٍ اس کو منصرف پڑھو بھئی، کیا پڑھو؟ منصرف۔ اگرچہ یہاں اس وقت یہ غیرِ منصرف ہے کیونکہ ایک علمیت ہے، لفظ بول کر لفظ مراد ہے تو یہ علم کے درجے میں ہے، تو ایک علمیت ہے ایک تائے تانیث ہے، لیکن اس کی مشکلات ہے اس فَعْلَانَةٌ کے ساتھ جو کلامِ عرب میں منصرف استعمال ہوتا ہے، تو اس کو بھی کیا پڑھیں گے؟ منصرف پڑھیں گے۔ یہ اسی طرح ہے جیسے متن آیا وَنَدْمَانٍ، دُوْنَ سَكْرَانَ وَنَدْمَانٍ۔ اب دیکھو یہ نَدْمَانٍ، یہ

یہاں غیرِ منصرف ہے، نَدْمَانٍ یہاں نَدْمَانٌ بول کر نَدْمَانٌ کا لفظ مراد ہے، معلوم ہوا یہ علم کے درجے میں ہے، علم بھی ہے اور الف نون مزیدتان بھی ہیں، تو اس کو کیا پڑھنا چاہیے؟ نَدْمَانَ پڑھنا چاہیے، لیکن یہاں نَدْمَانَ پڑھنا مناسب ہی نہیں ہے کیونکہ بتلانا ہی کیا چاہتے ہیں؟ کہ نَدْمَانٍ کلامِ عرب میں منصرف ہے، غیرِ منصرف نہیں۔ جب کلامِ عرب میں منصرف ہے، وہاں اس پر کسرہ اور تنوین آتے ہیں، تو اس کی مشکلات ہوئی اس کے ساتھ، اور وہ منصرف ہے تو اس کو بھی کیا پڑھیں گے؟ منصرف۔ تو بہرحال دُوْنَ سَكْرَانَ وَنَدْمَانٍ یوں پڑھیں گے، اگرچہ نَدْمَانَ بھی پڑھ لیں تو وہ پڑھنا بھی صحیح ہے۔

بات سمجھ میں آگئی؟ سارا حل ہو گیا اچھی طرح؟ چلیے بس بھئی، هٰذَا هُوَ الْمَرَامُ وَاللهُ أَعْلَمُ بِحَقِيْقَةِ الْكَلَامِ۔

سبق نمبر ۷۱: اسبابِ منعِ صرف (۱۵): «وَزْنُ الْفِعْلِ» کی تعریف، شرائط اور اوزانِ خاصہ و غالبہ

شرحِ ملا جامی صفحہ: ۵۱ — بتاریخ: ۱۶ ستمبر ۲۰۲۱ء

▪ تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث

آگے سبق دیکھیے بھئی: وَزْنُ الْفِعْلِ وَهُوَ كَوْنُ الِاسْمِ عَلَى وَزْنٍ يُعَدُّ مِنْ أَوْزَانِ الْفِعْلِ، وَهٰذَا الْقَدْرُ لَا يَكْفِي فِي سَبَبِيَّةِ مَنْعِ الصَّرْفِ بَلْ شَرْطُهُ فِيهَا أَحَدُ الْأَمْرَيْنِ: إِمَّا أَنْ يُخْتَصَّ فِي اللُّغَةِ الْعَرَبِيَّةِ بِهِ أَيْ بِالْفِعْلِ، بِمَعْنَى أَنَّهُ لَا يُوجَدُ فِي الِاسْمِ الْعَرَبِيِّ إِلَّا مَنْقُولًا مِنَ الْفِعْلِ، كَشَمَّرَ عَلَى صِيغَةِ الْمَاضِي الْمَعْلُومِ مِنَ التَّشْمِيرِ۔

گزشتہ سبق میں ہم نے اسبابِ منعِ صرف میں سے الف نون مزیدتان کے بارے میں پڑھا تھا بھئی۔ انہوں نے آپ کو بتلایا کہ الف نون مزیدتان جو ہیں یہ غیر انصراف کا سبب بنتے ہیں، غیر انصراف کا۔ اور اگر یہ اسم میں ہوں تو اس کی شرط علیحدہ ہے اور اگر صفت میں ہوں تو اس کی شرط علیحدہ ہے۔ میں نے آپ کو بتلایا تھا کہ اسم کا لفظ فعل اور حرف کے مقابلے میں بھی آتا ہے اور اسی طرح اسم کا لفظ صفت کے مقابلے میں بھی آتا ہے۔ اسم کا لفظ جب فعل اور حرف کے مقابلے میں آئے تو یہ جو اسم ہے، جو فعل اور حرف کے مقابلے میں ہے، اس میں ہر قسم کے اسم داخل ہو گئے، چاہے وہ اسمِ محض ہو یعنی صرف ذات پہ دلالت کرے، یا ذات مع الوصف دونوں پر دلالت کرے۔

جیسے دیکھو بھئی رَجُلٌ، فَرَسٌ، ضَارِبٌ، مَضْرُوبٌ، أَحْمَرُ، یہ سارے دیکھو اسم ہیں، ان میں سے کوئی بھی فعل بھی نہیں ہے اور حرف بھی نہیں ہے۔ تو وہ اسم جو فعل اور حرف کے مقابلے میں ہوتا ہے وہ اسم اور صفت دونوں کو شامل ہے۔ اور پھر آگے یہ جو اسم ہے اس کی تقسیم ہوتی ہے اور یہ دو قسم پر ہے: یا تو یہ اسم صرف ذات پر دلالت کرے گا یا ذات مع الوصف، یعنی ذات کے ساتھ وصف بھی ملحوظ ہو گا۔ صرف ذات پر دلالت کرے جیسے رَجُلٌ اور فَرَسٌ۔ رَجُلٌ اور فَرَسٌ جو ہیں یہ صرف ذات پر دلالت کر رہے ہیں، وصف ان میں ملحوظ نہیں۔ جبکہ بعض اوقات وصف ساتھ ملحوظ ہوتا ہے جیسے ضَارِبٌ۔ ضَارِبٌ کا معنی ہے پٹائی کرنے والا، معلوم ہوا کوئی ذات ہے جو اس وصف کے ساتھ موصوف ہے یعنی ضاربیت کے ساتھ موصوف ہے، اس میں ضرب لگانے والی صفت ہے بھئی۔ اور مَضْرُوبٌ، مَضْرُوبٌ کا معنی ہے کوئی ایسی ذات

جو مضروبیت کے ساتھ موصوف ہے۔ أَحْمَرُ کا معنی ہے کوئی ایسی ذات جو حُمْرَت یعنی سرخی کے ساتھ موصوف ہے بھئی۔

تو لہٰذا یہاں جو اسم کا لفظ آیا وہ والا اسم نہیں مراد جو فعل اور حرف کے مقابلے میں آئے، بلکہ یہاں وہ والا اسم مراد ہے جو صفت کے مقابلے میں آئے۔ تو یہاں اسم سے مراد وہ اسم ہے جو صرف ذات پر دلالت کرے، اور آگے صفت کا ذکر آرہا ہے، صفت سے مراد وہ اسم ہے جو ذات مع الوصف دونوں پر دلالت کرے بھئی۔ تو یہ اسم کے اندر آئے الف نون مزیدتان، اسم میں آئے تو اس کی شرط علیحدہ، صفت میں آئے تو اس کی شرط علیحدہ ہے بھئی۔

پھر انہوں نے آپ کو یہ بھی بتلایا تھا کہ یہ جو الف نون مزیدتان ہیں یہ غیر انصراف کا سبب کیوں بنتے ہیں؟ اس میں علماء کا اختلاف ہے۔ بعض علماء فرماتے ہیں کہ یہ فرع ہیں مزید علیہ کے لیے، تو ان میں فرعیت والا وصف پایا جا رہا ہے، اس لیے یہ سبب بنتے ہیں۔ جیسے دیکھو عِمْرَانُ۔ عِمْرَانُ کے اندر دیکھو الف نون یہ تو مزیدتان ہیں، یہ تو زائد ہیں اور عین، میم، را وہ مزید علیہ ہے، یعنی جس پر ان کو بڑھایا گیا، جس پر ان کی زیادتی کی گئی۔ تو وہ جو عین، میم، را وہ ہوئے اصل اور الف نون ہوئے فرع، تو دیکھو ان میں فرعیت والا وصف ہے لیکن کس اعتبار سے؟ مزید علیہ کے اعتبار سے۔

اور جبکہ بعض علماء فرماتے ہیں کہ یہ فرع ہیں تانیث کے دو الفوں کی۔ تانیث کے جو دو الف ہیں: الفِ مقصورہ اور الفِ ممدودہ، وہ ہیں اصل اور یہ دونوں اس کی فرع ہیں۔ بھئی وہ کیسے اصل اور یہ کیسے اس کے لیے فرع؟ کہتے ہیں بھئی جیسے وہ جو دو الف ہیں ان کے ساتھ تانیث کی گول تا نہیں جڑ سکتی، کیونکہ وہ الف خود تانیث کے لیے ہیں، جب وہ تانیث کے لیے ہیں تو ان کے ساتھ تا کو ملانے کی اور جوڑنے کی کوئی ضرورت اور حاجت نہیں۔ تو جیسے وہ جو اَلِفَیِ التَّأْنِیثِ ہیں ان کے ساتھ جیسے تائے تانیث نہیں جڑ سکتی، اسی طرح یہ جو الف نون مزیدتان ہیں ان کے ساتھ بھی تائے تانیث نہیں جڑ سکتی، تو یہ اس کی فرع ہوئے۔ وہ ہیں اصل تا کے نہ جڑنے میں، وہ اصل ہیں اور الف نون ان کی فرع ہیں، تو الف نون میں دیکھو فرعیت والا وصف آگیا۔ اور آپ پڑھ چکے ہیں کہ یہ جتنے اسبابِ منعِ صرف ہیں ان سب میں فرعیت والا معنی ہے، یہ سب کسی نہ کسی چیز کی فرع ہیں بھئی۔ تو لہٰذا یہاں ان میں بھی فرعیت آگئی بھئی، فرعیت آگئی۔

تو بات چل رہی تھی کہ یہ اسبابِ منعِ صرف اگر اسم میں آئیں تو اس کی شرط علیحدہ، اگر صفت میں آئیں تو اس کی شرط علیحدہ۔ اسم میں آئیں تو اس کی شرط یہ ہے کہ وہ عَلَم ہونا چاہیے۔ وہ کیا ہونا چاہیے؟ عَلَم ہونا چاہیے، جیسے عِمْرَانُ، عُثْمَانُ، سَلْمَانُ، دیکھو یہ سب عَلَم ہیں بھئی۔ بھئی عَلَم ہونے کی شرط کیوں لگائی؟ اس کی وجہ بھی انہوں نے بتلائی تھی: تاکہ یہ جو الف نون مزیدتان ہیں یہ زوال سے محفوظ ہو جائیں، یہ کلمے کے ساتھ لازم ہو جائیں، کیونکہ یہ زائد ہیں اور زائد کبھی ساتھ جڑتا ہے اور کبھی ساتھ نہیں جڑتا، لیکن جب یہ عَلَم بن جائیں گے اب یہ جدا نہیں ہو سکیں گے کلمے سے، تو اب ان کا فرع ہونا پکا ہو گیا، مزید علیہ کی طرف نسبت کرتے ہوئے ان کا فرع ہونا پکا ہو گیا۔ یا دوسری وجہ یہ ذکر کی کہ الف نون مزیدتان جب

اسم میں آئیں تو اس میں عَلَم ہونا شرط ہے اس لیے کیونکہ جب یہ عَلَم بن جائے گا تو عَلَم میں تو کوئی تبدیلی نہیں کی جاتی، تو لہٰذا اب اس کے ساتھ تائے تانیث بھی آکر نہیں جڑ سکتی، تو اس کی وہ جو مشابہت تھی الفِ تانیث کے ساتھ وہ مشابہت پکی ہو گئی۔

اور اگر صفت کے اندر یہ الف نون مزیدتان آئیں تو پھر اس کے اندر شرط یہ ہے کہ اس کی مؤنث فَعْلَانَةٌ وزن پر نہیں آنی چاہیے۔ اس صفت کی مؤنث فَعْلَانَةٌ وزن پر نہیں آنی چاہیے یعنی وہ تا کو قبول نہ کرے آسان لفظوں میں یوں کہیں۔ جبکہ بعض علماء وجودی شرط لگاتے ہیں۔ پہلے گروہ نے تو عدمی شرط لگائی کہ اس کی مؤنث فَعْلَانَةٌ نہیں آنی چاہیے، جبکہ بعض علماء وجودی شرط لگاتے ہیں، وہ فرماتے ہیں اس کی مؤنث فَعْلَىٰ آنی چاہیے، فَعْلَىٰ آنی۔ تو بعضوں نے کیا شرط لگائی کہ اس کی مؤنث فَعْلَانَةٌ نہیں آنی چاہیے اور بعضوں نے شرط لگائی کہ اس کی مؤنث فَعْلَىٰ آنی چاہیے بھئی۔ تو صاحبِ جامی نے آپ کو بتلایا کہ جنہوں نے وجودِ فَعْلَىٰ کی شرط لگائی، مقصد ان کا بھی وہی ہے کہ اس کی مؤنث فَعْلَانَةٌ نہ آئے۔ اس لیے کیونکہ فَعْلَانَةٌ اور فَعْلَىٰ یہ دونوں کسی لفظ میں اکٹھی نہیں ہوتیں۔ ایک وقت میں ایک ہی مؤنث آتی ہے۔ جس لفظ کی مؤنث فَعْلَانَةٌ آ جائے اس کی فَعْلَىٰ نہیں آتی، اور جس کی فَعْلَىٰ آجائے اس کی فَعْلَانَةٌ نہیں آتی۔ تو یہ جو الف نون مزیدتان جس لفظ میں ہیں جب اس کی مؤنث فَعْلَىٰ پر آجائے گی تو اس سے پتہ چل جائے گا کہ اس کی مؤنث فَعْلَانَةٌ نہیں آتی۔ تو پہلے مذہب والوں کی شرط یہ ہے کہ اس الف نون مزیدتان جب صفت کے اندر آئیں تو اس کی مؤنث فَعْلَانَةٌ نہیں آنی چاہیے۔ دوسروں کے نزدیک بھی یہی شرط ہے کہ اس کی مؤنث فَعْلَانَةٌ نہیں آنی چاہیے لیکن انہوں نے ساتھ کہا دلیل بھی ہونی چاہیے کوئی: یہ جو فَعْلَىٰ مؤنث آئے گی یہ دلیل بن جائے گی اس بات پر کہ اس کی مؤنث فَعْلَانَةٌ نہیں آتی بھئی۔

تو کہتے ہیں اسی وجہ سے پھر رَحْمٰنُ میں اختلاف کیا گیا، سَكْرَانُ اور نَدْمَانُ میں اختلاف نہیں۔ صاحبِ جامی نے آپ کو بتلایا کہ چونکہ یہ دو شرطوں کے اندر اختلاف ہے اسی لیے رَحْمٰنُ میں اختلاف کیا گیا بھئی۔ تو یہ رَحْمٰنُ کا لفظ جو ہے یہ اللہ تعالیٰ کی صفت ہے، اس کی مؤنث آتی ہی نہیں ہے۔ نہ اس کی مؤنث رَحْمَانَةٌ آتی ہے اور نہ اس کی مؤنث رَحْمَىٰ آتی ہے کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کی صفت ہے بھئی۔ تو جنہوں نے شرط لگائی تھی کہ اس کی مؤنث فَعْلَانَةٌ نہیں آنی چاہیے ان کی شرط پوری ہو گئی، اس کی مؤنث بھی رَحْمَانَةٌ نہیں آتی، تو ان کے نزدیک یہ غیر منصرف ہے۔ اور جنہوں نے شرط لگائی تھی کہ اس کی مؤنث فَعْلَىٰ آنی چاہیے تو ان کی شرط پوری نہیں کیونکہ اس کی تو مؤنث آتی ہی نہیں ہے نہ رَحْمَانَةٌ اور نہ رَحْمَىٰ، تو ان کی شرط پوری نہیں تو ان کے نزدیک یہ منصرف ہے۔

لیکن میں نے بتایا تھا یہ لفظی اختلاف ہے، عام عربی زبان میں اس پر کوئی ثمرہ مرتب نہیں ہوتا، کیونکہ کلامِ عرب میں جہاں بھی رَحْمٰنُ کا لفظ استعمال ہوا ہے وہ الف لام کے ساتھ ہوا ہے بھئی، الف لام کے ساتھ۔ اور وہ مسیلمہ کذاب تھا مُدَّعِي نُبُوَّت، اس کو اس کے لوگ جو ہیں رَحْمَانُ الْيَمَامَةِ کہتے تھے۔ تو اس کا پھر بعض علماء فرماتے ہیں کہ ان کا یہ استعمال

عربی زبان کے اعتبار سے غلط تھا، یہ صفت اللہ کے علاوہ کسی اور کے لیے ذکر نہیں کی جا سکتی۔ جبکہ بعض علماء فرماتے ہیں کہ عربی زبان کے اعتبار سے تو استعمال ٹھیک تھا لیکن شریعت کے شرعی اعتبار سے ان کا یہ استعمال درست نہیں تھا، شریعت کے اندر یہ صفت اللہ کے علاوہ کسی اور کے لیے استعمال کرنا جائز نہیں ہے بھئی۔

تو رَحْمٰنُ میں اختلاف کیا گیا: بعض فرماتے ہیں یہ منصرف ہے، بعض فرماتے ہیں یہ غیر منصرف ہے۔ جبکہ سَکْرَانُ کے غیر منصرف ہونے میں اور نَدْمَانُ کے منصرف ہونے میں کوئی اختلاف نہیں۔ سَکْرَانُ کی شرط دونوں کے نزدیک پوری ہے، سَکْرَانُ کی مؤنث سَکْرَیٰ آتی ہے۔ جب سَکْرَیٰ آتی ہے معلوم ہوا سَکْرَانَةٌ نہیں آتی، تو پہلے گروہ کی شرط بھی پوری اور سَکْرَیٰ آتی ہے یہ دوسرے گروہ کی شرط بھی پوری، تو دونوں کے نزدیک غیر منصرف۔ اور نَدْمَانُ جب یہ بمعنی نَدِیمٍ کے ہو یعنی ہم نشین اور ہم مجلس بھئی، تو اس صورت میں یہ بالاتفاق منصرف ہے اس لیے کیونکہ اس کی مؤنث نَدْمَانَةٌ آتی ہے، تو پہلے گروہ کی شرط پوری نہیں۔ اور دوسرے کی شرط کیا تھی؟ وجودِ فَعْلَیٰ، تو اس کی مؤنث تو نَدْمَیٰ نہیں آتی، تو دونوں میں سے کسی کی بھی شرط پوری نہیں تو دونوں کے نزدیک یہ منصرف ہے۔ اور بتلایا تھا کہ یہ نَدْمَانُ جب ہم نشین کے معنی میں ہو، اگر یہ نَادِمٍ کے معنی میں ہو یعنی شرمندہ کے معنی میں ہو، پھر یہ بالاتفاق غیر منصرف ہے کیونکہ دونوں کے نزدیک شرط پوری، کیونکہ اب اس کی مؤنث نَدْمَیٰ آئے گی۔ تو انتفائے فَعْلَانَةٌ والوں کی شرط بھی پوری اور وجودِ فَعْلَیٰ والوں کی شرط بھی پوری، تو دونوں کے نزدیک یہ پھر غیر منصرف ہو گا۔ بات سمجھ میں آ گئی؟

اب دیکھیے بھئی آج کا سبق، کہتے ہیں: وَزْنُ الْفِعْلِ وَهُوَ كَوْنُ الِاسْمِ عَلَى وَزْنٍ يُعَدُّ مِنْ أَوْزَانِ الْفِعْلِ۔ آج ہم وزنِ فعل کے بارے میں پڑھیں گے بھئی۔ وزنِ فعل: وزنِ فعل کا معنی یہ ہے کہ اسم میں ایسا وزن آ جائے جو فعل کا وزن ہے بھئی۔ یا یوں کہیں وزنِ فعل کا معنی یہ ہے کہ اسم جو ہے وہ فعل والے وزن پر آ جائے۔ اسم کس وزن پر آ جائے؟ فعل والے وزن پر آ جائے، جیسے آگے مثال ذکر کریں گے، جیسے أَحْمَرُ بھئی۔ دیکھو أَحْمَرُ یہ اسم ہے، صفتِ مشبہ ہے، لیکن یہ وزن کون سا ہے؟ فعل والا ہے، أَحْمَرُ بر وزن أَكْرَمَ ہے بھئی۔ تو اس کو کہتے ہیں وزنِ فعل، تو یہ ہے وزنِ فعل بھئی اور یہ سبب بنتا ہے غیر انصراف کا بھئی۔ لیکن اس کی آگے شرطیں ہیں بھئی، شرطیں ذکر کریں گے۔ دیکھیے پہلے ہم ذرا متن متن حل کر لیں۔ کہتے ہیں: وَزْنُ الْفِعْلِ شَرْطُهُ أَنْ يُخْتَصَّ بِهِ كَشَمَّرَ۔

یاد رکھو یہ اِخْتَصَّ اور یَخْتَصُّ یہ فعلِ لازم بھی استعمال ہوتا ہے اور فعلِ متعدی بھی۔ اِخْتَصَّ کا معنی خاص ہونا بھی: اِخْتَصَّ زَيْدٌ زید خاص ہو گیا، یا اِخْتَصَّ لَفْظٌ یہ لفظ خاص ہو گیا کسی چیز کے ساتھ۔ اور اِخْتَصَّ یَخْتَصُّ کے معنی خاص کرنا بھی، خاص کرنا بھی: اِخْتَصَصْتُ هٰذَا اللَّفْظَ میں نے اس لفظ کو خاص کر دیا مثلاً کسی معنی یا کسی چیز کے لیے بھئی۔ تو لہٰذا یہاں أَنْ يَخْتَصَّ فعلِ معروف بھی پڑھ سکتے ہو اور أَنْ يُخْتَصَّ فعلِ مجہول بھی پڑھ سکتے ہو۔ تو کہتے ہیں وَزْنُ الْفِعْلِ شَرْطُهُ أَنْ يُخْتَصَّ بِهِ وزنِ فعل جو ہے اس کی شرط جو ہے یا تو یہ ہے کہ وہ خاص ہو بِهِ أَيْ بِالْفِعْلِ فعل کے ساتھ۔

دیکھیے ادھر بھئی، آپ کو بتلائیں گے کہ وزنِ فعل غیر انصراف کا سبب بنے گا لیکن دو شرطوں میں سے ایک شرط پوری ہونی چاہیے: یا تو یہ وزن خاص ہو فعل کے ساتھ، یعنی اسم میں پایا ہی نہیں جاتا۔ توجہ ہے؟ یہ وزن کس کے ساتھ خاص ہو؟ فعل کے ساتھ خاص ہو، اسم میں پایا ہی نہ جائے۔ یا اگر ایسا نہ ہو تو اس کے شروع میں حروفِ أَتَيْنَ میں سے کوئی حرف آنا چاہیے زائد بھئی، اور وہ تا کو بھی قبول نہ کرے۔ تو بہرحال پہلی شرط پہ ذرا توجہ رکھیں۔ پہلی شرط کیا؟ کہ وہ وزن خاص ہونا چاہیے فعل کے ساتھ، اسم میں وہ وضع کے اعتبار سے پایا ہی نہ جائے۔ تو اس پر اشکال ہوتا ہے کہ جب یہ وزن خاص ہو گا فعل کے ساتھ، اسم میں پایا ہی نہیں جاتا، تو غیر منصرف تو اسم بنتا ہے، فعل تو نہیں بنتا، اسم بنتا ہے، تو جب اسم میں یہ وزن ہی نہیں پایا جاتا تو یہ غیر انصراف کا سبب کیسے بنے گا؟ فعل تو غیر منصرف نہیں ہوتا بھئی، غیر منصرف تو کیا ہوتا ہے؟ اسم، اور یہ وزن آپ کہہ رہے ہیں خاص ہو کس کے ساتھ؟ فعل کے ساتھ، اسم میں پایا ہی نہ جائے، تو پھر اسم کے اندر یہ سبب کیسے بنے گا؟ یہ تو اسم میں پایا ہی نہیں جاتا۔ تو آپ کو بتلائیں گے بھئی کہ بھئی معنی یہ ہے کہ اصلِ وضع کے اعتبار سے یہ اسم میں پایا نہیں جاتا، ہاں اگر اسم

میں یہ پایا بھی جائے گا تو یہ دراصل فعل سے نقل ہو کر آیا ہے بھئی۔ کہاں سے؟ فعل سے، جیسے کسی نے اپنے گھوڑے کا نام شَمَّرَ رکھ دیا بھئی۔ شَمَّرَ، اب شَمَّرَ دیکھو یہ بابِ تفعیل کی ماضی ہے بھئی، یہ اصل میں فعل تھا، وہاں سے نقل کر کے گھوڑے کا نام بنا دیا یعنی اسم بنا دیا۔ تو اب یہ ایسا وزن ہے جو خاص ہے فعل کے ساتھ، اور اسم میں آیا بھی ہے تو کہاں سے نقل ہو کر آیا ہے؟ فعل سے نقل ہو کر آیا ہے۔ تو دیکھو اب یہ نقل ہو کر اسم میں آگیا، جب اسم میں آگیا اب یہ غیر انصراف کا سبب بنے گا۔ لہٰذا شَمَّرُ یہ گھوڑے کا نام ہے، اب یہ غیر منصرف ہے۔ کون سے دو سبب ہیں؟ ایک علمیت، نام گھوڑے کا رکھ دیا، اور دوسرا وزنِ فعل ہے۔ تو کیسے پڑھیں گے؟ جَاءَنِي شَمَّرُ، رَأَيْتُ شَمَّرَ، مَرَرْتُ بِشَمَّرَ۔

تو پہلی شرط کیا؟ کہ یا تو وہ صیغہ خاص ہونا چاہیے فعل کے ساتھ۔ یا دوسری شرط یہ ہے کہ اگر وہ فعل کے ساتھ خاص نہیں ہے، تو اس کے شروع میں کوئی حرف زائد ہونا چاہیے حروفِ أَتَيْنَ میں سے۔ آپ نے پڑھا ہے، ادھر دیکھیے، آپ نے پڑھا ہے فعلِ مضارع کے اندر حروفِ أَتَيْنَ میں سے کوئی حرف شروع میں زائد آتا ہے۔ يَضْرِبُ، يَضْرِبُ کے شروع میں کیا ہے؟ یا ہے۔ تَضْرِبُ، تَضْرِبُ کے شروع میں کیا ہے؟ تا ہے۔ یہ یا بھی زائد، یہ تا بھی زائد۔ اسی طرح متکلم کے صیغے ہیں أَضْرِبُ اور نَضْرِبُ، أَضْرِبُ کے شروع میں کیا ہے؟ ہمزہ ہے، اور نَضْرِبُ کے شروع میں نون ہے۔ تو یہ یا، تا، ہمزہ اور نون یہ حروف فعلِ مضارع میں زائد ہوتے ہیں، یہ حروفِ اصلی نہیں ہیں بلکہ یہ حروف زائد ہیں۔ تو فعلِ مضارع میں حروفِ أَتَيْنَ میں سے کوئی ایک حرف شروع میں زیادہ آتا ہے۔ أَتَيْنَ، توجہ ہے؟ وہی ہمزہ، تا، یا، نون، ان کو جوڑ کر ایک صیغہ بنا لیا أَتَيْنَ تاکہ یاد رکھنے میں آسانی ہو۔ تو جیسے فعلِ مضارع کے شروع میں حروفِ أَتَيْنَ میں سے کوئی حرف زائد آتا ہے، اسی طرح وہ اسم

جس کے اندر وزنِ فعل آئے اور وہ وزن فعل کے ساتھ خاص نہیں ہے، اسم میں بھی پایا جاتا ہے اور فعل میں بھی، تو اس کے شروع میں بھی أَتَيْنَ میں سے کوئی ایک حرف ہونا چاہیے۔ اس کے شروع میں بھی حروفِ أَتَيْنَ میں سے کوئی حرف ہونا چاہیے۔

پھر سنو، دیکھو: یہ وزنِ فعل غیر انصراف کا سبب بنتا ہے، لیکن اس کے اندر دو شرطوں میں سے ایک شرط پوری ہونی چاہیے۔ پہلی شرط یہ کہ یا تو وہ وزن خاص ہو فعل کے ساتھ، اسم میں پایا ہی نہ جائے، اگر اسم میں پایا بھی جاتا ہے تو کہاں سے نقل ہو کر آیا؟ فعل سے نقل ہو کر آیا۔ یا دوسری صورت: اگر وہ وزن فعل کے ساتھ خاص نہیں ہے، یعنی دونوں میں پایا جاتا ہے، جیسے أَكْرَمَ، أَفْعَلُ۔ یہ أَفْعَلُ وزن فعل میں بھی آتا ہے اسم میں بھی آتا ہے۔ اسمِ تفضیل کس وزن پر آتا ہے؟ أَفْعَلُ وزن پر۔ اسی طرح صفتِ مشبہ أَبْيَضُ، أَحْمَرُ بھی کس وزن پر آتی ہے؟ أَفْعَلُ وزن پر۔ اور فعل کے اندر بھی أَكْرَمَ وزن پر آتا ہے۔ آخر کو نہ دیکھیں بھئی اسم کا تو آخر کیا ہو گا؟ اسم تو معرب ہے وہ بدلے گا، اور فعل جو ہے ماضی تو مبنی ہوتی ہے اس کا آخر نہیں بدلے گا، لہٰذا آخری حرف کی حرکت کو نہ دیکھیں۔ أَكْرَمَ، أَحْمَرُ، أَضْرَبَ، أَبْيَضُ، دیکھو سب کا ایک وزن ہے۔ معلوم ہوا یہ ایسا وزن ہے کہ جو اسم اور فعل دونوں میں پایا جاتا ہے۔ تو فعل میں بھی آگیا تو یہ وزنِ فعل ہے، لیکن ایسا وزنِ فعل نہیں ہے جو فعل کے ساتھ ہی خاص ہو، بلکہ یہ اسم میں بھی پایا جاتا ہے۔

تو اگر ایسا وزن ہے جو فعل کے ساتھ خاص نہیں ہے، فعل میں تو پایا جاتا ہے لیکن فعل کے ساتھ خاص نہیں ہے، اسم میں بھی پایا جاتا ہے، تو یہ وزن بھی غیر انصراف کا سبب بنے گا۔ لیکن اس کے اندر پھر دو شرطیں ہیں: ایک تو یہ کہ شروع میں حروفِ أَتَيْنَ میں سے کوئی ایک حرف زائد ہونا چاہیے۔ جیسے أَحْمَرُ، دیکھو یہ أَكْرَمَ وزن ہے لیکن یہ وزن فعل کے ساتھ خاص نہیں ہے اسم میں بھی پایا جاتا ہے، تو پھر اس میں دوسری شرط بھی دیکھنا پڑے گی۔ کیا؟ کہ شروع میں کیا ہو؟ حروفِ أَتَيْنَ یعنی ہمزہ، تا، یا، نون میں سے کوئی ایک حرف زائد ہو، اور أَحْمَرُ کے شروع میں بھی ہمزہ زائد ہے، تو یہ پہلی شرط بھی پوری۔ اور نیز دوسری شرط یہ ہے کہ یہ جو ہے تا کو قبول نہ کرتا ہو، یعنی اس کی مؤنث أَحْمَرَةٌ نہیں آنی چاہیے۔ أَحْمَرُ کی مؤنث أَحْمَرَةٌ نہیں آنی چاہیے، تا کو بھی قبول نہ کرے۔ تو دونوں شرطیں اس کے اندر پوری ہیں، اس لیے أَحْمَرُ کے اندر یہ وزنِ فعل سبب بنے گا غیر انصراف کا۔ أَحْمَرُ میں دو سبب کون سے؟ ایک تو یہ وصف ہے اور دوسرا وزنِ فعل ہے، اور کون سا وزنِ فعل ہے؟ جو فعل کے ساتھ خاص ہے یا اسم اور فعل دونوں میں پایا جاتا ہے؟ دونوں میں پایا جاتا ہے، اور جب دونوں میں پایا جائے تو پھر دو شرطیں مزید پوری ہونی چاہئیں، کون سی؟ کہ شروع میں کیا ہو؟ حروفِ أَتَيْنَ میں سے کوئی حرف ہو، اور آخر میں وہ تا کو قبول نہ کرے۔ اور یہ دونوں شرطیں بھی اس کے اندر پوری ہیں۔

تو حاصلِ کلام یہ کہ وزنِ فعل سبب بنے گا غیر انصراف کا، لیکن دو شرطوں میں سے ایک شرط ضرور پوری ہونی چاہیے: یا تو وہ وزن خاص ہو کس کے ساتھ؟ فعل کے ساتھ، اسم میں پایا ہی نہ جائے، اگر پایا بھی جائے تو فعل سے منقول ہو کر

آئے۔ اور یا دوسری شرط یہ ہے، اگر وہ وزن فعل کے ساتھ خاص نہیں ہے، تو پھر اس کے شروع میں حروفِ أَتَيْنَ میں سے کوئی حرف زائد ہونا چاہیے اور نیز وہ تا کو بھی قبول نہ کرتا ہو یعنی اس کی مؤنث تا کے ساتھ نہ آتی ہو بھئی۔ بات سمجھ میں آ گئی؟

دیکھیے اب ذرا ترجمہ متن متن کا، کہتے ہیں: وَزْنُ الْفِعْلِ شَرْطُهُ أَنْ يُخْتَصَّ بِهِ، وزنِ فعل جو ہے اس کی شرط یہ ہے کہ وہ خاص ہو فعل کے ساتھ، كَشَمَّرَ جیسے کہ شَمَّرَ گھوڑے کا نام، وَضُرِبَ اور جیسے کہ ضُرِبَ، دیکھا یہ ضُرِبَ، فُعِلَ وزن ماضی مجہول کا، یہ بھی خاص ہے فعل کے ساتھ یہ اسم میں یہ وزن نہیں پایا جاتا بھئی۔ چنانچہ علماء فرماتے ہیں کہ پورے کلامِ عرب میں کوئی صرف ایک آدھا لفظ اسم آیا ہے اس وزن پر، اور کوئی اسم اس وزن پر ہے ہی نہیں، اور وہ اسم بھی علماء پھر فرماتے ہیں کہ یہ فعل سے نقل ہو کر آیا ہے، اسم کے اندر یہ وزن نہیں ہوتا وضع کے اعتبار سے۔

آگے دیکھیے: أَوْ يَكُونَ فِي أَوَّلِهِ زِيَادَةٌ كَزِيَادَتِهِ، یا وہ وزنِ فعل جو ہے اس کے شروع میں زیادتی ہو یعنی کوئی حرف زائد ہو كَزِيَادَتِهِ جیسے کہ فعل کے اندر زائد حرف ہوتا ہے شروع کے اندر، اور غَيْرَ قَابِلٍ لِلتَّاءِ، نیز وہ تا کو قبول کرنے والا نہ ہو۔ تا کو قبول کرنے والا نہ ہو یعنی وہ تا کو قبول نہ کرے جیسے آگے ذکر کریں گے کہ جو طاقتور اونٹ ہوتا ہے، جو زیادہ چل سکتا ہے اور زیادہ کام کر سکتا ہے، ایسے طاقتور اونٹ کو عربی زبان میں يَعْمَلٌ کہتے ہیں، جَمَلٌ يَعْمَلٌ۔ جَمَلٌ يَعْمَلٌ کہتے ہیں، اب دیکھو یہ يَعْمَلٌ یہ اسم ہے بھئی، تنوین آ رہی ہے، اور یہ وزنِ فعل ہے بھئی، يَعْمَلٌ، يَعْمَلُ، يَفْتَحُ وزن ہے بھئی۔ تو اس میں ایک تو وصفیت ہے اور دوسرا وزنِ فعل ہے، اس کو غیر منصرف ہونا چاہیے لیکن میں اس پر تنوین پڑھ رہا ہوں: جَمَلٌ يَعْمَلٌ ایسا اونٹ جو طاقتور ہے۔ تو وجہ یہ کیونکہ یہ تا کو قبول کر لیتا ہے۔ یہ وزن فعل کے ساتھ خاص نہیں بلکہ یہ وزن اسم میں بھی پایا جاتا ہے، جیسے يَعْمَلُ کس وزن پر ہے؟ جَعْفَرٌ، تو یہ وزن صرف فعل میں نہیں ہوتا بلکہ اسم میں بھی ہوتا ہے جیسے يَعْمَلُ کے اندر بھی یہی وزن آ گیا، يَفْتَحُ والا وزن ہے، اور شروع میں حروفِ أَتَيْنَ میں سے ایک حرف زائد بھی ہے یعنی کہ یا۔ لیکن ساتھ یہ شرط بھی تھی کہ وہ تا کو قبول نہ کرتا ہو، حالانکہ يَعْمَلُ کا لفظ تا کو قبول کر لیتا ہے۔ چنانچہ جو اونٹنی زیادہ طاقتور ہے چلنے میں اور کام کرنے میں، اس کو کہتے ہیں نَاقَةٌ يَعْمَلَةٌ، نَاقَةٌ يَعْمَلَةٌ۔ تو دیکھو يَعْمَلُ یہ تا کو قبول کر رہا ہے، ہم نے کیا کہا تھا؟ کہ تا کو قبول نہ کرے، اسی لیے یہ منصرف ہے بھئی۔ تو اس میں وزنِ فعل ہے تو، لیکن اس کی شرطیں پوری نہیں اس لیے وہ غیر انصراف کا سبب نہیں بنے گا، وہ مؤثر نہیں ہے غیر انصراف میں۔ بات سمجھ میں آ گئی؟

تو کہتے ہیں دیکھیے متن متن صرف بھئی، کہتے ہیں: أَوْ يَكُونَ فِي أَوَّلِهِ زِيَادَةٌ كَزِيَادَتِهِ یا اس وزنِ فعل کے شروع میں جو ہے ایسی زیادتی ہو، ایسا زائد حرف ہو جیسے کہ فعل کے اندر زائد حرف ہوتا ہے، غَيْرَ قَابِلٍ لِلتَّاءِ اس حال میں کہ وہ تا کو قبول کرنے والا نہ ہو یعنی اس کی مؤنث تا کے ساتھ نہ آتی ہو۔ وَمِنْ ثَمَّ امْتَنَعَ أَحْمَرُ وَانْصَرَفَ يَعْمَلٌ اور اسی وجہ سے کہ انہوں نے شرط لگا دی تا کو قبول نہ کرتا ہو، اسی وجہ سے أَحْمَرُ یہ تو ممتنع ہے اس کی صرف یعنی یہ غیر منصرف ہے کیونکہ اس کی مؤنث

أَحْمَرَةٌ نہیں آتی۔ اور وَانْصَرَفَ يَعْمَلُ اور اسی وجہ سے يَعْمَلُ جو ہے منصرف ہے کیونکہ یہ تا کو قبول کر لیتا ہے اس کی مؤنث يَعْمَلَةٌ آتی ہے۔

اب آئیے بھئی شرح کے ساتھ اس متن کو حل کریں بھئی۔ کہتے ہیں: وَزْنُ الْفِعْلِ وَهُوَ كَوْنُ الِاسْمِ عَلَى وَزْنٍ يُعَدُّ مِنْ أَوْزَانِ الْفِعْلِ۔ وزنِ فعل بھئی: وَهُوَ كَوْنُ الِاسْمِ، دیکھو كَوْنُ کے ساتھ اس کا ترجمہ کر رہے ہیں یعنی مصدری ترجمہ کر رہے ہیں، کیونکہ یہ اسبابِ منعِ صرف اوصاف کے قبیل سے ہیں، اعراض کے قبیل سے ہیں، اسم ان کے ساتھ متصف ہوتا ہے۔ اسم کے اندر عدل والا وصف آئے گا، اسم کے اندر جمعیت والا وصف آئے گا، اسم کے اندر وصف والا یا علمیت والا وصف آئے گا بھئی۔ تو یہ وزنِ فعل جو ہے اس لیے اس کا ترجمہ وَهُوَ كَوْنُ الِاسْمِ سے کر رہے ہیں۔ بھئی دیکھیے جو وزنِ فعل ہے نا، وزنِ فعل یہ خود بھی صفت ہے اسم کی۔ أَحْمَرُ اس کی صفت کیا ہے؟ کہ یہ فعل کے وزن پر ہے بھئی، یہ فعل کے۔ تو وزنِ فعل کہتے ہیں وہ جو صورت اور حالت ہے، وہ جو حرکات و سکنات اور حروف کی ترتیب سے جو صورت کلمے کو حاصل ہوتی ہے، فعل کو حاصل ہوتی ہے، اس کو کیا کہتے ہیں؟ وزنِ فعل۔ توجہ ہے؟ کون سی صورت اور حالت؟ حرکات و سکنات اور حروف کی ترتیب سے جو کلمے کو صورت اور ہیئت حاصل ہوئی اس کو کیا کہتے ہیں؟ وزنِ فعل کہتے ہیں۔ بات سمجھ میں آگئی؟ فعل کی جو صورت ہے وہی صورت کس میں آجائے؟ اسم کے اندر آجائے۔ تو معلوم ہوا وزنِ فعل یہ اسم میں آئے گا تو یہ اسم کی صفت ہے، اسم کی۔ جیسے أَحْمَرُ، أَحْمَرُ کی صفت کیا ہے؟ کہ فعل والا وزن ہے بھئی اس کے اندر۔ تو یہ وزنِ فعل خود بھی صفت ہے، اوصاف کے قبیل سے ہے۔ جب اوصاف کے قبیل سے ہے تو صاحبِ جامی کو صرف یہ کہنا چاہیے تھا: وَزْنُ الْفِعْلِ وَهُوَ حَالَةُ الِاسْمِ، کیا کہنا چاہیے تھا؟ وہ اسم کی حالت ہے اور حالت کیا ہوتی ہے؟ وصف ہوتا ہے نا، اور اسبابِ منعِ صرف بھی کس قبیل سے ہیں؟ اوصاف کے قبیل سے ہیں، تو وزنِ فعل بھی صفت ہی ہے تو صرف اتنا کہہ دیتے وَهُوَ حَالَةُ الِاسْمِ، یہ اسم کی حالت یا اسم کی ہیئت ہے بھئی، معلوم ہوا یہ بھی وصف ہے۔ لیکن اس کے بجائے صاحبِ جامی نے کیا فرمایا؟ وَهُوَ كَوْنُ الِاسْمِ، كَوْنُ کے ساتھ اس کا ترجمہ کیا، وجہ یہ کہ اوصاف جتنے گزرے عموماً صاحبِ جامی سب کا ترجمہ سب کا معنی مصدری انداز میں ذکر کر رہے ہیں۔ جیسے عدل کو کیا ذکر کیا تھا؟ كَوْنُ الِاسْمِ مَعْدُولًا، توجہ ہے؟ اسی طرح وصف کے بارے میں کیا کہا تھا؟ كَوْنُ الِاسْمِ دَالًّا عَلَى ذَاتٍ مُبْهَمَةٍ کے ساتھ۔ تو اس طرح كَوْنُ کے ساتھ انہوں نے اسبابِ منعِ صرف کے مفہوم کو بیان کیا ہے، تو اس وجہ سے یہاں پر بھی كَوْنُ کے ساتھ اس وزنِ فعل کا مفہوم بیان کیا، ورنہ صرف اتنا کہہ دیتے نا وَهُوَ حَالَةُ الِاسْمِ یا وَهُوَ هَيْئَةُ الِاسْمِ تو بھی کہنا کافی تھا، لیکن چونکہ ماقبل میں اسبابِ منعِ صرف کا معنی وہ مصدری معنی ان کا بیان کرتے رہے ہیں تو یہاں بھی كَوْنُ کے ساتھ یعنی مصدری معنی اس کا ذکر کر دیا۔

تو کہتے ہیں: وَهُوَ كَوْنُ الِاسْمِ عَلَى وَزْنٍ يُعَدُّ مِنْ أَوْزَانِ الْفِعْلِ۔ وَهُوَ كَوْنُ الِاسْمِ اور وہ اسم کا ہونا ہے عَلَى وَزْنٍ ایسے

وزن پر۔ دیکھو وَزْنٍ نکرہ آیا اور اس کے بعد يُعَدُّ فعل آیا، اور نکرہ کے بعد فعل آئے تو اس کے لیے کیا بنتا ہے؟ صفت بنتا ہے، اور موصوف صفت کا ترجمہ کیسے کرتے ہیں؟ موصوف سے پہلے «ایسا» یا «ایسی» کا لفظ لاتے ہیں۔ تو وَزْنٍ موصوف اور يُعَدُّ اس کی صفت، تو اب ترجمہ سنو۔ کہتے ہیں وَهُوَ كَوْنُ الِاسْمِ عَلَى وَزْنٍ يُعَدُّ مِنْ أَوْزَانِ الْفِعْلِ: وہ اسم کا ہونا ہے عَلَى وَزْنٍ ایسے وزن پر يُعَدُّ مِنْ أَوْزَانِ الْفِعْلِ جس کو شمار کیا جاتا ہو فعل کے اوزان میں سے۔

وَهٰذَا الْقَدْرُ لَا يَكْفِي فِي سَبَبِيَّةِ مَنْعِ الصَّرْفِ بَلْ شَرْطُهُ فِيهَا أَحَدُ الْأَمْرَيْنِ۔ کہتے ہیں وَهٰذَا الْقَدْرُ لَا يَكْفِي اور اتنی مقدار کافی نہیں ہے فِي سَبَبِيَّةِ مَنْعِ الصَّرْفِ منعِ صرف کا سبب بننے میں۔ وزنِ فعل، اسم کا ہونا ایسے وزن پر جو فعل کے اوزان میں سے شمار کیا جاتا ہے، کہتے ہیں اتنا کافی نہیں ہے کہ اسم ایسے وزن پر آجائے، بلکہ اس کے ساتھ یہ دو شرطوں میں سے ایک شرط بھی پوری ہونی چاہیے: یا تو وہ وزن خاص ہو کس کے ساتھ؟ فعل کے ساتھ اور اسم میں بھی آئے تو کہاں سے منقول ہو کر آئے؟ فعل سے۔ یا اس کے شروع میں حروفِ أَتَيْنَ میں سے کوئی حرف زائد بھی ہو اور وہ تا کو بھی قبول نہ کرتا ہو، ان شرطوں میں سے ایک شرط پوری ہونا بھی ضروری ہے۔ تو کہتے ہیں وَهٰذَا الْقَدْرُ لَا يَكْفِي فِي سَبَبِيَّةِ مَنْعِ الصَّرْفِ اور اتنی مقدار کافی نہیں ہے منعِ صرف کا سبب ہونے میں، یعنی صرف فعل کے وزن پر آجائے تو یہ سبب بن جائے غیر انصراف کا، نہیں نہیں اتنی مقدار کافی نہیں، بَلْ شَرْطُهُ فِيهَا أَحَدُ الْأَمْرَيْنِ بلکہ اس کے اندر شرط ہے دو چیزوں میں سے ایک کا ہونا۔ دو چیزوں میں سے ایک کا ہونا، آگے شرطیں ذکر ہیں۔ دیکھو متن ہے: شَرْطُهُ أَنْ يُخْتَصَّ

بِهِ۔ شَرْطُهُ، وزنِ فعل کی شرط کیا ہے؟ کہ وہ وزن خاص ہو بِهِ أَيْ بِالْفِعْلِ فعل کے ساتھ خاص ہو۔ درمیان میں شارحِ جامی فرما رہے ہیں: شَرْطُهُ فِيهَا أَحَدُ الْأَمْرَيْنِ کہ اس کے اندر شرط ہے دو چیزوں میں سے ایک چیز ہونی چاہیے۔ بھئی یہ کیوں یہاں ذکر کیا؟ وجہ یہ کہ جو دو چیزیں ذکر ہو رہی ہیں ان کے درمیان أَوْ ذکر ہے، آگے کیا آرہا ہے؟ أَوْ يَكُونُ فِي أَوَّلِهِ، أَوْ ذکر ہے، اور أَوْ جو ہے یہ حرفِ تردید ہے، یہ حکم کو دائر کر دیتا ہے دو چیزوں کے درمیان۔ یہ حکم کو دائر کر دیتا ہے دو چیزوں کے درمیان۔ مثلاً میں آپ سے کہتا ہوں: جَاءَنِي زَيْدٌ أَوْ عَمْرٌو، میرے پاس زید یا عمرو آیا، یعنی دونوں میں سے ایک آیا ہے، دونوں میں سے ایک آیا، تو أَوْ حرفِ تردید ہے، وہ حکم کو دائر کر دیتا ہے دو چیزوں میں سے ایک کے درمیان، معلوم ہوا ان دونوں میں سے ایک آیا ہے، دونوں میں سے ایک آیا ہے۔ تو یہاں پر بھی چونکہ آگے دو شرطوں کے درمیان أَوْ آرہا تھا، اور أَوْ کس لیے آتا ہے؟ تردید کے لیے، یعنی دو چیزوں میں سے ایک ہے، أَحَدُ الْأَمْرَيْنِ ہے، دو امروں میں سے کوئی ایک ہے، اسی لیے انہوں نے کہا کہ شَرْطُهُ فِيهَا أَحَدُ الْأَمْرَيْنِ۔ کس وجہ سے کہا؟ کیونکہ آگے کیا آرہا ہے؟ أَوْ، اور أَوْ کس لیے آتا ہے؟ تردید کے لیے، معلوم ہوا ان دو چیزوں میں سے ایک ہونی چاہیے یعنی أَحَدُ الْأَمْرَيْنِ ہونا چاہیے۔

تو وہی ذکر کر رہے ہیں: شَرْطُهُ فِيهَا أَحَدُ الْأَمْرَيْنِ کہ وزنِ فعل کے اندر شرط جو ہے دو چیزوں میں سے ایک ہے۔ إِمَّا أَنْ يُخْتَصَّ فِي اللُّغَةِ الْعَرَبِيَّةِ بِهِ، یا تو وہ خاص ہو فِي اللُّغَةِ الْعَرَبِيَّةِ عربی زبان میں بِهِ أَيْ بِالْفِعْلِ۔ دیکھو بِهِ کی ہا ضمیر کا مرجع بتلا دیا

صاحبِ جامی نے أَيْ بِالْفِعْلِ، معلوم ہوا بِهِ کی ہا ضمیر کس کو راجع؟ فعل کو راجع ہے۔ شرط کیا ہے؟ کہ وہ وزن خاص ہو فِي اللُّغَةِ الْعَرَبِيَّةِ کس میں؟ لغتِ عربی میں بِهِ أَيْ بِالْفِعْلِ فعل کے ساتھ۔

صاحبِ جامی نے لغتِ عربی کی قید بڑھا دی۔ وجہ یہ کہ عجمی زبان میں اگر وزنِ فعل اسم کے اندر آجائے تو اس سے کوئی نقصان نہیں ہوتا، ہم عربی زبان کی بات کر رہے ہیں۔ عربی زبان میں یہ وزن خاص ہونا چاہیے کس کے ساتھ؟ فعل کے ساتھ، اگر عجمی زبان میں فعل والا وزن ابتدا سے ہی اسم میں آجائے تو اس سے آپ اعتراض نہیں کر سکتے، کیونکہ یہاں ہم کس زبان کے ضابطے ذکر کر رہے ہیں؟ عربی زبان کے، تو عربی میں خاص ہونا چاہیے۔

تو کہتے ہیں اس کی شرط دو چیزوں میں سے ایک ہے: إِمَّا أَنْ يُخْتَصَّ فِي اللُّغَةِ الْعَرَبِيَّةِ، میں نے بتایا بھئی يَخْتَصَّ اور يُخْتَصَّ دونوں طرح پڑھنا صحیح ہے۔ تو شرط یہ ہے إِمَّا أَنْ يُخْتَصَّ فِي اللُّغَةِ الْعَرَبِيَّةِ بِهِ أَيْ بِالْفِعْلِ کہ وہ خاص ہو عربی زبان میں فعل کے ساتھ۔ بھئی فعل کے ساتھ خاص ہو، معلوم ہوا اسم میں یہ پایا ہی نہیں جاتا، اور غیر منصرف تو اسم ہوتا ہے، تو پھر یہ غیر انصراف کا سبب کیسے بنے گا؟ میں نے وجہ ذکر کر دی کہ اسم میں اگر آئے بھی تو کہاں سے نقل ہو کر آئے؟ فعل سے، یہی بیان کر رہے ہیں۔ کہتے ہیں: بِمَعْنَى أَنَّهُ لَا يُوجَدُ فِي الِاسْمِ الْعَرَبِيِّ إِلَّا مَنْقُولًا مِنَ الْفِعْلِ، بمعنی کہ یہ عربی اسم میں نہ پایا جائے مگر یہ کہ فعل سے نقل کیا گیا ہو۔

كَشَمَّرَ جیسے کہ شَمَّرَ ہے، عَلَى صِيغَةِ الْمَاضِي الْمَعْلُومِ یعنی یہ ماضی معلوم کے صیغے پر ہے۔ کس صیغے پر ہے؟ ماضی معلوم۔ یاد رکھو: كَشَمَّرَ کاف جارہ ہے اور شَمَّرَ یہ کسی شخص کے گھوڑے کا نام تھا، گھوڑے کا نام تھا اور اصل میں یہ ماضی معلوم کا صیغہ ہے شَمَّرَ۔ شَمَّرَ کا معنی ہے اس نے تیزی کی، وہ تیز ہوا۔ تو یہ کسی شخص کا گھوڑا تھا، بڑا ہی تیز و طرار اور چاک و چوبند گھوڑا تھا، ہر وقت تیار رہتا تھا بھئی، تو اس کا نام ہی اس نے شَمَّرَ رکھ دیا۔ کسی موقع پر اس گھوڑے نے کمال کیا، بڑی تیزی دکھائی، تو نام ہی کیا رکھ دیا؟ شَمَّرَ۔ شَمَّرَ کا اصل معنی ہے اس نے تیزی کی، وہ تیز و طرار ہوا، یا وہ پھرتیلا ہوا یعنی بہت پھرتیلا تھا، بہت تیز و طرار گھوڑا تھا، تو اس کا نام ہی اس نے کیا رکھ دیا؟ شَمَّرَ۔ اب یاد رکھو اب یہ عَلَم ہے، اب یہ ماضی کا صیغہ نہیں ہے، اب یہ عَلَم بن گیا گھوڑے کا، اور یہ غیر منصرف ہے، اور غیر منصرف پر کسرہ اور تنوین نہیں آتے: حالتِ رفعی میں ضمہ آئے گا بغیر تنوین کے، اور حالتِ نصبی جری میں فتحہ آئے گا بغیر تنوین کے۔ تو جَاءَنِي شَمَّرُ، رَأَيْتُ شَمَّرَ، مَرَرْتُ بِشَمَّرَ، اور یہاں كَشَمَّرَ کاف جارہ ہے اس لیے یہ کس حالت میں ہے؟ جری حالت یہ مجرور ہے، یہ مجرور ہے بھئی، تو اس پر یہ فتحہ آرہا ہے اس وقت بھئی، مجرور ہے غیر منصرف ہے۔

تو کہتے ہیں كَشَمَّرَ عَلَى صِيغَةِ الْمَاضِي الْمَعْلُومِ جیسے کہ شَمَّرَ ہے ماضی معلوم کے صیغے پر۔ تو یہ معنی نہیں ہے کہ شَمَّرَ یہ اسی طرح ماضی معلوم کا صیغہ ہے، بھئی پھر تو بنی ہو گا، ماضی تو کیا ہوتی ہے؟ بنی ہوتی ہے اور بحث کس کی چل رہی ہے؟

غیر منصرف کی اور غیر منصرف تو معرب ہوتا ہے، تو یہاں یہ شَمَّرَ اس کو مبنی نہیں پڑھنا۔ ہاں، ماضی پر بھی فتحہ آتا ہے، شَمَّرَ پر بھی اس وقت فتحہ آخر میں آرہا ہے لیکن یہ فتحہ بنا والا نہیں ہے، یہ کاف جارہ کی وجہ سے ہے بھئی۔ جَاءَنِي عُمَرُ، رَأَيْتُ عُمَرَ، مَرَرْتُ بِعُمَرَ، دیکھو فتحہ جو ہے وہ غیر انصراف والا ہے، بات سمجھ میں آرہی؟

تو کہتے ہیں كَشَمَّرَ عَلَى صِيغَةِ الْمَاضِي الْمَعْلُومِ مِنَ التَّشْمِيرِ جیسے کہ شَمَّرَ ہے ماضی معلوم کے صیغے پر، یہ تَشْمِیر سے ہے بھئی۔ تَشْمِیر کا معنی میں نے بیان کر دیا، شَمَّرَ يُشَمِّرُ تَشْمِيرًا کا معنی ہے تیز و طرار ہونا، چاک و چوبند ہونا، بے انتہا چست ہونا، تو یہ تَشْمِیر سے ہے۔ فَإِنَّهُ نُقِلَ مِنْ هٰذِهِ الصِّيغَةِ وَجُعِلَ عَلَمًا لِلْفَرَسِ تو یہ شَمَّرَ جو ہے اس کو نقل کیا گیا اس صیغے سے یعنی فعل والے صیغے سے، وَجُعِلَ عَلَمًا لِلْفَرَسِ اور اس کو عَلَم بنا دیا فرس کے لیے، گھوڑے کے لیے۔

وَكَذٰلِكَ بَذَّرُ لِمَاءٍ، وَعَثَّرُ لِمَوْضِعٍ، وَخَضَّمُ لِرَجُلٍ۔ بھئی دیکھو اسی طرح بَذَّرَ يُبَذِّرُ تَبْذِير کا معنی ہے اسراف کرنا، فضول خرچی کرنا۔ تو یہ مکہ مکرمہ میں کوئی کنواں تھا اور اس کا پانی بہت زیادہ تھا، کثیر پانی تھا، معلوم ہوا لوگ خوب کثرت سے استعمال کرتے تھے اور پانی ختم نہیں ہوتا تھا اور آتا جاتا تھا، تو اس پانی کا نام ہی بَذَّرُ رکھ دیا، کیا رکھ دیا؟ بَذَّرَ۔ بَذَّرَ ماضی کا صیغہ ہے بابِ تفعیل سے، اب معنی کیا؟ اس نے فضول خرچی کی۔ تو چونکہ یہ پانی بھی خوب کثرت سے استعمال ہوتا تھا، لہٰذا اس کا نام ہی کیا رکھ دیا؟ بَذَّرَ، اور اب یہ غیر منصرف ہے۔ کیسے پڑھیں گے؟ جَاءَنِي بَذَّرُ، رَأَيْتُ بَذَّرَ، مَرَرْتُ بِبَذَّرَ، تو یہ غیر منصرف ہے۔ اور جبکہ بعض کہتے ہیں کہ یہ اس کنویں کا نام تھا، بعض کہتے ہیں پانی کا نام تھا اور بعض کہتے ہیں کہ کنویں کا نام ہے کہ یہ کنواں جیسے فضول خرچی کر رہا ہے یعنی خوب کثرت سے لوگ اس کا پانی لے جا رہے ہیں بھئی۔

تو یوں پڑھیں وَكَذٰلِكَ بَذَّرُ۔ کیوں؟ کیونکہ یہ مبتدا ہے بھئی، كَذٰلِكَ خبرِ مقدم اور بَذَّرُ ہے مبتدائے مؤخر، اور مبتدا کیا ہوتا ہے؟ مرفوع ہوتا ہے، تو بَذَّرُ بر وزن كَرَّمَ، صیغہ تو ماضی کا ہے لیکن آخر پر حرکت، آخر میں مبنی نہیں پڑھنا، آخر میں فتحہ بنا والا نہیں پڑھنا بلکہ معرب ہے، تو یہ مبتدا ہے اور مبتدا مرفوع ہوتا ہے تو اس پر ضمہ آئے گا بغیر تنوین کے۔ تو کہتے ہیں وَكَذٰلِكَ بَذَّرُ لِمَاءٍ اور اسی طرح بَذَّرُ بھی ہے، لِمَاءٍ پانی کے لیے یعنی یہ پانی کا نام تھا۔

وَعَثَّرُ لِمَوْضِعٍ اور اسی طرح عَثَّرُ بھی ہے موضع جگہ کے لیے۔ عَثَّرَ يُعَثِّرُ تَعْثِير بھئی، عَثَرَ يَعْثُرُ کے معنی ہیں خود ٹھوکر کھانا، ٹھوکر کھا کر گرنا، اور بابِ تفعیل میں لے گئے عَثَّرَ يُعَثِّرُ اس کا معنی ہے دوسرے کو ٹھوکر کھلانا، دوسرے سے لغزش کروانا۔ تو یہ ایک جنگل تھا اس کا نام عَثَّرَ رکھ دیا بھئی، عَثَّرَ۔ وجہ یہ کہ وہاں شیر بہت زیادہ تھے، وہ شیروں کا مسکن تھا، تو وہاں جو جاتا تھا پھر اس کا بچنا مشکل ہوتا تھا، یعنی یہ جنگل بھی کیا ہے؟ دوسروں کو ٹھوکر کھلا دیتا ہے، گرا دیتا ہے ان کو، تو اس کا نام ہی عَثَّرَ رکھ دیا۔ یہاں پر اس کا عطف ہے بَذَّرُ پر اور وہ مبتدا تھا تو اس کا بھی یہی حکم تو یہ بھی مرفوع ہے بھئی۔ تو کہتے ہیں وَعَثَّرُ لِمَوْضِعٍ اور اسی طرح عَثَّرُ جو ہے جگہ کا نام، عَثَّرُ جو ہے اس حال میں کہ یہ جگہ کے لیے ہے۔

وَخَضَّمُ لِرَجُلٍ اور اسی طرح خَضَّمُ جو ہے آدمی کے لیے۔ بھئی دیکھیے ہم جب کھانا وغیرہ یا کوئی چیز کھاتے ہیں تو ایک جانب کے دانتوں سے اس کو چباتے ہیں، یا دائیں طرف یا بائیں طرف، ایک طرف چباتے ہیں۔ اور دونوں طرف چبایا جائے تو یہ بڑا برا لگتا ہے اور بڑا کریہ معلوم ہوتا ہے۔ تو یہ کوئی شخص تھا یہ دونوں طرف کے دانتوں سے چبا کر کھانا کھاتا تھا، اور اس کے لیے عربی میں لفظ ہے خَضَمَ یَخْضِمُ۔ خَضَمَ یَخْضِمُ۔ تو وہ شخص بھی چونکہ دونوں طرف کے دانتوں سے چبا کر کھاتا تھا، پھر اسی کو بابِ تفعیل میں لے گئے یعنی معلوم ہوا زیادہ بھی کھاتا ہوگا اور دونوں طرف کے دانتوں سے بھی چبا کر کھاتا ہوگا، تو اس کا نام ہی خَضَّمَ رکھ دیا یعنی خوب کھانے والا یا دونوں دانتوں سے چبا کر کھانے والا۔ تو یہ اصل میں ماضی کا صیغہ تھا اور بعض کہتے ہیں کہ یہ بعد میں ایک قبیلے کا بھی نام پڑ گیا بھئی، اس قبیلے کے لوگ بھی بہت زیادہ کھانا کھاتے تھے تو نام ہی کیا رکھ دیا؟ خَضَّمَ رکھ دیا، تو یہاں بہرحال یہ غیر منصرف ہے بھئی۔

تو کہتے ہیں وَخَضَّمُ لِرَجُلٍ اور اسی طرح خَضَّمُ کا لفظ جو ہے آدمی کے لیے، أَفْعَالٌ نُقِلَتْ إِلَى الِاسْمِيَّةِ یہ ایسے افعال ہیں جن کو نقل کیا گیا ہے اسمیت کی طرف، اسم ہونے کی طرف ان کو نقل کیا گیا ہے۔ بات سمجھ میں آ رہی؟ نُقِلَتْ یہ کیسے پڑھیں گے؟ عام طلبہ پڑھتے ہیں نُقِلَتْ إِلَى الِاسْمِيَّةِ حالانکہ اسمیت کا ہمزہ تو وصلی ہے وہ درمیانِ عبارت میں گر جائے گا: اَلِاسْمِيَّةِ، اَلِاسْمِيَّةِ، پھر إِلَىٰ داخل ہوا تو الف لام کا ہمزہ بھی گر گیا۔ تو اب کیسے پڑھیں گے؟

▪ متنِ کتاب و تحقیقِ مسائلِ نحویہ

نُقِلَتْ إِلَى الِاسْمِيَّةِ۔

ہاں، ہاں۔

نُقِلَتْ إِلَى الِاسْمِيَّةِ۔

پھر دیکھا!

نُقِلَتْ إِلَى الِاسْمِيَّةِ۔

بھئی دیکھو ادھر دیکھو نُقِلَتْ إِلَىٰ اَلِاسْمِيَّةِ۔ اِسْمِيَّةِ تھا لفظ، اس پر الف لام آیا تو اسمیت کا ہمزہ گر گیا کیا بن گیا؟ اَلِاسْمِيَّةِ، اَلِاسْمِيَّةِ، لام کو کسرہ دے دیا کیونکہ لام بھی ساکن تھا آگے سین بھی ساکن تھا، تو اَلِاسْمِيَّةِ۔ اب اس پر إِلَىٰ آیا تو الف لام والا ہمزہ بھی گر گیا۔ اب آگے لام کے نیچے کسرہ ہے لیکن یہ کسرہ عارضی ہے یا مستقل ہے؟ عارضی ہے، جب یہ عارضی ہے تو اس کو ابھی بھی ساکن ہی سمجھو، گویا یہ لام ساکن ہے اور اس پر إِلَىٰ آ گیا، اور إِلَىٰ کے آخر میں ہم الف پڑھتے ہیں کیا پڑھتے

ہیں؟ إِلَىٰ، اب اگر اس کو اس لام کے ساتھ ملائیں تو کیسے پڑھیں گے؟ إِلَالْ، تو الف اور لام دونوں ساکن اکٹھے ہوئے تو یہ اجتماعِ ساکنین علی غیر حدہ ہے، تو الف گر جائے گا، کیسے پڑھیں گے؟ إِلَلْ، إِلَلْ، بات سمجھ میں آگئی؟ لیکن اَلِاسْمِيَّةِ لام کے نیچے کیا آچکا؟ کسرہ، اس کسرے کو برقرار رکھنا ہے، ہاں إِلَىٰ کو ملا کر دیکھ لیا آپ نے، اس کا بھی الف گر گیا تو اب إِلَىٰ کے الف کو گرا کر پڑھنا ہے۔ کیسے پڑھیں گے؟ إِلَى لِسْمِيَّةِ، إِلَى لِسْمِيَّةِ، ہاں، جوڑنا نہیں ملانا نہیں، إِلَى لِسْمِيَّةِ، إِلَى لِسْمِيَّةِ، إِلَى لِسْمِيَّةِ۔ تو دیکھو اب تیزی سے کیسے پڑھیں گے؟ أَفْعَالٌ نُقِلَتْ إِلَى الِاسْمِيَّةِ۔ دیکھا پتہ ہی نہیں چلا بھئی، تو یہ ضابطے کے مطابق اس طرح پڑھتے ہیں۔ تو یہ ایسے افعال ہیں جن کو اسم ہونے کی طرف نقل کیا گیا ہے۔

وَأَمَّا نَحْوُ بَقَّمَ اسْمًا لِصِبْغٍ مَعْرُوفٍ وَهُوَ الْعَنْدَمُ وَشَلَّمَ عَلَمًا لِمَوْضِعٍ بِالشَّامِ فَهُوَ مِنَ الْأَسْمَاءِ الْعَجَمِيَّةِ الْمَنْقُولَةِ إِلَى الْعَرَبِيَّةِ۔

اس پر اشکال ہوتا ہے کہ بھئی آپ نے ہمیں کیا کہا؟ کہ یہ وزن فعل کے ساتھ خاص ہو جیسے شَمَّرَ، یہ فعل کے ساتھ خاص ہے معلوم ہوا فَعَّلَ وزن اور اسم میں نہیں آتا۔ ہم آپ کو دکھاتے ہیں کہ یہ اسم کے اندر آیا ہے ابتداءً ہی، جیسے بَقَّمَ۔ بَقَّمَ یہ یاد رکھو یہ ایک رنگ ہے بھئی، یہ کوئی پودا ہے درخت ہے اس سے کوئی مادہ نکلتا ہے سرخ رنگ کا، اس کے ذریعے چیزوں کو رنگ دیتے ہیں، تو اس کو بَقَّمُ کہتے ہیں، کیا کہتے ہیں؟ بَقَّمُ۔ اب دیکھو اس مادے کا نام بَقَّمُ ہے تو یہ تو اسم کے اندر یہ والا فَعَّلَ وزن آگیا۔ اسی طرح شَلَّمَ، شَلَّمَ ایک شہر کا نام ہے شام کے اندر ایک شہر کا نام ہے، جبکہ بعض نے لکھا کہ یہ شَلَّمُ بیت المقدس یا اس کا جو شہر تھا اس کو کہتے تھے۔ بھئی یا تو یہ بیت المقدس کا نام ہے یا جس شہر میں بیت المقدس ہے اس کو شَلَّمُ کہتے ہیں، آج کل اس کو یروشلم کہتے ہیں یروشلم جس میں بیت المقدس ہے بھئی۔ تو اب دیکھو شَلَّمُ یہ شہر کا نام ہے اور یہ کوئی فعل سے منقول نہیں ہوا یہ ابتداءً ہی اسی طرح ہے۔ تو بَقَّمُ اور شَلَّمُ دیکھو اسم کے اندر یہ وزن آگئے ابتداءً ہی۔ تو آپ کو بتلائیں گے کہ بھئی ہم نے کہا تھا عربی زبان میں، یہ بَقَّمُ اور شَلَّمُ یہ عجمی لفظ ہیں اور عجمی زبان سے پھر عربی کی طرف نقل کیے گئے ہیں، تو عجمی زبان میں اگر اس وزن پر آ بھی جائے تو اس کی بات ہم نہیں کر رہے ہم تو کلامِ عربی کی بات کر رہے ہیں۔ یہ لفظ بھی عربی میں جو آئے ہیں کہاں سے نقل ہو کر آئے ہیں؟ عجمی زبان سے نقل ہو کر آئے ہیں، لہٰذا ان کے ذریعے آپ کوئی اعتراض نہیں کر سکتے۔

تو کہتے ہیں وَأَمَّا نَحْوُ بَقَّمَ، بَقَّمَ پڑھنا بھئی، کیوں؟

نَحْوُ مضاف اور بَقَّمَ مضاف الیہ، اور تو اس پر جو فتحہ آرہا ہے یہ بنا والا فتحہ نہیں ہے بلکہ یہ غیر انصراف والا فتحہ ہے، غیر منصرف پر آخر میں کیا آتا ہے؟ حالتِ جری میں فتحہ آتا ہے بغیر تنوین کے، ورنہ حالتِ رفعی میں کیا پڑھیں گے؟ بَقَّمُ، اور حالتِ نصبی جری میں بَقَّمَ۔ اسی طرح شَلَّمُ اور شَلَّمَ پڑھیں گے بھئی۔

کہتے ہیں وَأَمَّا نَحْوُ بَقَّمَ اسْمًا لِصِبْغٍ مَعْرُوفٍ اور باقی بَقَّمَ جیسے لفظ جو ہیں اس حال میں کہ یہ اسم ہے لِصِبْغٍ مَعْرُوفٍ۔ صِبْغٌ

صاد کے ساتھ یہ رنگ کو کہتے ہیں بھئی، رنگ۔ اسْمًا لِصِبْغٍ مَعْرُوفٍ اس حال میں کہ یہ نام ہے ایک معروف رنگ کا وَهُوَ الْعَنْدَمُ اور وہ عَنْدَم ہے یعنی سرخ رنگ، کیا ہے؟ وہ سرخ رنگ ہے۔ وَشَلَّمَ، یہ شَلَّمَ کا عطف بھی بَقَّمَ پر ہے اور وہ بھی مجرور تھا تو یہ بھی مجرور ہے، تو اس پر یہ فتحہ غیر انصراف والا ہے جر والا بھئی۔ تو کہتے ہیں وَشَلَّمَ عَلَمًا لِمَوْضِعٍ بِالشَّامِ اور شَلَّمَ اس حال میں کہ یہ نام ہے شام میں ایک جگہ کا، فَهُوَ مِنَ الْأَسْمَاءِ الْعَجَمِيَّةِ تو یہ جو ہیں عجمی ناموں میں سے ہیں الْمَنْقُولَةِ إِلَى الْعَرَبِيَّةِ جن کو نقل کیا گیا ہے عربی زبان کی طرف۔ فَلَا يَقْدَحُ فِي ذٰلِكَ الِاخْتِصَاصِ. قَدَحَ يَقْدَحُ کے معنی ہوتے ہیں عیب نکالنا، طعن کرنا، اعتراض کرنا۔ فَلَا يَقْدَحُ فِي ذٰلِكَ الِاخْتِصَاصِ تو یہ عیب نہیں ہو گا فِي ذٰلِكَ الِاخْتِصَاصِ اس اختصاص میں، یا یہ طعن یعنی اعتراض نہیں ہو گا اس اختصاص میں۔ کس میں؟ بھئی آپ نے ہمیں کیا کہا تھا؟ کہ یہ وزن کس کے ساتھ خاص ہونا چاہیے؟ فعل کے ساتھ، جیسے فَعَّلَ وزن فعل کے ساتھ خاص ہے، تو اس پر پھر آپ یہ اشکال نہیں کر سکتے کہ بَقَّمُ اور شَلَّمُ یہ تو اسم میں بھی آئے ہیں، تو اس کے ذریعے آپ طعن کریں اس اختصاص میں۔ آپ نے تو ہمیں کیا کہا؟ فَعَّلَ وزن کس کے ساتھ خاص؟ فعل کے ساتھ خاص ہے۔ آپ اس پر اعتراض کریں اور یوں کہیں بھئی فعل کے ساتھ یہ خاص نہیں ہے کیونکہ بَقَّمُ اور شَلَّمُ بھی آئے ہیں اور وہ تو فعل تھے ہی نہیں۔ تو کہتے ہیں نہیں، اس کے ذریعے آپ اس اختصاص پر اعتراض نہیں کر سکتے کیونکہ یہ عجمی نام ہیں اور ہم بات کس کی کر رہے ہیں؟ عربی زبان کی۔ یہ معنی ہے فَلَا يَقْدَحُ فِي ذٰلِكَ الِاخْتِصَاصِ تو یہ طعن نہیں بنے گا اس اختصاص کے اندر یعنی اس کے ذریعے اعتراض نہیں کیا جا سکتا اس اختصاص میں۔

وَمِثْلُ ضُرِبَ عَلَى الْبِنَاءِ لِلْمَفْعُولِ اور جیسے کہ ضُرِبَ کا لفظ ہے عَلَى الْبِنَاءِ لِلْمَفْعُولِ بنا للمفعول پر بھئی، یعنی بنی للمفعول ہونے پر۔ بھئی دیکھو ایک ہے ضَرَبَ، ایک ہے ضُرِبَ۔ ضَرَبَ فعلِ معروف اس کا اسناد ہوتا ہے فاعل کی طرف، اور فعلِ مجہول کا اسناد ہوتا ہے نائب الفاعل کی طرف۔ تو فعلِ معروف کا اسناد ہوتا ہے فاعل کی طرف تو اس کے لیے کہتے ہیں کہ یہ بنی للفاعل ہے، بَنَى يَبْنِي کا معنی بنانا، بنانا، اس کو بنایا گیا ہے کس کے لیے؟ فاعل کے لیے۔ اور فعلِ مجہول کا اسناد ہوتا ہے مفعول کی طرف جس کو نائب فاعل کہتے ہیں تو اس کے لیے کہتے ہیں کہ یہ بنی للمفعول ہے یعنی اس کو مفعول کے لیے بنایا گیا ہے، بات سمجھ میں آگئی؟ تو یہاں بتلایا وَضُرِبَ عَلَى الْبِنَاءِ لِلْمَفْعُولِ، یہ بنا للمفعول پر ہے یہ صیغہ، یعنی اس کو بنی للمفعول پڑھنا یہ کیا مراد ہے؟ یعنی مجہول پڑھیں، کیا پڑھیں؟ ضَرَبَ نہ پڑھیں بلکہ ضُرِبَ پڑھیں جس کو مفعول یعنی نائب فاعل کے لیے بنایا جاتا ہے۔ تو کہتے ہیں وَمِثْلُ ضُرِبَ اور ضُرِبَ جیسے لفظ جو ہیں عَلَى الْبِنَاءِ لِلْمَفْعُولِ بنی للمفعول ہونے کی حالت پر إِذَا جُعِلَ عَلَمًا لِشَخْصٍ جب اس کو عَلَم بنا دیا جائے کسی شخص کے لیے۔ توجہ ہے؟ بھئی دیکھو پیچھے کہا تھا كَشَمَّرَ جیسے کیا ہے؟ شَمَّرَ، بَذَّرَ، عَثَّرَ، خَضَّمَ، بَقَّمَ، شَلَّمَ وغیرہ، وہ سب واقعی نام تھے عربی زبان میں استعمال ہوتے تھے۔ لیکن ضُرِبَ یہ کسی کا نام نہیں ہے، ہاں کہتے ہیں إِذَا جُعِلَ عَلَمًا جب اس کو عَلَم بنا دیا جائے، یعنی یہ ضُرِبَ فرض کر لو، کیا کر لو؟ فرض کر لو کسی کا نام بنا دیا جائے تو پھر یہ غیر منصرف ہو گا، کیونکہ ضُرِبَ یہ فُعِلَ وزن خاص ہے فعل کے ساتھ یہ اسم میں نہیں پایا جاتا۔

تو کہتے ہیں وَمِثْلُ ضُرِبَ عَلَى الْبِنَاءِ لِلْمَفْعُولِ اور ضُرِبَ جیسے لفظ جو ہیں عَلَى الْبِنَاءِ لِلْمَفْعُولِ اس حال میں کہ یہ بنی للمفعول ہے إِذَا جُعِلَ عَلَمًا لِشَخْصٍ جب اس کو نام بنا دیا جائے کسی شخص کے لیے، فَإِنَّهُ أَيْضًا غَيْرُ مُنْصَرِفٍ تو یہ بھی غیر منصرف ہو گا لِلْعَلَمِيَّةِ وَوَزْنِ الْفِعْلِ علمیت اور وزنِ فعل کی وجہ سے۔

وَإِنَّمَا قَيَّدْنَا بِالْبِنَاءِ لِلْمَفْعُولِ، بھئی سوال یہ: یہ ضُرِبَ اس کے ساتھ آپ نے بنی للمفعول ہونے کی قید کیوں لگائی؟ یہ کیا ہونا چاہیے؟ بنی للمفعول ہونا چاہیے۔ کہتے ہیں وجہ یہ کہ اگر یہ بنی للفاعل ہو یعنی فعلِ معروف ہو ضَرَبَ، تو ضَرَبَ فَعَلَ یہ فعل کے ساتھ خاص نہیں ہے، یہ اسم میں بھی پایا جاتا ہے: ضَرَبَ، حَجَرٌ، فَرَسٌ، دیکھا یہ فَعَل کے ساتھ خاص نہیں یہ اسم میں بھی یہ وزن پایا جاتا ہے۔ تو اس لیے کہتے ہیں ہم نے بنا للمفعول کی قید لگائی۔ کہتے ہیں وَإِنَّمَا قَيَّدْنَا بِالْبِنَاءِ لِلْمَفْعُولِ اور ہم نے اس کو بنا للمفعول کے ساتھ مقید کیا فَإِنَّهُ عَلَى الْبِنَاءِ لِلْفَاعِلِ غَيْرُ مُخْتَصٍّ بِالْفِعْلِ کیونکہ یہ لفظ جو ہے بنا للفاعل کی صورت پر غَيْرُ مُخْتَصٍّ بِالْفِعْلِ یہ فعل کے ساتھ مختص نہیں ہے۔

وَلَمْ يَذْهَبْ إِلَى مَنْعِ صَرْفِهِ إِلَّا بَعْضُ النُّحَاةِ اور اس کے منعِ صرف کی طرف نہیں گئے مگر بعض نحوی حضرات۔ بھئی اگر یہ ضَرَبَ بنا للفاعل پر ہو یعنی بنی للفاعل ہو، فعلِ معروف ہو، تو پھر اس صورت میں تو یہ وزن خاص نہیں ہے فعل کے ساتھ، تو اس کے غیر منصرف ہونے کی طرف نحوی حضرات نہیں گئے، یعنی اس وزن پر جو لفظ آئے اس کے غیر منصرف ہونے کی طرف عام نحوی حضرات نہیں گئے، چند ایک گئے ہیں لیکن جمہور اس طرف نہیں گئے بھئی۔ تو معلوم ہوا یہ جب فُعِلَ وزن ہو گا تو وہ غیر انصراف کا سبب بنے گا، فَعَلَ وزن غیر انصراف کا سبب نہیں بنے گا۔ یہ معنی ہے فَإِنَّهُ عَلَى الْبِنَاءِ لِلْفَاعِلِ غَيْرُ مُخْتَصٍّ بِالْفِعْلِ اس لیے کیونکہ یہ بنی للفاعل ہونے پر یہ خاص نہیں ہے فعل کے ساتھ بلکہ اسم میں بھی پایا جاتا ہے، وَلَمْ يَذْهَبْ إِلَى مَنْعِ صَرْفِهِ إِلَّا بَعْضُ النُّحَاةِ اور اس کے منعِ صرف کی طرف نہیں گئے مگر بعض نحوی۔

أَوْ يَكُونَ، أَوْ يَكُونَ کا عطف پیچھے جو آیا تھا أَنْ يُخْتَصَّ اور اس پر أَنْ داخل تھا، نصب پڑھ رہے تھے تو یہاں بھی نصب پڑھیں گے: أَوْ يَكُونَ غَيْرَ مُخْتَصٍّ وَلٰكِنْ يَكُونُ فِي أَوَّلِهِ۔ یہ جگہ توجہ سے سمجھ لو بھئی۔ بھئی دیکھیے انہوں نے کیا کہا کہ یہ وزنِ فعل غیر انصراف کا سبب بنے گا کس کا؟ غیر انصراف کا سبب بنے گا، دو شرطوں میں سے ایک شرط پوری ہونی چاہیے: یا تو وہ وزن خاص ہونا چاہیے فعل کے ساتھ، یا اس وزن کے شروع میں حروفِ أَتَيْنَ میں سے کوئی حرف زائد آئے اور وہ تا کو بھی قبول نہ کرے۔ توجہ ہے؟ تا کو بھی قبول نہ کرے ذرا اس بات کو ذرا مختصر کریں۔ دو شرطوں میں سے ایک شرط ہونی چاہیے: کیا؟ یا تو وہ وزن خاص ہو کس کے ساتھ؟ فعل کے ساتھ، یا اس کے شروع میں کیا آئے؟ حروفِ أَتَيْنَ میں سے کوئی حرف آئے۔ توجہ ہے؟ تو دو شرطوں میں سے ایک شرط پوری ہونی چاہیے: یا تو وہ وزن خاص ہونا چاہیے فعل کے ساتھ، یا اگر وہ فعل کے ساتھ خاص نہیں ہے تو اس کے شروع میں حروفِ أَتَيْنَ میں سے کوئی حرف ہونا چاہیے۔ توجہ ہے؟ ان دو شرطوں میں سے ایک پوری ہونی چاہیے، اور ان دو شرطوں کے درمیان صاحبِ کافیہ نے أَوْ ذکر کیا، کیا ذکر کیا؟ أَوْ۔ أَوْ کا

مطلب: أَوْ آتا ہے انفصال کے لیے دو چیزوں میں جدائی بیان کرتا ہے، یعنی یا یہ چیز ہو گی یا یہ والی، معلوم ہوا دونوں شرطیں اکٹھی نہیں ہو سکتیں کیونکہ أَوْ کس لیے آتا ہے؟ انفصال، دو چیزوں کے درمیان انفصال اور جدائی بیان کرتا ہے کہ یا یہ والی چیز ہے یا یہ والی چیز ہے۔ لیکن یہاں تو انفصال ہے ہی نہیں! یہاں تو انفصال نہیں ہے۔ آپ نے ہمیں کیا کہا؟ دو چیزیں کون سی ہیں؟ یا وہ صیغہ کس کے ساتھ خاص ہو؟ فعل کے ساتھ، یا اس کے شروع میں کیا ہو؟ حروفِ أَتَيْنَ میں سے کوئی حرف زائد ہو۔ معلوم ہوا دونوں میں سے ایک چیز ایک وقت میں ہو گی: یا وہ فعل کے ساتھ خاص ہو گا یا اس کے شروع میں حروفِ أَتَيْنَ میں سے کوئی حرف ہو گا۔ درمیان میں أَوْ آیا ہے نا اور أَوْ کس لیے آتا ہے؟ انفصال کے لیے، معلوم ہوا دو چیزوں میں سے ایک چیز ہو گی ایک وقت میں، دونوں اکٹھی نہیں ہو سکتیں، کیونکہ درمیان میں أَوْ آ رہا ہے: یا وہ وزن خاص ہو گا کس کے ساتھ؟ فعل کے ساتھ، یا اس کے شروع میں حروفِ أَتَيْنَ میں سے کوئی حرف زائد ہو گا۔

کہتے ہیں نہیں بھئی ان میں تو انفصال ہی نہیں ہے، ہم آپ کو دکھاتے ہیں یہ دونوں چیزیں اکٹھی ہو رہی ہیں، جیسے يَزِيدُ اور يَشْكُرُ۔ يَزِيدُ اور يَشْكُرُ دیکھو یہ ایسے وزن ہیں جو خاص ہیں فعل کے ساتھ اور اسم میں منقول ہو کر پائے گئے۔ توجہ ہے؟ تو یہ خاص ہے وزن کس کے ساتھ؟ فعل کے ساتھ، اور اس کے شروع میں کیا ہے؟ حروفِ أَتَيْنَ میں سے یا زائد ہے۔ آپ نے تو ہمیں کیا کہا تھا؟ دو شرطوں میں سے ایک شرط پوری ہونی چاہیے اور درمیان میں أَوْ لے کر آئے اور أَوْ آتا ہے انفصال کے لیے دو چیزوں میں جدائی بیان کرتا ہے، معلوم ہوا یا پہلی چیز ہو گی یا دوسری چیز ہو گی، معلوم ہوا یا تو وہ صیغہ خاص ہو گا فعل کے ساتھ یا اس کے شروع میں کیا ہو گا؟ حروفِ أَتَيْنَ میں سے کوئی ایک ہو گا، معلوم ہوا دونوں اکٹھے نہیں ہو سکتے۔ حالانکہ دونوں تو اکٹھے ہو رہے ہیں، يَشْكُرُ اور يَزِيدُ یہ نام ہیں کسی کے، اور یہ اس میں وزنِ فعل ہے اور یہ وزنِ فعل بھی خاص ہے کس کے ساتھ؟ فعل کے ساتھ خاص بھی ہے اور حروفِ أَتَيْنَ بھی شروع میں ہے۔ حالانکہ آپ نے ہمیں کہا تھا یا خاص ہو گا فعل کے ساتھ یا شروع میں کیا ہو گا؟ حروفِ أَتَيْنَ، دونوں اکٹھے نہیں ہو سکتے، حالانکہ دونوں اکٹھے ہو رہے ہیں، تو دونوں میں تو انفصال ہی نہیں ہے پھر یہ أَوْ لانے کا کیا مطلب ہے؟

تو آپ کو بتلائیں گے کہ بھئی یہ أَوْ يَكُونَ اس کی خبر، توجہ ہے ذرا عبارت پہ نظر رکھیں، أَوْ يَكُونَ کی خبر جو متن میں آئی فِي أَوَّلِهِ، یہ خبر نہیں ہے يَكُونَ کی، بلکہ يَكُونَ کی خبر محذوف ہے: أَوْ يَكُونَ غَيْرَ مُخْتَصٍّ۔ صاحبِ جامی نے درمیان میں عبارت نکال دی: أَوْ يَكُونَ غَيْرَ مُخْتَصٍّ، یا وہ فعل کے ساتھ خاص نہیں ہو گا۔ معلوم ہوا يَكُونَ کی خبر فِي أَوَّلِهِ نہیں ہے بلکہ غَيْرَ مُخْتَصٍّ ہے۔ اب انفصال آ گیا دونوں چیزوں میں۔ پہلی شرط کیا؟ کہ یا تو وہ وزن فعل کے ساتھ خاص ہو گا، أَوْ يَكُونَ غَيْرَ مُخْتَصٍّ یا وہ وزن فعل کے ساتھ خاص نہیں ہو گا۔ دو ہی صورتیں ہیں یہاں، تیسری کوئی صورت نہیں ہے۔ معلوم ہوا یہاں یہ أَوْ انفصالِ حقیقی کے لیے ہے، جیسے آپ کہتے ہیں: هٰذَا الْعَدَدُ إِمَّا زَوْجٌ أَوْ فَرْدٌ یہ عدد یا تو جفت ہے یا طاق ہے۔ دونوں

میں سے دونوں اکٹھے نہیں ہو سکتے، ایک ہی عدد جفت بھی ہو جائے طاق بھی ہو جائے یہ بھی نہیں ہو سکتا، اور کوئی عدد ایسا ہو جو نہ جفت ہو اور نہ طاق ہو ایسا بھی نہیں ہو سکتا، دونوں میں سے ایک وقت میں ایک ضرور پایا جائے گا۔ دونوں پائے جائیں یہ بھی نہیں ہو سکتا اور دونوں میں سے کوئی نہ ہو ایسا بھی نہیں ہو سکتا، دونوں میں سے ایک ضرور پایا جائے گا، اس کو کہتے ہیں انفصالِ حقیقی۔ تو بتلانا یہ چاہتے ہیں کہ یہاں پر بھی یہ جو أَوْ آیا ہے یہ انفصال کے لیے آیا ہے اور انفصال بھی کون سا ہے؟ انفصالِ حقیقی، جدائی ہے دو چیزوں میں جو کبھی بھی جمع نہیں ہوتیں اور دونوں اکٹھی بھی نہیں ہوتیں اور دونوں میں سے ایک نہ پائی جائے یہ بھی نہیں ہو سکتا، بات سمجھ میں آگئی؟

چنانچہ بتلایا کہ أَوْ يَكُونَ کی خبر فِي أَوَّلِهِ نہیں ہے بلکہ أَوْ يَكُونَ غَيْرَ مُخْتَصٍّ، اب انفصال آگیا۔ اب دیکھو وہ وزن یا تو خاص ہو گا فعل کے ساتھ یا خاص نہیں ہو گا، دو ہی چیزیں ہیں نا؟ وزنِ فعل ہے اس میں دو ہی صورتیں ہیں: یا وہ فعل کے ساتھ وہ وزن خاص ہو گا یا خاص نہیں ہو گا، تیسری تو کوئی صورت ہی نہیں ہے۔ تو اب دیکھو أَوْ انفصال کے لیے بن گیا حقیقتاً بھئی۔ ہاں ادھر دیکھو، وہ وزن فعل کے ساتھ خاص ہو گا یا خاص نہیں ہو گا اور دونوں میں شروع میں حروفِ أَتَيْنَ ہوں یا نہ ہوں، نہیں اس کا تعلق ہی اس سے نہیں ہے۔ بس یا خاص ہو گا یا خاص نہیں۔ خاص ہو تب بھی شروع میں حروفِ أَتَيْنَ کبھی ہوں گے کبھی نہیں، اور خاص نہ ہو پھر بھی کبھی حروفِ أَتَيْنَ شروع میں ہوں گے اور کبھی نہیں، لیکن جب خاص نہ ہو فعل کے ساتھ تو پھر ضروری ہے حروفِ أَتَيْنَ میں سے کوئی حرف شروع میں ہونا چاہیے بھئی، بات سمجھ میں آگئی؟

دیکھیے بھئی، کہتے ہیں: أَوْ يَكُونَ غَيْرَ مُخْتَصٍّ یا وہ وزنِ فعل جو ہے وہ فعل کے ساتھ خاص نہیں ہو گا وَلٰكِنْ يَكُونُ فِي أَوَّلِهِ لیکن اس کے شروع میں ہو گا۔ فِي أَوَّلِهِ اس کے شروع میں۔ بھئی یہ فِي أَوَّلِهِ کی ہا ضمیر کس کو راجع ہے؟ ادھر دیکھیے بھئی، دو احتمال ذکر کریں گے صاحبِ جامی کہ فِي أَوَّلِهِ اس کے شروع میں زیادتی ہو، اس کے شروع میں زیادتی ہو، بھئی کس کے شروع میں زیادتی ہو؟ تو آپ کو بتائیں گے کہ أَوَّلِهِ کی ہا ضمیر یا تو وزنِ فعل کو راجع کر لو، یا وہ اسم جس میں وزنِ فعل ہے اس کی طرف راجع کر دو۔ کس کو راجع کرو؟ یا تو وزنِ فعل کو راجع کرو یا وہ اسم جس میں کیا ہے؟ وزنِ فعل پایا جا رہا ہے یعنی وہ جو موزون ہے، کیا ہے؟ موزون ہے۔ تو فِي أَوَّلِهِ کی ہا ضمیر میں دو احتمال: یا تو راجع ہے کس کو؟ اس وزنِ فعل کے شروع میں زائد حرف ہونا چاہیے، یا فِي أَوَّلِهِ وہ جو موزون ہے یعنی وہ اسم جو کس وزن پر ہے؟ وزنِ فعل پر ہے اس کے شروع میں کیا ہونا چاہیے؟ کوئی حرف زائد ہونا چاہیے۔

تو کہتے ہیں: وَلٰكِنْ يَكُونُ فِي أَوَّلِهِ لیکن جو ہے اس کے شروع میں، أَيْ فِي أَوَّلِ وَزْنِ الْفِعْلِ کس کے شروع میں؟ دیکھا فِي أَوَّلِهِ تھا تن میں، صاحبِ جامی فرما رہے ہیں أَيْ فِي أَوَّلِ وَزْنِ الْفِعْلِ اس وزنِ فعل کے شروع میں، أَوْ أَوَّلِ مَا كَانَ عَلَى وَزْنِ الْفِعْلِ یا اس کے شروع میں جو وزنِ فعل پر ہے۔ مَا كَانَ عَلَى وَزْنِ الْفِعْلِ مَا سے مراد اسم ہے: أَوْ أَوَّلِ مَا كَانَ عَلَى

وَزْنِ الْفِعْلِ یا اس اسم کے شروع میں جو وزنِ فعل پر ہے یعنی وہ موزون جو ہے، توجہ ہے؟ ادھر دیکھیے، أَوَّلِهِ کی ہا ضمیر کس کو لوٹائی؟ وزنِ فعل کو یا مَا كَانَ عَلَى وَزْنِ الْفِعْلِ۔ توجہ ہے؟

دونوں پر اشکال ہوتا ہے کہ بھئی وزنِ فعل کو آپ کیسے ضمیر لوٹا رہے ہیں؟ وزنِ فعل اس کا معنی آپ نے کیا بیان کیا ہمیں؟ وزنِ فعل کسے کہتے ہیں؟ كَوْنُ الِاسْمِ عَلَى وَزْنٍ يُعَدُّ مِنْ أَوْزَانِ الْفِعْلِ، اسم کا اس وزن پر ہونا جس کو اوزانِ فعل میں سے شمار کیا جاتا ہے۔ تو وزنِ فعل سے معلوم ہوا مصدری معنی مراد ہے، کیا مراد ہے؟ اسم کا فعل کے وزن پر ہونا۔ تو یہ تو ایک مصدری معنی ہے اور میں نے آپ کو بتلایا تھا مصدر کا خارج میں کوئی وجود نہیں، مصدر صرف ایک معنی کا نام ہے جو کسی چیز کی صفت ہوتی ہے۔ تو معلوم ہوا یہ وزنِ فعل صفت کا نام ہے یعنی معنی کا نام ہے، کس کا نام ہے؟ معنی کا نام ہے۔ اور شروع اور آخر لفظ کا تو ہو سکتا ہے، معنی کا تو شروع اور آخر نہیں ہوتا۔ معنی تو وہ مفہوم ہے جو ذہن میں آتا ہے، اس کا تو شروع اور آخر نہیں ہوتا، شروع اور آخر تو کس کا ہوتا ہے؟ لفظ کا ہوتا ہے، لفظ کا ایک شروع ہے ایک آخر ہے۔ تو لہٰذا اگر یہ أَوَّلِهِ کی ہا ضمیر وزنِ فعل کو لوٹائیں پھر تو بات صحیح نہیں بنتی کہ اس معنی کے شروع میں کوئی حرف زائد ہو۔ بھئی معنی کے شروع میں حرف زائد ہو گا یا لفظ کے شروع میں حرف زائد ہو گا؟ لفظ کے شروع میں حرف زائد ہو گا، معنی کا تو شروع اور آخر ہوتا ہی نہیں اور پھر اس معنی کے شروع میں حرف زائد ہو بھئی حرف تو معنی کے ساتھ جا کر نہیں جڑتا، حرف تو لفظ کے ساتھ جا کر جڑتا ہے۔ اشکال سمجھ میں آ رہا ہے؟ فِي أَوَّلِهِ کی ہا ضمیر اگر کس کو لوٹائیں؟ وزنِ فعل، وزنِ فعل کا معنی تو آپ نے مصدر کے ساتھ کیا معلوم ہوا یہ ایک معنی کا نام ہے، جس کا خارج میں الگ وجود نہیں، اور اس کے اول میں کوئی حرف زائد ہونا چاہیے۔ بھئی حرفِ زائد وہ لفظ کے شروع میں تو آ سکتا ہے، معنی کے شروع میں تو نہیں آ سکتا، معنی کا تو شروع اور آخر نہیں ہوتا، تو لہٰذا وزنِ فعل کو بھی اس ضمیر لوٹانا صحیح نہیں۔ اور نیز مَا كَانَ عَلَى وَزْنِ الْفِعْلِ وہ جو فعل کے وزن پر ہے یعنی وہ جو اسمِ موزون ہے اس کی طرف بھی ضمیر لوٹانا صحیح نہیں کیونکہ پیچھے اسمِ موزون کا تو کہیں ذکر ہی نہیں آیا، پیچھے تو وزنِ فعل کا ذکر آیا تھا۔ اشکال سمجھ میں آیا؟ وزنِ فعل کو ضمیر لوٹانا بھی صحیح نہیں کیونکہ وزنِ فعل کا معنی آپ نے مصدر کے ساتھ کیا اور مصدر معنی کا نام ہے اور معنی کے شروع میں حرف زائد نہیں ہو سکتا۔ اور نیز دوسرا احتمال کیا کہ ضمیر کس کو لوٹائیں؟ مَا كَانَ عَلَى وَزْنِ الْفِعْلِ اس کو بھی ضمیر نہیں لوٹا سکتے کیونکہ پیچھے کوئی مَا كَانَ عَلَى وَزْنِ الْفِعْلِ کا ذکر نہیں ہوا یعنی موزون کا ذکر نہیں ہوا۔

تو آپ کو جواب دیں گے، تو جواب یاد رکھنا ادھر دیکھیے، جواب یاد رکھنا: یہ جب ضمیر راجع کی کس کو؟ وزنِ فعل کو، تو ضمیر تو راجع کی وزنِ فعل کو کیونکہ پیچھے وزنِ فعل کا لفظوں میں ذکر تھا، لیکن مراد موزون ہی ہے یعنی مَا كَانَ عَلَى وَزْنِ الْفِعْلِ ہی ہے۔ ضمیر کس کو لوٹائی؟ وزنِ فعل، اور مراد مَا كَانَ عَلَى وَزْنِ الْفِعْلِ ہے۔ کیوں؟ کہتے ہیں اس لیے کیونکہ اس مَا كَانَ عَلَى وَزْنِ الْفِعْلِ کے شروع میں حرف زائد ہو سکتا ہے۔ مَا كَانَ عَلَى وَزْنِ الْفِعْلِ کے شروع میں حرفِ زائد ہو سکتا ہے،

وزنِ فعل کے شروع میں تو حرف زائد نہیں ہو سکتا۔ توجہ ہے؟ تو معلوم ہوا جب ضمیر کس کو لوٹائیں؟ وزنِ فعل کو، کیونکہ پیچھے وزنِ فعل کا ذکر ہے مَا كَانَ عَلَى وَزْنِ الْفِعْلِ کا ذکر نہیں، تو ضمیر ظاہر پر عمل کرتے ہوئے صاحبِ جامی نے أَوَّلِهِ کی ہا ضمیر وزنِ فعل کو لوٹائی، لیکن مراد کیا ہے؟ موزون یعنی مَا كَانَ عَلَى وَزْنِ الْفِعْلِ وہ مراد ہے کہ ضمیر کس کو لوٹائی؟ وزنِ فعل کو، اور مراد موزون ہے یعنی ضمیر صفت کو لوٹائی مراد موصوف ہے، جس اسم میں وزنِ فعل پایا جائے گا۔ ضمیر کس کو لوٹائی؟ وزنِ فعل، اور وزنِ فعل کے شروع میں حرف زائد ہوتا ہے یا موزون کے شروع میں حرفِ زائد ہوتا ہے؟ موزون کے شروع میں حرفِ زائد ہوتا ہے، وزنِ فعل تو اس کی صفت ہے، تو ضمیر لوٹائی صفت کو اور مراد کیا؟ موصوف یعنی جس میں وزنِ فعل پایا جائے، توجہ ہے؟ تو جس میں وزنِ فعل پایا جائے تو وزنِ فعل بول کر کیا مراد ہے؟ موزون مراد ہے۔ اور دوسرا احتمال کیا کہ ضمیر کس کو لوٹا دو؟ مَا كَانَ عَلَى وَزْنِ الْفِعْلِ کو لوٹاؤ، وزنِ فعل کو لوٹاؤ ہی نہ، کس کو لوٹاؤ؟ مَا كَانَ عَلَى وَزْنِ الْفِعْلِ۔ اس پر اشکال ہوتا ہے کہ پیچھے تو مَا كَانَ عَلَى وَزْنِ الْفِعْلِ کا ذکر ہی نہیں ہوا، پیچھے تو وزنِ فعل کا ذکر ہوا ہے، تو جواب یہ کہ جب وزنِ فعل کا ذکر ہو گیا تو موزون کا بھی ذکر معنی کے اعتبار سے ہو گیا کیونکہ یہ بات اس وزنِ فعل کی چل رہی ہے جو غیر انصراف کا سبب بنے گا، اور یہ ظاہر سی بات ہے کسی اسم میں پایا جائے گا تو وہ اسم کیا ہوا؟ موزون ہوا یا یوں کہو وہ کیا ہوا؟ مَا كَانَ عَلَى وَزْنِ الْفِعْلِ ہوا۔ تو مَا كَانَ عَلَى وَزْنِ الْفِعْلِ لفظوں کے اعتبار سے اگرچہ پیچھے ذکر نہیں لیکن معنی کے اعتبار سے ذکر ہے بھئی، بات سمجھ؟ یعنی یوں کہو اس ضمیر کا مرجع لفظاً تو مقدم نہیں لیکن معناً مقدم گزر چکا ہے۔ یہ اسی طرح ہے جیسے قرآن میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: وَلِأَبَوَيْهِ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ، وَلِأَبَوَيْهِ اور اس میت کے والدین کے لیے لِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ ان میں سے ہر ایک کو سدس ملے گا۔ وَلِأَبَوَيْهِ اس میت کے والدین کے لیے ہا ضمیر راجع ہے میت کو لیکن پیچھے کہیں میت کا ذکر نہیں ہے۔ تو علماء جواب دیتے ہیں کہ لفظوں میں اگرچہ میت کا ذکر نہیں آیا لیکن بات وراثت کی چل رہی ہے اور وراثت وہیں ہوتی ہے جہاں کیا ہو؟ کوئی میت ہو، تو جب بات وراثت کی چلی تو گویا معنی کے اعتبار سے میت کا ذکر آگیا لہٰذا اس کی طرف ضمیر راجع کر دی گئی۔ یہاں پر بھی اسی طرح جب وزنِ فعل کی بات چلی تو معنی کے اعتبار سے موزون یعنی مَا كَانَ عَلَى وَزْنِ الْفِعْلِ کا ذکر آگیا تو وہ معناً مذکور ہو گیا لہٰذا اس کی طرف ضمیر راجع کرنا صحیح ہے، بات سمجھ میں آگئی؟

کیا اعتراض تھا؟ کہ یہ ضمیر اگر وزنِ فعل کو لوٹائیں تو پھر تو وزنِ فعل کے شروع میں تو حرف زائد نہیں ہوتا کیونکہ وہ تو معنی کا نام ہے، اور اگر یہ ضمیر مَا كَانَ عَلَى وَزْنِ الْفِعْلِ کو راجع کریں یعنی وہ اسم جو وزنِ فعل پر ہے اس کا تو پیچھے ذکر نہیں آیا، تو جواب یہ کہ وزنِ فعل کو یہ ضمیر راجع کریں تو بھی مراد کیا ہے؟ مَا كَانَ عَلَى وَزْنِ الْفِعْلِ مراد ہے کیونکہ جس اسم میں یہ وزنِ فعل پایا جائے گا وہ کیا ہو گا؟ مَا كَانَ عَلَى وَزْنِ الْفِعْلِ، اس کے شروع میں حرف زائد ہوتا ہے، تو ضمیر لوٹائی صفت کو اور مراد کیا؟ موصوف یعنی جس میں وزنِ فعل پایا جائے۔ اور دوسرا احتمال کیا کہ ضمیر کس کو لوٹا دو؟ مَا كَانَ عَلَى وَزْنِ الْفِعْلِ کو لوٹاؤ وزنِ فعل کو لوٹاؤ ہی نہ، کس کو لوٹاؤ؟ مَا كَانَ عَلَى وَزْنِ الْفِعْلِ۔ اس پر اشکال ہوتا ہے کہ پیچھے تو مَا كَانَ عَلَى

وَزْنِ الْفِعْلِ کا ذکر ہی نہیں ہوا، پیچھے تو وزنِ فعل کا ذکر ہوا ہے، تو جواب یہ کہ جب وزنِ فعل کا ذکر ہو گیا تو موزون کا بھی ذکر معنی کے اعتبار سے ہو گیا، تو مَا كَانَ عَلَى وَزْنِ الْفِعْلِ لفظوں کے اعتبار سے اگرچہ پیچھے ذکر نہیں لیکن معنی کے اعتبار سے ذکر ہے بھئی۔

تو کہتے ہیں وَلٰكِنْ يَكُونُ فِي أَوَّلِهِ لیکن جو ہے اس کے شروع میں أَيْ فِي أَوَّلِ وَزْنِ الْفِعْلِ یعنی وزنِ فعل کے شروع میں أَوْ أَوَّلِ مَا كَانَ عَلَى وَزْنِ الْفِعْلِ یا وہ اسم جو وزنِ فعل پر ہے اس کے شروع میں زِيَادَةٌ زیادتی ہو، کیا ہو کوئی؟ زیادتی ہو۔ دیکھیے زِيَادَةٌ زیادتی ہو، اب بتلائیں گے یہاں دو ترکیبیں کر سکتے ہیں آپ۔ ایک ترکیب یہ: أَيْ زِيَادَةُ حَرْفٍ، یا دوسری ترکیب: أَوْ حَرْفٌ زَائِدٌ مِنْ حُرُوفِ أَتَيْنَ۔ ادھر دیکھیے، وہ جو اسم ہے جو وزنِ فعل پر آیا ہے اس کے شروع میں زیادتی ہو، کس چیز کی زیادتی ہو؟ کہتے ہیں متن میں تو آیا صرف زِيَادَةٌ زیادتی ہو بھئی، بھئی کس چیز کی زیادتی ہو؟ تو کہتے ہیں یہاں یا تو اس تنوین کو عوض بنا لیں مضاف الیہ سے۔ توجہ ہے؟ زِيَادَةٌ پر کیا آ رہی ہے؟ تنوین، اس تنوین کو عوض بنا لیں مضاف الیہ سے: أَيْ زِيَادَةُ حَرْفٍ۔ أَيْ زِيَادَةُ حَرْفٍ کس چیز کی زیادتی ہو اس کے شروع میں؟ حرف کی زیادتی ہو۔ بھئی دیکھو نا زیادتی زائد ہونا، زائد ہونا مصدر ہے اور مصدر کے لیے فاعل چاہیے، بھئی کیا چیز زیادہ ہو گی؟ تو وہ حرف ہے، کیا زیادہ ہو گی؟ حرف، تو یہ زِيَادَةٌ کے اندر تنوین عوض ہے مضاف الیہ سے، جیسے آپ نے پڑھا تھا کبھی الف لام عوض ہوتا ہے مضاف الیہ کا، اسی طرح کبھی تنوین بھی عوض ہوتی ہے مضاف الیہ کا، تو زِيَادَةٌ أَيْ زِيَادَةُ حَرْفٍ۔ توجہ ہے؟ زِيَادَةُ حَرْفٍ۔ تو یہ زیادت میں تنوین عوض ہے مضاف الیہ سے۔ اور یاد رکھو یہ جو زِيَادَةُ حَرْفٍ مضاف مضاف الیہ ہیں: زیادت مضاف، حَرْفٍ مضاف الیہ، یاد رکھو یہ صفت کی اضافت ہو رہی ہے موصوف کی طرف۔ زیادت ہے صفت اور حرف ہے موصوف، وہ زائد کون ہوتا ہے؟ حرف ہوتا ہے نا، تو زِيَادَةُ حَرْفٍ یہ اصل میں تھا حَرْفٌ زَائِدٌ، حَرْفٌ زَائِدٌ ایسا حرف جو زائد ہو۔ تو حَرْفٌ ہے موصوف اور زَائِدٌ اس کی صفت۔ پھر عربی میں کبھی یوں کرتے ہیں صفت کو ختم کرتے ہیں اور اس کو اٹھا کر مضاف بنا دیتے ہیں، تو زائد کو ختم کیا اور اس کو اس سے مصدر بنا لیا زیادت، زائد اسمِ فاعل کا صیغہ تھا اسی سے مصدر کیا بنا لیا؟ زیادت، اور اس کی اضافت کر دی حرف کی طرف: زِيَادَةُ حَرْفٍ حرف کی زیادتی، تو یہ اصل میں کیا ہے؟ حَرْفٌ زَائِدٌ، بات سمجھ میں آ گئی؟ تو یہ صفت کی اضافت ہو رہی ہے کس کی طرف؟ زِيَادَةُ حَرْفٍ یہ صفت کی اضافت کس کی طرف ہے؟ موصوف کی طرف ہو رہی ہے۔ حَرْفٌ زَائِدٌ حَرْفٌ کیا تھا؟ موصوف، اور زَائِدٌ کیا تھی؟ صفت، پھر اس صفت کو اٹھا کر اس موصوف کی طرف اضافت کر دی اس کو مقدم کر دیا، تو کیا بن گیا؟ زائد سے مصدر بنا لو زِيَادَةُ حَرْفٍ، تو یہ صفت کی اضافت ہے کس کی طرف؟ کس چیز کی زیادتی؟ حرف کی زیادتی، تو یہ زائد ہونا حرف کی صفت ہے بھئی، تو یہ کس قبیل سے ہوا؟ زِيَادَةُ حَرْفٍ یہ صفت کی اضافت ہو رہی ہے موصوف کی طرف بھئی۔

جی، تو یہ ایک ترکیب کہ زِيَادَةٌ کے اندر یہ تنوین کس کا عوض ہے؟ مضاف الیہ کا۔ یا دوسری ترکیب، توجہ سے بھئی،

زیادت مصدر ہے، زیادت مصدر ہے، اور مصدر آپ نے پڑھا ہے کبھی اسمِ فاعل کے معنی میں ہوتا ہے کبھی اسمِ مفعول کے معنی میں، یہاں زیادت کو اسمِ فاعل کے معنی میں لے لو: فِي أَوَّلِهِ اس اسم کے شروع میں زِيَادَةٌ أَيْ زَائِدٌ کوئی چیز زائد ہونی چاہیے، اور وہ کیا چیز زائد ہونی چاہیے؟ حرف زائد ہونا چاہیے، تو زیادت کس معنی میں ہوا؟ اسمِ فاعل یعنی زَائِدٌ کے معنی میں، اور زَائِدٌ تو صفت کا صیغہ ہے اس کے لیے موصوف چاہیے کیا چیز زائد ہے؟ تو موصوف محذوف ہے أَيْ حَرْفٌ زَائِدٌ۔ بات سمجھ میں آگئی؟ کیا ترکیبیں ہوئیں؟ زِيَادَةٌ میں یا تو تنوین عوض ہے مضاف الیہ، أَيْ زِيَادَةُ حَرْفٍ، اور یہ کس قبیل سے ہے؟ صفت کی اضافت ہو رہی ہے موصوف کی طرف۔ یا دوسری ترکیب کیا؟ کہ زیادت یہ مصدر ہے اس کو کس معنی میں لے لو؟ اسمِ فاعل کے معنی میں، زَائِدٌ کے معنی میں، اور زَائِدٌ تو صفت ہے اس کے لیے کیا چاہیے؟ موصوف چاہیے، کیا چیز زائد ہے؟ تو حَرْفٌ موصوف اس کا محذوف ہے۔ یہی دو ترکیبیں بتلا رہے ہیں دیکھیے بھئی: زِيَادَةٌ أَيْ زِيَادَةُ حَرْفٍ یہ پہلی ترکیب، أَوْ حَرْفٌ زَائِدٌ یا کوئی زائد حرف ہو، دیکھا حَرْفٌ زَائِدٌ کے لیے دوسری ترکیب بتلائی کہ زیادت کو کس معنی میں لو؟ زائد کے معنی میں، اور اس کا موصوف حرف جو ہے محذوف نکال لیں۔ تو کہتے ہیں: زِيَادَةٌ أَيْ زِيَادَةُ حَرْفٍ یعنی حرف کی زیادتی، أَوْ حَرْفٌ زَائِدٌ یا اس کے شروع میں کوئی زائد حرف ہو مِنْ حُرُوفِ أَتَيْنَ، أَتَيْنَ کے حروف میں سے یعنی ہمزہ، تا، یا اور نون میں سے، بات سمجھ میں آگئی؟

اور ایک اور یہاں بات یاد رکھنا، ایک اور بات: فِي أَوَّلِهِ، أَوَّلِهِ کی ہا ضمیر کس کو راجع؟ وزنِ فعل یا مَا كَانَ عَلَى وَزْنِ الْفِعْلِ۔ اور وزنِ فعل کو بھی ضمیر راجع ہو تو بھی مراد کیا ہے؟ مَا كَانَ عَلَى وَزْنِ الْفِعْلِ یعنی صفت بول کر موصوف مراد ہے، توجہ ہے؟ تو بس حاصلِ کلام یوں کہ ہا ضمیر سے مَا كَانَ عَلَى وَزْنِ الْفِعْلِ مراد ہے وہ اسم جو وزنِ فعل پر ہو، توجہ ہے؟ وہ اسم جو وزنِ فعل پر ہو اس کے اول میں یعنی اس کے شروع میں کوئی حرف زائد ہو، گویا عبارت یوں بن گئی: حَرْفٌ زَائِدٌ فِي أَوَّلِهِ، کہ کوئی زائد حرف ہونا چاہیے کس میں؟ اس اسم کے شروع میں۔ توجہ سے سنو یہ اعتراض ذکر کر رہا ہوں: حَرْفٌ زَائِدٌ فِي أَوَّلِهِ اس اسم کے شروع میں کوئی زائد حرف ہونا چاہیے، جیسے أَحْمَرُ۔ أَحْمَرُ کیا ہے؟ یہ وہ اسم ہے جو کس پر ہے؟ وزنِ فعل پر ہے، اس کے شروع میں، اس کا اول کیا ہے؟ ہمزہ ہے، تو اس کے اول میں کیا ہونا چاہیے؟ کوئی حرفِ زائد۔ تو عبارت کیا بن گئی؟ حَرْفٌ، توجہ سے عبارت پہ نظر رکھو، عبارت کیا بن گئی؟ حَرْفٌ زَائِدٌ فِي أَوَّلِهِ حرفِ زائد ہو کس میں؟ اس اسم۔ ہا ضمیر کا معنی بس اسم کے کرو کلام کو مختصر کریں: حرفِ زائد ہونا چاہیے فِي أَوَّلِهِ اس اسم کے اول میں، اس اسم کے شروع میں۔ توجہ ہے؟ اور یہاں آیا فِي، اور فِي کس لیے آتا ہے؟ ظرفیت کے لیے، یہ بتلاتا ہے کہ ما بعد والا ظرف ہے اور ما قبل والا مظروف ہے۔ زَيْدٌ فِي الدَّارِ زید گھر میں ہے، معلوم ہوا موجود فِي کا ما بعد کیا؟ دَار، یہ ظرف ہے، ما قبل میں کون ذکر؟ زَيْد، زید کے لیے، یعنی یہ گھر ظرف ہے زید کے لیے، اس گھر نے ہر طرف سے زید کا احاطہ کیا ہوا ہے۔ توجہ ہے؟ تو فِي کس لیے آتا ہے؟ ظرفیت کے لیے، یہ بتلاتا ہے کہ جو ما قبل میں چیز ذکر ہوئی یہ ما بعد والی چیز کے اندر ہے بھئی۔

تو زَيْدٌ فِي الدَّارِ زید گھر کے اندر ہے، دَار کیا ہوا؟ ظرف۔ ظرف عربی زبان میں برتن کو کہتے ہیں، جیسے کوئی چیز برتن میں ڈال دی جائے تو برتن اس کو ہر طرف سے گھیر لیتا ہے، تو فِي آتا ہے ظرفیت کے لیے۔ تو زَيْدٌ فِي الدَّارِ زید گھر میں ہے کیا معنی؟ دَار اس کے لیے ظرف ہے دَار نے زید کو ہر طرف سے گھیرا ہوا ہے، تو زید ہوا مظروف اور دَار ہوا ظرف۔ اور یاد رکھو مظروف چیز اور ہوتی ہے ظرف اور ہوتا ہے، بات سمجھ میں آ رہی ہے؟ دونوں ایک چیز نہیں ہو سکتے، تو ظرف الگ مظروف الگ، اور فِي کا ما بعد کیا ہوتا ہے؟ ظرف ہوتا ہے۔

اچھا اب دیکھو، یہاں کیا آیا؟ عبارت کیا بنی؟ حَرْفٌ زَائِدٌ فِي أَوَّلِهِ کہ حرفِ زائد ہونا چاہیے فِي أَوَّلِهِ اس اسم کے شروع میں، اس اسم کے شروع میں۔ تو حَرْفٌ زَائِدٌ مثلاً أَحْمَرُ میں حرفِ زائد کیا ہے؟ ہمزہ ہے، تو حَرْفٌ زَائِدٌ، توجہ سے اب اس عبارت پہ نظر رکھو: حَرْفٌ زَائِدٌ فِي أَوَّلِهِ حرفِ زائد سے کیا مراد؟ مثلاً أَحْمَرُ میں ہمزہ، تو ہمزہ ہو فِي أَوَّلِهِ کس میں؟ اس اسم کے شروع میں، اور اسم کون سا ہے؟ مثلاً أَحْمَرُ ہے، تو اس أَحْمَرُ کا اول کیا ہے؟ ہمزہ ہے، تو اول سے مراد بھی ہمزہ، تو عبارت گویا یوں بن گئی: اَلْهَمْزَةُ فِي هَمْزَةٍ، اَلْهَمْزَةُ فِي، هَمْزَةٌ فِي هَمْزَةٍ، ہمزہ کس میں ہونا چاہیے؟ ہمزہ میں ہونا چاہیے۔ بھئی وہ اول ہی، وہی تو خود حرفِ زائد ہے، اس میں حرفِ زائد کیسے ہو سکتا ہے؟ حَرْفٌ زَائِدٌ فِي أَوَّلِهِ اور وہ اول ہی کیا ہے؟ حرفِ زائد، تو یہ أَوَّلِهِ کی جگہ بھی حرفِ زائد لے آؤ، عبارت گویا یوں بن گئی: حَرْفٌ زَائِدٌ فِي حَرْفٍ زَائِدٍ، حرفِ زائد ہونا چاہیے کس میں؟ حرفِ زائد میں، یہ تو ظرف اور مظروف دونوں ایک چیز بن گئے: ما قبل میں بھی حرفِ زائد، فِي کے ما بعد بھی حرفِ زائد، ما قبل والا ہے مظروف ما بعد والا ہے ظرف، تو ظرف اور مظروف تو ایک ہو گئے، اس کو کہتے ہیں ظرفیۃُ الشیءِ لنفسِہ ایک چیز کا اپنے لیے ہی ظرف بن جانا، اور یاد رکھو یہ باطل ہے۔ ظرف اور ہوتا ہے مظروف اور ہوتا ہے، اب کوئی چیز اپنے ہی لیے ظرف بن جائے یہ نہیں ہو سکتا بھئی، کوئی اور چیز اس کے لیے ظرف بن سکتی ہے یہ خود اپنے لیے ظرف نہیں بن سکتا، تو کیا خرابی لازم آئی؟ ظرفیۃُ الشیءِ لنفسِہ لازم آ رہی ہے۔ تو اس کا جواب یاد رکھنا کہ یہاں فِي أَوَّلِهِ یہاں پر اول سے پہلے جَانِب کا لفظ مضاف محذوف نکال لیں: فِي جَانِبِ أَوَّلِهِ، حَرْفٌ زَائِدٌ فِي جَانِبِ أَوَّلِهِ کہ اس اسم کے اول کی، شروع کی جانب میں کیا ہونا چاہیے؟ کوئی حرفِ زائد ہونا چاہیے، اب بات ٹھیک بن گئی، ظرف اور مظروف الگ ہو گئے: مظروف کیا ہے؟ حرفِ زائد، اور ظرف کیا ہے؟ جَانِبِ أَوَّلِهِ، اس کے اول کے جانب میں جو ہے حرفِ زائد ہونا چاہیے، حرفِ زائد میں حرفِ زائد نہیں بھئی، بات سمجھ میں آ گئی؟ اول کی جانب میں حرفِ زائد ہو سکتا ہے، اول میں حرفِ زائد کہیں گے تو وہ ظرفیۃُ الشیءِ لنفسِہ کی خرابی لازم آئے گی۔

آگے دیکھیے بھئی: كَزِيَادَتِهِ۔ كَزِيَادَتِهِ کی ہا ضمیر حرف کو راجع ہے جس کا پیچھے ذکر ہو چکا بھئی زِيَادَةٌ کے ضمن میں: زِيَادَةُ حَرْفٍ أَوْ حَرْفٌ زَائِدٌ۔ تو زِيَادَتِهِ کی ہا ضمیر کس کو راجع؟ حرف کو راجع، توجہ ہے؟ كَزِيَادَتِهِ أَيْ مِثْلُ زِيَادَةِ حَرْفٍ، أَيْ مِثْلُ، متن میں آیا كَزِيَادَتِهِ کاف جارہ ہے، شارحِ جامی نے اس کا ترجمہ مِثْلُ کے ساتھ کیا اور متن میں تھا زِيَادَتِهِ ہا ضمیر کس کو راجع بتلا

دیا؟ حرف کو راجع، تو كَزِيَادَتِهِ کا کیا ترجمہ کیا؟ أَيْ مِثْلُ زِيَادَةِ حَرْفٍ، یعنی معلوم ہوا یہ کاف مثل کے معنی میں ہے۔

یاد رکھو یہ جو کاف حرفِ جارہ ہے یہ کبھی کبھار مثل کے معنی میں بھی استعمال ہو جاتا ہے۔ کبھی تو حرفِ جر ہے، حرفِ جر ہے تو معلوم ہوا حرف ہے، لیکن کبھی کبھار یہ مثل کے معنی میں ہوتا ہے یعنی یہ اسم ہوتا ہے باقاعدہ، ہے تو کاف لیکن ہے کیا؟ اسم ہوتا ہے۔ اور یاد رکھو امام سیبویہ وغیرہ اور دیگر جمہور علماء فرماتے ہیں کہ کاف مثل کے معنی میں نہیں ہوتا سوائے اس کے کہ کوئی مجبوری بن جائے کہ اس کو مثل کے معنی میں لینا پڑے، جیسے اس کاف پر حرفِ جر داخل ہو جائے، اس کاف پر حرفِ جر داخل ہو جائے، جیسے ہدایۃ النحو میں آپ نے پڑھا ہے: يَضْحَكْنَ عَنْ كَالْبَرَدِ، يَضْحَكْنَ عَنْ كَالْبَرَدِ، دیکھو عَنْ جارہ ہے اور كَالْبَرَدِ کاف جارہ پر داخل ہو رہا ہے، حالانکہ حروفِ جارہ تو صرف اسم پر داخل ہوتے ہیں تو یہاں عَنْ جب کاف پر داخل ہوا معلوم ہوا یہ کاف اسم ہے اور یہ مثل کے معنی میں ہے، توجہ ہے؟ تو امام سیبویہ وغیرہ فرماتے ہیں کہ کاف جارہ مثل کے معنی میں عام کلام میں نہیں آتا، ہاں کبھی مجبوری ہو جائے اس کاف جارہ پر پھر کوئی اور حرفِ جر داخل ہو رہا ہے اور حرفِ جر تو صرف اسم پر داخل ہوتا ہے تو اس وقت پھر کاف کو اسم شمار کریں گے، اس وقت یہ اسم ہو گا بھئی۔ اور جبکہ امام مبرد فرماتے ہیں نہیں کاف جو ہے عام کلام کے اندر بھی اسم کے طور پر استعمال ہوتا ہے۔ چنانچہ صاحبِ جامی نے یہاں کیا آیا؟ كَزِيَادَتِهِ اس کا ترجمہ کس کے ساتھ کیا؟ مِثْلُ کے ساتھ، یعنی یہ کاف جو ہے اسم ہے یہاں پر، کیا ہے؟ اسم ہے۔ تو آپ چاہے جارہ بنا لیں وہ بھی ٹھیک ہے۔

یاد رکھو زِيَادَةٌ ہے موصوف، نکرہ ہے، متن متن پہ نظر رکھیں، زِيَادَةٌ موصوف ہے اور اس کے بعد كَزِيَادَتِهِ جار مجرور آئے، اور جار مجرور نکرہ کے بعد آئے تو اس کے لیے صفت بنتے ہیں اور براہِ راست صفت نہیں بنتے بلکہ متعلق محذوف نکالیں گے: زِيَادَةٌ ثَابِتَةٌ كَزِيَادَتِهِ، زِيَادَةٌ ایسی زیادتی جو ثابت ہو جس طرح کہ فعل کے شروع میں زیادتی ہوتی ہے۔ تو ایک صورت یہ ہے کہ آپ کاف کو کاف جارہ ہی رہنے دیں اور ثَابِتَةٌ محذوف نکال لیں اور صفت بنائیں زِيَادَةٌ کی۔ دوسری صورت یہ ہے کہ آپ کاف کو حرفِ جر نہ بنائیں بلکہ اس کو اسم قرار دے دیں، اور اس صورت میں اب یہ كَزِيَادَتِهِ یہ زِيَادَتِهِ پر جو جر آرہا ہے، توجہ ہے، یہ جو جر آرہا ہے یہ اس لیے نہیں کہ کاف جارہ ہے بلکہ اس لیے کہ یہ کاف اسم ہے، یہ مضاف ہے اور زِيَادَتِهِ مضاف الیہ ہے۔ تو بہرحال دونوں ترکیبیں صحیح ہیں، چاہے آپ کاف کو جارہ بنائیں چاہے آپ کاف کو اسم بنائیں دونوں صورتوں میں یہ صفت بنے گا زیادت کی۔

آپ کہیں گے بھئی کہ اگر یہ کاف اسم ہے تو مِثْلُ زِيَادَتِهِ، مثل کی اضافت کس کی طرف ہوئی؟ زیادت کی طرف اور زیادت کی اضافت کس کی طرف ہوئی؟ ہا ضمیر کی طرف، اور ہا ضمیر معرفہ ہے اور جو اسم معرفہ کی طرف مضاف ہو جائے وہ بھی کیا بن جاتا ہے؟ معرفہ، تو پھر تو یہ مثل معرفہ بن گیا تو یہ زیادت تو نکرہ ہے یہ اس کی صفت کیسے بن سکتا ہے؟ بھئی یاد

رکھو شاید میں نے پہلے بھی آپ کو بتلایا ہو بعض اسم ایسے ہیں کہ ان کو معرفہ کی طرف مضاف کر دیں وہ پھر بھی معرفہ نہیں بنتے کیونکہ معرفہ اس کو کہتے ہیں جو کسی معین ذات پر دلالت کرے: غُلَامُ زَيْدٍ دیکھو یہ ایک معین غلام مراد ہے جو زید کا ہے۔ لیکن اگر میں کہوں مِثْلُ زَيْدٍ زید جیسا، جی اب اس نے کسی معین ذات پر دلالت کی؟ نہیں، زید جیسا تو عمرو بھی ہو سکتا ہے بکر بھی ہو سکتا ہے خالد جو بھی زید جیسا ہو گا سب کو ہم کہیں گے مِثْلُ زَيْدٍ۔ تو یہ مِثْلُ، شِبْهُ، أَحَدُ وغیرہ یہ کچھ لفظ ہیں ان کو جب معرفہ کی طرف مضاف کر دیں پھر بھی یہ نکرہ کے نکرہ ہی رہتے ہیں۔ تو یہاں پر بھی مِثْلُ مضاف ہوا زِيَادَتِهِ کی طرف اور یہ اسی طرح نکرہ ہے تو اس لیے یہ زیادت کی صفت بنے گا، ایسی زیادتی مِثْلُ زِيَادَتِهِ جو فعل کی زیادتی کے مثل ہو۔ تو بہرحال شارحِ جامی فرماتے ہیں کہ کاف جو ہے مثل کے معنی میں لے لیں۔

کہتے ہیں كَزِيَادَتِهِ أَيْ مِثْلُ زِيَادَةِ حَرْفٍ۔ یہ زِيَادَتِهِ کی ہا ضمیر جو ہے حرف کو راجع ہے جس کا پیچھے زیادت کے ضمن میں ذکر ہو چکا بھئی۔ عبارت کیا بن گئی؟ كَزِيَادَتِهِ، ذرا ہاں دیکھو شرحِ جامی کی عبارت ذرا دیکھو: كَزِيَادَتِهِ أَيْ مِثْلُ زِيَادَةِ حَرْفٍ یعنی حرف کی زیادتی کے مثل اس کے شروع میں زیادتی ہو جیسے کہ حرف کی زیادتی ہوتی ہے، أَوْ حَرْفٍ زَائِدٍ یا کوئی حرف زائد ہو فِي أَوَّلِ الْفِعْلِ کس کے شروع میں؟ فِي أَوَّلِ الْفِعْلِ فعل کے شروع میں۔

بھئی ادھر دیکھیے: بات یہ چل رہی ہے کہ وزنِ فعل سبب بنے گا غیر انصراف کا لیکن اس کی شرط یہ ہے کہ وہ وزن خاص ہونا چاہیے فعل کے ساتھ، اور اگر فعل کے ساتھ وہ وزن خاص نہیں ہے تو اس کے شروع میں کیا ہونا چاہیے؟ حروفِ أَتَيْنَ میں سے کوئی حرف زائد ہونا چاہیے، كَزِيَادَتِهِ جیسے کہ کس کے شروع میں زیادتی ہوتی ہے؟ فعل کے شروع میں، جیسے فعل کے شروع میں حروفِ أَتَيْنَ میں سے کوئی حرف زائد ہوتا ہے اسی طرح اس اسم کے شروع میں بھی کوئی حرف زائد ہونا چاہیے۔ تو كَزِيَادَتِهِ سے مراد کیا ہے؟ حرف کی زیادتی، کس کی؟ کہ کوئی حرف زائد ہونا چاہیے کس کے اندر؟ فعل کے شروع میں۔ توجہ ہے؟ اس اسم کے شروع میں بھی کوئی حرف زائد ہونا چاہیے جیسے کس کے شروع میں حرف زائد ہوتا ہے؟ فعل کے شروع میں حرف زائد ہوتا ہے، تو كَزِيَادَتِهِ جیسے کہ حرف کی زیادتی ہے کس کے شروع میں؟ فعل کے شروع میں۔ أَوَّلِهِ کے کس کا شروع؟ عبارت کیا آئی تھی؟ أَوْ يَكُونُ فِي أَوَّلِهِ اسم کے شروع میں زیادتی ہو كَزِيَادَتِهِ جیسے کس کے شروع میں ہے؟ فعل کے شروع میں ہے، تو كَزِيَادَتِهِ سے مراد کس کے شروع میں زیادتی مراد ہے؟ فعل کے شروع میں زیادتی مراد ہے، بات سمجھ میں آ گئی؟

اب ذرا عبارت دیکھو: كَزِيَادَتِهِ أَيْ مِثْلُ زِيَادَةِ حَرْفٍ، مِثْلُ زِيَادَةِ، بتلایا کہ کاف کس معنی میں ہے؟ مثل، اور زِيَادَتِهِ کی ہا ضمیر کس کو راجع؟ حرف کو، أَيْ مِثْلُ زِيَادَةِ حَرْفٍ، توجہ ہے؟ پھر کیا آگے بتلایا: أَوْ حَرْفٍ زَائِدٍ کیا بتلانا چاہتے ہیں؟ وہی تقریر جو میں نے زیادت میں کی تھی کہ زِيَادَةٌ، بھئی پیچھے آیا تھا زِيَادَةٌ، زِيَادَةٌ میں دو ترکیبیں تھیں: ایک تو ترکیب کیا تھی؟ کہ یہ تنوین

عوض ہے مضاف الیہ سے اصل میں کیا ہے؟ زِيَادَةُ حَرْفٍ، دوسری ترکیب کیا؟ کہ یہ زیادت کس معنی میں ہے؟ زائد کے معنی میں ہے اسمِ فاعل ہے اور اس کا موصوف حَرْفٌ محذوف ہے۔ یہاں بھی اسی طرح ہے كَزِيَادَتِهِ، یہاں بھی وہی ترکیب ہے: زِيَادَتِهِ کی ہا ضمیر کس کو راجع؟ حرف کو۔ وہاں تھی تنوین مضاف الیہ کے عوض میں یہاں خود ضمیر موجود ہے، تو زِيَادَتِهِ أَيْ زِيَادَةِ حَرْفٍ، توجہ ہے؟ اور یہ کس قبیل سے ہے؟ یہ صفت کی اضافت ہو رہی ہے کس کی طرف؟ موصوف کی طرف ہو رہی ہے، تو اس کو چاہے اسی طرح رکھو كَزِيَادَتِهِ أَيْ زِيَادَةِ حَرْفٍ یا اس کو اس طرح کر دو كَحَرْفٍ زَائِدٍ۔ زِيَادَتِهِ کی اضافت کس کو ہے؟ ہا ضمیر کو اور ہا ضمیر کیا ہے؟ حرف، تو یہ مصدر کی اضافت ہو رہی ہے کس کی طرف؟ اپنے موصوف کی طرف، چاہے اس کو اسی طرح عبارت کو رکھو كَزِيَادَتِهِ أَيْ زِيَادَةِ حَرْفٍ، یا باقاعدہ اس سے موصوف صفت بنا دو: زِيَادَتِهِ أَيْ حَرْفٍ زَائِدٍ، بات سمجھ میں آگئی؟ یہی بتلا رہے ہیں: كَزِيَادَتِهِ أَيْ مِثْلُ زِيَادَةِ حَرْفٍ یعنی حرف کی زیادتی کی مثل، أَوْ حَرْفٍ زَائِدٍ یا حرفِ زائد ہو فِي أَوَّلِ الْفِعْلِ کس کے شروع میں؟ فعل کے شروع میں۔ یہ فِي أَوَّلِ الْفِعْلِ جو آیا نا اس کا تعلق دونوں سے ہے: مِثْلُ زِيَادَةِ حَرْفٍ أَوْ حَرْفٍ زَائِدٍ دو چیزیں ہیں نا؟ مِثْلُ زِيَادَةِ حَرْفٍ أَوْ حَرْفٍ زَائِدٍ، یہ جو فِي أَوَّلِ الْفِعْلِ ہے اس کو دونوں سے جوڑیں، دیکھو میں دونوں سے الگ الگ جوڑوں گا: كَزِيَادَتِهِ أَيْ مِثْلُ زِيَادَةِ حَرْفٍ یعنی جیسے کہ حرف کی زیادتی ہوتی ہے فِي أَوَّلِ الْفِعْلِ کس میں؟ فعل کے شروع میں، أَوْ حَرْفٍ زَائِدٍ یا کوئی زائد حرف ہو فِي أَوَّلِ الْفِعْلِ کس میں؟ فعل کے شروع میں، عبارت سمجھ میں آگئی؟

غَيْرَ قَابِلٍ أَيْ حَالَ كَوْنِ وَزْنِ الْفِعْلِ أَوْ مَا كَانَ عَلَى وَزْنِهِ غَيْرَ قَابِلٍ لِلتَّاءِ، وہ تا کو قبول نہ کرتا ہو۔ غَيْرَ قَابِلٍ لِلتَّاءِ وہ تا کو قبول نہ کرتا ہو، وہ تا کو قبول نہ کرتا ہو۔ غَيْرَ قَابِلٍ کے بعد صاحبِ جامی فرماتے ہیں: أَيْ حَالَ كَوْنِ وَزْنِ الْفِعْلِ أَوْ مَا كَانَ عَلَى وَزْنِهِ غَيْرَ قَابِلٍ لِلتَّاءِ۔ بتلانا یہ چاہتے ہیں کہ یہ غَيْرَ قَابِلٍ حال واقع ہو رہا ہے، فِي أَوَّلِهِ کے آخر میں جو ہا ضمیر ہے جو کس کو راجع ہے؟ جو وزنِ فعل کو راجع یا مَا كَانَ عَلَى وَزْنِ الْفِعْلِ کو راجع تھی، اس سے یہ حال واقع ہو رہا ہے اور حال منصوب ہوتا ہے اسی لیے کہا غَيْرَ قَابِلٍ لِلتَّاءِ۔ یہ کس سے حال ہے؟ فِي أَوَّلِهِ کی ہا ضمیر سے، اور اس ضمیر کے مرجع میں کتنے احتمال ذکر کیے؟ دو، ایک کیا؟ وزنِ فعل یا مَا كَانَ عَلَى وَزْنِ الْفِعْلِ، وہ دونوں یہاں ذکر کریں گے۔ کہتے ہیں غَيْرَ قَابِلٍ أَيْ حَالَ كَوْنِ وَزْنِ الْفِعْلِ أَوْ مَا كَانَ عَلَى وَزْنِهِ اس حال میں کہ وہ وزنِ فعل یا وہ مَا كَانَ عَلَى وَزْنِ الْفِعْلِ جو ہے غَيْرَ قَابِلٍ لِلتَّاءِ وہ تا کو قبول نہ کرتا ہو۔

بھئی کیوں؟ یہ قید کیوں لگائی کہ تا کو قبول نہ کرے؟ بھئی وجہ یہ کہ یہ جو وزنِ فعل ہے یہ سبب بنے گا غیر انصراف کا، کیوں سبب بنے گا؟ کیونکہ اس اسم کی مشابہت آگئی فعل کے ساتھ، فعل والا وزن اسم میں آگیا نا تو اسم کی مشابہت کس کے ساتھ ہو گئی؟ فعل کے ساتھ مشابہت ہو گئی اس لیے یہ غیر انصراف کا سبب بنے گا، لیکن اگر گول تا اس کے ساتھ آکر جڑ گئی وہ تانیث والی، بھئی وہ گول تا تو اسم کا خاصہ ہے وہ تو صرف اسم کے ساتھ جڑتی ہے، تو پھر فعل کے ساتھ اس کی مشابہت کمزور پڑ جائے گی، جب کمزور پڑ گئی تو پھر اب یہ غیر انصراف کا سبب نہیں بنے گا بھئی۔ یہ معنی ہے: لِأَنَّهُ يَخْرُجُ

الْوَزْنُ بِهٰذِهِ التَّاءِ اس لیے کیونکہ اس تا کی وجہ سے وہ وزن نکل جاتا ہے کس سے نکل جاتا ہے؟ دو لفظوں کے بعد آ رہا ہے عَنْ أَوْزَانِ الْفِعْلِ کس سے؟ اوزانِ فعل سے۔ فعل والے وزن سے ہی نکل جائے گا بھئی۔ درمیان میں کہا: لِاخْتِصَاصِهَا بِالِاسْمِ اس لیے کیونکہ یہ جوتا ہے تانیث والی یہ تو خاص ہے اسم کے ساتھ، تو اسم والی جانب قوی ہو جائے گی اور فعل کے ساتھ مشابہت کمزور ہو جائے گی۔ کہتے ہیں: لِأَنَّهُ يَخْرُجُ الْوَزْنُ بِهٰذِهِ التَّاءِ اور اس وجہ سے کیونکہ یہ وزن نکل جاتا ہے اس تا کی وجہ سے، لِاخْتِصَاصِهَا بِالِاسْمِ اس وجہ سے کہ یہ تا خاص ہے اسم کے ساتھ، تو اس تا کی وجہ سے وہ وزن نکل جاتا ہے عَنْ أَوْزَانِ الْفِعْلِ فعل کے اوزان میں سے۔

وَلَوْ قَالَ غَيْرَ قَابِلٍ لِلتَّاءِ قِيَاسًا وَبِالِاعْتِبَارِ الَّذِي امْتَنَعَ مِنَ الصَّرْفِ لِأَجْلِهِ لَمْ يَرِدْ عَلَيْهِ أَرْبَعُ۔ بھئی یہاں کہتے ہیں صاحبِ جامی، صاحبِ جامی فرما رہے ہیں کہ ماتن کو ایک دو قیدیں اور بھی ساتھ ذکر کرنی چاہیے تھیں۔ ایک تو کیا کہا؟ غَيْرَ قَابِلٍ لِلتَّاءِ تا کو وہ قبول نہ کرتا ہو، ساتھ قِيَاسًا کی قید بھی لگانی چاہیے: غَيْرَ قَابِلٍ لِلتَّاءِ قِيَاسًا بھئی یعنی قیاسی طور پر وہ تا کو قبول نہ کرتا ہو، قیاس کے مطابق یعنی قانون اور ضابطے کے مطابق تا کو قبول نہ کرتا ہو، اور نیز یہ قید بھی لگانی چاہیے تھی: وَبِالِاعْتِبَارِ الَّذِي امْتَنَعَ مِنَ الصَّرْفِ لِأَجْلِهِ اس اعتبار سے جس اعتبار سے یہ غیر منصرف ہے۔ یہ تا کو قبول، ادھر دیکھیے بھئی، یہ تا کو قبول نہ کرتا ہو قِيَاسًا یعنی قانون کے مطابق، قانون کے مطابق تا کو قبول نہ کرتا ہو ویسے قبول کر لے تو کوئی حرج نہیں، اور نیز وہ تا کو قبول نہ کرتا ہو اس اعتبار سے جس اعتبار سے یہ غیر منصرف ہو رہا ہے کسی دوسرے اعتبار سے تا کو قبول کرتا ہو۔ یہ قید لگانی چاہیے تھی، کون سی قید؟ قِيَاسًا کی، کہ یہ جو تا کو قبول نہ کرتا ہو کس وجہ سے؟ قِيَاسًا یعنی قانون کے مطابق قبول نہ کرے خلافِ قانون قبول کر لے تو کوئی حرج نہیں، اور نیز یہ تا کو قبول نہ کرتا ہو اسی اعتبار سے جس اعتبار سے یہ غیر منصرف ہو رہا ہے کسی دوسرے اعتبار سے قبول کر لے تو کوئی حرج نہیں۔

در اصل اشکال ہوتا ہے، اشکال یہ کہ أَرْبَعُ عدد کے لیے وضع ہے اور اس أَرْبَعُ کے ساتھ گول تا بھی کبھی جڑ جاتی ہے أَرْبَعَةٌ۔ آپ نے پڑھا ہے کہ یہ جو ثَلَاثَةٌ سے لے کر عَشَرَةٌ تک عدد آتے ہیں ان کے اندر جو گول تا آتی ہے یہ تانیث کے لیے نہیں ہے تذکیر کے لیے ہے یعنی اس کو مذکر بنا دیتی ہے۔ آپ نے پڑھا ہے کہ یہ ثَلَاثَةٌ سے لے کر عَشَرَةٌ تک جو عدد ہے وہ خلاف القیاس استعمال ہوتا ہے معدود کے لیے یعنی مذکر کے لیے تا لے کر آئیں گے اور مؤنث کے لیے تا نہیں لائیں گے، معلوم ہوا یہ تا تذکیر والی ہے مذکر والی ہے مؤنث والی نہیں۔ مثلاً آپ رجل چار آدمی بتانا چاہتے ہیں کسی کو تو آپ کہیں گے أَرْبَعَةُ رِجَالٍ، دیکھو رَجُلٌ مذکر ہے لیکن أَرْبَعَةُ کے ساتھ آپ گول تا لے کر آئے معلوم ہوا یہ تا مذکر کے لیے لاتے ہیں یہ تا تذکیر والی ہے تانیث والی نہیں، تو أَرْبَعَةُ رِجَالٍ کہیں گے، اور اگر آپ عورتیں کہنا چاہیں چار عورتیں تو آپ کہیں گے أَرْبَعُ نِسْوَةٍ چار عورتیں، اب دیکھو أَرْبَعُ یہاں گول تا ساتھ نہیں جوڑی، تو یہ تا کس لیے ہے عدد کے اندر؟ یہ تذکیر کے لیے ہے تانیث کے لیے نہیں ہے۔

اب دیکھو یہ أَرْبَعُ جو ہے یہ اس کے ساتھ کبھی تا جڑتی ہے اور کبھی تا نہیں جڑتی، اب اگر کسی کا نام أَرْبَعُ رکھ دیا جائے تو یہ أَرْبَعُ کا لفظ غیر منصرف ہو گا، ایک اس میں علمیت آگئی اور ایک وزنِ فعل ہے، ایک وزنِ فعل ہے، حالانکہ وزنِ فعل کو مؤثر نہیں ہونا چاہیے کیونکہ یہ تو تا کو قبول کرتا ہے أَرْبَعُ۔ آپ نے تو کیا کہا تھا؟ کہ شروع میں کوئی حرف زائد ہو، أَرْبَعُ کے شروع میں بھی ہمزہ زائد ہے، اور نیز یہ تا کو قبول نہ کرتا ہو لیکن یہ تو کیا کر رہا ہے؟ تا کو قبول کر رہا ہے۔ تو اس أَرْبَعُ کو نکالنے کے لیے کیونکہ یہ تو واقعی غیر منصرف بنتا ہے، لیکن یہ جو تا کو قبول کرتا ہے یہ ضابطے کے مطابق قبول کر رہا ہے یا خلافِ ضابطہ ہے بھئی؟ خلافِ ضابطہ ہے، یہ تو تذکیر کے لیے ہے یہ تا تانیث کے لیے نہیں ہے، تو قِيَاسًا کی قید لگاتے تاکہ یہ أَرْبَعُ اس سے نکل جاتا، توجہ ہے؟ اعتراض ہوتا ہے: آپ نے ہمیں کیا کہا؟ کہ یہ وزنِ فعل تا کو قبول نہ کرتا ہو، لیکن أَرْبَعُ کسی کا نام رکھیں اس میں وزنِ فعل سبب بن رہا ہے حالانکہ اس کو سبب نہیں بننا چاہیے کیونکہ یہ تو تا کو قبول کرتا ہے تا اس کے ساتھ آکر جڑ جاتی ہے۔ تو کہتے ہیں بھئی قِيَاسًا کی قید لگاتے تو یہ اشکال نہ ہوتا کہ وہ تا کو قبول نہ کرے قِيَاسًا یعنی ضابطے کے مطابق تا کو قبول نہ کرے اور یہ أَرْبَعُ تو کیا کرتا ہے؟ خلافِ ضابطہ تا کو قبول کرتا ہے یعنی مذکر کے لیے تا آتی ہے مؤنث کے لیے نہیں آتی۔

اور نیز کہتے ہیں یہ قید بھی بڑھانی چاہیے تھی کہ جس اعتبار سے وہ غیر منصرف ہے اس اعتبار سے تا کو قبول نہ کرے کسی دوسرے اعتبار سے تا کو قبول کرے، تاکہ أَسْوَدُ کا اعتراض بھی اس پر وارد نہ ہو۔ بھئی آپ نے پڑھا ہے کہ أَسْوَدُ عربی زبان میں ہر کالی چیز کو کہتے تھے لیکن بعد میں یہ خاص ہو گیا کس کے ساتھ؟ ایک کالے سانپ کے ساتھ۔ تو یعنی اس میں غلبۂ اسمیت آیا۔ غلبۂ اسمیت کسے کہتے تھے؟ آپ نے پڑھا تھا کہ کوئی صفت کا صیغہ ہو لیکن کسی چیز کے لیے اتنا کثرت سے استعمال ہو کہ اس کا نام ہی بن جائے، اس کے لیے اسم بن جائے، تو أَسْوَدُ ویسے تو وضع تھا ہر کالی چیز کے لیے لیکن کثرتِ استعمال سے یہ کالے سانپ کے لیے نام بن گیا۔ اب أَسْوَدُ کا لفظ بغیر قرینے کے بولیں تو اس کا معنی ہے کالا سانپ، اور اگر کوئی اور کالی چیز آپ بتلانا چاہتے ہیں تو اس کے لیے کوئی قرینہ چاہیے بھئی کہ اس کی طرف اشارہ کریں یا کوئی اور چیز بتلائے، مثلاً میں کہتا ہوں قلم کی طرف اشارہ کر کے کہتا ہوں هٰذَا أَسْوَدُ یہ کالا قلم ہے، اب دیکھو یہاں مجھے باقاعدہ اشارہ کر کے بتانا پڑا تو باقی چیزوں کے لیے جب أَسْوَدُ استعمال ہو گا تو اس کے لیے قرینہ چاہیے لیکن سانپ کے لیے یہ اسم بن گیا ہے اب اس کے لیے کسی قرینے کی ضرورت نہیں، اس کو کہتے ہیں غلبۂ اسمیت۔ اور اس أَسْوَدُ کی مؤنث أَسْوَدَةٌ آتی ہے: کالا سانپ مذکر ہو تو أَسْوَدُ، مؤنث ہو تو أَسْوَدَةٌ۔ تو دیکھو اب یہ أَسْوَدُ یہ غیر منصرف ہے کالے سانپ کا نام بن گیا، دو سبب ہیں کون کون سے؟ ایک وصف ہے وصفِ اصلی، اصلِ وضع میں یہ وصف تھا اگرچہ فی الحال یہ اسم ہے، تو ایک وصف ہے اور ایک وزنِ فعل ہے، حالانکہ وزنِ فعل کو مؤثر نہیں ہونا چاہیے کیونکہ یہ تو تا کو قبول کرتا ہے اس سانپ کی مؤنث کو أَسْوَدَةٌ کہتے ہیں، لیکن یہ تا کو قبول کرتا ہے کس اعتبار سے؟

جس اعتبار سے یہ غیر منصرف ہے اس اعتبار سے تا کو قبول نہیں کر رہا، یہ دوسرے اعتبار سے تا کو قبول کر رہا ہے۔ یہ

غیر منصرف ہے کس اعتبار سے؟ وصفِ اصلی ہونے کے اعتبار سے، یہ اصلِ وضع میں کیا تھا؟ وصف، اور یہ جو تا کو یہ قبول کر رہا ہے یہ وصفِ اصلی کے اعتبار سے نہیں بلکہ غلبۂ اسمیت کے اعتبار سے، کیونکہ أَسْوَدُ جو ہے نا أَسْوَدُ جب یہ صفت ہو تو اس کی مؤنث سَوْدَاءُ ہمزہ آخر میں الف اور ہمزہ ہے، تو اس کی مؤنث سَوْدَاءُ آتی ہے أَسْوَدَةٌ نہیں آتی۔ تو یہ أَسْوَدُ کا لفظ جب سانپ کا نام ہے تو یہ غیر منصرف ہے کس اعتبار سے؟ وصفِ اصلی ہونے کے اعتبار سے کہ اصلِ وضع میں یہ وصف تھا اگرچہ فی الحال کیا ہے؟ اگرچہ فی الحال یہ اسم بن چکا ہے، عَلَم نہیں ہے عَلَم تو ایک معین ذات پہ جو دلالت کرے، یہ ہر کالے سانپ کو کیا کہیں گے؟ أَسْوَدُ، تو اس وقت تو یہ وصف نہیں ہے بلکہ اس پر غلبۂ اسمیت۔ تو جب اگر یہ وصف ہو تو اس کی مؤنث أَسْوَدَةٌ نہیں آتی بلکہ کیا آتی ہے؟ سَوْدَاءُ، تو أَسْوَدُ غیر منصرف ہے کس اعتبار سے؟ وصفِ اصلی کے اعتبار سے غیر منصرف ہے ورنہ اس وقت تو یہ اسم ہے، تو یہ غیر منصرف ہے کس اعتبار سے؟ وصفِ اصلی کے اعتبار سے، اور یہ جو أَسْوَدَةٌ اس کی مؤنث تا کے ساتھ آتی ہے یہ اس وصفِ اصلی کے اعتبار سے یہ تا کو قبول نہیں کر رہا ورنہ تو اس کی مؤنث سَوْدَاءُ آنی چاہیے تھی، بلکہ یہ غلبۂ اسمیت کی وجہ سے تا کو قبول کر رہا ہے۔ تو اس کا غیر منصرف ہونا ہے اور اعتبار سے، وصفِ اصلی کے اعتبار سے، اور اس کا تا کو قبول کرنا ہے اور اعتبار سے یعنی غلبۂ اسمیت کی وجہ سے یہ تا کو قبول کر رہا ہے، توجہ ہے؟ تو لہٰذا أَرْبَعُ اور أَسْوَدُ جب کسی چیز کا نام رکھ دیا جائے تو یہ دونوں غیر منصرف ہوتے ہیں حالانکہ یہ تا کو قبول کر رہے ہیں، تو لہٰذا ماتن کو دو قیدیں بڑھانی چاہیے تھیں: ایک قِيَاسًا کی قید بڑھانی چاہیے تھی کہ وہ قیاساً تا کو قبول نہ کرتا ہو اور أَرْبَعُ بھی قیاساً تا کو قبول نہیں کرتا بلکہ خلافِ قیاس تا کو قبول کرتا ہے، اور نیز کیا شرط لگانی چاہیے تھی؟ کہ جس اعتبار سے یہ غیر منصرف ہے اس اعتبار سے تا کو قبول نہ کرے بلکہ دوسرے اعتبار سے تا کو قبول کرے، اور یہاں پر بھی یہ أَسْوَدُ کی مؤنث جو أَسْوَدَةٌ آتی ہے یہ غیر منصرف ہے کس اعتبار سے؟ وصفِ اصلی کے اعتبار سے، اور یہ تا کو قبول کر رہا ہے کس اعتبار سے؟ غلبۂ اسمیت کے اعتبار سے تا کو قبول کر رہا ہے، وصف کے اعتبار سے تا کو قبول نہیں کر رہا کیونکہ وصف کے اعتبار سے تو پھر اس کی مؤنث أَسْوَدَةٌ نہیں آنی چاہیے بلکہ کیا آنی چاہیے؟ سَوْدَاءُ آنی چاہیے۔ بات سمجھ میں آگئی؟

اچھا دیکھیے بھئی، کہتے ہیں: وَلَوْ قَالَ غَيْرَ قَابِلٍ لِلتَّاءِ قِيَاسًا وَبِالِاعْتِبَارِ الَّذِي امْتَنَعَ مِنَ الصَّرْفِ لِأَجْلِهِ لَمْ يَرِدْ عَلَيْهِ أَرْبَعُ، اگر مصنف یوں فرماتے تو لَمْ يَرِدْ عَلَيْهِ أَرْبَعُ تو اس پر أَرْبَعُ کا اعتراض نہ ہوتا۔ کیا فرماتے؟ ذرا اس کو پھر دیکھیں۔ کہتے ہیں: وَلَوْ قَالَ غَيْرَ قَابِلٍ لِلتَّاءِ اگر مصنف یہ فرماتے کہ وہ اس حال میں کہ وہ تا کو قبول کرنے والا نہ ہو قِيَاسًا یعنی قانون اور ضابطے کے مطابق، اور نیز یہ تا کو قبول کرنے والا نہ ہو بِالِاعْتِبَارِ الَّذِي اس اعتبار سے امْتَنَعَ مِنَ الصَّرْفِ لِأَجْلِهِ جس وجہ سے یہ غیر منصرف ہے، جس وجہ سے یہ غیر منصرف ہے اس اعتبار سے یہ تا کو قبول نہیں کرتا، یہ تا کو قبول کرنے والا نہ ہو اس اعتبار سے جس اعتبار سے یہ غیر منصرف ہے بلکہ دوسرے اعتبار سے قبول کرنے والا ہو، تو اس صورت میں پھر اعتراض نہ ہوتا، کون سا اعتراض نہ ہوتا؟ لَمْ يَرِدْ عَلَيْهِ أَرْبَعُ، یہ جزا ہے: اگر مصنف یوں فرماتے تو لَمْ يَرِدْ عَلَيْهِ أَرْبَعُ وَلَا أَسْوَدُ تو اس پر أَرْبَعُ اور أَسْوَدُ کا اعتراض نہ ہوتا، بات سمجھ میں آگئی؟ پھر ایک دفعہ ترجمہ دیکھ لیں، کہتے ہیں: وَلَوْ قَالَ غَيْرَ قَابِلٍ لِلتَّاءِ اگر مصنف

یہ فرما دیتے کہ وہ تا کو قبول نہ کرتا ہو قِيَاسًا قیاسی طور پر یعنی ضابطے کے مطابق، اور یہ قید بڑھاتے وَبِالِاعْتِبَارِ الَّذِي اور وہ تا کو قبول نہ کرتا ہو اس اعتبار سے امْتَنَعَ مِنَ الصَّرْفِ لِأَجْلِهِ کہ جس اعتبار کی وجہ سے وہ غیر منصرف ہے، تو لَمْ يَرِدْ عَلَيْهِ أَرْبَعُ تو اس پر أَرْبَعُ کا اعتراض وارد نہ ہوتا، اور دو چار لفظوں بعد آرہا ہے وَلَا أَسْوَدُ اور اس پر أَسْوَدُ کا اعتراض بھی وارد نہ ہوتا۔

تو کہتے ہیں لَمْ يَرِدْ عَلَيْهِ أَرْبَعُ اس پر أَرْبَعُ کا اعتراض وارد نہ ہوتا إِذَا سُمِّيَ بِهِ جب اس کے ساتھ کسی کو موسوم کیا جائے یعنی کسی کا نام رکھا جائے، فَإِنَّ لُحُوقَ التَّاءِ بِهِ لِلتَّذْكِيرِ اس لیے کیونکہ اس أَرْبَعُ کے ساتھ تا کا ملنا، اس کے ساتھ تا کا جڑنا لِلتَّذْكِيرِ یہ مذکر بنانے کے لیے ہے فَلَا يَكُونُ قِيَاسًا تو یہ قیاساً یعنی قیاسی نہیں، قیاس کے مطابق نہیں، قانون اور ضابطے کے مطابق نہیں۔ وَلَا أَسْوَدُ اور أَسْوَدُ کا اعتراض بھی وارد نہ ہوتا، فَإِنَّ مَجِيءَ التَّاءِ فِي أَسْوَدَةٍ لِلْحَيَّةِ الْأُنْثَى اس لیے کیونکہ تا کا آنا أَسْوَدَةٌ کے اندر لِلْحَيَّةِ الْأُنْثَى مؤنث سانپ کے لیے لَيْسَ بِاعْتِبَارِ الْوَصْفِ الْأَصْلِيِّ یہ اس وصفِ اصلی کے اعتبار سے نہیں ہے الَّذِي لِأَجْلِهِ يَمْتَنِعُ الصَّرْفُ جس وجہ سے یہ اس کی صرف ممتنع ہے، بَلْ بِاعْتِبَارِ غَلَبَةِ الِاسْمِيَّةِ الْعَارِضِيَّةِ بلکہ یہ اس غلبۂ اسمیت کے اعتبار سے ہے جو اس کو عارض ہو گیا ہے، جو اس کے ساتھ جو اس کی صفت بن گیا ہے۔

وَمِنْ ثَمَّ أَيْ وَمِنْ أَجْلِ اشْتِرَاطِ عَدَمِ قَبُولِ التَّاءِ۔ بھئی دیکھیے وَمِنْ ثَمَّ، میں نے بتلایا تھا ثَمَّ یہ اسمِ اشارہ ہے اور یہ اسمِ اشارہ ہے بعید کا بھئی، دور کے لیے لیکن یہ مکان کے لیے ہے، جگہ کے لیے اور ثَمَّ کا معنی ہوتا ہے وہاں، اور میں نے یہ بھی بتلایا تھا کبھی اس کے ساتھ گول تا جڑ جاتی ہے اور اس پر بھی فتحہ پڑھتے ہیں ثَمَّةَ، اور کبھی لمبی تا جڑ جاتی ہے اس کے اوپر بھی فتحہ پڑھتے ہیں ثَمَّتَ، تو یہ اسمِ اشارہ ہے مکانِ بعید کے لیے۔ لیکن یہاں اس کے ذریعے اشارہ ہے پیچھے جو بات ذکر ہوئی کہ وہ تا کو قبول نہ کرتا ہو یہ جو پیچھے شرط ذکر ہوئی اس کی طرف اشارہ ہے، اور وہ تو ایک معنی ہے وہ تو کوئی جگہ نہیں ہے، تو یہاں یہ مجازی معنی میں استعمال ہو رہا ہے۔ تو کہتے ہیں وَمِنْ ثَمَّ اور اسی وجہ سے أَيْ وَمِنْ أَجْلِ اشْتِرَاطِ عَدَمِ قَبُولِ التَّاءِ اور اس وجہ سے کہ تا کو قبول نہ کرنے کی جو شرط لگائی گئی اس کی وجہ سے، امْتَنَعَ أَحْمَرُ ممتنع ہے أَحْمَرُ عَنِ الصَّرْفِ صرف سے یعنی اس کی صرف ممتنع ہے یعنی یہ غیر منصرف ہے، لِوُجُودِ الزِّيَادَةِ الْمَذْكُورَةِ بوجہ اس مذکورہ زیادتی کے پائے جانے کے، یعنی اس کے شروع میں وہ حرفِ زائد بھی ہے مَعَ عَدَمِ قَبُولِ التَّاءِ اور ساتھ یہ تا کو بھی قبول نہیں کرتا۔ وَانْصَرَفَ يَعْمَلُ اور يَعْمَلُ منصرف ہے بھئی، لِقَبُولِهِ التَّاءَ بوجہ تا کو قبول کرنے کے، لِمَجِيءِ يَعْمَلَةٍ لِلنَّاقَةِ الْقَوِيَّةِ عَلَى الْعَمَلِ وَالسَّيْرِ، لِمَجِيءِ يَعْمَلَةٍ اس لیے کیونکہ يَعْمَلَةٌ کا لفظ آتا ہے لِلنَّاقَةِ الْقَوِيَّةِ اس اونٹنی کے لیے جو طاقتور ہو عَلَى الْعَمَلِ وَالسَّيْرِ کام میں اور چلنے میں۔ جو اونٹ طاقتور ہے کام میں اور چلنے میں اس کو جَمَلٌ يَعْمَلٌ کہتے ہیں، اور اس کی مؤنث يَعْمَلَةٌ آتی ہے جو اونٹنی ایسی ہو طاقتور ہو اس کو نَاقَةٌ يَعْمَلَةٌ کہتے ہیں۔ تو دیکھو یہ يَعْمَلُ اس کے شروع میں حرفِ زائد تو موجود ہے، وزنِ فعل بھی ہے شروع میں حرفِ زائد بھی ہے، لیکن یہ تا کو قبول کر لیتا ہے اس لیے یہ وزنِ فعل غیر انصراف کا سبب نہیں بنے گا، تو اس لیے يَعْمَلُ منصرف ہے اور أَحْمَرُ جو ہے وہ غیر منصرف ہے کیونکہ وہ تا کو قبول نہیں کرتا۔ دیکھو ایک دفعہ ترجمہ پھر سن لو:

تو کہتے ہیں وَانْصَرَفَ يَعْمَلُ اور يَعْمَلُ کا لفظ منصرف ہے لِقَبُولِهِ التَّاءَ اس وجہ سے کہ یہ تا کو قبول کر لیتا ہے لِمَجِيءِ يَعْمَلَةٍ لِلنَّاقَةِ الْقَوِيَّةِ عَلَى الْعَمَلِ وَالسَّيْرِ اس لیے کہ يَعْمَلَةٌ کا لفظ آتا ہے اس اونٹنی کے لیے جو قوت والی ہو عمل میں وَالسَّيْرِ اور چلنے میں۔

بات سمجھ میں آگئی؟ سارا حل ہو گیا اچھی طرح؟ چلیے بس بھئی، هٰذَا هُوَ الْمَرَامُ وَاللّٰهُ أَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْكَلَامِ۔

سبق نمبر ۷۲: احکامِ غیر منصرف (۱): علمیتِ مؤثرہ والے غیر منصرف کو نکرہ بنانے کا حکم

شرحِ ملا جامی صفحہ: ۵۲ — بتاریخ: ۲۲ ستمبر ۲۰۲۱ء

▪ تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث

دیکھیے بھئی سبق کتاب پر: «وَمَا فِيهِ عَلَمِيَّةٌ مُؤَثِّرَةٌ» أَيْ كُلُّ اسْمٍ غَيْرِ مُنْصَرِفٍ تَكُونُ فِيهِ عَلَمِيَّةٌ مُؤَثِّرَةٌ فِي مَنْعِ الصَّرْفِ بِالسَّبَبِيَّةِ الْمَحْضَةِ أَوْ مَعَ الشَّرْطِيَّةِ بِسَبَبٍ آخَرَ، وَاحْتَرَزَ بِذٰلِكَ عَمَّا تُجَامِعُ أَلِفَي التَّأْنِيثِ أَوْ صِيغَةَ مُنْتَهَى الْجُمُوعِ، فَإِنَّ كُلَّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا كَافٍ فِي مَنْعِ الصَّرْفِ لَا تَأْثِيرَ فِيهِ لِلْعَلَمِيَّةِ.

گزشتہ سبق میں ہم اسبابِ منعِ صرف میں سے آخری سبب وزنِ فعل پڑھ رہے تھے بھئی۔ انہوں نے آپ کو بتلایا کہ وزنِ فعل جو ہے، وہ اسم کا ایسے وزن پر ہونا جس کو اوزانِ فعل میں سے شمار کیا جاتا ہو۔ اور یہ وزنِ فعل یہ صفت ہوتی ہے اسم کے اندر۔ یعنی اسم ایسے وزن پر ہے جس کو اوزانِ فعل میں سے شمار کیا جاتا ہے۔ لیکن صرف اتنے وزن پر ہونا کافی نہیں، بلکہ شرط یہ ہے کہ دو چیزوں میں سے ایک اور چیز بھی پائی جائے یا یوں کہو دو شرطوں میں سے ایک شرط پوری ہونی چاہیے۔ یا تو وہ وزن خاص ہو فعل کے ساتھ، یعنی اسم میں پایا ہی نہ جائے، وضع کے اعتبار سے وہ صرف فعل میں وزن پایا جائے عربی زبان کے اندر۔ تو اس پر اشکال ہوتا ہے اگر وہ وزن اسم میں پایا ہی نہیں جاتا تو غیرِ منصرف یہ تو اسم ہوا کرتا ہے۔ تو پھر یہ وزن جو اسم میں پایا ہی نہیں جاتا یہ غیرِ انصراف کا سبب کیسے بنے گا؟ تو جواب ذکر ہوا تھا کہ مطلب یہ ہے کہ اسم کے اندر اگر یہ وزن پایا بھی جائے تو یہ فعل سے منقول ہوا ہو بھئی، اسم کے اندر پایا بھی جائے تو فعل سے نقل ہو کر وہ آیا ہو بھئی۔

جیسے شَمَّر، یہ تَشمِیر سے ماضی معلوم کا صیغہ ہے، یہ گھوڑے کا نام رکھا گیا بھئی۔ تو اب یہ فَعَّلَ وزن جو ہے اسم کے اندر پورے کلامِ عرب میں ہمیں نہیں ملتا تو یہ فعل سے نقل کر کے گھوڑے کا نام رکھا گیا، تو یہ سبب بنے گا غیرِ انصراف کا کیونکہ یہ وزن خاص ہے کس کے ساتھ؟ فعل کے ساتھ۔ یا جیسے ضُرِبَ ہے بھئی۔ ضُرِبَ یہ فُعِلَ وزن، یہ وزن بھی خاص

ہے فعل کے ساتھ اور یہ مثلاً کسی کا نام رکھ دیا جائے، کسی شخص کی پٹائی ہوئی آپ نے اس کا نام ہی کیا رکھ دیا؟ ضُرِبَ رکھ دیا۔ تو اس کے اندر ایک وزنِ فعل ہے اور ایک علمیت آجائے گی، تو یہ غیرِ منصرف ہوگا بھئی۔ تو دو شرطوں میں سے ایک شرط ہونی چاہیے: یا تو وہ وزن خاص ہو فعل کے ساتھ اور اسم میں اگر پایا بھی جائے تو فعل سے نقل ہو کر آیا ہو۔ یا وہ وزن فعل کے ساتھ خاص نہیں ہوگا، یعنی اسم میں بھی وہ وزن پایا جاتا ہے اور فعل میں بھی وہ وزن پایا جاتا ہے، تو پھر اس کے شروع میں حروفِ اَتَیْنَ میں سے کوئی حرف زائد ہونا چاہیے اور نیز وہ تا کو بھی قبول نہ کرتا ہو۔ تا کو بھی قبول نہ کرتا ہو۔ جیسے بھئی فعلِ مضارع کے شروع میں حروفِ اَتَیْنَ میں سے کوئی حرف پایا جاتا ہے۔ تو اسی طرح یہ وزنِ فعل جو ہے تو فعل کا وزن لیکن فعل کے ساتھ خاص نہیں ہے بلکہ اسم میں بھی پایا جاتا ہے، تو اس کے شروع میں بھی حروفِ اَتَیْنَ میں سے کوئی حرف ہونا چاہیے اور نیز یہ تا کو بھی قبول نہ کرے، اس لیے کیونکہ یہ جو تائے تانیث ہے یہ خاصہ ہے اسم کا، یہ صرف اسم کے ساتھ جڑتی ہے۔ تو یہ وزنِ فعل جو تا کو قبول کر لیتا ہے اس کی مشابہت فعل کے ساتھ کمزور پڑ گئی، کیونکہ یہ کس کو قبول کر لیتا ہے؟ تا کو قبول کر لیتا ہے۔ چنانچہ جیسے مثال انہوں نے ذکر کی یَعْمَلٌ، یَعْمَلٌ یہ طاقتور اونٹ کو کہتے ہیں اور اس کی مؤنث یَعْمَلَةٌ آتی ہے بھئی۔ تو یہ یَعْمَلٌ دیکھو اب اس میں وزنِ فعل ہے اور یہ وزن ایسا ہے جو اسم میں بھی پایا جاتا ہے، یَعْمَل، جَعْفَر دیکھو اسم کے اندر بھی یہ وزن پایا جاتا ہے، تو معلوم ہوا یہ وزن خاص نہیں ہے فعل کے ساتھ۔ تو پھر دوسری دو شرطیں پوری ہونی چاہیے تھیں۔ کیا؟ کہ شروع میں حروفِ اَتَیْنَ میں سے کوئی ہو، اور یَعْمَل کے شروع میں بھی یا ہے، اور نیز وہ تا کو قبول نہ کرے، لیکن یہ تو تا کو قبول کر لیتا ہے۔ لہٰذا یَعْمَل کے اندر یہ وزنِ فعل غیرِ انصراف کا سبب نہیں بنے گا کیونکہ یہ تا کو قبول کر لیتا ہے۔

یہاں عبارت آئی تھی: یا تو وہ وزن خاص ہو فعل کے ساتھ، أَوْ يَكُونَ غَيْرَ مُخْتَصٍّ یا وہ فعل کے ساتھ خاص نہ ہو بھئی۔ میں نے بتلایا تھا کہ أَوْ يَكُونَ غَيْرَ مُخْتَصٍّ یہ غَيْرَ مُخْتَصٍّ کے الفاظ نکال کر صاحبِ جامی دراصل یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ یہ أَوْ يَكُونَ کے بعد جو فِي أَوَّلِهِ آرہا ہے، یہ يَكُونُ کی خبر نہیں ہے بلکہ يَكُونُ کی خبر غَيْرَ مُخْتَصٍّ ہے۔ وجہ یہ، وجہ یہ کہ یہاں أَوْ آیا بھئی، اور أَوْ آتا ہے دو چیزوں میں انفصال بیان کرنے کے لیے، جدائی بیان کرنے کے لیے، کہ مثلاً یہ عدد جفت ہے یا طاق ہے، تو أَوْ آتا ہے انفصال کے لیے اور یہاں انفصال نہیں بن رہا تھا دونوں میں، اس لیے کیونکہ اگر فِي أَوَّلِهِ کو يَكُونُ کی خبر بنائیں تو کلام کیا ہو جائے گا؟ کہ وہ وزن یا تو فعل کے ساتھ خاص ہونا چاہیے یا اس کے شروع میں اَتَیْنَ میں سے کوئی حرف ہونا چاہیے۔ توجہ ہے؟ یا وہ وزن فعل کے ساتھ خاص ہونا چاہیے یا شروع میں حروفِ اَتَیْنَ میں سے کوئی حرف ہونا چاہیے۔ تو معلوم ہوا فعل کے ساتھ خاص ہونا یا شروع میں حرف زائد ہونا یہ ایک دوسرے کے مقابل ہیں، حالانکہ دونوں ایک دوسرے کے مقابل نہیں بنتے، اس لیے کیونکہ بعض اوزان ایسے بھی ہیں جو فعل کے ساتھ خاص بھی ہیں اور شروع میں حروفِ اَتَیْنَ بھی ہے، جیسے يَشْكُر اور يَزِيد۔ يَشْكُر اور يَزِيد یہ کسی کا نام ہو، تو اب دیکھو یہ وزن کس کے ساتھ خاص

ہے؟ فعل کے ساتھ خاص بھی ہے اور نیز شروع میں حروفِ اَتَیْنَ میں سے بھی ایک حرف بھی موجود ہے، حالانکہ شرط سے تو کیا معلوم ہوا؟ یا وہ وزن فعل کے ساتھ خاص ہوگا یا شروع میں کیا ہوگا؟ حروفِ اَتَیْنَ۔ حالانکہ یہاں دونوں چیزیں ایک ہی کے اندر پائی جا رہی ہیں، تو أَوْ تو انفصال کے لیے آتا ہے اور ان دونوں کے اندر تو انفصال نہیں۔ تو جواب دیا تھا شارحِ جامی نے أَوْ يَكُونَ غَيْرَ مُخْتَصٍّ، کہ يَكُونُ کی خبر فِي أَوَّلِهِ کو نہ بناؤ بلکہ غَيْرَ مُخْتَصٍّ کو بناؤ، تاکہ دونوں میں انفصال آجائے دونوں شرطوں کے درمیان۔ شرط دو چیزوں میں سے ایک ہونا چاہیے: یا وہ وزن خاص ہو کس کے ساتھ؟ فعل کے ساتھ، أَوْ يَكُونَ غَيْرَ مُخْتَصٍّ یا خاص نہ ہو۔ خاص ہو یا خاص نہ ہو۔ تو اب دیکھو دونوں میں تقابل آگیا، جیسے آپ کہتے ہیں یہ عدد یا تو جفت ہے یا طاق ہے، دونوں اکٹھے نہیں ہو سکتے، دونوں میں انفصالِ حقیقی ہے۔ کوئی عدد ایسا نہیں ہو سکتا جو طاق بھی ہو اور جفت بھی ہو، اور کوئی عدد ایسا بھی نہیں ہو سکتا جو دونوں سے ہی خالی ہو، دونوں سے ہی۔ تو اسی طرح وزنِ فعل بھی یا تو وہ فعل کے ساتھ خاص ہوگا یا خاص نہیں ہوگا، یہی دو صورتیں ہیں یہاں کوئی تیسری صورت ہی نہیں ہے۔ دونوں بھی نہیں ہو سکتے اور دونوں میں سے کوئی نہ ہو ایسا بھی نہیں ہو سکتا۔ تو معلوم ہوا يَكُونُ کی خبر فِي أَوَّلِهِ کو نہ بناؤ بلکہ کس کو بناؤ؟ غَيْرَ مُخْتَصٍّ۔ تو اب یہ وزن مثلاً فعل کے ساتھ خاص ہوگا یا خاص نہیں ہوگا، تو شروع میں حروفِ اَتَیْنَ کی بات ہی الگ ہو گئی۔ بات کیا ہوئی؟ وہ وزن فعل کے ساتھ خاص ہوگا یا خاص نہیں ہوگا، اور شروع میں حروفِ اَتَیْنَ ہو یا نہ ہو اس کی بات نہیں ہے، ہو سکتا ہے خاص ہو اس میں بھی شروع میں کیا ہو؟ اَتَیْنَ ہو، ہو سکتا ہے اَتَیْنَ نہ ہو۔ اور وزنِ فعل کے ساتھ خاص نہ ہو اس کے بھی شروع میں ہو سکتا ہے حروفِ اَتَیْنَ ہو یا اَتَیْنَ نہ ہو۔ تو بہرحال جب وہ فعل کے ساتھ خاص نہ ہو، اسم میں بھی پایا جائے تو پھر شروع میں اَتَیْنَ ضرور ہونا چاہیے بھئی، تو اَتَیْنَ میں سے کوئی حرف شروع میں ضرور ہونا چاہیے۔

اس کے بعد یہاں پر فِي أَوَّلِهِ کی ضمیر کے بارے میں بات ہوئی تھی، فِي أَوَّلِهِ زِيَادَةٌ، فِي أَوَّلِهِ کی هَا ضمیر میں صاحبِ جامی نے بتلایا تھا کہ یہ هَا ضمیر یا تو راجع ہے وزنِ فعل کو یا مَا كَانَ عَلَى وَزْنِ الْفِعْلِ یعنی موزون کو راجع ہے۔ کس کو؟ یا تو یہ ضمیر راجع ہے وزنِ فعل کو یا مَا كَانَ عَلَى وَزْنِ الْفِعْلِ یا مختصر لفظوں میں کہو یا ضمیر یا تو راجع ہے وزنِ فعل کو یا موزون کو راجع ہے۔ اور دونوں صورتوں پر اعتراض ہوتا ہے۔ اگر یہ ضمیر کس کو لوٹائیں؟ وزنِ فعل کو، تو پھر وزنِ فعل اس کا تو آپ نے معنی کیا کیا؟ وزنِ فعل کسے کہتے، وزنِ فعل تو ایک صفت کا نام ہے ایک معنی کا نام ہے، آپ نے ہمیں کیا کہا؟ وزنِ فعل کسے کہتے ہیں؟ كَوْنُ الِاسْمِ عَلَى وَزْنٍ، اسم کا ایسے وزن پر ہونا جو کس میں سے ہو؟ اوزانِ فعل میں سے۔ تو آپ نے وزنِ فعل کا مصدری ترجمہ کیا، اور مصدر کس کا نام ہے؟ ایک معنی کا نام ہے جس کا الگ خارج میں وجود نہیں، یہ کسی کی صفت ہوتا ہے، تو مصدر کا تو اپنا الگ وجود نہیں۔ تو آپ نے وزنِ فعل کا کیا معنی کیا؟ مصدری معنی کیا۔ معلوم ہوا وزنِ فعل ایک معنی کا نام ہے۔ تو انہوں نے کیا کہا؟ فِي أَوَّلِهِ زِيَادَةٌ، اس وزنِ فعل کے شروع میں زیادتی ہو حرف کی۔ کس کی زیادتی ہو؟ حرف۔ بھئی شروع اور آخر تو لفظ کا ہوتا ہے معنی کا تو شروع اور آخر نہیں ہوتا۔ معنی تو وہ مفہوم ہے جو

ذہن میں آتا ہے کسی چیز کا، اس کا تو شروع اور آخر لفظ کا شروع اور آخر ہوتا ہے جیسے زید، زید کے شروع میں زا ہے تو آخر میں دال ہے۔ تو انہوں نے کیا کہا؟ فِي أَوَّلِهِ زِيَادَةٌ، اس کے، اس وزنِ فعل کے شروع میں زیادتی ہو۔ تو پہلا اعتراض یہ کہ بھئی وزنِ فعل یہ تو ایک معنی کا نام ہے آپ نے اس کا مصدری ترجمہ کیا اور معنی کا تو شروع اور آخر نہیں ہوتا۔ نیز کیا کہا؟ اس وزنِ فعل کے شروع میں زیادتی ہو یعنی ایک حرف زائد ہو۔ بھئی حرف زائد ہونا یہ معنی میں تو نہیں ہوگا یہ تو لفظ میں زائد ہوگا، معنی کے اندر تو حرف زائد نہیں ہو سکتا۔ معنی تو وہ مفہوم ہے جو ذہن میں آیا ہے اس میں تو حرف زائد نہیں ہوگا، زائد حرف کس میں ہوگا؟ لفظ کے اندر ہوگا۔ تو یہ اعتراض ہوا۔ اور اگر یہ ضمیر راجع کریں مَا كَانَ عَلَى وَزْنِ الْفِعْلِ، وہ اسم جو وزنِ فعل پر ہے یعنی موزون کو راجع کریں تو اس پر بھی اشکال ہوتا ہے کہ پیچھے تو موزون کا کہیں ذکر ہی نہیں آیا، مَا كَانَ عَلَى وَزْنِ الْفِعْلِ کا ذکر ہی نہیں آیا۔ وزنِ فعل کا تو ذکر آیا، مَا كَانَ عَلَى وَزْنِ الْفِعْلِ کا ذکر تو نہیں آیا۔ تو دونوں کا جواب میں نے ذکر کیا تھا کہ اگر یہ ضمیر کس کو لوٹائیں؟ وزنِ فعل کو، اور آپ کیا کہیں کہ وزنِ فعل کے اندر تو حرف زائد نہیں ہو سکتا؟ تو جواب میں نے ذکر کیا تھا کہ ضمیر تو راجع ہے وزنِ فعل کو لیکن مراد مَا كَانَ عَلَى وَزْنِ الْفِعْلِ ہے۔ مراد کیا ہے؟ توجہ ہے؟ یا ضمیر راجع ہے وزنِ فعل کو یا مَا كَانَ عَلَى وَزْنِ الْفِعْلِ کو، وزنِ فعل کو بھی ضمیر راجع کریں تو مراد مَا كَانَ عَلَى وَزْنِ الْفِعْلِ ہی ہے، یعنی وزنِ فعل بول کر موزون ہی مراد ہے یعنی صفت بول کر موصوف مراد ہے۔ جو اسم وزنِ فعل پر ہوگا وہ ہے موزون، اور وزنِ فعل کیا ہے اس کی صفت۔ تو ضمیر کس کو راجع کی؟ وزنِ فعل کو یعنی صفت کو راجع کی اور مراد کون ہے؟ موصوف مراد ہے، صفت بول کر موصوف مراد ہے۔ تو وزنِ فعل بول کر موزون مراد ہے اور موزون کے شروع میں تو حرف کی زیادتی ہو سکتی ہے بھئی کیونکہ وہ تو لفظ ہے بھئی۔ بات سمجھ میں آگئی۔

اور دوسرا احتمال کیا تھا؟ ضمیر کس کو راجع کریں؟ مَا كَانَ عَلَى وَزْنِ الْفِعْلِ، اس پر کیا اشکال تھا کہ پیچھے تو مَا كَانَ عَلَى وَزْنِ الْفِعْلِ کا کوئی ذکر نہیں ہوا، موزون کا کوئی ذکر نہیں ہوا؟ تو جواب یہ کہ جب وزنِ فعل کا ذکر ہو گیا تو موزون کا ذکر بھی ہو گیا معنی کے اعتبار سے۔ کیونکہ وزنِ فعل جس اسم میں پایا جائے گا وہی کیا ہے؟ موزون ہے، تب ہی یہ سبب بنے گا غیرِ انصراف کا جب کسی اسم میں پایا جائے گا اور جس اسم میں پایا جائے گا وہ کیا ہوا؟ مَا كَانَ عَلَى وَزْنِ الْفِعْلِ ہو گیا۔ تو مَا كَانَ عَلَى وَزْنِ الْفِعْلِ اس کا ذکر لفظوں میں تو نہیں ہوا لیکن معناً اس کا مقدم ذکر ہو چکا ہے۔ یہ اسی طرح ہے جیسے قرآن میں اللہ فرماتے ہیں: ﴿ وَلِأَبَوَيْهِ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ ﴾ وَلِأَبَوَيْهِ میت کے والدین جو ہیں، ماں باپ جو ہیں ان کے لیے، ان میں سے ہر ایک کے لیے سدس ہے بھئی، ان کے لیے۔ اب سوال پیدا ہوتا ہے وَلِأَبَوَيْهِ یہ هَا ضمیر راجع ہے میت کو اور پیچھے تو میت کا کوئی ذکر نہیں ہوا، تو جواب علماء کیا دیتے ہیں کہ میت کا ذکر معناً ہو چکا ہے۔ کیوں؟ کیونکہ بات وراثت کی چل رہی ہے اور وراثت وہیں پر ہوگی جہاں پر کوئی میت ہو، تو جب وراثت کا ذکر چل پڑا تو معنی کے اعتبار سے میت کا بھی ذکر ہو چکا۔ اسی طرح جب وزنِ فعل کا ذکر ہوا اور یہ وزنِ فعل کس میں پایا جائے گا؟ اسم کے اندر پایا جائے گا، تو جب وزنِ فعل کا ذکر ہوا تو معناً موزون کا بھی ذکر ہو گیا۔ تو بہر حال چاہے ضمیر وزنِ فعل کو راجع کریں یا مَا كَانَ عَلَى وَزْنِ الْفِعْلِ، دونوں

صورتوں میں مراد مَا كَانَ عَلَى وَزْنِ الْفِعْلِ ہی ہے۔ وزنِ فعل کو بھی راجع کریں تو کیا مراد ہے؟ مَا كَانَ عَلَى وَزْنِ الْفِعْلِ یعنی صفت بول کر موصوف مراد ہے کیونکہ وزنِ فعل کے شروع میں حرف زائد نہیں ہو سکتا، موزون کے شروع میں حرف زائد ہو سکتا ہے۔

اس کے بعد پھر بات آئی تھی زِيَادَةٌ کی ترکیب بھئی۔ زِيَادَةٌ کے اندر انہوں نے بتلایا تھا کہ زِيَادَةٌ میں تنوین عوض ہے مضاف الیہ سے۔ اس موزون کے شروع میں زیادتی ہو، زِيَادَةٌ أَيْ زِيَادَةُ حَرْفٍ، یہ زِيَادَةٌ کی تنوین عوض ہے کس سے؟ مضاف الیہ سے، جیسے الف لام عوض ہوتا ہے کبھی مضاف الیہ سے۔ اسی طرح یہ تنوین بھی کبھی عوض ہوتی ہے مضاف الیہ سے۔ تو زِيَادَةٌ أَيْ زِيَادَةُ حَرْفٍ بھئی، اس کے شروع میں حرف کی زیادتی ہو۔ توجہ ہے؟ تو ایک ترکیب یہ اور دوسری ترکیب کیا؟ کہ زِيَادَةٌ یہ مصدر ہے اور مصدر کبھی اسمِ فاعل کے معنی میں ہوتا ہے اور کبھی اسمِ مفعول۔ تو یہاں زِيَادَةٌ بمعنی اسمِ فاعل یعنی زَائِدٌ کے ہو جائے گا، زَائِدٌ کے۔ تو عبارت کیا بن گئی؟ فِي أَوَّلِهِ زَائِدٌ بھئی اور زَائِدٌ صفت ہے صفت کے لیے ہمیشہ موصوف چاہیے تو اس کا موصوف محذوف نکال لیں گے: أَيْ حَرْفٌ زَائِدٌ، فِي أَوَّلِهِ حَرْفٌ زَائِدٌ۔ ترکیب سمجھ میں آگئی؟ تو زِيَادَةٌ میں کتنی ترکیبیں ہیں؟ دو۔ یا تو یہ تنوین عوض ہے مضاف الیہ سے، اصل میں کیا ہے؟ زِيَادَةُ حَرْفٍ، یا یہ زیادت کس معنی میں ہے؟ زَائِدٌ کے معنی میں۔ ہے اور اس کے لیے موصوف محذوف ہے أَيْ حَرْفٌ زَائِدٌ۔ پھر میں نے یہ بھی بتایا تھا کہ جب اس تنوین کو عوض بنائیں مضاف الیہ سے زِيَادَةُ حَرْفٍ، توجہ ہے؟ زِيَادَةُ حَرْفٍ، جب اس تنوین کو عوض بنائیں مضاف الیہ سے تو پھر اس صورت میں بھی صفت کی اضافت ہو رہی ہے موصوف کی۔ زِيَادَةُ حَرْفٍ صفت کی اضافت ہے؟ بھئی زِيَادَةُ حَرْفٍ، زِيَادَةُ ہے مضاف، حَرْفٍ ہے مضاف الیہ۔ یہ دراصل صفت کی اضافت ہو رہی ہے موصوف کی طرف۔ کلامِ عرب میں کبھی ایسے کرتے ہیں کہ صفت کو اٹھا کر موصوف پر مقدم کر دیتے ہیں اور اس کی طرف اضافت کر دیتے ہیں۔ جیسے رَجُلٌ ضَارِبٌ، رَجُلٌ ضَارِبٌ، رَجُلٌ موصوف ضَارِبٌ اس کی صفت۔ اس ضَارِبٌ کو اٹھاتے ہیں اور رَجُلٌ پر مقدم کر دیتے ہیں اور پھر اس کی طرف اضافت کرتے ہیں لیکن براہِ راست اضافت نہیں کریں گے اسے مصدر بنا لیں گے۔ کیا بنا لیں گے؟ مثلاً مصدر بنا لیں گے، تو کیا بن جائے گا؟ ضَرْبُ رَجُلٍ، رَجُلٌ ضَارِبٌ سے کیا بنا لیا؟ ضَرْبُ رَجُلٍ، صورت سمجھ میں آگئی؟ توجہ ہے؟ یہاں بھی زِيَادَةُ حَرْفٍ ہے۔ تو اصل میں یہ زیادت کیا تھی؟ صفت ہے حرف کی، اس کو ذرا مؤخر کرو اور پھر اسے اسمِ فاعل بنا لو، کیا بن گیا؟ حَرْفٌ زَائِدٌ۔ اصل میں کیا تھا؟ حَرْفٌ زَائِدٌ، پھر زَائِدٌ کو اٹھا کر مقدم کر دیا اور مصدر بنا کر کیا کر دی؟ اضافت کر دی زِيَادَةُ حَرْفٍ۔ حَرْفٌ زَائِدٌ کیا معنی؟ ایسا حرف جو زائد ہے، اور زِيَادَةُ حَرْفٍ کا کیا معنی؟ حرف کا زائد ہونا، بات ایک ہی ہے یا نہیں؟ بات سمجھ میں آرہی ہے۔ تو زِيَادَةُ حَرْفٍ کہہ لیں یا حَرْفٌ زَائِدٌ کہہ لیں بھئی۔ اس کے بعد كَزِيَادَتِهِ کی بات آئی۔ كَزِيَادَتِهِ أَيْ كَزِيَادَةِ حَرْفٍ فِي أَوَّلِ الْفِعْلِ۔ عبارت کیا ہے؟ كَزِيَادَةِ حَرْفٍ کہ جیسے کہ حرف کی زیادتی ہوتی ہے فِي أَوَّلِ الْفِعْلِ کس میں؟ عبارت پہ نظر ہے؟ أَوْ يَكُونَ فِي أَوَّلِهِ زِيَادَةٌ كَزِيَادَتِهِ، یا اس موزون کے

شروع میں بھی ایسے ہی حرف زائد ہو جیسے کہ حرف زائد ہوتا ہے فِي أَوَّلِ الْفِعْلِ کس میں؟ فعل کے شروع میں۔ تو كَزِيَادَتِهِ هَا ضمیر حرف کو راجع ہے۔ توجہ ہے؟ تو کیا بن گئی عبارت؟ كَزِيَادَةِ حَرْفٍ، كَزِيَادَةِ، اور پھر اس میں وہی ترکیب: یا تو اس کو اسی طرح رکھیں كَزِيَادَةِ حَرْفٍ جیسے پیچھے کیا آیا تھا؟ زِيَادَةُ حَرْفٍ۔ اور یا كَزِيَادَةِ حَرْفِهِ یہ صفت کی اضافت ہو رہی ہے کس کی طرف؟ موصوف کی طرف، تو ان کو صفت موصوف بنا دیں أَيْ حَرْفٍ زَائِدٍ بھئی فِي أَوَّلِ الْفِعْلِ کس کے شروع میں ہو؟ فعل کے شروع میں ہو بھئی۔ اور نیز بتایا تھا غَيْرَ قَابِلٍ کہ اس حال میں کہ وہ وزنِ فعل یا مَا كَانَ عَلَى وَزْنِ الْفِعْلِ تا کو قبول نہ کرتا ہو بھئی۔ اور میں نے بتایا تھا یہ حال ہے فِي أَوَّلِهِ کی هَا ضمیر سے بھئی۔

پھر صاحبِ جامی نے آپ کو یہ بھی بتلایا تھا کہ یہاں مصنف کو ایک دو قیدیں اور بھی ذکر کرنی چاہیے تھیں: غَيْرَ قَابِلٍ لِلتَّاءِ قِيَاسًا، یہ قِيَاسًا کی قید بھی لگانی چاہیے تھی، وَبِالِاعْتِبَارِ الَّذِي امْتَنَعَ مِنَ الصَّرْفِ لِأَجْلِهِ یہ قید بھی لگانی چاہیے تھی۔ کہ وہ تا کو قبول نہ کرے قِيَاسًا یعنی قیاس کے مطابق تا کو قبول نہ کرے، قانون کے مطابق تا کو قبول نہ کرے، تاکہ أَرْبَعُ اگر کسی کا نام رکھ دیا جائے تو اس کا اعتراض وارد نہ ہو۔ أَرْبَعُ بھئی آپ جانتے ہیں أَرْبَعَةٌ عدد کے لیے وضع ہے اور یہ تا کو قبول کرتا ہے، اس کے ساتھ تا جڑتی ہے لیکن اس کے ساتھ تا خِلافُ الْقِيَاسِ جڑتی ہے۔ ویسے تو عام لفظوں میں تا مؤنث کے لیے جڑتی ہے لیکن یہ جو عدد کے ساتھ تا جڑتی ہے یہ مذکر کے لیے ہے، یہ تذکیر کے لیے ہے۔ مثلاً آپ نے مرد کے بارے میں بتانا ہو چار مرد تو آپ کہیں گے أَرْبَعَةُ رِجَالٍ، تا کے ساتھ کہیں گے۔ اور مؤنث کے لیے کہنا ہو تو بغیر تا کے کہیں گے أَرْبَعُ نِسْوَةٍ بھئی۔ معلوم ہوا یہ أَرْبَعَةٌ کے اندر تا کون سی ہے؟ یہ قیاس کے مطابق ہے یا خلافِ قیاس ہے؟ خلافِ قیاس ہے۔ لہٰذا اب أَرْبَعُ کسی کا نام رکھ دیا جائے تو ایک اس میں علمیت ہے ایک وزنِ فعل ہے، یہ غیرِ منصرف ہوا، حالانکہ یہ تو تا کو قبول کر لیتا ہے۔ آپ نے تو ہمیں کیا کہا؟ وہ وزنِ فعل تا کو قبول، تو أَرْبَعُ ایسا وزنِ فعل ہے جو فعل کے ساتھ خاص نہیں اسم میں بھی پایا جاتا ہے اور اس کے اندر شرط کیا تھی کہ شروع میں حروفِ اَتَيْنَ میں سے کوئی ہو، أَرْبَعُ کے شروع میں بھی حروفِ اَتَيْنَ میں سے ہمزہ ہے، اور نیز دوسری شرط کیا تھی وہ تا کو قبول نہ کرتا ہو، یہ تا کو قبول کر لیتا ہے۔ لہٰذا اس وزنِ فعل کو مؤثر نہیں ہونا چاہیے تھا لیکن یہ پھر بھی مؤثر ہے، أَرْبَعُ کسی کا نام رکھ دیں تو یہ غیرِ منصرف ہے۔ کیوں؟ کیونکہ یہ تا کو قِيَاسًا نہیں قبول کر رہا بلکہ خلافِ قیاس قبول کر رہا ہے، یہ تا تانیث کے لیے نہیں ہے بلکہ تذکیر کے لیے ہے۔

نیز یہ قید بھی ساتھ لگانی چاہیے تھی کہ تا کو قبول نہ کرے اس اعتبار سے جس اعتبار سے غیرِ منصرف ہے، کسی دوسرے اعتبار سے تا کو قبول کرے، تاکہ أَسْوَد کا اعتراض بھی ختم ہو جائے۔ آپ نے پڑھا ہے أَسْوَد یہ کالے سانپ کو کہتے ہیں۔ یہ اصل میں تو کالی چیز کے لیے وضع تھا لیکن کثرتِ استعمال سے یہ اسم بن گیا کالے رنگ کے سانپ کے لیے۔ توجہ ہے؟ تو غلبۂ اسمیت اس پر آ گیا، اسم ہونا اس پر غالب ہو گیا، اب یہ اس کے لیے بطورِ اسم ہے۔ لیکن پھر بھی یہ غیرِ منصرف ہے۔ أَسْوَد، ایک تو وزنِ فعل ہے، دوسرا وصفِ اصلی ہے بھئی، وصفِ اصلی ہے۔ تو وصفِ اصلی ہونے کے اعتبار سے یہ

غیرِ منصرف ہے اور یہ تا کو قبول کر لیتا ہے، مذکر ہو تو أَسْوَد کہتے ہیں اور مؤنث سانپ ہو تو کیا کہتے ہیں؟ أَسْوَدَةٌ کہتے ہیں۔ اب دیکھو أَسْوَد میں کون سے دو سبب؟ ایک وصفِ اصلی اور دوسرا وزنِ فعل ہے، اور یہ تو تا کو قبول کر رہا ہے أَسْوَدَةٌ مؤنث سانپ کے لیے استعمال ہوتا ہے، تو یہ تو غیرِ انصراف کا سبب نہیں بننا چاہیے تھا لیکن یہ پھر بھی غیرِ منصرف ہے۔ کیوں؟ کیونکہ یہ تا کو قبول کر رہا ہے اور وجہ سے، اور غیرِ منصرف ہے اور وجہ سے۔ یہ غیرِ منصرف ہے کس وجہ سے؟ وصفِ اصلی کے اعتبار سے یہ غیرِ منصرف ہے، اس میں کون سا سبب ہے ایک؟ وصفِ اصلی۔ اور یہ تا کو قبول کر رہا ہے وصفِ اصلی ہونے کے اعتبار سے نہیں بلکہ غلبۂ اسمیت کی وجہ سے۔ یہ جو أَسْوَد ہے نا یہ صفتِ مشبہ ہے اور صفتِ مشبہ أَفْعَلُ وزن پر جب آئے تو اس کی مؤنث فَعْلَاءُ آتی ہے، کیا آتی ہے؟ فَعْلَاءُ، الف کے بعد ہمزہ بھی ہے۔ تو أَسْوَد، أَسْوَد غیرِ منصرف ہے کس اعتبار سے؟ وصفِ اصلی کے اعتبار سے، اور وصفِ اصلی کے اعتبار سے اس کی مؤنث أَسْوَدَةٌ آنی چاہیے تھی یا سَوْدَاءُ آنی چاہیے تھی؟ سَوْدَاءُ آنی چاہیے تھی۔ تو یہ غیرِ منصرف ہے وصفِ اصلی کے اعتبار سے، اور یہ جو تا کو قبول کر رہا ہے وہ وصف ہونے کے اعتبار سے نہیں قبول کر رہا بلکہ غلبۂ اسمیت کہ یہ اب اسم بن چکا ہے اس لیے تا کو قبول کر رہا ہے۔ تو اس کا تا کو قبول کرنا اس اعتبار سے نہیں ہے جس اعتبار سے یہ غیرِ منصرف ہے بلکہ اس کا تا کو قبول کرنا اور۔ بات سمجھ؟ تو یہ تا کو قبول کر رہا ہے اور وجہ سے اور غیرِ منصرف ہے اور وجہ سے۔ بات سمجھ میں آگئی۔

اب آئیے آج کا سبق دیکھیے بھئی۔ کہتے ہیں: «وَمَا فِيهِ عَلَمِيَّةٌ مُؤَثِّرَةٌ» أَيْ كُلُّ اسْمٍ غَيْرِ مُنْصَرِفٍ تَكُونُ فِيهِ عَلَمِيَّةٌ مُؤَثِّرَةٌ فِي مَنْعِ الصَّرْفِ بِالسَّبَبِيَّةِ الْمَحْضَةِ أَوْ مَعَ الشَّرْطِيَّةِ بِسَبَبٍ آخَرَ، وَاحْتَرَزَ بِذٰلِكَ عَمَّا تُجَامِعُ أَلِفَيِ التَّأْنِيثِ أَوْ صِيغَةَ مُنْتَهَى الْجُمُوعِ، جی۔ صاحبِ کافیہ نے اسبابِ منعِ صرف بیان کر دیے۔ نو اسبابِ منعِ صرف ہیں اور صاحبِ کافیہ نے ہر ایک کی تفصیل بیان کر دی۔ اب وہ غیرِ انصراف کی بحث کے اختتام پر دو قیمتی ضابطے آپ کو بتلانا چاہتے ہیں، جس کے بعد یہ غیرِ منصرف کی بحث مکمل ہو جاتی ہے۔ دو قیمتی ضابطے بیان فرمانا چاہتے ہیں۔ پہلا ضابطہ آپ کو یہ بتلائیں گے کہ ہر وہ اسم جس کے اندر علمیت مؤثر ہے یعنی غیرِ انصراف کا سبب بن رہی ہے، اس اسمِ غیرِ منصرف کو اگر نکرہ بنا دیا جائے یعنی اس سے علمیت کو ختم کر دیا جائے تو وہ منصرف بن جائے گا۔ ہر وہ غیرِ منصرف جس کے اندر ایک سبب کیا ہے؟ علمیت ہے، علمیت اس کے اندر مؤثر ہے، علمیت سبب بن رہی ہے غیرِ انصراف کا، تو اگر آپ اس میں سے علمیت کو ختم کر دیں یعنی اس کو نکرہ بنا دیں تو وہ منصرف ہو جائے گا۔ ضابطہ سمجھ میں آیا؟ تو پہلا یہ ضابطہ ذکر فرمائیں گے بھئی کہ ہر وہ اسم جس کے اندر ایک سبب علمیت ہے اس کو اگر نکرہ بنا دیا جائے یعنی علمیت کو ختم کر دیا جائے تو وہ منصرف ہو جائے گا بھئی۔

اب نکرہ وہ کیسے بنے گا اس کا طریقہ بھی آپ کو بتلائیں گے بھئی صاحبِ جامی۔ نکرہ بنانے کا طریقہ یہ ہے کہ ایک پوری جماعت کا وہ نام رکھ دیا جائے تو وہ اب نکرہ بن جائے گا۔ مثلاً دیکھو آپ کے ایک ساتھی کا نام ہے زید۔ تو جیسے ہی میں زید

کہتا ہوں آپ کے ذہن میں فوراً زید کی صورت آجاتی ہے، معلوم ہوا لفظِ زید معرفہ ہے۔ معرفہ کسے کہتے ہیں؟ جو کسی معین ذات پر دلالت کرے۔ یہ معرفت سے ہے، معرفت کا معنی پہچان، یعنی جس کی آپ کو پہچان ہے وہ ہے معرفہ اور جس کی آپ کو پہچان نہیں وہ ہے نکرہ۔ تو معرفہ اسے کہتے ہیں جو معین ذات پر دلالت کرے، جیسے ہی میں نے زید کہا فوراً آپ کے ذہن میں زید کی صورت آگئی، معلوم ہوا لفظِ زید معرفہ ہے، علم ہے۔ اور نکرہ جو ہے وہ ذاتِ غیرِ معین پر دلالت کرتا ہے، مثلاً میں نے کہا کتاب، دیکھو اب کوئی معین کتاب آپ کے ذہن میں نہیں آئی بھئی، جو آپ کے سامنے ہے یہ بھی کتاب ہے، آپ کے ساتھی کے سامنے یہ بھی کتاب ہے، تیسرے ساتھی کے سامنے ہے یہ بھی کیا ہے؟ کتاب۔ تو کتاب دیکھو یہ نکرہ ہے، یہ کسی معین چیز پر دلالت نہیں کر رہا۔ تو اب یہ جو زید جو آپ کے ایک ساتھی کا نام تھا، اب یہ اگر ایک پوری جماعت کا نام رکھ دیا جائے مثلاً دس طلبہ ہیں اس پوری جماعت کا نام زید رکھ دیا گیا، اب دیکھو میں نے کہا کل میرے پاس زید آیا تھا، کچھ آپ کو پتہ چلا ان دس میں سے کون سا ساتھی مراد ہے؟ نہیں، آپ کو پتہ نہیں چلا، معلوم ہوا زید کا لفظ نکرہ ہو چکا ہے کیونکہ اب یہ ایک کا نام نہیں ہے بلکہ پوری جماعت کا نام ہے، تو اب یہ نکرہ ہے۔ تو علمیت کو ختم کرنے کا کیا طریقہ ہے؟ کہ پوری ایک جماعت کا نام کیا رکھ دیا جائے؟ ایک پوری جماعت کو اس نام کے ساتھ موسوم کر دیا جائے تو اس سے علمیت ختم ہو جائے گی۔ طریقہ سمجھ میں آگیا؟

تو حاصلِ کلام کیا ہوا کہ ہر وہ اسم جس کے اندر علمیت مؤثر تھی اور غیرِ انصراف کا سبب بن رہی تھی، اس کو اگر نکرہ بنا دیا جائے تو وہ کیا بن جائے گا؟ منصرف بن جائے گا بھئی۔ اب اس میں تفصیل میں جانے سے پہلے ایک چھوٹی سی بات یاد رکھیں بھئی جو آپ پہلے بھی پڑھ چکے ہیں۔ آپ پڑھ چکے ہیں کہ تانیث دو قسم پر ہے: ایک تانیثِ لفظی ہے اور ایک تانیثِ معنوی ہے۔ پھر یہ جو تانیثِ لفظی ہے یہ پھر تین قسم پر ہے: یا تو یہ تانیث بالتاء ہوگی یعنی لفظوں میں گول تا آئے گی، یا یہ تانیث ہوگی الفِ مقصورہ کے ساتھ یا الفِ ممدودہ کے ساتھ۔ تو گویا تانیثِ لفظی تین قسم کی ہو گئی: ایک تانیث بالتاء، ایک تانیث باالالف المقصورۃ اور ایک تانیث باالالف الممدودۃ۔ جبکہ تانیثِ معنوی، اس کے اندر آپ پڑھ چکے ہیں کہ وہاں پر، وہاں پر تا مقدر ہوتی ہے، کیا ہوتی ہے؟ لفظوں میں نہیں ہوتی تا مقدر ہوتی ہے۔ تو گویا تانیث کی کل چار قسمیں بن گئیں: ایک تانیثِ لفظی ہے بالتاء، ایک تانیث باالالف المقصورۃ ہے، ایک تانیث باالالف الممدودۃ ہے، اور ایک تانیثِ معنوی ہے جو معنی کے اعتبار سے مؤنث ہے، لفظوں میں کوئی تانیث والی علامت نہیں اور اس کے اندر بھی دراصل تا مقدر ہوتی ہے۔ تو گویا تانیث بالتاء دو قسم پر ہو گئی: ایک تانیثِ لفظی، ایک تانیثِ معنوی۔ دونوں میں کیا ہے؟ تا ہے، ایک میں تا لفظوں میں ہے ایک میں تا لفظوں میں نہیں ہے بلکہ مقدر ہے۔ اور تانیث باالالف المقصورۃ والممدودۃ اس کو بھی ایک ہی قسم ہم بنا لیتے ہیں کہ تانیث باالالف ہے۔ تو گویا تانیث دو قسم پر ہی ہو گئی: ایک تانیث بالتاء، ایک تانیث باالالف۔ بات سمجھ میں آرہی ہے؟ تانیث باالالف، کوئی میں نے مقصورہ یا ممدودہ کی قید لگائی؟ نہیں لگائی، تو اس میں دونوں داخل ہو گئے،

تو ایک ہوئی تانیث بالالف اور ایک تانیث بالتاء ہوئی، اور تانیث بالتاء پھر یہ کتنی قسم پر ہے؟ دو قسم پر ہے، یا تا لفظوں میں ہوگی یا مقدر ہوگی، تو تانیث بالتاء میں تانیثِ لفظی بھی آگئی تانیثِ لفظی بالتاء، اور تانیثِ معنوی بھی اسی کے اندر آ گئی۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو گویا تانیث کی کل کتنی قسمیں ہو گئیں؟ دو: ایک تانیث بالتاء اور ایک تانیث بالالف۔ تانیث بالتاء پھر کتنی قسم پر؟ دو قسم پر: یا تانیث بالتاء ہے لفظاً یا تانیث بالتاء ہے معناً بھئی۔ اور تانیث بالالف بھی کتنی قسم پر؟ دو قسم پر: یا تانیث بالالف المقصورۃ ہے یا تانیث بالالف الممدودۃ ہے۔ تو حاصلِ کلام یہ کہ تانیث کی دو قسمیں ہم نے بنا لیں: ایک تانیث بالتاء اور ایک تانیث بالالف۔

اب یاد رکھو، یہ جو اسبابِ منعِ صرف ہیں، ان اسبابِ منعِ صرف میں سے وصف وہ ایسا سبب ہے جس کے ساتھ علمیت کبھی جمع نہیں ہو سکتی۔ یہ اسبابِ منعِ صرف جو نو آپ نے پڑھے تھے ان میں سے وصف ایسا سبب ہے جس کے ساتھ کبھی علمیت جمع نہیں ہو سکتی، کیونکہ وصف دلالت کرتا ہے ذاتِ مبہم پر اور علم دلالت کرتا ہے ذاتِ معین پر۔ زید میں نے کہا تو ایک معین ساتھی کا نام ہے مثلاً، وہ فوراً آپ کے ذہن میں اس کی صورت آگئی، تو علم دیکھو معین... معیّن ذات پر دلالت کرتا ہے اور وصف ذاتِ مبہم پر دلالت کرتا ہے، جیسے ضَارِب، ضَارِب کا معنی کوئی ایسی ذات جو پٹائی کرنے والی ہے۔ اب میں نے آپ کے سامنے لفظِ ضَارِب کہا، کوئی آپ کو پتہ چلا اس سے کون مراد ہے؟ نہیں، پتہ نہیں چلا۔ ہو سکتا ہے ضَارِب زید ہو، ہو سکتا ہے عمرو ہو، ہو سکتا ہے بکر ہو، ہو سکتا ہے خالد ہو۔ تو ضَارِب ذات مَعَ الوصف پر دلالت تو کر رہا ہے لیکن وہ ذات متعین نہیں ہے بلکہ مبہم ہے، آپ اس کو کسی بھی ذات کے ساتھ جوڑ سکتے ہیں۔ تو وصف ذاتِ مبہم پر دلالت کرتا ہے یا یوں کہو وہ ذاتِ غیرِ معین پر دلالت کرتا ہے اور علم ذاتِ معین پر دلالت کرتا ہے تو یہ دونوں کبھی اکٹھے نہیں ہو سکتے۔ ایک ہی لفظ علم بھی ہو، وصف بھی ہو، تو اس کا تو مطلب یہ ہے یہ معین ذات پر بھی دلالت کر رہا ہے اور غیرِ معین پر بھی دلالت کر رہا ہے اور ایسا نہیں ہو سکتا ایک ہی لفظ معین ذات پر بھی دلالت کرے اور غیرِ معین پر بھی دلالت کرے۔ تو اسبابِ منعِ صرف میں سے وصف ایسا سبب ہے جو علم کے ساتھ کبھی جمع نہیں ہوتا۔

پھر کچھ اسبابِ منعِ صرف وہ ہیں جو خود دو سببوں کے قائم مقام ہیں۔ وہ خود دو سببوں کے قائم مقام ہیں، وہ علمیت کے محتاج نہیں، علمیت ان کے ساتھ آ بھی جائے تو وہ مؤثر نہیں، وہ اپنا اثر نہیں دکھائے گی کیونکہ وہ لفظ پہلے ہی غیرِ منصرف ہے۔ اور وہ کون کون سے سبب ہیں جو دو سببوں کے قائم مقام ہیں؟ ایک جمع ہے اور ایک تانیث بالالف ہے۔ جمع یعنی جس میں منتہی الجموع کا صیغہ ہو، یہ جمع خود دو سببوں کے قائم مقام ہے۔ اور ایک تانیث بالالف ہے چاہے الفِ ممدودہ ہو چاہے الفِ مقصورہ، یہ بھی دو سببوں کے قائم مقام ہے۔ تو یہ دونوں کیا ہیں؟ یہ جمع اور تانیث بالالف یہ خود دو سببوں کے قائم مقام ہیں، یہ علمیت کے محتاج نہیں، یہ جب کسی لفظ میں آجائیں گے تو یہ خود ہی دو سببوں کے قائم مقام بنیں گے، ان

کے ساتھ اگر علمیت آ بھی گئی وہ علمیت مؤثر نہیں وہ غیرِ انصراف کا سبب نہیں بن رہی کیونکہ کلمہ پہلے سے ہی غیرِ منصرف ہے کیونکہ وہ جمع خود ہی دو سببوں کے قائم مقام ہے یا وہ تانیث کے جو الف ہیں وہ خود ہی دو سببوں کے قائم مقام ہیں۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو وصف اس کے ساتھ کبھی علمیت جمع نہیں ہو سکتی، اور جمع اور تانیث بالالف کے ساتھ علمیت جمع تو ہو سکتی ہے لیکن وہ مؤثر نہیں وہ غیرِ انصراف کا سبب نہیں بنے گی کیونکہ یہ خود دو سببوں کے قائم مقام ہیں۔

اور بعض سبب وہ ہیں کہ جن کے ساتھ علمیت جمع ہو جاتی ہے اور مؤثر بھی ہوتی ہے، غیرِ انصراف کا سبب بھی بنتی ہے لیکن ان کے لیے شرط نہیں ہے اور وہ دو ہیں: عدل اور وزنِ فعل۔ عدل اور وزنِ فعل کے ساتھ علمیت جمع ہوتی ہے اور مؤثر بھی ہوتی ہے، غیرِ انصراف کا سبب بھی بنتی ہے لیکن ان کے لیے شرط نہیں کہ علمیت ہوگی تو عدل ہوگا، علمیت ہوگی تو وزنِ فعل ہوگا، نہیں ان کے لیے شرط نہیں ہے۔ توجہ ہے؟ بعض سبب وہ ہیں ان کے ساتھ علمیت جمع ہی نہیں ہو سکتی جیسے وصف ہے، بعض کے ساتھ علمیت جمع تو ہو سکتی ہے لیکن مؤثر نہیں اور وہ کون کون سے ہیں؟ جمع ہے اور تانیث بالالف ہے کیونکہ وہ خود دو سببوں کے قائم مقام ہیں۔ اور بعض کے ساتھ علمیت جمع ہوتی ہے، مؤثر بھی ہوتی ہے لیکن شرط نہیں ہوتی ان کے لیے کہ علمیت ہوگی تو یہ خود سبب بنیں گے ورنہ سبب نہیں بنیں گے، اور وہ دو کیا ہیں؟ عدل اور وزنِ فعل۔ توجہ ہے؟ عدل اور وزنِ فعل۔ دیکھو عدل اور وزنِ فعل ان کے ساتھ علمیت جمع ہو جاتی ہے اور مؤثر بھی ہوتی ہے، غیرِ انصراف کا سبب بھی بنتی ہے۔ جیسے عُمَر، عُمَر کے اندر کون سے دو سبب ہیں؟ ایک علمیت ہے اور ایک عدل ہے۔ دیکھو عدل کے ساتھ علمیت جمع ہو گئی اور دونوں سبب بن رہے ہیں غیرِ انصراف کا۔ اسی طرح وزنِ فعل کے ساتھ بھی علمیت جمع ہو جاتی ہے جیسے أَحْمَد، أَحْمَد اس میں ایک سبب کیا؟ علمیت اور ایک وزنِ فعل، اور علمیت مؤثر بھی ہے، یہ غیرِ انصراف کا سبب بن رہی ہے۔ لیکن ان دونوں کے اندر علمیت شرط نہیں ہے، علمیت کے بغیر بھی یہ مؤثر ہوتے ہیں یہ عدل اور وزنِ فعل، جیسے ثُلَاثَ اور مَثْلَثَ، ثُلَاثَ اور مَثْلَثَ یہ غیرِ منصرف ہیں، ایک سبب کیا؟ عدل، اور ایک سبب وصف ہے۔ دیکھو عَلَمیت نہیں ہے، علمیت کے بغیر بھی عدل مؤثر ہو رہا ہے۔ اور اسی طرح وزنِ فعل اس کے ساتھ وہ علمیت کے ساتھ جمع تو ہوتا ہے جیسے أَحْمَد میں جمع ہوا تھا لیکن علمیت اس کے لیے شرط نہیں جیسے أَحْمَر، جیسے أَحْمَر۔ أَحْمَر دیکھو اس میں ایک وزنِ فعل ہے ایک وصفیت ہے، تو یہ غیرِ منصرف ہے۔ تو دیکھو وزنِ فعل آیا بغیر علمیت کے۔ توجہ ہے؟ وزنِ فعل کے لیے علمیت شرط نہیں ہے ورنہ یہ أَحْمَر غیرِ منصرف نہیں ہو سکتا تھا کیونکہ اس کے اندر تو علمیت نہیں ہے بھئی۔ تو عدل اور وزنِ فعل یہ دو ایسے سبب ہیں جن کے ساتھ علمیت جمع بھی ہوتی ہے اور یہ علمیت مؤثر بھی ہے یعنی غیرِ انصراف کا سبب بھی بنتی ہے لیکن علمیت ان کے لیے شرط نہیں، علمیت ہو یا نہ ہو یہ مؤثر رہتے ہیں۔

اور کچھ اسباب وہ ہیں جن کے اندر علمیت شرط ہے۔ اگر علمیت ہوگی تو وہ مؤثر ہیں وہ غیرِ انصراف کا سبب بنیں گے، اگر علمیت نہیں تو وہ غیرِ انصراف کا سبب بھی نہیں بنیں گے، اور وہ چار ہیں بھئی: ایک تانیث بالتاء ہے، ایک عجمہ ہے،

ایک ترکیب ہے اور ایک الف نون مزیدتان ہیں۔ کون کون سے؟ تانیث بالتاء ہے، عجمہ ہے، ترکیب ہے اور الف نون مزیدتان۔ دیکھو تانیث بالتاء میں کتنی قسم کی تانیث آ گئی؟ دو قسم کی، تانیث بالتاء چاہے لفظاً ہو چاہے معناً ہو بھئی، وہ دونوں بھی آ گئے۔ تو تانیث بالتاء اس کے اندر علمیت شرط ہے آپ نے پڑھا تھا، طَلْحَةُ اس میں گول تا ہے تانیث بالتاء ہے لیکن اس کے لیے شرط کیا تھی؟ علمیت، علمیت ہے تو یہ تانیث بالتاء بھی مؤثر ہے ورنہ مؤثر نہیں۔ جیسے ضَارِبَةٌ، ضَارِبَةٌ کے اندر گول تا آ رہی ہے تانیث تو موجود ہے اب آپ سے کوئی پوچھے یہ منصرف ہے یا غیرِ منصرف؟ آپ کیا کہیں گے؟ منصرف ہے، یہ منصرف۔ اور پوچھے کہ اس کے اندر کتنے سبب ہیں؟ آپ کیا کہیں گے؟ جی ایک بھی سبب نہیں ہے، ایک بھی سبب نہیں، کیوں؟ کیونکہ تانیث بالتاء اگرچہ ہے لیکن مؤثر نہیں ہے، مؤثر ہی کب ہوگی جب اس کے ساتھ علمیت ہو بھئی۔ تو تانیث بالتاء تو ہے لیکن وہ مؤثر نہیں ہے یعنی سبب نہیں بن رہی تو ایک بھی سبب نہیں ہے اس کے اندر غیرِ انصراف والا۔ بات سمجھ میں آ گئی؟ تو تانیث بالتاء چاہے لفظاً ہو جیسے طَلْحَةُ اس کے اندر بھی علمیت شرط، اور تانیثِ معنوی ہو جیسے زَيْنَب اس کے اندر بھی علمیت شرط ہے، تو تانیث بالتاء چاہے لفظاً ہو یا معناً اس کے اندر علمیت شرط۔ اسی طرح ترکیب ہے، ترکیب کے اندر بھی علمیت شرط ہے جیسے بَعْلَبَكَّ، بَعْلَبَكَّ کسی کا نام رکھا اور علم ہے دیکھو علمیت، علمیت ہوگی تو یہ ترکیب مؤثر ہے علمیت نہیں تو یہ ترکیب بھی مؤثر نہیں۔ اسی طرح عجمہ ہے جیسے إِبْرَاهِيمَ، إِبْرَاهِيمَ عجمی نام ہے عجمہ غیرِ انصراف کا سبب بنتا ہے لیکن اس کے لیے پہلی شرط کیا کہ وہ کیا ہونا چاہیے؟ علم ہونا چاہیے، تو إِبْرَاهِيم بھی کیا ہے؟ علم ہے اس لیے اس میں عجمہ بھی مؤثر اور علمیت بھی مؤثر۔ اور اسی طرح الف نون مزیدتان ہیں، الف نون مزیدتان یہ بھی غیرِ انصراف کا سبب بنتے ہیں لیکن ان کے اندر بھی شرط علمیت ہے، جیسے عِمْرَان، عُثْمَان، سَلْمَان۔ دیکھو ان سب کے اندر الف نون مزیدتان ہیں اور ساتھ ساتھ علمیت بھی ہے۔

تو بعض اسبابِ منعِ صرف ایسے ہیں جن کے ساتھ علمیت جمع بھی ہوتی ہے، مؤثر بھی ہوتی ہے اور خود ان کے لیے وہ علمیت شرط بھی ہے، علمیت ہے تو وہ خود بھی مؤثر ہیں اگر علمیت نہیں تو وہ مؤثر بھی نہیں، اور وہ کتنے ہیں؟ چار ہیں، کون کون سے؟ تانیث بالتاء، اور عجمہ ہے، اور ترکیب ہے، اور الف نون مزیدتان۔ بات سمجھ میں آ گئی؟ تو حاصلِ کلام یہ کہ اسبابِ منعِ صرف چار قسم پر ہیں: کچھ وہ ہیں جو علمیت کے ساتھ جمع ہی نہیں ہو سکتے جیسے وصف ہے، کچھ وہ ہیں جو علمیت کے ساتھ جمع تو ہو سکتے ہیں لیکن ان میں علمیت مؤثر نہیں کیونکہ وہ خود دو سببوں کے قائم مقام ہیں اور وہ دو ہیں بھئی کون کون سے؟ جمع اور تانیث بالالف بھئی۔ اور کچھ اسباب وہ ہیں جن کے ساتھ علمیت جمع بھی ہوتی ہے، مؤثر بھی ہوتی ہے لیکن شرط نہیں اور وہ دو ہیں کون سے دو؟ عدل ہے اور وزنِ فعل ہے۔ اور کچھ اسباب وہ ہیں جن کے ساتھ علمیت جمع بھی ہو سکتی ہے اور مؤثر بھی ہوتی ہے اور ان کے اندر شرط بھی ہوتی ہے اور وہ چار ہیں کون کون سے؟ تانیث بالتاء

ہے، عجمہ ہے، ترکیب ہے اور الف نون مزیدتان۔ بات سمجھ میں آگئی؟ پھر سنو بھئی: بھئی اسبابِ منعِ صرف ہیں نو، کتنے ہیں؟ نو اسبابِ منعِ صرف ہیں۔ اس میں سے علمیت کو تو نکال دو کیونکہ علمیت ہی کی تو ہم بات کر رہے ہیں، تو باقی کتنے رہ گئے؟ آٹھ۔ آٹھ میں سے ایک وصف ہے وصف کو بھی نکال دو کیونکہ وصف تو علمیت کے ساتھ جمع ہی نہیں ہو سکتا، باقی کتنے رہ گئے؟ سات۔ سات میں سے جمع کو بھی نکال دو کیونکہ جمع کے ساتھ اگرچہ علمیت جمع بھی ہو جائے پھر بھی وہ مؤثر نہیں کیونکہ جمع خود کتنے سببوں کے قائم مقام؟ دو سببوں کے قائم مقام ہے۔ تو وہ بھی نکل گیا کتنے رہ گئے؟ چھ۔ اور اسی طرح تانیث بالالف بھی نکل گیا۔ تانیث بالالف تو نکلا ہے لیکن تانیث بالتاء ابھی بھی باقی ہے تو گویا ابھی بھی چھ سبب باقی ہیں۔ ان چھ کے اندر چار کے اندر علمیت شرط ہے اور دو کے اندر علمیت شرط نہیں۔ وہ دو کون سے ہیں جن کے ساتھ علمیت شرط نہیں ہے؟ عدل ہے اور وزنِ فعل ہے۔ اور وہ چار کون سے ہیں جن کے ساتھ علمیت شرط ہے؟ وہ تانیث بالتاء ہے اور عجمہ ہے، ترکیب ہے اور الف نون مزیدتان ہیں۔ یہاں تک بات سمجھ میں آگئی؟ اب مزید تفصیل یاد رکھو۔

مزید تفصیل کہ ان میں سے عدل اور وزنِ فعل کے ساتھ علمیت جمع ہوتی ہے لیکن شرط نہیں۔ تو ایک لفظ تھا اس میں ایک سبب عدل یا وزنِ فعل تھا اور ایک سبب کیا تھا؟ علمیت۔ توجہ ہے؟ جیسے عُمَر اور أَحْمَد، ان دونوں میں عُمَر اور أَحْمَد دونوں میں ایک سبب تو علمیت ہے دوسرا سبب عُمَر میں کیا ہے؟ عدل ہے، اور أَحْمَد میں کیا ہے؟ وزنِ فعل۔ اس میں سے اگر ہم علمیت کو ختم کر دیں یعنی ایک پوری جماعت کا نام عُمَر رکھ دیں یا ایک پوری جماعت کا نام أَحْمَد رکھ دیں تو علمیت ختم ہو جائے گی اور یہ کلمہ کیا بن جائے گا؟ منصرف۔ البتہ ایک سبب ابھی بھی اس میں ہے۔ علمیت تو ختم ہو گئی لیکن ایک سبب عدل یا وزنِ فعل ابھی بھی اس کے اندر ہے۔ توجہ ہے؟ جبکہ وہ اسباب جن کے اندر علمیت شرط ہے اس سے جب آپ علمیت کو ختَم کریں گے تو وہ دوسرا سبب بھی ختم ہو جائے گا اب وہ کلمہ بھی منصرف ہوگا لیکن اس میں اب ایک بھی سبب نہیں ہے۔ ایک بھی سبب نہیں ہے۔ جیسے دیکھو بھئی، جیسے کسی کا نام طَلْحَةُ ہے، طَلْحَةُ میں دو سبب کون سے؟ ایک علمیت ہے ایک تانیث بالتاء ہے اور تانیث بالتاء کے لیے کیا شرط ہے؟ علمیت شرط ہے۔ تو جب آپ طَلْحَةُ سے علمیت کو ختم کریں گے اب تانیث بالتاء اس کے اندر موجود تو ہے لیکن کیا اب وہ سبب بنے گی؟ وہ سبب نہیں بنے گی، تو گویا اب جب طَلْحَةُ آپ نے پوری جماعت کا نام رکھ دیا تو اب یہ منصرف ہوا، علمیت ختم ہوئی اور علمیت کے ساتھ تانیث بالتاء کا سبب ہونے والا وصف بھی ختم ہو گیا، تانیث بالتاء تو ہے لیکن اب وہ سبب نہیں بن رہا۔ تو طَلْحَةُ اب منصرف بن گیا پوری جماعت کا نام آپ نے طَلْحَةُ رکھ دیا اور اس میں اب کتنے سبب ہیں؟ ایک بھی نہیں ہے۔ علمیت تو آپ نے ختم کی اور علمیت ختم ہوئی تو تانیث بالتاء بھی ختم، تانیث بالتاء خود تو ہے لیکن سبب نہیں بن رہی۔ توجہ ہے؟ تانیث بالتاء جہاں بھی آجائے وہ سبب بنتی تھی؟ میں نے ابھی مثال ذکر کی ضَارِبَةٌ میں نے آپ کے سامنے ایک صیغہ رکھا اسمِ فاعل ہے ضَارِبَةٌ مؤنث کا، مجھے بتائیے اس میں کتنے اسبابِ منعِ صرف ہیں؟ ایک بھی نہیں

ہے، ایک بھی نہیں ہے۔ تو کوئی اعتراض کرے گا بھئی اس میں تانیث بالتاء ہے تو ایک سبب تو ہے، آپ کہیں نہیں بھئی تانیث بالتاء تو ہے لیکن یہ سبب نہیں بن رہی یہ غیرِ انصراف کا، کیونکہ اس کی شرط پوری نہیں ہے شرط کیا ہے؟ علمیت، علمیت نہیں ہے تو یہ تانیث بالتاء بے شک ہو لیکن یہ غیرِ انصراف کا سبب نہیں بن رہی کیونکہ شرط نہیں تو مشروط بھی نہیں، جیسے وضو نہیں تو نماز بھی نہیں۔ ایک آدمی کا وضو نہیں ہے وہ آکر پوری نماز پڑھ لیتا ہے، کیا نماز ہوئی؟ نماز کی صورت تو ہے لیکن نماز نہیں ہے، تو شرط نہیں تو مشروط بھی نہیں۔ تو جب تانیث بالتاء کے اندر علمیت ختم ہوئی اب تانیث بالتاء ہے تو لیکن وہ سبب نہیں بن رہی تو گویا ایک بھی سبب اب اس کے اندر نہیں ہے، تو ضَارِبَةٌ میں غیرِ انصراف کا ایک بھی سبب نہیں ہے اور طَلْحَةُ جب اس کو نکرہ بنا دیا گیا تو اب اس کے اندر بھی ایک بھی سبب نہیں، علمیت تو آپ نے ختم کی اور تانیث بالتاء ہے تو لیکن مؤثر نہیں سبب نہیں بن رہی۔ بات اچھی طرح سمجھ میں آگئی؟

حاصلِ کلام پھر سنو: اسبابِ منعِ صرف کتنے چار قسم کے ہو گئے: کچھ وہ ہیں جو علمیت کے ساتھ جمع ہی نہیں ہو سکتے جیسے وصف ہے، کچھ وہ ہیں جو علمیت کے ساتھ جمع تو ہو سکتے ہیں لیکن علمیت مؤثر نہیں کیونکہ وہ خود دو سببوں کے قائم مقام ہیں اور وہ کون کون سے ہیں؟ جمع ہے اور تانیث بالالف ہے۔ اور کچھ اسباب وہ ہیں کہ جو علمیت کے ساتھ جمع بھی ہو جاتے ہیں، علمیت ان کے اندر مؤثر بھی ہے یعنی غیرِ انصراف کا سبب بھی بنتی ہے لیکن علمیت ان کے لیے شرط نہیں ہے اور وہ دو ہیں، کون کون سے؟ عدل اور وزنِ فعل۔ اور چار سبب ایسے ہیں کہ جن کے اندر علمیت جمع بھی ہوتی ہے اور مؤثر ہوتی ہے یعنی سبب بھی بنتی ہے اور ان کے لیے شرط بھی ہے اور وہ کون سے چار ہیں؟ تانیث بالتاء ہے اور عجمہ ہے، ترکیب ہے اور الف نون مزیدتان بھئی، الف نون مزیدتان۔ تو یہ جو آخری دو قسمیں ہیں ان دو کے ساتھ معلوم ہوا علمیت مؤثر ہو کر جمع ہوتی ہے اور اس میں کتنے اسباب آرہے ہیں؟ چھ، چھ۔ دو میں شرط نہیں اور چار میں شرط ہے، تو یہ چھ ہیں جن کے اندر علمیت مؤثر ہو کر جمع ہوتی ہے۔ ان چھ کو جب آپ نکرہ بنائیں گے تو یہ کیا بن جائیں گے؟ تو یہ منصرف بن جائیں گے۔ البتہ ان میں سے عدل اور وزنِ فعل جو ہے اس کے ساتھ جو علمیت تھی جب آپ علمیت کو ختم کریں گے تو عدل اور وزنِ فعل پھر بھی باقی رہے گا، تو ایک سبب رہ جائے گا وہ کلمہ منصرف بنے گا اور ایک سبب ابھی بھی اس میں باقی ہے۔ جبکہ باقی چار جن میں علمیت شرط تھی اس کو جب آپ نکرہ بنائیں گے تو جب اس سے علمیت ختم کریں گے تو دوسرا سبب بھی اب غیرِ انصراف کا سبب نہیں بنے گا مؤثر نہیں رہے گا، تو وہ اب کلمہ منصرف بنے گا بغیر کسی سبب کے، اب اس میں کوئی بھی سبب غیرِ انصراف کا نہیں ہے۔

اب پہلے صرف متن متن دیکھ لیں جی، کہتے ہیں: «وَمَا فِيهِ عَلَمِيَّةٌ مُؤَثِّرَةٌ» اور ہر وہ اسم جس کے اندر علمیت مؤثر ہو، علمیت کتنے اسباب کے ساتھ مؤثر تھی؟ چھ اسباب، کتنے؟ بھئی چار قسمیں بنائیں بعض کے ساتھ تو علمیت جمع ہی نہیں ہو سکتی، بعض کے ساتھ جمع تو ہوتی ہے لیکن مؤثر نہیں کیونکہ وہ خود دو سببوں کے قائم مقام ہیں، اور بعض کے ساتھ علمیت

جمع ہوگی شرط بنے گی اور بعض کے ساتھ شرط نہیں بنے گی، وہ آخری دو قسمیں اور ان میں کل کتنے اسباب تھے؟ چھ، وہ چھ اسباب ہیں جن کے ساتھ علمیت مؤثر ہے۔ پھر ان میں سے چار کے اندر علمیت شرط ہے اور دو کے اندر علمیت شرط نہیں۔ تو کہتے ہیں «وَمَا فِيهِ عَلَمِيَّةٌ مُؤَثِّرَةٌ» اور ہر وہ اسم جس کے اندر علمیت مؤثر ہے یعنی غیرِ انصراف کا سبب بن رہی ہے، «إِذَا نُكِّرَ» جب اس کو نکرہ بنا دیا جائے، عبارت پر نظر ہے بھئی صرف متن متن ہم حل کر رہے ہیں، «إِذَا نُكِّرَ» جب اس کو نکرہ بنا دیا جائے، «صُرِفَ» تو وہ منصرف ہو جائے گا، وہ کیا ہو جائے گا؟ منصرف ہو جائے گا۔ «لِمَا تَبَيَّنَ» اس وجہ سے جو ظاہر ہے، اس وجہ سے جو ظاہر ہے بھئی۔ کیا ظاہر ہے؟ مِنْ بیان ہے مَا تَبَيَّنَ کا بھئی، کیا بات ظاہر ہے؟ کہتے ہیں «مِنْ أَنَّهَا» یعنی کہ «أَنَّهَا لَا تُجَامِعُ مُؤَثِّرَةً» کہ علمیت جو ہے یہ جمع نہیں ہوتی مؤثر ہو کر، «إِلَّا مَا هِيَ شَرْطٌ فِيهِ» مگر اس سبب کے ساتھ جس میں یہ شرط ہو۔ ادھر دیکھیے، کہتے ہیں اس وجہ سے کہ یہ بات ظاہر ہے کہ علمیت جمع نہیں ہوتی مگر اس سبب کے ساتھ جس میں یہ۔ توجہ ہے؟ عبارت پہ نظر رکھو: «مِنْ أَنَّهَا لَا تُجَامِعُ مُؤَثِّرَةً» کہ علمیت یہ جمع نہیں ہوتی مؤثر ہو کر، کتنے اسباب کے ساتھ مؤثر ہو کر جمع ہوتی ہے؟ چھ، چھ میں سے چار کے اندر شرط ہے اور دو میں شرط نہیں، وہ چھ کے چھ اب بیان کریں گے سنو بھئی۔ کہ یہ علمیت یہ مؤثر ہو کر جمع نہیں ہوتی «إِلَّا مَا هِيَ شَرْطٌ فِيهِ» مَا سے مراد ہے سبب، مگر اس سبب کے ساتھ جس میں یہ شرط ہوتی ہے، علمیت مؤثر ہو کر جمع نہیں ہوتی مگر اس سبب کے ساتھ جس میں یہ شرط ہو، کتنے سبب آ گئے؟ چار آ گئے، چار آ گئے کتنے رہ گئے؟ دو، وہ آگے «إِلَّا الْعَدْلَ وَوَزْنَ الْفِعْلِ» مگر عدل اور وزنِ فعل ان میں شرط نہیں ہے اور ساتھ جمع بھی ہوتی ہے۔ بات سمجھ میں آ گئی؟ «وَهُمَا مُتَضَادَّانِ» یہاں سے کہ سوال کا جواب دے رہے ہیں۔ سوال یہ آپ نے ہمیں کیا کہا کہ جن میں علمیت مؤثر ہو، توجہ ہے؟ جن میں علمیت مؤثر ہو جب اس سے علمیت کو ختم کر دیں تو وہ کیا بن جائیں گے؟ منصرف بن جائیں گے، کیا بن جائیں گے؟ منصرف بن جائیں گے۔ اور وہ کتنے سبب ہیں جن میں علمیت مؤثر ہے؟ چھ، کل جن میں مؤثر ہے وہ چھ ہیں۔ تو جن کے ساتھ علمیت مؤثر ہے جب اس کو نکرہ بنائیں تو وہ کیا بن جائے گا؟ منصرف۔ کہتے ہیں بھئی ہمیں یہ آپ کی بات تسلیم نہیں، ہو سکتا ہے وہ پھر بھی غیرِ منصرف ہو دو سبب اور بھی موجود ہوں۔ تین سبب تھے علمیت ختم کی اب کتنے رہ گئے؟ دو تو ابھی بھی رہ جائیں گے۔ کہتے ہیں نہیں نہیں ایسا نہیں ہو سکتا جب علمیت ختم کریں گے دو سبب باقی رہ ہی نہیں سکتے اس کے اندر۔ کیونکہ وہ جو سبب باقی ہیں اس کے اندر یا تو وہ والے ہوں گے جو شرط والے ہیں جن میں علمیت شرط ہے، جن میں کیا ہے؟ جن میں علمیت شرط ہے، وہ تو چاہے چاروں اکٹھے ہو جائیں جن میں علمیت کیا ہے؟ ان کے ساتھ علمیت آ گئی، آپ علمیت کو ختم کریں گے چاروں ہی ختم ہو جائیں گے۔ توجہ ہے؟ فرض کر لو کوئی اسم ہے اس میں چاروں آ رہے ہیں اور ساتھ علمیت بھی ہے پانچوں ہیں، علمیت کو ختم کرو گے تو علمیت تو خود ختم ہوئی اور وہ چاروں میں شرط ختم تو مشروط بھی ختم تو وہ منصرف بن جائیں گے۔ جیسے آذربائیجان، آذربائیجان، آذربائیجان یہ ایک شہر یا ملک کا نام ہے اور ملک اور شہروں کے نام یاد رکھنا یہ ہمیشہ مؤنث استعمال ہوتے ہیں

عربی میں، کبھی کبھی مذکر بھی استعمال ہو جاتے ہیں لیکن قلیل ہے، یہ ہمیشہ کیا استعمال ہوتے ہیں؟ یہ غیرِ منصرف ہوتے ہیں۔ ایک ان میں علمیت ہوتی ہے اور ایک تانیث۔ جتنے بھی شہروں اور ملکوں کے نام ہیں وہ عربی زبان میں غیرِ منصرف استعمال ہوتے ہیں: ایک ان میں علمیت ہے، علم ہے جگہ کا نام ہے اور ایک تانیث ہے۔ علمیت، علمیت تو ظاہر ہے ملک کا نام ہے یا شہر کا نام ہے اور تانیث کس طرح کہ یہ بَلْدَۃٌ یا بُقْعَۃٌ کی تاویل میں ہوتے ہیں۔ شہر ہے تو بَلْدَۃٌ کی تاویل میں اور ملک ہے تو بُقْعَۃٌ، ب ق دو نقطوں والا ع اور گول تا، بُقْعَۃٌ۔ بُقْعَۃٌ کہتے ہیں زمین کے ٹکڑے کو اور بُقْعَۃٌ کے آخر میں کیا ہے؟ گول تا، اسی طرح بَلْدَۃٌ کے آخر میں بھی کیا ہے؟ گول تا، تو یہ بَلْدَۃٌ اور بُقْعَۃٌ یہ مؤنث ہیں۔ تو کسی بھی شہر اور ملک کا نام ہو وہ عربی زبان میں غیرِ منصرف استعمال ہوتا ہے۔ ایک سبب کیا؟ علمیت، اور دوسرا تانیث ہے کس تاویل میں؟ بَلْدَۃٌ یا بُقْعَۃٌ کی تاویل میں۔ تو آذربائیجان یہ بھی ایک شہر یا ایک ملک کا نام ہے اور اس کے اندر چار سبب ہیں: ایک علمیت ہے، ایک تانیث ہے کیونکہ بَلْدَۃٌ یا بُقْعَۃٌ کی تاویل میں ہے، اگر شہر کا نام ہے تو بَلْدَۃٌ، ملک کا نام ہے تو بُقْعَۃٌ، اور ایک الف نون مزیدتان بھی آخر میں ہیں، اور عجمہ بھی ہے یہ عجمی نام ہے، کتنے سبب ہو گئے؟ چار: علمیت، تانیث، عجمہ اور الف نون مزیدتان۔ اور اس سے علمیت ختم کرو تو باقی تینوں سبب بھی ختم ہو جائیں گے کیونکہ عجمہ میں بھی علمیت شرط ہے، تانیث، تانیثِ معنوی ہے نا گول تا تو نہیں ہے تانیثِ معنوی میں بھی علمیت شرط ہے اور الف نون مزیدتان میں بھی علمیت شرط ہے۔ تو دیکھا؟ تو یہ جن اسباب کے اندر علمیت شرط تھی وہ تو اگر کئی اکٹھے بھی ہو جائیں جب علمیت کو ختم کریں گے تو وہ اسباب بھی غیرِ مؤثر ہو گئے، تو اسم منصرف بن گیا اب اس میں ایک بھی سبب نہیں ہے۔ اور باقی کون سے دو رہ گئے؟ عدل اور وزنِ فعل۔ عدل اور وزنِ فعل ان میں علمیت شرط نہیں۔ توجہ ہے؟ بات چل رہی تھی کہ وہ اسبابِ منعِ صرف جن کے ساتھ علمیت مؤثر ہو کر جمع ہوتی ہے وہ چھ ہیں، ان چھ میں سے چار کے اندر علمیت شرط ہے اور دو میں علمیت شرط نہیں۔ وہ چار جن کے اندر علمیت شرط تھی وہ چاہے ایک ہو، دو ہوں، تین ہوں جتنے بھی تھے جب آپ علمیت کو ختم کریں گے تو وہ سارے بھی کیا ہو جائیں گے؟ غیرِ مؤثر ہو جائیں گے تو لفظ کیا بن جائے گا؟ منصرف بنے گا اور اس میں اب ایک بھی سبب نہیں ہے غیرِ انصراف والا۔ اور باقی کون سے دو سبب رہ گئے؟ عدل اور وزنِ فعل۔ عدل اور وزنِ فعل ان کے ساتھ علمیت جمع تو ہوتی ہے لیکن شرط نہیں ہے تو علمیت ختم کرو گے تو عدل رہ جائے گا یا علمیت ختم کرو گے تو وزنِ فعل رہ جائے گا۔ تو اشکال ہوتا ہے کہ بھئی ہو سکتا ہے عدل اور وزنِ فعل دونوں اکٹھے ہو جائیں علمیت کے ساتھ، ایک لفظ ہے اس میں علمیت بھی ہے، عدل بھی ہے، وزنِ فعل بھی ہے، تینوں ہیں اس کے اندر۔ توجہ ہے؟ کون کون سے سبب ہیں؟ علمیت ہے، عدل ہے اور وزنِ فعل، اور عدل اور وزنِ فعل کے لیے تو علمیت شرط نہیں تو جب آپ علمیت ختم کریں گے تو عدل اور وزنِ فعل ابھی بھی اس میں باقی ہے تو ہو سکتا ہے ابھی بھی وہ کیا ہو؟ غیرِ منصرف۔ آپ نے

تو ہمیں کیا کہا علمیت کو ختم کرو گے تو وہ لفظ کیا بن جائے گا؟ منصرف، حالانکہ ہو سکتا ہے وہ لفظ علمیت کو ختم کرنے کے باوجود غیرِ منصرف ہی رہے کیونکہ اس میں عدل اور وزنِ فعل دو سبب ہوں بھئی۔ توجہ ہے؟ آپ نے ہمیں کیا کہا جن میں علمیت مؤثر ہے علمیت کو ختم کرو گے تو وہ کیا بن جائے گا؟ منصرف بن جائے گا۔ بھئی ہو سکتا ہے عدل اور وزنِ فعل اور علمیت تینوں کسی لفظ میں اکٹھے تھے اب اگر آپ علمیت ختم بھی کر دیں اب بھی کتنے سبب ہیں؟ دو سبب ہیں تو کلمہ کیا ہوگا؟ غیرِ منصرف ہوگا، آپ تو ہمیں کہہ رہے ہیں وہ کیا بن جائے گا؟ منصرف۔ اشکال سمجھ میں آیا؟ تو جواب دیں گے کہ نہیں بھئی، عدل اور وزنِ فعل دونوں ایک دوسرے کے متضاد ہیں ایک دوسرے کی ضد ہیں، یہ کبھی اکٹھے ہو ہی نہیں سکتے ایک لفظ کے اندر بھئی۔ توجہ ہے؟ میں نے آپ کو بتلایا تھا کہ عدل کے چھ اوزان ہیں، علماء نے تلاش کیا بھئی پورے کلامِ عرب میں کہ کتنے وزن ہیں جن میں عدل ہوا ہے، تو وہ چھ وزن ہیں اور ان چھ میں سے ایک بھی وزنِ فعل نہیں، ایک بھی فعل والا وزن نہیں۔ تو جب عدل کے اوزان الگ، فعل کے اوزان الگ، تو دونوں اکٹھے ہو ہی نہیں سکتے ایک وقت۔ میں ایک وزن آئے گا، دونوں وزن تو نہیں آسکتے بھئی۔ اور عدل کے چھ اوزان کون کون سے تھے؟ مَفْعَل، فُعَال، فَعَال، فِعْل، فا کے نیچے زیر اور عین ساکن فِعْل، اور فَعَل، فا اور عین دونوں پر فتحہ، اور فُعَل جیسے عُمَر۔ مَفْعَل، فُعَال، فَعَال، فِعْل، فَعَل اور فُعَل۔ ان میں سے صرف ایک فَعَل وزن جو ہے وہ وزنِ فعل ہے۔ فَعَل، ضَرَب، ضَرَبَ۔ آخری حرف کا اعتبار نہیں کیونکہ آخر تو ماضی کا مبنی ہوتا ہے اور اسم کا آخر ہمیشہ مبنی نہیں ہوتا۔ تو دیکھو ضَرَبَ تو ضَرَب اور فَعَل یہ دونوں کا وزن ایک ہے۔ لیکن میں نے بتلایا تھا آپ کو کہ یہ جو ضَرَب، ضَرَبَ وزن ہے اوزانِ فعل میں سے ضَرَبَ یعنی ماضی معروف کا جو وزن ہے ثلاثی مجرد سے، یہ اوزانِ فعل میں سے معتبر نہیں یہ غیرِ انصراف کا سبب نہیں بنتا۔ شَمَّرَ یا ضُرِبَ وغیرہ یہ وزن تو غیرِ انصراف کا سبب بنتے ہیں۔ اوزانِ فعل جو ہیں یہ سارے کے سارے غیرِ انصراف کا سبب نہیں بنتے، یہ غیرِ انصراف میں معتبر نہیں، کچھ خاص وزن ہیں جو علماء نے کتابوں میں درج فرمائے ہیں کہ فلاں فلاں وزن جو ہے، وزن فعل کے کتنے ہی اوزان ہیں، بات سمجھ میں آرہی؟ معروف بھی ہے، مجہول بھی ہے، ثلاثی مجرد بھی ہے، ثلاثی مزید فیہ بھی ہے، رباعی مجرد بھی ہے، رباعی مزید فیہ بھی، کتنے ہی باب آپ نے پڑھے ہیں۔ تو ان میں سے سارے وزن جو ہیں وہ غیرِ انصراف کا سبب نہیں بنتے بلکہ بعض وزن ہیں وہ سبب بنتے ہیں اور بعض سبب نہیں بنتے۔ تو یہ جو ضَرَب یعنی فَعَل وزن ہے فا اور عین دونوں پر فتحہ ہے یہ جو ماضی معروف کا وزن ہے، یہ والا وزنِ فعل غیرِ انصراف میں معتبر نہیں، یہ غیرِ انصراف کا سبب نہیں بنتا یہ والا وزن بھئی۔ تو لہٰذا عدل کے اوزان کون کون سے؟ مَفْعَل، فُعَال، فَعَال، فِعْل اور فَعَل اور فُعَل۔ ان میں سے صرف فَعَل وزن جو ہے وہ فعل والا ہے اور عدل کا بھی یہی وزن اور فعل والا بھی، لیکن یہ اوزانِ فعل میں سے یہ والا معتبر ہی نہیں ہے تو گویا یہ صرف عدل کا وزن ہے وزنِ فعل میں یہ معتبر ہی نہیں۔ تو اوزانِ فعل الگ جو غیرِ انصراف کا سبب بنتے ہیں اور معتبر ہیں وہ الگ اور عدل کے اوزان الگ، تو یہ دونوں کبھی بھی اکٹھے نہیں ہوتے۔ لہٰذا آپ کا یہ کہنا کہ کوئی ایک اسم ایسا ہو جس میں عدل اور وزنِ فعل دونوں علمیت کے ساتھ جمع ہو جائیں یہ درست نہیں ہے۔ عدل اور وزنِ فعل دونوں علم کے ساتھ

جمع نہیں ہو سکتے ایک وقت میں ایک آئے گا: یا علمیت کے ساتھ عدل آئے گا یا وزنِ فعل۔ تو جب علمیت کو ختم کریں گے تو صرف عدل رہ جائے گا یا صرف وزنِ فعل رہ جائے گا اور ایک سبب کی وجہ سے تو لفظ غیرِ منصرف نہیں بنتا تو وہ لفظ منصرف بن جائے گا اور اس میں ایک سبب باقی رہ جائے گا۔ صورت سمجھ میں آگئی اچھی طرح؟

دیکھیے کتاب پر متن متن ہم حل کر رہے ہیں بھئی۔ کہتے ہیں: «وَهُمَا مُتَضَادَّانِ» اور وہ دونوں متضاد ہیں یعنی عدل اور وزنِ فعل دونوں آپس میں متضاد ہیں، «فَلَا يَكُونُ مَعَهَا إِلَّا أَحَدُهُمَا» لہٰذا علمیت کے ساتھ نہیں ہوگا مگر ان دونوں میں سے ایک۔ ایک وقت میں ایک ہی آئے گا دونوں اکٹھے نہیں آسکتے۔ «فَإِذَا نُكِّرَ» جب اس غیرِ منصرف کو نکرہ بنایا جائے گا، جب نکرہ بنایا جائے گا، «بَقِيَ بِلَا سَبَبٍ» تو وہ بغیر کسی سبب کے باقی رہ جائے گا، «أَوْ عَلَى سَبَبٍ وَاحِدٍ» یا ایک ہی سبب پر باقی رہے گا۔ بَقِيَ بِلَا سَبَبٍ بغیر سبب کے باقی رہ جائے گا یہ کن اسبابِ منعِ صرف میں؟ جن میں علمیت شرط تھی۔ علمیت ختم تو وہ اسباب خود بھی ختم کیونکہ شرط ختم تو مشروط بھی ختم، تو بَقِيَ بِلَا سَبَبٍ تو وہ اسم بغیر کسی سبب کے رہ جائے گا یعنی منصرف ہو جائے گا۔ اور أَوْ عَلَى سَبَبٍ وَاحِدٍ یا ایک سبب پر اسم باقی رہ جائے گا جب آپ اس کو نکرہ بنائیں گے، یہ کس کے اندر؟ عدل اور وزنِ فعل کے اندر۔ بات اچھی طرح سمجھ میں آگئی؟

جی اب آئیے بھئی شرح کے ساتھ اس سارے متن کو حل کریں۔ کہتے ہیں: «وَمَا فِيهِ عَلَمِيَّةٌ مُؤَثِّرَةٌ» «أَيْ كُلُّ اسْمٍ غَيْرِ مُنْصَرِفٍ» ہر ایسا اسم جو غیرِ منصرف ہو۔ «وَمَا فِيهِ عَلَمِيَّةٌ مُؤَثِّرَةٌ» معلوم ہوا مَا سے مراد اسم ہے بھئی اور اسم بھی کون سا جو غیرِ منصرف ہے۔ دیکھو متن میں آیا تھا «وَمَا» صاحبِ جامی نے اس کی شرح کس کے ساتھ کی؟ «أَيْ كُلُّ اسْمٍ غَيْرِ مُنْصَرِفٍ»۔ کیا وجہ بھئی یہ كُلُّ کا لفظ وہ کیوں لے کر آئے؟ كُلُّ کا لفظ انہوں نے کیوں بڑھایا؟ وجہ یہ کہ یہ صاحبِ کافیہ ضابطہ ذکر کر رہے ہیں، قانون ذکر کر رہے ہیں اور قانون ہمیشہ کلی ہوتا ہے، اس لیے كُلُّ اسْمٍ کہا كُلُّ کا لفظ لے کر آئے۔ بتلانا چاہتے ہیں کہ یہ صاحبِ کافیہ ضابطہ اور قانون بیان کر رہے ہیں اور قانون کلی ہوتا ہے بھئی، جیسے الْفَاعِلُ مَرْفُوعٌ، ہر فاعل کیا ہوتا ہے؟ مرفوع ہوتا ہے۔ دوسرا كُلُّ کا لفظ اس لیے لے کر آئے کہ یہ جو مَا ہے یہ مَا موصولہ ہے اور اسمِ موصول میں عموم کا بھی احتمال ہوتا ہے اور خصوص کا بھی۔ اسمِ موصول میں عموم کا بھی احتمال ہوتا ہے اور خصوص کا بھی، کبھی یہ عموم کے لیے آتا ہے کبھی خصوص کے لیے آتا ہے۔ جیسے جَاءَ الَّذِي أَكْرَمَكَ، جَاءَ الَّذِي وہ آدمی آیا أَكْرَمَكَ جس نے آپ کا اکرام کیا تھا جس نے آپ کی عزت کی تھی، دیکھا معلوم ہوا کوئی متعین آدمی مراد ہے۔ جَاءَ الَّذِي أَكْرَمَكَ آیا وہ جس نے کہ آپ کا اکرام کیا تھا تو یہ الَّذِي سے ہر آدمی مراد ہے یا ایک متعین آدمی مراد ہے؟ متعین آدمی مراد ہے جس نے آپ کا اکرام کیا تھا آپ کی عزت کی تھی خوب بھئی۔ تو یہاں الَّذِي عموم کے لیے نہیں ہے بلکہ خصوص کے لیے ہے ایک خاص فرد پر دلالت کر رہا ہے۔ توجہ ہے؟ بتلانا میں یہ چاہتا ہوں کہ اسمِ موصول خصوص کے لیے بھی آتا ہے اور عموم کے لیے بھی آتا ہے، جیسے

جَاءَ الَّذِي أَكْرَمَكَ اس کے اندر جو الَّذِي آیا وہ کس لیے ہے؟ خصوص کے لیے ہے وہ ایک خاص متعین فرد پر دلالت کر رہا ہے وہ ایک فرد جس نے آپ کا اکرام کیا تھا۔ دوسرا جملہ سنو: الَّذِي يَأْتِينِي فَلَهُ دِرْهَمٌ، الَّذِي يَأْتِينِي جو کوئی میرے پاس آئے گا فَلَهُ دِرْهَمٌ تو اس کے لیے ایک درہم ہے یعنی میں اسے ایک درہم دوں گا۔ جو کوئی میرے پاس آئے گا الَّذِي يَأْتِينِي جو میرے پاس آئے گا فَلَهُ دِرْهَمٌ تو اس کے لیے ایک درہم ہے۔ اب دیکھو یہاں بھی الَّذِي آیا اور یہاں الَّذِي سے کوئی متعین آدمی مراد ہے یا عموم ہے اس کے اندر؟ عموم ہے جو بھی میرے پاس آئے گا میں اس کو ایک درہم دوں گا۔ تو دیکھو پہلے جملے میں جَاءَ الَّذِي أَكْرَمَكَ یہاں الَّذِي کس لیے ہے؟ خصوص کے لیے، اور الَّذِي يَأْتِينِي فَلَهُ دِرْهَمٌ یہاں الَّذِي کس لیے ہے؟ عموم کے لیے۔ تو اسمِ موصول کبھی عموم کے لیے آتا ہے اور کبھی خصوص کے لیے۔ تو یہاں پر بھی آیا «وَمَا فِيهِ عَلَمِيَّةٌ مُؤَثِّرَةٌ» یہ مَا اور مَنْ یہ بھی کیا ہیں؟ اسمائے موصولہ ہیں آپ پڑھ چکے ہیں، تو یہ بھی کبھی عموم کے لیے آتے ہیں اور کبھی خصوص کے لیے۔ صاحبِ جامی آپ کو بتلانا چاہتے ہیں کہ یہاں پر جو مَا آیا اسمِ موصول یہ خصوص کے لیے نہیں ہے بلکہ عموم کے لیے ہے اس لیے کہا كُلُّ اسْمٍ، ہر اسم بھئی۔ بات سمجھ میں آگئی؟

کہتے ہیں: «وَمَا فِيهِ عَلَمِيَّةٌ مُؤَثِّرَةٌ» «أَيْ كُلُّ اسْمٍ غَيْرِ مُنْصَرِفٍ» یعنی ہر ایسا اسم جو غیرِ منصرف ہے، «تَكُونُ فِيهِ عَلَمِيَّةٌ مُؤَثِّرَةٌ» جس کے اندر علمیت مؤثر ہے۔ بات سمجھ میں آرہی؟ كُلُّ اسْمٍ: كُلُّ ہے مضاف، اسْمٍ ہے مضافٌ الیہ اور یہ اسْمٍ ہے موصوف، غَيْرِ مُنْصَرِفٍ اس کی صفتِ اول ہے، اسْمٍ ہے نکرہ اور غَيْرِ مُنْصَرِفٍ اس کی صفتِ اول، اور تَكُونُ فِيهِ عَلَمِيَّةٌ مُؤَثِّرَةٌ یہ پورا جملہ فعلیہ ہے اور نکرہ کے بعد فعل آئے تو وہ اس کے لیے کیا بنتا ہے؟ صفت، تو یہ اس کے لیے صفتِ ثانی ہے۔ «أَيْ كُلُّ اسْمٍ غَيْرِ مُنْصَرِفٍ تَكُونُ فِيهِ عَلَمِيَّةٌ مُؤَثِّرَةٌ فِي مَنْعِ الصَّرْفِ بِالسَّبَبِيَّةِ الْمَحْضَةِ أَوْ مَعَ الشَّرْطِيَّةِ بِسَبَبٍ آخَرَ». بھئی پہلے ادھر دیکھیے بات سمجھ لیں، کہنا یہ چاہتے ہیں ہر وہ اسم جس کے اندر علمیت مؤثر ہے، غیرِ انصراف کا سبب بن رہی ہے، چاہے وہ اس کے اندر علمیت صرف سبب بن رہی ہو چاہے سبب کے ساتھ ساتھ شرط بھی بن رہی ہو۔ عدل اور وزنِ فعل کے اندر علمیت صرف سبب بن رہی ہے شرط اس کے لیے نہیں، اور تانیث بالتاء، عجمہ، ترکیب اور الف نون مزیدتان اس کے اندر علمیت سبب بھی بنتی ہے اور ان کے لیے شرط بھی ہوتی ہے۔ تو کہتے ہیں «أَيْ كُلُّ اسْمٍ غَيْرِ مُنْصَرِفٍ» ہر ایسا غیرِ منصرف اسم «تَكُونُ فِيهِ عَلَمِيَّةٌ مُؤَثِّرَةٌ» جس کے اندر علمیت جو ہے مؤثر ہوتی ہے، کس چیز میں مؤثر ہوتی ہے؟ «فِي مَنْعِ الصَّرْفِ» منع صرف یعنی غیرِ منصرف ہونے میں مؤثر ہوتی ہے «بِالسَّبَبِيَّةِ الْمَحْضَةِ» محض سبب ہونے کی وجہ سے، محض سبب ہونے کی وجہ سے، «أَوْ مَعَ الشَّرْطِيَّةِ بِسَبَبٍ آخَرَ» یا دوسرے سبب کے ساتھ شرط ہونے کے ساتھ۔ سبب بھی بنتی ہے اور دوسرے سبب کے ساتھ شرط بھی بنتی ہے۔ تو ہر وہ اسم جس کے اندر علمیت مؤثر ہو چاہے سببِ محض ہو کر یا دوسرے سبب کے لیے شرط ہو کر، آگے متن میں بات پھر پوری ہوتی ہے متن دیکھیں «إِذَا نُكِّرَ» جب اس کو نکرہ بنایا جائے، اس اسم کو نکرہ بنایا جائے، تو آگے ہے، نکرہ بنایا جائے «صُرِفَ» تو یہ منصرف ہوتا ہے۔

کہتے ہیں: «وَاحْتَرَزَ بِذٰلِكَ» بھئی یہ قید کیوں لگائی؟ صرف اتنا کہہ دیتے «وَمَا فِيهِ عَلَمِيَّةٌ» ہر وہ اسم جس کے اندر کیا ہو؟ علمیت۔ یہ علمیت کے ساتھ مُؤَثِّرَةٌ کی قید کیوں لگائی کہ علمیت مؤثر بھی ہو؟ تو تفصیل میں بیان کر چکا ہوں کہ بعض سبب ہیں ان کے ساتھ علمیت جمع تو ہو جاتی ہے لیکن غیرِ انصراف کا سبب نہیں بنتی کیونکہ وہ خود دو سببوں کے قائم مقام ہوتے ہیں، تو دراصل ان کو نکالنا چاہتے ہیں کہ ان کے ساتھ علمیت جمع تو ہوتی ہے لیکن مؤثر نہیں، تو ان کو نکرہ بنائیں گے تو کوئی فرق نہیں پڑے گا بھئی۔ تو یہ جو مؤثر کی قید لگائی کس لیے لگائی؟ کس کو نکالنے کے لیے؟ انہوں نے کہا جس کے اندر علمیت مؤثر ہو یا مؤثر ہونے کی قید کیوں لگائی؟ کس کو نکالنا چاہتے ہیں؟ جمع کو، وہ جمع جو منتہی الجموع کے صیغے پر ہو اس کو بھی نکالنا چاہتے ہیں اور تانیث بالالف کو بھی نکالنا چاہتے ہیں کیونکہ ان کے ساتھ علمیت جمع تو ہو سکتی ہے لیکن مؤثر نہیں۔ یہی بیان کر رہے ہیں کہتے ہیں: «وَاحْتَرَزَ بِذٰلِكَ» اور اس کے ذریعے احتراز کیا، یہ جو قید مُؤَثِّرَةٌ کی ذکر کی اس کے ذریعے احتراز کیا «عَمَّا» اس مَا سے مراد ہے علمیت بھئی۔ کیا مراد ہے؟ علمیت بھئی، توجہ ہے؟ تو «وَاحْتَرَزَ بِذٰلِكَ» یہ جو مُؤَثِّرَةٌ کی قید لگائی اس کے ذریعے احتراز کیا «عَمَّا» اس علمیت سے «تُجَامِعُ أَلِفَيِ التَّأْنِيثِ» جو جمع ہو جاتی ہے تانیث کے دو الفوں کے ساتھ، «أَوْ صِيغَةَ مُنْتَهَى الْجُمُوعِ» یا کس کے ساتھ جمع ہو جاتی ہے؟ منتہی الجموع کے صیغے کے ساتھ۔ «فَإِنَّ كُلَّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا كَافٍ فِي مَنْعِ الصَّرْفِ» اس لیے کیونکہ ان دونوں میں سے ہر ایک کافی ہے منعِ صرف میں۔ تانیث کے دو الف وہ خود کیا ہیں؟ غیرِ انصراف کے لیے کافی ہیں ان کو علمیت کی حاجت نہیں، اور اسی طرح جمع جو منتہی الجموع کا صیغہ ہے وہ بھی غیرِ انصراف کے لیے کافی ہے وہ علمیت کے محتاج نہیں، یہ معنی ہے «فَإِنَّ كُلَّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا كَافٍ فِي مَنْعِ الصَّرْفِ» اس لیے کیونکہ ان دونوں میں سے ہر ایک کافی ہے منعِ صرف میں یعنی غیرِ منصرف ہونے میں، «لَا تَأْثِيرَ فِيهِ لِلْعَلَمِيَّةِ» اس میں علمیت کی کوئی تاثیر نہیں یعنی علمیت مؤثر نہیں۔ عبارت سمجھ میں آگئی؟ پھر سنو ترجمہ بھئی: انہوں نے کیا کہا «وَمَا فِيهِ عَلَمِيَّةٌ مُؤَثِّرَةٌ»، سوال پیدا ہوا یہ مُؤَثِّرَةٌ کی قید کیوں لگائی؟ میں نے بتلایا یہ اس علمیت کو نکالنے کے لیے ہے جو تانیث کے دو الف یا جمع کے صیغے یعنی منتہی الجموع کے صیغے کے ساتھ جمع ہو جائے، اب دیکھو وہاں علمیت تو موجود ہے لیکن مؤثر نہیں کیونکہ یہ خود ہی دو سببوں کے قائم مقام۔ تو کہتے ہیں «وَاحْتَرَزَ بِذٰلِكَ» کہ اس مُؤَثِّرَةٌ کی قید کے ذریعے احتراز کیا ماتن نے «عَمَّا» اس علمیت سے «تُجَامِعُ أَلِفَيِ التَّأْنِيثِ أَوْ صِيغَةَ مُنْتَهَى الْجُمُوعِ» وہ علمیت جو جمع ہو جاتی ہے تانیث کے دو الفوں کے ساتھ یا منتہی الجموع کے صیغے کے ساتھ، «فَإِنَّ كُلَّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا كَافٍ فِي مَنْعِ الصَّرْفِ» اس لیے کیونکہ ان دونوں میں سے ہر ایک جو ہے یعنی تانیث کے جو دو الف ہیں اور منتہی الجموع کا جو صیغہ ہے ان میں سے ہر ایک کافی ہے «فِي مَنْعِ الصَّرْفِ» غیرِ منصرف ہونے میں، «لَا تَأْثِيرَ فِيهِ لِلْعَلَمِيَّةِ» اس میں علمیت کی کوئی تاثیر نہیں ہے۔

«إِذَا نُكِّرَ» جب اس اسم کو نکرہ بنا دیا جائے۔ متن کو متن سے جوڑیں: «وَمَا فِيهِ عَلَمِيَّةٌ مُؤَثِّرَةٌ إِذَا نُكِّرَ» اور ہر وہ اسم جس کے اندر علمیت مؤثر ہے جب اس کو نکرہ بنا دیا جائے۔ بھئی نکرہ کیسے بنایا جائے؟ صاحبِ جامی اب آپ کو طریقہ بتلائیں

گے۔ میں نے بیان کر دیا، کیا بتلایا؟ کہ پوری ایک جماعت کا نام رکھ دیا جائے تو یہ علم کیا ہو جائے گا اب؟ نکرہ بن جائے گا۔ بلکہ صاحبِ جامی دو طریقے بتلائیں گے آپ کو: ایک صورت یہ کہ پوری جماعت کا نام، مثلاً زَیْد ایک آدمی کا نام نہیں بلکہ آپ پوری جماعت کا نام زَیْد رکھتے ہیں تو اب یہ نکرہ بن گیا، اب میں آپ سے کہوں گا کہ کل میں نے زید کو دیکھا آپ کو پتہ چلا کون سا زید مراد ہے؟ نہیں کیونکہ اب یہ نکرہ بن چکا ہے بھئی۔ اور دوسرا طریقہ یہ کہ علم بول کر وہ ذات نہ مراد لی جائے بلکہ اس کا مشہور وصف مراد لے لیا جائے۔ مشہور وصف مراد لے لیا جائے، جیسے مثال ذکر کریں گے «لِكُلِّ فِرْعَوْنٍ مُوسٰى»، ہر فرعون کے لیے موسیٰ ہے۔ اب یہاں فرعون بول کر وہ فرعون بادشاہ نہیں مراد بلکہ اس کا وصفِ مشہور مراد ہے یعنی ظالم ہونا، کیا مراد ہے؟ ظالم تھا وہ۔ اور موسیٰ بول کر حضرت موسیٰ علیہ السلام پیغمبر نہیں مراد بلکہ ان کا مشہور وصف مراد ہے یعنی کہ وہ حق کو اختیار کرنے والے تھے، وہ عادل تھے عدل کرنے والے تھے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو یہاں اب دیکھو نام ذکر کیے گئے لیکن نام بول کر ذات نہیں مراد بلکہ وہ صاحبِ علم کا جو مشہور وصف تھا وہ مراد لے لیا گیا تو اب بھی یہ نکرہ ہے علمیت اس سے کیا ہو گئی؟ ختم کیونکہ ذات مراد نہیں ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟

دیکھیے صاحبِ جامی تفصیل بیان کر رہے ہیں۔ کہتے ہیں: «إِذَا نُكِّرَ» جب اس کو نکرہ بنا دیا جائے، «بِأَنْ يُؤَوَّلَ» یہ باتصویریہ ہے صورت بتلا رہے ہیں کس طرح نکرہ بنا دیا جائے، کہتے ہیں: «بِأَنْ يُؤَوَّلَ» با ایں صورت کہ تاویل کر لی جائے «الْعَلَمُ» اس علم کی «بِوَاحِدٍ مِنَ الْجَمَاعَةِ الْمُسَمَّاةِ بِهِ»۔ «بِأَنْ يُؤَوَّلَ الْعَلَمُ بِوَاحِدٍ مِنَ الْجَمَاعَةِ الْمُسَمَّاةِ بِهِ» کہ تاویل کر لی جائے اس علم کی کسی ایک کے ساتھ اس جماعت میں سے جو اس نام کے ساتھ موسوم ہے۔ وہ جماعت جو اس نام کے ساتھ موسوم ہے ان میں سے کسی ایک کی تاویل کر لی جائے۔ مثلاً جیسے میں نے ابھی آپ کو بتایا ایک پوری جماعت کا نام ہم نے کیا رکھ دیا؟ زَیْد۔ اس میں دس طلبہ ہیں، پوری جماعت کا نام کیا؟ زَیْد۔ اب میں نے کہا رَأَیْتُ زَیْدًا، میں نے ایک زید کو دیکھا، کون مراد ہے؟ اس پوری جماعت میں سے ایک، اس پوری جماعت میں سے ایک۔ دیکھا یہ معنی ہے: «بِأَنْ يُؤَوَّلَ الْعَلَمُ بِوَاحِدٍ مِنَ الْجَمَاعَةِ الْمُسَمَّاةِ بِهِ» با ایں صورت کہ تاویل کر لی جائے علم کی وہ جماعت جو اس نام کے ساتھ موسوم ہے ان میں سے ایک کی، کہ تاویل کر لی جائے اس علم کے ذریعے کسی ایک کی جو اس جماعت میں سے جو اس نام کے ساتھ موسوم ہے۔ «نَحْوُ هٰذَا زَيْدٌ» یہ زید ہے، «وَرَأَيْتُ زَيْدًا آخَرَ» اور میں نے ایک اور زید کو دیکھا۔ هٰذَا زَيْدٌ، هٰذَا زَيْدٌ یہ زید ہے، بھئی اس جماعت والا ایک طالب علم آیا میں نے کہا هٰذَا زَيْدٌ یہ کیا ہے؟ زید ہے۔ توجہ ہے؟ اب دیکھو یہ اس جماعت میں سے ایک ہے، توجہ ہے؟ محشّی لکھتے ہیں کہ دو جملے صاحبِ جامی نے ذکر کیے دیکھو عبارت پہ نظر رکھو: هٰذَا زَيْدٌ یہ زید ہے، اور دوسرا جملہ ہے رَأَيْتُ زَيْدًا آخَرَ میں نے ایک اور زید کو دیکھا، رَأَيْتُ زَيْدًا آخَرَ۔ دوسرے جملے میں تو زَیْدًا کی صفت آخَرَ لائے اور آخَرَ پر کوئی الف لام ہے؟ نہیں، تو معلوم ہوا زَیْدًا نکرہ ہے، میں نے ایک دوسرا زید دیکھا معلوم ہوا کوئی اور زید بھی ہے

تو دوسرے جملے میں تو زَیْدًا نکرہ ہے قطعی طور پر۔ پہلے جملے کے اندر محشّی لکھتے ہیں هٰذَا زَیْدٌ یہ زَیْد معرفہ ہے، یہ زَیْد معرفہ ہے، جبکہ بعض شروحات والے لکھتے ہیں کہ یہ زَیْد بھی نکرہ ہے۔ اسی جماعت میں سے ایک ساتھی آیا تو آپ کیا کہتے ہیں هٰذَا زَیْدٌ یہ زید ہے، یعنی یہ ایک زید ہے یوں ترجمہ کرو: هٰذَا زَیْدٌ یہ ایک زید ہے۔ اور یہی زیادہ مناسب ہے کہ دونوں جملوں میں جو لفظِ زَیْد آیا وہ نکرہ ہے بھئی، وہ کیا ہے؟ نکرہ ہے بھئی کیونکہ یہ بات اس علم کی چل رہی ہے جس سے علمیت ختم کر دی گئی ہے، تو دونوں میں یہ نکرہ ہے تو هٰذَا زَیْدٌ کا کیا ترجمہ کریں گے؟ یہ زید ہے یہ ترجمہ نہ کریں، هٰذَا زَیْدٌ یہ ایک زید ہے، جیسے میں کہتا ہوں هٰذَا کِتَابٌ یہ ایک کتاب ہے، هٰذَا رَجُلٌ یہ ایک آدمی ہے، تو یہ بھی دس طلبہ کی جماعت کا نام زَیْد رکھا ہے تو یہ بھی ان میں سے ایک ہے، هٰذَا زَیْدٌ یہ ایک زید ہے، وَرَأَیْتُ زَیْدًا آخَرَ اور میں نے ایک دوسرے زید کو دیکھا۔ تو دیکھا دونوں جملوں میں لفظِ زَیْد نکرہ ہے، پوری جماعت جو اس نام کے ساتھ موسوم تھی ان میں سے ایک کا ہم نے ارادہ کیا ہے یہاں پر بھئی، ان میں سے ایک کا ارادہ کیا ہے۔ «فَإِنَّهُ أُرِیدَ بِهِ» اس لیے کیونکہ اس نام زَیْد کے ذریعے ارادہ کیا گیا ہے «الْمُسَمَّى بِزَیْدٍ» وہ جو زید کے نام کے ساتھ موسوم ہے اس کا یہاں ارادہ کیا گیا ہے، اور وہ ایک ہیں یا زیادہ ہیں؟ زیادہ ہیں، تو یہ نکرہ ہے بھئی۔

«أَوْ یُجْعَلَ عِبَارَةً عَنِ الْوَصْفِ الْمُشْتَهِرِ صَاحِبُهُ بِهِ»، «أَوْ یُجْعَلَ عِبَارَةً» یا اس علم کو عبارت بنا دیا جائے «عَنِ الْوَصْفِ الْمُشْتَهِرِ» اس وصف سے «الْمُشْتَهِرِ» کہ مشہور ہے «صَاحِبُهُ» اس علم والا «بِهِ» اس وصف کے ساتھ۔ توجہ ہے؟ صَاحِبُهُ کی هُ ضمیر راجع ہے علم کو، صَاحِبُهُ أَيْ صَاحِبُ الْعَلَمِ۔ بھئی فِرْعَوْن بول کر فِرْعَوْن نہیں مراد بلکہ اس کا، اس علم والے کا مشہور وصف مراد ہے کہ وہ ظالم تھا بھئی۔ تو صَاحِبُهُ هُ ضمیر کس کو راجع؟ علم کو صَاحِبُ الْعَلَمِ۔ تو «عَنِ الْوَصْفِ الْمُشْتَهِرِ صَاحِبُهُ بِهِ»، بِهِ کی هِ ضمیر راجع ہے وصف کو۔ بھئی ادھر دیکھیے، دوسری صورت یہ ہے علم کو نکرہ بنانے کی، علمیت کو ختم کرنے کی کہ علم بول کر وہ ذات مراد نہ لیں صاحبِ علم مراد نہ لیں بلکہ اس کا مشہور وصف مراد لے لیں۔ فِرْعَوْن بول کر فِرْعَوْن کی ذات مراد نہ لیں بلکہ اس کا مشہور وصف یعنی ظالم ہونا مراد لے لیں۔ یہ معنی ہے «أَوْ یُجْعَلَ عِبَارَةً» یا اس علم کو عبارت بنایا یعنی اس سے مراد لیا جائے، اس علم کو عبارت بنایا کس سے؟ وصفِ مشہور سے، یعنی اس سے وصفِ مشہور مراد لیا بھئی۔ «أَوْ یُجْعَلَ عِبَارَةً عَنِ الْوَصْفِ الْمُشْتَهِرِ صَاحِبُهُ بِهِ» یا اس علم کو کنایہ بنا لیا جائے، اس کو عبارت بنا لیا جائے اس وصف سے کہ مشہور ہے صَاحِبُهُ اس علم والا اس نام والا بِهِ اس وصف کے ساتھ، اس سے اس کو عبارت بنا لیا جائے یعنی وہ وصف مراد لے لیا جائے آسان لفظوں میں یوں کہو۔ یہ الْمُشْتَهِرِ یہ صفت بِحَالِ مُتَعَلِّقِهِ ہے۔ لفظوں میں الْوَصْفِ ہے موصوف اور الْمُشْتَهِرِ ہے اس کی صفت، لیکن الْمُشْتَهِرِ کا فاعل صَاحِبُهُ آگے آرہا ہے، صَاحِبُهُ کیا ہے؟ آگے آرہا ہے، تو وہ وصف نہیں مشہور بلکہ علم والا مشہور ہے، کون مشہور ہے؟ علم والا مشہور ہے بِهِ اس وصف کے ساتھ، تو یہ صفت بِحَالِ مُتَعَلِّقِهِ ہے، لفظوں میں مُشْتَهِر صفت ہے وصف کی اور معنی میں صفت ہے یہ صاحبِ علم کی بھئی۔ تو کہتے ہیں

«أَوْ يُجْعَلَ عِبَارَةً عَنِ الْوَصْفِ الْمُشْتَهِرِ صَاحِبُهُ بِهِ» یا اس علم کو کنایہ بنا لیا جائے، اس کو عبارت بنا لیا جائے اس وصف سے کہ مشہور ہے صَاحِبُهُ اس علم والا اس نام والا بِهِ اس وصف کے ساتھ، اس سے اس کو عبارت بنا لیا جائے یعنی وہ وصف مراد لے لیا جائے آسان لفظوں میں یوں کہو۔ «نَحْوُ قَوْلِهِمْ» جیسے کہ عربوں کا قول ہے: «لِكُلِّ فِرْعَوْنٍ مُوسٰى» ہر فرعون کے لیے موسیٰ ہے، «أَيْ لِكُلِّ مُبْطِلٍ مُحِقٌّ»۔ مُبْطِل کہتے ہیں باطل کو اختیار کرنے والا، ناحق کو اختیار کرنے والا اس کو کیا کہتے ہیں؟ مُبْطِل۔ اور مُحِقّ کہتے ہیں حق کو اختیار کرنے والا۔ تو یہاں فِرْعَوْن سے، فِرْعَوْن بول کر فِرْعَوْن نہیں مراد بلکہ مُبْطِل مراد ہے، اور مُوسٰی بول کر مُوسٰی علیہ السلام نہیں مراد بلکہ مُحِقّ مراد ہے یعنی ان کے مشہور وصف جو ہیں وہ یہاں مراد ہیں۔ «لِكُلِّ فِرْعَوْنٍ مُوسٰى أَيْ لِكُلِّ مُبْطِلٍ مُحِقٌّ» ہر باطل پرست کے لیے مُحِقّ حق پرست ہے، ہر باطل پرست کے لیے کوئی نہ کوئی حق پرست ہوتا ہے جو اللہ پیدا فرماتے ہیں جو اس باطل پرست کو ختم کر دیتا ہے مٹا دیتا ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون جیسے سرکش کو مٹا دیا بھئی۔ تو دیکھو فِرْعَوْن غیرِ منصرف ہے مُوسٰی بھی غیرِ منصرف ہے، دونوں عجمی نام ہیں اور علمیت بھی ہے اور عجمہ بھی ہے تو دونوں غیرِ منصرف، لیکن یہاں پر دونوں منصرف ہیں کیونکہ علم بول کر ذات نہیں مراد بلکہ ان کا وصفِ مشہور مراد ہے اس وقت یہ منصرف ہیں بھئی۔ اسی لیے «لِكُلِّ فِرْعَوْنٍ» دیکھا فِرْعَوْن پر آپ کسرہ بھی پڑھ رہے ہیں اور تنوین بھی پڑھ رہے ہیں، تو یہ اس وقت منصرف ہو چکے ہیں، معنی سمجھ میں آگیا؟

تو کہتے ہیں جب اس کو نکرہ بنایا جائے گا تو «صُرِفَ» تو وہ منصرف ہو جائے گا بھئی۔ بات سمجھ میں آگئی؟ سارا حل ہو گیا، چلیے بس بھئی۔ هٰذَا هُوَ الْمَرَامُ وَاللهُ أَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْكَلَامِ.

سبق نمبر ۷۳: احکامِ غیر منصرف (۲): تنکیر کے بعد صرف ہونے اور عدمِ صرف کی علتیں

شرحِ ملا جامی صفحہ: ۵۳ — بتاریخ: ۲۳ ستمبر ۲۰۲۱ء

▪ تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث

دیکھیے بھئی آگے سبق:

لِمَا تَبَيَّنَ أَيْ ظَهَرَ حِيْنَ بَيَّنَ أَسْبَابَ مَنْعِ الصَّرْفِ وَشَرَائِطَهَا فِيْمَا سَبَقَ مِنْ أَنَّهَا أَيِ الْعَلَمِيَّةَ لَا تُجَامِعُ مُؤَثِّرَةً إِلَّا مَا أَيِ السَّبَبَ الَّذِيْ هِيَ الْعَلَمِيَّةُ شَرْطٌ فِيْهِ۔

بھئی گزشتہ سبق میں اسبابِ منع صرف کے آخر میں صاحبِ کافیہ آپ کو دو قیمتی ضابطے ذکر فرما رہے تھے، ان کے بارے میں ہم نے پڑھنا شروع کیا تھا۔ پہلا ضابطہ ہم نے پڑھا تھا، صاحبِ کافیہ نے آپ کو بتلایا کہ ہر وہ اسم جو غیر منصرف ہو اور جس کے اندر علمیت مؤثر ہو یعنی غیر انصراف کا سبب بن رہی ہو، جب اس کو نکرہ بنایا جائے تو وہ منصرف ہو جاتا ہے۔ وہ منصرف ہو جاتا ہے۔ اور پھر کسی علم کو نکرہ کیسے بناتے ہیں؟ صاحبِ جامی نے آپ کو دو طریقے بتلائے۔ ایک طریقہ تو یہ ہے کہ ایک پوری جماعت کا نام رکھ دیا جائے، مثلاً پوری جماعت کا نام زید رکھ دیا، تو اب یہ علم بول کر اس جماعت میں سے ایک فرد مراد لیا جائے تو اب دیکھو یہ معرفہ نہیں ہے بلکہ نکرہ ہے، علمیت اس میں سے ختم ہو چکی ہے۔ اور دوسرا طریقہ یہ ہے کہ علم بول کر وہ ذات مراد نہ لی جائے، وہ صاحبِ علم مراد نہ لیا جائے بلکہ اس کا کوئی مشہور وصف مراد لے لیا جائے، جیسے لِكُلِّ فِرْعَوْنٍ مُوْسٰى۔ اب دیکھو لِكُلِّ فِرْعَوْنٍ مُوْسٰى، یہاں پر یہ فرعون اور موسیٰ ویسے تو یہ غیر منصرف ہیں، لیکن اس وقت یہ منصرف ہیں بھئی، اسی لیے لِكُلِّ فِرْعَوْنٍ دیکھا فرعون پر آپ کسرہ بھی پڑھ رہے ہیں اور تنوین بھی پڑھ رہے ہیں۔ تو یہ اس وقت منصرف ہو چکے ہیں کیونکہ یہاں فرعون سے اس کا مشہور وصف یعنی مبطل مراد ہے، اور حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ان کا مشہور وصف یعنی محق مراد ہے بھئی۔ تو لِكُلِّ فِرْعَوْنٍ مُوْسٰى یہ کس معنی میں ہوا؟ لِكُلِّ مُبْطِلٍ مُحِقٌّ بھئی، ہر باطل پرست کے لیے کوئی نہ کوئی حق پرست ہوتا ہے جو اس کو ختم کر دیتا ہے، مٹا دیتا ہے۔

اور میں نے آپ کو بتلایا تھا کہ جو اسبابِ منع صرف ہیں یہ چار قسم کے ہیں۔ کچھ وہ ہیں جن کے ساتھ علمیت جمع ہی نہیں ہو سکتی اور وہ وصف ہے۔ وصف اور علمیت ایک لفظ میں جمع نہیں ہو سکتے، کیونکہ وصف دلالت کرتا ہے ذاتِ مبہم پر اور علم دلالت کرتا ہے ذاتِ معین پر، اگر یہ ایک ہی لفظ میں جمع ہو جائیں گے پھر تو ایک ہی لفظ معین پر بھی دلالت کرے گا اور غیر معین پر بھی دلالت کرے گا اور یہ نہیں ہو سکتا بھئی۔ اور کچھ اسبابِ منع صرف وہ ہیں کہ جو خود دو سببوں کے قائم مقام ہیں، ان کے ساتھ علمیت جمع تو ہو جاتی ہے لیکن مؤثر نہیں، اور وہ کون کون سے ہیں؟ ایک جمع ہے جو منتہی الجموع کا صیغہ ہو، اور دوسرا تانیث بالالف ہے بھئی، چاہے الفِ ممدودہ ہو چاہے الفِ مقصورہ ہو بھئی۔ اور باقی جو چھ سبب رہ گئے ان میں سے بعض سبب وہ ہیں جن کے ساتھ علمیت جمع بھی ہوتی ہے، مؤثر بھی ہوتی ہے، البتہ بعض کے اندر وہ شرط ہے اور بعض کے اندر وہ شرط نہیں۔ وہ سبب جن میں علمیت شرط نہیں ہے وہ دو سبب ہیں، ایک عدل اور ایک وزنِ فعل۔ اور چار ایسے سبب ہیں جن میں علمیت شرط ہے۔ وہ کون کون سے ہیں؟ ایک تانیث بالتاء ہے چاہے لفظی ہو چاہے معنوی ہو، اور ایک عجمہ ہے، ایک ترکیب ہے اور ایک الف نون مزیدتان ہیں بھئی۔

تو یہ جو چھ ہیں ان کے ساتھ علمیت مؤثر ہو کر جمع ہوتی ہے، لیکن چار کے اندر علمیت شرط ہے اور دو میں علمیت شرط نہیں۔ تو جب ان کو نکرہ بنائیں گے یعنی ان سے علمیت کو ختم کریں گے، تو وہ چار جن کے اندر علمیت شرط تھی تو جب علمیت ختم کریں گے تو مشروط بھی ختم، لہٰذا اب وہ اسم جو غیر منصرف تھا اب منصرف بن گیا اور اب اس میں ایک بھی سبب نہیں ہے۔ جب کہ وہ اسباب جن کے اندر علمیت جمع تو ہوتی ہے، مؤثر تو ہے لیکن شرط نہیں، یعنی عدل اور وزنِ فعل، اس میں سے جب ہم علمیت کو ختم کریں گے تو لفظ منصرف بن جائے گا، لیکن ایک سبب ابھی بھی اس میں باقی ہے۔

اور اس پر پھر اشکال ہوا تھا کہ آپ نے ہمیں کہا کہ یہ جو چھ ہیں جن میں علمیت مؤثر ہے، بعض میں علمیت شرط ہے بعض میں علمیت شرط نہیں، ان میں سے اگر علمیت کو ختم کریں گے تو وہ لفظ منصرف بن جائے گا، کہتے ہیں ہمیں آپ کی یہ بات منظور نہیں۔ ہاں وہ اسباب جن میں علمیت شرط تھی وہ تو چاہے دو ہوں تین ہوں وہ جتنے بھی اکٹھے ہو جائیں ایک لفظ میں، جب علمیت ختم کریں گے تو وہ سارے کیا ہو جائیں گے؟ غیر مؤثر ہو جائیں گے تو وہ لفظ منصرف بن جائے گا۔ جیسے آذربائیجان، آذربائیجان کے اندر علمیت بھی ہے، تانیث بھی ہے کیونکہ یہ ملک یا شہر کا نام ہے، اور الف نون مزیدتان بھی ہیں اور عجمہ بھی ہے۔ لیکن جب علمیت ختم کریں گے تو تانیثِ معنوی بھی غیر مؤثر ہو جائے گی، اور عجمہ بھی غیر مؤثر ہو جائے گا، اور الف نون مزیدتان بھی غیر مؤثر، تو یہ بغیر کسی سبب کے رہ جائے گا۔ لیکن باقی دو جو ہیں یعنی عدل اور وزنِ فعل، ان میں تو علمیت کی شرط نہیں ہے، تو وہ ہو سکتا ہے وہ دونوں اکٹھے ہو جائیں ایک لفظ کے اندر۔ ایک لفظ ایسا ہو اس

میں علمیت بھی ہے، عدل بھی ہے اور وزنِ فعل، تو علمیت ختم کر دیں گے پھر بھی دو سبب تو پیچھے رہ گئے، عدل اور وزنِ فعل، تو وہ غیر منصرف ہی رہے گا، لیکن آپ نے تو ہمیں کیا کہا؟ کہ علمیت کو ختم کرو گے تو سارے کیا بن جائیں گے؟ منصرف۔ حالانکہ ہو سکتا ہے علمیت ختم کر دو پھر بھی عدل اور وزنِ فعل باقی رہ جائیں۔ تو کہتے ہیں نہیں بھئی یہ دونوں اکٹھے ہو ہی نہیں سکتے، اس لیے کیونکہ دونوں کے اوزان الگ الگ ہیں بھئی۔ عدل کے اوزان الگ اور وزنِ فعل الگ، ایک لفظ میں ایک وقت میں ایک وزن آسکتا ہے دونوں وزن نہیں آسکتے۔ تو لہٰذا وہ اسبابِ منع صرف جن میں علمیت مؤثر ہے وہ چھ اسباب ہیں، ان میں چار میں علمیت شرط ہے اور دو میں علمیت شرط نہیں، تو جن میں علمیت شرط ہے اس میں جب علمیت کو ختم کریں گے تو وہ دوسرا سبب بھی ختم ہو جائے گا، اور جن میں علمیت شرط نہیں ہے ان میں جب علمیت کو ختم کریں گے تو دوسرا ایک سبب رہ جائے گا لیکن بہرحال وہ لفظ منصرف بن جائے گا۔

جی اب آگے آج کا سبق دیکھیے۔ کہتے ہیں لِمَا تَبَيَّنَ أَيْ ظَهَرَ بھئی معنی بیان کر رہے ہیں تَبَيَّنَ کا، لِمَا تَبَيَّنَ۔ لِمَا اس وجہ سے تَبَيَّنَ جو ظاہر ہے۔ بھئی متن کو متن سے جوڑیں: وَمَا فِيْهِ عَلَمِيَّةٌ مُؤَثِّرَةٌ إِذَا نُكِّرَ صُرِفَ اور وہ اسم جس کے اندر علمیت مؤثر تھی، إِذَا نُكِّرَ جب اس کو نکرہ بنایا گیا صُرِفَ تو وہ کیا ہو جائے گا؟ منصرف ہو جائے گا، لِمَا تَبَيَّنَ اس وجہ سے جو ظاہر ہے، وہ اس وجہ سے جو ظاہر ہے۔ بھئی کیا وجہ ظاہر ہے؟ بھئی صاحبِ جامی بتائیں گے، پیچھے جو صاحبِ کافیہ نے ابھی تک تفصیل بیان کی تھی اس سے یہ بات ظاہر ہو گئی تھی، علمیت بعض کے ساتھ جمع ہی نہیں ہوتی، بعض کے ساتھ جمع ہوتی ہے تو مؤثر نہیں ہوتی، اور بعض کے ساتھ جمع ہوتی ہے لیکن شرط نہیں بنتی، اور بعض کے ساتھ جمع ہوتی ہے تو شرط بھی بنتی ہے، اس سے یہ بات ظاہر ہو جاتی ہے۔ کہتے ہیں لِمَا تَبَيَّنَ اس وجہ سے جو ظاہر ہے، أَيْ ظَهَرَ یعنی ظاہر ہے، حِيْنَ بَيَّنَ أَسْبَابَ مَنْعِ الصَّرْفِ وَشَرَائِطَهَا یعنی جس وقت مصنف نے، ماتن نے بیان فرمایا اسبابِ منع صرف کو وَشَرَائِطَهَا اور اس کی شرطوں کو فِيْمَا سَبَقَ ماقبل کے اندر۔ ماقبل کے اندر مصنف نے جہاں اسبابِ منع صرف اور اس کی شرائط کو ذکر فرمایا تھا اس سے یہ بات ظاہر ہو جاتی ہے۔ بھئی کیا بات ظاہر اس سے ہوتی ہے جو ماقبل میں گزر چکا ہے؟ آگے مِنْ بیان ہے۔ مِنْ بیان؟ بھئی مَا تَبَيَّنَ وہ بات جو ظاہر ہے، بھئی کیا بات ظاہر ہے؟ آگے مِنْ کے ذریعے اس کو بیان کر رہے ہیں۔ مِنْ یعنی کہ أَنَّهَا أَيِ الْعَلَمِيَّةَ، أَنَّهَا کے بعد أَيِ الْعَلَمِيَّةَ کا لفظ نکال کر شارحِ جامی ضمیر کا مرجع بتلانا چاہتے ہیں کہ أَنَّهَا کی هَا ضمیر کس کو راجع؟ علمیت کو۔ یعنی کہ یہ جو علمیت ہے لَا تُجَامِعُ مُؤَثِّرَةً یہ جمع نہیں ہوتی مُؤَثِّرَةً مؤثر ہو کر۔ یہ مؤثر ہو کر جمع نہیں ہوتی۔ إِلَّا مَا، دیکھو متن کو ذرا جوڑیں، إِلَّا مَا هِيَ شَرْطٌ فِيْهِ مگر، مَا سے مراد ہے سبب، مگر وہ سبب هِيَ شَرْطٌ فِيْهِ جس میں یہ شرط ہو۔ تو کہتے ہیں یہ بات ظاہر ہے کہ أَنَّهَا أَيِ الْعَلَمِيَّةَ لَا تُجَامِعُ مُؤَثِّرَةً یہ جمع نہیں ہوتی مؤثر ہو کر إِلَّا مَا أَيِ السَّبَبَ الَّذِيْ دیکھا مَا کے بعد شارحِ جامی نے أَيِ السَّبَبَ نکال کر بتلا دیا کہ مَا سے یہاں کیا مراد ہے؟ سبب مراد ہے، کہ یہ مؤثر ہو کر جمع نہیں ہوتی إِلَّا مَا أَيِ السَّبَبَ الَّذِيْ مگر اس سبب کے ساتھ هِيَ أَيِ الْعَلَمِيَّةُ، هِيَ ضمیر کا مرجع بتلا دیا کہ یہ جو علمیت ہے شَرْطٌ فِيْهِ اس کے اندر۔ یہ علمیت مؤثر

ہو کر جمع نہیں ہوتی إِلَّا مَا هِيَ شَرْطٌ فِيْهِ مگر اس سبب کے ساتھ جس میں یہ علمیت شرط ہوتی ہے، جس میں یہ علمیت شرط ہوتی ہے۔ اور وہ کون کون سے ہیں؟ کتنے ہیں؟ چار ہیں، وہی اب بیان کر رہے ہیں: وَذٰلِكَ فِي التَّأْنِيْثِ بِالتَّاءِ لَفْظًا أَوْ مَعْنًى اور وہ تانیث بالتاء میں ہے، چاہے وہ تانیث بالتاء لفظاً ہو یا معناً ہو، وَالْعُجْمَةِ اور عجمہ میں ہے، وَالتَّرْكِيْبِ اور ترکیب میں ہے، وَالْأَلِفِ وَالنُّوْنِ الْمَزِيْدَتَيْنِ اور الف نون مزیدتین میں، فَإِنَّ كُلَّ وَاحِدٍ مِنْ هٰذِهِ الْأَسْبَابِ الْأَرْبَعَةِ مَشْرُوْطٌ بِالْعَلَمِيَّةِ اس لیے کیونکہ ہر ایک جو ہے ان چار اسباب میں سے مَشْرُوْطٌ بِالْعَلَمِيَّةِ وہ مشروط ہے علمیت کے ساتھ، إِلَّا الْعَدْلَ وَوَزْنَ الْفِعْلِ سوائے عدل اور وزنِ فعل کے ان میں علمیت شرط نہیں ہے۔

یہاں اشکال ہوتا ہے، اعتراض یہ کہ پیچھے ایک دفعہ إِلَّا پہلے آیا اب دوبارہ إِلَّا آیا، اور إِلَّا آتا ہے استثناء کے لیے، کس کے لیے؟ استثناء کے لیے، اور عبارت کیا ہے ذرا متن دیکھو: مِنْ أَنَّهَا لَا تُجَامِعُ مُؤَثِّرَةً إِلَّا مَا هِيَ شَرْطٌ فِيْهِ إِلَّا الْعَدْلَ وَوَزْنَ الْفِعْلِ۔ معلوم ہوا ایک ہی مستثنیٰ منہ سے دو استثناء کیے جا رہے ہیں، اور یہ درست نہیں ہے، ایک ہی مستثنیٰ منہ سے دو استثناء نہیں ہو سکتے۔ توجہ ہے؟ جیسے ایک فعل کے لیے دو فاعل نہیں آسکتے، ایک فعل کے لیے دو فاعل نہیں آسکتے، ہاں آپ درمیان میں حرفِ عطف لے آئیں تو آپ پھر دو لے آئیں چاہے دس لائیں، مثلاً جَاءَنِيْ زَيْدٌ وَعَمْرٌو وَبَكْرٌ وَخَالِدٌ دیکھو حرفِ عطف کے ساتھ آپ جتنے مرضی بڑھا دیں، کیونکہ وہ معطوف ہیں حقیقت میں فاعل نہیں ہیں اور معطوف کا وہی حکم ہوتا ہے جو کس کا ہوتا ہے؟ معطوفٌ علیہ کا ہوتا ہے۔ تو فاعل جیسے فعل کے لیے ایک آتا ہے، اسی طرح یہاں پر بھی یہ ضابطہ یاد رکھنا کہ ایک مستثنیٰ منہ سے ایک ہی استثناء ہو سکتا ہے۔ ہاں حرفِ عطف کے ذریعے آپ جتنے مرضی استثناء کر لیں۔ لیکن یہاں تو إِلَّا الْعَدْلَ وَوَزْنَ الْفِعْلِ یہاں تو کوئی حرفِ عطف نہیں ہے، اگر ہوتا نا وَإِلَّا الْعَدْلَ وَوَزْنَ الْفِعْلِ پھر تو بات ٹھیک بن جاتی لیکن یہاں تو عطف نہیں، معلوم ہوا ایک ہی مستثنیٰ منہ سے دو استثناء کیے جا رہے ہیں اور یہ تو صحیح نہیں۔ تو آپ کو صاحبِ جامی بتلائیں گے کہ نہیں بھئی، یہ ایک مستثنیٰ منہ سے دو استثناء نہیں ہیں بلکہ یہ جو دوسرا إِلَّا آیا یہ مفہومِ کلام سے استثناء ہے۔ یہ کس سے ہے؟ یعنی پہلے استثناء سے جو بچ گئے تھے اب ان سے دوبارہ استثناء کیا جا رہا ہے۔ تو پہلا استثناء وہ تو مستثنیٰ منہ سے ہے، لیکن دوسرا مفہومِ کلام سے ہے، یعنی جو پہلے استثناء سے بچ گئے تھے ان سے استثناء کیا جا رہا ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟

کہتے ہیں إِلَّا الْعَدْلَ وَوَزْنَ الْفِعْلِ کہتے ہیں اِسْتِثْنَاءٌ مِمَّا بَقِيَ مِنَ الْاِسْتِثْنَاءِ الْأَوَّلِ یہ استثناء ہے مِمَّا بَقِيَ وہ جو باقی ہے مِنَ الْاِسْتِثْنَاءِ الْأَوَّلِ پہلے استثناء سے۔ پہلے استثناء سے جو باقی ہے یہ اس سے استثناء ہے۔ اب ادھر دیکھیے کس طرح کیا بات کی انہوں نے؟ ادھر دیکھیے کتاب پہ نہ دیکھیں۔ علمیت مؤثر ہو کر جمع نہیں ہوتی مگر کس کے ساتھ؟ إِلَّا مَا هِيَ شَرْطٌ فِيْهِ جن میں علمیت کیا ہوتی ہے؟ شرط ہوتی ہے۔ تو کون رہ گئے؟ جن میں علمیت شرط نہیں ہوتی۔ توجہ ہے؟ جن میں علمیت شرط نہیں ہوتی تو یہ اب اس سے استثناء ہے۔ اب عبارت یوں بن گئی إِلَّا الْعَدْلَ وَوَزْنَ الْفِعْلِ کے لیے کہ علمیت جمع نہیں ہوتی

جن میں یہ شرط نہیں ہے ان کے ساتھ، إِلَّا الْعَدْلَ وَوَزْنَ الْفِعْلِ مگر کس کے ساتھ؟ عدل اور وزنِ فعل کے۔ توجہ ہے؟ یہ علمیت مؤثر ہو کر جمع نہیں ہوتی کس کے ساتھ؟ غَيْرَ مَا هِيَ شَرْطٌ فِيْهِ جن میں یہ شرط، بھئی دیکھیے نا علمیت جمع ہوتی ہے دو قسم کی چیزوں کے ساتھ مؤثر ہو کر، بعض میں یہ شرط ہے بعض میں یہ شرط نہیں، جن میں شرط ہے ان کی بات پیچھے گزر گئی، کون رہ گئے؟ جن میں علمیت شرط نہیں۔ جن میں علمیت شرط نہیں ہے ان میں صرف کن کے ساتھ جمع ہوتی ہے؟

بھئی جن میں علمیت شرط تھی وہ کتنے تھے؟ چار، کون سے؟ تانیث بالتاء، عجمہ، ترکیب اور الف نون مزیدتان۔ ان کو نکال دیں تو؟ تو جن کے ساتھ علمیت شرط ہو کر جمع ہوتی ہے وہ نکل گئے، کون رہ گئے؟ جن کے ساتھ شرط ہو کر جمع نہیں ہوتی، جمع تو ہوتی ہے لیکن شرط ہو کر جمع نہیں ہوتی، تو وہ مستثنیٰ منہ یہاں نکال لیں گے کہ یہ جو علمیت ہے لَا تُجَامِعُ یہ جمع نہیں ہوتی غَيْرَ مَا هِيَ شَرْطٌ فِيْهِ جن میں یہ شرط، جن میں علمیت شرط نہیں ہے ان کے ساتھ علمیت جمع نہیں ہوتی إِلَّا الْعَدْلَ وَوَزْنَ الْفِعْلِ سوائے کس کے؟ عدل اور... جن میں علمیت شرط نہیں ہے ان میں سے صرف ان دو کے ساتھ جمع ہوتی ہے۔ نہیں توجہ؟ پہلا استثناء کیا تھا؟ کہ علمیت جمع نہیں ہوتی مگر کس کے ساتھ؟ جن میں شرط ہے۔ علمیت مؤثر ہو کر جمع نہیں ہوتی مگر کس کے ساتھ؟ جن میں شرط ہے۔ اور جن میں شرط نہیں ہے ان میں سے صرف کس کے ساتھ جمع ہوتی ہے؟ عدل اور وزنِ فعل کے۔ اب عبارت سمجھ میں آئی؟ جن میں علمیت شرط نہیں ہے ان میں سے صرف عدل اور وزنِ فعل کے ساتھ علمیت جمع ہوتی ہے۔ عبارت سمجھ میں آگئی۔

دیکھیے خود صاحبِ جامی پوری عبارت نکال کر بتلائیں گے۔ کہتے ہیں أَيْ لَا تُجَامِعُ غَيْرَ مَا هِيَ شَرْطٌ فِيْهِ إِلَّا الْعَدْلَ وَوَزْنَ الْفِعْلِ یعنی لَا تُجَامِعُ علمیت جمع نہیں ہوتی مؤثر ہو کر غَيْرَ مَا هِيَ شَرْطٌ فِيْهِ جس میں یہ شرط نہ ہو، غَيْرَ، غَيْرَ کا معنی نفی ہے نا، غَيْرَ مَا هِيَ شَرْطٌ فِيْهِ جس میں شرط نہ ہو۔ پھر دیکھیں أَيْ لَا تُجَامِعُ غَيْرَ مَا هِيَ شَرْطٌ فِيْهِ علمیت جمع نہیں ہوتی جن میں علمیت شرط نہ ہو ان کے ساتھ، إِلَّا الْعَدْلَ وَوَزْنَ الْفِعْلِ مگر کس کے ساتھ؟ عدل اور وزنِ فعل کے ساتھ۔ فَإِنَّ الْعَلَمِيَّةَ تُجَامِعُهُمَا مُؤَثِّرَةً اس لیے کیونکہ علمیت ان کے ساتھ مؤثر ہو کر تو جمع ہوتی ہے، كَمَا فِيْ عُمَرَ وَأَحْمَدَ جیسے کہ عمر اور احمد۔ عمر میں علمیت ہے اور دوسرا عدل، دیکھو عدل کے ساتھ علمیت جمع ہو گئی۔ اور احمد میں علمیت ہے اور دوسرا وزنِ فعل، تو دیکھو وزنِ فعل کے ساتھ علمیت جمع ہو گئی۔ لیکن ان میں علمیت شرط نہیں ہے کہ علمیت کے بغیر عدل مؤثر ہی نہیں ہوگا، علمیت کے بغیر وزنِ فعل مؤثر ہی نہیں ہوگا، میں نے مثال ذکر کر دی تھی ثُلَاثَ اور أَحْمَرُ۔ ثُلَاثَ میں ایک سبب کیا؟ وصف، دوسرا کیا؟ عدل، دیکھو بغیر علمیت کے عدل آگیا یا نہیں؟ اور أَحْمَرُ ایک سبب کیا؟ وصف، اور ایک سبب کیا؟ وزنِ فعل، تو دیکھو وزنِ فعل بغیر علمیت کے آگیا یا نہیں؟ تو عدل اور وزنِ فعل کے ساتھ علمیت جمع تو ہوتی ہے لیکن ان میں شرط نہیں ہے۔ تو کہتے ہیں فَإِنَّ الْعَلَمِيَّةَ تُجَامِعُهُمَا مُؤَثِّرَةً اس لیے کیونکہ علمیت ان دونوں کے ساتھ جمع ہو جاتی ہے مؤثر ہو کر، كَمَا فِيْ عُمَرَ وَأَحْمَدَ جیسے کہ عمر اور احمد میں ہے، وَلَيْسَتْ شَرْطًا فِيْهِمَا اور ان دونوں کے اندر علمیت شرط نہیں ہے، كَمَا

فِيْ ثُلَاثَ وَأَحْمَرَ جیسے ثُلَاثَ اور أَحْمَرَ۔ ان میں عدل اور وزنِ فعل تو ہے لیکن علمیت نہیں ہے بلکہ وصفیت ہے بھئی۔

وَهُمَا أَيِ الْعَدْلُ وَوَزْنُ الْفِعْلِ مُتَضَادَّانِ اور وہ دونوں یعنی عدل اور وزنِ فعل جو ہیں، ضمیر کا مرجع بتلایا هُمَا ضمیر کس کو راجع؟ أَيِ الْعَدْلُ وَوَزْنُ الْفِعْلِ یعنی عدل اور وزنِ فعل جو ہیں، مُتَضَادَّانِ یہ دونوں آپس میں متضاد ہیں، لِأَنَّ الْأَسْمَاءَ الْمَعْدُوْلَةَ، بھئی یہ دونوں آپس میں متضاد ہیں، کیوں متضاد ہیں؟ یہ وہی اعتراض کا جواب دے رہے ہیں، کون سا اعتراض؟ کہ آپ نے ہمیں کہا کہ جن میں علمیت مؤثر ہے اس سے علمیت کو ختم کریں تو وہ کیا بن جائے گا؟ منصرف بن جائے گا۔ بھئی ہو سکتا ہے ایک اسم کے اندر علمیت بھی ہو، عدل بھی ہو اور وزنِ فعل بھی ہو، تو علمیت کو ختم کر دیں گے تو پیچھے کیا رہ جائیں گے؟ عدل اور وزنِ فعل رہ جائیں گے تو وہ تو پھر بھی غیر منصرف رہے گا اور آپ نے تو ہمیں کیا کہا؟ وہ منصرف ہو جائے گا۔ کہتے ہیں نہیں، یہ دونوں اکٹھے ہو ہی نہیں سکتے، عدل اور وزنِ فعل، کیوں نہیں اکٹھے ہو سکتے؟ کیونکہ عدل کے اوزان الگ اور وزنِ فعل کے اوزان الگ۔ کہتے ہیں وَهُمَا أَيِ الْعَدْلُ وَوَزْنُ الْفِعْلِ مُتَضَادَّانِ اور یہ دو یعنی عدل اور وزنِ فعل متضاد ہیں، لِأَنَّ الْأَسْمَاءَ الْمَعْدُوْلَةَ بِالْاِسْتِقْرَاءِ عَلٰى أَوْزَانٍ مَخْصُوْصَةٍ اس لیے کیونکہ وہ اسماء وہ جو اسم ہیں الْمَعْدُوْلَةَ جن کو پھیرا گیا ہے یعنی جو معدول ہیں جن میں عدل ہوا ہے، بِالْاِسْتِقْرَاءِ کس کے ذریعے؟ استقراء کے ذریعے، استقراء کہتے ہیں تلاش اور جستجو، تلاش اور جستجو سے یہ ثابت ہے کہ عَلٰى أَوْزَانٍ مَخْصُوْصَةٍ یہ ایسے مخصوص اوزان پر ہوتے ہیں، لَيْسَ شَيْءٌ مِنْهَا مِنْ أَوْزَانِ الْفِعْلِ کہ ان میں سے کوئی ایک چیز جو ہے وہ ان اوزانِ فعل میں سے نہیں ہے الْمُعْتَبَرَةِ فِيْ مَنْعِ الصَّرْفِ جو منع صرف میں معتبر ہیں، جو... بھئی دیکھو میں نے آپ کو بتلایا کہ علماء نے تلاش کیا کہ کن کن اسماء میں عدل کا اعتبار کیا گیا ہے۔ جتنے بھی اسم ملے جو معدول تھے ان میں سے کسی ایک میں بھی وزنِ فعل نہیں تھا۔ توجہ ہے؟ وہ خاص اوزان تھے اور ان میں سے ایک بھی وزن جو ہے وزنِ فعل نہیں تھا۔ ہاں ایک وزنِ فعل ہے ان میں اور وہ کون سا ہے؟ فَعَلَ۔ اوزانِ عدل کون کون سے ہیں؟ مَفْعَل، فُعَال، فَعَال، فِعْل، فَعَل اور فُعَل۔ ان میں سے صرف ایک فَعَل جو ہے ضَرَبَ، ضَرَبَ فَعَلَ وزن ہے، لیکن میں نے بتایا تھا کہ ثلاثی مجرد سے یہ جو ماضی معروف کا وزن ہے فَعَلَ وزن یہ اوزانِ فعل میں سے معتبر نہیں، یعنی یہ اوزانِ فعل میں سے غیر انصراف کا سبب نہیں بنتا۔ تو یہ عدل میں بھی آتا ہے فَعَلَ وزن اور وزنِ فعل میں بھی آتا ہے لیکن وزنِ فعل میں تو یہ معتبر ہی نہیں ہے، تو گویا یہ وزنِ فعل میں سے ہے ہی نہیں یوں سمجھو۔ تو عدل کے اوزان الگ اور اوزانِ فعل الگ، دونوں جمع ہی نہیں ہوتے۔ یہ معنی ہے لِأَنَّ الْأَسْمَاءَ الْمَعْدُوْلَةَ بِالْاِسْتِقْرَاءِ اس لیے کیونکہ وہ اسماء جن کو پھیرا گیا ہے جن میں عدل کیا گیا ہے، بِالْاِسْتِقْرَاءِ استقراء سے یہ ثابت ہے عَلٰى أَوْزَانٍ مَخْصُوْصَةٍ، أَوْزَانٍ ہے نکرہ، مَخْصُوْصَةٍ اس کی صفتِ اول ہے اور لَيْسَ شَيْءٌ یہ پورا جملہ اس کی صفتِ ثانی، اور موصوف صفت کا ترجمہ کیسے کرتے ہیں؟ موصوف سے پہلے ایسا یا ایسی کا لفظ لاتے ہیں۔ دیکھو کہ استقراء سے یہ بات ثابت ہے عَلٰى أَوْزَانٍ مَخْصُوْصَةٍ کہ وہ ایسے مخصوص اوزان پر ہیں، وہ اسماء جو معدول ہیں استقراء سے ثابت ہے کہ وہ ایسے مخصوص اوزان پر ہیں لَيْسَ شَيْءٌ مِنْهَا مِنْ أَوْزَانِ الْفِعْلِ کہ ان میں سے کوئی ایک بھی ان اوزانِ فعل میں سے نہیں ہے الْمُعْتَبَرَةِ فِيْ مَنْعِ الصَّرْفِ جو معتبر ہیں کس کے اندر؟ منع

صرف۔ وہ اوزان جو معتبر ہیں... یہ نہیں کہا لَيْسَ شَيْءٌ مِنْهَا مِنْ أَوْزَانِ الْفِعْلِ وہ اوزانِ فعل میں سے نہیں ہیں، نہیں بھئی ایک فَعَل وہ اوزانِ فعل میں سے ہے یا نہیں؟ عدل میں بھی ہے اور اوزانِ فعل... لیکن وہ اوزانِ فعل میں سے معتبر ہے؟ نہیں، وہ معتبر نہیں، یہ معنی ہے کہ لَيْسَ شَيْءٌ مِنْهَا مِنْ أَوْزَانِ الْفِعْلِ الْمُعْتَبَرَةِ فِيْ مَنْعِ الصَّرْفِ کہ اسمائے معدولہ جو ہیں وہ ایسے مخصوص اوزان پر ہیں کہ ان میں سے کوئی چیز بھی ایسے اوزانِ فعل پر نہیں ہے الْمُعْتَبَرَةِ فِيْ مَنْعِ الصَّرْفِ جو معتبر ہیں منع صرف میں، جو معتبر ہیں منع صرف میں۔

فَلَا يَكُوْنُ مَعَهَا أَيْ لَا يُوْجَدُ شَيْءٌ مِنَ الْأَمْرِ الدَّائِرِ۔ یہ ذرا سمجھ لیں بھئی یہ مشکل جگہ ہے۔ بھئی دیکھیے فَلَا يَكُوْنُ مَعَهَا ذرا متن متن دیکھیں: فَلَا يَكُوْنُ مَعَهَا إِلَّا أَحَدُهُمَا پس نہیں ہوگا مَعَهَا أَيْ مَعَ الْعَلَمِيَّةِ، هَا ضمیر کس کو راجع؟ علمیت۔ تو علمیت کے ساتھ نہیں ہوگا إِلَّا أَحَدُهُمَا مگر دونوں میں سے ایک، یعنی عدل اور وزنِ فعل دونوں اکٹھے علمیت کے ساتھ جمع نہیں ہو سکتے، دونوں میں سے صرف ایک آئے گا علمیت کے ساتھ۔ کیوں؟ وجہ انہوں نے پیچھے بتلا دی کیونکہ یہ دونوں متضاد ہیں بھئی، عدل کے اوزان الگ اور اوزانِ فعل جو معتبر ہیں وہ الگ ہیں، تو دونوں اکٹھے ہو ہی نہیں سکتے، فَلَا يَكُوْنُ مَعَهَا إِلَّا أَحَدُهُمَا پس علمیت کے ساتھ نہیں ہوگا مگر ان دونوں میں سے ایک۔ عبارت سمجھ میں آگئی؟ علمیت کے ساتھ ان دونوں میں سے صرف ایک آئے گا، دوسرا نہیں آسکتا بھئی ایک وقت کے اندر بھئی۔

تو بھئی دیکھو فَلَا يَكُوْنُ مَعَهَا إِلَّا أَحَدُهُمَا یہاں پر إِلَّا آیا، اور إِلَّا کس لیے آتا ہے؟ استثناء کے لیے، اور إِلَّا کے بعد جو آئے اس کو کہتے ہیں مستثنیٰ، اور إِلَّا سے ماقبل جو آئے اس کو کہتے ہیں مستثنیٰ منہ۔ جَاءَنِي الْقَوْمُ إِلَّا زَيْدًا۔ جَاءَنِي الْقَوْمُ میرے پاس وہ لوگ آئے إِلَّا زَيْدًا سوائے کس کے؟ زید کے۔ مثلاً وہ لوگ جو تھے ان میں زید بھی شامل تھا، وہ آٹھ دس آدمی تھے زید بھی انہی میں سے ایک ہے، میں آپ سے کہتا ہوں جَاءَنِي الْقَوْمُ وہ لوگ میرے پاس آئے إِلَّا زَيْدًا سوائے کس کے؟ زید کے۔ تو دیکھا یہ زید جو ہے اس قوم میں داخل تھا پہلے، پھر إِلَّا کے ذریعے میں نے کیا کر دیا اس کو؟ نکال دیا۔ اگر میں صرف یہ کہتا جَاءَنِي الْقَوْمُ وہ لوگ میرے پاس آئے تو اس سے تو یہ پتہ چل رہا تھا کہ وہ زید بھی ان میں ہے یقیناً وہ بھی آیا ہوگا، لیکن آگے میں نے إِلَّا زَيْدًا کہہ کر کیا کر دیا؟ زید کا استثناء کر دیا، اس کو اس مجیئت کے حکم سے نکال دیا کہ وہ نہیں آیا باقی آئے ہیں بھئی۔ تو إِلَّا کس لیے آتا ہے؟ استثناء کے لیے، یہ مابعد کو ماقبل کے حکم سے نکال دیتا ہے۔ تو یہاں پر بھی آیا فَلَا يَكُوْنُ مَعَهَا إِلَّا أَحَدُهُمَا تو علمیت کے ساتھ نہیں ہوگا مگر ان دونوں میں سے ایک، تو یہ أَحَدُهُمَا ہے مستثنیٰ، توجہ ہے؟ تو مستثنیٰ منہ کیا ہے یہاں پر؟ وہ تو یہاں ذکر نہیں۔ تفصیل یاد رکھو، یہ مستثنیٰ مفرغ ہے۔ یہ أَحَدُهُمَا کیا ہے؟ اس کو مستثنیٰ مفرغ کہتے ہیں۔ پہلے سمجھ لو مستثنیٰ مفرغ کیا ہوتا ہے۔ مستثنیٰ مفرغ یہ ہے کہ کلام کے اندر مستثنیٰ منہ مذکور نہ ہو، کلام کے اندر مستثنیٰ منہ مذکور نہ ہو اور کلام غیر موجب ہو، تو اس مستثنیٰ کو مستثنیٰ مفرغ کہتے ہیں۔ کلام کون سا ہو؟ غیر موجب۔ کلامِ غیر موجب اس کو کہتے ہیں جس میں نفی، نہی یا استفہام ہو، جس میں نفی، نہی یا استفہام ہو۔ نفی آپ جانتے ہیں جس میں

کسی چیز کی نفی کی جائے، حرفِ نفی ہو: مَا ضَرَبَ زَيْدٌ زید نے پٹائی نہیں کی، دیکھو نفی ہے، یہ نفی ہے، یا لَا أَضْرِبُكَ میں آپ کی پٹائی نہیں کروں گا، اس میں بھی کیا ہے؟ نفی ہے۔ اور ایک ہوتی ہے نہی، وہ جو امر اور نہی آپ نے پڑھا ہے: لَا تَضْرِبْ زَيْدًا تو زید کی پٹائی نہ کر، دیکھا یہ ہے نہی۔ اور ایک ہے استفہام جس میں سوال پوچھا جاتا ہے۔ تو وہ کلام جس میں نفی، نہی یا استفہام ہو اس کو کیا کہتے ہیں؟ کلامِ غیر موجب کہتے ہیں، توجہ ہے؟ وہ کلام جس میں نفی، نہی یا استفہام ہو اس کو کیا کہتے ہیں؟ کلامِ غیر موجب۔ اور یہاں بھی کیا ہے فَلَا يَكُوْنُ مَعَهَا دیکھو لَا ہے یا نہیں؟ تو یہ کلامِ موجب ہے یا غیر موجب ہے؟ ابھی بتایا نا کلامِ غیر موجب کسے کہتے ہیں؟ جس میں نفی، نہی یا استفہام ہو، تو فَلَا يَكُوْنُ مَعَهَا اس میں بھی کیا ہے؟ نفی، تو یہ کلام کون سا ہوا؟ غیر موجب۔ تو کلام غیر موجب ہو اور مستثنیٰ منہ مذکور نہ ہو تو اس کو کیا کہتے ہیں؟ مستثنیٰ مفرغ۔ یہاں پر بھی دیکھو فَلَا يَكُوْنُ مَعَهَا إِلَّا أَحَدُهُمَا یہاں إِلَّا سے پہلے کوئی مستثنیٰ منہ مذکور نہیں ہے، تو کلام بھی ہے غیر موجب اور مستثنیٰ منہ بھی مذکور نہیں ہے تو اس کو کیا کہیں گے؟ مستثنیٰ مفرغ۔ اور یاد رکھو ویسے تو عام طور پر مستثنیٰ منصوب ہوتا ہے، لیکن مستثنیٰ مفرغ کے اندر مستثنیٰ پر اعراب آئے گا عَلٰى حَسَبِ الْعَوَامِلِ، عَلٰى حَسَبِ الْعَوَامِلِ، عوامل کے مطابق اس پر اعراب آئے گا، اگر عامل رفع والا ہے تو رفع آئے گا، نصب والا ہے تو نصب آئے گا، جر والا ہے تو جر آئے گا۔ صورت سمجھ میں آرہی ہے؟ تو لہٰذا إِلَّا أَحَدُهُمَا یہ أَحَدُهُمَا کون سا مستثنیٰ ہے؟ مستثنیٰ مفرغ، اور اس پر اعراب کون سا آئے گا؟ عَلٰى حَسَبِ الْعَوَامِلِ۔ تو یہ اس وقت، توجہ سے سنو، اس وقت یہ فاعل بن رہا ہے فَلَا يَكُوْنُ کے لیے، کیا بن رہا ہے؟ فاعل۔ یاد رکھو فَلَا يَكُوْنُ مَعَهَا اس کے آگے شارحِ جامی نے تشریح کیا کی؟ اس کی تفسیر کیا کی؟ أَيْ لَا يُوْجَدُ شَيْءٌ۔ یہ لَا يُوْجَدُ کے ساتھ يَكُوْنُ کی تفسیر بتلا رہی ہے کہ یہ يَكُوْنُ تامہ ہے، یہ کیا ہے؟ لَا يُوْجَدُ کے ساتھ کانہ تامہ کی تفسیر کی جاتی ہے، کس کی؟ کانہ تامہ۔ میں نے آپ کو بتلایا تھا ایک کانہ تامہ ہوتا ہے ایک کانہ ناقصہ۔ کانہ ناقصہ کے لیے ایک اسم بھی چاہیے اور ایک خبر بھی چاہیے، اس کے بغیر بات پوری نہیں، جیسے كَانَ زَيْدٌ قَائِمًا زید کھڑا تھا، تو یہاں جب تک قَائِمًا نہیں لائیں گے، کانہ کی خبر نہیں لائیں گے بات پوری نہیں۔ اور بعض اوقات کانہ تامہ ہوتا ہے، وہ بمعنی ثَبَتَ کے ہوتا ہے، کس معنی میں ہوتا ہے؟ ثَبَتَ، اور وہ صرف فاعل پر بات پوری ہو جاتی ہے، جیسے آپ کہتے ہیں كَانَ مَطَرٌ أَيْ ثَبَتَ مَطَرٌ بارش ہوئی بھئی۔ كَانَ مَطَرٌ أَيْ ثَبَتَ مَطَرٌ۔ کانہ تامہ کس معنی میں ہوتا ہے؟ ثَبَتَ کے معنی میں ہوتا ہے، تو يَكُوْنُ کس معنی میں ہوگا؟ يَثْبُتُ کے معنی میں، يَكُوْنُ بمعنی يَثْبُتُ کے ہوگا یا يُوْجَدُ کہہ لو ایک ہی بات ہے، يَثْبُتُ یا يُوْجَدُ۔

نہیں ہو سکتا مَجْمُوْعُهُمَا ان دونوں کا مجموعہ إِلَّا أَحَدُهُمَا مگر دونوں میں سے ایک۔ بھئی جب دونوں کا مجموعہ ہے تو اس کے اندر تو أَحَدُهُمَا شامل ہی نہیں ہے، کیونکہ مجموعے کا مطلب یہ ہے دونوں کو اکٹھا مراد لینا ہے، الگ الگ مراد نہیں لینا بھئی، جب دونوں کو اکٹھا ہی مراد لینا ہے، الگ الگ دونوں کو مراد نہیں لے سکتے تو أَحَدُهُمَا شامل ہوا اس میں؟ مجموعے کا کیا معنی؟ مجموعے کا مطلب ہے مجموعہ ہی مراد لینا ہے أَحَدُهُمَا مراد نہیں لینا، تو أَحَدُهُمَا تو اس کے اندر داخل ہی نہیں ہے،

تو إِلَّا أَحَدُهُمَا کا کیا معنی؟ پھر استثناء ہی نہیں صحیح۔ مستثنیٰ منہ آپ نے کیا نکالا؟ مَجْمُوْعُهُمَا اور مَجْمُوْعُهُمَا تو أَحَدُهُمَا کو شامل ہی نہیں ہے، مجموع سے مجموعہ ہی مراد لینا ہے، دونوں الگ الگ مراد نہیں لینے، جب دونوں کا مجموعہ مراد لینا ہے تو أَحَدُهُمَا کا استثناء اس سے صحیح نہیں، کیونکہ مستثنیٰ منہ یہ تو مَجْمُوْعُهُمَا کو شامل ہے أَحَدُهُمَا کو تو شامل ہی نہیں، تو مجموعہ بھی مراد نہیں لے سکتے بھئی، کیونکہ اس صورت میں استثناء ہی صحیح نہیں بنتا۔ اور پھر خصوص کی دوسری صورت یہ ہے کہ أَحَدُهُمَا مراد لے لیں، کیا لے لیں؟ لیکن اس صورت میں پھر خرابی یہ لازم آتی ہے کہ مستثنیٰ منہ بھی أَحَدُهُمَا اور مستثنیٰ بھی أَحَدُهُمَا، تو اس صورت میں اِسْتِثْنَاءُ الشَّيْءِ عَنْ نَفْسِهِ لازم آتا ہے، ایک چیز کا استثناء اپنی ہی ذات سے کیا جا رہا ہے اور یہ صحیح نہیں۔ مثلاً جیسے میں کہتا ہوں مَا جَاءَنِيْ زَيْدٌ إِلَّا زَيْدًا میرے پاس زید نہیں آیا مگر زید، بھئی یہ تو اجتماعِ نقیضین ہے، نفی بھی کس کی کی؟ زید کے آنے کی، اثبات بھی کس کا کیا؟ زید کے آنے کا، یہ تو اجتماعِ نقیضین ہے، تو اِسْتِثْنَاءُ الشَّيْءِ عَنْ نَفْسِهِ باطل ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو حاصلِ کلام کیا ہوا کہ یہاں پر مستثنیٰ منہ جو ہے وہ شَيْءٌ نکالا صاحبِ جامی نے، اب اس شَيْءٌ کو اپنے عموم پر رکھیں گے یا اس سے خصوص مراد لیں گے؟ عموم بھی مراد نہیں لے سکتے اور خصوص بھی مراد نہیں لے سکتے۔ عموم اس لیے نہیں مراد لے سکتے کہ پھر اس صورت میں کلام کا معنی صحیح نہیں رہے گا، معنی یہ بن جائے گا کہ علمیت کے ساتھ عدل اور وزنِ فعل کے علاوہ اور کوئی بھی اکٹھا نہیں ہوتے، حالانکہ صرف عدل اور وزنِ فعل تو علمیت کے ساتھ جمع نہیں ہوتے بلکہ چار اور بھی ہیں یعنی کل چھ جمع ہوتے ہیں، چھ جمع ہوتے ہیں علمیت کے ساتھ، تو اگر شَيْءٌ کو اپنے عموم پر رکھیں تو پھر کلام واقع کے خلاف ہو جائے گا، صحیح نہیں رہے گا۔ اور خصوص بھی مراد نہیں لے سکتے کیونکہ خصوص کی دو صورتیں ہیں، دو صورتیں ہیں، یا دونوں کا مجموعہ مراد لے لیں یا أَحَدُهُمَا مراد لے لیں، مجموعہ بھی مراد نہیں لے سکتے اس لیے کیونکہ مجموع کے اندر تو أَحَدُهُمَا شامل نہیں، مجموعہ بول کر مجموعہ ہی مراد لینا ہے اس میں دونوں کو الگ الگ مراد ہی نہیں لے سکتے تو أَحَدُهُمَا اس میں داخل ہی نہیں، جب داخل ہی نہیں تو پھر استثناء کیسے ہوگا؟ بات سمجھ میں آرہی ہے کہ نہیں؟ اور خصوص کی دوسری صورت یہ ہے کہ مستثنیٰ منہ جو ہے وہ أَحَدُهُمَا یہاں محذوف نکال لیں، تو پھر تو مستثنیٰ منہ بھی أَحَدُهُمَا اور مستثنیٰ بھی أَحَدُهُمَا، تو یہ تو اِسْتِثْنَاءُ الشَّيْءِ عَنْ نَفْسِهِ لازم آئے گا اور اِسْتِثْنَاءُ الشَّيْءِ عَنْ نَفْسِهِ تو باطل ہے بھئی، یہ تو اجتماعِ نقیضین لازم آئے گا۔ بات سمجھ میں آگئی؟

پھر سنو، فَلَا يَكُوْنُ مَعَهَا إِلَّا أَحَدُهُمَا یہاں پر مستثنیٰ منہ مذکور نہیں تو یہ مستثنیٰ مفرغ ہے، اور مستثنیٰ مفرغ کے اندر مستثنیٰ منہ کو عام نکالتے ہیں، تو یہاں پر شَيْءٌ نکالا صاحبِ جامی نے أَيْ لَا يُوْجَدُ شَيْءٌ مَعَهَا اس علمیت کے ساتھ کوئی چیز نہیں پائی جاتی إِلَّا أَحَدَهُمَا مگر ان دونوں میں سے ایک بھئی۔ تو اب یہ شَيْءٌ سے کیا مراد ہے؟ شَيْءٌ یہاں عموم کے لیے ہے یا خصوص کے لیے؟ اگر عموم کے لیے اس کو رکھیں تو پھر اس سے تمام اسبابِ منع صرف مراد ہوں گے کہ کوئی بھی اسبابِ منع صرف میں سے وہ نہیں آتا مَعَهَا أَيْ مَعَ الْعَلَمِيَّةِ إِلَّا أَحَدُهُمَا مگر ان دونوں میں سے ایک، یعنی عدل یا وزنِ فعل میں سے

ایک، اور یہ بات تو درست نہیں ہے، علمیت کے ساتھ صرف یہ دو تو نہیں جمع ہوتے بلکہ چھ جمع ہوتے ہیں۔ اور اگر شَيْءٌ سے خصوص یہاں مراد لے لیں تو خصوص کی پھر دو صورتیں ہیں، یا تو کیا مراد لیں؟ ان دونوں کا عدل اور وزنِ فعل کا مجموعہ مراد لیں یا ان دونوں میں سے ایک مراد لیں۔ پہلی صورت اگر لیں مَجْمُوْعُهُمَا مراد لیں تو پھر اس صورت میں استثناء صحیح نہیں، کیونکہ مستثنیٰ منہ کیا ہوا؟ مَجْمُوْعُهُمَا دونوں کا مجموعہ، اور مستثنیٰ کیا ہے؟ أَحَدُهُمَا، أَحَدُهُمَا تو مَجْمُوْعُهُمَا میں شامل ہی نہیں ہے، کیونکہ میں نے بتلایا مجموعہ بول کر مجموعہ مراد لینا ہے یعنی دونوں ہی اکٹھے ہونے چاہئیں، دونوں میں سے الگ ایک ایک کو مراد لے ہی نہیں سکتے، مجموعے کا مطلب مجموعہ ہی مراد لینا ہے، تو یہ تو پھر أَحَدُهُمَا کو شامل ہی نہیں، تو مَجْمُوْعُهُمَا کو مستثنیٰ منہ بنائیں اور أَحَدُهُمَا کو مستثنیٰ بنائیں تو پھر تو مستثنیٰ جو ہے وہ مستثنیٰ منہ کے اندر داخل ہی نہیں، جب داخل ہی نہیں تو استثناء ہی صحیح نہیں رہتا۔ اور أَحَدُهُمَا بھی مراد نہیں لے سکتے کیونکہ پھر تو مستثنیٰ منہ بھی أَحَدُهُمَا ہو جائے گا اور مستثنیٰ بھی أَحَدُهُمَا ہو جائے گا، تو أَحَدُهُمَا کا استثناء ہو رہا ہے أَحَدُهُمَا سے، تو یہ تو اِسْتِثْنَاءُ الشَّيْءِ عَنْ نَفْسِهِ لازم آئے گا اور یہ بھی باطل ہے، صحیح نہیں۔ اشکال سمجھ میں آیا؟

تو اب آپ کو صاحبِ جامی بتلائیں گے کہ مستثنیٰ منہ یہاں کیا ہے۔ دیکھو ذرا ان کی عبارت پہ نظر رکھو، متن متن دیکھو فَلَا يَكُوْنُ مَعَهَا إِلَّا أَحَدُهُمَا، أَحَدُهُمَا کے بعد صاحبِ جامی عبارت نکال رہے ہیں فَقَطْ لَا مَجْمُوْعُهُمَا۔ عبارت مل گئی؟ متن کے ساتھ صرف تھوڑی سی عبارت جوڑیں صاحبِ جامی کی، آپ کو پوری عبارت سمجھ میں آجائے گی۔ فَلَا يَكُوْنُ مَعَهَا علمیت کے ساتھ نہیں ہو سکتا إِلَّا أَحَدُهُمَا فَقَطْ لَا مَجْمُوْعُهُمَا مگر ان دونوں میں سے صرف ایک، لَا مَجْمُوْعُهُمَا دونوں کا مجموعہ نہیں۔ ادھر دیکھیے، علمیت کے ساتھ جمع نہیں ہو سکتا مگر ان دونوں میں سے ایک نہ کہ ان دونوں کا مجموعہ۔ میرے لفظوں پہ غور کرو آپ کو مستثنیٰ منہ سمجھ میں آجائے گا۔ فَلَا يَكُوْنُ مَعَهَا إِلَّا أَحَدُهُمَا فَقَطْ لَا مَجْمُوْعُهُمَا کہ علمیت کے ساتھ جمع نہیں ہو سکتا مگر ان دونوں میں سے ایک نہ کہ دونوں کا مجموعہ۔ ان دونوں میں سے ایک نہ کہ ان دونوں کا مجموعہ۔ دیکھا اس سے آپ کو مستثنیٰ منہ کا پتہ چل گیا۔ کیا ہے مستثنیٰ منہ؟ مستثنیٰ منہ إِلَّا أَحَدُهُمَا فَقَطْ لَا مَجْمُوْعُهُمَا، یہ فَقَطْ کو بھی نکال دیں، إِلَّا أَحَدُهُمَا لَا مَجْمُوْعُهُمَا۔ إِلَّا أَحَدُهُمَا لَا مَجْمُوْعُهُمَا معلوم ہوا یہ دو چیزیں ملا کر یہ مستثنیٰ منہ ہے، کون سا؟ دونوں میں سے ایک آئے یا دونوں اکٹھے آئیں احتمال تھا، توجہ ہے؟ دونوں میں سے عدل اور وزنِ فعل یا تو اکٹھے آئیں یا دونوں میں سے ایک آئے، یہ دونوں ہیں مستثنیٰ منہ اور ان میں سے بتایا صرف کون سا آسکتا ہے؟ أَحَدُهُمَا آسکتا ہے مَجْمُوْعُهُمَا نہیں آسکتا۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو معلوم ہوا کہ یہاں پر جو مستثنیٰ منہ ہے ادھر دیکھو بھئی، مستثنیٰ منہ جو ہے وہ امرِ مردد ہے، وہ امرِ مردد ہے بَيْنَ مَجْمُوْعِهِمَا وَأَحَدِهِمَا، وہ امرِ مردد ہے یعنی مَجْمُوْعُهُمَا أَوْ أَحَدُهُمَا۔

امرِ مردد کسے کہتے ہیں؟ امرِ مردد رَدَّدَ يُرَدِّدُ تردید کا معنی ہے ایک چیز کو دو یا زیادہ کے درمیان دائر کرنا، ایک چیز کو دو یا زیادہ کے درمیان دائر کرنا۔ مثلاً میں آپ سے کہتا ہوں جَاءَنِيْ زَيْدٌ أَوْ عَمْرٌو میرے پاس زید یا عمر آیا تھا، یہ زید اور عمر کیا ہیں؟

ان کے درمیان أَوْ آیا، أَوْ حرفِ تردید ہے، یہ حکم کو دائر کر دیتا ہے، یہ حکم کی تردید کر دیتا ہے دو چیزوں کے درمیان۔ اگر میں أَوْ نہ لاتا تو حکم قطعی طور پر معلوم ہو جاتا، مثلاً میں کہتا جَاءَنِيْ زَيْدٌ تو آپ کو پتہ چل جاتا کہ زید آیا ہے، یا میں کہتا جَاءَنِيْ عَمْرٌو تو آپ کو پتہ چل جاتا کہ میرے پاس عمر آیا ہے، لیکن میں نے حکم جو ہے اس کو مردد کر دیا دو چیزوں کے درمیان، کس کو استعمال کیا؟ حرفِ أَوْ کو، اور أَوْ حرفِ تردید ہے، یہ حکم کو دائر کر دیتا ہے، حکم کی تردید کر دیتا ہے دو چیزوں کے درمیان۔ جَاءَنِيْ زَيْدٌ أَوْ عَمْرٌو میرے پاس زید آیا یا عمر آیا، دیکھو تعیین نہیں ہے، تردید ہے، تعیین نہیں ہے بلکہ تردید ہے، دو چیزوں کے درمیان حکم دائر کر دیا، یا تو زید آیا ہے یا عمر، آپ کو اتنا پتہ چل گیا کہ ان دو میں سے کوئی ایک ہے لیکن کون سا ہے تعیین نہیں ہے اس کے اندر۔ تو أَوْ کو کیا کہتے ہیں؟ حرفِ تردید۔ تو یہاں پر بھی مستثنیٰ جو ہے ان کے درمیان حرفِ أَوْ لائیں گے اور وہ کون کون سے ہیں؟ مَجْمُوْعُهُمَا ان دونوں کا مجموعہ، کن دونوں کا مجموعہ؟ عدل اور وزنِ فعل کا، أَوْ أَحَدُهُمَا یا ان دونوں میں سے کوئی ایک۔ ایک صورت یہ ہے کہ دونوں اکٹھے ہوں، ایک صورت یہ ہے کہ دونوں میں سے ایک ہو چاہے عدل ہو چاہے وزنِ فعل ہو۔ تو مَجْمُوْعُهُمَا أَوْ أَحَدُهُمَا توجہ ہے؟ یہ امرِ مردد ہے، مَجْمُوْعُهُمَا أَوْ أَحَدُهُمَا یہ امرِ مردد ہے، اس میں حرفِ تردید أَوْ آرہا ہے تو اس کا مستثنیٰ منہ یہ امرِ مردد ہے بھئی۔ یہ امرِ مردد۔ فَلَا يَكُوْنُ مَعَهَا تو نہیں ہوگا اس علمیت کے ساتھ، کیا نہیں ہوگا؟ مَجْمُوْعُهُمَا أَوْ أَحَدُهُمَا ان دونوں کا مجموعہ یا ان دونوں میں سے کوئی ایک۔ میرے لفظوں پہ ذرا توجہ سے سنو، فَلَا يَكُوْنُ مَعَهَا نہیں ہوگا علمیت کے ساتھ، کیا نہیں ہوگا؟ مَجْمُوْعُهُمَا أَوْ أَحَدُهُمَا ان دونوں کا مجموعہ یا کوئی ایک، ان دونوں کا مجموعہ یا دونوں میں سے ایک یہ علمیت کے ساتھ جمع نہیں ہو سکتے إِلَّا أَحَدُهُمَا مگر دونوں میں سے ایک۔ تو مستثنیٰ منہ کیا؟ مَجْمُوْعُهُمَا أَوْ أَحَدُهُمَا، توجہ ہے؟ یہ مَجْمُوْعُهُمَا أَوْ أَحَدُهُمَا تو اس میں أَحَدُهُمَا بھی آرہا تھا یا نہیں؟ جی، جب کہا فَلَا يَكُوْنُ مَجْمُوْعُهُمَا أَوْ أَحَدُهُمَا تو کس کس کی نفی ہوئی؟ مجموعے کی بھی نفی ہو گئی اور أَحَدُهُمَا کی بھی نفی ہو گئی، پھر إِلَّا کے ذریعے أَحَدُهُمَا کا اثبات کر دیا، جیسے میں نے کہا تھا مَا جَاءَنِي الْقَوْمُ وہ لوگ میرے پاس نہیں آئے اور ان میں زید بھی تھا یا نہیں؟ تو زید کی بھی کیا ہو گئی؟ نفی ہو گئی، پھر میں نے إِلَّا زَيْدًا کے ذریعے کیا کر دیا زید کو اس حکم سے نکال دیا۔ توجہ ہے؟ یہاں پر بھی اسی طرح ہے فَلَا يَكُوْنُ مَعَهَا نہیں ہوگا اس علمیت کے ساتھ، کیا نہیں ہوگا؟ مَجْمُوْعُهُمَا أَوْ أَحَدُهُمَا ان دونوں کا مجموعہ یا ان دونوں میں سے ایک، جب یہ دونوں کی نفی ہو گئی تو أَحَدُهُمَا کی بھی نفی ہو گئی یا نہیں؟ پھر اس کے بعد إِلَّا أَحَدُهُمَا جب کہا تو کیا کر دیا؟ اس کو اس حکم سے نکال کر اس کا اثبات کر دیا۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ تو اب دیکھو مستثنیٰ منہ عام بھی ہو گیا، مستثنیٰ منہ عام ہوا اس میں أَحَدُهُمَا کے ساتھ مَجْمُوْعُهُمَا بھی شامل تھا، دونوں کی نفی ہو رہی تھی پھر اس میں سے أَحَدُهُمَا کو نکال کر کیا کر دیا اس کا؟ اثبات کر دیا۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو معلوم ہوا مستثنیٰ منہ کیا ہے؟ وہ امرِ مردد ہے، کس کے درمیان؟ وہ امرِ مردد بَيْنَ مَجْمُوْعِهِمَا وَبَيْنَ أَحَدِهِمَا۔

تو کہتے ہیں فَلَا يَكُوْنُ مَعَهَا أَيْ لَا يُوْجَدُ شَيْءٌ مِنَ الْأَمْرِ الدَّائِرِ یعنی نہ پائی جائے کوئی چیز، نہ پائی جائے کوئی چیز، اب مِنْ

کے ساتھ بیان کر رہے ہیں کہ اس شَيْءٌ سے کیا مراد ہے۔ توجہ ہے؟ یہ مستثنیٰ مفرغ ہے اور مستثنیٰ مفرغ کے لیے مستثنیٰ منہ عام نکالتے ہیں، تو صاحبِ جامی نے بھی کیا نکالا؟ شَيْءٌ عام نکالا۔ اب اس شَيْءٌ سے کیا مراد ہے؟ اس سے عموم بھی مراد نہیں لے سکتے، خصوص بھی نہیں، کیونکہ عموم مراد لیں گے تو باقی تمام اسباب کی نفی ہو جائے گی، معلوم ہوا علمیت کے ساتھ کوئی اور سبب نہیں آتا صرف یہ دو آتے ہیں، یہ تو بات ہی غلط ہو جاتی ہے۔ اور خصوص بھی مراد نہیں لے سکتے کیونکہ خصوص کی دو صورتیں ہیں اور دونوں ہی صحیح نہیں ہیں۔ پہلی صورت خصوص کی کیا؟ کہ مَجْمُوْعُهُمَا مراد لیں ان دونوں کا مجموعہ، اور دوسری صورت خصوص کی یہ کہ أَحَدُهُمَا مراد لے لیں۔ پہلی صورت اگر لیں مَجْمُوْعُهُمَا مراد لیں تو پھر اس صورت میں استثناء صحیح نہیں، کیونکہ مستثنیٰ منہ کیا ہوا؟ مَجْمُوْعُهُمَا دونوں کا مجموعہ اور مستثنیٰ کیا ہے؟ أَحَدُهُمَا، أَحَدُهُمَا تو مَجْمُوْعُهُمَا میں شامل ہی نہیں ہے کیونکہ میں نے بتلایا مجموعہ بول کر مجموعہ مراد لینا ہے یعنی دونوں ہی اکٹھے ہونے چاہئیں، دونوں میں سے الگ ایک ایک کو مراد لے ہی نہیں سکتے، مجموعے کا مطلب مجموعہ ہی مراد لینا ہے تو یہ تو پھر أَحَدُهُمَا کو شامل ہی نہیں، تو مَجْمُوْعُهُمَا کو مستثنیٰ منہ بنائیں اور أَحَدُهُمَا کو مستثنیٰ بنائیں تو پھر تو مستثنیٰ جو ہے وہ مستثنیٰ منہ کے اندر داخل ہی نہیں، جب داخل ہی نہیں تو استثناء ہی صحیح نہیں رہتا۔ اور خصوص کی دوسری صورت یہ ہے کہ شَيْءٌ سے کیا مراد لے لیں؟ دونوں میں سے ایک مراد لے لیں، تو پھر مستثنیٰ منہ بھی أَحَدُهُمَا اور مستثنیٰ بھی أَحَدُهُمَا تو اِسْتِثْنَاءُ الشَّيْءِ عَنْ نَفْسِهِ لازم آئے گا اور یہ بھی صحیح نہیں۔ تو پھر اس شَيْءٌ سے کیا مراد لیں گے؟ تو اب وہ آپ کو بتلانے لگے ہیں، مِنْ کے ساتھ بیان کر رہے ہیں، میں نے آپ کو بتلا دیا کہ شَيْءٌ سے کیا مراد لیں گے؟ وہ امرِ مردد، وہ امر جو مردد ہے جس میں تردید ہے کن دو چیزوں کے درمیان؟ مَجْمُوْعُهُمَا أَوْ أَحَدُهُمَا۔ وہی بیان کر رہے ہیں: أَيْ لَا يُوْجَدُ شَيْءٌ کوئی چیز نہیں پائی جائے گی، مِنْ بیانیہ ہے، مِنَ الْأَمْرِ الدَّائِرِ وہ جو امر دائر ہے بَيْنَ مَجْمُوْعِ هٰذَيْنِ السَّبَبَيْنِ وَبَيْنَ أَحَدِهِمَا فَقَطْ ان دونوں سببوں کے مجموعے کے درمیان اور ان میں سے ایک کے درمیان، وہ جو امر دائر ہے ان دونوں کے مجموعے اور دونوں میں سے ایک کے درمیان۔ بھئی میں نے کیا بتلایا کہ مستثنیٰ منہ کیا ہے؟ وہ امرِ مردد ہے، وہ امرِ مردد، وہ امر جو مردد ہے کتنی چیزوں کے درمیان؟

وہ امر جو مردد ہے کتنی چیزوں میں؟ دو، مَجْمُوْعُهُمَا أَوْ أَحَدُهُمَا۔ اسی کو بیان کر رہے ہیں۔ میں نے کیا لفظ کہا؟ وہ مردد ہے، انہوں نے کیا کہا؟ وہ امر جو دائر ہے، وہ امر جو دائر ہے ان دو چیزوں کے درمیان، وہ مراد ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ یہ معنی ہے مِنَ الْأَمْرِ الدَّائِرِ بَيْنَ مَجْمُوْعِ هٰذَيْنِ السَّبَبَيْنِ وَبَيْنَ أَحَدِهِمَا فَقَطْ وہ امر جو دائر ہے ان دونوں سببوں کے مجموعے اور ان دونوں میں سے صرف ایک کے درمیان، إِلَّا أَحَدُهُمَا فَقَطْ تو ان دونوں میں سے صرف ایک ہوگا، لَا مَجْمُوْعُهُمَا دونوں کا مجموعہ نہیں ہوگا۔ اب بات سمجھ میں آگئی؟ حاصلِ کلام پھر سمجھ لو، کہ بھئی یہاں پر فَلَا يَكُوْنُ مَعَهَا إِلَّا أَحَدُهُمَا یہ مستثنیٰ مفرغ ہے، مستثنیٰ مفرغ اسے کہتے ہیں جو کلامِ غیر موجب میں آئے اور کلامِ غیر موجب وہ ہے جس میں نفی، نہی یا استفہام ہو، اور نیز اس کلام کے اندر مستثنیٰ منہ مذکور نہ ہو، تو گویا عامل جو ہے وہ مفرغ ہو گیا کس کے لیے؟ مستثنیٰ کے لیے، اب

مستثنیٰ منہ میں عمل وہ نہیں کر رہا عامل بلکہ کس میں عمل کرے گا؟ مستثنیٰ میں عمل کرے گا، لہٰذا أَحَدُهُمَا یہ کیا بنا؟ فاعل بنا کس کے لیے؟ فَلَا يَكُوْنُ کے لیے، یہ أَحَدُهُمَا کیا بن گیا؟ فاعل بن گیا، لہٰذا فَلَا يَكُوْنُ کے اندر کوئی ضمیر نہیں ہے، اور پھر یہ جو مستثنیٰ مفرغ ہے اس کے لیے جو مستثنیٰ منہ نکالتے ہیں وہ عام نکالتے ہیں، کیا نکالتے ہیں؟ عام، جیسے میں کہتا ہوں مَا جَاءَنِيْ إِلَّا زَيْدٌ، مَا جَاءَنِيْ إِلَّا زَيْدٌ دیکھو مَا جَاءَنِيْ حرفِ نفی بھی ہے اور مستثنیٰ منہ مذکور بھی نہیں تو یہ مستثنیٰ مفرغ ہے بھئی، اور اس کے لیے مستثنیٰ عام نکالتے ہیں مَا جَاءَنِيْ أَحَدٌ بھئی میرے پاس کوئی ایک بھی نہیں آیا إِلَّا زَيْدًا سوائے کس کے؟ زید کے، بات سمجھ میں آئی؟ تو یہاں بھی اسی لیے فَلَا يَكُوْنُ مَعَهَا کے بعد صاحبِ جامی نے فرمایا أَيْ لَا يُوْجَدُ شَيْءٌ، ایک تو بتلا دیا کہ یہ فَلَا يَكُوْنُ جو ہے یہ تامہ ہے بھئی، اسی لیے لَا يُوْجَدُ کے ساتھ اس کی تفسیر کی، اور نیز شَيْءٌ یہ مستثنیٰ منہ نکالا ہے اور عام ہے، اب اس شَيْءٌ سے کیا مراد ہے؟ شَيْءٌ میں تو عموم ہوتا ہے، تو یہ تو ہر چیز پر صادق آتا ہے، تو کیا اس میں عموم ہے یا کوئی خاص چیز اس سے مراد ہے؟ تو کہتے ہیں اگر عموم پر باقی رکھیں تو بھی بات درست نہیں ہے اس لیے کیونکہ معنی یہ ہو جائے گا کہ اسبابِ منع صرف میں سے کوئی چیز بھی نہیں آتی علمیت کے ساتھ سوائے ان میں سے ایک کے، اسبابِ منع صرف میں سے کوئی سبب بھی علمیت کے ساتھ جمع نہیں ہوتا إِلَّا أَحَدُهُمَا مگر ان دونوں میں سے ایک یعنی عدل اور وزنِ فعل میں سے ایک، اور یہ بات تو درست نہیں ہے بھئی، یہ صرف دو جمع ہوتے ہیں علمیت کے ساتھ یا کل چھ ہیں جو علمیت کے ساتھ جمع ہوتے ہیں؟ چھ ہیں جو علمیت کے ساتھ جمع ہوتے ہیں، ان دو کے علاوہ بھی چار ہیں بھئی۔ اور پھر اگر شَيْءٌ سے خصوص مراد لیں تو خصوص کی صورت میں یا تو عدل اور وزنِ فعل کا مجموعہ مراد لیں گے یا دونوں میں سے ایک مراد لیں گے، مجموعہ مراد لیں وہ بھی بات صحیح نہیں کیونکہ اس صورت میں استثناء صحیح نہیں بنتا، کیونکہ مستثنیٰ منہ ایسا ہونا چاہیے جس میں مستثنیٰ بھی داخل ہو، اور دونوں کے مجموعے میں أَحَدُهُمَا تو داخل نہیں ہے، أَحَدُهُمَا کا مطلب تو ہے دونوں میں سے ایک، اور مجموعے کا معنی ہے دونوں اکٹھے یعنی الگ الگ نہیں بلکہ دونوں اکٹھے، تو جب دونوں اکٹھے ہیں تو دونوں میں سے ایک وہ تو ہم مراد نہیں لے سکتے، دونوں کو اکٹھا ہی مراد لینا پڑے گا، تو اس صورت میں استثناء صحیح نہیں بنتا۔ اور نیز خصوص کی دوسری صورت یہ ہے کہ آپ اس سے صرف کیا مراد لے لیں؟ أَحَدُهُمَا مراد لے لیں، تو پھر تو مستثنیٰ منہ بھی أَحَدُهُمَا ہوا اور مستثنیٰ بھی أَحَدُهُمَا ہوا، تو یہ تو اِسْتِثْنَاءُ الشَّيْءِ عَنْ نَفْسِهِ لازم آئے گا، ایک چیز کا اپنی ہی ذات سے استثناء کیا جائے، یہ اسی طرح ہے جیسے آپ یوں کہیں مَا جَاءَنِيْ زَيْدٌ إِلَّا زَيْدًا میرے پاس زید نہیں آیا سوائے زید کے، بھئی یہ کیا بات ہوئی؟ زید کے آنے کی نفی کر رہے ہیں اور زید کے آنے کا ہی اثبات کر رہے ہیں، یہ تو اجتماعِ نقیضین ہے بھئی، دونوں میں سے ایک ہو سکتا ہے دونوں تو نہیں ہو سکتے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو پھر انہوں نے بتلایا کہ مستثنیٰ یہاں پر کیا ہے؟ وہ امرِ مردد ہے دو چیزوں کے درمیان، وہ امرِ مردد وہ مستثنیٰ منہ ہے، کون سی دو چیزیں؟ مَجْمُوْعُهُمَا أَوْ أَحَدُهُمَا، مَجْمُوْعُهُمَا ان دونوں کا مجموعہ یا دونوں میں سے ایک۔ صاحبِ جامی نے یہاں بھی اس کو ذکر کیا اور آگے پھر إِلَّا أَحَدُهُمَا فَقَطْ لَا مَجْمُوْعُهُمَا دونوں میں سے ایک آئے گا مجموعہ نہیں آئے گا بھئی۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو مستثنیٰ منہ کیا ہے؟ وہ امرِ

مردد ہے بَيْنَ الشَّيْئَيْنِ دو چیزوں کے درمیان، کون سی دو چیزیں؟ مَجْمُوْعُهُمَا أَوْ أَحَدُهُمَا۔ بات سمجھ میں آگئی؟

ایک دفعہ ترجمہ پھر دیکھ لیں۔ کہتے ہیں فَلَا يَكُوْنُ مَعَهَا پس نہیں ہوگا علمیت کے ساتھ أَيْ لَا يُوْجَدُ شَيْءٌ یعنی کوئی چیز نہیں پائی جائے گی، مِنْ بیان ہے کہ شَيْءٌ سے کیا مراد ہے، کہتے ہیں مِنَ الْأَمْرِ الدَّائِرِ بَيْنَ مَجْمُوْعِ هٰذَيْنِ السَّبَبَيْنِ وَبَيْنَ أَحَدِهِمَا فَقَطْ یعنی وہ امر شَيْءٌ سے مراد وہ امر ہے جو کہ دائر ہے یا یوں کہو جو مردد ہے بَيْنَ مَجْمُوْعِ هٰذَيْنِ السَّبَبَيْنِ ان دو سببوں کے مجموعے کے درمیان وَبَيْنَ أَحَدِهِمَا فَقَطْ اور دونوں میں سے ایک کے درمیان، تو یہ جو ہے یہ امرِ مردد یہ نہیں ہو سکتا، یہ جمع نہیں ہو سکتا علمیت کے ساتھ إِلَّا أَحَدُهُمَا فَقَطْ مگر دونوں میں سے صرف ایک لَا مَجْمُوْعُهُمَا نہ کہ دونوں بھی۔

کہتے ہیں فَإِذَا نُكِّرَ غَيْرُ الْمُنْصَرِفِ، فَإِذَا نُكِّرَ جب نکرہ بنایا جائے، فَإِذَا نُكِّرَ آگے غَيْرُ الْمُنْصَرِفِ نکال کر دراصل ضمیر کا مرجع بتلانا چاہتے ہیں کہ نُكِّرَ کے اندر هُوَ ضمیر جو نائب الفاعل ہے وہ کس کو راجع ہے؟ غیر منصرف کو۔ فَإِذَا نُكِّرَ غَيْرُ الْمُنْصَرِفِ پس جب نکرہ بنا دیا جائے اس غیر منصرف کو الَّذِيْ أَحَدُ أَسْبَابِهِ الْعَلَمِيَّةُ جس کے اسباب میں سے ایک علمیت ہے، جب اس غیر منصرف کو نکرہ بنا دیا جائے تو بَقِيَ بِلَا سَبَبٍ تو وہ باقی رہے گا بغیر کسی سبب کے، اور آگے متن میں آرہا ہے أَوْ عَلَى سَبَبٍ وَاحِدٍ یا وہ ایک ہی سبب پر باقی رہے گا۔ بغیر سبب کے باقی رہے گا کن اسباب میں؟ جن میں علمیت شرط تھی۔ جن میں علمیت شرط تھی، وہی وہ چار اسباب: تانیث بالتا، عجمہ، ترکیب اور الف نون مزیدتان، ان کے ساتھ علمیت شرط ہے، جب علمیت کو ختم کریں گے تو وہ لفظ منصرف بنے گا اور اب اس میں ایک بھی سبب نہیں ہے، علمیت کو آپ نے ختم کیا اور باقی چار میں سے جو بھی ہے اس میں علمیت شرط تھی، جب شرط نہیں تو مشروط بھی نہیں، تو وہ اب موجود تو ہیں لفظ میں لیکن مؤثر نہیں، غیر انصراف کا سبب نہیں بن رہے۔ تو کہتے ہیں بَقِيَ بِلَا سَبَبٍ وہ بغیر سبب کے باقی رہ جائے گا أَيْ لَمْ يَبْقَ فِيْهِ سَبَبٌ مِنْ حَيْثُ هُوَ سَبَبٌ یعنی اس میں سبب جو ہے وہ باقی نہیں رہے گا مِنْ حَيْثُ هُوَ سَبَبٌ سبب ہونے کی حیثیت سے۔ یعنی اس میں سبب، سبب ہونے کی حیثیت سے باقی نہیں ہے۔ جیسے میں نے مثال ذکر کی تھی طَلْحَةُ غیر منصرف ہے، ایک علمیت ہے اور ایک تانیث بالتا ہے، اور تانیث بالتا کے اندر علمیت شرط ہے وہ تب ہی غیر انصراف کا سبب بنتی ہے، اگر علمیت نہیں تو وہ غیر انصراف کا سبب بھی نہیں، تو جب طلحہ سے آپ نے علمیت ختم کر دی تو تانیث بالتا اب موجود تو ہے لیکن سبب ہونے کی حیثیت سے نہیں ہے، اب یہ سبب نہیں بن رہی تو اب طلحہ میں ایک بھی سبب نہیں ہے، علمیت آپ نے ختم کی اور تانیث بالتا اب مؤثر نہیں، موجود تو ہے لیکن مؤثر نہیں، سبب نہیں بن رہی، تو گویا غیر انصراف کا ایک بھی سبب اب اس کے اندر نہیں ہے جب آپ نے اس کو نکرہ بنا دیا۔ یہ معنی ہے أَيْ لَمْ يَبْقَ فِيْهِ سَبَبٌ مِنْ حَيْثُ هُوَ سَبَبٌ کہ باقی نہیں رہے گا اس کے اندر سبب مِنْ حَيْثُ هُوَ سَبَبٌ اس حیثیت سے کہ وہ سبب ہو، سبب اس میں سبب ہونے کی حیثیت سے باقی نہیں، جیسے طلحہ کو میں نے کیا کیا؟ اس سے علمیت ختم کی، تانیث تو ابھی بھی ہے اس میں لیکن سبب ہونے کی حیثیت سے تانیث نہیں ہے۔

پھر عبارت دیکھیں أَيْ لَمْ يَبْقَ فِيْهِ سَبَبٌ مِنْ حَيْثُ هُوَ سَبَبٌ یعنی اس میں سبب باقی نہیں رہا سبب ہونے کی حیثیت سے فِيْمَا، مَا سے مراد ہیں وہ اسبابِ اربعہ جن میں علمیت شرط تھی، کون کون سے؟ تانیث بالتا ہے چاہے لفظاً ہو یا معناً ہو، عجمہ ہے، ترکیب ہے اور الف نون مزیدتان۔ تو کہتے ہیں فِيْمَا ان چار اسباب میں هِيَ شَرْطٌ فِيْهِ جن کے اندر یہ علمیت شرط تھی۔ مِنْ کے ساتھ خود بیان کر رہے ہیں، بھئی پیچھے کیا آیا فِيْمَا هِيَ شَرْطٌ فِيْهِ اس میں جس میں یہ علمیت شرط تھی، جس میں، هِيَ ضمیر علمیت کو راجع ہے، جس میں یہ علمیت شرط تھی، بھئی مَا سے کیا مراد ہے؟ آگے مِنْ کے ذریعے بیان کر رہے ہیں مِنَ الْأَسْبَابِ الْأَرْبَعَةِ الْمَذْكُوْرَةِ یعنی وہ چار مذکورہ اسباب، وہ چار مذکورہ اسباب۔ لِأَنَّهُ قَدِ انْتَفَى أَحَدُ السَّبَبَيْنِ الَّذِيْ هُوَ الْعَلَمِيَّةُ بِذَاتِهَا بھئی اب وہی وجہ بیان کر رہے ہیں کہ علمیت کو تو آپ نے ختم کیا اور وہ چار سببوں میں سے جو موجود ہے اس کے لیے علمیت شرط تھی تو جب شرط ختم تو اب وہ خود بھی مؤثر نہیں ہے، یہی بیان کر رہے ہیں۔ لِأَنَّهُ قَدِ انْتَفَى أَحَدُ السَّبَبَيْنِ اس لیے کیونکہ دو سببوں میں سے ایک تو منتفی ہو گیا، کون سا ایک؟ الَّذِيْ هُوَ الْعَلَمِيَّةُ بِذَاتِهَا وہ جو علمیت ہے اپنی ذات کے اعتبار سے، ایک سبب یعنی علمیت تو خود اپنی ذات کے اعتبار سے ختم ہو گیا کیونکہ آپ نے علمیت ختم کر دی وَالسَّبَبُ الْآخَرُ الْمَشْرُوْطُ بِالْعَلَمِيَّةِ اور دوسرا سبب جو مشروط تھا علمیت کے ساتھ وہ بھی منتفی ہوا، وہ بھی منتفی ہوا مِنْ حَيْثُ وَصْفِ سَبَبِيَّتِهِ سبب ہونے کے وصف کی حیثیت سے، یعنی اب وہ سبب ہونے کا وصف اس میں نہیں یعنی وہ مؤثر نہیں ہے، طلحہ سے علمیت ختم کی تو تاءِ تانیث تو ابھی بھی موجود ہے لیکن اب یہ سبب ہونے کی حیثیت سے نہیں ہے، ویسے تانیث تو ہے لیکن سبب نہیں بن رہی۔ عبارت دوبارہ دیکھیں لِأَنَّهُ قَدِ انْتَفَى أَحَدُ السَّبَبَيْنِ الَّذِيْ هُوَ الْعَلَمِيَّةُ بِذَاتِهَا وَالسَّبَبُ الْآخَرُ الْمَشْرُوْطُ بِالْعَلَمِيَّةِ یہ السَّبَبُ الْآخَرُ اس کا عطف ہو رہا ہے أَحَدُ السَّبَبَيْنِ پر، قَدِ انْتَفَى أَحَدُ السَّبَبَيْنِ وَالسَّبَبُ الْآخَرُ ایک سبب تو وہ منتفی ہو گیا جو علمیت آپ نے منتفی کی وَالسَّبَبُ الْآخَرُ اور دوسرا سبب بھی منتفی ہوا جس میں علمیت شرط تھی، عبارت سمجھ میں آ رہی ہے؟ تو کہتے ہیں لِأَنَّهُ قَدِ انْتَفَى أَحَدُ السَّبَبَيْنِ اس لیے کیونکہ دو سببوں میں سے ایک جو ہے وہ منتفی ہو گیا، بھئی وہ ایک کون سا؟ کہتے ہیں الَّذِيْ هُوَ الْعَلَمِيَّةُ بِذَاتِهَا وہ جو علمیت ہے وہ اپنی ذات کے اعتبار سے کیا ہو گئی؟ منتفی ہو گئی، وَالسَّبَبُ الْآخَرُ الْمَشْرُوْطُ بِالْعَلَمِيَّةِ اور منتفی ہو گیا وہ دوسرا سبب بھی جو مشروط تھا علمیت کے ساتھ مِنْ حَيْثُ وَصْفِ سَبَبِيَّتِهِ، یہ منتفی ہوا ہے کس حیثیت سے؟ سبب ہونے کے وصف کی حیثیت سے، یعنی سبب ہونے کا جو وصف تھا اس حیثیت سے منتفی ہو گیا، اب یہ سبب نہیں بن رہا جیسے میں نے بتایا طلحہ کے اندر تاء موجود تو ہے اب جب علمیت ختم کی اب تانیث والی تاء موجود تو ہے لیکن اس میں سبب ہونے والا وصف نہیں ہے فَلَا يَبْقَى فِيْهِ سَبَبٌ مِنْ حَيْثُ هُوَ سَبَبٌ تو اس کے اندر کوئی سبب جو ہے وہ سبب ہونے کی حیثیت سے باقی نہیں ہے۔

یہاں تک عبارت سمجھ میں آ گئی؟ أَوْ عَلَى سَبَبٍ وَاحِدٍ یا وہ اسم باقی رہے گا ایک سبب پر فِيْمَا هِيَ لَيْسَتْ بِشَرْطٍ فِيْهِ، فِيْمَا یہاں مَا سے مراد ہے وہ دو سبب یعنی عدل اور وزنِ فعل جن میں علمیت جمع تو ہوتی ہے لیکن شرط نہیں۔ دیکھیں خود

بیان بھی کر رہے ہیں مِنْ کے ساتھ مِنَ الْعَدْلِ وَوَزْنِ الْفِعْلِ۔ کہتے ہیں أَوْ عَلَى سَبَبٍ وَاحِدٍ یا وہ اسم باقی رہے گا ایک ہی سبب پر جس کو آپ نے نکرہ بنا دیا اب وہ ایک ہی سبب پر باقی رہے گا فِيمَا ان دو سببوں میں هِيَ لَيْسَتْ بِشَرْطٍ فِيهِ جن میں علمیت شرط نہیں ہے، بھئی وہ کون سے دو سبب ہیں؟ مِنَ الْعَدْلِ وَوَزْنِ الْفِعْلِ یعنی عدل اور وزنِ فعل۔ هٰذَا أَيْ خُذْ هٰذَا، هٰذَا یاد رکھو علماء کوئی قیمتی بات جب ذکر فرماتے ہیں تو اس کے بعد هٰذَا کہہ دیتے ہیں، هٰذَا دراصل یہ مفعول ہے اور فعل محذوف ہے أَيْ خُذْ هٰذَا یعنی یہ بات لے لو اس کو یاد رکھو یہ قیمتی بات ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو کہتے ہیں هٰذَا أَيْ خُذْ هٰذَا یہ بات لے لو یعنی اس کو یاد رکھو۔

وَقَدْ قِيلَ عَلَى قَوْلِهِ وَهُمَا مُتَضَادَّانِ یہاں سے اب ایک اعتراض کریں گے بھئی، اعتراض۔ بھئی ادھر دیکھیے اعتراض یہ ہے کہ اوپر آپ نے ہمیں کیا بتایا کہ وَهُمَا مُتَضَادَّانِ عدل اور وزنِ فعل متضاد ہیں، یہ دونوں کسی لفظ میں جمع ہی نہیں ہوتے، کہتے ہیں ہمیں آپ کی یہ بات تسلیم نہیں، ہم آپ کو دکھاتے ہیں عدل اور وزنِ فعل ایک ہی کلمے میں جمع ہو رہے ہیں، جیسے إِصْمِتْ ہمزہ ہے، صاد، میم اور لمبی تاء، إِصْمِتْ۔ إِصْمِتْ یہ ایک جنگل کا نام ہے بھئی، کہتے ہیں دیکھو إِصْمِتْ اس میں وزنِ فعل بھی ہے اِضْرِبْ، توجہ ہے؟ یہ اس میں وزنِ فعل بھی ہے، امر حاضر معلوم ہے باب ضَرَبَ يَضْرِبُ سے اِضْرِبْ کے وزن پر ہے، اور دوسرا اس میں عدل بھی ہے، کہتے ہیں عدل اس طرح ہے کہ یہ صَمَتَ يَصْمُتُ سے ہے، صَمَتَ يَصْمُتُ کا معنی خاموش ہونا، صَمَتَ زَيْدٌ زید خاموش ہوا، تو یہ صَمَتَ يَصْمُتُ باب نَصَرَ ہے اور باب نَصَرَ سے امر کیا آتا ہے؟ اُنْصُرْ آتا ہے، اُنْصُرْ آتا ہے تو اُصْمُتْ آنا چاہیے تھا امر، لیکن یہاں کیا ہے؟ إِصْمِتْ ہے، معلوم ہوا اس میں عدل بھی ہوا ہے، اُصْمُتْ سے پھیر کر کیا بنا لیا گیا؟ إِصْمِتْ بنا لیا گیا، تو وزنِ فعل بھی ہے، امر ہے اور عدل بھی ہے اور یہ غیر منصرف ہے، یہ ایک جنگل کا نام ہے۔ تو صاحبِ جامی جواب دیں گے کہ آپ کی یہ بات درست نہیں ہے، إِصْمِتْ کے اندر عدل کا ہونا، عدل کا ہونا ثابت نہیں ہے کیونکہ اس میں یہ بھی احتمال ہے کہ ہو سکتا ہے صَمَتَ يَصْمُتُ ایک باب آپ پڑھتے ہیں کیونکہ

وہ مشہور ہے، ہو سکتا ہے صَمَتَ يَصْمِتُ بھی اس میں باب آیا ہو، لیکن وہ مشہور نہ ہو، وہ کتابوں میں ذکر نہ ہو بھئی۔ بات سمجھ میں آرہی ہے؟ ہو سکتا ہے بعض عرب اس کو کیا استعمال کرتے ہوں؟ صَمَتَ يَصْمِتُ سے استعمال کرتے ہوں، لیکن وہ مشہور نہیں ہوا، مشہور کون سا ہے؟ صَمَتَ يَصْمُتُ ہے۔ تو اس کے اندر ضروری نہیں کہ عدل ہو بھئی۔ اور نیز آپ کو یہ بھی بتلائیں گے کہ بھئی جو عدل کا اعتبار کیا جاتا ہے وہ صرف اس کی اصل اس کی پائی جائے تو اصل کی وجہ سے عدل کا اعتبار نہیں کرتے، بلکہ عدل کا اعتبار ضرورت کی وجہ سے کیا جاتا ہے، توجہ ہے؟ عدل کا اعتبار ضرورت کی وجہ سے، مثلاً آپ نے عربوں سے ایک کلمہ سنا اور وہ اس کو غیر منصرف استعمال کر رہے ہیں، اب آپ نے پوری کوشش کر لی لیکن آپ کو اس میں ایک ہی سبب ملا، جیسے عُمَرُ، عُمَرُ کا لفظ عربوں سے ہم نے غیر منصرف سنا، نحوی علماء نے پوری کوشش کر لی کہ بھئی دوسرا سبب کیا ہے اس کا پتہ چلا لیں، دوسرا سبب کوئی تھا ہی نہیں، ایک ہی سبب تھا علمیت، تو مجبور ہو کر انہوں

نے اس کے اندر کس کا اعتبار کر لیا؟ عدل کا اعتبار کر لیا، تو عدل کا اعتبار وہ غیر انصراف کے ضرورت کی وجہ سے کیا جاتا ہے، بغیر ضرورت کے عدل کا اعتبار نہیں کیا جاتا۔ بات سمجھ میں آگئی؟ اور نیز آپ کو بتائیں گے کہ إِصْمِتْ کے اندر عدل کا اعتبار کرنے کی ضرورت ہی نہیں ہے، یاد رکھو یہ إِصْمِتْ کا لفظ یہ جنگل کا نام ہے اور یہ غیر منصرف استعمال ہوتا ہے کلامِ عرب میں، یہ غیر منصرف، تو کہتے ہیں اس کے اندر دو سبب پہلے ہی موجود ہیں تو عدل کا اعتبار کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ عدل کا اعتبار تو تب کرتے ہیں جب کوئی اور سبب نہ ملے، بھئی دو سبب کون سے ہیں؟ کہتے ہیں ایک تو اس کے اندر وزنِ فعل ہے إِصْمِتْ، اور دوسرا اس کے اندر تانیث ہے بھئی، بھئی تانیث کیسے ہے؟ کہتے ہیں یہ جنگل کا نام ہے اور جنگل کو کیا کہتے ہیں؟ مَفَازَةٌ، تو مَفَازَةٌ کی تاویل میں اس کے اندر تانیث بھی موجود ہے، جیسے شہروں اور ملکوں کے نام ان میں بھی تانیث ہوتی ہے کس تاویل پر؟ بَلْدَةٌ اور بُقْعَةٌ کی تاویل پر، تو اسی طرح جنگل کے نام کے اندر بھی تانیث ہے مَفَازَةٌ کی تاویل میں، مَفَازَةٌ عربی زبان میں جنگل کو کہتے ہیں، تو اس میں کون سے دو سبب ہیں؟ ایک وزنِ فعل ہے اور ایک تانیث، لہٰذا عدل کے اعتبار کی کوئی حاجت ہی نہیں ہے۔

کہتے ہیں وَقَدْ قِيْلَ عَلَى قَوْلِهِ وَهُمَا مُتَضَادَّانِ اور تحقیق کہا گیا ہے ماتن کے قول جو اوپر آیا تھا وَهُمَا مُتَضَادَّانِ اس پر کہا گیا ہے کہ إِنَّ إِصْمِتَ، إِنَّ إِصْمِتَ پڑھیں بھئی، إِصْمِتْ نہ پڑھیں، کیوں؟ وجہ یہ کہ یہ غیر منصرف ہے بھئی، ابھی تو بتایا آپ کو میں نے، یہ کیا ہے؟ غیر منصرف ہے، یہ اس وقت فعل نہیں ہے، اگر فعل ہوتا پھر تو وہ مبنی علی السکون تھا، امر ہے نا، لیکن یہ فعل نہیں ہے بلکہ یہ جنگل کا نام ہے اور میں نے بتایا یہ غیر منصرف ہے اور غیر منصرف پر کیا آیا؟ إِنَّ آیا، اور إِنَّ کیا کرتا ہے؟ نصب دیتا ہے، اور غیر منصرف پر نصب فتحہ کے ساتھ آتا ہے بغیر تنوین کے۔ تو کہتے ہیں کہ وَقَدْ قِيْلَ عَلَى قَوْلِهِ وَهُمَا مُتَضَادَّانِ إِنَّ إِصْمِتَ بِكَسْرَتَيْنِ عَلَمًا لِلْمَفَازَةِ اور تحقیق ماتن کا قول جو اوپر آیا تھا وَهُمَا مُتَضَادَّانِ اس پر کہا گیا ہے کہ إِنَّ إِصْمِتَ بِكَسْرَتَيْنِ عَلَمًا لِلْمَفَازَةِ کہ إِصْمِتَ جو ہے بِكَسْرَتَيْنِ دو کسروں کے ساتھ عَلَمًا لِلْمَفَازَةِ اس حال میں کہ یہ علم ہے جنگل کا، یہ نام ہے ایک خاص جنگل کا، مِنْ أَوْزَانِ الْفِعْلِ یہ کس میں سے ہے؟ کہ إِنَّ إِصْمِتَ مِنْ أَوْزَانِ الْفِعْلِ، عبارت سمجھ میں آرہی ہے؟ درمیان میں صرف اس کے حرکات بتلائیں کہ بِكَسْرَتَيْنِ ہے، اور درمیان میں عَلَمًا لِلْمَفَازَةِ یہ بتلایا اس حال میں کہ یہ لفظ کیا ہے؟ ایک جنگل کا علم ہے، نام ہے، إِنَّ کی خبر کیا ہے؟ مِنْ أَوْزَانِ الْفِعْلِ، إِنَّ إِصْمِتَ مِنْ أَوْزَانِ الْفِعْلِ کہ إِصْمِتْ جو ہے یہ اوزانِ فعل میں سے ہے مَعَ وُجُوْدِ الْعَدْلِ فِيْهِ ساتھ اس میں عدل کے پائے جانے کے، اس میں عدل بھی موجود ہے۔ یہ ابھی اعتراض چل رہا ہے، فَإِنَّهُ أَمْرٌ مِنْ صَمَتَ يَصْمُتُ اس لیے کیونکہ یہ امر ہے صَمَتَ يَصْمُتُ سے یعنی بابِ نَصَرَ سے، وَقِيَاسُهُ أَنْ يَّجِيْءَ بِضَمَّتَيْنِ اور قیاس اس میں یہ ہے کہ یہ دو ضموں کے ساتھ آئے، فَلَمَّا جَاءَ بِكَسْرَتَيْنِ جب یہ دو کسروں کے ساتھ آیا، عُلِمَ أَنَّهُ مَعْدُوْلٌ عَنْهُ تو جان لیا گیا کہ یہ اس سے معدول ہوا ہے، یہ إِصْمِتْ معدول ہے کس سے؟ اُصْمُتْ سے۔

وَالْجَوَابُ کہتے ہیں جواب یہ ہے کہ أَنَّ هٰذَا أَمْرٌ غَيْرُ مُحَقَّقٍ کہ یہ بات جو ہے ثابت نہیں ہے، هٰذَا أَمْرٌ غَيْرُ مُحَقَّقٍ یہ بات ثابت نہیں ہے لِجَوَازِ وُرُوْدِ إِصْمِتَ بِكَسْرَتَيْنِ اس لیے کیونکہ یہ بھی جائز ہے کہ إِصْمِتْ کسرتین کے ساتھ وارد ہوا ہو، یعنی عربوں نے اسی طرح اس کو استعمال کیا ہو وَإِنْ لَّمْ يَشْتَهِرْ اگرچہ یہ مشہور نہیں ہے۔ فَالْأَوْزَانُ الَّتِيْ تَحَقَّقَ فِيْهَا الْعَدْلُ تَحْقِيْقًا كَانَ أَوْ تَقْدِيْرًا لَمْ تُجَامِعْ وَزْنَ الْفِعْلِ، فَالْأَوْزَانُ الَّتِيْ پس وہ اوزان الَّتِيْ تَحَقَّقَ فِيْهَا الْعَدْلُ جن کے اندر عدل محقق ہے یعنی ثابت ہے چاہے عدل تَحْقِيْقًا ہو كَانَ أَوْ تَقْدِيْرًا یا عدل تقدیری ہو، وہ اوزان جن کے اندر عدل ثابت ہے چاہے عدلِ تحقیقی ہو چاہے عدلِ تقدیری ہو لَمْ تُجَامِعْ وَزْنَ الْفِعْلِ وہ جمع نہیں ہوتا کس کے ساتھ؟ وزنِ فعل کے ساتھ۔ پورے کلامِ عرب کو علماء نے چھان مارا، کہیں پر بھی ایک ہی لفظ کے اندر عدل اور وزنِ فعل ان کو اکٹھے نہیں ملے کہ دونوں سبب بن رہے ہوں غیر انصراف کا۔

وَأَيْضًا قَدْ عَرَفْتَ فِيْمَا تَقَدَّمَ اور نیز یہ بات بھی آپ جان چکے ہیں ماقبل کے اندر کہ أَنَّ مُجَرَّدَ وُجُوْدِ أَصْلٍ مُحَقَّقٍ لَا يَكْفِيْ فِي اعْتِبَارِ الْعَدْلِ التَّحْقِيْقِيِّ کہ صرف اصلِ محقق کا وجود ہونا، پھر دیکھیں أَنَّ مُجَرَّدَ وُجُوْدِ أَصْلٍ مُحَقَّقٍ کہ صرف اصلِ محقق کا ہونا، اصلِ محقق کا پایا جانا، اصلِ محقَق یعنی ثابت شدہ، ثابت شدہ اصل کا پایا جانا صرف یہ جو ہے لَا يَكْفِيْ یہ کافی نہیں ہے فِي اعْتِبَارِ الْعَدْلِ التَّحْقِيْقِيِّ عدلِ تحقیقی کا اعتبار کرنے کے لیے۔ بھئی ادھر دیکھیے عدل کا اعتبار کیوں کیا جاتا ہے؟ کیا اصلِ محقق مل جائے تو عدل کا اعتبار ہر حال میں کیا جاتا ہے یا غیر انصراف کی ضرورت کے لیے کیا جاتا ہے؟ غیر انصراف کی ضرورت، ایک لفظ غیر منصرف ہے اور اس میں کوئی اور سبب نہیں ملا تو پھر اب مجبوراً کیا کرنا پڑے گا؟ عدل کا اعتبار کرنا پڑے گا، یہ نہیں کہ اصلِ محقق مل گئی تو اب آپ کو ضرور عدل کا اعتبار کرنا پڑے، ایسا نہیں ہے۔ یہ معنی ہے کہ وَأَيْضًا قَدْ عَرَفْتَ فِيْمَا تَقَدَّمَ اور تحقیق یہ بات آپ جان چکے ہیں وہ جو مقدم گزر چکا کہ أَنَّ مُجَرَّدَ وُجُوْدِ أَصْلٍ مُحَقَّقٍ کہ صرف اصلِ محقق کا پایا جانا لَا يَكْفِيْ یہ کافی نہیں ہے فِي اعْتِبَارِ الْعَدْلِ التَّحْقِيْقِيِّ عدلِ تحقیقی کے اعتبار میں کہ اس کا اعتبار کر لیا جائے بِدُوْنِ اقْتِضَاءِ مَنْعِ الصَّرْفِ إِيَّاهُ بغیر اس کے کہ منعِ صرف اس کا تقاضا کرے۔ منعِ صرف تقاضا کرے گا تو پھر اعتبار کریں گے، منعِ صرف کے تقاضے کے بغیر نہیں کریں گے۔ یہ معنی ہے بِدُوْنِ اقْتِضَاءِ مَنْعِ الصَّرْفِ إِيَّاهُ بغیر اس کے کہ منعِ صرف تقاضا کرے اس عدل کا، بِدُوْنِ اقْتِضَاءِ مَنْعِ الصَّرْفِ إِيَّاهُ بغیر اس کے کہ منعِ صرف تقاضا کرے اس عدل کے اعتبار کا وَاعْتِبَارِ خُرُوْجِ الصِّيْغَةِ عَنْ ذٰلِكَ الْأَصْلِ، وَاعْتِبَارِ اس اعْتِبَارِ کا عطف ہے اقْتِضَاءِ پر، بِدُوْنِ اقْتِضَاءِ مَنْعِ الصَّرْفِ إِيَّاهُ وَبِدُوْنِ اعْتِبَارِ خُرُوْجِ الصِّيْغَةِ عَنْ ذٰلِكَ الْأَصْلِ۔ ادھر دیکھیے ایک چیز کے لیے اصلِ محقق پائی جائے جیسے إِصْمِتْ کے لیے اصلِ محقق اُصْمُتْ پائی گئی، صرف اصلِ محقق کا پایا جانا کافی نہیں جب تک غیر انصراف اس عدل کا تقاضا نہ کرے اور جب تک اس اصل سے اس لفظ کے خروج کا بھی اعتبار نہ کیا جائے، دیکھو ایک ہے اصلِ محقق، پھر کیا کیا جاتا ہے؟ اصلِ محقق سے اس کے عدل کا اس کے خروج کا اعتبار بھی کرنا ضروری ہے کہ یہ اس سے نکلا ہے یہ اس سے بنا ہے، جیسے عُمَرُ اس کے اندر دوسرا سبب نہیں ملا تو اس کے لیے کیا فرض کر لیا اصل؟ عَامِرٌ، تو یہ عَامِرٌ یہ تو اصلِ محقق نہیں ہے، لیکن اس

کو بھی کیوں فرض کیا گیا؟ کیونکہ دوسرا سبب ہمیں نہیں مل رہا تھا، تو یہ اصل کو بھی فرض کیا گیا اور اس اصل سے خروج کو بھی فرض کیا گیا یہ اس سے نکل کر بنا ہے، تو یہاں پر بھی جب عدلِ تحقیقی کے اندر تو اصلِ محقق ہوتی ہے لیکن صرف اصلِ محقق کا ہونا کافی نہیں بلکہ غیر انصراف اس کا تقاضا بھی کرے اور نیز اس سے خروج کا اعتبار بھی کیا جائے پھر عدل ہوگا ویسے عدل نہیں، یہ معنی ہے بِدُوْنِ اقْتِضَاءِ مَنْعِ الصَّرْفِ إِيَّاهُ وَاعْتِبَارِ خُرُوْجِ الصِّيْغَةِ عَنْ ذٰلِكَ الْأَصْلِ بغیر اس کے کہ منعِ صرف اس عدل کا یا اس کے اعتبار کا تقاضا کرے وَاعْتِبَارِ خُرُوْجِ الصِّيْغَةِ عَنْ ذٰلِكَ الْأَصْلِ اور بغیر اس کے کہ اس اصل سے صیغے کے نکلنے کا اعتبار کیا جائے۔

بات تو آپ کو سمجھ میں آگئی ہے ترجمہ سمجھ میں شاید نہیں آیا ہوگا، دیکھو عبارت کو پورا جوڑیں نا پھر آپ کو بات سمجھ میں آئے گی۔ ادھر دیکھیے کہنا یہ چاہتے ہیں کہ اصلِ محقق کا ہونا یہ عدل کے اعتبار کے لیے کافی نہیں ہے جب تک غیر انصراف اس کا تقاضا نہ کرے اور جب تک اس اصل سے اس صیغے کے نکلنے کا اعتبار نہ کیا جائے۔ اب بات سمجھ میں آگئی؟ دیکھو اب ترجمہ سارا دوبارہ دیکھو: وَأَيْضًا قَدْ عَرَفْتَ فِيْمَا تَقَدَّمَ أَنَّ مُجَرَّدَ وُجُوْدِ أَصْلٍ مُحَقَّقٍ لَا يَكْفِيْ فِي اعْتِبَارِ الْعَدْلِ التَّحْقِيْقِيِّ اور یہ بات آپ ماقبل میں جان چکے ہیں کہ صرف اصلِ محقق کا ہونا یہ کافی نہیں ہے فِي اعْتِبَارِ الْعَدْلِ التَّحْقِيْقِيِّ عدلِ تحقیقی کے اعتبار میں، عدلِ تحقیقی کے اعتبار میں صرف اصلِ محقق کا وجود کافی نہیں ہے بِدُوْنِ اقْتِضَاءِ مَنْعِ الصَّرْفِ إِيَّاهُ وَاعْتِبَارِ خُرُوْجِ الصِّيْغَةِ عَنْ ذٰلِكَ الْأَصْلِ بغیر اس کے کہ منعِ صرف اس کا تقاضا کرے اور بغیر اس کے کہ صیغے کا اس اصل سے نکلنے کا اعتبار کیا جائے، اس کے بغیر صرف اصلِ محقق کا وجود کافی نہیں بلکہ یہ دو بھی ضروری ہیں، کہ غیر انصراف اس عدل کا تقاضا بھی کرے اور اس اصل سے صیغے کے نکلنے کا اعتبار بھی کیا جائے۔

ترجمہ سمجھ میں آیا؟ پھر دیکھو، پھر دیکھو، بلکہ یوں کرو بھئی دیکھو وَأَيْضًا قَدْ عَرَفْتَ فِيْمَا تَقَدَّمَ أَنَّ مُجَرَّدَ وُجُوْدِ أَصْلٍ مُحَقَّقٍ لَا يَكْفِيْ فِي اعْتِبَارِ الْعَدْلِ التَّحْقِيْقِيِّ یہ جملے کا ایک حصہ، اور بِدُوْنِ اقْتِضَاءِ مَنْعِ الصَّرْفِ إِيَّاهُ وَاعْتِبَارِ خُرُوْجِ الصِّيْغَةِ عَنْ ذٰلِكَ الْأَصْلِ یہ جملے کا دوسرا حصہ، ہم یوں کرتے ہیں دوسرے حصے کا ترجمہ پہلے کر لیتے ہیں اور پہلے حصے کا ترجمہ بعد میں اب آپ کو بات پوری طرح سمجھ میں آجائے گی۔ کہتے ہیں یہ بات آپ جان چکے ہیں ماقبل کے اندر کہ منعِ صرف کے تقاضے کے بغیر اور صیغے کا اس اصل سے نکلنے کے اعتبار کیے بغیر صرف اصلِ محقق کا وجود کافی نہیں ہے عدلِ تحقیقی کا اعتبار کرنے میں، اب بات سمجھ میں آگئی؟ آخری حصے کا ترجمہ پہلے کرو کہ منعِ صرف کے تقاضے کے بغیر اور صیغے کا اصل سے نکلنے کا اعتبار کیے بغیر صرف اصلِ محقق کا وجود کافی نہیں ہے عدلِ تحقیقی کا اعتبار کرنے کے لیے، اب بات سمجھ میں آگئی؟ حل ہو گیا؟

وَهَا هُنَا لَا يَقْتَضِيْهِ اور یہاں پر یہ منعِ صرف عدل کا تقاضا نہیں کر رہی لِوُجُوْدِ سَبَبَيْنِ فِي إِصْمِتَ وَرَاءَ الْعَدْلِ اس لیے کیونکہ دو سبب پائے جا رہے ہیں إِصْمِتْ کے اندر وَرَاءَ الْعَدْلِ عدل کے علاوہ، وَهُمَا الْعَلَمِيَّةُ وَالتَّأْنِيْثُ اور وہ علمیت اور تانیث ہیں، وہ اس کے اندر موجود ہیں تو لہٰذا عدل کا اعتبار کرنے کی کوئی حاجت نہیں ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ اچھی طرح حل ہو گیا؟ چلیے بس بھئی، هٰذَا هُوَ الْمَرَامُ وَاللّٰهُ أَعْلَمُ بِحَقِيْقَةِ الْكَلَامِ۔

سبق نمبر ۷۴: احکامِ غیر منصرف (۳): «أَحْمَرُ» جب علم ہو پھر نکرہ بنایا جائے (سیبویہ و اخفش کا اختلاف)

شرحِ ملا جامی صفحہ: ۵۴ — بتاریخ: ۲۵ ستمبر ۲۰۲۱ء

▪ تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث

آگے سبق دیکھیے بھئی۔

ثُمَّ إِنَّهُ أَشَارَ إِلَى اسْتِثْنَاءِ مِثْلِ أَحْمَرَ عَلَمًا إِذَا نُكِّرَ عَنْ هٰذِهِ الْقَاعِدَةِ عَلَى قَوْلِ سِيبَوَيْهِ بِقَوْلِهِ وَخَالَفَ سِيبَوَيْهِ الْأَخْفَشَ، اَلْمَشْهُورُ هُوَ أَبُو الْحَسَنِ تِلْمِيذُ سِيبَوَيْهِ، وَلَمَّا كَانَ قَوْلُ التِّلْمِيذِ أَظْهَرَ مَعَ مُوَافَقَتِهِ لِمَا ذَكَرَهُ مِنَ الْقَاعِدَةِ جَعَلَهُ أَصْلًا، وَأَسْنَدَ الْمُخَالَفَةَ إِلَى الْأُسْتَاذِ وَإِنْ كَانَ غَيْرَ مُسْتَحْسَنٍ تَنْبِيهًا عَلَى ذٰلِكَ فِي انْصِرَافِ مِثْلِ أَحْمَرَ عَلَمًا إِذَا نُكِّرَ۔

گزشتہ سبق میں اسباب منع صرف کو مکمل کرنے کے بعد آگے مرفوعات کی بحث شروع کرنے سے پہلے صاحب کافیہ غیر انصراف کی بحث سے متعلق دو ضابطے ذکر فرما رہے تھے۔ گزشتہ سبق میں ہم نے پہلا ضابطہ پڑھا تھا بھئی۔ اور انہوں نے آپ کو بتلایا کہ ہر وہ غیر منصرف جس کے اندر علمیت مؤثر ہو، جب اس کو نکرہ بنایا جائے تو وہ منصرف ہو جاتا ہے۔ اور پھر اس میں دو صورتیں ہیں بھئی: یا تو وہ علمیت اس سبب کے لیے شرط ہوگی یا شرط نہیں ہوگی۔ اگر شرط ہے، پھر جب علمیت ختم کریں گے تو علمیت تو آپ نے ختم کر دی اور علمیت دوسرے سبب کے لیے شرط تھی، تو شرط جب ختم تو مشروط بھی ختم۔ تو اب وہ اسم منصرف ہوا اور اس میں ایک بھی سبب نہیں ہے غیر انصراف کا۔ علمیت آپ نے ختم کی اور دوسرا سبب علمیت کے ختم ہونے کی وجہ سے ختم ہو گیا۔ اور اگر علمیت شرط نہیں تھی، ویسے جمع ہو رہی تھی، جیسے کہ عدل اور وزن فعل کے ساتھ جمع ہوتی ہے، تو جب آپ علمیت کو ختم کریں گے تو عدل یا وزن فعل ابھی بھی باقی ہے، تو اب وہ اسم منصرف بن جائے گا لیکن ابھی بھی اس میں ایک سبب غیر انصراف کا موجود ہے۔

اور پھر یہاں پر عبارت آئی تھی کہ: لِمَا تَبَيَّنَ مِنْ أَنَّهَا لَا تُجَامِعُ مُؤَثِّرَةً إِلَّا مَا هِيَ شَرْطٌ فِيهِ إِلَّا الْعَدْلَ وَوَزْنَ الْفِعْلِ۔ یہاں اشکال ہوا کہ یہاں تو دو استثنا کیے گئے ہیں ایک ہی مستثنیٰ منہ سے، اور ایک مستثنیٰ منہ سے ایک استثنا ہو سکتا ہے، ایک سے زیادہ استثنا نہیں ہو سکتے۔ ہاں، درمیان میں اگر حرف عطف لے آتے پھر تو چاہے دس استثنا آپ کر لیں، کیونکہ وہ سارے پھر معطوف بن جاتے ہیں۔ جیسے میں نے بتلایا تھا کہ فعل کے لیے ایک ہی فاعل آتا ہے، ایک سے زیادہ نہیں آ سکتا، لیکن عطف کے ذریعے آپ چاہے دس بنا لیں۔ جَاءَنِي زَيْدٌ وَعَمْرٌو وَبَكْرٌ وَخَالِدٌ۔ تو یہ سارے زید پر عطف ہیں، تو یہ معطوف ہیں اور معطوف کا وہی حکم ہوتا ہے جو معطوف علیہ کا۔ تو یہاں پر بھی اگر یوں عبارت ہوتی نا وَإِلَّا الْعَدْلَ وَوَزْنَ الْفِعْلِ، پھر تو کوئی اشکال نہیں تھا، اس کا عطف ہو جاتا ماقبل میں جو إِلَّا آیا تھا۔ لیکن یہاں تو حرف عطف نہیں تو ایک ہی مستثنیٰ منہ سے دو استثنا بن رہے ہیں۔

تو جواب میں نے بتلایا تھا کہ یہ جو دوسرا استثنا ہے، یہ مفہوم کلام سے ہے، یعنی وہ جو باقی بچ گیا تھا پہلے استثنا کے بعد، یہ اس سے استثنا ہے۔ اور پہلے میں کیا ذکر تھا؟ إِلَّا مَا هِيَ شَرْطٌ فِيهِ، جن کے اندر علمیت شرط ہے۔ تو جن میں علمیت شرط نہیں وہ باقی رہ گئے تھے، تو ان سے استثنا کر لیا کہ جن میں علمیت شرط نہیں ان کے ساتھ علمیت جمع نہیں ہوتی، إِلَّا الْعَدْلَ وَوَزْنَ الْفِعْلِ، مگر عدل اور وزن فعل۔ صرف یہ دو ہیں جو بغیر شرط کے علمیت کے ساتھ جمع ہوتے ہیں بھئی۔

پھر اس پر اشکال ہوا کہ آپ نے ہمیں ضابطہ کیا بتلایا کہ جن اسباب منع صرف کے ساتھ علمیت مؤثر ہو کر جمع ہوتی ہے، تو جب اس میں سے علمیت کو ختم کریں گے تو وہ منصرف ہو جائے گا، ہمیں آپ کی یہ بات تسلیم نہیں۔ ہو سکتا ہے علمیت ختم کر دیں وہ پھر بھی غیر منصرف رہے۔ مثلاً اس میں یہ عدل اور وزن فعل دونوں اکٹھے ہو جائیں۔ علمیت بھی ہو گئی، عدل بھی ہو گیا اور وزن فعل بھی۔ اب جب آپ نے علمیت ختم کر دی تو عدل اور وزن فعل تو ابھی بھی باقی ہیں، دو سبب تو ابھی بھی باقی ہیں، تو وہ لفظ پھر بھی کیا رہے گا؟ غیر منصرف رہے گا، حالانکہ آپ نے ہمیں کیا بتایا: علمیت ختم کرو گے تو وہ کیا بن جائے گا؟ منصرف۔ تو اس کا بھی جواب دیا تھا کہ وَهُمَا مُتَضَادَّانِ، کہ یہ عدل اور وزن فعل دونوں آپس میں متضاد ہیں، یہ دونوں اکٹھے ہوتے ہی نہیں ہیں۔ عدل کے اوزان الگ ہیں اور وزن فعل جو منع صرف کے اندر معتبر ہیں وہ الگ ہیں، جب دونوں وزن الگ الگ ہیں تو ایک وقت میں ایک وزن آ سکتا ہے اسم کے اندر، دونوں وزن اکٹھے نہیں ہو سکتے۔

اور پھر اس کے بعد بڑی طویل بحث ہم نے کی تھی، یہ جو عبارت آئی: فَلَا يَكُونُ مَعَهَا إِلَّا أَحَدُهُمَا۔ میں نے بتلایا تھا کہ مَعَهَا کی هَا ضمیر کس کو راجع؟ علمیت کو راجع۔ کہ علمیت کے ساتھ نہیں ہو سکتا إِلَّا أَحَدُهُمَا مگر ان دونوں میں سے ایک، یعنی دونوں اکٹھے علمیت کے ساتھ نہیں آ سکتے۔

میں نے آپ کو بتلایا تھا کہ یہ مستثنیٰ مفرغ ہے۔ یہ أَحَدُهُمَا کیا ہے؟ مستثنیٰ مفرغ۔ مستثنیٰ مفرغ کسے کہتے ہیں؟ کہ کلام غیر موجب ہو، کلام غیر موجب ہو اور مستثنیٰ منہ عبارت کے اندر ذکر نہ ہو۔ اور کلام غیر موجب کسے کہتے تھے؟ جس میں نفی، نہی یا استفہام ہو۔ اور یہاں پر بھی فَلَا يَكُونُ دیکھو نفی ہے، تو یہ کلام غیر موجب ہوا۔ اور نیز مستثنیٰ منہ مذکور نہ ہو، اور فَلَا يَكُونُ مَعَهَا إِلَّا أَحَدُهُمَا یہاں إِلَّا سے پہلے کوئی مستثنیٰ منہ مذکور نہیں ہے۔ اس کو کیا کہتے ہیں؟ مستثنیٰ مفرغ۔ کلام کون سا ہو؟ غیر موجب اور مستثنیٰ منہ مذکور نہ ہو۔ اور اس میں پھر یاد رکھو، یہ جو مستثنیٰ ہے نا مستثنیٰ، اس پر اعراب عَلَى حَسَبِ الْعَوَامِلِ آتا ہے، عوامل کے مطابق۔ تو فَلَا يَكُونُ، میں نے بتلایا تھا یہ جو يَكُونُ ہے یہ تامہ ہے۔ اس کی تفسیر صاحب جامی نے کس کے ساتھ کی؟ أَيْ لَا يُوجَدُ شَيْءٌ۔ اور لَا يُوجَدُ کے ساتھ کانہ تامہ کی تفسیر کی جاتی ہے۔ کس کی؟ کانہ تامہ۔ میں نے بتلایا تھا ایک کانہ تامہ ہے ایک کانہ ناقصہ۔ کانہ ناقصہ وہ ہے جس کے لیے اسم کے ساتھ ساتھ ایک خبر بھی چاہیے بھئی۔ اور کانہ تامہ جو صرف فاعل پر بات پوری ہو جائے، وہ کسی خبر کا محتاج نہیں۔ تو لَا يُوجَدُ کے ساتھ کانہ تامہ کی تفسیر کی جاتی ہے۔ تو لَا يُوجَدُ سے بتلا دیا یہ لَا يَكُونُ تامہ ہے بھئی۔

تو اب اس کے لیے فاعل چاہیے تھا اور وہ مستثنیٰ منہ بنتا، لیکن مستثنیٰ منہ تو محذوف ہے، تو یہ أَحَدُهُمَا فَلَا يَكُونُ کے لیے فاعل بن گیا۔ فَلَا يَكُونُ کے لیے أَحَدُهُمَا کو کیا بنائیں گے؟ فاعل۔ جب أَحَدُهُمَا اس کا فاعل موجود ہے، تو فَلَا يَكُونُ کے اندر کوئی ضمیر نہیں۔ تو مستثنیٰ منہ محذوف ہے اور یہ مستثنیٰ مفرغ ہے۔ مفرغ اس کو کیوں کہتے ہیں؟ میں نے وجہ بھی ذکر کی تھی کیونکہ اس کے اندر عامل کو فارغ کیا گیا ہے مستثنیٰ کے لیے۔ عامل نے عمل کس میں کرنا تھا؟ مستثنیٰ منہ میں، لیکن مستثنیٰ منہ محذوف ہے، تو عامل گویا اب اس کو مفرغ کر دیا گیا، فارغ کر دیا گیا کہ کس میں عمل کر سکے؟ مستثنیٰ میں۔ تو یہ یوں کہو، یہ مُفَرَّغٌ لَهُ ہے أَيْ لِلْمُسْتَثْنَى، اس کا عامل وہ مُفَرَّغٌ لِلْمُسْتَثْنَى ہے۔ تو وہ عمل کر رہا ہے اور أَحَدُهُمَا اس کا فاعل ہے۔

مستثنیٰ مفرغ میں میں نے بتایا تھا کہ مستثنیٰ منہ جو ہوتا ہے وہ محذوف ہوتا ہے اور اس کو عام نکالتے ہیں۔ کیسا نکالتے ہیں؟ کہ اس میں عموم ہونا چاہیے، خصوص نہیں ہونا چاہیے۔ وجہ کیا؟ تاکہ استثنا صحیح ہو سکے۔ ایک ایسا لفظ نکالو جس میں عموم ہو، یعنی اس میں مستثنیٰ بھی داخل ہو اور پھر إِلَّا کے ذریعے اس کو نکال دیا جائے۔ مثلاً میں آپ سے کہتا ہوں: مَا جَاءَنِي إِلَّا زَيْدٌ۔ مَا جَاءَنِي إِلَّا زَيْدٌ۔ دیکھو مَا جَاءَ کے بعد کوئی مستثنیٰ منہ ذکر نہیں ہے۔ اور آگے إِلَّا کے بعد زید ذکر ہے، تو مستثنیٰ منہ محذوف ہے اور مَا جَاءَ کس کے اندر عمل کر رہا ہے؟ زَيْدٌ کے اندر، زَيْدٌ اس کے لیے فاعل ہے۔ تو یہ مستثنیٰ مفرغ ہے۔ دیکھو کلام بھی غیر موجب ہے مَا جَاءَنِي نفی بھی ہے، اور مستثنیٰ منہ مذکور بھی نہیں تو اس کو کیا کہتے ہیں؟ مستثنیٰ مفرغ کہتے ہیں۔ تو مستثنیٰ منہ اس کے اندر محذوف ہے۔ اب مستثنیٰ منہ جو محذوف ہے اس کو عام نکالیں گے، تاکہ زید پہلے اس کے اندر داخل ہو اور پھر إِلَّا کے بعد زید کو اس سے نکال دیا جائے۔

تو یہاں مستثنیٰ منہ کو خاص نہیں نکال سکتے، کیونکہ اگر مستثنیٰ منہ خاص ہوگا تو زید تو اس کے اندر داخل ہی نہیں ہوگا، جب داخل نہیں تو اس کو نکالنے کا کیا معنی بھئی؟ بات سمجھ میں آگئی؟ مثلاً ہم خاص نکال لیتے ہیں، مثلاً عمر نکال لیتے ہیں، یہاں مستثنیٰ منہ کیا نکالتے ہیں؟ عمر نکالتے ہیں، اور عمر دیکھو خاص ہے، علم ہے، کسی ایک شخص پر صادق آرہا ہے، اس میں کوئی عموم نہیں ہے، اس کے اندر خصوص ہی خصوص ہے۔ تو اصل جملہ کیا تھا؟ مَا جَاءَنِي إِلَّا زَيْدٌ۔ اور مستثنیٰ منہ یہاں پر محذوف، اب ہم وہ خاص نکالتے ہیں، مثلاً عمر نکال لیتے ہیں، تو کلام کیا بن گیا؟ مَا جَاءَنِي عَمْرٌو إِلَّا زَيْدًا۔ مَا جَاءَنِي عَمْرٌو، میرے پاس عمر نہیں آیا، إِلَّا زَيْدًا مگر زید۔ دیکھو، بھئی عمر تو ایک خاص ذات کا نام ہے بھئی، اس عمر کے اندر زید داخل ہے؟ عمر کا لفظ زید کو شامل ہے؟ جب زید کو شامل ہی نہیں ہے تو اس سے استثنا آپ کیسے کر سکتے ہیں زید کا؟ بات سمجھ میں آگئی؟ تو پہلے کیا تھا؟ مَا جَاءَنِي إِلَّا زَيْدٌ۔ اب کیا بنا؟ مَا جَاءَنِي عَمْرٌو إِلَّا زَيْدًا۔ تو آپ نے مستثنیٰ منہ خاص نکالا اور کلام پھر درست نہیں بنتا، کیونکہ عمر زید کو شامل ہی نہیں کہ آپ إِلَّا کے ذریعے پھر زید کو نکالیں۔ بلکہ جیسے میں نے پہلے مثال ذکر کی تھی: مَا جَاءَنِي الْقَوْمُ، میرے پاس وہ لوگ نہیں آئے، إِلَّا زَيْدًا مگر زید۔ دیکھا ان لوگوں میں زید بھی شامل تھا، پھر إِلَّا کے ذریعے میں نے کیا کر دیا؟ زید کو اس حکم سے نکال دیا بھئی۔ بات سمجھ میں آگئی؟

تو معلوم ہوا مستثنیٰ مفرغ میں جو مستثنیٰ منہ نکالتے ہیں وہ عام نکالتے ہیں، تاکہ وہ مستثنیٰ کو بھی شامل ہو، پھر آگے إِلَّا کے ذریعے مستثنیٰ کو اس سے کیا کر دیتے ہیں؟ نکال دیتے ہیں۔ بات سمجھ میں آگئی؟

تو لہٰذا صاحب جامی نے بھی یہاں پر لَا يُوجَدُ شَيْءٌ، فَلَا يَكُونُ کی تفسیر کیا کی؟ لَا يُوجَدُ شَيْءٌ۔ دیکھو شَيْءٌ نکالا اور شَيْءٌ میں تو سب سے زیادہ عموم ہے۔ شَيْءٌ کا لفظ تو أَنْكَرُ النَّكِرَاتِ ہے، سب سے زیادہ تنکیر جو ہے لفظ شَيْءٌ کے اندر ہے۔ یہ جس چیز کا بھی وجود ہے اس پر لفظ شَيْءٌ صادق آتا ہے۔ تو صاحب جامی نے شَيْءٌ نکالا۔ لیکن اس شَيْءٌ سے دنیا کی ساری چیزیں یہاں مراد نہیں ہیں، کیونکہ علمیت کے ساتھ دنیا کی ساری چیزیں اکٹھی نہیں ہوتیں، یہ بحث چل رہی ہے اسباب منع صرف کی، اور علمیت کے ساتھ کیا جمع ہوتے ہیں؟ اسباب منع صرف۔ تو یہاں اس سے اسباب منع صرف مراد ہیں۔ کیا مراد ہیں؟ اس سے اسباب منع صرف مراد لیں گے۔

شَيْءٌ نکالا۔ شَيْءٌ یہاں عموم کے لیے ہے یا خصوص کے لیے؟ اگر عموم کے لیے لیں، تو معنی یہ ہوگا کہ تمام اسباب منع صرف جو ہیں، فَلَا يَكُونُ مَعَهَا، تمام اسباب منع صرف جو ہیں وہ جمع نہیں ہوتے مَعَهَا أَيْ مَعَ الْعَلَمِيَّةِ، علمیت کے ساتھ، إِلَّا الْعَدْلَ وَوَزْنَ الْفِعْلِ، مگر کیا عدل اور وزن فعل۔ یہ تو کلام ہی درست نہ رہا بھئی۔ علمیت کے ساتھ کیا یہ صرف عدل اور وزن فعل جمع ہوتے ہیں یا باقی چار جن میں شرط ہے وہ بھی جمع ہوتے ہیں؟ وہ بھی جمع ہوتے ہیں، تو لہٰذا یہاں عموم مراد نہیں لے سکتے، ورنہ کلام واقع کے مطابق نہیں رہے گا، کلام صحیح نہیں رہے گا۔ معلوم ہوا یہاں شَيْءٌ کو اپنے عموم پر باقی

رکھنا بھی صحیح نہیں۔

اور خصوص مراد لیں، خصوص کی صورت میں پھر یا تو ایک صورت یہ ہے کہ عدل اور وزن فعل دونوں مراد لے لیں۔ کیا مراد لے لیں؟ دونوں مراد لے لیں۔ تو شَيْءٌ تو ہے مفرد اور عدل اور وزن فعل یہ تو دو ہو گئے، یہ تو تثنیہ ہو گیا، تو شَيْءٌ سے تثنیہ مراد نہیں لے سکتے۔ اس کا جواب یہ کہ بھئی دونوں کا مجموعہ مراد لے لیتے ہیں۔ کیا مراد لے لیتے ہیں؟ دونوں کا مجموعہ مراد لیتے ہیں، اور دونوں مل گئے تو مجموعہ بنا اور مجموعہ ایک ہی بنا یا کئی مجموعے بن گئے؟ ایک ہی مجموعہ۔ تو لہٰذا شَيْءٌ سے مجموعہ مراد لے لو۔ کیا مراد لے لو؟ مجموعہ مراد لے لو۔ تو شَيْءٌ سے عموم میں کیا مراد لیا؟ تمام اسباب منع صرف۔ اور خصوص کی صورت میں یا تو مجموعہ مراد لے لو یا دونوں میں سے ایک مراد لے لو۔ دونوں کا مجموعہ، یعنی عدل اور وزن فعل کا مجموعہ مراد لے لیں، یا أَحَدُهُمَا مراد لے لیں، یعنی یوں کہیں، شَيْءٌ سے یہاں عموم مراد نہیں لے سکتے، ورنہ تو کلام صحیح نہیں رہے گا، اور خصوص کی دو صورتیں ہیں: یا تو مَجْمُوعُهُمَا مراد لے لیں، ان دونوں کا مجموعہ، یا أَحَدُهُمَا مراد لے لیں، دونوں میں سے ایک۔ بہرحال ایک وقت میں ایک مراد لیں گے، یا أَحَدُهُمَا مراد لیں گے یا مَجْمُوعُهُمَا مراد لیں گے۔ تو عبارت کیا بن جائے گی؟ فَلَا يَكُونُ مَعَهَا مَجْمُوعُهُمَا، پس نہیں جمع ہو سکتا علمیت کے ساتھ ان دونوں کا مجموعہ، یعنی دونوں اکٹھے جمع نہیں ہو سکتے، إِلَّا أَحَدُهُمَا مگر دونوں میں سے ایک۔ لیکن اس صورت میں پھر استثنا صحیح نہیں۔ اگر دونوں کا مجموعہ مراد لے لیں تو پھر أَحَدُهُمَا کا استثنا صحیح نہیں، کیونکہ ابھی میں نے بتلایا آپ کو کہ مستثنیٰ مفرغ کے اندر مستثنیٰ منہ جو نکالتے ہیں وہ عام نکالتے ہیں۔ کس لیے عام نکالتے ہیں؟ تاکہ یہ مستثنیٰ کو بھی شامل ہو اور مستثنیٰ کے علاوہ اور چیزوں کو بھی شامل ہو، تاکہ اس میں سے ہم مستثنیٰ کو نکال سکیں، کیا کر سکیں؟ تو خصوص کی پھر دو صورتیں ہیں: یا تو دونوں کا مجموعہ مراد لے لو یا أَحَدُهُمَا دونوں میں سے ایک مراد لے لو۔ اگر دونوں کا مجموعہ مراد لیں تو بھی صحیح نہیں، دونوں میں سے ایک مراد لیں تو بھی صحیح نہیں۔

تو بھی صحیح نہیں۔ وجہ یہ کہ دونوں کا جب مجموعہ مراد لیا، فَلَا يَكُونُ مَعَهَا، علمیت کے ساتھ نہیں ہو سکتا مَجْمُوعُهُمَا، ان دونوں کا مجموعہ، إِلَّا أَحَدُهُمَا، مگر دونوں میں سے ایک۔ بھئی جب دونوں کا مجموعہ ہے، تو اس کے اندر تو أَحَدُهُمَا شامل ہی نہیں ہے، کیونکہ مجموعے کا مطلب یہ ہے دونوں کو اکٹھا مراد لینا ہے، الگ الگ مراد نہیں لینا بھئی۔ جب دونوں کو اکٹھا ہی مراد لینا ہے، الگ الگ دونوں کو مراد نہیں لے سکتے، تو أَحَدُهُمَا شامل ہوا اس میں؟ مجموعے کا کیا معنی؟ مجموعے کا مطلب ہے مجموعہ ہی مراد لینا ہے، أَحَدُهُمَا مراد نہیں لینا، تو أَحَدُهُمَا تو اس کے اندر داخل ہی نہیں ہے، تو إِلَّا أَحَدُهُمَا کا کیا معنی؟ پھر استثنا ہی نہیں صحیح۔ مستثنیٰ منہ آپ نے کیا نکالا؟ مَجْمُوعُهُمَا۔ اور مَجْمُوعُهُمَا تو أَحَدُهُمَا کو شامل ہی نہیں ہے، مجموعے سے مجموعہ ہی مراد لینا ہے، دونوں الگ الگ مراد نہیں لینے۔ جب دونوں کا مجموعہ مراد لینا ہے، تو أَحَدُهُمَا کا استثنا اس سے صحیح نہیں، کیونکہ یہ مستثنیٰ منہ یہ تو مَجْمُوعُهُمَا کو شامل ہے، أَحَدُهُمَا کو تو شامل ہی نہیں۔ تو مجموعہ بھی مراد نہیں لے سکتے بھئی، کیونکہ اس صورت میں استثنا ہی صحیح نہیں بنتا۔ اور پھر خصوص کی دوسری صورت یہ ہے کہ أَحَدُهُمَا مراد لے لیں، کیا

لے لیں؟ لیکن اس صورت میں پھر خرابی یہ لازم آتی ہے کہ مستثنیٰ منہ بھی أَحَدُهُمَا اور مستثنیٰ بھی أَحَدُهُمَا، تو اس صورت میں اِسْتِثْنَاءُ الشَّيْءِ عَنْ نَفْسِهِ لازم آتا ہے۔ ایک چیز کا استثنا اپنی ہی ذات سے کیا جا رہا ہے، اور یہ صحیح نہیں۔ مثلاً جیسے میں کہتا ہوں: مَا جَاءَنِي زَيْدٌ إِلَّا زَيْدًا، میرے پاس زید نہیں آیا مگر زید۔ بھئی یہ تو اجتماع نقیضین ہے۔ نفی بھی کس کی کی؟ زید کے آنے کی، اثبات بھی کس کا کیا؟ زید کے آنے کا۔ یہ تو اجتماع نقیضین ہے۔ تو اِسْتِثْنَاءُ الشَّيْءِ عَنْ نَفْسِهِ باطل ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟

تو حاصل کلام کیا ہوا؟ کہ یہاں پر مستثنیٰ منہ جو ہے وہ شَيْءٌ نکالا صاحب جامی نے۔ اب اس شَيْءٌ کو اپنے عموم پر رکھیں گے یا اس سے خصوص مراد لیں گے؟ عموم بھی مراد نہیں لے سکتے اور خصوص بھی مراد نہیں لے سکتے۔ عموم اس لیے نہیں مراد لے سکتے کہ پھر اس صورت میں کلام کا معنی صحیح نہیں رہے گا، معنی یہ بن جائے گا کہ علمیت کے ساتھ عدل اور وزن فعل کے علاوہ اور کوئی بھی اکٹھے نہیں ہوتے، حالانکہ صرف عدل اور وزن فعل تو علمیت کے ساتھ جمع نہیں ہوتے، بلکہ چار اور بھی ہیں، یعنی کل چھ جمع ہوتے ہیں، چھ جمع ہوتے ہیں علمیت کے ساتھ۔ تو اگر شَيْءٌ کو اپنے عموم پر رکھیں تو پھر کلام واقع کے خلاف ہو جائے گا، صحیح نہیں رہے گا۔ اور خصوص بھی مراد نہیں لے سکتے، کیونکہ خصوص میں دو صورتیں ہیں: دو صورتیں ہیں، یا دونوں کا مجموعہ مراد لے لیں یا أَحَدُهُمَا مراد لے لیں۔ مجموعہ بھی مراد نہیں لے سکتے، اس لیے کیونکہ مجموعے کے اندر تو أَحَدُهُمَا شامل نہیں، مجموعہ بول کر مجموعہ مراد لینا ہے، یعنی دونوں ہی اکٹھے ہونے چاہئیں، دونوں میں سے الگ ایک ایک کو مراد لے ہی نہیں سکتے۔ مجموعے کا مطلب مجموعہ ہی مراد لینا ہے، تو یہ تو پھر أَحَدُهُمَا کو شامل ہی نہیں۔ تو مَجْمُوعُهُمَا کو مستثنیٰ منہ بنائیں اور أَحَدُهُمَا کو مستثنیٰ بنائیں، تو پھر تو مستثنیٰ جو ہے وہ مستثنیٰ منہ کے اندر داخل ہی نہیں، جب داخل ہی نہیں تو استثنا ہی صحیح نہیں رہتا۔ اور اگر خصوص کی دوسری صورت لے لیں کہ مستثنیٰ منہ أَحَدُهُمَا نکال لیں، تو پھر اس صورت میں تو اِسْتِثْنَاءُ الشَّيْءِ عَنْ نَفْسِهِ لازم آئے گا، اور اِسْتِثْنَاءُ الشَّيْءِ عَنْ نَفْسِهِ تو باطل ہے بھئی، یہ تو اجتماع نقیضین لازم آئے گا۔ بات سمجھ میں آگئی؟

تو پھر اس صورت میں پھر کیا مراد لیں گے؟ میں نے بتلایا تھا کہ یہاں وہ امر مردد جو ہے بَيْنَ مَجْمُوعِهِمَا وَبَيْنَ أَحَدِهِمَا، وہ ہے مستثنیٰ منہ۔ اور اس کی عبارت پر اگر آپ غور کر لیں تو آپ کو خود ہی سمجھ میں آجائے گا: فَلَا يَكُونُ مَعَهَا إِلَّا أَحَدُهُمَا فَقَطْ لَا مَجْمُوعُهُمَا۔ ذرا یہ فَقَطْ کو بھی نکال دیں۔ فَلَا يَكُونُ مَعَهَا، پس نہیں ہو سکتا علمیت کے ساتھ، إِلَّا أَحَدُهُمَا مگر دونوں میں سے ایک، لَا مَجْمُوعُهُمَا دونوں نہیں۔ دیکھو إِلَّا أَحَدُهُمَا کس کا اثبات کیا؟ أَحَدُهُمَا کا۔ لَا مَجْمُوعُهُمَا کس کی نفی کی؟ مجموعے کی نفی کی۔ تو یہاں مستثنیٰ منہ وہ امر مردد ہے بَيْنَ مَجْمُوعِهِمَا وَبَيْنَ أَحَدِهِمَا۔ مستثنیٰ منہ کیا ہے؟ وہ امر مردد ہے دو چیزوں کے درمیان، مَجْمُوعُهُمَا اور أَحَدُهُمَا۔ تو یہ جو امر مردد ہے ان دو چیزوں کے درمیان، وہ مستثنیٰ منہ ہے۔ اور اس میں تو مَجْمُوعُهُمَا بھی آگیا اور اس میں تو أَحَدُهُمَا بھی آگیا، تو اس کے اندر عموم ہے، پھر اس میں سے استثنا کس کا کر دیا؟

أَحَدُهُمَا کا استثنا کر دیا اور وہ استثنا صحیح ہے کیونکہ یہ اس کے اندر داخل تھا پہلے، اب اس کو نکال دیا گیا۔ تو مَجْمُوعُهُمَا اور أَحَدُهُمَا دونوں کی نفی کی اور پھر اس میں سے أَحَدُهُمَا کا استثنا کر کے اس کا اثبات کر دیا۔ بات سمجھ میں آ گئی؟

اس کے بعد پھر اشکال کیا تھا بعض نے کہ بھئی آپ نے کہا کہ عدل اور وزن فعل کسی جگہ کلام عرب میں اکٹھے نہیں ہوتے، ہم آپ کو دکھاتے ہیں کہ علمیت، عدل اور وزن فعل دونوں کے ساتھ جمع ہے، جیسے إِصْمِت۔ ھمزہ، صاد، میم اور لمبی تا۔ إِصْمِت یہ ایک جنگل کا نام ہے۔ تو دیکھو إِصْمِت، إِفْعِلْ، اِضْرِبْ، دیکھو وزن فعل بھی ہے اور نیز اس میں عدل بھی ہے۔ علمیت بھی ہے کیونکہ یہ جنگل کا نام ہے، إِصْمِت وزن فعل بھی ہے اور عدل بھی ہے کیونکہ یہ صَمَتَ یَصْمُتُ سے ہے باب نصر سے، اور باب نصر سے امر جو ہے وہ اُنْصُرْ وزن پر، وہ أُفْعُلْ ضمتین کے ساتھ آتا ہے، اور یہ إِصْمِت یہ تو کسرتین کے ساتھ ہے، معلوم ہوا اس کے اندر عدل ہوا ہے۔ اصل میں تھا اُصْمُتْ اور پھر کیا بنا دیا گیا؟ إِصْمِت بنا دیا گیا۔ تو وزن فعل بھی ہے اور عدل بھی ہے، علمیت کے ساتھ جمع ہیں۔ تو اس کا جواب انہوں نے دیا تھا کہ بھئی کہ یہ إِصْمِت اصل میں أُصْمُتْ تھا، یہ بات یقینی نہیں ہے، اس لیے کیونکہ ہو سکتا ہے باب نصر اس کا مشہور ہو اور باب ضرب سے بھی یہ آیا ہو لیکن وہ مشہور نہ ہوا ہو، وہ مشہور نہ ہو۔ اور نیز کسی چیز کی اصل محقق پائی جائے، یہ عدل کا اعتبار کرنے کے لیے کافی نہیں۔ إِصْمِت کی اصل أُصْمُتْ پائی جائے، تو اس کی وجہ سے اب آپ کو اس میں عدل ماننا ہی پڑے یہ لازمی نہیں ہے، بلکہ عدل کا اعتبار کرنا پڑتا ہے جب غیر انصراف اس کا تقاضا کرے، اور کوئی سبب نہ ہو اور پھر آپ کو عدل کا اعتبار کرنا پڑتا ہے، جیسے عُمَر۔ عُمَر غیر منصرف استعمال ہوتا ہے اور اس میں ایک ہی سبب تھا، تو پھر مجبوراً اس میں عدل کا اعتبار کرنا پڑا کیونکہ غیر انصراف اس کا تقاضا کر رہا تھا۔ تو إِصْمِت میں ایسا نہیں ہے، اس کے اندر غیر انصراف وہ عدل کا تقاضا نہیں کر رہا، کیونکہ اس میں دو سبب پہلے ہی موجود ہیں: ایک تو اس کے اندر علمیت ہے اور دوسرا تانیث ہے، اس لیے کیونکہ یہ مَفَازَةٌ کی تاویل میں ہے، مَفَازَةٌ جنگل کو کہتے ہیں۔ مَفَازَةٌ کی تاویل میں ہے، جیسے میں نے بتلایا تھا شہروں اور ملکوں کے نام عربی میں مؤنث استعمال ہوتے ہیں۔ شہر ہو تو بَلْدَةٌ کی تاویل میں ہوتا ہے، دیکھو بَلْدَةٌ میں گول تا ہے، اور ملک ہو تو وہ بُقْعَةٌ کی تاویل میں ہوتا ہے، دیکھو بُقْعَةٌ کے اندر بھی گول تا ہے، بُقْعَةٌ کا معنی ہے زمین کا ٹکڑا بھئی۔ بات سمجھ میں آ گئی؟ تو إِصْمِت کے اندر تانیث بھی ہے کیونکہ یہ مَفَازَةٌ کی تاویل میں ہے، اور علمیت بھی ہے، جب دو سبب موجود ہیں تو عدل کا اعتبار کرنے کی کوئی حاجت نہیں ہے۔ بات سمجھ میں آ گئی؟

آئیے اب آج کا سبق دیکھیں بھئی۔ ثُمَّ إِنَّهُ أَشَارَ إِلَى اسْتِثْنَاءِ مِثْلِ أَحْمَرَ عَلَمًا إِذَا نُكِّرَ عَنْ هٰذِهِ الْقَاعِدَةِ عَلَى قَوْلِ سِيبَوَيْهِ بِقَوْلِهِ وَخَالَفَ سِيبَوَيْهِ الْأَخْفَشَ۔ بھئی پہلے صرف متن متن ذرا دیکھ لیں۔ کہتے ہیں: وَخَالَفَ سِيبَوَيْهِ الْأَخْفَشَ فِي مِثْلِ أَحْمَرَ عَلَمًا إِذَا نُكِّرَ اعْتِبَارًا لِلصِّفَةِ الْأَصْلِيَّةِ بَعْدَ التَّنْكِيرِ۔ وَخَالَفَ سِيبَوَيْهِ الْأَخْفَشَ، اور مخالفت کی ہے امام سیبویہ نے امام اخفش کی فِي مِثْلِ أَحْمَرَ، أَحْمَر جیسے لفظوں میں، عَلَمًا اس حال میں کہ یہ علم ہو، إِذَا نُكِّرَ جب اس کو نکرہ بنا دیا جائے،

جب اس کو نکرہ بنا دیا جائے۔ تو اس میں مخالفت کی ہے امام سیبویہ نے امام اخفش کی۔

بھئی تفصیل یاد رکھو۔ ابھی انہوں نے آپ کو ضابطہ بتلایا کہ وہ اسباب منع صرف جن کے ساتھ علمیت مؤثر ہو کر جمع ہوتی ہے، جب ان سے علمیت کو ختم کر دیا جائے، یعنی جب ان کو نکرہ بنا دیا جائے، تو پھر اس صورت میں وہ منصرف ہو جاتے ہیں، کیا ہو جاتے ہیں؟ منصرف ہو جاتے ہیں۔ لیکن کہتے ہیں امام سیبویہ أَحْمَر جیسے لفظوں میں اختلاف کرتے ہیں اور کیا فرماتے ہیں کہ أَحْمَر جیسے لفظ وہ تنکیر کے بعد بھی وہ غیر منصرف ہی رہیں گے۔ انہوں نے تو کیا کہا، ضابطہ کیا بیان کیا؟ کہ وہ اسباب منع صرف جن کے ساتھ علمیت مؤثر ہو کر جمع ہو جاتی ہے، جب ان کو نکرہ کر دیں تو وہ کیا بن جائیں گے؟ منصرف بن جائیں گے۔ توجہ ہے؟ جب ان کو نکرہ کر دیں تو وہ منصرف ہو جائیں گے، لیکن امام سیبویہ فرماتے ہیں کہ أَحْمَر جیسے الفاظ تنکیر کے بعد بھی غیر منصرف رہیں گے۔ یعنی علمیت تھی، علمیت ختم کر دیں، پھر بھی یہ غیر منصرف ہی رہیں گے۔

أَحْمَر جیسے لفظوں سے کیا مراد ہے؟ یاد رکھو، أَحْمَر جیسے لفظوں سے وہ اسم مراد ہیں جن میں علمیت سے پہلے وصفیت ظاہر تھی۔ یعنی علمیت سے پہلے وہ وصف تھے، اور وصف بھی کیسے تھے کہ ان کی وصفیت ظاہر تھی، خفی نہیں تھی۔ تو اب دیکھو أَحْمَر، ابھی علم نہیں بنایا، تو أَحْمَر پہلے بھی غیر منصرف ہے، ایک سبب کیا؟ وزن فعل، ایک سبب کیا؟ وصفیت، یہ وصف ہے بھئی۔ تو أَحْمَر غیر منصرف ہے، توجہ ہے؟ کون کون سے دو سبب؟ ایک وزن فعل، ایک وصفیت۔ پھر اس کے بعد اس کو کسی کا نام رکھ دیا گیا، علم بنا دیا۔ جب نام رکھا تو وصفیت چلی گئی، کیونکہ وصفیت اور علمیت دونوں متضاد ہیں، وصفیت اور علمیت دونوں جمع نہیں ہو سکتے، کیونکہ وصف دلالت کرتا ہے ذات مبہم پر اور علم دلالت کرتا ہے ذات معین پر۔ ضَارِبٌ کا معنی پٹائی کرنے والا، کوئی خاص شخص آپ کے ذہن میں آیا؟ نہیں، ضَارِب عمر بھی ہو سکتا ہے، بکر بھی، خالد بھی، یہ کسی کی بھی صفت بن سکتا ہے۔ لیکن جب میں نے کہا زید، دیکھو ایک خاص شخص آپ کے ذہن میں آگیا، مثلاً آپ کے ایک ساتھی کا نام زید ہے۔ تو جو وصف ہوتا ہے یہ کس پر دلالت کرتا ہے؟ ذات مبہم پر، جیسے ضَارِب، مَضْرُوب وغیرہ یہ سب کیا ہیں؟ صفت ہیں۔ تو أَحْمَر بھی اسی طرح وصف تھا، أَحْمَر کا کیا معنی؟ سرخ۔ یہ أَفْعَلُ صفتی ہے، میں نے آپ کو بتلایا تھا کہ یہ أَفْعَلُ وزن یہ اسم تفضیل کے لیے بھی آتا ہے اور صفت مشبہ کے لیے بھی آتا ہے۔ اسم تفضیل: أَضْرَبُ، أَضْرَبُ کا کیا معنی؟ زیادہ پٹائی کرنے والا۔ لیکن یہی أَفْعَلُ وزن صفت مشبہ کے لیے بھی آتا ہے، جیسے أَحْمَرُ، أَبْيَضُ۔ تو أَحْمَرُ کا معنی زیادہ سرخ یا أَبْيَضُ کا معنی زیادہ سفید نہیں ہے، بلکہ أَحْمَرُ کا معنی ہے سرخ، کیونکہ یہ اسم تفضیل نہیں ہے، یہ صفت مشبہ ہے اور اس کو أَفْعَلُ صفتی کہتے ہیں، اس کو کیا کہتے ہیں؟ وہ جو أَفْعَلُ تھا پہلے وہ اسم تفضیل والا تھا اور یہ أَفْعَلُ کون سا ہے؟ أَفْعَلُ صفتی ہے، یہ صفت مشبہ ہے۔ تو أَحْمَرُ کا کیا معنی؟ سرخ، زیادہ سرخ اس کا معنی نہیں۔ اسی طرح أَبْيَضُ کا کیا معنی؟ سفید ہے، زیادہ سفید اس کا معنی نہیں۔

تو بات چل رہی تھی أَحْمَر کی کہ أَحْمَر جیسے الفاظ جن میں علمیت سے پہلے وصفیت ظاہر تھی، أَحْمَر علمیت سے پہلے بھی غیر منصرف تھا، کون سے دو سبب تھے؟ ایک وزن فعل تھا اور ایک وصفیت تھی۔ پھر اس کو علم بنا دیا گیا۔ اب وصفیت چلی گئی، کیونکہ وصفیت اور علمیت اکٹھے نہیں ہو سکتے، وصفیت دلالت کرتی ہے ذات مبہم پر اور علمیت دلالت کرتی ہے ذات معین پر۔ یا یوں کہو کیونکہ وصفیت میں عموم ہوتا ہے۔

اور علمیت میں خصوص ہوتا ہے۔ تو جب علم بنا دیا، اب بھی اَحْمَرُ کا لفظ غیر منصرف ہے۔ اب کون کون سے دو سبب ہیں؟ ایک وزن فعل ہے اور ایک علمیت ہے۔ پھر اس کو نکرہ بنا دیا گیا۔ جب اس کو نکرہ بنایا گیا، پوری ایک جماعت کا نام اَحْمَرُ رکھ دیا مثلاً، تو امام سیبویہ فرماتے ہیں اب بھی یہ غیر منصرف ہے۔ اب بھی یہ غیر منصرف ہے بھئی۔ اب کون سے دو سبب؟ تو فرماتے ہیں ایک سبب تو وزن فعل ہے اور دوسرا اس کے اندر وصفیت اصلیہ ہے، اصل میں یہ کیا تھا؟ وصف تھا۔ جب علم بنایا تھا، توجہ ہے؟ جب علم بنایا تھا، اس وقت وصفیت کا اعتبار نہیں کر سکتے تھے کیونکہ وصفیت اور علمیت میں تضاد ہے، یہ دونوں جمع نہیں ہو سکتے، لیکن جب علمیت ختم ہو گئی، اب مانع نہ رہا۔ جب مانع نہ رہا تو اب کس کا اعتبار کرنا پڑے گا؟ اس وصفیت اصلیہ کا اعتبار کرنا پڑے گا۔ وہ دراصل اس کو قیاس کرتے ہیں أَسْوَدُ اور أَرْقَمُ پر۔

أَسْوَدُ اور أَرْقَمُ، میں نے بتایا أَسْوَدُ عربی زبان میں ہر کالی چیز کے لیے وضع تھا، لیکن بعد میں یہ کالے رنگ کے سانپ کے ساتھ خاص ہو گیا۔ اب اس پر غلبہ اسمیت آ گیا۔ اب جب أَسْوَدُ کا لفظ بغیر قرینے کے بولا جائے تو اس سے وہ کالا سانپ مراد ہوتا ہے۔ وصفیت اس سے جا چکی ہے، لیکن پھر بھی أَسْوَدُ عربی میں غیر منصرف استعمال ہوتا ہے۔ وصفیت دیکھو جا چکی ہے، وصفیت زائل ہو چکی ہے، اب یہ اسم بن چکا ہے اس کالے رنگ کے سانپ کے لیے۔ لیکن زوال کے بعد بھی دیکھو وصفیت اصلیہ کا اعتبار کیا جا رہا ہے۔ تو ایک أَسْوَدُ کے اندر وزن فعل اور ایک وصفیت اصلیہ، لہٰذا یہ أَسْوَدُ کا لفظ غیر منصرف استعمال ہوتا ہے۔ اسی طرح أَرْقَمُ کا لفظ ہے۔ أَرْقَمُ کا لفظ عربی زبان میں ہر چتکبری چیز کے لیے وضع تھا، یعنی جس میں سفیدی اور سیاہی، یعنی سفید اور کالا رنگ دونوں ہوں، تو اس کو أَرْقَمُ کہتے تھے۔ پھر یہ ایک خاص چتکبرے سانپ کا نام بن گیا۔ اب دیکھو اس پر غلبہ اسمیت آ گیا، وصفیت ختم ہو گئی، وصفیت زائل ہو گئی، لیکن زائل ہو جانے کے باوجود وہ وصفیت معتبر ہے اور أَرْقَمُ کا لفظ عربی میں غیر منصرف استعمال ہوتا ہے۔ ایک وزن فعل ہے اور ایک وصفیت اصلیہ ہے۔

بات سمجھ میں آ گئی؟ بھئی یہ ایک تو صورت یہ ہے کہ یہ أَسْوَدُ اور أَرْقَمُ استعمال ہی صفت کے طور پر ہوں، پھر تو اس میں کوئی اشکال ہی نہیں ہے۔ بات یہ ہے کہ سانپوں کا نام بننے کے بعد بھی یہ غیر منصرف استعمال ہوتے ہیں۔ اس سانپ کے لیے بھی جب أَسْوَدُ اور أَرْقَمُ کا لفظ بولتے ہیں تو غیر منصرف ہی بولتے ہیں۔ حالانکہ اب تو یہ اسم بن چکا ہے، اب تو وصف ہے ہی نہیں، تو وصفیت زائل ہو چکی ہے، لیکن پھر بھی اس وصفیت زائلہ کا اعتبار کیا جا رہا ہے۔ تو اسی طرح

أَحْمَرُ کے اندر بھی جب اس کو علم بنایا گیا تو وصفیت زائل ہو گئی، لیکن جب علمیت ختم ہوئی اب مانع ختم ہو گیا۔ اب پھر اس وصفیت اصلیہ کا کیا کیا جائے گا؟ اعتبار کیا جائے گا، یہ امام سیبویہ فرماتے ہیں۔ لہٰذا جب أَحْمَرُ سے علمیت ختم کی، اب بھی یہ غیر منصرف ہے۔ ضابطہ تو کیا بتلایا تھا؟ کہ جس غیر منصرف میں علمیت مؤثر ہو کر جمع ہوتی ہے، جب اس سے علمیت ختم کرو گے تو وہ کیا بن جائے گا؟ منصرف۔ لیکن امام سیبویہ کیا فرماتے ہیں؟ أَحْمَرَ جیسے لفظ، ان سے علمیت ختم کر دو، یہ پھر بھی غیر منصرف رہیں گے۔ وہ اس میں اعتبار کرتے ہیں وصفیت اصلیہ کا، اور وہ اس کو قیاس کرتے ہیں أَسْوَدُ اور أَرْقَمُ پر۔ بات سمجھ میں آ گئی۔

جبکہ امام اخفش فرماتے ہیں کہ نہیں، وہ وصفیت جب ایک دفعہ چلی گئی، أَحْمَرُ پہلے وصف تھا، پھر کسی کا نام رکھ دیا، تو وصفیت چلی گئی۔ جب وصفیت چلی گئی، اب جب دوبارہ اس أَحْمَرُ سے آپ علمیت ختم کریں گے، تو وہ وصفیت دوبارہ نہیں آئے گی۔ وہ ایک دفعہ ختم ہو چکی ہے۔ جب ختم ہو گئی تو بغیر کسی مقتضی کے اس کا اعتبار نہیں کیا جائے گا۔ کوئی چیز تقاضا ہی نہیں کر رہی کہ دوبارہ اس کا اعتبار کرو۔ کوئی مقتضی ہو جو تقاضا کرے کہ اس کا اعتبار کرو، پھر تو الگ بات ہے لیکن یہاں کوئی مقتضی نہیں ہے۔ لہٰذا وہ وصفیت جو ختم ہو چکی، اب اس کا اعتبار نہیں کیا جائے گا۔ تو امام اخفش فرماتے ہیں کہ أَحْمَرَ جیسے لفظ جب ان کو بھی نکرہ بنائیں گے، تو یہ بھی منصرف ہو جائیں گے۔ تو امام اخفش کا قول قانون کے مطابق ہے اور امام سیبویہ کا قول اس جو پیچھے ضابطہ ذکر ہوا اس کے مخالف ہے۔ بات سمجھ میں آ گئی۔

تو کہتے ہیں: وَخَالَفَ سِيبَوَيْهِ الْأَخْفَشَ، اور مخالفت کی ہے امام سیبویہ نے امام اخفش کی، فِي مِثْلِ أَحْمَرَ، أَحْمَرَ جیسے لفظوں میں۔ میں نے بتایا أَحْمَرَ سے کیا مراد ہے؟ وہ لفظ، أَحْمَرَ سے مراد وہ لفظ ہے جس کے اندر علمیت سے پہلے بھی دو سبب موجود تھے، علمیت سے پہلے بھی وہ غیر منصرف تھا، لیکن ان دو سببوں میں سے ایک سبب وصفیت تھی۔ ایک سبب کیا تھا؟ وصفیت تھی۔ توجہ ہے؟ پھر دہرائیں۔ أَحْمَرَ جیسے لفظوں سے کیا مراد ہے؟ جو وصفیت سے پہلے بھی غیر منصرف تھے اور علمیت کے وقت بھی غیر منصرف ہیں۔ اور علمیت سے پہلے جب یہ غیر منصرف تھا اس وقت ایک سبب وصف تھا، تاکہ جب علمیت آئے تو وہ وصف کیا ہو جائے؟ ختم ہو جائے۔ بات سمجھ میں آ گئی۔ تو أَحْمَرَ جیسے لفظوں سے کون سے لفظ مراد؟ جو علمیت سے پہلے بھی غیر منصرف تھے اور اس کے اندر دو سببوں میں سے ایک سبب کیا تھا؟ وصف تھا، باقی دوسرا جو بھی سبب ہو بھئی۔ تو کہتے ہیں: وَخَالَفَ سِيبَوَيْهِ الْأَخْفَشَ، اور مخالفت کی ہے امام سیبویہ نے امام اخفش کی، فِي مِثْلِ أَحْمَرَ، أَحْمَرَ جیسے لفظوں میں، عَلَمًا، اس حال میں کہ یہ علم ہو، اس میں مخالفت کی ہے، کب؟ إِذَا نُكِّرَ، جب اس کو نکرہ بنا دیا جائے، اعْتِبَارًا لِلصِّفَةِ الْأَصْلِيَّةِ، بوجہ اعتبار کرنے صفت اصلیہ کا، یعنی صفت اصلیہ کا اعتبار کرنے کی وجہ سے، بَعْدَ التَّنْكِيرِ، نکرہ بنانے کے بعد۔ امام سیبویہ نے مخالفت کی ہے امام اخفش کی أَحْمَرَ جیسے لفظوں میں۔ کیوں مخالفت کی ہے؟ اعْتِبَارًا لِلصِّفَةِ الْأَصْلِيَّةِ، صفت اصلیہ کا اعتبار کرنے کی وجہ سے، صفت اصلیہ کا اعتبار کرنے کی وجہ سے،

کب؟ بَعْدَ التَّنْكِيرِ، نکرہ بنانے کے بعد۔ امام سیبویہ اس جیسے لفظوں کو نکرہ بنانے کے بعد بھی صفت اصلیہ کا اعتبار کرتے ہیں، اس لیے انہوں نے مخالفت کی ہے کس کی؟ امام اخفش کی۔

یاد رکھو بھئی، یہ امام سیبویہ اور امام اخفش، امام سیبویہ اور امام اخفش، امام سیبویہ ہیں استاذ اور امام اخفش ہیں ان کے شاگرد۔ اور صاحب کافیہ کیا فرما رہے ہیں؟ امام سیبویہ نے مخالفت کی ہے کس کی؟ امام اخفش کی۔ تو مخالفت کی نسبت کر دی امام سیبویہ کی طرف کہ انہوں نے مخالفت کی ہے، حالانکہ امام سیبویہ استاذ ہیں بھئی۔ یہ پسندیدہ نہیں ہے کہ استاذ کی طرف مخالفت کی نسبت کی جائے، بلکہ مخالفت کی نسبت شاگرد کی طرف کرنی چاہیے تھی کہ استاذ تو یوں فرماتے ہیں اور شاگرد نے اپنے استاذ کی مخالفت کی ہے۔ لیکن صاحب کافیہ بھئی، انہوں نے مخالفت کی نسبت امام سیبویہ کی طرف اس لیے کی کیونکہ پیچھے جو ضابطہ ذکر کیا تھا، امام اخفش کی بات ضابطے کے مطابق ہے اور امام سیبویہ کی بات اس ضابطے کے خلاف ہے، اس لیے مخالفت کی نسبت کس کی طرف کر دی؟ امام سیبویہ کی طرف، تاکہ پڑھنے والے کو پتا چل جائے کہ امام اخفش کی بات ضابطے کے مطابق ہے اور امام سیبویہ کی بات ضابطے کے مخالف ہے۔ تو مخالفت کی نسبت امام سیبویہ کی طرف کر دی۔ اگر نسبت امام اخفش کی طرف کرتے تو پھر اس نکتے کی طرف اشارہ نہ ہوتا بھئی۔ بات سمجھ میں آ گئی۔ تو کیوں مخالفت کی نسبت امام سیبویہ کی طرف کی؟ کیونکہ امام اخفش کی بات جو پیچھے ضابطہ تھا اس کے مطابق تھی، تو اس کو اصل قرار دے دیا اور بتلایا کہ امام اخفش کا قول تو اس کے مطابق ہے، البتہ امام سیبویہ نے اس کی مخالفت کی ہے بھئی۔

دیکھیے بھئی اب شرح کے ساتھ سارا۔ کہتے ہیں: ثُمَّ إِنَّهُ أَشَارَ إِلَى اسْتِثْنَاءِ مِثْلِ أَحْمَرَ عَلَمًا إِذَا نُكِّرَ، پھر صاحب کافیہ نے اشارہ کیا إِلَى اسْتِثْنَاءِ مِثْلِ أَحْمَرَ۔ بھئی ادھر دیکھیے۔ امام سیبویہ نے مخالفت کی ہے امام اخفش کی أَحْمَرَ جیسے لفظوں کے اندر مخالفت کی ہے۔ معلوم ہوا باقی لفظ جو ہیں ان میں تو کوئی اختلاف نہیں، وہ تو سارے جب ان سے علمیت ختم کریں گے وہ منصرف بن جائیں گے، لیکن أَحْمَرَ جیسے لفظوں میں امام سیبویہ نے مخالفت کی ہے، تو گویا أَحْمَرَ جیسے الفاظ اس ضابطے سے مستثنیٰ ہیں۔ وہ ان سے جب علمیت کو ختم کریں گے تو امام سیبویہ کے نزدیک وہ منصرف نہیں بنیں گے۔ تو معلوم ہوا أَحْمَرَ جیسے لفظ جب وہ علم ہوں تو ان کا استثنا ہے اس ضابطے سے، بات سمجھ میں آ گئی۔ تو کہتے ہیں: ثُمَّ إِنَّهُ أَشَارَ إِلَى اسْتِثْنَاءِ مِثْلِ أَحْمَرَ عَلَمًا إِذَا نُكِّرَ، پھر صاحب کافیہ نے اشارہ کیا أَحْمَرَ جیسے لفظ، اس حال میں کہ جب یہ علم ہوں، ان کے استثنا کی طرف، صاحب کافیہ نے اشارہ کیا أَحْمَرَ جیسے الفاظ جب وہ علم ہوں ان کے استثنا کی طرف، إِذَا نُكِّرَ، جب اس کو نکرہ بنا دیا جائے، اشارہ کیا اس کے استثنا کی طرف، عَنْ هٰذِهِ الْقَاعِدَةِ، اس قاعدے سے، کہ اس قاعدے سے أَحْمَرَ جیسے الفاظ کا استثنا ہے، عَلَى قَوْلِ سِيبَوَيْهِ، امام سیبویہ کے قول پر، بِقَوْلِهِ، اپنے اس قول کے ساتھ۔

پھر دیکھو، ترجمہ سنو بھئی۔ بھئی دیکھو استثنا ہے أَحْمَرَ جیسے لفظوں کا اس قاعدے سے کس کے قول پر؟ امام سیبویہ کے

قول پر استثنا ہے، امام اخفش کے قول پر استثنا نہیں ہے۔ دیکھو ترجمہ پھر سنو۔ کہتے ہیں: ثُمَّ إِنَّهُ أَشَارَ، پھر صاحب کافیہ نے اشارہ کیا، إِلَى اسْتِثْنَاءِ مِثْلِ أَحْمَرَ عَلَمًا إِذَا نُكِّرَ، کہ أَحْمَرَ جیسے الفاظ جب وہ علم ہوں، جب ان کو نکرہ بنا دیا جائے، تو ان کا استثنا ہے، عَنْ هٰذِهِ الْقَاعِدَةِ، اس قاعدے سے، اس قانون سے، عَلَى قَوْلِ سِيبَوَيْهِ، امام سیبویہ کے قول پر۔ تو اس کے استثنا کی طرف اشارہ کیا، بِقَوْلِهِ، اپنے اس قول کے ساتھ: وَخَالَفَ سِيبَوَيْهِ الْأَخْفَشَ، اور مخالفت کی ہے امام سیبویہ نے امام اخفش کی۔

بھئی دیکھیے سِيبَوَيْهِ، میں پہلے بھی بیان کر چکا، یہ مرکب صوتی ہے، صوت صاد سے ہے، یہ سِيبَوَيْهِ۔ یہ دوسرا جز جو وَيْهِ ہے نا، یہ صوت ہے، آواز ہے، اس کا کوئی معنی نہیں، اور سِيبَ یہ فارسی لفظ ہے جس کا معنی ہے سیب بھئی، سیب۔ تو ان کو امام سیبویہ کیوں کہتے ہیں؟ مختلف وجوہات علما نے لکھی ہیں: بعض کہتے ہیں ان کی والدہ نے ان کا نام رکھا تھا سیبویہ۔ بعض کہتے ہیں چونکہ یہ بہت ذہین تھے اس لیے لوگوں نے ان کو کیا کہا؟ سیبویہ۔ سِيبَوَيْهِ یعنی یوں معنی یعنی سیب کی خوشبو۔ جیسے سیب پھلوں میں اعلیٰ ہے، اسی طرح یہ بھی بہت ذہین ہیں، تو اس لیے ان کو سیبویہ کہتے تھے بھئی۔ سِيبَوَيْهِ یہ مرکب بنائی ہے بھئی۔ سِيبَ پہلا جز مبنی علی الفتح ہے اور وَيْهِ دوسرا جز مبنی علی الکسر ہے، تو یہ محلاً مرفوع ہے، فاعل ہے خَالَفَ کا۔ اور الْأَخْفَشَ یہ مفعول بہ ہے، اور الْمَشْهُورَ یہ صفت ہے امام اخفش کی۔ الْأَخْفَشَ الْمَشْهُورَ، اور الْأَخْفَشَ یہ منصوب ہے، مفعول بہ ہے، تو اس کی صفت الْمَشْهُورَ وہ بھی کیا ہوگی؟ منصوب ہوگی۔

یاد رکھو یہ اخفش نام کے تین نحوی حضرات گزرے ہیں: ایک امام سیبویہ کے استاذ ہیں، ان کا نام بھی اخفش۔ ایک امام سیبویہ کے زمانے میں تھے، ان کا نام بھی اخفش۔ اور ایک امام سیبویہ کے شاگرد ہیں، ان کا نام بھی اخفش۔ امام سیبویہ کے استاذ کا نام بھی اخفش، امام سیبویہ کے زمانے ہی میں ایک اور نحوی تھے ان کا نام بھی اخفش، اور امام سیبویہ کے شاگرد بھی اخفش۔ اور ان تین اخافش میں سے جو امام سیبویہ کے شاگرد ہیں، یہ مشہور ہیں۔ یہ کیا ہیں؟ یہ مشہور ہیں، یہ بڑے نحوی ہیں بھئی، زیادہ مشہور ہیں۔ اسی لیے کہا: اَلْأَخْفَشُ الْمَشْهُورُ، وہ امام اخفش جو کہ مشہور ہیں۔ هُوَ أَبُو الْحَسَنِ تِلْمِيذُ سِيبَوَيْهِ، یہ ابو الحسن ہیں، یعنی ان کی کنیت ابو الحسن ہے، تِلْمِيذُ سِيبَوَيْهِ، یہ شاگرد ہیں امام سیبویہ کے۔

کہتے ہیں: وَلَمَّا كَانَ، اب وجہ ذکر کرنے لگے ہیں کہ بھئی مخالفت کی نسبت استاذ کی طرف کیوں کی؟ یہ تو پسندیدہ نہیں، کس کی طرف کرنی چاہیے تھی؟ شاگرد کی طرف۔ کہتے ہیں: وَلَمَّا كَانَ قَوْلُ التِّلْمِيذِ أَظْهَرَ، اور جب شاگرد کا جو قول تھا وہ زیادہ ظاہر تھا، مَعَ مُوَافَقَتِهِ لِمَا ذَكَرَهُ مِنَ الْقَاعِدَةِ، ساتھ اس کے کہ اس کی موافقت بھی تھی، شاگرد کا جو قول تھا وہ موافق تھا، لِمَا ذَكَرَهُ، اس چیز کے جس کو مصنف نے ذکر کر دیا، امام اخفش کا قول اس چیز کے موافق تھا جس کو مصنف نے ذکر کیا۔ بھئی وہ کیا چیز تھی؟ مِنَ بیان ہے، مِنَ الْقَاعِدَةِ، یعنی کہ وہ قانون، امام اخفش کا قول اس ضابطے اور قانون کے مطابق تھا۔ جَعَلَهُ أَصْلًا، تو امام اخفش کے قول کو اصل قرار دیا۔ وَأَسْنَدَ الْمُخَالَفَةَ إِلَى الْأُسْتَاذِ، اور مخالفت کی نسبت کر دی استاذ کی

طرف، وَإِنْ كَانَ غَيْرَ مُسْتَحْسَنٍ، اگرچہ یہ پسندیدہ نہیں، تَنْبِيهًا عَلَى ذٰلِكَ، اس بات پر تنبیہ کرنے کے لیے، اس بات پر تنبیہ کرنے کے لیے کہ شاگرد کا قول اس ضابطے اور قانون کے مطابق ہے بھئی۔ تو امام سیبویہ نے مخالفت کی ہے امام اخفش کی، فِي انْصِرَافِ مِثْلِ أَحْمَرَ عَلَمًا، کس چیز میں؟ فِي انْصِرَافِ مِثْلِ أَحْمَرَ، أَحْمَرَ جیسے لفظوں کے منصرف ہونے میں، عَلَمًا، اس حال میں کہ یہ کیا ہو؟ علم ہو، اس میں مخالفت کی ہے، إِذَا نُكِّرَ، جب اس کو نکرہ بنا دیا جائے۔ کس چیز میں مخالفت کی ہے؟ أَحْمَرَ جیسے لفظوں کے منصرف ہونے میں مخالفت کی ہے، اسی لیے فِي کے بعد انْصِرَافِ کا لفظ صاحب جامی نے نکالا۔ فِي انْصِرَافِ مِثْلِ أَحْمَرَ عَلَمًا إِذَا نُكِّرَ، امام سیبویہ نے امام اخفش کی مخالفت کی ہے أَحْمَرَ جیسے لفظوں کے منصرف ہونے میں جب وہ علم ہوں، إِذَا نُكِّرَ، جب ان کو نکرہ بنا دیا جائے۔

وَالْمُرَادُ بِمِثْلِ أَحْمَرَ۔ جی اب مراد بیان کرنے لگے ہیں کہ مِثْلِ أَحْمَرَ سے کیا مراد ہے؟ میں نے بتلایا، بتائیے مِثْلِ أَحْمَرَ سے کون سے لفظ مراد ہیں؟ جو علمیت سے پہلے بھی غیر منصرف تھے اور ان میں دو سبب کون سے ہوں؟ ایک وصف ہونا چاہیے، دوسرا کوئی بھی سبب ہو بھئی۔ تو کہتے ہیں: وَالْمُرَادُ بِمِثْلِ أَحْمَرَ، اور أَحْمَرَ جیسے لفظوں سے مراد، مَا كَانَ مَعْنَى الْوَصْفِيَّةِ فِيهِ قَبْلَ الْعَلَمِيَّةِ ظَاهِرًا، وہ اسم ہیں جن کے اندر وصفیت کا معنی قَبْلَ الْعَلَمِيَّةِ علمیت سے پہلے ہی ظَاهِرًا ظاہر تھا، غَيْرَ خَفِيٍّ، خفی نہیں۔ یعنی وہ، وہ جس میں علمیت سے پہلے وصفیت کا معنی ظاہر ہو، خفی نہ ہو، وہ مراد ہیں۔ معلوم ہوا أَحْمَرَ سے أَحْمَرَ کا وزن نہیں مراد، بلکہ وہ اسم مراد ہے جو قبل العلمیت غیر منصرف ہو اور اس میں دو سبب پائے جائیں۔ توجہ ہے؟ لہٰذا سَكْرَانُ اس کے اندر داخل ہو گیا۔ آپ نے پڑھا تھا، سَكْرَانُ کسے کہتے ہیں؟ مدہوش، جو نشے میں مدہوش ہو، اور اس کی مؤنث کیا آتی ہے؟ سَكْرَى، اور یہ بالاتفاق غیر منصرف ہے۔ تو سَكْرَانُ قبل العلمیت ہی غیر منصرف ہے، کون کون سے دو سبب ہیں؟ ایک الف نون مزیدتان ہیں اور دوسرا سبب وصفیت ہے، دیکھا، تو یہ بھی اس کے اندر داخل ہو گیا، حالانکہ سَكْرَانُ کا وزن تو وہ أَفْعَلُ نہیں ہے۔ معلوم ہوا أَفْعَلُ وزن بھی نہیں مراد اور أَفْعَلُ صفتی بھی مراد نہیں ہے، بلکہ ہر وہ لفظ مراد ہے جس میں قبل العلمیت ہی دو سبب ہوں اور ان دو سببوں میں سے ایک وصفیت ہو، اور وہ وصفیت بھی ظاہر ہونی چاہیے، خفی نہیں ہونی چاہیے۔ یہ ظاہر ہو، خفی نہ ہو۔

تو کہتے ہیں: فَيَدْخُلُ فِيهِ السَّكْرَانُ، تو اس کے اندر سَكْرَانُ بھی داخل ہو گیا، وَأَمْثَالُهُ، اور اس جیسے اور لفظ بھی داخل ہو گئے۔ وَيَخْرُجُ عَنْهُ أَفْعَلُ التَّأْكِيدِ نَحْوُ أَجْمَعَ، اور اس سے أَفْعَلُ التَّأْكِيدِ نکل گیا۔ أَفْعَلُ، ایک أَفْعَلُ تاکید کے لیے آتا ہے بھئی، جیسے أَجْمَعُ، أَجْمَعُ۔ یاد رکھو، أَجْمَعُ جو ہے اصل وضع میں جمعیت کے لیے وضع تھا۔ دیکھو أَجْمَعُ لفظ سے ہی پتا چل رہا ہے، جمعیت کا۔ تو اصل وضع میں یہ وصف تھا، لیکن پھر اس کو تاکید کے لیے استعمال کرنے لگے، اب یہ صرف تاکید کے لیے استعمال ہوتا ہے، وصفیت کے لیے استعمال نہیں ہوتا۔ تو جب تاکید کے لیے آیا تو معلوم ہوا اس میں وصفیت نہیں ہے، وصفیت اصلیہ تو ہے لیکن استعمال کس میں ہو رہا ہے؟ بھئی تاکید الگ ہے نا، آپ توابع کا بیان نحو کے اندر پڑھتے

ہیں، توابع میں کیا کیا ہے؟ صفت ہوتی ہے اور تاکید ہے اور بدل وغیرہ ہیں۔ تو دیکھو صفت اور تاکید کو الگ الگ شمار کرتے ہیں، صفت اور چیز ہے، تاکید اور چیز ہے۔ تو أَجْمَعُ کا لفظ وضع تھا وصفیت کے لیے، لیکن پھر کس لیے استعمال ہونے لگا؟ تاکید کے لیے۔ دیکھو أَجْمَعُ کا لفظ قبل العلمی، توجہ ہے؟ أَجْمَعُ کا لفظ قبل العلمیت بھی غیر منصرف اور علمیت کے دوران بھی غیر منصرف، لیکن علمیت ختم کرو گے تو یہ منصرف بن جائے گا۔ علمیت سے پہلے کیا تھا؟ أَجْمَعُ، کون سے دو سبب؟ وزن فعل اور وصفیت اصلیہ۔ اب تو یہ تاکید کے لیے استعمال ہوتا ہے لیکن اصل وضع میں کیا تھا؟ وصف، تو وصفیت بھی ہے اور وزن فعل۔ پھر یہ کسی کا نام رکھ دیا۔ اب کون کون سے دو سبب؟ اب علمیت ہے اور وزن فعل ہے، نام رکھ دیا۔ اب اس کو پھر کیا بنایا؟ نکرہ۔ اب یہ منصرف۔ کیوں منصرف؟ بھئی علمیت تو ختم ہو گئی، اب ایک تو اس میں وزن فعل ہے، وصفیت نہیں ہے۔ کیوں نہیں وصفیت؟ کیونکہ وصفیت علمیت سے پہلے بھی نہیں تھی، وہ بھی وصفیت اصلیہ کا ہم اعتبار کر رہے تھے ورنہ یہ خود تو تاکید کے لیے استعمال ہوتا ہے بھئی۔ تو علمیت سے پہلے بھی جو وصفیت تھی وہ بھی کون سی تھی؟ ظاہر نہیں تھی، وہ وصفیت اصلیہ تھی، یہ تو تاکید کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ معلوم ہوا أَجْمَعُ کا لفظ جو ہے یہ علمیت کے بعد کیا بن جائے گا؟ منصرف، کیونکہ علمیت سے پہلے اس کے اندر وصفیت ظاہر نہیں ہے، خفی ہے، وصفیت اصلیہ ہے، فی الحال نہیں ہے۔ یہاں تک بات سمجھ میں آ گئی؟ دیکھیے بھئی کتاب پر۔

کہتے ہیں: وَيَخْرُجُ عَنْهُ أَفْعَلُ التَّأْكِيدِ، اور اس سے تاکید والا أَفْعَلُ جو ہے وہ بھی نکل گیا، نَحْوُ أَجْمَعَ، جیسے أَجْمَعُ ہے، فَإِنَّهُ مُنْصَرِفٌ عِنْدَ التَّنْكِيرِ بِالِاتِّفَاقِ، اس لیے کیونکہ یہ تنکیر کے وقت بالاتفاق منصرف ہو جائے گا، لِضَعْفِ مَعْنَى الْوَصْفِيَّةِ فِيهِ قَبْلَ الْعَلَمِيَّةِ، اس لیے کیونکہ وصفیت کا معنی اس کے اندر ضعیف ہے قَبْلَ الْعَلَمِيَّةِ علم ہونے سے پہلے، لِكَوْنِهِ بِمَعْنَى كُلٍّ، کیونکہ یہ کس معنی میں تھا علمیت سے پہلے؟ کُلٌّ کے معنی میں تھا۔ صرف وصفیت اصلیہ کا اعتبار کیا تھا ورنہ خود تو یہ وصف نہیں تھا بھئی۔ بھئی دیکھو یہ أَجْمَعُ کا لفظ علمیت سے پہلے اس کے اندر وصفیت کمزور تھی، کیونکہ علمیت سے پہلے یہ وصف کے طور پر استعمال نہیں ہوتا تھا بلکہ تاکید کے لیے استعمال ہوتا تھا بمعنی کُلٌّ کے۔ جیسے مثلاً میں کہتا ہوں: اِشْتَرَيْتُ الْعَبْدَ أَجْمَعَ۔ اِشْتَرَيْتُ الْعَبْدَ أَجْمَعَ، کیا معنی؟ أَيِ اِشْتَرَيْتُ الْعَبْدَ كُلَّهُ، میں نے پورا غلام خرید لیا، سارا غلام خرید لیا۔ تو دیکھو یہاں پر جو أَجْمَعُ، الْعَبْدَ کی تاکید آیا، یہ کس معنی میں ہے؟ کُلٌّ کے معنی میں ہے۔ تو علمیت سے پہلے أَجْمَعُ کا لفظ، اس میں وصفیت کا معنی ظاہر نہیں تھا بلکہ وہ کس معنی کے لیے استعمال ہو رہا تھا؟ تاکید کے لیے استعمال ہو رہا تھا اور بمعنی کُلٌّ تھا بھئی، بات سمجھ میں آ گئی۔ یہ معنی ہے لِضَعْفِ مَعْنَى الْوَصْفِيَّةِ فِيهِ قَبْلَ الْعَلَمِيَّةِ، بوجہ وصفیت کا معنی اس کے اندر کمزور ہونے کے قَبْلَ الْعَلَمِيَّةِ علمیت سے پہلے، لِكَوْنِهِ بِمَعْنَى كُلٍّ، اس وجہ سے کہ یہ کُلٌّ کے معنی میں تھا یعنی علمیت سے پہلے۔

وَكَذٰلِكَ أَفْعَلُ التَّفْضِيلِ الْمُجَرَّدُ عَنْ مِّنِ التَّفْضِيلِيَّةِ، اور اسی طرح وہ أَفْعَلُ التَّفْضِيلِ، اَلْمُجَرَّدُ، مجرد صفت ہے أَفْعَلُ کی، أَفْعَلُ مضاف التَّفْضِيلِ مضاف الیہ، اَلْمُجَرَّدُ یہ أَفْعَلُ کی صفت ہے اور وہ مرفوع ہے تو اَلْمُجَرَّدُ بھی مرفوع ہے، عَنْ مِّنِ

التَّفْضِيلِيَّةِ، یہ مِّنْ، مِّنْ سے لفظ مِّنْ مراد ہے اور التَّفْضِيلِيَّةِ اس کی صفت ہے، وہ جو عبارت کے اندر مِّنْ آتا ہے اس کا نام ہی کیا رکھ دیا مِّنْ، تو یہ علم ہے، لہٰذا اسی لیے اس کی صفت معرفہ التَّفْضِيلِيَّةِ لے کر آئے بھئی۔ مِّنْ کیا ہے؟ حرف ہے نا، اور حرف عربی میں مذکر بھی استعمال ہوتے ہیں مؤنث بھی، لیکن زیادہ استعمال یہ ہے کہ یہ مؤنث استعمال ہوتے ہیں، تو اس مِّنْ کی صفت التَّفْضِيلِيَّةِ لائے۔ التَّفْضِيلِيَّةِ کے اندر یہ یا نسبت والی ہے، جیسے لاہور اور لَاهُورِيٌّ، لاہور شہر کا نام، اس کی طرف نسبت کرنی ہو تو کیا کہیں گے؟ لَاهُورِيٌّ، لاہور والا۔ اور کوئی عورت ہو تو کیا کہیں گے؟ لَاهُورِيَّةٌ، لاہور والی۔ تو یہاں پر بھی اسی طرح مِّنْ زیادہ تر مؤنث استعمال ہوتا ہے، اسی لیے التَّفْضِيلِيَّةِ اس کی صفت بھی مؤنث لے کر آئے۔ ترجمہ کیا کریں گے؟ عَنْ مِّنِ التَّفْضِيلِيَّةِ، تفضیل والا مِّنْ۔ لَاهُورِيٌّ کا کیا معنی؟ لاہور والا۔ تو مِّنِ التَّفْضِيلِيَّةِ کا کیا ترجمہ کریں گے؟ تفضیل والا مِّنْ۔ تو کہتے ہیں: وَكَذٰلِكَ أَفْعَلُ التَّفْضِيلِ الْمُجَرَّدُ عَنْ مِّنِ التَّفْضِيلِيَّةِ۔ اچھا پہلے بات سمجھ لیں۔ بھئی آپ نے پڑھا ہے، اسم تفضیل کے استعمال کے تین طریقے ہیں: کبھی یہ مِّنْ کے ساتھ استعمال ہوتا ہے، کبھی الف لام کے ساتھ اور کبھی اضافت کے ساتھ۔ زَيْدٌ أَعْلَمُ مِنْ عَمْرٍو، زید عمرو سے زیادہ جاننے والا ہے۔ یا زَيْدٌ الْأَعْلَمُ، وہ زید جو زیادہ جاننے والا ہے۔ یا زَيْدٌ أَعْلَمُ الْقَوْمِ، زید پوری قوم سے زیادہ جاننے والا ہے۔ تو اسم تفضیل کے استعمال کے کتنے طریقے؟ تین طریقے: مِّنْ کے ساتھ، الف لام، یا اضافت کے ساتھ۔

کہتے ہیں وہ اسم تفضیل جو مِّنْ سے خالی ہو، وہ اسم تفضیل جو مِّنْ سے خالی ہو، اس میں بھی وصفیت کا معنی ظاہر نہیں ہوتا، توجہ ہے؟ اس میں بھی وصفیت کا معنی ظاہر نہیں، لہٰذا اگر کسی کا نام ایسا اسم تفضیل رکھ دیا جس کے ساتھ مِّنْ نہیں ہے، جب اس سے علمیت ختم کرو گے، تو یہ بھی منصرف ہو جائے گا، یہ بھی کیا ہو جائے گا؟ منصرف ہو جائے گا۔

جیسے کسی کا نام میں أَصْغَرُ رکھ دیتا ہوں۔ أَصْغَرُ، اب یہ کون سا صیغہ ہے؟ اسم تفضیل ہے۔ علمیت سے پہلے اس میں کون سے دو سبب؟ ایک وصفیت ہے اور ایک وزن فعل ہے، تو دو سبب موجود ہیں جن میں سے ایک سبب وصفیت ہے۔ پھر میں نے کسی کا نام رکھ دیا أَصْغَرُ، اب کون سے دو سبب؟ ایک وزن فعل اور ایک علمیت۔ پھر اس کو میں نے نکرہ بنا دیا، تو یاد رکھو یہ منصرف ہو جائے گا، یہ کیا ہو جائے گا؟ کیونکہ اس کے ساتھ مِّنْ ہے؟ نہیں۔ اگر مِّنْ ہوتا، تو اس میں وصف کا معنی ظاہر ہوتے، کیونکہ مِّنْ بتلاتا کہ ایک چیز کو دوسری چیز پر فضیلت دی جا رہی ہے، اس کی زیادتی بیان کی جا رہی ہے، اور أَصْغَرُ کے ساتھ مِّنْ ہے؟ نہیں ہے۔ جب مِّنْ نہیں ہے، تو اب اس کے اندر وصفیت ظاہر نہیں۔ جب وصفیت ظاہر نہیں، تو جب اس کو نکرہ بنائیں گے، تو یہ منصرف ہو جائے گا۔ لہٰذا أَصْغَرُ قبل العلمیت غیر منصرف، اور علم بنا دو پھر بھی غیر منصرف، لیکن علمیت ختم کرو تو منصرف بن جائے گا۔

لیکن اگر اسی کے ساتھ مِّنْ لگا دو، أَصْغَرُ مِنْ عَمْرٍو، أَصْغَرُ مِنْ عَمْرٍو، اب میں نے ایک آدمی کا نام ہی یہ رکھ دیا، أَصْغَرُ

مِنْ عَمْرٍو۔ تو أَصْغَرُ پہلے کیا تھا؟ أَصْغَرُ مِنْ عَمْرٍو علمیت سے پہلے کیا تھا أَصْغَرُ کا لفظ؟ غیر منصرف۔ اب میں نے علم بنا دیا، یہ سارے کو اٹھا کر علم بنا دیا، أَصْغَرُ مِنْ عَمْرٍو، یہ پورا اس کا نام رکھ دیا۔ اب؟ اب بھی یہ غیر منصرف۔ اور پھر میں نے علمیت ختم کر دی، أَصْغَرُ مِنْ عَمْرٍو، یہ اب بھی غیر منصرف ہے۔ کیوں؟ کیونکہ اس کے ساتھ مِّنْ تفضیلیہ ہے، یہ مِّنْ بتلا رہا ہے کہ ایک چیز کو دوسری چیز پر فضیلت دی جا رہی ہے۔ مثلاً میں کہتا ہوں: زَيْدٌ أَضْرَبُ مِنْ عَمْرٍو، زید عمرو سے زیادہ پٹائی کرنے والا ہے، یہ مِّنْ بتلا رہا ہے کہ زید کو فضیلت دی جا رہی ہے کس پر؟ عمرو پر۔ تو وہ أَفْعَلُ التَّفْضِيلِ جو مِّنْ تفضیلیہ سے خالی ہو، اس کے اندر بھی علمیت سے قبل وصفیت ظاہر نہیں، اس میں وصفیت ظاہر نہیں، چنانچہ جب اس کو نکرہ بنائیں گے تو یہ منصرف ہو جائے گا، اور اگر مِّنْ تفضیلیہ ساتھ ہو، پھر تو اس کے اندر وصفیت ظاہر ہے، لہٰذا علمیت کو ختم کریں گے تو پھر بھی یہ غیر منصرف ہی رہے گا۔

کہتے ہیں: وَكَذٰلِكَ أَفْعَلُ التَّفْضِيلِ الْمُجَرَّدُ عَنْ مِّنِ التَّفْضِيلِيَّةِ، اور اسی طرح ہے وہ أَفْعَلُ التَّفْضِيلِ جو خالی ہو مِّنْ تفضیلیہ سے، فَإِنَّهُ بَعْدَ التَّنْكِيرِ مُنْصَرِفٌ بِالِاتِّفَاقِ، اس لیے کیونکہ یہ تنکیر کے بعد منصرف ہے بالاتفاق، یعنی امام سیبویہ امام اخفش دونوں کا اس میں اتفاق ہے۔ وَلِضَعْفِ مَعْنَى الْوَصْفِيَّةِ فِيهِ، اور نیز اس لیے کیونکہ اس کے اندر وصفیت کا معنی ضعیف ہے، حَتّٰى صَارَ أَفْعَلُ اسْمًا، یہاں تک کہ یہ أَفْعَلُ اسم بن گیا، یعنی یہ اسی طرح ہو گیا جیسے اسم ہو۔

توجہ ہے؟ ایک ہوتا ہے اسم محض جو صرف ذات پر دلالت کرے، ایک ہوتی ہے صفت جو ذات مع الوصف پر دلالت کرتی ہے، توجہ ہے؟ ایک ہوتا ہے اسم محض، جیسے رَجُلٌ اور فَرَسٌ، یہ صرف ذات پر دلالت کرتے ہیں، اور ایک ہوتی ہے صفت، جو ذات کے ساتھ ساتھ صفت پر بھی دلالت کرتی ہے، جیسے ضَارِبٌ۔ ضَارِبٌ کا کیا معنی؟ کوئی ذات ہے جس کے اندر ضرب لگانے والی صفت ہے۔ مَضْرُوبٌ کا کیا معنی؟ کوئی ذات ہے جو مضروب ہونے کے ساتھ موصوف ہو رہی ہے۔ تو یہ جو أَفْعَلُ ہے، یاد رکھو، یہ أَفْعَلُ اسم تفضیل میں بھی آتا ہے، یہ أَفْعَلُ صفت کے لیے بھی آتا ہے، یعنی صفت مشبہ کے لیے، اس کو أَفْعَلُ صفتی کہتے ہیں، اسی طرح یہ أَفْعَلُ تاکید کے لیے بھی آتا ہے، جیسے أَجْمَعُ بھئی، اور یاد رکھو یہ أَفْعَلُ وزن اسم محض میں بھی آتا ہے جس میں وصف نہیں ہوتا، جیسے أَفْكَلٌ، أَفْكَلٌ بھئی، همزہ ہے، فا، چھوٹا کاف اور لام، أَفْكَلٌ۔ أَفْكَلٌ لوگوں کی جماعت کو بھی کہتے ہیں اور أَفْكَلٌ کپکپاہٹ کو بھی کہتے ہیں، کسی پر کپکپی طاری ہو جائے، کانپنے لگے سردی وغیرہ کی وجہ سے، تو اس کپکپی کو بھی کیا کہتے ہیں؟ أَفْكَلٌ۔ اب دیکھو یہ اسم ہے، صفت نہیں، ضَارِبٌ اور مَضْرُوبٌ تو ذات مع الصفت پر دلالت کر رہے تھے، جبکہ أَفْكَلٌ کیا ہے؟ اسم۔ تو جب أَفْعَلُ جو اسم تفضیل ہے، جب یہ مِّنْ کے بغیر ہو، تو گویا یہ صفت ہے ہی نہیں، اسم ہے، گویا کہ۔ تو گویا أَفْعَلُ التَّفْضِيلِ بغیر مِّنْ کے صفت ہے ہی نہیں، بلکہ اسم محض ہے، بلکہ اسم محض ہے۔

پھر سنو بھئی، ایک ہے صفت اور ایک ہے اسم محض۔ اسم محض وہ ہے جو صرف ذات پر دلالت کرتا ہے، اس میں

وصف ملحوظ نہیں ہوتا، جیسے رَجُلٌ اور فَرَسٌ۔ دیکھو رَجُلٌ صرف ذات پر دلالت کر رہا ہے، اس کا معنی ہے آدمی، ساتھ اس کی کوئی صفت ملحوظ نہیں کہ وہ عالم ہے یا تاجر ہے یا بہادر ہے یا بزدل ہے، کوئی صفت ملحوظ نہیں، رَجُلٌ صرف ذات پر دلالت کر رہا ہے۔ اسی طرح فَرَسٌ یہ بھی اسم محض ہے، یہ بھی صرف ذات پر دلالت کرتا ہے، اس کا معنی ہے گھوڑا، اس میں کوئی صفت ملحوظ نہیں کہ اچھا ہے یا برا ہے، تیز ہے یا سست ہے، کوئی وصف اس کے اندر ملحوظ نہیں۔ تو ایک ہوتا ہے اسم محض جو صرف ذات پر دلالت کرتا ہے۔ جبکہ صفت کے صیغے ذات مع الوصف پر دلالت کرتے ہیں، یعنی وہاں ذات کے ساتھ ساتھ کوئی وصف بھی ملحوظ ہوتا ہے۔ جیسے دیکھو ضَارِبٌ، ضَارِبٌ یہ ذات مع الوصف پر دلالت کر رہا ہے، یعنی کوئی ذات ہے، کوئی ذات ہے جو ضَارِبٌ ہونے کی صفت کے ساتھ موصوف ہو رہی ہے۔ اسی طرح مَضْرُوبٌ جو ہے یہ صفت کا صیغہ ہے، تو یہ بھی ذات مع الوصف پر دلالت کر رہا ہے، معلوم ہوا کوئی ذات ہے جو مَضْرُوبٌ ہونے کی صفت کے ساتھ موصوف ہو رہی ہے، یعنی جس کی پٹائی کی گئی ہے بھئی۔ تو صفت کے صیغے ذات مع الوصف پر دلالت کرتے ہیں، جیسے اسم فاعل ہے، اسم مفعول ہے، صفت مشبہ ہے، اسم تفضیل ہے اور مبالغے کے صیغے ہیں، یہ سارے کیا ہیں؟ صفت کے صیغے ہیں۔ اسم فاعل جیسے ضَارِبٌ، فَاتِحٌ، مَانِعٌ، یہ سب ذات مع الوصف پر دلالت کرتے ہیں۔ اسم مفعول جیسے مَضْرُوبٌ، مَفْتُوحٌ، مُكْرَمٌ، مُسْتَخْرَجٌ، یہ سب ذات مع الوصف پر دلالت کرتے ہیں۔ صفت مشبہ جیسے شَرِيفٌ، حَسَنٌ، عَلِيمٌ، یہ صفت مشبہ ہیں، یہ سب ذات مع الوصف پر دلالت کرتے ہیں۔ اسی طرح اسم تفضیل ہے أَضْرَبُ، أَفْتَحُ، أَمْنَعُ، یہ بھی کیا ہیں؟ ذات مع الوصف پر دلالت کرتے ہیں۔ اور اسی طرح مبالغے کے صیغے ہیں، جیسے ضَرَّابٌ، صِدِّيقٌ، یہ سب کیا ہیں؟ مبالغے کے صیغے ہیں اور یہ ذات مع الوصف پر دلالت کرتے ہیں۔ تو صفت کے کون کون سے صیغے ہیں؟ اسم فاعل ہے، اسم مفعول ہے، صفت مشبہ ہے، اسم تفضیل ہے اور مبالغے کے صیغے ہیں، اور یہ سب ذات مع الوصف پر دلالت کرتے ہیں۔

اور یاد رکھو، اسم تفضیل کے علاوہ جو باقی صفت کے صیغے ہیں، ان میں وصفیت کا معنی خوب ظاہر ہے۔ اسم تفضیل کے اندر وصفیت کا معنی اتنا ظاہر نہیں، باقی سب کے اندر وصفیت کا معنی خوب ظاہر ہے، حتیٰ کہ اسم تفضیل کے علاوہ باقی سب جو ہیں وہ اسم ظاہر کو بھی رفع دیتے ہیں، باقی سب اسم ظاہر کو بھی رفع دیتے ہیں۔ بھئی دیکھو جیسے فعل ہے، فعل ہمیشہ کسی چیز کی صفت ہوتا ہے، اس کا اپنا الگ وجود نہیں، کوئی ذات ہوگی کوئی فعل کرنے والی، تو پھر فعل پایا جائے گا۔ تو دیکھو جیسے فعل جو ہے وہ ضمیر کو بھی رفع دیتا ہے اور کبھی اسم ظاہر کو بھی رفع دیتا ہے، فعل کے لیے ہمیشہ کیا چاہیے؟ فاعل یا نائب فاعل، وہ فاعل یا نائب فاعل ضمیر بھی ہو سکتی ہے اور اسم ظاہر بھی ہو سکتا ہے۔ تو جیسے فعل جو ہے وہ صفت ہوتا ہے اور وہ اسم ظاہر کو رفع دیتا ہے، اسی طرح یہ جو صفت کے صیغے ہیں، یہ بھی کیا کرتے ہیں؟ اسم ظاہر کو رفع دیتے ہیں، یعنی کوئی ذات ہے جو ان کے ساتھ موصوف ہوتی ہے۔ تو یہ صفت کے صیغے اسم ظاہر کو رفع دیتے ہیں فعل کی طرح، تو ان میں

وصفیت کا معنی خوب ظاہر ہے۔

جبکہ أَفْعَلُ التَّفْضِيلِ جو ہے، اس میں وصفیت اتنی ظاہر نہیں۔ یہ أَفْعَلُ التَّفْضِيلِ اسم ظاہر میں نہایت ہی قلیل عمل کرتا ہے۔ بہت کم ایسا ہوتا ہے کہ أَفْعَلُ التَّفْضِيلِ اسم ظاہر کے اندر عمل کرے اور اس کو رفع دے۔ اس کے عمل کی خاص شرائط ہیں بھئی جو آگے اسم تفضیل کی بحث جہاں آئے گی وہاں صاحب کافیہ ذکر فرماتے ہیں۔ اس کی وہ خاص شرطیں ہیں، وہ شرطیں پوری ہوں گی، تو پھر اس کے بعد یہ اسم ظاہر میں عمل کرے گا۔ تو معلوم ہوا أَفْعَلُ التَّفْضِيلِ کا عمل اسم ظاہر میں نہایت نادر ہے، اور اَلنَّادِرُ كَالْمَعْدُومِ، نادر جو چیز ہو، یعنی جو چیز نہایت قلیل ہو، اس کو معدوم شمار کیا جاتا ہے کہ معلوم ہوا وہ چیز ہے ہی نہیں۔ تو اسم ظاہر میں أَفْعَلُ التَّفْضِيلِ کا عمل نادر ہے، اور اَلنَّادِرُ كَالْمَعْدُومِ، تو اس کو ایسے ہی شمار کریں گے، گویا أَفْعَلُ التَّفْضِيلِ جو ہے وہ اسم ظاہر میں عمل کرتا ہی نہیں ہے بھئی۔ یہ صرف اس ضمیر میں عمل کرتا ہے جو اس کے اندر چھپی ہوئی ہوتی ہے۔ بھئی أَفْعَلُ التَّفْضِيلِ صفت کا صیغہ ہے، صفت کے صیغے کے لیے فاعل چاہیے یا نہیں چاہیے؟ فاعل یا نائب فاعل تو ضرور چاہیے، تو یہ جب اسم ظاہر میں عمل نہیں کرتا، تو فاعل تو ضرور چاہیے بھئی، اور وہ فاعل اس کے اندر چھپی ہوئی ضمیر ہوتی ہے۔ اور جو ضمیر اس کے اندر چھپی ہوئی ہے، صرف یہ اس کے اندر جب عمل کر رہا ہے، تو وہ عمل بھی لا عمل کی طرح ہے، وہ تو ظاہر ہی نہیں۔ نہ ضمیر ظاہر ہے، نہ اس میں عمل ظاہر ہے۔ اپنے اندر چھپی ہوئی یعنی ضمیر مستتر کے اندر عمل بھی لا عمل ہی کی طرح ہے۔ تو بالفاظ دیگریوں کہو کہ باقی صفت کے صیغے تو عمل کرتے ہیں، مگر أَفْعَلُ التَّفْضِيلِ گویا عمل کرتا ہی نہیں۔ گویا یہ عمل کرتا ہی نہیں، اسم ظاہر میں نہایت قلیل ہے تو گویا اسم ظاہر میں عمل کرتا ہی نہیں، اور ضمیر میں جو عمل کرتا ہے وہ عمل بھی کس کی طرح ہے؟ لا عمل کی طرح ہے کیونکہ اس کا کوئی اثر ظاہر نہیں ہوتا، تو گویا أَفْعَلُ التَّفْضِيلِ جو ہے وہ عمل کرتا ہی نہیں۔

البتہ جب أَفْعَلُ التَّفْضِيلِ کے ساتھ جب مِّنْ تفضیلیہ آجائے، تو پھر اس کا وصف ہونا ظاہر ہو جاتا ہے۔ ویسے تو اس کا وصف ہونا ظاہر نہیں، گویا یہ عمل کر ہی نہیں رہا، صفت کے صیغے تو عمل کرتے ہیں، تو یہ عمل کر ہی نہیں رہا تو اس کا وصف ہونا ظاہر نہیں، لیکن جب اس کے ساتھ مِّنْ تفضیلیہ آجائے، مِّنْ تفضیلیہ، تو پھر اس کا وصف ہونا ظاہر ہوتا ہے۔ مِّنْ تفضیلیہ بتلاتا ہے کہ اس کے ذریعے ایک چیز کو دوسری چیز پر فضیلت دی جا رہی ہے۔ تو أَفْعَلُ التَّفْضِيلِ کا وصف ہونا کس کے ذریعے ظاہر ہوتا ہے؟ مِّنْ تفضیلیہ کے ذریعے، اس کے بغیر اس کی وصفیت ظاہر نہیں۔ یہاں تک بات سمجھ میں آگئی؟

تو جب أَفْعَلُ التَّفْضِيلِ مِّنْ تفضیلیہ کے بغیر ہو، تو اس میں یاد رکھو وصفیت ضعیف ہوتی ہے۔ اس میں وصفیت ضعیف ہوتی ہے اور خفی ہوتی ہے، ظاہر نہیں، کیونکہ یہ اسم ظاہر کو بھی رفع نہیں دیتا، اور نیز اس کے ساتھ مِّنْ بھی نہیں جو اس کی وصفیت کو ظاہر کرے۔ توجہ ہے؟ یہ جو أَفْعَلُ التَّفْضِيلِ ہے بغیر مِّنْ کے اس کی وصفیت ظاہر نہیں، کیوں نہیں ظاہر؟ کیونکہ یہ اسم ظاہر کو بھی رفع نہیں دیتا اور نیز اس کے ساتھ مِّنْ تفضیلیہ بھی نہیں ہے۔ مِّنْ تفضیلیہ ہوتا تو وہ ہمیں بتلاتا یہ کس لیے

ہے، صفت کے لیے استعمال ہو رہا ہے، ایک چیز کو دوسری چیز پر فضیلت دی جا رہی ہے۔ تو لہٰذا جب أَفْعَلُ التَّفْضِيلِ مِّنْ تفضیلیہ کے بغیر ہو، تو اس کے اندر وصفیت ضعیف ہے، کس وجہ سے؟ دو وجہ سے، پہلی وجہ کیا؟ کہ اسم ظاہر کو رفع نہیں دیتا، اور دوسری وجہ کیا؟ کہ اس کے ساتھ مِّنْ تفضیلیہ بھی نہیں ہے۔ تو یہ پھر اس صورت میں مشابہ ہو جاتا ہے اس أَفْعَلُ کے جو اسم محض ہے۔ یہ کس کے ساتھ مشابہ ہو گیا؟ اس أَفْعَلُ کے جو اسم محض ہوتا ہے جس میں کوئی وصفیت ہوتی ہی نہیں، جیسے أَفْكَلُ۔ میں نے آپ کو بتایا أَفْكَلُ کسے کہتے ہیں؟ لوگوں کی جماعت اور اسی طرح کپکپی بھئی۔ تو یہ أَفْعَلُ اسم تفضیل جو مِّنْ تفضیلیہ کے بغیر ہے، اس کے اندر وصفیت ظاہر نہیں، کیونکہ اسم ظاہر کو بھی رفع نہیں دیتا اور اس کے ساتھ مِّنْ تفضیلیہ بھی نہیں ہے، تو اس کی مشابہت کس کے ساتھ ہو گئی؟ اس أَفْعَلُ کے ساتھ جو اسم محض ہے، جیسے أَفْكَلُ۔ جیسے وہ أَفْكَلُ جو ہے وہ کوئی عمل نہیں کرتا اور نہ اس کے ساتھ مِّنْ ہوتا ہے، اسی طرح یہ أَفْعَلُ التَّفْضِيلِ بھی گویا کوئی عمل نہیں کر رہا اور نہ ہی اس کے ساتھ مِّنْ تفضیلیہ ہے، تو یہ اس کے مشابہ ہو گیا۔ تو لہٰذا اس کی وصفیت ضعیف ہوئی کیونکہ اس کی مشابہت آ گئی أَفْعَلُ اسم محض کے ساتھ۔ تو وہ أَفْعَلُ التَّفْضِيلِ جو مِّنْ تفضیلیہ سے خالی ہو قبل العلمیت، قبل العلمیت جو مِّنْ تفضیلیہ سے خالی ہو، اس میں وصفیت اس قدر ضعیف ہے کہ گویا وہ صفت ہے ہی نہیں، بلکہ أَفْكَلُ کی طرح ایک اسم محض ہے بھئی۔ تو بعد التنکیر بھی یہ امام سیبویہ کے نزدیک منصرف ہوگا، اور بعد التنکیر بھی اس کی وصفیت معتبر نہیں۔ یہ أَفْعَلُ التَّفْضِيلِ جو مِّنْ کے بغیر تھا، قبل العلمیت اس کی وصفیت ضعیف ہے، یہ تو اسم محض کی طرح ہی ہے، لہٰذا بعد التنکیر بھی اس کے اندر وصفیت کا اعتبار نہیں کرتے، حتیٰ کہ امام سیبویہ بھی اس کے اندر وصفیت کا اعتبار نہیں کرتے، اور ان کے نزدیک بھی یہ أَفْعَلُ التَّفْضِيلِ جو مِّنْ تفضیلیہ کے بغیر ہے، جب اس کو نکرہ بنایا جائے، تو اس کی وصفیت معتبر نہیں اور یہ منصرف ہے۔ بات سمجھ میں آ گئی؟

بات کیا چل رہی ہے؟ کہ جب أَفْعَلُ التَّفْضِيلِ مِّنْ کے ساتھ ہو اور کسی کا نام رکھ دیا جائے، تو پھر جب اس کو نکرہ بنائیں گے، یہ پھر بھی غیر منصرف رہے گا، کیونکہ مِّنْ تفضیلیہ کے ساتھ ہے جس کے ساتھ اس کا وصف ہونا ظاہر ہو رہا ہے کہ اس میں کسی چیز کی دوسری چیز پر زیادتی بیان کی جا رہی ہے، کون بتلا رہا ہے؟ مِّنْ بتلا رہا ہے۔ تو جب مِّنْ ساتھ ہوگا تو اس کے اندر وصفیت کا معنی ظاہر ہوگا۔ جب مِّنْ ساتھ نہیں ہوگا تو اس کے اندر وصفیت والا معنی ظاہر نہیں۔ لہٰذا جب مِّنْ کے ساتھ کسی کا نام رکھو أَصْغَرُ مِنْ عَمْرٍو، یہ کسی کا نام رکھا، تو جب علمیت ختم بھی کر دو گے یہ پھر بھی کیا رہے گا؟ غیر منصرف۔ لیکن جب مِّنْ ساتھ نہیں ہوگا، تو گویا کہ یہ اسم ہے، جیسے أَفْكَلُ کیا ہے؟ اسم ہے، تو أَصْغَرُ بھی گویا اسم ہے، ہے تو وصف مثلاً علمیت سے پہلے، علمیت سے پہلے یہ غیر منصرف ہے لیکن کس کے درجے میں ہے؟ اسم کے درجے میں ہے۔ تو گویا یہ اسم کے درجے میں تھا، اس کے اندر وصفیت ظاہر نہیں تھی کیونکہ مِّنْ تفضیلیہ اس کے ساتھ نہیں تھا، پھر علم بنا دیا، اور پھر جب علمیت ختم کی اب اس کے اندر وصفیت نہیں ہے کیونکہ علمیت سے پہلے ہی اس کے اندر وصفیت ضعیف تھی،

بات سمجھ میں آگئی۔

یہ معنی ہے، کہتے ہیں: فَإِنَّهُ بَعْدَ التَّنْكِيرِ مُنْصَرِفٌ بِالِاتِّفَاقِ، یہ جو أَفْعَلُ التَّفْضِيلِ ہے جو مِّنْ تفضیلیہ سے خالی ہو، یہ تنکیر کے بعد منصرف ہے بالاتفاق، یعنی امام سیبویہ امام اخفش کا اس میں اتفاق ہے۔ لِضَعْفِ مَعْنَى الْوَصْفِيَّةِ فِيهِ، اس لیے کیونکہ اس کے اندر وصفیت کا معنی ضعیف ہے، حَتَّى صَارَ أَفْعَلُ اسْمًا، یہاں تک کہ یہ أَفْعَلُ جو ہے اسم بن گیا، یعنی اسم محض رہ گیا صفت نہیں۔ وَإِنْ كَانَ مَعَهُ مِنْ، اور اگر اس کے ساتھ مِّنْ ہو، فَلَا يَنْصَرِفُ بِلَا خِلَافٍ، تو پھر یہ منصرف نہیں ہوگا بغیر کسی اختلاف کے۔ جب مِّنْ کے ساتھ تھا، تو اب امام سیبویہ اور امام اخفش دونوں کا اتفاق ہے کہ یہ بعد التنکیر بھی غیر منصرف ہی رہے گا، لِظُهُورِ مَعْنَى الْوَصْفِيَّةِ فِيهِ، بوجہ اس میں وصفیت کے معنی کے ظاہر ہونے کے، بِسَبَبِ مِنَ التَّفْضِيلِيَّةِ، بوجہ مِّنْ تفضیلیہ کے۔ یہاں تک بات سمجھ میں آگئی؟

اور یہ بھی یاد رکھنا، انہوں نے جو کہا نا کہ وہ أَفْعَلُ التَّفْضِيلِ جو مِّنْ سے خالی ہو، کس سے؟ مِّنْ سے خالی ہو، تو آپ یہ نہ سمجھیں کہ وہ الف لام یا اضافت کے ساتھ ہو، نہیں نہیں۔ اسم تفضیل کے استعمال کے کتنے طریقے میں نے ابھی بتلایا؟ تین: مِّنْ، الف لام اور اضافت۔ یہاں صرف مِّنْ والے طریقے کی بات ہو رہی ہے، الف لام اور اضافت نہیں، کیونکہ آگے چل کر آپ کو بتائیں گے، ابھی ایک دو صفحے کے بعد آپ کو بتائیں گے کہ یہ جو الف لام اور اضافت ہے اس کی وجہ سے علمیت ختم ہو جاتی ہے بھئی۔ الف لام اور اضافت کی وجہ سے علمیت ختم ہو جاتی ہے، وجہ یہ کہ علم کیا ہوتا ہے؟ معرفہ، توجہ ہے؟ معرفہ۔ اور جب آپ اس پر الف لام لے آئے، تو اگر یہ ابھی بھی معرفہ ہے، تو یہ تو تَعْرِيفُ الْمُعَرَّفِ لازم آئے گا، ایک لفظ پہلے ہی معرفہ ہے، پھر آپ اس کو الف لام کے ذریعے کیا بنانا چاہتے ہیں؟ معرفہ بنانا چاہتے ہیں۔ یا اسی طرح اضافت بھی تعریف کا فائدہ دیتی ہے، تو جب آپ علم کی اضافت کرتے ہیں، تو وہ نکرہ بن جاتا ہے، ورنہ تو کیا لازم آئے گا؟ تَعْرِيفُ الْمُعَرَّفِ، ایک لفظ جو پہلے ہی معرفہ ہے آپ اس کو اضافت کے ذریعے کیا بنانا چاہ رہے ہیں؟ معرفہ۔ الف لام کس چیز کا فائدہ دیتا ہے؟ تعریف کا فائدہ دیتا ہے۔ اضافت بھی کس چیز کا فائدہ دیتی ہے؟ تعریف کا فائدہ دیتی ہے۔ تو جب بھی آپ علم کی اضافت کرتے ہیں تو تعریف اس سے ختم ہو جاتی ہے، اس لیے کیونکہ اگر تعریف ابھی بھی باقی ہے، تو پھر تَعْرِيفُ الْمُعَرَّفِ، ایک لفظ جو پہلے ہی معرفہ ہے اس کو معرفہ بنانا لازم آئے گا، اور یہ تو صحیح نہیں۔ بات سمجھ میں آگئی۔

تو یہاں پر جو انہوں نے کہا نا کہ وہ أَفْعَلُ التَّفْضِيلِ جو مِّنْ سے خالی ہو، کس سے؟ تو جب مِّنْ سے خالی ہو، تو آپ کے ذہن میں آئے گا شاید وہ والا أَفْعَلُ ہے جو الف لام کے ساتھ استعمال ہو رہا ہوگا یا اضافت کے ساتھ، نہیں نہیں ان کی بات نہیں چل رہی، کیونکہ وہ الف لام اور اضافت یہ تو علمیت کے خلاف ہیں، یہ تو علمیت کو ختم کر دیتے ہیں۔ یہ وہی أَفْعَلُ ہے جو مِّنْ کے ساتھ استعمال ہو، لیکن آپ جانتے ہیں کبھی مِّنْ کو عبارت سے حذف کر لیتے ہیں، اگرچہ مراد ہوتا ہے، مقدر

ہوتا ہے، جیسے اَللّٰہُ أَکْبَرُ۔ اب اَللّٰہُ أَکْبَرُ آپ نے علم الصیغہ میں پڑھا ہے، دراصل یہ کیا ہے؟ اَللّٰہُ أَکْبَرُ مِنْ کُلِّ شَیْءٍ، تو مِنْ کُلِّ شَیْءٍ یہاں محذوف ہے۔ تو یہ جو اَللّٰہُ أَکْبَرُ میں أَکْبَرُ آیا، یہ کون سا ہے؟ أَفْعَلُ التَّفْضِیلِ ہے، اور مِّنْ تفضیلیہ کے بغیر ہے، اور مِّنْ تفضیلیہ یہاں مقدر ہے۔ تو کبھی مِّنْ تفضیلیہ لفظوں میں ہوتا ہے اور کبھی مقدر ہوتا ہے۔ جب مِّنْ تفضیلیہ لفظوں میں ہو، تو اس صورت میں علمیت ختم کر دیں گے پھر بھی وہ کیا رہے گا؟ غیر منصرف۔ اور جب مِّنْ تفضیلیہ مقدر ہو، تو جب ہم اس سے علمیت ختم کریں گے تو وہ کیا بن جائے گا؟ منصرف بن جائے گا۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو کون سے أَفْعَلُ التَّفْضِیلِ کی بات ہو رہی ہے؟ جو استعمال تو مِّنْ ہی کے ساتھ ہے لیکن مِّنْ مقدر ہے ذکر نہیں۔

تو یہاں صرف اس أَفْعَلُ التَّفْضِیلِ کی بات ہو رہی ہے جو مِّنْ کے ساتھ مستعمل ہو۔ اور اس میں میں نے آپ کو بتلایا پھر دو صورتیں ہیں: کبھی مِّنْ تفضیلیہ لفظوں میں مذکور ہوگا اور کبھی مقدر ہوگا مذکور نہیں ہوگا۔ تو کس أَفْعَلُ کی بات یہاں ہو رہی ہے؟ جو مِّنْ کے ساتھ ہو۔ باقی الف لام اور اضافت وہ تو علمیت کے منافی ہیں، ان سے تو علمیت ختم ہو جاتی ہے، تو صرف اس أَفْعَلُ التَّفْضِیلِ کی بات ہو رہی ہے جو مِّنْ کے ساتھ ہو۔ ہاں اس میں پھر کبھی مِّنْ لفظوں میں ساتھ ہوتا ہے اور کبھی مقدر ہوتا ہے لفظوں میں ذکر نہیں ہوتا، جیسے اَللّٰہُ أَکْبَرُ۔ دیکھو اَللّٰہُ أَکْبَرُ، یہ أَکْبَرُ اسم تفضیل ہے اور اس کے ساتھ نہ الف لام ہے، نہ اضافت ہے، نہ مِّنْ ہے، پھر تو یہ تین طریقوں میں سے کسی کے ساتھ بھی استعمال نہیں ہو رہا، تو علما کیا جواب دیتے ہیں؟ کہ یہ مِّنْ کے ساتھ ہے اور مِّنْ یہاں مقدر ہے۔ تو حاصل یہ ہوا کہ یہاں اس أَفْعَلُ التَّفْضِیلِ کی بات ہو رہی ہے جو مِّنْ کے ساتھ مستعمل ہو، اور اس میں پھر دو صورتیں ہیں: کبھی مِّنْ تفضیلیہ لفظوں میں ہوگا اور کبھی مقدر ہوگا مذکور نہیں ہوگا۔ تو اگر مِّنْ لفظوں میں ذکر نہ ہو، یعنی وہ أَفْعَلُ التَّفْضِیلِ مِّنْ تفضیلیہ سے خالی ہو، تو قبل العلمیت اس میں وصفیت کا معنی ظاہر نہیں، بلکہ خفی ہے اور ضعیف ہے، لہٰذا بعد التنکیر امام سیبویہ کے نزدیک بھی اس کی وصفیت معتبر نہیں۔ وہ أَفْعَلُ جو مِّنْ کے بغیر ہے قبل العلمیت بھی اس کی وصفیت ظاہر نہیں، لہٰذا بعد التنکیر امام سیبویہ کے نزدیک بھی اس کی وصفیت معتبر نہیں اور یہ بالاتفاق منصرف ہے، یعنی امام سیبویہ کے نزدیک بھی اور امام اخفش کے نزدیک بھی۔ جبکہ وہ أَفْعَلُ التَّفْضِیلِ جس کے ساتھ مِّنْ تفضیلیہ ہو، توجہ ہے؟ وہ أَفْعَلُ التَّفْضِیلِ جس کے ساتھ مِّنْ تفضیلیہ ہو، اس میں قبل العلمیت وصفیت ظاہر ہے، جبکہ نکرہ بنانے کے بعد بھی اس کے ساتھ مِّنْ تفضیلیہ موجود ہے۔ مثلاً کسی کا نام أَصْغَرُ مِنْ عَمْرٍو رکھ دیا، اب أَصْغَرُ مِنْ عَمْرٍو قبل العلمیت بھی اس کے اندر وصفیت ظاہر ہے کیونکہ اس أَصْغَرُ کے ساتھ مِّنْ تفضیلیہ استعمال ہو رہا ہے، پھر اس کو علم بنایا، وصفیت چلی گئی، پھر دوبارہ اس کو نکرہ بنایا، تو اب بھی اس کے اندر وصفیت معتبر ہے کیونکہ اس کے ساتھ کیا موجود ہے؟ مِّنْ تفضیلیہ موجود ہے، اور یہ مِّنْ تفضیلیہ علمیت ختم ہونے کے بعد ابھی بھی موجود ہے، یہ تقاضا کر رہا ہے کہ اس کے اندر کس کا اعتبار کرو؟ وصفیت کا اعتبار کرنا پڑے گا، کیونکہ مِّنْ کس لیے آتا ہے؟ فضیلت

دینے کے لیے ایک چیز کو دوسری چیز پر۔ مِّنْ تفضیلیہ بتلاتا ہے کہ ایک چیز کو دوسری چیز پر فضیلت دی جا رہی ہے۔ تو وہ أَفْعَلُ جو مِّنْ تفضیلیہ کے ساتھ ہے، جب اس کو نکرہ بنا دیا جائے، تو اب بھی اس کے ساتھ وہ مِّنْ موجود ہے، وہ مِّنْ تقاضا کر رہا ہے کہ اس میں ابھی بھی وصفیت کا اعتبار کیا جائے، حتیٰ کہ امام اخفش جو کیا فرماتے تھے کہ علمیت ختم کر دو گے تو وہ اسم کیا بن جائے گا؟ نکرہ، وہ بھی اس کے اندر فرماتے ہیں کہ یہاں چونکہ مِّنْ موجود ہے أَفْعَلُ کے ساتھ، لہٰذا بعد التنکیر وہ اس مِّنْ کی وجہ سے وہ اس میں وصفیت کا اعتبار کرتے ہیں اور ان کے نزدیک بھی یہ جو أَصْغَرُ مِنْ عَمْرٍو جیسا لفظ ہوگا بعد التنکیر یہ غیر منصرف ہی رہے گا، ان کے نزدیک بھی، بات سمجھ میں آگئی۔ تو معلوم ہوا وہ أَفْعَلُ التَّفْضِيلِ جو مِّنْ کے ساتھ ہو، وہ امام سیبویہ اور امام اخفش دونوں کے نزدیک بعد التنکیر غیر منصرف ہوگا، بات اچھی طرح سمجھ میں آگئی۔

تو حاصل کلام کیا ہوا؟ کہ أَحْمَرَ جیسے الفاظ، ان سے مراد وہ الفاظ ہیں جو قبل العلمیت غیر منصرف تھے اور جس میں ایک سبب وصفیت ہونا چاہیے، تاکہ جب علمیت آئے تو وہ وصفیت چلی جائے۔ پھر جب علمیت ختم ہوگی، تو بعد میں بھی وہ وصفیت معتبر ہے امام سیبویہ کے نزدیک، جبکہ امام اخفش کے نزدیک وہ معتبر نہیں۔ لیکن قبل العلمیت جو ہے وصفیت اس کے اندر ظاہر ہونی چاہیے، لہٰذا أَفْعَلُ التَّأْكِيدِ، تاکید والا أَفْعَلُ یعنی أَجْمَعُ بھی اس سے نکل گیا، کیونکہ وہ قبل العلمیت اس میں وصفیت ظاہر نہیں ہے بلکہ وہ تو تاکید کے لیے ہے، اور اسی طرح وہ أَفْعَلُ اسم تفضیل بھی نکل گیا جس کے ساتھ مِّنْ نہیں تھا علمیت سے پہلے، جس کے ساتھ مِّنْ نہیں تھا، کیونکہ اس کے اندر بھی وصفیت ظاہر نہیں بلکہ وہ تو اسم ہی کی طرح تھا، بات سمجھ میں آگئی، اسم کی طرح تھا۔

چلیے بس بھئی، هٰذَا هُوَ الْمَرَامُ وَاللّٰهُ أَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْكَلَامِ۔

سبق نمبر ۷۵: احکامِ غیر منصرف (۴): وصفِ اصلی کے اعتبار پر سیبویہ کے دلائل

شرحِ ملا جامی صفحہ: ۵۴ — بتاریخ: ۲۶ ستمبر ۲۰۲۱ء

▪ تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث

آگے سبق دیکھیے بھئی۔

اِعْتِبَارًا لِلصِّفَةِ الْأَصْلِيَّةِ أَيْ إِنَّمَا خَالَفَ سِيبَوَيْهِ الْأَخْفَشَ لِأَجْلِ اعْتِبَارِهِ الْوَصْفِيَّةَ الْأَصْلِيَّةَ بَعْدَ التَّنْكِيرِ، فَإِنَّهُ لَمَّا زَالَتِ الْعَلَمِيَّةُ بِالتَّنْكِيرِ لَمْ يَبْقَ فِيهِ مَانِعٌ مِنَ اعْتِبَارِ الْوَصْفِيَّةِ فَاعْتَبَرَهَا وَجَعَلَهُ غَيْرَ مُنْصَرِفٍ لِلصِّفَةِ الْأَصْلِيَّةِ وَسَبَبٍ آخَرَ۔

بھئی گذشتہ اسباق میں ایک ضابطہ ذکر کیا تھا صاحبِ کافیہ نے کہ وہ اسبابِ منع صرف جن کے ساتھ علمیت مؤثر ہو کر جمع ہو جائے، جب ان کو نکرہ کر دیا جائے یعنی ان سے علمیت کو ختم کر دیا جائے تو وہ منصرف ہو جاتے ہیں۔ اور پھر اس کے بعد أَحْمَرَ جیسے لفظوں کا اس سے استثنا کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ أَحْمَرَ جیسے الفاظ میں امام سیبویہ نے اختلاف کیا ہے امام اخفش سے بھئی۔ أَحْمَرَ سے مراد ایسے الفاظ ہیں جو علمیت سے پہلے بھی غیر منصرف تھے اور ان میں ایک سبب وصف تھا، دوسرا سبب کوئی اور سبب بھئی۔ تو ایک سبب وصف تھا، پھر جب اس کو علم بنایا گیا تو وصفیت چلی گئی کیونکہ وصفیت اور علمیت دونوں جمع نہیں ہو سکتے۔ وصف دلالت کرتا ہے ذاتِ مبہم پر اور علم دلالت کرتا ہے ذاتِ معین پر، یا یوں کہو کہ وصف دلالت کرتا ہے عموم پر اور علم دلالت کرتا ہے خصوص پر، اور ایک لفظ میں ایک ہی وقت میں عموم بھی ہو اور خصوص بھی ہو یہ نہیں ہو سکتا۔ تو جب علمیت آئی تو وصفیت ختم ہو گئی۔ اب یہ لفظ أَحْمَرَ علمیت سے پہلے بھی غیر منصرف تھا، علمیت کے وقت بھی غیر منصرف ہے، لیکن جب علمیت ختم کریں گے تو امام اخفش ضابطے کے مطابق فرماتے ہیں کہ یہ منصرف ہو جائے گا، کیونکہ جس سبب کے ساتھ بھی علمیت مؤثر ہو کر جمع ہو جب اس علمیت کو ختم کرتے ہیں تو وہ لفظ کیا بن جاتا ہے؟ منصرف۔ لیکن امام سیبویہ اختلاف کرتے ہیں یہ أَحْمَرَ جیسے الفاظ میں اور فرماتے

ہیں کہ علمیت ختم کر دیں تو بھی یہ لفظ غیر منصرف رہے گا، تو وہ زوالِ علمیت کے بعد بھی وصفیتِ اصلیہ کا اعتبار کرتے ہیں، کہ یہ اصلِ وضع میں چونکہ وصف تھا لہٰذا اب علمیت ختم کر دیں گے تو اس وصفیتِ اصلیہ کا اعتبار کریں گے۔

وہ اس کو قیاس کرتے ہیں أَسْوَد اور أَرْقَم پر۔ أَسْوَد اور أَرْقَم آپ نے پڑھا تھا کہ أَسْوَد عربی زبان میں ہر کالی چیز کے لیے وضع تھا، لیکن پھر ان پر اسمیت غالب آئی اور یہ کالے رنگ کے سانپ کے لیے اسم بن گئے کثرتِ استعمال کی وجہ سے بھئی۔ تو اب أَسْوَد کا لفظ جب بغیر قرینے کے بولا جائے تو اس سے کالے رنگ کا سانپ مراد ہوتا ہے اور یہ أَسْوَد کا لفظ غیر منصرف ہوتا ہے، اگرچہ اس کے اندر سے وصفیت ختم ہو چکی ہے، غلبۂ اسمیت آ چکا ہے، لیکن پھر بھی یہ وصفیتِ اصلیہ معتبر ہے۔ تو أَسْوَد میں ایک سبب وزنِ فعل ہے اور دوسرا وصفیتِ اصلیہ۔ تو جیسے أَسْوَد اور أَرْقَم کے اندر زوالِ وصفیت کے باوجود اس کے اندر وصفیتِ اصلیہ کا اعتبار کیا گیا، تو اسی طرح امام سیبویہ جو ہیں أَحْمَرَ جیسے لفظوں میں زوالِ وصفیت کے باوجود جب علمیت ختم کرتے ہیں تو اس میں پھر وصفیتِ اصلیہ کا اعتبار کرتے ہیں اور اس کو غیر منصرف کہتے ہیں۔ تو اس کے اندر وصفیتِ اصلیہ کا امام سیبویہ اعتبار کرتے ہیں زوالِ وصفیت کے بعد بھی۔

اور پھر صاحبِ جامی نے آپ کو یہ بھی بتلایا کہ وہ جو وصفیت ہے وہ ظاہر ہونی چاہیے، خفی نہیں ہونی چاہیے قبل العلمیت۔ قبل العلمیت وہ وصفیت ظاہر ہونی چاہیے، خفی نہیں ہونی چاہیے۔ لہٰذا سَكْرَان اگر کسی کا نام رکھ دیا جائے، اب سَكْرَان کا کیا معنی ہے؟ جو مدہوش ہے، جو نشے میں ہے، اور اس کے اندر قبل العلمیت بھی وصفیت ظاہر ہے، کیونکہ سَكْرَان کا کیا معنی؟ مدہوش، وہ شخص جو نشے میں ہے۔ تو قبل العلمیت بھی یہ غیر منصرف تھا، ایک سبب اس میں وصف ہے اور دوسرا الف نون مزیدتان۔ پھر اس کو علم بنایا گیا تو وصفیت چلی گئی، اب دو سبب کیا؟ ایک وصف اور ایک الف نون مزیدتان۔ پھر اس کے بعد اس سے علمیت ختم کر دی گئی تو اب بھی امام سیبویہ کے نزدیک یہ غیر منصرف ہے، ایک سبب وہ الف نون مزیدتان ہیں اور دوسرا وہ وصفیتِ اصلیہ ہے۔ تو دیکھو وصفیتِ اصلیہ کا وہ اعتبار کرتے ہیں زوالِ وصفیت کے بعد بھی، البتہ وہ وصفیت قبل العلمیت ظاہر ہونی چاہیے۔

لہٰذا تاکید والا أَفْعَلُ نکل گیا، تاکید والا أَفْعَلُ نکل گیا جیسے أَجْمَعُ۔ بھئی أَجْمَعُ اصل میں تو یہ جمعیت کے لیے وضع تھا، یہ کس کے لیے وضع تھا؟ جمعیت کے لیے وضع تھا، صفت تھا، لیکن پھر بعد میں یہ تاکید کے طور پر استعمال ہونے لگا۔ اب أَجْمَعُ کا لفظ عربی زبان میں تاکید کے لیے استعمال ہوتا ہے، لیکن یہ غیر منصرف ہے، ایک سبب کیا؟ وزنِ فعل، اور دوسرا سبب کیا؟ وصفیتِ اصلیہ۔ فی الحال تو وصف نہیں لیکن اصلِ وضع میں کیا تھا؟ وصف۔ تو گویا اس وقت اس میں وصفیت ظاہر نہیں ہے، کون سی وصفیت کا اعتبار کر رہے ہیں؟ وصفیتِ اصلیہ کا۔ تو اب اس کے اندر وصفیت فی الحال ظاہر نہیں ہے۔ اب یہ أَجْمَعُ کسی کا نام رکھ دیا گیا تو اب یہ غیر منصرف ہے، اب کون سے دو سبب ہیں؟ ایک علمیت، ایک وزنِ فعل۔ اب وصفیت کا اعتبار نہیں کر سکتے کیونکہ وصفیت اور علمیت دونوں متضاد ہیں بھئی۔ پھر اس کے بعد اس سے

علمیت کو ختم کر دیا تو بالاتفاق منصرف ہے یعنی ضابطے کے مطابق ہے، کیونکہ علمیت سے قبل اس کے اندر وصفیت ظاہر نہیں تھی، علمیت سے قبل یہ تاکید کے لیے تھا، وصف کے لیے نہیں تھا۔

اسی طرح أَفْعَلُ التَّفْضِيلِ جو ہے اس کے استعمال کے تین طریقے ہیں۔ کبھی وہ استعمال ہوتا ہے مِنْ کے ساتھ: زَيْدٌ أَفْضَلُ مِنْ عَمْرٍو، اور کبھی یہ الف لام کے ساتھ استعمال ہوتا ہے جیسے زَيْدٌ الْأَفْضَلُ، اور کبھی اضافت کے ساتھ استعمال ہوتا ہے جیسے زَيْدٌ أَفْضَلُ الْقَوْمِ۔ تو یہ تین طریقے ہیں۔ ان تین طریقوں میں سے صرف مِنْ کی بات انہوں نے یہاں پر کی، مِنْ کی بات کی۔ یہ مِنْ یاد رکھو کبھی لفظوں میں ذکر ہوتا ہے اور کبھی یہ مِنْ مقدر ہوتا ہے، جیسے اَللّٰهُ أَكْبَرُ۔ دیکھو اَللّٰهُ أَكْبَرُ کے اندر یہ جو أَكْبَرُ ہے یہ اسمِ تفضیل ہے، لیکن نہ اس پر الف لام ہے، نہ اس کی اضافت ہو رہی ہے اور نہ اس کے ساتھ مِنْ ہے، تو اس کا جواب علماء دیتے ہیں کہ مِنْ یہاں مقدر ہے، أَيْ أَكْبَرُ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ، اللہ کی ذات تمام چیزوں سے بڑی ہے۔ تو معلوم ہوا یہ مِنْ کبھی لفظوں میں ہوتا ہے اور کبھی مقدر ہوتا ہے۔ تو جب مِنْ لفظوں میں ہو پھر تو اس أَفْعَلُ التَّفْضِيلِ کے اندر وصفیت کا معنی ظاہر ہے۔ اب یہ کسی کا نام رکھا جائے، مثلاً أَصْغَرُ مِنْ عَمْرٍو میں نے کسی کا نام رکھ دیا۔ اب اس کے ساتھ مِنْ تفضیلیہ لفظوں میں موجود ہے جس سے پتہ چل رہا ہے کہ یہ صفت کے لیے ہے۔ تو أَصْغَرُ مِنْ عَمْرٍو یہ قبل العلمیت بھی غیر منصرف، اس میں دو سبب کون سے؟ ایک وزنِ فعل اور ایک وصفیت۔ پھر اس کے بعد اس کو علم بنایا گیا تو اب کون سے دو سبب ہیں؟ ایک علمیت ہے اور ایک وزنِ فعل ہے۔ پھر اس کو نکرہ بنا دیا گیا تو پھر بالاتفاق یہ غیر منصرف ہے، کیونکہ اب اس کے ساتھ مِنْ ہے تو اس کے اندر وصفیت والا معنی ظاہر ہے۔ تو قبل العلمیت بھی أَصْغَرُ مِنْ عَمْرٍو، یہ أَصْغَرُ لفظ کیا تھا؟ غیر منصرف، علمیت کے ساتھ بھی کیا تھا؟ غیر منصرف، اور بعد العلمیت بھی کیا ہے؟ بالاتفاق غیر منصرف ہے کیونکہ یہ مِنْ تفضیلیہ بتلا رہا ہے کہ اس میں وصفیت والا معنی ہے، تو اس کا اعتبار کیا جائے گا زوالِ علمیت کے بعد بھی۔ بات سمجھ میں آ گئی۔

تو یہاں یہ جو أَفْعَلُ التَّفْضِيلِ کی بات کی کہ یہ مِنْ کے ساتھ ہو تو پھر بعد میں بھی یہ غیر منصرف رہے گا، لیکن اگر مِنْ کے بغیر صرف أَصْغَرُ میں کسی کا نام رکھ دیتا ہوں، تو قبل العلمیت تو یہ غیر منصرف، علمیت کے وقت بھی یہ غیر منصرف، لیکن بعد العلمیت یہ بالاتفاق منصرف ہو گا۔ اس لیے کیونکہ اس کے اندر علمیت سے قبل بھی وصفیت کے معنی ظاہر نہیں تھے، اس کے اندر علمیت سے قبل بھی وصفیت کے معنی ظاہر نہیں تھے کیونکہ علمیت سے پہلے اس کے ساتھ مِنْ نہیں تھا۔ مِنْ تفضیلیہ جب نہیں تھا تو یہ ہے تو اسمِ تفضیل لیکن اس میں وصفیت والا معنی ظاہر نہیں۔ یہ اس اسم کے مانند ہو گیا جو أَفْعَلُ وزن پر آتا ہے اور اسمِ محض ہوتا ہے، اس میں وصف والا معنی نہیں ہوتا، جیسے أَفْكَلُ بھئی۔ أَفْكَلُ دیکھو، أَفْكَلُ کا معنی ہے لوگوں کی جماعت، اسی طرح اس کا معنی ہے کپکپی بھئی، سردی کی وجہ سے کسی پر کپکپی طاری ہو جائے۔ تو یہ اسمِ محض

ہے، اس میں وصفیت والا معنی نہیں۔ تو جب أَفْعَلُ التَّفْضِيلِ بغیر مِنْ کے ہو تو وہ بھی کس کی طرح ہے؟ اسمِ محض ہی کی طرح سمجھیں اس کو، اس میں وصفیت والا معنی ظاہر نہیں۔ تو یہ أَفْعَلُ یہ قبل العلمیت غیر منصرف ہے، جب پھر کسی کا نام رکھیں گے تب بھی غیر منصرف ہے، لیکن جب علمیت ختم کریں گے تو یہ بالاتفاق منصرف ہو جائے گا کیونکہ اس کے ساتھ مِنْ تفضیلیہ نہیں ہے، قبل العلمیت بھی اس کے اندر وصفیت ظاہر نہیں تھی بلکہ خفی تھی، یہ کس کے درجے میں تھا؟ یہ اسمِ محض کے درجے میں تھا بھئی۔ بات سمجھ میں آگئی۔

اور میں نے بتلایا کہ یہ أَفْعَلُ التَّفْضِيلِ جو مِنْ تفضیلیہ سے خالی ہو اس کا یہ معنی نہ سمجھیں آپ کہ الف لام یا اضافت کے ساتھ ہو، نہیں، بلکہ وہی أَفْعَلُ التَّفْضِيلِ جس میں مِنْ مقدر ہو اس کی بات ہو رہی ہے، کیونکہ الف لام اور اضافت یہ دونوں تو علمیت کو ختم کر دیتے ہیں۔ تو انہوں نے جو کہا نا کہ وہ أَفْعَلُ التَّفْضِيلِ جو مِنْ تفضیلیہ سے خالی ہو، تو آپ یہ سمجھیں کہ شاید اس کا معنی ہے کہ الف لام یا اضافت کے ساتھ ہو، نہیں نہیں اس کی بات یہاں نہیں ہو رہی بھئی۔ اس لیے کیونکہ آگے چل کر ایک آدھ صفحے بعد صاحبِ جامی آپ کو بتلائیں گے کہ یہ الف لام اور اضافت یہ علمیت کے خلاف ہیں۔ یہ جب علم پر داخل ہوتے ہیں تو علمیت زائل ہو جاتی ہے بھئی، کیا ہو جاتی ہے؟ زائل ہو جاتی ہے، کیونکہ الف لام بھی تعریف کے لیے آتا ہے، اضافت بھی تعریف کے لیے آتی ہے۔ تو اگر علمیت کے ہوتے ہوئے الف لام آئے یا علمیت کے ہوتے ہوئے اضافت آئے، تو پھر اس صورت میں تو تعریفِ معرف لازم آئے گی، ایک لفظ جو پہلے ہی معرفہ ہے اس کو آپ کیا بنانے کی کوشش کر رہے ہیں؟ معرفہ، تو تعریفِ معرف تو صحیح نہیں بھئی، وہ پہلے سے ہی معرفہ ہے بھئی۔ لہٰذا جب الف لام داخل ہو گا تو اس کی علمیت زائل ہو جائے گی، علمیت زائل ہونے کے بعد اب الف لام کی وجہ سے اس میں تعریف آجائے گی۔ جب آپ ایک علم کی اضافت کریں گے تو پھر اس کی علمیت زائل ہو جائے گی، اب اضافت کی وجہ سے اس کے اندر تعریف آجائے گی۔ بات سمجھ میں آگئی۔ معلوم ہوا الف لام اور اضافت یہ علمیت کو ختم کر دیتے ہیں، زائل کر دیتے ہیں۔ تو یہاں اس أَفْعَلُ التَّفْضِيلِ کی بات نہیں ہو رہی جو الف لام اور اضافت کے ساتھ ہو کیونکہ وہ تو علمیت کو ختم کر دیتے ہیں، بلکہ کون سے أَفْعَلُ التَّفْضِيلِ کی بات ہو رہی ہے؟ جو مِنْ کے ساتھ استعمال ہو، لیکن مِنْ کی دو صورتیں: کبھی لفظوں میں ہوتا ہے اور کبھی مقدر ہوتا ہے۔ اگر لفظوں میں ہو مِنْ تو پھر علمیت ختم کرنے کے بعد بھی یہ غیر منصرف رہے گا کیونکہ قبل العلمیت بھی اس کی وصفیت ظاہر تھی مِنْ کی وجہ سے، اور اگر مِنْ کے بغیر تھا وہ أَفْعَلُ التَّفْضِيلِ تو پھر علمیت کے بعد وہ بالاتفاق منصرف ہو جائے گا کیونکہ قبل العلمیت اس کے اندر وصفیت ظاہر نہیں تھی، وہ ایسے ہی تھا جیسے اسمِ محض ہو، صفت نہ ہو بھئی۔

پھر میں نے آپ کو یہ بھی بتلایا تھا کہ وَخَالَفَ سِيبَوَيْهِ الْأَخْفَشَ، کہ امام سیبویہ ہیں استاذ اور امام اخفش ان کے شاگرد ہیں

بھئی، لیکن مخالفت کی نسبت صاحبِ کافیہ نے استاذ کی طرف کر دی کہ استاذ نے مخالفت کی ہے اپنے شاگرد کی۔ صاحبِ جامی نے آپ کو بتلایا کہ اگرچہ یہ پسندیدہ نہیں کہ کیا کیا جائے استاذ کی طرف مخالفت کی نسبت کی جائے، لیکن دراصل صاحبِ کافیہ اس نکتے کی طرف اشارہ کرنا چاہتے تھے کہ امام اخفش کا قول وہ جو پیچھے ہم نے ضابطہ ذکر کیا تھا اس کے موافق ہے، لہٰذا امام اخفش کے قول کو اصل بنا دیا اور امام سیبویہ کی طرف مخالفت کی نسبت کر دی کہ انہوں نے ان کی مخالفت کی ہے۔ بات سمجھ میں آگئی۔ اب آگے دیکھیے بھئی۔

کہتے ہیں: اِعْتِبَارًا لِلصِّفَةِ الْأَصْلِيَّةِ أَيْ إِنَّمَا خَالَفَ سِيبَوَيْهِ الْأَخْفَشَ لِأَجْلِ اعْتِبَارِهِ الْوَصْفِيَّةَ الْأَصْلِيَّةَ۔ بھئی بات یہ چل رہی تھی کہ امام سیبویہ نے امام اخفش کی مخالفت کی ہے أَحْمَرَ جیسے لفظوں میں علم ہونے کی حالت میں إِذَا نُكِّرَ جب اس کو نکرہ کر دیا جائے، اس کو نکرہ بنا دیا جائے۔ آگے فرما رہے ہیں: اِعْتِبَارًا لِلصِّفَةِ الْأَصْلِيَّةِ۔ صاحبِ جامی آپ کو بتلائیں گے کہ یہ اِعْتِبَارًا مفعول لہ ہے بھئی۔ توجہ ہے؟ جی، یہ پہلے ذرا متن دیکھ لو: اِعْتِبَارًا لِلصِّفَةِ الْأَصْلِيَّةِ بَعْدَ التَّنْكِيرِ، صفتِ اصلیہ کا اعتبار کرنے کی وجہ سے بَعْدَ التَّنْكِيرِ نکرہ بنانے کے بعد، امام سیبویہ نے امام اخفش کی مخالفت کی ہے أَحْمَرَ جیسے لفظوں میں اِعْتِبَارًا لِلصِّفَةِ الْأَصْلِيَّةِ صفتِ اصلیہ کا اعتبار کرنے کی وجہ سے بَعْدَ التَّنْكِيرِ نکرہ بنانے کے بعد۔ تو یہاں جو اِعْتِبَارًا آیا متن کے اندر، آپ کو صاحبِ جامی بتلائیں گے کہ یہ مفعول لہ ہے۔ مفعول لہ وہ مصدر جو ماقبل فعل کی علت بیان کرتا ہے اور یہ منصوب ہوتا ہے، تو اِعْتِبَارًا دیکھو یہ بھی مصدر ہے اور منصوب ہے اور یہ ماقبل فعل کی علت بیان کر رہا ہے۔ امام سیبویہ نے امام اخفش کی مخالفت کی ہے کس وجہ سے؟ اِعْتِبَارًا لِلصِّفَةِ الْأَصْلِيَّةِ صفتِ اصلیہ کا اعتبار کرنے کی وجہ سے بَعْدَ التَّنْكِيرِ نکرہ بنانے کے بعد۔ بات سمجھ میں آرہی ہے؟ تو یہ اِعْتِبَارًا کیا ہے؟ مفعول لہ۔ مفعول لہ کسے کہتے ہیں؟ وہ مصدر جو ماقبل فعل کی علت بیان کرتا ہے۔ ضَرَبْتُهُ تَأْدِيبًا، میں نے اس کی پٹائی کی تَأْدِيبًا ادب سکھانے کے لیے۔ معلوم ہوا جو پٹائی کی گئی اس کا سبب اور اس کی علت کیا تھی؟ ادب سکھانا۔ تو یہاں پر بھی اسی طرح ہے کہ امام سیبویہ نے امام اخفش کی مخالفت کی ہے، اس کی وجہ کیا ہے؟ کہتے ہیں: اِعْتِبَارًا لِلصِّفَةِ الْأَصْلِيَّةِ صفتِ اصلیہ کا اعتبار کرنے کی وجہ سے۔ تو یہ اِعْتِبَارًا کیا واقع ہو رہا ہے؟ مفعول لہ۔ دیکھو صاحبِ جامی خود آپ کو بتلائیں گے۔ دیکھیے بھئی۔

کہتے ہیں: اِعْتِبَارًا لِلصِّفَةِ الْأَصْلِيَّةِ صفتِ اصلیہ کا اعتبار کرنے کی وجہ سے، أَيْ إِنَّمَا خَالَفَ سِيبَوَيْهِ الْأَخْفَشَ یعنی امام سیبویہ نے مخالفت کی ہے امام اخفش کی۔ متن میں کیا آیا تھا؟ اِعْتِبَارًا۔ صاحبِ جامی کیا تفسیر کر رہے ہیں؟ لِأَجْلِ اعْتِبَارِهِ الْوَصْفِيَّةَ الْأَصْلِيَّةَ، دیکھا؟ بتلانا یہ چاہتے ہیں کہ اِعْتِبَارًا علت بیان کر رہا ہے، یعنی یہ مفعول لہ ہے۔ تو کہتے ہیں: أَيْ إِنَّمَا خَالَفَ سِيبَوَيْهِ الْأَخْفَشَ امام سیبویہ نے امام اخفش کی مخالفت کی ہے، لِأَجْلِ اعْتِبَارِهِ یہ اِعْتِبَارِهِ کی ہا ضمیر امام سیبویہ کو راجع، بوجہ اعتبار کرنے امام سیبویہ کے، الْوَصْفِيَّةَ الْأَصْلِيَّةَ وصفیتِ اصلی۔ اس وجہ سے کہ امام سیبویہ نے وصفیتِ اصلیہ کا اعتبار کیا ہے، بَعْدَ التَّنْكِيرِ نکرہ بنانے کے بعد۔ یہاں تک بات سمجھ میں آگئی کہ صاحبِ جامی نے اِعْتِبَارًا کی تفسیر لِأَجْلِ اعْتِبَارِهِ کے

ساتھ کی، بتلا دیا کہ یہ مفعول لہ واقع ہو رہا ہے۔ اور مفعول لہ یہ ماقبل فعل کی علت بیان کرتا ہے، تو یہ کس فعل کی علت بیان کر رہا ہے؟ وہ بھی صاحبِ جامی نے ساتھ ہی ذکر کر دیا۔ کیا کہا؟ أَيْ إِنَّمَا خَالَفَ سِيبَوَيْهِ الْأَخْفَشَ لِأَجْلِ اعْتِبَارِهِ، یعنی یہ جو امام سیبویہ نے امام اخفش کی مخالفت کی ہے، اس کی علت بیان کر رہے ہیں صاحبِ کافیہ اِعْتِبَارًا کے ذریعے۔ یہاں تک بات سمجھ میں آگئی۔

بھئی اوپر دیکھیے متن میں آیا تھا: وَخَالَفَ سِيبَوَيْهِ الْأَخْفَشَ، امام سیبویہ نے امام اخفش کی مخالفت کی ہے۔ صاحبِ جامی نے بتلایا تھا کہ امام سیبویہ استاذ ہیں اور امام اخفش ان کے شاگرد ہیں بھئی، اور یہ سِيبَوَيْهِ یہ فاعل ہے خَالَفَ کا اور الْأَخْفَشَ مفعول ہے۔ چونکہ امام اخفش کی بات ضابطے کے مطابق ہے، وہ فرماتے ہیں وہ اسم جس کے اندر علمیت مؤثر ہو جب اس سے علمیت کو ختم کر دیا جائے تو وہ منصرف ہو جائے گا، تو امام اخفش کی بات چونکہ ضابطے کے موافق تھی اس لیے ان کے قول کو اصل بنایا اور مخالفت کی نسبت کس کی طرف کر دی؟ امام سیبویہ کی طرف کہ امام سیبویہ نے ان کی مخالفت کی ہے۔ تو معلوم ہوا وَخَالَفَ سِيبَوَيْهِ الْأَخْفَشَ اس کے اندر سِيبَوَيْهِ فاعل ہے خَالَفَ کا اور الْأَخْفَشَ مفعول ہے بھئی۔ تو یہ صاحبِ جامی کی تقریر ہے، جبکہ بعض دیگر شارحین نے یہاں اور تقریر کی ہے۔ انہوں نے مخالفت کی نسبت امام اخفش کی طرف کی ہے، وجہ یہ کہ امام سیبویہ استاذ ہیں اور یہ مستحسن نہیں، پسندیدہ نہیں کہ مخالفت کی نسبت استاذ کی طرف کی جائے کہ استاذ نے شاگرد کی مخالفت کی ہے، بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ شاگرد نے استاذ کی مخالفت کی ہے۔ چنانچہ وہ فرماتے ہیں کہ یہ سِيبَوَيْهِ یہ مفعول ہے اور الْأَخْفَشُ اس کو رفع کے ساتھ پڑھیں گے یہ فاعل ہے خَالَفَ کا بھئی۔ پھر سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر الْأَخْفَشُ یہ فاعل ہے اور سِيبَوَيْهِ مفعول ہے تو مفعول کو مقدم کیوں کیا؟ تو وہ ذکر کرتے ہیں وجہ یہ کہ امام سیبویہ استاذ ہیں چونکہ، تو اس لیے بطورِ ادب کے استاذ کا نام صاحبِ کافیہ نے مقدم کر دیا اور شاگرد کا نام اس کو مؤخر کر دیا اگرچہ وہ فاعل ہے اور فعل کے بعد فوراً فاعل کا درجہ ہوتا ہے بھئی۔

تو محشی حضرات جو ہیں وہ ترجیح دیتے ہیں صاحبِ جامی کی تقریر کو۔ محشی حضرات فرماتے ہیں کہ یہ جو آگے آیا نا اِعْتِبَارًا لِلصِّفَةِ الْأَصْلِيَّةِ، صاحبِ جامی نے جو تقریر کی یہ اس کی دلیل ہے بھئی۔ صاحبِ جامی نے کیا کیا؟ سِيبَوَيْهِ کو فاعل بنایا اور الْأَخْفَشَ کو مفعول بنایا۔ یہ اِعْتِبَارًا لِلصِّفَةِ الْأَصْلِيَّةِ یہ عبارت ان کی دلیل ہے بھئی کہ یہ سِيبَوَيْهِ کو کیا بنائیں گے؟ فاعل بنائیں گے۔ تو بھئی یہ کس طرح صاحبِ جامی کی دلیل ہے؟ تو یاد رکھو علت بیان کرنے کے لیے عربی زبان میں لام استعمال کیا جاتا ہے، یعنی لام تعلیل کے لیے آتا ہے۔ کس کے لیے آتا ہے؟ عَلَّلَ يُعَلِّلُ تَعْلِيلٌ کا معنی ہے علت بیان کرنا کسی چیز کی، کسی چیز کی وجہ بیان کرنا، اور اس کے لیے عربی زبان میں لام کو وضع کیا گیا ہے۔ جب بھی کسی چیز کی علت بیان کرنی ہو تو اس کے لیے لام کو استعمال کیا جاتا ہے عربی زبان میں۔ تو ضَرَبْتُهُ تَأْدِيبًا یہ اصل میں تھا ضَرَبْتُهُ لِلتَّأْدِيبِ، اصل میں کیا تھا؟ ضَرَبْتُهُ لِلتَّأْدِيبِ میں نے اس کی پٹائی کی لِلتَّأْدِيبِ ادب سکھانے کے لیے۔ تو عربی زبان میں علت بیان کرنے کے لیے،

تعلیل کے لیے جو ہے لام استعمال ہوتا ہے اور پھر کبھی کبھار اس لام کو حذف کر لیتے ہیں اور اس لفظ پر نصب پڑھتے ہیں، اس کو منصوب کر دیتے ہیں اور اس کو مفعول لہ کہتے ہیں۔ بات سمجھ میں آ رہی ہے؟

تو اس لام کو پھر کبھی حذف کر لیتے ہیں لیکن اس کے حذف کرنے کے لیے تین شرطیں ہیں، وہ تینوں پوری ہوں گی تو پھر لام کو حذف کرنا اور اس لفظ کو منصوب کر کے مفعول لہ بنانا جائز ہو گا۔ پہلی شرط یہ کہ وہ لفظ جس پر لام داخل تھا وہ کیا ہونا چاہیے؟ مصدر ہونا چاہیے۔ دوسری شرط یہ ہے کہ یہ جو جس کو آپ مفعول لہ بنانا چاہتے ہیں اور ماقبل میں جو فعل گذرا ہے، دونوں کا فاعل ایک ہی ذات ہونی چاہیے۔ دونوں کا فاعل ایک ہی ذات ہونی چاہیے۔ یہ لفظ جس کو آپ مفعول لہ بنانا چاہتے ہیں، یہ مفعول لہ کیا کرتا ہے؟ ماقبل فعل کی علت بیان کرتا ہے۔ تو اس کو ماقبل والے فعل کو کہیں گے فعلِ معلل بہ، کیا کہیں گے؟ فعلِ معلل بہ۔ میں نے آپ کو بتلایا عَلَّلَ یُعَلِّلُ تَعْلِیلٌ کا معنی ہوتا ہے علت بیان کرنا، تو مُعَلَّل وہ چیز جس کی علت بیان کی جائے اور فعلِ معلل بہ یعنی وہ فعل کہ جس کی علت مفعول لہ کے ساتھ بیان کی گئی۔ تو ماقبل میں جو فعل آیا اس کو فعلِ معلل بہ کہیں گے، کیا کہیں گے؟ کیا معنی فعلِ معلل بہ؟ وہ فعل جس کی علت آگے مفعول لہ کے ذریعے بیان کی جا رہی ہے۔

تو اس لام کو حذف کرنے اور نصب کرنے کی کتنی شرطیں ہیں؟ تین شرطیں ہیں۔ پہلی شرط یہ کہ وہ مصدر ہونا چاہیے۔ اور دوسری شرط یہ کہ وہ فعلِ معلل بہ اور مفعول لہ ان دونوں کا فاعل ایک ذات ہونی چاہیے۔ اور تیسری شرط یہ کہ دونوں کا زمانہ بھی ایک ہونا چاہیے۔ دونوں کا زمانہ بھی، پھر دہرائیں: پہلی شرط کیا؟ پہلی شرط یہ کہ وہ جس پر لام داخل ہے جس کو آپ مفعول لہ بنانا چاہتے ہیں وہ مصدر ہونا چاہیے۔ دوسری شرط کیا؟ کہ فعلِ معلل بہ اور اس مفعول لہ دونوں کا فاعل ایک ہی ذات ہونی چاہیے۔ اور تیسری شرط یہ کہ دونوں کا زمانہ بھی ایک ہو، جیسے ضَرَبْتُهُ تَأْدِيبًا یا یوں کہو ضَرَبَ زَيْدٌ تَأْدِيبًا۔ ضَرَبَ زَيْدٌ تَأْدِيبًا، زید نے ضرب لگائی، زید نے پٹائی کی ادب سکھانے کے لیے۔ تو تَأْدِيبًا اس وقت تو منصوب ہے لیکن اصل میں یہ مجرور تھا، اس پر لام جارہ داخل تھا کیونکہ علت بیان کرنے کے لیے عربی زبان میں لام استعمال ہوتا ہے، تو ضَرَبَ زَيْدٌ تَأْدِيبًا یہ اصل میں کیا تھا؟ ضَرَبَ زَيْدٌ لِلتَّأْدِيبِ۔ اب لام کو حذف کر کے آپ تَأْدِيبًا کو منصوب کرنا چاہتے ہیں، تو وہ تین شرطیں پوری ہوں گی تو آپ منصوب کر سکتے ہیں ورنہ نہیں۔ پہلی شرط کیا تھی؟ کہ وہ لفظ کیا ہو؟ مصدر ہونا چاہیے، اور تَأْدِيب بھی کیا ہے؟ مصدر۔ پہلی شرط پوری۔ دوسری شرط کیا تھی؟ کہ وہ فعلِ معلل بہ اور اس مفعول لہ دونوں کا فاعل ایک ہی ذات ہو۔ ضَرَبَ زَيْدٌ تَأْدِيبًا، یہ ضرب لگانے والا کون؟ زید، اور یہ ادب سکھانے والا بھی کون؟ زید۔ معلوم ہوا دونوں کا فاعل ایک ہی ذات ہے۔ دوسری شرط بھی پوری۔ تیسری شرط کیا ہے؟ کہ دونوں کا زمانہ ایک ہونا چاہیے۔ دیکھو ضرب اور تادیب دونوں کا زمانہ بھی ایک ہی ہے۔ جوں جوں ضرب لگتی جا رہی ہے وہ ادب سیکھتا جا رہا ہے۔ بات سمجھ میں آ رہی ہے؟ ضرب ہے تو سبب اور تادیب ہے مسبب، ضرب لگے گی تو وہ ادب سیکھے گا۔ تو ضرب مقدم ہے ذات کے اعتبار

سے، ضرب سبب ہے اور تادیب کیا ہے؟ مسبب ہے، اور سبب پہلے ہوتا ہے اور مسبب بعد میں، لیکن یہاں زمانے کے اعتبار سے ضرب پہلے نہیں کہ ضرب کا زمانہ پہلے ہے اور تادیب کا زمانہ بعد میں ہے، بلکہ زمانہ دونوں کا ایک ہے۔ ضرب صرف اپنی ذات کے اعتبار سے مقدم ہے، زمانے کے اعتبار سے مقدم نہیں، جس زمانے میں جوں جوں ضرب لگتی جا رہی ہے اسی زمانے میں وہ ادب بھی سیکھتا جا رہا ہے۔ یہ اسی طرح ہے جیسے چابی گھمائیں گے تو تالا کھلے گا، چابی کا گھمانا سبب اور تالے کا کھلنا مسبب، لیکن دونوں کا زمانہ ایک ہی ہے۔ چابی کا گھمانا ذات کے اعتبار سے تو تالے کے کھلنے پر مقدم ہے، زمانے کے اعتبار سے مقدم نہیں ہے، بلکہ جوں جوں چابی گھومتی جا رہی ہے ساتھ ساتھ تالا کھلتا جا رہا ہے، تو چابی گھمانے کو صرف تقدمِ ذاتی حاصل ہے، تقدمِ زمانی حاصل نہیں۔ یہ اسی طرح ہے جیسے سورج نکلتا ہے تو دن ہو جاتا ہے، سورج کا نکلنا ہے سبب اور دن کا ہونا ہے مسبب، لیکن سورج کا نکلنا اور دن کا ہونا دونوں کا زمانہ ایک ہی ہے، تو سورج کے نکلنے کو صرف ذات کے اعتبار سے تقدم حاصل ہے، زمانے کے اعتبار سے تقدم حاصل نہیں، جوں جوں سورج نکلتا جا رہا ہے ساتھ ساتھ دن ہوتا جا رہا ہے۔ تو یہاں پر بھی ضَرَبَ زَيْدٌ تَأْدِيبًا ضرب اور تادیب دونوں کا زمانہ ایک ہے، ذات کے اعتبار سے ضرب مقدم ہے لیکن زمانے کے اعتبار سے مقدم نہیں، دونوں کا زمانہ ایک ہے۔ تو تینوں شرطیں پوری ہو گئیں، لہٰذا ضَرَبَ زَيْدٌ لِلتَّأْدِيبِ، اب لام کو حذف کر دیں گے اور تَأْدِيبًا کو منصوب پڑھیں گے، تو کیا بن گیا؟ ضَرَبَ زَيْدٌ تَأْدِيبًا۔ دیکھو کلام مختصر ہو گیا، لام ایک حرف تھا اس کو حذف کر دیا گیا۔

تو کسی لفظ کو مفعول لہ بنانا ہو اور لام کو حذف کر کے اس پر نصب پڑھنا ہو تو کتنی شرطیں ہیں؟ تین شرطیں۔ پہلی شرط کیا کہ وہ مصدر ہو، دوسری شرط یہ کہ فعلِ معلل بہ اور اس مفعول لہ دونوں کا فاعل ایک ہی ذات ہو، اور تیسری شرط یہ کہ دونوں کا زمانہ ایک ہی ہونا چاہیے۔ یہاں پر بھی دیکھیے بھئی اِعْتِبَارًا لِلصِّفَةِ الْأَصْلِيَّةِ۔ اِعْتِبَارًا یہ مفعول لہ ہے کس کے لیے؟ خَالَفَ فعل کے لیے، یہ اس کی علت بیان کر رہا ہے۔ اور دیکھو یہاں تینوں شرطیں پوری ہیں۔ پہلی شرط کیا؟ کہ مصدر ہو، اِعْتِبَار بھی کیا ہے؟ مصدر ہے۔ دوسری شرط کیا؟ کہ فعلِ معلل بہ اور مفعول لہ دونوں کا فاعل ایک ہونا چاہیے۔ فعلِ معلل بہ کا فاعل کون؟ کس کو بنایا صاحبِ جامی نے؟ سِيبَوَيْهِ کو، اور صفتِ اصلیہ کا اعتبار تنکیر کے بعد کون کرتے ہیں؟ امام سیبویہ۔ معلوم ہوا یہ اعتبار تو امام سیبویہ کرتے ہیں، جب اعتبار کے فاعل امام سیبویہ ہیں تو خَالَفَ کا فاعل بھی کس کو بنانا پڑے گا؟ سِيبَوَيْهِ کو۔ یہ ہے دلیل ان کی بھئی۔ اور دونوں کا زمانہ بھی ایک ہے، جس زمانے میں مخالفت کی ہے اس زمانے میں اعتبار کیا ہے بھئی۔ بات سمجھ میں آ گئی۔

تو محشی حضرات فرماتے ہیں کہ یہ اِعْتِبَارًا دلیل ہے صاحبِ جامی کی کہ خَالَفَ کا اسناد سِيبَوَيْهِ کی طرف کیا جائے گا، اخفش کی طرف نہیں۔ کیونکہ اگر خَالَفَ کا اسناد اخفش کی طرف کر دیں پھر تو خَالَفَ کا فاعل ہوا اخفش اور اِعْتِبَارًا کا فاعل کون ہے؟ اعتبار کس نے کیا ہے؟ امام سیبویہ نے۔ پھر تو اِعْتِبَارًا کو مفعول لہ بنانا ٹھیک ہی نہیں، پھر تو اس کو لام کے ساتھ

ذکر کرنا چاہیے تھا، بغیر لام کے نہیں۔ بات سمجھ میں آگئی۔

اور یہ یاد رکھنا وہ دوسرے علماء جنہوں نے خَالَفَ کا اسناد اخفش کی طرف کیا، اخفش کو فاعل بنایا، وہ پھر اس اِعْتِبَارًا کو، اس کو وہ حال بناتے ہیں سِيبَوَيْهِ سے یا اس کو وہ پھر مفعولِ مطلق بناتے ہیں۔ کیا بناتے ہیں؟ مفعولِ مطلق بناتے ہیں۔ حال کیسے بنے گا؟ حال سِيبَوَيْهِ سے بنایا اور حال کا حمل کس پر ہوتا ہے؟ ذوالحال پر، اور ذوالحال تو سِيبَوَيْهِ ذات ہے اور اِعْتِبَارًا تو مصدر ہے اور مصدر کا حمل تو ذات پر صحیح نہیں، تو اس کا جواب دیتے ہیں کہ مصدر کبھی اسمِ فاعل اور اسمِ مفعول کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے تو یہاں اِعْتِبَار بمعنی مُعْتَبِر کے ہے۔ تو وَخَالَفَ سِيبَوَيْهِ، تو امام سیبویہ کی مخالفت کی ہے امام اخفش نے مُعْتَبِرًا اس حال میں کہ امام سیبویہ اعتبار کرنے والے ہیں لِلصِّفَةِ الْأَصْلِيَّةِ کس کا؟ صفتِ اصلی، تو وہ اس کو حال بناتے ہیں۔ یا اس کو وہ مفعولِ مطلق بناتے ہیں۔ مفعولِ مطلق کسے کہتے ہیں؟ وہ مصدر جو ماقبل فعل کے معنی میں ہو، ضَرَبْتُ ضَرْبًا یہ ضَرْبًا کیا ہے؟ مفعولِ مطلق ہے۔ تو یہاں اس اِعْتِبَارًا کے لیے وہ فعل محذوف نکال لیتے ہیں: أَيْ اِعْتَبَرَ سِيبَوَيْهِ اِعْتِبَارًا، امام سیبویہ نے اعتبار کیا ہے۔ بات سمجھ میں آگئی۔ یا آپ اس اِعْتِبَارًا کو خَالَفَ سے براہِ راست مفعولِ مطلق بھی بنا سکتے ہیں۔ کس سے؟ خَالَفَ سے مفعولِ مطلق بنا سکتے ہیں، کوئی اِعْتِبَارًا نکالنے کی ضرورت نہیں ہے بلکہ خَالَفَ سے اس کو مفعولِ مطلق بنا لو۔ بھئی خَالَفَ سے کیسے مفعولِ مطلق بنے گا؟ مفعولِ مطلق تو وہ مصدر ہوتا ہے جو ماقبل فعل کے معنی میں ہو، تو یہاں تو ماقبل میں فعل خَالَفَ ہے، خَالَفَ کا معنی اور اعتبار کا معنی اور، یہ اس سے مفعولِ مطلق کیسے بنے گا؟ کہتے ہیں بھئی وہ یہ جو وصفیتِ اصلیہ کا اعتبار کرنا، یہ ایک نوع کی مخالفت ہی تو ہے۔ وصفیتِ اصلیہ کا اعتبار کیا ہے کس نے؟ امام سیبویہ نے، تو یہ اعتبار کرنا کیا ہے؟ مخالفت ہی تو ہے، مخالفت کی ایک نوع ہے، ایک قسم ہے۔ تو چاہے خَالَفَ سے ہی اس کو مفعولِ مطلق بنا دیں، چاہے اس کے لیے اِعْتَبَرَ فعل محذوف نکال لیں۔ بات سمجھ میں آگئی۔

تو بہرحال صاحبِ جامی کی تقریر زیادہ آسان اور واضح ہے بھئی، اِعْتِبَارًا کو مفعول لہ بنا دیں اور مخالفت کی نسبت کس کی طرف کر دیں؟ امام سیبویہ کی طرف۔ اور وہ بھی اگرچہ ناپسندیدہ ہے لیکن ایک نکتے کی وجہ سے وہ اسناد امام سیبویہ کی طرف کیا گیا اور وہ نکتہ کیا تھا؟ کہ امام اخفش کا قول ضابطے کے مطابق ہے اور امام سیبویہ کا قول اس مذکورہ ضابطے کے خلاف ہے، اس نکتے پر متنبہ کرنے کے لیے مخالفت کی نسبت امام سیبویہ کی طرف کی صاحبِ کافیہ نے۔ بات سمجھ میں آگئی۔ دیکھیے بھئی اب کتاب پر۔

کہتے ہیں: اِعْتِبَارًا لِلصِّفَةِ الْأَصْلِيَّةِ بوجہ اعتبار کرنے صفتِ اصلیہ کا، أَيْ إِنَّمَا خَالَفَ سِيبَوَيْهِ الْأَخْفَشَ امام سیبویہ نے مخالفت کی ہے امام اخفش کی، لِأَجْلِ اعْتِبَارِهِ بوجہ اعتبار کرنے امام سیبویہ کے، الْوَصْفِيَّةَ الْأَصْلِيَّةَ وصفیتِ اصلیہ کا یعنی امام سیبویہ نے وصفیتِ اصلیہ کا اعتبار کیا ہے، بَعْدَ التَّنْكِيرِ نکرہ بنانے کے بعد۔ فَإِنَّهُ لَمَّا زَالَتِ الْعَلَمِيَّةُ بِالتَّنْكِيرِ، جی اب آگے

صرف ترجمہ ہے بھئی توجہ سے سنیں۔ فَإِنَّهُ لَمَّا زَالَتِ الْعَلَمِيَّةُ بِالتَّنْكِيرِ اس لیے کیونکہ جب علمیت زائل ہو گئی بِالتَّنْكِيرِ نکرہ بنانے کی وجہ سے، لَمْ يَبْقَ فِيهِ مَانِعٌ تو اس لفظ کے اندر کوئی مانع باقی نہ رہا مِنَ اعْتِبَارِ الْوَصْفِيَّةِ وصفیت کا اعتبار کرنے سے۔ وصفیت کے اعتبار سے اب کوئی مانع چیز نہ رہی، توجہ ہے؟ علمیت ختم کر دی، أَحْمَرَ جیسے لفظ سے کیا کیا؟ أَحْمَرَ علمیت سے قبل بھی غیر منصرف تھا اور ایک سبب کیا تھا؟ وصف۔ پھر جب علم بنایا تو وصفیت ختم ہو گئی، اب بھی غیر منصرف۔ پھر اس کے بعد جب علمیت ختم کی تو امام سیبویہ کے نزدیک اب پھر اس وصفیتِ اصلیہ کا اعتبار کریں گے، کیونکہ اب مانع کوئی نہیں، پہلے مانع کیا تھا؟ علمیت مانع تھی، اب تو کوئی مانع نہیں۔ یہ معنی ہے کہ جب علمیت زائل ہو گئی تنکیر کی وجہ سے تو لَمْ يَبْقَ فِيهِ مَانِعٌ مِنَ اعْتِبَارِ الْوَصْفِيَّةِ تو اس کے اندر وصفیت کے اعتبار سے کوئی مانع باقی نہ رہا، فَاعْتَبَرَهَا تو امام سیبویہ نے اس وصفیت کا اعتبار کیا، وَجَعَلَهُ غَيْرَ مُنْصَرِفٍ اور اس کو غیر منصرف قرار دیا لِلصِّفَةِ الْأَصْلِيَّةِ وَسَبَبٍ آخَرَ صفتِ اصلیہ اور ایک دوسرے سبب کی وجہ سے۔ ایک تو وصفیتِ اصلیہ ہے اور ساتھ ایک دوسرا سبب بھی ہو گا، جیسے أَحْمَرَ، أَحْمَرَ کے اندر علمیت کے بعد ایک وصفیتِ اصلیہ کا اعتبار کریں گے اور دوسرا سبب کیا؟ وزنِ فعل۔ اور سَكْرَانَ، سَكْرَانَ کے اندر اس کے اندر علمیت کے بعد ایک وصفیتِ اصلیہ کا اعتبار کریں گے اور دوسرا الف نون مزیدتان۔ تو کہتے ہیں: وَجَعَلَهُ غَيْرَ مُنْصَرِفٍ لِلصِّفَةِ الْأَصْلِيَّةِ وَسَبَبٍ آخَرَ اور اس کو غیر منصرف قرار دیا صفتِ اصلیہ کی وجہ سے اور ایک دوسرے سبب کی وجہ سے، كَوَزْنِ الْفِعْلِ وَالْأَلِفِ وَالنُّونِ الْمَزِيدَتَيْنِ جیسے کہ وزنِ فعل ہے اور الف نون مزیدتین ہیں۔ بات سمجھ میں آگئی۔

فَإِنْ قُلْتَ، یہاں سے اب ایک اعتراض اور اس کا جواب ذکر کریں گے۔ اعتراض یہ: کوئی معترض اعتراض کرتا ہے کہ امام سیبویہ نے علمیت کے بعد وصفیتِ اصلیہ کا اعتبار کیا۔ بھئی یہ وصفیتِ اصلیہ کا اعتبار کیوں کیا؟ کہتے ہیں کیونکہ کوئی مانع نہیں تھا، پہلے علمیت مانع تھی لہٰذا وصفیت کا اعتبار نہیں کر سکتے تھے، اب علمیت ختم ہو گئی تو اب مانع نہ رہا۔ کہتے ہیں بھئی اگر مانع نہیں رہا تو کوئی سبب اور کوئی باعث بھی تو نہیں ہے کہ اس کا اعتبار کیا جائے۔ صرف مانع کا نہ ہونا تو کافی نہیں ہے، بلکہ کوئی باعث بھی ہونا چاہیے، کوئی مقتضی بھی ہونا چاہیے جو اس تقاضا کرے کہ اس کے اندر کس کا اعتبار کرو؟ وصفیتِ اصلی۔ توجہ ہے؟ أَحْمَرَ کا لفظ اس سے علمیت ختم کر دی، اب وصفیت کے اعتبار سے کوئی چیز اب مانع موجود نہیں۔ مانع نہیں ہے تو کوئی باعث بھی تو نہیں ہے یعنی کوئی داعی اور کوئی مقتضی بھی تو نہیں ہے جو تقاضا کر رہا ہو اس میں کیا کرو؟ وصفیت کا اعتبار کرو۔ تو کوئی اگر مانع نہیں ہے تو کوئی باعث اور داعی اور مقتضی بھی نہیں ہے، تو پھر کیوں امام سیبویہ نے اس کے اندر وصفیتِ اصلیہ کا اعتبار کیا اور اس کی وجہ سے اسم کو اپنی اصل سے نکال کر یعنی منصرف ہونے سے نکال کر غیر منصرف قرار دیا؟ اشکال سمجھ میں آرہا ہے؟

فَإِنْ قُلْتَ كَمَا أَنَّهُ لَا مَانِعَ مِنَ اعْتِبَارِ الْوَصْفِيَّةِ الْأَصْلِيَّةِ، کہ جیسے کہ کوئی مانع نہیں ہے وصفیتِ اصلیہ کا اعتبار کرنے سے، جیسے وصفیتِ اصلیہ کا اعتبار کرنے سے کوئی مانع چیز نہیں ہے، تو لَا بَاعِثَ عَلَى اعْتِبَارِهَا أَيْضًا تو اس کے اعتبار پر کوئی باعث

بھی نہیں ہے، کوئی مقتضی چیز بھی نہیں ہے جو تقاضا کر رہی ہو کہ کیا کرو؟ وصفیتِ اصلیہ کا اعتبار کرو۔ فَلِمَ اعْتَبَرَهَا تو پھر امام سیبویہ نے کیوں وصفیتِ اصلیہ کا اعتبار کیا؟ وَذَهَبَ إِلَى مَا هُوَ خِلَافُ الْأَصْلِ اور گئے اس بات کی طرف جو خلافِ اصل ہے، أَعْنِي مَنْعَ الصَّرْفِ یعنی کہ منعِ صرف۔

قِيلَ، جواب دے رہے ہیں۔ کہتے ہیں: قِيلَ الْبَاعِثُ عَلَى اعْتِبَارِهَا امْتِنَاعُ أَسْوَدَ وَأَرْقَمَ مَعَ زَوَالِ الْوَصْفِيَّةِ عَنْهُمَا حِينَئِذٍ۔ تو کہتے ہیں جواب اس کا یہ دیا گیا کہ وہ چیز جو باعث بنی کہ امام سیبویہ اس میں وصفیتِ اصلیہ کا اعتبار کریں، وہ أَسْوَد اور أَرْقَم کا غیر منصرف ہونا ہے۔ أَسْوَد اور أَرْقَم ان سے وصفیت زائل ہو چکی، اب یہ أَسْوَد کالے رنگ کے سانپ کا اسم بن چکا اور أَرْقَم چتکبرے رنگ کے سانپ کا اسم بن چکا، تو ان سے وصفیت زائل ہو چکی ہے لیکن پھر بھی عرب ان کو غیر منصرف پڑھتے ہیں۔ معلوم ہوا اس کے اندر وہ وصفیتِ اصلیہ کا اعتبار کرتے ہیں، کیا کرتے ہیں؟ وصفیتِ اصلیہ کا اعتبار کرتے ہیں۔ تو جب أَسْوَد اور أَرْقَم میں زوالِ وصفیت کے بعد بھی اس وصفیت کا اعتبار کیا گیا، تو أَحْمَر کے اندر بھی علمیت کی وجہ سے جو اب وصفیت زائل ہو گئی تھی اب زوالِ وصفیت کے بعد بھی کیا کرنا چاہیے؟ جب علمیت ختم ہو اس وصفیتِ زائلہ کا اعتبار کرنا چاہیے۔ تو امام سیبویہ أَحْمَرَ جیسے لفظوں کو قیاس کرتے ہیں أَسْوَد اور أَرْقَم پر، اور أَسْوَد اور أَرْقَم میں تو بالاتفاق جو ہے زوال کے بعد بھی وصفیت کا اعتبار کیا گیا ہے، تو أَحْمَر میں بھی کیا کرنا چاہیے؟ زوال کے بعد بھی وصفیت کا اعتبار کرنا چاہیے۔ جواب سمجھ میں آگیا؟

قِيلَ تو کہا گیا ہے یعنی جواب کے اندر کہا گیا ہے کہ الْبَاعِثُ عَلَى اعْتِبَارِهَا کہ وہ چیز جو باعث ہے اس وصفیت کا اعتبار کرنے پر، وہ امْتِنَاعُ أَسْوَدَ وَأَرْقَمَ وہ أَسْوَد اور أَرْقَم کا ممتنع ہونا ہے صرف سے، یعنی أَسْوَد اور أَرْقَم کا غیر منصرف ہونا ہے، مَعَ زَوَالِ الْوَصْفِيَّةِ عَنْهُمَا حِينَئِذٍ باوجود اس کے کہ وصفیت زائل ہو چکی ہے ان دونوں سے حِينَئِذٍ اس وقت۔ اس وقت وصفیت زائل ہو چکی ہے، اب تو یہ سانپوں کے نام بن چکے ہیں بھئی، وصفیت تو زائل ہو چکی ہے، پھر بھی زوالِ وصفیت کے بعد بھی اس وصفیت کا اعتبار کیا جا رہا ہے، تو أَحْمَر کے اندر بھی زوالِ وصفیت کے بعد اس کا اعتبار کرنا چاہیے۔

آگے صاحبِ جامی فرماتے ہیں: وَفِيهِ بَحْثٌ، اور اس کے اندر بحث ہے۔ اس کے اندر، اشکال کیا ہوا تھا؟ اشکال یہ ہوا کہ وصفیت جب ایک دفعہ زائل ہو چکی ہے تو امام سیبویہ اس کا اعتبار کیوں کر رہے ہیں؟ اگر مانع کوئی نہیں ہے تو کوئی داعی بھی تو کوئی نہیں ہے کہ اس کا اعتبار کیا جائے۔ تو اس کا جواب کسی نے کیا دیا؟ کہ وہ کس پر قیاس کرتے ہیں؟ أَسْوَد اور أَرْقَم پر قیاس کرتے ہیں، اس کے اندر زوال کے بعد بھی وصفیت کا اعتبار کیا گیا تو یہاں بھی زوال کے بعد وصفیت کا اعتبار کرنا چاہیے۔ تو صاحبِ جامی اب اس جواب کو رد کریں گے اور بتلائیں گے کہ نہیں بھئی، أَسْوَد اور أَرْقَم اور أَحْمَر دونوں میں فرق ہے بھئی۔ أَسْوَد اور أَرْقَم میں وصفیت پوری طرح زائل نہیں ہوئی، وصفیت کا اثر ابھی بھی موجود ہے۔ اس لیے کیونکہ أَسْوَد ہر چیز کا نام نہیں بنا، کالے رنگ کے سانپ کا نام بنا، تو اس میں دیکھو کالا رنگ ابھی بھی ہے۔ أَسْوَد

بھی کس کے لیے وضع تھا؟ کالے رنگ کی چیزوں کے لیے، اور یہ سانپ بھی کیسا ہے؟ کالا ہے۔ تو جب اس سانپ کا نام أَسْوَد بن گیا تو وصفیت پورے طور پر ختم نہیں ہوئی، وصفیت کا اثر ابھی بھی باقی ہے۔ اسی طرح أَرْقَم ہر اس چیز کو کہتے تھے جس میں کالا اور سفید دونوں رنگ ہوں، اور اب یہ سانپ کا اسم بن گیا لیکن ہر سانپ کا اسم نہیں بنا، اس سانپ کا اسم بنا ہے جس میں سفید رنگ بھی ہوتا ہے اور کالا رنگ بھی ہوتا ہے، تو ابھی بھی ان دونوں کے اندر وصفیت کا اثر موجود ہے۔ جبکہ أَحْمَر جب کسی کا نام رکھا گیا اس سے تو وصفیت بالکلیہ ختم ہو گئی، پورے طور پر ختم ہو گئی۔ تو دونوں میں فرق ہے۔ کیا فرق ہے؟ کہ أَسْوَد اور أَرْقَم جب سانپوں کے نام بن گئے تب بھی وصفیت پورے طور پر ختم نہیں ہوئی، ابھی بھی وصفیت کا اثر، وصفیت کی بو ان کے اندر باقی ہے کیونکہ أَسْوَد کالے سانپ کو کہتے ہیں ہر سانپ کو نہیں، اور أَرْقَم چتکبرے سانپ کو کہتے ہیں ہر سانپ کو نہیں، تو ان کے اندر وصفیت کا اثر ابھی بھی باقی ہے۔ اور جبکہ أَحْمَر جب کسی کا نام رکھا جائے، علم رکھا جائے تو علم کے اندر تو معنی کا لحاظ نہیں ہوتا، توجہ ہے؟ تو وہاں سے وصفیت بالکلیہ ختم ہو گئی، پورے طور پر ختم ہو گئی۔ تو دونوں میں فرق ہو گیا۔ بات سمجھ میں آ گئی۔

تو کہتے ہیں: وَفِيهِ بَحْثٌ اور اس کے اندر بحث ہے، لِأَنَّ الْوَصْفِيَّةَ لَمْ تَزُلْ عَنْهُمَا بِالْكُلِّيَّةِ اس لیے کیونکہ وصفیت جو ہے لَمْ تَزُلْ عَنْهُمَا وہ ان دونوں سے یعنی أَسْوَد اور أَرْقَم سے زائل نہیں ہوئی، زَالَ يَزُولُ کا معنی زائل ہونا تو لَمْ تَزُلْ پڑھیں اس کو بھی لَمْ تَزُلْ۔ لِأَنَّ الْوَصْفِيَّةَ لَمْ تَزُلْ عَنْهُمَا اس لیے کیونکہ وصفیت زائل نہیں ہوئی أَسْوَد اور أَرْقَم سے بِالْكُلِّيَّةِ پورے طور پر، بَلْ بَقِيَ فِيهِمَا شَائِبَةٌ مِنَ الْوَصْفِيَّةِ، شائبہ کہتے ہیں آمیزش کو بھی، ملاوٹ بھی۔ بَلْ بَقِيَ فِيهِمَا شَائِبَةٌ مِنَ الْوَصْفِيَّةِ بلکہ ان دونوں کے اندر وصفیت کی آمیزش باقی ہے، ان دونوں میں وصفیت کی آمیزش باقی ہے یعنی یوں کہو اثر باقی ہے۔ بَلْ بَقِيَ فِيهِمَا شَائِبَةٌ مِنَ الْوَصْفِيَّةِ بلکہ ان دونوں میں وصفیت کا اثر باقی ہے، لِأَنَّ الْأَسْوَدَ اس لیے کیونکہ أَسْوَد جو ہے اِسْمٌ لِلْحَيَّةِ السَّوْدَاءِ وہ نام ہے کالے سانپ کا، وَالْأَرْقَمَ اِسْمٌ لِلْحَيَّةِ الَّتِي فِيهَا سَوَادٌ وَبَيَاضٌ اور أَرْقَم نام ہے اس سانپ کا جس کے اندر سیاہی اور سفیدی ہو، وَفِيهِمَا شَمَّةٌ مِنَ الْوَصْفِيَّةِ اور ان دونوں کے اندر وصفیت کی بو ہے، شَمَّةٌ کہتے ہیں بو کو بھی، مراد وہی اثر ہے۔ وَفِيهِمَا شَمَّةٌ مِنَ الْوَصْفِيَّةِ اور ان دونوں میں وصفیت کا اثر ہے، اس کی بو ہے، فَلَا يَلْزَمُ مِنَ اعْتِبَارِ الْوَصْفِيَّةِ فِيهِمَا تو ان دونوں کے اندر وصفیت کا اعتبار کرنے سے لازم نہیں آتا اِعْتِبَارُهَا فِي أَحْمَرَ بَعْدَ التَّنْكِيرِ کہ اس وصفیت کا اعتبار کیا جائے أَحْمَرَ کے اندر بھی تنکیر کے بعد، کیونکہ أَسْوَد اور أَرْقَم میں تو وصفیت کا اثر ابھی بھی باقی ہے اور أَحْمَرَ میں تو وصفیت کا اثر بالکل باقی نہیں، تو لہٰذا أَسْوَد اور أَرْقَم کے اندر وصفیت کا اعتبار کرنے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اب أَحْمَرَ کے اندر بھی وصفیت کا اعتبار کیا جائے کیونکہ دونوں میں فرق ہے۔ بات سمجھ میں آ گئی۔

تو کہتے ہیں: فَلَا يَلْزَمُ مِنَ اعْتِبَارِ الْوَصْفِيَّةِ فِيهِمَا پس لازم نہیں آتا أَسْوَد اور أَرْقَم کے اندر وصفیت کا اعتبار کرنے سے، اِعْتِبَارُهَا فِي أَحْمَرَ بَعْدَ التَّنْكِيرِ کہ اس وصفیت کا اعتبار کیا جائے أَحْمَرَ کے اندر بھی تنکیر کے بعد، لِأَنَّهَا قَدْ زَالَتْ بِالْكُلِّيَّةِ اس

لیے کیونکہ أَحْمَرَ کے اندر وصفیت جو ہے قَدْ زَالَتْ بِالْكُلِّيَّةِ یہ پورے طور پر زائل ہو چکی ہے، ختم ہو چکی ہے، اس کا کوئی اثر بھی باقی نہ رہا جبکہ أَسْوَد اور أَرْقَم میں وصفیت کا اثر باقی تھا۔ وَأَمَّا الْأَخْفَشُ اور باقی امام اخفش جو ہیں فَذَهَبَ إِلَى پس وہ اس بات کی طرف گئے ہیں کہ أَنَّهُ مُنْصَرِفٌ کہ یہ أَحْمَر جیسے الفاظ علمیت کے بعد جب ان کو نکرہ بنا دیا جائے تو یہ منصرف ہیں، فَإِنَّ الْوَصْفِيَّةَ قَدْ زَالَتْ بِالْعَلَمِيَّةِ اس لیے کیونکہ یہ جو وصفیت ہے وہ علمیت کی وجہ سے زائل ہو چکی ہے، وَالْعَلَمِيَّةُ بِالتَّنْكِيرِ اور علمیت جو ہے وہ تنکیر کی وجہ سے زائل ہو گئی۔ أَحْمَرَ غیر منصرف تھا اس میں وصفیت تھی علمیت سے پہلے، پھر جب علم بنایا تو وصفیت کیا ہو گئی؟ زائل، پھر اس کے بعد علمیت آپ نے ختم کی تو علمیت بھی کیا ہو گئی؟ زائل۔ اب دوبارہ وصفیت کا اعتبار نہیں کریں گے اور اب لفظ منصرف ہو جائے گا۔ بات سمجھ میں آ گئی۔

کہتے ہیں: فَإِنَّ الْوَصْفِيَّةَ قَدْ زَالَتْ بِالْعَلَمِيَّةِ اس لیے کیونکہ وصفیت جو ہے وہ تحقیق علمیت کی وجہ سے زائل ہو گئی، وَالْعَلَمِيَّةُ بِالتَّنْكِيرِ اور علمیت جو ہے وہ نکرہ بنانے کی وجہ سے زائل ہو گئی، وَالزَّائِلُ لَا يُعْتَبَرُ مِنْ غَيْرِ ضَرُورَةٍ اور وہ جو زائل ہو جائے، ختم ہو جائے اس کا اعتبار نہیں کیا جاتا مِنْ غَيْرِ ضَرُورَةٍ بغیر ضرورت کے، فَلَمْ يَبْقَ فِيهِ إِلَّا سَبَبٌ وَاحِدٌ پس باقی نہیں رہا اس کے اندر مگر ایک ہی سبب۔ اس أَحْمَرَ میں اب علمیت کے بعد، علمیت ختم کرنے کے بعد اب اس میں ایک ہی سبب ہے، هُوَ وَزْنُ الْفِعْلِ وَالْأَلِفُ وَالنُّونُ وہ وزنِ فعل اور الف نون ہے۔ وزنِ فعل اور، أَحْمَرَ میں کیا رہ گیا؟ صرف وزنِ فعل باقی رہ گیا اور سَكْرَانَ کے اندر صرف الف نون رہ گیا، علمیت اور وصفیت دونوں ختم ہو چکے۔ یہ معنی ہے: فَلَمْ يَبْقَ فِيهِ إِلَّا سَبَبٌ وَاحِدٌ هُوَ وَزْنُ الْفِعْلِ وَالْأَلِفُ وَالنُّونُ، تو باقی نہ رہا اس کے اندر مگر ایک ہی سبب اور وہ وزنِ فعل اور الف نون مزیدتین ہیں۔ وَهٰذَا الْقَوْلُ أَظْهَرُ اور یہ قول زیادہ ظاہر ہے۔ امام اخفش کا قول زیادہ ظاہر ہے کیونکہ ایک چیز جب پورے طور پر زائل ہو چکی ہے تو اب اس کو مؤثر نہیں ہونا چاہیے۔ أَسْوَد اور أَرْقَم میں وصفیت پورے طور پر زائل نہیں ہوئی اور أَحْمَر اور سَكْرَان جب ان کو علم بنایا گیا تو ان سے علمیت پورے طور پر کیا ہو گئی؟ زائل ہو گئی۔ جب ایک چیز پورے طور پر زائل ہو جائے پھر دوبارہ اس کو مؤثر نہیں ہونا چاہیے۔ تو امام اخفش کا قول زیادہ ظاہر ہے، وہ علمیت کو ختم کرنے کے بعد اس وصفیت کو مؤثر نہیں بناتے جبکہ امام سیبویہ پھر بھی اس کو مؤثر بناتے ہیں۔ بات سمجھ میں آ گئی۔

تو حاصلِ کلام یہ کہ امام سیبویہ کے نزدیک أَحْمَرَ جیسے الفاظ جب ان سے علمیت ختم کی جائے تو وہ پھر بھی غیر منصرف رہیں گے، وہ اس میں وصفیتِ اصلیہ کا اعتبار کرتے ہیں تنکیر کے بعد بھی۔ اس لیے کیونکہ علمیت کے دوران تو علمیت مانع تھی، ہم وصفیتِ اصلیہ کا اعتبار نہیں کر سکتے تھے۔ جب علمیت ختم ہو گئی تو اب مانع نہ رہا، لہٰذا اب کس کا اعتبار کرنا چاہیے؟ وصفیتِ اصلیہ کا اعتبار کرنا چاہیے۔ پھر اس پر اعتراض ہوا کہ جب أَحْمَرَ کو نکرہ بنا دیا گیا تو اگر اس وقت وصفیت کے لیے کوئی مانع نہیں موجود تو کوئی باعث بھی تو موجود نہیں ہے، کس وجہ سے امام سیبویہ نے اس کے اندر وصفیت کا

اعتبار کیا اور اس کی وجہ سے اسم کو اس کی اصل سے نکال کر غیر منصرف قرار دے دیا؟ تو اس کا جواب دیا کہ بھئی دراصل انہوں نے اس کو قیاس کیا ہے أَسْوَد اور أَرْقَم پر۔ أَسْوَد اور أَرْقَم کے اندر وصفیت زائل ہو گئی تھی لیکن پھر بھی اس کے اندر اس وصفیتِ اصلیہ کا اعتبار کیا گیا اور أَسْوَد اور أَرْقَم دونوں غیر منصرف ہیں عربی زبان میں۔ تو صاحبِ جامی نے وَفِيهِ بَحْثٌ کے ذریعے پھر اس بات کو رد کیا کہ نہیں بھئی أَحْمَرَ کو أَسْوَد اور أَرْقَم پر قیاس نہیں کیا جا سکتا۔ أَسْوَد اور أَرْقَم جب ان پر غلبۂ اسمیت آگیا پھر بھی ان کے اندر وصفیت کا کچھ نہ کچھ اثر موجود ہے کیونکہ أَسْوَد کسی اور چیز کو نہیں کہتے، کالے رنگ کے سانپ کو کہتے ہیں تو دیکھو وہ بھی کالا ہی ہے، اس میں بھی کالا رنگ ہے۔ اور أَرْقَم کسی اور چیز کا نام نہیں رکھا بلکہ چتکبرے سانپ کا نام رکھا بھئی، تو اس کے اندر بھی سفید اور کالا دونوں رنگ موجود ہیں۔ تو معلوم ہوا أَسْوَد اور أَرْقَم جب ان پر غلبۂ اسمیت آگیا تو بھی ان کے اندر وصفیت والا اثر ابھی بھی موجود ہے۔ جبکہ أَحْمَر جب اس کو علم بنایا گیا تو علم کے اندر معنی ملحوظ نہیں ہوتا، تو اس سے وصفیت پورے طور پر ختم ہو گئی۔ تو أَسْوَد اور أَرْقَم سے وصفیت پورے طور پر ختم نہیں اور أَحْمَر جیسے لفظوں سے وصفیت پورے طور پر ختم ہے، تو لہٰذا أَحْمَر جیسے لفظوں کو أَسْوَد اور أَرْقَم پر قیاس کرنا صحیح نہیں۔ جو چیز پورے طور پر زائل ہو چکی ہے اس کا پھر دوبارہ اعتبار نہیں کرنا چاہیے اور اس کو مؤثر نہیں بنانا چاہیے۔ اسی لیے صاحبِ جامی نے امام اخفش کے قول کو زیادہ ظاہر قرار دیا۔ بات سمجھ میں آگئی۔

چلیے بس بھئی، هٰذَا هُوَ الْمَرَامُ وَاللّٰهُ أَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْكَلَامِ۔

سبق نمبر ۷۶: احکامِ غیر منصرف (۵): سیبویہ اور اخفش کے مسالک کا محاکمہ اور خلاصہ

شرحِ ملا جامی صفحہ: ۵۵ — بتاریخ: ۲۸ ستمبر ۲۰۲۱ء

▪ تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث

دیکھیے بھائی آگے سبق:

وَلَمَّا اعْتَبَرَ سِيْبَوَيْهِ الْوَصْفَ الْأَصْلِيَّ بَعْدَ التَّنْكِيْرِ وَإِنْ كَانَ زَائِلاً لَزِمَهُ أَنْ يَّعْتَبِرَهُ فِيْ حَالِ الْعَلَمِيَّةِ أَيْضاً فَيَمْتَنِعُ نَحْوُ حَاتِمٍ مِنَ الصَّرْفِ لِلْوَصْفِ الْأَصْلِيِّ وَالْعَلَمِيَّةِ. فَأَجَابَ عَنْهُ الْمُصَنِّفُ بِقَوْلِهِ: وَلَا يَلْزَمُهُ أَيْ سِيْبَوَيْهِ مِنِ اعْتِبَارِهِ الْوَصْفِيَّةَ الْأَصْلِيَّةَ بَعْدَ التَّنْكِيْرِ فِيْ مِثْلِ أَحْمَرَ عَلَماً بَابُ حَاتِمٍ أَيْ كُلُّ عَلَمٍ كَانَ فِي الْأَصْلِ وَصْفاً مَعَ بَقَاءِ الْعَلَمِيَّةِ.

بھائی گزشتہ سبق میں بات چل رہی تھی ایک ضابطہ تھا اور اس کی مخالفت کی تھی امام سیبویہ نے۔ صاحبِ کافیہ نے آپ کو بتلایا ہر وہ اسم جس کے اندر علمیت مؤثر ہو یعنی غیرِ انصراف کا سبب بن رہی ہو، جب اس سے علمیت کو ختم کریں گے تو وہ منصرف بن جائے گا۔ اور اس ضابطے سے استثناء کیا تھا أَحْمَرُ جیسے الفاظ کا کہ ان میں امام سیبویہ نے اختلاف کیا ہے۔ امام سیبویہ نے مخالفت کی ہے امام اخفش کی۔ تو امام اخفش کا قول چونکہ ضابطے کے مطابق تھا اس لیے اس کو اصل قرار دیا اور مخالفت کی نسبت امام سیبویہ کی طرف کی۔

اور پھر آگے بتلایا کہ امام سیبویہ نے مخالفت کیوں کی ہے اِعْتِبَاراً لِلصِّفَةِ الْأَصْلِيَّةِ صفتِ اصلیہ کا اعتبار کرنے کی وجہ سے بَعْدَ التَّنْكِيْرِ اس اسم کو نکرہ بنانے کے بعد۔ تو یہاں جو اِعْتِبَاراً آیا صاحبِ جامی نے آپ کو بتلایا کہ یہ مفعول لہ ہے۔ مفعول لہ وہ مصدر جو ماقبل فعل کی علت بیان کرتا ہے اور یہ منصوب ہوتا ہے۔ تو صاحبِ جامی نے جو اوپر عبارت آئی تھی وَخَالَفَ سِيْبَوَيْهِ الْأَخْفَشَ اس کے اندر مخالفت کی نسبت امام سیبویہ کی طرف کی اور الْأَخْفَشَ کو مفعول بنایا خَالَفَ کے لیے۔ جبکہ بعض دیگر شارحین ہیں انہوں نے خَالَفَ کی نسبت امام اخفش کی طرف کی ہے کہ امام اخفش نے مخالفت کی ہے امام سیبویہ کی۔ تو انہوں نے سِيْبَوَيْهِ کو مفعول بہ بنایا ہے خَالَفَ کے لیے اور الْأَخْفَشَ کو فاعل بنایا۔

لیکن میں نے آپ کو بتلایا کہ صاحبِ جامی کی بات زیادہ واضح ہے کیونکہ آگے یہ جو اِعْتِبَاراً آرہا ہے یہ مفعول لہ واقع ہو رہا ہے۔ اور یہ مفعول لہ تب ہی واقع ہو گا جب اس میں تین شرطیں پوری ہوں۔ وجہ اس کی یہ کہ عربی زبان میں تعلیل کے لیے لام کو وضع کیا گیا ہے۔ جب بھی کسی چیز کی علت بیان کرنی ہو تو اس کے لیے لام کو استعمال کیا جاتا ہے عربی زبان میں۔ اور پھر کبھی کبھار اس لام کو حذف کر کے اس اسم کو منصوب کر دیا جاتا ہے اور اس کو مفعول لہ کہتے ہیں۔ لیکن اس لام کو حذف کرنے اور اس اسم پر نصب پڑھنے کی تین شرطیں ہیں۔ پہلی شرط یہ ہے کہ وہ مصدر ہونا چاہیے۔ اور دوسری شرط یہ ہے کہ اس مصدر کا اور ماقبل والے فعل دونوں کا فاعل ایک ہی ذات ہونی چاہیے۔ اور تیسری شرط یہ ہے کہ اس مصدر کا اور ماقبل والے فعل کا زمانہ ایک ہی ہونا چاہیے بھائی۔

اور یہاں پر یہ تینوں شرطیں پوری ہیں۔ اِعْتِبَاراً یہ مصدر بھی ہے، اور نیز یہ اِعْتِبَار اور خَالَفَ دونوں کا فاعل سیبویہ ہے، مخالفت کس نے کی ہے؟ امام سیبویہ نے، اور اعتبار وصفیتِ اصلیہ کا تنکیر کے بعد کس نے کیا ہے؟ امام سیبویہ نے۔ تو دونوں کا فاعل بھی سیبویہ، اور تیسری شرط بھی پوری ہے کہ دونوں کا زمانہ ایک ہے، کہ مخالفت اور اعتبار دونوں کا زمانہ ایک ہے، جس زمانے میں اعتبار کیا ہے تو اس زمانے میں مخالفت کی ہے، جب اعتبار کیا تو مخالفت کی ہے۔ بات سمجھ میں آ رہی ہے؟ تو معلوم ہوا کہ اِعْتِبَاراً مفعول لہ تب ہی بن سکتا ہے جب خَالَفَ کا فاعل سیبویہ کو بنایا جائے۔ اگر خَالَفَ کا فاعل اخفش کو بنایا جائے پھر تو خَالَفَ کا فاعل اخفش ہوا اور اعتبار کا فاعل امام سیبویہ ہوئے، پھر تو دونوں کے فاعل الگ الگ ہو گئے، پھر تو اِعْتِبَاراً کو مفعول لہ بنانا ٹھیک ہی نہیں۔ تو لہٰذا یہ اِعْتِبَاراً یہ دلیل ہے صاحبِ جامی نے جو ترکیب ذکر کی کہ سیبویہ کو فاعل بناؤ خَالَفَ کے لیے اور اخفش کو مفعول بناؤ۔

اور میں نے یہ بھی بتایا تھا کہ وہ دوسرے علماء جنہوں نے سیبویہ کو مفعول بنایا اور خَالَفَ کا اسناد اخفش کی طرف کیا اور اس کو فاعل بنایا، وہ پھر اس اِعْتِبَاراً کو مفعول لہ نہیں بناتے کیونکہ پھر یہ مفعول لہ بن ہی نہیں سکتا، وہ اس کو پھر حال بناتے ہیں یا مفعولِ مطلق بناتے ہیں۔ حال بنائیں تو میں نے بتایا تھا حال کا حمل ہوتا ہے ذوالحال پر۔ جَاءَنِیْ زَیْدٌ رَاکِباً آیا میرے پاس زید اس حال میں کہ وہ سوار تھا۔ تو یہ دیکھو یہ رَاکِب کا حمل زَیْد پر ہو رہا ہے جو ذوالحال ہے، تو معلوم ہوا وہ رَاکِب کون ہے؟ زید ہے۔ وہ ذوالحال کیا ہے؟ راکب ہے۔ تو یہاں پر بھی یہ اِعْتِبَاراً کو جب سیبویہ سے حال بنائیں گے تو حال کا تو حمل ہوتا ہے ذوالحال پر اور یہاں تو یہ حال مصدر ہے اور سیبویہ وہ ذات ہے اور مصدر کا حمل تو ذات پر صحیح نہیں، تو اس کا جواب بھی میں نے ذکر کیا تھا کہ مصدر کبھی اسمِ فاعل اور کبھی اسمِ مفعول کے معنی میں ہوتا ہے، تو یہاں پر اِعْتِبَار کو اسمِ فاعل کے معنی میں لے لیں گے کہ امام سیبویہ نے مخالفت کی ہے اس حال میں کہ مُعْتَبِراً لِلصِّفَةِ الْأَصْلِيَّةِ کہ وہ اعتبار کرنے والے ہیں صفتِ اصلیہ کا، تو اِعْتِبَار کس معنی میں ہوا؟ مُعْتَبِر کے معنی میں ہوا۔

اور دوسری ترکیب بعضوں نے یہ ذکر کی کہ اِعْتِبَاراً کو جو ہے وہ مفعولِ مطلق بنایا جائے، اور مفعولِ مطلق کسے کہتے ہیں؟

وہ مصدر جو ماقبل فعل کے معنی میں ہوتا ہے، تو پھر اس کے لیے فعل محذوف نکال لیں گے أَيِ اعْتَبَرَ سِيْبَوَيْهِ اعْتِبَاراً۔ اور اگر آپ چاہیں تو اِعْتَبَرَ اب نکالنے کی ضرورت بھی نہیں ہے، اِعْتِبَار کو مفعول مطلق بنا لیں خَالَفَ سے۔ اس پر آپ کے ذہنوں میں اشکال آئے گا کہ مفعولِ مطلق تو وہ مصدر ہوتا ہے جو ماقبل فعل کے معنی میں ہو اور یہاں اِعْتِبَار تو خَالَفَ کے معنی میں نہیں ہے، تو پھر یہ کیسے اس خَالَفَ سے مفعولِ مطلق بن سکتا ہے؟ تو میں نے بتلایا تھا کہ یہ اعتبار کرنا وصفِ اصلی کا تنکیر کے بعد یہ ایک نوع کی ایک قسم کی مخالفت ہی ہے، یہ بھی کیا ہے؟ ایک قسم کی مخالفت ہے، تو لہٰذا خَالَفَ کا معنی بھی مخالفت کرنا اور اِعْتِبَار کے اندر بھی کون سا معنی آگیا؟ مخالفت والا معنی آگیا، تو یہ اس سے مفعولِ مطلق واقع ہو سکتا ہے۔

تو امام سیبویہ فرماتے ہیں کہ أَحْمَرُ جیسے الفاظ کے اندر جن کے اندر علمیت سے قبل ایک سبب وصف تھا، جب اس کے اندر علمیت آئی تو وہ وصف چلا گیا کیونکہ علم اور وصف دونوں آپس میں متضاد ہیں، تو پھر جب یہ علمیت ختم ہو گئی تو اب وہ جو مانع تھا جو ہمیں وصف کا اعتبار نہیں کرنے دے رہا تھا وہ مانع چلا گیا، علمیت چلی گئی، لہٰذا اب اس کے اندر پھر وصفیت کا اعتبار کیا جائے گا اور بعد التنکیر بھی یہ غیرِ منصرف رہے گا بھائی۔

اس پر پھر صاحبِ جامی نے ایک اشکال اور اس کا جواب بھی ذکر کیا کہ پھر اس پر اشکال ہوتا ہے کہ بھائی جب أَحْمَرُ کو نکرہ بنایا گیا تو ٹھیک ہے جو وصف کا جو مانع تھا یعنی علمیت وہ تو چلی گئی، تو مانع تو کوئی نہیں اس وقت وصفیت کے لیے لیکن کوئی باعث بھی تو نہیں ہے کہ وصفیت کا اعتبار کیا جائے۔ اگر مانع نہیں ہے تو باعث بھی تو کوئی نہیں ہے، کوئی داعی بھی تو نہیں ہے جو تقاضا کرے کہ اس میں وصفیتِ اصلیہ کا اعتبار کیا جائے، تو پھر کس وجہ سے امام سیبویہ نے اس کے اندر وصفیت کا اعتبار کیا اور کس وجہ سے انہوں نے اس اسم کو اس کی اصل یعنی انصراف سے نکال کر غیرِ منصرف قرار دیا؟ تو اس کا جواب بعض نے پھر یہ دیا کہ یہ جو وصفیتِ اصلیہ کا اعتبار کیا امام سیبویہ نے، اس کا باعث وہ أَسْوَدُ اور أَرْقَمُ کا غیرِ منصرف ہونا ہے باوجودیہ کہ ان سے وصفیت زائل ہو چکی ہے وہ سانپوں کے نام بن چکے ہیں۔ تو جیسے أَسْوَدُ اور أَرْقَمُ کے اندر وصفیت کے زائل ہونے کے باوجود اس کا اعتبار کیا گیا، تو اسی طرح أَحْمَرُ کے اندر وصفیت کے زائل ہونے کے باوجود اس کا اعتبار کیا جائے گا۔ تو امام سیبویہ نے أَحْمَرُ کو قیاس کیا أَسْوَدُ اور أَرْقَمُ پر کہ أَسْوَدُ اور أَرْقَمُ میں جب زوالِ وصفیت کے بعد وصفیت کا اعتبار کیا گیا تو أَحْمَرُ کے اندر بھی زوالِ وصفیت کے بعد وصفیت کا اعتبار کرنا چاہیے۔

تو پھر اس کے بعد صاحبِ جامی نے وَفِيْهِ بَحْثٌ کے ذریعے اس جواب کو رد کیا کہ نہیں بھائی أَحْمَرُ کو أَسْوَدُ اور أَرْقَمُ پر قیاس نہیں کیا جا سکتا، اس لیے کیونکہ أَسْوَدُ اور أَرْقَمُ کے اندر وصفیت کا کچھ نہ کچھ اثر ابھی بھی موجود ہے، جبکہ أَحْمَرُ کے اندر سے وصفیت مکمل طور پر ختم ہو چکی ہے بھائی۔ کہتے ہیں دیکھو یہ أَسْوَدُ جو ہے یہ عربی زبان میں ہر کالی چیز کے لیے وضع تھا اور پھر بعد میں یہ کالے رنگ کے سانپ کا اسم بن گیا نام بن گیا۔ تو اب دیکھو ابھی بھی اس کے اندر وصفیت کا اثر ہے،

یہ کسی اور رنگ کے سانپ کا نام نہیں بنا بلکہ کس رنگ کے سانپ کا نام بنا؟ کالے رنگ کے، تو دیکھو کالا رنگ اس سانپ میں ابھی بھی موجود ہے۔ اسی طرح أَرْقَمُ عربی زبان میں ہر چتکبری چیز کو کہتے تھے یعنی جس میں سفید اور کالا دونوں رنگ ہوں، تو ابھی بھی جب اس پر غلبۂ اسمیت آیا تو یہ ایسے سانپ کا اسم بن گیا جو چتکبرا ہوتا ہے یعنی جس میں سفید اور کالا دونوں رنگ ہوتے ہیں۔ تو أَسْوَدُ اور أَرْقَمُ ان میں سے وصفیت پورے طور پر ختم نہیں ہوئی، ابھی بھی اس کے اندر وصفیت کا کچھ نہ کچھ اثر باقی ہے، جبکہ أَحْمَرُ کو جب علم بنایا گیا تو اس سے وصفیت پورے طور پر ختم ہو گئی بھائی۔ تو لہٰذا اب أَحْمَرُ کو أَسْوَدُ اور أَرْقَمُ پر قیاس کرنا صحیح نہیں۔

جبکہ اس کے مقابلے میں کہتے ہیں امام اخفش اس بات کی طرف گئے ہیں کہ أَحْمَرُ جیسے لفظوں سے جب علمیت زائل کی جائے گی تو پھر یہ منصرف بن جائے گا۔ اس لیے کیونکہ وصفیت جو ہے وہ علمیت کی وجہ سے زائل ہو چکی ہے، اور پھر علمیت کو آپ نے زائل کر دیا، تو اب وہ وصفیت جو پورے طور پر زائل ہو چکی ہے اب اس کا دوبارہ اعتبار نہیں کیا جائے گا، کیونکہ اعتبار کرنے کی کوئی ضرورت ہی نہیں ہے، کوئی چیز ہے ہی نہیں جو اس بات کا تقاضا کر رہی ہو کہ اس کے اندر اب بھی وصفیت کا اعتبار کیا جائے۔ تو وہ اس کو بَعْدَ التَّنْكِيْر منصرف کہتے ہیں اور صاحبِ جامی فرماتے ہیں کہ امام اخفش کی بات زیادہ ظاہر ہے کیونکہ جو چیز پورے طور پر ختم ہو جائے اس کو پھر دوبارہ مؤثر نہیں ہونا چاہیے بھائی، اس کا کوئی اثر نہیں ہونا چاہیے۔

اب دیکھیے آگے بھائی آج کا سبق:

تو فرماتے ہیں: وَلَمَّا اعْتَبَرَ سِيْبَوَيْهِ الْوَصْفَ الْأَصْلِيَّ بَعْدَ التَّنْكِيْرِ وَإِنْ كَانَ زَائِلاً لَزِمَهُ أَنْ يَّعْتَبِرَهُ فِيْ حَالِ الْعَلَمِيَّةِ أَيْضاً فَيَمْتَنِعُ نَحْوُ حَاتِمٍ مِنَ الصَّرْفِ لِلْوَصْفِ الْأَصْلِيِّ وَالْعَلَمِيَّةِ.

آگے صاحبِ کافیہ امام سیبویہ پر وارد ہونے والے ایک اعتراض کا جواب دے رہے ہیں۔ امام سیبویہ پر اعتراض ہوتا ہے کہ آپ أَحْمَرُ جیسے لفظوں میں بَعْدَ التَّنْكِيْر بھی وصفیت کا اعتبار کرتے ہیں۔ بَعْدَ التَّنْكِيْر بھی آپ وصفیت کا اعتبار کرتے ہیں تو پھر تو عین علمیت کی حالت میں بھی آپ کو وصفیت کا اعتبار کرنا چاہیے۔ توجہ ہے؟ عین علمیت کی حالت میں بھی پھر کیا کرنا چاہیے؟ بھائی علمیت کے ساتھ تو وصفیت جمع نہیں ہوتی، علمیت آئی تو وصفیت کیا ہو گئی؟ زائل، پھر جب علمیت ختم کی تو امام سیبویہ نے أَحْمَرُ جیسے لفظوں میں کس کا اعتبار کیا؟ وصفیت کا اعتبار کیا، تو جب آپ زوال کے بعد، زوال کے بعد وصفیت کا اعتبار کر رہے ہیں تو پھر عین علمیت کی حالت میں بھی آپ کو وصفیت کا اعتبار کرنا چاہیے۔ آپ کو کیا کرنا چاہیے؟ عین علمیت کی، بھائی علمیت کے بعد جب اعتبار کر رہے ہیں تو عین علمیت کی حالت میں بھی کیا کرنا چاہیے؟ وصفیت کا اعتبار کرنا چاہیے، لہٰذا حَاتِمٌ جیسے لفظوں کو غیرِ منصرف ہونا چاہیے آپ کے نزدیک۔

حَاتِمٌ سے مراد وہ الفاظ ہیں جو قَبْلَ الْعَلَمِيَّةِ وصف تھے۔ حَاتِمٌ دیکھو اسمِ فاعل کا صیغہ ہے۔ حَتَمَ يَحْتِمُ حَتْماً کا معنی

ہوتا ہے کسی چیز کو مضبوط کرنا یا اسی طرح فیصلہ کرنا یا اسی طرح کسی چیز کو لازم کرنا، تو اسی سے اسمِ فاعل کیا آیا؟ حَاتِمٌ۔ اور دیکھو حَاتِم نام ہے عام استعمال ہوتا ہے، حاتم طائی ایک نہایت مشہور سخی آدمی گزرا ہے، تو یہ حَاتِم کا لفظ قَبْلَ الْعَلَمِیَّۃِ وصف تھا۔ کیا تھا؟ وصف تھا کیونکہ اسمِ فاعل کا صیغہ ہے، پھر اس کو علم بنایا گیا، جب علم بنایا گیا تو وصفیت کیا ہو گئی؟ زائل۔ توجہ ہے؟ اور امام سیبویہ کیا کرتے ہیں؟ جب علمیت کو ختم کر دیتے ہیں تو پھر بعد میں دوبارہ وصفیت کا اعتبار کرتے ہیں، بھائی جب آپ زوال کے بعد بھی وصفیت کا اعتبار کر رہے ہیں تو عین علمیت کی حالت میں بھی وصفیت کیا ہو چکی ہے؟ زائل، تو ابھی بھی آپ کو اعتبار کرنا چاہیے۔ توجہ ہے؟ آپ کیا کرتے ہیں زوال کے بعد وصفیت کا اعتبار کرتے ہیں تو علمیت کے ہوتے ہوئے بھی وصفیت زائل ہو چکی ہے لیکن آپ کو کیا کرنا چاہیے؟ اس کا اعتبار کرنا چاہیے اور حَاتِمٌ جیسے لفظوں کو غیرِ منصرف ہونا چاہیے۔ اشکال سمجھ میں آیا؟

تو صاحبِ کافیہ پھر اس کا جواب دیتے ہیں کہ نہیں بھائی امام سیبویہ پر یہ اعتراض نہیں ہو سکتا کہ آپ کو حَاتِمٌ جیسے لفظوں کو غیرِ منصرف پڑھنا چاہیے کیونکہ اس میں علمیت ہے اور علمیت کے ساتھ ساتھ آپ کو اس زائل شدہ وصفیت کا اعتبار کرنا چاہیے عین علمیت کی حالت میں بھی۔ لہٰذا یہ اعتراض امام سیبویہ پر نہیں ہو سکتا۔ کیوں نہیں ہو سکتا؟ کہتے ہیں اس وجہ سے کہ اس صورت میں دو متضاد چیزوں کا اعتبار کرنا لازم آتا ہے ایک ہی حکم کے اندر۔ حکم کیا؟ غیرِ منصرف ہونا۔ ایک لفظ کا غیرِ منصرف ہونا، اس کے اندر دو متضاد چیزوں کا اعتبار کرنا لازم آئے گا کہ حَاتِمٌ کے اندر مثلاً کیا کہنا پڑے گا؟ ایک سبب کیا؟ علمیت، دوسرا سبب کیا؟ وصفیت، حالانکہ علمیت اور وصفیت تو متضاد ہیں، یہ دونوں تو جمع ہی نہیں ہوتے۔ تو اس وجہ سے امام سیبویہ پر یہ اعتراض نہیں کیا جا سکتا۔

جواب سمجھ میں آیا؟ پھر سنو، امام سیبویہ پر اعتراض ہوتا ہے کہ آپ نے زوال کے بعد وصفیت کا اعتبار کیا أَحْمَرُ جیسے لفظوں میں۔ تو جب علمیت آتی ہے تو وصف کیا ہو جاتا ہے؟ زائل۔ اور آپ تو زوال کے بعد بھی کیا کرتے ہیں؟ وصفیت کا اعتبار کرتے ہیں، تو عین علمیت کی حالت میں جب وصف زائل ہو چکا ہے پھر بھی آپ کو اس زائل شدہ وصف کا اعتبار کرنا چاہیے اور حَاتِمٌ جیسے لفظوں کو غیرِ منصرف ہونا چاہیے۔ اور حَاتِمٌ سے کیا مراد؟ وہ لفظ جو اصل میں تو وصف تھے اور بعد میں کیا بن گئے؟ علم بن گئے، تو ان کے اندر آپ کو وصفیتِ اصلیہ کا اعتبار کرنا چاہیے، تو ایک سبب علمیت ہو جائے گا، ایک وصف ہو جائے گا، تو اس لفظ کو غیرِ منصرف ہونا چاہیے۔

صاحبِ کافیہ اس کا جواب دیتے ہیں کہ نہیں بھائی امام سیبویہ پر یہ اعتراض نہیں ہو سکتا، کیونکہ اس صورت میں ایک ہی حکم کے اندر دو متضاد چیزوں کا اعتبار کرنا لازم آئے گا اور یہ درست نہیں ہے کہ دو متضاد چیزوں کا اعتبار ایک ہی حکم کے اندر کیا جائے۔ وصف اور علم یہ دونوں متضاد ہیں، اور دونوں کا آپ اعتبار کس میں کر لیں گے؟ غیرِ انصراف یعنی ایک ہی حکم، حکم کیا لگانا ہے لفظ پر کہ یہ غیرِ منصرف ہو گیا، کس کی وجہ سے؟ علمیت اور وصفیت، تو ایک ہی حکم کے اندر دو

متضاد چیزوں کا اعتبار کرنا لازم آئے گا اور ایک ہی حکم میں دو متضاد چیزوں کا اعتبار کرنا صحیح نہیں ہے۔ بات سمجھ میں آ گئی اچھی طرح؟

دیکھیے بھائی کتاب پر، سب سے پہلے متن دیکھ لیں۔ کہتے ہیں: وَلَا يَلْزَمُهُ بَابُ حَاتِمٍ اور امام سیبویہ پر بابِ حاتم کا اعتراض لازم نہیں ہوتا۔ توجہ ہے؟ وَلَا يَلْزَمُهُ بَابُ حَاتِمٍ، يَلْزَمُهُ کی ہا ضمیر امام سیبویہ کو راجع ہے اور امام سیبویہ پر جو ہے بابِ حاتم کا اعتراض لازم نہیں ہوتا۔ بابِ حاتم سے کیا مراد؟ میں نے آپ کو بتلا دیا ہر وہ علم جو اصل میں کیا تھا؟ وصف تھا، وصف تھا۔ تو کہتے ہیں: وَلَا يَلْزَمُهُ بَابُ حَاتِمٍ امام سیبویہ پر بابِ حاتم کا اعتراض لازم نہیں ہوتا، لِمَا يَلْزَمُ مِنِ اعْتِبَارِ الْمُتَضَادَّيْنِ فِيْ حُكْمٍ وَّاحِدٍ۔ لِمَا يَلْزَمُ اس وجہ سے جو لازم آتا ہے، لِمَا يَلْزَمُ امام سیبویہ پر بابِ حاتم کا اعتراض نہیں ہوتا لِمَا يَلْزَمُ اس بات کی وجہ سے جو لازم آتی ہے۔ بھائی وہ کیا بات ہے؟ کیا لازم آتی ہے؟ تو اس کے اندر ابہام تھا، آگے مِنْ کے ذریعے اس کا بیان کر دیا، مِنِ اعْتِبَارِ الْمُتَضَادَّيْنِ یعنی دو متضاد چیزوں کا اعتبار کرنا لازم آتا ہے فِيْ حُكْمٍ وَّاحِدٍ ایک ہی حکم کے اندر۔ کیونکہ اس کی وجہ سے دو متضاد چیزوں کا اعتبار کرنا لازم آتا ہے ایک ہی حکم کے اندر۔

یاد رکھو ایک ہی حکم کے اندر دو متضاد چیزوں کا اعتبار نہیں کیا جا سکتا۔ الگ الگ حکم ہوں پھر اعتبار کیا جا سکتا ہے۔ جیسے أَسْوَدُ، أَسْوَدُ کی مؤنث کیا آتی ہے؟ جب یہ أَسْوَدُ اگر صفت ہو، ہر کالی چیز کے لیے استعمال ہو، تو اس کی مؤنث آتی ہے سَوْدَاءُ۔ اس کی مؤنث آتی ہے سَوْدَاءُ، الف ہے اور اس کے بعد ہمزہ ہے۔ تو وصف ہونے کے اعتبار سے أَسْوَدُ کی مؤنث کیا آتی ہے؟ سَوْدَاءُ۔ اور یہی أَسْوَدُ کالے رنگ کے سانپ کا نام بھی ہے، اس اعتبار سے اس کی مؤنث أَسْوَدَةٌ آتی ہے گول تا کے ساتھ۔ ایک وقت میں ایک مؤنث آسکتی ہے یا تو تا کے ساتھ آتی ہے یا بغیر تا کے۔ تو أَسْوَدُ کی مؤنث سَوْدَاءُ بھی آتی ہے اور أَسْوَدَةٌ بھی آتی ہے لیکن ایک ہی حکم کے اعتبار سے نہیں ہے بلکہ حکم الگ الگ ہے۔ أَسْوَدُ کی مؤنث سَوْدَاءُ آتی ہے کس حکم کے اعتبار سے؟ کہ یہ صفت کا صیغہ ہے۔ اور أَسْوَدُ کی مؤنث أَسْوَدَةٌ آتی ہے کس اعتبار سے؟ کہ یہ اسم ہے، أَسْوَدُ اسم ہے کالے رنگ کے سانپ کا نام ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ یا اسی طرح جیسے أَحْمَرُ، أَحْمَرُ کا معنی ہے سرخ بھائی، جو چیز سرخ ہو اس کو کیا کہتے ہیں؟ أَحْمَرُ یعنی سرخ رنگ والی۔ تو أَحْمَرُ یہ صفت ہے اور یہی أَحْمَرُ کبھی علم بھی ہوتا ہے۔ تو یہ جو أَحْمَرُ صفت ہے اس کی جمع کیا آتی ہے؟ حُمْرٌ، فُعْلٌ وزن پر آتی ہے۔ اور یہی أَحْمَرُ جب علم ہو تو اس کی جمع أَحَامِرُ آتی ہے، کیا آتی ہے؟ أَحَامِرُ۔ تو دیکھو ایک ہی لفظ ہے أَحْمَرُ کبھی اس کی جمع کیا آتی ہے؟ حُمْرٌ اور کبھی جمع کیا آتی ہے؟ أَحَامِرُ، لیکن یہ ایک ہی حکم کے اعتبار سے نہیں آتی یہ جمع بلکہ أَحْمَرُ کی جمع جو حُمْرٌ آتی ہے وہ کس اعتبار سے آتی ہے؟ وصف ہونے کے اعتبار سے، اور أَحْمَرُ کی جمع جو أَحَامِرُ آتی ہے وہ کس اعتبار سے آتی ہے؟ وہ علم ہونے کے اعتبار

سے آتی ہے۔ تو دو متضاد چیزوں کا اعتبار ایک حکم میں نہیں کیا جا سکتا، الگ الگ حکم کے اعتبار سے کیا جا سکتا ہے۔

جی اب دیکھیے بھائی شرح کے ساتھ ساری عبارت۔ کہتے ہیں: وَلَمَّا اعْتَبَرَ سِيْبَوَيْهِ الْوَصْفَ الْأَصْلِيَّ بَعْدَ التَّنْكِيْرِ وَإِنْ كَانَ زَائِلاً اور جب اعتبار کیا امام سیبویہ نے وصفِ اصلی کا بَعْدَ التَّنْكِيْرِ اس اسم کو نکرہ بنانے کے بعد وَإِنْ كَانَ زَائِلاً اگرچہ وہ وصف جو ہے زائل ہو چکا تھا، تو لَزِمَهُ تو امام سیبویہ پر لازم آتا ہے کہ أَنْ يَّعْتَبِرَهُ فِيْ حَالِ الْعَلَمِيَّةِ أَيْضاً کہ وہ اس زائل شدہ وصفِ اصلی کا اعتبار کریں عین علمیت کی حالت میں بھی، فَيَمْتَنِعُ نَحْوُ حَاتِمٍ مِنَ الصَّرْفِ تو ممتنع ہو گا حَاتِمٌ جیسا لفظ صرف سے یعنی یہ غیرِ منصرف ہو گا لِلْوَصْفِ الْأَصْلِيِّ وَالْعَلَمِيَّةِ وصفِ اصلی اور علمیت کی وجہ سے۔

فَأَجَابَ عَنْهُ الْمُصَنِّفُ رَحِمَهُ اللهُ بِقَوْلِهِ تو اس کا جواب دیا مصنف رحمہ اللہ نے امام سیبویہ کی طرف سے بِقَوْلِهِ اپنے اس قول کے ذریعے: وَلَا يَلْزَمُهُ أَيْ سِيْبَوَيْهِ اور لازم نہیں آتا اس پر أَيْ سِيْبَوَيْهِ یعنی سیبویہ پر، ضمیر کا مرجع بتلا دیا کہ لَا يَلْزَمُهُ کی ہا ضمیر کس کو راجع؟ سیبویہ کو۔ تو کہتے ہیں: وَلَا يَلْزَمُهُ أَيْ سِيْبَوَيْهِ اور لازم نہیں آتا سیبویہ پر مِنِ اعْتِبَارِهِ الْوَصْفِيَّةَ الْأَصْلِيَّةَ بَعْدَ التَّنْكِيْرِ وصفیتِ اصلیہ کا اعتبار کرنے کی وجہ سے تنکیر کے بعد فِيْ مِثْلِ أَحْمَرَ عَلَماً أَحْمَرُ جیسے لفظوں میں اس حال میں کہ یہ علم ہوں۔ توجہ ہے؟ پھر دیکھو ترجمہ۔ کہتے ہیں: وَلَا يَلْزَمُهُ أَيْ سِيْبَوَيْهِ مِنِ اعْتِبَارِهِ الْوَصْفِيَّةَ الْأَصْلِيَّةَ بَعْدَ التَّنْكِيْرِ اور امام سیبویہ پر لازم نہیں آتا، مِنْ سببیہ علت بیان کر رہا ہے، تو لازم نہیں آتا امام سیبویہ پر اس وجہ سے کہ انہوں نے اعتبار کیا ہے وصفیتِ اصلیہ کا بَعْدَ التَّنْكِيْرِ نکرہ بنانے کے بعد فِيْ مِثْلِ أَحْمَرَ عَلَماً أَحْمَرُ جیسے لفظوں میں علم ہونے کی حالت میں، تو اس کے اندر جب انہوں نے وصفیتِ اصلیہ کا اعتبار کیا تو اس کی وجہ سے امام سیبویہ پر لازم نہیں آتا بَابُ حَاتِمٍ کیا لازم نہیں آتا؟ بابِ حاتم لازم نہیں آتا یعنی بابِ حاتم کا اعتراض لازم نہیں آتا۔ توجہ ہے؟

بھائی بابِ حاتم سے کیا مراد ہے؟ کہتے ہیں: أَيْ كُلُّ عَلَمٍ۔ أَيْ کل، توجہ ہے، عبارت پہ نظر ہے؟ میں نے آپ کو بتلایا تھا یہ أَيْ تفسیر کے لیے آتا ہے اور أَيْ کا مابعد ماقبل سے بدل بنتا ہے، کیا بنتا ہے؟ بدل بنتا ہے۔ تو بدل پر وہی اعراب آتا ہے جو ماقبل میں یعنی مبدل منہ پر ہو، اور میں نے کیا پڑھا؟ أَيْ كُلُّ عَلَمٍ۔ اور پیچھے لفظ کیا آیا؟ بَابُ حَاتِمٍ۔ بَابُ ہے مرفوع، مضاف ہے، فاعل ہے وَلَا يَلْزَمُهُ کے لیے، اور حَاتِمٍ ہے مجرور، مضاف الیہ ہے بھائی۔ اور میں نے کیا پڑھا؟ أَيْ كُلُّ عَلَمٍ، كُلُّ پر کیا پڑھا؟ رفع پڑھا، یہ رفع کیا بتلا رہا ہے؟ کہ یہ تفسیر حَاتِمٍ کی نہیں ہے، بَابُ حَاتِمٍ کی ہے۔ کس کی تفسیر کر رہے ہیں؟ بَابُ حَاتِمٍ کی تفسیر کر رہے ہیں، حَاتِمٍ کی تفسیر نہیں کر رہے۔ تو لہٰذا بَابُ حَاتِمٍ میں تو بَابُ پر رفع ہے تو لہٰذا كُلُّ پر بھی رفع پڑھیں گے۔

بھائی بابِ حاتم سے کیا مراد ہے؟ کہتے ہیں: أَيْ كُلُّ عَلَمٍ كَانَ فِي الْأَصْلِ وَصْفاً کہ ہر ایسا علم جو اصل میں وصف تھا مَعَ بَقَاءِ الْعَلَمِيَّةِ ساتھ علمیت کے باقی رہنے کے، کہ علمیت باقی ہے ابھی بھی اور اصل میں کیا تھا؟ وصف تھا۔ تو کہتے ہیں: أَيْ كُلُّ عَلَمٍ كَانَ فِي الْأَصْلِ وَصْفاً مَعَ بَقَاءِ الْعَلَمِيَّةِ یعنی ہر وہ علم جو اصل میں وصف تھا مَعَ بَقَاءِ الْعَلَمِيَّةِ ساتھ علمیت کے باقی رہنے کے یعنی اس میں علمیت باقی ہو وہ مراد ہے۔

تو یہ اعتراض لازم نہیں آتا امام سیبویہ پر بِأَنْ یہ با تصویریہ ہے صورت بتلا رہے ہیں، کیا اعتراض کہ جیسے انہوں نے أَحْمَرُ کے اندر زوال کے بعد بھی وصفیت کا اعتبار کیا تھا تو حَاتِمٌ جیسے لفظوں میں بھی زوال کے بعد کیا کرنا چاہیے؟ وصفیت کا اعتبار کرنا چاہیے۔ یہ وہ اب تفصیل بیان کر رہے ہیں با تصویریہ ہے صورت بتلا رہے ہیں: بِأَنِ اعْتَبَرَ فِيْهِ أَيْضاً الْوَصْفِيَّةَ الْأَصْلِيَّةَ بایں صورت کہ وہ اس حَاتِمٌ جیسے لفظوں کے اندر بھی وصفیتِ اصلیہ کا اعتبار کریں وَحَكَمَ بِمَنْعِ صَرْفِهِ اور اس کی منعِ صرف کا فیصلہ کریں، اس کے منعِ صرف کا حکم لگائیں۔ دوبارہ دیکھیں یہ ان پر یہ اعتراض نہیں لازم آتا بِأَنِ اعْتَبَرَ فِيْهِ أَيْضاً الْوَصْفِيَّةَ الْأَصْلِيَّةَ کہ وہ اس حَاتِمٌ جیسے لفظوں کے اندر بھی وصفیتِ اصلیہ کا اعتبار کریں وَحَكَمَ بِمَنْعِ صَرْفِهِ اور اس کی منعِ صرف کا فیصلہ کریں یعنی اس کو غیرِ منصرف قرار دے دیں، اس پر غیرِ منصرف کا حکم لگا دیں لِلْعَلَمِيَّةِ وَالْوَصْفِيَّةِ الْأَصْلِيَّةِ کس وجہ سے؟ علمیت اور وصفیتِ اصلیہ کی وجہ سے۔

یہ اعتراض ان پر لازم نہیں آتا۔ کیوں نہیں اعتراض لازم آتا؟ کہتے ہیں: لِمَا يَلْزَمُ اس وجہ سے جو لازم آتا ہے فِيْ بَابِ حَاتِمٍ کس میں؟ بابِ حاتم کے اندر عَلٰى تَقْدِيْرِ مَنْعِهِ مِنَ الصَّرْفِ اس کی صرف کے منع ہونے کی تقدیر پر یعنی اس کو غیرِ منصرف ماننے کی تقدیر پر جو بات لازم آتی ہے اور وہ کیا؟ مِنِ اعْتِبَارِ الْمُتَضَادَّيْنِ دو متضاد چیزوں کا اعتبار کرنا لازم آتا ہے، اور دو متضاد چیزوں کا اعتبار ایک ہی حکم کے اندر تو صحیح نہیں ہے۔ تو کہتے ہیں: لِمَا يَلْزَمُ اس وجہ سے جو لازم آتی ہے فِيْ بَابِ حَاتِمٍ بابِ حاتم کے اندر عَلٰى تَقْدِيْرِ مَنْعِهِ مِنَ الصَّرْفِ اس کی صرف سے منع ہونے کی تقدیر پر کہ اس کا صرف سے منع ہونا فرض کر لیا جائے تو اس صورت میں جو لازم آتا ہے مِنِ اعْتِبَارِ الْمُتَضَادَّيْنِ یعنی دو متضاد چیزوں کا اعتبار کرنا، دو متضاد چیزیں کون سی ہیں؟ يَعْنِي الْوَصْفِيَّةَ وَالْعَلَمِيَّةَ یعنی کہ وصفیت اور علمیت، فَإِنَّ الْعَلَمَ لِلْخُصُوْصِ وَالْوَصْفَ لِلْعُمُوْمِ اس لیے کیونکہ علم جو ہوتا ہے وہ خصوص کے لیے آتا ہے اور وصف جو ہوتا ہے وہ عموم کے لیے۔ علم معین ذات پر دلالت کرتا ہے اور وصف غیرِ معین ذات پر دلالت کرتا ہے یا یوں کہو وصف کے اندر عموم ہوتا ہے اور علم کے اندر خصوص ہوتا ہے اور یہ دونوں ایک لفظ میں اکٹھے نہیں ہو سکتے۔

تو کہتے ہیں: فِيْ حُكْمٍ وَّاحِدٍ ایک ہی حکم کے اندر وَهُوَ مَنْعُ صَرْفِ لَفْظٍ وَّاحِدٍ اور وہ ایک ہی لفظ کی منعِ صرف ہے، کہ ایک ہی لفظ کی منعِ صرف کے اندر دو متضاد حکموں کا اعتبار کرنا لازم آتا ہے۔ بِخِلَافِ مَا إِذَا اعْتُبِرَتِ الْوَصْفِيَّةُ الْأَصْلِيَّةُ مَعَ سَبَبٍ آخَرَ بخلاف اس کے کہ جب وصفیتِ اصلیہ کا اعتبار کیا جائے مَعَ سَبَبٍ آخَرَ کسی دوسرے سبب کے ساتھ۔ توجہ ہے؟ کہتے ہیں بخلاف اس کے کہ وصفیتِ اصلیہ کا اعتبار کیا جائے کسی دوسرے سبب کے ساتھ۔ کسی دوسرے سبب کے ساتھ وصفیتِ اصلیہ کا اعتبار کریں تو اعتبارِ متضادین لازم نہیں آتا۔ وصفیت صرف کس کے متضاد ہے؟ اسبابِ منعِ صرف جو نو ہیں ان میں سے وصفیت صرف کس کے متضاد ہے؟ علمیت کے متضاد ہے، باقی اسباب کے یہ متضاد

نہیں۔ تو علمیت کے ساتھ اگر آپ وصفیت کا اعتبار کریں گے تو کیا لازم آئے گا؟ دو متضاد چیزوں کا اعتبار کرنا، کسی اور سبب کے ساتھ اگر آپ وصفیتِ اصلیہ کا اعتبار کریں تو پھر اعتبارِ متضادین لازم نہیں آتا۔ بات سمجھ میں آگئی؟ یہ معنی ہے بِخِلَافِ مَا إِذَا اعْتُبِرَتِ الْوَصْفِيَّةُ الْأَصْلِيَّةُ مَعَ سَبَبٍ آخَرَ بخلاف اس کے کہ جب وصفیتِ اصلیہ کا اعتبار کیا جائے کسی دوسرے سبب کے ساتھ، كَمَا فِيْ أَسْوَدَ وَأَرْقَمَ جیسے کہ أَسْوَدُ اور أَرْقَمُ میں ہے، ان کے اندر دیکھو وصفیتِ اصلیہ کا اعتبار کیا گیا لیکن یہاں کوئی اعتبارِ متضادین لازم لازم نہیں آتا بھائی۔ بات سمجھ میں آگئی؟

فَإِنْ قُلْتَ: یہاں سے صاحبِ جامی ایک اعتراض اور اس کا جواب ذکر کریں گے۔ اعتراض یہ کہ بھائی دیکھیے ایک ہے وصفیتِ اعتباریہ اور ایک ہے وصفیتِ محققہ۔ وصفیتِ محققہ کہ یہ وصفیت خود موجود ہے، اور ایک ہے وصفیتِ اعتباریہ کہ وصفیت ہے تو نہیں صرف آپ اس کا اعتبار کرتے ہیں۔ فرق سمجھ میں آرہا ہے؟ أَسْوَدُ اور أَرْقَمُ جب ہر کالی چیز کے لیے آپ استعمال کریں تو اس کے اندر وصفیتِ محققہ ہے یعنی وصفیت موجود ہے۔ اور جب أَسْوَدُ اور أَرْقَمُ کالے رنگ کے سانپوں کے نام ہیں تو اس کے اندر وصفیتِ محققہ نہیں یعنی وصفیت موجود نہیں ہے بلکہ صرف اس کا اعتبار کیا گیا ہے، کیا کیا گیا؟ تو معلوم ہوا وصفیت ایک محققہ ہے، ایک اعتباریہ ہے، اور علمیت کے مخالف اور علمیت کے متضاد وہ وصفیتِ محققہ ہے، وصفیتِ اعتباریہ نہیں بھائی۔ ایک لفظ علم بھی ہو اور ساتھ وصف بھی ہو جائے یہ نہیں ہو سکتا، کیونکہ دونوں ایک دوسرے کے متضاد ہیں۔ ہاں ایک لفظ علم بھی ہو اس کے ساتھ وصفیت کا صرف اعتبار کر لو تو اعتبار کرنے میں تو کوئی حرج نہیں ہے بھائی۔ توجہ ہے؟ تو علمیت اور وصفیتِ محققہ جو ہیں یہ جمع نہیں ہو سکتے، جبکہ علمیت اور وصفیتِ اعتباریہ تو جمع ہو سکتے ہیں۔ بات سمجھ میں آرہی ہے کہ نہیں؟ تو لہٰذا حَاتِمٌ جیسے لفظوں میں وصفیتِ محققہ تو ٹھیک ہے علمیت کے ساتھ نہیں آسکتی لیکن وصفیتِ اعتباریہ تو آسکتی ہے اس کا اعتبار تو کیا جا سکتا ہے، تو اس کا اعتبار کر کے اس کو کیا قرار دینا چاہیے؟ غیرِ منصرف قرار دینا چاہیے۔ اشکال سمجھ میں آیا؟

تو صاحبِ جامی جواب دیں گے کہ بھائی ہاں آپ کی بات ٹھیک ہے۔ علمیت اور وصفیتِ محققہ ایک دوسرے کے متضاد ہیں، ایک دوسرے کے مخالف ہیں۔ لیکن وصفیتِ اعتباریہ کو بھی اگر آپ علمیت کے ساتھ جمع کریں گے تو اس صورت میں اجتماعِ متضادین تو لازم نہیں آتا، توجہ ہے؟ اگر علمیت کے ساتھ آپ اگر وصفیتِ اعتباریہ کو مان لیں تو اس صورت میں ٹھیک ہے اجتماعِ متضادین تو لازم نہیں آتا لیکن یہ اس اجتماعِ متضادین کے مشابہ تو ہے نا، یہ اس کے مشابہ تو ہے، لہٰذا یہ بھی پسندیدہ نہیں کہ دو متضاد چیزیں ہیں ان میں سے ایک کا اعتبار بھی کر لیا جائے دوسری چیز کے ساتھ، یہ بھی پسندیدہ نہیں ہے، صحیح نہیں ہے۔

اعتراض کیا ہوا؟ کہ آپ نے ہمیں کیا کہا؟ امام سیبویہ پر بابِ حاتم کا اعتراض لازم نہیں آتا۔ کیوں نہیں لازم آتا؟ کیونکہ اس صورت میں دو متضاد چیزوں کا اعتبار کرنا لازم آئے گا، اگر آپ حَاتِمٌ جیسے لفظوں میں علمیت کے ہوتے ہوئے

وصفیت کا اعتبار کریں گے تو کیا لازم آئے گا؟ دو متضاد چیزوں کا اعتبار کرنا فِیْ حُکْمِ وَّاحِدٍ ایک ہی حکم کے اندر لازم آئے گا۔ تو کوئی معترض اعتراض کرتا ہے کہ بھائی وصفیت دو قسم پر ہے: ایک وصفیتِ محققہ اور ایک وصفیتِ اعتباریہ۔ تو تضاد کس کے اندر ہے؟ علمیت اور وصفیتِ محققہ کے اندر تضاد ہے، علمیت اور وصفیتِ اعتباریہ کے اندر تو تضاد نہیں، وہ تو صرف اعتبار کرنا پڑتا ہے حقیقت میں تو وہاں وصف نہیں ہوتا بھائی۔ تو لہٰذا علمیت کے ساتھ وصفیتِ اعتباریہ کو صرف تسلیم کر لیا جائے، اس کا کیا کر لیا جائے؟ اعتبار کر لیا جائے، یہ تو ممکن ہے، اس صورت میں تو اجتماعِ متضادین لازم نہیں آتا بھائی۔

تو اس کا جواب کیا دیا صاحبِ جامی نے؟ کہ بھائی یہ ٹھیک ہے وصفیتِ اعتباریہ علمیت کے ساتھ آ سکتی ہے، اس صورت میں اجتماعِ متضادین تو لازم نہیں آتا لیکن یہ اس کے مشابہ تو ہے۔ کس کس کا اعتبار کیا؟ علمیت کے ساتھ وصفیتِ اعتباریہ، اور یہ تو آپس میں متضاد نہیں، اس صورت میں تو اجتماعِ متضادین لازم نہیں آتا، تو اجتماعِ متضادین تو لازم نہیں آتا لیکن یہ اجتماعِ متضادین کے مشابہ ہے یا نہیں؟ یہ مشابہ تو ہے بھائی، تو یہاں مشابہت بھی پسندیدہ نہیں کہ آپ دو متضاد چیزوں کا صرف اعتبار کر لیں ایک ہی حکم کے اندر، یہ بھی پسندیدہ نہیں ہے۔ بات سمجھ میں آ گئی؟

دیکھیے بھائی کتاب پر۔ کہتے ہیں: فَإِنْ قُلْتَ: اگر آپ یہ اعتراض کریں، التَّضَادُّ إِنَّمَا هُوَ بَيْنَ الْوَصْفِيَّةِ الْمُحَقَّقَةِ وَالْعَلَمِيَّةِ کہ تضاد جو ہے وہ تو صرف وصفیتِ محققہ اور علمیت کے درمیان ہے، لَا بَيْنَ الْوَصْفِيَّةِ الْأَصْلِيَّةِ الزَّائِلَةِ وَالْعَلَمِيَّةِ نہ کہ وہ وصفیتِ اصلیہ جو زائل ہو چکی ہے اور علمیت، ان دونوں کے درمیان تو تضاد نہیں۔ توجہ ہے؟ وہ وصفیتِ اصلیہ جو کیا ہو چکی ہے؟ زائل ہو چکی ہے، آپ صرف کیا کر رہے ہیں اس کا اعتبار کر رہے ہیں، تو اس میں تو وصفیتِ اصلیہ زائلہ اور علمیت کے درمیان کوئی تضاد نہیں۔ تو کہتے ہیں: فَلَوِ اعْتُبِرَتِ الْوَصْفِيَّةُ الْأَصْلِيَّةُ وَالْعَلَمِيَّةُ فِيْ مَنْعِ صَرْفِ مِثْلِ حَاتِمٍ تو اگر اعتبار کر لیا جائے وصفیتِ اصلیہ کا اور علمیت کا فِيْ مَنْعِ صَرْفِ مِثْلِ حَاتِمٍ حَاتِمٌ جیسے لفظوں کی منعِ صرف کے اندر، اگر ان دونوں کا اعتبار کر لیا جائے، تو لَا يَلْزَمُ اجْتِمَاعُ الْمُتَضَادَّيْنِ تو اس صورت میں اجتماعِ متضادین لازم نہیں آتا۔ آپ کس کا اعتبار کر رہے ہیں؟ علمیت کے ساتھ وصفیتِ اصلیہ زائلہ کا صرف اعتبار کر رہے ہیں، کوئی وصفیتِ محققہ یہاں نہیں ہے، تو اس میں تو کوئی خرابی لازم نہیں، اس میں تو اجتماعِ متضادین لازم نہیں آتا۔ بات سمجھ میں آ گئی؟

قُلْنَا: اب جواب دے رہے ہیں۔ قُلْنَا: ہم کہتے ہیں تَقْدِيْرُ أَحَدِ الضِّدَّيْنِ بَعْدَ زَوَالِهِ مَعَ الضِّدِّ الْآخَرِ کہ فرض کر لینا، تَقْدِيْر فرض کرنا، تَقْدِيْرُ أَحَدِ الضِّدَّيْنِ دو ضدین میں سے ایک کو فرض کر لینا بَعْدَ زَوَالِهِ اس کے زائل ہو جانے کے بعد مَعَ الضِّدِّ الْآخَرِ دوسری ضد کے ساتھ فِيْ حُكْمِ وَّاحِدٍ ایک ہی حکم کے اندر، ایک ہی حکم کے اندر ایک ضد کے ساتھ دوسری ضد کا اعتبار کر لینا اس کے زائل ہو جانے کے بعد، وَإِنْ لَّمْ يَكُنْ مِنْ قَبِيْلِ اجْتِمَاعِ الْمُتَضَادَّيْنِ اگرچہ یہ اجتماعِ متضادین کی قبیل سے تو نہیں ہے لٰكِنَّهُ شَبِيْهٌ بِهِ لیکن یہ اس کے مشابہ ہے، فَاعْتِبَارُهُمَا مَعاً غَيْرُ مُسْتَحْسَنٍ تو لہٰذا ان دونوں کا اکٹھا اعتبار کرنا

غَيْرُ مُسْتَحْسَنٍ یہ پسندیدہ نہیں ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟

یہاں تک پہلا ضابطہ اور اس سے متعلق کچھ باتیں ذکر کیں صاحبِ کافیہ نے۔ اسبابِ منعِ صرف نو تھے ان کو بیان کیا اور اس کے بعد میں نے بتلایا تھا کہ دو ضابطے ذکر کریں گے۔ پہلا ضابطہ یہ ذکر کیا کہ ہر وہ اسم جس کے اندر علمیت مؤثر ہو کر جمع ہو جب اس کو نکرہ بنایا جائے تو وہ کیا ہو جاتا ہے؟ منصرف ہو جاتا ہے، پھر اس کے بعد اس میں امام سیبویہ تھوڑا اختلاف کرتے تھے اس کو بھی بیان کر دیا۔ اب آگے دوسرا ضابطہ ذکر کریں گے۔ بات سمجھ میں آگئی؟

بھائی دیکھیے یہ جو ابھی تک بحث ہوئی پہلے ضابطے کی کہ جس میں امام سیبویہ کا اختلاف ذکر کیا، امام سیبویہ کا اختلاف ذکر کیا، صاحبِ جامی نے امام سیبویہ کو رد کیا ہے۔ صاحبِ جامی نے کس کو ترجیح دی ہے؟ امام اخفش کے قول کو۔ اور صاحبِ کافیہ کی کیا رائے ہے؟ آپ کو کیا معلوم ہوا اتنی بحث سے کہ صاحبِ کافیہ امام سیبویہ کا رد کر رہے ہیں یا ان کی تائید کر رہے ہیں؟ جی؟ صاحبِ کافیہ جو ہے وہ امام سیبویہ کی تائید کر رہے ہیں یا تردید؟ یہ واضح نہیں۔ لیکن بعض محشی حضرات فرماتے ہیں کہ یہ جو امام سیبویہ پر بابِ حاتم والا اعتراض ہوتا تھا اس کا جواب دیا کس نے؟ صاحبِ کافیہ نے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ صاحبِ کافیہ کے نزدیک امام سیبویہ کا مذہب پسندیدہ ہے، لہٰذا ان پر وارد ہونے والے ایک اعتراض کا جواب بھی انہوں نے ذکر کر دیا۔ اور نیز بعض علماء نے لکھا بھی ہے کہ امام اخفش نے اپنی کتاب أَوْسَط کے اندر، أَوْسَط ہمزہ واؤ سین اور طا ہے بھائی طا ظا، امام اخفش نے اپنی کتاب أَوْسَط کے اندر خود تحریر فرمایا کہ أَحْمَرُ جیسے لفظوں کا منصرف ہونا جو میں نے ذکر کیا ہے یہ میں نے قیاس کے مطابق ذکر کیا ہے۔ قیاس کیا تقاضا کرتا ہے؟ کہ جب علمیت ختم کر دی ہے تو اب دوبارہ اس وصفیت کا اعتبار نہیں کرنا چاہیے کیونکہ وہ مکمل طور پر زائل ہو چکی ہے، تو یہ میں نے قیاس کے مطابق ذکر کیا ہے، باقی عربوں سے جو سماع ہے، عربوں سے جو سنا گیا ہے، تو وہ أَحْمَرُ جیسے لفظوں کو علمیت کے بعد بھی غیرِ منصرف ہی پڑھتے ہیں۔ معلوم ہوا انہوں نے بھی امام سیبویہ کی تائید کی ہے، اور عربی زبان کے قواعد کس پر مبنی ہیں؟ سماع پر مبنی ہیں، قیاس پر مبنی نہیں۔ تو امام اخفش نے اپنی کتاب أَوْسَط کے اندر ذکر کیا ہے کہ أَحْمَرُ جیسے لفظوں کے منصرف ہونے کا جو میں قائل ہوں وہ قیاس کی وجہ سے ہوں، ورنہ سماع اس کے غیرِ انصراف پر ہی ہے۔ اور یہ ان کی یہ کتاب جو ہے اس وقت دنیا میں موجود نہیں بھائی، تو البتہ بعض علماء نے اپنی کتابوں میں ان کا یہ حوالہ ذکر کیا ہے کہ انہوں نے اپنی اس کتاب میں اس طرح لکھا تھا۔ تو معلوم ہوا امام سیبویہ کا مذہب بھی کوئی کمزور مذہب نہیں ہے بھائی، بلکہ بعض میں نے بتایا بعض علماء کیا کرتے ہیں؟ ان کے قول کو ترجیح دیتے ہیں بھائی۔

آگے دیکھیے بھائی، کہتے ہیں: وَجَمِيْعُ الْبَابِ أَيْ بَابِ غَيْرِ الْمُنْصَرِفِ بِاللَّامِ أَيْ بِدُخُوْلِ لَامِ التَّعْرِيْفِ عَلَيْهِ أَوِ الْإِضَافَةِ أَيْ إِضَافَتِهِ إِلٰى غَيْرِهِ يَنْجَرُّ أَيْ يَصِيْرُ مَجْرُوْراً بِالْكَسْرِ۔

وَجَمِيْعُ الْبَابِ اور یہ سارا باب، یہ سارا باب یاد رکھیے دوسرا ضابطہ آپ کو یہ بتلائیں گے صاحبِ کافیہ کہ یہ جو سارا باب ہے غیرِ منصرف والا، اس میں جب غیرِ منصرف پر جب الف لام داخل ہو جائے یا اس کی اضافت کر دی جائے تو اس پر پھر کسرہ داخل ہو جاتا ہے۔ کہ غیرِ منصرف جو ہے جب اس کی اضافت کر دی جائے یا اس پر الف لام داخل کر دیا جائے تو اس پر کسرہ داخل ہو جاتا ہے۔ تنوین تو نہیں آسکتی کیونکہ تنوین الف لام کے ساتھ جمع نہیں ہوتی، اسی طرح تنوین جو ہے وہ اضافت کی وجہ سے بھی گر جاتی ہے۔ تو جب غیرِ منصرف پر الف لام آئے گا یا اس کی اضافت آپ کریں گے تو تنوین تو نہیں آسکتی البتہ کسرہ اس پر آجائے گا بھائی۔

دیکھیے متن متن، کہتے ہیں: وَجَمِيْعُ الْبَابِ اور سارا بابِ غیرِ منصرف جو ہے بِاللَّامِ لام کے ساتھ أَوِ الْإِضَافَةِ یا اضافت کے ساتھ يَنْجَرُّ بِالْكَسْرِ وہ مجرور ہو گا کسرہ کے ساتھ، وہ مجرور ہو گا کسرہ کے ساتھ۔ دیکھو صاحبِ کافیہ نے يَنْجَرُّ بِالْكَسْرِ فرمایا، صرف يَنْجَرُّ نہیں کہا کہ وہ مجرور ہو گا، کیونکہ مجرور تو غیرِ منصرف بھی ہوتا ہے لیکن اس پر جر کس صورت میں آتا ہے؟ غیرِ منصرف پر جر کس صورت میں آتا ہے؟ فتحہ کی صورت میں آتا ہے۔ لیکن جب الف لام اور اضافت آئے تو پھر يَنْجَرُّ بِالْكَسْرِ پھر اس کا جر کس صورت میں آئے گا؟ کسرہ کی صورت میں آئے گا یعنی زیر کی صورت میں آئے گا۔

اب دیکھیے بھائی شرح کے ساتھ۔ کہتے ہیں: وَجَمِيْعُ الْبَابِ اور سارا باب جو ہے أَيْ بَابِ غَيْرِ الْمُنْصَرِفِ یعنی غیرِ منصرف کا جو باب ہے، بتلانا یہ چاہتے ہیں، بھائی متن میں آیا تھا جَمِيْعُ الْبَابِ، اَلْبَابِ آیا، کیا آیا؟ اَلْبَابِ، اور آگے صاحبِ جامی نے اس کی تفسیر کی أَيْ بَابِ غَيْرِ الْمُنْصَرِفِ، بتلانا یہ چاہتے ہیں کہ اَلْبَابِ سے کیا مراد ہے؟ بابِ غیرِ منصرف مراد ہے بھائی۔ تو کہتے ہیں: وَجَمِيْعُ الْبَابِ أَيْ بَابِ غَيْرِ الْمُنْصَرِفِ سارا باب یعنی کہ جو غیرِ منصرف کا باب ہے بِاللَّامِ أَيْ بِدُخُوْلِ لَامِ التَّعْرِيْفِ عَلَيْهِ۔ دیکھو متن میں آیا بِاللَّامِ، صاحبِ جامی اس کی تفسیر کیا کر رہے ہیں؟ بِدُخُوْلِ لَامِ التَّعْرِيْفِ۔ ایک تو یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ لام سے مراد لامِ تعریف ہے۔ لام سے کیا مراد ہے؟ لامِ تعریف مراد ہے کیونکہ لام تو کئی قسم پر ہے بھائی، لام کئی معانی کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ ایک لامِ ابتدا ہے جو جملے کی تاکید کے لیے آتا ہے جیسے وَلَعَبْدٌ مُّؤْمِنٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكٍ۔ وَلَعَبْدٌ دیکھو یہ جو لام آیا عَبْدٌ مبتدا پر یہ کیا ہے؟ لامِ ابتدا ہے، یہ جملے کی تاکید کے لیے آتا ہے جیسے إِنَّ کیا ہیں؟ جملے کی تاکید کے لیے آتے ہیں، اسی طرح یہ لام بھی جملے میں تاکید پیدا کرتا ہے۔ اسی طرح کبھی یہ لام فعل پر داخل ہوتا ہے اس میں بھی تاکید پیدا کرتا ہے لَأَضْرِبَنَّكَ میں ضرور بضرور آپ کی پٹائی کروں گا، دیکھو یہ لام بھی کس لیے ہے؟ تاکید کے لیے۔ کبھی لام تعلیل کے لیے آتا ہے ضَرَبْتُهُ لِلتَّأْدِيْبِ میں نے اس کی پٹائی کی ادب سکھانے کے لیے، تو لام مختلف معانی کے لیے آتے ہیں۔ صاحبِ جامی نے آپ کو بتلا دیا کہ اس لام سے کون سا لام مراد ہے؟ لامِ تعریف مراد ہے اور لام مراد نہیں۔

اور نیز متن میں آیا تھا بِاللَّامِ، صاحبِ جامی نے اَللَّام سے پہلے مضاف کو بھی محذوف نکال کر بتلایا أَيْ بِدُخُوْلِ لَامِ التَّعْرِيْفِ۔

کیا بتلانا چاہتے ہیں؟ دراصل یہ جو با ہے یہ با سببیہ ہے، یہ با کیا ہے؟ سببیہ، اور کس پر داخل ہو رہی ہے؟ لام پر، اور لام تو ایک ذات کا نام ہے ایک حرف کا نام ہے، توجہ ہے؟ ایک حرف کا نام ہے، ذات کا نام ہے، اور یاد رکھو کسی چیز کی ذات سبب نہیں بنتی بلکہ اس کی کوئی صفت جو ہے وہ سبب بنتی ہے۔ توجہ ہے؟ ذات سبب نہیں بنتی بلکہ صفت سبب بنتی ہے یا یوں کہو کہ یہ جو اسباب ہوتے ہیں یہ ذات کی قبیل سے نہیں ہوتے بلکہ اوصاف کی قبیل سے ہوتے ہیں۔ مثلاً دیکھو چابی آپ گھمائیں گے تو تالا کھل جائے گا۔ تو دیکھو اس چابی کی ذات سبب نہیں ہے تالا کھلنے کے لیے، چابی آپ الگ رکھ دیں، تالا بند کر کے الگ رکھ دیں، تو دیکھو چابی کی ذات تو ابھی بھی موجود ہے لیکن کیا تالا کھل رہا ہے خود بخود؟ نہیں۔ چابی کی ذات تالے کے کھلنے کے لیے سبب نہیں ہے بلکہ اس چابی کو تالے میں گھمائیں گے تو چابی کا یہ جو گھمانا ہے یہ صفت جو ہے یہ سبب ہے تالے کے کھلنے کے لیے۔ تو ذات سبب نہیں ہوتی بلکہ اوصاف سبب ہوتے ہیں۔ اسی طرح سورج کا نکلنا یہ سبب ہے دن کے لیے، سورج کی ذات دن کے لیے سبب نہیں ہے، سورج کا نکلنا دن کے ہونے کا سبب ہے، ورنہ تو سورج تو رات کے وقت بھی موجود ہے غروب ہو گیا زمین کی دوسری جانب موجود ہے یعنی سورج۔ سورج تو موجود ہے اس کی ذات تو ہے لیکن اس کی ذات دن ہونے کا سبب نہیں ہے بلکہ اس کا طلوع ہونا تو اس کی ایک صفت جو ہے وہ سبب ہے۔ تو یہاں پر بھی یہ جو لام ہے یہ لام سبب نہیں ہے کسرہ کا بلکہ لام کا داخل ہونا جو ہے وہ سبب ہے کسرہ کا۔ تو صاحبِ جامی لامِ تعریف سے قبل دُخُوْل کا لفظ نکال کر وہ کیا بتلانا چاہتے ہیں؟ کہ یہ با سببیہ ہے اور وہ جو سبب ہے وہ لام کی ذات نہیں ہے بلکہ لام کا داخل ہونا ہے، یعنی ذات سبب نہیں ہے بلکہ اس کا ایک وصف جو ہے وہ سبب بن رہا ہے اس کسرے کا۔

تو کہتے ہیں: بِاللَّامِ أَیْ بِدُخُوْلِ لَامِ التَّعْرِیْفِ عَلَیْہِ یعنی لامِ تعریف کے اس پر داخل ہونے کی وجہ سے، أَوِ الْإِضَافَۃِ یا اضافت کی وجہ سے۔ بھائی اضافت دو چیزوں کے درمیان ہوتی ہے: ایک ہے مضاف، ایک ہے مضاف الیہ۔ تو اس سے اضافت سے کیا مراد ہے؟ مضاف ہونا مراد ہے یا مضاف الیہ ہونا مراد ہے؟ کس صورت میں کسرہ آئے گا غیرِ منصرف پر؟ تو آپ کو بتلائیں گے کہ اضافت سے مراد مضاف ہونا ہے، مضاف الیہ ہونا نہیں۔ غیرِ منصرف جب مضاف ہو گا، اس کی اضافت کی جائے گی کسی دوسری چیز کی طرف تو پھر اس پر کسرہ آئے گا۔

تو کہتے ہیں: أَوِ الْإِضَافَۃِ أَیْ إِضَافَتِہِ إِلٰی غَیْرِہِ یعنی کہ یہ کہ اس غیرِ منصرف کی اضافت کر دی جائے إِلٰی غَیْرِہِ کسی دوسرے لفظ کی طرف، یَنْجَرُّ أَیْ یَصِیْرُ مَجْرُوْراً۔ یہ معنی بیان کر رہے ہیں یَنْجَرُّ کا کیا معنی؟ أَیْ یَصِیْرُ مَجْرُوْراً وہ کیا ہو جائے گا؟ وہ غیرِ منصرف مجرور ہو گا، مجرور ہو جائے گا بِالْکَسْرِ أَیْ بِصُوْرَۃِ الْکَسْرِ یعنی کسرہ کی صورت میں۔ بھائی ویسے تو غیرِ منصرف پر جر آتا ہی ہے لیکن وہ جر کس صورت میں ہوتا ہے؟ فتحہ کی صورت میں۔ جَاءَنِیْ عُمَرُ، رَأَیْتُ عُمَرَ، مَرَرْتُ بِعُمَرَ، دیکھو با جارہ داخل ہے مَرَرْتُ بِعُمَرَ تو یہ عُمَر کا لفظ کیا ہے؟ مجرور ہے کیونکہ حرفِ جر جس لفظ پر داخل ہو وہ مجرور ہوتا ہے،

البتہ اس کا جر آتا ہی کس صورت میں ہے؟ فتحہ کی صورت میں آتا ہے۔ تو لیکن جب یہ غیرِ منصرف پر الف لام آجائے یا اضافت ہو جائے اب یہ مجرور کسرہ کے ساتھ ہو گا، فتحہ کے ساتھ نہیں۔ یہ معنی ہے أَیْ یَصِیْرُ مَجْرُوْراً بِالْکَسْرِ کہ وہ مجرور ہو گا کسرہ کے ساتھ، أَیْ بِصُوْرَةِ الْکَسْرِ کسرہ کی صورت ہو گی۔ کس کی؟

بھائی دراصل میں نے آپ کو بتلایا تھا کہ یہاں تین قسم کے نام ہیں، کتنی قسم کے؟ تین قسم کے نام ہیں۔ ایک ہے رَفْعٌ، نَصْبٌ، جَرٌّ۔ ایک ہے ضَمٌّ، فَتْحٌ، کَسْرٌ بغیر گول تا کے۔ اور ایک انہی کے ساتھ گول تا جوڑ دی جائے ضَمَّةٌ، فَتْحَةٌ، کَسْرَةٌ۔ تو کتنی قسم کے نام ہو گئے؟ تین قسم کے۔ کون کون سے؟ رَفْعٌ، نَصْبٌ، جَرٌّ، دوسرا کیا؟ ضَمٌّ، فَتْحٌ، کَسْرٌ، تیسرا کیا؟ ضَمَّةٌ، فَتْحَةٌ، کَسْرَةٌ۔ تو یہ جو رَفْعٌ، نَصْبٌ، جَرٌّ یہ خاص ہیں معرب کے ساتھ، یہ کس کے لیے استعمال ہوتے ہیں؟ معرب کے لیے۔ اور ضَمٌّ، فَتْحٌ، کَسْرٌ یہ خاص ہیں مبنی کے ساتھ، یہ مبنی کے لیے استعمال ہوتے ہیں۔ اور ضَمَّةٌ، فَتْحَةٌ، کَسْرَةٌ جس میں گول تا ساتھ جوڑ دی جائے یہ عام ہیں، یہ معرب کے لیے بھی استعمال ہوتے ہیں اور مبنی کے لیے بھی استعمال ہوتے ہیں۔ بات سمجھ میں آ گئی؟ تو یہاں بِالْکَسْرِ آیا کس کے ساتھ؟ کسرہ کے ساتھ۔ اور کَسْرہ تو کس کے لیے استعمال ہوتا ہے؟ مبنی کے لیے، بِالْکَسْرِ دیکھو بغیر گول تا کے ہے، تو یہ کس کے ساتھ خاص ہے؟ مبنی کے ساتھ۔ تو بِالْکَسْرِ سے آپ یہ نہ سمجھیں کہ وہ مبنی ہو جائے گا، وہ غیرِ منصرف جس پر الف لام یا اضافت آجائے تو وہ مبنی ہو جائے گا، تو صاحبِ جامی نے بتلا دیا أَیْ بِصُوْرَةِ الْکَسْرِ کسرہ کی صورت ہو گی، یعنی کَسْر تو مبنی پر آتا ہے بھائی۔ تو وہ مجرور ہو گا بِصُوْرَةِ الْکَسْرِ کسرہ کی صورت کے ساتھ لَفْظاً أَوْ تَقْدِیْراً وہ لفظاً ہو گا یا تقدیراً ہو گا۔

توجہ ہے؟ وہ کسرہ کبھی لفظاً ہو گا کبھی تقدیراً۔ لفظاً جیسے یہ أَحْمَدُ کا لفظ ہے، یہ غیرِ منصرف ہے۔ جَاءَنِیْ أَحْمَدُ دیکھو تنوین نہیں ہے، رَأَیْتُ أَحْمَدَ دیکھو تنوین نہیں ہے، اور مَرَرْتُ بِأَحْمَدَ دیکھو حالتِ جری میں کسرہ بھی نہیں اور تنوین بھی نہیں۔ تو غیرِ منصرف پر کسرہ بھی نہیں آتا اور تنوین بھی نہیں آتی۔ تو دیکھو أَحْمَدُ کا لفظ غیرِ منصرف ہے، اس پر تنوین بھی نہیں آتی اور کسرہ بھی نہیں، لیکن اس پر الف لام لے آؤ یا اضافت کر دو تو اب کسرہ آجائے گا۔ مثلاً میں کہتا ہوں مَرَرْتُ بِالْأَحْمَدِ دیکھو الف لام لایا تو کسرہ آگیا۔ اور یا مَرَرْتُ بِأَحْمَدِکُمْ میں آپ کے احمد کے پاس سے گزرا، تو دیکھو یہاں اضافت کے بعد اب کیا آگیا؟ کسرہ آگیا۔ اور پھر دیکھو یہ کسرہ کبھی لفظاً آتا ہے جیسے أَحْمَدُ پر کسرہ لفظوں میں آگیا، اور کبھی تقدیراً کسرہ آئے گا جیسے حُبْلٰی۔ حُبْلٰی اس کے اندر تانیث والا الفِ مقصورہ ہے اور یہ دو سببوں کے قائم مقام ہے، تو حُبْلٰی کا لفظ غیرِ منصرف ہے۔ توجہ ہے؟ اب اس کی اضافت کر دو یا اس پر الف لام لے آؤ، مَرَرْتُ بِالْحُبْلٰی اور مَرَرْتُ بِحُبْلَی النِّسَاءِ اضافت کر دو۔ تو دیکھو الف لام اور اضافت کر دی اور اس صورت میں کیا آنا چاہیے؟ ابھی بتایا غیرِ منصرف پر جب الف لام آجائے یا اس کی اضافت کر دی جائے تو اس پر کسرہ آجاتا ہے، لیکن یہاں پر دیکھو مَرَرْتُ بِالْحُبْلٰی کسرہ نہیں آیا، مَرَرْتُ

بِجُبْلَى النِّسَاءِ دیکھو کسرہ نہیں آیا، تو یہاں تقدیراً کسرہ آگیا ہے۔ تو کبھی کسرہ لفظاً آئے گا اور کبھی تقدیراً آئے گا۔ لفظاً کیا معنی؟ کہ اس پر باقاعدہ ہم تلفظ کریں گے، اور تقدیراً کیا معنی؟ یعنی فرض کر لو آگیا ہے، اس پر تلفظ نہیں ہو سکتا۔

یہ معنی ہے کہ وہ مجرور ہو گا کسرہ کے ساتھ أَيْ بِصُوْرَةِ الْكَسْرِ کسرہ کی صورت کے ساتھ لَفْظاً أَوْ تَقْدِيْراً وہ لفظاً ہو گا یا تقدیراً ہو گا۔

وَإِنَّمَا لَمْ يَكْتَفِ بِقَوْلِهِ يَنْجَرُّ: بھائی میں نے آپ کو وجہ بتلا دی کہ ماتن نے کیا کہا؟ يَنْجَرُّ بِالْكَسْرِ۔ صرف يَنْجَرُّ کہہ دیتے، یا صرف يَنْكَسِرُ کہہ دیتے، ایک لفظ استعمال کر لیتے، یہ دونوں لفظ کیوں استعمال کیے صاحبِ کافیہ نے حالانکہ صاحبِ کافیہ تو ایک لفظ بیکار نہیں لے کر آتے؟ تو جواب دیں گے صاحبِ جامی کہ صرف يَنْجَرُّ کہہ دیتے تو کافی نہیں تھا کیونکہ غیرِ منصرف مجرور تو ہوتا ہی ہے بھائی، اس پر جر فتحہ کی صورت میں آتا ہے۔ اور صرف يَنْكَسِرُ کہہ دیتے تو اس سے شبہ پڑتا شاید مبنی بن جاتا ہے جب الف لام اور اضافت ہو جائے تو يَنْكَسِرُ وہ مکسور ہوتا ہے، معلوم ہوا مبنی بن گیا کیونکہ كَسْر کس کے لیے استعمال ہوتا ہے؟ مبنی کے لیے۔ توجہ ہے؟ تو صرف يَنْجَرُّ کہتے تو وہ مجرور تو وہ پہلے بھی ہوتا ہے البتہ کس کے ساتھ ہوتا ہے؟ فتحہ کے ساتھ، تو کسرہ کے ساتھ مجرور ہو گا یہ پتہ نہ چلتا۔ اور صرف يَنْكَسِرُ کہہ دیتے تو شبہ پڑتا شاید وہ مبنی ہو گیا ہے، لہٰذا دونوں استعمال کیے کہ يَنْجَرُّ بِالْكَسْرِ کہ مجرور ہو گا اور کس کے ساتھ مجرور ہو گا؟ کسرہ کے ساتھ یعنی کسرہ کی صورت وہاں آ جائے گی۔

وہ کہتے ہیں: وَإِنَّمَا لَمْ يَكْتَفِ بِقَوْلِهِ يَنْجَرُّ ماتن نے اپنے قول يَنْجَرُّ پر اکتفا نہیں کیا لِأَنَّ الْاِنْجِرَارَ قَدْ يَكُوْنُ بِالْفَتْحِ اس لیے کیونکہ مجرور ہونا کبھی کبھار فتحہ کے ساتھ ہوتا ہے، وَلَا بِأَنْ يَّقُوْلَ يَنْكَسِرُ اور اس صرف يَنْكَسِرُ کہنے پر بھی ماتن نے اکتفا نہیں کیا لِأَنَّ الْكَسْرَ يُطْلَقُ عَلَى الْحَرَكَاتِ الْبِنَائِيَّةِ أَيْضاً اس لیے کیونکہ کسرہ کا اطلاق حرکاتِ بنائیہ پر بھی ہوتا ہے، اس لیے کیونکہ کسرہ کا اطلاق حرکاتِ بنائیہ یعنی مبنی کی حرکات پر بھی ہوتا ہے۔ بھائی میں نے آپ کو کیا بتایا؟ کہ كَسْر بغیر گول تا کے ہو تو یہ مبنی کے ساتھ خاص ہے، اور كَسْرَة گول تا کے ساتھ ہو تو یہ معرب اور مبنی... بھائی دیکھو نا رفع نصب جر یہ کس کے ساتھ خاص؟ معرب کے ساتھ۔ اور ضَمٌّ، فَتْحٌ، كَسْرٌ یہ بغیر گول تا کے یہ کس کے ساتھ خاص؟ مبنی کے ساتھ۔ اور ضَمَّةٌ، فَتْحَةٌ، كَسْرَةٌ یہ گول تا کے ساتھ ہوں تو یہ اس صورت میں دونوں کے لیے استعمال ہوتے ہیں معرب کے لیے بھی اور مبنی کے لیے بھی۔ جبکہ صاحبِ جامی کیا فرما رہے ہیں؟ لِأَنَّ الْكَسْرَ يُطْلَقُ عَلَى الْحَرَكَاتِ الْبِنَائِيَّةِ أَيْضاً کہ کسر کا اطلاق حرکاتِ بنائیہ پر بھی ہوتا ہے۔ حالانکہ کسر کا اطلاق تو صرف حرکاتِ بنائیہ پر ہوتا ہے، کس پر؟ صرف حرکاتِ بنائیہ پر، حرکاتِ اعرابیہ پر اس کا اطلاق نہیں ہوتا، لیکن یہ کیا فرما رہے ہیں؟ يُطْلَقُ عَلَى الْحَرَكَاتِ الْبِنَائِيَّةِ أَيْضاً کہ یہ حرکاتِ بنائیہ پر بھی اس کا اطلاق ہوتا ہے، معلوم ہوا حرکاتِ اعرابیہ پر بھی اس کا اطلاق ہوتا ہے۔ تو بھائی یاد رکھو وہ جو میں نے بیان کیا یہ جو تین نام ہیں تین قسم کے اور کون سی قسم کس کے ساتھ خاص ہے، یہ علمائے بصرہ کا مذہب ہے۔ کس کا؟ علمائے بصرہ، بصرہ کے نحوی حضرات کا

یہ مذہب ہے، جبکہ باقی علماء کسر معرب کے لیے بھی اس کو استعمال کرتے ہیں اور مبنی کے لیے بھی استعمال کرتے ہیں۔

آگے دیکھیے، کہتے ہیں: وَلِلنُّحَاةِ خِلَافٌ فِیْ أَنَّ ہٰذَا الْاِسْمَ فِیْ ہٰذِہِ الْحَالَۃِ مُنْصَرِفٌ أَوْ غَیْرُ مُنْصَرِفٍ۔

آگے اب نحویوں کا اختلاف ذکر کریں گے۔ بھائی پہلے ایک اور بات سمجھ لیں۔ انہوں نے کیا کہا؟ کہ یہ سارا جو غیرِ منصرف کا باب ہے جب اس پر الف لام داخل ہو جائے یا جب اس کی اضافت کر دی جائے تو اس پر کسرہ آجائے گا، کیا آجائے گا؟ کسرہ، یعنی یہ کسرہ کے ساتھ مجرور ہو گا۔ تنوین پھر بھی نہیں آئے گی کیونکہ تنوین الف لام کے ساتھ جمع نہیں ہوتی اور نیز تنوین اضافت کے ساتھ بھی نہیں آتی۔ تو یہ تنوین کیوں نہیں آتی اس کی وجہ سمجھ لو۔ بھائی دیکھو جب الف لام کسی اسم پر داخل ہوتا ہے تو یہ الف لام اس کو معرفہ بنا دیتا ہے، رَجُلٌ پر الف لام آیا اَلرَّجُلُ اب یہ کیا بن گیا؟ معرفہ بن گیا۔ اور جو تنوین ہے، تنوین آپ نے پڑھا تنوین کئی قسم کی ہے۔ ایک تنوینِ تمکن ہے، جیسے زَیْدٌ، رَجُلٌ، غُلَامٌ ان سب پہ یہ جو تنوین آرہی ہے یہ یاد رکھو یہ تنکیر والی تنوین نہیں ہے، یہ تمکن والی تنوین ہے یعنی یہ صرف اتنا بتا رہی ہے کہ یہ اسم منصرف ہے غیرِ منصرف نہیں ہے، کیونکہ غیرِ منصرف پر تنوین نہیں آتی۔ تو اسم کے اندر جو تنوین آتی ہے وہ دراصل یہ تنوینِ تمکن ہوتی ہے۔ تو ایک ہے تنوینِ تمکن جو یہ بتلاتی ہے کہ اسم متمکن ہے یعنی منصرف ہے۔ ایک تنوینِ عوض ہے جو مضاف الیہ کے عوض میں آتی ہے جیسے حِیْنَئِذٍ، یہ اصل میں کیا تھا؟ حِیْنَ إِذْ کَانَ کَذَا، تو کَانَ کَذَا کو حذف کیا اور إِذْ کو تنوین دے دی تو کیا بن گیا؟ حِیْنَئِذٍ۔ یا جیسے کُلٌّ پر تنوین آتی ہے، کُلٌّ کا معنی سارا، بھائی کس چیز کا سارا؟ آگے مضاف الیہ چاہیے کُلُّ رَجُلٍ، کُلُّ وَاحِدٍ، کُلُّ الطَّلَبَۃِ، تو کُلٌّ مضاف الیہ چاہتا ہے، کبھی پھر اس مضاف الیہ کو حذف کرتے ہیں اور کُلٌّ پر تنوین لے آتے ہیں کُلٌّ، اب یہ جو تنوین ہے یہ عوض ہے مضاف الیہ کے۔ تو ایک تنوینِ تمکن، ایک تنوینِ عوض۔ اسی طرح ایک تنوینِ تنکیر ہے نکرہ بنانے والی، اور یہ تنوینِ تنکیر یاد رکھو صرف اور صرف اسمِ فعل میں آتی ہے، کس کے اندر؟ اسمِ فعل۔ صَہْ، صَہْ کا معنی ہے ابھی خاموش ہو جاؤ، اور صَہٍ تنوین کے ساتھ ہے اس نے اس کو نکرہ بنا دیا، اس کا معنی ہے کسی وقت تو خاموش ہو جایا کرو۔ تو تنوینِ تنکیر صرف کس کے اندر آتی ہے؟ اسمِ فعل کے اندر، عام اسم کے اندر نہیں آتی۔ اور ایک تنوینِ مقابلہ ہے، تنوینِ مقابلہ وہ ہے جو جمع مؤنث سالم پر آتی ہے جَاءَنِیْ مُسْلِمَاتٌ، رَأَیْتُ مُسْلِمَاتٍ، مَرَرْتُ بِمُسْلِمَاتٍ، یہ جو تنوین ہے یہ جو جمع مؤنث سالم پر آرہی ہے یہ تنوینِ مقابلہ ہے، جیسے جمع مذکر سالم جو ہے جمع مذکر سالم اس کے آخر میں نون آیا ہے، جمع مذکر سالم اس کا اعراب کس کے ساتھ ہے؟ حالتِ رفعی میں واؤ اور حالتِ نصبی جری میں یا، مُسْلِمُوْنَ اور مُسْلِمِیْنَ۔ تو واؤ کے بعد نون بھی آرہا ہے یا نہیں آرہا؟ یہ نون بھی آرہا ہے۔ تو مُسْلِمَاتٍ اس پر بھی رفع اور ضمہ تو آرہا ہے اعراب کی وجہ سے لیکن یہ جو تنوین آرہی ہے یہ تنوین کس وجہ سے ہے؟ یہ تنوینِ مقابلہ ہے، یہ وہ جو جمع مذکر سالم کو چونکہ نون دیا گیا تھا اس لیے اس کو تنوین دے دی گئی اس کے مقابلے میں، تو یہ تنوینِ مقابلہ ہے۔ تو کیا نام اس

کا؟تنوینِ مقابلہ۔ اور ایک تنوینِ ترنم ہوتی ہے جو اشعار میں آتی ہے، وہ تو اسم، فعل، حرف سب پر داخل ہو جاتی ہے، وہ صرف ترنم کے لیے ہے وہ ہماری بحث سے خارج ہے۔ تو بات چل رہی ہے تنوین کی۔ تو تنوین پانچ قسم پر ہو گئی: ایک تنوینِ تمکن، ایک تنوینِ عوض، ایک تنوینِ تنکیر، ایک تنوینِ مقابلہ اور ایک تنوینِ ترنم۔ ان میں سے دیکھو تنوینِ تنکیر کس لیے آتی ہے؟ وہ اسمِ فعل کو نکرہ بنانے کے لیے آتی ہے۔ معلوم ہوا کہ تنوین کبھی کبھار نکرہ بنانے کے لیے بھی آتی ہے، اگرچہ آتی صرف اسمِ فعل میں ہے باقی کسی اور اسم میں نہیں آتی، لیکن آتی تو ہے تنکیر کے لیے کبھی کبھار۔ لہٰذا جب کسی اسم پر الف لام آجائے تو وہ معرفہ بن گیا، اب اس پر تنوین نہیں آئے گی کیونکہ یہ تنوین بعض جگہوں میں تنکیر کی علامت ہے۔ جیسے رَجُلٌ میں جو تنوین ہے یہ تو تمکن والی ہے یہ تو تنکیر والی نہیں، لیکن بعض جگہ یہ تنوین کس لیے آتی ہے؟تنکیر کے لیے آتی ہے، اور جب رَجُلٌ پر الف لام آیا تو اَلرَّجُلُ اب یہ کیا بن گیا؟ یہ معرفہ بن گیا، اور تنوین تو بعض جگہ کس لیے آتی ہے؟تنکیر کے لیے، لہٰذا اب اس پر تنوین نہیں آئے گی۔ اس لیے معرف باللام پر تنوین نہیں آتی کیونکہ یہ تنوین بعض جگہ تنکیر کے لیے استعمال ہوتی ہے۔

اور مضاف پر تنوین کیوں نہیں آتی؟ مضاف پر تنوین اس لیے نہیں آتی کیونکہ مضاف کا اتصال مضاف الیہ کے ساتھ بڑا شدید ہے، یعنی مضاف گویا محتاج ہوتا ہے مضاف الیہ کا، پھر ہی اس کا معنی پورا ہوتا ہے، اس کے بغیر اس کا معنی ہی پورا نہیں ہوتا۔ تو مضاف اتصال چاہتا ہے کس کے ساتھ؟ مضاف الیہ کے ساتھ، اور یہ جو تنوین ہوتی ہے یہ تو انفصال پر دلالت کرتی ہے۔ جب کسی اسم پر تنوین آجائے اس کا مطلب ہے یہ اسم مکمل ہو گیا، یہ آگے کسی اسم کی طرف مضاف نہیں ہو رہا، یہ آگے کسی اور اسم کے ساتھ جڑا ہوا نہیں ہے۔ تو تنوین کس پر دلالت کرتی ہے؟ انفصال پر کہ اسم پورا ہو گیا، آگے کسی چیز سے یہ جڑا ہوا نہیں ہے، اور مضاف کس کا تقاضا کرتا ہے؟ مضاف الیہ کا، تو مضاف اتصال کا تقاضا کرتا ہے اور تنوین کس کا تقاضا کرتی ہے؟ انفصال کا، اس لیے مضاف پر تنوین نہیں آسکتی۔ بات سمجھ میں آگئی؟تنوین کس پر دلالت کرتی ہے؟ انفصال پر۔ تنوین بتاتی ہے آگے کوئی اور لفظ اس لفظ کے ساتھ نہیں جڑا ہوا۔ میں نے کہا غُلَامٌ، غُلَامٌ کی تنوین نے کیا بتایا؟ آگے کوئی مضاف الیہ آرہا ہے یا نہیں آرہا؟ نہیں آرہا، اگر مضاف الیہ آرہا ہوتا تو غُلَامٌ پر تنوین نہیں آسکتی تھی۔ تو تنوین کس پر دلالت کرتی ہے؟ انفصال پر کہ ایک اسم تام ہو گیا پورا ہو گیا، یہ آگے کسی اور کے ساتھ جڑا ہوا نہیں ہے، اور حالانکہ مضاف تو کس کا تقاضا کرتا ہے؟ مضاف الیہ کا، جیسے دیکھو غُلَامُ زَیْدٍ، غُلَامُ زَیْدٍ کا کیا معنی؟ زید کا غلام۔ اگر میں صرف غُلَامٌ کہوں تو کیا اب معنی پورا ادا ہو گا؟ نہیں، غلام کا معنی تو غلام، حالانکہ میں صرف غلام کی بات کر رہا ہوں یا زید کے غلام کی بات کر رہا ہوں؟ زید کے۔ بھائی جب اضافت کر رہا ہوں، ویسے تو غلام مطلق غلام کے لیے استعمال ہو گا لیکن جب اضافت کر دی جائے اب معین غلام مراد ہے، تو میں غُلَامُ زَیْدٍ میں زید کے غلام کی بات کرنا چاہتا

ہوں تو صرف غُلَامٌ کہوں گا تو کیا آپ کے ذہن میں زید کا غلام آئے گا؟ نہیں۔ تو مضاف کس کا تقاضا کرتا ہے؟ مضاف الیہ کا، اس کے ساتھ مل کر اس کا معنی پورا ہوتا ہے۔ غلام کے ساتھ زید کا لفظ ملائیں گے تو پھر یہ زید کے غلام پر دلالت ہو گی، اس کے بغیر زید کے غلام پر دلالت نہیں۔ تو مضاف کس کا محتاج؟ مضاف الیہ کا، مضاف الیہ اس کے ساتھ جڑے گا تو اس کا معنی پورا ہو گا، اس کے بغیر اس کا معنی پورا نہیں۔ تو تنوین دلالت کرتی ہے انفصال پر کہ ایک اسم پورا ہو گیا آگے اس کے ساتھ کوئی اور اسم جڑا ہوا نہیں ہے، اور مضاف تو تقاضا کس کا کرتا ہے؟ اتصال کا کہ اس کے ساتھ آگے مضاف الیہ کو جوڑو ورنہ اس کے بغیر اس کا معنی پورا نہیں ہو گا، تو اس لیے مضاف پر تنوین نہیں آتی کیونکہ مضاف اتصال چاہتا ہے اور تنوین انفصال کے لیے آتی ہے۔

اچھا اب یاد رکھو یہاں پر نحوی حضرات میں اختلاف ہے بھائی۔ بات کیا چل رہی ہے؟ بات یہ چل رہی ہے کہ غیرِ منصرف پر جب الف لام داخل ہو جائے یا اس کی اضافت کر دی جائے تو پھر وہ کسرہ کے ساتھ مجرور ہو گا، اس پر کسرہ آ جائے گا حالتِ جری میں۔ اب اس حالت میں یہ منصرف ہے یا غیرِ منصرف؟ اس پر تو کسرہ آگیا، غیرِ منصرف پر تو کسرہ اور تنوین نہیں آتے، تو یاد رکھو اس میں علماء کے تین گروہ ہیں بھائی۔ بعض علماء فرماتے ہیں کہ اس حالت میں یہ مطلقاً منصرف ہے، کیا ہے؟ مطلقاً منصرف ہے، یعنی جب غیرِ منصرف پر الف لام داخل ہو جائے یا اس کی اضافت کر دی جائے تو وہ منصرف ہو جاتا ہے، اسی لیے اس پر پھر کسرہ آجاتا ہے حالانکہ غیرِ منصرف پر تو کسرہ اور تنوین نہیں آتے، اس پر کسرہ آرہا ہے، یہ کسرہ بتلا رہا ہے کہ یہ کیا ہو چکا ہے؟ منصرف ہو چکا ہے۔ بھائی کیوں منصرف ہوا؟ کہتے ہیں اس لیے کیونکہ اس پر الف لام آیا ہے یا اضافت اس کی ہوئی ہے، اور الف لام اور اضافت یاد رکھو اسم کے بڑے خاصے ہیں۔ توجہ ہے؟ الف لام اور اضافت اسم کے بڑے خاصوں میں شمار ہوتے ہیں، اسم کے اور بھی خاصے ہیں لیکن یہ دو خاصے بڑے خاصے شمار ہوتے ہیں۔ کون کون سے؟ الف لام اور اضافت۔ وجہ یہ کہ یہ لفظوں میں بھی اثر ڈالتے ہیں اور معنی میں بھی اثر ڈالتے ہیں۔ الف لام جب کسی اسم پر داخل کرو دیکھو اس کے آخر سے تنوین گر جاتی ہے، اسی طرح جب کسی اسم کی اضافت کرو تو اس کے آخر سے تنوین گر جاتی ہے یا تنوین کا قائم مقام جو ہوتا ہے وہ گر جاتا ہے۔ تو دیکھو یہ لفظوں کے اندر بھی اثر ڈالتے ہیں یہ اضافت اور الف لام، اور معنی کے اندر بھی یہ مؤثر ہوتے ہیں، الف لام سے پہلے وہ اسم نکرہ تھا الف لام کے بعد کیا بن گیا؟ معرفہ بن گیا۔ اسی طرح اضافت سے پہلے کوئی اسم نکرہ ہوتا ہے لیکن اضافت کے بعد اگر نکرہ کی طرف اضافت کرو گے تو اس میں تخصیص آجائے گی اور معرفہ کی طرف اضافت کرو گے تو وہ معرفہ بن جائے گا بھائی۔ توجہ ہے؟ تو الف لام اور اضافت یہ لفظوں میں بھی مؤثر اور معنی میں بھی مؤثر، دونوں جگہ یہ اثر ڈالتے ہیں اس لیے یہ اسم کے بڑے خاصے ہیں۔ لفظوں میں کیا اثر ڈالتے ہیں؟ کہ تنوین گرا دیتے ہیں۔ اور معنی میں کیا اثر ڈالتے ہیں؟ کہ الف لام کے ساتھ وہ اسم معرفہ بن جاتا ہے اور اضافت کی صورت میں اس اسم کے اندر تعریف یا تخصیص آجاتی ہے، یعنی مختصر لفظوں میں

یوں کہو یہ دونوں اسم کے مدلول کو ہی بدل دیتے ہیں، یہ دونوں اسم کے مدلول ہی کو بدل دیتے ہیں تو یہ اس لیے یہ اسم کے بڑے خاصے ہیں۔ لفظوں میں بھی مؤثر اور معنی میں بھی مؤثر ہیں کہ اسم کا مدلول ہی بدل دیا، یعنی جس پر اسم دلالت کر رہا تھا وہی بدل گیا۔

بھائی کس طرح بدل گیا؟ دیکھو بھائی۔ بھائی رَجُلٌ کا کیا معنی؟ کوئی آدمی، کوئی آدمی، زید، عمرو، بکر، خالد سب پر آپ اس کا اطلاق کر سکتے ہیں، لیکن جب میں کہوں گا اَلرَّجُلُ اب معنی ہے کوئی خاص آدمی مراد ہے ہر آدمی مراد نہیں، تو دیکھو مدلول بدل گیا، پہلے رَجُلٌ کا لفظ ہر رَجُل پر دلالت کر رہا تھا اب اَلرَّجُلُ کسی خاص رَجُل پر دلالت کر رہا ہے، تو دیکھو اسم کا مدلول بدل گیا۔ اسی طرح اضافت ہے مثلاً غُلَامٌ کا لفظ، غُلَامٌ پہلے دنیا کے ہر غلام پر صادق آ رہا ہے لیکن اگر میں اس کی نکرہ یا معرفہ کی طرف اضافت کروں گا تو دیکھو مدلول بدل جائے گا۔ میں اس کی اضافت کرتا ہوں نکرہ کی طرف، غُلَامُ رَجُلٍ مرد کا غلام۔ فرض کرو دنیا میں دس لاکھ غلام ہیں، دس لاکھ میں سے پانچ لاکھ مردوں کے ہیں اور پانچ لاکھ عورتوں کے ہیں، تو جب میں نے کہا غُلَامٌ تو ہر غلام پر یہ صادق آ رہا ہے، وہ جو دس لاکھ ہیں ان میں سے ہر ایک پر لفظِ غلام صادق آ رہا ہے۔ اب میں نے اس کی اضافت کر دی نکرہ کی طرف غُلَامُ رَجُلٍ آدمی کا غلام، اب یہ صرف کتنے پر صادق آ رہا ہے؟ پانچ لاکھ پر کیونکہ پانچ لاکھ تو عورتوں کے غلام ہیں، تو غُلَامُ رَجُلٍ آدمی کا غلام اب اس میں تعریف تو نہیں آئی لیکن تخصیص آ گئی، احتمالات کم ہو گئے، اب دس لاکھ پر صادق نہیں آ رہا بلکہ صرف پانچ لاکھ پر صادق آ رہا ہے، دیکھو اسم کا مدلول بدل گیا جس پر وہ دلالت کر رہا تھا۔ اور اگر معرفہ کی طرف اضافت کرو تو وہ معرفہ ہی بن جاتا ہے، جیسے اسی لفظِ غلام کی اضافت اب اگر میں معرفہ یعنی زید کی طرف کر دوں غُلَامُ زَيْدٍ زید کا غلام، اب دیکھو مدلول بدل گیا اب صرف کس پر صادق آ رہا ہے؟ زید کے غلام پر۔ تو یہ الف لام اور اضافت یہ اسم کے بڑے خاصے شمار ہوتے ہیں کیونکہ یہ لفظوں میں بھی اثر ڈالتے ہیں اور معنی میں بھی اثر ڈالتے ہیں۔ لفظوں میں کیا اثر ڈالتے ہیں؟ تنوین گرا دیتے ہیں۔ معنی میں کیا اثر ڈالتے ہیں؟ کہ الف لام جو ہے وہ اسم کو معرفہ بنا دیتا ہے اور جو اضافت ہوتی ہے وہ اس اسم میں تعریف یا تخصیص پیدا کر دیتی ہے، نکرہ کی طرف اضافت کرو تو تخصیص پیدا ہو جائے گی اور معرفہ کی طرف اضافت کرو تو اس میں تعریف پیدا ہو جائے گی، تو مختصر لفظوں میں یوں کہو کہ یہ دونوں لفظوں میں بھی اثر ڈالتے ہیں اور معنی میں بھی، اور معنی میں یہ اثر ہے کہ یہ اسم کے مدلول کو بدل دیتے ہیں۔

تو لہٰذا تین مذاہب ہیں بھائی میں نے بتایا کہ جب غیرِ منصرف پر الف لام آ جائے یا اس کی اضافت ہو جائے تو اس میں تین مذاہب ہیں۔ بعض علماء فرماتے ہیں کہ یہ اب منصرف بن چکا ہے، الف لام اور اضافت کے بعد یہ غیرِ منصرف کیا بن گیا؟ منصرف بن گیا۔ بعض علماء فرماتے ہیں کہ یہ مطلقاً ابھی بھی غیرِ منصرف ہے، پہلے بھی غیرِ منصرف تھا الف لام اور اضافت کے بعد بھی غیرِ منصرف ہے۔ اور بعض علماء فرماتے ہیں کہ الف لام اور اضافت کے بعد آپ غور کر لیں، اگر ابھی بھی دو سبب اس میں موجود ہیں تو پھر تو یہ ابھی بھی غیرِ منصرف ہے اور اگر اب دو سبب موجود نہیں تو پھر یہ

منصرف ہو چکا ہے۔ کتنے مذاہب؟ تین۔ پہلا مذہب کیا؟ کہ الف لام اور اضافت کے بعد غیرِ منصرف مطلقاً منصرف ہو جاتا ہے۔ اور دوسرا مذہب کیا؟ کہ الف لام اور اضافت کے بعد غیرِ منصرف مطلقاً غیرِ منصرف ہی رہتا ہے منصرف نہیں ہوتا۔ اور تیسرا مذہب کیا؟ کہ الف لام اور اضافت کے بعد غور کر لیں، اگر ابھی بھی دو سبب موجود ہیں تو یہ غیرِ منصرف ہے اور اگر دو سبب موجود نہیں تو یہ منصرف ہو چکا ہے۔

اب دیکھیے بھائی کتاب پر۔ تو کہتے ہیں: وَلِلنُّحَاةِ خِلَافٌ فِيْ أَنَّ هٰذَا الْاِسْمَ فِيْ هٰذِهِ الْحَالَةِ مُنْصَرِفٌ أَوْ غَيْرُ مُنْصَرِفٍ اور نحویوں کا اختلاف ہے اس بارے میں کہ یہ والا جو اسم ہے اس حالت میں منصرف ہے یا غیرِ منصرف ہے یعنی جب اس پر الف لام داخل ہو جائے یا اس کی اضافت ہو جائے۔

فَمِنْهُمْ مَّنْ ذَهَبَ: اب یہ پہلا مذہب بیان کرنے لگے ہیں۔ فَمِنْهُمْ مَّنْ ذَهَبَ پس ان نحویوں میں سے بعض وہ ہیں جو گئے ہیں اس بات کی طرف کہ أَنَّهُ مُنْصَرِفٌ مُّطْلَقاً کہ یہ مطلقاً منصرف ہے یعنی الف لام اور اضافت کے بعد یہ مطلقاً منصرف ہے، لِأَنَّ عَدَمَ انْصِرَافِهِ إِنَّمَا كَانَ لِمُشَابَهَتِهِ الْفِعْلَ کہتے ہیں اس لیے کیونکہ اس اسم کا غیرِ منصرف ہونا وہ اس کی فعل کے ساتھ مشابہت کی وجہ سے تھا، اسم غیرِ منصرف کیوں بنتا ہے؟ کیونکہ اس کی فعل کے ساتھ مشابہت آجاتی ہے اور فعل پر تو کسرہ اور تنوین نہیں آتے تو لہٰذا اسی وجہ سے غیرِ منصرف پر بھی کسرہ اور تنوین نہیں آتے۔ تو کہتے ہیں: لِأَنَّ عَدَمَ انْصِرَافِهِ إِنَّمَا كَانَ لِمُشَابَهَتِهِ الْفِعْلَ اس لیے کیونکہ اس اسم کا غیرِ منصرف ہونا وہ اس کی فعل کے ساتھ مشابہت کی وجہ سے تھا، فَلَمَّا ضَعُفَتْ هٰذِهِ الْمُشَابَهَةُ بِدُخُوْلِ مَا هُوَ مِنْ خَوَاصِّ الْاِسْمِ پس جب یہ مشابہت ضعیف ہو گئی، بھائی کیوں ضعیف ہوئی؟ کہتے ہیں بِدُخُوْلِ مَا هُوَ مِنْ خَوَاصِّ الْاِسْمِ بوجہ داخل ہونے اس چیز کے جو اسم کے خاصوں میں سے ہے أَعْنِي اللَّامَ أَوِ الْإِضَافَةَ یعنی کہ لام اور اضافت، لام اور اضافت اسم کے خاصوں میں سے ہے۔ بھائی لفظ غیرِ منصرف کیوں تھا؟ کیونکہ اس کی فعل کے ساتھ مشابہت تھی، جب اس پر الف لام آگیا یا اس کی اضافت ہو گئی تو الف لام اور اضافت تو اسم کے خاصے ہیں تو اس کی وہ جو فعل کے ساتھ مشابہت تھی وہ کمزور پڑ گئی، فعل کے ساتھ مشابہت کمزور پڑ گئی کیونکہ وہ چیز اسم کے اندر آگئی جو اسم کے ساتھ خاص ہے، تو لہٰذا اب یہ کیا بن گیا؟ منصرف بن گیا۔ تو کہتے ہیں: قَوِيَتْ جِهَةُ الْاِسْمِيَّةِ تو اس کی اسم ہونے والی جہت جو ہے وہ طاقتور ہو گئی، فَرَجَعَ إِلٰى أَصْلِهِ الَّذِيْ هُوَ الصَّرْفُ تو یہ اسم لوٹ گیا اپنی اصل کی طرف الَّذِيْ هُوَ الصَّرْفُ جو کہ صرف ہے یعنی منصرف ہونا ہے۔ فَدَخَلَهُ الْكَسْرُ دُوْنَ التَّنْوِيْنِ تو اس پر کسرہ داخل ہوا دُوْنَ التَّنْوِيْنِ نہ کہ تنوین۔ بھائی تنوین کیوں نہیں آئی؟ کہتے ہیں: لِأَنَّهُ لَا يَجْتَمِعُ مَعَ اللَّامِ وَالْإِضَافَةِ اس لیے کیونکہ تنوین لام اور اضافت کے ساتھ جمع نہیں ہوتی، کیونکہ تنوین لام اور اضافت کے ساتھ جمع نہیں ہوتی۔ یہ منصرف ہو چکا ہے اس لیے کسرہ تو آگیا اور تنوین نے بھی آنا تھا لیکن تنوین کیوں نہیں آسکتی؟ کیونکہ تنوین الف لام اور اضافت کے ساتھ جمع نہیں ہوتی۔ یہ معنی

ہے، کہتے ہیں: لِأَنَّهُ لَا يَجْتَمِعُ مَعَ اللَّامِ وَالْإِضَافَةِ اس لیے کیونکہ تنوین جو ہے وہ لام اور اضافت کے ساتھ جمع نہیں ہوتی۔

وَمِنْهُمْ: اب یہ دوسرا مذہب آیا۔ کہتے ہیں: وَمِنْهُمْ مَّنْ ذَهَبَ إِلٰى أَنَّهُ غَيْرُ مُنْصَرِفٍ مُّطْلَقاً اور نحویوں میں سے بعض وہ ہیں جو اس بات کی طرف گئے ہیں کہ یہ اسم جو ہے غیرِ منصرف ہے مطلقاً، الف لام اور اضافت کے بعد یہ مطلقاً غیرِ منصرف ہے یعنی ہر حال میں غیرِ منصرف ہے۔ دیکھیے آگے وجہ ذکر کر رہے ہیں۔ کہتے ہیں: وَالْمَمْنُوْعُ مِنْ غَيْرِ الْمُنْصَرِفِ بِالْأَصَالَةِ هُوَ التَّنْوِيْنُ اس لیے کیونکہ وہ چیز جو منع ہوتی ہے غیرِ منصرف سے بِالْأَصَالَةِ اصلاً جو ہے هُوَ التَّنْوِيْنُ وہ صرف تنوین ہوتی ہے، وَسُقُوْطُ الْكَسْرِ إِنَّمَا هُوَ بِتَبَعِيَّةِ التَّنْوِيْنِ اور کسرہ کا ساقط ہونا جو ہے وہ تنوین کے تابع ہونے کی وجہ سے ہوتا ہے۔ ادھر دیکھیے بھائی یاد رکھو یہ علماء فرماتے ہیں کہ یہ جو غیرِ منصرف پر کسرہ اور تنوین نہیں آتے تو اس کے اندر اصلاً تنوین ساقط ہوتی ہے غیرِ منصرف سے، غیرِ منصرف سے اصلاً تنوین ساقط ہوتی ہے اور کسرہ تنوین کے تابع ہو کر ساقط ہوتا ہے۔ تو یعنی اصلاً تنوین ساقط ہوئی اور تبعاً کسرہ ساقط ہوا، غیرِ منصرف پر نہ کسرہ آتا ہے اور نہ تنوین، اصلاً کیا چیز ساقط ہوئی؟ تنوین ساقط ہوئی اور تبعاً کسرہ۔ بھائی تنوین اصلاً کیوں ساقط ہوئی؟ کہتے ہیں اس لیے کیونکہ اسم کے اندر تنوین تمکن کی علامت ہے، اسم کے اندر تنوین تمکن کی یعنی منصرف ہونے کی علامت ہے اور یہ غیرِ منصرف تو کس کے مشابہ ہو گیا؟ فعل کے، تو اور اسم کے اندر اصل کیا ہے؟ متمکن ہونا، اور یہ تنوین کس پر دلالت کرتی ہے؟ متمکن ہونے پر، اور جبکہ اس اسم کی تو مشابہت کس کے ساتھ آ گئی؟ فعل کے ساتھ، لہٰذا اب اس سے وہ تنوینِ تمکن ساقط ہو جاتی ہے۔ اور جب تنوینِ تمکن ساقط ہوتی ہے تو کسرہ بھی ساقط ہو جاتا ہے اس لیے کیونکہ جہاں تنوینِ تمکن آتی ہے وہاں کسرہ بھی آتا ہے۔ جَاءَنِيْ زَيْدٌ تنوینِ تمکن آ رہی ہے، رَأَيْتُ زَيْداً، مَرَرْتُ بِزَيْدٍ، تو دیکھو زَيْدٌ پر تنوینِ تمکن آ رہی ہے تو اس پر کسرہ بھی آتا ہے۔ جَاءَنِيْ رَجُلٌ، رَأَيْتُ رَجُلاً، مَرَرْتُ بِ رَجُلٍ، رَجُلٌ پر تنوینِ تمکن آ رہی ہے تو اس پر کسرہ بھی آ رہا ہے۔ تو جہاں تنوینِ تمکن آتی ہے وہاں کسرہ بھی آتا ہے، تو جب تنوینِ تمکن جو ہے ممنوع ہو گئی تو جو کسرہ اس کے ساتھ آتا ہے وہ بھی کیا ہو گیا؟ ممنوع ہوا، لیکن تنوین اصلاً ممنوع ہوئی اور کسرہ تبعاً ممنوع ہوا۔ بات سمجھ میں آ گئی؟

بھائی انہوں نے کیا کہا؟ یہ علماء کیا فرماتے ہیں کہ غیرِ منصرف سے اصلاً تنوین ممنوع ہوتی ہے اور تبعاً کسرہ ممنوع ہوتا ہے، وجہ یہ کہ یہ تنوین فعل پر کبھی نہیں آتی، تنوین کبھی بھی فعل پر نہیں آتی کیونکہ تنوین انفصال پہ دلالت کرتی ہے اور فعل، فعل کے بعد تو آگے فاعل یا نائب فاعل چاہیے بھائی، تو فعل تو آگے فاعل یا نائب فاعل کے ساتھ اتصال کا تقاضا کرتا ہے اور تنوین کس پر دلالت کرتی ہے؟ انفصال پر دلالت کرتی ہے، اس لیے فعل پر کبھی تنوین نہیں آتی۔ بات سمجھ میں آ گئی؟ بھائی وہ ایک تنوینِ ترنم آتی ہے لیکن میں نے بتایا بھائی وہ صرف اشعار کے اندر ترنم کے لیے ہے، اس کا اعتبار نہیں، ہاں تو باقی فعل پر کبھی تنوین نہیں آتی۔ کیوں نہیں آتی؟ کیونکہ تنوین کس پر دلالت کرتی ہے؟ انفصال پر کہ اگلی چیزوں کے ساتھ

یہ لفظ جڑا ہوا نہیں ہے، اور جبکہ فعل تو آگے کس کا تقاضا کرتا ہے؟ فاعل یا نائب فاعل کا تقاضا کرتا ہے، تو فعل اتصال کا تقاضا کر رہا ہے اور تنوین انفصال پہ دلالت کر رہی ہے، تو اس لیے فعل پر کبھی تنوین نہیں آتی۔ ہاں کسرہ کبھی کبھی فعل پر بھی آجاتا ہے۔ آپ حیران ہوں گے بھائی فعل پر کسرہ کیسے آتا ہے؟ بھائی دیکھتے نہیں آپ کہ السَّاكِنُ إِذَا حُرِّكَ حُرِّكَ بِالْكَسْرِ جہاں اجتماعِ ساکنین آئے تو آپ اول ساکن کو کون سی حرکت دیتے ہیں؟ کسرہ والی۔ جیسے قُلْ، قُلْ فعلِ امر ہے، اس کو آپ ذرا جوڑیں اَلْحَقَّ کے ساتھ، قُلْ اور آگے لفظ کیا ہے؟ اَلْحَقَّ، جوڑیں اس کو ملائیں کیسے پڑھیں گے؟ قُلِ الْحَقَّ، قُلِ الْحَقَّ دیکھو لام کے نیچے کسرہ آگیا یا نہیں؟ تو فعل پر کسرہ آجاتا ہے کبھی کبھار، اگرچہ عارضی ہوتا ہے اجتماعِ ساکنین کی وجہ سے آتا ہے، لیکن کسرہ آتو جاتا ہے جبکہ تنوین کبھی بھی فعل پر نہیں آتی۔ تو لہٰذا معلوم ہوا کہ جب اسم کی مشابہت فعل کے ساتھ ہو گی تو جیسے فعل پر تنوین نہیں آتی اب اسم پر بھی تنوین نہیں آئے گی، اور جہاں تنوین آتی ہے وہاں کسرہ بھی آتا ہے، تو جب تنوین ممنوع ہو گئی تو غیرِ منصرف سے کسرہ بھی کیا ہو جائے گا؟ ممنوع ہو گا، لیکن تنوین ممنوع ہے اصلاً اور کسرہ ممنوع ہے تبعاً بھائی۔

اچھا تو یہ علماء کیا فرماتے ہیں یہ دوسرے مذہب والے؟ کہ جب غیرِ منصرف پر الف لام آجائے یا اس کی اضافت ہو جائے تو یہ مطلقاً غیرِ منصرف رہے گا، ابھی بھی کیا ہے؟ غیرِ منصرف ہے۔ تو سوال پیدا ہوتا ہے اس پر پھر کسرہ کیوں آیا؟ غیرِ منصرف پر تو کسرہ اور تنوین نہیں آتے اور صاحبِ کافیہ نے ابھی بتایا جی کہ اس پر کسرہ آجائے گا جب الف لام آجائے یا اضافت ہو جائے، تو پھر کسرہ کیوں آیا اگر یہ مطلقاً غیرِ منصرف ہے؟ تو وہ جواب دیتے ہیں، توجہ ہے؟ بعض علماء جواب دیتے ہیں کہ الف لام اور اضافت کی وجہ سے تنوین گر جاتی ہے، توجہ ہے؟ اس کی وجہ سے تنوین گر جاتی ہے، یہ جو تنوین گرتی ہے یہ غیرِ انصراف کی وجہ سے گرتی ہے یا الف لام اور اضافت کی وجہ سے گرتی ہے؟ تو جس لفظ پر الف لام آئے یا اس کی اضافت ہو جائے اس سے تنوین گر جاتی ہے، اور یہ تنوین غیرِ انصراف کی وجہ سے نہیں گری، کس وجہ سے گری ہے؟ الف لام اور اضافت کی وجہ سے گری ہے۔ تو لہٰذا یہاں تنوین جو ممنوع ہوئی وہ غیرِ منصرف ہونے کی وجہ سے نہیں ہے، غیرِ منصرف ہونے کی وجہ سے تنوین ممنوع ہوئی ہوتی تو کسرہ بھی نہ آتا، لیکن یہ تنوین ممنوع ہوئی گر گئی کس کی وجہ سے؟ الف لام اور اضافت کی وجہ سے۔ جب الف لام اور اضافت کی وجہ سے تنوین ممنوع ہوئی ہے، غیرِ انصراف کی وجہ سے ممنوع نہیں ہوئی، تو کسرہ آئے گا بھائی۔ اگر یہ تنوین کس کی وجہ سے گری ہوتی؟ غیرِ منصرف ہونے کی وجہ سے، پھر تو کسرہ بھی نہیں آنا چاہیے تھا کیونکہ تنوین کے تابع ہے کسرہ بھی بھائی، تو ان پر کسرہ کیوں آتا ہے؟ کیونکہ ان سے تنوین غیرِ انصراف کی وجہ سے نہیں گری بلکہ کس کی وجہ سے گری ہے؟ الف لام اور اضافت کی وجہ سے گری ہے، اگر غیرِ انصراف کی وجہ سے تنوین گری ہوتی تو کسرہ بھی نہ آتا، لیکن اب کسرہ آرہا ہے کیونکہ تنوین الف لام اور اضافت کی وجہ سے گری ہے غیرِ

انصراف کی وجہ سے نہیں گری، اس لیے کسرہ آئے گا۔ یہ جواب بعض علماء نے دیا۔

لیکن اس پر اشکال ہوتا ہے کہ بھائی غیرِ انصراف مقدم ہے، الف لام اور اضافت سے پہلے ہے بھائی۔ غیرِ انصراف تو کیا ہے؟ الف لام اور اضافت سے مقدم ہے، معلوم ہوا یہ تنوین کس کی وجہ سے گر چکی ہے؟ یہ تنوین غیرِ انصراف کی وجہ سے ہی گری ہے، لہٰذا کسرہ کو بھی نہیں آنا چاہیے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو ان پر اعتراض ہوتا ہے کہ بھائی یہ تنوین جو گری ہے یہ الف لام اور اضافت کی وجہ سے نہیں گری بھائی، کیونکہ غیرِ انصراف مقدم ہے، وہ لفظ پہلے کیا تھا؟ غیرِ منصرف، پھر اس پر کیا داخل ہوا؟ الف لام یا اضافت بھائی، تو تنوین تو اس سے پہلے ہی گر چکی ہے وہ تو پہلے ہی غیرِ منصرف تھا، تو یہ جو تنوین گری ہے یہ الف لام اور اضافت کی وجہ سے نہیں گری لہٰذا اس پر کسرہ بھی نہیں آنا چاہیے۔

تو چنانچہ اسی لیے صاحبِ جامی نے یہ جواب نہیں دیا کہ ان کی تنوین الف لام اور اضافت کی وجہ سے گری ہے، صاحبِ جامی نے اور جواب دیا۔ صاحبِ جامی فرماتے ہیں کہ بھائی دیکھیے کہ یہ جو اسم غیرِ منصرف ہوتا ہے اس کی فعل کے ساتھ مشابہت ہوتی ہے، تو جب اس پر الف لام اور اضافت آگئی تو الف لام اور اضافت یہ اسم کے بڑے خاصے ہیں جس کی وجہ سے فعل کے ساتھ اس کی مشابہت کمزور ہو گئی، مشابہت کمزور ہو گئی۔ یہ ہے ابھی بھی غیرِ منصرف لیکن فعل کے ساتھ اس کی مشابہت... دوسرا مذہب چل رہا ہے نا کہ یہ ابھی بھی غیرِ منصرف ہے لیکن فعل کے ساتھ اس کی مشابہت کیا ہو گئی؟ کمزور ہو گئی۔ اب یہ جو کمزور مشابہت ہے یہ تنوین کے گرانے میں یعنی اصل جو تھا، اصل کے گرانے میں تو ابھی بھی مؤثر ہے لیکن وہ جو تابع تھا یعنی کسرہ اس کے گرانے میں مؤثر نہیں، اب اس کا اثر صرف کتنا رہ گیا؟ کہ یہ تنوین کو گرا رہی ہے، یہ مشابہت تنوین کے تابع جو کسرہ تھا اس کو بھی گراتی تھی لیکن اب یہ مشابہت کمزور ہو چکی، یہ اصل جو تنوین ہے اس کے گرانے میں تو یہ مؤثر ہے لیکن جو کسرہ ہے جو اس تنوین کے تابع تھا اس کے گرانے میں مؤثر نہیں، لہٰذا اب کسرہ آجائے گا۔ بات سمجھ میں آگئی اچھی طرح؟ چلیے دیکھیے بھائی کتاب پر۔

تو کہتے ہیں: وَمِنْهُمْ مَّنْ ذَهَبَ إِلٰى أَنَّهُ غَيْرُ مُنْصَرِفٍ مُّطْلَقاً اور ان علماء میں سے بعض وہ ہیں جو اس بات کی طرف گئے ہیں کہ یہ الف لام اور اضافت کے بعد بھی اسم مطلقاً غیرِ منصرف ہے، وَالْمَمْنُوْعُ مِنْ غَيْرِ الْمُنْصَرِفِ بِالْأَصَالَةِ هُوَ التَّنْوِيْنُ اور وہ چیز جو ممنوع ہوتی ہے غیرِ منصرف سے بِالْأَصَالَةِ یعنی اصلاً هُوَ التَّنْوِيْنُ وہ تنوین ہے، وَسُقُوْطُ الْكَسْرِ إِنَّمَا هُوَ بِتَبَعِيَّةِ التَّنْوِيْنِ اور کسرہ کا گرنا جو ہے وہ تنوین کے تابع ہونے کی وجہ سے ہوتا ہے، وَحَيْثُ ضَعُفَ مُشَابَهَتُهُ لِلْفِعْلِ اور چونکہ ضعیف ہو گئی اس اسم کی مشابہت فعل کے ساتھ، اس پر کیا آگیا؟ الف لام یا اضافت اور وہ اسم کے بڑے خاصے ہیں تو فعل کے ساتھ اس کی مشابہت کمزور ہو گئی، تو لَمْ تُؤَثِّرْ إِلَّا فِيْ سُقُوْطِ التَّنْوِيْنِ تو یہ اب مؤثر نہیں ہے مگر صرف تنوین کے ساقط کرنے میں، اب یہ مشابہت جو ہے صرف تنوین کو ساقط کرنے میں مؤثر ہے دُوْنَ تَابِعِهِ نہ کہ وہ جو تنوین کے تابع ہے اس

کے گرانے میں مؤثر نہیں۔ بھائی اس کا تابع کیا؟ کہتے ہیں الَّذِیْ ہُوَ الْکَسْرُ وہ جو کسرہ ہے بھائی۔ فَعَادَ الْکَسْرُ إِلٰی حَالِہٖ تو کسرہ لوٹ آیا اپنی حالت کی طرف، وَسَقَطَ التَّنْوِیْنُ لِامْتِنَاعِہٖ مِنَ الصَّرْفِ اور تنوین ساقط ہو گئی بوجہ اس کے ممتنع ہونے کے صرف سے، صرف سے ممتنع ہونے کی وجہ سے تنوین کیا ہو گئی؟ ساقط ہو گئی۔

آپ کے ذہن میں اشکال آئے گا کہ الف لام کے ساتھ تو تنوین آ ہی نہیں سکتی اور اضافت کے ساتھ تو تنوین آ ہی نہیں سکتی، تو پھر یہ مشابہت کی وجہ سے تنوین کیسے ساقط ہو رہی ہے؟ میں نے جواب دے دیا کہ یہ لفظ غیرِ منصرف تھا، اب اس پر الف لام یا اضافت داخل ہوئی ہے تو اس پر تو تنوین اس سے پہلے ہی ساقط ہو چکی ہے اور وہ تنوین الف لام یا اضافت سے نہیں ساقط ہوئی، وہ پہلے ہی ساقط ہو چکی ہے غیرِ انصراف کی وجہ سے۔ اب جب اضافت ہو گئی یا الف لام آگیا اب اس کا اثر صرف تنوین میں ہے تو تنوین ابھی بھی نہیں آئے گی، اور کسرہ وہ آجائے گا کیونکہ وہ تو تنوین کے تابع تھا اب وہ جو تابع ہے اس کے اندر یہ مؤثر نہیں ہے۔

تیسرا مذہب آگے ذکر ہو رہا ہے۔ کہتے ہیں: وَمِنْہُمْ مَّنْ ذَہَبَ إِلٰی أَنَّ الْعِلَّتَیْنِ إِنْ کَانَتَا بَاقِیَتَیْنِ مَعَ اللَّامِ أَوِ الْإِضَافَۃِ اور ان میں سے بعض وہ علماء ہیں جو اس بات کی طرف گئے ہیں کہ وہ دو علتیں اگر وہ دونوں باقی ہیں مَعَ اللَّامِ أَوِ الْإِضَافَۃِ لام یا اضافت کے ساتھ، الف لام یا اضافت کے بعد اگر وہ دو سبب باقی ہیں تو کَانَ الْاِسْمُ غَیْرَ مُنْصَرِفٍ تو وہ اسم غیرِ منصرف ہو گا، وَإِنْ زَالَتَا مَعاً اور اگر وہ دونوں زائل ہو گئی ہیں دونوں سبب الف لام یا اضافت کی وجہ سے زائل ہو گئے ہیں، أَوْ زَالَتْ إِحْدَاہُمَا یا ان دونوں میں سے ایک سبب زائل ہو گیا ہے، تو کَانَ مُنْصَرِفاً پھر وہ اسم کیا ہو گا؟ منصرف۔ توجہ ہے؟ تیسرا مذہب کیا؟ کہ الف لام اور اضافت کے بعد اب اس اسم میں غور کریں کہ اس میں وہ دو سبب ابھی بھی موجود ہیں یا دو سبب نہیں ہیں؟ اگر دونوں موجود ہیں تو وہ غیرِ منصرف، اگر دونوں میں سے ایک موجود ہے یا ایک بھی نہیں موجود تو پھر یہ کیا ہو گا؟ منصرف ہو گا۔

تو کہتے ہیں: وَبَیَانُ ذٰلِکَ اور بیان اس کا یہ ہے کہ أَنَّ الْعَلَمِیَّۃَ تَزُوْلُ بِاللَّامِ وَالْإِضَافَۃِ کہ علمیت جو ہے وہ لام اور اضافت کی وجہ سے زائل ہو جاتی ہے۔ میں نے آپ کو پہلے بتایا تھا کہ الف لام اور اضافت کی وجہ سے علمیت ختم ہو جاتی ہے، کیونکہ الف لام اور اضافت تعریف کا فائدہ دیتے ہیں، اور اگر علم کو اسی طرح معرفہ تسلیم کیا جائے اور اس پر الف لام لایا جائے یا اس کی اضافت کی جائے تو پھر تو تعریفِ معرف لازم آئے گا۔ ایک لفظ جو پہلے ہی معرفہ ہے آپ اس کو الف لام یا اضافت کے ذریعے معرفہ بنانا چاہتے ہیں یہ تو تحصیلِ حاصل ہے اور تحصیلِ حاصل تو صحیح نہیں۔ تحصیلِ حاصل کا کیا معنی؟ ایک چیز جو پہلے ہی حاصل ہے اس کو حاصل کرنا۔ بھائی جو چیز پہلے ہی حاصل ہے اس کو کیسے حاصل کیا جا سکتا ہے؟ حاصل تو اس چیز کو کیا جائے گا جو پہلے حاصل نہیں ہے۔ تو الف لام اور اضافت کی وجہ سے علمیت ختم ہو جاتی

ہے ورنہ کیا خرابی لازم آئے گی؟ تعریفِ معرف۔ تو جب بھی علم پر الف لام داخل کرنا چاہیں تو اس وقت اس کی علمیت ختم ہو جاتی ہے وہ نکرہ بن جاتا ہے، پھر اس پر الف لام داخل کر کے اس کو معرفہ بنا لیا جاتا ہے۔ اسی طرح جب علم کی اضافت کی جاتی ہے تو اضافت کے وقت اس کی علمیت ختم ہو جاتی ہے وہ نکرہ بن جاتا ہے اور پھر اضافت کے ساتھ وہ دوبارہ کیا بن جاتا ہے؟ معرفہ بن جاتا ہے۔

تو کہتے ہیں: وَبَيَانُ ذٰلِكَ.بیان اس کا یہ ہے کہ أَنَّ الْعَلَمِيَّةَ تَزُوْلُ بِاللَّامِ وَالْإِضَافَةِ کہ علمیت جو ہے لام اور اضافت کے ساتھ زائل ہو جاتی ہے، فَإِنْ كَانَتِ الْعَلَمِيَّةُ شَرْطاً لِّلسَّبَبِ الْآخَرِ تو وہ علمیت اگر شرط تھی دوسرے سبب کے لیے تو زَالَتَا مَعاً تو پھر دونوں زائل ہو گئے۔ الف لام اور اضافت سے علمیت ختم ہوئی اور علمیت جو تھی دوسرے سبب کے لیے شرط تھی، تو شرط ختم تو مشروط بھی ختم، تو دوسرا سبب بھی ختم ہو گیا، تو اب اس اسم میں ایک بھی سبب نہیں تو وہ کیا بن جائے گا؟ منصرف۔ تو کہتے ہیں: فَإِنْ كَانَتِ الْعَلَمِيَّةُ شَرْطاً لِّلسَّبَبِ الْآخَرِ اگر وہ علمیت شرط تھی اس دوسرے سبب کے لیے تو زَالَتَا مَعاً تو وہ دونوں اکٹھے زائل ہو جائیں گے ختم ہو جائیں گے، كَمَا فِيْ إِبْرَاهِيْمَ جیسے کہ إِبْرَاهِيْمَ میں ہے۔ ابراہیم میں دو سبب کیا؟ ایک علمیت، ایک عجمہ، اور عجمہ کے اندر علمیت شرط ہے، تو جب اس میں سے علمیت ختم ہو گی تو عجمہ بھی کیا ہو جائے گا؟ ختم ہو جائے گا۔ وَإِنْ لَّمْ تَكُنْ شَرْطاً اور اگر علمیت شرط نہیں ہے كَمَا فِيْ أَحْمَدَ جیسے کہ أَحْمَدَ کے اندر۔ بھائی احمد اس کے اندر ایک سبب وزنِ فعل ہے اور ایک علمیت ہے اور وزنِ فعل کے ساتھ علمیت شرط نہیں ہے، تو جب آپ علمیت ختم کریں گے تو وزنِ فعل ایک سبب ابھی بھی باقی ہے، تو اب بھی یہ منصرف ہے البتہ ایک سبب ابھی بھی باقی ہے۔ تو کہتے ہیں: وَإِنْ لَّمْ تَكُنْ شَرْطاً اور اگر علمیت شرط نہیں تھی اس دوسرے سبب کے لیے تو كَمَا فِيْ أَحْمَدَ جیسے کہ أَحْمَدَ کے اندر ہے، تو زَالَتْ إِحْدَاهُمَا تو اضافت یا الف لام کی وجہ سے ایک سبب جو ہے یعنی علمیت زائل ہو جائے گی۔ وَإِنْ لَّمْ تَكُنْ بُنَاكَ عَلَمِيَّةٌ اور اگر وہاں پر علمیت نہ ہو كَمَا فِيْ أَحْمَرَ جیسے کہ أَحْمَرَ ہے، أَحْمَرَ میں ایک سبب کیا؟ وصف، ایک سبب کیا؟ ایک وزنِ فعل ہے، اب اس پر الف لام یا اضافت آئے، الف لام اور اضافت سے علمیت ختم ہوتی تھی لیکن اس کے اندر تو علمیت ہے ہی نہیں تو اس پر کوئی اثر نہیں پڑا، الف لام اور اضافت کے بعد بھی دونوں سبب ابھی بھی اس کے اندر موجود ہیں تو یہ اب بھی کیا رہے گا؟ غیرِ منصرف رہے گا۔ یہ معنی ہے، کہتے ہیں: وَإِنْ لَّمْ تَكُنْ بُنَاكَ عَلَمِيَّةٌ اور اگر وہاں پر علمیت نہ ہو كَمَا فِيْ أَحْمَرَ جیسے أَحْمَرَ کے اندر ہے، تو بَقِيَتِ الْعِلَّتَانِ عَلٰى حَالِهِمَا تو وہ دونوں علتیں اپنے حال پر باقی رہیں گی۔

وَهٰذَا الْقَوْلُ أَنْسَبُ بِمَا عَرَّفَ بِهِ الْمُصَنِّفُ غَيْرَ الْمُنْصَرِفِ اور یہ قول أَنْسَبُ زیادہ مناسب ہے بِمَا عَرَّفَ بِهِ الْمُصَنِّفُ اس چیز کے ساتھ جس کے ساتھ تعریف کی ہے مصنف نے غَيْرَ الْمُنْصَرِفِ غیرِ منصرف کی۔ بھائی صاحبِ جامی فرما رہے ہیں کہ یہ آخری قول مصنف نے جو غیرِ منصرف کی تعریف کی اس کے زیادہ مناسب ہے، کیونکہ مصنف نے غیرِ منصرف کی

کیا تعریف کی؟ کہ غیرِ منصرف وہ ہے جس میں دو سبب ہوں یا دو میں سے ایک ایسا سبب ہو جو دو کے قائم مقام ہو۔ تو معلوم ہوا مصنف کے نزدیک غیرِ منصرف ہونے کا دارومدار دو علتوں پر ہے، اور اس آخری مذہب میں بھی الف لام اور اضافت کے بعد وہ اسم منصرف ہوگا یا غیرِ منصرف اس کا دارومدار دو علتوں پر ہے، اگر الف لام اور اضافت کے بعد بھی دو علتیں موجود ہیں تو وہ غیرِ منصرف ہے ورنہ وہ منصرف ہے۔ یہ معنی ہے: وَہٰذَا الْقَوْلُ أَنْسَبُ بِمَا عَرَّفَ بِہِ الْمُصَنِّفُ غَیْرَ الْمُنْصَرِفِ تو یہ قول زیادہ مناسب ہے اس چیز کے جس کے ساتھ مصنف نے غیرِ منصرف کی تعریف کی۔ بات سمجھ میں آ گئی؟ چلیے بس بھائی ہٰذَا ہُوَ الْمَرَامُ وَاللہُ أَعْلَمُ بِحَقِیْقَۃِ الْکَلَامِ۔

الْبَابُ الْخَامِسُ: الْمَرْفُوعَاتُ (الْجُزْءُ الْأَوَّلُ) — الْفَاعِلُ وَالتَّنَازُعُ وَنَائِبُ الْفَاعِلِ

مرفوعات (حصہ اول): تعریفِ مرفوع، فاعل، حذفِ فعل، تنازعِ فعلان (مذہبِ بصریین و کوفیین) اور نائبِ فاعل — اسباق ۷۷ تا ۹۲

سبق نمبر ۷۷: المرفوعات (۱): «اَلْمَرْفُوْعَاتُ» کے جمع آنے کی وجہ اور فاعل کا تعارف

شرحِ ملا جامی صفحہ: ۵۶ — بتاریخ: ۲۹ ستمبر ۲۰۲۱ء

▪ تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث

آگے سبق دیکھیے بھائی:[1]

اَلْمَرْفُوْعَاتُ۔ جَمْعُ الْمَرْفُوْعِ إِلَى الْمَرْفُوْعَاتِ لِأَنَّ مَوْصُوْفَهُ الْاِسْمُ وَهُوَ مُذَكَّرٌ لَا يَعْقِلُ۔ وَيُجْمَعُ هٰذَا الْجَمْعَ مُطَّرِدًا صِفَةُ الْمُذَكَّرِ الَّذِيْ لَا يَعْقِلُ كَالصَّافِنَاتِ لِلذُّكُوْرِ مِنَ الْخَيْلِ وَجِمَالٍ سِبَحْلَاتٍ أَيْ ضَخْمَاتٍ وَكَالْأَيَّامِ الْخَالِيَاتِ۔

گزشتہ اسباق میں غیر منصرف کی بحث چل رہی تھی، اور اسبابِ منع صرف جو کہ نو ہیں، ان کو بیان کرنے کے بعد صاحبِ کافیہ نے غیر منصرف سے متعلق دو ضابطے ذکر فرمائے۔ پہلا ضابطہ یہ ذکر فرمایا کہ ہر وہ غیر منصرف جس کے اندر ایک سبب علمیت ہو، جب اس میں سے علمیت کو ختم کر دیا جائے گا تو وہ منصرف بن جائے گا۔ اور پھر اَحْمَرُ جیسے الفاظ

[1]

نقشۂ نحوی (۴): مرفوعاتِ ثمانیہ کا جامع شجرہ:

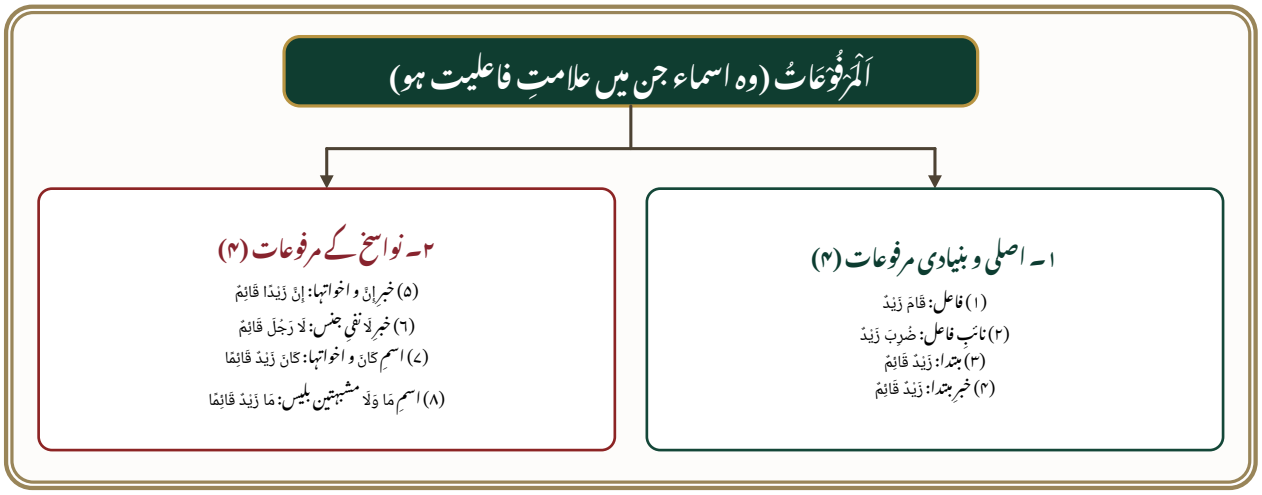

کا اس سے استثنا کیا تھا اور فرمایا کہ اَحْمَرُ جیسے الفاظ کے اندر امام سیبویہ اختلاف کرتے ہیں اور وہ فرماتے ہیں کہ اَحْمَرُ جیسے لفظوں سے علمیت ختم کر دیں تو پھر بھی وہ منصرف نہیں بنیں گے بلکہ وہ غیر منصرف ہی رہیں گے۔

میں نے آپ کو بتلایا تھا اَحْمَرُ سے مراد ایسے الفاظ ہیں جو قبل العلمیت بھی غیر منصرف ہوں اور ان میں ایک سبب جو ہے وہ وصف ہو۔ تو اَحْمَرُ قبل العلمیت غیر منصرف تھا، ایک سبب اس میں وصف ہے اور ایک سبب وزنِ فعل ہے۔ پھر اس کے بعد اس کو علم بنایا گیا، تو جب علمیت آئی تو وصفیت ختم ہو گئی، کیونکہ علم دلالت کرتا ہے ذاتِ معین پر اور وصف دلالت کرتا ہے ذاتِ غیر معین پر، تو ایک ہی لفظ میں یہ دونوں اکٹھے نہیں ہو سکتے، ورنہ تو لازم آئے گا کہ ایک ہی لفظ معین پر بھی دلالت کر رہا ہے اور غیر معین پر بھی دلالت کر رہا ہے، اور یہ نہیں ہو سکتا۔

تو علمیت جب آئی تو وصفیت اَحْمَرُ جیسے لفظوں سے ختم ہو گئی۔ پھر اس کے بعد جب علمیت کو ختم کیا جائے گا تو امام اخفش فرماتے ہیں کہ اب یہ منصرف ہو گیا، جبکہ امام سیبویہ اس کے اندر وہ جو وصفیت زائل ہو گئی تھی، نکرہ بنانے کے بعد اب اس میں دوبارہ اس وصفیتِ اصلیہ کا اعتبار کرتے ہیں۔ تو امام سیبویہ فرماتے ہیں کہ بعد التنکیر بھی یہ غیر منصرف ہے، ایک سبب اس کے اندر وزنِ فعل ہے اور دوسرا وصفیتِ اصلیہ ہے، کہ یہ اصلِ وضع میں کیا تھا؟ وصف تھا۔

اس پر پھر امام سیبویہ پر اشکال ہوا کہ آپ زوالِ وصفیت کے بعد بھی وصفیت کا اعتبار کر رہے ہیں، پھر تو آپ کو حَاتِمٌ جیسے لفظوں کو غیر منصرف قرار دینا چاہیے۔ جس طرح آپ علمیت کے ختم ہو جانے کے بعد اس زائل شدہ وصفیت کا اعتبار کرتے ہیں، تو عینِ علمیت کی حالت میں بھی آپ کو وصفیت کا اعتبار کرنا چاہیے۔ جب علمیت آئی تو وصفیت زائل ہو گئی، لیکن آپ تو زوال کے بعد بھی وصفیت کا اعتبار کرتے ہیں، تو عینِ علمیت کی حالت میں بھی آپ کو اس زائل شدہ وصفیت کا اعتبار کرنا چاہیے اور حَاتِمٌ جیسے لفظوں کو غیر منصرف قرار دینا چاہیے۔

حَاتِمٌ جیسے لفظوں سے کیا مراد ہے؟ میں نے آپ کو بتلایا تھا وہ لفظ جو اصل میں تو وصف تھے اور پھر بعد میں علم بن گئے، تو حَاتِمٌ اسمِ فاعل کا صیغہ ہے اور پھر اس کو علم بنا دیا گیا۔ تو اب ایک سبب علمیت ہے اور اس کے ساتھ اگر وصفیتِ اصلیہ کا اعتبار کر لیا جائے تو اس کو غیر منصرف قرار دینا پڑے گا۔ تو امام سیبویہ پر یہ اشکال ہوتا تھا کہ آپ کو حَاتِمٌ جیسے لفظوں کو غیر منصرف قرار دینا چاہیے اور عینِ علمیت کی حالت میں بھی آپ کو اس زائل شدہ وصفیت کا اعتبار کرنا چاہیے۔

تو صاحبِ کافیہ نے امام سیبویہ کی طرف سے اس اعتراض کو رد کیا اور اس کا جواب دیا کہ نہیں بھائی، امام سیبویہ پر حَاتِمٌ جیسے لفظوں کا اعتراض نہیں ہو سکتا، اس لیے کیونکہ اس صورت میں دو متضاد چیزوں کا اعتبار کرنا لازم آئے گا ایک ہی حکم کے اندر۔ علمیت اور وصفیت دونوں آپس میں متضاد ہیں، میں نے ابھی بتایا یہ جمع نہیں ہو سکتے، تو ان دونوں کا اعتبار کرنا

پڑے گا ایک ہی حکم کے اندر یعنی غیر منصرف بنانے میں۔ تو ایک لفظ کو غیر منصرف بنانا چاہتے ہیں آپ، یعنی ایک ہی حکم ہے اور اس میں آپ دو متضاد چیزوں کا اعتبار کر رہے ہیں، اور یہ تو درست نہیں ہے بھائی۔

اور پھر اس کے بعد آخر میں صاحبِ کافیہ نے دوسرا ضابطہ بھی ذکر فرمایا غیر منصرف کے باب سے متعلق۔ دوسرا ضابطہ یہ ذکر فرمایا کہ یہ جو غیر منصرف کا سارا باب جو ہے، اس پر جب الف لام داخل ہو جائے یا اس کی اضافت کر دی جائے تو پھر یہ کسرہ کے ساتھ مجرور ہوگا۔ تو جر تو غیر منصرف پر ویسے بھی آتا ہے جب اس پر کوئی حرفِ جر آئے یا یہ مضاف الیہ واقع ہو، تو غیر منصرف مجرور ہوتا ہے، لیکن غیر منصرف کا جر فتحہ کی صورت میں آتا ہے۔ کس کی صورت میں؟ فتحہ کی صورت میں۔ جَاءَنِيْ عُمَرُ، دیکھو یہ رفع ہے بغیر تنوین کے۔ رَأَيْتُ عُمَرَ، یہ نصب ہے بغیر تنوین کے۔ اور مَرَرْتُ بِعُمَرَ، اس میں دیکھو باءِ جارہ داخل ہو رہی ہے لفظِ عُمَرَ پر، تو یہ اس وقت مجرور ہے، غیر منصرف کا جر کس کے ساتھ آتا ہے؟ فتحہ کے ساتھ۔ لیکن جب اس غیر منصرف پر الف لام داخل ہو جائے یا اس کی اضافت کر دی جائے تو پھر اس پر جر جو ہے وہ کسرہ کی صورت میں آئے گا۔ تو مثلاً مَرَرْتُ بِالْعُمَرِ یا مَرَرْتُ بِعُمَرِكُمْ، تو الف لام اور اضافت کی صورت میں دیکھو غیر منصرف پر کسرہ آجاتا ہے۔

تو جب غیر منصرف پر الف لام داخل ہو جائے یا جب اس کی اضافت کر دی جائے تو پھر یہ منصرف ہے یا غیر منصرف؟ صاحبِ جامی نے آپ کو بتلایا کہ پھر اس میں علمائے نحو کے تین گروہ ہیں بھائی۔ بعض فرماتے ہیں کہ الف لام اور اضافت کے بعد غیر منصرف مطلقاً منصرف بن جاتا ہے۔ جبکہ بعض علماء فرماتے ہیں کہ اضافت کے بعد بھی یہ مطلقاً غیر منصرف رہتا ہے، پہلے بھی غیر منصرف تھا، الف لام اور اضافت کے بعد بھی غیر منصرف ہے۔ جبکہ بعض علمائے نحو فرماتے ہیں کہ الف لام اور اضافت کے بعد پھر اس لفظ میں غور کیا جائے گا، اگر الف لام یا اضافت کے بعد ابھی بھی اس میں دو سبب موجود ہیں غیرِ انصراف کے، تو پھر یہ ابھی بھی غیر منصرف ہے، اور اگر الف لام یا اضافت کی وجہ سے دونوں سبب ختم ہو گئے یا ایک سبب ختم ہو گیا تو اب پھر یہ منصرف بن جائے گا۔ اور صاحبِ جامی نے آپ کو یہ بھی بتلایا کہ الف لام اور اضافت کی وجہ سے علمیت ختم ہو جاتی ہے، تو اگر کوئی لفظ غیر منصرف تھا اور اس میں ایک سبب علمیت تھا تو جب اس پر الف لام آئے گا یا اس کی اضافت ہوگی تو اس سے علمیت ختم ہو جائے گی۔ جب علمیت ختم ہوئی اب اس لفظ میں دو سبب چونکہ نہیں ہیں غیرِ انصراف والے، تو وہ منصرف بن جائے گا۔ بات سمجھ میں آگئی۔

اب آگے دیکھیے بھائی۔ کہتے ہیں: اَلْمَرْفُوْعَاتُ۔ جَمْعُ الْمَرْفُوْعِ إِلَى الْمَرْفُوْعَاتِ لِأَنَّ مَوْصُوْفَهُ الْاِسْمُ وَهُوَ مُذَكَّرٌ لَا يَعْقِلُ۔

غیر منصرف کی بحث مکمل ہونے کے بعد آگے صاحبِ کافیہ مرفوعات، منصوبات اور مجرورات کا بیان شروع کریں گے۔ اب ان میں سے صاحبِ کافیہ نے سب سے پہلے مرفوعات کو ذکر کیا، اور اس کے بعد پھر وہ منصوبات کو ذکر کریں گے

اور آخر میں مجرورات کو ذکر کریں گے۔ تو صاحبِ کافیہ نے مرفوعات کو کیوں مقدم کیا؟ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ جو مرفوعات ہیں یہ کلام کے اندر عمدہ واقع ہوتے ہیں بھائی۔ یہ مرفوعات کلام کے اندر عمدہ واقع ہوتے ہیں۔ اس کو اچھی طرح سمجھ لیں بھائی، عمدہ کسے کہتے ہیں کلام کے اندر؟

عموماً شروحات اٹھائیں گے تو وہ عموماً یہی لکھتے ہیں کہ عمدہ جو کلام میں اعلیٰ ہے یعنی مسند الیہ۔ ایک مسند ہوتا ہے اور ایک مسند الیہ۔ مسند الیہ وہ ہے جس کے بارے میں بات کی جائے اور مسند جو بات کی جائے، تو مسند الیہ کلام میں کہتے ہیں اعلیٰ ہے اس لیے اس کو عمدہ کہتے ہیں۔ لیکن یہ درست نہیں بھائی، سمجھ لیں عمدہ کسے کہتے ہیں۔ یاد رکھو یہاں دو لفظ ہیں، ایک ہے عمدہ، عُمْدَۃٌ اور ایک ہے فضلہ، فَضْلَۃٌ۔ فَضْلَۃٌ بھائی، یہ لفظ فَضْلَۃٌ پڑھنا بھائی، فضلہ کا معنی ہے زائد، زائد۔ تو یہ لفظ فَضْلَۃٌ ہے بھائی، طلبہ عموماً اس کو فُضْلَہ پڑھتے ہیں بھائی، فُضْلَہ نہیں یہ فَضْلَۃٌ لفظ ہے بھائی۔

عمدہ اور فضلہ یہ ایک دوسرے کے مقابل ہیں۔ عمدہ کا معنی ہے کلام کا اعلیٰ حصہ اور فضلہ کا معنی ہے زائد، یعنی یہ کلام کا زائد حصہ ہے، اگر یہ نہ بھی ہو تو بھی کلام درست ہے۔ تو عمدہ کسے کہتے ہیں؟ عمدہ کلام کا بنیادی، بنیادی اعلیٰ حصہ جو ہے، یوں کہیں کلام کا بنیادی جز جو ہے، اس کو عمدہ کہتے ہیں اور کلام کے بنیادی جز دو ہیں، ایک مسند ایک مسند الیہ۔ تو مسند بھی عمدہ ہے اور مسند الیہ بھی عمدہ ہے۔ جیسے بتدا اور خبر، بتدا کیا ہے؟ مسند الیہ، اور خبر کیا ہے؟ مسند، تو یہ دونوں عمدہ ہیں۔ اسی طرح جملہ فعلیہ کے اندر فعل اور فاعل، فعل کیا ہے؟ مسند، اور فاعل کیا ہے؟ مسند الیہ، تو یہ دونوں عمدہ ہیں۔ اسی طرح اِنَّ کا اسم اور خبر، اِنَّ کس پر داخل ہوتا ہے؟ بتدا اور خبر پر، تو اِنَّ کا اسم بتدا کے درجے میں ہے اور اس کی خبر بتدا کی خبر کے درجے میں ہے۔ تو اِنَّ زَیْدًا قَائِمٌ، تو اِنَّ کا اسم کیا؟ زَیْدًا، یہ مسند الیہ ہے اور قَائِمٌ اس کی خبر ہے اِنَّ کی، تو یہ بھی کیا ہیں؟ کلام میں عمدہ ہیں۔ یا اسی طرح کَانَ کا اسم اور خبر، کَانَ کا اسم کیا ہوتا ہے؟ مسند الیہ، اور کَانَ کی خبر کیا ہوتی ہے؟ مسند ہوتی ہے۔

تو عمدہ کسے کہتے ہیں؟ کلام کا عمدہ اور اعلیٰ اور بنیادی جز جو ہے اس کو عمدہ کہتے ہیں اور وہ دو ہیں، مسند بھی اور مسند الیہ بھی۔ یعنی یہ کلام کے وہ جز ہیں کہ جن کے بغیر کلام پورا نہیں ہوتا، اور ان میں سے کسی کو حذف کرنا جائز نہیں الا یہ کہ کوئی دلیل اس کے قائم مقام ہو جائے۔ اگر آپ عمدہ کو حذف کریں گے تو کلام فاسد ہو جائے گا، کلام میں خلل آجائے گا، اس کا پورا معنی ہی سمجھ میں نہیں آئے گا۔ زَیْدٌ قَائِمٌ، زَیْدٌ ہے بتدا اور قَائِمٌ ہے اس کی خبر، تو زَیْدٌ کو حذف کر دیں، صرف قَائِمٌ کہیں، بات کسی کو سمجھ میں نہیں آئے گی۔ یا صرف زَیْدٌ کہیں، قَائِمٌ کو حذف کر دیں، تو بات کسی کو سمجھ میں نہیں آئے گی۔ تو عمدہ کلام کا وہ اعلیٰ اور بنیادی جز کہ اس کو حذف کر دیں تو کلام میں خلل آجائے، کلام فاسد ہو جائے، اور اس کو اگر حذف کرنا بھی پڑے تو وہاں کوئی دلیل قائم کرنا پڑے گی، کوئی قرینہ ایسا ہونا چاہیے جس سے سننے والے کو پتہ چل جائے کہ یہاں پر یہ بتدا محذوف ہے یا خبر محذوف ہے۔

تو عمدہ کیا ہے کلام میں؟ مسند اور مسند الیہ۔ جملہ اسمیہ میں مسند الیہ کو کیا کہتے ہیں؟ مبتدا، اور مسند کو کیا کہتے ہیں؟ خبر، یہ دونوں عمدہ ہیں۔ اسی طرح جملہ فعلیہ کے اندر فعل ہے مسند اور فاعل ہے مسند الیہ، یہ دونوں بھی کیا ہیں؟ عمدہ ہیں۔ بات سمجھ میں آگئی؟ اسی طرح میں نے اِنَّ اور کَانَ وغیرہ کی مثال دی، مطلب جو بھی مسند اور مسند الیہ کے درجے میں ہیں وہ سب کیا ہیں؟ عمدہ ہیں کلام کے اندر۔

جبکہ ان کے علاوہ جو ہیں ان کو فضلہ کہتے ہیں۔ فضلہ کا معنی زائد چیز۔ جیسے مفاعیلِ خمسہ ہیں، مفعول بہ ہے، مفعول فیہ ہے، مفعول لہ ہے، مفعول معہ ہے، اور مفعولِ مطلق ہے، یہ سارے کیا ہیں؟ یہ زائد ہیں۔ اسی طرح حال ہے، تمیز ہے وغیرہ اور جتنی چیزیں آگئیں وہ سب کیا ہیں؟ فضلہ ہیں، زائد ہیں، یعنی ان کو حذف کر دیں تو کلام میں کوئی خلل اور خرابی نہیں آتی۔ جیسے دیکھو ضَرَبَ زَيْدٌ عَمْرًا، زید نے عمرو کی پٹائی کی۔ ضَرَبَ فعل، یہ مسند ہے، اور زَيْدٌ مسند الیہ فاعل ہے، اور یہ عَمْرًا یہ جو مفعول بہ آیا یہ زائد ہے، اس کو آپ حذف بھی کر دیں کلام پھر بھی پورا ہے۔ ضَرَبَ زَيْدٌ، زید نے پٹائی کی۔ کلام میں کوئی خرابی آئی؟ کوئی خرابی نہیں آئی، صرف مفعول کا پتہ نہیں چلا آپ کو، کوئی حرج نہیں۔ ضَرَبَ زَيْدٌ سے اتنا تو پتہ چل گیا کہ پٹائی ہوئی ہے، زید نے پٹائی کی ہے، کوئی نہ کوئی مضروب ہے، لیکن وہ کون ہے میں آپ کو نہیں بتانا چاہتا میں نے اس کو حذف کر دیا۔

تو مسند اور مسند الیہ کے علاوہ کلام کے باقی اجزا کیا کہلاتے ہیں؟ فضلہ، اور ان کو فضلہ اس لیے کہتے ہیں کہ ان کے بغیر بھی بات پوری ہو جاتی ہے۔ لیکن ایک گہری بات یاد رکھنا، کبھی کبھار فضلہ بھی ضروری ہو جاتا ہے، فضلہ کا یہ معنی نہیں کہ وہ بالکل ہی بیکار ہے بھائی۔ نہیں نہیں، بالکل بیکار نہیں، مطلب یہ تھا کہ اس کو حذف بھی کر دیں تو کلام پھر بھی ٹھیک رہتا ہے، لیکن بعض اوقات فضلہ بھی ضروری ہو جاتا ہے، اس کا ذکر کریں گے تو بات ٹھیک ہوگی، اس کو ذکر نہیں کریں گے تو بات ٹھیک نہیں ہوگی۔ مواقع مختلف ہیں، کہیں فضلہ زائد ہوتا ہے اور کبھی کبھار فضلہ ضروری بھی بن جاتا ہے، اس کو اگر حذف کریں گے تو کلام کا معنی ہی خراب ہو جائے گا۔ جیسے قرآن میں اللہ فرماتے ہیں: وَلَا تَمْشِ فِي الْأَرْضِ مَرَحًا، اور تم نہ چلو زمین پر اکڑ کر، مَرَحًا اکڑ کر، تکبر کرتے ہوئے، اور تم زمین پر اکڑ کر تکبر کرتے ہوئے نہ چلو۔

تو دیکھو اب یہ مَرَحًا حال ہے یہ اور یہ فضلہ ہے، لیکن اگر اس کو حذف کریں گے تو کلام کا معنی ہی خراب ہو جائے گا، پھر تو کلام کیا بن جائے گا؟ وَلَا تَمْشِ فِي الْأَرْضِ، اور تو زمین پر نہ چل۔ تو پھر تو معنی ہو جائے گا یعنی اللہ تعالیٰ زمین پر چلنے سے منع فرما رہے ہیں، حالانکہ یہاں اللہ تعالیٰ زمین پر چلنے سے منع نہیں فرما رہے بلکہ تکبر کرنے سے منع فرما رہے ہیں بھائی۔ تو مَرَحًا کو حذف کریں گے تو معنی ہی خراب ہو جائے گا کلام کا۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو فضلہ بھی کبھی ضروری ہو جاتا ہے کلام کے اندر، یعنی اس کا ذکر۔

تو حاصلِ کلام یہ ہوا کہ عمدہ جو ہے کلام کا اعلیٰ اور بنیادی جزکہ اس کے بغیر کلام مکمل ہی نہیں ہوتا، اور وہ مسند اور مسند الیہ کو کہتے ہیں۔ جبکہ فضلہ جو ہے وہ کلام کا زائد حصہ ہوتا ہے جس کو اگر حذف بھی کر دیا جائے تو بھی مسند اور مسند الیہ تو موجود ہیں، کلام پھر بھی پورا ہے۔ اور کبھی کبھار یہ فضلہ بھی ضروری ہو جاتا ہے اور اس کے بغیر کلام کا معنی فاسد ہو جاتا ہے۔

بات سمجھ میں آگئی؟ لیکن عموماً جب عمدہ کا لفظ بولا جائے تو اسم کے لیے بولا جاتا ہے۔ کس کے لیے؟ اسم، لہٰذا فعل کو نکال دو۔ تو جب عمدہ کا لفظ بولا جائے تو تین چیزیں مراد لیتے ہیں عموماً، کون سی؟ بتدا، خبر اور فاعل یا نائب فاعل۔ توجہ ہے؟ پھر سنو۔ جملہ دو قسم پر ہے: ایک جملہ اسمیہ، ایک جملہ فعلیہ۔ جملہ اسمیہ میں کیا کیا ہیں؟ بتدا اور خبر، بتدا ہے مسند الیہ اور خبر ہے مسند، دونوں عمدہ ہیں کیونکہ ان سے مل کر کلام پورا ہو جاتا ہے۔ جملہ فعلیہ میں فعل ہے اور آگے فاعل یا نائب فاعل آئے گا، فعلِ معروف ہو تو فاعل آئے گا، فعلِ مجہول ہو تو نائب فاعل، تو یہ جو فعل ہے یہ ہے مسند اور یہ جو فاعل یا نائب فاعل ہے یہ مسند الیہ، تو یہ دونوں کیا ہیں؟ عمدہ۔ لیکن عمدہ بول کر عموماً اسم مراد لیتے ہیں، کیا مراد لیتے ہیں؟ اسم۔ تو اس میں سے ایک تو فعل ہے جملہ فعلیہ میں، مسند تو فعل ہے لہٰذا اس کو نکال دو، اب جب میں عمدہ کا لفظ کہوں تو کتنی چیزیں رہ گئیں؟ تین چیزیں۔ دیکھو بھائی جملہ فعلیہ اور جملہ اسمیہ، جملہ اسمیہ کے اندر عمدہ کیا کیا؟ بتدا اور خبر، جملہ فعلیہ میں کیا ہے؟ فعل اور فاعل یا نائب فاعل، فعل کو ذرا نکال دو، اب کل کتنی چیزیں رہ گئیں؟ ہاں، کل کتنی چیزیں رہ گئیں؟ تین چیزیں: بتدا، خبر اور فاعل یا نائب فاعل۔ فاعل یا نائب فاعل یہ ایک ہی ہیں ایک شمار کر لو، صرف فاعل کہہ دو نائب فاعل اسی کے ساتھ ہے بھائی۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو عمدہ جب بولا جائے تو یہ تین چیزیں مراد ہوتی ہیں، کیا کیا؟ بتدا، خبر اور فاعل یا نائب فاعل، یہ چیزیں جو ہیں ان کو عمدہ کہتے ہیں۔

تو بات چل رہی تھی کہ صاحبِ کافیہ نے مرفوعات کو کیوں مقدم کیا؟ تو وجہ میں نے آپ کو بتلا دی کہ یہ مرفوعات جو ہیں کلام کے اندر عمدہ واقع ہوتے ہیں۔ دیکھو بتدا مسند الیہ ہے اور خبر مسند ہے اور یہ عمدہ ہیں، بتدا بھی کیا ہوتا ہے؟ مرفوع، اس پر رفع آتا ہے۔ خبر بھی کیا ہوتی ہے؟ مرفوع، اس پر رفع آتا ہے۔ اور اسی طرح فعل کے ساتھ جو فاعل یا نائب فاعل آتے ہیں، فاعل بھی مرفوع ہوتا ہے، نائب فاعل بھی مرفوع۔ تو دیکھو یہ عمدہ جو ہیں وہ مرفوع ہوتے ہیں۔

تو صاحبِ کافیہ نے مرفوعات کو مقدم کیا منصوبات اور مجرورات پر، اس لیے کیونکہ رفع جو ہے وہ عمدہ کی علامت ہے، اور نصب اور جر یاد رکھو یہ فضلہ کی علامت ہے۔ کس کی علامت ہے؟ فضلہ کی علامت ہے۔ تو مرفوعات چونکہ کلام میں عمدہ واقع ہوتے ہیں اس لیے سب سے پہلے صاحبِ کافیہ مرفوعات کو لے کر آئے۔ یہاں تک بات سمجھ میں آگئی۔

پھر ایک اور بات یاد رکھنا، صاحبِ کافیہ نے مرفوعات، منصوبات اور مجرورات، ان میں سے مرفوعات کو باقی دونوں پر

مقدم کیا۔ توجہ ہے؟ اور اس کے بعد پھر وہ منصوبات لائے اور آخر میں وہ مجرورات لائے۔ یہاں پر صاحبِ جامی آپ کو یہ نہیں بتلائیں گے کہ صاحبِ کافیہ نے مرفوعات کو کیوں مقدم کیا۔ توجہ ہے؟ یہ صاحبِ جامی نہیں بتلائیں گے۔ اور آگے چل کر منصوبات میں بتلائیں گے کہ منصوبات کو مجرورات پر کیوں مقدم کیا ہے۔ توجہ ہے؟ مرفوعات میں ہمیں نہیں بتائیں گے کہ مرفوعات کو کیوں مقدم کیا، اور منصوبات میں جا کر ہمیں بتائیں گے کہ منصوبات کو مجرورات پر کیوں مقدم کیا ہے۔ بھائی کیا وجہ ہے؟ یا تو وہ مرفوعات میں بھی وجہ بتلاتے، پھر منصوبات میں بھی بتلاتے، پھر تو بات بنتی ہے لیکن ایک جگہ وہ ذکر کر رہے ہیں دوسری جگہ ذکر نہیں کر رہے۔ تو مرفوعات کے مقدم کرنے کی وجہ انہوں نے نہیں لکھی اس کی کیا وجہ ہے؟ وجہ وہی نکتہ ہے جو ابھی میں نے بیان کر دیا کہ مرفوعات کلام میں عمدہ ہوتے ہیں اور منصوبات اور مجرورات کیا ہوتے ہیں؟ کلام میں فضلہ ہوتے ہیں، تو جو عمدہ ہے ظاہر سی بات ہے اس کو مقدم ہی ہونا چاہیے بھائی۔ البتہ پھر منصوبات اور مجرورات دونوں فضلہ ہیں، وہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ منصوبات کو مجرورات پر کیوں مقدم کیا؟ تو وہاں پھر وہ جواب دیتے ہیں کہ چونکہ منصوبات زیادہ ہیں، ان میں بحث زیادہ ہے، اس لیے پہلے اس کو ذکر کیا تاکہ ان کی طویل بحث ختم ہو جائے تو آخر میں صرف مجرورات رہ جائیں گے اور مجرورات تو دو ہی ہیں، تو ان کا بیان وہاں پر آخر میں آجائے گا۔ بات سمجھ میں آگئی؟

یہ تو وجہ تھی کہ مرفوعات کو کیوں مقدم کیا۔ اب اس کا اعراب بھائی کہ اَلْمَرْفُوْعَاتُ اس پر اعراب کون سا آئے گا؟ یاد رکھو ایک ترکیب یہ ہے کہ آپ اس کو خبر بنا دیں اور اس کے لیے **بتدا هٰذِهِ محذوف نکال لیں**، أَيْ هٰذِهِ الْمَرْفُوْعَاتُ۔ تو هٰذِهِ ہوا **بتدا** اور اَلْمَرْفُوْعَاتُ خبر ہے، اور خبر مرفوع ہوتی ہے تو اس صورت میں اَلْمَرْفُوْعَاتُ پر رفع پڑھیں گے۔ ہاں آپ کے ذہن میں آئے گا کہ اَلْمَرْفُوْعَاتُ تو جمع ہے اور هٰذِهِ یہ تو واحد مؤنث کا اسمِ اشارہ ہے، تو میں نے آپ کو پہلے بتلایا تھا کہ یہ جمع بتاویلِ جَمَاعَةٌ کس کے حکم میں ہوتی ہے؟ واحد مؤنث کے حکم میں ہوتی ہے، اس لیے اس کے لیے واحد مؤنث کا اسمِ اشارہ هٰذِهِ نکال لیں گے۔ تو عبارت کیا بن گئی؟ هٰذِهِ الْمَرْفُوْعَاتُ۔ هٰذِهِ ہے **بتدا** اور اَلْمَرْفُوْعَاتُ اس کی خبر ہے اور خبر مرفوع ہوتی ہے۔ یا دوسری ترکیب کہ اَلْمَرْفُوْعَاتُ کو **بتدا بناؤ** اور هٰذِهِ کو **خبر نکال لو**: اَلْمَرْفُوْعَاتُ هٰذِهِ۔ تو اب اَلْمَرْفُوْعَاتُ **بتدا** بن گیا اور هٰذِهِ اس کی خبر بن گئی بھائی۔

تیسری ترکیب یہاں یہ ہے کہ **بتدا** هٰذِهِ نہ نکالیں بلکہ هٰذَا **نکال لیں**، هٰذَا، اور اَلْمَرْفُوْعَاتُ سے پہلے کوئی **مضاف محذوف نکال لیں**: هٰذَا بَحْثُ الْمَرْفُوْعَاتِ، یا هٰذَا بَابُ الْمَرْفُوْعَاتِ، یا هٰذَا ذِكْرُ الْمَرْفُوْعَاتِ، یا هٰذَا بَيَانُ الْمَرْفُوْعَاتِ، کوئی بھی لفظ آپ نکال لیں مرفوعات سے پہلے، چاہے ذِكْرُ کا لفظ نکال لیں، چاہے بَيَانُ کا، چاہے بَحْثُ کا، چاہے بَابُ کا، تو وہ **مضاف** ہو جائے گا اور اَلْمَرْفُوْعَاتِ **مضاف الیہ**۔ تو عبارت کیا بن گئی؟ هٰذَا بَحْثُ الْمَرْفُوْعَاتِ۔ هٰذَا ہوا **بتدا** اور بَحْثُ یہ ہے خبر اور یہ **مضاف** ہے اور اَلْمَرْفُوْعَاتِ **مضاف الیہ**۔ توجہ ہے؟ پھر کیا کیا گیا؟ بَحْثُ لفظ کو جو **مضاف** تھا اس کو حذف کر لیا گیا اور اَلْمَرْفُوْعَاتُ کو اس کا قائم مقام کر دیا گیا۔ کس کو حذف کیا؟ بَحْثُ کو یا ذِكْرُ کو یا بَيَانُ، جو بھی **مضاف** تھا اس کو حذف کر دیا، اور وہ کیا

تھا؟ وہ مرفوع تھا کیونکہ وہ خبر بن رہی تھی۔ خبر کیا ہوتی ہے؟ مرفوع، تو جب اس کو حذف کیا تو اَلْمَرْفُوْعَاتُ اس کا قائم مقام بن گیا۔ جب اس کا قائم مقام بنا تو اب اَلْمَرْفُوْعَاتِ زیر نہیں پڑھیں گے، ویسے تو یہ مضاف الیہ تھا بَحْثُ کے لیے، لیکن اب بَحْثُ کو ختم کر دیا اَلْمَرْفُوْعَاتُ کو اس کی جگہ لے آئے، تو اب اس پر بھی رفع پڑھیں گے۔ کیا پڑھیں گے؟ رفع پڑھیں گے، کیونکہ وہ جو مضاف محذوف ہوا یہ اس کا قائم مقام بن گیا اور اس پر رفع تھا تو جب یہ اس کا قائم مقام بنا تو اب اس پر بھی کیا پڑھیں گے؟ رفع پڑھیں گے۔

تو هٰذَا بَحْثُ الْمَرْفُوْعَاتِ، یا پھر اسی طرح کر لیں کہ بَحْثُ الْمَرْفُوْعَاتِ کو مبتدا بنا دیں اور هٰذَا کو خبر محذوف نکال لیں: أَيْ بَحْثُ الْمَرْفُوْعَاتِ هٰذَا، یا بَيَانُ الْمَرْفُوْعَاتِ هٰذَا، یا ذِكْرُ الْمَرْفُوْعَاتِ هٰذَا، یا بَابُ الْمَرْفُوْعَاتِ هٰذَا۔ تو بَابُ الْمَرْفُوْعَاتِ وغیرہ یہ کیا بن گئے؟ مبتدا۔ بات سمجھ میں آ گئی؟ بھائی دیکھو نا اب اس صورت میں هٰذِهِ نہیں نکالنا بلکہ هٰذَا نکالنا ہے، اس لیے کیونکہ هٰذِهِ اس وقت ہم نکالتے تھے جب اَلْمَرْفُوْعَاتُ کے ساتھ اس کو جوڑنا ہوتا تھا، اور مرفوعات تو جمع ہے اور جمع بتاویلِ جَمَاعَةٌ کس کے حکم میں ہے؟ واحد مؤنث کے حکم میں، لیکن جب آپ نے مرفوعات سے پہلے بَحْثُ کا یا بَيَانُ کا یا ذِكْرُ کا لفظ نکال لیا تو یہ بَحْثُ، بَيَانُ، ذِكْرُ یا بَابُ کا لفظ یہ تو مفرد مذکر ہیں، تو اس کے لیے پھر هٰذَا نکالیں گے: هٰذَا بَابُ الْمَرْفُوْعَاتِ۔ بات سمجھ میں آ رہی ہے؟ تو هٰذَا ہو جائے گا مبتدا اور بَابُ الْمَرْفُوْعَاتِ مضاف مضاف الیہ مل کر اس کی خبر۔ لیکن میں نے پھر یہ بھی بتایا جب بَابُ کا لفظ یا ذِكْرُ کا لفظ نکالیں گے تب مَرْفُوْعَاتِ کا لفظ مجرور ہوگا، اور جب اس کو حذف کر دیں گے تو اَلْمَرْفُوْعَاتُ اس کا قائم مقام بن گیا تو اب اس پر رفع ہی پڑھیں گے اب جر نہیں پڑھیں گے۔ مضاف محذوف ہو اور آپ اس پر جر پڑھیں، نہیں بھائی ایسا نہیں ہوگا۔ مضاف کو جب آپ نکال لیں گے: بَحْثُ الْمَرْفُوْعَاتِ، پھر تو جر پڑھیں گے، اور جب بَحْثُ کا لفظ حذف کر دیا گیا تو مَرْفُوْعَاتُ اس کا قائم مقام ہو گیا تو اب اس پر رفع ہی پڑھیں گے۔ بات سمجھ میں آ گئی؟ تفصیل میں زیادہ اس لیے بیان کر رہا ہوں کہ بعض شارحین یہاں لکھتے ہیں کہ اَلْمَرْفُوْعَاتُ اس پر رفع بھی جائز، اس پر نصب بھی جائز، اس پر جر بھی جائز۔ نہیں بھائی جر اس پر جائز نہیں۔ بات سمجھ میں آ رہی ہے؟ جر کب جائز ہوگا؟ جب آپ بَحْثُ کے لفظ کو یا بَيَانُ کے لفظ کو یہاں مضاف نکال لیں گے: هٰذَا بَيَانُ الْمَرْفُوْعَاتِ، اس وقت یہ مجرور ہے، لیکن بَيَانُ کا لفظ تو آپ نے نکالا، جب بَيَانُ کو حذف کر دیا تو اَلْمَرْفُوْعَاتُ کو اس کا قائم مقام کر دیا، جب اس کا قائم مقام کیا تو اس پر رفع تھا اس پر بھی کیا پڑھیں گے؟ رفع۔

تو اَلْمَرْفُوْعَاتُ بھائی، اس کو مبتدا بھی بنا سکتے ہیں اور خبر بھی، مبتدا بھی مرفوع ہوتا ہے اور خبر بھی مرفوع۔ اور پھر مبتدا کیا نکال سکتے ہیں؟ هٰذَا بھی نکال سکتے ہیں اور هٰذِهِ بھی۔ هٰذَا نکالیں تو پھر بَحْثُ الْمَرْفُوْعَاتِ، پھر مضاف کو بھی محذوف نکالنا پڑے گا۔ تو دیکھو اَلْمَرْفُوْعَاتُ جو ہے اس میں دو اعراب آ گئے، دو اعراب، لیکن دونوں رفع ہیں: ایک رفع ہے مبتدا ہونے کی بنا پر، کہ اس کو کیا بناؤ؟ مبتدا، اَلْمَرْفُوْعَاتُ هٰذِهِ، هٰذِهِ کو خبر بناؤ۔ دوسری صورت یہ ہے کہ هٰذِهِ کو مقدم نکال لو اور اَلْمَرْفُوْعَاتُ

اس کو خبر بنا دو، تو اب اس پر رفع کس بنا پر ہے؟ خبر ہونے کی بنا پر ہے۔ اسی طرح هٰذَا بَحْثُ الْمَرْفُوْعَاتِ، اس صورت میں هٰذَا ابتدا اور بَحْثُ مرفوع یہ ہے خبر اور یہ مضاف ہے اور اَلْمَرْفُوْعَاتِ مضاف الیہ۔ تو هٰذَا بَحْثُ الْمَرْفُوْعَاتِ، اس کو خبر بنا دو، یا بَحْثُ الْمَرْفُوْعَاتِ هٰذَا، اس کو ابتدا بناؤ اور هٰذَا کو خبر۔ تو اس صورت میں یہ مجرور ہے لیکن جب بَحْثُ کے لفظ کو یا بَیَانُ جو مضاف کا تھا اس کو حذف کریں گے تو اب اس پر کیا پڑھیں گے؟ رفع ہی پڑھیں گے، اب جر نہیں۔ معلوم ہوا ابھی تک میں نے جو چار صورتیں بتائیں، لیکن ان چاروں کے اندر یا یہ ابتدا بن رہا ہے یا خبر بن رہا ہے تو گویا اس پر رفع ہی آئے گا، چاہے اس کو ابتدا بناؤ چاہے خبر بناؤ، چاہے اس کو مضاف الیہ بنا دو کیونکہ مضاف کو جب حذف کریں گے تو یہ اس کا قائم مقام ہو جائے گا، پھر بھی اس پر رفع ہی پڑھیں گے۔

اور تیسری صورت یہ ہے کہ اس پر نصب پڑھا جائے، اور یہ مفعول ہو اِقْرَأْ فعل کے لیے: اِقْرَأِ الْمَرْفُوْعَاتِ۔ اِقْرَأْ فعلِ امر، أَنْتَ ضمیر اس کے اندر فاعل، اور اَلْمَرْفُوْعَاتِ یہ منصوب ہے بھائی، یہ مجرور نہ سمجھنا کیونکہ یہ جمع مؤنث سالم ہے اور جمع مؤنث سالم کا نصب کس صورت میں آتا ہے؟ کسرہ ہی کی صورت میں آتا ہے، تو یہ منصوب ہے، تو اِقْرَأِ الْمَرْفُوْعَاتِ۔ تو اِقْرَأْ نکال لیں یا خُذْ کا لفظ نکال لیں، خُذِ الْمَرْفُوْعَاتِ کہ مرفوعات لے لو، یا اِشْرَعِ الْمَرْفُوْعَاتِ کہ مرفوعات کو شروع کرو، تو بہرحال جو بھی فعلِ امر یہاں نکال لیں تو یہ اَلْمَرْفُوْعَاتِ مفعول بہ ہے، منصوب ہے۔ تو گویا تین ترکیبیں ہو گئیں: اَلْمَرْفُوْعَاتُ پر رفع پڑھیں گے مبتدا ہونے کی بنا پر، یا رفع پڑھیں گے خبر ہونے کی بنا پر، یا اس پر نصب پڑھیں گے مفعول بہ ہونے کی بنا پر۔ اور چوتھی صورت یہ ہے کہ اس کو ساکن پڑھیں، نہ اس پر رفع پڑھ سکتے ہیں، نہ نصب اور نہ جر، یہ عنوان ہے بھائی، کوئی ترکیب نہیں ہے۔ کوئی، کوئی ترکیب نہیں، آپ رفع پڑھنا چاہتے ہیں نہیں بھائی رفع نہیں پڑھ سکتے، رفع کے لیے کیا چاہیے؟ عامل چاہیے۔ آپ نصب پڑھنا چاہتے ہیں، نصب بھی نہیں پڑھ سکتے کیونکہ نصب کے لیے عامل چاہیے۔ اور آپ جر پڑھنا چاہتے ہیں، جر بھی نہیں پڑھ سکتے کیونکہ جر کے لیے عامل چاہیے۔ تو اس کو ساکن پڑھیں بھائی، مبنی علی السکون پڑھیں، کیونکہ یہ عنوان ہے، کوئی ترکیب نہیں، جب ترکیب نہیں تو اس پر نہ رفع آسکتا ہے نہ نصب اور نہ جر۔ تو کتنی قسم کا اعراب اس پر آسکتا ہے؟ تین قسم پر: یا رفع، رفع مبتدا ہونے کی بنا پر، یا رفع خبر ہونے کی بنا پر، یا نصب مفعول بہ ہونے کی بنیاد پر۔ اور چوتھی صورت یہ ہے کہ کوئی

ترکیب نہیں یہ عنوان ہے بھائی۔ تو اس صورت میں نہ اس پر پھر رفع پڑھ سکتے ہیں نہ نصب اور نہ جر۔

اور میں نے یہ بتلایا کہ جر اس پر نہیں آسکتا۔ آپ اس کو مجرور ہونے کی بنا پر اَلْمَرْفُوْعَاتِ پڑھ لیں، یہ نہیں پڑھ سکتے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ یہ یاد رکھنا بھائی، کیونکہ بعض شارحین نے یہاں لکھا ہے کہ یا تو یہ مجرور ہے، کیا ہے؟ مجرور ہے۔ نہیں بھائی یہ مجرور نہیں ہے۔ ہاں، جب آپ بَحْثُ الْمَرْفُوْعَاتِ، بحث یا بیان کا لفظ مضاف محذوف نکالیں گے، تب یہ مجرور ہوگا، مضاف الیہ ہو جائے گا۔ لیکن بحث اور بیان کا لفظ موجود ہے یا حذف ہے؟ اَلْمَرْفُوْعَاتِ سے پہلے بحث اور بیان یا ذکر

وغیرہ کا لفظ موجود ہے یا محذوف ہے؟ محذوف ہے بھائی۔ ہاں آپ اس محذوف کو جب نکالتے ہیں تب اس پر جر آتا ہے، لیکن جب وہ حذف کر دیا گیا، تو اب یہ اس کا قائم مقام ہو گیا، تو اس صورت میں پھر اس پر رفع ہی پڑھیں گے بھائی۔ بات سمجھ میں آئی؟ کیونکہ وہ مضاف کیا تھا؟ مرفوع، اور اس کو حذف کر کے اَلْمَرْفُوْعَاتُ کو اس کا قائم مقام بنایا تو یہ بھی کیا ہو جائے گا؟ مرفوع۔ بات سمجھ میں آگئی۔

جی اب دیکھیے آگے۔ کہتے ہیں: اَلْمَرْفُوْعَاتُ۔ جی متن متن دیکھیے: اَلْمَرْفُوْعَاتُ هُوَ مَا اشْتَمَلَ عَلَى عَلَمِ الْفَاعِلِيَّةِ۔

اَلْمَرْفُوْعَاتُ، هُوَ مَا اشْتَمَلَ عَلَى عَلَمِ الْفَاعِلِيَّةِ، مرفوع وہ ہے مَا اشْتَمَلَ جو مشتمل ہوتا ہے عَلَى عَلَمِ الْفَاعِلِيَّةِ فاعل ہونے کی علامت پر۔ مرفوع وہ ہے جو فاعل ہونے کی علامت پر مشتمل ہوتا ہے۔ مرفوع کی تعریف کر رہے ہیں کہ مرفوع کہتے کس کو ہیں، پہلے یہ تو سمجھ لو پھر اس کے بعد باقی بحث اس کے بعد ذکر ہوگی۔ تو انہوں نے کیا بتلایا مرفوع کسے کہتے ہیں؟ هُوَ مَا اشْتَمَلَ عَلَى عَلَمِ الْفَاعِلِيَّةِ، مرفوع وہ ہے جو فاعل ہونے کی علامت پر مشتمل ہو۔ اور فاعل کی علامت کیا ہے؟ رفع۔ فاعل کی علامت کیا ہے؟ رفع۔ اور رفع کے آنے کی کتنی صورتیں ہیں؟ یاد رکھو رفع کے آنے کی تین صورتیں ہیں: کبھی رفع ضمہ کی صورت میں آتا ہے، کبھی رفع واو کی صورت میں آتا ہے، اور کبھی رفع الف کی صورت میں آتا ہے۔

مرفوع کسے کہتے ہیں؟ جو فاعل ہونے کی علامت پر مشتمل ہو، اور فاعل کی علامت رفع ہے، اور رفع کی کتنی صورتیں ہیں؟ تین صورتیں ہیں: ضمہ، واو اور الف۔ کبھی کبھار رفع ضمہ کے ساتھ آئے گا: جَاءَنِيْ زَيْدٌ۔ دیکھا یہ زَيْدٌ پر کیا آ رہا ہے؟ رفع، اور رفع کس کے ساتھ ہے؟ ضمہ کے ساتھ بھائی۔ کس کے ساتھ؟ ضمہ کے ساتھ۔ کبھی یہ رفع واو کے ساتھ آتا ہے: جَاءَنِيْ مُسْلِمُوْنَ۔ دیکھو یہ مُسْلِمُوْنَ کے اندر یہ واو کیا ہے؟ رفع ہے بھائی، یہ بتلا رہا ہے کہ مُسْلِمُوْنَ اس وقت حالتِ رفعی میں ہے، یہ فاعل ہے جَاءَ کے لیے۔ توجہ ہے؟ تو یہاں رفع کس کے ساتھ آیا؟ واو کے ساتھ۔ جبکہ مُسْلِمُوْنَ جو ہے حالتِ نصبی جری میں کیسے پڑھیں گے؟ مُسْلِمِيْنَ۔ کیسے پڑھیں گے؟ تو مُسْلِمُوْنَ کا رفع کس کے ساتھ آتا ہے؟ واو کے ساتھ، نصب اور جر کس کے ساتھ آتے ہیں؟ یا کے ساتھ۔ تو دیکھو واو بھی رفع کی علامت ہے۔ اسی طرح اسمائے ستہ مکبرہ موحدہ مضافہ الی غیر یائے متکلم: جَاءَنِيْ أَبُوْكَ، رَأَيْتُ أَبَاكَ، مَرَرْتُ بِأَبِيْكَ۔ دیکھو اس کا رفع بھی کس کے ساتھ آیا؟ واو کے ساتھ، نصب کس کے ساتھ آیا؟ الف کے ساتھ، اور جر کس کے ساتھ آیا؟ یا کے ساتھ۔

اور اسی طرح تثنیہ ہے: جَاءَنِيْ رَجُلَانِ، رَأَيْتُ رَجُلَيْنِ، مَرَرْتُ بِرَجُلَيْنِ۔ دیکھو تثنیہ کا رفع کس کے ساتھ آتا ہے؟ الف کے ساتھ، اور نصب اور جر یا کے ساتھ۔ توجہ ہے؟ تو رفع کبھی کس کے ساتھ آئے گا؟ ضمہ کے ساتھ جیسے جَاءَنِيْ زَيْدٌ، رفع کبھی کس کے ساتھ آئے گا؟ واو کے ساتھ جیسے جَاءَنِيْ مُسْلِمُوْنَ یا جَاءَنِيْ أَبُوْكَ، اور کبھی رفع کس کے ساتھ آئے گا؟ الف کے

ساتھ جیسے تثنیہ ہے بھائی جَاءَنِيْ رَجُلَانِ۔ تو رفع کی کتنی صورتیں؟ تین: ضمہ، واو اور الف بھائی۔ تو مرفوع کسے کہتے ہیں؟ جو فاعل ہونے کی علامت یعنی رفع پر مشتمل ہو، یعنی اس کے آخر میں ضمہ ہو یا واو ہو یا الف ہو بھائی۔

تو کہتے ہیں: اَلْمَرْفُوْعَاتُ هُوَ مَا اشْتَمَلَ عَلَى عَلَمِ الْفَاعِلِيَّةِ، کہ مرفوع وہ اسم ہے جو فاعل ہونے کی علامت پر مشتمل ہو، اور فاعل ہونے کی علامت کیا ہے؟ رفع، اور رفع کی کتنی صورتیں ہیں؟ تین: ضمہ، واو اور الف بھائی۔

اب دیکھیے بھائی شرح کے ساتھ بھائی۔ اَلْمَرْفُوْعَاتُ۔ جَمْعُ الْمَرْفُوْعِ إِلَى الْمَرْفُوْعَاتِ۔

جی اب لفظِ مَرْفُوْعَاتُ کی تحقیق کر رہے ہیں صاحبِ جامی۔ اَلْمَرْفُوْعَاتُ دیکھو یہ جمع مؤنث سالم ہے، الف تا کے ساتھ ہے۔ اور اَلْمَرْفُوْعَاتُ لفظ کو دیکھتے ہی اولاً شبہ یہ ہوتا ہے کہ یہ شاید مَرْفُوْعَةٌ کی جمع ہے۔ کیونکہ جمع مؤنث سالم ہے نا، جیسے مُسْلِمَةٌ کی جمع کیا آتی ہے؟ مُسْلِمَاتٌ، تو مُسْلِمَاتٌ کا مفرد کیا؟ مُسْلِمَةٌ۔ تو یہاں پر بھی شبہ ہوتا ہے کہ یہ اَلْمَرْفُوْعَاتُ یہ تو جمع مؤنث سالم ہے، معلوم ہوا یہ مَرْفُوْعَةٌ کی جمع ہے۔ تو صاحبِ جامی آپ کو بتلائیں گے نہیں بھائی یہ مَرْفُوْعَةٌ کی جمع نہیں ہے یہ مَرْفُوْعٌ کی جمع ہے۔ کس کی؟ مَرْفُوْعٌ کی جمع ہے۔

وجہ یہ کہ یہ بحث چل رہی ہے اسم کی۔ کس کی بحث چل رہی ہے؟ اسم کی بحث چل رہی ہے کہ وہ اسم کبھی مرفوع ہوتا ہے، کبھی منصوب ہوتا ہے اور کبھی مجرور ہوتا ہے۔ تو معلوم ہوا کہ یہ مَرْفُوْعَاتٌ یہ مَرْفُوْعٌ کی جمع ہے، کیونکہ مَرْفُوْعٌ صفت کا صیغہ ہے اور صفت کے صیغے کے لیے موصوف چاہیے بھائی۔ کیا چیز ہے جس کو رفع دیا گیا ہے؟ کیا چیز مرفوع ہے؟ تو اس کا موصوف اسم ہے بھائی، اور اسم لفظ مذکر ہے تو اس کی صفت مَرْفُوْعٌ آنی چاہیے یا مَرْفُوْعَةٌ آنی چاہیے؟ مَرْفُوْعٌ آنی چاہیے۔ تو یہ اسم کی بحث چل رہی ہے اور اسم مذکر ہے تو اس کی صفت مَرْفُوْعٌ ہے اور اس مَرْفُوْعٌ کی جمع کیا آتی ہے؟ مَرْفُوْعَاتٌ آتی ہے۔

اس پر شبہ پیدا ہوتا ہے کہ بھائی مَرْفُوْعٌ مذکر ہے اور اس کی جمع تو مَرْفُوْعُوْنَ آنی چاہیے نہ کہ مَرْفُوْعَاتٌ آنی چاہیے۔ اس کی جمع تو واو نون کے ساتھ آنی چاہیے نہ کہ الف تا کے ساتھ۔ تو آپ کو صاحبِ جامی بتلائیں گے کہ وہ مذکر جو غیرِ ذوی العقول میں سے ہوں ان کی صفت کی جمع عربی زبان میں کثرت کے ساتھ الف تا کے ساتھ لائی جاتی ہے۔ کہ وہ مذکر جو کس میں سے ہو؟ غیرِ ذوی العقول میں سے، غیرِ ذوی العقول۔ ذوی العقول جانتے ہو بھائی؟ یاد رکھو ذوی العقول یعنی عقل والے، جن کو اللہ نے عقل نصیب فرمائی ہے وہ تین چیزیں ہیں: انسان، جنات اور فرشتے۔ انسان، جنات اور فرشتے یہ ذوی العقول میں سے ہیں، اور باقی چیزیں کیا ہیں؟ غیرِ ذوی العقول میں سے۔

تو صاحبِ جامی آپ کو بتلائیں گے کہ وہ مذکر جو غیرِ ذوی العقول میں سے ہو، اس کی صفت کی جمع الف تا کے ساتھ عربی زبان میں کثرت کے ساتھ لائی جاتی ہے، کثرت کے ساتھ استعمال کی جاتی ہے۔ کس کی جمع؟ وہ مذکر جو کس میں سے

ہو؟ غیرِ ذوی العقول میں سے ہو، اس کی جو صفت ہے، وہ مذکر نہیں اس کی صفت جو ہے، اس کی صفت کی جمع الف تا کے ساتھ عربی زبان میں عام طور پر لائی جاتی ہے۔ تو اَلْمَرْفُوْعَاتُ کس کی جمع؟ ابھی بتایا مَرْفُوْعٌ کی جمع، اور مَرْفُوْعٌ کس کی صفت ہے؟ اسم کی صفت ہے، اور اسم ذوی العقول میں سے ہے یا غیرِ ذوی العقول میں سے؟ غیرِ ذوی العقول میں سے۔ تو اسم جو ہے یہ غیرِ ذوی العقول میں سے ہے اور مذکر ہے بھائی، تو وہ مذکر جو غیرِ ذوی العقول میں سے ہو اس کی جو صفت ہے یعنی جیسے یہاں مَرْفُوْعٌ ہے، اس کی صفت کی جمع الف تا کے ساتھ عام لائی جاتی ہے، کثرت کے ساتھ لائی جاتی ہے۔ تو یہ مَرْفُوْعٌ صفت ہے کس کی؟ اِسْمٌ کی، اور اسم کیا ہے؟ وہ مذکر ہے جو غیرِ ذوی العقول میں سے ہے، تو اس کی صفت مَرْفُوْعٌ جو ہے اس کی جمع الف تا کے ساتھ اس لیے لائی گئی۔ بات سمجھ میں آگئی؟

دیکھیے بھائی کتاب پر۔ کہتے ہیں: جَمْعُ الْمَرْفُوْعِ إِلَى الْمَرْفُوْعَاتِ کہ یہ جو مرفوعات ہے یہ مَرْفُوْعٌ کی جمع ہے مَرْفُوْعَةٌ کی جمع نہیں، لِأَنَّ مَوْصُوْفَهُ الْاِسْمُ اس لیے کیونکہ اس کا موصوف اسم ہے، وَهُوَ مُذَكَّرٌ لَا يَعْقِلُ اور وہ ایسا مذکر ہے جو لا یعقل ہے جو عقل نہیں رکھتا یعنی غیرِ ذوی العقول میں سے ہے۔ وَيُجْمَعُ هٰذَا الْجَمْعَ مُطَّرِدًا اور جمع لائی جاتی ہے هٰذَا الْجَمْعَ، یہ هٰذَا الْجَمْعَ اس کو منصوب پڑھنا، هٰذَا موصوف، اَلْجَمْعَ صفت، موصوف صفت مل کر یہ مفعولِ مطلق ہوا يُجْمَعُ کے لیے، اور مفعولِ مطلق کیا ہوتا ہے؟ منصوب ہوتا ہے۔ اور جمع لائی جاتی ہے یہ والی جمع، کون سی؟ یہ نوع کے لیے ہے، آپ نے پڑھا ہے جَلَسْتُ جِلْسَةَ الْقَارِئِ میں کس کی طرح بیٹھا؟ قاری کی طرح بیٹھا، تو یہاں پر بھی یہ جو هٰذَا الْجَمْعَ آیا یہ مفعولِ مطلق ہے اور یہ نوع بیان کر رہا ہے، قسم بیان کر رہا ہے، کہ وَيُجْمَعُ هٰذَا الْجَمْعَ اس قسم والی جمع لائی جاتی ہے، کون سی قسم والی؟ الف تا کے ساتھ۔ کون سی؟ یہ والی قسم والی جمع لائی جاتی ہے مُطَّرِدًا، تو یہ مُطَّرِدًا یہ تمیز ہے اور تمیز منصوب ہوتی ہے، اور آگے جو صِفَةُ الْمُذَكَّرِ آرہا ہے یاد رکھو یہ نائب الفاعل ہے يُجْمَعُ کے لیے۔ يُجْمَعُ فعلِ مجہول ہے، فعلِ مجہول کے لیے کیا چاہیے؟ نائب فاعل چاہیے، تو يُجْمَعُ فعلِ مجہول، هٰذَا الْجَمْعَ یہ اس کے لیے مفعولِ مطلق، اور مُطَّرِدًا ہے تمیز، اور صِفَةُ الْمُذَكَّرِ یہ نائب الفاعل ہے يُجْمَعُ کے لیے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو میں نے کیا بتایا کہ هٰذَا الْجَمْعَ یہ مفعولِ مطلق ہے اور مُطَّرِدًا تمیز ہے، کس سے تمیز ہے؟ یہ جو يُجْمَعُ کی نسبت کی جا رہی ہے صِفَةُ الْمُذَكَّرِ کی طرف نائب فاعل کی طرف، یہ جو فعل کی نسبت کی جا رہی ہے نائب فاعل کی طرف اس نسبت میں ابہام تھا کہ یہ جمع کثرت سے لائی جاتی ہے یا کبھی

کبھار لائی جاتی ہے، تو مُطَّرِدًا لا کر صاحبِ جامی نے اس ابہام کو دور کر دیا کہ اس صفت کی یہ والی جمع کثرت کے ساتھ عربی زبان میں لائی جاتی ہے۔

اچھا تو بھائی میں نے آپ کو ترکیب بتلائی: وَيُجْمَعُ هٰذَا الْجَمْعَ مُطَّرِدًا صِفَةُ الْمُذَكَّرِ الَّذِيْ لَا يَعْقِلُ۔ پہلی ترکیب کیا؟ وَيُجْمَعُ هٰذَا الْجَمْعَ، یہ هٰذَا الْجَمْعَ کو کیا بنایا؟ مفعولِ مطلق بنایا يُجْمَعُ فعلِ مجہول کے لیے۔ جبکہ بعض شارحین نے اس کو منصوب بنزعِ الخافض بنایا ہے، یہ هٰذَا الْجَمْعَ کو کیا بنایا ہے؟ مَنْصُوْبٌ بِنَزْعِ الْخَافِضِ۔ اس کو بھی سمجھ لیں بھائی۔ خفض، خا، فا اور

ضاد بھائی، خَفْضٌ، خفض جر کو کہتے ہیں، کس کو کہتے ہیں؟ جر۔ تو کلامِ عرب میں کبھی کبھار ایسا کرتے ہیں کہ ایک لفظ مجرور ہوتا ہے اس پر حرفِ جر داخل ہوتا ہے، تو پھر اس میں سے حرفِ جر کو حذف کر لیا جاتا ہے اور اس لفظ پر نصب پڑھ دیا جاتا ہے، اس کو کہتے ہیں مَنْصُوْبٌ بِنَزْعِ الْخَافِضِ۔ نَزْعٌ کا معنی کھینچ لینا، ہٹا دینا، اور خافض کیا معنی؟ جر دینے والا یعنی وہ جو حرفِ جر ہے، وہ جو جر دینے والا حرف ہے اس کو کیا کر دیا جاتا ہے؟ اس کو ہٹا دیا جاتا ہے اور پھر اس پر نصب پڑھ لیا جاتا ہے۔ تو وَيُجْمَعُ هٰذَا الْجَمْعَ، تو یہ جو هٰذَا الْجَمْعَ اس پہلی ترکیب کے مطابق اس کو کیا پڑھا آپ نے؟ مفعولِ مطلق بنایا بھائی، یہ نوع بیان کر رہا ہے، مفعولِ مطلق ہے يُجْمَعُ فعل سے۔ دوسری ترکیب یہ کہ یہ منصوب ہے بنزعِ الخافض، اصل میں تھا: وَيُجْمَعُ عَلَى هٰذَا الْجَمْعِ۔ توجہ ہے؟ وَيُجْمَعُ عَلَى هٰذَا الْجَمْعِ۔ عَلَى جارہ، هٰذَا مجرور، موصوف اور اَلْجَمْعِ اس کی صفت، موصوف صفت مل کر مجرور ہوئے عَلَى جارہ کے لیے۔ توجہ ہے؟ پھر کیا کیا گیا؟ عَلَى جارہ کو حذف کر لیا گیا، اس کو کہتے ہیں نَزْعُ الْخَافِضِ، یعنی جر دینے والے حرف کو ہٹا دیا، ختم کر دیا، اور پھر اس پر کیا پڑھ دیا؟ نصب۔ تو دوسری ترکیب کیا؟ وَيُجْمَعُ هٰذَا الْجَمْعَ، یہ منصوب بنزعِ الخافض ہے، اصل میں کیا تھا؟ وَيُجْمَعُ عَلَى هٰذَا الْجَمْعِ، پھر عَلَى کو حذف کر لیا گیا، خافض جو جر دینے والا عَلَى تھا اس کو حذف کر لیا گیا اور هٰذَا الْجَمْعَ پر نصب پڑھ دیا گیا۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو پہلی ترکیب کیا؟ هٰذَا الْجَمْعَ مفعولِ مطلق، دوسری ترکیب کیا؟ منصوب بنزعِ الخافض۔ منصوب بنزعِ الخافض کسے کہتے ہیں؟ کہ حرفِ جر کو حذف کر کے وہ جو مجرور تھا اس پر کیا پڑھ دیا جائے؟ نصب پڑھ دیا جائے، اس کو کہتے ہیں مَنْصُوْبٌ بِنَزْعِ الْخَافِضِ۔ بات سمجھ میں آگئی۔

تو کہتے ہیں: وَيُجْمَعُ هٰذَا الْجَمْعَ مُطَّرِدًا، اور یہ والی جمع کثرت سے لائی جاتی ہے، صِفَةُ الْمُذَكَّرِ الَّذِيْ، اس مذکر کی صفت الَّذِيْ لَا يَعْقِلُ جو عقل نہیں رکھتا یعنی جو غیرِ ذوی العقول میں سے ہے، تو وہ مذکر جو غیرِ ذوی العقول میں سے ہے اس کی صفت کی یہ والی جمع لائی جاتی ہے کثرت کے ساتھ۔

بھائی یہاں پر آیا: لِأَنَّ مَوْصُوْفَهُ، اس کو کیسے پڑھیں گے ذرا پڑھیں؟ بھائی عموماً طلبہ اس کو پڑھتے ہیں: لِأَنَّ مَوْصُوْفَهُ الْاِسْمُ۔ توجہ ہے؟ اس میں دیکھو اِسْمُ کے ہمزہ کو پڑھتے ہیں۔ جب بھی اِسْمُ لفظ پر الف لام آجائے، تو یہ عام رائج غلطی ہے کہ اِسْمُ کے ہمزہ کو پڑھا جاتا ہے، حالانکہ اِسْمُ کا ہمزہ وصلی ہے اور ہمزۂ وصلی کو درجِ عبارت میں پڑھنا غلطی ہے بھائی، یہ غلط ہے درست نہیں ہے، تو یہ ہمزہ نہیں پڑھیں گے بھائی۔ پھر کیسے پڑھیں گے، طریقہ کیا؟ مَوْصُوْفَهُ لِسْمُ۔ بھائی دیکھو طریقہ سنو۔ اِسْمٌ تھا اِسْمٌ لفظ، اِسْمٌ کا ہمزہ کیا ہے؟ وصلی، اس پر الف لام لے آئے، تو اب اِسْمٌ کا ہمزہ گر گیا تو اِسْمٌ کا سین بھی ساکن اور الف لام کا لام بھی ساکن۔ دو ساکن اکٹھے ہو گئے۔ بھائی جب دو ساکن جمع ہو گئے اس کو کہتے ہیں اجتماعِ ساکنین، اور اجتماعِ ساکنین دو قسم پر ہے: ایک عَلَى حَدِّهِ ہے اور ایک عَلَى غَيْرِ حَدِّهِ ہے۔ عَلَى حَدِّهِ ہو تو اس کو پڑھ سکتے ہیں، وہ عربی زبان میں اسی طرح استعمال ہوتا ہے دونوں ساکن رہتے ہیں۔ اجتماعِ ساکنین عَلَى حَدِّهِ یہ ہے کہ اول ساکن حرفِ مدہ ہو

یعنی واو، الف یا یا ہو اور ماقبل کی حرکت ان کے موافق ہو، اور ثانی ساکن مدغم ہو، جیسے مَادَّۃٌ۔ جیسے مَادَّۃٌ میں الف بھی ساکن اور الف کے بعد جو دال ہے وہ مشدد ہے اور وہ دراصل کتنے دال ہیں حقیقت میں؟ دو ہیں اور ان دو میں سے پہلا دال جو ہے وہ ساکن ہے۔ تو الف بھی ساکن اور اس کے بعد پہلا دال بھی ساکن، تو یہ اجتماعِ ساکنین ہے لیکن یہ عَلَی حَدِّہٖ ہے اس کو پڑھنا جائز ہے اس کو اسی طرح پڑھیں گے۔ تو اجتماعِ ساکنین عَلَی حَدِّہٖ کسے کہتے ہیں؟ اول ساکن حرفِ مدہ ہو اور ثانی ساکن مدغم ہو بھائی، تو اس کو اسی طرح برقرار رکھیں گے۔ جبکہ اس کے علاوہ باقی جتنی صورتیں ہیں وہ اجتماعِ ساکنین عَلَی غَیْرِ حَدِّہٖ کی ہیں، اور اجتماعِ ساکنین عَلَی غَیْرِ حَدِّہٖ کے اندر جب دو ساکن اکٹھے ہو گئے تو اگر اول حرفِ مدہ ہو تو اس کو گرا دیتے ہیں، اور اگر اول ساکن حرفِ مدہ نہ ہو تو پھر اس کو حرکت دیتے ہیں اور کون سی حرکت؟ اَلسَّاکِنُ إِذَا حُرِّكَ حُرِّكَ بِالْكَسْرِ، اس کو کسرہ والی حرکت عموماً دیتے ہیں۔

تو یہاں پر بھی بات کیا چل رہی تھی؟ اِسْمٌ، اِسْمٌ پر کیا لے آئے؟ الف لام۔ اب الف لام کے اندر لام بھی ساکن اور اِسْمٌ کے اندر ہمزہ گر گیا تو سین بھی ساکن، تو اجتماعِ ساکنین آیا، اور یہ اجتماعِ ساکنین عَلَی حَدِّہٖ ہے یا عَلَی غَیْرِ حَدِّہٖ؟ عَلَی غَیْرِ حَدِّہٖ ہے۔ تو اس صورت میں اول اگر مدہ ہو تو اس کو حذف کرتے ہیں لیکن یہاں تو اول لام ہے، وہ تو حرفِ مدہ نہیں، تو پھر اس صورت میں اول کو کسرہ والی حرکت دیتے ہیں تو لام کو کسرہ والی حرکت دیں گے، کیسے پڑھیں گے؟ اَلِسْمُ، اَلِسْمُ۔ توجہ ہے؟

اب اس کے اوپر اَلِسْمُ کے اوپر کوئی بھی لفظ جب آپ داخل کریں گے، تو اب اس کو کیسے پڑھنا ہے یہ مشکل کام ہے اس کو سمجھ لیں۔ مثلاً، مثلاً اس اَلِسْمُ کے اوپر اگر مِنْ لفظ آجائے، کیا آجائے؟ مِنْ لفظ آجائے۔ مِنْ اور آگے ہے اَلِسْمُ، اب اَلِسْمُ کے اندر بھی جو ہمزہ ہے الف لام کا ہمزہ وصلی ہے وہ بھی گر جائے گا۔ اب مِنْ کا نون بھی ساکن، آگے لام بھی ساکن۔ آپ کہیں گے بھائی لام کے نیچے تو حرکت ہے اس وقت اَلِسْمُ، لام کے نیچے کیا ہے؟ حرکت۔ بھائی یہ حرکت مستقل حرکت ہے یا عارضی طور پر آئی ہے؟ یہ عارضی حرکت ہے۔ یہ کون سی حرکت ہے؟ بھائی لامِ تعریف ساکن ہوتا ہے یا اس کے نیچے کسرہ ہوتا ہے؟ لامِ تعریف تو ساکن ہوتا ہے، تو یہ جو کسرہ پڑھ رہے ہیں اَلِسْمُ یہ لام کے نیچے جو کسرہ ہے یہ عارضی ہے، یہ اجتماعِ ساکنین کی وجہ سے آپ پڑھ رہے ہیں۔ توجہ ہے؟ اب اس پر کیا لفظ آیا؟ مِنْ، اور مِنْ کا نون ساکن، اور آگے لام کے نیچے اس وقت بے شک کسرہ ہے لیکن اصل میں یہ لام کیا ہے؟ ساکن ہے، یہ کسرہ عارضی ہے مستقل نہیں، تو گویا لام ابھی بھی ساکن ہے۔ توجہ ہے؟ لام کے نیچے آپ پڑھ تو کسرہ ہی رہے ہیں لیکن فرض کر لو یہ ابھی بھی کیا ہے؟ ساکن ہے، تو نون بھی ساکن اور لام بھی ساکن، تو اگر لام آگے ساکن ہو اور اس کے ساتھ مِنْ کو ملانا پڑے تو کیسے پڑھیں گے؟ مِنَلْ، کیسے پڑھتے ہیں؟ مِنَلْ پڑھتے ہیں، معلوم ہوا نون پر فتحہ آجاتا ہے۔ نون پر فتحہ آجاتا ہے، تو اب اس نون پر

فتحہ پڑھیں گے، کیا پڑھیں گے؟ کیسے پڑھیں گے؟ مِنَ الْاِسْمِ، نہیں نہیں عام طلبہ اسی طرح پڑھتے ہیں مِنَ الْاِسْمِ، نہیں بھائی لام کے نیچے وہ پڑھنا وہ کسرہ ہی ہے آپ نے، صرف جوڑنے کے لیے آپ نے لام کو ذرا ساکن تھوڑی دیر کے لیے فرض کیا تھا کہ لام کیا ہے؟ ساکن۔

لفظ کیا تھا؟ اِسْمٌ۔ اِسْمٌ پر کیا آیا؟ الف لام۔ اب کیسے پڑھیں گے؟ اَلِسْمُ، لام کے نیچے زیر پڑھو، اَلِسْمُ۔ لام کے نیچے کیا پڑھنا ہے؟ زیر۔ اب یاد رکھنا اس لام کے نیچے زیر ہی پڑھنا ہے ہر حال میں، ہاں کسی اور لفظ کو اس کے ساتھ جوڑنا کیسے ہے؟ تو جب جوڑنے لگیں تو لام کے نیچے کسرہ ہے، لیکن فی الحال اس لام کو ساکن فرض کر لو کیونکہ یہ عارضی حرکت ہے، لام کی حرکت عارضی۔ تو لام کو ساکن فرض کیا، اس کے ساتھ مِنْ کو جوڑو، کیسے پڑھیں گے؟ مِنَلْ، مِنَلْ۔ بات سمجھ میں آگئی؟ بس مِنَلْ پڑھ کے آپ کو پتہ چل گیا مِنْ کو جوڑتے کیسے ہیں، نون پر کیا پڑھ دیتے ہیں؟ زبر پڑھتے ہیں، توجہ ہے؟ زبر پڑھتے ہیں۔ اب نون پر زبر پڑھنا ہے اور لام پر وہی کسرہ پڑھنا ہے۔ کیسے پڑھیں گے؟ مِنَ لِسْمِ، مِنَلْ نہیں، مِنَ لِسْمِ، مِنَ لِسْمِ۔ توجہ ہے؟ مِنَ لِسْمِ۔ طریقہ سمجھ میں آیا؟

اب مثلاً میں یہاں لے آتا ہوں فِيْ، کیا لے آیا؟ فِيْ۔ اب فِيْ کیسے ملائیں گے اَلِسْمُ کے ساتھ؟ دیکھو اَلِسْمُ میں لام کے نیچے کیا ہے؟ کسرہ، لیکن یہ کسرہ عارضی ہے اس کو ساکن ہی فرض کرو، اور اس کے ساتھ فِيْ ذرا جوڑو۔ فِيْ کے بعد اگر لامِ ساکن آئے کیسے جوڑتے ہیں؟ فِلْ، کیسے پڑھتے ہیں؟ فِلْ۔ کیوں؟ کیونکہ فِيْ کی یا بھی ساکن تھی اور آگے لام بھی ساکن، تو اجتماعِ ساکنین آیا، اور اجتماعِ ساکنین میں اول اگر مدہ ہو تو اس کو گرا دیتے ہیں، اور فِيْ کے اندر یا مدہ ہے کیونکہ یا سے ماقبل کسرہ ہے۔ واو سے ماقبل ضمہ ہو تو وہ مدہ کہلاتا ہے، یا سے ماقبل کسرہ ہو تو وہ مدہ کہلاتی ہے، اور الف ہمیشہ مدہ ہی ہوتا ہے کیونکہ الف سے قبل ہمیشہ فتحہ آتا ہے۔ تو فِيْ کے اندر یہ یا کون سی ہے؟ مدہ۔ تو آگے لام آیا، تو فِيْ کی یا بھی ساکن آگے لام بھی ساکن، تو اجتماعِ ساکنین عَلَى غَيْرِ حَدِّهٖ آیا، تو اول حرفِ مدہ ہے یا، اس کو گرا دیا، کیسے پڑھیں گے؟ فِلْ، کیسے پڑھیں گے؟ فِلْ۔ معلوم ہوا کہ اس فِيْ کو الف لام کے ساتھ جوڑتے وقت اس فا کے نیچے صرف زیر پڑھتے ہیں یا گر جاتی ہے۔ فِلْ۔ یا پڑھ رہا ہوں میں کہ یا گر چکی ہے؟ فِلْ پڑھ رہا ہوں یا فِيْلْ پڑھ رہا ہوں؟ فِلْ پڑھ رہا ہوں، یا گر چکی ہے، تو بس اب وہ یا گر گئی اور فا کے نیچے صرف زیر رہ گئی۔ فا کے نیچے زیر۔ اب اَلِسْمُ کے ساتھ جوڑو اس کو۔ لِسْمِ، لِسْمِ کے لام کے نیچے زیر ہی پڑھنا ہے ہر حال میں، اس کو نہیں بدلنا، فِ لِسْمِ، یوں پڑھیں گے، فِ لِسْمِ، فِ لِسْمِ۔ دیکھو تیز پڑھو گے آپ کو پتہ ہی نہیں چلے گا، فِلِسْمِ، فِلِسْمِ۔ طریقہ سمجھ میں آرہا ہے؟

اور کوئی لفظ لے آؤ، عَلَى کو لے آؤ ذرا اَلِسْمُ پر، کیسے پڑھیں گے؟ عَلَى۔ اَلِسْمُ کے لام کے نیچے کیا ہے؟ زیر، یہ عارضی

حرکت ہے یا مستقل ہے؟ عارضی ہے، تو فی الحال لام کو ساکن فرض کرو اور ذرا عَلَی کو جوڑو، کیسے پڑھیں گے؟ عَلَی کو لامِ ساکن کے ساتھ جوڑو آگے۔ عَلَلْ، عَلَلْ۔ اصل میں کیا تھا؟ عَلَی، دیکھو آخر میں الف تھا اور آگے لام ساکن تھا، الف بھی ساکن لام بھی ساکن اجتماعِ ساکنین آیا، تو اول حرفِ مدہ ہو تو اس کو گراتے ہیں، تو الف گر گیا، تو کیا پڑھا؟ عَلَلْ۔ معلوم ہوا جب عَلَی کو الف لام کے ساتھ جوڑتے ہیں تو لام پر صرف زبر پڑھتے ہیں آگے الف گر جاتا ہے۔ تو اب اس کو اَلِسْمُ کے ساتھ جوڑو، لام کے نیچے اسی طرح کسرہ پڑھنا ہے۔ عَلَی لِسْمِ، اَلِسْمُ کے لام کے نیچے اسی طرح کسرہ پڑھنا ہے، عَلَ لِسْمِ، عَلَ لِسْمِ۔ تیز پڑھیں: عَلَلِسْمِ، عَلَلِسْمِ، عَلَلِسْمِ۔ سننے والا سمجھتا ہے شاید آپ عَلَی الْاِسْمِ پڑھ رہے ہیں حالانکہ نہیں، عَلَلِسْمِ۔ طریقہ سمجھ میں آرہا ہے؟ یہاں اب کیسے پڑھیں گے؟ کتاب پر دیکھیے: لِأَنَّ مَوْصُوْفَهُ اَلِسْمُ۔ جی اب جوڑیں ان کو۔ ہاں لِأَنَّ مَوْصُوْفَهُ لِسْمُ، لِأَنَّ مَوْصُوْفَهُ لِسْمُ، لام کے نیچے زیر پڑھیں گے۔

بھائی یاد رکھو اس کو کیسے پڑھیں گے یہ بھی سمجھ لو۔ بھائی یہ جو واحد مذکر غائب کی ضمیر ہوتی ہے، مِنْهُ، مِنْهُ کے ساتھ کون سی ضمیر جڑی ہوئی ہے؟ واحد مذکر غائب۔ فِيْهِ، اس فِيْهِ کے ساتھ کون سی ضمیر جڑی ہوئی ہے؟ واحد مذکر غائب۔ یاد رکھو یہ جو واحد مذکر غائب کی ضمیر ہے، جب یہ کسی اسم کے ساتھ جڑے یا فعل کے ساتھ جڑے یا حرف کے ساتھ جڑے، اس پر کبھی ضمہ پڑھتے ہیں اور کبھی اس پر کسرہ پڑھتے ہیں۔ مِنْهُ، میں نے کیا پڑھا ہا پر؟ ضمہ۔ فِيْهِ، میں نے ہا پر کیا پڑھا؟ کسرہ۔ تو یہ جو واحد مذکر غائب کی ضمیر ہے اس پر کبھی ضمہ پڑھتے ہیں اور کبھی کسرہ پڑھتے ہیں۔ پھر یاد رکھو اس کی کبھی حرکت کو کھینچ کر تھوڑا لمبا کر دیتے ہیں، اس کو کہتے ہیں اِشْبَاعٌ، أَشْبَعَ يُشْبِعُ اِشْبَاعٌ بھائی۔ جیسے دیکھو: مِنْهُ، مِنْهُ زَيْدٌ، مِنْهُ، توجہ ہے؟ مِنْهُ زَيْدٌ، یا یوں کہیں فِيْهِ زَيْدٌ، فِيْهِ، یہ ہا کو میں لمبا کر رہا ہوں؟ فِيْهِ زَيْدٌ، دیکھو ہا کو میں لمبا نہیں کر رہا یہ جو ضمیر ہے۔ اور اگر اس کے بجائے یہ لفظ ہوتا: فِيْ دَارِهِ زَيْدٌ، فِيْ دَارِهِ زَيْدٌ، اب میں ہا کو لمبا کر رہا ہوں۔ توجہ ہے؟ تو یہ جو ہا ہے، یہ جو واحد مذکر غائب کی ضمیر ہے، اس پر کبھی ضمہ پڑھتے ہیں، کبھی کسرہ پڑھتے ہیں، اور کبھی اس کی حرکت کو کھینچ کر تھوڑا لمبا کر دیتے ہیں، اس کو کہتے ہیں اشباع بھائی۔ أَشْبَعَ يُشْبِعُ اِشْبَاعٌ کا معنی ہوتا ہے حرکت کو کھینچ کر لمبا کر دینا جس سے مدہ بن جائے، حرکت کو کھینچ کر

لمبا کر دینا جس سے مدہ بن جائے، جیسے فِيْ دَارِهِ زَيْدٌ۔ اب یہ فِيْ دَارِهِ کی ہا کو میں لمبا کر رہا ہوں، فِيْ دَارِهِ زَيْدٌ۔

اب یہ کہاں پر اشباع کرتے ہیں اس ضمیر کے اندر اور کہاں اشباع نہیں کرتے؟ ضابطہ یاد رکھنا۔ یہ جو واحد مذکر غائب کی ضمیر ہے، اگر اس سے ماقبل والے حرف پر کوئی حرکت ہو تو پھر اس میں اشباع کریں گے اور اس کو لمبا کریں گے، اور اگر اس سے ماقبل والا حرف ساکن ہو تو پھر اس پر اشباع نہیں کریں گے، بس ضمہ یا کسرہ تو پڑھ لیں گے لیکن اس میں اشباع نہیں کریں گے۔ مِنْهُ۔ جی مِنْهُ، ہا سے قبل کیا؟ نون، اور نون ساکن ہے، لہٰذا اشباع کریں گے یا نہیں کریں گے؟

نہیں کریں گے۔ مِنْهُ زَيْدٌ، مِنْهُ زَيْدٌ۔ اچھا، فِيْهِ۔ فِيْهِ، ہا سے ماقبل یا متحرک ہے یا ساکن ہے؟ ساکن ہے، لہٰذا اشباع کریں گے یا نہیں ہا میں؟ نہیں کریں گے۔ فِيْهِ زَيْدٌ، فِيْهِ زَيْدٌ۔ توجہ ہے؟

اب دوسری مثال لے آئیں۔ فِيْ دَارِهِ۔ جی ہا ضمیر سے ماقبل کیا؟ را، اور را کے نیچے حرکت ہے، را متحرک ہے، تو اب ہا میں اشباع کریں گے: فِيْ دَارِهِ زَيْدٌ۔ توجہ ہے؟ اور مثال لے لیں۔ ضَرَبْتُهُ۔ جی ضَرَبْتُهُ، ہا سے ماقبل کیا؟ تا، اور تا متحرک ہے یا ساکن ہے؟ متحرک ہے، لہٰذا ہا پر کیا کریں گے؟ اشباع، ضَرَبْتُهُ۔ دیکھا یہاں میں نے اشباع کیا۔

ضابطہ سمجھ میں آگیا؟ یہ واحد مذکر غائب کی ضمیر اس پر کبھی ضمہ پڑھتے ہیں اور کبھی کسرہ پڑھتے ہیں، اور کبھی اشباع کرتے ہیں کبھی اشباع نہیں کرتے۔ اشباع کہاں کریں گے؟ جب اس سے ماقبل والے حرف پر حرکت ہو، وہ ساکن نہ ہو، اور اگر ماقبل والا حرف ساکن ہو پھر اس پر اشباع نہیں کریں گے۔ بات سمجھ میں آگئی؟

پھر اس ہا کے مابعد اگر الف لام آجائے، کوئی ایسا لفظ آجائے جس پر الف لام ہو، اگر ماقبل میں متحرک ہے، توجہ ہے؟ ماقبل میں متحرک ہے، وہ کیا تقاضا کر رہا ہے؟ اس ہا پر کیا کرنا چاہیے؟ اشباع کرنا چاہیے، لیکن آگے الف لام آگیا، اور الف لام کا ہمزہ تو وصلی ہے وہ گر جاتا ہے، تو آگے گویا لام ساکن آگیا، تو اس صورت میں بھی اشباع نہیں کریں گے۔ اس صورت میں بھی اشباع نہیں کریں گے۔ جیسے فِيْ دَارِهِ، فِيْ دَارِهِ اس ہا پر ہم کیا کر رہے ہیں؟ اشباع۔ آگے ذرا اَلرَّجُلُ لے آؤ، اَلرَّجُلُ کا الف ہمزہ تو گر جائے گا، تو کیسے پڑھیں گے؟ ہاں فِيْ دَارِهِ الرَّجُلُ، فِيْ دَارِهِ الرَّجُلُ۔ دیکھو ہا کو میں لمبا نہیں کر رہا، فِيْ دَارِهِ الرَّجُلُ، ہا کو لمبا کر رہا ہوں میں؟ نہیں۔ ضابطہ سمجھ میں آگیا کہ اگر آگے الف لام آجائے گا پھر بھی اشباع نہیں کریں گے۔

اب یہاں دیکھیے: لِأَنَّ مَوْصُوْفَهُ اَلِسْمُ، اَلِسْمُ۔ اَلِسْمُ میں تو میں نے آپ کو بتا دیا کہ یہ لام کے نیچے کیا پڑھنا ہے؟ کسرہ پڑھنا ہے، اور یہ کسرہ عارضی ہے اور عارضی حرکت کا کوئی اعتبار نہیں، تو یوں سمجھو یہ لام ابھی بھی ساکن ہے۔ لام کے نیچے پڑھنا کسرہ ہی ہے، لیکن ماقبل سے ملانے کے لیے یوں سمجھیں گویا کہ لام کیا ہے؟ ساکن، اور پیچھے کیا ہے؟ لِأَنَّ مَوْصُوْفَهُ۔ اشباع کریں گے یا نہیں کریں گے؟ اشباع کریں گے کیونکہ ہا سے ماقبل فا پر زبر ہے بھائی۔ جی، تو اشباع کریں گے، اشباع کرنا ہے اور آگے الف لام آگیا، جب الف لام آگیا ہے تو پھر اشباع نہیں کرتے، ضابطہ سمجھ میں آگیا۔ اب کیسے پڑھیں گے؟ ہاں لام کے نیچے زیر ہی پڑھنی ہے اس کو نہیں بدلنا۔ ہاں، لِأَنَّ مَوْصُوْفَهُ لِسْمُ، لِأَنَّ مَوْصُوْفَهُ لِسْمُ، یوں نہیں پڑھنا لِأَنَّ مَوْصُوْفَهُ لِسْمُ، نہیں نہیں یہ تو آپ اشباع کر رہے ہیں، صرف ہا پر پیش پڑھیں، لِأَنَّ مَوْصُوْفَهُ لِسْمُ، لِأَنَّ مَوْصُوْفَهُ لِسْمُ۔ طریقہ سمجھ میں آگیا؟

تو کہتے ہیں: اَلْمَرْفُوْعَاتُ۔ جَمْعُ الْمَرْفُوْعِ لَا الْمَرْفُوْعَةِ، مرفوعات جو ہے مَرْفُوْعٌ کی جمع ہے نہ کہ مَرْفُوْعَةٌ کی، لِأَنَّ مَوْصُوْفَهُ

الْاِسْمُ اس لیے کیونکہ اس کا موصوف اسم ہے، وَهُوَ مُذَكَّرٌ لَا يَعْقِلُ اور وہ مذکر ہے لا یعقل ہے، وَيُجْمَعُ هٰذَا الْجَمْعَ مُطَّرِدًا اور یہ والی جمع جو ہے کثرت سے لائی جاتی ہے صِفَةُ الْمُذَكَّرِ الَّذِيْ لَا يَعْقِلُ اس مذکر کی صفت کی جو لا یعقل ہو، كَالصَّافِنَاتِ لِلذُّكُوْرِ مِنَ الْخَيْلِ۔

آگے صاحبِ جامی نظیر ذکر کر رہے ہیں، کیا ذکر کر رہے ہیں؟ نظیر ذکر کر رہے ہیں۔ ایک ہوتی ہے مثال، ایک ہوتی ہے نظیر بھائی۔ نظیر ظا کے ساتھ ہے بھائی، طا ظا۔ توجہ ہے؟ یاد رکھو نظیر لائی جاتی ہے قانون اور ضابطے کے اثبات کے لیے، اس کو ثابت کرنے کے لیے، اور مثال لائی جاتی ہے قاعدے کی وضاحت کے لیے۔ فرق سمجھ میں آیا؟ نظیر کس لیے لائی جاتی ہے؟ قاعدے کو ثابت کرنے کے لیے، اور مثال لائی جاتی ہے قاعدے کی وضاحت کے لیے۔ مثلاً آپ کو میں بتلاتا ہوں: اَلْفَاعِلُ مَرْفُوْعٌ، فاعل مرفوع ہوتا ہے، یہ قانون ہے ضابطہ ہے، تو اب میں اس کے لیے قدیم جو عرب کلام تھا، جو عرب فصیح و بلیغ شاعروں کا کلام تھا، اس میں سے میں کوئی مثال لاؤں گا جس میں فاعل مرفوع ہوگا۔ توجہ ہے؟ میں ضابطہ کیا ذکر کرتا ہوں: اَلْفَاعِلُ مَرْفُوْعٌ، تو میں اس قدیم شاعروں کا جو کلام ہے، جس سے عربی زبان کے قوانین جن سے اخذ کیے جاتے ہیں اور جن کو دلیل کے طور پر پیش کیا جاتا ہے، تو وہاں سے میں ایک عبارت لے کر آؤں گا کہ دیکھو اس شعر کے اندر شاعر نے فاعل پر رفع پڑھا ہے، یہ دلیل ہے کہ کلامِ عرب کے اندر فاعل کیا ہوتا ہے؟ مرفوع۔ تو اس سے دیکھو ضابطے کا اثبات ہو گیا، یہ دلیل بن گئی، ضابطے کے لیے کیا بن گئی؟ دلیل بن گئی۔

اور مثال ضابطے کی وضاحت کے لیے ہوتی ہے۔ مثلاً میں آپ کو کہتا ہوں کہ فاعل مرفوع ہوتا ہے جیسے جَاءَ زَيْدٌ، جَاءَ زَيْدٌ۔ دیکھا زَيْدٌ پر کیا پڑھا میں نے؟ رفع، اور یہ میں نے کوئی قدیم کلامِ عرب ذکر کیا یا اپنے سے ایک مثال بنا کر پیش کر دی؟ اپنے سے ایک مثال بنا کر پیش کر دی، تو یہ مثال تو ہے نظیر نہیں، کیونکہ میرا کلام تو دلیل نہیں بن سکتا بھائی اس ضابطے کے لیے، اس کے لیے کس کا کلام ہمیں چاہیے؟ عرب کا، اور عربی آج کل کے عرب کا کلام بھی دلیل نہیں بنا سکتے، وہ جو فصیح و بلیغ عرب شعراء تھے ان کے کلام کو بطورِ دلیل کے پیش کیا جاتا ہے۔ یہ جو ائمہ نحو ہیں، امام سیبویہ، امام اخفش وغیرہ جتنے بڑے بڑے نحوی حضرات ہیں، یہ سارے ضابطے اور قوانین انہوں نے وہ فصیح و بلیغ عرب جو تھے ان کے کلام سے اخذ کرتے ہوئے بنائے، اور یہ دلیل کے طور پر ان کے کلام کو پھر ذکر کرتے ہیں کہ دیکھو یہ فلاں فصیح و بلیغ شاعر ہے، اس نے اپنے شعر کے اندر جو ہے فاعل پر رفع پڑھا ہے، فلاں شاعر ہے اس نے رفع پڑھا ہے، فلاں شاعر ہے اس نے فاعل پر رفع پڑھا ہے، یہ دلیل ہے کہ فاعل کیا ہوتا ہے؟ مرفوع ہوتا ہے۔ بات سمجھ میں آ گئی؟ تو نظیر کس لیے لائی جاتی ہے؟ قاعدے کے اثبات کے لیے، اور مثال کس لیے لائی جاتی ہے؟ قاعدے کی وضاحت کے لیے۔

تو یہاں سے اب صاحبِ جامی نظیریں پیش کر رہے ہیں کچھ بھائی اس قاعدے کے اثبات کے لیے۔ اور یہ ایسا ضابطہ نہیں جس کے لیے قدیم عرب کے اشعار بطورِ نظیر پیش کرنا پڑیں، بلکہ اس ضابطے کے اثبات کے لیے کلامِ عرب سے کچھ

اسی قسم کی جمعیں ذکر کر دیں گے جو نظیر بھی ہوں گی اور مثال بھی ہوں گی۔ بات سمجھ میں آ گئی؟

کہ جیسے دیکھو: کَالصَّافِنَاتِ لِلدُّکُوْرِ مِنَ الْخَیْلِ۔ خَیْلٌ یاد رکھو گھوڑوں کی جماعت کو کہتے ہیں۔ کَالصَّافِنَاتِ لِلذُّکُوْرِ مِنَ الْخَیْلِ، صَافِنَاتٌ جمع ہے صَافِنٌ کی، صَافِنٌ، اور صَافِنٌ صفت ہے مذکر گھوڑے کی۔ کس کی؟ مذکر گھوڑے کی۔ تو دیکھو مذکر گھوڑا ہے اور یہ ذوی العقول میں سے ہے یا غیرِ ذوی العقول میں سے؟ غیرِ ذوی العقول میں سے، تو اس صَافِنٌ کی جمع صَافِنَاتٌ آتی ہے، کیا آتی ہے؟ یہ عرب کلام میں صَافِنَاتٌ استعمال ہوتی ہے، تو یہ مذکرِ غیرِ عاقل کی صفت کی جمع دیکھو الف تا کے ساتھ آ گئی۔ صَافِنٌ یاد رکھو اس گھوڑے کو کہتے ہیں جو جب کھڑا ہو تو تین قدم وہ اپنے پورے زمین پر رکھتا ہے اور چوتھے قدم کو موڑ کر صرف کھر کا کنارہ زمین پر اس نے رکھا ہوتا ہے۔ کھر کا کنارہ، چوتھا قدم پورا نہیں رکھا ہوتا بلکہ اس کا کنارہ رکھتا ہے۔ تو یہ گھوڑوں میں عمدہ صفت شمار ہوتی ہے کہ وہ اس انداز میں کھڑا ہو بھائی، تو اس گھوڑے کو صَافِنٌ کہتے ہیں۔

اور یاد رکھو عربوں کے ہاں گھوڑے سب سے قیمتی مال میں شمار ہوتے ہیں، ایک ان کا قیمتی مال اونٹ ہیں اور پھر دوسرے گھوڑے۔ اور گھوڑے تو اونٹ سے بھی زیادہ قیمتی شمار ہوتے تھے کیونکہ اونٹ تو ان کے ہاں بکثرت ہوتے تھے لیکن گھوڑے اتنی کثرت کے ساتھ نہیں۔ اور عرب جو تھے وہ جس طرح اپنا نسب اور مختلف قبیلے والے اپنا اپنا نسب یاد رکھتے تھے، تو وہ اسی طرح جو عمدہ اور اعلیٰ نسل کے گھوڑے ہوتے تھے ان کا بھی وہ نسب یاد رکھتے تھے، کہ یہ فلاں گھوڑا، یہ فلاں گھوڑے کا بچہ ہے، وہ اس گھوڑے کا بچہ تھا، وہ اس گھوڑے کا، وہ اس گھوڑے کا، پورا نسب یاد رکھتے تھے۔ تو جو اعلیٰ نسل کے گھوڑے ہوتے تھے ان کا ملاپ وہ ادنیٰ نسل کے گھوڑوں سے بھی نہیں کرتے تھے بھائی۔ اعلیٰ کا ملاپ اعلیٰ ہی کے ساتھ کرتے تھے تاکہ اعلیٰ سے اعلیٰ اور اعلیٰ نسل پیدا ہو بھائی۔ چنانچہ آج بھی دنیا کے اندر عرب گھوڑے مشہور ہیں بھائی، اپنی صفات اور اپنے کمالات کی وجہ سے آج بھی عرب گھوڑے دنیا میں مشہور ہیں بھائی۔

تو دیکھو یہاں بات چل رہی یہاں صَافِنَاتٌ آیا، صَافِنَاتٌ، صَافِنَاتٌ جمع ہے صَافِنٌ کی، صَافِنٌ، اور صَافِنٌ صفت ہے مذکر گھوڑے کی۔ تو صَافِنٌ دیکھو مذکر ہے بھائی لیکن اس کی جمع کیا آتی ہے؟ صَافِنَاتٌ الف تا کے ساتھ بھائی۔

اسی طرح وَجِمَالٍ سِبَحْلَاتٍ، جِمَالٌ جمع ہے جَمَلٌ کی، جَمَلٌ اونٹ کو کہتے ہیں بھائی، مذکر اونٹ جو ہے، اور مؤنث ہو تو نَاقَةٌ کہتے ہیں، تو اس جَمَلٌ کی صفت آتی ہے جَمَلٌ سِبَحْلٌ بھائی، جو بڑے جسم والا اور موٹا اونٹ ہو اس کو کیا کہتے ہیں؟ جَمَلٌ سِبَحْلٌ۔ اب دیکھو یہ سِبَحْلٌ مذکر اونٹ کی صفت ہے لیکن اس کی جمع سِبَحْلَاتٌ الف تا کے ساتھ عربی زبان میں استعمال ہوتی ہے۔

اور اسی طرح کَالْأَیَّامِ الْخَالِیَاتِ بھائی۔ أَیَّامٌ جمع ہے یَوْمٌ کی، اور یَوْمٌ کی صفت آتی ہے خَالٍ، کیا آتی ہے؟ خَالٍ یعنی گزرا ہوا، خَلَا یَخْلُوْ کا کیا معنی؟ گزرا ہوا، تو یَوْمٌ خَالٍ کیا معنی؟ گزشتہ دن، گزرا ہوا دن، اور اسی کی جمع خَالِیَاتٌ آتی ہے،

كَالْأَيَّامِ الْخَالِيَاتِ یعنی گزشتہ ایام، گزرے ہوئے دن بھائی۔ تو اب دیکھو خَالٍ کس کی صفت؟ یَوْمٌ، اور یَوْمٌ مذکر ہے بھائی، اور مذکر ذوی العقول میں سے ہے یا غیرِ ذوی العقول میں سے؟ غیرِ ذوی العقول میں سے، تو یہ جو مذکر ہے جو غیرِ ذوی العقول میں سے ہے اس کی صفت کی جمع خَالِيَاتٌ الف تا کے ساتھ لائی گئی۔

تو کہتے ہیں: كَالصَّافِنَاتِ لِلذُّكُوْرِ مِنَ الْخَيْلِ، جیسے کہ صافنات جو ہے مذکر گھوڑوں کے لیے۔ خَيْلٌ یاد رکھنا یہ ایک گھوڑے کو نہیں کہتے گھوڑوں کی جماعت کو کہتے ہیں۔ وَجِمَالٍ سِبَحْلَاتٍ، سِبَحْلَاتٌ سین کے نیچے زیر پڑھیں اور با پر زبر ہے اور حا ساکن ہے بھائی۔ وَجِمَالٍ سِبَحْلَاتٍ أَيْ ضَخْمَاتٍ، دیکھا ضَخْمَاتٍ کے ساتھ معنی بیان کر رہے ہیں سِبَحْلَاتٍ کا بھائی۔ ضَخْمَاتٍ، ضَخْمٌ، ضاد، خا، میم، ضَخْمٌ کا معنی ہے موٹا تازہ بھائی، بڑے جسم والا۔ تو کہتے ہیں: وَجِمَالٍ سِبَحْلَاتٍ أَيْ ضَخْمَاتٍ یعنی موٹے اور بڑے جسم والے۔ وَكَالْأَيَّامِ الْخَالِيَاتِ، اور جیسے کہ ایامِ خالیات بھائی یعنی گزشتہ ایام۔

تو یہ كَالصَّافِنَاتِ لِلذُّكُوْرِ یہ نظیر ہے، اور نظیر کس لیے آتی ہے؟ قاعدے کے اثبات کے لیے، اور ہر نظیر یاد رکھو مثال بھی ہوتی ہے، کیا ہوتی ہے؟ مثال بھی ہوتی ہے، البتہ ہر مثال وہ نظیر نہیں ہوتی۔ تو یہ كَالصَّافِنَاتِ، تو صاحبِ جامی نے مثالوں کے ذریعے بھی وضاحت کر دی اس ضابطے کی بھائی۔

اور عبارت ذرا دیکھیے: كَالصَّافِنَاتِ لِلذُّكُوْرِ مِنَ الْخَيْلِ وَجِمَالٍ سِبَحْلَاتٍ، اس جِمَالٍ سِبَحْلَاتٍ کا عطف کس پر کیا؟ اَلصَّافِنَاتِ پر کیا، اور وہ مجرور تھا اس پر کاف جارہ داخل تھا، تو یہ بھی کیا ہے؟ جِمَالٍ سِبَحْلَاتٍ أَيْ ضَخْمَاتٍ اس کو بھی جر کے ساتھ کسرہ کے ساتھ پڑھیں گے۔ اور آگے وَكَالْأَيَّامِ الْخَالِيَاتِ، یہاں پر کاف کو ذکر کیا، اس کا عطف نہیں کیا ماقبل پر حالانکہ ماقبل پر عطف بھی کر سکتے تھے، لیکن صاحبِ جامی اس کاف کو دوبارہ لے آئے، یہ بتلانے کے لیے کہ پہلی دو مثالوں میں اور اس مثال میں فرق ہے: پہلی دو جو مثالیں ہیں ان چیزوں کی ہیں جو جسم رکھتے ہیں جن کا جسم ہوتا ہے، اور اَلْأَيَّامُ الْخَالِيَاتُ، ایام تو زمانے کا نام ہے، زمانے کا کوئی جسم نہیں ہوتا، تو دونوں میں فرق ہے بھائی اس لیے

وہ کاف کا لفظ دوبارہ لے کر آئے۔ یہاں تک بات سمجھ میں آگئی۔

اب سنو بھائی، صاحبِ جامی اَلْمَرْفُوْعَاتُ کے بعد جَمْعُ الْمَرْفُوْعِ لَا الْمَرْفُوْعَةِ لائے، توجہ ہے؟ اس عبارت کے لانے کا مقصد کیا ہے؟ یا تو اس کا مقصد یہ ہے کہ وہ لفظِ مَرْفُوْعَاتٌ کی تحقیق کرنا چاہتے ہیں، وہ شرح لکھ رہے ہیں اور شارح کا کام ہوتا ہے متن میں کوئی بات ذکر ہو تو وہ اس کی تحقیق کریں، اس کی شرح کریں۔ تو مَرْفُوْعَاتٌ کا لفظ متن میں آیا تھا تو شارحِ جامی اب اس کی تحقیق کر کے آپ کو بتلانا چاہتے ہیں کہ یہ مَرْفُوْعٌ کی جمع ہے، اس کو مَرْفُوْعَةٌ کی جمع نہ سمجھنا بھائی، کیونکہ اس کا موصوف اسم ہے بھائی، مَرْفُوْعٌ کا موصوف کیا ہے؟ اسم ہے۔ تو وہ یہ عبارت کس لیے لے کر آئے؟ کہ متن کی تحقیق کرنے کے لیے، متن میں جو مَرْفُوْعَاتٌ کا لفظ آیا تھا۔ لیکن زیادہ بہتر تقریر یہ ہے، زیادہ بہتر تقریریوں کی جائے بھائی کہ آگے متن آرہا ہے هُوَ مَا اشْتَمَلَ، هُوَ مَا اشْتَمَلَ، اور اس هُوَ ضمیر کو صاحبِ جامی دیکھو اس هُوَ کے بعد آگے کیا آیا؟ هُوَ

أَيِ الْمَرْفُوْعُ، کہ هُوَ ضمیر کس کو راجع ہے؟ مَرْفُوْعٌ کو راجع ہے۔ تو آگے هُوَ ضمیر آرہی تھی، صاحبِ جامی وہ مَرْفُوْعٌ کو راجع کر رہے ہیں، تو اشکال ہوتا تھا کہ پیچھے تو مَرْفُوْعٌ کا ذکر نہیں ہے۔ تو صاحبِ جامی آپ کو بتلانا چاہتے ہیں کہ پیچھے مَرْفُوْعَاتُ کا ذکر آیا تھا اور مَرْفُوْعَاتُ جمع ہے اور جمع کے ضمن میں مفرد بھی ہوتا ہے، اور وہ مفرد مَرْفُوْعَةٌ نہ سمجھنا بلکہ وہ مفرد کیا ہے؟ مَرْفُوْعٌ ہے اور یہ هُوَ ضمیر اس مَرْفُوْعٌ کو راجع ہے۔

تقریر سمجھ میں آئی؟ کہ صاحبِ جامی نے جو کہا جَمْعُ الْمَرْفُوْعِ لَا الْمَرْفُوْعَةِ، یا تو یہ مَرْفُوْعَاتُ کی تحقیق کرنا چاہ رہے تھے اس لیے یہ عبارت لائے، لیکن زیادہ بہتر یوں ہے کہ یوں کہا جائے کہ آگے هُوَ ضمیر آرہی تھی اور صاحبِ جامی اس کو کس کی طرف راجع کرنا چاہتے ہیں؟ مَرْفُوْعٌ کی طرف راجع کرنا چاہتے ہیں، تو کسی کے ذہن میں اشکال آسکتا ہے کہ پیچھے تو مَرْفُوْعٌ کا ذکر نہیں، پیچھے تو مَرْفُوْعَاتُ کا ذکر ہے اور مَرْفُوْعَاتُ کا مفرد بھی مَرْفُوْعَةٌ آتا ہے مَرْفُوْعٌ تو نہیں آتا، تو صاحبِ جامی نے بتلایا نہیں نہیں بھائی آپ غلط سمجھ رہے ہیں مَرْفُوْعَاتُ کا مفرد مَرْفُوْعَةٌ نہیں ہے بلکہ مَرْفُوْعٌ ہے، اور یہ ضمیر هُوَ اس مَرْفُوْعٌ کو راجع ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو اس لیے صاحبِ جامی یہ عبارت لائے کہ جَمْعُ الْمَرْفُوْعِ لَا الْمَرْفُوْعَةِ کہ یہ مَرْفُوْعٌ کی جمع ہے مَرْفُوْعَةٌ کی جمع نہیں اور یہ هُوَ ضمیر اسی مَرْفُوْعٌ کو راجع ہے۔

تو گویا صاحبِ جامی نے یہاں پر دو دعوے کر دیے، توجہ سے سنو بھائی، ایک دعویٰ کیا؟ کہ اَلْمَرْفُوْعَاتُ جَمْعُ الْمَرْفُوْعِ، مرفوعات مَرْفُوْعٌ کی جمع ہے، دوسرا دعویٰ کیا؟ لَا الْمَرْفُوْعَةِ، یہ مَرْفُوْعَةٌ کی جمع نہیں ہے۔ توجہ ہے؟ گویا صاحبِ جامی نے دو دعوے کر دیے، ایک دعویٰ کیا؟ کہ مرفوعات مَرْفُوْعٌ کی جمع ہے، دوسرا دعویٰ کیا؟ کہ یہ مَرْفُوْعَةٌ کی جمع نہیں ہے۔ یا یوں کہہ لو بات کو ذرا مختصر کر لو، دعویٰ تو ایک ہی ہے، ہاں اس دعوے کے دو جز ہیں۔ صاحبِ جامی نے کیا دعویٰ کیا؟ کہ یہ مَرْفُوْعٌ کی جمع ہے مَرْفُوْعَةٌ کی جمع نہیں، گویا دعوے کا ایک جز ایجابی ہے ایک سلبی ہے۔ ایجاب کا کیا معنی؟ اثبات جس میں ایک چیز کا اثبات ہوتا ہے، سلب کا کیا معنی؟ جس میں ایک چیز کی نفی ہوتی ہے۔ تو دعویٰ کیا صاحبِ جامی کا؟ کہ یہ مَرْفُوْعٌ کی جمع ہے مَرْفُوْعَةٌ کی جمع نہیں، تو یہ ان کا دعویٰ ہے اور اس دعوے کے دو جز ہیں: ایک جز ایجابی ہے، ایک سلبی ہے۔ ایجابی جز کون سا؟ کہ یہ مَرْفُوْعٌ کی جمع ہے، یہ مَرْفُوْعٌ کی جمع ہے، اس میں دیکھو نفی والا کوئی لفظ نہیں تو ایجاب ہے۔ اور مَرْفُوْعَةٌ کی جمع نہیں ہے، دیکھو اس میں حرفِ سلب آرہا ہے، اس میں نفی ہے ایک چیز کی، تو یہ سلبی جز ہوا دعوے کا۔ تو صاحبِ جامی کا دعویٰ کیا؟ کہ یہ مَرْفُوْعٌ کی جمع ہے مَرْفُوْعَةٌ کی جمع نہیں، تو گویا اس دعوے کے دو جز ہو گئے: ایک ایجابی جز کہ یہ مَرْفُوْعٌ کی جمع ہے، اور ایک سلبی جز کہ یہ مَرْفُوْعَةٌ کی جمع نہیں۔

جب دو دعوے کیے ہیں تو دعوے کے لیے دلیل چاہیے بھائی، تو صاحبِ جامی نے آگے دونوں کی دلیلیں ذکر کیں، ایجابی جز کی دلیل بھی ذکر کی اور سلبی جز کی دلیل بھی ذکر کی۔ سلبی جز کیا تھا؟ کہ یہ مَرْفُوْعَةٌ کی جمع نہیں ہے، اس کی دلیل ذکر کی: لِأَنَّ مَوْصُوْفَهُ الْاِسْمُ اس لیے کیونکہ اس کا موصوف کیا ہے؟ اسم ہے، جب اسم موصوف مذکر ہے تو اس کی صفت مَرْفُوْعٌ ہے نہ کہ مَرْفُوْعَةٌ بھائی، تو مَرْفُوْعَةٌ کی جمع نہیں ہے، دلیل کیا؟ کہ اس کا موصوف کیا ہے؟ اس کا موصوف اسم ہے بھائی،

یہ بحث کس کی چل رہی ہے؟ اسم کی چل رہی ہے اور اسم تو مذکر ہے بھائی، تو اس کی صفت کیا آنی چاہیے؟ مَرْفُوْعٌ آنی چاہیے اور پھر اس مَرْفُوْعٌ کی جمع کیا ہے؟ مَرْفُوْعَاتٌ۔ تو اس کا موصوف اسم ہے یہ کون سے جز کی دلیل ہوئی؟ یہ سلبی جز کی کہ یہ مَرْفُوْعَةٌ کی جمع نہیں، کیوں؟ کیونکہ اس کا موصوف اسم مذکر ہے تو صفت مَرْفُوْعَةٌ نہیں ہو سکتی۔ تو لِأَنَّ مَوْصُوْفَهُ الْاِسْمُ یہ سلبی جز کی دلیل ہو گئی، لَا الْمَرْفُوْعَةِ مَرْفُوْعَةٌ کی جمع نہیں، کیوں نہیں مَرْفُوْعَةٌ کی جمع؟ لِأَنَّ مَوْصُوْفَهُ الْاِسْمُ کیونکہ اس کا موصوف کیا ہے؟ اسم ہے۔

اور پہلا جز کیا تھا؟ ایجابی تھا کہ یہ مَرْفُوْعٌ کی جمع ہے، تو مَرْفُوْعٌ کی جمع مَرْفُوْعَاتٌ کیسے آ سکتی ہے بھائی؟ مَرْفُوْعٌ تو مذکر ہے اور مَرْفُوْعَاتٌ تو جمع مؤنث سالم ہے، تو اس کا جواب بھی دیا، دوسرے دعوے کی دلیل یہاں سے ہے: وَهُوَ مُذَكَّرٌ لَا يَعْقِلُ کہ یہ اسم مذکرِ لا یعقل ہے، وَيُجْمَعُ هٰذَا الْجَمْعَ مُطَّرِدًا صِفَةُ الْمُذَكَّرِ الَّذِيْ لَا يَعْقِلُ کہ اسم مذکرِ لا یعقل ہے اور مذکرِ لا یعقل کی صفت کی یہ والی جمع کثرت کے ساتھ عربی میں آتی ہے۔ بات سمجھ میں آ گئی؟

جی کتنے دعوے؟ اب ذرا دہرا لیں، یا دعوے کے کتنے جز؟ دو جز: جَمْعُ الْمَرْفُوْعِ یہ ایجابی جز، اور لَا الْمَرْفُوْعَةِ یہ سلبی جز۔ اور لِأَنَّ مَوْصُوْفَهُ الْاِسْمُ یہ کس جز کی دلیل ہے؟ یہ سلبی جز لَا الْمَرْفُوْعَةِ کی دلیل ہے۔ اور وَهُوَ مُذَكَّرٌ لَا يَعْقِلُ یہ کس کی دلیل ہے؟ جَمْعُ الْمَرْفُوْعِ جو ایجابی جز تھا اس کی دلیل ہے۔ بات سمجھ میں آ گئی اچھی طرح؟

حاصلِ کلام کہ آج ہم نے اَلْمَرْفُوْعَاتُ کی بحث شروع کی، اور سب سے پہلے میں نے یہ بتلایا کہ صاحبِ کافیہ نے اَلْمَرْفُوْعَاتُ کو مقدم کیا منصوبات اور مجرورات پر، وجہ یہ ہے کہ مرفوعات کلام میں عمدہ واقع ہوتے ہیں اور منصوبات اور مجرورات کلام میں فضلہ واقع ہوتے ہیں، اس لیے اس کو مقدم کیا۔ اور عمدہ کسے کہتے ہیں؟ کلام کا بنیادی اور اہم جز بھائی جس کو بغیر دلیل کے حذف کرنا جائز نہ ہو، اور وہ مسند اور مسند الیہ ہیں، جملہ اسمیہ کے اندر مبتدا اور خبر اور جملہ فعلیہ کے اندر فعل اور فاعل یا نائب فاعل بھائی، یہ کیا ہیں؟ عمدہ ہیں۔ اس لیے مرفوعات کو مقدم کیا، اور عمدہ کو تو ہونا بھی مقدم چاہیے اس لیے صاحبِ جامی نے بھی اس کی وجہ ذکر نہیں کی کہ اس مرفوعات کو کیوں مقدم کیا، کیونکہ مرفوعات کیا ہوتے ہیں؟ عمدہ، اور عمدہ کو ہونا بھی مقدم چاہیے اور فضلہ کو کیا ہونا چاہیے؟ مؤخر ہونا چاہیے، تو یہ بات واضح تھی اس لیے اس کی وجہ ذکر نہیں کی۔ آگے چل کر وہ منصوبات اور مجرورات میں بتلاتے ہیں کہ منصوبات کو مجرورات پر کیوں مقدم کیا حالانکہ دونوں فضلہ ہیں؟ تو بتلایا چونکہ منصوبات کی تعداد زیادہ ہے اور مجرورات کی تعداد کم ہے، تو جن کی تعداد زیادہ تھی جن میں بحث زیادہ تھی ان کو پہلے ذکر کیا اور جن کی بحث کم تھی ان کو بعد میں ذکر کیا بھائی۔

اور پھر اس کے بعد میں نے ترکیب بتلائی تھی کہ یہاں پر اَلْمَرْفُوْعَاتُ پر رفع بھی پڑھ سکتے ہیں اور نصب بھی، اور اس کو ساکن بھی پڑھ سکتے ہیں بغیر کسی ترکیب کے یعنی کوئی ترکیب نہیں۔ مرفوع پڑھیں اس میں دو ترکیبیں ہیں، یا تو یہ مرفوع ہے

مبتدا ہونے کی بنا پر یا خبر ہونے کی بنا پر، اور منصوب پڑھیں تو یہ فعلِ محذوف کے لیے مفعول بنے گا: اِقْرَأِ الْمَرْفُوْعَاتِ۔

اور اس کے بعد پھر آگے اَلْمَرْفُوْعَاتُ کی تحقیق کی صاحبِ جامی نے اور آپ کو بتلایا کہ یہ مرفوعات مَرْفُوْعٌ کی جمع ہے مَرْفُوْعَةٌ کی جمع نہیں، اس لیے کیونکہ اس کا موصوف اسم ہے اور اسم مذکر ہے تو اس کی صفت مَرْفُوْعٌ آئے گی نہ کہ مَرْفُوْعَةٌ بھائی۔ یہ اسم کی بحث چل رہی ہے اور کون سے مرفوعات یہاں مراد ہیں؟ جو اسم ہوتے ہیں، تو اس لیے یہ مَرْفُوْعٌ کی جمع ہے بھائی۔ اور پھر ضابطہ بھی بتایا کہ ہر مذکرِ لا یعقل جو ہے اس کی صفت کی جمع عربی زبان میں کثرت کے ساتھ جو ہے وہ الف تا کے ساتھ آتی ہے، جیسے صافنات ہے بھائی یہ مذکر گھوڑے کی صفت ہے لیکن الف تا کے ساتھ لائی گئی، اسی طرح جِمَالٌ سِبَحْلَاتٌ بھائی جِمَالٌ جَمَلٌ کی جمع ہے اور جَمَلٌ مذکر اونٹ کو کہتے ہیں، مؤنث کو تو نَاقَةٌ کہتے ہیں، تو دیکھو جِمَالٌ سِبَحْلَاتٌ عربی میں کہتے ہیں، تو مذکر اونٹ کی جو صفت ہے اس کی جمع الف تا کے ساتھ لائی گئی، اسی طرح اَلْأَيَّامُ الْخَالِيَاتُ جو ہے اس أَيَّامٌ یہ تو يَوْمٌ کی جمع ہے اور يَوْمٌ تو مذکر ہے اور اس کی صفت خَالٍ جو ہے اس کی جمع الف تا کے ساتھ لائی گئی، کیونکہ یہ سب کیا ہیں؟ غیرِ ذوی العقول میں سے ہیں، اور ہر وہ مذکر جو غیرِ ذوی العقول میں سے ہو اس کی صفت کی جمع الف تا کے ساتھ کلامِ عرب میں کثرت سے لائی جاتی ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟

اور پھر اس کے بعد میں نے یہ ذکر کیا کہ یہ جو صاحبِ جامی نے جَمْعُ الْمَرْفُوْعِ لَا الْمَرْفُوْعَةِ کہا، یہ یا تو مرفوعات کی تحقیق کرنا چاہتے ہیں، لیکن زیادہ بہتر یہ ہے کہ یوں کہا جائے کہ آگے هُوَ ضمیر کو مَرْفُوْعٌ کی طرف راجع کرنا چاہتے ہیں، اور پیچھے تو مَرْفُوْعٌ کا ذکر نہیں البتہ اَلْمَرْفُوْعَاتُ کا ذکر تھا، تو هُوَ ضمیر جب مَرْفُوْعٌ کو راجع کریں گے تو کسی کے ذہن میں شبہ آسکتا ہے کہ پیچھے تو مَرْفُوْعٌ کا ذکر نہیں یا مَرْفُوْعَاتُ کا ذکر ہے اور مرفوعات کا مفرد بھی کیا آتا ہے؟ مَرْفُوْعَةٌ آتا ہے، تو پیچھے تو نہ مَرْفُوْعٌ لفظاً ذکر ہے نہ ضمناً ذکر ہے تو اس کی طرف آپ کیسے راجع کر سکتے ہیں هُوَ ضمیر؟ تو جواب دیا کہ بھائی یہ جو مرفوعات ہے یہ مَرْفُوْعٌ کی جمع ہے مَرْفُوْعَةٌ کی جمع نہیں۔ اور پھر یہ چونکہ دعوے کے دو جز تھے ایک ایجابی اور سلبی، تو ہر ایک کی دلیل بھی پھر انہوں نے ذکر کر دی۔ بات سمجھ میں آگئی؟

چلیے بس بھائی۔ هٰذَا هُوَ الْمَرَامُ وَاللّٰهُ أَعْلَمُ بِحَقِيْقَةِ الْكَلَامِ۔

سبق نمبر ۷۸: المرفوعات (۲): مرفوع کی تعریف («مَا اشْتَمَلَ عَلَى عَلَمِ الْفَاعِلِيَّةِ»)

شرحِ ملا جامی صفحہ: ۵۶ — بتاریخ: ۱۳ اکتوبر ۲۰۲۱ء

▪ تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث

آگے دیکھیے بھئی سبق: هُوَ أَيِ الْمَرْفُوعُ الدَّالُّ عَلَيْهِ الْمَرْفُوعَاتُ لِأَنَّ التَّعْرِيفَ إِنَّمَا يَكُونُ لِلْمَاهِيَّةِ لَا لِلْأَفْرَادِ، وَمَا اشْتَمَلَ أَيِ اسْمٌ اشْتَمَلَ عَلَى عَلَمِ الْفَاعِلِيَّةِ أَيْ عَلَامَةِ كَوْنِ الِاسْمِ فَاعِلًا وَهِيَ الضَّمَّةُ وَالْوَاوُ وَالْأَلِفُ۔

گزشتہ سبق میں ہم نے مرفوعات کے بارے میں پڑھنا شروع کیا تھا بھئی۔ میں نے آپ کو بتلایا تھا کہ صاحبِ کافیہ نے مرفوعات کو مقدم کیا منصوبات اور مجرورات پر، وجہ یہ کہ یہ جو مرفوعات ہیں یہ کلام کے اندر عمدہ واقع ہوتے ہیں، جبکہ منصوبات اور مجرورات کلام میں فضلہ واقع ہوتے ہیں۔ میں نے آپ کو بتلایا تھا کہ ایک لفظ ہے عمدہ اور ایک ہے فضلہ۔ عمدہ اور فضلہ ایک دوسرے کے مقابلے میں استعمال ہوتے ہیں۔ عمدہ سے مراد ہے کلام کا وہ عمدہ اور اعلیٰ حصہ جس کے بغیر کلام مکمل نہیں ہو سکتا اور جس کو بغیر دلیل کے حذف کرنا جائز نہیں، اور وہ دو چیزیں ہیں کلام کے اندر، ایک مسند اور ایک مسند الیہ۔ مسند اور مسند الیہ ہوں گے تو کلام مکمل ہو گا، اگر ان دونوں میں سے ایک کو بھی حذف کر دیا جائے تو پھر کلام مکمل نہیں رہے گا بھئی۔ الا یہ کہ جس کو آپ نے حذف کیا ہے اس پر کوئی دلیل قائم کر دیں جس سے سننے والے کو پتہ چل جائے کہ یہاں پر مبتدا یا یوں کہیں کہ یہاں پر مسند الیہ حذف ہے یا مسند حذف ہے۔ اور جملہ آپ جانتے ہیں دو قسم پر ہے، ایک جملہ اسمیہ ہے اور ایک جملہ فعلیہ۔ جملہ اسمیہ کے اندر مسند الیہ کو مبتدا کہتے ہیں اور مسندبہ کو خبر بھئی، جبکہ جملہ فعلیہ کے اندر فعل جو ہوتا ہے وہ مسند ہوتا ہے اور فاعل یا نائب فاعل جو ہے مسند الیہ ہوتے ہیں۔ تو یہ کلام کے عمدہ اور اعلیٰ حصہ ہیں بھئی، یہ جو مسند اور مسند الیہ۔

جبکہ اس کے علاوہ باقی کلام کے جو حصے ہیں وہ فضلہ کہلاتے ہیں بھئی۔ میں نے آپ کو بتلایا تھا کہ طلبہ عموماً اس کو فُضلہ پڑھتے ہیں فا کے ضمہ کے ساتھ، یہ درست نہیں ہے، فا کے فتحہ کے ساتھ اس کو پڑھیں، فضلہ کا معنی ہے زائد بھئی زائد۔

چونکہ یہ بھی مسند اور مسند الیہ سے زائد حصہ ہوتا ہے کلام کا اس لیے اس کو کیا کہتے ہیں؟ فضلہ۔ اور اس کو حذف بھی کر دیا جائے تو کلام پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ اور یہ جو منصوبات ہیں جیسے مفعول بہ ہے، مفعول مطلق ہے، مفعول لہ ہے، مفعول معہ ہے، اور اسی طرح حال، تمیز وغیرہ یہ سب کیا ہیں؟ فضلہ ہیں۔ اگر ان کو حذف بھی کر دیا جائے تو کلام پر کوئی اثر نہیں پڑتا کیونکہ مسند اور مسند الیہ موجود ہیں بھئی۔ لیکن کبھی کبھار یہ فضلہ بھی اہم ہو جاتا ہے اور اس کو اگر حذف کیا جائے تو کلام ہی درست نہیں رہتا۔ جیسے میں نے اس کی مثال ذکر کی تھی، قرآن میں اللہ فرماتے ہیں: وَلَا تَمْشِ فِي الْأَرْضِ مَرَحًا۔ اب یہ مَرَحًا حال ہے، فضلہ ہے، لیکن اگر اس کو حذف کر دیا جائے تو کلام کا معنی خراب ہو جائے گا۔ پھر تو کلام کا معنی بن جائے گا کہ اللہ منع فرما رہے ہیں کہ تم زمین پر نہ چلو، حالانکہ اللہ تعالیٰ زمین پر چلنے سے منع نہیں فرما رہے بلکہ زمین پر تکبر کرنے سے اللہ منع فرما رہے ہیں۔ تو فضلہ بھی کبھی کبھار اہم بن جاتا ہے اور اس کے حذف سے بھی کلام کا معنی خراب ہو جاتا ہے۔ لیکن عام طور پر فضلہ جو ہوتا ہے وہ زائد ہوتا ہے، اس کے حذف سے کلام فاسد نہیں ہوتا، کلام پر کوئی اثر نہیں پڑتا بھئی۔

تو چونکہ یہ جو مرفوعات، یہ کلام کے اندر عمدہ واقع ہوتے ہیں اس لیے مرفوعات کو مقدم کیا۔ میں نے بتلایا تھا آپ کو کہ شارحِ جامی آگے چل کر یہ تو ذکر کریں گے کہ منصوبات کو کیوں مقدم کیا مجرورات پر، لیکن یہاں یہ ذکر نہیں کر رہے کہ مرفوعات کو کیوں مقدم کیا منصوبات اور مجرورات پر۔ وجہ یہ کہ مرفوعات کلام میں عمدہ واقع ہوتے ہیں اور منصوبات اور مجرورات فضلہ واقع ہوتے ہیں، اور جو عمدہ ہو اس کو ہونا ہی مقدم چاہیے، اسی لیے مرفوعات کو مقدم ذکر کیا بھئی۔

اور پھر مرفوعات جمع لے کر آئے بھئی، مرفوعٌ نہیں کہا مرفوعات کہا، بتلانا یہ چاہتے ہیں کہ مرفوعات کی کئی انواع ہیں، کئی اقسام ہیں۔ اگر مرفوع کہہ دیتے تو شبہ ہوتا شاید مرفوع ایک ہی قسم کا ہوتا ہے بھئی۔ اور پھر اس کے بعد صاحبِ جامی نے آپ کو بتلایا کہ یہ مرفوعات مَرْفُوعٌ کی جمع ہے مَرْفُوعَةٌ کی نہیں۔ اس لیے کیونکہ اس کا موصوف جو ہے وہ اسم ہے اور اسم مذکر ہے، تو اس کی صفت مَرْفُوعٌ آئے گی نہ کہ مَرْفُوعَةٌ بھئی۔ اور پھر اس کے بعد ایک ضابطہ بھی ذکر فرمایا کہ اگر یہ مَرْفُوعٌ کی جمع ہے تو مَرْفُوعٌ کی جمع تو مَرْفُوعُونَ آنی چاہیے تھی، یہ مَرْفُوعَاتٌ کیسے آ گئی؟ تو اس کے لیے ایک ضابطہ ذکر فرمایا کہ ہر مذکر غیر عاقل جو ہے، یعنی ہر وہ مذکر جو غیر ذوی العقول میں سے ہو، اس کی صفت کی جمع عربی زبان میں کثرت کے ساتھ الف تا کے ساتھ لائی جاتی ہے۔ اِسْمٌ جو ہے وہ بھی مفرد مذکر ہے تو اس کی صفت جو ہے وہ الف تا کے ساتھ لائی گئی مَرْفُوعَاتٌ بھئی۔

اور اس کے بعد صاحبِ جامی نے آگے کئی مثالیں اور نظیریں بھی ذکر کر دیں۔ میں نے بتلایا تھا ایک ہوتی ہے نظیر اور ایک ہوتی ہے مثال۔ نظیر کے ذریعے ضابطے کا اثبات ہوتا ہے اور مثال کے ذریعے قاعدے کی وضاحت ہوتی ہے۔ اور

ہر نظیر مثال بھی ہے لیکن ہر مثال نظیر نہیں۔ تو آگے تین چار نظیریں ذکر کر دیں کلامِ عرب سے جو جمع تھیں مذکر غیر ذوی العقول کی اور ان کی جمع الف تا کے ساتھ عربی میں عام استعمال ہوتی ہے۔ تو اس سے اس قاعدے اور ضابطے کا اثبات بھی ہو گیا اور یہی اس کے لیے مثالیں بھی ہیں تو قاعدے کی وضاحت بھی ہو گئی بھئی۔

پھر اس کے بعد میں نے آپ کو بتلایا تھا کہ یہ جو صاحبِ جامی عبارت لائے الْمَرْفُوعَاتُ کے بعد کہ جَمْعُ الْمَرْفُوعِ لَا الْمَرْفُوعَةِ، یہ عبارت کیوں لائے؟ یا تو وہ اس مقام کی تحقیق کرنا چاہتے ہیں، متن میں چونکہ الْمَرْفُوعَاتُ لفظ آیا تھا تو اس کی تحقیق کرنا چاہتے ہیں اور بتلانا چاہتے ہیں کہ یہ مَرْفُوعٌ کی جمع ہے مَرْفُوعَةٌ کی جمع نہیں۔ لیکن زیادہ بہتر یہ ہے کہ یوں کہا جائے کہ آگے ہُوَ مَا اشْتَمَلَ عبارت آ رہی تھی، اور اس کے اندر ہُوَ ضمیر جو ہے اس کو صاحبِ جامی مَرْفُوعٌ کو راجع کرنا چاہتے ہیں۔ اور اس پر کوئی اشکال کرنے والا پھر کہہ سکتا ہے کہ بھئی پیچھے تو مَرْفُوعٌ کا ذکر ہی نہیں آیا، پیچھے تو مَرْفُوعَاتٌ کا ذکر آیا ہے، اور مَرْفُوعَاتٌ کا مفرد تو مَرْفُوعَةٌ ہوتا ہے، تو مَرْفُوعٌ کا ذکر نہ لفظوں میں آیا اور نہ ضمناً آیا۔ تو صاحبِ جامی نے اسی کی وجہ سے پہلے ہی بتلا دیا کہ یہ جو مَرْفُوعَاتٌ ہے یہ مَرْفُوعٌ کی جمع ہے مَرْفُوعَةٌ کی جمع نہیں ہے۔ تو گویا صاحبِ جامی نے دعویٰ کر دیا اور اس دعوے کے دو جز ہو گئے، ایک جز ہے ایجابی اور ایک جز ہے سلبی۔ جزِ ایجابی جس میں ایک شے کا اثبات ہوتا ہے، اور جزِ سلبی جس میں ایک شے کی نفی ہوتی ہے، اس کا سلب ہوتا ہے۔ تو جب کہا جَمْعُ الْمَرْفُوعِ کہ مرفوعات مَرْفُوعٌ کی جمع ہے، یہ ایجابی جز ہے، دیکھو اس میں نفی نہیں ہے۔ اور دوسرا جز کیا کہا کہ لَا الْمَرْفُوعَةِ، یہ مَرْفُوعَةٌ کی جمع نہیں ہے، یہ سلبی جز ہوا۔ تو دونوں کی پھر آگے دلیل بھی دی۔ تو سلبی جز کی دلیل پہلے دی، ایک جز کیا سلبی کہ مَرْفُوعَةٌ کی جمع نہیں ہے، کیوں نہیں ہے؟ کہتے ہیں لِأَنَّ مَوْصُوفَهُ الِاسْمُ، اس لیے کیونکہ اس کا موصوف اسم ہے، جب موصوف اسم ہے تو اس کی صفت مَرْفُوعَةٌ نہیں آ سکتی بلکہ کیا آئے گی؟ مَرْفُوعٌ آئے گی، کیونکہ اسم مذکر ہے تو صفت بھی کیا آئے گی؟ مذکر آئے گی، کیونکہ صفت کی مطابقت ہوتی ہے موصوف کے ساتھ۔ اور ایک جز کیا تھا کہ یہ مَرْفُوعٌ کی جمع ہے یعنی ایجابی جز، تو اس کی دلیل دی کہ ہُوَ مُذَكَّرٌ لَا يَعْقِلُ کہ اسم کیا ہے؟ مذکرِ لا یعقل ہے، اور مذکرِ لا یعقل کی جو صفت ہے اس کی جمع عربی زبان میں کثرت کے ساتھ الف تا کے ساتھ لائی جاتی ہے۔ مذکرِ لا یعقل کی جو صفت ہے اس کی جمع الف تا کے ساتھ عربی زبان میں کثرت کے ساتھ لائی جاتی ہے۔ یہاں تک بات سمجھ میں آ گئی اچھی طرح؟

آگے دیکھیے بھئی۔ کہتے ہیں: هُوَ أَيِ الْمَرْفُوعُ الدَّالُّ عَلَيْهِ الْمَرْفُوعَاتُ لِأَنَّ التَّعْرِيفَ إِنَّمَا يَكُونُ لِلْمَاهِيَّةِ لَا لِلْأَفْرَادِ۔ بھئی پہلے متن دیکھ لیں، پہلے بھی ہم متن کو حل کر چکے ہیں، دیکھیے متن: الْمَرْفُوعَاتُ هُوَ مَا اشْتَمَلَ عَلَى عَلَمِ الْفَاعِلِيَّةِ۔ کہ مرفوع وہ ہے جو فاعل ہونے کی علامت پر مشتمل ہو۔ متن پر نظر ہے؟ هُوَ مَا اشْتَمَلَ عَلَى عَلَمِ الْفَاعِلِيَّةِ، مرفوع وہ ہے جو فاعل ہونے کی علامت پر مشتمل ہو۔ هُوَ مَا اشْتَمَلَ، ذرا صرف متن پر نظر رکھیں، هُوَ مَا اشْتَمَلَ عَلَى عَلَمِ الْفَاعِلِيَّةِ۔ یہاں هُوَ ضمیر آئی، هُوَ مَا اشْتَمَلَ عَلَى عَلَمِ الْفَاعِلِيَّةِ، یہ هُوَ ضمیر کس کو راجع ہے؟ تو عام شارحین لکھتے ہیں کہ یہ هُوَ ضمیر مرفوعات کو راجع ہے بھئی۔ کس

کو راجع ہے؟ مرفوعات کو راجع ہے۔ بھئی مرفوعات کو کیسے راجع ہے؟ مرفوعات تو جمع ہے، اور جمع کی طرف یا تو جمع کی ضمیر راجع کی جاتی ہے یا جمع بتاویلِ جَمَاعَةٌ واحد مؤنث کے حکم میں ہوتی ہے، تو اس کی طرف پھر واحد مؤنث کی ضمیر راجع کی جاتی ہے۔ تو یہاں پر یا تو جمع کی ضمیر ہونی چاہیے تھی یا ہِيَ ضمیر ہونی چاہیے تھی جو کس کو راجع ہو؟ مرفوعات کو بتاویلِ جَمَاعَةٌ کے بھئی واحد مؤنث کے حکم میں۔ تو یہ ضمیر عام شارحین فرماتے ہیں کہ یہ مرفوعات کو راجع ہے۔ تو اس پر سوال پیدا ہوتا ہے کہ مرفوعات کو یہ ضمیر کیسے راجع؟ تو وہ جواب دیتے ہیں، ایک ضابطہ ذکر کرتے ہیں۔ ضابطہ یہ ہے کہ جب بھی ضمیر دائر ہو جائے بَيْنَ الْمَرْجِعِ وَالْخَبَرِ، ضمیر کس کے درمیان آجائے؟ مرجع اور خبر۔ یعنی اگر مرجع کی طرف دیکھیں تو ضمیر ایک قسم کی لانی پڑے، اور خبر کی طرف نظر کریں تو ضمیر دوسری قسم کی لانی پڑے، تو اس وقت دونوں کی رعایت رکھنا جائز ہے۔ مرجع کی رعایت رکھتے ہوئے مرجع کے مطابق ضمیر لانا بھی صحیح اور خبر کی رعایت رکھتے ہوئے خبر کے مطابق ضمیر لانا بھی صحیح۔

تو یہاں پر اب دیکھو خبر کیا ہے؟ مَا اشْتَمَلَ عَلَى عَلَمِ الْفَاعِلِيَّةِ۔ تو یہ مَا اشْتَمَلَ میں یہ جو مَا ہے یہ ہے خبر، اور یہ مفرد مذکر ہے مَا اشْتَمَلَ۔ اور پیچھے مرفوعات وہ ہے ضمیر کا مرجع، اس مرجع کی طرف دیکھیں تو ہِيَ ضمیر لانی چاہیے یا جمع کی ضمیر لانی چاہیے، یا ہِيَ کیونکہ جمع بتاویلِ جَمَاعَةٌ کس کے حکم میں ہے؟ واحد مؤنث کے۔ تو یہاں اگر مرجع کی رعایت رکھیں تو ہِيَ ضمیر لانی چاہیے، اور اگر خبر کی طرف دیکھیں تو خبر ہے مَا اشْتَمَلَ، تو اس کے مطابق ہُوَ ضمیر لانا بھی جائز ہے۔ تو ایسے موقع پر ضابطہ ہے جب ضمیر دائر ہو جائے بَيْنَ الْمَرْجِعِ وَالْخَبَرِ، یعنی خبر تقاضا کر رہی ہے ایک نوع کی ضمیر کا اور مرجع تقاضا کر رہا ہے دوسری قسم کی ضمیر کا، تو دونوں کی رعایت رکھنا جائز ہے۔ آپ چاہیں تو مرجع کی رعایت رکھیں اور اس کے مطابق ضمیر لے آئیں، خبر کی رعایت نہ رکھیں، اور آپ چاہیں تو خبر کی رعایت رکھیں اور خبر کے مطابق ضمیر لے آئیں اور مرجع کی رعایت نہ رکھیں بھئی۔

تو عام شارحین فرماتے ہیں کہ یہ ہُوَ ضمیر مرفوعات کو راجع ہے، کس کو راجع؟ مرفوعات، اور ماتن یعنی صاحبِ کافیہ نے خبر کی رعایت رکھی یہاں پر۔ خبر کی رعایت رکھنا بھی جائز تھا اور مرجع کی بھی، اور صاحبِ کافیہ نے کس کی رعایت رکھی؟ خبر کی رعایت رکھی۔ خبر چونکہ مفرد مذکر تھی اس لیے وہ ہُوَ مفرد مذکر لے آئے، اور اگر وہ مرجع کی رعایت رکھنا چاہتے تو اس کی رعایت بھی رکھ سکتے تھے اور ہِيَ ضمیر بھی لا سکتے تھے یا جمع کی ضمیر بھی۔ یہاں تک بات سمجھ میں آگئی؟ لیکن صاحبِ جامی نے اس کو رد کیا۔ صاحبِ جامی فرماتے ہیں: هُوَ أَيِ الْمَرْفُوعُ الدَّالُّ عَلَيْهِ الْمَرْفُوعَاتُ، یعنی کہ وہ مرفوع جس پر مرفوعات دلالت کر رہا ہے۔ تو صاحبِ جامی نے ضمیر کو الْمَرْفُوعَاتُ کی طرف راجع نہیں فرمایا، بلکہ مَرْفُوعٌ کی طرف لوٹایا۔

یاد رکھو جمع جو ہے وہ افراد پر دلالت کرتی ہے۔ رَجُلٌ کی جمع کیا؟ رِجَالٌ۔ تو رِجَالٌ کا کیا معنی؟ أَيْ رَجُلٌ وَرَجُلٌ وَرَجُلٌ، کم از کم کتنے افراد؟ تین افراد، تو رِجَالٌ کا کیا معنی؟ رَجُلٌ وَرَجُلٌ وَرَجُلٌ، بات سمجھ میں آرہی ہے؟ تو جمع کس پر دلالت کرتی ہے؟

افراد پر دلالت کرتی ہے۔ اسی طرح یاد رکھنا یہ جو جمع ہے یہ جنس پر بھی دلالت کرتی ہے۔ میں نے کہا رِجَالٌ، آپ کو افراد سمجھ میں آ گئے کہ رَجُلٌ وَرَجُلٌ وَرَجُلٌ، اور ساتھ ہی جنس بھی سمجھ میں آ گئی کہ نہیں کہ کون سی جنس کے افراد مراد ہیں؟ رَجُلٌ کے افراد مراد ہیں یا اِمْرَأَةٌ کے افراد مراد ہیں؟ رَجُلٌ۔ دیکھا رِجَالٌ، جو جمع ہوتی ہے وہ افراد پر بھی دلالت کرتی ہے اور جنس پر بھی دلالت کرتی ہے، بات سمجھ میں آ رہی ہے کہ کون سی جنس کے افراد مراد ہیں؟ رَجُلٌ کی جنس کے افراد مراد ہیں۔ اسی طرح جیسے یہاں آیا الْمَرْفُوعَاتُ، تو الْمَرْفُوعَاتُ کا کیا معنی؟ ایک تو اس نے افراد پر دلالت کی یعنی مَرْفُوعٌ وَمَرْفُوعٌ وَمَرْفُوعٌ، اور نیز ساتھ اس نے جنس پر بھی دلالت کر دی۔ کون سی جنس کے افراد مراد ہیں؟ منصوبات والے، مجرورات والے یا مرفوعات کی جنس کے؟ مرفوعات کی جنس کے، بات سمجھ میں آ رہی ہے؟ تو جمع جو ہوتی ہے وہ افراد پر بھی دلالت کرتی ہے اور جنس پر بھی دلالت کرتی ہے، یہاں تک بات سمجھ میں آ گئی؟

تو عام شارحین نے ہُوَ ضمیر کو مرفوعات کی طرف راجع کیا تھا اور کہا تھا کہ صاحبِ کافیہ نے خبر کی رعایت رکھتے ہوئے ہُوَ ضمیر ذکر کر دی، ورنہ تو ہِيَ ضمیر لانی چاہیے تھی یا جمع کی ضمیر لانی چاہیے تھی کیونکہ یہ کس کو راجع ہے؟ مرفوعات کو راجع ہے۔ لیکن صاحبِ جامی اس کو رد فرماتے ہیں کہ نہیں بھئی، یہ ہُوَ ضمیر جو ہے مرفوعات کو نہیں راجع، بلکہ یہ ہُوَ ضمیر راجع ہے مَرْفُوعٌ کو جس پر مرفوعات دلالت کر رہا ہے۔ جمع ایک تو افراد پر دلالت کرتی ہے اور ایک جنس پر، تو یہاں ہُوَ ضمیر کس کو راجع؟ وہ مَرْفُوعٌ جس پر مرفوعات دلالت کر رہا ہے یعنی یوں کہیں وہ مَرْفُوعٌ جو مرفوعات کے ضمن میں موجود ہے۔ جیسے قرآن میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: اِعْدِلُوا هُوَ أَقْرَبُ لِلتَّقْوَىٰ۔ دیکھو اِعْدِلُوا فعلِ امر ہے، تم لوگ عدل کرو، انصاف کرو۔ اِعْدِلُوا فعلِ امر آیا اور آگے ہُوَ ضمیر آ گئی اِعْدِلُوا هُوَ أَقْرَبُ لِلتَّقْوَىٰ۔ ہُوَ ضمیر مفسرین حضرات فرماتے ہیں کہ یہ ہُوَ ضمیر عدل کو راجع ہے۔ سوال پیدا ہوتا ہے پیچھے تو کہیں عدل کا ذکر نہیں آیا، پیچھے تو فعل آیا ہے اِعْدِلُوا، عدل مصدر کا ذکر تو آیا ہی نہیں۔ تو جواب یاد رکھنا کہ ہر فعل جو ہے وہ تین چیزوں پر دلالت کرتا ہے، فعل خود تو مفرد ہے لیکن اس کا مفہوم مرکب ہے تین چیزوں سے۔ نمبر ایک یہ مصدر پر دلالت کرتا ہے، دوسرا زمانے پر اور تیسرا نسبت الی الفاعل۔ ضَرَبَ، ضَرَبَ کے اندر ضَرْب مصدر بھی ہے، زمانہ ماضی بھی ہے اور نسبت الی الفاعل بھی ہے۔ يَضْرِبُ فعلِ مضارع لے لو، فعلِ مضارع یہ ضَرْب مصدر پر بھی دلالت کر رہا ہے اور حال یا استقبال پر بھی دلالت کر رہا ہے اور تیسرا نسبت الی الفاعل۔ تو یہاں پر بھی اِعْدِلُوا فعلِ امر آیا اور فعلِ امر کے اندر عَدْل مصدر بھی آ گیا، نسبت الی الفاعل بھی آ گئی اور زمانہ بھی آ گیا مستقبل والا کیونکہ فعلِ امر زمانہ مستقبل پر دلالت کرتا ہے۔ تو ہُوَ ضمیر کس کو راجع؟ عدل کو، وہ عدل جو کس کے ضمن میں آیا؟ اِعْدِلُوا کے ضمن میں جو مصدر گزر گیا ہُوَ ضمیر اس کو راجع ہے۔

بات سمجھ میں آئی کہ نہیں؟ کیا اعتراض کیا ہوا؟ اِعْدِلُوا هُوَ أَقْرَبُ لِلتَّقْوَىٰ، سوال پیدا ہوا یہ ہُوَ ضمیر کس کو راجع؟ تو جواب یہ کہ عدل کو راجع۔ بھئی عدل کا تو پیچھے کہیں ذکر ہی نہیں آیا، پیچھے تو فعل آیا ہے اِعْدِلُوا۔ تو جواب یہ کہ ہر فعل کے ضمن میں مصدر موجود ہوتا ہے، فعل جو ہے مصدر پر بھی دلالت کرتا ہے، زمانے پر بھی اور نسبت الی الفاعل پر بھی۔ تو گویا عدل کا

ذکر پیچھے صراحتاً تو نہیں ہوا لیکن ضمناً ہو گیا کس کے ضمن میں؟ اِعْدِلُوا کے ضمن میں، بات سمجھ میں آگئی؟ تو یہاں پر بھی اسی طرح شارحِ جامی نے یہ ہُوَ ضمیر جو ہے اس مَرْفُوعٌ کی طرف راجع کی ہے جو مرفوعات کے ضمن میں آگیا، کیونکہ مرفوعات کیا ہے؟ جمع اور جمع کس پر دلالت کرتی ہے؟ افراد پر، تو اس کے ضمن میں مفرد بھی آگیا۔ تو یہ ہُوَ ضمیر کس کو راجع؟ وہ مرفوع جو کس کے ضمن میں آیا؟ مرفوعات کے ضمن میں آیا۔

اور پھر، پھر میں نے آپ کو یہ بھی بتلایا کہ جمع جس طرح افراد پر دلالت کرتی ہے اسی طرح جنس پر بھی دلالت کرتی ہے، تو یہاں جنسِ مرفوع مراد ہے، فردِ مرفوع نہیں۔ ہُوَ ضمیر راجع ہے کس کو؟ مرفوع کو۔ کون سا مرفوع؟ فردِ مرفوع یا جنسِ مرفوع بھئی؟ جنسِ مرفوع کو یہ راجع ہے۔ توجہ ہے؟ بھئی کیا وجہ ہے، جنسِ مرفوع کیوں مراد لیا یہاں پر؟ تو وجہ یہ کیونکہ یہ آگے تعریف کر رہے ہیں بھئی، کہ مرفوعات کسے کہتے ہیں؟ هُوَ مَا اشْتَمَلَ عَلَى عَلَمِ الْفَاعِلِيَّةِ، مرفوع وہ ہے جو فاعل ہونے کی علامت پر مشتمل ہوتا ہے، تو یہ مرفوع کی تعریف کی جا رہی ہے، اور یاد رکھو تعریف ہمیشہ جنس اور ماہیت کی کی جاتی ہے افراد کی نہیں۔ تعریف کس کی کی جاتی ہے؟ جنس اور ماہیت کی تعریف کی جاتی ہے، افراد کی تعریف نہیں کی جاتی۔ مثلاً میرے سے اگر کوئی انسان کی تعریف پوچھے اور میں اس کو زید کی تعریف بتلانا شروع کر دوں، زید کے بارے میں بتلانا شروع کر دوں بھئی کہ اس طرح کا اس کا قد ہو گا، اس طرح کی دو آنکھیں ہوں گی، اس طرح کا اس نے لباس پہنا ہو گا، بھئی یہ تو میں فرد کی تعریف کر رہا ہوں، یہ تعریف تو صرف زید پر صادق آئے گی، عمرو، بکر، خالد کسی اور پر تو یہ تعریف صادق نہیں آئے گی۔ تو افراد تو بہت سارے ہوتے ہیں، تو تعریف کبھی افراد کی نہیں کی جاتی بلکہ تعریف کس کی کی جاتی ہے؟ جنس اور ماہیت کی کی جاتی ہے تاکہ ہر ہر فرد پر صادق آئے۔ اب مجھ سے کس نے پوچھا انسان کی تعریف کیا ہے، انسان کسے کہتے ہیں؟ میں نے کہا حیوانِ ناطق، انسان کی تعریف کیا ہے؟ حیوانِ ناطق۔ اب یہ زید پر بھی صادق آ رہی ہے وہ بھی حیوانِ ناطق ہے، یہ بکر پر بھی صادق آ رہی ہے وہ بھی حیوانِ ناطق ہے، خالد وغیرہ جتنے افرادِ انسان ہوں گے ہر ایک پر یہ تعریف صادق آئے گی۔ تو تعریف افراد کی نہیں کی جاتی بلکہ کس کی کی جاتی ہے؟ جنس اور ماہیت کی کی جاتی ہے۔ تو یہاں پر عام شارحین نے ہُوَ ضمیر کس کو لوٹائی؟ مرفوعات کو لوٹائی اور کیا کہا صاحبِ کافیہ نے کس کا لحاظ رکھا ہے؟ خبر کا لحاظ رکھا ہے، مَا اشْتَمَلَ کو دیکھتے ہوئے ہُوَ ضمیر لے کر آئے، ورنہ یہ راجع کس کو ہے؟ مرفوعات کو راجع ہے، لیکن صاحبِ جامی نے اس کو رد کر دیا کہ نہیں بھئی، ہُوَ ضمیر مرفوعات کو آپ راجع نہیں کر سکتے اس لیے کیونکہ اگر آپ مرفوعات کو ضمیر راجع کریں گے، مرفوعات تو جمع ہے اور جمع تو کس پر دلالت کرتی ہے؟ افراد پر، یہ تو افراد کی تعریف ہو جائے گی، حالانکہ تعریف افراد کی نہیں کی جاتی بلکہ جنس اور ماہیت کی کی جاتی ہے، لہٰذا ہُوَ ضمیر مرفوعات کو نہیں راجع بلکہ اس مَرْفُوعٌ کو راجع ہے جس پر مرفوعات دلالت کر رہا ہے، اور مرفوعات جس طرح افراد پر دلالت کرتا ہے جمع ہے اسی طرح جنس پر بھی دلالت کرتا ہے، تو یہاں مرفوع سے فردِ مرفوع مراد نہیں ہے بلکہ جنسِ مرفوع۔

کیا بات ہوئی؟ عام شارحین نے کس کو راجع کی ضمیر؟ مرفوعات کو، لیکن شارحِ جامی نے رد کیا، کیا فرمایا کہ یہ تعریف کی جا رہی ہے اور تعریف افراد کی نہیں کی جاتی کیونکہ افراد تو لا متناہی ہوتے ہیں، کس کس فرد کی آپ تعریف کریں گے؟ اور ایک فرد کی تعریف کریں گے وہ دوسرے پر صادق نہیں آئے گی، تو تعریف کس کی کی جاتی ہے؟ جنس اور ماہیت کی کی جاتی ہے، لہٰذا یہ ہُوَ ضمیر کس کو لوٹاؤ؟ اس مَرْفُوعٌ کو جس پر کون دلالت کر رہا ہے؟ مرفوعات دلالت کر رہا ہے، اور مرفوعات جیسے جمع ہے، جیسے وہ افراد پر دلالت کرتا ہے اسی طرح وہ جنس اور ماہیت پر بھی دلالت کرتا ہے، تو ہُوَ ضمیر کس کو راجع؟ اس مَرْفُوعٌ کو جو کس کے ضمن میں آگیا؟ مرفوعات کے ضمن میں آگیا، اور فردِ مرفوع مراد ہے یا جنسِ مرفوع مراد ہے یہاں؟ جنس مراد ہے، بات سمجھ میں آگئی؟ فردِ مرفوع مراد نہیں کیونکہ تعریف فرد کی نہیں کی جاتی۔ یہاں تک بات سمجھ میں آگئی۔

تو دیکھو صاحبِ جامی نے اس ہُوَ مَا اشْتَمَلَ کے اندر جو ہُوَ ضمیر آئی تھی اس کو اس جنسِ مرفوع کی طرف راجع کیا جس پر لفظِ مرفوعات دلالت کر رہا ہے، یعنی وہ جنسِ مرفوع جو ضمناً مذکور ہے، صراحتاً مذکور نہیں، وہ مرفوع جو مرفوعات کے ضمن میں مذکور ہے صراحتاً مذکور نہیں، تو یہ ہُوَ ضمیر اس کو راجع کی۔ اس پر بعض طلبہ کے ذہنوں میں ہو سکتا ہے یہ اشکال آئے کہ یہ ہُوَ ضمیر وہ جو مرفوعات کے ضمن میں مرفوع تھا اس کی طرف راجع کی، بھئی پیچھے ایک ڈیڑھ سطر قبل ابھی گزرا ہے کہ الْمَرْفُوعَاتُ جَمْعُ الْمَرْفُوعِ لَا الْمَرْفُوعَةِ، تو بھئی مرفوع کا ذکر تو پیچھے آگیا تو یہ ہُوَ ضمیر اس مَرْفُوعٌ کو کیوں نہیں راجع کرتے؟ آپ نے کہا کہ ہُوَ ضمیر راجع ہے وہ مرفوع کو اور مرفوع کا تو پیچھے ذکر نہیں، وہ مرفوع تو کس کے ضمن میں ہے؟ مرفوعات کے ضمن میں، بھئی مرفوع تو پیچھے صراحتاً ذکر ہے، ڈیڑھ سطر قبل ابھی گزرا ہے کہ الْمَرْفُوعَاتُ جَمْعُ الْمَرْفُوعِ، تو دیکھو مرفوع کا لفظ تو صراحتاً ذکر ہے اس کی طرف صاحبِ جامی نے ضمیر کیوں راجع نہیں کی؟ تو جواب یاد رکھنا بھئی، بھئی یہ اشکال آپ کے ذہن میں نہیں آنا چاہیے اس لیے کیونکہ یہ تو صاحبِ جامی تقریر کر رہے ہیں، جَمْعُ الْمَرْفُوعِ لَا الْمَرْفُوعَةِ یہ تقریر کس کی ہے؟ یہ تو صاحبِ جامی کی ہے اور یہ جو ہُوَ ضمیر ہے یہ تو صاحبِ کافیہ کی ہے بھئی، متن ہے، اور متن کیا تھا؟ متن صرف یوں ہے، سنو: الْمَرْفُوعَاتُ هُوَ مَا اشْتَمَلَ عَلَى عَلَمِ الْفَاعِلِيَّةِ۔ الْمَرْفُوعَاتُ هُوَ مَا اشْتَمَلَ، اب دیکھو ہُوَ ضمیر آئی اور کہیں پر مرفوع درمیان میں آیا؟ نہیں، یہ جو مرفوع پیچھے آیا تھا یہ تو صاحبِ جامی نے ذکر کیا بھئی، تو اس کی طرف متن کی ضمیر کو اس کی طرف راجع نہیں کیا جا سکتا، متن کی ضمیر متن کی طرف ہی راجع ہو گی۔ بات سمجھ میں آگئی؟

دیکھیے کتاب پر: هُوَ أَيِ الْمَرْفُوعُ الدَّالُّ عَلَيْهِ الْمَرْفُوعَاتُ، یعنی وہ مرفوع جس پر مرفوعات دلالت کرتا ہے، جس پر مرفوعات دلالت کر رہا ہے، کون سا مرفوع؟ فردِ مرفوع یا جنسِ مرفوع بھئی؟ جنسِ، وہ جنسِ مرفوع جس پر مرفوعات دلالت کر رہا ہے۔ لِأَنَّ التَّعْرِيفَ إِنَّمَا يَكُونُ لِلْمَاهِيَّةِ لَا لِلْأَفْرَادِ، اس لیے کیونکہ تعریف جو ہے وہ ماہیت کی ہوتی ہے لَا لِلْأَفْرَادِ نہ کہ افراد کی۔

آگے دیکھیے، کہتے ہیں: وَمَا اشْتَمَلَ أَيِ اسْمٌ اشْتَمَلَ عَلَى عَلَمِ الْفَاعِلِيَّةِ۔ وَمَا اشْتَمَلَ أَيِ اسْمٌ اشْتَمَلَ، متن میں آیا مَا اشْتَمَلَ اور صاحبِ جامی نے آگے اس کی تفسیر کی أَيِ اسْمٌ اشْتَمَلَ، مَا کی جگہ اِسْمٌ لے آئے۔ یہ دراصل مَا کا مصداق بتلانا چاہتے

ہیں۔ یاد رکھو ایک مَا موصولہ ہوتا ہے اور ایک مَا موصوفہ۔ میں پہلے بھی بیان کر چکا ہوں جہاں پر اسم کی تعریف ہم نے شروع کی تھی، اَلِاسْمُ مَا دَلَّ عَلَى مَعْنًى فِي نَفْسِهِ غَيْرِ مُقْتَرِنٍ بِأَحَدِ الْأَزْمِنَةِ الثَّلَاثَةِ، تو وہاں پر میں نے ذکر کیا تھا، آپ کو بتلایا تھا کہ ایک مَا موصولہ ہوتا ہے اور ایک مَا موصوفہ۔ مَا موصولہ یہ اسمِ موصول ہوتا ہے اور آگے ایک جملہ آتا ہے جو اس کا صلہ بنتا ہے۔ موصول کے ساتھ صلہ ملے گا تو اس کا معنی سمجھ میں آئے گا، اس کے بغیر اس کا معنی سمجھ میں نہیں آئے گا۔ اور ایک مَا موصوفہ ہے بھئی، مَا موصوفہ بالکل اسی مَا موصولہ کی طرح ہوتا ہے لیکن فرق صرف یہ ہے کہ یہ نکرہ ہوتا ہے، مَا موصولہ تو اسمِ موصول ہے وہ معرفہ ہوتا ہے، جبکہ مَا موصوفہ جو ہے وہ نکرہ ہوتا ہے اور اس کے بعد جو جملہ آتا ہے وہ اس کی صفت بنتا ہے۔ تو مَا موصولہ کے بعد صلہ آئے گا اور مَا موصولہ معرفہ ہوتا ہے، اور مَا موصوفہ کے بعد جو جملہ آئے گا وہ اس کی صفت بنے گا اور یہ مَا موصوفہ نکرہ ہوتا ہے، کیونکہ آپ پڑھ چکے جملہ کس کے حکم میں ہے؟ نکرہ کے حکم میں، تو جب یہ مَا موصوفہ ہے اور جملہ آگے اس کی صفت بن رہا ہے اسی سے پتہ چل جاتا ہے کہ یہ مَا نکرہ ہے بھئی۔ تو مَا موصولہ جو ہے وہ معرفہ ہوتا ہے اور اس کی تفسیر اَلَّذِي کے ساتھ یا اَلشَّيْءُ کے ساتھ، کوئی معین چیز کے ساتھ اس کی تفسیر کی جاتی ہے، دیکھو اَلشَّيْءُ الف لام اس پر داخل ہے اور الف لام جس لفظ پر داخل ہو اس کو معرفہ بنا دیتا ہے۔ جبکہ مَا موصوفہ جو ہوتا ہے اس کی تفسیر شَيْءٌ کے ساتھ کی جاتی ہے، کوئی چیز، کوئی چیز، تو یہ مَا موصوفہ کی تفسیر کی جاتی ہے۔ یہاں تک بات سمجھ میں آگئی؟ مَا موصولہ کی تفسیر کس کے ساتھ کی جاتی ہے؟ اَلَّذِي یا اَلشَّيْءُ کہہ لو اَلشَّيْءُ، اور مَا موصوفہ کی تفسیر کس کے ساتھ کی جاتی ہے؟ شَيْءٌ کے ساتھ اس کی تفسیر کی جاتی ہے۔ جبکہ یہاں صاحبِ جامی نے مَا اشْتَمَلَ کی تفسیر کی ہے أَيِ اسْمٌ اشْتَمَلَ، اِسْمٌ کے ساتھ کی ہے، شَيْءٌ نہیں نکالا، شَيْءٌ نہیں نکالا۔ یہ دراصل مَا کا مصداق بتلانا چاہتے ہیں کہ یہاں پر جو مَا آیا، مَا تو ویسے مَا موصوفہ عام ہوتا ہے، کس معنی میں ہوتا ہے؟ شَيْءٌ کے معنی۔

معنی میں ہوتا ہے، اور یاد رکھو شَيْءٌ کا لفظ اَنْكَرُ النَّكِرَاتِ ہے، دنیا کی ہر چیز پر یہ صادق آتا ہے۔ کتاب یہ بھی کیا ہے؟ شَيْءٌ، قلم یہ بھی کیا ہے؟ شَيْءٌ، پہاڑ یہ بھی کیا ہے؟ شَيْءٌ، آسمان وہ بھی کیا ہے؟ شَيْءٌ، تو شَيْءٌ کا لفظ ہر چیز پر صادق آتا ہے یہ اَنْكَرُ النَّكِرَاتِ ہے۔ لیکن یہاں پر صاحبِ جامی نے مَا کی تفسیر شَيْءٌ کے ساتھ نہیں کی بلکہ اِسْمٌ کے ساتھ کی، یہ دراصل مَا کا مصداق بتلانا چاہتے ہیں کہ یہاں پر مَا سے دنیا کی ہر چیز مراد نہیں ہے بلکہ اسم مراد ہے بھئی، بلکہ اس لیے کیونکہ اسم کی بحث چل رہی ہے اسمِ معرب کی، اور تو لہٰذا یہاں ہر چیز مراد نہیں ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟

بھئی دیکھیے نا اشکال ہوتا ہے۔ انہوں نے کیا کہا، مرفوع کسے کہتے ہیں؟ هُوَ مَا اشْتَمَلَ عَلَى عَلَمِ الْفَاعِلِيَّةِ، جو فاعل ہونے کی علامت پر مشتمل ہو۔ اور فاعل ہونے کی علامت کیا ہے؟ رفع۔ توجہ ہے؟ رفع، اور رفع کی کتنی صورتیں ہیں؟ کبھی ضمہ کے ساتھ آئے گا زَيْدٌ، اور کبھی واو کے ساتھ آئے گا مُسْلِمُونَ، اور کبھی الف کے ساتھ آئے گا رَجُلَانِ۔ مفرد منصرف صحیح کا رفع کس کے ساتھ آتا ہے؟ ضمہ کے ساتھ، جَاءَنِي زَيْدٌ، رَأَيْتُ زَيْدًا، مَرَرْتُ بِزَيْدٍ، تو دیکھو رفع زَيْدٌ ضمہ کے ساتھ آیا۔ اور

جمع مذکر سالم جَاءَنِي مُسْلِمُونَ، رَأَيْتُ مُسْلِمِينَ، مَرَرْتُ بِمُسْلِمِينَ، اس کا رفع واو کے ساتھ۔ اور تثنیہ جو ہے جَاءَنِي رَجُلَانِ، رَأَيْتُ رَجُلَيْنِ، مَرَرْتُ بِرَجُلَيْنِ، تثنیہ کا رفع کس کے ساتھ آتا ہے؟ الف کے ساتھ۔ تو اگر مَا کو اپنے عموم پر باقی رکھیں، مَا کی تفسیر کس چیز کے ساتھ کی جاتی ہے؟ شَيْءٌ۔ اگر شَيْءٌ کے ساتھ مَا کی تفسیر کریں پھر تو اعتراض ہوتا ہے، انہوں نے کیا کہا مرفوع وہ ہے مَا اشْتَمَلَ عَلَى عَلَمِ الْفَاعِلِيَّةِ، جو فاعل ہونے کی علامت پر مشتمل ہو۔ جی زَيْدٌ، زَيْدٌ پر کیا آ رہا ہے؟ ضمہ، تو معلوم ہوا زید بھی کیا ہے؟ مرفوع ہے بھئی، زید بھی کیا ہے؟ یہ فاعل ہونے کی علامت پر مشتمل ہے۔ اسی طرح زید کی جو دال ہے، دال پر کیا آ رہا ہے؟ ضمہ، تو دال کو بھی مرفوع کہنا پڑے گا، حالانکہ دال تو حرف ہے بھئی۔ اسی طرح يَضْرِبُ زَيْدٌ، يَضْرِبُ فعلِ مضارع ہے، فعلِ مضارع بھی مرفوع ہوتا ہے۔ اگر مَا سے مراد شَيْءٌ مراد لیا جائے، مرفوع کسے کہتے ہیں هُوَ مَا اشْتَمَلَ عَلَى عَلَمِ الْفَاعِلِيَّةِ، مرفوع وہ ہے جو فاعل ہونے کی علامت یعنی رفع پر مشتمل ہو، پھر تو دال بھی اس تعریف کے اندر داخل ہو گیا اس کو بھی کیا کہنا پڑے گا، زید کے آخر میں جو دال آ رہی ہے اس کو بھی کیا کہنا پڑے گا؟ یہ بھی مرفوع ہے۔ اسی طرح يَضْرِبُ فعلِ مضارع بھی اس کے اندر داخل ہو جائے گا، حالانکہ اس وقت بحث کس کی چل رہی ہے؟ اسم کی بحث چل رہی ہے۔ تو اسی لیے صاحبِ جامی نے مَا کی تفسیر شَيْءٌ کے ساتھ نہیں کی بلکہ اِسْمٌ کے ساتھ کی، یعنی یہاں پر مَا کا مصداق کیا ہے، کس چیز پر وہ صادق آ رہا ہے، کیا اس سے مراد ہے، وہ ذکر کر دیا کہ دنیا کی ہر چیز اس سے مراد نہیں بلکہ اسم مراد ہے کیونکہ اسم کی بحث چل رہی ہے۔ بات سمجھ میں آ گئی؟

یہاں ایک اور اعتراض اکثر اردو شروحات میں آپ کو عام ملے گا بھئی، تمام اردو شروحات والے ایک اعتراض ذکر کرتے ہیں یہاں اور وہ درست نہیں ہے بھئی۔ اشکال یہ ذکر کرتے ہیں، اشکال یہ کہ ذرا عبارت ذرا متن پر نظر رکھو: هُوَ مَا اشْتَمَلَ عَلَى عَلَمِ الْفَاعِلِيَّةِ۔ اعتراض یہ کہ صاحبِ جامی نے مَا اشْتَمَلَ کی تفسیر أَيِ اسْمٌ اشْتَمَلَ کے ساتھ کیوں کی؟ توجہ ہے؟ اعتراض کرتے ہیں اور پھر جواب ذکر کرتے ہیں کہ بھئی صاحبِ جامی نے مَا کو موصوفہ بنایا، اس مَا کو موصولہ نہیں بنایا، وجہ یہ کہ اگر اس مَا کو موصولہ بنائیں گے تو پھر درمیان میں فصل کا لانا واجب ہے، درمیان میں فصل کا لانا واجب ہے۔

یاد رکھو ابتدا میں اصل ہے کہ وہ معرفہ ہوتا ہے اور خبر میں اصل یہ ہے کہ وہ نکرہ ہوتی ہے۔ زَيْدٌ قَائِمٌ، دیکھو زَيْدٌ ہے ابتدا اور قَائِمٌ ہے اس کی خبر، تو ابتدا ہے معرفہ اور خبر کیا ہے؟ نکرہ۔ لیکن کبھی کبھار خبر کو بھی معرفہ لے آتے ہیں بھئی، کبھی کبھار خبر کو بھی معرفہ لے آتے ہیں، مثلاً زَيْدٌ قَائِمٌ کے بجائے زَيْدٌ الْقَائِمُ، الف لام کے ساتھ اس کی خبر لے آئیں گے زَيْدٌ الْقَائِمُ۔ تو خبر کو بھی کبھی کبھار معرفہ لے آتے ہیں، اور مثلاً کیا کہیں گے؟ زَيْدٌ الْقَائِمُ۔ اور بلاغت کی کتابوں میں لکھا ہے کہ یہ عام طور پر جب حصر کا معنی پیدا کرنا ہو تو اس وقت خبر کو بھی معرفہ لے آتے ہیں۔ حصر، قصر اور تخصیص تینوں کا ایک ہی معنی ہے، تو کبھی کبھار خبر جو ہے اس کو بھی معرفہ لے آتے ہیں تو وہ حصر، قصر اور تخصیص کا فائدہ دیتی ہے۔ مثلاً میں کہتا

ہوں زَیْدٌ قَائِمٌ، دیکھو قَائِمٌ نکرہ ہے تو جملے کا ترجمہ یوں ہو گا: زید کھڑا ہے۔ اور جب الْقَائِمُ آپ معرفہ لے آئیں گے تو پھر زَیْدٌ الْقَائِمُ اس کا معنی ہے کہ زید ہی کھڑا ہے، حصر آگیا زید ہی کھڑا ہے۔ مثلاً سننے والے کا خیال تھا کہ شاید زید اور عمرو دونوں کھڑے ہیں، تو آپ اس کو جواب میں کہتے ہیں زَیْدٌ الْقَائِمُ زید ہی کھڑا ہے، یعنی عمرو کھڑا نہیں ہے۔ تو کبھی کبھار خبر کو بھی معرفہ لے کر آتے ہیں اور اس کا مقصد جو ہے کلام میں حصر پیدا کرنا ہوتا ہے۔ تو حصر کے لیے خبر کو بھی کبھی کبھار معرفہ لے آتے ہیں بھئی۔

اور پھر یاد رکھو، مثلاً میں نے کہا زَیْدٌ الْقَائِمُ، زَیْدٌ الْقَائِمُ، توجہ ہے؟ زَیْدٌ الْقَائِمُ، تو زَیْدٌ ہے مبتدا اور الْقَائِمُ ہے اس کی خبر۔ لیکن بظاہر شبہ پڑتا ہے، سننے والا سمجھتا ہے شاید یہ آپس میں موصوف صفت ہیں، اس لیے کیونکہ خبر تو عموماً نکرہ ہوتی ہے، لیکن یہاں خبر بھی کیا آگئی؟ خبر بھی یہاں معرفہ آگئی، یعنی یوں کہیں دو لفظ آئے اور دونوں معرفہ ہیں تو سننے والا سمجھتا ہے شاید یہ آپس میں موصوف صفت ہیں۔ تو زَیْدٌ یہ بھی معرفہ، الْقَائِمُ یہ بھی معرفہ، تو بظاہر شبہ ہوتا ہے کہ شاید آپس میں یہ موصوف صفت ہیں، زَیْدٌ ہے موصوف اور الْقَائِمُ ہے اس کی صفت۔ تو پھر درمیان میں فرق کرنے کے لیے یوں کرتے ہیں کہ درمیان میں ایک ضمیر جیسا ایک صیغہ لے آتے ہیں جس کو فصل کہتے ہیں، ضمیر، اور یہ مبتدا کے مطابق ہوتا ہے۔ مثلاً زید کیا ہے؟ مفرد مذکر، توجہ ہے؟ مفرد مذکر، تو مفرد مذکر کی ایک ضمیر بیچ میں لے آئیں گے، اب یوں کہیں گے: زَیْدٌ هُوَ الْقَائِمُ۔ صرف زَیْدٌ الْقَائِمُ تھا تو موصوف صفت کا شبہ ہو رہا تھا، لیکن جب درمیان میں هُوَ آگیا اب موصوف صفت کا شبہ نہیں ہو گا کیونکہ موصوف صفت میں درمیان میں فصل نہیں کیا جاتا، کوئی اور چیز درمیان میں نہیں لائی جاتی، موصوف کے فوراً بعد کس کو لاتے ہیں؟ صفت کو لاتے ہیں، تو یہاں درمیان میں یہ هُوَ ضمیر جیسا ایک صیغہ لے آتے ہیں۔ اور یاد رکھو پھر اس کے اندر بھی اختلاف ہے، بعض فرماتے ہیں کہ یہ ضمیر ہی ہے، زَیْدٌ هُوَ الْقَائِمُ، توجہ ہے؟ تو ترکیب کیسے ہو گی؟ زَیْدٌ مبتدا ہے، مبتدائے اول، هُوَ مبتدائے ثانی، اور الْقَائِمُ یہ هُوَ کی خبر ہے، الْقَائِمُ کیا ہے؟ هُوَ کی خبر ہے۔ آپ یہ نہ کہیں هُوَ بھی معرفہ اور الْقَائِمُ بھی معرفہ یہ تو پھر موصوف صفت کا شبہ ہو رہا ہے، نہیں بھئی اَلضَّمِيرُ لَا يُوصَفُ وَلَا يُوصَفُ بِهِ، ضمیر نہ تو اس کی صفت لائی جاتی ہے اور نہ وہ خود کسی کی صفت۔

بنتی ہے۔ تو یہاں هُوَ اور الْقَائِمُ کے اندر موصوف صفت کا شبہ نہیں ہوتا۔ اچھا میں بات کر رہا تھا کہ زَیْدٌ هُوَ الْقَائِمُ کی ترکیب بتلا رہا تھا۔ کیا ترکیب ہو گی؟ زَیْدٌ مبتدائے اول، آگے هُوَ مبتدائے ثانی، اور الْقَائِمُ یہ مبتدائے ثانی کی خبر۔ مبتدائے ثانی اپنی خبر سے مل کر پھر یہ جملہ اسمیہ ہو کر یہ خبر بنے گا کس کے لیے؟ مبتدائے اول کے لیے۔ ترکیب سمجھ میں آرہی ہے؟ یہ بعض علماء فرماتے ہیں کہ یہ ضمیر ہے، جبکہ بعض علماء فرماتے ہیں کہ نہیں، یہ ضمیر جیسی صورت تو ہے لیکن یہ ضمیر نہیں ہے، یہ فصل ہے، یہ حرف ہے، اور یہ صرف خبر اور صفت کے درمیان فرق کرنے کے لیے لائی گئی۔ اگر هُوَ یہ فصل نہ ہوتی تو پھر لگتا شاید الْقَائِمُ زید کی صفت ہے۔ زَیْدٌ الْقَائِمُ، اگر هُوَ نہ ہو تو کیا شبہ ہوتا ہے کہ الْقَائِمُ شاید زید کی صفت ہے، لیکن جب

هُوَ درمیان میں یہ فصل آگئی اب اس نے فرق کر دیا خبر میں اور صفت میں، اب پتہ چل گیا کہ یہ خبر ہے صفت نہیں ہے۔ یہاں تک بات سمجھ میں آگئی؟ تو بعض علماء کیا فرماتے ہیں یہ جو هُوَ ہے یہ ضمیر ہے، اسم ہے، اور جبکہ بعض کیا فرماتے ہیں؟ یہ فصل ہے، یہ حرف ہے، یہ صرف فصل کرنے کے لیے لایا گیا لہٰذا اس کے لیے کوئی محلِ اعراب نہیں ہو گا۔

میں نے بتلایا آپ کو کہ کبھی کبھار خبر کو بھی معرفہ لاتے ہیں اور یہ کس لیے لے کر آتے ہیں؟ تاکہ کلام میں حصر پیدا ہو جائے۔ اور پھر یہ خبر جب معرفہ ہو، بتدا تو ہے ہی معرفہ خبر بھی معرفہ ہے، تو پھر سننے والے کو شبہ ہو سکتا ہے شاید یہ آپس میں بتدا خبر نہیں ہیں بلکہ موصوف صفت ہیں، تو درمیان میں ایک ضمیر جیسا ایک صیغہ لے آتے ہیں جس کو فصل کہتے ہیں، اور اس فصل کے ذریعے پتہ چل جاتا ہے کہ یہ آگے صفت نہیں آرہی بلکہ یہ خبر ہے بھئی۔ تو عام شارحین فرماتے ہیں کہ جب خبر معرفہ ہو تو فصل کا لانا واجب ہے۔ جب بتدا تو ہے ہی معرفہ جب خبر بھی معرفہ ہو تو درمیان میں فصل کا لانا واجب ہے بھئی، واجب ہے، اور چونکہ یہاں دیکھو یہی اشکال ہو رہا تھا: هُوَ مَا اشْتَمَلَ، هُوَ کیا ہے؟ بتدا، توجہ ہے؟ عبارت پر نظر ہے؟ هُوَ مَا اشْتَمَلَ، هُوَ ہے بتدا اور مَا اشْتَمَلَ یہ آگے اس کی خبر، اگر اس مَا کو موصولہ بنائیں تو بتدا هُوَ وہ بھی معرفہ، اور مَا اشْتَمَلَ جو خبر ہے وہ بھی معرفہ، اور جب خبر معرفہ ہو تو درمیان میں فصل کا لانا واجب ہے، یہ عام اردو کی تمام شروحات والے اسی طرح لکھتے ہیں کہ جب خبر معرفہ ہو تو فصل کا لانا واجب ہے۔ اور چونکہ یہاں پر تو کوئی فصل نہیں ہے، هُوَ اور مَا اشْتَمَلَ کے درمیان کوئی اور هُوَ صیغہ ہے؟ کوئی فصل ہے درمیان میں؟ اور کوئی فصل ہے ہی نہیں، تو لہٰذا اشکال ہوتا تھا کہ مَا اشْتَمَلَ یہ تو مَا موصولہ ہے، توجہ ہے؟ اس مَا کو اگر موصولہ بنائیں پھر تو یہ خبر میں معرفہ ہو گئی، اور بتدا اور خبر جب دونوں معرفہ ہوں تو درمیان میں کیا لانا واجب ہے؟ فصل کا لانا واجب ہے اور یہاں تو کوئی فصل نہیں ہے۔ تو کہتے ہیں شارحِ جامی نے اسی کا جواب دینے کے لیے آگے فرمایا أَيِ اسْمٌ اشْتَمَلَ، بتلا دیا کہ یہ مَا موصولہ نہیں ہے یہ مَا موصوفہ ہے بھئی، یہ مَا موصولہ نہیں، مَا موصوفہ ہے بھئی۔

لیکن یہ تقریر درست نہیں ہے بھئی۔ خبر جب بھی معرفہ ہو فصل کا لانا واجب نہیں ہے، حالانکہ اردو کی تمام شروحات والوں نے اسی طرح لکھا ہے۔ اور دلیل، بھئی آپ نے زاد الطالبین کے اندر پڑھی احادیث پڑھی ہیں، مشہور حدیث ہے: الدِّينُ النَّصِيحَةُ، الدِّينُ النَّصِيحَةُ۔ دیکھو الدِّينُ ہے بتدا اور النَّصِيحَةُ ہے خبر، بتدا بھی معرفہ اور خبر بھی معرفہ، اور ترجمہ کیا ہے؟ الدِّينُ النَّصِيحَةُ، دین خیر خواہی ہی کا نام ہے، یا یوں کہو یہ دین جو ہے یعنی دینِ اسلام جو ہے، النَّصِيحَةُ یہ خیر خواہی ہی ہے، یہ خیر خواہی ہی ہے، دیکھو تخصیص آگئی، یا یوں ترجمہ کر لو یہ دین جو ہے صرف خیر خواہی ہے، یہ دینِ اسلام جو ہے صرف خیر خواہی ہے، ہر ایک کے ساتھ خیر خواہی کرنا، کسی کو بھی کسی بھی درجے میں نقصان اور تکلیف نہ پہنچانا یہ ہے دین کی حقیقت بھئی۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو یہ حصر والا ترجمہ آیا، کس وجہ سے؟ کیونکہ خبر معرفہ ہے، الدِّينُ ہے بتدا اور النَّصِيحَةُ ہے اس کی خبر۔ اگر فصل کا لانا واجب ہوتا تو یہاں فصل ہونی چاہیے تھی لیکن یہاں فصل نہیں۔ تو یاد رکھو

ہمیشہ خبر جب بھی معرفہ ہو تو فصل کا لانا واجب نہیں ہے۔ ہاں لانا جائز ہے، کبھی لے آتے ہیں فصل کو اور کبھی فصل نہیں لاتے، جیسے اس حدیث میں آپ دیکھ رہے ہیں الدِّینُ النَّصِیحَۃُ دین خیر خواہی ہی ہے، اس میں کوئی فصل نہیں۔ اسی طرح ایک اور حدیث ہے، صاحبِ ہدایہ کتاب مواقیت الصلاۃ کے اندر ذکر کرتے ہیں: اَلشَّفَقُ الْحُمْرَۃُ، اَلشَّفَقُ الْحُمْرَۃُ، دیکھو اَلشَّفَقُ مبتدا وہ بھی معرفہ، اَلْحُمْرَۃُ یہ خبر ہے یہ بھی معرفہ اور درمیان میں کوئی فصل نہیں ہے، شفق سرخی ہی ہے بھئی۔ شفق میں اختلاف ہے نا یہ شفق یہ جو سورج غروب ہوتا ہے تو پہلے کچھ دیر آسمان پر سرخی چھائی رہتی ہے مغربی کنارے پر یہ دس پندرہ منٹ تک، اور اس کے بعد پھر سفیدی چھا جاتی ہے، اور وہ سفیدی کوئی گھنٹہ سوا گھنٹے تک رہتی ہے، تو اس میں فقہاء کا اختلاف ہے، بعض فقہاء فرماتے ہیں جو سرخی ہے اس کو شفق کہتے ہیں اس کا نام شفق ہے، جبکہ امامِ اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک یہ جو سفیدی ہے اس کا نام شفق ہے بھئی، اور یہ تقریباً کوئی گھنٹہ سوا گھنٹہ، سوا گھنٹے تک تقریباً یہ رہتی ہے سفیدی بھئی۔ یہاں تک بات سمجھ میں آگئی؟ تو لہٰذا بعض شارحین کا یہ کہنا کہ یہاں پر کوئی فصل نہیں ہے اس لیے صاحبِ جامی نے مَا اشْتَمَلَ کی تفسیر کس کے ساتھ کی أَيِ اسْمٌ اشْتَمَلَ، یہ تقریر صحیح نہیں بھئی۔ بات سمجھ میں آگئی؟

تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ پھر صاحبِ جامی نے مَا اشْتَمَلَ کی تفسیر أَيِ اسْمٌ اشْتَمَلَ کے ساتھ کیوں کی؟ توجہ ہے؟ عام شارحین کیا تقریر کرتے ہیں؟ کہتے ہیں کہ شبہ ہوتا تھا کہ مَا اشْتَمَلَ یہ مَا تو موصولہ ہے اور جب مَا موصولہ ہے تو اس سے پہلے کیا چاہیے؟ فصل چاہیے اور یہاں تو فصل ذکر نہیں ہے، تو شارحِ جامی نے جواب دے دیا کہ نہیں بھئی یہ مَا موصولہ ہے ہی نہیں بلکہ یہ مَا موصوفہ ہے۔ تو سوال یہ کہ انہوں نے مَا موصوفہ اس کو کیوں بنایا؟ وجہ یہ کہ یہ خبر کا مقام ہے بھئی اور خبر کے اندر اصل کیا ہے وہ کیا ہونی چاہیے؟ نکرہ ہونی چاہیے، اس لیے انہوں نے اس کی تفسیر اِسْمٌ اشْتَمَلَ کے ساتھ کی کہ یہ خبر کا مقام ہے اور خبر میں بھی اصل کیا ہے وہ نکرہ ہونی چاہیے، لہٰذا اس مَا کو موصولہ نہ بناؤ بلکہ مَا کو موصوفہ بناؤ بھئی۔ اگر اس مَا کو موصولہ بھی بنا دیا جائے پھر بھی یہاں فصل کا لانا کوئی واجب نہیں ہے، لیکن خبر کے اندر اصل یہ ہے کہ وہ نکرہ ہونی چاہیے اس لیے انہوں نے مَا کو موصوفہ بنایا بھئی۔

عَلَى عَلَمِ الْفَاعِلِيَّةِ أَيْ عَلَامَةِ كَوْنِ الِاسْمِ فَاعِلًا۔ عَلَى عَلَمِ الْفَاعِلِيَّةِ أَيْ عَلَامَةِ كَوْنِ الِاسْمِ فَاعِلًا۔ ایک تو متن میں عَلَم لفظ آیا تھا، شارحِ جامی نے اس کا معنی بتلا دیا کہ یہاں عَلَم بمعنیٰ علامت کے ہے، أَيْ عَلَامَةِ كَوْنِ الِاسْمِ فَاعِلًا۔ الْفَاعِلِيَّةِ کے آخر میں یائے مشدد اور گول تا ہے بھئی۔ یاد رکھو کبھی کبھار مصدر سے صفت بنانے کے لیے اس کے آخر میں یائے مشدد اور گول تا ملا دی جاتی ہے۔ جیسے خُصُوص بھئی، صاد کے ساتھ دونوں، خُصُوص مصدر ہے، اسی کے آخر میں یائے مشدد اور گول تا ملا کر اسے صفت بنا لی جاتی ہے، خُصُوصِیَّت بھئی۔ تو خُصُوص کیا ہے؟ مصدر، اور اس کے آخر میں یائے مشدد اور گول تا ملا کر کیا بنا لیا گیا؟ صفت بنا لیا گیا۔ اور اسی طرح کبھی کبھار صفت کے آخر میں یائے مشدد اور گول تا ملا کر اسے مصدر بنا لیتے ہیں، جیسے فَاعِل، فَاعِل یہ صفت ہے اور اس کے آخر میں یائے مشدد اور گول تا ملا لیا فَاعِلِیَّۃ یعنی فاعل

ہونا۔ یا جیسے ضَارِب، ضَارِب کا معنی پٹائی کرنے والا یہ صفت ہے، لیکن اسی کے آخر میں یائے مشدد اور گول تا جو ملا دیتے ہیں اور یہ مصدر بن جاتا ہے، ضَارِبِيَّة، ضَارِبِيَّة کا کیا معنی؟ ضارب ہونا۔ اور اسی طرح مَضْرُوب، مَضْرُوب دیکھو صفت ہے وہ شخص جس کی پٹائی کی گئی ہو، لیکن اس کے آخر میں یائے مشدد اور گول تا ملا کر اسے مصدر بنا لیتے ہیں، مَضْرُوبِيَّة بھئی۔ مَضْرُوبِيَّة کا کیا معنی؟ مضروب ہونا۔ بات سمجھ میں آ رہی ہے؟ تو صفت کے آخر میں یائے مشدد اور گول تا ملا کر کیا بنا لیتے ہیں؟ مصدر۔ اسی طرح یہ یائے مشدد اور گول تا کبھی نسبت کے لیے بھی جوڑ دیتے ہیں، جیسے لَاهُورِيٌّ کیا معنی؟ لاہور والا، لاہور کی طرف منسوب، یا اسی طرح مؤنث کے لیے کہیں گے لَاهُورِيَّةٌ، یعنی وہ مؤنث چیز جو لاہور کی طرف منسوب ہے۔ تو معلوم ہوا یہ یائے مشدد اور گول تا مصدر بنانے کے لیے بھی لاتے ہیں اور یہ نسبت کرنے کے لیے بھی لاتے ہیں۔ ضَارِبِيَّة کا کیا معنی؟ ضارب ہونا۔ اور اسی طرح لَاهُورِيَّةٌ کا کیا معنی؟ لاہور والی، دیکھو یہ یائے مشدد اور گول تا مصدر بنانے کے لیے بھی اضافہ اس کا کرتے ہیں اور نسبت کرنے کے لیے بھی۔

تو یہاں آیا عَلَى عَلَمِ الْفَاعِلِيَّةِ۔ عَلَم کس معنی میں؟ علامت کے معنی میں، اور الْفَاعِلِيَّةِ کے آخر میں یائے مشدد اور گول تا ہے، یہ کون سی ہے؟ یہ مصدر والی یا ہے یا یہ نسبت والی یا ہے؟ تو صاحبِ جامی نے آگے بتلا دیا أَيْ عَلَامَةِ كَوْنِ الِاسْمِ فَاعِلًا۔ یہ کَوْن كَانَ يَكُونُ كَوْنًا یہ مصدر ہے بھئی، معلوم ہوا یہ یائے مشدد کون سی ہے؟ مصدر والی ہے، فاعلیت کا کیا معنی؟ فاعل ہونا۔ اس کا ترجمہ کیسے کرتے ہیں؟ یاد رکھو وہ جو نسبت والی یا ہے نا نسبت والی، اس کا ترجمہ کرتے ہیں مَنْسُوبٌ إِلَى کے ساتھ۔ لَاهُورِيٌّ کیا معنی؟ یہ تو اردو میں ترجمہ کر رہے ہیں، عربی میں ترجمہ کیسے کریں گے؟ مَنْسُوبٌ إِلَى لَاهُورَ، دیکھو مَنْسُوبٌ اور إِلَى کے ساتھ۔ اَلْبَصْرِيُّ جی ترجمہ کریں؟ مَنْسُوبٌ إِلَى الْبَصْرَةِ۔ بَاكِسْتَانِيٌّ جی ترجمہ کریں؟ مَنْسُوبٌ إِلَى بَاكِسْتَانَ۔ تو مَنْسُوبٌ إِلَى کے ساتھ ترجمہ کرتے ہیں اگر وہ یا نسبت والی ہو۔ اور اگر وہ یائے مشدد اور گول تا مصدر والی ہو تو پھر اس کا ترجمہ کَوْن کے ساتھ کرتے ہیں، كَانَ يَكُونُ كَوْنًا۔ مثلاً فاعلیت کیا ترجمہ کریں گے؟ عربی میں کریں۔ كَوْنُ الشَّيْءِ فَاعِلًا، توجہ ہے؟ کیسے؟ فاعلیت تھا لفظ، کیا تھا؟ اب اس کا ترجمہ کَوْن کے ساتھ کرنا ہے، کیسے کریں گے؟ كَوْنُ الشَّيْءِ۔ شَيْءٌ درمیان میں لے آئیں آپ، ایک شے کا ہونا، فاعلیت کا کیا معنی؟ ایک شے کا فاعل ہونا، مضروبیت کا کیا معنی؟ ایک شے کا مضروب ہونا، تو فاعلیت کا ترجمہ کریں عربی میں کَوْن کے ساتھ: كَوْنُ الشَّيْءِ۔ اور كَانَ يَكُونُ، كَانَ کیا عمل کرتا ہے؟ اپنے اسم کو رفع دیتا ہے اور خبر کو نصب دیتا ہے۔ یہاں پر کَوْن کی اضافت شے کی طرف تو اضافت ہو گئی، اور آگے خبر اسی طرح منصوب آ جائے گی كَوْنُ الشَّيْءِ۔ فاعلیت کس لفظ کا ہم ترجمہ کر رہے ہیں؟ فاعلیت، اسی کو خبر بنانا ہے منصوب بنا کر اس کو لے آئیں گے، جی کیجیے فاعلیت: كَوْنُ الشَّيْءِ فَاعِلًا۔ یا ختم کر دیں گے، یائے مشدد اور گول تا ختم کر دیں گے کیونکہ یہ کَوْن کا لفظ اسی کی وجہ سے ہم لائے ہیں۔ جی اور کیجیے، ضاربیت کا ترجمہ کریں بھئی: كَوْنُ الشَّيْءِ ضَارِبًا، یائے مشدد اور گول تا اب ختم کر دینی ہے۔ مضروبیت کا ترجمہ کریں: كَوْنُ الشَّيْءِ مَضْرُوبًا۔ بات سمجھ میں آ گئی؟ تو یہاں پر بھی فاعلیت لفظ آیا تھا تو

صاحبِ جامی نے اس کی تفسیر کس کے ساتھ کی؟ كَوْنِ الِاسْمِ فَاعِلًا۔ اس شے کی جگہ کیا لے آئے؟ اسم لے آئے کیونکہ بات کس کی چل رہی ہے؟ اسم کی بحث چل رہی ہے، اسم کا فاعل ہونا۔

جی یہاں تک بات سمجھ میں آگئی؟ پھر دہرائیے ذرا۔ کہتے ہیں: وَمَا اشْتَمَلَ أَيِ اسْمٌ اشْتَمَلَ عَلَى عَلَمِ الْفَاعِلِيَّةِ أَيْ عَلَامَةِ كَوْنِ الِاسْمِ فَاعِلًا۔ أَيْ عَلَامَةِ، علامت لفظ لا کر کیا بتلانا چاہتے ہیں؟ کہ یہ جو متن میں عَلَم کا لفظ آیا یہ کس معنی میں ہے؟ علامت کے معنی میں ہے، اور الْفَاعِلِيَّةِ کی تفسیر کس کے ساتھ کی كَوْنِ الِاسْمِ فَاعِلًا، کیا بتلانا چاہتے ہیں؟ کہ یہ یائے مشدد اور گول تا جو ہے یہ نسبت والی نہیں ہے بلکہ مصدر والی ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ أَيْ عَلَامَةِ كَوْنِ الِاسْمِ فَاعِلًا، یعنی اسم کے فاعل ہونے کی علامت پر مشتمل ہو۔ مرفوع وہ ہے جو اسم کے فاعل ہونے کی علامت پر مشتمل ہو۔ بھئی فاعل کی علامت۔

علامت کیا ہے؟ کہتے ہیں: وَهِيَ الضَّمَّةُ وَالْوَاوُ وَالْأَلِفُ۔ ضمہ ہے، واو ہے اور الف ہے۔ ضمہ کس کے اندر آتا ہے؟ مفرد منصرف صحیح وغیرہ دیکھو زَيْدٌ، غُلَامٌ وغیرہ، اس میں رفع ضمہ کے ساتھ آئے گا۔ اور واو؟ جمع مذکر سالم اور اسمائے ستہ مکبرہ موحدہ مضافہ الی غیر یائے المتکلم۔ اور الف کے ساتھ رفع کس میں آئے گا؟ تثنیہ کے اندر آئے گا بھئی۔

کہتے ہیں: وَالْمُرَادُ بِاشْتِمَالِ الِاسْمِ عَلَيْهَا۔ اچھا بھئی یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے، سوال یہ کہ ماتن نے کیا کہا صاحبِ کافیہ نے؟ هُوَ مَا اشْتَمَلَ عَلَى عَلَمِ الْفَاعِلِيَّةِ، مرفوع وہ ہے جو فاعل ہونے کی علامت پر مشتمل ہو۔ بھئی مختصر کلام کہہ دیتے، یوں کہہ دیتے: مرفوع وہ ہے جو رفع پر مشتمل ہو۔ فاعل ہونے کی علامت پر مشتمل ہو اس کے بجائے کیا کہہ دیتے؟ مرفوع کیا ہے؟ جو رفع پر مشتمل ہو۔ کہتے ہیں بھئی اگر یہ کہہ دیتے تو پھر تو دور لازم آتا بھئی۔ مرفوع کو سمجھنے کے لیے رفع کا جاننا ضروری ہوتا اور رفع کو جاننے کے لیے مرفوع کا جاننا ضروری ہوتا، اس سے ایک بھی چیز کا پتہ نہیں چلتا۔ مثلاً آپ سے کوئی پوچھے زید کا گھر کہاں ہے؟ آپ کہتے ہیں عمرو کے گھر کے سامنے۔ پھر پوچھا عمرو کا گھر کہاں ہے؟ کہا زید کے گھر کے سامنے۔ اب دیکھو اس میں ایک بھی چیز کا پتہ نہیں چلے گا۔ کیسے؟ مرفوع کسے کہتے ہیں؟ جو رفع پر مشتمل ہو۔ مرفوع کسے کہتے ہیں؟ جو رفع پر مشتمل ہو۔ اور رفع کسے کہتے ہیں؟ جو مرفوع پر آئے، جو مرفوع پر آئے اس کو رفع کہتے ہیں۔ بھئی مرفوع کسے کہتے ہیں؟ جس پر رفع آئے، اور رفع کسے کہتے ہیں؟ جو مرفوع پر آئے۔ دیکھا، ایک بھی چیز کا پتہ نہیں چلے گا۔ تو اسی لیے صاحبِ کافیہ نے مرفوع کی تعریف کیا کی؟ هُوَ مَا اشْتَمَلَ عَلَى عَلَمِ الْفَاعِلِيَّةِ کہا، مَا اشْتَمَلَ عَلَى الرَّفْعِ نہیں کہا بھئی۔ بات سمجھ میں آگئی؟

آگے دیکھیے کہتے ہیں: وَالْمُرَادُ بِاشْتِمَالِ الِاسْمِ عَلَيْهَا أَنْ يَكُونَ مَوْصُوفًا بِهَا لَفْظًا أَوْ تَقْدِيرًا أَوْ مَحَلًّا۔ بھئی انہوں نے کہا، پھر متن دیکھو: مرفوع وہ ہے جو فاعل ہونے کی علامت پر مشتمل ہو۔ مرفوع وہ ہے جو فاعل ہونے کی علامت پر مشتمل ہو۔ بھئی یہ مشتمل ہونے کا کیا معنی؟ مشتمل ہونے کی تو کئی صورتیں ہیں: مشتمل ہونا، کل جو ہے جز پر مشتمل ہوتا ہے؛ اسی طرح کبھی ظرف جو ہے وہ مظروف پر مشتمل ہوتا ہے؛ اسی طرح ذوالحال جو ہے وہ حال پر مشتمل ہوتا ہے؛ اور

اسی طرح موصوف جو ہے وہ صفت پر مشتمل ہوتا ہے۔ مشتمل ہونے کی تو کئی صورتیں ہیں، یہاں کون سی صورت مراد ہے؟ توجہ ہے؟ اشتمال کی کتنی صورتیں؟ چار صورتیں۔ نمبر ایک: اِشْتِمَالُ الْكُلِّ عَلَى الْجُزْءِ، دہرائیں زبان سے، اِشْتِمَالُ الْكُلِّ عَلَى الْجُزْءِ کہ کل مشتمل ہوتا ہے کس پر؟ جز پر۔ اور اسی طرح اِشْتِمَالُ الظَّرْفِ عَلَى الْمَظْرُوفِ، ظرف جو ہے مظروف پر مشتمل ہوتا ہے۔ تیسرا ہے اِشْتِمَالُ الْمَوْصُوفِ عَلَى الصِّفَةِ، موصوف جو ہے وہ صفت پر مشتمل ہوتا ہے۔ اور اسی طرح اِشْتِمَالُ ذِي الْحَالِ عَلَى الْحَالِ کہ ذوالحال جو ہے وہ حال پر مشتمل ہوتا ہے۔

مثلاً دیکھو، آپ اردو میں بھی استعمال کرتے ہیں، مثلاً میں کہتا ہوں یہ چائے خالص دودھ پر مشتمل ہے، دیکھو مشتمل کا لفظ آیا، کیا معنی؟ خالص دودھ اس کا جز ہے، خالص دودھ اس کا جز ہے۔ دیکھا کل جو ہے جز پر مشتمل ہوتا ہے، تو یہاں پر بھی جب میں نے اشتمال کا لفظ استعمال کیا، کیا بتلانا چاہتا ہوں؟ کہ ایک چیز دوسری چیز کا جز ہے۔ یا مثلاً میں آپ سے کہتا ہوں یہ کتاب دس ابواب پر مشتمل ہے، آپ بولتے ہیں یا نہیں اردو میں؟ یہ کتاب دس ابواب پر مشتمل ہے، کیا معنی؟ یہ دس ابواب اس کا جز ہیں اور یہ کتاب کل ہے بھئی۔ بات سمجھ میں آگئی؟ اسی طرح مثلاً برتن میں ایک چیز ہوتی ہے، آپ دوسرے کو بتلاتے ہیں کہ یہ برتن شہد پر مشتمل ہے، یہ برتن شہد پر مشتمل ہے، کیا معنی؟ یہ شہد اس برتن کا جز ہے یا اس کے اندر موجود ہے؟ اس کے اندر موجود ہے، دیکھو یہ اشتمالُ الکل علی الجز نہیں ہے بلکہ یہ اشتمالُ الظرف علی المظروف کی قبیل سے ہے، ایک چیز دوسری چیز کے اندر ہے بھئی۔ اور تیسری قسم اشتمالُ الموصوف علی الصفۃ، موصوف جو ہے وہ صفت پر مشتمل ہوتا ہے۔ صفت مثلاً میں نے کہا زید بہادر آدمی ہے۔ تو اب عربی میں یہ اردو میں تو اس طرح استعمال نہیں ہوتا لیکن عربی میں کہتے ہیں کہ یہ جو موصوف ہے اس صفت پر مشتمل ہے، یعنی یہ چیز اس کی صفت ہے، یہ بہادری جو ہے زید کی صفت ہے بھئی۔ بات سمجھ میں آرہی ہے؟ موصوف کیا ہوتا ہے؟ صفت پر مشتمل ہوتا ہے۔ اسی طرح ذوالحال کے بارے میں بھی عربی میں کہتے ہیں کہ ذوالحال جو ہے وہ حال پر مشتمل ہوتا ہے۔ جَاءَنِي زَيْدٌ رَاكِبًا، آیا میرے پاس زید اس حال میں کہ وہ سوار تھا۔ اس حال میں کہ وہ سوار تھا۔ اب دیکھو زید ہے ذوالحال اور یہ سوار ہونا یہ کیا ہے اس کی حالت، تو ذوالحال جو ہے وہ حال پر مشتمل ہوتا ہے یعنی حال اس کی صفت ہوتا ہے، حال اس کی صفت ہوتا ہے۔ تو اشتمال کی کتنی صورتیں ہو گئیں؟ چار صورتیں: کبھی اشتمالُ الکل علی الجز، کبھی اشتمالُ الموصوف علی الصفۃ، کبھی اشتمالُ الظرف علی المظروف، اور کبھی اشتمالُ ذی الحال علی الحال بھئی۔

تو یہاں کون سا اشتمال مراد ہے؟ تو آپ کو صاحبِ جامی بتلائیں گے کہ یہاں اشتمال سے مراد اشتمالُ الموصوف علی الصفۃ۔ کیا معنی؟ بھئی دیکھو مرفوع فاعل ہونے کی علامت پر مشتمل ہوتا ہے، توجہ ہے؟ مرفوع فاعل ہونے کی علامت پر مشتمل ہوتا ہے یعنی وہ فاعل ہونے کی علامت اس کی صفت ہوتی ہے۔ جَاءَنِي زَيْدٌ، یہ رفع کیا ہے؟ زید کی صفت ہے۔ جَاءَنِي مُسْلِمُونَ، یہ واو کیا ہے؟ مُسْلِمُونَ کی صفت ہے۔ تو جس طرح موصوف صفت پر مشتمل ہوتا ہے، اسی طرح یہ جو

مرفوع ہوتا ہے یہ فاعل ہونے کی علامت پر مشتمل ہوتا ہے یعنی یہ اس کی صفت ہوتی ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟

تو کہتے ہیں: وَالْمُرَادُ بِاشْتِمَالِ الِاسْمِ عَلَيْهَا، اور اسم کے اس پر مشتمل ہونے سے مراد یہ ہے کہ أَنْ يَكُونَ مَوْصُوفًا بِهَا، کہ اسم جو ہے وہ اس فاعل ہونے کی علامت کے ساتھ موصوف ہوتا ہے، لَفْظًا أَوْ تَقْدِيرًا أَوْ مَحَلًّا، اور یہ موصوف ہونا کبھی لفظاً ہو گا، کبھی تقدیراً ہو گا اور کبھی محلاً ہو گا۔ میں نے آپ کو بتلایا تھا بھئی کہ اسم دو قسم پر ہے: یا وہ معرب ہو گا یا مبنی۔ معرب جو ہے اس پر اعراب لفظاً آتا ہے اور کبھی تقدیراً آتا ہے، جبکہ مبنی پر اعراب جو ہے محلاً آتا ہے۔ اعراب لفظاً کا کیا معنی؟ کہ اس اعراب پر ہم باقاعدہ تلفظ کرتے ہیں۔ جَاءَنِي زَيْدٌ، رَأَيْتُ زَيْدًا، مَرَرْتُ بِزَيْدٍ۔ دیکھو میرے تلفظ سے ہی آپ کو پتہ چلے گا کہ میں رفع پڑھ رہا ہوں، نصب یا جر۔ زَيْدٌ میں نے کیا پڑھا؟ رفع، زَيْدًا کیا پڑھا میں نے؟ نصب، اور زَيْدٍ میں نے کیا پڑھا؟ جر۔ دیکھا تلفظ سے ہی پتہ چل رہا ہے، تو یہ ہے اعراب لفظاً۔ اور کبھی تلفظ سے پتہ نہیں چلے گا، جیسے جَاءَنِي مُوسَى، رَأَيْتُ مُوسَى، مَرَرْتُ بِمُوسَى۔ اب یہ تینوں حالتوں میں یہ یکساں ہے، تلفظ کے اندر کوئی فرق نہیں آرہا، تو کیا کہیں گے کہ یہ مرفوع ہے تقدیراً۔ یعنی تقدیراً قَدَّرَ يُقَدِّرُ تقدیر کا معنی فرض کر لینا، کہ فرض کر لو اس پر رفع آگیا ہے، یا فرض کر لو اس پر نصب آگیا ہے، یا فرض کر لو کہ اس پر جر آگیا ہے۔ اور جبکہ مبنی کے اندر اعراب محلاً آئے گا۔ مثلاً هَؤُلَاءِ، جَاءَ هَؤُلَاءِ، رَأَيْتُ هَؤُلَاءِ، مَرَرْتُ بِهَؤُلَاءِ۔ دیکھو تینوں صورتوں میں، رفع، نصب، جر تینوں صورتوں میں هَؤُلَاءِ کے اندر کوئی تبدیلی نہیں آرہی۔ اس کے آخر میں ہمزہ ہے، ہمزہ کے نیچے زیر ہے اور ہر حال میں وہ زیر ہی اسی طرح رہتی ہے۔ تو یہ جو هَؤُلَاءِ ہے یہ چونکہ مبنی ہے اور مبنی پر اعراب ظاہر نہیں ہوتا، تو اس میں ہم کیا کہیں گے؟ کہ آیا یہ محلاً مرفوع ہے یا محلاً منصوب ہے یا محلاً مجرور ہے۔

بھئی دیکھو معرب کے اندر اعراب لفظاً آتا ہے یعنی باقاعدہ تلفظ ہوتا ہے اس پر، یا تقدیراً آتا ہے، جبکہ مبنی کے اندر محلاً۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ معرب کا آخر جب نہیں بدلتا تو آپ وہاں کہتے ہیں اعراب تقدیراً ہے، اور مبنی کا آخر بھی نہیں بدلتا وہاں آپ تقدیراً نہیں کہتے بلکہ آپ کیا کہتے ہیں؟ محلاً کہتے ہیں، یہ فرق کی وجہ کیا ہے؟ وجہ یہ کہ معرب جو ہے، معرب کسے کہتے ہیں؟ کہ جس کا آخر بدلتا ہے عوامل کے بدلنے سے۔ تو لہٰذا اب یہاں پر جَاءَ مُوسَى، رَأَيْتُ مُوسَى، مَرَرْتُ بِمُوسَى، اب اس کا آخر تو نہیں بدل رہا، تو یہ معرب کی تعریف سے نکل رہا تھا، تو لہٰذا کیا کہا گیا کہ فرض کر لو اس کا آخر بدل رہا ہے۔ کیونکہ کوئی اسم ویسے مبنی نہیں بنتا جب تک اس کی مبنی الاصل کے ساتھ مشابہت نہ آجائے۔ آپ جانتے ہیں مبنی الاصل تین چیزیں ہیں: کون کون سی؟ فعلِ ماضی، فعلِ امر، اور تمام حروف۔ دیکھو ان میں سے اسم ایک بھی نہیں ہے: فعلِ ماضی، فعلِ امر، اور تمام حروف، ان میں سے ایک بھی اسم نہیں ہے۔ ہاں جس اسم کی ان کے ساتھ مشابہت آجائے گی وہ اسم بھی کیا بن جائے گا؟ مبنی بن جائے گا، تو مبنی کوئی اسم ویسے نہیں بنتا اس کی مبنی الاصل کے ساتھ مشابہت ضروری ہے۔

تو معرب جو ہے اس کا آخر بدلتا ہے۔ اگر عوامل کے بدلنے کے باوجود اس کا آخر نہیں بدل رہا، معلوم ہوا وہاں کوئی مانع ہے، کوئی رکاوٹ ہے۔ اگر وہ مانع اور رکاوٹ نہ ہوتی تو پھر اس کا آخر بھی بدلتا۔ جیسے جَاءَ مُوسَى، رَأَيْتُ مُوسَى، مَرَرْتُ بِمُوسَى، یہاں اس کے آخر میں الفِ مقصورہ آرہا ہے بھئی، اور الف تو حرکت کو قبول کرتا ہی نہیں، تو یہاں اس وجہ سے مانع آگیا، لہٰذا ہمیں کہنا پڑا کہ فرض کر لو بدل رہا ہے، تو اس پر رفع بھی تقدیراً، قَدَّرَ يُقَدِّرُ تقدیر کا کیا معنی؟ فرض کرنا، تو فرض کر لو جَاءَنِي مُوسَى فرض کر لو رفع آگیا، تقدیراً یہ مرفوع ہے؛ رَأَيْتُ مُوسَى تقدیراً منصوب ہے؛ مَرَرْتُ بِمُوسَى تقدیراً مجرور ہے۔ یا جیسے اسمِ منقوص ہے بھئی، اسمِ منقوص جَاءَ الْقَاضِي، رَأَيْتُ الْقَاضِيَ، مَرَرْتُ بِالْقَاضِي۔ یہاں دیکھو نصب آگیا، کیونکہ نصب یا پر خفیف ہے، لیکن یا پر ضمہ اور کسرہ ثقیل ہے، اسی لیے جَاءَ الْقَاضِي کے اندر رفع بھی تقدیراً ہے اور جر بھی تقدیراً ہے، البتہ نصب جو ہے لفظاً آتا ہے۔ تو معرب کے اندر اعراب پر تلفظ نہ ہو سکے تو اعراب کو کہتے ہیں تقدیراً، کیونکہ وہاں کوئی مانع ہوتا ہے، کوئی رکاوٹ ہوتی ہے۔ جبکہ مبنی کے اندر کوئی رکاوٹ ہونا ضروری نہیں، جیسے هَؤُلَاءِ۔ هَؤُلَاءِ کے آخر میں دیکھو ہمزہ ہے، اور ہمزہ پر تو رفع بھی آسکتا ہے، نصب بھی آسکتا ہے، جر بھی آسکتا ہے۔ شَيْءٌ، شَيْئًا، دیکھو شَيْءٌ کے آخر میں ہمزہ ہے، شَيْءٌ، شَيْئًا، شَيْءٍ، دیکھو ہمزہ پر تینوں طرح کی حرکتیں آسکتی ہیں یا نہیں؟ اور هَؤُلَاءِ کے آخر میں بھی ہمزہ ہے، اس پر بھی اعراب آنا چاہیے لیکن اس پر اعراب ظاہر نہیں ہوتا۔ کوئی مانع بھی نہیں پھر بھی اعراب ظاہر نہیں ہو رہا کیونکہ یہ کیا ہے؟ مبنی ہے بھئی۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو گویا اعراب تین طرح آسکتا ہے: کبھی لفظاً آئے گا، کبھی تقدیراً اور کبھی محلاً۔ لفظاً اور تقدیراً کس میں آئے گا؟ معرب میں۔ لفظاً اور تقدیراً کس میں آئے گا؟ معرب میں، اور محلاً کس میں آئے گا؟ مبنی کے اندر آئے گا۔

تو اسی لیے کہا کہ: وَالْمُرَادُ بِاشْتِمَالِ الِاسْمِ عَلَيْهَا، اور اسم کے اس فاعل ہونے کی علامت پر مشتمل ہونے سے مراد یہ ہے کہ أَنْ يَكُونَ مَوْصُوفًا بِهَا، کہ وہ اسم جو ہے اس علامت کے ساتھ موصوف ہو رہا ہو لَفْظًا أَوْ تَقْدِيرًا أَوْ مَحَلًّا، یا موصوف ہو گا لفظاً یا تقدیراً یا محلاً بھئی۔

وَلَا شَكَّ أَنَّ الِاسْمَ مَوْصُوفٌ بِالرَّفْعِ الْمَحَلِّيِّ۔ یہاں سے صاحبِ جامی رد کر رہے ہیں شارحِ ہندی کا۔ شارحِ ہندی ایک بہت بڑے نحوی گزرے ہیں اور یہ ہندوستان کے علاقے کے تھے، اسی لیے شارحِ ہندی کے نام سے مشہور ہیں بھئی۔ اور انہوں نے بھی کافیہ کی شرح لکھی، البتہ انہوں نے اپنی شرح کے اندر رفع لفظاً اور تقدیراً کو تو ذکر کیا ہے، رفعِ محلی کو انہوں نے ذکر نہیں کیا۔ شارحِ جامی نے تو بتلا دیا کہ رفع لفظاً بھی ہو سکتا ہے، تقدیراً بھی ہو سکتا ہے اور محلاً بھی، لیکن شارحِ ہندی جو ہیں انہوں نے رفع لفظاً اور رفع تقدیراً کو تو ذکر کیا ہے اور رفعِ محلی کا انہوں نے انکار کیا ہے، اس کو ذکر نہیں کیا۔ شارحِ جامی آپ کو بتلائیں گے کہ نہیں بھئی رفعِ محلی سے انکار کی گنجائش نہیں، رفع محلاً بھی آپ کو ماننا پڑے گا۔ اس لیے کیونکہ انہوں نے کیا کہا؟ مرفوع کسے کہتے ہیں؟ جو فاعل ہونے کی علامت پر مشتمل ہو، جو فاعل ہونے کی علامت پر

مشتمل ہو۔ اور مرفوع جو ہے وہ صرف معرب واقع ہوتا ہے یا مبنی بھی واقع ہوتا ہے؟ مبنی بھی واقع ہوتا ہے۔ مثلاً میں کہتا ہوں جَاءَ هَؤُلَاءِ، دیکھو اب هَؤُلَاءِ جو ہے یہ مرفوع ہے بھئی یہ جَاءَ کے لیے فاعل بن رہا ہے، تو مرفوع جو ہے وہ معرب کے ساتھ ساتھ مبنی۔

بھی واقع ہوتا ہے، اور اسی طرح بلکہ فعل کے اندر آپ دیکھ لیں، ضَرَبَ، ضَرَبَا، ضَرَبُوا وہ ساری گردان میں آپ دیکھ لیں بھئی، سب کے ساتھ فاعل کی ضمیرِ متصل جڑی ہوئی ہے۔ اور ضمیر کیا ہے؟ مبنیات میں سے۔ جب مبنیات میں سے ہے اور بن تو فاعل رہی ہے تو کیا کہنا پڑے گا؟ یہ مرفوع ہے محلاً، تو رفعِ محلی سے کہتے ہیں انکار کی گنجائش نہیں ہے، رفعِ محلی کو تسلیم کرنا پڑے گا۔

تو کہتے ہیں: وَلَا شَكَّ أَنَّ الِاسْمَ مَوْصُوفٌ بِالرَّفْعِ الْمَحَلِّيِّ، اور اس بات میں کوئی شک نہیں ہے کہ اسم جو ہوتا ہے وہ موصوف ہوتا ہے رفعِ محلی کے ساتھ۔ إِذْ مَعْنَى الرَّفْعِ الْمَحَلِّيِّ، بھئی اسم موصوف ہوتا ہے کس کے ساتھ؟ رفعِ محلی کے ساتھ موصوف ہوتا ہے۔ بھئی رفعِ محلی کا کیا معنی ہے؟ کہتے ہیں رفعِ محلی کا معنی یہ ہے، جیسے مثلاً میں نے کہا جَاءَ هَؤُلَاءِ، جَاءَ فعل هَؤُلَاءِ اس کے لیے فاعل ہے، اور اس هَؤُلَاءِ پر نہ تو لفظاً رفع آرہا ہے اور نہ تقدیراً رفع ہے، ہاں محلاً رفع ہے۔ رفعِ محلی کا کیا معنی؟ یعنی اس جگہ اگر مبنی کے بجائے کس کو اٹھا کر رکھ دیا جائے؟ کسی معرب کو رکھ دیا جائے تو اس پر رفع لفظاً یا تقدیراً آجائے گا۔ رفعِ محلی کا کیا معنی؟ کہ یہ جگہ رفع والی ہے، اگر اس جگہ کوئی معرب آجائے تو اس پر رفعِ لفظی یا رفعِ تقدیری آجائے گا بھئی۔ کہتے ہیں: وَلَا شَكَّ أَنَّ الِاسْمَ مَوْصُوفٌ بِالرَّفْعِ الْمَحَلِّيِّ، اور اس بات میں کوئی شک نہیں کہ اسم جو ہے وہ رفعِ محلی کے ساتھ موصوف ہوتا ہے۔ إِذْ مَعْنَى الرَّفْعِ الْمَحَلِّيِّ، کیونکہ رفعِ محلی کا معنی یہ ہے کہ أَنَّهُ فِي مَحَلٍّ لَوْ كَانَ ثَمَّةَ مُعْرَبٌ، کہ اگر اس جگہ میں، محل کا کیا معنی؟ جگہ، اس جگہ میں لَوْ كَانَ ثَمَّةَ مُعْرَبٌ اگر وہاں کوئی معرب ہوتا، اس جَاءَ هَؤُلَاءِ، هَؤُلَاءِ کی جگہ اگر کوئی معرب ہوتا، لَكَانَ مَرْفُوعًا لَفْظًا أَوْ تَقْدِيرًا، تو وہ مرفوع ہوتا لفظاً یا تقدیراً۔

فَكَيْفَ يَخْتَصُّ الرَّفْعُ بِمَا عَدَا الرَّفْعَ الْمَحَلِّيَّ، تو کیسے خاص ہو سکتا ہے؟ فَكَيْفَ يَخْتَصُّ بھی پڑھ سکتے ہیں اور يُخْتَصُّ بھی، دونوں طرح پڑھ سکتے ہیں، فعلِ لازم بھی استعمال ہوتا ہے اور فعلِ متعدی بھی۔ فَكَيْفَ يُخْتَصُّ الرَّفْعُ، تو کیسے رفع خاص ہو سکتا ہے بِمَا عَدَا الرَّفْعَ الْمَحَلِّيَّ رفعِ محلی کے علاوہ کے ساتھ؟ عبارت پر نظر ہے؟ کیسے رفع... بھئی دیکھیے نا ادھر، رفع کی کل کتنی صورتیں بتائیں صاحبِ جامی نے؟ تین: یا لفظاً، یا تقدیراً، یا محلاً۔ اچھا ذرا محلاً کو نکال دو، باقی دو کیا رہ گئے؟ لفظاً اور تقدیراً۔ بھئی یہ لفظاً اور تقدیراً کے ساتھ رفع کیسے خاص ہو سکتا ہے؟ اس رفع کے مقام میں تو مبنی بھی آتا ہے یا نہیں آتا کبھی کبھار؟ تو کبھی کبھار مبنی بھی تو اس رفع کے مقام میں آجاتا ہے، تو وہاں آپ کو ماننا پڑے گا کہ اس پر کون سا رفع ہے؟ رفعِ محلی ہے، اگر اس جگہ کوئی معرب آجاتا تو اس پر لفظاً یا تقدیراً رفع آجاتا۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو کہتے ہیں فَكَيْفَ يَخْتَصُّ

الرَّفْعُ بِمَا عَدَا الرَّفْعَ الْمَحَلِّيَّ، تو رفع کیسے خاص ہو سکتا ہے رفعِ محلی کے علاوہ کے ساتھ؟ رفعِ محلی کے علاوہ کیا معنی؟ یعنی لفظاً یا تقدیراً، یعنی صرف معرب کے ساتھ خاص ہے مبنی پر آتا ہی نہ ہو یہ کیسے ہو سکتا ہے بھئی؟ تو کہتے ہیں فَكَيْفَ يَخْتَصُّ الرَّفْعُ بِمَا عَدَا الرَّفْعَ الْمَحَلِّيَّ، تو رفع کیسے خاص ہو سکتا ہے رفعِ محلی کے علاوہ کے ساتھ، وَهُوَ يَبْحَثُ مَثَلًا، اور یہ مصنف یا یہ جو نحوی جو ہیں مثال کے طور پر وہ بحث کرتا ہے عَنْ أَحْوَالِ الْفَاعِلِ، یہ فاعل کے احوال سے بھی بحث کرتے ہیں إِذَا كَانَ مُضْمَرًا مُتَّصِلًا، جب کہ فاعل کیا ہو؟ ضمیرِ متصل ہو۔ ضَرَبْتَ، اس کے اندر یہ تا کیا ہے؟ فاعل ہے، تو ضمیرِ متصل ہے تو اس میں ماننا پڑے گا کون سا رفع ہے؟ رفعِ محلی ماننا پڑے گا آپ کو۔ وَهُوَ يَبْحَثُ مَثَلًا عَنْ أَحْوَالِ الْفَاعِلِ، یہ ضمیر اس کو لوٹا لیں نحوی کی طرف یا مصنف کو لوٹا لیں یعنی صاحبِ کافیہ کو۔ کہتے ہیں وَهُوَ يَبْحَثُ مَثَلًا عَنْ أَحْوَالِ الْفَاعِلِ، اور یہ یعنی صاحبِ کافیہ مثال کے طور پر فاعل کے احوال سے بحث کرتے ہیں إِذَا كَانَ مُضْمَرًا مُتَّصِلًا جب کہ وہ فاعل ضمیرِ متصل ہو، كَمَا سَيَجِيءُ، جیسے کہ عنقریب آجائے گا۔ آگے ضمیروں کی بحث آجائے گی وہاں آپ کو وہ بتلائیں گے کہ یہ ضمیر کیا بن رہی ہے؟ یہ فاعل ہے، جب فاعل ہے تو اس پر محلاً رفع ماننا پڑے گا۔

یہاں ایک عبارت کی ایک چھوٹی سی بات یاد رکھیں، یہاں آیا بِمَا عَدَا الرَّفْعَ الْمَحَلِّيَّ۔ یاد رکھو یہ عَدَا اور خَلَا، توجہ ہے؟ عَدَا اور خَلَا یہ جر بھی دیتے ہیں اور یہ کبھی نصب بھی دیتے ہیں۔ جب جر دیں گے تو یہ حروفِ جارہ میں سے ہیں، اور کبھی کبھار یہ نصب دیتے ہیں یعنی یہ فعل ہوتے ہیں اور مابعد ان کا مفعول بہ ہوتا ہے، منصوب ہوتا ہے۔ توجہ ہے؟ تو عَدَا اور خَلَا کبھی کیا کرتے ہیں؟ جر، اور کبھی نصب۔ اور ایک نشانی ان کی یاد رکھنا: یہ جب جملے کے شروع میں آجائیں، بالکل کلام کے شروع میں آجائے خَلَا یا عَدَا، یا ان سے ماقبل میں مَا آجائے مَا، یہ مَا مصدریہ ہے، تو پھر یہ متعین ہو جائیں گے، پھر یہ فعل ہی ہیں، پھر آگے ان کے منصوب آئے گا، کیا آئے گا؟ یہ کبھی جر دیتے ہیں اور کبھی نصب۔ نصب کی دو علامتیں میں نے بتلا دیں: کب؟ جب یہ کلام کے شروع میں آجائیں یا ان سے ماقبل کیا آجائے؟ مَا آجائے۔ یہ مَا چونکہ مصدریہ ہے اور مَا مصدریہ صرف فعل پر داخل ہوتا ہے تو اس صورت میں یہ فعل ہی ہوں گے اور آگے نصب دیں گے۔ تو یہاں پر بھی دیکھو بِمَا عَدَا، عَدَا سے پہلے کیا آیا؟ مَا آگیا، لہٰذا اب الرَّفْعِ الْمَحَلِّيِّ مجرور نہیں پڑھنا بلکہ اب یہ کیا ہے؟ فعل ہے، توجہ ہے؟ اس سے پہلے مَا آگیا اب یہ فعل ہے، تو بِمَا عَدَا الرَّفْعَ الْمَحَلِّيَّ، اس طرح پڑھنا عبارت کو۔ یہ استثناء کے لیے آتے ہیں، رفعِ محلی کے علاوہ، رفعِ محلی کے علاوہ۔ تو فَكَيْفَ يَخْتَصُّ الرَّفْعُ بِمَا عَدَا الرَّفْعَ الْمَحَلِّيَّ، تو رفع کیسے رفعِ محلی کے علاوہ کے ساتھ خاص ہو سکتا ہے؟ بات سمجھ میں آگئی؟

اور ایک اور بات بھی یاد رکھنا۔ یہ عَدَا اور خَلَا یہ کبھی کبھی فعل کے طور پر استعمال ہوتے ہیں، پھر اس صورت میں آگے یہ نصب دیں گے، اور کبھی یہ حروفِ جارہ کے طور پر استعمال ہوتے ہیں اور پھر یہ جر دیں گے۔ تو عَدَا، خَلَا اور اسی

طرح حَاشَا، حَاشَا بھی جر دیتا ہے۔ اسی طرح لَعَلَّ، لَعَلَّ کس میں سے ہے؟ لَعَلَّ یہ حروفِ مشبہ بالفعل میں سے ہے لیکن یہ کبھی کبھی یہ بھی جر دیتا ہے۔ اسی طرح لَوْلَا، لَوْلَا یہ بھی کبھی کبھی جر دیتا ہے۔ تو یہ خَلَا، عَدَا، حَاشَا، لَعَلَّ، لَوْلَا یہ جب جر دیں گے تو اس وقت یہ کسی سے متعلق نہیں ہوں گے۔ حروفِ جارہ ہمیشہ کسی نہ کسی چیز سے متعلق ہوتے ہیں نا، ان کے لیے متعلق چاہیے، لیکن جس وقت یہ خَلَا، عَدَا، حَاشَا، لَعَلَّ، لَوْلَا یہ کبھی کبھی جر دینے کے لیے بھی آئیں گے اور جب یہ جر دینے کے لیے آئیں گے تو ان کو کسی سے متعلق نہیں کرنا، یہ کسی سے متعلق نہیں ہوں گے۔

جی سبق سمجھ میں آگیا؟ سارا حل ہو گیا؟ چلیے بس بھئی، هَذَا هُوَ الْمَرَامُ وَاللّٰهُ أَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْكَلَامِ۔

سبق نمبر ۷۹: الفاعل (۱): فاعل کی تعریف («مَا أُسْنِدَ إِلَيْهِ الْفِعْلُ أَوْ شِبْهُهُ»)

شرحِ ملا جامی صفحہ: ۵۷ — بتاریخ: ۱۴ اکتوبر ۲۰۲۱ء

▪ تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث

آگے سبق دیکھیے بھئی کتاب پر:[1]

فَمِنْهُ أَيْ مِنَ الْمَرْفُوعِ أَوْ مِمَّا اشْتَمَلَ عَلَى عَلَمِ الْفَاعِلِيَّةِ الْفَاعِلُ، وَإِنَّمَا قَدَّمَهُ لِأَنَّهُ أَصْلُ الْمَرْفُوعَاتِ عِنْدَ الْجُمْهُورِ، لِأَنَّهُ جُزْءُ الْجُمْلَةِ الْفِعْلِيَّةِ الَّتِي هِيَ أَصْلُ الْجُمَلِ، وَلِأَنَّ عَامِلَهُ أَقْوَى مِنْ عَامِلِ الْمُبْتَدَإِ، وَقِيلَ أَصْلُ الْمَرْفُوعَاتِ الْمُبْتَدَأُ.

اچھا بھئی گزشتہ سبق میں مرفوع کی تعریف ہم نے پڑھی تھی۔ صاحبِ کافیہ نے آپ کو بتلایا مرفوع کے بارے میں کہ «هُوَ مَا اشْتَمَلَ عَلَى عَلَمِ الْفَاعِلِيَّةِ»، مرفوع وہ ہے جو فاعل ہونے کی علامت پر مشتمل ہو بھئی۔ میں نے آپ کو بتلایا تھا کہ یہ جو «هُوَ» ضمیر ہے، عام شارحین لکھتے ہیں کہ یہ «هُوَ» ضمیر مرفوعات کو راجع ہے۔ اس پر اشکال ہوتا ہے کہ مرفوعات تو جمع ہے اور جمع کی طرف یا تو جمع کی ضمیر لوٹائی جاتی ہے یا واحد مؤنث کی ضمیر بتأویل «جَمَاعَةٌ» کے بھئی۔ تو یہ تو «هُوَ» ضمیر لوٹائی جا رہی ہے مرفوعات کی طرف۔ تو اس پر میں نے بتلایا تھا کہ ضمیر جب دائر ہو جائے بَيْنَ الْمَرْجِعِ وَالْخَبَرِ، تو اس وقت آپ کے لیے جائز ہے آپ دونوں میں سے جس کی بھی چاہیں رعایت رکھ سکتے ہیں۔ تو یہاں خبر آ رہی تھی «مَا اشْتَمَلَ»، وہ

[1] جدول — فاعل کے بنیادی قواعد اور تقدیم و تاخیر کے احکام:

قاعدہ	حکم	مثال
تقدیمِ فعل	فعل ہمیشہ فاعل پر مقدم ہوتا ہے	قَامَ زَيْدٌ (نہ کہ زَيْدٌ قَامَ بحیثیتِ فاعل)
اعرابِ مخفی	جب فاعل و مفعول میں اعراب ظاہر نہ ہو تو تقدیمِ فاعل واجب	ضَرَبَ مُوْسٰى عِيْسٰى
افرادِ فعل	فاعل اسمِ ظاہر تثنیہ/جمع ہو تب بھی فعل مفرد رہے گا	قَامَ الزَّيْدَانِ، قَامَ الزَّيْدُوْنَ

ہے مفرد مذکر، اور پیچھے مرجع جو تھا «اَلْمَرْفُوعَاتُ» وہ جمع تھا۔ تو خبر کی رعایت رکھیں تو مفرد مذکر کی ضمیر لائیں گے اور مرجع کی رعایت رکھیں تو جمع کی ضمیر لائیں گے یا واحد مؤنث کی ضمیر لے کر آئیں گے۔ اور یہاں آپ کے لیے جائز ہے ایسے موقع پر خبر کی بھی آپ رعایت رکھ سکتے ہیں اور مرجع کی بھی۔ تو عام شارحین لکھتے ہیں کہ یہ «هُوَ» ضمیر مرفوعات کو راجع ہے اور صاحبِ کافیہ نے یہاں خبر کی رعایت رکھی، خبر چونکہ مفرد مذکر ہے اس لیے «هُوَ» مفرد مذکر کی ضمیر لے کر آئے۔

لیکن صاحبِ جامی نے اس کو رد کر دیا کہ «هُوَ» ضمیر مرفوعات کو راجع نہیں، وجہ یہ کہ یہ مرفوع کی تعریف کی جا رہی ہے، اور جمع جو ہے وہ افراد پر دلالت کرتی ہے، تو پھر تو یہ افراد کی تعریف ہو جائے گی، حالانکہ تعریف افراد کی نہیں کی جاتی بلکہ جنس اور ماہیت کی کی جاتی ہے۔ وجہ یہ کہ افراد میں سے ایک فرد کی آپ تعریف کریں گے وہ دوسرے پر صادق نہیں آئے گی، تیسرے پر صادق نہیں آئے گی، اور افراد بے شمار ہیں تو کس کس کی تعریف کی جائے گی؟ تو لہٰذا افراد کی تعریف نہیں کی جاتی بلکہ جنس اور ماہیت کی تعریف کر دی جاتی ہے، اور پھر وہ اس جنس کے ہر ہر فرد پر صادق آتی ہے۔ جیسے انسان کی تعریف کی جائے، اگر زید کی، عمرو، بکر، خالد، یہ تو افراد ہیں بھئی کس کس کی آپ تعریف کریں گے؟ ایک کی تعریف دوسرے پر صادق نہیں آئے گی۔ لیکن اگر اس کے بجائے جنس اور ماہیت کی تعریف کر دیں کہ انسان کسے کہتے ہیں؟ حَيَوَانٌ نَاطِق کو۔ بس اب یہ تعریف جو ہے ہر فرد پر صادق آئے گی، چاہے وہ زید ہو، عمرو ہو، بکر ہو یا خالد۔

تو صاحبِ جامی فرماتے ہیں کہ یہاں چونکہ یہ تعریف کی جا رہی ہے، اور یہ «هُوَ» ضمیر جو ہے، یہ مرفوعات کی طرف راجع نہیں کریں گے کیونکہ مرفوعات تو جمع ہے اور جمع تو افراد پر دلالت کرتی ہے، لہٰذا اس صورت میں تو یہ افراد کی تعریف ہو جائے گی حالانکہ تعریف افراد کی نہیں کی جاتی بلکہ جنس اور ماہیت کی کی جاتی ہے۔ تو پھر یہ ضمیر کس کو راجع؟ انہوں نے بتلایا کہ یہ ضمیر «مَرْفُوعٌ» کو راجع ہے جو مرفوعات کے ضمن میں آگیا۔ کیونکہ جمع افراد پر دلالت کرتی ہے تو مرفوعات کے ضمن میں «مَرْفُوعٌ» مفرد بھی آگیا۔ اور نیز جیسے جمع افراد پر دلالت کرتی ہے اسی طرح جمع جنس اور ماہیت پر بھی دلالت کرتی ہے۔ مثلاً میں نے آپ سے کہا «رِجَالٌ»، «رِجَالٌ» سے آپ کو ایک تو یہ بات سمجھ میں آگئی کہ کم از کم تین یا تین سے زیادہ افراد ہیں، افراد پر بھی دلالت ہو گئی، اور ساتھ جنس پر بھی دلالت ہو گئی کہ کون سی جنس کے افراد ہیں؟ «رَجُلٌ» کی جنس کے افراد ہیں، «اِمْرَأَةٌ» وغیرہ کے افراد مراد نہیں ہیں۔ تو جیسے جمع افراد پر دلالت کرتی ہے اسی طرح جنس پر بھی دلالت کرتی ہے۔ تو یہاں «هُوَ» ضمیر راجع ہے اس «مَرْفُوعٌ» جو مرفوعات کے ضمن میں آگیا۔ جو کس کے ضمن میں آیا؟ «مَرْفُوعٌ»۔ جیسے میں نے اس کی مثال ذکر کی تھی قرآن سے، قرآن میں اللہ کیا فرماتے ہیں: «اِعْدِلُوا هُوَ أَقْرَبُ لِلتَّقْوَىٰ»، «اِعْدِلُوا» تم لوگ عدل کرو، انصاف کرو، «هُوَ أَقْرَبُ لِلتَّقْوَىٰ»، جو عدل ہے، «هُوَ» ضمیر عدل کو راجع ہے، عدل جو ہے وہ زیادہ قریب ہے تقویٰ کے بھئی۔ تو یہاں اشکال ہوتا ہے کہ «هُوَ» ضمیر عدل کو کیسے راجع؟ پیچھے تو عدل کا ذکر ہی نہیں آیا، پیچھے تو «عَدْل» مصدر کا ذکر ہی نہیں ہے، پیچھے تو فعل «اِعْدِلُوا» کا ذکر ہے۔ تو اس کا جواب میں نے بتلایا تھا کہ یہ جو فعل ہوتا ہے، اس کا

مفہوم جو ہے مرکب ہوتا ہے تین چیزوں سے: ایک مصدر، اور ایک زمانہ، اور ایک نِسْبَتٌ إِلَى الْفَاعِلِ۔ جو بھی آپ فعل ذکر کرتے ہیں تو اس فعل کے مصدر پر بھی دلالت ہو جاتی ہے، زمانے پر بھی، اور نِسْبَتٌ إِلَى الْفَاعِلِ۔ تو «اِعْدِلُوا» کے ضمن میں «عَدْلٌ» مصدر بھی آگیا، زمانہ بھی آگیا، فعلِ امر ہے اور فعلِ امر مستقبل کے لیے آتا ہے تو مستقبل والا زمانہ بھی آگیا، اور تیسری چیز نِسْبَتٌ إِلَى الْفَاعِلِ بھی آگئی۔ تو «هُوَ» ضمیر اس عدل کو راجع ہے جو «اِعْدِلُوا» کے ضمن میں آگیا۔ تو یہاں پر بھی «هُوَ» ضمیر اس «مَرْفُوعٌ» کو راجع ہے جو مرفوعات کے ضمن میں آگیا۔ اور یہ کون سا «مَرْفُوعٌ» مراد ہے؟ فردِ مرفوع مراد نہیں بلکہ جنسِ مرفوع مراد ہے، کیونکہ جیسے جمع افراد پر دلالت کرتی ہے اسی طرح جنس پر بھی۔ تو یہاں پر بھی وہ مرفوع جو کس کے ضمن میں آیا؟ مرفوعات کے ضمن میں آیا، اور فردِ مرفوع مراد ہے یا جنسِ مرفوع؟ جنسِ، وہ جنسِ مرفوع جو مرفوعات کے ضمن میں آیا، اس کی طرف ضمیر راجع ہے۔

اس کے بعد آگے آیا تھا «وَمَا اشْتَمَلَ عَلَى عَلَمِ الْفَاعِلِيَّةِ»۔ میں نے بتلایا تھا ایک «مَا» موصولہ ہوتا ہے، ایک «مَا» موصوفہ۔ «مَا» موصولہ جو ہے وہ اسمِ موصول ہے، آگے آنے والا جملہ اس کا صلہ بنتا ہے، اور «مَا» موصوفہ جو ہے وہ نکرہ ہوتا ہے اور آگے آنے والا جملہ اس کی صفت بنتا ہے۔ اور یہ میں آپ کو پہلے بتا چکا ہوں کہ جملہ جو ہے وہ نکرہ کے حکم میں ہوتا ہے، تو جب آگے آنے والا جملہ اس «مَا» موصوفہ کی صفت بن رہا ہے تو اسی سے پتہ چل گیا کہ یہ «مَا» موصوفہ نکرہ ہے کیونکہ موصوف صفت میں تنکیر و تعریف میں مطابقت ضروری ہے۔ تو جب صفت نکرہ ہے، جملہ ہے، تو معلوم ہوا موصوف بھی کیا ہے؟ نکرہ۔ تو «مَا» موصولہ معرفہ ہوتا ہے اور «مَا» موصوفہ نکرہ ہوتا ہے بھئی۔ اور یہ «مَا» موصوفہ جو ہے اس کو «شَيْءٌ» کے ساتھ تعبیر کرتے ہیں، کوئی چیز، اور جبکہ «مَا» موصولہ اس کو «الَّذِي» یا «الشَّيْءُ» یعنی معرفہ کے ساتھ اس کو تعبیر کرتے ہیں۔

تو یہاں پر عام شارحین جواب دیتے ہیں، وہ فرماتے ہیں کہ متن میں تو آیا «مَا اشْتَمَلَ»، اور صاحبِ جامی نے اس کی تفسیر کیا کی؟ «أَيْ اِسْمٌ اشْتَمَلَ»، اسم نکرہ کے ساتھ «مَا» کی تفسیر کی۔ تو بتلانا یہ چاہتے ہیں کہ یہ «مَا» موصولہ نہیں ہے بلکہ یہ «مَا» موصوفہ ہے۔ وجہ یہ، عام اردو شارحین کی تقریر کر رہا ہوں، وہ فرماتے ہیں وجہ یہ ہے کہ اگر یہ «مَا» کو موصولہ بنایا جائے تو پھر اس صورت میں درمیان میں فصل کا لانا واجب ہے۔ درمیان میں فصل۔ میں نے آپ کو بتلایا تھا کہ مبتدا میں اصل ہے معرفہ ہو، اور خبر میں اصل یہ ہے کہ وہ نکرہ ہو، لیکن کبھی کبھار خبر کو بھی معرفہ لے آتے ہیں اور وہ پھر حصر کا فائدہ دیتی ہے۔ حصر، قصر اور تخصیص، تینوں کا ایک ہی معنی ہے۔ تو کبھی کبھار خبر جو ہے اس کو بھی معرفہ لے آتے ہیں تو وہ حصر، قصر اور تخصیص کا فائدہ دیتی ہے۔ مثلاً میں کہتا ہوں «زَيْدٌ عَالِمٌ»، «زَيْدٌ» دیکھو معرفہ ہے اور «عَالِمٌ» خبر نکرہ ہے، لیکن کبھی خبر کو بھی معرفہ لے آتے ہیں: «زَيْدٌ الْعَالِمُ»، دیکھو «عَالِم» پر بھی میں الف لام لے آیا۔ «زَيْدٌ عَالِمٌ» اگر نکرہ ہو اس کا معنی ہے زید عالم ہے، اور اگر خبر کو بھی معرفہ لے آئیں تو پھر وہ تخصیص کا فائدہ دیتی ہے: «زَيْدٌ الْعَالِمُ» زید ہی عالم ہے۔

دیکھو حصر آگیا، تخصیص آگئی۔ سننے والے کا خیال تھا کہ شاید زید بھی عالم ہے اور عمرو بھی عالم ہے، تو میں نے اس کو بتلایا کہ «زَيْدٌ الْعَالِمُ» زید ہی عالم ہے، معلوم ہوا عمرو عالم نہیں ہے۔ تو یہ ہے تخصیص بھئی۔ تو کبھی کبھار خبر کو بھی معرفہ لے آتے ہیں اور یہ تخصیص کا فائدہ دیتی ہے۔ لیکن خبر کو جب معرفہ لے کر آئیں تو پھر دونوں میں موصوف صفت کا شبہ ہوتا ہے: «زَيْدٌ الْعَالِمُ»، «زَيْدٌ» بھی معرفہ، «الْعَالِمُ» بھی معرفہ، تو بظاہر سننے والے کو شبہ پڑ سکتا ہے کہ شاید یہ دونوں مبتدا خبر نہیں ہیں بلکہ موصوف صفت ہیں۔ مبتدا خبر ہوں گے تو اس میں بات پوری ہوگی، اور موصوف صفت ہوں گے تو اس میں بات پوری نہیں بلکہ اس کے لیے آگے خبر مزید چاہیے بھئی۔ تو لہٰذا جب خبر بھی معرفہ ہو تو پھر کبھی کبھار درمیان میں ایک ضمیر کی صورت کا صیغہ لے آتے ہیں جس کو فصل کہتے ہیں۔ بعض علماء فرماتے ہیں کہ یہ ضمیر ہی ہے اور یہ اسم ہے اور اس کے لیے کوئی محلِ اعراب ہوگا، جبکہ عام علماء فرماتے ہیں کہ نہیں، یہ فصل ہے، یہ حرف ہے، «لَا مَحَلَّ لَهُ مِنَ الْإِعْرَابِ»، اس کا کوئی محلِ اعراب نہیں کیونکہ یہ حرف ہے، اسم ہے ہی نہیں، محلِ اعراب اسم کے لیے ہوتا ہے حرف کے لیے نہیں ہوتا۔ یہ صرف فصل کرنے کے لیے لائی گئی، مثلاً «زَيْدٌ الْعَالِمُ» موصوف صفت کا شبہ ہو رہا تھا تو درمیان میں «هُوَ» لے آئے: «زَيْدٌ هُوَ الْعَالِمُ»۔ اس «هُوَ» نے کیا کیا؟ بتلا دیا کہ یہ جو آگے «الْعَالِمُ» آرہا ہے یہ زید کی صفت نہیں ہے، کیونکہ موصوف صفت کے درمیان کوئی اور لفظ نہیں لایا جاتا، اور یہاں تو درمیان میں «هُوَ» آرہا ہے، اس «هُوَ» نے بتلا دیا کہ یہ «الْعَالِمُ» زید کی صفت نہیں ہے بلکہ یہ خبر ہے۔

تو حاصلِ کلام کیا؟ کہ کبھی کبھار خبر کو بھی معرفہ لے آتے ہیں اور وہ حصر، قصر اور تخصیص کا فائدہ دیتی ہے۔ حصر، قصر، تخصیص، تینوں کا معنی ایک ہی ہے۔ تو یہ تخصیص کا فائدہ دیتی ہے، لیکن ایسے موقع پر کبھی کبھار پھر شبہ ہوتا ہے شاید یہ موصوف صفت ہیں، تو درمیان میں ایک ضمیر کی صورت کا صیغہ لے آتے ہیں اس کو فصل کہتے ہیں۔ تو عام اردو شارحین لکھتے ہیں کہ جب مبتدا کے ساتھ ساتھ خبر بھی معرفہ آجائے تو پھر فصل کا لانا واجب ہے۔ چنانچہ یہاں پر بھی یہی اعتراض ہوتا ہے کہ «هُوَ» ہے مبتدا، اور «مَا اشْتَمَلَ» میں «مَا» کو اگر موصولہ بنائیں تو خبر بھی کیا بن گئی؟ معرفہ۔ اور مبتدا اور خبر جب دونوں معرفہ ہوں تو درمیان میں فصل کا لانا واجب ہے۔ حالانکہ درمیان میں دیکھو «هُوَ» اور «مَا اشْتَمَلَ»، اس کے درمیان کوئی اور «هُوَ» نہیں ہے، کوئی فصل نہیں ہے۔ تو اعتراض ہوتا تھا کہ یہ «مَا» موصولہ تو نہیں ہو سکتا، اگر یہ «مَا» موصولہ ہو پھر تو فصل کا لانا واجب تھا، حالانکہ صاحبِ کافیہ درمیان میں فصل نہیں لے کر آئے۔ تو شارحِ جامی نے آگے جواب دے دیا «مَا اشْتَمَلَ أَيِ اسْمٌ اشْتَمَلَ» کہ «مَا» یہ موصولہ نہیں ہے، یہ «مَا» موصوفہ ہے، اگر یہ «مَا» موصولہ ہوتا پھر تو یہ معرفہ ہوتا، پھر تو فصل کا لانا واجب ہوتا، لیکن یہ تو «مَا» موصولہ ہے ہی نہیں بلکہ یہ تو «مَا» موصوفہ ہے اور یہ نکرہ ہے، جب یہ نکرہ ہے تو درمیان میں فصل لانے کی کوئی ضرورت نہیں۔ تو عام شارحین فرماتے ہیں کہ یہاں جو شارحِ جامی نے «أَيِ اسْمٌ اشْتَمَلَ»

تفسیر کی «مَا اشْتَمَلَ» کی، وہ صرف اس اعتراض کا جواب دینا چاہتے تھے۔ لیکن میں نے بتلایا یہ تقریر صحیح نہیں ہے۔ خبر جب بھی معرفہ ہو، فصل کا لانا واجب نہیں ہے۔ اس «مَا» کو موصولہ بنا دیں پھر بھی فصل کا لانا واجب نہیں، بلکہ اگر فصل لے آئیں تو عجیب ترکیب بن جائے گی، «هُوَ» کے بعد ایک اور «هُوَ» لانا پڑے گا، عبارت کیا بن جائے گی؟ «هُوَ هُوَ مَا اشْتَمَلَ»، حالانکہ کبھی آپ نے کہیں کلامِ عرب میں اس طرح کی عبارت نہیں سنی ہو گی کہ ضمیر دو دو دفعہ لائی جا رہی ہے، ایک ضمیر ہے اور ایک فصل ہے۔ بات سمجھ میں آ گئی؟ تو لہٰذا یہ اعتراض درست نہیں ہے کہ خبر جب بھی معرفہ ہو تو فصل کا لانا واجب ہے، بلکہ فصل کا لانا جائز ہے، آپ چاہیں تو فصل لے آئیں آپ چاہیں تو فصل نہ لائیں۔ اور میں نے اس کی مثال بھی ذکر کی تھی، حدیث ذکر کی تھی، زاد الطالبین کے اندر آپ نے حدیث پڑھی ہو گی: «الدِّينُ النَّصِيحَةُ»، «الدِّينُ» ہے مبتدا اور «النَّصِيحَةُ» اس کی خبر، دونوں معرفہ ہیں لیکن درمیان میں کوئی فصل نہیں۔ «الدِّينُ النَّصِيحَةُ» یہ دین جو ہے یعنی دینِ اسلام جو ہے، «النَّصِيحَةُ» یہ خیر خواہی ہی ہے۔ یہ خیر خواہی ہی ہے، دیکھو تخصیص آ گئی یا یوں ترجمہ کر لو یہ دین جو ہے صرف خیر خواہی ہے۔ یہ دینِ اسلام جو ہے صرف خیر خواہی ہے، ہر ایک کے ساتھ خیر خواہی کرنا، کسی کو بھی کسی بھی درجے میں نقصان اور تکلیف نہ پہنچانا، یہ ہے دین کی حقیقت بھئی۔ بات سمجھ میں آ گئی؟ تو یہ سیدھا جنت کا راستہ ہے، انسان کا اگر عقیدہ صحیح ہو اور پھر کسی کو تکلیف نہ پہنچائے تو یہ سیدھا جنت کا راستہ ہے۔ تو دیکھو یہاں «الدِّينُ» اور «النَّصِيحَةُ» مبتدا خبر کے درمیان کوئی فصل نہیں، معلوم ہوا فصل کا لانا واجب نہیں ہے۔ دوسری حدیث بھی میں نے ذکر کی تھی کہ ہدایہ کتاب المواقیت کے اندر ذکر آتا ہے: «الشَّفَقُ الْحُمْرَةُ»، «الشَّفَقُ الْ...»

«حُمْرَةُ»، تو «الشَّفَقُ» یہ مبتدا معرفہ، «الْحُمْرَةُ» یہ خبر ہے اور یہ بھی معرفہ، اور درمیان میں کوئی فصل نہیں، اور معنی وہی حصر والا ہو گا، تخصیص والا ہو گا: «الشَّفَقُ الْحُمْرَةُ» شفق سرخی ہی ہے، شفق سرخی ہی ہے۔ تو آپ کو جگہ جگہ یہ بات شروحات میں ملے گی، آپ نے یہ یوں سمجھیں رائج غلطی ہے۔ یہ کیا ہے؟ رائج غلطی ہے، تمام شروحات میں بھی اسی طرح ملے گا اور تمام طلبہ وغیرہ بھی اسی طرح ذکر کرتے ہیں کہ جب خبر بھی معرفہ ہو تو فصل کا لانا واجب ہے، حالانکہ فصل کا لانا واجب نہیں۔ میں نے بتلایا کہ یہاں «مَا اشْتَمَلَ»، اس کو صاحبِ جامی نے «مَا» موصوفہ بنایا، اگر آپ اس کو «مَا» موصولہ بنا لیں تو بھی کوئی اشکال نہیں، کوئی فصل کا لانا واجب نہیں ہے۔

پھر سوال پیدا ہوتا ہے کہ پھر صاحبِ جامی نے «وَمَا اشْتَمَلَ»، اس کو موصوفہ کیوں بنایا؟ موصولہ ہی بنا دیتے۔ جب موصولہ بنانا بھی صحیح ہے تو اس کو کیا بنا دیتے؟ موصولہ بنا دیتے، موصوفہ کیوں بنایا؟ تو میں نے وجہ ذکر کی تھی کہ وجہ یہ کہ یہ خبر ہے بھئی، «هُوَ» یہ ہے مبتدا اور «مَا اشْتَمَلَ» اس کی خبر، اور خبر کے اندر اصل کیا ہے؟ کہ وہ نکرہ ہونی چاہیے، تو اس کو اپنی اصل پر برقرار رکھتے ہوئے فرمایا کہ یہ خبر ہے اور خبر میں اصل بھی کیا ہے؟ نکرہ ہونی چاہیے، لہٰذا اس «مَا» کو موصولہ بنانے کے بجائے کیا بنا لو؟ اس «مَا» کو موصوفہ بنانا بہتر ہے کہ یہ خبر ہے بھئی، تو خبر کی اصل پر عمل ہو جائے گا۔

اور پھر میں نے بتلایا تھا یہ «مَا» موصوفہ ہے، اور «مَا» موصوفہ کو کس کے ساتھ تعبیر کرتے ہیں؟ «شَيْءٌ»، کوئی چیز، اور اس میں دنیا کی ساری چیزیں آجاتی ہیں۔ جب اس میں ساری چیزیں آگئیں پھر تو، پھر تو اشکال ہوا کہ اس کے اندر تو فعل بھی داخل ہو گیا، فعل بھی مرفوع ہوتا ہے فعلِ مضارع، «يَضْرِبُ زَيْدٌ» دیکھو «يَضْرِبُ» کیا ہے؟ مرفوع ہے۔ اور انہوں نے کیا کہا، مرفوع کسے کہتے ہیں؟ جو فاعل ہونے کی علامت پر مشتمل ہو۔ نیز «زَيْدٌ»، «جَاءَنِي زَيْدٌ»، یہ «زَيْدٌ» کیا ہے؟ یہ بھی اس کے اندر داخل ہوا، اور «زَيْدٌ» کی دال بھی اس کے اندر داخل ہو گئی کیونکہ دال پر بھی کیا ہے؟ ضمہ ہے، فاعل ہونے کی علامت اس پر موجود ہے۔ تو صاحبِ جامی نے اس اشکال کو رد کرنے کے لیے کیا فرمایا؟ کہ یہاں «مَا» سے دنیا کی ہر شے مراد نہیں بلکہ یہاں «مَا» سے کیا مراد ہے؟ اسم مراد ہے، «أَيِ اسْمٌ اشْتَمَلَ»، دنیا کی ہر شے یہاں مراد نہیں، تو یہ «مَا» کا مصداق بتلا دیا کہ یہاں پر جو «مَا» آیا یہ صرف کس پر صادق آرہا ہے؟ اسم پر۔ وجہ یہ کہ بحث چل رہی ہے مرفوعات کی، اور کون سے مرفوعات؟ جو اسم ہیں، جو، وہ اسم جو مرفوع واقع ہوتے ہیں ان کی بات چل رہی ہے، تو جب یہ اسم کی بات چل رہی ہے تو حرف یا فعل یا اور چیزیں اس کے اندر داخل نہیں، تو یہ «مَا» کا مصداق ذکر کر دیا «اِسْمٌ اشْتَمَلَ» کے ساتھ۔

اور پھر آگے آیا «عَلَى عَلَمِ الْفَاعِلِيَّةِ»، «عَلَم» کے کئی معانی آتے ہیں، صاحبِ جامی نے آگے بتلا دیا «أَيْ عَلَامَةِ كَوْنِ الِاسْمِ فَاعِلًا»، دیکھو «عَلَامَت» کے لفظ کے ذریعے «عَلَم» کا معنی بیان کر دیا۔ متن میں تو کیا آیا تھا؟ «عَلَى عَلَمِ الْفَاعِلِيَّةِ»، بھئی «عَلَم» کا کیا معنی؟ بتلایا کہ «عَلَم» یہاں علامت کے معنی میں ہے۔ اور پھر «فَاعِلِيَّة» کا لفظ آیا، میں نے بتلایا تھا کہ یہ «فَاعِلِيَّة» کے آخر میں یائے مشدد اور گول تا ہے، یہ یائے مشدد اور گول تا کبھی مصدر بنانے کے لیے لاتے ہیں اور کبھی نسبت کے لیے لے کر آتے ہیں۔ جیسے «فَاعِلِيَّة»، کیا معنی؟ اگر مصدر والی یا ہو تو ترجمہ ہو گا فاعل ہونا، اور اگر نسبت والی یا ہو «فَاعِلِيَّة» پھر معنی ہو گا فاعل والا۔ جیسے «لَاهُورِيٌّ» کا کیا معنی؟ لاہور والا، «لَاهُورِيَّةٌ» کا کیا معنی؟ لاہور والی۔ تو یہاں پر بھی یہ «فَاعِلِيَّة» کے اندر یائے مشدد اور گول تا آئی، یہ کبھی مصدر کے لیے آتی ہے اور کبھی نسبت کے لیے لاتے ہیں اس یا کو۔ تو نسبت کے لیے جب یائے مشدد لائیں تو اس کا ترجمہ کس کے ساتھ کرتے ہیں؟ عربی زبان میں کس طرح اس کی تفسیر کریں گے؟ «لَاهُورِيٌّ» تفسیر کیا کریں گے؟ «أَيْ مَنْسُوبٌ إِلَى لَاهُورَ»۔ تو «مَنْسُوبٌ إِلَى» کے ساتھ اس کی تفسیر کرتے ہیں، یا «لَاهُورِيَّةٌ» تو کیا کہیں گے؟ «مَنْسُوبَةٌ إِلَى لَاهُورَ»۔ اور اگر یہ یا مصدر والی ہو اس کا ترجمہ کس کے ساتھ کرتے ہیں؟ «كَوْنُ الشَّيْءِ» کے ساتھ، «كَوْنُ الشَّيْءِ»۔ تو «فَاعِلِيَّة» کا، کی تفسیر کیا کریں گے عربی میں؟ «كَوْنُ الشَّيْءِ فَاعِلًا»، «ضَارِبِيَّة» کا کیا ترجمہ کریں گے؟ «كَوْنُ الشَّيْءِ ضَارِبًا»، «مَضْرُوبِيَّة» کا کیا ترجمہ کریں گے؟ «كَوْنُ الشَّيْءِ مَضْرُوبًا»۔ اور «الشَّيْء» کے بجائے «الِاسْم» لے آؤ کیونکہ بات کس کی چل رہی ہے؟ اسم کا، اسم کا فاعل ہونا یا مفعول وغیرہ ہونا۔ تو «الْفَاعِلِيَّة» کی کیا تفسیر کریں گے؟ «كَوْنُ الِاسْمِ فَاعِلًا»، اسم کا فاعل ہونا، بات سمجھ میں آگئی؟ تو کہتے ہیں «هُوَ مَا اشْتَمَلَ عَلَى عَلَمِ الْفَاعِلِيَّةِ» کہ مرفوع وہ ہے جو فاعل ہونے کی علامت پر مشتمل ہو۔ اور فاعل ہونے کی علامت بھئی انہوں نے

بتلایا کہ تین ہیں: ضمہ، ضمہ ہے، واو ہے، اور الف ہے۔

اور اس کے بعد پھر آیا تھا کہ جو فاعل ہونے کی علامت پر مشتمل ہو، بھئی فاعل ہونے کی علامت پر مشتمل ہونا، اس سے تو ہمارے ذہن میں اِشْتِمَالُ الْكُلِّ عَلَى الْجُزْءِ آتا ہے، جیسے کل جو ہے جزپر مشتمل ہوتا ہے۔ مثلاً آپ کو کوئی بتلاتا ہے کہ یہ کتاب دس ابواب پر مشتمل ہے، معلوم ہوا یہ دس باب جزہیں اور کتاب کل ہے، یا جیسے آپ کہتے ہیں یہ چائے خالص دودھ پر مشتمل ہے، معلوم ہوا خالص دودھ اس کا جز ہے، یا جیسے آپ کسی کو کہتے ہیں کہ قرآن تیس پاروں پر مشتمل ہے یعنی تیس پارے قرآن کا جزہیں اور قرآن کیا ہے؟ کل۔ تو یہاں پر بھی آیا کہ مرفوع وہ ہے جو فاعل ہونے کی علامت پر مشتمل ہو۔ فاعل ہونے کی علامت پر مشتمل ہو تو ذہن کس طرف جاتا ہے؟ کہ شاید یہ جو فاعل ہونے کی علامت ہے وہ جز ہوتی ہے مرفوع کا، جیسے «جَاءَنِي زَيْدٌ»، «زَيْدٌ» کے آخر میں کیا ہے؟ ضمہ، تو یہ ضمہ ذہن میں آتا ہے کہ کیا انہوں نے کہا مرفوع، مرفوع وہ ہے جو فاعل ہونے کی علامت پر مشتمل ہو، یعنی وہ فاعل ہونے کی علامت اس کا جز ہوگی، اس سے تو ذہن میں یہ آتا ہے کہ شاید «جَاءَنِي زَيْدٌ» یہ «زَيْدٌ» پر جو ضمہ آیا یہ زید کا جز ہے، حالانکہ یہ تو زید کا جز نہیں، زید تو زا، یا، دال پر مشتمل ہے اور یہ جو رفع، ضمہ آرہا ہے یہ زید کا جز نہیں۔ تو انہوں نے آپ کو بتلایا شارحِ جامی نے کہ بھئی اشتمال، یہاں اِشْتِمَالُ الْمَوْصُوفِ عَلَى الصِّفَةِ مراد ہے، کیونکہ اشتمال کی کئی صورتیں ہیں، کئی چیزیں ہیں جن کے لیے عربی میں اشتمال کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔ کبھی ایک تو اِشْتِمَالُ الْكُلِّ عَلَى الْجُزْءِ، کل جو ہے جزپر مشتمل ہوتا ہے، اس کے لیے بھی اشتمال کا لفظ بولتے ہیں، جیسے ابھی میں نے مثال ذکر کر دی یہ کتاب دس ابواب پر مشتمل ہے، اس سے آپ کے ذہن میں کیا بات آئی؟ کہ یہ دس باب اس کتاب کا جزہیں اور کتاب کل ہے بھئی۔ یا یہ چائے خالص دودھ پر مشتمل ہے، آپ کے ذہن میں کیا آیا کہ خالص دودھ معلوم ہوا اس چائے کا جز ہے۔ تو جیسے اِشْتِمَالُ الْكُلِّ عَلَى الْجُزْءِ ہوتا ہے، اسی طرح اِشْتِمَالُ الْمَوْصُوفِ عَلَى الصِّفَةِ کے لیے بھی اشتمال کا لفظ بولتے ہیں کہ موصوف جو ہے صفت پر مشتمل ہوتا ہے۔ اور اسی طرح اِشْتِمَالُ الظَّرْفِ عَلَى الْمَظْرُوفِ کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے اشتمال کا لفظ۔ ظرف: برتن، مظروف: وہ چیز جو اس برتن کے اندر ہے۔ تو مثلاً عربی میں کہتے ہیں کہ یہ برتن شہد پر مشتمل ہے، یہ برتن، یا یہ بوتل شہد پر مشتمل ہے، یعنی یہ بوتل ہے ظرف اور شہد جو ہے اس کے لیے مظروف ہے یعنی اس کے اندر شہد ہے۔ اسی طرح اشتمال کا لفظ جو ہے اِشْتِمَالُ ذِي الْحَالِ عَلَى الْحَالِ کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے، عربی میں کہتے ہیں کہ ذوالحال جو ہے وہ حال پر مشتمل ہے: «جَاءَنِي زَيْدٌ رَاكِبًا»، «زَيْدٌ» ہے ذوالحال اور «رَاكِبًا» ہے حال، تو یہ ذوالحال کس پر مشتمل ہے؟ حال پر، یعنی یہ حال اس کی صفت ہے، یہ سوار ہونا اس کی صفت ہے۔ تو یہاں کون سا اشتمال مراد ہے؟ تو شارحِ جامی نے آپ کو بتلایا کہ یہاں اِشْتِمَالُ الْمَوْصُوفِ عَلَى الصِّفَةِ مراد ہے، کہ جو فاعل ہونے کی علامت ہوتی ہے، کیا تعریف کی؟ «الْمَرْفُوعُ مَا اشْتَمَلَ عَلَى عَلَمِ الْفَاعِلِيَّةِ»، مرفوع وہ ہے جو فاعل ہونے کی علامت پر مشتمل ہو، مشتمل ہو کیا معنی؟ یعنی یہ فاعل ہونے کی علامت اس کی صفت ہو۔ «جَاءَنِي زَيْدٌ»، یہ «زَيْدٌ» پر جو ضمہ ہے یہ زید کی صفت ہے، تو یہ اِشْتِمَالُ الْمَوْصُوفِ عَلَى الصِّفَةِ یہاں مراد ہے۔

اور پھر آپ کو انہوں نے یہ بھی بتایا کہ یہ جو رفع ہے، یہ جو فاعل ہونے کی علامت ہے، لفظاً بھی ہو سکتی ہے، تقدیراً بھی ہو سکتی ہے اور محلاً بھی، یعنی وہ اسم وہ اس فاعل ہونے کی علامت پر مشتمل ہوتا ہے، یعنی اس کے ساتھ موصوف ہوتا ہے، کبھی لفظاً موصوف ہوتا ہے، کبھی تقدیراً موصوف ہوتا ہے اور کبھی محلاً موصوف ہوتا ہے۔ لفظاً اور تقدیراً کس میں ہو گا؟ معرب میں، اور محلاً کس میں ہو گا؟ مبنی میں ہو گا۔ لفظاً موصوف ہونے کا کیا معنی؟ میں نے آپ کو بتلایا تھا اعراب تین قسم پر ہے، یا لفظاً ہو گا یا تقدیراً یا محلاً۔ اعرابِ لفظی کا کیا معنی؟ کہ ہم اس اعراب پر باقاعدہ تلفظ کرتے ہیں، تلفظ سے ہی پتہ چل جاتا ہے کہ آپ رفع پڑھ رہے ہیں یا نصب یا جر، دیکھو «زَيْدٌ»، «زَيْدًا»، «زَيْدٍ»، دیکھو سننے سے ہی پتہ چل رہا ہے کہ میں رفع پڑھ رہا ہوں یا نصب یا جر۔ «زَيْدٌ» میں نے کیا پڑھا؟ رفع، «زَيْدًا» میں نے کیا پڑھا؟ نصب، اور «زَيْدٍ» میں نے کیا پڑھا؟ جر۔ تو دیکھا تلفظ سے ہی پتہ چل رہا ہے، اس کو کہتے ہیں اعرابِ لفظی۔ اور کبھی تلفظ سے پتہ نہیں چلتا، کوئی مانع وہاں موجود ہوتا ہے، ہوتا تو معرب ہی ہے لیکن کسی مانع کی وجہ سے اعراب ظاہر نہیں ہو سکتا، جیسے «جَاءَ عِيسَىٰ»، «رَأَيْتُ عِيسَىٰ»، «مَرَرْتُ بِعِيسَىٰ»، اب اس کے آخر میں الفِ مقصورہ ہے اور الف پر حرکت نہیں آ سکتی، تو یہ اعراب کیا ہے؟ تقدیراً اعراب، رفع بھی تقدیراً آ رہا ہے۔ قَدَّرَ يُقَدِّرُ تَقْدِيرًا کا معنی ہے فرض کر لیں، فرض کر لیں، «جَاءَنِي عِيسَىٰ» فرض کر لو اس پر رفع آ گیا، «رَأَيْتُ عِيسَىٰ» فرض کر لیں کہ اس پر نصب آ گیا، «مَرَرْتُ بِعِيسَىٰ» فرض کر لیں کہ اس پر جر آ گیا۔ یا اسی طرح قاضی ہے: «جَاءَ الْقَاضِي»، «رَأَيْتُ الْقَاضِيَ»، «مَرَرْتُ بِالْقَاضِي»۔ اب یہاں پر رفع اور جر یہ تقدیراً آئیں گے کیونکہ یا، قاضی کے آخر میں کیا ہے؟ یا، اور یا پر ضمہ بھی ثقیل ہے اور کسرہ بھی ثقیل ہے، اس لیے ضمہ اور کسرہ تو نہیں آ سکتے البتہ فتحہ آ سکتا ہے۔ تو معرب میں جب اعراب تقدیری آتا ہے وہاں کوئی مانع ہوتا ہے، معرب میں جب اعراب تقدیری آتا ہے تو وہاں کوئی مانع ہوتا ہے، جبکہ مبنی کے اندر اعراب جو ہے وہ محلاً آتا ہے۔ محلاً آتا ہے یعنی محلاً اعراب کا معنی یہ ہے کہ یہ جگہ رفع، نصب یا جر والی ہے، یہ جگہ رفع، نصب یا جو بھی ہو اس موقع پر، مثلاً «جَاءَ هٰؤُلَاءِ»، «هٰؤُلَاءِ» کا معنی یہ سب، «جَاءَنِي هٰؤُلَاءِ» یہ سب میرے پاس آئے۔ تو یہ «هٰؤُلَاءِ» یہ مبنی ہے، اسمِ اشارہ ہے، اور مبنی پر اعراب محلاً آتا ہے، تو «جَاءَنِي هٰؤُلَاءِ» یہ «هٰؤُلَاءِ» کیا ہے؟ مرفوع ہے محلاً، یعنی محل کے اعتبار سے مرفوع ہے، یعنی اس جگہ یہ مبنی موجود ہے اگر مبنی کے بجائے کوئی معرب آ جاتا تو پھر اس پر لفظاً یا تقدیراً اعراب آنا تھا، اس پر لفظاً یا تقدیراً۔ تو لہٰذا شارحِ جامی فرماتے ہیں کہ جس طرح رفع لفظاً اور تقدیراً ہو سکتا ہے اسی طرح رفع محلاً بھی ہو سکتا ہے اور اس سے انکار کی گنجائش نہیں۔ دراصل وہ یہاں رد کر رہے ہیں شارحِ ہندی کا بھئی۔ میں نے بتلایا شارحِ ہندی بہت بڑے نحوی گزرے ہیں اور ہندوستان کے رہنے والے تھے، اسی لیے وہ شارحِ ہندی کے نام سے مشہور ہیں، اور یعنی ہندوستان کے رہنے والے، اور انہوں نے کافیہ کی شرح لکھی، اس میں انہوں نے رفعِ محلی کو ذکر نہیں کیا، رفعِ محلی کو ذکر کہ رفع صرف دو ہی قسم پر ہے یا لفظاً ہو گا یا تقدیراً ہو گا، جبکہ صاحبِ جامی فرماتے ہیں نہیں، رفع لفظاً بھی ہو سکتا ہے، تقدیراً بھی ہو سکتا ہے اور محلاً بھی ہو سکتا ہے۔ وجہ یہ، وجہ یہ کیونکہ مبنی بھی تو کبھی کبھار فاعل بنتا ہے، مبنی بھی تو مبنی بھی فاعل بنتا ہے، صرف معرب نہیں بنتا، معرب میں تو

اعراب کیا آئے گا؟ لفظاً آئے گا یا تقدیراً آئے گا، لیکن اگر مبنی جب آجائے کس کی جگہ پر؟ رفع کے مقام میں، کس کے مقام میں؟ رفع کے مقام میں جب مبنی آجائے تو آپ کو ماننا پڑے گا کہ یہ اس وقت مرفوع ہے، محل کے اعتبار سے مرفوع ہے، اور محل کے اعتبار سے مرفوع ہونے کا کیا معنی؟ محل کا معنی ہے جگہ، یعنی یہ جگہ رفع والی ہے، اس وقت تو یہاں مبنی آگیا رفع ظاہر نہیں ہو رہا لیکن اگر اس جگہ معرب آجاتا تو وہ لفظاً یا تقدیراً مرفوع ہوتا۔ اور نحوی حضرات ضمیرِ متصل سے بحث کرتے ہیں، اسی طرح صاحبِ کافیہ بھی ضمیرِ متصل سے بحث کریں گے، وہ ضمیرِ متصل جو فعل کے ساتھ جڑی ہوتی ہے اور فاعل ہوتی ہے، تو وہ جب فاعل بن رہی ہے تو آپ کو ماننا پڑے گا کہ وہ محلاً مرفوع ہے، بات سمجھ میں آگئی؟

اب آئیے بھئی آج کے سبق پر بھئی۔ کہتے ہیں:

▪ متنِ کتاب و تحقیقِ مسائلِ نحویہ

فَمِنْهُ أَيْ مِنَ الْمَرْفُوعِ أَوْ مِمَّا اشْتَمَلَ عَلَى عَلَمِ الْفَاعِلِيَّةِ الْفَاعِلُ، وَإِنَّمَا قَدَّمَهُ لِأَنَّهُ أَصْلُ الْمَرْفُوعَاتِ عِنْدَ الْجُمْهُورِ۔

اب تقسیم شروع کرنے لگے ہیں، سب سے پہلے مرفوع کے بارے میں بتلا دیا مرفوع کسے کہتے ہیں؟ جو...

جو فاعل ہونے کی علامت پر مشتمل ہو۔ اب اس کی تقسیم کرنے لگے ہیں کہ کون کون سی چیزیں مرفوع ہوتی ہیں، تو سب سے پہلے فاعل کو ذکر کیا۔ تو کہتے ہیں، دیکھیے متن، متن: «فَمِنْهُ الْفَاعِلُ»، تو مرفوع میں سے «الْفَاعِلُ» ایک فاعل ہے۔ مرفوعات میں سے ایک فاعل ہے بھئی۔

تو کہتے ہیں: «فَمِنْهُ أَيْ مِنَ الْمَرْفُوعِ أَوْ مِمَّا اشْتَمَلَ عَلَى عَلَمِ الْفَاعِلِيَّةِ الْفَاعِلُ»۔ «مِنْهُ» کے آخر میں ہا ضمیر ہے، یہ ہا ضمیر کا مرجع کیا ہے؟ صاحبِ جامی بتلا رہے ہیں «أَيْ مِنَ الْمَرْفُوعِ» کہ یہ «مِنْهُ» کی ہا ضمیر بھی اسی مرفوع کو راجع ہے جو پیچھے «هُوَ مَا اشْتَمَلَ» کے اندر «هُوَ» ضمیر جس مرفوع کو راجع تھی، یعنی جو مرفوعات کے ضمن میں مرفوع آگیا۔ مرفوعات جمع ہے اور جمع کے ضمن میں کیا موجود ہوتا ہے؟ مفرد موجود ہوتا ہے، تو جیسے «هُوَ» ضمیر اس مرفوع کو راجع تھی جو مرفوعات کے ضمن میں آیا تھا، اسی طرح «مِنْهُ» کی ہا ضمیر بھی اسی مرفوع کو راجع ہے۔ «أَوْ مِمَّا اشْتَمَلَ عَلَى عَلَمِ الْفَاعِلِيَّةِ» یا یہ «مِنْهُ» کی ہا ضمیر جو ہے وہ «مَا اشْتَمَلَ» کو راجع ہے بھئی۔ بھئی دیکھیے ذرا پھر متن دوبارہ دیکھیں۔ پیچھے آیا تھا: «هُوَ مَا اشْتَمَلَ عَلَى عَلَمِ الْفَاعِلِيَّةِ»، «هُوَ» سے کیا مراد؟ مرفوع بھئی۔ مرفوع وہ ہے جو مشتمل ہوتا ہے فاعل ہونے کی علامت پر۔ توجہ ہے؟ تو «هُوَ» ضمیر کس کو راجع؟ مرفوع کو، تو یہ کس کی تعریف کی جا رہی ہے؟ مرفوع کی۔ تو مرفوع ہوا معرف، جس کی تعریف کی جائے اس کو کیا کہتے ہیں؟ معرف، اور «مَا اشْتَمَلَ عَلَى عَلَمِ الْفَاعِلِيَّةِ» یہ کیا ہے؟ تعریف بھئی۔ اور آپ جانتے ہیں کہ معرف اور تعریف ایک ہی چیز ہے بھئی، بس

صرف ایک میں اجمال ہے ایک میں تفصیل ہے۔ آپ «الْكَلِمَةُ» کہہ لیں یا آپ کہہ لیں «لَفْظٌ وُضِعَ لِمَعْنًى مُفْرَدٍ» ایک ہی بات ہے۔ «الْكَلِمَةُ» کیا ہے؟ معرف، اور «لَفْظٌ وُضِعَ لِمَعْنًى مُفْرَدٍ» یہ کیا ہے اس کی؟ تعریف ہے، اور جس پر معرف صادق آتا ہے اس پر تعریف بھی صادق آتی ہے۔ جو کلمہ ہو گا وہی «لَفْظٌ وُضِعَ لِمَعْنًى مُفْرَدٍ» بھی ہو گا۔ یہاں پر بھی اسی طرح «هُوَ» ضمیر کس کو راجع؟ مرفوع کو۔ مرفوع کیا ہے؟ معرف جس کی تعریف کی جا رہی ہے، اور «مَا اشْتَمَلَ عَلَى عَلَمِ الْفَاعِلِيَّةِ» یہ کیا ہے اس کی؟ تعریف۔ اور تعریف اور معرف آپ جانتے ہیں جس پر معرف صادق آتا ہے اس پر تعریف صادق آتی ہے، اور جس پر تعریف صادق آتی ہے اس پر معرف صادق آتا ہے۔ تو آپ چاہیں مرفوع کہہ لیں، یا آپ کہہ لیں «مَا اشْتَمَلَ عَلَى عَلَمِ الْفَاعِلِيَّةِ» ایک ہی بات ہے۔ مرفوع کس کو کہتے ہیں؟ «مَا اشْتَمَلَ عَلَى عَلَمِ الْفَاعِلِيَّةِ»، تو مرفوع کہہ لیں یا «مَا اشْتَمَلَ عَلَى عَلَمِ الْفَاعِلِيَّةِ» دونوں ایک ہی بات ہیں۔ ہاں البتہ ایک میں اجمال ہے ایک میں تفصیل ہے، یا یوں کہیں ایک جو ہے معرف ہے اور ایک کیا ہے؟ تعریف۔ البتہ صادق دونوں ایک ہی چیز پر آتے ہیں۔ تو یہاں پر بھی «فَمِنْهُ» جو آیا، «مِنْهُ»، اس ہا ضمیر کو صاحبِ جامی نے بتلایا، چاہے آپ مرفوع کو راجع کر لیں، کس کو؟ یعنی معرف کو راجع کر لیں، یا آپ اس «مِنْهُ» ضمیر کو تعریف یعنی «مَا اشْتَمَلَ عَلَى عَلَمِ الْفَاعِلِيَّةِ» کی طرف راجع کر لیں، دونوں میں سے آپ جس کی طرف بھی چاہیں راجع کر سکتے ہیں۔ بات سمجھ میں آگئی؟ «مِنْهُ» کی ہا ضمیر چاہے معرف کو راجع کریں چاہے تعریف کو۔ معرف کیا ہے؟ مرفوع، اور تعریف کیا ہے؟ «مَا اشْتَمَلَ عَلَى عَلَمِ الْفَاعِلِيَّةِ»، دونوں میں سے جس کو بھی آپ چاہیں راجع کر سکتے ہیں۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو «فَمِنْهُ»، اگر یہ مرفوع کو راجع کریں تو عبارت کیا بن گئی؟ «فَمِنْهُ الْفَاعِلُ» مرفوع میں سے ایک کیا ہے؟ فاعل ہے، جنسِ مرفوع میں سے ایک فاعل ہے۔ اور اگر آپ «مِنْهُ» کی ہا ضمیر «مَا اشْتَمَلَ» کو راجع کریں پھر کیا عبارت بن جائے گی؟ «فَمِنْهُ أَيْ مِمَّا اشْتَمَلَ عَلَى عَلَمِ الْفَاعِلِيَّةِ»، وہ جو فاعل ہونے کی علامت پر مشتمل ہوتا ہے اس میں سے ایک فاعل ہے بھئی۔ بات سمجھ میں آرہی ہے؟

تو «مِنْهُ» کی ہا ضمیر چاہے آپ معرف کو راجع کر لیں چاہے تعریف کو۔ اگر معرف کو راجع کریں بھئی، تو پھر اس صورت میں اتحادِ مرجع لازم آئے گا اور یہ پسندیدہ ہے۔ بھئی دیکھو عبارت کے اندر کئی ضمیریں لائی جائیں تو بہتر اور پسندیدہ یہ ہے کہ یہ سب ضمیریں ایک ہی چیز کی طرف راجع ہونی چاہئیں تاکہ بات کا سمجھنا آسان ہو جائے۔ اور اگر ایک ضمیر ایک چیز کی طرف راجع ہے، دوسری غائب کی ضمیر آئی وہ کسی اور چیز کی طرف راجع ہے، تیسری ضمیر آئی وہ کسی اور چیز کی طرف راجع ہے، تو بعض اوقات بات کا سمجھنا مشکل ہو جاتا ہے۔ تو کیا پسندیدہ ہے؟ پہلے ایک «هُوَ» غائب کی ضمیر آئی تھی وہ ہم نے کس کو لوٹائی تھی؟ مرفوع کو، اور یہاں «مِنْهُ» پھر غائب کی ضمیر آئی، تو پسندیدہ کیا ہے؟ اس کو بھی اسی کی طرف لوٹائیں تاکہ انتشارِ ضمائر لازم نہ آئے بھئی۔ تاکہ انتشارِ ضمائر لازم نہ آئے۔ انتشارِ ضمائر یہ جو ابھی میں نے بیان کیا کہ ایک ضمیر کسی اور چیز کی طرف لوٹ رہی ہو، دوسری ضمیر غائب کی آئے وہ کسی اور چیز کی طرف لوٹ رہی ہو تو بعض اوقات بات کا سمجھنا مشکل ہو جاتا ہے۔ تو پسندیدہ کیا ہے کہ مرجع میں اتحاد ہونا چاہیے، ایک ہی چیز کی طرف ضمیریں لوٹنی چاہئیں تاکہ بات کا

سمجھنا آسان ہو جائے۔ تو اگر «مِنْهُ» کی ہا ضمیر کس کو لوٹائیں؟ مرفوع کو، اور پیچھے «هُوَ» ضمیر بھی کس کو لوٹائی تھی؟ مرفوع کو، تو اس صورت میں اتحادِ مرجع لازم آئے گا، انتشارِ ضمائر سے ہم بچ جائیں گے اور یہ پسندیدہ ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟

اور آپ چاہیں تو «مِنْهُ» کی ہا ضمیر کس کو لوٹائیں؟ «مَا اشْتَمَلَ» کو، جو تعریف ہے اس کی طرف لوٹا دیں، وجہ یہ کہ اس صورت میں مرجع قریب ہو جائے گا۔ «مَا اشْتَمَلَ»، «مِنْهُ» کے زیادہ قریب ہے یا «هُوَ» زیادہ قریب ہے؟ «هُوَ مَا اشْتَمَلَ»، عبارت پہ دیکھو، نظر رکھو۔ «مِنْهُ» کے قریب، وہ «هُوَ» زیادہ قریب ہے یا «مَا اشْتَمَلَ» زیادہ قریب ہے؟ «مَا اشْتَمَلَ» زیادہ قریب ہے، اور مرجع کے اندر بھی پسندیدہ یہ ہے، بہتر یہ ہے کہ مرجع قریب ہونا چاہیے بھئی تاکہ سمجھنے میں آسانی ہو بھئی۔ تو اگر «مَا اشْتَمَلَ» کو ضمیر لوٹائیں تو اس صورت میں مرجع قریب ہو گا اور یہ پسندیدہ ہے۔ اور نیز اس صورت میں مرجع صراحتاً مذکور ہو جائے گا۔ مرجع صراحتاً، بھئی دیکھیے «هُوَ» ضمیر کس کو لوٹائی تھی «هُوَ مَا اشْتَمَلَ»؟ مرفوع کو، کون سا مرفوع؟ جو پیچھے صراحتاً ذکر تھا یا مرفوعات کے ضمن میں آیا تھا؟ مرفوعات کے ضمن میں۔ تو «مِنْهُ» کی ہا ضمیر بھی اگر آپ اس مرفوع کو راجع کریں گے تو وہ مرفوع تو صراحتاً ذکر نہیں ہے، وہ تو مرفوعات کے ضمن میں آیا تھا، اور اگر آپ «مِنْهُ» کی ہا ضمیر «مَا اشْتَمَلَ» کو راجع کریں تو «مَا اشْتَمَلَ» تو خود صراحتاً مذکور ہے، تو کیا پسندیدہ ہے کہ مرجع ضمناً مذکور ہو تو یہ پسندیدہ ہے یا صراحتاً مذکور ہو تو یہ زیادہ پسندیدہ ہے؟ صراحتاً ہو بھئی۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو بہرحال دونوں صورتیں جائز ہیں، آپ «مِنْهُ» کی ضمیر چاہے «مَرْفُوعٌ» کو راجع کر دیں اور چاہے آپ اس کی جو تعریف ہے «مَا اشْتَمَلَ» اس کو راجع کر دیں، بات سمجھ میں آگئی؟

دیکھیے بھئی، کہتے ہیں: «فَمِنْهُ أَيْ مِنَ الْمَرْفُوعِ» تو اس میں سے، تو مرفوع میں سے، «أَوْ مِمَّا اشْتَمَلَ عَلَى عَلَمِ الْفَاعِلِيَّةِ» یا وہ جو فاعل ہونے کی علامت پر مشتمل ہے اس میں سے «الْفَاعِلُ» ایک کیا ہے؟ فاعل ہے۔

«وَإِنَّمَا قَدَّمَهُ» جی۔ بھئی مرفوعات، فاعل جو ہے وہ بھی مرفوعات میں سے ہے، مبتدا وہ بھی کس میں سے؟ مرفوعات میں سے، خبر بھی کس میں سے؟ مرفوعات میں سے، تو مرفوعات کئی ہیں بھئی، لیکن صاحبِ کافیہ نے سب سے پہلے فاعل کو ذکر کیا، مبتدا کو پہلے ذکر نہیں کیا، خبر کو پہلے ذکر نہیں کیا بلکہ سب سے پہلے کس کو ذکر کیا؟ فاعل کو۔ اس کی کیا وجہ ہے؟ تو صاحبِ جامی آپ کو وجہ بتلائیں گے۔ دیکھو ہمارے علماء، انسان ان کے علم پر حیران ہو جاتا ہے، یہ نہیں کہ جو جو باتیں ذہن میں آتی جا رہی ہیں مسلسل وہ لکھتے جا رہے ہیں، ایک ایک لفظ صاحبِ کافیہ نے کتنا غور و فکر کرنے کے بعد لکھا ہو گا، حتیٰ کہ کس کو مقدم کرنا ہے کس کو مؤخر کرنا ہے، ایک ایک چیز کا لحاظ رکھا۔ اب مبتدا کو مقدم نہیں کیا مرفوعات میں سے بلکہ کس کو مقدم کیا؟ فاعل کو مقدم کیا، اس کی کیا وجہ ہے؟ اس پر بھی علماء بحث کرتے ہیں بھئی۔ چنانچہ صاحبِ جامی آپ کو بتلا رہے ہیں کہ مرفوعات میں سے بعض علماء فرماتے ہیں کہ مبتدا اصل ہے۔ جتنے مرفوعات ہیں ان میں اصل کیا ہے؟ مبتدا، جبکہ جمہور کے نزدیک مرفوعات میں سے فاعل اصل ہے بھئی۔ وہ أَصْلُ الْمَرْفُوعَاتِ ہے، تمام مرفوعات میں سے جو اصل ہے وہ فاعل ہے، تو اس لیے صاحبِ کافیہ نے بھی جمہور کے مذہب کو ترجیح دی اور فاعل کو مقدم کیا یہ بتلانے کے لیے کہ تمام

مرفوعات میں سے اصل فاعل ہے بھئی، بات سمجھ میں آگئی؟

تو کہتے ہیں: «وَإِنَّمَا قَدَّمَهُ لِأَنَّهُ أَصْلُ الْمَرْفُوعَاتِ عِنْدَ الْجُمْهُورِ»، ماتن نے فاعل کو مقدم کیا کیونکہ جمہور کے نزدیک فاعل جو ہے أَصْلُ الْمَرْفُوعَاتِ ہے، تمام مرفوعات میں اصل جو ہے وہ فاعل ہے بھئی۔

تو جمہور کے نزدیک أَصْلُ الْمَرْفُوعَاتِ فاعل ہے بھئی، أَصْلُ الْمَرْفُوعَاتِ، جبکہ علامہ زمخشری جو ہیں بہت بڑے نحوی اور علمِ بلاغت کے بہت بڑے ماہر گزرے ہیں، وہ فرماتے ہیں کہ أَصْلُ الْمَرْفُوعَاتِ مبتدا ہے۔ تمام مرفوعات میں اصل جمہور کیا فرماتے ہیں؟ أَصْلُ الْمَرْفُوعَاتِ فاعل ہے، اور علامہ زمخشری کیا فرماتے ہیں؟ أَصْلُ الْمَرْفُوعَاتِ مبتدا ہے۔ اور دونوں کی دو دو دلیلیں ذکر کیں صاحبِ جامی نے بھئی۔

علامہ زمخشری فرماتے ہیں کہ مبتدا جو ہے وہ أَصْلُ الْمَرْفُوعَاتِ ہے، مبتدا أَصْلُ الْمَرْفُوعَاتِ ہے تمام مرفوعات میں اصل مبتدا ہے۔ اصل مبتدا ہے، اور دو دلیلیں ذکر کیں۔ ایک تو دلیل ان کی یہ ہے کہ مبتدا جو ہے وہ مسند الیہ ہے، اور مسند الیہ کے اندر اصل یہ ہے کہ اس کو مقدم ہونا چاہیے، اور مبتدا بھی اکثر اور غالباً مقدم ہوتا ہے۔ بھئی میں نے آپ کو بتلایا تھا آسان لفظوں میں مبتدا کسے کہتے ہیں؟ مسند الیہ کسے کہتے ہیں؟ جس کے بارے میں بات کی جائے۔ جس کے بارے میں بات کی جائے وہ ہے مسند الیہ اور جو بات کی جائے وہ ہے مسند۔ «زَيْدٌ قَائِمٌ» کس کے بارے میں میں نے بات کی؟ زید، تو زید ہے مسند الیہ، اور کیا بات کی کہ وہ قائم ہے؟ تو یہ ہے مسند۔ تو مسند الیہ کسے کہتے ہیں؟ جس کے بارے میں بات کی جائے، اور مسند جو بات کی جائے۔ تو بھئی پہلے کس کو ہونا چاہیے؟ جس کے بارے میں بات کی جائے اس کو پہلے ہونا چاہیے یا جو بات کی گئی اس کو پہلے ہونا چاہیے؟ پھر سنو۔ بھئی مسند الیہ وہ ہے جس کے بارے میں بات کی جائے، اور مسند جو بات کی جائے، اور اصل بھی کیا ہے مقدم کس کو ہونا چاہیے؟ بھئی جس کے بارے میں بات کی جا رہی ہے پہلے اس کا ذکر ہونا چاہیے پھر آگے بات ذکر ہونی چاہیے کہ مثلاً «زَيْدٌ عَالِمٌ» کس کے بارے میں بتلانا چاہتا تھا میں؟ زید کے بارے میں، تو پہلے زید کا ذکر ہونا چاہیے اور پھر اس کے بارے میں آگے یہ بات ہونی چاہیے کہ وہ عالم ہے۔ تو علامہ زمخشری فرماتے ہیں کہ مبتدا جو ہے وہ أَصْلُ الْمَرْفُوعَاتِ ہے، اس لیے کیونکہ مبتدا مسند الیہ ہے اور مسند الیہ کو کیا ہونا چاہیے؟ مقدم ہونا چاہیے اور جو آگے جو مسند ہے اس کو مؤخر ہونا چاہیے، اور مبتدا اپنی اصل پر ہے، مبتدا اکثر اور غالباً کیا ہوتا ہے؟ مقدم، خبر بعد میں آتی ہے۔

(جبکہ جمہور کہتے ہیں کہ نہیں، فاعل أَصْلُ الْمَرْفُوعَاتِ ہے، اس لیے کیونکہ یہ جملہ فعلیہ کا جز ہے جو أَصْلُ الْجُمَلِ ہے۔)

کبھی کبھار مبتدا بھی مؤخر ہو جاتا ہے لیکن اکثر کیا ہوتا ہے مبتدا مقدم ہوتا ہے۔ تو مسند الیہ کو ہونا بھی کیا چاہیے؟ مقدم۔ مقدم ہونا چاہیے اور مبتدا بھی اپنی اصل پر ہے یعنی مقدم ہوتا ہے، اس لیے أَصْلُ الْمَرْفُوعَاتِ کیا ہے؟ مبتدا ہے، بات سمجھ میں آگئی۔

اور دوسری دلیل وہ دیتے ہیں علامہ زمخشری کہ بتدا أَصْلُ الْمَرْفُوعَاتِ ہے، وہ فرماتے ہیں کہ بتدا جو ہے اس کی خبر اسمِ جامد بھی آسکتی ہے اور مشتق بھی، یعنی بتدا پر آپ ہر قسم کا حکم لگا سکتے ہیں، اسمِ جامد کا حکم بھی لگا سکتے ہیں اور مشتق کا حکم بھی لگا سکتے ہیں۔ مثلاً «زَيْدٌ» ہے بتدا، میں اس کے لیے خبر مشتق لے آتا ہوں: «زَيْدٌ عَالِمٌ» دیکھو «عَالِمٌ» کون سا صیغہ ہے؟ اسمِ فاعل ہے، اور اسمِ فاعل کا اشتقاق کس سے ہوا ہے؟ مصدر سے ہوا ہے، تو دیکھو مشتق کا حکم میں نے زید پر لگا دیا بتدا پر۔ «زَيْدٌ عَالِمٌ» زید کیا ہے؟ بتدا، اور میں نے اس پر حکم لگایا، کون سا حکم لگایا؟ عالم ہونے کا، اور عالم ہونا مشتق ہے یا اسمِ جامد ہے؟ مشتق ہے، کیا ہے؟ تو دیکھو بتدا پر مشتق والا حکم لگا دیا، اور کبھی بتدا پر اسمِ جامد کا حکم بھی لگا دیا جاتا ہے۔ اسمِ جامد کسے کہتے ہیں؟ جو نہ خود کسی سے بنا ہو اور نہ کوئی اور اس سے آگے بنے، جیسے «رَجُلٌ»، «رَجُلٌ» نہ یہ مصدر ہے نہ یہ مشتق ہے بھئی، تو یہ اسمِ جامد ہے۔ میں کہتا ہوں: «زَيْدٌ رَجُلٌ» زید آدمی ہے بھئی، تو زید پر میں نے حکم لگایا، کون سا حکم؟ مشتق والا یا اسمِ جامد والا؟ اسمِ جامد والا۔ توجہ ہے؟ «زَيْدٌ عَالِمٌ» یہ زید پر میں نے کون سا حکم لگایا؟ مشتق والا، اور «زَيْدٌ رَجُلٌ» یہ «رَجُلٌ» کون سا حکم لگایا زید پر؟ اسمِ جامد والا۔ تو علامہ زمخشری فرماتے ہیں کہ بتدا، بتدا پر ہر قسم کا حکم لگایا جا سکتا ہے، اسمِ جامد والا بھی حکم لگایا جا سکتا ہے اور مشتق والا بھی، معلوم ہوا بتدا جو ہے وہ قوی ہے۔ بتدا کیا ہے؟ قوی ہے لہٰذا یہ أَصْلُ الْمَرْفُوعَاتِ ہے۔ تو دو دلیلیں ذکر کر دیں صاحبِ جامی نے علامہ زمخشری کی، کون کون سی دو دلیلیں؟ پہلی دلیل کس چیز کی دلیل؟ دعویٰ کیا ہے؟ کہ بتدا أَصْلُ الْمَرْفُوعَاتِ ہے، کون فرما رہے ہیں؟ علامہ زمخشری۔ پہلی دلیل کیا؟ کہ بتدا مسند الیہ ہے اور مسند الیہ کو کیا ہونا چاہیے؟ مقدم ہونا چاہیے اور بتدا بھی اکثر کیا ہوتا ہے؟ مقدم، معلوم ہوا بتدا أَصْلُ الْمَرْفُوعَاتِ ہے۔ اور دوسری دلیل یہ ہے کہ بتدا جو ہے اس پر حکم اسمِ جامد والا لگانا بھی صحیح اور اسمِ مشتق والا لگانا بھی، تو دونوں طرح کے حکم جو ہے بتدا پر لگ سکتے ہیں، معلوم ہوا بتدا قوی ہے، بتدا قوی ہے تو یہ أَصْلُ الْمَرْفُوعَاتِ ہے۔ دونوں دلیلیں سمجھ میں آگئیں؟ ایک تو کہ یہ مقدم ہے اور دوسری دلیل یہ کہ اس کی ہر قسم کی خبر آسکتی ہے۔

جبکہ جمہور کہتے ہیں کہ نہیں، فاعل أَصْلُ الْمَرْفُوعَاتِ ہے۔ أَصْلُ الْمَرْفُوعَاتِ بتدا نہیں ہے بلکہ أَصْلُ الْمَرْفُوعَاتِ فاعل ہے۔ بھئی کیا وجہ؟ کہتے ہیں اس لیے کیونکہ یہ جملہ فعلیہ کا جز ہے، کیونکہ یہ جملہ فعلیہ کا جز ہے جو أَصْلُ الْجُمَلِ ہے۔ یاد رکھو ایک ہے جملہ فعلیہ، ایک ہے جملہ اسمیہ۔ جملہ اسمیہ کے اندر بتدا اور خبر آتے ہیں: «زَيْدٌ عَالِمٌ» زیدٌ ہے بتدا، عالمٌ ہے اس کی خبر، بتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ۔ اور ایک جملہ فعلیہ ہوتا ہے جس میں پہلے فعل آتا ہے اور آگے پھر فاعل یا نائب فاعل آتا ہے: «ضَرَبَ زَيْدٌ»، «ضَرَبَ» فعل اور «زَيْدٌ» مرفوع لفظاً اس کا فاعل، فعل اپنے فاعل سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہوا، یا «ضُرِبَ عَمْرٌو» فعلِ مجہول لے آؤ، فعلِ مجہول کے لیے پھر نائب فاعل آتا ہے۔ توجہ ہے؟ ایک جملہ اسمیہ، ایک جملہ فعلیہ،

اور فاعل کس کا جز ہے؟ جملہ فعلیہ کا جز ہے، اور جملہ فعلیہ اور جملہ اسمیہ میں سے جملہ فعلیہ أَصْلُ الْجُمَلِ ہے، وہ اصل ہے، جملوں میں سے اصل جو ہے وہ جملہ فعلیہ ہے، توجہ ہے؟

وجہ یہ، بھئی کیوں أَصْلُ الْجُمَلِ کیوں ہے؟ توجہ ہے؟ میں کیا بات کر رہا ہوں؟ کہ ایک جملہ اسمیہ ہے ایک جملہ فعلیہ۔ جملہ اسمیہ میں کیا آتے ہیں؟ بتدا اور خبر، اور جملہ فعلیہ میں فعل اور آگے اس کا فاعل یا نائب فاعل آئے گا۔ ان دونوں میں سے اصل کیا ہے؟ جملہ فعلیہ، جملہ فعلیہ أَصْلُ الْجُمَلِ ہے۔ بھئی کیا وجہ ہے جملہ فعلیہ أَصْلُ الْجُمَلِ کیوں؟ وجہ یہ کہ فعل کو وضع ہی اسناد کے لیے کیا گیا ہے، فعل جب بھی کلام میں آئے گا ہمیشہ فاعل یا نائب فاعل کا تقاضا کرے گا۔ فاعل یا نائب فاعل کے بغیر فعل آ ہی نہیں سکتا، آپ ایسا کبھی نہیں کر سکتے کہ فعل کو باقی رکھیں اور اس کے فاعل یا نائب فاعل کو حذف کر دیں اور کسی چیز کو بھی اس کا قائم مقام نہ بنائیں، نہیں۔ فعل آتے ہی فوراً کس کا تقاضا کرے گا؟ فاعل یا نائب فاعل، یعنی فعل اکیلا رہ ہی نہیں سکتا، اس کو وضع ہی اسناد کے لیے کیا گیا ہے، اس نے آتے ہی جڑنا ہے کس کے ساتھ؟ فاعل یا نائب فاعل کے ساتھ۔ جبکہ بتدا اور خبر، بتدا اور خبر کو ان کو اسناد کے لیے وضع نہیں کیا گیا۔ مثلاً میں آپ سے کہتا ہوں «زَيْدٌ عَالِمٌ» یا میں آپ کو کہتا ہوں «زَيْدٌ رَجُلٌ»، مجھے بتائیے کیا زید کو بتدا بننے کے لیے ہی وضع کیا گیا ہے؟ نہیں، زید کو بتدا بننے کے لیے وضع نہیں، زید تو ایک شخص کا نام رکھا گیا ہے بھئی، اس کو بتدا بننے کے لیے وضع نہیں۔ اسی طرح «زَيْدٌ رَجُلٌ»، زید کی خبر کیا ہے؟ «رَجُلٌ»، کیا «رَجُلٌ» کے لفظ کو وضع ہی خبر بننے کے لیے کیا گیا ہے؟ نہیں بھئی، اس کو خبر بننے کے لیے نہیں، یہ ان دونوں کو آپ نے جوڑا، آپ نے ان میں ترکیب پیدا کی، ایک کو بتدا بنایا اور ایک کو خبر بنایا، ورنہ یہ بتدا اور خبر ہونے کے لیے وضع نہیں۔ جبکہ فعل کو تو وضع ہی کس لیے کیا گیا ہے؟ کہ اس کا اسناد کیا جائے گا کسی چیز کی طرف، کوئی چیز اس کے لیے فاعل یا نائب فاعل بنے گی۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو فعل کو وضع ہی کس لیے کیا گیا ہے؟ اسناد کے لیے، وہ بغیر اسناد کے رہ ہی نہیں سکتا۔ تو معلوم ہوا دونوں جملوں میں سے، جملہ فعلیہ اور جملہ اسمیہ میں سے کون سا جملہ اصل ہے؟ جملہ فعلیہ، کیونکہ فعل کو وضع ہی کس لیے کیا گیا ہے؟ اسناد کے لیے، جبکہ جملہ اسمیہ کے اندر جو اسناد آتا ہے وہ آپ نے ان میں ترکیب پیدا کی، آپ نے ان کو آپس میں جوڑا ہے، اگر آپ نہ جوڑتے تو وہ بتدا اور خبر نہ بنتے، جبکہ فعل جو ہے جب آپ اس کو جب بھی لائیں گے آپ کو اس کا اسناد کرنا ہی پڑے گا، بغیر اسناد کے وہ استعمال ہی نہیں ہو گا بھئی۔ بات سمجھ میں آگئی؟ معلوم ہوا دو جملوں، جملہ فعلیہ اور جملہ اسمیہ، ان میں سے أَصْلُ الْجُمَلِ کون سا ہے؟ جملہ فعلیہ، اور اس جملہ فعلیہ کا جز کیا ہے؟ فاعل اس کا جز ہے، لہٰذا معلوم ہوا فاعل أَصْلُ الْمَرْفُوعَاتِ ہے کیونکہ یہ أَصْلُ الْجُمَلِ کا جز ہے۔ فاعل کیا ہے؟ بھئی ایک جملہ اسمیہ ایک جملہ فعلیہ، فاعل کس کا جز؟ جملہ فعلیہ کا، اور جملہ فعلیہ کیا ہے؟ أَصْلُ الْجُمَلِ، تمام جملوں میں سے اصل جو جملہ ہے وہ جملہ فعلیہ ہے۔ تو جب یہ أَصْلُ الْجُمَلِ ہے تو اس کا جو جز ہو گا وہ بھی کیا ہو گا؟ أَصْلُ الْمَرْفُوعَاتِ ہو گا۔ بات سمجھ میں آگئی؟ یہ جمہور کی ایک دلیل ہے کہ جمہور کیا فرماتے ہیں کہ فاعل، فاعل أَصْلُ الْمَرْفُوعَاتِ ہے، تمام مرفوعات

میں اصل کیا ہے؟ فاعل، کیوں؟ کیونکہ یہ جز ہے کس کا؟ جملہ فعلیہ کا، اور جملہ فعلیہ کیا ہے؟ أَصْلُ الْجُمَلِ ہے، تمام جملوں میں سے اصل ہے، تو جو أَصْلُ الْجُمَلِ کا جز ہو گا یقیناً وہ کیا ہو گا؟ أَصْلُ الْمَرْفُوعَاتِ ہو گا۔

اور دوسری دلیل جمہور کی۔ جمہور کیا کہتے ہیں؟ فاعل کیا ہے؟ أَصْلُ الْمَرْفُوعَاتِ۔ دوسری دلیل یہ ہے کہ جو فاعل ہے اس کے اندر عامل فعل ہوتا ہے یعنی لفظ ہوتا ہے اور فعل سب سے قوی عامل ہے۔ توجہ ہے؟ فعل سب سے قوی عامل ہے، وہ ما بعد میں بھی عمل کرتا ہے ما قبل میں بھی عمل کرتا ہے۔ فعل آتے ہی کس کا تقاضا کرتا ہے؟ فاعل یا نائب فاعل، فاعل یا نائب فاعل تو ہمیشہ فعل کے بعد آتے ہیں لیکن مفعول وغیرہ فعل پر مقدم بھی ہو سکتے ہیں۔ مثلاً میں کہتا ہوں «ضَرَبْتُ زَيْدًا»، میں نے زید کی پٹائی کی، اب یہ «ضَرَبْتُ» کی تا یہ فاعل ہے «ضَرَبْتُ» کے لیے، اور «زَيْدًا» اس کے لیے مفعول ہے، لیکن اس مفعول کو میں مقدم بھی کر سکتا ہوں: «زَيْدًا ضَرَبْتُ»، اب ترجمہ کیا ہو گا؟ زید ہی کی میں نے پٹائی کی، حصر آ گیا، قصر آ گئی، تخصیص: «تَقْدِيمُ مَا حَقُّهُ التَّأْخِيرُ يُفِيدُ الْحَصْرَ وَالْقَصْرَ وَالتَّخْصِيصَ»۔ تو جتنے عامل ہیں سب سے قوی عامل کون سا ہے؟ فعل، وہ مقدم میں بھی عمل کرتا ہے اور مؤخر میں بھی عمل کرتا ہے، اپنے ما بعد میں بھی عمل کرتا ہے اور اپنے سے ما قبل میں بھی عمل کرتا ہے۔ تو چونکہ فاعل کے اندر عامل کون؟ فعل، اور فعل سب سے قوی عامل ہے، جبکہ بتدا اور خبر، بتدا کے اندر عامل کیا ہے؟ ابتدا، بتدا کے اندر، بتدا اور خبر میں عامل کیا ہیں؟ ابتدا۔ ابتدا کسے کہتے ہیں؟ اسم کا خالی ہونا عواملِ لفظیہ سے اس طور پر کہ وہ مسند ہو یا مسند الیہ ہو۔ یاد رکھو ابتدا، ابتدا صرف بتدا اور خبر ان دو میں عامل ہے اور کسی چیز میں ابتدا عامل نہیں ہے۔ کس میں؟ بتدا اور خبر، ان میں صرف ابتدا عامل ہے اور کسی چیز میں ابتدا عامل نہیں۔ اور دیکھو ابتدا کی کیا تعریف میں نے کی؟ اسم کا خالی ہونا کس سے؟ عواملِ لفظیہ سے۔ دیکھو بتدا اور خبر، بتدا بھی مرفوع ہے اور خبر بھی مرفوع ہے، بھئی رفع خود بخود آتا ہے یا اس کے لیے عامل چاہیے؟ عامل چاہیے، تو بتدا پر رفع ہے لیکن کوئی عامل موجود نہیں، خبر پر رفع ہے «زَيْدٌ عَالِمٌ» لیکن کوئی عامل موجود نہیں، اور رفع تو خود بخود نہیں آتا، کوئی لفظ تو عامل ہے نہیں، تو نحوی حضرات مجبور ہوئے اور کہنے لگے کہ عامل ہے، یہ رفع خود بخود نہیں آ رہا بلکہ کس کی وجہ سے آ رہا ہے؟ عامل، بھئی کون سا عامل ہے؟ عامل تو ہمیں کوئی نظر نہیں آ رہا، یہاں تو کوئی لفظ ہے ہی نہیں، صرف بتدا اور خبر ہیں، تو وہ کہتے ہیں بھئی یہاں معنیٰ عامل ہے۔ کیا عامل ہے؟ معنیٰ عامل ہے، معنیٰ عامل ہے، کیا عامل ہے؟ اور یہ صرف کس میں عامل ہوتا ہے؟ بتدا اور خبر میں، کس میں؟ بتدا اور خبر ان میں عاملِ معنوی ہے۔ ان میں عاملِ معنوی کیا معنیٰ؟ کہ یہ عاملِ لفظی سے خالی ہیں اور ان پر رفع بھی آ رہا ہے کیونکہ یہ ایک مسند الیہ بن رہا ہے دوسرا مسند بن رہا ہے، اور رفع خود بخود نہیں آتا تو ان میں عامل کس کو مان لو؟ معنیٰ کو، کس کو؟ کوئی لفظ عامل ہے؟ نہیں۔ توجہ ہے؟ بتدا اور خبر، کوئی لفظ عامل ہے، کوئی لفظ ہے جو رفع دے رہا ہے ان دونوں کو؟ تو رفع تو ان دونوں پر آ رہا ہے اور رفع خود بخود آتا ہے یا اس کے لیے کوئی عامل چاہیے؟ عامل چاہیے، کوئی لفظ تو عامل ہے نہیں تو کس کو ماننا پڑے گا؟ معنیٰ کو، کہ معنیٰ عامل ہے، کیا ہے؟ معنیٰ عامل ہے، یعنی کوئی

لفظی چیز عامل نہیں ہے معنوی چیز عامل ہے۔ بھئی کیا پھر بھی طلبہ پریشان ہوتے ہیں، معنیٰ عامل ہے کیا معنیٰ؟ بھئی عاملِ لفظی سے خالی ہونا، جب عاملِ لفظی نہیں ہے تو پھر کون سا عامل ماننا پڑے گا؟ معنوی عامل ماننا پڑے گا، کیا ماننا پڑے گا؟ معنیٰ کے اعتبار سے عامل ہے لفظوں کے اعتبار سے کوئی عامل نہیں ہے، بات سمجھ میں آگئی؟ اور اس کا نام انہوں نے ابتدا رکھا ہے۔ یہ جو معنیٰ ہے جو رفع دے رہا ہے کس کو؟ بتدا کو، اور کس کو؟ خبر کو، اس کا نام کیا رکھا؟ ابتدا، بات سمجھ میں آئی؟ بھئی ابتدا کو اچھی طرح سمجھ لو، طلبہ بڑے پریشان ہوتے ہیں کہ ابتدا کس چیز کا نام ہے؟ بتدا اور خبر، توجہ ہے؟ ان دونوں پر رفع آیا یا نہیں؟ ان دونوں پر رفع آرہا ہے اور رفع خود بخود آتا ہے یا کسی عامل کی وجہ سے آتا ہے؟ عامل کی وجہ سے آتا ہے، تو ان کے اندر تو لفظ تو کوئی عامل ہے نہیں، تو اب کیا مان لو؟ معنیٰ عامل ہے، کیا ہے؟ معنیٰ عامل ہے، اور کس طرح عامل ہے؟ کہ ایک مسند الیہ ہے اور ایک کیا ہے؟ مسند ہے، بتدا کیا ہوتا ہے؟ مسند الیہ، اور خبر کیا ہوتی ہے؟ مسند۔ تو آسان لفظوں میں یوں کہو کہ بتدا اور خبر کا عاملِ لفظی سے خالی ہونا یہ ہے ابتدا۔ کیا؟ بتدا اور خبر کس سے خالی ہیں؟ عاملِ لفظی سے خالی ہیں، اور عامل چاہیے یا نہیں چاہیے؟ تو عامل تو ضرور چاہیے، تو کس کو مان لو؟ معنیٰ عامل ہے، اور معنیٰ کس طرح عامل ہے؟ ہر لفظ میں یہ عامل ہوتا ہے یا صرف بتدا اور خبر میں؟ صرف بتدا اور خبر میں۔ تو کیا تعریف کریں گے ابتدا کی؟ اسم کا خالی ہونا، دیکھو بتدا بھی اسم ہوتا ہے اور خبر بھی اسم، اسم کا خالی ہونا کس سے؟ عواملِ لفظیہ سے، لیکن کس طور پر؟ کہ وہ مسند الیہ ہو یا مسند، یہ شرط ضروری ہے کہ وہ مسند الیہ ہو یا مسند ہو اس کے بغیر نہیں۔ آپ کوئی بھی لفظ آپ لے آئیں اٹھا کر اور آپ کہیں اس کے اندر ابتدا عامل ہے، نہیں نہیں بھئی، ابتدا صرف دو چیزوں کے اندر عامل ہوتا ہے، ایک ہے بتدا اور ایک ہے خبر۔ اور کس کا نام ہے ابتدا؟ پھر دہراؤ ذرا: اسم کا خالی ہونا عواملِ لفظیہ سے بس یہ ہے، لیکن اس طور پر کہ وہ اسم کیا ہونا چاہیے؟ مسند الیہ ہونا چاہیے یا مسند ہونا چاہیے، تو دیکھا مسند الیہ ہونا چاہیے سے بتدا آگیا یا مسند ہونا چاہیے تو کیا آگیا؟ خبر آگئی، تو ان دو کے علاوہ اور کسی میں ابتدا عامل نہیں۔ تو ابتدا کسے کہتے ہیں؟ عاملِ معنوی ہے، بس لفظی عامل نہیں ہے تو ابتدا عامل ہے، بات سمجھ میں آگئی؟

اچھا، تو بات یہ چل رہی تھی، جمہور کی دلیل بیان میں کر رہا تھا۔ جمہور کیا فرماتے ہیں کہ أَصْلُ الْمَرْفُوعَاتِ فاعل ہے۔ پہلی دلیل کیا؟ کیونکہ یہ جز ہے جملہ فعلیہ کا اور جملہ فعلیہ أَصْلُ الْجُمَلِ...

ہے، تو جو أَصْلُ الْجُمَلِ ہے اس کا جو جز ہوگا وہ بھی أَصْلُ الْمَرْفُوعَاتِ ہوگا۔ اور دوسری دلیل یہ کہ فاعل کے اندر عامل کیا ہوتا ہے؟ فعل۔ فاعل کے اندر عامل فعل ہوتا ہے، تو یعنی عاملِ لفظی ہوتا ہے۔ جبکہ علامہ زمخشری کیا فرماتے تھے؟ بتدا أَصْلُ الْمَرْفُوعَاتِ ہے، حالانکہ بتدا کے اندر تو عامل معنیٰ ہے بھئی، لفظ نہیں ہے۔ اور ایک عاملِ لفظی ہوتا ہے ایک عاملِ معنوی ہوتا ہے، ظاہر سی بات ہے عاملِ لفظی قوی ہے، وہ لفظوں میں موجود ہے، آپ اس پر باقاعدہ کیا کر رہے ہیں؟ تلفظ کر رہے ہیں، جبکہ عاملِ معنوی وہ تو ایک معنوی چیز ہے بھئی، اس کا الگ کوئی وجود نہیں ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو فاعل

کا عامل کون؟ فعل، لہٰذا جب فاعل کا عامل قوی ہے تو فاعل بھی قوی ہوا تو فاعل أَصْلُ الْمَرْفُوعَاتِ ہوا، اور بتدا کا عامل جو ہے وہ معنیٰ ہے، وہ معنوی عامل ہے اور وہ ضعیف ہے، تو لہٰذا بتدا بھی أَصْلُ الْمَرْفُوعَاتِ نہیں ہو سکتا، بات سمجھ میں آ گئی۔

بحث اچھی طرح سمجھ میں آ گئی؟ حاصلِ کلام کیا؟ کہ جمہور کے نزدیک أَصْلُ الْمَرْفُوعَاتِ فاعل ہے، اور علامہ زمخشری کے نزدیک أَصْلُ الْمَرْفُوعَاتِ بتدا ہے۔ علامہ زمخشری کی کیا دلیل؟ ان کی دو دلیلیں ذکر کیں۔ ایک تو یہ کہ بتدا مسند الیہ ہے اور مسند الیہ کے اندر اصل کیا ہے؟ اس کو کیا ہونا چاہیے؟ مقدم ہونا چاہیے، اور بتدا بھی اکثر کیا ہوتا ہے؟ مقدم ہوتا ہے، معلوم ہوا بتدا أَصْلُ الْمَرْفُوعَاتِ ہے۔ اور دوسری دلیل یہ ذکر کی تھی کہ بتدا کی خبر جو ہے وہ مشتق بھی آ سکتی ہے اور جامد بھی آ سکتی ہے، جبکہ فاعل کے لیے ہمیشہ وہ مشتق ہی جو ہے مسند بنے گا۔ فعل کیا ہوتا ہے؟ مشتق ہوتا ہے یا صفت کے صیغے وہ بھی کیا ہوتے ہیں؟ مشتق ہوتے ہیں۔ تو علامہ زمخشری فرماتے ہیں کہ بتدا اپنی اصل پر ہے یعنی مقدم بھی ہوتا ہے اکثر، اور نیز اس کے لیے خبر جو ہے مشتق بھی آ سکتی ہے اور جامد بھی آ سکتی ہے، لہٰذا یہ أَصْلُ الْمَرْفُوعَاتِ ہے۔ جبکہ جمہور کیا فرماتے ہیں؟ جبکہ جمہور فرماتے ہیں کہ فاعل جو ہے أَصْلُ الْمَرْفُوعَاتِ ہے، کیونکہ فاعل جز ہے أَصْلُ الْجُمَلِ یعنی جملہ فعلیہ کا، تو جو أَصْلُ الْجُمَلِ کا جز ہو گا وہ بھی کیا ہو گا؟ أَصْلُ الْمَرْفُوعَاتِ ہو گا۔ اور نیز دوسری وجہ یہ کہ فاعل جو ہے اس کا عامل قوی ہوتا ہے، فاعل کے اندر عامل لفظ ہوتا ہے، جبکہ بتدا کے اندر عامل معنیٰ ہوتا ہے تو اس کا عامل ضعیف ہے، لہٰذا اس وجہ سے بھی فاعل جو ہے وہ أَصْلُ الْمَرْفُوعَاتِ ہے، کیونکہ اس کا عامل قوی، تو اس کا عامل قوی ہے معلوم ہوا وہ أَصْلُ الْمَرْفُوعَاتِ ہے بھئی۔ اب دیکھیے صرف ترجمہ بھئی۔

کہتے ہیں: «وَإِنَّمَا قَدَّمَهُ لِأَنَّهُ أَصْلُ الْمَرْفُوعَاتِ عِنْدَ الْجُمْهُورِ» اور صاحبِ کافیہ نے فاعل کو مقدم کیا کیونکہ فاعل أَصْلُ الْمَرْفُوعَاتِ ہے جمہور کے نزدیک۔ جمہور کیا معنیٰ بھئی؟ جمہور یعنی اکثر نحوی حضرات، اکثر نحوی علماء اس بات کی طرف گئے ہیں کہ فاعل أَصْلُ الْمَرْفُوعَاتِ ہے۔ تو کہتے ہیں «لِأَنَّهُ أَصْلُ الْمَرْفُوعَاتِ عِنْدَ الْجُمْهُورِ» اس لیے کیونکہ فاعل جو ہے أَصْلُ الْمَرْفُوعَاتِ ہے جمہور کے نزدیک۔ بھئی کیا وجہ؟ جمہور کے نزدیک أَصْلُ الْمَرْفُوعَاتِ کیوں؟ وہ دونوں دلیلیں اب ذکر کریں گے۔ کہتے ہیں: «لِأَنَّهُ جُزْءُ الْجُمْلَةِ الْفِعْلِيَّةِ» اس لیے کیونکہ فاعل جو ہے جز ہے اس جملہ فعلیہ کا، «الَّتِي هِيَ أَصْلُ الْجُمَلِ» وہ جملہ فعلیہ جو کہ أَصْلُ الْجُمَلِ ہے یعنی جملوں میں اصل ہے۔ «وَلِأَنَّ عَامِلَهُ أَقْوَى مِنْ عَامِلِ الْمُبْتَدَإِ» دوسری دلیل، اور اس لیے کیونکہ یہ فاعل کا جو عامل ہے وہ زیادہ قوی ہے بتدا کے عامل کے مقابلے میں، کیونکہ فاعل کا عامل لفظ ہے اور بتدا کا عامل معنیٰ ہے بھئی۔

«وَقِيلَ» اور کہا گیا ہے، یہ علامہ زمخشری کا قول ذکر کر رہے ہیں اور «قِيلَ» کے ساتھ ذکر کر رہے ہیں۔ یاد رکھو «قِيلَ» صیغۂ تمریض کہلاتا ہے۔ «قِيلَ» کیا کہلاتا ہے؟ صیغۂ تمریض، یہ مرض سے ہے مرض، جیسے مریض آدمی کمزور ہوتا ہے اسی طرح «قِيلَ» کے ذریعے بھی کمزور قول کو ذکر کیا جاتا ہے۔ تو «وَقِيلَ» کے ذریعے کس کے قول کو ذکر کر رہے ہیں؟ علامہ زمخشری

کے قول کو ذکر کر رہے ہیں، اور «قِيلَ» کے ساتھ ذکر کر رہے ہیں، بتلا دیا کہ یہ کمزور قول ہے۔

«وَقِيلَ» اور کہا گیا ہے «أَصْلُ الْمَرْفُوعَاتِ الْمُبْتَدَأُ» کہ أَصْلُ الْمَرْفُوعَاتِ جو ہے وہ مبتدا ہے، «لِأَنَّهُ بَاقٍ عَلَى مَا هُوَ الْأَصْلُ فِي الْمُسْنَدِ إِلَيْهِ» اس لیے کیونکہ مبتدا باقی ہے اس چیز پر جو کہ اصل ہے مسند الیہ میں، کیونکہ وہ باقی ہے اس حالت پر جو مسند الیہ میں اصل ہے۔ مسند الیہ میں بھی اصل کیا ہے؟ اس کو کیا ہونا چاہیے؟ مقدم ہونا چاہیے، کیونکہ مسند الیہ وہ ہے جس کے بارے میں بات کی جا رہی ہے اور جو بات کی جا رہی ہے وہ ہے مسند، تو جس کے بارے میں بات کی جا رہی ہے اس کو مقدم ہونا چاہیے اور جو بات کی جا رہی ہے وہ مؤخر ہونی چاہیے، اور مبتدا اپنی اصل پر باقی ہے، مبتدا بھی اکثر کیا ہوتا ہے؟ مقدم ہوتا ہے۔

کہتے ہیں: «وَقِيلَ أَصْلُ الْمَرْفُوعَاتِ الْمُبْتَدَأُ» اور کہا گیا ہے کہ أَصْلُ الْمَرْفُوعَاتِ مبتدا ہے، «لِأَنَّهُ بَاقٍ عَلَى مَا هُوَ الْأَصْلُ فِي الْمُسْنَدِ إِلَيْهِ» اس لیے کیونکہ مبتدا باقی ہے اس حالت پر جو مسند الیہ میں اصل ہے۔ بھئی وہ کیا ہے اصل؟ کہتے ہیں: «وَهُوَ التَّقَدُّمُ» اور وہ مقدم ہونا ہے، «بِخِلَافِ الْفَاعِلِ» بخلاف کس کے؟ فاعل کے، کہ وہ کبھی بھی مقدم نہیں ہوتا، وہ ہمیشہ فعل کے بعد آتا ہے۔ آپ کو میں نے بتلایا تھا کہ فاعل یا نائب فاعل کبھی فعل پر مقدم نہیں ہو سکتے، اور معمولات جو ہیں فعل پر مقدم ہو سکتے ہیں لیکن فاعل یا نائب فاعل کبھی بھی مقدم نہیں ہو سکتے۔ پہلے فعل آتا ہے اس کے بعد فاعل یا نائب فاعل آتا ہے، تو فاعل یا نائب فاعل ہمیشہ مؤخر ہوتا ہے، بات سمجھ میں آگئی۔ یہ معنیٰ ہے «بِخِلَافِ الْفَاعِلِ» بخلاف فاعل کے کیونکہ وہ مؤخر ہوتا ہے۔ یہ پہلی دلیل، علامہ زمخشری کی پہلی دلیل کیا؟ کہ مبتدا اپنی اصل پر باقی ہے کہ وہ اکثر کیا ہوتا ہے؟ مقدم، جبکہ فاعل ہمیشہ مؤخر ہوتا ہے۔

دوسری دلیل علامہ زمخشری کی، کہتے ہیں: «وَلِأَنَّهُ يُحْكَمُ عَلَيْهِ بِكُلِّ حُكْمٍ» کہ اس مبتدا جو ہے اس پر حکم لگایا جاتا ہے «بِكُلِّ حُكْمٍ» ہر حکم بھئی، «جَامِدٍ أَوْ مُشْتَقٍّ» چاہے وہ جامد ہو یا مشتق ہو۔ ہر طرح کا حکم مبتدا پر لگایا جاتا ہے۔ «زَيْدٌ عَالِمٌ» دیکھو زید پر عالم مشتق کا حکم لگایا، اور «زَيْدٌ رَجُلٌ» زید پر رجل یعنی جامد کا حکم لگایا۔ جبکہ فاعل، فاعل کے لیے تو ہمیشہ کیا چاہیے؟ فعل یا صفت کا صیغہ چاہیے، «ضَرَبَ» کے لیے بھی کیا چاہیے؟ فاعل، «ضَارِبٌ» کے لیے بھی کیا چاہیے؟ فاعل، تو فاعل پر ہمیشہ مشتق والا حکم تو لگ سکتا ہے، اسمِ جامد والا حکم نہیں لگ سکتا، جبکہ مبتدا پر اسمِ جامد والا حکم بھی لگ سکتا ہے اور مشتق والا بھی، معلوم ہوا مبتدا قوی ہے۔ تو علامہ زمخشری فرماتے ہیں معلوم ہوا کہ مبتدا أَصْلُ الْمَرْفُوعَاتِ ہے۔ دلیل سمجھ میں آگئی۔

کہتے ہیں: «وَلِأَنَّهُ يُحْكَمُ عَلَيْهِ بِكُلِّ حُكْمٍ جَامِدٍ أَوْ مُشْتَقٍّ» اور اس لیے کیونکہ مبتدا اس پر ہر طرح کا حکم لگایا جاتا ہے چاہے اسمِ جامد ہو یا مشتق ہو، «فَكَانَ أَقْوَى» تو مبتدا زیادہ قوی ہے، «بِخِلَافِ الْفَاعِلِ» بخلاف فاعل کے، «فَإِنَّهُ لَا يُحْكَمُ

عَلَيْهِ إِلَّا بِالْمُشْتَقِّ» اس لیے کیونکہ اس پر حکم نہیں لگایا جاتا مگر مشتق کے ذریعے، اس پر صرف کس کا حکم لگاتے ہیں؟ مشتق کا حکم لگاتے ہیں یا جو مشتق کے حکم میں ہوتا ہے وہ حکم لگے گا اس پر، اسمِ جامد والا حکم نہیں لگتا بھئی فاعل پر، تو معلوم ہوا أَصْلُ الْمَرْفُوعَاتِ مبتدا ہے علامہ زمخشری کے نزدیک بھئی۔ بات سمجھ میں آگئی۔

آگے دیکھیے بھئی، کہتے ہیں: «وَهُوَ أَيِ الْفَاعِلُ مَا أَيِ اسْمٌ حَقِيقَةً أَوْ حُكْمًا لِيَدْخُلَ فِيهِ مِثْلُ قَوْلِهِمْ أَعْجَبَنِي أَنْ ضَرَبْتَ زَيْدًا»۔ بھئی پہلے صرف متن متن ذرا دیکھ لیں۔ کہتے ہیں: «وَهُوَ مَا أُسْنِدَ إِلَيْهِ الْفِعْلُ أَوْ شِبْهُهُ وَقُدِّمَ عَلَيْهِ عَلَى جِهَةِ قِيَامِهِ بِهِ»۔ اب فاعل کی تعریف کرنے لگے ہیں۔ بتلایا مرفوعات میں سے ایک فاعل ہے، اب فاعل کی تعریف کرنے لگے ہیں۔ لیکن فاعل کی تعریف سمجھنے کے لیے آپ کو ترکیب آنی چاہیے بھئی، جامی میں ساری باتیں وہ ترکیب کی کرتے ہیں، ترکیب آتی ہو تو جامی کا سمجھنا بڑا آسان ہے، اور ترکیب بڑی آسان ہے بھئی، کوئی مشکل نہیں، تھوڑی سی کچھ عرصہ انسان محنت کرلے توجہ کرلے تو بہترین ترکیب سیکھ لیتا ہے۔ تو پہلے ہم کچھ ترکیب کرلیتے ہیں پھر اس کے بعد آپ کو فاعل کی تعریف سمجھ میں آئے گی۔ فاعل کی تعریف سمجھنے کے لیے کچھ ترکیب کی بنیادی باتیں میں دوبارہ ذکر کر دیتا ہوں تاکہ باتیں ذہن میں تازہ ہو جائیں پھر ان شاء اللہ اس کا سمجھنا آسان ہے بھئی۔

بھئی یاد رکھو میں پہلے بھی ذکر کر چکا، ہر فعل کے لیے ہمیشہ فاعل یا نائب فاعل ضرور چاہیے۔ فعل جب بھی آجائے وہ تقاضا کرتا ہے کہ کسی اسم کو رفع دے، اور وہ جس اسم کو رفع دیتا ہے وہ اس کا فاعل یا نائب فاعل کہلاتا ہے۔ فعلِ معروف جو ہے وہ فاعل کا تقاضا کرتا ہے، اور فعلِ مجہول جو ہے وہ نائب الفاعل کا تقاضا کرتا ہے، توجہ ہے؟ ہر فعل کے لیے ہمیشہ کیا چاہیے؟ فاعل یا نائب فاعل چاہیے۔ اور یاد رکھو یہ فاعل یا نائب فاعل ہمیشہ فعل کے بعد آئے گا، یہ کبھی بھی فعل پر مقدم نہیں ہو سکتا۔ اور فاعل بھی مرفوع ہوتا ہے اور نائب الفاعل بھی مرفوع ہوتا ہے۔ ہاں، اور یہ بھی یاد رکھنا فعل کے لیے ہمیشہ ایک ہی فاعل یا نائب فاعل آئے گا، ایک سے زیادہ نہیں آسکتے۔ عطف کے ذریعے ہو سکتا ہے، ایک معطوف علیہ ہو اور باقی آگے معطوف، لیکن براہِ راست فعل کے لیے فاعل یا نائب فاعل ایک ہی آئے گا۔ تو فعل ہمیشہ کس کا تقاضا کرتا ہے؟ فاعل یا نائب فاعل کا، اور فاعل یا نائب فاعل ہمیشہ فعل کے بعد آئے گا، کبھی بھی فعل پر مقدم نہیں ہو سکتا، اور پھر یہ بھی یاد رکھنا کہ فاعل یا نائب فاعل ایک ہی آئے گا، ایک سے زیادہ نہیں آسکتے۔ اور فاعل یا نائب فاعل ضمیر بھی ہو سکتی ہے اور اسمِ ظاہر بھی۔ میں نے آپ کو بتلایا تھا کہ یہ جو اسمِ ظاہر ہے یہ اسمِ ضمیر کے مقابلے میں ہے، ساری دنیا کے آپ اسم اکٹھے کر لیں اس میں ستر جو ہیں وہ ضمیریں ہیں، اور باقی جتنے اسم ہیں وہ سب کیا ہیں؟ اسمِ ظاہر کہلاتے ہیں، توجہ ہے؟ جو بھی اسم آپ کے سامنے آئے آپ فوراً اس میں غور کریں کہ یہ ضمیر ہے یا ضمیر نہیں، اگر ضمیر نہیں تو پھر وہ اسمِ ظاہر کہلائے گا۔ اب آپ مجھے بتائیے: «أَنَا» ضمیر ہے یا اسمِ ظاہر؟ «أَنَا» ضمیر ہے۔ اچھا «أَنْتَ»؟ ضمیر ہے۔ «هُوَ»؟ ضمیر ہے۔

«نَحْنُ»؟ ضمیر ہے۔ «قَلَمٌ»؟ یہ اسمِ ظاہر، جب ضمیر نہیں تو اسمِ ظاہر ہے۔ «کِتَابٌ»؟ اسمِ ظاہر ہے۔ «جَبَلٌ»؟ اسمِ ظاہر ہے۔ «سَمَاءٌ»؟ اسمِ ظاہر ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو جو بھی اسم آئے آپ خود اس میں غور کر لیں، اگر وہ ضمیر نہیں تو اسمِ ظاہر ہے۔

تو فعل کا فاعل یا نائب فاعل ضمیر بھی آسکتی ہے اور اسمِ ظاہر بھی، لیکن آئے گا ایک ہی۔ اگر ضمیر اگر فاعل آگئی تو اسمِ ظاہر نہیں آسکتا، اور اگر اسمِ ظاہر آگیا تو پھر ضمیر نہیں آسکتی۔ مثلاً آپ کے سامنے ایک جملہ لکھا ہے: «ضَرَبَ زَيْدٌ»۔ کیسے ترکیب کریں گے؟ «ضَرَبَ» فعل، «زَيْدٌ» مرفوع لفظاً فاعل، فعل اپنے فاعل سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہوا۔ آپ کا ایک ساتھی فوراً اعتراض کرتا ہے کہ بھئی «ضَرَبَ» کے اندر ہم نے صرف میں پڑھا ہے «ضَرَبَ» کے اندر «هُوَ» ضمیر ہوتی ہے، آپ نے وہ ضمیر ذکر ہی نہیں کی، آپ کی ترکیب غلط ہے۔ تو آپ کیا جواب دیں گے؟ کہ فاعل یا نائب فاعل ایک آسکتا ہے اور وہ اسمِ ظاہر زید آگے آگیا، اگر زید کو فاعل بنانا ہے تو «ضَرَبَ» کے اندر کوئی ضمیر نہیں کیونکہ فاعل یا نائب فاعل ایک آ سکتا ہے دو نہیں آسکتے، اور اگر «هُوَ» ضمیر اس کے اندر نکالو گے تو پھر زید کو اس کے لیے فاعل نہیں بنا سکتے۔ تو فاعل یا نائب فاعل ایک ہی آئے گا، اور وہ ضمیر بھی ہو سکتی ہے اور اسمِ ظاہر بھی ہو سکتا ہے۔

پھر یاد رکھو فاعل یا نائب فاعل۔ بھئی ماضی اور مضارع کے چودہ صیغے ہیں، اس میں سے صرف پہلا اور چوتھا صیغہ جو ہے ان کے لیے فاعل اسمِ ظاہر آسکتا ہے، باقی جتنے صیغے ہیں ان کے لیے فاعل ہمیشہ ضمیر ہوگی جو اسی لفظ کے ساتھ جڑی ہوئی ہوگی یا اس کے یعنی بارز ہوگی، ظاہر ہوگی، یا اسی کے اندر چھپی ہوئی ہوگی۔ پہلا اور چوتھا صیغہ، صرف ان کے لیے فاعل اسمِ ظاہر آسکتا ہے، باقی جو بارہ صیغے ہیں ان کے لیے فاعل کبھی بھی اسمِ ظاہر نہیں آسکتا۔ لہٰذا آپ عبارت پڑھ رہے ہوں، عبارت کے اندر اگر پہلا یا چوتھا صیغہ آجائے، پہلا صیغہ کون سا؟ واحد مذکر غائب، اور چوتھا صیغہ کون سا؟ واحد مؤنث غائب، یعنی «ضَرَبَ، ضَرَبَا، ضَرَبُوا، ضَرَبَتْ» بھئی، تو «ضَرَبَ» اور «ضَرَبَتْ»، «ضَرَبَ» واحد مذکر غائب اور «ضَرَبَتْ» واحد مؤنث غائب، اسی طرح مضارع میں آجاؤ یہ تو ماضی تھا مضارع میں آجاؤ: «يَضْرِبُ، يَضْرِبَانِ، يَضْرِبُونَ، تَضْرِبُ»، تو «يَضْرِبُ» پہلا صیغہ اور «تَضْرِبُ» چوتھا صیغہ، ان دو کے لیے فاعل اسمِ ظاہر آسکتا ہے، باقی جو بارہ صیغے ہیں چاہے ماضی کے ہیں چاہے مضارع کے ہیں،

ان میں فاعل ہمیشہ ضمیر ہوگی، توجہ ہے؟ پہلا صیغہ بھی مفرد والا ہے اور چوتھا صیغہ بھی مفرد، اس سے ایک اور بات آپ کو پتہ چل گئی کہ فاعل جب بھی اسمِ ظاہر ہو فعل کو ہمیشہ مفرد رکھتے ہیں۔ فاعل جب بھی اسمِ ظاہر ہو فعل کو ہمیشہ کیا رکھتے ہیں؟ مفرد، یعنی پہلا یا چوتھا صیغہ۔ مثلاً میں نے کہا «ضَرَبَ زَيْدٌ» تو «زَيْدٌ» ضمیر ہے یا اسمِ ظاہر؟ اسمِ ظاہر، اور اسمِ ظاہر کون سے صیغوں کے لیے فاعل بن سکتا ہے؟ پہلے یا چوتھے کے لیے، اور یہ «ضَرَبَ» بھی کون سا ہے؟ پہلا صیغہ ہے، یا «يَضْرِبُ زَيْدٌ» دیکھو «يَضْرِبُ» کے لیے زید اسمِ ظاہر ہے فاعل ہے تو «يَضْرِبُ» پہلا صیغہ ہے۔ مؤنث ہو تو چوتھا صیغہ لائیں

گے: «ضَرَبَتْ هِنْدٌ» یا «تَضْرِبُ هِنْدٌ» مضارع کے اندر۔ تو اسمِ ظاہر صرف کون سے صیغوں کے لیے فاعل بن سکتا ہے؟ پہلے اور چوتھے کے لیے، باقی صیغوں میں سے کوئی صیغہ آجائے تو پھر آ، بھئی دیکھیے آپ عبارت حل کر رہے ہیں اور آپ کے سامنے پہلا یا چوتھا صیغہ آگیا، پھر تو آپ آگے تلاش کریں کہ ہو سکتا ہے کوئی اسمِ ظاہر ان کے لیے فاعل بن رہا ہو کیونکہ یہ پہلا یا چوتھا صیغہ ان کے لیے فاعل اسمِ ظاہر آسکتا ہے، اور اگر ان دو کے علاوہ کوئی اور صیغہ آجائے عبارت میں تو پھر آپ کو آگے فاعل کو تلاش کرنے کی ضرورت نہیں ہے، پھر اسی صیغے کے ساتھ جڑی ہوئی یا اس کے اندر چھپی ہوئی کوئی ضمیر ہوگی جو فاعل یا نائب فاعل بن رہی ہوگی۔

اچھا، اب مجھے بتائیے بھئی: «ضَرَبَ زَيْدٌ» زید نے پٹائی کی، «ضَرَبَ» فعل «زَيْدٌ» اس کے لیے فاعل۔ اب میں «الزَّيْدَانِ» کو فاعل بنانا چاہتا ہوں تثنیہ کو، تو کیسے کہوں گا؟ ہاں شاباش، «ضَرَبَ الزَّيْدَانِ»۔ میں «الزَّيْدُونَ» کو فاعل بنانا چاہتا ہوں، تو بھی کیا کہوں گا؟ «ضَرَبَ الزَّيْدُونَ»۔ دیکھو فاعل «زَيْدٌ» لائیں یا «الزَّيْدَانِ» لائیں یا «الزَّيْدُونَ» لائیں، چاہے مفرد ہو تثنیہ ہو جمع ہو، اس کو آپ نے نہیں دیکھنا، آپ نے صرف یہ دیکھنا ہے «زَيْدٌ» اسمِ ظاہر ہے یا ضمیر ہے؟ «الزَّيْدَانِ» اسمِ ظاہر ہے یا ضمیر ہے؟ اسمِ ظاہر۔ «الزَّيْدُونَ» ضمیر ہے یا اسمِ ظاہر؟ تو چاہے فاعل مفرد ہو تثنیہ ہو جمع ہو، لیکن جب اسمِ ظاہر ہو فعل کو ہمیشہ کیا رکھنا ہے؟ مفرد۔ اور «زَيْدٌ» بھی مذکر، «الزَّيْدَانِ» بھی مذکر، «الزَّيْدُونَ» بھی مذکر، تو مذکر کے لیے پھر پہلا فعل لاتے ہیں «ضَرَبَ»۔ اور اگر یہ مؤنث ہو: «هِنْدٌ»، «الْهِنْدَانِ»، یا «الْهِنْدَاتُ»، تو پھر چوتھا صیغہ لائیں گے «ضَرَبَتْ» بھئی۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو فاعل جب بھی اسمِ ظاہر ہو فعل کو ہمیشہ کیا رکھتے ہیں؟ مفرد رکھتے ہیں، وہ فاعل چاہے مفرد ہو تثنیہ ہو جمع ہو، اس کو آپ نے نہیں دیکھنا، توجہ ہے؟ «ضَرَبَ زَيْدٌ»، «ضَرَبَ الزَّيْدَانِ»، «ضَرَبَ الزَّيْدُونَ»، فاعل کیا ہے؟ «زَيْدٌ» ہے یا «الزَّيْدَانِ» ہے یا «الزَّيْدُونَ»؟ تو آپ نے یہ نہیں دیکھنا کہ یہ تو ایک فاعل مفرد ہے، ایک تثنیہ ہے، ایک کیا ہے جمع، آپ نے صرف یہ دیکھنا ہے یہ اسمِ ظاہر ہے یا نہیں؟ چاہے «زَيْدٌ» ہو چاہے «الزَّيْدَانِ» ہو چاہے «الزَّيْدُونَ» ہو، یہ سب کیا ہیں؟ اسمِ ظاہر، اور ہم نے ضابطہ پڑھا ہے جب فاعل اسمِ ظاہر ہو فعل کو ہمیشہ پہلا صیغہ لاتے ہیں یا چوتھا، پہلا کس کے لیے لاتے ہیں؟ مذکر کے لیے اور چوتھا کس کے لیے لاتے ہیں؟ مؤنث کے لیے، تو یہاں «زَيْدٌ، الزَّيْدَانِ، الزَّيْدُونَ» ان سب کے لیے «ضَرَبَ» لے کر آئیں گے، بات سمجھ میں آئی؟

آپ کا ایک ساتھی آپ کو کہتا ہے کہ نہیں بھئی، «الزَّيْدَانِ» تثنیہ ہے لہٰذا «ضَرَبَ» نہیں لائیں گے «ضَرَبَا» لائیں گے، تثنیہ والا صیغہ لائیں گے «ضَرَبَا الزَّيْدَانِ»، آپ کہیں گے نہیں بھئی فاعل یا نائب فاعل ایک آسکتا ہے، اور «ضَرَبَا» کے ساتھ یہ الف ضمیر جڑی ہوئی ہے، یہ فاعل ہے، اس کے لیے «الزَّيْدَانِ» کو آپ فاعل نہیں بنا سکتے۔ یا مثلاً وہ کہتا ہے کہ «الزَّيْدُونَ» کے لیے آپ کو «ضَرَبُوا» لانا پڑے گا «ضَرَبُوا الزَّيْدُونَ»، تو آپ کیا کہیں گے؟ کہ نہیں «ضَرَبُوا» کے ساتھ تو یہ واؤ ضمیر فاعل کی جڑی ہوئی ہے، اور فاعل ایک آسکتا ہے دو نہیں آسکتے، جب یہ واؤ آگیا تو یہ «ضَرَبُوا» کے لیے فاعل بنے

گا اور «الزَّيْدُونَ» کو آپ اس کے لیے فاعل نہیں بنا سکتے۔ اگر آپ «الزَّيْدُونَ» کو فاعل بنانا چاہتے ہیں تو «ضَرَبَ» پہلا صیغہ یا چوتھا ہی لانا پڑے گا، بات سمجھ میں؟ مذکر کے لیے پہلا صیغہ اور مؤنث کے لیے چوتھا، چاہے ماضی ہو چاہے مضارع ہو۔ یہاں تک بات سمجھ میں آگئی؟

اب ذرا یہ فعل کے جو بارہ صیغے ہیں ماضی کے اور مضارع، ان کے اندر ذرا فاعل کی ضمیریں آپ دیکھ لیں کون کون سے فاعل کیا کیا ہیں۔ «ضَرَبَ» کے اندر اگر ضمیر نکالیں کون سی نکالتے ہیں؟ «هُوَ»۔ «ضَرَبَا» اس کے اندر «اَلِف»، یہ الف کا اعراب بولو: مرفوع محلاً فاعل، کیونکہ یاد رکھو فاعل اور نائب فاعل ہمیشہ مرفوع ہوتے ہیں۔ جب ایک لفظ کے بارے میں آپ کو کوئی بتا دے کہ یہ فاعل یا نائب فاعل ہے، ساتھ ہی دوسری بات یہ آپ کو پتہ چل گئی کہ اس پر کیا پڑھنا ہے؟ رفع۔ ہاں، پھر رفع آپ نے غور کرنا ہے، کبھی رفع لفظاً ہوتا ہے، کبھی تقدیراً، اور کبھی محلاً، اور ضمیر تو مبنیات میں سے ہے اس پر رفع کیسے آئے گا ہمیشہ؟ محلاً آئے گا۔ تو «ضَرَبَا» اس کے اندر یہ الف یہ کیا ہے؟ فاعل، اس کا اعراب بولو: مرفوع محلاً، مرفوع کیوں؟ فاعل ہے، اور محلاً کیوں؟ کیونکہ مبنی ہے، ضمیر ہے۔ «ضَرَبُوا» کے اندر یہ واؤ مرفوع اعراب بولو: مرفوع محلاً۔ «ضَرَبَتْ» کے اندر، ہاں «ضَرَبَتْ» کے اندر «هِيَ»، یہ تا صرف تانیث کی علامت ہے، یہ ضمیر نہیں۔ بھئی کیسے، پتہ کیسے چلے گا؟ دیکھو آپ کہتے ہیں «ضَرَبَتْ هِنْدٌ»، «ضَرَبَتْ هِنْدٌ»، اگر یہ تا ضمیر ہوتی پھر تو یہ فاعل بنتی، «هِنْدٌ» تو فاعل نہیں بن سکتا تھا، معلوم ہوا یہ تا ضمیر نہیں ہے بلکہ یہ صرف مؤنث کی علامت ہے، یہ صرف اتنا بتلا رہی ہے کہ اس فعل کا آگے جو فاعل ہے وہ مؤنث ذات ہے، مذکر نہیں ہے۔

اچھا، آگے «ضَرَبَتَا» اس کے اندر الف بھئی، تا وہی والی ہے تانیث کی علامت، اور الف، الف کون سی ضمیر ہے؟ بھئی دیکھو جو صیغہ ہوتا ہے وہی بول دیا کرو، «ضَرَبَتَا» کون سا صیغہ ہے؟ تثنیہ مؤنث غائب، تو الف بھی کون سی ضمیر؟ تثنیہ مؤنث غائب۔ اور «ضَرَبَ، ضَرَبَا، ضَرَبُوا»، یہ «ضَرَبَا» اس کے اندر الف؟ تثنیہ مذکر غائب، تو جو صیغہ ہو وہ بول دیا کرو وہی ضمیر ہوتی ہے۔ تو «ضَرَبَا» کے اندر بھی الف ضمیر فاعل اور «ضَرَبَتَا» میں بھی الف ضمیر فاعل، لیکن فرق کیا؟ «ضَرَبَا» میں الف کون سی ضمیر ہے؟ تثنیہ مذکر غائب، اور «ضَرَبَتَا» میں الف جو ہے وہ تثنیہ مؤنث غائب کی ضمیر ہے۔ اور «ضَرَبْنَ» اس میں نون ضمیر جو ہے، اعراب بولو اس کا: مرفوع محلاً، مرفوع کیوں؟ کیونکہ فاعل ہے، اور محلاً کیوں؟ مبنی ہے۔ اس سے اگلا صیغہ کیا؟ «ضَرَبْتَ»، «ضَرَبْتَ» میں تا ضمیر۔ «ضَرَبْتُمَا» میں تُما ضمیر۔ «ضَرَبْتُمْ» میں تُمْ ضمیر۔ «ضَرَبْتِ» میں، «ضَرَبْتِ» میں تا ضمیر، «ضَرَبْتِ» میں تا ضمیر۔ بات سمجھ میں آگئی بھئی؟ عموماً طلبہ اس کو «تِ» پڑھتے ہیں «تِ» ضمیر، نہیں بھئی، میں نے بتایا جو کلمہ ایک حرف پر مشتمل ہو جب اس کا نام لینا ہو تو وہ نام لیں گے جو حروفِ تہجی میں، اور «ضَرَبْتِ» کے آخر میں یہ کون سا حرف ہے؟ اس کو حروفِ تہجی میں کیا کہتے ہیں؟ تا، تو یہ «ضَرَبْتِ» میں تا ضمیر ہے، اور کون سی ضمیر ہے؟ ہاں، کون سی ضمیر ہے؟ واحد مؤنث حاضر بھئی، جو صیغہ ہے وہ بول دیا کرو، واحد مؤنث حاضر، اور اعراب بولو: مرفوع محلاً بھئی

شاباش، مرفوع کیوں؟ فاعل ہے، محلاً کیوں؟ مبنی ہے۔ «ضَرَبْتُمَا» میں تُما ضمیر، «ضَرَبْتُنَّ» میں تُنَّ ضمیر، «ضَرَبْتُ» میں ہاں، پھر «تُ» ضمیر بھئی، «ضَرَبْتُ» میں، ہاں «ضَرَبْتُ» میں تا ضمیر، «ضَرَبْتُ» میں تا ضمیر، میں نے بتایا یہ تا کا کوئی معنیٰ ہے یا معنیٰ نہیں؟ معنیٰ ہے، تو یہ کلمہ ہوا، توجہ ہے؟ ضمیروں کا معنیٰ ہوتا ہے یا نہیں ہوتا؟ تو جو بھی کلمہ ایک حرف پر مشتمل ہو اس کا جب نام لینا ہو تو کون سا نام لیتے ہیں؟ حروفِ تہجی میں، اور اس حرف کو «ضَرَبْتُ» کے آخر میں جو ہے اس کو حروفِ تہجی میں کیا کہتے ہیں؟ تا، تو «ضَرَبْتُ» اس میں ضمیر فاعل کون سی ہے؟ تا، تا ضمیر، اعراب بولو: مرفوع محلاً، مرفوع کیوں؟ فاعل ہے، اور محلاً کیوں؟ بھئی «ضَرَبْتُ» میں اس پر ضمہ باقاعدہ رفع اس پر پڑھ رہا ہوں، تو اب محلاً کیسے، یہ تو لفظاً ہے؟ شاباش، یہ اس کی حرکت ہے یہ اعراب نہیں کیونکہ یہ مبنی ہے، ضمیر ہے، اور مبنی پر اعراب ظاہر نہیں ہوتا۔ اور «ضَرَبْنَا» میں نا ضمیر ہے مرفوع محلاً۔

اب مضارع میں آجاؤ: «يَضْرِبُ» کے اندر «هُوَ» ضمیر۔ «يَضْرِبَانِ» میں الف ضمیر ہے اور یہ نون کیا ہے؟ نونِ اعرابی۔ فعلِ مضارع میں یاد رکھو یہ جو دو نون جمع مؤنث کے آتے ہیں، جو نون یعنی چھٹا اور بارہواں صیغہ، جمع مؤنث غائب اور جمع مؤنث حاضر، «يَضْرِبْنَ» اور «تَضْرِبْنَ»، یہ نون ضمیریں ہیں، باقی جتنے نون فعلِ مضارع میں آتے ہیں یہ نونِ اعرابی ہیں، یہ رفع کی علامت ہیں، یہ نون جب موجود ہو معلوم ہوا فعلِ مضارع مرفوع ہے، اور یہ نون جب نہیں ہوگا معلوم ہوا وہ منصوب ہے یا مجزوم ہے، بات سمجھ میں آ؟ جی، تو «يَضْرِبُ» کے اندر کون سی ضمیر؟ «هُوَ»۔ «يَضْرِبَانِ» میں الف ضمیر ہے اور نونِ اعرابی۔ «يَضْرِبُونَ» میں واؤ ہے، اعراب بولو واؤ کا: مرفوع محلاً۔ اور «تَضْرِبُ» میں «هِيَ» ضمیر۔ «تَضْرِبَانِ» میں الف۔ «يَضْرِبْنَ» میں یہ نون ہے، میں نے بتایا جمع مؤنث کے دونوں نون ضمیریں ہیں۔ اور «تَضْرِبُ» میں، ہاں «تَضْرِبُ» ساتواں صیغہ ہے، «تَضْرِبُ» ساتواں صیغہ کون سا ہے؟ مخاطب کا، تو «تَضْرِبُ» میں «أَنْتَ»۔ «تَضْرِبُ» میں «أَنْتَ» ضمیر ہے۔ «تَضْرِبَانِ» میں الف ہے۔ «تَضْرِبُونَ» میں واؤ ہے۔ «تَضْرِبِينَ» میں ہاں، «تَضْرِبِينَ» میں یا ہے یہ نونِ اعرابی ہے، «تَضْرِبِينَ» بات سمجھ میں آرہی ہے؟ اور «تَضْرِبَانِ» میں الف ہے، اور «تَضْرِبْنَ» میں نون ضمیر ہے، اور «أَضْرِبُ» میں «أَنَا» ضمیر ہے، اور «نَضْرِبُ» میں «نَحْنُ»۔ بات سمجھ میں آگئی؟ یہ «أَضْرِبُ»، «نَضْرِبُ»، «تَضْرِبُ» وغیرہ یہ شروع میں ہمزہ، تا، یا، نون یہ ضمیریں نہیں ہیں، کیوں؟ کیونکہ فاعل کبھی بھی فعل پر مقدم... «أَضْرِبُ» میں اگر آپ ہمزہ کو فاعل کہیں گے تو فاعل فعل پر مقدم ہو گیا حالانکہ فاعل کبھی بھی فعل پر مقدم نہیں۔ اسی طرح «نَضْرِبُ» کے اندر نون جو ہے یہ فاعل نہیں ہے کیونکہ یہ تو فعل پر مقدم ہے اور فاعل کبھی بھی فعل پر مقدم نہیں۔ تو «أَضْرِبُ» میں کون سی ضمیر ہے؟ «أَنَا»، اور «نَضْرِبُ» میں «نَحْنُ»، یہ سب مرفوع محلاً ہیں فاعل ہیں، بات سمجھ میں آگئی۔ چلیے بس کریں باقی ان شاء اللہ اگلے سبق میں، یہ ترکیب کی موٹی موٹی باتیں کچھ گزر گئیں، کچھ تھوڑی سی اور میں ذکر کردوں گا پھر ان شاء اللہ اگلا آگے کتاب کا سمجھنا آسان ہو جائے گا۔ بات سمجھ میں آگئی، حل ہو گیا؟ چلیے بس بھئی، «هٰذَا هُوَ الْمَرَامُ وَاللّٰهُ أَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْكَلَامِ»۔

سبق نمبر ۸۰: الفاعل (۲): اسمِ حقیقتاً و حکماً اور «قُدِّمَ عَلَيْهِ» کی قید کا فائدہ

شرحِ ملا جامی صفحہ: ۵۷ — بتاریخ: ۱۶ اکتوبر ۲۰۲۱ء

▪ تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث

آگے دیکھیے بھئی کتاب پر۔

کہتے ہیں: وَهُوَ أَيِ الْفَاعِلُ مَا أَيِ اسْمٌ حَقِيقَةً أَوْ حُكْمًا لِيَدْخُلَ فِيهِ مِثْلُ قَوْلِهِمْ أَعْجَبَنِي أَنْ ضَرَبْتَ زَيْدًا، أُسْنِدَ إِلَيْهِ الْفِعْلُ بِالْأَصَالَةِ لَا بِالتَّبَعِيَّةِ لِيَخْرُجَ عَنِ الْحَدِّ تَوَابِعُ الْفَاعِلِ، وَكَذَا الْمُرَادُ فِي جَمِيعِ حُدُودِ الْمَرْفُوعَاتِ وَالْمَنْصُوبَاتِ وَالْمَجْرُورَاتِ غَيْرُ التَّابِعِ بِقَرِينَةِ ذِكْرِ التَّوَابِعِ بَعْدَهَا.

مرفوعات کے بارے میں ہم نے پڑھنا شروع کیا تھا بھئی۔ اور صاحبِ کافیہ نے آپ کو بتلایا کہ مرفوع وہ اسم ہے جو فاعل ہونے کی علامت پر مشتمل ہو۔ اور فاعل ہونے کی علامت رفع ہے بھئی۔ یعنی جو اسم رفع پر مشتمل ہو وہ مرفوع ہے بھئی۔ پھر اس کے بعد وہ مرفوعات کی اقسام اور انواع بیان کرنے لگے۔ تو بتلایا کہ وَمِنْهُ الْفَاعِلُ کہ مرفوعات میں سے ایک جو ہے وہ فاعل ہے بھئی، فاعل۔

پھر یہ فاعل کو مقدم کیوں کیا بھئی؟ مرفوعات میں تو جیسے فاعل ہے اسی طرح مبتدا بھی ہے، خبر بھی ہے، اور بھی مرفوعات ہیں۔ تو صاحبِ کافیہ نے تمام مرفوعات میں سے فاعل کو کیوں مقدم کیا؟ اس کو پہلے کیوں ذکر کیا؟ تو شارحِ جامی نے آپ کو بتلایا کہ چونکہ فاعل جو ہے وہ أَصْلُ الْمَرْفُوعَاتِ ہے جمہور کے نزدیک، اس لیے صاحبِ کافیہ نے بھی جمہور کے مذہب کو ترجیح دیتے ہوئے سب سے پہلے فاعل کو ذکر کیا۔

اب فاعل أَصْلُ الْمَرْفُوعَاتِ کیوں ہے؟ جمہور کی دو دلیلیں ذکر کیں صاحبِ جامی نے۔ اور اس کے ساتھ ساتھ علامہ زمخشری جو بہت بڑے نحوی اور علمِ بلاغت کے بہت بڑے ماہر گزرے ہیں، ان کا مذہب بھی بیان کیا کہ ان کے نزدیک مبتدا جو ہے وہ أَصْلُ الْمَرْفُوعَاتِ ہے۔ اور دونوں کی دو دو دلیلیں ذکر فرمائیں بھئی۔ جمہور کی بھی دو دلیلیں صاحبِ جامی نے ذکر فرمائیں اور علامہ زمخشری جو مبتدا کو أَصْلُ الْمَرْفُوعَاتِ کہتے ہیں ان کی بھی دو دلیلیں ذکر فرمائیں۔

جمہور کے نزدیک فاعل جو ہے أَصْلُ الْمَرْفُوعَاتِ ہے۔ وجہ یہ کہ یہ جز ہے جملہ فعلیہ کا اور جملہ فعلیہ جو ہے أَصْلُ الْجُمَلِ ہے، تمام جملوں میں اصل جو ہے وہ جملہ فعلیہ ہے۔ تو جب فاعل اس جملہ فعلیہ کا جز ہے تو معلوم ہوا وہ أَصْلُ الْمَرْفُوعَاتِ ہے۔ جو جز ہے أَصْلُ الْجُمَلِ کا، معلوم ہوا وہ أَصْلُ الْمَرْفُوعَاتِ ہے۔

پھر سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ جملہ فعلیہ جو ہے یہ أَصْلُ الْجُمَلِ کیوں ہے؟ تمام جملوں میں یہ اصل کیوں ہے؟ تو وجہ میں نے بتلائی تھی، وجہ یہ کہ فعل جو ہے اس کو وضع ہی اسناد کے لیے کیا گیا ہے۔ یہ فعل کبھی اکیلا رہتا ہی نہیں۔ آپ نے جب بھی اس کو کلام میں استعمال کرنا ہے تو آگے ہمیشہ اس کے لیے فاعل یا نائب فاعل ضرور چاہیے۔ یعنی اپنے فاعل یا نائب فاعل سے مل کر اس نے جملہ ہی بننا ہے، اس کو وضع ہی جملہ بننے کے لیے کیا گیا ہے۔ جبکہ جملہ اسمیہ کے اندر مبتدا اور خبر ہوتے ہیں اور وہ مبتدا اور خبر وہ مبتدا اور خبر ہونے کے لیے وضع نہیں ہیں۔ مثلاً میں کہتا ہوں زَيْدٌ عَالِمٌ، تو زَيْدٌ ہے مبتدا اور عَالِمٌ ہے اس کی خبر۔ لیکن یہ زید کو مبتدا ہونے کے لیے وضع نہیں کیا گیا، اسی طرح یہ عَالِمٌ کو خبر ہونے کے لیے وضع نہیں کیا گیا۔ تو مبتدا اور خبر ان کو آپ جوڑتے ہیں، جو ترکیب دینے والا ہے وہ ان دو کو جوڑ کر آپس میں مبتدا خبر بناتا ہے اور پورا جملہ بنا لیتا ہے۔ جبکہ فعل کو وضع ہی کس کے لیے کیا گیا ہے؟ اسناد کے لیے کہ اس کا اسناد کسی چیز کی طرف کیا جائے اور پھر پورا جملہ بن جائے۔ تو اس لیے جملہ فعلیہ کیا ہے؟ أَصْلُ الْجُمَلِ۔ فعل کو وضع ہی جملہ بننے کے لیے کیا گیا ہے۔ اور جو اس کا جز ہوگا وہ یقیناً وہ بھی أَصْلُ الْمَرْفُوعَاتِ ہوگا۔ تو فاعل جملہ فعلیہ کا جز ہے، اس لیے وہ أَصْلُ الْمَرْفُوعَاتِ ہے۔ یہ ایک دلیل جمہور کی ذکر کی۔

جمہور کی دوسری دلیل یہ ذکر کی کہ یہ جو فاعل ہے اس کا عامل قوی ہے۔ اس لیے کیونکہ فاعل کے اندر عامل جو ہے وہ فعل یا شبہِ فعل ہوتا ہے، جبکہ مبتدا اور خبر کے اندر عامل معنوی ہوتا ہے۔ ایک معنوی چیز ہے، لفظوں میں اس کا کوئی وجود نہیں ہے۔ مبتدا اور خبر میں کیا عامل ہے؟ ابتداء، ابتداء۔ ابتداء کسے کہتے ہیں؟ میں نے بتلایا تھا کہ کوئی اسم ہو اور وہ عاملِ لفظی سے خالی ہو اور وہ مسند الیہ یا مسند بن رہا ہو، یہ شرط ضروری ہے۔ یہ جب شرط لگائیں گے کہ وہ مسند الیہ ہو یا مسند ہو تو صرف مبتدا اور خبر رہ گئے اس عاملِ معنوی کے لیے، اور کوئی معمول ایسا نہیں ہے بھئی جن کے اندر ابتداء عامل ہو۔ تو مبتدا میں عامل کیا؟ معنوی۔ اور جو فاعل ہوتا ہے اس کے اندر عامل لفظ ہے اور ظاہر سی بات ہے کہ لفظ قوی عامل ہے بھئی کیونکہ وہ لفظوں کے اندر موجود ہے، باقاعدہ آپ اس پر تلفظ کر رہے ہیں۔ جبکہ معنوی چیز، اس کا تو کوئی الگ وجود نہیں، وہ تو ایک معنوی چیز ہے بھئی، لفظوں میں اس کا کوئی وجود نہیں۔ تو یہ جمہور کی دو دلیلیں گزر گئیں بھئی۔ ایک تو یہ کہ یہ جملہ فعلیہ کا جز ہے فاعل اس لیے یہ أَصْلُ الْمَرْفُوعَاتِ ہے، اور دوسری وجہ یہ کہ اس کا عامل قوی ہے اور جب اس کا عامل قوی ہے تو معلوم ہوا یہ فاعل بھی قوی ہے مبتدا کے مقابلے میں جس کا عامل معنوی ہے بھئی۔

جبکہ علامہ زمخشری فرماتے ہیں کہ أَصْلُ الْمَرْفُوعَاتِ مبتدا ہے بھئی۔ اور ان کی بھی دو دلیلیں ذکر کیں صاحبِ جامی نے۔ ایک دلیل ان کی یہ ہے کہ مبتدا جو ہے وہ مسند الیہ ہے۔ اسی طرح فاعل بھی کیا ہوتا ہے؟ مسند الیہ ہوتا ہے۔ اور مسند

الیہ میں اصل یہ ہے کہ اس کو مقدم ہونا چاہیے، خبر یا مسند کو بعد میں آنا چاہیے اور مسند الیہ کو پہلے۔ بھئی آسان لفظوں میں مسند الیہ وہ ہے جس کے بارے میں بات کی جائے۔ اور جو بات کی جائے وہ ہے مسند۔ مثلاً میں کہتا ہوں زَیْدٌ عَالِمٌ، تو میں نے کس کے بارے میں بات کی؟ زید کے بارے میں۔ اور کیا بات کی؟ کہ وہ عالم ہے۔ تو زید جس کے بارے میں بات کی جائے وہ ہے مسند الیہ اور جو بات کی جائے وہ ہے مسند۔ اور اصل بھی یہ ہے کہ بھئی جس کے بارے میں بات کی جا رہی ہے پہلے اس کو ذکر کرو پھر آگے اس کے بارے میں بات کو ذکر کرو۔ میں زید کے بارے میں بتلانا چاہتا ہوں کہ وہ عالم ہے تو پہلے زید کو ذکر کرنا چاہیے پھر آگے بات بتلانی چاہیے کہ وہ عالم ہے یا وہ قائم ہے یا وہ شاعر ہے وغیرہ۔ تو بتدا مسند الیہ ہے اور مسند الیہ کے اندر اصل یہ ہے کہ اس کو مقدم ہونا چاہیے اور بتدا بھی اپنی اصل پر باقی ہے، یعنی وہ مقدم ہوتا ہے۔ جبکہ فاعل ایسا نہیں ہے، فاعل ہمیشہ مؤخر ہوتا ہے۔ اس سے پہلے وہ جو مسند ہے یعنی فعل یا شبہِ فعل وہ مقدم ہوتا ہے۔ ضَرَبَ زَیْدٌ، دیکھو ضَرَبَ فعل پہلے ہے اور زَیْدٌ فاعل جو ہے مؤخر ہے۔ تو مسند الیہ مؤخر ہوا حالانکہ مسند الیہ میں اصل کیا ہے؟ اس کو مقدم ہونا چاہیے۔ تو بتدا اپنی اصل پر باقی ہے، لہٰذا معلوم ہوا وہ أَصْلُ الْمَرْفُوعَاتِ ہے۔

اور دوسری دلیل یہ ذکر کی علامہ زمخشری کی جانب سے کہ بتدا جو ہے اس پر ہر قسم کا حکم لگایا جا سکتا ہے۔ اسمِ جامد کا حکم بھی اس پر لگایا جا سکتا ہے اور مشتق کا بھی۔ جیسے زَیْدٌ عَالِمٌ، دیکھو زید پر عَالِمٌ یعنی مشتق کا حکم لگایا، اور زَیْدٌ رَجُلٌ، دیکھو رَجُلٌ اسمِ جامد ہے۔ اسمِ جامد کسے کہتے ہیں؟ جو نہ خود کسی سے بنا ہو اور نہ آگے اس سے کوئی اور لفظ بنے۔ تو لہٰذا زید پر رَجُلٌ دیکھو رَجُلٌ اسمِ جامد کا حکم لگایا گیا۔ تو بتدا وہ قوی ہے بھئی۔ علامہ زمخشری کی دلیل ذکر ہو رہی ہے، وہ فرماتے ہیں کہ بتدا قوی ہے اس لیے کیونکہ اس پر اسمِ جامد والا حکم بھی لگایا جا سکتا ہے اور اس پر مشتق والا حکم بھی لگایا جا سکتا ہے۔ جبکہ فاعل جو ہوتا ہے وہ تو ہمیشہ مشتق یا جو مشتق کے حکم میں ہوتا ہے اس کا اسناد اس کی طرف ہوتا ہے۔ فاعل کے لیے ہمیشہ کیا چاہیے؟ فعل چاہیے یا شبہِ فعل چاہیے، تو فعل ہو یا شبہِ فعل یہ مشتق ہوتے ہیں یا مشتق کے حکم میں۔ تو علامہ زمخشری کی دو دلیلیں کیا ہوئیں؟ پہلی دلیل کیا؟ کہ مسند الیہ کو مقدم ہونا چاہیے اور بتدا بھی اپنی اصل پر ہے، مقدم ہے۔ اور دوسری دلیل یہ کہ بتدا پر مشتق اور اسمِ جامد دونوں کا حکم لگایا جا سکتا ہے جبکہ فاعل ایسا نہیں ہے۔

اس کے بعد آگے فاعل کی تعریف کرنے لگے تھے کہ فاعل کسے کہتے ہیں۔ تو میں نے بتلایا تھا کہ اس کے لیے آپ کو ترکیب کی بنیادی باتیں معلوم ہونی چاہئیں۔ یہ باتیں پہلے بھی میں ایک دو مرتبہ ذکر کر چکا ہوں، کچھ گزشتہ سبق میں نے ذکر کر دی تھیں، ان کو بھی میں مختصراً دوبارہ ذکر کر دیتا ہوں اور کچھ دو چار اور ضروری بنیادی باتیں ہیں وہ بھی میں ذکر کر دوں گا۔ اس کے بعد پھر آپ کو یہ تعریف سمجھ میں آئے گی بھئی۔

گزشتہ سبق میں میں نے آپ کو بتلایا تھا کہ ہر فعل کے لیے فاعل یا نائب فاعل ضرور چاہیے۔ فعلِ معروف کے لیے فاعل

چاہیے اور فعلِ مجہول کے لیے نَائِبُ الْفَاعِلِ چاہیے۔ فاعل بھی مرفوع ہوتا ہے اور نَائِبُ الْفَاعِلِ بھی مرفوع ہوتا ہے۔ جب کسی لفظ کے بارے میں آپ کو پتہ چل جائے کہ یہ فاعل ہے یا یہ نَائِبُ الْفَاعِلِ ہے تو ساتھ ہی ایک اور بات کا بھی پتہ چل جانا چاہیے کہ اس پر رفع پڑھنا ہے۔ کیونکہ فاعل بھی مرفوع ہوتا ہے اور نَائِبُ الْفَاعِلِ بھی۔ ہاں، پھر وہ رفع، وہ آپ نے غور کرنا ہے کہ رفع کبھی محلاً آتا ہے، کبھی لفظاً آتا ہے اور کبھی تقدیراً۔ اگر وہ فاعل مبنیات میں سے ہے تو اس پر رفع محلاً آئے گا کیونکہ مبنی پر رفع ظاہر نہیں ہوتا، ہاں محل کے اعتبار سے وہ مرفوع ہوتا ہے۔ اور جبکہ اگر وہ معرب ہوا وہ فاعل یا نائب فاعل تو پھر اس، وہ سولہ قسمیں جو آپ نے پڑھی ہیں نحو میر کے اندر یا وہی اعراب کے اعتبار سے اسم کی قسمیں جو آپ نے کافیہ میں پڑھ لیں یا شرحِ جامی میں پڑھ لیں کہ کبھی وہ فاعل مرفوع لفظاً ہوگا یا تقدیراً ہوگا۔ تو فاعل ہمیشہ کیا ہوتا ہے؟ مرفوع۔ پھر وہ مرفوع لفظاً بھی ہو سکتا ہے اور تقدیراً بھی ہو سکتا ہے اور محلاً بھی ہو سکتا ہے۔ محلاً کس میں ہوگا؟ مبنی میں۔ اور لفظاً اور تقدیراً کس میں ہوگا؟ معرب میں۔ لفظاً کا کیا معنی؟ کہ باقاعدہ اس کے رفع پر ہم تلفظ کریں، تلفظ سے ہی پتہ چل جائے کہ آپ اس پر رفع پڑھ رہے ہیں۔ اور تقدیراً جس میں اعراب لفظوں میں ظاہر نہیں ہوتا، کوئی مانع یا کوئی رکاوٹ ہوتی ہے۔

تو ہر فعل کے لیے ہمیشہ کیا چاہیے؟ فاعل یا نائب فاعل۔ فعلِ معروف کے لیے فاعل، فعلِ مجہول کے لیے نائب فاعل۔ اور یاد رکھنا فاعل یا نائب فاعل ہمیشہ فعل کے بعد آئے گا، کبھی بھی فعل پر وہ مقدم نہیں ہو سکتا۔ اس لیے میں نے آپ کو بتلایا تھا کہ یہ جو افعال ہیں، فعلِ ماضی اور فعلِ مضارع، ان میں ایک ایک صیغے کے اندر میں نے آپ کو فاعل کی پہچان کروائی تھی۔ اور مثلاً أَضْرِبُ متکلم کا صیغہ ہے فعلِ مضارع سے، اس أَضْرِبُ کے اندر فاعل کیا ہے؟ أَنَا ہے۔ یہ الف شروع میں جو ہمزہ آیا، اس کو آپ فاعل نہیں کہہ سکتے کیونکہ ہمزہ أَضْرِبُ، یہ ہمزہ تو ضاد، را، با پر مقدم ہے بھئی، اور فاعل کبھی بھی فعل پر مقدم نہیں ہو سکتا۔ اسی طرح نَضْرِبُ، اس کے اندر یہ جو نون ہے اس کو فاعل نہیں کہیں گے بلکہ اس نَضْرِبُ کے اندر نَحْنُ ہے۔ تو أَضْرِبُ کے اندر أَنَا ضمیر فاعل مستتر ہے، چھپی ہوئی ہے، اور نَضْرِبُ کے اندر نَحْنُ ضمیر فاعل کی ہے اور اس کے اندر مستتر ہے یعنی چھپی ہوئی ہے۔ تو ہر فعل کے لیے ہمیشہ کیا چاہیے؟ فاعل یا نائب فاعل۔ اور فاعل یا نائب فاعل ہمیشہ فعل کے بعد آئے گا، کبھی بھی فعل پر مقدم نہیں ہو سکتا۔

تو فاعل یا نائب فاعل ہمیشہ فعل کے بعد آتے ہیں، کبھی بھی فعل پر مقدم نہیں ہو سکتے۔ اور فاعل یا نائب فاعل ہمیشہ ایک ہی آئے گا، ایک سے زیادہ نہیں۔ اور پھر وہ فاعل یا نائب فاعل ضمیر بھی ہو سکتی ہے اور اسمِ ظاہر بھی۔ اسمِ ظاہر کسے کہتے ہیں؟ جو اسم تو ہے لیکن ضمیر نہیں، وہ اسمِ ظاہر کہلاتا ہے۔ تو فاعل یا نائب فاعل ایک آئے گا، اور ضمیر بھی آسکتی ہے اور اسمِ ظاہر بھی۔ اگر ضمیر فاعل آگئی تو اسمِ ظاہر فاعل نہیں آسکتا، اور اگر اسمِ ظاہر فاعل آگیا تو ضمیر نہیں آسکتی۔ لہٰذا آپ کے سامنے صرف ضَرَبَ فعل ہے۔ آپ سے کوئی ترکیب پوچھے تو آپ کیا کہیں گے؟ ضَرَبَ فعل، اس کے اندر

هُوَ ضمیر، اور اس کا اعراب کیا؟ مرفوع محلاً۔ مرفوع کیوں؟ کیونکہ فاعل ہے اور فاعل مرفوع ہوتا ہے۔ اور محلاً کیوں؟ کیونکہ هُوَ ضمیر مبنی ہے۔ تو یہ هُوَ ضمیر اس کے اندر فاعل، فعل اپنے فاعل سے مل کر جملہ فعلیہ ہوا۔ اور اگر اس کے بجائے ضَرَبَ زَيْدٌ ہو آپ کے سامنے جملہ اور آپ سے کوئی ترکیب پوچھے تو آپ کیا کہیں گے؟ ضَرَبَ فعل، زَيْدٌ مرفوع لفظاً فاعل، فعل اپنے فاعل سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہوا۔ تو پھر اب آپ کا کوئی ساتھی اعتراض کرتا ہے اور کہتا ہے ضَرَبَ زَيْدٌ، آپ نے اس ضَرَبَ کے اندر هُوَ ضمیر نہیں نکالی، تو آپ کیا جواب دیں گے؟ کہ فاعل ایک ہی آتا ہے اور وہ آگے اسمِ ظاہر آچکا ہے، اب اس کے اندر ضمیر نہیں نکالیں گے۔ اگر ضَرَبَ کے اندر آپ ضمیر نکالتے ہیں تو پھر وہ جو آگے زید ہے اس کو آپ فاعل نہیں بنا سکتے، کیونکہ فاعل یا نائب فاعل ایک آتا ہے، دو یا زیادہ نہیں آتے۔

اور پھر اس کے بعد میں نے آپ کو بتلایا تھا کہ یہ جو فاعل یا نائب فاعل ہے، یہ اسمِ ظاہر صرف دو صیغے ہیں جن کے لیے فاعل یا نائب فاعل اسمِ ظاہر آسکتا ہے اور وہ پہلا اور چوتھا صیغہ، یعنی واحد مذکر غائب اور واحد مؤنث غائب، چاہے فعلِ ماضی میں دیکھ لو اس میں بھی پہلا یا چوتھا اور...

...چاہے فعلِ مضارع میں دیکھ لو اس میں بھی پہلا یا چوتھا۔ پہلا یا چوتھا صیغہ آجائے عبارت کے اندر تو پھر آپ آگے تلاش کریں کوئی اسمِ ظاہر تو اس کے لیے فاعل نہیں بن رہا، کیونکہ ان دو صیغوں کے لیے صرف فاعل اسمِ ظاہر آسکتا ہے اور کسی کے لیے نہیں۔ تو پھر آگے آپ تلاش کریں کوئی اسمِ ظاہر تو فاعل نہیں بن رہا، اگر وہ فاعل بنے تو اس پر رفع پڑھیں اور پھر ان کے اندر ضمیر نہ نکالیں کیونکہ فاعل یا نائب فاعل ایک آتا ہے ایک سے زیادہ نہیں۔ اور اگر آگے کوئی اسمِ ظاہر آپ کو نہیں ملتا تو پھر فاعل چاہیے تو ضرور، تو پھر انہی کے اندر ضمیر نکال لیں گے جو فاعل یا نائب فاعل بنے گی۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو اسمِ ظاہر کتنے صیغوں کے لیے فاعل یا نائب فاعل بن سکتا ہے؟ دو صیغے، کون سے؟ پہلا یا چوتھا، پہلا یا چوتھا۔ اور پہلا صیغہ بھی مفرد کا اور چوتھا صیغہ بھی مفرد کا۔ معلوم ہوا ایک اور ضابطہ معلوم ہو گیا کہ فاعل یا نائب فاعل جب بھی اسمِ ظاہر ہوگا فعل کو ہمیشہ مفرد رکھیں گے، پہلا صیغہ بھی مفرد کا، چوتھا بھی مفرد کا۔ پھر آگے وہ اسمِ ظاہر، وہ چاہے مفرد ہو، تثنیہ ہو، جمع ہو اس کو آپ نے نہیں دیکھنا، ہے تو وہ اسمِ ظاہر۔ مثلاً آپ فاعل چاہے زَيْدٌ کو بنائیں، چاہے الزَّيْدَانِ تثنیہ کو بنائیں، چاہے الزَّيْدُونَ جمع کو بنائیں۔ تو چاہے زَيْدٌ ہو یہ بھی کیا ہے؟ اسمِ ظاہر۔ الزَّيْدَانِ تثنیہ یہ بھی کیا ہے؟ اسمِ ظاہر۔ الزَّيْدُونَ جمع یہ بھی کیا ہے؟ اسمِ ظاہر۔ تو بس جب بھی فاعل اسمِ ظاہر ہو، چاہے وہ مفرد ہو، تثنیہ ہو، جمع ہو یہ پھر آپ نے نہیں دیکھنا، بس فاعل اسمِ ظاہر ہے تو پھر فعل کو پہلا یا چوتھا صیغہ ہی لانا پڑے گا۔ اور پھر پہلا صیغہ کس کے لیے ہے؟ مذکر کے لیے، اور چوتھا کس کے لیے ہے؟ مؤنث کے لیے۔ تو مذکر کے لیے پہلا صیغہ لے آنا، مؤنث کے لیے چوتھا صیغہ لے آنا۔ یہاں تک بات سمجھ میں آگئی، ضابطے سمجھ میں آگئے۔

اب یاد رکھو، جس طرح فعل کے لیے ہمیشہ فاعل یا نائب فاعل چاہیے، اسی طرح یہ جو صفت کے صیغے ہیں، صفت

کے صیغے ہیں یعنی اسمِ فاعل، اسمِ مفعول، صفتِ مشبہ، اسمِ تفضیل، مبالغے کے صیغے وغیرہ، ان کے لیے بھی ہمیشہ فاعل یا نائب فاعل ضرور چاہیے۔ توجہ ہے؟ صفت کے صیغے، کون کون سے ہیں صفت کے صیغے؟ اسمِ فاعل ہے۔ بھئی دیکھو، ایک ہوتا ہے فاعل، ایک ہوتا ہے اسمِ فاعل۔ عموماً طلبہ کو یہ نہیں پتہ چلتا کہ فاعل اور اسمِ فاعل ایک ہی چیز ہیں یا الگ الگ۔ بھئی یاد رکھو، یہ دونوں بالکل الگ الگ چیزیں ہیں۔ فاعل وہ ہے جس کو فعل یا صفت کا صیغہ رفع دے۔ ضَرَبَ زَيْدٌ، اس زَيْدٌ کو ضَرَبَ نے رفع دیا تو یہ زید کیا ہے؟ فاعل ہے، لیکن یہ اسمِ فاعل نہیں ہے۔ اسمِ فاعل وہ خاص صیغہ جو آپ نے گردانوں میں پڑھا ہے، ضَارِبٌ، مَانِعٌ، فَاتِحٌ، مُكْرِمٌ، مُسْتَخْرِجٌ وغیرہ، یہ کیا ہیں؟ یہ اسمِ فاعل ہیں۔ توجہ ہے؟ تو فاعل جس کو فعل یا صفت کا صیغہ رفع دے اور اسمِ فاعل وہ مخصوص صیغے جو آپ نے گردانوں میں پڑھے۔ اسی طرح ایک ہوتا ہے مفعول اور ایک ہوتا ہے اسمِ مفعول۔ مفعول وہ ہے جس کو فعل یا صفت کا صیغہ نصب دے۔ ضَرَبَ زَيْدٌ عَمْرًا، یہ عَمْرًا کو دیکھو ضَرَبَ نے نصب دیا تو یہ مفعول ہے، یہ کیا ہے؟ جس کو فعل یا صفت کا صیغہ نصب دے۔ اور ایک ہوتا ہے اسمِ مفعول بھئی۔ اسمِ مفعول الگ چیز ہے بھئی، یہ وہ جو گردانوں میں آپ نے مخصوص صیغہ پڑھا مَضْرُوبٌ، مَفْتُوحٌ، مُكْرَمٌ، مُسْتَخْرَجٌ، مُقَاتَلٌ، یہ سارے کیا ہیں؟ اسمِ مفعول ہیں۔ فرق سمجھ میں آیا؟ فاعل اور اسمِ فاعل، مفعول اور اسمِ مفعول یہ دونوں الگ الگ چیزیں ہیں۔

تو جس طرح فعل کے لیے ہمیشہ فاعل یا نائب فاعل ضرور چاہیے، اسی طرح یہ جو صفت کے صیغے ہیں یعنی اسمِ فاعل ہے، اسمِ مفعول ہے، اسی طرح صفتِ مشبہ ہے، اسی طرح اسمِ تفضیل ہے، اسی طرح مبالغے کے صیغے ہیں، ان کے لیے بھی ہمیشہ فاعل یا نائب فاعل ضرور چاہیے۔ یہ بھی فعل جیسا عمل کرتے ہیں تو ان کے لیے بھی ہمیشہ فاعل یا نائب فاعل ضرور چاہیے۔ تو فعلِ معروف کے لیے کیا چاہیے تھا؟ فاعل۔ اور فعلِ مجہول کے لیے کیا چاہیے تھا؟ نائب فاعل۔ یاد رکھو، یہ جو اسمِ مفعول ہے، یہ فعلِ مجہول سے بنتا ہے۔ اسمِ مفعول، مَضْرُوبٌ، مَفْتُوحٌ، یہ اسمِ مفعول کس سے بنا؟ فعلِ مجہول سے۔ اور فعلِ مجہول کے لیے کیا چاہیے تھا؟ نائب فاعل، تو اسمِ مفعول کے لیے بھی کیا چاہیے؟ نائب فاعل چاہیے، جبکہ باقی صفت کے صیغے جو ہیں یعنی اسمِ فاعل، صفتِ مشبہ، اسمِ تفضیل، مبالغے کے صیغے وغیرہ، یہ ان کے لیے ہمیشہ فاعل چاہیے، ان کے لیے ہمیشہ فاعل چاہیے۔

اور پھر اس میں وہ سارے ضابطے جو میں نے ابھی فعل کے اندر ذکر کیے وہ سارے ان صفت کے صیغوں میں بھی جاری ہوں گے۔ فعل میں کیا بتایا؟ فاعل یا نائب فاعل ہمیشہ فعل کے بعد آئے گا، کبھی بھی فعل پر مقدم نہیں ہو سکتا۔ اسی طرح یہ جو صفت کے صیغے ہیں ان کے لیے بھی جو فاعل یا نائب فاعل آئے گا وہ ہمیشہ بعد میں آئے گا، کبھی بھی ان پر مقدم نہیں ہو سکتا۔ نیز وہ فاعل یا نائب فاعل ایک وقت میں ایک ہی آئے گا، یا ضمیر ہوگی یا اسمِ ظاہر ہوگا۔ اسی طرح صفت کے صیغے جو ہیں ان کے لیے بھی فاعل یا نائب فاعل ایک ہی آئے گا، اگر ضمیر آگئی تو اسمِ ظاہر نہیں آسکے گا اور اگر اسمِ ظاہر

فاعل یا نائب فاعل ہوا تو پھر ضمیر نہیں آئے گی۔ اور نیز فعل کے لیے جب فاعل یا نائب فاعل اسمِ ظاہر آتا تھا تو فعل کو ہمیشہ مفرد رکھتے ہیں، تو صفت کے صیغے کے لیے بھی فاعل یا نائب فاعل جب کیا آئے؟ اسمِ ظاہر آئے، تو اس صفت کے صیغے کو بھی ہمیشہ کیا رکھیں گے؟ مفرد رکھیں گے۔ بات سمجھ میں آگئی؟

لہٰذا اب یہ کچھ ترکیبیں لکھ لیں بھئی، یہ کچھ جملے، کچھ ترکیبیں آپ کر لیں آگے چونکہ یہ جامی کے اندر اکثر باتیں وہ ترکیب کی کرتے ہیں۔ تو بنیادی باتیں میں نے ذکر کر دیں موٹی موٹی، اب یہ کچھ ترکیبیں بھی کر لیں پھر آپ کو آگے جو صاحبِ جامی ذکر کریں گے اس کا سمجھنا آسان ہو جائے گا۔

اچھا، لکھیے بھئی: ضَرَبَ زَیْدٌ۔ ضَرَبَ زَیْدٌ۔ جی ترکیب کیجیے جلدی جلدی۔ ضَرَبَ فعل، زَیْدٌ مرفوع لفظاً فاعل۔ ہاں شاباش، سب سے پہلے اعراب بتانا ہے کیونکہ ہم اعراب حل کر رہے ہیں۔ تو زَیْدٌ مرفوع لفظاً۔ مرفوع کیوں ہے زید بھئی؟ کیونکہ فاعل ہے اور فاعل مرفوع ہوتا ہے۔ لفظاً کیوں کہا؟ اس کے رفع پر ہم تلفظ کر رہے ہیں، کر کے دکھاؤ: زَیْدٌ۔ اب اسی کے نصب پر تلفظ کرو: زَیْدًا۔ اور جر پر کرو: زَیْدٍ۔ دیکھا تلفظ سے ہی پتہ چل رہا ہے اعراب کا، اس کو اعرابِ لفظی کہتے ہیں۔ تو زَیْدٌ مرفوع لفظاً فاعل، فعل اپنے فاعل سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہوا، شاباش۔ بھئی آپ کا ایک ساتھی اعتراض کرتا ہے: آپ نے ضَرَبَ کے اندر ھُوَ ضمیر نہیں نکالی حالانکہ اس میں تو ھُوَ ضمیر ہوتی ہے، تو آپ کیا جواب دیں گے؟ کہ فاعل ایک ہی آتا ہے، اگر زید کو فاعل بنانا چاہتے ہو تو ضَرَبَ کے اندر ھُوَ ضمیر نہیں، اور اگر ھُوَ ضمیر نکالتے ہو تو پھر زید کو فاعل نہیں بنا سکتے۔

اگلا جملہ لکھیے: زَیْدٌ ضَرَبَ۔ زَیْدٌ ضَرَبَ۔ جی ترکیب کیجیے: زَیْدٌ مرفوع لفظاً بتدا، شاباش۔ مرفوع کیوں؟ کیونکہ بتدا اور بتدا مرفوع ہوتا ہے۔ لفظاً کیوں؟ اس کے رفع پر ہم تلفظ کر رہے ہیں، کر کے دکھاؤ: زَیْدٌ، شاباش۔ بھئی آپ نے اس کو بتدا بنایا، بھئی اس کو فاعل کیوں نہیں بناتے؟ ضَرَبَ فعل آرہا ہے آگے۔ شاباش، کیونکہ فاعل کبھی بھی فعل پر مقدم نہیں ہوتا، جب زید کا لفظ ضَرَبَ پر مقدم ہو گیا اب یہ ترکیب میں کچھ اور تو بن سکتا ہے، فاعل نہیں بن سکتا ضَرَبَ کے لیے۔ تو زَیْدٌ مرفوع لفظاً بتدا، ضَرَبَ فعل۔ آگے؟ ہاں فعل آگیا اور فعل کے لیے فاعل یا نائب فاعل تو ضرور چاہیے، فعلِ معروف کے لیے فاعل چاہیے اور فعلِ مجہول کے لیے نائب فاعل۔ اور آگے ضَرَبَ کے بعد تو کوئی اور لفظ ہے نہیں، تو پھر اسی کے اندر ضمیر نکالنا پڑے گی۔ اور جب فاعل یا نائب فاعل کی ضمیر فعل کے ساتھ جڑی ہوئی ہو یا اس کے اندر چھپی ہوئی ہو تو اس کو تعبیر کرتے ہیں فعل با فاعل۔ فعل با فاعل یعنی فعل فاعل کے ہمراہ بھئی، فعل فاعل کے ساتھ۔ زَیْدٌ مرفوع لفظاً بتدا، ضَرَبَ فعل با فاعل، اس کے اندر ھُوَ ضمیر مرفوع محلاً اس کا فاعل، شاباش۔ مرفوع کیوں؟ کیونکہ ھُوَ ضمیر فاعل ہے اور فاعل مرفوع ہوتا ہے۔ اور محلاً کیوں کہا؟ کیونکہ ضمیر ہے، مبنی ہے اور مبنی پر اعراب محلاً آتا ہے۔ فعل اپنے فاعل سے مل کر، یہاں یاد رکھنا، بہت قیمتی ضابطہ میں پہلے بھی کئی دفعہ ذکر کر چکا ہوں۔ یاد رکھو، جملہ مِن حَیثُ الجملہ مستقل ہوتا ہے، اس

میں بات پوری ہوتی ہے، اس میں ایک مسند ہوتا ہے اور ایک مسند الیہ، تو اس میں بات پوری، وہ کسی چیز سے جڑنے کا محتاج نہیں۔ لیکن کبھی کبھار اس کو جوڑنا پڑتا ہے اور چیزوں سے، تو یاد رکھو جملے کو جب بھی کسی چیز سے جوڑنا ہو، درمیان میں ربط ضروری ہے۔ توجہ ہے؟ درمیان میں ربط ضروری ہے۔ ربط کی مختلف صورتیں ہوتی ہیں جن کے ذریعے ربط دیا جاتا ہے، سب سے آسان صورت یہ ہے کہ اس جملے میں کوئی غائب کی ضمیر ہونی چاہیے جو اس چیز کی طرف لوٹے جس کے ساتھ آپ اسے جوڑ رہے ہیں۔ تو یہاں پر بھی زَیْدٌ ضَرَبَ، زَیْدٌ مرفوع لفظاً مبتدا، ضَرَبَ فعل، اس کے اندر ھُوَ ضمیر مرفوع محلاً اس کا فاعل، فعل اپنے فاعل سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر یہ خبر بنے گا کس کے لیے؟ زید مبتدا کے لیے۔ اور آپ ضَرَبَ پورے جملے کو جوڑ رہے ہیں زید کے ساتھ اور جملے کو جب بھی کسی چیز سے جوڑنا ہو کیا ضروری ہے؟ ربط ضروری ہے، اس کے بغیر نہیں یہ جڑے گا، تو اب اس کے اندر ربط کیا ہے وہ آپ کو بتانا پڑے گا۔ تو ضَرَبَ کے اندر ھُوَ ضمیر ہے جو کس کو لوٹ رہی ہے؟ زید کو۔ اور پھر آپ نے یہ بھی دیکھنا ہے کہ ضمیر اور مرجع میں مطابقت ہے یا مطابقت نہیں۔ زید بھی مفرد مذکر اور ھُوَ ضمیر جو لوٹائی وہ بھی کیا ہے؟ مفرد مذکر، تو ضمیر اور مرجع میں مطابقت ہے۔ تو ضَرَبَ فعل اپنے فاعل سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر خبر، مبتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔ یہاں تک بات سمجھ میں آگئی؟

اور پھر یہ بھی یاد رکھو، دیکھو زَیْدٌ ہے مبتدا اور ضَرَبَ ھُوَ یہ پورا جملہ خبر ہے، یہ پورا جملہ خبر ہے اور خبر بھی مرفوعات میں سے ہے بھئی، خبر پر بھی رفع آتا ہے۔ جب ایک لفظ کے بارے میں آپ کو کوئی بتلا دے کہ یہ مبتدا ہے تو ساتھ ہی ایک دوسری بات بھی پتہ چل گئی کہ اس پر کیا پڑھنا ہے؟ رفع۔ اسی طرح جب کسی لفظ کے بارے میں کوئی آپ کو بتلا دے کہ یہ فاعل ہے یا نائب فاعل ہے تو ساتھ ہی دوسری بات کا بھی آپ کو پتہ چل جاتا ہے کہ اس پر کیا پڑھنا ہے؟ رفع۔ اسی طرح جب کسی لفظ کے بارے میں کوئی آپ کو بتلا دے کہ یہ خبر ہے تو ساتھ ہی ایک اور بات کا بھی پتہ چل گیا کہ اس پر کیا پڑھنا ہے؟ رفع پڑھنا ہے۔ تو زَیْدٌ ضَرَبَ اس کے اندر زَیْدٌ کیا ہے؟ مبتدا۔ اور ضَرَبَ پورا جملہ کیا ہے؟ خبر۔ اور خبر کیا ہوتی ہے؟ مرفوع۔ تو یہ ضَرَبَ پورا جملہ مرفوع ہے۔ اور جملہ یاد رکھو مبنیات میں سے ہے، کس میں سے؟ مبنی، اور مبنی پر آپ جانتے ہیں اعراب ظاہر نہیں ہوتا، مبنی پر اعراب محلاً آتا ہے۔ تو اب اگر آپ سے کوئی پوچھے یہ جو ضَرَبَ پورا جملہ ہے، ضَرَبَ اور اس کے اندر ھُوَ ضمیر، یہ پورا جملہ فعلیہ ہے، اس کا محلِ اعراب کیا ہے؟ آپ کیا کہیں گے؟ یہ مرفوع ہے، شاباش، یہ ضَرَبَ پورا جملہ مرفوع ہے، کیوں مرفوع ہے؟ کیونکہ یہ خبر ہے اور خبر کیا ہوتی ہے؟ مرفوع ہوتی ہے۔ تو زَیْدٌ یہ ہے مبتدا، یہ مرفوع لفظاً ہے، اور ضَرَبَ اور اس کے اندر ھُوَ یہ جملہ فعلیہ، یہ محلاً مرفوع خبر ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟

تو دیکھو فعل کے لیے ہمیشہ فاعل یا نائب فاعل ضرور چاہیے، اسی طرح جو صفت کے صیغے ہیں ان کے لیے بھی ہمیشہ فاعل یا نائب فاعل ضرور چاہیے۔ ہمارے ہاں طلبہ فعل کے لیے تو فاعل یا نائب فاعل تلاش کرتے ہیں لیکن صفت کے صیغوں کے لیے فاعل یا نائب فاعل نہیں تلاش کرتے، حالانکہ صفت کے صیغوں کے لیے بھی فاعل یا نائب فاعل کا ہونا

ضروری ہے۔ اگلی ترکیب کیجیے، لکھیے بھئی: زَیْدٌ عَالِمٌ۔ زَیْدٌ عَالِمٌ۔ ترکیب کیجیے، زَیْدٌ مرفوع لفظاً بتدا، شاباش۔ مرفوع کیوں؟ بتدا ہے اور بتدا مرفوع ہوتا ہے۔ لفظاً کیوں؟ اس کے رفع پر ہم تلفظ کر رہے ہیں، کر کے دکھاؤ: زَیْدٌ۔ جی۔ تو آگے عَالِمٌ، ہاں اعراب، سب سے پہلے اعراب: مرفوع لفظاً، صیغہ اسمِ فاعل۔ مرفوع کیوں ہے بھئی؟ کیونکہ یہ خبر ہے، خبر مرفوع ہوتی ہے، شاباش۔ اور لفظاً کیوں کہا؟ اس کے رفع پر ہم تلفظ کر رہے ہیں، کر کے دکھاؤ: عَالِمٌ، دیکھو رفع پر میں تلفظ کر رہا ہوں۔ نصب: عَالِمًا۔ جر: عَالِمٍ۔ دیکھا تلفظ سے ہی اعراب کا پتہ چل رہا ہے، عَالِمٌ، عَالِمًا، عَالِمٍ۔ اچھا تو عَالِمٌ مرفوع لفظاً صیغہ اسمِ فاعل۔ اور جیسے فعل کے لیے ہمیشہ فاعل یا نائب فاعل چاہیے اسی طرح صفت کے صیغے کے لیے بھی کیا چاہیے؟ فاعل یا نائب فاعل چاہیے۔ اور جیسے فعل کے لیے فاعل یا نائب فاعل ضمیر بھی آسکتی ہے اور اسمِ ظاہر بھی، تو جب پچھلے جملے میں زَیْدٌ ضَرَبَ، ضَرَبَ کے لیے فاعل ضرور چاہیے تھا اور آگے کوئی فاعل تو تھا نہیں تو اسی کے اندر آپ نے ضمیر نکال لی۔ یہاں پر بھی زَیْدٌ عَالِمٌ، عَالِمٌ کے لیے کیا چاہیے؟ فاعل یا نائب فاعل چاہیے لیکن آگے تو کوئی اسمِ ظاہر ہے نہیں، تو پھر اسی کے اندر کیا کریں گے؟ ضمیر نکالیں گے۔ توجہ ہے؟ تو عَالِمٌ مرفوع لفظاً صیغہ اسمِ فاعل۔ اس کے اندر هُوَ ضمیر، اس کا اعراب بولو: مرفوع محلاً اس کا فاعل۔ مرفوع کیوں؟ کیونکہ فاعل ہے، فاعل مرفوع ہوتا ہے۔ محلاً کیوں؟ کیونکہ هُوَ ضمیر مبنی ہے اور مبنی پر اعراب محلاً آتا ہے۔ اور یہ لوٹ، ہاں شاباش، یہ هُوَ ضمیر لوٹ رہی ہے زید بتدا کی طرف۔ بات سمجھ میں آگئی؟ جی اسمِ فاعل اپنے فاعل سے مل کر شبہِ جملہ ہو کر خبر۔ فعل اپنے فاعل یا نائب فاعل سے مل کر جملہ بنتا ہے، جبکہ یہ صفت کے صیغے اپنے فاعل یا نائب فاعل سے مل کر شبہِ جملہ یا شبہِ فعل کہلاتے ہیں۔ تو اسمِ فاعل اپنے فاعل سے مل کر شبہِ جملہ ہو کر خبر، بتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔ دیکھو زَیْدٌ ضَرَبَ، ضَرَبَ جملہ کو آپ نے زید سے جوڑنا تھا تو درمیان میں کیا ضروری؟ ربط۔ اور زَیْدٌ عَالِمٌ، یہ عَالِمٌ جملہ تو نہیں لیکن شبہِ جملہ ہے یا یوں کہو یہ شبہِ فعل ہے۔ تو یہ شبہِ جملہ ہے، اور جس طرح جملے کو کسی چیز سے جوڑنے کے لیے ربط ضروری، اسی طرح شبہِ جملہ کو بھی جوڑنے کے لیے ربط ضروری۔ اسی لیے آپ نے عَالِمٌ کے اندر هُوَ ضمیر کو زید کی طرف لوٹایا اور اس سے دونوں میں ربط آگیا۔ بات سمجھ میں آگئی؟

اب دیکھو زَیْدٌ ضَرَبَ، اس ضَرَبَ کے لیے آگے فاعل ضرور چاہیے تھا، آپ نے ضمیر نکال لی۔ اور اسی طرح زَیْدٌ عَالِمٌ، یہ عَالِمٌ کے لیے فاعل ضرور چاہیے تھا، آپ نے اسی کے اندر ضمیر نکال لی۔ لیکن فاعل یا نائب فاعل کبھی اسمِ ظاہر بھی آتا ہے۔ توجہ ہے؟ اس میں اب ہم یہی دو جملے کریں گے، اب آگے ہم فاعل اسمِ ظاہر لائیں گے۔ جی، اگلا جملہ لکھیے: زَیْدٌ ضَرَبَ أَبُوهُ۔ زَیْدٌ ضَرَبَ أَبُوهُ۔ جی، ترکیب کیجیے: زَیْدٌ مرفوع لفظاً بتدا۔ ضَرَبَ فعل۔ آگے أَبُوهُ، أَبُو مرفوع لفظاً مضاف۔

بھئی یہاں ایک ضابطہ یاد رکھنا میں پہلے بھی ذکر کر چکا ہوں: جس اسم کے ساتھ بھی ضمیرِ متصل آجائے وہ ہمیشہ مضاف مضاف الیہ بنتے ہیں۔ جس اسم کے ساتھ بھی، میں اسم کی بات کر رہا ہوں فعل یا حرف کی بات نہیں کر رہا، جس اسم کے

ساتھ بھی ضمیرِ متصل آجائے وہ آپس میں کیا بنتے ہیں؟ مضاف مضاف الیہ۔ أَبُوهُ، دیکھو أَبُو اسم ہے اور اس کے ساتھ هَا ضمیرِ متصل آگئی تو یہ آپس میں کیا بنیں گے؟ مضاف مضاف الیہ۔ اور آپ جانتے ہیں مضاف کا اعراب الگ بتایا جاتا ہے اور مضاف الیہ کا اعراب الگ۔ غُلَامُ زَيْدٍ، دیکھو غُلَامُ کا اعراب الگ ہوگا اور زَيْدٍ کا اعراب الگ۔ تو أَبُوهُ، أَبُو اعراب بولو، جملہ کیا تھا؟ زَيْدٌ ضَرَبَ أَبُوهُ۔ جی، ضَرَبَ فعل، أَبُو مرفوع لفظاً مضاف۔ مرفوع کیوں؟ کیونکہ یہ فاعل ہے ضَرَبَ کے لیے بھئی، شاباش۔ اور فاعل کیا ہوتا ہے؟ مرفوع۔ اور أَبُو کس میں سے ہے؟ اسمائے ستہ مکبرہ موحدہ مضافہ إِلَى غَيْرِ يَاءِ الْمُتَكَلِّمِ۔ بھئی اسمائے ستہ صرف اتنا نہیں کہنا، اس کے ساتھ شرطیں ہیں، وہ ساری شرطیں پوری ہونی چاہئیں: اسمائے ستہ ہو، مکبرہ ہو، موحدہ ہو یعنی مفرد ہو، تثنیہ جمع نہ ہو، اور مضاف ہو إِلَى غَيْرِ يَاءِ الْمُتَكَلِّمِ یائے متکلم کے علاوہ کی طرف بھئی۔ تو اس کا رفع کس کے ساتھ آتا ہے؟ واؤ کے ساتھ، اور أَبُوهُ اس واؤ پر میں تلفظ کر رہا ہوں یا نہیں کر رہا؟ تلفظ کر رہا ہوں، تو یہ اس کا اعراب کیا ہوا؟ لفظاً ہوا۔ کیا ہوا؟ یہ اس کا رفع واؤ کے ساتھ آتا ہے اور اس واؤ پر باقاعدہ ہم تلفظ کر رہے ہیں۔ تو حالتِ رفعی میں کیسے پڑھتے ہیں؟ أَبُوهُ۔ حالتِ نصبی میں؟ أَبَاهُ، دیکھو الف آگیا۔ اور حالتِ جری میں؟ أَبِيهِ۔ تو دیکھا لفظوں سے تلفظ سے ہی اعراب کا پتہ چل رہا ہے۔

تو أَبُو مرفوع لفظاً مضاف۔ مرفوع کیوں؟ فاعل ہے۔ لفظاً کیوں؟ کیونکہ اس کے رفع پر ہم تلفظ کر رہے ہیں۔ اور مضاف، آپ کو کیسے پتہ چلا یہ مضاف ہے؟ کیونکہ اس کے ساتھ ضمیرِ متصل ہے، اور جس اسم کے ساتھ بھی ضمیرِ متصل آجائے وہ آپس میں مضاف مضاف الیہ بنتے ہیں۔ تو أَبُو مرفوع لفظاً مضاف، آگے هَا ضمیر مجرور محلاً مضاف الیہ۔ مجرور کیوں؟ مضاف الیہ ہے، مضاف الیہ مجرور ہوتا ہے۔ بھئی مجرور کو پہچاننا تو بڑا آسان ہے، دنیا میں دو ہی مجرور ہیں: ایک جس پر حرفِ جر داخل ہو جائے، حروفِ جارہ، اور ایک مضاف الیہ، مضاف الیہ۔ تو أَبُوهُ، اعراب کیا بتایا هَا ضمیر کا؟ مجرور محلاً۔ مجرور کیوں؟ مضاف الیہ ہے۔ اور محلاً کیوں؟ کیونکہ مبنی ہے، ضمیر ہے، ضمیر مبنیات میں سے ہے اور مبنی پر اعراب محلاً آتا ہے، نہ لفظاً آئے گا اور نہ تقدیراً۔ تو هَا ضمیر مجرور محلاً مضاف الیہ۔

آپ کا ایک ساتھی آپ پر اعتراض کرتا ہے: أَبُوهُ، کہ بھئی هَا پر تو میں پیش پڑھ رہا ہوں، ضمہ پڑھ رہا ہوں، آپ اس کو مجرور کیسے کہتے ہیں؟ یہ تو مرفوع ہے۔ تو آپ کیا جواب دیں گے؟ ہاں، یہ اعراب نہیں ہے، یہ اس کی حرکت ہے بھئی۔ کیونکہ هَا ضمیر تو مبنی ہے، مبنی پر تو اعراب ظاہر ہی نہیں ہوتا۔ تو پھر بھئی اس پر ضمہ کیوں پڑھا؟ وجہ یہ کہ اس کے ماقبل میں واؤ تھا۔ اگر ماقبل میں یا ہوتی تو ہم زیر پڑھ دیتے، یہ صرف حرکت ہے اعراب نہیں۔ أَبُوهُ دیکھو ماقبل میں واؤ ہے ہم نے هَا پر ضمہ پڑھا۔ أَبَاهُ ماقبل میں الف ہے اب بھی ہم نے هَا پر کیا پڑھا؟ ضمہ۔ اور أَبِيهِ ماقبل میں یا ہے تو اب ہم نے هَا پر زیر پڑھی۔ تو یہ صرف حرکت ہے یہ اعراب نہیں ہے۔

تو أَبُوهُ، هَا ضمیر مجرور محلاً مضاف الیہ۔ مضاف اپنے مضاف الیہ سے مل کر یہ فاعل بنا کس کے لیے؟ ضَرَبَ کے لیے۔

ترکیب پہ نظر ہے؟ جملے پہ بھی نظر رکھیں۔ ضَرَبَ فعل اپنے فاعل سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر یہ خبر کس کی؟ زید کی؟ نہیں بھئی یہ خبر نہیں بن سکتی کیونکہ آپ جملے کو جوڑ رہے ہیں بتدا کے ساتھ، اور جملے کو جب بھی کسی چیز سے جوڑنا ہو کیا ضروری ہے؟ ربط ضروری ہے، تو آپ کو ربط بتانا پڑے گا۔ اور ربط کی ایک صورت ابھی تک ہم نے پڑھی ہے کہ کوئی غائب کی ضمیر ہو جو اس چیز کی طرف لوٹے جس کے ساتھ آپ اس جملے کو جوڑنا چاہتے ہیں۔ تو ضَرَبَ أَبُوهُ پورے جملے کو آپ کس سے جوڑنا چاہتے ہیں؟ زَيْدٌ یعنی بتدا سے، تو اس میں ایک ضمیر چاہیے جو بتدا کو لوٹے۔ کون سی ضمیر ہے؟ شاباش یہ أَبُوهُ کے آخر میں جو هَا ضمیر ہے یہ لوٹ رہی ہے زید بتدا کو۔ اور ضمیر مرجع میں مطابقت بھی دیکھا کریں، هَا ضمیر بھی مفرد مذکر اور زید بھی کیا ہے؟ مفرد مذکر، تو یہ ضمیر زید کو لوٹ سکتی ہے۔ أَبُوهُ أَيْ أَبُو زَيْدٍ، زید کا باپ، زید کے ابو۔ تو ضَرَبَ أَبُوهُ جملہ فعلیہ یہ خبر ہوئی بتدا کے لیے، بتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ خبریہ۔

جی، بتدا کیا ہے اس پورے جملے پہ ذرا نظر رکھیں؟ زَيْدٌ بتدا، اور بتدا کیا ہوتا ہے؟ مرفوع، اس لیے اس پر آپ رفع پڑھ رہے ہیں۔ اور خبر کیا ہے؟ ہاں پورا جملہ خبر ہے، ضَرَبَ أَبُوهُ یہ پورا جملہ خبر ہے۔ اس جملے کا محلِ اعراب بتاؤ۔ یہ بھی مرفوع ہے کیونکہ یہ خبر ہے، اور صرف ضَرَبَ نہیں خبر، صرف أَبُوهُ نہیں خبر، بلکہ پورا جملہ خبر ہے۔ اور جملہ مبنیات میں سے ہے، تو یہ ضَرَبَ أَبُوهُ پورا جملہ مرفوع ہے محلاً۔ مرفوع کیوں؟ کیونکہ خبر ہے، اور محلاً کیوں؟ کیونکہ مبنی ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟

اچھا، ایک اور جملہ لکھو ذرا آگے: زَيْدٌ ضَرَبَ عَمْرٌو۔ زَيْدٌ ضَرَبَ عَمْرٌو۔ اب آپ ذرا غور کیجیے گا بھئی، أَبُوهُ کی جگہ میں عَمْرٌو لے آیا۔ توجہ ہے؟ جی، ترکیب کیجیے: زَيْدٌ مرفوع لفظاً بتدا، آگے ضَرَبَ فعل، آگے عَمْرٌو اعراب بولو: مرفوع لفظاً فاعل۔ مرفوع کیوں؟ فاعل ہے، کس کے لیے؟ ضَرَبَ کے لیے۔ اور لفظاً کیوں؟ اس کے رفع پر ہم تلفظ کر رہے ہیں، کر کے دکھاؤ: عَمْرٌو، اور اس کے نصب پر: عَمْرًا، اس کے جر پر تلفظ کرو: عَمْرٍو۔ دیکھا عَمْرٌو پر تینوں طرح کے اعراب لفظی آتے ہیں یعنی تلفظ سے ہی پتہ چل جاتا ہے۔ جی اب سمیٹیے بھئی، ضَرَبَ فعل اپنے فاعل سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر یہ خبر کس کے لیے؟ زید کے لیے۔ بھئی جملے کو آپ کیا بنانا چاہ رہے ہیں؟ خبر بنانا چاہ رہے ہیں اور جملہ بغیر ربط کے جڑے گا کسی چیز سے؟ نہیں، تو ہمیں ربط چاہیے، اب ربط بتائیے۔ ہاں ضَرَبَ کے اندر هُوَ ضمیر، شاباش۔ اگر ضَرَبَ کے اندر هُوَ ضمیر ہے پھر تو وہ فاعل ہے، پھر عَمْرٌو کو آپ نے کیسے فاعل بنایا؟ بولو بھئی۔ جی؟ جی نہیں نہیں یوں نہ کہیں، یوں کہیں کہ اس جملے کا، کہ یہ جملہ خبر نہیں بن سکتا۔ ضَرَبَ عَمْرٌو یہ زید کے لیے خبر نہیں بن سکتا کیونکہ ربط ہی نہیں ہے۔ ہاں اگر آپ ترکیب کے ماہر ہوں گے پھر آپ کوئی چیز کوئی لفظ محذوف نکال لیں گے اور پھر اس کے ذریعے وہاں ضمیر نکال لیں گے اور اس کے ذریعے ربط دے دیں گے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ ورنہ ظاہراً یہ جملہ یہ خبر بن ہی نہیں سکتا کیونکہ جملے کو جوڑنے کے لیے ہمیشہ کیا چاہیے؟ ربط چاہیے۔

اسی لیے کافیہ، صاحبِ کافیہ بھی آگے مثالیں ذکر کریں گے، وہاں وہ بھی اسی طرح کہیں گے۔ جیسے یہاں کیا آیا؟ پہلا

جملہ کیا تھا؟ زَيْدٌ ضَرَبَ أَبُوهُ۔ توجہ ہے؟ یہ أَبُوهُ کا لفظ ہم اسی لیے لائے تھے تاکہ أَبُوهُ کے آخر میں هَا ضمیر موجود ہو اور اس کے ذریعے ہم ربط دے دیں۔ اگر اس کی جگہ عَمْرٌو لے آتے پھر تو ربط کی کوئی صورت نہیں تھی۔

تو دیکھو زَيْدٌ ضَرَبَ أَبُوهُ، یہ ضَرَبَ کا فاعل ضمیر آئی یا اسمِ ظاہر آیا؟ اسمِ ظاہر، یہ أَبُوهُ کیا ہے؟ اسم۔ توجہ ہے؟ پہلا جملہ ہم نے ایک کیا تھا زَيْدٌ ضَرَبَ، اس کے اندر ضَرَبَ کا فاعل کیا تھا؟ ضمیر۔ اور اب ہے زَيْدٌ ضَرَبَ أَبُوهُ، اب ضَرَبَ کا فاعل کیا ہے؟ اسمِ ظاہر أَبُوهُ ہے۔ تو جیسے فعل کے لیے فاعل کبھی ضمیر آسکتی ہے اور کبھی اسمِ ظاہر لیکن ربط ضروری ہے، اسی طرح شبہِ جملہ کے لیے بھی فاعل کبھی ضمیر آسکتی ہے اور کبھی اسمِ ظاہر لیکن ربط ضروری ہے۔ شبہِ جملہ کی ایک مثال ہم نے کر لی تھی، کون سی؟ زَيْدٌ عَالِمٌ، اس عَالِمٌ کے اندر هُوَ ضمیر ہم نے نکالی تھی۔ اب ہم دوسرا جملہ کرتے ہیں، اس میں شبہِ جملہ کا فاعل جو ہے وہ اسمِ ظاہر کو ہم لائیں گے۔ کس کو؟ اچھا ہاں پہلے ذرا اس کا ترجمہ تو کر لو بھئی: زَيْدٌ ضَرَبَ أَبُوهُ۔ زَيْدٌ ضَرَبَ أَبُوهُ، جی۔ ہاں دیکھو ضَرَبَ پٹائی کی، ذرا صرف ضَرَبَ کی پٹائی کو دیکھ لو، ضَرَبَ کے لیے فاعل کون ہے؟ أَبُوهُ ہے۔ معلوم ہوا زید نے پٹائی کی ہے یا ابو زید نے پٹائی کی ہے؟ ابو زید نے پٹائی کی ہے، یہ آپ نے خاص خیال رکھنا ہے ترجمہ کرتے ہوئے۔ لہٰذا اب ترجمہ کرو۔ ہاں زید کے، کے کا لفظ لے آؤ، زید کے پٹائی کی ہے أَبُوهُ اس کے ابو نے، زید کے ابو نے پٹائی کی ہے، زید نے پٹائی نہیں کی۔ بات سمجھ میں آگئی؟ یہ تو تھا لفظوں کے مطابق آپ ترجمہ کر رہے ہیں: زَيْدٌ ضَرَبَ أَبُوهُ، کس طرح؟ زید کے پٹائی کی ہے أَبُوهُ اس کے ابو نے۔ بامحاورہ ترجمہ یوں کرو: زید کے ابو نے پٹائی کی ہے۔ زید کے ابو نے پٹائی کی ہے۔ کس کی کی ہے یہ اس جملے میں ذکر نہیں، مفعول کو کبھی حذف بھی کر لیتے ہیں۔

اب زَيْدٌ عَالِمٌ یہ ہم نے ایک ترکیب کی تھی، ترجمہ کرو۔ کہ زید عالم ہے۔ دیکھو عَالِمٌ کے اندر فاعل کیا؟ هُوَ۔ اور هُوَ ضمیر کس کو لوٹ رہی ہے؟ زید، معلوم ہوا عالم زید ہی ہے کوئی اور نہیں۔ تو زَيْدٌ عَالِمٌ کا کیا ترجمہ؟ زید عالم ہے۔ اب ہم اس عالم کے لیے فاعل اسمِ ظاہر کو لائیں گے۔ لکھیں بھئی: زَيْدٌ عَالِمٌ أَبُوهُ۔ زَيْدٌ عَالِمٌ أَبُوهُ۔ جی، شروع کیجیے ترکیب: زَيْدٌ مرفوع لفظاً مبتدا، شاباش۔ عَالِمٌ مرفوع لفظاً صیغہ اسمِ فاعل۔ یہ عَالِمٌ مرفوع کیوں؟ کیونکہ یہ خبر بن رہا ہے۔ مرفوع کیوں؟ ہاں کیونکہ یہ خبر ہے۔ لفظاً کیوں؟ کیونکہ اس کے رفع پر ہم تلفظ کر رہے ہیں، کر کے دکھاؤ: عَالِمٌ۔ آگے عَالِمٌ کو کیا کہا؟ عَالِمٌ مرفوع لفظاً صیغہ اسمِ فاعل۔ اور اسمِ فاعل کے لیے کیا چاہیے؟ فاعل ضرور چاہیے۔ تو أَبُو مرفوع لفظاً مضاف۔ مرفوع کیوں؟ فاعل ہے۔ لفظاً کیوں؟ اس کے رفع پر ہم تلفظ کر رہے ہیں، کر کے دکھاؤ: أَبُوهُ۔ نصب پر: أَبَاهُ۔ جر پر: أَبِيهِ۔ تو یہ أَبُو مرفوع لفظاً مضاف۔ مرفوع کیوں؟ فاعل ہے۔ اچھا، آگے هَا ضمیر اعراب بولو: مجرور محلاً مضاف الیہ۔ یہ کس کو راجع؟ جی، عَالِمٌ؟ شاباش! أَبُو مضاف اپنے مضاف الیہ سے مل کر یہ فاعل ہوا کس کے لیے؟ عَالِمٌ کے لیے۔ عَالِمٌ صیغہ اسمِ فاعل اپنے فاعل سے مل کر شبہِ جملہ ہو کر خبر۔ بھئی شبہِ جملہ کو جب بھی کسی چیز سے جوڑنا ہو ربط ضروری، تو عَالِمٌ أَبُوهُ یہ سارا شبہِ جملہ، صرف عَالِمٌ

نہیں ہے شبہِ جملہ، ساتھ جتنی چیزیں جڑی ہیں ان کو بھی جوڑو، عَالِمٌ أَبُوهُ اس سارے شبہِ جملہ کو آپ کس سے جوڑنا چاہتے ہیں؟ زید سے۔ اور کوئی ربط دیا آپ نے؟ نہیں، پھر کیا ہے ربط؟ ہاں شاباش، دیکھا اب غلطی کا آپ کو پتہ چل گیا، أَبُوهُ کی هَا ضمیر، آپ نے عَالِمٌ کو راجع کی بھئی کیوں؟ عَالِمٌ کو کیوں راجع کی؟ جس سے ربط چاہیے تھا اس کی طرف راجع کریں، تو أَبُوهُ کی هَا ضمیر عَالِمٌ کو نہیں راجع بلکہ زید کو راجع ہے، وہ مبتدا جس کے ساتھ آپ اس شبہِ جملہ کو جوڑنا چاہتے ہیں۔ یہ ضابطے لگاؤ ایک ایک عبارت خود بخود حل ہوتی چلی جائے گی بھئی۔

تو اسمِ فاعل اپنے فاعل سے مل کر شبہِ جملہ ہو کر خبر، مبتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔ دیکھو زَيْدٌ عَالِمٌ أَبُوهُ، زَيْدٌ بھی مرفوع، عَالِمٌ بھی مرفوع، أَبُوهُ بھی مرفوع، لیکن جب میں نے اعراب کی وجہ پوچھی آپ نے ہر ایک کی وجہ الگ الگ بتائی۔ زَيْدٌ کیوں مرفوع؟ مبتدا ہے۔ عَالِمٌ کیوں مرفوع؟ خبر ہے۔ اور أَبُوهُ کیوں مرفوع؟ وہ فاعل ہے عَالِمٌ کے لیے۔ بات سمجھ میں آرہی ہے؟

تو جیسے پچھلا جملہ تھا زَيْدٌ ضَرَبَ أَبُوهُ، اس میں ضَرَبَ أَبُوهُ پورا جملہ فعلیہ جوڑنے کے لیے کیا ضروری تھا؟ ربط۔ اسی طرح یہ جملہ ہے زَيْدٌ عَالِمٌ أَبُوهُ، تو یہ عَالِمٌ أَبُوهُ جملہ تو نہیں ہے یہ شبہِ، میں نے بتایا فعل اپنے فاعل یا نائب فاعل سے مل کر جملہ بنتا ہے اور صفت کے صیغے اپنے فاعل یا نائب فاعل سے مل کر شبہِ جملہ بنتے ہیں۔ اور جیسے جملے کو کسی چیز سے جوڑنے کے لیے ربط ضروری، اسی طرح شبہِ جملہ کو بھی کسی چیز سے جوڑنے کے لیے ربط ضروری ہے۔ تو یہ یہاں ہم نے ربط دے دیا بھئی۔ اب ترجمہ کرو: زَيْدٌ عَالِمٌ أَبُوهُ۔ ہاں عَالِمٌ، یہ صرف اس پہ ذرا نظر رکھو، عَالِمٌ، عالم ہے، کون عالم ہے؟ أَبُوهُ أَيْ أَبُو زَيْدٍ، زید کا باپ عالم ہے۔ زید عالم نہیں بلکہ یہاں کیا بیان ہو رہا ہے؟ کہ زید کا باپ عالم ہے۔ تو زَيْدٌ عَالِمٌ أَبُوهُ۔ جی، ترجمہ کیجیے۔ زید کے، کے کا لفظ درمیان میں لاؤ۔ زید کے عالم ہے أَبُوهُ اس کے ابو، اس کا باپ۔ بامحاورہ ترجمہ کرو: زید کا باپ عالم ہے، یا زید کے ابو عالم ہیں۔

تو دیکھا معلوم ہوا جیسے فعل کے لیے ہمیشہ فاعل یا نائب فاعل چاہیے اسی طرح صفت کے صیغے کے لیے بھی ہمیشہ کیا چاہیے؟ فاعل یا نائب فاعل چاہیے۔ اور فاعل یا نائب فاعل ہمیشہ فعل کے بعد آتا ہے، اسی طرح صفت کے صیغے کے بعد میں آئے گا ہمیشہ فاعل یا نائب فاعل۔ فاعل یا نائب فاعل کبھی بھی فعل پر مقدم نہیں ہو سکتا، اسی طرح صفت کے صیغے کا جو فاعل یا نائب فاعل ہے وہ بھی اس پر کبھی مقدم نہیں ہو سکتا۔ اور فاعل یا نائب فاعل ضمیر بھی آسکتی ہے اور اسمِ ظاہر بھی فعل کے لیے، اسی طرح صفت کے صیغے کے اندر بھی فاعل یا نائب فاعل ضمیر بھی آسکتی ہے اور اسمِ ظاہر بھی۔ لیکن آئے گا ایک وقت میں ایک ہی، اگر ضمیر فاعل آگئی تو اسمِ ظاہر نہیں آئے گا اور اگر اسمِ ظاہر آگیا تو ضمیر نہیں آئے گی۔ اور جیسے فعل اپنے فاعل یا نائب فاعل سے مل کر جملہ بنتا ہے، اسی طرح صفت کے صیغے اپنے فاعل یا نائب فاعل سے

مل کر شبہِ جملہ بنتے ہیں۔ اور جیسے جملے کو کسی چیز سے جوڑنے کے لیے ربط ضروری، اسی طرح شبہِ جملہ کو بھی کسی چیز سے جوڑنے کے لیے ربط ضروری ہے۔

جی، اب بنیادی باتیں آپ کو آگئیں، اب دو تین چیزیں اور کر لیں بھئی۔ اچھا، یہاں تک بات سمجھ میں آگئی؟ کیا بات ہوئی؟ کہ فاعل صرف فعل کے لیے آتا ہے یا شبہِ فعل کے لیے بھی آتا ہے؟ شبہِ فعل یعنی صفت کے صیغوں کے لیے بھی فاعل آتا ہے۔ اور ایک مثال ہم نے کر لی اسمِ فاعل کی: زَيْدٌ عَالِمٌ أَبُوهُ، یہ عَالِمٌ کیا ہے؟ اسمِ فاعل ہے۔ اب ذرا اسمِ مفعول کی بھی ترکیب ہم کر لیں۔ زَيْدٌ مَضْرُوبٌ۔ زَيْدٌ مَضْرُوبٌ۔ ترکیب کیجیے: زَيْدٌ مرفوع لفظاً بتدا۔ مَضْرُوبٌ مرفوع لفظاً صیغہ اسمِ مفعول بھئی، صیغہ اسمِ مفعول۔ اور اسمِ مفعول کے لیے فاعل نہیں چاہیے بلکہ کیا چاہیے؟ نَائِبُ الْفَاعِلِ چاہیے۔ تو آگے کوئی اسمِ ظاہر تو ہے نہیں، پھر اسی کے اندر ضمیر نکالنا پڑے گی۔ تو مَضْرُوبٌ مرفوع لفظاً صیغہ اسمِ مفعول۔ مرفوع کیوں؟ کیونکہ یہ خبر ہے۔ لفظاً کیوں؟ اس کے رفع پر ہم تلفظ کر رہے ہیں، کر کے دکھاؤ: مَضْرُوبٌ۔ نصب پر: مَضْرُوبًا۔ جر پر: مَضْرُوبٍ۔ مَضْرُوبٌ صیغہ اسمِ مفعول۔ آگے، اس کے اندر هُوَ ضمیر مرفوع محلاً نائب فاعل۔ صفت کا صیغہ آگیا نا، صفت کے صیغے کے لیے بھی ہمیشہ فاعل یا نائب فاعل چاہیے۔ اسمِ فاعل کے لیے تو فاعل چاہیے تھا لیکن اسمِ مفعول کے لیے نائب فاعل۔ تو اس کے اندر هُوَ ضمیر مرفوع محلاً نائب فاعل۔ مرفوع کیوں؟ کیونکہ وہ نَائِبُ الْفَاعِلِ ہے، هُوَ ضمیر کیا ہے؟ نائب فاعل۔ محلاً کیوں کہا؟ کہ مبنی ہے۔ جی سمیٹیے بھئی۔ شاباش، یہ ضمیر لوٹ رہی ہے کس کی طرف؟ زید، دیکھا یہ، جی یہ ربط بھی آپ نے بتا دیا۔ تو اسمِ مفعول اپنے نائب فاعل سے مل کر شبہِ جملہ ہو کر خبر، آپ نے ربط دے دیا ورنہ شبہِ جملہ بغیر ربط کے نہیں جڑتا۔ بتدا اپنی خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔ زَيْدٌ مَضْرُوبٌ، ترجمہ کریں۔ ہاں، زید کی پٹائی کی گئی ہے، زید مضروب ہے۔

اگلا جملہ لکھیے: زَيْدٌ مَضْرُوبٌ أَخُوهُ۔ زَيْدٌ مَضْرُوبٌ أَخُوهُ۔ أَخُوهُ، لکھ لیا بھئی؟ زَيْدٌ مَضْرُوبٌ أَخُوهُ۔ ترکیب کیجیے بھئی: زَيْدٌ مرفوع لفظاً بتدا۔ مَضْرُوبٌ مرفوع لفظاً صیغہ اسمِ مفعول، شاباش۔ مرفوع کیوں؟ کیونکہ یہ خبر ہے۔ اور لفظاً کیوں؟ اس کے رفع پر ہم تلفظ کر رہے ہیں۔ آگے بھئی، أَخُوهُ۔ شاباش، أَخُو مرفوع لفظاً مضاف۔ مرفوع کیوں؟ کیونکہ یہ نَائِبُ الْفَاعِلِ ہے مَضْرُوبٌ کے لیے، بات سمجھ میں آگئی؟ اور لفظاً کیوں؟ اس کے رفع پر ہم تلفظ کر رہے ہیں، کر کے دکھاؤ: أَخُوهُ۔ نصب پر: أَخَاهُ۔ جر پر: أَخِيهِ۔ دیکھا معلوم ہوا یہ جو اسمائے ستہ مکبرہ موحدہ مضافہ إِلَى غَيْرِ يَاءِ الْمُتَكَلِّمِ ہیں، ان کا اعراب تینوں حالتوں میں لفظاً آتا ہے یعنی تلفظ سے ہی پتہ چل جاتا ہے کہ ہم رفع پڑھ رہے ہیں یا نصب یا جر۔ تو أَخُو مرفوع لفظاً مضاف۔ مرفوع کیوں؟ نائب فاعل ہے۔ اور مضاف، آپ کو کیسے پتہ چلا یہ مضاف ہے؟ کیونکہ اسم کے ساتھ ضمیرِ متصل آگئی تو یہ آپس میں مضاف مضاف الیہ بنتے ہیں۔ آگے ترکیب کیجیے: هَا ضمیر مجرور محلاً مضاف الیہ ہے، شاباش۔ جی سمیٹیے: مضاف اپنے

مضاف الیہ سے مل کر یہ نَائِبُ الْفَاعِلِ ہوا مَضْرُوبٌ کے لیے۔ مَضْرُوبٌ اسمِ مفعول اپنے نائب فاعل سے مل کر شبہِ جملہ ہو کر خبر۔ بھئی شبہِ جملہ کو جوڑ رہے ہیں، کیا ضروری؟ ربط۔ کیا ربط ہے؟ أَخُوهُ کی هَا ضمیر شاباش، وہ زید کو راجع ہے، اس سے ربط آگیا۔ تو اسمِ مفعول اپنے نائب فاعل سے مل کر شبہِ جملہ ہو کر خبر، بتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔ دیکھو زَيْدٌ مَضْرُوبٌ أَخُوهُ، میں نے زید کے بارے میں پوچھا آپ نے کہا مرفوع ہے، میں نے مَضْرُوبٌ کے بارے میں پوچھا آپ نے کہا مرفوع ہے، میں نے أَخُوهُ کے بارے میں پوچھا آپ نے کہا مرفوع ہے، لیکن وجہ میں نے پوچھی تو آپ نے وجہ ہر ایک کی الگ الگ بیان کی۔ میں نے پوچھا زَيْدٌ کیوں مرفوع؟ آپ نے کیا کہا؟ بتدا ہے۔ میں نے کہا مَضْرُوبٌ کیوں مرفوع؟ آپ نے کیا کہا؟ خبر ہے۔ اور میں نے پوچھا أَخُوهُ کیوں مرفوع؟ آپ نے کیا کہا؟ کہ یہ نائب فاعل ہے مَضْرُوبٌ کے لیے۔ ترکیب سمجھ میں آرہی ہے؟

دیکھو ہم نے اسمِ فاعل کی بھی ترکیب کر لی اور اسمِ مفعول کی بھی۔ جیسے فعل کے لیے فاعل یا نائب فاعل چاہیے، اسی طرح اسمِ فاعل کے لیے ہمیشہ کیا چاہیے؟ فاعل۔ اسمِ مفعول کے لیے کیا چاہیے؟ نائب فاعل چاہیے۔ اب ہم صفتِ مشبہ کی ترکیب کر لیتے ہیں، اس کی بھی ترکیب اسی طرح ہے۔ زَيْدٌ كَرِيمٌ۔ زَيْدٌ، لکھیے بھئی، جلدی جلدی لکھیے: زَيْدٌ كَرِيمٌ۔ صفتِ مشبہ آپ جانتے ہیں: كَرِيمٌ، شَرِيفٌ، حَسَنٌ، یہ سب کیا ہیں؟ صفتِ مشبہ۔ یہ فعلِ لازم سے آتی ہیں، فعلِ متعدی سے نہیں۔ اور اس کا سب سے مشہور وزن صفتِ مشبہ کا فَعِيلٌ ہے: شَرِيفٌ، كَرِيمٌ، عَلِيمٌ، سَمِيعٌ، یہ سارے صفتِ مشبہ ہیں۔ زَيْدٌ كَرِيمٌ، جی ترکیب کیجیے: زَيْدٌ مرفوع لفظاً بتدا۔ كَرِيمٌ مرفوع لفظاً صفتِ مشبہ۔ مرفوع کیوں؟ کیونکہ خبر ہے۔ لفظاً کیوں؟ اس کے رفع پر ہم تلفظ کر رہے ہیں، کر کے دکھاؤ: كَرِيمٌ۔ نصب پر: كَرِيمًا۔ جر پر: كَرِيمٍ۔ دیکھا اس پر تینوں طرح کا اعراب لفظاً آتا ہے یعنی تلفظ سے ہی پتہ چل جاتا ہے۔ اور صفتِ مشبہ کے لیے بھی ہمیشہ کیا چاہیے؟ فاعل چاہیے۔ تو اسی کے اندر هُوَ ضمیر مرفوع محلاً اس کا فاعل۔ صرف اسمِ مفعول کے لیے نائب فاعل چاہیے، باقی سب کے لیے فاعل چاہیے۔ تو یہ صفتِ مشبہ کے لیے بھی کیا چاہیے؟ فاعل۔ تو اس کے اندر هُوَ ضمیر مرفوع محلاً اس کا فاعل، جو کس کو راجع؟ زید کو، دیکھو ربط بھی آگیا۔ تو صفتِ مشبہ اپنے فاعل سے مل کر شبہِ جملہ ہو کر خبر، بتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔ ترکیب سمجھ میں آگئی؟ ترجمہ کرو: زَيْدٌ كَرِيمٌ۔ ہاں، زید معزز ہے، زید معزز آدمی ہے۔ یا زید سخی آدمی ہے، كَرِيمٌ کا معنی معزز بھی اور كَرِيمٌ کا معنی سخی بھی۔

جی، دیکھو اب یہ جو كَرِيمٌ صفتِ مشبہ آئی، اسی کے اندر آپ نے ضمیر نکال لی، اور کبھی اسمِ ظاہر بھی آسکتا ہے اس کے لیے فاعل۔ اسمِ، جی ترکیب لکھیے بھئی: زَيْدٌ كَرِيمٌ أَبُوهُ۔ زَيْدٌ كَرِيمٌ أَبُوهُ۔ جی جلدی جلدی اب ترکیب کیجیے، اب تو آپ کو ترکیب آگئی۔ زَيْدٌ مرفوع لفظاً بتدا۔ كَرِيمٌ مرفوع لفظاً صفتِ مشبہ۔ آگے أَبُوهُ میں أَبُو جو ہے وہ مرفوع لفظاً مضاف، اور مرفوع کیوں ہے یہ؟ فاعل ہے۔ اور هَا ضمیر مجرور محلاً مضاف الیہ، اور ربط بھی دے دو یہ ضمیر کس کو راجع؟ زید کو، کیونکہ

اس شبہِ جملہ کو ہم مبتدا سے جوڑیں گے۔ جی تو مضاف اپنے مضاف الیہ سے مل کر یہ فاعل ہوا كَرِيمٌ کے لیے۔ اور صفتِ مشبہ اپنے فاعل سے مل کر شبہِ جملہ ہو کر خبر، مبتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔ زَيْدٌ كَرِيمٌ أَبُوهُ، ترجمہ کیجیے: زید کے معزز ہیں اس کے ابو، یعنی زید کے ابو معزز ہیں یا زید کے ابو سخی ہیں۔ دیکھو كَرِيمٌ أَبُوهُ، كَرِيمٌ زید ہے یا أَبُوهُ ہے؟ أَبُوهُ ہے بھئی، بات سمجھ میں آگئی؟

اچھا، یہ تھی صفتِ مشبہ۔ جیسے فعل کے لیے فاعل یا نائب فاعل چاہیے، اسی طرح اسمِ فاعل کے لیے ہمیشہ کیا چاہیے؟ فاعل۔ اسمِ مفعول کے لیے کیا چاہیے؟ نائب فاعل۔ صفتِ مشبہ کے لیے کیا چاہیے؟ فاعل چاہیے۔ اور یہ بھی آپ دیکھتے جا رہے ہیں کہ فاعل یا نائب فاعل ہمیشہ بعد میں آتا ہے اور یہ صیغے پہلے آتے ہیں۔ اور فاعل یا نائب فاعل ایک ہی آئے گا، ایک سے زیادہ نہیں۔ اور وہ فاعل یا نائب فاعل ضمیر بھی آسکتی ہے اور اسمِ ظاہر بھی۔ اگر اسمِ ظاہر آیا تو ضمیر نہیں آسکتی، اور اگر ضمیر آگئی تو اسمِ ظاہر نہیں آسکتا۔ یہاں تک باتیں سمجھ میں آگئیں؟

اب اگلی ترکیب کیجیے: ہم اسمِ، مصدر جو ہے، یاد رکھو یہ جو مصدر ہے، مصدر، یہ بھی فعل جیسا عمل کرتا ہے۔ اپنے فاعل کو رفع دیتا ہے اور اپنے مفعول کو نصب دیتا ہے۔ لیکن عموماً زیادہ تر مصدر جو ہے اپنے فاعل کی طرف اس کی عموماً اضافت کر دیتے ہیں، مصدر بن جاتا ہے مضاف اور اس کا فاعل کیا بنتا ہے؟ مضاف الیہ بن جاتا ہے۔ بات سمجھ میں؟ مثلاً لکھو بھئی: أَعْجَبَنِي ضَرْبٌ زَيْدٌ عَمْرًا۔ أَعْجَبَنِي ضَرْبٌ زَيْدٌ عَمْرًا۔ توجہ ہے؟ دیکھو أَعْجَبَنِي ضَرْبٌ زَيْدٌ عَمْرًا۔ جیسے ضَرَبَ اپنے فاعل کو رفع دیتا ہے اور اپنے مفعول کو نصب، اسی طرح مصدر بھی عمل کرتا ہے، اپنے فاعل کو رفع دیتا ہے اور اپنے مفعول کو نصب دیتا ہے۔ دیکھو اب یہ ترکیب سنو: أَعْجَبَنِي، یہ نون جانتے ہو کہ یہ کیا ہے؟ یہ نونِ وقایہ ہے، یہ کیا ہے؟ نونِ وقایہ۔ نونِ وقایہ کہاں لاتے ہیں عموماً جب فعل کے ساتھ واحد متکلم کی ضمیر جوڑتے ہیں مفعول کی، تو اس وقت نونِ وقایہ لاتے ہیں۔ دیکھو أَعْجَبَ، أَعْجَبَ کا معنی ہے تعجب میں ڈالنا، ایک چیز کا دوسری چیز کو تعجب میں ڈالنا۔ اس کے لیے میں یا ضمیر کو مفعول بنانا چاہتا ہوں، یا دوسری مثال لے لو ضَرَبَنِي سے۔ ضَرَبَ فعل ہے، ضَرَبَنِي زَيْدٌ۔ ضَرَبَ پٹائی کی، نِي میری، زَيْدٌ کس نے؟ زید نے۔ اب دیکھو یہ ضَرَبَ فعل ہے اور اس کے لیے میں یا ضمیر کو مفعول بنانا چاہتا ہوں، اور آگے زَيْدٌ کو کیا بنانا چاہتا ہوں؟ فاعل۔ تو زَيْدٌ تو فاعل بن گیا لیکن یا ضمیر میں کس کے ساتھ جوڑنا چاہتا ہوں؟ ضَرَبَ کے ساتھ۔ اور یا ہمیشہ اپنے سے ماقبل کسرہ چاہتی ہے، یا کیا چاہتی ہے؟ کسرہ۔ اور ضَرَبَ تو فعلِ ماضی ہے، ماضی تو مبنی ہوتی ہے، آپ نے پڑھا ہے مَبْنِيٌّ الْأَصْلِ کتنی چیزیں ہیں؟ تین: فعلِ ماضی، فعلِ امر، اور تمام حروف۔ تو فعلِ ماضی تو مبنی ہے بلکہ مَبْنِيٌّ الْأَصْلِ ہے۔ تو ضَرَبَ، اس کا آخر مبنی ہے، اور آخر میں میں کس کو جوڑنا چاہتا ہوں؟ یا کو۔ یا کیا چاہتی ہے؟ کہ ضَرَبَ کی با پر کیا آ جائے؟ زیر آجائے، یا اپنے سے ماقبل کسرہ چاہتی ہے۔ اور ضَرَبَ چاہتا ہے کہ میری با پر زیر نہ آئے، اس پر اسی طرح، یہ مبنی ہے اس کو اسی طرح رہنا چاہیے۔ توجہ ہے؟ تو اب میں یا کو جوڑنا چاہتا ہوں، یا اپنے سے ماقبل کسرہ چاہتی ہے اور ماضی

کا آخر مبنی ہے وہ بدلنا نہیں چاہتا، تو پھر اور کوئی صورت نہیں رہتی تو پھر درمیان میں ایک نون لے آتے ہیں، اس نون کو نونِ وقایہ کہتے ہیں۔ وَقَى يَقِي وِقَايَةً کا معنی ہے حفاظت کرنا۔ اس نے کیا کیا؟ اس نون نے ماضی کے آخر کی حفاظت کر دی۔ ضَرَبَ کیا چاہتا تھا؟ کہ اس کی با پر زبر ہی رہے، اس میں تبدیلی نہ آئے۔ اب جب درمیان میں نون آیا تو یا اپنے سے ماقبل کسرہ چاہتی تھی تو اب کسرہ ہم نے نون کو دے دیا، ضَرَبَنِي۔ اب دونوں کی ضرورت پوری ہو گئی، یا اپنے سے ماقبل کسرہ چاہتی تھی وہ کسرہ بھی نون پر آگیا اور ضَرَبَ چاہتا تھا کہ میری با پر فتحہ رہے وہ فتحہ بھی برقرار رہا، تو اس نون کو کیا کہتے ہیں؟ نونِ وقایہ۔

تو یہاں پر میں نے آپ کو کیا جملہ لکھوایا؟ أَعْجَبَنِي، عبارت پہ نظر رکھیں جو میں نے لکھوایا: أَعْجَبَنِي ضَرْبٌ زَيْدٌ عَمْرًا۔ توجہ ہے؟ جیسے فعل عمل کرتا ہے اپنے فاعل کو رفع دیتا ہے اور اپنے مفعول کو نصب، اسی طرح مصدر بھی عمل کرتا ہے۔ دیکھو ضَرْبٌ زَيْدٌ عَمْرًا، ضَرْبٌ زَيْدٌ عَمْرًا، یہ زَيْدٌ کو رفع کس نے دیا؟ ضَرْبٌ نے، ضَرْبٌ مصدر عمل کر رہا ہے۔ اور یہ عَمْرًا کو نصب کس نے دیا؟ یہ ضَرْبٌ نے۔ تو دیکھو یہ ضَرْبٌ مصدر ہے، مصدر بھی کیا کرتا ہے؟ اپنے فاعل کو رفع دیتا ہے اور اپنے مفعول کو نصب دیتا ہے۔ اب ترکیب کیا ہے؟ أَعْجَبَنِي ضَرْبٌ زَيْدٌ عَمْرًا۔ توجہ ہے؟ مشکل ترکیب ہے خوب اچھی طرح سمجھ لو۔ أَعْجَبَ فعل، نون وقایہ، یا ضمیر، یہ مفعول ہے، فعل جر دیتا ہے؟ نہیں۔ فعل یا تو فاعل کو رفع دیتا ہے یا مفاعیل وغیرہ کو نصب دیتا ہے۔ جر تو صرف دو ہی چیزیں دیتی ہیں، ایک مضاف اور ایک حرفِ جر۔ تو لہٰذا أَعْجَبَنِي، یہ نون وقایہ، یا ضمیر یہ مفعول بہ ہے، منصوب محلاً مفعول بہ۔ اور منصوب کیوں؟ مفعول بہ ہے۔ محلاً کیوں ہے؟ مبنی ہے بھئی۔ آگے ضَرْبٌ مرفوع لفظاً، یاد رکھو یہ فاعل ہے أَعْجَبَ کے لیے۔ أَعْجَبَ فعل ہے، فعل کے لیے کیا چاہیے؟ فاعل یا نائب فاعل چاہیے ہوتا ہے اور یہ فعلِ معروف ہے، فعلِ معروف کے لیے تو فاعل چاہیے، تو یہ ضَرْبٌ کیا ہے؟ فاعل۔ أَعْجَبَنِي مجھے تعجب میں ڈالا، کس چیز نے مجھے تعجب میں ڈالا؟ ضَرْبٌ یہ فاعل ہے، اس ضرب نے مجھے تعجب میں ڈالا۔ معنی پہ غور کر رہے ہیں؟ تو ضَرْبٌ مرفوع لفظاً، بلکہ یوں نہ کہو، مرفوع لفظاً مصدر۔ مرفوع لفظاً مصدر، ہے تو یہ فاعل ہی لیکن آگے چیزوں کو جوڑنے کے بعد ہم اس کو فاعل بنائیں گے۔ تو ضَرْبٌ مرفوع لفظاً مصدر۔ مرفوع کیوں؟ کیونکہ یہ فاعل ہے أَعْجَبَنِي کے لیے۔ اور لفظاً کیوں؟ اس کے رفع پر ہم تلفظ کر رہے ہیں، کر کے دکھاؤ: ضَرْبٌ، شاباش۔ اچھا تو مرفوع لفظاً مصدر۔ آگے زَيْدٌ مرفوع لفظاً فاعل، کس کے لیے؟ ضَرْبٌ کے۔ بھئی ضرب ہے، یہ ضرب خود بخود ہوگی یا کسی نے لگائی ہے؟ کسی نے لگائی۔ اور کسی کو لگی ہے یا نہیں لگی؟ بغیر کسی کو لگے ضرب ہو سکتی ہے؟ معلوم ہوا ضرب لگانے والا بھی کوئی ہے اور کوئی ایسا بھی ہے جس کو ضرب لگی ہے۔ تو ضَرْبٌ زَيْدٌ عَمْرًا، معلوم ہوا یہ ضرب کس نے لگائی ہے؟ زید نے، اور کس کو لگائی ہے؟ عمر کو لگائی ہے۔ تو مصدر کے لیے بھی ہمیشہ کیا چاہیے ہوتا ہے؟ فاعل اور مفعول ضرب کے لیے، بات سمجھ میں آگئی؟ تو زَيْدٌ مرفوع لفظاً فاعل کس کے لیے؟ ضَرْبٌ کے لیے، بات سمجھ میں آگئی۔ اور عَمْرًا منصوب لفظاً مفعول بہ کس کے لیے؟ ضَرْبٌ کے لیے۔ تو یہ زَيْدٌ کو رفع کس نے دیا؟ ضَرْبٌ نے، یہ عَمْرًا کو نصب کس نے دیا؟ ضَرْبٌ نے۔ مصدر بھی کس کی طرح عمل کرتا

ہے؟ اپنے فعل کی طرح، بات سمجھ میں آگئی؟

لیکن ایک بات یاد رکھنا، یہ جو مصدر ہے عموماً اس کی اپنے فاعل کی طرف اضافت کر دیتے ہیں۔ توجہ ہے؟ لہٰذا عبارت پہ نظر رکھو جو میں نے لکھوائی ہے: ضَرْبٌ زَيْدٌ عَمْرًا۔ یہ زَيْدٌ کیا ہے ضَرْبٌ کے لیے؟ فاعل، اور فاعل کی طرف مصدر کی عموماً کیا کرتے ہیں؟ اضافت کرتے ہیں۔ لہٰذا ضَرْبٌ نہ کہو، اس ضَرْبٌ کی زید کی طرف اضافت کر دو۔ کیسے؟ کرو، اضافت کرو۔ ضَرْبُ زَيْدٍ، تنوین ختم ہو گئی، ضَرْبُ زَيْدٍ۔ اب عبارت بن گئی: أَعْجَبَنِي ضَرْبُ زَيْدٍ عَمْرًا۔ توجہ ہے؟ یہ زَيْدٍ کیا ہے اس وقت؟ مضاف الیہ ہے، مجرور ہے، لیکن معنی کے اعتبار سے یہ فاعل ہے ضَرْبٌ کے لیے، مرفوع ہے، بات سمجھ میں آگئی؟

جی، اب پھر دوبارہ ترکیب کیجیے: أَعْجَبَنِي ضَرْبُ زَيْدٍ عَمْرًا۔ جی، أَعْجَبَ فعل، نون وقایہ، یا ضمیر منصوب محلاً مفعول بہ۔ ضَرْبُ مرفوع لفظاً مصدر مضاف۔ مصدر اس لیے کہہ رہا ہوں کیونکہ آگے ہم نے مفعول کو بھی اس کے ساتھ جوڑنا ہے۔ تو ضَرْبُ مرفوع لفظاً مصدر مضاف۔ جی مرفوع کیوں؟ کیونکہ یہ فاعل ہے أَعْجَبَنِي کے لیے۔ جی آگے زَيْدٍ مجرور لفظاً مضاف الیہ۔ مجرور کیوں؟ کیونکہ مضاف الیہ ہے۔ لفظوں میں تو مضاف الیہ ہے مجرور ہے، لیکن معنی کے اعتبار سے یہ دراصل کیا ہے؟ یہ فاعل ہے ضَرْبٌ مصدر کے لیے۔ آگے عَمْرًا منصوب لفظاً مفعول بہ کس کے لیے؟ ضَرْبٌ کے لیے۔ جی تو اب سمیٹو: ضَرْبُ مصدر اپنے مضاف الیہ اور مفعول بہ سے مل کر یہ فاعل ہوا کس کے لیے؟ أَعْجَبَنِي کے لیے۔ یہ کیا بنا؟ یہ فاعل بنا، بات سمجھ میں آگئی؟ تو مصدر اپنے مضاف الیہ اور مفعول بہ سے مل کر یہ فاعل ہوا أَعْجَبَ فعل کے لیے، أَعْجَبَ فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہوا۔ روانی سے پڑھیں: أَعْجَبَنِي ضَرْبُ زَيْدٍ عَمْرًا۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو أَعْجَبَ فعل کے لیے فاعل کون ہے؟ پورا جو کچھ فاعل بن رہا ہے سارا بول دیں: ضَرْبُ زَيْدٍ عَمْرًا، یہ سارا مل کر کیا ہے؟ فاعل۔ حقیقت میں تو صرف ضَرْبُ مصدر فاعل ہے لیکن بہرحال جو چیزیں مصدر کے ساتھ جڑی ہوئی ہیں ان کو بھی ساتھ ہم نے ملا دیا، تو أَعْجَبَنِي کے لیے فاعل کون؟ ضَرْبُ زَيْدٍ عَمْرًا یہ سارا فاعل ہے، بات سمجھ میں آگئی؟

ترجمہ کیجیے: أَعْجَبَنِي، مجھے تعجب میں ڈالا کس نے؟ ضَرْبُ زَيْدٍ عَمْرًا، زید نے جو عمر کی پٹائی کی، زید نے جو عمر کی پٹائی کی اس نے مجھے تعجب میں ڈالا۔ یا أَعْجَبَ کا ایک معنی کیا؟ تعجب میں ڈالنا، اسی طرح أَعْجَبَ کا ایک معنی ہے پسند آنا۔ أَعْجَبَنِي مجھے پسند آیا، کیا؟ ضَرْبُ زَيْدٍ عَمْرًا، زید کا عمر کی پٹائی کرنا۔ زید نے جو عمر کی پٹائی کی وہ مجھے پسند آئی، وہ مجھے اچھی لگی، بات سمجھ میں آگئی؟ تو مصدر کا عمل بھی آپ نے دیکھ لیا۔ فعل بھی اپنے فاعل یا نائب فاعل کو کیا کرتا ہے؟ رفع۔ اسی طرح اسمِ فاعل بھی اپنے فاعل کو رفع دیتا ہے، اسمِ مفعول اپنے نائب فاعل کو رفع دیتا ہے، صفتِ مشبہ اپنے فاعل کو رفع دیتی ہے، مصدر اپنے فعل جیسا عمل کرتا ہے، اپنے فاعل کو رفع دیتا ہے اور مفعول کو نصب دیتا ہے۔

اب اسمِ تفضیل کر لو بھئی، اسمِ تفضیل کی ترکیب آپ کر لیں، جی۔ اسمِ تفضیل، جلدی جلدی کیجیے بھئی۔ یہ ساری

ترکیب کی باتیں ہیں اور یہی صاحبِ جامی آگے ذکر کریں گے۔ اسمِ تفضیل، یہ بھی صفت کا صیغہ ہے، مصدر سے بنا ہے، تو صفت کے صیغوں کے لیے ہمیشہ کیا چاہیے ہوتا ہے؟ فاعل یا نائب فاعل، تو اسمِ تفضیل کے لیے فاعل چاہیے۔ زَيْدٌ أَضْرَبُ مِنْ عَمْرٍو۔ زَيْدٌ أَضْرَبُ مِنْ عَمْرٍو۔ جی، ترکیب کیجیے: زَيْدٌ مرفوع لفظاً مبتدا۔ أَضْرَبُ مرفوع لفظاً صیغہ اسمِ تفضیل، شاباش۔ آگے أَضْرَبُ مرفوع کیوں؟ کیونکہ خبر ہے، خبر مرفوع ہوتی ہے۔ آگے مِنْ جارہ شاباش، آگے عَمْرٍو مجرور۔ جی، جار مجرور مل کر یہ متعلق ہوں گے أَضْرَبُ سے کیونکہ اسمِ تفضیل کے استعمال کے تین طریقے ہیں ان میں سے ایک طریقہ کس کے ساتھ ہے؟ مِنْ، تو یہ جار مجرور اسی سے متعلق ہوں گے۔ میں نے بتایا تھا جار مجرور آٹھ چیزوں میں سے کسی ایک سے متعلق ہوتے ہیں، کون کون سی؟ فعل ہے، مصدر، اسمِ فاعل، اسمِ مفعول، صفتِ مشبہ، اسمِ تفضیل، مبالغے کے صیغے، اور اسمِ فعل ہے۔ تو ان میں ایک اسمِ تفضیل بھی تھا۔ تو مِنْ عَمْرٍو متعلق ہوا أَضْرَبُ سے۔ آگے، أَضْرَبُ کے لیے، اسمِ تفضیل صفت کا صیغہ ہے آپ نے تو کوئی فاعل نہیں نکالا بھئی، صفت کے صیغے کے لیے ہمیشہ کیا چاہیے؟ فاعل۔ بولو بھئی۔ ہاں، اسی کے اندر هُوَ ضمیر ہے، اسی کے اندر هُوَ ضمیر، اعراب بولو اس هُوَ ضمیر کا: مرفوع محلاً، مرفوع کیوں؟ فاعل ہے، محلاً کیوں؟ مبنی ہے، جی شاباش۔ تو اسمِ تفضیل، ہاں یہ ربط بھی آپ نے بتا دیا، أَضْرَبُ کے اندر جو هُوَ ضمیر ہے وہ لوٹ رہی ہے زید کی طرف۔ ضمیر اور مرجع میں مطابقت ہے؟ جی، ضمیر بھی مفرد مذکر، زید بھی مفرد مذکر۔ تو اسمِ تفضیل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر شبہِ جملہ ہو کر یہ خبر، اور آپ نے ربط بھی بتا دیا، شبہِ جملہ کو جوڑنے کے لیے بھی کیا چاہیے تھا؟ ربط۔ تو اسمِ تفضیل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر شبہِ جملہ ہو کر خبر، مبتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔ روانی سے پڑھو اس کو: زَيْدٌ أَضْرَبُ مِنْ عَمْرٍو۔ ترجمہ کیجیے: زید، کہ وہ زیادہ پٹائی کرنے والا ہے مِنْ عَمْرٍو، عمر کے مقابلے میں۔ مِنْ عَمْرٍو، عمر کے مقابل، تو زید عمر کے مقابلے میں زیادہ پٹائی کرنے والا ہے، یا زید عمر سے زیادہ پٹائی کرنے والا ہے، جس طرح بھی آپ ترجمہ کر لیں بھئی۔ بات سمجھ میں آگئی؟

اچھا، دیکھو اسمِ تفضیل کی بھی ترکیب آپ کو آگئی۔ اب ایک اسمِ فعل ہے، اسمِ فعل کی بھی ترکیب کر لو۔ رُوَيْدَ زَيْدًا۔ رُوَيْدَ زَيْدًا۔ رُوَيْدَ آپ نے پڑھا اسمِ فعل ہے، بمعنی أَمْهِلْ کے، فعلِ امر کے معنی میں ہے یعنی مہلت دے دو۔ توجہ ہے؟ جی، ترکیب کیجیے: رُوَيْدَ اسمِ فعل بمعنی فعلِ امر، بمعنی فعلِ امر۔ آگے، فعلِ امر ہے نا اِضْرِبْ کے اندر کون سی ضمیر ہوتی ہے؟ أَنْتَ، تو یہاں بھی یہ أَمْهِلْ ہے کہ تو مہلت دے دے، تو اس کے اندر أَنْتَ ضمیر، اس أَنْتَ کا اعراب بولو: مرفوع محلاً اس کا فاعل۔ اور زَيْدًا منصوب لفظاً مفعول بہ، شاباش۔ اسمِ فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر جملہ، ہاں بعض اس کو پھر جملہ اسمیہ کہتے ہیں کیونکہ یہ اسمِ فعل ہے یہ فعل نہیں ہے، اور بعض اس کو جملہ فعلیہ ہی کہتے ہیں کیونکہ معنی یہ کس کا ادا کر رہا ہے؟ فعل والا۔ تو آپ یوں کہہ دیں یہ جملہ اسمیہ انشائیہ ہوا، جملہ اسمیہ انشائیہ ہوا کیونکہ امر ہے، امر انشاء کی قسم

ہے۔ اور آپ چاہیں تو آپ یوں کہہ لیں کہ یہ جملہ فعلیہ انشائیہ ہوا۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو اسمِ فعل کی بھی ترکیب آپ کو آ گئی، اسمِ فعل کے لیے بھی کیا چاہیے؟ فاعل چاہیے۔ توجہ ہے؟ فعل کے لیے بھی کیا چاہیے تھا؟ فاعل یا نائب فاعل۔ اسمِ فاعل کے لیے بھی کیا چاہیے؟ فاعل۔ اسمِ مفعول کے لیے؟ نائب فاعل۔ صفتِ مشبہ کے لیے؟ فاعل۔ اور مصدر کے لیے بھی؟ فاعل۔ اور اسی طرح اسمِ فعل کے لیے بھی؟ فاعل۔ اور اسمِ تفضیل کے لیے بھی؟ فاعل۔

جی، اب ایک چیز رہ گئی ظرف بھئی، اس کی بھی ترکیب کر لیں پھر یہ باتیں پوری ہو جائیں گی۔ ظرف بھئی، آپ جانتے ہیں، پہلے ظرف کو سمجھ لیں۔ بھئی ظرف آپ جانتے ہیں زمانے اور جگہ کو کہتے ہیں۔ ظرف زمانے اور جگہ، ظرف دیکھو اصل میں ظرف برتن کو کہتے ہیں، برتن کے اندر جو چیز ہوتی ہے برتن نے اس کو ہر طرف سے گھیرا ہوتا ہے۔ آپ نے برتن میں دودھ رکھا تو دیکھو برتن نے دودھ کو ہر طرف سے گھیرا ہوا ہے۔ اسی طرح یہ جو جگہ اور زمانہ ہے اس نے ہمیں ہر طرف سے گھیرا ہوا ہے۔ آپ دنیا کا جو بھی کام کریں وہ کسی نہ کسی جگہ میں ہوگا اور کسی نہ کسی زمانے کے اندر ہوگا بھئی، تو یہ زمانے اور جگہ کو بھی کیا کہتے ہیں؟ ظرف۔ توجہ ہے؟ تو ظرف حقیقت میں کسے کہتے ہیں؟ زمانے کو اور جگہ کو۔ جیسے ظرف نے مظروف کو گھیرا ہوتا ہے اسی طرح زمانے اور جگہ نے بھی ہمیں ہر طرف سے گھیرا ہوا ہے۔ اس کے بعد یاد رکھو یہ جو جار مجرور ہیں اس کو بھی ظرف کہتے ہیں مجازاً۔ ایک تو ظرفِ حقیقی ہے، ظرفِ حقیقی کسے کہتے ہیں؟ جو ابھی میں نے بیان کیا زمانہ یا جگہ، یہ ہیں ظرفِ حقیقی۔ یہ حقیقت میں ظرف ہیں، انہوں نے حقیقت میں ہمیں ہر طرف سے گھیرا ہوا ہے۔ اور یہ جو جار مجرور ہے، مثلاً فِي الدَّارِ، یہ فِي جارہ، الدَّارِ مجرور، یہ جار مجرور کو بھی مجازاً ظرف کہتے ہیں۔ کیا کہتے ہیں؟ مجازاً ظرف کہتے ہیں۔ تو ظرفِ حقیقی کیا ہے؟ زمانہ اور جگہ۔ اور ظرفِ مجازی کیا ہے؟ جار مجرور۔ یہاں تک بات سمجھ میں آگئی؟ تو یہ جو ظرفِ حقیقی ہے یاد رکھو اس کے لیے ہمیشہ عامل چاہیے۔ ظرفِ حقیقی کے لیے عامل چاہیے، ظرف ہے نا، ظرف کا کیا معنی؟ جگہ یا زمانہ۔ اور جگہ اور زمانہ کیا بنتے ہیں؟ مفعول فیہ بنتے ہیں، تو مفعول فیہ کے لیے کوئی عامل چاہیے نا جس کے لیے وہ مفعول فیہ بنے گا۔ بات سمجھ میں آگئی؟

مثلاً لکھیے، جملہ لکھیے: زَيْدٌ عِنْدِي۔ زَيْدٌ عِنْدِي۔ زَيْدٌ عِنْدِي۔ توجہ ہے؟ عِنْدَ کا کیا معنی؟ پاس، پاس یہ جگہ ہے۔ یہ کیا ہے؟ جگہ، تو یہ ظرفِ حقیقی ہے، بات سمجھ میں آگئی؟ زَيْدٌ عِنْدِي، لکھ لیا بھئی؟ دیکھو عِنْدَ کیا ہے؟ عِنْدِي کا معنی ہے میرے پاس، میرے قریب۔ تو دیکھو یہ عِنْدَ ظرف ہے، یہ جگہ کے لیے آتا ہے۔ پاس ہونا جگہ ہے، پاس ہے یا دور ہے۔ جی، تو عِنْدَ ظرفِ حقیقی ہے۔

اب ترکیب کیسے کریں گے؟ زَيْدٌ مرفوع لفظاً مبتدا۔ عِنْدِي، جی، عِنْدَ، اعراب بولو، سب سے پہلے اعراب بتایا کرو بھئی۔ مرفوع تقدیراً، مرفوع کیوں؟ بھئی دیکھو یاد رکھو، ابھی میں نے آپ کو بتایا، عِنْدَ کیا ہے؟ ظرف ہے، ظرف کیا بنتا ہے؟ مفعول

فیہ بنتا ہے، مفعول فیہ کا کیا اعراب ہوتا ہے؟ منصوب ہوتا ہے، اور یہ نصب خود بخود آتا ہے یا کوئی عامل چاہیے؟ عامل چاہیے، تو یہ خود یہ خبر نہیں بنے گا، اس کے لیے عامل آپ کو نکالنا پڑے گا، بات سمجھ میں آگئی؟ تو عِنْدِي، جی، اس کے اندر عِنْدَ ظرف کا اعراب بولو، ابھی تو بتا دیا ظرف کیا ہوتا ہے؟ منصوب ہوتا ہے۔ تو عِنْدِي میں عِنْدَ جو ہے یہ منصوب، اور کون سا منصوب؟ لفظاً، تقدیراً، یا محلاً؟ جی شاباش، منصوب تقدیراً ہے کیونکہ یہ یائے متکلم کی طرف مضاف ہے، جیسے غُلَامِي، غُلَام کا لفظ جب یا کی طرف مضاف ہوتا تھا تو اعراب تینوں حالتوں میں تقدیری ہوتا تھا۔ آپ نے پڑھا کوئی بھی اسم جب یائے متکلم کی طرف مضاف ہو علاوہ جمع مذکر سالم کے، تو اس کا اعراب تینوں حالتوں میں تقدیری۔ تو یہاں پر بھی عِنْدِي کے اندر جو عِنْدَ ہے اس کا اعراب: منصوب تقدیراً مضاف، منصوب تقدیراً مضاف۔ آپ کو کیسے پتہ چلا یہ مضاف ہے؟ جس اسم کے ساتھ بھی کیا آجائے؟ ضمیرِ متصل، وہ آپس میں کیا بنتے ہیں؟ مضاف مضاف الیہ۔ آگے یا ضمیر مجرور محلاً مضاف الیہ۔ مجرور کیوں؟ مضاف الیہ ہے۔ محلاً کیوں؟ کیونکہ ضمیر ہے، مبنی ہے۔ تو مضاف اپنے مضاف الیہ سے مل کر عِنْدِي، مضاف اپنے مضاف الیہ سے مل کر یہ مفعول فیہ ہوا، منصوب ہے مفعول فیہ ہوا کس کے لیے؟ کوئی فعل یا شبہِ فعل موجود ہے؟ نہیں، تو محذوف نکالنا پڑے گا۔ نکالیں محذوف: ثَابِتٌ نکال لیں، توجہ ہے؟ جیسے جار مجرور کے لیے آپ ثَابِتٌ نکالتے تھے، اس کے لیے بھی کیا نکال لو؟ ثَابِتٌ نکال لو، یا مَوْجُودٌ نکال لو، یا وَاقِعٌ نکال لو، یا حَاصِلٌ نکال لو، کوئی بھی نکال لو بھئی۔ جی، تو ثَابِتٌ نکالا۔ ثَابِتٌ اعراب بولو: مرفوع لفظاً صیغہ اسمِ فاعل۔ مرفوع کیوں؟ کیونکہ یہ خبر ہے، یہ ثَابِتٌ خبر ہے اور عِنْدِي اس کے لیے مفعول فیہ ہے بھئی۔ تو ثَابِتٌ مرفوع لفظاً صیغہ اسمِ فاعل۔ مرفوع کیوں؟ خبر ہے۔ لفظاً کیوں؟ کیونکہ اس کے رفع پر ہم تلفظ کر رہے ہیں۔ اس کے اندر، اس کے اندر شاباش هُوَ ضمیر، کیونکہ صفت کا صیغہ آیا اور صفت کے صیغے کے لیے بھی ہمیشہ فاعل یا نائب فاعل چاہیے ہوتا ہے، اور ثَابِتٌ اسمِ فاعل ہے اور اسمِ فاعل کے لیے فاعل چاہیے۔ تو اس کے اندر هُوَ ضمیر مرفوع محلاً اس کا فاعل، جو کس کو راجع؟ زید کو، یہ ربط بھی ہم نے دے دیا۔ اسمِ فاعل اپنے فاعل سے مل کر شبہِ جملہ ہو کر، شبہِ جملہ ہو کر یہ خبر، اسمِ فاعل اپنے فاعل اور مفعول فیہ سے مل کر شبہِ جملہ ہو کر یہ خبر، بتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔

عبارتوں میں جگہ جگہ اس طرح آتا ہے: مَا بَعْدَهَا، مَا قَبْلَهَا، مَا قَبْلَهَا اور مَا بَعْدَهَا۔ پھر یہ بَعْدَهَا پر نصب کیوں پڑھ رہے ہیں؟ مفعول فیہ ہے، اور کوئی فعل یا شبہِ فعل یہاں ہے؟ نہیں، تو وہ محذوف نکالنا پڑتا ہے: مَا ثَبَتَ بَعْدَهَا، مَا ثَبَتَ قَبْلَهَا۔ عبارت کیا تھی؟ مَا بَعْدَهَا، تو بَعْدَهَا کو، کے لیے کیا چاہیے؟ عامل چاہیے، تو کیا نکالیں گے؟ ثَبَتَ نکال لو، ثَابِتٌ نکال لو کوئی بھی، لیکن موقع کے مطابق نکالتے ہیں۔ یہاں مَا کے بعد ہمیں جملہ چاہیے اور ثَابِتٌ نکالو گے تو ثَابِتٌ تو جملہ نہیں بنتا وہ تو شبہِ جملہ بنتا ہے، تو یہاں پھر کیا نکالیں گے؟ ثَبَتَ۔

تو عِنْدِي کے لیے آپ نے ثَابِتٌ نکالا، اور یہ ثَابِتٌ اس کے اندر عامل ہے، اور یہ عِنْدِي اس کے لیے کیا ہے؟ مفعول فیہ۔ تو یہ تو تھا ظرفِ حقیقی، ظرفِ حقیقی کے لیے عامل چاہیے۔ اور جو ظرفِ مجازی ہے یعنی جار مجرور، اس کے لیے متعلق

چاہیے۔ جار مجرور متعلق کہلاتے ہیں۔ بھئی عِنْدِي کے لیے بھی ثَابِتٌ نکالا اور فِي الدَّارِ اگر یہاں ہوتا زَيْدٌ فِي الدَّارِ، تو اس فِي الدَّارِ کے لیے بھی کیا نکالتے؟ ثَابِتٌ۔ لیکن فرق صرف اتنا ہے: فِي الدَّارِ کو جس سے جوڑنا ہے، فِي الدَّارِ کو کہیں گے، یہ جو جار مجرور کو کہیں گے یہ ہے مُتَعَلِّق، اور جس سے جڑا وہ کیا ہے؟ وہ مُتَعَلَّق ہے۔ جبکہ ظرفِ حقیقی کے لیے مُتَعَلِّق اور مُتَعَلَّق کا لفظ نہیں بولتے، بلکہ ظرفِ حقیقی یہ ہے معمول اور ثَابِتٌ کیا ہے اس کا؟ عامل ہے بھئی۔ فرق سمجھ میں آیا؟ چیز بالکل ایک جیسی ہے صرف نام کا فرق ہے۔ جار مجرور کو کہتے ہیں مُتَعَلِّق، اور ظرفِ حقیقی ہو تو اس کو کیا کہتے ہیں؟ مفعول فیہ۔ اور جار مجرور کے لیے جو نکالا ثَابِتٌ اس کو کیا کہتے ہیں؟ مُتَعَلَّق کہتے ہیں، اور ظرفِ حقیقی کے لیے جو ثَابِتٌ یا ثَبَتَ نکالا اس کو عامل کہتے ہیں۔

دوسری ترکیب کیجیے: زَيْدٌ فِي الدَّارِ۔ زَيْدٌ فِي الدَّارِ۔ جلدی جلدی کیجیے بھئی۔ جی ساری بنیادی ترکیب کی باتیں آپ کو سمجھ میں آگئیں بھئی، بس اب بالکل چند باتیں رہ گئیں بھئی۔ زَيْدٌ فِي الدَّارِ۔ جی، زَيْدٌ مرفوع لفظاً بتدا۔ فِي جارہ۔ الدَّارِ مجرور لفظاً، مجرور کیوں؟ کیونکہ اس پر حرفِ جر داخل ہے۔ اور مجرور لفظاً کیوں؟ کیونکہ اس کے الدَّارِ کے جر پر ہم تلفظ کر رہے ہیں، کر کے دکھاؤ: الدَّارِ۔ نصب پر تلفظ کرو: الدَّارَ۔ رفع پر تلفظ کرو: الدَّارُ۔ معلوم ہوا یہ جو دَار لفظ ہے اس پر تینوں طرح کے اعراب لفظاً آتے ہیں یعنی تلفظ سے ہی پتہ چل جاتا ہے۔ جی اب سمیٹیے: جار مجرور مل کر، جار مجرور فِي الدَّارِ، یہ جار مجرور مل کر متعلق کس سے؟ ثَابِتٌ سے۔ میں نے بتایا تھا جار مجرور آٹھ چیزوں میں سے کسی ایک سے متعلق ہوتے ہیں، ان آٹھ میں سے یہاں کوئی بھی نہیں ہے: نہ فعل ہے، نہ مصدر، نہ اسمِ فاعل، نہ اسمِ مفعول، نہ صفتِ مشبہ وغیرہ کوئی بھی نہیں۔ تو اب ہم مُتَعَلَّق نکالیں گے، نکالیں بھئی: ثَابِتٌ سے متعلق۔ ثَابِتٌ کا اعراب بولو: مرفوع لفظاً صیغہ اسمِ فاعل۔ مرفوع کیوں؟ کیونکہ یہ خبر بنے گا، یہ کیا ہے؟ یہ خبر ہے بھئی۔ اس کے اندر هُوَ ضمیر مرفوع محلاً اس کا فاعل، جو کس کو راجع؟ زید کو، دیکھو ربط بھی ہم نے دے دیا۔ اسمِ فاعل اپنے فاعل اور متعلق سے، جار مجرور متعلق ہیں، اسمِ فاعل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر شبہِ جملہ ہو کر خبر، بتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔ یہاں تک بات سمجھ میں آگئی؟ معلوم ہوا چاہے ظرفِ حقیقی ہو چاہے ظرفِ مجازی، ان کے لیے وہ آٹھ چیزوں میں سے کوئی ایک چیز کے ساتھ ان کو جوڑیں گے۔

اب یہاں ایک گہری بات میں پہلے بھی ذکر کر چکا ہوں، اب اس کو دوبارہ سمجھ لیں۔ زَيْدٌ فِي الدَّارِ۔ فِي الدَّارِ کو کس سے جوڑا؟ ثَابِتٌ سے، اور ثَابِتٌ نے کس کو رفع دیا؟ هُوَ ضمیر کو، کس کو؟ یاد رکھو یہ طلبہ کو سمجھانے کے لیے کہتے ہیں کہ یہ فِي الدَّارِ متعلق ہے ثَابِتٌ سے اور ثَابِتٌ کے اندر هُوَ ضمیر ہے۔ لیکن یاد رکھو یہاں کوئی ثَابِتٌ نہیں، ثَابِتٌ جا چکا، ثَابِتٌ کی جگہ فِي الدَّارِ نے پکڑ لی۔ ثَابِتٌ کی جگہ فِي الدَّارِ نے پکڑ لی اور ثَابِتٌ کیا عمل کر رہا تھا؟ اس اپنے فاعل یعنی هُوَ ضمیر کو رفع دے رہا تھا۔ ثَابِتٌ تو چلا گیا لیکن وہ هُوَ ضمیر فِي الدَّارِ میں چھپ گئی۔ وہ هُوَ ضمیر کہاں چھپ گئی؟ فِي الدَّارِ میں۔ تو یاد رکھو ثَابِتٌ چلا گیا، اس کی جگہ فِي الدَّارِ نے پکڑ لی اور هُوَ ضمیر اس کے اندر آکر چھپ گئی، اور جو جو عمل وہ ثَابِتٌ کر رہا تھا اب وہ سارے

عمل یہ فِي الدَّارِ کر رہا ہے۔ ثَابِتٌ کیا کر رہا تھا؟ اپنے فاعل هُوَ ضمیر کو رفع دے رہا تھا، اب وہ ضمیر کہاں چھپ گئی؟ فِي الدَّارِ کے اندر چھپ گئی، اب اس کو رفع کون دے رہا ہے؟ فِي الدَّارِ، کیا رفع دے رہا ہے؟ فِي الدَّارِ رفع دے رہا ہے۔ تو لہٰذا اسی طرح زَيْدٌ عِنْدِي، زَيْدٌ عِنْدِي، یہ عِنْدِي مفعول فیہ تھا کس کے لیے؟ ثَابِتٌ کے لیے، توجہ ہے؟ اور ثَابِتٌ کے اندر کون سی ضمیر تھی؟ هُوَ۔ لیکن میں نے بتایا یہ صرف سمجھانے کے لیے ہے، طلبہ کو سمجھانے کے لیے۔ ثَابِتٌ یہاں سے جا چکا، اس کی جگہ کس نے پکڑ لی؟ عِنْدِي نے، اس لیے اس کو ظرفِ مستقر کہتے ہیں۔ اور هُوَ ضمیر کیا ہے؟ وہ اس کے اندر اب چھپ گئی، اب اس میں وہ عمل کر رہا ہے۔

اب ترکیب کیسے کریں گے؟ زَيْدٌ فِي الدَّارِ۔ زَيْدٌ مرفوع لفظاً بتدا۔ فِي جارہ، الدَّارِ مجرور۔ جار مجرور مل کر ظرفِ مستقر ہوا اور اس کے لیے هُوَ ضمیر اس کے اندر فاعل، جو کس کو راجع؟ زید کو۔ ظرفِ مستقر اپنے فاعل سے مل کر شبہِ جملہ ہو کر یہ خبر کس کے لیے؟ زید کے لیے۔ بتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ خبریہ۔ اسی طرح زَيْدٌ عِنْدِي اس کی بھی ترکیب کر لو: زَيْدٌ مرفوع لفظاً بتدا۔ عِنْدِي، منصوب تقدیراً مضاف، یا ضمیر مجرور محلاً مضاف الیہ۔ مضاف مضاف الیہ مل کر ظرفِ مستقر ہوا، اور اس کے اندر هُوَ ضمیر، ظرف ہے نا ظرف، ظرفِ مستقر اس کے اندر هُوَ ضمیر مرفوع محلاً اس کا فاعل، جو کس کو راجع؟ زید کو۔ ظرفِ مستقر اپنے فاعل سے مل کر شبہِ جملہ ہو کر یہ خبر، بتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو پہلے جو عمل ثَابِتٌ کر رہا تھا اب وہ سارا عمل خود یہ ظرف کر رہا ہے، چاہے ظرفِ حقیقی ہو یعنی عِنْدِي، یا چاہے ظرفِ مجازی ہو یعنی فِي الدَّارِ، بات سمجھ میں آگئی؟

اب یہاں آپ کو قیمتی بات بتلاؤں: آپ نے پڑھا ہے کہ جار مجرور کا متعلق اگر عبارت میں ذکر ہو تو اس کو کہتے ہیں ظرفِ لغو۔ جار مجرور کو کبھی ظرفِ لغو کہتے ہیں (ل، غ، و بھئی لَغْوٌ) اور کبھی ظرفِ مستقر۔ ظرفِ لغو کب کہتے ہیں؟ جب اس کا متعلق یعنی ثَابِتٌ وغیرہ عبارت میں ذکر ہو۔ اور جب یہ عبارت میں ذکر نہ ہو جیسے زَيْدٌ فِي الدَّارِ، دیکھو یہاں کوئی ثَابِتٌ نہیں، یا زَيْدٌ عِنْدِي، یہاں کوئی ثَابِتٌ نہیں، تو جب ان کا متعلق محذوف ہو یا ان کا عامل محذوف ہو تو ان کو کیا کہتے ہیں؟ ظرفِ مستقر، کیا کہتے ہیں؟ اور عبارت میں اگر متعلق یا عامل ذکر ہو تو پھر کیا کہتے ہیں؟ ظرفِ لغو۔ یہاں تک بات سمجھ میں آگئی؟

آج آپ کو وجہ میں بتلاؤں کہ اس کو ظرفِ مستقر کیوں کہتے ہیں۔ وجہ عام طلبہ میں جو رائج ہے وہ کہتے ہیں کہ ظرفِ مستقر اس لیے کہتے ہیں کیونکہ اس نے اپنے عامل کی جگہ قرار پکڑ لیا ہے۔ اس نے کیا کیا ہے؟ زَيْدٌ فِي الدَّارِ اصل میں کیا تھا؟ زَيْدٌ ثَابِتٌ فِي الدَّارِ۔ ثَابِتٌ چلا گیا، اس کی جگہ کس نے قرار پکڑا؟ فِي الدَّارِ نے۔ کہتے ہیں اس لیے اس کو ظرفِ مستقر کہتے ہیں کیونکہ اس نے اپنے عامل کی جگہ قرار پکڑا ہے۔ توجہ ہے؟ جار مجرور کا متعلق اگر عبارت میں ذکر ہو تو کیا کہتے ہیں؟ ظرفِ لغو۔ اور اگر محذوف ہو؟ ظرفِ مستقر۔ پھر ظرفِ مستقر کیوں کہتے ہیں؟ کیا وجہ ذکر کرتے ہیں؟ کیونکہ اس نے اپنے

عامل کی جگہ قرار پکڑ لیا۔ نہیں بھئی یہ وجہ بنتی ہی نہیں ہے، آپ خود سوچیں۔ اِسْتَقَرَّ یَسْتَقِرُّ کا کیا معنی ہے؟ قرار پکڑنا۔ تو جو قرار پکڑے اس کو کیا کہنا چاہیے؟ مُسْتَقِرٌّ۔ اگر یہ جار مجرور فِي الدَّارِ کو کیا کہتے ہیں؟ ظرفِ مستقر کیوں کہتے ہیں؟ کیونکہ اس نے اپنے عامل کی جگہ قرار پکڑا ہے۔ بھئی اگر اپنے عامل کی جگہ قرار پکڑا ہے تو اس کو ظرفِ مُسْتَقِرّ کہنا چاہیے تھا، اسمِ فاعل بھئی، قرار پکڑنے والا۔ قرار پکڑنے والا، تو اس کو تو ظرفِ مُسْتَقِرّ کہنا چاہیے تھا لیکن کوئی بھی اس کو ظرفِ مُسْتَقِرّ نہیں کہتا سب کیا کہتے ہیں؟ ظرفِ مُسْتَقَرّ۔ بھئی پھر، پھر کیوں مُسْتَقَرّ کہتے ہیں؟

وجہ یہ کہ مُسْتَقَرّ یہ ظرف کا صیغہ ہے۔ آپ نے مزید فیہ میں پڑھا ہے: مُکْرِمٌ یہ ہے اسمِ فاعل، اسمِ مفعول کیا؟ مُکْرَمٌ۔ اور اسمِ ظرف بھی کیا؟ مُکْرَمٌ۔ جی، کَرَّمَ یُکَرِّمُ، اسمِ فاعل کیا؟ مُکَرِّمٌ۔ اسمِ مفعول کیا؟ مُکَرَّمٌ۔ اور اسمِ ظرف بھی کیا؟ مُکَرَّمٌ۔ تو جو مزید فیہ کے ابواب ہیں ان میں جو اسمِ مفعول ہوتا ہے وہی ظرف کا بھی صیغہ ہوتا ہے۔ تو یہ مُسْتَقَرٌّ یہ اسمِ مفعول بھی ہے اور مُسْتَقَرٌّ یہ اسمِ ظرف بھی ہے۔ مُسْتَقَرٌّ کیا معنی؟ قرار پکڑنے کی جگہ۔ اسمِ ظرف ہے نا، قرار پکڑنے کی جگہ۔ تو یہ ظرفِ مُسْتَقَرّ کو ظرفِ مُسْتَقَرّ اس لیے کہتے ہیں کہ وہ جو ثَابِتٌ کے اندر ھُوَ ضمیر تھی، اس ضمیر نے اس کے اندر قرار پکڑ لیا۔ وہ ثَابِتٌ تو چلا گیا، ھُوَ ضمیر کس میں آکر چھپ گئی؟ اس فِي الدَّارِ یا عِنْدِي کے اندر آکر چھپ گئی، تو یہ ھُوَ ضمیر کے لیے کیا ہوئی؟ یہ ھُوَ ضمیر کے لیے کیا ہوئی؟ مُسْتَقَرّ ہوئی، قرار پکڑنے کی جگہ ہے، اس ضمیر نے اس کے اندر قرار پکڑا ہے۔ تو ظرفِ مُسْتَقَرّ کو مُسْتَقَرّ کیوں کہتے ہیں؟ کیونکہ اس کے اندر وہ ضمیر نے قرار پکڑا ہوتا ہے، یہ اس ضمیر کے قرار پکڑنے کی جگہ ہے۔ ثَابِتٌ تو چلا گیا لیکن ھُوَ ضمیر اس کے اندر آکر چھپ گئی، اور یہ ظرف اس ضمیر کے لیے مُسْتَقَرّ ہے، قرار پکڑنے کی جگہ ہے۔ بات سب کو اچھی طرح سمجھ میں آگئی؟

تو معلوم ہوا کہ جیسے فعل کے لیے فاعل یا نائب فاعل چاہیے، اسی طرح اسمِ فاعل کے لیے بھی کیا چاہیے؟ فاعل۔ اسمِ مفعول کے لیے کیا چاہیے؟ نائب فاعل۔ صفتِ مشبہ کے لیے کیا چاہیے؟ فاعل۔ اسی طرح اسمِ تفضیل کے لیے کیا چاہیے؟ فاعل چاہیے۔ اور اسی طرح مصدر کے لیے بھی کیا چاہیے؟ فاعل۔ اسی طرح اسمِ فعل کے لیے بھی کیا چاہیے؟ فاعل۔ اور اسی طرح ظرف کے لیے بھی، جب وہ اپنے عامل کی جگہ قرار پکڑ لیتا ہے، تو ظرف کے لیے بھی کیا چاہیے ہوتا ہے؟ فاعل۔ تو ان سب کے لیے فاعل چاہیے بھئی، بات سمجھ میں آگئی؟ چلیے باقی کل اب ان شاء اللہ کتاب کے اندر تفصیل آجائے گی، پوری ترکیب کی بنیادی باتیں آپ نے سمجھ لیں۔ بات اچھی طرح سمجھ میں آگئی؟ حل ہو گیا؟ چلیے بس بھئی، هَذَا هُوَ الْمَرَامُ، وَاللهُ أَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْكَلَامِ۔

سبق نمبر ۸۱: الفاعل (۳): فاعل پر فعل کے مقدم ہونے کی وجوہات اور مبتدا سے احتراز

شرحِ ملا جامی صفحہ: ۵۷ — بتاریخ: ۱۷ اکتوبر ۲۰۲۱ء

▪ تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث

دیکھیے بھائی آگے سبق کتاب پر: وَهُوَ أَيِ الْفَاعِلُ مَا أَيِ اسْمٌ حَقِيقَةً أَوْ حُكْمًا لِيَدْخُلَ فِيهِ مِثْلُ قَوْلِهِمْ أَعْجَبَنِي أَنْ ضَرَبْتَ زَيْدًا، أُسْنِدَ إِلَيْهِ الْفِعْلُ بِالْإِصَالَةِ لَا بِالتَّبَعِيَّةِ لِيَخْرُجَ عَنِ الْحَدِّ تَوَابِعُ الْفَاعِلِ، وَكَذَا الْمُرَادُ فِي جَمِيعِ حُدُودِ الْمَرْفُوعَاتِ وَالْمَنْصُوبَاتِ وَالْمَجْرُورَاتِ غَيْرُ التَّابِعِ بِقَرِينَةِ ذِكْرِ التَّوَابِعِ بَعْدَهَا.

ہم مرفوعات کے بارے میں پڑھ رہے تھے بھائی۔ اور مرفوعات میں سب سے پہلے صاحبِ کافیہ نے فاعل کو ذکر کرنا شروع کیا بھائی۔ مرفوعات کئی قسم پر ہیں اور ان میں سے سب سے پہلے فاعل کو ذکر کیا۔ آگے وہ فاعل کی تعریف کرنے لگے ہیں لیکن اس کے اندر وہ بہت سی ترکیب کی باتیں ذکر کریں گے اس لیے پہلے ہم نے کئی جملوں کی ترکیبیں کر لیں کہ ترکیب کس طرح ہوتی ہے۔

میں نے آپ کو بتلایا کہ ہر فعل کے لیے فاعل یا نائب فاعل ضرور چاہیے۔ فعلِ معروف کے لیے فاعل چاہیے اور فعلِ مجہول کے لیے نائب الفاعل چاہیے۔ اور ایسا کبھی نہیں ہو سکتا فعل تو آجائے اور آگے فاعل یا نائب فاعل نہ آئے۔ تو جب بھی فعل آئے آپ نے فوراً اس کے بعد فاعل یا نائب فاعل کو تلاش کرنا ہے۔

اور یاد رکھنا یہ فعل جو ہے رفع بھی دیتا ہے اور نصب بھی دیتا ہے، دو ہی طرح کے عمل کرتا ہے۔ جر نہیں بھائی۔ جر صرف حرفِ جر دیتا ہے یا مضاف جر دیتا ہے مضاف الیہ کو بھائی۔ تو فعل نے صرف رفع دینا ہے اور نصب دینا ہے۔ اور رفع صرف فعل اپنے فاعل یا نائب فاعل کو رفع دیتا ہے، باقی سب کو وہ نصب دیتا ہے، باقی جتنے معمول ہوں۔ چاہے مفعولِ مطلق ہو، چاہے مفعول بہ ہو، چاہے مفعول لہ ہو، چاہے مفعول معہ ہو وغیرہ، حال ہو، سب کو یہ نصب دیتا ہے۔ پھر رفع صرف فاعل یا نائب فاعل کو دیتا ہے۔ تو فعل کے بعد صرف فاعل یا نائب فاعل جو ہے وہ مرفوع آئے گا باقی سارے منصوبات آئیں گے۔ باقی سب کو فعل نصب دے گا۔

اب وہ فاعل یا نائب فاعل کو پہچاننا آپ کے لیے اہم چیز یہ ہے۔ اور میں نے آپ کو بتلایا کہ ہر فعل کے لیے ایک ہی فاعل یا نائب فاعل آسکتا ہے، ایک سے زیادہ نہیں آسکتے۔ اور وہ فاعل یا نائب فاعل ضمیر بھی ہو سکتی ہے اور اسمِ ظاہر بھی ہو سکتا ہے۔ اور اسمِ ظاہر کسے کہتے ہیں؟ میں نے آپ کو بتلایا تھا کہ دنیا کے تمام اسم اکٹھے کر لیں اس میں سے ستر جو ہیں وہ ضمیریں ہیں وہ نکال لیں باقی دنیا کے جتنے اسم ہیں وہ سب اسمِ ظاہر کہلاتے ہیں۔ تو فعل کے لیے فاعل یا نائب فاعل ایک ہی آئے گا اور وہ ضمیر بھی آسکتی ہے اور اسمِ ظاہر بھی، لیکن آئے گا ایک ہی۔ اگر ضمیر فاعل یا نائب فاعل آگئی تو اسمِ ظاہر نہیں آسکتا اور اگر اسمِ ظاہر فاعل یا نائب فاعل آگیا تو ضمیر نہیں آسکتی۔

اور میں نے آپ کو یہ بھی بتلایا تھا کہ ماضی کے چودہ صیغے ہیں، اسی طرح مضارع کے چودہ صیغے ہیں۔ ان میں سے صرف پہلا اور چوتھا صیغہ جو ہے یعنی واحد مذکر غائب اور واحد مؤنث غائب، چاہے ماضی میں ہو چاہے مضارع میں، یہ صرف دو صیغے ہیں جن کے لیے فاعل اسمِ ظاہر آسکتا ہے۔ لہٰذا یہ دو صیغے جب کلام کے اندر آجائیں تو پھر آگے آپ تلاش کریں کہ کوئی اسمِ ظاہر تو ان کے لیے فاعل یا نائب فاعل نہیں بن رہا؟ اگر فاعل یا نائب فاعل آگے کوئی اسمِ ظاہر مل جائے تو اس پر رفع پڑھیں اور پھر اس فعل کے اندر کوئی ضمیر نہ نکالیں کیونکہ فاعل یا نائب فاعل ایک آتا ہے۔ اور اگر آگے کوئی اسمِ ظاہر فاعل یا نائب فاعل نہ ملے تو پھر فاعل یا نائب فاعل چاہیے تو ضرور، تو پھر اسی فعل کے اندر ضمیر نکال لیں گے۔ تو معلوم ہوا اسمِ ظاہر صرف دو صیغوں کے لیے فاعل آسکتا ہے، پہلا اور چوتھا۔ باقی بارہ صیغے جب کلام کے اندر آجائیں تو پھر آگے آپ کو تلاش کرنے کی ضرورت ہی نہیں ہے بلکہ اسی فعل کے ساتھ جڑی ہوئی فاعل کی ضمیر ہوگی جو یا تو بارز ہوگی یعنی ظاہر ہوگی، آپ اس پر تلفظ کریں گے، یا مستتر ہوگی اس کے اندر چھپی ہوئی ہوگی۔

اور میں نے آپ کو یہ بھی بتلایا تھا کہ فاعل یا نائب فاعل ہمیشہ فعل کے بعد آتا ہے، کبھی بھی فعل پر مقدم نہیں ہوتا۔ اور فاعل یا نائب فاعل صرف پہلے یا چوتھے صیغے کے لیے اسمِ ظاہر آسکتا ہے۔ اس سے ایک اور ضابطہ بھی آپ کو پتہ چل گیا کہ پہلا صیغہ بھی مفرد کا ہے، چوتھا بھی مفرد کا ہے۔ معلوم ہوا فاعل یا نائب فاعل جب اسمِ ظاہر ہو، فعل ہمیشہ مفرد ہوگا۔ چاہے وہ اسمِ ظاہر خود مفرد ہو، تثنیہ ہو، جمع ہو اس کو آپ نے نہیں دیکھنا۔ بس یہ دیکھنا ہے کہ فاعل ہے تو اسمِ ظاہر، تو پھر فعل کو ہمیشہ کیا رکھیں گے؟ پہلا یا چوتھا صیغہ۔ میں زیدٌ کو فاعل بنانا چاہتا ہوں تو کہوں گا ضَرَبَ زَیْدٌ۔ میں الزَّیْدَانِ کو فاعل بنانا چاہتا ہوں تو بھی اسی طرح کہوں گا ضَرَبَ الزَّیْدَانِ۔ ضَرَبَا تثنیہ نہیں کہنا کیونکہ ضَرَبَا کہہ دیا پھر تو الف فاعل بن جائے گا، پھر آپ زیدٌ کو آگے فاعل نہیں بنا سکتے کیونکہ فاعل ایک آسکتا ہے دو یا زیادہ نہیں آسکتے۔ اسی طرح میں الزَّیْدُونَ کو فاعل بنانا چاہتا ہوں تو بھی فعل کو مفرد رکھوں گا یعنی پہلا یا چوتھا صیغہ، تو میں کہوں گا ضَرَبَ الزَّیْدُونَ۔ ضَرَبُوا الزَّیْدُونَ میں نہیں کہہ سکتا کیونکہ اگر میں ضَرَبُوا کہوں گا تو یہ جو واوٗ ضمیر ساتھ جڑی ہوئی ہے فعل کے ساتھ یہ فاعل بن جائے گی اور الزَّیْدُونَ پھر فاعل نہیں بن سکتا اس کے لیے کیونکہ فاعل ایک ہی آتا ہے۔ معلوم ہوا فعل کے لیے ہمیشہ فاعل یا نائب فاعل ضرور

چاہیے۔

اسی طرح پھر میں نے آپ کو بتایا کہ کچھ صیغے ہیں جو فعل کے مشابہ ہیں، ان کے لیے بھی ہمیشہ فاعل یا نائب فاعل ضرور چاہیے۔ اور وہ کون کون سے صیغے ہیں؟ ان کی باقاعدہ ہم نے کل ترکیب کی تھی۔ اسمِ فاعل ہے بھائی۔ اسمِ فاعل اس کے لیے بھی ہمیشہ کیا چاہیے؟ فاعل چاہیے۔ صفتِ مشبہ اس کے لیے بھی ہمیشہ کیا چاہیے؟ فاعل چاہیے۔ اسمِ تفضیل جو ہے اس کے لیے بھی ہمیشہ کیا چاہیے؟ فاعل چاہیے۔ اسی طرح مبالغے کے صیغے۔ مبالغے کے صیغے چونکہ یہی اسمِ فاعل یا اسمِ مفعول سے بنتے ہیں تو ان کے لیے بھی انہی کی طرح فاعل یا نائب فاعل چاہیے۔ اچھا تو اسمِ تفضیل کے لیے بھی فاعل چاہیے۔ اسی طرح مصدر کے لیے بھی کیا چاہیے؟ فاعل یا نائب فاعل۔ اور اسی طرح ظرف جو ہے کبھی کبھار وہ اپنے عامل کی جگہ قرار پکڑ لیتا ہے تو اس ظرف کے لیے بھی ہمیشہ کیا چاہیے؟ فاعل، اس کے لیے بھی ہمیشہ فاعل چاہیے۔ تو یہ تو تھا فعلِ معروف میں۔ فعلِ معروف کے لیے فاعل چاہیے اور یہ جو صفت کے صیغے ذکر ہوئے ان کے لیے بھی فاعل چاہیے۔ جبکہ فعلِ مجہول کے لیے ہمیشہ نائب الفاعل چاہیے۔ ضُرِبَ عَمْرٌو۔ ضُرِبَ فعلِ مجہول ہے تو یہ عَمْرٌو جس کو اس نے رفع دیا یہ اس کا فاعل نہیں کہلائے گا بلکہ نائب الفاعل کہلائے گا۔ اسی طرح اسمِ مفعول، یہ بھی فعلِ مجہول سے بنتا ہے، تو اسمِ مفعول کے لیے بھی ہمیشہ کیا چاہیے؟ نائب الفاعل چاہیے۔

ہاں فرق پھر یاد رکھنا، یہ جو جتنی چیزیں ذکر ہوئیں ان کے اندر جو مصدر والی میں نے ترکیب کی تھی ذرا وہ اس ترکیب پہ نظر رکھیں، کل میں نے آپ کو ایک جملہ لکھوایا تھا: أَعْجَبَنِي ضَرْبُ زَيْدٍ عَمْرًا۔ جملہ مل گیا؟ جی اس پہ ذرا نظر رکھیں۔ أَعْجَبَنِي ضَرْبُ زَيْدٍ عَمْرًا۔ یہ ضَرْبُ زَيْدٍ عَمْرًا یہ کیا بن رہا تھا؟ فاعل، کس کے لیے؟ أَعْجَبَنِي کے لیے۔ تو اس میں صرف ضَرْبُ مصدر یہ ہے فاعل، اور زَيْدٍ یہ مضاف الیہ ہے، اور عَمْرًا یہ مفعول ہے ضَرْبُ مصدر کے لیے کیونکہ ضَرْبُ مصدر ہے، ضَرْب کا معنی پٹائی کرنا، اور ضَرْب کا وجود بغیر کسی فاعل یا مفعول کے نہیں ہو سکتا۔ ضَرْب کے لیے کوئی ضرب لگانے والا بھی چاہیے اور کوئی ایسی ذات بھی چاہیے جس پر ضرب واقع ہو، اس کے بغیر ضرب نہیں ہو سکتی۔ تو بتانا میں یہ چاہتا تھا دیکھو: أَعْجَبَنِي ضَرْبُ زَيْدٍ عَمْرًا، مجھے تعجب میں ڈالا زید کے عمر کو مارنے نے۔ زید کے عمر کو مارنے نے مجھے تعجب میں ڈالا یا زید کا عمر کو مارنا أَعْجَبَنِي یہ مجھے اچھا لگا۔ مثلاً عمر نے کوئی ایسی بات کی تھی کہ اس پر اس کی پٹائی ہی ہونی چاہیے تھی تو لہٰذا آپ کہتے ہیں أَعْجَبَنِي ضَرْبُ زَيْدٍ عَمْرًا، مجھے اچھا لگا زید کا عمر کی پٹائی کرنا۔

اب دیکھو یہاں ضَرْبُ زَيْدٍ عَمْرًا یہ ضَرْبُ مصدر عمل کر رہا ہے۔ اس کی اضافت ہے زید کی طرف اور وہ دراصل کیا ہے؟ فاعل۔ اور عَمْرًا اس کے ضَرْبُ کے لیے مفعول بہ ہے۔ اب یاد رکھنا، یاد رکھنا، وہ مصدر جو عمل کرتا ہے وہ أَنْ مَعَ الْفِعْلِ کی تاویل میں ہوتا ہے۔ وہ مصدر جو عمل کرتا ہے وہ أَنْ مَعَ الْفِعْلِ کی تاویل میں ہوتا ہے۔ دیکھو ضَرْبُ زَيْدٍ عَمْرًا، یہ ضَرْبُ عمل کر رہا ہے یا نہیں؟ کیا عمل کر رہا ہے؟ جی ضَرْبُ زَيْدٍ عَمْرًا یہ ضَرْبُ مصدر عمل کر رہا ہے، کیا عمل کر رہا ہے؟

ہاں زَيْدٍ کے تو مضاف الیہ ہے یہاں، اس وقت تو زید کو رفع وہ نہیں دے رہا، اس وقت یہ عمل صرف کس کے اندر کر رہا ہے؟ عَمْرًا میں کر رہا ہے۔ باقی زید حقیقت میں تو اس کا فاعل ہے لیکن یہ فاعل کو اس وقت رفع تو نہیں دے رہا، یہ تو فاعل کی طرف مضاف ہے۔ اور مضاف الیہ کو تو جر اسمِ جامد بھی دیتا ہے۔ غُلَامُ زَيْدٍ، دیکھو غُلَامُ نے بھی کیا کیا؟ زید کو جر دیا۔ تو یہ جو ضَرْبُ زَيْدٍ یہ جو ضَرْبُ جر دے رہا ہے زَيْدٍ کو یہ والا عمل مراد نہیں ہے بلکہ یا تو یہ زید کو کیا دے رہا ہوتا؟ رفع دے رہا ہوتا، یا آگے عَمْرًا کو کیا کر رہا ہے؟ نصب دے رہا ہے۔ تو عَمْرًا میں یہ عمل کر رہا ہے اس وقت اس کو نصب دے رہا ہے۔ اور میں نے آپ کو بتلایا وہ مصدر جو عمل کرتا ہے، جو عمل کر رہا ہو، وہ أَنْ مَعَ الْفِعْلِ کی تاویل میں ہوتا ہے۔ تو یہ ضَرْبُ بھی کیا کر رہا ہے؟ عَمْرًا کو نصب دے رہا ہے۔ تو یہ أَنْ مَعَ الْفِعْلِ کی تاویل میں ہے۔ یعنی دیکھنے میں تو یہ ضَرْبُ ہے، ضَرْبُ زَيْدٍ ہے، لیکن حقیقت میں اس کو أَنْ اور فعل کی تاویل میں بنا لیں: أَنْ ضَرَبَ۔ أَنْ ضَرَبَ۔ یہ ضَرْبُ بمعنی أَنْ ضَرَبَ کے ہے بھائی۔

أَنْ کیا ہے؟ حرفِ مصدر ہے۔ اور آپ جانتے ہیں حرفِ مصدر فعل پر داخل ہوتا ہے اور اس کو مصدر کے معنی میں کر دیتا ہے۔ تو ضَرْبُ کہہ لیں یا أَنْ ضَرَبَ کہہ لیں دونوں کا ایک ہی معنی ہے۔ أَنْ نے کیا کیا؟ ضَرَبَ فعل پر داخل ہوا اور اس کو مصدر کے معنی میں کر دیا کیونکہ أَنْ مصدریہ ہے۔ حروفِ مصدریہ کون کون سے ہیں؟ تین ہیں: أَنْ، أَنَّ اور مَا۔ أَنْ، أَنَّ اور مَا۔ أَنْ حرفِ مصدر ہے۔ مَا یہ بھی فعل پر داخل ہوتا ہے یہ بھی اس کو مصدر بنا دیتا ہے۔ اور أَنَّ یہ وہی حروفِ مشبہ بالفعل ہے۔ حروفِ مشبہ بالفعل، اس میں سے یہ أَنَّ بھی کیا کرتا ہے؟ یہ جملہ اسمیہ پر داخل ہوتا ہے اور اس کو مصدر کے معنی میں کر دیتا ہے۔ أَنْ، أَنَّ اور مَا۔ أَنْ اور مَا یہ تو فعل پر داخل ہوتے ہیں أَنْ اور مَا، لیکن أَنَّ حرف ہے حروفِ مشبہ بالفعل میں سے اور یہ ایک اسم چاہتا ہے اور ایک خبر، اور یہ اس پورے جملہ اسمیہ کو کس معنی میں کر دیتا ہے؟ مصدر کے معنی میں کر دیتا ہے۔

اچھا بات یہ چل رہی تھی: أَعْجَبَنِي ضَرْبُ زَيْدٍ عَمْرًا، یہ ضَرْبُ مصدر عمل کر رہا ہے تو یہ کس معنی میں ہوا؟ أَنْ مَعَ الْفِعْلِ کے، تو اس کی جگہ أَنْ اور فعل لے آؤ۔ أَعْجَبَنِي أَنْ ضَرَبَ، فاعل کو اب مرفوع لے آؤ، أَنْ ضَرَبَ زَيْدٌ عَمْرًا۔ توجہ ہے؟ پھر دیکھو کل والا جملہ کیا تھا: أَعْجَبَنِي ضَرْبُ زَيْدٍ عَمْرًا، یہ حقیقت میں کیا ہے؟ أَعْجَبَنِي أَنْ ضَرَبَ زَيْدٌ عَمْرًا کیونکہ وہ مصدر جو عمل کرتا ہے وہ أَنْ مَعَ الْفِعْلِ کی تاویل میں ہوتا ہے اور وہ أَنْ پھر اس کو یعنی مصدر کے معنی میں کر دیتا ہے۔ ایک تو یہ بات یاد رکھنا کہ وہ مصدر جو عمل کرتا ہے وہ أَنْ مَعَ الْفِعْلِ کی تاویل میں ہوتا ہے۔

دوسری بات یاد رکھنا کہ یہ جو باقی صفت کے صیغے ذکر ہوئے، اسمِ فاعل یہ جب بھی آئے گا یہ بھی فاعل کا تقاضا کرے گا، جیسے فعلِ معروف کے لیے ہمیشہ فاعل چاہیے، فعلِ مجہول کے لیے ہمیشہ نائب فاعل چاہیے۔ اسی طرح اسمِ فاعل کے لیے ہمیشہ فاعل چاہیے، صفتِ مشبہ کے لیے بھی ہمیشہ فاعل چاہیے، اسمِ تفضیل کے لیے بھی ہمیشہ فاعل چاہیے، اور اسی طرح ظرف جب اپنے عامل کی جگہ قرار پکڑ لے اس کے لیے بھی کیا چاہیے؟ تو ان کے لیے بھی فاعل چاہیے، کیا چاہیے؟ فاعل چاہیے۔ اور اس طرح فعلِ مجہول کے لیے نائب فاعل چاہیے، اسی طرح اسمِ مفعول کے لیے بھی کیا چاہیے؟ نائب

فاعل۔ تو یہ جو صیغے ذکر ہوئے یہ جو چیزیں ذکر ہوئیں ان کے لیے فاعل یا نائب فاعل ضرور چاہیے۔ جیسے فعلِ معروف کے لیے فاعل ضرور چاہیے اور فعلِ مجہول کے لیے نائب فاعل ضرور چاہیے، تو یہ جتنی چیزیں ذکر ہوئیں ان کے لیے بھی فاعل یا نائب فاعل ضرور چاہیے اور اس کو عبارت میں ذکر ہونا چاہیے۔ لیکن جو مصدر ہے، مصدر کے لیے بھی فاعل چاہیے ہوتا ہے، فاعل...

بغیر مصدر کا وجود نہیں ہو سکتا لیکن عبارت میں مصدر کے فاعل کو ذکر کرنا ضروری نہیں۔ ہو سکتا ہے مصدر کے ساتھ اس کا فاعل ذکر کر دیا جائے، ہو سکتا ہے ذکر نہ کیا جائے۔ تو فرق کیا ہوا کہ فعل اور یہ صفت کے صیغے جو ذکر ہوئے یہ سارے فاعل یا نائب فاعل کا تقاضا کرتے ہیں، یہ جب آئیں گے تو ان کے لیے ان کا فاعل یا نائب فاعل بھی ضرور چاہیے۔ جبکہ مصدر، یہ بھی فاعل اور مفعول میں عمل کرتا ہے لیکن اس کے ساتھ اس کے فاعل کو ذکر کرنا ضروری نہیں، ہو سکتا ہے ذکر کر دیا جائے ہو سکتا ہے ذکر نہ کیا جائے، یہ بات یاد رکھنا۔ باقیوں کے لیے فاعل کا ساتھ ذکر ضروری، مصدر کے ساتھ ضروری نہیں۔

اچھا جی، اب دیکھیے بھائی کتاب پر بھائی۔ کہتے ہیں: وَهُوَ أَيِ الْفَاعِلُ مَا أَيِ اسْمٌ حَقِيقَةً أَوْ حُكْمًا لِيَدْخُلَ فِيهِ مِثْلُ قَوْلِهِمْ أَعْجَبَنِي أَنْ ضَرَبْتَ زَيْدًا۔ جی پہلے ذرا متن متن ہم کر لیتے ہیں، بلکہ پہلے دیکھو ذرا دو جملوں پر نظر رکھیں۔ پہلا کل میں نے جملے لکھوائے تھے، ایک جملہ کیا تھا؟ ضَرَبَ زَيْدٌ۔ ضَرَبَ فعل، زَيْدٌ مرفوع لفظاً اس کے لیے فاعل۔ تو دیکھو فاعل کسے کہتے ہیں؟ ہاں جس کو، کہ جس کی طرف، دیکھو، اچھا تو یہ ضَرَبَ زَيْدٌ ذرا اس جملے پہ بھی نظر رکھنا، ضَرَبَ زَيْدٌ۔ اور اسی طرح زَيْدٌ عَالِمٌ أَبُوهُ۔ زَيْدٌ عَالِمٌ أَبُوهُ۔ یہ أَبُوهُ کو رفع کون دے رہا ہے؟ عَالِمٌ۔ یہ جو صفت کا صیغہ ہے۔ تو فاعل معلوم ہوا فعل کے لیے بھی فاعل کی ضرورت ہوتی ہے اور صفت کے صیغوں کے لیے بھی فاعل کی ضرورت ہوتی ہے۔ اور یہ جو فعل آتا ہے ضَرَبَ زَيْدٌ، اس ضَرَبَ کا اسناد ہے کس کی طرف؟ زید یعنی فاعل کی طرف۔ اسی طرح زَيْدٌ عَالِمٌ أَبُوهُ، یہ عَالِمٌ کا بھی اسناد ہے کس کی طرف؟ أَبُوهُ فاعل کی طرف۔ توجہ ہے؟ فعل کا بھی فاعل کی طرف اسناد ہوتا ہے اور صفت کے صیغے کا بھی فاعل کی طرف اسناد ہوتا ہے، اور فعل بھی فاعل پر مقدم ہوتا ہے اور صفت کا صیغہ بھی اپنے فاعل پر مقدم ہوتا ہے۔ یہ بات سمجھ میں آ گئی؟

اب دیکھیے ذرا تعریف بھائی، متن متن صرف دیکھیں۔ کہتے ہیں وَهُوَ مَا اور فاعل جو ہے مَا وہ اسم ہے۔ مَا سے کیا مراد ہے؟ اسم۔ فاعل وہ اسم ہے۔ بھائی دیکھیے ناپیچھے مرفوعات کی بات شروع ہوئی تھی کہ مرفوع کسے کہتے ہیں: هُوَ مَا اشْتَمَلَ عَلَى عَلَمِ الْفَاعِلِيَّةِ، مرفوع کسے کہتے ہیں؟ وہ اسم جو فاعل ہونے کی علامت پر مشتمل ہو۔ معلوم ہوا مرفوع اسم ہوتا ہے اور اسی مرفوع کی ایک قسم کیا ہے؟ فاعل بھی ہے، تو فاعل بھی کیا ہوگا؟ اسم ہوگا۔ توجہ ہے؟ مرفوع کی کیا تعریف کی؟ هُوَ مَا اشْتَمَلَ، اور مَا سے کیا مراد لیا؟ اسم مراد لیا، أَيِ اسْمٌ اشْتَمَلَ۔ معلوم ہوا مرفوع اسم ہوگا جو فاعل ہونے کی علامت پر مشتمل

ہوگا۔ جب مرفوع اسم ہے تو مرفوع کی آگے کئی قسمیں ذکر کریں گے ان میں سے پہلا کیا ہے؟ فاعل۔ جب وہ مرفوع کی قسم ہے اور مرفوع تو اسم ہوتا ہے، معلوم ہوا فاعل بھی ہمیشہ کیا ہوگا؟ اسم ہوگا۔ بات سمجھ میں آگئی؟ اسی لیے میں نے بتلایا مَا سے مراد ہے اسم۔

وَهُوَ مَا اور فاعل جو ہے وہ اسم ہے أُسْنِدَ إِلَيْهِ الْفِعْلُ أَوْ شِبْهُهُ کہ جس کی طرف فعل کا اسناد کیا گیا ہو أَوْ شِبْهُهُ یا شبہ فعل کا۔ فعل کا یا شبہ فعل کا اسناد کیا گیا ہو۔ ضَرَبَ زَيْدٌ، یہ زید کی طرف کس کا اسناد ہے؟ توجہ ہے؟ ضَرَبَ زَيْدٌ، یہ زید کی طرف کس کا اسناد ہے؟ ضَرَبَ فعل کا۔ اور زَيْدٌ عَالِمٌ أَبُوهُ، یہ أَبُوهُ کی طرف کس کا اسناد ہے؟ عَالِمٌ یعنی شبہ فعل کا ہے۔ تو فاعل کی طرف فعل کا بھی اسناد ہو سکتا ہے اور شبہ فعل کا بھی، یہی بیان کر رہے ہیں۔ کہتے ہیں وَهُوَ مَا فاعل وہ اسم ہے أُسْنِدَ إِلَيْهِ الْفِعْلُ أَوْ شِبْهُهُ کہ اس کی طرف فعل یا شبہ فعل کا اسناد کیا گیا ہو، وَقُدِّمَ عَلَيْهِ اور وہ فعل یا شبہ فعل اس فاعل پر مقدم ہو۔ ضَرَبَ زَيْدٌ، فاعل کون؟ زید، اور اس پر ضَرَبَ فعل دیکھو مقدم ہے۔ زَيْدٌ عَالِمٌ أَبُوهُ، فاعل کون ہے عَالِمٌ کے لیے؟ أَبُوهُ، اور یہ أَبُوهُ پر دیکھو عَالِمٌ مقدم ہے۔ تو فعل یا شبہ فعل کا اسناد ہوتا ہے فاعل کی طرف اور یہ فاعل پر مقدم ہوتے ہیں، فاعل ان کے بعد آتا ہے۔ یہ معنی ہے وَقُدِّمَ عَلَيْهِ اور وہ فعل یا شبہ فعل اس پر مقدم ہوتے ہیں۔

آگے دیکھیے متن بھائی: عَلَى جِهَةِ قِيَامِهِ بِهِ اس طریق، جِهَة کا معنی طریقہ، اس طریقے پر کہ قِيَامِهِ کہ اس فعل یا شبہ فعل کا قیام ہوتا ہے بِهِ اس فاعل کے ساتھ۔ اس فعل یا شبہ فعل کا قیام ہوتا ہے اس فاعل کے ساتھ۔ بھائی دراصل یہ نائب الفاعل کو نکالنا چاہتے ہیں اس تعریف سے۔ ضَرَبَ زَيْدٌ، ضَرَبَ کا اسناد ہے زید کی طرف اور یہ ضرب کس کے ساتھ قائم ہے؟ زید کے ساتھ۔ توجہ ہے؟ ضَرَبَ زَيْدٌ، ضَرَبَ کا اسناد کس کی طرف؟ زید کی طرف، تو زید ہے فاعل۔ زید ہے فاعل اور اس کی طرف ضَرَبَ فعل کا اسناد ہو رہا ہے، اور یہ فعل زید کے ساتھ قائم ہے یعنی یہ زید ہے تو یہ ضرب بھی ہے، زید نہ ہو تو یہ والی ضرب بھی نہیں ہو سکتی۔ اور ایک ہے فعلِ مجہول بھائی، ضُرِبَ عَمْرٌو۔ ضُرِبَ عَمْرٌو کا کیا معنی؟ عمر کی پٹائی کی گئی۔ تو دیکھو یہ ضرب جو ہے یہ عمر کے ساتھ قائم ہے، عمر نے یہ ضرب لگائی ہے یا یہ ضرب عمر پر واقع ہوئی ہے؟ واقع ہوئی ہے۔ تو فعلِ معروف کا اسناد ہوتا ہے فاعل کی طرف اور فاعل کے ساتھ وہ فعل قائم ہوتا ہے۔ قائم ہونے کا کیا معنی؟ یعنی یہ اس کی صفت ہے، اگر یہ ہے تو یہ فعل بھی ہے، یہ نہیں تو یہ والا فعل بھی نہیں۔ جبکہ فعلِ مجہول جو ہے اس کا اسناد نائب الفاعل یعنی مفعول کی طرف ہوتا ہے۔ مثلاً اصل جملہ تھا ضَرَبَ زَيْدٌ عَمْرًا، پٹائی کی کس نے؟ زید نے، اور کس کی کی؟ عمر کی۔ تو یہ ضرب کس کے ساتھ قائم ہے؟ زید کے ساتھ، یہ ضرب کس نے لگائی ہے؟ زید۔ اور یہ ضرب کس پر واقع ہے؟ عمر پر واقع ہے۔ تو عمر جو ہے اس کے لیے یہ نہیں کہیں گے کہ یہ ضرب اس کے ساتھ قائم ہے بلکہ عمر کے لیے کیا کہیں گے؟ یہ ضرب اس پر واقع ہے۔ پھر اسی میں یوں کرتے ہیں دیکھو ضَرَبَ فعلِ معروف تھا، زَيْدٌ فاعل تھا اور عَمْرًا مفعول تھا، پھر فعل کو مجہول بنا دیتے ہیں۔ ضَرَبَ سے کیا بنا لیا؟ ضُرِبَ۔ فاعل زید کو حذف کر دیتے ہیں اور جو عَمْرًا جو مفعول تھا اس کو نائب

الفاعل بنا دیتے ہیں، تو کیا بن گیا؟ ضُرِبَ عَمْرٌو، عمر کی پٹائی کی گئی۔ اب دیکھو اس ضُرِبَ کا اسناد کس کی طرف ہے؟ عمر کی طرف۔ توجہ ہے؟ دیکھو فاعل کی ساری تعریف اس پر صادق آرہی ہے۔ فاعل کسے کہتے تھے؟ وہ اسم جس کی طرف کس کا اسناد ہو؟ فعل یا شبہ فعل کا۔ دیکھو ضُرِبَ عَمْرٌو، عَمْرٌو بھی کیا ہے؟ اس کی طرف فعل کا اسناد ہے، یہ اس کے لیے نائب الفاعل ہے نا۔ فعل کا اس کی طرف اسناد۔ وَقُدِّمَ عَلَيْهِ، دوسری شرط کیا تھی؟ کہ وہ فعل یا شبہ فعل فاعل پر کیا ہونا چاہیے؟ مقدم، اور ضُرِبَ عَمْرٌو اس میں بھی ضُرِبَ کیا ہے؟ عَمْرٌو پر مقدم ہے۔ البتہ آخری شرط اس میں کہیں پوری نہیں، فاعل کی تعریف میں آخری شرط کیا تھی؟ کہ فعل اس کے ساتھ قائم ہو، فعل اس فاعل کے ساتھ قائم۔ اور ضُرِبَ عَمْرٌو یہ ضرب عمر کے ساتھ قائم نہیں ہے بلکہ اس پر واقع ہے بھائی۔ فرق سمجھ میں آیا؟ تو عَلَى جِهَةِ قِيَامِهِ بِهِ، جِهَة کا کیا معنی؟ طریقہ۔ عَلَى جِهَةِ قِيَامِهِ، اس طریقے پر کہ وہ فعل یا شبہ فعل قائم ہو بِهِ کس کے ساتھ؟ اس فاعل کے ساتھ۔ اس فاعل کے ساتھ۔ یہ قید لگا دی کس کو نکالنے کے لیے؟ نائب الفاعل کو نکالنے کے لیے۔

اب دیکھو فاعل کے اندر تین شرطیں آگئیں۔ پہلی شرط کیا؟ کہ اس کی طرف فعل یا شبہ فعل کا اسناد ہو۔ دوسری شرط کیا؟ کہ وہ فعل یا شبہ فعل اس پر مقدم ہو۔ اور تیسری شرط کیا؟ کہ وہ فعل یا شبہ فعل اس کے ساتھ قائم ہو، یعنی وہ ہے تو اس فعل یا شبہ فعل کا وجود ہے، اگر وہ نہیں تو اس فعل یا شبہ فعل کا وجود بھی نہیں۔ تو کتنی شرطیں ہو گئیں فاعل میں؟ تین۔ پہلی کیا؟ کہ اس کی طرف فعل یا شبہ فعل کا اسناد۔ دوسری شرط کیا؟ کہ یہ فعل یا شبہ فعل اس فاعل پر مقدم ہو۔ اور تیسری شرط کیا؟ کہ یہ فعل یا شبہ فعل اس کے ساتھ قائم ہو۔ تو اس کے اندر یہ جو دیکھو ضُرِبَ عَمْرٌو، ضُرِبَ عَمْرٌو یہ ضُرِبَ فعلِ مجہول ہے اور اس کا اسناد کس کی طرف ہے؟ نائب فاعل کی طرف۔ اس کے اندر دو شرطیں پوری ہیں، پہلی شرط کیا؟ کہ فعل یا شبہ فعل کا اسناد ہو اس کی طرف، ضُرِبَ عَمْرٌو میں بھی عَمْرٌو کی طرف ضُرِبَ کا اسناد ہے۔ دوسری شرط کیا تھی؟ کہ وہ فعل یا شبہ فعل اس فاعل پر مقدم، ضُرِبَ عَمْرٌو کے اندر بھی عَمْرٌو پر ضُرِبَ کیا ہے؟ مقدم۔ لیکن تیسری شرط اس کے اندر پوری نہیں کہ وہ فعل یا شبہ فعل اس کے ساتھ قائم ہو، حالانکہ عَمْرٌو کے ساتھ یہ فعل یا شبہ فعل قائم نہیں ہے بلکہ اس پر واقع ہے۔ تو یہ قید کس لیے لگائی؟ نائب الفاعل کو نکالنے کے لیے۔ بات سمجھ میں آگئی؟

بھائی یاد رکھنا آگے صاحبِ جامی بھی ذکر کریں گے، یہ کافیہ ماخوذ ہے مفصل سے۔ مفصل نحو کی عظیم کتاب ہے جو علامہ زمخشری نے لکھی۔ اسی سے اخذ کرتے ہوئے صاحبِ کافیہ نے یہ اپنی کتاب کافیہ لکھی۔ صاحبِ مفصل جو ہیں وہ فاعل اور نائب فاعل میں کوئی فرق نہیں کرتے۔ وہ فاعل اور نائب فاعل ہیں، وہ نائب فاعل کو بھی فاعل ہی کے اندر داخل کرتے ہیں۔ جیسے ضَرَبَ زَيْدٌ، ضَرَبَ کا اسناد زید کی طرف ہے اسی طرح وہ کہتے ہیں ضُرِبَ عَمْرٌو، ضُرِبَ کا اسناد کس کی طرف ہے؟ عمر۔ تو جیسے زَيْدٌ فاعل اسی طرح ضُرِبَ عَمْرٌو میں عَمْرٌو کو بھی کیا کہیں گے؟ فاعل کہیں گے۔ وہ دونوں کو فاعل کہتے ہیں۔ لیکن صاحبِ کافیہ کا اپنا مذہب ہے، صاحبِ کافیہ دونوں میں فرق کرتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں نہیں، فاعل اور چیز ہے نائب

الفاعل اور چیز ہے۔ فاعل، فعل اس کے ساتھ قائم ہوتا ہے، اس کی وجہ سے فعل کا وجود ہے، وہ نہیں تو فعل بھی نہیں۔ جبکہ نائب الفاعل جو ہے اس کے ساتھ فعل قائم نہیں ہوتا بلکہ اس پر فعل واقع ہوتا ہے۔ تو چنانچہ صاحبِ مفصل نے نائب الفاعل کو بھی فاعل کے ساتھ ملایا لہٰذا انہوں نے یہ قید ذکر نہیں کی، عَلَى جِهَةِ قِيَامِهِ بِهِ کی قید ذکر نہیں کی کیونکہ وہ اس کو نکالنا ہی نہیں چاہتے وہ اس کو تعریف میں داخل رکھنا چاہتے ہیں، جبکہ صاحبِ کافیہ اس نائب الفاعل کو فاعل سے الگ شمار کرتے ہیں تو وہ اس کو نکالنا چاہتے ہیں، تو کیا قید لگا دی؟ عَلَى جِهَةِ قِيَامِهِ بِهِ، کہ وہ فعل یا شبہ فعل اس فاعل کے ساتھ قائم ہونا چاہیے، واقع نہیں ہونا چاہیے، تو وہ نائب الفاعل اب نکل گیا۔ بات سمجھ میں آگئی؟

جی اب آئیے بھائی شرح کے ساتھ اس کو پڑھیں بھائی۔ کہتے ہیں وَهُوَ أَيِ الْفَاعِلُ، هُوَ ضمیر کا مرجع بتلا دیا صاحبِ جامی نے أَيِ الْفَاعِلُ کہ هُوَ ضمیر کس کو راجع؟ فاعل کو۔ بھائی ابھی پیچھے متن میں آیا تھا: فَمِنْهُ الْفَاعِلُ۔ مرفوعات میں سے ایک فاعل ہے۔ تو اب آگے اس کی تعریف شروع کر دی کہ فاعل کسے کہتے ہیں۔ کہتے ہیں وَهُوَ أَيِ الْفَاعِلُ فاعل جو ہے مَا، مَا أَيِ اسْمٌ، مَا کی تفسیر کس کے ساتھ کی؟ اسم کے ساتھ کی۔ فاعل وہ اسم ہوتا ہے۔ فاعل ضَرَبَ زَيْدٌ، یہ زید کیا ہے؟ اسم ہے، اس کی طرف فعل کا اسناد کیا گیا ہے۔ تو مَا سے مراد اسم لیا۔ میں نے آپ کو پہلے بھی بتلایا تھا کہ ہمارے ہاں ایک رائج غلطی ہے، اردو کی تمام شروحات میں آپ کو ملے گی، وہ کیا کہتے ہیں کہ هُوَ ضمیر یہ معرفہ اور مَا مَا أُسْنِدَ إِلَيْهِ یہ مَا کیا ہے؟ اگر اس مَا کو موصولہ بنائیں تو پھر تو یہ خبر ہے اور خبر بھی معرفہ ہو گئی، اور مبتدا اور خبر جب دونوں معرفہ ہوں تو درمیان میں کیا لانا واجب ہے؟ فصل کا لانا واجب ہے۔ یہ ہمارے ہاں رائج غلطی ہے۔ میں نے آپ کو بتایا کوئی فصل کا لانا واجب نہیں اور اس کی میں نے مثال بھی ذکر کر دی تھی کہ حدیث میں کیا آیا ہے؟ الدِّينُ النَّصِيحَةُ۔ الدِّينُ بھی معرفہ اور النَّصِيحَةُ بھی معرفہ، مبتدا اور خبر دونوں معرفہ ہیں اور درمیان میں کوئی فصل نہیں۔ تو وہ عام شارحین یہاں فرماتے ہیں کہ یہ مَا کے بعد صاحبِ جامی نے أَيِ اسْمٌ جو یہ اسْمٌ کا لفظ نکالا بتلانا چاہتے ہیں کہ یہ مَا موصولہ نہیں ہے بلکہ مَا موصوفہ ہے کیونکہ اگر یہ مَا موصولہ ہوتا پھر تو فصل کا لانا واجب تھا بھائی۔ یہ عام شارحین فرماتے ہیں لیکن میں نے بتایا کہ نہیں بھائی، آپ چاہے اس مَا کو موصولہ بنائیں آپ چاہے اس مَا کو موصوفہ بنائیں، دونوں صورتوں میں فصل لانا کوئی واجب نہیں ہے۔ جب مبتدا اور خبر دونوں معرفہ ہوں تو فصل لانا بھی جائز اور نہ لانا بھی جائز۔ زَيْدٌ الْقَائِمُ، زید بھی معرفہ اور الْقَائِمُ اس کی خبر بھی معرفہ۔ تو آپ چاہیں تو فصل نہ لائیں یوں ہی کہیں: زَيْدٌ الْقَائِمُ، زید ہی کھڑا ہے، دیکھو یہ حصر اور تخصیص آگئی۔ جب خبر بھی معرفہ ہو مبتدا کے ساتھ ساتھ تو وہاں تخصیص آجاتی ہے۔ تو زَيْدٌ قَائِمٌ کا کیا ترجمہ...

تھا، زید کھڑا ہے، اور زَيْدٌ الْقَائِمُ اب خبر کو بھی میں معرفہ لے آیا، اب کیا معنی ہے؟ زید ہی کھڑا ہے، سننے والے کا خیال تھا کہ شاید زید کے ساتھ ساتھ عمر بھی کھڑا ہے، میں نے کہہ دیا کہ نہیں بھائی زَيْدٌ الْقَائِمُ، زید ہی کھڑا ہے۔ اور پھر درمیان میں فصل لائیں یا نہ لائیں دونوں جائز ہیں۔ آپ چاہیں تو زَيْدٌ هُوَ الْقَائِمُ کہہ دیں اور آپ چاہیں تو زَيْدٌ الْقَائِمُ کہہ دیں۔

تو یہ مَا کی تفسیر صاحبِ جامی نے اسمٌ کے ساتھ کی وہ اس وجہ سے نہیں کی کہ فصل لانا واجب تھا بلکہ صرف اس لیے کہ هُوَ ہے مبتدا اور مَا ہے خبر اور خبر کے اندر اصل کیا ہے؟ وہ نکرہ ہونی چاہیے، تو خبر کی اصل پر عمل کرنے کے لیے اسمٌ نکرہ نکالا کہ یہ مَا موصوفہ ہے موصولہ نہ بنائیں تاکہ خبر کی اصل پر عمل ہو جائے، خبر کے اندر بھی اصل کیا ہے؟ وہ کیا ہونی چاہیے؟ نکرہ ہونی چاہیے۔

تو کہتے ہیں: وَهُوَ أَيِ الْفَاعِلُ مَا أَيِ اسْمٌ حَقِيقَةً أَوْ حُكْمًا کہ وہ فاعل جو ہے وہ اسم ہے، چاہے وہ اسم حقیقتاً ہو یا حکماً ہو۔ یہ صاحبِ جامی نے تعمیم کر دی۔ صاحبِ کافیہ نے تو صرف اتنا فرمایا تھا کہ وَهُوَ مَا أُسْنِدَ إِلَيْهِ الْفِعْلُ، کہ فاعل وہ اسم ہے جس کی طرف فعل یا شبہ فعل کا اسناد ہو۔ اور مَا سے کیا مراد؟ اسم۔ مَا سے کیا مراد؟ اسم۔ پھر آگے اسم کے اندر صاحبِ جامی نے تعمیم کر دی: چاہے وہ اسم حقیقتاً ہو چاہے وہ اسم حکماً ہو۔ بھائی یہ کیوں؟ یہ تعمیم کیوں کی؟ کہتے ہیں اس لیے تاکہ یہ جو آگے مثال آ رہی ہے: أَعْجَبَنِي أَنْ ضَرَبْتَ زَيْدًا، تاکہ یہ بھی اس کے اندر داخل ہو جائے۔ تاکہ یہ بھی اس کے اندر۔ جی، بھائی کبھی اسم حقیقتاً ہوتا ہے کبھی حکماً اسم ہوتا ہے یعنی حقیقت میں تو اسم نہیں لیکن حکم کس کا لگا دیا؟ اسم والا اس پر لگا دیا۔ حقیقتاً اسم کی کوئی مثال ذکر کرو۔ فعل آنا چاہیے، فعل لائیں اور آگے کوئی فاعل لائیں جو حقیقتاً اسم ہو۔ کوئی مثال دے دیں۔ ضَرَبَ زَيْدٌ۔ ضَرَبَ فعل اور زَيْدٌ حقیقتاً اسم جو ہے وہ اس کا فاعل بن رہا ہے۔ اور کبھی جو فاعل ہوتا ہے وہ حقیقتاً اسم نہیں ہوتا لیکن حکماً اسم ہوتا ہے یعنی اس پر اسم کا حکم لگا دیا جاتا ہے۔ جیسے دیکھو یہ آگے مثال ہے ذرا اس کو حل کریں: أَعْجَبَنِي أَنْ ضَرَبْتَ زَيْدًا۔

جی ترکیب کیجیے۔ أَعْجَبَ فعل، نون وقایہ، یا ضمیر منصوب محلاً مفعول بہ، أَنْ مصدریہ، أَنْ مصدریہ۔ ضَرَبْتَ فعل با فاعل۔ میں نے بتایا تھا جب فاعل کی ضمیر فعل کے ساتھ ہو تو اس کو تعبیر کیسے کرنا ہے؟ فعل با فاعل، تو ضَرَبْتَ فعل با فاعل۔ اب فاعل بھی بتا دیں، تَا ضمیر، اعراب بولیں، مرفوع محلاً فاعل۔ اور زَيْدًا منصوب لفظاً مفعول بہ، کس کے لیے؟ ضَرَبْتَ کے لیے۔ ضَرَبْتَ فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر، پھر اب اس پر دیکھو أَنْ داخل ہے اور أَنْ کیا کرتا ہے جملے کو، فعل کو کس معنی میں کر دیتا ہے؟ مصدر۔ تو یہ جملہ فعلیہ أَنْ مصدریہ کی وجہ سے بتاویلِ مفرد، بتاویلِ مفرد مصدر ہو کر یہ فاعل ہوا أَعْجَبَنِي کے لیے۔ تو یہ أَنْ ضَرَبْتَ زَيْدًا یہ سارا فاعل ہے أَعْجَبَنِي کے لیے۔ توجہ ہے؟ أَعْجَبَنِي مجھے تعجب میں ڈالا أَنْ ضَرَبْتَ زَيْدًا آپ کے زید کی پٹائی کرنے نے۔ آپ نے جو زید کی پٹائی کی اس نے مجھے تعجب میں ڈالا۔ تو دیکھو ضَرَبْتَ زَيْدًا یہ تو پورا جملہ تھا اور یہ، اس پر کیا داخل ہوا؟ أَنْ۔ اس أَنْ نے اس کو کس حکم میں کر دیا؟ مصدر کے حکم میں کر دیا۔ تو یہ أَنْ ضَرَبْتَ زَيْدًا یہ حقیقتاً اسم ہے؟ نہیں، یہ تو جملہ ہے پورا۔ توجہ ہے؟ أَنْ ضَرَبْتَ زَيْدًا یہ حقیقتاً تو اسم نہیں ہے ہاں حکماً اسم ہے، اسم کے حکم میں ہے۔ اس أَنْ نے اس کو کس معنی میں کر دیا؟ مصدر کے معنی میں کر دیا اور مصدر کیا ہوتا ہے؟

اسم ہوتا ہے۔ توجہ ہے؟ تو فاعل حقیقتاً بھی اسم ہو سکتا ہے اور حکماً بھی۔ تو صاحبِ جامی نے حَقِيقَةً کے ساتھ حُكْمًا کی قید بڑھا دی تاکہ اس جیسی مثالیں یہ بھی فاعل کی تعریف میں داخل ہو جائیں کیونکہ اس مثال میں أَعْجَبَنِي أَنْ ضَرَبْتَ زَيْدًا، یہ أَنْ ضَرَبْتَ زَيْدًا یہ سارا فاعل بن رہا ہے اور فاعل کے بارے میں تو انہوں نے کیا بتایا؟ وَهُوَ مَا، فاعل وہ تو اسم کا نام ہے اور یہ أَنْ ضَرَبْتَ زَيْدًا یہ تو اسم نہیں ہے یہ تو کیا ہے؟ جملہ ہے۔ توجہ ہے؟ تو حقیقتاً تو یہ اسم نہیں لیکن حکماً اسم ہے۔ تو معلوم ہوا اسم ہونا عام ہے چاہے حقیقتاً اسم ہو چاہے حکماً اسم، اب اس جیسی مثالیں بھی وہ بھی فاعل کے اندر داخل ہو گئیں۔ بات سمجھ میں آ گئی؟

تو کہتے ہیں: وَهُوَ أَيِ الْفَاعِلُ مَا أَيِ اسْمٌ حَقِيقَةً أَوْ حُكْمًا کہ فاعل جو ہے وہ اسم ہے، جو چاہے حقیقتاً ہو یا حکماً ہو، لِيَدْخُلَ فِيهِ تاکہ اس کے، فاعل کے اندر داخل ہو جائے، مِثْلُ قَوْلِهِمْ عربوں کے اس جیسا قول بھی: أَعْجَبَنِي أَنْ ضَرَبْتَ زَيْدًا، تاکہ یہ بھی کس میں داخل ہو جائے؟ فاعل کے اندر داخل ہو جائے کہ اس میں یہ أَنْ ضَرَبْتَ زَيْدًا حکماً اسم ہے حقیقتاً اسم نہیں۔

أُسْنِدَ إِلَيْهِ الْفِعْلُ، اور فاعل وہ اسم ہے أُسْنِدَ إِلَيْهِ الْفِعْلُ جس کی طرف فعل کا اسناد کیا گیا ہو، جس کی طرف۔ بھائی ادھر دیکھیے۔ بعض چیزیں وہ ہیں جن کی طرف فعل یا شبہ فعل کا براہِ راست اسناد ہوتا ہے اور بعض وہ ہیں جو تابع ہوتی ہیں۔ مثلاً ضَرَبَ زَيْدٌ۔ دیکھو ضَرَبَ کا اسناد براہِ راست زید کی طرف ہے اور زید اس کے لیے فاعل ہے۔ اور کبھی آپ اس کے لیے معطوف بھی آگے لے آتے ہیں: ضَرَبَ زَيْدٌ وَعَمْرٌو۔ اب مجھے بتائیے پٹائی صرف زید نے کی ہے یا زید اور عمر دونوں نے کی ہے؟ زید اور عمر دونوں نے کی ہے کیونکہ آپ نے زید پر عمر کا عطف کر دیا ہے واؤ کے ذریعے، ضَرَبَ زَيْدٌ وَعَمْرٌو۔ تو اب دیکھو زَيْدٌ یہ بھی ضَرَبَ کے لیے فاعل، ضَرَبَ زَيْدٌ اس کے اندر یہ جو زَيْدٌ ہے یہ بھی ضَرَبَ کے لیے فاعل ہے اور اسی طرح عمر نے بھی کیا کی ہے؟ پٹائی کی ہے تو عمر بھی ضَرَبَ کے لیے فاعل ہے۔ لیکن یاد رکھو یہ جو عمر وغیرہ جو حرفِ عطف کے بعد ذکر ہو ان کو تابع کہتے ہیں۔ کیا کہتے ہیں؟ تابع۔ یہ اپنے سے ماقبل کے تابع ہوتے ہیں۔ یعنی ماقبل والے پر اگر رفع آئے تو اس پر بھی رفع آئے گا، اگر ماقبل پر نصب آئے تو اس پر بھی نصب آئے گا، اگر ماقبل پر جر آئے تو اس پر بھی جر آئے گا، اور ان کو توابع کہتے ہیں۔ اور ان کا بیان آپ ہدایۃ النحو اور کافیہ میں بھی پڑھ چکے ہیں، آگے جامی کے اندر بھی کافیہ کے اندر توابع کا بیان ہوگا تو صاحبِ جامی اس کو حل کریں گے بھائی۔

تو توابع آپ نے پڑھا ہے پانچ ہیں بھائی۔ کتنے ہیں؟ پانچ۔ کون کون سے؟ ایک عطف بحرف ہے جیسے جَاءَنِي زَيْدٌ وَعَمْرٌو۔ یہ عمر کیا ہے؟ یہ معطوف بحرف ہے۔ اور پھر اسی طرح ایک صفت ہے: جَاءَنِي رَجُلٌ عَالِمٌ۔ یہ رَجُلٌ موصوف اور عَالِمٌ اس کی صفت۔ اور آپ جانتے ہیں صفت پر وہی اعراب آتا ہے جو موصوف پر آتا ہے۔ اگر موصوف مرفوع ہو تو صفت بھی مرفوع، اگر موصوف منصوب ہو تو صفت بھی منصوب، اور اگر موصوف مجرور ہو تو صفت بھی مجرور۔ تو یہ توابع ہیں اور یہ پانچ ہیں توابع بھائی: معطوف بحرف ہے، صفت ہے، عطفِ بیان ہے، بدل ہے اور تاکید ہے۔ یہ جو چیزیں

ہیں ان پر وہی اعراب آتا ہے جو ان کے ماقبل پر ہوتا ہے۔

تو اب بات چل رہی ہے فاعل کی، کس کی؟ جَاءَنِي زَيْدٌ وَعَمْرٌو۔ بھائی زَيْدٌ میں تو جَاءَ براہِ راست عمل کر رہا ہے اور یہ عَمْرٌو کا زید پر عطف ہے، تو کیا یہ بھی فاعل کے اندر داخل ہے یا نہیں؟ یہ بھی فاعل اس کو کہیں گے یا نہیں؟ تو آپ کو صاحبِ جامی بتلائیں گے کہ نہیں بھائی یہ تابع ہے۔ یہ کیا ہے؟ معطوف پر وہی اعراب آتا ہے جو معطوف علیہ پر ہوتا ہے، بدل پر وہی اعراب آتا ہے جو مبدل منہ پر ہوتا ہے، صفت پر وہی اعراب آتا ہے جو موصوف پر۔ تو یہ جو توابع ہیں ان کو باقاعدہ صاحبِ کافیہ آگے الگ بیان کریں گے۔ آگے، یہ قرینہ ہے اس بات کا کہ یہاں پر توابع مراد نہیں۔ جَاءَنِي زَيْدٌ وَعَمْرٌو، کس کی تعریف چل رہی ہے؟ فاعل کی، تو صرف زید کو فاعل کہیں گے اور آگے وَعَمْرٌو جو آیا اس کو فاعل نہیں کہیں گے بلکہ وہ اس کا تابع ہے۔ معنی کے اعتبار سے اگرچہ وہ بھی فاعل ہے بھائی، لیکن نحو کے اندر اس کو تابع کہا جاتا ہے۔ تو توابع پر وہی اعراب ہوتا ہے جو ماقبل پر ہوتا ہے۔ ماقبل پر اگر رفع ہو تو اس تابع پر بھی رفع آئے گا، ماقبل پر نصب ہو تو اس تابع پر بھی نصب آئے گا، ماقبل پر اگر جر ہو تو تابع پر بھی جر آئے گا۔ تو توابع کا آگے مستقل بیان آرہا ہے، اس سے معلوم ہو گیا کہ یہاں توابع کے علاوہ مرفوعات، منصوبات اور مجرورات مراد ہیں۔ یہاں تو بات کس کی چل رہی ہے؟ مرفوعات کی۔ آگے کس کی بات آئے گی؟ منصوبات۔ پھر کس کی آئے گی؟ مجرورات۔ اس کے بعد توابع کا الگ بیان آئے گا بھائی۔ معلوم ہوا یہ جو مرفوعات، منصوبات، مجرورات ذکر ہو رہے ہیں ان کے اندر توابع داخل نہیں، ان کو بعد میں الگ وہ ذکر کریں گے۔ لہٰذا جَاءَ زَيْدٌ وَعَمْرٌو، اس میں سے زید اس کی طرف تو فعل کا اسناد ہے اصالۃً، اصلاً، اور عمر کی طرف بھی فعل کا اسناد ہے لیکن اصلاً نہیں ہے بلکہ تبعاً ہے وہ تابع ہے بھائی۔

بات سمجھ میں آگئی؟ کیا بات ہوئی؟ کہ یہاں انہوں نے کہا کہ فاعل وہ ہے جس کی طرف فعل یا شبہ فعل کا اسناد ہو۔ اور کہتے ہیں یہ اسناد اصالۃً ہونا چاہیے تبعاً نہیں ہونا چاہیے۔ جَاءَنِي زَيْدٌ وَعَمْرٌو، اصلاً اسناد کس کی طرف ہے؟ زید کی طرف۔ اور تبعاً کس کی طرف ہے؟ عَمْرٌو، کیونکہ عمر اس کے تابع ہے بھائی، عمر اس کے تابع۔ اور یہاں توابع کا بیان نہیں ہو رہا تو لہٰذا یہاں اسناد فعل کا اسناد جس کی طرف اصالۃً ہو وہ مراد ہے، جن کی طرف تبعاً اسناد ہو وہ مراد نہیں وہ الگ توابع میں ان کا الگ بیان آئے گا۔ بات سمجھ میں آئی؟ اعتراض کیا پھر دہرائیں ذرا۔ اشکال کیا ہوتا تھا کہ جَاءَنِي زَيْدٌ وَعَمْرٌو، یہ تو ایک تابع کی میں مثال دے رہا ہوں نا سب میں اسی طرح ہے۔ جَاءَنِي زَيْدٌ وَعَمْرٌو، یہ زَيْدٌ کی طرف جَاءَ کا اسناد ہے اصالۃً اور عَمْرٌو کی طرف بھی جَاءَ کا اسناد ہے لیکن اصلاً نہیں بلکہ تبعاً ہے، وہ زید کے تابع ہے وہ زید پر معطوف ہے، لہٰذا وہ یہاں مراد نہیں ہے ان کا الگ بیان کہاں پر آئے گا؟ توابع میں۔ اور یہ تو فاعل کی بات چل رہی ہے فاعل تو مرفوع ہوتا ہے، جب فاعل مرفوع ہے تو اس کا تابع بھی کیا ہوگا؟ مرفوع، لیکن آگے منصوبات بھی آئیں گے، آگے مجرورات بھی آئیں گے، ان کے بھی توابع ہوتے ہیں، تو وہاں پر بھی کہتے ہیں یاد رکھنا جب مرفوعات، منصوبات اور مجرورات جو ذکر ہو رہے ہیں ان میں توابع داخل نہیں، توابع کو الگ وہ آخر میں بیان کرتے ہیں۔

تو کہتے ہیں وَهُوَ مَا أُسْنِدَ إِلَيْهِ الْفِعْلُ فاعل وہ اسم ہے کہ جس کی طرف فعل کا اسناد کیا گیا ہو، بِالْإِصَالَةِ لَا بِالتَّبَعِيَّةِ یعنی اصالۃً اس کی طرف فعل کا اسناد ہو، لَا بِالتَّبَعِيَّةِ تبعاً اس کی طرف فعل کا اسناد نہ ہو، لِيَخْرُجَ عَنِ الْحَدِّ تَوَابِعُ الْفَاعِلِ تاکہ اس تعریف سے نکل جائیں، کیا نکل جائیں؟ تَوَابِعُ الْفَاعِلِ، فاعل کے توابع نکل جائیں۔ فاعل کے توابع بھائی توابع پانچ ہیں: فاعل کے بعد کبھی معطوف آئے گا، فاعل کے بعد کبھی صفت آئے گی، فاعل کے بعد کبھی تاکید آئے گی، فاعل کے بعد کبھی بدل آئے گا یہ مبدل منہ بنے گا، اور فاعل کے بعد کبھی عطفِ بیان آئے گا۔ توجہ ہے؟ تو فاعل کے جتنے توابع ہیں وہ یہاں مراد نہیں ہیں کیونکہ جو توابع ہیں ان کی طرف اسناد اصلاً نہیں ہوتا بلکہ تبعاً ہوتا ہے اور یہاں فاعل کی بات چل رہی ہے جس کی طرف اصلاً اسناد ہو۔ تو کہتے ہیں بِالْإِصَالَةِ لَا بِالتَّبَعِيَّةِ کہ جس کی طرف فعل کا اسناد اصالۃً ہو تبعاً نہ ہو، لِيَخْرُجَ عَنِ الْحَدِّ تَوَابِعُ الْفَاعِلِ تاکہ اس تعریف سے، یہ جو فاعل کی تعریف کی جا رہی ہے، تاکہ اس تعریف سے نکل جائیں تَوَابِعُ الْفَاعِلِ فاعل کے توابع وہ اس تعریف سے نکل جائیں۔ وَكَذَا الْمُرَادُ فِي جَمِيعِ حُدُودِ الْمَرْفُوعَاتِ وَالْمَنْصُوبَاتِ وَالْمَجْرُورَاتِ اور اسی طرح مراد ہیں فِي جَمِيعِ حُدُودِ، حد تعریف جامع مانع تعریف کو کہتے ہیں، اور اسی طرح مراد ہیں فِي جَمِيعِ حُدُودِ الْمَرْفُوعَاتِ مرفوعات کی تمام تعریفوں میں اور اسی طرح منصوبات اور مجرورات کی تمام تعریفوں میں مراد جو ہیں غَيْرُ التَّابِعِ وہ تابع کے علاوہ ہیں۔ وَكَذَا الْمُرَادُ فِي جَمِيعِ حُدُودِ الْمَرْفُوعَاتِ وَالْمَنْصُوبَاتِ وَالْمَجْرُورَاتِ کہتے ہیں اسی طرح مرفوعات، منصوبات اور مجرورات کی تمام تعریفوں...

میں مراد جو ہیں وہ غَيْرُ التَّابِعِ، تابع کے علاوہ چیزیں مراد ہیں۔ قرینہ کیا ہے؟ کس طرح آپ کہہ رہے ہیں کہ تابع مراد نہیں ہوتا؟ جیسے فاعل کی تعریف کر رہے ہیں آپ کہہ رہے ہیں جی تابع اس کے اندر داخل نہیں ہیں، کہتے ہیں قرینہ یہ ہے کہ توابع کا آگے وہ الگ بیان کرتے ہیں، معلوم ہوا توابع ان کے اندر داخل نہیں۔ اگر اسی کے اندر داخل ہوتے پھر تو آگے الگ تعریف کرنے کی ضرورت ہی نہیں تھی بھائی۔ تو کہتے ہیں اسی طرح مرفوعات، منصوبات اور مجرورات سب کی تعریفوں کے اندر مراد جو ہیں غَيْرُ التَّابِعِ وہ تابع کے علاوہ ہیں، بِقَرِينَةِ ذِكْرِ التَّوَابِعِ بَعْدَهَا بایں قرینہ کہ توابع کا ذکر اس کے بعد ہے، یعنی الگ اس کا ذکر ہے۔

أَوْ شِبْهُهُ۔ بھائی میں نے آپ کو پہلے بھی بتلایا، ایک لفظ ہوتا ہے شِبْهٌ ایک ہوتا ہے شَبَهٌ۔ شِبْهٌ کا معنی ہے مثل، ایک چیز دوسری چیز کے مثل ہو، ایک چیز دوسری چیز جیسی ہو تو اس کو شِبْهٌ کہتے ہیں۔ اور شَبَهٌ مصدر ہے، شَبَهٌ کا معنی ہے مشابہت یعنی ایک چیز کا دوسری چیز کے مشابہ ہونا، دیکھا یہ مصدر ہے۔ تو شِبْهٌ بمعنی مِثْلٌ، شِبْهٌ کوئی چیز ہوگی، اور شَبَهٌ کا معنی مشابہت دو چیزوں کے درمیان جو نسبت ہے اس کا نام کیا ہے؟ مشابہت ہے۔ تو یہاں شِبْهٌ لفظ ہے۔ کہتے ہیں أَوْ شِبْهُهُ أَيْ مَا يُشْبِهُهُ فِي الْعَمَلِ۔

پھر دیکھیں متن متن: وَهُوَ مَا أُسْنِدَ إِلَيْهِ الْفِعْلُ أَوْ شِبْهُهُ، فاعل وہ اسم ہے کہ جس کی طرف فعل یا شبہ فعل کا اسناد ہو۔

کس کا اسناد ہو؟ شبہ فعل کا یعنی جو وہ چیز جو فعل کے مثل ہے اس کا اسناد ہو۔ بھائی فعل کے مثل، کیا معنی؟ کس چیز میں فعل کا مثل؟ کہتے ہیں أَيْ مَا يُشْبِهُهُ فِي الْعَمَلِ، یعنی وہ چیز جو عمل میں فعل کے مشابہ ہو۔ بھائی دیکھیے نا فاعل، فعل کے لیے بھی فاعل یا نائب فاعل چاہیے اسی طرح صفت کے صیغوں کے لیے بھی فاعل یا نائب فاعل چاہیے۔ تو یہ صفت کے صیغے بھی فعل جیسے ہیں۔ بھائی کس چیز میں فعل جیسے ہیں؟ فعل بھی لفظ ہے یہ بھی لفظ ہیں، بھائی لفظ ہونے میں بھی مشابہت...

فعل کے اندر بھی حروف ہوتے ہیں ان کے اندر بھی کیا ہیں حروف۔ تو کس چیز میں مشابہت مراد ہے کہ فعل جیسے ہوں؟ کہتے ہیں بھائی عمل میں مشابہت مراد ہے ہر چیز میں مشابہت مراد نہیں۔ جیسے فعل عمل کرتا ہے اسی طرح یہ صفت کے صیغے بھی عمل کرتے ہیں تو یہ فعل جیسے ہیں۔ تو کہتے ہیں أَوْ شِبْهُهُ أَيْ مَا يُشْبِهُهُ فِي الْعَمَلِ، یعنی وہ چیز جو عمل میں فعل کے مشابہ ہو۔

کیا تعریف ہوئی؟ فاعل کسے کہتے ہیں؟ کہ جس کی طرف فعل یا شبہ فعل کا اسناد ہو۔ شبہ فعل سے کیا مراد ہے؟ وہ چیزیں جو فعل کی طرح ہیں، کس چیز میں؟ عمل کرنے میں۔ اچھا یہاں ایک اور چھوٹی سی بات شارحین عموماً ذکر کرتے ہیں۔ انہوں نے کیا کہا؟ فاعل کسے کہتے ہیں؟ مَا أُسْنِدَ إِلَيْهِ الْفِعْلُ أَوْ شِبْهُهُ، جس کی طرف فعل کا اسناد ہو یا شبہ فعل کا اسناد ہو۔ یاد رکھو یہ جو أَوْ ہے نا أَوْ، یہ شک اور تشکیک کے لیے آتا ہے۔ کس کے لیے؟ مثلاً میں نے آپ سے کہا جَاءَنِي زَيْدٌ، میرے پاس زید آیا۔ دیکھو تعیین ہے، آپ کو پتہ چل گیا کون آیا تھا میرے پاس؟ زید۔ لیکن اگر میں أَوْ لے آؤں: جَاءَنِي زَيْدٌ أَوْ عَمْرٌو، جی اب آپ کو کچھ پتہ چلا کہ کون آیا ہے؟ جَاءَنِي زَيْدٌ أَوْ عَمْرٌو، میرے پاس زید یا عمر آیا ہے۔ اب دیکھو بات مشکوک ہو گئی پتہ نہیں زید آیا میرے پاس یا عمر۔ تو یہ جو حرف أَوْ ہے اس کو حرفِ تردید کہتے ہیں۔ کیا کہتے ہیں؟ حرفِ تردید۔ ویسے تو ایک ذکر کریں گے کسی چیز کو تو تعیین ہو جائے گی لیکن أَوْ لے آئیں گے تو تردید ہوگی پتہ نہیں یہ والی چیز پہلی مراد ہے یا بعد والی چیز مراد ہے۔ جَاءَ زَيْدٌ أَوْ عَمْرٌو، پتہ نہیں زید آیا ہے یا عمر۔ تو اس کو حرفِ شک بھی کہتے ہیں اور تشکیک بھی۔ مثلاً زید یا عمر میں سے کوئی ایک آیا ہے لیکن مجھے نہیں پتہ کون آیا ہے لیکن اتنا پتہ ہے انہی دو میں سے کوئی آیا ہے، تو اب میں کہتا ہوں جَاءَ زَيْدٌ أَوْ عَمْرٌو، زید یا عمر آیا ہے۔ زید یا، جی یہ میں نے أَوْ کس لیے استعمال کیا؟ کیا میں آپ کو شک میں ڈالنا چاہتا ہوں یا میں خود شک میں ہوں؟ متکلم خود شک میں ہے کہ پتہ نہیں کون آیا ہے؟ اور کبھی کبھار متکلم کو پتہ ہوتا ہے لیکن وہ دوسرے کو شک میں ڈالنا چاہتا ہے۔ مثلاً مجھے تو پتہ ہے کہ زید عمر میں سے کون آیا ہے لیکن میں آپ کو نہیں بتانا چاہتا تو میں آپ سے کہتا ہوں جَاءَ زَيْدٌ أَوْ عَمْرٌو، زید یا عمر آیا ہے۔ تو ایک ہے شک، یعنی خود شک میں ہونا، اور ایک ہے تشکیک، دوسرے کو شک میں ڈالنا۔ تشکیک اور تردید۔ بات سمجھ میں آ رہی؟ تو أَوْ کیا ہے؟ حرفِ تردید ہے، یہ شک کی وجہ سے یا دوسرے کو شک میں ڈالنے کے لیے اس أَوْ کو لایا جاتا ہے۔

تو یہاں پر بھی أَوْ آیا: وَهُوَ مَا أُسْنِدَ إِلَيْهِ الْفِعْلُ أَوْ شِبْهُهُ، فاعل وہ اسم ہے جس کی طرف فعل یا شبہ فعل کا اسناد کیا گیا

ہو۔ تو آپ کو بتلائیں گے شارحین پھر بتلاتے ہیں کہ یہ جو أَوْ یہاں آیا یہ شک یا تشکیک کے لیے نہیں ہے کہ مصنف خود شک میں ہے یا دوسروں کو شک میں ڈالنا چاہتے ہیں، نہیں نہیں، یہ تشکیک کے لیے نہیں ہے بلکہ یہ أَوْ کبھی کبھار تنویع کے لیے بھی آتا ہے۔ کس لیے؟ تنویع یعنی نوع بتلانے کے لیے، قسم بتلانے کے لیے۔ یہاں سے دراصل فاعل کی دو قسمیں بتلانا چاہتے ہیں کہ فاعل فعل کے لیے بھی آتا ہے اور فاعل اسی طرح شبہ فعل کے لیے بھی آتا ہے۔ تو فاعل کی طرف یا تو فعل کا اسناد ہوگا اور یا شبہ فعل کا، یعنی دونوں میں سے کسی ایک کا اسناد ہو سکتا ہے۔ تو فاعل صرف فعل کے لیے نہیں آتا بلکہ شبہ فعل کے لیے بھی آتا ہے، تو یہاں أَوْ تشکیک کے لیے نہیں ہے بلکہ کس لیے ہے؟ تنویع کے لیے ہے یعنی نوع بتلانے کے لیے کہ فاعل دو قسم پر ہے: کبھی فاعل کس کے لیے آئے گا؟ فعل کے لیے، اور کبھی کس کے لیے آئے گا؟ شبہ فعل کے لیے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو کہتے ہیں أَوْ شِبْهُهُ أَيْ مَا يُشْبِهُهُ فِي الْعَمَلِ، یعنی وہ چیز جو عمل کے اندر فعل کے مشابہ ہو۔

وَإِنَّمَا قَالَ ذَلِكَ، بھائی یہ ماتن نے کیوں فرمایا؟ صرف یوں کہہ دیتے وَهُوَ مَا أُسْنِدَ إِلَيْهِ الْفِعْلُ۔ یہ أَوْ شِبْهُهُ کو کیوں ذکر کیا؟ میں نے وجہ بیان کر دی، کیا بتلانے کے لیے؟ کہ فاعل صرف فعل کے لیے نہیں آتا بلکہ شبہ فعل کے لیے بھی آتا ہے، اور شبہ فعل کون کون سی چیزیں ہیں؟ کل میں نے مثالیں کروا دی تھیں۔ کیا کیا ہے؟ پھر دہرائیں: فاعل کس کے لیے چاہیے؟ فعل کے لیے بھی فاعل آتا ہے، اسی طرح اسمِ فاعل کے لیے بھی آتا ہے، اور صفتِ مشبہ کے لیے بھی آتا ہے، اور اسمِ تفضیل کے لیے بھی آتا ہے، اور اسمِ فعل کے لیے بھی آتا ہے، اور ظرف کے لیے بھی کبھی آتا ہے۔ بات سمجھ میں آ گئی؟ مبالغے کے صیغے کو ذکر نہیں کیا کیونکہ میں نے بتایا مبالغے کا صیغہ یا اسمِ فاعل سے بنے گا یا اسمِ مفعول سے بنے گا۔ ضَارِبٌ کا معنی پٹائی کرنے والا اور ضَرَّابٌ کا معنی بہت زیادہ پٹائی کرنے والا، تو یہ ضَرَّابٌ کس سے بنا؟ ضَارِبٌ سے، تو اس کا وہی حکم ہے جو ضَارِبٌ کا ہے اور ضَارِبٌ کے لیے تو فاعل چاہیے تو ضَرَّابٌ کے لیے بھی کیا چاہیے؟ فاعل چاہیے۔

تو وہی ذکر کر رہے ہیں کہتے ہیں وَإِنَّمَا قَالَ ذَلِكَ کہتے ہیں ماتن نے یہ جو أَوْ شِبْهُهُ فرمایا یہ اس لیے فرمایا لِيَتَنَاوَلَ تاکہ یہ تعریف شامل ہو جائے، کس کو شامل ہو جائے یہ تعریف؟ فَاعِلَ اسمِ الْفَاعِلِ اسمِ فاعل کے فاعل کو بھی شامل ہو جائے، بھائی صرف فعل کا فاعل تو نہیں آتا اسمِ فاعل کا بھی فاعل آتا ہے، تاکہ تعریف اس کو بھی شامل ہو جائے، وَالصِّفَةِ الْمُشَبَّهَةِ، اس کا عطف کس پر ہے؟ وَالصِّفَةِ الْمُشَبَّهَةِ، اس کا عطف ہے اسمِ الْفَاعِلِ پر۔ اور اسمِ الْفَاعِلِ سے ماقبل میں کیا ہے؟ فَاعِلَ، تو یہ فَاعِلَ سب سے جڑے گا جتنے آگے آرہے ہیں: تاکہ یہ تعریف شامل ہو جائے اسمِ فاعل کے فاعل کو بھی، وَالصِّفَةِ الْمُشَبَّهَةِ صفتِ مشبہ کے فاعل کو بھی، وَالْمَصْدَرِ اور مصدر کے فاعل کو بھی، وَاسْمِ الْفِعْلِ اور اسمِ فعل کے فاعل کو بھی، وَأَفْعَلِ التَّفْضِيلِ اور افعل التفضیل کے فاعل کو بھی یہ تعریف شامل ہو جائے، وَالظَّرْفِ اور ظرف کے فاعل کو بھی شامل ہو جائے۔

جی پہلی بات گزر گئی تعریف کے اندر۔ میں نے بتایا تھا تعریف میں تین چیزیں ذکر ہوں گی۔ پہلی بات کیا؟ فاعل کسے کہتے ہیں؟ کہ اس سے پہلے فعل یا شبہ فعل ہو اور اس فعل یا شبہ فعل کا اس کی طرف اسناد۔ دوسری بات وَقُدِّمَ، وَقُدِّمَ عَلَيْهِ کہ وہ فعل یا شبہ فعل کیا ہو اس پر؟ مقدم ہو۔ اور تیسری بات یہ کہ وہ فعل یا شبہ فعل اس فاعل کے ساتھ قائم ہونا چاہیے اس پر واقع نہیں ہونا چاہیے۔ تو اب دوسری بات ذکر کر رہے ہیں۔ کہتے ہیں وَقُدِّمَ أَيِ الْفِعْلُ أَوْ شِبْهُهُ عَلَيْهِ، اور مقدم کیا گیا ہو اس فعل یا شبہ فعل کو عَلَيْهِ أَيْ عَلَى ذَلِكَ الِاسْمِ اس اسم پر، یعنی اس فاعل پر۔ اس فعل یا شبہ فعل کو اس فاعل پر مقدم کیا گیا ہو۔ توجہ ہے؟

بھائی وَقُدِّمَ عَلَيْهِ مقدم کیا گیا ہو، کس کو مقدم کیا گیا ہو؟ فعل یا، عبارت پہ ذرا نظر رکھو متن میں کیا آیا وَقُدِّمَ عَلَيْهِ۔ شارحِ جامی درمیان میں کیا فرما رہے ہیں؟ وَقُدِّمَ أَيِ الْفِعْلُ أَوْ شِبْهُهُ، بتلانا یہ چاہتے ہیں کہ قُدِّمَ کی ضمیر فعل یا شبہ فعل کو راجع ہے۔ قُدِّمَ فعلِ مجہول ہے اور اس کے اندر جو ضمیر ہے نائب الفاعل وہ فعل یا شبہ فعل کو راجع ہے۔ توجہ ہے؟ اس پر آپ کے ذہنوں میں اشکال آئے گا۔ قُدِّمَ کون سا صیغہ ہے؟ واحد مذکر غائب تو اس کے اندر تو هُوَ ضمیر ہے، اور کتنی چیزوں کو ضمیر راجع؟ فعل یا شبہ فعل، وہ تو دو چیزیں ہیں تو قُدِّمَ نہیں تثنیہ کا صیغہ ہونا چاہیے تھا قُدِّمَا الف کے ساتھ۔ اشکال سمجھ میں آرہا ہے؟ کہ ضمیر واحد مذکر کی ہے اور پیچھے مرجع میں چیزیں کتنی ہیں؟ دو۔ تو جواب یاد رکھنا کہ بھائی وہ دو چیزیں جن کی طرف ضمیر راجع کی ان کے درمیان حرف أَوْ ہے بھائی۔ الْفِعْلُ أَوْ شِبْهُ الْفِعْلِ ان دونوں میں کون سا حرف ہے؟ أَوْ۔ اور أَوْ کیا ہے؟ حرفِ تردید، وہ حرفِ تردید ہے ایک بات کو دو چیزوں کے درمیان دائر کر دیتا ہے، اور یاد رکھو جب دو چیزوں کے درمیان أَوْ آجائے تو پھر وہ أَحَدُ الْأَمْرَيْنِ یا أَحَدُ الْمَذْكُورَيْنِ کی تاویل میں ہوتے ہیں۔ کس تاویل میں؟ أَحَدُ الْأَمْرَيْنِ دو چیزوں میں سے ایک، یا أَحَدُ الْمَذْكُورَيْنِ دو مذکورہ چیزوں میں سے ایک۔ بھائی دیکھیے فاعل کس کے لیے آتا ہے؟ فعل کے لیے بھی آسکتا ہے اور شبہ فعل، لیکن ایک ہی وقت میں دونوں ہوں گے یا دونوں میں سے ایک ہوگا؟ فعل یا شبہ فعل دونوں ہوں گے ایک ہی وقت میں یا دونوں میں سے ایک ہوگا؟ ایک ہوگا ایک وقت میں۔ دیکھا أَحَدُ الْأَمْرَيْنِ، دو چیزوں میں سے ایک ہوگی ایک وقت کے اندر۔ اگر فاعل سے پہلے فعل ہے تو شبہ فعل نہیں ہو سکتا اور اگر شبہ فعل ہے تو فعل نہیں ہو سکتا۔ تو قُدِّمَ کی ضمیر کس کو راجع؟ فعل یا شبہ فعل کو۔ اور اشکال کیا ہوا کہ یہ تو دو چیزیں ہیں، تو کیا جواب ہوا؟ کہ ان کے درمیان أَوْ آیا اور جن دو چیزوں کے درمیان أَوْ ہو تو ان کی طرف واحد ہی کی ضمیر لوٹائی جاتی ہے کس تاویل میں؟ أَحَدُ الْأَمْرَيْنِ یا أَحَدُ الْمَذْكُورَيْنِ کی تاویل میں۔

تو کہتے ہیں وَقُدِّمَ أَيِ الْفِعْلُ أَوْ شِبْهُهُ عَلَيْهِ اور اس فعل یا شبہ فعل کو مقدم کیا گیا ہو عَلَيْهِ أَيْ عَلَى ذَلِكَ الِاسْمِ اس اسم پر۔ بھائی فعل یا شبہ فعل ہمیشہ فاعل پر مقدم ہوتے ہیں۔

وَاحْتَرَزَ بِهِ عَنْ نَحْوِ زَيْدٌ فِي زَيْدٌ ضَرَبَ. اچھا یہ دو تین مثالیں ذرا آپ اپنی کاپی میں کر لیں پھر انشاءاللہ یہ متن آپ کو سمجھ میں آجائے گا۔

جی لکھیے بھائی: زَيْدٌ ضَرَبَ۔ زَيْدٌ ضَرَبَ۔ توجہ ہے؟ ترکیب کیجیے: زَيْدٌ مرفوع لفظاً بتدا۔ اور ضَرَبَ، ضَرَبَ فعل، اس کے اندر هُوَ ضمیر مرفوع محلاً اس کا فاعل، جو کس کو راجع؟ زید کو راجع۔ ضَرَبَ فعل اپنے فاعل سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر یہ خبر۔ دیکھا آپ نے ربط دے دیا ورنہ جملہ بغیر ربط کے کسی سے نہیں جڑتا۔ تو جملہ فعلیہ ہو کر یہ خبر، بتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔

اب دیکھو یاد رکھو، اس جملے پہ ذرا نظر رکھو۔ اس جملے کے اندر زید ہے بتدا اور اس کے بعد ضَرَبَ فعل آیا۔ اور ضَرَبَ فعل کا اسناد کس کی طرف ہے؟ هُوَ ضمیر کی طرف، اور هُوَ ضمیر کس کو راجع؟ زید کو۔ تو جب زید کی ضمیر کو اسناد ہے تو یوں سمجھو گویا زید ہی کو اسناد ہے۔ توجہ ہے؟ ضَرَبَ کا اسناد کس کی طرف؟ هُوَ ضمیر، اور هُوَ ضمیر کس کو راجع؟ زید کو راجع ہے، تو زید کی ضمیر کو اسناد یہ اسی طرح ہے جیسے کس کی طرف اسناد ہو رہا ہے؟ زید کی طرف اسناد ہو رہا ہے۔ تو کہتے ہیں اس جیسی مثالوں کو نکالنے کے لیے صاحبِ کافیہ نے فرمایا وَقُدِّمَ عَلَيْهِ۔ دیکھو نا زَيْدٌ ضَرَبَ، ضَرَبَ کا اسناد کس کی طرف؟ هُوَ کی طرف، اور هُوَ کس کو راجع؟ زید، تو جب زید کی ضمیر کو اسناد ہے تو یوں سمجھو گویا اسناد کس کو ہے؟ زید ہی کو اسناد ہے، لہٰذا زید کو بھی کیا کہنا چاہیے؟ فاعل کہنا چاہیے۔ زید کی ضمیر کو اسناد گویا زید ہی کو اسناد ہے تو زید کو بھی کیا کہنا چاہیے؟ فاعل کہنا چاہیے۔ کہتے ہیں لیکن اس کو صاحبِ کافیہ نے نکال دیا وَقُدِّمَ عَلَيْهِ کی قید لگا کر کہ وہ فعل یا شبہ فعل کیا ہونا چاہیے؟ فاعل پر مقدم ہونا چاہیے، اور زَيْدٌ ضَرَبَ، جی یہ زَيْدٌ، اس پر ضَرَبَ مقدم ہے یا اس سے مؤخر ہے؟ مؤخر ہے۔ نہیں توجہ، زَيْدٌ ضَرَبَ اس زید کو ہم فاعل نہیں کہہ سکتے، کیوں؟ حالانکہ اسناد اس کی ضمیر کی طرف ہو رہا ہے اور ایک چیز کی ضمیر کی طرف اسناد دراصل اسی چیز کی طرف اسناد ہے، لیکن اس زید کو ہم فاعل نہیں کہہ سکتے، کیوں نہیں کہہ سکتے؟ کیونکہ یہ فعل پر مقدم ہے، حالانکہ فعل یا شبہ فعل کو کیا ہونا چاہیے؟ فاعل پر مقدم ہونا چاہیے۔ بات سمجھ میں آگئی؟

دیکھیے اب کتاب پر، کہتے ہیں وَاحْتَرَزَ بِهِ اور اس قید کے ذریعے ماتن نے احتراز کیا۔ کیا کیا؟ احتراز کیا عَنْ نَحْوِ زَيْدٌ زَيْدٌ جیسے لفظوں سے فِي زَيْدٌ ضَرَبَ اس زَيْدٌ ضَرَبَ مثال کے اندر۔ عبارت میں نے آپ کو کاپی پر لکھوا دی اب اسی کو صاحبِ جامی بیان کر رہے ہیں۔ دیکھو عَنْ نَحْوِ زَيْدٌ فِي زَيْدٌ ضَرَبَ، یہ جو زَيْدٌ ضَرَبَ کے اندر کون سا لفظ ہے؟ زَيْدٌ ہے۔ عَنْ نَحْوِ زَيْدٌ جیسے کہ کہتے ہیں زَيْدٌ جیسا لفظ ہے کس میں؟ فِي زَيْدٌ ضَرَبَ، اس زَيْدٌ ضَرَبَ۔ توجہ ہے؟ اس زَيْدٌ ضَرَبَ کے اندر جو زَيْدٌ کا لفظ ہے دیکھو اس کو ہم فاعل نہیں کہہ سکتے کیوں نہیں کہہ سکتے؟ کیونکہ یہ ضَرَبَ پر مقدم ہے حالانکہ فعل یا شبہ فعل کو مقدم ہونا چاہیے۔ تو کہتے ہیں وَاحْتَرَزَ بِهِ اور ماتن نے یعنی صاحبِ کافیہ نے احتراز کیا اس قید کے ذریعے، یہ جو قید انہوں نے بڑھائی وَقُدِّمَ عَلَيْهِ، اس قید کے ذریعے احتراز کیا عَنْ نَحْوِ زَيْدٌ زَيْدٌ جیسے الفاظ...

الفاظ سے فِي زَيْدٌ ضَرَبَ، زَيْدٌ ضَرَبَ جیسے جملوں میں، لِأَنَّهُ اس لیے کیونکہ یہ زید جو ہے مِمَّا یہ ان لفظوں میں سے ہے أُسْنِدَ إِلَيْهِ الْفِعْلُ جس کی طرف فعل کا اسناد کیا گیا ہے۔ بھائی فعل کا اسناد کیسے کیا گیا ہے؟ زَيْدٌ ضَرَبَ، یہ ضَرَبَ کا اسناد هُوَ

کی طرف ہے یا زید کی طرف ہے؟ هُوَ، لیکن هُوَ ضمیر کس کو راجع؟ زید کو، تو جب ضمیر کو اسناد ہے تو گویا حقیقت میں اسی چیز کو کیا ہے؟ اسناد ہے۔ لِأَنَّهُ مِمَّا أُسْنِدَ إِلَيْهِ الْفِعْلُ اس لیے کیونکہ یہ زَيْدٌ ضَرَبَ جیسا لفظ یہ ان لفظوں میں سے ہے جس کی طرف فعل کا اسناد کیا گیا ہے، لِأَنَّ الْإِسْنَادَ إِلَى ضَمِيرِ شَيْءٍ اس لیے کیونکہ ایک چیز کی ضمیر کی طرف اسناد کرنا إِسْنَادٌ إِلَيْهِ فِي الْحَقِيقَةِ یہ حقیقت میں اسی چیز کی طرف اسناد کرنا ہے، لَكِنَّهُ مُؤَخَّرٌ عَنْهُ لیکن یہ جو فعل ہے یہ تو اس سے مؤخر ہے۔ زَيْدٌ ضَرَبَ، اس کے اندر یہ جو ضَرَبَ کیا ہے یہ زید سے مؤخر ہے لہٰذا زید کو فاعل نہیں کہہ سکتے کیونکہ فاعل اس پر فعل ہمیشہ مقدم ہوتا ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟

اچھا اب یہاں عبارت کی ایک دو باتیں سمجھ لو۔ دیکھو آیا وَاحْتَرَزَ بِهِ عَنْ نَحْوِ زَيْدٌ فِي زَيْدٌ ضَرَبَ۔ یہ جو زَيْدٌ ضَرَبَ ہے اس پر فِی داخل ہے۔ توجہ ہے؟ زَيْدٌ ضَرَبَ اس پر فِی داخل ہے، اور فِی کیا کرتا ہے؟ جر دیتا ہے، لیکن میں پھر بھی فِی زَيْدٍ ضَرَبَ نہیں پڑھ رہا بلکہ میں کیا پڑھ رہا ہوں؟ زَيْدٌ ضَرَبَ، فِی زَيْدٌ ضَرَبَ۔ سوال: یہ فِی جر کیوں نہیں دے رہا؟ فِی تو کیا ہے؟ حرفِ جر ہے یہ تو جر دیتا ہے تو فِی زَيْدٌ ضَرَبَ، یہ زید پر میں رفع کیوں پڑھ رہا ہوں؟ یہ فِی جر کیوں نہیں دے رہا؟ بھائی یاد رکھو، یہ فِی داخل ہو رہا ہے صرف لفظِ زید پر یا زَيْدٌ ضَرَبَ پورے جملے پر؟ پورے جملے پر فِی داخل ہو رہا ہے۔ فِی زَيْدٌ ضَرَبَ، اس جملے میں، یہ جو زَيْدٌ ضَرَبَ والا جملہ ہے، اس کے اندر جو زَيْدٌ ہے اس کو فاعل سے نکال دیا ماتن نے، اس کو فاعل نہیں کہیں گے۔ تو فِی کس پر داخل ہے؟ زَيْدٌ ضَرَبَ پورے جملے پر فِی داخل ہے اور جملہ کیا ہے؟ مبنی ہے اور مبنی پر اعراب محلاً آتا ہے، تو یہ پورا جملہ محلاً مجرور ہے فِی کی وجہ سے۔ تو یہ فِی صرف زید پر نہیں داخل۔ جملے، یہاں تو زَيْدٌ ضَرَبَ صرف دو لفظ ہیں، اگر دس لفظ بھی ہوتے ان دس لفظوں سے مل کر ایک جملہ بن رہا ہے تو ہر لفظ پہ جو اعراب آنا ہے وہ تو اس جملے کے مطابق آئے گا، پھر اس پورے جملے پر فِی داخل ہوا تو یہ پورا جملہ محلاً مجرور ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو کیا جواب دیں گے؟ کہ یہ فِی صرف زید پر داخل نہیں ہے بلکہ زَيْدٌ ضَرَبَ پورے جملے پر داخل ہے۔

اچھا اس سے پیچھے آیا عَنْ نَحْوِ زَيْدٌ، عَنْ نَحْوِ زَيْدٌ۔ نَحْو مضاف اور زَيْدٍ مضاف الیہ، اور مضاف الیہ کیا ہوتا ہے؟ مجرور، لیکن میں پڑھ رہا ہوں عَنْ نَحْوِ زَيْدٌ، عَنْ نَحْوِ زَيْدٌ۔ حالانکہ پڑھنا چاہیے عَنْ نَحْوِ زَيْدٍ، لیکن میں کیا پڑھ رہا ہوں؟ زَيْدٌ۔ یہ کیا ہے؟ یاد رکھو بھائی اس کو اعرابِ حکائی کہتے ہیں۔ کیا کہتے ہیں؟ اعرابِ حکائی، یہ میں پہلے بھی بیان کر چکا ہوں گا۔ اعرابِ حکائی کسے کہتے ہیں؟ حکایت۔ یاد رکھو حکایت کہتے ہیں واقعے کو۔ توجہ ہے؟ کسی مثلاً کسی واقعے میں یا کسی جملے کے اندر یہ زید کا لفظ مرفوع تھا، تو اب جب یہاں میں ذکر کرتا ہوں تو اس پر میں وہی اعراب پڑھتا ہوں جو اس جملے میں تھا، اس کو اعرابِ حکائی کہتے ہیں۔ کیا کہتے ہیں؟ یہاں پر دیکھو عَنْ نَحْوِ زَيْدٍ پڑھنا چاہیے، نَحْو مضاف اور زَيْدٍ مضاف الیہ اور مضاف الیہ مجرور ہوتا ہے، لیکن میں نے اس زید پر اعرابِ حکائی پڑھا۔ میں نے اس زید کو کہاں سے لیا؟ آگے جو جملہ آرہا ہے زَيْدٌ ضَرَبَ، اس جملے سے میں نے زید کو لیا اور اس جملے میں زید پر کیا ہے؟ رفع ہے، تو میں نے بھی عَنْ نَحْوِ زَيْدٌ رفع ہی پڑھا۔ اس کو کیا کہتے ہیں؟

اعرابِ حکائی، یعنی حکایت والا اعراب، وہ جو حکایت اور واقعے کے اندر لفظ پر جو اعراب تھا وہی اعراب میں نے یہاں بھی پڑھ دیا۔ تو آپ چاہیں اس کو عَنْ نَحْوِ زَيْدٍ پڑھ لیں اور بہتر یہ ہے کہ اعرابِ حکائی کے ساتھ عَنْ نَحْوِ زَيْدٌ پڑھیں بھائی۔ دونوں طرح آپ پڑھ سکتے ہیں، اعرابِ حکائی بھی پڑھ سکتے ہیں اور موقع کے مطابق جو اعراب ہے وہ بھی پڑھ سکتے ہیں۔

عبارت سمجھ میں آگئی؟ تو کہتے ہیں وَاحْتَرَزَ بِهِ اور احتراز کیا ماتن نے عَنْ نَحْوِ زَيْدٌ زید جیسے الفاظ کے ذریعے جو فِي زَيْدٌ ضَرَبَ وہ زید کا لفظ جو زَيْدٌ ضَرَبَ کے اندر آیا تھا۔ وہ جو زَيْدٌ ضَرَبَ کے اندر زَيْدٌ جیسا لفظ آیا ہے اس سے احتراز کیا ماتن نے یہ وَقُدِّمَ عَلَيْهِ کی قید کے ذریعے۔ لِأَنَّهُ مِمَّا أُسْنِدَ إِلَيْهِ الْفِعْلُ اس لیے کیونکہ زَيْدٌ ضَرَبَ کے اندر یہ جو زید ہے اس کی طرف فعل کا اسناد کیا گیا ہے، لِأَنَّ الْإِسْنَادَ إِلَى ضَمِيرِ شَيْءٍ اس لیے کیونکہ کسی چیز کی ضمیر کی طرف جو اسناد ہے إِسْنَادٌ إِلَيْهِ فِي الْحَقِيقَةِ وہ حقیقت میں اس چیز کی طرف اسناد ہے، لَكِنَّهُ مُؤَخَّرٌ عَنْهُ لیکن یہ، یہ ضَرَبَ اس زید سے مؤخر ہے حالانکہ فعل یا شبہ فعل کو فاعل پر مقدم ہونا چاہیے۔

وَالْمُرَادُ تَقْدِيمُهُ عَلَيْهِ وُجُوبًا لِيَخْرُجَ عَنْهُ الْمُبْتَدَأُ الْمُقَدَّمُ عَلَيْهِ خَبَرُهُ نَحْوُ كَرِيمٌ مَنْ يُكْرِمُكَ. اب ایک جملہ اور لکھیں اپنی کاپی پر بھائی۔ لکھیے بھائی: كَرِيمٌ مَنْ يُكْرِمُكَ. كَرِيمٌ مَنْ يُكْرِمُكَ. لکھ لیا؟ جی اب یہ ترکیب سمجھ لو۔ یاد رکھو یہ كَرِيمٌ یہ ہے خبرِ مقدم اور مَنْ يُكْرِمُكَ یہ ہے مبتدا مؤخر۔ كَرِيمٌ کیا ہے؟ خبرِ مقدم، اور مَنْ يُكْرِمُكَ یہ مبتدا مؤخر۔ یہ كَرِيمٌ یہ ہے صفتِ مشبہ اور مَنْ يُكْرِمُكَ یہ مَنْ موصولہ ہے اور يُكْرِمُكَ اس کا صلہ ہے اور موصول صلہ مل کر مبتدا مؤخر ہے۔ یاد رکھو مبتدا میں اصل ہے وہ معرفہ ہوتا ہے اور خبر میں اصل یہ ہے کہ وہ نکرہ ہوتی ہے۔ لہٰذا آپ کو دو لفظ آپ کے سامنے آئے اور ان دو لفظوں سے مل کر جملہ پورا ہو رہا ہے اور ان میں سے ایک معرفہ ہے اور ایک نکرہ ہے تو مبتدا ہمیشہ کس کو بناؤ؟ معرفہ کو، اور خبر کس کو بناؤ؟ نکرہ کو۔ توجہ ہے؟ اس لیے کیونکہ مبتدا معرفہ ہوتا ہے، مبتدا وہ ہے جس کے بارے میں بات کی جائے اور خبر جو ہے وہ بات جو کی جائے۔ تو یہاں پر بھی كَرِيمٌ، ایک لفظ ہمارے پاس كَرِيمٌ ہے اور ایک آگے مَنْ يُكْرِمُكَ ہے۔ كَرِيمٌ دیکھو نکرہ ہے اور مَنْ يُكْرِمُكَ مَنْ موصولہ اور يُكْرِمُ اس کا صلہ اور موصول صلہ مل کر یہ مبتدا مؤخر۔ تو كَرِيمٌ ہے نکرہ اور مَنْ يُكْرِمُكَ یہ مَنْ کیا ہے؟ معرفہ۔ تو اب اس میں سے مبتدا کس کو بنائیں گے؟ مَنْ يُكْرِمُكَ مَنْ کو مبتدا بنائیں گے اور كَرِيمٌ کو کیا بنائیں گے؟ خبر۔

اب ترکیب کیجیے ذرا اس کو حل کریں بھائی۔ كَرِيمٌ، كَرِيمٌ مرفوع لفظاً صفتِ مشبہ۔ مرفوع کیوں؟ ہاں کیونکہ یہ خبرِ مقدم ہے۔ کیونکہ، اور تو كَرِيمٌ مرفوع لفظاً صفتِ مشبہ۔ آگے ہاں اس کے اندر هُوَ ضمیر کیونکہ آگے تو اور کوئی لفظ نہیں ہے، مَنْ يُكْرِمُكَ وہ تو مبتدا ہے۔ تو اسی کے اندر هُوَ ضمیر مرفوع محلاً اس کا فاعل، جو کس کو راجع؟ مبتدا کو۔ خبر کو کس سے جوڑتے ہیں؟ مبتدا سے۔ آپ کہیں گے كَرِيمٌ کے اندر هُوَ ضمیر پہلے آگئی اور یہ ضمیر راجع ہے مَنْ يُكْرِمُكَ مبتدا کو اور مبتدا مؤخر ہے، تو یہ تو اضمار قبل الذکر آیا ضمیر پہلے آگئی اور مرجع بعد میں۔ تو جواب یاد رکھنا کہ یہ كَرِيمٌ یہ ہے خبر اور خبر کا درجہ مقدم ہوتا ہے یا

مؤخر؟ مؤخر، تو کَرِیمٌ دیکھنے میں تو مقدم ہے لیکن تقدیراً یہ مَنْ یُکْرِمُكَ کے بعد ہے، مَنْ یُکْرِمُكَ کَرِیمٌ ہے اصل میں گویا۔ اور جب مَنْ یُکْرِمُكَ کَرِیمٌ ہے اصل میں تو کَرِیمٌ مؤخر ہوا، جب مؤخر ہوا تو اب ھُوَ ضمیر کس کو راجع؟ مَنْ یُکْرِمُكَ، اور وہ، وہ مقدم ہے۔ تو یوں کہو کہ کَرِیمٌ کے اندر ھُوَ ضمیر ہے وہ مَنْ یُکْرِمُكَ مبتدا کو راجع اور مبتدا لفظوں میں بے شک مؤخر ہے لیکن رتبے کے اعتبار سے مقدم ہے، اس کا مقام خبر سے پہلے ہوتا ہے۔ کیا بات کریں گے، کس طرح اس کو تعبیر کریں گے؟ کہ کَرِیمٌ کے اندر ھُوَ ضمیر کس کو راجع؟ مَنْ یُکْرِمُكَ کو اور مَنْ یُکْرِمُكَ جو مبتدا ہے لفظوں میں تو مؤخر ہے لیکن رتبے کے اعتبار سے یہ مقدم ہے، اور تو یہ جائز ہے بھائی۔ اگر اضمار قبل الذکر لفظاً بھی ہو رتبتاً بھی ہو تو جائز نہیں لیکن صرف لفظاً ہو رتبتاً نہ ہو تو یہ جائز۔ تو یہاں پر بھی یہ اضمار قبل الذکر لفظاً تو ہے رتبتاً نہیں ہے۔

جی ترکیب ہم کر رہے تھے، پھر کریں۔ کَرِیمٌ مرفوع لفظاً صفتِ مشبہ، اس کے اندر ھُوَ ضمیر مرفوع محلاً اس کا فاعل جو کس کو راجع؟ مَنْ یُکْرِمُكَ مبتدا کو کیونکہ یہ خبر ہے خبر کو مبتدا سے جوڑتے ہیں۔ تو صفتِ مشبہ اپنے فاعل سے مل کر شبہ جملہ ہو کر خبرِ مقدم۔ آگے مَنْ موصولہ، اعراب بولو؟ مرفوع محلاً شاباش۔ مرفوع کیوں؟ کیونکہ مبتدا ہے، اور محلاً کیوں؟ کیونکہ مبنی ہے۔ تو مَنْ مرفوع محلاً اسمِ موصول، اور اسمِ موصول کے لیے کیا چاہیے؟ صلہ۔ آگے یُکْرِمُكَ، یُکْرِمُ فعل، اس کے اندر ھُوَ ضمیر مرفوع محلاً اس کا فاعل اور کَاف ضمیر منصوب محلاً مفعول بہ۔ فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر، ہاں شاباش، یُکْرِمُكَ کے اندر ھُوَ ضمیر ہے اس کو کس کی طرف لوٹائیں گے؟ مَنْ موصولہ کی طرف، کیونکہ صلہ جملہ ہوتا ہے اور جملے کو کسی چیز سے جوڑنے کے لیے ربط ضروری اور صلہ کو کس سے جوڑتے ہیں؟ موصول سے، تو یُکْرِمُكَ کے اندر ھُوَ ضمیر جو لوٹ رہی ہے مَنْ کی طرف۔ تو یُکْرِمُ فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر صلہ، موصول صلہ مل کر مبتدا مؤخر۔ مبتدا اپنی خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔

جی روانی سے پڑھو: کَرِیمٌ مَنْ یُکْرِمُكَ۔ جی ترجمہ کیجیے۔ کَرِیمٌ سخی ہے مَنْ یُکْرِمُكَ جو آپ کا اکرام کرتا ہے یا معزز ہے، کَرِیمٌ معزز ہے مَنْ یُکْرِمُكَ وہ جو آپ کا اکرام کرتا ہے، وہ شخص جو آپ کا اکرام کرتا ہے وہ معزز ہے۔ بات سمجھ میں آ گئی؟

اب دیکھیے بھائی پچھلی مثال پہ ذرا نظر رکھیں۔ زَیْدٌ ضَرَبَ، یہ زید اس کو آپ نے مبتدا بنایا اور ضَرَبَ فعل ہے اور اس فعل کا اسناد کس کی طرف؟ ضمیر کی طرف اور وہ ضمیر کس کو لوٹ رہی ہے؟ زید کو۔ اور کسی چیز کی ضمیر کی طرف اسناد دراصل اسی کی طرف اسناد ہوتا ہے، تو ضَرَبَ کا گویا اسناد زید ہی کی طرف ہے لیکن پھر بھی آپ نے زید کو فاعل نہیں کہا۔ کیوں نہیں کہا؟ کیونکہ فعل اس سے مؤخر ہے حالانکہ فاعل پر فعل مقدم ہوتا ہے۔ توجہ ہے؟ اب بالکل یہی اشکال یہاں بھی کریں گے: کَرِیمٌ مَنْ یُکْرِمُكَ۔ کَرِیمٌ کا اسناد کس کی طرف؟ ھُوَ ضمیر کی طرف اور وہ ھُوَ ضمیر کس کو راجع؟ مَنْ یُکْرِمُكَ کو راجع

ہے، اور کسی چیز کی ضمیر کی طرف اسناد حقیقت میں گویا اسی چیز کی طرف اسناد ہے، تو گویا کَرِیمٌ کا اسناد مَنْ یُکْرِمُكَ کی طرف ہے۔ کَرِیمٌ کا اسناد، تو دیکھو مَنْ یُکْرِمُكَ اس کو تو فاعل کہنا چاہیے۔ پچھلے جملے میں آپ نے کیا کہا تھا؟ زَیْدٌ ضَرَبَ، کہ زید کو فاعل کیوں نہیں کہہ سکتے؟ کیونکہ فعل اس پر مقدم نہیں ہے حالانکہ وَقُدِّمَ عَلَیْهِ فعل کو کیا ہونا چاہیے اس پر؟ مقدم۔ یہاں تو کَرِیمٌ مَنْ یُکْرِمُكَ، یہاں تو کَرِیمٌ مقدم ہے نا مَنْ یُکْرِمُكَ پر؟ یہاں پر کَرِیمٌ کا اسناد ہے هُوَ ضمیر کی طرف اور وہ ضمیر مَنْ یُکْرِمُكَ کو راجع اور کسی چیز کی ضمیر کی طرف اسناد حقیقت میں اسی چیز کی طرف اسناد ہے، تو گویا کَرِیمٌ کا اسناد حقیقت میں مَنْ یُکْرِمُكَ کی طرف ہو رہا ہے اور کَرِیمٌ...

یہ شبہ فعل یہ ہے مقدم اور مَنْ یُکْرِمُكَ ہے اس سے مؤخر۔ تو اس مَنْ یُکْرِمُكَ کو اب تو فاعل کہنا چاہیے، یہ تو اب تو مؤخر ہے، شبہ جملہ اس پر مقدم ہے۔ بات سمجھ میں آ رہی؟ تو اس کا جواب دیں گے، کہتے ہیں نہیں بھائی اس مَنْ یُکْرِمُكَ کو بھی ہم فاعل نہیں کہہ سکتے۔ اس کو بھی، بھائی کیوں نہیں کہہ سکتے؟ ابھی تفصیل ہم نے بیان کر دی کہ کَرِیمٌ کا اسناد مَنْ یُکْرِمُكَ کی ضمیر کی طرف اسناد ہے اور کسی چیز کی ضمیر کی طرف اسناد حقیقت میں اسی چیز کی طرف اسناد ہوتا ہے۔ تو کَرِیمٌ کا اسناد کس کی طرف؟ مَنْ یُکْرِمُكَ کی طرف، اور کَرِیمٌ ہے مقدم اور مَنْ یُکْرِمُكَ اس سے کیا ہے؟ مؤخر، تو اس کو ہی فاعل کہنا چاہیے۔ اس کو فاعل کہنا چاہیے، کہتے ہیں بھائی آپ کو جواب دیں گے کہ، کہ مراد یہ ہے کہ اس کا مقدم کرنا واجب ہونا چاہیے۔ اس کو مقدم کرنا واجب ہونا چاہیے، اور ابھی ہم نے جو ترکیب کی کَرِیمٌ مَنْ یُکْرِمُكَ، کَرِیمٌ کو کیا بنایا؟ خبر، کَرِیمٌ کو کیا بنایا؟ خبر، اور مجھے بتائیے خبر کو بتدا پر مقدم کرنا واجب ہے؟ نہیں، کبھی کبھار خبر کو مقدم کر دیتے ہیں حالانکہ خبر کو بتدا پر مقدم کرنا واجب نہیں، جبکہ فعل یا شبہ فعل کا فاعل پر مقدم کرنا واجب ہوتا ہے۔ توجہ ہے؟ فعل یا شبہ فعل کا فاعل پر مقدم کرنا واجب ہوتا ہے اور یہ تو اس پر مقدم کرنا واجب نہیں، لہٰذا اس مَنْ یُکْرِمُكَ کو فاعل نہیں کہہ سکتے۔ کیوں نہیں کہہ سکتے؟ کیونکہ اس پر کَرِیمٌ کو مقدم کرنا واجب نہیں حالانکہ فاعل پر فعل یا شبہ فعل کا مقدم کرنا واجب ہوتا ہے۔ جواب سمجھ میں آیا؟

اچھا جی یہاں تک بات سمجھ میں آ گئی۔ تو کَرِیمٌ مَنْ یُکْرِمُكَ اس کے اندر مَنْ یُکْرِمُكَ کو فاعل کیوں نہیں کہہ سکتے؟ کیونکہ اس کے اندر یہ جو کَرِیمٌ کو اس پر مقدم کیا گیا ہے یہ مقدم کرنا واجب نہیں حالانکہ فعل یا شبہ فعل کا اپنے فاعل پر مقدم کرنا واجب ہوتا ہے۔ بات سمجھ میں آ گئی؟ دیکھیے اب کتاب پر، کہتے ہیں وَالْمُرَادُ تَقْدِیمُهُ عَلَیْهِ وُجُوبًا اور مراد جو ہے اس فعل یا شبہ فعل کا مقدم کرنا ہے عَلَیْهِ اس اسم پر وُجُوبًا، کس طریقے پر مقدم کرنا مراد ہے؟ وجوباً مقدم کرنا مراد ہے، لِیَخْرُجَ عَنْهُ الْمُبْتَدَأُ الْمُقَدَّمُ عَلَیْهِ خَبَرُهُ تاکہ نکل جائے اس تعریف سے وہ بتدا الْمُقَدَّمُ عَلَیْهِ کہ جس پر مقدم کیا گیا ہے خَبَرُهُ اس کی خبر کو، نَحْوُ مثال کے طور پر کَرِیمٌ مَنْ یُکْرِمُكَ، جیسے اس مثال میں ہے۔ تو یہ کَرِیمٌ کو مَنْ یُکْرِمُكَ پر مقدم کیا گیا ہے لیکن یہ مقدم کرنا واجب نہیں، اور ہماری مراد وہ فعل یا شبہ فعل ہے جس کا فاعل پر مقدم کرنا واجب ہوتا ہے۔

فَإِنْ قُلْتَ، جی یہاں ایک اور اعتراض اور اس کا جواب ذکر کریں گے۔ لکھیے ذرا اپنی کاپی پر ایک مثال بھائی: فِی الدَّارِ رَجُلٌ، فِی الدَّارِ رَجُلٌ۔ جی آگے لکھیے: فِی الدَّارِ زَیْدٌ، فِی الدَّارِ زَیْدٌ۔ لکھ لیا؟ جی دیکھو پہلے فِی الدَّارِ زَیْدٌ کو ذرا دیکھو۔ فِی جارہ، الدَّارِ مجرور لفظاً، جار مجرور مل کر، میں نے آپ کو بتلایا تھا پہلے بھی یاد رکھنا ہمیشہ جار مجرور جب بھی کلام کے اندر آجائیں یہ خبر تو بنیں گے مبتدا کبھی نہیں بن سکتے۔ تو یہاں فِی الدَّارِ زَیْدٌ ہے تو فِی الدَّارِ جار مجرور کو خبرِ مقدم بنائیں گے اور زید کو مبتدا مؤخر بنائیں گے۔ تو فِی جارہ الدَّارِ مجرور لفظاً، جار مجرور مل کر متعلق کس سے؟ وہ آٹھ چیزوں میں سے کوئی یہاں ہے؟ نہیں، تو متعلق تو ضرور چاہیے، تو محذوف نکالیں گے کس سے متعلق؟ ثَابِتٌ سے۔ توجہ ہے؟ ثَابِتٌ مرفوع لفظاً صیغہ اسمِ فاعل۔ مرفوع کیوں؟ کیونکہ یہ خبر ہے خبرِ مقدم ہے اور خبر مرفوع ہوتی ہے۔ اس کے اندر هُوَ ضمیر مرفوع محلاً اس کا فاعل، جو کس کو راجع؟ جو زید کو راجع۔ اس پر اشکال ہوتا ہے کہ یہ تو اضمار قبل الذکر آیا تو آپ کیا جواب دیں گے؟ کہ زید مبتدا ہے لفظوں میں بے شک یہ مؤخر ہے لیکن رتبے کے اعتبار سے مقدم ہے، مبتدا کا رتبہ خبر پر مقدم ہوتا ہے، تو یوں سمجھو گویا زید مقدم ہے فِی الدَّارِ پر، تو یہ اضمار قبل الذکر لفظاً تو ہے لیکن رتبتاً نہیں اور یہ جائز ہے۔ ہاں اگر اضمار قبل الذکر لفظاً بھی ہو اور رتبتاً بھی ہو پھر جائز نہیں ہوتا۔ جی تو جار مجرور مل کر متعلق ہوئے ثَابِتٌ سے۔ ثَابِتٌ مرفوع لفظاً صیغہ اسمِ فاعل، اس کے اندر هُوَ ضمیر مرفوع محلاً اس کا فاعل جو کس کو راجع؟ زید کو۔ اسمِ فاعل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر شبہ جملہ ہو کر خبرِ مقدم، اور زَیْدٌ مرفوع لفظاً مبتدا مؤخر۔ مبتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا: فِی الدَّارِ زَیْدٌ گھر میں زید ہے۔

یاد رکھو جار مجرور، جار مجرور اگر اس کا مبتدا معرفہ ہو، جار مجرور اگر خبر بنے اور مبتدا معرفہ ہو تو پھر یاد رکھو آپ چاہیں مبتدا کو مقدم کر دیں لفظوں میں چاہیں مؤخر دونوں طرح کہہ سکتے ہیں، فِی الدَّارِ زَیْدٌ بھی آپ کہہ سکتے ہیں اور زَیْدٌ فِی الدَّارِ بھی کہہ سکتے ہیں۔ توجہ ہے؟ لیکن اگر جار مجرور خبر بنے اور مبتدا جو ہے وہ نکرہ ہو تو پھر جار مجرور کو یعنی خبر کو مقدم کرنا واجب ہے۔ جار مجرور کو، معلوم ہوا ابھی ہم نے کون سی ترکیب کی؟ فِی الدَّارِ زَیْدٌ۔ یہ فِی الدَّارِ کیا ہے؟ خبر، اور مبتدا کیا ہے؟ زید، اور زید معرفہ ہے اور معرفہ کو چاہے مقدم لے آؤ چاہے مؤخر دونوں طرح ٹھیک ہے: زَیْدٌ فِی الدَّارِ بھی کہہ سکتے اور فِی الدَّارِ زَیْدٌ بھی کہہ سکتے ہو۔ لیکن اگر اس زید کی جگہ اگر نکرہ لے آؤ اب اس کو مؤخر ہی کرنا پڑے گا جیسے فِی الدَّارِ رَجُلٌ، فِی الدَّارِ رَجُلٌ۔

تو اب یہ رَجُلٌ نکرہ ہے۔ یاد رکھو، یاد رکھو مبتدا میں اصل یہ ہے کہ وہ معرفہ ہو اور خبر میں اصل یہ ہے کہ وہ نکرہ ہو، لیکن کبھی کبھار مبتدا جو ہے وہ نکرہ بھی بن جاتا ہے۔ نکرہ ہو وہ بھی کیا بن جاتا ہے؟ مبتدا، اور اس کے لیے علمائے نحو نے چھ شرطیں ذکر کی ہیں، آگے کافیہ میں بھی ان کا ذکر آنے والا ہے۔ تو کبھی کبھار مبتدا نکرہ بھی بن جاتا ہے لیکن اس میں ضروری ہے کہ اس مبتدا میں تخصیص پیدا کر دی جائے۔ کیا پیدا کر دی جائے؟ تخصیص۔ تخصیص کا معنی یہ ہے دیگر احتمالات کو کم

کرنا یا ختم کرنا۔ دیکھو معرفہ جو ہوتا ہے نا وہ کسی معین ذات پر دلالت کرتا ہے اور نکرہ جو ہوتا ہے وہ غیر معین ذات پر دلالت کرتا ہے۔ تو نکرہ میں جب آپ تخصیص پیدا کر دیں گے یعنی اس میں احتمالات کم کر دیں گے یا ختم کر دیں گے تو وہ معرفہ کے قریب آجائے گا، اور قَرِيبٌ إِلَى الشَّيْءِ فِي حُكْمِ الشَّيْءِ ہوتی ہے، جو جس چیز کے قریب ہو اسی کے حکم میں ہوتی ہے۔ جیسے بادشاہ ہے اور اس کا سیکرٹری ہے بھائی، بادشاہ کے سیکرٹری سے بھی لوگ اسی طرح ڈرتے ہیں جیسے بادشاہ سے ڈرتے ہیں کیونکہ سیکرٹری بادشاہ کے قریب ہے بھائی، وہ جو بات کرے گا بادشاہ اس کے مطابق حکم جاری کر دے گا اور جس نے بادشاہ سے ملنا ہے سیکرٹری کوئی ٹائم دے گا تو ملاقات ہو سکتی ہے ورنہ ملاقات نہیں ہو سکتی، تو جو جس کے قریب ہوتا ہے اسی کے حکم میں ہوتا ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو بتدا میں اصل کیا ہے؟ معرفہ ہو، اور معرفہ ایک معین ذات پر دلالت کرتا ہے لیکن کبھی کبھی نکرہ بھی بتدا بنتا ہے لیکن اس کے اندر ضروری ہے اس میں تخصیص پیدا کر دی جائے۔ تخصیص کا کیا معنی؟ دیگر احتمالات کو ختم کرنا یا کم کرنا، اس سے چیز معرفہ تو نہیں بنتی لیکن معرفہ کے قریب ضرور آجاتی ہے اور قَرِيبٌ إِلَى الشَّيْءِ فِي حُكْمِ الشَّيْءِ ہوتی ہے لہٰذا وہ بتدا پھر بن سکتا ہے۔

مثلاً دیکھو دنیا میں دس لاکھ غلام ہیں۔ میں نے کہا غلام، میں نے یہ جو لفظِ غلام کہا یہ ان دس لاکھ میں سے ہر ایک پر صادق آتا ہے کہ یہ والا غلام ہوگا یا یہ والا یا یہ والا یہ والا سارے وہ جو دس لاکھ ہیں ان میں سے ہر ایک پر یہ لفظِ غلام صادق آتا ہے۔ لیکن فرض کرو ان میں سے پانچ لاکھ مردوں کے غلام ہیں اور پانچ لاکھ عورتوں کے غلام ہیں، تو اب میں اضافت کر دیتا ہوں: غُلَامُ رَجُلٍ۔ پہلے غلام کتنے لوگوں پر صادق آرہا تھا؟ دس لاکھ غلام تھے ہر ایک پر صادق آرہا تھا چاہے مرد کا غلام ہو چاہے عورت کا غلام، ہر ایک کو آپ غلام کہہ سکتے ہیں۔ لیکن جب میں نے اس کی اضافت کر دی رَجُلٍ کی طرف: غُلَامُ رَجُلٍ، مرد کا غلام۔ اب نکرہ کی نکرہ کی طرف اضافت ہوئی ہے۔ نکرہ کی معرفہ کی طرف اضافت ہو پھر تو وہ معرفہ بن جاتا ہے، غُلَامُ زَيْدٍ کا کیا معنی؟ زید کا غلام، معلوم ہوا کوئی متعین غلام مراد ہے۔ لیکن جب میں نے کہا غُلَامُ رَجُلٍ، مرد کا غلام، اب غُلَامُ امْرَأَةٍ اس سے نکل گئے، عورتوں کے جو غلام ہیں وہ نکل گئے ان کو ہم غُلَامُ رَجُلٍ نہیں کہہ سکتے۔ تو پہلے اس غلام میں کتنے احتمال تھے؟ دس لاکھ۔ اور مردوں کے کتنے غلام ہیں؟ پانچ، تو جب میں نے غُلَامُ رَجُلٍ کہا اب یہ کتنے پر صادق آئے گا؟ صرف پانچ لاکھ پر، تو دیکھو احتمالات کم ہو گئے۔ احتمالات کیا ہو گئے؟ کم، تو جب احتمالات کم ہو گئے تو یہ نکرہ معرفہ کے قریب آگیا، معرفہ تو نہ بنا لیکن اس کے قریب آگیا، جب قریب آگیا تو اب اس کا بتدا بننا صحیح ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟

بہرحال یہ تفصیل آگے آجائے گی بس اتنا یاد رکھیں کہ نکرہ میں تخصیص پیدا کر دی جائے تو وہ بتدا بن سکتا ہے، اور تخصیص کا ایک طریقہ یہ ہے کہ خبر کو مقدم کر دیں، خبر کو۔ تو فِي الدَّارِ رَجُلٌ اس میں رَجُلٌ نکرہ ہے اور بتدا بن رہا ہے لیکن

اس کے لیے کیا ضروری؟ اس میں کیا پیدا کر دی جائے؟ تخصیص، اور تخصیص کا ایک طریقہ کیا ہے؟ کہ خبر کو مقدم کریں، تو فِی الدَّارِ خبر کو ہم نے مقدم کر دیا اس سے رَجُلٌ کے اندر تخصیص آگئی اور اب وہ بتدا بن سکتا ہے۔ بات سمجھ میں آ گئی؟

بات کیا چل رہی تھی؟ بات یہ چل رہی تھی کہ اس فعل یا شبہ فعل کو فاعل پر مقدم ہونا چاہیے۔ توجہ ہے؟ لہٰذا زَیْدٌ ضَرَبَ، یہ زَیْدٌ نکل گیا اس کو ہم فاعل نہیں کہہ سکتے۔ کیوں نہیں کہہ سکتے؟ کیونکہ اس پر فعل ضَرَبَ مقدم نہیں ہے۔ توجہ ہے؟ پھر اس پر اشکال ہوا کہ کَرِیمٌ مَنْ یُکْرِمُكَ، اس کے اندر تو کَرِیمٌ کیا ہے؟ مَنْ یُکْرِمُكَ پر مقدم ہے۔ تو جواب دیا کہ بھائی اس کا مقدم ہونا واجب ہونا چاہیے اور خبر کا بتدا پر مقدم کرنا واجب نہیں ہے۔ اب تیسرا اشکال کرنے لگے ہیں کہ اچھا ہم آپ کو دکھاتے ہیں کہ اس کا مقدم کرنا بھی واجب ہوگا جیسے فِی الدَّارِ رَجُلٌ، فِی الدَّارِ رَجُلٌ۔ ترکیب کیجیے: فِی جارہ، الدَّارِ مجرور، جار مجرور مل کر متعلق کس سے؟ ثَابِتٌ سے۔ ثَابِتٌ نکالیں یا نہ نکالیں میں نے آپ کو کل بتایا ہے چاہے اسی کے اندر ھُوَ ضمیر نکال لیں لیکن بہرحال طلبہ کے لیے اس میں ذرا زیادہ آسانی ہے ہم اسی کے مطابق کر لیتے ہیں۔ تو فِی الدَّارِ جار مجرور مل کر متعلق کس سے؟ ثَابِتٌ۔ ثَابِتٌ مرفوع لفظاً صیغہ اسمِ فاعل، اس کے اندر ھُوَ ضمیر مرفوع محلاً اس کا فاعل جو کس کو راجع؟ جو رَجُلٌ کو راجع، کیونکہ خبر کو کس سے جوڑتے ہیں؟ بتدا سے جوڑتے ہیں۔ اچھا تو اسمِ فاعل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر شبہ جملہ ہو کر خبرِ مقدم، اور رَجُلٌ مرفوع لفظاً بتدا مؤخر۔ بتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا: فِی الدَّارِ رَجُلٌ اس گھر میں ایک آدمی ہے۔

اب دیکھو فِی الدَّارِ یہ کس سے متعلق ہے؟ ثَابِتٌ سے۔ اور وہ ثَابِتٌ کا اسناد کس کی طرف؟ ھُوَ ضمیر کی طرف، اور ھُوَ ضمیر کس کو راجع؟ رَجُلٌ۔ تو کسی چیز کی ضمیر کی طرف اسناد درحقیقت اسی چیز کی طرف اسناد ہوتا ہے۔ تو معلوم ہوا فِی الدَّارِ کا اسناد جو ھُوَ کی طرف ہے وہ حقیقت میں کس کی طرف ہے؟ رَجُلٌ کی طرف ہے، اور اس رَجُلٌ پر فِی الدَّارِ کو مقدم کرنا واجب ہے کیونکہ یہ نکرہ ہے، اس کے بغیر یہ بتدا ہی نہیں بن سکتا۔ تو اب دیکھو اب تو ساری شرطیں پوری ہو گئیں۔ کیا؟ فِی الدَّارِ یہ شبہ فعل ہے اور یہ رَجُلٌ پر مقدم ہے اور فِی الدَّارِ کا اسناد ہے کس کی طرف؟ رَجُلٌ کی طرف ہے، لہٰذا اس رَجُلٌ کو کیا کہنا چاہیے؟ فاعل کہنا چاہیے حالانکہ آپ اس کو فاعل نہیں کہتے۔ تو اس کا جواب دینے لگے ہیں کہ بھائی ہماری مراد یہ ہے، ہماری مراد یہ ہے کہ اس نوع کو مقدم کرنا واجب ہو۔ اس نوع کو، اس قسم کو مقدم کرنا واجب۔ اور مجھے بتائیے خبر کو بتدا پر مقدم کرنا واجب ہمیشہ ہوتا ہے یا کبھی کبھار؟ کبھی کبھار ہوتا ہے۔ معلوم ہوا یہ جو فِی الدَّارِ کو مقدم کیا گیا یہ خبر ہے اور خبر کو تو مقدم کرنا واجب نہیں۔ ہم نے کیا کہا تھا؟ کہ مقدم کرنا واجب ہو، یعنی اس نوع کو اس قسم کو مقدم کرنا واجب ہونا چاہیے۔ اس قسم کو مقدم کرنا واجب ہونا چاہیے، حالانکہ یہاں پر فِی الدَّارِ رَجُلٌ، یہ فِی الدَّارِ خبر ہے اور خبر کو تو ہمیشہ مقدم

کرنا واجب نہیں ہوتا کبھی کبھی ضرورت پیش آجاتی ہے کسی...

رکاوٹ کی وجہ سے، جیسے یہاں فِی الدَّارِ رَجُلٌ، رَجُلٌ نکرہ تھا اس کے بتدا بننے کے لیے واجب تھا کہ فِی الدَّارِ کو کیا کر دیا جائے؟ مقدم، ورنہ خبر کو ہمیشہ مقدم کرنا واجب نہیں ہوتا۔ اور یہاں ہم کس کی تعریف کر رہے ہیں؟ فاعل کی، اور فاعل مرفوع کی ایک نوع ہے، اور اس نوع کے اندر کیا ضروری ہے؟ کہ وہ فعل یا شبہ فعل اس پر کیا ہو؟ مقدم کرنا واجب ہونا چاہیے، اور یہ فِی الدَّارِ جو ہے خبر اس کو تو بتدا پر مقدم کرنا ہمیشہ واجب نہیں ہوتا۔ بات سمجھ میں آگئی؟ یا یوں کہو، یا یوں کہو کہ ایک ہے، ایک تقدیمِ نوعی ہے ایک تقدیمِ فردی ہے۔ ہماری تقدیمِ نوعی مراد ہے کہ اس نوع کو مقدم کرنا واجب ہونا چاہیے، ایک آدھ فرد کو مقدم کرنا واجب ہو یہ مراد ہماری نہیں۔ تو یہاں تقدیمِ نوعی مراد ہے تقدیمِ فردی مراد نہیں ہے۔

دیکھیے بھائی ترجمہ: فَإِنْ قُلْتَ اگر آپ یہ کہیں قَدْ يَجِبُ تَقْدِيمُهُ کہ کبھی کبھار خبر کو مقدم کرنا واجب ہوتا ہے إِذَا كَانَ الْمُبْتَدَأُ نَكِرَةً جب بتدا نکرہ ہو وَالْخَبَرُ ظَرْفًا اور خبر ظرف ہو نَحْوُ جیسے کہ فِي الدَّارِ رَجُلٌ اس کے اندر دیکھو خبر فِی الدَّارِ یہ ظرف ہے اور اس کو مقدم کرنا واجب ہے۔ قُلْتُ تو میں کہتا ہوں یعنی جواب دیتا ہوں: الْمُرَادُ وُجُوبُ تَقْدِيمِ نَوْعِهِ کہ مراد جو ہے اس نوع کو مقدم کرنا واجب ہونا چاہیے یہ مراد ہے، وَلَيْسَ نَوْعُ الْخَبَرِ مِمَّا يَجِبُ تَقْدِيمُهُ اور خبر کی نوع ان چیزوں میں سے نہیں ہے جس کو مقدم کرنا واجب ہے، بِخِلَافِ نَوْعِ مَا أُسْنِدَ إِلَى الْفَاعِلِ بخلاف اس نوع کے جس کا اسناد کیا جاتا ہے فاعل کی طرف۔ کس کا اسناد کیا جاتا ہے فاعل کی طرف؟ فعل یا شبہ فعل کا۔ وہ جو نوع ہے فعل یا شبہ فعل، اس کا فاعل پر مقدم کرنا واجب ہے لیکن خبر کی نوع ایسی نہیں ہے کہ اس کو بتدا پر مقدم کرنا واجب ہو۔ بات سمجھ میں آگئی؟ چلیے بس بھائی، هَذَا هُوَ الْمَرَامُ وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْكَلَامِ.

سبق نمبر ۸۲: الفاعل (۴): «عَلٰی جِہَۃِ قِیَامِہٖ بِہٖ» سے نائبِ فاعل کا اخراج

شرحِ ملا جامی صفحہ: ۵۸ — بتاریخ: ۱۸ اکتوبر ۲۰۲۱ء

▪ تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث

دیکھیے بھئی آگے سبق: عَلٰی جِهَةِ قِيَامِهِ أَيْ إِسْنَادًا وَاقِعًا عَلٰى طَرِيقَةِ قِيَامِ الْفِعْلِ أَوْ شِبْهِهِ بِهِ أَيْ بِالْفَاعِلِ، فَطَرِيقُ قِيَامِهِ بِهِ أَنْ يَّكُونَ عَلٰى صِيغَةِ الْمَعْلُومِ أَوْ عَلٰى مَا فِي حُكْمِهَا كَاسْمِ الْفَاعِلِ وَالصِّفَةِ الْمُشَبَّهَةِ، وَاحْتَرَزَ بِهٰذَا الْقَيْدِ عَنْ مَّفْعُولِ مَا لَمْ يُسَمَّ فَاعِلُهُ كَزَيْدٌ فِي ضُرِبَ زَيْدٌ عَلٰى صِيغَةِ الْمَجْهُولِ.

بھئی گزشتہ سبق میں ہم نے فاعل کے بارے میں پڑھنا شروع کیا تھا۔ صاحبِ کافیہ نے فاعل کی تعریف کی اور بتلایا کہ فاعل اس اسم کو کہتے ہیں جس کی طرف فعل یا شبہِ فعل کا اسناد ہو اور وہ فعل یا شبہِ فعل اس پر مقدم ہو اور وہ فعل یا شبہِ فعل اس کے ساتھ قائم ہو اس پر واقع نہ ہو بھئی۔ تو معلوم ہوا فاعل کے اندر تین چیزیں ہوں گی: ایک تو یہ کہ اس کی طرف فعل یا شبہِ فعل کا اسناد ہوگا، دوسری بات یہ کہ وہ فعل یا شبہِ فعل اس پر مقدم ہوگا، اور تیسری بات یہ کہ وہ فعل یا شبہِ فعل اس کے ساتھ قائم ہوگا اس پر واقع نہیں ہوگا۔

اور پھر آپ کو انہوں نے یہ بھی بتلایا تھا کہ وَهُوَ مَا أُسْنِدَ إِلَيْهِ الْفِعْلُ کہ مَا سے مراد اسم ہے، اور اسم ہونا عام ہے چاہے حقیقتاً اسم ہو چاہے حکماً اسم ہو، تاکہ أَعْجَبَنِي أَنْ ضَرَبْتَ زَيْدًا جیسی مثالیں اس میں داخل ہو جائیں۔ أَعْجَبَنِي أَنْ ضَرَبْتَ زَيْدًا اس کے اندر یہ أَنْ ضَرَبْتَ زَيْدًا یہ پورا جملہ أَنْ کی وجہ سے بتاویلِ مفرد ہو کر یہ فاعل بن رہا ہے أَعْجَبَنِي کے لیے۔ تو یہ حقیقتاً تو اسم نہیں لیکن حکماً اسم ہے کیونکہ أَنْ نے اس جملے کو کس کے حکم میں کر دیا؟ مصدر کے حکم میں کر دیا اور مصدر اسم ہے۔

اور پھر انہوں نے یہ بھی بتلایا تھا کہ یہ جو ماتن نے قید لگائی کہ فاعل وہ ہے جس کی طرف فعل یا شبہِ فعل کا اسناد کیا گیا ہو، بھئی شبہِ فعل سے کیا مراد؟ کہتے ہیں بھئی مراد وہ چیزیں ہیں جو فعل کے مشابہ ہیں عمل کے اندر۔ جیسے فعلِ معروف کے لیے ہمیشہ فاعل چاہیے، کچھ اور چیزیں بھی ہیں وہ بھی ہمیشہ فاعل کا تقاضا کرتی ہیں۔ تو ان کو شبہِ فعل کہیں گے کیونکہ وہ فعل کے مشابہ ہیں عمل کے اندر۔ تو ان کے لیے بھی فاعل چاہیے ہوتا ہے اور تعریف کس کی کی جا رہی ہے؟ فاعل کی۔ تو

تعریف ایسی ہونی چاہیے کہ فعل کا فاعل بھی اس میں داخل ہو جائے اور باقی جو چیزیں فعل جیسا عمل کرتی ہیں ان کا فاعل بھی اس میں داخل ہو جائے۔ تو چنانچہ اس کے لیے شِبْهُهُ کی قید لگائی اور اس سے کیا کیا چیزیں مراد ہیں، صاحبِ جامی نے تفصیل بیان کر دی، نہایت قیمتی بات بتلائی ترکیب کے اعتبار سے کہ یہ قید اس لیے لگائی تاکہ اسمِ فاعل کا فاعل بھی اس میں داخل ہو جائے، صفتِ مشبہ کا فاعل بھی اس میں داخل ہو جائے، مصدر کا فاعل بھی اس میں داخل ہو جائے، اسمِ فعل کا فاعل بھی اس میں داخل ہو جائے، أَفْعَلُ التَّفْضِيلِ کا فاعل بھی اس میں داخل ہو جائے، اور ظرفِ مستقر کا فاعل بھی اس کے اندر داخل ہو جائے۔ یہ سب وہ چیزیں ہیں جن کے لیے فاعل ضرور چاہیے۔ یہ جب جملے کے اندر آجائیں تو آپ نے بھی ہمیشہ ان کے لیے فاعل کو تلاش کرنا ہے۔ ان میں سے صرف ایک اسمِ مفعول کا صیغہ رہ گیا، اسمِ مفعول کے لیے فاعل نہیں چاہیے بلکہ کیا چاہیے؟ نائب الفاعل چاہیے۔ بات چونکہ یہاں فاعل کی چل رہی ہے اس لیے اسمِ مفعول اور فعلِ مجہول کو ذکر نہیں کیا۔

اور دوسری قید فاعل کے اندر یہ تھی کہ وہ فعل یا شبہِ فعل اس پر مقدم ہونا چاہیے۔ توجہ ہے؟ آخر میں دو تین مثالیں آئی تھیں ان کو پھر سمجھ لو کہ وہ فعل یا شبہِ فعل اس فاعل پر مقدم ہونا چاہیے۔ یہ قید کیوں لگائی صاحبِ کافیہ نے؟ کہتے ہیں بھئی کہ زَيْدٌ ضَرَبَ جیسی مثالوں کو نکالنے کے لیے۔ زَيْدٌ ضَرَبَ کے اندر دیکھو زَيْدٌ ہے بتدا، ضَرَبَ کا اسناد ہے هُوَ ضمیر کی طرف اور وہ هُوَ ضمیر زَيْدٌ کی طرف لوٹ رہی ہے، اور کسی چیز کی ضمیر کی طرف اسناد در حقیقت اسی چیز کی طرف اسناد ہے، تو گویا یوں کہو ضَرَبَ کا اسناد زَيْدٌ کی طرف ہی ہے۔ کس کی طرف ہے؟ تو زَيْدٌ ضَرَبَ کے اندر ضَرَبَ کا اسناد زَيْدٌ ہی کی طرف ہے لیکن زَيْدٌ کو فاعل نہیں کہیں گے کیونکہ صاحبِ کافیہ نے قید بڑھا دی وَقُدِّمَ عَلَيْهِ کہ اس فعل یا شبہِ فعل کو اس فاعل پر مقدم کیا گیا ہو اور زَيْدٌ ضَرَبَ کے اندر تو فعل زَيْدٌ پر مقدم نہیں ہے بلکہ اس سے مؤخر ہے۔

اس پر پھر دوسری مثال ذکر کی تھی كَرِيمٌ مَنْ يُكْرِمُكَ کہ اس کے اندر تو دیکھو كَرِيمٌ خبرِ مقدم ہے اور مَنْ يُكْرِمُكَ بتدا مؤخر ہے، اور كَرِيمٌ کے اندر هُوَ ضمیر ہے جس کی طرف كَرِيمٌ کا اسناد ہے اور وہ هُوَ ضمیر مَنْ يُكْرِمُكَ کو راجع ہے، اور کسی چیز کی ضمیر کی طرف اسناد در حقیقت اسی چیز کی طرف اسناد ہوتا ہے، تو گویا كَرِيمٌ کا اسناد مَنْ يُكْرِمُكَ کی طرف ہے۔ تو لہذا اس مَنْ يُكْرِمُكَ کو فاعل کہنا چاہیے کیونکہ اس پر تو كَرِيمٌ مقدم ہے۔ زَيْدٌ ضَرَبَ میں تو آپ نے کہا تھا کہ ضَرَبَ مؤخر ہے اس لیے زَيْدٌ کو فاعل نہیں کہہ سکتے لیکن یہاں پر تو كَرِيمٌ مقدم ہے لہذا مَنْ يُكْرِمُكَ کو کیا کہنا چاہیے؟ فاعل کہنا چاہیے۔ تو اس کا بھی جواب دیا کہ بھئی کہ مقدم ہونے سے مراد یہ نہیں ہے کہ کبھی کبھار مقدم ہو جائے یا مقدم ہونا جائز ہو جائے، نہیں، بلکہ مقدم ہونا واجب ہونا چاہیے۔ فعل اور شبہِ فعل کا فاعل پر مقدم ہونا واجب ہوتا ہے۔ جبکہ یہاں كَرِيمٌ خبر ہے اور خبر کا بتدا پر مقدم کرنا واجب نہیں، لہذا یہ بھی اس تعریف سے نکل گیا، اس میں جو مَنْ يُكْرِمُكَ آیا اس کو فاعل نہیں کہہ سکتے کیونکہ اس پر اس كَرِيمٌ کو مقدم کرنا واجب نہیں ہے۔

اس پر پھر تیسرا اشکال کیا تھا کہ اچھا ہم آپ کو ایسی قسم دکھا دیتے ہیں جس میں مقدم کرنا واجب بھی ہوگا، جیسے فِي الدَّارِ رَجُلٌ۔ میں نے بتایا تھا کہ یہ جو جار مجرور ہیں ان کو ظرف کہتے ہیں مجازاً۔ ایک ظرفِ حقیقی ہوتا ہے جس میں جگہ اور مکان والا معنی ہو، اور ایک یہ جار مجرور ہوتا ہے، یہ جار مجرور کو مجازاً ظرف کہتے ہیں۔ تو جب بھی جار مجرور کلام میں آئیں یاد رکھو یہ خبر تو بن سکتے ہیں لیکن مبتدا کبھی بھی نہیں بن سکتے۔ تو فِي الدَّارِ رَجُلٌ اس میں فِي الدَّارِ یہ خبرِ مقدم ہے اور یہ رَجُلٌ یہ ہے مبتدا مؤخر۔ اور میں نے آپ کو یہ بھی بتلایا تھا کہ جب خبر ظرف ہو، جب خبر ظرف ہو اور جو مبتدا بن رہا ہے وہ معرفہ ہو، تو پھر آپ چاہے مبتدا کو مقدم کر دیں چاہے آپ اس ظرف کو مقدم کر دیں۔ فِي الدَّارِ زَيْدٌ دیکھو زَيْدٌ مبتدا ہے اور معرفہ ہے تو آپ کی مرضی ہے چاہے آپ فِي الدَّارِ کو مقدم کریں چاہے زَيْدٌ کو مقدم کریں، آپ یوں بھی کہہ سکتے ہیں زَيْدٌ فِي الدَّارِ اور آپ یوں بھی کہہ سکتے ہیں فِي الدَّارِ زَيْدٌ۔ لیکن اگر مبتدا نکرہ ہو پھر ظرف کو مقدم کرنا واجب ہے۔ وجہ یہ میں نے آپ کو بتلایا تھا کیونکہ مبتدا کے اندر اصل یہ ہے وہ معرفہ ہونا چاہیے اور آپ کس کو بنانا چاہ رہے ہیں؟ نکرہ کو، فِي الدَّارِ رَجُلٌ، اس رَجُلٌ کو آپ کیا بنانا چاہتے ہیں؟ مبتدا۔ تو مبتدا کے اندر تو اصل یہ ہے معرفہ ہونا چاہیے، تو نکرہ جو ہے، نکرہ کے مبتدا بننے کے لیے صاحبِ کافیہ بتلائیں گے کہ اس میں تخصیص پیدا کرنا ضروری ہے۔ کیا پیدا کرنا؟ اس میں تخصیص آجائے تاکہ دیگر احتمالات کم ہو جائیں یا ختم ہو جائیں۔ تخصیص سے ایک چیز معرفہ تو نہیں بنتی لیکن معرفہ کے قریب ہو جاتی ہے، اس کے احتمالات کم ہو جاتے ہیں۔ تو اس تخصیص کے طریقوں میں سے ایک طریقہ یہ ہے کہ خبر کو مقدم کر دیا جائے۔ فِي الدَّارِ رَجُلٌ آپ رَجُلٌ کو کیا بنانا چاہتے ہیں؟ مبتدا، تو فِي الدَّارِ کو مقدم کر دو، اس تقدیم کی وجہ سے رَجُلٌ کے اندر کیا آجائے گی؟ تخصیص، اور اب اس نکرہ کا مبتدا بننا صحیح ہے۔ اگر آپ رَجُلٌ کو مقدم رکھیں رَجُلٌ فِي الدَّارِ تو پھر یہ کہنا آپ کا صحیح نہیں کیونکہ آپ نے اس میں رَجُلٌ کو مبتدا بنایا اور اس میں تخصیص بھی کسی طرح آپ نے نہیں پیدا کی، اور حالانکہ نکرہ کے مبتدا بننے کے لیے ضروری ہے کہ اس میں تخصیص پیدا کی جائے۔ تو فِي الدَّارِ رَجُلٌ اس کے اندر فِي الدَّارِ کو مقدم کرنا واجب ہے تاکہ رَجُلٌ میں تخصیص آجائے اور اس کا مبتدا بننا صحیح ہو جائے۔

تو کہتے ہیں اب دیکھیے فِي الدَّارِ رَجُلٌ، فِي الدَّارِ کیا ہے؟ خبرِ مقدم، یہ ظرف ہے اور یہ کس کو رفع دے رہا ہے؟ هُوَ ضمیر کو، کس کو؟ اور وہ هُوَ ضمیر کس کو راجع؟ زَيْدٌ کو راجع ہے، اور کسی چیز کی ضمیر کی طرف اسناد درحقیقت اسی چیز کی طرف اسناد ہے، گویا فِي الدَّارِ کا رَجُلٌ کی طرف ہی اسناد ہے۔ جی۔ اور اس میں دیکھو فِي الدَّارِ کا اسناد کس کی طرف؟ رَجُلٌ کی طرف ہے بھئی، اور اس فِي الدَّارِ کو مقدم کرنا بھی واجب، آپ نے بھی ہمیں کیا کہا تھا؟ فاعل وہ ہوتا ہے جس کی طرف فعل یا شبہِ فعل کا اسناد ہو اور اس فعل یا شبہِ فعل کا اس پر مقدم کرنا واجب ہو، فِي الدَّارِ کا اسناد بھی رَجُلٌ کی طرف ہے اور فِي الدَّارِ کو مقدم کرنا بھی واجب ہے، لہذا اس رَجُلٌ کو فاعل کہنا چاہیے، اس رَجُلٌ کو... لیکن کہتے ہیں نہیں بھئی، اس

کو بھی ہم فاعل نہیں کہہ سکتے، فِي الدَّارِ کو خبرِ مقدم کہنا پڑے گا اور رَجُلٌ کو بتدا مؤخر۔ بھئی کیوں؟ اس کو فاعل کیوں نہیں کہہ سکتے؟ کہتے ہیں وجہ یہ کہ ہم نے جو کہا کہ وہ فعل یا شبہِ فعل اس کو فاعل پر مقدم ہونا چاہیے، اس کا معنی یہ ہے کہ اس نوع، وہ جو نوع ہے وہ جو قسم ہے، اس پوری قسم کا مقدم ہونا واجب ہونا چاہیے، اس پوری...پوری قسم کا مقدم ہونا واجب ہونا چاہیے، اور فعل اور شبہِ فعل ان کا مقدم کرنا واجب ہے۔ جبکہ فِي الدَّارِ رَجُلٌ اس میں فِي الدَّارِ کیا ہے؟ خبر ہے، اور خبر کو تو مقدم کرنا واجب نہیں، پوری نوع کا مقدم کرنا واجب نہیں، کبھی کبھار خبر کو مقدم کرنا پڑتا ہے، جیسے یہاں فِي الدَّارِ رَجُلٌ، رَجُلٌ چونکہ نکرہ تھا اس لیے فِي الدَّارِ کو مقدم کرنا واجب ہو گیا ورنہ خبر کو مقدم کرنا ہمیشہ واجب نہیں۔ تو وَقُدِّمَ عَلَيْهِ اس قید سے کیا مراد ہے؟ کہ اس فعل یا شبہِ فعل کا مقدم کرنا واجب ہونا چاہیے اور پوری نوع کا مقدم کرنا واجب ہونا چاہیے، صرف چند افراد کا مقدم کرنا واجب نہیں ہونا چاہیے۔ اور فِي الدَّارِ رَجُلٌ اس کے اندر بھی فِي الدَّارِ خبر کو مقدم کرنا واجب تو ہوا لیکن کیا پوری نوعِ خبر کو مقدم کرنا واجب ہے یا چند افرادِ خبر کو مقدم کرنا واجب ہوا؟ چند افراد، یہ فِي الدَّارِ یہ والی خاص خبر ہے اس کو مقدم کرنا واجب ہوا ورنہ تو ہر خبر کو مقدم کرنا واجب نہیں ہوتا۔ بخلاف اس کے وہ فعل یا شبہِ فعل جس کا فاعل کی طرف اسناد ہوتا ہے اس کی پوری نوع کا مقدم کرنا واجب ہے۔ فرق سمجھ میں آگیا؟ بات اچھی طرح سمجھ میں آگئی۔

اب آگے دیکھیے بھئی آج کا سبق بھئی۔ کہتے ہیں عَلٰی جِهَةِ قِيَامِهِ أَيْ إِسْنَادًا وَاقِعًا عَلٰى طَرِيقَةِ قِيَامِ الْفِعْلِ أَوْ شِبْهِهِ بِهِ۔ پہلے متن متن دیکھ لو۔ عَلٰی جِهَةِ قِيَامِهِ بِهِ اس طریقے پر اس فعل یا شبہِ فعل کا اسناد ہونا چاہیے، اس ادھر دیکھیے، اس فعل یا شبہِ فعل کا اسناد ہو اس اسم کی طرف، اور وہ فعل یا شبہِ فعل اس اسم پر مقدم ہو، اور تیسری بات کیا کہ وہ فعل یا شبہِ فعل اس اسم کے ساتھ قائم ہو اس پر واقع نہ ہو۔ تو عَلٰی جِهَةِ قِيَامِهِ بِهِ، جِهَةٍ کا معنی میں نے بتلایا تھا طریقہ أَيْ عَلٰى طَرِيقَةِ قِيَامِهِ، اور قِيَامِهِ کی هَا ضمیر راجع ہے فعل یا شبہِ فعل کو۔ فعل یا شبہِ فعل جو ہوتا ہے وہ فاعل کے ساتھ قائم ہوتا ہے، کیا ہوتا ہے؟ تو قِيَامِهِ کی هَا ضمیر کس کو راجع؟ فعل یا شبہِ فعل کو۔ اس پر پھر وہی اشکال کہ فعل یا شبہِ فعل وہ تو دو چیزیں ہیں اور قِيَامِهِ کی هَا ضمیر تو مفرد کی ہے، جواب میں نے کل ذکر کر دیا تھا کہ یہ ضمیر راجع ہے کس تاویل میں؟ أَحَدُ الْأَمْرَيْنِ کی تاویل میں، اس لیے کیونکہ فعل یا شبہِ فعل ان کے درمیان لفظِ أَوْ آیا اور أَوْ آتا ہے تردید کے لیے، کس کے لیے؟ کہ یہ چیز کو دائر کر دیتا ہے دو چیزوں کے درمیان، تو یہ أَحَدُ الْأَمْرَيْنِ کی تاویل میں ہوا اور أَحَدُ الْأَمْرَيْنِ دو چیزوں میں سے ایک، دیکھا یہ تو مفرد ہے، یہ کیا ہے؟ مفرد تو اس لیے اس کی طرف قِيَامِهِ کی هَا ضمیر مفرد والی راجع کی۔ اور بِهِ، بِهِ کی هَا ضمیر فاعل کو راجع ہے۔ عَلٰى جِهَةِ قِيَامِهِ اس طریقے پر کہ وہ فعل یا شبہِ فعل قائم ہو بِهِ أَيْ بِالْفَاعِلِ کس کے ساتھ؟ فاعل کے ساتھ، یعنی اس پر واقع نہ ہو ورنہ تو وہ نائب الفاعل بن جائے گا بھئی۔ بات سمجھ میں آگئی؟

اب دیکھیے بھئی شرح کے ساتھ، کہتے ہیں عَلٰى جِهَةِ قِيَامِهِ أَيْ إِسْنَادًا وَاقِعًا عَلٰى طَرِيقَةِ قِيَامِ الْفِعْلِ أَوْ شِبْهِهِ، یہ ذرا گہری

بات ہے اس کو سمجھ لیں۔ بھئی متن میں آیا عَلٰی جِهَةِ قِيَامِهِ، آگے شارحِ جامی اس کی تفسیر کر رہے ہیں أَيْ إِسْنَادًا وَاقِعًا عَلٰى طَرِيقَةِ قِيَامِ الْفِعْلِ أَوْ شِبْهِهِ، یہاں سے یہ ترکیب ذکر کر رہے ہیں کہ یہ عَلٰی جِهَةِ قِيَامِهِ یہ جار مجرور ہے، یہ جار مجرور ہے تو ترکیب میں یہ کیا واقع ہو رہے ہیں؟ صاحبِ جامی نے بتلایا أَيْ إِسْنَادًا...

...إِسْنَادًا وَاقِعًا کہ یہ مفعولِ مطلق ہیں بھئی۔ یہ کیا واقع ہو رہے ہیں؟ مفعولِ مطلق۔ اور یہ مفعولِ مطلق براہِ راست نہیں ہیں بلکہ باعتبارِ موصوفِ محذوف کے، باعتبارِ موصوفِ محذوف کے۔ دیکھو بھئی سمجھ لو اس کو، عَلٰی جِهَةِ قِيَامِهِ بِهِ یہ صفت ہیں مفعولِ مطلق کی۔ مفعولِ مطلق کسے کہتے ہیں؟ وہ مصدر جو ماقبل فعل کے معنی میں ہو، اور ماقبل میں یہاں أُسْنِدَ والا فعل مراد ہے، أُسْنِدَ إِلَيْهِ، وَهُوَ مَا أُسْنِدَ إِلَيْهِ الْفِعْلُ أَوْ شِبْهُهُ، تو أُسْنِدَ فعل آیا اس کے لیے آگے مفعولِ مطلق محذوف نکال لیں گے إِسْنَادًا، أُسْنِدَ إِلَيْهِ الْفِعْلُ أَوْ شِبْهُهُ وَقُدِّمَ عَلَيْهِ إِسْنَادًا، توجہ ہے؟ یہ إِسْنَادًا دیکھو یہ إِسْنَاد مصدر ہے، اور وہ مصدر جو ماقبل فعل کے معنی میں ہو اس کو کیا کہتے ہیں؟ مفعولِ مطلق۔ ضَرَبْتُ ضَرْبًا یہ ضَرْبًا کس کے معنی میں ہے؟ ضَرَبْتُ کے معنی میں، تو یہ وہ مصدر جو ماقبل فعل کے معنی میں ہو اس کو مفعولِ مطلق کہتے ہیں۔ تو یہاں إِسْنَادًا محذوف ہے اور وہ ماقبل أُسْنِدَ فعل کے معنی میں ہے، تو یہ إِسْنَادًا کیا ہے؟ مفعولِ مطلق۔ اور پھر آگے عَلٰی جِهَةِ قِيَامِهِ اس کو إِسْنَادًا کے ساتھ نہیں جوڑا۔ توجہ ہے؟ بھئی آپ کو اگر یاد ہو میں نے ترکیب کروائی تھی، میں نے آپ کو بتلایا تھا کہ جار مجرور آٹھ چیزوں میں سے کسی ایک سے متعلق ہوتے ہیں، جار مجرور آٹھ چیزوں میں سے کسی ایک سے متعلق ہوتے ہیں، وہ آٹھ چیزیں کون کون سی ہیں؟ فعل ہے، مصدر ہے، اسمِ فاعل، اسمِ مفعول، صفتِ مشبہ، اسمِ تفضیل، مبالغے کے صیغے، اور اسمِ فعل ہے، بات سمجھ میں آ رہی ہے؟

تو دیکھو معلوم ہوا ان آٹھ چیزوں میں سے ایک چیز مصدر بھی ہے۔ توجہ ہے؟ ان آٹھ چیزوں میں سے ایک مصدر بھی ہے، معلوم ہوا جار مجرور مصدر سے بھی متعلق ہو سکتے ہیں۔ تو یہاں مفعولِ مطلق کیا آیا؟ إِسْنَادًا، توجہ ہے؟ لیکن اس عَلٰی جِهَةِ قِيَامِهِ کو إِسْنَادًا کے ساتھ نہیں جوڑا بلکہ درمیان میں صفت الگ نکال لی إِسْنَادًا وَاقِعًا عَلٰى جِهَةِ قِيَامِهِ، وَاقِعًا نکال لو یا ثَابِتًا نکال لو ایک ہی بات ہے، بات سمجھ میں آ رہی ہے؟ أَيْ إِسْنَادًا ثَابِتًا عَلٰى جِهَةِ قِيَامِهِ، تو عَلٰی جِهَةِ قِيَامِهِ کو ثَابِتًا سے جوڑا إِسْنَاد سے نہیں جوڑا۔ کس سے؟ إِسْنَاد سے نہیں جوڑا حالانکہ إِسْنَاد سے بھی جوڑ سکتے تھے۔ توجہ ہے؟ بھئی یاد رکھو ترکیب کی قیمتی بات یاد رکھو۔ دیکھو ایک ذرا جملہ لکھیں اپنے سامنے، ضَرَبَ ضَرْبًا زَيْدٌ عَمْرًا، جلدی جلدی لکھیے بھئی، ضَرَبَ ضَرْبًا زَيْدٌ عَمْرًا، ضَرَبَ ضَرْبًا زَيْدٌ عَمْرًا، بس الفاظ میں نے کچھ آگے پیچھے کر دیے ہیں۔ ضَرَبَ ضَرْبًا زَيْدٌ عَمْرًا یہ ضَرْبًا کو سب سے آخر میں ہونا چاہیے تھا لیکن میں نے کیا کر دیا؟ مقدم کر دیا، بات سمجھ میں آ گئی؟ تو اس کو کہیں پر بھی ذکر کیا جا سکتا ہے مقدم بھی مؤخر بھی، جی، تو ضَرَبَ ضَرْبًا، اب مجھے بتائیے یہ ضَرْبًا کیا ہے؟ ضَرَبَ ضَرْبًا مجھے بتائیے یہ ضَرْبًا کیا واقع ہو رہا ہے ترکیب میں؟ یہ مفعولِ مطلق ہے، مفعولِ مطلق اس مصدر کو کہتے ہیں جو ماقبل فعل کے معنی میں ہو۔ اس کے بعد آگے

آیا زَیْدٌ مرفوع ہے، اور عَمْرًا منصوب آیا بھئی۔ اب مجھے بتائیے ضَرَبَ ضَرْبًا زَیْدٌ عَمْرًا یہ زَیْدٌ کیا بن رہا ہے؟ یہ شاباش فاعل بن رہا ہے کس کے لیے؟ ضَرَبَ فعل کے لیے، اور یہ عَمْرًا کیا بن رہا ہے؟ یہ مفعولِ بہ بن رہا ہے کس کے لیے؟ ضَرَبَ فعل کے لیے، توجہ ہے؟ اب ضَرَبَ فعل جیسے اپنے فاعل کو رفع دیتا ہے اور مفعول کو نصب، اسی طرح آپ نے کل پڑھا، کل پرسوں ترکیب کے اندر پڑھا کہ فاعل اسمِ فاعل کے لیے بھی آتا ہے، صفتِ مشبہ کے لیے بھی آتا ہے اور مصدر کے لیے بھی آتا ہے، توجہ ہے؟ تو آپ نے زَیْدٌ کو ضَرَبَ کے لیے فاعل بنایا، ضَرْبًا مصدر کے لیے کیوں نہیں فاعل بنایا؟ آپ کا کوئی ساتھی آپ پر اشکال کر دے کہ جیسے ضَرَبَ کے لیے فاعل اور مفعول ضرور چاہیے اسی طرح ضَرْبًا مصدر کے لیے بھی کیا چاہیے؟ فاعل اور مفعول چاہیے۔ ایک تو میں نے آپ کو یہ بات بتلائی تھی کہ ضَرْبًا بھی فاعل کا تقاضا کرتا ہے، مصدر جو ہوتا ہے وہ بھی فاعل کا تقاضا کرتا ہے لیکن مصدر کے ساتھ فاعل کا ذکر کرنا ضروری نہیں ہے، ذکر کر دیا جائے تو اچھی بات ہے نہ ذکر کیا جائے تو کبھی ذکر نہیں کرتے۔ باقی جتنے صفت کے صیغے ہیں ان کے لیے فاعل ضرور چاہیے بھئی، بات سمجھ میں آ رہی ہے؟ اس فاعل کو ذکر کرنا پڑے گا یا اسمِ ظاہر کی صورت میں یا اسی کے اندر ضمیر چھپی ہوئی ہوگی، لیکن مصدر کے لیے فاعل کا ذکر کرنا ضروری نہیں۔ مصدر کے لیے فاعل تو ضرور چاہیے، مصدر کا وجود بغیر فاعل کے تو نہیں ہو سکتا، ضرب کے لیے ہمیشہ کوئی ضرب لگانے والا چاہیے، اس کے بغیر ضرب کا مصدر نہیں ہو سکتا، لیکن عبارت میں اس کو ذکر کرنا ضروری نہیں، کبھی ذکر کر دیتے ہیں کبھی ذکر نہیں کرتے۔ تو ایک جواب آپ یہ دے سکتے ہیں ضَرَبَ ضَرْبًا زَیْدٌ عَمْرًا کہ یہ ضَرْبًا مصدر ہے اور مصدر کے لیے فاعل کا ذکر ضروری نہیں لیکن فعل کے لیے فاعل کا ذکر ضروری ہے، فعل جب بھی آئے گا اس کے ساتھ فاعل کو ذکر کرنا ضروری، اس لیے زَیْدٌ کو ہم نے ضَرَبَ کے لیے فاعل بنایا ضَرْبًا کے لیے فاعل نہیں بنایا، بات سمجھ میں آ گئی۔

لیکن ایک دوسری وجہ یاد رکھنا وہ میں آپ کو بتلانا چاہتا ہوں، یاد رکھو جب فعل بھی موجود ہو اور اسی کا مصدر یعنی مفعولِ مطلق بھی موجود ہو تو پھر صرف فعل عمل کرتا ہے مفعولِ مطلق عمل نہیں کرتا۔ ضابطہ یاد رہے گا؟ کیا کہ جب فعل بھی موجود اور اس کا آگے مصدر جو مفعولِ مطلق ہے وہ بھی موجود ہے تو عمل صرف کون کرے گا؟ فعل کرے گا، مصدر کبھی بھی عمل نہیں کرے گا۔ وجہ یہ کہ عمل کے اندر اصل فعل ہے، عمل کے اندر اصل فعل ہے اور مصدر اس کی فرع ہے بھئی، اور جب اصل خود موجود ہے، توجہ ہے؟ جب ضَرَبَ خود موجود ہے تو زَیْدٌ کو فاعل اور عَمْرًا کو مفعول اس ضَرَبَ کے لیے بنائیں گے وہ ان کے اندر عمل کرے گا، ضَرْبًا مصدر نہیں کرے گا۔ ہاں آپ اس ضَرَبَ کو حذف کر دیتے ہیں پھر ضَرْبًا مصدر عمل کر سکتا ہے، لیکن اس وقت فعل محذوف ہے یا مذکور ہے؟ مذکور ہے، لہذا جب فعل خود موجود ہو تو پھر یہ خود عمل کرے گا اس کا مصدر عمل نہیں کرے گا۔ تو لہذا ضَرَبَ ضَرْبًا زَیْدٌ عَمْرًا یہ زَیْدٌ کو رفع کس نے دیا؟ ضَرَبَ نے، اور یہ عَمْرًا کو نصب کس نے دیا؟ ضَرَبَ نے، ضَرْبًا نے کیوں نہیں عمل کیا؟ کیا وجہ ہے؟ کیونکہ فعل خود موجود ہے، جب فعل

خود موجود ہو تو وہ عمل کرے گا مصدر یعنی اس کا مفعولِ مطلق عمل نہیں کر سکتا۔ یہاں تک بات سمجھ میں آ گئی۔

اور اسی طرح یاد رکھو یہ جو جار مجرور ہیں یہ جس سے متعلق ہوتے ہیں وہ دراصل ان کے اندر عامل ہوتا ہے، وہ ان کے اندر عامل ہوتا ہے۔ تو مثلاً میں نے کہا فِي الدَّارِ رَجُلٌ یہ فِي الدَّارِ کو کس سے متعلق کیا؟ ثَابِتٌ سے، تو فِي الدَّارِ جار مجرور کس سے متعلق؟ ثَابِتٌ سے، اور ثَابِتٌ ہوا متعلق اس کا، تو آسان لفظوں میں یوں کہو یہ ثَابِتٌ عامل ہے فِي الدَّارِ کے اندر۔ جس سے جار مجرور جڑتے ہیں وہ دراصل کیا ہوتا ہے ان کے اندر؟ عامل ہوتا ہے۔ یہاں تک بات سمجھ میں آ گئی؟ اب آئیے کتاب پر بھئی۔ کتاب میں کیا آیا عَلٰی جِهَةِ قِيَامِهِ بِهِ، صاحبِ جامی نے آپ کو کیا بتلایا یہ کیا بن رہا ہے؟ مفعولِ مطلق، توجہ ہے؟ اور مفعولِ مطلق ہم نے محذوف نکالا کیا نکالا؟ إِسْنَادًا، کیا نکالا؟ إِسْنَادًا۔ پیچھے آیا تھا أُسْنِدَ إِلَيْهِ الْفِعْلُ أَوْ شِبْهُهُ اسی سے آگے مصدر آ گیا إِسْنَادًا، توجہ ہے؟ اب عَلٰی جِهَةِ قِيَامِهِ اس کو صاحبِ جامی نے إِسْنَادًا کے ساتھ کیوں نہیں جوڑا؟ اب وجہ آپ مجھے بتائیے، میں نے پوری تفصیل بیان کر دی، پوری تقریر کر دی۔ اس عَلٰی جِهَةِ قِيَامِهِ کو إِسْنَادًا سے کیوں نہیں جوڑا حالانکہ جار مجرور کتنی چیزوں سے جڑتے ہیں؟ آٹھ چیزیں، اور ان آٹھ چیزوں میں سے ایک کیا ہے؟ مصدر بھی ہے، تو إِسْنَادًا بھی مصدر ہے اس کے ساتھ بھی جڑنا چاہیے، لیکن صاحبِ جامی نے إِسْنَادًا کے ساتھ اس کو نہیں جوڑا بلکہ إِسْنَادًا وَاقِعًا، إِسْنَادًا کے بعد اس کی ایک صفت نکالی وَاقِعًا اور اس وَاقِعًا کے ساتھ اس عَلٰی جِهَةِ قِيَامِهِ کو جوڑا۔ کیا وجہ؟

وجہ یاد رکھو، وجہ یاد رکھو کہ اگر عَلٰی جِهَةِ قِيَامِهِ کو إِسْنَادًا سے جوڑ دیں گے تو جس چیز کے ساتھ یہ جار مجرور جڑتے ہیں وہ دراصل ان میں کیا ہوتا ہے؟ عامل ہوتا ہے، تو إِسْنَادًا عامل بن جائے گا عَلٰی جِهَةِ قِيَامِهِ میں۔ اور یہ إِسْنَادًا کیا واقع ہو رہا ہے؟ مفعولِ مطلق، اور مفعولِ مطلق کا ماقبل میں فعل موجود ہے یا موجود نہیں؟ فعل موجود ہے، اور جب فعل موجود ہو تو مفعولِ مطلق عمل کرتا ہے؟ وہ عمل نہیں کرتا۔ تو لہذا اس عَلٰی جِهَةِ قِيَامِهِ کو إِسْنَادًا سے نہیں جوڑ سکتے، اگر آپ جوڑیں گے تو إِسْنَادًا کو آپ عامل بنا دیں گے اور عامل بنا دیں گے حالانکہ فعل جب خود موجود ہو تو مفعولِ مطلق کبھی بھی عامل نہیں بنتا۔ بات سمجھ میں آ گئی؟ اس لیے صاحبِ جامی نے عَلٰی جِهَةِ قِيَامِهِ کو إِسْنَادًا کے ساتھ نہیں جوڑا اگرچہ جڑ سکتا تھا لیکن نہیں جوڑا، کیوں نہیں جوڑا؟ کیونکہ پیچھے أُسْنِدَ فعل موجود ہے۔ تو پھر کیا طریقہ اختیار کیا؟ کہ اس کے بعد إِسْنَادًا کے بعد ایک صفت نکال لی وَاقِعًا، وَاقِعًا نکال لیں یا ثَابِتًا نکال لیں، ایسا اسناد وَاقِعًا جو واقع ہو عَلٰی جِهَةِ قِيَامِهِ بِهِ اس طریقے پر کہ وہ فعل یا شبہِ فعل اس کے ساتھ قائم ہو، یا إِسْنَادًا ثَابِتًا ایسا اسناد جو ثابت ہو عَلٰی جِهَةِ قِيَامِهِ بِهِ اس طریقے پر کہ وہ فعل یا شبہِ فعل اس کے ساتھ قائم ہو۔ بات سمجھ میں آ رہی ہے؟ تو اس لیے صاحبِ جامی نے ترکیب بتلائی اور بتلایا کہ یہ عَلٰی... توجہ سے سنیں، صاحبِ جامی نے ترکیب بتلائی اور بتایا کہ عَلٰی جِهَةِ قِيَامِهِ بِهِ یہ مفعولِ مطلق ہے لیکن کس طرح ہے مفعولِ مطلق؟ باعتبارِ موصوفِ محذوف، یعنی یہ عَلٰی جِهَةِ قِيَامِهِ یہ صفت بن رہی ہے اس، اس کے لیے، اس إِسْنَادًا کے لیے کیا بن رہی ہے؟ صفت۔ توجہ ہے؟ یہاں اسناد عَلٰی جِهَةِ قِيَامِهِ بِهِ سے پہلے إِسْنَادًا نکال لیا، اور یہ عَلٰی جِهَةِ قِيَامِهِ اس إِسْنَادًا کے لیے کیا بنے گی؟ صفت۔ بھئی ادھر دیکھیے میں نے آپ کو بتایا تھا نکرہ کے بعد اگر جار مجرور آ جائے، کیا آ جائے؟

جار مجرور۔ ترکیب میں نے آپ کو بتلائی تھی کہ نکرہ کے بعد اگر جار مجرور آجائے اور وہ کسی سے نہ جڑ رہا ہو تو وہ اسی نکرہ کے لیے صفت بنے گا، کیا بنے گا؟ صفت بنے گا۔ اور إِسْنَادًا نکرہ ہے یا معرفہ ہے؟ نکرہ ہے، اور اس کے بعد عَلٰی جِهَةِ قِيَامِهِ بِهِ آیا تو یہ اس کے لیے کیا بنے گا؟ صفت۔ معلوم ہوا یہ جار مجرور إِسْنَادًا کے لیے صفت بنے گا اور یہ جار مجرور براہِ راست صفت بنتے ہیں یا متعلق سے جڑتے ہیں اور پھر صفت بنتے ہیں؟ متعلق سے جڑتے ہیں، لہذا اس لیے إِسْنَادًا ثَابِتًا عَلٰی جِهَةِ قِيَامِهِ، طریقہ سمجھ میں آیا؟ تو ثَابِتًا کہہ لیں یا وَاقِعًا کہہ لیں ایک ہی بات ہے۔

یہ تو ایک ترکیب ہے، جبکہ بعض شارحین نے اس عَلٰی جِهَةِ قِيَامِهِ بِهِ کو اس کو مفعولِ مطلق بنایا ہی نہیں، اس کو براہِ راست أُسْنِدَ إِلَيْهِ کے ساتھ جوڑ دیا، کس کے ساتھ جوڑ دیا؟ أُسْنِدَ إِلَيْهِ، اور اس کے ساتھ تو یہ جڑ سکتا ہے۔ بھئی یاد رکھو ایک ہی جگہ پر کئی کئی ترکیبیں ہوتی ہیں بھئی۔ تو صاحبِ جامی نے اس ترکیب کو ترجیح دی کہ اس کو مفعولِ مطلق بنایا، اور براہِ راست یا باعتبارِ موصوفِ محذوف کے؟ باعتبارِ موصوفِ محذوف کے اس کو مفعولِ مطلق قرار دیا، جبکہ بعض شارحین نے اس کو براہِ راست کس کے ساتھ جوڑ دیا؟ أُسْنِدَ کے ساتھ جوڑ دیا، اور أُسْنِدَ تو فعل ہے وہ تو اس کے اندر براہِ راست عمل کر سکتا ہے۔

جی دیکھیے کتاب پر، کہتے ہیں عَلٰی جِهَةِ قِيَامِهِ أَيْ إِسْنَادًا وَاقِعًا یعنی ایسا اسناد جو واقع ہے، دیکھو یہ إِسْنَادًا مفعولِ مطلق اور وَاقِعًا اس کی صفت دونوں نکال لیں، آگے دیکھو متن میں کیا آیا تھا عَلٰی جِهَةِ قِيَامِهِ، میں نے کیا بتلایا تھا جِهَةٍ کا کیا معنی؟ طریقہ، وہی بتلا رہے ہیں آگے عَلٰی طَرِيقَةِ قِيَامِ الْفِعْلِ أَوْ شِبْهِهِ، جِهَةٍ کی جگہ کیا لے آئے؟ طَرِيقَةِ، اور قِيَامِهِ کی هَا ضمیر کی جگہ کیا لے آئے؟ عَلٰی طَرِيقَةِ قِيَامِ الْفِعْلِ أَوْ شِبْهِهِ، بتلا دیا کہ قِيَامِهِ کی هَا ضمیر فعل یا شبہِ فعل کو راجع ہے، بات سمجھ میں آگئی۔ تو کہتے ہیں عَلٰی جِهَةِ قِيَامِهِ أَيْ إِسْنَادًا وَاقِعًا عَلٰى طَرِيقَةِ قِيَامِ الْفِعْلِ أَوْ شِبْهِهِ بِهِ أَيْ بِالْفَاعِلِ، یعنی وہ اسناد واقع ہو ایسے طریقے پر کہ وہ فعل یا شبہِ فعل قائم ہو بِهِ أَيْ بِالْفَاعِلِ فاعل کے ساتھ۔ وہ فعل یا شبہِ فعل اس فاعل کے ساتھ قائم ہو۔ آگے آپ کو بتلائیں گے کہ فعل یا شبہِ فعل کا فاعل کے ساتھ قائم ہونے کا کیا معنی؟ دیکھو اس کا آگے طریقہ بتلا رہے ہیں، کہتے ہیں فَطَرِيقُ قِيَامِهِ بِهِ اور فعل اور شبہِ فعل کا فاعل کے ساتھ قائم ہونے کا طریقہ یہ ہے أَنْ يَكُونَ عَلٰى صِيغَةِ الْمَعْلُومِ...

...لِمَعْلُومٍ کہ وہ فعل کس صیغے پر ہو؟ معلوم کے صیغے پر ہو، مجہول کے صیغے پر نہ ہو۔ اس پر اشکال ہوتا ہے کہ بھئی فعل کے اندر تو معلوم اور مجہول کے صیغے آتے ہیں، صفت کے صیغوں میں تو معلوم اور مجہول کے صیغے نہیں آتے۔ تو عَلٰى صِيغَةِ الْمَعْلُومِ معلوم کے صیغے پر ہو یہ تو صرف فعل کے اندر بات آگئی، شبہِ فعل کے اندر بھی تو بتلائیں اس میں کیا ہوگا؟ اس میں بتلا دیا أَوْ عَلٰى مَا فِي حُكْمِهَا یا وہ اس معلوم کے صیغے کے حکم میں ہو بھئی۔ معلوم کے... بھئی فعلِ معروف کے لیے ہمیشہ کیا چاہیے؟ یا یوں کہو فعلِ معلوم کے لیے ہمیشہ کیا چاہیے؟ فاعل چاہیے۔ اسی طرح جو اس کے حکم میں ہیں ان کے لیے بھی فاعل چاہیے۔ اور وہ اس کے حکم میں کون کون ہیں؟ اسمِ فاعل ہے، صفتِ مشبہ ہے، اسمِ تفضیل، مبالغے

کے صیغے وغیرہ ہیں، اسمِ مفعول نہیں ہے۔ وہ اس فعلِ معلوم کے حکم میں نہیں ہے بھئی۔ تو کہتے ہیں فَطَرِيقُ قِيَامِهِ بِهِ فعل یا شبہِ فعل کا فاعل کے ساتھ قائم ہونے کا طریقہ یہ ہے کہ أَنْ يَّكُونَ عَلٰى صِيغَةِ الْمَعْلُومِ أَوْ عَلٰى مَا فِي حُكْمِهَا کہ وہ فعل یا شبہِ فعل معلوم کے صیغے پر ہو أَوْ عَلٰى مَا فِي حُكْمِهَا یا اس معلوم کے صیغے کے حکم میں ہو، یعنی جیسے معلوم کے صیغے کے لیے فاعل چاہیے ہوتا ہے ان کے لیے بھی کیا چاہیے ہو؟ فاعل چاہیے ہو۔ كَاسْمِ الْفَاعِلِ وَالصِّفَةِ الْمُشَبَّهَةِ جیسے کہ اسمِ فاعل ہے اور صفتِ مشبہ ہے۔ یہ معلوم کے صیغے پر تو نہیں کیونکہ ان کے لیے تو کوئی معلوم اور مجہول کا الگ الگ صیغہ نہیں ہوتا لیکن یہ معلوم صیغے کے حکم میں ہیں، یہ دونوں کیا ہیں؟ تو اسی طرح باقی پیچھے جو پانچ چھ چیزیں ذکر ہوئی تھیں وہ سب بھی معلوم صیغے کے حکم میں ہیں بھئی۔

تو کہتے ہیں كَاسْمِ الْفَاعِلِ وَالصِّفَةِ الْمُشَبَّهَةِ جیسے کہ اسمِ فاعل ہے اور صفتِ مشبہ ہے۔ وَاحْتَرَزَ بِهٰذَا الْقَيْدِ اب اس قید کا فائدہ بتلانے لگے ہیں کہ عَلٰى جِهَةِ قِيَامِهِ بِهِ کہ وہ فعل یا شبہِ فعل اس فاعل کے ساتھ قائم ہو، کہ وہ فعل یا شبہِ فعل اس فاعل کے ساتھ قائم ہو، یہ قید کیوں بڑھائی صاحبِ کافیہ نے؟ تو میں نے وجہ ذکر کر دی تھی یہ قید کیوں بڑھائی تھی؟ نائب فاعل کو نکالنے کے لیے، وہی بیان کر رہے ہیں۔ کہتے ہیں وَاحْتَرَزَ بِهٰذَا الْقَيْدِ اور احتراز کیا اس قید کے ذریعے مصنف نے عَنْ مَّفْعُولِ مَا لَمْ يُسَمَّ فَاعِلُهُ، مَفْعُولُ مَا لَمْ يُسَمَّ فَاعِلُهُ سے، مَفْعُولُ مَا لَمْ... عَنْ مَّفْعُولِ مَا لَمْ يُسَمَّ فَاعِلُهُ، مَفْعُولُ مَا لَمْ يُسَمَّ فَاعِلُهُ سے۔ اس سے احتراز کیا۔ بھئی یاد رکھو قیدیں جو ذکر کی جاتی ہیں نا تعریف کے اندر وہ تین قسم کی ہوتی ہیں۔ کسی چیز کی آپ تعریف کر رہے ہیں تو اس میں تین قسم کی قیدیں ذکر کی جاتی ہیں: ایک کو کہتے ہیں قیدِ احترازی، ایک کو کہتے ہیں قیدِ واقعی، اور ایک کو کہتے ہیں قیدِ اتفاقی۔ قیدِ احترازی وہ ہے کہ اس قید کے ذریعے آپ کسی چیز کو نکالنا چاہتے ہیں، جیسے یہاں پر عَلٰى جِهَةِ قِيَامِهِ بِهِ اس قید کے ذریعے نائب الفاعل کو نکالنا چاہتے تھے یعنی مَفْعُولُ مَا لَمْ يُسَمَّ فَاعِلُهُ کو نکالنا چاہتے تھے اس لیے یہ قید لگائی۔ تو ایسی قید جس کے ذریعے کسی کو نکالنا مقصود ہو اس کو کہتے ہیں قیدِ احترازی۔ کیا کہتے ہیں؟ احترازی۔ احتراز کا معنی کسی چیز سے بچنا، بچنا تو اس قید کے ذریعے کسی چیز سے بچا جاتا ہے، اس کو نکال دیا جاتا ہے اس تعریف سے۔ اور ایک قیدِ واقعی ہوتی ہے۔ قیدِ واقعی جس میں ایک قید ذکر کی جاتی ہے لیکن اس کا مقصد کسی کو نکالنا نہیں ہوتا بس وہ واقع میں ویسی بات ہوتی ہے، واقع میں چونکہ ایسا ہے اس لیے اس کو ذکر کر دیا جاتا ہے۔ واقع میں ایسا ہی ہوتا ہے چونکہ تو اس کو ویسے ہی ذکر کر دیا جاتا ہے بھئی۔ یعنی یوں کہو گویا ایک چیز کی تفصیل کر دی جاتی ہے، ایک چیز کی تفصیل کر دی جاتی ہے، نہ بھی ذکر کیا جاتا کوئی حرج نہیں تھا لیکن تفصیل، وضاحت ہو گئی۔ ایک چیز ذکر کر دی اس کی کیا ہو گئی؟ وضاحت تو اس کو کہتے ہیں قیدِ واقعی، واقع کے مطابق جو ہو اسی کو ذکر کر دیتے ہیں۔ اور ایک قید ہوتی ہے قیدِ اتفاقی۔ قیدِ اتفاقی وہ ہے جس کا اتفاقاً ذکر ہو گیا، نہ اس کے ذریعے کسی سے بچنا مقصود ہے نہ کوئی اور مقصد ہے بس ویسے اتفاقاً کیا کر دیا اس کو بھی تعریف میں ذکر کر دیا۔

تو کہتے ہیں وَاحْتَرَزَ بِهٰذَا الْقَيْدِ عَنْ مَّفْعُولِ مَا لَمْ يُسَمَّ فَاعِلُهُ اور اس قید کے ذریعے ماتن یعنی صاحبِ کافیہ نے احتراز کیا مَفْعُولُ مَا لَمْ يُسَمَّ فَاعِلُهُ سے، كَزَيْدٌ فِي ضُرِبَ زَيْدٌ عَلٰى صِيغَةِ الْمَجْهُولِ جیسے کہ زَيْدٌ ہے ضُرِبَ زَيْدٌ کے اندر، عَلٰى صِيغَةِ الْمَجْهُولِ یہ مجہول کے صیغے پر ہے۔ بھئی ضُرِبَ زَيْدٌ عَلٰى صِيغَةِ الْمَجْهُولِ بتلانا یہ چاہتے ہیں کہ یہ ضُرِبَ زَيْدٌ کے اندر یہ جو ضُرِبَ کا صیغہ آیا یہ مجہول کے صیغے پر ہے، اس کو مجہول پڑھنا اس کو معروف یعنی ضَرَبَ نہ پڑھنا بھئی۔ یہ ہمارے مصنفین کا، علماء کا طریقہ ہے جب کبھی ایسا مقام آجائے جہاں اشتباہ ہو، جیسے یہاں ضُرِبَ زَيْدٌ آیا ہو سکتا ہے کوئی اس کو ضَرَبَ زَيْدٌ نہ پڑھ دے، تو پھر آگے لفظوں میں بھی اس کی وضاحت کر دیتے ہیں۔ صرف اعراب ڈالنا کافی نہیں، ضُرِبَ، ضاد پہ پیش ڈال دیا را پہ زیر اور با پر پیش ضُرِبَ زَيْدٌ یہ بھی کافی تھا لیکن بھئی ہو سکتا ہے کبھی کوئی کاتب آئے وہ لکھتے ہوئے کیا کرے؟ وہ ان اعراب کو لکھے ہی نہ، تو پھر تو پڑھنے والے کو پتہ نہیں چلے گا، لہذا آگے باقاعدہ لفظوں میں اس کو ذکر کر دیا جاتا ہے جیسے یہاں کہہ دیا عَلٰى صِيغَةِ الْمَجْهُولِ کہ یہ ضُرِبَ کس صیغے پر ہے؟ مجہول کے صیغے پر ہے۔ اب کوئی کاتب اعراب ڈالے یا نہ ڈالے اور چاہے صحیح ڈالے چاہے غلط ڈالے، پڑھنے والے کو اشتباہ نہیں ہوگا کیونکہ عَلٰى صِيغَةِ الْمَجْهُولِ اس کو بتا دے گا کہ اس کو ضُرِبَ ہی پڑھنا ہے ضَرَبَ نہیں پڑھنا۔

اچھا پہلے اس کو سمجھ لیں۔ بھئی دیکھیے فِي ضُرِبَ زَيْدٌ، یہ جو ضُرِبَ زَيْدٌ جملہ ہے اس کے اندر دیکھو زَيْدٌ، زَيْدٌ مرفوع ہے لیکن اس کو فاعل نہیں کہیں گے، اس کو... دیکھو فاعل کے لیے تین شرطیں تھیں: پہلی شرط کیا کہ فعل یا شبہِ فعل کا اس کی طرف اسناد ہو، دوسری شرط کہ فعل یا شبہِ فعل اس پر مقدم ہو، اور تیسری شرط یہ تھی کہ وہ فعل یا شبہِ فعل اس فاعل کے ساتھ قائم ہونا چاہیے اس پر واقع نہیں ہونا چاہیے۔ اب دیکھو یہاں ضُرِبَ زَيْدٌ یہاں دو شرطیں پوری ہیں ضُرِبَ زَيْدٌ: پہلی شرط کیا کہ اس زَيْدٌ کی طرف فعل یا شبہِ فعل کا اسناد کیا گیا ہے، دوسری شرط بھی پوری ہے کہ وہ فعل یا شبہِ فعل یعنی ضُرِبَ دیکھو اس زَيْدٌ پر مقدم ہے، لیکن تیسری شرط پوری نہیں کہ یہ فعل یا شبہِ فعل اس زَيْدٌ کے ساتھ قائم نہیں ہے بلکہ اس پر واقع ہے، ضُرِبَ زَيْدٌ زید کی پٹائی کی گئی ہے، زید نے نہیں پٹائی کی بلکہ زید کی پٹائی کی گئی ہے۔ تو اب دیکھو یہاں آیا كَزَيْدٌ فِي ضُرِبَ زَيْدٌ جیسے ضُرِبَ زَيْدٌ کے اندر زَيْدٌ ہے، ضُرِبَ زَيْدٌ کے اندر یہ زَيْدٌ فاعل نہیں ہے بلکہ یہ نائب الفاعل ہے مَفْعُولُ مَا لَمْ يُسَمَّ فَاعِلُهُ ہے، بات سمجھ میں آگئی۔

جی کل کے سبق میں بھی ایسی ہی عبارت آئی تھی، آج پھر ویسی ہی عبارت ہے جیسے آیا فِي ضُرِبَ زَيْدٌ، فِي ضُرِبَ زَيْدٌ، فِي تو حرفِ جر ہے اور حرفِ جر وہ تو صرف اسم پر داخل ہوتا ہے لیکن یہاں فِي ضُرِبَ زَيْدٌ یہ فِي ضُرِبَ فعل پر داخل ہو رہا ہے، کیا جواب دیں گے؟ شاباش کہ یہ صرف ضُرِبَ پر داخل نہیں ہے ضُرِبَ زَيْدٌ پورے جملے پر داخل ہے بھئی، کس پر داخل ہے؟ پورے جملے پر داخل ہے اور یہ پورا جملہ مجرور ہے محلاً کیونکہ جملہ مبنیات میں سے ہے۔ پھر دوسری بات یہ آئی کہ یہاں عبارت کیا ہے پھر دیکھو كَزَيْدٌ فِي ضُرِبَ زَيْدٌ، كَزَيْدٌ کاف جارہ ہے لیکن پھر بھی میں پڑھ رہا ہوں كَزَيْدٌ، میں زید پر

رفع پڑھ رہا ہوں، اس کو کیا کہتے ہیں؟ شاباش اس کو کہتے ہیں اعرابِ حکائی۔ میں نے بتلایا تھا حکایت کسے کہتے ہیں؟ واقعے کو، کسی واقعے کے اندر ایک لفظ ذکر ہوا، کسی بات کے اندر ایک لفظ ذکر ہوا اور وہ لفظ اس پر ایک اعراب تھا، آپ دوسری جگہ جب اس لفظ کو ذکر کرتے ہیں تو اس پر وہی اعراب پڑھ دیتے ہیں جو اس حکایت یعنی اس واقعے اور اس بات کے اندر تھا، اس کو اعرابِ حکائی کہتے ہیں۔ تو ضُرِبَ زَیْدٌ کے اندر زَیْدٌ پر کیا تھا؟ رفع، تو کَزَیْدٌ کے اندر جب میں نے اسی زید کو ذکر کیا تو اس پر بھی وہی اعراب پڑھا جو ضُرِبَ زَیْدٌ کے اندر تھا، تو اس کو کیا کہتے ہیں اعرابِ حکائی۔ تو کَزَیْدٌ یہ زَیْدٌ پر رفع جو میں نے پڑھا یہ کون سا اعراب ہے؟ اعرابِ حکائی، اور واقعے کے مطابق حقیقت میں یہاں تو زید مجرور ہے کیونکہ کاف جارہ اس پر داخل ہے۔ تو کیسے کہیں گے کہ یہ زَیْدٌ لفظاً مرفوع ہے اور محلاً مجرور ہے، محل کیا ہے یہ؟ جار والا ہے لیکن لفظاً مرفوع ہے اعرابِ حکائی کی وجہ سے۔

آگے دیکھیے کہتے ہیں وَالِاحْتِیَاجُ إِلٰی هٰذَا الْقَیْدِ، یہاں سے وہی بات بیان کر رہے ہیں جو میں نے کل بھی ذکر کی تھی، میں نے بتایا تھا ایک ہیں صاحبِ مفصل علامہ زمخشری جس سے صاحبِ کافیہ نے اپنی کتاب کافیہ اخذ کی ہے۔ صاحبِ مفصل جو ہیں وہ فاعل اور نائب فاعل میں کوئی فرق نہیں کرتے، وہ نائب فاعل کو بھی فاعل کے ساتھ ہی شمار کرتے ہیں۔ توجہ ہے؟ وہ نائب فاعل کو بھی فاعل کے ساتھ شمار کرتے ہیں کیونکہ دونوں کی طرف فعل کا اسناد ہوتا ہے، بس صرف اتنا فرق ہے ایک میں ایک پر فعل واقع ہے اور ایک میں فعل ایک کے ساتھ فعل قائم ہے بھئی، تو وہ دونوں کو فاعل کہتے ہیں۔ اسی طرح شیخ عبد القاہر جو ہیں بلاغت کے امام گزرے ہیں وہ بھی دونوں میں کوئی فرق نہیں کرتے وہ بھی فاعل اور نائب فاعل کو اکٹھا ہی شمار کرتے ہیں۔ تو چنانچہ صاحبِ مفصل جو ہیں علامہ زمخشری انہوں نے اپنی کتاب مفصل میں نائب الفاعل کا کوئی الگ باب ذکر ہی نہیں کیا، صاحبِ کافیہ آگے نائب الفاعل کو الگ ذکر کریں گے لیکن صاحبِ مفصل نے اپنی کتاب میں نائب الفاعل یا مَفْعُولُ مَا لَمْ یُسَمَّ فَاعِلُهُ کو الگ ذکر ہی نہیں کیا، نائب فاعل کہہ لو یا مَفْعُولُ مَا لَمْ یُسَمَّ فَاعِلُهُ کہہ لو۔ تو انہوں نے اپنی کتاب کے اندر نائب فاعل کہہ لو یا مَفْعُولُ مَا لَمْ یُسَمَّ فَاعِلُهُ اس کو صاحبِ مفصل نے الگ ذکر ہی نہیں کیا، اس کو انہوں نے فاعل کے ساتھ ہی شمار کیا ہے۔ تو جب علامہ زمخشری کے نزدیک نائب فاعل کہہ لو یا مَفْعُولُ مَا لَمْ یُسَمَّ فَاعِلُهُ کہہ لو اس کو کس کے ساتھ شمار کیا؟ فاعل کے ساتھ، جب فاعل کے ساتھ شمار کیا تو انہوں نے یہ قید بھی نہیں لگائی عَلٰی جِهَةِ قِیَامِهِ بِهِ، یہ قید انہوں نے نہیں لگائی کیونکہ وہ نائب الفاعل کو نکالنا ہی نہیں چاہتے، وہ تو شامل رکھنا چاہتے ہیں فاعل کے ساتھ۔ جبکہ صاحبِ کافیہ کا اپنا مذہب ہے وہ خود بھی بہت بڑے نحوی ہیں، ان کی رائے یہ ہے کہ نائب الفاعل کو الگ شمار کرنا چاہیے۔ چنانچہ صاحبِ کافیہ نے عَلٰی جِهَةِ قِیَامِهِ بِهِ کی قید لگا دی، اس قید کے ذریعے مَفْعُولُ مَا لَمْ یُسَمَّ فَاعِلُهُ نکل گیا یعنی نائب الفاعل نکل گیا۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو صاحبِ کافیہ نے یہ قید لگائی کیونکہ وہ نائب الفاعل کو نکالنا چاہتے تھے، اور صاحبِ مفصل نے نہیں لگائی کیونکہ وہ نہیں نکالنا چاہتے تھے۔

تو کہتے ہیں وَالِاحْتِیَاجُ إِلٰی هٰذَا الْقَیْدِ اور ضرورت جو ہے اس قید کی طرف إِنَّمَا هُوَ عَلٰی مَذْهَبِ مَنْ لَّمْ یَجْعَلْهُ دَاخِلًا فِي الْفَاعِلِ کَالْمُصَنِّفِ رَحِمَهُ اللهُ، کہتے ہیں اس قید کی ضرورت ان کے مذہب پر ہے مَنْ لَّمْ یَجْعَلْهُ دَاخِلًا جنہوں نے مَفْعُولُ مَا لَمْ یُسَمَّ فَاعِلُهُ کو داخل قرار نہیں دیا فِي الْفَاعِلِ کس میں؟ جن علماء نے مَفْعُولُ مَا لَمْ یُسَمَّ فَاعِلُهُ کو فاعل میں داخل قرار نہیں دیا ان کو ضرورت ہے کہ وہ اس طرح کی قید لگائیں تاکہ یہ مَفْعُولُ مَا لَمْ یُسَمَّ فَاعِلُهُ نکل جائے، کَالْمُصَنِّفِ رَحِمَهُ اللهُ جیسے کہ مصنف رحمہ اللہ ان کا بھی یہی مذہب ہے انہوں نے بھی یہ قید اس لیے لگائی تاکہ نائب الفاعل کو نکال دیں۔ وَأَمَّا عَلٰی مَذْهَبِ مَنْ جَعَلَهُ دَاخِلًا فِیهِ اور باقی ان علماء کے مذہب پر جنہوں نے مَفْعُولُ مَا لَمْ یُسَمَّ فِیهِ کو داخل قرار دیا ہے فاعل کے اندر، کَصَاحِبِ الْمُفَصَّلِ جیسے کہ صاحبِ مفصل ہیں، فَلَا حَاجَةَ إِلٰی هٰذَا الْقَیْدِ تو ان کے لیے کوئی حاجت نہیں ہے اس قید کی، بَلْ یَجِبُ أَلَّا یُقَیَّدَ بِهِ بلکہ ان کے نزدیک واجب ہے کہ اس کے ساتھ مقید نہ کریں، ان کے لیے واجب ہے کہ اس قید کے ساتھ مقید نہ کریں کیونکہ یہ قید تو اس کو نکال دے گی اور ان کا مذہب تو کیا ہے کہ مَفْعُولُ مَا لَمْ یُسَمَّ فَاعِلُهُ فاعل کے اندر ہی داخل ہے۔ عبارت سمجھ میں آگئی؟

جی آگے دیکھیے کہتے ہیں مِثْلُ زَیْدٌ فِي قَامَ زَیْدٌ، بھئی پہلے صرف متن متن دیکھیے مِثْلُ قَامَ زَیْدٌ وَزَیْدٌ قَائِمٌ أَبُوهُ۔ عبارت پہ نظر ہے؟ صرف کافیہ کی عبارت دیکھیں متن متن بھئی: مِثْلُ قَامَ زَیْدٌ وَزَیْدٌ قَائِمٌ أَبُوهُ۔ دو مثالیں ذکر کیں صاحبِ کافیہ نے۔ مثال کس کی ذکر کر رہے ہیں؟ فاعل کی، اور فاعل کسے کہتے ہیں؟ جس سے پہلے فعل یا شبہِ فعل آئے اور اس کا اس کی طرف اسناد ہو۔ اور دیکھو قَامَ زَیْدٌ یہ پہلی مثال، اس میں یہ زید کیا ہے؟ فاعل ہے اور اس کی طرف کس کا اسناد ہے؟ قَامَ فعل کا اسناد ہے۔ اور دوسری مثال کیا ذکر کی؟ زَیْدٌ قَائِمٌ أَبُوهُ اس کے اندر فاعل کیا؟ أَبُوهُ فاعل ہے، اور اس أَبُوهُ کی طرف کس چیز کا اسناد ہے؟ فعل کا یا شبہِ فعل کا؟ شبہِ فعل یعنی قَائِمٌ کا اسناد...

...اسناد ہے، تو فاعل کی دو مثالیں ذکر کر دیں صاحبِ کافیہ نے: ایک وہ فاعل جس کی طرف فعل کا اسناد ہے اور ایک وہ فاعل جس کی طرف شبہِ فعل کا اسناد ہے۔

اب دیکھیے پھر عبارت متن متن دیکھیے مِثْلُ قَامَ زَیْدٌ جیسے کہ قَامَ زَیْدٌ ہے، جیسے کہ... بات کس کی چل رہی ہے؟ فاعل کی، اور مثال بھی کس کی ذکر کر رہے ہیں؟ فاعل کی، اور صاحبِ کافیہ نے صرف اتنا فرمایا مِثْلُ قَامَ زَیْدٌ جیسے قَامَ زَیْدٌ ہے، جیسے کہ قَامَ زَیْدٌ ہے۔ قَامَ زَیْدٌ یہ سارا فاعل ہے؟ یہ ساری فاعل کی مثال ہے یا اس قَامَ زَیْدٌ کے اندر صرف زَیْدٌ فاعل ہے؟ صرف زَیْدٌ فاعل ہے۔ دیکھو صاحبِ کافیہ نے تفصیل نہیں بیان کی، وہ مثال دینا چاہتے ہیں فاعل کی تو کہنا یوں چاہیے تھا کہ جیسے زَیْدٌ ہے قَامَ زَیْدٌ کے اندر، جیسے کہ زَیْدٌ کا لفظ وہ فاعل بن رہا ہے کس کے اندر؟ قَامَ زَیْدٌ، لیکن صاحبِ کافیہ کے پاس الفاظ تھوڑے ہوتے ہیں انہوں نے صرف کیا کہہ دیا مِثْلُ قَامَ زَیْدٌ جیسے کہ قَامَ زَیْدٌ ہے، باقی پڑھنے والا خود سمجھ جائے گا کہ یہ قَامَ زَیْدٌ سارا فاعل نہیں ہے بلکہ قَامَ فعل ہے اور زَیْدٌ فاعل ہے۔ اسی طرح اگلے میں بھی ہے زَیْدٌ قَائِمٌ أَبُوهُ یہ سارا فاعل نہیں ہے زَیْدٌ قَائِمٌ أَبُوهُ بلکہ اس کے اندر صرف أَبُوهُ فاعل بن رہا ہے۔ تو صاحبِ کافیہ نے تفصیل ذکر نہیں کی کیونکہ پڑھنے

والا خود سمجھ جاتا ہے، لیکن صاحبِ جامی آپ کو بتلائیں گے کہ قَامَ زَيْدٌ سارا فاعل نہیں ہے یہ سارا فاعل کی مثال نہیں ہے بلکہ اس کے اندر صرف زَيْدٌ جو ہے وہ فاعل کی مثال ہے۔ تو چنانچہ فرماتے ہیں مِثْلُ زَيْدٌ فِي قَامَ زَيْدٌ، دیکھو صاحبِ جامی نے زَيْدٌ فِي کی عبارت درمیان میں نکال دی۔ تو کہتے ہیں مِثْلُ جیسے کہ زَيْدٌ ہے فِي قَامَ زَيْدٌ، قَامَ زَيْدٌ کے اندر، فَهٰذَا مِثَالٌ لِّمَا أُسْنِدَ إِلَيْهِ الْفِعْلُ یہ مثال ہے اس فاعل کی جس کی طرف فعل کا اسناد ہے، وَمِثْلُ أَبُوهُ اور جیسے أَبُوهُ کا لفظ ہے فِي اس جملے کے اندر زَيْدٌ قَائِمٌ أَبُوهُ اس کے اندر جو أَبُوهُ کا لفظ...

...ہے یہ، یہ فاعل ہے۔ تو کہتے ہیں فَهٰذَا مِثَالٌ لِّمَا أُسْنِدَ إِلَيْهِ شِبْهُ الْفِعْلِ یہ مثال ہے اس فاعل کی جس کی طرف شبہِ فعل کا اسناد ہے، یہاں تک بات سمجھ میں آگئی۔

وَالأَصْلُ فِي الْفَاعِلِ أَيْ مَا يَنْبَغِي أَنْ يَّكُونَ الْفَاعِلُ عَلَيْهِ إِنْ لَّمْ يَمْنَعْ مَانِعٌ. جی اب یہاں آگے الگ بات صاحبِ کافیہ بیان کریں گے، صرف متن متن دیکھیے: کہتے ہیں وَالأَصْلُ أَنْ يَّلِيَ الْفِعْلَ، فَلِذٰلِكَ جَازَ ضَرَبَ غُلَامَهُ زَيْدٌ، وَامْتَنَعَ ضَرَبَ غُلَامُهُ زَيْدًا. یاد رکھو، اصل یہ ہے کہ فعل کے فوراً بعد فاعل کو آنا چاہیے۔ فاعل کے بغیر فعل کبھی نہیں رہ سکتا، فعل جب بھی آئے گا ہمیشہ فاعل کا تقاضا کرے گا، فعلِ معروف، فعلِ مجہول ہوگا تو وہ نائب الفاعل کا تقاضا کرے گا، تو یہاں ہم صرف فاعل کی بات کر رہے ہیں تو صرف فعلِ معروف کی بات کریں گے۔ تو فعلِ معروف کے فوراً بعد کون آتا ہے؟ فاعل۔ دیکھو یاد رکھو باقی جو فعل کے معمولات ہوتے ہیں مفعولِ بہ ہے، مفعولِ مطلق ہے، مفعولِ لہ، حال وغیرہ اور چیزوں کو آپ ذکر کریں یا نہ کریں لیکن فعل کے بعد فاعل کو ذکر کرنا ضروری ہے، فعل کبھی بھی بغیر فاعل کے نہیں آسکتا۔ تو فعل کے ساتھ فاعل کا بڑا گہرا تعلق ہے، حتی کہ یہ فاعل فعل کے لیے جز کی مانند ہے، یہ فاعل جو ہے فعل کے لیے جز کی مانند ہے کہ یہ اسی کا ایک جز ہے، اسی کا ایک ٹکڑا ہے، اسی کا ایک حصہ ہے بھئی۔ تو فعل جب بھی آتا ہے فعلِ معروف وہ ہمیشہ کس کا تقاضا کرتا ہے؟ فاعل کا، تو فعل کے فوراً بعد فاعل کا درجہ اور مقام ہے، فعل کے فوراً بعد فاعل کو آنا چاہیے اور باقی معمولات بعد میں آنے چاہئیں۔

اسی لیے کہتے ہیں جَازَ یہ ترکیب تو جائز ہے ضَرَبَ غُلَامَهُ زَيْدٌ، اور یہ ترکیب ممتنع ہے ضَرَبَ غُلَامُهُ زَيْدًا. دیکھو یہ ترکیب، یہ ترکیب جائز ہے ضَرَبَ غُلَامَهُ زَيْدٌ. ترکیب سنو بھئی: ضَرَبَ فعل، غُلَامَ... توجہ ہے؟ ضَرَبَ غُلَامَهُ زَيْدٌ، ضَرَبَ فعل، غُلَامَ منصوب لفظاً مضاف، منصوب کیوں؟ بھئی میں نصب پڑھ رہا ہوں نصب سے ہی آپ کو پتہ چل گیا کہ یہ مفعولِ بہ بن رہا ہے، اور آگے زَيْدٌ پر میں نے رفع پڑھا اور میں نے آپ کو بتایا تھا فاعل ہمیشہ کیا ہوتا ہے؟ مرفوع، تو اس سے آپ کو پتہ چل گیا کہ زید فاعل ہے۔ اب ترکیب سنو: ضَرَبَ فعل، غُلَامَهُ میں غُلَام منصوب لفظاً مضاف، منصوب کیوں؟ مفعولِ بہ ہے، لفظاً کیوں؟ کیونکہ اس کے نصب پر ہم تلفظ کر رہے ہیں غُلَامَهُ، جی، اور مضاف آپ کو کیسے پتہ چلا یہ مضاف ہے؟ کہ جس اسم کے ساتھ بھی ضمیرِ متصل آجائے تو وہ آپس میں مضاف مضاف الیہ بنتے ہیں، تو غُلَامَ منصوب لفظاً مضاف، ہا ضمیر

مجرور محلاً مضاف الیہ، مجرور کیوں؟ کیونکہ یہ مضاف الیہ ہے اور مضاف الیہ مجرور ہوتا ہے، محلاً کیوں؟ کیونکہ یہ مبنی ہے ضمیر ہے، آپ کا ایک ساتھی آپ کو کہتا ہے کہ نہیں بھئی غُلَامَہٗ اس ہا ضمیر پر تو میں ضمہ پڑھ رہا ہوں رفع پڑھ رہا ہوں یہ تو مرفوع ہے اور یہ مجرور نہیں، تو آپ جواب میں کیا کہیں گے؟ کہ یہ اس کی حرکت ہے یہ تو ضمیر ہے ضمیر پر تو رفع ظاہر نہیں ہوتا، یہ اس کی حرکت ہے اور یہ اصل میں مضاف الیہ ہے مجرور ہے اور مجرور بھی کون سا؟ محلاً کیونکہ مبنی ہے، تو غُلَامَہٗ یہ مضاف اپنے مضاف الیہ سے مل کر یہ مفعولِ بہ ہوا کس کے لیے؟ ضَرَبَ کے لیے، اور زَیْدٌ یہ مرفوع لفظاً ہے ضَرَبَ کے لیے فاعل۔

اشکال یہاں یہ ہوتا ہے سنو کہ غُلَامَہٗ یہ غُلَامَہٗ کی ہا ضمیر زید کو راجع ہے، اس کا غلام، کس کا غلام؟ زید کا غلام۔ ترجمہ سمجھ میں آرہا ہے؟ ضَرَبَ غُلَامَہٗ پٹائی کی غُلَامَہٗ زَیْدٌ، کس نے پٹائی کی؟ زید نے، اور کس کی پٹائی کی؟ ہاں غُلَامَہٗ کی ہا ضمیر زید کو راجع ہے تو اس کے غلام یوں ترجمہ نہ کریں، اپنے غلام کی۔ ضَرَبَ غُلَامَہٗ زَیْدٌ زید نے اپنے غلام کی پٹائی کی، ترجمہ سمجھ میں آیا؟ اب دیکھو غُلَامَہٗ کی ہا ضمیر زید کو راجع ہے۔ اشکال ہوتا ہے کہ یہ تو ضمیر پہلے آگئی اور زید جو مرجع ہے وہ بعد میں آیا۔ یاد رکھو پہلے مرجع آتا ہے اس کے بعد ضمیر آتی ہے لیکن یہاں دیکھو غُلَامَہٗ میں ہا ضمیر پہلے ہے اور زید جو مرجع ہے وہ بعد میں ہے۔ اشکال سمجھ میں آرہا ہے؟ تو یہ تو اضمار قبل الذکر لازم آیا، تو یاد رکھنا کہ یہ جائز ہے۔ یہ... بھئی کیسے جائز ہے؟ بھئی یاد رکھو زید فاعل ہے اور فعل کے فوراً بعد کس کا درجہ ہوتا ہے؟ فاعل۔ تو زید دیکھنے میں تو غُلَامَہٗ کے بعد ہے لیکن حقیقت میں اور تقدیراً جو ہے یہ غُلَامَہٗ سے پہلے ہے، گویا عبارت اصل میں یوں ہے ضَرَبَ زَیْدٌ غُلَامَہٗ، ضَرَبَ زَیْدٌ غُلَامَہٗ۔ تو زید لفظوں میں تو مؤخر ہے لیکن رتبے کے اعتبار سے مقدم ہے۔ توجہ ہے؟ تو غُلَامَہٗ کی ہا ضمیر کس کو راجع؟ زید کو، اور زید لفظوں میں تو مؤخر ہے لیکن رتبے کے اعتبار سے مقدم ہے اور یہ جائز ہے۔ یہاں پر اضمار قبل الذکر صرف لفظاً ہے رتبتاً نہیں، اگر لفظاً بھی اضمار قبل الذکر ہوتا رتبتاً بھی ہوتا پھر جائز نہیں ہونا تھا۔ غُلَامَہٗ کی ہا ضمیر کس کو راجع؟ زید کو، زید لفظوں میں تو مؤخر ہے لیکن رتبے کے اعتبار سے مقدم ہے، کیوں مقدم ہے؟ کیونکہ یہ فاعل ہے اور فعل کے فوراً بعد کس کا درجہ ہوتا ہے؟ فاعل کا، تو لفظوں میں زید غُلَامَہٗ کے بعد ہے لیکن تقدیراً زید کیا ہے؟ غُلَامَہٗ سے پہلے ہے فعل کے فوراً بعد ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو ضَرَبَ غُلَامَہٗ زَیْدٌ یہ ترکیب جائز ہے کیونکہ اس کے اندر اضمار قبل الذکر لفظاً تو ہے لیکن رتبتاً نہیں اور یہ جائز ہے۔ ہاں اگر اضمار قبل الذکر لفظاً بھی ہوتا رتبتاً بھی ہوتا پھر جائز نہ ہوتا، جیسے اگلی ترکیب میں ہے دیکھیے اگلی ترکیب بھئی۔

کہتے ہیں وَامْتَنَعَ اور یہ ترکیب ممتنع ہے ضَرَبَ غُلَامُہٗ زَیْدًا، یہ ترکیب ممتنع ہے، کیوں؟ دیکھو ضَرَبَ ہے فعل اور غُلَامُہٗ یہ کیا بن رہا ہے؟ فاعل، اور زَیْدًا مفعول ہے، اور غُلَامُہٗ کی ہا ضمیر کس کو راجع؟ زید کو راجع ہے، اور زید لفظوں میں مؤخر ہے اور نیز زید رتبے میں بھی مؤخر ہے کیونکہ مفعول بن رہا ہے، اور غُلَامُہٗ فاعل بن رہا ہے اور فاعل کا رتبہ مقدم ہوتا ہے اور مفعول کا رتبہ مؤخر ہوتا ہے، تو غُلَامُہٗ کی ہا ضمیر اس زید کی طرف راجع ہو رہی ہے جو لفظوں میں بھی مؤخر اور رتبے کے اعتبار سے بھی مؤخر ہے اور یہ جائز نہیں ہے۔ اضمار قبل الذکر صرف لفظاً ہو پھر تو جائز ہے، لفظاً اور رتبتاً دونوں اعتبار سے

اضمار قبل الذکر ہو یہ جائز نہیں، اور یہاں پر یہ غُلَامُهُ کی ہا ضمیر کس کو راجع؟ زید، اور زید لفظوں میں بھی مؤخر اور رتبے کے اعتبار سے بھی مؤخر ہے کیونکہ مفعولِ بہ بن رہا ہے بھئی، اور غُلَامُهُ کیا بن رہا ہے؟ فاعل اور فاعل پہلے ہوتا ہے اور مفعول بعد میں، تو رتبہ بھی زید کا مؤخر اور لفظوں میں بھی مؤخر، تو یہ اضمار قبل الذکر لفظاً بھی ہے اور رتبتاً بھی ہے اور یہ جائز نہیں ہے۔ بات سمجھ میں آگئی اچھی طرح؟ تو معلوم ہوا ضَرَبَ غُلَامُهُ زَيْدًا یہ ترکیب ممتنع ہے۔ صاحبِ کافیہ کیا فرماتے ہیں؟ وَامْتَنَعَ ضَرَبَ غُلَامُهُ زَيْدًا اور ممتنع ہے یعنی یہ ترکیب جائز نہیں، کون سی ترکیب؟ ضَرَبَ غُلَامُهُ زَيْدًا۔ اب آپ سے کوئی پوچھے کہ بھئی اس جملے کی ترکیب کرو ضَرَبَ غُلَامُهُ زَيْدًا، تو آپ ترکیب نہ شروع کر دینا، آپ فوراً اس کو کہیں اس جملے کی ترکیب جائز نہیں، یہ عربی اعتبار سے جملہ ہی غلط ہے تو اس کی ترکیب بھی نہیں ہو سکتی۔ ویسے سمجھانے کے لیے آپ کچھ بیان کریں وہ الگ ہے لیکن جو جملہ عربی گرامر کے اعتبار سے عربی قوانین کے اعتبار سے جو جملہ غلط ہے اس کی ترکیب بھی نہیں کریں گے، مختصراً جواب آپ دے دیں گے کہ بھئی یہ جملہ جائز ہی نہیں عربی اعتبار سے یہ صحیح ہی نہیں ہے، بات سمجھ میں آگئی۔

اب ذرا متن متن کا ترجمہ پہلے دیکھ لو: کہتے ہیں وَالأَصْلُ اور اصل فاعل کے اندر یہ ہے أَنْ يَّلِيَ الْفِعْلَ، وَلِيَ يَلِي کا معنی ہے قریب ہونا یا ساتھ ملا ہوا ہونا، جڑا ہوا ہونا، اور اصل فاعل میں یہ ہے أَنْ يَّلِيَ الْفِعْلَ کہ وہ فعل کے ساتھ جڑا ہوا ہو وہ فعل کے قریب ہو۔ فَلِذٰلِكَ اسی وجہ سے جَازَ ضَرَبَ غُلَامَهُ زَيْدٌ یہ ترکیب جائز ہے ضَرَبَ غُلَامَهُ زَيْدٌ، وَامْتَنَعَ ضَرَبَ غُلَامُهُ زَيْدًا اور یہ ترکیب ممتنع ہے ضَرَبَ غُلَامُهُ زَيْدًا، یہ ترکیب ممتنع ہے۔

اب آئیے شرح کے ساتھ اس کو حل کریں۔ کہتے ہیں وَالأَصْلُ فِي الْفَاعِلِ اور اصل جو ہے فاعل میں أَيْ مَا يَنْبَغِي أَنْ يَّكُونَ الْفَاعِلُ عَلَيْهِ إِنْ لَّمْ يَمْنَعْ مَانِعٌ۔ بھئی اصل کا کیا معنی؟ اصل یہ ہے کہ فاعل فعل کے ساتھ جڑا ہوا ہو، فاعل فعل کے قریب ہو۔ اصل کا کیا معنی؟ اصل تو عربی زبان میں اصل تو کہتے ہیں کسی چیز کی جڑ اور بنیاد بھئی، کسی چیز کی جڑ اور بنیاد کو اصل کہتے ہیں، جیسے آپ مکان بناتے ہیں تو پہلے بنیادیں بناتے ہیں، اگر بنیادیں مضبوط ہوں گی تو مکان بھی مضبوط ہوگا تو بنیاد کو بھی کیا کہتے ہیں؟ اصل۔ اسی طرح درخت کی بنیاد کس پر ہوتی ہے؟ تنے اور جڑوں پر، تو یہ جو جڑیں اور تنا ہے یہ درخت کی اصل ہے اس پر پورے درخت کی بنیاد ہے بھئی۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو عربی زبان میں اصل کسے کہتے ہیں؟ بنیاد کو۔ اسی طرح اصل کا لفظ قانون اور ضابطے کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے کہ اصل یہ ہے، قانون یہ ہے بھئی، توجہ ہے؟ تو یہاں بھی اصل کا لفظ آیا، یہاں اصل کا کیا معنی ہے؟ تو صاحبِ جامی آپ کو بتلا رہے ہیں کہ یہاں اصل نہ بنیاد کے معنی میں ہے نہ یہ قانون کے معنی میں ہے، یہاں اصل کا معنی ہے مناسب، اصل کا کیا معنی ہے؟ مناسب، کہ مناسب یہ ہے فعل کے ساتھ کس کو ہونا چاہیے؟ فاعل کو ہونا چاہیے، فاعل اس کے قریب ہو۔ تو کہتے ہیں وَالأَصْلُ فِي الْفَاعِلِ اور اصل فاعل میں أَيْ مَا يَنْبَغِي یعنی وہ جو مناسب ہے، أَيْ مَا يَنْبَغِي یہ کس کا معنی کر رہے ہیں؟ اصل کا۔ اصل کا کیا معنی؟

مَا يَنْبَغِي وہ چیز جو مناسب، یعنی وہ جو مناسب ہے کہ أَنْ يَّكُونَ الْفَاعِلُ عَلَيْهِ کہ فاعل اس حالت پر ہو إِنْ لَّمْ يَمْنَعْ مَانِعٌ اگر کوئی مانع نہ ہو۔ بھئی فعل کے فوراً بعد کس کو آنا چاہیے؟ فاعل کو، لیکن کیا ضروری؟ کوئی مانع نہیں ہونا چاہیے، کبھی کوئی مانع آجائے پھر الگ بات ہے بھئی ہم مانع کی بات نہیں کر رہے۔ توجہ ہے؟ مثلاً ضَرَبَ زَيْدٌ عَمْرًا، ضَرَبَ فعل، زَيْدٌ فاعل اور عَمْرًا مفعول، یہاں میں نے عَمْرًا کو مفعول بنایا۔ توجہ ہے؟ کبھی میں کاف ضمیر کو مفعول بنانا چاہوں گا، تو یوں کہوں گا ضَرَبَكَ زَيْدٌ، کیا کہوں گا؟ بھئی ضَرَبَ زَيْدٌ عَمْرًا، زَيْدٌ تھا فاعل اور عَمْرًا تھا مفعول، دونوں اسمِ ظاہر ہیں تو میں نے فاعل کو مقدم کر دیا اور مفعول کو مؤخر کر دیا۔ لیکن اگر میں کاف ضمیر کو مفعول بنانا چاہتا ہوں، میں یہ بتلانا چاہتا ہوں کہ زید نے آپ کی پٹائی کی ہے عمر کی نہیں کی بلکہ آپ کی کی ہے، اب کاف ضمیرِ متصل ہے وہ تو ضَرَبَ کے ساتھ اتصال چاہتی ہے، میں ضمیرِ متصل لانا چاہتا ہوں نا تو میں کیسے کہوں گا؟ ضَرَبَكَ زَيْدٌ، ضَرَبَكَ... اب دیکھو اب آپ کہیں گے کہ ضَرَبَ فعل، کاف ضمیر اس کے ساتھ مفعولِ بہ کی آگئی یہ منصوب محلاً ہے اور زَيْدٌ فاعل ہے، حالانکہ آپ نے ہمیں بتایا کہ فاعل کیا ہوتا ہے مفعول پر مقدم لیکن یہاں تو مفعول مقدم ہے فاعل پر، تو کیا جواب دیں گے آپ اس کا؟ کہ بھئی یہاں مانع موجود ہے، وہ کاف ضمیر وہ ضمیرِ متصل ہے، اگر ہم اس کو زید کے بعد لے جائیں تو پھر تو وہ متصل نہ رہے گی کیا بن جائے گی؟ منفصل بن جائے گی، لہذا یہاں مجبوراً فاعل کو مؤخر کرنا پڑا کیونکہ مفعول جو ہے وہ ضمیرِ متصل ہے۔ تو اس طرح یا اس طرح کوئی اور، کوئی بھی مانع آجائے ان کی ہم بات نہیں کر رہے، جب کوئی مانع نہ ہو تو مناسب یہ ہے فعل کے فوراً بعد کس کو آنا چاہیے؟ فاعل کو آنا چاہیے۔

یہ معنی ہے أَيْ مَا يَنْبَغِي أَنْ يَّكُونَ الْفَاعِلُ عَلَيْهِ إِنْ لَّمْ يَمْنَعْ مَانِعٌ یعنی وہ حالت کہ مناسب ہے کہ فاعل اس پر ہو اگر کوئی مانع نہ ہو، وہ یہ ہے أَنْ يَّلِيَ الْفِعْلَ کہ وہ فاعل قریب ہو فعل کے یا ملا ہوا ہو فعل کے ساتھ، أَنْ يَّلِيَ الْفِعْلَ، آگے دیکھیے الْمُسْنَدَ إِلَيْهِ، الْمُسْنَدَ إِلَيْهِ، بھئی اس کو ذرا سمجھ لیں بھئی، مسند الیہ کس کو کہتے ہیں؟ مسند الیہ جس کی طرف اسناد کیا جائے اور جس کا اسناد کیا جائے اس کو کیا کہتے ہیں؟ مسند، لیکن یہاں جب مسند الیہ لائے صاحبِ جامی اس سے یہ فعل مراد ہے، کیا مراد ہے؟ اور فعل مسند ہوتا ہے یا مسند الیہ ہوتا ہے؟ مسند ہوتا ہے یعنی مسندِ بہ ہوتا ہے۔ تو کیسے؟ دیکھو لفظی ترجمہ کرو پھر عبارت بہترین بن جائے گی: کہتے ہیں اصل یہ ہے أَنْ يَّلِيَ الْفِعْلَ...

...کہ وہ فاعل ملا ہوا ہو، جڑا ہوا ہو الْفِعْلَ، الْفِعْلَ موصوف اور الْمُسْنَدَ إِلَيْهِ اس کی صفت، کہ فاعل جڑا ہوا ہو الْفِعْلَ اس فعل کے ساتھ الْمُسْنَدَ إِلَيْهِ جس کا اسناد کیا گیا ہے اس فاعل کی طرف۔ وہ فعل جس کا اس فاعل کی طرف اسناد کیا گیا ہے فاعل اس فعل کے ساتھ ملا ہوا ہو جڑا ہوا ہو۔

آگے مزید تفسیر کر رہے ہیں أَنْ يَّكُونَ بَعْدَهُ یعنی وہ فاعل اس فعل کے بعد ہو مِنْ غَيْرِ أَنْ يَّتَقَدَّمَ عَلَيْهِ شَيْءٌ آخَرُ مِنْ مَّعْمُولَاتِهِ بغیر اس کے کہ اس پر کوئی اور چیز مقدم ہو جائے اس فعل کے معمولات میں سے۔ توجہ ہے؟ فعل کے بعد فاعل

کو آنا چاہیے یعنی فعل کے اور جو معمولات ہیں جن میں وہ عمل کر رہا ہے یعنی مفعولِ بہ ہے، مفعولِ مطلق ہے، مفعولِ لہ، حال وغیرہ یہ چیزیں، ان میں سب میں سے مقدم کس کو ہونا چاہیے؟ فاعل کو مقدم ہونا چاہیے، کوئی اور چیز فاعل پر مقدم نہیں ہونی چاہیے اصل یہ ہے۔ تو کہتے ہیں أَنْ يَّكُونَ بَعْدَهُ یعنی اس فعل کے بعد وہ فاعل ہونا چاہیے مِنْ غَيْرِ أَنْ يَّتَقَدَّمَ عَلَيْهِ شَيْءٌ آخَرُ مِنْ مَّعْمُولَاتِهِ بغیر اس کے کہ اس فاعل پر کوئی اور چیز مقدم ہو جائے اس فعل کے معمولات میں سے، لِأَنَّهُ كَالْجُزْءِ مِنَ الْفِعْلِ اس لیے کیونکہ فاعل جو ہوتا ہے وہ فعل کے لیے جز کی طرح ہوتا ہے لِشِدَّةِ احْتِيَاجِ الْفِعْلِ إِلَيْهِ بوجہ فعل کی اس کی طرف شدتِ احتیاج ہونے کے۔ فعل فاعل کا شدید محتاج ہے، فعل کے آتے ہی آپ نے فوراً کس کو دیکھنا ہے؟ فاعل کو دیکھنا ہے، فاعل تلاش کرنا ہے، تو فعل فاعل کا شدید محتاج ہے، بات سمجھ میں آگئی۔ تو کہتے ہیں لِأَنَّهُ كَالْجُزْءِ مِنَ الْفِعْلِ اس لیے کیونکہ فاعل جو ہے فعل کے لیے جز کی طرح ہے لِشِدَّةِ احْتِيَاجِ الْفِعْلِ إِلَيْهِ اس وجہ سے کہ فعل اس فاعل کی طرف شدید محتاج ہے۔

وَيَدُلُّ عَلٰى ذٰلِكَ اور اس پر یہ بات بھی دلالت کرتی ہے، کون سی بات؟ إِسْكَانُ اللَّامِ فِي ضَرَبْتُ لِأَنَّهُ لِدَفْعِ تَوَالِي أَرْبَعِ حَرَكَاتٍ فِيمَا هُوَ بِمَنْزِلَةِ كَلِمَةٍ وَّاحِدَةٍ۔ بھئی یاد رکھو کلامِ عرب کے اندر ایک ہی لفظ کے اندر چار مسلسل حرکتیں نہیں ہوتیں، کلامِ عرب میں ایک ہی لفظ کے اندر چار مسلسل حرکتیں نہیں ہوتیں۔ وجہ یہ کہ چار مسلسل حرکتوں سے بے انتہا ثقل پیدا ہوتا ہے، اس لیے جب بھی کوئی کلامِ عرب کا آپ لفظ اٹھائیں گے آپ دیکھیں گے اس میں کہ چار مسلسل حرکتیں نہیں ہوں گی بلکہ درمیان میں کوئی نہ کوئی ساکن ہوگا ایک یا دو یا زیادہ، بات سمجھ میں آرہی ہے؟ جیسے أَكْرَمَ، أَكْرَمَ میں کتنے حروف؟ چار، اور دیکھو کاف ساکن ہے، اگر کاف ساکن نہ ہوتا اس پر بھی زبر پڑھتے آپ أَكَرَمَ دیکھو کتنا ثقیل بن جاتا۔ دَحْرَجَ، دَحْرَجَ میں کتنے حروف؟ چار، اور دیکھو چار میں سے حا جو ہے دوسرے نمبر پر اس کو ساکن رکھا ہے، دَحْرَجَ، اگر حا پر بھی زبر ہوتا کوئی حرکت ہوتی دَحَرَجَ دیکھو یہ کتنا ثقیل بن جاتا۔ تو کلامِ عرب میں ایک کلمے کے اندر چار حرکتیں مسلسل ثقیل ہوتی ہیں بے انتہا ثقیل، بات سمجھ میں آگئی؟ لہذا چار مسلسل حرکتیں نہیں ہوتیں۔ تو یہاں پر بھی دیکھو ضَرَبْتَ، ضَرَبْتَ، ضَرَبْتِ، ضَرَبْتُ، دیکھو تین صیغے ہیں تا پر پیش بھی پڑھ سکتے ہیں زبر بھی زیر بھی: ضَرَبْتَ یہ مخاطب کا صیغہ ہے، ضَرَبْتُ یہ متکلم کا صیغہ ہے، ضَرَبْتِ یہ واحد مؤنث کا صیغہ ہے۔ اب دیکھو یہ تا ضمیر آکر جڑی ہے کس کے ساتھ؟ پہلا صیغہ کیا تھا؟ ضَرَبَ۔ اس ضَرَبَ کے ساتھ تا ضمیر آکر جڑ گئی تو پڑھنا تو یوں چاہیے تھا ضَرَبَتَ یا ضَرَبَتُ یا ضَرَبَتِ، لیکن یہ ضمیر یہ فاعل ہے یہ ضمیر، اور فاعل کس کی طرح ہوتا ہے؟ جز کی طرح، جب یہ جز کی طرح ہے تو لہذا یہ گویا ایک ہی کلمہ ہوا، اور جب ایک ہی کلمہ ہوا تو اب چار حرکتیں اکٹھی ہوں گی تو بے انتہا ثقل پیدا ہو جائے گا، لہذا اس لیے پھر ضَرَبَ کی با کو ساکن کر دیا گیا اور کیا پڑھتے ہیں؟ ضَرَبْتُ، ضَرَبْتَ، ضَرَبْتِ۔ تو یہ با کو کیوں ساکن کیا گیا؟ کیونکہ یہ فاعل اس کے لیے جز کی طرح ہے۔ بھئی دیکھو ایک کلمے میں چار

حرکتیں اکٹھی ہوں تو ثقیل ہیں، دو کلموں میں ہوں تو پھر کوئی حرج نہیں ہے بھئی۔ مثلاً میں پڑھتا ہوں أَكْرَمَ وَأَخْرَجَ، أَكْرَمَ وَأَخْرَجَ، جی أَكْرَمَ کی را بھی را پر بھی فتحہ، میم پر بھی آخر میں فتحہ، آگے واو آیا اس پر بھی فتحہ، اور أَخْرَجَ کے ہمزہ پر بھی فتحہ، تو چار مسلسل حرکتیں آگئیں یا نہیں آگئیں؟ لیکن کیا ایک کلمے میں ہیں یا الگ الگ کلموں میں ہیں؟ الگ الگ کلموں میں، الگ الگ کلموں میں حرکتیں مسلسل آسکتی ہیں وہ اکٹھی ہو سکتی ہیں، لیکن ایک ہی کلمے میں چار حرکتیں نہیں آتیں اس سے کلمے میں بے انتہا ثقل پیدا ہو جاتا ہے۔ تو یہاں پر بھی ضَرَبَ یہ فعل ہے اس کے ساتھ تا ضمیر جڑی، فعل الگ ہے تا ضمیر الگ ہے لہذا اس کو اسی طرح رہنا چاہیے تھا ضَرَبَتَ رہنا چاہیے تھا، لیکن ہم نے آپ کو بتا دیا کہ فاعل جو ہے فعل کے لیے جز کی طرح ہوتا ہے فعل فاعل کا شدید محتاج ہوتا ہے، تو یہ تا اگرچہ الگ کلمہ ہے لیکن یہ کس کی طرح ہے؟ جز کی طرح، جب جز کی طرح ہوا تو اب ضَرَبَتَ اب ثقل آرہا تھا تو پھر با کو کیا کر دیا؟ ساکن۔ بات سمجھ میں آگئی؟ یہ بھی اس بات کی دلیل ہے یہ با کا ساکن کرنا یہ اس بات کی دلیل ہے کہ فاعل فعل کے لیے جز کی طرح ہوتا ہے۔ اگر یہ کلمے کے جز کی طرح نہ ہوتا تو پھر اس کو ساکن نہ کیا جاتا بھئی، جیسے ضَرَبَكَ، ضَرَبَكَ اب دیکھو ضَرَبَ کے ساتھ کاف ضمیر مفعول کی جڑی ہے اور پہلے کیا جڑی تھی؟ ضَرَبْتَ تا ضمیر فاعل والی جڑی تھی۔ جب فاعل والی ضمیر جڑی تھی تو وہ جز کی طرح تھی اس لیے ضَرَبْتَ کی با کو کیا کر دیا؟ ساکن کیونکہ چار مسلسل حرکتیں ثقیل ہیں، اور ضَرَبَكَ اس کے اندر یہ جو کاف ضمیر جڑی ہے یہ مفعول کی جڑی ہے اور مفعول تو فضلہ ہے فعل تو اس کا محتاج نہیں اس کے بغیر بھی فعل فاعل کے ساتھ مل کر کلام پورا کر دیتا ہے، تو لہذا اس لیے ضَرَبَكَ اس کے اندر جو با ہے اس کو ساکن نہیں کیا گیا کیونکہ یہ مفعول جو ہے یہ جزِ کلمہ کی طرح نہیں۔ بات سمجھ میں آگئی؟

تو کہتے ہیں وَيَدُلُّ عَلٰى ذٰلِكَ اور اس پر یہ بات دلالت کرتی ہے، کس پر؟ کہ فاعل فعل کا جز ہوتا ہے اس پر یہ بات بھی دلالت کرتی ہے، کیا بات؟ إِسْكَانُ اللَّامِ فِي ضَرَبْتُ لام کو ساکن کرنا، لام؟ ضَرَبَ بر وزنِ فَعَلَ تو یہ جو با ہے نا با یہ لام کلمہ ہے، یہ لام ہے بھئی۔ تو یہ إِسْكَانُ اللَّامِ فِي ضَرَبْتُ لام کو ساکن کرنا ضَرَبْتُ، ضَرَبْتَ، ضَرَبْتِ ان صیغوں کے اندر بھئی یہ تینوں طرح آپ پڑھ سکتے ہیں۔ لِأَنَّهُ لِدَفْعِ تَوَالِي أَرْبَعِ حَرَكَاتٍ، لِأَنَّهُ اس لیے کیونکہ یہ جو لام کو ساکن کیا گیا یہ کس لیے کیا گیا؟ لِدَفْعِ تَوَالِي، تَوَالِي کا معنی مسلسل، لِدَفْعِ تَوَالِي دفع کا معنی ہے دور کرنا، ختم کرنا، لِدَفْعِ تَوَالِي أَرْبَعِ حَرَكَاتٍ چار مسلسل حرکتوں کو دور کرنے کے لیے، یہ جو لام کو ساکن کیا گیا یہ کس لیے کیا گیا؟ چار مسلسل حرکتوں کو دور کرنے کے لیے فِيمَا اس لفظ کے اندر هُوَ بِمَنْزِلَةِ كَلِمَةٍ وَّاحِدَةٍ جو ایک ہی کلمے کے درجے میں ہے۔ حقیقت میں تو ایک کلمہ نہیں لیکن ایک ہی کلمے کے درجے میں ہے تو اس کے اندر لام کو جو ساکن کیا گیا یہ اس بات کی دلیل ہے کہ فاعل جو ہوتا ہے وہ فعل کے لیے جز کے درجے میں ہوتا ہے۔ دوبارہ ترجمہ دیکھ لیں: کہتے ہیں وَيَدُلُّ عَلٰى ذٰلِكَ اور فاعل کا فعل کے لیے جز ہونے پر یہ بات بھی دلالت کرتی ہے إِسْكَانُ اللَّامِ فِي ضَرَبْتُ یہ جو لام کا ساکن کرنا ہے ضَرَبْتُ، ضَرَبْتَ اور ضَرَبْتِ میں لِأَنَّهُ لِدَفْعِ تَوَالِي أَرْبَعِ حَرَكَاتٍ

اس لیے کیونکہ اس لام کو چار مسلسل حرکتوں کو دور کرنے کے لیے ساکن کیا گیا ہے فِیمَا اس لفظ کے اندر هُوَ بِمَنْزِلَةِ كَلِمَةٍ وَّاحِدَةٍ جو ایک ہی کلمے کے درجے میں ہے۔

فَلِذٰلِكَ اور اسی وجہ سے اور... اسی کس وجہ سے؟ یہ جو ہم نے اصل بیان کر دی کہ فعل کے فوراً بعد کس کو آنا چاہیے؟ فاعل۔ کہتے ہیں فَلِذٰلِكَ أَيِ الأَصْلِ الَّذِي يَقْتَضِي تَقَدُّمَ الْفَاعِلِ عَلٰى سَائِرِ مَعْمُولَاتِ الْفِعْلِ اور اسی اصل کی وجہ سے جو تقاضا کرتی ہے، کیا تقاضا کرتی ہے؟ تَقَدُّمَ الْفَاعِلِ کہ فاعل کو مقدم ہونا چاہیے عَلٰى سَائِرِ مَعْمُولَاتِ الْفِعْلِ فعل کے باقی معمولات پر، سَائِر بمعنی باقی کے ہے، فعل کے باقی معمولات پر فاعل کو مقدم ہونا چاہیے اسی اصل کی وجہ سے جَازَ یہ ترکیب جائز ہے ضَرَبَ غُلَامَهُ زَيْدٌ۔ ادھر دیکھیے ضَرَبَ غُلَامَهُ زَيْدٌ یہ ترکیب کیوں جائز حالانکہ غُلَامَهُ کی ہا ضمیر پہلے ہے اور زید بعد میں؟ تو کیا جواب آپ دیں گے کہ اضمار قبل الذکر لفظاً تو ہے رتبتاً نہیں ہے۔ یہی بیان کر رہے ہیں کہتے ہیں لِتَقَدُّمِ مَرْجِعِ الضَّمِيرِ وَهُوَ زَيْدٌ رُتْبَةً اور اس وجہ سے کہ ضمیر کا مرجع مقدم ہے، غُلَامَهُ کی ہا ضمیر کا مرجع مقدم، بھئی وہ کیا ہے؟ کہتے ہیں وَهُوَ زَيْدٌ وہ لفظِ زید ہے، بھئی یہ مقدم کیسے ہے؟ کہتے ہیں رُتْبَةً یعنی رتبے کے اعتبار سے مقدم ہے۔ تو کہتے ہیں لِتَقَدُّمِ مَرْجِعِ الضَّمِيرِ وَهُوَ زَيْدٌ رُتْبَةً اس وجہ سے کہ ضمیر کا مرجع اور وہ زید ہے وہ مقدم ہے رتبتاً، فَلَا يَلْزَمُ الإِضْمَارُ قَبْلَ الذِّكْرِ مُطْلَقًا لہذا اضمار قبل الذکر مطلقاً لازم نہیں آیا بَلْ لَفْظًا فَقَطْ بلکہ صرف لفظاً اضمار قبل الذکر لازم آیا وَذٰلِكَ جَائِزٌ اور یہ جائز ہے۔

وَامْتَنَعَ ضَرَبَ غُلَامُهُ زَيْدًا اور یہ ترکیب ممتنع ہے ضَرَبَ غُلَامُهُ زَيْدًا، یہ ترکیب ممتنع ہے لِتَأَخُّرِ مَرْجِعِ الضَّمِيرِ اس لیے کیونکہ ضمیر کا مرجع مؤخر ہے، ضَرَبَ غُلَامُهُ زَيْدًا غُلَامُهُ کی ہا ضمیر کس کو راجع؟ زید کی اور زید مفعول ہے لفظوں میں بھی مؤخر اور رتبے میں بھی مؤخر۔ یہ تو یہ ترکیب جائز نہیں لِتَأَخُّرِ مَرْجِعِ الضَّمِيرِ بوجہ ضمیر کے مرجع کے مؤخر ہونے کے وَهُوَ زَيْدٌ اور وہ زید ہے، وہ زید ہے اس وہ جو زید ہے وہ جو ضمیر کا مرجع ہے اس کے مؤخر ہونے کی وجہ سے لَفْظًا وَّرُتْبَةً لفظاً بھی اور رتبتاً بھی، فَيَلْزَمُ الإِضْمَارُ قَبْلَ الذِّكْرِ لَفْظًا وَّرُتْبَةً تو اس صورت میں لازم آئے گا اضمار قبل الذکر لفظاً بھی اور رتبتاً بھی وَذٰلِكَ غَيْرُ جَائِزٍ اور یہ جائز نہیں ہے۔

خِلَافًا لِلْأَخْفَشِ وَابْنِ جِنِّي بخلاف امام اخفش اور امام ابنِ جنی کے بھئی۔ امام اخفش یہ امام سیبویہ کے شاگرد ہیں، اسی طرح یہ امام سیبویہ کے استاد ہیں ان کا نام بھی اخفش ہے، اور اسی طرح امام سیبویہ کے ایک زمانے میں تھے ان کا نام بھی کیا ہے؟ امام اخفش یعنی ان کے ہمعصر تھے۔ تو امام اخفش یہاں امام سیبویہ کے شاگرد مراد ہیں، تو امام سیبویہ کے جو شاگرد ہیں امام اخفش وہ اور اسی طرح امام ابنِ جنی بھئی۔ امام ابنِ جنی یہ بہت بڑے نحوی گزرے ہیں بھئی، اور ابنِ جنی جنی کے بیٹے کہتے ہیں دراصل یہ ان کے والد کا نام تھا اور وہ یونانی تھے یعنی انگریز تھے کیا تھے، ان کے ان میں سے یہ ایمان لائے ہوں گے تو یہ اس لیے ابنِ جنی کہلاتے ہیں، ان کا نام کیا تھا جنی ان کی اپنی زبان میں نام ہوگا تو ابنِ جنی ہیں، تو یہ بہرحال بہت بڑے امام گزرے ہیں اور اللہ نے ان کو بڑا ملکہ نصیب فرمایا تھا یہ اعراب کے اندر یعنی نحو کے اندر جو

مشکلات ہوتی تھیں ان کو بڑے زبردست انداز میں حل فرما دیتے تھے۔ تو یہ امام ابنِ جنی۔ تو انہوں نے کیا کہا کہ اضمار قبل الذکر لفظاً بھی ہو اور رتبتاً بھی ہو تو یہ جائز نہیں بخلاف امام اخفش اور امام ابنِ جنی کے، وہ فرماتے ہیں جائز ہے، کہ اضمار قبل الذکر لفظاً بھی ہو اور رتبتاً بھی ہو پھر بھی جائز ہے۔

تو کہتے ہیں وَمُسْتَنَدُهُمَا فِي ذٰلِكَ قَوْلُ الشَّاعِرِ اور ان کا مستند یعنی جس پر ان کا اعتماد ہے یعنی یوں کہو ان کی جو دلیل ہے فِي ذٰلِكَ اس بارے میں قَوْلُ الشَّاعِرِ وہ شاعر کا قول ہے۔ میں نے آپ کو بتلایا تھا کہ یہ قدیم عرب شعراء جو ہیں ان کے اشعار کو بطورِ دلیل کے ذکر کیا جاتا ہے، یہ نحو کے جتنے قوانین اور ضابطے ہیں یہ قدیم عرب شعراء جو تھے ان کے اشعار کو بطورِ دلیل کے ذکر کیا جاتا ہے اور کون سے شاعر؟ زمانہ جاہلیت کے شاعر اور اسی طرح اسلام کی پہلی صدی تک، پہلے سو سال تک تقریباً اس زمانہ جاہلیت والے اور یہ اسلام کے پہلی صدی تک کے جو شعراء بڑے بڑے عرب کے فصیح و بلیغ شعراء گزرے ان کے کلام کو بطورِ دلیل کے پیش کیا جاتا ہے، ان کے شعر میں ایک بات آجائے تو اس کو دلیل کے طور پر پیش کرتے ہیں کہ دیکھو اس نے ایسا کیا ہے معلوم ہوا ایسا کرنا عربی زبان میں جائز ہے۔ ہاں اسلام کی پہلی صدی کے بعد کے جو شعراء ہیں ان کا کلام دلیل نہیں، ان کا کلام حجت نہیں، آپ ان کے اشعار یا کلام کو دلیل کے طور پر ذکر نہیں کر سکتے۔ بھئی کیا وجہ ہے؟ کیوں نہیں ذکر کر سکتے...

...صدی کے بعد۔ وجہ یہ کہ جب اسلام آیا تو اسلام تو پوری دنیا میں اتنی رفتار سے پھیلا کہ تاریخ نے ایسا کبھی نہیں دیکھا بھئی۔ تو پہلے سو سال میں ہی زبان پھیلنا شروع ہو گئی بہت زیادہ لیکن پھر بھی اس زمانے میں عربی زبان خالص تھی، کیا تھی؟ خالص تھی۔ لیکن پھر اسلام پھیلتا گیا، مختلف قوموں کے لوگ اسلام کے اندر داخل ہونے لگے، پوری دنیا کے اندر اسلام پھیل گیا۔ اب اب کوئی شخص کوئی بہت بڑا شاعر ہی کیوں نہ ہو وہ عربی اشعار اس کے آپ پیش کرتے ہیں، بھئی ہو سکتا ہے، یہ ہو سکتا ہے بھئی دوسری زبانوں کا عربی پر اب اثر پڑ گیا ہو۔ بات سمجھ میں آگئی؟ ایک تو خالص عربی زبان تھی، اور ایک جب اور زبانوں والے اس زبان کی طرف آتے ہیں تو ظاہر سی بات ہے زبان پر اثر پڑتا ہے بھئی۔ تو پہلی صدی تک تو علماء فرماتے ہیں کہ اس تک یہ عربی زبان خالص تھی اور اس کے شعراء کا کلام اس زمانے کے جو بڑے بڑے فصیح و بلیغ شعراء تھے ان کا کلام بطورِ دلیل کے ذکر کیا جا سکتا ہے، لیکن بعد میں اسلام پھیل گیا ہر زبان والے لوگ اسلام میں داخل ہو گئے تو اب پتہ نہیں وہ زبان اب اتنی خالص ہے یا خالص نہیں، اس کو دلیل کے طور پر اب پیش نہیں کیا جا سکتا، بات سمجھ میں آگئی۔

تو کہتے ہیں وَمُسْتَنَدُهُمَا فِي ذٰلِكَ قَوْلُ الشَّاعِرِ اور ان کی دلیل جو ہے اس میں شاعر کا یہ قول ہے:

▪ متنِ کتاب و تحقیقِ مسائلِ نحویہ

جَزٰی رَبُّهُ عَنِّي عَدِيَّ بْنَ حَاتِمٍ

جَزَاءَ الْكِلَابِ الْعَاوِيَاتِ وَقَدْ فَعَلْ

یہ شعر ذکر کیا بھئی، یہ شعر۔ دیکھو بھئی شعر کا ترجمہ سمجھ لیں: جَزٰی رَبُّهُ بدلا دے، جَزٰی کا کیا معنی؟ بدلا دے، جَزٰی بدلا دے یہ فعل ہے، رَبُّهُ یہ اس کا فاعل ہے اور رَبُّهُ کی ہا ضمیر راجع ہے عَدِيَّ بْنَ حَاتِمٍ کو، کس کو راجع ہے؟ تو رَبُّهُ کیا بن رہا ہے؟ فاعل، اور عَدِيَّ بْنَ حَاتِمٍ کیا ہے؟ مفعول بھئی، تو بالکل یہ وہی ترکیب ہے جیسے اوپر آیا تھا ضَرَبَ غُلَامُهُ زَيْدًا۔ غُلَامُهُ فاعل کے ساتھ ہا ضمیر تھی اور وہ کس کو راجع تھی؟ مفعول کو، اور انہوں نے بتایا یہ ترکیب جائز نہیں، تو یہاں پر بھی رَبُّهُ فاعل ہے اور اس کے ساتھ ہا ضمیر ہے اور وہ آگے جو مفعول مؤخر ہے اس کو راجع ہے، تو عَدِيَّ بْنَ حَاتِمٍ لفظوں میں بھی مؤخر اور رتبے میں بھی مؤخر ہے اور پھر بھی عرب کے ایک بہت فصیح و بلیغ شاعر نے یہ رَبُّهُ کی ہا ضمیر عَدِيَّ بْنَ حَاتِمٍ کو لوٹا دی، اگرچہ وہ لفظاً بھی مؤخر اور رتبتاً بھی مؤخر، اس سے معلوم ہوا کہ اضمار قبل الذکر لفظاً اور رتبتاً ہو تو بھی جائز ہے کلامِ عرب میں۔ تو یہ مقامِ استشہاد سمجھ میں آیا؟ یہ رَبُّهُ کی ہا ضمیر کس کو راجع ہے؟ عَدِيَّ بْنَ حَاتِمٍ۔

جَزٰی بدلا دے رَبُّهُ عدی ابنِ حاتم کا رب یعنی اللہ بدلا دیں عَنِّي میری طرف سے کس کو بدلا دیں؟ عَدِيَّ بْنَ حَاتِمٍ عدی ابنِ حاتم کو بدلا دے، جَزَاءَ الْكِلَابِ الْعَاوِيَاتِ۔ جَزَاءَ یہ مفعولِ مطلق ہے، پیچھے جَزٰی فعل آیا تھا یہ آگے اسی کا مصدر آگیا تو یہ مفعولِ مطلق ہے، جَزَاءَ الْكِلَابِ، كِلَابْ جمع ہے كَلْب کی کتے کو کہتے ہیں، الْعَاوِيَاتِ، عَوٰی يَعْوِي یہ کتے کے چیخنے کو کہتے ہیں، ایک ہے کتے کا بھونکنا ایک ہے کتے کا چیخنا۔ آپ نے اگر بھیڑیے کی آواز سنی ہو، بھیڑیا جو ہے یہ چیخنے جیسی آواز نکالتا ہے رات کے وقت نکلتا ہے اور آسمان کی طرف منہ کر کے ایک لمبی سی چیخنے جیسی آواز نکالتا ہے۔ اسی طرح یہ کتا بھی جو ہے کبھی کبھی چیخنے جیسی آواز نکالتا ہے، آپ نے اگر غور کیا ہو اگر آپ کہیں جا رہے ہیں اور کوئی سامنے کتا آگیا وہ اگر مقابلے کے لیے کھڑا ہے تو وہ کھڑا ہو کر بھونکے گا، اور اگر آپ اس کتے کو پتھر مارتے ہیں تو وہ کتا وہ چیختا ہوا بھاگتا ہے ایک چیخنے جیسی آواز نکالتا ہوا بھاگتا ہے، وہ جو چیخنے جیسی آواز ہے اس کو عَوٰی يَعْوِي کہتے ہیں، کیا کہتے ہیں؟ عَوٰی يَعْوِي۔ تو جَزَاءَ الْكِلَابِ الْعَاوِيَاتِ چیخنے والے کتوں جیسی جزا۔ جَزٰی رَبُّهُ عَنِّي عَدِيَّ بْنَ حَاتِمٍ عدی ابنِ حاتم کا پروردگار بدلا دے میری طرف سے عدی ابنِ حاتم کو، کس طرح کا بدلا دے؟ جَزَاءَ الْكِلَابِ الْعَاوِيَاتِ چیخنے والے کتوں کے بدلے جیسا، وَقَدْ فَعَلْ اور تحقیق اللہ نے ایسا کر دیا، اور تحقیق اللہ نے ایسا کر دیا۔

بھئی میں نے بتایا حضرت عدی ابنِ حاتم یہ جلیل القدر صحابی ہیں لیکن یہ زمانہ جاہلیت کا کوئی شاعر ہے بھئی اسلام سے

پہلے کی بات ہے، اس زمانے میں کوئی ناراضگی ہوئی ہوگی یا کسی وجہ سے وہ ان کی مذمت کر رہا ہے اور کیا کہتا ہے کہ اللہ میری طرف سے عدی ابنِ حاتم کو ایسا بدلا دے جیسے چیخنے والے کتوں کو بدلا دیا جاتا ہے۔ چیخنے والے کتوں کو کیا بدلا دیا جاتا ہے؟ بھئی دیکھو ایسا کوئی کتا آجائے تو لوگ پتھر اٹھا کر اس کو مارتے ہیں اس کو بھگا دیتے ہیں دھتکار دیتے ہیں، یعنی اس کو بھی اس کے ساتھ بھی اللہ اسی طرح فرمائے۔ وَقَدْ فَعَلْ اور تحقیق اللہ نے کر دیا ایسا، اللہ نے ایسا کر دیا، یعنی یہ نیک فالی کے طور پر کہ بس میری بددعا تو اب ضرور قبول ہو ہی گئی یوں سمجھو اللہ نے کر ہی دیا، میں نے بددعا کر دی ہے اب سمجھو ایسا ہو ہی گیا۔ جیسے دیکھو عربی زبان میں آپ جتنی دعائیں دیکھ لیں وہ ماضی کے صیغے ہیں، کیا ہیں؟ ماضی کے صیغے ہیں، جیسے آپ کہتے ہیں رَحِمَہُ اللہُ، کیا ترجمہ ہے؟ رَحِمَہُ اللہُ کا ترجمہ کرو: اللہ اس پر رحم فرمائے، دیکھو آپ دعا کر رہے ہیں مستقبل کی بات کر رہے ہیں لیکن ذرا عربی میں دیکھو رَحِمَہُ اللہُ، رَحِمَ کون سا صیغہ ہے؟ ماضی، بھئی ماضی تو گزرے ہوئے زمانے کو کہتے ہیں، اور اردو میں آپ اس کا کیا ترجمہ کرتے ہیں؟ اللہ اس پر رحم فرمائے یعنی مستقبل میں رحم فرمائے، لیکن عربی میں جتنی دعائیں ہیں وہ ماضی کے صیغے کے ساتھ دی جاتی ہیں، یہ بطورِ نیک فالی کے، کس کے؟ نیک فالی کے طور پر یہ ماضی کے صیغے استعمال کیے جاتے ہیں۔ جیسے ماضی ایک گزری ہوئی بات ہوتی ہے وہ ہو چکی ہے اس میں کسی قسم کا شک و شبہ ہے ہی نہیں ہر ایک کو پتہ ہے، مثلاً یہ دو دن پہلے مثلاً بارش ہوئی تھی اب سب کو پتہ ہے بارش ہوئی ہے کسی کو اس میں شک ہے؟ نہیں، تو یہاں بھی دعا دی جاتی ہے ماضی کے صیغے کے ساتھ بطورِ نیک فالی کے کہ اللہ نے گویا اس دعا کو یقیناً قبول فرما لیا جیسے ماضی کی ایک بات گزری ہوئی ہوتی ہے اس میں کوئی شک و شبہ نہیں اسی طرح اس دعا میں بھی کوئی شک و شبہ نہیں یقیناً اللہ اس کو کیا کریں گے؟ قبول فرمائیں گے۔ تو یہ نکتہ ہے اس لیے عربی میں ماضی کے صیغوں کے ساتھ دعا دی جاتی ہے۔ یہاں پر بھی دیکھو جو بددعا دی جَزٰی رَبُّہٗ، جَزٰی دیکھو ماضی کا صیغہ استعمال کیا، بات سمجھ میں آگئی؟ اور آخر میں یہ بھی کہا وَقَدْ فَعَلْ اللہ ایسا کر چکے ہیں یعنی میں نے بددعا دے دی اب سمجھو لگ گئی بھئی۔ تو یہ نابغہ ذبیانی بڑا فصیح و بلیغ شاعر تھا وہ کسی بات پر ناراض ہوا ہوگا اور عدی ابنِ حاتم کو یہ بددعا دی انہوں نے۔

تو یہ امام اخفش اور امام ابنِ جنی کی دلیل ہے بھئی۔ آگے جواب ذکر کریں گے۔ امام اخفش اور امام ابنِ جنی کے نزدیک اضمار قبل الذکر لفظاً اور رتبتاً دونوں ہو پھر بھی جائز، لیکن عام نحوی حضرات کے ہاں جائز نہیں۔ اب اس کا جواب دیں گے کہ بھئی یہ شعر کے اندر ہے ضرورتِ شعری کی بنا پر ہے، یاد رکھو شعر کے اندر بہت سی ایسی باتیں جائز ہیں جو عام کلام میں جائز نہیں، جو عام کلام میں جائز نہیں، تو عام کلام کے اندر اضمار قبل الذکر لفظاً بھی ہو اور رتبتاً بھی ہو یہ جائز نہیں، جبکہ شعر کا ایک اپنا مخصوص وزن ہوتا ہے ایک حرف ادھر ادھر ہو جائے تو سارا وزن خراب ہو جاتا ہے تو وہاں مجبوراً شاعر کو اس طرح ضمیر کو ذکر کرنا پڑا کیونکہ اس کے بغیر وزن ٹھیک نہیں بن رہا تھا۔

تو کہتے ہیں وَأُجِیبَ عَنْہُ اور جواب دیا گیا ہے اس کی طرف سے بِأَنَّ ھٰذَا لِضَرُورَۃِ الشِّعْرِ کہ یہ جو شعر کے اندر اضمار قبل

الذکر لفظاً اور رتبتاً آیا لِضَرُورَةِ الشِّعْرِیہ ضرورتِ شعری کی وجہ سے ہے، وَالْمُرَادُ عَدَمُ جَوَازِهِ فِي سَعَةِ الْكَلَامِ اور مراد جو ہے وہ اس کا جائز نہ ہونا ہے فِي سَعَةِ الْكَلَامِ عام کلام کے اندر۔ سَعَت کا معنی ہے گنجائش، سَعَةِ الْكَلَامِ یعنی عام کلام کے اندر جس کی گنجائش ہو اور عام کلام کے اندر اس کی گنجائش نہیں ہے۔ تو کہتے ہیں وَالْمُرَادُ عَدَمُ جَوَازِهِ فِي سَعَةِ الْكَلَامِ اور مراد جو ہے جو متن کے اندر آیا وہ عام کلام کے اندر اس کی گنجائش نہ ہونا مراد ہے۔

پہلا جواب یہ، دوسرا جواب: وَبِأَنَّهُ لَا نُسَلِّمُ اور دوسرا یہ کہ ہمیں یہ بات تسلیم نہیں ہے کہ أَنَّ الضَّمِيرَ يَرْجِعُ إِلَى الْعَدِيِّ کہ یہ ضمیر لوٹ رہی ہے عدی کی طرف، بَلْ إِلَى الْمَصْدَرِ الَّذِي يَدُلُّ عَلَيْهِ الْفِعْلُ بلکہ یہ اس مصدر کی طرف لوٹ رہی ہے جس پر فعل دلالت کر رہا ہے، أَيْ جَزٰى رَبُّ الْجَزَاءِ۔ بھئی دیکھیے میں نے آپ کو بتلایا تھا کہ فعل مفرد ہے لیکن اس کا مفہوم مرکب ہے تین چیزوں سے: ایک فعل کے اندر اس کا مصدر ہوتا ہے، ایک زمانہ ہوتا ہے اور ایک نسبت الی الفاعل۔ تو جَزٰى فعل آیا اور آگے رَبُّهُ کی ہا ضمیر آئی تو دوسرا جواب دے رہے ہیں کہ رَبُّهُ کی ہا ضمیر عدی ابنِ حاتم کو نہیں لوٹ رہی بلکہ یہ جَزٰى فعل جو ہے اسی کے مصدر کو راجع ہے جَزٰى يَجْزِي جَزَاءً، تو اسی جَزٰى کے اندر جَزَاءً بھی موجود ہے مصدر، اور یہ رَبُّهُ کی ہا ضمیر اس کو راجع ہے، جیسے قرآن میں اللہ کیا فرماتے ہیں: اعْدِلُوا هُوَ أَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى، اعْدِلُوا تم لوگ عدل کرو هُوَ أَقْرَبُ یہ جو عدل ہے، هُوَ ضمیر کس کو راجع؟ عدل مصدر کو، هُوَ أَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى یہ جو عدل ہے انصاف ہے یہ تقویٰ کے زیادہ قریب ہے، تو اس پر اشکال ہوتا ہے کہ پیچھے تو اعْدِلُوا فعل ذکر ہے عدل مصدر تو ذکر ہی نہیں ہے تو هُوَ ضمیر کیسے اس کو راجع؟ تو جواب یہ کہ اعْدِلُوا فعل آیا اور ہر فعل کے اندر کیا موجود ہے؟ کتنی چیزیں ہیں؟ مصدر، زمانہ اور نسبت الی الفاعل، تو فعل کے ضمن میں مصدر بھی آگیا تو مصدر لفظاً تو ذکر نہیں ہے لیکن ضمناً اعْدِلُوا کے ضمن میں عدل مصدر بھی آگیا تو هُوَ ضمیر اس کی طرف راجع ہے۔ یہاں پر بھی جَزٰى رَبُّهُ، جَزٰى فعل آیا تو اس جَزٰى فعل کے ضمن میں مصدر جَزَاءً بھی آگیا تو رَبُّهُ کی ہا ضمیر اس مصدر کو راجع ہے۔ تو ترجمہ کیا ہو گیا؟ پہلے کیا ترجمہ...

سبق نمبر ۸۳: الفاعل (۵): فاعل و مفعول میں اعراب کے نہ ہونے پر تقدیمِ فاعل کا وجوب

شرحِ ملا جامی صفحہ: ۵۹ — بتاریخ: ۱۹ اکتوبر ۲۰۲۱ء

▪ تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث

دیکھیے بھائی آگے سبق: «وَإِذَا انْتَفَى الْإِعْرَابُ الدَّالُّ عَلَى فَاعِلِيَّةِ الْفَاعِلِ وَمَفْعُولِيَّةِ الْمَفْعُولِ بِالْوَضْعِ لَفْظًا فِيهِمَا، أَيْ فِي الْفَاعِلِ الْمُتَقَدِّمِ ذِكْرُهُ صَرِيحًا وَفِي ضِمْنِ الْأَمْثِلَةِ، وَالْمَفْعُولِ الْمُتَقَدِّمِ ذِكْرُهُ فِي ضِمْنِ الْأَمْثِلَةِ، وَالْقَرِينَةُ».

بھائی گذشتہ سبق میں ہم فاعل کی تعریف پڑھ رہے تھے۔ صاحبِ کافیہ نے آپ کو بتلایا کہ فاعل اس اسم کا نام ہے جس کی طرف فعل یا شبہِ فعل کا اسناد ہو، اور وہ فعل یا شبہِ فعل اس اسم پر مقدم ہو، اور وہ فعل یا شبہِ فعل اس اسم کے ساتھ قائم ہو، اس پر واقع نہ ہو بھائی۔ تو یہ فاعل ہے۔ اور پھر کل میں نے آپ کو ترکیب بتلائی تھی کہ اس تعریف کے اندر جو «عَلَى جِهَةِ قِيَامِهِ بِهِ» آیا، یہ اس کو صاحبِ جامی نے مفعولِ مطلق بنایا باعتبارِ موصوفِ محذوف کے۔ یعنی یہ صفت ہے، اور اس کا موصوف جو ہے وہ مفعولِ مطلق ہے اور وہ محذوف ہے۔ تو اس کو براہِ راست «إِسْنَادًا» کے ساتھ نہیں جوڑا، بلکہ اس کو «إِسْنَادًا» کی صفت بنایا، أَيْ «إِسْنَادًا وَاقِعًا عَلَى جِهَةِ قِيَامِهِ بِهِ». وجہ اس کی یہ کہ جار مجرور جس سے متعلق ہوتے ہیں وہ ان کے اندر عامل ہوتا ہے، تو یہاں پر بھی اگر «عَلَى جِهَةِ قِيَامِهِ» کو «وَاقِعًا» کے بجائے براہِ راست «إِسْنَادًا» سے جوڑ دیا جائے، تو وہ «إِسْنَادًا» اس کے اندر عامل بن جائے گا، حالانکہ میں نے آپ کو بتلایا تھا کہ جب مفعولِ مطلق کا فعل موجود ہو، تو پھر فعل عمل کرتا ہے مفعولِ مطلق عمل نہیں کرتا۔ تو اگر جار مجرور کو اس سے جوڑ دیں پھر تو یہ عامل بن جائے گا اپنے فعل کی موجودگی میں، حالانکہ اپنے فعل کی موجودگی میں مفعولِ مطلق عمل نہیں کرتا۔ اسی لیے صاحبِ جامی نے اس «عَلَى جِهَةِ قِيَامِهِ بِهِ» کو «إِسْنَادًا» سے نہیں جوڑا، بلکہ «وَاقِعًا» سے جوڑ کر اس کو «إِسْنَادًا» کی صفت بنایا۔ تو یہ مفعولِ مطلق ہے باعتبارِ موصوفِ محذوف کے، یعنی اس کا جو موصوف ہے جو محذوف ہے، وہ ہے مفعولِ مطلق بھائی۔

اور اس کے بعد صاحبِ کافیہ نے آپ کو بتلایا تھا کہ اصل فاعل کے اندر یہ ہے کہ وہ فعل کے ساتھ ملا ہوا ہو، یعنی فعل کے فوراً بعد فاعل کو آنا چاہیے۔ یہ اصل ہے، یعنی یہ مناسب ہے، یہ مناسب ہے۔ تو فعل کے اور جو معمولات ہیں ان کو

مؤخر ہونا چاہیے، اور فاعل کو مقدم ہونا چاہیے۔ اس لیے کیونکہ فعل جو ہے فاعل کا شدید محتاج ہے، اور حتیٰ کہ یہ فاعل فعل کے لیے جزکی طرح ہوتا ہے۔ چنانچہ اسی لیے «ضَرَبْتَ»، «ضَرَبْتِ»، «ضَرَبْتُ»، اس کے اندر دیکھو یہ تا ضمیر «ضَرَبَ» کے ساتھ جڑی ہے، اور چونکہ یہ فاعل کی ضمیر ہے اور فاعل فعل کے لیے جزکی طرح ہوتا ہے، تو یہ ایک ہی کلمے کے حکم میں ہوا۔ اور جب ایک ہی کلمے کے حکم میں ہوا، تو ایک کلمے میں تو چار حرکتیں جو ہیں مسلسل آجائیں، یہ بے انتہا ثقل پیدا کرتی ہیں۔ اسی لیے «ضَرَبْتَ»، اس کے اندر دیکھو یہ با کو ساکن کر دیا گیا۔ اگر یہ کلمے کے جزکی طرح نہ ہوتا، تو پھر اس کو ساکن نہ کیا جاتا بھائی، جیسے «ضَرَبَكَ»، «ضَرَبَكَ»۔ اب دیکھو «ضَرَبَ» کے ساتھ کاف ضمیر مفعول کی جڑی ہے، اور پہلے کیا جڑی تھی «ضَرَبْتَ»، تا ضمیر فاعل والی جڑی تھی۔ جب فاعل والی ضمیر جڑی تھی تو وہ جزکی طرح تھی، اس لیے «ضَرَبْتَ» کی با کو کیا کر دیا؟ ساکن۔ کیونکہ چار مسلسل حرکتیں ثقیل ہیں۔ اور «ضَرَبَكَ» اس کے اندر یہ جو کاف ضمیر جڑی ہے یہ مفعول کی جڑی ہے، اور مفعول تو فضلہ ہے، فعل تو اس کا محتاج نہیں، اس کے بغیر بھی فعل فاعل کے ساتھ مل کر کلام پورا کر دیتا ہے۔ تو لہٰذا اس لیے «ضَرَبَكَ» اس کے اندر جو با ہے اس کو ساکن نہیں کیا گیا، کیونکہ یہ مفعول جو ہے یہ جزِ کلمہ کی طرح نہیں۔ بات سمجھ میں آگئی؟

چنانچہ کہتے ہیں چونکہ اصل یہ ہے کہ فاعل کو فعل کے ساتھ ملا ہوا ہونا چاہیے، جڑا ہوا ہونا چاہیے، اسی لیے یہ ترکیب تو جائز ہے «ضَرَبَ غُلَامَهُ زَيْدٌ» اور یہ ترکیب ممتنع ہے، جائز نہیں ہے «ضَرَبَ غُلَامُهُ زَيْدًا»۔ بھائی پہلی ترکیب کیا؟ «ضَرَبَ غُلَامَهُ زَيْدٌ» یہ ترکیب جائز ہے۔ اس لیے کیونکہ اس کے اندر «غُلَامَهُ» کی ہا ضمیر زید کو راجع ہے، اور ہا ضمیر پہلے ہے اور زید لفظوں کے اندر مؤخر ہے، لیکن وہ فاعل ہے بھائی، اور فاعل کا رتبہ کیا ہوتا ہے؟ فعل کے فوراً بعد ہوتا ہے۔ تو زید لفظوں کے اعتبار تو «غُلَامَهُ» سے مؤخر ہے، لیکن رتبے کے اعتبار سے یہ اس پر مقدم ہے۔ تو یہ ضمیر «غُلَامَهُ» کی ہا ضمیر زید کی طرف لوٹی، جو لفظوں میں تو مؤخر ہے لیکن رتبے کے اعتبار سے مقدم ہے، اور یہ جائز ہے۔ اضمار قبل الذکر صرف لفظاً ہو، رتبتاً نہ ہو تو یہ جائز۔ اور اگر لفظاً بھی اضمار قبل الذکر ہو اور رتبتاً بھی اضمار قبل الذکر ہو، تو پھر وہ جائز نہیں، جیسے اگلی مثال میں ہے «ضَرَبَ غُلَامُهُ زَيْدًا»۔ اب یہ «غُلَامُهُ» یہ ہے فاعل، اور اس کی ہا ضمیر لوٹ رہی ہے زید کو، اور زید مؤخر ہے اور وہ مفعول ہے۔ تو زید لفظوں میں بھی ہا ضمیر سے مؤخر، اور رتبے میں بھی مؤخر ہے کیونکہ وہ مفعول ہے اور مفعول کا درجہ فاعل کے بعد ہوتا ہے۔ تو یہ اضمار قبل الذکر لفظاً بھی ہوا اور رتبتاً بھی ہوا، اور یہ جائز نہیں۔

اس کے بعد صاحبِ جامی نے آپ کو بتلایا تھا کہ یہ تو جمہور نحویوں کی رائے ہے کہ اضمار قبل الذکر لفظاً اور رتبتاً جائز نہیں ہے، لیکن امام اخفش اور امام ابنِ جنی جو ہیں وہ فرماتے ہیں کہ اضمار قبل الذکر لفظاً اور رتبتاً جائز ہے، جائز ہے، بات سمجھ میں آگئی؟ جائز ہے۔ کیونکہ فاعل اور مفعول دونوں کا فعل کے ساتھ تعلق بڑا گہرا ہے۔ فاعل نہیں تب بھی فعل نہیں ہو سکتا، مفعول نہیں تب بھی فعل نہیں ہو سکتا۔ «ضَرَبَ زَيْدٌ عَمْرًا»، ضرب کے لیے ضرب لگانے والا بھی چاہیے اور اس

کے لیے کوئی مضروب بھی چاہیے۔ تو فاعل اور مفعول دونوں کا فعل کے ساتھ تعلق ہوتا ہے، لہٰذا دونوں کے اندر اضمار قبل الذکر جائز ہے۔ چنانچہ وہ دلیل کے طور پر انہوں نے نابغہ ذبیانی کا شعر ذکر کیا کہ «جَزَى رَبُّهُ عَنِّي عَدِيَّ بْنَ حَاتِمٍ جَزَاءَ الْكِلَابِ الْعَاوِيَاتِ وَقَدْ فَعَلْ»۔ کہ جزا دے، بدلہ دے «رَبُّهُ» أَيْ «رَبُّ عَدِيِّ بْنِ حَاتِمٍ»۔ تو یہ «رَبُّهُ» کی ہا ضمیر عدی ابنِ حاتم کو راجع ہے، اور عدی ابنِ حاتم وہ تو آگے آرہا ہے اور مفعول ہے، تو وہ لفظوں میں بھی مؤخر اور رتبے میں بھی مؤخر۔ لیکن اس کے باوجود عرب کا ایک فصیح و بلیغ شاعر یہ «رَبُّهُ» کی ہا ضمیر عدی ابنِ حاتم کو لوٹا رہا ہے۔ معلوم ہوا اضمار قبل الذکر لفظاً اور رتبتاً یہ فاعل اور مفعول دونوں میں جائز ہے۔ لیکن پھر اس کا جواب دیا صاحبِ جامی نے کہ جمہور اس کا جواب دیتے ہیں کہ یہ ضرورتِ شعری کی وجہ سے ہے۔ پہلا جواب تسلیمی دیا کہ ہمیں آپ کی بات تسلیم ہے «رَبُّهُ» کی ہا ضمیر عدی ابنِ حاتم کو راجع ہے، اور وہ لفظاً بھی مؤخر اور رتبتاً بھی مؤخر، لیکن یہ ضرورتِ شعری کی وجہ سے ہے، اور ہماری بات چل رہی ہے عام کلام کے اندر، اور عام کلام کے اندر اس کی گنجائش نہیں ہے بھائی۔ اور دوسرا جواب یہ دیا تھا، دوسرا جواب انکاری تھا کہ ہمیں آپ کا یہ دعویٰ ہی تسلیم نہیں ہے کہ «رَبُّهُ» کی ہا ضمیر جو ہے وہ عدی ابنِ حاتم کو راجع ہے، بلکہ یہ «رَبُّهُ» کی ہا ضمیر ماقبل میں جو فعل «جَزَى» آیا اس کے مصدر کو راجع ہے، اور فعل کے ضمن میں مصدر بھی ہوتا ہے، تو جب فعل کا ذکر آگیا تو ضمناً مصدر کا بھی ذکر آگیا۔ تو یہ «رَبُّهُ» کی ہا ضمیر اس «جَزَاءَ» کو راجع ہے وہ جو مصدر پیچھے آیا۔ تو معنیٰ کیا ہو گیا؟ «جَزَى رَبُّهُ» أَيْ «جَزَى رَبُّ الْجَزَاءِ»، بدلے والا رب جو ہے، بدلہ دینے والا رب جو ہے وہ بدلہ دے «عَنِّي» میری طرف سے عدی ابنِ حاتم کو۔

اب آئیے آج کے سبق پر۔ کہتے ہیں: «وَإِذَا انْتَفَى الْإِعْرَابُ الدَّالُّ عَلَى فَاعِلِيَّةِ الْفَاعِلِ وَمَفْعُولِيَّةِ الْمَفْعُولِ بِالْوَضْعِ لَفْظًا فِيهِمَا»۔ بھائی گذشتہ سبق میں صاحبِ کافیہ نے آپ کو بتلایا تھا کہ فاعل میں اصل یہ ہے کہ وہ فعل کے فوراً بعد آنا چاہیے، اور فعل کے جو باقی معمولات ہیں ان کو فاعل سے مؤخر ہونا چاہیے۔ اب آگے صاحبِ کافیہ کچھ وہ جگہیں ذکر کریں گے جہاں پر فاعل کو مقدم کرنا واجب ہے۔ ابھی تک تو کیا ذکر ہوا تھا؟ کہ فاعل کو مقدم کرنا مناسب ہے۔ اب کچھ وہ جگہیں ذکر کریں گے جہاں فاعل کا مقدم کرنا واجب ہے مفعول پر، اور پھر آگے کچھ وہ جگہیں ذکر کریں گے جہاں فاعل کو مفعول سے مؤخر کرنا واجب ہے۔ تو چار جگہیں وہ ذکر کریں گے جہاں فاعل کو مفعول پر مقدم کرنا واجب، اور چار جگہیں وہ ذکر کریں گے جہاں فاعل کو مفعول سے مؤخر کرنا واجب ہے بھائی۔ دیکھیے پہلے متن متن دیکھ لیجیے۔ کہتے ہیں: «وَإِذَا انْتَفَى الْإِعْرَابُ لَفْظًا فِيهِمَا» اور جب اعرابِ لفظی جو ہے وہ منتفی ہو جائے «فِيهِمَا» فاعل اور مفعول میں، یعنی اعرابِ لفظی منتفی ہو جائے، لفظی اعراب نہ ہو جس سے پتہ چلے کون فاعل ہے اور کون مفعول ہے۔ «وَالْقَرِينَةُ»، «وَالْقَرِينَةُ» اس کا عطف ہے «الْإِعْرَابُ» پر، اور جب قرینہ بھی منتفی ہو جائے۔ ایک صورت۔ دیکھو کئی صورتیں ذکر کریں گے ادھر دیکھیے، تین چار صورتیں ذکر کریں گے کہ اگر یوں ہو جائے، یا یوں ہو جائے، یا یوں ہو جائے، پھر آخر میں سب کی اکٹھی ایک ہی جزا

ذکر کریں گے، کہ دیکھو آگے آرہا ہے سات آٹھ سطروں بعد جامی کے اندر، متن ہے: «وَجَبَ تَقْدِيمُهُ»، ان تمام صورتوں میں فاعل کو مقدم کرنا واجب ہے۔ چار صورتیں ذکر کریں گے اور ان چاروں صورتوں کی جزا اکٹھی ایک ہی آخر میں ذکر کر دیں گے۔ تو پہلی کیا وجہ ذکر کی؟ «وَإِذَا انْتَفَى الْإِعْرَابُ لَفْظًا فِيهِمَا» اور جب لفظی اعراب منتفی ہو جائے «فِيهِمَا» ان دونوں میں، یعنی فاعل اور مفعول میں، «وَالْقَرِينَةُ» اور قرینہ بھی منتفی ہو جائے، تو پھر اس صورت میں بھی فاعل کو مقدم کرنا واجب ہے۔

بھائی اس کو پہلے سمجھ لو۔ بھائی آپ نے پڑھا ہے کہ مبنی جو ہے اس کے اندر اعراب محلاً آتا ہے، اور معرب جو ہے اس کے اندر اعراب کبھی لفظاً آتا ہے اور کبھی تقدیراً۔ اعرابِ لفظی کا مطلب یہ ہے کہ آپ اس اعراب پر باقاعدہ تلفظ کرتے ہیں، تلفظ سے ہی پتہ چل جاتا ہے کہ اس پر رفع ہے یا نصب ہے یا جر۔ مثلاً میں آپ سے کہتا ہوں «ضَرَبَ زَيْدٌ عَمْرًا»، «ضَرَبَ زَيْدٌ عَمْرًا»، جی اب مجھے ترجمہ بتائیے اس کا، کیا ترجمہ ہوا؟ شاباش، زید نے عمرو کو مارا۔ آپ کو کیسے پتہ چلا پٹائی کرنے والا زید ہے؟ زید کے رفع نے آپ کو بتلایا کہ زید کیا ہے؟ فاعل۔ اور آپ کو کیسے پتہ چلا کہ عمرو پر ضرب واقع ہوئی ہے؟ ہاں عمرو پر جو نصب آیا اس نصب نے بتایا۔ «ضَرَبَ زَيْدٌ عَمْرًا»، دیکھو «زَيْدٌ» ہے مرفوع، معلوم ہوا زید ہے فاعل، یہ ہے ضرب لگانے والا، اور «عَمْرًا» ہے منصوب، معلوم ہوا عمرو پر ضرب واقع ہوئی ہے۔ تو یہ جو اعراب ہے یہ ہمیں بتلاتا ہے کہ کون سا لفظ فاعل ہے اور کون سا لفظ مفعول ہے۔ لیکن تب جب یہ اعراب لفظوں میں ہو، آپ اس پر باقاعدہ تلفظ کر رہے ہوں۔ لیکن کبھی کبھار اعراب تقدیراً ہوتا ہے، لفظوں میں نہیں ہوتا، پھر ہمیں پتہ نہیں چلتا کہ کون فاعل ہے اور کون مفعول۔ مثلاً «ضَرَبَ مُوسَى عِيسَى»۔ دیکھو اب «مُوسَى» یہ بھی اسمِ مقصور ہے، اس پر بھی اعراب تقدیراً آتا ہے، اور «عِيسَى» یہ بھی اسمِ مقصور ہے، اس پر بھی اعراب تقدیراً آتا ہے۔ «ضَرَبَ مُوسَى عِيسَى»، کچھ پتہ چلا آپ کو کون فاعل ہے یا کون مفعول؟ نہیں، کیونکہ فاعل اور مفعول کا پتہ اعراب سے چلنا تھا اور اعرابِ لفظی دونوں میں منتفی ہے، نہ فاعل پر اعرابِ لفظی آرہا ہے اور نہ مفعول پر اعرابِ لفظی ہے۔ اب کچھ پتہ نہیں کون فاعل ہے اور کون مفعول۔ تو آپ کو بتلائیں گے صاحبِ کافیہ کہ جب لفظی اعراب منتفی ہو جائے، یعنی فاعل اور مفعول دونوں میں سے کسی پر بھی اعرابِ لفظی نہ ہو، اور کوئی قرینہ بھی نہ ہو، یعنی کوئی اور ایسی چیز بھی نہ ہو جو ہمیں یہ بتلائے کہ کون فاعل ہے اور کون مفعول، تو اس صورت میں فاعل کو مقدم کرنا واجب ہے۔ یہ مقدم ہونا ہمیں بتلائے گا کہ یہ فاعل ہے۔ «ضَرَبَ مُوسَى عِيسَى»، اب دیکھو موسیٰ اور عیسیٰ دونوں پر اعرابِ لفظی منتفی ہے، دونوں پر اعراب تقدیری ہے، تو اب جو مقدم ہے اس کو کیا بنائیں گے؟ فاعل، اور جو مؤخر ہے اس کو مفعول۔ تو «ضَرَبَ مُوسَى عِيسَى»، کیا معنیٰ؟ کس نے پٹائی کی؟ موسیٰ نے، اور کس کی کی؟ عیسیٰ کی۔ یہ آپ کو کس طرح پتہ چلا؟ یہ جو موسیٰ کا مقدم ہونا تھا، اس نے ہمیں بتلایا کہ یہ ہے فاعل۔ تو اعرابِ

لفظی جب منتفی ہو جائے فاعل میں بھی اور مفعول میں بھی، اور کوئی قرینہ بھی نہ ہو، تو پھر اس صورت میں فاعل کو مقدم کرنا واجب ہے۔ توجہ ہے؟

جی اب یہ کچھ مثالیں ذرا اپنے سامنے لکھیے بھائی جلدی جلدی: «ضَرَبَ زَيْدٌ عَمْرًا»۔ «ضَرَبَ زَيْدٌ عَمْرًا»۔ جی مجھے بتائیے فاعل کون؟ زید۔ کس طرح پتہ چلا آپ کو؟ زید پر جو رفع آیا لفظاً اس نے ہمیں بتایا۔ اور عمرو کیا ہے؟ مفعول۔ عمرو پر جو نصب لفظاً آیا اس نے ہمیں بتایا کہ عمرو مفعول ہے۔ تو اس میں دیکھو دونوں کے اندر اعرابِ لفظی ہے فاعل میں بھی اور مفعول میں بھی، اس سے ہمیں دونوں کی پہچان ہو گئی۔

اور کبھی دونوں کے اندر اعراب منتفی ہو گا، جیسے لکھو بھائی: «ضَرَبَ مُوسَى عِيسَى»۔ «ضَرَبَ مُوسَى عِيسَى»۔ دیکھو موسیٰ پر بھی اعراب تقدیری، عیسیٰ پر بھی اعراب تقدیری، تو اب کچھ پتہ نہیں چل رہا کون فاعل ہے اور کون مفعول ہے۔ تو اس صورت میں میں نے بتایا صاحبِ کافیہ کیا فرماتے ہیں؟ فاعل کو مقدم کرنا واجب۔ معلوم ہوا یہ موسیٰ جو ہے جو مقدم ہے، یہ ہے فاعل، اور جو عیسیٰ مؤخر ہے وہ کیا ہے؟ مفعول۔ دیکھو اس میں دونوں میں اعرابِ لفظی منتفی ہے۔ اعرابِ تقدیری تو ہے لیکن اعرابِ لفظی منتفی ہے، یعنی لفظوں میں نہ رفع ہے نہ نصب نہ جر۔

تیسری مثال لکھیے بھائی: «ضَرَبَ مُوسَى زَيْدٌ»۔ «ضَرَبَ مُوسَى زَيْدٌ»۔ جی اب مجھے بتائیے، اب مجھے بتائیے کہ کس نے کس کی پٹائی کی؟ شاباش، زید نے موسیٰ کی پٹائی کی۔ آپ کو کس طرح پتہ چلا؟ زید کے اوپر رفع۔ یہ جو زید پر رفع آیا اس نے بتلا دیا کہ یہ فاعل ہے، تو پھر ظاہر سی بات ہے جو دوسرا اسم ہو گا وہ کیا ہو گا؟ مفعول ہو گا۔ تو یہاں دیکھو ایک پر بھی اعراب آ جائے تو ہمیں فاعل یا مفعول کا پتہ چل جاتا ہے۔

ایک اور مثال لکھیے: «ضَرَبَ مُوسَى زَيْدًا»۔ «ضَرَبَ مُوسَى زَيْدًا»۔ دیکھو اب اس میں صرف ایک پر اعرابِ لفظی ہے، ایک پر اعرابِ تقدیری ہے۔ اب مجھے بتائیے کس نے کس کی پٹائی کی؟ ہاں موسیٰ نے زید کی پٹائی کی۔ آپ کو کس طرح پتہ چلا؟ زید کے اوپر جو نصب آیا اس نصب نے ہمیں بتلا دیا کہ یہ مفعول ہے، تو ظاہر سی بات ہے پھر لفظِ موسیٰ کیا ہے؟ فاعل ہے۔ تو ایک کے اندر بھی اعرابِ لفظی آ جائے تو ہمیں فاعل یا مفعول کا پتہ چل جاتا ہے، اور جب پتہ چل رہا ہو پھر آپ جس کو مرضی مقدم کریں۔ آپ چاہے فاعل کو مقدم کریں، آپ چاہے مفعول کو۔ یہ پہلی مثال میں نے کیا لکھوائی؟ «ضَرَبَ مُوسَى زَيْدٌ»۔ «ضَرَبَ مُوسَى زَيْدٌ» اس میں زید کا رفع بتلا رہا ہے کہ یہ فاعل ہے، تو آپ اس کو چاہے مقدم کریں چاہے مؤخر کریں، «ضَرَبَ زَيْدٌ مُوسَى» کہہ دیں یا «ضَرَبَ مُوسَى زَيْدٌ» کہہ دیں کوئی فرق نہیں پڑتا۔ دوسری مثال کیا لکھوائی؟ «ضَرَبَ مُوسَى زَيْدًا»۔ یہ زید کا نصب بتلا رہا ہے کہ یہ مفعول ہے، تو چاہے آپ اس کو مقدم کریں چاہے مؤخر کریں کوئی فرق نہیں پڑے گا، کیونکہ یہ نصب بتلا دے گا۔ آپ چاہیں یوں کہیں جیسے ابھی ہے «ضَرَبَ مُوسَى زَيْدًا»، اور آپ چاہیں یوں کہیں «ضَرَبَ زَيْدًا مُوسَى»، موسیٰ کو مؤخر کر دیں پھر بھی فاعل کا بھی پتہ چل رہا ہے اور مفعول کا بھی پتہ

چل رہا ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو کبھی کبھار اس طرح اعراب جو ہے اس کے ذریعے فاعل اور مفعول کا پتہ چلتا ہے، چاہے اعراب دونوں پر ہو، چاہے دونوں میں سے ایک پر ہو۔

اور کبھی کوئی قرینہ جو ہوتا ہے وہ ہمیں بتلاتا ہے۔ مثلاً مثال لکھیے آگے بھائی: «ضَرَبَتْ مُوسَى حُبْلَى»۔ حُبْلَى میں بھی لام کے ساتھ یا ہے اور اوپر کھڑی زبر لکھیں۔ «ضَرَبَتْ مُوسَى حُبْلَى»۔ یاد رکھو «حُبْلَى» کا معنیٰ ہے حاملہ عورت بھائی، وہ عورت جس کے پیٹ میں حمل ہو اس کو «حُبْلَى» کہتے ہیں۔ اب دیکھو یہاں «ضَرَبَتْ مُوسَى حُبْلَى»، موسیٰ پر بھی اعراب تقدیری کیونکہ اسمِ مقصور ہے، حُبْلَى پر بھی اعراب تقدیری کیونکہ اسمِ مقصور ہے۔ لیکن ایک قرینہ موجود ہے، وہ قرینہ ہمیں بتلا رہا ہے، اعراب تو نہیں بتلا رہا لیکن ایک قرینہ ہمیں بتلا رہا ہے کون فاعل ہے اور کون مفعول۔ اور وہ قرینہ کیا ہے؟ شاباش، یہ «ضَرَبَتْ» کی تا بتلا رہی ہے کہ یہ تا تانیث کی علامت ہے فعل کے اندر، اور یہ تا بتلاتی ہے کہ اس فعل کا اسناد کسی مؤنث ذات کی طرف ہے، اس فعل کو کرنے والی کوئی مؤنث ذات ہے۔ اور موسیٰ اور حُبْلَى ان میں سے مؤنث کیا ہے؟ ان میں سے مؤنث کون ہے؟ حُبْلَى۔ حُبْلَى کے آخر میں جو الف ہے وہ الفِ تانیث ہے، تو حُبْلَى مؤنث ہے۔ تو «ضَرَبَتْ» کی تا بتلا رہی ہے کہ اس کا اسناد کس کی طرف ہے؟ حُبْلَى کی طرف۔ معلوم ہوا پٹائی کرنے والی کون؟ حُبْلَى، اور پٹائی کس پر واقع ہوئی؟ موسیٰ پر۔ تو یہاں دیکھو اعراب نے ہمیں نہیں بتایا کہ فاعل اور مفعول کون ہیں، البتہ ایک قرینہ موجود تھا، اس قرینے نے ہمیں بتلا دیا کون فاعل ہے اور کون مفعول۔

یاد رکھو قرینہ کہتے ہیں وہ چیز جو مطلوب اور مقصود کی طرف اشارہ کر دے، یعنی یوں کہو وہ چیز جس سے مطلوب کا پتہ چل جائے اس کو قرینہ کہتے ہیں۔ میں نے آپ کے سامنے یہ جملہ کہا ہے «ضَرَبَتْ مُوسَى حُبْلَى»، توجہ ہے؟ تو میرا مقصود کیا ہے؟ میں کیا بتلانا چاہتا ہوں؟ کہ حُبْلَى نے موسیٰ کی پٹائی کی ہے یا موسیٰ نے حُبْلَى کی پٹائی کی ہے؟ حُبْلَى نے موسیٰ کی پٹائی کی ہے میرا یہ مطلوب ہے، اور میرے اس مطلوب پہ کس چیز نے دلالت کی ہے؟ «ضَرَبَتْ» کی تا نے اور حُبْلَى کے آخر میں جو الفِ مقصورہ ہے تانیث والا۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو اس نے دلالت کی ہے، تو یہ اس کو کہتے ہیں قرینہ۔ اعراب نے بتایا آپ کو فاعل اور مفعول کے بارے میں یا ایک قرینے نے؟ قرینے نے بھائی۔ قرینہ کسے کہتے ہیں؟ کوئی بھی ایسی چیز جو مطلوب کی طرف کیا کر دے؟ اشارہ کر دے۔ میرا مطلوب کیا تھا؟ میں آپ کو، میرا مقصد کیا ہے؟ میں آپ کو کیا بتلانا چاہتا ہوں؟ کہ پٹائی کس نے کی ہے؟ حُبْلَى نے کی ہے۔ یہ آپ کو کس سے پتہ چلا؟ اس میرے مقصود پر کس نے دلالت کی؟ «ضَرَبَتْ» کی تا نے دلالت کی۔ تو جو چیز بھی مطلوب اور مقصود پر دلالت کر دے، اس کو کہتے ہیں قرینہ بھائی، کیا کہتے ہیں؟ جس سے مطلوب کا پتہ چل جائے۔

اور یاد رکھو پھر، یہ قرینہ دو قسم پر ہوتا ہے: کبھی قرینہ لفظیہ ہوتا ہے، اور کبھی قرینہ معنویہ ہوتا ہے۔ کبھی قرینہ... قرینہ لفظیہ کہ لفظ کے اندر کوئی ایسی چیز موجود ہو جس سے پتہ چل جائے، جیسے اس جملے میں تھا «ضَرَبَتْ مُوسَى حُبْلَى»، اس میں

آپ کو، اس میں کیا قرینہ تھا؟ «ضَرَبَتْ» کی جو تا تھی اس نے ہمیں بتایا کہ حُبْلَی فاعل ہے، تو یہ اس کو کہیں گے قرینہ لفظیہ۔ قرینہ لفظیہ یعنی لفظ نے آپ کو جو مطلوب تھا اس کی طرف رہنمائی کی، اس کے بارے میں آپ کو بتایا۔ اور کبھی جو قرینہ ہوتا ہے وہ غیرِ لفظ ہوتا ہے، جیسے مثلاً آگے لکھیے بھائی: «أَكَلَ الْكُمَّثْرَى يَحْيَى»۔ الف لام، کاف چھوٹا ہے، میم، اور ثا ہے تین نقطے اوپر ہوں ثا بھائی، الف با تا ثا، ثا، پھر را اور پھر آگے یا ہے اور یا کے اوپر کھڑی زبر لکھیں۔ یہ آپ کی کتاب میں بھی ہے، کتاب میں بھی اگر آپ دیکھ لیں چوتھی سطر میں آ رہا ہے «أَكَلَ الْكُمَّثْرَى يَحْيَى»۔ «أَكَلَ الْكُمَّثْرَى يَحْيَى»۔ یاد رکھو «كُمَّثْرَى» امرود یا ناشپاتی کو کہتے ہیں، عربی زبان میں «كُمَّثْرَى» کسے کہتے ہیں؟ امرود یا ناشپاتی۔ اب دیکھیے بھائی میں نے آپ کے سامنے یہ جملہ بولا «أَكَلَ الْكُمَّثْرَى يَحْيَى»۔ کیا ترجمہ؟ یحییٰ نے امرود کو کھایا۔ دیکھو معلوم ہوا کہ «الْكُمَّثْرَى» یہ کیا بن رہا ہے؟ مفعول ہے، اور «يَحْيَى» کیا ہے؟ فاعل ہے۔ دیکھو یہاں کسی لفظ نے نہیں آپ کو بتایا کہ کیا فاعل ہے اور کیا مفعول ہے، بلکہ معنیٰ نے آپ کو بتلا دیا۔ کس نے؟ یعنی یوں کہو عقل نے آپ کو بتلا دیا کہ یحییٰ نے امرود کھایا ہے، کیونکہ یحییٰ امرود کو کھا سکتا ہے لیکن امرود تو یحییٰ کو نہیں کھا سکتا بھائی۔ تو یہاں قرینہ لفظی نہیں ہے بلکہ اس کو کیا کہتے ہیں؟ قرینہ معنویہ۔ معنیٰ نے ہمیں بتلا دیا، یا اسی کو قرینہ عقلیہ بھی کہتے ہیں کہ ہمیں عقل نے بتلا دیا۔ تو قرینہ دو قسم پر ہے: کبھی قرینہ لفظیہ ہوتا ہے اور کبھی قرینہ معنویہ ہوتا ہے۔

تو دیکھو کبھی کبھار اعراب ہمیں فاعل اور مفعول کے بارے میں بتا دیتے ہیں، چاہے اعراب دونوں پر ہو چاہے ایک پر ہو۔ اور کبھی کبھار کوئی قرینہ ہمیں بتلا دیتا ہے کون فاعل ہے اور کون مفعول، اور وہ قرینہ کبھی لفظوں میں ہوتا ہے اور کبھی معنیٰ کے اندر ہوتا ہے۔ تو جب، ادھر دیکھیے، جب اعرابِ لفظی بھی منتفی ہو اور جب قرینہ بھی منتفی ہو، جیسے «ضَرَبَ مُوسَى عِيسَى»، اس میں اعراب بھی منتفی ہے موسیٰ اور عیسیٰ دونوں میں سے کسی پر اعرابِ لفظی نہیں ہے، اور قرینہ بھی منتفی ہے کوئی قرینہ بھی نہیں ہے جو ہمیں یہ بتلا رہا ہو کون فاعل ہے اور کون مفعول، تو اس صورت میں فاعل کو مقدم کرنا واجب ہے۔ «ضَرَبَ مُوسَى عِيسَى»، معلوم ہوا کس نے پٹائی کی ہے؟ موسیٰ نے، اور کس کی کی ہے؟ عیسیٰ۔ آپ کو کیسے پتہ چلا کہ موسیٰ فاعل ہے؟ اس کے مقدم ہونے نے ہمیں بتلایا، کیونکہ اور تو کوئی چیز ہے نہیں۔ تو اس صورت میں، یہ پہلی صورت ہے، کہ جب اعرابِ لفظی بھی منتفی ہو اور قرینہ بھی منتفی ہو، تو پھر اس صورت میں فاعل کو مقدم کرنا واجب ہے۔ اسی سے ہم فاعل کو پہچانیں گے۔

دیکھیے بھائی متن متن، کہتے ہیں: «وَإِذَا انْتَفَى الْإِعْرَابُ لَفْظًا فِيهِمَا وَالْقَرِينَةُ» اور جب اعرابِ لفظی منتفی ہو جائے «فِيهِمَا» فاعل اور مفعول دونوں میں، «وَالْقَرِينَةُ» اور قرینہ بھی کیا ہو جائے؟ منتفی ہو جائے، یہ پہلی صورت، جزا آخر میں آئے گی تین

چار پانچ سطروں کے بعد ہے متن میں «وَجَبَ تَقْدِيمُهُ» تو اس صورت میں فاعل کو مقدم کرنا واجب ہے۔ یہ پہلی صورت تھی۔

اب دوسری صورت ہے متن میں: «أَوْ كَانَ مُضْمَرًا مُتَّصِلًا» یا وہ فاعل ضمیرِ متصل ہو، وہ فاعل کیا ہو؟ ضمیرِ متصل ہو۔ ادھر دیکھیے جب فاعل ضمیرِ متصل ہو، تو اس صورت میں بھی فاعل کو مقدم کرنا واجب ہے۔ مثلاً دیکھیے بھائی لکھیے اپنے سامنے جملہ «ضَرَبَ زَيْدٌ عَمْرًا»، جلدی جلدی لکھیے بھائی، «ضَرَبَ زَيْدٌ عَمْرًا»۔ دیکھو «ضَرَبَ» فعل ہے، «زَيْدٌ» مرفوع لفظاً اس کا فاعل، اور «عَمْرًا» کیا ہے؟ مفعول ہے۔ اب دیکھو دونوں میں سے ایک بھی ضمیر نہیں ہے، دونوں اسمِ ظاہر ہیں، تو آپ جس کو مرضی مقدم کر دیں، اس سے کوئی معنیٰ میں کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ اصل تو یہ ہے فعل کے بعد فاعل آنا چاہیے لیکن واجب تو نہیں ہے۔ تو «ضَرَبَ زَيْدٌ عَمْرًا» چاہے آپ یوں کہہ دیں اور چاہے آپ کیا کہہ دیں «ضَرَبَ عَمْرًا زَيْدٌ» کہہ دیں، یہ دونوں پر جو اعراب آ رہا ہے اسی سے پتہ چل جائے گا کہ کون فاعل ہے اور کون مفعول۔ لیکن اگر فاعل ضمیرِ متصل ہو، مثلاً «ضَرَبَ زَيْدٌ»، زید کے بجائے میں ضمیرِ متصل کو فاعل بناتا ہوں، مثلاً میں کہتا ہوں «ضَرَبْتُ عَمْرًا»، «ضَرَبْتُ عَمْرًا»۔ دیکھو اب «ضَرَبْتُ عَمْرًا» کے اندر یہ فاعل کیا ہے؟ تا جو ہے ضمیرِ متصل ہے، اور یہ «عَمْرًا» کیا ہے؟ مفعول۔ تو فاعل جب ضمیرِ متصل ہو، جب ضمیرِ متصل ہو، تو پھر اس صورت میں اس کو مقدم کرنا واجب ہے، اس کو مقدم...

لیکن شرط، ایک شرط ہے اس کے اندر، کہ یہ جو مفعول ہے وہ فعل سے مؤخر ہونا چاہیے، مفعول... دیکھو جملہ میں نے کیا لکھوایا «ضَرَبْتُ عَمْرًا»۔ «ضَرَبْتُ عَمْرًا»، یہ «عَمْرًا» کیا ہے؟ «ضَرَبْتُ» سے مؤخر ہے یا نہیں؟ بھائی فاعل تو کبھی فعل پر مقدم نہیں ہو سکتا، لیکن مفعول فعل پر مقدم ہو سکتا ہے۔ لہٰذا ہم اس کو یوں بھی کہہ سکتے ہیں «عَمْرًا ضَرَبْتُ»۔ «عَمْرًا ضَرَبْتُ»، اب مجھے بتائیے «ضَرَبْتُ» فاعل کیا؟ تا ضمیرِ متصل ہے، لیکن پھر بھی «عَمْرًا» کیا ہے اس پر؟ مقدم ہے۔ اور ہم بات کس کی کر رہے ہیں؟ وہ جگہیں جہاں فاعل کو مقدم کرنا واجب ہے۔ تو فاعل جب ضمیرِ متصل ہو تو اس کو مفعول پر مقدم کرنا واجب ہے، لیکن ایک شرط کا اضافہ اس میں کر دینا کہ مفعول فعل سے مؤخر ہونا چاہیے۔ اور یہ جو «عَمْرًا ضَرَبْتُ» ہے اس کے اندر تو «عَمْرًا» کو آپ نے کیا کر دیا؟... اس مثال پہ نظر رکھو «عَمْرًا ضَرَبْتُ»، اس میں تو «عَمْرًا» کو کیا کر دیا؟ «ضَرَبْتُ» پر مقدم کر دیا۔ تو یہ شرط صاحبِ جامی لگائیں گے، بھائی بات کیا چل رہی ہے فاعل جب ضمیرِ متصل ہو اس کو مقدم کرنا...

واجب ہے۔ لیکن شرط یہ ہے کہ مفعول فعل پر مقدم نہیں ہونا چاہیے۔ تو اس «عَمْرًا» کو فعل سے مؤخر کر دو۔ اب کیا بن جائے گا؟ «ضَرَبْتُ عَمْرًا»۔ اب جب دیکھو اب فاعل ضمیرِ متصل ہے اور مفعول فعل پر مقدم نہیں، تو اب فاعل کو مقدم کرنا واجب ہے۔ اس «ضَرَبْتُ» کی تا کو «عَمْرًا» پر مقدم کرنا واجب ہے۔ وجہ یہ کہ اگر اس تا کو «عَمْرًا» پر آپ مقدم

نہیں کریں گے، تو دوسری صورت یہ ہے کہ اس تا کو «عَمْرًا» کے بعد لے کر جائیں گے۔ کس کے بعد؟ عَمْرًا کے بعد۔ اور یہ تو تا تو ہے ضمیرِ متصل، ضمیرِ متصل کا کیا معنیٰ؟ یہ ساتھ جڑی ہوئی ہے۔ اب جب اس کو آپ «عَمْرًا» کے بعد لے جائیں گے، تو اب یہ ضمیرِ متصل رہے گی یا منفصل بن جائے گی؟ یہ تو منفصل بن جائے گی۔ یہ تا ضمیر کون سی ہے؟ متکلم کی۔ تو پھر یہ اسی طرح تا نہیں رہے گی، متکلم کی ضمیرِ منفصل یہاں لے آؤ، اور وہ کیا ہے؟ «أَنَا»۔ «ضَرَبَ عَمْرًا أَنَا»۔ «ضَرَبَ عَمْرًا أَنَا»۔ «ضَرَبْتُ» کی تا ضمیر کا بھی کیا معنیٰ تھا؟ متکلم۔ اور «أَنَا» کا بھی کیا معنیٰ؟ متکلم۔ لیکن فرق کیا ہے؟ تا ہے ضمیرِ متصل، جب یہ کسی فعل سے جڑتی ہے تو اس شکل میں آتی ہے، اور جب یہ چیزوں سے الگ ہوتی ہے تو «أَنَا» کی صورت میں آتی ہے۔ تو جب یہ تا متصل تھی، تو یہ تا کی صورت تھی، اور جب آپ اس کو «عَمْرًا» سے مؤخر لے گئے، اب صورت کیا بن گئی؟ «أَنَا» والی بن گئی، کیا بن گئی؟ ہے وہی متکلم کی ضمیر، تا ضمیر کا معنیٰ بھی میں متکلم، اور «أَنَا» کا معنیٰ بھی میں متکلم بھائی۔

تو اب دیکھیے، ادھر دیکھیے، کیا بات چل رہی تھی؟ جب فاعل ضمیرِ متصل ہو، اور مفعول فعل سے مؤخر ہو، شرط یہ ہے نا، اس شرط کا بھی اضافہ کر دو۔ جب فاعل کیا ہو؟ ضمیرِ متصل، اور مفعول کیا ہو؟ فعل سے مؤخر ہو، تو پھر فاعل کو، یعنی اس ضمیرِ متصل کو مقدم کرنا واجب ہے مفعول پر۔ تو اس «عَمْرًا» پر اس تا کو مقدم کرنا واجب ہے۔ اس لیے کیونکہ اگر آپ مؤخر کریں گے، پھر تو یہ ضمیرِ متصل رہے گی نہیں، بلکہ کیا بن جائے گی؟ یہ تو منفصل بن جائے گی، اور ہم تو متصل کی بات کر رہے ہیں بھائی۔

معلوم ہوا دوسری جگہ جہاں فاعل کو مقدم کرنا واجب ہے کون سی ہے؟ جہاں فاعل ضمیرِ متصل ہو، اور شرط یہ ہے کہ مفعول فعل سے مؤخر ہو، تو اس صورت میں فاعل کو مقدم کرنا واجب، اگر اس کو مقدم آپ نہیں کریں گے پھر تو وہ متصل نہ رہے گا، کیا بن جائے گا؟ منفصل بن جائے گا۔ تو دو جگہیں ذکر ہو گئیں۔ پہلی جگہ کیا؟ کہ جب فاعل اور مفعول دونوں میں اعرابِ لفظی بھی منتفی ہو جائے، اور کوئی قرینہ بھی نہ ہو، تو پھر فاعل کو مقدم کرنا واجب ہے مفعول پر، کس پر؟ مفعول پر۔ اور اسی طرح فاعل جب ضمیرِ متصل ہو، تو اس کو مفعول پر مقدم کرنا واجب ہے، لیکن شرط یہ ہے کہ وہ مفعول فعل سے مؤخر ہونا چاہیے، اس پر مقدم نہیں ہونا چاہیے۔ یہ دو جگہیں ہو گئیں۔

تیسری جگہ، دیکھیے بھائی ذرا متن متن۔ کہتے ہیں: «أَوْ كَانَ مُضْمَرًا مُتَّصِلًا» یا وہ فاعل جو ہے وہ ضمیرِ متصل ہو۔ جزا وہی ہے سب کی: «وَجَبَ تَقْدِيمُهُ» تو اس صورت میں بھی فاعل کو مقدم کرنا واجب ہے۔ تیسری صورت آ گئی: «أَوْ وَقَعَ مَفْعُولُهُ بَعْدَ إِلَّا» یا وہ مفعول جو ہے «إِلَّا» کے بعد واقع ہو۔ وہ فاعل کا جو مفعول ہے وہ «إِلَّا» کے بعد واقع ہو، تو اس صورت میں بھی فاعل کو مقدم کرنا واجب ہے۔ بھائی اس کو سمجھ لیں۔

یہ حصر کی بات آگئی: حصر، قصر، اور تخصیص۔ حصر: حا، صاد، را۔ قصر: قاف دو نقطوں والا، صاد، اور را۔ حصر، قصر، اور تخصیص بھائی، تخصیص میں دو صاد ہیں۔ تینوں کا ایک ہی معنیٰ ہے۔ حصر، قصر، اور تخصیص کا معنیٰ ہے: ایک چیز کو دوسری چیز کے ساتھ خاص کرنا۔ ایک چیز کو دوسری چیز کے ساتھ خاص کرنا، یا یوں کہو، ادھر دیکھیے بھائی، تخصیص کہتے ہیں کہ ایک چیز کا اثبات کیا جا رہا ہو تو دوسری چیز کی نفی کی جا رہی ہو، اس کو کہتے ہیں تخصیص بھائی۔ مثلاً آپ کا خیال تھا کہ زید اور عمرو دونوں نے پٹائی کی ہے، زید اور عمرو دونوں نے پٹائی کی ہے، تو میں آپ سے کہتا ہوں: «مَا ضَرَبَ إِلَّا زَيْدٌ»۔ «مَا ضَرَبَ إِلَّا زَيْدٌ»، کہ پٹائی نہیں کی مگر زید نے۔ تو دیکھو میں نے اس پٹائی کو بند کر دیا، میں نے اس پٹائی کو بند کر دیا زید کے اندر کہ صرف زید نے پٹائی کی ہے، معلوم ہوا عمرو نے پٹائی نہیں کی۔ آپ کا کیا خیال تھا کہ زید اور عمرو دونوں نے پٹائی کی ہے، میں نے کیا کہا «مَا ضَرَبَ إِلَّا زَيْدٌ»، نہیں پٹائی کی مگر کس نے؟ زید نے۔ معلوم ہوا میں نے پٹائی کی تخصیص کر دی زید کے ساتھ، کہ پٹائی زید ہی کے ساتھ خاص ہے، اسی نے یہ پٹائی کی ہے۔ تخصیص کسے کہتے ہیں؟ کہ مذکور کے لیے اثبات ہو، تو غیرِ مذکور سے کیا ہو؟ نفی ہو۔ توجہ ہے؟ مذکور کے لیے اثبات ہو، تو غیرِ مذکور سے نفی ہو۔ میں نے کس کے لیے اثبات کیا؟ زید کے لیے، کہ زید نے پٹائی کی ہے، تو غیرِ مذکور معلوم ہوا عمرو جو ہے، اس نے پٹائی نہیں کی۔ تو تخصیص کسے کہتے ہیں؟ کہ مذکور کے لیے اثبات ہو، تو غیرِ مذکور سے نفی ہو، اس کو کہتے ہیں تخصیص۔ یا یوں کہو آسان لفظوں میں، ایک چیز کو دوسری چیز کے ساتھ خاص کر دینا۔ آپ کا خیال یہ تھا کہ پٹائی زید نے بھی کی ہے اور پٹائی عمرو نے بھی کی ہے، لیکن میں نے پٹائی کو خاص کر دیا کس کے ساتھ؟ زید کے ساتھ، معلوم ہوا صرف زید نے پٹائی کی ہے، عمرو نے پٹائی نہیں کی۔ اس کو کہتے ہیں تخصیص، اسی کو کہتے ہیں حصر، اور اسی کو کہتے ہیں قصر بھائی۔ میں نے پٹائی کا حصر کر دیا کس میں؟ زید میں۔ یا میں نے پٹائی کا قصر کر دیا کس میں؟ زید میں۔ یا یوں کہیں گے میں نے پٹائی کی تخصیص کر دی کس کے ساتھ؟ زید کے ساتھ۔

اب یاد رکھو اس کلام کے موقعے مختلف ہوتے ہیں۔ کبھی آپ ایک چیز کو بند کرنا چاہیں گے، کبھی آپ دوسری چیز کو بند کرنا چاہیں گے۔ یعنی کبھی آپ ایک چیز کی تخصیص ذکر کرنا چاہیں گے، کبھی دوسری چیز کی تخصیص ذکر کرنا چاہیں گے۔ دونوں کے موقعے اور محل الگ الگ ہیں۔ مثلاً دیکھو، مثلاً دیکھو، آپ کا یہ خیال ہے کہ زید نے عمرو اور بکر دونوں کی پٹائی کی ہے۔ توجہ ہے؟ آپ کا کیا خیال ہے؟ کہ زید نے عمرو اور بکر دونوں کی پٹائی کی ہے، اور میں آپ کو یہ بتلانا چاہتا ہوں کہ نہیں، زید نے صرف عمرو کی پٹائی کی ہے۔ آپ کا کیا خیال ہے، مخاطب کا کیا خیال ہے؟ کہ زید نے عمرو اور بکر دونوں کی پٹائی کی ہے، اور میں آپ کو بتلانا چاہتا ہوں کہ نہیں، زید نے صرف کس کی پٹائی کی ہے؟ عمرو کی۔ تو میں آپ سے کہوں گا: «مَا ضَرَبَ زَيْدٌ إِلَّا عَمْرًا»۔ «مَا ضَرَبَ زَيْدٌ»، نہیں کی زید نے پٹائی «إِلَّا عَمْرًا» مگر کس کی؟ عمرو کی۔ معلوم ہوا زید نے صرف عمرو کی پٹائی کی ہے، بکر کی پٹائی نہیں کی۔ تو دیکھو میں نے زید کی ضاربیت کو بند کر دیا کس کے اندر؟ عمرو کے اندر۔ زید کی ضاربیت عمرو

میں بند ہے، زید صرف عمرو کے لیے ضارب ہے، کسی اور کے لیے ضارب نہیں۔ یا یوں کہیں، میں نے زید کی ضاربیت کی، زید کے ضارب ہونے کی میں نے تخصیص کر دی کس کے ساتھ؟ عمرو کے ساتھ۔ آپ کا کیا خیال تھا؟ کہ زید نے عمرو اور بکر دونوں کی پٹائی کی ہے، یعنی معلوم ہوا زید کی ضاربیت عمرو کے لیے بھی ہے اور زید کا ضارب ہونا بکر کے لیے... زید کا ضارب ہونا عمرو کے لیے بھی ہے اور زید کا ضارب ہونا بکر کے لیے بھی ہے، لیکن میں نے بتلایا کہ نہیں، زید کا ضارب ہونا صرف عمرو کے لیے ہے، یعنی زید کی ضاربیت بند ہے کس میں؟ عمرو میں۔ یا یوں کہو زید کی ضاربیت خاص ہے کس کے ساتھ؟ عمرو کے ساتھ خاص ہے، بکر کو اس نے نہیں مارا بھائی، زید کی ضاربیت بکر کے لیے نہیں ہے۔ تو دیکھو یہ ایک مقام تھا جس میں آپ کا کیا خیال تھا؟ کہ زید نے عمرو اور بکر دونوں کی پٹائی کی ہے، تو اب میں آپ کو بتلانا یہ چاہتا ہوں کہ نہیں، زید نے صرف کس کی پٹائی کی ہے؟ عمرو، تو میں کیا کہوں گا؟ «مَا ضَرَبَ زَيْدٌ إِلَّا عَمْرًا»۔ دیکھو «زَيْدٌ» کو «إِلَّا» سے پہلے لاؤں گا اور «عَمْرًا» اس کو «إِلَّا» کے بعد لاؤں گا۔

یہ ذرا اپنے سامنے ایک جملہ لکھو، یہی والا جملہ: «مَا ضَرَبَ زَيْدٌ إِلَّا عَمْرًا»۔ «مَا ضَرَبَ زَيْدٌ إِلَّا عَمْرًا»۔ لکھ لیا؟ اب ذرا ان لفظوں پہ ذرا غور کرنا۔ یہ جو ماقبل میں چیز ہوتی ہے، «إِلَّا» سے جو ماقبل ہے نا، اس کو بند کیا جاتا ہے «إِلَّا» کے مابعد میں۔ «إِلَّا» سے ماقبل کیا ذکر؟ «ضَرَبَ زَيْدٌ»، یعنی زید کا ضارب ہونا۔ زید فاعل ہے نا، زید کا ضارب ہونا ذکر ہے یا زید کا مضروب ہونا ذکر ہے؟ زید کا ضارب ہونا ذکر ہے۔ تو یہ زید کی ضاربیت بند ہے کس میں جو «إِلَّا» کے بعد ہے، «إِلَّا» کے بعد کون ہے؟ عمرو۔ تو دیکھو زید کی ضاربیت بند ہے کس کے اندر؟ عمرو کے اندر۔ آپ کا کیا خیال تھا، مخاطب کا کیا خیال تھا؟ کہ زید کی ضاربیت عمرو کے لیے بھی ہے اور بکر کے لیے بھی ہے، لیکن میں نے زید کی ضاربیت کو کس میں بند کر دیا؟ «إِلَّا عَمْرًا»، کس کے اندر؟ عمرو کے اندر بند کر دیا کہ زید نے عمرو کو صرف مارا ہے، بکر کو نہیں مارا۔

صورت سمجھ میں آگئی۔ اب دوسرا جملہ لکھیں: «مَا ضَرَبَ عَمْرًا إِلَّا زَيْدٌ»۔ «مَا ضَرَبَ عَمْرًا إِلَّا زَيْدٌ»۔ میں نے بتایا یہ جو «إِلَّا» سے ماقبل ہوتا ہے اس کو بند کیا جاتا ہے «إِلَّا» کے مابعد میں۔ «مَا ضَرَبَ عَمْرًا إِلَّا زَيْدٌ»، جی «إِلَّا» سے پہلے کیا ذکر؟ عمرو کا ضارب ہونا یا عمرو کا مضروب ہونا؟ مضروب ہونا۔ عمرو پر نصب ہے یا رفع ہے؟ نصب۔ معلوم ہوا یہ مضروب ہے یا ضارب ہے؟ مضروب۔ یہ مضروب ہے، یہ مفعول ہے نا، مفعول مضروب ہوتا ہے یا ضارب ہوتا ہے؟ یہ مضروب ہے۔ معلوم ہوا «إِلَّا» سے ماقبل کیا ذکر ہے؟ عمرو کی مضروبیت ذکر ہے، عمرو کا مضروب ہونا ذکر ہے۔ اس عمرو کے مضروب ہونے کو میں نے بند کر دیا «إِلَّا زَيْدٌ» جو «إِلَّا» کے بعد آرہا ہے یعنی زید، اس میں، کہ عمرو کی مضروبیت بند ہے کس میں؟ زید میں۔ آپ کا خیال یہ تھا کہ زید نے بھی عمرو کو مارا ہے اور بکر نے بھی عمرو کو مارا ہے، دونوں نے مل کر... زید نے بھی عمرو کو مارا ہے اور بکر نے بھی عمرو کو مارا ہے، دونوں نے مل کر عمرو کو مارا ہے۔ میں آپ کو کیا کہتا ہوں؟ «مَا ضَرَبَ عَمْرًا إِلَّا زَيْدٌ»، نہیں مارا عمرو کو مگر کس نے؟ زید نے۔ معلوم ہوا عمرو کی مضروبیت بند ہے کس میں؟ زید۔ عمرو صرف زید کے لیے مضروب ہے، بکر کا مضروب نہیں، بکر نے اس کو نہیں مارا بھائی۔

تو کلام کے مقام اور محل الگ ہوتے ہیں: کبھی مجھے جو ہے ضاربیت کو ایک چیز میں بند کرنا پڑتا ہے، اور کبھی مضروبیت کو بند کرنا پڑتا ہے۔ ضاربیت کو جہاں بند کرنا ہے وہ اور مقام ہے، مضروبیت کو جہاں بند کرنا ہے وہ اور مقام ہے۔ یہاں تک بات سمجھ میں آگئی؟ تو اس کو کہتے ہیں حصر۔ حصر کے اندر مذکور کے لیے ایک چیز کی تخصیص کر دی جاتی ہے، یعنی مذکور کے لیے ایک چیز کا اثبات ہوتا ہے تو غیرِ مذکور سے اس کی نفی کر دی جاتی ہے۔

اب اس میں ترجمے کا طریقہ بھی سیکھو بھائی۔ دیکھو پہلا جملہ میں نے کیا لکھوایا؟ «مَا ضَرَبَ زَيْدٌ إِلَّا عَمْرًا»۔ ترجمہ کرو: نہیں مارا زید نے مگر عمرو کو۔ دیکھو یہ «مَا» اور «إِلَّا» کے ساتھ ترجمہ ہے، اور «مَا» اور «إِلَّا» تخصیص کے لیے آتے ہیں، ابھی ترجمے سے آپ کو باتیں سمجھ میں آگئیں کہ یہ «مَا» اور «إِلَّا» کس لیے آتے ہیں؟ تخصیص کے لیے، یہ ایک صفت کو دوسری چیز کے ساتھ خاص کر دیتے ہیں۔ تو یہ «مَا» اور «إِلَّا» یہ تو عام ترجمہ ہے، اس کا بامحاورہ ترجمہ اور طرح کریں گے۔ کیسے کریں گے؟ ہی یا صرف کا لفظ لائیں گے، ہی کا لفظ لائیں گے یا صرف۔ دیکھو اس جملے پہ نظر رکھنا: «مَا ضَرَبَ زَيْدٌ إِلَّا عَمْرًا»، نہیں مارا زید نے مگر عمرو کو۔ بامحاورہ ترجمہ کرو، یہ «مَا» اور «إِلَّا» کو ختم کر دو: زید نے عمرو ہی کو مارا۔ یہ جو «إِلَّا» کے بعد ہوتا ہے نا، اس کے بعد لفظِ ہی لے آتے ہیں، اور «إِلَّا» کے بعد یہاں کیا ہے؟ عمرو ہے، تو عمرو کے بعد ہی کا لفظ لے آئیں گے: زید نے عمرو ہی کو مارا ہے۔ توجہ ہے؟ زید نے عمرو ہی کو مارا ہے، معلوم ہوا کسی اور کو نہیں مارا۔

تو ایک طریقہ ترجمے کا یہ ہے کہ جو «إِلَّا» کے بعد ہو اس کے بعد ہی کا لفظ لے آئیں۔ یا دوسرا طریقہ یہ ہے کہ یہ جو «إِلَّا» کے بعد ہے اس سے پہلے صرف کا لفظ لے آئیں، اس سے پہلے صرف کا لفظ لے آئیں۔ اب ترجمہ کرو: زید نے صرف عمرو کو مارا ہے۔ شاباش، زید نے صرف عمرو کو مارا ہے، معلوم ہوا زید نے کسی اور کو نہیں مارا۔ تو دیکھو تین ترجمے اردو میں آپ کو آ گئے۔ «مَا ضَرَبَ زَيْدٌ إِلَّا عَمْرًا»، پہلا ترجمہ کیا؟ «مَا» اور «إِلَّا» کے ساتھ کرو: نہیں مارا زید نے مگر عمرو کو۔ دوسرا ترجمہ کرو: زید نے عمرو ہی کو مارا۔ یہ دیکھا «إِلَّا» کے بعد جو ہے اس کے بعد ہی کا لفظ لے آئیں گے: زید نے عمرو ہی کو مارا ہے، معلوم ہوا کسی اور کو نہیں مارا۔ تیسرا ترجمہ: زید نے صرف عمرو کو مارا ہے، معلوم ہوا کسی اور کو نہیں مارا۔ تو یہ بامحاورہ ترجمہ کرنے کا طریقہ ہے، اس طرح کلام زیادہ خوبصورت بن جاتا ہے، کہ «مَا» اور «إِلَّا» کو ختم کر دیں اور ہی یا صرف ان دونوں میں سے ایک کو لے آئیں۔ ہی کو لانا ہے «إِلَّا» کے بعد جو حرف ہے اس کے بعد لانا ہے، اور اگر صرف کو لانا ہے تو «إِلَّا» کے بعد جو لفظ ہے اس سے پہلے صرف کا لفظ لے آئیں گے۔ طریقہ سمجھ میں آگیا؟

تو یہ جو دو جملے میں نے آپ کو لکھوائے، یہ دو جملے میں نے آپ کو لکھوائے، کون سے؟ پہلا کیا: «مَا ضَرَبَ زَيْدٌ إِلَّا عَمْرًا»، ترجمہ کریں: نہیں مارا زید نے مگر عمرو کو۔ جی اس میں کس کا حصر کس میں ہے، کس کی تخصیص کس کے ساتھ ہے؟ ہاں اس میں زید کی ضاربیت بند ہے عمرو کے اندر۔ سننے والے کا خیال تھا کہ زید کی ضاربیت عمرو کے لیے بھی ہے، زید نے عمرو کو بھی مارا ہے اور بکر کو بھی مارا ہے، تو اب آپ کیا کہتے ہیں: «مَا ضَرَبَ زَيْدٌ إِلَّا عَمْرًا»، کہ زید نے عمرو ہی کو مارا

ہے، بکر کو نہیں مارا۔ تو اس میں دیکھو «إِلَّا» سے پہلے ہے «زَيْدٌ» فاعل، اور «إِلَّا» کے بعد «عَمْرًا» مفعول ہے۔ توجہ ہے؟ اور دوسرا جملہ جو میں نے لکھوایا، اس میں «عَمْرًا» جو مفعول ہے وہ «إِلَّا» سے پہلے ہے، اور «زَيْدٌ» جو فاعل ہے وہ «إِلَّا» کے بعد ہے۔ جی وہ کیا جملہ ہے؟ «مَا ضَرَبَ عَمْرًا إِلَّا زَيْدٌ»، ترجمہ کریں: نہیں مارا عمرو کو مگر زید نے۔ سننے والے کا خیال یہ تھا کہ عمرو مضروب ہے، اور زید نے بھی اس کو مارا ہے اور بکر نے بھی مارا ہے، لیکن آپ اس کو بتاتے ہیں «مَا ضَرَبَ عَمْرًا إِلَّا زَيْدٌ»، کہ نہیں مارا عمرو کو مگر صرف کس نے؟ زید نے۔ یعنی سننے والے کا خیال یہ تھا کہ عمرو مضروب ہے زید کے لیے بھی اور بکر کے لیے بھی، لیکن آپ نے عمرو کی مضروبیت کو بند کر دیا کس میں؟ زید کے اندر کہ عمرو کی مضروبیت زید میں بند ہے، عمرو کو صرف زید نے مارا ہے، بکر نے نہیں مارا۔

تو پہلے جملے میں ضاربیت کی تخصیص ہے، اور دوسرے جملے میں مضروبیت کی تخصیص ہے۔ پہلے جملے میں «إِلَّا» سے پہلے فاعل ہے اور «إِلَّا» کے بعد مفعول، اور دوسرے جملے میں «إِلَّا» سے پہلے مفعول ہے اور «إِلَّا» کے بعد فاعل ہے۔ یہاں تک باتیں سمجھ میں آگئیں؟ دیکھو آپ دیکھ رہے ہیں کہ اگر فاعل کو «إِلَّا» سے مقدم کرو اور مفعول کو «إِلَّا» پر مؤخر کرو، تو حصر آتا ہے کس چیز کا؟ ضاربیت کا۔ ضاربیت کا حصر آتا ہے۔ اور اگر مفعول کو مقدم کرو اور فاعل کو مؤخر کرو، تو پھر مضروبیت کا حصر آتا ہے۔ بات سمجھ میں آرہی ہے؟

لہٰذا یہ جو پہلا جملہ ہے، اس کے اندر زید پہلے ہے اور «عَمْرًا» «إِلَّا» کے بعد ہے، تو حصر کس کا ہے؟ ضاربیت کا۔ تو جب ضاربیت کا حصر پیدا کرنا ہو تو فاعل کو پہلے لاؤ اور مفعول کو بعد میں لاؤ، تو اس صورت میں فاعل کو مقدم کرنا واجب ہے، جب کیا ہو؟ جب ضاربیت کا آپ حصر پیدا کرنا چاہتے ہیں۔ اور اگر آپ مضروبیت کا حصر پیدا کرنا چاہتے ہیں تو پھر مفعول کو پہلے لاؤ اور فاعل کو مؤخر کرو۔ توجہ ہے؟ معلوم ہوا ضاربیت کے حصر کے لیے فاعل کو مقدم کرنا واجب، اور مضروبیت کے حصر کے لیے فاعل کو مؤخر کرنا واجب ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ بھائی صاحبِ کافیہ کچھ وہ جگہیں بتا رہے ہیں جن میں سے بعض میں فاعل کو مقدم کرنا واجب ہے، اور بعض صورتوں میں فاعل کو مؤخر کرنا واجب ہے۔ تو پہلے فاعل کو مقدم کرنے والی جگہیں ذکر کریں گے، اور پھر آگے چل کر فاعل کو مؤخر کرنے والی صورتیں ذکر کریں گے، اس میں یہ دونوں آئیں گی: بعض جگہ فاعل کو مقدم کرنا واجب، بعض جگہ فاعل کو مؤخر کرنا واجب۔ تو میں نے آپ کو بتلا دیا، اگر آپ ضاربیت کا حصر پیدا کرنا چاہتے ہیں تو فاعل کو مقدم کرنا واجب، اور اگر آپ مضروبیت کا حصر پیدا کرنا چاہتے ہیں تو پھر فاعل کو مؤخر کرنا واجب ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟

دیکھیے بھائی اب کتاب پر، کہتے ہیں: «أَوْ وَقَعَ مَفْعُولُهُ بَعْدَ إِلَّا» یا جو فاعل کا مفعول ہے وہ «إِلَّا» کے بعد واقع ہو۔ فاعل کا مفعول «إِلَّا» کے بعد واقع ہو، ذرا یہ جو دو جملے میں نے لکھوائے ان پر نظر رکھیں۔ مفعول «إِلَّا» کے بعد واقع ہے، کون سا جملہ؟ پہلا۔ جی پڑھو ذرا اس کو۔ ہاں «مَا ضَرَبَ زَيْدٌ إِلَّا عَمْرًا»۔ اس میں دیکھو مفعول «إِلَّا» کے بعد واقع ہے اور فاعل

«إِلَّا» سے پہلے ہے، تو فاعل کو مقدم ہی کرنا واجب ہے۔ فاعل کو مقدم ہی کرنا واجب ہے، کیوں؟ کیونکہ اگر آپ جگہ بدلیں گے دونوں کی، فاعل کو مؤخر کر دیں اور مفعول کو مقدم کر دیں گے، تو اس صورت میں تو حصر ہی الٹ جائے گا۔ جب فاعل مقدم تھا تو کس کا حصر تھا؟ ضاربیت کا۔ اور جب آپ مفعول کو مقدم کر دیں گے پھر کس کا حصر آجائے گا؟ پھر تو مضروبیت کا حصر آجائے گا۔ بات سمجھ میں آگئی؟ لہٰذا جب «إِلَّا» کے بعد کون واقع ہو؟ مفعول، تو فاعل کو مقدم کرنا واجب ہے بھائی۔

تو کہتے ہیں: «أَوْ وَقَعَ مَفْعُولُهُ بَعْدَ إِلَّا»، متن پہ نظر ہے؟ یا فاعل کا مفعول واقع ہو «بَعْدَ إِلَّا»، کس کے بعد؟ «إِلَّا» کے بعد۔ اس میں ایک شرط بڑھائیں گے صاحبِ جامی، ادھر دیکھیے۔ مفعول کس کے بعد واقع ہو؟ «إِلَّا» کے بعد واقع ہو، لیکن شرط یہ ہے کہ «إِلَّا» فاعل اور مفعول دونوں کے بیچ میں ہو، «إِلَّا» فاعل اور مفعول دونوں کے بیچ میں ہو۔ دیکھو آپ کو میں نے جو دو مثالیں لکھوائیں «مَا ضَرَبَ زَيْدٌ إِلَّا عَمْرًا»، یہ «إِلَّا» کس کے بیچ میں ہے؟ فاعل اور مفعول دونوں کے بیچ میں، «إِلَّا» سے ماقبل فاعل ہے اور «إِلَّا» کے مابعد مفعول ہے۔ اگلی مثال میں بھی دیکھ لیں: «مَا ضَرَبَ عَمْرًا إِلَّا زَيْدٌ»، اس میں بھی «إِلَّا» فاعل اور مفعول کے بیچ میں ہے، «إِلَّا» سے ماقبل کیا ہے؟ مفعول، اور «إِلَّا» کے مابعد کیا ہے؟ فاعل۔ یہ شرط ضروری ہے کہ «إِلَّا» کو دونوں کے بیچ میں ہونا چاہیے۔ جب «إِلَّا» دونوں کے بیچ میں ہے، یہ دیکھیے بھائی: «أَوْ وَقَعَ مَفْعُولُهُ بَعْدَ إِلَّا» یا فاعل کا مفعول کس کے بعد آئے؟ «إِلَّا» کے بعد، أَيْ «إِلَّا عَمْرًا»۔ مفعول کس کے بعد آئے؟ «إِلَّا» کے بعد آئے، اور «إِلَّا» دونوں کے بیچ میں ہے، تو معلوم ہوا فاعل کہاں ہے؟ وہ فاعل «إِلَّا» سے پہلے ہے۔ جب مفعول «إِلَّا» کے بعد ہے اور «إِلَّا» دونوں کے بیچ میں ہے، تو پھر معلوم ہوا فاعل کہاں ہے؟ «إِلَّا» سے پہلے ہے بھائی۔ تو اس صورت میں فاعل ہی کو مقدم کرنا واجب ہے، آپ مفعول کو مقدم نہیں کر سکتے۔ اس لیے کیونکہ فاعل جب مقدم ہے تو ضاربیت بند ہو رہی ہے، اور اگر آپ مفعول کو مقدم کر دیں گے پھر تو مضروبیت بند ہو جائے گی، پھر تو کلام کا معنیٰ ہی بدل جائے گا بھائی۔ تو کیا بات ہوئی؟ «أَوْ وَقَعَ مَفْعُولُهُ بَعْدَ إِلَّا» یا فاعل کا مفعول «إِلَّا» کے بعد واقع ہو، لیکن ساتھ ایک شرط بڑھا دو کہ «إِلَّا» دونوں کے بیچ میں ہونا چاہیے، «إِلَّا» دونوں کے بیچ میں ہونا چاہیے۔

آگے دیکھیے متن: «أَوْ مَعْنَاهَا»، أَيْ «أَوْ بَعْدَ مَعْنَاهَا» یا مفعول جو ہے «مَعْنَاهَا»... «مَعْنَاهَا» کی جو ہا ضمیر ہے نا یہ «إِلَّا» کو راجع، «مَعْنَاهَا» کی ہا ضمیر کس کو راجع؟ «إِلَّا»۔ «إِلَّا» حرف ہے، حرفِ استثنا ہے، اور یاد رکھو یہ جو حروف ہیں نا کلامِ عرب کے اندر، یہ مذکر بھی استعمال ہوتے ہیں اور مؤنث بھی، یعنی ان کی طرف مذکر ضمیر بھی راجع کی جاتی ہے اور مؤنث کی بھی، لیکن زیادہ تر مؤنث کی ضمیر راجع کی جاتی ہے۔ اسی لیے «مَعْنَاهَا» دیکھو ہا ضمیر واحد مؤنث کی جو ہے وہ «إِلَّا» حرف کی طرف راجع کی۔ جی تو عبارت کیا بن گئی؟ «أَوْ وَقَعَ مَفْعُولُهُ بَعْدَ إِلَّا» اور وہ فاعل کا مفعول «إِلَّا» کے بعد واقع ہو، «أَوْ مَعْنَاهَا» یا معنیٰ «إِلَّا» کے بعد واقع ہو، یا معنیٰ «إِلَّا» کے بعد واقع ہو۔ بھائی معنیٰ «إِلَّا» سے مراد «إِنَّمَا» ہے، معنیٰ «إِلَّا»۔ «مَعْنَاهَا» ہا

ضمیر کس کو راجع؟ «إِلَّا» کو۔ تو معنیٰ «إِلَّا»، معنیٰ «إِلَّا» سے کیا مراد ہے؟ «إِنَّمَا»۔ بھائی دیکھو یہ جو «إِلَّا» ہے نا یہ «مَا» اور «إِلَّا» یہ حصر کے لیے آتے ہیں، کس کے لیے آتے ہیں؟ حصر یعنی تخصیص پیدا کر دیتے ہیں۔ اسی طرح «إِنَّمَا» بھی تخصیص کے لیے آتا ہے، «إِنَّمَا» بھی تخصیص کے لیے، حصر کے لیے، قصر کے لیے، جو بھی لفظ آپ بول دیں۔ جس طرح «إِلَّا» حصر کے لیے آتا ہے، اسی طرح «إِنَّمَا» بھی حصر، تو اس کو کہتے ہیں معنیٰ «إِلَّا»۔ «إِلَّا» کس لیے آتا ہے؟ تخصیص کے لیے، حصر کے لیے، قصر کے لیے۔ تو «إِنَّمَا» وہ بھی حصر، قصر اور تخصیص کے لیے، تو اس کو کیا کہیں گے؟ کہ یہ معنیٰ «إِلَّا» میں ہے، یعنی یہ بھی «إِلَّا» والا ہی معنیٰ ادا کر رہا ہے۔ تو معنیٰ «إِلَّا» سے کیا مراد؟ «إِنَّمَا»۔ تو کیا عبارت ہوئی؟ «أَوْ وَقَعَ مَفْعُولُهُ بَعْدَ إِلَّا أَوْ مَعْنَاهَا»، اور یا وہ فاعل کا مفعول واقع ہو «إِلَّا» کے بعد یا معنیٰ «إِلَّا» کے بعد۔ کس کے بعد؟ «إِلَّا» کے بعد یا معنیٰ «إِلَّا» کے بعد۔ معنیٰ «إِلَّا» سے کیا مراد؟ «إِنَّمَا»۔

اب ذرا اس کی بھی ایک دو مثالیں کر لو، لکھیے بھئی: «إِنَّمَا ضَرَبَ زَيْدٌ عَمْرًا»۔ «إِنَّمَا ضَرَبَ زَيْدٌ عَمْرًا»۔ میں نے آپ کو بتایا «مَا» اور «إِلَّا» کا ترجمہ کس طرح کرتے ہیں؟ پہلا طریقہ کیا تھا؟ «مَا» اور «إِلَّا» کے ساتھ، وہی «مَا» کا ترجمہ نفی کے ساتھ اور «إِلَّا» کا ترجمہ مگر کے ساتھ۔ دوسرا طریقہ کیا تھا؟ کہ جو «إِلَّا» کے بعد ہے، اس کے بعد ہی کا لفظ لے آؤ، یا اس سے پہلے صرف کا لفظ لے آؤ۔ توجہ ہے؟ اب آپ نے یہ ہی اور صرف، اب یہ ترجمہ یہاں آپ کو کام آئے گا۔ «إِنَّمَا ضَرَبَ زَيْدٌ عَمْرًا»۔ یاد رکھو، یہ جو «إِنَّمَا» ہے یہ حصر کا فائدہ دیتا ہے، تخصیص کا فائدہ دیتا ہے۔ لیکن تخصیص کس میں ہے؟ یاد رکھنا، تخصیص جزِ اخیر میں ہے۔ جو سب سے آخر میں آئے اس کے اندر تخصیص ہے۔ تخصیص جزِ اخیر میں ہے۔ جی اب کیجیے ترجمہ: «إِنَّمَا ضَرَبَ زَيْدٌ عَمْرًا»۔ زید ہی نے عمرو کو... ہاں ہاں، زید ہی کیوں؟ آخری جز کیا ہے؟ آخری لفظ کیا ہے کلام میں؟ عمرو ہے، یعنی مفعول ہے، اس مفعول کے بعد ہی لے آؤ، یا اس مفعول سے پہلے صرف کا لفظ لے آؤ۔ زید نے صرف عمرو کو مارا۔ ہاں زید نے صرف عمرو کو مارا۔ یا دوسرا ترجمہ کریں ہی کے ساتھ: زید نے عمرو ہی کو مارا۔ زید نے عمرو ہی کو مارا ہے، معلوم ہوا زید کی ضار بیت بند ہے کس کے اندر؟ عمرو کے اندر۔ بات سمجھ میں آگئی؟

دوسرا جملہ لکھیے، دوسرا جملہ لکھیے: «إِنَّمَا ضَرَبَ عَمْرًا زَيْدٌ»۔ «إِنَّمَا ضَرَبَ عَمْرًا زَيْدٌ»۔ عَمْرًا کیسے لکھا ہے؟ عین، میم، را، واؤ۔ ہاں عین، میم، را، واؤ کے ساتھ لکھتے ہیں۔ یہ عمرو کے آخر میں واؤ کس لیے لکھتے ہیں؟ تاکہ عمر سے فرق ہو جائے۔ عُمَر غیرِ منصرف ہے اس پر تنوین نہیں آتی، اور عَمْرو پر تنوین آتی ہے۔ تو یہ جو واؤ عَمْرو کے آخر میں لکھیں گے، یہ واؤ ہمیں بتلا دے گا کہ اس کو عَمْرو پڑھنا ہے، عُمَر نہیں پڑھنا۔ لیکن جب «عَمْرًا» نصب کے ساتھ لکھیں پھر واؤ لکھنے کی ضرورت نہیں، یہ اب الف فرق کر دے گا۔ «عَمْرًا» کے آخر میں کیا آیا؟ الف۔ یہ الف بتلا دے گا کہ یہ عَمْرو ہے عُمَر نہیں۔ کیوں؟ کیونکہ عُمَر تو غیرِ منصرف ہے، اس پر تو تنوین آتی ہی نہیں، جب تنوین نہیں آئے گی تو آخر میں الف بھی نہیں آئے گا۔ اور جب کہ عَمْرو تو منصرف ہے، اس کے آخر میں تنوین آئے گی تو الف بھی آئے گا۔ تو جب حالتِ نصبی میں ہو «عَمْرًا»

تو پھر صرف الف لکھتے ہیں، واؤ نہیں لکھتے۔ یہ واؤ کس لیے لکھتے تھے؟ عُمَر سے فرق کرنے کے لیے۔ اب یہ جو الف آ گیا، یہ الف کیا بتلا رہا ہے کہ اس لفظ پر تنوین موجود ہے، جب تنوین ہے معلوم ہوا یہ عَمْرو ہے عُمَر نہیں، کیونکہ عُمَر تو غیرِ منصرف ہے اس پر تو تنوین نہیں آتی۔ تو اب یہ الف فرق کر دے گا، اب واؤ لکھنے کی ضرورت نہیں۔ جی کیا لکھا؟ «إِنَّمَا ضَرَبَ عَمْرًا زَيْدٌ»۔ جی جزِ اخیر کون سا؟ زید، یعنی فاعل ہے۔ معلوم ہوا اس کے اندر حصر آ رہا ہے۔ اب کیجیے ترجمہ: «إِنَّمَا ضَرَبَ عَمْرًا زَيْدٌ»۔ عمرو کو زید ہی نے مارا۔ ہاں عمرو کو زید ہی نے مارا ہے۔ جی دوسرا ترجمہ کیجیے: عمرو کو صرف زید نے مارا ہے۔ ہاں عمرو کو صرف زید نے مارا ہے۔ معلوم ہوا عمرو کی مضروبیت بند ہے کس میں؟ زید میں۔ سننے والے کا یا مخاطب کا خیال تھا کہ زید اور بکر دونوں نے عمرو کو مارا ہے، دونوں کے لیے عمرو مضروب ہے، لیکن آپ نے بتا دیا «إِنَّمَا ضَرَبَ عَمْرًا زَيْدٌ» کہ عمرو کی مضروبیت بند ہے کس میں؟ زید میں، اس کو صرف زید نے مارا ہے، وہ صرف زید کے لیے مضروب ہے۔ بات سمجھ میں آ گئی؟ اچھی طرح؟

تو یہ چوتھی صورت آ گئی، پھر اب متن دیکھو: «أَوْ وَقَعَ مَفْعُولُهُ بَعْدَ إِلَّا أَوْ مَعْنَاهَا»، اور یا فاعل کا مفعول «إِلَّا» کے بعد واقع ہو، یا معنیٰ «إِلَّا» کے بعد واقع ہو، تو ان تمام صورتوں میں «وَجَبَ تَقْدِيمُهُ»، فاعل کو مقدم کرنا واجب ہے۔ بات سمجھ میں آ گئی؟ اچھی طرح؟ کتنی صورتیں ہو گئیں؟ چار۔ پہلی صورت کیا تھی؟ کہ اعرابِ لفظی بھی منتفی ہو اور قرینہ بھی منتفی ہو، تب بھی فاعل کو مقدم کرنا واجب۔ دوسری صورت: جب فاعل کیا ہو؟ ضمیرِ متصل ہو، تو اس کو، فاعل کو مقدم کرنا واجب، لیکن اس میں ایک شرط میں نے بڑھائی تھی، شرط کیا ہے؟ کہ مفعول فعل پر مقدم نہیں ہونا چاہیے، مؤخر ہونا چاہیے۔ اور تیسری صورت کیا تھی؟ کہ جب مفعول کس کے بعد واقع ہو؟ «إِلَّا» کے بعد واقع ہو، تو پھر فاعل کو مقدم کرنا واجب، لیکن اس میں بھی شرط کیا ہے؟ کہ «إِلَّا» دونوں کے بیچ میں ہونا چاہیے، یعنی فاعل اور مفعول کے بیچ میں ہونا چاہیے، تو اس صورت میں بھی فاعل کو مقدم کرنا واجب۔ اور چوتھی صورت کیا کہ مفعول کس کے بعد آئے؟ معنیٰ «إِلَّا» کے بعد آئے یعنی آخر میں آئے، تو اس میں حصر جزِ اخیر میں ہی ہوتا ہے، تو پھر فاعل کو مقدم کرنا واجب ہے، ورنہ تو حصر الٹ جائے گا۔ بات سمجھ میں آ گئی؟

جی اب دیکھیے بھئی شرح کے ساتھ اس سارے کو ہم حل کریں گے۔ کہتے ہیں: «وَإِذَا انْتَفَى الْإِعْرَابُ» اور جب وہ اعراب منتفی ہو جائے، «الدَّالُّ عَلَى فَاعِلِيَّةِ الْفَاعِلِ وَمَفْعُولِيَّةِ الْمَفْعُولِ بِالْوَضْعِ»، وہ اعراب جو دلالت کر رہا ہے فاعل کے فاعل ہونے پر اور مفعول کے مفعول ہونے پر۔ «فَاعِلِيَّةِ الْفَاعِلِ» ترجمہ آخر سے ہو گا مضاف مضاف الیہ ہیں بھئی: فاعل کا فاعل ہونا۔ اور «مَفْعُولِيَّةِ الْمَفْعُولِ» کیا ترجمہ؟ مفعول کا مفعول ہونا۔ بھئی «ضَرَبَ زَيْدٌ عَمْرًا»، فاعل کون؟ زید۔ «ضَرَبَ زَيْدٌ عَمْرًا»، فاعل کون؟ زید اور مفعول کون؟ عمرو۔ کس نے بتایا؟ اعراب نے۔ تو اعراب ہمیں فاعل کا فاعل ہونا بتلاتا

ہے، اور مفعول کا مفعول ہونا۔ اور یہ یاد رکھو یہ وضع کے اعتبار سے ہے، کس اعتبار سے؟ وضع میں نے آپ کو بتایا تھا ایک چیز کو ایک چیز کے لیے مقرر کرنا، خاص کرنا۔ جیسے دیکھو ہر زبان والوں نے اپنی زبان میں مختلف چیزوں کے لیے مختلف لفظ مقرر کیے ہوئے ہیں۔ میں اردو تقریر کر رہا ہوں اور آپ سمجھتے جا رہے ہیں، کیونکہ آپ جانتے ہیں کہ کس لفظ کو کس معنیٰ کے لیے اردو میں مقرر کیا گیا ہے۔ یہی تقریر اگر کسی عرب کو سامنے بٹھا کر میں کروں گا اسے کچھ سمجھ میں نہیں آئے گا، کیونکہ انہوں نے چیزوں کے لیے اپنی زبان میں اور نام مقرر کیے ہوئے ہیں۔ تو وضع کا کیا معنیٰ؟ مقرر کرنا۔ یا جیسے دیکھو، دیکھو آپ گاڑی چلا رہے ہوں، اور سرخ لائٹ جل جائے تو آپ گاڑی روک دیتے ہیں، کیونکہ یہ سرخ لائٹ کو مقرر کیا گیا ہے کس کے لیے؟ گاڑی روکنے کے لیے۔ اور سبز لائٹ کو مقرر کیا گیا ہے کس کے لیے؟ گاڑی چلانے کے لیے۔ تو وضع کا کیا معنیٰ؟ مقرر کرنا، کیا معنیٰ؟ مقرر کرنا۔ تو یہ جو اعراب ہیں، ان کو بھی مقرر کیا گیا ہے، وضع کیا گیا ہے کہ اس سے فاعل کا فاعل ہونے کا پتا چلتا ہے، اور مفعول کے مفعول ہونے کا۔ «ضَرَبَ زَيْدٌ عَمْرًا» یہ زید پر جو رفع آیا، اس رفع کو مقرر کیا گیا ہے کس کے لیے؟ فاعل کے لیے، تو اس نے بتا دیا کہ یہ زید کیا ہے؟ فاعل۔ اور یہ جو «عَمْرًا» پر نصب آیا، اس نصب کو مقرر کیا گیا ہے کس کے لیے؟ مفعول کے لیے، تو اس نے بتایا کہ عمرو مفعول ہے۔ تو یہ جو اعراب جو فاعل کے فاعل ہونا بتلاتا ہے، اور مفعول کا مفعول ہونا بتلاتا ہے، یہ خود بخود ہے یا اس کو اسی کے لیے وضع کیا گیا ہے؟ اس کے لیے وضع کیا گیا ہے۔

تو کہتے ہیں: «وَإِذَا انْتَفَى الْإِعْرَابُ الدَّالُّ عَلَى فَاعِلِيَّةِ الْفَاعِلِ وَمَفْعُولِيَّةِ الْمَفْعُولِ بِالْوَضْعِ»، اور جب وہ اعراب جو دلالت کرتا ہے فاعل کے فاعل ہونے پر اور مفعول کے مفعول ہونے پر بالوضع وضع کے اعتبار سے، جب وہ منتفی ہو جائے، وہ اعراب جو فاعل کے فاعل ہونے اور مفعول کے مفعول ہونے پر دلالت کرتا ہے وضع کے اعتبار سے جب وہ منتفی ہو جائے، «لَفْظًا» باعتبار لفظوں کے، یعنی تلفظ کے اعتبار سے، «فِيهِمَا» ان دونوں میں، کن دونوں میں؟ فاعل اور مفعول میں۔ بھئی ایک پر بھی اعراب آجائے گا تو آپ کو دوسرے کا خود ہی پتا چل جائے گا۔ جب ایک پر بھی اعراب آجائے گا اگر اس پر رفع ہوا تو معلوم ہوا یہ فاعل ہے، دوسرا مفعول ہے، اور اگر اس پر نصب ہوا معلوم ہوا یہ مفعول ہے اور وہ فاعل ہے۔ تو دونوں کے اندر جب اعراب منتفی ہو جائے۔

تو «فِيهِمَا» میں «هُمَا» ضمیر کس کو راجع؟ فاعل اور مفعول کو۔ تو «فِيهِمَا» میں «هُمَا» ضمیر کس کو راجع؟ فاعل اور مفعول کو۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ ضمیر آگئی، اور ضمیر کے لیے مرجع چاہیے، اور پیچھے فاعل کا ذکر تو ہوا تھا، مفعول کا تو کہیں ذکر نہیں ہوا۔ متن کی بات کر رہا ہوں متن کی، شرح نہیں، شرح میں تو بہت جگہ مفعول ذکر ہو گیا، لیکن متن جو ہے، متن میں ابھی تک کہیں پر بھی مفعول کا ذکر نہیں آیا۔ ہاں فاعل کا ذکر آیا تھا، کیا آیا تھا متن میں؟ مرفوعات کے بعد آیا تھا: «وَمِنْهُ الْفَاعِلُ»، مرفوعات میں سے ایک کیا ہے؟ فاعل ہے۔ تو فاعل کی طرف تو ضمیر راجع کرنا ٹھیک ہے، لیکن مفعول کا تو پیچھے ذکر ہی نہیں آیا؟

تو اس کا آپ کو جواب دیں گے صاحبِ جامی، ادھر دیکھیے، آپ کو بتائیں گے کہ فاعل کا ذکر لفظوں میں بھی آیا «وَمِنْهُ الْفَاعِلُ»، دیکھو فاعل کا لفظ آیا تھا، لفظوں میں بھی فاعل آیا، اور نیز مثالیں بھی ذکر کیں صاحبِ کافیہ نے بہت ساری، کون کون سی مثالیں؟ «قَامَ زَيْدٌ»، «زَيْدٌ قَائِمٌ أَبُوهُ»، اسی طرح «ضَرَبَ غُلَامَهُ زَيْدٌ»، «ضَرَبَ غُلَامُهُ زَيْدًا»، یہ ساری مثالیں ان کے مثالوں کے اندر بھی فاعل آگیا۔ تو فاعل صراحتاً بھی پیچھے ذکر ہوا، اور مثالوں کے ضمن میں بھی ذکر ہوا۔ جب کہ مفعول جو ہے، وہ صراحتاً تو پیچھے کہیں ذکر نہیں ہوا، لیکن مثالوں کے ضمن میں مفعول کا بھی ذکر آگیا۔ مثالوں کے ضمن میں، دیکھو یہ مثال آئی تھی «ضَرَبَ غُلَامَهُ زَيْدٌ»، اس مثال میں دیکھو «غُلَامَهُ» مفعول آگیا، اور اسی طرح «ضَرَبَ غُلَامُهُ زَيْدًا»، اس کے اندر یہ «زَيْدًا» کیا آیا؟ مفعول۔ تو مفعول کا ذکر صراحتاً تو نہیں آیا، صراحتاً کا کیا معنیٰ؟ صاف لفظوں میں، واضح لفظوں میں، تو صراحتاً تو کہیں مفعول کا ذکر متن میں نہیں آیا، لیکن مثالوں کے ضمن میں مفعول کا بھی ذکر آگیا۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو فاعل کا ذکر صراحتاً بھی اور مثالوں کے ضمن میں بھی، جب کہ مفعول کا ذکر صرف مثالوں کے ضمن میں آیا ہے صراحتاً نہیں آیا۔

تو کہتے ہیں: «لَفْظًا فِيهِمَا»، وہ اعراب منتفی ہو جائے لفظوں کے اعتبار سے «فِيهِمَا أَيْ فِي الْفَاعِلِ»، دیکھو متن میں کیا آیا؟ «فِيهِمَا»، شرح میں اب اس کا ضمیر کا مرجع بتلا رہے ہیں: «أَيْ فِي الْفَاعِلِ» اور آگے چار چھ لفظوں کے بعد آرہا ہے «وَالْمَفْعُولِ»، «فِيهِمَا أَيْ فِي الْفَاعِلِ وَالْمَفْعُولِ»، بتلا دیا کہ «هُمَا» ضمیر کس کو راجع ہے؟ فاعل اور مفعول کو۔ درمیان میں بتلائیں گے کہ فاعل کا ذکر صراحتاً بھی آیا ہے اور ضمناً بھی، اور مفعول کا ذکر ضمناً آیا ہے صرف۔ «أَيْ فِي الْفَاعِلِ الْمُتَقَدِّمِ ذِكْرُهُ صَرِيحًا»، وہ اعراب منتفی ہو جائے لفظاً باعتبار لفظوں کے «فِيهِمَا أَيْ فِي الْفَاعِلِ» اس فاعل میں «الْمُتَقَدِّمِ ذِكْرُهُ صَرِيحًا» کہ جس کا ذکر مقدم گزر چکا ہے صراحتاً «وَفِي ضِمْنِ الْأَمْثِلَةِ» اور اسی طرح مثالوں کے ضمن میں بھی، «وَالْمَفْعُولِ» اور اسی طرح منتفی ہو جائے اعرابِ لفظی اس مفعول میں «الْمُتَقَدِّمِ ذِكْرُهُ» وہ مفعول کہ مقدم ہو چکا ہے اس کا ذکر «فِي ضِمْنِ الْأَمْثِلَةِ» مثالوں کے ضمن میں۔ تو یہ فاعل اور مفعول ان دونوں میں جب اعرابِ لفظی منتفی ہو جائے۔

«وَالْقَرِينَةُ» اور قرینہ بھی منتفی ہو جائے۔ میں نے بتلایا آپ کو «الْقَرِينَةُ» کا عطف «الْإِعْرَابُ» پر ہے، اور وہ فاعل ہے «انْتَفَى» کے لیے، تو «الْقَرِينَةُ» یہ بھی فاعل ہے کس کے لیے؟ «انْتَفَى»۔ جب اعراب بھی منتفی ہو جائے لفظی اور قرینہ بھی منتفی ہو جائے۔ «أَيِ الْأَمْرُ الدَّالُّ عَلَيْهِمَا لَا بِالْوَضْعِ»، ادھر دیکھیے بھئی۔ بھئی یہ متن ہے، اور صاحبِ کافیہ کی کوشش ہوتی ہے کہ بات مختصر سے مختصر لفظوں میں بیان کریں، ایک بھی لفظ بیکار نہیں آنا چاہیے۔ تو یہاں صاحبِ کافیہ پر اشکال ہوتا ہے کہ آپ نے کیا کہا؟ کہ جب اعرابِ لفظی بھی دونوں میں منتفی ہو جائے اور قرینہ بھی منتفی ہو جائے۔ اعراب سے کس کا پتا چلتا ہے؟ فاعل اور مفعول کا، اسی طرح قرینے سے بھی کس کا پتا چلے گا؟ فاعل اور مفعول کا، تو آپ صرف قرینہ کہہ دیتے، یہ لفظِ اعراب کو ذکر کرنے کی کیا ضرورت تھی؟ «الْإِعْرَابُ لَفْظًا»، اعرابُ لفظاً کہنے کی ضرورت ہی نہیں تھی، آپ صرف یہ کہہ دیتے کہ جب قرینہ منتفی ہو جائے تو فاعل کو مقدم کرنا واجب ہے۔ اس لیے کیونکہ اعراب جیسے فاعل اور مفعول

کے بارے میں بتاتا ہے، اسی طرح قرینہ، قرینہ کوئی بھی چیز ہو جو فاعل اور مفعول کے بارے میں بتا دے، جس سے آپ کو یہ پتا چل جائے کہ یہ فاعل ہے اور یہ مفعول ہے، اس کو کیا کہتے ہیں؟ قرینہ۔ تو اعراب سے بھی پتا چلتا ہے یا نہیں فاعل اور مفعول کا؟ تو اعراب بھی قرینہ ہے۔ اعراب بھی کیا ہے؟ قرینہ۔ «ضَرَبَ زَيْدٌ عَمْرًا»، زید فاعل اور «عَمْرًا» مفعول، کس نے بتایا؟ اعراب نے۔ تو معلوم ہوا یہ بھی قرینہ ہے۔ تو قرینہ کسے کہتے ہیں؟ کوئی بھی چیز جو مطلوب کی طرف اشارہ کر دے اس کو کیا کہتے ہیں؟ قرینہ، تو اس کے اندر اعراب بھی داخل ہو گیا۔ جب اعراب اس کے اندر داخل ہو گیا تو اس کو اعراب کو علیحدہ کیوں ذکر کیا؟

تو اعراب اور قرینہ، اعراب ہے خاص اور قرینہ ہے عام۔ اعراب ہے خاص اور قرینہ ہے عام۔ قرینے کے اندر ہی اعراب بھی آگیا، تو قرینہ ہوا عام اور اعراب ہوا خاص۔ جو بھی چیز فاعل اور مفعول کے بارے میں بتلا دے اس کو کیا کہیں گے؟ قرینہ کہیں گے، جو بھی چیز مطلوب کے بارے میں بتلا دے اس کو قرینہ کہیں گے۔ تو اعراب بھی فاعل اور مفعول کا بتا رہا ہے تو وہ بھی کیا ہوا؟ قرینہ، وہ قرینے کے اندر داخل ہوا، معلوم ہوا قرینہ ہے عام اور اعراب ہے خاص۔ اور جب عام کو ذکر کر دو تو خاص خود ہی آجاتا ہے۔ مثلاً میں آپ سے کہتا ہوں اس کمرے کے اندر حیوان موجود نہیں، تو انسان کی بھی نفی ہو گئی یا نہیں؟ کیونکہ انسان بھی تو حیوان ہے، اگر انسان اندر ہو تو پھر تو میں یہ کہہ ہی نہیں سکتا کہ اس کمرے میں حیوان نہیں ہے۔ تو ہاں جب میں کہوں گا اس کمرے میں انسان نہیں ہے، انسان ہے خاص، حیوان ہے عام، تو خاص کی نفی سے عام کی نفی نہیں ہوتی۔ انسان کی نفی سے حیوان کی نفی نہیں ہو گی، ہو سکتا ہے انسان نہ ہو، گائے بیل ہوں اس کمرے کے اندر، تو خاص کی نفی سے عام کی نفی نہیں ہوتی، لیکن عام کی نفی سے خاص کی نفی ہو جاتی ہے۔ میں نے کہا اس کمرے میں حیوان نہیں، معلوم ہوا اس کے اندر انسان بھی نہیں ہے، کیونکہ انسان بھی تو حیوان ہے بھئی۔ تو یہاں پر بھی صاحبِ کافیہ کو کیا کہنا چاہیے تھا؟ کہ جب قرینہ منتفی ہو جائے، بس اتنا کہنا چاہیے تھا، اعراب منتفی ہونے کے ذکر نہیں کرنا چاہیے تھا، کیونکہ قرینے کے اندر ہی اعراب بھی آگیا۔

تو اس کا جواب دیں گے صاحبِ جامی کہ نہیں بھئی، اعراب کا ذکر بھی ضروری، قرینے کا ذکر بھی ضروری۔ آپ سمجھے شاید قرینہ عام ہے اور اعراب خاص ہے، نہیں، دونوں ایک دوسرے کے مباین ہیں، جو اعراب ہے وہ قرینہ نہیں، جو قرینہ ہے وہ اعراب نہیں۔ بھئی کس طرح؟ قرینہ اس کو کہتے ہیں؟ جو بھی چیز مطلوب پر کیا کر دے؟ دلالت کر دے۔ کہتے ہیں بھئی اعراب جو ہے ان کو وضع ہی اسی لیے کیا گیا ہے کہ فاعل اور مفعول کا پتا چلے۔ اور قرینہ وہ چیز ہوتی ہے جو مطلوب کے بارے میں بتلائے لیکن قرینے میں شرط ہے اس میں وضع نہیں ہونی چاہیے، اس میں وضع نہیں ہونی چاہیے۔ اگر آپ نے ایک چیز کو دوسری چیز کے لیے مقرر کیا ہے، تو اس کو قرینہ نہیں کہتے بھئی۔ جب ایک چیز کو دوسری چیز کے لیے مقرر کیا گیا ہو، وضع کیا گیا ہو، تو اس کو قرینہ نہیں کہتے، قرینہ ہمیشہ «لَا بِالْوَضْعِ» ہوتا ہے۔ قرینہ ہمیشہ، یعنی اس میں وضع کا دخل نہیں

ہوتا۔ آپ مجھے بتائیے یہ رفع کو فاعل کے لیے مقرر کیا گیا ہے یا نہیں؟ تو اس میں وضع ہے، تو اس کو قرینہ نہیں کہیں گے، کیونکہ قرینے میں کیا ضروری؟ «لَا بِالْوَضْعِ» ہو، اس میں وضع نہیں ہونی چاہیے۔ «ضَرَبَتْ مُوسَى حُبْلَى» توجہ ہے؟ «ضَرَبَتْ مُوسَى حُبْلَى»، کون فاعل؟ «حُبْلَى»۔ کس نے بتایا؟ «ضَرَبَتْ» کی تا نے۔ تو کیا اس تا کو اسی لیے مقرر کیا گیا تھا؟ نہیں، اس تا کو اس کے لیے مقرر نہیں کیا گیا بھئی۔ بات سمجھ میں آگئی؟ اسی طرح «أَكَلَ الْكُمَّثْرَى يَحْيَى»، یحییٰ نے امرود کھایا۔ جی تو یہاں، تو یہاں کوئی ایسی چیز تھی جس کو مقرر کیا گیا تھا؟ نہیں، ہماری عقل نے ہمیں بتلا دیا۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو حاصلِ کلام کیا ہوا؟ کہ قرینہ ہمیشہ «لَا بِالْوَضْعِ» ہوگا، یعنی اس میں وضع کا دخل نہیں ہوگا، جس چیز میں بھی وضع آجائے اس کو قرینہ نہیں کہتے۔ مثلاً دیکھو لفظِ زید ہے، زید کے ماں باپ نے جب زید پیدا ہوا اس کا نام زید رکھا، تو یہ لفظِ زید وضع ہے ذاتِ زید کے لیے، تو اس کو کوئی بھی قرینہ نہیں کہے گا کہ یہ لفظِ زید کیا ہے؟ یہ ذاتِ زید کے لیے قرینہ ہے، نہیں نہیں قرینہ جس چیز میں وضع کا دخل ہو اس کو قرینہ نہیں کہتے۔ یا اسی طرح یہ جو ٹریفک کی سرخ لائٹ ہے، اس کو مقرر کیا گیا ہے گاڑی روکنے کے لیے، تو اس کو کوئی بھی قرینہ نہیں کہے گا بھئی۔ قرینہ اس کو کہتے ہیں جس میں وضع کا دخل نہ ہو، یعنی ایک چیز کو دوسری چیز کے لیے مقرر نہیں کیا گیا لیکن اس سے ایک چیز کا پتا چل رہا ہے، تو پھر اس کو قرینہ کہیں گے، اور اگر اس کو مقرر ہی اسی چیز کے لیے کیا گیا ہے، پھر اس کو قرینہ نہیں کہیں گے۔ فرق سمجھ میں آگیا؟ تو لہٰذا قرینہ کے ساتھ اعراب کا ذکر ضروری تھا، اس لیے کیونکہ اعراب میں وضع کا دخل ہے اور قرینے میں وضع کا دخل نہیں، تو یہ دونوں الگ الگ چیزیں ہیں، تو ایک کا ذکر دوسرے کے ذکر کو مستلزم نہیں ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟

تو کہتے ہیں: «وَالْقَرِينَةُ أَيِ الْأَمْرُ الدَّالُّ عَلَيْهِمَا لَا بِالْوَضْعِ»، یعنی وہ چیز جو دلالت کر رہی ہو «عَلَيْهِمَا» اس فاعل اور مفعول پر «لَا بِالْوَضْعِ» بغیر وضع کے۔ بات سمجھ میں آئی؟ معلوم ہوا قرینہ ہمیشہ «لَا بِالْوَضْعِ» ہوگا اس کے اندر وضع نہیں، جب کہ اعراب کے بعد ذکر کیا تھا «بِالْوَضْعِ»، «فَاعِلِيَّةِ الْفَاعِلِ وَمَفْعُولِيَّةِ الْمَفْعُولِ بِالْوَضْعِ»، دیکھو اعراب کے اندر وضع ضروری، اور قرینے کے اندر «أَيِ الْأَمْرُ الدَّالُّ عَلَيْهِمَا لَا بِالْوَضْعِ» اس میں «لَا بِالْوَضْعِ» کی قید ضروری ہے۔ کہتے ہیں: «إِذْ لَا يُعْهَدُ»، اس لیے کیونکہ یہ بات معروف نہیں ہے۔ عہد کا معنیٰ ہے مقرر کرنا، متعین کرنا، اسی طرح عہد کا ایک معنیٰ ہے معروف ہونا جس کو انسان جانتا ہو۔ «إِذْ لَا يُعْهَدُ» اس لیے کیونکہ یہ بات معروف نہیں ہے۔ بھئی ادھر دیکھیے میں نے کیا بیان کیا؟ کہ قرینے کے اندر «لَا بِالْوَضْعِ» کی قید ضروری ہے۔ وہی بات اب صاحبِ جامی آگے ذکر کر رہے ہیں کہ بھئی علماء کے ہاں جس چیز میں وضع ہو اس کو قرینہ کہنا معروف نہیں ہے، علماء اس کو قرینہ نہیں کہتے۔ کہتے ہیں: «إِذْ لَا يُعْهَدُ» اس لیے کیونکہ یہ بات معروف نہیں ہے کہ «أَنْ يُطْلَقَ» کہ اطلاق کیا جائے «عَلَى مَا وُضِعَ بِإِزَاءِ شَيْءٍ» اس چیز پر جس کو کسی چیز کے مقابلے میں وضع کیا گیا ہے۔ «بِإِزَاءِ» إِزَاء کا معنیٰ مقابلے میں۔ بھئی دیکھیے نا لفظِ زید کو کس کے لیے مقرر کیا گیا ہے؟ ذاتِ زید کے لیے۔ تو دیکھو ایک چیز کو دوسری چیز کے مقابلے میں وضع کیا جاتا ہے، اب جب ہم زید کہیں گے تو آپ کے ذہن میں زید

کی صورت آجائے گی۔ یا جیسے لفظِ گلاس کو وضع کیا گیا ہے پانی پینے کے ایک برتن کے مقابلے میں، جب میں گلاس کہوں گا آپ کے ذہن میں پانی پینے والا وہ برتن آجائے گا۔ تو جب ایک چیز کو دوسری چیز کے مقابلے میں وضع کیا گیا ہو، تو اس کو قرینہ نہیں کہتے، اس پر قرینہ کا اطلاق معروف نہیں ہے۔ کہتے ہیں: «إِذْ لَا يُعْهَدُ» اس لیے کیونکہ یہ بات معروف نہیں ہے کہ «أَنْ يُطْلَقَ» کہ اطلاق کیا جائے، بولا جائے، «عَلَى مَا وُضِعَ بِإِزَاءِ شَيْءٍ» اس چیز پر جس کو کسی چیز کے مقابلے میں وضع کیا گیا ہو۔ یہ بات معروف نہیں ہے کہ جس چیز کو کسی دوسری چیز کے مقابلے میں وضع کیا گیا ہو اس پر اطلاق کیا جائے کہ «أَنَّهُ قَرِينَةٌ عَلَيْهِ» کہ یہ اس چیز پر قرینہ ہے۔ جس چیز کو کسی دوسری چیز کے لیے وضع کیا گیا ہو اس پر یہ اطلاق نہیں کیا جاتا کہ یہ اس پر قرینہ ہے۔ «فَلَا يَرِدُ عَلَيْهِ» لہٰذا ماتن پر یہ اعتراض وارد نہیں ہوتا کہ «أَنَّ ذِكْرَ الْإِعْرَابِ مُسْتَغْنًى عَنْهُ»، کہ اعراب کا ذکر جو ہے وہ مستغنی عنہ ہے، یعنی اس کی کوئی حاجت نہیں ہے، کوئی ضرورت نہیں ہے۔ بھئی ماتن پر کیا اعتراض ہوتا تھا؟ کہ اعرابِ لفظی کو ذکر کرنے کی کوئی ضرورت نہیں کیونکہ آگے قرینہ دونوں کو شامل ہے۔ کہتے ہیں نہیں بھئی ماتن پر یہ اعتراض نہیں ہو سکتا۔ کہتے ہیں: «فَلَا يَرِدُ عَلَيْهِ» لہٰذا ماتن پر یعنی صاحبِ کافیہ پر یہ اعتراض نہیں ہو سکتا کہ «أَنَّ ذِكْرَ الْإِعْرَابِ مُسْتَغْنًى عَنْهُ»، کہ اعراب کا ذکر تو مستغنی عنہ ہے، مستغنی عنہ وہ چیز جس سے بے نیازی ہو، جس کی حاجت نہ ہو ضرورت نہ ہو، تو ماتن پر یہ اعتراض نہیں ہو سکتا کہ اعراب کا ذکر تو مستغنی عنہ ہے، یعنی اس کے تو ذکر کی کوئی حاجت ہی نہیں ہے۔ «إِذِ الْقَرِينَةُ شَامِلَةٌ لَهُ»، اس لیے کیونکہ قرینہ اس اعراب کو شامل ہے۔ یہ اعتراض نہیں ہو سکتا، کیوں نہیں ہو سکتا؟ کیونکہ قرینہ اعراب کو شامل نہیں ہے، اعراب میں وضع ہے اور قرینہ «لَا بِالْوَضْعِ» ہوتا ہے۔

«وَهِيَ إِمَّا لَفْظِيَّةٌ»، اب قرینہ کی تفصیل بیان کر رہے ہیں کہ قرینہ کبھی لفظی ہوتا ہے اور کبھی معنوی ہوتا ہے۔ تو کہتے ہیں: «وَهِيَ إِمَّا لَفْظِيَّةٌ» اور قرینہ جو ہے یا تو لفظی ہوتا ہے، «نَحْوُ ضَرَبَتْ مُوسَى حُبْلَى»، پٹائی کی موسیٰ کی حُبْلَى حاملہ عورت نے۔ جی اب یہاں فاعل کون؟ «حُبْلَى»۔ کس سے پتا چلا؟ «ضَرَبَتْ» کی تا سے، تو یہ تا قرینہ ہے بھئی۔ تو یہ قرینہ لفظیہ ہے بھئی، اس لفظ نے ہمیں بتلایا کہ «حُبْلَى» فاعل ہے اور موسیٰ مفعول ہے۔ «أَوْ مَعْنَوِيَّةٌ»، یا قرینہ جو ہے وہ معنویہ ہوتا ہے، «نَحْوُ أَكَلَ الْكُمَّثْرَى يَحْيَى»، کھایا امرود کو یحییٰ نے۔ اب دیکھو یہاں لفظوں سے ہمیں پتا نہیں چل رہا کون فاعل ہے کون مفعول ہے، ہاں عقل ہمیں بتلا رہی ہے، معنیٰ ہمیں بتلا رہا ہے کہ معلوم ہوا یحییٰ فاعل ہے اور کُمَّثْرَى مفعول ہے۔ تو یہ قرینہ معنویہ ہے، اسی قرینہ معنویہ کو قرینہ عقلیہ بھی کہتے ہیں۔ تو قرینہ کبھی لفظ ہوتے ہیں اور کبھی معنیٰ ہوتا ہے۔ تو کہتے ہیں: «أَوْ مَعْنَوِيَّةٌ» اور یا قرینہ جو ہے معنویہ ہوتا ہے، «نَحْوُ أَكَلَ الْكُمَّثْرَى يَحْيَى»، کھایا امرود کو یحییٰ نے۔

«أَوْ كَانَ الْفَاعِلُ مُضْمَرًا مُتَّصِلًا»، یا فاعل جو ہے وہ ضمیرِ متصل ہو۔ یا فاعل... یہ دوسری صورت آگئی۔ پہلی صورت کیا کہ جب اعرابِ لفظی بھی منتفی ہو فاعل اور مفعول میں اور قرینہ بھی منتفی ہو، ایک صورت۔ دوسری: «أَوْ كَانَ الْفَاعِلُ مُضْمَرًا مُتَّصِلًا»۔ بھئی متن میں تھا «كَانَ مُضْمَرًا مُتَّصِلًا»، «كَانَ» درمیان میں صاحبِ جامی نے «الْفَاعِلُ» کا لفظ نکال دیا: «أَوْ كَانَ الْفَاعِلُ مُضْمَرًا مُتَّصِلًا»۔ کیا بتلانا چاہتے ہیں؟ اس «كَانَ» کے اندر جو «هُوَ» ضمیر ہے اس کا مرجع بتلانا چاہتے ہیں کہ

وہ فاعل ضمیرِ متصل ہو بھئی۔

بس بھئی بس کرتے ہیں باقی ان شاء اللہ اگلے سبق میں پڑھیں گے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ حل ہو گیا اچھی طرح؟ چلیے بس بھئی، هٰذَا هُوَ الْمَرَامُ، وَاللّٰهُ أَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْكَلَامِ۔

سبق نمبر ۸۴: الفاعل (٦): فاعل کا ضمیرِ متصل (بارز و مستتر) ہونا اور قصر و حصر کی صورتیں

شرحِ ملا جامی صفحہ: ۵۹ — بتاریخ: ۲۰ اکتوبر ۲۰۲۱ء

▪ تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث

ہاں جی سبق دیکھیے آگے۔ أَوْ كَانَ الْفَاعِلُ مُضْمَرًا مُتَّصِلًا بِالْفِعْلِ بَارِزًا كَضَرَبْتُ زَيْدًا أَوْ مُسْتَكِنًّا كَزَيْدٌ ضَرَبَ غُلَامَهُ بِشَرْطِ أَنْ يَكُونَ الْمَفْعُولُ مُتَأَخِّرًا عَنِ الْفِعْلِ لِئَلَّا يَنْتَقِضَ بِمِثْلِ زَيْدًا ضَرَبْتُ. أَوْ وَقَعَ مَفْعُولُهُ أَيْ مَفْعُولُ الْفِعْلِ بَعْدَ إِلَّا بِشَرْطِ تَوَسُّطِهَا بَيْنَهُمَا فِي صُورَتَيِ التَّقْدِيمِ وَالتَّأْخِيرِ نَحْوَ مَا ضَرَبَ زَيْدٌ إِلَّا عَمْرًا.

بھئی گزشتہ سبق میں صاحبِ کافیہ نے کچھ وہ جگہیں بیان کرنا شروع کی تھیں جہاں فاعل کو مقدم کرنا واجب ہے بھئی۔ اس سے پہلے صاحبِ کافیہ نے آپ کو یہ بتلایا تھا کہ اصل یہ ہے کہ فعل کے ساتھ فاعل کو آنا چاہیے۔ لیکن وہاں تو تھا صرف اصل یہ ہے یعنی مناسب یہ ہے فعل کے بعد فاعل کو آنا چاہیے۔ تو اس کے بعد پھر کچھ وہ جگہیں ذکر کرنا شروع کر دیں جہاں فاعل کو مفعول پر مقدم کرنا واجب ہے، اور وہ چار جگہیں انہوں نے ذکر کیں۔ پہلی جگہ جہاں پر اعرابِ لفظی اور قرینہ دونوں منتفی ہوں۔ اعرابِ لفظی بھی نہ ہو نہ فاعل پر نہ مفعول پر۔ اس لیے کیونکہ اگر کسی ایک پر بھی اعرابِ لفظی آجائے گا تو ہمیں اس سے پتہ چل جائے گا کہ یہ فاعل ہے یا مفعول ہے، اور دوسرے کا بھی پتہ چل جائے گا بھئی۔ یا کوئی قرینہ ہو، کوئی ایسی چیز ہو جو ہمیں بتلا دے کہ کون فاعل ہے اور کون مفعول، جیسے أَكَلَ الْكُمَّثْرَى يَحْيَى، یحییٰ نے امرود کھایا۔ اب یہاں پر دیکھو كُمَّثْرَىٰ اس میں بھی اعرابِ لفظی نہیں ہے، اعرابِ تقدیری ہے، اور يَحْيَىٰ کے اندر بھی اعرابِ تقدیری ہے، لیکن قرینہ ہمیں بتلا رہا ہے، معنیٰ بتلا رہا ہے ہمیں، عقل ہمیں بتلا رہی ہے کہ یحییٰ وہ فاعل ہے اور كُمَّثْرَىٰ مفعول ہے، کیونکہ یحییٰ ہی امرود کو کھا سکتا ہے، اس لیے یحییٰ فاعل ہے اور كُمَّثْرَىٰ مفعول ہے۔

اس کے بعد صاحبِ جامی نے یہ ذکر کیا تھا کہ قرینہ کے اندر لَا بِالْوَضْعِ کی قید ہے بھئی۔ قرینہ ہمیشہ اس چیز کو کہتے ہیں جس میں وضع نہ ہو، کیونکہ دراصل یہاں صاحبِ کافیہ پر اشکال ہوتا تھا کہ اے صاحبِ کافیہ آپ تو متن لکھ رہے ہیں اور آپ

کے پاس تو الفاظ کم ہوتے ہیں، آپ چاہتے ہیں مختصر سے مختصر لفظوں میں لمبی بات کر دیں، تو پھر یہاں آپ کو یہ اَلْإِعْرَابُ لَفْظًا کہنے کی کوئی ضرورت نہیں تھی، کیونکہ اعراب سے بھی ہمیں فاعل اور مفعول کا پتہ چلتا ہے، اسی طرح قرینہ بھی جو ہے اس سے بھی ہمیں فاعل اور مفعول کا پتہ چلتا ہے، اور قرینہ عام ہے، اس میں اعراب بھی داخل ہو گئے، قرینہ ہر وہ چیز جو ہمیں کسی چیز کے بارے میں بتلائے اس کو قرینہ کہتے ہیں، تو جب قرینہ کہہ دیا تو پھر اعراب کہنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ تو صاحبِ جامی نے اس اشکال کا جواب بھی دیا کہ نہیں بھئی، قرینہ کہنے کے باوجود اعراب کہنے کی ضرورت تھی۔ وجہ یہ کہ اعراب جو ہیں ان کو اس لیے وضع کیا گیا ہے کہ وہ ہمیں فاعل کے فاعل ہونے کے بارے میں بتلاتے ہیں اور مفعول کے مفعول ہونے کے بارے میں بتلاتے ہیں، تو اعراب کے اندر وضع ہے اور جبکہ قرینہ لَا بِالْوَضْعِ ہے، اس میں ضروری ہے کہ وضع کی قید نہ ہو۔ اس لیے کیونکہ جس چیز کے اندر بھی وضع ہو گی اس کو کوئی بھی قرینہ نہیں کہتا۔ قرینہ اس چیز کو کہتے ہیں جو مطلوب پر دلالت تو کرے لیکن اس میں وضع نہ ہو بھئی، اس کو اسی کے لیے مقرر نہ کیا گیا ہو۔ تو معلوم ہوا اعراب میں وضع ہے اور قرینہ لَا بِالْوَضْعِ ہے، تو دونوں ایک دوسرے کے مبائن ہیں، لہٰذا اعراب کا ذکر قرینے کو مستلزم نہیں اور قرینہ اعراب کو مستلزم نہیں ہے۔ بات سمجھ میں آ گئی۔

تو یہ پہلی جگہ تھی جہاں اعرابِ لفظی بھی منتفی ہو اور قرینہ بھی منتفی ہو تو فاعل کو مقدم کرنا واجب ہے۔ اس لیے کیونکہ اب کوئی اور ایسی چیز نہیں جو ہمیں فاعل کے بارے میں بتلائے، مثلاً ضَرَبَ مُوسَى عِيسَى۔ اب اس مُوسَىٰ کے اندر بھی اعرابِ لفظی نہیں ہے، عِيسَىٰ کے اندر بھی اعرابِ لفظی نہیں ہے، تو کوئی چیز ہمیں بتانے والی نہیں کہ فاعل کون اور مفعول کون، تو اس صورت میں فاعل کو مقدم کرنا واجب ہے۔ یہ فاعل کا مقدم کرنا یہ ہمیں بتلائے گا کہ یہ ہے فاعل اور جو مؤخر ہے وہ ہے مفعول۔ تو ضَرَبَ مُوسَى اس کے اندر یہ جو مُوسَىٰ لفظ کو مقدم کیا گیا اس نے ہمیں بتلایا کہ یہ ہے فاعل اور عِيسَىٰ کا لفظ کیا ہے مفعول ہے بھئی۔ تو یہ پہلا مقام تھا۔ پہلا مقام کون سا؟ جہاں اعرابِ لفظی اور قرینہ دونوں منتفی ہوں تو فاعل کو مقدم کرنا واجب۔

دوسرا مقام آیا تھا جہاں فاعل ضمیرِ متصل ہو بھئی۔ فاعل کیا ہو؟ ضمیرِ متصل ہو، تو پھر فاعل کو مفعول پر مقدم کرنا واجب ہے۔ لیکن ایک شرط ہے کہ مفعول فعل پر مقدم نہیں ہونا چاہیے۔ میں نے آپ کو بتلایا تھا کہ فاعل جو ہے وہ فعل پر کبھی مقدم نہیں ہوتا۔ باقی معمولات فعل پر مقدم ہو جاتے ہیں، تو مفعول بھی مقدم ہو سکتا ہے۔ تو اگر آپ نے مفعول کو فعل پر مقدم کر دیا، تو فاعل بے شک ضمیرِ متصل ہو مفعول تو مقدم ہے، زَيْدًا ضَرَبْتُ۔ اب یہ زَيْدًا ضَرَبْتُ پر مقدم ہے، تو ضَرَبْتُ کے اندر تَا ضمیر فاعل کی ہے۔ فاعل بے شک ضمیرِ متصل ہے لیکن مفعول تو اس پر مقدم ہے۔ لہٰذا شرط یہ ہے کہ مفعول کو فعل پر مقدم نہیں ہونا چاہیے۔ فاعل جب بھی ضمیرِ متصل ہو تو اس کو مفعول پر مقدم کرنا واجب ہے، لیکن شرط کیا کہ مفعول فعل پر مقدم نہ ہو بھئی۔

اور تیسرا مقام ذکر کیا تھا کہ جہاں مفعول إلَّا کے بعد واقع ہو بھئی۔ اور میں نے آپ کو بتلایا تھا کہ یہ إلَّا تخصیص کے لیے آتا ہے۔ تخصیص، حصر اور قصر تینوں لفظوں کا ایک ہی معنیٰ ہے، یعنی ایک چیز کو دوسری چیز کے ساتھ خاص کرنا یا ایک چیز کو دوسری چیز میں بند کرنا، اس کو کیا کہتے ہیں تخصیص بھئی، تخصیص بھئی۔ اور میں نے آپ کو بتلایا تھا کہ بعض اوقات ہمیں کلام میں ضرورت پڑتی ہے، ہم ایک چیز یا ایک صفت کو دوسری چیز میں بند کر دیتے ہیں، اور کلام کے مواقع مختلف ہوتے ہیں۔ کبھی ایک چیز کو دوسری چیز میں بند کرتے ہیں یعنی یوں کہیں کبھی ایک صفت کو دوسری چیز میں بند کرتے ہیں، کبھی دوسری صفت کو ایک چیز میں بند کرتے ہیں، تو ہر کلام کا اپنا موقع ہوتا ہے۔ تو إلَّا جو ہے یہ حصر کے لیے آتا ہے۔ اور مثلاً دیکھیے میں نے آپ کو ایک جملہ لکھوایا مَا ضَرَبَ زَيْدٌ إِلَّا عَمْرًا۔ یہ جو إلَّا کے بعد آیا عَمْرًا، اس کے اندر بند کیا جا رہا ہے کس کو؟ وہ جو ماقبل میں ہے، اور ماقبل میں کیا ذکر؟ مَا ضَرَبَ زَيْدٌ، دیکھو ضربِ زید ذکر ہے یعنی ضاربیتِ زید۔ زید ضارب ہے اور آگے عَمْرًا کا نصب بتلا رہا ہے وہ کیا ہے مفعول ہے۔ تو ضاربیتِ زید کو بند کیا جا رہا ہے کس کے اندر؟ عمرو کے اندر۔ توجہ ہے؟ تو یاد رکھو یہ إلَّا حصر کے لیے آتا ہے۔ کس کو کس میں بند کیا جا رہا ہے، میں نے طریقہ سمجھا دیا، جو إلَّا سے ماقبل ہوتی ہے صفت اس صفت کو إلَّا کے مابعد جو ہے اس کے اندر بند کیا جا رہا ہے۔ تو مَا ضَرَبَ زَيْدٌ عَمْرًا، کس کو بند کیا جا رہا ہے؟ إلَّا سے پہلے کیا ہے؟ فاعل کا ذکر ہے، معلوم ہوا ضاربیتِ زید، زید کا ضارب ہونا یہ بند ہے کس کے اندر؟ عمرو کے اندر۔

سننے والے کا خیال تھا کہ شاید زید نے عمرو اور بکر دونوں کی پٹائی کی ہے، معلوم ہوا ضاربیتِ زید عمرو کے لیے بھی ہے اور بکر کے لیے بھی ہے، زید دونوں کے لیے ضارب ہے، لیکن میں ان کو بتلاتا ہوں مَا ضَرَبَ زَيْدٌ إِلَّا عَمْرًا، کہ زید نے نہیں مارا مگر صرف عمرو کو۔ معلوم ہوا بکر کو اس نے نہیں مارا، تو معلوم ہوا ضاربیتِ زید کو میں نے کس کے اندر بند کر دیا؟ عمرو کے اندر بند کر دیا۔ اس کو کہتے ہیں تخصیص۔ تخصیص کسے کہتے ہیں؟ مذکور کے لیے، توجہ سے سنو، تخصیص کہتے ہیں مذکور کے لیے ایک چیز کا اثبات ہو تو غیرِ مذکور سے اس کی نفی ہو۔ یا مذکور سے ایک چیز کی نفی ہے تو غیرِ مذکور کے لیے اس کا اثبات ہے۔ توجہ ہے؟ یعنی مذکور کے لیے ایک حکم اور غیرِ مذکور کے لیے دوسرا حکم، یعنی ایک چیز کو آپ مذکور کے ساتھ خاص کر دیتے ہیں تو غیرِ مذکور سے اس کی نفی کر دیتے ہیں، اس کو کہتے ہیں تخصیص۔ بھئی زید نے اگر عمرو کی بھی پٹائی کی ہے بکر کی بھی پٹائی کی ہے پھر تو کوئی تخصیص نہیں ہے کہ زید کی ضاربیت عمرو میں بند ہے، نہیں بھئی۔ پھر تو تخصیص نہیں ہے۔ تخصیص کا معنیٰ ہی کیا ہے کہ عمرو کے لیے اگر میں نے زید کی ضاربیت ثابت کی ہے تو بکر سے میں نے زید کی ضاربیت کی نفی کی ہے، اس کو کہتے ہیں تخصیص۔ معلوم ہوا زید کی ضاربیت خاص ہے کس کے ساتھ؟ عمرو کے ساتھ خاص ہے۔ تو تخصیص کسے کہتے ہیں؟ کہ مذکور کے لیے اگر ایک چیز کا اثبات ہو تو غیرِ مذکور سے اس کی نفی ہو جائے، اور اگر مذکور سے ایک چیز کی نفی ہے تو غیرِ مذکور کے لیے اس کا اثبات ہو جائے۔ بات سمجھ میں آگئی۔

اور اس میں پھر میں نے آپ کو دو مثالیں لکھوائیں۔ پہلی مثال جو میں نے ابھی ذکر کر دی، ان دو مثالوں کو سامنے رکھیں بھئی۔ مَا ضَرَبَ زَيْدٌ إِلَّا عَمْرًا۔ جی یہ ضاربیتِ زید بند ہے کس کے اندر؟ عمرو کے اندر۔ تو دیکھو یہ مفعول واقع ہے إِلَّا کے بعد۔ مفعول کس کے بعد ہے؟ إِلَّا کے بعد۔ تو اب دیکھو إِلَّا سے پہلے ہے فاعل اور إِلَّا کے بعد ہے مفعول، اور کیا چیز کس میں بند ہے؟ زید کی ضاربیت بند ہے عمرو کے اندر۔ اور اگر اسی کو ہم الٹ دیں مَا ضَرَبَ عَمْرًا إِلَّا زَيْدٌ، عَمْرًا کو پہلے لے آئیں اور زید کو بعد میں لے آئیں، اب کس کا حصر کس میں ہے؟ ہاں، ماقبل میں ضَرَبَ عَمْرًا ہے، معلوم ہوا عمرو کی مضروبیت ماقبل میں ہے، اس کو بند کیا جا رہا ہے کس کے اندر؟ زید کے اندر، کہ عمرو صرف زید کے لیے مضروب ہے، عمرو کی پٹائی صرف زید نے کی ہے اور کسی نے نہیں کی۔ بات سمجھ میں آگئی۔ اور ان دونوں مثالوں میں آپ نے دیکھا کہ یہ جو إِلَّا ہے یہ فاعل اور مفعول کے درمیان ہے۔ فاعل اور مفعول کے درمیان ہے۔ دیکھو جب مفعول إِلَّا کے بعد ہے تو کلام کا معنیٰ اور، اس وقت ضاربیتِ زید کا حصر کیا جا رہا ہے۔ اور جب فاعل إِلَّا کے بعد ہو تو پھر کلام کا معنیٰ اور، اب مضروبیتِ عمرو کو کیا کیا جا رہا ہے زید میں بند کیا جا رہا ہے۔ تو کلام کے مواقع مختلف ہوتے ہیں۔ کبھی آپ ضاربیتِ زید کو عمرو میں بند کرنا چاہیں گے وہ اور مقام ہو گا، اور کبھی آپ مضروبیتِ عمرو کو زید میں بند کرنا چاہیں گے وہ مقام اور ہو گا۔ ضاربیتِ زید کی میں نے مثال ذکر کر دی، آپ کا کیا خیال تھا کہ زید نے عمرو اور بکر دونوں کو مارا ہے، میں نے کہا نہیں مَا ضَرَبَ زَيْدٌ إِلَّا عَمْرًا، زید نے صرف کس کو مارا ہے؟ عمرو، تو میں نے زید کی ضاربیت بند کر دی کس میں؟ عمرو میں، آپ کا خیال تھا زید نے عمرو اور بکر دونوں کو مارا لیکن میں نے بتایا نہیں صرف کس کو؟ عمرو کو مارا۔ تو یہ مقام اور تھا، اس موقع پر میں کہوں گا جب آپ کا یہ خیال ہو کہ زید نے عمرو اور بکر دونوں کو مارا ہے تو اس وقت میں یہ کہوں گا کہ مَا ضَرَبَ زَيْدٌ إِلَّا عَمْرًا۔ اور جو دوسری مثال ہے جس میں فاعل مؤخر ہے إِلَّا سے مَا ضَرَبَ عَمْرًا إِلَّا زَيْدٌ، اس کلام کا محل اور موقع الگ ہے۔ یہ اس موقع پر بولیں گے جب آپ کا خیال یہ ہو کہ عمرو کی پٹائی زید نے بھی کی ہے اور بکر نے بھی کی ہے۔ عمرو کی پٹائی، آپ کا خیال ہے عمرو کی پٹائی زید نے بھی کی ہے اور بکر نے بھی کی ہے، معلوم ہوا عمرو مضروب ہے زید کے لیے بھی اور بکر کے لیے بھی، دونوں کا مضروب ہے، تو اس موقع پر میں کہوں گا کہ مَا ضَرَبَ عَمْرًا إِلَّا زَيْدٌ، کہ عمرو کی پٹائی نہیں کی مگر کس نے؟ زید نے، معلوم ہوا عمرو کی مضروبیت زید کے ساتھ خاص ہے، زید میں بند ہے، بکر نے اس کی پٹائی نہیں کی۔ تو دیکھا یہ مقام کلام کا الگ اور وہ دوسرا الگ۔ اور ان دونوں میں آپ دیکھیں، پہلی مثال میں إِلَّا کے بعد کیا ہے؟ مفعول ہے، تو جب مفعول إِلَّا کے بعد ہو تو فاعل کو مقدم کرنا واجب، ورنہ تو حصر الٹ جائے گا بھئی۔ اور دوسرا مقام جہاں فاعل إِلَّا کے بعد ہے، تو اس کو إِلَّا کے بعد ہی رکھنا ہے، اس کو مقدم نہیں کرنا ورنہ تو حصر الٹ جائے گا۔ بات سمجھ میں آگئی۔ اگر فاعل إِلَّا سے پہلے ہو تو پھر ضاربیت کا حصر ہوتا ہے مفعول میں، اور اگر مفعول إِلَّا سے پہلے ہو تو پھر مضروبیت کا حصر ہوتا ہے فاعل میں۔ تو یہ تیسرا مقام تھا کہ جہاں مفعول إِلَّا کے بعد واقع ہو تو فاعل کو مقدم کرنا واجب، توجہ ہے؟

اور چوتھا مقام وہ تھا کہ جہاں مفعول معنیٰ إلَّا کے بعد آئے، اور معنیٰ إلَّا سے مراد إنَّمَا ہے۔ میں نے آپ کو بتایا تھا جیسے إلَّا حصر کے لیے آتا ہے، تخصیص اور قصر کے لیے آتا ہے، اسی طرح إنَّمَا بھی حصر، قصر اور تخصیص کے لیے آتا ہے۔ اور اس کے اندر حصر جزِ اخیر میں ہوتا ہے، کس میں؟ جزِ اخیر میں۔ ہاں اس سے پہلے ایک اور بات، مَا ضَرَبَ زَيْدٌ إلَّا عَمْرًا، نہیں مارا زید نے مگر عمرو کو۔ یہ تو عام ترجمہ تھا، لفظی ترجمہ تھا۔ میں نے بتایا تھا بامحاورہ ترجمہ کیسے کرنا ہے اس کا، کہ جو إلَّا کے بعد ہو اس کے بعد «ہی» کا لفظ لے آئیں یا اس سے پہلے «صرف» کا لفظ لے آئیں۔

اور إلَّا کو ختم کر دیں۔ جو إلَّا کے بعد ہے اس کے بعد لفظِ «ہی» لے آئیں یا اس سے پہلے لفظِ «صرف» لے آئیں، کوئی ایک طریقہ اختیار کر لیں تو بامحاورہ ترجمہ ہو جائے گا۔ مَا ضَرَبَ زَيْدٌ إلَّا عَمْرًا، زید نے عمرو ہی کو مارا، زید نے عمرو ہی کو مارا، معلوم ہوا کسی اور کو نہیں مارا۔ اور «صرف» کے ساتھ ترجمہ کرو، اب اسی عمرو سے پہلے صرف لے آؤ، زید نے صرف عمرو کو مارا، معلوم ہوا کسی اور کو نہیں مارا۔ یہاں تک بات سمجھ میں آگئی۔

اس کے بعد بات آئی تھی یہ معنیٰ إلَّا کی۔ معنیٰ إلَّا سے مراد إنَّمَا ہے۔ إنَّمَا بھی حصر کا فائدہ دیتا ہے اور حصر جزِ اخیر میں ہوتا ہے، آخری جز میں ہوتا ہے۔ مثلاً إنَّمَا ضَرَبَ زَيْدٌ عَمْرًا، إنَّمَا ضَرَبَ زَيْدٌ عَمْرًا، آخر میں کیا ہے؟ عَمْرًا مفعول ہے، تو اس کے اندر حصر ہے بھئی۔ جی، ترجمہ کیجیے، جو آخر میں ہے اسی کے بعد «ہی» لے آؤ یا اس سے پہلے «صرف» لے آؤ۔ زید نے عمرو ہی کو مارا یا زید نے صرف عمرو کو مارا۔ ہاں اب ذرا جگہ بدل دو، إنَّمَا ضَرَبَ عَمْرًا زَيْدٌ۔ اب سب سے آخر میں کون ہے؟ زید یعنی فاعل ہے۔ اس کے بعد «ہی» یا اس سے پہلے «صرف» لے آؤ۔ عمرو کو زید ہی نے مارا یا عمرو کو صرف زید نے مارا۔ طریقہ سمجھ میں آگیا۔ تو یہ چار مقامات ہیں جہاں پر فاعل کو مقدم کرنا واجب ہے۔ پہلا مقام کیا؟ جہاں اعرابِ لفظی بھی منتفی ہو اور قرینہ بھی منتفی ہو تو فاعل کو مقدم کرنا واجب ہے، اسی مقدم کرنے سے ہی ہمیں پتہ چلے گا کہ یہ فاعل ہے۔ دوسرا مقام جہاں فاعل ضمیرِ متصل ہو تو پھر فاعل کو مقدم کرنا واجب ہے، لیکن شرط یہ ہے کیا کہ مفعول فعل پر مقدم نہ ہو بھئی۔ اور تیسرا مقام کہ جب مفعول کس کے بعد آئے؟ إلَّا کے بعد آئے، لیکن شرط یہ ہے کہ إلَّا فاعل اور مفعول دونوں کے بیچ میں آرہا ہو، إلَّا جب مفعول إلَّا کے بعد ہے اور إلَّا دونوں کے بیچ میں ہے معلوم ہوا فاعل کیا ہے إلَّا سے پہلے ہے بھئی، تو یہ بھی شرط ضروری ہے بھئی۔ تو جب مفعول إلَّا کے بعد آئے تو اس وقت بھی فاعل کو مقدم کرنا واجب ہے لیکن شرط کیا ہے کہ إلَّا دونوں کے درمیان میں ہو۔ اور چوتھا مقام جہاں فاعل کو مقدم کرنا واجب ہے کہ مفعول معنیٰ إلَّا کے بعد یعنی إنَّمَا کے بعد آئے یعنی جزِ اخیر ہو، آخر میں آرہا ہو، تو إنَّمَا جزِ اخیر میں حصر پیدا کرتا ہے لہٰذا وہاں پر بھی جو فاعل ہے اس کو مقدم کرنا واجب ہے، اگر آپ اس کی جگہ بدلیں گے تو پھر تو حصر ہی الٹ جائے گا۔ بات سمجھ میں آگئی۔

جی اب دیکھیے بھئی سبق۔ کہتے ہیں أَوْ كَانَ الْفَاعِلُ مُضْمَرًا مُتَّصِلًا بِالْفِعْلِ بَارِزًا كَضَرَبْتُ زَيْدًا أَوْ مُسْتَكِنًّا كَزَيْدٌ ضَرَبَ غُلَامَهُ بِشَرْطِ أَنْ يَكُونَ الْمَفْعُولُ مُتَأَخِّرًا عَنِ الْفِعْلِ لِئَلَّا يَنْتَقِضَ بِمِثْلِ زَيْدًا ضَرَبْتُ۔ دوسرا مقام بھئی، أَوْ كَانَ الْفَاعِلُ مُضْمَرًا

مُتَّصِلًا، یا فاعل ضمیرِ متصل ہو بِالْفِعْلِ کس کے ساتھ متصل ہو؟ فعل کے ساتھ۔ آپ جانتے ہیں ادھر دیکھیے کہ فاعل کی ضمیر فعل کے ساتھ متصل آتی ہے بھئی۔ اور یہ گردانوں میں آپ پڑھتے ہیں، لیکن پھر یہ دو قسم پر ہے، کبھی یہ ضمیر بارز ہوتی ہے یعنی ظاہر ہوتی ہے، اس پر تلفظ ہوتا ہے، اور کبھی یہ ضمیر اسی فعل کے اندر چھپی ہوئی ہوتی ہے۔ جیسے ضَرَبَ، ضَرَبَ کے اندر ھُوَ ضمیر چھپی ہوئی ہے، اس کو کہتے ہیں مُسْتَكِنٌّ۔ جو ضمیر چھپی ہوئی ہو اس کو کیا کہتے ہیں؟ مُسْتَكِنٌّ۔ كَنٌّ کا معنیٰ ہے چھپانا بھئی۔ مکنون کہتے ہیں چھپائی ہوئی چیز، جس کو چھپایا گیا ہو۔ تو مُسْتَكِنٌّ چھپی ہوئی، بابِ استفعال میں لے گئے تو اب اس کا معنیٰ چھپنا ہو گیا یعنی لازمی ہے۔ تو ضَرَبَ کے اندر کون سی ضمیر ہے؟ ھُوَ اور وہ مُسْتَكِنٌّ ہے، چھپی ہوئی ہے۔ اور ضَرَبَا اس کے اندر یہ الف ضمیر ہے، اور یہ مستکن ہے یا بارز ہے؟ بارز۔ بارز کا معنیٰ ہے ظاہر، ظاہر یہ ظاہر ہے بھئی، اس پر ہم باقاعدہ تلفظ کر رہے ہیں، ضَرَبَا دیکھو آخر میں میں الف پڑھ رہا ہوں بھئی۔ ضَرَبُوا اس کے اندر ضمیر کیا؟ واو، یہ بارز ہے یا مستکن ہے؟ یہ بارز ہے بھئی۔ تو ایک ہے بارز اور ایک ہے مستکن، اور مستکن کہہ لیں یا مستتر کہہ لیں دونوں کا ایک ہی معنیٰ ہے، مُسْتَكِنٌّ کا معنیٰ بھی چھپی ہوئی، مستتر کا معنیٰ بھی چھپی ہوئی۔ ضَرَبَتْ اس کے اندر جی؟ اس کے اندر هِيَ ضمیر جو ہے وہ مستتر ہے، مستکن ہے، اور یہ جو تَا ہے یہ ضمیر نہیں ہے، یہ صرف تانیث کی علامت ہے، یہ صرف یہ بتلا رہی ہے کہ اس فعل کا اسناد کسی مؤنث ذات کی طرف ہو رہا ہے۔ بات سمجھ میں آگئی۔ اب ادھر دیکھیے بھئی، تو فاعل جب بھی ضمیرِ متصل ہو تو فاعل کو مقدم کرنا واجب ہے، اور فاعل جب ضمیرِ متصل ہو وہ بارز بھی ہو سکتا ہے اور مستکن بھی ہو سکتا ہے۔

تو کہتے ہیں أَوْ كَانَ الْفَاعِلُ مُضْمَرًا مُتَّصِلًا بِالْفِعْلِ یا فاعل جو ہے ایسی ضمیر ہو جو متصل ہو فعل کے ساتھ بَارِزًا کہ اس حال میں کہ وہ ضمیر یا تو بارز ہو گی كَضَرَبْتُ زَيْدًا جیسے ضَرَبْتُ زَيْدًا، ضَرَبْتُ زَيْدًا۔ ضَرَبْتُ فعل با فاعل، اس کے اندر تَا ضمیر مرفوع محلاً فاعل ہے اور یہ ضمیرِ متصل ہے فعل کے ساتھ جڑی ہوئی ہے اور بارز ہے ہم اس پر باقاعدہ تلفظ کر رہے ہیں، كَضَرَبْتُ زَيْدًا۔ أَوْ مُسْتَكِنًّا یا وہ ضمیر کیا ہو گی؟ مستکن ہو گی كَزَيْدٌ ضَرَبَ غُلَامَهُ۔ جی ترکیب کیجیے۔ زَيْدٌ مرفوع لفظاً بتدا، ضَرَبَ فعل، ضَرَبَ فعل با فاعل، اس کے اندر ھُوَ ضمیر مرفوع محلاً اس کا فاعل جو کس کو راجع؟ جو زید کو راجع کیونکہ یہ خبر ہے، خبر کو بتدا سے جوڑتے ہیں اور ربط ضروری ہے جب خبر جملہ ہو۔ اور یہ جو ضَرَبَ کے اندر ھُوَ ضمیر ہے یہ بارز ہے یا مستکن ہے؟ یہ مستکن ہے، یہ ہے مقامِ استشہاد، بات سمجھ میں آرہی ہے۔ اور غُلَامَهُ غُلَامَ منصوب لفظاً، غُلَامَ منصوب لفظاً مضاف، منصوب کیوں؟ کیونکہ مفعول بہ ہے۔ اور هَا ضمیر مجرور محلاً مضاف الیہ بھئی شاباش۔ یہ ضمیر بھی زید کو راجع ہے، مضاف اپنے مضاف الیہ سے مل کر مفعول بہ ہوا ضَرَبَ فعل کے لیے۔ ضَرَبَ فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر یہ خبر ہوا زید کے لیے، بتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔ تو دیکھو زَيْدٌ ہے بتدا اور ضَرَبَ غُلَامَهُ یہ پورا جملہ اس کی خبر ہے، اور خبر کیا ہوتی ہے؟ مرفوع، تو یہ پورا جملہ مرفوع ہے، اور مرفوع ہے محلاً کیونکہ جملہ مبنی ہے۔ تو کہتے ہیں أَوْ كَانَ الْفَاعِلُ مُضْمَرًا

مُتَّصِلًا بِالْفِعْلِ یا فاعل جو ہے وہ ضمیرِ متصل ہو فعل کے ساتھ بَارِزًا کَضَرَبْتُ زَیْدًا بارز ہو جیسے کہ ضَرَبْتُ زَیْدًا میں ہے، أَوْ مُسْتَكِنًّا یا مستکن ہو یعنی مستتر ہو جیسے زَیْدٌ ضَرَبَ غُلَامَهُ میں ہے۔ تو اس صورت میں بھی فاعل کو مقدم کرنا واجب جب فاعل کیا ہو؟ ضمیرِ متصل۔ لیکن ایک شرط میں نے بتلائی تھی، وہ شرط کیا تھی؟ کہ مفعول فعل پر مقدم نہ ہو، وہی ذکر کر رہے ہیں بِشَرْطِ أَنْ یَكُونَ الْمَفْعُولُ مُتَأَخِّرًا عَنِ الْفِعْلِ بایں شرط کہ مفعول جو ہے وہ فعل سے مؤخر ہونا چاہیے، لِئَلَّا یَنْتَقِضَ تاکہ کہیں یہ بات ٹوٹ نہ جائے بِمِثْلِ اس جیسی مثالوں سے زَیْدًا ضَرَبْتُ، زَیْدًا ضَرَبْتُ۔ جی زَیْدًا دیکھو مفعول ہے اور فعل ضَرَبْتُ پر مقدم ہے، اب اس جملے میں دیکھو زَیْدًا ضَرَبْتُ فاعل ضمیرِ متصل ہے، فاعل ضمیرِ متصل ہے لیکن پھر بھی مفعول اس پر مقدم ہے بھئی، اور صاحبِ کافیہ نے تو ہمیں کیا بتایا کہ فاعل جب ضمیرِ متصل ہو تو اس کو مقدم کرنا واجب ہے، تو یہ تو ان کی بات ٹوٹ گئی زَیْدًا ضَرَبْتُ، اس میں فاعل ضمیرِ متصل ہے پھر بھی مفعول مقدم ہے، تو انہوں نے اسی لیے کہا کہ یہ شرط ہے کہ فاعل جب ضمیرِ متصل ہو وہ مقدم ہو گا لیکن شرط یہ ہے کہ مفعول فعل پر مقدم نہیں ہونا چاہیے اور یہ زَیْدًا یہ تو فعل پر مقدم ہے تو اس کی بات یہاں نہیں کی جا رہی بھئی، بات سمجھ میں آ گئی۔

أَوْ وَقَعَ مَفْعُولُهُ أَيْ مَفْعُولُ الْفَاعِلِ یا مفعول واقع ہو بھئی، مفعولہ متن میں آیا أَوْ وَقَعَ مَفْعُولُهُ، آگے شارحِ جامی فرما رہے ہیں أَيْ مَفْعُولُ الْفَاعِلِ کیا بتلانا چاہتے ہیں؟ مَفْعُولُهُ کی هَا ضمیر کا مرجع بتلانا چاہتے ہیں کہ یہ مَفْعُولُهُ کی هَا ضمیر کس کو راجع؟ فاعل۔ أَوْ وَقَعَ مَفْعُولُهُ أَيْ مَفْعُولُ الْفَاعِلِ بَعْدَ إِلَّا یا فاعل کا جو مفعول ہے وہ إِلَّا کے بعد واقع ہو۔ ادھر دیکھیے، میں نے آپ کو کیا بتلایا تھا؟ کہ فاعل کا مفعول جب إِلَّا کے بعد واقع ہو تو فاعل کو مقدم کرنا واجب ہے، لیکن شرط کیا ہے؟ کہ إِلَّا ان دونوں کے درمیان میں ہونا چاہیے۔ إِلَّا، وہی بیان کر رہے ہیں بِشَرْطِ تَوَسُّطِهَا بایں شرط کہ وہ إِلَّا بیچ میں آئے، تَوَسُّطِهَا کی هَا ضمیر راجع ہے إِلَّا کو۔ بِشَرْطِ تَوَسُّطِهَا بایں شرط کہ وہ جو إِلَّا ہے وہ بیچ میں آئے۔ بھئی کس کے بیچ میں؟ بَيْنَهُمَا ان دونوں کے یعنی فاعل اور مفعول، بایں شرط کہ إِلَّا جو ہے ان دونوں کے درمیان میں آئے۔ فِي صُورَتَيِ التَّقْدِيمِ وَالتَّأْخِيرِ اصل میں تھا فِي صُورَتَيْنِ، تقدیم اور تاخیر کی دو صورتوں میں۔ صُورَتَيْنِ یہ تثنیہ ہے، پھر اس کی اضافت ہوئی تو نون اضافت کی وجہ سے گر گیا، اب یا کے نیچے کسرہ پڑھیں گے کیونکہ السَّاكِنُ إِذَا حُرِّكَ حُرِّكَ بِالْكَسْرِ۔ تو کہتے ہیں فِي صُورَتَيِ التَّقْدِيمِ وَالتَّأْخِيرِ تقدیم اور تاخیر کی دو صورتوں میں۔ ادھر دیکھیے بھئی بایں شرط کہ إِلَّا ان دونوں کے درمیان میں آئے تقدیم اور تاخیر کی دو صورتوں میں۔ بھئی میں نے آپ کو دو مثالیں لکھوائی تھیں، کون سی دو مثالیں؟ پہلی مثال کیا تھی مَا ضَرَبَ زَيْدٌ إِلَّا عَمْرًا، اس میں إِلَّا کے بعد عَمْرًا مفعول ہے، اور دوسری مثال تھی مَا ضَرَبَ عَمْرًا إِلَّا زَيْدٌ، اس میں إِلَّا کے بعد زید فاعل ہے، تو یہ دونوں صورتیں چاہے فاعل إِلَّا پر مقدم ہو چاہے إِلَّا سے مؤخر ہو دونوں صورتوں کے اندر بھئی إِلَّا کو دونوں کے بیچ میں آنا چاہیے۔ بات سمجھ میں آ گئی۔ اور ایک صورت میں جب فاعل إِلَّا پر مقدم ہے تو اس کو مقدم کرنا واجب، اور ایک صورت میں جب إِلَّا سے مؤخر ہے تو اس کو مؤخر کرنا واجب۔ بھئی دیکھیے نا صاحبِ کافیہ کون سی جگہیں ذکر کر رہے ہیں؟ جہاں فاعل کو مقدم کرنا واجب

ہے۔ اور پھر آگے چل کر وہ جگہیں ذکر کریں گے جہاں فاعل کو مؤخر کرنا واجب ہے۔ تو ایک صورت میں دیکھو مَا ضَرَبَ زَيْدٌ إِلَّا عَمْرًا، یہ زید إِلَّا سے مقدم ہے تو اس کو مقدم کرنا واجب، اور دوسری مثال کیا ہے مَا ضَرَبَ عَمْرًا إِلَّا زَيْدٌ، اس میں زید إِلَّا سے مؤخر ہے تو مؤخر کرنا واجب۔ تو تقدیم و تاخیر کی دو صورتیں آگئیں فاعل کی، ایک صورت تو ابھی ذکر ہو رہی ہے، بعض جگہ فاعل کو مقدم کرنا واجب ہے وہ چار جگہیں ہیں یہ والی، آگے ذکر کریں گے بعض جگہ فاعل کو مؤخر کرنا واجب ہے اور اس میں بھی وہ إِلَّا والی صورت ذکر کریں گے۔ تو صاحبِ جامی یہاں دونوں کو اکٹھا ذکر کر رہے ہیں کہ چاہے فاعل کو مقدم کرنے والی صورت ہو چاہے فاعل کو مؤخر کرنے والی صورت، دونوں صورتوں میں إِلَّا کو فاعل اور مفعول کے بیچ میں آنا چاہیے۔ تو جب إِلَّا دونوں کے بیچ میں ہے اور فاعل مقدم ہے تو مقدم کرنا واجب، اور جب فاعل مؤخر ہے تو مؤخر کرنا واجب ہے بھئی۔ بات سمجھ میں آگئی۔ وجہ یہ کہ اگر آپ جگہ بدلیں گے دونوں کی تو پھر حصر الٹ جائے گا بھئی اور کلام مقصود کے مخالف ہو جائے گا بھئی۔

تو یہ معنیٰ ہے بِشَرْطِ تَوَسُّطِهَا بَيْنَهُمَا بایں شرط کہ إِلَّا بیچ میں آئے ان دونوں کے یعنی فاعل اور مفعول کے فِي صُورَتَيِ التَّقْدِيمِ وَالتَّأْخِيرِ فاعل کو مقدم کرنے اور فاعل کو مؤخر کرنے کی دو صورتوں میں یعنی دونوں میں إِلَّا ان دونوں کے بیچ میں ہونا چاہیے۔ نَحْوَ مَا ضَرَبَ زَيْدٌ إِلَّا عَمْرًا نہیں مارا زید نے مگر عمرو کو۔ جی دوسرا ترجمہ کریں، «ہی» کے ساتھ کریں۔ ہاں زید نے عمرو ہی کو مارا، جی۔ اب «صرف» کے ساتھ ترجمہ کریں۔ زید نے صرف عمرو کو مارا، جی۔

أَوْ بَعْدَ مَعْنَاهَا یا مفعول جو ہے إِلَّا کے معنیٰ کے بعد آئے نَحْوَ إِنَّمَا ضَرَبَ زَيْدٌ عَمْرًا، إِنَّمَا ضَرَبَ زَيْدٌ عَمْرًا۔ إِنَّمَا حصر پیدا کرتا ہے اور کس جز میں پیدا کرتا ہے حصر؟ جزِ اخیر میں، اور اخیر میں یہاں کیا ہے؟ عَمْرًا۔ اور آپ یہ بھی دیکھ رہے ہیں عَمْرًا کے ساتھ واو نہیں ہے۔ بات سمجھ، یہ واو کس لیے لاتے ہیں میں نے آپ کو بتلایا، عمر سے فرق کرنے کے لیے، اور حالتِ نصبی میں جب الف موجود ہے تو یہ الف فرق کر رہا ہے کیونکہ یہ الف تنوین کی صورت میں لاتے ہیں بغیر تنوین کے نہیں اور عمر اس پر تو تنوین آتی ہی نہیں بھئی۔ تو إِنَّمَا ضَرَبَ زَيْدٌ عَمْرًا ترجمہ کیجیے۔

زید نے عمرو ہی کو مارا، دوسرا ترجمہ۔ زید نے صرف عمرو کو مارا۔ شاباش بھئی۔

آگے، تو یہ چار صورتیں ذکر کر دیں، جب اعرابِ لفظی اور قرینہ منتفی ہو، پہلی صورت۔ اور دوسری صورت فاعل ضمیرِ متصل ہو، لیکن شرط یہ ہے کہ مفعول فعل پر مقدم نہ ہو۔ اور تیسری صورت کہ مفعول کس کے بعد آئے؟ إِلَّا کے بعد، لیکن شرط یہ ہے کہ إِلَّا دونوں کے درمیان میں ہو۔ اور چوتھی صورت کیا؟ کہ مفعول کس کے بعد آئے؟ معنیٰ إِلَّا کے بعد آئے، تو ان ساروں کی ایک ہی جزا نکال دی: وَجَبَ تَقْدِيمُهُ أَيْ تَقْدِيمُ الْفَاعِلِ عَلَى الْمَفْعُولِ تو واجب ہے مقدم کرنا، بھئی تَقْدِيمُهُ کی هَا ضمیر کس کو راجع؟ بتلایا أَيْ تَقْدِيمُ الْفَاعِلِ۔ وَجَبَ تَقْدِيمُهُ ان تمام صورتوں میں فاعل کو مقدم کرنا واجب ہے۔ تو کہتے

ہیں وَجَبَ تَقْدِيمُهُ أَيْ تَقْدِيمُ الْفَاعِلِ عَلَى الْمَفْعُولِ یعنی فاعل کو مفعول پر مقدم کرنا واجب ہے فِي جَمِيعِ هَذِهِ الصُّوَرِ ان تمام صورتوں کے اندر۔ ان تمام، یہ چار صورتیں جو ذکر کیں ان چاروں کے اندر فاعل کو مقدم کرنا واجب ہے۔

بھئی مقدم کرنا کیوں واجب ہے؟ اب آگے سب کی علت بیان کریں گے۔ بھئی کیوں مقدم کرنا واجب؟ آپ بتائیے، جب اعرابِ لفظی بھی منتفی ہو اور قرینہ بھی منتفی ہو، تو پھر فاعل کو مقدم کرنا کیوں واجب؟ تاکہ التباس لازم نہ آئے، ورنہ تو التباس لازم آئے گا، اشتباہ ہو گا، پتہ ہی نہیں چلے گا کون فاعل ہے کون مفعول۔ اور جب فاعل ضمیرِ متصل ہو تو پھر فاعل کو کیوں مقدم کرنا واجب؟ اس لیے کیونکہ فاعل ضمیرِ متصل ہے، تو اگر اس کو مفعول سے مؤخر کر دیں گے تو پھر تو متصل نہ رہے گی بلکہ کیا بن جائے گی؟ منفصل بن جائے گی بھئی۔ تو کہتے ہیں کہ فاعل کو ان تمام صورتوں میں مقدم کرنا واجب ہے، أَمَّا فِي صُورَةِ انْتِفَاءِ الْإِعْرَابِ فِيهِمَا وَالْقَرِينَةِ باقی وہ صورت جس میں دونوں میں اعراب بھی منتفی ہوتا ہے وَالْقَرِينَةِ اور قرینہ بھی منتفی ہوتا ہے، اس میں فاعل کو کیوں مقدم کرنا واجب؟ کہتے ہیں فَلِلتَّحَرُّزِ عَنِ الِالْتِبَاسِ۔ جی کیسے پڑھیں گے اس کو؟ فَلِلتَّحَرُّزِ عَنِ الِالْتِبَاسِ۔ عَنِ الْاِلْتِبَاسِ نہ پڑھنا بھئی، تمام طلبہ عَنِ الْاِلْتِبَاسِ پڑھتے ہیں۔ اِلْتِبَاسٌ کون سا باب ہے؟ بابِ افتعال ہے، اور بابِ افتعال کا ہمزہ وصلی ہے، تمام باب جو ہیں ان کے ہمزہ وصلی ہیں سوائے بابِ افعال کے۔ تو بابِ افتعال کا ہمزہ بھی وصلی، جب وہ ہمزہ وصلی ہے وہ درجِ عبارت میں گر جائے گا، تو اِلْتِبَاسٌ پر الف لام آگیا، تو ہمزہ اِلْتِبَاسٌ کا گر گیا، کیسے پڑھیں گے؟ ال کا لام بھی ساکن، آگے اِلْتِبَاسٌ کا لام بھی ساکن، اِلْتِبَاسٌ کا ہمزہ تو گر گیا، تو کیسے پڑھیں گے؟ اَلِلْتِبَاسِ، اَلِلْتِبَاسِ۔ توجہ ہے؟ معلوم ہوا اس اَلِلْتِبَاسِ الف لام کے لام کے نیچے اب آپ نے زیر ہی پڑھنا ہے ہر حال میں۔ اور پیچھے کیا آیا؟ عَنْ۔ اس عَنْ کو ملانا ہے ہم نے ال کے ساتھ، ال کے ساتھ۔ اور ال کا لام اس وقت متحرک ہے، لِلْتِبَاسِ لام کے نیچے زیر آگیا یا نہیں؟ لیکن یہ زیر عارضی ہے یا مستقل ہے؟ عارضی ہے، اور عارضی حرکت کا کوئی اعتبار نہیں، تو اس کو ابھی بھی ساکن سمجھو۔ پڑھنا زیر ہی ہے لیکن عَنْ کو ملانے کے لیے اس کو ابھی بھی ساکن ہی سمجھو۔ یہ ساکن ہے گویا، اور عَنْ اور آگے لام ساکن آیا، کیسے جوڑتے ہیں؟ عَنِلْ، عَنِلْ، معلوم ہوا نون کے نیچے زیر پڑھنا پڑے گا۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو بس، اب نون کے نیچے بھی زیر پڑھنا ہے، آگے لِلْتِبَاسِ کے لام کے نیچے بھی زیر پڑھنا ہے، تو کیسے پڑھیں گے؟ فَلِلتَّحَرُّزِ عَنِ الِالْتِبَاسِ۔ تو آپ تیز پڑھیں گے، کسی کو پتہ بھی نہیں چلے گا آپ ضابطے کے مطابق پڑھ رہے ہیں اور وہ سمجھیں گے کہ شاید آپ عَنِ الْاِلْتِبَاسِ پڑھ رہے ہیں۔ دیکھو میں تیز پڑھوں گا، فَلِلتَّحَرُّزِ عَنِ الِالْتِبَاسِ، فَلِلتَّحَرُّزِ عَنِ الِالْتِبَاسِ۔ طریقہ سمجھ میں آگیا؟

تو کہتے ہیں تمام صورتوں میں فاعل کو مقدم کرنا واجب ہے، أَمَّا فِي صُورَةِ انْتِفَاءِ الْإِعْرَابِ فِيهِمَا وَالْقَرِينَةِ باقی اس صورت میں جس میں اعراب اور قرینہ جو ہے وہ منتفی ہے، جس میں اعراب دونوں کے اندر منتفی ہے اور قرینہ بھی، تو اس میں مقدم کرنا واجب ہے کیوں؟ فَلِلتَّحَرُّزِ عَنِ الِالْتِبَاسِ التباس سے بچنے کے لیے، التباس اور اشتباہ سے بچنے کے لیے، ورنہ

تو پتہ ہی نہیں چلے گا کون فاعل ہے اور کون مفعول، لیکن جب فاعل کو مقدم کرنا واجب ہوا تو اب جو مقدم ہو گا ہم سمجھ جائیں گے کہ یہ کیا ہے؟ فاعل۔ یہاں تک بات سمجھ میں آگئی۔ بھئی دیکھو معلوم ہوا صاحبِ کافیہ کے قول کے مطابق ضَرَبَ مُوسَى عِيسَى، ضَرَبَ مُوسَى عِيسَى، اس کے اندر مُوسَى فاعل ہے اور عِيسَى مفعول ہے، کیونکہ جب اعراب لفظی بھی منتفی ہو اور قرینہ بھی منتفی ہو تو فاعل کو مقدم کرنا واجب ہے۔ جبکہ صاحبِ مغنی فرماتے ہیں بھئی، مغنی نحو کی عظیم کتاب، وہ فرماتے ہیں کہ نہیں بھئی ضَرَبَ مُوسَى عِيسَى اس میں دونوں احتمال ہیں۔ ہو سکتا ہے مُوسَى فاعل اور عِيسَى مفعول، اور ہو سکتا ہے عِيسَى فاعل اور مُوسَى مفعول ہو بھئی، تو اس میں دونوں اسم احتمال رکھتے ہیں فاعل ہونے کا بھی اور مفعول ہونے کا بھی۔ اور کہتے ہیں یہ جو، یہ جو کہا نا کہ جو پہلے آئے گا وہ فاعل ہو گا جو بعد میں آئے گا وہ مفعول، کہتے ہیں یہ بعضِ متأخرین کا قول ہے، اصل کلامِ عرب کے اندر اس میں دونوں احتمال ہیں بھئی۔ بات سمجھ میں آگئی۔

آگے دیکھیے، کہتے ہیں وَأَمَّا فِي صُورَةِ كَوْنِ الْفَاعِلِ ضَمِيرًا مُتَّصِلًا، جی جب فاعل ضمیرِ متصل ہو تو اس کو بھی مقدم کرنا واجب ہے، کیوں مقدم کرنا واجب؟ مثلاً ضَرَبْتُ زَيْدًا، ضَرَبْتُ زَيْدًا، تو یہ تَا کیا ہے؟ ضمیرِ متصل، تو اس کو زید پر مقدم کرنا واجب، کیوں؟ کہتے ہیں اس لیے کیونکہ اس تَا کو اگر آپ زید سے مؤخر کریں گے پھر تو یہ ضمیرِ منفصل بن جائے گی بھئی متصل نہ رہے گی، اور ہماری بات کس میں چل رہی ہے؟ متصل کی چل رہی ہے، ہم نے تو متصل کی بات کی ہے۔ تو یہ معنیٰ ہے، کہتے ہیں وَأَمَّا فِي صُورَةِ كَوْنِ الْفَاعِلِ ضَمِيرًا مُتَّصِلًا اور باقی فاعل کے ضمیرِ متصل ہونے کی صورت میں یعنی اس میں بھی فاعل کو مقدم کرنا واجب ہے کیوں؟ فَلِمُنَافَاةِ الِاتِّصَالِ الِانْفِصَالَ اس وجہ سے کہ اتصال کی منافات ہے انفصال کے ساتھ، اتصال کی منافات ہے انفصال کے ساتھ یعنی ایک وقت میں ایک چیز آسکتی ہے دونوں نہیں ہو سکتیں، اتصال ہے تو انفصال نہیں، انفصال ہے تو اتصال نہیں، اور ہم نے کیا کہا؟ فاعل کیا ہو؟ ضمیرِ متصل ہو، تو پھر فاعل کو مقدم ہی کرنا پڑے گا، اگر آپ مقدم نہیں کریں گے پھر تو وہ کیا بن جائے گا؟ منفصل بن جائے گا اور ہم تو منفصل کی بات نہیں کر رہے ہم تو کس کی بات کر رہے ہیں؟ متصل کی بات کر رہے ہیں۔ بات سمجھ میں آگئی۔

کہتے ہیں وَأَمَّا فِي صُورَةِ وُقُوعِ الْمَفْعُولِ بَعْدَ إِلَّا اور کہتے ہیں باقی جب مفعول واقع ہو إِلَّا کے بعد، لَكِنْ بِشَرْطِ تَوَسُّطِهَا بَيْنَهُمَا فِي صُورَتَيِ التَّقْدِيمِ وَالتَّأْخِيرِ لیکن بایں شرط کہ إِلَّا درمیان میں آئے بَيْنَهُمَا ان دونوں یعنی فاعل اور مفعول کے، لیکن بایں شرط کہ إِلَّا اس فاعل اور مفعول کے درمیان آئے فِي صُورَتَيِ التَّقْدِيمِ وَالتَّأْخِيرِ تقدیم اور تاخیر دونوں صورتوں میں، چاہے فاعل کو مقدم کیا گیا ہو چاہے فاعل کو مؤخر، دونوں صورتوں میں۔ ان صورتوں میں کیا کہا تھا ہم نے؟ ان دو صورتوں میں فاعل مقدم ہے تو اس کو مقدم ہی رکھنا ہے اور فاعل مؤخر ہے تو اس کو مؤخر ہی رکھنا ہے، اس کی کیا وجہ؟ کہتے ہیں بھئی کیونکہ اگر آپ جگہ بدلیں گے تو پھر حصر الٹ جائے گا، تو جگہ نہیں بدلیں گے ورنہ تو حصرِ مطلوب الٹ جائے

گا، وہ حصر جو مطلوب ہے اس مقام پر وہ الٹ جائے گا۔ دیکھیے بھئی ذرا ترجمہ دیکھیے، کہتے ہیں وَأَمَّا فِي صُورَةِ وُقُوعِ الْمَفْعُولِ بَعْدَ إِلَّا اور باقی وہ صورت جس کے اندر مفعول إِلَّا کے بعد واقع ہو لَكِنْ بِشَرْطِ تَوَسُّطِهَا بَيْنَهُمَا لیکن بایں شرط کہ إِلَّاکے بیچ میں آئے بَيْنَهُمَا فاعل اور مفعول کے درمیان فِي صُورَتَيِ التَّقْدِيمِ وَالتَّأْخِيرِ اس تقدیم اور تاخیر کی دو صورتوں میں یعنی فاعل کو مقدم کرنے اور فاعل کو مؤخر کرنے کی دو صورتوں میں، فَلِئَلَّا يَنْقَلِبَ الْحَصْرُ الْمَطْلُوبُ تاکہ کہیں وہ حصر جو مطلوب ہے وہ الٹ نہ جائے۔ حصر، قصر، تخصیص ایک ہی معنیٰ ہے، تاکہ کہیں وہ تخصیص نہ الٹ جائے جو مطلوب ہے، تاکہ کہیں وہ تخصیص نہ الٹ جائے جو مطلوب ہے، توجہ ہے؟

بھئی ذرا اپنی کاپی نکالیں بھئی، ذرا اس میں وہ مثالیں دیکھیں، اس میں کچھ اور باتیں میں آپ کو سمجھاؤں بھئی، توجہ سے سمجھو۔ بھئی دیکھو پہلا جملہ کیا ہے؟ مَا ضَرَبَ زَيْدٌ إِلَّا عَمْرًا، اس میں کیا بتلایا گیا کہ ضاربیتِ زید بند ہے کس کے اندر؟ عمرو کے اندر، معلوم ہوا زید نے صرف عمرو کو مارا ہے کسی اور کو نہیں مارا۔ اور دوسری مثال کیا ہے؟ مَا ضَرَبَ عَمْرًا إِلَّا زَيْدٌ، کہ عمرو کو نہیں مارا مگر کس نے؟ صرف زید نے، معلوم ہوا عمرو کی مضروبیت زید میں بند ہے، عمرو صرف زید کا مضروب ہے، کسی اور نے عمرو کو نہیں مارا بھئی۔ بات سمجھ میں آگئی۔ اب دیکھو یاد رکھو ایک صورت میں دیکھو فاعل مقدم ہے اس وقت معنیٰ اور، اور ایک صورت میں فاعل إِلَّا سے مؤخر ہے اور اس صورت میں معنیٰ اور، ایک میں ایک تخصیص ہے دوسرے میں دوسری قسم کی تخصیص ہے۔ اب ذرا پہلے جملے پہ نظر رکھو، مَا ضَرَبَ زَيْدٌ إِلَّا عَمْرًا، اس جملے سے کیا پتہ چلا؟ کہ زید نے صرف عمرو کو مارا ہے، معلوم ہوا زید نے کسی اور کی پٹائی نہیں کی۔ لیکن کیا عمرو کی کسی اور نے پٹائی کی ہے یا نہیں؟ زید نے تو عمرو کی پٹائی کی ہے لیکن کسی اور نے بھی عمرو کی پٹائی کی ہے یا نہیں؟ اس بارے میں کلام خاموش ہے، اس بارے میں کلام میں کوئی ذکر نہیں، ہو سکتا ہے عمرو کی کسی اور نے پٹائی کی ہو ہو سکتا ہے نہ کی ہو، دونوں احتمال ہیں۔ ہاں زید کی ضاربیت عمرو میں بند ہے لیکن عمرو کی مضروبیت زید میں بند نہیں، ہو سکتا ہے عمرو کسی اور کا بھی مضروب ہو ہو سکتا ہے نہ ہو دونوں احتمال ہیں۔ توجہ ہے؟ تو اس کلام کے اندر کس کو کس میں بند کیا گیا؟ ضاربیتِ زید کو عمرو میں بند کیا گیا ہے لیکن عمرو کی مضروبیت عام ہے یوں کہو، عمرو کی مضروبیت عام ہے، ہو سکتا ہے کسی اور نے اس کو مارا ہو ہو سکتا ہے نہ مارا ہو دونوں احتمال ہیں۔ بات سمجھ میں آگئی۔

اب ذرا دوسرے جملے پہ آؤ، مَا ضَرَبَ عَمْرًا إِلَّا زَيْدٌ، اس کے اندر کس کو کس میں بند کیا گیا؟ عمرو کی مضروبیت کو زید میں بند کیا گیا، بتلایا گیا کہ عمرو صرف زید کا مضروب ہے، عمرو کی پٹائی صرف زید نے کی ہے کسی اور نے نہیں کی۔ اور باقی زید نے کسی اور کی پٹائی کی ہے یا نہیں؟ زید کی ضاربیت وہ عام ہے، ہو سکتا ہے زید نے کسی اور کی پٹائی کی ہو ہو سکتا ہے زید نے کسی اور کی پٹائی نہ کی ہو، بھئی کلام میں دونوں احتمال ہیں، وہ ذکر یہاں نہیں۔ اس کلام میں صرف اتنا ذکر ہے کہ عمرو

کی مضروبیت زید کے ساتھ خاص ہے، عمرو کی مضروبیت صرف زید کے لیے ہے، عمرو کو صرف زید نے مارا ہے، باقی زید کی ضاربیت کسی اور کے لیے ہے یا نہیں اس کے بارے میں کلام خاموش ہے۔ دونوں کلاموں میں فرق سمجھ میں آیا؟ پہلا کلام کیا؟ مَا ضَرَبَ زَيْدٌ إِلَّا عَمْرًا، اس میں زید کی ضاربیت کو بند کیا گیا ہے اور عمرو کی مضروبیت عام ہے۔ اور دوسرا جملہ مَا ضَرَبَ عَمْرًا إِلَّا زَيْدٌ، اس میں عمرو کی مضروبیت کو بند کیا گیا ہے اس کی تخصیص کی گئی ہے اور زید کی ضاربیت عام ہے بھئی۔ دونوں کلاموں میں فرق سمجھ میں آیا؟ اب یہی یہاں بیان کریں گے۔

تو دیکھو یہ جو دو جملے ہیں، ایک میں فاعل کو مقدم کرنا واجب ہے، ایک میں فاعل کو مؤخر کرنا واجب ہے۔ جس میں فاعل کو مقدم کرنا واجب ہے مَا ضَرَبَ زَيْدٌ إِلَّا عَمْرًا، اس میں ضاربیتِ زید کی تخصیص ہے مضروبیتِ عمرو کی تخصیص نہیں، اور دوسرا جملہ مَا ضَرَبَ عَمْرًا إِلَّا زَيْدٌ، اس کے اندر فاعل مؤخر ہے إِلَّا سے، تو اس کو مؤخر کرنا ہی واجب ہے، اس لیے کیونکہ اس کے اندر مضروبیتِ عمرو کی تخصیص کی جا رہی ہے اور ضاربیتِ زید وہ عام ہے بھئی۔ تو دونوں کلاموں کا محل الگ، موقع الگ، تو اگر آپ دونوں کی جگہ بدل دیں گے پھر تو حصر ہی الٹ جائے گا، ایک میں ضاربیت کا حصر تھا ایک میں مضروبیت کا حصر تھا، آپ جس میں ضاربیت کا حصر ہے آپ اس کو الٹیں گے جگہ بدلیں گے پھر تو مضروبیت کا حصر آ جائے گا وہاں پر۔ تو اس لیے جہاں فاعل کو مقدم کیا گیا ہے إِلَّا پر وہاں مقدم کرنا واجب، اور جہاں فاعل کو إِلَّا سے مؤخر کیا گیا ہے وہاں مؤخر کرنا واجب ہے ورنہ حصرِ مطلوب الٹ جائے گا، یا یوں کہو تخصیص جو مطلوب ہے وہ الٹ جائے گی۔ مطلوب کا کیا معنیٰ؟ بھئی دیکھو نا میں متکلم ہوں میں کلام کر رہا ہوں، تو ایک موقع پر میں حصرِ ضاربیت کا ارادہ کروں گا اور ایک موقع پر میں حصرِ مضروبیت، ہر کلام کا موقع الگ ہے، تو جس موقع پر میں یہ بتلانا چاہوں کہ زید کی ضاربیت عمرو میں بند ہے تو میں کہوں گا مَا ضَرَبَ زَيْدٌ إِلَّا عَمْرًا، جگہ نہیں بدلوں گا، اگر جگہ بدلوں گا پھر تو جو میرا مطلوب ہے وہ کلام اس کے مطابق نہیں ہو گا بھئی۔ بات سمجھ میں آگئی، تو مطلوب سے مراد ہے متکلم کا جو مطلوب ہوتا ہے جو اس نے بیان کرنا ہے دوسرے کے سامنے، بات سمجھ میں آگئی۔

دوبارہ دیکھیے، کہتے ہیں وَأَمَّا فِي صُورَةِ وُقُوعِ الْمَفْعُولِ بَعْدَ إِلَّا اور باقی وہ صورت کہ جس میں مفعول جو ہے إِلَّا کے بعد واقع ہو۔

لَكِنْ بِشَرْطِ تَوَسُّطِهَا بَيْنَهُمَا لیکن بایں شرط کہ وہ إِلَّا بیچ میں آئے بَيْنَهُمَا فاعل اور مفعول کے فِي صُورَتَيِ التَّقْدِيمِ وَالتَّأْخِيرِ فاعل کے مقدم کرنے اور فاعل کے مؤخر کرنے کی دو صورتوں میں۔ تو اس صورت میں فاعل کو مقدم کرنا واجب ہے کیوں؟ فَلِئَلَّا يَنْقَلِبَ الْحَصْرُ الْمَطْلُوبُ تاکہ وہ حصر اور وہ تخصیص جو مطلوب ہے وہ کہیں الٹ نہ جائے۔

اب دونوں کے اندر میں نے تفصیل بیان کر دی وہی صاحبِ جامی بھی اب بیان کریں گے۔ کہتے ہیں فَإِنَّ الْمَفْهُومَ مِنْ

قَوْلِهِ مَا ضَرَبَ زَيْدٌ إِلَّا عَمْرًا۔ جی ادھر دیکھیے مَا ضَرَبَ زَيْدٌ إِلَّا عَمْرًا اس میں کس کو کس میں بند کیا گیا؟ ضاربیتِ زید کو بند کیا گیا کس میں؟ عمرو میں، اور عمرو کی مضروبیت عام ہے، ہو سکتا ہے کسی اور نے اس کو مارا ہو کسی اور نے اس کو نہ مارا ہو۔ دیکھیے بھئی، کہتے ہیں فَإِنَّ الْمَفْهُومَ مِنْ قَوْلِهِ اس لیے کیونکہ وہ بات جو مفہوم ہوتی ہے سمجھ میں آتی ہے مِنْ قَوْلِهِ مَا ضَرَبَ زَيْدٌ إِلَّا عَمْرًا کسی کہنے والے کا یہ جو قول ہے مَا ضَرَبَ زَيْدٌ إِلَّا عَمْرًا اس سے کیا بات سمجھ میں آتی ہے؟ انْحِصَارُ ضَارِبِيَّةِ زَيْدٍ فِي عَمْرٍو کہ ضاربیتِ زید...

منحصر ہے یعنی بند ہے، یا یوں کہو ضاربیتِ زید کی تخصیص ہے فِي عَمْرٍو کس میں؟ عمرو میں، مَعَ جَوَازِ أَنْ يَكُونَ عَمْرٌو مَضْرُوبًا لِشَخْصٍ آخَرَ ساتھ جائز ہونے کے کہ ہو سکتا ہے عمرو وہ مضروب ہو کسی دوسرے شخص کا۔ عمرو کی مضروبیت کی تخصیص نہیں ہے، عمرو کی مضروبیت عام ہے۔ زید نے تو مارا ہے ہو سکتا ہے کسی اور نے بھی مارا ہو، ہو سکتا ہے نہ مارا ہو۔ تو کہتے ہیں، دوبارہ ترجمہ دیکھیے: فَإِنَّ الْمَفْهُومَ مِنْ قَوْلِهِ مَا ضَرَبَ زَيْدٌ إِلَّا عَمْرًا اس لیے کیونکہ کسی کہنے والے کا یہ جو قول ہے مَا ضَرَبَ زَيْدٌ إِلَّا عَمْرًا اس سے یہ بات مفہوم ہوتی ہے انْحِصَارُ ضَارِبِيَّةِ زَيْدٍ فِي عَمْرٍو کہ زید کی ضاربیت منحصر ہے یعنی بند ہے فِي عَمْرٍو کس میں؟ عمرو میں، مَعَ جَوَازِ أَنْ يَكُونَ عَمْرٌو مَضْرُوبًا لِشَخْصٍ آخَرَ ساتھ ممکن ہے کہ عمرو وہ مضروب ہو کسی دوسرے شخص کا۔ جواز کا کیا معنیٰ؟ ممکن ہے، ممکن ہے کہ عمرو کسی اور شخص کے لیے بھی مضروب ہو۔

وَالْمَفْهُومَ مِنْ قَوْلِهِ، یہ مَفْهُومَ کا عطف پیچھے جو مَفْهُومَ آیا اس پر کریں اور وہ إِنَّ کا اسم ہے منصوب ہے تو یہ بھی منصوب ہو گا۔ وَالْمَفْهُومَ مِنْ قَوْلِهِ اور یہ جو کہنے والے کا یہ قول ہے اس سے یہ بات مفہوم ہوتی ہے، کون سا قول؟ مَا ضَرَبَ عَمْرًا إِلَّا زَيْدٌ۔ جی مجھے اس میں بتائیے کس کو کس میں بند کیا جا رہا ہے؟ مَا ضَرَبَ عَمْرًا إِلَّا زَيْدٌ۔ ہاں، مضروبیتِ عمرو جو ہے اس کو زید میں بند کیا گیا ہے اور زید کی ضاربیت عام ہے، ہو سکتا ہے اس نے کسی اور کی پٹائی کی ہو ہو سکتا ہے نہ کی ہو۔ تو کہتے ہیں وَالْمَفْهُومَ مِنْ قَوْلِهِ مَا ضَرَبَ عَمْرًا إِلَّا زَيْدٌ اور اس قول سے یہ بات مفہوم ہوتی ہے کیا؟ انْحِصَارُ مَضْرُوبِيَّةِ عَمْرٍو فِي زَيْدٍ، منحصر ہونا مضروبیتِ عمرو، عمرو کی مضروبیت کا فِي زَيْدٍ زید میں۔ عمرو کی مضروبیت کا زید میں منحصر ہونا، مَعَ جَوَازِ أَنْ يَكُونَ زَيْدٌ ضَارِبًا لِشَخْصٍ آخَرَ ساتھ جائز ہونے اس بات کے کہ زید کسی اور شخص کے لیے بھی ضارب ہو۔ تو مَعَ جَوَازِ أَنْ يَكُونَ زَيْدٌ ضَارِبًا لِشَخْصٍ آخَرَ اور ساتھ اس امکان کے کہ زید جو ہے ممکن ہے وہ کسی اور شخص کے لیے بھی ضارب ہو۔ فَلَوِ انْقُلِبَ أَحَدُهُمَا بِالْآخَرِ اگر پلٹ دیا جائے ان دونوں میں سے ایک کو دوسرے کے ساتھ لَانْقَلَبَ الْحَصْرُ الْمَطْلُوبُ تو مطلوبہ حصر الٹ جائے گا۔ ایک میں ضاربیت کا حصر ہے ایک میں مضروبیت کا حصر ہے، آپ جگہیں بدلیں گے تو ایک کی جگہ دوسرا حصر آ جائے گا۔

آگے دیکھیے، کہتے ہیں وَإِنَّمَا قُلْنَا بِشَرْطِ تَوَسُّطِهَا بَيْنَهُمَا فِي صُورَتَيِ التَّقْدِيمِ وَالتَّأْخِيرِ۔ بھئی انہوں نے ایک شرط لگائی

تھی، کیا شرط تھی؟ بھئی جب فاعل کے مقدم ہونے کی وجہیں ذکر کر رہے تھے کہ چار جگہیں ہیں جہاں فاعل کو مقدم کرنا واجب: پہلی جگہ کون سی؟ کہ جب اعرابِ لفظی بھی منتفی ہو اور قرینہ بھی منتفی ہو۔ دوسری جگہ کون سی؟ کہ جب فاعل ضمیرِ متصل ہو تو اس کو مقدم کرنا واجب لیکن شرط یہ ہے کہ مفعول فعل پر مقدم نہ ہو۔ تیسری جگہ کیا تھی؟ کہ جب مفعول کس کے بعد آئے؟ إلَّا کے بعد آئے تو فاعل کو مقدم کرنا واجب، لیکن شرط یہ ہے کہ إلَّا ان دونوں کے بیچ میں آنا چاہیے۔ یہ شرط ہم نے کیوں لگائی؟ یہ صاحبِ جامی نے یہ شرط لگائی، ماتن نے نہیں لگائی، لیکن صاحبِ جامی فرما رہے ہیں اس شرط کا بھی لحاظ رکھنا پڑے گا، یہ یہاں ملحوظ ہے بھئی۔ اب اس شرط کی وجہ ذکر کرنے لگے ہیں۔

ذرا اپنی کاپی پر آئیے، ذرا کاپی پر دیکھیے بھئی۔ پہلی مثال کیا تھی؟ مَا ضَرَبَ زَيْدٌ إِلَّا عَمْرًا۔ اچھا اب یاد رکھو، یاد رکھو، یہ جو کلام إلَّا کے ساتھ ذکر کیا جاتا ہے یہ حصر کے لیے ہے، تخصیص کے لیے ہے، یہ قصر کے لیے ہے۔ تو یہ حصر کے لیے ہے، تخصیص کے لیے ہے، قصر کے لیے ہے۔ اور دیکھو ذرا جملے پہ نظر رکھو۔ پہلا جملہ مَا ضَرَبَ زَيْدٌ إِلَّا عَمْرًا، نہیں مارا زید نے مگر کس کو؟ عَمْرًا عمرو کو۔ یاد رکھو یہ جو إلَّا کے بعد آئے اس کو کہتے ہیں مستثنیٰ۔ کیا کہتے ہیں؟ مستثنیٰ۔ إلَّا حرفِ استثنا ہے اور جو اس کے بعد آئے وہ کہلاتا ہے مستثنیٰ، اور إلَّا سے ماقبل مستثنیٰ منہ ہوتا ہے، لیکن یہاں مستثنیٰ منہ محذوف ہے۔ کون سا جملہ؟ پہلا جملہ جو میں نے لکھوایا تھا مَا ضَرَبَ زَيْدٌ إِلَّا عَمْرًا۔ یہ اصل میں یوں ہے کلام دیکھو: مَا ضَرَبَ زَيْدٌ أَحَدًا، مَا ضَرَبَ زَيْدٌ أَحَدًا إِلَّا عَمْرًا۔ یہ أَحَدًا کیا ہے؟ یہ مستثنیٰ منہ ہے۔ بھئی إلَّا آتا ہے حرفِ استثنا کے لیے، ایک چیز جو پہلے داخل تھی پھر اس کو إلَّا کے ذریعے کیا کر دیا جاتا ہے؟ نکال دیا جاتا ہے۔ پہلے کلام یوں تھا مَا ضَرَبَ زَيْدٌ أَحَدًا، زید نے کسی ایک کی پٹائی نہیں کی۔ جب سب کی پٹائی کی نفی ہو گئی تو عمرو کی بھی نفی ہو گئی یا نہیں؟ عمرو کی بھی نفی ہو گئی۔ پھر إلَّا کے بعد عمرو کو لا کر عمرو کے لیے پٹائی کا اثبات کر دیا گیا، إِلَّا عَمْرًا مگر کس کی؟ عمرو کی۔ بات سمجھ میں آگئی۔ تو گویا کلام کیا ہے اصل میں؟ مَا ضَرَبَ زَيْدٌ أَحَدًا إِلَّا عَمْرًا، یہ أَحَدًا جو نکالا یہ کیا ہے؟ یہ مستثنیٰ منہ ہے بھئی۔ یہ مستثنیٰ، اور اب کلام کا معنیٰ دیکھو واضح ہو گیا مَا ضَرَبَ زَيْدٌ أَحَدًا زید نے کسی ایک کی بھی پٹائی نہیں کی إِلَّا عَمْرًا مگر کس کی؟ عمرو کی، صرف عمرو کی اس نے پٹائی کی ہے۔ اسی طرح وہ دوسرا جملہ لے آئیں ذرا، دوسرا جملہ کیا تھا؟ مَا ضَرَبَ عَمْرًا إِلَّا زَيْدٌ، اصل میں کلام یوں ہے مَا ضَرَبَ عَمْرًا أَحَدٌ إِلَّا زَيْدٌ۔ یہ أَحَدٌ کیا ہے؟ یہ مستثنیٰ منہ ہے۔ یہ کیا ہے؟ مستثنیٰ منہ ہے۔ مَا ضَرَبَ عَمْرًا أَحَدٌ، عمرو کی پٹائی کسی ایک نے بھی نہیں کی۔ جب سب سے پٹائی کی نفی کر دی تو زید سے بھی پٹائی کی کیا ہو گئی؟ نفی۔ پھر إلَّا کے بعد زید کو لے آئے، اس کا اثبات کیا کہ نہیں زید نے پٹائی کی ہے۔ تو کلام یوں ہے مَا ضَرَبَ عَمْرًا أَحَدٌ کسی ایک نے بھی عمرو کی پٹائی نہیں کی إِلَّا زَيْدٌ مگر کس نے؟ زید نے، یعنی صرف زید نے عمرو کی پٹائی کی ہے۔ تو وہ جو أَحَدٌ نکالا وہ کیا تھا؟ مستثنیٰ منہ تھا۔ یہاں تک بات سمجھ میں آگئی۔

اب بات چل رہی ہے کہ انہوں نے کہتے ہیں ہم نے شرط لگائی تھی، توجہ سے سمجھ لو اس مقام کو، کہتے ہیں ہم نے شرط لگائی تھی کہ یہ إلَّا فاعل اور مفعول کے درمیان میں آنا چاہیے۔ یہ شرط ہم نے کیوں لگائی؟ اب وہ وجہ ذکر کرنے لگے ہیں۔ تو دیکھو اب یوں کرو، یوں کرو، یہ جو پہلی مثال میں نے لکھوائی بھئی مَا ضَرَبَ زَيْدٌ إِلَّا عَمْرًا، پہلی مثال کیا تھی؟ مَا ضَرَبَ زَيْدٌ إِلَّا عَمْرًا، اس میں آپ دیکھ رہے ہیں یہ إلَّا جو ہے زَيْدٌ اور عَمْرًا کے درمیان میں ہے۔ تو یہ ضروری شرط ہے۔ اگر آپ ایسا نہیں کریں گے تو پھر کلام کے اندر اور بھی احتمال پیدا ہو جائیں گے۔ جیسے دیکھو پہلی مثال کیا؟ اس مثال پہ نظر رکھو مَا ضَرَبَ زَيْدٌ إِلَّا عَمْرًا، اس زَيْدٌ کو ذرا اٹھاؤ اور سب سے آخر میں لے جاؤ، کلام کیا بن گیا؟ جی کیا بن گیا کلام؟ ہاں مَا ضَرَبَ إِلَّا عَمْرًا زَيْدٌ۔ تو ہم نے کیا کیا؟ مجھے بتائیے زبان سے بتائیے کیا کیا؟ ہم نے زید جو فاعل تھا اس کو اٹھا کر آخر میں لے گئے، توجہ ہے؟ تو فاعل کو ہم اٹھا کر آخر میں لے گئے، یا یوں کہہ لو دوسرے لفظوں میں یوں کہہ لو، پھر وہی جملہ مَا ضَرَبَ زَيْدٌ إِلَّا عَمْرًا، ہم نے عَمْرًا کو إلَّا سمیت اٹھایا اور زید پر مقدم کر دیا۔ عَمْرًا کو إلَّا سمیت اٹھایا اور زید پر مقدم کر دیا، ایک ہی بات ہے نا؟ چاہے زید کو سب سے آخر میں لے جاؤ یا عَمْرًا کو إلَّا سمیت اٹھا کر کیا کر دو زید پر مقدم کر دو بات ایک ہی ہے، کلام کیا بن گیا؟ مَا ضَرَبَ إِلَّا عَمْرًا زَيْدٌ، دونوں صورتوں میں ایک ہی بات ہے۔ بات سمجھ میں آگئی۔ تو بس اب آپ آگے یہ مثال لکھ لیں، آگے مثال لکھ لیں مَا ضَرَبَ إِلَّا عَمْرًا زَيْدٌ، مَا ضَرَبَ إِلَّا عَمْرًا زَيْدٌ، توجہ ہے؟

تو یاد رکھو سب سے پہلے تو یہ یاد رکھو، پہلی مثال کیا تھی؟ مَا ضَرَبَ زَيْدٌ إِلَّا عَمْرًا، کہ یہ جو صورت ہے جس میں دیکھو إلَّا کے بعد کون ہے؟ مفعول ہے۔ اس صورت میں فاعل کو مقدم کرنا ہم نے کیا کہا؟ واجب ہے، یہ شرط ہے کہ إلَّا دونوں کے بیچ میں ہونا چاہیے، اس لیے کیونکہ اگر فاعل کو مؤخر کر کے سب سے آخر میں لے جائیں تو جمہور نحویوں کے نزدیک یہ صورت جائز ہی نہیں۔ جمہور نحویوں کے نزدیک یہ صورت جائز ہی نہیں ہے۔ کیوں نہیں جائز؟ کہتے ہیں اس لیے کہ اس کے اندر زَيْدٌ جو آخر میں آیا یہ فاعل ہے کس کے لیے؟ ضَرَبَ کے لیے، تو إلَّا کا ماقبل وہ عمل کر رہا ہے مستثنیٰ کے بعد جا کر عمل کر رہا ہے۔ دیکھو مَا ضَرَبَ إِلَّا عَمْرًا زَيْدٌ۔ مَا ضَرَبَ کیا ہے؟ فعل، اور إلَّا کیا ہے؟ حرفِ استثنا، اور عَمْرًا کیا ہے؟ مستثنیٰ، توجہ ہے؟ اور آگے زَيْدٌ کیا بنا؟ فاعل۔ تو إلَّا سے ماقبل ایک ضَرَبَ موجود ہے، اور وہ ضَرَبَ مستثنیٰ کے بعد جا کر عمل کر رہا ہے۔ کس کے بعد؟ مستثنیٰ کے بعد جا کر عمل کر رہا ہے، حالانکہ جمہور نحویوں کے نزدیک یہ جائز ہی نہیں ہے۔ إلَّا کا جو ماقبل ہوتا ہے وہ مستثنیٰ کے بعد جا کر عمل نہیں کرتا۔ الا یہ، توجہ ہے؟ الا یہ کہ مستثنیٰ کے بعد اس کی صفت آ رہی ہو، یا مستثنیٰ منہ کو اٹھا کر آپ کہاں لے جائیں؟ مستثنیٰ کے بعد، توجہ ہے؟ تو چند ایک صورتوں میں وہ عمل کر سکتا ہے باقی عام عمل نہیں کر سکتا۔ جیسے ابھی میں نے مثال لکھوائی تھی، کیا مثال تھی؟ نہیں نہیں، وہ مستثنیٰ کے ساتھ وہ جو مستثنیٰ منہ بھی ہم نے نکال لیا تھا، مَا ضَرَبَ زَيْدٌ أَحَدًا إِلَّا عَمْرًا، اس أَحَدًا کو آپ اٹھا کر سب سے آخر میں لے جائیں، تو یہ أَحَدًا کیا تھا؟ مستثنیٰ منہ، اس کو تو آپ آخر میں لے جا سکتے ہیں۔ لیکن ابھی آپ أَحَدًا کو آخر میں لے کر گئے ہیں یا زید کو لے کر گئے ہیں؟ زید کو۔

تو مستثنیٰ منہ کو مستثنیٰ پر مؤخر کر سکتے ہیں آپ، پھر بھی ماقبل اس میں عمل کرے گا، یا مستثنیٰ کی کوئی صفت وغیرہ آ رہی ہو تو بھی پھر وہ اس میں عمل کرے گا، لیکن اس کے علاوہ عمل جمہور کے نزدیک عمل نہیں کرتا۔ اگرچہ بعض علما نے اس کو جائز قرار دیا ہے۔ بعض بڑے علما ہیں علامہ سکاکی ہیں، اسی طرح امام اخفش وغیرہ، انہوں نے اس کو جائز قرار دیا لیکن جمہور نحوی کہتے ہیں یہ صورت جائز ہی نہیں۔ کون سی صورت؟ یہ جو ابھی میں نے جملہ لکھوایا، کون سی صورت؟ مَا ضَرَبَ إِلَّا عَمْرًا زَيْدٌ، یہ ضَرَبَ وہ آخر میں زَيْدٌ کے اندر جا کر عمل کر لے جمہور کے نزدیک یہ جائز ہی نہیں ہے۔ یہاں تک بات سمجھ میں آ گئی۔

اچھا تو بعض علما نے اس کو جائز قرار دیا ہے، تو اس صورت میں پھر معنیٰ کیا بنتا ہے؟ معنیٰ وہی ہے جو پہلے تھا۔ مَا ضَرَبَ زَيْدٌ إِلَّا عَمْرًا، کیا معنیٰ تھا؟ زید نے عمرو ہی کو مارا ہے، ہاں حصر کس کا ہے؟ ضاربیتِ زید کا حصر ہے کس کے اندر؟ عمرو کے اندر۔ ضاربیتِ زید، توجہ ہے؟ پھر دیکھو، پہلا جملہ کیا تھا مَا ضَرَبَ زَيْدٌ إِلَّا عَمْرًا، اس کے اندر ضاربیتِ زید کا حصر ہے کس کے اندر؟ عمرو کے اندر۔ اگر آپ اس زید کو سب سے آخر میں لے جائیں یا بالفاظِ دیگر آپ إِلَّا عَمْرًا کو زید پر مقدم کر دیں تب بھی وہی معنیٰ ہے یعنی، تو کیا جملہ بن گیا؟ مَا ضَرَبَ إِلَّا عَمْرًا زَيْدٌ، اس کے اندر بھی ضاربیتِ زید کا حصر ہو رہا ہے عمرو کے اندر۔ جمہور کے نزدیک تو یہ جائز ہی نہیں ہے، بعض علما کے نزدیک جائز ہے، تو اس صورت میں بھی ظاہر معنیٰ یہی ہے: پہلے کیا معنیٰ تھا؟ ضاربیتِ زید بند تھی عمرو میں، اب آپ نے إِلَّا عَمْرًا کو مقدم کر دیا اب بھی کیا معنیٰ ہے؟ وہی معنیٰ کہ ضاربیتِ زید بند ہے کس کے اندر؟ عمرو کے اندر بند ہے۔ تو بعض علما نے اس کو جائز قرار دیا ہے لیکن پسند انہوں نے بھی نہیں کیا کہ یہ پسندیدہ نہیں، کہ آپ کیا کر دیں؟ إِلَّا عَمْرًا کو اٹھا کر زید پر مقدم کر دیں یا زید کو سب سے آخر میں لے جائیں بات ایک ہی ہے، تو یہ پسندیدہ نہیں۔ بھئی کیوں نہیں پسندیدہ؟ کہتے ہیں اس صورت میں، اس صورت میں قَصْرُ الصِّفَةِ قَبْلَ تَمَامِهَا لازم آتا ہے۔ کیا لازم آتا ہے؟ یہ آگے متن میں ہی یہ لفظ آ رہا ہے دو چار سطروں کے بعد قَصْرُ الصِّفَةِ قَبْلَ تَمَامِهَا، قصر کا معنیٰ وہی تخصیص ہے، تَخْصِيصُ الصِّفَةِ قَبْلَ تَمَامِهَا صفت کے پورا ہونے سے پہلے ہی آپ نے اس کی تخصیص کر دی۔ صفت کے، توجہ ہے؟ اچھی طرح سمجھ لو، صفت کے پورا ہونے سے پہلے ہی آپ نے اس کی کیا کر دی؟ تخصیص کر دی۔ کس طرح؟ دیکھو اب اس جملے پہ نظر رکھو، کیا جملہ لکھا؟ مَا ضَرَبَ إِلَّا...

عَمْرًا زَيْدٌ، بعض علما نے اس کو جائز قرار دیا لیکن انہوں نے بھی اس کو پسند نہیں کیا، کیونکہ اس صورت میں کیا خرابی لازم آتی ہے؟ زبان سے دہراؤ، قَصْرُ الصِّفَةِ قَبْلَ تَمَامِهَا۔ قصر کا کیا معنیٰ؟ میں نے بتایا قصر، حصر، تخصیص کا ایک معنیٰ یعنی تَخْصِيصُ الصِّفَةِ قَبْلَ تَمَامِهَا، صفت کے پورا ہونے سے پہلے ہی آپ نے اس کی تخصیص کر دی۔ صفت کے، توجہ ہے؟ اچھی طرح سمجھ لو، صفت کے پورا ہونے سے پہلے ہی آپ نے اس کی کیا کر دی؟ تخصیص کر دی۔ کس طرح؟ دیکھو اب اس جملے پہ نظر رکھو، کیا جملہ لکھا؟ مَا ضَرَبَ إِلَّا عَمْرًا زَيْدٌ۔ جی اس کا بھی وہی معنیٰ، اس میں بھی کس کو کس میں بند کیا جا

رہا ہے؟ زبان سے دہراؤ، ضاربیتِ زید کو بند کر رہے ہیں کس میں؟ عمرو میں۔ اب ذرا دیکھو لفظوں پہ غور کرو مَا ضَرَبَ إِلَّا عَمْرًا زَيْدٌ، جی، مَا ضَرَبَ، اور پھر آگیا إِلَّا، إِلَّا کس لیے آتا ہے؟ تخصیص کے لیے، توجہ ہے؟ تو إِلَّا سے پہلے کیا ہے؟ ضرب۔ اس ضرب کے فوراً بعد آگے إِلَّا آگیا، آپ نے اس ضرب کو یعنی ضاربیت کو بند کر دیا کس میں؟ عَمْرًا، آگے عَمْرًا آیا، آپ نے اس ضاربیت کو عمرو میں بند کر دیا، حالانکہ ضاربیت کو عمرو میں بند کرنا مقصد تھا یا ضاربیتِ زید کو بند کرنا مقصد تھا؟ ضاربیتِ زید کو بند کرنا تھا اور زید کا لفظ تو ابھی آیا ہی نہیں، زید کا لفظ تو وہ آخر میں آرہا ہے۔ تو آپ نے ضاربیتِ زید کو بند کرنا ہے عمرو میں، اور ابھی صرف ضاربیت کا ذکر آیا ہے زید کا ابھی ذکر نہیں آیا، تو اس صورت میں ابھی صفت پوری نہیں ہوئی تھی، ضاربیتِ زید کا ابھی پوری طرح ذکر آیا نہیں تھا، آپ نے اس سے پہلے ہی ضاربیت کو کس میں بند کر دیا؟ عمرو میں بند کیا اور زید آخر میں آیا، تو اس کو کیا کہتے ہیں؟ قَصْرُ الصِّفَةِ قَبْلَ تَمَامِهَا، صفت کی تخصیص کر دینا اس کے پورا ہونے سے پہلے ہی۔ ابھی ضاربیتِ زید، بات پوری نہیں ہوئی، صفت پوری نہیں ہوئی اور آپ نے اس کو کس میں بند کر دیا؟ عمرو میں۔ بات سمجھ میں آگئی؟ کیونکہ إِلَّا سے پہلے تو صرف ضرب کا ذکر ہے ضاربیت کا ذکر ہے، زید تو وہ آخر میں جا کر ذکر ہے، تو اس کلام سے تو یوں معلوم ہو رہا ہے آپ صرف ضاربیت کو عمرو میں بند کرنا چاہتے ہیں، حالانکہ صرف ضاربیت کو عمرو میں بند کرنا چاہتے ہیں یا ضاربیتِ زید کو عمرو میں بند کرنا چاہتے ہیں؟ ضاربیتِ زید کو بند کرنا چاہتے ہیں اور زید تو ابھی آیا ہی نہیں وہ تو وہ آخر میں جا کر آئے گا۔ تو یہ آپ نے کیا کر دیا؟ صفت کے پورا ہونے سے پہلے ہی اس کی کیا کر دی؟ تخصیص کر دی عمرو کے ساتھ اور یہ صحیح نہیں۔ تو اس کو کہتے ہیں قَصْرُ الصِّفَةِ قَبْلَ تَمَامِهَا، صفت کی تخصیص کرنا قَبْلَ تَمَامِهَا اس کے پورا ہونے سے پہلے۔ بات سمجھ میں آگئی؟

اب دیکھیے بھئی کتاب پر، کہتے ہیں وَإِنَّمَا قُلْنَا بِشَرْطِ تَوَسُّطِهَا بَيْنَهُمَا اور ہم نے کہا کہ بایں شرط کہ إِلَّا درمیان میں آئے بَيْنَهُمَا اس فاعل اور مفعول کے فِي صُورَتَيِ التَّقْدِيمِ وَالتَّأْخِيرِ فاعل کو مقدم اور مؤخر کرنے کی دونوں صورتوں میں، إِلَّا ان دونوں کے درمیان میں آئے۔ لِأَنَّهُ لَوْ قُدِّمَ الْمَفْعُولُ عَلَى الْفَاعِلِ اس لیے کیونکہ اگر مفعول کو مقدم کر دیا جائے عَلَى الْفَاعِلِ کس پر؟ فاعل پر، مَعَ إِلَّا کس کے ساتھ؟ إِلَّا کے ساتھ۔ پہلے جملہ کیا تھا؟ مَا ضَرَبَ زَيْدٌ إِلَّا عَمْرًا، اب إِلَّا عَمْرًا سارے کو اٹھا کر زید پر کیا کر دیا؟ مقدم اور زید سب سے آخر میں چلا گیا، تو کلام کیا بن گیا؟ مَا ضَرَبَ إِلَّا عَمْرًا زَيْدٌ۔ اب وہ خرابی ذکر کریں گے، کہتے ہیں لِأَنَّهُ لَوْ قُدِّمَ الْمَفْعُولُ عَلَى الْفَاعِلِ اس لیے کیونکہ اگر مفعول کو مقدم کر دیا جائے عَلَى الْفَاعِلِ فاعل پر مَعَ إِلَّا کس کے ساتھ؟ إِلَّا کے ساتھ یعنی مفعول کو إِلَّا سمیت اٹھا کر فاعل پر مقدم کر دیا جائے فَيُقَالُ پس یوں کہا جائے مَا ضَرَبَ إِلَّا عَمْرًا زَيْدٌ۔ اگر یوں کہا جائے، اب اس کا کیا معنیٰ؟ تو اس میں یاد رکھو دو احتمال ہیں، صاحبِ جامی آپ کو بتلائیں گے۔ ایک احتمال ظاہر ہے اور ایک احتمال غیرِ ظاہر ہے۔ ایک کو کہیں گے کہ ظاہر یہ ہے کہ یہ معنیٰ کلام کا بنتا ہے، اور دوسرا بتلائیں گے کہ وہ یہ احتمال بھی ہے لیکن یہ زیادہ ظاہر نہیں۔

فَالظَّاهِرُ، میں نے آپ کو بتایا یہاں دو احتمال ہیں، ایک احتمال جو ظاہر ہے، پہلا احتمال کیا؟ ظاہر، اور وہ کیا؟ کہ جیسے پہلے ضاربیتِ زید کا قصر تھا ابھی بھی کیا ہے؟ ضاربیتِ زید کا قصر، ہاں آگے چل کر ابھی ایک اور احتمال بھی اس میں ذکر کریں گے۔ ادھر دیکھیے مَا ضَرَبَ زَيْدٌ إِلَّا عَمْرًا کس کا حصر کیا جا رہا ہے؟ ضاربیتِ زید کا، توجہ ہے؟ مَا ضَرَبَ زَيْدٌ إِلَّا عَمْرًا ضاربیتِ زید کا حصر ہے کس میں؟ عمرو میں، اور زید کو سب سے آخر میں لے جاؤ پھر بھی کیا ہے؟ ضاربیتِ زید ہی کا حصر ہے کس میں؟ عمرو میں، لیکن یہ پسندیدہ نہیں کیوں؟ کیونکہ اس میں قَصْرُ الصِّفَةِ قَبْلَ تَمَامِهَا لازم آرہا ہے۔ بات سمجھ میں آ گئی؟ تو کہتے ہیں فَالظَّاهِرُ تو ظاہر یہ ہے کہ أَنَّ مَعْنَاهُ کہ اس کا معنیٰ جو ہے انْحِصَارُ ضَارِبِيَّةِ زَيْدٍ فِي عَمْرٍو کہ اس کا معنیٰ بھی ضاربیتِ زید کا عمرو میں بند ہونا ہی ہے۔ ضاربیتِ زید بند ہو رہی ہے، وہ منحصر ہے کس کے اندر؟ عمرو میں، توجہ ہے؟ کہتے ہیں فَالظَّاهِرُ تو ظاہر یہ ہے کہ أَنَّ مَعْنَاهُ انْحِصَارُ ضَارِبِيَّةِ زَيْدٍ فِي عَمْرٍو کہ ضاربیتِ زید منحصر ہے عمرو میں۔ إِذِ الْحَصْرُ إِنَّمَا هُوَ فِيمَا يَلِي إِلَّا بھئی کیا وجہ ہے؟ ادھر دیکھیے یہ جملہ جو پیچھے ابھی آیا مَا ضَرَبَ إِلَّا عَمْرًا زَيْدٌ، اس میں بھی ضاربیتِ زید کس میں بند ہے؟ عمرو میں، بھئی کیوں؟ عمرو اور زید دونوں إِلَّا کے بعد آ رہے ہیں، لیکن آپ حصر کس میں کر رہے ہیں؟ عمرو میں کر رہے ہیں، کہتے ہیں وجہ یہ کہ حصر ہوتا ہی اس میں ہے جو إِلَّا کے ساتھ جڑا ہوتا ہے اور إِلَّا کے فوراً بعد کیا ہے؟ عمرو ہے، زید تو اس سے آگے جا کر آ رہا ہے، معلوم ہوا حصرِ ضاربیت عمرو ہی میں ہو گا بھئی یہاں بھی۔ بات سمجھ میں آ گئی۔ کہتے ہیں إِذِ الْحَصْرُ إِنَّمَا هُوَ فِيمَا يَلِي إِلَّا اس لیے کیونکہ حصر جو ہوتا ہے فِيمَا اس جز میں ہوتا ہے يَلِي إِلَّا جو کہ إِلَّا کے ساتھ جڑا ہوا ہوتا ہے، فَلَا يَنْقَلِبُ الْحَصْرُ الْمَطْلُوبُ۔ اب دیکھو بھئی پہلے کلام کیا تھا؟ مَا ضَرَبَ زَيْدٌ إِلَّا عَمْرًا، اب إِلَّا عَمْرًا کو مقدم کر دیا کیا بن گیا؟ مَا ضَرَبَ إِلَّا عَمْرًا زَيْدٌ، تو پہلے بھی ضاربیتِ زید کا حصر تھا عمرو میں ابھی بھی ضاربیتِ زید کا حصر ہے کس میں؟ عمرو میں، تو حصر تو نہیں الٹا، یہ خرابی تو لازم نہیں آئی۔ تو کہتے ہیں، کہتے ہیں فَلَا يَنْقَلِبُ الْحَصْرُ الْمَطْلُوبُ تو وہ جو مطلوب حصر تھا، وہ جو مطلوب تخصیص تھی وہ تو نہیں الٹی۔ فَلَا يَجِبُ تَقْدِيمُ الْفَاعِلِ تو اس صورت میں فاعل کو مقدم کرنا تو واجب نہیں۔ ہم نے تو کیا کہا تھا؟ فاعل کو مقدم کرنا واجب ہے لیکن ہم نے شرط لگائی تھی کہ إِلَّا دونوں کے درمیان میں آنا چاہیے، اگر آپ ہماری اس شرط کی رعایت نہیں رکھیں گے تو خرابی لازم آئے گی۔ کیا خرابی؟ کہ آپ نے زید کو مؤخر کر دیا ٹھیک ہے حصر تو نہیں الٹا، حصر تو ابھی بھی اسی طرح ہے، لیکن بعض علما جنہوں نے اس کو جائز قرار دیا انہوں نے بھی اس کو پسندیدہ قرار نہیں دیا، انہوں نے بھی کہا یہ ناپسندیدہ ہے کیونکہ اس صورت میں قَصْرُ الصِّفَةِ قَبْلَ تَمَامِهَا کی خرابی لازم آتی ہے۔ تو کہتے ہیں فَلَا يَنْقَلِبُ الْحَصْرُ الْمَطْلُوبُ تو وہ حصر جو مطلوب تھا وہ تو نہیں الٹا فَلَا يَجِبُ تَقْدِيمُ الْفَاعِلِ تو اس صورت میں فاعل کی تقدیم واجب تو نہیں، لَكِنْ لَمْ يَسْتَحْسِنْهُ بَعْضُهُمْ لیکن بعض علما جو ہیں انہوں نے اس کو پسند نہیں کیا، لِأَنَّهُ مِنْ قَبِيلِ قَصْرِ الصِّفَةِ قَبْلَ تَمَامِهَا اس لیے کیونکہ یہ قَصْرُ الصِّفَةِ قَبْلَ تَمَامِهَا کی قبیل سے ہے۔ کس قبیل سے ہے؟ قَصْرُ الصِّفَةِ قَبْلَ تَمَامِهَا یعنی قصر کا کیا معنیٰ؟ تخصیص، أَيْ تَخْصِيصُ الصِّفَةِ قَبْلَ تَمَامِهَا صفت کے پورا ہونے سے پہلے ہی اس کی تخصیص کر دی

جائے، یہ اس قبیل سے ہے اور یہ پسندیدہ نہیں ہے۔ بات سمجھ میں آگئی۔

وَإِنَّمَا قُلْنَا، اور ہم نے یہ کہا کہ الظَّاهِرُ أَنَّ مَعْنَاهُ كَذَا کہ ظاہر یہ ہے کہ اس کا معنیٰ یہ ہے، وجہ یہ کہ اس میں ایک اور احتمال بھی ہے۔ پہلا کیا؟ ظاہر کیا؟ بھئی آپ نے إِلَّا عَمْرًا کو زید پر مقدم کر دیا، پہلے بھی ضاربیتِ زید کا حصر تھا ابھی بھی کیا ہے؟ ضاربیتِ زید کا حصر ہے، حصر تو نہیں الٹا لیکن قَصْرُ الصِّفَةِ قَبْلَ تَمَامِهَا کی خرابی لازم آگئی۔ کہتے ہیں ہم نے ایک احتمال ذکر کیا ہے، دوسرا ایک اور احتمال بھی ہے اس کلام کے اندر، اب ذرا اس کلام پہ نظر رکھو ذرا جملہ کاپی پہ لکھو بھئی۔ لکھو بھئی، مَا ضَرَبَ أَحَدًا أَحَدٌ إِلَّا عَمْرًا زَيْدٌ۔ لکھ لیا؟ مَا ضَرَبَ أَحَدًا أَحَدٌ إِلَّا عَمْرًا زَيْدٌ۔ یہ جو ماقبل میں میں نے لکھوایا أَحَدًا اور أَحَدٌ یہ مستثنیٰ منہ میں نے نکال لیے بھئی۔ کیا نکالے؟ مستثنیٰ منہ۔ بھئی اب دوسرا احتمال ذکر کر رہے ہیں۔ پہلا احتمال کیا تھا؟ پہلا احتمال جب آپ نے إِلَّا عَمْرًا کو مقدم کیا اور زید کو مؤخر کیا، تو پہلے بھی ضاربیتِ زید کا حصر تھا اور بعد میں بھی کیا ہے؟ ضاربیتِ زید کا حصر ہے۔ لیکن کہتے ہیں یہاں ایک اور احتمال بھی ہے کہ إِلَّا کے بعد عمرو اور زید دونوں آرہے ہیں تو دونوں میں تخصیص آجائے، دونوں میں تخصیص آجائے۔ معلوم ہوا ضاربیتِ زید بند ہے عمرو میں، اور مضروبیتِ عمرو بھی بند ہے کس میں؟ زید میں، دونوں کا حصر آجائے۔ ویسے تو انہوں نے آپ کو بتایا کہ جو إِلَّا کے فوراً بعد جو لفظ آتا ہے اس میں حصر آتا ہے، إِلَّا عَمْرًا ہے تو عمرو میں ضاربیتِ زید بند ہے۔ لیکن اس میں دوسرا احتمال بھی بنتا ہے، دوسرا احتمال بھی عقلاً ہے، وہ کیا؟ کہ إِلَّا کے بعد دو لفظ ہیں، دونوں کا استثنا مان لو، ہوتا ایک کا استثنا ہے لیکن آپ کیا کرو؟ یہ احتمال بھی ہے۔ معلوم ہوا دونوں کے لیے ماقبل میں مستثنیٰ منہ نکال لو۔ تو عَمْرًا مفعول ہے منصوب ہے تو اس کے لیے ماقبل میں أَحَدًا مستثنیٰ منہ نکال لیا وہ بھی منصوب، اور زَيْدٌ مرفوع ہے فاعل ہے تو اس کے لیے مستثنیٰ منہ ہم نے أَحَدٌ فاعل نکال لیا، تو عبارت کیا بن گئی؟ مَا ضَرَبَ أَحَدًا أَحَدٌ إِلَّا عَمْرًا زَيْدٌ۔ یہ أَحَدًا اور أَحَدٌ کیا ہیں؟ یہ مستثنیٰ منہ ہیں، ترجمہ کیا ہوا؟ مَا ضَرَبَ أَحَدًا أَحَدٌ کسی ایک نے کسی ایک کو نہیں مارا، یا یوں کہو کسی نے کسی کو نہیں مارا، إِلَّا عَمْرًا زَيْدٌ مگر عمرو کو زید نے۔ معلوم ہوا مضروب بھی صرف عمرو اور ضارب بھی صرف زید۔ یعنی زید کی ضاربیت عمرو میں بند ہے، زید ہی ضارب ہے اور کوئی ضارب نہیں، اور عمرو ہی مضروب ہے اور کوئی مضروب نہیں۔ نہ زید کے علاوہ کوئی ضارب نہ عمرو کے علاوہ کوئی مضروب، اور زید کی ضاربیت بند ہے کس میں؟ عمرو میں اور عمرو کی مضروبیت بند ہے کس میں؟ زید میں۔ تو دیکھو دونوں کے اندر تخصیص آگئی، دونوں صفتوں کا قصر آگیا۔ اور حالانکہ یہ بھی درست نہیں، اس لیے کیونکہ إِلَّا آتا ہے اس تخصیص کے لیے حصر کے لیے اس قصر کے لیے، اور إِلَّا حرف ہے، وہ ایک تخصیص کا فائدہ تو دے سکتا ہے دو یا زیادہ کا فائدہ نہیں دے سکتا۔ بات سمجھ میں آئی؟ تو یہ احتمال بھی ہے اگرچہ یہ غیرِ ظاہر ہے کیونکہ إِلَّا حرف ہے وہ دو تخصیصیں پیدا نہیں کر سکتا بھئی، لیکن بہرحال یہ احتمال بھی ہے۔ بات سمجھ میں آگئی۔

دیکھیے بھئی کتاب پر، کہتے ہیں وَإِنَّمَا قُلْنَا الظَّاهِرُ أَنَّ مَعْنَاهُ كَذَا کہتے ہیں ہم نے کہا کہ ظاہر یہ ہے کہ اس کا معنیٰ یہ ہے

لِاحْتِمَالِ أَنْ يَكُونَ مَعْنَاهُ اس لیے کیونکہ یہ بھی احتمال ہے کہ اس کلام کا معنیٰ یوں ہو جائے: مَا ضَرَبَ أَحَدًا أَحَدٌ إِلَّا عَمْرًا زَيْدٌ، فَيُفِيدُ انْحِصَارَ صِفَةِ كُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا فِي الْآخَرِ تو یہ فائدہ دے گا کس چیز کا فائدہ؟ انْحِصَارَ صِفَةِ كُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا کہ ان دونوں میں سے ہر ایک کی صفت بند ہو رہی ہے فِي الْآخَرِ کس میں؟ دوسرے میں، یعنی زید کی ضاربیت عمرو میں بند ہے اور عمرو کی مضروبیت زید میں تو دونوں میں سے ہر ایک کی صفت ایک دوسرے میں بند ہے، وَهُوَ أَيْضًا خِلَافُ الْمَقْصُودِ اور یہ معنیٰ بھی خلافِ مقصود ہے، مثلاً میں تو صرف ضاربیت کا حصر پیدا کرنا چاہتا تھا اور اب تو دونوں کا حصر آگیا، یہ کیا ہے مقصود کے خلاف ہو گیا۔

کہتے ہیں وَأَمَّا وُجُوبُ تَقْدِيمِهِ عَلَيْهِ، بھئی اب چوتھی صورت کی وجہ ذکر کر رہے ہیں۔ بھئی چار جگہیں ہیں جہاں پر فاعل کو مقدم کرنا واجب۔ چوتھی جگہ کیا تھی؟ جب فاعل کس کے بعد واقع ہو؟ معنیٰ إِلَّا کے بعد واقع ہو یعنی إِنَّمَا کے بعد واقع ہو، تو اس صورت میں بھی فاعل کو مقدم کرنا واجب۔ کیا جملہ میں نے لکھوایا تھا؟ إِنَّمَا ضَرَبَ زَيْدٌ عَمْرًا، إِنَّمَا ضَرَبَ زَيْدٌ عَمْرًا۔ إِنَّمَا حصر پیدا کرتا ہے تخصیص پیدا کرتا ہے اور کس جز میں؟ جزِ اخیر میں، اور جزِ اخیر کیا ہے؟ عمرو ہے، تو اس صورت میں زید کو مقدم کرنا واجب ہے ورنہ اگر آپ زید کو مؤخر کریں گے تو حصر الٹ...

جائے گا۔ بات سمجھ میں آگئی۔ یہی بیان کر رہے ہیں:

کہتے ہیں وَأَمَّا وُجُوبُ تَقْدِيمِهِ عَلَيْهِ اور باقی فاعل کو مقدم کرنا مفعول پر فِي صُورَةِ وُقُوعِ الْمَفْعُولِ بَعْدَ مَعْنَى إِلَّا اس صورت میں جبکہ مفعول معنیٰ إِلَّا کے بعد یعنی إِنَّمَا کے بعد واقع ہو، کہتے ہیں اس صورت میں فاعل کو مقدم کرنا واجب ہے لِأَنَّ الْحَصْرَ هَا هُنَا فِي الْجُزْءِ الْأَخِيرِ اس لیے کیونکہ حصر یعنی تخصیص جو ہے وہ یہاں پر جزِ اخیر میں ہے، آخری جز میں ہے، فَلَوْ أُخِّرَ الْفَاعِلُ اگر فاعل کو مؤخر کر دیا جائے لَانْقَلَبَ الْمَعْنَى قَطْعًا تو معنیٰ الٹ جائے گا قطعی طور پر۔ پھر تو معنیٰ یقینی طور پر الٹ جائے گا، آپ حصر پیدا کرنا چاہتے تھے کس کے لیے؟ کس میں؟ عمرو میں، اور آپ اگر زید کو مؤخر کر دیں گے تو حصر کس میں پیدا ہو جائے گا؟ زید میں پیدا ہو جائے گا۔ لہٰذا اس لیے بھی جب مفعول معنیٰ إِلَّا کے بعد واقع ہو تو فاعل کو مقدم کرنا واجب ہے۔ بات سمجھ میں آگئی۔

آگے دیکھیے، کہتے ہیں وَإِذَا اتَّصَلَ بِهِ أَيْ بِالْفَاعِلِ ضَمِيرُ مَفْعُولٍ نَحْوُ ضَرَبَ زَيْدًا غُلَامُهُ أَوْ وَقَعَ... اب وہ چار جگہیں ذکر کریں گے جن کے اندر فاعل کو مؤخر کرنا واجب ہے۔ کون سی جگہ؟ بھئی پہلے چار جگہیں وہ ذکر کیں جہاں فاعل کو مقدم کرنا واجب تھا مفعول پر، اب وہ چار جگہیں ذکر کریں گے جہاں فاعل کو مفعول سے مؤخر کرنا واجب ہے۔ وہ کون کون سی جگہیں ہیں؟ پہلے صرف متن متن دیکھ لو۔ کہتے ہیں وَإِذَا اتَّصَلَ بِهِ ضَمِيرُ مَفْعُولٍ اور جب فاعل کے ساتھ مفعول کی ضمیر جڑ جائے۔ کس کے ساتھ؟ بھئی یہ دیکھو درمیان میں مثال دی ہوئی ہے ضَرَبَ زَيْدًا غُلَامُهُ، ضَرَبَ زَيْدًا غُلَامُهُ، اس میں دیکھو

زَيْدًا مفعول ہے اور غُلَامُهُ فاعل ہے توجہ ہے؟ اور فاعل کے ساتھ هَا ضمیر جڑی ہوئی ہے جو مفعول کو راجع ہے۔ تو جب بھی فاعل کے ساتھ مفعول کی ضمیر جڑ جائے تو فاعل کو مؤخر کرنا واجب ہے، یہ غُلَامُهُ کو مؤخر کرنا واجب ہے۔ اگر آپ ایسا نہیں کریں گے تو اضمار قبل الذکر لازم آئے گا، کس طرح؟ دیکھو ضَرَبَ زَيْدًا غُلَامُهُ، اس زَيْدًا کو اگر آپ مؤخر کر دیں تو پھر ضَرَبَ غُلَامُهُ زَيْدًا بن جائے گا، اور غُلَامُهُ ہے فاعل اور فاعل کے ساتھ هَا ضمیر ہے اور وہ کس کو راجع؟ زید کو، اور زید لفظوں میں بھی مؤخر ہے اور رتبے میں بھی مؤخر ہے کیونکہ وہ مفعول ہے، تو یہ اضمار قبل الذکر لفظاً اور رتبتاً دونوں ہو گا، اور اضمار قبل الذکر لفظاً اور رتبتاً ہو یہ جائز نہیں۔ اضمار قبل الذکر صرف لفظاً ہو پھر تو جائز ہے، لیکن لفظاً اور رتبتاً ہو تو جائز نہیں۔ لہٰذا پہلی جگہ جہاں فاعل کو مؤخر کرنا واجب کون سی ہے؟ جب فاعل کے ساتھ مفعول کی ضمیر جڑ جائے تو پھر فاعل کو مؤخر کرنا واجب ہے ورنہ اضمار قبل الذکر لازم آئے گا۔

تو کہتے ہیں وَإِذَا اتَّصَلَ بِهِ ضَمِيرُ مَفْعُولٍ اور جب فاعل کے ساتھ مفعول کی ضمیر جڑ جائے، أَوْ وَقَعَ بَعْدَ إِلَّا یا فاعل کس کے بعد آئے؟ إِلَّا کے بعد آئے۔ پہلے کیا گزرا تھا؟ مفعول إِلَّا کے بعد آئے۔ اب کیا کہہ رہے ہیں؟ فاعل إِلَّا کے بعد آئے۔ أَوْ مَعْنَاهَا یا فاعل کس کے بعد آئے؟ معنیٰ إِلَّا کے بعد آئے۔ فاعل کس کے بعد آئے؟ أَوْ وَقَعَ بَعْدَ إِلَّا أَوْ مَعْنَاهَا اور یا وہ فاعل إِلَّا کے بعد آئے یا معنیٰ إِلَّا کے بعد آئے، توجہ ہے؟ جی یہ اگلی دو جگہیں: مَا ضَرَبَ عَمْرًا إِلَّا زَيْدٌ، إِلَّا زَيْدٌ یہ زَيْدٌ فاعل کس کے بعد ہے؟ إِلَّا کے بعد، تو لہٰذا جب فاعل کس کے بعد آئے؟ إِلَّا کے بعد آئے تو فاعل کو مؤخر کرنا واجب ہے، شرط وہی ہے کہ إِلَّا فاعل اور مفعول دونوں کے درمیان ہونا چاہیے۔ اسی طرح اگر فاعل معنیٰ إِلَّا کے بعد آئے تو بھی فاعل کو مؤخر کرنا واجب۔ کون سا جملہ تھا میں نے آپ کو لکھوایا تھا؟ إِنَّمَا ضَرَبَ عَمْرًا زَيْدٌ، یہ زید آخر میں ہے اور اس میں حصر ہے تو اس کو مؤخر کرنا ہی واجب ہے، اگر آپ مقدم کریں گے تو حصر الٹ جائے گا۔

جی تو کہتے ہیں أَوْ وَقَعَ بَعْدَ إِلَّا أَوْ مَعْنَاهَا یا فاعل إِلَّا کے بعد واقع ہو یا معنیٰ إِلَّا کے بعد واقع ہو، أَوِ اتَّصَلَ مَفْعُولُهُ بِهِ یا مفعول جو ہے وہ فعل کے ساتھ جڑ جائے یعنی مفعول کی ضمیرِ متصل آ جائے فعل کے ساتھ، وَهُوَ غَيْرُ مُتَّصِلٍ اس حال میں کہ فاعل غیرِ متصل ہو، توجہ ہے؟ چوتھی جگہ جہاں فاعل کو مؤخر کرنا اور مفعول کو مقدم کرنا واجب ہے وہ جگہ ہے جہاں مفعول ضمیرِ متصل ہو یعنی فعل کے ساتھ جڑا ہو اور فاعل غیرِ متصل ہو، تو پھر اس صورت میں مفعول کو مقدم کرنا واجب۔ کس طرح؟ دیکھو مثلاً بھئی، یہ مثال بھی آگے ذکر کریں گے: ضَرَبَكَ زَيْدٌ، ضَرَبَكَ زَيْدٌ۔ اب دیکھو ضَرَبَ فعل، کاف ضمیر یہ مفعول ہے اور زَيْدٌ فاعل۔ اب دیکھو مفعول کیا ہے؟ کاف ضمیر ضمیرِ متصل ہے فعل کے ساتھ جڑی ہوئی ہے، اور فاعل غیرِ متصل ہے۔ فاعل غیرِ متصل ہے، تو اب فاعل کو مؤخر کرنا واجب ہے۔ کیوں مؤخر کرنا واجب؟ کیونکہ اگر آپ فاعل کو مقدم کریں گے تو ضَرَبَكَ، یہ کاف ضمیر کو کیا کرنا پڑے گا؟ زید کے بعد لے جانا پڑے گا، تو یہ متصل رہے گی یا منفصل ہو جائے گی؟ یہ تو منفصل ہو جائے گی، اور ہم نے تو کیا کہا کہ مفعول کیا ہونا چاہیے؟ ضمیرِ متصل ہو اور فاعل

غیرِ متصل ہو۔ بھئی فاعل غیرِ متصل ہو یہ قید بھی ضروری ہے، کیونکہ اگر فاعل بھی متصل ہوا مفعول بھی متصل ہوا پھر فاعل کو مقدم کرنا واجب ہے، ضَرَبْتُكَ۔ ضَرَبْتُكَ، ضَرَبْتُ میں تَا ضمیر فاعل اور کاف ضمیر مفعول، تو فاعل بھی ضمیرِ متصل اور مفعول بھی ضمیرِ متصل، تو جب دونوں متصل ہوں پھر فاعل کو مقدم کرنا واجب ہوتا ہے۔ اسی لیے انہوں نے کیا کہا کہ مفعول جب ضمیرِ متصل ہو اور فاعل غیرِ متصل ہو تو پھر مفعول کو مقدم کرنا واجب۔

تو کتنی جگہیں ہو گئیں؟ چار جگہیں، کون کون سی؟ پہلی جگہ کہ جب فاعل کے ساتھ مفعول کی ضمیر جڑی ہوئی ہو۔ دوسری جگہ جب فاعل إِلَّا کے بعد ہو، لیکن شرط کیا؟ کہ إِلَّا فاعل اور مفعول دونوں کے بیچ میں ہو۔ تیسری جگہ کہ فاعل معنیٰ إِلَّا کے بعد ہو۔ اور چوتھی جگہ کہ جب مفعول ضمیرِ متصل ہو فعل کے ساتھ اور فاعل غیرِ متصل ہو، ان تمام صورتوں میں فاعل کو مؤخر کرنا واجب ہے۔

دیکھیے بھئی اب ترجمہ۔ پہلے ذرا متن متن کا ترجمہ صرف دوبارہ دیکھ لو۔ کہتے ہیں وَإِذَا اتَّصَلَ بِهِ ضَمِيرُ مَفْعُولٍ اور جب فاعل کے ساتھ ضمیرِ مفعول مل جائے، أَوْ وَقَعَ بَعْدَ إِلَّا أَوْ مَعْنَاهَا یا فاعل إِلَّا کے بعد یا معنیٰ إِلَّا کے بعد واقع ہو، أَوِ اتَّصَلَ مَفْعُولُهُ بِهِ یا فاعل کا مفعول وہ فعل کے ساتھ جڑ جائے، وَهُوَ غَيْرُ مُتَّصِلٍ اس حال میں کہ فاعل خود وہ غیرِ متصل ہو، وَجَبَ تَأْخِيرُهُ تو ان ساری صورتوں میں فاعل کو مؤخر کرنا واجب ہے بھئی۔

اب آئیے شرح کے ساتھ اس کا ترجمہ دیکھیں۔ کہتے ہیں وَإِذَا اتَّصَلَ بِهِ أَيْ بِالْفَاعِلِ، متن میں آیا تھا بِهِ، شارحِ جامی نے بتلایا أَيْ بِالْفَاعِلِ بتلایا کہ بِهِ کی هَا ضمیر کس کو راجع؟ فاعل کو۔ اور جب فاعل کے ساتھ مل جائے ضَمِيرُ مَفْعُولٍ مفعول کی ضمیر نَحْوُ ضَرَبَ زَيْدًا غُلَامُهُ جیسے یہ مثال ہے، غُلَامُهُ فاعل ہے اور اس کے ساتھ هَا ضمیر جڑ گئی جو مفعول کو راجع۔ أَوْ وَقَعَ أَيِ الْفَاعِلُ یا فاعل واقع ہو بَعْدَ إِلَّا اس إِلَّا کے بعد الْمُتَوَسِّطَةِ بَيْنَهُمَا فِي صُورَتَيِ التَّقْدِيمِ وَالتَّأْخِيرِ وہ إِلَّا جو بیچ میں آئے فاعل اور مفعول کے فاعل کے مقدم اور مؤخر ہونے کی دونوں صورتوں میں، نَحْوُ مَا ضَرَبَ عَمْرًا إِلَّا زَيْدٌ، تو دیکھا إِلَّا کے بعد زَيْدٌ فاعل آ رہا ہے۔ کہتے ہیں وَفَائِدَةُ هَذَا الْقَيْدِ مِثْلُ مَا عَرَفْتَ آنِفًا اور اس قید کا فائدہ، کون سی قید؟ یہ جو ہم نے بتلایا کہ إِلَّا کو دونوں کے بیچ میں آنا چاہیے، کہتے ہیں اس قید کا فائدہ مِثْلُ مَا عَرَفْتَ یہ اسی طرح ہے جو آپ نے ابھی پہچان لیا۔ ابھی ہم نے تفصیل ذکر کر دی تھی کہ کیوں درمیان میں ہونا ضروری۔ بھئی یہاں لفظِ آنِفًا آیا اس کو سمجھ لو، آنِفًا کا معنیٰ ابھی، ابھی، جو مَا عَرَفْتَ آنِفًا جو ابھی آپ نے پہچان لیا یعنی کچھ سطریں قبل بھئی، کچھ جملے قبل آپ نے پہچان لیا۔ یاد رکھو ابھی جو ہے نا یہ دو قسم پر ہوتا ہے: ایک ماضی والا ایک حال والا۔ اردو میں دونوں کے لیے ابھی کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔ مثلاً میں نے آپ سے پوچھا آپ کیا کر رہے ہیں؟ آپ نے کہا ابھی میں پڑھ رہا ہوں۔ دیکھو یہ ابھی حال والا ہے، کہ فی الحال میں کیا کر رہا ہوں؟ پڑھ رہا ہوں، اس کو کہتے ہیں ابھی، تو یہ حال والا ابھی ہے۔ اور ایک ابھی ماضی والا ہوتا ہے، مثلاً میں نے آپ سے پوچھا زید آگیا ہے؟ آپ نے کہا ہاں زید آگیا ہے، میں نے پوچھا کب آیا؟ آپ نے کہا ابھی آیا۔ کیا معنیٰ؟ ابھی

حال والا یا قریب ماضی والا؟ قریب ماضی میں ابھی آیا ہے، تو یہ ابھی ماضی والا ہے۔ تو اردو میں دونوں کے لیے ابھی کا لفظ استعمال کرتے ہیں چاہے حال والا ہو چاہے ماضی والا، لیکن عربی میں فرق ہے۔ حال والا ابھی ہو تو اَلْآنَ کہتے ہیں، کیا کہتے ہیں؟ اَلْآنَ، اَلْآنَ۔ میں نے آپ سے پوچھا کیا کر رہے ہو؟ آپ کہتے ہیں أَقْرَأُ الْآنَ اس وقت میں پڑھ رہا ہوں، یا أَدْرُسُ الْآنَ میں ابھی پڑھ رہا ہوں، یہ حال والا ابھی ہے۔ اور ایک ماضی والا ابھی ہے، میں نے پوچھا زید کب آیا تھا؟ آپ نے کہا ابھی آیا ہے، تو یہ جو ماضی والا ابھی ہے اس کے لیے عربی میں آنِفًا استعمال ہوتا ہے۔ دیکھو آیا مَا عَرَفْتَ آنِفًا جو ابھی آپ نے جان لیا یعنی ابھی ماضی قریب کے اندر۔ بات سمجھ میں آگئی۔

أَوْ وَقَعَ الْفَاعِلُ بَعْدَ مَعْنَاهَا أَيْ مَعْنَى إِلَّا یا فاعل معنیٰ إِلَّا کے بعد واقع ہو نَحْوُ إِنَّمَا ضَرَبَ عَمْرًا زَيْدٌ، کیا ترجمہ ہوگا إِنَّمَا ضَرَبَ عَمْرًا زَيْدٌ؟ عمرو کو زید ہی نے مارا، یا عمرو کو صرف زید نے مارا۔

أَوِ اتَّصَلَ مَفْعُولُهُ بِهِ یا فاعل کا جو مفعول ہے وہ مل جائے بِهِ أَيْ بِالْفِعْلِ کس کے ساتھ؟ فعل کے ساتھ۔ أَيْ بِأَنْ يَكُونَ الْمَفْعُولُ ضَمِيرًا مُتَّصِلًا بِالْفِعْلِ بایں صورت کہ جو مفعول ہے وہ ضمیرِ متصل ہو فعل کے ساتھ، وَهُوَ أَيِ الْفَاعِلُ غَيْرُ ضَمِيرٍ مُتَّصِلٍ بِهِ اس حال میں کہ فاعل جو ہے وہ ضمیرِ متصل نہ ہو۔ اس حال میں کہ فاعل ضمیرِ متصل نہ ہو۔ متن میں آیا وَهُوَ، آگے شارحِ جامی فرما رہے ہیں أَيِ الْفَاعِلُ کیا بتلانا چاہتے ہیں؟ ضمیر کا مرجع۔ متن میں آیا غَيْرُ مُتَّصِلٍ، صاحبِ جامی نے درمیان میں ضمیر کا لفظ نکال دیا غَيْرُ ضَمِيرٍ مُتَّصِلٍ، یہ مُتَّصِلٍ سے پہلے ضمیر کا لفظ کیوں نکالا صاحبِ جامی نے کیا بتلانا چاہتے ہیں؟ شاباش، یہ موصوف بتلانا چاہتے ہیں کہ متصل صفت کا صیغہ ہے اس کے لیے موصوف چاہیے اور وہ ضمیر کا لفظ ہے یہاں۔ تو کہتے ہیں وَهُوَ أَيِ الْفَاعِلُ غَيْرُ ضَمِيرٍ مُتَّصِلٍ اس حال میں کہ فاعل جو ہے وہ ضمیرِ متصل نہ ہو، نَحْوُ ضَرَبَكَ زَيْدٌ دیکھو اس کے اندر ضَرَبَكَ زَيْدٌ اس کے اندر مفعول تو ضمیرِ متصل ہے اور فاعل ضمیرِ متصل نہیں۔

وَجَبَ تَأْخِيرُهُ تو ان تمام صورتوں میں فاعل کو مؤخر کرنا واجب ہے، أَيْ تَأْخِيرُ الْفَاعِلِ عَنِ الْمَفْعُولِ یعنی واجب ہے فاعل کو مؤخر کرنا مفعول سے فِي جَمِيعِ هَذِهِ الصُّوَرِ ان تمام صورتوں میں۔

کہتے ہیں أَمَّا فِي صُورَةِ اتِّصَالِ ضَمِيرِ الْمَفْعُولِ بِهِ کہتے ہیں وہ صورت جس میں مفعول بہ کی ضمیر جڑی ہوئی تھی فاعل کے ساتھ، اس صورت میں فاعل کو مؤخر کرنا واجب لِئَلَّا يَلْزَمَ الْإِضْمَارُ قَبْلَ الذِّكْرِ لَفْظًا وَرُتْبَةً تاکہ کہیں اضمار قبل الذکر لفظاً اور رتبتاً لازم نہ آئے۔

وَأَمَّا فِي صُورَةِ وُقُوعِهِ بَعْدَ إِلَّا أَوْ مَعْنَاهَا اور باقی وہ صورت کہ جس میں فاعل جو ہے إِلَّا کے بعد یا معنیٰ إِلَّا کے بعد آئے، فَلِئَلَّا يَنْقَلِبَ الْحَصْرُ الْمَطْلُوبُ تو اس صورت میں اس کو مؤخر کرنا واجب ہے تاکہ حصرِ مطلوب کہیں الٹ نہ جائے۔

وَأَمَّا فِي صُورَةِ كَوْنِ الْمَفْعُولِ ضَمِيرًا مُتَّصِلًا وَالْفَاعِلِ غَيْرَ مُتَّصِلٍ اور باقی وہ صورت کہ جس میں مفعول تو ضمیرِ متصل ہے اور فاعل غیرِ متصل ہے وہاں فاعل کو مؤخر کرنا واجب کیوں؟ کہتے ہیں لِمُنَافَاةِ الِاتِّصَالِ الِانْفِصَالَ اس وجہ سے کیونکہ

اتصال اور انفصال میں منافات ہے، اگر آپ فاعل کو مقدم کریں گے پھر تو مفعول ضمیرِ متصل نہ رہے گا بلکہ کیا بن جائے گا؟ منفصل۔ کس طرح؟ بِتَوَسُّطِ الْفَاعِلِ الْغَيْرِ الْمُتَّصِلِ بَيْنَهُ وَبَيْنَ الْفِعْلِ بایں صورت کہ وہ فاعل جو غیرِ متصل ہے وہ ضمیر اور فعل کے درمیان آجائے گا۔

بات سمجھ میں آرہی ہے؟ بھئی ضَرَبَكَ زَيْدٌ ہے، اس میں کاف ضمیرِ متصل ہے، اگر زید کو مقدم کریں گے تو پھر زید جو غیرِ متصل ہے وہ ان دونوں کے بیچ آگیا تو پھر تو کاف متصل نہ رہے گی بلکہ کیا بن جائے گی؟ منفصل۔

کہتے ہیں بِتَوَسُّطِ الْفَاعِلِ الْغَيْرِ الْمُتَّصِلِ بَيْنَهُ وَبَيْنَ الْفِعْلِ اس وجہ سے کہ وہ فاعل جو غیرِ متصل ہے وہ مفعول اور فعل کے درمیان آجائے گا۔ بِخِلَافِ مَا إِذَا كَانَ الْفَاعِلُ أَيْضًا ضَمِيرًا مُتَّصِلًا ہاں بخلاف اس صورت کے جبکہ فاعل بھی ضمیرِ متصل ہو۔ بھئی انہوں نے کیا کہا؟ مفعول ضمیرِ متصل ہو لیکن فاعل کیا ہو؟ وہ غیرِ متصل ہو۔ اگر فاعل بھی ضمیرِ متصل ہو پھر تو فاعل کو مقدم کرنا واجب ہے جیسے ضَرَبْتُكَ۔ بات سمجھ میں آگئی۔ تو کہتے ہیں بِخِلَافِ مَا إِذَا كَانَ الْفَاعِلُ أَيْضًا ضَمِيرًا مُتَّصِلًا بخلاف اس صورت کے کہ فاعل جو ہے وہ بھی ضمیرِ متصل ہو فَإِنَّهُ حِينَئِذٍ يَجِبُ تَقْدِيمُ الْفَاعِلِ تو اس وقت فاعل کو مقدم کرنا واجب ہے نَحْوُ ضَرَبْتُكَ جیسے ضَرَبْتُكَ، اس میں فاعل بھی ضمیرِ متصل اور مفعول بھی ضمیرِ متصل، تو اس صورت میں پھر فاعل کو مقدم کرنا واجب ہے۔ بات سمجھ میں آگئی۔

چلیے بس بھئی، هَذَا هُوَ الْمَرَامُ وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْكَلَامِ۔

سبق نمبر ۸۵: الفاعل (۷): فاعل کے فعل کا جوازاً اور وجوباً حذف ہونا

شرحِ ملا جامی صفحہ: ۶۰ — بتاریخ: ۲۱ اکتوبر ۲۰۲۱ء

▪ تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث

دیکھیے بھئی آگے سبق:

وَقَدْ يُحْذَفُ الْفِعْلُ الرَّافِعُ لِلْفَاعِلِ لِقِيَامِ قَرِينَةٍ دَالَّةٍ عَلَى تَعْيِينِ الْمَحْذُوفِ جَوَازًا، أَيْ حَذْفًا جَائِزًا، فِي مِثْلِ زَيْدٌ، أَيْ فِيمَا كَانَ جَوَابًا لِسُؤَالٍ مُحَقَّقٍ لِمَنْ قَالَ مَنْ قَامَ؟ سَائِلًا عَمَّنْ يَقُومُ بِهِ الْقِيَامُ، فَيَجُوزُ أَنْ تَقُولَ زَيْدٌ بِحَذْفِ قَامَ، أَيْ قَامَ زَيْدٌ، وَيَجُوزُ أَنْ تَقُولَ قَامَ زَيْدٌ بِذِكْرِهِ.

بھئی گزشتہ سبق میں صاحبِ کافیہ کچھ وہ جگہیں ذکر کر رہے تھے جہاں فاعل کو مقدم کرنا واجب ہے اور اسی طرح کچھ وہ جگہیں ذکر کر رہے تھے جہاں فاعل کو مؤخر کرنا واجب ہے۔ تو پہلے انہوں نے وہ جگہیں ذکر کیں جہاں فاعل کو مقدم کرنا واجب ہے اور بتلایا کہ وہ چار جگہیں ہیں بھئی۔ سب سے پہلی وہ جگہ ہے جہاں پر اعرابِ لفظی بھی منتفی ہو اور قرینہ بھی منتفی ہو تو فاعل کو مقدم کرنا واجب۔ دوسری جگہ جہاں فاعل ضمیرِ متصل ہو تو اس کو مقدم کرنا واجب ہے، لیکن ایک شرط ہے اس میں کہ مفعول جو ہے وہ فعل پر مقدم نہیں ہونا چاہیے۔ اور تیسری جگہ جہاں پر فاعل کو مقدم کرنا واجب ہے کہ جب مفعول اِلَّا کے بعد واقع ہو، لیکن اس میں شرط یہ ہے کہ اِلَّا فاعل اور مفعول دونوں کے درمیان ہونا چاہیے۔ اور چوتھی جگہ جہاں فاعل کو مقدم کرنا واجب ہے کہ جب مفعول معنیٰ اِلَّا کے بعد یعنی اِنَّمَا کے بعد آئے، یعنی سب سے آخر میں آئے تو اس صورت میں اس کو مؤخر کرنا واجب ہے ورنہ حصر الٹ جائے گا۔

پھر صاحبِ جامی نے آپ کو بتلایا کہ ہم نے فاعل کی تقدیم و تاخیر دونوں صورتوں میں یہ قید بڑھائی تھی کہ اِلَّا جو ہے فاعل اور مفعول کے درمیان آنا چاہیے۔ وجہ یہ کہ اگر وہ جو مثلاً پہلی مثال میں ہے مَا ضَرَبَ زَيْدٌ إِلَّا عَمْرًا۔ اگر آپ اس عَمْرًا کو اِلَّا سمیت اٹھا کر زید پر مقدم کر دیں، یعنی زید کو سب سے آخر میں لے جائیں، تو اس صورت میں میں نے ایک تو بتلایا تھا کہ جمہور نحوی علماء کے نزدیک یہ جائز ہی نہیں ہے۔

بات سمجھ میں آرہی ہے؟ اِلَّا کے بعد جو واقع ہوتا ہے اس کو کہتے ہیں مستثنیٰ۔ تو مستثنیٰ کے بعد ایک لفظ آرہا ہے اور اِلَّا کا ماقبل اس میں عمل کر رہا ہے، یہ جائز نہیں ہے۔ ہاں چند ایک صورتوں میں جائز ہے کہ وہ جو مستثنیٰ کے بعد ہے وہ مستثنیٰ منہ ہو، یعنی اس کو مؤخر کر دیا ہے، یا یہ جو مستثنیٰ ہے اسی کی صفت آگے آرہی ہو وغیرہ۔ چند ایک صورتوں میں اِلَّا کا ماقبل جو ہے مستثنیٰ کے بعد بھی عمل کرتا ہے، لیکن عام احوال میں یہ جائز نہیں کہ اِلَّا کا ماقبل مستثنیٰ کے بعد جا کر عمل کرے۔

لیکن بعض علماء نے اس کو جائز قرار دیا ہے۔ تو جنہوں نے جائز بھی قرار دیا ہے اس صورت میں بھی یہاں پر خرابی لازم آتی ہے۔ کیونکہ یہاں دو معنی بنتے ہیں، ایک معنی ہے ظاہر اور ایک معنی ہے غیر ظاہر بھئی۔ ظاہر مثلاً دیکھو پہلا جملہ کیا تھا؟ مَا ضَرَبَ زَيْدٌ إِلَّا عَمْرًا۔ تو اس کے اندر دیکھو ضاربیتِ زید عمر میں بند ہے۔ اب اگر اس زید کو سب سے آخر میں لے جائیں کہ مَا ضَرَبَ إِلَّا عَمْرًا زَيْدٌ، تو اس صورت میں بھی ضاربیتِ زید ہی عمر میں بند ہو گی۔ تو وہ جو حصر مطلوب تھا جو متکلم بیان کرنا چاہتا ہے، اس کے اندر تو کوئی تبدیلی اور خرابی نہیں آئی۔ لیکن ایک خرابی آگئی اور وہ تھا قَصْرُ الصِّفَةِ قَبْلَ تَمَامِهَا، کہ صفت کی تخصیص کر دی گئی اس کے پورا ہونے سے پہلے ہی۔ کیونکہ کلام کیا بن گیا؟ مَا ضَرَبَ إِلَّا عَمْرًا زَيْدٌ۔ تو اس میں دیکھو ضاربیتِ زید کو بند کیا جا رہا ہے عمر میں، اور زید تو سب سے آخر میں ہے۔ اور اِلَّا سے ماقبل صرف ضرب کا ذکر ہے۔ تو ضاربیت تو ماقبل میں ہے، ضاربیتِ زید تو پوری اِلَّا سے ماقبل نہیں، تو یہ قَصْرُ الصِّفَةِ قَبْلَ تَمَامِهَا کی خرابی لازم آتی ہے۔ اور اگر دوسرا معنی لے لیا جائے جو غیر ظاہر ہے، کہ اس صورت میں اِلَّا کے مابعد جو دونوں ہیں، دونوں میں حصر اور قصر اور تخصیص کو مان لیا جائے۔ یعنی معنی یہ ہو جائے کہ کسی نے کسی کو نہیں مارا سوائے زید کے عمر کو، یعنی صرف عمر کی پٹائی ہوئی ہے اور صرف زید نے پٹائی کی ہے، یعنی دونوں کو مستثنیٰ بنا دیا جائے۔ تو اگرچہ یہ جائز نہیں ہے، لیکن بہرحال یہ ایک عقلی احتمال بنتا ہے، تو بھی یہ وہ جو حصر مطلوب تھا اس کے خلاف ہو گیا۔ کیونکہ حصر تو ایک جانب کا مطلوب تھا، آپ صرف ضاربیتِ زید کو عمر میں بند کرنا چاہتے تھے، لیکن معنی کیا بن گیا؟ ضاربیتِ زید عمر میں بند ہو گئی اور مضروبیتِ عمر زید میں بند ہو گئی، تو اس صورت میں وہ جو حصر مطلوب تھا اس کے خلاف لازم آیا۔ آپ تو صرف ضاربیت کو بند کرنا چاہتے تھے لیکن یہاں تو مضروبیت بھی بند ہو گئی۔ بات سمجھ میں آگئی؟

اس کے بعد پھر صاحبِ کافیہ نے کچھ وہ جگہیں ذکر کیں جہاں فاعل کو مؤخر کرنا واجب ہے، اور وہ چار جگہیں ہیں۔ پہلی جگہ جہاں فاعل کے ساتھ مفعول کی ضمیر متصل ہو۔ ضَرَبَ زَيْدًا غُلَامُهُ، تو غُلَامُهُ فاعل ہے اور اس کے ساتھ مفعول کی ضمیر جڑی ہوئی ہے۔ تو اس صورت میں فاعل کو مؤخر کرنا لازم ہے اور مفعول کو مقدم کرنا واجب ہے۔ اگر آپ ایسا نہیں کریں گے تو اضمار قبل الذکر لفظاً بھی لازم آئے گا اور رتبتاً بھی لازم آئے گا جو جائز نہیں۔ مثلاً آپ زَيْدًا کو مؤخر کر دیں، ضَرَبَ غُلَامُهُ زَيْدًا، تو غُلَامُهُ کی ہَا ضمیر کس کو راجع ہے؟ زید کو۔ اور وہ لفظوں میں بھی مؤخر اور رتبے میں بھی مؤخر ہے کیونکہ وہ مفعول ہے اور غُلَامُهُ خود کیا ہے؟ فاعل ہے۔ تو یہ اضمار قبل الذکر لفظاً اور رتبتاً لازم آتا ہے، اس لیے اس

صورت میں فاعل کو مؤخر کرنا واجب ہے۔

دوسری صورت کہ جب فاعل اِلَّا کے بعد آئے یا معنیٰ اِلَّا کے بعد آئے، تو بھی مؤخر کرنا واجب ہے ورنہ حصرِ مطلوب الٹ جائے گا۔ اور چوتھی جگہ جہاں پر مفعول جو ہے وہ ضمیرِ متصل ہو فعل کے ساتھ اور فاعل غیر متصل ہو، جیسے ضَرَبَكَ زَيْدٌ۔ اب ضَرَبَكَ، یہ كَاف ضمیر مفعول کی ہے، یہ فعل کے ساتھ متصل ہے اور زَيْدٌ یہ غیر متصل ہے، تو اس صورت میں بھی فاعل کو مؤخر کرنا واجب ہے۔ ورنہ اگر آپ فاعل کو مقدم کریں گے تو پھر ضَرَبَكَ اس کے اندر جو كَاف ہے یہ متصل نہ رہے گی، اس کو زید کے بعد لے جانا پڑے گا، تو یہ تو منفصل بن جائے گی۔ اور ہم نے تو کیا کہا تھا کہ مفعول کیا ہونا چاہیے؟ ضمیرِ متصل ہونا چاہیے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو صاحبِ کافیہ نے بتایا چوتھی جگہ وہ ہے جہاں مفعول تو ضمیرِ متصل ہو لیکن فاعل غیر متصل ہو۔ اس لیے کیونکہ اگر فاعل بھی متصل ہوا، مفعول بھی ضمیرِ متصل اور فاعل بھی ضمیرِ متصل، تو پھر فاعل کو مقدم کرنا واجب ہے، جیسے ضَرَبْتُكَ۔ تو ضَرَبْتُكَ میں یہ تَا ضمیر فاعل کی ہے اور كَاف ضمیر مفعول کی ہے اور دونوں متصل ہیں، تو اس صورت میں فاعل کو مقدم کرنا واجب ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ اب دیکھیے آگے بھئی آج کا سبق۔

کہتے ہیں: وَقَدْ يُحْذَفُ الْفِعْلُ الرَّافِعُ لِلْفَاعِلِ لِقِيَامِ قَرِينَةٍ دَالَّةٍ عَلَى تَعْيِينِ الْمَحْذُوفِ جَوَازًا، أَيْ حَذْفًا جَائِزًا۔ جی پہلے صرف متن متن دیکھ لیجیے۔ کہتے ہیں: وَقَدْ يُحْذَفُ الْفِعْلُ لِقِيَامِ قَرِينَةٍ جَوَازًا فِي مِثْلِ زَيْدٌ لِمَنْ قَالَ مَنْ قَامَ۔

بھئی اب یہاں سے صاحبِ کافیہ آپ کو بتلائیں گے کہ کبھی کبھار فعل کو حذف کر لیا جاتا ہے۔ بھئی ایک ہے فعل، ایک ہے فاعل، تو یہاں تین صورتیں بنتی ہیں۔ ایک صورت کیا؟ کہ صرف فعل کو حذف کیا جائے اور فاعل کو ذکر کیا جائے۔ دوسری صورت یہ ہے فاعل کو حذف کیا جائے اور فعل کو ذکر کیا جائے۔ اور تیسری صورت یہ ہے کہ فعل اور فاعل دونوں کو حذف کر لیا جائے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو یاد رکھنا، یاد رکھنا، فعل کو حذف کرنا اور فاعل کو باقی رکھنا یہ جائز ہے۔ فعل کو حذف کرنا اور فاعل کو باقی رکھنا یہ جائز ہے۔ اور اس کا برعکس، یعنی آپ فعل کو باقی رکھیں اور فاعل کو حذف کر دیں، یہ جائز نہیں۔ اور اسی طرح دونوں کو حذف کرنا اکٹھا، یہ بھی جائز ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟

تو دیکھیے پہلی صورت ذکر کر رہے ہیں کہ جب فعل کو حذف کیا جاتا ہے۔ اب یاد رکھنا یہ جو فعل کو حذف کرتے ہیں اور فاعل کو باقی رکھتے ہیں، یہ دو قسم پر ہے۔ کبھی یہ حذف جوازاً ہو گا اور کبھی یہ حذف وجوباً ہو گا۔ کس کو حذف کرنا ہے؟ فعل کو۔ اور کس کو باقی رکھنا ہے؟ فاعل کو۔ تو یہ فعل کو حذف کرنا یہ دو قسم پر ہے، کبھی فعل کو حذف کرنا جائز ہوتا ہے، آپ چاہیں حذف کریں چاہیں حذف نہ کریں، اور کبھی فعل کو حذف کرنا واجب ہوتا ہے۔

یہاں ایک قیمتی بات یاد رکھنا کہ حذف جہاں بھی ہو، چاہے حذف وجوباً ہو، چاہے حذف وجوباً ہو اور چاہے حذف جوازاً ہو، دونوں صورتوں میں قرینہ ضرور چاہیے۔ دونوں میں کوئی ایسی چیز وہاں ہونی چاہیے جو سننے والے کو بتلا دے کہ یہاں پر یہ

والا فعل حذف ہے۔ اگر قرینہ ہی موجود نہیں ہو گا تو اس کو کلام سمجھ میں ہی نہیں آئے گا کہ کیا معنی ہے، کیا کہنا چاہتا ہے کہنے والا۔ تو جب بھی جہاں بھی کوئی حذف کیا جاتا ہے اس کے لیے کوئی قرینہ ضروری ہے، کوئی ایسی چیز ہو جو سننے والے کو بتلا دے کہ یہاں پر یہ والا فعل محذوف ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو حذف چاہے وجوباً ہو چاہے جوازاً، دونوں جگہ قرینے کا ہونا ضروری۔

پھر ایک اور قیمتی بات یاد رکھنا۔ حذف وجوباً وہاں ہو گا جہاں قرینہ بھی ہو اور نیز جس کو آپ نے حذف کر دیا ہے، کسی دوسری چیز کو اس کا قائم مقام بنا دیں۔ کیا بنا دیں؟ قائم مقام۔ جب ایک دوسری چیز کو آپ نے محذوف کا قائم مقام بنا دیا ہے تو اب جس کو حذف کیا ہے اس کا حذف واجب ہو گیا، کیونکہ آپ نے ایک دوسری چیز کو کیا کر دیا؟ اس کا قائم مقام اور اس کا نائب بنا دیا ہے۔

بات سمجھ میں آئی؟ فرق سمجھ میں آیا؟ کہ حذف دو قسم پر ہے، کبھی وجوباً کبھی جوازاً۔ دونوں میں کیا چاہیے؟ قرینہ چاہیے، کوئی ایسی چیز ضرور ہونی چاہیے جو سننے والے کو بتلائے کہ یہاں کون سا فعل حذف ہوا ہے یا کون سا لفظ حذف ہوا ہے۔ پھر حذف جوازاً اور وجوباً میں کیا فرق ہے؟ حذف وجوباً کہاں ہو گا؟ کہ جس چیز کو آپ نے حذف کیا ہے اس کا کوئی قائم مقام لے آئیں۔ کیا لے آئیں؟ جب قائم مقام لے آئے آپ، اس کا نائب لے آئے، تو اب اصل کو آپ نہیں لا سکتے کیونکہ اصل اور نائب میں سے ایک وقت میں ایک چیز آیا کرتی ہے۔ یا اصل ہو تو پھر نائب نہیں ہوتا، اور نائب ہو تو اصل نہیں ہوتا۔ تو جوازاً حذف وہاں ہو گا یعنی جہاں آپ چاہیں حذف کریں یا نہ کریں، جہاں قرینہ تو موجود ہے لیکن قائم مقام کوئی نہیں۔ اور حذف وجوباً کہاں ہو گا؟ جہاں قرینہ بھی موجود ہو گا اور وہ جو محذوف ہے اس کا کوئی قائم مقام بھی آپ نے بنا دیا ہو۔ بات سمجھ میں آگئی؟ فرق سمجھ میں آگیا؟ اب دیکھیے کتاب پر۔

کہتے ہیں: وَقَدْ يُحْذَفُ الْفِعْلُ اور کبھی کبھار فعل کو حذف کر لیا جاتا ہے، لِقِيَامِ قَرِينَةٍ کسی قرینے کے قائم ہوتے وقت بھئی۔ یہ لَام بمعنیٰ وقت کے ہے۔ عربی زبان میں لَام کبھی وقت کے معنی میں آتا ہے۔ تو وَقَدْ يُحْذَفُ الْفِعْلُ اور کبھی کبھار فعل کو حذف کر لیا جاتا ہے، لِقِيَامِ قَرِينَةٍ أَيْ وَقْتَ قِيَامِ قَرِينَةٍ جس وقت قرینہ قائم ہو۔ اور جَوَازًا اور یہ حذف کرنا جوازاً ہوتا ہے، فِي مِثْلِ زَيْدٌ، زَيْدٌ جیسی مثالوں کے اندر لِمَنْ قَالَ اس شخص کو جس نے یہ کہا تھا مَنْ قَامَ کون کھڑا ہے؟ صورت یہ ہے بھئی، ایک شخص نے، آپ کے ایک ساتھی نے آپ سے پوچھا مَنْ قَامَ، کون کھڑا ہے؟ آپ جواب میں کہتے ہیں زَيْدٌ۔ تو دیکھو آپ نے فعل کو حذف کر دیا۔ کہنا کیا چاہیے تھا؟ قَامَ زَيْدٌ۔ اس نے سوال کیا کیا ہے؟ مَنْ قَامَ، کون کھڑا ہوا؟ تو آپ نے کیا کہا؟ آپ نے زَيْدٌ کہا، آپ نے قَامَ کو کیا کر لیا؟ حذف کر لیا کیونکہ قرینہ موجود ہے۔ قرینہ کیا؟ وہ جو اس نے سوال کیا، سوال کے اندر اس نے قَامَ پوچھا ہے۔ اس نے کیا سوال کیا؟ مَنْ قَامَ، کیا کہا؟ مَنْ قَامَ، تو اس نے سوال ہی قیام کے بارے میں کیا ہے تو جواب میں قیام کو ذکر کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ اور آپ چاہیں تو ذکر بھی کر دیں۔ اس نے کیا

سوال کیا؟ مَنْ قَامَ، تو آپ جواب میں صرف زَیْدٌ بھی کہہ سکتے ہیں، آپ نے جواب میں زَیْدٌ کہا تو اصل کیا ہے؟ قَامَ زَیْدٌ، تو قَامَ فعل اور زَیْدٌ اس کا فاعل۔ آپ نے فعل کو حذف کر دیا کیونکہ سوال جو ہے قرینہ موجود ہے اور زَیْدٌ فاعل کو باقی رکھا۔ یا آپ چاہیں تو ذکر بھی کر دیں فعل کو، اس نے کیا کہا مَنْ قَامَ، آپ جواب میں کیا کہہ سکتے ہیں؟ قَامَ زَیْدٌ۔

فعل اور فاعل دونوں کو ذکر کر دیں۔ تو یہاں آپ کا جواب میں صرف زَیْدٌ کہنا جائز ہے کہ یعنی فعل کو حذف کر دیں اور فاعل کو باقی رکھیں یہ جائز ہے اور واجب نہیں، لہٰذا آپ زَیْدٌ بھی جواب میں کہہ سکتے ہیں اور قَامَ زَیْدٌ بھی کہہ سکتے ہیں۔

تو کہتے ہیں: فِي مِثْلِ زَیْدٌ، زَیْدٌ جیسی مثالوں میں لِمَنْ قَالَ، زید کا لفظ لِمَنْ قَالَ اس حال میں کہ یہ کہا گیا اس شخص کو جس نے یہ کہا تھا، کیا کہا تھا؟ مَنْ قَامَ۔ جس شخص نے مَنْ قَامَ کہا تھا اس کو جواب میں کیا کہا جائے؟ زَیْدٌ۔ تو یہاں دیکھو فعل کو حذف کر لیا گیا اور یہ حذف جائز ہے۔

جی دیکھیے بھئی اب کتاب پر شرح کے ساتھ دیکھیے۔ کہتے ہیں: وَقَدْ یُحْذَفُ الْفِعْلُ اور کبھی کبھار فعل کو حذف کر لیا جاتا ہے، الرَّافِعُ لِلْفَاعِلِ وہ فعل جو رفع دینے والا ہے فاعل کو، وہ فعل جو رفع دینے والا ہے فاعل کو۔ بھئی متن میں آیا، دیکھیے متن کی عبارت: وَقَدْ یُحْذَفُ الْفِعْلُ۔ لیکن شارحِ جامی نے آگے کیا لفظ نکالا؟ الرَّافِعُ لِلْفَاعِلِ، وہ فعل جو فاعل کو رفع دینے والا ہے۔ بھئی شارحِ جامی یہ لفظ کیوں لے کر آئے؟ کیا بتلانا چاہتے ہیں؟ یاد رکھو، دراصل یہاں اعتراض ہوتا ہے کہ بحث چل رہی ہے فاعل کی۔ فاعل کی تعریف کی، پھر بتلایا کہ فاعل کے اندر مناسب یہ ہے کہ فعل کے بعد کس کو آنا چاہیے؟ فاعل کو۔ پھر بتلایا کچھ جگہیں ہیں جہاں فاعل کو مقدم کرنا واجب اور کچھ جگہیں وہ ہیں جہاں فاعل کو مؤخر کرنا واجب۔ تو بحث چل رہی ہے فاعل کی اور صاحبِ کافیہ ایک دم فعل کی بحث انہوں نے شروع کر دی، فاعل کو چھوڑ دیا اور کیا کہا: وَقَدْ یُحْذَفُ الْفِعْلُ، اور کبھی کبھار کیا کر لیا جاتا ہے؟ فعل کو حذف کر لیا جاتا ہے۔ تو اعتراض ہوتا ہے کہ اے صاحبِ کافیہ آپ تو بحث کر رہے تھے فاعل کی، یہ فعل کی بحث آپ نے درمیان میں کیوں شروع کر دی؟ تو اس کا جواب دینا چاہتے ہیں صاحبِ جامی کہ بھئی یہ بحث بھی فاعل ہی سے متعلق ہے، کیونکہ بات اس فعل کی آگے ذکر کر رہے ہیں جو فاعل کو رفع دے رہا ہے۔ وہ فعل جو فاعل کو رفع دے رہا ہے، تو اس فعل کو حذف کرنا کبھی جائز ہوتا ہے اور کبھی واجب، تو یہ بھی فاعل ہی کی بحث چل رہی ہے۔ تو کہتے ہیں: وَقَدْ یُحْذَفُ الْفِعْلُ الرَّافِعُ لِلْفَاعِلِ، اور کبھی کبھار حذف کر لیا جاتا ہے اس فعل کو الرَّافِعُ لِلْفَاعِلِ جو فاعل کو رفع دینے والا ہے۔ بات سمجھ میں آ گئی؟ معلوم ہوا مطلق فعل کی بات نہیں چل رہی بلکہ اس فعل کی جو کیا کر رہا ہے؟ فاعل کو رفع دے رہا ہے، تو یہ دراصل فاعل ہی کی بحث چل رہی ہے۔ یعنی فاعل کو رفع دینے والے فعل کو حذف کرنا بھی جائز ہوتا ہے۔

اور نیز یاد رکھنا، وَقَدْ یُحْذَفُ الْفِعْلُ، فعل کو حذف کیا جاتا ہے، حالانکہ فاعل جیسے فعل کے لیے آتا ہے اسی طرح شبہِ فعل

کے لیے بھی آتا ہے۔ تو فعل چونکہ اصل ہے، فعل چونکہ اصل ہے لہٰذا فعل کو ذکر کر دیا، اسی سے بات سمجھ میں آگئی کہ معلوم ہوا شبہِ فعل کے اندر بھی ایسا ہے، یعنی وہاں بھی کبھی کبھار شبہِ فعل کو حذف کر لیا جاتا ہے۔

تو کہتے ہیں: وَقَدْ يُحْذَفُ الْفِعْلُ الرَّافِعُ لِلْفَاعِلِ، اور کبھی کبھار حذف کر لیا جاتا ہے اس فعل کو جو فاعل کو رفع دینے والا ہے، لِقِيَامِ قَرِينَةٍ أَيْ وَقْتَ قِيَامِ قَرِينَةٍ، جس وقت قرینہ قائم ہو یعنی موجود ہو۔ کون سا قرینہ؟ ادھر دیکھیے، کون سا قرینہ؟ جو ہمیں کیا بتلائے کہ کون سا لفظ محذوف ہے؟ یہی بیان کر رہے ہیں: لِقِيَامِ قَرِينَةٍ دَالَّةٍ عَلَى تَعْيِينِ الْمَحْذُوفِ، وہ قرینہ قائم ہوتے وقت جو دلالت کرنے والا ہے عَلَى تَعْيِينِ الْمَحْذُوفِ اس محذوف کی تعیین پر۔ کوئی قرینہ ہو جو متعین کر رہا ہو، ہمیں بتلا رہا ہو کہ یہ والا لفظ یہاں محذوف ہے۔ مثلاً دیکھو، آپ کے ساتھی نے آپ سے پوچھا مَنْ قَامَ؟ آپ نے جواب میں کیا کہا؟ زَيْدٌ۔ تو آپ نے قَامَ فعل کو حذف کر دیا۔ اور قرینہ موجود ہے کیونکہ اس نے سوال میں مَنْ قَامَ، قَامَ کو ذکر کیا تھا۔ تو لہٰذا یہ قرینہ بتلا دے گا سننے والے کو، آپ نے صرف زید کہا لیکن سننے والے سمجھ گئے کیا؟ کہ قَامَ زَيْدٌ ہے بھئی۔ تو یہ قرینہ کوئی بھی ایسی چیز جو بتلا دے کہ یہاں کیا چیز محذوف ہے۔

تو کہتے ہیں: لِقِيَامِ قَرِينَةٍ دَالَّةٍ عَلَى تَعْيِينِ الْمَحْذُوفِ، قرینہ قائم ہوتے وقت، وہ قرینہ دَالَّةٍ جو دلالت کرنے والا ہو عَلَى تَعْيِينِ الْمَحْذُوفِ اس محذوف کی تعیین پر۔ جَوَازًا أَيْ حَذْفًا جَائِزًا۔ جَوَازًا منصوب آیا بھئی، صاحبِ جامی آگے أَيْ حَذْفًا جَائِزًا کے ذریعے بتلانا چاہتے ہیں کہ یہ مفعولِ مطلق ہے۔ یہ مفعولِ مطلق ہے باعتبار موصوف کے، یعنی یہ خود تو مفعولِ مطلق نہیں، اس کا موصوف مفعولِ مطلق ہے اور وہ کیا ہے؟ حَذْفًا، اور پیچھے يُحْذَفُ فعل آیا تھا، تو اسی سے حَذْفًا کیا بن گیا؟ مفعولِ مطلق۔ اور یہ جَوَازًا اس کی صفت ہے۔ جَوَازًا سے پہلے حَذْفًا مفعولِ مطلق نکال لیا، تو عبارت کیا بن گئی؟ وَقَدْ يُحْذَفُ الْفِعْلُ لِقِيَامِ قَرِينَةٍ حَذْفًا جَوَازًا۔ تو حَذْفًا ہے موصوف اور جَوَازًا ہے اس کی صفت۔ تو دیکھو جَوَازًا یہ مصدر ہے اور مصدر تو صفت نہیں بن سکتا بھئی۔ مصدر تو صفت نہیں بن سکتا بھئی۔ بھئی یاد رکھو، حَذْفًا یہ بھی مصدر اور جَوَازًا یہ بھی مصدر۔ تو آپ کہیں گے حَذْفًا بھی صفت، مصدر ہے نا اور مصدر صفت ہوتی ہے، مصدر کا اپنا الگ کوئی وجود نہیں، تو مصدر صفت ہوتی ہے۔ تو حَذْفًا جَوَازًا، حَذْفًا بھی مصدر، جَوَازًا بھی مصدر، تو حَذْفًا موصوف جو ہے وہ بھی صفت اور آگے جَوَازًا بھی صفت، تو یہ تو موصوف صفت بننے چاہئیں بھئی کیونکہ دونوں مصدر ہیں۔ تو یاد رکھو کہ مصدر صفت ہے، لیکن جب یہ مقامِ موضوع میں آجائے یعنی مبتدا بن رہا ہے یا اسی طرح موصوف وغیرہ بن رہا ہے، تو پھر اس صورت میں یہ ذات کے حکم میں ہوتا ہے۔ کس کے؟ ذات کے حکم میں ہوتا ہے۔ تو گویا حَذْفًا جَوَازًا، یہ موصوف حَذْفًا یہ تو ذات ہے اور جَوَازًا صفت ہے، اور یہ صفت نہیں بن سکتی کیونکہ جَوَازًا مصدر ہے، صفت ہے۔ تو لہٰذا پھر اس جَوَازًا، آپ نے پڑھا ہے کہ مصدر کبھی اسمِ فاعل کے معنی میں ہوتا ہے اور کبھی اسمِ مفعول کے معنی میں، تو یہاں جَوَازًا، جَائِزًا کے معنی میں ہوا، اب یہ صفت بن جائے گا، أَيْ حَذْفًا جَائِزًا، ایسا حذف جو جائز ہے بھئی۔ دیکھو اب معنی ٹھیک بن گیا۔ تو آپ کیا کہیں

گے جَوَازًا یہ کیا ہے؟ مفعولِ مطلق ہے باعتبار موصوفِ محذوف کے بھئی۔

فِي مِثْلِ زَيْدٌ، زَيْدٌ جیسی مثالوں میں۔ بھئی، أَيْ فِي مِثْلِ زَيْدٌ، مِثْلِ ہے مضاف اور زَيْدٌ مجرور ہونا چاہیے، لیکن میں اس پر رفع پڑھ رہا ہوں، کیا وجہ ہے؟ یہ کون سا اعراب ہے؟ یہ اعرابِ حکائی ہے، کیونکہ یہ زَيْدٌ جواب میں آیا، کس کے جواب میں؟ مَنْ قَامَ کے جواب میں آیا، تو وہاں یہ فاعل بن رہا تھا، مرفوع تھا، تو لہٰذا یہاں پر بھی وہی اعراب پڑھ دیا گیا۔

کہتے ہیں: فِي مِثْلِ زَيْدٌ، زَيْدٌ جیسی مثالوں میں، أَيْ فِيمَا كَانَ جَوَابًا لِسُؤَالٍ مُحَقَّقٍ، یعنی اس صورت میں جب کہ یہ زَيْدٌ جیسا لفظ جواب ہو لِسُؤَالٍ مُحَقَّقٍ کس کا جواب ہو؟ سوالِ محقق۔ یاد رکھو، یہ جو سوال ہے نا سوال، آگے سوالِ مقدر کا بھی ذکر آئے گا۔ ایک سوالِ محقق ہوتا ہے، ایک سوالِ مقدر ہوتا ہے۔ سوالِ محقق وہ ہے جو عبارت میں باقاعدہ سوال موجود ہو۔ یہاں پر بھی دیکھو اس شخص نے آپ سے کیا پوچھا؟ مَنْ قَامَ، دیکھو یہ سوال باقاعدہ عبارت میں موجود ہے، تو اس کو کیا کہتے ہیں؟ سوالِ محقق۔ اور ایک سوالِ مقدر ہوتا ہے جو لفظوں میں تو موجود نہیں ہوتا لیکن اس کو فرض کر لیا جاتا ہے کہ یہاں سوال موجود ہے۔ قَدَّرَ يُقَدِّرُ تَقْدِيرًا کا کیا معنی؟ فرض کرنا۔ مقدر، جس کو فرض کر لیا جائے، تو سوالِ مقدر کسے کہتے ہیں؟ وہ سوال جس کو فرض کر لیا جائے۔

تو کہتے ہیں: أَيْ فِيمَا كَانَ جَوَابًا لِسُؤَالٍ مُحَقَّقٍ، اس صورت میں جب کہ یہ لفظ جو ہے یہ جواب ہو سوالِ محقق کا۔ سوالِ محقق، وہ سوال جو باقاعدہ عبارت میں ذکر ہو۔ لِمَنْ قَالَ، اس حال میں کہ یہ کہا گیا لِمَنْ قَالَ اس شخص کو جس نے یہ کہا تھا، جس نے کیا کہا تھا؟ مَنْ قَامَ۔ بات سمجھ میں آگئی؟ سَائِلًا عَمَّنْ يَقُومُ بِهِ الْقِيَامُ۔ سَائِلًا، اس حال میں کہ وہ شخص پوچھنے والا ہے عَمَّنْ اس شخص کے بارے میں يَقُومُ بِهِ الْقِيَامُ جس کے ساتھ قیام قائم ہے۔ بھئی دیکھیے ایک شخص نے کیا پوچھا؟ مَنْ قَامَ؟ کیا پوچھا؟ مَنْ قَامَ، کون کھڑا ہے؟ معلوم ہوا اس کو اتنا علم ہے کہ قیام کا فعل ہے۔ قیام کے فعل کا اس کو پتا ہے لیکن یہ نہیں پتا کہ یہ قیام کس کی صفت ہے، کون قائم ہے۔ بھئی دیکھو نا آپ کسی سے پوچھتے ہیں مَنْ ضَرَبَ، کس نے پٹائی کی؟ یہ سوال آپ تبھی کریں گے جب آپ کو اتنا پتا ہو کہ ضرب واقع ہوئی ہے، لیکن کس نے لگائی ہے یہ آپ کو پتا نہ ہو۔ تو اسی طرح مَنْ قَامَ، کون کھڑا ہوا؟ یہ سوال وہی شخص پوچھے گا جس کو یہ پتا ہے کہ قیام کا فعل واقع ہوا ہے، لیکن کس کے ساتھ قائم ہے، کون کھڑا ہوا ہے یہ اس کو پتا نہ ہو۔ بات سمجھ میں آگئی؟ کیا؟ مَنْ قَامَ کا سوال کون کرے گا؟ جس کو قیام کا تو پتا ہے لیکن کس کے ساتھ قیام قائم ہے یہ اس کو پتا نہیں، قیام کس کی صفت ہے یہ اس کو پتا نہیں۔ تو کہتے ہیں: سَائِلًا عَمَّنْ يَقُومُ بِهِ الْقِيَامُ، اس حال میں کہ وہ شخص پوچھنے والا ہے عَمَّنْ اس شخص کے بارے میں يَقُومُ بِهِ الْقِيَامُ جس کے ساتھ قیام قائم ہے یعنی قیام جس کی صفت ہے، یعنی اتنا تو اس کو پتا ہے کہ قیام والا فعل ہوا ہے لیکن یہ کس نے کیا ہے یہ اس کو پتا نہیں۔

فَيَجُوزُ أَنْ تَقُولَ زَيْدٌ، تو یہ بھی جائز ہے کہ آپ جواب میں یوں کہیں زَيْدٌ، بِحَذْفِ قَامَ، قَامَ کو حذف کرتے ہوئے، أَيْ

قَامَ زَيْدٌ یعنی اصل کلام کیا ہے؟ قَامَ زَيْدٌ لیکن آپ نے قَامَ کو حذف کیا اور صرف زَيْدٌ کہا۔ وَيَجُوزُ اور یہ بھی جائز ہے أَنْ تَقُولَ کہ آپ یوں کہیں قَامَ زَيْدٌ بِذِكْرِهِ، کہ آپ جواب میں قَامَ زَيْدٌ کہیں بِذِكْرِهِ أَيْ بِذِكْرِ الْفِعْلِ کہ اس فعل کو باقاعدہ ذکر کر دیں عبارت میں۔

وَإِنَّمَا قُدِّرَ الْفِعْلُ دُونَ الْخَبَرِ۔ بھئی دیکھیے ادھر، ایک شخص نے سوال کیا مَنْ قَامَ؟ کون کھڑا ہوا؟ آپ نے جواب میں کہا زَيْدٌ۔ زَيْدٌ۔ اب یہ زَيْدٌ کیا ہے؟ فاعل ہے، کیا ہے؟ فاعل ہے اور اس کے لیے فعل محذوف ہے، تو اصل کلام کیا ہے؟ قَامَ زَيْدٌ، قَامَ فعل، زَيْدٌ اس کا فاعل۔ کہتے ہیں بھئی آپ نے زَيْدٌ کے لیے فعل نکالا اس سے پہلے، آپ زَيْدٌ کو بتدا بناتے اور اس کے بعد قَامَ کو نکالتے۔ ابھی آپ نے کیا کیا؟ قَامَ کو زید سے پہلے نکالا، قَامَ فعل اور زَيْدٌ کو اس کے لیے کیا بنا دیا؟ فاعل۔ آپ قَامَ کو زید کے بعد نکالتے تو اس صورت میں زید بتدا بن جاتا اور قَامَ خبر بن جاتی۔ تو کہتے ہیں بھئی کہ یاد رکھو حذف کے اندر جتنی تقلیل ہو اتنی پسندیدہ ہے، یعنی کم سے کم اجزاء حذف ہونے چاہئیں یہ پسندیدہ ہے۔ کم سے کم لفظ حذف ہونے چاہئیں۔ تو جب آپ نے زَيْدٌ کو فاعل بنایا قَامَ کے لیے تو محذوف صرف کیا ہے؟ قَامَ فعل، صرف فعل حذف ہے یعنی مسند حذف ہے اور مسند الیہ موجود۔ لیکن اگر آپ جملہ اسمیہ بنائیں اور زَيْدٌ کے بعد قَامَ کو محذوف مانیں، تو پھر اس صورت میں ترکیب کیا ہوگی؟ زَيْدٌ بتدا، قَامَ فعل، اس کے اندر ہُوَ ضمیر جو کس کو راجع؟ زید کو، فعل اپنے فاعل سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر یہ خبر۔ تو اس صورت میں پورا جملہ محذوف ماننا پڑے گا۔ اور پسندیدہ کیا ہے کہ حذف زیادہ ہونا چاہیے یا قلیل ہونا چاہیے؟ قلیل ہونا چاہیے۔ اور وہ کس صورت میں ہے کہ آپ صرف فعل کو محذوف مانیں، کہ آپ زَيْدٌ کو فاعل بنائیں یعنی جملہ فعلیہ بنائیں، جملہ اسمیہ نہ بنائیں بھئی۔

کہتے ہیں: وَإِنَّمَا قُدِّرَ الْفِعْلُ دُونَ الْخَبَرِ، اور فعل کو مقدر نکالا گیا نہ کہ خبر کو، لِأَنَّ تَقْدِيرَ الْخَبَرِ يُوجِبُ حَذْفَ الْجُمْلَةِ، اس لیے کیونکہ تقدیرِ خبر یعنی خبر کو فرض کرنا يُوجِبُ یہ ثابت کرتا ہے حَذْفَ الْجُمْلَةِ جملے کے حذف کو، وَتَقْدِيرُ الْفِعْلِ حَذْفَ أَحَدِ جُزْأَيْهَا، اور فعل کو مقدر کرنا یہ جملے کے دو جزوں میں سے صرف ایک کے حذف کو ثابت کرتا ہے، وَالتَّقْلِيلُ فِي الْحَذْفِ أَوْلَى، اور حذف کے اندر تقلیل بہتر ہے، یعنی جس قدر کم سے کم محذوف ہو اتنا بہتر ہے۔ یہاں تک بات سمجھ میں آگئی؟

آگے دیکھیے بھئی، کہتے ہیں: وَكَذَا يُحْذَفُ الْفِعْلُ جَوَازًا، اور اسی طرح فعل کو جوازاً حذف کیا جاتا ہے، فِيمَا كَانَ جَوَابًا لِسُؤَالٍ مُقَدَّرٍ، اس صورت میں جب کہ وہ جواب ہو سوالِ مقدر کا۔ پہلے کیا تھا؟ سوالِ محقق۔

جو عبارت میں سوال موجود تھا۔ اور اسی طرح کبھی کبھی فعل کو جوازاً حذف کرتے ہیں اس صورت میں بھی جب وہ جواب ہو کس کا؟ سوالِ مقدر کا جواب ہو، یعنی وہ سوال مقدر ہو لفظوں میں مذکور نہ ہو بھئی۔

نَحْوُ قَوْلِ الشَّاعِرِ جیسے کہ شاعر کا قول ہے، فِي مَرْثِيَةِ يَزِيدَ بْنِ نَهْشَلٍ یزید ابنِ نہشل کے مرثیہ میں۔ مرثیہ کہتے ہیں کسی کی وفات پر اظہارِ غم کے طور پر اشعار کہے جائیں اس کو کیا کہتے ہیں؟ مرثیہ بھئی مرثیہ۔ اور يَزِيدَ بْنِ نَهْشَلٍ، یاد رکھو یہ یزید یہ غیر

منصرف ہے۔ ایک اس کے اندر علمیت ہے اور ایک وزنِ فعل ہے، زَادَ يَزِيدُ، دیکھا يَزِيدُ فعل کے وزن پر ہے۔ اور تو یہ غیر منصرف ہے۔ اور فِي مَرْثِيَةِ يَزِيدَ، مَرْثِيَةِ مضاف اور يَزِيدَ مضافٌ الیہ۔ اور مضاف الیہ کیا ہوتا ہے؟ مجرور۔ تو یہ یزید مجرور ہے، لیکن غیر منصرف کا جر فتحہ کے ساتھ آتا ہے، اسی لیے يَزِيدَ، دال پر میں نے فتحہ پڑھا۔ اور آگے اِبْنِ کا لفظ آ رہا ہے، اور یاد رکھو اِبْنِ کا لفظ ماقبل کے لیے صفت بنتا ہے اور مابعد کے لیے مضاف بنتا ہے۔ تو یہ اِبْنِ کا لفظ یزید کی صفت ہے، اور یزیدیہ منصوب ہے یا مجرور ہے؟ یہ مجرور ہے۔ ہاں اس کا جر آتا ہی فتحہ کے ساتھ ہے، تو یہ مجرور ہے۔ جبکہ اِبْنِ کا لفظ وہ تو غیر منصرف نہیں تو اس پر کسرہ آئے گا۔ تو کیسے پڑھیں گے؟ فِي مَرْثِيَةِ يَزِيدَ بْنِ نَهْشَلٍ۔

تو کہتے ہیں نَحْوُ قَوْلِ الشَّاعِرِ فِي مَرْثِيَةِ يَزِيدَ بْنِ نَهْشَلٍ، جیسے کہ شاعر کا قول ہے یزید ابنِ نہشل کے مرثیے میں۔ ایک شاعر، بھئی یزید ابنِ نہشل کا انتقال ہو گیا اور اس کے غم میں اشعار کہتا ہے۔ تو یزید ابنِ نہشل کے انتقال پر اظہارِ غم کے طور پر شاعر کہتا ہے۔ دیکھو بھئی اب پہلے صرف متن متن دیکھ لو:

▪ متنِ کتاب و تحقیقِ مسائلِ نحویہ

لِيُبْكَ يَزِيدُ ضَارِعٌ لِخُصُومَةٍ ... وَمُخْتَبِطٌ مِمَّا تُطِيحُ الطَّوَائِحُ

دیکھا مل گیا متن؟ لِيُبْكَ يَزِيدُ ضَارِعٌ لِخُصُومَةٍ وَمُخْتَبِطٌ مِمَّا تُطِيحُ الطَّوَائِحُ۔

بھئی یہ شعر کو اچھی طرح سمجھ لیں۔ لِيُبْكَ يَزِيدُ، شاعر کہتا ہے چاہیے کہ رویا جائے يَزِيدُ کس پر؟ یزید پر۔ چاہیے کہ یزید پر رویا جائے۔ میں نے بتایا یزید کا انتقال ہو گیا اور اب شاعر اظہارِ غم کر رہا ہے۔ لِيُبْكَ يَزِيدُ چاہیے کہ یزید پر رویا جائے۔ تو سوال پیدا ہوا مَنْ يَبْكِيهِ؟ کون اس کو روئے؟ شاعر نے کیا ذکر کیا؟ لِيُبْكَ يَزِيدُ چاہیے کہ یزید پر رویا جائے، تو سوال پیدا ہوا مَنْ يَبْكِيهِ کون اس کو روئے؟ اب دیکھو یہ سوال لفظوں میں ذکر نہیں، لیکن دیکھو جو بھی اس کو پڑھے گا اس کے ذہن میں ایک سوال خود بخود آ جائے گا۔ لِيُبْكَ يَزِيدُ چاہیے کہ یزید کو رویا جائے تو سوال پیدا ہو گا بھئی مَنْ يَبْكِيهِ کون اس کو روئے؟ تو یہاں سوال پیدا ہوا اس لِيُبْكَ يَزِيدُ سے، اور آگے پھر شاعر اس کا جواب دے رہا ہے۔ جواب دیتے ہوئے کیا کہتے ہیں؟ ضَارِعٌ أَيْ يَبْكِيهِ ضَارِعٌ، ضارع کو رونا چاہیے اس پر۔ یاد رکھو ضَارِعٌ کہتے ہیں کمزور اور عاجز شخص، کمزور اور عاجز شخص جو کسی کا مقابلہ نہیں کر سکتا اس کو ضَارِعٌ کہتے ہیں۔ تو سوال پیدا ہوا مَنْ يَبْكِيهِ کون اس کو روئے؟ تو آگے بتلا دیا ضَارِعٌ۔ یہ ضَارِعٌ فاعل ہے اور اس کا فعل محذوف ہے، يَبْكِيهِ ضَارِعٌ، کہ اس یزید پر رونا چاہیے ضَارِعٌ کو یعنی عاجز اور کمزور شخص کو۔

توجہ ہے؟ بات کیا چل رہی ہے؟ دیکھو پہلے آیا لِيُبْكَ يَزِيدُ، لِيُبْكَ يَزِيدُ چاہیے کہ رویا جائے یزید پر۔ سوال پیدا ہوا مَنْ يَبْكِيهِ کہ کون اس کو روئے؟ اب یہ جو سوال پیدا ہوا یہ لفظوں میں ذکر ہے؟ نہیں، یہ ہے سوالِ مقدر۔ یہ سوالِ مقدر ہے۔ جو بھی اس شعر کو پڑھے گا فوراً ہی اس کے ذہن میں یہ سوال پیدا ہو گا۔ تو یہ پڑھنے سے ذہن میں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ

مَنْ يَبْكِيهِ یزید کو کون روئے؟ آگے اس کا شاعر پھر جواب دیتا ہے يَبْكِيهِ ضَارِعٌ۔ تو ضَارِعٌ ترکیب میں کیا بن رہا ہے؟ فاعل ہے، کیا ہے؟ فاعل۔ تو اس کے فعل يَبْكِيهِ کو حذف کر دیا۔ اور حذف پر قرینہ کیا ہے؟ حذف کے لیے تو ہمیشہ قرینہ چاہیے۔ تو جواب یہ کہ یہاں حذف کا قرینہ وہ سوالِ مقدر ہے۔ وہ جیسے مَنْ قَامَ وہاں سوالِ محقق تھا۔ جیسے کسی نے پوچھا مَنْ قَامَ آپ نے جواب میں کیا کہا؟ زَيْدٌ، اصل میں کیا کہنا چاہیے؟ قَامَ زَيْدٌ، تو آپ نے قَامَ کو کیوں حذف کیا؟ کیونکہ اس پر سوالِ محقق قرینہ موجود ہے، اس سے بات سمجھ میں آجاتی ہے کہ قَامَ کا فعل یہاں محذوف ہے۔ تو یہاں پر بھی قرینہ کیا ہے؟ سوالِ مقدر ہے۔ مَنْ يَبْكِيهِ سوال پیدا ہوا تو آگے اس سوالِ مقدر کا جواب دیا، اور سوال کے اندر چونکہ يَبْكِي یعنی رونے کا ذکر تھا تو جواب کے اندر اس يَبْكِي کو حذف کر لیا اور ضَارِعٌ صرف فاعل کو ذکر کیا۔ بات سمجھ میں آگئی؟

تو کہتے ہیں لِيُبْكَ يَزِيدُ چاہیے کہ یزید پر رویا جائے۔ سوال پیدا ہوا مَنْ يَبْكِيهِ کہ یزید کو کون روئے؟ تو آگے جواب دے دیا ضَارِعٌ أَيْ يَبْكِيهِ ضَارِعٌ کہ یزید پر رونا چاہیے ضَارِعٌ یعنی عاجز اور کمزور شخص کو۔ لِخُصُومَةٍ یہ لام بمعنیٰ عَنْ کے ہے، ضَارِعٌ عَنْ خُصُومَةٍ، وہ شخص جو عاجز اور کمزور ہے عَنْ خُصُومَةٍ، خصومت کہتے ہیں مقابلہ اور جھگڑے کو بھئی۔ وہ شخص جو مقابلے اور جھگڑے سے عاجز ہے اور کمزور ہے اس کو رونا چاہیے یزید پر، کیونکہ یزید کمزوروں کی مدد کیا کرتا تھا۔ تو یزید کی یہ صفت تھی کہ وہ کمزوروں کی مدد کیا کرتا تھا اور یزید کا تو اب انتقال ہو گیا ہے، تو اب وہ شخص جو جھگڑے سے عاجز و لاچار ہے، کسی کا مقابلہ نہیں کر سکتا، اس کو اظہارِ غم کرنا چاہیے رونا چاہیے کیونکہ ان کا مددگار اس دنیا سے چلا گیا ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟

تو کہتے ہیں ضَارِعٌ لِخُصُومَةٍ کہ یزید پر رونا چاہیے اس شخص کو جو عاجز و لاچار ہے لِخُصُومَةٍ یعنی جھگڑے سے۔ جھگڑے سے عاجز اور لاچار ہے، کسی سے جھگڑا نہیں کر سکتا، کسی سے مقابلہ نہیں کر سکتا۔ وَمُخْتَبِطٌ، یہ مُخْتَبِطٌ کا عطف ضَارِعٌ پر ہے۔ مُخْتَبِطٌ کہتے ہیں بغیر وسیلے کے سوال کرنے والا، بغیر وسیلے کے مانگنے والا۔ بھئی دیکھیے کسی شخص پر کوئی مصیبت اور تکلیف آتی ہے، اس کا مال تباہ ہو گیا، ختم ہو گیا، تو وہ اپنے جاننے والوں یا اپنے رشتے داروں کے پاس جاتا ہے اور سوال کرتا ہے کہ میری مدد کرو۔ اور عموماً مدد بھی اسی کی کی جاتی ہے جس کے ساتھ آپ کا کوئی تعلق ہو یا رشتہ ہو یا دوستی ہو یا جان پہچان ہو، اسی کی آپ مدد کریں گے، لیکن یزید ایسا شخص تھا جو بغیر تعلق کے سوال کرتے تھے یزید ان کی بھی مدد کیا کرتا تھا۔ تو مُخْتَبِطٌ کسے کہتے ہیں؟ جو بغیر کسی وسیلے کے یعنی بغیر کسی تعلق کے سوال کرے یعنی مانگے بھئی۔

وَمُخْتَبِطٌ مِمَّا تُطِيحُ الطَّوَائِحُ۔ مِمَّا یاد رکھو یہ اصل میں ہے مِنْ مَا۔ یہ جو مِنْ ہے مِنْ سببیہ ہے، مِنْ اجلیہ ہے جو سبب بتلانے کے لیے آتا ہے۔ اور یہ مَا مصدریہ ہے۔ مَا مصدریہ۔ اور تُطِيحُ، أَطَاحَ يُطِيحُ، أَطَاحَ يُطِيحُ۔ أَطَاحَ يُطِيحُ کا معنیٰ ہوتا ہے ہلاک کرنا، کسی چیز کو ہلاک کرنا۔ اور الطَّوَائِحُ بھئی، طَوَائِحُ یہ ساری تفصیل آگے شارحِ جامی بیان کریں گے۔ طَوَائِحُ جمع ہے مُطِيحَةٌ کی خلاف القیاس۔ طَوَائِحُ جمع ہے مُطِيحَةٌ کی خلاف القیاس۔ بھئی لفظوں کے اعتبار سے یہ اس

کی جمع نہیں، کیونکہ مُطِيحَةٌ کے شروع میں تو میم ہے بھئی، قیاس کے مطابق تو اس کی جمع مُطِيحَاتٌ آنی چاہیے، لیکن خلاف القیاس اس کی جمع کیا استعمال ہوتی ہے؟ طَوَائِحُ۔ اور مُطِيحَةٌ ہلاک کرنے والی چیز بھئی۔ أَطَاحَ يُطِيحُ إِطَاحَةً فَهُوَ مُطِيحٌ، اسی سے اسمِ فاعل یہ جو ہے مُطِيحٌ اور تا ساتھ جڑ گئی مُطِيحَةٌ بھئی۔ تو یہ اسمِ فاعل ہے یعنی مہلک بھئی، ہلاک کرنے والی چیز، یعنی حادثات مراد ہیں، یعنی زمانے کے حادثات۔ زمانے میں انسان پر مختلف تکلیفیں، پریشانیاں اور مشکلات آتی ہیں اور بعض اوقات اس کا سارا مال ختم ہو جاتا ہے۔

جی تو مِمَّا تُطِيحُ الطَّوَائِحُ، مِنْ کیا ہے؟ سببیہ یعنی سبب بیان کرنے کے لیے آتا ہے۔ اور مَا مصدریہ۔ مَا مصدریہ کیا کرتا ہے؟ یہ فعل پر داخل ہوتا ہے اور اس کو مصدر کے معنی میں کر دیتا ہے۔ تو مَا تُطِيحُ اس سے مصدر بنا لیجیے، أَطَاحَ يُطِيحُ إِطَاحَةً، تو مِنْ إِطَاحَةِ، مَا تُطِيحُ کی جگہ مصدر لے آئیں۔ اور الطَّوَائِحُ یہ فاعل ہے اس تُطِيحُ کا، توجہ ہے؟ اور مصدر کی اپنے فاعل کی طرف عموماً اضافت کر دی جاتی ہے۔ تو وَمُخْتَبِطٌ مِنْ أَجْلِ إِطَاحَةِ الطَّوَائِحِ، عبارت سمجھ میں آ رہی ہے؟ وَمُخْتَبِطٌ مِنْ أَجْلِ إِطَاحَةِ الطَّوَائِحِ، اور وہ شخص جو بغیر وسیلے کے سوال کرنے والا ہے مِمَّا اس وجہ سے کہ تُطِيحُ الطَّوَائِحُ کہ حادثات نے ہلاک کر دیا ہے، اور مفعول آگے محذوف ہے مَالَهُ۔

عبارت سمجھ میں آ گئی بھئی؟ وَمُخْتَبِطٌ مِمَّا تُطِيحُ الطَّوَائِحُ آگے مَالَهُ محذوف ہے۔ اور اسی طرح یزید پر رونا چاہیے مُخْتَبِطٌ وہ شخص جو بغیر وسیلے کے سوال کرنے والا ہے اس کو بھی یزید پر رونا چاہیے۔ بھئی وہ شخص بغیر وسیلے کے کیوں سوال کرنے والا ہے؟ کہتے ہیں مِمَّا تُطِيحُ الطَّوَائِحُ مَالَهُ، یہ مَالَهُ یہاں مفعول محذوف ہے، اس وجہ سے کہ حادثات نے ہلاک کر دیا ہے مَالَهُ اس کے مال کو۔ بھئی ایک شخص ہے، حادثات نے اس کے مال کو ہلاک کر دیا ہے، اب اس کے پاس مال نہیں اور مال کمانے کی کوئی صورت بھی نہیں، تو اب وہ بغیر وسیلے کے سوال کر رہا ہے۔ تو یزید ایسا شخص تھا جو بغیر وسیلے کے مانگنے والوں کی بھی مدد کیا کرتا تھا، حالانکہ بغیر وسیلے کے مانگنے والوں کی کوئی مدد نہیں کرتا، لیکن یزید ایسا عظیم آدمی تھا کہ وہ بغیر تعلق کے سوال کرنے والے اور مانگنے والوں کی بھی مدد کرتا تھا۔ اور اسی طرح جو کمزور اور عاجز ہوتے تھے، مقابلے کے وقت کسی سے مقابلہ نہیں کر سکتے تھے، تو یہ یزید ان کی بھی مدد کیا کرتا تھا۔ لہٰذا ان سب کو یزید پر رونا چاہیے کیونکہ اس کا انتقال ہو گیا ہے۔ بات سمجھ میں آ گئی؟

جی اب دیکھیے شرح کے ساتھ دیکھیے۔ کہتے ہیں لِيُبْنَ عَلَى الْبِنَاءِ لِلْمَفْعُولِ، کہ لِيُبْنَ جو ہے کہ یہ صیغہ بنا للمفعول پر ہے۔ بَنَى يَبْنِي بِنَاءً کا معنیٰ ہے بنانا۔ یاد رکھو فعلِ معروف جو ہے اس کو فاعل کے لیے بنایا گیا ہے، تو اس کے لیے کہتے ہیں فعلِ معروف کے لیے کہ هٰذَا الْفِعْلُ مَبْنِيٌّ لِلْفَاعِلِ، مَبْنِيٌّ جس کو بنایا گیا ہو۔ هٰذَا الْفِعْلُ مَبْنِيٌّ لِلْفَاعِلِ یہ فعل کیا ہے؟ مبنی للفاعل ہے یعنی اس کو فاعل کے لیے بنایا گیا ہے۔ کیا معنیٰ فاعل کے لیے بنایا گیا ہے؟ یعنی اس کا اسناد فاعل کی طرف ہوتا ہے۔ اور فعلِ مجہول کو کس کے لیے بنایا گیا ہے؟ مفعول کے لیے، یعنی اس کا اسناد مفعول کی طرف ہوتا ہے پھر جس کو نائب

الفاعل کہتے ہیں۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو لِيُبْنَكَ عَلَى الْبِنَاءِ لِلْمَفْعُولِ، صاحبِ جامی بتلا رہے ہیں کہ یہ جو لِيُبْنَكَ فعل آیا کہ یہ بنا للمفعول پر ہے، یعنی یہ مبنی للمفعول ہے، اس کو فعلِ مجہول پڑھنا، معروف نہ پڑھنا بھئی۔ بات سمجھ میں آگئی؟

يَزِيدُ، اور يَزِيدُ کہتے ہیں مَرْفُوعٌ یہ مرفوع ہے عَلَى أَنَّهُ مَفْعُولُ مَا لَمْ يُسَمَّ فَاعِلُهُ، بنا بر اس کے کہ یہ مفعول مالم یسم فاعلہ ہے۔ لِيُبْنَكَ فعلِ مجہول ہے، فعلِ مجہول کے لیے کیا چاہیے؟ نائب الفاعل۔ تو یہ يَزِيدُ کیا ہے اس کے لیے؟ نائب الفاعل ہے۔ یہ نائب فاعل کہہ لو یا مفعول مالم یسم فاعلہ کہہ لو بھئی۔ تو کہتے ہیں يَزِيدُ جو ہے مَرْفُوعٌ یہ مرفوع ہے عَلَى أَنَّهُ مَفْعُولُ مَا لَمْ يُسَمَّ فَاعِلُهُ بنا بر اس کے کہ یہ مفعول مالم یسم فاعلہ ہے اس فعل کے لیے۔

ضَارِعٌ أَيْ عَاجِزٌ ذَلِيلٌ، دیکھا ضَارِعٌ کا معنیٰ بتلا دیا کہ ضَارِعٌ کا کیا معنیٰ ہے؟ أَيْ عَاجِزٌ ذَلِيلٌ، یعنی وہ شخص جو عاجز ہو، ذَلِيلٌ، ذَلِيلٌ کا معنیٰ ہے حقیر اور کمزور بھئی۔ حقیر اور کمزور۔ جی، تو أَيْ عَاجِزٌ ذَلِيلٌ یعنی وہ شخص جو عاجز ہو اور کمزور ہو۔ وَهُوَ فَاعِلُ الْفِعْلِ الْمَحْذُوفِ، اور یہ جو ضَارِعٌ ہے یہ فاعل ہے فعلِ محذوف کا، أَيْ يَبْكِيهِ ضَارِعٌ، أَيْ يَبْكِيهِ ضَارِعٌ، تو یہ يَبْكِي فعل کے لیے فاعل ہے۔ اور وہ يَبْكِي فعل کو حذف کر دیا گیا، کیوں حذف کیا گیا؟ کہتے ہیں بِقَرِينَةِ السُّؤَالِ الْمُقَدَّرِ، سوالِ مقدر کے قرینے سے، یہاں قرینہ موجود ہے اور وہ کیا ہے؟ سوالِ مقدر ہے بھئی۔ وَهُوَ اور وہ سوالِ مقدر کیا وہ بھی اب ذکر کر رہے ہیں، وَهُوَ اور وہ سوالِ مقدر جو ہے مَنْ يَبْكِيهِ؟ وہ مَنْ يَبْكِيهِ ہے۔

کہتے ہیں وَأَمَّا عَلَى رِوَايَةِ لِيَبْكِ يَزِيدَ عَلَى الْبِنَاءِ لِلْفَاعِلِ۔ بھئی یاد رکھیے یہ جو شعر ہے نا، ذرا پھر اس متن پر نظر رکھیں: لِيُبْنَكَ يَزِيدُ ضَارِعٌ۔ شارحِ جامی نے تو بتایا اس کو لِيُبْنَكَ فعلِ مجہول پڑھو، ہاں بعض روایتوں میں یہ فعلِ معروف بھی آیا ہے۔ تو بعضوں نے اس فعل کو فعلِ معروف کے طور پر نقل کیا ہے اور بعضوں نے فعلِ مجہول۔ فعلِ مجہول پڑھو گے تو ضَارِعٌ فاعل بنے گا فعلِ محذوف کے لیے، اور یہ ہماری بحث سے متعلق ہے، ہم بھی بحث کر رہے ہیں کہ کبھی کبھار فاعل کے فعل کو کیا کر لیا جاتا ہے؟ حذف کر لیا جاتا ہے۔ لیکن اگر وہ دوسری روایت لی جائے لِيَبْكِ، لِيَبْكِ فعلِ معروف پڑھا جائے، تو پھر اس صورت میں يَزِيدَ اس کو منصوب پڑھیں گے، یہ مفعول بہ ہو جائے گا۔ لِيَبْكِ چاہیے کہ روئے يَزِيدَ یزید پر، اور کون روئے؟ ضَارِعٌ آگے اسی کا فاعل بن جائے گا۔ لِيَبْكِ يَزِيدَ ضَارِعٌ چاہیے کہ یزید پر ضَارِعٌ روئے۔ تو اب ضَارِعٌ فاعل ہوا کس کے لیے؟ لِيَبْكِ فعل کے لیے، اور لِيَبْكِ فعل محذوف ہے یا مذکور ہے؟ اب تو فعل مذکور ہو جائے گا، اور ہماری تو بحث کس فعل میں ہے؟ جو محذوف ہو۔ تو لِيَبْكِ پڑھنے کی صورت میں یہ ہماری بحث سے خارج ہو جائے گا۔ بات سمجھ میں آگئی؟

کہتے ہیں وَأَمَّا عَلَى رِوَايَةِ لِيَبْكِ يَزِيدَ اور باقی لِيَبْكِ يَزِيدَ کی روایت پر عَلَى الْبِنَاءِ لِلْفَاعِلِ بنا للفاعل یعنی مبنی للفاعل کی صورت پر، وَنَصْبِ يَزِيدَ اور يَزِيدَ پر نصب کی صورت پر، فَلَيْسَ مِمَّا نَحْنُ فِيهِ، تو یہ والا شعر جو ہے نہیں ہے اس بحث میں سے نَحْنُ فِيهِ جس میں ہم ہیں، یعنی پھر یہ ہماری بحث میں سے ہی نہیں ہے بلکہ یہ اس سے خارج ہو جائے گا۔

لِخُصُومَةٍ، جی لِخُصُومَةٍ میں نے کیا ترجمہ کیا تھا؟ کہ یہ لام کس معنیٰ میں ہے؟ عَنْ کے معنیٰ میں ہے، ضَارِعٌ عَنْ خُصُومَةٍ

وہ شخص جو عاجز و لاچار ہے کس چیز سے؟ جھگڑے سے، کس سے؟ جھگڑے سے، وہی بیان کر رہے ہیں۔ کہتے ہیں لِخُصُومَةٍ، لِخُصُومَةٍ جار مجرور ہے اور جار مجرور کے لیے متعلق چاہیے، اور جار مجرور آٹھ چیزوں میں سے کسی ایک سے متعلق ہوتا ہے، ان آٹھ چیزوں میں سے ایک کیا ہے؟ اسمِ فاعل بھی ہے، تو ضَارِعٌ اسمِ فاعل ہے تو لِخُصُومَةٍ اسی سے متعلق ہے، اور یہ لام کس معنیٰ میں ہے؟ عَنْ کے معنیٰ میں ہے۔ تو کہتے ہیں مُتَعَلِّقٌ بِضَارِعٍ یہ لِخُصُومَةٍ جو ہے یہ ضَارِعٌ سے متعلق ہے۔ أَيْ يَبْكِيهِ، دیکھو اب شعر کا ترجمہ کر رہے ہیں، أَيْ يَبْكِيهِ یزید پر رونا چاہیے مَنْ يَذِلُّ وَيَعْجِزُ جو شخص کمزور ہے اور عاجز ہے عَنْ مُقَاوَمَةِ الْخُصَمَاءِ۔ دیکھو متن میں آیا تھا لِخُصُومَةٍ، صاحبِ جامی کیا فرما رہے ہیں؟ عَنْ مُقَاوَمَةِ الْخُصَمَاءِ، خصومت کا معنیٰ مقاومت کے کر دیا، مقاومت کا معنیٰ مقابلہ کرنا، جھگڑا کرنا۔ تو کہتے ہیں أَيْ يَبْكِيهِ رونا چاہیے یزید پر مَنْ يَذِلُّ وَيَعْجِزُ اس شخص کو جو کمزور ہے اور عاجز ہے، بھئی کس چیز سے عاجز ہے؟ عَنْ مُقَاوَمَةِ الْخُصَمَاءِ فریقِ مخالف کا مقابلہ کرنے سے۔ خُصَمَاءُ جمع ہے خَصْمٌ کی اور خَصْمٌ کہتے ہیں فریقِ مخالف کو یعنی مقابل کو۔ وہ شخص جو مقابل کا مقابلہ کرنے سے عاجز ہے اس کو یزید پر رونا چاہیے، لِأَنَّهُ كَانَ ظَهِيرًا لِلْعَجَزَةِ وَالْأَذِلَّاءِ اس لیے کیونکہ وہ مددگار تھا لِلْعَجَزَةِ، وہ مددگار تھا لِلْعَجَزَةِ، عَجَزَةٌ جمع ہے عَاجِزٌ کی جیسے طَلَبَةٌ جمع ہے طَالِبٌ کی۔ اس لیے کیونکہ وہ جو یزید تھا وہ مددگار تھا لِلْعَجَزَةِ عاجز لوگوں کا وَالْأَذِلَّاءِ اور کمزور لوگوں کا۔ أَذِلَّاءُ جمع ہے ذَلِيلٌ کی یعنی کمزور اور حقیر لوگ۔ وہ کمزور اور حقیر اور عاجز لوگوں کا مددگار تھا، لہٰذا ان لوگوں کو اس پر رونا چاہیے۔

وَآخِرُ الْبَيْتِ اور شعر کا آخر یہ ہے۔ بَیْت عربی زبان میں شعر کو بھی کہتے ہیں، تو یہ اب دوسرا مصرع ذکر کر رہے ہیں۔ وَمُخْتَبِطٌ مِمَّا تُطِيحُ الطَّوَائِحُ اور اسی طرح بغیر وسیلے کے سوال کرنے والے کو بھی رونا چاہیے یزید پر، مِمَّا، وہ شخص جو بغیر وسیلے کے سوال کرنے والا ہے مِمَّا اس وجہ سے کہ تُطِيحُ الطَّوَائِحُ کہ حادثات نے ہلاک کر دیا ہے مَالَهُ اس کے مال کو۔

دیکھیے یہ ساری تفصیل صاحبِ جامی بھی بیان کریں گے۔ کہتے ہیں وَالْمُخْتَبِطُ السَّائِلُ مِنْ غَيْرِ وَسِيلَةٍ، مُخْتَبِطٌ وہ شخص ہے جو مانگنے والا ہے جو سوال کرنے والا ہے بغیر وسیلے کے یعنی بغیر تعلق کے۔ وَالْإِطَاحَةُ الْإِهْلَاكُ اور إِطَاحَةٌ إِهْلَاكٌ ہے۔ وَالْإِطَاحَةُ، بھئی تُطِيحُ آیا نا، تُطِيحُ کا مصدر کیا؟ إِطَاحَةٌ، کیونکہ مَا مصدریہ اس پر داخل ہوا۔ اور إِطَاحَةٌ کا کیا معنیٰ ہے؟ الْإِهْلَاكُ ہلاک کرنا۔ اور ایک اور بات دیکھیے بھئی، الْإِطَاحَةُ ہے مبتدا اور الْإِهْلَاكُ ہے اس کی خبر، اور مبتدا بھی معرفہ اور خبر بھی معرفہ اور درمیان میں کوئی فصل نہیں ہے۔ حالانکہ اردو کی تمام شروحات میں کیا لکھا ہے کہ جب مبتدا اور خبر دونوں معرفہ ہوں تو درمیان میں فصل کا لانا واجب ہے۔ میں نے بتایا کہ یہ ہمارے ہاں رائج غلطیوں میں سے ہے، یہاں دیکھو مبتدا خبر دونوں معرفہ ہیں اور درمیان میں کوئی فصل نہیں۔ تو کہتے ہیں وَالْإِطَاحَةُ الْإِهْلَاكُ اور إِطَاحَةٌ جو ہے وہ إِهْلَاكٌ ہے یعنی ہلاک کرنا، یہ اس کا معنیٰ بیان کر دیا۔

وَالطَّوَائِحُ جَمْعُ مُطِيحَةٍ عَلَى غَيْرِ الْقِيَاسِ، اور طَوَائِحُ یہ جمع ہے مُطِيحَةٍ کی عَلَى غَيْرِ الْقِيَاسِ خلافِ قیاس، كَلَوَاقِحَ

جَمْعُ مُلْقِحَةٍ جیسے لَوَاقِحُ جمع ہے مُلْقِحَةٍ کی۔ جیسے لَوَاقِحُ جمع ہے مُلْقِحَةٍ کی اسی طرح طَوَائِحُ جمع ہے مُطِيحَةٍ کی بھئی۔

کہتے ہیں وَمِمَّا يَتَعَلَّقُ بِمُخْتَبِطٍ، وَمِمَّا یہ جار مجرور ہے جو شعر میں آیا اور یہ اس کے لیے متعلق چاہیے، تو یہ کس سے متعلق ہے؟ تو بتلایا کہ یہ مُخْتَبِطٍ سے متعلق ہے۔ کہتے ہیں وَمِمَّا يَتَعَلَّقُ بِمُخْتَبِطٍ اور مِمَّا جو ہے یہ مُخْتَبِطٍ کے ساتھ متعلق ہے، وَمَا مَصْدَرِيَّةٌ اور یہ مَا مصدریہ ہے، يَعْنِي وَيَبْكِيهِ أَيْضًا مَنْ يَسْأَلُ بِغَيْرِ وَسِيلَةٍ یعنی یزید پر رونا چاہیے اس شخص کو بھی جو شخص سوال کرنے والا ہے یعنی مانگنے والا ہے بغیر وسیلے کے یعنی بغیر تعلق کے۔ بھئی بغیر وسیلے کے سوال کرنے والا وہ کیوں ہے؟ وجہ شعر میں آئی تھی مِمَّا تُطِيحُ الطَّوَائِحُ اس وجہ سے کہ حادثات نے اس کے مال کو ہلاک کر دیا ہے اس لیے اب وہ بغیر تعلق کے مانگ رہا ہے۔ کہتے ہیں وَيَبْكِيهِ أَيْضًا مَنْ يَسْأَلُ بِغَيْرِ وَسِيلَةٍ مِنْ أَجْلِ إِهْلَاكِ الْمُهْلِكَاتِ مَالَهُ، اور یزید پر اس شخص کو بھی رونا چاہیے جو بغیر تعلق کے مانگنے والا ہے مِنْ أَجْلِ إِهْلَاكِ الْمُهْلِكَاتِ مَالَهُ۔ دیکھو متن میں کیا آیا تھا؟ مِمَّا، مِنْ کیا تھا؟ مِنْ سببیہ تھا، اجلیہ تھا، تو اس لیے کیا شرح میں کیا کہا؟ مِنْ أَجْلِ۔ اور متن میں مَا مصدریہ تھا اور مَا مصدریہ کے بعد تُطِيحُ فعل آیا تھا، تو مَا مصدریہ نے اس کو کس معنیٰ میں کر دیا؟ إِطَاحَةٌ کے معنیٰ میں، اور إِطَاحَةٌ کا کیا معنیٰ؟ إِهْلَاكٌ۔ دیکھو یہی شرح میں ذکر کر دیا مِنْ أَجْلِ إِهْلَاكِ۔ اور طَوَائِحُ کا کیا معنیٰ کیا؟ طَوَائِحُ کا معنیٰ مُهْلِكَاتٌ کے بھئی، کیا؟ مُهْلِكَاتٌ۔ تو دیکھو اب یہی ذکر کر رہے ہیں مِنْ أَجْلِ إِهْلَاكِ الْمُهْلِكَاتِ۔ اور یہ مَالَهُ، یہ آگے کیا ذکر کیا؟ یہ مُهْلِكَاتٌ نے ہلاک کیا بھئی کس چیز کو ہلاک کیا؟ یہ مفعول کو آگے ذکر کر دیا۔ بات سمجھ میں آگئی؟ مَالَهُ وَمَا يُتَوَصَّلُ بِهِ إِلَى تَحْصِيلِ الْمَالِ، مَالَهُ ہے معطوفٌ علیہ اور وَمَا يُتَوَصَّلُ بِهِ إِلَى تَحْصِيلِ الْمَالِ یہ اس پر عطف ہے بھئی۔ مُهْلِكَاتٌ نے ہلاک کر دیا ہے مَالَهُ اس کے مال کو بھی وَمَا يُتَوَصَّلُ بِهِ اور اس چیز کو بھی جس کے ذریعے تحصیلِ مال تک پہنچا جاتا ہے، یعنی وہ جو مال حاصل کرنے کے ذرائع ہیں ان کو بھی کیا کر دیا ہے؟ ہلاک کر دیا ہے۔ حادثات نے اس کے مال کو بھی ہلاک کر دیا اور مال کمانے کے جو اس کے اسباب تھے ان کو بھی ہلاک کر دیا۔

پھر دیکھیے ترجمہ: وَيَبْكِيهِ أَيْضًا مَنْ يَسْأَلُ بِغَيْرِ وَسِيلَةٍ اور یزید پر رونا چاہیے اس شخص کو بھی جو مانگنے والا ہے بغیر وسیلے کے بغیر تعلق کے مِنْ أَجْلِ إِهْلَاكِ الْمُهْلِكَاتِ اس وجہ سے کہ مہلکات یعنی حادثاتِ زمانہ نے ہلاک کر دیا ہے کس چیز کو؟ مَالَهُ وَمَا يُتَوَصَّلُ بِهِ إِلَى تَحْصِيلِ الْمَالِ اس کے مال کو بھی اور اس چیز کو بھی جس کے ذریعے تحصیلِ مال تک پہنچا جاتا ہے۔ لِأَنَّهُ كَانَ مُعْطِيَ السَّائِلِينَ، بھئی کیوں رونا چاہیے اس کو؟ کہتے ہیں لِأَنَّهُ كَانَ مُعْطِيَ السَّائِلِينَ بِغَيْرِ وَسِيلَةٍ اس لیے کیونکہ یزید جو ہے وہ مانگنے والوں کو عطا کرنے والا تھا بِغَيْرِ وَسِيلَةٍ بغیر وسیلے، یعنی جو مانگنے والے تھے بغیر وسیلے کے ان کو بھی یزید عطا کیا کرتا تھا، ان کو بھی خالی ہاتھ نہیں لوٹاتا تھا۔ یہاں تک بات سمجھ میں آگئی؟

کہتے ہیں وَقَدْ يُحْذَفُ الْفِعْلُ الرَّافِعُ لِلْفَاعِلِ بِقَرِينَةٍ دَالَّةٍ عَلَى تَعْيِينِهِ وُجُوبًا، أَيْ حَذْفًا وَاجِبًا۔ جی اب وہ جگہ ذکر کر رہے ہیں جہاں فاعل کے فعل کو حذف کرنا واجب ہے۔ اور میں نے بتلایا تھا کہ فاعل کے فعل کو حذف کرنا واجب کب ہے؟

جب اس فعل کا قائم مقام بنا دیا جائے۔ جب ایک چیز کو آپ نے اس محذوف کا قائم مقام بنا دیا تو اب محذوف کو ذکر نہیں کیا جا سکتا کیونکہ اصل اور نائب میں سے ایک وقت میں ایک آسکتا ہے، جب اصل ہو تو نائب نہیں آسکتا اور جب نائب ہو تو اصل نہیں آسکتا۔ دیکھیے پہلے متن متن، کہتے ہیں وُجُوبًا، اس کا وُجُوبًا کا عطف اسی جَوَازًا پر ہے، اور جَوَازًا کیا تھا؟ مفعولِ مطلق تھا باعتبار موصوفِ محذوف کے تو یہ بھی مفعولِ مطلق ہے، أَيْ حَذْفًا وَاجِبًا۔ تو کبھی کبھار فعل کو وجوباً حذف کیا جاتا ہے، فِي مِثْلِ اس جیسی مثالوں میں: وَإِنْ أَحَدٌ مِنَ الْمُشْرِكِينَ اسْتَجَارَكَ۔

بھئی اس کو سمجھ لیں اچھی طرح۔ وَإِنْ أَحَدٌ مِنَ الْمُشْرِكِينَ اسْتَجَارَكَ فَأَجِرْهُ۔ اصل میں تقدیرِ کلام یوں ہے: وَإِنِ اسْتَجَارَكَ، وَإِنِ اسْتَجَارَكَ۔ دیکھو یہ إِنْ حرفِ شرط ہے، اور حرفِ شرط ہمیشہ فعل پر داخل ہوتا ہے، اور یہاں أَحَدٌ اسم پر یہ داخل ہو رہا ہے، یہ قرینہ ہے اس بات کا کہ یہاں فعل محذوف ہے۔ إِنْ کیا ہے؟ حرفِ شرط، اور حرفِ شرط ہمیشہ کس پر داخل ہوتا ہے؟ فعل پر، اور یہاں تو إِنْ أَحَدٌ پر داخل ہو رہا ہے اور أَحَدٌ اسم ہے، تو یہ قرینہ ہے، یہ بتلا رہا ہے کہ یہاں فعل محذوف ہے۔ تو یہ اصل میں یوں ہے: وَإِنِ اسْتَجَارَكَ، اور اگر آپ سے پناہ طلب کرے، اللہ تعالیٰ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے فرما رہے ہیں، وَإِنِ اسْتَجَارَكَ أَحَدٌ اگر کوئی ایک آپ سے پناہ طلب کرے مِنَ الْمُشْرِكِينَ مشرکین میں سے، مشرکین میں سے اگر کوئی آپ کے پاس آئے اور آپ سے پناہ طلب کرے، تو آگے ہے فَأَجِرْهُ تو اے پیغمبر آپ ان کو پناہ دے دیجیے۔ جب آپ کے پاس کوئی مشرکین میں سے پناہ طلب کرنے کے لیے آئے تو آپ اس کو پناہ دے دیجیے بھئی۔

اب دیکھو یہاں وَإِنْ أَحَدٌ، یہاں کیا محذوف ہے؟ اِسْتَجَارَكَ۔ تو یہاں اِسْتَجَارَكَ تھا اور پھر اس کو حذف کر لیا گیا، اور اس حذف کی وجہ سے ابہام پیدا ہوا، کیا پیدا ہوا؟ ابہام بھئی۔ اور پھر آگے دیکھو وَإِنْ أَحَدٌ مِنَ الْمُشْرِكِينَ اسْتَجَارَكَ، یہ اِسْتَجَارَكَ جو لایا گیا یہ تفسیر ہے اس اِسْتَجَارَكَ کی جو حذف کیا گیا۔ إِنْ کے بعد اِسْتَجَارَكَ کو حذف کیا گیا تھا تو آخر میں آگے اِسْتَجَارَكَ کو لا کر اس کی تفسیر کر دی گئی تاکہ پتا چل جائے کہ کون سا فعل حذف ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو یہ جو ثانی اِسْتَجَارَكَ آیا یہ تفسیر ہے اس اِسْتَجَارَكَ محذوف کی، اور یوں کہیں کہ یہ اس کا قائم مقام ہے، یہ اس کا قائم مقام ہے۔ تو جب یہ ثانی اِسْتَجَارَكَ کو اس اول کا قائم مقام بنا دیا تو اب اول کو حذف کرنا واجب ہے۔ اگر اول کو بھی لے آئیں گے تو پھر یہ ثانی کا لانا بے کار ہو جائے گا۔

یہ ثانی اِسْتَجَارَكَ کو کیوں لائے؟ کیونکہ اول کے حذف سے ابہام پیدا ہوا تھا۔ توجہ ہے؟ بھئی إِنْ کس پر داخل ہے؟ أَحَدٌ پر، أَحَدٌ تو اسم ہے، حالانکہ إِنْ کس پر داخل ہوتا ہے؟ فعل پر، تو معلوم ہوا یہاں فعل محذوف ہے، لیکن معلوم نہیں کون سا فعل محذوف ہے بھئی، ابہام پیدا ہو گیا۔ اصل میں کیا تھا؟ وَإِنِ اسْتَجَارَكَ أَحَدٌ، تو اِسْتَجَارَكَ کو کیا کر لیا گیا؟ حذف کر لیا گیا۔ اس کے حذف سے کیا پیدا ہوا؟ ابہام پیدا ہوا کہ بھئی یہاں کون سا فعل حذف ہے؟ إِنْ تو فعل پر داخل ہوتا ہے اور یہاں تو یہ أَحَدٌ اسم پر داخل ہو رہا ہے، تو ابہام پیدا ہوا۔ تو آگے اِسْتَجَارَكَ لا کر اس ابہام کو دور کر دیا گیا اور اس ثانی اِسْتَجَارَكَ کے

ذریعے تفسیر کر دی گئی اول اِسْتَجَارَكَ کی کہ کون سا فعل حذف ہے؟ اِسْتَجَارَكَ حذف ہے۔ تو یہ ثانی اِسْتَجَارَكَ یہ ابہام کو دور کر رہا ہے، کون سا ابہام جو کیوں پیدا ہوا؟ حذف کی وجہ سے۔ ابہام کیوں پیدا ہوا؟ بھئی اِسْتَجَارَكَ کے اپنے معنیٰ کے اندر تو کوئی ابہام نہیں ہے، اِسْتَجَارَكَ کا معنیٰ تو ظاہر ہے کہ اگر آپ سے کوئی پناہ مانگے، لیکن ابہام کیوں آیا؟ کیونکہ اول کو حذف کر دیا گیا۔ تو یہ ابہام آیا ہی حذف کی وجہ سے ہے، کس کی وجہ سے؟ جب وہ حذف کی وجہ سے ابہام آگیا تو آگے اِسْتَجَارَكَ تفسیر لا کر اس ابہام کو دور کر دیا گیا۔ آگے اِسْتَجَارَكَ لا کر اس ابہام کو دور کر دیا گیا، تو اب یہ مفسر اِسْتَجَارَكَ موجود ہے اور وہ جو پہلا تھا وہ ہے مفسر یعنی جس کی تفسیر کی گئی، اب اس کو ذکر نہیں کیا جا سکتا، اس کا حذف واجب ہے۔ وجہ یہ کہ اگر اس کو ذکر کر دیا جائے گا تو پھر اس مفسر کا لانا بے کار ہو جائے گا، اس کا کوئی فائدہ ہی نہیں رہے گا۔

دیکھیے بھئی کتاب پر۔ کہتے ہیں وُجُوبًا أَيْ حَذْفًا وَاجِبًا، اور کبھی کبھار فعل کو وجوباً حذف کیا جاتا ہے، فِي مِثْلِ قَوْلِهِ تَعَالَى جیسے کہ اللہ تعالیٰ کے اس قول میں ہے: وَإِنْ أَحَدٌ مِنَ الْمُشْرِكِينَ اسْتَجَارَكَ۔ أَيْ فِي كُلِّ مَوْضِعٍ، بتلانا چاہتے ہیں فِي مِثْلِ قَوْلِهِ تَعَالَى سے کیا مراد ہے؟ یعنی مراد ہے أَيْ فِي كُلِّ مَوْضِعٍ ہر ایسی جگہ حُذِفَ الْفِعْلُ جہاں پر فعل کو حذف کر لیا جائے، ثُمَّ فُسِّرَ پھر اس کی تفسیر کی جائے، لِرَفْعِ الْإِبْهَامِ النَّاشِئِ مِنَ الْحَذْفِ تاکہ دور ہو جائے، رَفْعُ کا معنیٰ ہٹانا ختم کرنا، لِرَفْعِ الْإِبْهَامِ النَّاشِئِ، نَشَأَ کا معنیٰ ہے پیدا ہونا، ثُمَّ فُسِّرَ پھر تفسیر کی جائے لِرَفْعِ الْإِبْهَامِ النَّاشِئِ دور کرنے کے لیے اس ابہام کو جو پیدا ہوا ہے مِنَ الْحَذْفِ کس سے؟ حذف سے۔

بھئی وہی بات بیان کر رہے ہیں کہ اس جیسی مثالوں کے اندر حذف واجب ہے۔ اس جیسی مثالوں سے کیا مراد ہے؟ ہر ایسی جگہ جہاں پر فعل کو حذف کر لیا جائے اور پھر آگے اس کی تفسیر لائی جائے، کیوں لائی جائے تفسیر؟ تاکہ حذف کی وجہ سے جو ابہام پیدا ہوا تھا اس ابہام کو دور کر دیا جائے۔ پھر دیکھیے ترجمہ: أَيْ فِي كُلِّ مَوْضِعٍ حُذِفَ الْفِعْلُ ثُمَّ فُسِّرَ یعنی ہر ایسی جگہ جہاں فعل کو حذف کر لیا جائے پھر اس کی تفسیر کی جائے، پھر اس کی تفسیر کی جائے، کیوں تفسیر کی جائے؟ لِرَفْعِ الْإِبْهَامِ النَّاشِئِ مِنَ الْحَذْفِ تاکہ دور کر دیا جائے اس ابہام کو جو حذف سے پیدا ہوا ہے۔

فَإِنَّهُ لَوْ ذُكِرَ الْمُفَسَّرُ، اس لیے کیونکہ اگر مفسر کو ذکر کر دیا جائے۔ بھئی جس کی تفسیر کی جائے یعنی جو پہلے تھا اس کو کہتے ہیں مُفَسَّر، اور جو لفظ تفسیر کر رہا ہے اس کو کہتے ہیں مُفَسِّر۔ کہتے ہیں فَإِنَّهُ لَوْ ذُكِرَ الْمُفَسَّرُ اس لیے کیونکہ اگر مُفَسَّر کو بھی ذکر کر دیا جائے، لَمْ يَبْقَ الْمُفَسِّرُ مُفَسِّرًا بَلْ صَارَ حَشْوًا، تو مُفَسِّر مُفَسِّر نہیں رہے گا، بَلْ صَارَ حَشْوًا بلکہ بے کار اور زائد ہو جائے گا۔ حَشو کہتے ہیں بے کار اور زائد لفظ بھئی جس کا کوئی فائدہ نہ ہو۔ بھئی دیکھیے بھئی، پھر دیکھو وَإِنْ أَحَدٌ مِنَ الْمُشْرِكِينَ اسْتَجَارَكَ، یہ اِسْتَجَارَكَ ثانی جو لایا گیا یہ تفسیر ہے کس کی؟ اس پہلے اِسْتَجَارَكَ کی، اور وہ پہلا اِسْتَجَارَكَ اس کو حذف کیا گیا۔ اس کے حذف کی وجہ سے ابہام پیدا ہوا کہ یہاں کون سا فعل محذوف ہے؟ تو اِسْتَجَارَكَ ثانی لا کر اس کی تفسیر کر دی گئی۔

تو وہ پہلا ہے مُفَسَّر اور یہ ثانی کیا ہے؟ تفسیر یا مُفَسِّر ہے، تو اس مُفَسَّر کو اب ذکر نہیں کیا جا سکتا، کیونکہ اگر اس مُفَسَّر کو بھی ذکر کر دیا جائے تو یہ مُفَسِّر مُفَسِّر نہیں رہے گا، بے کار ہو جائے گا۔ یہ ثانی اِسْتَجَارَكَ کو لائے ہی کس لیے ہیں؟ تاکہ اس اول کے حذف سے جو ابہام پیدا ہوا ہے اس کو یہ دور کر دے۔ تو اگر وہ لفظوں میں موجود ہو گا تو کوئی ابہام ہے؟ پھر تو کوئی ابہام ہی نہیں۔ جب ابہام ہی نہیں تو اس ثانی کو لانا کیا ہو جائے گا؟ بے کار ہو جائے گا، یہ مُفَسِّر نہیں رہے گا بلکہ بے کار ہو جائے گا۔ بات سمجھ میں آ گئی؟ یہ معنیٰ ہے فَإِنَّهُ لَوْ ذُكِرَ الْمُفَسَّرُ اس لیے کیونکہ اگر مُفَسَّر کو بھی ذکر کر دیا جائے یعنی وہ جو محذوف تھا اس کو بھی ذکر کر دیا جائے لَمْ يَبْقَ الْمُفَسِّرُ مُفَسِّرًا تو یہ جو ثانی ہے یہ مُفَسِّر جو ہے یہ مُفَسِّر ہو کر باقی نہیں رہے گا بَلْ صَارَ حَشْوًا بلکہ یہ حَشْو یعنی بے کار ہو جائے گا۔

اس پر اشکال ہوتا ہے کہ اے صاحبِ جامی آپ کے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ مُفَسَّر اور مُفَسِّر دونوں جمع نہیں ہو سکتے۔ اگر پہلے اِسْتَجَارَكَ کو ذکر کر دیں گے تو وہ ہے مُفَسَّر اور دوسرا اِسْتَجَارَكَ ہے مُفَسِّر، تو آپ کے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ جب مُفَسِّر ہو تو مُفَسَّر کو نہیں لا سکتے ورنہ تو مُفَسِّر بے کار ہو جائے گا۔ حالانکہ ہم تو کلام میں دیکھتے رہتے ہیں کہ مُفَسَّر اور مُفَسِّر دونوں آتے ہیں۔ مثلاً ایک آدمی کہتا ہے جَاءَ رَجُلٌ أَيْ زَيْدٌ، جَاءَ رَجُلٌ ایک آدمی آیا أَيْ زَيْدٌ یعنی زید آیا۔ تو دیکھو رَجُلٌ ہے مُفَسَّر، رَجُلٌ میں ابہام تھا، ایک آدمی آیا بھئی کون آدمی پتا نہیں، آگے أَيْ زَيْدٌ کے ذریعے اس کی تفسیر کر دی گئی۔ تو رَجُلٌ ہوا مُفَسَّر جس کی تفسیر کی گئی ہے اور زَيْدٌ کیا ہوا؟ مُفَسِّر ہوا یعنی تفسیر ہوا اس کی۔ تو دیکھو اب اس کلام میں مُفَسَّر اور مُفَسِّر دونوں جمع ہیں، حالانکہ آپ نے ہمیں کیا بتایا کہ مُفَسِّر کے ہوتے ہوئے اگر مُفَسَّر کو بھی لے آؤ گے پھر تو مُفَسِّر بے کار ہو جائے گا بھئی۔ حالانکہ ہم کلام میں دیکھتے رہتے ہیں کہ مُفَسَّر اور مُفَسِّر دونوں ہوتے ہیں۔

تو آپ کو صاحبِ جامی بتلائیں گے کہ نہیں بھئی ہمارا کہنے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ جب بھی مُفَسِّر آئے مُفَسَّر کو حذف کرنا ضروری ہے۔ بلکہ یہ مقام اور ہے وہ مقام اور ہوتا ہے۔ وہاں جو آپ لائے جَاءَنِي رَجُلٌ أَيْ زَيْدٌ، وہاں رَجُلٌ کی ذات میں ابہام تھا کہ کون سا آدمی مراد ہے؟ رَجُلٌ کی ذات میں ابہام تھا کہ تعین نہیں تھی کون سا آدمی ہے، آگے زَيْدٌ کے ذریعے کیا کر دی گئی اس کی تعین کر دی گئی۔ تو رَجُلٌ کے لفظ میں ہی ابہام تھا، کس میں؟ رَجُلٌ کے لفظ میں ہی ابہام تھا کہ اس سے کون مراد ہے۔ تو جب مُفَسَّر کے لفظ میں ابہام ہو تو اس کے ساتھ پھر آگے مُفَسِّر کو ذکر کر دیتے ہیں، تو اس وقت پھر دونوں جمع ہوتے ہیں، اس وقت دونوں جمع ہو سکتے ہیں۔ لیکن یہاں جو ابہام آیا وہ کس لیے آیا ابہام؟ وَإِنْ أَحَدٌ مِنَ الْمُشْرِكِينَ اسْتَجَارَكَ، یہ اِسْتَجَارَكَ ثانی کیوں لائے؟ ابہام کو دور کرنے کے لیے، کون سا ابہام؟ وہ ابہام جو حذف کی وجہ سے آیا تھا۔ بھئی جَاءَنِي رَجُلٌ کے اندر حذف کی وجہ سے ابہام نہیں ہے بلکہ رَجُلٌ کی اپنی ذات میں ابہام ہے کہ اس سے کون مراد ہے۔ بات سمجھ میں آ رہی ہے؟ جبکہ وَإِنْ أَحَدٌ مِنَ الْمُشْرِكِينَ، یہاں جو ابہام آیا وہ کس کی وجہ سے ہے؟ حذف کی

وجہ سے آیا ہے۔ تو اگر آپ اِسْتَجَارَكَ کو ذکر کر دیں گے تو پھر ابہام رہے گا؟ پھر تو ابہام ہی نہیں رہے گا، پھر مُفَسِّر لانے کا کیا معنیٰ بھئی؟ تو دونوں میں فرق ہے، بات سمجھ میں آگئی؟ یہاں جو ابہام آیا ہے وہ آیا ہی حذف کی وجہ سے ہے، اگر آپ حذف نہیں کریں گے اس کو ذکر کر دیں گے پھر تو ابہام نہیں رہے گا، جب ابہام نہیں رہے گا تو آگے تفسیر کا لانا بے کار ہو جائے گا۔ بات سمجھ میں آگئی؟

تو کہتے ہیں بِخِلَافِ الْمُفَسَّرِ الَّذِي فِيهِ إِبْهَامٌ بِدُونِ حَذْفِهِ، بخلاف اس مُفَسَّر کے کہ جس کے اندر ابہام ہوتا ہے بغیر حذف کے ہی، فَإِنَّهُ يَجُوزُ الْجَمْعُ بَيْنَهُ وَبَيْنَ مُفَسِّرِهِ، اس لیے کیونکہ اس کے اندر جائز ہے جمع کرنا مُفَسَّر اور مُفَسِّر کو، كَقَوْلِكَ جیسے کہ آپ کا یہ قول: جَاءَنِي رَجُلٌ أَيْ زَيْدٌ، جَاءَنِي رَجُلٌ أَيْ زَيْدٌ۔ اس کے اندر رَجُلٌ کیا ہے؟ مُفَسَّر اور زَيْدٌ کیا ہے؟ تفسیر۔ تو یہاں رَجُلٌ کی ذات میں ابہام ہے، یہاں حذف کی وجہ سے ابہام نہیں آیا بھئی۔

فَتَقْدِيرُ الْآيَةِ، تو آیت کی تقدیر یہ ہے: وَإِنِ اسْتَجَارَكَ أَحَدٌ مِنَ الْمُشْرِكِينَ اسْتَجَارَكَ۔ دیکھا وَإِنِ اسْتَجَارَكَ أَحَدٌ، أَحَدٌ سے پہلے اِسْتَجَارَكَ محذوف نکال لیا۔ فَأَحَدٌ فِيهَا فَاعِلُ فِعْلٍ مَحْذُوفٍ وُجُوبًا، تو أَحَدٌ یہاں دیکھو وَإِنْ أَحَدٌ اصل میں کیا ہے؟ وَإِنِ اسْتَجَارَكَ أَحَدٌ، اِسْتَجَارَكَ فعل اور أَحَدٌ اس کا فاعل۔ اور دیکھو یہاں فاعل کے فعل کو حذف کرنا واجب ہے، کیوں واجب ہے؟ کیونکہ اگر یہاں فعل کو ذکر کر دیا جائے اس جیسی مثالوں میں پھر تو آگے تفسیر حشو بے کار ہو جائے گی بھئی۔ تو کہتے ہیں فَأَحَدٌ فِيهَا فَاعِلُ فِعْلٍ مَحْذُوفٍ وُجُوبًا، تو أَحَدٌ اس کے اندر فاعل ہے اس فعل کا جو وجوباً محذوف ہے، وَهُوَ اسْتَجَارَكَ الْأَوَّلُ اور وہ پہلا اِسْتَجَارَكَ ہے، اور وہ وہ والا پہلا اِسْتَجَارَكَ ہے الْمُفَسَّرُ بِاسْتَجَارَكَ الثَّانِي جس کی تفسیر کی گئی ہے اِسْتَجَارَكَ ثانی کے ساتھ۔

وَإِنَّمَا وَجَبَ حَذْفُهُ، بھئی اس پہلے اِسْتَجَارَكَ کو حذف کرنا کیوں واجب؟ وہ ذکر کر رہے ہیں۔ کہتے ہیں وَإِنَّمَا وَجَبَ حَذْفُهُ اور اس اول اِسْتَجَارَكَ کو حذف کرنا واجب ہے لِأَنَّ مُفَسِّرَهُ قَائِمٌ مَقَامَهُ اس لیے کیونکہ اس کا مُفَسِّر اس کے قائم مقام ہے، مُغْنٍ عَنْهُ اور یہ اس سے بے نیاز کر رہا ہے، اب جب ثانی اِسْتَجَارَكَ آگیا تو اول کو ذکر کرنے کی کوئی حاجت نہیں۔

وَلَا يَجُوزُ أَنْ يَكُونَ أَحَدٌ مَرْفُوعًا، یہاں سے ایک سوال کا جواب دے رہے ہیں کہ دیکھیے وَإِنْ أَحَدٌ، وہ اس آیت پر پھر نظر رکھیں وَإِنْ أَحَدٌ، کہ یہ آپ نے أَحَدٌ کو فاعل بنایا کس کے لیے؟ فعلِ محذوف کے لیے، تو آپ اس أَحَدٌ کو مبتدا بنا لیں، کیا بنا لیں؟ کہتے ہیں مبتدا ہم نہیں بنا سکتے وجہ یہ کہ إِنْ آیا ہے اور إِنْ حرفِ شرط ہے اور حرفِ شرط مبتدا پر نہیں داخل ہوتا بلکہ کس پر داخل ہوتا ہے؟ فعل پر داخل ہوتا ہے۔ کہتے ہیں وَلَا يَجُوزُ أَنْ يَكُونَ أَحَدٌ مَرْفُوعًا بِالِابْتِدَاءِ، اور یہ جائز نہیں ہے کہ أَحَدٌ مرفوع ہو ابتدا کی وجہ سے یعنی مبتدا ہونے کی وجہ سے، لِامْتِنَاعِ دُخُولِ حَرْفِ الشَّرْطِ عَلَى الِاسْمِ اس لیے کیونکہ ممتنع ہے حرفِ شرط کا داخل ہونا اسم پر، بَلْ لَا بُدَّ لَهُ مِنَ الْفِعْلِ بلکہ حرفِ شرط کے لیے ضروری ہے فعل کا ہونا۔

وَقَدْ يُحْذَفَانِ أَيِ الْفِعْلُ وَالْفَاعِلُ مَعًا۔ اب یہاں سے آپ کو یہ بتلائیں گے کہ کبھی کبھار فاعل اور فعل دونوں کو بھی حذف کر لیتے ہیں۔ میں نے آپ کو بتلایا تھا تین صورتیں ہیں، کون سی؟ کہ صرف فعل کو حذف کریں، یا صرف فاعل کو حذف کریں، یا دونوں کو حذف کریں۔ صرف فعل کو حذف کرنا ابھی انہوں نے آپ کو بتلایا کبھی جائز ہوتا ہے کبھی واجب۔ اور دونوں کو حذف کر دیں یہ بھی جائز ہے، لیکن فاعل کو حذف کر دیں اور فعل کو باقی رکھیں یہ جائز نہیں ہے۔

تو کہتے ہیں وَقَدْ يُحْذَفَانِ، جی جیسے مثلاً، جیسے کسی نے آپ سے پوچھا أَقَامَ زَيْدٌ؟ کیا زید کھڑا ہوا ہے؟ آپ جواب میں کہتے ہیں نَعَمْ، ہاں، بس۔ آپ نے نَعَمْ کہا حالانکہ آپ کو کیا کہنا چاہیے؟ نَعَمْ قَامَ زَيْدٌ۔ دیکھو تو آپ نے قَامَ زَيْدٌ، قَامَ فعل اور زَيْدٌ فاعل دونوں کو حذف کر لیا۔ دیکھو قرینہ موجود ہے، قرینہ کیا ہے؟ سوال۔ سوال کرنے والے نے پوچھا تھا أَقَامَ زَيْدٌ، سوال کے اندر قَامَ بھی موجود ہے اور زَيْدٌ بھی موجود ہے تو آپ نے جواب میں اس کو حذف کر لیا۔

کہتے ہیں وَقَدْ يُحْذَفَانِ أَيِ الْفِعْلُ وَالْفَاعِلُ مَعًا، اور کبھی کبھار حذف کر لیا جاتا ہے فعل اور فاعل کو مَعًا اکٹھا ہی، دُونَ الْفَاعِلِ وَحْدَهُ نہ کہ اکیلے فاعل کو۔ میں نے آپ کو بتایا اکیلے فاعل کو کبھی حذف نہیں کرتے، فعل کو بھی آپ حذف کر سکتے ہیں، فعل اور فاعل دونوں کو بھی حذف کر سکتے ہیں، لیکن صرف فاعل کو حذف نہیں کر سکتے۔ کہتے ہیں دُونَ الْفَاعِلِ وَحْدَهُ نہ کہ اکیلے فاعل کو۔

فِي مِثْلِ اس جیسی مثالوں میں: نَعَمْ کہ نَعَمْ کہا جائے، جَوَابًا اس حال میں کہ یہ نَعَمْ جواب ہے لِمَنْ اس شخص کا قَالَ جس نے یہ کہا تھا: أَقَامَ زَيْدٌ؟ کیا زید کھڑا ہے؟ تو آپ نے جواب میں کیا کہا؟ نَعَمْ، أَيْ نَعَمْ قَامَ زَيْدٌ۔ دیکھا آپ نے جواب میں کیا کہا؟ ایک شخص نے سوال کیا أَقَامَ زَيْدٌ؟ آپ نے جواب میں صرف نَعَمْ کہا، اصل میں کلام کیا ہے؟ نَعَمْ قَامَ زَيْدٌ، تو آپ نے قَامَ فعل اور زَيْدٌ فاعل دونوں کو کیا کر لیا؟ حذف کر لیا کیونکہ قرینہ موجود ہے، اور قرینہ وہ سوال ہے، سوال کے اندر قَامَ بھی موجود اور زَيْدٌ بھی موجود۔

کہتے ہیں أَيْ نَعَمْ قَامَ زَيْدٌ یہ ہے اصل کلام۔ فَحُذِفَتِ الْجُمْلَةُ الْفِعْلِيَّةُ تو جملہ فعلیہ کو حذف کر لیا گیا یعنی قَامَ زَيْدٌ پورا جملہ اس کو حذف کر لیا گیا، وَذُكِرَ نَعَمْ فِي مَقَامِهَا اور نَعَمْ کو اس کے مقام میں ذکر کر دیا گیا۔ بھئی نَعَمْ قَامَ زَيْدٌ، یہ قَامَ زَيْدٌ کو پورے کو حذف کیا اور صرف نَعَمْ کو اس کی جگہ پر ذکر کر دیا گیا۔

وَهٰذَا الْحَذْفُ جَائِزٌ بِقَرِينَةِ السُّؤَالِ، اور یہ والا حذف بھی جائز ہے قرینہ سوال کی وجہ سے کیونکہ یہاں سوال کا قرینہ موجود ہے، لَا وَاجِبٌ یہ واجب نہیں ہے لِعَدَمِ قِيَامِ مَا يُؤَدِّي مُؤَدَّاهُ فِي مَقَامِهِ۔ لِعَدَمِ قِيَامِ مَا يُؤَدِّي، أَدَّى يُؤَدِّي کا معنیٰ ہے ادا کرنا، مُؤَدَّاهُ أَيْ مُؤَدَّى الْمَحْذُوفِ، مُؤَدَّى وہ جس کو ادا کیا جائے یعنی مفہوم، معنیٰ۔ مَا يُؤَدِّي مُؤَدَّاهُ وہ چیز جو اس کا مفہوم ادا کر دے۔

بھئی دیکھو ایک شخص نے کیا سوال پوچھا؟ أَقَامَ زَيْدٌ؟ جواب میں آپ نے کیا کہا؟ نَعَمْ۔ حالانکہ کہنا کیا چاہیے تھا؟ نَعَمْ

قَامَ زَيْدٌ، تو آپ نے قَامَ زَيْدٌ کو حذف کر لیا۔ یاد رکھو یہ جو قَامَ زَيْدٌ کو آپ نے حذف کیا یہ جوازاً ہے وجوباً نہیں، آپ چاہیں تو پورا کلام جواب میں یوں کہیں: نَعَمْ قَامَ زَيْدٌ۔ بھئی کیا وجہ ہے حذف جوازاً کیوں ہے وجوباً کیوں نہیں؟ جب میں نے کہا نَعَمْ، توجہ ہے؟ نَعَمْ کہا، تو کس کو حذف کیا؟ قَامَ زَيْدٌ کو حذف کیا ہے اور یہ نَعَمْ اس کا قائم مقام بن گیا، اور آپ نے ہمیں ضابطہ بتایا ہے کہ جب کوئی چیز قائم مقام بن جائے تو پھر وہاں حذف کیا ہوتا ہے؟ واجب ہوتا ہے۔ تو آپ کو بتلائیں گے کہ نہیں بھئی، یہ نَعَمْ قائم مقام نہیں ہے، نَعَمْ تو صرف ایک حرف ہے، یہ حرفِ تصدیق ہے، حرفِ ایجاب ہے، کوئی جو سوال پوچھے یہ صرف اس کا اثبات کرتا ہے۔ اگر سوال میں اثبات ہے تو نَعَمْ کہنے سے اس کا اثبات ہو جائے گا اور اگر سوال میں نفی ہے تو نَعَمْ اسی کو ثابت کر دے گا۔ مثلاً ایک شخص نے پوچھا أَقَامَ زَيْدٌ کیا زید کھڑا ہے؟ میں نے کہا نَعَمْ، یعنی سوال میں کیا پوچھ رہا ہے؟ قیامِ زید، کہ زید کے لیے قیام ہے؟ نَعَمْ نے اسی کو ثابت کر دیا۔ اور اگر وہ نفی کے ساتھ سوال کرتا کیا زید کے لیے قیام نہیں ہے؟ میں کہتا نَعَمْ تو مطلب ہوتا کہ زید کے لیے قیام نہیں۔ تو یہ نَعَمْ حرف ہے، یہ پورے جملے کا معنیٰ ادا نہیں کرتا، یہ پورے جملے کا معنیٰ ادا نہیں کرتا تو یہ اس کا قائم مقام نہیں ہے۔ جب قائم مقام نہیں ہے تو پھر یہ حذف واجب نہیں ہے بلکہ جائز ہے۔

تو کہتے ہیں لِعَدَمِ قِيَامِ مَا يُؤَدِّي مُؤَدَّاهُ، أَدَّى يُؤَدِّي کا معنیٰ ادا کرنا، مُؤَدَّاهُ أَيْ مُؤَدَّى الْمَحْذُوفِ یعنی مُؤَدَّى، مُؤَدَّى وہ چیز جس کو ادا کیا جائے، مراد ہے معنیٰ۔ اس لیے کیونکہ لِعَدَمِ قِيَامِ اس لیے کیونکہ کوئی ایسی چیز قائم نہیں مَا يُؤَدِّي مُؤَدَّاهُ جو ادا کر دے اس محذوف کے مفہوم کو فِي مَقَامِهِ اس کے مقام میں۔ یہ فِي مَقَامِهِ کا تعلق قِيَامِ سے ہے۔ لِعَدَمِ قِيَامِ کیونکہ کوئی چیز قائم نہیں ہے فِي مَقَامِهِ اس کے مقام، یعنی کوئی چیز اس کے قائم مقام نہیں۔ سوال کیا کیا؟ أَقَامَ زَيْدٌ؟ جواب میں کیا کہا؟ نَعَمْ، نَعَمْ کہا اور نَعَمْ قَامَ زَيْدٌ بھی کہہ سکتے ہیں۔ اس لیے کیونکہ یہ جو قَامَ زَيْدٌ جس کو آپ نے حذف کر دیا، یہ نَعَمْ اس کا کوئی قائم مقام نہیں، یہ اس کے مفہوم کو ادا نہیں کر رہا۔ جب یہ اس کا قائم مقام نہیں تو معلوم ہوا حذف جائز ہے، واجب نہیں۔ حذف واجب کہاں ہوتا ہے؟ جب کوئی اور چیز اس کے قائم مقام ہو جائے اور اس کے مفہوم کو ادا کرے۔

تو لِعَدَمِ قِيَامِ مَا يُؤَدِّي مُؤَدَّاهُ فِي مَقَامِهِ اس لیے کیونکہ کوئی ایسی چیز اس کے قائم مقام نہیں ہے جو اس کے، اس محذوف کے مفہوم کو ادا کر دے، كَالْمُفَسِّرِ جیسے کہ مُفَسِّر گزرا پیچھے، وہ مُفَسِّر کیا کر رہا تھا؟ مُفَسَّر کے مفہوم کو ادا کر رہا تھا، وہ بھی اِسْتَجَارَكَ تھا اور مُفَسِّر بھی کیا تھا؟ اِسْتَجَارَكَ تھا۔ فَيَلْزَمُ فِي الْكَلَامِ اسْتِدْرَاكٌ تو لازم آتا کلام کے اندر استدراک بھئی۔ استدراک یہاں بمعنیٰ لغو اور حشو کے معنیٰ میں ہے، وہی زائد۔ بھئی دیکھیے، ادھر دیکھیے، اگر یہ نَعَمْ قَامَ زَيْدٌ کا قائم مقام ہوتا، توجہ ہے؟ اگر یہ نَعَمْ قَامَ زَيْدٌ کا قائم مقام ہوتا، یہ اسی کا معنیٰ ادا کرتا، تو پھر تو نَعَمْ کے ساتھ قَامَ زَيْدٌ کا آپ ذکر نہیں کر سکتے، پھر تو قَامَ زَيْدٌ کا حذف واجب ہو جاتا، کیونکہ نَعَمْ کیا کر رہا ہے؟ اس کا معنیٰ ادا کر رہا ہے۔ جب اس کا معنیٰ نَعَمْ خود ادا کر رہا ہے تو آگے قَامَ زَيْدٌ لانا بے کار ہو گا یا نہیں؟ بات سمجھ میں آگئی؟ تو کہتے ہیں یہاں ایسا نہیں ہے، نَعَمْ کسی

کا معنیٰ ادا نہیں کر رہا۔ جب یہ اس کا معنیٰ ادا نہیں کر رہا لہٰذا اس کے ساتھ قَامَ زَيْدٌ کو لانا بے کار نہیں ہو گا۔ بات سمجھ میں آ گئی؟

تو کہتے ہیں فَيَلْزَمُ فِي الْكَلَامِ اسْتِدْرَاكٌ، یہ ماقبل میں جو ذکر آیا نا لِعَدَمِ قِيَامِ مَا يُؤَدِّي مُؤَدَّاهُ فِي مَقَامِهِ، یہ اسی پر تفریع ہے، کیونکہ کوئی ایسی چیز قائم مقام نہیں جو اس جملے کے معنیٰ کو ادا کر دے فَيَلْزَمُ فِي الْكَلَامِ اسْتِدْرَاكٌ اور اس سے پھر کلام میں کیا لازم آئے؟ استدراک۔ ادھر دیکھیے، کوئی ایسی چیز نہیں جو اس جملے کے قائم مقام ہو، یعنی نَعَمْ قَامَ زَيْدٌ، یہ جو نَعَمْ ہے یہ قَامَ زَيْدٌ کے قائم مقام نہیں ہے کہ اس نَعَمْ کے ساتھ قَامَ زَيْدٌ کو اگر ذکر کریں فَيَلْزَمُ فِي الْكَلَامِ اسْتِدْرَاكٌ تو کلام میں کیا لازم آئے؟ استدراک یعنی ایک چیز حشو بے کار ہو جائے۔ بات سمجھ میں آ گئی؟

دوبارہ دیکھیے، کہتے ہیں وَهٰذَا الْحَذْفُ جَائِزٌ اور یہ حذف جائز ہے بِقَرِينَةِ السُّؤَالِ سوال کے قرینے سے، لَا وَاجِبٌ واجب نہیں ہے، لِعَدَمِ قِيَامِ مَا يُؤَدِّي مُؤَدَّاهُ فِي مَقَامِهِ اس لیے کیونکہ کوئی چیز ایسی قائم مقام نہیں ہے جو اس محذوف کے مفہوم کو ادا کر دے جیسے کہ مُفَسِّر ادا کرتا تھا، فَيَلْزَمُ فِي الْكَلَامِ اسْتِدْرَاكٌ تو اس سے پھر وہ کلام میں استدراک لازم آئے یعنی اگر اس جملے کو ذکر کیا جائے تو اس سے کیا لازم آئے؟ کوئی ایسی چیز ہو جو اس کے مفہوم کو ادا کر رہی ہو پھر اس جملے کو اگر ہم ساتھ ذکر کریں گے تو پھر اس جملے کا لانا تو حشو اور بے کار ہو جائے گا کیونکہ ایک چیز موجود ہے جو اس کے مفہوم کو ادا کر رہی ہے۔ لیکن یہاں ایسا نہیں لہٰذا اس کے ساتھ اس جملے کو ذکر کرنے کی صورت میں استدراک بھی لازم نہیں آتا۔

وَإِنَّمَا قُدِّرَتِ الْجُمْلَةُ الْفِعْلِيَّةُ لَا الِاسْمِيَّةُ۔ اچھا بھئی، نَعَمْ قَامَ زَيْدٌ، نَعَمْ کے ساتھ کس کو حذف مانا؟ قَامَ زَيْدٌ جملہ فعلیہ کو۔ بھئی جملہ فعلیہ کو کیوں حذف مانا؟ کہتے ہیں وجہ یہ کہ سوال میں أَقَامَ زَيْدٌ وہاں کیا تھا؟ جملہ فعلیہ، تو یہاں بھی کیا محذوف مانا؟ جملہ فعلیہ محذوف مانا تاکہ جواب سوال کے مطابق ہو جائے۔ تو کہتے ہیں وَإِنَّمَا قُدِّرَتِ الْجُمْلَةُ الْفِعْلِيَّةُ لَا الِاسْمِيَّةُ، جملہ فعلیہ کو مقدر مانا گیا نہ کہ اسمیہ کو، بِأَنْ يُقَالَ، بھئی جملہ اسمیہ کو مقدر نہیں مانا گیا بِأَنْ يُقَالَ بایں صورت کہ یوں کہا جاتا أَيْ نَعَمْ زَيْدٌ قَامَ، یعنی زَيْدٌ قَامَ جملہ نہیں محذوف مانا بلکہ قَامَ زَيْدٌ مانا، لِيَكُونَ الْجَوَابُ مُطَابِقًا لِلسُّؤَالِ تاکہ جواب جو ہے وہ سوال کے مطابق ہو جائے فِي كَوْنِهِ جُمْلَةً فِعْلِيَّةً جملہ فعلیہ ہونے میں۔ جواب سوال کے مطابق ہو جائے کس طرح؟ کہ سوال بھی جملہ فعلیہ تھا اور جواب بھی کیا ہو؟ جملہ فعلیہ۔ تو جب آپ، کسی نے کہا أَقَامَ زَيْدٌ؟ تو دیکھو یہاں جملہ فعلیہ ہے، تو جواب میں میں نے کیا کہا؟ نَعَمْ، تو محذوف کیا ہے؟ نَعَمْ قَامَ زَيْدٌ جملہ فعلیہ ہی محذوف نکالیں گے تاکہ جواب سوال کے مطابق ہو جائے۔ بات سمجھ میں آ گئی؟ حل ہو گیا؟ چلیے بس بھئی۔ هٰذَا هُوَ الْمَرَامُ وَاللّٰهُ أَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْكَلَامِ۔

سبق نمبر ۸۶: التنازع (۱): تنازعِ فعلان کی تعریف اور چار صورتیں

شرحِ ملا جامی صفحہ: ۶۲ — بتاریخ: ۲۳ اکتوبر ۲۰۲۱ء

▪ تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث

دیکھیے بھئی آگے سبق، وَإِذَا تَنَازَعَ الْفِعْلَانِ بَلِ الْعَامِلَانِ إِذِ التَّنَازُعُ يَجْرِي فِي غَيْرِ الْفِعْلِ أَيْضًا نَحْوُ زَيْدٌ مُعْطٍ وَمُكْرِمٌ عَمْرًا، وَبَكْرٌ كَرِيمٌ وَشَرِيفٌ أَبُوهُ، وَاقْتَصَرَ عَلَى الْفِعْلِ لِأَصَالَتِهِ فِي الْعَمَلِ، وَإِنَّمَا قَالَ الْفِعْلَانِ مَعَ أَنَّ التَّنَازُعَ قَدْ يَقَعُ فِي أَكْثَرَ مِنْ فِعْلَيْنِ اقْتِصَارًا عَلَى أَقَلِّ مَرَاتِبِ التَّنَازُعِ وَهُوَ الْاِثْنَانِ۔[1]

بھئی گزشتہ سبق میں صاحبِ کافیہ نے آپ کو بتلایا کہ کبھی کبھار وہ فعل جو فاعل کو رفع دے رہا ہے اس کو حذف کر لیا جاتا ہے۔ اور پھر یہ حذف دو قسم پر ہے، کبھی حذف جو ہے جوازاً ہوتا ہے اور کبھی حذف وجوباً ہوگا بھئی۔

میں نے آپ کو تفصیل بتلائی تھی کہ حذف جہاں بھی ہو اس کے لیے قرینہ ضرور چاہیے بھئی۔ قرینہ کہتے ہیں کوئی بھی ایسی چیز جو مطلوب کی طرف اشارہ کر دے، جو مطلوب کے بارے میں بتلا دے اس کو قرینہ کہتے ہیں۔ آپ اپنے کلام کے اندر ایک لفظ کو حذف کرتے ہیں تو کوئی قرینہ ہونا چاہیے جس سے سننے والے کو پتہ چل جائے کہ آپ نے یہاں کون سا لفظ حذف کیا ہے۔ اگر قرینہ نہیں ہوگا تو اس کو پتہ ہی نہیں چلے گا کہ کون سا لفظ آپ نے حذف کیا ہے اور اسے معنی صحیح طرح سمجھ میں نہیں آئے گا۔ تو حذف جہاں بھی ہو اس کے لیے قرینہ چاہیے۔ اب چاہے یہ حذف جوازاً ہو چاہے وجوباً، دونوں کے لیے کیا چاہیے؟ قرینہ ضرور چاہیے۔ ہاں پھر ان دونوں میں فرق یہ ہے کہ جہاں حذف وجوباً ہوتا ہے وہاں اس محذوف کا قائم مقام کسی کو مقرر کر دیا جاتا ہے، کسی چیز کو اس کا قائم مقام بنا دیا جاتا ہے۔ آپ نے ایک لفظ کو حذف کیا اور دوسرے

[1]

جدول — تنازعِ فعلان میں بصریین اور کوفیین کا اختلاف:

مذہب	مختار عامل اور توجیہ	ثانی/اول میں ضمیر کا حکم
بصریین	فعلِ ثانی کو عمل دینا اولیٰ (قرب کی وجہ سے)	اول میں فاعل کی ضمیر لائیں، مفعول حذف کریں
کوفیین	فعلِ اول کو عمل دینا اولیٰ (تقدم کی وجہ سے)	ثانی میں فاعل و مفعول دونوں کی ضمیر لائیں

کو اس کا قائم مقام بنا دیا، اس کا نائب بنا دیا۔ جب دوسرے کو نائب بنا دیا ہے تو اب محذوف کو نہیں لا سکتے کیونکہ محذوف ہے اصل اور یہ دوسرا کیا ہے؟ نائب، اور ایک وقت میں ایک آتا ہے، یا اصل آئے گا یا اس کا نائب۔ تو اگر آپ اصل کو رکھتے ہیں تو نائب کو لانا بیکار، اور اگر آپ نائب لاتے ہیں تو پھر اصل کا لانا بیکار، بات سمجھ میں آگئی؟ تو لہٰذا ایک وقت میں ایک ہی کو لائیں گے۔ تو فرق کیا ہوا دونوں کے اندر؟ ایک حذف ہے جوازاً، ایک حذف ہے وجوباً۔ حذف جوازاً میں قرینہ ہوتا ہے لیکن کوئی محذوف کا قائم مقام اور نائب نہیں ہوتا، جبکہ حذف وجوباً کے اندر قرینہ بھی ہوتا ہے اور محذوف کا کوئی قائم مقام اور نائب بھی ہوتا ہے، یا یوں کہیں اس کا کوئی مفسر بھی ہوتا ہے جو کیا کرتا ہے اس کی تفسیر بیان کرتا ہے، بات سمجھ میں آگئی؟

تو معلوم ہوا حذف جوازاً وہاں ہوگا جہاں قرینہ موجود ہو۔ اور اس کی مثال صاحبِ کافیہ نے ذکر کی، مثلاً کسی نے آپ سے پوچھا مَنْ قَامَ کون کھڑا ہوا ہے؟ تو معلوم ہوا آپ کو اتنا تو پتہ ہے کہ قیام والا فعل واقع ہوا ہے، لیکن یہ فعل کیا کس نے یہ آپ کو پتہ نہیں، تو اب آپ اس کے بارے میں پوچھ رہے ہیں کہ مَنْ قَامَ کون کھڑا ہوا ہے؟ تو آپ جواب میں زَيْدٌ بھی کہہ سکتے ہیں اور قَامَ زَيْدٌ بھی کہہ سکتے ہیں۔ زَيْدٌ جواب میں کہا اور قَامَ فعل کو حذف کر لیا، فعل کو حذف کیا اور فاعل کو باقی رکھا۔ اور دوسری صورت یہ ہے کہ آپ دونوں کو ذکر کر دیں۔ تو بہرحال مقامِ استشہاد یہاں یہ ہے کہ یہاں جو جواب ہے اس میں آپ قَامَ فعل کو حذف کر سکتے ہیں، فاعل کو برقرار رکھیں اور فعل کو حذف کر لیں۔ وجہ یہ کہ یہاں قرینہ موجود ہے، اور قرینہ کیا؟ قرینہ وہ سوال ہے، پوچھنے والے نے کیا پوچھا ہے؟ مَنْ قَامَ، تو سوال کے اندر جب قَامَ موجود ہے تو جواب میں قَامَ کا ذکر ضروری نہیں، آپ چاہیں ذکر کر دیں اور آپ چاہیں حذف کر دیں۔

اور میں نے آپ کو یہاں ایک اور بات بھی بتلائی تھی کہ بھئی ایک ہے فعل، ایک ہے فاعل، تین صورتیں بنتی ہیں۔ ایک صورت یہ صرف فعل کو حذف کریں اور فاعل کو باقی رکھیں، دوسری صورت یہ ہے فاعل کو حذف کریں اور فعل کو باقی رکھیں، اور تیسری صورت یہ ہے کہ دونوں کو حذف کر لیا جائے۔ اس میں سے یاد رکھو فعل کو حذف کر لیں اور فاعل کو باقی رکھیں یہ جائز ہے۔ یہ کبھی جوازاً ہوتا ہے اور کبھی وجوباً۔ اور آپ فعل کو باقی رکھیں اور فاعل کو حذف کر لیں یہ جائز نہیں ہے۔ اور دونوں کو حذف کر لیں تو یہ بھی جائز ہے اگر قرینہ موجود ہو۔ تو دیکھو یہاں دوسرے شخص نے کیا پوچھا؟ مَنْ قَامَ، آپ نے جواب میں صرف کیا کہا؟ زَيْدٌ، اور آپ چاہیں تو کیا کہہ سکتے ہیں؟ قَامَ زَيْدٌ، تو یہاں فعل کو حذف کرنا جائز ہے۔ اور قرینہ کیا ہے؟ سوالِ محقق۔ سوالِ محقق کسے کہتے ہیں؟ وہ سوال جو عبارت میں موجود ہو۔

اور کبھی کبھار قرینہ جو ہے وہ سوالِ مقدر ہوتا ہے، اور اس کی مثال ذکر کی تھی: لِيُبْكَ يَزِيدُ ضَارِعٌ لِخُصُومَةٍ وَمُخْتَبِطٌ مِمَّا تُطِيحُ الطَّوَائِحُ۔ لِيُبْكَ يَزِيدُ چاہیے کہ یزید پر رویا جائے۔ تو سوال پیدا ہوا کہ مَنْ يَبْكِيهِ کون اس کو روئے؟ دیکھو اب یہ

سوال لفظوں میں ذکر نہیں لیکن لِيُبْكَ يَزِيدُ کہنے سے ذہن میں یہ سوال خود بخود پیدا ہوتا ہے کہ کون اس کو روئے بھئی؟ تو آگے شاعر نے اس کا جواب دیا ضَارِعٌ أَيْ يَبْكِيهِ ضَارِعٌ، تو یہاں ضَارِعٌ فاعل ہے اور يَبْكِيهِ اس کا فعل جو ہے اس کو حذف کر لیا گیا کیونکہ قرینہ موجود ہے، اور قرینہ کیا ہے؟ وہ سوالِ مقدر ہے۔ پہلی مثال میں قرینہ کیا تھا؟ سوالِ محقق، اور اب کیا ہے؟ سوالِ مقدر جو ہے وہ قرینہ ہے تو يَبْكِي فعل کو حذف کر لیا گیا۔

اور میں نے معنی بھی بتلایا تھا اس شعر کا کہ یہ مرثیہ ہے، ایک شخص کا انتقال ہو گیا اور اس کی وفات پر اظہارِ غم کرتے ہوئے شاعر اشعار کہہ رہا ہے، تو شاعر کہتا ہے لِيُبْكَ يَزِيدُ چاہیے کہ یزید پر رویا جائے۔ تو سوال پیدا ہوا مَنْ يَبْكِيهِ کون اس کو روئے؟ تو جواب دیا يَبْكِيهِ ضَارِعٌ، ضارع کہتے ہیں عاجز اور کمزور شخص، عاجز اور کمزور شخص کو اس پر رونا چاہیے، لِخُصُومَةٍ وہ شخص جو عاجز ہے لِخُصُومَةٍ أَيْ عَنْ خُصُومَةٍ جھگڑے سے۔ جھگڑے وغیرہ سے عاجز ہے، کسی کا مقابلہ نہیں کر سکتا، اس کو یزید پر رونا چاہیے اس لیے کیونکہ یزید عاجز اور کمزور لوگوں کی مدد کیا کرتا تھا، اور اب اس کا انتقال ہو گیا ہے تو یہ شخص جو عاجز اور کمزور ہے اس کا مددگار دنیا سے چلا گیا، لہٰذا اس کو اظہارِ غم کرنا چاہیے۔ اور اسی طرح وَمُخْتَبِطٌ مِمَّا تُطِيحُ الطَّوَائِحُ، مُخْتَبِطٌ کہتے ہیں بغیر وسیلے کے یعنی بغیر تعلق کے سوال کرنے والا یعنی مانگنے والا۔ بغیر وسیلے کے سوال کرنے والا، اس شخص کو بھی رونا چاہیے یزید پر، کیونکہ جو شخص بغیر تعلق کے مانگتا ہے کوئی بھی اس کی مدد نہیں کرتا لیکن یزید ایسے لوگوں کی بھی مدد کیا کرتا تھا، لہٰذا ان جیسے، اس جیسے لوگوں کو بھی یزید پر رونا چاہیے کہ ان کا سہارا جو ہے دنیا سے چلا گیا۔ اور یہ شخص بغیر وسیلے کے، بغیر تعلق کے سوال کرنے والا کیوں ہے؟ آگے وجہ بھی ذکر کر دی، مِمَّا یہ مِنْ سببیہ ہے، مِنْ اجلیہ ہے جو علت اور سبب بیان کرتا ہے۔ وَمُخْتَبِطٌ اور وہ شخص جو بغیر وسیلے کے سوال کرنے والا ہے مِمَّا تُطِيحُ الطَّوَائِحُ اس وجہ سے کہ ہلاک کر دیا ہے الطَّوَائِحُ حوادثات نے، اور مفعول محذوف ہے مَالَهُ، اس وجہ سے کہ حوادثات نے اس کے مال کو ہلاک کر دیا ہے۔ بھئی ایک شخص ہے اس کے پاس مال تھا لیکن حوادثات، مشکلات اور تکالیف آئیں اور اس کا مال ختم ہو گیا، اب اس کے پاس مال بھی نہیں اور مال کمانے کے اسباب بھی نہیں تو اس شخص کو بھی یزید پر رونا چاہیے کیونکہ اب یہ بغیر وسیلے کے سوال کرے گا اور بغیر وسیلے کے جو سوال کرتا ہے اس کی مدد تو کوئی بھی نہیں کرتا، صرف یزید ایک کرتا تھا اور اس کا انتقال ہو گیا ہے، معنی سمجھ میں آگیا؟

اور پھر آگے یہ بتلایا تھا، کبھی کبھار یہ فعل کا حذف وجوباً ہوتا ہے اس جیسی مثالوں میں جیسے قرآن میں اللہ فرماتے ہیں وَإِنْ أَحَدٌ مِنَ الْمُشْرِكِينَ اسْتَجَارَكَ۔ میں نے آپ کو یہاں بتلایا تھا کہ یہ اسْتَجَارَكَ جو آیت میں ذکر ہے یہ تفسیر ہے یعنی مفسر ہے، اور ماقبل میں إِنْ کے بعد اسْتَجَارَكَ محذوف ہے بھئی، وہ ہے مفسر اور یہ ہے مفسر۔ اور وہ اس کو حذف کر لیا گیا، اور اس کے حذف کی وجہ سے ابہام پیدا ہوا بھئی، توجہ ہے کہ یہاں کون سا فعل محذوف ہے؟ تو آگے اسْتَجَارَكَ اس کی تفسیر لائی گئی۔ اور قرینہ کیا ہے؟ کس سے پتہ چلا کہ یہاں پر حذف کیا گیا ہے إِنْ کے بعد اسْتَجَارَكَ کو؟ میں نے بتلایا تھا کہ إِنْ حرفِ

شرط ہے اور حرفِ شرط ہمیشہ فعل پر داخل ہوتا ہے، لیکن یہاں تو إِنْ داخل ہو رہا ہے أَحَدٌ یعنی اسم پر، حالانکہ یہ تو اسم پر داخل نہیں ہوتا، یہ قرینہ ہے کہ یہاں ایک فعل محذوف ہے، اور وہ کون سا فعل محذوف ہے؟ آگے اسْتَجَارَكَ نے آکر تفسیر کر دی کہ اسْتَجَارَكَ فعل إِنْ کے بعد محذوف ہے۔ تو وہ ہوا مفسر اور یہ اسْتَجَارَكَ ثانی کیا ہے اس کی تفسیر، تو اس تفسیر کو کیوں لانا پڑا کیونکہ اول کے حذف سے ابہام پیدا ہوا، اول کے حذف سے ابہام پیدا ہوا، اگر اس کو حذف نہ کیا جاتا تو ابہام بھی پیدا نہ ہوتا، لہٰذا یہاں پر اس ثانی کو ذکر کر دیا گیا اب اول کا حذف واجب ہے، اول کا کیوں واجب ہے؟ کیونکہ ابہام آیا ہی کس کی وجہ سے تھا؟ حذف کی وجہ سے، اگر اس کو ذکر کر دیا جاتا تو ابہام نہ ہوتا، جب ابہام نہ ہوتا تو پھر ثانی کو لانا بیکار ہو جاتا بھئی، تو لہٰذا ایسے موقع پر حذف واجب ہے۔ تو دیکھو یہاں قرینہ بھی موجود ہے کہ إِنْ جو ہے وہ اسم پر داخل ہو رہا ہے، اور نیز قائم مقام بھی موجود ہے یعنی وہ مفسر بھی موجود ہے، اسْتَجَارَكَ اول کو جو حذف کیا گیا تو ثانی کو اس کا قائم مقام بنایا گیا یعنی اس کی تفسیر بنا دیا گیا، کیا بنا دیا گیا؟ تفسیر بھئی اس کا معنی یہ ادا کر رہا ہے۔

تو اس پر اشکال ہوا کہ اے صاحبِ جامی آپ کے کہنے کا تو پھر مطلب یہ ہوا کہ کہیں پر بھی مفسر اور مفسر اکٹھے نہیں ہو سکتے ورنہ مفسر کا بیکار ہونا لازم آئے گا؟ کہتے ہیں نہیں بھئی ہم نے آپ کو بتلایا کہ یہاں پر جہاں مفسر کو کیوں لایا گیا؟ ابہام کی وجہ سے، اور وہ ابہام کیوں پیدا ہوا تھا؟ حذف کی وجہ سے تو ابہام پیدا ہوا تھا اس لیے مفسر لانا پڑا، تو اس جیسے موقع پر مفسر اور مفسر کو جمع کرنا ٹھیک نہیں ہے ورنہ مفسر کا بیکار ہونا لازم آئے گا، جبکہ باقی مقامات جہاں مفسر کی ذات میں ہی ابہام ہو وہاں مفسر کے ہوتے ہوئے ہی مفسر کو لایا جاتا ہے کیونکہ مفسر کی ذات میں ابہام ہوتا ہے، جیسے جَاءَنِي رَجُلٌ أَيْ زَيْدٌ۔ دیکھو جَاءَنِي رَجُلٌ، رَجُلٌ کے اندر ابہام ہے کہ کون سا آدمی آیا بھئی یہ رَجُلٌ تو ہر آدمی پر صادق آتا ہے، تو آگے أَيْ زَيْدٌ کے ذریعے کیا کر دی گئی اس کی تفسیر کر دی گئی۔ تو یہاں دیکھو رَجُلٌ کی ذات میں ابہام ہے کس میں؟ یہاں حذف کی وجہ سے ابہام نہیں آیا، اگر حذف کی وجہ سے ابہام آیا ہوتا پھر تو رَجُلٌ کو لانا ہی ٹھیک نہ ہوتا، بلکہ یہاں ابہام کیوں ہے؟ رَجُلٌ کی ذات میں ابہام ہے کہ اس سے کون سا رَجُلٌ مراد ہے، آگے زَيْدٌ نے آکر اس ابہام کو دور کر دیا، جبکہ ماقبل جو مثال گزری اس میں جو ابہام آیا وہ کس وجہ سے آیا تھا؟ اسْتَجَارَكَ کے اپنے معنی میں کوئی ابہام نہیں ہے، اسْتَجَارَكَ کا معنی تو یہ ہے کوئی پناہ مانگے آپ سے، تو اس کا معنی تو ظاہر ہے بھئی، وہاں اس کو حذف کیا گیا، حذف کی وجہ سے ابہام آیا اور پھر آگے تفسیر لانا پڑی، اگر اس کو حذف ہی نہیں کریں گے، ذکر کر دیں گے پھر تو آگے تفسیر کے لانے کا کوئی فائدہ نہیں ہے اس کا معنی تو ظاہر ہے۔ تو وہاں اسْتَجَارَكَ کا اپنا معنی ظاہر تھا اس میں کوئی ابہام نہیں تھا، ابہام جو آیا وہ حذف کی وجہ سے آیا، اور یہاں رَجُلٌ کی اپنی ذات میں ہی ابہام ہے بھئی، بات سمجھ میں آگئی؟

اور پھر انہوں نے آپ کو یہ بھی بتلایا کہ کبھی کبھار فعل اور فاعل دونوں کو بھی حذف کر لیا جاتا ہے جب قرینہ موجود

ہو۔ مثلاً کسی نے آپ سے پوچھا أَقَامَ زَيْدٌ کیا زید کھڑا ہو گیا ہے؟ آپ جواب میں کہتے ہیں نَعَمْ ہاں۔ تو صرف اتنا جواب دے دیں یہ بھی کافی، اور آپ جواب میں کہیں نَعَمْ قَامَ زَيْدٌ تو یوں بھی آپ کہہ سکتے ہیں۔ تو آپ نَعَمْ قَامَ زَيْدٌ بھی کہہ سکتے ہیں اور صرف نَعَمْ بھی کہہ سکتے ہیں، تو جب آپ صرف نَعَمْ کہتے ہیں تو آپ نے قَامَ زَيْدٌ کو کیا کر لیا؟ حذف کر لیا، کیوں حذف کر لیا کیونکہ قرینہ موجود ہے کہ سوال کے اندر قَامَ بھی موجود تھا اور زَيْدٌ بھی، اس نے کیا سوال کیا تھا؟ أَقَامَ زَيْدٌ دیکھو قَامَ بھی موجود اور زَيْدٌ بھی موجود ہے تو جواب میں صرف نَعَمْ کہا تو اس سے بات سمجھ میں آگئی کہ أَيْ نَعَمْ قَامَ زَيْدٌ بھئی۔

اب آگے دیکھیے بھئی، کہتے ہیں وَإِذَا تَنَازَعَ الْفِعْلَانِ بَلِ الْعَامِلَانِ إِذِ التَّنَازُعُ يَجْرِي فِي غَيْرِ الْفِعْلِ أَيْضًا نَحْوُ زَيْدٌ مُعْطٍ وَمُكْرِمٌ عَمْرًا، وَبَكْرٌ كَرِيمٌ وَشَرِيفٌ أَبُوهُ۔ اب تنازعِ فعلین کا مسئلہ آیا بھئی۔ تنازعِ فعلین کا مسئلہ اس سے پہلے وہی ترکیب کی کچھ باتیں دوبارہ سن لیں بھئی مختصراً۔ آپ نے پڑھا ہے ہر فعل کے لیے ہمیشہ

فاعل یا نائب فاعل ضرور چاہیے، توجہ ہے؟ فعلِ معروف کے لیے ہمیشہ کیا چاہیے؟ فاعل، اور فعلِ مجہول کے لیے کیا چاہیے؟ نَائِبُ الْفَاعِلِ۔ تو یہاں ہماری بحث صرف چونکہ فاعل کے بارے میں چل رہی ہے اور فاعل فعلِ معروف کے لیے آتا ہے تو ہم بھی یہاں صرف فعلِ معروف کی بات کریں گے، باقی آپ فعلِ مجہول کو اسی پر قیاس کر سکتے ہیں، دونوں کا بالکل ایک جیسا طریقہ ہے، بات سمجھ میں آرہی ہے؟

تو ہر فعلِ معروف کے لیے ہمیشہ کیا چاہیے؟ فاعل چاہیے۔ اور میں نے آپ کو بتلایا کہ فاعل ہمیشہ فعل کے بعد آتا ہے، فعل کے اور معمولات فعل پر مقدم ہو سکتے ہیں لیکن فاعل کبھی بھی فعل پر مقدم نہیں ہو سکتا۔ تو فاعل ہمیشہ فعل کے بعد آئے گا اور پھر یہ فاعل یا نائب فاعل ایک ہی آسکتا ہے، ایک سے زیادہ نہیں آسکتے، اور پھر یہ فاعل یا نائب فاعل ضمیر بھی ہو سکتی ہے اور اسمِ ظاہر بھی ہو سکتا ہے۔ اسمِ ظاہر کسے کہتے ہیں میں نے آپ کو بتلایا تھا کہ تمام دنیا کے اسم لے لیں اور اس میں سے ضمیریں نکال دیں تو باقی سارے اسم کیا ہیں؟ اسمِ ظاہر ہیں بھئی، تو یہ اسمِ ظاہر اسمِ ضمیر کے مقابلے کے اندر ہے بھئی۔ تو یہ اسمِ ضمیر کے مقابلے میں ہے۔

تو فعل کے لیے فاعل ہمیشہ چاہیے، وہ فاعل ضمیر بھی آسکتی ہے اور اسمِ ظاہر بھی آسکتا ہے لیکن ایک وقت میں ایک ہی آئے گا، اگر آپ فعل کے لیے فاعل ضمیر لے آتے ہیں تو اسمِ ظاہر نہیں آسکتا، اور اگر اسمِ ظاہر لے آتے ہیں تو پھر ضمیر فاعل نہیں آسکتی۔ اور پھر آپ کو یہ بھی میں نے بتلایا تھا کہ ماضی کے بھی چودہ صیغے، مضارع کے بھی چودہ صیغے لیکن ان کے اندر اسمِ ظاہر صرف دو صیغوں کے لیے فاعل بن سکتا ہے، ایک پہلا صیغہ اور ایک چوتھا صیغہ، پہلا صیغہ کون سا؟ واحد مذکر غائب چاہے ماضی میں ہو چاہے مضارع میں ہو، اسی طرح چوتھا صیغہ کون سا؟ واحد مؤنث غائب چاہے ماضی میں ہو چاہے مضارع میں ہو، تو یہ جو پہلا اور چوتھا صیغہ ہیں ان کے لیے فاعل اسمِ ظاہر آسکتا ہے، باقی جو بارہ صیغے ہیں ان کے

ساتھ فاعل کی ضمیر ہمیشہ جڑی ہوئی ہوگی، پھر کبھی وہ ظاہر یعنی بارز ہوگی اور کبھی اسی فعل کے اندر چھپی ہوئی ہوگی۔ تو یہ دو صیغے اگر کلام کے اندر آجائیں تو پھر آگے آپ تلاش کریں کہ کوئی لفظ، کوئی اسم ان کے لیے فاعل تو نہیں بن رہا، اگر ان کے علاوہ کوئی صیغہ آئے تو پھر اسی صیغے کے ساتھ جڑی ہوئی یا اس کے اندر چھپی ہوئی کوئی ضمیر ہوگی فاعل کی، آگے تلاش کرنے کی ضرورت ہی نہیں۔ تو صرف پہلا اور چوتھا صیغہ جن کے لیے فاعل اسمِ ظاہر آسکتا ہے۔

اور اسمِ ظاہر وہ تو مفرد بھی ہو سکتا ہے، تثنیہ بھی ہو سکتا ہے، جمع بھی ہو سکتا ہے، زَیْدٌ، اَلزَّیْدَانِ، اَلزَّیْدُونَ۔ تو کوئی بھی فاعل ہو لیکن جب وہ اسمِ ظاہر ہو تو آپ نے پھر یہ نہیں دیکھنا کہ یہ مفرد ہے، تثنیہ ہے یا جمع ہے، جب اسمِ ظاہر ہو، دیکھو زَیْدٌ یہ بھی کیا ہے؟ اسمِ ظاہر، اَلزَّیْدَانِ بھی کیا ہے؟ اسمِ ظاہر، اور اَلزَّیْدُونَ بھی کیا ہے؟ اسمِ ظاہر۔ تو جب فاعل اسمِ ظاہر ہو چاہے مفرد ہو تثنیہ ہو یا جمع ہو، فعل کو ہمیشہ آپ نے پہلا یا چوتھا صیغہ ہی رکھنا ہے، اور پہلا صیغہ بھی مفرد کا ہے اور چوتھا بھی مفرد کا ہے، پہلا واحد مذکر غائب کا ہے تو چوتھا واحد مؤنث غائب کا ہے، تو مذکر کے لیے مذکر والا صیغہ لانا، مؤنث کے لیے مؤنث والا، لیکن دونوں صیغے مفرد کے ہیں، اور آگے فاعل اسمِ ظاہر جو بھی ہو چاہے وہ مفرد ہو تثنیہ ہو یا جمع ہو، جب بھی فاعل اسمِ ظاہر کو بنائیں تو فعل کو آپ نے ہمیشہ مفرد رکھنا ہے۔ مثلاً میں نے کہا ضَرَبَ زَیْدٌ۔ زَیْدٌ اسمِ ظاہر ہے اس کو میں نے ضَرَبَ کے لیے کیا بنایا؟ فاعل۔ اب میں اَلزَّیْدَانِ کو فاعل بنانا چاہتا ہوں تو کیا کہوں گا؟ ضَرَبَ اَلزَّیْدَانِ، ضَرَبَا تثنیہ نہیں لے کر آؤں گا، آپ کہیں جی ضَرَبَا تثنیہ لائیں کیونکہ آگے اَلزَّیْدَانِ تثنیہ ہے، نہیں نہیں۔ اگر آپ ضَرَبَا لے آئے تو ضَرَبَا ان دو صیغوں میں سے ہے؟ ضَرَبَا پہلا یا چوتھا صیغہ ہے؟ نہیں یہ تو دوسرا صیغہ ہے اور اس کے ساتھ تو یہ الف ضمیر فاعل کی جڑی ہوئی ہے، تو جب ضَرَبَا لائیں گے تو پھر یہ الف فاعل بنے گا، آگے اَلزَّیْدَانِ فاعل نہیں بن سکتا۔ تو فاعل جب اسمِ ظاہر ہو تو فعل کو ہمیشہ مفرد رکھتے ہیں یعنی یا پہلا صیغہ یا چوتھا صیغہ، پہلا کس کے لیے؟ مذکر کے لیے، چوتھا کس کے لیے؟ مؤنث کے لیے۔ مثلاً پھر دیکھیں، میں زید کو فاعل بنانا چاہتا ہوں ضَرَبَ کے لیے، کیسے کہوں گا؟ ضَرَبَ زَیْدٌ۔ میں اَلزَّیْدَانِ کو فاعل بنانا چاہتا ہوں یہ بے شک تثنیہ ہے لیکن ہے تو اسمِ ظاہر، اور اسمِ ظاہر تو صرف پہلے یا چوتھے صیغے کے لیے فاعل بن سکتا ہے، چوتھے کو ابھی نہ دیکھیں کیونکہ وہ مؤنث کے لیے ہے، وہ کیا ہے؟ تو اس کے لیے پھر گویا پہلا صیغہ ہی لانا پڑے گا، ضَرَبَ اَلزَّیْدَانِ۔ اب میں اَلزَّیْدُونَ کو فاعل بنانا چاہتا ہوں یہ بے شک جمع ہے لیکن ہے تو اسمِ ظاہر، اور اسمِ ظاہر کے لیے فعل پھر وہی پہلا لائیں گے، ضَرَبَ اَلزَّیْدُونَ۔ اگر مؤنث ہو اس کے لیے پھر چوتھا لائیں گے، ضَرَبَتْ هِنْدٌ، تثنیہ لاؤ اَلْهِنْدَانِ، ضَرَبَتْ اَلْهِنْدَانِ، اور اَلْهِنْدَاتُ جمع لے آؤ، تو ضَرَبَتْ اَلْهِنْدَاتُ۔ تو مؤنث کے لیے دیکھو ضَرَبَتْ چوتھا صیغہ لائے، اور وہ بھی دیکھو مفرد کا صیغہ ہے، اور فاعل چاہے آگے هِنْدٌ آئے، اَلْهِنْدَانِ تثنیہ آئے، چاہے اَلْهِنْدَاتُ جمع آئے، لیکن ہے تو اسمِ ظاہر، تو فعل کو ہمیشہ کیا رکھتے ہیں؟ مفرد رکھتے ہیں۔ یہاں تک بات سمجھ میں آگئی، ضابطہ کیا ہوا؟ کہ فاعل جب اسمِ ظاہر ہو فعل کو ہمیشہ کیا رکھیں گے؟ مفرد رکھیں گے یعنی پہلا صیغہ یا چوتھا صیغہ، پہلا بھی مفرد کا ہے چوتھا بھی مفرد کا ہے، البتہ صرف فرق

اتنا ہے پہلا مذکر کے لیے ہے اور چوتھا مؤنث کے لیے ہے۔

یہاں تک ضابطے سمجھ میں آ گئے، اب آئیے تنازعِ فعلین پر بھئی۔ تنازعِ فعلین یہ ہے کہ دو فعل آپس میں جھگڑا کریں ایک ایسے اسمِ ظاہر کے بارے میں جو ان دونوں کے بعد آ رہا ہے۔ بھئی دو فعل آئے، توجہ ہے؟ دو فعل آئے اور ان کے بعد ایک اسمِ ظاہر آیا، اب اس اسمِ ظاہر میں دو فعل جھگڑا کر رہے ہیں، مراد یہ ہے کہ دونوں فعل اس کی طرف متوجہ ہیں، دونوں فعل چاہتے ہیں یہ ہمارے لیے معمول بنے، ہم اس کے اندر عمل کریں بھئی۔ تو تنازعِ فعلین کسے کہتے ہیں؟ کہ دو فعل آئیں اور اس کے بعد کوئی اسمِ ظاہر آئے اور دونوں فعل چاہتے ہیں کہ یہ ہمارا معمول بنے، پہلا فعل چاہتا ہے میں اس کے اندر عمل کروں اور میں اس کو رفع یا نصب دوں، اور دوسرا فعل چاہتا ہے میں اس میں عمل کروں اور میں اس کو رفع یا نصب دوں، تو اس کو کہتے ہیں تنازعِ فعلین، دو فعلوں کا جھگڑنا کس کے بارے میں؟ ایک ایسے اسمِ ظاہر کے بارے میں بَعْدَهُمَا جو ان دونوں کے بعد آئے۔ صاحبِ جامی آپ کو بتلائیں گے کہ اسمِ ظاہر کا دونوں کے بعد ہونا ضروری ہے، اگر دونوں سے پہلے ہوا اسمِ ظاہر یا دونوں کے درمیان ہوا تو بھی اس میں پھر پہلا ہی عمل کرے گا، کون عمل کرے گا؟ پہلا عمل کرے گا کیونکہ پہلا پہلے آیا ہے وہ زیادہ حقدار ہے۔

تو یہاں یاد رکھو بھئی، یہاں چار صورتیں بنتی ہیں۔ دو فعلوں کا جھگڑا ہے، آگے ایک اسمِ ظاہر آ رہا ہے، دونوں فعل چاہتے ہیں یہ ہمارے لیے فاعل بنے، پہلا فعل چاہتا ہے یہ میرے لیے فاعل بنے میں اس کو رفع دوں، دوسرا فعل چاہتا ہے کہ میرے لیے فاعل بنے میں اس کو رفع دوں۔ اور دوسری صورت یہ ہے کہ دونوں فعل اس اسمِ ظاہر کو اپنا مفعول بنانا چاہتے ہیں، پہلا فعل چاہتا ہے یہ میرے لیے مفعول بنے میں اس کو نصب دوں، دوسرا فعل چاہتا ہے یہ میرے لیے مفعول بنے میں اس کو نصب دوں۔ اور تیسری صورت یہ ہے کہ دونوں تقاضے میں مختلف ہوں، یعنی ایک فاعل کا تقاضا کر رہا ہے اور دوسرا مفعول کا، تو اس میں پھر دو صورتیں ہو گئیں، پہلی صورت کیا؟ پہلا فعل فاعل کا تقاضا کر رہا ہے اور دوسرا مفعول کا، اور چوتھی صورت کیا؟ کہ پہلا مفعول کا تقاضا کر رہا ہو اور دوسرا فاعل کا تقاضا کر رہا ہو، تو کتنی صورتیں ہو گئیں؟ چار صورتیں ہو گئیں، یہاں تک بات سمجھ میں آ گئی؟ پھر دہرائیں، تنازعِ فعلین کسے کہتے ہیں؟ کہ دو فعل جھگڑا کریں ایک اسمِ ظاہر کے بارے میں جو ان کے بعد آ رہا ہے، دونوں فعلوں میں سے ہر ایک چاہتا ہے کہ میں اس کے اندر عمل کروں، یہ میرا معمول بنے۔ اور اس میں پھر کل کتنی صورتیں ہیں؟ چار صورتیں۔ پہلی صورت کیا؟ کہ دونوں فاعلیت کا تقاضا کریں، پہلا فعل چاہتا ہے یہ میرے لیے فاعل بنے دوسرا چاہتا ہے میرے لیے فاعل بنے۔ یا دوسری صورت یہ ہے دونوں مفعولیت کا تقاضا کریں، پہلا فعل چاہتا ہے یہ میرے لیے مفعول بنے اور دوسرا چاہتا ہے میرے لیے مفعول بنے۔ اور تیسری صورت کیا؟ کہ پہلا فاعل ہونے کا تقاضا کرے اور دوسرا مفعول ہونے کا۔ اور چوتھی صورت کیا؟ کہ پہلا مفعول ہونے کا تقاضا کرے اور دوسرا فاعل ہونے کا تقاضا کرے، تو یہاں چار صورتیں بنتی ہیں بھئی۔

پھر یاد رکھنا یہ جو تنازعِ فعلین ہے اس کے اندر دو بڑے اختلاف ذکر کریں گے، ایک اختلاف ہے جواز اور عدمِ جواز کا، اور ایک اختلاف ہے اولیٰ اور خلافِ اولیٰ کا۔ ایک اختلاف کس کا ہے؟ جواز اور عدمِ جواز کا، یہ اختلاف ہے امام فراء اور جمہور کے درمیان۔ امام فراء فرماتے ہیں وہ صورت جس میں پہلا فاعل کا تقاضا کرے، توجہ ہے؟ پہلا فعل کس کا تقاضا کرے؟ فاعل کا، تو اس میں پہلے ہی کو عامل بنانا لازم ہے، ثانی کو عامل بنا ہی نہیں سکتے، جائز ہی نہیں ہے۔ جمہور تو کہتے ہیں چاہے پہلے کو عامل بناؤ چاہے دوسرے کو عامل بناؤ دونوں جائز ہیں، توجہ ہے؟ دو فعل آئے آگے ایک اسمِ ظاہر آیا، جمہور کہتے ہیں چاہے پہلے کو عامل بنا دو چاہے دوسرے کو عامل بنا دو، لیکن امام فراء فرماتے ہیں کہ وہ صورت جس میں، توجہ ہے؟ کون سی صورت؟ ہاں زبان سے دہراؤ، جس میں پہلا فعل کس کا تقاضا کرے؟ فاعل کا، اس صورت میں پہلے ہی کو عامل بنانا پڑے گا، دوسرے کو عامل بنا ہی نہیں سکتے بھئی۔ تو دیکھو یہ اختلاف ہے جواز اور عدمِ جواز کا، پہلا جب فاعل کا تقاضا کر رہا ہو تو جمہور کے نزدیک ثانی کو عامل بنانا جائز ہے، جبکہ امام فراء کے نزدیک جائز ہی نہیں ہے۔ تو یہ اختلاف کس کا ہے؟ جواز اور عدمِ جواز کا، جمہور کیا کہتے ہیں ثانی کو اس صورت میں عامل بنانا جائز ہے، اور امام فراء فرماتے ہیں جائز ہی نہیں ہے۔

دوسرا اختلاف جمہور کا آپس میں ہے، جمہور کا کیا معنی؟ جمہور کا معنی اکثر، اکثر۔ جمہور نحوی یعنی اکثر نحوی۔ تو پہلا اختلاف کس کا ہے؟ امام فراء کا ہے جمہور نحویوں کے ساتھ یعنی اکثر نحوی حضرات کے ساتھ۔ اور دوسرا اختلاف جمہور کا آپس میں ہے اولیٰ اور خلافِ اولیٰ کا، اور اس میں اختلاف ہے بصرہ اور کوفہ کے نحویوں کا بھئی۔ یاد رکھو بصرہ کے اندر بھی بڑے بڑے علماء گزرے ہیں، اسی طرح کوفہ کے اندر بھی بڑے بڑے علماء گزرے ہیں، تو یہ بصرہ اور کوفہ یہ دو شہر تھے، اس میں جو بڑے بڑے نحوی حضرات گزرے ہیں ان کے آپس میں بعض مسائل کے اندر اختلافات تھے، علماء نے شمار کیے ہیں تقریباً کوئی ایک سو دس کے لگ بھگ مسائل ہیں نحوی جن کے اندر کوفہ والے اور بصرہ والے آپس میں اختلاف کرتے ہیں، اور ہر ایک اپنے اپنے دلائل ذکر کرتا ہے۔ تو دوسرا اختلاف جو ہے وہ آپس میں بصرہ اور کوفہ والوں کا ہے۔ بھئی اس میں تو دونوں کا اتفاق ہے کہ پہلے کو عامل بنانا بھی جائز، دوسرے کو عامل بنانا بھی جائز، لیکن بہتر کیا ہے؟ اولیٰ کیا ہے؟ کس کو عامل بنانا اچھا ہے؟ تو بصرہ والے کہتے ہیں کہ ثانی کو عامل بنانا بہتر ہے، اور کوفہ والے کہتے ہیں پہلے کو عامل بنانا بہتر ہے۔

اس میں تو دونوں کا اتفاق، چاہے پہلے کو عامل بنا دو یہ بھی جائز، دوسرے کو عامل بنا دو یہ بھی جائز، لیکن بہتر کیا ہے؟ اولیٰ کیا ہے؟ تو کوفہ والے کیا کہتے ہیں؟ پہلے کو عامل بنانا اولیٰ، اور بصرہ والے کیا کہتے ہیں؟ ثانی کو عامل بنانا اولیٰ ہے۔ اس میں پھر طلباء کو عموماً اشتباہ لگ جاتا ہے کہ کس کا مذہب کیا ہے؟ کوفہ والے کس کو عامل بنانے کو ترجیح دیتے ہیں اور بصرہ والے کس کو عامل بنانے کو ترجیح دیتے ہیں؟ تو ان کے پہلے حرف کو یاد رکھنا، کوفہ کے شروع میں ہے کاف، اور بصرہ کے شروع میں ہے با، اور پہلے با آتی ہے حروفِ تہجی میں یا کاف؟ با۔ تو جو پہلے ہے وہ ثانی کو ترجیح دیتے ہیں، اور کاف بعد میں آتا ہے

وہ پہلے کو ترجیح دیتے ہیں۔ تو بصرہ والے کیا کہتے ہیں؟ ہاں؟ جو پہلے ہے وہ بعد والے کو ترجیح دیتے ہیں اور جو بعد میں ہے وہ پہلے کو ترجیح دیتے ہیں، با پہلے ہے یا کاف؟ با پہلے ہے تو با والے دوسرے کو ترجیح دیتے ہیں کہ دوسرے کو عامل بناؤ، اور کاف بعد میں ہے با کے تو وہ پہلے کو ترجیح دیتے ہیں کہ پہلے کو عامل بناؤ، بات سمجھ میں آگئی؟

یہاں تک بات سمجھ میں آگئی؟ تو پھر سنو، پھر سنو، تنازعِ فعلین کے اندر دو بڑے اختلاف ہیں بھئی، ایک اختلاف ہے جواز اور عدمِ جواز کا، اور ایک اختلاف ہے اولیٰ اور خلافِ اولیٰ کا۔ جواز اور عدمِ جواز کا اختلاف ہے امام فراء کا جمہور نحویوں کے ساتھ، جمہور نحوی تو فرماتے ہیں چاہے پہلے کو عامل بناؤ چاہے دوسرے کو عامل بناؤ دونوں جائز ہیں، لیکن امام فراء فرماتے ہیں کہ وہ صورت جس میں پہلا فاعل کا تقاضا کر رہا ہو تو پہلے فعل کو ہی عامل بنانا پڑے گا، دوسرے کو عامل بنا ہی نہیں سکتے، جائز ہی نہیں ہے، یہ کون فرماتے ہیں؟ امام فراء۔ تو دیکھو یہ اختلاف کس کا ہوا؟ جواز اور عدمِ جواز کا، امام فراء فرماتے ہیں ثانی کو عامل بنانا جائز ہی

نہیں اور جمہور کہتے ہیں ثانی کو عامل بنانا جائز ہے بھئی۔ اور دوسرا اختلاف جمہور کا آپس میں ہے اس پر تو دونوں کا اتفاق ہے کہ دونوں میں سے جس کو بھی عامل بنا دیا جائے یہ جائز ہے۔ لیکن اولیٰ کیا ہے، کس کو عامل بنانا اولیٰ ہے؟ تو بصرہ والے کہتے ہیں ثانی کو عامل بنانا اولیٰ ہے اور کوفہ والے کہتے ہیں پہلے کو عامل بنانا اولیٰ ہے۔

اچھا ان کی دلیلیں بھی یاد رکھو، آسان سی دلیلیں ہیں مختصر سی بھئی۔ امام فراء کیا فرماتے ہیں کہ جب پہلا فاعل کا تقاضا کرے تو اسی کو عامل بنائیں گے، ثانی کو عامل نہیں بنا سکتے۔ وجہ یہ کہتے ہیں اگر آپ ثانی کو عامل بنائیں گے، ثانی کو، تو پہلا کس کا تقاضا کر رہا ہے؟ فاعل کا، تو آپ کو یا تو فاعل کی ضمیر لانا پڑے گی یا آپ کو فاعل کو سرے سے حذف ماننا پڑے گا، دو ہی صورتیں ہیں۔ یا آپ کو فاعل کی، بھئی آپ پہلا فعل کس کا تقاضا کر رہا ہے؟ فاعل کا، اور آپ نے عامل کس کو بنا دیا؟ دوسرے کو۔ تو امام فراء فرماتے ہیں جب دوسرے کو عامل بنایا تو پہلا تو فاعل کا تقاضا کر رہا ہے تو اس کے لیے یا تو فاعل کی ضمیر لانا پڑے گی یا فاعل کو محذوف ماننا پڑے گا، اور دونوں ہی جائز نہیں۔ فاعل کو آپ محذوف مان لیں، ابھی آپ نے گزشتہ سبق میں بھی پڑھا کیا کہ فعل کو باقی رکھیں اور فاعل کو حذف کر دیں یہ جائز نہیں ہے۔ فاعل کو باقی رکھیں اور فعل کو حذف کر دیں یہ تو جائز ہے لیکن فاعل کو حذف کر دیں اور فعل کو باقی رکھیں یہ جائز نہیں۔ تو امام فراء فرماتے ہیں یا تو آپ کو فاعل کو حذف ماننا پڑے گا اور یہ جائز نہیں، یا آپ کو فاعل کی ضمیر لانا پڑے گی اور یہ ضمیر، وہ اسمِ ظاہر تو آگے آرہا ہے تو یہ اضمار قبل الذکر ہوا، ضمیر پہلے آگئی اور مرجع بعد میں۔ توجہ ہے؟ وہ اسمِ ظاہر کہاں پر ہے جس میں دونوں جھگڑ رہے تھے؟ وہ دونوں فعلوں کے بعد ہے، اور ضمیر آپ کس میں لے آئے؟ پہلے فعل میں لے آئے، تو یہ تو اضمار قبل الذکر ہوا بھئی۔

توجہ ہے؟ دو فعل ہیں آپس میں جھگڑ رہے ہیں ایک اسمِ ظاہر کے بارے میں جو ان دونوں کے بعد ہے۔ پہلا فعل کیا

تقاضا کر رہا ہے؟ یہ میرے لیے فاعل بنے، لیکن آپ نے کس کو عامل بنایا؟ ثانی کو۔ جب ثانی کو عامل بنایا تو پہلے کے لیے بھی فاعل چاہیے، تو اس میں پھر دو ہی صورتیں، یا تو اس فاعل کو کیا کر لیں گے آپ؟ حذف کر لیں گے لیکن حذفِ فاعل تو جائز نہیں، یا فاعل کی ضمیر لائیں گے اور یہ ضمیر کس کو راجع ہے؟ اس اسمِ ظاہر کو جو آگے چل کر آرہا ہے، تو پھر اس صورت میں کیا خرابی لازم آئے گی؟ اضمار قبل الذکر، مرجع کے آنے سے پہلے ضمیر آگئی اور مرجع سے پہلے ضمیر کا لانا تو جائز نہیں۔ تو امام فراء کیا فرماتے ہیں جب پہلا فاعل کا تقاضا کر رہا ہو تو پہلے ہی کو عامل بنائیں گے ورنہ دو خرابیوں میں سے ایک خرابی ضرور لازم آئے گی، یا تو آپ کو پہلے فعل کے لیے فاعل کو محذوف ماننا پڑے گا یا فاعل کی ضمیر لانا پڑے گی، اور دونوں ہی صورتیں جائز نہیں ہیں، فاعل کو حذف کرنا بھی جائز نہیں اور ضمیر لانا بھی جائز نہیں کیونکہ اس صورت میں اضمار قبل الذکر لازم آئے گا، ضمیر پہلے آگئی اور مرجع جو ہے وہ آگے چل کر آرہا ہے، بات سمجھ میں آگئی؟

تو جمہور پھر جواب دیتے ہیں اس صورت میں یاد رکھنا، یہ ساری تفصیل آگے آئے گی لیکن بنیادی طور پر یہ موٹی موٹی باتیں ذہن نشین کر لیں بھئی۔ جمہور پھر جواب دیتے ہیں کہ ہم اضمار والی صورت اختیار کرتے ہیں، حذفِ فاعل تو ہمارے نزدیک بھی جائز نہیں۔ حذفِ فاعل تو ہمارے نزدیک بھی جائز نہیں ہے، البتہ ہم ضمیر لے آتے ہیں اور اضمار قبل الذکر عمدہ میں جائز ہے بشرطِ تفسیر۔ اضمار قبل الذکر عمدہ میں جائز ہے بشرطِ تفسیر۔

کیا، کیسے؟ دیکھو، دو فعل آئے، توجہ ہے؟ دو فعل آئے۔ آپ نے کس کو عامل بنایا؟ ثانی کو۔ پہلا فاعل کا تقاضا کر رہا ہے، امام فراء سے اختلاف چل رہا ہے۔ پہلا کس کا تقاضا کر رہا ہے؟ فاعل کا، آپ نے عامل کس کو بنایا؟ ثانی کو۔ جب ثانی کو عامل بنا دیا تو اب پہلے فعل کے لیے یا فاعل کو محذوف ماننا پڑے گا یا ضمیر لانا پڑے گی۔ امام فراء نے کیا کہا تھا؟ فاعل کو حذف بھی نہیں کر سکتے اور ضمیر بھی نہیں لا سکتے۔ تو جمہور جواب دیتے ہیں کہ حذف والی صورت کو تو ہم بھی نہیں اختیار کرتے، فعل ہو اور فاعل کو حذف کر لیا جائے یہ جائز نہیں، ہاں ضمیر لے آتے ہیں ہم اس میں، پہلے ضَرَبَنِي کے اندر هُوَ ضمیر ہم لے آئے، یہ هُوَ ضمیر کس کو راجع ہے؟ زَيْدٌ کو راجع۔ تو آپ نے کیا کہا کہ کیا خرابی لازم آئی؟ اضمار قبل الذکر، مرجع کے آنے سے پہلے ہی ضمیر لے آئے آپ۔ تو جواب اس کا جمہور یہ دیتے ہیں کہ اضمار قبل الذکر عمدہ میں جائز ہے بشرطِ تفسیر۔ اضمار قبل الذکر عمدہ میں جائز ہے بشرطِ تفسیر۔

بھئی یاد رکھو یہ عمدہ کا لفظ آیا، پہلے بھی میں بیان کر چکا ہوں، ایک لفظ ہے عمدہ، ایک ہے فضلہ، یہ کلام کے اندر جگہ جگہ استعمال ہوتے ہیں۔ عمدہ کسے کہتے ہیں اور فضلہ کسے کہتے ہیں؟ یاد رکھو، عمدہ جو کلام کے بنیادی ارکان ہیں ان کو عمدہ کہتے ہیں، اور کلام جو ہے مسند اور مسند الیہ سے مل کر بنتا ہے، تو مسند بھی عمدہ اور مسند الیہ بھی عمدہ۔ مسند اور مسند الیہ موجود ہوں تو کلام پورا ہے۔ مثلاً ضَرَبَ زَيْدٌ، ضَرَبَ فعل زَيْدٌ اس کا فاعل، فعل کیا ہے؟ مسند، اور فاعل کیا ہے؟ مسند الیہ،

تو ان دو سے مل کر دیکھو کلام پورا ہو گیا، آگے ضَرَبَ زَيْدٌ عَمْرًا، عَمْرًا مفعول بہ ہے لیکن وہ اس کو چاہے ذکر کریں یا نہ ذکر کریں مسند اور مسند الیہ موجود ہیں کلام پورا ہے۔ تو چاہے میں اب یوں کہوں ضَرَبَ زَيْدٌ عَمْرًا میں مفعول کو ذکر کر دوں اور چاہے میں مفعول کو کیا کر دوں؟ حذف کر دوں، کلام پھر بھی پورا ہے، بات سمجھ میں آگئی؟ صرف ایک فرق اتنا پڑے گا ایک صورت میں آپ کو مفعول کا پتہ نہیں چلے گا جب میں نے اس کو حذف کر دیا، اور جب مفعول کو ذکر کروں گا آپ کو مفعول کا پتہ چل جائے گا۔ ضَرَبَ زَيْدٌ عَمْرًا دیکھو آپ کو پتہ لگ گیا کہ پٹائی کس کی ہوئی ہے؟ عمرو کی، اور میں صرف کہوں ضَرَبَ زَيْدٌ تو بات ابھی بھی آپ کو پوری سمجھ میں آگئی کہ معلوم ہوا زید نے پٹائی کی ہے، ہاں یہ آپ کو پتہ نہیں چلا کہ مفعول کون ہے، کوئی حرج نہیں، پتہ نہ چلے ہو سکتا ہے متکلم بتانا ہی نہیں چاہتا کہ کس کی پٹائی کی ہے اس نے، لیکن کلام پھر بھی پورا ہے۔

تو دیکھو مفعول، مفعول بہ ہے، مفعول مطلق ہے، مفعول معہ ہے، حال ہے، تمیز وغیرہ یہ سب زائد چیزیں ہیں، یہ سب کیا ہیں؟ تو یہ نہ مسند ہیں اور نہ مسند الیہ ہیں، تو لہٰذا ان کو فضلہ کہتے ہیں۔ تو جو کلام کے بنیادی جز کون کون سے ہیں؟ مسند اور مسند الیہ، ان کو کہتے ہیں عمدہ۔ جملہ اسمیہ کس سے مل کر بنتا ہے؟ بتدا اور خبر سے، بتدا کیا ہوتا ہے؟ مسند الیہ، اور خبر کیا ہوتی ہے؟ مسند، تو یہ دونوں بھی عمدہ ہیں۔ اور اسی طرح جملہ فعلیہ کے اندر ایک فعل ہے اور آگے فاعل یا نائب فاعل آتا ہے، یہ دونوں بھی کیا ہیں؟ عمدہ، بات سمجھ میں آگئی۔ لیکن عموماً جب عمدہ کا لفظ بولا جائے تو اسم کے لیے بولا جاتا ہے، کس کے لیے؟ اسم، لہٰذا فعل کو نکال دو، تو جب عمدہ کا لفظ بولا جائے تو تین چیزیں مراد لیتے ہیں عموماً، کون سی؟ بتدا، خبر اور فاعل یا نائب فاعل۔ توجہ ہے؟ پھر سنو، جملہ دو قسم پر ہے، ایک جملہ اسمیہ ایک جملہ فعلیہ۔ جملہ اسمیہ میں کیا کیا ہیں؟ بتدا اور خبر، بتدا ہے مسند الیہ اور خبر ہے مسند، دونوں عمدہ ہیں کیونکہ ان سے مل کر کلام پورا ہو جاتا ہے۔ جملہ فعلیہ میں فعل ہے اور آگے فاعل یا نائب فاعل آئے گا، فعل معروف ہو تو فاعل آئے گا فعل مجہول ہو تو نائب فاعل، تو یہ جو فعل ہے یہ ہے مسند اور یہ جو فاعل یا نائب فاعل ہے یہ مسند الیہ، تو یہ دونوں کیا ہیں؟ عمدہ۔ لیکن عمدہ بول کر عموماً اسم مراد لیتے ہیں، کیا مراد لیتے ہیں؟ اسم۔ تو اس میں سے ایک تو فعل ہے جملہ فعلیہ میں مسند تو فعل ہے لہٰذا اس کو نکال دو، اب جب میں عمدہ کا لفظ کہوں تو کتنی چیزیں رہ گئیں؟ تین چیزیں۔ دیکھو بھئی جملہ فعلیہ اور جملہ اسمیہ، جملہ اسمیہ کے اندر عمدہ کیا کیا؟ بتدا اور خبر، جملہ فعلیہ میں کیا ہے؟ فعل اور فاعل یا نائب فاعل، فعل کو ذرا نکال دو، اب کل کتنی چیزیں رہ گئیں؟ ہاں کل کتنی چیزیں رہ گئیں؟ تین چیزیں، بتدا، خبر اور فاعل یا نائب فاعل۔ فاعل یا نائب فاعل یہ ایک ہی ہیں ایک شمار کر لو، صرف فاعل کہہ دو نائب فاعل اسی کے ساتھ ہے بھئی، بات سمجھ میں آگئی۔ تو عمدہ جب بولا جائے تو یہ تین چیزیں مراد ہوتی ہیں کیا کیا؟ بتدا، خبر اور فاعل یا نائب فاعل، یہ چیزیں جو ہیں ان کو عمدہ کہتے ہیں۔

تو ضابطہ کیا میں ذکر کر رہا تھا کہ اضمار قبل الذکر عمدہ میں جائز ہے بشرطِ تفسیر۔ اب وہ جو میں نے مثال لکھوائی ذرا اس

پہ نظر رکھو: ضَرَبَنِي وَأَكْرَمَنِي زَيْدٌ۔ آپ نے عامل کس کو بنایا؟ ہم نے عامل کس، امام فراء کا مذہب، امام فراء کی تقریر چل رہی ہے، ہم نے عامل کس کو بنایا؟ أَكْرَمَنِي کو عامل بنایا تو اب ضَرَبَنِي کے لیے فاعل کو یا محذوف ماننا پڑے گا یا ضمیر لانا پڑے گی اور دونوں جائز نہیں کیونکہ فاعل کا حذف بھی جائز نہیں اور اگر ضمیر لاتے ہیں تو اضمار قبل الذکر کی خرابی لازم آئے گی، لہٰذا پہلے ہی کو عامل بنانا پڑے گا، کون فرماتے ہیں؟ امام فراء۔ جمہور جواب دیتے ہیں کہ نہیں ثانی کو بھی عامل بنا سکتے ہیں۔ اور آپ نے کیا کہا کہ اگر پہلا فاعل کا تقاضا کر رہا ہو تو پھر دو خرابیوں میں سے ایک خرابی لازم آئے گی، یا حذف یا اضمار قبل الذکر؟ تو جمہور کہتے ہیں ہم اضمار قبل الذکر کو اختیار کرتے ہیں، کس کو؟ یعنی حذف تو جائز نہیں ہے، فاعل کا تو حذف نہیں جائز کہ فعل باقی رہے اور فاعل کو کیا کر دیا جائے؟ حذف، ہاں ہم ضمیر لے آتے ہیں۔ اور اس صورت میں آپ نے کیا کہا تھا؟ اضمار قبل الذکر کی خرابی لازم آئے گی، تو جمہور اس کا جواب دیتے ہیں کہ نہیں یہ اضمار قبل الذکر جائز ہے عمدہ میں بشرطِ تفسیر۔ اضمار قبل الذکر عمدہ میں جائز ہے بشرطِ تفسیر۔ دیکھو بھئی ضَرَبَنِي کے اندر ضمیر لائے، کس کی ضمیر ہے؟ ضَرَبَنِي وَأَكْرَمَنِي زَيْدٌ۔ جی اس ضَرَبَنِي کے اندر جمہور کیا کہتے ہیں ہم کیا لے آتے ہیں؟ عامل ثانی کو بنایا تو ضَرَبَنِي کے اندر ضمیر لے آتے ہیں اور یہ ضمیر کس کی ہے؟ ضَرَبَنِي کے لیے کیا بن

رہی ہے؟ فاعل بن رہی ہے۔ هُوَ ضمیر، ضَرَبَنِي کے ساتھ یہ جو یَاء ہے یہ تو مفعول کی ہے اس کی بات نہیں چل رہی بلکہ ضَرَبَنِي کے اندر هُوَ ضمیر آکر چھپ گئی۔ تو امام فراء کیا فرماتے ہیں یہ تو اضمار قبل الذکر لازم آیا، جمہور کیا کہتے ہیں یہ اضمار قبل الذکر کس میں ہے؟ عمدہ میں ہے۔ دیکھو عمدہ میں کتنی چیزیں تھیں؟ مبتدا، خبر اور فاعل یا نائب فاعل، اور یہ هُوَ ضمیر بھی کیا بن رہی ہے؟ فاعل ہے تو یہ عمدہ ہے، تو اضمار قبل الذکر عمدہ میں جائز ہے بشرطِ تفسیر، کہ یعنی تفسیر کی شرط پر کہ آگے تفسیر آجائے، کیا آجائے؟ اور یہاں بھی دیکھو ضَرَبَنِي وَأَكْرَمَنِي زَيْدٌ۔ ضَرَبَنِي کے اندر هُوَ ضمیر آئی تو اس میں ابہام ہے کہ یہ ضمیر کس کو راجع ہے کیونکہ مرجع تو ابھی آگے آئے گا وہ تو ابھی آیا ہی نہیں، لیکن فوراً ہی وَأَكْرَمَنِي زَيْدٌ آگے تفسیر آگئی یا نہیں آگئی؟ ضَرَبَنِي کے اندر هُوَ ضمیر تھی اس کے اندر ابہام تھا کہ یہ ضمیر کس کو راجع، آگے وَأَكْرَمَنِي زَيْدٌ آیا تو زَيْدٌ لفظ آگیا اور اس نے کیا کیا اس ابہام کو دور کر دیا، توجہ ہے؟ تو یہ کیا ہے؟ اضمار قبل الذکر ہے اور کس میں ہے؟ عمدہ میں ہے یعنی فاعل کے اندر ہے وہ ضَرَبَنِي کے لیے هُوَ ضمیر فاعل بن رہی ہے، اور بشرطِ تفسیر ہے کہ آگے فوراً ہی تفسیر آرہی ہے ایک لفظ کے بعد ہی بھئی۔

تو جمہور کیا کہتے ہیں کہ ثانی کو عامل بنانا جائز ہے۔ امام فراء کیا فرماتے تھے؟ کہ جب پہلا فاعل کا تقاضا کر رہا ہو تو پہلے ہی کو عامل بنانا پڑے گا، اگر پہلے کو عامل نہیں بناؤ گے تو پھر پہلے کے لیے یا فاعل کو محذوف ماننا پڑے گا یا ضمیر لانا پڑے گی اور دونوں ہی جائز نہیں۔ جمہور کہتے ہیں نہیں پہلا فاعل کا تقاضا کر رہا ہو پھر بھی ثانی کو عامل بنا سکتے ہیں اور پہلے کے لیے پھر ہم

فاعل کو محذوف نہیں مانیں گے کیونکہ فاعل کا حذف تو جائز نہیں، ہاں ہم فاعل کی ضمیر لے آئیں گے، کیا لے آئیں گے؟ ضمیر لے آئیں گے۔ اور اس صورت میں آپ نے کیا کہا تھا اضمار قبل الذکر کی خرابی لازم آئے گی، تو جمہور جواب دیتے ہیں کہ اضمار قبل الذکر عمدہ میں جائز ہے بشرطِ تفسیر، کہ یہ ضَرَبَنِي کے اندر جو هُوَ ضمیر ہے وہ فاعل بن رہی ہے تو یہ ضمیر لائے کس کے لیے عمدہ کے لیے یا غیر عمدہ کے لیے؟ عمدہ یعنی فاعل کے لیے، تو یہ اضمار قبل الذکر ہے عمدہ میں اور آگے ایک لفظ کے بعد تفسیر بھی آرہی ہے۔ بھئی ضَرَبَنِي کے اندر هُوَ ضمیر ہے، اس نے پٹائی کی میری، بھئی کون مراد ہے اس هُوَ ضمیر سے؟ آگے فوراً ہی وَأَكْرَمَنِي زَيْدٌ، أَكْرَمَنِي کے بعد کیا آگیا؟ زَيْدٌ آگیا اس نے اس کے ابہام کو دور کر دیا، تو یہ کیا ہے اضمار قبل الذکر عمدہ میں بشرطِ تفسیر بھئی، توجہ ہے؟

اچھا ضَرَبَنِي وَأَكْرَمَنِي زَيْدٌ، اس زید کو رفع کس نے دیا؟ ہاں ضَرَبَنِي وَأَكْرَمَنِي زَيْدٌ، اس زید کو رفع کس نے دیا؟ أَكْرَمَنِي نے اور ضَرَبَ کے اندر هُوَ ضمیر آگئی اور آگے فوراً ہی اس کی تفسیر بھی آگئی، تو اضمار قبل الذکر عمدہ میں جائز ہے بشرطِ تفسیر۔

جبکہ امام کسائی کا بھی ذکر کریں گے آگے بھئی صاحبِ کافیہ، امام کسائی فرماتے ہیں کہ اس صورت میں ثانی کو عامل بنا سکتے ہو لیکن اول کے لیے پھر فاعل کو حذف کر دو۔ کیا کر دو؟ حذف کر دو۔ کیوں، حذف کیوں کر دیں؟ کہتے ہیں ورنہ تو اضمار قبل الذکر کی خرابی لازم آئے گی، ضَرَبَنِي کے اندر هُوَ ضمیر اور وہ کس کو راجع؟ اس زید کو جو بعد میں آرہا ہے، تو یہ تو اضمار قبل الذکر کی خرابی لازم آئے گی اور اس سے بچنا ضروری ہے، چنانچہ وہ کیا فرماتے ہیں کہ ضمیر نہ لاؤ بلکہ کیا کر لو؟ پہلے فعل کے لیے فاعل کو حذف ہی کر لو سرے سے۔ فرق سمجھ میں آیا؟ جمہور تو کیا کہتے تھے کہ پہلے کے اندر فاعل کی ضمیر لے آئیں گے، جبکہ امام کسائی کیا فرماتے ہیں؟ ضمیر نہ لاؤ ورنہ کیا خرابی لازم آئے گی؟ اضمار قبل الذکر کی خرابی لازم آئے گی، لہٰذا فاعل کو حذف کر دو بھئی، پہلے فعل کے لیے فاعل لاؤ ہی نہ بلکہ فاعل کو کیا کر دو؟ حذف کر دو تاکہ اضمار قبل الذکر کی خرابی سے بھی ہم بچ جائیں، بات سمجھ میں آئی؟ لیکن جمہور کہتے ہیں نہیں حذف تو جائز ہی نہیں ہے کسی صورت میں بھئی۔ یہ امام کسائی کی بات کر رہا ہوں، امام کسائی فرماتے ہیں کہ جب پہلا فاعل کا تقاضا کر رہا ہو اور آپ ثانی کو عامل بنا دیں تو اول کے اندر ضمیر نہ لاؤ ورنہ تو اضمار قبل الذکر کی خرابی لازم آئے گی بلکہ اول کے لیے فاعل کو محذوف کر دو، یعنی فاعل سرے سے ذکر ہی نہیں ہے۔ دو ہی صورتیں تھیں نا جب ثانی کو عامل بنایا تو پہلے میں یا تو ضمیر لانا پڑے گی یا محذوف ماننا پڑے گا، امام فراء فرماتے ہیں دونوں ہی جائز نہیں، جمہور کیا کہتے ہیں؟ اضمار قبل الذکر عمدہ میں بشرطِ تفسیر جائز ہے حذف تو جائز ہی نہیں، جبکہ امام کسائی فرماتے ہیں نہیں یہاں اضمار قبل الذکر کی خرابی لازم آئے گی اگر آپ پہلے ضمیر لے آئے، لہٰذا حذف ہی کر دو فاعل کو، فاعل کو کیا کر دو؟ حذف کر دو، بات سمجھ میں آگئی۔

اچھا دوسرا اختلاف تھا جمہور نحویوں کا آپس میں۔ اس بات میں تو دونوں کا اتفاق کہ پہلے کو عامل بنانا بھی صحیح، دوسرے

کو عامل بنانا بھی صحیح، لیکن بہتر کیا ہے؟ اولیٰ کیا ہے؟ کس کو عامل بنایا جائے؟ تو کوفہ والے کہتے ہیں پہلے فعل کو عامل بنانا اولیٰ اور بصرہ والے کہتے ہیں دوسرے فعل کو عامل بنانا اولیٰ ہے۔ اب ذرا اس مثال پہ نظر رکھو ضَرَبَنِي وَأَكْرَمَنِي زَيْدٌ۔ کوفہ والے کیا کہتے ہیں؟ پہلے والے کو عامل بناؤ، کیوں، پہلے کو عامل کیوں بنائیں؟ کہتے ہیں اس لیے کیونکہ یہ پہلے آیا ہے، کیونکہ یہ پہلے آیا ہے، اور نیز جب پہلے کو عامل بناؤ گے تو پھر اضمار قبل الذکر کی خرابی سے بھی بچ جائیں گے۔ اگرچہ وہ یہاں جائز ہے لیکن پھر بھی پورے طور پر اس سے بچ جائیں تو یہ زیادہ اچھا ہے۔ اگرچہ اضمار قبل الذکر عمدہ میں یہاں جائز ہے بشرطِ تفسیر لیکن بہتر کیا ہے کہ اس سے پورے طور پر ہم بچ ہی جائیں تو وہ زیادہ اچھا ہے۔ تو پہلے کو جب عامل بنا دیا تو اضمار قبل الذکر سے بھی ہم بچ گئے، توجہ ہے؟ اور نیز یہ پہلے آیا ہے اس کا حق بھی پہلے ہے، تو کوفہ والے کہتے ہیں پہلے فعل کو عامل بنانا اولیٰ۔

بھئی اضمار قبل الذکر سے کیسے بچ گئے ذرا مثال پہ نظر رکھو، ضَرَبَنِي وَأَكْرَمَنِي زَيْدٌ، یہ زَيْدٌ کے اندر عامل کون؟ ضَرَبَنِي، توجہ ہے؟ ضَرَبَنِي پہلے ہے، تو یہ زید کے اندر عامل ہوا، آگے أَكْرَمَنِي کے اندر فاعل کی ضمیر لے آئیں گے، کیا لے آئیں گے؟ فاعل کی ضمیر لے آئیں گے۔ تو ابھی بھی أَكْرَمَ پہلے ہے اور زَيْدٌ بعد میں ہے، تو یہاں بھی اضمار قبل الذکر تو پھر بھی لازم آ رہا ہے، جبکہ کوفہ والے علماء کیا فرماتے ہیں کہ اس صورت میں آپ اضمار قبل الذکر سے بچ جائیں گے۔ اشکال سمجھ میں آ رہا ہے؟ کہ آپ ضَرَبَ کو عامل بنا دیں پھر بھی زید أَكْرَمَ کے بعد جا کر آ رہا ہے تو أَكْرَمَ کے اندر فاعل کی ضمیر لائیں گے تو پھر بھی اضمار قبل الذکر تو پھر بھی لازم آ رہا ہے۔ تو جواب یاد رکھنا کہ زید کے اندر عامل کون بنا؟ ضَرَبَ، تو زید دیکھنے میں اور لفظوں میں تو أَكْرَمَ سے مؤخر ہے لیکن رتبے میں یہ أَكْرَمَ سے مقدم ہو چکا کیونکہ اس کا تعلق ضَرَبَنِي سے ہو چکا۔ تو زید لفظوں میں تو مؤخر ہے أَكْرَمَ سے لیکن رتبے میں اس سے مقدم ہے، تو أَكْرَمَ کی ضمیر اب آپ زید کو راجع کریں تو یہ اضمار قبل الذکر لفظاً تو ہے لیکن رتبتاً نہیں۔ اضمار قبل الذکر لفظاً بھی ہو رتبتاً بھی ہو وہ جائز نہیں ہوتا، یہ تو صرف لفظاً ہے، یہ تو عام کلام کے اندر بھی جائز ہے، بات سمجھ میں آ گئی؟ تو کوفہ والے کیا فرماتے ہیں کہ پہلے کو عامل بناؤ کیونکہ وہ پہلے آیا ہے اس کا حق مقدم ہے اور نیز اس صورت میں ہم اضمار قبل الذکر کی خرابی سے بھی بچ جائیں گے۔

جبکہ بصرہ والے کہتے ہیں ثانی کو عامل بناؤ، کس کو؟ ثانی کو عامل بناؤ۔ کیوں، ثانی کو کیوں عامل بنائیں؟ کہتے ہیں اس لیے کیونکہ یہ اس کے قریب ہے، بھئی زید کے قریب ضَرَبَنِي ہے یا أَكْرَمَنِي ہے؟ أَكْرَمَنِي یہ لفظِ زید کے قریب ہے تو چونکہ یہ اس کے قریب ہے لہٰذا اس کا حق بنتا ہے اس کو عامل بناؤ اور ضَرَبَنِي میں کیا کر لو؟ ضمیر لے آؤ۔ اور اصل بھی یہ ہے فعل کے ساتھ فاعل کو متصل ہونا چاہیے بھئی۔ تو اگر آپ أَكْرَمَنِي کو زید میں عامل بنائیں گے تو زید أَكْرَمَنِي کے ساتھ متصل ہے، اور اگر آپ ضَرَبَنِي کو عامل بنائیں گے اس کے ساتھ تو زید متصل نہیں ہے درمیان میں أَكْرَمَنِي آ رہا ہے۔ تو کوفہ والے نحوی کیا فرماتے ہیں؟ پہلے کو عامل بناؤ ان کی دو دلیلیں، کون سی دو دلیلیں؟ ایک تو یہ کہ یہ مقدم ہے اس لیے اس کا حق پہلے ہے اس کو عامل بنانا چاہیے، دوسری دلیل کیا؟ کہ اس صورت میں ہم اضمار قبل الذکر سے بالکل بچ جائیں گے۔ اور بصرہ

والے کیا کہتے ہیں؟ ثانی کو عامل بناؤ ان کی بھی دو دلیلیں ہیں، کون سی دلیل؟ ایک تو یہ کہ یہ اس اسمِ ظاہر کے ساتھ ہے لہٰذا اس کا حق زیادہ ہے، اور دوسری دلیل کیا؟ کہ اصل بھی یہ ہے فعل کے ساتھ فاعل کو متصل ہونا چاہیے اگر آپ پہلے کو عامل بنائیں گے تو پھر تو درمیان میں فصل آجائے گا، بات سمجھ میں آگئی۔

اچھا بھئی اب کچھ مثالیں لکھ لیجیے ان شاء اللہ پورا مسئلہ اب واضح ہو جائے گا بھئی۔ اختلافات آپ کو سمجھ میں آگئے اور اتنا بھی آپ کو پتہ چل گیا کہ کبھی تنازعِ فعلین فاعلیت میں ہوتا ہے کبھی مفعولیت میں ہوتا ہے اور کبھی دونوں مختلف ہوتے ہیں تقاضے کے اندر، اب اس کی کیا کیا صورتیں بنیں گی وہ ہم کر لیتے ہیں بھئی۔

بھئی سب سے پہلے تو یہ بات دوبارہ سمجھ لیں ضَرَبَ اور أَكْرَمَ انہی دو فعلوں سے ہم مثالیں بنائیں گے یہ ذرا آسان ہے۔ یہ ضَرَبَ اور أَكْرَمَ دونوں فعلِ متعدی ہیں ان کے لیے فاعل کے ساتھ ساتھ مفعول بھی چاہیے۔ تو دیکھو ضَرَبَ میں ایک صورت تو یہ ہے جیسے ابھی ہم نے مثال کی ضَرَبَنِي، اس ضَرَبَنِي میں ضَرَبَ کے ساتھ مفعول جڑا ہوا ہے اور فاعل چاہیے، توجہ ہے؟ اسی ضَرَبَ سے دوسرا صیغہ ہم ضَرَبْتُ لے لیں گے، ضَرَبْتُ اس کے اندر فعل کے ساتھ فاعل کی ضمیر جڑی ہوئی ہے مفعول چاہیے۔ تو ضَرَبَنِي کے لیے کیا چاہیے؟ فاعل چاہیے اور ضَرَبْتُ کے ساتھ فاعل جڑا ہوا ہے اس کے لیے کیا چاہیے؟ مفعول چاہیے، توجہ ہے؟ تو یہ ضَرَبَنِي اور ضَرَبْتُ کو ہم استعمال کریں گے، پہلا فعل ہم ضَرَبَ استعمال کریں گے اور دوسرا أَكْرَمَ۔ پہلا کبھی فاعل کا تقاضا کرے گا کبھی مفعول کا، تو جب میں کہوں پہلا وہ فعل لاؤ جو فاعل کا تقاضا کرے تو کس کو لائیں گے آپ؟ ضَرَبَنِي کو، اور اگر میں کہوں پہلا فعل وہ والا لاؤ جو مفعول کا تقاضا کرے تو کس کو لاؤ؟ ضَرَبْتُ کو لاؤ کیونکہ ضَرَبْتُ کے ساتھ فاعل جڑا ہوا ہے اور مفعول آگے چاہیے۔ اسی طرح أَكْرَمَنِي اور أَكْرَمْتُ، أَكْرَمَنِي کے ساتھ کیا جڑا ہوا ہے؟ مفعول اس کے لیے فاعل چاہیے، اور أَكْرَمْتُ کے ساتھ یہ فاعل تَاء ضمیر جڑی ہوئی ہے اس کے لیے مفعول چاہیے، تو انہی دو فعلوں سے ہم نے اب مثالیں تیار کرنی ہیں، بات سمجھ میں آگئی؟

اچھا بھئی سب سے اوپر لکھ لیں بھئی علمائے بصرہ کا مذہب، علمائے بصرہ کا مذہب کہ ثانی کو عامل بنانا اولیٰ ہے، کہ ثانی کو عامل بنانا اولیٰ ہے۔ پہلا فعل ہم نے کون سا استعمال کرنا ہے؟ ضَرَبَنِي یا ضَرَبْتُ، اور دوسرا کون سا استعمال کرنا ہے؟ أَكْرَمَنِي یا أَكْرَمْتُ۔ اچھا اب بنائیے بھئی ایک مثال بنائیے جس میں پہلا فعل بھی فاعل کا تقاضا کرے اور دوسرا فعل بھی فاعل کا تقاضا کرے، پہلا فعل کیا لے آؤ فاعل کا تقاضا کرے؟ ضَرَبَنِي، ہاں ضَرَبَنِي اور دوسرا بھی کس کا تقاضا کرے؟ فاعل کا، تو وہی مثال جو میں نے پہلے لکھوائی تھی وہی لکھیں ضَرَبَنِي وَأَكْرَمَنِي زَيْدٌ، ضَرَبَنِي وَأَكْرَمَنِي زَيْدٌ، لکھ لیا؟ جی اب بتائیے بھئی کس کا مذہب چل رہا ہے؟ بصرہ والوں کا، کس کو عامل بنانا اولیٰ؟ دوسرے کو عامل بنانا اولیٰ ہے، لہٰذا اس زید کو رفع دے دیں کس نے دیا اس کو رفع؟ أَكْرَمَنِي نے اس کو رفع دے دیا، اور پھر ضَرَبَنِي کے لیے فاعل چاہیے تو کیا کریں

گے؟ اس کے اندر فاعل کی ضمیر لے آئیں گے اور فاعل کیا ہے زَيْدٌ مفرد مذکر ہے تو ضَرَبَ کے اندر بھی هُوَ ضمیر مفرد مذکر کی لے آئیں گے۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ تو مثال مکمل ہوئی ضَرَبَنِي وَأَكْرَمَنِي زَيْدٌ۔ توجہ ہے؟ ضَرَبَنِي بھی فاعل کا تقاضا کر رہا ہے أَكْرَمَنِي بھی فاعل کا تقاضا کر رہا ہے مفعول دونوں کے ساتھ جڑے ہوئے ہیں، آگے زَيْدٌ اسمِ ظاہر آیا دونوں اس کو اپنا فاعل بنانا چاہتے ہیں آپ نے کس کے لیے فاعل بنایا أَكْرَمَنِي کے لیے، تو ضَرَبَنِي کے لیے کیا لے آئیں گے اس کے اندر ضمیر لے آئیں گے اور یہ اضمار قبل الذکر ہے عمدہ میں بشرطِ تفسیر تو یہ جائز ہے، ضَرَبَنِي کے اندر هُوَ ضمیر آئی اور آگے ایک لفظ بعد ہی زَيْدٌ اس کی تفسیر آگئی کہ هُوَ ضمیر سے کون مراد ہے؟ زَيْدٌ مراد ہے، زید کو یہ ضمیر راجع ہے۔

اب دوسری مثال لکھیں دوبارہ اسی طرح لکھیں ضَرَبَنِي وَأَكْرَمَنِي، اسی کے نیچے لکھیں بھئی، ایک ایک سطر میں ایک مثال ہونی چاہیے بھئی پھر ہی بات آپ کو سمجھ میں آئے گی، دوسری مثال لکھیں بھئی ضَرَبَنِي وَأَكْرَمَنِي الزَّيْدَانِ، ضَرَبَنِي وَأَكْرَمَنِي الزَّيْدَانِ، کس کا مذہب چل رہا ہے؟ بصرہ والوں کا، عامل بنائیں کس کو بنانا ہے عامل؟

أَكْرَمَنِي کو، شاباش اور فاعل کس کو بنایا؟ الزَّيْدَانِ۔ جی اب کیسے کہیں گے؟ ضَرَبَنِي وَأَكْرَمَنِي الزَّيْدَانِ۔ الزَّيْدَانِ کو میں أَكْرَمَنِي کے لیے فاعل بنانا چاہتا ہوں۔ جی، کیا کہوں گا؟ أَكْرَمَنِي کہوں گا یا أَكْرَمَانِي تثنیہ لاؤں گا؟ أَكْرَمَنِي ہی کہوں گا کیونکہ فاعل اسمِ ظاہر ہے۔ تو أَكْرَمَنِي نے عمل کیا اور الزَّيْدَانِ کو رفع دے دیا۔ الزَّيْدَانِ کا اعراب بولو۔ مرفوع لفظاً۔ مرفوع کیوں ہے؟ فاعل ہے، کس کے لیے؟ أَكْرَمَنِي کے لیے، اور لفظاً کیوں کہا؟ اس کے رفع پر ہم تلفظ کر رہے ہیں۔ الزَّيْدَانِ، میں تو نون کے نیچے زیر پڑھ رہا ہوں۔ شاباش یہ اعراب نہیں یہ حرکت ہے، پھر رفع کیا ہے؟ الف ہے، تثنیہ کا رفع الف کے ساتھ آتا ہے اور اس پر ہم تلفظ کر رہے ہیں۔ اچھا، جب آپ نے أَكْرَمَنِي کو الزَّيْدَانِ میں عامل بنا دیا، تو ضَرَبَنِي کے اندر کیا کریں گے؟ ضَرَبَنِي کے اندر فاعل کی ضمیر لائیں گے، اور یہ ضمیر کس کو لوٹے گی؟ الزَّيْدَانِ کو، اور الزَّيْدَانِ مفرد ہے یا تثنیہ ہے؟ تثنیہ، تو ہمیں ضَرَبَنِي میں تثنیہ کی ضمیر چاہیے۔ بنائیے بھئی ضَرَبَنِي میں تبدیلی کریں کہ اس کے اندر فاعل کی ضمیر تثنیہ والی آجائے۔ ضَرَبَانِي، شاباش۔ ضَرَبَ، ضَرَبَا، جی اب ضَرَبَنِي کو ذرا کاٹ کر ضَرَبَانِي کر دیں بھئی۔ ضَرَبَانِي۔ مثال کیا بن گئی؟ ضَرَبَانِي وَأَكْرَمَنِي الزَّيْدَانِ۔ مثال سمجھ میں آگئی؟ ضَرَبَا کے اندر تثنیہ کی ضمیر لے آئے جو کس کو لوٹ رہی ہے؟ الزَّيْدَانِ کو لوٹ رہی ہے، اور اضمار قبل الذکر عمدہ میں جائز ہے بشرطِ تفسیر۔ ضَرَبَانِي میں تثنیہ کی ضمیر آئی، سوال پیدا ہوا کہ مرجع تو پیچھے گزرا نہیں یہ ضمیر کس کو راجع، آگے اس کی تفسیر آگئی کہ هُمَا ضمیر کس کو راجع ہے؟ الزَّيْدَانِ کو، تو ایک لفظ کے بعد ہی تفسیر آگئی۔ تو اضمار قبل الذکر عمدہ میں جائز ہے بشرطِ تفسیر۔

تیسری مثال لکھیے بھئی، وہی لفظ لکھیں ضَرَبَنِي وَأَكْرَمَنِي، الزَّيْدُونَ۔ ضَرَبَنِي چاہتا ہے الزَّيْدُونَ میرے لیے فاعل بنے، أَكْرَمَنِي چاہتا ہے میرے لیے فاعل بنے، کس کو عامل بنائیں گے؟ أَكْرَمَنِي کو کیونکہ بصرہ والوں کا مذہب چل رہا ہے ان کے

نزدیک عامل تو دونوں کو بنا سکتے ہو لیکن اولیٰ کیا ہے، کس کو عامل بناؤ؟ ثانی کو۔ جی تو الزَّيْدُونَ کو فاعل بنایا ہم نے أَكْرَمَنِي کے لیے، تو أَكْرَمَنِي اس صیغے کو بدلیں گے یا اسی طرح رکھیں گے؟ بھئی کیسے بھئی الزَّيْدُونَ جمع ہے اور أَكْرَمَنِي، یہ أَكْرَمَ تو مفرد کا صیغہ ہے، کیا جواب دیں گے؟ کہ فاعل اسمِ ظاہر ہے اور جب فاعل اسمِ ظاہر ہو فعل کو مفرد رکھتے ہیں، تو أَكْرَمَنِي اسی طرح رہے گا الزَّيْدُونَ اس کے لیے فاعل بن گیا۔ اعراب بولو الزَّيْدُونَ کا۔ مرفوع لفظاً۔ مرفوع کیوں؟ فاعل ہے، کس کے لیے؟ أَكْرَمَنِي کے لیے، اور لفظاً کیوں کہا؟ اس کے رفع پر ہم تلفظ کر رہے ہیں، کیا ہے رفع اس کا؟ واؤ ہے شاباش ہم اس پر تلفظ کر رہے ہیں۔ تو جب ثانی کو عامل بنایا تو اول میں کیا کریں گے؟ فاعل کی ضمیر کیونکہ اول فاعل کا تقاضا کر رہا ہے فاعل کو ہم حذف نہیں کر سکتے، تو اول میں ضمیر لے آئیں فاعل کی، اور فاعل الزَّيْدُونَ مفرد ہے، تثنیہ ہے یا جمع ہے؟ الزَّيْدُونَ جمع ہے، تو ہمیں بھی ضمیر جمع والی چاہیے، تو کیا کریں گے؟ ضَرَبَنِي کو بدلیں گے کس سے؟ ضَرَبُونِي شاباش، ضَرَبَنِي کو کاٹ کر ضَرَبُونِي کر دیں۔ یہ ضَرَبُونِي، دیکھو ضَرَبُو کے اندر واؤ ضمیر جمع کی ہے یہ کس کو راجع؟ آگے زید کو راجع ہے، تو یہ اضمار قبل الذکر عمدہ میں ہے بشرطِ تفسیر، تو مثال کیا بن گئی؟ ضَرَبُونِي وَأَكْرَمَنِي الزَّيْدُونَ۔ بات سمجھ میں آگئی؟

دوسری قسم بھئی، دونوں مفعول کا تقاضا کریں۔ وہ والے فعل لاؤ کہ دونوں مفعول کا تقاضا کریں۔ ضَرَبْتُ وَأَكْرَمْتُ، جی اب یہ لکھیں آگے۔ ایک سطر میں ایک مثال لکھنی ہے پھر ہی آپ کو پوری بحث سمجھ میں آئے گی۔ اچھا دوسری مثال لکھ لی بھئی، ضَرَبْتُ وَأَكْرَمْتُ زَيْدٌ۔ دیکھو ضَرَبْتُ کے ساتھ فاعل جڑا ہوا ہے ضمیرِ متصل، اور أَكْرَمْتُ کے ساتھ بھی فاعل کی ضمیرِ متصل جڑی ہوئی ہے بھئی۔ تو ضَرَبْتُ اور أَكْرَمْتُ دونوں کے ساتھ فاعل کی ضمیر جڑی ہوئی ہے، آگے اسمِ ظاہر زَيْدٌ آ رہا ہے، ضَرَبْتُ چاہتا ہے یہ میرے لیے مفعول بنے اور أَكْرَمْتُ چاہتا ہے یہ میرے لیے مفعول بنے، فاعل تو دونوں کے ساتھ ضمیر جڑی ہوئی ہے۔ جی اب کس کو عامل بنائیں گے؟ کس کا مذہب چل رہا ہے؟ بصرہ والوں کا، عامل کس کو بنائیں گے؟ ثانی کو، تو لہٰذا اس أَكْرَمْتُ نے زید کو نصب دے دیا، زَيْدًا کر دیں اس کو۔ یہ زَيْدًا کو نصب کس نے دیا؟ أَكْرَمْتُ نے، جب أَكْرَمْتُ نے زید کو نصب دیا تو اب ضَرَبْتُ کے لیے مفعول چاہیے۔ کیا چاہیے؟ مفعول چاہیے، اور پھر اس میں دو صورتیں ہیں، کیا کیا جائے؟ مفعول کو حذف کر لیا جائے ایک صورت، اور مفعول کا حذف جائز ہے کہ جائز نہیں؟ مفعول کا حذف تو جائز ہے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ ضمیر لائی جائے، ضَرَبْتُهُ وَأَكْرَمْتُ زَيْدًا، اور یہ هَا ضمیر کس کو راجع؟ زید کو، تو یہ کیا خرابی لازم آئی؟ اضمار قبل الذکر لازم آیا، اور کس میں ہے، عمدہ میں ہے یا غیر عمدہ میں؟ غیر عمدہ میں، تو یہ تو جائز نہیں، لہٰذا مفعول کو حذف کریں گے ضمیر نہیں لائیں گے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو کلام کیا بن گیا، مثال کیا بن گئی؟ ضَرَبْتُ وَأَكْرَمْتُ زَيْدًا، یہ زَيْدًا کو نصب کس نے دیا؟ أَكْرَمْتُ نے اور ضَرَبْتُ کے لیے مفعول کو حذف کر لیا کیونکہ وہاں ہم ضمیر نہیں لا سکتے۔ بات سمجھ میں آگئی سب کو اچھی طرح؟

اگلی مثال کیجیے، ضَرَبْتُ وَأَكْرَمْتُ الزَّيْدَانِ۔ ضَرَبْتُ چاہتا ہے الزَّيْدَانِ میرے لیے مفعول بنے، أَكْرَمْتُ چاہتا ہے الزَّيْدَانِ میرے لیے مفعول بنے، کس کو عامل بنائیں گے؟ ثانی کو، کیونکہ بصرہ والوں کا مذہب چل رہا ہے، تو أَكْرَمْتُ نے عمل کیا اور الزَّيْدَانِ کو اپنے لیے مفعول بنا دیا۔ جی نصب دے دیں الزَّيْدَانِ کو، الزَّيْدَانِ کا نصب کس طرح آئے گا؟ یا کے ساتھ، تو الزَّيْدَانِ کو بدل دیں کس سے؟ الزَّيْدَيْنِ سے، یہ نصب کس نے دیا؟ أَكْرَمْتُ نے دیا شاباش۔ جی الزَّيْدَانِ کو بدل دیں الزَّيْدَيْنِ سے، تو کلام کیا بن گیا؟ ضَرَبْتُ وَأَكْرَمْتُ الزَّيْدَيْنِ۔ تو یہ الزَّيْدَيْنِ کو مفعول بنایا کس کے لیے؟ أَكْرَمْتُ کے لیے، اور ضَرَبْتُ کے لیے مفعول چاہیے اس کو کیا کریں گے؟ حذف کریں گے، ضمیر نہیں لا سکتے ورنہ تو اضمار قبل الذکر لازم آئے گا، تو کلام کیا بن گیا ضَرَبْتُ وَأَكْرَمْتُ الزَّيْدَيْنِ۔

تیسری مثال کیجیے، ضَرَبْتُ وَأَكْرَمْتُ الزَّيْدُونَ۔ آگے الزَّيْدُونَ آرہا ہے، ضَرَبْتُ کے ساتھ فاعل تو جڑا ہوا ہے تَاء ضمیر ہے اور یہ چاہتا ہے کہ الزَّيْدُونَ میرے لیے مفعول بنے میں اس کو نصب دوں، اسی طرح أَكْرَمْتُ کے ساتھ بھی فاعل کی تَاء ضمیر جڑی ہوئی ہے اور یہ چاہتا ہے کہ الزَّيْدُونَ کو میں نصب دوں، کس کو عامل بنائیں گے؟ ثانی کو عامل بنائیں گے کیونکہ بصرہ والوں کا مذہب چل رہا ہے۔ جی أَكْرَمْتُ نصب دے دے گا کس کو؟ الزَّيْدُونَ کو، نصب دے دیں الزَّيْدُونَ کو۔ الزَّيْدِينَ شاباش، یہ الزَّيْدِينَ بھئی، الزَّيْدُونَ کو بدل دیں الزَّيْدِينَ سے۔ یہ نصب کس نے دیا؟ أَكْرَمْتُ نے، تو اب ضَرَبْتُ کے لیے مفعول چاہیے تو پھر اس میں دو صورتیں، یا حذف کریں گے یا ضمیر لائیں گے۔ ضمیر تو لا نہیں سکتے کیونکہ اضمار قبل الذکر غیر عمدہ میں جائز نہیں، تو پھر اس کو حذف کر لیں گے تو کلام کیا بن گیا؟ ضَرَبْتُ وَأَكْرَمْتُ الزَّيْدِينَ۔ مثالیں سمجھ میں آرہی ہیں؟ کیا تینوں مثالیں کیا بن گئیں؟ ضَرَبْتُ وَأَكْرَمْتُ زَيْدًا، ضَرَبْتُ وَأَكْرَمْتُ الزَّيْدَيْنِ، ضَرَبْتُ وَأَكْرَمْتُ الزَّيْدِينَ۔ تو دیکھو پہلی تین مثالیں جو تھیں ان میں دونوں فاعل کا تقاضا کر رہے تھے تو اس میں ثانی کو عامل بنایا تھا تو پہلے میں فاعل کی ضمیر لے آئے تھے، اور اضمار قبل الذکر عمدہ میں جائز ہے بشرطِ تفسیر۔ اور اگلی تین مثالوں میں دونوں مفعول کا تقاضا کر رہے ہیں تو اس میں ثانی کو عامل بنایا تو اول کے لیے مفعول کو حذف کر دیا کیونکہ مفعول فضلہ ہے اور فضلہ میں اضمار قبل الذکر جائز نہیں۔

تو دیکھو پہلی تین مثالوں میں دونوں فاعل کا تقاضا کر رہے تھے اور اگلی تین مثالوں میں دونوں مفعول کا تقاضا کر رہے ہیں۔ اب تیسری صورت ہم بناتے ہیں کہ پہلا فاعل کا تقاضا کرے اور دوسرا مفعول کا تقاضا کرے۔ پہلا فعل فاعل کا تقاضا کرے وہ کون سا لائیں گے ہم؟ ضَرَبَنِي، اس کے ساتھ مفعول جڑا ہوا ہے یہ فاعل کا تقاضا کر رہا ہے، اور دوسرا فعل مفعول کا تقاضا کرے وہ کون سا لائیں گے؟ أَكْرَمَ سے لانا ہے، أَكْرَمْتُ۔ تو لکھیے اگلی مثال ضَرَبَنِي وَأَكْرَمْتُ زَيْدٌ۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ ضَرَبَنِي وَأَكْرَمْتُ زَيْدٌ، ضَرَبَنِي کے ساتھ مفعول جڑا ہوا ہے یہ فاعل کا تقاضا کر رہا ہے اور أَكْرَمْتُ اس کے ساتھ تَاء ضمیر فاعل کی جڑی ہوئی ہے یہ مفعول کا تقاضا کر رہا ہے، آگے لفظِ زید آیا۔ ضَرَبَنِي چاہتا ہے یہ میرے لیے فاعل بنے، أَكْرَمْتُ چاہتا ہے یہ میرے لیے مفعول بنے، کس کو عامل بنائیں گے؟ کس کا مذہب چل رہا ہے؟ بصرہ والوں کا، ثانی کو عامل

بنایا أَكْرَمْتُ۔ أَكْرَمْتُ کو عامل بنا دیں أَكْرَمْتُ نے زَيْدًا کو نصب دے دیا۔ أَكْرَمْتُ نے زَيْدًا کو نصب دے دیا تو زَيْدًا کر دیں اس کو، زَيْدًا۔ ضَرَبَنِي وَأَكْرَمْتُ زَيْدًا۔ اور پہلا فعل کس کا تقاضا کر رہا ہے؟ فاعل، تو فاعل کی تو ضمیر پھر لائیں گے، تو ضَرَبَنِي کے اندر کون سی ضمیر آ گئی؟ هُوَ ضمیر، اور هُوَ ضمیر ضَرَبَنِي کے اندر چھپ سکتی ہے یا نہیں؟ اس کے اندر هُوَ ضمیر چھپ سکتی ہے اور ضمیر اور مرجع میں مطابقت ہے؟ هُوَ ضمیر کس کو راجع؟ زید کو، هُوَ ضمیر بھی مفرد مذکر اور زید بھی مفرد مذکر ہے۔ تو کیا بن گیا یہ جملہ؟ ضَرَبَنِي وَأَكْرَمْتُ زَيْدًا۔

اگلی مثال کیجیے، پھر اسی طرح لکھیے ضَرَبَنِي وَأَكْرَمْتُ، اور آگے لکھیں الزَّيْدَانِ۔ ضَرَبَنِي چاہتا ہے الزَّيْدَانِ میرے لیے فاعل بنے اور أَكْرَمْتُ چاہتا ہے الزَّيْدَانِ میرے لیے مفعول بنے، کس کو عامل بنائیں گے؟ ثانی یعنی أَكْرَمْتُ کو۔ جی نصب دے دیں الزَّيْدَانِ کو، کیا بن جائے گا؟ الزَّيْدَيْنِ، تو الزَّيْدَانِ کو بدل دیں الزَّيْدَيْنِ سے یہ نصب دے دیا أَكْرَمْتُ نے۔ اور پہلا فعل کس کا تقاضا کر رہا ہے؟ فاعل، تو فاعل کے لیے اب ضمیر لائیں گے، تو ضَرَبَنِي اس کے اندر تثنیہ کی ضمیر لائیں بھئی، کیا کہیں گے؟ ضَرَبَانِي، کیونکہ ضَرَبَ کے اندر تو هُوَ ضمیر ہے تو تثنیہ والا فعل لے آئیں گے ضَرَبَانِي۔ جی تو کلام کیا بن گیا، مثال کیا بن گئی؟ ضَرَبَانِي وَأَكْرَمْتُ الزَّيْدَيْنِ، بات سمجھ میں آ گئی۔

اگلی مثال کیجیے، پھر یہی فعل لکھیے ضَرَبَنِي وَأَكْرَمْتُ الزَّيْدُونَ۔ ضَرَبَنِي چاہتا ہے الزَّيْدُونَ میرے لیے فاعل بنے، أَكْرَمْتُ چاہتا ہے الزَّيْدُونَ میرے لیے مفعول بنے، تو أَكْرَمْتُ کو عامل بنائیں گے أَكْرَمْتُ نے الزَّيْدُونَ کو نصب دے دیا، دے دیں الزَّيْدُونَ کو نصب کیا بن گیا؟ الزَّيْدِينَ، تو الزَّيْدُونَ کو بدل دیں الزَّيْدِينَ سے۔ یہ نصب کس نے دیا؟ أَكْرَمْتُ نے، تو اب پہلا فعل فاعل کا تقاضا کر رہا ہے تو فاعل کو تو حذف نہیں کر سکتے تو اس کی ضمیر لائیں گے، تو کون سی ضمیر لائیں گے؟ الزَّيْدِينَ جمع ہے تو جمع والی ضمیر لائیں گے، تو کیا کہیں گے؟ ضَرَبُونِي شاباش جمع والا صیغہ لے آئیں گے۔

▪ متنِ کتاب و تحقیقِ مسائلِ نحویہ

ضَرَبُونِي وَأَكْرَمْتُ الزَّيْدِينَ۔

بات سمجھ میں آ گئی؟ تین مثالیں ہم نے کر لیں جس میں پہلا فاعل کا تقاضا کر رہا ہے دوسرا مفعول کا تقاضا کر رہا ہے، یعنی دونوں فعل تقاضے میں مختلف ہیں، کون سی تین مثالیں؟ ضَرَبَنِي وَأَكْرَمْتُ زَيْدًا، ضَرَبَانِي وَأَكْرَمْتُ الزَّيْدَيْنِ، ضَرَبُونِي وَأَكْرَمْتُ الزَّيْدِينَ۔ اب ہم مثالیں کریں گے جس میں پہلا مفعول کا تقاضا کرے اور ثانی فاعل کا تقاضا کرے۔ پہلا کس کا تقاضا کرے؟ مفعول کا۔ پہلا فعل لاؤ جو مفعول کا تقاضا کرے: ضَرَبْتُ، دیکھو اس کے ساتھ تَاء ضمیر فاعل کی جڑی ہوئی ہے مفعول اس کے لیے چاہیے۔ اور دوسرا فعل لاؤ جس کے ساتھ مفعول جڑا ہو وہ فاعل کا تقاضا کر رہا ہو، وہ کیا ہے؟ بھئی

پہلا ضَرَبَ سے لانا ہے اور دوسرا أَكْرَمَ سے، تو دوسرا فعل وہ لاؤ أَكْرَمَ سے جس کے ساتھ مفعول جڑا ہو اور وہ فاعل کا تقاضا کرے: أَكْرَمَنِي۔ جی، تو اگلی مثال لکھیے ضَرَبْتُ وَأَكْرَمَنِي۔ ضَرَبْتُ کس کا تقاضا کر رہا ہے؟ مفعول کا، اور أَكْرَمَنِي کس کا تقاضا کر رہا ہے؟ فاعل کا، آگے لفظِ زید لکھو۔ جی کس کو عامل بنائیں گے؟ أَكْرَمَنِي کو، تو أَكْرَمَنِي کو عامل بنائیں اس نے زَيْدٌ کو رفع دے دیا، اور پہلا کس کا تقاضا کر رہا ہے؟ مفعول کا، تو اس مفعول کو کیا کر دیں گے؟ حذف کر دیں گے کیونکہ اضمار قبل الذکر فضلہ میں جائز نہیں۔ تو کیا مثال بن گئی؟ ضَرَبْتُ وَأَكْرَمَنِي زَيْدٌ۔

دوسری مثال، ضَرَبْتُ وَأَكْرَمَنِي الزَّيْدَانِ۔ اگلی مثال لکھیے بھئی ضَرَبْتُ وَأَكْرَمَنِي الزَّيْدَانِ۔ جی ضَرَبْتُ کیا چاہتا ہے؟ کہ الزَّيْدَانِ میرے لیے مفعول بنے، اور أَكْرَمَنِي کیا چاہتا ہے؟ میرے لیے فاعل بنے، کس کو عامل بنائیں گے آپ؟ ثانی کو عامل، أَكْرَمَنِي کو عامل بنائیں اس نے الزَّيْدَانِ کو رفع دے دیا، اور تو پہلے کے لیے اب کیا کریں گے؟ پہلا مفعول چاہتا تھا، اس کو حذف کر دیں گے تو کیا جملہ بن گیا؟ ضَرَبْتُ وَأَكْرَمَنِي الزَّيْدَانِ۔

تیسری مثال لکھیے، ضَرَبْتُ وَأَكْرَمَنِي الزَّيْدُونَ۔ ضَرَبْتُ چاہتا ہے الزَّيْدُونَ میرے لیے مفعول بنے، أَكْرَمَنِي چاہتا ہے میرے لیے فاعل بنے، أَكْرَمَنِي کو عامل بنایا کیونکہ بصرہ والوں کا مذہب چل رہا ہے اس نے الزَّيْدُونَ کو رفع دے دیا۔ جی الزَّيْدُونَ تو جمع ہے تو أَكْرَمَنِي میں کوئی تبدیلی کریں گے؟ جمع والا صیغہ لائیں گے؟ کیوں نہیں لائیں گے؟ کیونکہ فاعل اسمِ ظاہر ہے جب فاعل اسمِ ظاہر ہو تو فعل کو ہمیشہ مفرد رکھتے ہیں، اور ضَرَبْتُ مفعول چاہتا ہے اس مفعول کو کیا کر لیا؟ حذف، کیونکہ اضمار قبل الذکر فضلہ میں جائز نہیں، تو جملہ کیا بن گیا؟ ضَرَبْتُ وَأَكْرَمَنِي الزَّيْدُونَ۔ بات اچھی طرح سمجھ میں آگئی؟ تو یہ دیکھو یہ کل بارہ مثالیں ہم نے کر لیں بھئی۔

چلیے، اب دیکھیے بھئی کتاب پر بھئی۔ بصرہ والوں کے مذہب کی تفصیل بیان ہو گئی بھئی، اب کتاب پر دیکھیے۔ بھئی پہلے متن متن دیکھ لیجیے: «وَإِذَا تَنَازَعَ الْفِعْلَانِ ظَاهِرًا بَعْدَهُمَا فَقَدْ يَكُونُ فِي الْفَاعِلِيَّةِ مِثْلُ ضَرَبَنِي وَأَكْرَمَنِي زَيْدٌ، وَفِي الْمَفْعُولِيَّةِ مِثْلُ ضَرَبْتُ وَأَكْرَمْتُ زَيْدًا، وَفِي الْفَاعِلِيَّةِ وَالْمَفْعُولِيَّةِ مُخْتَلِفَيْنِ»۔ دیکھیے بھئی متن متن۔ کہتے ہیں وَإِذَا تَنَازَعَ الْفِعْلَانِ اور جب دو فعل آپس میں تنازع کریں جھگڑا کریں، ظَاهِرًا ایک ایسے اسمِ ظاہر کے بارے میں، بَعْدَهُمَا جو ان دونوں کے بعد آرہا ہو، فَقَدْ يَكُونُ فِي الْفَاعِلِيَّةِ تو کبھی کبھار یہ جھگڑا فاعل ہونے میں ہو گا، یعنی دونوں میں سے ہر فعل چاہتا ہے کہ آگے آنے والا اسمِ ظاہر اس کے لیے فاعل بنے، مِثْلُ ضَرَبَنِي وَأَكْرَمَنِي زَيْدٌ جیسے اس مثال میں ہے، ضَرَبَنِي اس کے ساتھ دیکھو مفعول جڑا ہوا ہے یہ چاہتا ہے آگے آنے والا زید اس کے لیے فاعل بنے اور أَكْرَمَنِي کے ساتھ بھی مفعول کی ضمیر جڑی ہوئی ہے یہ چاہتا ہے زید میرے لیے فاعل بنے۔ وَفِي الْمَفْعُولِيَّةِ اور کبھی کبھار وہ جھگڑا جو ہے وہ مفعول ہونے میں ہوتا ہے، مِثْلُ ضَرَبْتُ وَأَكْرَمْتُ زَيْدًا، دیکھو ضَرَبْتُ کے ساتھ بھی فاعل کی ضمیر جڑی ہوئی ہے، أَكْرَمْتُ کے ساتھ بھی فاعل کی

ضمیر جڑی ہوئی ہے، اور آگے زید آیا تو ضَرَبْتُ چاہتا ہے یہ میرے لیے مفعول بنے اور أَكْرَمْتُ چاہتا ہے میرے لیے مفعول بنے۔ وَفِي الْفَاعِلِيَّةِ وَالْمَفْعُولِيَّةِ مُخْتَلِفَيْنِ اور کبھی جھگڑا فاعلیت اور مفعولیت میں ہوتا ہے اس حال میں کہ وہ دونوں فعل مختلف ہوتے ہیں، یعنی ایک فاعل کا تقاضا کرتا ہے تو دوسرا مفعول کا تقاضا کرتا ہے، اس میں دیکھو دو صورتیں آگئیں، پہلا فاعل کا تقاضا کرے اور دوسرا مفعول کا، یا پہلا مفعول کا تقاضا کرے اور دوسرا فاعل کا، تو یہ دو قسمیں ہو گئیں بھئی، تو کل چار قسمیں ہو گئیں بھئی۔ کون سی چار قسمیں؟ یا تو دونوں فعل فاعل کا تقاضا کریں گے یا دونوں مفعول کا، یا پہلا فاعل کا دوسرا مفعول کا یا پہلا مفعول کا دوسرا فاعل کا بھئی، اور ان میں سے ہر ایک کی تین تین مثالیں میں نے لکھوا دیں جس میں ہم اسمِ ظاہر کو بدلتے جا رہے تھے، کبھی مفرد، کبھی تثنیہ اور کبھی جمع بھئی۔

اب آئیے شرح کے ساتھ اس کو دیکھیں بھئی۔ کہتے ہیں وَإِذَا تَنَازَعَ الْفِعْلَانِ اور جب جھگڑا کریں دو فعل، بَلِ الْعَامِلَانِ بلکہ دو عامل بھئی۔ بلکہ دو عامل، صاحبِ جامی بتلانا چاہتے ہیں کہ صرف فعل کے اندر ہی جھگڑا نہیں ہوتا بلکہ جو شبہِ فعل ہیں ان میں بھی جھگڑا ہوتا ہے، مثلاً دو شبہِ فعل آگئے آگے ایک اسمِ ظاہر آیا، ایک شبہِ فعل چاہتا ہے یہ میرا معمول بنے دوسرا شبہِ فعل چاہتا ہے یہ میرا معمول بنے، تو جھگڑا صرف دو فعلوں میں نہیں ہوتا بلکہ شبہِ فعل میں بھی ہوتا ہے، تو کہتے ہیں وَإِذَا تَنَازَعَ الْفِعْلَانِ اور جب جھگڑا ہو دو فعلوں میں، بَلِ الْعَامِلَانِ بلکہ جھگڑا ہو دو عاملوں میں بھئی چاہے وہ فعل ہو چاہے شبہِ فعل، جب ان میں جھگڑا ہو، إِذِ التَّنَازُعُ يَجْرِي فِي غَيْرِ الْفِعْلِ أَيْضًا اس لیے کیونکہ تنازع جو ہے وہ غیرِ فعل میں بھی ہوتا ہے، نَحْوُ مثال کے طور پر زَيْدٌ مُعْطٍ وَمُكْرِمٌ عَمْرًا۔ عبارت پہ نظر ہے؟ ترکیب کیا ہو گی؟ دیکھو زَيْدٌ مُعْطٍ وَمُكْرِمٌ عَمْرًا، مُعْطٍ أَعْطٰى يُعْطِي إِعْطَاءً سے اسمِ فاعل ہے، اور مُكْرِمٌ یہ بھی کیا ہے؟ اسمِ فاعل ہے، اور جیسے إِعْطَاء کے لیے فاعل چاہیے مفعول بھی چاہیے کہ کس کو اعطاء کیا گیا کس کو کوئی چیز عطا کی گئی، اسی طرح مُكْرِمٌ، مُكْرِمٌ کے لیے بھی اکرام کرنے والا بھی چاہیے اور جس کا اکرام کیا گیا وہ بھی چاہیے۔ تو آگے عَمْرًا یہ اسم ہے، مُعْطٍ چاہتا ہے یہ میرے لیے مفعول بنے اور مُكْرِمٌ چاہتا ہے یہ میرے لیے مفعول بنے۔ توجہ ہے؟ ادھر دیکھیے أَعْطٰى يُعْطِي إِعْطَاءً کا کیا معنی ہے؟ عطا کرنا، کوئی چیز دینا، زید نے عمرو کو درہم دیا، تو اس کے لیے ایک مُعْطِي بھی چاہیے جو عطا کرنے والا ہے، اور جس کو عطا کر رہا ہے وہ بھی چاہیے، بات سمجھ میں آگئی؟ اور میں نے آپ کو بتلایا تھا یہ صفت کے صیغے اپنے فعل جیسا عمل کرتے ہیں، جب فعل کے لیے فاعل کے ساتھ ساتھ مفعول بھی چاہیے تو صفت کے صیغے بھی اسی طرح ہیں، أَعْطٰى يُعْطِي فعل ہے اس کے لیے فاعل بھی چاہیے اور مفعول بھی چاہیے، أَعْطَيْتُ زَيْدًا میں نے عطا کیا، کس کو عطا کیا؟ زید کو، تو جیسے فعل کے لیے فاعل اور مفعول چاہیے تو جو اسمِ فاعل اس سے بنے گا اس کے لیے بھی فاعل اور مفعول چاہیے۔ مُعْطِي عطا کرنے والا، اس کے لیے عطا کرنے والا بھی چاہیے اور جس کو عطا کیا جا رہا ہے وہ بھی چاہیے، تو مُعْطٍ اس کے لیے فاعل بھی چاہیے اور مفعول بھی، تو اسی

کے اندر هُوَ ضمیر ہے، اسی کے اندر وہ ہے فاعل اور آگے عَمْرًا کو کیا بنائیں گے؟ مفعول۔ اسی طرح مُكْرِمٌ اس کے اندر هُوَ ضمیر فاعل کی ہے اور آگے عَمْرًا کیا ہے؟ مفعول ہے، توجہ ہے؟ اب مُعْطٍ کے اندر بھی هُوَ ضمیر فاعل کی موجود ہے، مُكْرِمٌ کے اندر بھی هُوَ ضمیر فاعل کی موجود ہے، تو فاعل کی ضمیریں تو موجود ہیں، آگے عَمْرًا اسمِ ظاہر آیا، مُعْطٍ چاہتا ہے یہ میرا مفعول بنے اور مُكْرِمٌ چاہتا ہے یہ میرا مفعول بنے بھئی، تو ایک کو عامل بنائیں گے اور دوسرے کے اندر یا ضمیر لائیں گے یا حذف کریں گے وہ جو آپ نے مثالیں کر لیں اس کے مطابق بھئی، بات سمجھ میں آگئی؟ تو زَيْدٌ ہے مبتدا اور مُعْطٍ یہ ہے خبر، اور یہ مُعْطٍ خبر مجرور کیوں ہے بھئی؟ زید عطا کرنے والا ہے، یہ مجرور مُعْطٍ کیوں ہے مجھے سوال کا جواب دیجیے۔ ہاں شاباش یہ مجرور نہیں ہے یہ مرفوع ہی ہے یہ قَاضٍ کی طرح ہے، قَاضٍ حالتِ رفعی میں اس کے آخر سے یا گر جاتی ہے، اسی طرح مُعْطِي کے آخر میں بھی یا تھی وہ یا گر گئی بھئی۔ تو زَيْدٌ ہے مبتدا، مُعْطٍ معطوف علیہ ہے اور مُكْرِمٌ کا اسی پر عطف ہے اور عَمْرًا مفعول ہے بھئی۔ تو اب دیکھو مُعْطٍ اور مُكْرِمٌ یہ جھگڑ رہے ہیں عَمْرًا کے بارے میں، ایک چاہتا ہے میرا معمول بنے دوسرا چاہتا ہے میرا معمول بنے، تو یہ جھگڑا دیکھو دو فعلوں میں آیا یا دو عاملوں میں جھگڑا آیا؟ دو عامل، یعنی شبہِ فعل میں جھگڑا آیا ہے، فعل میں جھگڑا نہیں۔

اسی طرح اگلی مثال دیکھیے وَبَكْرٌ كَرِيمٌ وَشَرِيفٌ أَبُوهُ۔ كَرِيمٌ صفتِ مشبہ ہے اس کے لیے فاعل چاہیے، شَرِيفٌ بھی صفتِ مشبہ ہے اس کے لیے بھی فاعل چاہیے، آگے أَبُوهُ، أَبُوهُ مضاف مضاف الیہ مل کر یہ فاعل ہے۔ اب كَرِيمٌ چاہتا ہے یہ أَبُوهُ میرے لیے فاعل بنے، شَرِيفٌ چاہتا ہے یہ میرے لیے فاعل بنے، تو ایک کے لیے فاعل بنا دیں گے اور دوسرے میں ضمیر لے آئیں گے۔ تو بَكْرٌ ہے مبتدا، كَرِيمٌ معطوف علیہ ہے یہ خبر ہے اور شَرِيفٌ اس پر معطوف ہے، اور أَبُوهُ اس میں تنازع ہے، ایک صفتِ مشبہ چاہتی ہے یہ میرے لیے فاعل بنے دوسری صفتِ مشبہ چاہتی ہے یہ میرے لیے فاعل بنے۔ تو صاحبِ جامی بتلانا یہ چاہتے ہیں کہ متن میں تو آیا وَإِذَا تَنَازَعَ الْفِعْلَانِ جب دو فعل جھگڑا کریں، بلکہ فعل سے عامل مراد ہیں، کیا مراد ہیں؟ عامل مراد ہیں، کیونکہ جھگڑا صرف فعل میں نہیں ہوتا بلکہ شبہِ فعل کے اندر بھی جھگڑا ہوتا ہے۔ تو پھر سوال پیدا ہوتا ہے کہ بھئی جب جھگڑا فعل کے علاوہ شبہِ فعل میں بھی ہوتا ہے تو ماتن نے فعل کو کیوں ذکر کیا؟ انہوں نے عامل کو کیوں نہیں ذکر کیا؟ کہتے ہیں بھئی چونکہ عمل میں اصل فعل ہے اور فعل سب سے قوی عامل ہے، مقدم میں بھی عمل کرتا ہے مؤخر میں بھی، تو اصل کو ذکر کر دیا باقی شبہِ فعل کو آپ اسی پر قیاس کر سکتے ہیں۔ تو یہ معنی ہے وَاقْتَصَرَ عَلَى الْفِعْلِ اور ماتن نے فعل پر اکتفا کر لیا، لِأَصَالَتِهِ فِي الْعَمَلِ اس وجہ سے کہ یہ عمل کے اندر اصل ہے بھئی۔

تو بھئی ماتن نے تو دو فعل ذکر کیے، دو سے زیادہ فعلوں میں بھی تو جھگڑا ہو سکتا ہے؟ کہتے ہیں ہاں دو سے زیادہ میں بھی جھگڑا ہو سکتا ہے لیکن چونکہ تنازع کے لیے کم سے کم کتنے فعل چاہئیں؟ دو فعل چاہئیں، لہٰذا اقل مرتبے کو ذکر کر دیا باقیوں کو آپ اسی پر کیا کر سکتے ہیں؟ قیاس کر سکتے ہیں۔ تو کہتے ہیں وَإِنَّمَا قَالَ الْفِعْلَانِ ماتن نے الْفِعْلَانِ دو فعل کہا، مَعَ أَنَّ التَّنَازُعَ

قَدْ يَقَعُ فِي أَكْثَرَ مِنْ فِعْلَيْنِ باوجود اس کے کہ تنازع کبھی کبھار دو فعلوں سے زیادہ میں بھی ہوتا ہے، ماتن نے صرف دو کہا کیوں؟ اِقْتِصَارًا عَلٰى أَقَلِّ مَرَاتِبِ التَّنَازُعِ اکتفا کرتے ہوئے تنازع کے کم سے کم درجے پر یعنی کم سے کم تنازع کے لیے کتنے چاہئیں؟ دو، تو اسی پر اکتفا کر لیا۔ وَهُوَ الِاثْنَانِ اور جھگڑے کا کم سے کم مرتبہ کیا ہے، کتنے افراد ہونے چاہئیں؟ دو، تو وہ دو فعل کم از کم اس کے لیے ضرور چاہئیں اس کو ذکر کر دیا اور باقی کو آپ اسی پر قیاس کر سکتے ہیں۔ تو یہ معنی ہے، دوبارہ ترجمہ دیکھیے کہتے ہیں وَإِنَّمَا قَالَ الْفِعْلَانِ ماتن نے دو فعل کہے مَعَ أَنَّ التَّنَازُعَ قَدْ يَقَعُ فِي أَكْثَرَ مِنْ فِعْلَيْنِ باوجود اس کے کہ تنازع کبھی کبھار دو سے زیادہ فعلوں میں بھی ہوتا ہے، اِقْتِصَارًا عَلٰى أَقَلِّ مَرَاتِبِ التَّنَازُعِ اکتفا کرتے ہوئے تنازع کے کم سے کم مرتبے پر، بھئی کم سے کم مرتبہ تنازع کا کیا ہے؟ کہتے ہیں وَهُوَ الِاثْنَانِ وہ اثنان ہے دو ہے یعنی کم از کم دو فعل چاہئیں بھئی۔

چلیے بس بھئی، هٰذَا هُوَ الْمَرَامُ وَاللّٰهُ أَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْكَلَامِ۔

سبق نمبر ۸۷: التنازع (۲): اسمِ ظاہرِ متنازع فیہ کے بعد آنے کی شرط

شرحِ ملا جامی صفحہ: ۶۲ — بتاریخ: ۲۴ اکتوبر ۲۰۲۱ء

▪ تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث

دیکھیے بھائی آگے سبق: ظَاهِرًا، أَيْ اسْمًا ظَاهِرًا وَاقِعًا بَعْدَهُمَا أَيْ بَعْدَ الْفِعْلَيْنِ، إِذِ الْمُتَقَدِّمُ عَلَيْهِمَا أَوِ الْمُتَوَسِّطُ بَيْنَهُمَا مَعْمُولٌ لِلْفِعْلِ الْأَوَّلِ إِذْ هُوَ يَسْتَحِقُّهُ قَبْلَ الثَّانِي، فَلَا يَكُونُ فِيهِ مَجَالُ التَّنَازُعِ.

بھائی گزشتہ سبق میں ہم نے تنازعِ فعلین کی بحث شروع کی تھی بھائی۔ اور میں نے آپ کو بتلایا کہ تنازعِ فعلین یہ ہے کہ دو فعل آپس میں جھگڑا کریں ایک ایسے اسمِ ظاہر کے بارے میں جو ان دونوں کے بعد آرہا ہے۔ پہلا فعل چاہتا ہے یہ میرا معمول بنے، دوسرا فعل چاہتا ہے یہ میرا معمول بنے۔ تو اس کو تنازعِ فعلین کہتے ہیں بھائی۔ اور میں نے بتلایا تھا کہ اس میں چار صورتیں بنتی ہیں۔ یا تو دونوں فعل تقاضا کریں گے کہ وہ آگے آنے والا اسمِ ظاہر ان کے لیے فاعل بنے۔ پہلا فعل چاہتا ہے میرے لیے فاعل بنے میں رفع دوں، دوسرا فعل چاہے گا میرے لیے فاعل بنے میں رفع دوں۔ دوسری صورت یہ ہے کہ تنازع مفعولیت میں ہو، یعنی دونوں فعل اس اسمِ ظاہر کو اپنا مفعول بنانا چاہتے ہیں۔ تیسری صورت یہ ہے کہ دونوں تقاضے میں مختلف ہوں بھائی۔ یعنی ایک اگر اس اسمِ ظاہر کو فاعل بنانا چاہتا ہے تو دوسرا اپنا مفعول بنانا چاہتا ہے۔ تو اس میں پھر دو صورتیں ہیں: یا تو پہلا فاعل کا تقاضا کرے گا اور دوسرا مفعول کا، یا پہلا مفعول کا تقاضا کرے گا اور دوسرا فاعل کا تقاضا کرے گا۔ تو کل چار صورتیں بنتی ہیں بھائی۔

اور پھر یہاں میں نے بتلایا تھا دو بڑے اختلاف ہیں۔ ایک اختلاف ہے امام فراء کا جمہور کے ساتھ۔ امام فراء فرماتے ہیں وہ صورتیں جن کے اندر پہلا فاعل کا تقاضا کرے تو پہلے ہی کو عامل بنانا پڑے گا۔ ورنہ اگر آپ دوسرے کو عامل بنائیں گے تو پھر پہلے فعل کے لیے یا تو فاعل کو محذوف ماننا پڑے گا یا اس کی ضمیر لانا پڑے گی اور دونوں ہی جائز نہیں ہیں۔ فاعل کو حذف کرنا یہ بھی جائز نہیں، اور فاعل کی آپ ضمیر لے آئیں حالانکہ مرجع تو بعد میں آرہا ہے، یہ تو إِضْمَارٌ قَبْلَ الذِّكْرِ لازم آئے گا، یہ بھی جائز نہیں۔ جبکہ جمہور جو ہیں وہ فرماتے ہیں کہ جب پہلا فاعل کا تقاضا کر رہا ہو تو ثانی کو عامل بنانا جائز ہے۔ اور اس صورت میں پھر پہلے فعل کے اندر حذف کے تو ہم بھی نہیں قائل، حذفِ فاعل تو جائز نہیں، ہاں پھر پہلے فعل کے اندر فاعل

کی ہم ضمیر لے آئیں گے۔ اور یہ آپ نے کیا کہا تھا کہ یہ تو إِضْمَارٌ قَبْلَ الذِّكْرِ لازم آئے گا، تو اس کا جواب یہ ہے کہ إِضْمَارٌ قَبْلَ الذِّكْرِ عمدہ میں جائز ہے بشرطِ تفسیر۔ اور عمدہ کسے کہتے ہیں؟ میں نے آپ کو بتلایا تھا کہ عمدہ کا لفظ بولا جائے تو اس سے تین چیزیں مراد لی جاتی ہیں۔ اور وہ کون کون سی؟ بتدا ہے، خبر ہے، اور فاعل یا نائب فاعل ہے بھائی۔ بات سمجھ میں آ گئی؟ فاعل اور نائب فاعل ایک ہی ان کو شمار کیا جاتا ہے۔ تو بتدا، خبر اور فاعل یا نائب فاعل ان کو عمدہ کہا جاتا ہے۔

تو جمہور کیا کہتے ہیں کہ إِضْمَارٌ قَبْلَ الذِّكْرِ عمدہ میں جائز ہے بشرطِ تفسیر۔ تو اس کے اندر دیکھو پہلے فعل کے اندر فاعل کی ضمیر لے آئے اور فاعل کیا ہے؟ عمدہ۔ تو عمدہ کے اندر إِضْمَارٌ قَبْلَ الذِّكْرِ جائز ہے بشرطِ تفسیر، کہ آگے اس کی تفسیر آ جائے۔ اور یہاں پر بھی آپ دیکھ رہے ہیں اگلے فعل کے فوراً بعد ہی وہ اسمِ ظاہر آ رہا ہے جس کی طرف یہ ضمیر لوٹ رہی ہے، وہ جو ضمیر کا مرجع ہے۔ تو ایک آدھ لفظ کے بعد ہی دیکھو اس مرجع کی تفسیر آ گئی۔ بات سمجھ میں آ گئی؟ تو إِضْمَارٌ قَبْلَ الذِّكْرِ عمدہ میں جائز ہے بشرطِ تفسیر۔ تو اس صورت میں ضمیر لے کر آتے ہیں۔ اور حذف، پہلے فعل کے لیے فاعل کو محذوف مان لیا جائے یہ جائز نہیں۔ جبکہ امام کسائی فرماتے ہیں کہ نہیں، اس کو محذوف مان لیں گے۔ فاعل کو کیا کر لیں گے؟ حذف کر لیں گے تاکہ إِضْمَارٌ قَبْلَ الذِّكْرِ کی خرابی سے بچ جائیں۔

امام فراء تو کیا فرماتے تھے؟ جب پہلا فاعل کا تقاضا کرے تو پہلے ہی کو عامل بنانا ہے، ثانی کو عامل بنا ہی نہیں سکتے۔ ورنہ تو پہلے کے اندر یا فاعل کو حذف کرنا پڑے گا یا اس کی ضمیر لانا پڑے گی اور دونوں ہی جائز نہیں۔ جبکہ امام کسائی فرماتے ہیں کہ اس صورت میں ثانی کو عامل بنا سکتے ہیں لیکن پہلے کے اندر فاعل کو حذف کر دیں گے، کیا کر دیں گے؟ حذف کر دیں گے، یعنی نَسْيًا مَنْسِيًّا کر دیں گے گویا یہ فاعل چاہتا ہی نہیں ہے، اس طرح کر دیں گے۔ بات سمجھ میں آ گئی؟ فاعل کو حذف کرنے کا یہ معنی نہیں کہ فاعل وہاں مقدر ہو جائے گا، نہیں نہیں، فاعل کیا ہو جائے گا؟ نَسْيًا مَنْسِيًّا گویا یہ پہلا فعل فاعل چاہتا ہی نہیں۔ جبکہ جمہور کہتے ہیں نہیں، حذف تو کسی صورت جائز ہی نہیں ہے۔ لہٰذا إِضْمَارٌ قَبْلَ الذِّكْرِ والی صورت ہم اختیار کرتے ہیں، حذف جائز نہیں۔ ہاں اور إِضْمَارٌ قَبْلَ الذِّكْرِ کی خرابی جو لازم آ رہی تھی تو اس کا وہ جواب دیتے ہیں کہ إِضْمَارٌ قَبْلَ الذِّكْرِ عمدہ میں جائز ہے بشرطِ تفسیر۔ یہاں تک بات سمجھ میں آ گئی؟

اس کے بعد دوسرا اختلاف جمہور کا آپس میں تھا۔ جمہور کا کیا معنی؟ اکثر نحوی۔ یعنی اکثر نحوی علماء کا یہ مذہب ہے۔ تو پھر جمہور میں آپس میں اختلاف ہے کہ کس کو عامل بنانا بہتر ہے؟ پہلے کو عامل بنانا بہتر ہے یا دوسرے کو؟ تو اس میں اختلاف ہے کوفہ اور بصرہ کے نحویوں کا۔ کوفہ والے نحوی کیا کہتے ہیں کس کو عامل بناؤ؟ پہلے کو عامل بنانا بہتر ہے۔ عامل آپ دونوں کو بنا سکتے ہیں لیکن پہلے کو عامل بنانا بہتر ہے۔ اور بصرہ والے کہتے ہیں ثانی کو عامل بنانا بہتر ہے بھائی۔ بصرہ والے کہتے ہیں ثانی کو عامل بنانا بہتر ہے، وجہ یہ کہ جب آپ ثانی کو عامل بنائیں گے تو اس صورت میں اس ثانی کے فوراً بعد وہ آگے اسمِ ظاہر آ رہا ہے، تو فعلِ ثانی اس کے قریب ہے، لہٰذا وہ زیادہ حقدار ہے کہ اس کو عامل بنایا جائے۔ اور نیز اس لیے کہ اصل

بھی یہی ہے کہ فعل اور فاعل کے درمیان فصل نہیں ہونا چاہیے۔ اگر آپ پہلے کو عامل بنائیں گے پھر تو اس اسمِ ظاہر اور پہلے فعل کے درمیان فعلِ ثانی کا فصل آجائے گا، لیکن اگر آپ ثانی کو عامل بنائیں گے تو ثانی کے فوراً بعد کیا ہے؟ اسمِ ظاہر ہے، تو درمیان میں فصل بھی نہیں آئے گا۔ اور اصل بھی یہی ہے فعل کے فوراً بعد کس کو آنا چاہیے؟ فاعل کو آنا چاہیے۔ تو یہ دو دلیلیں ہو گئیں بصرہ والوں کی۔ کون سی دو دلیلیں؟ پہلی دلیل یہ کہ یہ ثانی فعل اسمِ ظاہر کے قریب ہے اس لیے یہ زیادہ حقدار ہے۔ اور دوسری دلیل یہ کہ اس صورت میں فعل اور فاعل کے درمیان فصل بھی نہیں آتا اور اصل بھی یہی ہے کہ فعل کے فوراً بعد کس کو آنا چاہیے؟ فاعل کو۔

جبکہ کوفہ والوں کی دو دلیلیں یہ کہ کوفہ والے کہتے ہیں کہ پہلا فعل چونکہ پہلے آیا ہے لہٰذا وہ زیادہ حقدار ہے، اس کو عامل بنانا چاہیے۔ اور دوسری دلیل یہ کہ جب آپ پہلے کو عامل بنائیں گے تو پھر إِضْمَارٌ قَبْلَ الذِّكْرِ سے پورے طور پر بچ جائیں گے۔ اگرچہ یہاں إِضْمَارٌ قَبْلَ الذِّكْرِ عمدہ میں جائز ہے بشرطِ تفسیر، لیکن پورے طور پر اس سے بچ جائیں تو وہ زیادہ اچھا ہے۔ تو جب آپ پہلے کو عامل بنائیں گے تو ثانی میں ضمیر لائیں گے۔ اور ثانی کے بعد اسمِ ظاہر ہے لیکن حقیقت میں اسمِ ظاہر کیا ہے ثانی سے رتبے کے اعتبار سے مقدم ہو چکا ہے کیونکہ اس کا تعلق فعلِ اول سے آچکا ہے۔

اور اس کے بعد پھر ہم نے ان کی مثالیں بھی حل کی تھیں۔ میں نے بتایا تھا کہ ضَرَبَ اور أَكْرَمَ سے ہم اس کی مثالیں کریں گے۔ پہلا فعل ضَرَبَ سے لائیں گے اور دوسرا أَكْرَمَ سے۔ ضَرَبَ بھی فعلِ متعدی ہے، أَكْرَمَ بھی فعلِ متعدی ہے۔ ان دونوں کے لیے فاعل کے ساتھ ساتھ مفعول بھی چاہیے۔ تو جب دونوں فاعل کا تقاضا کریں تو ہم مفعول کو ساتھ جوڑ دیں گے۔ جیسے ضَرَبَنِي اور أَكْرَمَنِي۔ ضَرَبَنِي کے ساتھ دیکھو یہ يَاء ضمیر مفعول کی جڑ گئی، اب یہ صرف کس کا تقاضا کر رہا ہے؟ فاعل کا۔ اسی طرح أَكْرَمَنِي کے ساتھ بھی يَاء ضمیر مفعول کی جڑ گئی، اب یہ تقاضا کس کا کر رہا ہے؟ فاعل۔ تو جب آپ کو وہ فعل چاہیے جو فاعل کا تقاضا کر رہا ہو تو یہ ضَرَبَنِي یا أَكْرَمَنِي کو لانا ہے۔ اور دوسرے صیغے ہم تیار کر لیتے ہیں جس میں فعل کے ساتھ فاعل کی ضمیر جڑ جائے، جیسے ضَرَبْتُ اور أَكْرَمْتُ۔ ضَرَبْتُ کے ساتھ یہ تَاء ضمیر فاعل کی ہے، أَكْرَمْتُ کے ساتھ یہ تَاء ضمیر فاعل۔ تو فاعل کی ضمیر ساتھ جڑ گئی، اب یہ دونوں مفعول کا تقاضا کر رہے ہیں۔ تو جہاں ہمیں ایسے فعل کی ضرورت ہو کہ وہ مفعول کا تقاضا کر رہا ہو تو ہم ضَرَبْتُ اور أَكْرَمْتُ کو استعمال کریں گے۔

اس کے بعد پھر ہم نے وہ مثالیں کی تھیں بھائی کہ دونوں فعل فاعل کا تقاضا کر رہے ہوں۔ دونوں فعل فاعل کا تقاضا کر رہے ہوں، وہ کون سے صیغے ہیں؟ ضَرَبَنِي اور أَكْرَمَنِي۔ مفعول ساتھ جڑا ہوا ہے یہ فاعل کا تقاضا کر رہے ہیں۔ ضَرَبَنِي وَأَكْرَمَنِي آگے زَيْدٌ آیا۔ تو پہلے ہم نے بصرہ والوں کا مذہب کیا تھا، کس کو فاعل بنایا؟ ثانی کو۔ ثانی کو عامل بنایا تو اول اگر مفعول کا تقاضا کر رہا ہے، ادھر دیکھیے، ہم نے عامل بنانا ہے ثانی کو، تو اول اگر فاعل کا تقاضا کر رہا ہے تو اس میں فاعل کی

ضمیر لائیں گے، کیونکہ إِضْمَارٌ قَبْلَ الذِّكْرِ عمدہ میں جائز ہے بشرطِ تفسیر بھائی۔ اور اگر پہلا مفعول کا تقاضا کر رہا ہو تو پھر اس کو مفعول کو حذف کر دیں گے کیونکہ إِضْمَارٌ قَبْلَ الذِّكْرِ فضلہ میں جائز نہیں۔ چنانچہ کیا مثالیں بنی تھیں؟ ضَرَبَنِي وَأَكْرَمَنِي زَيْدٌ، ضَرَبَانِي وَأَكْرَمَنِي زَيْدَانِ، ضَرَبُونِي وَأَكْرَمَنِي زَيْدُونَ۔ دوسری مثال جس میں دونوں مفعول کا تقاضا کر رہے ہوں: ضَرَبْتُ وَأَكْرَمْتُ زَيْدًا، ضَرَبْتُ وَأَكْرَمْتُ زَيْدَيْنِ، اور ضَرَبْتُ وَأَكْرَمْتُ زَيْدِينَ۔

اس کے بعد وہ صورت کہ جس میں پہلا فاعل کا تقاضا کرے اور دوسرا مفعول کا، اس کی کیا مثالیں تھیں؟ ضَرَبَنِي، دیکھو یہ فاعل کا تقاضا کر رہا ہے، اور أَكْرَمْتُ یہ مفعول کا۔ ضَرَبَنِي وَأَكْرَمْتُ زَيْدًا، ثانی عمل کر رہا ہے۔ تو ضَرَبَنِي وَأَكْرَمْتُ زَيْدًا، ضَرَبَانِي وَأَكْرَمْتُ زَيْدَيْنِ، ضَرَبُونِي وَأَكْرَمْتُ زَيْدِينَ۔ اور چوتھی صورت کہ پہلا مفعول کا تقاضا کرے اور دوسرا فاعل کا۔ اس میں پہلا مفعول کا تقاضا کرے ضَرَبْتُ لے آئے، اور دوسرا کس کا تقاضا کرے فاعل کا أَكْرَمَنِي لے آئے۔ ضَرَبْتُ وَأَكْرَمَنِي زَيْدٌ، پھر ضَرَبْتُ وَأَكْرَمْتُ... ضَرَبْتُ وَأَكْرَمَنِي زَيْدَانِ، اور ضَرَبْتُ وَأَكْرَمَنِي زَيْدُونَ۔ اسمِ ظاہر چاہے مفرد ہو تثنیہ ہو جمع ہو أَكْرَمَنِي اسی طرح رہے گا کیونکہ فعل جب اسمِ ظاہر کو رفع دیتا ہے تو وہ ہمیشہ مفرد رہتا ہے۔ ضابطہ سمجھ میں آگیا؟

اس کے بعد ہم نے عبارت شروع کی تھی بھائی جامی کے اندر۔ صاحبِ جامی نے بتلایا تھا، متن میں آیا وَإِذَا تَنَازَعَ الْفِعْلَانِ جب دو فعل جھگڑا کریں۔ صاحبِ جامی نے بتلایا بلکہ دو عامل بھائی، فعل نہیں بلکہ دو عامل، اس لیے کیونکہ جس طرح فعل کبھی آپس میں جھگڑتے ہیں اسی طرح شبہِ فعل بھی کبھی آپس میں جھگڑتے ہیں۔ اور پھر اس کی مثال بھی ذکر کر دی زَيْدٌ مُعْطٍ وَمُكْرِمٌ عَمْرًا، اس عَمْرًا کے اندر مُعْطٍ اور مُكْرِمٌ دونوں جھگڑ رہے ہیں۔ مُعْطٍ چاہتا ہے یہ میرا مفعول بنے اور مُكْرِمٌ چاہتا ہے میرا مفعول بنے۔ تو لہٰذا فِعْل بول کر عامل مراد ہیں، کیا مراد ہیں؟ عامل۔ اس پر سوال پیدا ہوا کہ بھائی اگر عامل مراد ہیں تو عامل ہی ذکر کر دیتے فعل کو کیوں ذکر کیا؟ تو اس کا جواب بھی دیا تھا کہ چونکہ فعل عمل کے اندر اصل ہے اور سب سے قوی عامل ہے، مقدم میں بھی عمل کرتا ہے مؤخر میں بھی عمل کرتا ہے، اس لیے فعل کو ذکر کر دیا جب فعل کا پتہ چل گیا تو باقی جو فعل کے مشابہ ہیں عامل ان کا بھی پتہ چل گیا۔ اور پھر اس کے بعد بھائی جھگڑا تو کبھی دو سے زیادہ فعلوں میں بھی ہوتا ہے تو صرف دو کیوں ذکر کیے؟ تو اس کی وجہ بھی ذکر کی کہ بھائی جھگڑے کے لیے کم از کم دو فعل ضرور چاہئیں، تو اقلِ مرتبہ تنازع کا دو ہے، اس لیے دو فعلوں کو ذکر کر دیا جب دو کا طریقہ آپ کو آگیا تو باقیوں کا طریقہ بھی آپ خود ہی اس پر قیاس کر کے نکال سکتے ہیں۔

آگے دیکھیے: ظَاهِرًا، أَيْ اسْمًا ظَاهِرًا وَاقِعًا بَعْدَهُمَا۔ ظَاهِرًا کے بعد صاحبِ جامی فرماتے ہیں أَيْ اسْمًا ظَاهِرًا کیا بتلانا چاہتے ہیں؟ ہاں شاباش، وہ بتلانا یہ چاہتے ہیں کہ یہ ظَاهِرًا صفت ہے اور اس کا موصوف اسْمًا محذوف ہے۔ اور آگے کہا وَاقِعًا بَعْدَهُمَا۔ متن میں تو آیا تھا صرف بَعْدَهُمَا، لیکن صاحبِ جامی نے کیا کہا؟ وَاقِعًا بَعْدَهُمَا۔ بتلانا چاہتے ہیں کہ اسم جو موصوف تھا یہ ظَاهِرًا اس کی صفتِ اول ہے اور یہ بَعْدَهُمَا اس کی صفتِ ثانی ہے۔ دیکھو عبارت پہ نظر رکھو: أَيْ اسْمًا ظَاهِرًا وَاقِعًا

بَعْدَهُمَا یعنی ایسا اسمِ ظاہر جو واقع ہو بَعْدَهُمَا ان دونوں فعلوں کے بعد۔ تو دیکھو یہ بَعْدَهُمَا یہ ظرفِ حقیقی ہے۔ جیسے جار مجرور جب بھی کلام میں آئیں وہ متعلق ہوتے ہیں ان کے لیے متعلق چاہیے، اسی طرح یہ جو ظرفِ حقیقی ہے، ظرفِ حقیقی کسے کہتے ہیں؟ جس میں زمانے یا جگہ والا معنی ہو، ان کے لیے ہمیشہ عامل چاہیے۔

جار مجرور کو بھی ظرف کہتے ہیں لیکن مجازاً۔ تو ان کے لیے ہمیشہ جس سے وہ جڑیں گے اس کو متعلق کہیں گے، اور ان کے لیے جو چاہیے اس کو عامل کہیں گے، صرف نام کا فرق ہے۔ جیسے جار مجرور وہ آٹھ چیزوں سے جڑتے تھے، اسی طرح اس ظرف کے لیے بھی ان آٹھ چیزوں میں سے کوئی ایک عامل چاہیے۔ اور جیسے جار مجرور کے لیے وہ افعالِ عامہ بھی نکال سکتے ہیں اور افعالِ خاصہ بھی۔ اور وہ افعالِ عامہ مشہور کتنے ہیں؟ چار: کون، ثبوت، وجود اور حصول۔ جیسے ان سے كَانَ بھی نکال سکتے ہیں كَائِنٌ بھی، ثَبَتَ بھی اور ثَابِتٌ بھی، اور حَصَلَ بھی اور حَاصِلٌ بھی، اور وُجِدَ بھی اور مَوْجُودٌ بھی۔ تو ان میں سے کوئی ایک نکال سکتے ہیں اور جار مجرور پھر ان سے جڑ جاتے ہیں۔ اور جار مجرور کو کہتے ہیں مُتَعَلِّق اور ان کو کیا کہتے ہیں؟ مُتَعَلَّق۔ اور اسی طرح اگر ظرفِ حقیقی کلام میں آجائے تو اس کے لیے بھی عامل ضرور چاہیے اور وہ انہی آٹھ چیزوں میں سے کوئی ایک ہوگا۔ لیکن یہ ظرفِ حقیقی اس کو متعلق نہیں کہیں گے، اس کو کہیں گے مفعول فیہ ہے یہ، ظرف ہے۔ بھئی اس پر نصب آیا نا؟ نصب تو خود بخود نہیں آتا اس کے لیے تو عامل چاہیے۔ تو جو ان کے لیے محذوف نکالیں گے یہ اس کے لیے معمول بنیں گے اور وہ ان کے لیے عامل۔ اور وہ اسی طرح كَانَ بھی نکال سکتے ہیں كَائِنٌ بھی، ثَبَتَ بھی ثَابِتٌ بھی، حَصَلَ بھی حَاصِلٌ بھی، وُجِدَ بھی اور مَوْجُودٌ بھی۔ تو یہاں دیکھو وَاقِعًا نکال لیا۔ آپ چاہے ثَابِتًا نکالیں: أَيْ اسْمًا ظَاهِرًا ثَابِتًا بَعْدَهُمَا، ایسا اسمِ ظاہر جو ان دونوں کے بعد ثابت ہو۔ بات سمجھ میں آگئی؟

تو دو فعل جب جھگڑا کریں ایک ایسے اسمِ ظاہر میں جو واقع ہو بَعْدَهُمَا أَيْ بَعْدَ الْفِعْلَيْنِ ان دو فعلوں کے بعد۔ ادھر دیکھیے، جب دو فعل جھگڑا کریں ایسے اسمِ ظاہر کے بارے میں جو ان دونوں کے بعد ہو، دونوں فعلوں کے بعد آئے تو پھر ہی جھگڑا ہوگا۔ صاحبِ جامی آپ کو بتائیں گے اگر وہ اسمِ ظاہر دونوں کے بعد نہیں ہے بلکہ دونوں سے پہلے ہے یا دونوں کے درمیان میں ہے تو پھر پہلے فعل کو ہی عامل بنائیں گے۔ دیکھو ضَرَبَنِي وَأَكْرَمَنِي زَيْدٌ، یہ زَيْدٌ کہاں پر ہے؟ ضَرَبَنِي اور أَكْرَمَنِي دونوں کے بعد ہے۔ اگر یہ دونوں پر مقدم ہو جائے، یا دوسری مثال جیسے ضَرَبْتُ وَأَكْرَمْتُ زَيْدًا، یہ زَيْدًا دونوں کے بعد ہے تو دونوں اس کے اندر عامل بن سکتے ہیں۔ اور اگر یہ زَيْدٌ دونوں پر مقدم ہو، کلام یوں ہوتا زَيْدًا ضَرَبْتُ وَأَكْرَمْتُ، تو اس میں یاد رکھو پھر ضَرَبْتُ ہی زَيْدٌ کے اندر عامل ہوگا بھائی، کیونکہ زَيْدًا مقدم ہے اور ضَرَبْتُ پہلے آیا ہے تو یہ حقدار ہے عمل کرنے کا۔ یا زَيْدًا درمیان میں آجائے: ضَرَبْتُ زَيْدًا وَأَكْرَمْتُ۔ تو اس صورت میں بھی پہلا ہی فعل عامل بنے گا۔ لہٰذا ضروری ہے تنازع کے لیے کہ وہ اسمِ ظاہر کہاں آنا چاہیے؟ دونوں کے بعد آنا چاہیے، دونوں کے بعد آنا چاہیے، دونوں سے پہلے بھی نہ ہو دونوں کے

درمیان میں بھی نہ ہو ورنہ پہلا فعل ہی عامل بنے گا۔

دیکھیے صاحبِ جامی فرماتے ہیں، کہتے ہیں إِذِ الْمُتَقَدِّمُ عَلَيْهِمَا اس لیے کیونکہ وہ اسمِ ظاہر جو ان دونوں فعلوں پر مقدم ہو، أَوِ الْمُتَوَسِّطُ بَيْنَهُمَا یا دونوں کے درمیان میں ہو، وہ مَعْمُولٌ لِلْفِعْلِ الْأَوَّلِ وہ پہلے ہی فعل کے لیے معمول ہو گا۔ بھائی پہلے فعل کے لیے معمول کیوں ہو گا جب درمیان میں آئے یا شروع میں آئے؟ کہتے ہیں إِذْ هُوَ يَسْتَحِقُّهُ قَبْلَ الثَّانِي اس لیے کیونکہ پہلا فعل اس کا مستحق ہو چکا ہے ثانی فعل کے آنے سے پہلے ہی۔ فَلَا يَكُونُ فِيهِ مَجَالُ التَّنَازُعِ لہٰذا اس میں جھگڑے کی مجال نہیں، اس میں جھگڑے کی مجال نہیں۔ بھائی یاد رکھو یہ مَجَال ظرف کا صیغہ ہے۔ جَالَ يَجُولُ جَوَلَانٌ کا معنی ہے گھومنا، چکر لگانا، اسی سے اسمِ ظرف ہے مَجَال، گھومنے کی جگہ، چکر لگانے کی جگہ، یا یوں کہو جولان گاہ بھائی۔ کیا کہتے ہیں اردو میں اس کے لیے لفظ کیا ہے؟ جولان گاہ، یعنی وہ جگہ جہاں چکر لگائے جاتے ہیں، یعنی آسان لفظوں میں کہو میدان، آسان لفظوں میں میدان۔ تو کہتے ہیں کہ پہلا اس کا مستحق ہو چکا ہے دوسرے سے پہلے ہی، فَلَا يَكُونُ فِيهِ مَجَالُ التَّنَازُعِ لہٰذا اس میں جھگڑے کا میدان نہیں، اس میں جھگڑے کا میدان نہیں، یعنی وہاں جھگڑا ہو ہی نہیں سکتا۔ بھائی دیکھیے نا دو فعل آ رہے ہیں اور وہ اسمِ ظاہر دونوں سے مقدم ہے یا دونوں کے درمیان ہے، تو اب یہ جھگڑے کا میدان نہیں کیونکہ پہلا اس کا مستحق ہو چکا ہے دوسرے فعل کے آنے سے پہلے ہی، تو یہ جھگڑے کا میدان نہیں یعنی اس میں پھر جھگڑا نہیں ہو گا اس میں پہلا ہی عامل بنے گا۔ یہ معنی ہے فَلَا يَكُونُ فِيهِ مَجَالُ التَّنَازُعِ تو اس کے اندر جھگڑے کا میدان نہیں۔

وَمَعْنَى تَنَازُعِهِمَا فِيهِ اب تنازع کا معنی بیان کر رہے ہیں کہ بھائی تنازع کا معنی ہے جھگڑا، اور جھگڑا تو جاندار چیزوں میں ہوتا ہے اور یہ تو دو فعل ہیں ان میں کیسے جھگڑا ہو سکتا ہے؟ تو آپ کو بتلائیں گے بھائی کہ جھگڑے کا معنی وہ نہیں جو آپ سمجھ رہے ہیں، بلکہ جھگڑے کا معنی یہ ہے کہ دو فعل معنی کے اعتبار سے ایک اسمِ ظاہر کی طرف متوجہ ہو رہے ہیں اور دونوں میں سے ہر ایک چاہتا ہے کہ میں اس کے اندر عمل کروں، یہ میرا معمول بنے۔ تو کہتے ہیں وَمَعْنَى تَنَازُعِهِمَا فِيهِ اور دو فعلوں کا جھگڑنا فِيهِ اس اسمِ ظاہر کے اندر اس کا معنی یہ ہے کہ أَنَّهُمَا بِحَسَبِ الْمَعْنَى کہ وہ دونوں فعل معنی کے اعتبار سے يَتَوَجَّهَانِ إِلَيْهِ دونوں اس کی طرف متوجہ ہیں۔ توجہ ہے؟ ادھر دیکھیے، دو فعل آئے، آگے ایک اسمِ ظاہر آیا، اور فعل تو جاندار نہیں پھر جھگڑنے کا کیا معنی؟ معنی یہ ہے دونوں فعل اس کی طرف متوجہ ہیں اور آپ دونوں کے لیے اس کو معمول بنانا چاہیں تو بنا سکتے ہیں۔ ضَرَبْتُ وَأَكْرَمْتُ زَيْدًا۔ دیکھو ضَرَبْتُ اور أَكْرَمْتُ کے بعد زَيْدٌ آیا۔ ضَرَبْتُ چاہتا ہے یہ میرے لیے مفعول بنے، أَكْرَمْتُ چاہتا ہے میرے لیے مفعول بنے۔ اب ذرا باری باری دونوں کے لیے مفعول بنا کر بھی دیکھو، عَلَى سَبِيلِ الْبَدَلِ یعنی باری باری۔ کیسے؟ پہلے ضَرَبْتُ کے لیے مفعول بناؤ: ضَرَبْتُ وَأَكْرَمْتُ زَيْدًا، ضَرَبْتُ نصب دے سکتا ہے یا نہیں زَيْدٌ کو؟ دے سکتا ہے۔ اب ذرا أَكْرَمْتُ کے لیے اس کو مفعول بناؤ، أَكْرَمْتُ اس کو نصب دے: ضَرَبْتُ وَأَكْرَمْتُ زَيْدًا۔ توجہ ہے؟ تو دیکھو معنی کے اعتبار سے دو فعل متوجہ ہیں ایک ایسے اسمِ ظاہر کی طرف جو ان دونوں کے بعد آ رہا ہے اور

دونوں فعل اس کے اندر عمل بھی کر سکتے ہیں عَلَى سَبِيلِ الْبَدَلِ یعنی باری باری، آپ دونوں کے لیے معمول بنا کر دیکھیں باری باری وہ ہر ایک کے لیے معمول بن جاتا ہے۔ معمول بن جاتا ہے۔ بھائی عَلَى سَبِيلِ الْبَدَلِ کہا اکٹھا نہیں، کیونکہ ایک ہی معمول پر دو عامل داخل نہیں ہو سکتے۔ ضَرَبْتُ وَأَكْرَمْتُ زَيْدًا آپ یہ نہیں کہہ سکتے کہ ضَرَبْتُ اور أَكْرَمْتُ دونوں زَيْدًا کے اندر عامل ہیں، یہ دونوں کے لیے مفعول بن رہا ہے، نہیں، دونوں کے لیے اکٹھا نہیں۔ ایک معمول پر ایک وقت میں ایک ہی عامل آسکتا ہے، ایک سے زیادہ آ ہی نہیں سکتے بھائی۔ یہ نحو کا اصول ہے ضابطہ ہے: ایک معمول پر ایک ہی عامل آسکتا ہے، وہی اس کو رفع یا نصب یا جر دے گا۔ تو لہٰذا اس لیے آپ کو بتائیں گے کہ تنازعِ فعلین کا کیا معنی؟ کہ دو فعلوں کے بعد ایک اسمِ ظاہر آئے اور وہ دونوں فعل معنی کے اعتبار سے اس کی طرف متوجہ ہو رہے ہیں اور آپ دونوں کے لیے اس کو باری باری معمول بنا کر دیکھیں وہ دونوں کے لیے معمول بن سکتا ہے، تو اس کو کہیں گے کہ یہ دونوں فعل اس اسمِ ظاہر میں تنازع کر رہے ہیں۔ بات سمجھ میں آگئی؟

دیکھیے بھائی کہتے ہیں وَمَعْنَى تَنَازُعِهِمَا فِيهِ اور دو فعلوں کا جھگڑنا اس اسمِ ظاہر کے اندر اس کا معنی یہ ہے کہ أَنَّهُمَا بِحَسَبِ الْمَعْنَى يَتَوَجَّهَانِ إِلَيْهِ کہ وہ دونوں فعل جو ہیں معنی کے اعتبار سے اس اسمِ ظاہر کی طرف متوجہ ہیں، وَيَصِحُّ اور یہ بات صحیح ہے کہ أَنْ يَكُونَ هُوَ مَعَ وُقُوعِهِ فِي ذَلِكَ الْمَوْضِعِ کہ أَنْ يَكُونَ هُوَ کہ وہ والا اسمِ ظاہر جو ہے مَعَ وُقُوعِهِ فِي ذَلِكَ الْمَوْضِعِ باوجود اس کے اس مقام پر واقع ہونے کے مَعْمُولًا وہ معمول ہو سکے لِكُلٍّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا ان دونوں فعلوں میں سے ہر ایک۔ بھائی زَيْدًا آخر میں آرہا ہے اور دونوں کے لیے یہ معمول ہو سکتا ہے یا نہیں ہو سکتا باری باری؟ ہو سکتا ہے۔ تو یہ معنی ہے کہ وَيَصِحُّ اور یہ صحیح ہو کہ أَنْ يَكُونَ هُوَ مَعَ وُقُوعِهِ فِي ذَلِكَ الْمَوْضِعِ کہ وہ اسمِ ظاہر اس مقام پر واقع ہونے کے ساتھ ساتھ مَعْمُولًا لِكُلٍّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا وہ معمول ہو سکے ان دونوں فعلوں میں سے ہر ایک کے لیے عَلَى الْبَدَلِ کس طریقے پر؟ بدل کے طریقے پر یعنی باری باری، یہ نہیں کہ اکٹھا ہی یہ دونوں اس میں عمل کر لیں۔ بدل کے طریقے پر یعنی پہلے ایک کے لیے معمول بنا کر دیکھیں آپ دیکھیں گے اس کے لیے بھی معمول بن رہا ہے، پھر دوسرے کے لیے معمول بنا کر دیکھیں آپ دیکھیں گے اس کے لیے بھی معمول بن رہا ہے۔ تو اس کا معنی یہ ہے دونوں فعل اس کی طرف متوجہ ہیں، دونوں میں سے آپ جس کے لیے چاہیں اس کو معمول بنا سکتے ہیں۔ اب بنائیں گے ایک کے لیے معمول یا اول کے لیے یا ثانی کے لیے۔ یہ معنی ہے کہ وہ معمول ہو سکے لِكُلٍّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا ان دونوں فعلوں میں سے ہر ایک کے لیے عَلَى الْبَدَلِ بدل کے طریقے پر۔

فَحِينَئِذٍ لَا يُتَصَوَّرُ تَنَازُعُهُمَا فِي الضَّمِيرِ الْمُتَّصِلِ۔ اب ضمیر کی بات کریں گے۔ کہتے ہیں بھائی دیکھو متن میں انہوں نے کیا کہا؟ تنازعِ فعلین یہ ہے کہ دو فعل جھگڑا کریں ایک ایسے اسمِ ظاہر کے بارے میں جو دونوں فعلوں کے بعد آئے۔ اسمِ ظاہر کی بات کی صاحبِ کافیہ نے۔ بھائی ضمیر کی بات کیوں نہیں کی؟ کہتے ہیں اس لیے کیونکہ ضمیر کی دو قسمیں ہیں: یا ضمیرِ متصل ہو گی یا ضمیرِ منفصل۔ متصل میں تو جھگڑا ہو ہی نہیں سکتا اس لیے اس کو ذکر نہیں کیا۔ اور منفصل میں جھگڑا تو ہو سکتا

ہے لیکن اس کو طے کرنے کی، اس جھگڑے کو ختم کرنے کی کوئی، اس کا کوئی ضابطہ اور قانون نہیں، کوئی ضابطہ اور قانون نہیں۔ تو اس لیے ضمیر کو ذکر ہی نہیں کیا، صاحبِ کافیہ یہاں صرف اس تنازعِ فعلین کو ذکر کرنا چاہتے ہیں جس کا فیصلہ بھی ہو سکے، کہ کس کو عامل بنایا ہے اور کس کو عامل نہیں بنایا۔ جیسے دیکھو آگے ایک اسمِ ظاہر آرہا ہے، دونوں فعل اس کو اپنا معمول بنانا چاہتے ہیں تو پھر اگر آپ ثانی کو عامل بناتے ہیں تو پھر کیا کرتے ہیں؟ اول میں ضمیر لے آتے ہیں، مثلاً دونوں اس کو اپنا فاعل بنانا چاہتے ہیں تو اگر آپ ثانی فعل کو عامل بناتے ہیں تو اول میں اس کی ضمیر لے آتے ہیں، اور اگر اول کو عامل بناتے ہیں تو ثانی میں اس کی ضمیر لے آتے ہیں۔ دیکھو اس کو طے کرنے کا اس جھگڑے کو ختم کرنے کی صورت ہے۔ لیکن ضمیر کے اندر جو جھگڑا ہو وہ اگر ضمیرِ متصل میں ہو تو وہاں تو جھگڑا ہو ہی نہیں سکتا، اور اگر ضمیرِ منفصل ہو تو اس جھگڑے کو ختم کرنے کی کوئی صورت نہیں ہے۔

بھائی ضمیرِ متصل میں کس طرح؟ ضمیرِ متصل میں کس طرح؟ جی ذرا اپنے سامنے مثال لکھیے بھائی۔ لکھیے بھائی جلدی جلدی: ضَرَبْتُ وَأَكْرَمْتُ، ضَرَبْتُ وَأَكْرَمْتُ۔ دیکھو مفعول کو چھوڑ دیں۔ یہ تَاء ضمیر ضَرَبْتُ کے ساتھ جو تَاء ضمیر جڑی ہوئی ہے یہ ضَرَبْتُ کا فاعل، یہ ضمیرِ متصل ہے۔ پہلے ہم ضمیرِ متصل کی مثال کر لیتے ہیں۔ تو یہ ضمیرِ متصل ہے۔ مجھے بتائیے یہ ضَرَبْتُ کی جو تَاء ہے اس کے اندر جھگڑا ہو سکتا ہے؟ نہیں، اس کے اندر تو ضَرَبْتُ ہی عمل کر سکتا ہے، أَكْرَمْتُ تو اس میں عمل کر ہی نہیں سکتا۔ یاد رکھو ضمیرِ متصل اپنے عامل کے ساتھ جڑتی ہے بھائی۔ عامل کوئی اور چیز ہو اور یہ جڑ کسی اور چیز سے جائے ایسا نہیں ہے بھائی۔ تو ضمیرِ متصل کس سے جڑتی ہے؟ عامل۔ تو دیکھو ضَرَبْتُ وَأَكْرَمْتُ، ضَرَبْتُ کے اندر جو تَاء آئی ہے یہ تَاء اس کے اندر تو عامل ضَرَبْتُ ہی ہے اس کے اندر أَكْرَمْتُ عامل نہیں ہو سکتا۔ کیوں؟ ایک تو یہ ضَرَبْتُ سے جڑی ہوئی ہے، نیز اسمِ ظاہر میں بھی جھگڑا کب ہوتا تھا؟ جب دونوں کے بعد آتا تھا، جب دونوں کے، اور ضَرَبْتُ کی تَاء تو دونوں کے بعد نہیں ہے یہ تو صرف ضَرَبَ کے بعد ہے، بات سمجھ میں آرہی ہے؟ لہٰذا اگر ضمیرِ متصل میں جھگڑا فرض بھی کرو تو کس ضمیر میں فرض کر سکتے ہو؟ وہ جو أَكْرَمْتُ کی تَاء ہے، ضَرَبْتُ اور أَكْرَمْتُ دونوں کے بعد آرہی ہے۔ کون سی تَاء؟ جو أَكْرَمْتُ کے ساتھ جڑی ہوئی ہے۔ تو یہ تَاء أَكْرَمْتُ سے جڑی ہے لیکن ہے دونوں کے بعد، ضَرَبْتُ کے بھی بعد ہے اور أَكْرَمْتُ کے بھی بعد ہے۔ تو یہ ضمیرِ متصل دونوں کے بعد ہے، لیکن اس کے اندر بھی أَكْرَمْتُ ہی عامل ہو سکتا ہے ضَرَبْتُ عامل ہو ہی نہیں سکتا کیونکہ یہ کس کے ساتھ جڑی ہوئی ہے؟ أَكْرَمْتُ کے ساتھ جڑی ہوئی ہے یا یوں کہو یہ أَكْرَمَ کے ساتھ جڑی ہوئی ہے بھائی۔ جب یہ أَكْرَمَ کے ساتھ جڑی ہوئی ہے تو اس کے اندر أَكْرَمَ ہی عامل ہو سکتا ہے، جبکہ ضَرَبْتُ کے اندر جو تَاء ہے وہ ضَرَبَ کے ساتھ جڑی ہوئی ہے تو اس کے اندر وہ ضَرَبَ ہی عامل ہو سکتا ہے۔ تو معلوم ہوا ضمیرِ متصل میں جھگڑا ہو ہی نہیں سکتا۔

بات سمجھ میں آگئی؟ تو ضَرَبْتُ اور أَكْرَمْتُ، ضَرَبْتُ کے اندر یہ تَاء ضَرَبَ کے ساتھ جڑی ہوئی ہے تو ضَرَبَ ہی اس کے

اندر عامل ہے، اور أَكْرَمْتُ کے اندر یہ تَاء أَكْرَمَ کے ساتھ جڑی ہوئی ہے تو أَكْرَمَ ہی اس کے اندر عامل ہے۔ ضَرَبْتُ کی تَاء کے اندر أَكْرَمَ فاعل نہیں ہو سکتا، اور أَكْرَمْتُ کے اندر جو تَاء ہے اس کے اندر پہلا والا فعل ضَرَبَ عامل نہیں ہو سکتا۔

دیکھیے بھائی کہتے ہیں فَحِينَئِذٍ لَا يُتَصَوَّرُ تَنَازُعُهُمَا فِي الضَّمِيرِ الْمُتَّصِلِ۔ بھائی فَحِينَئِذٍ اس وقت، اس وقت پھر ضمیرِ متصل میں جھگڑے کا تصور ہی نہیں ہو سکتا۔ بھائی کیوں؟ کہتے ہیں ابھی ہم نے پیچھے بتایا جھگڑے کا کیا معنی ہے کہ دونوں فعل معنی کے اعتبار سے اس اسمِ ظاہر کی طرف متوجہ ہیں، کس کی طرف؟ متوجہ ہیں، اور دونوں کے لیے وہ عَلَى سَبِيلِ الْبَدَلِ

بدل معمول بن سکتا ہے۔ اور ضَرَبْتُ وَأَكْرَمْتُ اس کے اندر یہ جو أَكْرَمْتُ کے ساتھ تَاء ضمیر جڑی ہوئی ہے، یہ تو دونوں کے بعد آ رہی ہے۔ تو اس کی طرف دونوں متوجہ ہیں؟ ضَرَبْتُ اور أَكْرَمْتُ دونوں اس کی طرف متوجہ ہیں؟ نہیں، دونوں اس کی طرف متوجہ ہی نہیں ہو سکتے، یہ دونوں کے لیے معمول عَلَى سَبِيلِ الْبَدَلِ بن ہی نہیں سکتی، تو لہٰذا اس میں جھگڑے کا امکان ہی نہیں ہے۔ جھگڑے کے لیے کیا ضروری؟ کہ دونوں فعل اس معمول کی طرف متوجہ ہوں، اور وہ عَلَى سَبِيلِ الْبَدَلِ دونوں کے لیے معمول بن بھی سکے۔ اور ضَرَبْتُ وَأَكْرَمْتُ، یہ جو أَكْرَمْتُ کے اندر تَاء ضمیر ہے، یہ دونوں فعلوں کے بعد آ رہی ہے لیکن یہ عَلَى سَبِيلِ الْبَدَلِ دونوں فعلوں کے لیے معمول بن ہی نہیں سکتی۔ جب نہیں بن سکتی تو یہاں جھگڑا ہی نہیں۔

تو کہتے ہیں فَحِينَئِذٍ تو اس وقت لَا يُتَصَوَّرُ... حِينَئِذٍ کا معنی سمجھ میں آیا؟ کیا؟ کیا معنی اس وقت؟ کہ وہ جو آگے اسمِ ظاہر آ رہا ہے وہ عَلَى سَبِيلِ الْبَدَلِ دونوں کے لیے کیا بنے؟ معمول بن سکے، اور ضمیرِ متصل... تو وہ تو معمول بن ہی نہیں سکتی۔ تو جب دونوں عَلَى سَبِيلِ الْبَدَلِ معمول بن سکیں اس وقت جھگڑا ہوتا ہے، تو اس وقت پھر اب ضمیرِ متصل میں جھگڑا ہو ہی نہیں سکتا۔ تو فَحِينَئِذٍ تو اس وقت لَا يُتَصَوَّرُ تصور نہیں کیا جا سکتا تَنَازُعُهُمَا فِي الضَّمِيرِ الْمُتَّصِلِ ان دونوں فعلوں کے جھگڑے کا ضمیرِ متصل میں، لِأَنَّ الْمُتَّصِلَ الْوَاقِعَ بَعْدَهُمَا يَكُونُ مُتَّصِلًا بِالْفِعْلِ الثَّانِي اس لیے کیونکہ وہ ضمیرِ متصل جو دونوں فعلوں کے بعد واقع ہے، يَكُونُ مُتَّصِلًا بِالْفِعْلِ الثَّانِي وہ متصل ہو گی کس کے ساتھ؟ فعلِ ثانی کے ساتھ۔ وَهُوَ مَعَ كَوْنِهِ مُتَّصِلًا بِالْفِعْلِ الثَّانِي اور یہ ضمیر فعلِ ثانی کے ساتھ متصل ہوتے ہوئے لَا يَجُوزُ أَنْ يَكُونَ مَعْمُولًا لِلْفِعْلِ الْأَوَّلِ یہ جائز ہی نہیں ہے کہ یہ فعلِ اول کے لیے معمول ہو جائے، كَمَا لَا يَخْفَى جیسے کہ یہ بات پوشیدہ نہیں، جیسے کہ یہ بات چھپی ہوئی نہیں ہے۔

توجہ ہے؟ کیا کہنا چاہتے ہیں؟ ضَرَبْتُ وَأَكْرَمْتُ، یہ أَكْرَمْتُ کی تَاء دونوں کے بعد، دونوں فعلوں کے بعد آ رہی ہے۔ جیسے اسمِ ظاہر دونوں کے بعد آتا تھا تو دونوں جھگڑا کرتے تھے۔ تو ضَرَبْتُ وَأَكْرَمْتُ کے اندر یہ جو أَكْرَمْتُ کی تَاء ہے یہ دونوں فعلوں کے بعد آ رہی ہے، لیکن اس میں دونوں فعلوں کے جھگڑے کا تصور ہی نہیں کیا جا سکتا کیونکہ یہ جس فعل کے ساتھ جڑی ہوئی ہے وہی اس کے اندر عامل ہو گا، پہلا فعل اس کے اندر عامل ہو ہی نہیں سکتا۔ یہ معنی ہے کہ وَهُوَ مَعَ كَوْنِهِ مُتَّصِلًا بِالْفِعْلِ

الثَّانِي کہ اس ضمیر کے فعلِ ثانی کے ساتھ متصل ہوتے ہوئے لَا يَجُوزُ یہ جائز نہیں ہے أَنْ يَكُونَ مَعْمُولًا لِلْفِعْلِ الْأَوَّلِ کہ یہ معمول ہو فعلِ اول کے لیے كَمَا لَا يَخْفَى جیسے کہ یہ بات پوشیدہ نہیں۔

وَأَمَّا الضَّمِيرُ الْمُنْفَصِلُ الْوَاقِعُ بَعْدَهُمَا اور باقی وہ ضمیرِ منفصل جو دو فعلوں کے بعد واقع ہو، نَحْوُ مثال کے طور پر مَا ضَرَبَ وَأَكْرَمَ إِلَّا أَنَا۔ جی یہ مثال ذرا اپنے سامنے کاپی پر لکھیے بھائی۔ سب سے پہلے ایک اور مثال لکھیں: مَا ضَرَبَ إِلَّا أَنَا، مَا ضَرَبَ إِلَّا أَنَا۔ ترکیب پہلے اس کی سمجھ لو بھائی: مَا حرفِ نفی، ضَرَبَ فعل، إِلَّا حرفِ استثناء، اور أَنَا ضمیر مرفوع محلاً یہ فاعل ہے ضَرَبَ کے لیے۔ یہ فاعل ہے ضَرَبَ کے لیے۔ فعل اپنے فاعل سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہوا۔ ترکیب سمجھ میں آگئی؟ مَا ضَرَبَ إِلَّا أَنَا، مَا حرفِ نفی، ضَرَبَ فعل، إِلَّا حرفِ استثناء، أَنَا ضمیر مرفوع محلاً یہ فاعل ہے کس کے لیے؟ ضَرَبَ کے لیے۔ فعل اپنے فاعل سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہوا۔ ترجمہ کیجیے: مَا ضَرَبَ إِلَّا أَنَا۔ نہیں مارا إِلَّا أَنَا مگر میں نے، یعنی صرف میں نے پٹائی کی اور کسی نے پٹائی نہیں کی۔

معنی سمجھ میں آگیا؟ اب یہاں آپ کے ذہنوں میں اشکال آئے گا کہ یہ أَنَا ضَرَبَ کے لیے فاعل کیسے بن گیا؟ یہ أَنَا تو متکلم کی ضمیر ہے اور ضَرَبَ یہ تو پہلا صیغہ ہے۔ توجہ ہے؟ تو یاد رکھنا یہ أَنَا إِلَّا کے بعد ہے، یہ دراصل مستثنیٰ ہے۔ اور مستثنیٰ کے لیے کیا چاہیے؟ مستثنیٰ منہ، تو مستثنیٰ منہ پیچھے محذوف ہے۔ اصل کلام یوں ہے: مَا ضَرَبَ أَحَدٌ إِلَّا أَنَا، مَا ضَرَبَ أَحَدٌ إِلَّا أَنَا۔ کیا ترکیب؟ مَا حرفِ نفی، ضَرَبَ فعل، أَحَدٌ مرفوع لفظاً فاعل ہے ضَرَبَ کے لیے، إِلَّا حرفِ استثناء، اور أَنَا ضمیر یہ مرفوع محلاً مستثنیٰ ہے، یہ کیا ہے؟ مستثنیٰ ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو مستثنیٰ منہ اپنے مستثنیٰ سے مل کر یہ کیا بن گیا؟ فاعل بنا ضَرَبَ کے لیے۔ فعل اپنے فاعل سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہوا۔ تو دیکھو پہلا جملہ کیا تھا مَا ضَرَبَ إِلَّا أَنَا۔ تو دیکھو حقیقت میں یہ أَنَا فاعل نہیں تھا ضَرَبَ کے لیے بلکہ حقیقت میں کیا تھا أَحَدٌ فاعل تھا۔ مَا ضَرَبَ أَحَدٌ کسی نے نہیں مارا إِلَّا أَنَا مگر میں نے۔ تو أَحَدٌ فاعل تھا ضَرَبَ کے لیے اور أَنَا کا اس سے استثناء تھا، لیکن پھر اس مستثنیٰ منہ کو حذف کر لیا گیا اور أَنَا کو فاعل بنا دیا گیا۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو وہ أَحَدٌ حذف ہوا اور أَنَا کیا بن گیا؟ ضَرَبَ کے لیے فاعل بن گیا۔

پھر بھی اشکال ہوتا ہے کہ آپ نے کیا کہا اصل میں فاعل أَحَدٌ تھا، اصل میں فاعل أَحَدٌ تھا لیکن اس وقت تو أَنَا ہے، اور أَنَا ضمیر ہے متکلم کی اور ضَرَبَ اور أَكْرَمَ فعل تو غائب کے ہیں، ان کے لیے متکلم کی ضمیر کیسے فاعل بن سکتی ہے؟ تو یاد رکھنا، تو یاد رکھنا کہ یہ جو ضمیرِ منفصل ہے یہ اسمِ ظاہر کے حکم میں ہوتی ہے۔ کس کے؟ اسمِ ظاہر۔ بھائی دیکھیے نا اسمِ ظاہر کسی سے جڑنے کا محتاج نہیں، وہ اکیلا رہ سکتا ہے آپ اس کو جس جگہ بھی کلام میں استعمال کرنا چاہیں کر سکتے ہیں۔ مثلاً زَيْدٌ ہے، زَيْدٌ کسی فعل یا کسی شبہِ فعل کے ساتھ جڑنے کا محتاج نہیں۔ كِتَابٌ ہے، قَلَمٌ ہے کوئی بھی اسمِ ظاہر لے لو، وہ کسی فعل یا شبہِ فعل کے ساتھ جڑنے کا محتاج نہیں۔ تو جیسے اسمِ ظاہر اکیلا رہ سکتا ہے اسی طرح یہ جو ضمیرِ منفصل ہے یہ بھی

منفصل ہے، یہ کسی سے جڑنے کی محتاج نہیں، تو یہ بھی اسمِ ظاہر کی طرح ہوئی۔ اور اسمِ ظاہر پہلے اور چوتھے صیغے کے لیے فاعل بن سکتا ہے۔ پہلا صیغہ کون سا؟ واحد مذکر غائب، اور چوتھا صیغہ کون سا؟ واحد مؤنث غائب۔ تو جیسے ان دو صیغوں کے لیے اسمِ ظاہر فاعل بن سکتا ہے، تو یہ جو ضمیرِ منفصل ہے چاہے متکلم کی ہو چاہے مخاطب کی ہو چاہے غائب کی ہو، تو یہ ضمیرِ منفصل بھی کس کے درجے میں؟ اسمِ ظاہر کے درجے میں، تو یہ بھی ان کے لیے فاعل بن سکتی ہے۔

تو یہ ترکیب تھی۔ اب جملہ لکھیے جس میں ضمیرِ منفصل کے اندر دو فعلوں کا تنازع ہو گا، جھگڑا ہو گا۔ جو کتاب میں مثال آئی تھی وہی لکھیے: مَا ضَرَبَ وَأَكْرَمَ إِلَّا أَنَا۔ جلدی جلدی لکھیے بھائی: مَا ضَرَبَ، مَا ضَرَبَ وَأَكْرَمَ إِلَّا أَنَا۔ کیا ترجمہ؟ مَا ضَرَبَ وَأَكْرَمَ إِلَّا أَنَا۔ کہنا یہ چاہتے ہیں کہ پٹائی بھی صرف میں نے کی ہے اور اکرام بھی صرف میں نے کیا ہے۔ تو دیکھو ضَرَبَ اور أَكْرَمَ دونوں فعل متوجہ ہیں۔ ضَرَبَ چاہتا ہے یہ أَنَا میرے لیے فاعل بنے، اور أَكْرَمَ چاہتا ہے یہ میرے لیے فاعل بنے۔ توجہ ہے؟ تو یہ ضمیرِ منفصل آ گئی اور اس کے اندر دو فعل جھگڑ رہے ہیں۔

بھائی بات یہ چل رہی ہے کہ صاحبِ کافیہ نے اسمِ ظاہر کے بارے میں جھگڑے کو ذکر کیا، ضمیر کے بارے میں دو فعل جھگڑا کریں اس کو ذکر نہیں کیا۔ تو صاحبِ جامی نے آپ کو بتلایا کہ بھائی ضمیر کی دو صورتیں ہیں: یا ضمیرِ متصل یا ضمیرِ منفصل۔ متصل کے اندر تو جھگڑے کا تصور ہی نہیں کیا جا سکتا۔ منفصل میں جھگڑا ہو سکتا ہے، توجہ ہے؟ منفصل میں جھگڑا ہو سکتا ہے جیسے اس مثال میں ہے مَا ضَرَبَ وَأَكْرَمَ إِلَّا أَنَا، اس أَنَا کے اندر ضَرَبَ اور أَكْرَمَ دونوں جھگڑ رہے ہیں۔ لیکن اس کو ذکر نہیں کیا۔ وجہ یہ کہ اس جھگڑے کو ختم کرنے، اس کا فیصلہ کرنے کا، نحوی علماء کے نزدیک اس تنازعِ فعلین کو ختم کرنے کا اور اس کے فیصلہ کرنے کا جو طریقہ ہے وہ یہاں جاری نہیں ہو سکتا، وہ یہاں... بھائی نحویوں کے ہاں کیا طریقہ تھا تنازعِ فعلین کو ختم کرنے کا؟ مثلاً اگر فاعل کے اندر کہو، فاعل کے اندر جھگڑا کرتے تھے تو اگر ثانی کو عامل بناتے تھے تو اول میں فاعل کی ضمیر لے آتے تھے، اور اگر اول کو عامل بناتے تھے تو ثانی میں کیا کرتے تھے؟ فاعل کی ضمیر۔ تو معلوم ہوا کہ اسمِ ظاہر کے اندر جھگڑے کو طے کرنے کا طریقہ یہ تھا کہ ضمیر لائی جائے، کیا لائی جائے؟ ضمیر لائی جائے۔ لیکن وہ ضمیر لانے کا طریقہ یہاں چل ہی نہیں سکتا بھائی۔ اس لیے اس جھگڑے کو طے کرنے کی کوئی صورت نہیں ہے۔

دیکھیے بھائی کہتے ہیں وَأَمَّا الضَّمِيرُ الْمُنْفَصِلُ الْوَاقِعُ بَعْدَهُمَا اور باقی وہ ضمیرِ منفصل جو ان دو فعلوں کے بعد واقع ہو، نَحْوُ مثال کے طور پر مَا ضَرَبَ وَأَكْرَمَ إِلَّا أَنَا۔ دیکھو اس کے اندر ضمیرِ منفصل کے اندر جھگڑا ہے۔ تو کہتے ہیں فَفِيهِ تَنَازُعٌ تو اس ضمیر کے اندر جھگڑا ہے، لَكِنْ لَا يُمْكِنُ قَطْعُهُ لیکن ممکن نہیں ہے اس جھگڑے کو ختم کرنا بِمَا هُوَ طَرِيقُ الْقَطْعِ عِنْدَهُمْ اس طریقے سے جو ختم کرنے کا طریقہ ہے عِنْدَهُمْ نحویوں کے نزدیک۔ بھائی تنازعِ فعلین کو ختم کرنے کا جو طریقہ ہے وہ اس طریقے سے اس جھگڑے کو ختم نہیں کیا جا سکتا۔ اور وہ کیا طریقہ تھا؟ کہ اگر ثانی کو عامل بنائیں تو اول میں فاعل کی ضمیر لے

آئیں، اور اگر اول کو عامل بنائیں تو ثانی میں ضمیر لے آئیں۔ کہتے ہیں یہاں اس طریقے سے اس جھگڑے کو ختم نہیں کیا جا سکتا۔ بھائی کیوں نہیں کیا جا سکتا؟ کہتے ہیں دیکھیے یہاں جھگڑا کس میں ہے؟ أَنَا میں۔ کس میں؟ أَنَا۔ اور یہ أَنَا کس کے بعد ہے؟ إِلَّا کے بعد ہے۔ توجہ ہے؟ إِلَّا کے بعد ہے۔ تو پھر دو ہی صورتیں ہیں کہ آپ... بھائی وہاں کیا طریقہ تھا؟ وہاں کیا طریقہ تھا؟ اسمِ ظاہر میں کیا طریقہ تھا؟ ایک فعل کو عامل بناتے تھے تو دوسرے میں اس کی فاعل کی ضمیر لے آتے تھے۔ تو یہاں پر بھی اگر آپ ضمیر لاتے ہیں، کیا کرتے ہیں؟ ایک کو عامل بنایا اور دوسرے میں ضمیر لاتے ہیں، تو پھر إِلَّا أَنَا صرف أَنَا کی ضمیر لائیں گے یا إِلَّا أَنَا دونوں کی لائیں گے؟ دو ہی صورتیں ہیں، توجہ ہے؟ اگر آپ إِلَّا أَنَا دونوں کی ضمیر لانا چاہتے ہیں تو بھائی إِلَّا أَنَا، أَنَا تو ضمیر ہے ضمیر تو فعل کے اندر چھپ سکتی ہے، لیکن إِلَّا تو حرف ہے حرف تو فعل کے اندر چھپ نہیں سکتا بھائی۔ تو إِلَّا أَنَا دونوں کے لیے ہم ضمیر نہیں لا سکتے، کیونکہ أَنَا تو کیا؟ ضمیر، ضمیر تو فعل میں چھپ جاتی ہے لیکن حرف تو فعل میں نہیں چھپ سکتا، لہٰذا إِلَّا أَنَا دونوں کے لیے ضمیر ہم نہیں لا سکتے۔ اور اگر آپ صرف أَنَا کی ضمیر لاتے ہیں إِلَّا کو چھوڑ دیتے ہیں، پھر تو کلام کا معنی خراب ہو جائے گا، پھر کلام کا معنی خراب ہو جائے گا۔ کس طرح؟ ذرا لکھو اپنے سامنے کاپی پر۔ جی لکھیے اپنے سامنے کاپی پر مثال: مَا ضَرَبَ وَأَكْرَمَ إِلَّا أَنَا، مَا ضَرَبَ وَأَكْرَمَ إِلَّا أَنَا۔ دیکھو بھائی سنو: مَا ضَرَبَ وَأَكْرَمَ إِلَّا أَنَا۔ فرض کرو أَكْرَمَ کو عامل بناتے ہیں، جی؟ أَكْرَمَ کو عامل بنایا اور یہ أَنَا أَكْرَمَ کے لیے فاعل بن گیا۔ ترکیب کیا ہوئی؟ مَا حرفِ نفی، ضَرَبَ فعل، وَاو حرفِ عطف، أَكْرَمَ فعل، إِلَّا حرفِ استثناء، اور یہ أَنَا ضمیر فاعل ہے کس کے لیے؟ أَكْرَمَ کے لیے۔ توجہ ہے؟ اب ضَرَبَ کے لیے بھی فاعل چاہیے یا نہیں؟ فاعل تو چاہیے۔ تو اس میں پھر دو صورتیں ہیں: یا إِلَّا أَنَا دونوں کی ضمیر لائیں گے یا صرف أَنَا کی ضمیر لائیں گے۔ إِلَّا أَنَا دونوں کی ضمیر نہیں لا سکتے کیونکہ إِلَّا أَنَا میں إِلَّا حرف ہے اور أَنَا ضمیر ہے، ضمیر تو فعل کے اندر چھپ سکتی ہے لیکن حرف نہیں چھپ سکتا۔ بات سمجھ میں آ گئی؟ تو لہٰذا دونوں کو نہیں چھپا سکتے ضَرَبَ کے اندر، دونوں کی ضمیر نہیں لا سکتے۔ تو پھر کیا کریں؟ تو پھر صرف أَنَا کی ضمیر لے آؤ۔ جب أَنَا کی ضمیر لاؤ گے تو پھر معنی خراب ہو جائے گا، کیا ہو جائے گا؟ معنی خراب، کیونکہ آپ نے إِلَّا کو چھوڑ دیا، اور معنی إِلَّا کے ساتھ تو صحیح ہوتا ہے إِلَّا کے بغیر صحیح نہیں۔ دیکھو أَنَا ضمیر کو ہم کیا کرتے ہیں؟ صرف أَنَا کو کیا کرتے ہیں ضَرَبَ کے ساتھ جوڑ دیتے ہیں، اس میں چھپا دیتے ہیں۔ توجہ ہے؟ لہٰذا صیغہ ہی بدل دو، کیا صیغہ بن گیا؟ ضَرَبَ کے ساتھ ضمیرِ متصل جوڑ دو فاعل والی: ضَرَبْتُ۔ تو کلام یوں بن گیا: مَا ضَرَبْتُ وَأَكْرَمَ إِلَّا أَنَا۔ توجہ ہے؟ لکھو نیچے: مَا ضَرَبْتُ، مَا ضَرَبْتُ وَأَكْرَمَ إِلَّا أَنَا۔ لکھ لیا؟ جی اب مجھے بتائیے یہ مَا ضَرَبْتُ کے ساتھ تَاء ضمیر کہاں سے آئی؟

یہ وہ جو أَنَا تھا، اس أَنَا کو ہم نے کیا کر دیا ضَرَبَ کے ساتھ جوڑ دیا، بات سمجھ میں آ گئی؟ إِلَّا أَنَا جوڑنا ہم نے دونوں کو تھا لیکن دونوں إِلَّا أَنَا میں إِلَّا حرف ہے اور حرف تو اس کو تو فعل میں چھپایا نہیں جا سکتا، فعل کے ساتھ جوڑا نہیں جا سکتا۔ تو لہٰذا ہم نے صرف أَنَا کو جوڑ دیا۔ تو کلام کیا بن گیا؟ مَا ضَرَبْتُ وَأَكْرَمَ إِلَّا أَنَا۔ مَا ضَرَبْتُ میں نے پٹائی نہیں کی، میں نے پٹائی

نہیں کی۔ اور أَكْرَمَ إِلَّا أَنَا أَيْ مَا أَكْرَمَ إِلَّا أَنَا، اور اکرام نہیں کیا مگر صرف میں نے۔

توجہ ہے؟ ذرا پہلے جملے پہ آؤ: مَا ضَرَبَ وَأَكْرَمَ إِلَّا أَنَا۔ کیا مفہوم بتلانا کیا چاہتا ہے متکلم؟ مَا ضَرَبَ کے ساتھ بھی إِلَّا أَنَا کو جوڑو اور أَكْرَمَ کے ساتھ بھی إِلَّا أَنَا کو جوڑو۔ مَا ضَرَبَ إِلَّا أَنَا، پٹائی نہیں کی مگر میں نے، یعنی یوں کہو صرف میں نے پٹائی کی۔ صرف میں نے پٹائی کی اور صرف میں نے اکرام کیا، متکلم یہ بتانا چاہتا ہے۔ توجہ ہے؟ تو متکلم کیا بتانا چاہتا ہے؟ کہ صرف میں نے پٹائی کی ہے اور صرف میں نے اکرام کیا ہے۔ لیکن یہ جو جملہ آپ نے ابھی لکھا ذرا اس کو پڑھو: مَا ضَرَبْتُ میں نے پٹائی نہیں کی، وَأَكْرَمَ إِلَّا أَنَا اور صرف میں نے اکرام کیا۔ تو دیکھو صرف میں نے اکرام کیا یہ بات تو ٹھیک ہے۔ مَا ضَرَبْتُ میں نے پٹائی نہیں کی، یہ تو پٹائی کی نفی ہو گئی حالانکہ وہ پٹائی کی نفی کر رہا تھا یا اپنے لیے اثبات کر رہا تھا؟ وہ تو کہہ رہا تھا صرف میں نے پٹائی کی ہے، وہ تو اپنے لیے پٹائی کا اثبات کر رہا تھا۔ تو دیکھا حاصلِ کلام کیا؟ کہ أَنَا کے اندر ضَرَبَ اور أَكْرَمَ دونوں جھگڑ رہے ہیں، تو اس کے اندر اگر آپ أَكْرَمَ کو ثانی کو عامل بنائیں گے تو اول کے لیے إِلَّا أَنَا دونوں کی ضمیر لائیں گے یا صرف ایک کی لائیں گے؟ دونوں کی ضمیر تو لا نہیں سکتے، تو پھر صرف کس کی لانا پڑے گی؟ جو وہ جو ضمیرِ منفصل تھی وہ لانا پڑے گی، اور صرف اس کو إِلَّا کے بغیر لائیں گے تو معنی خراب ہو جائے گا، معنی تو نفی والا بن جائے گا حالانکہ متکلم کا مقصد تو کیا تھا؟ اثبات، وہ کیا کہنا چاہتا تھا؟ وہ کہنا چاہتا تھا صرف میں نے پٹائی کی ہے، اور مَا ضَرَبْتُ کا تو کیا معنی؟ میں نے پٹائی نہیں کی۔

گی۔ تو وہ تو اثبات کرنا چاہتا تھا اور معنی تو کیا بن گیا؟ نفی والا۔

بات سمجھ میں آگئی؟ کیا مسئلہ کیا ہوا؟ کہ ضمیرِ منفصل کے اندر جھگڑا تو ہو سکتا ہے لیکن اس جھگڑے کو طے کرنے کی اس کو ختم کرنے کی کوئی صورت نہیں ہے۔ اس لیے کیونکہ وہ جو ضمیر ہے إِلَّا کے بعد ہے، تو آپ إِلَّا کے ساتھ ہی اس کو فعل کے اندر چھپائیں گے یا إِلَّا کے بغیر چھپائیں گے؟ إِلَّا کے ساتھ آپ فعل میں چھپائیں تو وہ چھپا نہیں سکتے کیونکہ إِلَّا حرف ہے، حرف فعل کے اندر نہیں چھپ سکتا۔ اور صرف ضمیر کو چھپائیں گے تو پھر معنی خراب ہو جائے گا، نفی والا معنی بن جائے گا۔ اب بات سمجھ میں آگئی؟

اچھا، دیکھیے بھائی کہتے ہیں وَأَمَّا الضَّمِيرُ الْمُنْفَصِلُ الْوَاقِعُ بَعْدَهُمَا اور باقی وہ ضمیر جو دو فعلوں کے بعد واقع ہو، نَحْوُ مَا ضَرَبَ وَأَكْرَمَ إِلَّا أَنَا۔ فَفِيهِ تَنَازُعٌ اس کے اندر جھگڑا ہے، لَكِنْ لَا يُمْكِنُ قَطْعُهُ بِمَا هُوَ طَرِيقُ الْقَطْعِ عِنْدَهُمْ لیکن اس جھگڑے کو ختم کرنا ممکن نہیں ہے اس طرح جو ختم کرنے کا طریقہ ہے نحویوں کے نزدیک۔ نحوی جھگڑے کو کس طرح ختم کرتے تھے؟ اگر اول کو عامل بناتے تھے تو ثانی میں ضمیر لے آتے تھے، اور ثانی کو عامل بناتے تھے تو اول میں فاعل کی ضمیر لے آتے تھے۔

تو کہتے ہیں اس صورت میں ممکن نہیں ہے اس کو ختم کرنا اس طریقے سے جو نحویوں کے نزدیک اس جھگڑے کو ختم

کرنے کا طریقہ ہے۔ بھائی وہ کیا طریقہ ہے؟ کہتے ہیں وَهُوَ إِضْمَارُ الْفَاعِلِ فِي الْأَوَّلِ عِنْدَ الْبَصْرِيِّينَ اور وہ فاعل کی ضمیر لانا ہے پہلے فعل کے اندر عِنْدَ الْبَصْرِيِّينَ کس کے نزدیک؟ بصرہ والوں کے نزدیک۔ وَفِي الثَّانِي عِنْدَ الْكُوفِيِّينَ اور دوسرے میں ضمیر لانا ہے کوفہ والوں کے نزدیک۔ بھائی آپ کو میں نے بتایا تھا بصرہ والے کیا کہتے ہیں کس کو عامل بنانا اولیٰ؟ ثانی کو۔ جب ثانی کو عامل بنایا تو اول میں کیا کریں گے؟ ضمیر لے آئیں گے۔ یہ معنی ہے وَهُوَ إِضْمَارُ الْفَاعِلِ فِي الْأَوَّلِ عِنْدَ الْبَصْرِيِّينَ اور وہ فاعل کی ضمیر لانا ہے پہلے فعل میں بصرہ والے نحویوں کے نزدیک۔ اور کوفہ والے کیا کہتے تھے؟ کہ عامل کس کو بناؤ؟ پہلے کو۔ جب پہلے کو عامل بنایا تو ثانی میں کیا کرو؟ ضمیر لے آؤ۔ یہ معنی ہے وَفِي الثَّانِي عِنْدَ الْكُوفِيِّينَ اور دوسرے فعل میں ضمیر لے آئیں گے کوفہ والوں کے نزدیک۔ بات سمجھ میں آگئی؟

یہاں تک کیا بات ہوئی؟ کہ ضمیرِ منفصل میں جھگڑا ہو سکتا ہے، لیکن اس جھگڑے کو طے کرنا اور اس کو ختم کرنا اس کی کوئی صورت نہیں ہے، کیونکہ نحویوں کے نزدیک جھگڑے کو ختم کرنے کی جو معروف صورت ہے وہ کیا ہے؟ کہ بصرہ والوں کے نزدیک اول میں ضمیر لے آئیں اور کوفہ والوں کے نزدیک ثانی میں ضمیر لے آئیں، اور وہ یہاں نہیں ہو سکتا، کیونکہ ضمیر لائیں گے تو پھر إِلَّا کے ساتھ لائیں گے یا إِلَّا کے بغیر؟ إِلَّا کے ساتھ لائیں تو وہ لا نہیں سکتے، إِلَّا کے بغیر لائیں تو معنی خراب۔

یہ معنی ہے: لِأَنَّهُ لَا يُمْكِنُ إِضْمَارُهُ مَعَ إِلَّا اس لیے کیونکہ أَنَا کا اضمار جو ہے، اضمار کا معنی ہے چھپنا، چھپنا، یا ضمیر لانا۔ اس لیے کیونکہ أَنَا کی ضمیر لانا ممکن نہیں مَعَ إِلَّا کس کے ساتھ؟ إِلَّا کے ساتھ۔ کیوں؟ لِأَنَّهُ حَرْفٌ کیونکہ إِلَّا کیا ہے؟ حرف ہے، لَا يَصِحُّ إِضْمَارُهُ اس کی ضمیر لانا صحیح نہیں۔ یا اضمار کا معنی چھپنا استتار، اس کا فعل کے اندر چھپنا صحیح نہیں۔ اس کو فعل کے اندر چھپانا صحیح نہیں، وہ فعل کے اندر نہیں چھپ سکتا۔ فعل میں ضمیر تو چھپ سکتی ہے لیکن إِلَّا حرف نہیں چھپ سکتا۔

یا اضمار کا معنی یہاں کر لیں ضمیر لانا۔ توجہ سے اہم بات بیان کرنے لگا ہوں: کہ ضمیر کو تو فعل میں چھپا سکتے ہیں، یا یوں کہیں فعل کے اندر ضمیر کو تو ہم لا سکتے ہیں لیکن إِلَّا کی ضمیر نہیں لا سکتے، إِلَّا کی ضمیر نہیں لا سکتے۔ یاد رکھنا ضمیر صرف اسم کی طرف لوٹتی ہے، ضمیر کبھی بھی فعل اور حرف کی طرف نہیں لوٹتی۔ جب بھی آپ کو کوئی غائب کی ضمیر مل جائے تو وہ ہمیشہ کسی نہ کسی اسم کی طرف لوٹے گی، وہ کبھی بھی حرف یا فعل کی طرف نہیں لوٹ سکتی۔ جس چیز کی طرف غائب کی ضمیر لوٹ رہی ہو وہ کبھی بھی حرف اور فعل نہیں ہو سکتا۔ معلوم ہوا غائب کی ضمیر صرف کس کو لوٹتی ہے؟ اسم کو لوٹتی ہے۔ اسم کی ضمیر آپ لا سکتے ہیں، فعل یا حرف کی ضمیر نہیں لا سکتے۔ چنانچہ یہ نحوی علماء کے دلائل میں سے ایک دلیل ہے۔ توجہ ہے؟ بعض بعض لفظ ایسے ہوتے ہیں کہ اس میں نحویوں کا آپس میں اختلاف ہوتا ہے۔ بعض کہتے ہیں یہ اسم ہے، بعض کہتے ہیں یہ حرف ہے۔ بعض کیا کہتے ہیں؟ یہ اسم ہے، بعض کہتے ہیں یہ حرف ہے۔ تو پھر وہاں نحوی حضرات

دلیل ذکر کرتے ہیں کہ دیکھو فلاں شاعر نے اپنے کلام میں اس طرح ذکر کیا ہے اور اس نے اس لفظ کی طرف ضمیر راجع کی ہے، کیا کی ہے؟ ضمیر راجع کی ہے، اور ضمیر کا راجع کرنا بتلا رہا ہے یہ اسم ہے حرف نہیں ہے کیونکہ حرف کو تو ضمیر نہیں لوٹ سکتی بھائی۔ تو ضابطہ کیا ہوا کہ ضمیر صرف کس کو لوٹتی ہے؟ اسم کو، فعل یا حرف کو ضمیر نہیں لوٹ سکتی۔

تو اس کلام کے دو معنی کر لیں۔ دیکھیے بھائی اب وہ معنی میں کروں گا۔ دیکھو بھائی یہاں یہ عبارت آئی: لِأَنَّهُ لَا يُمْكِنُ إِضْمَارُهُ مَعَ إِلَّا لِأَنَّهُ حَرْفٌ لَا يَصِحُّ إِضْمَارُهُ۔ اس عبارت کے اندر اضمار کا لفظ آرہا ہے۔ یاد رکھو اضمار کے دو معنی آپ کر سکتے ہیں۔ اضمار کا ایک معنی ہے استتار یعنی چھپنا، چھپنا، جیسے ضمیر فعل کے اندر چھپ جاتی ہے تو اس کو کیا کہتے ہیں ضمیرِ مستتر بھائی۔ تو استتار کا معنی چھپنا۔ تو یہاں پر اضمار کا لفظ آیا۔ اضمار کے دو معنی آپ کر سکتے ہیں: اضمار کا ایک معنی ہے استتار یعنی چھپنا، اور اضمار کا ایک معنی ہے ضمیر لانا، اضمار کا ایک معنی ہے ضمیر لانا۔ تو آپ دونوں یہاں دونوں ترجمے کر سکتے ہیں۔

دیکھو پہلا ترجمہ ہم کرتے ہیں استتار والا: لِأَنَّهُ لَا يُمْكِنُ إِضْمَارُهُ مَعَ إِلَّا اس لیے کیونکہ یہ جو ضمیر ہے، کس ضمیر میں جھگڑا ہے؟ أَنَا کے اندر۔ مَا ضَرَبَ وَأَكْرَمَ إِلَّا أَنَا، یہ أَنَا ضمیر جو ہے اس کا استتار جو ہے مَعَ إِلَّا إِلَّا کے ساتھ ممکن نہیں، إِلَّا کے ساتھ یہ فعل کے اندر چھپ جائے۔ بھائی ضمیر تو فعل میں چھپ جاتی ہے لیکن إِلَّا کے ساتھ یہ چھپ جائے، اس کے ساتھ إِلَّا بھی چھپ جائے، یہ ممکن نہیں ہے۔ مَا ضَرَبَ وَأَكْرَمَ إِلَّا أَنَا، اس أَنَا کو إِلَّا کے ساتھ ہی ملا کر اس کو ضَرَبَ کے اندر چھپانا ممکن نہیں ہے۔ یہ معنی ہے لِأَنَّهُ لَا يُمْكِنُ إِضْمَارُهُ مَعَ إِلَّا اس لیے کیونکہ ممکن نہیں ہے اس ضمیر کا چھپنا اس فعل میں مَعَ إِلَّا کس کے ساتھ؟ إِلَّا کے ساتھ، لِأَنَّهُ حَرْفٌ کیونکہ إِلَّا حرف ہے لَا يَصِحُّ إِضْمَارُهُ اس کا استتار صحیح نہیں، اس کا چھپنا صحیح نہیں۔ ضمیر تو فعل میں چھپ سکتی ہے حرف فعل کے اندر نہیں چھپ سکتا۔ تو یہ اضمار کا پہلا معنی ہم نے کیا۔ کیا معنی؟ اضمار کا معنی چھپنا، استتار بھائی، استتار یعنی چھپنا۔

اب اضمار کا دوسرا معنی ہم یہاں اس عبارت میں کر لیتے ہیں: اضمار کا معنی ہے ضمیر لانا، ضمیر لانا۔ اور ضمیر جو ہے ہمیشہ اسم کی طرف لوٹ سکتی ہے، حرف یا فعل کی طرف ضمیر نہیں لوٹ سکتی۔ ضمیر ہمیشہ کس کی طرف لوٹتی ہے؟ اسم کی طرف لوٹتی ہے، فعل یا حرف کی طرف ضمیر نہیں لوٹ سکتی۔ قرآن میں اللہ فرماتے ہیں: اعْدِلُوا تم لوگ عدل کرو، هُوَ أَقْرَبُ لِلتَّقْوَىٰ وہ عدل جو ہے وہ تقویٰ کے زیادہ قریب ہے۔ اب یہ هُوَ ضمیر پیچھے اعْدِلُوا فعل آیا لیکن اس فعل کی طرف راجع نہیں کر سکتے کیونکہ ضمیر ہمیشہ اسم کی طرف راجع ہوتی ہے، نہ فعل کی طرف راجع ہو سکتی ہے اور نہ حرف کی طرف۔ تو پھر یہ هُوَ ضمیر کس کو راجع؟ تو علماء جواب دیتے ہیں کہ یہ اعْدِلُوا فعل ہے اور ہر فعل کا مفہوم مرکب ہوتا ہے تین چیزوں سے: ایک مصدر، ایک زمانہ اور ایک نسبت الی الفاعل۔ تو اعْدِلُوا کے اندر اس کا مصدر عدل بھی آگیا، زمانہ بھی آگیا کیونکہ یہ فعلِ امر

ہے اور امر کے اندر مستقبل والا زمانہ ہوتا ہے، اور نسبت الی الفاعل بھی آگئی کیونکہ یہ فعل ہے اس کے لیے فاعل بھی چاہیے۔ تو اس اعْدِلُوا کے ضمن میں عدل مصدر آگیا اور وہ اسم ہے، تو یہ هُوَ ضمیر اس عدل کو راجع ہے۔ بات سمجھ میں آ گئی؟ تو اس لیے یہ هُوَ ضمیر اعْدِلُوا فعل کو نہیں راجع کی گئی بلکہ کس کو راجع کی گئی؟ عدل کو کیونکہ وہ مصدر ہے، تو ضمیر حرف کو بھی راجع نہیں ہو سکتی اور فعل کو بھی راجع نہیں ہو سکتی، صرف اسم کو راجع ہوتی ہے۔

اب ہم اضمار کا معنی کرتے ہیں ضمیر لانا۔ تو کہتے ہیں لِأَنَّهُ لَا يُمْكِنُ إِضْمَارُهُ مَعَ إِلَّا اس لیے کیونکہ ضمیر لانا ممکن نہیں ہے مَعَ إِلَّا کس کے ساتھ؟ إِلَّا کے ساتھ۔ یعنی آپ اس أَنَا کی ضمیر لے آئیں تو ضمیر إِلَّا کے ساتھ لانا ممکن نہیں کیونکہ ضمیر حرف کی طرف نہیں لوٹ سکتی۔ تو أَنَا کی ضمیر لانا إِلَّا کے ساتھ یہ ممکن نہیں کیونکہ إِلَّا حرف ہے۔ تو یہ معنی ہے کہ لَا يُمْكِنُ إِضْمَارُهُ مَعَ إِلَّا ممکن نہیں ہے اس کی ضمیر لانا مَعَ إِلَّا إِلَّا کے ساتھ، لِأَنَّهُ حَرْفٌ کیونکہ إِلَّا حرف ہے لَا يَصِحُّ إِضْمَارُهُ اس کی ضمیر لانا صحیح نہیں ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟

دوبارہ سنیں: لِأَنَّهُ لَا يُمْكِنُ إِضْمَارُهُ مَعَ إِلَّا اس لیے کیونکہ یہ جو ضمیرِ منفصل ہے اس کا إِلَّا کے ساتھ اضمار صحیح نہیں، لِأَنَّهُ حَرْفٌ اس لیے کیونکہ یہ حرف ہے لَا يَصِحُّ إِضْمَارُهُ اس کا اضمار صحیح نہیں۔ وَلَا بِدُونِهِ اور بغیر إِلَّا کے بھی اضمار نہیں کر سکتے، وہ جو ضمیرِ منفصل ہے اس کو ضَرَبَ کے اندر نہیں چھپا سکتے۔ کیوں؟ لِفَسَادِ الْمَعْنَى معنی کے فاسد ہو جانے کی وجہ سے، لِأَنَّهُ يُفِيدُ نَفْيَ الْفِعْلِ عَنِ الْفَاعِلِ اس لیے کیونکہ اگر اس ضمیر کو آپ فعل کے اندر چھپائیں گے یا اس کے ساتھ جوڑیں گے تو پھر وہ فعل کی نفی کا فائدہ دے گا۔ جیسے میں نے کیا مثال لکھوائی؟ مَا ضَرَبْتُ وَأَكْرَمَ إِلَّا أَنَا۔ دیکھا مَا ضَرَبْتُ کا تو کیا معنی؟ میں نے پٹائی نہیں کی۔ یہ تو فاعل سے فعل کی نفی کر رہا ہے حالانکہ متکلم کا کیا مقصد ہے؟ وہ فعل کی نفی کرنا چاہتا ہے یا اثبات کرنا چاہتا ہے؟ اثبات۔ یہ معنی ہے لِأَنَّهُ يُفِيدُ نَفْيَ الْفِعْلِ عَنِ الْفَاعِلِ اس لیے کیونکہ یہ فائدہ دے گا فاعل سے فعل کی نفی کا، وَالْمَقْصُودُ إِثْبَاتُهُ لَهُ اور مقصود تو جو ہے فاعل کے لیے فعل کا اثبات ہے۔

وَمُرَادُ الْمُصَنِّفِ رَحِمَهُ اللهُ بِالتَّنَازُعِ هَاهُنَا اب بتلانا یہ چاہتے ہیں کہ مصنف نے اسمِ ظاہر کو ذکر کیا، جھگڑا تو ضمیرِ منفصل میں بھی ہو سکتا ہے ہم نے بتایا، لیکن اس کو طے کرنے کی کوئی صورت نہیں۔ ہاں اسمِ ظاہر میں جھگڑے کو طے کیا جا سکتا ہے کہ ایک کو عامل بناؤ تو دوسرے کے اندر فاعل کی ضمیر لے آؤ۔ تو مصنف بھی یہاں وہ جھگڑا ذکر کرنا چاہتے ہیں جس کو طے کیا جا سکے، جس کا فیصلہ کیا جا سکے۔ تو کہتے ہیں وَمُرَادُ الْمُصَنِّفِ رَحِمَهُ اللهُ بِالتَّنَازُعِ هَاهُنَا اور مصنف کی مراد یہاں پر تنازع سے مَا يَكُونُ طَرِيقُ قَطْعِهِ إِضْمَارَ الْفَاعِلِ کہ جس کے طے کرنے کا یعنی جس کو ختم کرنے کا طریقہ جو ہے إِضْمَارَ الْفَاعِلِ فاعل کی ضمیر لانا ہو، فَلِهَذَا خَصَّهُ بِالِاسْمِ الظَّاهِرِ اسی لیے مصنف نے اس کو خاص کیا اسمِ ظاہر کے ساتھ۔ اس تنازعِ فعلین کو کس کے ساتھ خاص کیا؟ اسمِ ظاہر کے ساتھ کیونکہ اسی کا فیصلہ کیا جا سکتا ہے، ضمیرِ منفصل میں ہو تنازع اس کا تو فیصلہ ہی

نہیں کیا جا سکتا۔

کہتے ہیں وَأَمَّا التَّنَازُعُ الْوَاقِعُ فِي الضَّمِيرِ الْمُنْفَصِلِ، اچھا بھائی اس ضمیرِ منفصل میں جھگڑا تو آیا مَا ضَرَبَ وَأَكْرَمَ إِلَّا أَنَا۔ اس جھگڑے کو ختم کیسے کریں گے؟ کہتے ہیں بھائی جمہور کے نزدیک اس کا کوئی ضابطہ نہیں۔ ہاں امام کسائی کے نزدیک پہلے کے لیے فاعل کو حذف کر لیں گے۔ پہلے کے لیے فاعل... یعنی أَنَا کو أَكْرَمَ کے لیے فاعل بنا دیں گے اور ضَرَبَ کے لیے فاعل کو حذف کر دیں گے، یعنی فاعل نَسْيًا مَنْسِيًّا ہے گویا یہ فاعل چاہتا ہی نہیں ہے۔ تو امام کسائی کے نزدیک فاعل کو حذف کر دیا جائے گا پہلے کے لیے۔ گویا لکھیں بھائی لکھیں ذرا: امام کسائی کے نزدیک کلام یوں ہے، امام کسائی کے نزدیک کلام یوں ہے اصل میں: مَا ضَرَبَ إِلَّا أَنَا، مَا ضَرَبَ إِلَّا أَنَا وَأَكْرَمَ إِلَّا أَنَا، وَأَكْرَمَ إِلَّا أَنَا۔ توجہ ہے؟ تو امام کسائی کے نزدیک أَكْرَمَ کو فاعل بنایا کس میں؟ إِلَّا أَنَا کے اندر جو أَنَا ہے اس کے اندر أَكْرَمَ کو فاعل بنایا، اور ضَرَبَ کے لیے إِلَّا أَنَا محذوف ہے بھائی۔ وہ کیا ہے؟ محذوف ہے۔ اب دیکھو معنی ٹھیک ہو گیا: مَا ضَرَبَ إِلَّا أَنَا پٹائی نہیں کی مگر صرف میں نے، وَأَكْرَمَ إِلَّا أَنَا اور اکرام نہیں کیا مگر صرف میں نے۔

تو کہتے ہیں فَعَلَى مَذْهَبِ الْكِسَائِيِّ يُقْطَعُ بِالْحَذْفِ تو امام کسائی کے مذہب پر يُقْطَعُ اس جھگڑے کو ختم کیا جائے گا بِالْحَذْفِ حذف کے ذریعے، کہ پہلے فعل کے لیے کیا کیا؟ إِلَّا کو بھی حذف کر دیا اور أَنَا کو بھی حذف یعنی محذوف مان لیا۔ وَأَمَّا عَلَى مَذْهَبِ الْفَرَّاءِ اور باقی امام فراء کے مذہب پر... تو امام فراء فرماتے ہیں دونوں کو عامل بنا دو: مَا ضَرَبَ وَأَكْرَمَ إِلَّا أَنَا، ضَرَبَ بھی أَنَا میں عامل اور أَكْرَمَ بھی أَنَا میں عامل۔ اور یہ تو ایک ہی معمول ہوا اور اس میں دو عامل بن گئے، اور یہ جمہور کے نزدیک جائز نہیں ہے بھائی

کہ معمول ایک ہو اور عامل دو ہوں۔ لیکن امام فراء فرماتے ہیں یہاں مجبوری ہے اور کوئی صورت ہی نہیں ہے جھگڑے کو ختم کرنے کی، لہٰذا اس أَنَا میں دونوں فعلوں کو عامل بنا دو۔ طریقہ سمجھ میں آیا؟ تو امام کسائی کے نزدیک ضمیرِ منفصل میں جھگڑے کو ختم کرنے کی صورت کیا ہے؟ کہ اول کے لیے فعل کو... حذف مان لیا جائے۔ اور امام فراء کے نزدیک؟ کہ دونوں کو عامل بنا دیا جائے بھائی۔ یہ معنی ہے کہتے ہیں وَأَمَّا عَلَى مَذْهَبِ الْفَرَّاءِ اور باقی امام فراء کے مذہب پر فَيُعْمَلَانِ مَعًا ان دونوں فعلوں کو عامل بنا دیا جائے گا مَعًا اکٹھا ہی۔ وَأَمَّا عَلَى مَذْهَبِ غَيْرِهِمَا باقی ان دونوں کے مذہب کے علاوہ پر فَلَا يُمْكِنُ قَطْعُهُ اس ضمیرِ منفصل میں جو تنازعِ فعلین ہے اس کو ختم کرنے کی کوئی صورت نہیں۔ بھائی کیوں نہیں ممکن؟ کہتے ہیں لِأَنَّ طَرِيقَ الْقَطْعِ عِنْدَهُمُ الْإِضْمَارُ اس لیے کیونکہ نحویوں کے نزدیک اس جھگڑے کو ختم کرنے کا طریقہ جو ہے الْإِضْمَارُ وہ اضمار ہے، ضمیر لانا ہے۔ ثانی کو عامل بنایا تو اول میں فاعل کی ضمیر لے آؤ، اور اگر اول کو عامل بنایا تو ثانی میں فاعل کی ضمیر لے آؤ۔ تو جھگڑے کو طے کرنے کی صورت باقیوں کے نزدیک ضمیر لانا ہے، اور یہاں ہم ضمیر نہیں لا سکتے کیونکہ إِلَّا أَنَا،

إِلَّا حرف ہے اور أَنَا ضمیر ہے، دونوں کی ضمیر لا نہیں سکتے، اور صرف ضمیر کو لے کر آئیں پھر تو معنی خراب ہو جاتا ہے۔ یہ معنی ہے: اس لیے کیونکہ جھگڑے کو طے کرنے کا طریقہ اور نحویوں کے نزدیک الْإِضْمَارُ ضمیر لانا ہے، وَهُوَ مُمْتَنِعٌ كَمَا عَرَفْتَ اور ضمیر لانا تو ممتنع ہے ممکن ہی نہیں ہے كَمَا عَرَفْتَ جیسے کہ آپ نے پہچان لیا۔ یعنی ضمیرِ منفصل کے معاملے میں تو ضمیر کا لانا ممکن ہی نہیں کیونکہ ضمیر یا تو إِلَّا کے ساتھ لائیں گے یا إِلَّا کے بغیر لائیں گے، إِلَّا کے ساتھ لائیں تو لا نہیں سکتے اور إِلَّا کے بغیر لائیں تو معنی خراب ہوتا ہے۔

فَقَدْ يَكُونُ أَيْ تَنَازُعُ الْفِعْلَيْنِ فِي الْفَاعِلِيَّةِ تو کبھی کبھار دو فعلوں کا جھگڑا جو ہے فِي الْفَاعِلِيَّةِ فاعل ہونے میں ہو گا۔ کیسے؟ باء تصویریہ ہے جس کے ذریعے آگے صورت بیان کی جاتی ہے: بِأَنْ يَقْتَضِيَ كُلٌّ مِنْهُمَا بایں صورت کہ تقاضا کرتا ہے ان دونوں میں سے ہر ایک کہ أَنْ يَكُونَ الِاسْمُ الظَّاهِرُ فَاعِلًا لَهُ کہ وہ اسمِ ظاہر اس کے لیے فاعل ہو۔ بھائی دیکھو کبھی جھگڑا ہو گا کس کے اندر؟ فاعل ہونے میں، کبھی مفعول ہونے میں، اور کبھی تقاضے میں دونوں فعل مختلف ہوں گے۔ فاعل ہونے میں جھگڑا ہو گا کیا معنی؟ کہ دونوں فعل چاہتے ہیں آگے آنے والا اسمِ ظاہر ان کے لیے فاعل بنے۔ کبھی مفعول ہونے میں جھگڑا ہو گا کہ دونوں تقاضا کریں گے آگے آنے والا اسمِ ظاہر ان دونوں کے لیے کیا بنے؟ مفعول بنے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ وہی بیان کر رہے ہیں۔ فَقَدْ يَكُونُ تَنَازُعُ الْفِعْلَيْنِ فِي الْفَاعِلِيَّةِ تو کبھی کبھار دو فعلوں کا جھگڑا فاعل ہونے میں ہو گا۔ صورت کیا فاعل ہونے میں؟ کہتے ہیں بِأَنْ يَقْتَضِيَ كُلٌّ مِنْهُمَا بایں صورت کہ تقاضا کرتا ہے ان دونوں میں سے ہر ایک کہ أَنْ يَكُونَ الِاسْمُ الظَّاهِرُ فَاعِلًا لَهُ کہ وہ جو اسمِ ظاہر ہے وہ اس کے لیے فاعل ہو، فَيَكُونَانِ مُتَّفِقَيْنِ فِي اقْتِضَاءِ الْفَاعِلِيَّةِ تو دونوں فعل متفق ہیں فاعلیت کا تقاضا کرنے میں۔ پہلا بھی اس اسمِ ظاہر کو فاعل بنانا چاہتا ہے، دوسرا بھی اس کو اپنا فاعل بنانا چاہتا ہے، تو دیکھو فاعلیت کے تقاضے میں دونوں متفق ہیں۔ مِثْلُ ضَرَبَنِي وَأَكْرَمَنِي زَيْدٌ جیسے کہ ضَرَبَنِي وَأَكْرَمَنِي زَيْدٌ۔ ضَرَبَنِي کے ساتھ یہ يَاء ضمیر مفعول کی جڑی ہوئی ہے اور اب یہ چاہتا ہے آگے زَيْدٌ اس کے لیے فاعل بنے۔ أَكْرَمَنِي کے ساتھ بھی یہاں مفعول کی ضمیر جڑی ہوئی ہے اور یہ چاہتا ہے یہ زَيْدٌ میرے لیے فاعل بنے۔ تو دیکھو دونوں زَيْد کو اپنا فاعل بنانا چاہتے ہیں، تو فاعل کا تقاضا کرنے میں دونوں متفق ہیں۔

کہتے ہیں وَقَدْ يَكُونُ تَنَازُعُهُمَا فِي الْمَفْعُولِيَّةِ اور کبھی ان دو فعلوں کا جھگڑا جو ہے مفعول ہونے میں ہو گا۔ بھائی متن میں آیا وَفِي الْمَفْعُولِيَّةِ، متن میں کیا آیا؟ وَفِي الْمَفْعُولِيَّةِ۔ اور صاحبِ جامی نے درمیان میں عبارت نکال لی وَقَدْ يَكُونُ تَنَازُعُهُمَا فِي الْمَفْعُولِيَّةِ کہ کبھی کبھار دونوں کا جھگڑا مفعول ہونے میں ہو گا۔ تو یہ فَقَدْ يَكُونُ تَنَازُعُهُمَا یہ عبارت نکال کر دراصل یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ فِي الْمَفْعُولِيَّةِ کا عطف وہ جو پیچھے فِي الْفَاعِلِيَّةِ آیا تھا اس پر تھا۔ اور وہاں پر فِي الْفَاعِلِيَّةِ يَكُونُ کی خبر تھی، کیا تھی؟ فَقَدْ يَكُونُ فِي الْفَاعِلِيَّةِ، تو پیچھے يَكُونُ آیا تھا اور يَكُونُ کے اندر ضمیر کس کو راجع تھی؟ أَيْ تَنَازُعُ الْفِعْلَيْنِ تنازعِ فعلین کو

راجع تھی۔ تو تنازعِ فعلین یَکُونُ کا اسم اور فِي الْفَاعِلِيَّةِ اس کی خبر۔ اسی فِي الْفَاعِلِيَّةِ پر فِي الْمَفْعُولِيَّةِ کا بھی عطف ہے، تو یہ بھی اس کیا ہوئی اس کَانَ کی خبر۔ تو یہاں وَقَدْ يَكُونُ تَنَازُعُهُمَا نکال کر بتلا دیا کہ یہ فِي الْمَفْعُولِيَّةِ اس کی خبر ہے۔

تو کہتے ہیں وَقَدْ يَكُونُ تَنَازُعُهُمَا فِي الْمَفْعُولِيَّةِ اور کبھی کبھار دو فعلوں کا جھگڑا مفعول ہونے میں ہوتا ہے، بِأَنْ يَقْتَضِيَ كُلٌّ مِنْهُمَا بایں صورت کہ ان دونوں میں سے ہر ایک تقاضا کرتا ہے کہ أَنْ يَكُونَ الِاسْمُ الظَّاهِرُ مَفْعُولًا لَهُ کہ وہ اسمِ ظاہر اس کے لیے مفعول ہو، فَيَكُونَانِ مُتَّفِقَيْنِ فِي اقْتِضَاءِ الْمَفْعُولِيَّةِ تو دونوں فعل متفق ہوتے ہیں مفعولیت کا تقاضا کرنے میں۔ مِثْلُ ضَرَبْتُ وَأَكْرَمْتُ زَيْدًا۔ ضَرَبْتُ کے ساتھ فاعل کی تاء ضمیر جڑی ہوئی ہے، یہ چاہتا ہے زَيْدًا میرے لیے مفعول بنے۔ أَكْرَمْتُ کے ساتھ بھی فاعل کی تاء ضمیر جڑی ہوئی ہے، یہ بھی چاہتا ہے زَيْدًا میرے لیے مفعول بنے۔ تو دونوں فعل آگے آنے والے اسمِ ظاہر کو اپنا مفعول بنانا چاہتے ہیں، تو دونوں تقاضے میں متفق ہیں، دونوں مفعول ہونے کا تقاضا کر رہے ہیں۔

وَقَدْ يَكُونُ تَنَازُعُهُمَا فِي الْفَاعِلِيَّةِ وَالْمَفْعُولِيَّةِ اور کبھی کبھار دو فعلوں کا جو جھگڑا ہوتا ہے وہ فاعل اور مفعول ہونے میں ہوتا ہے، فاعل اور مفعول ہونے میں ہوتا ہے۔ بھائی اس کی دو صورتیں بیان کریں گے۔ صاحبِ جامی آپ کو بتلائیں گے کہ دو فعل جھگڑا کریں کس چیز میں؟ فاعلیت میں بھی اور مفعولیت میں بھی، اس کی دو صورتیں ہیں۔ لکھیے کاپی پر مثال لکھیں تاکہ بات آپ کو سمجھ میں آجائے۔ لکھیے: ضَرَبَ وَأَهَانَ زَيْدٌ عَمْرًا، ضَرَبَ وَأَهَانَ زَيْدٌ عَمْرًا۔ ضَرَبَ پٹائی کی وَأَهَانَ اور اہانت کی یعنی بے عزتی کی زَيْدٌ عَمْرًا زید نے عمر کی۔ اب دیکھو ضَرَبَ اور أَهَانَ دو فعل آئے۔ ضَرَبَ یہ بھی فعلِ متعدی ہے یہ فاعل کے ساتھ ساتھ مفعول کا بھی تقاضا کرتا ہے۔ أَهَانَ بے عزتی کرنا یہ بھی فاعل کے ساتھ ساتھ مفعول کا تقاضا کرتا ہے یہ بھی فعلِ متعدی ہے۔ آگے دو اسم آئے: ایک ہے زَيْدٌ ایک ہے عَمْرًا۔ توجہ ہے؟ اب ضَرَبَ چاہتا ہے کہ زَيْدٌ میرے لیے فاعل بنے اور عَمْرًا میرے لیے مفعول بنے۔ توجہ ہے؟ جبکہ أَهَانَ بھی اسی طرح چاہتا ہے کہ زَيْدٌ میرے لیے فاعل بنے اور عَمْرًا میرے لیے مفعول بنے۔ تو زَيْدٌ میں دونوں جھگڑ رہے ہیں، دونوں چاہتے ہیں زَيْدٌ ہمارے لیے فاعل بنے۔ اور عَمْرًا میں بھی دونوں جھگڑ رہے ہیں، اور دونوں چاہتے ہیں عَمْرًا ہمارے لیے مفعول بنے۔ توجہ ہے؟ تو اب دیکھو دونوں فعل فاعلیت اور مفعولیت میں جھگڑ رہے ہیں۔ دونوں فعل زید کو اپنا فاعل بنانا چاہتے ہیں اور دونوں فعل عمر کو اپنا مفعول بنانا چاہتے ہیں، تو فاعلیت اور مفعولیت دونوں میں جھگڑا ہوا۔ بات سمجھ میں آگئی؟ لیکن صاحبِ جامی بتلائیں گے یہ صورت یہاں مراد نہیں ہے۔ کیوں؟ کہتے ہیں اس لیے کہ یہ تو وہی آپ نے پچھلی دو صورتوں کو ملا لیا۔ پہلی مثال میں دونوں صرف فاعل ہونے میں جھگڑ رہے تھے، دوسری مثال میں دونوں صرف مفعول ہونے کے بارے میں جھگڑ رہے تھے، آپ نے دونوں کو اکٹھا کر دیا: ایک اسمِ ظاہر میں دونوں جھگڑ رہے ہیں فاعل ہونے کے لیے، اور دوسرے اسمِ ظاہر میں دونوں جھگڑ رہے ہیں مفعول ہونے کے اندر۔ کہتے ہیں یہ یہاں مراد نہیں، یہ تو وہی دونوں آپس میں آپ نے دونوں مثالیں ملا دیں۔ دیکھو یہاں دو اسمِ ظاہر ہیں لیکن جھگڑا کس طرح کا ہے؟ دونوں زید کو فاعل بنانا چاہتے ہیں، معلوم ہوا دونوں کا تقاضا زید کے بارے میں ایک

ہی ہے: پہلا فعل چاہتا ہے میرے لیے فاعل بنے دوسرا چاہتا ہے میرے لیے فاعل بنے۔ اور عمر کے بارے میں دونوں جھگڑ رہے ہیں لیکن دونوں تقاضے میں متفق ہیں: پہلا فعل چاہتا ہے عمر میرے لیے مفعول بنے دوسرا چاہتا ہے میرے لیے مفعول بنے۔ تو یہ تو تقاضے میں متفق ہیں بھائی، دونوں تقاضے میں متفق ہیں۔

تو کہتے ہیں یہ یہاں مراد نہیں، بلکہ مراد یہ ہے کہ ایک ہی اسمِ ظاہر میں جھگڑا کریں اور تقاضا مختلف ہو، ایک چاہے میرے لیے فاعل بنے دوسرا چاہے میرے لیے مفعول بنے۔ اس کی مثال لکھیں، کل ہم نے اگرچہ وہ مثالیں کر لی تھیں: ضَرَبَنِي وَأَكْرَمْتُ زَيْدًا، ضَرَبَنِي وَأَكْرَمْتُ زَيْدًا۔ ضَرَبَنِي کے ساتھ مفعول جڑا ہوا ہے یہ زید کو اپنا فاعل بنانا چاہتا ہے۔ أَكْرَمْتُ کے ساتھ فاعل جڑا ہوا ہے یہ زید کو اپنا مفعول بنانا چاہتا ہے۔ دیکھو اب ایک ہی اسمِ ظاہر میں جھگڑا ہے اور دونوں تقاضے میں مختلف ہیں: ایک اس اسمِ ظاہر کو اپنا فاعل بنانا چاہتا ہے تو دوسرا اپنا مفعول۔ تو کہتے ہیں یہ تیسری صورت یہ والی مراد ہے، وہ جو اوپر مثال کی ضَرَبَ وَأَهَانَ زَيْدٌ عَمْرًا یہ مثال مراد نہیں کیونکہ اس کے اندر تو تقاضے میں متفق ہیں بھائی: دونوں زید کو فاعل بنانا چاہتے ہیں دونوں کا تقاضا ایک ہے، دونوں عمر کو مفعول بنانا چاہتے ہیں دونوں کا عمر کے بارے میں تقاضا ایک ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟

دیکھیے بھائی اب کتاب پر۔ کہتے ہیں وَقَدْ يَكُونُ تَنَازُعُهُمَا فِي الْفَاعِلِيَّةِ وَالْمَفْعُولِيَّةِ اور کبھی کبھار دو فعلوں کا جو جھگڑا ہو گا وہ فاعلیت اور مفعولیت کے بارے میں ہو گا، وَذَلِكَ يَكُونُ عَلَى وَجْهَيْنِ اور یہ دو قسم پر ہے، یہ فاعلیت اور مفعولیت میں جھگڑا دو قسم پر ہے: أَحَدُهُمَا ایک صورت یہ کہ أَنْ يَقْتَضِيَ كُلٌّ مِنْهُمَا کہ تقاضا کرے دونوں میں سے ہر ایک تقاضا کرے کس چیز کا؟ فَاعِلِيَّةَ اسْمٍ ظَاهِرٍ ایک اسمِ ظاہر کے فاعل ہونے کا وَمَفْعُولِيَّةَ اسْمٍ ظَاهِرٍ آخَرَ اور دوسرے اسمِ ظاہر کے مفعول ہونے کا، فَيَكُونَانِ مُتَّفِقَيْنِ فِي ذَلِكَ الِاقْتِضَاءِ تو اس صورت میں بھی یہ دونوں فعل متفق ہیں اس تقاضے میں، دونوں متفق ہیں اس... مِثْلُ مثال کے طور پر ضَرَبَ وَأَهَانَ زَيْدٌ عَمْرًا۔ توجہ ہے؟ تو دیکھو دونوں فعل تقاضے میں متفق ہیں: دونوں چاہتے ہیں زید کو فاعل بنائیں تقاضا دونوں کا ایک ہی ہے، اور دونوں چاہتے ہیں عمر کو مفعول بنائیں دونوں کا تقاضا ایک ہی ہے۔ تو کہتے ہیں وَلَيْسَ هَذَا قِسْمًا ثَالِثًا مِنَ التَّنَازُعِ اور یہ تیسری قسم نہیں ہے تنازع میں سے، بَلْ هُوَ اجْتِمَاعُ الْقِسْمَيْنِ الْأَوَّلَيْنِ بلکہ یہ انہی پہلی دو قسموں کا اجتماع ہے ان دونوں کو آپ نے اکٹھا کر دیا ہے، تقاضا یہاں ایک ہی ہے دونوں کا۔

وَثَانِيهِمَا اور دوسری صورت یہ ہے کس میں؟ کہ دونوں تنازع کریں فاعلیت اور مفعولیت میں۔ ایک صورت یہ تھی یہ مراد نہیں، دوسری صورت وہ ہے جو مراد ہے وہ اب ذکر کرنے لگے ہیں۔ کہتے ہیں وَثَانِيهِمَا اور دوسری صورت یہ ہے کہ أَنْ يَقْتَضِيَ أَحَدُ الْفِعْلَيْنِ کہ تقاضا کرے أَحَدُ الْفِعْلَيْنِ دو فعلوں میں سے ایک جو ہے وہ تقاضا کرے فَاعِلِيَّةَ اسْمٍ ظَاهِرٍ ایک اسمِ ظاہر کے فاعل ہونے کا۔ بھائی دیکھیے دوسری مثال جو میں نے لکھوائی: ضَرَبَنِي وَأَكْرَمْتُ زَيْدًا، ضَرَبَنِي وَأَكْرَمْتُ زَيْدًا۔ ایک ہی اسمِ ظاہر میں دونوں جھگڑ رہے ہیں لیکن دونوں کا تقاضا مختلف ہے، یہ مثال مراد ہے بات سمجھ میں آگئی؟ تو کہتے ہیں

وَثَانِيهِمَا دوسری صورت یہ ہے کہ أَنْ يَقْتَضِيَ أَحَدُ الْفِعْلَيْنِ کہ ان دو فعلوں میں سے ایک جو ہے وہ تقاضا کرے فَاعِلِيَّةَ اسْمٍ ظَاهِرٍ ایک اسمِ ظاہر کے فاعل ہونے کا، وَالْآخَرُ مَفْعُولِيَّةَ ذَلِكَ الِاسْمِ الظَّاهِرِ بِعَيْنِهِ اور دوسرا فعل بِعَيْنِهِ اسی اسمِ ظاہر کے مفعول ہونے کا تقاضا کرے۔ وَلَا شَكَّ فِي اخْتِلَافِ اقْتِضَاءِ الْفِعْلَيْنِ فِي هَذِهِ الصُّورَةِ اور کوئی شک نہیں ہے کہ دو فعلوں کا تقاضا مختلف ہے فِي هَذِهِ الصُّورَةِ اس صورت میں۔ اور اس بات میں کوئی شک نہیں کہ اس صورت میں دونوں فعلوں کا تقاضا مختلف ہے، یعنی ایک ہی اسمِ ظاہر کے بارے میں ایک چاہتا ہے یہ میرے لیے فاعل بنے اور دوسرا چاہتا ہے میرے لیے مفعول بنے تو دونوں کا تقاضا مختلف ہے۔ وَهَذَا هُوَ الْقِسْمُ الثَّالِثُ الْمُقَابِلُ لِلْأَوَّلَيْنِ اور یہی وہ تیسری قسم ہے جو پہلی دو قسموں کے مقابل ہے۔ فَقَوْلُهُ مُخْتَلِفَيْنِ آگے اب یہ متن ہے تو ماتن کا قول مُخْتَلِفَيْنِ، لِتَخْصِيصِ هَذِهِ الصُّورَةِ بِالْإِرَادَةِ وہ ارادے کے ساتھ اسی صورت کی تخصیص کے لیے ہے۔ بھائی صاحبِ کافیہ یہ مُخْتَلِفَيْنِ کا لفظ لائے، عبارت کس طرح ہے؟ وَفِي الْفَاعِلِيَّةِ وَالْمَفْعُولِيَّةِ مُخْتَلِفَيْنِ۔ اور کبھی دو فعل جھگڑا کریں گے فاعلیت اور مفعولیت میں مُخْتَلِفَيْنِ اس حال میں کہ دونوں فعل مختلف ہوں گے تقاضے میں، یعنی ایک فعل

اس اسمِ ظاہر کو فاعل بنانا چاہتا ہے تو دوسرا مفعول۔ تو یہ جو مُخْتَلِفَيْنِ کی قید بڑھائی صاحبِ کافیہ نے وہ اسی تیسری قسم کی تخصیص کرنا چاہتے تھے۔ توجہ ہے؟ ایک صورت کیا تھی؟ ضَرَبَ وَأَهَانَ زَيْدٌ عَمْرًا۔ وہ صورت ذکر نہیں کرنا چاہتے تھے جس میں دونوں کا تقاضا ایک تھا، بلکہ یہ تقاضے میں مختلف ہونے چاہئیں، ایک ہی اسمِ ظاہر کے بارے میں ایک فاعل ہونے کا تقاضا کرے اور دوسرا مفعول ہونے کا۔ یہ تیسری قسم مراد تھی ماتن کی، اسی لیے انہوں نے مُخْتَلِفَيْنِ کی قید لگائی کہ وہ دونوں فعل کیا ہونے چاہئیں؟ مختلف ہونے چاہئیں۔ کیا معنی مختلف؟ یعنی تقاضے میں مختلف ہوں۔ ضَرَبَنِي وَأَكْرَمْتُ زَيْدًا۔ زید اسمِ ظاہر ہے، ضَرَبَنِي اس کا تقاضا کیا؟ کہ اس کو فاعل بنائے۔ اور أَكْرَمْتُ کا تقاضا کیا؟ مفعول۔ تو یہ دونوں فعل مختلف ہیں، کس اعتبار سے مختلف ہیں؟ تقاضے کے اعتبار سے مختلف ہیں۔ یہ مراد تھی صاحبِ کافیہ کی، اسی لیے انہوں نے یہ قید لگائی۔ بات سمجھ میں آگئی؟

کہتے ہیں فَقَوْلُهُ مُخْتَلِفَيْنِ صاحبِ کافیہ کا قول جو مُخْتَلِفَيْنِ ہے، لِتَخْصِيصِ هَذِهِ الصُّورَةِ بِالْإِرَادَةِ وہ ارادے کے ساتھ اسی صورت کی تخصیص کے لیے ہے کہ وہ ارادتاً کیا کر رہے ہیں؟ اس صورت کی تخصیص کر رہے ہیں، کہ یہ والی صورت مراد ہے جس میں دونوں کا تقاضا مختلف ہو۔ يَعْنِي دیکھو اب معنی بیان کریں گے: يَعْنِي قَدْ يَكُونُ تَنَازُعُ الْفِعْلَيْنِ وَاقِعًا فِي الْفَاعِلِيَّةِ وَالْمَفْعُولِيَّةِ یعنی کبھی کبھار دو فعلوں کا تنازع واقع ہوتا ہے فاعلیت اور مفعولیت میں، حَالَ كَوْنِ الْفِعْلَيْنِ مُخْتَلِفَيْنِ فِي الِاقْتِضَاءِ اس حال میں کہ وہ دونوں فعل مختلف ہوتے ہیں کس میں؟ تقاضے کے اندر مختلف ہوتے ہیں۔ وَذَلِكَ لَا يُتَصَوَّرُ إِلَّا إِذَا كَانَ الِاسْمُ الظَّاهِرُ الْمُتَنَازَعُ فِيهِ وَاحِدًا اور اس کا تصور نہیں کیا جا سکتا مگر یہ کہ وہ اسمِ ظاہر الْمُتَنَازَعُ فِيهِ جس کے اندر جھگڑا کیا جا رہا ہے، وَاحِدًا وہ کیا ہو؟ واحد ہو۔ توجہ ہے؟ بھائی وہ ایک ہی اسم ہو گا تو ہم کہیں گے دونوں کا تقاضا الگ

الگ ہے۔ ورنہ اگر آپ پہلی ذرا اس مثال کو دیکھیں: ضَرَبَ وَأَهَانَ زَيْدٌ عَمْرًا۔ ضَرَبَ بھی ایک فاعل چاہتا ہے ایک مفعول چاہتا ہے، أَهَانَ بھی ایک فاعل چاہتا ہے ایک مفعول چاہتا ہے، تو تقاضے میں تو دونوں متفق ہیں۔ توجہ ہے؟ ضَرَبَ بھی ایک فاعل چاہتا ہے اور ایک مفعول چاہتا ہے، أَهَانَ بھی ایک فاعل چاہتا ہے اور ایک مفعول چاہتا ہے، اور آگے زَيْدٌ اور عَمْرًا آیا۔ دونوں چاہتے ہیں زید ہمارے لیے کیا بنے؟ فاعل، اور دونوں چاہتے ہیں عمر ہمارے لیے مفعول بنے۔ توجہ ہے؟ تو اس میں آپ یہ نہیں کہہ سکتے کہ تقاضے میں مختلف ہیں دونوں، کیونکہ دونوں ہی ایک فاعل کا تقاضا کر رہے ہیں اور ایک مفعول کا۔ ہاں جب اسمِ ظاہر آگے ایک ہی آ رہا ہو اور اسی ایک اسمِ ظاہر کے بارے میں دونوں جھگڑ رہے ہوں، ایک چاہتا ہے میرے لیے فاعل بنے دوسرا چاہتا ہے مفعول بنے، اب ہم کہیں گے دونوں فعل تقاضے میں مختلف ہیں۔ اس صورت میں ہم یہ نہیں کہہ سکتے دونوں فعل تقاضے میں مختلف ہیں کیونکہ دونوں ایک فاعل چاہتے ہیں ایک مفعول چاہتے ہیں بھائی۔ تقاضے میں کیسے مختلف ہیں پھر؟ تو تقاضے میں مختلف تب ہی ہم کہہ سکتے ہیں جب ایک ہی اسمِ ظاہر کے بارے میں دونوں جھگڑ رہے ہوں: ایک چاہتا ہے میرے لیے فاعل بنے، ایک چاہتا ہے میرے لیے مفعول۔ بات بھی سمجھ میں آئی کہ نہیں آئی؟ کیا؟ کہ دونوں فعل تقاضے میں مختلف ہونے چاہئیں۔ ضَرَبَ وَأَهَانَ زَيْدٌ عَمْرًا، ضَرَبَ بھی ایک فاعل چاہتا ہے ایک مفعول چاہتا ہے، أَهَانَ بھی ایک فاعل چاہتا ہے ایک مفعول چاہتا ہے، تو تقاضے میں مختلف کیسے ہیں دونوں؟ دونوں ایک فاعل چاہتے ہیں ایک مفعول چاہتے ہیں۔ ہاں تقاضے میں مختلف ہیں ہم تب ہی کہہ سکتے ہیں جب ایک ہی اسمِ ظاہر کے بارے میں دونوں جھگڑ رہے ہوں۔ اب ہم کہیں گے ایک کا تقاضا فاعلیت کا ہے، ایک کا تقاضا مفعولیت کا، اب دونوں مختلف ہیں بھائی۔ بات سمجھ میں آ گئی؟

یہ معنی ہے: وَذَلِكَ لَا يُتَصَوَّرُ إِلَّا إِذَا كَانَ الِاسْمُ الظَّاهِرُ الْمُتَنَازَعُ فِيهِ وَاحِدًا اور یہ جو صورت ہے اس کا تصور نہیں کیا جا سکتا یعنی دونوں فعل تقاضے میں مختلف ہوں اس صورت کا تصور نہیں کیا جا سکتا مگر یہ کہ وہ اسمِ ظاہر جس میں جھگڑا کیا جا رہا ہے وہ ایک ہو، پھر ہم کہیں گے دونوں فعلوں کا تقاضا مختلف ہے۔

وَإِنَّمَا لَمْ يُورِدْ مِثَالًا لِلْقِسْمِ الثَّالِثِ یہ ایک اعتراض کا جواب دے رہے ہیں۔ اعتراض یہ کہ صاحبِ کافیہ نے اوپر متن میں کیا کہا؟ کبھی دونوں فعل جھگڑا کریں گے فاعلیت میں، اور اس کی مثال آگے دی: ضَرَبَنِي وَأَكْرَمَنِي زَيْدٌ۔ پھر آگے ذکر کیا کبھی دونوں جھگڑا کریں گے مفعولیت میں، اور اس کی مثال دی: ضَرَبْتُ وَأَكْرَمْتُ زَيْدًا۔ پھر تیسری بات ذکر کی اور کبھی دونوں فعل جھگڑا کریں گے فِي الْفَاعِلِيَّةِ وَالْمَفْعُولِيَّةِ مُخْتَلِفَيْنِ فاعلیت اور مفعولیت میں اس حال میں کہ دونوں فعل کیا ہوں گے؟ مختلف۔ اس کی مثال نہیں دی صاحبِ کافیہ نے، حالانکہ اس کی بھی مثال دینی چاہیے تھی۔ تو جواب دیں گے صاحبِ جامی کہ بھائی اس کے لیے کوئی علیحدہ مثال دینے کی ضرورت نہیں۔ انہی دو مثالوں میں سے ایک فعل ایک مثال میں سے لے لیں اور دوسرا فعل دوسری مثال میں سے لے لیں تو یہ تیسری قسم کی مثال بن جائے گی۔ مثلاً ضَرَبَنِي پہلے میں

سے لے لو اور أَكْرَمْتُ دوسرے میں سے لے لو تو ضَرَبَنِي وَأَكْرَمْتُ زَيْدًا یہ تیسرے کی مثال ہو جائے گی۔ بات سمجھ میں آگئی بھائی؟ اور میں نے بتایا تھا کہ اس کے اندر پھر دو صورتیں بنتی ہیں: کہ پہلا فعل کس کا تقاضا کرے؟ فاعل، اور دوسرا مفعول، جیسے ضَرَبَنِي وَأَكْرَمْتُ زَيْدًا۔ اور دوسری صورت یہ کہ پہلا مفعول کا تقاضا کرے اور دوسرا فاعل کا، کیسے؟ ضَرَبْتُ وَأَكْرَمَنِي زَيْدٌ بھائی۔

تو کہتے ہیں وَإِنَّمَا لَمْ يُورِدْ مِثَالًا لِلْقِسْمِ الثَّالِثِ صاحبِ کافیہ جو ہیں وہ تیسری قسم کے لیے مثال نہیں لے کر آئے، لِأَنَّهُ إِذَا أُخِذَ فِعْلٌ مِنَ الْمِثَالِ الْأَوَّلِ وَفِعْلٌ مِنَ الْمِثَالِ الثَّانِي اس لیے کیونکہ جب لے لیا جائے ایک فعل مثالِ اول میں سے اور ایک فعل مثالِ ثانی میں سے، حَصَلَ مِثَالٌ لِلْقِسْمِ الثَّالِثِ تو تیسری قسم کی مثال حاصل ہو جائے گی۔ وَذَلِكَ يُتَصَوَّرُ عَلَى وُجُوهٍ كَثِيرَةٍ اور اس کا تصور کیا جا سکتا ہے کئی صورتوں پر۔ ادھر دیکھیے، کئی صورتیں کہتے ہیں ہو سکتی ہیں۔ مثلاً اسی ضَرَبْتُ سے دو صیغے بنا لیں: ایک فاعل کا تقاضا کرے ایک مفعول کا، کیا بن جائے گا؟ ضَرَبَنِي وَضَرَبْتُ زَيْدًا۔ یا دونوں أَكْرَمَ سے لے آؤ: أَكْرَمَنِي وَأَكْرَمْتُ زَيْدًا۔ یا پہلا ضَرَبَ سے لے آؤ دوسرا أَكْرَمَ سے: ضَرَبَنِي وَأَكْرَمْتُ زَيْدًا۔ یا پہلا أَكْرَمَ سے لے آؤ دوسرا ضَرَبَ سے: أَكْرَمَنِي وَضَرَبْتُ زَيْدًا۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو کئی صورتیں بنتی ہیں۔

کہتے ہیں وَذَلِكَ يُتَصَوَّرُ عَلَى وُجُوهٍ كَثِيرَةٍ اور اس کا تصور کیا جا سکتا ہے بہت سی صورتوں پر، مِثْلُ ضَرَبَنِي وَضَرَبْتُ زَيْدًا۔ دیکھا ضَرَبَنِي اور ضَرَبْتُ، ضَرَبَ سے ہی دونوں فعل لے آئے۔ ضَرَبَنِي تقاضا کر رہا ہے فاعل کا اور ضَرَبْتُ تقاضا کر رہا ہے مفعول کا، اور زَيْدًا کو کیا بنایا؟ مفعول بنایا، ثانی کو عامل بنایا۔ وَأَكْرَمَنِي وَأَكْرَمْتُ زَيْدًا دیکھو دونوں فعل أَكْرَمَ سے لے آئے، أَكْرَمَنِي تقاضا کر رہا ہے فاعل کا اور أَكْرَمْتُ تقاضا کر رہا ہے مفعول کا، اور أَكْرَمْتُ کو عامل بنایا تو أَكْرَمَنِي کے اندر ضمیر لے آئے۔ اسی طرح وَضَرَبَنِي وَأَكْرَمْتُ زَيْدًا اب پہلا فعل ضَرَبَ سے لائے دوسرا أَكْرَمَ سے، عامل کس کو بنایا؟ أَكْرَمْتُ کو، تو ضَرَبَنِي کے اندر ضمیر لے آئے۔ وَأَكْرَمَنِي وَضَرَبْتُ زَيْدًا پہلا فعل أَكْرَمَ سے لے آئے دوسرا ضَرَبَ سے لے آئے، اور ضَرَبْتُ کو فاعل بنایا تو أَكْرَمَ کے اندر فاعل کی ضمیر لے آئے۔

وَغَيْرُ ذَلِكَ مِمَّا يَكُونُ الِاسْمُ الظَّاهِرُ مَرْفُوعًا اور اس کے علاوہ اور بھی صورتیں ہیں یعنی اس میں جس میں اسمِ ظاہر مرفوع ہو۔ بھائی یہ جو چار مثالیں ذکر کیں ان میں اسمِ ظاہر منصوب تھا، کیونکہ ثانی مفعول کا تقاضا کر رہا تھا۔ اگلی اسی سے چار مثالیں آپ اور بنا سکتے ہیں جس میں ثانی فاعل کا تقاضا کر رہا ہو گا، اور اس کو جب عامل بنائیں گے تو آگے اسمِ ظاہر منصوب آئے گا یا مرفوع آئے گا؟ مرفوع آئے گا۔ جیسے دیکھو: پہلی مثال کیا تھی؟ ضَرَبَنِي وَضَرَبْتُ زَيْدًا۔ اس میں دونوں فعلوں کی جگہ بدل دو، کیا بن گیا؟ ضَرَبْتُ وَضَرَبَنِي زَيْدٌ بھائی، اب فاعل بن گیا، ضَرَبَنِي کو آپ نے عامل بنایا اور وہ فاعل کا تقاضا کر رہا ہے۔ اسی طرح أَكْرَمَنِي وَأَكْرَمْتُ زَيْدًا، فعلوں کی جگہ بدل دو اور زَيْدًا کی جگہ زَيْدٌ لے آؤ: أَكْرَمْتُ وَأَكْرَمَنِي زَيْدٌ۔ یہ زَيْدٌ کو رفع کس نے دیا؟ أَكْرَمَنِي نے، اور أَكْرَمْتُ کے لیے مفعول کو حذف کر دیا۔ وَضَرَبَنِي وَأَكْرَمْتُ زَيْدًا یہاں بھی جگہ

بدلو فعلوں کی: أَكْرَمْتُ وَضَرَبَنِي زَيْدٌ بھائی۔ یہ زَيْدٌ کو رفع کس نے دیا؟ ضَرَبَنِي نے، اور أَكْرَمْتُ کے لیے مفعول حذف کر دیا کیونکہ اضمار قبل الذکر فضلہ میں جائز نہیں۔ اگلی مثال ہے وَأَكْرَمَنِي وَضَرَبْتُ زَيْدًا، یہاں بھی دونوں فعلوں کی جگہ بدل دیں: ضَرَبْتُ وَأَكْرَمَنِي زَيْدٌ بھائی۔ یہ زَيْدٌ کو رفع کس نے دیا؟ أَكْرَمَنِي نے، اور ضَرَبْتُ کے لیے مفعول کو حذف کر دیا۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ تو یہ چار مثالیں کتاب میں تھیں، چار ہم نے بنا لیں، کتنی ہو گئیں؟ آٹھ۔ اور پھر ان سب میں آگے اسمِ ظاہر مفرد ہے، تو اگر تثنیہ لے آؤ تو آٹھ مثالیں اور ہو جائیں گی، سولہ ہو گئیں۔ اور پھر اسمِ ظاہر کو جمع لے آؤ الزَّيْدُونَ لے آؤ تو پھر آٹھ مثالیں اور ہو جائیں گی، تو چوبیس مثالیں ہو جائیں گی۔ لیکن مثالیں تو جتنی مرضی ذکر کر دیں، حقیقت میں یہ دو ہی قسمیں ہیں یہ جو مُخْتَلِفَيْنِ ہیں تقاضے میں دونوں فعل مختلف ہوں، اس میں حقیقت میں دو ہی قسمیں ہیں: کون سی دو قسمیں؟ کہ پہلا فاعل کا تقاضا کرے گا اور دوسرا مفعول کا، یا پہلا مفعول کا تقاضا کرے گا اور دوسرا فاعل کا تقاضا کرے گا۔ بات سمجھ میں آگئی؟

یہ معنی ہے وَغَيْرُ ذَلِكَ اور اس کے علاوہ اور مثالیں، مِمَّا يَكُونُ الِاسْمُ الظَّاهِرُ مَرْفُوعًا یعنی کہ جس میں اسمِ ظاہر کیا ہو گا؟ مرفوع۔ یہ جو چار مثالیں صاحبِ جامی نے ذکر کیں اس میں تو اسمِ ظاہر منصوب تھا، اور باقی مثالیں جس میں اسمِ ظاہر مرفوع ہو اور بھی ہو سکتی ہیں۔

جی آگے دیکھیے: فَيَخْتَارُ النُّحَاةُ الْبِصْرِيُّونَ إِعْمَالَ الْفِعْلِ الثَّانِي لِقُرْبِهِ۔ جی میں نے مذاہب بیان کیے تھے: بصرہ والوں کا کیا مذہب؟ کس کو عامل بنانا اولیٰ؟ ثانی کو۔ اور کوفہ والوں کا کیا مذہب؟ اول کو عامل بنانا اولیٰ ہے۔ اب بصرہ والوں کا مذہب ذکر کرنے لگے ہیں صاحبِ جامی۔ کہتے ہیں فَيَخْتَارُ النُّحَاةُ الْبِصْرِيُّونَ۔ بھائی یہاں بِصْرِيُّونَ لفظ آیا۔ یاد رکھو بَصْرِيُّونَ بھی ہے اور بِصْرِيُّونَ بھی ہے۔ یہ دراصل بَصْرَة، بَصْرَة جیسے ایک شہر کا نام ہے، اسی طرح بَصْرَة عرب کے ایک بڑے علاقے کا نام بھی بَصْرَة تھا، جیسے صوبہ کہہ لو، صوبہ جس میں بہت سے شہر ہوتے ہیں یا ضلع کہہ لو، ضلع کے اندر بھی بہت سے چھوٹے شہر اور بہت سے گاؤں آجاتے ہیں۔ جیسے لاہور ہے: لاہور ایک شہر کا بھی نام اور لاہور ایک ضلع کا بھی نام ہے، پورا ضلع بھی کیا کہلاتا ہے؟ لاہور، جس کے اندر بہت سے چھوٹے شہر بھی ہیں اور بہت سے گاؤں بھی ہیں۔ تو لاہور ایک علاقے کا بھی نام اور ایک شہر کا بھی نام۔ اسی طرح بَصْرَة ایک عرب کے اندر ایک علاقے کا بھی نام تھا اور اسی طرح بَصْرَة عراق کے ایک شہر کا بھی نام ہے۔ تو دونوں کی طرف نسبت ہوتی ہے۔ تو دونوں میں فرق کرنے کے لیے وہ جو بَصْرَة علاقے کے رہنے والے تھے ان کو بَصْرِيّ کہتے تھے باء کے فتحہ کے ساتھ۔ تو فرق کرنے کے لیے جو بَصْرَة شہر کے رہنے والے تھے ان کو بَصْرِيّ نہیں کہتے بلکہ بِصْرِيّ کہتے ہیں۔ جیسے لاہور سے لاہوری، تو بَصْرَة شہر کا رہنے والا ہو تو کیا کہیں گے؟ بِصْرِيّ باء کے کسرہ کے ساتھ۔ یہ باء کے نیچے کسرہ کیوں پڑھا؟ تاکہ فرق ہو جائے وہ جو بَصْرِيّ ہے، بَصْرِيّ بَصْرَة علاقے کا رہنے والا، اور بِصْرِيّ بَصْرَة شہر کا رہنے والا۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو یہاں بِصْرِيُّونَ پڑھنا باء کے نیچے کسرہ یہ نسبت ہے

اس شہر کی طرف۔

فَيَخْتَارُ النُّحَاةُ الْبِصْرِيُّونَ، اخْتَارَ يَخْتَارُ کے معنی ہیں پسند کرنا۔ اور بِصْرِيُّونَ سے پہلے النُّحَاةُ کا لفظ نکالا صاحبِ جامی نے، بتلانا یہ چاہتے ہیں کہ بِصْرِيُّونَ یہ صفت ہے اور اس کا موصوف النُّحَاةُ ہے: بصرہ والے عام لوگ نہیں مراد بلکہ بصرہ والے نحوی مراد ہیں۔ فَيَخْتَارُ النُّحَاةُ الْبِصْرِيُّونَ تو پس اختیار کیا ہے بصرہ کے نحویوں نے، کیا پسند کیا؟ إِعْمَالَ الْفِعْلِ الثَّانِي فعلِ ثانی کے اعمال کو کہ فعلِ ثانی کو عمل دیا جائے۔ بھائی کیوں عمل دیا جائے گا فعلِ ثانی کو؟ ادھر دیکھیے، کیوں؟ میں نے دلیل ذکر کی تھی: کہ یہ اس اسمِ ظاہر کے قریب ہے اور نیز درمیان میں پھر فصل بھی نہیں آئے گا فعل اور فاعل کے درمیان۔ تو ذکر کر رہے ہیں لِقُرْبِهِ اس فعلِ ثانی کے اسمِ ظاہر کے قریب ہونے کی وجہ سے، مَعَ تَجْوِيزِ إِعْمَالِ الْأَوَّلِ۔ جَوَّزَ يُجَوِّزُ

تجویز کا معنی ہے جائز قرار دینا۔ مَعَ تَجْوِيزِ إِعْمَالِ الْأَوَّلِ ساتھ جائز قرار دینے کے اعمالِ اول کو، یعنی اول فعل کو عامل بنانا بھی جائز ہے۔ مذہب کس کا ذکر ہو رہا ہے؟ بصریین کا۔ بصرہ والے نحوی کیا فرماتے ہیں؟ کس کو عامل بنانا بہتر؟ ثانی کو عامل بنانا بہتر ہے، لیکن اول کو عامل بنانے کو بھی وہ جائز قرار دیتے ہیں۔ یہ معنی ہے مَعَ تَجْوِيزِ إِعْمَالِ الْأَوَّلِ ساتھ فعلِ اول کو عامل بنانے کو جائز قرار دیتے ہوئے کہ فعلِ اول کو بھی عامل بنانا جائز ہے۔

وَيَخْتَارُ النُّحَاةُ الْكُوفِيُّونَ الْأَوَّلَ اور کوفہ کے جو نحوی ہیں وہ پسند کرتے ہیں اول کو، انہوں نے اختیار کیا ہے اول کو یعنی اول کو عامل بنانے کو اختیار کیا ہے۔ أَيْ إِعْمَالَ الْفِعْلِ الْأَوَّلِ یعنی فعلِ اول کو عامل بنانے کو اختیار کیا ہے کوفہ والوں نے، مَعَ تَجْوِيزِ إِعْمَالِ الثَّانِي ساتھ جائز قرار دیتے ہوئے اعمالِ ثانی کو کہ ثانی کو عامل بنانا بھی جائز ہے۔

بھائی کیوں کوفہ والوں نے اول کو عامل کیوں قرار دیا؟ کہتے ہیں لِسَبْقِهِ اس لیے کیونکہ پہلا فعل پہلے آیا ہے، وہ زیادہ حق دار ہے کہ اس کو عامل بنایا جائے۔ وَلِلِاحْتِرَازِ عَنِ الْإِضْمَارِ قَبْلَ الذِّكْرِ اور تاکہ احتراز ہو جائے اضمار قبل الذکر سے، پورے طور پر ہم اضمار قبل الذکر سے بچ جائیں۔ بھائی اگر آپ ثانی کو عامل بنائیں گے تو پہلے کے اندر ضمیر لانا پڑے گی، اور اضمار قبل الذکر عمدہ میں جائز ہے بشرطِ تفسیر۔ لیکن کوفہ والے کیا کہتے ہیں؟ پہلے کو عامل بناؤ گے تو اضمار قبل الذکر سے پوری طرح بچ جاؤ گے اور یہ زیادہ پسندیدہ ہے کہ اضمار قبل الذکر لاؤ ہی نہ، اگرچہ یہاں جائز ہے لیکن لاؤ ہی نہ، اس سے بچ جاؤ یہ زیادہ اچھا ہے۔ یہ معنی ہے وَلِلِاحْتِرَازِ عَنِ الْإِضْمَارِ قَبْلَ الذِّكْرِ اور اضمار قبل الذکر سے احتراز کے لیے۔

چلیے بس کریں بھائی بس، یہاں تک بات سمجھ میں آگئی؟ چلیے بس بھائی، هَذَا هُوَ الْمَرَامُ وَاللهُ أَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْكَلَامِ۔

سبق نمبر ۸۸: التنازع (۳): فعلِ ثانی کو عمل دینے کا بیان (مذہبِ بصریین)

شرحِ ملا جامی صفحہ: ۶۳ — بتاریخ: ۲۵ اکتوبر ۲۰۲۱ء

▪ تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث

آگے سبق دیکھیے: فَإِنْ أَعْمَلْتَ الْفِعْلَ الثَّانِيَ كَمَا هُوَ مَذْهَبُ الْبَصْرِيِّينَ وَبَدَأَ بِهِ لِأَنَّهُ الْمَذْهَبُ الْمُخْتَارُ الْأَكْثَرُ اسْتِعْمَالًا، أَضْمَرْتَ الْفَاعِلَ فِي الْفِعْلِ الْأَوَّلِ إِذَا اقْتَضَى الْفَاعِلَ لِجَوَازِ الْإِضْمَارِ قَبْلَ الذِّكْرِ فِي الْعُمْدَةِ بِشَرْطِ التَّفْسِيرِ، وَلِلُزُومِ التَّكْرَارِ بِالذِّكْرِ وَامْتِنَاعِ الْحَذْفِ عَلَى وَفْقِ الِاسْمِ الظَّاهِرِ الْوَاقِعِ بَعْدَ الْفِعْلَيْنِ.

بھئی تَنَازُعِ فِعْلَيْن کا مسئلہ چل رہا ہے۔ اور میں نے آپ کو بتلایا تھا تَنَازُعِ فِعْلَيْن یہ ہے کہ دو فعل جو ہیں وہ جھگڑا کریں ایک ایسے اسمِ ظاہر کے بارے میں جو ان دونوں کے بعد آئے، ہر فعل چاہتا ہے یہ میرا معمول بنے۔ اور اس میں پھر چار صورتیں ہیں: یا تو دونوں فعل اس اسمِ ظاہر کے فاعل ہونے کا تقاضا کریں گے، یا دونوں فعل اس کی مفعولیت کا تقاضا کریں گے، یا پہلا فعل اس کے فاعل ہونے کا، دوسرا فعل اس کے مفعول ہونے کا، یا پہلا فعل اس کے مفعول ہونے کا اور دوسرا فعل اس کے فاعل ہونے کا تقاضا کرے گا۔ تو یہ چار صورتیں یہاں بنتی ہیں بھئی۔

اور پھر یہاں پر دو بڑے اختلاف ہیں۔ ایک اختلاف ہے امام فَرَّاء کا جمہور کے ساتھ۔ امام فَرَّاء فرماتے ہیں کہ پہلا جب فاعل کا تقاضا کرے تو پھر پہلے ہی کو عامل بنائیں گے، دوسرے کو عامل بنانا جائز ہی نہیں، اس لیے کیونکہ اگر آپ نے دوسرے کو عامل بنایا تو پہلے کے اندر یا فاعل کی ضمیر لائیں گے یا فاعل کو حذف کریں گے اور دونوں ہی جائز نہیں۔ إِضْمَار قَبْلَ الذِّكْر بھی جائز نہیں اور حَذْفِ فَاعِل بھی جائز نہیں۔ جبکہ جمہور کہتے ہیں کہ جب پہلا فاعل کا تقاضا کرے تو اس وقت بھی ثانی کو عامل بنانا جائز ہے، اور جو پہلا فعل ہے اس میں پھر فاعل کی ضمیر لائیں گے، اور إِضْمَار قَبْلَ الذِّكْر عُمْدَه میں جائز ہے بِشَرْطِ التَّفْسِير۔ جبکہ یہاں امام كِسَائِی اس مسئلے میں وہ فرماتے ہیں کہ نہیں، جب پہلا فاعل کا تقاضا کرے اور آپ ثانی کو عامل بنائیں، تو پھر پہلے فعل کے اندر فاعل کی ضمیر نہیں لائیں گے، بلکہ فاعل کو حذف کریں گے۔ اس لیے کیونکہ اگر آپ ضمیر لائے فاعل کی تو اس صورت میں إِضْمَار قَبْلَ الذِّكْر لازم آئے گا لَفْظًا بھی اور رُتْبَةً بھی اور یہ جائز نہیں۔ لہٰذا پہلے فعل کے لیے فاعل کو حذف کر دیں گے۔ اور حذف کا یہ معنی نہیں کہ وہاں پر وہ فاعل مُقَدَّر ہوگا، نہیں نہیں، حذف کا معنی یہ ہے کہ وہ فاعل نَسْيًا مَنْسِيًّا ہے، گویا یہ فعل فاعل چاہتا ہی نہیں، اس طرح کر دیں گے۔ بات سمجھ میں آگئی؟

اس کے بعد دوسرا اختلاف جمہور کا آپس میں تھا۔ جمہور میں پھر دو گروہ ہیں: ایک بصرہ والے نحوی ہیں، ایک کوفہ والے نحوی۔ تو ان میں اختلاف ہے کہ کس فعل کو عمل دینا اَوْلٰی ہے، بہتر ہے۔ تو بصرہ والے کہتے ہیں ثانی کو عمل دینا بہتر ہے، اور کوفہ والے کہتے ہیں پہلے کو عمل دینا بہتر۔

پھر اس کے بعد ہم نے ان کی مثالیں بھی کی تھیں بھئی، ہر ایک کی مثال کہ دونوں فعل فاعل کا تقاضا کریں، یا دونوں مفعول کا تقاضا کریں، یا دونوں تقاضے میں مختلف ہوں، اور آگے ہم اسمِ ظاہر کو بھی بدلتے جا رہے تھے: کبھی اسمِ ظاہر کو ہم مفرد لاتے تھے، کبھی تثنیہ لاتے تھے اور کبھی جمع۔ اور پہلا مذہب ہم نے کیا تھا بصرہ والوں کا۔ اس لیے کیونکہ بصرہ والوں کا مذہب جو ہے وہ مختار ہے، یعنی متأخرین نحوی علماء نے ان کے مذہب کو ترجیح دی ہے۔ تو اس لیے بصرہ والوں کے مذہب کو ہم نے پہلے کیا۔ اور بصرہ والوں کا مذہب کیا تھا کہ کس کو عمل دیا جائے گا؟ ثانی کو۔ کس کو؟ ثانی کو۔ تو جب ثانی کو آپ نے عامل بنایا، تو اول یا تو فاعل کا تقاضا کرے گا یا مفعول کا۔ اگر اول فاعل کا تقاضا کر رہا ہے، تو پھر اس اول میں فاعل کی ضمیر لے آئیں گے، کیونکہ إِضْمَار قَبْلَ الذِّكْر عُمْدَه میں جائز ہے بِشَرْطِ التَّفْسِير۔ اور اگر اول مفعول کا تقاضا کر رہا ہے، تو پھر مفعول کو حذف کر دیں گے، مفعول کی ضمیر نہیں لا سکتے کیونکہ وہ فَضْلَہ ہے اور إِضْمَار قَبْلَ الذِّكْر فَضْلَہ میں جائز نہیں ہے۔

اس کے بعد صاحبِ جامی نے آپ کو یہ بھی بتلایا تھا کہ صاحبِ کافیہ نے اس تَنَازُعِ فِعْلَيْن کو ذکر کیا جو اسمِ ظاہر کے بارے میں ہو۔ وہ اسمِ ظاہر جو دونوں فعلوں کے بعد آ رہا ہے اس کے اندر تَنَازُع ہو، اس کو صاحبِ کافیہ نے ذکر کیا۔ اور ضمیر کے اندر جو تَنَازُع ہو اس کو ذکر نہیں فرمایا۔ وجہ اس کی یہ کہ ضمیریں دو قسم پر ہیں: ایک ضمیرِ متصل ہے، ایک ضمیرِ منفصل۔ ضمیرِ متصل میں تو تَنَازُع ہو ہی نہیں سکتا، کیونکہ وہ جس کے ساتھ جڑتی ہے وہی اس کے اندر عامل بھی ہوتا ہے۔ اور جبکہ ضمیرِ منفصل میں تَنَازُع ہو سکتا ہے، جیسے اس کی مثال ذکر کی: مَا ضَرَبَ وَأَكْرَمَ إِلَّا أَنَا۔

مَا ضَرَبَ وَأَكْرَمَ إِلَّا أَنَا۔ ضَرَبَ چاہتا ہے کہ میں اس أَنَا میں عمل کروں، أَكْرَمَ چاہتا ہے کہ میں اس أَنَا کے اندر عمل کروں۔ اس پر آپ کے ذہن میں اشکال آئے گا کہ بھئی یہ فعل ہے، اس کے لیے یہ أَنَا ضمیر متکلم کی ہے، یہ فاعل کیسے بن سکتی ہے؟ ضَرَبَ اور أَكْرَمَ یہ تو واحد مذکر غائب کے فعل ہیں، ان کے لیے أَنَا ضمیر کیسے فاعل بن سکتی ہے؟ تو میں نے آپ کو بتلایا تھا کہ دراصل فاعل یہاں مُسْتَثْنٰى مِنْهُ ہے جو محذوف ہے۔ اصل میں کلام کیا ہے؟ مَا ضَرَبَ وَأَكْرَمَ أَحَدٌ إِلَّا أَنَا۔ تو یہ أَحَدٌ فاعل بن رہا ہے۔ تو یہ أَحَدٌ فاعل ہے اور یہ مُسْتَثْنٰى مِنْهُ ہے، اور آگے إِلَّا کے بعد جو أَنَا ہے وہ مُسْتَثْنٰى۔ لیکن کبھی کبھار مُسْتَثْنٰى مِنْهُ کو حذف کر دیتے ہیں۔ تو جب مُسْتَثْنٰى مِنْهُ کو حذف کر دیا اور وہ فاعل تھا، اب فاعل چاہیے تو ضرور، تو وہ جو مُسْتَثْنٰى ہے پھر وہ فاعل بن جاتا ہے۔ صورت سمجھ میں آ رہی ہے؟ تو وہ أَحَدٌ حذف ہوا اور أَنَا کیا بن گیا؟ ضَرَبَ اور أَكْرَمَ کے لیے فاعل بن گیا۔

پھر بھی اشکال ہوتا ہے کہ آپ نے کیا کہا اصل میں فاعل أَحَدٌ تھا۔ اصل میں فاعل أَحَدٌ تھا، لیکن اس وقت تو أَنَا ہے اور أَنَا ضمیر ہے متکلم کی، اور ضَرَبَ اور أَكْرَمَ فعل تو غائب کے ہیں، ان کے لیے متکلم کی ضمیر کیسے فاعل بن سکتی ہے؟ تو یاد رکھنا، تو یاد رکھنا کہ یہ جو ضمیرِ منفصل ہے، یہ اسمِ ظاہر کے حکم میں ہوتی ہے۔ کس کے؟ اسمِ ظاہر کے۔ بھئی دیکھیے نا اسمِ ظاہر کسی سے جڑنے کا محتاج نہیں، وہ اکیلا رہ سکتا ہے، آپ اس کو جس جگہ بھی کلام میں استعمال کرنا چاہیں کر سکتے ہیں۔ مثلاً زَيْدٌ ہے، زَيْدٌ کسی فعل یا کسی شبہِ فعل کے ساتھ جڑنے کا محتاج نہیں۔ كِتَابٌ ہے، قَلَمٌ ہے، کوئی بھی اسمِ ظاہر لے لو، وہ کسی فعل یا شبہِ فعل کے ساتھ جڑنے کا محتاج نہیں۔ تو جیسے اسمِ ظاہر اکیلا رہ سکتا ہے، اسی طرح یہ جو ضمیرِ منفصل ہے، یہ بھی منفصل ہے، یہ کسی سے جڑنے کی محتاج نہیں۔ تو یہ بھی اسمِ ظاہر کی طرح ہوئی۔ اور اسمِ ظاہر پہلے اور چوتھے صیغے کے لیے فاعل بن سکتا ہے۔ پہلا صیغہ کون سا؟ واحد مذکر غائب، اور چوتھا صیغہ کون سا؟ واحد مؤنث غائب۔ تو جیسے ان دو صیغوں کے لیے اسمِ ظاہر فاعل بن سکتا ہے، تو یہ جو ضمیرِ منفصل ہے، چاہے متکلم کی ہو، چاہے مخاطب کی ہو، چاہے غائب کی ہو، تو یہ ضمیرِ منفصل بھی کس کے درجے میں؟ اسمِ ظاہر کے درجے میں، تو یہ بھی ان کے لیے فاعل بن سکتی ہے۔ لہٰذا مَا ضَرَبَ وَأَكْرَمَ إِلَّا أَنَا، تو یہ أَنَا ضَرَبَ اور أَكْرَمَ کے لیے فاعل بن سکتا ہے۔ تو اس میں تَنَازُع ہے: ضَرَبَ چاہتا ہے یہ أَنَا میرے لیے فاعل بنے، أَكْرَمَ چاہتا ہے یہ أَنَا میرے لیے فاعل بنے۔ صورت سمجھ میں آ رہی ہے؟

اب دیکھو، بات یہ چل رہی تھی کہ صاحبِ کافیہ نے اسمِ ظاہر کے اندر تَنَازُع کو تو ذکر کیا، ضمیر کے اندر، ضمیرِ منفصل میں بھی تَنَازُع ہو سکتا ہے اس کو ذکر نہیں فرمایا۔ تو صاحبِ جامی نے آپ کو بتلایا کہ ہاں ضمیرِ منفصل میں تَنَازُع ہو سکتا ہے، لیکن یہ تَنَازُع اس طریقے سے حل نہیں ہو سکتا جو طریقہ ہے نحویوں کے ہاں اس کو حل کرنے کا۔ نحویوں کے ہاں اس تَنَازُعِ فِعْلَيْن کو حل کرنے کا طریقہ کیا ہے؟ کہ فاعل میں تَنَازُع ہے تو کیا کیا جائے؟ فاعل کی ضمیر لائی جائے۔ اگر ثانی کو عامل بناتے ہیں تو اول میں فاعل کی ضمیر لاتے ہیں، اور اگر اول کو عامل بناتے ہیں تو ثانی میں فاعل کی ضمیر لاتے ہیں، تو اس طرح یہ تَنَازُع ختم ہو جاتا ہے۔ تو جمہور نحویوں کے ہاں تَنَازُع کو جو ختم کرنے کا طریقہ ہے یعنی کہ ضمیر لانا، اس طریقے سے اس تَنَازُع کا فیصلہ نہیں ہو سکتا۔ یہاں اس طریقے سے اس کا فیصلہ نہیں ہو سکتا۔ اس لیے کیونکہ مَا ضَرَبَ وَأَكْرَمَ إِلَّا أَنَا۔ یہ أَنَا إِلَّا کے بعد ہے، اور یہ استثناء کے لیے إِلَّا آتا ہے۔ تو أَنَا فاعل ہے، اس کی ضمیر آپ لانا چاہتے ہیں۔ ایک فعل کو عامل بنایا اور دوسرے میں اس أَنَا کی ضمیر لانا چاہتے ہیں یا أَنَا کو چھپانا چاہتے ہیں، تو پھر إِلَّا کے ساتھ ہی اس کو چھپائیں گے یا إِلَّا کے بغیر چھپائیں گے؟

بات سمجھ میں آ گئی؟ بھئی لفظ آیا تھا یہاں إِضْمَار۔ إِضْمَار کا معنی ضمیر لانا بھی، اور إِضْمَار کا معنی اِسْتِتَار یعنی چھپنا بھی۔ توجہ ہے؟ تو پھر مثلاً مَا ضَرَبَ وَأَكْرَمَ إِلَّا أَنَا، أَكْرَمَ کو فاعل بنایا کس میں؟ أَنَا میں۔ تو اس أَنَا کی ضمیر لائیں گے کس میں؟ ضَرَبَ میں۔ توجہ ہے؟ یا یوں کہیں گے اس أَنَا کو ہم چھپائیں گے کس کے اندر؟ ضَرَبَ کے اندر، پہلے فعل کے لیے، اس

کے لیے بھی تو فاعل چاہیے۔ تو پھر دو ہی صورتیں ہیں: یا تو اس أَنَا کو إِلَّا کے ساتھ ضَرَبَ میں چھپائیں گے، یا صرف أَنَا کو چھپائیں گے۔ اگر إِلَّا کے ساتھ چھپائیں تو یہ جائز نہیں، کیونکہ ضمیر إِلَّا أَنَا، أَنَا تو ضمیر ہے لیکن إِلَّا حرف ہے۔ ضمیر کا اِسْتِتَار تو فعل میں ہو سکتا ہے، ضمیر تو فعل میں چھپ سکتی ہے، لیکن حرف نہیں چھپ سکتا۔ تو لہٰذا آپ نے أَكْرَمَ کو عامل بنایا أَنَا میں، تو اس أَنَا کا إِضْمَار کریں گے یعنی اِسْتِتَار کریں گے کس میں؟ پہلے فعل میں، تو پھر إِلَّا کے ساتھ کریں گے یا بغیر إِلَّا کے؟ إِلَّا کے ساتھ کریں تو وہ جائز نہیں، اور إِلَّا کے بغیر کریں پھر تو معنی خراب ہو جاتا ہے۔ کیونکہ معنی کیا ہے مَا ضَرَبَ إِلَّا أَنَا کہ صرف میں نے پٹائی کی، اور مَا أَكْرَمَ إِلَّا أَنَا صرف میں نے اکرام کیا، معنی یہ ہے۔ معلوم ہوا میں نے پٹائی بھی کی ہے اور میں نے اکرام بھی کیا ہے، تو فاعل کے لیے فعل کا ثبوت ہے۔ اور اگر صرف أَنَا کو آپ جوڑ دیں ضَرَبَ سے، تو صیغہ بن گیا مَا ضَرَبْتُ، پھر تو معنی بن جائے گا میں نے پٹائی نہیں کی۔ توجہ ہے؟

تو إِضْمَار کا معنی ہم نے کیا کیا؟ اِسْتِتَار بھئی، چھپنا۔ اور اگر إِضْمَار کا معنی کر لیں ضمیر لانا، کیا معنی کر رہے ہیں؟ ضمیر لانا، تو اب دیکھو: مَا ضَرَبَ وَأَكْرَمَ إِلَّا أَنَا۔ اس أَنَا میں دونوں فعل جھگڑ رہے ہیں۔ أَكْرَمَ کو تو عامل بنا دیا دوسرے کو، پہلے میں کیا کریں گے؟ اس أَنَا کی ضمیر۔ تو اس أَنَا کی ضمیر لائیں گے إِلَّا کے ساتھ یا بغیر إِلَّا کے؟ إِلَّا کے ساتھ لا نہیں سکتے کیونکہ إِلَّا حرف ہے اور آپ کو میں نے بتایا تھا کہ ضمیر صرف کس کی طرف لوٹتی ہے؟ اسم کی طرف، تو إِلَّا کی ضمیر لا نہیں سکتے۔ اور إِلَّا کے بغیر صرف أَنَا کی ضمیر لائیں گے تو پھر معنی خراب ہو جائے گا۔ بات سمجھ میں آگئی؟ فعل کی نفی ہو جائے گی: مَا ضَرَبْتُ، میں نے پٹائی نہیں کی۔ حالانکہ مقصد کیا ہے؟ مَا ضَرَبَ إِلَّا أَنَا، پٹائی نہیں کی مگر میں نے، یعنی میں نے پٹائی کی ہے۔ تو متکلم کا ارادہ یہ ہے کہ میں نے فعل کیا ہے، اور ضمیر کو ساتھ جوڑ دیں گے تو پھر تو فعل کی نفی ہو جائے گی۔

بات سمجھ بھی آئی کہ نہیں آئی؟ نہیں سمجھ میں آئی؟ بھئی دیکھو پھر سنو۔ مَا ضَرَبَ وَأَكْرَمَ إِلَّا أَنَا۔ اس أَنَا کے اندر ضَرَبَ اور أَكْرَمَ کا تَنَازُع ہے، اور یہ ضمیرِ منفصل ہے۔ اور اب ایک کے لیے اگر اس کو ہم معمول بناتے ہیں تو دوسرے کے اندر تَنَازُع کو طے کرنے کا کیا طریقہ تھا؟ دوسرے میں ضمیر لاتے ہیں۔ تو یہاں إِلَّا أَنَا ہے، تو یہاں إِلَّا أَنَا دونوں کی ضمیر لائیں گے یا صرف ایک أَنَا کی ضمیر لائیں گے؟ دونوں کی ضمیر لا نہیں سکتے کیونکہ إِلَّا حرف ہے اور حرف کی طرف ضمیر راجع نہیں ہو سکتی۔ اور صرف أَنَا کی ضمیر لائیں گے پھر تو فعل کا معنی خراب ہو جائے گا۔ معنی تو کیا، متکلم کہنا کیا چاہتا تھا؟ مَا ضَرَبْتُ إِلَّا أَنَا، پٹائی نہیں کی مگر صرف میں نے، معلوم ہوا میں نے پٹائی کی ہے۔ اور مَا أَكْرَمَ إِلَّا أَنَا، اکرام نہیں کیا مگر میں نے، معلوم ہوا صرف میں نے اکرام کیا ہے۔ پٹائی بھی صرف میں نے کی ہے اور اکرام بھی صرف میں نے کیا ہے۔ تو اگر آپ اس أَنَا کو بغیر إِلَّا کے مَا ضَرَبَ کے ساتھ جوڑیں گے، تو کیا بن گیا کلام؟ مَا ضَرَبْتُ۔ تو معنی کیا ہوا؟ میں نے پٹائی نہیں کی۔ حالانکہ یہ معنی تو مقصد نہیں تھا کہ میں نے پٹائی نہیں کی، بلکہ مقصد تو کیا بتلانا تھا کہ صرف میں نے پٹائی کی ہے، یعنی یہ فعل میرے لیے ثابت ہے۔ اور مَا ضَرَبْتُ کا معنی تو یہ ہے میں نے پٹائی نہیں کی، معلوم ہوا میرے لیے ضَرْب کا فعل ثابت نہیں ہے۔

تو دیکھو معنی خراب ہو گیا۔ بات سمجھ میں آ گئی؟

تو لہٰذا ضمیرِ منفصل میں جو تَنَازُع ہوگا، جمہور کے نزدیک اس کو طے کرنے کی، اس کو ختم کرنے کی کوئی صورت نہیں ہے، کیونکہ جمہور کے نزدیک تَنَازُعِ فِعْلَيْن کو ختم کرنے کے لیے ضمیر لائی جاتی ہے اور یہاں ضمیر لانا ممکن نہیں ہے۔ إِلَّا أَنَا دونوں کی ضمیر لا نہیں سکتے، اور ایک کی ضمیر لائیں تو پھر معنی خراب ہو جاتا ہے۔ ہاں البتہ امام كِسَائِی فرماتے ہیں کہ اول کے لیے فاعل کو حذف کر دو، یعنی نَسْیًا مَنْسِیًّا کر دو۔ مَا ضَرَبَ وَأَكْرَمَ إِلَّا أَنَا، یہ أَكْرَمَ جو ہے یہ أَنَا میں عمل کر رہا ہے اور مَا ضَرَبَ کے لیے إِلَّا أَنَا محذوف ہے، وہ ذکر ہی نہیں، گویا یہ فعل فاعل چاہتا ہی نہیں۔ تو یہ امام كِسَائِی فرماتے ہیں۔

جبکہ امام فَرَّاء فرماتے ہیں کہ اس صورت میں دونوں کو عامل بنا دو: ضَرَبَ بھی أَنَا میں عمل کر رہا ہے اور أَكْرَمَ بھی عمل کر رہا ہے۔ اور یاد رکھو جمہور کے نزدیک ایک ہی معمول کے اندر دو عامل ہوں یہ جائز نہیں، لیکن امام فَرَّاء فرماتے ہیں یہاں مجبوری ہے اور کوئی صورت نہیں اس لیے دونوں کو عامل بنائیں گے، باقی ویسے تو یہ جائز نہیں۔ بات سمجھ میں آ گئی؟

اس کے بعد پھر صاحبِ کافیہ نے مثالیں ذکر کی تھیں کہ کبھی کبھار جھگڑا جو ہوگا وہ فاعلیت کے اندر ہوگا، جیسے ضَرَبَنِي وَأَكْرَمَنِي زَيْدٌ، ضَرَبَنِي چاہتا ہے زَيْدٌ میرے لیے فاعل بنے، أَكْرَمَنِي چاہتا ہے میرے لیے فاعل بنے۔ اور کبھی جھگڑا مفعولیت میں ہوگا، جیسے ضَرَبْتُ وَأَكْرَمْتُ زَيْدًا، ضَرَبْتُ چاہتا ہے کہ زَيْدٌ میرے لیے مفعول بنے اور أَكْرَمْتُ چاہتا ہے میرے لیے مفعول بنے۔ اور تیسری صورت یہ ہے کہ دونوں فعل فاعلیت اور مفعولیت کے اندر مختلف ہوں یعنی اس کا تقاضا کرنے میں مختلف ہوں بھئی، یعنی ایک فعل اسمِ ظاہر کو فاعل بنانا چاہتا ہے تو دوسرا مفعول بنانا چاہتا ہے۔

جی اب آگے دیکھیے سبق بھئی۔ کہتے ہیں: فَإِنْ أَعْمَلْتَ الْفِعْلَ الثَّانِيَ كَمَا هُوَ مَذْهَبُ الْبَصْرِيِّينَ وَبَدَأَ بِهِ لِأَنَّهُ الْمَذْهَبُ الْمُخْتَارُ الْأَكْثَرُ اسْتِعْمَالًا، أَضْمَرْتَ الْفَاعِلَ فِي الْفِعْلِ الْأَوَّلِ۔ اب وہی بصرہ والوں کا مذہب ذکر کریں گے۔ بصرہ والوں کے نزدیک کس کو عامل بنانا بہتر ہے؟ دوسرے کو۔ توجہ ہے؟ دوسرے کو عامل بنائیں گے۔ تو جب دوسرے کو عامل بنایا تو پہلا فعل یا تو فاعل کا تقاضا کرے گا یا مفعول کا تقاضا کرے گا۔ اگر فاعل کا تقاضا کرے پہلا فعل، تو اس کے اندر فاعل کی ضمیر لے آؤ کیونکہ فاعل کو حذف نہیں کر سکتے۔ اور اس صورت میں إِضْمَار قَبْلَ الذِّكْر عُمْدَه میں جائز ہے بِشَرْطِ التَّفْسِير۔ اور عُمْدَه کسے کہتے ہیں میں نے بتلایا تھا؟ عُمْدَه مُسْنَد اور مُسْنَد إِلَيْهِ کو کہتے ہیں، لیکن اس کا اطلاق کس کس پر ہوتا ہے؟ مبتدا، خبر اور فاعل یا نائب فاعل پر بھئی۔

دیکھیے بس اب ترجمہ ہے بھئی۔ کہتے ہیں: فَإِنْ أَعْمَلْتَ الْفِعْلَ الثَّانِيَ اگر آپ عمل دے دیں فعلِ ثانی کو یعنی اس کو عامل بنا دیں، كَمَا هُوَ مَذْهَبُ الْبَصْرِيِّينَ جیسے کہ بصرہ والوں کا مذہب ہے۔ بھئی سوال پیدا ہوتا ہے کہ بصرہ والوں کے مذہب کو صاحبِ کافیہ نے پہلے کیوں ذکر کیا، کوفہ والوں کے مذہب کو پہلے کیوں نہیں ذکر کیا؟ تو آپ کو بتلائیں گے کہ یہ جو بصرہ والوں

کا مذہب ہے، یہ پسندیدہ ہے متأخرین علمائے نحو کے نزدیک۔ متأخرین علمائے نحو نے کس کو ترجیح دی ہے؟ بصرہ والوں کے مذہب کو، اور یہ استعمال کے اعتبار سے مذہب زیادہ ہے، اس لیے اس کو صاحبِ کافیہ نے پہلے ذکر کیا۔ تو کہتے ہیں: وَبَدَأَ بِهِ اور بصرہ والوں کے مذہب کے ساتھ مصنف نے یعنی صاحبِ کافیہ نے شروع کیا، آغاز کیا، لِأَنَّهُ الْمَذْهَبُ الْمُخْتَارُ اس لیے کیونکہ یہ پسندیدہ مذہب ہے۔ یہ کیا معنی پسندیدہ مذہب ہے؟ کس کا پسندیدہ مذہب ہے؟ متأخرین کا بھئی، متأخرین کا۔ الْأَكْثَرُ اسْتِعْمَالًا اور یہ مذہب زیادہ ہے باعتبار استعمال کے، یہ زیادہ کثرت سے استعمال ہوتا ہے۔

تو کہتے ہیں جب آپ پہلے فاعل کو عمل، جی بلکہ پہلے متن متن دیکھو بھئی۔ کہتے ہیں: فَإِنْ أَعْمَلْتَ الثَّانِيَ اگر آپ دوسرے فعل کو عمل دیں، تو أَضْمَرْتَ الْفَاعِلَ فِي الْأَوَّلِ تو آپ فاعل کی ضمیر لائیں گے پہلے فعل میں۔ بھئی عامل کس کو بنایا؟ دوسرے کو، تو پہلے میں کیا کریں گے؟ فاعل کی ضمیر لائیں گے، عَلَى وَفْقِ الظَّاهِرِ اس اسمِ ظاہر کے موافق، اس کے مطابق۔ توجہ ہے؟ آپ نے عامل کس کو بنایا؟ دیکھو ضَرَبَنِي وَأَكْرَمَنِي زَيْدٌ۔ توجہ ہے؟ ضَرَبَنِي وَأَكْرَمَنِي زَيْدٌ۔ ضَرَبَنِي کے ساتھ مفعول جڑا ہوا ہے، یہ فاعل کا تقاضا کر رہا ہے۔ اسی طرح أَكْرَمَنِي کے ساتھ بھی مفعول جڑا ہوا ہے اور یہ فاعل کا تقاضا کر رہا ہے۔ آگے زَيْدٌ اسمِ ظاہر آیا۔ کس کو عامل بنایا آپ نے؟ أَكْرَمَنِي کو، ثانی کو۔ تو اول کس کا تقاضا کر رہا ہے؟ فاعل کا، تو اس کے اندر فاعل کی ضمیر لے آئیں گے۔ اور یہ ضمیر اس اسمِ ظاہر کے موافق ہونی چاہیے: یعنی اگر وہ مفرد ہے تو ضمیر بھی مفرد، اگر وہ تثنیہ ہے تو ضمیر بھی تثنیہ، اور اگر وہ جمع ہے تو ضمیر جمع کی لائیں گے؛ وہ مذکر ہے تو ضمیر مذکر کی لائیں گے اور اگر وہ مؤنث ہے تو ضمیر مؤنث کی لائیں گے، کیونکہ ضمیر مرجع کے مطابق ہوا کرتی ہے۔ یہ معنی ہے کہ اگر آپ نے دوسرے فعل کو عمل دیا، أَضْمَرْتَ الْفَاعِلَ فِي الْأَوَّلِ تو پہلے فعل کے اندر فاعل کی ضمیر لائیں گے عَلَى وَفْقِ الظَّاهِرِ اس اسمِ ظاہر کے موافق، دُونَ الْحَذْفِ حذف نہیں کریں گے۔ حذف نہیں کریں گے۔ توجہ ہے؟

ضَرَبَنِي وَأَكْرَمَنِي زَيْدٌ۔ کس کو عامل بنایا؟ أَكْرَمَنِي کو عامل بنایا۔ تو پہلا فعل کس کا تقاضا کر رہا ہے؟ فاعل کا، تو فاعل کو حذف نہیں کریں گے کیونکہ حَذْفِ فَاعِل جائز نہیں۔ ہاں امام كِسَائِي کے نزدیک حَذْفِ فَاعِل جائز ہے، تو ان کے نزدیک فاعل کو حذف کر لیں گے۔ جمہور کے نزدیک ضمیر لائیں گے۔ اور اس صورت میں کیا خرابی لازم آتی ہے؟ إِضْمَار قَبْلَ الذِّكْر، ضمیر پہلے اور مرجع بعد میں، لیکن إِضْمَار قَبْلَ الذِّكْر عُمْدَه میں جائز ہے بِشَرْطِ التَّفْسِير۔ جبکہ امام كِسَائِي فرماتے ہیں کہ چونکہ ضمیر لانے کی صورت میں إِضْمَار قَبْلَ الذِّكْر کی خرابی لازم آتی ہے اور إِضْمَار قَبْلَ الذِّكْر تو جائز نہیں ہے، لہٰذا وہ فرماتے ہیں فاعل کو حذف کر لو، یعنی فاعل نَسْيًا مَنْسِيًّا ہے، پہلا فعل گویا فاعل کا تقاضا ہی نہیں کر رہا۔ بات سمجھ میں آگئی؟ یہ معنی ہے دُونَ الْحَذْفِ حذف نہیں کریں گے خِلَافًا لِلْكِسَائِيِّ بخلاف امام كِسَائِي کے، وہ فرماتے ہیں حذف کریں گے۔

وَجَازَ اور انہوں نے کیا کہا اوپر متن میں کیا آیا؟ فَإِنْ أَعْمَلْتَ الثَّانِيَ اگر آپ کس کو عامل بنائیں ثانی کو، تو اگر پہلا فاعل کا تقاضا کر رہا ہو تو اس میں فاعل کی ضمیر لائیں گے۔ آگے فرماتے ہیں: وَجَازَ اور یہ ثانی کو عامل بنانا جائز ہے خِلَافًا لِلْفَرَّاءِ

بخلاف امام فَرَّاء۔ امام فَرَّاء کیا فرماتے ہیں؟ کہ جب پہلا فاعل کا تقاضا کر رہا ہو تو پہلے ہی کو عامل بنائیں گے، دوسرے کو عامل نہیں بنا سکتے۔ لیکن صاحبِ کافیہ نے بتلا دیا کہ جَازَ کہ ثانی کو بھی عامل بنا سکتے ہیں اگر پہلا فاعل کا تقاضا کر رہا ہو، خِلَافًا لِلْفَرَّاءِ بخلاف امام فَرَّاء کے، وہ فرماتے ہیں جائز نہیں۔ متن سمجھ میں آگیا؟

اب دیکھیے شرح۔ کہتے ہیں: فَإِنْ أَعْمَلْتَ الْفِعْلَ الثَّانِيَ كَمَا هُوَ مَذْهَبُ الْبَصْرِيِّينَ اگر آپ فعلِ ثانی کو عامل بنائیں جیسے کہ بصرہ والوں کا مذہب ہے، وَبَدَأَ بِهِ اور صاحبِ کافیہ نے بصرہ والوں کے مذہب سے آغاز فرمایا، لِأَنَّهُ الْمَذْهَبُ الْمُخْتَارُ الْأَكْثَرُ اسْتِعْمَالًا اس لیے کیونکہ یہ پسندیدہ مذہب ہے۔ کس کے نزدیک پسندیدہ ہے؟ متأخرین کے نزدیک۔ اس لیے کیونکہ یہ مذہب جو بصرہ والوں کا ہے، یہ پسندیدہ ہے متأخرین کے نزدیک۔ الْأَكْثَرُ اسْتِعْمَالًا اور یہ زیادہ ہے استعمال کے اعتبار سے۔ تو جب آپ دوسرے کو عامل بنائیں، أَضْمَرْتَ الْفَاعِلَ فِي الْفِعْلِ الْأَوَّلِ تو آپ ضمیر لائیں گے فاعل کی فعلِ اول میں، کب؟ إِذَا اقْتَضَى الْفَاعِلَ جب پہلا فعل کس کا تقاضا کر رہا ہو؟ فاعل کا۔ توجہ ہے؟ میں نے آپ کو بتلایا: جب آپ نے ثانی کو عامل بنانا ہے تو پہلے میں دو ہی صورتیں ہیں: یا وہ فاعل کا تقاضا کرے گا یا مفعول کا۔ اگر فاعل کا تقاضا کرے تو پھر ضمیر لائیں گے کیونکہ فاعل میں حذف جائز نہیں۔ اور ضمیر لائے تو إِضْمَار قَبْلَ الذِّكْر کی خرابی لازم آتی ہے، لیکن إِضْمَار قَبْلَ الذِّكْر عُمْدَه میں جائز ہے بِشَرْطِ التَّفْسِير بھئی کہ آگے تفسیر آجائے گی ایک لفظ کے بعد۔ اور اگر پہلا مفعول کا تقاضا کرے، آپ نے عامل کس کو بنایا؟ دوسرے کو، اور پہلا کس کا تقاضا کرے؟ مفعول کا، تو پھر اس کے لیے مفعول کو حذف کر دیں گے کیونکہ إِضْمَار قَبْلَ الذِّكْر مفعول میں جائز نہیں، وہ فَضْلَہ ہے، اور حذف جائز ہے تو حذف کر لیں گے۔ صورت سمجھ میں آگئی؟

تو کہتے ہیں: أَضْمَرْتَ الْفَاعِلَ فِي الْفِعْلِ الْأَوَّلِ تو آپ ضمیر لائیں گے فاعل کی پہلے فعل میں، إِذَا اقْتَضَى الْفَاعِلَ جب پہلا فعل فاعل کا تقاضا کرے، تو آپ کیا کریں گے؟ آپ نے کس کو عامل بنایا؟ دوسرے کو، اور پہلا کس کا تقاضا کر رہا ہے؟ فاعل کا، تو پھر اس میں فاعل کی ضمیر لائیں گے۔ وجہ یہ آپ کو بتائیں گے صاحبِ جامی کہ تین صورتیں بنتی ہیں۔ آپ نے عامل کس کو بنایا؟ ثانی کو۔ ثانی کو۔ ضَرَبَنِي وَأَكْرَمَنِي زَيْدٌ، آپ نے عامل کس کو بنایا؟ ثانی یعنی أَكْرَمَنِي کو عامل بنایا۔ تو ضَرَبَنِي کے لیے فاعل چاہیے۔ اس میں تین صورتیں ہیں: ایک صورت یہ ہے کہ آپ فاعل کو حذف کر دیں؛ دوسری صورت ہے آپ فاعل کی ضمیر لے آئیں؛ تیسری صورت ہے کہ آپ فاعل کو دوبارہ ذکر کر دیں۔ ایک صورت کیا؟ آپ نے عامل کس کو بنایا ثانی کو، تو پہلے کے لیے فاعل چاہیے تو پھر تین احتمال ہیں یہاں۔ کیا؟ تین احتمال: کہ اول کے لیے یا فاعل کو حذف کر دو، یا فاعل کی ضمیر لے آؤ، یا تیسری صورت ہے فاعل کو دوبارہ ذکر کر دو۔ فاعل کو دوبارہ ذکر کر دو۔ تو حذف تو جائز نہیں کہ فعل ہو اور فاعل کو حذف کر لیا جائے، یہ جائز نہیں۔ اور نیز دوبارہ ذکر بھی پسندیدہ نہیں، گویا کلام یوں بن جائے گا: پہلے کیا تھا؟ ضَرَبَنِي وَأَكْرَمَنِي زَيْدٌ۔ اب ضَرَبَنِي کے لیے زَيْدٌ کو دوبارہ لے آؤ: ضَرَبَنِي زَيْدٌ وَأَكْرَمَنِي زَيْدٌ۔ یہ تو تکرار آیا، اور یہ تکرار بغیر کسی وجہ کے پسندیدہ نہیں۔ ضَرَبَنِي زَيْدٌ وَأَكْرَمَنِي زَيْدٌ بھئی ایک اسمِ ظاہر کو ایک دفعہ ذکر کیا جاتا ہے پھر ضمیریں لائی جاتی

ہیں، تو یہ تکرار پسندیدہ نہیں۔ تو حذف بھی جائز نہیں اور تکرار بھی پسندیدہ نہیں، تو تیسری صورت کیا رہ گئی؟ إِضْمَار۔ اس میں کیا خرابی لازم آرہی تھی؟ إِضْمَار قَبْلَ الذِّكْر، لیکن وہ جائز ہے عُمْدَہ میں بِشَرْطِ التَّفْسِير۔

دیکھیے بھئی، کہتے ہیں: لِجَوَازِ الْإِضْمَارِ قَبْلَ الذِّكْرِ فِي الْعُمْدَةِ بِشَرْطِ التَّفْسِيرِ اس لیے کیونکہ إِضْمَار یعنی ضمیر کا لانا جائز ہے قَبْلَ الذِّكْرِ مرجع کے ذکر سے پہلے ہی، فِي الْعُمْدَةِ عُمْدَہ کے اندر، بِشَرْطِ التَّفْسِيرِ تفسیر کی شرط پر۔ وَلِلُزُومِ التَّكْرَارِ بِالذِّكْرِ اور اس وجہ سے کہ تکرار لازم آئے گا ذکر کرنے سے، یعنی اس اسمِ ظاہر کو اگر دوبارہ ذکر کریں گے تو تکرار لازم آئے گا اور وہ پسندیدہ نہیں۔ وَامْتِنَاعِ الْحَذْفِ یہ اِمْتِنَاع کا عطف ہے لُزُوم پر بھئی۔ کس پر؟ لُزُوم پر۔ وَلِلُزُومِ التَّكْرَارِ بِالذِّكْرِ وَامْتِنَاعِ الْحَذْفِ اور اس لیے کیونکہ حذف ممتنع ہے۔ بھئی تین ہی صورتیں ہیں نا: یا ضمیر لاؤ، یا حذف کرو، یا فاعل کو دوبارہ لاؤ تو اس سے تکرار ہوگا۔ تکرار بھی پسندیدہ نہیں، حذف بھی ممتنع ہے، تو پھر ضمیر ہی لائیں گے کیونکہ إِضْمَار قَبْلَ الذِّكْر عُمْدَہ میں جائز ہے بِشَرْطِ التَّفْسِير۔ تو یہ معنی ہے وَلِلُزُومِ التَّكْرَارِ بِالذِّكْرِ اس وجہ سے کہ تکرار لازم آتا ہے ذکر کرنے کی وجہ سے، وَامْتِنَاعِ الْحَذْفِ اور اس وجہ سے کہ حذف بھی ممتنع ہے، تو آخری صورت یہی رہ گئی کہ ضمیر لائی جائے اور وہ جائز بھی ہے عُمْدَہ میں بِشَرْطِ التَّفْسِير بھئی۔

اور یہ ضمیر لائیں گے عَلَى وَفْقِ الِاسْمِ الظَّاهِرِ، کس کے موافق؟ اس اسمِ ظاہر کے موافق ضمیر لائیں گے۔ وہ اسمِ ظاہر الْوَاقِعِ بَعْدَ الْفِعْلَيْنِ جو ان دو فعلوں کے بعد واقع ہے، اس کے موافق ضمیر لائیں گے۔ اس کے موافق ضمیر لانے کا کیا معنی؟ آپ کو آگے بتلائیں گے: یعنی افراد، تثنیہ اور جمع میں اس کے مطابق ہو، اور نیز تذکیر و تانیث میں بھی اس کے مطابق ہو۔ کیوں؟ کیونکہ ضمیر مرجع کے موافق ہوا کرتی ہے۔ مرجع اگر مفرد تو ضمیر بھی مفرد، مرجع اگر تثنیہ تو ضمیر بھی تثنیہ، مرجع اگر جمع تو ضمیر بھی جمع، اور مرجع اگر مذکر ہو تو ضمیر بھی مذکر کی، اور اگر وہ مرجع مؤنث ہو تو ضمیر بھی مؤنث کی ہوتی ہے۔ تو کہتے ہیں: عَلَى وَفْقِ الِاسْمِ الظَّاهِرِ الْوَاقِعِ بَعْدَ الْفِعْلَيْنِ تو ضمیر لائیں گے اس اسمِ ظاہر کے موافق جو دو فعلوں کے بعد واقع ہے، أَيْ عَلَى مُوَافَقَتِهِ إِفْرَادًا وَتَثْنِيَةً وَجَمْعًا وَتَذْكِيرًا وَتَأْنِيثًا یعنی وہ ضمیر اس کے موافق ہو إِفْرَادًا مفرد ہونے میں، وَتَثْنِيَةً اور تثنیہ ہونے میں، وَجَمْعًا اور جمع ہونے میں، وَتَذْكِيرًا اور مذکر ہونے میں، وَتَأْنِيثًا اور مؤنث ہونے میں۔ لِأَنَّهُ مَرْجِعُ الضَّمِيرِ اس لیے کیونکہ وہ اسمِ ظاہر اس ضمیر کا مرجع ہے۔ وَالضَّمِيرُ يَجِبُ أَنْ يَكُونَ مُوَافِقًا لِلْمَرْجِعِ فِي هَذِهِ الْأُمُورِ اور ضمیر کے اندر واجب ہے کہ وہ موافق ہونی چاہیے مرجع کے فِي هَذِهِ الْأُمُورِ ان تمام چیزوں میں۔

دُونَ الْحَذْفِ نہ کہ حذف کریں گے۔ جب آپ نے کس کو عامل بنایا؟ توجہ ہے؟ جب آپ نے فعلِ ثانی کو عامل بنایا، تو پہلا فعل اگر فاعل کا تقاضا کرے تو اس میں کیا کریں گے؟ فاعل کی ضمیر لائیں گے، دُونَ الْحَذْفِ حذف نہیں کریں گے، حذف نہیں کریں گے۔

اس پر اشکال ہوتا ہے صاحبِ کافیہ پر کہ اے صاحبِ کافیہ! آپ کے پاس تو الفاظ کم ہوتے ہیں، آپ چاہتے ہیں میں کم

سے کم الفاظ میں لمبی سے لمبی بات ذکر کر جاؤں، تو یہاں یہ آپ نے دُونَ الْحَذْفِ کو کیوں ذکر کیا؟ یہ تو بالکل بیکار آپ نے ذکر کر دیا۔ اوپر کیا کہہ دیا: أَضْمَرْتَ الْفَاعِلَ فِي الْفِعْلِ الْأَوَّلِ آپ کیا کریں گے فعلِ اول میں فاعل کی ضمیر لے آئیں گے۔ جب ضمیر لائے تو پتا چل گیا کہ حذف نہیں کریں گے۔ پتا چل گیا یا نہیں؟ تو پھر یہ دُونَ الْحَذْفِ کہنے کی کیا ضرورت ہے؟ جب آپ نے ہمیں بتا دیا اوپر کہ فعلِ اول میں کیا لائیں گے فاعل کی ضمیر لائیں گے، جب ضمیر لائیں گے تو معلوم ہوا حذف نہیں کریں گے، اسی سے پتا چل گیا تھا، تو پھر یہ دُونَ الْحَذْفِ کہنے کی کیا ضرورت ہے؟ تو جواب یہ کہ یہ دراصل امام کِسَائِی کا اختلاف ذکر کرنا چاہتے ہیں اور آگے متن میں آ رہا ہے خِلَافًا لِلْكِسَائِيِّ۔

تو یہ اس لیے دُونَ الْحَذْفِ کو لے کر آئے دوبارہ بھئی کہ کس کا اختلاف ذکر کرنا چاہتے ہیں؟ امام کِسَائِی کا۔ تو کلام یوں ہوا اِدھر دیکھیے: کہ آپ نے جب ثانی کو عامل بنایا تو پہلے فعل کے اندر ضمیر لائیں گے، اور حذف نہیں کریں گے بخلاف امام کِسَائِی کے کہ وہ کیا فرماتے ہیں حذف کریں گے۔ تو دیکھا؟ تو یہ امام کِسَائِی کا اختلاف بیان کرنے کے لیے دُونَ الْحَذْفِ کو لے کر آئے، ورنہ اگر یہ خِلَافًا لِلْكِسَائِيِّ یہاں نہ ہوتا تو یہ دُونَ الْحَذْفِ کا لانا بے کار تھا۔

اسی طرح آگے دیکھ لیجیے متن میں ہے: وَجَازَ خِلَافًا لِلْفَرَّاءِ۔ وَجَازَ اور یہ جائز ہے، کیا جائز ہے؟ یہ فعلِ ثانی کو عمل دینا۔ فعلِ ثانی کو عمل دینا۔ بھئی سوال: فَإِنْ أَعْمَلْتَ الْفِعْلَ الثَّانِيَ متن میں آیا فَإِنْ أَعْمَلْتَ الثَّانِيَ کہ اگر آپ فعلِ ثانی کو عامل بنائیں، تو اسی سے پتا چل گیا کہ اس کو عمل دینا جائز ہے جب ہی تو آپ عامل بنا سکتے ہیں۔ تو دوبارہ جَازَ یہ ثانی کو عامل بنانا جائز ہے، یہ کہنے کی کیا ضرورت؟ تو جواب یہ کہ وہ آگے خِلَافًا لِلْفَرَّاءِ امام فَرَّاء کے اختلاف کو ذکر کرنا چاہتے تھے اس لیے جَازَ کو ذکر کیا، کہ جب آپ فعلِ ثانی کو عامل بنائیں اور پہلا کس کا تقاضا کرے فاعل کا، تو اس میں کیا کریں گے؟ فاعل کی ضمیر لائیں گے، اور یہ جائز ہے یعنی پہلا فاعل کا تقاضا کر رہا ہو اور آپ پھر بھی ثانی کو عامل بنا دیں یہ جائز ہے خِلَافًا لِلْفَرَّاءِ بخلاف امام فَرَّاء کے۔ بات سمجھ میں آ گئی؟ تو یہ دُونَ الْحَذْفِ لانا بھی بے کار تھا اگر آگے خِلَافًا لِلْكِسَائِيِّ نہ ہوتا، اور یہ جَازَ لانا بھی بے کار تھا اگر آگے خِلَافًا لِلْفَرَّاءِ نہ ہوتا بھئی۔

دیکھیے بھئی، کہتے ہیں: دُونَ الْحَذْفِ حذف نہیں کریں گے، لِأَنَّهُ لَا يَجُوزُ حَذْفُ الْفَاعِلِ اس لیے کیونکہ فاعل کو حذف کرنا جائز نہیں ہے، إِلَّا إِذَا سُدَّ شَيْءٌ مَسَدَّهُ مگر یہ کہ کوئی چیز اس کے قائم مقام کر دی جائے۔ إِلَّا إِذَا سُدَّ شَيْءٌ مَسَدَّهُ مگر یہ کہ کوئی چیز اس کے قائم مقام کر دی جائے۔ ادھر دیکھیے، فاعل کو حذف کرنا جائز نہیں مگر یہ کہ کوئی چیز اس کے قائم مقام کر دی جائے۔ کیا معنی؟ اپنے سامنے ایک ذرا جملہ لکھو، فاعل کو ہم حذف کریں گے اور ایک دوسری چیز کو اس کا قائم مقام بنائیں گے بھئی۔ بغیر قائم مقام بنائے آپ فاعل کو حذف نہیں کر سکتے۔ لکھیے بھئی: ضَرَبَ زَيْدٌ عَمْرًا۔ لکھیے بھئی، کیا لکھا؟ ضَرَبَ زَيْدٌ عَمْرًا۔ جی ضَرَبَ فعلِ معروف، زَيْدٌ مرفوع لفظاً اس کا فاعل، اور عَمْرًا منصوب لفظاً مفعول بہ۔ فعل اپنے فاعل

اور مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہوا۔ کیا جملہ ہے؟ ضَرَبَ زَيْدٌ عَمْرًا۔ اب دیکھو اب ہم فاعل کو حذف کریں گے۔ یوں کرو اس کے نیچے لکھو: ضَرَبَ کو بدل دو ضُرِبَ سے۔ ضَرَبَ کو بدل دیا کس سے؟ ضُرِبَ سے۔ اور ضُرِبَ فعلِ مجہول ہے، فعلِ مجہول کے فاعل کو حذف کیا جاتا ہے، لہٰذا زَيْدٌ کو حذف کر دیا۔ اور عَمْرًا جو مفعول تھا اب اس کو اس کا قائم مقام بنا دو، نائب الفاعل بنا دو: تو ضُرِبَ عَمْرٌو۔ ضُرِبَ عَمْرٌو۔ بات سمجھ میں آگئی؟ دیکھو فاعل کو حذف کر لیا گیا اور مفعول کو اس کا قائم مقام بنا دیا گیا۔ یہ ہے کہ لَا يَجُوزُ حَذْفُ الْفَاعِلِ إِلَّا إِذَا سُدَّ شَيْءٌ مَسَدَّهُ، فاعل کو حذف کرنا جائز نہیں مگر یہ کہ کسی اور چیز کو اس کا قائم مقام بنا دیا جائے۔ توجہ ہے؟

دوسری مثال لکھیے: مَا ضَرَبَ إِلَّا أَنَا۔ مَا ضَرَبَ إِلَّا أَنَا۔ یہ اصل میں کیا تھا؟ میں نے ابھی آپ کو بتلایا تھا کہ یہاں مُسْتَثْنٰى مِنْهُ محذوف ہے۔ اصل میں کیا تھا؟ مَا ضَرَبَ أَحَدٌ إِلَّا أَنَا۔ أَحَدٌ تھا فاعل، اور إِلَّا أَنَا یہ أَنَا کیا تھا؟ مُسْتَثْنٰى۔ تو اس أَحَدٌ کو حذف کر دیا اور اس أَنَا کو اس کا قائم مقام کر دیا بھئی۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو لہٰذا فاعل کو حذف کرنا جائز نہیں مگر یہ کہ کسی چیز کو اس کا قائم مقام کر دیا جائے۔

دیکھیے آگے کتاب پر۔ کہتے ہیں: لِأَنَّهُ لَا يَجُوزُ حَذْفُ الْفَاعِلِ إِلَّا إِذَا سُدَّ شَيْءٌ مَسَدَّهُ اس لیے کیونکہ فاعل کو حذف کرنا جائز نہیں مگر یہ کہ کسی چیز کو اس کا قائم مقام کر دیا جائے، خِلَافًا لِلْكِسَائِيِّ بخلاف امام كِسَائِی کے۔ فَإِنَّهُ لَا يُضْمِرُ الْفَاعِلَ اس لیے کیونکہ وہ فاعل کی ضمیر نہیں لاتے، بَلْ يَحْذِفُهُ بلکہ اس کو حذف کرتے ہیں۔ کیوں؟ حذف کیوں کرتے ہیں؟ کہتے ہیں: تَحَرُّزًا عَنِ الْإِضْمَارِ قَبْلَ الذِّكْرِ إِضْمَار قَبْلَ الذِّكْر سے بچنے کے لیے، کیونکہ إِضْمَار قَبْلَ الذِّكْر جائز نہیں۔ جمہور تو کہتے ہیں جائز ہے عُمْدَه میں بِشَرْطِ التَّفْسِير، جبکہ امام كِسَائِی فرماتے ہیں جائز ہی نہیں ہے بھئی۔

تو وَيَظْهَرُ أَثَرُ الْخِلَافِ فِي اور اختلاف کا اثر ظاہر ہوگا نَحْوُ ضَرَبَانِي وَأَكْرَمَنِي الزَّيْدَانِ۔ جی۔ اچھا بھئی امام كِسَائِی کے مذہب کی وضاحت کے لیے بھئی، کچھ مثالیں ہم کر لیتے ہیں تاکہ فرق سمجھ میں آجائے کہ امام كِسَائِی اور جمہور کے مذہب میں کیا فرق ہے۔ تو پہلے تین مثالیں ہم امام كِسَائِی کے مذہب کے مطابق کر لیں گے، اور پھر وہی تین مثالیں ہم جمہور کے مذہب کے مطابق بھی کر لیں گے، اس سے آپ کو فرق سمجھ میں آجائے گا۔ بات کیا چل رہی ہے؟ کہ جب دوسرے فعل کو عامل بنایا جائے اور پہلا فعل فاعل کا تقاضا کرے، تو جمہور کہتے ہیں پہلے فعل کے اندر فاعل کی ضمیر لائیں گے، جبکہ امام كِسَائِی فرماتے ہیں کہ پہلے فعل سے فاعل کو حذف کر دیں گے یعنی فاعل نَسْيًا مَنْسِيًّا ہو جائے گا، یوں ہو جائے گا جیسے یہ والا فعل فاعل چاہتا ہی نہیں۔ بات سمجھ میں آگئی؟

جی اب لکھیے بھئی مثالیں امام كِسَائِی کے مذہب کے مطابق، تین مثالیں لکھیے بھئی۔ لکھیے بھئی۔ اوپر لکھ لیں: امام كِسَائِی کے مذہب کے موافق۔ ایک ایک سطر میں ایک ایک مثال لکھنی ہے بھئی، لکھیے بھئی: ضَرَبَنِي وَأَكْرَمَنِي زَيْدٌ۔

دوسری مثال لکھیے بھئی: ضَرَبَنِي وَأَكْرَمَنِي الزَّيْدَانِ۔ تیسری مثال میں اسمِ ظاہر کو جمع لے آئیں: ضَرَبَنِي وَأَكْرَمَنِي الزَّيْدُونَ۔ تو تین مثالیں ہو گئیں۔ پہلی کیا؟ ضَرَبَنِي وَأَكْرَمَنِي زَيْدٌ۔ دوسری مثال: ضَرَبَنِي وَأَكْرَمَنِي الزَّيْدَانِ۔ تیسری مثال: ضَرَبَنِي وَأَكْرَمَنِي الزَّيْدُونَ۔ یہ مذہب کس کا بیان ہو رہا ہے؟ امام كِسَائِی کا۔ اب عامل کس کو بنایا؟ فعلِ ثانی کو، اور فعلِ اول فاعل کا تقاضا کر رہا ہے۔ توجہ ہے؟ تو امام كِسَائِی فرماتے ہیں کہ جب پہلا فعل فاعل کا تقاضا کر رہا ہو اور آپ ثانی کو عامل بنائیں تو پہلے فعل کے لیے فاعل کو حذف کر دیں گے، یعنی وہ نَسْيًا مَنْسِيًّا ہو جائے گا، یوں ہوگا جیسے وہ فاعل چاہتا ہی نہیں۔ تو یہ تینوں مثالیں اسی طرح رہیں گی۔ دیکھو پہلی مثال کیا: ضَرَبَنِي وَأَكْرَمَنِي زَيْدٌ، یہ زَيْدٌ کو رفع کس نے دیا؟ أَكْرَمَنِي نے۔ تو ضَرَبَنِي کے لیے فاعل حذف کر لیا، تو ضَرَبَنِي اسی طرح رہے گا۔ تو مثال اسی طرح بن گئی: ضَرَبَنِي وَأَكْرَمَنِي زَيْدٌ، اور ضَرَبَنِي کے اندر کوئی ضمیر نہیں ہے۔ دوسری مثال کیا: ضَرَبَنِي وَأَكْرَمَنِي الزَّيْدَانِ، اس الزَّيْدَانِ کو رفع کس نے دیا؟ أَكْرَمَنِي نے، تو ضَرَبَنِي کے لیے فاعل کو حذف کر دیں گے۔ لہٰذا یہ اسی طرح مفرد کا مفرد رہے گا، ضمیر تو لائیں گے نہیں اس کے اندر، ورنہ تو امام كِسَائِی کے نزدیک کیا لازم آئے گا؟ إِضْمَار قَبْلَ الذِّكْر کی خرابی لازم آئے گی۔ تو یہ مثال بھی اسی طرح رہے گی: ضَرَبَنِي وَأَكْرَمَنِي الزَّيْدَانِ۔ تیسری مثال ہے: ضَرَبَنِي وَأَكْرَمَنِي الزَّيْدُونَ، اس میں الزَّيْدُونَ کو رفع کس نے دیا؟ أَكْرَمَنِي نے، اور ضَرَبَنِي اسی طرح رہے گا، اس کے لیے فاعل کو حذف کر لیں گے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو یہ تین مثالیں ہو گئیں امام كِسَائِی کے مذہب کے مطابق۔ کون کون سی؟ ضَرَبَنِي وَأَكْرَمَنِي زَيْدٌ، ضَرَبَنِي وَأَكْرَمَنِي الزَّيْدَانِ، ضَرَبَنِي وَأَكْرَمَنِي الزَّيْدُونَ۔

اب یہی تین مثالیں ہم جمہور کے مذہب کے مطابق بھی کریں گے تاکہ آپ کو فرق سمجھ میں آجائے۔ نیچے اب یہی تین مثالیں دوبارہ لکھیے بھئی۔ پہلے اوپر لکھیں: جمہور کا مذہب، یا یوں کرو بصرہ والوں کا مذہب یوں لکھو۔ بصرہ والوں کا مذہب۔ اب وہی تین مثالیں نیچے لکھیے: ضَرَبَنِي وَأَكْرَمَنِي زَيْدٌ۔ دوسری مثال لکھیے: ضَرَبَنِي وَأَكْرَمَنِي الزَّيْدَانِ۔ تیسری مثال لکھیے: ضَرَبَنِي وَأَكْرَمَنِي الزَّيْدُونَ۔ لکھ لیا؟ اب دیکھو بصرہ والوں کا مذہب۔ عامل کس کو بنایا؟ فعلِ ثانی کو۔ پہلی مثال کیا: ضَرَبَنِي وَأَكْرَمَنِي زَيْدٌ۔ تو زَيْدٌ میں عامل کس کو بنایا، کس نے زَيْدٌ کو رفع دیا؟ أَكْرَمَنِي نے، تو ضَرَبَنِي کے اندر هُوَ ضمیر لے آئیں گے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو ضَرَبَنِي وَأَكْرَمَنِي زَيْدٌ یہ جملہ بن گیا۔ دوسری مثال کیا تھی؟ ضَرَبَنِي وَأَكْرَمَنِي الزَّيْدَانِ بصرہ والوں کے نزدیک۔ تو یہاں الزَّيْدَانِ میں عامل کس کو بنایا؟ أَكْرَمَنِي کو، اور پھر پہلے فعل میں کیا کریں گے؟ فاعل کی ضمیر لائیں گے۔ تو پہلے فعل میں فاعل کی ضمیر لائیں گے اور یہ ضمیر کس کو لوٹے گی؟ اسی الزَّيْدَانِ کو، اور وہ الزَّيْدَانِ تو تثنیہ ہے، تو ہمیں ضَرَبَنِي کے اندر تثنیہ والی ضمیر چاہیے۔ اور ضَرَبَنِي تو مفرد ہے، تو تثنیہ والا فعل لے آؤ۔ ضَرَبَنِي کی جگہ لے آؤ ضَرَبَانِي۔ جی، کیا بن گیا جملہ؟ ضَرَبَانِي وَأَكْرَمَنِي الزَّيْدَانِ۔ یہ ضَرَبَانِي تثنیہ کیوں لائے؟ کیونکہ اس میں جو ضمیر ہے وہ لوٹ رہی ہے الزَّيْدَانِ کی طرف اور الزَّيْدَانِ تثنیہ ہے، اور ضَرَبَانِي اس کے اندر بھی کون سی ضمیر ہے؟ تثنیہ والی۔ اور تیسری مثال کیا: ضَرَبَنِي

وَأَكْرَمَنِي الزَّيْدُونَ، اس میں الزَّيْدُونَ کو رفع کس نے دیا؟ أَكْرَمَنِي نے، تو ضَرَبَنِي کے اندر اب ہمیں فاعل کی ضمیر چاہیے اور یہ ضمیر کس کو لوٹے گی؟ الزَّيْدُونَ کو۔ کس کو؟ الزَّيْدُونَ کو۔ اور الزَّيْدُونَ ہے جمع مذکر، تو ہمیں بھی ضمیر کون سی چاہیے؟ جمع مذکر، اور ضَرَبَنِي کے اندر تو جمع والی ضمیر نہیں، تو پھر اس فعل کو بدل دو، جمع مذکر والا فعل لے آؤ: کیا بن گیا؟ ضَرَبُونِي۔ تو ضَرَبَنِي کی جگہ ضَرَبُونِي کر دیں: ضَرَبُونِي وَأَكْرَمَنِي الزَّيْدُونَ۔

دیکھو بصرہ والوں کے نزدیک تین مثالیں کیا ہوئیں؟ ضَرَبَنِي وَأَكْرَمَنِي زَيْدٌ، ضَرَبَانِي وَأَكْرَمَنِي الزَّيْدَانِ، ضَرَبُونِي وَأَكْرَمَنِي الزَّيْدُونَ۔ فرق سمجھ میں آیا؟ امام کِسَائِی کے نزدیک ضَرَبَنِي اسی طرح رہتا ہے تینوں مثالوں میں، اس میں کوئی تبدیلی نہیں کیونکہ اس کے فاعل کو حذف کر لیا گیا۔ اور جمہور کے نزدیک ضمیریں لائے تو فرق ہو گیا۔ اور دیکھو پہلی مثال جو ہے مفرد والی: جمہور کے نزدیک بھی ضَرَبَنِي وَأَكْرَمَنِي زَيْدٌ ہے، اور امام کِسَائِی کے نزدیک بھی ضَرَبَنِي وَأَكْرَمَنِي زَيْدٌ ہے، تو بظاہر دونوں میں کوئی فرق نہیں، لیکن جس میں اسمِ ظاہر تثنیہ یا جمع ہے اس میں دیکھو دونوں میں فرق ہو رہا ہے۔ امام کِسَائِی کے نزدیک تثنیہ والی مثال کیا؟ ضَرَبَنِي وَأَكْرَمَنِي الزَّيْدَانِ، اور جمہور کے نزدیک یا بصرہ والوں کے نزدیک ضَرَبَانِي وَأَكْرَمَنِي الزَّيْدَانِ۔ اور جب اسمِ ظاہر جمع ہو تو امام کِسَائِی کے نزدیک کیا ہے؟ ضَرَبَنِي وَأَكْرَمَنِي الزَّيْدُونَ، اور بصرہ والوں کے نزدیک ضَرَبُونِي وَأَكْرَمَنِي الزَّيْدُونَ۔ فرق سمجھ میں آگیا؟ معلوم ہوا تثنیہ اور جمع والی مثالوں میں تو فرق ہو رہا ہے، مفرد والی مثال میں فرق نہیں ہو رہا۔ ہاں فرق یہ ہے کہ امام کِسَائِی کے مذہب کے مطابق ضَرَبَنِي وَأَكْرَمَنِي زَيْدٌ اس ضَرَبَنِي کے اندر کوئی ضمیر نہیں، جبکہ بصرہ والوں کے نزدیک ضَرَبَنِي وَأَكْرَمَنِي زَيْدٌ اس ضَرَبَنِي کے اندر هُوَ ضمیر ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟

اب دیکھیے کتاب پر۔ کہتے ہیں: وَيَظْهَرُ أَثَرُ الْخِلَافِ فِي نَحْوِ اور کہتے ہیں اختلاف کا اثر جو ہے وہ ظاہر ہوگا اس جیسی مثالوں میں، جیسے دیکھو: ضَرَبَانِي وَأَكْرَمَنِي الزَّيْدَانِ۔ یہ کس کے مذہب کے مطابق ہے یہ مثال؟ جمہور کہہ لو یا بصرہ والے کہہ لو۔ کن کے نزدیک؟ بصرہ والوں کے نزدیک۔ دیکھو أَكْرَمَنِي کو عامل بنایا الزَّيْدَانِ میں، تو ضَرَبَانِي اس کے اندر ضمیر لے آئے فاعل کی بھئی۔ تو کہتے ہیں: نَحْوُ ضَرَبَانِي وَأَكْرَمَنِي الزَّيْدَانِ عِنْدَ الْبَصْرِيِّينَ بصرہ والوں کے نزدیک، وَضَرَبَنِي وَأَكْرَمَنِي الزَّيْدَانِ عِنْدَ الْكِسَائِيِّ اور امام کِسَائِی کے نزدیک یوں ہوگا ضَرَبَنِي وَأَكْرَمَنِي الزَّيْدَانِ، اس میں ضَرَبَنِي کے اندر ضمیر نہیں ہے۔ فرق سمجھ میں آگیا؟

اچھا بھئی یہاں آیا خِلَافًا لِلْكِسَائِيِّ، یہ ترکیب سمجھ لیں بھئی، خِلَافًا لِلْكِسَائِيِّ، کہ یہ ترکیب میں کیا واقع ہو رہا ہے۔ یاد رکھو یہ خِلَافًا جب کلام میں آئے تو یہ مفعولِ مطلق بنتا ہے، اور اس کا فعل محذوف ہے۔ اس کا فعل محذوف ہے۔ اصل میں تھا خَالَفَ الْكِسَائِيُّ خِلَافًا۔ خَالَفَ الْكِسَائِيُّ، توجہ سے سنو بھئی: خَالَفَ الْكِسَائِيُّ خِلَافًا، اختلاف کیا ہے امام کِسَائِی نے۔ خَالَفَ الْكِسَائِيُّ خِلَافًا ترجمہ کرو۔ ہاں خِلَافًا مفعولِ مطلق کا الگ ترجمہ نہ کرنا، عموماً طلبہ الگ ترجمہ کرتے ہیں: خَالَفَ الْكِسَائِيُّ خِلَافًا امام کِسَائِی نے اختلاف کیا ہے خِلَافًا اختلاف کرنا۔ بھئی یہ الگ مفعولِ مطلق کا ترجمہ نہیں کیا جاتا۔ تو خَالَفَ الْكِسَائِيُّ

خِلَافًا کیا ترجمہ؟ امام کِسَائِی نے اختلاف کیا ہے۔ تو یہ خِلَافًا کیا واقع ہو رہا ہے ترکیب میں؟ یہ مفعولِ مطلق ہے۔ مفعولِ مطلق وہ مصدر جو ماقبل فعل کے معنی میں ہوتا ہے۔ پھر یہاں سے فعل اور فاعل دونوں کو حذف کر لیا گیا: خَالَفَ اور الْكِسَائِيُّ، فعل اور فاعل دونوں کو حذف کر لیا گیا، تو صرف خِلَافًا رہ گیا۔ جب صرف خِلَافًا رہ گیا، اس سے اتنا تو پتا چل رہا ہے کہ اختلاف کیا ہے کسی نے۔ یہ مفعولِ مطلق ہے، فعل خَالَفَ محذوف ہے، لیکن فاعل کا بھی تو پتا نہیں چل رہا۔ توجہ ہے؟ تو خِلَافًا رہ گیا، اب اس سے اتنا تو پتا چل رہا ہے کہ یہاں خَالَفَ کا فعل محذوف ہے، معلوم ہوا کسی نے اختلاف کیا ہے، لیکن کس نے اختلاف کیا فاعل بھی محذوف ہے، اس کا بھی پتا نہیں چل رہا۔ تو چونکہ فاعل کا پتا نہیں چل رہا تھا، تو آگے فاعل کو بیان کیا گیا: لِلْكِسَائِيِّ۔ خِلَافًا لِلْكِسَائِيِّ۔ یہ لام بیان کے لیے ہے، یہ جو لامِ جارہ یہاں لایا گیا کس لیے لایا گیا؟ بیان کے لیے، یہ بیان کر رہا ہے کہ یہ اختلاف کس نے کیا ہے؟ امام کِسَائِی نے۔ اب ترکیب کیا ہوگی؟ خِلَافًا مفعولِ مطلق ہے بھئی، بات سمجھ میں آگئی۔ اور آگے لِلْكِسَائِيِّ ہے: لام جارہ، الْكِسَائِيِّ مجرور، جار مجرور مل کر متعلق ثَابِتٌ سے۔ کس سے؟ ثَابِتٌ سے۔ اور ثَابِتٌ مرفوع لفظاً صیغہ اسمِ فاعل، یہ خبر بنے گا، اور هُوَ مبتدا محذوف ہے: خِلَافًا هُوَ ثَابِتٌ لِلْكِسَائِيِّ۔ یہ اختلاف ثابت ہے کس کے لیے؟ امام کِسَائِی کے لیے۔ تو خِلَافًا لِلْكِسَائِيِّ، یہ لِلْكِسَائِيِّ کو کیا بنایا؟ خبر۔ یہ کس سے متعلق؟ ثَابِتٌ سے۔ ثَابِتٌ مرفوع لفظاً صیغہ اسمِ فاعل۔ مرفوع کیوں؟ کیونکہ خبر ہے، خبر ہے۔ اس کے اندر هُوَ ضمیر مرفوع محلاً اس کا فاعل جو کس کو راجع؟ مبتدا کو، خبر کو کس سے جوڑتے ہیں؟ مبتدا سے۔ تو هُوَ ماقبل میں مبتدا محذوف ہے۔ هُوَ ضمیر کس کو راجع؟ یہ پیچھے خِلَافًا جو ذکر ہے اس کو راجع، کہ یہ خِلَاف یعنی یہ اختلاف کس کے لیے ہے، کس نے کیا ہے؟ امام کِسَائِی نے کیا ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ پھر سنو: خِلَافًا لِلْكِسَائِيِّ، یہ خِلَافًا کیا ہے؟ مفعولِ مطلق ہے فعلِ محذوف کے لیے، اور فعل کو حذف کیا تو ساتھ فاعل کو بھی حذف کر لیا۔ تو اب فاعل کا پتا نہیں چل رہا، تو آگے لام کے ذریعے کیا کیا گیا؟ فاعل کو بیان کیا گیا کہ خِلَافًا لِلْكِسَائِيِّ، یہ اختلاف کس کے لیے ہے، کس نے کیا ہے؟ امام کِسَائِی نے۔ تو خِلَافًا مفعولِ مطلق ہے فعلِ محذوف کے لیے، اور آگے لِلْكِسَائِيِّ یہ خبر ہے اور اس کے لیے مبتدا هُوَ محذوف ہے۔ تو هُوَ مبتدا اور لِلْكِسَائِيِّ اس کی خبر، جار مجرور متعلق ہوں گے ثَابِتٌ سے اور یہ خبر بن جائے گی۔ مبتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ ہو کر یہ صفت کس کی؟ خِلَافًا کی۔ یہ ایسا اختلاف جو ثابت ہے کس کے لیے؟ امام کِسَائِی کے لیے۔ ترکیب سمجھ میں آگئی؟

آگے دیکھیے، کہتے ہیں: وَجَازَ أَيْ إِعْمَالُ الْفِعْلِ الثَّانِي مَعَ اقْتِضَاءِ الْفِعْلِ الْأَوَّلِ اور جائز ہے فعلِ ثانی کو عمل دینا مَعَ اقْتِضَاءِ الْفِعْلِ الْأَوَّلِ الْفَاعِلَ ساتھ اس کے کہ فعلِ اول فاعل کا تقاضا کر رہا ہو۔ فعلِ اول فاعل کا تقاضا کر رہا ہو پھر بھی ثانی فعل کو عمل دینا جائز ہے، جبکہ امام فَرَّاء فرماتے ہیں جائز نہیں ہے۔ تو کہتے ہیں: وَجَازَ أَيْ إِعْمَالُ الْفِعْلِ الثَّانِي مَعَ اقْتِضَاءِ الْفِعْلِ الْأَوَّلِ الْفَاعِلَ اور جائز ہے یعنی فعلِ ثانی کو عمل دینا باوجود اس کے کہ فعلِ اول جو ہے وہ فاعل کا تقاضا کر رہا ہو، خِلَافًا لِلْفَرَّاءِ بخلاف امام فَرَّاء کے۔ فَإِنَّهُ لَا يُجَوِّزُ إِعْمَالَ الْفِعْلِ الثَّانِي اس لیے کیونکہ وہ جائز قرار نہیں دیتے فعلِ ثانی کو عمل دینے

کو عِنْدَ اقْتِضَاءِ الْأَوَّلِ الْفَاعِلَ جب پہلا فعل جو ہے فاعل کا تقاضا کر رہا ہو۔ وہ کیا فرماتے ہیں؟ جب پہلا فعل کس کا تقاضا کر رہا ہو فاعل کا، تو ثانی کو عامل بنانا جائز نہیں۔ کیوں نہیں جائز؟ دلیل میں نے ذکر کر دی تھی: اس لیے کیونکہ اگر آپ ثانی کو عامل بنائیں گے تو پہلے کے لیے یا فاعل کو حذف کریں گے یا اس فاعل کی ضمیر لائیں گے، حذف کرنا بھی فاعل کو جائز نہیں اور إِضْمَار قَبْلَ الذِّكْر بھی جائز نہیں۔ کہتے ہیں: لِأَنَّهُ يَلْزَمُ عَلَى تَقْدِيرِ إِعْمَالِهِ اس لیے کیونکہ لازم آتا ہے اس فعلِ ثانی کو عمل دینے کی تقدیر پر، یعنی فعلِ ثانی کے عمل دینے کو اگر فرض کر لیا جائے تو اس صورت میں لازم آتا ہے، کیا لازم آتا ہے؟ إِمَّا الْإِضْمَارُ قَبْلَ الذِّكْرِ یا تو إِضْمَار ضمیر کا لانا قَبْلَ الذِّكْرِ ذکر سے پہلے ہی، كَمَا هُوَ مَذْهَبُ الْجُمْهُورِ جیسے کس کا مذہب ہے؟ جمہور۔ جمہور کیا کہتے ہیں؟ ضمیر لائیں گے۔ أَوْ حَذْفُ الْفَاعِلِ یا کیا لازم آتا ہے؟ فاعل کا حذف لازم آتا ہے، كَمَا هُوَ مَذْهَبُ الْكِسَائِيِّ جیسے کس کا مذہب ہے؟ امام كِسَائِی کا۔ بَلْ يَجِبُ عِنْدَهُ إِعْمَالُ الْفِعْلِ الْأَوَّلِ بلکہ واجب ہے امام فَرَّاء کے نزدیک فعلِ اول کو عامل بنانا، کہ کس کو عامل بنائیں گے؟ فعلِ اول کو۔

دو مثالیں ذرا لکھیے امام فَرَّاء کے مذہب کی وضاحت ہو جائے۔ لکھیے بھئی: ضَرَبَنِي وَأَكْرَمَنِي الزَّيْدَانِ۔ امام فَرَّاء کا مذہب بیان ہونے لگا ہے بھئی۔ امام فَرَّاء کیا فرماتے ہیں؟ کہ جب پہلا فاعل کا تقاضا کرے تو پہلے ہی کو عامل بنائیں گے، ثانی کو عامل نہیں بنا سکتے، کیونکہ اگر آپ ثانی کو عامل بنائیں گے تو پھر پہلے کے اندر دو خرابیوں میں سے ایک خرابی ضرور لازم آئے گی: یا تو پہلے کے لیے فاعل کو آپ کو حذف ماننا پڑے گا، یا پہلے کے لیے فاعل کی ضمیر لانا پڑے گی، اور حَذْفِ فَاعِل بھی جائز نہیں اور إِضْمَار قَبْلَ الذِّكْر بھی جائز نہیں ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ لہٰذا ضَرَبَنِي وَأَكْرَمَنِي الزَّيْدَانِ، پہلا فعل کس کا تقاضا کر رہا ہے؟ فاعل کا، لہٰذا پہلے ہی کو عامل بنائیں گے۔ اس ضَرَبَنِي نے عمل کیا اور اس نے الزَّيْدَانِ کو رفع دے دیا۔ جب اس نے رفع دے دیا، اب دوسرے فعل میں کیا کریں گے؟ فاعل کی ضمیر لائیں گے۔ توجہ ہے؟ جی فاعل کی ضمیر لائیے بھئی۔ وہ اسمِ ظاہر کیا ہے؟ تثنیہ، تو فاعل کی ضمیر بھی ہمیں تثنیہ والی چاہیے، تو أَكْرَمَنِي کو کس سے بدل دو؟ أَكْرَمَانِي۔ جی۔ أَكْرَمَانِي۔ تو أَكْرَمَنِي کو کاٹ کر أَكْرَمَانِي کر دیں۔ تو مثال کیا بن گئی: ضَرَبَنِي وَأَكْرَمَانِي الزَّيْدَانِ۔ توجہ ہے؟ امام فَرَّاء فرماتے ہیں: اس صورت میں اب ہم خرابی سے بچ گئے۔ کس طرح؟ عامل کس کو بنایا؟ ضَرَبَنِي کو، اور أَكْرَمَانِي اس کے اندر کیا لے آئے؟ ضمیر۔ اس پر اشکال ہوتا ہے کہ یہ تو ابھی بھی إِضْمَار قَبْلَ الذِّكْر ہے، آپ نے تو ہمیں کہا تھا کہ اگر پہلے کو عامل نہیں بناؤ گے تو یا تو حذف لازم آئے گا یا إِضْمَار قَبْلَ الذِّكْر، اور دونوں جائز نہیں۔ اور یہاں بھی تو إِضْمَار قَبْلَ الذِّكْر لازم آرہا ہے: أَكْرَمَانِي اس کے اندر ضمیر ہے اور الزَّيْدَانِ آگے آرہا ہے، تو ضمیر پہلے اور مرجع بعد میں، تو یہ تو إِضْمَار قَبْلَ الذِّكْر ہے۔ تو یاد رکھیے کہ یہاں یہ الزَّيْدَانِ کو رفع کس نے دیا؟ ضَرَبَنِي نے۔ تو یہ الزَّيْدَانِ دیکھنے میں تو أَكْرَمَانِي کے بعد ہے، لیکن رتبے کے اعتبار سے یہ أَكْرَمَانِي سے پہلے ہے۔ کیونکہ اس الزَّيْدَانِ کا تعلق کس سے ہو چکا؟ ضَرَبَنِي سے۔ تو ضَرَبَنِي کے

فوراً بعد الزَّيْدَانِ کا رتبہ ہے۔ تو گویا اصل یوں ہے: ضَرَبَنِي الزَّيْدَانِ وَأَكْرَمَانِي۔ تو الزَّيْدَانِ دیکھنے میں تو أَكْرَمَانِي کے بعد، لیکن رتبے کے اعتبار سے أَكْرَمَانِي سے پہلے ہے۔ تو اب أَكْرَمَانِي کی ضمیر کس کو راجع؟ الزَّيْدَانِ کو۔ اور الزَّيْدَانِ لفظوں میں تو مؤخر ہے لیکن رتبے میں وہ أَكْرَمَانِي سے مقدم ہے، تو یہ إِضْمَار قَبْلَ الذِّكْر لَفْظًا تو لازم آ رہا ہے رُتْبَةً نہیں، اور یہ تو سب کے نزدیک جائز ہے۔ إِضْمَار قَبْلَ الذِّكْر لَفْظًا بھی ہو رُتْبَةً بھی ہو تو جائز نہیں ہوتا، لیکن اگر صرف لَفْظًا ہو تو جائز ہوتا ہے۔ تو دیکھو پہلے کو عامل بنایا تو حذف سے بھی بچ گئے اور إِضْمَار قَبْلَ الذِّكْر سے بھی بچ گئے بھئی۔ بات سمجھ میں آ گئی؟

یہ تو وہ صورت تھی کہ پہلا فاعل کا تقاضا کر رہا تھا اور دوسرا بھی فاعل کا تقاضا کر رہا تھا، تو پہلے کو عامل بنایا امام فَرَّاء کے نزدیک اور دوسرے میں ضمیر لے آئے۔ اب دوسری مثال لکھیں: ضَرَبَنِي وَأَكْرَمْتُ الزَّيْدَانِ۔ ضَرَبَنِي وَأَكْرَمْتُ الزَّيْدَانِ۔ پہلا فعل کس کا تقاضا کر رہا ہے؟ فاعل، تو امام فَرَّاء فرماتے ہیں پہلے ہی کو عامل بنائیں گے۔ تو ضَرَبَنِي کو آپ نے عامل بنایا، اس نے الزَّيْدَانِ کو رفع دے دیا۔ توجہ ہے؟ اور دوسرا فعل کس کا تقاضا کر رہا ہے؟ مفعول کا تقاضا کر رہا ہے۔ توجہ ہے؟ تو مفعول کا تقاضا کر رہا ہے، اور اس صورت میں، اس صورت میں آپ مفعول کی ضمیر بھی لا سکتے ہیں اور اس کو حذف بھی کر سکتے ہیں کیونکہ مفعول فَضْلَہ ہے اور فَضْلَہ کو حذف کرنا جائز ہے۔ تو أَكْرَمْتُ کے، ایک صورت یہ ہے أَكْرَمْتُ کے مفعول کو حذف کر لیں؛ دوسری صورت یہ ہے کہ اس کے ساتھ مفعول کی ضمیر لے آئیں، اور وہ ضمیر کس کو راجع؟ الزَّيْدَانِ کو۔ تو هُمَا ضمیر جوڑ دیں گے أَكْرَمْتُ کے ساتھ، تو کیا بن گیا؟ أَكْرَمْتُهُمَا الزَّيْدَانِ۔ اور یہ هُمَا ضمیر کس کو راجع؟ الزَّيْدَانِ کو، تو ضمیر پہلے آ گئی اور مرجع بعد میں۔ لیکن زَيْد لفظوں میں مؤخر ہے، رتبے کے اعتبار سے یہ أَكْرَمْتُهُمَا سے مقدم ہے۔ توجہ ہے؟ تو جب پہلا فعل کس کا تقاضا کرے فاعل کا، تو پہلے ہی کو عامل بنائیں گے، اور دوسرا مفعول کا تقاضا کر رہا ہو تو اس میں دو صورتیں جائز ہیں: آپ چاہیں مفعول کو حذف کر دیں، آپ چاہیں مفعول کی ضمیر لے آئیں۔ اور ضمیر بھی لے آؤ گے مفعول کی تو بھی إِضْمَار قَبْلَ الذِّكْر کی خرابی لازم نہیں آئے گی۔ اور نیز ضمیر کا لانا بہتر ہے آپ کو آگے چل کر بتائیں گے، کیونکہ اگر آپ صرف یوں کہیں ضَرَبَنِي وَأَكْرَمْتُ الزَّيْدَانِ، ضمیر کو حذف کر لیا، تو اب پتا ہی نہیں چل رہا کہ أَكْرَمْتُ کا مفعول کیا چیز ہے، کون ہے، پتا نہیں یہی الزَّيْدَانِ مفعول ہے یا کوئی اور ہے۔ توجہ ہے؟ اس کا پتا ہی نہیں چل رہا۔ لیکن جب آپ هُمَا ضمیر لے آئے، اب پتا چل گیا کہ أَكْرَمْتُهُمَا کی هُمَا ضمیر کس کو راجع؟ الزَّيْدَانِ کو، معلوم ہوا یہی مفعول بھی ہے۔ یہی، تو مفعول کو حذف کرنا بھی جائز اور مفعول کی ضمیر لانا بھی جائز، لیکن ضمیر لانا بہتر ہے تاکہ پتا چل جائے کہ یہی اسمِ ظاہر مفعول بھی ہے، اسی کو ضمیر راجع ہے، مفعول کوئی اور نہیں ہے۔ ورنہ اگر آپ حذف کر دیں گے پھر تو پتا ہی نہیں چلے گا کہ مفعول یہی ہے یا کوئی اور ہے مفعول بھئی۔ توجہ ہے؟ ضَرَبَنِي وَأَكْرَمْتُ الزَّيْدَانِ معلوم ہوا پٹائی تو وہ جو دو زَيْد ہیں انہوں نے کی ہے، لیکن اکرام میں نے کن کا کیا ہے یہ پتا ہی نہیں۔ لیکن اگر هُمَا ضمیر ساتھ آ جائے گی تو پتا لگے گا کہ اکرام بھی انہی دو کا کیا ہے۔ بات سمجھ میں آ گئی؟ تو جب آپ پہلے کو عامل بنائیں اور ثانی مفعول کا تقاضا کر رہا ہو تو مفعول کو حذف کرنا بھی

جائز اور اس کی ضمیر لانا بھی جائز، لیکن ضمیر لانا بہتر ہے تاکہ پتا چل جائے کہ مفعول کون ہے، کس کو ضمیر راجع ہے۔ یہاں تک بات سمجھ میں آگئی؟

اب دیکھیے بھئی کتاب پر۔ تو کہتے ہیں، کہتے ہیں: بَلْ يَجِبُ عِنْدَهُ إِعْمَالُ الْفِعْلِ الْأَوَّلِ بلکہ امام فَرَّاء کے نزدیک پہلے فعل کو عامل بنانا واجب ہے۔ فَإِنِ اقْتَضَى الثَّانِي الْفَاعِلَ اگر دوسرا فعل فاعل کا تقاضا کر رہا ہو، أَضْمَرْتَهُ تو پھر آپ اس میں فاعل کی ضمیر لے آئیں گے۔ وَإِنِ اقْتَضَى الْمَفْعُولَ اور اگر دوسرا فعل مفعول کا تقاضا کر رہا ہو، حَذَفْتَهُ أَوْ أَضْمَرْتَهُ تو آپ دوسرے فعل کے لیے مفعول کو حذف کر دیں گے یا اس کی ضمیر لے آئیں گے، دونوں صورتیں جو بھی اختیار کر لیں۔ تَقُولُ مثلاً آپ کہتے ہیں: ضَرَبَنِي وَأَكْرَمَانِي الزَّيْدَانِ۔ دیکھو الزَّيْدَانِ کو رفع کس نے دیا؟ ضَرَبَنِي نے، تو أَكْرَمَانِي میں کیا لے آئے فاعل کی ضمیر لے آئے۔ وَلَا يَلْزَمُ حِينَئِذٍ مَحْذُورٌ اور اس صورت میں کوئی ممنوع چیز بھی لازم نہیں آتی۔ مَحْذُور کا معنی ممنوع ہے۔ بھئی امام فَرَّاء کی بات چل رہی ہے، وہ فرماتے ہیں: اگر پہلا فعل فاعل کا تقاضا کر رہا ہو تو ثانی کو عامل نہیں بنا سکتے؛ اگر آپ نے ثانی کو عامل بنایا تو پہلے فعل کے لیے یا تو فاعل کو حذف کرو گے یا ضمیر لاؤ گے، اور یہ دونوں جائز نہیں، حذف بھی جائز نہیں اور إِضْمَار قَبْلَ الذِّكْر بھی جائز نہیں۔ لیکن اگر آپ کیا کر دیں پہلے کو عامل بنا دیں تو پھر کوئی خرابی لازم نہیں آتی جیسے ابھی میں نے دو مثالیں کروا دیں، نہ اس میں حذف کی خرابی ہے اور نہ إِضْمَار قَبْلَ الذِّكْر، کیونکہ اگر آپ ضمیر بھی لاتے ہیں تو وہ إِضْمَار قَبْلَ الذِّكْر صرف لَفْظًا ہے رُتْبَةً نہیں ہے، اور وہ جائز ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو یہ معنی ہے وَلَا يَلْزَمُ حِينَئِذٍ مَحْذُورٌ اور اس وقت کوئی ممنوع چیز بھی لازم نہیں آتی یعنی جس وقت آپ پہلے کو عامل بنا دیں گے۔

وَقِيلَ اور کہا گیا ہے، یہ تو امام فَرَّاء کا ایک مذہب بیان ہوا پہلا جو متن میں آیا۔ امام فَرَّاء کیا فرماتے ہیں؟ جب پہلا فاعل کا تقاضا کرے تو پہلے ہی کو عامل بنائیں گے، ثانی کو عامل بنا ہی نہیں سکتے۔ صاحبِ جامی آپ کو بتلائیں گے کہ یہ جو متن میں امام فَرَّاء کا مذہب ذکر ہوا ہے، یہ مذہب ان کا مشہور نہیں۔ یہ مذہب ان کا مشہور نہیں، ان سے اور بھی دو روایتیں آئی ہیں امام فَرَّاء سے۔ ایک روایت امام فَرَّاء کی یہ ہے، ایک روایت یہ ہے کہ جب پہلا فاعل کا تقاضا کرے تو دونوں فعلوں کو شریک بنا دو عمل کے اندر۔ دونوں فعلوں کو شریک بنا دو: ضَرَبَنِي وَأَكْرَمَنِي زَيْدٌ، ضَرَبَنِي بھی فاعل چاہتا ہے أَكْرَمَنِي بھی فاعل چاہتا ہے، دونوں فعلوں کو کیا کر دو شریک کر دو، دونوں رفع دے رہے ہیں کس کو زَيْدٌ کو۔ ایک روایت ان سے یہ بھی ہے۔ اور ایک روایت ان سے یہ ہے کہ جب پہلا فاعل کا تقاضا کرے اور آپ ثانی کو عامل بنا دیں، تو پھر پہلے کے لیے اس اسمِ ظاہر کے بعد دوبارہ ضمیر لے آؤ بھئی۔ کیا لے آؤ؟ یہ مثالیں کیجیے بھئی ذرا پھر بات آپ کو سمجھ میں آئے گی۔ لکھیے بھئی: ضَرَبَنِي وَأَكْرَمَنِي زَيْدٌ۔ ضَرَبَنِي وَأَكْرَمَنِي زَيْدٌ۔ امام فَرَّاء سے جو دوسری روایت ہے کہ دونوں کو شریک بنا دو، یہ زَيْدٌ کو ضَرَبَ بھی رفع دے رہا ہے اور أَكْرَمَ بھی رفع دے رہا ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ دوسری روایت ان سے یہ ہے: جب پہلا فاعل کا تقاضا کر رہا ہو اور آپ کس کو عامل بنا دیں دوسرے کو، کس کو دوسرے کو: ضَرَبَنِي وَأَكْرَمَنِي زَيْدٌ، جی زَيْدٌ کو رفع

کس نے دیا؟ أَكْرَمَنِي نے۔ تو پہلے کے لیے ضمیر لے آؤ، لیکن یہ ضمیر لاؤ اس اسمِ ظاہر کے بعد۔ توجہ ہے؟ وہ ضمیر کس کے بعد لاؤ؟ اس اسمِ ظاہر کے بعد لے کر آؤ۔ جی اب أَكْرَمَنِي نے زَيْدٌ کو رفع دے دیا۔ ضَرَبَنِي کے لیے ضمیر لاؤ، زَيْد کے بعد لاؤ، ایسی ضمیر لاؤ جو زَيْد کو لوٹے، اور زَيْد کیا ہے مفرد مذکر، تو ضمیر بھی کون سی لاؤ مفرد مذکر، لہٰذا زَيْد کے بعد لکھ دو هُوَ، هُوَ۔ توجہ ہے؟ کس کو عامل بنایا زَيْد کے اندر؟ أَكْرَمَنِي کو، اور ضَرَبَ کے لیے کیا لے آئے؟ ضمیر لائے، اور کہاں لائے؟ زَيْد کے بعد لائے۔ اب یہ هُوَ ضمیر کس کو راجع؟ زَيْد کو، تو إِضْمَار قَبْلَ الذِّكْر بھی نہیں کیونکہ زَيْد پہلے ہے ضمیر بعد میں ہے، اور یہ هُوَ ضمیر فاعل بن گئی کس کے لیے؟ ضَرَبَنِي کے لیے۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ دیکھو امام فَرَّاء کا مذہب چل رہا ہے اور وہ اختلاف صرف اس صورت میں کرتے ہیں جب پہلا فاعل کا تقاضا کر رہا ہو۔ تو یہاں جو ابھی ہم نے مثال کی پہلا بھی فاعل کا تقاضا کر رہا تھا اور دوسرا بھی۔ اب دوسری مثال لکھو اس میں پہلا فاعل کا تقاضا ہی کرے اور دوسرا مفعول کا تقاضا کرے: ضَرَبَنِي وَأَكْرَمْتُ زَيْدًا۔ ضَرَبَنِي وَأَكْرَمْتُ زَيْدًا۔ لکھ لیا؟ ضَرَبَنِي کس کا تقاضا کر رہا ہے؟ فاعل کا۔ اور أَكْرَمْتُ مفعول کا۔ اب ہم دوسرے کو عامل بناتے ہیں جیسے اوپر والی مثال میں، تو أَكْرَمْتُ نے کیا کیا زَيْد کو نصب دے دیا، تو زَيْدًا اس کو نصب دے دیں۔ یہ زَيْدًا کو نصب کس نے دیا؟ أَكْرَمْتُ نے۔ اور ضَرَبَنِي کیا چاہتا ہے؟ فاعل، تو اس زَيْدًا کے بعد ضمیر لے آؤ جو فاعل بنے ضَرَبَنِي کے لیے، اور زَيْدًا مفرد مذکر ہے تو زَيْدًا کے بعد ضمیر کون سی لے آؤ هُوَ ضمیر، هُوَ۔ تو جملہ کیا بن گیا: ضَرَبَنِي وَأَكْرَمْتُ زَيْدًا هُوَ۔ اب دیکھو إِضْمَار قَبْلَ الذِّكْر کی خرابی بھی لازم نہیں آئی اور فعل کے لیے فاعل بھی آ گیا۔ طریقہ سمجھ میں آگیا؟

اب دیکھیے کتاب پر۔ تو کہتے ہیں: وَقِيلَ رُوِيَ عَنْهُ تَشْرِيكُ الرَّافِعَيْنِ اور کہا گیا ہے کہ روایت کیا گیا ہے امام فَرَّاء سے تَشْرِيكُ الرَّافِعَيْنِ دونوں رفع دینے والوں کو شریک کرنا۔ دونوں رفع دینے والوں کو، یعنی دونوں فعل رفع دینا چاہتے ہیں، یعنی پہلا بھی فاعل کا تقاضا کر رہا ہے اور دوسرا بھی فاعل کا تقاضا کر رہا ہے، تو فاعل مرفوع ہوتا ہے تو دونوں رفع دینے کا ارادہ کر رہے ہیں۔ آگے زَيْد آیا، تو دونوں کو شریک کر دو، دونوں مل کر زَيْد کو رفع دیں گے۔ جمہور کے نزدیک تو یہ جائز نہیں، لیکن امام فَرَّاء کے نزدیک یہ جائز ہے، بھئی امام فَرَّاء اختلاف ہی کس صورت میں کرتے ہیں جب پہلا کس کا تقاضا کر رہا ہو فاعل، تو کہتے ہیں دوسرا بھی اگر فاعل کا تقاضا کر رہا ہو تو دونوں کو رفع دینے میں شریک کر دو، دونوں مل کر زَيْد کو رفع دے رہے ہیں۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو کہتے ہیں: وَقِيلَ رُوِيَ عَنْهُ تَشْرِيكُ الرَّافِعَيْنِ اور کہا گیا ہے کہ امام فَرَّاء سے روایت کیا گیا ہے دونوں رفع دینے والے فعلوں کو شریک کرنے کا، أَوْ إِضْمَارُهُ بَعْدَ الظَّاهِرِ یا یہ کہ ضمیر لائی جائے فاعل کی بَعْدَ الظَّاهِرِ اس اسمِ ظاہر کے بعد، كَمَا فِي صُورَةِ تَأْخِيرِ النَّاصِبِ جیسے کہ اس صورت میں ہے جس میں نصب دینے والا فعل مؤخر ہو۔ كَمَا فِي صُورَةِ تَأْخِيرِ النَّاصِبِ جس میں نصب دینے والا فعل مؤخر ہو۔ میں نے ابھی آپ کو مثالیں لکھوائیں امام فَرَّاء کے مذہب کے مطابق دو۔ پہلی مثال کیا: ضَرَبَنِي وَأَكْرَمَنِي زَيْدٌ هُوَ، اس میں پہلا فعل بھی رافع وہ رفع کا تقاضا کر رہا ہے، دوسرا بھی رافع۔

دوسری مثال میں نے کیا لکھوائی: ضَرَبَنِي وَأَكْرَمْتُ زَيْدًا هُوَ، اس میں دیکھو ناصب فعل جو ہے نصب دینے والا وہ مؤخر ہے، وہ مؤخر۔ تو جیسے اس کے اندر ضَرَبَنِي وَأَكْرَمْتُ زَيْدًا هُوَ اس کے اندر جیسے زَيْدًا کے بعد هُوَ ضمیر نکالتے ہیں جبکہ فعلِ ناصب مؤخر ہے، تو اسی طرح جب دونوں رفع کا تقاضا کر رہے ہوں تو اس صورت میں بھی زَيْد کے بعد کیا کر لیں گے هُوَ ضمیر نکالیں۔ بھئی پہلے تو کیا کہا؟ جب دونوں رفع کا تقاضا کر رہے ہوں تو دونوں کو شریک کر دو، دونوں کو شریک کر دو، دونوں رفع دے دیں گے اس کو۔ دوسری صورت کیا، دوسری صورت کیا کہ جب دونوں رفع کا تقاضا کر رہے ہوں تو اس اسمِ ظاہر کے بعد ضمیر لے آؤ جیسے نصب کی صورت میں بعد میں ضمیر لاتے تھے، تو دونوں جب رفع کا تقاضا کر رہے ہوں تو اس میں بھی بعد میں ضمیر۔ پھر مثالوں پہ غور کرو۔ دوسری مثال کیا: ضَرَبَنِي وَأَكْرَمْتُ زَيْدًا هُوَ، یہ جو مؤخر فعل ہے وہ کس کا تقاضا کر رہا ہے؟ نصب کا۔ بھئی دیکھو پہلا فعل رفع کا تقاضا کر رہا ہے دوسرا نصب کا، دونوں کو تو شریک ہم کر ہی نہیں سکتے، دونوں مل کر زَيْد میں عمل کر ہی نہیں سکتے، کیونکہ ایک وقت میں زَيْد پر رفع آئے گا یا نصب آئے گا۔ تو جیسے نصب والی صورت کے اندر وہ ان سے روایت ہے کہ اس زَيْدًا کے بعد هُوَ ضمیر لے آؤ اور یہ هُوَ ضمیر ضَرَبَنِي کے لیے فاعل بن جائے گی، زَيْدًا کو نصب تو کس نے دیا أَكْرَمْتُ نے۔ توجہ ہے؟ تو جیسے وہ صورت جس میں نصب دینے والا فعل مؤخر ہو، آپ اس کو عامل بنا دیتے ہیں، تو اس صورت میں بھی اس اسمِ ظاہر کے بعد پہلے فعل کے لیے فاعل کی ضمیر لے آتے ہیں: ضَرَبَنِي وَأَكْرَمْتُ زَيْدًا هُوَ۔ تو جیسے اس کے اندر هُوَ ضمیر بعد میں لے آئے، تو جب دونوں رفع کا تقاضا کر رہے ہوں اس وقت دونوں کو شریک نہ کرو، بلکہ اس صورت میں بھی اس اسمِ ظاہر کے بعد ضمیر لے آؤ بھئی۔ ایک صورت تو تھی دونوں کو شریک کر دو، اور ایک کیا ہے دونوں کے بعد ضمیر لے آؤ۔ توجہ ہے؟ تو پہلی مثال کیا بن گئی گویا: ضَرَبَنِي وَأَكْرَمَنِي زَيْدٌ هُوَ۔ ایک صورت تو کیا تھی دونوں شریک کر دو زَيْدٌ کے اندر، دوسری صورت کیا ہے کہ اس زَيْدٌ کے بعد هُوَ ضمیر لے آؤ وہ پہلے فعل کے لیے فاعل بن جائے گی۔

تو کہتے ہیں: أَوْ إِضْمَارُهُ بَعْدَ الظَّاهِرِ یا اس فاعل کی ضمیر لے آئیں اس اسمِ ظاہر کے بعد، كَمَا فِي صُورَةِ تَأْخِيرِ النَّاصِبِ جیسے کہ اس نصب دینے والے فعل کو مؤخر کرنے کی صورت میں تھا۔ تَقُولُ آپ کہتے ہیں: ضَرَبَنِي وَأَكْرَمَنِي زَيْدٌ هُوَ، وَضَرَبَنِي وَأَكْرَمْتُ زَيْدًا هُوَ۔ دیکھو وہی دو مثالیں جو میں نے لکھوائیں بھئی۔ وَرِوَايَةُ الْمَتْنِ غَيْرُ مَشْهُورَةٍ عَنْهُ اور متن والی جو روایت ہے وہ امام فَرَّاء سے مشہور نہیں ہے۔ وہ روایت مشہور نہیں ہے، لیکن صاحبِ کافیہ نے اسی کو ذکر کیا، ان کے نزدیک وہ روایت مشہور ہوگی جبکہ عام کتب میں وہ روایت ان کی مشہور نہیں ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟

دوبارہ سنو، دوبارہ سنو بھئی! یہ جو کتاب میں دو مثالیں ہیں ضَرَبَنِي وَأَكْرَمَنِي زَيْدٌ هُوَ اور ضَرَبَنِي وَأَكْرَمْتُ زَيْدًا هُوَ، ذرا ان دو مثالوں پر بھی نظر رکھنا اور پھر ذرا عبارت کو دیکھیں اس پر منطبق کریں، پھر عبارت حل ہو جاتی ہے۔ امام فَرَّاء سے کہتے ہیں دو اور روایتیں بھی ہیں۔ ایک روایت یہ ہے کہ جب دونوں فعل رفع کا تقاضا کر رہے ہوں، تو پھر دونوں کو شریک

کر دو، دونوں اس اسمِ ظاہر کو رفع دینے والے بن جائیں گے۔ جیسے دیکھو یہ پہلی مثال ہے ضَرَبَنِي وَأَكْرَمَنِي زَيْدٌ هُوَ: ضَرَبَنِي چاہتا ہے زَيْدٌ میرے لیے فاعل بنے یہ اس کو رفع دینا چاہتا ہے، أَكْرَمَنِي چاہتا ہے یہ زَيْدٌ میرے لیے فاعل بنے تو یہ بھی اس کو رفع دینا چاہتا ہے۔ تو امام فَرَّاء سے ایک روایت یہ ہے کہ دونوں فعل جو ہے ان کو رفع دینے میں شریک کر دو۔ یہ دونوں فعل رافع ہیں، رفع دینے والے ہیں، تو ان دونوں رافعین کو کیا کر دو؟ شریک کر دو زَيْدٌ کے اندر، دونوں مل کر زَيْد کو رفع دے رہے ہیں۔ اور دوسری روایت یہ ہے کہ جب دونوں فعل رفع کا تقاضا کر رہے ہوں، توجہ سے سنو، جب دونوں فعل رفع کا تقاضا کر رہے ہوں اور آپ ثانی کو عامل بنائیں، تو پھر اس اسمِ ظاہر کے بعد ایک ضمیر لے آئیں جو پہلے فعل کے لیے کیا بن جائے فاعل بن جائے۔ توجہ ہے؟ جیسے اگلی مثال میں ہے دیکھو: ضَرَبَنِي وَأَكْرَمْتُ زَيْدًا هُوَ۔ اب اس میں دیکھو ضَرَبَنِي زَيْد کو رفع دینا چاہتا ہے اور أَكْرَمْتُ زَيْد کو نصب دینا چاہتا ہے۔ تو یہاں پر تو دونوں کو ہم شریک نہیں کر سکتے، کیونکہ زَيْد پر یا رفع آئے گا یا نصب آئے گا، ایک وقت میں ایک ہی چیز ہو سکتی ہے۔ تو اس صورت میں جب آپ نے ثانی کو عامل بنایا اور اس نے زَيْد کو نصب دے دیا، تو پھر ضَرَبَنِي کے لیے زَيْدًا کے بعد کیا لے آئے؟ هُوَ ضمیر لے آئے، اس سے پہلے کے لیے فاعل بھی آگیا اور نیز إِضْمَار قَبْلَ الذِّكْر کی خرابی بھی نہیں آئی۔ تو امام فَرَّاء کی دو روایتیں جو اس صاحبِ جامی نے ذکر کیں اس میں آپ غور کر رہے ہیں؟ کہ اگر دونوں فعل رفع کا تقاضا کر رہے ہوں تو پھر دونوں کو اس میں شریک کر لو؛ یا ایک صورت یہ ہے کہ دوسرے کو عامل بنایا ہے تو پہلے کے لیے اس اسمِ ظاہر کے بعد ضمیر نکالو، جیسے نصب والی صورت میں دونوں کو شریک نہیں کر سکتے تھے اور بعد میں ضمیر نکالتے تھے، اسی طرح اس رفع والی صورت میں بھی کیا کر لو؟ ضمیر۔ جب دونوں رفع کا تقاضا کر رہے ہوں تو ایک صورت کیا دونوں کو شریک کر لو، اور دوسری صورت کیا اگر آپ ثانی کو عامل بناتے ہیں تو پھر اول کے لیے اس اسمِ ظاہر کے بعد کیا لے آؤ؟ ضمیر لے آؤ، جیسے اس صورت میں جب دوسرا نصب کا تقاضا کر رہا تھا ضَرَبَنِي وَأَكْرَمْتُ زَيْدًا، جیسے اس کے اندر آپ نے جب دوسرے کو عامل بنایا تھا تو پہلے کے لیے اس اسمِ ظاہر کے بعد جیسے ضمیر لے آئے تھے، تو جب دونوں رفع کا تقاضا کر رہے ہوں اس صورت میں بھی اس اسمِ ظاہر کے بعد پہلے کے لیے کیا لے آؤ؟ ضمیر لے آؤ۔ بات سمجھ میں آگئی؟ یہ معنی ہے، اب ذرا دوبارہ عبارت دیکھیں: وَقِيلَ رُوِيَ عَنْهُ تَشْرِيكُ الرَّافِعَيْنِ اور کہا گیا ہے کہ امام فَرَّاء سے روایت کیا گیا ہے تَشْرِيكُ الرَّافِعَيْنِ دونوں رفع دینے والوں کو شریک کرنے کا کہ دونوں رفع دینے والوں کو شریک کیا جائے گا۔ یہ کون سی مثال میں ہے؟ یہ جو دو مثالیں نیچے ہیں ضَرَبَنِي وَأَكْرَمَنِي زَيْدٌ هُوَ اور ضَرَبَنِي وَأَكْرَمْتُ زَيْدًا هُوَ، کون سی مثال میں دونوں فعل رافع ہیں؟ ہاں پہلی مثال ضَرَبَنِي وَأَكْرَمَنِي زَيْدٌ، اس میں دونوں رافع ہیں تو اس میں دونوں کو کیا کر لیا جائے؟ شریک کر لیا جائے۔ یا دوسری صورت یہ ہے کہ جب دونوں رفع کا تقاضا کر رہے ہوں اور آپ أَكْرَمَنِي کو زَيْد میں فاعل بنائیں تو ضَرَبَنِي کے لیے زَيْد کے بعد هُوَ ضمیر لے آئیں، جیسے کہ دوسرا فعل جب نصب دیا کرتا تھا تو پہلے کے لیے آپ کیا کرتے ہیں زَيْدًا کے بعد ضمیر لے آتے ہیں۔ عبارت سمجھ میں آرہی ہے؟ تو کہتے ہیں: وَقِيلَ رُوِيَ عَنْهُ تَشْرِيكُ الرَّافِعَيْنِ روایت کیا گیا ہے امام فَرَّاء سے دونوں رفع دینے والوں کو شریک کرنے کا، أَوْ إِضْمَارُهُ بَعْدَ الظَّاهِرِ یا

فاعل کی ضمیر لانے کا بَعْدَ الظَّاهِرِ اس اسمِ ظاہر کے بعد، كَمَا فِي صُورَةِ تَأْخِيرِ النَّاصِبِ جیسے کہ اس صورت میں تھا جس میں نصب دینے والا عامل مؤخر تھا، جیسے ضَرَبَنِي وَأَكْرَمْتُ زَيْدًا هُوَ۔ جیسے اس کے اندر أَكْرَمْتُ نے زَيْد کو نصب دیا تو ضَرَبَنِي کے لیے کیا لے آئے زَيْدًا کے بعد ضمیر لے آئے۔ کیوں لائے ضمیر؟ کیونکہ یہاں دونوں کو شریک کر نہیں سکتے، ایک رافع ہے تو ایک ناصب ہے۔ تو جیسے اس کے اندر جب آپ ثانی کو عامل بناتے ہیں تو پہلے کے لیے زَيْدًا کے بعد کیا لے آتے ہیں ضمیر، تو جب دونوں رفع کا تقاضا کر رہے ہوں تو اس میں ایک صورت تو کیا دونوں کو شریک کرو، دوسری صورت یہ کہ جیسے ناصب کے اندر آپ اس اسمِ ظاہر کے بعد ضمیر لاتے تھے تو اس میں بھی اس کے بعد ضمیر لے آؤ۔ بات سمجھ میں آگئی؟ یہ معنی ہے أَوْ إِضْمَارُهُ بَعْدَ الظَّاهِرِ یا آپ پہلے کے لیے فاعل کی ضمیر لے آؤ اس اسمِ ظاہر کے بعد، كَمَا فِي صُورَةِ تَأْخِيرِ النَّاصِبِ جیسے کہ اس صورت میں تھا جس میں نصب دینے والا فعل مؤخر تھا۔ عبارت حل ہو گئی؟ بات سمجھ میں آگئی؟

تَقُولُ آپ کہتے ہیں: ضَرَبَنِي وَأَكْرَمَنِي زَيْدٌ هُوَ، وَضَرَبَنِي وَأَكْرَمْتُ زَيْدًا هُوَ۔ وَرِوَايَةُ الْمَتْنِ غَيْرُ مَشْهُورَةٍ عَنْهُ اور متن کی روایت امام فَرَّاء سے مشہور نہیں ہے۔ متن والی روایت ان سے مشہور نہیں ہے بھئی، اور روایتیں مشہور ہیں، یہ روایت متن والی مشہور نہیں بھئی۔ چلیے بس بھئی، هَذَا هُوَ الْمَرَامُ، وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْكَلَامِ۔

سبق نمبر ۸۹: التنازع (۴): فعلِ اول میں مفعول کو حذف کرنے اور اضمار قبل الذکر کا حکم

شرحِ ملا جامی صفحہ: ۶۴ — بتاریخ: ۲۶ اکتوبر ۲۰۲۱ء

▪ تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث

آگے سبق دیکھیے بھئی:

وَحَذَفْتَ الْمَفْعُوْلَ تَحَرُّزًا عَنِ التَّكْرَارِ لَوْ ذُكِرَ وَعَنِ الْإِضْمَارِ قَبْلَ الذِّكْرِ فِي الْفَضْلَةِ لَوْ أُضْمِرَ إِنِ اسْتُغْنِيَ عَنْهُ وَإِلَّا أَيْ وَإِنْ لَّمْ يُسْتَغْنَ عَنْهُ أَظْهَرْتَ أَيِ الْمَفْعُوْلَ نَحْوُ حَسِبَنِيْ مُنْطَلِقًا وَحَسِبْتُ زَيْدًا مُنْطَلِقًا لِأَنَّهُ لَا يَجُوْزُ حَذْفُ أَحَدِ مَفْعُوْلَيْ بَابِ حَسِبْتُ۔

بھئی گزشتہ سبق میں تنازعِ فعلین کا مسئلہ چل رہا تھا۔ آپ نے پڑھا کہ تنازعِ فعلین کے مسئلے میں دو اختلاف بڑے ہیں۔ ایک اختلاف ہے امام فراء کا جمہور کے ساتھ۔ امام فراء فرماتے ہیں کہ وہ صورت جس کے اندر پہلا فاعل کا تقاضا کرے تو پہلے ہی کو عامل بنائیں گے، اس لیے کیونکہ اگر آپ نے دوسرے کو عامل بنایا تو پہلے کے لیے یا تو فاعل کو حذف کرنا پڑے گا یا فاعل کی ضمیر لانا پڑے گی اور دونوں ہی جائز نہیں۔ حذفِ فاعل بھی جائز نہیں اور اضمار قبل الذکر بھی جائز نہیں۔

جب کہ امام کسائی فرماتے ہیں کہ اس صورت میں اگر پہلا فاعل کا تقاضا کرے اور آپ دوسرے کو عامل بنائیں تو پھر پہلے کے لیے فاعل کو حذف کر دیں گے۔ یعنی فاعل نَسْيًا مَّنْسِيًّا ہوگا۔ نَسْيًا مَّنْسِيًّا کا معنیٰ بھولا بسرا یعنی بالکل بھلا ہی دیا۔ یعنی یہ فعل فاعل کو گویا چاہتا ہی نہیں ہے، اس کا تقاضا ہی نہیں کر رہا۔ تو پہلے فعل کے لیے اس صورت میں فاعل کو حذف کر دیں گے تاکہ ہم اضمار قبل الذکر کی خرابی سے بچ جائیں۔ تو اضمار قبل الذکر تو نہیں کریں گے البتہ فاعل کو حذف کر دیں گے۔

جب کہ جمہور کہتے ہیں کہ جب پہلا فاعل کا تقاضا کر رہا ہو تو بھی ثانی کو عمل دینا جائز ہے اور اس صورت میں پہلے کے لیے فاعل کو حذف نہیں کریں گے جیسے کہ امام کسائی نے کہا، اس لیے کیونکہ حذفِ فاعل جائز نہیں، ہاں ضمیر لے آئیں گے۔ اور

اس صورت میں کیا خرابی لازم آتی تھی؟ اضمار قبل الذکر کی، تو اس کا جواب بھی جمہور دیتے ہیں کہ اضمار قبل الذکر عمدہ میں جائز ہے بشرطِ تفسیر کہ آگے تفسیر آجائے۔ تو یہاں دیکھو پہلے کے اندر ضمیر لے آئیں گے اور دوسرے فعل کے فوراً بعد وہ اسم آرہا ہے جس کی طرف ضمیر لوٹ رہی ہے، تو وہ مرجع آگے آگیا تو اس ضمیر کی تفسیر آگئی بھئی کہ یہ ضمیر کس کو راجع ہے، اس سے کون مراد ہے۔ تو یہ ہے اضمار قبل الذکر عمدہ میں اور یہ جائز ہے بشرطِ تفسیر بھئی۔

اور پھر اس کے بعد صاحبِ جامی نے آپ کو یہ بھی بتلایا تھا کہ یہ جو امام فراء کا مذہب متن میں ذکر ہوا کہ متن میں کیا مذہب ذکر ہوا کہ پہلا جب فاعل کا تقاضا کرے تو اسی کو عامل بنائیں گے ثانی کو عامل بنا ہی نہیں سکتے، یہ مذہب یہ روایت جو ہے امام فراء سے یہ مشہور نہیں ہے۔ اور فرماتے ہیں کہ امام فراء سے دو اور روایتیں بھی ہیں۔ ایک روایت یہ ہے کہ جب پہلا فعل فاعل کا تقاضا کر رہا ہو تو اگر دوسرا بھی فاعل کا تقاضا کر رہا ہے تو پھر دونوں کو آپس میں شریک کر دو رفع دینے میں۔ ضَرَبَنِيْ وَأَكْرَمَنِيْ زَيْدٌ، اس زَيْدٌ کے اندر ضَرَبَ اور أَكْرَمَ دونوں کو شریک کر لیں گے دونوں اس کو رفع دے رہے ہیں بھئی۔ جب کہ جمہور کے نزدیک یہ جائز نہیں کہ ایک ہی معمول پر دو عامل داخل ہو جائیں۔

اور دوسری روایت امام فراء سے یہ ہے کہ دونوں فعل مثلاً فاعل کا تقاضا کر رہے ہیں اور آپ نے دوسرے کو عامل بنایا ہے تو پہلے فعل کے لیے اس اسمِ ظاہر کے بعد ضمیر لے آؤ وہ فاعل بن جائے گی۔ وہ کیا بن جائے گی؟ اس کے لیے فاعل بن جائے گی جس طرح نصب والی حالت کے اندر بعد میں ضمیر لے آتے ہیں۔ جیسے دیکھو یہ مثالیں تھیں بھئی کل کے سبق کے بالکل آخری سطر میں: ضَرَبَنِيْ وَأَكْرَمَنِيْ زَيْدٌ هُوَ۔ ضَرَبَنِيْ چاہتا ہے یہ زَيْدٌ میرا فاعل بنے، أَكْرَمَنِيْ چاہتا ہے یہ زَيْدٌ میرا فاعل بنے۔ تو ایک روایت تو کیا کہ دونوں کو شریک کر دیا جائے دونوں مل کر زَيْدٌ کو رفع دیں، اور دوسری روایت کیا کہ أَكْرَمَنِيْ کو آپ نے زَيْدٌ میں فاعل بنا دیا تو ضَرَبَنِيْ کے لیے زَيْدٌ کے بعد هُوَ ضمیر لے آؤ۔ یہ هُوَ ضمیر فاعل ہے ضَرَبَنِيْ کے لیے اور نیز یہ ضمیر راجع ہے زَيْدٌ کو۔ تو دیکھو پہلے فعل کے لیے فاعل بھی آگیا اور نیز اضمار قبل الذکر کی خرابی سے بھی ہم بچ گئے کیونکہ اس اسمِ ظاہر کے بعد ضمیر ہم نے نکالی ہے۔

اگلی مثال دیکھیے: وَضَرَبَنِيْ وَأَكْرَمْتُ زَيْدًا هُوَ۔ ضَرَبَنِيْ چاہتا ہے زَيْدًا میرے لیے فاعل بنے اور أَكْرَمْتُ چاہتا ہے زَيْدًا میرے لیے مفعول بنے۔ تو پہلا فاعل کا تقاضا کر رہا ہے تو آپ نے ثانی کو عامل بنایا یعنی أَكْرَمْتُ کو اور اس نے زَيْدًا کو نصب دے دیا۔ اب پہلا فعل فاعل کا تقاضا کر رہا ہے تو اس کے لیے زَيْدًا کے بعد هُوَ ضمیر لے آؤ اور یہ هُوَ ضمیر ضَرَبَنِيْ کے لیے فاعل بن جائے گی اور یہ ضمیر راجع ہے زَيْدٌ کو۔ تو دیکھو پہلے فعل کے لیے فاعل بھی آگیا اور اضمار قبل الذکر کی خرابی سے بھی ہم بچ گئے بھئی۔ صورت سمجھ میں آگئی؟

اب آئیے بھئی آج کے سبق پر۔ کہتے ہیں: وَحَذَفْتَ الْمَفْعُوْلَ تَحَرُّزًا عَنِ التَّكْرَارِ لَوْ ذُكِرَ وَعَنِ الْإِضْمَارِ قَبْلَ الذِّكْرِ فِي الْفَضْلَةِ لَوْ أُضْمِرَ إِنِ اسْتُغْنِيَ عَنْهُ وَإِلَّا أَيْ وَإِنْ لَّمْ يُسْتَغْنَ عَنْهُ أَظْهَرْتَ أَيِ الْمَفْعُوْلَ۔

ادھر دیکھیے۔ بحث چل رہی ہے تنازعِ فعلین کی اور تنازعِ فعلین کے اندر ہم پہلا مذہب کر رہے تھے بصرہ والوں کا۔ بصرہ والوں کے نزدیک پسندیدہ یہ ہے کہ ثانی کو عامل بنایا جائے اور اول اگر فاعل کا تقاضا کر رہا ہے تو اول میں فاعل کی ضمیر لے آئیں گے کیونکہ اضمار قبل الذکر عمدہ میں جائز ہے بشرطِ تفسیر۔ بات سمجھ میں آ رہی ہے؟ کس کا مذہب چل رہا ہے؟ بصرہ والوں کا۔ عامل کس کو بنایا؟ ثانی کو۔ تو اول اگر کس کا تقاضا کر رہا ہے؟ فاعل کا تو اول فعل کے اندر فاعل کی ضمیر لے آئیں گے۔ اور اگر اول مفعول کا تقاضا کر رہا ہے تو پھر مفعول کو حذف کر دیں گے۔ کیا کریں گے؟ مفعول کو حذف کر دیں گے۔ اس لیے کیونکہ یہاں تین احتمال ہی بنتے ہیں۔ تین احتمال: عامل کس کو بنایا؟ ثانی کو، اور پہلا کس کا تقاضا کر رہا ہے؟ مفعول کا۔ تو تین ہی احتمال بنتے ہیں: یا تو اس مفعول کو دوبارہ ذکر کر دو، یا اس کی ضمیر لے آؤ، یا اس کو حذف کر دو۔ توجہ ہے؟

یا اس مفعول کو پہلے فعل کے لیے دوبارہ لے آؤ ذکر کر دو، لیکن دوبارہ ذکر پسندیدہ نہیں اس سے تو تکرار لازم آئے گا اور تکرار بغیر کسی نکتے کے ہو بغیر کسی وجہ کے ہو وہ پسندیدہ نہیں۔ جیسے ضَرَبْتُ وَأَكْرَمْتُ زَيْدًا۔ یہ زَيْدًا کو نصب کس نے دیا؟ أَكْرَمْتُ نے۔ توجہ ہے؟ أَكْرَمْتُ نے نصب دیا اور ضَرَبْتُ بھی کیا چاہتا ہے؟ مفعول چاہتا ہے۔ تو پھر اگر ہم دوبارہ مفعول کو لائیں تو عبارت یوں بن جائے گی: ضَرَبْتُ زَيْدًا وَأَكْرَمْتُ زَيْدًا۔ ضَرَبْتُ زَيْدًا وَأَكْرَمْتُ زَيْدًا، دیکھا اسی مفعول کا تکرار آ گیا، وہ مفعول دو دفعہ آیا۔ تو اس اسم کا تکرار آ گیا اور تکرار پسندیدہ نہیں۔ ضَرَبْتُ زَيْدًا وَأَكْرَمْتُ زَيْدًا۔ بھئی ایک دفعہ ایک اسم کو ذکر کیا جاتا ہے دوبارہ اس کی ضمیر وغیرہ لائی جاتی ہے دوبارہ اس کو ذکر نہیں کیا جاتا۔ تو اگر ذکر کریں گے تو کیا خرابی لازم آئے گی؟ تکرار لازم آئے گا اور تکرار پسندیدہ نہیں۔

کس صورت میں؟ پہلا کس کا تقاضا کر رہا ہے؟ مفعول کا۔ اس کے لیے ہم یا تو مفعول کو دوبارہ لائیں گے تو تکرار لازم آئے گا اور تکرار پسندیدہ نہیں، یا ہم مفعول کی ضمیر لائیں گے لیکن اس صورت میں تو اضمار قبل الذکر کی خرابی لازم آئے گی۔ اضمار قبل الذکر عمدہ میں تو جائز ہے بشرطِ تفسیر لیکن مفعول تو کیا ہے؟ فضلہ ہے اس کے اندر تو اضمار قبل الذکر جائز نہیں۔ تو دیکھو مفعول کو دوبارہ ذکر بھی نہیں کر سکتے، اس کی ضمیر بھی نہیں لا سکتے، تو پھر تیسری صورت یہی رہ گئی کہ مفعول کو کیا کر لیا جائے؟ حذف کر لیا جائے۔ توجہ ہے؟ تو ثانی کو جب آپ عامل بنائیں اور پہلا مفعول کا تقاضا کر رہا ہو تو پھر اس مفعول کو کیا کر لیا جائے گا؟ حذف کر لیا جائے گا۔

لیکن بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ مفعول کو حذف کرنا جائز نہیں ہوتا۔ مفعول کو حذف کرنا جائز نہیں ہوتا۔ اور یہ افعالِ قلوب کے اندر ہوتا ہے۔ کس کے اندر؟ افعالِ قلوب کے اندر ہوتا ہے۔ یاد رکھو افعالِ قلوب کچھ افعال ہیں جن کا تعلق قلب سے ہے دل سے ہے، ظاہر میں کچھ کرنا نہیں پڑتا۔ ان کا تعلق کس سے ہے؟ دل سے ہے اس میں کچھ کرنا نہیں پڑتا، تو ان کو افعالِ قلوب کہتے ہیں اور یہ افعالِ قلوب دو مفعول چاہتے ہیں۔ یاد رکھو عام افعال ایک ہی مفعول چاہتے ہیں لیکن

بعض افعال ہیں وہ دو مفعول چاہتے ہیں۔ اور وہ افعال جو دو مفعول چاہتے ہیں پھر یاد رکھو وہ دو قسم پر ہیں: کچھ کو کہتے ہیں یہ بابِ أَعْطَيْتُ سے ہیں، کچھ کے بارے میں کہتے ہیں یہ بابِ عَلِمْتُ سے ہیں۔

عام افعال کتنے مفعول چاہتے ہیں؟ ایک مفعول چاہتے ہیں۔ لیکن بعض افعال ہیں وہ دو مفعول چاہتے ہیں۔ وہ جو دو مفعول کو چاہنے والے افعال ہیں وہ دو قسم پر ہیں: کچھ کو کیا کہتے ہیں یہ کس قسم کے ہیں؟ یہ بابِ أَعْطَيْتُ سے ہیں۔ اور کچھ کے بارے میں کیا کہتے ہیں؟ یہ بابِ عَلِمْتُ سے ہیں، یعنی یہ افعالِ قلوب میں سے ہیں۔ یاد رکھو بابِ أَعْطَيْتُ بھی دو مفعول چاہتا ہے اور بابِ عَلِمْتُ بھی دو مفعول چاہتا ہے۔ أَعْطَيْتُ زَيْدًا دِرْهَمًا۔ أَعْطَيْتُ کے ساتھ یہ تَاء ضمیر فاعل کی، زَيْدًا مفعولِ اول اور دِرْهَمًا مفعولِ ثانی، میں نے زید کو درہم دیا۔ أَعْطَيْتُ میں نے عطا کیا میں نے دیا، اس کے لیے وہ ذات بھی چاہیے جس کو آپ نے چیز دی ہے اور کیا چیز دی ہے وہ بھی چاہیے تو دو مفعول چاہئیں۔ اور اسی طرح بابِ عَلِمْتُ ہے وہ بھی دو مفعول چاہتا ہے: عَلِمْتُ زَيْدًا عَالِمًا۔ عَلِمْتُ میں نے جان لیا میں نے مان لیا میں نے یقین کر لیا زَيْدًا عَالِمًا کہ زید عالم ہے۔

تو دیکھو یہ بھی دو مفعول چاہتا ہے، لیکن دونوں میں فرق کیا ہے؟ یاد رکھو بابِ أَعْطَيْتُ کے جو دو مفعول ہوتے ہیں ان کی ذات الگ الگ ہوتی ہے۔ بابِ أَعْطَيْتُ کے جو دو مفعول ہوتے ہیں ان کی ذات الگ الگ ہوتی ہے، جب کہ بابِ عَلِمْتُ کے جو دو مفعول ہوتے ہیں ان کی ذات ایک ہوتی ہے۔ تو بابِ أَعْطَيْتُ کے جو دو مفعول ہیں ان کی ذات الگ الگ، جیسے أَعْطَيْتُ زَيْدًا دِرْهَمًا۔ مفعولِ اول کیا؟ زَيْد۔ مفعولِ ثانی کیا؟ دِرْهَم۔ دیکھو دونوں کی ذات الگ ہے، زید اور ہے درہم اور چیز ہیں بھئی، دونوں کی ذات الگ الگ ہے۔ جب کہ بابِ عَلِمْتُ یا افعالِ قلوب کے جو دو مفعول ہیں ان کی ذات ایک ہی ہوتی ہے۔ عَلِمْتُ زَيْدًا عَالِمًا، میں نے زید کے بارے میں یقین کیا کہ وہ عالم ہے۔ تو دیکھو جو زید ہے وہی عالم بھی ہے۔ کس کے بارے میں میں نے یقین کیا عالم ہونے کا؟ زید ہی کے بارے میں یقین کیا تو زید بھی وہی اور عالم بھی وہی ہے۔

فرق سمجھ میں آگیا؟ تو یہ جو بابِ أَعْطَيْتُ ہے اس کے تو ایک مفعول کو حذف کرنا اور ایک کو باقی رکھنا جائز ہے لیکن بابِ عَلِمْتُ میں جائز نہیں ہے کہ ایک مفعول کو آپ حذف کر لیں اور ایک کو باقی رکھیں۔ توجہ ہے؟ عام افعال ایک مفعول چاہتے ہیں لیکن بعض افعال وہ دو مفعول چاہتے ہیں اور وہ پھر دو قسم پر ہیں: کچھ کو کہتے ہیں یہ بابِ أَعْطَيْتُ سے ہیں، کچھ کو کہتے ہیں یہ بابِ عَلِمْتُ سے ہیں اور بابِ عَلِمْتُ یہ افعالِ قلوب بھی کہلاتے ہیں۔ ان میں فرق یہ ہے کہ بابِ أَعْطَيْتُ کے جو دو مفعول ہیں ان کی ذات الگ الگ ہوتی ہے، جب ذات الگ الگ ہے تو ایک کو ذکر کریں ایک کو حذف کر دیں آپ کے لیے جائز ہے۔ لیکن بابِ عَلِمْتُ کے اندر دونوں مفعولوں کی ذات ایک ہوتی ہے، لہٰذا ایک کو حذف کریں اور ایک کو باقی رکھیں یہ جائز نہیں۔ بابِ عَلِمْتُ یعنی افعالِ قلوب کے اندر ایک مفعول کو حذف کریں اور ایک مفعول کو باقی رکھیں یہ جائز نہیں ہے۔

بھئی کیوں نہیں جائز؟ وجہ کیا؟ اس کو اچھی طرح سمجھ لو۔ وجہ یہ: مثلاً میں نے کیا کہا؟ عَلِمْتُ زَيْدًا عَالِمًا۔ میں نے یقین کیا کہ زید عالم ہے۔ اس میں پہلی بات تو یہ یاد رکھو کہ یہ جو دونوں مفعول ہیں یہ دراصل مبتدا خبر تھے۔ کیا تھے؟ عَلِمْتُ زَيْدًا عَالِمًا، پہلے عَلِمْتُ نہیں تھا، صرف زَيْدٌ عَالِمٌ، زَيْدٌ تھا مبتدا اور عَالِمٌ تھی اس کی خبر کہ زید عالم ہے۔ پھر اس پر عَلِمْتُ داخل ہوا، اس نے مبتدا کو اپنا مفعولِ اول بنایا اور خبر کو اپنا مفعولِ ثانی بنایا: عَلِمْتُ زَيْدًا عَالِمًا۔ تو یہ دونوں مفعول آپس میں کس کے درجے میں ہیں؟ مبتدا خبر کے درجے میں ہیں اور مبتدا خبر میں سے ایک کو باقی رکھیں اور ایک کو حذف کر دیا جائے یہ جائز نہیں پھر تو بات کا پتا ہی نہیں چلتا بھئی۔ بات سمجھ میں آگئی؟

تو ایک وجہ یہ۔ دوسری وجہ دوسرے طریقے سے اس کو سمجھو کہ یہاں پر یہ دو مفعول ہیں لیکن حقیقت میں جو مفعول ہے وہ مضمونِ جملہ ہے۔ حقیقت میں یہاں مفعول کیا ہے؟ مضمونِ جملہ ہے۔ مضمونِ جملہ کسے کہتے ہیں؟ دیکھو مضمونِ جملہ کیسے نکالتے ہیں اس کا طریقہ سمجھ لو۔ زَيْدٌ قَائِمٌ۔ زَيْدٌ قَائِمٌ، آپ سے کوئی پوچھے اس جملے کا مضمون کیا ہے؟ تو مضمونِ جملہ نکالنے کا طریقہ یہ ہے کہ جو خبر ہے اس کا مصدر نکالو اور مبتدا کی طرف اس کی اضافت کر دو۔ زَيْدٌ قَائِمٌ،

خبر کیا؟ قَائِمٌ۔ اس قَائِمٌ کا مصدر نکالو: قِيَام۔ اور اس قِيَام کی اضافت کر دو مبتدا کی طرف: قِيَامُ زَيْدٍ۔ تو آپ سے کوئی پوچھے زَيْدٌ قَائِمٌ اس جملے کا مضمون کیا ہے؟ آپ کہیں گے اس جملے کا مضمون قِيَامِ زید ہے۔ اس جملے کا مضمون کیا ہے؟ قِيَامِ زید ہے۔ اس میں کیا بیان ہو رہا ہے؟ قِيَامِ زید بیان ہو رہا ہے۔ زَيْدٌ عَالِمٌ، اس کا مضمونِ جملہ نکالیں۔ خبر کیا؟ عَالِمٌ۔ عَالِمٌ کا مصدر نکالیں: عِلْم۔ عِلْم اس کی اضافت کریں زید مبتدا کی طرف: عِلْمِ زید بھئی، عِلْمُ زَيْدٍ۔ عِلْمُ زَيْدٍ، اس جملے کا مضمون کیا؟ عِلْمُ زَيْدٍ کہہ لیں یا اردو میں کہہ لیں عِلْمِ زید۔ اس جملے کا مضمون عِلْمِ زید ہے یعنی اس میں عِلْمِ زید بیان ہو رہا ہے، اور زَيْدٌ قَائِمٌ میں کیا بیان ہو رہا ہے؟ قِيَامِ زید بیان ہو رہا ہے۔ تو مضمونِ جملہ نکالنے کا کیا طریقہ؟ کہ خبر کا مصدر نکالیں اور اس کی مبتدا کی طرف اضافت کر دیں۔

اچھا یہ تو آسان تھا، اب ذرا مشکل جملہ لائیں اس کا مضمونِ جملہ نکالیں: زَيْدٌ قَائِمٌ فِي الدَّارِ۔ زَيْدٌ قَائِمٌ فِي الدَّارِ۔ ترکیب کیا ہے؟ زَيْدٌ مبتدا، قَائِمٌ مرفوع لفظاً اسمِ فاعل، اور فِي الدَّارِ جار مجرور اسی قَائِمٌ سے متعلق ہے۔ معلوم ہوا زید کا قیام کس جگہ ہے؟ گھر میں ہے۔ تو فِي جارہ، الدَّارِ مجرور، جار مجرور مل کر متعلق کس سے؟ قَائِمٌ سے۔ قَائِمٌ صیغہ اسمِ فاعل، اس کے اندر هُوَ ضمیر مرفوع محلاً اس کا فاعل جو کس کو راجع؟ زید کو راجع۔ اسمِ فاعل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر شبہِ جملہ ہو کر خبر، مبتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔ جی زَيْدٌ قَائِمٌ فِي الدَّارِ، اس کا مضمونِ جملہ نکالیے۔ خبر کیا؟ خبر کیا؟ قَائِمٌ۔ خبر صرف قَائِمٌ نہیں ہے بلکہ قَائِمٌ فِي الدَّارِ ہے، تو آپ صرف قَائِمٌ جو صفت کا صیغہ ہے اس کو مثلاً لے لیا اور اس قَائِمٌ کا مصدر کیا؟ قِيَام۔ اور اس کی اضافت کر دو مبتدا کی طرف: قِيَامُ زَيْدٍ۔ اور باقی جو جار مجرور وغیرہ ہیں ان کو ساتھ ویسے ہی ذکر کر دو۔ اب آپ سے کوئی پوچھے زَيْدٌ قَائِمٌ فِي الدَّارِ کا مضمونِ جملہ کیا؟ آپ کیا کہیں گے؟ کہ اس جملے میں قِيَامُ زَيْدٍ فِي الدَّارِ بیان

ہو رہا ہے، گھر کے اندر زید کا قیام بیان ہو رہا ہے۔ طریقہ سمجھ میں آیا؟

اچھا تیسری صورت ذرا ایک اور جملہ کر لیں: زَيْدٌ فِي الدَّارِ۔ زَيْدٌ فِي الدَّارِ۔ ترکیب کریں: زَيْدٌ مرفوع لفظاً بتدا، فِي جارہ، الدَّارِ مجرور لفظاً، جار مجرور مل کر متعلق کس سے؟ ثَبَتَ یا ثَابِتٌ جو بھی نکال لیں۔ یہ متعلق ہوئے ثَبَتَ سے۔ ثَبَتَ فعل، اس کے اندر هُوَ ضمیر مرفوع محلاً اس کا فاعل جو کس کو راجع؟ زید بتدا کو راجع کیونکہ خبر کو بتدا سے جوڑتے ہیں۔ فعل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر خبر، بتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا: زَيْدٌ فِي الدَّارِ۔ جی مضمونِ جملہ نکالیں۔ آپ کہیں گے بھئی خبر کیا ہے؟ فِي الدَّارِ ہے، اس کا کیا مصدر ہو سکتا ہے؟ بھئی فِي الدَّارِ کو کس سے جوڑا؟ ثَابِتٌ یا ثَبَتَ سے، تو اس ثَبَتَ یا ثَابِتٌ کا مصدر نکال لو اور وہ کیا ہے؟ ثُبُوْت بھئی۔ بات سمجھ میں آگئی؟ اس ثُبُوْت کی، مصدر کی اضافت کر دو بتدا کی طرف: ثُبُوْتُ زَيْدٍ۔ ثُبُوْتُ زَيْدٍ اور جار مجرور کو اسی طرح ساتھ جوڑ دو: ثُبُوْتُ زَيْدٍ فِي الدَّارِ۔ اب آپ سے کوئی پوچھے زَيْدٌ فِي الدَّارِ اس جملے کا مضمون کیا؟ آپ کیا کہیں گے؟ ثُبُوْتُ زَيْدٍ فِي الدَّارِ۔ کیوں کہو یوں کہو اس جملے میں کیا بیان ہو رہا ہے؟ ثُبُوْتُ زَيْدٍ فِي الدَّارِ بیان ہو رہا ہے۔ اردو میں ترجمہ کرو ثُبُوْتُ زَيْدٍ فِي الدَّارِ: زید کا گھر میں ہونا، یہ بیان ہو رہا ہے۔ اس جملے میں زید کا گھر میں ہونا بیان ہو رہا ہے، ثُبُوْتُ زَيْدٍ فِي الدَّارِ۔

طریقہ سمجھ میں آیا مضمونِ جملہ کس طرح نکالتے ہیں؟ اب دیکھیے بھئی، بات چل رہی تھی کہ افعالِ قلوب جو ہیں ان کے ایک مفعول کو حذف کرنا اور ایک کو باقی رکھنا یہ جائز نہیں۔ کیوں؟ کیونکہ یہاں جو مفعول ہوتا ہے وہ دراصل مضمونِ جملہ ہوتا ہے۔ یہ جو دو مفعول ہیں آپس میں کس کے درجے میں ہیں؟ بتدا خبر کے درجے میں ہیں، تو دراصل یہاں مفعول مضمونِ جملہ ہے۔ مثلاً جملہ کیا تھا؟ عَلِمْتُ زَيْدًا قَائِمًا۔ مثلاً قَائِمًا کو لے آئیں: عَلِمْتُ زَيْدًا قَائِمًا۔ تو عَلِمْتُ فعل از افعالِ قلوب، تَاء ضمیر اس کا فاعل اور زَيْدًا مفعولِ اول اور قَائِمًا مفعولِ ثانی۔ لیکن یہاں دیکھنے میں تو زَيْدًا اور قَائِمًا مفعول ہیں لیکن حقیقت میں مفعول کیا ہے عَلِمْتُ کا؟ مضمونِ جملہ۔ مضمونِ جملہ نکالو زَيْدًا قَائِمًا کا: قِيَامُ زَيْدٍ۔ قِيَامُ زَيْدٍ، تو گویا اصل کلام یوں ہے: عَلِمْتُ قِيَامَ زَيْدٍ۔ عَلِمْتُ قِيَامَ زَيْدٍ، دیکھا قِيَامَ یہ منصوب ہے، کیوں منصوب؟ کیونکہ یہ عَلِمْتُ کے لیے مفعول بنا اور زَيْدٍ تو مضاف الیہ ہے۔ میں نے قیامِ زید کو جان لیا۔ تو افعالِ قلوب میں ایک مفعول کو حذف کرنا اور دوسرے کو باقی رکھنا جائز نہیں، کیوں؟ کیونکہ یہاں حقیقت میں جو مفعول ہے وہ مضمونِ جملہ ہے، بات سمجھ میں آگئی؟ تو اگر اس میں سے ایک کو حذف کر دیں گے ایک کو باقی رکھیں گے تو یہ تو گویا آپ نے ایک جز کو ہی کیا کر لیا؟ حذف کر لیا۔

اچھا تو مذہب بیان ہو رہا تھا بصرہ والوں کا۔ بصرہ والے کیا کہتے ہیں؟ کہ اگر ثانی کو عامل بنائیں اور پہلا فاعل کا تقاضا کر رہا ہو تو اس میں فاعل کی ضمیر لے آئیں گے، اور اگر پہلا مفعول کا تقاضا کر رہا ہے تو مفعول کو حذف کر دیں گے۔ یہ اس وقت ہے جب مفعول کو حذف کرنا جائز ہو، اور اگر یہ فعل افعالِ قلوب میں سے ہے اس کے تو مفعول کو حذف کرنا جائز نہیں، پھر کیا کریں گے؟ تو کہتے ہیں پھر اس صورت میں اس مفعول کو دوبارہ لانا پڑے گا۔ کیونکہ ضمیر بھی نہیں لا سکتے کیونکہ

اضمار قبل الذکر فضلہ میں جائز نہیں، اور حذف بھی نہیں کر سکتے کیونکہ افعالِ قلوب کے ایک مفعول کو حذف کرنا جائز نہیں، تو تیسری صورت پھر یہی رہ گئی کہ اس کو دوبارہ ذکر کیا جائے گا۔

اب اپنے سامنے ذرا مثال لکھیے، اس سے یہ مسئلہ آپ کو پوری طرح سمجھ میں آجائے گا بھئی۔ لکھیے بھئی: حَسِبَنِيْ حَسِبَنِيْ، حَسِبَنِيْ کے بعد ایک لفظ کی جگہ خالی چھوڑ دیں اور آگے لکھیں: وَحَسِبْتُ وَحَسِبْتُ زَيْدٌ مُنْطَلِقٌ، زَيْدٌ مُنْطَلِقٌ۔ مُنْطَلِق مِیم نُوْن اور طَاء ہے بھئی طَاء ظَاء اور لَام اور قَاف دو نقطوں والا مُنْطَلِق۔ اِنْطَلَقَ يَنْطَلِقُ اِنْطِلَاق کے معنیٰ ہیں چلنا بھئی چلنا۔ کیا لکھا؟ حَسِبَنِيْ وَحَسِبْتُ زَيْدٌ مُنْطَلِقٌ بھئی، اور حَسِبَنِيْ کے بعد ایک لفظ کی جگہ آپ نے چھوڑ دی۔

اچھا تو دیکھو حَسِبَنِيْ اور حَسِبْتُ یہ جھگڑا کر رہے ہیں زَيْدٌ اور مُنْطَلِقٌ کے بارے میں۔ حَسِبَنِيْ چاہتا ہے میں عامل بنوں اور حَسِبْتُ چاہتا ہے میں عامل بنوں۔ حَسِبَنِيْ یہ افعالِ قلوب میں سے ہے۔ یہ ایک فاعل چاہتا ہے اور دو مفعول چاہتا ہے۔ اس کے ساتھ حَسِبَنِيْ ایک مفعول جڑا ہوا ہے، اور آگے یہ زَيْدًا کو اپنا فاعل بنانا چاہتا ہے اور مُنْطَلِق کو یہ اپنا مفعول بنانا چاہتا ہے۔ توجہ ہے؟ بھئی افعالِ قلوب ہے نا، افعالِ قلوب ایک فاعل چاہتا ہے اور دو مفعول، تو حَسِبَنِيْ کے ساتھ ایک مفعول تو جڑ گیا ساتھ حَسِبَنِيْ یہ يَاء ضمیر ہے۔ تو اس کے لیے فاعل بھی چاہیے اور ایک مفعول بھی چاہیے، تو یہ چاہتا ہے آگے جو زید آرہا ہے اس کو میں اپنے لیے فاعل بناؤں اور جو مُنْطَلِق آرہا ہے اس کو میں اپنے لیے مفعول بناؤں۔ اور اگلا فعل حَسِبْتُ وہ بھی افعالِ قلوب میں سے ہے، وہ بھی ایک فاعل چاہتا ہے اور دو مفعول چاہتا ہے۔ تو اس حَسِبْتُ کے ساتھ یہ جو تَاء ضمیر ہے یہ فاعل کی جڑی ہوئی ہے۔ یہ چاہتا ہے آگے زَيْدًا کو اپنے لیے مفعولِ اول بنائے اور مُنْطَلِق کو اپنے لیے مفعولِ ثانی بنائے۔ اور مذہب کس کا بیان ہو رہا ہے؟ بصرہ والوں کا، تو ثانی کو عامل بنایا تو اس حَسِبْتُ نے زَيْدًا کو نصب دے دیا۔ اس کو اپنے لیے مفعولِ اول بنایا، تو زید کو زَيْدًا کر دیں بھئی۔ یہ نصب کس نے دیا؟ حَسِبْتُ نے۔ اور مُنْطَلِق کو مُنْطَلِقًا کر دیں، اس کو بھی حَسِبْتُ نے نصب دے دیا، اس کو اپنے لیے مفعولِ ثانی بنا لیا۔ تو زَيْدًا یہ حَسِبْتُ کے لیے مفعولِ اول بنا اور مُنْطَلِقًا اس کے لیے مفعولِ ثانی بن گیا۔ بات سمجھ میں آگئی؟

اور پہلا فعل حَسِبَنِيْ کیا چاہتا تھا؟ جی، وہ ایک فاعل چاہتا تھا اور ایک مفعول۔ حَسِبَنِيْ ایک مفعول تو ساتھ جڑا ہوا ہے، ایک یہ فاعل کا تقاضا کر رہا ہے ایک مفعول کا۔ جب ثانی کو عامل بنا دیا تو حَسِبَنِيْ کے اندر پھر فاعل کی تو ضمیر لے آئیں گے کیونکہ اگر ثانی کو آپ عامل بنائیں اور پہلا فاعل کا تقاضا کر رہا ہو تو اس میں کیا کرتے ہیں؟ فاعل کی ضمیر لے آتے ہیں۔ تو حَسِبَنِيْ کے اندر هُوَ ضمیر آگئی۔ اور یہ هُوَ ضمیر کس کو راجع؟ زید کو راجع، کس کو؟ زید کو۔ اور یہ اضمار قبل الذکر ہے لیکن اضمار قبل الذکر عمدہ میں جائز ہے بشرطِ تفسیر، کیونکہ هُوَ ضمیر آئی ابہام پیدا ہوا کہ کس کو راجع ہے، آگے وَحَسِبْتُ زَيْدًا، یہ زَيْدًا نے آکر تفسیر کر دی، یہ مرجع آگیا کہ هُوَ ضمیر کس کو راجع؟ زید کو راجع۔ تو یہ ہے اضمار قبل الذکر بعدَ التفسیر بھئی، اور یہ عمدہ میں جائز ہے۔

اب دیکھو حَسِبَنِيْ کے اندر هُوَ ضمیر فاعل کی آگئی، يَاء ضمیر مفعولِ اول ہے، آگے جو مُنْطَلِقًا آرہا تھا یہ اس کو مفعولِ

ثانی بنانا چاہتا تھا لیکن اس کے اندر عامل کس کو بنایا آپ نے؟ حَسِبْتُ کو عامل بنا دیا۔ اب اس حَسِبَنِيْ کے لیے مفعول چاہیے، مفعولِ ثانی چاہیے۔ تو ایک صورت یہ کہ مفعول کو حذف کر دیں۔ کیا کر دیں؟ حذف کر دیں، لیکن حذف کر نہیں سکتے کیونکہ یہ افعالِ قلوب میں سے ہے، یہ حَسِبَنِيْ کس میں سے ہے؟ افعالِ قلوب میں سے ہے اور اس کے ایک مفعول کو باقی رکھنا اور ایک کو حذف کرنا جائز نہیں۔ دوسری صورت یہ ہے کہ اس کی ضمیر لے آئیں۔ ضمیر لے آئیں جو کس کو راجع ہو؟ اس مُنْطَلِقًا کو راجع ہو۔ لیکن اس صورت میں تو اضمار قبل الذکر کی خرابی لازم آئے گی، ضمیر پہلے آگئی اور مرجع بعد میں ہے، اور یہ کس میں ہے؟ عمدہ میں ہے یا فضلہ میں ہے؟ فضلہ ہے یہ تو مفعول ہے بھئی، مفعول چاہیے نا حَسِبَنِيْ کے لیے۔ مثلاً دیکھو حَسِبَنِيْ کے بعد ہم إِيَّاهُ ضمیر لے آتے ہیں، کیا لے آتے ہیں؟ إِيَّاهُ ضمیر لے آتے ہیں، یہ مفعولِ ثانی ہے حَسِبَنِيْ کے لیے، لیکن یہ تو اضمار قبل الذکر لازم آیا اور کس میں لازم آیا؟ فضلہ کے اندر اور یہ جائز نہیں، معلوم ہوا ضمیر بھی نہیں لا سکتے۔ حذف بھی جائز نہیں کیونکہ یہ افعالِ قلوب میں سے ہے، ضمیر بھی نہیں لا سکتے کیونکہ اضمار قبل الذکر فضلہ میں جائز نہیں، تو آخری صورت یہی رہ گئی کہ اس مُنْطَلِقًا کو دوبارہ لے آئیں بھئی۔ لہٰذا یہ جو حَسِبَنِيْ کے بعد ایک لفظ کی جگہ آپ نے چھوڑی تھی یہاں مُنْطَلِقًا کو لکھ لیں بھئی، مُنْطَلِقًا۔ لکھ لیا؟ یہ مُنْطَلِقًا یہ مفعولِ ثانی ہے حَسِبَنِيْ کے لیے۔ حَسِبَنِيْ کے اندر هُوَ ضمیر فاعل کی ہے، يَاء ضمیر مفعولِ اول ہے اور مُنْطَلِقًا اس کا مفعولِ ثانی ہے بھئی۔ تو جملہ کیا بن گیا؟ حَسِبَنِيْ مُنْطَلِقًا وَحَسِبْتُ زَيْدًا مُنْطَلِقًا۔ زید نے میرے بارے میں گمان کیا کہ یہ چلنے والا ہے یعنی یہ چل رہا ہے اور میں نے زید کے بارے میں گمان کیا کہ وہ چل رہا ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟

تو حاصلِ کلام کیا کہ بصرہ والوں کے مذہب کے مطابق ثانی کو عامل بناتے ہیں، تو پھر اول فاعل کا تقاضا کرے گا یا مفعول کا۔ اگر پہلا فعل فاعل کا تقاضا کرے تو اس میں فاعل کی ضمیر لے آئیں گے اور اگر وہ مفعول کا تقاضا کرے تو مفعول کو حذف کر دیں گے، اور اگر مفعول کو حذف کرنا ممکن نہ ہو یعنی وہ فعل افعالِ قلوب میں سے ہو تو پھر اس مفعول کو دوبارہ لے کر آئیں گے، اس کو حذف بھی نہیں کر سکتے اور اس کی ضمیر لانا بھی جائز نہیں کیونکہ ورنہ تو اضمار قبل الذکر کی خرابی لازم آئے گی فضلہ کے اندر اور وہ جائز نہیں بھئی۔

یہاں تک بات سمجھ میں آگئی؟ دیکھیے بھئی کتاب پر، پہلے متن متن دیکھیے: وَحَذَفْتَ الْمَفْعُوْلَ، اور آپ مفعول کو حذف کر دیں گے، إِنِ اسْتُغْنِيَ عَنْهُ، اگر اس سے بے نیازی حاصل ہو۔ آپ مفعول کو حذف کر دیں گے اگر اس سے بے نیازی حاصل ہو یعنی اس کے بغیر بھی کام چل سکتا ہو تو مفعول کو حذف کر دیں گے، اور اگر اس سے بے نیازی حاصل نہ ہو یعنی اس کو حذف نہیں کر سکتے یعنی وہ فعل افعالِ قلوب میں سے ہے تو پھر آپ کو دوبارہ اس مفعول کو لانا پڑے گا۔ تو کہتے ہیں: وَحَذَفْتَ الْمَفْعُوْلَ، اور آپ مفعول کو حذف کریں گے، إِنِ اسْتُغْنِيَ عَنْهُ، اگر اس مفعول سے بے نیازی حاصل ہو یعنی اس کو حذف کیا جا سکے، وَإِلَّا، اور اگر ایسا نہ ہو یعنی اس سے بے نیازی نہ ہو یعنی اس کو حذف نہ کیا جا سکے، أَظْهَرْتَ، تو آپ کیا

کریں گے؟ اس مفعول کو دوبارہ ظاہر کریں گے یعنی اسمِ ظاہر کی صورت میں لائیں گے۔ حذف بھی جائز نہیں، اضمار قبل الذکر بھی جائز نہیں، تو آخری صورت یہی ہے کہ دوبارہ اسمِ ظاہر کی صورت میں لے آئیں بھئی۔ بات سمجھ میں آگئی؟

جی اب شرح کے ساتھ اس کو دیکھیے۔ کہتے ہیں: وَحَذَفْتَ الْمَفْعُوْلَ، اور آپ مفعول کو حذف کر لیں گے۔ بات کیا چل رہی ہے؟ کہ آپ نے عامل کس کو بنایا؟ ثانی کو، اور پہلا کس کا تقاضا کرے؟ مفعول کا۔ تو مفعول کو کیا کر لو؟ حذف، کیونکہ تین احتمال ہیں تین صورتیں بن

سکتی ہیں: یا مفعول کو دوبارہ لاؤ، یا مفعول کی ضمیر لاؤ، یا مفعول کو کیا کر دو؟ حذف۔ مفعول کو دوبارہ لائیں گے تو تکرار لازم آئے گا، ایک ہی اسم دو بار آرہا ہے اور تکرار بغیر نکتے کے اور بغیر وجہ کے پسندیدہ نہیں۔ اور ضمیر بھی نہیں لا سکتے کیونکہ اضمار قبل الذکر فضلہ میں جائز نہیں۔ تو آخری صورت کیا رہ گئی؟ اس کو کیا کر دیں گے؟ حذف۔ توجہ ہے؟ یہ عام افعال کی بات ہو رہی ہے، افعالِ قلوب کی بات اب آگے کریں گے۔

کہتے ہیں: وَحَذَفْتَ الْمَفْعُوْلَ، اور آپ مفعول کو حذف کر لیں گے، یعنی جب پہلا فعل مفعول کا تقاضا کر رہا ہو، تَحَرُّزًا عَنِ التَّكْرَارِ لَوْ ذُكِرَ، تکرار سے بچنے کے لیے لَوْ ذُكِرَ اگر اس کو ذکر کر دیا جائے۔ اگر مفعول کو ذکر کر دیں گے پھر تو تکرار لازم آئے گا اور تکرار تو پسندیدہ نہیں۔ وَعَنِ الْإِضْمَارِ قَبْلَ الذِّكْرِ، اور اضمار قبل الذکر سے بچنے کے لیے، فِي الْفَضْلَةِ، کس کے اندر؟ فضلہ کے اندر، لَوْ أُضْمِرَ اگر ضمیر لائی جائے۔ اگر ضمیر لائی جائے پھر تو اضمار قبل الذکر فضلہ میں لازم آئے گا اور اس سے تو بچنا ضروری ہے، لہٰذا ضمیر بھی نہیں لا سکتے اور دوبارہ ذکر بھی نہیں کر سکتے ورنہ تو تکرار لازم آئے گا، تو آخری صورت کیا رہ گئی کہ اس کو پھر کیا کر لیں گے؟ حذف کر لیں گے۔

إِنِ اسْتُغْنِيَ عَنْهُ، اگر اس سے بے نیازی حاصل ہو بھئی، یعنی اس کو حذف کیا جا سکے۔ وَإِلَّا، یہ وَإِلَّا بھئی میں نے پہلے بھی کئی دفعہ بتایا ہو گا کہ یہ إِلَّا سے پہلے اگر وَاو آجائے تو یہ اس بات کی علامت ہے کہ یہ إِلَّا استثناء کے لیے نہیں۔ استثناء کے لیے ایک إِلَّا آتا ہے وہ ایک ہی حرف ہے۔ اور یہ جو إِلَّا سے پہلے وَاو آجائے یہ وہ استثناء والا إِلَّا نہیں ہے بلکہ یہ دراصل ہے إِنْ اور لَا: وَإِنْ لَّا۔ تو نُوْن کو بھی لَام کر کے لَام میں ادغام کر دیا گیا تو کیا بن گیا؟ إِلَّا، تو یہ دراصل دو حروف ہیں إِنْ اور لَا۔ اور اصل میں عبارت یوں ہے: وَإِنْ لَّمْ يَكُنْ كَذٰلِكَ، اگر ایسا نہ ہو، وَإِنْ لَّمْ يَكُنْ... پیچھے کیا بتایا؟ کہ آپ مفعول کو حذف کر لیں گے اگر مفعول سے بے نیازی حاصل ہو، اور اگر ایسا نہ ہو یعنی مفعول سے بے نیازی حاصل نہ ہو، أَظْهَرْتَ، پھر کیا کریں گے؟ اس کو دوبارہ اسمِ ظاہر کی صورت میں لائیں گے۔ تو یہ إِلَّا کس سے مرکب ہے؟ إِنْ لَا سے، اور اصل عبارت کیا ہے؟ وَإِنْ لَّمْ يَكُنْ كَذٰلِكَ، اگر ایسا نہ ہو۔ یہ جو ہے نا عبارت وَإِنْ لَّمْ يَكُنْ كَذٰلِكَ، اگر ایسا نہ ہو، یہ ہر جگہ لگ جاتی ہے یہ عبارت۔ لیکن موقعے کے مطابق اسی کے مطابق بھی آپ عبارت بنا سکتے ہیں مثلاً یہاں کیا ہے؟ کہ مفعول کو، ادھر دیکھیے، کہ آپ مفعول

کو حذف کریں گے اگر اس سے بے نیازی حاصل ہو، وَإِلَّا، اور اگر اس سے بے نیازی حاصل نہ ہو تو أَظْهَرْتَ، تو پھر کیا کریں گے؟ دوبارہ اسمِ ظاہر۔ تو آپ چاہیں یوں کہہ لیں وَإِنْ لَّمْ يَكُنْ كَذٰلِكَ اور اگر ایسا نہ ہو تو أَظْهَرْتَ، آپ کیا کریں گے؟ دوبارہ اسمِ ظاہر لائیں گے، اور آپ چاہیں تو وَإِنْ لَّمْ يُسْتَغْنَ عَنْهُ اور اگر اس سے بے نیازی حاصل... بات سمجھ میں آ رہی ہے؟

تو کہتے ہیں: وَإِلَّا أَيْ وَإِنْ لَّمْ يُسْتَغْنَ عَنْهُ، اور اگر اس مفعول سے بے نیازی حاصل نہ ہو یعنی اس کو حذف نہ کیا جا سکے، أَظْهَرْتَ أَيِ الْمَفْعُوْلَ، تو آپ ظاہر کریں گے یعنی مفعول کو، یعنی اس کو اسمِ ظاہر کی صورت میں لائیں گے۔ یہ الْمَفْعُوْلَ نکال کر بتلا دیا کہ أَظْهَرْتَ فعل کا مفعول محذوف ہے اور وہ لفظِ مفعول ہے بھئی: أَظْهَرْتَ الْمَفْعُوْلَ، آپ اس مفعول کو دوبارہ اسمِ ظاہر کی صورت میں لے آئیں گے۔ عبارت سمجھ میں آ گئی؟

یہاں یاد رکھو، یہاں آیا إِنِ اسْتُغْنِيَ عَنْهُ بھئی، ایک قیمتی نحوی نکتہ یاد رکھنا۔ یہاں آیا إِنِ اسْتُغْنِيَ عَنْهُ بھئی، اگر اس سے بے نیازی حاصل ہو۔ اسْتُغْنِيَ فعلِ مجہول آیا۔ اِسْتِغْنَاء تو فعلِ لازم ہے۔ اِسْتِغْنَاء فعلِ لازم ہے اور فعلِ لازم اس کے لیے کیا چاہیے ہوتا ہے؟ صرف فاعل، مفعول نہیں آتا۔ اب اسی سے فعلِ مجہول بنا لیا گیا اسْتُغْنِيَ عَنْهُ۔ اور فعلِ مجہول میں کیا کرتے ہیں؟ مفعول کو نائب فاعل بناتے ہیں، توجہ ہے؟ لیکن اِسْتَغْنٰى کا تو کوئی مفعول ہی نہیں تھا، تو اب کس کو نائب فاعل بنائیں گے؟ کیا ہے نائب فاعل بھئی؟ تو بعض اوقات یاد رکھو، بعض اوقات عبارتوں میں کوئی فعل آتا ہے اور اس کے فاعل یا نائب فاعل کا پتا نہیں چلتا۔ یہاں تو فعلِ مجہول ہے، فعلِ مجہول کے لیے کیا چاہیے؟ نائب الفاعل، اور بعض اوقات فعلِ معروف آتا ہے اور فعلِ معروف کے لیے کیا چاہیے؟ فاعل۔ تو بعض اوقات کوئی فعل عبارت میں آتا ہے، وہ فعلِ معروف ہوتا ہے لیکن پتا نہیں چل رہا ہوتا کہ اس کا فاعل کیا ہے، اور بعض اوقات فعلِ مجہول آتا ہے اور یہ پتا نہیں چلتا کہ اس کا نائب الفاعل کیا ہے۔ تو یاد رکھو اس میں ایک آسان طریقہ یہ ہے کہ فاعل یا نائب فاعل، جو اس فعل کے اندر ضمیر ہوتی ہے اس کو اسی کے مصدر کی طرف لوٹا دیا جاتا ہے۔ کیا کیا جاتا ہے؟ اسی کے مصدر کی طرف لوٹا دیا جاتا ہے، یعنی اسی کا مصدر جو ہے اسی کو فاعل یا نائب فاعل بنا دیتے ہیں۔ یہاں جیسے یہاں ہے اسْتُغْنِيَ عَنْهُ۔ اسْتُغْنِيَ کے اندر هُوَ ضمیر کس کو راجع؟ تو هُوَ ضمیر اسی اسْتُغْنِيَ کا مصدر، اسْتُغْنِيَ کا مصدر کیا؟ اِسْتَغْنٰى يَسْتَغْنِيْ اِسْتِغْنَاءً، تو یہ هُوَ ضمیر اِسْتِغْنَاء کو راجع ہے۔ کس کو؟ اِسْتِغْنَاء کو۔ تو إِنِ اسْتُغْنِيَ هُوَ، یہ هُوَ ضمیر کس کو راجع؟ اِسْتِغْنَاء کو۔ اس کی جگہ ذرا اِسْتِغْنَاء لے آؤ: إِنِ اسْتُغْنِيَ الْاِسْتِغْنَاءُ، إِنِ اسْتُغْنِيَ الْاِسْتِغْنَاءُ۔ توجہ ہے؟ تو ضمیر اسی فعل کے مصدر کو راجع کر دی جاتی ہے۔

پھر اس کا ترجمہ کیسے کریں گے؟ ترجمے کا بھی طریقہ یاد رکھو۔ یاد رکھو پھر اس کا ترجمہ يَقَعُ یا حَصَلَ کے ساتھ کر لیں گے۔ دیکھو ادھر: اسْتُغْنِيَ الْاِسْتِغْنَاءُ أَيْ يَقَعُ الْاِسْتِغْنَاءُ، استغناء واقع ہو جائے، یا حَصَلَ الْاِسْتِغْنَاءُ، استغناء حاصل ہو جائے۔ يَقَعُ یا حَصَلَ کے ساتھ اس کی تفسیر کر دیں۔ پھر سنیں: اسْتُغْنِيَ کے اندر هُوَ ضمیر کس کو راجع؟ اسی کے مصدر اِسْتِغْنَاء کو، تو گویا عبارت کیا بن گئی؟ اسْتُغْنِيَ الْاِسْتِغْنَاءُ۔ پھر اس کا ترجمہ کیسے کریں گے؟ يَقَعُ الْاِسْتِغْنَاءُ، استغناء واقع ہو جائے، یا

حَصَلَ الْاِسْتِغْنَاءُ، استغناء حاصل ہو جائے، عَنْهُ اس مفعول سے۔ اب ترجمہ سنو: إِنِ اسْتُغْنِيَ عَنْهُ، اور اگر يَقَعُ الْاِسْتِغْنَاءُ عَنْهُ، اس مفعول سے استغناء واقع ہو جائے، یا حَصَلَ الْاِسْتِغْنَاءُ عَنْهُ، اور اگر اس مفعول سے استغناء حاصل ہو جائے، بے نیازی حاصل ہو جائے۔ ترجمے کا طریقہ آگیا؟

اسی طرح ایک کتاب تھی سُلَّم بھئی منطق کی جس کو اب تو نصاب سے نکال دیا گیا ہے، اس کے اندر عبارت آتی تھی: وَإِلَّا لَدَارَ أَوْ تَسَلْسَلَ۔ اور اگر ایسا نہ ہو، لَدَارَ، دَارَ دَوْر سے ہے، دَوْر سے ہے، تو دَوْر لازم آئے گا، أَوْ تَسَلْسَلَ یا تَسَلْسُل لازم آئے گا۔ دَوْر اس کو کہتے ہیں کہ ایک چیز موقوف ہو جائے اس چیز پر جو خود اس پر موقوف ہے۔ اس کو دور کہتے ہیں اور اس میں ایک بھی چیز کا پتا نہیں چلتا اور یہ باطل ہے۔ مثلاً کسی نے آپ سے پوچھا زید کا گھر کہاں ہے؟ آپ نے کہا بکر کے گھر کے سامنے۔ پھر پوچھا بکر کا گھر کہاں ہے؟ آپ نے کہا زید کے گھر کے سامنے۔ اب دیکھو اس میں دونوں میں سے ایک کا بھی پتا نہیں چل سکتا۔ زید کے گھر کا تب پتا چلے گا جب آپ کو کس کا پتا چلے؟ بکر کے گھر کا، اور بکر کے گھر کا تب پتا چلے گا جب آپ کو زید کے گھر کا پتا چلے۔ تو زید کے گھر کا جاننا موقوف ہو گیا بکر کے گھر پر اور بکر کے گھر کا جاننا موقوف ہو گیا زید کے گھر پر تو دونوں میں سے ایک کا بھی پتا نہیں چل سکتا بھئی۔ تو اس کو کہتے ہیں دور بھئی، کیا کہتے ہیں؟ اور اس میں ایک بھی چیز کا پتا نہیں چلتا تو دور بھی باطل۔

اسی طرح تسلسل بھی باطل ہے۔ تسلسل بھی... تسلسل کہتے ہیں ایک چیز کے بعد دوسری، دوسری کے بعد تیسری آئے۔ مثلاً دیکھو مناطقہ یونان والے تھے منطقی، اور یہ منطقی اور فلسفی، لیکن یہ بھی واجب الوجود یعنی اللہ تعالیٰ کو مانتے تھے۔ اگرچہ اپنی طرف سے انہوں نے چیزیں اس میں گھڑی ہوئی تھیں کہ واجب الوجود کیسی ذات ہوگی، لیکن مانتے تھے۔ وجہ یہ کہ اگر واجب الوجود کو نہ مانا جائے تو تسلسل لازم آتا ہے اور وہ بھی کہتے تھے تسلسل نہیں ہو سکتا۔ مثلاً کس طرح تسلسل؟ یہ یاد رکھو یہ کائنات کی جتنی چیزیں ہیں یہ سب ممکنات ہیں، کیا ہیں؟ اور ہر ممکن چیز کے لیے کوئی بنانے والا چاہیے۔ ہر ممکن چیز کے لیے کوئی بنانے والا چاہیے۔ تو مثلاً ایک چیز ہے، اگر اس کو بنانے والا بھی ممکن ہے، معلوم ہوا اس کو بھی کس نے بنایا ہے، تو اس کے لیے بھی کوئی بنانے والا چاہیے۔ اگر اس کو بنانے والا بھی کوئی ممکن ہے، معلوم ہوا اس کے لیے بھی کیا چاہیے؟ کوئی بنانے والا۔ اگر اس کو بنانے والا بھی ممکن ہے تو اس کے لیے بھی ایک بنانے والا چاہیے۔ تو یہ سلسلہ چلتا ہی رہے گا کہیں رکے گا ہی نہیں، حالانکہ یہ باطل ہے یہ نہیں ہو سکتا، یہ سلسلہ کہیں رکنا چاہیے۔ تو چنانچہ مجبور ہو کر انہوں نے مان لیا کہ کوئی ایک ذات ہے جس نے ان چیزوں کو بنایا ہے۔ اگر اس ذات کو ہم نہیں مانیں گے تو تسلسل لازم آئے گا: ایک چیز کو بنانے والا دوسری چیز، دوسری چیز کو بنانے والی کوئی تیسری چیز، تیسری چیز کو بنانے والی کوئی چوتھی چیز، یہ سلسلہ چلتا ہی رہے گا کہیں بھی نہیں رکے گا۔ تو دور بھی باطل اور تسلسل بھی باطل۔

تو میں عبارت ذکر کر رہا تھا: وَإِلَّا لَدَارَ أَوْ تَسَلْسَلَ۔ دَارَ فعلِ ماضی ہے، تَسَلْسَلَ یہ بھی فعلِ ماضی ہے۔ اب اس کا فاعل

کیا ہے؟ یہ هُوَ ضمیر کس کو راجع دَارَ کے اندر اور تَسَلْسَلَ کے اندر؟ تو طریقہ میں نے بتا دیا، کچھ پتا نہیں چل رہا کہ هُوَ ضمیر کس کو راجع، تو پھر کیا کرتے ہیں؟ اس کے اندر جو ضمیر ہے انہی کے مصدر کو راجع کریں گے، تو دَارَ کی ضمیر دَوْر کو راجع أَيْ لَدَارَ الدَّوْرُ، اور تَسَلْسَلَ کی ضمیر تَسَلْسُل مصدر کو راجع لَتَسَلْسَلَ التَّسَلْسُلُ۔ عبارت سمجھ میں آگئی؟ وَإِلَّا لَدَارَ الدَّوْرُ أَوْ تَسَلْسَلَ التَّسَلْسُلُ۔ اچھا اب پھر اس کا ترجمہ کیسے کریں گے؟ ترجمے کا طریقہ بھی میں نے بتا دیا، کیا؟ يَقَعُ الدَّوْرُ یا حَصَلَ الدَّوْرُ اور يَقَعُ التَّسَلْسُلُ یا حَصَلَ التَّسَلْسُلُ۔ وَإِلَّا لَدَارَ أَوْ تَسَلْسَلَ، ورنہ وَإِلَّا اور اگر ایسا نہ ہو تو لَدَارَ الدَّوْرُ أَيْ يَقَعُ الدَّوْرُ تو دور واقع ہو گا، أَوْ تَسَلْسَلَ التَّسَلْسُلُ أَيْ يَقَعُ التَّسَلْسُلُ تسلسل واقع ہو گا۔ اگر ایسا نہ ہو تو دور واقع ہو گا یا تسلسل واقع ہو گا۔ طریقہ سمجھ میں آ گیا؟ تو بعض اوقات فعل کے فاعل یا نائب فاعل کا پتا نہیں چلتا تو اس صورت میں اس فعل کی ضمیر کو اسی کے مصدر کی طرف راجع کر دیا جاتا ہے اور اس کا ترجمہ يَقَعُ یا حَصَلَ وغیرہ کے ساتھ کیا جاتا ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟

اب دیکھیے ذرا إِنِ اسْتُغْنِيَ عَنْهُ۔ ایک ترکیب تو یہ کہ اسْتُغْنِيَ کے اندر هُوَ ضمیر کس کو راجع؟ اسی کے مصدر کو أَيْ يَقَعُ الْاِسْتِغْنَاءُ استغناء واقع ہو گا عَنْهُ کس سے؟ کس سے؟ کس کی بات چل رہی ہے؟ مفعول سے، اگر مفعول سے استغناء حاصل ہو تو پھر اس کو کیا کریں گے؟ حذف کریں گے۔ توجہ ہے؟ تو عَنْهُ کی هَا ضمیر کس کو راجع؟ ماقبل میں جو مفعول کا ذکر آیا اس کو راجع۔ یہ تو ایک صورت تھی کہ اسْتُغْنِيَ کی ضمیر کس کو راجع کر دی؟ مصدر کو۔

دوسری صورت یہ ہے، یاد رکھو قیمتی بات، کہ یہ جو جار مجرور فعل کے ساتھ آ جائے اسی کو اس کا نائب فاعل بنا دیا جائے۔ اسی کو، فعلِ مجہول کے اندر هُوَ ضمیر یا تو اسی کے مصدر کو راجع کر دیں یا اگر ساتھ جار مجرور ہے تو اس جار مجرور کو اس کا نائب فاعل بنا دیں۔ وہ ضمیر مصدر کو نہ راجع کریں، اس کے اندر ضمیر نکالیں ہی نہ۔ اسْتُغْنِيَ کے اندر کوئی ضمیر نہیں، بلکہ یہی عَنْهُ یہ جو جار مجرور ہیں یہی اس کا نائب الفاعل ہے۔ یہ فعلِ مجہول ہے نا اس کے لیے کیا چاہیے؟ نائب۔ توجہ ہے؟ تو فعلِ مجہول کے جب نائب الفاعل کا پتا نہ چل رہا ہو تو ایک طریقہ کیا کہ اس کے اندر هُوَ ضمیر جو کس کو لوٹا دیں؟ اسی کے مصدر کو۔ دوسرا طریقہ کیا کہ اس کے ساتھ اگر جار مجرور ہو تو اسی جار مجرور کو اس کا نائب فاعل بنا دیں۔ تو دوسری ترکیب یہ، اب اسْتُغْنِيَ کے اندر کوئی ضمیر نہ نکالیں، اسی عَنْهُ جار مجرور کو اس کا نائب فاعل بنا دیں۔ اور جار مجرور کو کیا کہتے ہیں؟ ظرف، ظرف مجازاً ظرف کہتے ہیں، تو یوں کہیں گے یہ عَنْهُ ظرف جو ہے یا یہ عَنْهُ جار مجرور جو ہے یہ اسْتُغْنِيَ کا نائب الفاعل ہے۔

اب یہ نائب الفاعل ہوتا کیسے ہے؟ جار مجرور کیسے نائب الفاعل بنتا ہے؟ اس کو سمجھ لیں بھئی، قیمتی بات بتلانے لگا ہوں بھئی۔ ہمیشہ یاد رکھو یہ جار مجرور کے نائب فاعل ہونے کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ پہلی بات تو یہ یاد رکھیں کہ یہ جار مجرور اسی سے متعلق ہوتا ہے، جو جار مجرور جس کو نائب الفاعل بنایا جائے وہ اسی فعل سے متعلق ہوتا ہے، تو یہ عَنْهُ جار مجرور ہے اور جار مجرور کے لیے متعلق چاہیے تو اس کا متعلق کیا ہے؟ اسْتُغْنِيَ، یہ اسی سے متعلق ہے۔ اور پھر اس میں یاد رکھیں یہ

عَنْ عَنْ تو حرفِ جر ہے آگے جو هَا ضمیر ہے اصل میں یہ نائب الفاعل ہے، اصل میں یہ نائب الفاعل ہے لیکن سارے کو ہی نائب الفاعل کہہ دیا جاتا ہے۔ کیونکہ عَنْ تو حرف ہے بھئی، کیا ہے؟ تو یوں کہہ دیں یہ جار مجرور اس کا نائب فاعل ہے لیکن معنیٰ کیا ہوتا ہے دراصل؟ کہ وہ جو ضمیر جس کے ساتھ جڑی ہوئی ہے وہ کیا ہے حقیقت میں؟ نائب الفاعل ہے۔ توجہ ہے؟ تو کیسے کہیں گے اسْتُغْنِيَ فعل اور عَنْهُ جار مجرور اس کا نائب الفاعل۔ تو ہر جگہ اسی طرح ہو گا آپ نے پھر پریشان نہیں ہونا کہ جار مجرور کیسے نائب فاعل بنے گا۔ پہلی بات تو یہ یاد رکھنا وہ جار مجرور اسی سے متعلق ہو گا۔ اور دوسری بات یہ یاد رکھنا کہ پورا جار مجرور نائب فاعل نہیں ہے، یہ ویسے مجازاً ایک کلام کیا جاتا ہے، حقیقت میں کیا ہے؟ جو مجرور ہے وہ

حقیقت میں نائب الفاعل ہے، چاہے وہ ضمیر ہو چاہے کوئی اسم وغیرہ ہو، جو بھی مجرور ہو گا حقیقت میں وہ نائب الفاعل ہے۔ توجہ ہے؟

اب اس هَا ضمیر کا اعراب کیا ہے؟ اعراب کیا ہے؟ تو یاد رکھو ضمیر ہے اور ضمیر کس میں سے؟ مبنیات میں سے، اور مبنی کا اعراب کیسے بتاتے ہیں؟ محلاً بتلاتے ہیں، تو عَنْهُ کی یہ جو هَا ضمیر ہے یہ محلاً مجرور ہے کیونکہ عَنْ داخل ہے۔ عَنْ حرفِ جر کیا کرتا ہے؟ جر۔ تو یہ مجرور محلاً ہے، اور یہ اس کا محلِ قریب ہے، اس کا محلِ قریب کیا؟ مجرور۔ محلِ قریب کیا؟ مجرور۔ اور محلِ بعید ہے اس کا یہ مرفوع ہے نائب الفاعل ہے اسْتُغْنِيَ کے لیے۔ بات سمجھ میں آگئی کیا؟ کہ یہ ضمیر ہے اور ضمیر کا اعراب کیسے بتاتے ہیں؟ محلاً۔ تو محلاً اس کا اعراب ایک محلِ قریب ہوا ایک محلِ بعید۔ محلِ قریب کیا؟ مجرور ہے کیونکہ عَنْ جارہ داخل ہے وہ جر دیتا ہے، اور محلِ بعید کیا؟ کہ یہ نائب الفاعل ہے مرفوع ہے، کس کے لیے نائب الفاعل ہے؟ اسْتُغْنِيَ کے لیے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو جہاں کہیں عبارت میں یہ آجائے کہ یہ جار مجرور نائب فاعل ہے تو آپ سمجھ جائیں کہ اصل میں نائب فاعل کون ہے؟ وہ جو ضمیر ساتھ جڑی ہوئی ہے بھئی۔

آگے دیکھیے۔ تو کہتے ہیں آپ مفعول کو حذف کریں گے، إِنِ اسْتُغْنِيَ عَنْهُ، اگر اس مفعول سے بے نیازی حاصل ہو، وَإِلَّا أَيْ وَإِنْ لَمْ يُسْتَغْنَ عَنْهُ، اور اگر اس مفعول سے بے نیازی حاصل نہ ہو یعنی اس کو حذف نہیں کیا جا سکتا، أَظْهَرْتَ أَيِ الْمَفْعُوْلَ، تو آپ ظاہر کریں گے یعنی مفعول کو، یعنی اس کو اسمِ ظاہر کی صورت میں لائیں گے، نَحْوُ مثال کے طور پر: حَسِبَنِيْ مُنْطَلِقًا وَحَسِبْتُ زَيْدًا مُنْطَلِقًا۔ یہ مثال سمجھ میں آگئی؟ لِأَنَّهُ لَا يَجُوْزُ حَذْفُ أَحَدِ مَفْعُوْلَيْ بَابِ حَسِبْتُ، اس لیے کیونکہ جائز نہیں ہے حذف کرنا کس کو؟ أَحَدِ مَفْعُوْلَيْ بَابِ حَسِبْتُ۔ اصل میں تھا أَحَدِ مَفْعُوْلَيْنِ، دو مفعولوں میں سے ایک بھئی، پھر اس نُوْن کو اضافت کی وجہ سے حذف کر دیا تو أَحَدِ مَفْعُوْلَيْ بَابِ حَسِبْتُ، بابِ حَسِبْتُ کے دو مفعولوں میں سے ایک کو، اس کو حذف کرنا جائز نہیں۔ کہتے ہیں: لِأَنَّهُ لَا يَجُوْزُ حَذْفُ أَحَدِ مَفْعُوْلَيْ بَابِ حَسِبْتُ، اس لیے کیونکہ جائز نہیں ہے کہ بابِ حَسِبْتُ کے دو مفعولوں میں سے ایک کو حذف کر لیا جائے، وَلَا يَجُوْزُ إِضْمَارُهُ، اور اس کی ضمیر لانا بھی جائز نہیں۔ کیوں؟ لِئَلَّا يَلْزَمَ الْإِضْمَارُ قَبْلَ الذِّكْرِ فِي الْفَضْلَةِ، تاکہ فضلہ کے

اندر اضمار قبل الذکر لازم نہ آئے۔ یہاں تک بات سمجھ میں آگئی؟ یہ تھی تفصیل بصرہ والوں کے مذہب کی۔ حاصلِ کلام کیا؟ بصرہ والوں کے نزدیک کس کو عامل بنانا اولیٰ؟ ثانی کو۔ پھر پہلا یا مفعول کا تقاضا کرے گا یا فاعل کا۔ اگر پہلا فاعل کا تقاضا کر رہا ہے تو اس میں فاعل کی ضمیر لے آؤ، اور اگر وہ مفعول کا تقاضا کر رہا ہے تو پھر اگر وہ افعالِ قلوب میں سے نہیں ہے تو مفعول کو کیا کر لو؟ حذف کر لو، اور اگر وہ افعالِ قلوب میں سے ہے تو دوبارہ اس مفعول کو اسمِ ظاہر کی صورت میں لانا پڑے گا۔ بات سمجھ میں آگئی؟

وَإِنْ أَعْمَلْتَ الْفِعْلَ الْأَوَّلَ، اور اگر آپ پہلے فعل کو عمل دیں۔ اب کوفہ والوں کا مذہب آگیا۔ کوفہ والوں کے مذہب کی مثالیں لکھ لیجیے بھئی، اس کی بھی ہم مکمل مثالیں کر لیتے ہیں پھر آپ کے لیے عبارت کو سمجھنا آسان ہو گا بھئی۔

بھئی ادھر دیکھیے۔ ہم کوفہ والوں کا مذہب کریں گے۔ اور کوفہ والے کس کو عامل بناتے ہیں؟ پہلے کو۔ کوفہ والے پہلے کو عامل بناتے ہیں۔ اور پھر چار قسم کی مثالیں کریں گے ہم۔ پہلی صورت جس میں دونوں فعل فاعلیت کے بارے میں جھگڑا کریں گے۔ دوسری صورت جس میں دونوں فعل مفعولیت کے بارے میں جھگڑا کریں گے۔ تیسری صورت یہ ہے کہ پہلا فعل فاعلیت کا تقاضا کرے گا اور دوسرا مفعولیت کا۔ اور چوتھی صورت یہ ہے کہ پہلا مفعولیت کا تقاضا کرے گا اور دوسرا فاعلیت کا۔ یہاں تک بات سمجھ میں آگئی؟

جی لکھیے مثال بھئی۔ اوپر لکھ لیں: کوفہ والوں کا مذہب۔

لکھیے بھئی پہلی مثال جس میں دونوں فعل فاعل کا تقاضا کر رہے ہوں:

▪ متنِ کتاب و تحقیقِ مسائلِ نحویہ

ضَرَبَنِيْ وَأَكْرَمَنِيْ زَيْدٌ

ضَرَبَنِيْ وَأَكْرَمَنِيْ زَيْدٌ

دوسری مثال اسی کے نیچے لکھیے:

ضَرَبَنِيْ وَأَكْرَمَنِيْ الزَّيْدَانِ

ضَرَبَنِيْ وَأَكْرَمَنِيْ الزَّيْدَانِ

تیسری مثال لکھیے:

ضَرَبَنِيْ وَأَكْرَمَنِيْ الزَّيْدُوْنَ

▪ متنِ کتاب و تحقیقِ مسائلِ نحویہ

ضَرَبَنِيْ وَأَكْرَمَنِيْ الزَّيْدُوْنَ

دیکھو یہ دونوں فعل فاعل کا تقاضا کر رہے ہیں۔ ضَرَبَنِيْ کے ساتھ يَاء ضمیر مفعول کی ساتھ جڑی ہوئی ہے، اسی طرح أَكْرَمَنِيْ کے ساتھ بھی يَاء ضمیر مفعول کی جڑی ہوئی ہے۔ آگے زید اسمِ ظاہر آرہا ہے۔ اس اسمِ ظاہر میں پھر تین صورتیں ہیں: کبھی وہ مفرد ہوگا، کبھی تثنیہ ہوگا، کبھی جمع ہوگا۔ تو پہلی مثال پر نظر رکھیں: ضَرَبَنِيْ چاہتا ہے یہ زید میرے لیے فاعل بنے میں اس کو رفع دوں، اور أَكْرَمَنِيْ چاہتا ہے کہ یہ زید میرے لیے فاعل بنے میں اس کو رفع دوں۔ مذہب چل رہا ہے کوفہ والوں کا، عامل کس کو بنائیں گے؟ پہلے فعل کو، تو ضَرَبَنِيْ نے زَيْدٌ کو رفع دے دیا، زَيْدٌ پر تنوین ڈال دیں: زَيْدٌ۔ یہ رفع کس نے دیا؟ ضَرَبَنِيْ نے، اور أَكْرَمَنِيْ کے لیے بھی تو فاعل چاہیے، تو پھر اس کے اندر فاعل کی ضمیر لے آئیں گے۔ اور فاعل ہے مفرد مذکر تو أَكْرَمَنِيْ کے اندر بھی کون سی ضمیر ہے؟ هُوَ کی وہ بھی مفرد مذکر ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو پہلی مثال بن گئی: ضَرَبَنِيْ وَأَكْرَمَنِيْ زَيْدٌ۔

دوسری مثال پر آئیے: ضَرَبَنِيْ وَأَكْرَمَنِيْ الزَّيْدَانِ۔ ضَرَبَنِيْ چاہتا ہے الزَّيْدَانِ کو میں رفع دوں، أَكْرَمَنِيْ چاہتا ہے میں رفع دوں۔ کس کو عامل بنایا؟ ضَرَبَنِيْ کو، ضَرَبَنِيْ نے الزَّيْدَانِ کو رفع دے دیا۔ تو اب أَكْرَمَ کے اندر الزَّيْدَانِ کی ضمیر لائیں گے بھئی۔ اور الزَّيْدَانِ کیا ہے؟ مفرد ہے، تثنیہ ہے یا جمع ہے؟ تثنیہ ہے، تو أَكْرَمَنِيْ کے اندر ہمیں تثنیہ کی ضمیر چاہیے۔ تو اس کو تثنیہ کے فعل کے ساتھ بدل دیں، أَكْرَمَنِيْ کی جگہ أَكْرَمَانِيْ، أَلِف بھی لے آئیں۔ اب أَكْرَمَانِيْ، یہ أَلِف ضمیر کس کو راجع؟ الزَّيْدَانِ کو، توجہ ہے؟ الزَّيْدَانِ کو راجع اور نیز اضمار قبل الذکر کی خرابی سے بھی ہم بچ گئے بھئی۔ کس طرح؟ الزَّيْدَانِ کو رفع کس نے دیا؟ ضَرَبَنِيْ نے، تو الزَّيْدَانِ دیکھنے میں یا لفظوں کے اندر تو أَكْرَمَنِيْ سے مؤخر ہے لیکن اس کو رفع ضَرَبَنِيْ نے دیا ہے تو یہ ضَرَبَنِيْ کے فوراً بعد اس کا مرتبہ ہے۔ معلوم ہوا یہ أَكْرَمَنِيْ سے رتبے کے اعتبار سے مقدم ہے۔ توجہ ہے؟ الزَّيْدَانِ لفظوں میں تو أَكْرَمَنِيْ سے مؤخر ہے لیکن رتبے میں اس سے مقدم ہے تو یہ اضمار قبل الذکر صرف لفظاً لازم آیا رتبتاً لازم نہیں آیا اور یہ جائز ہے بھئی۔ تو یہ دوسرا جملہ کیا بن گیا؟ ضَرَبَنِيْ وَأَكْرَمَانِيْ الزَّيْدَانِ۔

تیسرا جملہ: ضَرَبَنِيْ وَأَكْرَمَنِيْ الزَّيْدُوْنَ۔ اس الزَّيْدُوْنَ میں دونوں جھگڑ رہے ہیں، کس کو عامل بنایا؟ ضَرَبَنِيْ کو، اس نے الزَّيْدُوْنَ کو رفع دے دیا۔ تو أَكْرَمَنِيْ کے اندر اس کی ضمیر لائیں گے اور کون سی ضمیر چاہیے ہمیں؟ جمع والی کیونکہ الزَّيْدُوْنَ جمع ہے، تو أَكْرَمَنِيْ کی جگہ جمع والا صیغہ لے آؤ: أَكْرَمُوْنِيْ، أَكْرَمُوْنِيْ۔ یہ جمع کی ضمیر الزَّيْدُوْنَ کو راجع، اور الزَّيْدُوْنَ أَكْرَمُوْنِيْ

سے لفظوں میں تو مؤخر ہے لیکن رتبے کے اعتبار سے مقدم ہے۔ تو کیا مثال بن گئی؟ ضَرَبَنِيْ وَأَكْرَمُوْنِيْ الزَّيْدُوْنَ۔

بات سمجھ میں آگئی؟ اگلی مثالیں لکھیے بھئی جب دونوں مفعول کا تقاضا کریں:

ضَرَبْتُ وَأَكْرَمْتُ زَيْدًا

ضَرَبْتُ وَأَكْرَمْتُ زَيْدًا

اگلی مثال لکھیے:

▪ متنِ کتاب و تحقیقِ مسائلِ نحویہ

ضَرَبْتُ وَأَكْرَمْتُ الزَّيْدَانِ

ضَرَبْتُ وَأَكْرَمْتُ الزَّيْدَانِ

تیسری مثال لکھیے:

ضَرَبْتُ وَأَكْرَمْتُ الزَّيْدُوْنَ

ضَرَبْتُ وَأَكْرَمْتُ الزَّيْدُوْنَ

لکھ لیا؟ اب دیکھیے بھئی۔ ضَرَبْتُ کے ساتھ فاعل کی ضمیر جڑی ہوئی ہے اور یہ آگے زَيْدًا کو نصب دینا چاہتا ہے اس کو اپنا مفعول بنانا چاہتا ہے۔ أَكْرَمْتُ کے ساتھ بھی تاء ضمیر فاعل کی جڑی ہوئی ہے اور یہ آگے زید کو اپنا مفعول بنانا چاہتا ہے اس کو نصب دینا چاہتا ہے۔ مذہب چل رہا ہے کوفہ والوں کا، کس کو عامل بنائیں گے؟ پہلے فعل کو، تو ضَرَبْتُ نے زید کو نصب دے دیا تو زید کو زَيْدًا بنا دیں بھئی زید کے اوپر نصب لے آئیں: زَيْدًا۔ یہ نصب کس نے دیا زید کو؟ ضَرَبْتُ نے، تو أَكْرَمْتُ کے لیے بھی مفعول چاہیے۔ توجہ ہے؟ اب اس میں یاد رکھو یہاں دونوں صورتیں جائز: مفعول کو حذف کرنا بھی جائز کیونکہ مفعول فضلہ ہے، اور اس کی ضمیر بھی لا سکتے ہیں۔ ضمیر بھی لا سکتے ہیں اور ضمیر لانا بہتر ہے، کیونکہ جب ضمیر ذکر ہوگی اور ضمیر تو اسی زید کو راجع ہوگی تو پتا چل جائے گا کہ مفعول یہی ہے، اور اگر آپ مفعول کو بالکل حذف کر دیں تو پھر پتا نہیں چلے گا کہ یہی مفعول ہے جو آگے ذکر ہے یا کوئی اور ذات ہے بھئی۔ تو ضمیر لائیں گے۔ کون سی ضمیر لائیں گے جو کس کو راجع ہوگی؟ زید کو، اور زید کیا ہے؟ مفرد مذکر، تو أَكْرَمْتُ کے ساتھ مفرد مذکر کی ضمیر جوڑ دیں: وَأَكْرَمْتُهُ، وَأَكْرَمْتُهُ۔

تو کیا مثال بن گئی؟ ضَرَبْتُ وَأَكْرَمْتُهُ زَيْدًا، ضَرَبْتُ وَأَكْرَمْتُهُ زَيْدًا۔ یہ زَيْدًا کو نصب کس نے دیا؟ ضَرَبْتُ نے، ضَرَبْتُ

نے، اور أَكْرَمْتُ کے لیے مفعول چاہیے تھا تو اس میں دو صورتیں جائز: آپ اس مفعول کو کیا کر لیں؟ حذف کر لیں یا اس کی ضمیر لے آئیں، اور ضمیر لانا اولیٰ ہے بہتر ہے تاکہ پتا چل جائے یہی مفعول ہے کوئی اور نہیں۔ توجہ ہے؟ دیکھو أَكْرَمْتُهُ کے اندر هَا ضمیر لے آئے اور یہ هَا ضمیر کس کو راجع؟ زید کو، معلوم ہوا اکرام کس کا کیا ہے؟ زید کا کیا ہے یہی مفعول ہے، اور اگر هَا ضمیر نہ لاتے تو أَكْرَمْتُ میں نے اکرام کیا، کس کا اکرام کیا کچھ پتا نہ چلتا۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو مفعول کا حذف یہاں اولیٰ ہے یا اس کی ضمیر لانا اولیٰ؟ ضمیر لانا اولیٰ ہے تاکہ پتا چل جائے کہ کس کا اکرام کیا ہے، أَكْرَمْتُهُ کی هَا ضمیر آگئی اور یہ هَا ضمیر کس کو راجع؟ زید کو، تو اس نے بتلا دیا کہ اکرام کس کا کیا گیا ہے؟ زید کا کیا گیا ہے۔ اس پر آپ کے ذہنوں میں اشکال آئے گا کہ یہ تو اضمار قبل الذکر ہے، أَكْرَمْتُهُ کی هَا ضمیر پہلے آگئی اور زَيْدًا اس کے بعد آرہا ہے، ضمیر پہلے ہے اور مرجع بعد میں ہے یہ تو اضمار قبل الذکر ہے۔ تو جواب گزر چکا کہ زَيْدًا کا تعلق کس سے جڑ چکا؟ ضَرَبْتُ پہلے فعل سے اس نے اس کو نصب دیا تھا، تو اس کا تعلق پہلے فعل سے ہے تو دیکھنے میں تو زَيْدًا أَكْرَمَنِيْ کے بعد ہے لیکن رتبے کے اعتبار سے زَيْدًا اس پر مقدم ہے، گویا اصل کلام اب یوں ہے: ضَرَبْتُ زَيْدًا وَأَكْرَمْتُهُ۔ زَيْدًا لفظوں میں تو أَكْرَمْتُ سے مؤخر لیکن رتبے کے اعتبار سے مقدم ہے وہ ضَرَبَنِيْ کے بعد ہے اس کا رتبہ بھئی۔ تو هَا ضمیر راجع ہے زید کو اور زید لفظوں میں تو مؤخر ہے لیکن رتبے میں مقدم ہے، تو یہ اضمار قبل الذکر لفظاً ہوا رتبتاً نہ ہوا اور یہ جائز ہے۔

اگلی مثال بھئی: ضَرَبْتُ وَأَكْرَمْتُ الزَّيْدَانِ۔ ضَرَبْتُ چاہتا ہے الزَّيْدَانِ کو میں نصب دوں، أَكْرَمْتُ چاہتا ہے میں نصب دوں، کوفہ والوں کا مذہب چل رہا ہے، کس نے نصب دیا؟ ضَرَبْتُ نے، ضَرَبْتُ نے نصب دیا الزَّيْدَانِ کو نصب دے دیں۔ الزَّيْدَانِ کو نصب دے دیں، یہ تثنیہ ہے تثنیہ کا نصب کس کے ساتھ آتا ہے؟ تثنیہ کا نصب کس کے ساتھ آتا ہے؟ يَاء کے ساتھ، تو الزَّيْدَانِ کو بدل دیں الزَّيْدَيْنِ سے، الزَّيْدَيْنِ سے۔ یہ الزَّيْدَيْنِ کو نصب کس نے دیا؟ ضَرَبْتُ نے، اب أَكْرَمْتُ کے لیے بھی کیا چاہیے؟ مفعول۔ ایک صورت یہ کہ مفعول کو حذف کر لیں، ایک صورت یہ کہ مفعول کی ضمیر لے آئیں، دونوں جائز ہیں مفعول کو حذف کرنا بھی جائز اور اس کی ضمیر لانا بھی جائز، لیکن بہتر کیا ہے؟ ضمیر لے آئیں، تو ضمیر لے آئیں ایسی ضمیر جو الزَّيْدَيْنِ کو راجع ہو اور وہ تثنیہ مذکر ہے تو تثنیہ مذکر کی ضمیر لے آئیں: وَأَكْرَمْتُهُمَا۔ تو أَكْرَمْتُ کے ساتھ هُمَا ضمیر جوڑ دیں، تو جملہ کیا بن گیا؟ ضَرَبْتُ وَأَكْرَمْتُهُمَا الزَّيْدَيْنِ۔ طریقہ سمجھ میں آیا بھئی؟

تیسری مثال بھئی: ضَرَبْتُ وَأَكْرَمْتُ الزَّيْدُوْنَ۔ جی الزَّيْدُوْنَ کو نصب دیں، کون نصب دے گا؟ ضَرَبْتُ، تو الزَّيْدُوْنَ کو نصب دے دیں۔ یہ جمع مذکر سالم ہے جمع مذکر سالم کا نصب کس کے ساتھ آتا ہے؟ يَاء کے ساتھ، تو الزَّيْدُوْنَ کو بدل دیں کس سے؟ الزَّيْدِيْنَ سے، الزَّيْدِيْنَ۔ یہ نصب کس نے دیا؟ ضَرَبْتُ نے، اور أَكْرَمْتُ کے لیے مفعول چاہیے چاہے آپ حذف کر لیں چاہے آپ ضمیر لے آئیں، لیکن بہتر کیا؟ ضمیر لے آئیں، تو کون سی ضمیر لائیں گے؟ الزَّيْدِيْنَ جمع ہے تو جمع والی ضمیر لائیں گے، جمع کی ضمیر اس کے ساتھ جوڑ دیں أَكْرَمْتُ کے ساتھ: وَأَكْرَمْتُهُمْ، وَأَكْرَمْتُهُمْ۔ تو جملہ کیا بن گیا پورا؟ ہاں ضَرَبْتُ

وَأَكْرَمْتُهُمْ الزَّيْدِيْنَ۔ الزَّيْدِيْنَ کو نصب کس نے دیا؟ ضَرَبْتُ نے، اور أَكْرَمْتُ کے لیے مفعول کی ضمیر لے آئے، مفعول کو حذف بھی کر سکتے ہیں اور ضمیر بھی لا سکتے ہیں لیکن پسندیدہ کیا؟ کہ ضمیر لائی جائے۔

اگلی مثال کیجیے جس میں پہلا فاعل کا تقاضا کرے اور دوسرا مفعول کا:

▪ متنِ کتاب و تحقیقِ مسائلِ نحویہ

ضَرَبَنِيْ وَأَكْرَمْتُ زَيْدٌ

ضَرَبَنِيْ وَأَكْرَمْتُ زَيْدٌ

اگلی مثال بھی اسی طرح لکھیے بس صرف اسمِ ظاہر کو تثنیہ لے آئیں:

ضَرَبَنِيْ وَأَكْرَمْتُ الزَّيْدَانِ

ضَرَبَنِيْ وَأَكْرَمْتُ الزَّيْدَانِ

اگلی مثال میں اسمِ ظاہر کو جمع لے آئیں:

ضَرَبَنِيْ وَأَكْرَمْتُ الزَّيْدُوْنَ

▪ متنِ کتاب و تحقیقِ مسائلِ نحویہ

ضَرَبَنِيْ وَأَكْرَمْتُ الزَّيْدُوْنَ

پہلا جملہ کیا لکھا؟ ضَرَبَنِيْ وَأَكْرَمْتُ زَيْدٌ۔ ضَرَبَنِيْ چاہتا ہے زید کو رفع دے اپنا فاعل بنائے، أَكْرَمْتُ چاہتا ہے زید کو نصب دے اپنا مفعول بنائے۔ کس کا مذہب چل رہا ہے؟ کوفہ والوں کا، عامل کس کو بنائیں گے؟ پہلے فعل یعنی ضَرَبَنِيْ کو، ضَرَبَنِيْ کو عامل بنا دیں اس نے زید کو رفع دے دیا، زید پر رفع لکھ دیں: زَيْدٌ۔ یہ رفع کس نے دیا؟ ضَرَبَنِيْ نے، اور آگے أَكْرَمْتُ کیا چاہتا ہے؟ مفعول چاہتا ہے تو اس میں کیا کریں گے؟ مفعول کو حذف کرنا بھی جائز اور ضمیر لانا بھی جائز، لیکن پسندیدہ کیا؟ ضمیر لائیں، تو ضمیر لے آئیں جو زید کو لوٹے: وَأَكْرَمْتُهُ، هَا ضمیر مفرد کی ساتھ جوڑ دیں، تو کیا مثال بن گئی؟ ضَرَبَنِيْ وَأَكْرَمْتُهُ زَيْدٌ۔

دوسری مثال پر آئیے: ضَرَبَنِيْ وَأَكْرَمْتُ الزَّيْدَانِ۔ ضَرَبَنِيْ چاہتا ہے الزَّيْدَانِ کو رفع دے، أَكْرَمْتُ چاہتا ہے نصب دے،

کس کو عامل بنائیں گے؟ ضَرَبَنِيْ کو، تو الزَّيْدَانِ پر رفع آگیا کس نے دیا یہ رفع؟ ضَرَبَنِيْ نے۔ اب أَكْرَمْتُ کیا چاہتا ہے؟ مفعول، اور مفعول کو حذف کرنا بھی جائز اور ضمیر لانا بھی جائز، لیکن پسندیدہ کیا؟ ضمیر لائی جائے، تو ضمیر لے آؤ جو الزَّيْدَانِ کو لوٹے؟ شاباش، أَكْرَمْتُهُمَا، هُمَا ضمیر ساتھ جوڑ دیں أَكْرَمْتُ کے: ضَرَبَنِيْ وَأَكْرَمْتُهُمَا الزَّيْدَانِ، ضَرَبَنِيْ وَأَكْرَمْتُهُمَا الزَّيْدَانِ۔

تیسرا جملہ کیا لکھا تھا؟ ضَرَبَنِيْ وَأَكْرَمْتُ الزَّيْدُوْنَ، یہ الزَّيْدُوْنَ کو رفع کس نے دیا؟

ضَرَبَنِيْ نے، تو أَكْرَمْتُ کے ساتھ کیا لے آئیں گے؟ مفعول کی ضمیر، کون سی ضمیر لائیں گے؟ جمع مذکر کی هُمْ ضمیر لائیں گے، تو أَكْرَمْتُهُمْ اس کے ساتھ هُمْ ضمیر جوڑ دیں۔ تو کلام کیا بن گیا، جملہ کیا بن گیا؟ ضَرَبَنِيْ وَأَكْرَمْتُهُمْ الزَّيْدُوْنَ۔ توجہ ہے؟ جی روانی سے کیسے پڑھیں گے؟ ضَرَبَنِيْ وَأَكْرَمْتُهُمُ الزَّيْدُوْنَ۔

اگلی مثال لکھیے بھئی جس میں پہلا مفعول کا تقاضا کرے اور دوسرا فاعل کا تقاضا کرے:

ضَرَبْتُ وَأَكْرَمَنِيْ زَيْدٌ

▪ متنِ کتاب و تحقیقِ مسائلِ نحویہ

ضَرَبْتُ وَأَكْرَمَنِيْ زَيْدٌ

لکھ لیا؟ دوسری مثال بھی اسی طرح لکھیے صرف اسمِ ظاہر کو تثنیہ لے آئیں:

ضَرَبْتُ وَأَكْرَمَنِيْ الزَّيْدَانِ

ضَرَبْتُ وَأَكْرَمَنِيْ الزَّيْدَانِ

تیسری مثال میں اسمِ ظاہر کو جمع لے آئیں:

ضَرَبْتُ وَأَكْرَمَنِيْ الزَّيْدُوْنَ

ضَرَبْتُ وَأَكْرَمَنِيْ الزَّيْدُوْنَ

اب اس کو حل کریں۔ پہلا جملہ کیا؟ ضَرَبْتُ وَأَكْرَمَنِيْ زَيْدٌ۔ ضَرَبْتُ کیا چاہتا ہے؟ زید کو نصب دے اس کو اپنا مفعول بنائے، اور أَكْرَمَنِيْ چاہتا ہے کہ زید کو رفع دے اپنا فاعل بنائے۔ کس کو عامل بنایا؟ ضَرَبْتُ کو، اس نے زید کو نصب دے دیا تو زید کو زَيْدًا کر دیں بھئی۔ یہ نصب کس نے دیا؟ ضَرَبَنِيْ نے... ضَرَبْتُ نے۔ اور أَكْرَمَنِيْ کیا چاہتا ہے؟ یہ فاعل چاہتا

ہے تو اس کے اندر هُوَ ضمیر آگئی، تو جملہ کیا بن گیا؟ ضَرَبْتُ وَأَكْرَمَنِيْ زَيْدًا۔

اگلا جملہ: ضَرَبْتُ وَأَكْرَمَنِيْ الزَّيْدَانِ۔ کس کو عامل بنایا؟ ضَرَبْتُ کو، اس نے الزَّيْدَانِ کو نصب دے دیا، الزَّيْدَانِ کو نصب دے دیں الزَّيْدَيْنِ کر دیں اس کو، الزَّيْدَانِ کو بدل دیں الزَّيْدَيْنِ سے یہ نصب آیا تثنیہ کا نصب یَاء کے ساتھ آتا ہے۔ یہ نصب کس نے دیا؟ ضَرَبْتُ نے، تو أَكْرَمَنِيْ کیا چاہتا ہے؟ فاعل، تو اس کے اندر فاعل کی ضمیر لائیں گے اور یہ ضمیر کس کو لوٹے گی؟ زید کو اور زید ہے تثنیہ، تو ہمیں تثنیہ کی ضمیر چاہیے تو أَكْرَمَنِيْ کو تثنیہ والے فعل سے بدل دیں: وَأَكْرَمَانِيْ، أَكْرَمَنِيْ کی جگہ أَكْرَمَانِيْ، تثنیہ والا فعل لے آئیں۔ تو جملہ کیا بن گیا؟ ضَرَبْتُ وَأَكْرَمَانِيْ الزَّيْدَيْنِ۔ طریقہ سمجھ میں آیا؟

تیسری مثال کیا تھی؟ ضَرَبْتُ وَأَكْرَمَنِيْ الزَّيْدُوْنَ۔ کس کو عامل بنائیں گے؟ ضَرَبْتُ کو، ضَرَبْتُ کیا چاہتا ہے؟ الزَّيْدُوْنَ کو نصب دے، نصب دے دیں بھئی الزَّيْدُوْنَ کو بدل دیں کس سے؟ الزَّيْدِيْنَ، یہ نصب کس نے دیا؟ ضَرَبْتُ نے۔ اور أَكْرَمَنِيْ کیا چاہتا ہے؟ فاعل چاہتا ہے تو اس کے اندر فاعل کی ضمیر لے آئیں گے اور وہ ضمیر کس کو لوٹے گی؟ الزَّيْدِيْنَ کو اور وہ جمع مذکر ہے، تو أَكْرَمَنِيْ کے اندر جمع مذکر والی ضمیر لائیں گے تو أَكْرَمَنِيْ کو جمع مذکر کے صیغے سے بدل دیں: وَأَكْرَمُوْنِيْ، وَأَكْرَمُوْنِيْ۔ تو جملہ پورا کیا بن گیا؟ ضَرَبْتُ وَأَكْرَمُوْنِيْ الزَّيْدِيْنَ۔ طریقہ سمجھ میں آگیا؟

بھئی ادھر دیکھیے پھر سنیں۔ پہلے بصرہ والوں کا مذہب ذکر ہوا تھا، بصرہ والے کس کو عامل بناتے تھے؟ ثانی کو۔ ثانی کو، تو پہلا اگر فاعل کا تقاضا کرتا تھا تو اس میں فاعل کی ضمیر لاتے تھے، اور اگر پہلا مفعول کا تقاضا کرتا تھا تو مفعول کو حذف کرتے تھے۔ جب کہ دوسرا مذہب کوفہ والوں کا ہے، کوفہ والے کس کو عامل بناتے ہیں؟ پہلے کو، تو دوسرا فعل اگر فاعل کا تقاضا کر رہا ہو تو اس میں فاعل کی ضمیر لائیں گے، اور اگر دوسرا مفعول کا تقاضا کر رہا ہو تو مفعول کو حذف کرنا بھی جائز اور اس کی ضمیر لانا بھی جائز، لیکن بہتر کیا ہے؟ ضمیر لاؤ حذف نہ کرو مفعول کو۔

طریقہ سمجھ میں آیا؟ یہ تو عام افعال کے اندر تھا، اور اگر افعالِ قلوب ہوں پھر کیا کریں گے بھئی؟ افعالِ قلوب ہوں کوفہ والوں کے مذہب کے مطابق کس طرح اس کو حل کریں گے؟ اس کے لیے مثال لکھیے بھئی۔ لکھیے بھئی: حَسِبَنِيْ وَحَسِبْتُهُمَا، حَسِبَنِيْ وَحَسِبْتُهُمَا، حَسِبْتُهُمَا کے بعد ایک لفظ کی جگہ چھوڑ دیں آگے لکھیں: الزَّيْدَانِ الزَّيْدَانِ، اور آگے لکھیں: مُنْطَلِقًا مُنْطَلِقًا۔ کیا لکھا؟ حَسِبَنِيْ وَحَسِبْتُهُمَا الزَّيْدَانِ مُنْطَلِقًا، اور حَسِبْتُهُمَا کے بعد میں نے کہا تھا ایک لفظ کی جگہ چھوڑ دیں۔

اب دیکھو بھئی حَسِبَنِيْ اور حَسِبْتُهُمَا دونوں افعالِ قلوب میں سے ہیں۔ حَسِبَنِيْ یہ ایک فاعل چاہتا ہے اور دو مفعول، یہ چاہتا ہے الزَّيْدَانِ کو اپنے لیے فاعل بنائے اور مُنْطَلِقًا کو اپنے لیے مفعولِ ثانی بنائے کیونکہ ایک مفعول حَسِبَنِيْ کے ساتھ یَاء ضمیر تو جڑی ہوئی ہے۔ اور حَسِبْتُهُمَا، حَسِبْتُهُمَا یہ بھی ایک فاعل چاہتا ہے اور دو مفعول۔ تو حَسِبْتُهُمَا یہ تَاء ضمیر فاعل کی بھی ساتھ جڑی ہوئی ہے اور هُمَا ضمیر مفعولِ اول بھی ساتھ ہے، لیکن یہ مفعولِ ثانی چاہتا ہے تو آگے جو آخر میں مُنْطَلِقًا

آرہا ہے اس میں تنازع ہے جھگڑا ہے۔ حَسِبَنِيْ چاہتا ہے یہ میرے لیے مفعولِ ثانی بنے اور حَسِبْتُهُمَا چاہتا ہے یہ میرے لیے مفعولِ ثانی بنے۔ توجہ ہے؟ اچھا مذہب کس کا چل رہا ہے؟ کوفہ والوں کا، عامل کس کو بناتے ہیں؟ پہلے کو، تو حَسِبَنِيْ کو عامل بنایا اور الزَّيْدَانِ کو اس کے لیے فاعل بنا دیا، الزَّيْدَانِ کو حَسِبَنِيْ نے رفع دے دیا، اور مُنْطَلِقًا کو اس حَسِبَنِيْ کے لیے مفعولِ ثانی بنا دیا اس نے اس کو نصب دے دیا۔

اب حَسِبْتُهُمَا اپنے لیے مفعولِ ثانی چاہتا ہے۔ تو ایک صورت یہ ہے کہ مفعولِ ثانی کو حذف کر لیں، لیکن یہ تو افعالِ قلوب ہیں اس میں تو حذف جائز نہیں۔ دوسری صورت یہ ہے کہ اس کی ضمیر لے آؤ، کیا لے آؤ؟ ضمیر لے آؤ۔ اب توجہ سے سنو۔ اب ہم ضمیر لاتے ہیں یہاں حَسِبْتُهُمَا کے بعد، تو ضمیر لاتے ہیں جو کس کو راجع؟ مُنْطَلِقًا کو، توجہ ہے؟ مثلاً میں إِيَّاهُ ضمیر لے آیا، بھئی هُوَ نہیں لاؤں گا کیونکہ هُوَ ضمیر تو مرفوع ہے، مرفوع ہے یہ تو بتدا وغیرہ بنتی ہے اور مجھے یہاں مفعول کی ضمیر چاہیے اور مفعول کیا ہوتا ہے؟ منصوب۔ ضمیریں آپ نے پڑھا ہے کچھ ضمیریں مرفوع ہوتی ہیں، کچھ منصوب، کچھ مجرور، پھر کچھ متصل ہوتی ہیں کچھ منفصل۔ توجہ ہے؟ تو ضمیریں کل پانچ قسم پر ہیں: جب ضمیرِ مرفوع ہے وہ متصل بھی ہوتی ہے اور منفصل بھی؛ ضمیرِ منصوب بھی وہ بھی متصل بھی ہوتی ہے اور منفصل بھی؛ جب کہ مجرور صرف متصل ہوتی ہے۔ توجہ ہے؟ ضمیریں، ضمیر یا متصل ہوگی یا منفصل، پھر یا وہ مرفوع ہوگی یا منصوب یا مجرور۔ مرفوع دو قسم پر ہے: ضمیرِ مرفوع متصل بھی ہوتی ہے اور منفصل بھی، توجہ ہے؟ اور ضمیرِ منصوب وہ بھی متصل بھی ہوتی ہے اور منفصل بھی، اور مجرور صرف متصل ہوتی ہے منفصل نہیں۔ مرفوع ضمیر کی مثال: هُوَ، یہ مرفوع ہے یہ بتدا بنتی ہے، یہ جہاں رفع کا محل ہو وہاں آتی ہے اور یہ کسی سے جڑی ہوئی ہے؟ نہیں، تو یہ مرفوع منفصل ہے۔ اور ضَرَبْتُ، یہ تَاء ضمیر کیا ہے؟ یہ بھی مرفوع ہے فاعل ہے، فاعل کیا ہوتا ہے؟ مرفوع، لیکن یہ فعل کے ساتھ جڑی ہوئی ہے۔ تو دیکھو مرفوع کبھی منفصل ہوتی ہے جیسے هُوَ: هُوَ هُمَا هُمْ هِيَ هُمَا هُنَّ ساری ضمیریں ہیں بھئی، اور ضَرَبْتُ یہ تَاء ضمیر کیا ہے؟ یہ بھی مرفوع ہے لیکن متصل۔ اسی طرح منصوب کبھی متصل ہوتی ہے کبھی منفصل: ضَرَبْتُهُ یہ هَا ضمیر کیا ہے؟ مفعول کی ہے اور مفعول کیا ہوتا ہے؟ منصوب، تو یہ منصوب متصل ہے، منصوب متصل ہے، اور یہی ضمیر کبھی منفصل بھی آتی ہے اور وہ ہے إِيَّاهُ، آپ نے پڑھا ہے إِيَّاهُ إِيَّاهُمَا إِيَّاهُمْ إِيَّاهَا إِيَّاهُمَا إِيَّاهُنَّ إِيَّاكَ إِيَّاكُمَا إِيَّاكُمْ، بات سمجھ میں آگئی؟ یہ منصوب منفصل ہے، جب ایسی جگہ ہو جہاں ہم جوڑ نہیں سکتے الگ رکھنا ہے تو پھر یہ منصوب منفصل لاتے ہیں۔ اور مجرور صرف متصل ہوتی ہے: كِتَابُكَ، یہ كَاف ضمیر کیا ہے؟ یہ مضاف الیہ ہے، مجرور ہے اور متصل ہے۔

تو لہٰذا یہاں پر حَسِبَنِيْ وَحَسِبْتُهُمَا الزَّيْدَانِ مُنْطَلِقًا، یہ جو آخر میں مُنْطَلِقًا ہے اس میں حَسِبَنِيْ اور حَسِبْتُهُمَا کا تنازع ہے، حَسِبَنِيْ چاہتا ہے یہ میرے لیے مفعول بنے اور حَسِبْتُهُمَا چاہتا ہے میرے لیے مفعول بنے۔ آپ نے کس کے لیے مفعول بنایا؟ حَسِبَنِيْ کے لیے، تو حَسِبْتُهُمَا کے لیے اب مفعول چاہیے۔ ایک صورت یہ ہے کہ مفعول کو حذف کر دیں، لیکن

مفعول کو یہاں حذف نہیں کر سکتے کیونکہ یہ افعالِ قلوب میں سے ہیں۔ پھر دوسری صورت یہ ہے کہ اس کی ضمیر لے آئیں، کیا لے آئیں؟ اور ابھی کوفہ والوں کا مذہب ذکر ہوا: جب ثانی مفعول کا تقاضا کر رہا ہو تو اس میں مفعول کو حذف کرنا بھی جائز تھا اس کی ضمیر لانا بھی جائز۔ حذف کرنا اس لیے جائز کیونکہ مفعول فضلہ ہے، اور ضمیر بھی لا سکتے ہیں کیونکہ اس صورت میں اضمار قبل الذکر کی خرابی بھی لازم نہیں آتی۔ توجہ ہے؟ تو یہاں پر بھی یہ مُنْطَلِقًا اس کے اندر عامل کون؟ حَسِبَنِيْ ہے تو اس کا تعلق پہلے فعل سے ہے تو لفظوں کے اعتبار سے یہ بے شک آخر میں ہے لیکن رتبے کے اعتبار سے یہ حَسِبْتُهُمَا سے مقدم ہے۔ توجہ ہے؟ جب مقدم ہے تو اس کی ضمیر ہم لا سکتے ہیں اور اضمار قبل الذکر کی خرابی بھی لازم نہیں آئے گی۔

چنانچہ ہم ضمیر لاتے ہیں اور ضمیر کون سی چاہیے؟ مرفوع چاہیے یا منصوب چاہیے؟ منصوب چاہیے، اور متصل چاہیے یا منفصل؟ متصل چاہیے یا منفصل؟ منفصل چاہیے، وجہ یہ کہ دیکھو آپ لفظوں پر غور کرو: حَسِبْتُهُمَا، متصل تَاء ضمیر فاعل کی بھی جڑی ہوئی ہے اور ایک هُمَا ضمیر مفعول کی بھی جڑی ہوئی ہے، تو ایک اور متصل مفعول کی نہیں آ سکتی بھئی، تو ہمیں کیا لانا پڑے گی؟ منفصل۔ اب ہم ضمیر لاتے ہیں إِيَّاهُ، یہ إِيَّاهُ ضمیر واحد مذکر غائب اور یہ کس کو راجع؟ مُنْطَلِقًا کو۔ ضمیر اور مرجع میں مطابقت ہے، مُنْطَلِقًا بھی مفرد مذکر اور إِيَّاهُ بھی مفرد مذکر، تو ہم إِيَّاهُ ضمیر لے آئے۔

لیکن مسئلہ پھر بھی حل نہیں ہوا، اس لیے کیونکہ یہ مفعولِ ثانی ہے، یہ مفعولِ ثانی ہے اور مفعولِ اول کیا ہے حَسِبْتُهُمَا کا؟ هُمَا ضمیر وہ تثنیہ کی ضمیر، اور مفعولِ ثانی إِيَّاهُ مفرد کی ضمیر، تو یہ تو دونوں میں مطابقت نہیں ہے! یہ تو دونوں مفعولوں میں مطابقت نہیں ہے! حَسِبْتُهُمَا کا مفعولِ اول کیا؟ هُمَا، اور ثانی کیا؟ إِيَّاهُ، تو مفعولِ اول تثنیہ، تثنیہ کی ضمیر اور مفعولِ ثانی کیا؟ مفرد کی ضمیر، حالانکہ دونوں مفعول آپس میں مبتدا خبر کی طرح ہوتے ہیں، دونوں ایک دوسرے کے مطابق ہونے چاہئیں۔ تو لہٰذا إِيَّاهُ ضمیر نہیں لا سکتے ہم۔

اچھا یوں کرتے ہیں پھر ہم تثنیہ کی ضمیر لے آتے ہیں: إِيَّاهُمَا، حَسِبْتُهُمَا إِيَّاهُمَا۔ اب دونوں مفعولوں میں مطابقت ہو گئی، حَسِبْتُهُمَا کا مفعولِ اول هُمَا تثنیہ کی ضمیر اور إِيَّاهُمَا بھی کیا ہے؟ تثنیہ کی ضمیر، تو دونوں مفعول ایک دوسرے کے مطابق ہو گئے۔ لیکن اب مرجع کے ساتھ مطابقت نہیں ہے، مرجع تو ہے مُنْطَلِقًا وہ تو ہے مفرد اور إِيَّاهُمَا ضمیر کیا لے آئے آپ؟ تثنیہ لے آئے، تو تثنیہ کی ضمیر تو مفرد کو راجع نہیں ہو سکتی! صورت سمجھ میں آ گئی؟

معلوم ہوا یہاں ضمیر بھی ہم نہیں لا سکتے۔ حذف بھی جائز نہیں کیونکہ افعالِ قلوب کے ایک مفعول کو حذف کرنا جائز نہیں، ضمیر بھی نہیں لا سکتے کیونکہ اگر ضمیر لائیں گے تو یا تو پھر مفرد کی لائیں گے یا تثنیہ کی۔ اگر مفرد کی ضمیر لاتے ہیں پھر مرجع کے ساتھ تو مطابقت ہو جائے گی لیکن دونوں مفعولوں کی آپس میں مطابقت نہیں ہو گی، اور اگر آپ تثنیہ کی ضمیر لاتے ہیں پھر دو مفعولوں کی مطابقت تو ہو جائے گی لیکن مرجع کے ساتھ ضمیر کی مطابقت نہیں ہو گی۔ تو پھر آخری صورت یہ ہے کہ پھر اس اسمِ ظاہر کو دوبارہ لائیں گے، کیا کریں گے؟ حذف بھی نہیں کر سکتے، ضمیر بھی نہیں لا سکتے، تو آخری صورت یہ ہے کہ اسی

اسمِ ظاہر کو دوبارہ لائیں گے۔ لہٰذا یہاں اسمِ ظاہر دوبارہ لائیں گے: حَسِبْتُهُمَا کے بعد اسی مُنْطَلِقًا کو دوبارہ لائیں، لیکن یہ پہلے مفعول کے مطابق ہونا چاہیے۔ پہلا مفعول کیا ہے؟ تثنیہ، لہٰذا مُنْطَلِقًا کو نہ لاؤ بلکہ تثنیہ لاؤ۔ کیا لاؤ گے؟ مُنْطَلِقَانِ، توجہ ہے؟ اور مُنْطَلِقَانِ تو تثنیہ ہے مرفوع ہے اور ہمیں تو مفعول چاہیے جو منصوب ہوتا ہے تو حالتِ نصبی میں لے جاؤ اس کو: مُنْطَلِقَيْنِ، تو حَسِبْتُهُمَا کے بعد مُنْطَلِقَيْنِ لے آئیں بھئی۔ تو حَسِبْتُهُمَا کے بعد مُنْطَلِقَيْنِ لے آئیں بھئی۔ مُنْطَلِقًا کیوں نہیں لائے؟ کیونکہ پھر دونوں مفعولوں میں مطابقت نہیں رہے گی، پہلا مفعول هُمَا ہے تثنیہ تو دوسرا بھی ہمیں تثنیہ چاہیے، تو مُنْطَلِقَيْنِ لے آئے اور مُنْطَلِقَيْنِ حالتِ نصبی میں لائے کیونکہ یہ مفعول ہے، مفعول کیا ہوتا ہے؟ منصوب، اور تثنیہ کا نصب کس کے ساتھ آتا ہے؟ يَاء ما قبل مفتوح کے ساتھ، تو مُنْطَلِقَيْنِ لائے۔ تو جملہ کیا بن گیا؟ حَسِبَنِيْ وَحَسِبْتُهُمَا مُنْطَلِقَيْنِ الزَّيْدَانِ مُنْطَلِقًا۔ بات سمجھ میں آگئی؟

تو کوفہ والوں کا مذہب کیا ہوا؟ کہ اول کو عامل بنائیں گے، ثانی اگر فاعل کا تقاضا کرے تو اس میں فاعل کی ضمیر لے آئیں گے، اور اگر ثانی مفعول کا تقاضا کرے تو مفعول کو حذف کرنا بھی جائز اور اس کی ضمیر لانا بھی جائز، لیکن بہتر کیا ہے؟ ضمیر لے آئیں تاکہ مفعول کا پتا چل جائے۔ اور اگر افعالِ قلوب میں سے ہے وہ فعلِ ثانی، تو پھر اس صورت میں حذف بھی جائز نہیں اور ضمیر لانا بھی جائز نہیں، تو پھر اس اسمِ ظاہر کو دوبارہ لائیں گے۔ طریقہ سمجھ میں آگیا؟

اب دیکھیے کتاب پر بھئی۔ پہلے متن متن دیکھیے۔ کہتے ہیں: وَإِنْ أَعْمَلْتَ الْأَوَّلَ، اور اگر آپ پہلے فعل کو عامل بنائیں، أَضْمَرْتَ الْفَاعِلَ فِي الثَّانِيْ، تو آپ فاعل کی ضمیر لائیں گے فعلِ ثانی میں، وَالْمَفْعُوْلَ، اور اسی طرح مفعول کی ضمیر لائیں گے، عَلَى الْمُخْتَارِ، مذہبِ مختار پر۔ مفعول میں کیا بتلایا؟ حذف بھی جائز اور ضمیر لانا بھی جائز، لیکن مختار کیا ہے؟ ضمیر لانا، یہ معنیٰ ہے کہ وَالْمَفْعُوْلَ، کہ مفعول کی بھی ضمیر لائیں گے عَلَى الْمُخْتَارِ، مذہبِ مختار کے مطابق، یعنی اس کو حذف نہیں کریں گے۔ إِلَّا أَنْ يَّمْنَعَ مَانِعٌ، مگر یہ کہ کوئی مانع آجائے، یعنی افعالِ قلوب آجائیں، تو وہاں حذف بھی جائز نہیں اور مفعول کی ضمیر لانا بھی جائز نہیں، فَتُظْهِرَ، تو پھر آپ کیا کریں گے؟ مفعول کو دوبارہ اسمِ ظاہر کی صورت میں لائیں گے۔

عبارت سمجھ میں آگئی؟ اب دیکھیے شرح کے ساتھ اس سارے کو۔ کہتے ہیں: وَإِنْ أَعْمَلْتَ الْفِعْلَ الْأَوَّلَ، اور اگر آپ فعلِ اول کو عمل دیں، كَمَا هُوَ مُخْتَارُ الْكُوْفِيِّيْنَ، جیسے کہ کوفہ والوں کا مختار ہے یعنی ان کا پسندیدہ مذہب ہے، أَضْمَرْتَ الْفَاعِلَ فِي الْفِعْلِ الثَّانِيْ، تو آپ فاعل کی ضمیر لائیں گے فعلِ ثانی میں، لَوِ اقْتَضَاهُ، اگر فعلِ ثانی کس کا تقاضا کرے؟ فاعل کا، تو پھر آپ فاعل کی ضمیر لائیں گے، نَحْوُ ضَرَبَنِيْ وَأَكْرَمَنِيْ زَيْدٌ۔ کس کو عامل بنایا؟ ضَرَبَنِيْ کو، اور أَكْرَمَنِيْ کے اندر هُوَ ضمیر لے آئے جو کس کو راجع ہے؟ زید کو۔ دیکھو بھئی اس مثال پر نظر رکھو: نَحْوُ ضَرَبَنِيْ وَأَكْرَمَنِيْ زَيْدٌ۔ زَيْدٌ کو رفع کس نے دیا؟ ضَرَبَنِيْ نے، اور أَكْرَمَنِيْ میں کیا لے آئے؟ ضمیر، اور یہ ضمیر کس کو راجع؟ زید، زید لفظوں میں تو بے شک مؤخر لیکن رتبے کے اعتبار سے مقدم ہے تو یہ اضمار قبل الذکر صرف لفظاً ہے رتبتاً نہیں اور یہ جائز ہے۔

اب دیکھیے عبارت۔ کہتے ہیں: نَحْوُ ضَرَبَنِيْ وَأَكْرَمَنِيْ زَيْدٌ، إِذَا جَعَلْتَ زَيْدًا فَاعِلُ ضَرَبَنِيْ، جب آپ زید کو ضَرَبَنِيْ کا فاعل بنا دیں، وَأَضْمَرْتَ فِيْ أَكْرَمَنِيْ ضَمِيْرًا رَاجِعًا إِلٰى زَيْدٍ، اور آپ ضمیر لے آئیں أَكْرَمَنِيْ کے اندر ایسی ضمیر جو لوٹ رہی ہو زید کی طرف، لِتَقَدُّمِهِ رُتْبَةً، اس وجہ سے کہ زید جو ہے رتبے کے اعتبار سے مقدم ہے، فَلَا مَحْذُوْرَ فِيْهِ، تو اس میں کوئی ممنوع چیز نہیں، تو اس میں کوئی ممنوع نہیں۔ بھئی جب ثانی کو آپ عامل بناتے تھے بصرہ والوں کے نزدیک تو پھر پہلے فعل کے اندر فاعل کی ضمیر لاتے تھے اور تو وہاں اضمار قبل الذکر کی خرابی لازم آتی تھی لیکن جمہور کیا کہتے ہیں؟ اضمار قبل الذکر عمدہ میں جائز ہے بشرطِ تفسیر۔ جب کہ کوفہ والوں کے مذہب پر عمل کریں، پہلے کو عامل بنائیں، تو ثانی کے اندر ضمیر لائیں گے اور وہ ضمیر اگرچہ اس لفظ کو راجع جو بعد میں آرہا ہے لیکن وہ لفظوں کے اعتبار سے مؤخر ہے رتبے کے اعتبار سے کیا ہے؟ مقدم ہے، تو اس صورت میں اضمار قبل الذکر صرف لفظاً لازم آیا ہے رتبتاً نہیں اور یہ جائز ہے۔ دیکھو کوئی خرابی لازم نہیں آئی۔

یہ معنیٰ ہے، تو کہتے ہیں: وَأَضْمَرْتَ فِيْ أَكْرَمَنِيْ ضَمِيْرًا رَاجِعًا إِلٰى زَيْدٍ، اور آپ أَكْرَمَنِيْ کے اندر ایسی ضمیر لاتے ہیں جو لوٹ رہی ہے زید کی طرف، لِتَقَدُّمِهِ رُتْبَةً، بوجہ اس زید کے رتبے کے اعتبار سے مقدم ہونے کے، فَلَا مَحْذُوْرَ فِيْهِ حِيْنَئِذٍ، تو اس وقت اس کے اندر کوئی ممنوع چیز نہیں ہے یعنی کوئی ممنوع لازم نہیں آتا، لَا حَذْفَ الْفَاعِلِ، نہ تو فاعل کا حذف لازم آتا ہے کیونکہ آپ فاعل کی ضمیر لا رہے ہیں، وَلَا الْإِضْمَارَ قَبْلَ الذِّكْرِ لَفْظًا وَّرُتْبَةً، اور نہ ہی اضمار قبل الذکر لفظاً اور رتبتاً لازم آرہا ہے، بَلْ لَفْظًا فَقَطْ، بلکہ صرف اضمار قبل الذکر لفظاً لازم آرہا ہے، وَهُوَ جَائِزٌ، اور وہ جائز ہے۔

وَأَضْمَرْتَ الْمَفْعُوْلَ فِي الْفِعْلِ الثَّانِيْ لَوِ اقْتَضَاهُ، اور آپ مفعول کی ضمیر لائیں گے فعلِ ثانی کے اندر لَوِ اقْتَضَاهُ اگر فعلِ ثانی مفعول کا تقاضا کرے، عَلَى الْمَذْهَبِ الْمُخْتَارِ، کس کے مطابق؟ بھئی کوفہ والوں کا مذہب چل رہا ہے، عامل پہلے کو بنایا، دوسرا فعل کس کا تقاضا کر رہا ہے؟ مفعول کا، تو اس میں دو صورتیں جائز: حذف بھی جائز، ضمیر لانا بھی جائز، لیکن پسندیدہ کیا؟ ضمیر لائی جائے، حذف نہ کیا جائے بھئی، تاکہ مفعول کا پتا چل جائے۔ یہ معنیٰ ہے: عَلَى الْمَذْهَبِ الْمُخْتَارِ، تو آپ مفعول کی ضمیر لائیں گے پسندیدہ مذہب کے مطابق، وَلَمْ تَحْذِفْهُ، اور اس کو حذف نہیں کریں گے۔ پسندیدہ مذہب کے مطابق ضمیر لائیں گے مفعول کی اور اس کو حذف نہیں کریں گے، وَإِنْ جَازَ حَذْفُهُ، اگرچہ حذف بھی جائز ہے۔

بھئی کیوں ضمیر کیوں لائیں گے؟ کہتے ہیں: لِئَلَّا يُتَوَهَّمَ، تاکہ کہیں یہ وہم نہ کیا جائے، أَنَّ مَفْعُوْلَ الْفِعْلِ الثَّانِيْ مُغَايِرٌ لِلْمَذْكُوْرِ، کہ فعلِ ثانی کا مفعول وہ مغایر ہے مذکور سے، اس مذکور سے مغایر ہے کوئی اور ہے۔ بھئی دیکھو نا: ضَرَبَنِيْ وَأَكْرَمْتُ زَيْدٌ، ضَرَبَنِيْ وَأَكْرَمْتُ زَيْدٌ، اور ایک صورت یہ ہے کہ میں ضمیر لے آؤں: ضَرَبَنِيْ وَأَكْرَمْتُهُ زَيْدٌ۔ جب أَكْرَمْتُ کے لیے میں نے مفعول کو حذف کر دیا تو اب پتا نہیں یہی مفعول زید ہی ہے یا کوئی اور ہے، اور جب میں نے أَكْرَمْتُهُ کے ساتھ هَا ضمیر جوڑ دی تو اب پتا چل گیا یہ هَا ضمیر تو کس کو راجع؟ زید کو، معلوم ہوا اکرام بھی اسی کا ہوا ہے مفعول کا پتا چل گیا۔ تو اگر آپ مفعول کو حذف کر دیں گے تو پھر مفعول کا پتا نہیں چلے گا، سننے والا سمجھے گا شاید مفعول کوئی اور ہے یہ زید نہیں ہے۔

یہ معنیٰ ہے: لِئَلَّا يُتَوَهَّمَ، ضمیر مفعول کی لائیں گے تاکہ یہ وہم نہ کیا جائے، أَنَّ مَفْعُوْلَ الْفِعْلِ الثَّانِيْ مُغَايِرٌ لِلْمَذْكُوْرِ، کہ فعلِ ثانی کا مفعول وہ مغایر ہے اس مذکورہ یہ جو اسمِ ظاہر جو مذکور ہے اس کے مغایر ہے، اس کے علاوہ ہے۔

وَيَكُوْنُ الضَّمِيْرُ حِيْنَئِذٍ رَاجِعًا إِلٰى لَفْظٍ مُتَقَدِّمٍ رُتْبَةً، اور اس صورت میں جو ضمیر ہے، اس صورت میں جو ضمیر ہے وہ رَاجِعًا وہ راجع ہے إِلٰى لَفْظٍ ایسے لفظ کی طرف مُتَقَدِّمٍ رُتْبَةً جو رتبے کے اعتبار سے متقدم ہے، جو رتبے کے اعتبار سے مقدم ہے۔ ضَرَبَنِيْ وَأَكْرَمْتُهُ زَيْدٌ، یہ زَيْدٌ کا تعلق کس سے؟ ضَرَبَنِيْ سے اس نے اس میں عمل کیا ہے، تو زید لفظوں میں بے شک مؤخر لیکن رتبے کے اعتبار سے مقدم ہے اور یہ أَكْرَمْتُهُ کی هَا ضمیر اسی کو راجع ہے۔ تو اس صورت میں: وَيَكُوْنُ الضَّمِيْرُ حِيْنَئِذٍ رَاجِعًا إِلٰى لَفْظٍ مُتَقَدِّمٍ رُتْبَةً، اور اس وقت پھر یہ ضمیر راجع ہوگی ایسے لفظ کی طرف جو رتبے کے اعتبار سے مقدم ہے، كَمَا تَقُوْلُ، جیسے آپ کہتے ہیں: ضَرَبَنِيْ وَأَكْرَمْتُهُ زَيْدٌ۔

یہاں تک باتیں سمجھ میں آگئیں؟ آگے: إِلَّا أَنْ يَّمْنَعَ مَانِعٌ، بھئی انہوں نے بتایا اگر آپ پہلے فعل کو عامل بنائیں تو اگر دوسرا فعل فاعل کا تقاضا کرے تو اس میں فاعل کی ضمیر لے آؤ، اور اگر وہ مفعول کا تقاضا کرے تو مفعول کو حذف کرنا بھی جائز لیکن پسندیدہ کیا ہے اس کی ضمیر لے آؤ، إِلَّا أَنْ يَّمْنَعَ مَانِعٌ، مگر یہ کہ کوئی مانع آجائے، کوئی مانع آجائے۔ کس چیز سے مانع؟ بھئی وہ افعالِ قلوب میں: حذف بھی جائز نہیں تھا اور ضمیر لانا بھی جائز نہیں تھا، تو پھر آپ کیا کرتے ہیں؟ دوبارہ اسمِ ظاہر کو لاتے ہیں۔ تو یہ معنیٰ ہے: إِلَّا أَنْ يَّمْنَعَ مَانِعٌ، مگر یہ کہ کوئی مانع آجائے، مِنَ الْإِضْمَارِ، ضمیر لانے سے بھی، ضمیر بھی نہیں لا سکتے، كَمَا هُوَ الْقَوْلُ الْمُخْتَارُ، جیسے کہ قولِ مختار ہے۔ پسندیدہ قول کیا ہے؟ دوسرا جب مفعول کا تقاضا کر رہا ہے تو اس میں حذف بھی جائز ضمیر لانا بھی جائز لیکن پسندیدہ کیا؟ ضمیر لائی جائے۔ تو کہتے ہیں كَمَا هُوَ الْقَوْلُ الْمُخْتَارُ جیسے کہ مختار قول ہے، تو إِلَّا أَنْ يَّمْنَعَ مَانِعٌ مِنَ الْإِضْمَارِ، مگر یہ کہ کوئی مانع آجائے ضمیر لانے سے بھی كَمَا هُوَ الْقَوْلُ الْمُخْتَارُ جیسے کہ قولِ مختار ہے، وَمِنَ الْحَذْفِ، اور حذف سے بھی کوئی مانع آجائے، كَمَا هُوَ الْقَوْلُ غَيْرُ الْمُخْتَارِ، جیسے کہ قولِ غیرِ مختار ہے۔ جب فعلِ ثانی مفعول کا تقاضا کرے اس میں حذف بھی جائز اور ضمیر لانا بھی جائز، حذف ہے غیرِ مختار اور ضمیر لانا مختار ہے۔ اور دیکھو صاحبِ جامی نے إِلَّا أَنْ يَّمْنَعَ مَانِعٌ کے بعد کیا بتایا؟ مانع آجائے کس چیز سے؟ مِنَ الْإِضْمَارِ وَمِنَ الْحَذْفِ، اضمار سے بھی مانع آجائے اور حذف سے بھی مانع آجائے، تو آگے آیا فَتُظْهِرَ الْمَفْعُوْلَ، تو پھر آپ کیا کریں گے؟ مفعول کو دوبارہ اسمِ ظاہر کی صورت میں لائیں گے۔

تو کوئی مانع آجائے ضمیر بھی نہیں لا سکتے اور حذف بھی نہیں کر سکتے جیسے افعالِ قلوب کے اندر ہے، فَتُظْهِرَ الْمَفْعُوْلَ، تو پھر آپ کیا کریں گے؟ مفعول کو دوبارہ اسمِ ظاہر لائیں گے۔ فَإِنَّهُ إِذَا امْتَنَعَ الْإِضْمَارُ وَالْحَذْفُ، اس لیے کیونکہ جب اضمار بھی ممتنع ہوا اور حذف بھی ممتنع ہوا، فَلَا سَبِيْلَ إِلَّا إِلَى الْإِظْهَارِ، تو پھر کوئی راستہ نہیں مگر اظہار کی طرف ہی، یعنی دوبارہ اسمِ ظاہر کو لانا پڑے گا، نَحْوُ حَسِبَنِيْ وَحَسِبْتُهُمَا مُنْطَلِقَيْنِ الزَّيْدَانِ مُنْطَلِقًا۔

حَيْثُ أُعْمِلَ حَسِبَنِيْ، اس طور پر کہ حَسِبَنِيْ کو... اب دیکھو یہ حَسِبَنِيْ وَحَسِبْتُهُمَا مُنْطَلِقَيْنِ الزَّيْدَانِ مُنْطَلِقًا، اس میں جو تفصیل میں نے بیان کی تھی اب وہ ساری یہ یہاں بیان کریں گے۔ کہتے ہیں دیکھو: حَيْثُ أُعْمِلَ حَسِبَنِيْ، حَسِبَنِيْ کو عامل بنایا گیا، فَجُعِلَ الزَّيْدَانِ فَاعِلًا لَهُ، تو الزَّيْدَانِ کو اس کے لیے فاعل بنا دیا گیا، وَمُنْطَلِقًا مَفْعُوْلًا لَهُ، اور مُنْطَلِقًا کو اس کے لیے مفعول بنا دیا گیا، وَأُضْمِرَ الْمَفْعُوْلُ الْأَوَّلُ فِيْ حَسِبْتُهُمَا، اور حَسِبْتُهُمَا کے اندر مفعولِ اول کی ضمیر لائی گئی یہ جو هُمَا ضمیر ہے، وَأُظْهِرَ الْمَفْعُوْلُ الثَّانِيْ وَهُوَ مُنْطَلِقَيْنِ، اور دوسرے مفعول کو ظاہر لایا گیا اور وہ کیا ہے؟ مُنْطَلِقَيْنِ۔ بھئی اس کو ظاہر کیوں لایا گیا؟ کہتے ہیں لِمَانِعٍ، ایک مانع کی وجہ سے، وَهُوَ، اور وہ یہ، أَنَّهُ لَوْ أُضْمِرَ مُفْرَدًا، کہ اگر اس کی ضمیر مفرد کی لائی جائے، خَالَفَ الْمَفْعُوْلَ الْأَوَّلَ، کہ اگر مفرد کی ضمیر لائی جائے تو خَالَفَ الْمَفْعُوْلَ الْأَوَّلَ تو یہ ضمیر مخالف ہو جائے گی کس کے؟ مفعولِ اول کے۔ یا اس کو الْمَفْعُوْلُ الْأَوَّلُ کو مرفوع پڑھ لو اس کو خَالَفَ کا فاعل بنا دو یا خَالَفَ الْمَفْعُوْلُ الْأَوَّلُ تو وہ مفعولِ اول مخالف ہو جائے گا اس ضمیر کے، کیونکہ وہ تو تثنیہ ہے اور ضمیر تو کیا ہے؟ مفرد کی آپ نے نکالی۔ وَلَوْ أُضْمِرَ مُثَنًّى، اور اگر تثنیہ کی ضمیر لائی جائے، خَالَفَ الْمَرْجِعَ، پھر تو یہ ضمیر مرجع کے مخالف ہو جائے گی، وَهُوَ قَوْلُهُ مُنْطَلِقًا، اور مرجع کیا ہے؟ وہ مُنْطَلِقًا ہے وہ تو مفرد ہے۔

اب یہاں سے ایک اور بات آپ کو بتلائیں گے۔ اس جملے پر نظر رکھو: حَسِبَنِيْ وَحَسِبْتُهُمَا مُنْطَلِقَيْنِ الزَّيْدَانِ مُنْطَلِقًا۔ انہوں نے کیا بتایا آپ کو؟ کہ یہ حَسِبَنِيْ اور حَسِبْتُهُمَا ان کا تنازع ہے کس کے بارے میں؟ وہ جو آخر میں مُنْطَلِقًا آ رہا ہے، توجہ ہے؟ اس میں جھگڑا ہے: حَسِبَنِيْ چاہتا ہے یہ میرے لیے مفعولِ ثانی بنے، حَسِبْتُهُمَا چاہتا ہے یہ میرے لیے مفعولِ ثانی بنے۔ پھر حَسِبْتُهُمَا کے لیے آپ نے مفعولِ ثانی کیا نکالا؟ مُنْطَلِقَيْنِ، کیا نکالا؟ معلوم ہوا حَسِبْتُهُمَا تو تثنیہ والا مفعول چاہتا ہے، اور یہ آگے جو مُنْطَلِقًا ہے وہ تو مفرد ہے، معلوم ہوا اس میں تو جھگڑا ہی نہیں ہو سکتا بھئی! کیونکہ حَسِبَنِيْ مفعولِ ثانی کو مفرد چاہتا ہے اور حَسِبْتُهُمَا مفعولِ ثانی تثنیہ چاہتا ہے اور مُنْطَلِقًا تو مفرد ہے، وہ تو حَسِبَنِيْ کے لیے مفعول بن سکتا ہے حَسِبْتُهُمَا کے لیے مفعول بن ہی نہیں سکتا، اسی لیے تو آپ نے جب اس کے لیے مفعول نکالا تو تثنیہ نکالا، وہ مفرد مفعول کا تقاضا ہی نہیں کر رہا۔ بات سمجھ میں آ گئی؟ تو صاحبِ جامی آپ کو بتلائیں گے کہ ہاں بات ایسی ہی ہے، اس مُنْطَلِقًا کو اگر اسی طرح مفرد ہونے کے اعتبار سے دیکھا جائے تو پھر اس میں جھگڑا ہو ہی نہیں سکتا۔

بات سمجھ میں آ گئی؟ ہاں کہتے ہیں جھگڑے کا تصور اسی صورت میں ہو سکتا ہے کہ آپ یہ تصور کریں، کہ آپ یہ تصور کریں کہ دیکھو مُنْطَلِقًا، توجہ ہے؟ یہ مُنْطَلِق دو چیزوں پر دلالت کر رہا ہے: ایک یہ مفرد ہونے پر بھی دلالت کر رہا ہے کہ یہ مفرد ہے، دوسرا یہ اس بات پر دلالت کر رہا ہے کہ کوئی ذات ہے جو چلنے والی ہے، مُنْطَلِق کا کیا معنیٰ؟ کوئی ذات ہے جو چلنے والی ہے، تو اس میں مفرد ہونے پر بھی یہ دلالت کر رہا ہے اور ذات کے منطلق ہونے پر بھی یہ کیا کر رہا ہے؟ دلالت کر رہا ہے۔ کہتے ہیں جھگڑے کا تصور اسی وقت ہو سکتا ہے جب آپ مفرد اور تثنیہ سے قطعِ نظر یہ دیکھیں کہ مُنْطَلِق دلالت کر رہا ہے ایک ایسی ذات پر جو انطلاق کے ساتھ موصوف ہے، جو کس کے ساتھ موصوف ہے؟ بھئی دیکھو ضَارِب کا کیا معنیٰ؟ ایک

ذات ہے جو ضرب کے ساتھ موصوف ہے یعنی جس نے ضرب لگائی ہے؛ ضَارِب کا کیا معنیٰ؟ ایک ذات ہے جو شرب کے ساتھ موصوف ہے یعنی جس نے پینے والا فعل کیا ہے؛ آکِل، اکل کا معنیٰ کھانا کھانا، آکِل کا کیا معنیٰ؟ ایک ذات ہے جو کھانے کے ساتھ موصوف ہے۔ تو اسی طرح یہاں مُنْطَلِق آیا، مُنْطَلِق نے کس پر دلالت کی؟ ایک ذات ہے جو انطلاق کے ساتھ موصوف ہے، کس

کے ساتھ؟ انطلاق یعنی چلنے کے ساتھ موصوف ہے۔

تو کہتے ہیں جھگڑے کا تصور اسی صورت میں ہو سکتا ہے کہ جب آپ مُنْطَلِقًا میں یہ ملاحظہ کریں کہ یہ ایک ایسی ذات پر دلالت کر رہا ہے جو انطلاق کے ساتھ موصوف ہے، افراد اور تثنیہ سے قطعِ نظر۔ افراد اور تثنیہ سے قطعِ نظر یہ ایک ایسی ذات پر دلالت کر رہا ہے جو انطلاق کے ساتھ موصوف ہے، اور حَسِبَنِيْ بھی ایسا مفعول چاہتا ہے جو انطلاق کے ساتھ موصوف ہو اور حَسِبْتُهُمَا بھی ایسا مفعول چاہتا ہے جو انطلاق کے ساتھ موصوف ہو، افراد اور تثنیہ سے قطعِ نظر۔ اس لیے کیونکہ اگر افراد اور تثنیہ کو آپ مدِنظر رکھیں گے پھر تو جھگڑا ہو ہی نہیں سکتا، کیونکہ حَسِبَنِيْ مفرد مفعولِ ثانی چاہتا ہے اور حَسِبْتُهُمَا تثنیہ چاہتا ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟

دیکھیے کتاب پر۔ کہتے ہیں: وَلَا يَخْفٰى، اور یہ بات مخفی نہیں ہے، أَنَّهُ لَا يُتَصَوَّرُ التَّنَازُعُ فِيْ هٰذِهِ الصُّوْرَةِ، کہ تنازع کا تصور نہیں کیا جاتا اس صورت میں، إِلَّا إِذَا لَاحَظْتَ الْمَفْعُوْلَ الثَّانِيَ، مگر یہ کہ جب آپ ملاحظہ کریں مفعولِ ثانی کو، اِسْمًا دَالًّا، کہ وہ ایک ایسا اسم ہے جو دلالت کر رہا ہے، عَلٰى اتِّصَافِ ذَاتٍ مَّا بِالْاِنْطِلَاقِ، کسی ایک ذات کے متصف ہونے پر کہ ایک ذات متصف ہو رہی ہے بِالْاِنْطِلَاقِ کس کے ساتھ؟ انطلاق کے ساتھ۔ جب آپ مفعولِ ثانی کو ملاحظہ کریں صرف اس حیثیت سے کہ ایک ذات انطلاق کے ساتھ متصف ہو رہی ہے، مِنْ غَيْرِ مُلَاحَظَةِ تَثْنِيَتِهِ وَإِفْرَادِهِ، بغیر اس کے تثنیہ اور مفرد ہونے کے، اس کے تثنیہ اور مفرد ہونے کو ملاحظہ کیے بغیر، صرف اتنا دیکھیں کہ مُنْطَلِقًا ایک ایسی ذات پر دلالت کر رہا ہے جو انطلاق کے ساتھ موصوف ہے، مفرد یا تثنیہ ہونے کو نہ دیکھیں، پھر ہی جھگڑے کا تصور کیا جا سکتا ہے، اگر آپ مفرد یا تثنیہ ہونے کو ملاحظہ کریں گے پھر اس میں جھگڑا نہیں ہو سکتا۔

تو کہتے ہیں: مِنْ غَيْرِ مُلَاحَظَةِ تَثْنِيَتِهِ وَإِفْرَادِهِ، بغیر اس کے مفرد ہونے اور اس کے تثنیہ ہونے کو ملاحظہ کرتے ہوئے، وَإِلَّا، اور اگر ایسا نہ ہو یعنی آپ تثنیہ اور افراد کو بھی ملاحظہ کریں، فَالظَّاهِرُ أَنَّهُ لَا تَنَازُعَ بَيْنَ الْفِعْلَيْنِ فِي الْمَفْعُوْلِ الثَّانِيْ، پھر ظاہر یہی ہے کہ کوئی جھگڑا نہیں ہے دو فعلوں کے درمیان مفعولِ ثانی میں، لِأَنَّ الْأَوَّلَ يَقْتَضِيْ مَفْعُوْلًا مُفْرَدًا، اس لیے کیونکہ پہلا فعل تقاضا کر رہا ہے مفعولِ مفرد کا، وَالثَّانِيْ مَفْعُوْلًا مُثَنًّى، اور دوسرا ایسے مفعول کا جو تثنیہ ہو، فَلَا يَتَوَجَّهَانِ إِلٰى أَمْرٍ وَاحِدٍ، تو یہ دونوں ایک چیز کی طرف متوجہ ہی نہیں ہیں، فَلَا تَنَازُعَ، تو کوئی جھگڑا بھی نہیں ہے۔

بات سمجھ میں آگئی؟ اچھی طرح حل ہو گیا؟ چلیے بس بھئی، هٰذَا هُوَ الْمَرَامُ وَاللّٰهُ أَعْلَمُ بِحَقِيْقَةِ الْكَلَامِ۔

سبق نمبر ۹۰: التنازع (۵): کوفیین کے دلائل (قولِ امرؤ القیس) اور بصریین کا جواب

شرحِ ملا جامی صفحہ: ۶۵ — بتاریخ: ۲۷ اکتوبر ۲۰۲۱ء

▪ تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث

آگے سبق دیکھیے بھائی:

وَلَمَّا اسْتَدَلَّ الْكُوْفِيُّوْنَ عَلٰى أَوْلَوِيَّةِ إِعْمَالِ الْفِعْلِ الْأَوَّلِ بِقَوْلِ امْرِئِ الْقَيْسِ (شِعْرٌ):

وَلَوْ أَنَّ مَا أَسْعٰى لِأَدْنٰى مَعِيْشَةٍ

كَفَانِيْ وَلَمْ أَطْلُبْ قَلِيْلٌ مِنَ الْمَالِ

حَيْثُ قَالُوْا: قَدْ تَوَجَّهَ الْفِعْلَانِ، أَعْنِيْ كَفَانِيْ وَلَمْ أَطْلُبْ إِلَى اسْمٍ وَاحِدٍ، وَهُوَ قَلِيْلٌ مِنَ الْمَالِ، فَاقْتَضَى الْأَوَّلُ رَفْعَهُ بِالْفَاعِلِيَّةِ وَالثَّانِيْ نَصْبَهُ بِالْمَفْعُوْلِيَّةِ.

تنازع فعلین کا مسئلہ چل رہا ہے بھائی، اور آپ نے پڑھا کہ بصرہ والوں کے نزدیک ثانی فعل کو عمل دینا اولیٰ ہے۔ اور اول پھر اگر فاعل کا تقاضا کر رہا ہو تو اس میں فاعل کی ضمیر لے آئیں گے، اور اگر وہ مفعول کا تقاضا کر رہا ہو تو اس مفعول کو حذف کر دیں گے۔ الا یہ کہ اس مفعول کو حذف کرنا جائز نہ ہو بھائی، یعنی وہ افعالِ قلوب میں سے ہو۔ تو پھر اس صورت میں حذف کرنا بھی جائز نہیں اور اسی طرح ضمیر لانا بھی جائز نہیں، کیونکہ اضمار قبل الذکر عمدہ میں تو جائز ہے اور یہ مفعول تو کیا ہوتا ہے؟ فضلہ۔ اس کے اندر تو جائز نہیں۔ تو حذف بھی جائز نہیں اور اضمار قبل الذکر بھی جائز نہیں، تو پھر آخری صورت یہی رہ جاتی ہے کہ اس اسمِ ظاہر کو دوبارہ لے کر آئیں گے بھائی۔

میں نے بتایا تھا کہ افعالِ قلوب جو ہیں وہ دو مفعول چاہتے ہیں، اور وہ دو مفعول آپس میں مبتدا خبر کے درجے میں ہوتے ہیں، اور وہاں جو مفعول ہوتا ہے حقیقت میں مضمونِ جملہ ہوتا ہے، حقیقت میں مضمونِ جملہ ہوتا ہے۔ جیسے عَلِمْتُ زَيْدًا قَائِمًا۔ تو اصل میں کیا تھا؟ زَيْدٌ قَائِمٌ تھا، یہ مبتدا خبر تھے۔ پھر اس پر عَلِمْتُ داخل ہوا، اس نے مبتدا کو اپنا مفعولِ اول بنایا

اور خبر کو اپنا مفعولِ ثانی، تو کیا بن گیا؟ عَلِمْتُ زَيْدًا قَائِمًا۔ تو اب یہاں زَيْدًا مفعولِ اول ہے عَلِمْتُ کے لیے اور قَائِمًا مفعولِ ثانی۔ لیکن حقیقت میں یہاں مفعول جو ہے وہ مضمونِ جملہ ہے۔ اور مضمونِ جملہ کیسے نکالتے ہیں؟ میں نے آپ کو بتلایا تھا کہ خبر کا مصدر نکالیں اور اس بتدا کی طرف اس کی اضافت کر دیں۔ تو زَيْدٌ قَائِمٌ کے اندر مضمونِ جملہ کیا ہوگا؟ خبر کیا؟ زَيْدٌ قَائِمٌ میں خبر کیا؟ قَائِمٌ۔ اس قَائِمٌ کا مصدر نکالیں، قِيَامٌ، اور اس قِيَامٌ کی اضافت کر دیں بتدا کی طرف، قِيَامُ زَيْدٍ۔ تو آپ سے کوئی پوچھے کہ اس جملے کا مضمون کیا ہے، یعنی اس میں کیا بیان ہو رہا ہے؟ تو آپ کہیں گے کہ زَيْدٌ قَائِمٌ یہ جو جملہ ہے، اس کے اندر قِيَامُ زَيْدٍ بیان ہو رہا ہے، زید کا قیام بیان ہو رہا ہے۔ تو یہی مضمونِ جملہ ہے، قِيَامُ زَيْدٍ مضمونِ جملہ ہے۔ تو یہاں پر بھی عَلِمْتُ زَيْدًا قَائِمًا۔ عَلِمْتُ افعالِ قلوب میں سے ہے، اور افعالِ قلوب کے دو مفعولوں میں سے ایک کو حذف کر لیا جائے اور ایک پر اکتفا کر لیا جائے یہ جائز نہیں۔ اس لیے کیونکہ یہاں حقیقت میں مفعول کیا ہے؟ مضمونِ جملہ ہے۔ اور مضمونِ جملہ کیسے نکالا جاتا ہے؟ کہ خبر کا مصدر نکال کر اس کی بتدا کی طرف اضافت کر دی جائے۔ اور یہاں پر بھی زَيْدًا قَائِمًا یہ جو مفعولِ اول اور ثانی ہیں، یہ بتدا خبر کے درجے میں ہیں۔ تو زَيْدًا قَائِمًا اس کا مضمونِ جملہ کیا ہے؟ قِيَامُ زَيْدٍ۔ تو اصل گویا کلام یوں ہے: عَلِمْتُ قِيَامَ زَيْدٍ۔ تو قِيَامَ زَيْدٍ یہ مفعول ہے عَلِمْتُ کے لیے حقیقت میں۔ تو یہ مضمونِ جملہ ہے، اور دیکھو اگر دونوں میں سے ایک کو حذف کر دیں گے تو یہ قِيَامُ زَيْدٍ یہ مضاف مضاف الیہ ہیں، ان میں سے گویا آپ نے ایک جز کو حذف کر دیا۔ اور مضاف مضاف الیہ میں سے ایک جز کو تو حذف کرنا جائز نہیں ہے بھائی، ورنہ تو بات پوری سمجھ میں ہی نہیں آئے گی۔ غُلَامُ زَيْدٍ ہے، غُلَامُ مضاف زَيْدٍ مضافٌ الیہ۔ آپ صرف غُلَامُ کہیں پھر بھی غُلَامُ زَيْدٍ سمجھ میں نہیں آئے گا اور صرف زَيْدٍ کہیں تو بھی غُلَامُ زَيْدٍ سمجھ میں نہیں آئے گا۔ مضاف مضاف الیہ دونوں کا ہونا ضروری ہے پھر ہی بات سمجھ میں آئے گی۔ بات سمجھ میں آگئی۔ تو لہٰذا افعالِ قلوب کے اندر مفعول کو حذف کرنا بھی جائز نہیں اور ضمیر لانا بھی جائز نہیں ہوگا کیونکہ اس صورت میں اضمار قبل الذکر کی خرابی لازم آئے گی فضلہ میں۔ تو پھر تیسری صورت یہی ہے کہ اس مفعول کو دوبارہ ذکر کر دیا جائے۔

اور اس کے بعد پھر ہم نے کوفہ والوں کا مذہب پڑھا۔ کوفہ والے کہتے ہیں کہ پہلے فعل کو عامل بنانا اولیٰ ہے، اور دوسرا فعل اگر فاعل کا تقاضا کرے تو اس میں پھر فاعل کی ضمیر لے آئیں گے، اور اگر دوسرا فعل مفعول کا تقاضا کرے تو پھر اس میں مفعول کو حذف کرنا بھی جائز، لیکن بہتر یہ ہے کہ مفعول کی ضمیر لائی جائے، اس کو حذف نہ کیا جائے تاکہ پتا چل جائے کہ مفعول کون ہے بھائی۔ ضَرَبْتُ وَأَكْرَمْتُ زَيْدًا۔ ضَرَبْتُ چاہتا ہے زید میرا مفعول بنے، أَكْرَمْتُ چاہتا ہے میرا مفعول بنے۔ تو کوفہ والوں کے نزدیک کس کو عامل بنائیں گے؟ پہلے کو۔ تو ضَرَبْتُ نے زَيْدًا کو نصب دے دیا، ضَرَبْتُ وَأَكْرَمْتُ زَيْدًا۔ اب یہ أَكْرَمْتُ کے اندر، یہ بھی مفعول چاہتا ہے، تو اس میں ایک صورت یہ ہے کہ مفعول کو حذف کر دیں۔ لیکن مفعول کو اگر آپ حذف کر دیں اور اسی طرح کہیں ضَرَبْتُ وَأَكْرَمْتُ زَيْدًا، تو اب پتا نہیں چلے گا کہ یہ أَكْرَمْتُ کا مفعول کیا ہے بھائی؟ یہی زید ہے یا کوئی اور ذات ہے؟ لیکن جب آپ أَكْرَمْتُهُ کے ساتھ ہا ضمیر لے آئیں گے تو اس سے پتا چل جائے گا کہ یہ أَكْرَمْتُهُ

کا مفعول کون ہے؟ زید ہی ہے، یہ ہا ضمیر کس کو راجع؟ زید۔ بھائی یہ ہا ضمیر نہیں تو پتا نہیں اس کا مفعول یہی زید ہے یا عمر ہے یا بکر ہے یا خالد ہے، کون ہے جس کو آپ نے حذف کیا ہے؟ لیکن جب ہا ضمیر ہے، اب اس کے لیے آگے زَیْدًا مرجع ہے اور زید اگرچہ ہا ضمیر سے لفظوں میں مؤخر ہے لیکن رتبے کے اعتبار سے مقدم ہے، کیونکہ یہ ضَرَبْتُ کے ساتھ یعنی پہلے فعل کے ساتھ متعلق ہو چکا ہے۔ تو زَیْدًا لفظوں میں تو أَکْرَمْتُ سے مؤخر ہے لیکن رتبے کے اعتبار سے یہ أَکْرَمْتُ سے مقدم ہے۔ تو أَکْرَمْتُهُ کے ساتھ ہا ضمیر مفعول کی جوڑ دی اور یہ زید کو راجع ہے۔ تو اب پتا چل گیا کہ اکرام کس کا کیا گیا ہے؟ اسی زید کا کیا گیا ہے۔

تو کوفہ والے کیا کہتے ہیں کہ اول کو عامل بنائیں گے، تو ثانی اگر فاعل کا تقاضا کرے تو اس میں فاعل کی ضمیر لے آئیں گے اور اس میں اضمار قبل الذکر کی خرابی بھی لازم نہیں آئے گی کیونکہ ضمیر آگے اسمِ ظاہر کو راجع ہے اور وہ اسمِ ظاہر لفظوں میں تو بے شک مؤخر ہے لیکن رتبے کے اعتبار سے مقدم ہے، اس کا تعلق پہلے فعل سے ہو چکا ہے۔ اور اگر دوسرا فعل مفعول کا تقاضا کرے تو اس میں حذف بھی جائز ہے اور اضمار بھی جائز ہے، اور اضمار بہتر ہے بھائی، بہتر ہے۔ اور اگر کوئی مانع آجائے یعنی فعلِ ثانی کے لیے مفعول کو حذف بھی نہیں کر سکتے اور ضمیر بھی نہیں لا سکتے جیسے کہ افعالِ قلوب کے اندر ہے، تو پھر دوبارہ اس اسمِ ظاہر کو لانا پڑے گا۔ بات سمجھ میں آگئی۔

جیسے اس کی مثال آئی تھی: حَسِبَنِيْ وَحَسِبْتُهُمَا مُنْطَلِقَيْنِ الزَّيْدَانِ مُنْطَلِقًا بھائی۔ اس حَسِبَنِيْ اور حَسِبْتُهُمَا یہ دونوں آگے جھگڑ رہے ہیں آخر میں جو مُنْطَلِقًا آرہا ہے اس کے اندر بھائی۔ حَسِبَنِيْ چاہتا ہے یہ میرے لیے مفعولِ ثانی بنے، اور حَسِبْتُهُمَا چاہتا ہے یہ میرے لیے مفعولِ ثانی بنے۔ تو حَسِبَنِيْ پہلے فعل کو عامل بنایا گیا اور یہ اس کے لیے مفعولِ ثانی بن گیا۔ اب حَسِبْتُهُمَا بھی مفعولِ ثانی چاہتا ہے، تو ایک صورت یہ ہے کہ مفعول کو حذف کر دیں۔ لیکن یہ تو افعالِ قلوب میں سے ہے اور افعالِ قلوب میں ایک مفعول کو حذف کرنا جائز نہیں۔ دوسری صورت یہ ہے کہ اس کی ضمیر لے آئیں۔ چنانچہ ہم حَسِبْتُهُمَا کے بعد ضمیر لاتے ہیں اور یہ ضمیر کس کو راجع ہوگی؟ مُنْطَلِقًا کو۔ اور مُنْطَلِقًا تو ہے مفرد، تو ہم مفرد کی ضمیر لے آتے ہیں: حَسِبْتُهُمَا إِيَّاهُ۔ منصوب منفصل ضمیر ہم لائیں گے، منصوب منفصل، کیونکہ یہ مفعول بن رہی ہے۔ تو حَسِبْتُهُمَا إِيَّاهُ۔ اب یہ ضمیر کس کو راجع؟ مُنْطَلِقًا کو۔ ضمیر اور مرجع میں تو مطابقت آگئی۔ مُنْطَلِقًا بھی مفرد مذکر اور إِيَّاهُ ضمیر بھی مفرد مذکر، تو دونوں میں تو مطابقت آگئی، لیکن حَسِبْتُهُمَا کے مفعولِ اول کے ساتھ اس ضمیر کی مطابقت نہیں، کیونکہ حَسِبْتُهُمَا کا مفعولِ اول کیا ہے؟ یہ هُمَا ضمیر ہے اور مفعولِ ثانی کیا ہے؟ إِيَّاهُ، وہ تو مفرد کی ضمیر ہے، حالانکہ یہ دونوں آپس میں کس کے درجے میں ہوتے ہیں؟ مبتدا خبر کے درجے میں ہوتے ہیں، اور خبر جو ہے مبتدا کے لیے صفت کے درجے میں ہوتی ہے اور موصوف صفت میں مطابقت ضروری ہے۔ توجہ ہے؟ یہ خبر بھی مبتدا کے لیے صفت کے درجے میں ہوتی ہے، زَيْدٌ قَائِمٌ کیا معنی؟ زید کھڑا ہے۔ معلوم ہوا قیام اس کی صفت ہے، قیام اس کی صفت ہے۔ تو یہ جو خبر ہوتی ہے یہ صفت کے درجے

میں ہوتی ہے۔ تو یہاں پر بھی حَسِبْتُهُمَا کا مفعولِ اول تو هُمَا تثنیہ ضمیر ہے اور مفعول ثانی إِيَّاهُ مفرد کی ضمیر ہے، تو دونوں مفعولوں میں مطابقت نہیں، حالانکہ دونوں میں مطابقت ضروری ہے۔ تو پھر ہم یوں کرتے ہیں تثنیہ کی ضمیر لے آتے ہیں: حَسِبْتُهُمَا إِيَّاهُمَا۔ اب دونوں مفعولوں میں مطابقت آگئی، لیکن إِيَّاهُمَا کی اب مطابقت مرجع کے ساتھ نہیں۔ إِيَّاهُمَا تو ہے تثنیہ کی ضمیر اور یہ لوٹ رہی ہے مُنْطَلِقًا کو، اور وہ تو مفرد ہے بھائی۔ تو اب مرجع کے ساتھ ضمیر کی مطابقت نہیں۔ معلوم ہوا ضمیر کا لانا بھی ممکن نہیں، کیونکہ اگر ہم ضمیر لاتے ہیں تو مرجع کے ساتھ مطابقت کرتے ہیں تو مفعولِ اول کے ساتھ مطابقت نہیں ہوتی، اور مفعولِ اول کے ساتھ مطابقت کرتے ہیں تو مرجع کے ساتھ مطابقت نہیں ہوتی۔ تو معلوم ہوا ضمیر کا لانا بھی جائز نہیں، ضمیر کا لانا بھی ممکن نہیں۔ تو جب حذف بھی نہیں کر سکتے، ضمیر بھی نہیں لا سکتے، تو آخری صورت پھر یہی رہ گئی کہ اسی اسمِ ظاہر کو دوبارہ لے آئیں گے۔ چنانچہ یہاں پھر دوبارہ اسمِ ظاہر مُنْطَلِقَيْنِ کو ہم لے آئے، اور جملہ کیا بن گیا: حَسِبَنِيْ وَحَسِبْتُهُمَا مُنْطَلِقَيْنِ الزَّيْدَانِ مُنْطَلِقًا۔

اور پھر آگے صاحبِ جامی نے آپ کو یہ بھی بتلایا تھا کہ اس صورت میں مُنْطَلِقًا میں جھگڑے کا تصور نہیں کیا جا سکتا، اس لیے کیونکہ مُنْطَلِقًا مفرد ہے، اور حَسِبَنِيْ مفعولِ ثانی مفرد چاہتا ہے، اور حَسِبْتُهُمَا کے لیے ہم نے مفعولِ ثانی کیا نکالا؟ مُنْطَلِقَيْنِ۔ تو وہ تثنیہ چاہتا ہے، تو اس میں دونوں جھگڑ ہی نہیں سکتے۔ حَسِبَنِيْ تو مفرد ہے بھائی، تو اس کے اندر تنازع نہیں ہو سکتا۔ بات سمجھ میں آ رہی ہے؟ اس میں تنازع کا تصور نہیں کیا جا سکتا اس لیے کیونکہ حَسِبَنِيْ اس کو اپنا مفعول بنانا چاہتا ہے لیکن حَسِبْتُهُمَا اس کو اپنا مفعول نہیں بنا سکتا کیونکہ یہ تو مفرد ہے بھائی اور اس کے لیے تو تثنیہ مفعول چاہیے۔ تو صاحبِ جامی نے آپ کو بتلایا تھا کہ یہ جو مُنْطَلِقًا ہے اس کے اندر دو حیثیتیں ہیں۔ ایک حیثیت یہ کہ یہ دلالت کر رہا ہو افرادیا تثنیہ پر۔ مُنْطَلِقًا کس پہ دلالت کر رہا ہے؟ افراد پر، مفرد ہونے پر۔ اور مُنْطَلِقَيْنِ یہ کس پہ دلالت کر رہا ہے؟ تثنیہ ہونے پر۔ تو مُنْطَلِقًا اور مُنْطَلِقَيْنِ میں ایک حیثیت یہ ہے کہ یہ افراد اور تثنیہ پر دلالت کر رہے ہیں، اور دوسری حیثیت یہ ہے کہ یہ دلالت کر رہے ہیں ایک ایسی ذات پر جو انطلاق کے ساتھ متصف ہے، جو انطلاق کے ساتھ متصف ہے۔ جیسے دیکھو مُنْطَلِقٌ اسمِ فاعل ہے، اسی طرح ضَارِبٌ اسمِ فاعل، ضَارِبٌ کا کیا معنی؟ کوئی ذات ہے جو شرب کے ساتھ متصف ہے یعنی شرب اس کی صفت ہے۔ ضَارِبٌ کا کیا معنی؟ کوئی ذات ہے جو ضرب کے ساتھ متصف ہے یعنی اس نے ضرب لگائی ہے۔ آكِلٌ کا کیا معنی؟ کوئی ذات ہے جو اکل یعنی کھانے کے ساتھ متصف ہے، اس نے اکل والا فعل کیا ہے۔ توجہ ہے؟ تو یہاں پر بھی مُنْطَلِقٌ آیا تو مُنْطَلِقٌ دلالت کر رہا ہے ایک ایسی ذات پر جو انطلاق کے ساتھ متصف ہو رہی ہے۔ توجہ ہے؟ تو صاحبِ جامی فرماتے ہیں کہ یہاں تنازع کا تصور صرف اسی صورت میں ہو سکتا ہے جب آپ یہ تصور کریں کہ یہ جو مُنْطَلِقًا ہے، یہ ایک ذات پر دلالت کر رہا ہے جو انطلاق کے ساتھ متصف ہو رہی ہے، قطعِ نظر تثنیہ اور مفرد ہونے کے۔ تثنیہ اور مفرد ہونے کو آپ ملحوظ نہ رکھیں، اس کی طرف توجہ نہ کریں، پھر ہی تنازع اس میں کہا جا سکتا ہے، ورنہ تو یہاں تنازع ہو ہی نہیں سکتا بھائی۔ بات سمجھ میں آگئی۔

اب آگے دیکھیے آج کے سبق پر بھائی:

▪ متنِ کتاب و تحقیقِ مسائلِ نحویہ

وَلَمَّا اسْتَدَلَّ الْكُوْفِيُّوْنَ عَلٰى أَوْلَوِيَّةِ إِعْمَالِ الْفِعْلِ الْأَوَّلِ بِقَوْلِ امْرِئِ الْقَيْسِ (شِعْرٌ):

وَلَوْ أَنَّ مَا أَسْعٰى لِأَدْنٰى مَعِيْشَةٍ

كَفَانِيْ وَلَمْ أَطْلُبْ قَلِيْلٌ مِنَ الْمَالِ

بھائی کوفہ والے کہتے ہیں کہ پہلے فعل کو عامل بنانا اولیٰ ہے بھائی، اور کوفہ والے دلیل کے طور پر امرؤ القیس کے شعر کو ذکر کرتے ہیں۔ میں نے آپ کو بتلایا تھا کہ علمائے نحو جو ہیں دلیل کے طور پر عرب کے جو چوٹی کے شعراء تھے، جو بڑے فصیح و بلیغ شعراء تھے، ان کے کلام کو بطورِ دلیل کے پیش کیا کرتے ہیں بھائی۔ اور میں نے بتلایا تھا کہ اس میں زمانۂ جاہلیت کے جو شعراء ہیں اور اسلام کی پہلی صدی تک کے جو شعراء ہیں، ان کے کلام کو بطورِ دلیل کے ذکر کیا جاتا ہے۔ بعد والے شعراء اگرچہ وہ بھی بڑے بڑے شعراء تھے لیکن بھائی بعد میں عرب کے ساتھ غیر عرب کا اختلاط بہت زیادہ بڑھ گیا بھائی۔ اسلام پوری دنیا میں پھیلتا چلا گیا اور ہر زبان اور قوم والے لوگ اسلام کے اندر داخل ہو گئے۔ تو اب پہلی صدی کے بعد جو عربی زبان ہے، اب اس میں شبہ آگیا کہ کوئی شعر وغیرہ کہتا ہے تو وہ خالص عربوں کے کلام کے مطابق ہے یا اس کے مطابق نہیں، اس میں شک آگیا۔ تو اس لیے بعد والے اشعار اگرچہ وہ بھی بڑے بڑے شعراء ہیں لیکن ان کا کلام بطورِ دلیل کے ذکر نہیں کیا جا سکتا۔ صرف زمانۂ جاہلیت کے اور اسلام کی پہلی صدی تک کے تقریباً جو شعراء ہیں ان کے کلام کو ذکر کیا جاتا ہے۔ اور یہ امرؤ القیس یاد رکھو، یہ عرب کے بڑے شعراء میں سے تھا، بلکہ بعض تو کہتے ہیں کہ یہ عرب کا سب سے بڑا شاعر تھا بھائی۔ اور اس کا حدیث کے اندر بھی ذکر آتا ہے۔ حضور علیہ السلام فرماتے ہیں کہ یہ امرؤ القیس قیامت کے دن آئے گا، شعراء کا جھنڈا اس کے ہاتھ میں ہوگا اور یہ تمام شعراء کو لے کر جہنم میں داخل ہو جائے گا بھائی۔ تو یہ بہت بڑا شاعر تھا بھائی، اس کے اشعار آج بھی عرب کے بچے بچے کی زبان پر ہیں بھائی۔ یہ وہی عام باتیں ذکر کرتا ہے جن کا مشاہدہ ہم کرتے ہیں یا جن کا مشاہدہ عام دیہات والے کرتے ہیں، یہ مثلاً بارش ہے، بجلی چمک رہی ہے، بادل آئے ہوئے ہیں، گھوڑے وغیرہ ان چیزوں کا مشاہدہ جیسے عام دیہات والے کرتے ہیں۔ یہ عام چیزیں ہیں، دیہات کے اندر ان کا ہر ایک مشاہدہ کرتا ہے، لیکن انہی چیزوں کو وہ اتنے فصیح و بلیغ پیرائے میں ذکر کرتا ہے اپنے اشعار میں کہ انسان جھوم اٹھتا ہے بھائی۔ تو اس کے اشعار آج بھی عرب کے بچے بچے کی زبان پر آپ کو ملتے ہیں بھائی۔

تو کوفہ والے بطورِ دلیل کے امرؤ القیس کے شعر کو ذکر کرتے ہیں بھائی، امرؤ القیس کے، اور کہتے ہیں دیکھو امرؤ القیس

نے یہ جو شعر ہے اس کا:

وَلَوْ أَنَّ مَا أَسْعٰى لِأَدْنٰى مَعِيْشَةٍ

كَفَانِيْ وَلَمْ أَطْلُبْ قَلِيْلٌ مِنَ الْمَالِ

اس کے اندر توجہ ہے؟ اس شعر پر آپ کی نظر ہے بھائی؟ وَلَوْ أَنَّ مَا أَسْعٰى لِأَدْنٰى مَعِيْشَةٍ كَفَانِيْ وَلَمْ أَطْلُبْ قَلِيْلٌ مِنَ الْمَالِ۔ یہ جو كَفَانِيْ ہے اور وَلَمْ أَطْلُبْ، یہ كَفَانِيْ اور لَمْ أَطْلُبْ وہ کوفہ والے کہتے ہیں یہ آپس میں جھگڑ رہے ہیں، ان میں تنازع ہے بھائی، کس کے بارے میں؟ قَلِيْلٌ مِنَ الْمَالِ کے بارے میں۔ كَفَانِيْ چاہتا ہے، كَفَانِيْ، كَفَانِيْ کے ساتھ مفعول جڑا ہوا ہے اور یہ چاہتا ہے کہ قَلِيْلٌ اس کے لیے فاعل بنے۔ اور لَمْ أَطْلُبْ، لَمْ أَطْلُبْ متکلم کا صیغہ ہے، اس کے اندر أَنَا ضمیر فاعل ہے، اور یہ چاہتا ہے کہ یہ قَلِيْلٌ مِنَ الْمَالِ کو اپنا مفعول بنائے۔ تو كَفَانِيْ کیا چاہتا ہے؟ قَلِيْلٌ کو اپنا فاعل بنانا چاہتا ہے، یعنی اس کو رفع دینا چاہتا ہے۔ اور لَمْ أَطْلُبْ قَلِيْلٌ کو نصب دینا چاہتا ہے، اپنا مفعول بنانا چاہتا ہے۔ اور شعر کے اندر کیا آیا؟ قَلِيْلٌ مِنَ الْمَالِ۔ دیکھو قَلِيْلٌ مرفوع ہے، تو یہ رفع کس نے دیا؟ كَفَانِيْ فعلِ اول نے دیا ہے بھائی۔ فعلِ ثانی تو نصب کا تقاضا کر رہا تھا۔ تو کوفہ والے کہتے ہیں دیکھو عرب کے ایک فصیح و بلیغ شاعر نے فعلِ اول کو عامل بنایا، معلوم ہوا فعلِ اول کو عامل بنانا اولیٰ ہے۔

بھائی اس شعر کا معنی سمجھ لو، اس شعر کا معنی سمجھ لو: وَلَوْ أَنَّ مَا أَسْعٰى لِأَدْنٰى مَعِيْشَةٍ كَفَانِيْ وَلَمْ أَطْلُبْ قَلِيْلٌ مِنَ الْمَالِ۔ ایک یہ شعر ہے اور اسی طرح ایک اور شعر آگے آرہا ہے، آٹھ دس سطروں کے بعد آرہا ہے شِعْرٌ:

▪ متنِ کتاب و تحقیقِ مسائلِ نحویہ

وَلٰكِنَّمَا أَسْعٰى لِمَجْدٍ مُؤَثَّلٍ

وَقَدْ يُدْرِكُ الْمَجْدَ الْمُؤَثَّلَ أَمْثَالِيْ

مل گیا بھائی؟ یہ جو اگلا متن ہے نا آگے ایک صفحے بعد متن آرہا ہے مَفْعُوْلُ مَا لَمْ يُسَمَّ فَاعِلُهُ، اس سے کوئی ایک ڈیڑھ سطر قبل شعر ہے:

وَلٰكِنَّمَا أَسْعٰى لِمَجْدٍ مُؤَثَّلٍ

وَقَدْ يُدْرِكُ الْمَجْدَ الْمُؤَثَّلَ أَمْثَالِيْ

تو یہ دو شعر ہیں ان کا ترجمہ سمجھ لیجیے بھائی۔ کہتے ہیں وَلَوْ أَنَّ مَا أَسْعٰى لِأَدْنٰى مَعِيْشَةٍ، أَسْعٰى، سَعٰى يَسْعٰى کا معنی ہے

کوشش کرنا بھائی، کوشش کرنا۔ اور أَدْنٰی، أَدْنٰی اسمِ تفضیل ہے، تو أَدْنٰی کا معنی ہے کمتر یعنی تھوڑی سی۔ مَعِیْشَةٍ، معیشت کا معنی ہے ذریعۂ گزر بسر بھائی، یعنی جو کھانا پینا ہے جس پر انسان کیا کرتا ہے؟ گزارا کرتا ہے۔ تو معیشت کہتے ہیں ذریعۂ گزر بسر کو، یعنی انسان کی جو روزی ہے اس کو کیا کہتے ہیں؟ معیشت، یعنی اس کا جو معاش ہے بھائی۔ وَلَوْ أَنَّ مَا أَسْعٰی لِأَدْنٰی مَعِیْشَةٍ، امرؤ القیس کہتا ہے وَلَوْ أَنَّ مَا أَسْعٰی اگر میں کوشش کرتا لِأَدْنٰی مَعِیْشَةٍ تھوڑی سی روزی کے لیے، تھوڑے سے ذریعۂ گزر بسر کے لیے، وَلَوْ أَنَّ مَا أَسْعٰی لِأَدْنٰی مَعِیْشَةٍ اگر میں کوشش کرتا تھوڑے سے معاش کے لیے، کَفَانِيْ تو میرے لیے کافی ہو جاتا قَلِیْلٌ مِنَ الْمَالِ تھوڑا سا مال۔ تو یہ قَلِیْلٌ کیا ہے؟ کَفَانِيْ کے لیے فاعل ہے۔ کَفَانِيْ کافی ہو جاتا میرے لیے قَلِیْلٌ مِنَ الْمَالِ تھوڑا سا مال، وَلَمْ أَطْلُبْ اور میں طلب نہیں کرتا، اور میں طلب نہیں کرتا۔ ترجمہ سمجھ میں آرہا ہے؟ وَلَوْ أَنَّ مَا أَسْعٰی لِأَدْنٰی مَعِیْشَةٍ کَفَانِيْ وَلَمْ أَطْلُبْ قَلِیْلٌ مِنَ الْمَالِ، اگر میں کوشش کرتا تھوڑی سی روزی کے لیے کَفَانِيْ قَلِیْلٌ مِنَ الْمَالِ تو میرے لیے تھوڑا سا مال کافی ہو جاتا، وَلَمْ أَطْلُبْ اور میں طلب نہیں کرتا۔

دوسرا شعر دیکھیے: وَلٰکِنَّمَا أَسْعٰی لِمَجْدٍ مُؤَثَّلٍ۔ مَجْدٌ کہتے ہیں عظمت کو بھائی، مَجْدٌ کا کیا معنی؟ عظمت بھائی، عظیم ہونا، بڑا ہونا۔ مُؤَثَّلٍ، مُؤَثَّلٌ کا معنی ہے پائیدار بھائی، دیرپا یعنی دائمی، دائمی، جو ہمیشہ رہنے والی ہو۔ وَلٰکِنَّمَا أَسْعٰی لِمَجْدٍ مُؤَثَّلٍ لیکن میں کوشش کرتا ہوں لِمَجْدٍ مُؤَثَّلٍ پائیدار عظمت کے لیے۔ میں کوشش کرتا ہوں یا یوں کہو دائمی، میں کوشش کرتا ہوں دائمی عظمت کے لیے کہ میں دائمی طور پر عظیم بن جاؤں بھائی۔ تو کہتے ہیں وَلٰکِنَّمَا أَسْعٰی لِمَجْدٍ مُؤَثَّلٍ لیکن میں کوشش کرتا ہوں دیرپا عظمت کے لیے، وَقَدْ یُدْرِكُ الْمَجْدَ الْمُؤَثَّلَ أَمْثَالِيْ۔ أَدْرَكَ یُدْرِكُ کا معنی پا لینا، حاصل کر لینا۔ اور تحقیق پا لیا کرتے ہیں الْمَجْدَ الْمُؤَثَّلَ دائمی عظمت کو، دائمی عظمت کو پا لیا کرتے ہیں کون بھائی؟ أَمْثَالِيْ، یہ فاعل ہے یُدْرِكُ کے لیے۔ أَمْثَالِيْ، أَمْثَالٌ جمع ہے مِثْلٌ کی اور یَاء ضمیر متکلم کی ہے، میرے جیسے لوگ۔ وَقَدْ یُدْرِكُ الْمَجْدَ الْمُؤَثَّلَ أَمْثَالِيْ اور تحقیق دائمی عظمت کو میرے جیسے لوگ پا لیا کرتے ہیں، حاصل کر لیا کرتے ہیں۔ معنی سمجھ میں آیا؟ پھر سنو اس دوسرے شعر کا ترجمہ: وَلٰکِنَّمَا أَسْعٰی لِمَجْدٍ مُؤَثَّلٍ وَقَدْ یُدْرِكُ الْمَجْدَ الْمُؤَثَّلَ أَمْثَالِيْ لیکن میں کوشش کرتا ہوں دائمی عظمت کے لیے، پائیدار عظمت کے لیے، وَقَدْ یُدْرِكُ الْمَجْدَ الْمُؤَثَّلَ أَمْثَالِيْ اور تحقیق میرے جیسے لوگ جو ہیں وہ پائیدار عظمت کو حاصل کر لیا کرتے ہیں، وہ پائیدار عظمت کو حاصل کر لیتے ہیں۔ معنی سمجھ میں آگیا۔

تو یہ شعر ہے بھائی اور کوفہ والے وہ یہ شعر کو دلیل کے طور پر ذکر کرتے ہیں: وَلَوْ أَنَّ مَا أَسْعٰی لِأَدْنٰی مَعِیْشَةٍ کَفَانِيْ وَلَمْ أَطْلُبْ قَلِیْلٌ مِنَ الْمَالِ۔ کوفہ والوں کے نزدیک پہلے فعل کو عامل بنانا اولیٰ ہے۔ وہ کہتے ہیں دیکھو اس شعر کے اندر کَفَانِيْ اور لَمْ أَطْلُبْ ان دونوں کے درمیان تنازع ہے قَلِیْلٌ مِنَ الْمَالِ کے بارے میں۔ کَفَانِيْ چاہتا ہے کہ قَلِیْلٌ مِنَ الْمَالِ میرے لیے فاعل بنے، میں اس کو رفع دوں۔ کَفَانِيْ اس کو رفع دینا چاہتا ہے اور لَمْ أَطْلُبْ اس کے اندر أَنَا ضمیر فاعل کی ہے تو یہ قَلِیْلٌ مِنَ الْمَالِ کو نصب دینا چاہتا ہے، یہ اس کو اپنا مفعول بنانا چاہتا ہے۔ اور امرؤ القیس نے اس شعر میں قَلِیْلٌ مِنَ الْمَالِ اس کو مرفوع پڑھا ہے یا منصوب پڑھا ہے؟ اس کو مرفوع پڑھا ہے، اس پر رفع پڑھا ہے۔ معلوم ہوا انہوں نے پہلے فعل کَفَانِيْ

کو اس کے اندر عامل بنایا، کیونکہ كَفَانِيْ اس کے رفع کا تقاضا کر رہا ہے۔ اگر لَمْ أَطْلُبْ کو وہ عامل بناتا تو پھر تو قَلِيْلًا مِنَ الْمَالِ اس کو منصوب ہونا چاہیے تھا بھائی۔ تو بات کس کی چل رہی ہے؟ کوفہ والوں کی۔ ان کا مذہب یہ ہے کہ پہلے فعل کو عامل بنانا اولیٰ، اور کہتے ہیں دیکھو امرؤ القیس جو عرب کا سب سے فصیح و بلیغ شاعر تھا، اس نے پہلے فعل کو عامل بنایا ہے اس شعر کے اندر۔ معلوم ہوا پہلے فعل کو عامل بنانا اولیٰ ہے، کیونکہ وہ سب سے فصیح و بلیغ شاعر ہے اور وہ پہلے کو عامل بنا رہا ہے، معلوم ہوا پہلے ہی کو عامل بنانا اولیٰ ہے۔ اگر ثانی کو عامل بنانا اولیٰ ہوتا تو پھر وہ ثانی کو عمل دے دیتا۔ اور نیز دونوں کا عمل برابر بھی نہیں ہے، کیونکہ علماء کے دو ہی گروہ ہیں، کچھ بصرہ والے ہیں، کچھ کوفہ والے۔ بصرہ والے کیا کہتے ہیں؟ کس کو عامل بنانا اولیٰ؟ دوسرے کو عامل بنانا اولیٰ، اور کوفہ والے کیا کہتے ہیں؟ پہلے کو عامل بنانا اولیٰ۔ تو کسی کے نزدیک بھی دونوں کا عمل برابر نہیں ہے کہ چاہے پہلے کو عمل دے دو چاہے دوسرے کو دے دو دونوں برابر ہیں، نہیں نہیں۔ بعض نے دوسرے کو عامل بنانے کو ترجیح دی ہے اور بعض نے پہلے کو عامل بنانے کو ترجیح دی ہے۔ تو یہاں امرؤ القیس عرب کا فصیح و بلیغ شاعر پہلے فعل کو عامل بنا رہا ہے، معلوم ہوا پہلے کو عامل بنانا اولیٰ ہے، جبھی وہ پہلے کو عامل بنا رہا ہے بھائی۔ اگر ثانی کو عامل بنانا بہتر ہوتا تو وہ ثانی کو عامل بناتا۔ بات سمجھ میں آگئی۔

تو بصرہ والے اس کا جواب دیتے ہیں، صاحبِ کافیہ بصرہ والوں کی طرف سے جواب دیتے ہیں کہ بھائی یہ جو شعر کوفہ والوں نے ذکر کیا: وَلَوْ أَنَّ مَا أَسْعٰى لِأَدْنٰى مَعِيْشَةٍ كَفَانِيْ وَلَمْ أَطْلُبْ قَلِيْلٌ مِنَ الْمَالِ، اور کوفہ والے کیا کہتے ہیں كَفَانِيْ اور لَمْ أَطْلُبْ دونوں قَلِيْلًا مِنَ الْمَالِ کے بارے میں جھگڑ رہے ہیں، ایک چاہتا ہے میں عامل بنوں، دوسرا چاہتا ہے میں عامل بنوں۔ تو صاحبِ کافیہ جواب دیتے ہیں بصرہ والوں کی طرف سے کہ یہ شعر تنازعِ فعلین کے باب سے ہی نہیں ہے، یہاں تنازعِ فعلین ہے ہی نہیں۔ اگر آپ یہاں تنازعِ فعلین مانیں گے تو معنی ہی خراب ہو جائے گا۔ معنی ہی خراب ہو جائے گا۔ جواب سمجھ میں آیا؟ میں ابھی تفصیل بیان کرتا ہوں کس طرح معنی خراب ہوگا، لیکن بس حاصلِ جواب یہ ہے کہ صاحبِ کافیہ کیا جواب دے رہے ہیں بصرہ والوں کی طرف سے؟ کہ یہاں تنازعِ فعلین کو اگر آپ مانیں گے تو پھر تو شعر کا معنی ہی خراب ہو جائے گا، معنی ہی فاسد ہو جائے گا، لہٰذا یہاں تنازعِ فعلین ہے ہی نہیں بھائی، آپ کا یہ دعویٰ ہی تسلیم نہیں کہ یہاں تنازعِ فعلین ہے کیونکہ اس صورت میں سارے شعر کا معنی خراب ہو جاتا ہے۔

دیکھیے بھائی پہلے متن متن دیکھ لیں۔ کہتے ہیں: وَقَوْلُ امْرِئِ الْقَيْسِ كَفَانِيْ وَلَمْ أَطْلُبْ قَلِيْلٌ مِنَ الْمَالِ لَيْسَ مِنْهُ، اور امرؤ القیس کا جو قول ہے کہ كَفَانِيْ وَلَمْ أَطْلُبْ قَلِيْلٌ مِنَ الْمَالِ، لَيْسَ مِنْهُ یہ تنازعِ فعلین کے باب سے نہیں ہے، لِفَسَادِ الْمَعْنٰى معنی کے فاسد ہو جانے کی وجہ سے، معنی کے فاسد ہو جانے کی وجہ سے، یعنی اگر آپ تنازعِ فعلین مانیں گے تو شعر کا معنی فاسد ہو جائے گا، خراب ہو جائے گا۔

اب شعر کا معنی کس طرح خراب ہوتا ہے وہ سمجھ لیں۔ سب سے پہلے یاد رکھیں بھائی کہ اس شعر کے اندر لَوْ آیا: وَلَوْ

أَنَّ مَا أَسْعٰى۔ یاد رکھو یہ لَوْ حرفِ شرط ہے، یہ شرط اور جزا پر داخل ہوتا ہے، جیسے إِنْ حرفِ شرط ہے۔ تو إِنْ اور لَوْ حرفِ شرط ہیں اور یہ دونوں دو دو جملوں پر داخل ہوتے ہیں۔ پہلے کو کہتے ہیں شرط اور دوسرے کو کہتے ہیں جزا۔ إِنْ جِئْتَنِيْ أَكْرَمْتُكَ، تو إِنْ جِئْتَنِيْ أَكْرَمْتُكَ اگر آپ میرے پاس آئیں گے تو میں آپ کا اکرام کروں گا۔ تو دیکھو إِنْ جِئْتَنِيْ، جِئْتَنِيْ ایک جملہ اور أَكْرَمْتُكَ دوسرا جملہ۔ پہلے جملے کو کیا کہیں گے؟ شرط، اور دوسرے کو کہیں گے جزا۔ تو إِنْ بھی حرفِ شرط ہے، لَوْ بھی حرفِ شرط ہے، اور یہ دونوں دو جملوں پر داخل ہوتے ہیں، پہلے کو شرط کہتے ہیں دوسرے کو جزا۔ اور دونوں میں فرق یہ ہے کہ إِنْ جو ہے یہ مستقبل کے لیے آتا ہے اور لَوْ جو ہے ماضی کے لیے آتا ہے۔ یعنی إِنْ مستقبل کے لیے آتا ہے چاہے وہ ماضی پر ہی کیوں نہ داخل ہو، اس ماضی کو وہ مستقبل کے معنی میں کر دیتا ہے۔ إِنْ جِئْتَنِيْ، جِئْتَ دیکھو یہ ماضی کا صیغہ ہے لیکن ترجمہ میں مستقبل والا کر رہا ہوں: إِنْ جِئْتَنِيْ اگر آپ میرے پاس آئیں گے، أَكْرَمْتُكَ یہ بھی ماضی کا صیغہ ہے لیکن میں ترجمہ مستقبل والا کر رہا ہوں: تو میں آپ کا اکرام کروں گا۔ تو یہ ماضی کے صیغے ہیں لیکن ان کا معنی مستقبل کی طرف إِنْ نے بدل دیا۔ إِنْ جِئْتَنِيْ أَكْرَمْتُكَ اگر آپ میرے پاس آئیں گے تو میں آپ کا اکرام کروں گا۔ تو إِنْ جو ہے یہ مستقبل کے لیے آتا ہے، یہ اگر ماضی پر بھی داخل ہو جائے تو اس کو مستقبل کے معنی میں کر دیتا ہے۔ جبکہ لَوْ جو ہے وہ ماضی کے لیے آتا ہے، اگر وہ مضارع پر بھی داخل ہو جائے تو مضارع کو بھی ماضی کے معنی میں کر دے گا۔ جیسے لَوْ تَجِيْئُنِيْ أُكْرِمُكَ، لَوْ تَجِيْئُنِيْ أُكْرِمُكَ، لَوْ تَجِيْئُنِيْ دیکھو مضارع ہے، أُكْرِمُكَ یہ بھی فعلِ مضارع ہے، لیکن یہ لَوْ نے دونوں کو ماضی کے معنی میں کر دیا۔ کیا ترجمہ ہوگا؟ لَوْ تَجِيْئُنِيْ اگر آپ میرے پاس آئے ہوتے، أُكْرِمُكَ تو میں نے آپ کا اکرام کیا ہوتا، اگر آپ میرے پاس آئے ہوتے دیکھا یہ ماضی والا ترجمہ ہے، تو میں نے آپ کا اکرام کیا ہوتا۔ بات سمجھ میں آ رہی ہے؟ تو إِنْ بھی حرفِ شرط ہے، لَوْ بھی حرفِ شرط، لیکن إِنْ آتا ہے مستقبل کے لیے اور لَوْ آتا ہے ماضی کے لیے، اور یہ دونوں دو دو جملوں پر داخل ہوتے ہیں۔ پھر یہ بھی یاد رکھنا کہ یہ جو لَوْ ہے، یہ آتا ہے انتفائے ثانی کے لیے بوجہ انتفائے اول کے۔

لَوْ دو چیزوں پر، دو جملوں پر داخل ہوا: ایک شرط، دوسری جزا۔ لَوْ آتا ہے کہ ثانی منتفی ہے، کیوں منتفی ہے؟ کیونکہ اول منتفی ہے۔ لَوْ جِئْتَنِيْ لَأَكْرَمْتُكَ، اگر آپ میرے پاس آئے ہوتے تو میں آپ کا اکرام کرتا۔ اول کیا؟ لَوْ جِئْتَنِيْ اگر آپ میرے پاس آئے ہوتے، اور ثانی کیا ہے؟ لَأَكْرَمْتُكَ یہ جزا ہے، تو میں نے آپ کا اکرام کیا ہوتا۔ اور لَوْ کس لیے آتا ہے؟ انتفائے ثانی یعنی ثانی منتفی ہے، ثانی نہیں ہے، کیوں نہیں ہے؟ کیونکہ اول نہیں ہے۔ تو لَوْ کس لیے آتا ہے؟ زبان سے دہرائیں: انتفائے ثانی کے لیے بوجہ انتفائے اول کے، کہ ثانی نہیں ہے کیونکہ اول نہیں ہے۔ تو لَوْ جِئْتَنِيْ دیکھو اب ترجمے پہ غور کرو: لَوْ جِئْتَنِيْ اگر آپ میرے پاس آئے ہوتے، لَأَكْرَمْتُكَ تو میں نے آپ کا اکرام کیا ہوتا۔ معلوم ہوا میں نے آپ کا اکرام نہیں کیا، ثانی منتفی ہے۔ اگر آپ آئے ہوتے تو میں نے اکرام کیا ہوتا، معلوم ہوا میں نے اکرام نہیں کیا، اور کیوں نہیں کیا؟ کیونکہ آپ آئے نہیں، یعنی اول منتفی ہے۔ ثانی یعنی اکرام منتفی ہے، کیوں منتفی ہے؟ کیونکہ آپ آئے نہیں یعنی

اول منتفی ہے۔ تو ثانی منتفی ہے بوجہ انتفائے اول کے۔ تو لَوْ کس لیے آتا ہے؟ انتفائے ثانی کے لیے بوجہ انتفائے اول کے، کہ ثانی منتفی ہے یعنی ثانی نہیں ہے کیونکہ اول نہیں ہے۔

یہاں تک بات سمجھ میں آگئی۔ دوسرے الفاظ میں یوں سمجھو، دوسرے الفاظ میں اسی بات کو کہ لَوْ جو ہے مثبت کو منفی میں بدل دیتا ہے اور منفی کو مثبت میں بدل دیتا ہے۔ لَوْ مثبت کو منفی میں بدل دیتا ہے اور منفی کو مثبت۔ دیکھو لَوْ جِئْتَنِيْ، جِئْتَنِيْ اس کے ساتھ کوئی حرفِ نفی ہے؟ مَا یا لَمْ وغیرہ کوئی حرفِ نفی ہے؟ نہیں۔ اور اسی طرح لَوْ جِئْتَنِيْ لَأَكْرَمْتُكَ، لَأَكْرَمْتُ پر کوئی حرفِ نفی ہے؟ اس پر بھی کوئی حرفِ نفی نہیں۔ تو جِئْتَنِيْ یہ بھی مثبت اور لَأَكْرَمْتُكَ یہ بھی مثبت، لیکن لَوْ نے دونوں کو منفی کر دیا۔ کیا ترجمہ کیا آپ نے؟ لَوْ جِئْتَنِيْ اگر آپ آئے ہوتے تو میں نے آپ کا اکرام کیا ہوتا۔ معلوم ہوا آپ آئے بھی نہیں اور میں نے اکرام بھی نہیں کیا، دیکھو دونوں منفی ہو گئے۔ تو لَوْ کس لیے آتا ہے؟ یہ لَوْ آتا ہے انتفائے ثانی کے لیے بوجہ انتفائے اول کے، دوسرے الفاظ میں یوں کہو کہ لَوْ جو ہے مثبت کو منفی میں بدل دیتا ہے اور منفی کو مثبت میں۔ لَوْ جِئْتَنِيْ لَأَكْرَمْتُكَ معلوم ہوا آپ آئے بھی نہیں اور میں نے اکرام بھی نہیں کیا۔ اور یہ اسی طرح منفی جو ہے اس کو یہ مثبت میں بدل دیتا ہے، منفی کو مثبت میں بدل دیتا ہے۔ جیسے دیکھو، جیسے: لَوْ لَمْ تَجِئْنِيْ لَمْ أُكْرِمْكَ۔ لَوْ لَمْ تَجِئْنِيْ یہ لکھیں اپنے سامنے کاپی پر ذرا یہ جملہ لکھیں: لَوْ لَمْ تَجِئْنِيْ، لَوْ لَمْ تَجِئْنِيْ لَمْ أُكْرِمْكَ، لَمْ أُكْرِمْكَ۔ لکھ لیا؟ دیکھو لَوْ داخل ہو رہا ہے اور لَمْ تَجِئْنِيْ یہ بھی منفی ہے، اور لَمْ أُكْرِمْكَ یہ بھی کیا ہے؟ منفی، اور یہ دونوں کو دیکھو مثبت بنا دے گا۔ لَوْ لَمْ تَجِئْنِيْ اگر آپ میرے پاس نہ آئے ہوتے لَمْ أُكْرِمْكَ تو میں نے آپ کا اکرام نہ کیا ہوتا، کیا معنی؟ معلوم ہوا آپ آئے بھی ہیں اور میں نے اکرام بھی کیا ہے۔ پھر سنو: لَوْ لَمْ تَجِئْنِيْ اگر آپ نہ آئے ہوتے، لَمْ ہے یا نہیں؟ تو نفی کے ساتھ ترجمہ کرو: اگر آپ میرے پاس نہ آئے ہوتے تو میں نے آپ کا اکرام نہ کیا ہوتا۔ کیا معنی؟ معلوم ہوا آپ آئے بھی ہیں اور میں نے آپ کا اکرام بھی کیا ہے۔ اگر آپ نہ آئے ہوتے تو میں نے آپ کا اکرام بھی نہ کیا ہوتا۔ تو دیکھو یہ دونوں منفی ہیں، دونوں پہ لَمْ داخل ہو رہا ہے لیکن لَوْ نے اس کو مثبت کر دیا، معلوم ہوا آپ آئے بھی ہیں اور میں نے آپ کا اکرام بھی کیا ہے۔ تو لَوْ کیا کرتا ہے؟ مثبت کو منفی میں بدل دیتا ہے اور منفی کو مثبت میں بدل دیتا ہے بھائی۔

دوسری بات یہ یاد رکھیں کہ یاد رکھو معطوف کا وہی حکم ہوتا ہے جو معطوفٌ علیہ کا۔ یعنی اگر معطوفٌ علیہ فاعل ہے تو معطوف بھی کیا ہوتا ہے؟ فاعل۔ اگر معطوفٌ علیہ خبر ہے تو معطوف بھی کیا ہوگی؟ خبر۔ اگر معطوفٌ علیہ مفعول بہ ہے تو معطوف بھی کیا ہوگا؟ مفعول بہ۔ بھائی جس چیز پر آپ عطف کریں گے تو معطوف کا وہی حکم ہوگا جو کس کا تھا؟ معطوفٌ علیہ کا۔ جیسے ضَرَبْتُ زَيْدًا وَعَمْرًا۔ یہ زَيْدًا کیا ہے؟ معطوفٌ علیہ، اور عَمْرًا کا آپ نے اسی پر عطف کر دیا۔ تو ترکیب کے اندر زَيْدًا کیا بن رہا ہے؟ مفعول بہ ہے، تو اس پر جو معطوف ہے عَمْرًا وہ بھی کیا ہے دراصل؟ وہ بھی مفعول بہ ہے۔ یہ عَمْرًا کا عطف کس پر؟ زَيْدًا پر، اور زَيْدًا یہاں کیا ہے؟ یہ معطوفٌ علیہ ہے اور مفعول بہ بن رہا ہے۔ معلوم ہوا اس پر ضرب واقع

ہے، اور اسی پر آپ نے عَمْرًا کا عطف کیا تو معلوم ہوا عَمْرًا بھی مفعول بہ ہے، معلوم ہوا اس پر بھی ضرب واقع ہوئی ہے۔ یا میں کہتا ہوں جَاءَنِيْ زَيْدٌ وَعَمْرٌو۔ یہ زَيْدٌ کیا ہے؟ فاعل، اور اسی پر میں نے عَمْرٌو کا عطف کر دیا ہے، تو عَمْرٌو بھی کیا ہے؟ فاعل ہے، معلوم ہوا مجیئت دونوں کے لیے ثابت ہے زید کے لیے بھی اور عمرو کے لیے بھی۔ تو بتلانا میں یہ چاہتا ہوں کہ معطوف کا وہی حکم ہوتا ہے جو معطوفٌ علیہ کا ہوتا ہے۔ بات سمجھ میں آگئی۔

اب آئیے بھائی اس شعر پر۔ بات یہ چل رہی تھی، کوفہ والوں نے اس شعر کو بطورِ دلیل کے ذکر کیا اور کیا کہا کہ كَفَانِيْ وَلَمْ أَطْلُبْ جو ہیں وہ جھگڑ رہے ہیں قَلِيْلٌ مِنَ الْمَالِ میں۔ اب بصرہ والوں کی طرف سے صاحبِ کافیہ جواب دے رہے ہیں کہ یہاں، یہاں كَفَانِيْ اور لَمْ أَطْلُبْ ان کے درمیان قَلِيْلٌ مِنَ الْمَالِ کے بارے میں جھگڑا نہیں ہے، اگر آپ اس جھگڑے کو مانیں گے تو معنی ہی اس شعر کا خراب ہو جائے گا۔ کس طرح معنی خراب ہوگا؟ دیکھو بھائی: وَلَوْ أَنَّ مَا أَسْعٰى لِأَدْنٰى مَعِيْشَةٍ دیکھو یہ ہے شرط بھائی، اور كَفَانِيْ یہ کیا ہے؟ جزا، توجہ ہے؟ جزا، اور وَلَمْ أَطْلُبْ یہ عطف ہے اسی كَفَانِيْ پر۔ توجہ ہے؟ اس کا عطف کس پر ہے؟ كَفَانِيْ پر، اور كَفَانِيْ کیا ہے؟ جزا، تو معلوم ہوا لَمْ أَطْلُبْ بھی جزا کے حکم میں ہے، وہ بھی جزا ہے، وہ بھی جزا ہے۔ تو معلوم ہوا ان دونوں پر لَوْ داخل ہے۔ لَوْ دو جملوں پر داخل ہوتا ہے: أَنَّ مَا أَسْعٰى لِأَدْنٰى مَعِيْشَةٍ یہ پہلا جملہ اور كَفَانِيْ یہ دوسرا جملہ ہے، اور اسی پر لَمْ أَطْلُبْ کا عطف بھی ہے، معلوم ہوا اس پر بھی لَوْ داخل ہے۔ اور لَوْ کیا کرتا ہے؟ مثبت کو منفی کر دیتا ہے اور منفی کو مثبت کر دیتا ہے۔ توجہ ہے؟

اب سنو: وَلَوْ أَنَّ مَا أَسْعٰى لِأَدْنٰى مَعِيْشَةٍ امرؤ القیس کہتا ہے اگر، وَلَوْ أَنَّ مَا أَسْعٰى اور اگر میں کوشش کرتا لِأَدْنٰى مَعِيْشَةٍ تھوڑی سی روزی کے لیے، اگر میں کوشش کرتا تھوڑی سی روزی کے لیے، معلوم ہوا میں تھوڑی روزی کے لیے کوشش نہیں کرتا۔ یہ مثبت ہے نا؟ تو اس کو کس سے بدل دو؟ منفی۔ اگر میں تھوڑی سی روزی کے لیے کوشش کرتا، كَفَانِيْ قَلِيْلٌ مِنَ الْمَالِ تو میرے لیے تھوڑا سا مال کافی ہو جاتا۔ توجہ ہے؟ اگر میں تھوڑی روزی کے لیے کوشش کرتا تو تھوڑا سا مال میرے لیے کافی ہو جاتا، معلوم ہوا میں تھوڑی روزی کے لیے کوشش نہیں کرتا اور تھوڑا سا مال میرے لیے کافی نہیں ہے۔ دیکھو لَوْ نے دونوں کو کس میں بدل دیا؟ منفی میں۔ معلوم ہوا میں تھوڑی روزی کے لیے، یعنی یوں کہو میں تھوڑے مال کے لیے کوشش نہیں کرتا۔ وَلَوْ أَنَّ مَا أَسْعٰى لِأَدْنٰى مَعِيْشَةٍ اس سے کیا پتا چلا؟ کہ میں تھوڑی روزی یعنی تھوڑے مال کے لیے کوشش نہیں کرتا۔ اور كَفَانِيْ قَلِيْلٌ مِنَ الْمَالِ اس سے کیا پتا چلا؟ کہ میرے لیے تھوڑا سا مال کافی نہیں۔ اگر لَمْ أَطْلُبْ کے بارے میں کہا جائے کہ یہ بھی قَلِيْلٌ مِنَ الْمَالِ کی طرف متوجہ ہے، توجہ ہے؟ بھائی دیکھو نا اگر تنازع مانا جائے، كَفَانِيْ اور لَمْ أَطْلُبْ دونوں قَلِيْلٌ مِنَ الْمَالِ میں جھگڑ رہے ہیں، تو ایک کو عامل بنا دیا قَلِيْلٌ مِنَ الْمَالِ اور دوسرے کے لیے مفعول محذوف ہو جائے گا۔ کیا ہو جائے گا؟ محذوف ہو جائے گا، توجہ ہے؟ تو معلوم ہوا کہ وَلَمْ أَطْلُبْ اس کے لیے بھی مفعول قَلِيْلًا مِنَ الْمَالِ کو نکال لیں گے: وَلَمْ أَطْلُبْ قَلِيْلًا مِنَ الْمَالِ، اور میں تھوڑا سا مال طلب نہ کرتا۔ توجہ ہے؟ لفظی ترجمہ کیا؟ پھر سنو لفظی ترجمہ: وَلَوْ أَنَّ مَا أَسْعٰى لِأَدْنٰى مَعِيْشَةٍ اگر میں تھوڑی سی روزی کے لیے یعنی تھوڑے سے مال کے لیے

کوشش کرتا، كَفَانِيْ قَلِيْلٌ مِنَ الْمَالِ تو تھوڑا سا مال میرے لیے کافی ہو جاتا، وَلَمْ أَطْلُبْ اور میں طلب نہ کرتا تھوڑے مال کو، اور میں، بھائی یہ اسی قَلِيْلًا میں جھگڑ رہا ہے نا اگر آپ کی بات تسلیم کر لی جائے تو پھر لَمْ أَطْلُبْ کا مفعول یہ قَلِيْلًا مِنَ الْمَالِ ہی ہے لیکن حذف کر دیا گیا۔ وَلَمْ أَطْلُبْ قَلِيْلًا مِنَ الْمَالِ اور میں تھوڑا سا مال طلب نہ کرتا۔ اور یہ لَمْ أَطْلُبْ یہ نفی ہے، یہ، اور لَوْ کیا کرتا ہے؟ مثبت کو منفی میں بدلتا ہے اور منفی کو مثبت میں بدلتا ہے۔ اور یہاں ہے وَلَمْ أَطْلُبْ اور میں طلب نہ کرتا تھوڑا مال، اس کو مثبت میں بدل دو: اور میں تھوڑا مال طلب کرتا، اور میں تھوڑا مال طلب کرتا۔ توجہ ہے؟ اور میں تھوڑا مال طلب کرتا، یہ تو دونوں کے منافی ہے، پیچھے جو دونوں باتیں کی تھیں یہ اس کے منافی بن گئی بات۔ کس طرح؟ پیچھے کیا کہا تھا؟ کہ میں تھوڑے مال کے لیے کوشش نہیں کرتا، میں تھوڑا مال طلب نہیں کرتا، اور آگے کیا کہہ رہا ہے؟ میں تھوڑا مال طلب کرتا ہوں! یہ تو دونوں ایک دوسرے کے منافی ہیں، پہلے کہہ رہا ہے میں طلب نہیں کرتا، آگے کہہ رہا ہے میں تھوڑا مال طلب کرتا ہوں۔ نیز پیچھے کیا کہا تھا؟ کہ تھوڑا مال میرے لیے کافی نہیں، آگے کہہ رہا ہے میں تھوڑا مال طلب کرتا ہوں، معلوم ہوا تھوڑا مال میرے لیے کافی ہے، جبھی طلب کروں گا نا، ویسے تو طلب نہیں کروں گا۔ تو یہ جو لَمْ أَطْلُبْ کو اگر اس میں یہ تسلیم کیا جائے کہ یہ بھی قَلِيْلٌ مِنَ الْمَالِ کی طرف متوجہ ہے، پھر تو معنی خراب ہو جائے گا، یہ پہلی دونوں باتوں کے منافی ہو جائے گا۔ پہلی دو باتیں کیا؟ کہ میں تھوڑے مال کے لیے کوشش نہیں کرتا اور تھوڑا مال میرے لیے کافی بھی نہیں، اور آگے کہہ دیا وَلَمْ أَطْلُبْ، اور یہ نفی ہے، اور لَوْ نفی کو کس سے بدلتا ہے؟ مثبت سے، معلوم ہوا میں تھوڑے مال کو طلب کرتا ہوں۔ پیچھے کہا میں طلب نہیں کرتا، آگے کہہ دیا میں تھوڑے مال کو طلب کرتا ہوں، اور پیچھے کہا کہ تھوڑا مال میرے لیے کافی نہیں، اور آگے کہا میں طلب کرتا ہوں، اس سے کیا پتا چلا کہ تھوڑا مال میرے لیے کافی ہے، تو یہ تو دونوں کے منافی ہو گئی یہ بات۔ بات سمجھ میں آ گئی۔

تو لہٰذا صاحب کافیہ جواب دیتے ہیں بصرہ والوں کی طرف سے کہ اے کوفہ والو، اگر كَفَانِيْ اور لَمْ أَطْلُبْ جو ہے، اس کے اندر تنازع کو تسلیم کر لیا جائے کہ یہ دونوں جھگڑ رہے ہیں قَلِيْلٌ مِنَ الْمَالِ کے بارے میں، تو پھر اس صورت میں معنی خراب ہو جاتا ہے۔ معلوم ہوا لَمْ أَطْلُبْ قَلِيْلٌ مِنَ الْمَالِ کی طرف متوجہ ہی نہیں ہے، یہ اس میں عمل کرنا ہی نہیں چاہتا، ورنہ تو معنی خراب ہو جائے گا۔ پھر اس کا مفعول کیا ہے؟ تو کہتے ہیں اس کا مفعول الْمَجْدَ الْمُؤَثَّلَ محذوف ہے، وَلَمْ أَطْلُبْ مَجْدَ الْمُؤَثَّلَ (الْمَجْدَ الْمُؤَثَّلَ) اور میں، اور میں دائمی عظمت کو طلب نہ کرتا۔ معلوم ہوا میں دائمی عظمت کو طلب کرتا ہوں۔ تو لَمْ أَطْلُبْ کا مفعول کیا ہے؟ محذوف ہے، اور وہ کیا ہے؟ الْمَجْدَ الْمُؤَثَّلَ بھائی، دائمی عظمت، وہ اس کا مفعول ہے۔ اور اس کو حذف کر دیا کیونکہ آگے آنے والا شعر جو ہے وہ اس پر دلالت کر رہا تھا۔ دیکھو وَلٰكِنَّمَا أَسْعٰى لِمَجْدٍ مُؤَثَّلٍ میں کس کے لیے کوشش کرتا ہوں؟ دیرپا عظمت کے لیے میں کوشش کرتا ہوں، معلوم ہوا میں دیرپا عظمت کو طلب کرتا ہوں۔ تو لَمْ أَطْلُبْ کا مفعول محذوف ہے اور آگے آنے والا شعر اس پر دلالت کر رہا ہے، اور وہ کیا ہے؟ وہ مفعول کیا ہے لَمْ أَطْلُبْ کا؟

الْمَجْدَ الْمُؤَثَّلَ، دیرپا عظمت، دائمی عظمت جو ہے میں اس کو طلب کرتا ہوں۔ اب دیکھو معنی بہترین ہو گیا، سنو بھائی: وَلَوْ أَنَّ مَا أَسْعٰى لِأَدْنٰى مَعِيْشَةٍ اور اگر میں تھوڑی سی روزی کے لیے کوشش کرتا، تو كَفَانِيْ قَلِيْلٌ مِنَ الْمَالِ تو تھوڑی سی روزی میرے لیے کافی ہو جاتی، وَلَمْ أَطْلُبِ الْمَجْدَ الْمُؤَثَّلَ اور میں دائمی عظمت کو طلب نہ کرتا۔ اگر میں تھوڑی روزی طلب کرتا اور وہ میرے لیے کافی ہوتی تو پھر میں دائمی عظمت کو طلب نہ کرتا۔ اب دیکھو اب شعر کا معنی بہترین ہو گیا، کیا؟ وَلَوْ أَنَّ مَا أَسْعٰى لِأَدْنٰى مَعِيْشَةٍ معلوم ہوا میں تھوڑی روزی کے لیے کوشش نہیں کرتا، اور كَفَانِيْ قَلِيْلٌ مِنَ الْمَالِ اور تھوڑا سا مال میرے لیے کافی نہیں، وَلَمْ أَطْلُبِ الْمَجْدَ الْمُؤَثَّلَ اور میں دائمی عظمت کو طلب کرتا ہوں بھائی، میں، لَمْ ہے نا نفی ہے اور لَوْ کیا کرتا ہے؟ نفی کو کس سے بدلتا ہے؟ مثبت سے بدلتا ہے، تو کہتے ہیں میں اس کے لیے کوشش کرتا ہوں، میں تھوڑی روزی کے لیے کوشش نہیں کرتا بلکہ دائمی عظمت کو حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہوں بھائی۔ معنی سمجھ میں آگیا۔

جی اب دیکھیے ترجمہ بھائی۔ کہتے ہیں: وَلَمَّا اسْتَدَلَّ الْكُوْفِيُّوْنَ عَلٰى أَوْلَوِيَّةِ إِعْمَالِ الْفِعْلِ الْأَوَّلِ اور جب استدلال کیا یعنی دلیل بنائی، استدلال کا معنی ہے دلیل بنانا، وَلَمَّا اسْتَدَلَّ الْكُوْفِيُّوْنَ اور جب کوفہ والوں نے دلیل بنائی عَلٰى أَوْلَوِيَّةِ إِعْمَالِ الْفِعْلِ الْأَوَّلِ، فعلِ اول کو عامل بنانے کے اولیٰ ہونے پر، کہ فعلِ اول کو عامل بنانا اولیٰ ہے اس پر جب کوفہ والوں نے استدلال کیا، بِقَوْلِ امْرِئِ الْقَيْسِ امرؤ القیس کے اس قول کے ساتھ:

▪ متنِ کتاب و تحقیقِ مسائلِ نحویہ

وَلَوْ أَنَّ مَا أَسْعٰى لِأَدْنٰى مَعِيْشَةٍ

كَفَانِيْ وَلَمْ أَطْلُبْ قَلِيْلٌ مِنَ الْمَالِ

اور اگر میں کوشش کرتا تھوڑی سی روزی کے لیے، كَفَانِيْ قَلِيْلٌ مِنَ الْمَالِ تو تھوڑا سا مال میرے لیے کافی ہو جاتا، وَلَمْ أَطْلُبْ اور میں طلب نہ کرتا، الْمَجْدَ الْمُؤَثَّلَ دائمی عظمت کو۔

حَيْثُ قَالُوْا اس طور پر کہ کوفہ والوں نے کہا، ان کی اب دلیل ذکر کر رہے ہیں: حَيْثُ قَالُوْا اس حیثیت سے کہ انہوں نے کہا، قَدْ تَوَجَّهَ الْفِعْلَانِ کہ تحقیق دونوں فعل متوجہ ہیں، کون سے دونوں فعل؟ أَغْنِيْ كَفَانِيْ وَلَمْ أَطْلُبْ یعنی كَفَانِيْ اور لَمْ أَطْلُبْ یہ دونوں فعل متوجہ ہیں، إِلٰى اسْمٍ وَاحِدٍ ایک ہی اسم کی طرف، وَهُوَ قَلِيْلٌ مِنَ الْمَالِ اور وہ قَلِيْلٌ مِنَ الْمَالِ ہے۔ فَاقْتَضَى الْأَوَّلُ رَفْعَهُ بِالْفَاعِلِيَّةِ تو تقاضا کیا پہلے فعل نے یعنی كَفَانِيْ نے، رَفْعَهُ اس قَلِيْلٌ مِنَ الْمَالِ کے رفع کا، بِالْفَاعِلِيَّةِ فاعل ہونے کی وجہ سے، وَالثَّانِيْ نَصْبَهُ اور دوسرے فعل نے اس کے نصب کا تقاضا کیا، دوسرا فعل کون؟ لَمْ أَطْلُبْ، اور دوسرا فعل لَمْ أَطْلُبْ اس نے اس قَلِيْلٌ مِنَ الْمَالِ کے نصب کا تقاضا کیا، بِالْمَفْعُوْلِيَّةِ مفعول ہونے کی وجہ سے۔

وَامْرُؤُ الْقَيْسِ الَّذِيْ هُوَ أَفْصَحُ شُعَرَاءِ الْعَرَبِ اور امرؤ القیس جو عرب کے شعراء میں، عرب کے شاعروں میں سب

سے فصیح ہے، أَعْمَلَ الْأَوَّلَ اس نے پہلے فعل کو عامل بنایا۔ فَلَوْ لَمْ يَكُنْ إِعْمَالُ الْأَوَّلِ أَوْلَى اگر پہلے فعل کو عامل بنانا اولیٰ نہ ہوتا، لَمَا اخْتَارَهُ تو وہ اس پہلے کے عامل بنانے کو اختیار نہ کرتا، إِذْ لَا قَائِلَ بِتَسَاوِي الْإِعْمَالَيْنِ اس لیے کیونکہ کوئی بھی قائل نہیں ہے اس بات کا کہ دونوں کو عامل بنانا برابر ہے۔ آپ یہ بھی نہیں کہہ سکتے کہ اس کے نزدیک دونوں کو عامل بنانا برابر ہوگا، امرؤ القیس کے نزدیک پہلے، چاہے پہلے کو عامل بناؤ چاہے ثانی کو عامل بناؤ تو اس کے نزدیک دونوں کیا ہوں گے؟ برابر ہوں گے۔ کہتے ہیں یہ آپ نہیں کہہ سکتے، اس لیے کیونکہ علماء میں سے کوئی بھی اس بات کی طرف نہیں گیا کہ دونوں کو عامل بنانا برابر ہے، بلکہ کوفہ والے کہتے ہیں اول کو عامل بنانا اولیٰ، اور بصرہ والے کہتے ہیں ثانی کو عامل بنانا اولیٰ ہے۔ تو معلوم ہوا دونوں کو عامل بنانا برابر نہیں، دونوں کو عامل بنانا برابر نہیں، معلوم ہوا ایک اولیٰ ہے دوسرا خلافِ اولیٰ ہے، اور امرؤ القیس پہلے کو عامل بنا رہا ہے اور وہ عرب کا سب سے فصیح و بلیغ شاعر ہے، معلوم ہوا اس نے وہی صورت اختیار کی ہوگی جو سب سے اعلیٰ اور افضل ہے، یعنی پہلے کو عامل بنانا افضل ہے اس سے پتا چل گیا۔ بات سمجھ میں آگئی۔ تو کہتے ہیں: إِذْ لَا قَائِلَ بِتَسَاوِي الْإِعْمَالَيْنِ اس لیے کیونکہ کوئی بھی قائل نہیں ہے دونوں فعلوں کو عامل بنانے میں برابری کا۔

بھائی یہاں امْرُؤُ الْقَيْسِ لفظ آیا بھائی، یاد رکھو اس میں یہ جو امْرُؤٌ لفظ ہے یہ عربی کا عجیب لفظ ہے بھائی، پورے کلامِ عرب میں ایک دو لفظ بس ایسے ہیں۔ اس کے اندر امْرُؤٌ کے اندر دیکھو آخر میں کیا ہے؟ ہمزہ، اور آپ جانتے ہیں کہ اعراب آخری حرف پر آتا ہے، لیکن یہ امْرُؤٌ ایسا عجیب لفظ ہے کہ اس کے اندر آخر میں جو ہمزہ پر جو اعراب ہوگا، ماقبل میں را پر بھی ویسی ہی حرکت لائیں گے۔ اگر ہمزہ پر رفع پڑھتے ہیں تو را پر بھی ضمہ لائیں گے، را پر بھی ضمہ لائیں گے۔ اور اگر ہمزہ پر نصب ہوا تو را پر بھی فتحہ لائیں گے، اسی جیسی حرکت لے آئیں گے۔ اور اگر ہمزہ پر جر آیا تو پھر را پر بھی کسرہ لے آئیں گے۔ جَاءَنِي امْرُؤُ الْقَيْسِ، امْرُؤُ الْقَيْسِ فاعل ہے نا، تو ہمزہ پر کیا آیا؟ رفع، تو را پر بھی ضمہ پڑھیں گے۔ یہ را پر اعراب نہیں ہے یہ ویسے حرکت ہے، تو جو اعراب اس لفظ پر آتا ہے تو آخر سے ماقبل جو را ہے اس پر بھی ویسی ہی حرکت پڑھی جاتی ہے۔ جَاءَنِي امْرُؤُ الْقَيْسِ دیکھو را پر میں نے ضمہ پڑھا، رَأَيْتُ امْرَأَ الْقَيْسِ دیکھو را پر میں نے زبر پڑھا، اور مَرَرْتُ بِمْرِئِ الْقَيْسِ (بِامْرِئِ الْقَيْسِ) بھائی دیکھا۔ بات سمجھ میں آگئی کہ اس کے اندر لفظ کے آخر میں جو اعراب آئے گا، آخر سے ماقبل را پر بھی ویسی ہی حرکت پڑھیں گے۔ تو یہاں آیا تھا دیکھو بِقَوْلِ امْرِئِ الْقَيْسِ پیچھے آیا تھا جہاں سے سبق شروع ہوا: وَلَمَّا اسْتَدَلَّ الْكُوفِيُّونَ عَلَى أَوْلَوِيَّةِ إِعْمَالِ الْفِعْلِ الْأَوَّلِ بِقَوْلِ امْرِئِ الْقَيْسِ۔ دیکھا یہاں را کے نیچے بھی زیر کیونکہ آگے امْرِئِ یہ مجرور ہے اور اس کے اوپر جر آرہا ہے۔ اور اسی طرح یہاں آیا وَامْرُؤُ الْقَيْسِ بھائی۔ بات سمجھ میں آگئی۔

آگے دیکھیے۔ کہتے ہیں: فَأَجَابَ الْمُصَنِّفُ رَحِمَهُ اللهُ عَنْ طَرَفِ الْبَصْرِيِّيْنَ تو مصنف یعنی صاحبِ کافیہ نے بصرہ والوں کی طرف سے جواب دیا، وَقَالَ اور فرمایا: وَقَوْلُ امْرِئِ الْقَيْسِ كَفَانِي وَلَمْ أَطْلُبْ قَلِيْلٌ مِنَ الْمَالِ لَيْسَ مِنْهُ۔ کہتے ہیں امرؤ القیس کا جو قول ہے كَفَانِي وَلَمْ أَطْلُبْ قَلِيْلٌ مِنَ الْمَالِ، لَيْسَ مِنْهُ أَيْ مِنْ بَابِ التَّنَازُعِ یہ تنازع کے باب سے نہیں ہے، لِفَسَادِ الْمَعْنٰى

معنی کے فاسد ہونے کی وجہ سے، کس کے؟ یعنی یہ معنی نہیں کہ شعر کا ویسے ہی معنی خراب ہے، بلکہ اگر آپ تنازع مانیں گے، اگر آپ یہ مانیں گے کہ كَفَانِيْ اور لَمْ أَطْلُبْ دونوں متوجہ ہیں قَلِيْلٌ مِنَ الْمَالِ کی طرف، دونوں اس کو اپنا معمول بنانا چاہتے ہیں، تو اس صورت میں معنی خراب ہو جائے گا۔ یہ معنی ہے لِفَسَادِ الْمَعْنٰی بوجہ معنی کے فاسد ہونے کے۔ معنی کب فاسد ہوگا؟ عَلٰى تَقْدِيْرِ تَوَجُّهِ كُلٍّ مِنْ كَفَانِيْ وَلَمْ أَطْلُبْ إِلٰى قَلِيْلٍ مِنَ الْمَالِ اس تقدیر پر کہ متوجہ ہو ہر ایک كَفَانِيْ اور لَمْ أَطْلُبْ میں سے إِلٰى قَلِيْلٍ مِنَ الْمَالِ کس کی طرف؟ قَلِيْلٌ مِنَ الْمَالِ۔ اگر یہ مان لیا جائے اس تقدیر پر کہ كَفَانِيْ اور لَمْ أَطْلُبْ دونوں متوجہ ہیں کس کی طرف؟ قَلِيْلٌ مِنَ الْمَالِ کی طرف، تو اس تقدیر پر اس کا، اس شعر کا معنی فاسد ہو جائے گا۔ بات سمجھ میں آگئی۔ دوبارہ ترجمہ دیکھیے۔ کہتے ہیں لِفَسَادِ الْمَعْنٰی بوجہ معنی کے فاسد ہو جانے کے عَلٰى تَقْدِيْرِ تَوَجُّهِ كُلٍّ مِنْ كَفَانِيْ وَلَمْ أَطْلُبْ اس تقدیر پر کہ متوجہ ہے ہر ایک كَفَانِيْ اور لَمْ أَطْلُبْ میں سے، یعنی ان دونوں میں سے ہر ایک متوجہ ہے إِلٰى قَلِيْلٍ مِنَ الْمَالِ کس کی طرف؟ قَلِيْلٌ مِنَ الْمَالِ کی طرف، اس تقدیر پر معنی فاسد ہو جاتا ہے۔

لِاسْتِلْزَامِهِ، لِاسْتِلْزَامِهِ یہ ہا ضمیر یہ جو پیچھے آیا نا تَوَجُّه، اس کو راجع ہے۔ کس تقدیر پر؟ کہ كَفَانِيْ اور لَمْ أَطْلُبْ دونوں متوجہ ہیں کس کی طرف؟ قَلِيْلٌ مِنَ الْمَالِ کی طرف، اس تقدیر پر معنی فاسد ہوگا کیوں؟ لِاسْتِلْزَامِهِ اس لیے کیونکہ یہ مستلزم ہے، یعنی اس کے ساتھ لازم ہے، کیا لازم ہے؟ تین چیزیں آگے ذکر کریں گے: عَدَمَ السَّعْيِ لِأَدْنٰى مَعِيْشَةٍ پہلی بات تو یہ کہ عَدَمَ السَّعْيِ لِأَدْنٰى مَعِيْشَةٍ کوشش نہ کرنا تھوڑی روزی کے لیے۔ کوشش، وہ تھوڑی روزی کے لیے کوشش کرتا ہے یا نہیں کرتا؟ امرؤ القیس نے کیا کہا؟ میں تھوڑی روزی کے لیے کوشش کرتا ہوں یا نہیں کرتا؟ میں تھوڑی روزی کے لیے کوشش نہیں کرتا۔ نیز اس نے کیا کہا؟ تھوڑا مال میرے لیے کافی ہے یا نہیں؟ اس نے کہا تھوڑا مال بھی میرے لیے کافی نہیں۔ اور تیسری بات اگر لَمْ أَطْلُبْ بھی قَلِيْلٌ مِنَ الْمَالِ کی طرف متوجہ ہو جائے پھر کیا معنی؟ کہ میں تھوڑے مال کو طلب بھی کرتا ہوں اور تھوڑا مال میرے لیے کافی بھی ہے بھائی۔ تو یہ اگر دونوں فعل قَلِيْلٌ مِنَ الْمَالِ کی طرف متوجہ ہو جائیں تو اس صورت میں یہ معنی بنتا ہے، تو یہ تو اجتماعِ متنافیین لازم آئے گا بھائی۔

کہتے ہیں لِاسْتِلْزَامِهِ اس وجہ سے کہ اس کے ساتھ لازم ہے یعنی اگر دونوں فعل اس کی طرف متوجہ ہوں اس کے ساتھ لازم ہے، کیا لازم ہے؟ عَدَمَ السَّعْيِ لِأَدْنٰى مَعِيْشَةٍ کوشش نہ کرنا تھوڑی روزی کے لیے، نیز وَانْتِفَاءَ كِفَايَةِ قَلِيْلٍ مِنَ الْمَالِ اور تھوڑے مال کے کافی ہونے کا انتفاء کہ تھوڑا مال میرے لیے کافی نہیں، وَثُبُوْتَ طَلَبِهِ الْمُنَافِيَ اور نیز ثبوت اس بات کا کہ تھوڑی روزی کو طلب کیا جا رہا ہے، ثُبُوْتَ طَلَبِهِ۔ طَلَبِهِ کی ہا ضمیر کس کو راجع؟ أَدْنٰى مَعِيْشَةٍ کو، کہ أَدْنٰى مَعِيْشَةٍ کی طلب کا ثبوت لازم ہے، وہ طلب الْمُنَافِيَ وہ طلب جو منافی ہے لِكُلٍّ مِنْهُمَا ان دونوں میں سے ہر ایک کے۔ ادھر دیکھیے، ادھر دیکھیے۔ کہتے ہیں اگر كَفَانِيْ اور لَمْ أَطْلُبْ دونوں فعل متوجہ ہو جائیں قَلِيْلٌ مِنَ الْمَالِ کی طرف، تو اس صورت میں معنی فاسد ہو جائے گا اس لیے کیونکہ اس صورت میں لازم آئے گا، تین چیزیں لازم آئیں گی: پہلی کیا کہ میں تھوڑی روزی کے لیے

کوشش نہیں کرتا، دوسرا تھوڑا مال میرے لیے کافی نہیں، اور تیسری بات یہ لازم آئے گی کہ وہ اس تھوڑے مال کو طلب کرتا ہے، اور تھوڑے مال کا طلب کرنا یہ تو پہلی دونوں باتوں کے منافی ہے بھائی۔ بات سمجھ میں آگئی۔ یہ معنی ہے لِاسْتِلْزَامِهِ عَدَمَ السَّعْيِ لِأَدْنٰى مَعِيْشَةٍ اس لیے کیونکہ اس توجہ کے ساتھ لازم ہے یہ جو دونوں فعل اگر متوجہ ہو جائیں قَلِيْلٌ مِنَ الْمَالِ کی طرف تو اس کے ساتھ لازم ہے عَدَمَ السَّعْيِ لِأَدْنٰى مَعِيْشَةٍ کوشش نہ کرنا تھوڑی روزی کے لیے، پہلی بات یہ۔ نیز وَانْتِفَاءَ كِفَايَةِ قَلِيْلٍ مِنَ الْمَالِ اور نیز تھوڑے مال کے کافی ہونے کا انتفاء کہ وہ میرے لیے کافی نہیں۔ وَثُبُوْتَ طَلَبِهِ الْمُنَافِيَ اور نیز اس طلب کا ثبوت ہو جائے گا وہ یعنی تھوڑے مال کی وہ طلب اس کا ثبوت ہوگا جو منافی ہے لِكُلٍّ مِنْهُمَا ان دونوں باتوں کے۔ تھوڑے مال کی طلب وہ منافی ہے ان دونوں باتوں کے۔ پہلے کہا میں تھوڑی روزی کو طلب نہیں کرتا اور آگے کہا میں تھوڑے مال کو طلب کرتا ہوں، تو یہ اس کے بھی منافی ہوا۔ اور نیز کیا کہا؟ تھوڑا مال میرے لیے کافی نہیں اور آگے کہا میں تھوڑے مال کو طلب کرتا ہوں، معلوم ہوا وہ کافی ہے، تو یہ دونوں کے منافی ہے۔ یہ معنی ہے وَثُبُوْتَ طَلَبِهِ الْمُنَافِيَ لِكُلٍّ مِنْهُمَا اور وہ طلب جو دونوں کے منافی ہے اس کا ثبوت اس کے ساتھ مستلزم ہے اگر دونوں متوجہ ہوں اس قَلِيْلٌ مِنَ الْمَالِ کی طرف بھائی۔

وَذٰلِكَ اور یہ، اگر دونوں فعل متوجہ ہوں کس کی طرف؟ قَلِيْلٌ مِنَ الْمَالِ کی طرف تو اس صورت میں یہ تین چیزیں لازم آتی ہیں اور یہ تین چیزیں کیوں؟ وَذٰلِكَ لِأَنَّ اور یہ ان کا مستلزم ہونا اس وجہ سے ہے، لِأَنَّ لَوْ تَجْعَلُ مَدْخُوْلَهَا الْمُثْبَتَ اس لیے کیونکہ لَوْ جو ہے وہ کر دیتا ہے مَدْخُوْلَهَا اپنے مدخول کو یعنی لَوْ جس پر داخل ہوتا ہے کیا کرتا ہے؟ مثبت کو منفی اور منفی کو مثبت: لِأَنَّ لَوْ تَجْعَلُ مَدْخُوْلَهَا الْمُثْبَتَ اس لیے کیونکہ لَوْ کر دیتا ہے اپنے مثبت مدخول کو شَرْطًا كَانَ أَوْ جَزَاءً چاہے شرط ہو یا جزا ہو أَوْ مَعْطُوْفًا عَلٰى أَحَدِهِمَا یا ان دونوں میں سے کسی ایک پر کوئی معطوف ہو، ان سب کو لَوْ کر دیتا ہے مَنْفِيًّا کیا کر دیتا ہے؟ منفی۔ معنی سمجھ میں آرہا ہے؟ وَالْمَنْفِيَّ مِنْ ذٰلِكَ مُثْبَتًا اس مَنْفِيَّ کا عطف ہے پیچھے جو الْمُثْبَتَ آیا تھا۔ لَوْ اپنے مثبت مدخول کو منفی کر دیتا ہے وَالْمَنْفِيَّ مِنْ ذٰلِكَ مُثْبَتًا اور ان میں سے جو منفی ہو اس کو مثبت کر دیتا ہے۔ معنی سمجھ میں آیا؟ پھر ترجمہ دیکھیں: لِأَنَّ لَوْ تَجْعَلُ مَدْخُوْلَهَا الْمُثْبَتَ اس لیے کیونکہ لَوْ اپنے مثبت مدخول کو شَرْطًا كَانَ أَوْ جَزَاءً چاہے وہ شرط ہو یا جزا ہو أَوْ مَعْطُوْفًا عَلٰى أَحَدِهِمَا یا شرط یا جزا میں سے کسی ایک پر جو معطوف ہو، ان سب کو وہ کر دیتا ہے مَنْفِيًّا کیا؟ منفی کر دیتا ہے۔ وَالْمَنْفِيَّ مِنْ ذٰلِكَ مُثْبَتًا اور ان میں سے اگر کوئی منفی ہو اس کو مثبت کر دیتا ہے۔

فَعَلٰى هٰذَا يَنْبَغِيْ تو اس تقدیر پر مناسب یہ ہے أَنْ يَكُوْنَ مَفْعُوْلُ لَمْ أَطْلُبْ مَحْذُوْفًا کہ لَمْ أَطْلُبْ کا مفعول جو ہے محذوف ہونا چاہیے، أَيْ لَمْ أَطْلُبِ الْعِزَّ وَالْمَجْدَ کہ میں عزت اور مجد جو ہے اس کو طلب نہ کرتا۔ میں عزت اور بزرگی کو طلب نہ کرتا لیکن میں اس کو طلب کرتا ہوں بھائی۔ بات سمجھ میں آگئی؟ کیونکہ لَوْ جو ہے منفی کو کس میں بدل دے گا؟ مثبت میں، میں اس کو طلب کرتا ہوں۔ كَمَا يَدُلُّ عَلَيْهِ الْبَيْتُ الْمُتَأَخِّرُ جیسے کہ اس پر دلالت کر رہا ہے وہ شعر جو متاخر ہے، بعد میں ہے۔ أَعْنِيْ قَوْلَهُ یعنی امرؤ القیس کا یہ جو قول ہے شِعْرٌ:

▪ متنِ کتاب و تحقیقِ مسائلِ نحویہ

وَلٰكِنَّمَا أَسْعٰى لِمَجْدٍ مُؤَثَّلٍ

لیکن میں کوشش کرتا ہوں دائمی عظمت کے لیے، دیرپا عظمت کے لیے،

وَقَدْ يُدْرِكُ الْمَجْدَ الْمُؤَثَّلَ أَمْثَالِيْ

اور تحقیق دائمی عظمت کو میرے جیسے لوگ حاصل کر لیا کرتے ہیں۔

وَحِيْنَئِذٍ يَسْتَقِيْمُ الْمَعْنٰى اور اس وقت پھر معنی صحیح ہو جائے گا، اگر لَمْ أَطْلُبْ کے لیے مفعول کس کو نکال لو؟ الْمَجْدَ الْمُؤَثَّلَ کو نکال لیں پھر معنی ٹھیک ہو جائے گا، يَعْنِيْ معنی یہ بن جائے گا: أَنَّا لَا أَسْعٰى لِأَدْنٰى مَعِيْشَةٍ میں کوشش نہیں کرتا تھوڑی روزی کے لیے، وَلَا يَكْفِيْنِيْ قَلِيْلٌ مِنَ الْمَالِ اور تھوڑا مال میرے لیے کافی نہیں ہوتا، وَلٰكِنِّيْ أَطْلُبُ الْمَجْدَ الْأَصِيْلَ لیکن میں کوشش کرتا ہوں اس عظمت کے لیے الْأَصِيْلَ جو دائمی ہے، دیرپا ہے، الثَّابِتَ (اَلثَّابِتَ) جو ثابت رہنے والی ہے، وَأَسْعٰى لَهُ اور میں اس کے لیے کوشش کرتا ہوں۔ وَلٰكِنِّيْ أَطْلُبُ الْمَجْدَ الْأَصِيْلَ الثَّابِتَ لیکن میں طلب کرتا ہوں اس عظمت کو جو دیرپا ہے اور ثابت رہنے والی ہے، وَأَسْعٰى لَهُ اور میں اس عظمت کے لیے کوشش کرتا ہوں۔ معنی سمجھ میں آگیا؟ جی، حل ہو گیا سارا؟ چلیے بس بھائی هٰذَا هُوَ الْمَرَامُ وَاللّٰهُ أَعْلَمُ بِحَقِيْقَةِ الْكَلَامِ۔

سبق نمبر ۹۱: نائبِ فاعل (۱): «مَفْعُوْلُ مَا لَمْ يُسَمَّ فَاعِلُهُ» کی تعریف اور کن مفاعیل کو نائب بنایا جاتا ہے

شرحِ ملا جامی صفحہ: ٦٦ — بتاریخ: ۳۰ اکتوبر ۲۰۲۱ء

▪ تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث

آگے سبق دیکھیے بھئی: مَفْعُوْلُ مَا لَمْ يُسَمَّ فَاعِلُهُ، أَيْ مَفْعُوْلُ فِعْلٍ أَوْ شِبْهِ فِعْلٍ لَمْ يُذْكَرْ فَاعِلُهُ، وَإِنَّمَا لَمْ يَفْصِلْهُ عَنِ الْفَاعِلِ وَلَمْ يَقُلْ مِنْهُ كَمَا فَصَلَ الْمُبْتَدَأَ حَيْثُ قَالَ وَمِنْهَا الْمُبْتَدَأُ لِشِدَّةِ اتِّصَالِهِ بِالْفَاعِلِ حَتّٰى سَمَّاهُ بَعْضُ النُّحَاةِ فَاعِلًا.

بھئی گزشتہ سبق میں ہم نے تنازعِ فعلین کا مسئلہ مکمل کیا تھا بھئی۔ تنازعِ فعلین کے اندر بصرہ والے کہتے ہیں کہ ثانی فعل کو عامل بنانا اولیٰ ہے جبکہ کوفہ والے کہتے ہیں پہلے فعل کو عامل بنانا اولیٰ ہے۔ اور گزشتہ سبق میں کوفہ والوں کی ایک دلیل ذکر کی تھی صاحبِ کافیہ نے اور پھر اس کو رد کیا تھا۔ کوفہ والے اپنے مذہب کے لیے دلیل کے طور پر امراء القیس کے شعر کو ذکر کرتے ہیں۔ امراء القیس کا شعر ہے: وَلَوْ أَنَّ مَا أَسْعٰى لِأَدْنٰى مَعِيْشَةٍ كَفَانِيْ وَلَمْ أَطْلُبْ قَلِيْلٌ مِنَ الْمَالِ۔ کوفہ والے کہتے ہیں کہ دیکھو امراء القیس عربی زبان کا فصیح و بلیغ شاعر ہے بھئی، بلکہ تمام شعراء سے بڑا شاعر اس کو بعضوں نے قرار دیا ہے۔ اور یہاں پر شعر کے اندر كَفَانِيْ اور لَمْ أَطْلُبْ دونوں میں تنازع ہے قَلِيْلٌ مِنَ الْمَالِ کے بارے میں۔ كَفَانِيْ قَلِيْلٌ مِنَ الْمَالِ کو رفع دینا چاہتا ہے اور لَمْ أَطْلُبْ اس کو نصب دینا چاہتا ہے۔ اور امراء القیس نے كَفَانِيْ کو عامل بنایا اور قَلِيْلٌ مِنَ الْمَالِ کو مرفوع پڑھا۔ اس سے معلوم ہوا کہ پہلے فعل کو عامل بنانا اولیٰ ہے، تو عربی زبان کے فصیح و بلیغ شاعر نے جب پہلے فعل کو عامل بنانے کو اختیار کیا، معلوم ہوا کہ یہ طریقہ اولیٰ ہے بھئی۔

تو صاحبِ کافیہ نے اس کا جواب دیا تھا کہ یہ امراء القیس کا جو شعر ہے یہ تنازعِ فعلین کے باب سے ہی نہیں ہے، اس لیے کیونکہ اگر آپ یہاں تنازعِ فعلین مانیں گے تو معنیٰ ہی فاسد ہو جائے گا۔ اگر یہ مان لیا جائے کہ كَفَانِيْ اور لَمْ أَطْلُبْ دونوں متوجہ ہیں قَلِيْلٌ مِنَ الْمَالِ کی طرف، دونوں اس میں عمل کرنا چاہتے ہیں، پھر تو شعر کا معنیٰ ہی خراب ہو جائے گا۔ اس لیے کیونکہ یہاں لَوْ آیا، اور لَوْ آتا ہے انتفائے ثانی کے لیے بوجہ انتفائے اول کے، یعنی ثانی منتفی ہے اس لیے کیونکہ اول منتفی

ہے۔ لَوْ جِئْتَنِيْ لَأَكْرَمْتُكَ، اگر آپ میرے پاس آئے ہوتے تو میں نے آپ کا اکرام کیا ہوتا۔ معلوم ہوا میں نے آپ کا اکرام نہیں کیا بھئی، اور کیوں نہیں کیا؟ کیونکہ آپ آئے نہیں۔ تو ثانی منتفی ہے بوجہ انتفائے اول کے۔ دوسرے لفظوں میں یوں کہو کہ یہ لَوْ جو ہے یہ مثبت کو منفی بنا دیتا ہے اور منفی کو مثبت بنا دیتا ہے۔ تو یہاں پر لَوْ جِئْتَنِيْ، جِئْتَنِيْ بھی مثبت ہے اس کے ساتھ کوئی حرفِ نفی نہیں، اور لَأَكْرَمْتُكَ یہ بھی مثبت ہے اس کے ساتھ بھی کوئی حرفِ نفی نہیں، لیکن لَوْ نے دونوں کو منفی کر دیا۔ لَوْ جِئْتَنِيْ لَأَكْرَمْتُكَ، اگر آپ آئے ہوتے تو میں نے اکرام کیا ہوتا۔ معلوم ہوا آپ آئے بھی نہیں اور میں نے اکرام بھی نہیں کیا۔ تو لَوْ کس لیے آتا ہے؟ مثبت کو منفی کر دیتا ہے اور منفی کو مثبت کر دیتا ہے۔

تو یہاں پر بھی لَوْ آیا، تو ترجمہ ہوگا: وَلَوْ أَنَّ مَا أَسْعٰى لِأَدْنٰى مَعِيْشَةٍ، اگر میں کوشش کرتا تھوڑے سے معاش کے لیے، تھوڑی سی روزی کے لیے اگر میں کوشش کرتا، كَفَانِيْ قَلِيْلٌ مِنَ الْمَالِ، تو تھوڑا سا رزق میرے لیے کافی ہو جاتا۔ معلوم ہوا میں تھوڑے رزق کے لیے اور تھوڑے مال کے لیے کوشش بھی نہیں کرتا، اور تھوڑا مال میرے لیے کافی بھی نہیں ہے۔ اگر لَمْ أَطْلُبْ کو بھی اسی قَلِيْلٌ مِنَ الْمَالِ کی طرف متوجہ مان لیا جائے، تو پھر معنیٰ ہو جائے گا، لَمْ أَطْلُبْ نفی ہے، تو لَوْ نے اس کو بدل دیا مثبت میں، تو معنیٰ ہو جائے گا کہ میں تھوڑے مال کے لیے کوشش کرتا۔ لَمْ أَطْلُبْ متوجہ ہے کس کی طرف؟ قَلِيْلٌ مِنَ الْمَالِ۔ تو معنیٰ ہوتا میں تھوڑے مال کے لیے کوشش کرتا۔ تو یہ تو پہلی دونوں باتوں کے منافی ہو گیا۔ پہلے کیا کہا تھا؟ میں تھوڑے مال کے لیے کوشش نہیں کرتا، اور اب کہہ رہا ہے وَلَمْ أَطْلُبْ قَلِيْلًا مِنَ الْمَالِ کہ میں تھوڑا مال طلب کرتا۔ ایک پہلے کہا طلب نہیں کرتا، اب کہہ رہا ہے میں طلب کرتا، اور نیز پہلے کہا کہ تھوڑا مال میرے لیے کافی نہیں ہوتا، یہ اس کے بھی منافی ہو گیا کیونکہ جب تھوڑے مال کو طلب کر رہا ہے معلوم ہوا تھوڑا مال اس کے لیے کافی ہے بھئی۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو لہٰذا یہ شعر تنازعِ فعلین کے باب سے ہی نہیں ہے ورنہ تو یہ اجتماعِ متنافیین لازم آئے گا یہاں پر بھئی۔ تو پھر اس کا مفعول کیا ہے؟ کہتے ہیں اس کا مفعول اَلْمَجْدَ الْمُؤَثَّلَ ہے بھئی۔ اور اس کا پتہ اگلے شعر سے چلتا ہے۔ اگلا شعر کیا تھا؟ وَلٰكِنَّمَا أَسْعٰى لِمَجْدٍ مُؤَثَّلٍ، لیکن میں کوشش کرتا ہوں پائیدار عظمت کے لیے، دائمی عظمت کے لیے۔ وَقَدْ يُدْرِكُ الْمَجْدَ الْمُؤَثَّلَ أَمْثَالِيْ، اور تحقیق دائمی عظمت کو میرے جیسے لوگ حاصل کر لیا کرتے ہیں۔ تو اس سے پتہ چلا کہ یہ کس کے لیے کوشش کرتا ہے؟ دائمی عظمت کے لیے۔ تو یہاں پر بھی لَمْ أَطْلُبْ کا مفعول محذوف ہے اور وہ کیا ہے؟ اَلْمَجْدَ الْمُؤَثَّلَ۔ أَيْ وَلَمْ أَطْلُبِ الْمَجْدَ الْمُؤَثَّلَ، اور میں دیرپا اور دائمی عظمت کو طلب نہ کرتا۔ توجہ ہے؟ اب سنو شعر کا ترجمہ: اور اگر میں کوشش کرتا تھوڑے معاش کے لیے تو تھوڑا معاش میرے لیے کافی ہو جاتا اور میں طلب نہ کرتا دیرپا عظمت کو۔ دیکھو اب معنیٰ صحیح ہو گیا۔ معلوم ہوا میں تھوڑے معاش کے لیے کوشش بھی نہیں کرتا اور تھوڑا معاش میرے لیے کافی بھی نہیں ہے اور میں دائمی عظمت کو طلب کرتا ہوں۔ بات سمجھ میں آگئی؟

اب آئیے آج کے سبق پر۔ کہتے ہیں: مَفْعُوْلُ مَا لَمْ يُسَمَّ فَاعِلُهُ، أَيْ مَفْعُوْلُ فِعْلٍ أَوْ شِبْهِ فِعْلٍ لَمْ يُذْكَرْ فَاعِلُهُ۔ اب آگے

صاحبِ کافیہ جو ہیں وہ مرفوعات میں سے دوسرا مرفوع یعنی مفعولِ مالم یُسَمَّ فاعلہ کو ذکر کر رہے ہیں۔ مَفْعُوْلُ مَا لَمْ يُسَمَّ فَاعِلُهُ۔ بھئی پہلے متن متن دیکھ لیجیے، دیکھیے بھئی۔ مَفْعُوْلُ مَا لَمْ يُسَمَّ فَاعِلُهُ۔ یہ مَا جو ہے اس سے مراد یاد رکھیے فعل یا شبہِ فعل ہے۔ مَفْعُوْلُ مَا، اس فعل یا شبہِ فعل کا مفعول، لَمْ يُسَمَّ فَاعِلُهُ، جس کے فاعل کو ذکر نہ کیا گیا ہو، جس کے فاعل کو ذکر نہ کیا گیا ہو۔ بھئی دیکھیے مثلاً جملہ ہے ضَرَبَ زَيْدٌ عَمْرًا، ضَرَبَ فعل، زَيْدٌ اس کے لیے فاعل، اور عَمْرًا اس کے لیے مفعول۔ اور پھر کبھی کبھار فعل کو بدل دیا جاتا ہے فعلِ مجہول سے اور فاعل کو حذف کر دیا جاتا ہے اور مفعول کو اس کا قائم مقام کر دیا جاتا ہے، اور پھر کیسے کہیں گے؟ ضُرِبَ عَمْرٌو، عمر کی پٹائی کی گئی، عمر کی پٹائی کی گئی۔ اب یہ ضُرِبَ فعلِ مجہول ہے اور عَمْرٌو کی طرف اس کا اسناد ہے اور وہ اس کا مفعول مالم یسم فاعلہ ہے۔ تو دیکھو ضُرِبَ عَمْرٌو۔ عَمْرٌو یہ مفعول ہے، اصل میں کیا ہے؟ اس پر فعل واقع ہے، اور یہ مفعول ہے کس فعل کا؟ ضُرِبَ کا۔ اور ضُرِبَ کا فاعل کون؟ ضُرِبَ کا فاعل، بھئی فعلِ مجہول میں فاعل کو ذکر نہیں کیا جاتا۔ ضَرَبَ زَيْدٌ عَمْرًا جب فعلِ معروف تھا تو زَيْدٌ فاعل ذکر تھا، اور جب فعلِ مجہول بنایا تو فاعل کو کیا کر لیتے ہیں؟ حذف کر لیتے ہیں۔ تو فعلِ مجہول وہ فعل ہے جس کے فاعل کو ذکر نہیں کیا جاتا۔ ضُرِبَ عَمْرٌو کا کیا معنیٰ؟ عمر کی پٹائی کی گئی۔ کس نے پٹائی کی؟ یہ ذکر نہیں ہوتا۔ تو یہ فعلِ مجہول وہ فعل ہے جس کے فاعل کو ذکر نہیں کیا جاتا، فاعل کوئی نہ کوئی تو ہو گا لیکن اس کو ذکر نہیں کیا جاتا، بات سمجھ میں آ گئی؟ یہ معنیٰ ہے مَفْعُوْلُ مَا، مفعول اس فعل یا شبہِ فعل کا، لَمْ يُسَمَّ فَاعِلُهُ، جس کے فاعل کو ذکر نہیں کیا گیا۔ تو لَمْ يُسَمَّ کا کیا معنیٰ؟ لَمْ يُذْكَرْ، جس کے فاعل کو ذکر نہیں کیا گیا۔

یہ کس کو کہتے ہیں؟ آگے متن میں دیکھیے۔ کہتے ہیں: كُلُّ مَفْعُوْلٍ حُذِفَ فَاعِلُهُ، یہ ہر ایسا مفعول ہے، دیکھو مَفْعُوْلٍ نکرہ ہے، توجہ ہے؟ نکرہ ہے اور اس نکرہ کے بعد حُذِفَ فعل آیا، اور نکرہ کے بعد فعل آئے تو وہ عموماً اس کے لیے کیا بنتا ہے؟ صفت بنتا ہے، تو یہاں حُذِفَ اس کے لیے صفت ہے بھئی۔ اور موصوف صفت کا ترجمہ کیسے کرتے ہیں؟ موصوف سے پہلے ایسا یا ایسی کا لفظ لاتے ہیں۔ تو حُذِفَ یہ مفعول کی صفت ہے اور آگے وَأُقِيْمَ اس کا عطف اسی حُذِفَ پر ہے تو یہ بھی صفت ہے، یہ معطوف ہے صفت پر اور معطوف کا وہی حکم ہوتا ہے جو معطوف علیہ کا ہوتا ہے۔ معطوف علیہ حُذِفَ وہ تو صفت ہے مفعول کے لیے، تو أُقِيْمَ بھی صفت ہے۔ اب ترجمہ سنیے۔ کہتے ہیں مفعول مالم یسم فاعلہ جو ہے كُلُّ مَفْعُوْلٍ ہر ایسا مفعول ہے، حُذِفَ فَاعِلُهُ کہ جس کے فاعل کو حذف کر لیا جائے وَأُقِيْمَ هُوَ مَقَامَهُ اور اس مفعول کو اس کا قائم مقام بنا دیا جائے۔ مفعول مالم یسم فاعلہ کس کو کہتے ہیں؟ ہر وہ مفعول جس کے فاعل کو حذف کر لیا جائے۔ ضَرَبَ زَيْدٌ عَمْرًا، پھر اس سے کیا بنا؟ ضُرِبَ عَمْرٌو، تو دیکھا عمر وہ مفعول ہے جس کے فاعل کو کیا کر لیا گیا؟ فعلِ مجہول لایا گیا اور اس کے فاعل کو حذف کر لیا گیا۔ تو کہتے ہیں مفعول مالم یسم فاعلہ جو ہے كُلُّ مَفْعُوْلٍ حُذِفَ فَاعِلُهُ، ہر ایسا مفعول ہے کہ جس کے فاعل کو حذف کر لیا گیا ہو، وَأُقِيْمَ هُوَ مَقَامَهُ اور اس مفعول کو اس کا قائم مقام بنا دیا گیا ہو۔ اسی لیے اس کو نائب الفاعل بھی کہتے ہیں، کیا کہتے ہیں؟ نائب الفاعل۔ اور ہمارے ہاں زیادہ تر نائب الفاعل ہی بولتے ہیں کیونکہ یہ مختصر ہے۔ مَفْعُوْلُ مَا لَمْ يُسَمَّ

فَاعِلُهُ ذرا الفاظ زیادہ ہیں اور نائب الفاعل مختصر ہے بھئی۔ تو بہرحال جمہور کے نزدیک اس کو مَفْعُوْلُ مَا لَمْ يُسَمَّ فَاعِلُهُ کہتے ہیں۔ اب پھر ترجمہ سنو: مَفْعُوْلُ مَا، مفعول اس فعل یا شبہِ فعل کا، لَمْ يُسَمَّ فَاعِلُهُ، جس کے فاعل کو ذکر نہ کیا گیا ہو۔ کہتے ہیں كُلُّ مَفْعُوْلٍ حُذِفَ فَاعِلُهُ وَأُقِيْمَ هُوَ مَقَامَهُ کہ مفعول ما لم یسم فاعلہ ہر وہ مفعول ہے جس کے فاعل کو حذف کر لیا گیا ہو وَأُقِيْمَ هُوَ مَقَامَهُ اور اس مفعول کو اس فاعل کے قائم مقام کر دیا گیا ہو۔

وَشَرْطُهُ، اور شرط اس مفعول ما لم یسم فاعلہ کی، شرط اس کی مفعول ما لم یسم فاعلہ کی شرط یہ ہے، یعنی اس کو فاعل کا قائم مقام بنانے کی شرط یہ ہے کہ أَنْ تُغَيَّرَ صِيْغَةُ الْفِعْلِ إِلٰى فُعِلَ أَوْ يُفْعَلُ، وہ یہ کہ بدل دیا جائے فعل کا صیغہ فُعِلَ کی طرف یا يُفْعَلُ کی طرف۔ کس کی طرف؟ فُعِلَ، دیکھا ضَرَبَ سے کیا بنایا تھا ہم نے؟ ضُرِبَ بنایا، اور فاعل زَيْدٌ کو حذف کیا اور مفعول عَمْرًا کو اب اس ضُرِبَ کا نائب الفاعل بنا دیا، تو کیا بن گیا؟ ضُرِبَ عَمْرٌو۔ اب دیکھو فعل کا صیغہ بدل دیا جائے کس کی طرف؟ شرط یہ ہے، آپ کیا کرنا چاہتے ہیں؟ مفعول کو فاعل کا قائم مقام کرنا چاہتے ہیں، تو شرط یہ ہے کہ فعل کے صیغے کو فُعِلَ یا يُفْعَلُ کی طرف بدل دیا جائے۔ فُعِلَ سے ماضی مجہول مراد ہے اور يُفْعَلُ سے مضارع مجہول مراد ہے۔ یعنی اگر ماضی معروف ہے تو اس کو ماضی مجہول کی طرف بدل دو، اور اگر مضارع معروف ہے تو اس کو مضارع مجہول کی طرف بدل دو، تو اس کو مضارع مجہول کی طرف بدل دو۔ تو فُعِلَ سے کیا مراد؟ ماضی مجہول، اور يُفْعَلُ سے کیا مراد؟ مضارع مجہول۔ تو ماضی معروف کو بدل دو ماضی مجہول کی طرف اور مضارع معروف کو بدل دو مضارع مجہول کی طرف۔ تو فُعِلَ بول کر ہر ماضی مجہول مراد ہے، ورنہ دیکھو فُعِلَ یہ تو صرف ثلاثی مجرد سے یہ ماضی آتی ہے۔ ضَرَبَ سے ضُرِبَ، نَصَرَ سے نُصِرَ، مَنَعَ سے مُنِعَ، سَمِعَ سے سُمِعَ۔ لیکن ثلاثی مزید میں چلے جائیں، أَكْرَمَ کی ماضی مجہول کیا؟ أُكْرِمَ، وہ تو فُعِلَ وزن پر نہیں ہے، حالانکہ وہ بھی ماضی مجہول ہے۔ اسی طرح اِسْتَخْرَجَ کی ماضی کیا ماضی مجہول؟ اُسْتُخْرِجَ، یہ بھی فُعِلَ وزن پر نہیں ہے۔ اسی طرح دَحْرَجَ رباعی مجرد جو ہے اس کی ماضی مجہول کیا؟ دُحْرِجَ، وہ بھی فُعِلَ وزن پر نہیں۔ اسی طرح رباعی مزید فیہ بھی ہیں۔ تو دیکھو فُعِلَ وزن تو صرف ثلاثی مجرد میں آتا ہے۔ تو انہوں نے کیا ذکر کیا کہ شرط کیا ہے؟ کہ فعل کے صیغے کو بدل دیا جائے کس کی طرف؟ فُعِلَ کی طرف۔ تو اس فُعِلَ میں ثلاثی مجرد تو آ گئی، ثلاثی مزید فیہ بھی داخل نہیں اور رباعی مجرد بھی داخل نہیں اور رباعی مزید فیہ بھی داخل نہیں کیونکہ وہ تو فُعِلَ وزن پر نہیں آتے بھئی۔ تو جواب گزر گیا، میں نے بتلا دیا کہ فُعِلَ سے ماضی مجہول مراد ہے، کیا مراد ہے؟ فُعِلَ سے فُعِلَ کا صیغہ نہیں مراد، اگر فُعِلَ کا صیغہ

مراد لیں پھر تو یہ صرف ثلاثی مجرد میں ماضی مجہول اس وزن پر آتا ہے، باقی تو کسی میں نہیں آتا۔ تو یہ صیغہ نہیں مراد بلکہ فُعِلَ بول کر ماضی مجہول مراد ہے، تو ہر باب میں اس کے مطابق جو ماضی مجہول ہے وہ سب اس کے اندر آ گئے۔ بات سمجھ میں آ گئی؟ أُكْرِمَ بھی اس میں داخل، اُسْتُخْرِجَ بھی اس میں داخل اور دُحْرِجَ وغیرہ بھی اس میں داخل کیونکہ یہ سب ماضی مجہول ہیں۔ اسی طرح يُفْعَلُ بول کر، يُفْعَلُ بول کر یہ صیغہ نہیں مراد بلکہ مضارع مجہول مراد ہے۔ ورنہ يُفْعَلُ یہ مضارع مجہول

تو صرف ثلاثی مجرد میں آتا ہے، نہ ثلاثی مزید فیہ میں آتا ہے، نہ رباعی مجرد میں آتا ہے، نہ رباعی مزید فیہ میں آتا ہے۔ تو اشکال ہوتا ہے کہ ان میں تو یہ صیغہ آتا ہی نہیں، تو جواب میں نے ذکر کر دیا کہ یُفْعَلُ بول کر یہ یُفْعَلُ کا صیغہ نہیں مراد بلکہ مضارع مجہول مراد ہے، تو ہر باب کا جو بھی مضارع مجہول ہے وہ اس کے اندر داخل ہو گیا۔ تو کہتے ہیں: وَشَرْطُهُ اور مفعول ما لم یسم فاعلہ کی شرط یہ ہے کہ أَنْ تُغَيَّرَ صِيْغَةُ الْفِعْلِ إِلٰى فُعِلَ أَوْ يُفْعَلُ کہ اس فعل کا صیغہ بدل دیا جائے فُعِلَ یا یُفْعَلُ کی طرف یعنی ماضی مجہول یا مضارع مجہول کی طرف۔

وَلَا يَقَعُ الْمَفْعُوْلُ الثَّانِيْ مِنْ بَابِ عَلِمْتُ وَلَا الثَّالِثُ مِنْ بَابِ أَعْلَمْتُ۔ وَلَا يَقَعُ اور واقع نہیں ہوتا الْمَفْعُوْلُ الثَّانِيْ جو مفعولِ ثانی ہے مِنْ بَابِ عَلِمْتُ بابِ عَلِمْتُ سے وَلَا الثَّالِثُ اور نہ جو مفعولِ ثالث ہے مِنْ بَابِ أَعْلَمْتُ بابِ أَعْلَمْتُ سے بھئی۔ بابِ عَلِمْتُ کا مفعولِ ثانی اور بابِ أَعْلَمْتُ کا مفعولِ ثالث یہ فاعل کے مقام پر واقع نہیں ہو سکتے، یعنی ان کو آپ مفعول ما لم یسم فاعلہ نہیں بنا سکتے۔ توجہ ہے؟ میں نے آپ کو بتلایا تھا کہ ایک ہے بابِ أَعْطَيْتُ، ایک ہے بابِ عَلِمْتُ۔ بابِ أَعْطَيْتُ یہ بھی دو مفعول چاہتا ہے اور بابِ عَلِمْتُ یہ بھی دو مفعول چاہتا ہے۔ أَعْطَيْتُ زَيْدًا دِرْهَمًا۔ دیکھو زَيْدًا ہے مفعولِ اول اور دِرْهَمًا ہے مفعولِ ثانی، تو یہ أَعْطَيْتُ دو مفعول چاہتا ہے۔ أَعْطَيْتُ سے مراد ہر وہ فعل ہے جو دو مفعول چاہتا ہو اور جس کے دونوں مفعول کی ذات الگ الگ ہو۔ دیکھو مفعولِ اول زید ہے اور مفعولِ ثانی درہم ہے، أَعْطَيْتُ زَيْدًا دِرْهَمًا، تو زید کی ذات الگ ہے درہم کی ذات الگ ہے، دونوں الگ الگ چیزیں ہیں۔ جبکہ بابِ عَلِمْتُ اس سے مراد وہ فعل جو دو مفعول چاہتا ہے لیکن دونوں کی ذات ایک ہی ہوتی ہے، جیسے عَلِمْتُ زَيْدًا عَالِمًا۔ میں نے یقین کیا زَيْدًا عَالِمًا کہ زید عالم ہے، تو دیکھو جو زید ہے وہی عالم بھی ہے۔ کس کے بارے میں میں نے یقین کیا عالم ہونے کا؟ زید ہی کے بارے میں یقین کیا، تو زید بھی وہی اور عالم بھی وہی ہے، فرق سمجھ میں آگیا؟

یہ جو عَلِمْتُ ہے یہ افعالِ قلوب میں سے ہے اور یہ دو مفعول چاہتے ہیں بھئی۔ اور یہ جو دونوں مفعول ہوتے ہیں دراصل حقیقت میں یہ مبتدا خبر تھے۔ اصل میں تھا زَيْدٌ عَالِمٌ، زَيْدٌ تھا مبتدا عَالِمٌ اس کی خبر، پھر اس پر عَلِمْتُ فعل داخل ہوا اور اس نے دونوں کو اپنا مفعول بنا لیا، زید اس کا مفعولِ اول بن گیا اور عَالِمًا اس کے لیے مفعولِ ثانی۔ عَلِمْتُ زَيْدًا عَالِمًا، میں نے جان لیا یعنی میں نے مان لیا یا میں نے یقین کر لیا کہ زید عالم ہے۔ اب یاد رکھو، اب آپ عَلِمْتُ کو فعلِ مجہول لاتے ہیں، کیا بناتے ہیں؟ فعلِ مجہول۔ فعلِ مجہول کے لیے کیا کرتے ہیں؟ اس کے لیے فاعل کو حذف کرتے ہیں اور مفعول کو اس فاعل کا قائم مقام کرتے ہیں۔ تو دیکھو اب عَلِمْتُ کے آگے دو مفعول آرہے ہیں اور یہ دونوں مفعول حقیقت میں کیا ہیں؟ مبتدا اور خبر تھے بھئی۔ تو ان میں سے پہلا مفعول مسند الیہ ہے اور ثانی کیا ہے؟ مسند ہے۔ اب آپ کیا کرنا چاہتے ہیں؟ عَلِمْتُ کے مفعولِ ثانی کو فاعل کا قائم مقام بنانا چاہتے ہیں یعنی اس کو مفعول ما لم یسم فاعلہ بنانا چاہتے ہیں۔ کہتے ہیں یہ جائز نہیں۔ آپ عَلِمْتُ کے مفعولِ ثانی کو مفعول ما لم یسم فاعلہ نہیں بنا سکتے یعنی اس کو فاعل کا نائب نہیں بنا سکتے۔ بھئی کیوں؟ کیا وجہ؟ وجہ یہ کہ دیکھو یہ جو مفعولِ ثانی ہے یہ کیا ہے؟ مسند ہے۔ میں نے بتایا نا کہ عَلِمْتُ زَيْدًا عَالِمًا اصل میں کیا تھا؟ زَيْدٌ عَالِمٌ، زَيْدٌ تھا

بتدا اور عَالِمٌ ہے اس کی خبر، تو یہ زَیْدٌ مسند الیہ اور عَالِمٌ مسند ہے، پھر اس پر عَلِمْتُ داخل ہوا تو کیا بن گیا کلام؟ عَلِمْتُ زَیْدًا عَالِمًا۔ تو یہ ابھی بھی آپس میں مسند الیہ اور مسند کے درجے میں ہیں، ہیں تو مفعولِ اول اور مفعولِ ثانی لیکن آپس میں ابھی بھی ان کا اسناد ہو رہا ہے بھئی۔ عَالِمًا کا اسناد ہے کس کی طرف؟ زید کی طرف۔ میں نے جان لیا، کیا جانا میں نے؟ کہ زید عالم ہے۔ دیکھا عالم ہونے کی نسبت ابھی بھی زید کی طرف ہو رہی ہے، میں نے جان لیا کہ زید عالم ہے، تو معلوم ہوا یہ عَالِمًا مسندبہ ہے۔ کیا ہے؟ زید ہے مسند الیہ اور عَالِمًا ہے مسندبہ۔ اور اب آپ اس کو نائب الفاعل بنانا چاہتے ہیں یعنی فاعل کے قائم مقام کر کے اس کو مفعول ما لم یسم فاعلہ بنانا چاہتے ہیں، اور مفعول ما لم یسم فاعلہ وہ تو مسند الیہ ہوتا ہے، وہ تو پہلے مسند الیہ کیا تھا؟ فاعل، پھر اس فاعل کو حذف کر دیا اور فعل کو مجہول بنا دیا، پھر اس مفعول کو کیا بنا دیا؟ نائب فاعل، تو وہ مسند الیہ ہے، تو مفعول ما لم یسم فاعلہ تو مسند الیہ ہوتا ہے، اور آپ اس عَالِمًا کو کیا بنانا چاہتے ہیں؟ نائب فاعل بنانا چاہتے ہیں، تو پھر تو یہ مسند الیہ بن جائے گا اور اس وقت یہ کیا ہے؟ مسندبہ ہے، تو ایک ہی لفظ کا مسند اور مسند الیہ ہونا لازم آئے گا اور یہ جائز نہیں کہ ایک ہی لفظ کیا ہو؟ مسند بھی ہو اور مسند الیہ بھی ہو۔ بات سمجھ میں آ گئی؟ تو کہتے ہیں: وَلَا یَقَعُ الْمَفْعُوْلُ الثَّانِیْ مِنْ بَابِ عَلِمْتُ اور فاعل کے مقام پر واقع نہیں ہو سکتا مفعولِ ثانی بابِ عَلِمْتُ سے، وَلَا الثَّالِثُ مِنْ بَابِ أَعْلَمْتُ اور نہ ہی تیسرا مفعول جو ہے وہ نائب الفاعل بن سکتا ہے بابِ أَعْلَمْتُ سے، بابِ أَعْلَمْتُ سے۔

بابِ أَعْلَمْتُ، بھئی وہی عَلِمْتُ کو لے گئے بابِ افعال میں۔ یاد رکھو، یاد رکھو کسی فعل کو متعدی بنانا ہو تو ایک طریقہ یہ ہے کہ اس کو بابِ افعال میں لے جاتے ہیں، ایک طریقہ یہ ہے کہ اس کو با کے ذریعے متعدی کرتے ہیں۔ توجہ ہے؟ آپ فعلِ لازم کو کیا کرنا چاہتے ہیں؟ متعدی۔ فعلِ لازم وہ ہے جو صرف فاعل پر بات جس میں پوری ہو جاتی ہے، جس کے لیے مفعول نہیں آتا، لیکن آپ اس کے لیے مفعول لانا چاہتے ہیں تو اس کا طریقہ یہ ہے کہ آپ اس کو بابِ افعال میں لے جائیں یا اس کو با کے ذریعے متعدی کر دیں۔ جیسے ذَهَبْتُ، ذَهَبْتُ کا معنیٰ میں گیا، میں چلا گیا۔ تو دیکھو ذَهَبْتُ فعلِ لازم ہے اس کے لیے مفعول نہیں چاہیے لیکن آپ اس کے لیے مفعول لانا چاہتے ہیں تو ایک طریقہ یہ کہ اس کو بابِ افعال میں لے جاؤ: أَذْهَبْتُ، میں لے گیا، بھئی کس کو لے گئے؟ آگے مفعول بھی چاہیے، تو أَذْهَبْتُ زَیْدًا، میں زید کو لے گیا۔ یا با کے ذریعے متعدی کر دیں: ذَهَبْتُ بِزَیْدٍ، اسی ذَهَبْتُ کے ساتھ کیا لے آئیں؟ با جارہ لے آئیں بھئی، ذَهَبْتُ بِزَیْدٍ اس کا معنیٰ بھی یہی ہے کہ میں زید کو لے گیا۔ توجہ ہے؟ تو کسی فعل کو متعدی بنانے کے کتنے طریقے ہیں؟ دو، ایک طریقہ کیا کہ اس کو بابِ افعال میں لے جاؤ، دوسرا طریقہ کیا کہ اس کو با کے ذریعے متعدی کر دو۔ اور پھر یاد رکھو جب آپ فعلِ لازم کو لے کر جاتے ہیں بابِ افعال میں، توجہ ہے؟ فعلِ لازم کو جب آپ بابِ افعال میں لے کر جاتے ہیں تو پہلے وہ فعلِ لازم تھا، اب بابِ افعال میں آ کر وہ کیا بن گیا؟ فعلِ متعدی، اب وہ ایک مفعول کا تقاضا کرے گا۔ اور اگر فعل پہلے سے ہی متعدی تھا، ایک مفعول کا وہ پہلے ہی تقاضا کر رہا تھا، آپ اس کو بابِ افعال میں لے جائیں تو اب وہ دو مفعولوں کا تقاضا کرے گا۔ اگر فعل پہلے ہی متعدی تھا، مثلاً رَأَیْتُ زَیْدًا، میں نے کس کو دیکھا؟ زید کو دیکھا، تو رَأَیْتُ دیکھا، یہ رَأٰی یَرٰی جو ہے آپ جانتے ہیں اس کا معنیٰ

ہے آنکھوں سے دیکھنا، اور یہ ایک مفعول چاہتا ہے۔ میں نے دیکھا، بھئی کس چیز کو دیکھا؟ تو آگے ایک مفعول چاہیے، رَأَیْتُ زَیْدًا یا رَأَیْتُ عَمْرًا یا رَأَیْتُ بَکْرًا، کوئی ایک مفعول چاہیے، تو یہ ایک مفعول چاہتا ہے رَأٰی یَرٰی۔ اب آپ اس کو بابِ افعال میں لے گئے، أَرٰی یُرِیْ، اب یہ دو مفعول چاہے گا بھئی، أَرَیْتُ زَیْدًا عَمْرًا۔ أَرَیْتُ کا معنیٰ میں نے دکھایا، پہلے رَأَیْتُ کا معنیٰ تھا میں نے دیکھا، اب أَرَیْتُ کا معنیٰ میں نے دکھایا۔ أَرَیْتُ زَیْدًا میں نے زید کو دکھایا، بھئی کیا دکھایا؟ آگے عَمْرًا مفعولِ ثانی بھی چاہیے۔ أَرَیْتُ زَیْدًا عَمْرًا، میں نے زید کو عمر دکھایا کہ وہ عمر کھڑا ہے، بات سمجھ میں آگئی؟ تو دیکھو وہ فعل جو ایک مفعول کی طرف متعدی ہو جب اس کو بابِ افعال میں لے جاتے ہیں تو پھر وہ دو مفعولوں کی طرف متعدی ہو جاتا ہے۔ اسی طرح اگر فعل دو مفعولوں کی طرف متعدی تھا اور اس کو آپ بابِ افعال میں لے جائیں تو پھر وہ تین مفعولوں کی طرف متعدی ہو جائے گا، جیسے عَلِمْتُ۔ عَلِمْتُ زَیْدًا عَالِمًا، عَلِمْتُ کتنے مفعول چاہتا ہے؟ دو۔ اس کو بابِ افعال میں لے گئے: أَعْلَمْتُ، تو اب یہ تین مفعول چاہے گا: أَعْلَمْتُ عَمْرًا زَیْدًا عَالِمًا۔ أَعْلَمْتُ عَمْرًا، میں نے عمر کو یہ یقین دلایا، کیا یقین دلایا؟ زَیْدًا عَالِمًا، کہ زید عالم ہے۔ توجہ ہے؟

تو یہاں تک بات سمجھ میں آگئی، بابِ عَلِمْتُ کو بابِ أَعْلَمْتُ میں لے گئے تو پہلے دو مفعول چاہتا تھا اب کتنے چاہتا ہے؟ تین مفعول۔ پھر اس میں یاد رکھنا کہ بابِ عَلِمْتُ کے جو دو مفعول تھے، بابِ أَعْلَمْتُ میں یہ دوسرے اور تیسرے مفعول کی جگہ چلے گئے اور پہلا مفعول اس میں زائد آگیا۔ عَلِمْتُ زَیْدًا عَالِمًا، توجہ ہے؟ عَلِمْتُ کے لیے زَیْدًا کیا ہے؟ مفعولِ اول، اور عَالِمًا کیا ہے؟ مفعولِ ثانی، توجہ ہے؟ یہی زَیْدًا عَالِمًا اب میں عَلِمْتُ کو بابِ أَعْلَمْتُ میں لے جاؤں گا، وہاں بھی اسی طرح یہ زَیْدًا عَالِمًا آئیں گے لیکن ان سے پہلے میں ایک اور مفعول لے آؤں گا۔ تو گویا عَلِمْتُ کا جو مفعولِ اول تھا وہ أَعْلَمْتُ کا کون سا مفعول بنا؟ مفعولِ ثانی، اور عَلِمْتُ کا جو مفعولِ ثانی تھا وہ أَعْلَمْتُ کا مفعولِ ثالث بن گیا بھئی۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو مفعولِ اول شروع میں ایک زائد آگیا۔ پہلے کیا تھا؟ عَلِمْتُ زَیْدًا عَالِمًا، میں نے یقین کر لیا کہ زید عالم ہے۔ پھر أَعْلَمْتُ عَمْرًا زَیْدًا عَالِمًا، میں نے عمر کو بتلایا کہ زید عالم ہے، تو عَمْرًا یہ مفعولِ اول آگیا اور زَیْدًا جو مفعولِ اول تھا پہلے اب مفعولِ ثانی بن چکا، اور عَالِمًا جو پہلے مفعولِ ثانی تھا اب کیا بن چکا؟ مفعولِ ثالث۔ معلوم ہوا کہ عَلِمْتُ کے مفعولِ ثانی جو ہے اس کا حکم اور أَعْلَمْتُ کے مفعولِ ثالث کا حکم ایک ہی ہے۔ وہی مفعولِ ثانی اب کہاں چلا گیا ہے؟ مفعولِ ثالث کے مقام پر۔ اور عَلِمْتُ کے مفعولِ ثانی کو نائب الفاعل کیوں نہیں بنا سکتے تھے؟ کیونکہ وہ مسندبہ ہے، اگر آپ اس کو نائب الفاعل بنائیں گے تو وہ مسند الیہ بن جائے گا تو ایک ہی لفظ ایک ہی وقت میں مسند الیہ بھی ہو گا اور مسندبہ بھی ہو گا اور یہ درست نہیں۔ یہی علت ہے أَعْلَمْتُ کے مفعولِ ثالث میں بھی۔ وہی مفعولِ ثانی اب أَعْلَمْتُ میں کہاں چلا گیا؟ مفعولِ ثالث کی جگہ اور یہ کیا ہے اس وقت؟ مسندبہ ہے، اگر آپ اس کو کیا بنائیں گے؟ نائب الفاعل بنائیں گے تو یہ کیا بن جائے گا؟ مسند الیہ، تو ایک ہی لفظ ایک ہی وقت میں مسند الیہ بھی ہو گا اور مسندبہ بھی ہو گا۔ یہ معنیٰ ہے، کہتے ہیں: وَلَا یَقَعُ الْمَفْعُوْلُ الثَّانِیْ مِنْ بَابِ عَلِمْتُ اور فاعل کے مقام پر واقع نہیں ہو سکتا مفعولِ ثانی بابِ عَلِمْتُ سے، وَلَا الثَّالِثُ مِنْ بَابِ أَعْلَمْتُ اور نہ ہی مفعولِ

ثالث جو ہے بابِ أَعْلَمْتُ سے۔

وَالْمَفْعُوْلُ لَهُ وَالْمَفْعُوْلُ مَعَهُ كَذٰلِكَ، اور مفعول لہ اور مفعول معہ بھی اسی طرح ہیں۔ مفعول لہ بھئی کسے کہتے ہیں؟ وہ مصدر جو ماقبل فعل کی علت بیان کرے، توجہ ہے؟ وہ مصدر جو ماقبل فعل کی علت بیان کرے اس کو مفعول لہ کہتے ہیں۔ ضَرَبْتُ زَيْدًا تَأْدِيْبًا، ضَرَبْتُ زَيْدًا میں نے زید کی پٹائی کی، تَأْدِيْبًا ادب سکھانے کے لیے۔ معلوم ہوا اس پٹائی کرنے کا مقصد کیا تھا؟ ادب سکھانا، تو یہ تَأْدِيْبًا ماقبل کا فعل جو ضَرَبْتُ ہے اس کی علت اور اس کا سبب بیان کر رہا ہے، تو اس کو کیا کہتے ہیں؟ مفعول لہ کہتے ہیں۔ تو انہوں نے آپ کو بتایا کہ مفعول لہ یہ بھی مفعول ما لم یسم فاعلہ نہیں بن سکتا یعنی نائب الفاعل نہیں بن سکتا۔ کیوں؟ کیا وجہ ہے؟ وجہ اچھی طرح سمجھ لو۔ یاد رکھو عربی زبان میں علت کے لیے لام کو وضع کیا گیا ہے، کسی چیز کی علت بتلانے کے لیے لام استعمال کرتے ہیں۔ مثلاً میں آپ سے کہتا ہوں جِئْتُكَ لِلْقَلَمِ، جِئْتُكَ میں آپ کے پاس آیا ہوں، لِلْقَلَمِ کس لیے؟ قلم کے لیے، یعنی میں قلم لینے کے لیے آپ کے پاس آیا ہوں۔ تو علت بتلانے کے لیے دیکھو

لام استعمال کیا گیا، جِئْتُكَ میں آپ کے پاس آیا ہوں لِلْقَلَمِ کس کی وجہ سے؟ قلم کی وجہ سے یعنی قلم لینے کے لیے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو عربی زبان میں علت بتلانے کے لیے لام وضع ہے۔ لیکن کبھی کبھاریوں کرتے ہیں کہ اس لام کو حذف کر لیتے ہیں اور پھر اس لفظ پر نصب پڑھ دیتے ہیں۔ لام تو جارہ تھا، جر دے رہا تھا، اب کلام کو مختصر کرنے کے لیے کبھی کبھار کیا کر لیا جاتا ہے؟ اس لام کو حذف کرتے ہیں اور اگلے اسم پر نصب پڑھ دیتے ہیں۔ توجہ ہے؟ اور پھر اس کو مفعول لہ کہتے ہیں، کیا کہتے ہیں؟ مفعول لہ کہتے ہیں، جیسے ضَرَبْتُهُ تَأْدِيْبًا۔ اصل میں کیا تھا؟ ضَرَبْتُهُ لِلتَّأْدِيْبِ، یہاں اصل میں لام تھا بھئی۔ توجہ ہے؟ تو اصل علت کے لیے لام وضع ہے، پھر اس لام کو حذف کر لیتے ہیں اور پھر اس لفظ پر نصب پڑھ دیتے ہیں، اس کو مفعول لہ بنا دیتے ہیں۔ تو ضَرَبْتُهُ تَأْدِيْبًا اصل میں کیا تھا؟ ضَرَبْتُهُ لِلتَّأْدِيْبِ، پھر لام کو حذف کیا گیا اور تَأْدِيْبًا پر نصب پڑھا گیا۔ اور یہ جو تَأْدِيْبًا کا نصب ہے، اب یہ نصب ہمیں بتلا رہا ہے کہ یہ مفعول لہ ہے۔ لام تو چلا گیا اب۔ لام، پہلے تو لام بتلا رہا تھا کہ یہ سبب ہے، یہ علت ہے۔ اب تو لام چلا گیا۔ اب ہمیں کس چیز سے پتہ چل رہا ہے کہ یہ سبب ہے؟ یہ مفعول لہ کا نصب۔ ضَرَبْتُهُ تَأْدِيْبًا، یہ جو تَأْدِيْبًا پر نصب آرہا ہے، یہ نصب ہمیں بتلا رہا ہے کہ یہ، کہ یہ علت ہے ماقبل والے فعل کی۔ یہاں تک بات سمجھ میں آگئی؟ لیکن اس لام کو حذف کرنا اور اس لفظ پر نصب پڑھنا اس کی کئی شرطیں ہیں بھئی۔ وہ شرطیں پوری ہوں گی تو پھر آپ کے لیے جائز ہو گا کہ لام کو حذف کر کے اس لفظ پر نصب پڑھیں۔ مثلاً میں نے آپ سے کہا تھا جِئْتُكَ لِلْقَلَمِ، میں آپ کے پاس آیا کس کی وجہ سے؟ قلم کی وجہ سے، قلم لینے کے لیے۔ تو یہاں پر اس قلم کو میں منصوب کرنا چاہتا ہوں لام کو حذف کر کے، تو اس کے لیے شرطیں پوری ہوں گی تو پھر لام کو حذف کر کے آپ نصب پڑھ سکتے ہیں ورنہ نصب نہیں۔ اور اس کے لیے تین شرطیں ہیں بھئی، تین شرطیں۔ پہلی شرط یہ کہ وہ لفظ مصدر ہونا

چاہیے جس پر آپ نصب پڑھنا چاہتے ہیں۔ یعنی جس پر لام داخل ہے وہ کیا ہونا چاہیے؟ مصدر۔ دوسری شرط یہ ہے کہ اس کا فاعل اور ماقبل میں جو فعل ہے دونوں کا فاعل ایک ہی ذات ہونی چاہیے۔ ماقبل میں جو فعل ہے اس کو کہتے ہیں فعلِ معلل بہ، کیا کہتے ہیں؟ فعلِ معلل بہ، یہ اسی طرح استعمال ہوتا ہے اس لیے یہ لفظ بھی یاد رکھو۔ عَلَّلَ یُعَلِّلُ تَعْلِیْلًا، تعلیل کا معنیٰ ہوتا ہے علت بتلانا، علت بیان کرنا۔ تو مجھے بتائیے ضَرَبْتُهُ تَأْدِیْبًا، یہ تَأْدِیْبًا کے ذریعے کیا کیا گیا؟ تعلیل کی گئی، کیا کی گئی؟ ہاں، تعلیل کا کیا معنیٰ؟ علت بیان کرنا۔ تعلیل کے لیے عربی میں کیا وضع ہے؟ لام۔ لیکن یہاں ضَرَبْتُهُ تَأْدِیْبًا، یہ تَأْدِیْبًا، یہ کس لیے ہے؟ تعلیل کے لیے یعنی علت بیان کر رہا ہے، اور کس کی علت بیان کر رہا ہے؟ ماقبل والے فعل کی۔ کون سا فعل؟ ضَرَبْتُهُ، اس فعل کی یہ علت بیان کر رہا ہے۔ تو وہ جو ماقبل میں فعل ہوتا ہے اس کو کہتے ہیں فعلِ معلل بہ۔ کیا کہتے ہیں؟ فعلِ معلل بہ۔ دیکھو عَلَّلَ یُعَلِّلُ تَعْلِیْلًا، کیا معنیٰ؟ علت بیان کرنا۔ اسمِ فاعل کیا آئے گا؟ اسمِ فاعل مُعَلِّل، علت بیان کرنے والا، اور اسمِ مفعول کیا آئے گا؟ مُعَلَّل، تو یہ فعل معلل بہ ہے یعنی اس کی علت بیان کی گئی ہے آگے مفعول لہ کے ذریعے۔ تو یہ فعل کیا کہلاتا ہے؟ معلل بہ۔ بات سمجھ میں آگئی؟ اچھا، بات چل رہی تھی کہ لام کو کبھی حذف کر کے اس لفظ پر نصب پڑھا جاتا ہے، اس کے لیے تین شرطیں ہیں بھئی۔ پھر ہی آپ لام کو حذف کر کے نصب پڑھ سکیں گے۔ پہلی شرط کیا؟ کہ وہ صیغہ کون سا ہونا چاہیے؟ مصدر کا۔ دوسری شرط یہ کہ یہ جو، یہ جو مفعول لہ ہے اور ماقبل میں جو فعلِ معلل بہ ہے دونوں کا فاعل ایک ہی ذات ہونی چاہیے۔ دونوں کو کرنے والی ایک ہی ذات ہونی چاہیے۔ جیسے، جیسے ضَرَبْتُهُ تَأْدِیْبًا میں نے اس کی پٹائی کی ادب سکھانے کے لیے۔ دیکھو پٹائی کرنا یہ بھی متکلم کا فعل ہے اور یہ ادب سکھانا یہ بھی کس کا فعل ہے؟ متکلم کا فعل ہے، وہی ادب سکھانا چاہتا ہے۔ تو دیکھو دونوں کا فاعل ایک ہی ہے۔ تَأْدِیْبًا یہ ادب بھی کون سکھانا چاہتا ہے؟ متکلم۔ اور یہ پٹائی بھی کس نے کی ہے؟ متکلم نے، تو دیکھو مفعول لہ اور فعلِ معلل بہ دونوں کا فاعل ایک ہی ذات ہے۔ تو پہلی شرط کیا؟ صیغہ کون سا ہو؟ مصدر۔ دوسری شرط یہ کہ مفعول لہ اور، اور فعلِ معلل بہ دونوں کا فاعل ایک ہی ذات ہو۔ اور تیسری شرط یہ ہے کہ دونوں کا زمانہ ایک ہو۔ دونوں کا زمانہ ایک ہو۔ جے دیکھو بھئی جس زمانے میں ضرب لگ رہی ہے اسی زمانے میں تادیب بھی ہو رہی ہے۔ جوں جوں ضرب لگتی جا رہی ہے اس کی تادیب ہوتی جا رہی ہے۔ دونوں کا زمانہ الگ نہیں ہے کہ ضرب پہلے ہو تادیب بعد میں ہو، نہیں نہیں۔ یہ ضرب کس لیے لگ رہی ہے؟ ادب سکھانے کے لیے، تو جوں جوں ضرب لگتی جا رہی ہے وہ ادب سیکھتا جا رہا ہے۔ تو دیکھو دونوں کا زمانہ ایک ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو عربی زبان میں علت کے لیے کیا آتا ہے؟ لام۔ کبھی اس لام کو حذف کر کے کیا کرتے ہیں؟ اس لفظ پر نصب پڑھ دیتے ہیں اور اس کو پھر مفعول لہ کہتے ہیں۔ لیکن اس کے لیے کتنی شرطیں؟ تین شرطیں۔ پہلی شرط کیا؟ کہ وہ صیغہ مصدر کا ہو۔ دوسرا کہ وہ مفعول لہ اور فعلِ معلل بہ دونوں کا فاعل ایک ہی ذات ہو۔ اور تیسری بات یہ کہ دونوں کا زمانہ ایک ہی ہو بھئی۔

تو یہاں پر دیکھو جِئْتُكَ لِلْقَلَمِ میں آپ کے پاس آیا قلم کے لیے۔ یہاں لِلْقَلَمِ پر لام علت کے لیے داخل کیا گیا ہے۔ اب اس لام کو حذف کر کے میں قلم پر نصب پڑھنا چاہتا ہوں۔ تو میں نصب پڑھ سکتا ہوں یا نہیں پڑھ سکتا؟ نہیں پڑھ سکتا کیونکہ قلم یہ تو مصدر نہیں ہے بھئی۔ تو یہاں وہ شرطیں پوری نہیں، لہٰذا یہاں میں نصب نہیں پڑھ سکتا۔ ہاں، ضَرَبْتُهُ لِلتَّأْدِيْبِ میں اس لام کو حذف کر کے تَأْدِيْبًا پڑھنا چاہتا ہوں، تو یہاں میں تَأْدِيْبًا نصب پڑھ سکتا ہوں کیونکہ یہاں تینوں شرطیں پوری ہیں۔ یہ تَأْدِيْبًا یہ مصدر ہے، نیز یہ تادیب اور ماقبل میں ضَرَبْتُ دونوں کا فاعل ایک ہی ذات ہے، اور تیسرا دونوں کا زمانہ ایک ہی ہے۔

بات یہ چل رہی تھی کہ مفعول لہ کو آپ نائب الفاعل نہیں بنا سکتے۔ کیوں نہیں بنا سکتے؟ وہ وجہ میں ذکر کرنا چاہتا تھا۔ وجہ یہ کہ یہ جو مفعول لہ ہے یہ کس پر دلالت کرتا ہے؟ علت پر، کس پر؟ علت پر دلالت کرتا ہے، اور کس کی وجہ سے دلالت کر رہا ہے؟ اپنے نصب کی وجہ سے۔ پہلے تو دلالت کس کی وجہ سے تھی؟ لام کی وجہ سے۔ اب تو لام چلا گیا، اب کس کے ذریعے دلالت ہے؟ نصب کے ذریعے۔ تو جب آپ اس کو نائب الفاعل بنائیں گے، تو نائب الفاعل پر تو رفع آتا ہے، تو اس کا نصب چلا جائے گا، تو اب اس کے مفعول لہ ہونے کا پتہ نہیں چلے گا۔ وجہ سمجھ میں آئی؟ کہ مفعول لہ کے مفعول لہ ہونے کا پتہ ہی کس سے چل رہا تھا؟ نصب سے۔ جب آپ اس کو نائب الفاعل بنائیں گے تو اس پر رفع آجائے گا اور وہ نصب چلا جائے گا، تو اب اس کے علت ہونے کا پتہ نہیں چلے گا، اس لیے مفعول لہ کو نائب الفاعل نہیں بنا سکتے۔

اسی طرح کہتے ہیں وَالْمَفْعُوْلُ مَعَهُ كَذٰلِكَ، مفعول معہ بھی اسی طرح ہے۔ مفعول معہ بھی اسی طرح ہے۔ مفعول معہ کسے کہتے ہیں بھئی؟ سمجھ لو۔ یاد رکھو مفعول معہ وہ ہے جو واو بمعنیٰ مَعَ کے بعد آئے۔ جو واو کے بعد آتا ہے لیکن وہ واو مَعَ کے معنیٰ میں ہوتا ہے۔ مثلاً اس کی مثال آپ کو نحو کی کتابوں میں ملے گی: جَاءَ الْبَرْدُ وَالْجُبَّاتِ، جَاءَ الْبَرْدُ وَالْجُبَّاتِ۔ اَلْبَرْدُ، برد کہتے ہیں سردی کو، اور اَلْجُبَّاتِ، جُبَّات جمع ہے جُبَّةٌ کی، اوریہ، یہ قمیص کپڑوں کے اوپر جو چیز پہنی جائے خاص عرب کا لباس ہوتا تھا اس کو جبہ کہتے ہیں۔ یوں سمجھ لیں آج کل کوٹ بھئی، کوٹ سمجھ لیں۔ جَاءَ الْبَرْدُ سردی آئی، وَالْجُبَّاتِ أَيْ مَعَ الْجُبَّاتِ جبوں کے ساتھ۔ سردی کس کے ساتھ آئی؟ جبوں کے ساتھ یعنی لوگوں نے گرم کپڑے پہن لیے، تو سردی کے ساتھ گرم کپڑے بھی آگئے، لوگوں نے گرم کپڑے پہن لیے۔ معنیٰ سمجھ میں آیا؟ تو یہ واو بمعنیٰ مَعَ کے ہے بھئی، واو بمعنیٰ مَعَ کے ہے۔ مَعَ کا معنیٰ ساتھ، جَاءَ الْبَرْدُ وَالْجُبَّاتِ آئی سردی ساتھ جبوں کے۔ دیکھیے پھر مثال سنیے: جَاءَ الْبَرْدُ وَالْجُبَّاتِ، یہ وَالْجُبَّاتِ کیا ہے؟ یہ مفعول معہ ہے، کیا ہے؟ مفعول معہ کسے کہتے ہیں؟ جو واو بمعنیٰ مَعَ کے بعد آئے اور یہ مفعول معہ ہے، یہ منصوب ہوتا ہے۔ تو آپ یہ نہ کہیں جَاءَ الْبَرْدُ وَالْجُبَّاتِ کہ جُبَّاتِ تو مجرور ہے، نہیں بھئی، یہ مجرور نہیں ہے یہ منصوب ہے، یہ مفعول معہ ہے جو واو بمعنیٰ مَعَ کے بعد آیا ہے۔ ہاں یہ جُبَّات لفظ جمع مؤنث سالم ہے، یہ کیا ہے؟ جمع مؤنث سالم، اور جمع مؤنث سالم کا نصب آتا ہی کسرہ کے ساتھ ہے، تو یہ منصوب ہے اس وقت، جَاءَ الْبَرْدُ وَالْجُبَّاتِ۔ یہ نحو کی کتابوں میں یہ

مثال ذکر کی جاتی ہے اس لیے کیونکہ اس کا سمجھنا آسان ہے۔ دوسری مثال بنا لیں: جَاءَ زَيْدٌ وَعَمْرًا، دوسری مثال لے لیں بھئی، دوسری مثال: جَاءَ زَيْدٌ وَعَمْرًا۔ جَاءَ زَيْدٌ وَعَمْرًا، یہ عَمْرًا دیکھو منصوب ہے یہ مفعول معہ ہے جو واو بمعنیٰ مَعَ کے بعد آیا۔ ترجمہ کیجیے جَاءَ زَيْدٌ وَعَمْرًا: آیا زید عمر کے ساتھ۔ آیا زید عمر کے ساتھ، یہ واو کا ترجمہ مَعَ کے کریں گے یعنی ساتھ۔

بھئی ایک صورت یہ ہے کہ آپ اس واو کو واوِ عاطفہ بنائیں، جَاءَ زَيْدٌ وَعَمْرٌو۔ توجہ ہے؟ بھئی جَاءَ زَيْدٌ وَعَمْرٌو ایک یہ جملہ، اور ایک جَاءَ زَيْدٌ وَعَمْرًا یہ واو کون سا؟ ایک ہے جَاءَ زَيْدٌ وَعَمْرٌو یہ واو کون سا؟ یہ واوِ عاطفہ جب میں نے عمر پر بھی رفع پڑھا۔ اور جَاءَ زَيْدٌ وَعَمْرًا یہ کون سا واو؟ یہ واو بمعنیٰ مَعَ کے اور یہ عَمْرًا کیا ہے؟ مفعول معہ۔ دونوں میں فرق سمجھ لو۔ توجہ ہے؟ کون سے دو جملے؟ پہلا جملہ کیا؟ جَاءَ زَيْدٌ وَعَمْرٌو، اور دوسرا جملہ کیا؟ جَاءَ زَيْدٌ وَعَمْرًا۔ تو ایک میں واوِ عاطفہ ایک میں واو بمعنیٰ مَعَ کے، دونوں میں فرق کیا ہے؟ فرق یہ: جَاءَ زَيْدٌ وَعَمْرٌو، کیا ترجمہ؟ زید آیا، وَعَمْرٌو اور عمر آیا۔ یہ واو جمع ہونے کا فائدہ دیتا ہے۔ اس نے بتلایا کہ زید کے ساتھ ساتھ عمر کے لیے بھی مجیئت ثابت ہے۔ زید بھی آیا ہے اور عمر بھی آیا ہے۔ یعنی آنا زید کے لیے بھی ثابت اور عمر کے لیے بھی ثابت، لیکن اس میں مزید کوئی تفصیل نہیں کہ دونوں اکٹھے آئے یا الگ الگ آئے، زید پہلے آیا یا عمر پہلے آیا، کوئی تفصیل نہیں۔ میں نے کیا کہا؟ جَاءَ زَيْدٌ وَعَمْرٌو۔ دیکھو لفظوں میں زید پہلے ہے اور عمر بعد میں، لیکن واقع کے اندر چاہے عمر پہلے آیا ہو اور زید بعد میں، پھر بھی میں کہہ سکتا ہوں جَاءَ زَيْدٌ وَعَمْرٌو۔ اور چاہے زید پہلے ہو عمر بعد میں ہو پھر بھی میں کہہ سکتا ہوں جَاءَ زَيْدٌ وَعَمْرٌو۔ نیز چاہے دونوں اکٹھے آئے ہوں تب بھی میں کہہ سکتا ہوں جَاءَ زَيْدٌ وَعَمْرٌو۔ اور اگر الگ الگ آئے ہیں تو پھر چاہے ایک کے آنے کے تھوڑی دیر بعد دوسرا آیا یا ایک کے آنے کے کئی سال بعد دوسرا آیا، مثلاً زید آیا تھا دس سال پہلے اور عمر آج آیا ہے، میں پھر بھی کہہ سکتا ہوں جَاءَ زَيْدٌ وَعَمْرٌو۔ بلکہ میں عمر کو مقدم بھی کر سکتا ہوں، جَاءَ عَمْرٌو وَزَيْدٌ۔ توجہ ہے؟ کیونکہ یہ واوِ عاطفہ ہے، یہ صرف اتنا بتلاتا ہے کہ یہ جو ماقبل میں فعل ہے یہ مابعد کے لیے بھی ثابت ہے۔ جَاءَ زَيْدٌ، زَيْدٌ تو جَاءَ کے لیے کیا ہے؟ فاعل، اور یہ معطوف علیہ ہے، اور واو حرفِ عطف، اور عَمْرٌو اس پر معطوف۔ اس واو نے کیا بتایا؟ کہ یہ عَمْرٌو کا عطف کس پر ہے؟ زید پر ہے، اور زید کے لیے جو حکم تھا وہی حکم اس کے لیے بھی ہے، اور زید کے لیے تو مجیئت ثابت تھی لہٰذا عمر کے لیے بھی مجیئت ثابت ہے۔ بس اس نے صرف اتنا بتایا، اور اس میں کوئی تفصیل نہیں کہ دونوں اکٹھے آئے تھے یا الگ الگ آئے تھے، یا دیکھو لفظوں میں تو زید پہلے ہے اور عمر بعد میں لیکن واقع میں ایسا ضروری نہیں، ہو سکتا ہے واقع میں زید پہلے ہو اور عمر بعد میں، اور ہو سکتا ہے اس کا برعکس ہو، عمر پہلے آیا ہو اور زید بعد میں آیا ہو، لیکن پھر بھی آپ کہہ سکتے ہیں جَاءَ زَيْدٌ وَعَمْرٌو۔ تو واوِ عاطفہ جب لائیں تو پھر وہ اشتراک تو بتا دیتا ہے کہ دونوں معطوف اور معطوف علیہ آپس میں شریک ہیں اس فعل کے اندر، لیکن تفصیل نہیں بیان کرتا کہ دونوں نے یہ فعل اکٹھا کیا ہے یا الگ کیا ہے، اور دونوں نے اگر الگ الگ کیا تو درمیان میں تھوڑا زمانہ تھا یا زیادہ زمانہ تھا، کوئی تفصیل بیان نہیں کرتا یعنی یہ مطلق ہے، یہ تمام صورتوں کو شامل ہے۔ یہ تمام صورتوں کو شامل ہے۔ لیکن

جب میں اس واو کو بمعنیٰ مَعَ کے بنا دوں، جَاءَ زَيْدٌ وَعَمْرًا، یہ عَمْرًا کا نصب بتلا رہا ہے کہ یہ واوِ عاطفہ نہیں، کیونکہ عَمْرًا سے پہلے کیا ہے؟ زَيْدٌ، اور زَيْدٌ تو مرفوع ہے، تو زید پر اگر واو کے ذریعے عطف کیا جائے گا تو آگے عَمْرٌو کو بھی کیا ہونا چاہیے؟ مرفوع، لیکن وہاں ہے وَعَمْرًا۔ یہ عَمْرًا کا نصب بتلا رہا ہے کہ یہ معطوف نہیں ہے بلکہ یہ مفعول معہ ہے جو واو بمعنیٰ مَعَ کے بعد آیا ہے۔ اور ترجمہ کیا؟ جَاءَ زَيْدٌ وَعَمْرًا، ترجمہ ہے: جَاءَ زَيْدٌ وَعَمْرًا آیا زید عمر کے ساتھ۔

معلوم ہوا دونوں اکٹھے آئے ہیں۔ تو دیکھا جَاءَ زَيْدٌ وَعَمْرٌو جب میں واو کو عاطفہ بناتا تھا تب یہ فائدہ حاصل نہیں تھا، یہ پتہ نہیں چل رہا تھا کہ اکٹھے ہیں یا نہیں، لیکن جَاءَ زَيْدٌ وَعَمْرًا جب میں نے کہا اس سے پتہ چل گیا کہ یہ دونوں اکٹھے آئے ہیں۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو اس کو مفعول معہ کہتے ہیں، جو کس کے بعد آئے؟ واو بمعنیٰ مَعَ کے بعد آئے اور یہ منصوب ہوتا ہے، یہ مفاعیلِ خمسہ میں سے ہے بھئی۔

اچھا، تو بات یہ چل رہی تھی کہ یہ جو مفعول معہ ہے اس کو بھی نائب الفاعل نہیں بنا سکتے۔ اس کو، یعنی اس کو مفعول ما لم یسم فاعلہ نہیں بنا سکتے۔ وجہ کیا؟ وجہ سمجھ لو۔ وجہ یہ کہ آپ مثلاً جَاءَ زَيْدٌ وَعَمْرًا، آپ وَعَمْرًا کو کیا بنانا چاہتے ہیں؟ نائب الفاعل بنانا چاہتے ہیں، تو دو ہی صورتیں ہیں: یا واو کے ساتھ اس کو نائب الفاعل بنائیں گے یا واو کو ختم کر کے نائب الفاعل بنائیں گے۔ دو ہی صورتیں ہیں نا؟ اگر آپ اس واو کے ساتھ نائب الفاعل بنائیں تو پھر نہیں بنا سکتے، اس لیے کیونکہ واو میں اصل ہے کہ واو اصل میں عطف کے لیے آتا ہے۔ توجہ ہے؟ واو اصل میں کس لیے ہے؟ عطف کے لیے ہے لیکن پھر کبھی کبھار بمعنیٰ مَعَ کے بھی استعمال کر لیا جاتا ہے۔ تو واو میں اصل ہے عطف بھئی۔ اور یاد رکھو عطف جو ہے وہ مغایرت کا تقاضا کرتا ہے۔ دو چیزوں کے درمیان جب واو آجائے تو اس کا مطلب ہے دونوں الگ الگ ہیں۔ جَاءَ زَيْدٌ وَعَمْرٌو، زید اور عمر کے درمیان کیا آیا؟ واو۔ اس واو نے بتایا کہ زید اور ذات ہے، عمر اور ذات ہے۔ اس کے بجائے اگر میں یوں کہوں: جَاءَ أَبُوْ زَيْدٍ عَمْرٌو، جَاءَ أَبُوْ زَيْدٍ عَمْرٌو، درمیان میں واو ہے؟ نہیں، معلوم ہوا یہ ایک ہی ذات ہے۔ ابو زید اس کی کنیت ہے اور عمر اس کا نام ہے بھئی۔ لیکن درمیان میں واو لے آؤ تو یہ واو جو عاطفہ ہے یہ کس پر دلالت کرتا ہے؟ مغایرت پر، کہ یہ دونوں ایک دوسرے سے غیر ہیں۔ واو سے جو ماقبل ہے وہ ہے معطوف علیہ، اور واو کے جو مابعد ہے وہ ہے معطوف، تو یہ واوِ عاطفہ مغایرت پر دلالت کرتا ہے۔ کس پر؟ مغایرت بابِ مفاعلہ ہے، اور بابِ مفاعلہ جانبین سے فعل کو چاہتا ہے۔ توجہ ہے؟ تو ایک واو کا ماقبل، ایک واو کا مابعد۔ واو کا ماقبل واو کے مابعد سے غیر ہے، اور واو کا مابعد وہ ماقبل سے غیر ہے، دونوں ایک دوسرے سے غیر ہیں اس لیے مغایرت لفظ بولتے ہیں یہاں، کہ عطف کس کا تقاضا کرتا ہے؟ مغایرت کا کہ معطوف علیہ اور معطوف ایک دوسرے سے غیر ہیں۔ یعنی یوں کہو واو انفصال کا تقاضا کرتا ہے کہ دونوں چیزیں الگ الگ ہیں۔ واو کس کا تقاضا کرتا ہے؟ انفصال، یا یوں کہو واو انفصال پر دلالت کرتا ہے، واو انفصال پر۔

اب بات چل رہی ہے مفعول معہ کی، آپ اس کو کیا بنانا چاہتے ہیں؟ نائب الفاعل بنانا چاہتے ہیں، تو واو کے ساتھ

بنائیں گے یا واو کے بغیر؟ اگر واو کے ساتھ نائب الفاعل بنانا چاہتے ہیں، نہیں بنا سکتے، اس لیے کیونکہ واو، واو تو کس پہ دلالت کرتا ہے؟ انفصال پر، کس پر؟ انفصال۔ معلوم ہوا ادھر دیکھیے، واو کے بعد کیا آیا؟ مفعول معہ ہے۔ آپ اس کو کیا بنانا چاہتے ہیں؟ نائب فاعل، اور آپ نے پڑھا ہے فعلِ معروف ہمیشہ کس کا تقاضا کرتا ہے؟ فاعل کا، اور فعلِ مجہول ہمیشہ کس کا تقاضا کرتا ہے؟ نائب فاعل۔ ایسا کبھی نہیں ہو سکتا فعلِ معروف آجائے اور فاعل نہ آئے، اور اسی طرح ایسا کبھی نہیں ہو سکتا فعلِ مجہول آجائے اور نائب فاعل نہ آئے۔ تو فعل آتے ہی اگر معروف ہو تو فاعل کا تقاضا کرتا ہے اور مجہول ہو تو نائب الفاعل کا تقاضا کرتا ہے، اور ایسا کبھی نہیں ہو سکتا کہ فعل آجائے اور آگے فاعل یا نائب فاعل نہ آئے۔ تو فاعل یا نائب فاعل کا اتصال فعل کے ساتھ بڑا شدید ہے، یہ گویا فعل کے جزکی طرح ہے، کس کی طرح ہے؟ تو فاعل یا نائب فاعل فعل کے جزکی طرح ہوا کرتا ہے۔ یہاں تک بات سمجھ میں آگئی؟ اب آپ کس کو نائب الفاعل بنانا چاہتے ہیں؟ مفعول معہ کو، اور واو کے ساتھ بنانا چاہتے ہیں۔ دو ہی صورتیں ہیں نا یا واو کے ساتھ یا واو کے بغیر۔ پہلی صورت کہ واو کے ساتھ اگر آپ بنانا چاہتے ہیں، تو آپ واو کے ساتھ اس کو نائب الفاعل بنائیں گے تو واو تو کس پہ دلالت کرتا ہے؟ انفصال پر، اور حالانکہ نائب الفاعل کا تو فعل کے ساتھ اتصال ہوتا ہے، وہ جزکی طرح ہوتا ہے۔ تو واو کے ساتھ آپ نہیں بنا سکتے۔ تو واو کے ہوتے ہوئے مفعول معہ کی طرف فعل کا اسناد نہیں کیا جا سکتا کہ اس کو نائب الفاعل بنایا جائے کیونکہ واو انفصال کے لیے آتا ہے۔ وجہ سمجھ میں آئی؟ کہ واو کے ساتھ لائیں گے تو واو تو کس پہ دلالت کرتا ہے؟ انفصال پر، اور حالانکہ نائب الفاعل کا تو فعل کے ساتھ اتصال ہوتا ہے، وہ اس کے لیے جزکی طرح ہوتا ہے، لہٰذا واو کے ساتھ نائب الفاعل نہیں آ سکتا۔ یا یوں کہیں واو انفصال پر دلالت کرتا ہے لہٰذا واو کی موجودگی میں فعل کا اسناد کیا جائے مفعول معہ کی طرف اور اس کو نائب الفاعل بنایا جائے یہ جائز نہیں ہے بھئی۔ اور دوسری صورت یہ ہے کہ آپ واو کو ختم کر دیں اور پھر اس لفظ کو جو واو کے بعد تھا، وہ جو مفعول معہ تھا، اب آپ اس کو نائب الفاعل بنا دیں۔ لیکن بھئی اس صورت میں تو آپ نے واو ہی ختم کر دیا، اب کسی کو کیا پتہ چلے گا کہ یہ پہلے کیا تھا؟ کہ یہ پہلے مفعول معہ تھا۔ توجہ ہے؟ واو کو ختم کریں گے تو یہ پتہ نہیں چلے گا کہ یہ پہلے کیا تھا؟ مفعول معہ تھا، اب تو نائب فاعل بنا دیا آپ نے لیکن پہلے کیا تھا مفعول معہ تھا یہ پتہ ہی نہیں چلے گا۔

تو معلوم ہوا مفعول لہ اور مفعول معہ دونوں میں سے کسی کو بھی نائب الفاعل نہیں بنا سکتے۔ مفعول لہ کو کیوں نہیں بنا سکتے؟ کیونکہ اس کا نصب فوت ہو جائے گا، اور اس نصب سے ہی تو پتہ چل رہا تھا یہ ماقبل کی علت ہے۔ اور مفعول معہ کو کیوں نہیں بنا سکتے؟ کیونکہ یہ یا تو واو کے ساتھ آپ بنائیں گے یا واو کے بغیر۔ اگر واو کے ساتھ بنائیں گے تو پھر تو یہ نائب الفاعل نہیں بن سکتا کیونکہ واو تو انفصال پر دلالت کرتا ہے اور نائب الفاعل تو فعل سے منفصل نہیں ہوتا وہ تو فعل کے لیے جزکی طرح ہوتا ہے، اور اگر آپ واو کے بغیر اس کو نائب الفاعل بنائیں گے، واو کو حذف کر دیں گے، تو پھر تو پتہ ہی نہیں چلے گا کہ یہ پہلے کیا تھا؟ کہ یہ پہلے مفعول معہ تھا اور اب اس کو کیا بنا دیا گیا ہے؟ نائب الفاعل، تو پتہ ہی نہیں چلے گا۔ یہ

معنیٰ ہے، کہتے ہیں: وَالْمَفْعُوْلُ لَهُ وَالْمَفْعُوْلُ مَعَهُ كَذٰلِكَ، اور مفعول لہ اور مفعول معہ بھی اسی طرح ہیں، یعنی وہ بھی بابِ عَلِمْتُ کے مفعولِ ثانی اور بابِ أَعْلَمْتُ کے مفعولِ ثالث کی طرح ہیں، یعنی جیسے ان کو نائب الفاعل نہیں بنایا جا سکتا، ان کو بھی نائب الفاعل نہیں بنایا جا سکتا۔

اچھا یہاں ذرا عبارت دیکھیے بھئی، صاحبِ کافیہ نے بابِ عَلِمْتُ کے مفعولِ ثانی اور بابِ أَعْلَمْتُ کے مفعولِ ثالث کو الگ ذکر کیا، اور مفعول لہ اور مفعول معہ کو الگ ذکر کیا۔ کیا؟ جملہ دیکھیے ان کا، کہتے ہیں: وَلَا يَقَعُ الْمَفْعُوْلُ الثَّانِيْ مِنْ بَابِ عَلِمْتُ وَلَا الثَّالِثُ مِنْ بَابِ أَعْلَمْتُ، کہ بابِ عَلِمْتُ کا مفعولِ ثانی اور بابِ أَعْلَمْتُ کا مفعولِ ثالث یہ فاعل کی جگہ واقع نہیں ہو سکتے، اور پھر آگے کہا: وَالْمَفْعُوْلُ لَهُ وَالْمَفْعُوْلُ مَعَهُ كَذٰلِكَ، اور مفعول لہ اور مفعول معہ بھی اسی طرح ہیں، وہ بھی اسی طرح ہیں یعنی وہ بھی فاعل کی جگہ واقع نہیں ہو سکتے۔ تو ان دو کو الگ ذکر کیا، ان دو کو الگ۔ ہونا تو یہ چاہیے تھا ساروں کو اکٹھا ذکر کرتے اور یوں کہتے کہ بھئی مفعولِ ثانی بابِ عَلِمْتُ کا اور مفعولِ ثالث بابِ أَعْلَمْتُ کا اور مفعول لہ اور مفعول معہ یہ سارے فاعل کی جگہ واقع نہیں ہو سکتے۔ توجہ ہے؟ لیکن صاحبِ کافیہ نے بابِ عَلِمْتُ اور أَعْلَمْتُ کے مفعول کو الگ ذکر کیا اور مفعول لہ اور مفعول معہ کو الگ جملے میں ذکر کیا، اس کی کیا وجہ؟ وجہ یہ، وجہ یہ کہ ان دونوں میں آپس میں فرق ہے بھئی۔ وہ جو بابِ عَلِمْتُ اور أَعْلَمْتُ میں مفعولِ ثانی اور ثالث وہ فاعل کی جگہ واقع نہیں ہو سکتا، اس میں جو سبب ہے وہ معنوی ہے، سبب کیا ہے؟ معنوی سبب ہے، یوں کہیں وہاں مانع جو ہے وہ معنوی ہے۔ وہاں مانع معنوی سبب ہے، ان کو نائب الفاعل نہیں بنا سکتے کیونکہ یہ مسندبہ ہیں، اگر آپ ان کو نائب الفاعل بنائیں گے تو یہ مسند الیہ بھی بن جائیں گے، تو مانع کیا چیز ہے؟ معنوی سبب ہے۔ اور جبکہ یہ جو مفعول لہ اور مفعول معہ، ان میں جو مانع ہے وہ لفظ ہے بھئی وہ کیا ہے؟ یعنی یوں کہیں مانع لفظی ہے۔ ان میں مانع معنوی تھا اور ان میں مانع لفظی ہے۔ دیکھو کیا مانع ہے؟ مفعول لہ میں کیا چیز مانع ہے؟ کہ اس پر نصب آ رہا ہے، وہ نصب مانع ہے کیونکہ وہ نصب کی وجہ سے ہی تو پتہ چل رہا ہے کہ یہ علت ہے، تو جب اس کو نائب الفاعل بنائیں گے تو وہ نصب چلا جائے گا، تو یہاں مانع کیا ہے؟ لفظی ہے۔ اور اسی طرح مفعول معہ میں بھی مانع جو ہے لفظ ہے کہ اس کے ساتھ واو ہے، تو واو کے ساتھ بھی نہیں بنا سکتے اور واو کے بغیر بھی نہیں بنا سکتے۔ تو دونوں میں فرق سمجھ میں آیا؟ تو اول دو میں مانع معنوی ہے اور دوسرے دو میں مانع لفظی ہے، یا یوں کہو کہ اول دو میں علت وہ معنوی ہے اور باقی دو میں علت لفظی ہے۔ فرق سمجھ میں آ گیا؟

جی، دیکھیے اب شرح کے ساتھ اس سارے کو حل کریں۔ کہتے ہیں: مَفْعُوْلُ مَا لَمْ يُسَمَّ فَاعِلُهُ، میں نے اس کا کیا معنیٰ کیا؟ مَفْعُوْلُ مَا، مَا سے کیا مراد ہے؟ فعل یا

یا شِبْهِ فِعْل۔ اور لَمْ يُسَمَّ فَاعِلُهُ، کیا معنیٰ؟ کہ جس کے فاعل کو ذکر نہ کیا گیا ہو۔ آگے دیکھو صاحبِ جامی یہی معنیٰ بیان کریں گے، تو کہتے ہیں: مَفْعُوْلُ مَا لَمْ يُسَمَّ فَاعِلُهُ، أَيْ مَفْعُوْلُ فِعْلٍ أَوْ شِبْهِ فِعْلٍ لَمْ يُذْكَرْ فَاعِلُهُ، کہ مفعول فعل کا یا شبہِ فعل کا، لَمْ يُذْكَرْ فَاعِلُهُ۔ دیکھو متن میں آیا تھا لَمْ يُسَمَّ فَاعِلُهُ اور شارحِ جامی کیا فرما رہے ہیں؟ لَمْ يُذْكَرْ فَاعِلُهُ، جس کے فاعل کو ذکر نہ

کیا گیا ہو۔

وَإِنَّمَا لَمْ يَفْصِلْهُ عَنِ الْفَاعِلِ وَلَمْ يَقُلْ وَمِنْهُ كَمَا فَصَلَ الْمُبْتَدَأَ حَيْثُ قَالَ وَمِنْهَا الْمُبْتَدَأُ لِشِدَّةِ اتِّصَالِهِ بِالْفَاعِلِ حَتّٰى سَمَّاهُ بَعْضُ النُّحَاةِ فَاعِلًا۔ بھئی دیکھیے، جہاں فاعل کی بات شروع کی تھی، صاحبِ کافیہ نے کہا تھا وَمِنْهُ الْفَاعِلُ، کہ جنسِ مرفوع میں سے ایک فاعل ہے۔ توجہ ہے؟ یاد رکھو، صاحبِ کافیہ کا طریقہ یہ ہے کہ وہ اقسام کے درمیان وَمِنْهُ کے ذریعے فصل کرتے ہیں۔ صاحبِ کافیہ کا طریقہ یہ ہے کہ ایک چیز کی جب مختلف اقسام بیان کرتے ہیں، تو وہ وَمِنْهُ کے ذریعے فصل کرتے ہیں۔ چنانچہ اسی لیے جب فاعل کی بات شروع ہوئی تو انہوں نے کہا وَمِنْهُ الْفَاعِلُ، وَمِنْهُ الْفَاعِلُ۔ اسی طرح جب وہ منصوبات کی بات کرتے ہیں، جب منصوبات کی اقسام گنوانے لگتے ہیں، تو وہاں بھی شروع کس طرح کرتے ہیں؟ وَمِنْهُ الْمَفْعُوْلُ الْمُطْلَقُ، منصوبات میں سے ایک کیا ہے؟ مفعولِ مطلق ہے۔ تو صاحبِ کافیہ کا، توجہ سے سمجھ لو اس بات کو، صاحبِ کافیہ کا طریقہ یہ ہے کہ وہ ایک چیز کی جب اقسام کے درمیان فصل کرتے ہیں، ان کو الگ الگ گنواتے ہیں، تو وَمِنْهُ لے کر آتے ہیں۔ لیکن یہ جو مرفوعات ہیں، اس کے صرف شروع میں کہا وَمِنْهُ، آگے بقیہ اقسام کے ساتھ وہ وَمِنْهُ ذکر نہیں کرتے۔ اسی طرح توجہ ہے؟ اسی طرح منصوبات کے شروع میں انہوں نے کہا وَمِنْهُ، وَمِنْهُ سے بتلا دیا کہ آگے میں قسمیں گنوانے لگا ہوں۔ اور میں نے بتایا تھا صاحبِ کافیہ کے پاس الفاظ نہیں ہوتے، وہ کم سے کم لفظوں میں لمبی سے لمبی بات کرنا چاہتے ہیں۔ تو جب ایک دفعہ وَمِنْهُ کہہ دیا، آگے باقی قسموں میں وہ وَمِنْهُ بھی نہیں کہتے۔ کہنا چاہیے کیونکہ ان کا طریقہ یہ ہے، لیکن باقی قسموں میں وہ وَمِنْهُ کہتے ہی نہیں ہیں۔ کہتے ہیں بھئی میں نے ایک دفعہ شروع میں ذکر کر لیا، بس اسی پر اکتفا کرو آپ خود ہی سمجھتے جائیں۔ مثلاً وَمِنْهُ الْمَفْعُوْلُ الْمُطْلَقُ، منصوبات میں سے ایک کیا ہے؟ مفعولِ مطلق۔ آگے مفعول بہ آیا تو وہاں وَمِنْهُ نہیں کہا، آگے مفعول معہ آیا وہاں وَمِنْهُ نہیں کہا، آگے مفعول لہ آیا وہاں وَمِنْهُ نہیں کہا۔ ایک دفعہ شروع میں ذکر کر لیا اور اسی پر اکتفا کر لیا کہ باقی جگہ آپ خود سمجھتے جائیں بھئی۔ میں نے وَمِنْهُ سے میں نے اشارہ کر دیا، کیا اشارہ کیا؟ کہ میں قسمیں گنوانے لگا ہوں۔ میں کیا کرنے لگا ہوں؟ قسمیں گنوانے لگا ہوں۔ طریقہ سمجھ میں آیا؟ تو وہ وَمِنْهُ ذکر کرتے ہیں۔ اور مجرورات میں وَمِنْهُ ذکر نہیں کیا کیونکہ مجرور کی ایک ہی قسم آئے گی بھئی آگے۔

تو مرفوعات جب گنوانے لگے وہاں بھی وَمِنْهُ ذکر کیا، اور منصوبات گنوانے لگے تو وہاں بھی وَمِنْهُ ایک دفعہ ذکر کیا آگے ذکر نہیں کیا۔ توجہ ہے؟ تو مرفوعات میں سب سے پہلے فاعل کے لیے کہا وَمِنْهُ الْفَاعِلُ، آگے آ رہا ہے مَفْعُوْلُ مَا لَمْ يُسَمَّ فَاعِلُهُ، یہاں وَمِنْهُ ذکر نہیں کیا، توجہ ہے؟ البتہ مبتدا اور خبر اس کے بعد آنے والے ہیں ایک ڈیڑھ صفحے کے بعد مبتدا اور خبر آ رہے ہیں، وہاں وہ کہتے ہیں: وَمِنْهَا الْمُبْتَدَأُ وَالْخَبَرُ۔ تو وہاں وہ وَمِنْهَا لے کر آئے۔ دیکھو مرفوعات ذکر کرتے ہیں صرف پہلے کے لیے وَمِنْهُ شروع میں لاتے ہیں، بعد والوں کے لیے نہیں لائے کہ آپ خود سمجھتے جائیں۔ منصوبات میں بھی صرف پہلے کے لیے وَمِنْهُ لائے، بعد والوں کے لیے نہیں لائے کہ آپ خود سمجھتے جائیں۔ تو لیکن مبتدا اور خبر کے لیے وَمِنْهَا لے کر

آئے۔ توجہ ہے؟ اور یہاں پر یہ دوسرا مَفْعُوْلُ مَا لَمْ يُسَمَّ فَاعِلُهُ آیا، یہاں بھی وَمِنْهُ ذکر نہیں کیا۔ توجہ ہے؟ تو اس کی کیا وجہ ہے؟ مبتدا خبر کے لیے وَمِنْهَا کہا اور یہاں مَفْعُوْلُ مَا لَمْ يُسَمَّ فَاعِلُهُ کے لیے وَمِنْهُ نہیں کہا؟

توجہ ہے؟ تو آپ کو صاحبِ جامی بتلائیں گے کہ بھئی یہ جو مَفْعُوْلُ مَا لَمْ يُسَمَّ فَاعِلُهُ ہے اس کا فاعل کے ساتھ بڑا شدید اتصال ہے، حتیٰ کہ بعض علماء نے تو اس کو بھی فاعل ہی کہا ہے۔ جمہور اس کو مَفْعُوْلُ مَا لَمْ يُسَمَّ فَاعِلُهُ کہتے ہیں، نائب الفاعل کہتے ہیں، لیکن بعض علماء، بڑے علماء جیسے علامہ زمخشری ہیں، اسی طرح شیخ عبد القاہر ہیں جو بلاغت کے امام ہیں، تو علامہ زمخشری بھی اس مَفْعُوْلُ مَا لَمْ يُسَمَّ فَاعِلُهُ اس کو بھی وہ فاعل ہی کہتے ہیں اور شیخ عبد القاہر بھی اس کو کیا کہتے ہیں؟ فاعل ہی کہتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں بھئی یہ فاعل ہے، حقیقتاً یہ فاعل ہے۔ وہ کہتے ہیں مَفْعُوْلُ مَا لَمْ يُسَمَّ فَاعِلُهُ یہ بھی فاعل ہی ہے، صرف فرق اتنا ہے کہ یہ فعلِ مجہول کا فاعل ہے اور وہ جو دوسرا ہے وہ فعلِ معروف کا فاعل ہوتا ہے۔ تو دونوں فاعل ہیں، فرق صرف فعلِ معروف اور فعلِ مجہول کا ہے۔ دونوں فاعل ہیں، دونوں کے احکام بالکل ایک جیسے ہیں جیسے آپ نے پڑھا ہے کہ فعل کے لیے ہمیشہ فاعل یا نائب فاعل ضرور چاہیے، فعلِ معروف کے لیے فاعل چاہیے تو فعلِ مجہول کے لیے نائب فاعل۔ اور فاعل یا نائب فاعل ایک ہی آسکتا ہے، اور فاعل یا نائب فاعل ضمیر بھی آسکتی ہے اور اسمِ ظاہر بھی آسکتا ہے، لیکن آئے گا ایک ہی، اگر ضمیر آگئی تو اسمِ ظاہر نہیں آسکتا، اسمِ ظاہر آئے تو ضمیر نہیں آسکتی۔ دیکھا؟ تو یہ سارے احکام دونوں کے بالکل ایک جیسے ہیں، جو حکم فاعل کا وہی نائب الفاعل کا، تو وہ کہتے ہیں یہ حقیقتاً فاعل ہے، فرق صرف اتنا ہے کہ ایک کا فعل معروف ہے اور ایک کا فعل مجہول ہے۔ جبکہ جمہور کے نزدیک یہ حقیقتاً فاعل نہیں، یہ حکماً فاعل ہے یعنی فاعل والا حکم ہم نے اس کو دے دیا، فاعل کو حذف کیا اور اس کو اس کا قائم مقام بنا دیا ہے اس لیے فاعل والا حکم دیا ورنہ دونوں الگ الگ ہیں، ایک کے ساتھ فعل قائم ہے اور دوسرے پر فعل واقع ہے بھئی، دونوں الگ الگ ہیں۔ بات سمجھ میں آگئی؟

تو لہٰذا بعض علماء نے مَفْعُوْلُ مَا لَمْ يُسَمَّ فَاعِلُهُ کو بھی فاعل ہی قرار دیا ہے۔ تو صاحبِ کافیہ نے مبتدا خبر میں تو وَمِنْهَا کہا لیکن مَفْعُوْلُ مَا لَمْ يُسَمَّ فَاعِلُهُ کے ساتھ وَمِنْهُ بھی ذکر نہیں کیا، کیوں نہیں ذکر کیا؟ اس بات کی طرف اشارہ کرنے کے لیے کہ فاعل اور مَفْعُوْلُ مَا لَمْ يُسَمَّ فَاعِلُهُ میں بڑا اتصال ہے۔ اگر وَمِنْهُ لے آتے، وَمِنْهُ تو انفصال پہ دلالت کرتا، لیکن ان دونوں میں تو کیا ہے؟ اتصال ہے، شدید اتصال ہے حتیٰ کہ بعض علماء نے اس مَفْعُوْلُ مَا لَمْ يُسَمَّ فَاعِلُهُ کو بھی کیا قرار دیا ہے؟ فاعل ہی قرار دیا ہے۔ اس لیے وہ مَفْعُوْلُ مَا لَمْ يُسَمَّ فَاعِلُهُ کے ساتھ وَمِنْهُ نہیں لائے۔ اور آگے عادت تو ان کی یہی ہے کہ وہ وَمِنْهُ نہیں لاتے، لیکن آگے مبتدا خبر کے لیے باقاعدہ وہ وَمِنْهَا لے کر آئے بھئی، تاکہ کسی کو کہیں یہ شبہ نہ پڑے کہ یہ مبتدا اور خبر بھی فاعل کی قبیل سے ہیں، جس طرح مَفْعُوْلُ مَا لَمْ يُسَمَّ فَاعِلُهُ وہ فاعل کی قبیل سے تھا، اسی طرح کسی کو یہ شبہ نہ پڑے کہ مبتدا اور خبر بھی فاعل کی قبیل سے ہیں، تو وہاں اس لیے باقاعدہ وہ وَمِنْهَا لے کر آئے بھئی۔ بات سمجھ میں آ

گئی؟

تو حاصلِ کلام کیا؟ کہ صاحبِ کافیہ کی عادت کیا ہے؟ وہ فصل کس کے ذریعے کرتے ہیں؟ وَمِنْهُ کے ذریعے اقسام کو ایک دوسرے سے الگ کرتے ہیں۔ اور یہاں پر جب اقسام وہ ذکر کرتے ہیں تو بس شروع میں ایک دفعہ وَمِنْهُ کہہ دیتے ہیں، باقی پڑھنے والے کے حوالے کر دیتے ہیں کہ وہ خود ہی سمجھتا جائے گا۔ وَمِنْهُ سے اتنا پتہ چل گیا اس کو کہ آگے قسمیں ذکر ہونے لگی ہیں، تو اب ہر قسم کے آگے وہ خود ہی وَمِنْهُ نکالتا جائے بھئی۔ اور پھر یہاں بالخصوص مَفْعُوْلُ مَا لَمْ يُسَمَّ فَاعِلُهُ اس کا تو شدید اتصال ہے کس کے ساتھ؟ فاعل کے ساتھ، اس لیے یہاں وَمِنْهُ نہیں لائے۔ اور آگے پھر مبتدا خبر کے لیے لے کر آئے تاکہ کہیں کسی کے ذہن میں یہ بات نہ آئے کہ جیسے مَفْعُوْلُ مَا لَمْ يُسَمَّ فَاعِلُهُ وہ فاعل کی قبیل سے ہے، شاید یہ مبتدا اور خبر بھی کس قبیل سے ہیں؟ فاعل کی قبیل سے، تو وہاں بالخصوص وہ وَمِنْهَا لے کر آئے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ اب دیکھیے کتاب پر۔

کہتے ہیں: وَإِنَّمَا لَمْ يَفْصِلْهُ عَنِ الْفَاعِلِ اور ماتن یعنی صاحبِ کافیہ نے اس مَفْعُوْلُ مَا لَمْ يُسَمَّ فَاعِلُهُ کو جدا نہیں کیا عَنِ الْفَاعِلِ فاعل سے، وَلَمْ يَقُلْ اور یہ نہیں کہا وَمِنْهُ، یہ نہیں کہا، كَمَا فَصَلَ الْمُبْتَدَأَ جیسے کہ صاحبِ کافیہ نے مبتدا کو جدا کیا ہے، حَيْثُ قَالَ اس طور پر کہ انہوں نے فرمایا ہے وَمِنْهَا الْمُبْتَدَأُ۔ کیوں نہیں جدا کیا فاعل سے مَفْعُوْلُ مَا لَمْ يُسَمَّ فَاعِلُهُ کو؟ کہتے ہیں لِشِدَّةِ اتِّصَالِهِ بِالْفَاعِلِ، اس مَفْعُوْلُ مَا لَمْ يُسَمَّ فَاعِلُهُ کے شدید اتصال کی وجہ سے بِالْفَاعِلِ فاعل کے ساتھ، کہ مَفْعُوْلُ مَا لَمْ يُسَمَّ فَاعِلُهُ کا شدید اتصال ہے فاعل کے ساتھ، حَتّٰى سَمَّاهُ بَعْضُ النُّحَاةِ فَاعِلًا، یہاں تک کہ بعض نحوی علماء نے اس کا نام بھی فاعل رکھا ہے، وہ مَفْعُوْلُ مَا لَمْ يُسَمَّ فَاعِلُهُ کو بھی کیا کہتے ہیں؟ فاعل کہتے ہیں کہ یہ بھی فاعل ہے بھئی۔

كُلُّ مَفْعُوْلٍ حُذِفَ فَاعِلُهُ، اب یہ اس کی تعریف شروع ہو گئی۔ كُلُّ مَفْعُوْلٍ حُذِفَ فَاعِلُهُ، ہر ایسا مفعول جس کے فاعل کو حذف کر لیا جائے۔ فَاعِلُهُ کی ہا ضمیر کس کو راجع؟ آگے صاحبِ جامی بتلا رہے ہیں أَيْ فَاعِلُ ذٰلِكَ الْمَفْعُوْلِ، فَاعِلُهُ کی ہا ضمیر مفعول کو راجع۔ توجہ ہے؟ پھر سنو ترجمہ: كُلُّ مَفْعُوْلٍ حُذِفَ فَاعِلُهُ، ہر ایسا مفعول کہ حذف کر لیا جائے فَاعِلُهُ اس مفعول کے فاعل کو، اس مفعول کے فاعل کو حذف کر لیا جائے۔ اس پر اشکال ہوتا ہے کہ فاعل تو فعل کا ہوا کرتا ہے، مفعول کا تو فاعل نہیں ہوتا۔ توجہ ہے؟ ضَرَبَ زَيْدٌ عَمْرًا، ضَرَبَ فعل، زَيْدٌ فاعل، کس کے لیے فاعل؟ ضَرَبَ کے لیے فاعل یا عَمْرًا کے لیے فاعل؟ ضَرَبَ فعل کے لیے فاعل، بھئی فاعل کسے کہتے ہیں جس کو فعل رفع دیتا ہے، تو فاعل فعل کا ہوا کرتا ہے، مفعول کا نہیں ہوتا بھئی۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو پھر یہاں اس کا کیا معنیٰ؟ حُذِفَ فَاعِلُهُ اس مفعول کے فاعل کو حذف کر لیا جائے، حالانکہ مفعول کا تو فاعل نہیں ہوتا، فاعل تو فعل کا ہوتا ہے۔ تو آپ کو بتلائیں گے کہ بھئی دونوں میں تعلق ہے، فاعل جس فعل کے لیے ہے، فاعل کا جس فعل سے تعلق ہے، مفعول کا بھی اسی فعل سے تعلق ہے، تو دونوں میں تعلق آ گیا، دونوں کا تعلق ایک ہی فعل سے ہے، اس اعتبار سے فاعل کی نسبت کس کی طرف کر دی؟ فَاعِلُهُ، کیا معنیٰ؟ مفعول کا

فاعل۔ غُلَامُ زَيْدٍ کیا معنیٰ؟ زید کا غلام، معلوم ہوا غلام کی نسبت کس کی طرف کر دی؟ زید کی طرف کر دی، تو یہاں بھی فَاعِلُهُ أَيْ فَاعِلُ الْمَفْعُوْلِ یعنی فاعل کی نسبت کس کی طرف کر دی؟ مفعول کی طرف حالانکہ مفعول کا تو فاعل نہیں ہوتا فاعل تو فعل کا ہوتا ہے۔ تو کہتے ہیں بھئی دونوں کا تعلق ایک ہی فعل سے ہے، تو جب ایک ہی فعل سے دونوں کا تعلق ہے تو دونوں میں آپس میں تعلق آگیا، اس تعلق کی وجہ سے اضافت کر دی کہ دونوں میں تعلق تو ہے دونوں ایک ہی فعل کے لیے فاعل یا مفعول ہیں، تو اس اعتبار سے نسبت کر دی۔ بات سمجھ میں آگئی؟

کہتے ہیں: أَيْ فَاعِلُ ذٰلِكَ الْمَفْعُوْلِ یعنی اس مفعول کا فاعل۔ وَإِنَّمَا أُضِيْفَ إِلَى الْمَفْعُوْلِ کہتے ہیں فاعل کی نسبت کی گئی اس کی اضافت کر دی گئی إِلَى الْمَفْعُوْلِ مفعول کی طرف، لِمُلَابَسَةِ كَوْنِهِ فَاعِلًا اس کے فاعل ہونے کے تعلق کی وجہ سے، ملابست کا معنیٰ تعلق، لِمُلَابَسَةِ كَوْنِهِ فَاعِلًا اس کے فاعل ہونے کے تعلق کی وجہ سے، ترجمہ سمجھ میں آرہا ہے؟ ترجمہ آخر سے کر رہا ہوں، لِمُلَابَسَةِ كَوْنِهِ فَاعِلًا اس کے فاعل ہونے کے تعلق کی وجہ سے کہ اس کے فاعل ہونے کا تعلق ہے۔ بھئی کس چیز کے ساتھ تعلق ہے؟ لِفِعْلٍ اس فعل کے ساتھ مُتَعَلِّقٍ بِهِ جس کا تعلق مفعول سے ہے۔ فاعل اس فعل کے لیے فاعل ہے جس کا تعلق کس سے ہے؟ مفعول سے ہے، یعنی دونوں کا تعلق ایک ہی فعل سے ہے، تو دونوں میں تعلق آگیا۔ یاد رکھو فاعل کی طرف فعل کا جو ہے اس کو کہتے ہیں فعل کا فاعل کی طرف اسناد ہے، اس فاعل کے ساتھ فعل قائم ہے، توجہ ہے؟ اور یہ جو مفعول ہے اس کے لیے تعلق کا لفظ بولتے ہیں کہ یہ مفعول فعل کے ساتھ متعلق ہے یا یہ فعل اس مفعول کے ساتھ متعلق ہے۔ تو اسی لیے کہا لِفِعْلٍ مُتَعَلِّقٍ بِهِ، وہ فعل مُتَعَلِّقٍ بِهِ جو اس مفعول کے ساتھ متعلق ہے، جو اس مفعول کے ساتھ جڑا ہوا ہے۔ توجہ ہے؟ کیا بات ہوئی؟ فاعل کی نسبت مفعول کی طرف کیوں کی حالانکہ مفعول کا تو فاعل نہیں ہوتا فعل کا فاعل ہوتا ہے؟ تو کیا جواب؟ کہ دونوں کا تعلق ایک ہی فعل سے ہے، جب دونوں کا تعلق ایک فعل سے ہے تو دونوں کا آپس میں بھی کیا آگیا؟ تعلق آگیا یا نہیں آگیا؟ پھر سنو ترجمہ، کہتے ہیں وَإِنَّمَا أُضِيْفَ إِلَى الْمَفْعُوْلِ فاعل کی نسبت کی گئی مفعول کی طرف لِمُلَابَسَةِ

مُلَابَسَةِ كَوْنِهِ فَاعِلًا اس وجہ سے کہ اس کے فاعل ہونے کا تعلق ہے لِفِعْلٍ کس کے ساتھ؟ اس فعل کے ساتھ مُتَعَلِّقٍ بِهِ جو اس مفعول کے ساتھ متعلق ہے، یعنی جس کے لیے مفعول آرہا ہے، یہ بھی اسی فعل کا فاعل ہے تو دونوں کا آپس میں تعلق ہے بھئی۔

وَأُقِيْمَ هُوَ أَيِ الْمَفْعُوْلُ مَقَامَهُ، یہ ضمیر کا مرجع بتلا دیا، وَأُقِيْمَ هُوَ أَيِ الْمَفْعُوْلُ مَقَامَهُ، اور اس مفعول کو اس فاعل کا قائم مقام بنا دیا جائے۔ متن کو متن سے جوڑیں: مَفْعُوْلُ مَا لَمْ يُسَمَّ فَاعِلُهُ، ہر ایسا مفعول ہے جس کے فاعل کو حذف کر لیا جائے وَأُقِيْمَ هُوَ مَقَامَهُ اور اس مفعول کو اس فاعل کے قائم مقام کر دیا جائے۔ تو أُقِيْمَ هُوَ، أُقِيْمَ کے بعد هُوَ ضمیر لائے، یہ هُوَ ضمیر کیا ہے؟ یاد رکھو یہ أُقِيْمَ کے اندر جو هُوَ ضمیر ہے یہ اس کی تاکید ہے، آپ نے پڑھا ہے ایک ہی لفظ کو جب دوبارہ لایا

جائے تو وہ اس کے لیے کیا کہلاتا ہے؟ تاکید۔ جَاءَنِي زَيْدٌ زَيْدٌ یہ زیدِ ثانی اول کے لیے تاکید ہے۔ تو أُقِيْمَ کے اندر هُوَ ضمیر، آگے ایک اور هُوَ ضمیر لائے اور یہ اس کے لیے تاکید ہے، وہ أُقِيْمَ کے اندر هُوَ ضمیر وہ ہے مؤکد وہ ہے فاعل، اور یہ هُوَ ضمیر اس کی تاکید ہے۔ بھئی یہ تاکید کیوں لائے، مقصد کیا ہے اس کے لانے کا؟ تو یاد رکھو اگر یہ هُوَ نہ لاتے تو شبہ ہوتا کہ شاید یہ آگے جو مَقَامَهُ آ رہا ہے یہی اس کا نائب الفاعل ہے، وَأُقِيْمَ مَقَامَهُ، یہ مَقَامَهُ کیا ہے؟ مَقَامَ، مَقَامَهُ، ظرف ہے نا، ظرف ہے مفعولِ فیہ ہے۔ توجہ ہے؟ اور مفعولِ فیہ بھی نائب الفاعل بن سکتا ہے۔ ابھی آپ نے پڑھا بابِ عَلِمْتُ کا مفعولِ ثانی اور بابِ أَعْلَمْتُ کا مفعولِ ثالث یہ نائب الفاعل نہیں بن سکتے، اسی طرح مفعول لہ بھی نہیں بن سکتا اور مفعول معہ بھی نہیں بن سکتا، باقی مفعول تو بن سکتے ہیں، تو یہ مَقَامَهُ بھی کیا ہے؟ مفعولِ فیہ ہے اور معلوم ہوا مفعولِ فیہ بھی نائب الفاعل بن سکتا ہے، اور أُقِيْمَ فعلِ مجہول آیا یا نہیں؟ تو یہ اس کے لیے نائب الفاعل بن سکتا ہے۔ توجہ ہے؟ تو اگر یہ هُوَ نہ لاتے تو پڑھنے والا سمجھتا شاید یہ مَقَامَهُ یہ اس کا نائب الفاعل ہے، تو آگے صاحبِ جامی نے هُوَ ضمیر تاکید ذکر کر کے اشارہ کر دیا کہ أُقِيْمَ کے اندر هُوَ ضمیر موجود ہے وہ نائب الفاعل ہے اور یہ هُوَ اس کی تاکید ہے بھئی، تو وہ نائب الفاعل ہے، مَقَامَهُ نائب الفاعل نہیں ہے بھئی۔

تو کہتے ہیں وَأُقِيْمَ هُوَ أَيِ الْمَفْعُوْلُ مَقَامَهُ اور قائم کر دیا جائے اس مفعول کو مَقَامَهُ أَيْ مَقَامَ الْفَاعِلِ اس فاعل کے مقام پر۔ مَفْعُوْلُ مَا لَمْ يُسَمَّ فَاعِلُهُ کسے کہتے ہیں؟ ہر وہ مفعول جس کے فاعل کو حذف کر لیا جائے اور اس مفعول کو اس فاعل کا قائم مقام بنا دیا جائے۔ تو بھئی اس کا فاعل اس کا قائم مقام کیسے ہو سکتا ہے؟ فاعل ہے فعل کو کرنے والا اور مفعول پر فعل واقع ہوا ہے، تو یہ اس کا قائم مقام کیسے ہو سکتا ہے؟ تو بتلا رہے ہیں بھئی فِي إِسْنَادِ الْفِعْلِ أَوْ شِبْهِهِ إِلَيْهِ، کہ فاعل کے قائم مقام کرنے کا معنیٰ یہ ہے کہ یہ اس کا قائم مقام ہو گا فِي إِسْنَادِ الْفِعْلِ أَوْ شِبْهِهِ إِلَيْهِ، کہ فعل یا شبہِ فعل کا اس کی طرف اسناد کر دیا جائے گا۔ قائم مقام ہونے کا کیا معنیٰ؟ ہاں کہ یعنی کہ پہلے فعل یا شبہِ فعل کا اسناد فاعل کی طرف تھا، اب اسناد کس کی طرف کر دیا جائے گا؟ مفعول کی طرف، یہ معنیٰ ہے قائم مقام کرنے کا۔ بات سمجھ میں آ گئی؟

تو کہتے ہیں وَأُقِيْمَ هُوَ أَيِ الْمَفْعُوْلُ مَقَامَهُ اور اس مفعول کو اس فاعل کے قائم مقام کر دیا جاتا ہے فِي إِسْنَادِ الْفِعْلِ أَوْ شِبْهِهِ إِلَيْهِ فعل یا شبہِ فعل کا اس کی طرف اسناد کرنے میں یعنی اس میں اس کا قائم مقام کر دیا جاتا ہے۔ وَشَرْطُهُ أَيْ شَرْطُ مَفْعُوْلِ مَا لَمْ يُسَمَّ فَاعِلُهُ اور مَفْعُوْلُ مَا لَمْ يُسَمَّ فَاعِلُهُ کی شرط جو ہے، بھئی کس چیز کی شرط؟ مَفْعُوْلُ مَا لَمْ يُسَمَّ فَاعِلُهُ کی شرط کس چیز کی شرط؟ آپ کو بتلائیں گے صاحبِ جامی یعنی فاعل کے قائم مقام کرنے کی شرط۔ آپ کیا کرنا چاہتے ہیں؟ مفعول کو فاعل کا قائم مقام کرنا چاہتے ہیں تو اس کی شرط کیا ہے وہ ذکر کر رہے ہیں۔ تو کہتے ہیں وَشَرْطُهُ أَيْ شَرْطُ مَفْعُوْلِ مَا لَمْ يُسَمَّ فَاعِلُهُ، مَفْعُوْلُ مَا لَمْ يُسَمَّ فَاعِلُهُ کی شرط فِي حَذْفِ فَاعِلِهِ وَإِقَامَتِهِ مَقَامَ الْفَاعِلِ یعنی فاعل کے حذف کرنے میں اور اس کو فاعل کا قائم مقام بنانے میں شرط جو ہے، إِذَا كَانَ عَامِلُهُ فِعْلًا جب کہ اس کا عامل فعل ہو، شرط کیا ہے؟ دیکھو کہ أَنْ تُغَيَّرَ

صِيْغَةُ الْفِعْلِ إِلٰى فُعِلَ أَوْ يُفْعَلُ۔ متن پہ نظر ہے؟ پہلے صرف متن کو متن سے جوڑیں: وَشَرْطُهُ اور مَفْعُوْلُ مَا لَمْ يُسَمَّ فَاعِلُهُ کی شرط یہ ہے کہ فعل کا صیغہ بدل دیا جائے فُعِلَ یا يُفْعَلُ کی طرف، یعنی ماضی مجہول کی طرف یا مضارع مجہول کی طرف۔

تو بھئی فعل کا صیغہ بدلا جائے، حالانکہ مَفْعُوْلُ مَا لَمْ يُسَمَّ فَاعِلُهُ فعل کے ساتھ ساتھ شبہِ فعل کے لیے بھی تو آتا ہے، کس کے لیے؟ شبہِ فعل کے لیے بھی تو آتا ہے، اور انہوں نے کیا کہا کہ فعل کے صیغے کو بدل دیا جائے کس کی طرف؟ فُعِلَ یعنی ماضی مجہول کی طرف، أَوْ يُفْعَلُ یا مضارع مجہول کی طرف۔ بھئی صیغہ تو صرف فعل میں بدل سکتے ہیں، شبہِ فعل کے لیے بھی تو نائب الفاعل آتا ہے اس میں تو صیغہ ہم نہیں بدل سکتے، اس میں تو صیغہ فُعِلَ یا يُفْعَلُ کی طرف نہیں بدلا جاتا۔ تو جواب دے رہے ہیں صاحبِ جامی: أَنْ تُغَيَّرَ صِيْغَةُ الْفِعْلِ إِلٰى فُعِلَ أَوْ يُفْعَلُ، اس سے پہلے صاحبِ جامی نے کیا عبارت نکالی؟ إِذَا كَانَ عَامِلُهُ فِعْلًا، جب کہ اس مَفْعُوْلُ مَا لَمْ يُسَمَّ فَاعِلُهُ کا عامل کیا ہو؟ فعل ہو تب اس کے صیغے کو بدلا جائے گا، اگر شبہِ فعل ہو پھر نہیں بھئی۔ بات سمجھ میں آگئی؟

تو کہتے ہیں، دوبارہ ترجمہ دیکھیے: کہتے ہیں وَشَرْطُهُ أَيْ شَرْطُ مَفْعُوْلِ مَا لَمْ يُسَمَّ فَاعِلُهُ، مَفْعُوْلُ مَا لَمْ يُسَمَّ فَاعِلُهُ کی شرط جو ہے فِي حَذْفِ فَاعِلِهِ وَإِقَامَتِهِ مَقَامَ الْفَاعِلِ اس کے فاعل کو حذف کرنے اور اس کو اس کے قائم مقام بنانے میں شرط یہ ہے إِذَا كَانَ عَامِلُهُ فِعْلًا جب کہ اس مَفْعُوْلُ مَا لَمْ يُسَمَّ فَاعِلُهُ کا عامل فعل ہو، کہ أَنْ تُغَيَّرَ صِيْغَةُ الْفِعْلِ إِلٰى فُعِلَ کہ بدل دیا جائے فعل کے صیغے کو فُعِلَ کی طرف أَيْ إِلَى الْمَاضِي الْمَجْهُوْلِ، دیکھا صاحبِ جامی نے بتلا دیا فُعِلَ سے کیا مراد ہے؟ ماضی مجہول مراد ہے۔ تو صیغہ بدل دیا جائے إِلٰى فُعِلَ فُعِلَ کی طرف أَيْ إِلَى الْمَاضِي الْمَجْهُوْلِ یعنی ماضی مجہول کی طرف، أَوْ يُفْعَلُ یا صیغہ بدل دیا جائے يُفْعَلُ کی طرف أَيْ إِلَى الْمُضَارِعِ الْمَجْهُوْلِ یعنی مضارع مجہول کی طرف۔ فَيَتَنَاوَلُ مِثْلَ أُفْتُعِلَ وَأُسْتُفْعِلَ وَيُفْتَعَلُ وَيُسْتَفْعَلُ وَغَيْرَهَا مِنَ الْأَفْعَالِ الْمَجْهُوْلَةِ الْمَزِيْدِ فِيْهَا۔ بھئی دیکھیے یہ وہی بات ذکر کر رہے ہیں کہ فُعِلَ کی طرف بدل دیں، تو پھر فُعِلَ میں تو صرف ثلاثی مجرد کی ماضی آگئی، ثلاثی مزید کی ماضی بھی نہیں آئی، رباعی مجرد اور رباعی مزید کی ماضی بھی اس میں داخل نہیں۔ اسی طرح يُفْعَلُ یہ تو صرف ثلاثی مجرد میں آتا ہے، ثلاثی مزید میں بھی یہ وزن نہیں آتا اور رباعی مجرد اور رباعی مزید میں بھی یہ وزن نہیں آتا۔ تو بتلا دیا کہ فُعِلَ سے فُعِلَ کا صیغہ نہیں مراد ماضی مجہول مراد ہے، اور يُفْعَلُ سے يُفْعَلُ کا صیغہ نہیں مراد بلکہ مضارع مجہول مراد ہے، تو اس میں باقی سارے بابوں کی ماضی مجہول بھی داخل ہو گئی اور تمام بابوں کے مضارع مجہول بھی داخل ہو گئے، یہ معنیٰ ہے۔ تو فَيَتَنَاوَلُ مِثْلَ أُفْتُعِلَ وَأُسْتُفْعِلَ تو یہ أُفْتُعِلَ اور أُسْتُفْعِلَ ان جیسی ماضی کو بھی شامل ہے، یعنی ثلاثی مزید یا رباعی مجرد یا رباعی مزید کی جو ماضی ہیں ان کو بھی شامل ہے، وَيُفْتَعَلُ وَيُسْتَفْعَلُ اور اسی طرح يُفْتَعَلُ اور يُسْتَفْعَلُ جیسے مضارع ہیں ان کو بھی شامل ہے، وَغَيْرَهَا اور ان کے علاوہ بھی مِنَ الْأَفْعَالِ الْمَجْهُوْلَةِ وہ افعال جو مجہول ہیں الْمَزِيْدِ فِيْهَا جو مزید فیہا ہیں، وہ سارے بھی اس کے اندر داخل ہو گئے بھئی۔ بات سمجھ میں آگئی؟

بھئی یہاں ایک قیمتی بات یاد رکھنا، آپ نے پڑھا ہے کہ جتنے ابواب ہیں ان کے شروع میں جو ہمزہ آتا ہے وہ ہمزۂ وصل

ہے سوائے بابِ افعال کے، بابِ افعال کا ہمزہ قطعی ہے وہ درجِ عبارت میں نہیں گرے گا، درمیانِ عبارت میں نہیں گرے گا، جبکہ باقی جتنے باب ہیں بابِ افتعال ہے، بابِ استفعال ہے، بابِ انفعال وغیرہ سب کا ہمزہ وصلی ہے اور درمیانِ عبارت میں وہ گر جاتا ہے۔ لیکن یہاں جو آیا فَيَتَنَاوَلُ مِثْلَ أُفْتُعِلَ اس کو مِثْلَ فْتُعِلَ نہیں پڑھنا، یہاں ہمزہ کو نہیں گرانا، کیوں؟ کیونکہ یہاں لفظ بول کر لفظ مراد ہے، أُفْتُعِلَ سے أُفْتُعِلَ کا لفظ مراد ہے اور جب لفظ بول کر لفظ مراد ہو تو وہ کس کے حکم میں ہوتا ہے؟ وہ علم، اور علم میں کوئی تبدیلی نہیں کی جاتی، تو وہ جو أُفْتُعِلَ تھا اس کا نام ہی أُفْتُعِلَ رکھ دیا، اب یہ ہمزہ قطعی بن چکا ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو مِثْلَ أُفْتُعِلَ وَأُسْتُفْعِلَ یہ دونوں ہمزہ پڑھیں گے بھئی۔

آگے دیکھیے: وَلَا يَقَعُ مَوْقِعَ الْفَاعِلِ اور واقع نہیں ہوتا مَوْقِعَ الْفَاعِلِ فاعل کے مقام پر، کیا واقع نہیں ہوتا؟ الْمَفْعُوْلُ الثَّانِي مِنْ مَفْعُوْلَيْ بَابِ عَلِمْتُ، وہ جو مفعولِ ثانی ہے مِنْ مَفْعُوْلَيْ بَابِ عَلِمْتُ بابِ عَلِمْتُ کے دو مفعولوں میں سے۔ بابِ عَلِمْتُ کے دو مفعولوں میں سے جو مفعولِ ثانی ہے وہ فاعل کے مقام میں واقع نہیں ہوتا۔ بھئی دیکھیے یہ عبارت ذرا دیکھو: وَلَا يَقَعُ مَوْقِعَ الْفَاعِلِ، وَلَا يَقَعُ مَوْقِعَ الْفَاعِلِ۔ بھئی دیکھو وَقَعَ يَقَعُ کون سا باب ہے؟ بابِ فَتَحَ ہے، وَقَعَ يَقَعُ بابِ فَتَحَ۔ اور بابِ فَتَحَ سے ظرف کیا آتا ہے؟ مَفْتَح آتا ہے، کیا آتا ہے؟ مَفْتَح آتا ہے، اور یہاں میں کیا پڑھ رہا ہوں؟ وَلَا يَقَعُ مَوْقِعَ الْفَاعِلِ، مَفْعِل پڑھ رہا ہوں، کیا پڑھ رہا ہوں؟ مَفْعِل۔ کیونکہ آپ نے ضابطہ پڑھا تھا کہ مثال سے ظرف ہمیشہ مکسور العین آتا ہے، اور یہ بھی مثال ہے کہ شروع میں واو ہے بھئی، تو مثال سے کیا آتا ہے ظرف ہمیشہ مَفْعِل آتا ہے چاہے مضارع مفتوح العین ہی کیوں نہ ہو بھئی۔ اور وہ شعر یاد ہے؟ ظرفِ يَفْعِلْ مَفْعِلْ است اِلَّا زَ ناقص ہے کمال، واز غیرِ يَفْعِلْ مَفْعَلْ است اِلَّا زَ ابوابِ مثال۔ دیکھا مثال کا استثناء ہے، اسی طرح پہلے مصرعے میں کیا ہے؟ ظرفِ يَفْعِلْ مَفْعِلْ است اِلَّا زَ ناقص ہے کمال، ناقص کا بھی استثناء ہے۔ تو ناقص سے ہمیشہ ظرف مفتوح العین آتا ہے اور مثال سے ہمیشہ ظرف مکسور العین آتا ہے، اور باقی ابواب میں عین کی حرکت دیکھیں گے اگر اس کے نیچے کسرہ ہو تو ظرف مکسور العین ہوگا، اور اگر عین پر فتحہ یا ضمہ ہو تو ظرف مفتوح العین ہوگا بھئی۔

جی دیکھیے دوبارہ، کہتے ہیں: وَلَا يَقَعُ مَوْقِعَ الْفَاعِلِ الْمَفْعُوْلُ الثَّانِي مِنْ مَفْعُوْلَيْ بَابِ عَلِمْتُ اور فاعل کے مقام پر واقع نہیں ہو سکتا مفعولِ ثانی جو ہے مِنْ مَفْعُوْلَيْ بَابِ عَلِمْتُ بابِ عَلِمْتُ کے دو مفعولوں میں سے جو مفعولِ ثانی ہے وہ فاعل کے مقام میں واقع نہیں ہو سکتا، لِأَنَّهُ مُسْنَدٌ إِلَى الْمَفْعُوْلِ الْأَوَّلِ إِسْنَادًا تَامًّا۔ ہاں اب یہاں ایک اور بات یاد رکھنا۔ یاد رکھو بابِ عَلِمْتُ کا مفعولِ ثانی اور بابِ أَعْلَمْتُ کا مفعولِ ثالث یہ مَفْعُوْلُ مَا لَمْ يُسَمَّ فَاعِلُهُ نہیں بن سکتے، کیوں نہیں بن سکتے؟ کیونکہ یہ مسندبہ ہیں، اور جب آپ اس کو نائب الفاعل بنائیں گے تو یہ کیا بن جائیں گے؟ مسند الیہ بن جائیں گے، تو ایک ہی لفظ جو ہے ایک ہی وقت میں مسند الیہ بھی ہوگا اور مسندبہ بھی ہوگا اور یہ جائز نہیں۔ لیکن یہ یاد رکھنا یہ اس صورت میں ہے جب دونوں اسناد تام ہوں، جب دونوں اسناد تام ہوں یعنی اس میں بات پوری ہو۔ اگر اسناد تام نہ ہو، ایک اسناد تام

ہے ایک غیرِ تام ہے پھر کوئی حرج نہیں، پھر کوئی حرج نہیں۔ یاد رکھو فعل کا جو اسناد ہوتا ہے فاعل یا نائب فاعل کی طرف یہ اسنادِ تام ہے، اس سے جملہ فعلیہ بنتا ہے، اور مبتدا خبر کے درمیان جو اسناد ہے وہ بھی اسنادِ تام ہے کیونکہ اس سے بھی پورا جملہ بنتا ہے۔ باقی یہ جو صفت کے صیغے ہیں یا مصدر وغیرہ کا اسناد جو ہوتا ہے اپنے فاعل یا نائب فاعل کی طرف یہ اسناد غیرِ تام ہے یعنی اس میں بات پوری نہیں۔ قَائِمٌ، قَائِمٌ کون سا صیغہ؟ صفت کا، اس کے اندر هُوَ ضمیر، صفت کے صیغے کے لیے بھی فاعل یا نائب فاعل چاہیے، تو قَائِمٌ هُوَ مجھے بتائیے اس میں بات پوری ہے؟ جملہ پورا ہے؟ بات سمجھ میں آ گئی؟ ضَرَبَ میں کہوں، ضَرَبَ کے اندر هُوَ ضمیر نکالیں تو یہ جملہ فعلیہ بن گیا، لیکن صفت کا صیغہ اپنے فاعل یا نائب فاعل سے مل کر شبہِ جملہ بنتا ہے جملہ نہیں بنتا تو ان میں اسنادتام نہیں ہوتا۔ تو یہ ایک لفظ ایک ہی وقت میں مسند بھی ہو اور مسند الیہ بھی ہو تو یہ جب اسنادِ تام ہوں دونوں پھر تو جائز نہیں، اگر دونوں میں سے ایک اسناد غیرِ تام ہے تو پھر کوئی حرج نہیں ہے۔ کہتے ہیں: لِأَنَّهُ مُسْنَدٌ إِلَى الْمَفْعُوْلِ الْأَوَّلِ إِسْنَادًا تَامًّا، ترجمہ سنو بھئی لِأَنَّهُ مُسْنَدٌ اس لیے کیونکہ یہ مفعولِ ثانی

مفعول اول کی طرف إِسْنَادًا تَامًّا اسنادِ تام ہے۔ یہ مفعولِ ثانی مفعولِ اول کی طرف مسند ہے إِسْنَادًا تَامًّا اسنادِ تام کے طور پر۔ فَلَوْ أُقِيْمَ مَقَامَ الْفَاعِلِ، پس اگر اس کو فاعل کے قائم مقام کر دیا جائے لَصَارَ مُسْنَدًا إِلَيْهِ مِنْ حَيْثُ إِنَّهُ نَائِبُ الْفَاعِلِ، تو یہ مفعولِ ثانی مسند الیہ بن جائے گا اس حیثیت سے کہ یہ نائب الفاعل ہے، وَمُسْنَدًا مِنْ حَيْثُ إِنَّهُ مَفْعُوْلٌ ثَانٍ، اور مسند بن جائے گا اس حیثیت سے کہ یہ مفعولِ ثانی ہے۔ وَكَوْنُ الشَّيْءِ الْوَاحِدِ فِيْ زَمَانٍ وَاحِدٍ بِالنِّسْبَةِ إِلَى شَيْءٍ وَاحِدٍ، اور ایک چیز کا ایک ہی وقت میں ایک ہی چیز کی نسبت، بھئی ایک چیز سے مراد کیا؟ ایک کلام۔ تو ایک ہی وقت میں ایک ہی کلام میں ایک چیز کا مُسْنَدًا وَمُسْنَدًا إِلَيْهِ مسند ہونا اور مسند الیہ ہونا یہ کیا ہے؟ مُحَالٌ محال ہے۔

اچھا بھئی یہ قاعدہ یاد رکھو، ایک لفظ ایک ہی کلام میں مسند بھی بن جائے اور مسند الیہ بھی بن جائے، اور دونوں اسناد، اسنادِ تام ہوں تو یہ محال ہے، یہ نہیں ہو سکتا بھئی۔ اس لیے نہ بابِ عَلِمْتُ کا مفعولِ ثانی نائب الفاعل بن سکتا ہے اور نہ بابِ أَعْلَمْتُ کا مفعولِ ثالث نائب الفاعل بن سکتا ہے بھئی۔ ہاں اگر دونوں اسناد میں سے ایک اسناد، اسنادِ غیرِ تام ہو، پھر حرج نہیں، جیسے مثال دی أَعْجَبَنِيْ ضَرْبُ زَيْدٍ عَمْرًا، یہاں ضَرْبُ مصدر ہے۔ اور آپ نے پڑھا مصدر عمل کرتا ہے، آگے زَيْدٍ یہ اس کا فاعل ہے، اسناد کیا ہے؟ غیرِ تام، کہ مصدر اور فاعل مل کر جملہ نہیں بنتے شبہِ جملہ بنتے ہیں اور أَعْجَبَ یہ فعل ہے اور اس کا فاعل آگے ضَرْبُ ہے، یعنی اسناد کس کی طرف ہو رہا ہے؟ ضَرْبُ کی طرف، تو یہاں أَعْجَبَ کا ضَرْبُ کی طرف جو اسناد ہے وہ اسنادِ تام ہے، اور ضَرْبُ کا زَيْدٍ کی طرف جو اسناد ہے وہ اسنادِ غیرِ تام ہے، کیونکہ مصدر میں بات پوری نہیں ہوتی۔ تو دیکھو ضَرْبُ ایک ہی لفظ ہے، یہ أَعْجَبَ کی نسبت سے مسند الیہ ہے کیونکہ أَعْجَبَ کا فاعل ہے، اور زَيْدٍ کی نسبت سے یہ مسند ہے کیونکہ زَيْدٍ اس کا فاعل ہے، تو ضَرْبُ مسند بھی ہے اور مسند الیہ بھی ہے، لیکن دونوں اسنادِ تام نہیں، ایک اسنادِ تام ہے اور دوسرا اسنادِ غیرِ تام ہے تو کوئی حرج نہیں بھئی۔ بات سمجھ میں آ گئی؟ تو ایک ہی لفظ کا ایک

ہی وقت میں مسند اور مسند الیہ ہونا یہ جائز نہیں جبکہ دونوں اسناد تام ہوں، اگر ایک تام اور ایک غیرِ تام ہو پھر کوئی حرج نہیں۔

وَلَا الثَّالِثُ مِنْ مَفْعُوْلَيْ بَابِ أَعْلَمْتُ، اور اسی طرح بابِ أَعْلَمْتُ کے مفعولوں میں سے مفعولِ ثالث بھی فاعل کے مقام میں واقع نہیں ہوتا۔ کیوں بھئی؟ لِأَنَّهُ مُسْنَدٌ إِلَى الثَّانِي إِسْنَادًا تَامًّا أَيْضًا، اس لیے کہ مفعولِ ثالث مفعولِ ثانی کی طرف مسند ہوتا ہے اسنادِ تام کے طور پر أَيْضًا بھی، تو یہاں بھی وہی اشکال آئے گا۔

وَلَا الْمَفْعُوْلُ لَهُ، اور اسی طرح مفعول لہ بھی نائب الفاعل نہیں بن سکتا۔ ہاں، مفعول لہ بھی نائب الفاعل نہیں بن سکتا۔ كَالتَّأْدِيْبِ فِيْ ضَرَبْتُ زَيْدًا التَّأْدِيْبَ، یا ضَرَبْتُ زَيْدًا تَأْدِيْبًا۔ ضَرَبْتُ زَيْدًا تَأْدِيْبًا، اس میں تَأْدِيْبًا کیا ہے؟ مفعول لہ، تو یہ نائب الفاعل نہیں بن سکتا۔ بھئی کیوں نہیں بن سکتا؟ دیکھو مفعول لہ کے دو طریقے ہیں، کبھی مفعول لہ کے شروع میں لام ہوتا ہے اور کبھی لام نہیں ہوتا۔ جب لام ہوگا تو وہ مجرور ہوگا، مثلاً ضَرَبْتُ زَيْدًا لِلتَّأْدِيْبِ۔ اور جب لام نہ ہو تو وہ منصوب ہو گا، جیسے ضَرَبْتُ زَيْدًا تَأْدِيْبًا۔ تو دونوں صورتوں میں سے کسی صورت میں بھی مفعول لہ نائب الفاعل نہیں بن سکتا۔ بھئی اگر لام نہیں ہے ضَرَبْتُ زَيْدًا تَأْدِيْبًا تو یہ مفعول لہ نائب الفاعل کیوں نہیں بن سکتا؟ بتلا رہے ہیں اس لیے کہ اگر اس کو نائب الفاعل بنائیں گے تو اس کو مرفوع کرنا پڑے گا، کہیں گے ضُرِبَ تَأْدِيْبٌ، اور جب ضُرِبَ تَأْدِيْبٌ کہیں گے تو اب لام تو ہے نہیں، اور جس نصب سے ہمیں پتہ چلتا تھا کہ یہ مفعول لہ ہے وہ نصب بھی چلا گیا، اب کیا پڑھ دیا؟ رفع، تو اب یہ مفعول لہ ہونے پہ کوئی قرینہ ہی باقی نہیں رہا بھئی، بلکہ سننے والا تو اس کو مفعولِ مطلق ہی سمجھے گا یا کچھ اور سمجھے گا بھئی، بات سمجھ میں آگئی؟ تو اس لیے اگر لام نہ ہو تو پھر تو مفعول لہ نائب الفاعل بن ہی نہیں سکتا۔

اور اگر لام ہو پھر؟ جیسے ضَرَبْتُ زَيْدًا لِلتَّأْدِيْبِ۔ تو اس میں تو لام موجود ہے اور وہ قرینہ ہے کہ یہ مفعول لہ ہے۔ تو کیا اس صورت میں یہ نائب الفاعل بن سکتا ہے؟ مثلاً لِلتَّأْدِيْبِ کو نائب الفاعل بنا دیں اور کہیں ضُرِبَ لِلتَّأْدِيْبِ، تو یہ لِلتَّأْدِيْبِ کیا ہے؟ جار مجرور، اور یہ لِلتَّأْدِيْبِ یہ بن جائے گا کیا؟ نائب الفاعل۔ تو کیا اس صورت میں بھی مفعول لہ نائب الفاعل نہیں بن سکتا؟ کہتے ہیں بھئی اس صورت میں بن سکتا ہے، کوئی حرج نہیں، اس لیے کہ یہاں لام موجود ہے اور وہ مفعول لہ ہونے پہ قرینہ ہے، تو لہٰذا یہاں پر اب کوئی اشتباہ نہیں رہا کہ کوئی اس کو کچھ اور سمجھے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو نتیجہ کیا نکلا؟ اگر مفعول لہ بغیر لام کے ہو پھر نائب الفاعل نہیں بن سکتا، اور اگر لام کے ساتھ ہو تو پھر وہ نائب الفاعل بن سکتا ہے۔

اچھا بھئی جب لام کے ساتھ ہو جیسے ضُرِبَ لِلتَّأْدِيْبِ، تو بعض علماء کا خیال ہے کہ یہاں بھی لِلتَّأْدِيْبِ نائب الفاعل نہیں ہے۔ اگر آپ پوچھیں بھئی پھر ضُرِبَ کا نائب الفاعل کون ہے؟ تو بعض کہتے ہیں ضُرِبَ کے اندر مصدر کی ضمیر ہے جو اس کا نائب الفاعل ہے، ضُرِبَ هُوَ أَيِ الضَّرْبُ لِلتَّأْدِيْبِ۔ اور بعض کہتے ہیں نہیں بھئی یہ لِلتَّأْدِيْبِ یہی نائب الفاعل ہے۔ ہاں

اگرچہ ضُرِبَ لِلتَّأْدِيْبِ میں لِلتَّأْدِيْبِ مجرور ہے اور مجرور ہونے کے باوجود اس کا محل کیا ہے؟ مرفوع ہے، جیسے مَرَرْتُ بِزَيْدٍ میں بِزَيْدٍ کا محل کیا ہے؟ منصوب ہے، تو یہاں لِلتَّأْدِيْبِ کا محل کیا ہو گا؟ مرفوع ہو گا۔ تو بعض کے نزدیک تو یہ لِلتَّأْدِيْبِ ہی نائب الفاعل ہے اور بعض کے نزدیک ضُرِبَ کے اندر ضمیرِ مصدر اس کا نائب الفاعل ہے بھئی۔ بات سمجھ میں آگئی؟

اسی طرح مفعول معہ، تو مفعول معہ بھی نائب الفاعل نہیں بن سکتا۔ جَاءَ زَيْدٌ وَالْجَبَلَ، یا مَشَيْتُ وَالنِّيْلَ۔ سِرْتُ وَالنِّيْلَ، میں اور نہرِ نیل اکٹھے چلے۔ ہاں مَشَيْتُ وَالْجَبَلَ، میں اور پہاڑ اکٹھے چلے۔ تو یہاں پر وَالْجَبَلَ کیا ہے؟ مفعول معہ ہے۔ اگر اس کو نائب الفاعل بنائیں تو پہلے تو فاعل کو حذف کرنا پڑے گا، سِرْتُ میں تُ فاعل ہے اس کو حذف کیا اور سَارَ کو مجہول بنایا سِيْرَ، اور اس کے بعد الْجَبَلَ کو نائب الفاعل بنانا چاہتے ہیں تو اس پر رفع پڑھنا پڑے گا، سِيْرَ وَالْجَبَلُ۔ جب آپ کہیں گے سِيْرَ وَالْجَبَلُ، اب واو کے بعد جو اسم ہے اس پر رفع آگیا، تو جب واو سے پہلے والے فاعل کو حذف کر دیا اور اس پر رفع آگیا تو اب یہ مفعول معہ کہاں رہا؟ کیونکہ مفعول معہ تو منصوب ہوا کرتا ہے، اگر مفعول معہ باقی رکھنا ہے تو واو کو بھی باقی رکھنا پڑے گا، اور اگر واو کو باقی رکھیں اور واو سے پہلے کوئی اور نائب الفاعل نہ ہو، مثلاً سِيْرَ وَالْجَبَلُ، تو اب یہ واو کس کے ساتھ جوڑے گا؟ واو کا کام تو معیت بتلانا ہے کہ دو چیزیں اکٹھی ہیں، ایک فاعل اور دوسرا مفعول معہ، یہاں فاعل کو تو آپ نے حذف کر دیا تو واو اب کس کے ساتھ اس کو اکٹھا بتلائے گا؟ تو فاعل کو تو حذف کر دیا تو معیت ہی ختم ہو گئی اور واو یہاں پر عاطفہ بھی نہیں ہو سکتا کیونکہ واوِ عاطفہ تب ہوتا ہے جب اس سے پہلے معطوف علیہ ہو، یہاں اس سے پہلے معطوف علیہ بھی کوئی نہیں۔ تو گویا واو کا باقی رکھنا بھی جائز نہیں اور اگر واو کو حذف کر دیں اور کہیں سِيْرَ الْجَبَلُ تو اب پھر مفعول معہ ہونے پہ کوئی علامت ہی باقی نہ رہی کیونکہ مفعول معہ تو واو کے ذریعے ہی پہچانا جاتا تھا، جب واو بھی چلا گیا اور نصب بھی چلا گیا تو اب یہ مفعول معہ کی پہچان ہی ختم ہو گئی، اس لیے مفعول معہ بھی نائب الفاعل نہیں بن سکتا۔ ہاں اگر کوئی کہے کہ سِيْرَ بِزَيْدٍ وَالْجَبَلَ، اب بتلائیے بِزَيْدٍ یہ جار مجرور پہلے آگیا اور اس کے بعد وَالْجَبَلَ آیا، تو یہاں بھی اب اگر سِيْرَ کے بعد وَالْجَبَلَ کو نائب الفاعل بنانا چاہیں، بِزَيْدٍ تو یہ پہلے اس کا فاعل تو ہے نہیں یہ تو جار مجرور ہے اور مفعول معہ جو ہے اس کے لیے واو باقی رکھنا ضروری ہے اور اگر واو باقی نہ رکھیں تو پھر وہ مفعول معہ نہیں رہتا اور اگر واو باقی رکھیں اور اس کو رفع پڑھ دیں تو یہ بھی جائز نہیں اس لیے کہ مفعول معہ کبھی مرفوع نہیں ہوتا، مفعول معہ ہمیشہ منصوب ہوتا ہے۔

بات سمجھ میں آگئی؟ تو ان دونوں میں یہ خرابی ہے، مفعول لہ میں اگر لام نہیں تو پھر اس کے مفعول لہ ہونے پہ کوئی قرینہ باقی نہیں رہے گا کیونکہ لام بھی نہیں اور نصب بھی نہیں رہا اور اگر لام ہو پھر بن سکتا ہے، اور مفعول معہ جو ہے وہ تو کبھی بھی نائب الفاعل نہیں بن سکتا کیونکہ اگر واو باقی رکھیں تو وہ مرفوع ہو نہیں سکتا، اگر واو حذف کر دیں تو اب مفعول معہ ہونے کی کوئی علامت باقی نہیں رہی۔

دیکھیے کتاب پر، کہتے ہیں: وَلَا الْمَفْعُوْلُ لَهُ، اور نہ مفعول لہ نائب الفاعل بن سکتا ہے۔ وَالْمَفْعُوْلُ لَهُ بِلَا لَامٍ، یہ دیکھو صاحبِ جامی نے قید لگا دی: بِلَا لَامٍ یعنی وہ مفعول لہ جو بغیر لام کے ہو۔ كَالتَّأْدِيْبِ فِيْ ضَرَبْتُهُ التَّأْدِيْبَ، جیسے ضَرَبْتُهُ التَّأْدِيْبَ میں التَّأْدِيْبَ۔ فَلَا يَجُوْزُ ضُرِبَ التَّأْدِيْبُ، پس ضُرِبَ التَّأْدِيْبُ کہنا جائز نہیں، لِفَوَاتِ الدَّالِّ عَلٰى كَوْنِهِ مَفْعُوْلًا لَهُ، اس پر دلالت کرنے والی چیز کے فوت ہونے کی وجہ سے کہ یہ مفعول لہ ہے۔ یعنی مفعول لہ ہونے پر دلالت کرنے والی چیز کیا تھی؟ نصب اور لام۔ تو لام تو پہلے سے نہیں ہے، اب جب رفع پڑھیں گے تو نصب بھی چلا جائے گا، تو مفعول لہ ہونے پر دلالت کرنے والی چیز ہی فوت ہو جائے گی۔ وَهُوَ اللَّامُ أَوِ النَّصْبُ، اور وہ دال یعنی دلالت کرنے والی چیز کیا ہے؟ لام ہے یا نصب ہے۔ إِذْ نَصْبُهُ دَلِيْلُ إِرَادَةِ اللَّامِ، اس لیے کہ مفعول لہ کا نصب جو ہے وہ اس بات کی دلیل ہے کہ یہاں لام مراد ہے۔ فَإِذَا رُفِعَ، پس جب اس کو رفع پڑھ دیا جائے گا لَمْ يَبْقَ دَلِيْلٌ عَلَيْهِ، تو اس پر کوئی دلیل باقی نہیں رہے گی کہ یہ مفعول لہ ہے۔

بِخِلَافِ مَا فِيْهِ اللَّامُ، برعکس اس مفعول لہ کے کہ جس میں لام موجود ہو، نَحْوُ ضُرِبَ لِلتَّأْدِيْبِ، جیسے ضُرِبَ لِلتَّأْدِيْبِ۔ فَإِنَّ الرَّاجِحَ عِنْدَ الْمُصَنِّفِ، اس لیے کہ مصنف یعنی صاحبِ کافیہ کے نزدیک راجح بات یہ ہے، یہ ان کی عبارت میں خود یہ آیا ہے کہ مفعول لہ مع اللام نائب الفاعل بن سکتا ہے۔ یہ کہاں آیا ہے؟ شرحِ کافیہ میں جو ابنِ حاجب نے خود لکھی ہے، اور الْمَفْعُوْلُ مَا لَمْ يُسَمَّ فَاعِلُهُ کی بحث میں انہوں نے اس بات کی تصریح کی ہے کہ مفعول لہ مع اللام نائب الفاعل بن سکتا ہے۔ کہتے ہیں فَإِنَّ الرَّاجِحَ عِنْدَ الْمُصَنِّفِ، پس بے شک مصنف کے نزدیک راجح بات یہ ہے أَنَّ النَّائِبَ عَنِ الْفَاعِلِ فِيْهِ کہ اس مثال میں یعنی ضُرِبَ لِلتَّأْدِيْبِ میں فاعل کا نائب جو ہے، فاعل کے قائم مقام جو ہے وہ کیا ہے؟ التَّأْدِيْبُ

التَّأْدِيْبُ، یہ ہے نائب الفاعل حقیقت میں، اگرچہ اس پر لام داخل ہے جس نے اس کو لفظاً مجرور کر دیا ہے۔ لِأَنَّ اللَّامَ تَدُلُّ عَلٰى كَوْنِهِ مَفْعُوْلًا لَهُ، اس لیے کہ یہاں لام موجود ہے اور وہ دلالت کرتا ہے اس کے مفعول لہ ہونے پر، پس کوئی اشتباہ لازم نہیں آتا۔

وَالْمَفْعُوْلُ مَعَهُ، اور اسی طرح مفعول معہ بھی فاعل کے قائم مقام نہیں ہو سکتا۔ كَالْجَبَلِ فِيْ سِرْتُ وَالْجَبَلَ، جیسے سِرْتُ وَالْجَبَلَ میں الْجَبَلَ، لِأَنَّهُ إِذَا حُذِفَ الْفَاعِلُ اس لیے کہ جب فاعل کو حذف کیا جائے گا، سِرْتُ میں تُ فاعل ہے اس کو حذف کریں گے، وَأُقِيْمَ الْجَبَلُ مَقَامَهُ، اور الْجَبَلَ کو اس کے قائم مقام بنا دیا جائے گا، فَإِمَّا أَنْ تُحْذَفَ الْوَاوُ، تو دو صورتیں ہیں: یا تو واو کو حذف کر دیا جائے فَيُقَالُ سِيْرَ الْجَبَلُ، تو کہا جائے سِيْرَ الْجَبَلُ، فَيَتَوَهَّمُ أَنَّ الْمَعْنٰى سِيْرَ عَلٰى ظَهْرِ الْجَبَلِ، تو وہم پڑے گا کہ اس کا معنیٰ ہے پہاڑ کی پشت پر چلا گیا یعنی پہاڑ پر چلا گیا، مفعول معہ کا معنیٰ تو ختم ہی ہو گیا کہ میں پہاڑ کے ساتھ ساتھ چلا بلکہ وہم پڑے گا کہ پہاڑ کی پشت پر چلا گیا۔ لِفَوَاتِ مَا يَدُلُّ عَلَى الْمَعِيَّةِ وَهُوَ الْوَاوُ، اس چیز کے فوت ہونے کی وجہ سے جو معیت پہ دلالت کرتی ہے اور وہ واو ہے۔ وَإِمَّا أَنْ تَبْقَى الْوَاوُ، اور یا دوسری صورت یہ ہے کہ واو کو باقی رکھا جائے فَيُقَالُ سِيْرَ وَالْجَبَلُ، تو کہا جائے سِيْرَ وَالْجَبَلُ، وَهُوَ فَاسِدٌ اور یہ فاسد ہے لِبَقَاءِ الْوَاوِ الْعَاطِفَةِ عَلٰى هٰذَا التَّقْدِيْرِ، اس لیے کہ اس

تقدیر پر واوِ عاطفہ باقی رہے گی، حالانکہ اس سے پہلے کوئی معطوف علیہ نہیں۔ اور اگر واو بمعنیٰ مَعَ ہو تو مَعَ کے بعد تو مرفوع نہیں آتا، مفعول معہ تو ہمیشہ منصوب ہوتا ہے۔ اس کے اندر وہم پڑے گا کہ شاید یہ واو عاطفہ ہے، حالانکہ یہاں معطوف علیہ کوئی نہیں، سِیْرَ فعلِ مجہول ہے اس کے بعد واو آرہی ہے، اگر اس سے پہلے کچھ ہوتا تو ہم کہتے چلو معطوف علیہ ہے۔ تو کہتے ہیں لِبَقَاءِ الْوَاوِ الْعَاطِفَةِ عَلٰى هٰذَا التَّقْدِيْرِ، اس تقدیر پر واوِ عاطفہ باقی رہے گی بِدُوْنِ الْمَعْطُوْفِ عَلَيْهِ معطوف علیہ کے بغیر، کیونکہ اس سے پہلے کوئی معطوف علیہ نہیں ہے۔

وَقِيْلَ إِنَّمَا لَمْ يَقَعَا، اور کہا گیا ہے کہ مفعول لہ اور مفعول معہ اس لیے بھی نائب الفاعل واقع نہیں ہو سکتے، یعنی ایک تو وہ وجہ جو پیچھے گزر گئی، ایک اور وجہ بیان کی گئی ہے کہ یہ دونوں نائب الفاعل کیوں نہیں بن سکتے؟ لِأَنَّ حَقَّهُمَا أَنْ يَقَعَا بَعْدَ اسْتِقْلَالِ الْفِعْلِ بِمَرْفُوْعِهِ، اس لیے کہ ان دونوں کا حق یہ ہے کہ یہ اس وقت آئیں جب فعل اپنے مرفوع یعنی فاعل کے ساتھ مستقل ہو چکا ہو، یعنی ان دونوں کا آنا فاعل کے آنے کے بعد ہوتا ہے، یہ فاعل کے قائم مقام نہیں بن سکتے، ان کا درجہ تو فاعل کے پورا ہو جانے کے بعد ہے، پہلے فعل فاعل لے کر مستقل ہو جائے، کلام پورا ہو جائے اس کے بعد مفعول لہ یا مفعول معہ آتے ہیں۔ فَلَوْ أُقِيْمَا مَقَامَهُ لَزِمَ الدَّوْرُ، پس اگر ان دونوں کو فاعل کا قائم مقام بنا دیا جائے تو دور لازم آئے گا۔ دور کیسے لازم آئے گا؟ دیکھیے، ان دونوں کا آنا موقوف ہے اس بات پر کہ فعل فاعل کے ساتھ مستقل ہو، اور جب یہ خود نائب الفاعل بنیں گے تو فعل کی استقلالیت ان پر موقوف ہو گی، تو فعل کا مستقل ہونا ان پر موقوف اور ان کا آنا فعل کے مستقل ہونے پر موقوف، تو یہ دور لازم آجائے گا۔ بھئی اس پر ایک اشکال ہوتا ہے کہ بھئی یہ تو پھر سب مفعولوں میں ہونا چاہیے، مفعولِ بہ میں بھی ہونا چاہیے، مفعولِ مطلق میں بھی ہونا چاہیے، مفعولِ فیہ میں بھی ہونا چاہیے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ بھئی مفعولِ مطلق، مفعولِ بہ اور مفعولِ فیہ کا تعلق فعل کے ساتھ بڑا قوی ہے اس لیے وہ فاعل کے قائم مقام ہو سکتے ہیں، لیکن مفعول لہ اور مفعول معہ کا تعلق اتنا قوی نہیں بلکہ وہ تو گویا کلام سے الگ ایک زائد چیز کی طرح ہیں، اس لیے وہ فاعل کے قائم مقام نہیں ہو سکتے بھئی۔

اچھا بھئی آگے دیکھیے: وَإِذَا وُجِدَ الْمَفْعُوْلُ بِهِ لَمْ يَقَعْ غَيْرُهُ مَوْقِعَ الْفَاعِلِ، اور جب مفعولِ بہ پایا جائے، لَمْ يَقَعْ غَيْرُهُ مَوْقِعَ الْفَاعِلِ تو اس کے غیر یعنی مفعولِ مطلق یا مفعولِ فیہ وغیرہ فاعل کے مقام میں واقع نہیں ہوں گے، مفعولِ بہ کی موجودگی میں۔ بھئی دیکھو مفعول تو پانچ ہیں، ان میں سے دو تو گزر گئے مفعول لہ اور مفعول معہ وہ تو نائب الفاعل بنتے ہی نہیں۔ باقی رہ گئے تین: مفعولِ بہ، مفعولِ مطلق اور مفعولِ فیہ، اور اس کے ساتھ جار مجرور۔ تو ان تینوں میں سے مفعولِ بہ سب سے زیادہ مقدم ہے۔ اگر مفعولِ بہ موجود ہو گا تو صرف مفعولِ بہ کو ہی نائب الفاعل بنایا جائے گا، مفعولِ مطلق یا مفعولِ فیہ کو نائب الفاعل نہیں بنایا جائے گا۔ جیسے ضُرِبَ زَيْدٌ عَمْرًا ضَرْبًا شَدِيْدًا يَوْمَ الْجُمُعَةِ، یہاں مفعولِ بہ بھی ہے عَمْرًا، مفعولِ مطلق بھی ہے ضَرْبًا شَدِيْدًا، مفعولِ فیہ بھی ہے يَوْمَ الْجُمُعَةِ۔ اب جب اس کا مجہول بنائیں گے، فاعل کو

حذف کریں گے، تو کس کو نائب الفاعل بنائیں گے؟ صرف عَمْرًا کو۔ کہیں گے ضُرِبَ عَمْرٌو ضَرْبًا شَدِيْدًا يَوْمَ الْجُمُعَةِ۔ اگر آپ یوں کہیں ضُرِبَ عَمْرًا ضَرْبٌ شَدِيْدٌ يَوْمَ الْجُمُعَةِ یہ جائز نہیں، یا ضُرِبَ عَمْرًا ضَرْبًا شَدِيْدًا يَوْمُ الْجُمُعَةِ یہ جائز نہیں، کیونکہ مفعولِ بہ کی موجودگی میں مفعولِ مطلق یا مفعولِ فیہ نائب الفاعل نہیں بن سکتے۔ بھئی کیوں نہیں بن سکتے؟ اس لیے کہ مفعولِ بہ کا فعل کے ساتھ بڑا قوی تعلق ہے، بلکہ فعلِ متعدی کی پہچان ہی مفعولِ بہ سے ہوتی ہے، اور پھر مفعولِ مطلق یا مفعولِ فیہ جو ہیں وہ تو فعلِ لازم کے ساتھ بھی آتے ہیں اور فعلِ متعدی کے ساتھ بھی آتے ہیں، لیکن مفعولِ بہ خاص ہے فعلِ متعدی کے ساتھ۔ اور دوسری بات یہ ہے کہ فاعل جس طرح فعل سے الگ ایک ذات ہوتا ہے اسی طرح مفعولِ بہ بھی فعل سے الگ ایک ذات ہوتا ہے، جبکہ مفعولِ مطلق وہ تو فعل ہی کا مصدر ہے اس کا مفہوم ہے اور مفعولِ فیہ وہ تو زمانہ یا مکان ہے۔ تو بہرحال مفعولِ بہ کو فاعل کے ساتھ زیادہ مناسبت ہے، اس لیے مفعولِ بہ کی موجودگی میں کسی اور کو نائب الفاعل نہیں بنایا جائے گا۔ ہاں یہ جمہور کا مذہب ہے۔ بعض نحویوں مثلاً اخفش وغیرہ کے نزدیک مفعولِ بہ کی موجودگی میں مفعولِ مطلق یا مفعولِ فیہ کو بھی نائب الفاعل بنا سکتے ہیں۔ جیسے بعض قراءتوں میں آیا ہے لِيُجْزَى قَوْمًا بِمَا كَانُوا يَكْسِبُونَ، دیکھو قَوْمًا منصوب ہے مفعولِ بہ ہے، اور لِيُجْزَى مجہول ہے، اور بِمَا كَانُوا يَكْسِبُونَ جار مجرور کو انہوں نے نائب الفاعل بنایا ہے حالانکہ قَوْمًا مفعولِ بہ موجود ہے، تو بہرحال یہ شاذ ہے یا اخفش کے مذہب پر ہے، جمہور کے نزدیک مفعولِ بہ کی موجودگی میں غیر کو نائب الفاعل بنانا جائز نہیں۔

دیکھیے کتاب پر، کہتے ہیں: وَإِذَا وُجِدَ الْمَفْعُوْلُ بِهِ، اور جب مفعولِ بہ پایا جائے، لَمْ يَقَعْ غَيْرُهُ مِنَ الْمَفْعُوْلِ الْمُطْلَقِ وَالْمَفْعُوْلِ فِيْهِ وَالْمَجْرُوْرِ تو اس کے علاوہ یعنی مفعولِ مطلق، مفعولِ فیہ اور جار مجرور واقع نہیں ہوں گے، مَوْقِعَ الْفَاعِلِ فاعل کے مقام پر۔ عِنْدَ الْجُمْهُوْرِ، جمہور کے نزدیک، یعنی اکثر نحویوں کا یہی مذہب ہے۔ لِكَوْنِ الْمَفْعُوْلِ بِهِ أَخَصَّ بِالْفِعْلِ وَأَشْبَهَ بِالْفَاعِلِ، اس لیے کہ مفعولِ بہ فعل کے ساتھ زیادہ خاص ہے اور فاعل کے ساتھ زیادہ مشابہ ہے۔ بھئی زیادہ خاص کیسے ہے؟ کیونکہ مفعولِ بہ صرف فعلِ متعدی کے ساتھ آتا ہے، لازم کے ساتھ نہیں آتا، جبکہ مفعولِ مطلق اور مفعولِ فیہ تو لازم کے ساتھ بھی آتے ہیں۔ اور فاعل کے ساتھ زیادہ مشابہ کیسے ہے؟ کہ جس طرح فاعل ایک مستقل ذات ہوتا ہے اسی طرح مفعولِ بہ بھی ایک مستقل ذات ہوتا ہے، تو یہ اس کے ساتھ زیادہ مشابہ ہے۔ فَهُوَ أَوْلَى بِأَنْ يُقَامَ مَقَامَهُ مِنْ غَيْرِهِ، پس مفعولِ بہ دوسروں کے مقابلے میں اس بات کا زیادہ حق دار ہے کہ اس کو فاعل کے قائم مقام بنایا جائے۔ وَلِأَنَّ مَفْعُوْلَ مَا لَمْ يُسَمَّ فَاعِلُهُ مَوْضُوْعٌ لِلِاخْتِصَارِ، اور اس لیے بھی کہ مفعول ما لم یسم فاعلہ اختصار کے لیے وضع کیا گیا ہے، فَلَوْ أُقِيْمَ غَيْرُهُ مَقَامَهُ لَمْ يَحْصُلِ الِاخْتِصَارُ لِبَقَاءِ الْمَفْعُوْلِ بِهِ، پس اگر اس کے غیر کو قائم مقام کر دیا جائے تو اختصار حاصل نہیں ہو گا مفعولِ بہ کے باقی رہنے کی وجہ سے۔ یعنی جب آپ مفعولِ بہ کو نائب الفاعل بناتے ہیں تو مفعولِ بہ کے اندر جو ضمیر وغیرہ ہے وہ حذف ہو جاتی ہے یا وہ مرفوع ہو کر مختصر ہو جاتا ہے، یا یہ کہ ایک ہی چیز میں اختصار آجاتا ہے، بہرحال مفعولِ بہ کی موجودگی میں غیر کو نائب الفاعل نہیں بنایا جاتا۔

آگے دیکھیے: وَقَدْ يُقَالُ، اور کبھی کہا جاتا ہے یعنی بعض نحویوں کی طرف سے یہ قول ہے کہ مفعولِ بہ کی موجودگی میں غیر کو بھی نائب الفاعل بنا سکتے ہیں، یہ اخفش اور کوفیین کا مذہب ہے۔ کہتے ہیں: وَقَدْ يُقَالُ مِثْلُ ضُرِبَ ضَرْبٌ شَدِيْدٌ زَيْدًا، جیسے ضُرِبَ ضَرْبٌ شَدِيْدٌ زَيْدًا، یہاں زَيْدًا مفعولِ بہ موجود ہے اور ضَرْبٌ شَدِيْدٌ مفعولِ مطلق کو نائب الفاعل بنایا گیا ہے۔ وَضُرِبَ يَوْمُ الْجُمُعَةِ زَيْدًا، اور یہاں يَوْمُ الْجُمُعَةِ مفعولِ فیہ کو نائب الفاعل بنایا گیا ہے حالانکہ زَيْدًا مفعولِ بہ موجود ہے۔ تو یہ بعض کے نزدیک جائز ہے، جمہور کے نزدیک جائز نہیں۔

چلیے بس بھئی، هٰذَا هُوَ الْمَرَامُ وَاللّٰهُ أَعْلَمُ بِحَقِيْقَةِ الْكَلَامِ.

سبق نمبر ۹۲: نائبِ فاعل (۲): مفعولِ بہ کی موجودگی میں دیگر مفاعیل کو نائب بنانے کا حکم

شرحِ ملا جامی صفحہ: ۶۷ — بتاریخ: ۳۱ اکتوبر ۲۰۲۱ء

▪ تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث

آگے سبق دیکھیے بھائی، وَإِذَا وُجِدَ الْمَفْعُولُ بِهِ فِي الْكَلَامِ مَعَ غَيْرِهِ مِنَ الْمَفَاعِيلِ الَّتِي يَجُوزُ وُقُوعُهَا مَوْقِعَ الْفَاعِلِ تَعَيَّنَ أَيِ الْمَفْعُولُ بِهِ لَهُ أَيْ لِوُقُوعِهِ مَوْقِعَ الْفَاعِلِ، لِشِدَّةِ شَبَهِهِ بِالْفَاعِلِ فِي تَوَقُّفِ تَعَقُّلِ الْفِعْلِ عَلَيْهِمَا، فَإِنَّ الضَّرْبَ مَثَلًا كَمَا أَنَّهُ لَا يُمْكِنُ تَعَقُّلُهُ بِلَا ضَارِبٍ كَذَلِكَ لَا يُمْكِنُ تَعَقُّلُهُ بِلَا مَضْرُوبٍ، بِخِلَافِ سَائِرِ الْمَفَاعِيلِ فَإِنَّهَا لَيْسَتْ بِهَذِهِ الصِّفَةِ.

گزشتہ سبق میں ہم نے مَفْعُولُ مَا لَمْ يُسَمَّ فَاعِلُهُ کے بارے میں پڑھا تھا اور صاحبِ کتاب نے آپ کو بتلایا کہ مَفْعُولُ مَا لَمْ يُسَمَّ فَاعِلُهُ ہر ایسا مفعول جس کے فاعل کو حذف کر لیا جائے اور اس مفعول کو اس کا قائم مقام بنا دیا جائے، اس کو مَفْعُولُ مَا لَمْ يُسَمَّ فَاعِلُهُ کہتے ہیں۔ اور اس کی شرط یہ ہے کہ فعل کا صیغہ فُعِلَ یا يُفْعَلُ کی طرف بدل دیا جائے اس وقت جب کہ اس کا عامل فعل ہو۔ جب عامل کیا ہو؟ فعل ہو تو اس وقت شرط یہ ہے کہ فعل کا صیغہ مجہول کی طرف بدل دیا جائے، چاہے ماضی ہو چاہے مضارع ہو۔ اور اگر عامل فعل کے علاوہ ہے تو اس کے اندر تو یہ شرط جاری نہیں ہو سکتی، اس کے اندر تو صیغہ نہیں بدلا جا سکتا۔ اور یہ بھی آپ کو میں پہلے بتا چکا ہوں کہ جیسے فعل کے لیے ہمیشہ فاعل یا نائب فاعل چاہیے، اسی طرح یہ جو صفت کے صیغے ہیں ان کے لیے بھی ہمیشہ فاعل یا نائب فاعل ضرور چاہیے۔ اور یہ جو صفت کے صیغے ہیں ان میں سے صرف اسمِ مفعول جو ہے اس کے لیے نَائِبُ الْفَاعِلِ چاہیے، باقی اسمِ فاعل ہے، صفتِ مشبہ ہے، اسمِ تفضیل ہے، مبالغہ کے صیغے وغیرہ ان سب کے لیے فاعل چاہیے ہوتا ہے۔

اور مصدر جو ہے، مصدر آپ جانتے ہیں کبھی معروف ہوتا ہے اور کبھی مجہول۔ تو معروف مصدر جو ہے اس کا اسناد جو ہے فاعل کی طرف ہوتا ہے اور جو مجہول مصدر ہوتا ہے اس کا اسناد نَائِبُ الْفَاعِلِ کی طرف ہوتا ہے۔ اور میں نے یہ بھی آپ کو بتلایا تھا کہ فعل کے لیے فاعل ضرور چاہیے، ایسا نہیں ہو سکتا فعل تو آ جائے اور آگے اس کے لیے فاعل یا نائب

فاعل نہ آئے۔ اسی طرح صفت کے صیغے بھی ہیں، وہ بھی جب کلام میں آئیں گے تو ان کے لیے بھی ہمیشہ فاعل یا نائب فاعل ضرور چاہیے۔ اسی طرح مصدر ہے، اس کے لیے بھی فاعل یا نائب فاعل ضرور ہوتا ہے، لیکن مصدر کے فاعل یا نائب فاعل کو عبارت میں ذکر کرنا ضروری نہیں۔ اس کے فاعل یا نائب فاعل کو کبھی ذکر کر دیا جاتا ہے اور کبھی ذکر نہیں کیا جاتا، اور نیز اکثر اوقات مصدر جو ہے اس کی اپنے فاعل کی طرف یا نائب فاعل کی طرف اضافت کر دی جاتی ہے۔

اس کے بعد صاحبِ کافیہ نے آپ کو یہ بھی بتلایا تھا کہ بابِ عَلِمْتُ کا مفعولِ ثانی اور بابِ أَعْلَمْتُ کا مفعولِ ثالث یہ فاعل کے مقام پر واقع نہیں ہو سکتے، یعنی ان کو آپ مَفْعُولُ مَا لَمْ يُسَمَّ فَاعِلُهُ نہیں بنا سکتے۔ وجہ یہ کہ بابِ عَلِمْتُ کا مفعولِ ثانی اور بابِ أَعْلَمْتُ کا مفعولِ ثالث یہ مسند ہیں بھائی۔ میں نے بتایا تھا کہ یہ بابِ عَلِمْتُ دو مفعول چاہتا ہے بھائی اور دونوں کی ذات ایک ہی ہوتی ہے، اور یہ حقیقت میں مبتدا خبر تھے۔ مثلاً زَيْدٌ عَالِمٌ، زَيْدٌ تھا مبتدا، عَالِمٌ تھا خبر۔ پھر اس کے بعد اس پر عَلِمْتُ داخل ہوا، اس نے دونوں کو اپنا مفعولِ اول اور ثانی بنا لیا، چنانچہ اب آپ کہیں گے عَلِمْتُ زَيْدًا عَالِمًا۔ تو اب بھی عَالِمًا کا اسناد زید ہی کی طرف ہے۔ دیکھو، عَلِمْتُ میں نے جانا، کیا جانا؟ زَيْدًا عَالِمًا کہ زید عالم ہے۔ تو میں نے زید کے عالم ہونے کو جانا۔ تو دیکھو ابھی بھی عالم ہونے کی نسبت زید کی طرف ہو رہی ہے، تو ابھی بھی یہ زید جو ہے یہ مسند الیہ کے درجے میں ہے اور یہ جو عَالِمًا ہے یہ مسند کے درجے میں ہے، ان کے درمیان اسناد موجود ہے۔

تو یہ جو عَالِمًا ہے، یہ مفعولِ ثانی جو ہے بابِ عَلِمْتُ کا، یہ مسند ہے۔ اور اگر آپ اس کو فاعل کے مقام پر واقع کر دیں گے تو فاعل جو ہے وہ تو مسند الیہ ہوتا ہے۔ تو اس وقت یہ مفعولِ ثانی مسند ہے اور آپ اس کو نائب الفاعل بنا دیں تو یہ مسند الیہ بھی ہو جائے گا، تو ایک ہی وقت میں ایک لفظ مسند بھی ہو گا اور مسند الیہ بھی ہو گا، اور اسناد بھی دونوں تام ہیں، دونوں تام ہیں۔ اگر دونوں اسناد تام نہ ہوں، ایک تام ہو اور ایک غیرِ تام ہو، پھر کوئی حرج نہیں ہے، لیکن دونوں تام ہوں اسناد تو اس صورت میں ایک ہی لفظ مسند اور مسند الیہ نہیں ہو سکتا۔ تو اس لیے بابِ عَلِمْتُ کا مفعولِ ثانی جو ہے وہ نائب الفاعل نہیں بن سکتا۔ جب کہ بابِ أَعْلَمْتُ کے اندر مفعولِ ثالث کا وہی حکم ہے جو مفعولِ ثانی کا تھا بابِ عَلِمْتُ میں۔ تو لہٰذا بابِ أَعْلَمْتُ کے مفعولِ ثالث کو بھی نائب الفاعل نہیں بنا سکتے، ورنہ ایک ہی لفظ کا ایک ہی وقت میں مسند اور مسند الیہ ہونا لازم آئے گا اور دونوں اسناد تام ہیں اور یہ جائز نہیں۔

اس کے بعد صاحبِ کافیہ نے بتلایا تھا کہ مَفْعُولٌ لَهُ اور مَفْعُولٌ مَعَهُ بھی اسی طرح ہیں، مَفْعُولٌ لَهُ اور مَفْعُولٌ مَعَهُ بھی اسی طرح ہیں۔ یہاں میں نے آپ کو بتلایا تھا کہ صاحبِ کافیہ نے چاروں کو اکٹھا ذکر نہیں کیا، وہ یوں کہہ دیتے کہ یہ چاروں فاعل کی جگہ واقع نہیں ہو سکتے، لیکن انہوں نے دو کے بارے میں کہا کہ بابِ عَلِمْتُ کا مفعولِ ثانی اور أَعْلَمْتُ کا مفعولِ ثالث یہ فاعل کی جگہ واقع نہیں ہو سکتے، ایک جملہ یہ کہا اور اگلا جملہ الگ کہا جس کے اندر مَفْعُولٌ لَهُ اور مَفْعُولٌ مَعَهُ کو ذکر کیا کہ وہ بھی انہی کی طرح ہیں، مَفْعُولٌ لَهُ اور مَفْعُولٌ مَعَهُ بھی انہی کی طرح ہیں یعنی یہ بھی فاعل کے مقام میں واقع نہیں ہو سکتے۔ تو

یہ دو کو الگ کیوں ذکر کیا اور ان دو کو الگ کیوں ذکر کیا، چاروں کو ایک ہی جملے میں اکٹھا ذکر کر دیتے؟ تو اس کا جواب میں نے بتلایا تھا کہ دراصل دونوں کے اندر علت الگ الگ ہے۔ پہلے دو کے اندر مانع جو ہے وہ معنوی ہے اور مَفْعُولٌ لَهُ اور مَفْعُولٌ مَعَهُ میں جو مانع ہے وہ لفظی ہے، یعنی لفظی وجہ ہے، کیا وجہ ہے؟ لفظی۔ جب کہ اس کے اندر پہلے دو کے اندر معنوی وجہ ہے کہ ایک ہی لفظ مسند اور مسند الیہ بنتا ہے بھائی۔

جب کہ مَفْعُولٌ لَهُ اور مَفْعُولٌ مَعَهُ میں لفظی وجہ ہے۔ مَفْعُولٌ لَهُ جو ہے میں نے بتلایا تھا وہ ماقبل فعل کی علت بیان کرتا ہے اور اصل میں عربی زبان میں علت کے لیے لام وضع ہے۔ لیکن اس لام کو کبھی کبھار حذف کر لیا جاتا ہے اور اس لفظ پر نصب پڑھا جاتا ہے اور اس کو پھر مَفْعُولٌ لَهُ کہتے ہیں اور یہ ماقبل فعل کی علت بیان کرتا ہے۔ لیکن اس کے لیے تین شرطیں ہیں۔ کس کے لیے؟ یہ لام کو حذف کرنے اور نصب دینے کے لیے تین شرطیں ہیں۔ پہلی شرط یہ کہ وہ صیغہ کیا ہو؟ مصدر ہو۔ دوسری شرط کیا؟ کہ اس مصدر اور ماقبل والے فعل جو ہے یعنی فعلِ مُعَلَّل بِهِ دونوں کا فاعل ایک ہی ذات ہونی چاہیے۔ اور تیسری شرط یہ کہ دونوں کا زمانہ ایک ہی ہونا چاہیے۔ جب یہ تین شرطیں پوری ہوں گی تو پھر آپ اس لفظ سے لام کو حذف کر کے اس پر نصب پڑھ کر اس کو مَفْعُولٌ لَهُ بنا سکتے ہیں۔

یہاں میں نے آپ کو بتلایا بھی تھا کہ بھائی ایک ہے جمہور کی اصطلاح اور ایک ہے صاحبِ کافیہ کی اصطلاح۔ جمہور کے نزدیک یہ مَفْعُولٌ لَهُ اس کو صرف اس وقت کہتے ہیں جب اس پر نصب آئے۔ جب لام موجود ہو پھر اس کو مَفْعُولٌ لَهُ نہیں کہتے، اس کو جار مجرور کہتے ہیں۔ جب کہ صاحبِ کافیہ دونوں صورتوں میں اس کو مَفْعُولٌ لَهُ کہتے ہیں، چاہے لام ہو چاہے نصب ہو دونوں صورتوں میں۔ تو مَفْعُولٌ لَهُ جو ہے وہ ماقبل فعل کی علت بیان کرتا ہے اور علت ہونے کا پتہ کس سے چلتا ہے؟ اس پر جو نصب ہوتا ہے، نصب بتلاتا ہے۔ تو اگر اس کو فاعل کا نائب بنا دیا جائے یعنی مَفْعُولُ مَا لَمْ يُسَمَّ فَاعِلُهُ بنا دیا جائے تو اس پر تو رفع آتا ہے، تو اس پر رفع پڑھنا پڑے گا، اور جب اس پر رفع پڑھیں گے تو اس کا نصب چلا جائے گا، اور نصب ہی سے تو پتہ چل رہا تھا کہ یہ ماقبل کی علت ہے۔ تو اب اس کے علت ہونے کا یعنی اس کے مَفْعُولٌ لَهُ ہونے کا پتہ ہی نہیں چلے گا۔

جب کہ اگر مَفْعُولٌ لَهُ لام کے ساتھ ہو جیسے کہ صاحبِ کافیہ کا مذہب ہے، پھر اس میں میں نے بتلایا تھا کہ صاحبِ جامی نے ذکر کیا کہ اس صورت میں پھر اس کو آپ نائب الفاعل بنا سکتے ہیں، ضُرِبَ لِلتَّأْدِيبِ۔ یہ لِلتَّأْدِيبِ کیا ہے؟ جار مجرور ہے اور یہ نائب الفاعل ہے ضُرِبَ کے لیے۔ اور میں نے بتایا تھا جار مجرور کو جب نائب الفاعل کہا جائے تو معنی یہ ہوتا ہے کہ اس کا جو مجرور ہے حقیقت میں وہ کیا ہے؟ نائب الفاعل۔ معلوم ہوا لِلتَّأْدِيبِ کے اندر جو یہ التَّأْدِيبُ آ رہا ہے یہ ہے نائب الفاعل، اور یہ لفظوں میں تو مجرور ہے کیونکہ لامِ جارہ اس پر داخل ہے، تو مجرور ہے لفظاً لیکن محلاً یہ مرفوع ہے، نائب الفاعل ہے ضُرِبَ کے لیے، اور یہ لِلتَّأْدِيبِ جار مجرور اسی ضُرِبَ سے متعلق ہیں بھائی۔ اور میں نے آپ کو یہ بھی بتلایا تھا کہ یہ جار

مجرور نائب الفاعل کیوں بنتا ہے؟ وجہ یہ کہ یہ مَفْعُولٌ بِهِ غَيْرُ صَرِيحٍ ہوتا ہے۔ ایک ہے مَفْعُولٌ بِهِ صَرِيحٌ، یعنی صاف لفظوں میں جو مَفْعُولٌ بِهِ ہے یعنی جس پر نصب آرہا ہے، ضَرَبْتُ زَيْدًا۔ یہ زَيْدًا کیا ہے؟ مَفْعُولٌ بِهِ صَرِيحٌ۔ اسی طرح یہ جو جار مجرور ہے یہ بھی مَفْعُولٌ بِهِ ہے لیکن یہ غیرِ صریح ہے، چونکہ فعل اس کو براہِ راست نصب نہیں دے سکتا تھا تو پھر ہم حروفِ جارہ کی مدد لیتے ہیں، تو یہ بھی حقیقت میں کیا ہے؟ مَفْعُولٌ بِهِ ہے۔ تو جب یہ مَفْعُولٌ بِهِ ہے تو یہ نائب الفاعل بھی بن سکتا ہے کیونکہ مَفْعُولٌ بِهِ نائب الفاعل بن سکتا ہے۔

اور نیز کہتے ہیں مَفْعُولٌ مَعَهُ بھی اسی طرح ہے یعنی وہ بھی فاعل کے مقام پر واقع نہیں ہو سکتا۔ اس لیے کیونکہ مَفْعُولٌ مَعَهُ وہ مفعول ہے جو واوٗ بمعنی مَعَ کے بعد آتا ہے، جَاءَنِي زَيْدٌ وَعَمْرًا۔ یہ عَمْرًا، یہ اس کا نصب بتلا رہا ہے یہ مَفْعُولٌ مَعَهُ ہے، کیونکہ واوٗ اگر واوٗ کو عطف کے لیے بنائیں گے تو پھر تو عَمْرًا کا عطف زید پر ہو گا اور زید تو مرفوع ہے تو عَمْرٌ ہونا چاہیے عَمْرًا نہیں۔ تو معلوم ہوا یہ واوٗ عطف کے لیے نہیں ہے بلکہ یہ عَمْرًا کیا ہے؟ اس کا نصب بتلا رہا ہے یہ مفعول مَفْعُولٌ مَعَهُ ہے اور یہ واوٗ بمعنی مَعَ کے ہے بھائی۔ اور پھر میں نے فرق بھی بتلایا تھا کہ ایک صورت یہ ہے کہ آپ اس واوٗ کو عطف کے لیے بنائیں، جَاءَ زَيْدٌ وَعَمْرٌو۔ اس صورت میں پھر ماقبل پر جو اعراب ہو گا وہی اعراب معطوف پر بھی آئے گا۔ اور دوسری صورت یہ ہے کہ آپ اس واوٗ کو بمعنی مَعَ کے کریں اور اس مابعد کو مَفْعُولٌ مَعَهُ بنائیں، اس صورت میں پھر نصب پڑھیں گے۔ اور دونوں میں فرق یہ ہے کہ جب آپ واوٗ کو عطف کے لیے بنائیں گے تو واوٗ جمع کا فائدہ دیتا ہے، وہ معطوف کو جمع کر دیتا ہے معطوف علیہ کے ساتھ اس حکم کے اندر جو جس کی اس کی طرف نسبت کی جا رہی ہے۔ مثلاً ضَرَبَ زَيْدٌ وَعَمْرٌو۔ زید کی طرف ضرب کی نسبت کی جا رہی ہے تو اس واوٗ نے عمرو کو بھی زید کے ساتھ جمع کر دیا یعنی اس کی طرف بھی ضرب کی نسبت ہے کہ اس نے بھی پٹائی کی ہے بھائی۔ تو اس میں واوٗ جمع کا فائدہ دیتا ہے اور یہ نیز یہ مطلق ہے، اس میں صرف اتنا پتہ چلا ضَرَبَ زَيْدٌ وَعَمْرٌو کہ زید اور عمرو دونوں نے پٹائی کی ہے، یہ اس میں مزید تفصیل نہیں کہ دونوں نے الگ الگ پٹائی کی یا اکٹھی کی، یا ایک وقت میں کی یا الگ الگ وقت میں کی، کوئی تفصیل نہیں یہ مطلق ہے۔ لیکن جب آپ کہیں گے ضَرَبَ زَيْدٌ وَعَمْرًا، یہ واوٗ بمعنی مَعَ کے، اس نے ایک اور فائدہ دیا اور وہ یہ کہ اس نے یہ بتلا دیا کہ زید اور عمرو نے اکٹھے پٹائی کی ہے۔ ضَرَبَ زَيْدٌ وَعَمْرٌو اس کے اندر یہ فائدہ نہیں اور ضَرَبَ زَيْدٌ وَعَمْرًا اس کے اندر یہ فائدہ ہے کہ یہ واوٗ بمعنی مَعَ کے ہے یہ بتلا رہا ہے کہ جس وقت زید نے ضرب لگائی ہے، زید نے پٹائی کی ہے، اسی وقت عمرو نے بھی اس کے ساتھ پٹائی کی ہے۔ تو ضَرَبَ زَيْدٌ وَعَمْرًا، زید نے پٹائی کی ہے عمرو کے ساتھ۔

تو یہ جو مَفْعُولٌ مَعَهُ ہے یہ واوٗ بمعنی مَعَ کے بعد آتا ہے اور اس کو بھی نائب الفاعل نہیں بنا سکتے یعنی اس کو فاعل کا قائم مقام نہیں کر سکتے۔ وجہ یہ کہ اس کو آپ فاعل کا قائم مقام یا تو واوٗ کے ساتھ ہی کریں گے، واوٗ کو ساتھ رکھیں گے، یا واوٗ کو حذف کر لیں گے، واوٗ کے بغیر اس کو نائب الفاعل بنائیں گے۔ اگر واوٗ کے بغیر نائب الفاعل بنائیں پھر تو یہ پتہ ہی نہیں

چلے گا کہ یہ پہلے کیا تھا مَفْعُولٌ مَعَهُ تھا، وہ واؤ ہی تو بتلا رہا تھا کہ یہ کیا ہے مَفْعُولٌ مَعَهُ۔ جب آپ واؤ کو حذف کر دیں گے پھر تو پتہ ہی نہیں چلے گا۔ اور اگر واؤ کے ساتھ آپ اس کو نائب الفاعل بنانا چاہتے ہیں تو بھی نہیں بنا سکتے اس لیے کیونکہ فاعل فعل کے لیے جزو کی طرح ہوتا ہے، فاعل کا فعل کے ساتھ بڑا سخت اتصال ہے حتیٰ کہ یہ فعل کے لیے جزو کی طرح ہے، اور واؤ، واؤ تو اصل میں عطف کے لیے ہوتا ہے اور کبھی اس کو پھر مَعَ کے معنی میں بھی استعمال کر لیا جاتا ہے تو یہ واؤ حقیقت میں انفصال پر دلالت کرتا ہے، کس پر؟ انفصال۔ جب دو چیزوں کے درمیان واؤ آئے تو یہ واؤ بتلا دیتا ہے کہ یہ دونوں الگ الگ ہیں، یہ ایک ہی چیز نہیں ہے۔ تو یہاں پر بھی اگر آپ مَفْعُولٌ مَعَهُ کو واؤ کے ساتھ نائب الفاعل بنائیں گے تو یہ واؤ تو انفصال پر دلالت کرے گا کہ یہ فعل سے الگ ہے، حالانکہ نائب الفاعل کا تو فعل کے ساتھ شدید اتصال ہوتا ہے، تو یہ واؤ کے ساتھ اس کو نائب الفاعل بنانا صحیح نہیں۔

اور پھر یہاں میں نے قیمتی نکتہ بھی بتلایا تھا کہ علامہ رضی نے اس مقام پر ذکر کیا ہے اپنی شرح کے اندر کہ فعل کے لیے نائب الفاعل اس چیز کو بنا سکتے ہیں جو فعل کے لیے ضروری ہو معنی کے اعتبار سے۔ یاد رکھو فعل کے لیے فاعل ضروری ہے لفظوں کے اعتبار سے بھی اور معنی کے اعتبار سے بھی۔ اور باقی کچھ چیزیں ہیں وہ فعل کے لیے لفظوں کے اعتبار سے تو ضروری نہیں یعنی ان کو چاہے ذکر کریں یا نہ کریں، لیکن معنی کے اعتبار سے وہ بھی

فعل کے لیے ضروری ہیں۔ جیسے مَفْعُولٌ بِهِ ہے، جیسے مَفْعُولٌ بِهِ۔ جیسے دیکھو ضرب، ضرب کے لیے ضرب جیسے ضارب کے بغیر نہیں ہو سکتی اسی طرح مضروب کے بغیر بھی نہیں ہو سکتی۔ تو معنی کے اعتبار سے مفعول بھی فعل کے لیے ضروری ہے، اگرچہ لفظوں میں ضروری نہیں، لفظوں میں اس کو حذف بھی کر لیتے ہیں۔ اور اسی طرح ہر فعل کے لیے کوئی نہ کوئی زمانہ بھی چاہیے اور کوئی نہ کوئی جگہ بھی چاہیے۔ تو ظرفِ زمان وہ بھی فعل کی ضروریات میں سے اور ظرفِ مکان یہ بھی کیا ہے؟ فعل کی ضروریات میں سے۔ اسی طرح مصدر ہے یعنی مفعولِ مطلق، وہ بھی فعل کے لیے ضروری اس لیے کیونکہ وہ فعل کا جزو ہے۔ فعل کا مفہوم مرکب ہوتا ہے تین چیزوں سے: مصدر، نسبت إلی الفاعل، اور زمانہ۔ تو دیکھو مصدر تو فعل کا جزو ہوتا ہے، تو جزو کے بغیر کل نہیں ہو سکتا تو مصدر یعنی مفعولِ مطلق بھی فعل کی ضروریات میں سے ہے۔ اور اسی طرح جار مجرور وہ تو مَفْعُولٌ بِهِ ہے حقیقت میں بھائی، وہ تو حقیقت میں مَفْعُولٌ بِهِ ہے اور مَفْعُولٌ بِهِ ابھی بیان ہو چکا کہ فعل کے لیے اس کا وجود ضروری ہے۔ تو یہ چیزیں جو ہیں یعنی مَفْعُولٌ بِهِ اور مَفْعُولٌ فِيهِ چاہے ظرفِ زمان ہو چاہے ظرفِ مکان ہو، اور اسی طرح مفعولِ مطلق اور جار مجرور، یہ سب فعل کی ضروریات میں سے ہیں، یعنی معنی کے اعتبار سے یہ فعل کے لیے ضروری ہیں، ان کے بغیر فعل ہو نہیں سکتا، تو ان کو فاعل کی جگہ قائم کرنا یعنی ان کو مَفْعُولُ مَا لَمْ يُسَمَّ فَاعِلُهُ بنانا جائز ہے۔

جب کہ مَفْعُولٌ لَهُ وہ فعل کے لیے ضروری نہیں، اس لیے کیونکہ بہت سے کام عبث ہوتے ہیں۔ مثلاً آپ بیٹھے ہوئے

ہیں، سوچ میں ڈوبے ہوئے ہیں، ہاتھ میں تنکا ہے اور اس تنکے سے آپ زمین کو کرید رہے ہیں۔ اب دیکھو آپ کا یہ کام عبث ہے، اس کے کرنے کا کوئی مقصد نہیں ہے۔ تو بعض فعل کیا ہوتے ہیں؟ عبث ہوتے ہیں۔ معلوم ہوا فعل کے لیے علت ہونا ضروری نہیں۔ جب کہ مَفْعُولٌ لَهُ وہ تو علت ہوتا ہے اور جب وہ فعل کے لیے ضروری نہیں، وہ فعل کی ضروریات میں سے نہیں، تو اس کو فاعل کے مقام پر واقع کرنا اور مَفْعُولُ مَا لَمْ يُسَمَّ فَاعِلُهُ بنانا جائز نہیں۔ اسی طرح مَفْعُولٌ مَعَهُ بھی ہے، مَفْعُولٌ مَعَهُ جو ہے وہ مصاحبت پر دلالت کرتا ہے کہ ایک ذات جو ہے وہ فاعل کے ساتھ ہے فعل کے کرنے میں، جیسے ضَرَبَ زَيْدٌ وَعَمْرًا۔ تو یہ عَمْرًا کیا ہے؟ ضرب لگانے میں زید کے مصاحب ہے، اس کا ساتھی ہے۔ تو یہ مَفْعُولٌ مَعَهُ یہ بھی فعل کی ضروریات میں سے نہیں اس لیے کیونکہ یہ مصاحبت پر دلالت کرتا ہے، حالانکہ تمام افعال میں مصاحب کا ہونا ضروری نہیں۔ مثلاً آپ اکیلے بیٹھے سبق پڑھ رہے ہیں، اب دیکھو آپ اکیلے سبق پڑھ رہے ہیں آپ کا کوئی مصاحب، آپ کا کوئی ساتھی آپ کے ساتھ اس پڑھنے میں شریک نہیں۔ یا اسی طرح آپ اکیلے کسی شخص کی پٹائی کرتے ہیں، اب دیکھو اس پٹائی کرنے میں آپ اکیلے ہیں کوئی آپ کا مصاحب اور کوئی ساتھی نہیں۔ تو معلوم ہوا مصاحب ہونا بھی فعل کے لیے ضروری نہیں ہے، تو لہٰذا مَفْعُولٌ مَعَهُ بھی نائب الفاعل نہیں بن سکتا یعنی اس کو فاعل کی جگہ واقع نہیں کر سکتے۔ تو مَفْعُولٌ لَهُ مصاحب ہونے پر دلالت کرتا ہے اور مصاحب ہونا تو ہر فعل میں ضروری نہیں لہٰذا مَفْعُولٌ مَعَهُ اس کو بھی فاعل کے مقام پر واقع نہیں کر سکتے۔ اسی طرح تمیز ہے، مستثنیٰ ہے اور حال ہے، یہ بھی نائب الفاعل نہیں بن سکتے، ان کو بھی آپ مَفْعُولُ مَا لَمْ يُسَمَّ فَاعِلُهُ نہیں بنا سکتے۔ بات سمجھ میں آگئی؟

اب آگے دیکھیے آج کا سبق بھائی، وَإِذَا وُجِدَ الْمَفْعُولُ بِهِ فِي الْكَلَامِ مَعَ غَيْرِهِ مِنَ الْمَفَاعِيلِ الَّتِي يَجُوزُ وُقُوعُهَا مَوْقِعَ الْفَاعِلِ تَعَيَّنَ أَيِ الْمَفْعُولُ بِهِ لَهُ أَيْ لِوُقُوعِهِ مَوْقِعَ الْفَاعِلِ۔ صاحبِ کافیہ نے آپ کو بتلا دیا کہ بابِ عَلِمْتُ اور أَعْلَمْتُ کا مفعولِ ثانی اور ثالث یہ نائب الفاعل نہیں بن سکتے۔ اسی طرح مَفْعُولٌ لَهُ اور مَفْعُولٌ مَعَهُ یہ بھی نائب الفاعل نہیں بن سکتے۔ باقی جو مفاعیل وغیرہ ہیں وہ فاعل کی جگہ واقع ہو سکتے ہیں، جیسے مَفْعُولٌ بِهِ ہے اور اسی طرح مَفْعُولٌ فِيهِ ہے اور اسی طرح مفعولِ مطلق ہے اور اسی طرح جار مجرور ہیں، یہ سب کیا ہیں؟ یہ فاعل کے مقام پر واقع ہو سکتے ہیں، یعنی ان کو آپ مَفْعُولُ مَا لَمْ يُسَمَّ فَاعِلُهُ بنا سکتے ہیں۔ تو اب اگر ایک جملے میں یہ سب اکٹھے ہو جائیں تو پھر کس کو نائب الفاعل بنائیں گے؟ تو صاحبِ کافیہ آپ کو ضابطہ بتلائیں گے کہ بھائی باقی وہ مفعول وغیرہ جن کو نائب الفاعل بنانا صحیح ہے، ان کے ساتھ اگر مَفْعُولٌ بِهِ موجود ہوا تو پھر واجب ہے اس مَفْعُولٌ بِهِ کو ہی نائب الفاعل بنایا جائے گا، وہی متعین ہے، اسی کو نائب الفاعل بنائیں گے۔ اور اگر مَفْعُولٌ بِهِ نہ ہو تو پھر چاہے ظرفِ زمان ہو، ظرفِ مکان ہو، مفعولِ مطلق ہو یا جار مجرور ہو تو پھر ان میں سے جس کو بھی آپ نائب الفاعل بنانا چاہیں بنا سکتے ہیں۔ لیکن اگر مَفْعُولٌ بِهِ موجود ہوا تو پھر وہ متعین ہے، اسی کو نائب الفاعل بنائیں گے۔

بھائی کیوں، کیا وجہ ہے مَفْعُولٌ بِهِ کیوں متعین ہے؟ کہتے ہیں وجہ یہ کہ فعل کا سمجھنا اس کے سمجھنے پر موقوف ہے۔ جیسے دیکھو ضرب، جیسے بغیر ضارب کے نہیں ہو سکتی، اسی طرح بغیر مضروب کے بھی نہیں ہو سکتی۔ شرب جو ہے پینا، پینے کے لیے جیسے ایک شارب پینے والا چاہیے، تو اس کے لیے مشروب بھی ضرور چاہیے، مشروب کے بغیر شرب کا فعل نہیں ہو سکتا بھائی۔ اسی طرح اکل کا معنی ہے کھانا، کھانے کے لیے جیسے ایک آکل کھانے والا چاہیے تو ماکول کوئی ایسی چیز جس کو کھایا گیا وہ بھی ضرور چاہیے، اس کے بغیر اکل والا فعل نہیں ہو سکتا۔ تو جیسے فعل کا تعقل بغیر فاعل کے نہیں ہو سکتا، یعنی فعل بغیر فاعل کے سمجھ میں نہیں آ سکتا، اسی طرح فعل کا تعقل بغیر مفعول کے بھی نہیں ہو سکتا۔ بات سمجھ میں آ گئی؟ باقی بھی فعل کے لیے معنی کے اعتبار سے کوئی جگہ بھی چاہیے جہاں فعل کیا گیا ہے، کوئی زمانہ بھی چاہیے، لیکن بہرحال وہ اس درجے کے نہیں ہیں، بات سمجھ میں آ گئی؟ وہ اس درجے کے نہیں یعنی ان کی طرف ذہن نہیں جاتا، جب کہ فاعل اور مفعول کی طرف ذہن فوراً جاتا ہے۔ جب آپ، جیسے ہی آپ نے کہا ضرب، سننے والا سمجھ گیا معلوم ہوا کوئی ضرب لگانے والا بھی ہو گا اور کوئی مضروب بھی ہو گا۔ ہاں زمانے اور جگہ کی طرف اس کا ذہن نہیں جاتا بھائی۔ تو وہ بھی ضروری ہیں فعل کے لیے لیکن فاعل اور مفعول کے بغیر تو فعل کا تعقل ہی نہیں ہو سکتا بھائی۔

تو کہتے ہیں دیکھیے پہلے متن متن۔ کہتے ہیں وَإِذَا وُجِدَ الْمَفْعُولُ بِهِ اور جب مَفْعُولٌ بِهِ پایا جائے یعنی کلام کے اندر مَفْعُولٌ بِهِ پایا جائے، تَعَيَّنَ لَهُ تو وہ متعین ہو جاتا ہے لَهُ اس فاعل کی جگہ واقع ہونے کے لیے۔ جب کلام کے اندر مَفْعُولٌ بِهِ پایا جائے تو وہ متعین ہو جاتا ہے فاعل کی جگہ واقع ہونے کے لیے۔ تَقُولُ مثلاً آپ کہتے ہیں بھائی، آگے صاحبِ کافیہ مثال بھی ذکر کر رہے ہیں۔ کہتے ہیں تَقُولُ آپ کہتے ہیں ضُرِبَ زَيْدٌ يَوْمَ الْجُمُعَةِ أَمَامَ الْأَمِيرِ ضَرْبًا شَدِيدًا فِي دَارِهِ۔ تو اس کا معنی سمجھ لیں بھائی۔ ضُرِبَ زَيْدٌ زید کی پٹائی کی گئی، يَوْمَ الْجُمُعَةِ جمعہ والے دن، أَمَامَ الْأَمِيرِ امیر کے سامنے۔ امیر بھائی اردو میں تو امیر دولت مند کو کہتے ہیں لیکن عربی زبان میں امیر حاکم کو کہتے ہیں۔ تو زید کی پٹائی کی گئی يَوْمَ الْجُمُعَةِ جمعہ والے دن أَمَامَ الْأَمِيرِ حاکم کے سامنے ضَرْبًا شَدِيدًا اور کیسی پٹائی تھی؟ سخت پٹائی، فِي دَارِهِ أَيْ فِي دَارِ زَيْدٍ کس کے گھر میں؟ زید کے گھر میں۔ اب دیکھو یہ ضَرْبًا شَدِيدًا مفعولِ مطلق ہے، اس کو اب ہم جملے کے اندر ہی لے آئیں گے، اس کا الگ ترجمہ نہیں کریں گے۔ اب ترجمہ سنیے بھائی۔ ضُرِبَ زَيْدٌ يَوْمَ الْجُمُعَةِ أَمَامَ الْأَمِيرِ ضَرْبًا شَدِيدًا فِي دَارِهِ، زید کی شدید پٹائی کی گئی جمعہ والے دن حاکم کے سامنے زید کے گھر میں، یا یوں کہو اس کے گھر میں۔ زید کی شدید پٹائی کی گئی اس کے گھر میں جمعہ والے دن حاکم کے سامنے۔ ترجمہ سمجھ میں آ گیا؟

دیکھو، ضُرِبَ فعلِ مجہول آیا اور زَيْدٌ یہ مَفْعُولٌ بِهِ تھا، اس کو کیا بنا دیا گیا؟ نائب الفاعل بنا دیا گیا، اس کو مَفْعُولُ مَا لَمْ يُسَمَّ فَاعِلُهُ بنا دیا گیا۔ اور ساتھ حالانکہ اور بھی وہ چیزیں موجود ہیں جو نائب الفاعل بن سکتی ہیں۔ يَوْمَ الْجُمُعَةِ یہ ظرفِ زمان ہے بھائی، مَفْعُولٌ فِيهِ ہے۔ أَمَامَ الْأَمِيرِ یہ ظرفِ مکان ہے امیر کے سامنے۔ بھائی امیر کے سامنے ہے یا امیر کے دائیں

طرف ہے یا امیر کے بائیں طرف ہے یہ سب کیا ہیں؟ جگہ ہیں بھائی، تو یہ ظرفِ مکان ہے یہ بھی اس جملے میں موجود ہے۔ ضَرْبًا شَدِيدًا دیکھو ماقبل میں فعل ضُرِبَ آیا اور آگے ضَرْبًا شَدِيدًا آیا، یہ مصدر ہے ضَرْبًا اور وہ مصدر جو ماقبل فعل کے معنی میں ہو اسے کیا کہتے ہیں؟ مفعولِ مطلق، تو یہ مفعولِ مطلق بھی اس جملے کے اندر موجود ہے اور یہ بھی نائب الفاعل بن سکتا ہے۔ يَوْمُ الْجُمُعَةِ بھی بن سکتا ہے، أَمَامُ الْأَمِيرِ بھی بن سکتا ہے، ضَرْبٌ شَدِيدٌ بھی بن سکتا ہے، اور آگے فِي دَارِهِ جار مجرور آرہا ہے اور جار مجرور بھی حقیقت میں کیا ہے؟ مَفْعُولٌ بِهِ ہے، البتہ غیرِ صریح ہے، تو یہ بھی نائب الفاعل بن سکتا ہے بھائی۔ لیکن جب زید یعنی مَفْعُولٌ بِهِ موجود تھا تو وہ متعین ہو گیا، اسی کو کیا بنا دیا گیا؟ نائب الفاعل یعنی مَفْعُولُ مَا لَمْ يُسَمَّ فَاعِلُهُ بنا دیا گیا۔ اگر زید اس جملے میں نہ ہو یعنی مَفْعُولٌ بِهِ نہ ہو، پھر چاہے آپ يَوْمَ الْجُمُعَةِ کو بنائیں نائب الفاعل، چاہے أَمَامَ الْأَمِيرِ کو، چاہے ضَرْبًا شَدِيدًا کو اور چاہے فِي دَارِهِ کو۔ اور جس کو بھی نائب الفاعل بنائیں گے آپ جانتے ہیں نائب الفاعل جو ہے مرفوع ہوتا ہے، پھر اس پر رفع پڑھیں گے۔ مثلاً ضُرِبَ يَوْمُ الْجُمُعَةِ پڑھیں گے۔ باقی سارے اسی طرح منصوب رہیں گے اور يَوْمُ الْجُمُعَةِ کو نائب الفاعل بنایا تو اس پر کیا پڑھو پھر؟ رفع پڑھو۔ ضُرِبَ يَوْمُ الْجُمُعَةِ جمعہ کے دن پٹائی کی گئی۔ اور اگر آپ أَمَامَ الْأَمِيرِ کو نائب الفاعل بناتے ہیں تو اس پر پھر رفع پڑھیں گے۔ تو کیسے پڑھیں گے؟ ضُرِبَ أَمَامُ الْأَمِيرِ۔ اور ضَرْبًا شَدِيدًا یہ مفعولِ مطلق جو ہے اس کو اگر آپ نائب الفاعل بناتے ہیں تو پھر اس پر رفع پڑھیں گے ضُرِبَ ضَرْبٌ شَدِيدٌ بھائی۔ اور فِي دَارِهِ یہ تو اسی طرح رہے گا ضُرِبَ فِي دَارِهِ، تو فِي دَارِهِ کو اگر آپ نائب الفاعل بنائیں گے تو دَارِهِ لفظاً تو مجرور ہے لیکن محلاً مرفوع ہے، نائب الفاعل ہے بھائی۔

تو کہتے ہیں تَقُولُ ضُرِبَ زَيْدٌ يَوْمَ الْجُمُعَةِ أَمَامَ الْأَمِيرِ ضَرْبًا شَدِيدًا فِي دَارِهِ فَتَعَيَّنَ زَيْدٌ تو زید کیا ہوا؟ متعین ہو گیا نائب الفاعل بننے کے لیے۔ وَإِنْ لَمْ يَكُنْ اور اگر مَفْعُولٌ بِهِ نہ ہو کلام کے اندر، فَالْجَمِيعُ سَوَاءٌ تو پھر سارے برابر ہیں۔ یعنی باقی سارے جو رہ گئے وہ سارے برابر ہیں، جس کو بھی آپ نائب الفاعل بنانا چاہیں آپ بنا لیں، لیکن مَفْعُولٌ بِهِ موجود ہو تو اسی کو بنانا پڑے گا مَفْعُولُ مَا لَمْ يُسَمَّ فَاعِلُهُ بھائی۔ تو کہتے ہیں وَإِنْ لَمْ يَكُنْ اور اگر مَفْعُولٌ بِهِ موجود نہ ہو کلام کے اندر فَالْجَمِيعُ سَوَاءٌ تو پھر باقی سارے جو ہیں سَوَاءٌ وہ برابر ہیں۔

وَالْأَوَّلُ مِنْ بَابِ أَعْطَيْتُ أَوْلَى مِنَ الثَّانِي اور بابِ أَعْطَيْتُ کے اندر جو اول مفعول ہے أَوْلَى وہ زیادہ لائق ہے مِنَ الثَّانِي مفعولِ ثانی کے مقابلے میں۔ بھائی میں نے آپ کو بتلایا تھا ایک بابِ عَلِمْتُ ہے، ایک بابِ أَعْطَيْتُ۔ بابِ عَلِمْتُ بھی دو مفعول چاہتا ہے، بابِ أَعْطَيْتُ بھی دو مفعول چاہتا ہے، لیکن دونوں میں فرق یہ ہے بابِ عَلِمْتُ سے مراد وہ دو مفعول ہیں جن کی ذات ایک ہی ہوتی ہے۔ عَلِمْتُ زَيْدًا عَالِمًا دیکھو یہ زَيْدًا اور عَالِمًا دونوں کی ذات ایک ہی ہے۔ عَلِمْتُ میں نے جانا، زَيْدًا عَالِمًا کہ زید عالم ہے۔ تو جو زید ہے وہی عالم بھی ہے، دونوں کی ذات ایک ہے۔ جب کہ بابِ أَعْطَيْتُ سے مراد وہ فعل ہے جو دو ایسے مفعول چاہتا ہے جن کی ذات الگ الگ ہوتی ہے۔ أَعْطَيْتُ زَيْدًا دِرْهَمًا تو یہ زَيْدًا مفعولِ اول اور دِرْهَمًا مفعولِ ثانی اور دونوں کی ذات الگ الگ ہے، زید اور ہے اور درہم اور چیز ہے۔ تو کہتے ہیں بابِ أَعْطَيْتُ

کے اندر جس کے اندر دونوں مفعولوں کی ذات الگ الگ ہوتی ہے، اس کے اندر آپ دونوں مفعولوں میں سے جس کو بھی چاہیں نائب الفاعل بنا سکتے ہیں، مفعولِ اول کو بھی اور مفعولِ ثانی کو بھی۔ لیکن، لیکن پہلے مفعول کو نائب الفاعل بنانا اولیٰ ہے۔ دونوں کو بنا سکتے ہیں لیکن پہلے مفعول کو نائب الفاعل بنانا بابِ أَعْطَيْتُ میں یہ اولیٰ ہے، بہتر ہے۔ وجہ یہ کہ اس کے اندر فاعلیت والا معنی ہے۔ أَعْطَيْتُ زَيْدًا دِرْهَمًا میں نے عطا کیا، میں نے دیا زَيْدًا زید کو دِرْهَمًا کیا دیا؟ درہم۔ میں نے زید کو درہم دیا۔ تو جب میں نے زید کو درہم دیا تو زید نے درہم لے لیا دیکھو۔ جب میں درہم دوں گا زید درہم لے لے گا۔ تو دیکھو میں نے اعطاء کا فعل کیا تو زید نے درہم لینے والا فعل کیا، تو یہ جو لینے والا فعل ہے اس کا فاعل کون ہے؟ زید۔ توجہ ہے؟ تو دیکھو یہاں زید کے اندر فاعلیت والا معنی پایا گیا بھائی، اور جس کے اندر فاعلیت والا معنی پایا جائے وہ زیادہ لائق ہے کہ اس کو فاعل کے قائم مقام بنایا جائے، اس کو مَفْعُولُ مَا لَمْ يُسَمَّ فَاعِلُهُ بنایا جائے۔ تو زید کے اندر کون سا معنی ہے؟ لینے والا، جب کہ درہم کے اندر لینے والا معنی نہیں بھائی، درہم کو تو دیا گیا ہے بھائی۔ تو کہتے ہیں الْأَوَّلُ مِنْ بَابِ أَعْطَيْتُ أَوْلَى مِنَ الثَّانِي، اول مفعول جو ہے بابِ أَعْطَيْتُ سے وہ زیادہ لائق ہے مفعولِ ثانی کے مقابلے میں۔ یہاں تک بات سمجھ میں آ گئی؟ اب دیکھیے شرح کے ساتھ بھائی سارے کو۔ کہتے ہیں وَإِذَا وُجِدَ الْمَفْعُولُ بِهِ فِي الْكَلَامِ اور جب مَفْعُولٌ بِهِ پایا جائے کلام کے اندر مَعَ غَيْرِهِ مِنَ الْمَفَاعِيلِ

مَعَ غَيْرِهِ، اوروں کے ساتھ۔ جب کلام میں پایا جائے مَعَ غَيْرِهِ اپنے غیر کے ساتھ، بھئی اپنے غیر سے کیا مراد ہے؟ کہتے ہیں مِنَ الْمَفَاعِيلِ الَّتِي يَجُوزُ وُقُوعُهَا مَوْقِعَ الْفَاعِلِ، یعنی وہ مفاعیل کہ جن کا فاعل کے مقام پر واقع ہونا جائز۔ بھئی آپ کو بتلایا مَفْعُولٌ لَهُ اور مَفْعُولٌ مَعَهُ وہ فاعل کے مقام پر واقع نہیں ہو سکتے، لیکن باقی مفاعیل فاعل کے مقام پر واقع ہو سکتے ہیں۔ تو جب مَفْعُولٌ بِهِ کے ساتھ اور وہ مفعول بھی موجود ہیں جو فاعل کے مقام پر واقع ہو سکتے ہیں، تو اس وقت پھر مَفْعُولٌ بِهِ خود بھی موجود ہے، تو مَفْعُولٌ بِهِ متعین ہو جائے گا۔ باقیوں کو بھی نائب الفاعل بنانا جائز تھا، اس کو بھی بنانا جائز، لیکن جب یہ موجود ہے تو یہی متعین ہو گا، اسی کو نائب الفاعل بنانا لازمی ہے بھئی۔

یہ معنی ہے کہ وَإِذَا وُجِدَ الْمَفْعُولُ بِهِ فِي الْكَلَامِ، اور جب مَفْعُولٌ بِهِ کلام کے اندر پایا جائے مَعَ غَيْرِهِ مِنَ الْمَفَاعِيلِ، مَعَ غَيْرِهِ اوروں کے ساتھ مِنَ الْمَفَاعِيلِ یعنی کہ وہ مفاعیل الَّتِي يَجُوزُ وُقُوعُهَا، وہ مفاعیل کہ جائز ہے ان کا واقع ہونا مَوْقِعَ الْفَاعِلِ فاعل کے مقام میں، تَعَيَّنَ أَيِ الْمَفْعُولُ بِهِ، تو متعین ہو گا، کون متعین ہو گا؟ آگے ضمیر کا مرجع بتلا دیا صاحبِ جامی نے: أَيِ الْمَفْعُولُ بِهِ، مَفْعُولٌ بِهِ متعین ہو گا، لَهُ اس کے لیے، بھئی کس کے لیے؟ ضمیر کا مرجع بتلا دیا: أَيْ لِوُقُوعِهِ مَوْقِعَ الْفَاعِلِ، فاعل کے مقام پر واقع ہونے کے لیے۔ مَفْعُولٌ بِهِ متعین ہو گا کس کے لیے؟ فاعل کے مقام پر واقع ہونے کے لیے بھئی۔

تو کہتے ہیں تَعَيَّنَ أَيِ الْمَفْعُولُ بِهِ لَهُ، تو مَفْعُولٌ بِهِ متعین ہو جائے گا أَيْ لِوُقُوعِهِ مَوْقِعَ الْفَاعِلِ، فاعل کے مقام پر واقع ہونے کے لیے۔ بھئی کیوں؟ یہ کیوں متعین ہو جائے گا؟ کہتے ہیں لِشِدَّةِ شَبَهِهِ بِالْفَاعِلِ۔ اس کو شَبَہ پڑھنا بھئی شَبَہ۔ میں نے بتایا تھا

ایک لفظ ہے شِبْهٌ، ایک ہے شَبَهٌ۔ شِبْهٌ کا معنی ہے مثل، اور شَبَهٌ کا معنی ہے مشابہت بھئی، مصدر ہے۔ اور دیکھو شِدَّت کا لفظ آرہا ہے، شِدَّت کس کے اندر ہوگی؟ مثل میں یا مشابہت میں؟ مشابہت میں شدت ہوتی ہے کہ مشابہت زیادہ ہوگی یا مشابہت زیادہ نہیں ہوگی۔ تو کہتے ہیں لِشِدَّةِ شَبَهِهِ بِالْفَاعِلِ، بوجہ اس کی شدید مشابہت ہونے کے فاعل کے ساتھ۔ بھئی کس چیز میں فاعل کے ساتھ اس کی شدید مشابہت ہے؟ کہتے ہیں فِي تَوَقُّفِ تَعَقُّلِ الْفِعْلِ عَلَيْهِمَا، اس بات میں کہ فعل کا تعقل موقوف ہے ان دونوں پر۔ فعل کا تعقل موقوف ہے ان دونوں پر، فعل کا سمجھنا ان دونوں پر موقوف ہے۔ ضرب کے لیے جیسے ضارب ضرور چاہیے مضروب بھی ضرور چاہیے، جیسے بغیر ضارب کے ضرب نہیں ہو سکتی اسی طرح بغیر مضروب کے بھی کبھی ضرب نہیں ہو سکتی بھئی۔ یہ معنی ہے فِي تَوَقُّفِ تَعَقُّلِ الْفِعْلِ عَلَيْهِمَا، فعل کے تعقل کا موقوف ہونا ان دونوں پر، اس بات میں اس کی شدید مشابہت ہے فاعل کے ساتھ۔ فَإِنَّ الضَّرْبَ مَثَلًا، جیسے ضرب جو ہے مثال کے طور پر، كَمَا أَنَّهُ لَا يُمْكِنُ تَعَقُّلُهُ بِلَا ضَارِبٍ، جیسے کہ ممکن نہیں ہے کہ اس کا تعقل کیا جائے بِلَا ضَارِبٍ بغیر کسی ضارب کے، كَذٰلِكَ لَا يُمْكِنُ تَعَقُّلُهُ بِلَا مَضْرُوبٍ، اسی طرح ممکن نہیں ہے کہ ضرب کا تعقل کیا جائے بغیر مضروب کے، بِخِلَافِ سَائِرِ الْمَفَاعِيلِ بخلاف باقی مفعولوں کے، فَإِنَّهَا لَيْسَتْ بِهٰذِهِ الصِّفَةِ اس لیے کیونکہ وہ اس صفت کے نہیں یعنی اس قسم کے نہیں ہیں یعنی ان کے بغیر بھی فعل کا تعقل ہو سکتا ہے۔ بھئی میں نے بتایا فعل کے لیے زمانہ بھی چاہیے، فعل کے لیے جگہ بھی چاہیے، لیکن وہ اس درجے کے نہیں، یعنی زمانہ تو فعل کے لیے ضرور چاہیے، جگہ بھی فعل کے لیے ضرور چاہیے، لیکن فعل کا تعقل ان پر موقوف نہیں ہے، فعل کا سمجھنا ان پر موقوف نہیں ہے، ہاں فعل کا وجود ان پر موقوف ہے کوئی نہ کوئی زمانہ بھی ہوگا کوئی نہ کوئی جگہ بھی، لیکن تعقل یعنی ذہن میں آنا، ذہن میں جب فعل آتا ہے تو زمانہ اور جگہ یہ فوراً ساتھ ذہن میں نہیں آتے اگرچہ وہ اس کے وجود کے لیے ضروری ہیں بھئی۔ بات سمجھ میں آگئی؟

کہتے ہیں تَقُولُ، آپ کہتے ہیں ضُرِبَ زَيْدٌ، ضُرِبَ زَيْدٌ، زید کی پٹائی کی گئی، معلوم ہوا یہ زید کیا تھا؟ مَفْعُولٌ بِهِ، اور اس کو فاعل کا قائم مقام کر دیا گیا۔ تو کہتے ہیں تَقُولُ ضُرِبَ زَيْدٌ، آپ ضُرِبَ زَيْدٌ کہتے ہیں بِإِقَامَةِ الْمَفْعُولِ بِهِ مَقَامَ الْفَاعِلِ، مَفْعُولٌ بِهِ کو فاعل کے قائم مقام کرتے ہوئے، يَوْمَ الْجُمُعَةِ ظَرْفُ زَمَانٍ، یومِ جمعہ جو ہے یہ ظرفِ زمان ہے، أَمَامَ الْأَمِيرِ ظَرْفُ مَكَانٍ، أَمَامَ الْأَمِيرِ جو ہے ظرفِ مکان ہے۔ بھئی يَوْمَ الْجُمُعَةِ، جمعہ کا دن یہ زمانے کا نام ہے، اور امیر کے سامنے ہو یا امیر کے دائیں طرف ہو یا امیر کے بائیں طرف ہو یہ سب کیا ہیں؟ جگہیں ہیں۔ تو کہتے ہیں يَوْمَ الْجُمُعَةِ ظَرْفُ زَمَانٍ أَمَامَ الْأَمِيرِ ظَرْفُ مَكَانٍ، ضَرْبًا شَدِيدًا مَفْعُولٌ مُطْلَقٌ لِلنَّوْعِ۔

بھئی دیکھیے صاحبِ کافیہ نے مثال ذکر کی، کیا مثال ذکر کی؟ ضُرِبَ زَيْدٌ يَوْمَ الْجُمُعَةِ أَمَامَ الْأَمِيرِ ضَرْبًا شَدِيدًا فِي دَارِهِ۔ صاحبِ جامی درمیان میں ہر ہر لفظ کے بارے میں بتلاتے جا رہے ہیں کہ یہ کیا ہے۔ يَوْمَ الْجُمُعَةِ آیا تو اس کے ساتھ انہوں نے ذکر کر دیا ظَرْفُ زَمَانٍ، کہ یہ کیا ہے؟ ظرفِ زمان۔ أَمَامَ الْأَمِيرِ آیا تو بتلایا ظَرْفُ مَكَانٍ، کہ یہ ظرفِ مکان۔ تو یہ ترکیب کیسے

ہو گی بھئی؟ یہ ظَرْفُ زَمَانٍ کیا واقع ہو رہا ہے جو صاحبِ جامی نے نکالا؟ تو یاد رکھو یَوْمَ الْجُمُعَةِ یہ اس کے لیے بتدا بنا دیا اور ظَرْفُ زَمَانٍ اس کی خبر ہے کہ یَوْمَ الْجُمُعَةِ کیا ہے؟ ظرفِ زمان ہے۔ اسی طرح أَمَامَ الْأَمِيرِ یہ ہے بتدا، اس کو بتدا بنا دیں، اور ظَرْفُ مَكَانٍ اس کے لیے کیا ہے؟ خبر ہے کہ أَمَامَ الْأَمِيرِ ظرفِ مکان ہے۔ اسی طرح ضَرْبًا شَدِيدًا یہ کیا ہے؟ اس کو بنا دیں بتدا اور مَفْعُولٌ مُطْلَقٌ یہ ہے اس کی خبر کہ ضَرْبًا شَدِيدًا یہ مفعولِ مطلق ہے۔ توجہ ہے؟

دیکھو اب یَوْمَ الْجُمُعَةِ، یَوْمَ الْجُمُعَةِ کے آگے ظَرْفُ زَمَانٍ نکالا، معلوم ہوا یَوْمَ الْجُمُعَةِ کیا؟ بتدا، اور ظَرْفُ زَمَانٍ کیا؟ خبر۔ بھئی بتدا تو مرفوع ہوتا ہے، اور یہاں تو یَوْمَ الْجُمُعَةِ اس پر نصب ہی پڑھیں گے کیونکہ کافیہ کا متن ہے اور متن کے اندر یہ مَفْعُولٌ فِيهِ بن رہا ہے، تو پھر یہ بتدا کیسے؟ اور بتدا ہے تو اس کو تو مرفوع ہونا چاہیے، اور ظَرْفُ زَمَانٍ اس کی خبر آپ بنا رہے ہیں۔ تو جواب یہ کہ بھئی آپ نے پڑھا تھا اعرابِ حکائی، آپ نے کیا پڑھا تھا؟ اعرابِ حکائی۔ تو یہ یَوْمَ الْجُمُعَةِ کہاں واقع ہے؟ صاحبِ کافیہ کے کلام میں، اور وہاں کیا واقع ہے یہ؟ مَفْعُولٌ فِيهِ ہے اس پر نصب ہے، تو یہاں پر بھی اس پر کیا پڑھا؟ نصب پڑھا، اعرابِ حکائی کے ساتھ ہی اس کو بتدا بنا دیا۔ تو یہ یَوْمَ الْجُمُعَةِ ظَرْفُ زَمَانٍ کی طرف نسبت کرتے ہوئے یَوْمَ الْجُمُعَةِ بتدا اور ظَرْفُ زَمَانٍ اس کی خبر، اور بتدا مرفوع ہوتا ہے تو یہ یَوْمَ الْجُمُعَةِ محلاً مرفوع ہے بھئی، محلاً مرفوع ہے ظَرْفُ زَمَانٍ کی طرف نسبت کرتے ہوئے۔ صاحبِ کافیہ کے کلام کے اندر تو یہ مَفْعُولٌ فِيهِ ہے منصوب ہے لیکن یہ جو صاحبِ جامی کی عبارت کے اعتبار سے یہ کیا بنائیں گے اس کو؟ ان کو بتدا خبر بنائیں گے۔

تو کہتے ہیں یَوْمَ الْجُمُعَةِ ظرفِ زمان ہے، أَمَامَ الْأَمِيرِ ظرفِ مکان ہے، ضَرْبًا شَدِيدًا مَفْعُولٌ مُطْلَقٌ یہ مفعولِ مطلق ہے لِلنَّوْعِ نوع کے لیے بھئی، نوع بتلانے کے لیے، قسم بتلانے کے لیے بِاعْتِبَارِ الصِّفَةِ صفت کے اعتبار سے۔

بھئی یہاں چند ضروری باتیں سمجھ لیں مفعولِ مطلق کے بارے میں۔ یاد رکھو یہ جو مفعولِ مطلق ہے اس کے تین بڑے فائدے علماء ذکر کرتے ہیں کتبِ نحو کے اندر۔ آپ ہدایۃ النحو میں بھی پڑھ چکے ہیں، آپ کافیہ میں بھی پڑھ چکے ہیں۔ یہ جو مفعولِ مطلق ہے یاد رکھو اس کے تین بڑے فائدے ہیں: ایک فائدہ تو یہ ہے کہ یہ تاکید کا فائدہ دیتا ہے۔ کس کا فائدہ؟ تاکید کا فائدہ دیتا ہے۔ تاکید کا معنی یہ ہے کہ یہ مجاز کے احتمال کو ختم کر دیتا ہے۔ خوب توجہ سے یہ بات سمجھ لو، یہ مجاز کے احتمال کو ختم کر دیتا ہے۔ مثلاً دیکھو بھئی آپ جانتے ہیں کہ ایک لفظ کا حقیقی معنی ہوتا ہے اور کبھی اسی لفظ کو دوسرے معنی میں بھی استعمال کر لیا جاتا ہے اور اس کو پھر مجازی معنی کہتے ہیں۔ جیسے «شیر»۔ شیر اردو زبان میں ایک جنگلی درندے کے لیے وضع کیا گیا ہے، اس کے لیے یہ لفظ مقرر کیا گیا ہے، لیکن یہی شیر کا لفظ بہادر آدمی کے لیے بھی استعمال کر لیتے ہیں۔ تو شیر کا لفظ جب جنگلی درندے کے لیے استعمال ہو تو پھر یہ اس کا حقیقی معنی ہے، تو اس صورت میں کہیں گے یہ لفظِ شیر حقیقت ہے یعنی یہ اپنے معنیِ موضوع لہ میں استعمال ہو رہا ہے یعنی جس کے لیے اس کو وضع کیا گیا، جس کے لیے اس کو مقرر کیا گیا ہے۔ اور جب شیر کا لفظ بول کر بہادر آدمی مراد لیا جائے، تو شیر کا لفظ تو بہادر آدمی کے لیے نہیں مقرر کیا گیا

تھا اس کے لیے تو یہ وضع نہیں ہے، تو یہ شیر کا لفظ استعمال ہوا غیرِ موضوع لہ معنی کے لیے، تو پھر اس صورت میں کہیں گے کہ یہ مجاز ہے، یہ مجاز۔ تو شیر کا حقیقی معنی کیا؟ جنگلی درندہ، اور شیر کا مجازی معنی کیا؟ بہادر آدمی۔ تو یہ شیر کا لفظ دونوں کے لیے استعمال ہوتا ہے اور وہ قرینہ ساتھ بتلا دے گا کہ یہ کس معنی کے لیے استعمال ہو رہا ہے۔ مثلاً میں آپ سے کہتا ہوں: کل میں چڑیا گھر گیا تھا، وہاں میں نے شیر دیکھا۔ اب اس شیر کا کیا معنی؟ جنگلی درندہ ہے، کیونکہ اس میں میں نے ذکر کیا میں چڑیا گھر گیا تھا اور وہاں تو وہ جنگلی درندہ موجود ہے، تو لہٰذا معلوم ہوا وہ جنگلی درندہ مراد ہے۔ اور دوسرا جملہ میں مثلاً کہتا ہوں: کل میں نے ایک شیر کو تیر چلاتے ہوئے دیکھا۔ اس شیر کا کیا معنی؟ بہادر آدمی، اس لیے کیونکہ اس کے ساتھ یہ قرینہ جو ہے تیر چلانا، وہ جو جنگلی درندہ ہے وہ تو تیر نہیں چلا سکتا، تو یہاں یہ تیر چلانے کا جو قرینہ ہے یہ بتلا رہا ہے کہ یہاں شیر کا مجازی معنی مراد ہے۔ یا دوسری مثال لے لو، ایک شخص مسجد کے اندر داخل ہوا، میں نے کہا «شیر آگیا»۔ اب دیکھو اس شیر کا کیا معنی ہے؟ بہادر آدمی، اس لیے کیونکہ یہاں قرینہ موجود ہے، مسجد کے اندر تو کوئی جنگلی درندہ نہیں آیا بلکہ ایک انسان داخل ہوا ہے، تو یہ قرینہ بتلا رہا ہے کہ یہاں شیر کس معنی میں ہے؟ بہادر آدمی کے معنی میں۔ تو ایک لفظ کا حقیقی معنی ہوتا ہے اور ایک مجازی معنی۔

بات میں کر رہا تھا کہ یہ جو مفعولِ مطلق ہے اس کے تین بڑے فائدے ہیں: پہلا فائدہ یہ ہے کہ یہ کبھی تاکید کے لیے آتا ہے۔ تاکید کا معنی یہ ہے کہ یہ اس فعل کو پکا کر دیتا ہے، کیا کر دیتا ہے؟ فعل کو پکا کر دیتا ہے، اس میں تاکید پیدا کر دیتا ہے، جیسے دوسرا لفظ آتا ہے وہ پہلے لفظ میں تاکید پیدا کرتا ہے۔ مثلاً میں نے آپ سے کہا: جَاءَنِي أَمِيرُ الْمُؤْمِنِينَ، امیر المؤمنین میرے پاس تشریف لائے تھے۔ جَاءَنِي أَمِيرُ الْمُؤْمِنِينَ میرے پاس امیر المؤمنین تشریف لائے تھے، سننے والوں کے ذہن میں آسکتا ہے کہ بھئی امیر المؤمنین وہ تو بڑے آدمی ہیں، وہ تو بڑے مصروف ہیں، وہ نہیں آئے ہوں گے، ہاں اپنے کسی قریبی کو بھیج دیا ہوگا، اور اس قریبی کے آنے کو بھی یوں سمجھو گویا خود کون آگئے؟ امیر المؤمنین آگئے۔ تو یہ جو متکلم نے کہا ہے نا جَاءَ أَمِيرُ الْمُؤْمِنِينَ، یہاں امیر المؤمنین سے حقیقی امیر المؤمنین نہیں مراد بلکہ ان کا کوئی قریبی یا ان کا نائب مراد ہے، تو یہ حقیقی معنی نہیں بلکہ مجازی معنی ہے یہاں پر۔ تو جب میں نے جَاءَ أَمِيرُ الْمُؤْمِنِينَ کہا تو سننے والوں کے ذہن میں آسکتا ہے کہ امیر المؤمنین سے امیر المؤمنین مراد نہیں یعنی حقیقی معنی مراد نہیں بلکہ کون سا معنی ہے؟ مجازی معنی۔ تو پھر میں دوبارہ امیر المؤمنین لاتا ہوں اور اب میں یوں کلام کرتا ہوں: جَاءَ أَمِيرُ الْمُؤْمِنِينَ أَمِيرُ الْمُؤْمِنِينَ۔ یہ جو دوبارہ میں امیر المؤمنین لایا اس نے پہلے امیر المؤمنین کو پکا کر دیا اور بتلا دیا کہ امیر المؤمنین بول کر امیر المؤمنین ہی مراد ہیں، کوئی اور مجازی معنی مراد نہیں۔ جب ایک لفظ کو دوبارہ ذکر کیا جائے تو وہ اسی لفظ کو پکا کر دیتا ہے۔

یا جیسے مثلاً میں نے کہا: ضَرَبْتُ زَيْدًا، میں نے زید کی پٹائی کی۔ تو کسی سننے والے کے ذہن میں یہ بات آسکتی ہے کہ بھئی زید تو بڑا طاقتور آدمی ہے کوئی اس کی پٹائی نہیں کر سکتا، ہاں اس کو ڈانٹ دیا ہوگا، لیکن اس ڈانٹنے کو ہی ضرب سے تعبیر کر دیا کہ میں نے اتنا ڈانٹا گویا یوں سمجھو پٹائی ہی کر دی۔ تو ضَرَبْتُ زَيْدًا میں نے کہا تو سننے والا خیال کر سکتا ہے کہ یہاں ضَرَبْتُ

فعل اپنے حقیقی معنی یعنی پٹائی کے معنی میں نہیں ہے بلکہ مجازی معنی یعنی ڈانٹنے کے معنی میں ہے۔ تو پھر میں آگے ضَرْبًا مفعولِ مطلق لاتا ہوں: ضَرَبْتُ ضَرْبًا۔ یہ جو آگے ضَرْبًا مفعولِ مطلق لایا اس نے ماقبل کے فعل میں تاکید پیدا کر دی، اس کو پکا کر دیا اور بتلا دیا کہ ضرب بول کر ضرب ہی مراد ہے، ڈانٹنا یا مجازی معنی مراد نہیں۔ تو مفعولِ مطلق دیکھو کیا فائدہ دے رہا ہے؟ تاکید کا۔ ضَرَبْتُ ضَرْبًا، اس ضَرْبًا نے کیا کیا؟ ضَرَبْتُ کو پکا کر دیا اور بتلا دیا کہ یہاں ضرب بول کر ضرب ہی مراد ہے کوئی مجازی معنی مراد نہیں۔ تو مفعولِ مطلق کبھی کس لیے لاتے ہیں؟ کلام میں تاکید پیدا کرنے کے لیے۔ کیا معنی تاکید؟ یعنی وہ اس فعل کو پکا کر دیتا ہے۔ ضَرَبْتُ ضَرْبًا، یہ مفعولِ مطلق پکا کر دیتا ہے کہ جو ماقبل میں فعل ذکر ہے اس کا حقیقی معنی ہی مراد ہے کوئی مجازی معنی مراد نہیں۔ تو مفعولِ مطلق تاکید کے لیے آتا ہے، تاکید کا کیا معنی؟ مجاز کے احتمال کو ختم کرنا۔ ضَرَبْتُ ضَرْبًا جب میں نے کہا تو اس ضَرْبًا نے کیا بتلایا؟ کہ ضَرَبْتُ سے ضرب ہی مراد ہے ڈانٹنا وغیرہ مجازی معنی مراد نہیں۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو مفعولِ مطلق کبھی کس لیے لاتے ہیں؟ تاکید کے لیے۔ کیا معنی تاکید کے لیے؟ کہ یہ مجاز کے احتمال کو ختم کر دیتا ہے اور بتلا دیتا ہے کہ یہ فعل بول کر یہی معنی مراد ہے کوئی اور معنی، مجازی معنی مراد نہیں ہے۔

یہ تو ہے ایک فائدہ مفعولِ مطلق کا۔ دوسرا فائدہ یہ ہے کہ مفعولِ مطلق...

بیٹھنا ایک خاص طریقے سے یا یوں کہو، جَلَسْتُ جُلُوسًا۔

جُلُوسًا۔ جُلُوس کا معنی بیٹھنا، اور ایک ہے جَلْسَةً، فَعْلَةً وزن جو ہے مصدر کے اندر وہ ایک مرتبہ کے لیے آتا ہے۔ تو جَلَسْتُ جَلْسَةً کا کیا معنی؟ میں ایک مرتبہ بیٹھا۔ میں ایک مرتبہ بیٹھا۔ طلبہ عموماً ترجمہ یہ کرتے ہیں: جَلَسْتُ میں بیٹھا جَلْسَةً ایک مرتبہ بیٹھنا۔ جَلَسْتُ جَلْسَةً میں بیٹھا ایک مرتبہ بیٹھنا۔ بھئی مفعولِ مطلق کا الگ ترجمہ نہیں کرتے، اس کو فعل کے اندر ہی لے آتے ہیں، تو جَلَسْتُ جَلْسَةً کا کیا ترجمہ ہو گا؟ میں ایک مرتبہ بیٹھا۔ اور جَلَسْتُ جَلْسَتَيْنِ میں دو مرتبہ بیٹھا، اور جَلَسْتُ جَلَسَاتٍ میں کئی مرتبہ بیٹھا۔ تو مفعولِ مطلق کا دوسرا فائدہ کیا؟ کہ یہ عددیان کرنے کے لیے آتا ہے کہ یہ فعل کتنی مرتبہ کیا گیا۔

اور مفعولِ مطلق کا تیسرا فائدہ یہ ہے کہ یہ نوع بتلانے کے لیے آتا ہے اور اس کے لیے فِعْلَةً وزن آتا ہے۔ فَعْلَةً وزن کس لیے تھا؟ عدد کے لیے، اور فِعْلَةً وزن کس لیے ہے؟ نوع کے لیے۔ جَلَسْتُ جِلْسَةَ الْقَارِئِ۔ جِلْسَةَ الْقَارِئِ قاری کی طرح بیٹھنا۔ تو جَلَسْتُ جِلْسَةَ الْقَارِئِ کیا ترجمہ کریں گے؟ ہاں، عموماً طلبہ ترجمہ کرتے ہیں جَلَسْتُ میں بیٹھا جِلْسَةَ الْقَارِئِ قاری کی طرح بیٹھنا۔ نہیں بھئی، جِلْسَةَ الْقَارِئِ کو جملے کے اندر لے آؤ۔ جَلَسْتُ جِلْسَةَ الْقَارِئِ میں قاری کی طرح بیٹھا۔

تو دیکھو یہاں مفعولِ مطلق نوع بتلانے کے لیے آیا ہے کہ میرا بیٹھنا کس نوع پر، کس قسم پر تھا؟ قاری کی طرح تھا بھئی۔ تو مفعولِ مطلق کے کتنے فائدے ہیں؟ تین فائدے: کبھی یہ تاکید کے لیے آتا ہے—تاکید کا کیا معنی؟ مجاز کے احتمال کو ختم کر دیتا ہے— کبھی یہ عددیان کرنے کے لیے آتا ہے کہ یہ فعل کتنی مرتبہ کیا گیا، اور کبھی یہ فعل کی نوع بتلانے کے لیے آتا ہے کہ یہ کس نوع کا فعل تھا، مثلاً میرا بیٹھنا کس نوع کا تھا، میرا بیٹھنا کس قسم کا تھا؟ قاری کی طرح بیٹھنا تھا بھئی، کس نوع پر تھا؟

قاری کی طرح بیٹھنا تھا۔

پھر اس میں یاد رکھو، یاد رکھو، توجہ سے سنو بھئی اہم قیمتی بات بتلانے لگا ہوں، یاد رکھو مفعولِ مطلق جب صرف تاکید کے لیے آئے، کس لیے آئے؟ تاکید کے لیے آئے، تو پھر اس کو نائب الفاعل نہیں بنا سکتے، اس کو مَفْعُولُ مَا لَمْ يُسَمَّ فَاعِلُهُ نہیں بنا سکتے۔ توجہ ہے؟ کیوں نہیں بنا سکتے؟ وجہ یہ، بھئی دیکھیے مفعولِ مطلق جب تاکید کے لیے آئے گا تو اس کے ساتھ کوئی قید وغیرہ نہیں ہو گی۔ ضَرَبْتُ ضَرْبًا، میں نے پٹائی کی۔ یہ ضَرْبًا نے کیا بتلایا؟ کہ ضرب بول کر ضرب ہی مراد ہے، کوئی ڈانٹنا وغیرہ کوئی مجازی معنی مراد نہیں۔ مجازی معنی مراد نہیں۔ اور اب آپ اس کو کیا بنانا چاہتے ہیں؟ نائب الفاعل بنانا چاہتے ہیں۔ بھئی دیکھو یہ جو فاعل ہوتا ہے فاعل، فاعل جو ہے فعل اس کا محتاج ہوتا ہے، فاعل سے وہ فائدہ حاصل ہو رہا ہے جو فعل سے حاصل نہیں۔ میں نے کہا ضَرَبَ۔ ضَرَبَ، ضَرَبَ فعل ہے، اور اس کا معنی مرکب ہے تین چیزوں سے، کون سی تین چیزیں؟ مصدر، زمانہ، اور نِسْبَتٌ إِلَى الْفَاعِلِ۔ تو فعل سے مصدر کا بھی پتہ چل گیا کہ ضرب والا فعل ہوا ہے، زمانے کا بھی پتہ چل گیا ضَرَبَ معلوم ہوا زمانۂ ماضی میں ہوا ہے، اور فاعل کی طرف نسبت بھی ہے لیکن فاعل کا پتہ نہیں۔ تو اب آپ جب آگے زَيْدٌ لے آتے ہیں ضَرَبَ زَيْدٌ، تو اس زَيْدٌ سے ایک نیا فائدہ حاصل ہوا جو لفظِ ضَرَبَ سے حاصل نہیں ہو رہا تھا۔ ضَرَبَ سے پتہ چل رہا تھا کہ یہ ضرب کس نے لگائی ہے؟ زید کو چھوڑ دیں ابھی زید آگے نہیں ہے، صرف ضَرَبَ لفظ، کیا اس سے پتہ چل گیا آپ کو کہ یہ ضرب کس نے لگائی ہے؟ بھئی اس کا فاعل تو زید بھی آسکتا ہے، عمرو بھی آسکتا ہے، بکر بھی آسکتا ہے، خالد بھی آسکتا ہے، اس کے اندر هُوَ ضمیر بھی آسکتی ہے جو ان میں سے کسی ایک کی طرف لوٹ رہی ہو۔ تو صرف ضَرَبَ فعل ہو اس سے فاعل کا پتہ نہیں چلتا، اتنا تو پتہ چلتا ہے کہ کوئی ضرب لگانے والا ہے، لیکن کون ہے؟ پتہ نہیں۔ آگے جب فاعل آئے گا تو ایک نئی بات کا آپ کو پتہ چل گیا جس کا آپ کو ضَرَبَ سے پتہ نہیں چل رہا تھا۔ تو فاعل کیا ہوتا ہے؟ اس سے ایک نیا فائدہ حاصل ہوتا ہے اور وہ فائدہ فعل سے حاصل نہیں ہو رہا تھا۔

تو فاعل سے ہمیشہ ایک نیا فائدہ حاصل ہوتا ہے تاکہ پتہ چل جائے کہ فعل اس کا محتاج ہے۔ بھئی کوئی فعل بغیر فاعل یا نائب فاعل کے ہو سکتا ہے؟ نہیں، تو فعلِ معروف کے لیے ہمیشہ فاعل چاہیے۔ اور جب آپ فاعل کو ذکر کرتے ہیں تو ایک ایسا نیا فائدہ حاصل ہو جاتا ہے جو فعل سے حاصل نہیں ہو رہا تھا۔ آپ جب آگے ضَرَبَ زَيْدٌ کہتے ہیں، کیا یہ لفظِ زَيْدٌ نے جس ذات پر دلالت کی اس کا پتہ ضَرَبَ سے چل رہا تھا؟ اس کا ضَرَبَ سے پتہ نہیں چل رہا تھا۔ تو فاعل سے ایک نیا فائدہ حاصل ہوتا ہے جو فائدہ ہمیں فعل سے حاصل نہیں ہو رہا تھا۔ اگر فعل سے ہی ہمیں فاعل کا پتہ چل جائے پھر تو آگے فاعل لانے کی ضرورت ہی نہیں ہے۔ اور فعل فاعل کا محتاج ہے یا نہیں؟ توجہ ہے؟ فعل فاعل کا محتاج، ہر فعلِ معروف کے لیے ہمیشہ کیا چاہیے؟ فاعل۔ فاعل کا پتہ فعل سے نہیں چلتا کیونکہ فعل کا مفہوم مرکب ہے کتنی چیزوں سے؟ مصدر، زمانہ اور نِسْبَتٌ إِلَى الْفَاعِلِ۔ بس اتنا پتہ ہے اس فعل کی نسبت ہے کسی فاعل کی طرف لیکن وہ فاعل کون ہے وہ فعل سے پتہ نہیں چل رہا، وہ ضَرَبَ سے پتہ نہیں چل رہا، اس کے لیے اسی ضَرَبَ کے اندر یا تو هُوَ ضمیر لانا پڑے گی، هُوَ ضمیر کو ماننا پڑے گا

اور وہ هُوَ ضمیر زید کو مثلاً لوٹ رہی ہے، یا آگے لفظِ زید کو لانا پڑے گا۔ تو دیکھو جب فاعل کو لایا جائے گا تو اب ایک نیا فائدہ حاصل ہوا اور وہ فائدہ لفظِ فعل سے حاصل نہیں ہو رہا تھا۔ اور اسی سے یہ بھی پتہ چل گیا کہ فعل فاعل کا محتاج ہوتا ہے۔ کیوں محتاج ہوتا ہے؟ کیونکہ فاعل سے ایک ایسا فائدہ حاصل ہوتا ہے جو خود فعل سے حاصل نہیں ہو رہا۔ میں نے کہا ضُرِبَ، بھئی ضرب تو لگی ہے لیکن کس نے لگائی؟ پتہ ہی نہیں۔ کوئی نہ کوئی فاعل چاہیے یا نہیں چاہیے؟ فاعل تو ضرور چاہیے، تو آگے زَیْدٌ یا عَمْرٌو یا بَکْرٌ یا خَالِدٌ جب میں کوئی لفظ لاؤں گا تو ایک نئی بات کا پتہ چل گیا کہ یہ ضرب کس نے لگائی ہے؟ مثلاً زید نے لگائی ہے۔ تو فعل کیا ہے؟ فاعل کا محتاج ہے کیونکہ فاعل ایک نیا فائدہ دیتا ہے اور وہ فائدہ فعل سے حاصل نہیں ہو رہا تھا۔

لہٰذا جو فاعل کے قائم مقام جس کو آپ بنائیں اس میں بھی کوئی نیا فائدہ حاصل ہونا چاہیے جو فائدہ ہمیں فعل سے حاصل نہ ہو۔ توجہ ہے؟ فاعل سے ہمیں ایک نیا فائدہ حاصل ہوتا ہے۔ نیا فائدہ کیا معنی؟ ایک نئی بات کا ہمیں پتہ چلتا ہے۔ ضُرِبَ زَیْدٌ یہ زَیْدٌ کو ختم کرو، کچھ پتہ چلے گا کہ یہ ضرب کس نے لگائی ہے؟ نہیں، تو اس فاعل سے ہمیں ایک نئی بات کا پتہ چلتا ہے اور اس فعل سے اس بات کا پتہ نہیں چل رہا تھا۔ لہٰذا جب آپ فاعل کو حذف کریں، فعلِ مجہول لائیں اور جس چیز کو آپ فاعل کا قائم مقام بنانا چاہتے ہیں وہ چیز بھی ایسی ہونی چاہیے کہ اس سے ایک نیا فائدہ حاصل ہو جو فعل سے حاصل نہیں ہو رہا۔ اس سے ایک نیا فائدہ حاصل ہونا چاہیے جو فعل سے حاصل نہ ہوا ہو۔ توجہ ہے؟ لہٰذا مفعولِ مطلق جب تاکید کے لیے لائیں، جب مفعولِ مطلق تاکید کے لیے لاتے ہیں تو اس کے ساتھ کوئی صفت وغیرہ کچھ بھی ذکر نہیں ہوتی۔ ضَرَبْتُ ضَرْبًا، یہ ضَرْبًا کیا ہے؟ یہ مفعولِ مطلق ہے لیکن یہ صرف تاکید کے لیے ہے، عدد کے لیے بھی نہیں کیونکہ عدد کے لیے تو ضَرْبَةً فَعْلَةً وزن آتا ہے، اور یہ نوع کے لیے بھی نہیں ہے، تو یہ صرف معلوم ہوا صرف تاکید کے لیے ہے۔ تو اس کو اب آپ نائب الفاعل نہیں بنا سکتے، یعنی آپ اس کو فاعل کا قائم مقام نہیں کر سکتے۔ کیوں نہیں کر سکتے؟ کیونکہ اس سے کوئی نئی بات ہمیں نہیں معلوم ہو رہی۔ مثلاً آپ کیا کہنا چاہتے ہیں؟ ضُرِبَ، اصل میں کیا تھا ضَرَبْتُ ضَرْبًا، ضَرَبْتُ ضَرْبًا، پھر ضُرِبَ فعلِ مجہول لایا گیا اور تاء ضمیر فاعل کی تھی اس کو حذف کر لیا گیا اور اب آپ ضَرْبًا کو کیا بنانا چاہتے ہیں؟ نائب الفاعل، اور کیا کہنا چاہتے ہیں ضُرِبَ ضَرْبٌ؟ ضُرِبَ ضَرْبٌ، آپ نے کس کو بنایا نائب الفاعل؟ ضَرْبٌ کو، تو فاعل کو آپ نے حذف کیا اور ضَرْبٌ کو اس کا قائم مقام بنایا۔ لیکن فاعل تو ایک نیا فائدہ دیتا تھا اور یہ ضَرْبٌ کوئی نیا فائدہ نہیں دے رہا۔ ضَرْبٌ، بھئی ضُرِبَ پیچھے فعل آیا اور اسی فعل کے اندر مصدر ضَرْبٌ موجود تھا یا نہیں؟ تو اسی سے ضَرْبٌ تو ہمیں اسی سے سمجھ میں آگیا تھا، تو آگے جو ضَرْبٌ آیا اس سے کوئی نیا فائدہ حاصل نہیں ہو رہا، لہٰذا اس کو نائب الفاعل نہیں بنا سکتے۔

بات سمجھ میں آئی کیا؟ کہ فاعل جو ہے اس سے ہمیشہ ایک ایسا نیا فائدہ حاصل ہوتا ہے جو فائدہ ہمیں فعل سے حاصل نہیں ہو رہا تھا، فعل کے اندر فاعل نہیں تھا، فعل کے اندر صرف تین چیزیں ہیں، فعل کا مفہوم ہے وہ صرف تین چیزوں سے مرکب ہے، ایک مصدر ہوتا ہے اسی فعل کا، ایک اس کے اندر زمانہ ہوتا ہے اور ایک نِسْبَتٌ إِلَى الْفَاعِلِ۔ تو فاعل کی

طرف صرف نسبت ہے، پھر آگے آپ فاعل یا اسمِ ظاہر لاتے ہیں یا اسی کے اندر ضمیر مان لیتے ہیں۔ جب ضمیر مان لی پھر تو فاعل آگیا، ہم اس کی بات نہیں کر رہے، پھر تو جملہ بن گیا بھئی۔ ہم اس کے بغیر کی بات، اس کے علاوہ کی بات کر رہے ہیں کہ ضمیر اور آگے فاعل وغیرہ کچھ بھی نہیں ہے، اب جو فعل ہے اس سے فاعل کا پتہ نہیں چل رہا، اس کی نسبت تو ہے کسی فاعل کی طرف لیکن وہ کون ہے پتہ نہیں چل رہا۔ آگے جب لفظِ زَیْدٌ آئے گا تو اس سے پتہ چل جائے گا کہ یہ ضرب کس نے لگائی ہے؟ زید نے، یا اس کے اندر جب ھُوَ ضمیر آجائے گی اور وہ پیچھے مرجع کی طرف لوٹے گی تو اس سے بھی ہمیں فاعل کا پتہ چل جائے گا۔ تو فاعل سے ایک نئے فائدے کا علم ہوتا ہے اور وہ فائدہ فعل سے حاصل نہیں۔ لہٰذا فاعل کا قائم مقام جس چیز کو آپ کرنا چاہتے ہیں اس سے بھی کوئی نیا فائدہ حاصل ہونا چاہیے، ورنہ اس کو فاعل کے قائم مقام آپ نہیں کر سکتے۔ اور ضُرِبَ ضَرْبٌ یہ اصل میں کیا تھا؟ ضَرَبْتُ ضَرْبًا تھا، کیا تھا؟ پھر آپ نے ضَرَبْتُ کو فعلِ مجہول بنایا اور تاء ضمیر فاعل کی تھی اس کو حذف کر لیا، کیا بنا؟ ضُرِبَ، ضُرِبَ ضَرْبًا ہے اور اس ضَرْبًا کو آپ کیا بنانا چاہتے ہیں؟ نائب الفاعل بنانا چاہتے ہیں یعنی فاعل کے مقام پر واقع کرنا چاہتے ہیں۔ کہتے ہیں نہیں کر سکتے، اس لیے کیونکہ اس سے کوئی نیا فائدہ حاصل نہیں ہو رہا۔ کیونکہ ضرب مصدر ہے اور مصدر کا پتہ تو ہمیں ضُرِبَ سے ہی چل گیا تھا، فعل کے اندر کتنی چیزیں ہوتی ہیں معنی کے اندر؟ تین، ان میں سے پہلی چیز مصدر ہے، تو ضُرِبَ سے ہی ضرب سمجھ میں آگیا تھا، تو آگے ضَرْبٌ اس کو نائب الفاعل نہیں بنا سکتے کیونکہ اس سے کوئی نیا فائدہ حاصل نہیں ہوا۔ یہ ضرب تو ہمیں ضُرِبَ سے ہی سمجھ میں آگیا تھا، تو اس ضَرْبٌ کو آپ کیا کرنا چاہتے ہیں؟ نائب الفاعل بنانا چاہتے ہیں فاعل کی جگہ پر، لیکن اس سے تو کوئی نیا فائدہ ہی حاصل نہیں ہو رہا۔ بات بھی سمجھ میں آرہی ہے کہ نہیں؟ تو لہٰذا اس کو فاعل کا نائب نہیں بنا سکتے۔

ہاں، ضُرِبَ ضَرْبَةٌ، ضَرْبَةٌ کو آپ نائب الفاعل بنا سکتے ہیں۔ کیوں؟ اس سے ایک نیا فائدہ حاصل ہوا، کیا؟ عدد کا پتہ چلا۔ ضَرَبْتُ ضَرْبَةً کا کیا معنی تھا؟ میں نے ایک ضرب لگائی۔ جَلَسْتُ جَلْسَةً کا کیا معنی تھا؟ میں ایک مرتبہ بیٹھا۔ تو یہ جو فَعْلَةٌ وزن مصدر میں آتا ہے یہ عددیان کرنے کے لیے آتا ہے۔ تو جب میں نے کہا ضُرِبَ ضَرْبَةٌ، کیا معنی؟ ضُرِبَ ضَرْبَةٌ، ایک ضرب لگائی۔ یہ ایک کا معنی کہاں سے حاصل ہوا؟ یہ ضَرْبَةٌ سے حاصل ہوا۔ دیکھو اس میں اب جدید فائدہ آرہا ہے، وہ ضُرِبَ کے اندر ضَرْبٌ تو تھا لیکن وہ ضَرْبٌ مطلق تھا، اس میں ایک یا زیادہ کی قید نہیں، لیکن ضَرْبَةٌ سے ایک نیا فائدہ آگیا، لہٰذا ضُرِبَ ضَرْبَةٌ، یہ ضَرْبَةٌ کو تو آپ نائب الفاعل بنا سکتے ہیں یعنی فاعل کا قائم مقام کر سکتے ہیں، کیونکہ اس سے ایک نیا فائدہ حاصل ہو رہا ہے۔

تو لہٰذا وہ مفعولِ مطلق جو تاکید کے لیے آئے وہ نائب الفاعل نہیں بن سکتا۔ ضَرَبْتُ ضَرْبًا یہ ضَرْبًا کس لیے ہے؟ تاکید کے لیے۔ اور ضَرَبْتُ ضَرْبَةً یہ تاکید کے لیے نہیں ہے، یہ تو فَعْلَةٌ وزن ہے اور فَعْلَةٌ وزن مصدر میں عدد کے لیے آتا ہے، اور فِعْلَةٌ وزن کس لیے آتا ہے؟ نوع بیان کرنے کے لیے۔ تو لہٰذا ضَرَبْتُ ضَرْبَةً یہ عددیان کرنے کے لیے آیا اس کو آپ نائب

الفاعل بنا سکتے ہیں، یا جَلَسْتُ جِلْسَةَ الْقَارِئِ یہ جِلْسَةَ الْقَارِئِ کس لیے آیا؟ نوع بیان کرنے کے لیے، تو اس کو بھی آپ نائب الفاعل بنا سکتے ہیں۔ حاصلِ کلام کیا؟ کہ فاعل سے چونکہ ایک نیا فائدہ حاصل ہوتا ہے لہٰذا فاعل کا قائم مقام جس کو بنائیں اس سے بھی کوئی نیا فائدہ حاصل ہونا چاہیے، پھر ہی آپ اس کو فاعل کا قائم مقام کر سکتے ہیں ورنہ نہیں۔ لہٰذا ضُرِبَ ضَرْبٌ آپ نہیں کہہ سکتے، ہاں ضُرِبَ ضَرْبَةٌ آپ کہہ سکتے ہیں۔

اسی طرح، اسی طرح ضُرِبَ شَيْءٌ بھی آپ نہیں کہہ سکتے۔ ضُرِبَ شَيْءٌ، کیا معنی؟ پٹائی کی گئی کسی چیز کی۔ اس سے کوئی نیا فائدہ حاصل ہوا؟ بھئی اتنا تو ضُرِبَ سے ہی ہمیں پتہ چل گیا تھا کہ کسی نہ کسی چیز کی پٹائی ہوئی ہے، ضُرِبَ۔ توجہ ہے؟ کسی نہ کسی چیز کی پٹائی ہوئی ہے لہٰذا شَيْءٌ کو نائب الفاعل نہیں بنا سکتے، کوئی نیا فائدہ نہیں ہے۔ کوئی نیا فائدہ ہو تو پھر آپ اس کو فاعل کا قائم مقام کر سکتے ہیں۔ تو شَيْءٌ ضُرِبَ شَيْءٌ، آپ شَيْءٌ کو کیا بنانا چاہتے ہیں؟ نائب الفاعل یعنی فاعل کا قائم مقام کرنا چاہتے ہیں، بھئی فاعل سے تو ایک نیا فائدہ حاصل ہو رہا ہے تو اس سے بھی نیا فائدہ ہونا چاہیے اور اس سے کوئی نیا فائدہ ہوا نہیں، ضُرِبَ سے تو ہمیں پتہ چل رہا ہے کہ کسی نہ کسی چیز کی تو پٹائی ہوئی ہے، تو شَيْءٌ لانے سے کوئی فائدہ نہیں۔

اسی طرح جُلِسَ مَكَانٌ، بیٹھا گیا کسی جگہ پر۔ جُلِسَ مَكَانٌ کسی جگہ پر بیٹھا گیا، یہ آپ نہیں کہہ سکتے۔ کیوں؟ کیونکہ کوئی نیا فائدہ نہیں ہے۔ جُلِسَ بیٹھا گیا، بھئی بیٹھا کسی جگہ پر ہی جائے گا نا، تو یہ تو جُلِسَ سے ہی ہمیں سمجھ میں آ رہا ہے کہ کسی نہ کسی جگہ پر بیٹھا گیا ہو گا اور پھر آگے مَكَانٌ لائے، کوئی جگہ۔ بھئی کوئی خاص جگہ ہوتی پھر تو آپ کیا کرتے؟ نائب الفاعل بناتے، ایک نیا فائدہ حاصل ہوتا، لیکن جُلِسَ مَكَانٌ اس میں مَكَانٌ، مَكَانٌ کا معنی تو جگہ ہے، کوئی جگہ دنیا کی، اور یہ تو بات ہمیں جُلِسَ سے ہی سمجھ میں آ رہی تھی کہ کسی نہ کسی جگہ پر بیٹھا گیا ہے۔ ہاں، اس مَكَانٌ کی کوئی صفت لے آؤ پھر نیا فائدہ آ جائے گا، پھر اس کو آپ بنا سکتے ہیں، جُلِسَ مَكَانٌ عَالٍ، اونچی جگہ پر بیٹھا گیا۔

اب یہ نیا فائدہ آ گیا، لہٰذا اب اس کو آپ نائب الفاعل بنا سکتے ہو۔ اسی طرح جُلِسَ زَمَانٌ، کسی زمانے میں بیٹھا گیا۔ بھئی اتنی بات تو ہمیں جُلِسَ سے ہی سمجھ میں آ گئی تھی، بیٹھنا ہمیشہ کسی نہ کسی زمانے میں ہی ہو گا، تو زَمَانٌ لانے سے کوئی نیا فائدہ ہوا؟ نہیں، لہٰذا اس کو بھی آپ نائب الفاعل نہیں بنا سکتے۔ اسی طرح جُلِسَ فِي مَوْضِعٍ، کسی جگہ پر بیٹھا گیا، یہ جار مجرور کو آپ نائب الفاعل بنانا چاہتے ہیں۔ نہیں بھئی، نہیں بنا سکتے کیونکہ کوئی نیا فائدہ نہیں۔ جُلِسَ کا کیا معنی؟ بیٹھا گیا، تو ظاہر سی بات ہے کوئی جگہ ہی ہو گی جہاں بیٹھا گیا ہے، تو فِي مَوْضِعٍ اس سے کوئی جگہ کی تعیین ہوئی؟ نہیں۔ تو توجہ ہے؟ تو یہ جو مثالیں ہیں دیکھو ان میں کوئی تعیین نہیں آ رہی، تعیین بھی نہیں ہے، تخصیص بھی نہیں ہے، جیسے ضُرِبَ شَيْءٌ کی مثال گزری، کوئی تعیین ہوئی کس کی پٹائی ہوئی ہے؟ جُلِسَ مَكَانٌ کوئی تعیین ہوئی کس جگہ بیٹھا گیا؟ جُلِسَ زَمَانٌ کوئی تعیین ہوئی کس زمانے میں ہے؟ یا اسی طرح جُلِسَ فِي مَوْضِعٍ کسی جگہ بیٹھا گیا، کوئی تعیین نہیں، یعنی تعیین بھی نہیں ہے تخصیص بھی نہیں

ہے، کوئی تخصیص والا لفظ ہی لے آؤ کچھ تو نیا فائدہ ہو جائے۔ جُلِسَ فِي مَوْضِعٍ بیٹھا گیا ایک جگہ پر، یہ تو ہمیں جُلِسَ سے ہی سمجھ میں آرہا تھا جب بیٹھا گیا ہے تو کوئی نہ کوئی جگہ ہی ہوگی۔ ہاں، مَوْضِعٍ کی صفت لے آؤ جس سے تخصیص آجائے، جُلِسَ فِي مَوْضِعٍ عَالٍ، اونچی جگہ پر بیٹھا گیا، اب نیا فائدہ حاصل ہوا۔ بات سمجھ میں آگئی؟ اچھی طرح؟

دیکھیے بھئی اب کتاب پر، کہتے ہیں ضَرْبًا شَدِيدًا مَفْعُولٌ مُطْلَقٌ لِلنَّوْعِ یہ مفعولِ مطلق ہے نوع کے لیے، یہ ضَرْبًا شَدِيدًا کیا ہے؟ مفعولِ مطلق ہے نوع کے لیے۔ بھئی نوع کے لیے تو خاص وزن آتا ہے، کون سا وزن؟ فِعْلَةٌ۔ فَعْلَةٌ وزن آتا ہے عدد کے لیے اور فِعْلَةٌ وزن آتا ہے نوع کے لیے، یہ مصدر کے وزن ہیں بھئی فِعْلَةٌ اور فَعْلَةٌ۔ تو یہ ضَرْبًا شَدِيدًا یہ نوع کے لیے کیسے ہے، یہ تو فِعْلَةٌ وزن نہیں ہے بھئی؟ تو آپ کو بتلائیں گے کہ بھئی کبھی کبھار نوع کے لیے وہ خاص وزن لاتے ہیں مصدر والا اور کبھی صفت لاتے ہیں، اور یہاں ضَرْبًا کی صفت شَدِيدًا لائی گئی، اس ضَرْبًا کی صفت شَدِيدًا لائی گئی، اس نے نوع پر دلالت کر دی۔ بھئی دیکھیے بھئی، ضَرْبًا شَدِيدًا سخت پٹائی۔ دیکھو یہ ایک پٹائی کی ایک قسم ہے، معلوم ہوا دوسری قسم کیا ہے؟ ضَرْبٌ خَفِيفٌ ہلکی پٹائی بھئی۔ تو اس شَدِيدًا جو صفت لائی گئی اس نے کس پر دلالت کر دی؟ ضرب کی ایک نوع پر، ایک قسم پر۔ توجہ ہے؟ تو معلوم ہوا مفعولِ مطلق میں نوع بیان کرنے کے لیے کبھی فِعْلَةٌ وزن لاتے ہیں اور کبھی مصدر کی صفت وغیرہ لے آتے ہیں بھئی۔ صفت لے آئے یا مضاف الیہ آگے لے آئے، دیکھو صفت سے بھی ایک چیز میں تخصیص آتی ہے اور مضاف الیہ سے بھی تخصیص آتی ہے۔ توجہ ہے؟

تو کہتے ہیں ضَرْبًا شَدِيدًا مَفْعُولٌ مُطْلَقٌ لِلنَّوْعِ، یہ جو ضَرْبًا شَدِيدًا ہے یہ مفعولِ مطلق ہے نوع کے لیے بِاعْتِبَارِ الصِّفَةِ، کس اعتبار سے؟ صفت کے اعتبار سے کہ اس کی صفت شَدِيدًا لائی گئی، اس نے بتلا دیا کہ یہ خاص نوع والی ضرب یعنی شدید ضرب مراد ہے، ہلکی اور خفیف ضرب مراد نہیں ہے۔ وَفَائِدَةُ وَصْفِ الضَّرْبِ، دیکھو اب خود صاحبِ جامی بھی بتلائیں گے۔ ادھر دیکھیے میں نے کیا بتلایا؟ مفعولِ مطلق اگر صرف تاکید کے لیے ہو تو اس کو نائب الفاعل نہیں بنا سکتے کیونکہ اس میں کوئی نیا فائدہ نہیں۔ فاعل کی جگہ اسی کو آپ لا سکتے ہیں جس میں کوئی نیا فائدہ بھی ہو، اور نیا فائدہ لانے کی صورت یہ ہے کہ اس میں کوئی تخصیص آجائے، کسی طریقے سے بھی تخصیص آجائے۔ جیسے میں نے ابھی ذکر کیا جُلِسَ مَكَانٌ کے بجائے کیا کہہ دیں؟ جُلِسَ مَكَانٌ عَالٍ، اونچی جگہ پر بیٹھا گیا، اب اس نے تخصیص پیدا کر دی۔ بھئی یاد رکھو یہ جو صفت ہے نا یہ ایک چیز میں تخصیص پیدا کر دیتی ہے۔ مثلاً غُلَامٌ، غُلَامٌ پوری دنیا کے جتنے غلام ہیں، مثلاً دس لاکھ غلام ہیں پوری دنیا میں، میں نے جب غُلَامٌ کہا یہ ان میں سے ہر ایک پر صادق آتا ہے، ایک بھی غلام دوسرا بھی غلام تیسرا بھی غلام چوتھا بھی غلام یہ سب کیا ہیں؟ غلام۔ تو یہ غلام کا لفظ ان سب پر بولا جا سکتا ہے، وہ جو دس لاکھ کے دس لاکھ ہیں ان میں سے ہر ایک پر غلام کا لفظ بولا جا سکتا ہے۔ لیکن فرض کرو ان میں ایمان والے صرف ایک لاکھ غلام ہیں جو اہلِ ایمان ہیں، تو اب میں غلام کی صفت

لاتا ہوں غُلَامٌ مُؤْمِنٌ، ایسا غلام جو مؤمن ہے، اب یہ صرف کتنے پر صادق آئے گا؟ ایک لاکھ پر۔ پہلے غلام کا لفظ صادق آرہا تھا دس لاکھ پر، اب جب میں صفت لایا غُلَامٌ مُؤْمِنٌ تو اب یہ صرف ایک لاکھ پر صادق آرہا ہے۔ دیکھو اس میں تخصیص آ گئی۔ تخصیص کا کیا معنی؟ دیگر احتمالات کو کم کرنا یا ختم کرنا۔ تو اس میں احتمالات کم ہو گئے، معرفہ تو یہ نہ بنا لیکن معرفہ کے قریب ہو گیا، معرفہ تو وہ ہے نا جو معین ذات پر دلالت کرتا ہے، میں نے جیسے ہی زید کہا آپ کا ایک ساتھی ہے اس کا نام زید ہے آپ فوراً سمجھ گئے کہ کس کی بات ہو رہی ہے۔ تو جب نکرہ کی صفت لائی جائے تو اس میں تخصیص پیدا ہو جاتی ہے یعنی احتمالات کم ہو جاتے ہیں۔

اسی طرح نکرہ کی جب اضافت کر دی جائے تب بھی اس میں تخصیص پیدا ہو جاتی ہے۔ پہلے میں نے کیا مثال ذکر کی؟ صفت کی، غُلَامٌ موصوف اور مُؤْمِنٌ اس کی صفت۔ دوسری مثال لے لیں: مثلاً دنیا میں دس لاکھ غلام ہیں، ان میں سے پانچ لاکھ مردوں کے غلام ہیں اور پانچ لاکھ عورتوں کے غلام ہیں، تو میں نے جب غلام کہا تو یہ سب پر صادق آرہا ہے، چاہے مردوں کا غلام ہے چاہے عورتوں کا، ہر ایک غلام ہے تو ہر ایک پر یہ لفظِ غلام بولا جا سکتا ہے۔ لیکن جب میں اضافت کر دوں گا غُلَامُ رَجُلٍ، آدمی کا غلام، مرد کا غلام، اب یہ صرف کس پر صادق آئے گا؟ جو مرد کے غلام یعنی پانچ لاکھ ہیں ان پر تو صادق آئے گا، عورتوں کے جو غلام ہیں ان پر صادق نہیں آئے گا۔ تو دیکھو اضافت کی وجہ سے بھی نکرہ میں کیا آجاتی ہے؟ تخصیص آجاتی ہے۔ توجہ ہے؟ تو نکرہ کی نکرہ کی طرف اضافت کریں تو نکرہ میں تخصیص آجاتی ہے، اور نکرہ کی معرفہ کی طرف اضافت کریں تو اس میں تعریف آجاتی ہے۔ غُلَامٌ اس کی زَيْدٌ معرفہ کی طرف اضافت کر دیں غُلَامُ زَيْدٍ، اب دیکھو یہ ایک متعین غلام پر بولا جائے گا غُلَامُ زَيْدٍ زید کا غلام۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو حاصلِ کلام کیا؟ کہ نکرہ کی جب صفت لائی جائے تو اس میں تخصیص پیدا ہو جاتی ہے جیسے غُلَامٌ مُؤْمِنٌ، اور اسی طرح نکرہ کی جب اضافت کر دی جائے تو بھی اس میں تخصیص پیدا ہو جاتی ہے جیسے غُلَامُ رَجُلٍ۔

تو بات چل رہی تھی مفعولِ مطلق کی، میں نے آپ کو بتلایا کہ مفعولِ مطلق جو ہے وہ کبھی تاکید کے لیے آتا ہے، کبھی عدد کے لیے اور کبھی نوع بیان کرنے کے لیے۔ تو وہ مفعولِ مطلق جو تاکید کے لیے آتا ہے اس میں کوئی نیا فائدہ نہیں ہوتا، لہٰذا اس کو فاعل کے قائم مقام نہیں کر سکتے۔ اور باقی قسمیں جو ہیں، جو وہ مفعولِ مطلق جو عدد کے لیے آئے اس کو بھی آپ فاعل کا قائم مقام کر سکتے ہیں کیونکہ اس سے ایک عدد کا نیا فائدہ پتہ چل رہا ہے۔ اور اسی طرح وہ مفعولِ مطلق جو نوع کے لیے آئے وہ بھی فاعل کے قائم مقام آپ اس کو کر سکتے ہیں کیونکہ اس سے ایک نئی قسم کا پتہ چل رہا ہے۔ اسی لیے صاحبِ کافیہ نے یہاں ضُرِبَ ضَرْبًا شَدِيدًا، ضَرْبًا کی صفت شَدِيدًا ذکر کر دی۔ اگر صرف ضَرْبًا وہ لاتے پھر اس کا نائب الفاعل بننا ٹھیک ہی نہیں تھا، اسی لیے وہ شَدِيدًا لا کر انہوں نے اس مفعولِ مطلق کو کس لیے بنا دیا؟ نوع کے لیے، یعنی اس میں

اس کی صفت لے آئے اور ضَرْبًا ہے نکرہ اور شَدِیدًا اس کی صفت، اور نکرہ کی صفت آئے تو اس میں کیا پیدا ہو جاتی ہے؟ تخصیص بھئی، ایک نیا فائدہ آگیا۔ بات سمجھ میں آگئی؟ اب یہی بات صاحبِ جامی بھی ذکر کریں گے۔

کہتے ہیں وَفَائِدَةُ وَصْفِ الضَّرْبِ بِالشِّدَّةِ اور ضرب کو شدت کے ساتھ موصوف کرنے کا فائدہ جو ہے، التَّنْبِيهُ وہ اس بات پر تنبیہ کرنا ہے عَلَى أَنَّ الْمَصْدَرَ لَا يَقُومُ مَقَامَ الْفَاعِلِ کہ مصدر جو ہے وہ فاعل کے قائم مقام نہیں ہو سکتا بِلَا قَيْدٍ مُخَصِّصٍ بغیر کسی ایسی قید کے جو تخصیص پیدا کرے۔ کہتے ہیں صاحبِ کافیہ جو ضَرْبًا کی صفت شَدِیدًا لے کر آئے وہ اس بات پر تنبیہ کرنا چاہتے ہیں کہ جب تک مصدر کے ساتھ کوئی ایسی قید نہ ہو جو اس میں تخصیص پیدا کر دے اس وقت تک اس کو فاعل کا قائم مقام بنانا صحیح نہیں۔ بات سمجھ میں آگئی؟ پھر ترجمہ سنو: کہتے ہیں وَفَائِدَةُ وَصْفِ الضَّرْبِ بِالشِّدَّةِ اور ضرب کو شدت کے ساتھ موصوف کرنے کا فائدہ جو ہے التَّنْبِيهُ وہ اس بات پر تنبیہ کرنا ہے عَلَى أَنَّ الْمَصْدَرَ لَا يَقُومُ مَقَامَ الْفَاعِلِ بِلَا قَيْدٍ مُخَصِّصٍ کہ مصدر جو ہے وہ فاعل کے قائم مقام نہیں ہو سکتا بغیر کسی ایسی قید کے جو اس میں تخصیص پیدا کر دے، إِذْ لَا فَائِدَةَ فِيهِ اس لیے کیونکہ اس کے اندر کوئی فائدہ نہیں، یعنی اگر بغیر قیدِ مخصص کے اس کو مصدر کو کیا کر دیں آپ؟ فاعل کا قائم مقام کریں گے پھر تو کوئی فائدہ نہیں، حالانکہ فاعل جو ہے وہ فائدے کے لیے آتا تھا تو اس کا قائم مقام جو ہو گا اس کے اندر بھی کوئی نیا فائدہ ہونا ضروری ہے۔ یہ معنی ہے إِذْ لَا فَائِدَةَ فِيهِ لِدَلَالَةِ الْفِعْلِ عَلَيْهِ اس لیے کیونکہ اس کے اندر کوئی فائدہ نہیں ہے یعنی بغیر قید کے مصدر کو فاعل کا قائم مقام بنانے میں کوئی فائدہ نہیں، لِدَلَالَةِ الْفِعْلِ عَلَيْهِ اس لیے کیونکہ فعل اس پر دلالت کر رہا ہے، فعل سے خود وہ مصدر سمجھ میں آرہا ہے ضَرَبْتُ ضَرْبًا، یہ تو ضَرَبْتُ سے ہی ضرب سمجھ میں آرہا ہے، لہٰذا اس کو نائب الفاعل بنانا ٹھیک نہیں، إِلَّا یہ کہ اس کی کوئی صفت لائی جائے جو اس میں تخصیص پیدا کر دے۔

حاصلِ کلام دوبارہ سن لیں بھئی مختصر لفظوں میں: یہاں صاحبِ کافیہ ضَرْبًا شَدِیدًا لے کر آئے، مفعولِ مطلق کی صفت شَدِیدًا لے کر آئے بھئی۔ یہ شَدِیدًا صفت کیوں لائے بھئی؟ تو میں نے آپ کو بتلایا کہ یہ جو فاعل ہوتا ہے یہ فائدۂ جدید دیتا ہے، لہٰذا اس کی جگہ جب کسی کو قائم کریں تو اس کو بھی کوئی فائدۂ جدید دینا چاہیے۔ فاعل فائدۂ جدید کیسے دیتا ہے؟ مثلاً ضَرَبَ فعل ہے، اس کے اندر ابھی هُوَ ضمیر بھی نہیں اور آگے کوئی اسمِ ظاہر بھی نہیں اور صرف ضَرَبَ فعل ہے اور فعل کا مفہوم مرکب ہوتا ہے تین چیزوں سے: مصدر، زمانہ اور نِسْبَتٌ إِلَى الْفَاعِلِ۔ تو جب میں نے ضَرَبَ کہا تو آپ کو ضرب مصدر بھی سمجھ میں آگیا، آپ کو زمانۂ ماضی کا وہ بھی سمجھ میں آگیا، اور نِسْبَتٌ إِلَى الْفَاعِلِ بھی سمجھ میں آگئی کہ اس فعل کی نسبت ہے کسی فاعل کی طرف، کوئی نہ کوئی ذات ہے جو اس فعل کو کرنے والی ہے، لیکن وہ ذات کون سی ہے اس کا پتہ فعل سے نہیں چلا۔ تو اس کے لیے پھر ہم اس کے اندر، فعل کے اندر ہی هُوَ ضمیر مان لیتے ہیں اور مثلاً وہ ضمیر راجع ہے زید کو، تو جب هُوَ ضمیر آئی تو دیکھو اس نے ایک نیا فائدہ دے دیا کہ معلوم ہوا یہ فعل کرنے والا کون ہے؟ زید ہے۔ یا آگے اسمِ ظاہر لے آؤ بھئی ضَرَبَ زَيْدٌ، یہ جو آگے اسمِ ظاہر آیا یا جو فعل کے اندر ضمیر آئی اس نے ایک نیا فائدہ دیا، وہ فائدہ جو فعل ضَرَبَ سے

حاصل نہیں ہو رہا تھا۔ ضَرَبَ سے مصدر بھی سمجھ میں آرہا تھا، زمانہ بھی سمجھ میں آرہا تھا، نِسْبَتٌ إِلَى الْفَاعِلِ بھی سمجھ میں آرہی تھی، لیکن فاعل کا پتہ نہیں چل رہا تھا۔ ہاں جب آپ نے اس کے اندر هُوَ ضمیر مان لی یا آگے آپ نے زَيْدٌ فاعل کو ذکر کر دیا، تو جب فاعل کو ذکر کیا تو ایک نیا فائدہ حاصل ہوا یعنی ایک نئی بات کا پتہ چل گیا جس کا پتہ ہمیں فعل سے نہیں چل رہا تھا، ہمیں یہ پتہ چل گیا کہ اس فعل کو کرنے والی کون سی ذات ہے یعنی وہ زید ہے، تو یہ فائدہ ہمیں ضَرَبَ سے حاصل نہیں ہو رہا تھا۔ تو جیسے فاعل جو ہے وہ ایک نیا فائدہ دیتا ہے، تو جب فاعل کو حذف کر لیں تو جس کو بھی آپ اس کا قائم مقام بنانا چاہتے ہیں وہ بھی ایسی چیز ہونی چاہیے جس سے کوئی نیا فائدہ حاصل ہو۔ اگر اس سے کوئی نیا فائدہ نہیں حاصل ہو رہا تو پھر اس کو فاعل کا قائم مقام کرنا یعنی فاعل کا نائب بنانا یعنی مَفْعُولُ مَا لَمْ يُسَمَّ فَاعِلُهُ بنانا جائز نہیں۔

مثلاً آپ مفعولِ مطلق ہے تاکید کے لیے، اس کو آپ کیا بنانا چاہتے ہیں؟ نائب الفاعل بنانا چاہتے ہیں، مثلاً ضُرِبَ ضَرْبٌ، تو آپ اس ضَرْبٌ کو نائب الفاعل نہیں بنا سکتے۔ اس لیے کیونکہ ضُرِبَ فعل، اس فعل سے ہی مصدر ضرب آپ کو سمجھ میں آگیا، کیونکہ فعل کا مفہوم مرکب ہوتا ہے کتنی چیزوں سے؟ تین چیزوں سے: مصدر، زمانہ اور نِسْبَتٌ إِلَى الْفَاعِلِ۔ تو جب ضُرِبَ کہا تو ضرب اسی سے سمجھ میں آگیا، تو آگے جب ضَرْبٌ آپ لے کر آئے اس سے تو کوئی نیا فائدہ حاصل نہیں ہوا، اور آپ اس ضَرْبٌ کو کس کا قائم مقام کرنا چاہتے ہیں؟ فاعل کا یعنی نائب الفاعل بنانا چاہتے ہیں، تو اس سے تو کوئی نیا فائدہ ہی حاصل نہیں ہو رہا، لہٰذا اس کو آپ نائب الفاعل نہیں بنا سکتے بھئی۔

ہاں ضَرْبَةٌ کو آپ نائب الفاعل بنانا چاہتے ہیں تو بنا سکتے ہیں، ضُرِبَ ضَرْبَةٌ، کیونکہ اس ضَرْبَةٌ یہ جو وزن ہے فَعْلَةٌ وزن یہ عدد کے لیے آتا ہے، تو اس سے عدد کا پتہ چل گیا کہ معلوم ہوا ایک دفعہ پٹائی ہوئی ہے، ضُرِبَ ضَرْبَةٌ ایک مرتبہ پٹائی کی گئی ہے۔ تو یہ ایک مرتبہ کا معنی کس سے آیا؟ ضَرْبَةٌ سے آیا، یہ معنی ہمیں ضُرِبَ سے حاصل نہیں ہو رہا تھا۔ تو معلوم ہوا کہ نائب الفاعل اسی کو بنا سکتے ہیں جو کوئی نیا فائدہ دے، جس میں نیا فائدہ نہیں اس کو فاعل کا قائم مقام کرنا بھی صحیح نہیں۔

لہٰذا آپ کہنا چاہتے ہیں ضُرِبَ شَيْءٌ، نہیں کہہ سکتے، اس لیے کیونکہ ضُرِبَ شَيْءٌ کا کیا معنی؟ کسی چیز کی پٹائی کی گئی، تو آپ شَيْءٌ کو نائب الفاعل بنا رہے ہیں اور اس سے کوئی نیا فائدہ حاصل نہیں ہوا۔ جب ضُرِبَ کہا گیا اس ضُرِبَ سے ہی پتہ چل گیا معلوم ہوا کسی نہ کسی چیز کی پٹائی کی گئی ہے، کسی نہ کسی چیز کی پٹائی کی گئی ہے، آگے جب آپ شَيْءٌ لائے، شَيْءٌ بھئی شَيْءٌ تو دنیا کی ہر چیز پر صادق آتا ہے، اس سے بھی وہی بات معلوم ہو رہی ہے جو کس سے معلوم تھی؟ ضُرِبَ سے، ضُرِبَ سے بھی پتہ چل رہا تھا کسی چیز کی پٹائی کی گئی ہے اور شَيْءٌ نے آگے آکر کوئی نیا فائدہ نہیں دیا بھئی، لہٰذا اس کو آپ نائب الفاعل نہیں بنا سکتے۔ ہاں کوئی ایسی قید لے آئیں، کوئی صفت وغیرہ لے آئیں جس سے اس میں تخصیص آجائے، کوئی نیا فائدہ آجائے پھر آپ اس کو نائب الفاعل بنا سکتے ہیں، مثلاً آپ کہتے ہیں ضُرِبَ شَيْءٌ عَظِيمٌ، اب معنی کیا؟ شے عظیم کی پٹائی کی گئی، اب آپ اس کو نائب الفاعل بنا سکتے ہیں کیونکہ ضُرِبَ سے یہ پتہ نہیں چل رہا تھا—ضُرِبَ سے یہ تو پتہ چل رہا تھا

ایک شے کی پٹائی کی گئی ہے، لیکن یہ پتہ نہیں چل رہا تھا کہ وہ شے عظیم ہے—تو آگے شَيْءٌ عَظِيمٌ جب آیا اس نے ایک نیا فائدہ دے دیا تو اب اس کو
نائب الفاعل بنانا ٹھیک۔

اسی طرح آپ کہنا چاہتے ہیں جُلِسَ مَكَانٌ، کہ کسی جگہ بیٹھا گیا، کسی جگہ بیٹھنے کا فعل کیا گیا، آپ نہیں کہہ سکتے۔ اس لیے کیونکہ جُلِسَ سے ہی یہ بات سمجھ میں آرہی تھی جب بیٹھنے کا فعل کیا گیا ہے تو کوئی نہ کوئی جگہ ہو گی بھئی۔ اور اب آپ آگے مَكَانٌ لاتے ہیں، تو اس سے دیکھو کوئی فائدہ نہیں حاصل ہوا۔ جُلِسَ سے بھی پتہ چل رہا تھا کسی جگہ بیٹھا گیا ہے، اور مَكَانٌ سے بھی کیا پتہ چلا؟ کہ کوئی جگہ۔ یعنی کسی جگہ کی تخصیص نہیں ہوئی، تعیین نہیں ہوئی، لہٰذا کوئی فائدہ حاصل نہیں ہوا۔ ہاں، اس مکان کی اگر آپ صفت وغیرہ لے آئیں اس سے اس میں تخصیص آجائے گی، ایک نیا فائدہ حاصل ہو جائے گا: جُلِسَ مَكَانٌ عَالٍ، اونچی جگہ پر بیٹھا گیا۔ اب اس کو آپ نائب الفاعل بنا سکتے ہیں، کیونکہ یہ «اونچی جگہ» یہ والا معنی ہمیں فعل سے سمجھ میں نہیں آرہا تھا۔ جُلِسَ سے یہ تو سمجھ میں آرہا تھا کہ بیٹھنے کا فعل ہوا ہے کسی جگہ پر، اور صرف مَكَانٌ کہیں تو اس کا معنی بھی کوئی جگہ، کوئی نیا فائدہ نہیں، لیکن مَكَانٌ عَالٍ کہیں، اس میں تخصیص پیدا کر دی صفت لا کر، اب اس کو نائب الفاعل بنانا ٹھیک ہے۔

اسی طرح جُلِسَ زَمَانٌ آپ کہنا چاہتے ہیں۔ جُلِسَ سے یہ بات سمجھ میں آرہی ہے کہ کسی نہ کسی زمانے میں بیٹھا گیا ہے، آگے آپ مطلق زمانہ لے آئے۔ جُلِسَ سے بھی مطلق زمانہ سمجھ میں آرہا تھا کہ کسی نہ کسی زمانے میں بیٹھا گیا ہے، اور زَمَانٌ سے بھی مطلق زمانہ سمجھ میں آرہا ہے کہ کوئی نہ کوئی زمانہ بھئی، تو لہٰذا کوئی نیا فائدہ نہیں۔ لہٰذا جُلِسَ زَمَانٌ آپ نہیں کہہ سکتے، زَمَانٌ کو فاعل کے قائم مقام نہیں کر سکتے کیونکہ کوئی نیا فائدہ حاصل نہیں۔

اسی طرح آپ کہنا چاہتے ہیں جُلِسَ فِي مَوْضِعٍ، کسی جگہ میں بیٹھا گیا، یعنی آپ فِي مَوْضِعٍ کو نائب الفاعل بنانا چاہتے ہیں جُلِسَ کے لیے۔ نہیں بنا سکتے، اس لیے کیونکہ جُلِسَ سے ہی یہ بات سمجھ میں آگئی کہ بیٹھنے کا فعل کیا گیا ہے، معلوم ہوا کسی نہ کسی جگہ میں ہو گا، اور آگے آپ فِي مَوْضِعٍ لے آئے، اس سے بھی یہی پتہ چلا کسی نہ کسی جگہ میں بیٹھنا ہے، کوئی نئی بات پتہ نہیں چلی۔ ہاں، فِي مَوْضِعٍ کے ساتھ اگر کوئی صفت وغیرہ لے آئے تو پھر اس کے اندر تخصیص آجائے گی، مثلاً آپ کہتے ہیں جُلِسَ فِي مَوْضِعٍ عَالٍ، اونچی جگہ پر بیٹھا گیا، یا فِي مَوْضِعٍ سَافِلٍ، نیچی جگہ پر بیٹھا گیا، تو اب دیکھو اس میں تخصیص آگئی، ایک نیا فائدہ آیا جس کا پتہ ہمیں جُلِسَ سے نہیں چل رہا تھا۔ تو لہٰذا اب اس کو نائب الفاعل بنانا ٹھیک ہے بھئی۔ بات سمجھ میں آگئی؟

آگے دیکھیے: وَفِي دَارِهِ جَارٌّ وَمَجْرُورٌ شَبِيهٌ بِالْمَفَاعِيلِ۔ فِي دَارِهِ کہتے ہیں یہ جار مجرور ہے، شَبِيهٌ بِالْمَفَاعِيلِ یہ مفعولوں

کے مشابہ ہے۔ یہ جار مجرور بھی مفعولوں کے مشابہ ہے بھئی۔ بھئی کس طرح ان کے مشابہ ہیں؟ کہتے ہیں جس طرح مفعول جو ہیں وہ کلام کے اندر فضلہ ہوتے ہیں—کلام کے اندر، میں نے بتایا تھا ایک ہے عمدہ اور ایک ہے فضلہ، عمدہ کا لفظ کس پر بولا جاتا ہے؟ تین چیزوں پر: مبتدا، خبر اور فاعل یا نائب الفاعل—تو یہ جو مفعول ہیں یہ سارے کلام میں فضلہ ہوتے ہیں یعنی زائد ہوتے ہیں، یعنی ان کو حذف بھی کر دیں تو بھی کلام ٹھیک ہے اس لیے کیونکہ مسند اور مسند الیہ موجود ہیں۔ تو کہتے ہیں یہ فِي دَارِهِ جَارٌّ وَمَجْرُورٌ، فِي دَارِهِ جار اور مجرور ہے، شَبِيهٌ بِالْمَفَاعِيلِ یہ مفعولوں کے مشابہ ہے یعنی فضلہ ہونے میں۔ أُقِيمَ مَقَامَ الْفَاعِلِ مِثْلَهَا۔ اس کو فاعل کے قائم مقام کیا جاتا ہے، یہ جو جار مجرور ہے اس کو فاعل کے قائم مقام کیا جاتا ہے، مِثْلَهَا اس حال میں کہ یہ مفعولوں کے مثل ہے۔ یہ أُقِيمَ یہ خبر ہے بھئی فِي دَارِهِ—فِي دَارِهِ کے لیے پہلی خبر کیا لائے؟ جَارٌّ وَمَجْرُورٌ۔ تو اسی طرح یہ أُقِيمَ بھی اس کی خبر ہے، تو أُقِيمَ مَقَامَ الْفَاعِلِ مِثْلَهَا۔ مِثْلَهَا، هَا ضمیر مَفَاعِيل کو راجع ہے۔ تو أُقِيمَ مَقَامَ الْفَاعِلِ، تو فِي دَارِهِ جار مجرور ہے، اس کو فاعل کے قائم مقام کیا جاتا ہے مِثْلَهَا اس حال میں کہ یہ مفعولوں کے مثل ہے، اس حال میں کہ یہ—تو فاعل کے قائم مقام کیا جاتا ہے اس کو اس حال میں کہ یہ مفعولوں کے مثل ہے، اور مفعولوں کو تو فاعل کے قائم مقام کیا جاتا ہے، تو یہ مفعولوں کے مثل ہے تو اس کو بھی فاعل کے قائم مقام کیا جائے گا۔ تو یہ مِثْلَهَا یہ حال واقع ہو رہا ہے أُقِيمَ کے اندر هُوَ ضمیر سے بھئی، کہ اس کو فاعل کے قائم مقام کیا جاتا ہے مِثْلَهَا اس حال میں کہ یہ مفعولوں کے مثل ہے بھئی۔

فَتَعَيَّنَ زَيْدٌ، تو زید متعین ہو گیا۔

وَإِنْ لَمْ يَكُنْ أَيْ وَإِنْ لَمْ يُوجَدْ فِي الْكَلَامِ۔ بھئی لَمْ يَكُنْ کی تفسیر صاحبِ جامی وَإِنْ لَمْ يُوجَدْ کے ساتھ کر رہے ہیں، بتلانا یہ چاہتے ہیں کہ یہ کان تامہ ہے، یہ کان کیا ہے؟ تامہ۔ میں نے آپ کو بتلایا تھا کہ کان دو قسم پر ہے: ایک کان ناقصہ ہے اور ایک کان تامہ ہے۔ کان ناقصہ وہ ہے جو اسم کے ساتھ ساتھ خبر بھی چاہتا ہے، جب تک خبر نہیں آئے گی اس میں بات پوری نہیں ہو گی، جب کہ کان تامہ وہ ہے جو عام فعل کی طرح صرف فاعل پر وہاں بات پوری ہو جاتی ہے، تو یہ ثَبَتَ کے معنی میں ہوتا ہے۔ جیسے كَانَ الْمَطَرُ أَيْ ثَبَتَ الْمَطَرُ، بارش ہوئی بھئی۔ توجہ ہے؟ تو یہ کان تامہ کا ترجمہ عموماً يُوجَدُ کے ساتھ کیا جاتا ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو یہاں صاحبِ جامی نے لَمْ يُوجَدْ کے ساتھ اس کی تفسیر کی، اس سے بتلا دیا کہ یہ کان تامہ ہے۔ تو کہتے ہیں وَإِنْ لَمْ يَكُنْ أَيْ وَإِنْ لَمْ يُوجَدْ فِي الْكَلَامِ الْمَفْعُولُ بِهِ، اور اگر کلام میں مفعولِ بہ نہ پایا جائے، فَالْجَمِيعُ تو سارے کے سارے، أَيْ جَمِيعُ مَا سِوَى الْمَفْعُولِ بِهِ، یعنی مفعولِ بہ کے علاوہ باقی سارے جو ہیں، سَوَاءٌ وہ برابر ہیں بھئی۔ بھئی کس چیز میں باقی سارے برابر ہیں؟ کہتے ہیں فِي جَوَازِ وُقُوعِهَا مَوْقِعَ الْفَاعِلِ، یعنی فاعل کے مقام پر واقع ہونے کے جواز میں، کہ فاعل کے مقام پر ان کا واقع ہونا جائز ہے، تو اس میں سب برابر ہیں آپ جس کو چاہیں نائب الفاعل بنا سکتے ہیں۔ تو یہ معنی ہے سَوَاءٌ فِي جَوَازِ وُقُوعِهَا، یہ سارے برابر ہیں فِي جَوَازِ وُقُوعِهَا مَوْقِعَ الْفَاعِلِ، فاعل کے مقام پر ان کے واقع

ہونے کے جواز ہیں۔

وَالْمَفْعُولُ الْأَوَّلُ مِنْ بَابِ أَعْطَيْتُ، اور جو پہلا مفعول ہے بابِ أَعْطَيْتُ سے، أَيِ الْفِعْلِ الْمُتَعَدِّي إِلَى مَفْعُولَيْنِ، یعنی وہ فعل جو متعدی ہو دو مفعولوں کی طرف۔ بابِ أَعْطَيْتُ سے بتلانا چاہتے ہیں کیا معنی؟ بابِ أَعْطَيْتُ سے کیا مراد ہے؟ میں نے بتایا تھا بابِ أَعْطَيْتُ سے مراد وہ افعال جو دو مفعولوں کا تقاضا کریں اور ان دونوں کی ذات الگ الگ ہو۔ تو کہتے ہیں وَالْمَفْعُولُ الْأَوَّلُ مِنْ بَابِ أَعْطَيْتُ، اور جو پہلا مفعول ہے بابِ أَعْطَيْتُ سے، أَيِ الْفِعْلِ الْمُتَعَدِّي—میں نے أَيِ الْفِعْلِ الْمُتَعَدِّي، میں نے فعل کو مجرور پڑھا، کیوں؟ کیونکہ یہ تفسیر ہے بابِ أَعْطَيْتُ کی، اور بابِ أَعْطَيْتُ پر مِنْ داخل ہے وہ مجرور ہے، تو مفسَّر کا جو اعراب ہوتا ہے وہی مفسِّر کا۔ اور یہ آپس میں ترکیب کے اعتبار سے کیا بنتے ہیں؟ تو یہ ترکیب کے اعتبار سے یاد رکھو، جو مفسَّر ہے وہ ہے مبدل منہ، اور جو آگے مفسِّر یعنی تفسیر ہے وہ ہے بدل، اور بدل اور مبدل منہ کا اعراب ایک ہوتا ہے۔

أَيِ الْفِعْلِ الْمُتَعَدِّي إِلَى مَفْعُولَيْنِ ثَانِيهِمَا غَيْرُ الْأَوَّلِ، یعنی وہ فعل جو متعدی ہو دو مفعولوں کی طرف—دیکھو مَفْعُولَيْنِ نکرہ آیا، اور آگے ثَانِيهِمَا غَيْرُ الْأَوَّلِ یہ پورا جملہ اس کے بعد آیا۔ ثَانِيهِمَا ہے مبتدا، اور غَيْرُ الْأَوَّلِ ہے خبر، اور مبتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ ہوا، اور جملہ اسمیہ نکرہ مَفْعُولَيْنِ کے بعد آیا، اور نکرہ کے بعد جملہ آئے تو وہ عموماً اس کے لیے کیا بنتا ہے؟ صفت۔ اور جملے کو ربط دینے کے لیے اس میں عموماً ضمیر لائی جاتی ہے، تو یہ ثَانِيهِمَا غَيْرُ الْأَوَّلِ یہ پورا جملہ صفت کس کی؟ مَفْعُولَيْنِ کی، اور اس کے اندر دیکھو ثَانِيهِمَا یہ هُمَا ضمیر یہ مَفْعُولَيْنِ کو راجع، اس ضمیر نے ربط دے دیا۔ پھر موصوف صفت کا ترجمہ کیسے کرتے ہیں؟ موصوف سے پہلے «ایسا» یا «ایسی» کا لفظ لاتے ہیں۔ تو دیکھیے بھئی: أَيِ الْفِعْلِ الْمُتَعَدِّي إِلَى مَفْعُولَيْنِ ثَانِيهِمَا غَيْرُ الْأَوَّلِ، یعنی وہ فعل جو متعدی ہو دو ایسے مفعولوں کی طرف کہ ان میں سے جو دوسرا ہو وہ پہلے سے غیر ہو، پہلے کے علاوہ ہو، یعنی دونوں کی ذات الگ الگ ہو بھئی۔

تو کہتے ہیں جو مفعولِ اول ہے بابِ أَعْطَيْتُ سے، أَوْلَى یہ زیادہ لائق ہے بِأَنْ يُقَامَ مَقَامَ الْفَاعِلِ، کہ اس کو فاعل کے قائم مقام کیا جائے، یہ زیادہ لائق ہے، کس کے مقابلے میں؟ کہتے ہیں مِنَ الْمَفْعُولِ الثَّانِي، مفعولِ ثانی کے مقابلے میں، لِأَنَّ فِيهِ مَعْنَى الْفَاعِلِيَّةِ، اس لیے کیونکہ اس کے اندر فاعل ہونے کا معنی ہے، مفعولِ اول جو ہے اس میں فاعل ہونے کا معنی ہے بِالنِّسْبَةِ إِلَى الثَّانِي، ثانی کی نسبت سے۔ ثانی کی طرف نسبت کرتے ہوئے یہ جو مفعولِ اول ہے اس کے اندر فاعل ہونے والا معنی ہے، لہٰذا یہ زیادہ لائق ہے کہ فاعل کے قائم مقام اس کو بنایا جائے۔ لِأَنَّهُ عَاطٍ، کیونکہ وہ عاطی ہے، أَيْ آخِذٌ یعنی لینے والا ہے۔ بھئی دیکھو أَعْطَى يُعْطِي کا معنی ہے کسی کو کوئی چیز دینا: أَعْطَيْتُ زَيْدًا دِرْهَمًا، میں نے زید کو درہم دیا۔ اور عَطَا يَعْطُو عَطْوًا کا معنی ہے لینا۔ عَطَا يَعْطُو عَطْوًا کا معنی ہے لینا۔ تو جب میں نے زید کو درہم دیا تو میں ہوا مُعْطِي درہم دینے والا، اور زید کیا ہوا؟ عَاطِي یعنی درہم لینے والا۔ تو اس میں دیکھو، اس نے درہم لیا تو اس میں فاعل ہونے کا معنی ہے، یہ لینے کا فعل کس نے کیا؟ زید نے کیا جو مفعولِ اول ہے، تو مفعولِ اول کے اندر فاعل ہونے کا معنی ہوتا ہے لہٰذا

اس کو فاعل کے قائم مقام کرنا اولیٰ ہے۔ تو کہتے ہیں لِأَنَّهُ عَاطٍ، اس لیے کیونکہ مفعولِ اول جو ہے وہ عاطی ہے، کیا معنی عاطی ہے؟ أَيْ آخِذٌ یعنی لینے والا ہے۔ عَاطٍ قَاضٍ کی طرح ہے بھئی، عَاطِي آخر میں یاء تھی وہ یاء گر گئی اجتماعِ ساکنین سے۔ تو کہتے ہیں لِأَنَّهُ عَاطٍ أَيْ آخِذٌ، اس لیے کیونکہ وہ عاطی ہے أَيْ آخِذٌ یعنی لینے والا۔

نَحْوُ، مثال کے طور پر أُعْطِيَ زَيْدٌ دِرْهَمًا۔ أُعْطِيَ زَيْدٌ دِرْهَمًا، دیکھو زید جو مفعولِ اول تھا اس کو نائب الفاعل بنا دیا گیا۔ أُعْطِيَ زَيْدٌ دِرْهَمًا، زید کو درہم عطا کیا گیا۔ مَعَ جَوَازِ أُعْطِيَ دِرْهَمٌ زَيْدًا، ساتھ جائز ہونے کے أُعْطِيَ دِرْهَمٌ زَيْدًا، یعنی یہ بھی جائز ہے، اس میں دیکھو مفعولِ ثانی کو کیا کر دیا گیا؟ نائب الفاعل بنایا گیا، تو مفعولِ اول اور ثانی جس کو بھی آپ چاہیں نائب الفاعل بنا سکتے ہیں بابِ أَعْطَيْتُ کے، لیکن اولیٰ کیا ہے کہ پہلے کو نائب الفاعل بنایا جائے۔ یہ معنی ہے، کہتے ہیں نَحْوُ أُعْطِيَ زَيْدٌ دِرْهَمًا، اس میں دیکھو مفعولِ اول کو نائب الفاعل بنایا گیا، مَعَ جَوَازِ أُعْطِيَ دِرْهَمٌ زَيْدًا، أُعْطِيَ دِرْهَمٌ زَيْدًا کے جائز ہوتے ہوئے، یعنی یہ بھی جائز ہے کہ آپ مفعولِ ثانی کو نائب الفاعل بنا دیں۔

وَذٰلِكَ عِنْدَ الْأَمْنِ مِنَ اللَّبْسِ۔ لَبْس اور لُبْس دونوں طرح پڑھ سکتے ہیں بھئی، اور اس کا معنی ہوتا ہے اشتباہ۔ وَذٰلِكَ عِنْدَ الْأَمْنِ مِنَ اللَّبْسِ، اور یہ اس وقت ہے جس وقت التباس سے یعنی اشتباہ سے امن ہو، یعنی کسی قسم کے اشتباہ کا خطرہ نہ ہو، پھر اس صورت میں آپ ثانی کو بھی کیا کر سکتے ہیں؟ نائب الفاعل بنا سکتے ہیں۔ وَأَمَّا عِنْدَ عَدَمِهِ، اور جب التباس سے امن نہ ہو یعنی خطرہ ہو التباس اور اشتباہ کا، فَيَجِبُ إِقَامَةُ الْمَفْعُولِ الْأَوَّلِ، تو پھر واجب ہے کہ مفعولِ اول ہی کو قائم کیا جائے گا، یعنی اسی کو فاعل کا قائم مقام کریں گے۔ نَحْوُ أُعْطِيَ زَيْدٌ عَمْرًا۔ بھئی دیکھیے مثلاً دیکھو، عمرو ایک غلام ہے، عمرو میرا غلام ہے میں نے وہ غلام زید کو دے دیا، تو میں کہوں گا أَعْطَيْتُ زَيْدًا عَمْرًا۔ توجہ ہے؟ غلام کون؟ عمرو ہے، اور یہ میں نے کس کو دیا؟ زید کو، تو میں نے کہا أَعْطَيْتُ زَيْدًا عَمْرًا، میں نے زید کو عمرو دے دیا یعنی یہ غلام میں نے اس کو دے دیا، اس کو اس کا مالک بنا دیا۔ اب کوئی کہنے والا فاعل کو حذف کرتا ہے اور یوں کہتا ہے: أُعْطِيَ زَيْدٌ عَمْرًا۔ أُعْطِيَ زَيْدٌ عَمْرًا، کیا معنی؟ زید کو عمرو دے دیا گیا۔ زید کو عمرو دے دیا گیا۔ اب دیکھو یہ عَمْرًا یہ غلام ہے، تو لفظِ غلام نہیں ذکر کیا، اس کا نام لے لیا۔ تو جب نام لیا ہے تو اب اگر آپ جگہ بدلیں گے پھر اشتباہ لازم آئے گا، پتہ ہی نہیں چلے گا کہ غلام کون ہے اور کس کے حوالے اس کو کیا گیا۔ مثلاً یہ کتاب میں کیا مثال ہے؟ أُعْطِيَ زَيْدٌ عَمْرًا، زید کو عمرو دیا گیا، اس سے پتہ چل رہا ہے کہ یہ عمرو غلام ہے، اگرچہ یہاں لفظِ غلام ذکر نہیں لیکن عَمْرًا کا مفعول ہونے سے پتہ چل رہا ہے کہ یہ عمرو کون ہے؟ غلام ہے، کیونکہ غلام ہی کسی دوسرے کو اس کا مالک بنایا جا سکتا ہے۔ لیکن اگر آپ یہاں پر کیا کر دیں؟ عَمْرًا کو نائب الفاعل بنا دیں اور زید کو مفعول بنا دیں، پھر تو التباس لازم آئے گا، سننے والے کو تو پتہ ہی نہیں چلے گا، اگر آپ یوں کہتے ہیں أُعْطِيَ عَمْرٌو زَيْدًا، سننے والے کو تو نہیں پتہ چلے گا کہ ان میں سے غلام کون ہے اور غیرِ غلام کون ہے، وہ تو یہی سمجھے گا أُعْطِيَ عَمْرٌو زَيْدًا کہ عمرو کو دیا گیا، کون

دیا گیا؟ زید، تو وہ سمجھے گا شاید زید غلام ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ وہ کیا سمجھے گا؟ کیونکہ یہاں غلام کا لفظ تو نہیں ذکر، یہاں تو صرف نام لیے گئے ہیں۔ تو جہاں التباس کا خطرہ ہو وہاں پر پھر اول ہی کو نائب الفاعل بنانا واجب ہے بھئی۔ یہ معنی ہے: وَعِنْدَ عَدَمِهِ، اور جب التباس سے امن نہ ہو، تو فَيَجِبُ إِقَامَةُ الْمَفْعُولِ الْأَوَّلِ، تو پھر مفعولِ اول کو قائم کرنا واجب ہے، نَحْوُ أُعْطِيَ زَيْدٌ عَمْرًا، زید کو عمرو غلام دے دیا گیا۔ بات اچھی طرح سمجھ میں آگئی؟ چلیے بس بھئی هٰذَا هُوَ الْمَرَامُ، وَاللّٰهُ أَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْكَلَامِ.

الْبَابُ السَّادِسُ: الْمَرْفُوعَاتُ (الْجُزْءُ الثَّانِي) — الْمُبْتَدَأُ وَالْخَبَرُ وَخَبَرُ إِنَّ وَلَا

مرفوعات (حصہ دوم): مبتدا و خبر، تعدد و حذفِ خبر، خبرِ إِنَّ و اخواتہا اور خبرِ لائے نفیِ جنس — اسباق ۹۳ تا ۱۱۲

سبق نمبر ۹۳: المبتدا والخبر (۱): بتدا اور خبر کی تعریف اور عاملِ معنوی

شرحِ ملا جامی صفحہ: ۶۸ — بتاریخ: ۱ نومبر ۲۰۲۱ء

■ تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث

آگے سبق دیکھیے بھئی: وَمِنْهَا الْمُبْتَدَأُ وَالْخَبَرُ، وَفِي بَعْضِ النُّسَخِ وَمِنْهُ، يَعْنِي مِنْ جُمْلَةِ الْمَرْفُوعَاتِ أَوْ مِنْ جُمْلَةِ الْمَرْفُوعِ، الْمُبْتَدَأُ وَالْخَبَرُ. جَمَعَهُمَا فِي فَصْلٍ وَاحِدٍ لِلتَّلَازُمِ الْوَاقِعِ بَيْنَهُمَا عَلَى مَا هُوَ الْأَصْلُ فِيهِمَا وَاشْتِرَاكِهِمَا فِي الْعَامِلِ الْمَعْنَوِيِّ.[1]

گذشتہ سبق میں مَفْعُولُ مَا لَمْ يُسَمَّ فَاعِلُهُ کی بحث ہم نے مکمل کی بھئی۔ اور صاحبِ کافیہ نے آپ کو بتلایا تھا کہ بابِ عَلِمْتُ کا مفعولِ ثانی اور بابِ أَعْلَمْتُ کا مفعولِ ثالث، اور اسی طرح مفعول لہ اور مفعول معہ یہ فاعل کی جگہ واقع نہیں ہو سکتے، یعنی ان کو مَفْعُولُ مَا لَمْ يُسَمَّ فَاعِلُهُ نہیں بنا سکتے۔ اور جب وہ مفاعیل سارے موجود ہیں جن کو مَفْعُولُ مَا لَمْ يُسَمَّ فَاعِلُهُ بنا سکتے ہیں، تو پھر ان میں دیکھیں گے اگر مفعول بہ بھی موجود ہوا تو پھر مفعول بہ متعین ہے، اسی کو نائب الفاعل بنائیں گے، اس لیے کیونکہ اس کا فعل کے ساتھ تعلق بڑا گہرا ہے۔ فعل کا تعقل جیسے فاعل کے بغیر نہیں ہو سکتا، اسی طرح مفعول کے بغیر بھی فعل کا تعقل نہیں ہو سکتا۔ میں نے آپ کو بتلایا تھا بھئی فعل کے لیے زمانہ بھی ضروری ہے، جگہ بھی ضروری ہے، لیکن فعل جب ذہن میں آئے تو ساتھ ہی زمانہ یا جگہ ذہن میں نہیں آتا، لیکن فاعل یا مفعول ساتھ ہی ذہن میں آجاتے ہیں بھئی۔

مثلاً میں نے کہا ضَرَبَ زَيْدٌ، زید نے پٹائی کی، ساتھ ہی خود بخود آپ کے ذہن میں یہ بات بھی آگئی کہ معلوم ہوا کوئی مضروب ہے بھئی۔ جب زید نے پٹائی کی ہے تو زید ہوا ضارب، اور ضرب کے لیے جیسے ضارب ضروری، مضروب بھی

[1]

جدول — بتدا کے نکرہ آنے کے اہم مسوغات (اجازت دینے والے امور):

مسوغ	وضاحت	مثال
تخصیص	نکرہ صفت یا اضافت سے مخصوص ہو جائے	رَجُلٌ عَالِمٌ عِنْدِي
نفی و استفہام	نکرہ نفی یا استفہام کے تحت واقع ہو	مَا أَحَدٌ خَيْرٌ مِنْكَ، هَلْ رَجُلٌ فِي الدَّارِ
تقدمِ خبر	خبر جار مجرور یا ظرف ہو کر مقدم ہو جائے	فِي الدَّارِ رَجُلٌ، عِنْدِي مَالٌ

ضروری۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ مضروب کوئی نہ ہو اور ضرب کا فعل پایا جائے۔ تو لہٰذا مفعول بہ کا تعلق فعل کے ساتھ بڑا گہرا ہے، حتیٰ کہ فعل کا تعقل ہی مفعول بہ کے بغیر نہیں ہو سکتا، یعنی فعل سمجھ میں ہی نہیں آسکتا جب تک فاعل اور مفعول بہ کا بھی ساتھ تصور نہ ہو بھئی، یعنی فعلِ متعدی بھئی۔ تو لہٰذا جب باقی مفاعیل بھی موجود ہوں جو نائب الفاعل بن سکتے ہیں اور مفعول بہ بھی موجود ہو، تو مفعول بہ متعین ہے، اسی کو نائب الفاعل بنایا جائے گا۔ اور اگر وہ موجود نہ ہو تو پھر باقی جن کا نائب الفاعل بنانا جائز ہے، جیسے ظرفِ مکان ہے، ظرفِ زمان ہے، مفعولِ مطلق ہے یا جار مجرور ہیں، تو پھر ان میں سے جس کو بھی آپ چاہیں نائب الفاعل بنا سکتے ہیں بھئی۔

اور پھر صاحبِ کافیہ نے اس کی مثال ذکر کی تھی: ضُرِبَ زَيْدٌ يَوْمَ الْجُمُعَةِ أَمَامَ الْأَمِيرِ ضَرْبًا شَدِيدًا فِي دَارِهِ۔ زید کی شدید پٹائی کی گئی جمعہ والے دن حاکم کے سامنے زید کے گھر میں، یا یوں کہیں اس کے گھر میں، زید کی شدید پٹائی کی گئی اس کے گھر میں جمعہ والے دن حاکم کے سامنے۔ ترجمہ سمجھ میں آگیا؟ یہاں ضَرْبًا شَدِيدًا یہ ضَرْبًا کی صفت شَدِيدًا کیوں لے کر آئے صاحبِ کافیہ بھئی؟ یہاں میں نے طویل بحث کی تھی۔ میں نے آپ کو بتلایا تھا کہ یہ جو مفعولِ مطلق ہے یہ تین فائدوں کے لیے آتا ہے بھئی عام طور پر۔ کبھی کبھار یہ صرف تاکید کے لیے آتا ہے۔ تاکید کا کیا معنی؟ کہ ماقبل کے فعل سے مجاز کے احتمال کو ختم کر دیتا ہے۔ یہ اسی طرح ہے جیسے قدوری کے اندر، صَلَاةُ الْعِيدِ کے اندر جو ہے، يُكَبِّرُ تَكْبِيرًا۔ اس طرح کی عبارت ایک آتی ہے جہاں عید کی نمازیان کرتے ہیں صاحبِ قدوری۔ تو وہاں دیکھو يُكَبِّرُ تَكْبِيرًا، يُكَبِّرُ کے بعد پھر مفعولِ مطلق لے کر آئے، یہ بتلانے کے لیے کہ يُكَبِّرُ سے يُكَبِّرُ ہی مراد ہے، یعنی یہاں أَللّٰهُ أَكْبَرُ ہی کہنا پڑے گا، یہاں کوئی اور تعظیم والا کلمہ مثلاً سُبْحَانَ اللّٰهِ، الْحَمْدُ لِلّٰهِ وغیرہ نہیں کہہ سکتے، بلکہ یہاں يُكَبِّرُ تَكْبِيرًا تو یہاں تکبیر سے تکبیر ہی مراد ہے۔ اس مفعولِ مطلق نے يُكَبِّرُ کو پکا کر دیا، اس میں تاکید پیدا کر دی، یعنی کوئی مجازی معنی مراد نہیں بھئی۔

تو میں نے بتلایا تھا کہ مفعولِ مطلق کبھی تاکید کے لیے آتا ہے یعنی مجاز کے احتمال کو ختم کر دیتا ہے اس فعل سے، اور کبھی کبھار یہ عددیان کرنے کے لیے آتا ہے، اور اس کے لیے فَعْلَةٌ وزن آتا ہے۔ جَلَسْتُ جَلْسَةً میں ایک مرتبہ بیٹھا، جَلَسْتُ جَلْسَتَيْنِ میں دو مرتبہ بیٹھا، جَلَسْتُ جَلَسَاتٍ میں کئی مرتبہ بیٹھا، یا ضَرَبْتُ ضَرْبَةً میں نے ایک ضرب لگائی، ضَرَبْتُ ضَرْبَتَيْنِ میں نے دو ضربیں لگائیں، ضَرَبْتُ ضَرَبَاتٍ میں نے کئی ضربیں لگائیں۔ اور اسی طرح کبھی مفعولِ مطلق نوع بیان کرنے کے لیے آتا ہے، یعنی وہ فعل کی قسم بیان کرتا ہے کہ یہ فعل کس قسم کا ہے، کس نوع کا ہے۔ مثلاً میں نے کہا جَلَسْتُ میں بیٹھا، اب میرا یہ بیٹھنا کس قسم کا ہے، کس نوع کا ہے؟ تو آگے مفعولِ مطلق کے ذریعے میں اس کو بیان کروں گا: جَلَسْتُ جِلْسَةَ الْقَارِي میں کس کی طرح بیٹھا؟ قاری کی طرح، میں قاری کی طرح بیٹھا بھئی۔ تو فَعْلَةٌ وزن آتا ہے عدد کے لیے، اور فِعْلَةٌ وزن آتا ہے نوع کے لیے بھئی۔ تو یہاں پر ضَرْبًا شَدِيدًا لے کر آئے، صاحبِ جامی نے بتلایا کہ یہ مفعولِ مطلق نوع کے لیے ہے۔ تو سوال پیدا ہوا کہ بھئی نوع کے لیے تو فِعْلَةٌ وزن آتا ہے، تو یہ تو فِعْلَةٌ صیغہ نہیں ہے؟ تو جواب دیا صاحبِ جامی نے

کہ بھئی یہ صفت کے اعتبار سے نوع بیان کر رہا ہے۔ کبھی صیغے کے اعتبار سے نوع بیان کی جاتی ہے اور کبھی صفت کے اعتبار سے۔ تو یہاں ضَرْبًا کی صفت شَدِیدًا لا کر بتلا دیا گیا کہ یہ کس نوع کی ضرب ہے؟ شدید ضرب ہے، معلوم ہوا خفیف ضرب نہیں یعنی ہلکی ضرب نہیں ہے۔

اور یہاں میں نے قیمتی نکتہ آپ کو بتلایا تھا بھئی کہ مفعولِ مطلق جب تاکید کے لیے آئے تو اس کو مَفْعُولُ مَا لَمْ یُسَمَّ فَاعِلُهُ نہیں بنا سکتے۔ وجہ یہ کہ یہ جو فاعل ہوتا ہے یہ نیا فائدہ دیتا ہے۔ نیا فائدہ یعنی نئی بات کا اس سے پتہ چلتا ہے۔ مثلاً میں نے ضَرَبَ کہا، تو ضَرَبَ فعل، صرف فعل بھئی، اس کے اندر ابھی ضمیر بھی نہیں ہے، ابھی آگے زَیْدٌ بھی نہیں ہے، صرف ضَرَبَ فعل، اور فعل کا مفہوم مرکب ہوتا ہے کتنی چیزوں سے؟ مصدر، زمانہ اور نِسْبَةٌ إِلَى الْفَاعِلِ۔ تو اس سے مصدر کا بھی پتہ چل گیا، زمانے کا بھی پتہ چل گیا، اور اس کی نسبت ہے فاعل کی طرف لیکن فاعل کون ہے اس کا پتہ ضَرَبَ سے نہیں چلا۔ اب آپ اس ضَرَبَ کے اندر هُوَ ضمیر مان لیتے ہیں، اب دیکھو آپ فاعل لے آئے اس کے اندر ضمیرِ مستتر بھئی، اور وہ ضمیر مثلاً پیچھے زید کو راجع ہے، یا آپ آگے زَیْدٌ کو اسمِ ظاہر کو ہی فاعل لے آتے ہیں۔ تو جب آپ فاعل لائیں گے چاہے ضمیر کی صورت میں چاہے اسمِ ظاہر کی صورت میں، تو دیکھو ایک نئی بات کا آپ کو پتہ چل گیا کہ یہ ضرب لگانے والا کون ہے؟ زید ہے۔ ضَرَبَ سے یہ بات پتہ نہیں چل رہی تھی۔ تو فاعل جو ہے وہ ایک نیا فائدہ دیتا ہے۔ وہ ایک نیا فائدہ دیتا ہے جو فعل سے حاصل نہیں ہو رہا، اور اسی سے پتہ چلتا ہے کہ فعل محتاج ہے فاعل کا، اس لیے کیونکہ فعل سے تو فاعل کا پتہ نہیں چل رہا۔ جب فاعل کی اس میں ضمیر آئے گی یا آگے اسمِ ظاہر آئے گا پھر فاعل کا پتہ چلے گا۔ یعنی وہ فائدہ حاصل ہو جائے گا جو فائدہ خود فعل سے حاصل نہیں ہو رہا تھا، خود فعل سے فاعل کا پتہ نہیں چل رہا تھا۔ تو فاعل جو ہے وہ فائدہ جدیدہ دیتا ہے۔ فائدہ جدیدہ دیتا ہے۔

تو لہٰذا جس کو آپ فاعل کے قائم مقام بنائیں اس کو بھی کوئی فائدہ دینا چاہیے، وہ کوئی نیا فائدہ دے۔ لہٰذا آپ مفعولِ مطلق کو جو صرف تاکید کے لیے آتا ہے، اس کو آپ کیا بنانا چاہتے ہیں؟ نائب الفاعل نہیں بنا سکتے۔ مثلاً آپ کہنا چاہتے ہیں ضُرِبَ ضَرْبٌ، بھئی یہ ضَرْبٌ لانے کا تو کوئی فائدہ ہی نہیں ہے، کیونکہ ضُرِبَ فعل کے اندر ہی مصدر موجود تھا، اسی سے ضرب کا معنی سمجھ میں آگیا تھا، تو ضَرْبٌ لانے سے کوئی نیا فائدہ حاصل نہیں، لہٰذا اس کو نائب الفاعل نہیں بنا سکتے، یعنی فاعل کی جگہ اس کو قائم مقام نہیں کر سکتے۔ ہاں، ضُرِبَ ضَرْبَةٌ اس ضَرْبَةٌ کو آپ فاعل کے قائم مقام کر سکتے ہیں، کیونکہ ضَرْبَةٌ سے آپ کو عدد کا پتہ چل گیا، پہلے ضُرِبَ سے، ضُرِبَ کے اندر ضرب تو تھا لیکن وہ مطلق تھا، اس میں عدد کا پتہ نہیں تھا کہ کتنی مرتبہ پٹائی ہوئی ہے، آگے ضَرْبَةٌ نے آکر بتلایا کہ پٹائی کتنی دفعہ ہوئی ہے؟ ایک مرتبہ، تو اس نے دیکھو ایک نیا فائدہ دیا عدد کا، لہٰذا اس کو آپ نائب الفاعل بنا سکتے ہیں۔

فاعل کے قائم مقام جس کو کریں اس میں کوئی نیا فائدہ ہونا چاہیے۔ لہٰذا ضُرِبَ شَيْءٌ آپ کہتے ہیں، ضُرِبَ شَيْءٌ، تو یہ

نہیں کہہ سکتے۔ کیوں؟ کیونکہ کوئی نیا فائدہ حاصل نہیں۔ صرف جب میں نے ضُرِبَ کہا تو اتنی بات آپ کو سمجھ میں آگئی کہ معلوم ہوا کسی کی پٹائی ہوئی ہے۔ تو آگے جب میں شَيْءٌ لایا، بھئی دیکھو اس سے کوئی نیا فائدہ حاصل نہیں ہوا۔ ضُرِبَ سے بھی یہی بات سمجھ میں آرہی تھی کہ کسی چیز کی پٹائی ہوئی ہے، اور ضُرِبَ شَيْءٌ سے بھی یہی بات سمجھ میں آرہی ہے۔ ہاں شَيْءٌ کے ساتھ کوئی صفت وغیرہ کوئی تخصیص آجاتی جس سے ایک نیا فائدہ ہوتا، تو پھر اس کا نائب الفاعل بنانا ٹھیک تھا۔ مثلاً میں کہتا ضُرِبَ شَيْءٌ عَظِيمٌ، ایک عظیم شے کی پٹائی کی گئی، دیکھا یہ عَظِيمًا صفت نے شَيْءٌ میں تخصیص پیدا کر دی اور ایک نیا معنی حاصل ہوا جو ضُرِبَ سے حاصل نہیں تھا، تو اب اس کا نائب الفاعل بنانا ٹھیک ہے۔

اسی طرح جُلِسَ مَكَانٌ کسی جگہ پر بیٹھا گیا۔ بھئی جُلِسَ سے ہی پتہ چل گیا تھا کہ بیٹھنے کا فعل کیا گیا ہے تو کسی نہ کسی جگہ پر ہو گا، اور آگے کیا کہا گیا مَكَانٌ۔ مکان کی کوئی تخصیص کی گئی؟ کوئی جگہ متعین کی گئی؟ نہیں، تو اس سے کوئی نیا فائدہ حاصل نہیں ہوا، مطلق جگہ کو آگے ذکر کیا گیا ہے جس میں کوئی تخصیص نہیں۔ ہاں اس میں کوئی تخصیص ہوتی جس سے ایک نیا فائدہ حاصل ہو جاتا تو پھر اس کو نائب الفاعل بنانا ٹھیک تھا۔ تو جُلِسَ مَكَانٌ یہ مَكَانٌ اس سے کوئی نیا فائدہ حاصل نہیں ہوا۔ ہاں جُلِسَ مَكَانٌ عَالٍ آپ کہہ دیتے، اونچی جگہ پر بیٹھا گیا، اب یہ نیا فائدہ حاصل ہو جاتا اس عَالٍ صفت کی وجہ سے کس کے اندر؟ مکان کے اندر بھئی، تو پھر اس کا نائب الفاعل بننا ٹھیک ہوتا۔

اسی طرح جُلِسَ زَمَانٌ، آپ مطلق زمانے کو کیا بناتے ہیں؟ نائب الفاعل بناتے ہیں، نہیں بنا سکتے۔ اس لیے کیونکہ جُلِسَ بیٹھنے کا فعل کیا گیا، اس سے خود ہی یہ بات سمجھ میں آجاتی ہے کہ کوئی نہ کوئی زمانہ ہو گا بھئی، تو آگے آپ زَمَانٌ مطلق لائے اور مطلق زمانہ تو جُلِسَ سے بھی سمجھ میں آرہا تھا۔ ہاں زمانے کے ساتھ کوئی صفت ہوتی، کوئی قید وغیرہ ہوتی جس سے زمانے کی کچھ تخصیص آجاتی، کوئی نیا فائدہ ہوتا تو پھر اس کا نائب الفاعل بننا ٹھیک تھا۔ یا اسی طرح آپ کہتے ہیں جُلِسَ فِي مَوْضِعٍ کسی جگہ میں بیٹھا گیا۔ بھئی جب بیٹھا جائے گا تو کسی نہ کسی جگہ میں ہی بیٹھا جائے گا بھئی، تو فِي مَوْضِعٍ دیکھو مطلق ہے، اس میں کوئی تخصیص وغیرہ نہیں ہے، مطلق جگہ کا پتہ چل رہا ہے، اور مطلق جگہ تو خود جُلِسَ سے ہی مفہوم ہو رہا تھا بھئی۔ لہٰذا جس کو بھی آپ فاعل کا نائب بنائیں اس کے اندر کوئی نیا فائدہ ہونا ضروری ہے بھئی۔ بات سمجھ میں آگئی؟

اور پھر اس کے بعد صاحبِ کافیہ نے آپ کو بتلایا کہ اگر مفعول بہ نہ ہو، باقی وہ مفاعیل وغیرہ موجود ہیں جو نائب الفاعل بن سکتے ہیں، تو ان میں سے پھر آپ جس کو بھی بنانا چاہیں نائب الفاعل بنا سکتے ہیں۔ اور بابِ أَعْطَيْتُ کے اندر مفعولِ اول کو نائب الفاعل بنانا اولیٰ ہے مفعولِ ثانی کے مقابلے میں۔ میں نے بتایا تھا بابِ أَعْطَيْتُ سے وہ فعل مراد ہیں جو دو مفعول چاہتے ہیں اور ان دونوں مفعولوں کی ذات ایک دوسرے سے الگ ہوتی ہے۔ أَعْطَيْتُ زَيْدًا دِرْهَمًا، دیکھو زید کی ذات اور ہے اور درہم اور ہے بھئی۔ تو اس کے اندر جو مفعولِ اول ہے اس کو فاعل کا قائم مقام کرنا یہ اولیٰ ہے۔ وجہ یہ کہ اس کے اندر بھی فاعلیت والا معنی ہے: أَعْطَيْتُ زَيْدًا میں نے زید کو دیا، کیا دیا؟ درہم۔ تو جب میں نے زید کو درہم دیا، تو معلوم ہوا

اس نے درہم لے لیا۔ میں درہم دینے والا تو وہ درہم لینے والا۔ تو دیکھو لینے کا فعل اس نے کیا ہے، وہ اس کا فاعل ہے۔ تو دیکھو اس کے اندر فاعل والا معنی آگیا۔ فعل تو یہاں صرف أَعْطَيْتُ ہے بھئی، لینے والا فعل موجود نہیں، لیکن وہ معنی کے اعتبار سے اس نے ایک فعل کیا ہے یا نہیں؟ تو اس میں فاعلیت والا معنی آگیا، اور جس کے اندر فاعل ہونے کا معنی ہو وہ زیادہ لائق ہے کہ فاعل کی جگہ اس کو واقع کیا جائے بھئی۔ تو لہٰذا زید جو ہے وہ عَاطٍ ہوا بھئی عَاطٍ، آخذ یعنی لینے والا، جبکہ درہم وہ تو مَعْطُوٌّ ہے یعنی جس کو لیا گیا ہے، اس کے اندر فاعل والا معنی نہیں۔

اور صاحبِ جامی نے پھر بتایا تھا کہ اگر آپ چاہیں تو مفعولِ ثانی کو بھی نائب الفاعل بنا سکتے ہیں، اس کو نائب الفاعل بنانا بھی جائز ہے، لیکن اس وقت جب التباس نہ ہو، کوئی اشتباہ کا خطرہ نہ ہو۔ اور اگر اشتباہ ہو تو پھر مفعولِ اول کو ہی نائب الفاعل بنانا متعین ہے۔ جیسے أُعْطِيَ زَيْدٌ عَمْرًا، زید کو عمرو دیا گیا۔ اب دیکھو عمرو غلام ہے، کس کو دیا گیا؟ زید کو۔ اب یہاں دونوں کے نام ذکر ہیں، نام سے تو پتہ نہیں چلے گا کون غلام ہے اور کون غیرِ غلام ہے۔ تو لہٰذا یہاں پر اگر آپ جگہ بدلیں گے تو پھر التباس لازم آئے گا، سننے والے کو پتہ نہیں چلے گا کون غلام ہے اور کون غیرِ غلام ہے۔ لہٰذا ایسے موقع پر جو نائب الفاعل ہے وہ مفعولِ اول ہی کو بنائیں گے، اور جس کو دیا گیا یعنی جو غلام حوالے کیا گیا وہ مفعولِ ثانی ہے اس کو نائب الفاعل نہیں بنائیں گے۔

بات سمجھ میں آگئی؟ اب آگے دیکھیے بھئی آج کا سبق: وَمِنْهَا الْمُبْتَدَأُ وَالْخَبَرُ، وَفِي بَعْضِ النُّسَخِ وَمِنْهُ، يَعْنِي مِنْ جُمْلَةِ الْمَرْفُوعَاتِ أَوْ مِنْ جُمْلَةِ الْمَرْفُوعِ، الْمُبْتَدَأُ وَالْخَبَرُ. مرفوعات میں سے فاعل کا بیان بھی گزر گیا، اور مَفْعُولُ مَا لَمْ يُسَمَّ فَاعِلُهُ یعنی نائب الفاعل کا بیان بھی گزر گیا۔ اب مرفوعات میں سے بتدا اور خبر کو بیان کرنے لگے ہیں بھئی۔ اور میں نے آپ کو بتلایا تھا کہ صاحبِ کافیہ کی عادت یہ ہے کہ وہ وَمِنْهُ کے ذریعے فصل کرتے ہیں اقسام کے اندر۔ لیکن صرف پہلی قسم کے اندر عموماً وہ وَمِنْهُ ذکر کر دیتے ہیں اور باقی اقسام پڑھنے والے کے حوالے کر دیتے ہیں کہ وہ خود ہی سمجھتا جائے گا۔ شروع میں وَمِنْهُ لے آتے ہیں، اس سے اتنا پتہ چل گیا کہ اب قسمیں بیان ہونے لگی ہیں، تو باقیوں کے لیے وَمِنْهُ کو حذف کر لیتے ہیں، وہ شروع کے وَمِنْهُ پر اکتفا کر لیتے ہیں۔

اور لیکن بتدا اور خبر میں وہ دوبارہ وَمِنْهَا لے کر آئے بھئی، وَمِنْهَا لے کر آئے۔ وجہ اس کی گذشتہ سے پیوستہ سبق میں گزر چکی ہے کہ چونکہ فاعل کے بعد مَفْعُولُ مَا لَمْ يُسَمَّ فَاعِلُهُ کا ذکر آیا تھا، تو بتدا خبر کے لیے تو وَمِنْهَا ذکر کیا، مَفْعُولُ مَا لَمْ يُسَمَّ فَاعِلُهُ کے لیے وَمِنْهُ ذکر نہیں کیا، اس لیے کیونکہ اس کا شدید اتصال ہے فاعل کے ساتھ، حتیٰ کہ بعض علماء نے اس کو فاعل ہی شمار کیا ہے۔ تو فاعل کے بعد مَفْعُولُ مَا لَمْ يُسَمَّ فَاعِلُهُ آیا اور اس کے اندر وَمِنْهُ نہیں لے کر آئے کیونکہ اس کا شدید اتصال ہے فاعل کے ساتھ۔ تو آگے بتدا خبر آرہے تھے تو کہیں کوئی پڑھنے والا یہ نہ سمجھے کہ یہ بتدا اور خبر بھی فاعل کی قبیل سے ہیں، جس طرح مَفْعُولُ مَا لَمْ يُسَمَّ فَاعِلُهُ کس قبیل سے تھا؟ فاعل کی قبیل سے تھا۔ تو کوئی یہ نہ سمجھے کہ یہ جو بتدا

اور خبر ہیں یہ بھی فاعل کی قبیل سے ہیں، اس لیے یہاں بالخصوص صاحبِ کافیہ نے وَمِنْهَا ذکر کر دیا۔

اب ذرا صرف متن متن دیکھیے بھئی۔ کہتے ہیں: وَمِنْهَا الْمُبْتَدَأُ وَالْخَبَرُ. وَمِنْهَا کی هَا ضمیر راجع ہے مرفوعات کو، هَا ضمیر۔ مرفوعات جمع ہے اور جمع بتاویلِ جَمَاعَةٌ واحد مؤنث کے حکم میں ہوتا ہے، تو عموماً اس کی طرف واحد مؤنث کی ضمیر راجع کی جاتی ہے۔ وَمِنْهَا أَيْ وَمِنَ الْمَرْفُوعَاتِ اور مرفوعات میں سے جو ہیں، الْمُبْتَدَأُ وَالْخَبَرُ بتدا اور خبر ہیں بھئی۔

بھئی باقی سارے مرفوعات صاحبِ کافیہ الگ الگ ذکر کر رہے ہیں، لیکن بتدا اور خبر کو اکٹھا ہی ذکر کیا اور کیا کہا: وَمِنْهَا الْمُبْتَدَأُ وَالْخَبَرُ کہ مرفوعات میں سے بتدا اور خبر ہیں۔ تو ان دونوں کو صاحبِ کافیہ نے اس لیے اکٹھا کیا، اس لیے کیونکہ بتدا اور خبر میں تلازم ہے۔ بتدا اور خبر میں تلازم ہے۔ بتدا کے لیے کیا لازم؟ خبر لازم، اور خبر کے لیے بتدا لازم ہے۔ تو ان میں تلازم ہے یعنی جہاں بتدا ذکر ہوتا ہے وہاں خبر ذکر کی جاتی ہے اور جہاں خبر ہوتی ہے وہاں بتدا بھئی، اور بغیر دلیل کے کسی ایک کو بھی حذف نہیں کیا جاتا۔ اور نیز اس لیے کیونکہ دونوں شریک ہیں آپس میں عاملِ معنوی کے اندر۔ بتدا کے اندر بھی عامل کوئی لفظ نہیں ہے بلکہ عاملِ معنوی ہے یعنی ابتدا، اور خبر کے اندر بھی عامل جو ہے کوئی لفظ نہیں ہے بلکہ معنوی عامل ہے اور وہ ہے ابتدا۔ وہ کیا ہے؟ ابتدا۔

ابتدا کسے کہتے ہیں؟ کسی اسم کا خالی ہونا عواملِ لفظیہ سے اس طور پر کہ یہ مسند الیہ ہو یا مسند ہو۔ کسی اسم کا خالی ہونا عواملِ لفظیہ سے اس طور پر کہ یہ مسند ہو یا مسند الیہ ہو، اس کا نام ہے ابتدا۔ توجہ ہے؟ میں پہلے بھی ذکر کر چکا ہوں طلبہ پریشان ہوتے ہیں کہ پتہ نہیں ابتدا کیا چیز ہے بھئی۔ ابتدا کا معنی ہے عاملِ لفظی کا نہ ہونا، عاملِ لفظی سے خالی ہونا، لیکن اس طور پر کہ وہ مسند الیہ ہو یا مسند ہو۔ یہ مسند الیہ اور مسند کی قید اس لیے لگاتے ہیں کہ یہ جو ابتدا ہے یہ صرف بتدا اور خبر میں عامل ہے۔ کس میں؟ بتدا اور خبر میں عامل ہے اور کسی جگہ یہ ابتدا عامل نہیں۔ تو لہٰذا ابتدا کی ایسی تعریف کرو کہ صرف بتدا یا خبر ہی داخل ہوں اس کے اندر، اور کوئی نہ داخل ہو۔ چنانچہ جب کہا کہ ابتدا کسے کہتے ہیں؟ وہ اسم جو عواملِ لفظیہ سے خالی ہو۔ تو اکیلا لفظِ زید ہے، دیکھو یہ بھی عواملِ لفظیہ سے خالی ہے، تو اس کے اندر بھی کہنا پڑے گا ابتدا عامل ہے، حالانکہ اس کے اندر تو کوئی عامل نہیں۔ یہ تو ترکیب میں ہی واقع نہیں ہے بھئی۔ بات سمجھ میں آ رہی ہے؟ اکیلا لفظِ زید۔ تو دیکھو یہ بھی عواملِ لفظیہ سے خالی ہے، تو اس پر بھی ابتدا کی تعریف صادق آ رہی ہے۔ ابتدا کی کیا تعریف کی؟ کہ وہ اسم جو عواملِ لفظیہ سے خالی ہو، تو اکیلا لفظِ زید ہو، یا اکیلا عمرو ہو، یا بکر ہو، یا خالد ہو، یا اور کوئی لفظ ہو، کتاب ہے، قلم ہے، مثلاً چیزیں شمار کرتے ہوئے آپ ایک ایک چیز ذکر کرتے ہیں، درمیان میں کوئی ترکیب وغیرہ نہیں ہوتی صرف آپ چیزوں کو شمار کر رہے ہیں، تو پھر تو یہ بھی داخل ہو رہے تھے اس تعریف کے اندر کہ ان کے اندر بھی ابتدا عامل ہے، حالانکہ ابتدا صرف بتدا اور خبر میں عامل ہے۔ لہٰذا ساتھ پھر قید لگاتے ہیں۔

تعریف کیا کی؟ کہ ابتدا کسے کہتے ہیں کہ اسم کا خالی ہونا عواملِ لفظیہ سے اس طور پر کہ یہ مسند الیہ بن رہا ہو یا مسند ہو

بھئی۔ اور یہ تعریف اب صرف مبتدا اور خبر پر صادق ہے۔ صرف مبتدا اور خبر پر۔ دیکھو مبتدا کیا ہے؟ مسند الیہ، اور خبر کیا ہے؟ مسند ہے بھئی۔ تو اسم کا خالی ہونا عوامِلِ لفظیہ سے اس طور پر کہ وہ مسند الیہ ہو یا مسند ہو بھئی۔ اور میں نے بتایا یہ ابتدا صرف مبتدا خبر میں عامل ہے اور کسی جگہ عامل نہیں بھئی۔ تو اس لیے دونوں کو صاحبِ کافیہ نے اکٹھا ذکر کیا بھئی کہ دونوں ایک دوسرے کے ساتھ لازم بھی ہیں، اور نیز دونوں عاملِ معنوی کے اندر بھی دونوں کا اشتراک ہے بھئی، دونوں کے اندر عاملِ معنوی ہے یعنی ابتدا۔

آگے دیکھیے متن متن دیکھیے۔ کہتے ہیں: فَالْمُبْتَدَأُ هُوَ الِاسْمُ الْمُجَرَّدُ عَنِ الْعَوَامِلِ اللَّفْظِيَّةِ مُسْنَدًا إِلَيْهِ. مبتدا جو ہے هُوَ الِاسْمُ الْمُجَرَّدُ وہ اسم ہے جو خالی ہو عَنِ الْعَوَامِلِ اللَّفْظِيَّةِ کس سے؟ عوامِلِ لفظیہ سے، مُسْنَدًا إِلَيْهِ اس حال میں کہ وہ مسند الیہ ہو۔ مبتدا وہ اسم ہے جو عوامِلِ لفظیہ سے خالی ہو اس حال میں کہ یہ کیا ہو؟ مسند الیہ ہو، یعنی اس کی طرف اسناد کیا گیا ہو۔ جیسے زَيْدٌ قَائِمٌ، یہ زَيْدٌ مسند الیہ ہے اور اس کی طرف قَائِمٌ کا اسناد کیا گیا ہے، تو زَيْدٌ ہوا مسند الیہ، یہ ہے مبتدا۔ تو مبتدا کسے کہتے ہیں؟ وہ اسم جو عوامِلِ لفظیہ سے خالی ہو اور اس حال میں کہ وہ مسند الیہ ہو یعنی اس کی طرف کسی چیز کا اسناد کیا گیا ہو بھئی۔

أَوِ الصِّفَةُ، یہاں سے ایک مبتدا کی قسمِ ثانی بیان کرنے لگے ہیں۔ بھئی اب تک آپ نے جو پڑھا ہے کہ مبتدا جو ہے مسند الیہ ہوتا ہے اور خبر مُسْنَدٌ بِهِ ہوتی ہے۔ اب آج آپ کو صاحبِ کافیہ بتلائیں گے مبتدا کی ایک قسمِ ثانی بھی بھئی۔ مبتدا کی قسمِ ثانی بھئی یاد رکھو اس میں تین شرطیں ہیں۔ پہلی شرط یہ ہے کہ صیغہ صفت کا ہونا چاہیے۔ صیغہ صفت کا ہونا چاہیے۔ اور صفت کے صیغے سے کون سی صفت مراد ہے؟ یاد رکھو اس سے چار صفت کے صیغے مراد ہیں: اسمِ فاعل، اسمِ مفعول، صفتِ مشبہ اور اسمِ منسوب بھئی۔ اسمِ منسوب۔ کون کون سے صفت کے صیغے ہیں؟ اسمِ فاعل بھئی۔ اسمِ فاعل۔ بھئی میں نے آپ کو بتایا تھا ایک ہے فاعل ایک ہے اسمِ فاعل۔ فاعل کسے کہتے ہیں؟ جسے فعل یا صفت کا صیغہ رفع دے۔ ضَرَبَ زَيْدٌ یہ زَيْدٌ کیا ہے؟ فاعل۔ اور اسمِ فاعل کسے کہتے ہیں؟ وہ مخصوص صیغہ جو آپ نے گردانوں میں پڑھا ہے ضَارِبٌ، فَاتِحٌ، مُكْرِمٌ وغیرہ۔ اسی طرح ایک ہے مفعول ایک ہے اسمِ مفعول۔ مفعول کسے کہتے ہیں؟ جسے فعل یا صفت کا صیغہ نصب دے۔ ضَرَبْتُ زَيْدًا یہ زَيْدًا کیا ہے؟ مفعول ہے اس پر ضرب واقع ہوئی ہے۔ اور ایک ہوتا ہے اسمِ مفعول بھئی۔ اسمِ مفعول وہ مخصوص صیغے کا نام ہے جو آپ نے گردانوں میں پڑھا ہے مَضْرُوبٌ، مَفْتُوحٌ، مُكْرَمٌ وغیرہ۔ اسی طرح ایک صفتِ مشبہ ہے بھئی، جس کا سب سے مشہور وزن کیا ہے؟ فَعِيلٌ ہے، شَرِيفٌ، سَمِيعٌ، كَلِيمٌ وغیرہ۔ یہ صفتِ مشبہ ہے۔ اسی طرح حَسَنٌ یہ بھی کیا ہے؟ صفتِ مشبہ ہے بھئی۔ اور ایک اسمِ منسوب ہے بھئی۔ اسمِ منسوب وہ اسم کہ جس کے ساتھ یائے مشدد لگا دی جاتی ہے نسبت کے لیے۔ جیسے لاہور شہر کا نام ہے، آپ لاہور کی طرف کسی چیز کی نسبت کرنا چاہتے ہیں تو لاہور کے آخر میں یائے مشدد لگا دیں گے: لَاهُورِيٌّ کیا معنی؟ لاہور والا، یعنی لاہور کی طرف منسوب کوئی چیز۔ پاكِسْتَانِيٌّ

کیا معنی؟ پاکستان کی طرف منسوب کوئی چیز بھئی۔ تو اس کو اسمِ منسوب کہتے ہیں۔ کیا کہتے ہیں؟ اسمِ منسوب۔ توجہ ہے؟

اور مَنْسُوبٌ کون سا صیغہ ہے؟ مفعول۔ تو اور اسمِ مفعول کے لیے کیا چاہیے ہوتا ہے؟ نائبِ فاعل۔ تو لہٰذا یہ جو اسمِ منسوب ہے اس کے اندر بھی یاد رکھو ضمیر ہوتی ہے اور وہ اس کا نائب الفاعل بنتی ہے۔ تو لَاهُورِيٌّ یہ کیا ہے؟ اسمِ منسوب، اس کے اندر هُوَ ضمیر ہوگی جو مرفوع محلاً اس کا نائب الفاعل ہے، کیونکہ اسمِ منسوب ہے مَفْعُولٌ وزن ہے، اور اسمِ مفعول کے لیے فاعل آتا ہے یا نائب الفاعل؟ نائب الفاعل۔ دیکھو اسمِ فاعل کے لیے فاعل آتا ہے، صفتِ مشبہ کے لیے بھی فاعل آتا ہے، اور اسی طرح اسمِ تفضیل کے لیے بھی فاعل آتا ہے وغیرہ، لیکن یہ جو اسمِ مفعول ہے یہ فعلِ مجہول سے بنتا ہے اور جیسے فعلِ مجہول کے لیے نائب الفاعل چاہیے تو اسمِ مفعول کے لیے بھی نائب الفاعل چاہیے۔ اور یہ جو لَاهُورِيٌّ ہے یہ جو اسمِ منسوب ہے یہ بھی کس تاویل میں ہے؟ یہ مَنْسُوبٌ کی تاویل میں ہے، مفعول، اسمِ مفعول، تو یہ اسمِ مفعول والا وزن ہے دیکھو، تو اسمِ منسوب کے لیے بھی کیا چاہیے؟ نائب الفاعل چاہیے۔ تو جیسے صفت کے صیغوں کے لیے فاعل یا نائب فاعل چاہیے، اسی طرح اسمِ منسوب کے لیے بھی فاعل یا نائب فاعل چاہیے۔ تو عام علماء اس کی تاویل کرتے ہیں اسمِ منسوب کے ساتھ۔ لَاهُورِيٌّ کو کیا کہتے ہیں؟ اسمِ منسوب ہے تو اس کے اندر هُوَ ضمیر کو وہ نائب الفاعل بناتے ہیں۔ جبکہ بعض علماء اس کو اسمِ فاعل کی تاویل میں کرتے ہیں، وہ کہتے ہیں یہ اسمِ مُنْتَسِبٌ ہے۔ اِنْتَسَبَ يَنْتَسِبُ اِنْتِسَابًا فَهُوَ مُنْتَسِبٌ. تو دیکھو وہ اسمِ فاعل کی تاویل میں اس کو لیتے ہیں۔ مُنْتَسِبٌ جس کی نسبت ہو رہی ہے۔ تو یہ اسمِ مُنْتَسِبٌ کی تاویل میں بعض علماء فرماتے ہیں، اور مُنْتَسِبٌ تو کون سا صیغہ ہے؟ اسمِ فاعل، تو اس کے لیے تو کیا چاہیے؟ فاعل، تو اس صورت میں پھر وہ جو اس کے اندر ضمیر نکالتے ہیں اس کو نائب الفاعل نہیں بناتے بلکہ فاعل بناتے ہیں۔ تو اسمِ منسوب کہیں تو اس کے اندر نائب الفاعل نکالیں، اور اگر اسمِ مُنْتَسِبٌ کہیں تو پھر اس کے اندر فاعل کی ضمیر نکالیں۔ بات سمجھ میں آگئی؟

مبتدا کی قسمِ ثانی ہم پڑھ رہے تھے بھئی، مبتدا کی قسمِ ثانی۔ اور یاد رکھو یہ جو مبتدا کی قسمِ ثانی ہوتی ہے یہ مسند ہوتی ہے۔ مبتدا کی قسمِ اول تو مسند الیہ تھی، لیکن یہ قسمِ ثانی کیا ہے؟ مسند ہے۔ اور اس کے اندر تین شرطیں ہیں بھئی۔ پہلی شرط صاحبِ کافیہ نے ذکر کی کہ وہ صفت کا صیغہ ہونا چاہیے، اور صفت سے کون سے صیغے مراد ہیں؟ اسمِ فاعل، اسمِ مفعول، صفتِ مشبہ اور اسمِ منسوب مراد ہے۔ اسمِ منسوب جو ہے یہ صفت کا صیغہ تو نہیں لیکن یہ صفت کے صیغے کے قائم مقام ہے، جب اس کے ساتھ یائے مشدد لگا دی گئی تو اب یہ صفت کے صیغے کے قائم مقام ہو گیا اسی لیے اس کو اسمِ منسوب یا اسمِ منتسب کہتے ہیں۔ تو پہلی شرط کیا مبتدا کی قسمِ ثانی میں؟ کہ صیغہ کون سا ہونا چاہیے؟ صفت کا۔ دوسری شرط یہ ہے کہ وہ حرفِ نفی یا حرفِ استفہام کے بعد ہو۔ کس کے بعد ہو؟ حرفِ نفی یا حرفِ استفہام کے بعد آئے۔ اور تیسری شرط یہ ہے کہ وہ اسمِ ظاہر کو رفع دے۔ یہ صفت کا صیغہ اسمِ ظاہر کو رفع دے۔

بھئی میں نے آپ کو بتلایا تھا کہ جیسے فعل کے لیے ہمیشہ فاعل یا نائب فاعل ضرور چاہیے، اور وہ فاعل یا نائب فاعل ایک ہی آئے گا، اور وہ ضمیر بھی آسکتی ہے اور اسمِ ظاہر بھی، لیکن آئے گا ایک ہی۔ اگر ضمیر کو آپ نے فاعل بنایا تو اسمِ ظاہر کو فاعل نہیں بنا سکتے، اور اگر اسمِ ظاہر کو فاعل بنایا ہے تو پھر فعل کے اندر ضمیر نہیں نکالیں گے۔ اور نیز آپ نے یہ بھی پڑھا تھا کہ جب فاعل اسمِ ظاہر ہو تو فعل کو ہمیشہ مفرد رکھتے ہیں۔ زَیْدٌ کو آپ فاعل بنانا چاہتے ہیں اور یہ اسمِ ظاہر ہے، اور اسمِ ظاہر جو ہے وہ پہلے یا چوتھے صیغے کے لیے فاعل بن سکتا ہے، کسی اور صیغے کے لیے نہیں۔ تو مثلاً ضَرَبَ یا ضَرَبَتْ کے لیے، ضَرَبَ لائیں گے مذکر کے لیے اور ضَرَبَتْ لائیں گے مؤنث کے لیے۔ تو میں زَیْدٌ کو فاعل بنانا چاہتا ہوں کیا کہوں گا؟ ضَرَبَ زَیْدٌ۔ اگر میں الزَّیْدَانِ کو فاعل بنانا چاہتا ہوں تو دیکھو الزَّیْدَانِ بے شک تثنیہ ہے لیکن ہے تو اسمِ ظاہر، اور اسمِ ظاہر جب بھی فاعل ہو فعل کو ہمیشہ کیا رکھتے ہیں؟ مفرد، تو وہی ضَرَبَ لے کر آئیں گے: ضَرَبَ الزَّیْدَانِ۔ ضَرَبَا تثنیہ کا صیغہ آپ لے آئیں؟ نہیں بھئی، اس لیے کیونکہ اگر آپ تثنیہ کا صیغہ لائیں گے تو اس کے ساتھ تو یہ الف ضمیر جڑی ہوئی ہے، یہ فاعل بن جائے گی بھئی۔ تو یہ فاعل بن جائے گی تو آگے الزَّیْدَانِ پھر فاعل نہیں بن سکتا۔ تو ضَرَبَ یہ مفرد ہی رکھیں گے اور الزَّیْدَانِ تثنیہ اس کے لیے فاعل ہو جائے گا، کیونکہ وہ اسمِ ظاہر ہے۔

اسی طرح آپ الزَّیْدُونَ کو فاعل بنانا چاہتے ہیں، تو بھی ضَرَبَ کو مفرد رکھیں گے: ضَرَبَ الزَّیْدُونَ۔ کیونکہ اگر آپ جمع لائیں گے ضَرَبُوا الزَّیْدُونَ، تو پھر تو یہ وَاو فاعل بن جائے گا اور فاعل جو ہے ایک وقت میں ایک ہی آتا ہے، ضمیر آجائے تو اسمِ ظاہر نہیں آسکتا، اور اسمِ ظاہر آجائے تو ضمیر نہیں آسکتی۔ اور پھر آپ نے یہ بھی پڑھا کہ یہ جو صفت کے صیغے ہیں یہ بھی فعل جیسا عمل کرتے ہیں۔ جیسے فعل کے لیے فاعل یا نائب فاعل ضرور چاہیے، صفت کے صیغوں کے لیے بھی فاعل یا نائب فاعل ضرور چاہیے۔ اور جیسے فعل کے لیے فاعل یا نائب فاعل ایک ہی آتا ہے، ضمیر بھی آسکتی ہے اور اسمِ ظاہر بھی لیکن آئے گا ایک ہی، اسی طرح صفت کے صیغوں کے لیے بھی فاعل یا نائب فاعل ضمیر بھی آسکتی ہے اور اسمِ ظاہر بھی لیکن آئے گا ایک ہی بھئی۔ بات سمجھ میں آئی؟ اور پھر آپ نے یہ بھی پڑھا جب اسمِ ظاہر فاعل ہو، تو فعل کو ہمیشہ مفرد رکھتے ہیں، چاہے وہ اسمِ ظاہر مفرد ہو، تثنیہ ہو، جمع ہو اس کو آپ نے نہیں دیکھنا، بس فعل کو مفرد رکھنا ہے جب اسمِ ظاہر فاعل ہو۔ اسی طرح صفت کے صیغے میں بھی جب یہ اسمِ ظاہر کو رفع دے گا، تو اس صفت کے صیغے کو بھی ہمیشہ مفرد رکھنا ہے بھئی۔ اس کو تثنیہ یا جمع نہیں لا سکتے۔

اس کے بعد پھر ایک اور بات یاد رکھنا بھئی۔ دیکھو یاد رکھو فعل کے اندر یہ جو الف اور واو آتے ہیں: ضَرَبَ، ضَرَبَا، ضَرَبُوا، یہ الف اور واو جو آئے فعل کے اندر، یہ ضمیریں ہیں۔ ضَرَبَا یہ الف کیا ہے؟ تثنیہ مذکر غائب کی ضمیر ہے۔ ضَرَبُوا یہ واو کیا ہے؟ جمع مذکر غائب کی ضمیر ہے۔ تو فعل کے اندر یہ جو الف اور واو آتے ہیں، یہ ضمیریں ہیں۔ لیکن یہ جو صفت کے صیغوں میں الف اور واو آتے ہیں، یہ ضمیریں نہیں۔ ضَارِبٌ سے تثنیہ بناؤ ضَارِبَانِ، یہ الف آگیا درمیان میں، یہ الف ضمیر

نہیں ہے۔ ضمیر نہیں ہے۔ یہ صرف تثنیہ کی علامت ہے، یہ صرف اتنا بتلا رہا ہے کہ ضرب لگانے والے دو ہیں۔ فاعل نہیں ہے یہ۔ یہ تثنیہ کی علامت ہے۔ اسی طرح ضَارِبُونَ اس کے اندر جو واو آیا، یہ ضمیر نہیں ہے، یہ صرف جمع کی علامت ہے۔ تو فعل کے اندر جو الف اور واو آئیں وہ کیا ہوتے ہیں؟ وہ ضمیریں ہیں، اور صفت کے صیغے کے اندر جو الف اور واو آئیں وہ صرف تثنیہ اور جمع کی علامتیں ہیں۔ اور دلیل بھی ساتھ یاد رکھو، دلیل آپ کو یاد رہے گی تو پھر اشتباہ کبھی نہیں ہو گا۔ بھئی دیکھو اگر یہ جو صفت کے صیغوں میں الف اور واو ہیں اگر یہ ضمیریں ہوتیں، تو ان میں کوئی تبدیلی نہ آتی، حالانکہ حالتِ نصبی جری میں یہ الف اور واو یاء سے بدل جاتے ہیں۔ ضَارِبَانِ یہ حالتِ رفعی میں ہے، حالتِ نصبی جری میں لے جائیں ضَارِبَيْنِ، وہ الف کس سے بدل گیا؟ یاء سے۔ اگر وہ الف ضمیر ہوتا تو وہ بدل نہیں سکتا تھا کیونکہ ضمیر تو مبنی ہے اس میں کوئی تبدیلی نہیں آتی۔ لیکن یہ یاء سے بدل گیا معلوم ہوا یہ الف جو ہے صرف تثنیہ کی علامت ہے بھئی۔ اسی طرح ضَارِبُونَ اس کو، یہ حالتِ رفعی میں ہے، اس کو حالتِ نصبی جری میں لے جائیں، تو ضَارِبِينَ، وہ واو کس سے بدل گیا؟ یاء سے، معلوم ہوا وہ واو ضمیر نہیں، ورنہ وہ یاء سے نہ بدلتا۔

تو بات یہ چل رہی تھی بتدا کی قسمِ ثانی کی۔ بتدا کی قسمِ اول کیا ہے؟ وہ مسند الیہ ہے۔ اور بتدا کی قسمِ ثانی کیا ہے؟ وہ مسند ہے، یہ بات یاد رکھنا۔ پھر بتدا کی قسمِ ثانی جو ہے، اس کے اندر تین شرطیں ہیں: پہلی شرط کیا؟ صیغہ کون سا ہو؟ صفت کا ہو، اور صفت سے کون سے صیغے، کون سی صفت کے صیغے مراد ہیں؟ اسمِ فاعل، اسمِ مفعول، صفتِ مشبہ اور اسمِ منسوب مراد ہے۔ معلوم ہوا اسمِ تفضیل اس کے اندر داخل نہیں ہے بھئی۔ تو صیغہ صفت کا ہو، اور کس کے بعد آئے؟ حرفِ نفی یا حرفِ استفہام کے بعد آئے، اور تیسری شرط یہ ہے کہ اسمِ ظاہر کو رفع دے۔ اسمِ ظاہر کو رفع دے۔ تو یہ جو قسم ہے یہ بتدا کی قسمِ ثانی ہے۔ بھئی کچھ مثالیں ذرا اپنے سامنے لکھیے بھئی۔

لکھیے بھئی: أَقَائِمٌ زَيْدٌ، شروع میں یہ ہمزہ استفہام کا ہے بھئی۔ أَقَائِمٌ زَيْدٌ۔ اس سے نیچے دوسری سطر میں لکھیے، دوسری مثال بھئی: أَقَائِمٌ الزَّيْدَانِ۔ اس کے نیچے تیسری مثال لکھیے: أَقَائِمٌ الزَّيْدُونَ۔ چوتھی مثال لکھیے بھئی اس سے نچلی سطر میں: أَقَائِمَانِ الزَّيْدَانِ۔ پانچویں مثال اس سے نیچے لکھیے: أَقَائِمُونَ الزَّيْدُونَ۔

لکھ لیا؟ دیکھیے پھر سنیے بھئی۔ میں نے پانچ مثالیں آپ کو لکھوائیں بھئی: پہلی مثال کیا؟ أَقَائِمٌ زَيْدٌ۔ دوسری مثال: أَقَائِمٌ الزَّيْدَانِ۔ تیسری مثال: أَقَائِمٌ الزَّيْدُونَ۔ چوتھی مثال: أَقَائِمَانِ الزَّيْدَانِ۔ پانچویں مثال: أَقَائِمُونَ الزَّيْدُونَ۔ توجہ ہے؟

بھئی دیکھیے ان مثالوں پر ذرا غور کیجیے۔ یہ شروع میں ہمزہ استفہام ہے، اور اس کے بعد یہ قَائِمٌ صفت کا صیغہ آ رہا ہے، اور آپ ان پانچ مثالوں پر غور کریں: بعض مثالوں میں صفت کا صیغہ مفرد ہے اور بعض میں مفرد نہیں ہے۔ پہلی تینوں مثالوں میں صفت کا صیغہ قَائِمٌ مفرد ہے، اور چوتھی اور پانچویں مثال میں وہ تثنیہ اور جمع ہے، أَقَائِمَانِ اور أَقَائِمُونَ۔ اور

اسی طرح آگے جو اسمِ ظاہر آرہا ہے اس میں بھی آپ غور کریں: بعض مثالوں کے اندر وہ اسمِ ظاہر مفرد ہے، یعنی پہلی مثال میں أَقَائِمٌ زَيْدٌ تو یہ زَيْدٌ مفرد ہے۔ اور باقی مثالوں میں، باقی مثالوں کے اندر آپ دیکھیں وہ تثنیہ یا جمع ہے: دوسری مثال کیا ہے؟ أَقَائِمٌ الزَّيْدَانِ دیکھو الزَّيْدَانِ تثنیہ ہے۔ تیسری مثال میں ہے أَقَائِمٌ الزَّيْدُونَ، الزَّيْدُونَ جمع ہے۔ اس سے اگلی مثال میں أَقَائِمَانِ الزَّيْدَانِ یہاں بھی اسمِ ظاہر یعنی الزَّيْدَانِ تثنیہ ہے۔ اور پانچویں مثال ہے أَقَائِمُونَ الزَّيْدُونَ اس کے اندر بھی الزَّيْدُونَ جمع ہے۔ تو کبھی کبھار یہ جو صفت کا صیغہ مفرد ہو گا اور کبھی مفرد نہیں ہو گا۔ اسی طرح آگے آنے والا اسمِ ظاہر وہ بھی کبھی مفرد ہو گا کبھی مفرد نہیں ہو گا۔ توجہ ہے؟

اب دیکھو ذرا پہلی مثال پر آئیے، پہلی مثال پر، اس کی ہم ترکیب کرتے ہیں بھئی: ہمزہ استفہام کے لیے بھئی سوال پوچھنے کے لیے۔ دیکھو قَائِمٌ زَيْدٌ آپ کے پاس دو لفظ ہیں اور ان دو لفظوں سے بات پوری ہو رہی ہے، اور اس میں ایک نکرہ ہے اور ایک معرفہ ہے۔ اور جب آپ کے پاس دو اسم ہوں اور دونوں سے بات پوری ہو رہی ہو، تو بتدا کس کو بنائیں گے؟ معرفہ کو، کیونکہ بتدا میں اصل ہے وہ معرفہ ہونا چاہیے، اور خبر نکرہ کو بنائیں گے کیونکہ خبر میں اصل یہ ہے کہ وہ نکرہ ہونی چاہیے۔ تو أَقَائِمٌ زَيْدٌ، قَائِمٌ نکرہ ہے اور زَيْدٌ معرفہ ہے، تو قَائِمٌ کو خبرِ مقدم بنائیں گے۔ جی ترکیب کیجیے: ہمزہ استفہام، قَائِمٌ مرفوع لفظاً صیغہ اسمِ فاعل، مرفوع کیوں؟ مرفوع کیوں؟ کیونکہ یہ خبرِ مقدم ہے۔ ابھی میں نے بتایا قَائِمٌ نکرہ ہے اور زَيْدٌ معرفہ ہے، تو قَائِمٌ مرفوع ہے یہ خبرِ مقدم ہے۔ تو قَائِمٌ مرفوع لفظاً صیغہ اسمِ فاعل، اور اسمِ فاعل کے لیے ہمیشہ کیا چاہیے؟ فاعل چاہیے، تو اس کے اندر هُوَ ضمیر، اس ضمیر کا اعراب کیا؟ مرفوع محلاً، اور وہ کس کو راجع؟ زید بتدا کو، اس لیے کیونکہ خبر کو بتدا سے جوڑتے ہیں۔ اور اس پر آپ کے ذہنوں میں اشکال آئے گا کہ یہ تو اضمار قبل الذکر لازم آیا۔ بھئی یہ اضمار قبل الذکر لفظاً ہے صرف، رتبتاً نہیں۔ لفظوں میں تو زید مؤخر ہے، لیکن وہ بتدا ہے تو رتبے کے اعتبار سے وہ مقدم ہے۔ تو یہاں اضمار قبل الذکر صرف لفظاً لازم آرہا ہے رتبتاً نہیں اور یہ جائز ہے۔ تو قَائِمٌ کے اندر هُوَ ضمیر کس کو راجع؟ زید کو۔ اسمِ فاعل اپنے فاعل سے مل کر شبہِ جملہ ہو کر خبرِ مقدم، اور زَيْدٌ مرفوع لفظاً بتدا مؤخر، بتدا اپنی خبر سے مل کر جملہ اسمیہ انشائیہ ہوا کیونکہ استفہام ہے۔

دوسرے جملے میں آئیے: أَقَائِمٌ الزَّيْدَانِ۔ جی ترکیب کیجیے: ہمزہ استفہام، قَائِمٌ مرفوع لفظاً صیغہ اسمِ فاعل۔ جی اب دیکھو یہاں پر بھی دو لفظ ہیں آپ کے پاس قَائِمٌ اور الزَّيْدَانِ، اور ایک معرفہ ہے اور ایک نکرہ، تو کیا کرتے ہیں؟ نکرہ کو خبر بناتے ہیں اور معرفہ کو بتدا۔ لہٰذا کیجیے ترکیب: ہمزہ استفہام، قَائِمٌ مرفوع لفظاً صیغہ اسمِ فاعل، مرفوع کیوں؟ کیونکہ یہ خبر ہے، کیا ہے؟ خبر۔ جی، تو خبر ہے، اس کے اندر هُوَ ضمیر مرفوع محلاً اس کا فاعل، جو کس کو راجع؟ الزَّيْدَانِ کو راجع۔ اب دیکھو مسئلہ

آگیا۔ یہ هُوَ ضمیر الزَّیْدَانِ کو نہیں لوٹ سکتی، کیونکہ هُوَ ضمیر ہے مفرد مذکر اور الزَّیْدَانِ ہے تثنیہ مذکر بھئی، تو مفرد کی ضمیر تو تثنیہ کو نہیں لوٹ سکتی۔

تو ایسے بعض مقام آئے جہاں پر مسئلہ حل نہیں ہو رہا تھا، تو مجبوراً نحویوں کو بتدا کی قسمِ ثانی بنانا پڑی۔ أَقَائِمٌ الزَّیْدَانِ، نحوی حضرات نے تو کیا کوشش کی کہ قَائِمٌ کو خبرِ مقدم بنائیں کیونکہ یہ نکرہ ہے اور الزَّیْدَانِ کو کیا بنا دیں؟ بتدا مؤخر بنا دیں، لیکن قَائِمٌ کو اگر خبرِ مقدم بنائیں تو خبر کو کس سے جوڑتے ہیں؟ بتدا سے، جملہ اور شبہِ جملہ کو جب بھی کسی چیز سے جوڑنا ہو درمیان میں ربط ضروری، اور وہ ربط عموماً غائب کی ضمیر کے ذریعے دیا جاتا ہے، اور قَائِمٌ کے اندر تو مفرد کی ضمیر ہے اور بتدا تو الزَّیْدَانِ تثنیہ ہے، تو مفرد کی ضمیر تو الزَّیْدَانِ تثنیہ کی طرف نہیں لوٹ سکتی۔ تو پھر مجبوراً نحوی حضرات کو بتدا کی قسمِ ثانی بنانا پڑی۔ اور انہوں نے پھر یہاں کیا ترکیب کی؟ ہمزہ استفہام، قَائِمٌ مرفوع لفظاً صیغہ اسمِ فاعل، اب اس کے اندر ضمیر نہیں نکالی، بلکہ الزَّیْدَانِ جو مرفوع لفظاً ہے، اس کو اس کا فاعل بنا دیا۔ اور مجھے بتائیے قَائِمٌ، الزَّیْدَانِ کو رفع دے سکتا ہے یا نہیں؟ رفع دے سکتا ہے، کیونکہ صفت کے صیغے کے لیے کیا چاہیے؟ فاعل یا نائب فاعل، تو اسمِ فاعل کے لیے فاعل چاہیے، اور فاعل ضمیر بھی آسکتی ہے اور اسمِ ظاہر بھی، اور الزَّیْدَانِ کیا ہے؟ اسمِ ظاہر ہے۔ اور اسمِ ظاہر جب فاعل ہو، فعل یا صفت کے صیغے کو مفرد رکھتے ہیں، چاہے وہ اسمِ ظاہر مفرد ہو، تثنیہ ہو، چاہے جمع، تو الزَّیْدَانِ یہ اسمِ ظاہر ہے، اگرچہ تثنیہ ہے لیکن ہے تو اسمِ ظاہر، تو یہ قَائِمٌ کے لیے فاعل بن سکتا ہے۔ توجہ ہے؟ تو قَائِمٌ مرفوع لفظاً صیغہ اسمِ فاعل، مرفوع کیوں؟ کیونکہ یہ بتدا ہے، یہ ہم نے تو خبر بنانے کی کوشش کی لیکن خبر نہیں بنا، تو اب اس کو بتدا بنایا نحوی حضرات نے، تو یہ قَائِمٌ مرفوع لفظاً صیغہ اسمِ فاعل، اور الزَّیْدَانِ مرفوع لفظاً اس کا فاعل، مرفوع لفظاً اس کا فاعل۔ اور یاد رکھو بھئی یہ الزَّیْدَانِ یہ قَائِمٌ کے لیے فاعل ہے، اور یہی قائم مقامِ خبر بھی ہے۔ کیونکہ بتدا کے لیے کیا چاہیے؟ خبر۔ تو الزَّیْدَانِ کو تو آپ نے فاعل بنا دیا کس کے لیے؟ قَائِمٌ کے لیے، تو یہ تو قَائِمٌ کے ساتھ جڑ گیا اور قَائِمٌ تو ہے بتدا، تو بتدا کے لیے کیا چاہیے؟ خبر بھی چاہیے اور آگے تو خبر کوئی ہے نہیں، تو مجبوراً نحوی حضرات کو کہنا پڑا کہ یہی جو فاعل ہے یہ خبر کے بھی قائم مقام ہے۔ یہ الزَّیْدَانِ، یہی فاعل جو ہے یہ خبر کے بھی قائم مقام ہے۔ توجہ ہے؟ تو لہٰذا اسمِ فاعل قَائِمٌ اپنے فاعل الزَّیْدَانِ سے مل کر یہ شبہِ جملہ ہو کر بتدا، اور الزَّیْدَانِ جو اس کا فاعل ہے وہی کیا ہے؟ قائم مقامِ خبر بھی، تو بتدا اپنے قائم مقامِ خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو دیکھو یہ ایسا بتدا ہے جس کی کوئی خبر نہیں۔ أَقَائِمٌ الزَّیْدَانِ یہ قَائِمٌ ایسا بتدا ہے جس کی کوئی خبر نہیں۔ بھئی دیکھو الزَّیْدَانِ وہ تو اس کا فاعل ہے بھئی، وہ تو خبر نہیں ہے، ویسے ہم نے قائم مقامِ خبر بنا دیا اس کو، لیکن حقیقت میں تو وہ خبر نہیں، وہ تو قَائِمٌ کا کیا بن چکا ہے؟ فاعل بن چکا ہے، اور اسمِ فاعل اپنے فاعل سے مل کر شبہِ جملہ ہو کر جملے کا ایک جز بنتا ہے، یہاں یہ بتدا بن رہا ہے اور کبھی یہ خبر بنتا ہے۔ تو لہٰذا یہ بتدا تو ہے لیکن یہ ایسا بتدا ہے جس کی

خبر کوئی نہیں۔ بات سمجھ آگئی اچھی طرح؟

اسی طرح اگلی مثال دیکھیے: أَقَائِمٌ الزَّيْدُونَ۔ ہمزہ استفہام، اور یہاں بھی قَائِمٌ کو ہم خبر بنانا چاہتے ہیں اور الزَّيْدُونَ کو کیا بنانا چاہتے ہیں؟ مبتدا۔ لیکن یہاں بھی وہی مسئلہ آئے گا۔ قَائِمٌ مرفوع لفظاً ہے اور اس کے اندر هُوَ ضمیر، اور هُوَ ضمیر کس کو لوٹانی ہے؟ الزَّيْدُونَ کو، کیونکہ وہ مبتدا ہم اس کو بنانا چاہتے ہیں اور خبر کو کس سے جوڑتے ہیں؟ مبتدا سے، لیکن ضمیر اور مرجع میں مطابقت نہیں۔ یہاں ہمیں جمع کی ضمیر چاہیے، لیکن قَائِمٌ کے اندر تو جمع کی ضمیر نہیں ہوتی بھئی۔ تو جب نحوی حضرات قَائِمٌ کو خبرِ مقدم نہیں بنا سکے اور الزَّيْدُونَ کو مبتدا مؤخر نہیں بنا سکے، تو مجبور ہو کر ان کو یہ کہنا پڑا کہ یہ قَائِمٌ خود ہی مبتدا ہے، اور یہ مبتدا کی قسمِ ثانی ہے اور یہ مسند ہے۔ تو مبتدا کی قسمِ اول کیا ہوتی ہے؟ مسند الیہ، اور مبتدا کی قسمِ ثانی مسند ہے۔ تو أَقَائِمٌ الزَّيْدُونَ ترکیب کیجیے: ہمزہ استفہام، قَائِمٌ مرفوع لفظاً صیغہ اسمِ فاعل، مرفوع کیوں؟ کیونکہ مبتدا ہے، یہ کیا ہے؟ مبتدا کی قسمِ ثانی۔ اور آگے الزَّيْدُونَ مرفوع لفظاً اس کا فاعل، اب قَائِمٌ میں کوئی ضمیر نہیں، الزَّيْدُونَ اس کا فاعل ہے۔ اسمِ فاعل اپنے فاعل سے مل کر شبہِ جملہ ہو کر مبتدا، اور یہی الزَّيْدُونَ اس کا قائم مقامِ خبر بھی ہے، تو مبتدا اپنے قائم مقامِ خبر سے مل کر جملہ، جملہ اسمیہ انشائیہ ہوا بھئی۔ تو دیکھو یہ ایسا مبتدا ہے جس کی خبر کوئی نہیں۔ الزَّيْدُونَ وہ تو اس کا فاعل ہے بھئی وہ تو خبر نہیں ہے، ہم نے ویسے قائم مقامِ خبر اس کو بنا دیا بھئی۔ تو یہ ایسا مبتدا ہے جس کی خبر نہیں ہے۔

تو ان تینوں مثالوں میں آپ دیکھیں، ان تینوں مثالوں میں صفت کا صیغہ مفرد ہے۔ اور صفت کا صیغہ جب مفرد ہو وہ اسمِ ظاہر کو رفع دے سکتا ہے یا نہیں؟ رفع دے سکتا ہے۔ لہٰذا جو پہلے جملے میں ترکیب کی تھی ذرا اس پہ دوبارہ آئیے۔ پہلے آپ نے کیا ترکیب کی تھی؟ أَقَائِمٌ زَيْدٌ، قَائِمٌ کو خبرِ مقدم بنایا تھا اور اس کے اندر هُوَ ضمیر راجع تھی کس کو؟ زید کو۔ اب ذرا ہم اس کو مبتدا کی قسمِ ثانی بنا کر دیکھتے ہیں، کیونکہ قَائِمٌ مفرد ہے اور آگے زید اسمِ ظاہر ہے، اور صفت کا صیغہ مفرد ہو تو یہ اسمِ ظاہر کو رفع دے سکتا ہے بھئی۔ جی: ہمزہ استفہام، قَائِمٌ مرفوع لفظاً صیغہ اسمِ فاعل، مرفوع کیوں؟ مبتدا ہے، کیونکہ اب ہم اس کو مبتدا کی قسمِ ثانی بنا رہے ہیں۔ تو یہ مرفوع لفظاً صیغہ اسمِ فاعل مبتدا ہے، اور آگے زَيْدٌ مرفوع لفظاً اس کا فاعل، اور یہی کیا ہے؟ قائم مقامِ خبر بھی ہے۔ تو اسمِ فاعل اپنے فاعل سے مل کر شبہِ جملہ ہو کر مبتدا، اور یہی زَيْدٌ کیا ہے؟ اس کا قائم مقامِ خبر ہے، تو مبتدا اپنے قائم مقامِ خبر سے مل کر جملہ اسمیہ انشائیہ ہوا۔ تو معلوم ہوا بھئی پہلے ہم نے اس میں کون سی ترکیب کی تھی؟ قَائِمٌ کو خبرِ مقدم بنایا تھا اور زَيْدٌ کو مبتدا مؤخر، وہ ترکیب بھی ٹھیک ہوئی، اور اب ہم نے قَائِمٌ کو مبتدا کی قسمِ ثانی بنایا اور زَيْدٌ کو اس کے لیے فاعل بنایا اور یہ ترکیب بھی ٹھیک ہو گئی۔ معلوم ہوا جب دونوں مفرد ہوں، صفت کا صیغہ بھی مفرد ہو اور آگے اسمِ ظاہر بھی مفرد ہو، تو اس میں دونوں ترکیبیں جائز ہیں۔ آپ چاہیں اس کو، یہ جو صفت کا صیغہ ہے، آپ چاہیں اس کو خبرِ مقدم بنا دیں اور آپ چاہیں تو اس کو مبتدا کی قسمِ ثانی بنا دیں۔

لیکن جب صفت کا صیغہ مفرد ہو اور آگے اسمِ ظاہر تثنیہ یا جمع ہو یعنی دونوں میں مطابقت نہیں، تو پھر اس صورت میں جیسے دوسری اور تیسری مثال میں تھا، تو اس صورت میں پھر یہ جو صفت کا صیغہ ہے اسی کو مبتدا کی قسمِ ثانی بنائیں گے۔ اور دیکھو اس میں تینوں شرطیں پوری ہیں، ان تینوں مثالوں میں تمام شرطیں پوری ہیں بھئی۔ دیکھو صیغہ کون سا ہے؟ صفت والا ہے، قَائِمٌ کون سا صیغہ ہے؟ پہلی تینوں مثالوں میں دیکھیں قَائِمٌ صفت کا صیغہ ہے، اور کس کے بعد واقع ہے؟ حرفِ استفہام کے بعد واقع ہے، اور تیسری شرط کیا تھی کہ اسمِ ظاہر کو رفع دے، اور اسمِ ظاہر کو صفت کا صیغہ کب رفع دیتا ہے؟ جب وہ مفرد ہو۔ کیا ہو؟ مفرد ہو پھر ہی رفع دے گا، تثنیہ یا جمع ہو تو پھر رفع... بھئی وہ اسمِ ظاہر کی بات نہیں کر رہا کہ وہ تثنیہ یا جمع نہ ہو، نہیں نہیں، صفت کا صیغہ دیکھو، تینوں مثالوں میں أَقَائِمٌ، أَقَائِمٌ، أَقَائِمٌ مفرد ہے۔ اور جب فاعل آگے اسمِ ظاہر آئے، توجہ ہے؟ ادھر دیکھو، جب فاعل اسمِ ظاہر آئے تو فعل کو ہمیشہ مفرد رکھتے ہیں، چاہے وہ اسمِ ظاہر مفرد ہو، تثنیہ ہو یا جمع ہو: ضَرَبَ زَيْدٌ، ضَرَبَ الزَّيْدَانِ، ضَرَبَ الزَّيْدُونَ۔ تو اسمِ ظاہر چاہے مفرد ہو تثنیہ ہو جمع ہو وہ نہیں دیکھنا، بلکہ فعل کو مفرد رکھنا ہے، اور یہ پہلی تینوں مثالیں جو میں نے ابھی لکھوائیں: أَقَائِمٌ زَيْدٌ، أَقَائِمٌ الزَّيْدَانِ اور أَقَائِمٌ الزَّيْدُونَ، ان تینوں مثالوں میں دیکھیں صفت کا صیغہ مفرد ہے، اور آگے اسمِ ظاہر آرہا ہے، اور صفت کا صیغہ جب مفرد ہو تو وہ اسمِ ظاہر کو رفع دے سکتا ہے چاہے وہ اسمِ ظاہر مفرد ہو، تثنیہ ہو یا جمع ہو۔ تو لہٰذا یہاں تینوں شرطیں پوری ہیں: صیغہ بھی صفت کا ہے، اور حرفِ استفہام کے بعد بھی واقع ہے، اور اسمِ ظاہر کو بھی رفع دے رہا ہے۔ تو پہلی جو مثال تھی أَقَائِمٌ زَيْدٌ جس میں دونوں مفرد ہیں صفت کا صیغہ بھی اور آگے اسمِ ظاہر بھی، اس میں دونوں ترکیبیں جائز ہیں۔ اور اگلی دو ترکیبیں جو ہیں جس میں صفت کا صیغہ تو مفرد ہے اور آگے اسمِ ظاہر تثنیہ یا جمع ہے، وہاں صفت کے صیغے کو مبتدا کی قسمِ ثانی ہی بنائیں گے۔

جبکہ آخری دو مثالیں ذرا دیکھیں: ان میں صفت کا صیغہ مفرد نہیں ہے، اور نیز اس کی مطابقت ہے آگے آنے والے اسمِ ظاہر سے، جیسے أَقَائِمَانِ الزَّيْدَانِ، قَائِمَانِ تثنیہ ہے تو الزَّيْدَانِ بھی تثنیہ، اور اگلی مثال ہے أَقَائِمُونَ الزَّيْدُونَ، قَائِمُونَ جمع ہے تو الزَّيْدُونَ بھی جمع ہے۔ تو دیکھو ان دو مثالوں میں اسمِ ظاہر تثنیہ اور جمع ہے، تو یہ آگے اسمِ ظاہر کو رفع نہیں دے سکتا۔ بھئی جب فاعل اسمِ ظاہر ہو فعل کو ہمیشہ کیا رکھتے ہیں؟ مفرد، تو یہاں پر بھی أَقَائِمَانِ الزَّيْدَانِ آپ الزَّيْدَانِ کو قَائِمَانِ کے لیے فاعل نہیں بنا سکتے۔ کیوں نہیں بنا سکتے؟ کیونکہ قَائِمَانِ مفرد نہیں ہے۔ یہ مفرد ہو تو پھر ہی یہ اسمِ ظاہر کو رفع دے سکتا ہے۔ اسی طرح أَقَائِمُونَ الزَّيْدُونَ یہ قَائِمُونَ اس کے لیے آپ الزَّيْدُونَ کو فاعل نہیں بنا سکتے۔ کیوں نہیں بنا سکتے؟ کیونکہ قَائِمُونَ مفرد نہیں ہے یہ جمع ہے۔ تو ان آخری دو مثالوں میں پھر یہ جو صفت کے صیغے ہیں ان کو خبرِ مقدم ہی بنانا پڑے گا۔

دیکھو ترکیب سنو: أَقَائِمَانِ الزَّيْدَانِ۔ ہمزہ استفہام، قَائِمَانِ مرفوع لفظاً صیغہ اسمِ فاعل، مرفوع کیوں؟ یہ خبرِ مقدم ہے، اور اس کے اندر... الف ضمیر؟ پھر کہہ رہے ہو! ابھی میں نے بتایا تھا صفت کے صیغوں میں جو الف اور واو آئیں وہ تثنیہ اور

جمع کی علامتیں ہیں وہ ضمیریں نہیں، تو قَائِمَانِ کے اندر الف کو فاعل نہیں کہنا، یہ الف صرف تثنیہ کی علامت ہے۔ تو اس کے اندر هُمَا ضمیر، هُمَا ضمیر مرفوع محلاً اس کا فاعل، جو کس کو راجع؟ الزَّيْدَانِ بتدا کو راجع ہے۔ تو قَائِمَانِ اسمِ فاعل اپنے فاعل سے مل کر شبہِ جملہ ہو کر خبرِ مقدم، اور الزَّيْدَانِ مرفوع لفظاً بتدا مؤخر، بتدا اپنی خبر سے مل کر جملہ اسمیہ انشائیہ ہوا۔ تو بتدا اپنی خبر سے مل کر جملہ اسمیہ انشائیہ ہوا۔ آپ نے قَائِمَانِ کو کیا بنایا؟ خبرِ مقدم، اور الزَّيْدَانِ کو کیا بنایا؟ بتدا مؤخر۔ بھئی آپ الزَّيْدَانِ کو قَائِمَانِ کے لیے فاعل کیوں نہیں بناتے؟ کیا وجہ؟ کیونکہ قَائِمَانِ مفرد نہیں ہے۔ اور صفت کا صیغہ جب اسمِ ظاہر کو رفع دے تو اس کا مفرد ہونا ضروری ہے۔ اگلی مثال دیکھیے بھئی: أَقَائِمُونَ الزَّيْدُونَ۔ ہمزہ استفہام کے لیے، قَائِمُونَ مرفوع لفظاً صیغہ اسمِ فاعل، مرفوع کیوں؟ کیونکہ یہ خبرِ مقدم ہے، اور اس کے اندر، اس کے اندر هُمْ ضمیر، اعراب بولو: مرفوع محلاً اس کا فاعل جو کس کو راجع؟ الزَّيْدُونَ کو راجع ہے۔ اسمِ فاعل اپنے فاعل سے مل کر شبہِ جملہ ہو کر خبرِ مقدم، اور الزَّيْدُونَ مرفوع لفظاً بتدا، بتدا اپنی خبر سے مل کر، بتدا اپنی خبر سے مل کر جملہ اسمیہ انشائیہ ہوا۔ تو یہاں اس جملے میں أَقَائِمُونَ الزَّيْدُونَ آپ الزَّيْدُونَ کو قَائِمُونَ کے لیے فاعل کیوں نہیں بناتے؟ کیونکہ قَائِمُونَ مفرد نہیں، اسمِ ظاہر جب فاعل ہو تو صفت کا صیغہ ہمیشہ مفرد ہونا چاہیے بھئی۔

بات سمجھ میں آگئی؟ تو یہ ساری مثالوں پر پھر ذرا نظر ڈالیں: ان میں دیکھیں بعض مثالوں کے اندر صفت کا صیغہ مفرد ہے بعض مثالوں میں صفت کا صیغہ مفرد نہیں ہے، اسی طرح آگے آنے والا اسمِ ظاہر بھی بعض مثالوں میں مفرد ہے بعض مثالوں میں مفرد نہیں ہے۔ تو یاد رکھنا، یاد رکھنا، وجہ اب سنو کہ صفت کا صیغہ یا مفرد ہو گا یا مفرد نہیں ہو گا، اگر مفرد نہ ہو تو پھر اس کو خبرِ مقدم ہی بنائیں گے، اس کو بتدا کی قسمِ ثانی نہیں بنائیں گے۔ توجہ ہے؟ پھر سنو، صفت کا صیغہ یا مفرد ہو گا یا مفرد نہیں ہو گا، جب مفرد نہ ہو تو پھر اس صفت کے صیغ کو بتدا کی قسمِ ثانی نہیں بنا سکتے، بلکہ اس کو خبرِ مقدم بنانا پڑے گا۔ اور جب صفت کا صیغہ مفرد ہو، پھر اس کے اندر آگے آنے والا اسمِ ظاہر بھی مفرد ہو گا یا مفرد نہیں: اگر آنے والا اسمِ ظاہر بھی مفرد ہے جیسے پہلی مثال میں ہے، صفت کا صیغہ بھی مفرد اور آگے اسمِ ظاہر بھی مفرد، وہاں دونوں ترکیبیں جائز ہیں، آپ چاہیں تو یہ جو قَائِمٌ ہے اس کو خبرِ مقدم بنائیں اور آپ چاہیں تو اس کو بتدا کی قسمِ ثانی بنا دیں۔ اور اگر صفت کا صیغہ تو مفرد ہے لیکن آگے آنے والا اسمِ ظاہر مفرد نہیں، جیسے دوسری اور تیسری مثال میں ہے، تو وہاں صفت کے صیغ کو بتدا کی قسمِ ثانی ہی بنانا پڑے گا، وہاں اس کو آپ خبرِ مقدم نہیں بنا سکتے، اس لیے کیونکہ بتدا کی قسمِ اول میں بتدا اور خبر میں مطابقت ہوتی ہے بھئی اور یہاں دونوں میں مطابقت نہیں ہے، لہٰذا یہاں بتدا کی قسمِ ثانی ہی اس کو بنائیں گے۔ جبکہ یہ جو قسمِ ثانی ہے وہ تو صرف بتدا ہے اس کے لیے تو خبر آتی ہی نہیں بھئی۔

تو حاصلِ کلام کیا؟ بتدا کی قسمِ اول مسند الیہ ہوتی ہے، اور بتدا کی قسمِ ثانی مسند ہے۔ ذرا یہ مثالوں پہ پھر نظر رکھو:

دوسری مثال کو دیکھیں: أَقَائِمٌ الزَّيْدَانِ۔ یہ قَائِمٌ کیا ہے؟ بتدا کی قسمِ ثانی ہے، اور الزَّيْدَانِ اس کے لیے فاعل ہے، تو قَائِمٌ کیا ہوا؟ مسند، اور فاعل کیا ہوتا ہے؟ مسند الیہ، تو دیکھو یہ جو قَائِمٌ ہے یہ مسند ہے اور یہ بتدا ہے، تو دیکھو بتدا کی قسمِ ثانی مسند ہے بھئی۔ تو بتدا کی قسمِ اول ہمیشہ کیا ہوتی ہے؟ مسند الیہ، اور بتدا کی قسمِ ثانی ہمیشہ کیا ہے؟ مسند، اور اس میں کتنی شرطیں ہیں؟ تین شرطیں: پہلی شرط کیا؟ صیغہ کون سا ہو؟ صفت کا۔ دوسری شرط کیا کہ وہ کس کے بعد ہو؟ حرفِ نفی یا حرفِ استفہام کے بعد ہو، اور تیسری شرط یہ کہ وہ اسمِ ظاہر کو رفع دے۔ بات اچھی طرح سمجھ میں آگئی؟

دیکھیے اب بھئی پہلے متن کا ذرا ترجمہ دیکھ لیں۔ کہتے ہیں: أَوِ الصِّفَةُ یا بتدا جو ہے وہ صفت ہے، الْوَاقِعَةُ بَعْدَ حَرْفِ النَّفْيِ جو حرفِ نفی کے بعد واقع ہو، أَوْ أَلِفِ الِاسْتِفْهَامِ یا الفِ استفہام کے بعد واقع ہو، رَافِعَةً لِظَاهِرٍ اور وہ صفت جو ہے اس حال میں ہو کہ وہ رفع دینے والی ہو اسمِ ظاہر کو۔ صیغہ صفت کا ہو، اور کس کے بعد آئے؟ حرفِ نفی یا حرفِ استفہام کے بعد آئے، اور اس حال میں کہ وہ صفت جو ہے رفع دینے والی ہو اسمِ ظاہر کو۔

جی اب شرح کے ساتھ دیکھیے سارا بھئی۔ کہتے ہیں: وَمِنْهَا الْمُبْتَدَأُ وَالْخَبَرُ، وَفِي بَعْضِ النُّسَخِ وَمِنْهُ. بھئی متن میں آیا وَمِنْهَا الْمُبْتَدَأُ وَالْخَبَرُ، صاحبِ جامی فرما رہے ہیں وَفِي بَعْضِ النُّسَخِ وَمِنْهُ، کہ کافیہ کے بعض نسخوں میں وَمِنْهَا کے بجائے وَمِنْهُ ہے، یعنی واحد مؤنث کی ضمیر کے بجائے واحد مذکر کی ضمیر مِنْ کے ساتھ جڑی ہوئی ہے، تو پھر اس صورت میں کیا معنی ہو گا وہ بیان کر رہے ہیں، کہتے ہیں: يَعْنِي مِنْ جُمْلَةِ الْمَرْفُوعَاتِ أَوْ مِنْ جُمْلَةِ الْمَرْفُوعِ الْمُبْتَدَأُ وَالْخَبَرُ۔ بتلانا یہ چاہتے ہیں، ادھر دیکھیے، یاد رکھو کہ وَمِنْهَا، ہا ضمیر واحد مؤنث کی ہو، تو پھر یہ مرفوعات کو راجع ہے، کیونکہ مرفوعات جمع ہے، اور جمع بتاویلِ جماعت واحد مؤنث کے حکم میں ہوتی ہے۔ اور اگر وَمِنْهُ، مِنْهُ ہا ضمیر واحد مذکر کی ہو، تو پھر وہ مرفوع کو راجع ہے: وَمِنْهُ أَيْ وَمِنَ الْمَرْفُوعِ، کس میں سے؟ مرفوع میں سے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو مِنْهَا کی ہا ضمیر کس کو راجع ہے؟ مرفوعات کو، اور مِنْهُ کی ہا ضمیر مرفوع کو راجع ہے۔ آگے صاحبِ جامی فرما رہے ہیں: يَعْنِي مِنْ جُمْلَةِ الْمَرْفُوعَاتِ أَوْ مِنْ جُمْلَةِ الْمَرْفُوعِ، یہ درمیان میں جملہ کا لفظ بڑھا دیا، یہ ذرا اس جملہ کے لفظ کو نکال دیں: يَعْنِي مِنَ الْمَرْفُوعَاتِ أَوْ مِنَ الْمَرْفُوعِ. ضمیروں کا مرجع سمجھ میں آیا؟ کہ ضمیر مرفوعات یا مرفوع کو راجع کریں گے بھئی۔

پھر درمیان میں یہ جملہ کا لفظ بڑھا دیا۔ جملہ کا معنی تمام۔ تمام۔ یہ دراصل حاصلِ معنی بیان کرنا چاہتے ہیں، اور یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ یہ جو مِنْ ہے، یہ تبعیض کے لیے ہے یہاں پر بھئی۔ یہ مِنْ کس لیے ہے؟ تبعیض کے لیے۔ بھئی دیکھو مرفوعات میں سے بتدا اور خبر ہیں: وَمِنْهَا الْمُبْتَدَأُ وَالْخَبَرُ، مرفوعات میں سے بتدا اور خبر ہیں۔ اور مرفوعات صرف یہی دونوں ہیں یا اور بھی ہیں مرفوعات؟ اور بھی مرفوعات ہیں۔ تو معلوم ہوا یہ بتدا اور خبر یہ تمامِ مرفوعات ہیں یا ان میں سے بعض ہیں؟ یہ ان میں سے بعض ہیں بھئی۔ یہ ان میں سے بعض۔ تو یہ جو مِنْ آیا یہ تبعیضیہ ہے۔ دیکھو يَعْنِي مِنْ جُمْلَةِ الْمَرْفُوعَاتِ، یعنی تمامِ مرفوعات میں سے بعض جو ہیں، عبارت پہ نظر ہے؟ يَعْنِي مِنْ جُمْلَةِ الْمَرْفُوعَاتِ، تمامِ مرفوعات میں سے بعض جو ہیں، وہ بتدا

اور خبر ہیں۔ یا اسی طرح أَوْ مِنْ جُمْلَةِ الْمَرْفُوعِ یا تمامِ مرفوع میں سے، مِنْ کا معنی بعض کے کریں، تمامِ مرفوع جو ہیں ان میں سے بعض جو ہیں الْمُبْتَدَأُ وَالْخَبَرُ وہ بتدا اور خبر ہیں۔ تو یہ جملہ کا لفظ کس لیے نکالا؟ بتلانا یہ چاہتے ہیں کہ یہ مِنْ تبعیضیہ ہے بھئی۔

تو کہتے ہیں: وَفِي بَعْضِ النُّسَخِ وَمِنْهُ، اور کافیہ کے بعض نسخوں میں وَمِنْهُ ہے، يَعْنِي مِنْ جُمْلَةِ الْمَرْفُوعَاتِ أَوْ مِنْ جُمْلَةِ الْمَرْفُوعِ الْمُبْتَدَأُ وَالْخَبَرُ، یعنی جملہ مرفوعات یا جملہ مرفوع میں سے بعض جو ہیں وہ بتدا اور خبر ہیں۔ جَمَعَهُمَا فِي فَصْلٍ وَاحِدٍ، ان دونوں کو صاحبِ کافیہ نے ایک ہی فصل میں اکٹھا کر دیا۔ باقی ہر مرفوع الگ الگ، لیکن یہاں دونوں کو کیا کر دیا؟ اکٹھا ذکر کر دیا ایک ہی فصل میں۔ کہتے ہیں: لِلتَّلَازُمِ الْوَاقِعِ بَيْنَهُمَا، بوجہ اس تلازم کے جو ان دونوں کے درمیان ہے۔ یعنی بتدا کے لیے خبر لازم، اور خبر کے لیے بتدا لازم۔ اس پر اشکال ہوتا ہے کہ بتدا کی قسمِ ثانی، وہ تو ایسا بتدا ہے جس کے لیے خبر ہی نہیں۔ اور آپ تو کیا کہہ رہے ہیں؟ بتدا اور خبر میں تلازم ہے، جہاں بتدا وہاں خبر، جہاں خبر وہاں بتدا، حالانکہ قسمِ ثانی میں بتدا تو ہے خبر تو ہے ہی نہیں۔ وہی جو فاعل یا نائب فاعل تھا اس کو ہم نے خبر کا قائم مقام بنایا، حقیقت میں تو وہ خبر نہیں۔ تو وہ تو ایسا بتدا ہے جس کی خبر ہی نہیں۔ تو ان میں تلازم کہاں سے؟ تو آگے کہہ رہے ہیں صاحبِ جامی: عَلَى مَا هُوَ الْأَصْلُ فِيهِمَا، بنابر اس کے جو اصل ہے ان دونوں کے اندر۔ بنابر اس کے جو اصل ہے ان دونوں کے اندر۔ اصل میں یہ ایک دوسرے کے ساتھ لازم ہیں۔

بھئی دیکھو یاد رکھو، یہ جو بتدا کی دو قسمیں بیان کر دیں: ایک وہ بتدا جو عواملِ لفظیہ سے خالی ہو اور مسند الیہ ہو، یہ پہلی قسم۔ اور دوسری قسم کیا ہو؟ صفت کا صیغہ ہو، حرفِ نفی یا استفہام کے بعد آئے، اور کسی اسمِ ظاہر کو رفع دے، یہ بتدا کی قسمِ ثانی ہے۔ تو پہلی قسم بتدا کی مسند الیہ ہے اور ثانی مسند۔ یاد رکھو بتدا میں اصل یہ ہے کہ وہ مسند الیہ ہونا چاہیے۔ بتدا میں اصل کیا ہے؟ وہ مسند الیہ ہونا چاہیے۔ اور مسند الیہ پہلی قسم ہے یا دوسری؟ پہلی قسم جو ہے اس میں بتدا مسند الیہ ہے۔ تو وہ ہے بتدا کی اصل قسم بھئی۔ اور یہ جو دوسری قسم ہے، یہ تو مجبوری میں ہمیں تسلیم کرنا پڑی۔ اس لیے کیونکہ نحویوں کو بعض ترکیبیں ایسی ملیں، جیسے وہ جو میں نے مثال لکھوائی دوسری اور تیسری: أَقَائِمٌ الزَّيْدَانِ یا أَقَائِمٌ الزَّيْدُونَ، جس کے اندر صفت کے صیغے کو خبر بنا ہی نہیں سکتے تھے بھئی۔ تو مجبوراً بتدا کی قسمِ ثانی بنانا پڑی اور اس کو تسلیم کرنا پڑا، ورنہ حقیقت میں تو بتدا کی اصل کون سی قسم ہے؟ پہلی ہی قسم ہے، دوسری قسم ضرورت کی وجہ سے ماننا پڑی۔ اور اس پہلی قسم کے اندر بتدا مسند الیہ ہے، تو اس کے ساتھ خبر مسند ہے، اس کا ہونا بھی ضروری ہے بھئی۔ تو یہ معنی ہے۔

کہتے ہیں: لِلتَّلَازُمِ الْوَاقِعِ بَيْنَهُمَا، بوجہ اس تلازم کے جو ان دونوں یعنی بتدا خبر کے درمیان واقع ہے، کہ یہ دونوں ایک دوسرے کے ساتھ لازم ہیں، عَلَى مَا هُوَ الْأَصْلُ فِيهِمَا، بنابر اس کے جو اصل ہے ان دونوں میں۔ وَاشْتِرَاكِهِمَا فِي الْعَامِلِ الْمَعْنَوِيِّ، اشتراک کا عطف ہے تلازم پر، اور تلازم پر لام جارہ داخل تھا، اور وہ مجرور تھا تو یہ اشتراک بھی مجرور ہے: أَيْ

لِاشْتِرَاكِهِمَا، اور اس وجہ سے کہ یہ دونوں شریک ہیں فِي الْعَامِلِ الْمَعْنَوِيِّ، کس کے اندر؟ عاملِ معنوی، یعنی دونوں کا اشتراک ہے عاملِ معنوی کے اندر۔ بتدا کے اندر بھی عامل معنوی، اور خبر کے اندر بھی عامل معنوی یعنی ابتدا دونوں کے اندر عامل ہے۔ تو اس وجہ سے دونوں کو اکٹھا ذکر کیا۔ فَالْمُبْتَدَأُ هُوَ الِاسْمُ لَفْظًا أَوْ تَقْدِيرًا لِيَتَنَاوَلَ نَحْوَ أَنْ تَصُومُوا خَيْرٌ لَكُمْ.

تو کہتے ہیں: فَالْمُبْتَدَأُ هُوَ الِاسْمُ، بتدا وہ اسم ہے، بھئی صاحبِ کافیہ نے صرف اتنا کہا تھا: فَالْمُبْتَدَأُ هُوَ الِاسْمُ الْمُجَرَّدُ، وہ اسم ہے جو خالی ہو عَنِ الْعَوَامِلِ اللَّفْظِيَّةِ عواملِ لفظیہ سے۔ صاحبِ جامی نے الِاسْمُ کے بعد لَفْظًا أَوْ تَقْدِيرًا کی عبارت نکال لی۔ وہ بتلانا یہ چاہتے ہیں کہ اسم ہونا عام ہے۔ بتدا اسم ہوگا، لیکن اسم ہونا عام ہے، چاہے لفظاً اسم ہو چاہے تقدیراً اسم ہو، تاکہ یہ اس جیسی مثالیں بھی داخل ہو جائیں جیسے أَنْ تَصُومُوا خَيْرٌ لَكُمْ ہے۔ بھئی دیکھیے أَنْ تَصُومُوا خَيْرٌ لَكُمْ، ترکیب سنو: أَنْ مصدریہ، تَصُومُوا فعل، اس کے اندر وَاو ضمیر مرفوع محلاً اس کا فاعل۔ اور فعل اپنے فاعل سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر بتاویلِ مفرد کیونکہ أَنْ داخل ہوا اور أَنْ نے اس کو مصدر کے معنی میں کر دیا، تو بتاویلِ مفرد یہ بتدا ہے اور خَيْرٌ لَكُمْ اس کے لیے خبر ہے۔ اب دیکھو یہاں پر یہ جو بتدا ہے یہ تو اسم نہیں ہے، یہ تو جملہ ہے بھئی، جملہ فعلیہ ہے۔ تو اگر صاحبِ کافیہ کی تعریف لی جائے کہ بتدا وہ اسم ہے جو عواملِ لفظیہ سے خالی ہو، تو یہ أَنْ تَصُومُوا یہ تو اسم ہی نہیں ہے۔ تو اس کو داخل کرنے کے لیے صاحبِ جامی نے بتلایا کہ اسم ہونا عام ہے، چاہے لفظاً اسم ہو لفظوں کے اعتبار سے ہی ایک لفظ اسم ہو، یا لفظوں کے اعتبار سے تو اسم نہیں ہے لیکن تقدیراً وہ بھی کیا ہے؟ اسم ہے یعنی تاویلاً۔ وہ بھی تاویلاً اسم ہے۔ کس طرح؟ دیکھو أَنْ تَصُومُوا، اس سے بناؤ مفرد بناؤ بھئی۔ أَنْ داخل ہوا نا، اور أَنْ کیا کرے گا تَصُومُوا کو مصدر کے معنی میں کرے گا، تو مصدر بناؤ: صَامَ يَصُومُ کا مصدر صَوْمًا اور صِيَامًا دونوں آتے ہیں۔ صَوْمٌ بھی اور صِيَامٌ بھی۔ ہاں شاباش، دیکھو أَنْ تَصُومُوا اس سے مصدر صِيَام نکالا، اور پھر اس کے اندر جو فاعل ہے، فاعل جمع مخاطب کی ضمیر ہے، جمع مخاطب کا صیغہ ہے نا کہ تم لوگ روزے رکھو، تو یہ اس کے اندر وَاو ضمیر جو جمع مذکر کی ہے وہ فاعل ہے، تو اس کی طرف اس صِيَام کی اضافت کر دیں گے، تو صِيَامُكُمْ۔ أَنْ تَصُومُوا کے اندر یہ جو وَاو ہے یہ جمع مذکر حاضر کی ضمیر ہے، لیکن یہ ضمیرِ مرفوع ہے، اور ہمیں جمع مذکر حاضر کی ضمیرِ مجرور چاہیے، کیونکہ ہم نے اس کو مضاف الیہ بنانا ہے صِيَام کے لیے۔ میں نے بتایا تھا ضمیریں بعض مرفوع ہوتی ہیں، بعض منصوب بعض مجرور، بعض متصل بعض منفصل، تو موقع کے مطابق ضمیر استعمال کی جاتی ہے۔ أَنْ تَصُومُوا اس کے اندر یہ وَاو کون سی ضمیر ہے؟ جمع مذکر حاضر۔ لیکن یہ تو مرفوع ہے فاعل ہے تَصُومُوا کے لیے۔ اور ہم نے صِيَام کی اضافت کرنی ہے اس کی طرف، تو ہمیں تو یہ مرفوع ضمیر نہیں چاہیے بلکہ کون سی چاہیے؟ مجرور چاہیے۔ اور مجرور بھی کون سی ہو؟ جمع مذکر حاضر کی، اور وہ كُمْ ضمیر ہے۔ تو کیسے پڑھیں گے؟ صِيَامُكُمْ۔ تو أَنْ تَصُومُوا کس معنی میں ہوا؟ صِيَامُكُمْ، اور اس پر رفع پڑھو کیونکہ یہ بتدا ہے: صِيَامُكُمْ خَيْرٌ لَكُمْ۔ صِيَامُكُمْ خَيْرٌ لَكُمْ۔ تو دیکھو أَنْ تَصُومُوا لفظاً تو اسم نہیں، لیکن تقدیراً یہ بھی اسم ہے، أَنْ نے اس کو، اس کو مفرد کے حکم میں کر دیا۔

تو کہتے ہیں: فَالْمُبْتَدَأُ هُوَ الِاسْمُ، تو مبتدا جو ہے وہ اسم ہے، لَفْظًا أَوْ تَقْدِيرًا لفظاً یا تقدیراً، لِيَتَنَاوَلَ تاکہ یہ شامل ہو، نَحْوَ أَنْ تَصُومُوا خَيْرٌ لَكُمْ، تاکہ یہ اس جیسی مثالوں کو بھی شامل ہو جائے، یہ بھی، ان پر بھی مبتدا کی تعریف صادق آئے۔

الْمُجَرَّدُ عَنِ الْعَوَامِلِ اللَّفْظِيَّةِ، أَيِ الَّذِي لَمْ يُوجَدْ فِيهِ عَامِلٌ لَفْظِيٌّ أَصْلًا۔ تو مبتدا، دیکھو صرف متن متن دیکھو: فَالْمُبْتَدَأُ هُوَ الِاسْمُ، مبتدا وہ اسم ہے، الْمُجَرَّدُ عَنِ الْعَوَامِلِ اللَّفْظِيَّةِ جو خالی ہو عواملِ لفظیہ سے۔ جو خالی ہو عواملِ لفظیہ سے۔ یہاں اشکال ہوتا ہے کہ الْمُجَرَّدُ کا ترجمہ آپ نے کیا کیا؟ خالی ہونا۔ خالی ہونا، جو خالی ہو۔ نہیں بھئی، مُجَرَّدُ کا معنی تو خالی ہونا نہیں، مُجَرَّدُ تو بابِ تفعیل سے ہے بھئی: جَرَّدَ يُجَرِّدُ تَجْرِيدًا فَهُوَ مُجَرِّدٌ، وَجُرِّدَ يُجَرَّدُ تَجْرِيدًا فَذَاكَ مُجَرَّدٌ، اور تجرید کا معنی تو خالی ہونا نہیں بلکہ خالی کرنا ہے، اور مُجَرَّدُ اس کو کہیں گے جس کو خالی کیا گیا ہو۔ جس کو خالی کیا گیا ہو۔ بھئی ایک کمرہ ہے اس میں کوئی سامان نہیں، تو آپ کہیں گے کمرہ خالی ہے بھئی۔ لیکن اگر اس کے اندر سامان ہو، اور پھر آپ اس سامان کو باہر نکالیں، تو آپ کہیں گے کمرے کو خالی کر دیا گیا۔ معلوم ہوا پہلے خالی نہیں تھا اب کیا کر دیا گیا اس کو؟ خالی۔ تو یہاں پر بھی مُجَرَّدُ اسمِ مفعول آیا، اور مُجَرَّدُ تجرید سے ہے، اور تجرید کا کیا معنی؟ خالی کرنا، تو مُجَرَّدُ کا کیا معنی ہوا؟ جس کو خالی کیا گیا ہو۔ معلوم ہوا پہلے کوئی عامل ہو، پھر اس کو ختم کر دیا جائے، تو اب کہیں گے کہ یہ خالی کر دیا گیا ہے۔ یہ خالی کر دیا گیا ہے۔ تو لہٰذا معلوم ہوا مبتدا کے اندر بھی مبتدا کو مبتدا تب کہیں گے، پہلے اس پر کوئی عامل ہو، اور پھر اس عامل سے اس کو خالی کر دیا جائے، تو اب کہیں گے یہ اسم مُجَرَّدُ ہے، یعنی اس کو خالی کر دیا گیا ہے۔

تو صاحبِ جامی بتلا رہے ہیں، صاحبِ جامی نے آگے کیا فرمایا؟ أَيِ الَّذِي لَمْ يُوجَدْ فِيهِ، کہ یہاں الْمُجَرَّدُ جو ہے، وہ خالی کرنے کے معنی میں نہیں بلکہ یہ عدمِ وجود کے معنی میں ہے، یعنی مبتدا وہ اسم ہے جس میں عواملِ لفظیہ کا وجود نہ ہو، عواملِ لفظیہ نہ ہوں، یعنی ان سے خالی ہو۔ ان سے خالی ہو۔ اسی لیے کہا لَمْ يُوجَدْ فِيهِ، جس میں عامل نہ پایا جائے۔ تو پہلا جواب کیا کہ الْمُجَرَّدُ کس معنی میں؟ الَّذِي لَمْ يُوجَدْ فِيهِ، جس کے اندر عامل نہ پایا جائے بھئی۔ تو یہ خالی کرنے نہیں بلکہ خالی ہونے کے معنی میں ہے جو خالی ہو بھئی۔ اور یہ عربی زبان میں اسی طرح استعمال ہوتا ہے بھئی، کسی چیز کے خالی ہونے کو بیان کرنا ہو، تو الْمُجَرَّدُ کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے بھئی۔

جبکہ بعضوں نے دوسرا جواب دیا، وہ فرماتے ہیں کہ عامل کے اندر اصل یہ ہے کہ وہ لفظی ہونا چاہیے۔ تو مبتدا کے اندر عاملِ لفظی نہیں آیا، عاملِ معنوی آگیا۔ تو عاملِ لفظی آنے کا امکان تو تھا، کیونکہ اصل تو کیا ہے؟ عامل کیا ہونا چاہیے؟ لفظی۔ تو عاملِ لفظی کے آنے کا امکان تو تھا، تو اس امکان کو ہی وجود کے درجے میں اتار لیا گیا۔ کہ امکان تھا لیکن آیا نہیں، تو گویا موجود تھا پھر ہٹا دیا گیا۔ تو امکان کو کس کے درجے میں اتار لیا؟ وجود کے درجے میں اتار لیا کہ امکان تو تھا لفظی آنے کا لیکن لفظی آیا نہیں، تو یہ اسی طرح ہے جیسے لفظی پہلے تھا پھر اس کو کیا کر دیا گیا؟ اس کو خالی کر دیا گیا۔

تو کہتے ہیں: فَالْمُبْتَدَأُ هُوَ الِاسْمُ الْمُجَرَّدُ عَنِ الْعَوَامِلِ اللَّفْظِيَّةِ، وہ اسم جو خالی ہو عواملِ لفظیہ سے۔ بھئی یہاں جو خالی

ہو عوامِلِ لفظیہ سے، عَوَامِل جمع کا صیغہ ہے، اور جمع کا اطلاق کم از کم کتنے افراد پر ہوتا ہے؟ تین افراد پر۔ معلوم ہوا مبتدا وہ ہے جو تین عوامل سے خالی ہو۔ معلوم ہوا تین سے کم عوامل، ایک دو عامل آجائیں گے، تو بھی اس کو مبتدا کہیں گے۔ مثلاً دیکھو إِنَّ زَيْدًا قَائِمٌ۔ إِنَّ زَيْدًا قَائِمٌ، پہلے کیا تھا؟ زَيْدٌ قَائِمٌ تھا۔ مبتدا خبر تھے۔ پھر اس پر کیا آیا؟ إِنَّ آیا۔ اور جب إِنَّ آجائے، اب مبتدا خبر کو مبتدا خبر نہیں کہتے، بلکہ اب کیا کہتے ہیں؟ إِنَّ کا اسم اور إِنَّ کی خبر۔ إِنَّ زَيْدًا قَائِمٌ، تو زَيْدًا یہ إِنَّ کا اسم اور قَائِمٌ إِنَّ کی خبر۔ تو کہتے ہیں بھئی یہ تعریف اگر لی جائے، تو اس زَيْدًا کو بھی مبتدا کہنا چاہیے۔ إِنَّ زَيْدًا قَائِمٌ کے اندر جو زَيْدًا ہے، اس کو بھی کیا کہنا چاہیے؟ مبتدا کہنا چاہیے۔ کیوں مبتدا؟ کیونکہ بھئی یہ عوامِلِ لفظیہ سے خالی ہے۔ اس پر کتنے عامل ہیں؟ ایک عامل ہے إِنَّ داخل ہو رہا ہے، تین تو داخل نہیں، تو تین عوامل سے تو یہ خالی ہے۔ تین عوامل ہیں اس پر؟ نہیں، اس پر تو ایک عامل ہے اور آپ نے ہمیں کیا کہا؟ مبتدا کسے کہتے ہیں جو عوامِلِ لفظیہ سے خالی ہو۔ عوامل جمع کا صیغہ ہے، اور جمع کا اطلاق کم از کم تین پر ہوتا ہے۔ معلوم ہوا جو اسم بھی تین عاملوں سے خالی ہوگا، یعنی اس پر تین سے کم عامل ہوں گے، تو اس کو کیا کہنا چاہیے؟ اس کو تو مبتدا کہنا چاہیے، کیونکہ وہ تین یا تین سے زیادہ عوامل سے خالی ہے۔ ایک عامل ہے، تین تو نہیں ہے یا تین سے زیادہ تو نہیں ہے۔ تو اس کو بھی کیا کہنا چاہیے؟ لہٰذا إِنَّ زَيْدًا قَائِمٌ اس زَيْدًا کو بھی کیا کہنا چاہیے؟ مبتدا۔ كَانَ زَيْدٌ قَائِمًا یہ كَانَ کا جو اسم ہے، اس کو بھی کیا کہنا چاہیے؟ مبتدا، حالانکہ ان کو کوئی بھی مبتدا نہیں کہتا۔

تو ضابطہ یاد رکھنا، ضابطہ یاد رکھنا کہ یہاں پر عوامل جمع کا صیغہ ہے، لیکن اس پر الف لام داخل ہے۔ قیمتی ضابطہ یاد رکھنا: اور جمع پر جب الف لام داخل ہو جائے، تو اس کی جمعیت باطل ہو جاتی ہے۔ اس کی جمعیت باطل ہو جاتی ہے، اور پھر وہ جنس کے معنی میں ہو جاتا ہے۔ اس کی جمعیت باطل ہو جاتی ہے اور وہ جنس کے معنی میں ہو جاتا ہے۔ تو اب معنی یوں بن گیا کہ مبتدا وہ اسم ہے جو خالی ہو جنسِ عاملِ لفظی سے۔ کس سے خالی ہو؟ جنسِ عاملِ لفظی سے۔ دیکھا جمعیت باطل اور یہ کس معنی میں ہو گیا؟ جنس کے معنی میں ہو گیا۔

دیکھو جنس جو ہے نا اس کا اطلاق قلیل اور کثیر سب پر ہوتا ہے، جیسے انسان یہ اسمِ جنس ہے۔ ایک فردِ انسان ہو تب بھی ہم یہی لفظ بولتے ہیں: یہ انسان ہے۔ دو افراد ہوں انسان کے تب بھی ہم کہتے ہیں یہ دونوں انسان ہیں۔ تین ہوں تب بھی ہم کہتے ہیں یہ انسان ہیں۔ دس ہوں تب بھی ہم کہتے ہیں یہ انسان۔ تو دیکھو وہی انسان کا لفظ مفرد پر بھی بولا جا رہا ہے، تثنیہ پر بھی اور زیادہ پر بھی۔ جبکہ جمع میں ایسا نہیں ہے، جمع کا اطلاق تین سے کم پر نہیں ہوتا۔ اور تثنیہ کا اطلاق وہ دو سے کم پر بھی نہیں ہوتا اور دو سے زیادہ پر بھی نہیں ہوتا۔ اور مفرد کا اطلاق دو یا جمع پر نہیں ہوتا۔ مثلاً ایک کتاب ہو آپ کیا کہتے ہیں؟ هَذَا كِتَابٌ۔ دو ہوں تو کیا کہیں گے؟ كِتَابَانِ، دیکھو لفظ ہی آپ نے بدل دیا۔ اور زیادہ کتابیں ہوں تو آپ کیا کہیں گے؟ هَذِهِ كُتُبٌ، یہ کتابیں ہیں، دیکھو آپ نے لفظ ہی بدل دیا۔ تو یہ كُتُب جمع ہے، دیکھو یہ تین پر بولا جائے گا، تین سے کم پر نہیں، جبکہ انسان وہ اسمِ جنس ہے، وہ ایک پر بھی بول سکتے ہیں، دو پر بھی، زیادہ پر بھی۔ تو اسمِ جنس کا اطلاق قلیل پر بھی ہوتا ہے

اور کثیر پر بھی۔ یعنی یوں کہو: جمع ویسے تو تین یا تین سے زیادہ افراد کو شامل ہوتی ہے، لیکن جب اس پر الف لام آجائے، تو پھر یہ ایک فرد کو بھی شامل ہو گئی۔ توجہ ہے؟

مثلاً دوسری مثال لو، مثلاً دیکھو: اب میں آپ کو بتلاتا ہوں کہ لَيْسَ رِجَالٌ فِي هَذِهِ الدَّارِ۔ لَيْسَ رِجَالٌ... کیا معنی؟ کئی آدمی اس گھر میں نہیں ہیں۔ اس گھر میں کئی آدمی نہیں ہیں۔ معلوم ہوا ایک یا دو ہوں تو بھی میرا کلام صحیح ہے، کیونکہ میں نے رِجَال کی نفی کی ہے، رَجُل یا رَجُلَانِ کی نفی نہیں کی۔ لیکن جو جنس ہے، جیسے مثلاً میں کہتا ہوں: لَا رَجُلَ فِي الدَّارِ۔ یہ دیکھو یہ لائے نفی جنس آگیا، تو لَا رَجُلَ فِي الدَّارِ، اس کے ذریعے جنسِ رجل کی نفی ہو گئی، اب معنی یہ ہے کہ اس گھر میں ایک بھی آدمی نہیں ہے۔ لہٰذا اس گھر میں دو یا تین افراد ہوئے تب بھی میں یوں نہیں کہہ سکتا لَا رَجُلَ فِي هَذِهِ الدَّارِ، کیونکہ میں تو جنسِ رجل کی نفی کر رہا ہوں، جنسِ رجل کا کیا معنی؟ کوئی فرد بھی نہیں ہے، نہ ایک ہے نہ ایک سے زیادہ کوئی فرد ہے ہی نہیں۔ تو فرق سمجھ میں آیا؟

تو دیکھو بتانا میں آپ کو یہ چاہتا ہوں کہ جب جمع کی نفی کی جائے تو تین یا تین سے زیادہ کی نفی ہوتی ہے، تین سے کم کی نفی نہیں ہوتی۔ جیسے میں نے کیا کہا؟ لَيْسَ رِجَالٌ فِي هَذِهِ الدَّارِ، کہ رِجَال اس گھر میں نہیں ہیں، معلوم ہوا ایک یا دو افراد ہوں پھر بھی میرا یہ کہنا صحیح ہے، کیونکہ میں نے رِجَال کی نفی کی ہے ایک یا دو کی تو نفی نہیں کی۔ لیکن جب جنس کی نفی کی جائے تو پھر ہر ہر فرد کی نفی ہو جاتی ہے، مثلاً لَا رَجُلَ فِي هَذِهِ الدَّارِ، تو یہ لائے نفی جنس ہے، یہ جنس کی نفی کے لیے آتا ہے، تو لَا رَجُلَ فِي هَذِهِ الدَّارِ کا کیا معنی؟ کہ اس گھر میں کوئی آدمی نہیں ہے۔ تو اب میں نے صرف ایک کی نفی نہیں کی بلکہ جنسِ رجل کی نفی کر دی ہے، اور جنس کا اطلاق قلیل اور کثیر سب پر ہوتا ہے، معلوم ہوا لَا رَجُلَ فِي هَذِهِ الدَّارِ میں اسی وقت کہہ سکتا ہوں جب گھر میں کوئی بھی فرد نہ ہو بھئی۔ تو جمع کی نفی سے تین یا تین سے زیادہ کی نفی ہوتی ہے، تین سے کم کی نفی نہیں ہوتی، لیکن جنس کی نفی سے ہر ہر فرد کی نفی ہو جاتی ہے۔

تو یہاں پر بھی دیکھیے بھئی: یہاں کیا آیا؟ الْمُجَرَّدُ عَنِ الْعَوَامِلِ اللَّفْظِيَّةِ۔ الْعَوَامِل اس پر الف لام داخل ہوا، تو اب یہ جنسِ عامل کے معنی میں ہو گیا۔ اور نیز الْمُجَرَّدُ آیا بھئی، الْمُجَرَّدُ کا کیا معنی؟ جو خالی ہو، یعنی جس میں عاملِ لفظی نہ ہو، تو دیکھو یہ نفی کے لیے آگیا۔ کس کے لیے؟ نفی کے لیے آگیا، کہ جو خالی ہو کس سے؟ جنسِ عامل سے یعنی کوئی ایک بھی عامل اس کے اندر نہ پایا جائے بھئی۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو جمع پر جب الف لام آیا تو یہ کس معنی میں ہوا؟ جنس کے معنی میں ہو گیا اور اس کے ذریعے ایک ایک فرد کی نفی ہو گئی۔ اسی لیے دیکھیے صاحبِ جامی اس کی تفسیر کیا کر رہے ہیں؟ دیکھو صاحبِ کافیہ نے کیا فرمایا: الْمُجَرَّدُ عَنِ الْعَوَامِلِ اللَّفْظِيَّةِ، اور صاحبِ جامی اس کی تفسیر کیا کر رہے ہیں: أَيِ الَّذِي لَمْ يُوجَدْ فِيهِ عَامِلٌ لَفْظِيٌّ أَصْلًا، کہ وہ اسم کہ جس کے اندر عاملِ لفظی پایا ہی نہ جائے أَصْلًا قَطْعًا، یعنی کوئی ایک عامل بھی اس کے اندر نہ پایا جائے۔ دیکھا یہ جنس کی نفی کر دی۔ بات سمجھ میں آگئی؟

علمائے اصولِ فقہ اس کی مثالیں ذکر فرماتے ہیں، یہ جو میں نے کہا نا کہ یہ جو الف لام ہے یہ جب جمع پر داخل ہوتا ہے تو اس کی جمعیت کو باطل کر دیتا ہے، تو علمائے اصولِ فقہ اس کی مثالیں ذکر فرماتے ہیں: مثلاً ایک شخص قسم اٹھا لیتا ہے: وَاللّٰهِ لَأَرْكَبَنَّ الْخَيْلَ۔ دیکھو الْخَيْل پر الف لام لایا، اور خَيْل یاد رکھو یہ گھوڑوں کی جماعت کو کہتے ہیں، تو یہ اسمِ جمع ہے، اور اس پر الف لام آگیا، اور جب الف لام جمع پر آئے تو اس کی جمعیت باطل ہو جاتی ہے، تو ایک بھی گھوڑے پر یہ سوار ہو گا تو اس کی قسم پوری ہو جائے گی۔ اس نے قسم کیا اٹھائی؟ وَاللّٰهِ لَأَرْكَبَنَّ الْخَيْلَ، واللہ میں ضرور خیل پر سوار ہوں گا، اور خیل تو گھوڑوں کی جماعت کو کہتے ہیں، تو اس کا مطلب ہے کم از کم کتنے افراد پر یہ سوار ہو تو پھر قسم پوری ہو گی؟ تین افراد پر، لیکن خیل پر الف لام داخل ہوا، اور اس الف لام نے اس کی جمعیت باطل کر دی اور یہ جنس کے معنی میں ہو گیا، اور کلام کا معنی یہ ہوا کہ میں واللہ میں جنسِ خیل پر سوار ہوں گا، لہٰذا ایک فرد پر بھی گھوڑے کے سوار ہو جائے گا تو اس کی قسم پوری ہو گئی۔ تو یہ تو تھا کلامِ مثبت کے اندر بھئی: وَاللّٰهِ لَأَرْكَبَنَّ الْخَيْلَ، دیکھو اس کے اندر اثبات ہے نفی نہیں ہے۔

اور کلامِ منفی کے اندر اس کی مثال جیسے قرآن میں اللہ فرماتے ہیں: لَا يَحِلُّ لَكَ النِّسَاءُ۔ لَا يَحِلُّ لَكَ النِّسَاءُ، آپ کے لیے عورتیں حلال نہیں۔ بھئی یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواجِ مطہرات جو ہیں، امہات المؤمنین جو ہیں، یہ غزوۂ خندق وغیرہ اور غزوۂ بنو قریظہ وغیرہ کے اندر جب مسلمانوں کو فتوحات حاصل ہوئیں اور کچھ مال مسلمانوں کو حاصل ہوا، تو بعض ازواجِ مطہرات نے ذکر کیا کہ یا رسول اللہ اگر آپ ہمارے نفقے میں کچھ، کچھ اضافہ فرما دیں، تو حضور علیہ السلام کو ان کی یہ بات پسند نہ آئی۔ اگرچہ ان کا یہ مطالبہ بالکل جائز تھا، لیکن امہات المؤمنین کا مرتبہ بڑا اونچا تھا بھئی، وہ تمام امت کی مائیں ہیں اور تمام امت کے لیے مثال ہیں، تو حضور علیہ السلام کو ان کی یہ بات پسند نہ آئی۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھی آیتیں نازل ہو گئیں، اور حضور علیہ السلام سے کہا گیا کہ ان عورتوں کو اختیار دے دیں، اگر یہ مال چاہتی ہیں تو ان کو مال دے کر رخصت کر دیں، اور اگر یہ آپ کے ساتھ رہنا چاہتی ہیں اور آخرت کو پسند کرتی ہیں تو یہ مطالبہ ان کے مناسب نہیں ہے۔ تو چنانچہ حضور علیہ السلام نے ازواجِ مطہرات کو یہ اختیار دیا، اور ازواجِ مطہرات، انہوں نے تو ویسے ایک مطالبہ کیا تھا کہ اب کچھ مال حاصل ہو گیا ہے کچھ ہمارا نفقہ وغیرہ بڑھ جائے، تو انہوں نے بھی اپنا یہ مطالبہ چھوڑ دیا اور حضور علیہ السلام اور آخرت کو اختیار کیا بھئی۔ تو بعد میں بطورِ انعام کے اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ السلام کو منع فرما دیا: لَا يَحِلُّ لَكَ النِّسَاءُ مِنْ بَعْدُ، اے پیغمبر اس کے بعد اب آپ کے لیے اور عورتیں حلال نہیں، اب اور نکاح آپ نہیں کر سکتے۔ تو یہ بطورِ انعام کے اللہ نے کہ ازواجِ مطہرات نے کیا کیا تھا؟ حضور علیہ السلام کو اختیار کیا تھا آخرت کو پسند کیا تھا دنیاوی مال کے مقابلے میں، تو اس لیے اللہ نے بطورِ انعام کے حضور علیہ السلام کو آگے نکاح سے منع فرما دیا۔ اگرچہ علماء فرماتے ہیں کہ پھر بعد میں حضور علیہ السلام کو اجازت دے دی گئی اور نکاح کرنے کی، لیکن حضور علیہ السلام نے پھر دوبارہ اس کے بعد نکاح نہیں

فرمایا بھئی۔ تو دیکھو یہ قرآن میں اللہ فرما رہے ہیں: لَا يَحِلُّ لَكَ النِّسَاءُ، آپ کے لیے عورتیں حلال نہیں، یہاں النِّسَاءُ آیا، اور نِسَاءٌ تو جمع ہے، اور اس کا اطلاق کم از کم کتنے افراد پر ہوتا ہے؟ تین افراد پر، تو اگر ظاہری لفظوں کو دیکھا جائے، تو معنی تو یہ ہونا چاہیے کہ آپ کے لیے تین عورتیں حلال نہیں ہیں، معلوم ہوا ایک یا دو کر لیں تو وہ آپ کے لیے حلال ہیں، لیکن یہاں اس پر النِّسَاءُ پر الف لام آیا، اور الف لام جب جمع پر داخل ہو تو اس کی جمعیت باطل کر دیتا ہے، تو معنی یہ ہوا کہ آپ کے لیے جنسِ عورت حلال نہیں، یعنی اب ایک عورت بھی آپ کے لیے حلال نہیں کہ آپ اس سے نکاح کر لیں بھئی۔

اسی طرح قرآن میں اللہ فرماتے ہیں: إِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ۔ دیکھو صَدَقَات بھی جمع، فُقَرَاءُ بھی جمع۔ تو اگر یہ الف لام استغراق کے لیے بنائیں، پھر تو معنی یہ ہو جائے گا کہ ہر ہر صدقہ ہر ہر فقیر کے لیے ہے۔ ہر صدقہ ہر فقیر کے لیے ہے، معلوم ہوا آپ جو بھی صدقہ کرنا چاہتے ہیں، دنیا کے ہر فقیر کو تھوڑا تھوڑا پہنچانا پڑے گا۔ ہر صدقہ کس کے لیے ہے؟ ہر فقیر کے لیے، تو ہر فقیر تک آپ کو صدقہ پہنچانا پڑے گا۔ لیکن یہاں، یہاں الف لام جو ہے وہ استغراق کے لیے نہیں ہے، بلکہ الف لام نے، الف لام نے جمعیت باطل کر دی صدقات کی بھی اور فقراء کی بھی، اور یہ الف لام نے اس کو کس معنی میں کر دیا؟ جنس کے معنی میں کر دیا، کہ جنسِ صدقات کس کے لیے ہیں؟ جنسِ فقراء کے لیے ہیں، یعنی جنسِ صدقات یعنی کوئی بھی صدقہ ہو وہ جنسِ فقراء کے لیے ہے، یعنی ان میں سے ایک فرد کو بھی دے دیں گے تو ادا ہو جائے گا۔ کیونکہ ایک فرد بھی کس میں سے ہے؟ جنسِ فقراء میں سے ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو یہ جمع پر جب الف لام آئے تو اس کی جمعیت کو باطل کر کے اس کو جنس کے معنی میں کر دیتا ہے، یعنی اب ادنیٰ فرد ایک بھی اس کے اندر داخل ہو گیا بھئی۔

اب دیکھیے بھئی کتاب پر، تو کہتے ہیں: الْمُجَرَّدُ عَنِ الْعَوَامِلِ اللَّفْظِيَّةِ، وہ اسم جو خالی ہو عواملِ لفظیہ سے، أَيِ الَّذِي لَمْ يُوجَدْ فِيهِ عَامِلٌ لَفْظِيٌّ أَصْلًا، یعنی وہ اسم کہ جس کے اندر عاملِ لفظی پایا ہی نہ جائے أَصْلًا قَطْعًا، یعنی قطعی طور پر کوئی عاملِ لفظی پایا ہی نہ جائے۔ چلیے بس کرتے ہیں بس بھئی۔ بات سمجھ میں آگئی؟ چلیے بس بھئی، هَذَا هُوَ الْمَرَامُ، وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْكَلَامِ۔

سبق نمبر ۹۴: المبتدا والخبر (۲): بتدا کی دونوں اقسام (اسمِ صریح و مؤول اور صفتِ رافعہ لظاہر)

شرحِ ملا جامی صفحہ: ۶۸ — بتاریخ: ۲ نومبر ۲۰۲۱ء

▪ تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث

آگے سبق دیکھیے بھئی:

اَلْمُجَرَّدُ عَنِ الْعَوَامِلِ اللَّفْظِيَّةِ أَيِ الَّذِي لَمْ يُوجَدْ فِيهِ عَامِلٌ لَفْظِيٌّ أَصْلًا، وَاحْتَرَزَ بِهِ عَنِ الِاسْمِ الَّذِي فِيهِ عَامِلٌ لَفْظِيٌّ كَاسْمَيْ إِنَّ وَكَانَ، وَكَأَنَّهُ أَرَادَ بِالْعَامِلِ اللَّفْظِيِّ مَا يَكُونُ مُؤَثِّرًا فِي الْمَعْنَى لِئَلَّا يَخْرُجَ عَنْهُ مِثْلُ: بِحَسْبِكَ دِرْهَمٌ مُسْنَدًا إِلَيْهِ، وَاحْتَرَزَ بِهِ عَنِ الْخَبَرِ وَثَانِي قِسْمَيِ الْمُبْتَدَأِ الْخَارِجِ عَنْ هٰذَا الْقِسْمِ، فَإِنَّهُمَا لَا يَكُونَانِ إِلَّا مُسْنَدَيْنِ.

اچھا بھئی گزشتہ سبق میں ہم نے بتدا اور خبر کی بحث شروع کی تھی بھئی، اور پھر صاحبِ جامی نے آپ کو یہ بتلایا کہ صاحبِ کافیہ نے بتدا اور خبر کو اکٹھا ایک ہی فصل میں ذکر کیا۔ وجہ یہ کہ ان دونوں کے درمیان تلازم ہے بھئی، تلازم۔ یعنی اصل کے اعتبار سے تلازم ہے، اور اصل تو بتدا کی قسمِ اول ہے کیونکہ بتدا میں اصل کیا ہے؟ وہ مسند الیہ ہونا چاہیے۔ تو بتدا کی قسمِ اول جو ہے وہ مسند الیہ ہے اور قسمِ ثانی جو ہے وہ مسند۔ تو بتدا میں اصل ہے کہ وہ مسند الیہ ہو اور وہ بتدا جو مسند الیہ ہے اس کے لیے خبر کا ہونا لازم ہے بھئی۔ تو بتدا اور خبر میں تلازم ہے بنابر اصل کے یعنی بتدا کی قسمِ اول کے اعتبار سے۔ تو اس لیے ان کو اکٹھا ذکر کیا۔ اور نیز اس وجہ سے کہ دونوں کا اشتراک ہے عاملِ معنوی کے اندر بھئی۔ بتدا کے اندر بھی عاملِ معنوی ہے یعنی ابتدا، اور خبر کے اندر بھی عاملِ معنوی ہے یعنی ابتدا۔ اور پھر میں نے آپ کو بتلایا تھا کہ ابتدا کسے کہتے ہیں؟ ابتدا کہتے ہیں کہ اسم کا خالی ہونا عواملِ لفظیہ سے، اس طور پر کہ یہ مسند الیہ بن رہا ہو یا مسندبہ بن رہا ہو، یعنی اس کی طرف کسی کا اسناد ہو یا اس کا اسناد کسی کی طرف ہو۔ یہ مسند الیہ اور مسندبہ ہونے کی قید اس لیے لگاتے ہیں تاکہ باقی چیزیں اس سے نکل جائیں، مثلاً ایک اکیلا لفظ زَيْدٌ ہے، اکیلا لفظ زَيْدٌ ہے، تو دیکھو اب یہ بھی عواملِ لفظیہ سے

خالی ہے، عوامِلِ لفظیہ [سے خالی ہے]، لیکن اس کے اندر ہم یہ نہیں کہیں گے کہ ابتدا عامل ہے، کیونکہ ابتدا کے اندر اسم عوامِلِ لفظیہ سے بھی خالی ہو اس طور پر کہ وہ مسند الیہ یا مسندبہ بن رہا ہو، اور اکیلا لفظِ زَیْدٌ نہ تو یہ مسند الیہ ہے اور نہ مسندبہ ہے، لہٰذا اس کے اندر عامل نہیں۔ تو ابتدا صرف بتدا اور خبر میں عامل ہے اور کسی معمول کے اندر ابتدا عامل نہیں بھئی۔

اور پھر انہوں نے آپ کو بتلایا تھا کہ بتدا جو ہے وہ اسم ہے جو خالی ہو عوامِلِ لفظیہ سے۔ صاحبِ جامی نے بتلایا کہ اسم ہونا عام ہے چاہے لفظاً اسم ہو چاہے تقدیراً اسم ہو تا کہ أَنْ تَصُومُوا خَيْرٌ لَكُمْ تا کہ اس جیسی مثالیں بھی بتدا کی تعریف میں داخل ہو جائیں۔ اس لیے کیونکہ اس کے اندر أَنْ تَصُومُوا یہ تو فعل ہے بھئی اور حالانکہ یہ بتدا بن رہا ہے کیونکہ اس پر أَنْ داخل ہے اور أَنْ فعل پر داخل ہو کر اس کو مصدر کے معنی میں کر دیتا ہے، تو أَنْ تَصُومُوا ظاہراً تو یہ کیا ہے؟ فعل ہے لیکن یہ تقدیراً صِيَامُكُمْ کے معنی میں ہے أَيْ صِيَامُكُمْ خَيْرٌ لَكُمْ تمہارے روزے رکھنا تمہارے لیے بہتر ہے۔

اور پھر اس کے بعد آیا تھا اَلْمُجَرَّدُ عَنِ الْعَوَامِلِ اللَّفْظِيَّةِ۔ اس پر اشکال ہوتا تھا کہ مُجَرَّدٌ تو اسمِ مفعول کا صیغہ ہے اور یہ تجرید سے ہے جَرَّدَ يُجَرِّدُ تَجْرِيدًا اور تجرید کا معنی ہے خالی کرنا، تو مُجَرَّدٌ کا معنی ہے جس کو خالی کیا گیا ہو۔ معلوم ہوا پہلے کوئی اس پر عاملِ لفظی ہونا چاہیے، پھر اس کو عاملِ لفظی سے خالی کریں گے تو پھر اس کو مُجَرَّدٌ کہیں گے کہ اس کو عاملِ لفظی سے خالی کر دیا گیا ہے۔ حالانکہ بتدا کے اندر تو کوئی پہلے عامل نہیں تھا کہ جس کو ہٹا دیا گیا اور ختم کر دیا گیا۔ تو صاحبِ جامی نے آپ کو بتلایا کہ یہاں پر مُجَرَّدٌ جو ہے وہ عدمِ وجود کے معنی میں ہے، یعنی جس میں عاملِ لفظی کا وجود نہ ہو بھئی۔ یعنی یہ خالی کرنے کے معنی میں نہیں ہے بلکہ یہاں خالی ہونے کے معنی میں ہے کہ وہ عاملِ لفظی سے خالی ہو یعنی اس میں کوئی عاملِ لفظی نہ پایا جائے بھئی۔

اور پھر یہاں اَلْعَوَامِلِ اللَّفْظِيَّةِ آیا تھا کہ وہ اسم جس کو خالی کیا گیا ہو عوامِلِ لفظیہ سے۔ بھئی عَوَامِلُ تو جمع کا صیغہ ہے اور جمع کا اطلاق تو کم از کم تین افراد پر ہوتا ہے۔ تو وہ اسم جو خالی ہو گا تین عوامل سے وہ، وہ بتدا ہے، وہ بتدا ہے۔ معلوم ہوا ایک یا دو عامل آجائیں تو کوئی حرج نہیں، وہ تو اس سے نکل گئے کیونکہ عوامل تو کم از کم کتنے افراد کو شامل؟ تین افراد۔ تو معلوم ہوا بتدا تین عوامل سے جو خالی ہو اس کو آپ بتدا کہیں گے، اور عامل تو ایک ہی آتا ہے بھئی، دو عامل تو ایک لفظ پر داخل ہی نہیں ہو سکتے، تو لہٰذا وہ جو ایک عامل جن پر داخل ہو رہا ہے وہ سب نکل گئے اس سے، جیسے إِنَّ کا اسم ہے، إِنَّ حروفِ مشبہ بالفعل میں سے ہے یہ ایک اسم چاہتا ہے اور ایک خبر، جیسے إِنَّ زَيْدًا قَائِمٌ۔ تو یہ اصل میں کیا تھے؟ بتدا خبر تھے زَيْدٌ قَائِمٌ، پھر اس پر کیا آیا؟ إِنَّ آیا، تو إِنَّ زَيْدًا قَائِمٌ، اب زَيْدًا کو بتدا نہیں کہیں گے بلکہ إِنَّ کا اسم کہیں گے جب إِنَّ آگیا، اور خبر کو اب بتدا کی خبر نہیں کہیں گے بلکہ إِنَّ کی خبر کہیں گے۔ تو دیکھو إِنَّ زَيْدًا قَائِمٌ، زَيْدًا پر إِنَّ ایک عامل داخل ہو رہا ہے، تو پھر تو اس کو بھی بتدا کہنا چاہیے کیونکہ یہ بھی عوامِلِ لفظیہ سے خالی ہے، یہ تین عاملوں سے خالی ہے، اس پر تو صرف ایک عامل ہے۔ تو اس کا جواب میں نے ذکر کیا تھا کہ اَلْعَوَامِلِ جمع کا صیغہ ہے لیکن اس پر الف لام داخل ہے اور جمع پر جب

الف لام داخل ہو تو اس کی جمعیت کو وہ باطل کر دیتا ہے اور اس کو جنس کے معنی میں کر دیتا ہے۔ اب وہ جمع کے معنی میں نہیں بلکہ اسمِ جنس کے معنی میں ہے اور اسمِ جنس کا اطلاق تو قلیل اور کثیر سب پر ہوتا ہے، تو اب ایک فرد جو ہے وہ بھی اس کے اندر داخل ہو گیا، ایک فرد بھی اس کے اندر داخل ہو گیا اس پر بھی اب یہ صادق آئے گا، تو کلام کا معنی کیا ہوا؟ اَلْمُجَرَّدُ عَنِ الْعَوَامِلِ اللَّفْظِيَّةِ أَيِ الْمُجَرَّدُ عَنْ جِنْسِ الْعَوَامِلِ اللَّفْظِيَّةِ یعنی جنسِ عامل سے وہ خالی ہونا چاہیے، اور جنسِ عامل وہ تو ایک کو بھی شامل ہے، ایک بھی عامل آ جائے گا تو جنسِ عامل سے تو وہ خالی نہیں۔ إِنَّ زَيْدًا، زَيْدًا پر إِنَّ صرف ایک عامل داخل ہے لیکن جنسِ عامل سے تو یہ خالی نہیں اور ہم نے تو کیا کہا؟ بتدا وہ ہو گا جو جنسِ عامل سے خالی ہو، لہٰذا یہ بتدا کی تعریف سے نکل گیا اس کو بتدا نہیں کہیں گے بلکہ یہ إِنَّ کا اسم کہلائے گا۔ بات سمجھ میں آ گئی۔

یہ تو بتدا کی قسمِ اول کی تعریف چل رہی تھی، تو یہ بتدا کی قسمِ اول اور یہ مسند الیہ ہوتی ہے، یہ کیا ہوتی ہے؟ مسند الیہ ہوتی ہے۔ جبکہ بتدا کی قسمِ ثانی کے بارے میں بھی ہم نے پڑھا، بتدا کی قسمِ ثانی وہ مسند ہوتی ہے بھئی، پہلی قسم مسند الیہ، دوسری قسم مسند۔ اور اس کے اندر تین شرطیں ہیں: کہ صیغہ صفت کا ہونا چاہیے، اور حرفِ نفی یا حرفِ استفہام کے بعد آئے، اور تیسری شرط یہ کہ وہ اسمِ ظاہر کو رفع دے بھئی۔ تو صیغہ صفت کا ہو، حرفِ نفی یا استفہام کے بعد آئے، اور کسی اسمِ ظاہر کو رفع دے۔ اور صفت کے صیغے سے ہر صفت کا صیغہ مراد نہیں بلکہ صرف چار صیغے مراد ہیں، کون کون سے؟ اسمِ فاعل، اسمِ مفعول، صفتِ مشبہ اور اسمِ منسوب بھئی۔ اور یاد رکھو یہ جو اسمِ منسوب ہے جیسے لَاهُورِيٌّ یعنی لاہور کی طرف منسوب، تو یہ جو اسمِ منسوب ہے یہ، یہ تو صفت کا صیغہ نہیں ہے، ہاں یائے مشدد ساتھ لگا کر یہ صفت کے صیغے کے درجے میں ہو جاتا ہے، یعنی اس کا قائم مقام ہو جاتا ہے، یہ بھی پھر اسی کی طرح عمل کرتا ہے، جیسے صفت کے صیغے کے لیے فاعل یا نائب فاعل چاہیے تھا اس اسمِ منسوب کے لیے بھی اب کیا چاہیے؟ فاعل یا نائب فاعل۔ اور پھر اس کو بعض اسمِ منسوب کہتے ہیں جیسے لَاهُورِيٌّ اس کو بعض کیا کہتے ہیں یہ اسمِ منسوب ہے اور مَنْسُوبٌ کون سا صیغہ؟ مفعول، یہ اسمِ مفعول کا صیغہ ہے تو پھر اس کے اندر جو ضمیر نکالیں گے اس کو نَائِبُ الْفَاعِلِ بنائیں گے کیونکہ اسمِ مفعول کے لیے نائب فاعل چاہیے ہوتا ہے، اور بعض اس کو اسمِ فاعل کی تاویل میں لیتے ہیں وہ کہتے ہیں یہ لَاهُورِيٌّ جیسے لفظ یہ اسمِ مُنْتَسِبٌ ہے یعنی وہ اسم جس کی نسبت ہو رہی ہے اور مُنْتَسِبٌ تو اسمِ فاعل کا صیغہ ہے اس کے لیے تو فاعل چاہیے، تو اس صورت میں پھر اس کے اندر جو ضمیر نکالیں گے اس کو فاعل بنائیں گے۔ تو معلوم ہوا یہ جو اسمِ منسوب ہے یہ صفت کا صیغہ تو نہیں لیکن یہ اس کے قائم مقام ہے بھئی۔ تو یہ چار صیغے صفت کے صیغے گویا مراد ہو گئے: اسمِ فاعل، اسمِ مفعول، صفتِ مشبہ اور اسمِ منسوب بھئی۔ تو صیغہ صفت کا ہو اور کس کے بعد آئے؟ حرفِ نفی یا حرفِ استفہام کے بعد آئے اور اسمِ ظاہر کو رفع دے۔

اور پھر میں نے آپ کو پانچ قسم کی مثالیں لکھوائی تھیں، ان مثالوں پر نظر ہے؟ دیکھو اس کے اندر آپ نے دیکھا کہ وہ جو مثالیں ہیں ان میں صفت کا صیغہ یا تو مفرد ہو گا یا مفرد نہیں ہو گا۔ پہلی تینوں مثالوں میں صفت کا صیغہ مفرد ہے: أَقَائِمٌ

زَيْدٌ، أَقَائِمٌ الزَّيْدَانِ، أَقَائِمٌ الزَّيْدُونَ، ان تینوں میں صفت کا صیغہ مفرد ہے۔ اور اگلی آخری دو مثالوں میں: أَقَائِمَانِ الزَّيْدَانِ اور أَقَائِمُونَ الزَّيْدُونَ ان میں صفت کا صیغہ مفرد نہیں۔ تو صفت کا صیغہ مفرد ہو گا یا مفرد نہیں ہو گا، اور پھر صفت کا صیغہ جب مفرد ہو تو آگے آنے والا اسمِ ظاہر مفرد ہو گا یا مفرد نہیں ہو گا۔ پہلی مثال میں اسمِ ظاہر مفرد تھا: أَقَائِمٌ زَيْدٌ، یہ زَيْدٌ مفرد ہے۔ اگلی دو مثالوں کے اندر قَائِمٌ تو مفرد تھا لیکن اسمِ ظاہر تثنیہ اور جمع تھا: أَقَائِمٌ الزَّيْدَانِ اور أَقَائِمٌ الزَّيْدُونَ۔ اور وہ مثالیں جن میں صفت کا صیغہ مفرد نہیں تھا أَقَائِمَانِ اس میں اسمِ ظاہر بھی اس کے مطابق تھا الزَّيْدَانِ، اور أَقَائِمُونَ الزَّيْدُونَ۔ تو یاد رکھو میں نے آپ کو بتلایا تھا کہ فعل کے لیے فاعل جب اسمِ ظاہر آئے فعل کو ہمیشہ مفرد رکھتے ہیں، اسی طرح صفت کے صیغے کے لیے بھی جب فاعل اسمِ ظاہر آئے تو صفت کے صیغے کو ہمیشہ مفرد رکھتے ہیں، لہٰذا پہلی تین مثالیں ان کے اندر صفت کا صیغہ مفرد ہے لہٰذا یہ آگے آنے والے اسمِ ظاہر کو رفع دے سکتا ہے اور آخری دو مثالوں میں صفت کا صیغہ مفرد نہیں لہٰذا وہ آگے آنے والے اسمِ ظاہر کو رفع بھی نہیں دے سکتا۔

تو لہٰذا وہ صورت جس میں صفت کا صیغہ بھی مفرد اور آگے آنے والا اسمِ ظاہر بھی مفرد، دونوں مفرد ہیں جیسے أَقَائِمٌ زَيْدٌ، اس میں دونوں ترکیبیں جائز ہیں۔ یعنی قَائِمٌ کو آپ خبرِ مقدم بنا دیں اور زَيْدٌ کو بتدا مؤخر، اور یہ بتدا مؤخر یہ مسند الیہ ہے اور قَائِمٌ خبرِ مقدم بن جائے گی۔ اور آپ چاہیں تو یوں کہیں کہ قَائِمٌ مفرد ہے اور اس نے زَيْدٌ کو رفع دیا ہے، وہ اس کا فاعل ہے اور قائم مقام خبر کے ہے، تو اس صورت میں یہ جو قَائِمٌ ہے یہ بتدا کی قسمِ ثانی بن جائے گا اور یہ مسند ہے اور آگے زَيْدٌ جو فاعل ہے وہ مسند الیہ ہے بھئی، تو یہ بتدا کی قسمِ ثانی بھی آپ بنا سکتے ہیں۔ اور اگلی دو مثالیں جن میں صفت کا صیغہ تو مفرد تھا لیکن اسمِ ظاہر تثنیہ یا جمع تھا، وہاں، وہاں متعین ہے کہ صفت کا صیغہ اس کو بتدا کی قسمِ ثانی ہی بنائیں گے، کیونکہ وہ مفرد ہے اور آگے اسمِ ظاہر چاہے تثنیہ ہو یا جمع ہو یہ اس کو رفع دے سکتا ہے تو یہاں ساری شرطیں پوری ہیں۔ أَقَائِمٌ الزَّيْدَانِ: صیغہ بھی کون سا؟ صفت کا، اور کس کے بعد آیا؟ حرفِ استفہام کے بعد ہے، اور آگے اسمِ ظاہر الزَّيْدَانِ کو یہ رفع بھی دے سکتا ہے کیونکہ صفت کا صیغہ مفرد ہے بھئی، تو لہٰذا یہاں پھر یہ بتدا کی قسمِ ثانی ہی بنے گا بھئی، یہاں اس کو خبرِ مقدم نہیں بنا سکتے اس لیے کہ أَقَائِمٌ الزَّيْدَانِ، قَائِمٌ کو اگر آپ خبرِ مقدم بنانا چاہتے ہیں تو خبر کو تو بتدا سے جوڑا جاتا ہے تو اس کے اندر ضمیر چاہیے جو اس کی طرف لوٹے، الزَّيْدَانِ کی طرف لوٹے، لیکن اس کے اندر جو ضمیر ہے وہ الزَّيْدَانِ کی طرف نہیں لوٹ سکتی کیونکہ قَائِمٌ کے اندر هُوَ ضمیر مفرد کی ہے اور الزَّيْدَانِ تو تثنیہ ہے بھئی، لہٰذا اس صورت میں قَائِمٌ کو خبرِ مقدم نہیں بنا سکتے تو یہاں ایک ہی ترکیب ہو گی کہ یہ قَائِمٌ کو بتدا کی قسمِ ثانی بنائیں گے۔ اور اگلا جملہ کیا تھا؟ أَقَائِمٌ الزَّيْدُونَ، یہاں پر بھی اسی طرح قَائِمٌ کو خبرِ مقدم نہیں بنا سکتے اس لیے کیونکہ اس صورت میں اس کے اندر ضمیر هُوَ ہے اور پھر وہ الزَّيْدُونَ کی طرف نہیں لوٹ سکتی کیونکہ ضمیر مفرد کی ہے اور مرجع کیا ہے؟ جمع ہے، تو لہٰذا یہاں بھی قَائِمٌ کو بتدا کی قسمِ ثانی بنائیں

گے اور الزَّيْدُونَ اس کا فاعل ہے اور وہ قائم مقام ہے اس کی خبر کے۔ تو یہ جو بتدا کی قسمِ ثانی ہے یہ ایسا بتدا ہے جس کی خبر نہیں ہوتی، بات سمجھ میں آگئی؟ کیونکہ آگے آنے والا اسمِ ظاہر وہ تو اس کا فاعل ہے بھئی، وہ تو قائم مقامِ خبر ہم نے بنایا، حقیقت میں تو وہ خبر نہیں وہ تو فاعل ہے بھئی۔ جبکہ وہ صورت جس میں صفت کا صیغہ تثنیہ یا جمع ہو اور آگے آنے والا پھر اسمِ ظاہر بھی اسی کے مطابق ہو گا، یعنی صفت کا صیغہ تثنیہ ہو تو اسمِ ظاہر بھی تثنیہ ہو گا اور صفت کا صیغہ جمع ہو تو آگے اسمِ ظاہر بھی جمع ہو گا، جیسے أَقَائِمَانِ الزَّيْدَانِ، یہاں پر قَائِمَانِ جو ہے وہ الزَّيْدَانِ کو رفع نہیں دے سکتا اس لیے کیونکہ یہ مفرد نہیں ہے، جب صفت کا صیغہ اسمِ ظاہر کو رفع دے تو اس کا مفرد ہونا ضروری ہے، تو پھر اس صورت میں اس کو خبرِ مقدم بنائیں گے اور اس کے اندر هُمَا ضمیر ہو گی اور وہ الزَّيْدَانِ کو راجع ہے اور یہاں ضمیر اور مرجع میں مطابقت بھی ہے بھئی۔

تو حاصلِ کلام کیا؟ کہ یہاں تین صورتیں بنتی ہیں۔ ایک صورت یہ کہ یہاں صفت کا صیغہ اور آگے آنے والا اسمِ ظاہر دونوں میں مطابقت ہو گی یا مطابقت نہیں، کس چیز میں مطابقت؟ افراد، تثنیہ اور جمع ہونے میں، دونوں میں مطابقت ہو گی یا مطابقت نہیں۔ تو أَزَيْدٌ قَائِمٌ (أَقَائِمٌ زَيْدٌ) اس کے اندر بھی مطابقت ہے، آخری دو مثالیں أَقَائِمَانِ الزَّيْدَانِ اور أَقَائِمُونَ الزَّيْدُونَ ان کے اندر بھی مطابقت ہے، اور دوسری اور تیسری مثال أَقَائِمٌ الزَّيْدَانِ اور أَقَائِمٌ الزَّيْدُونَ ان میں مطابقت نہیں۔ تو جب صفت اور آگے آنے والے اسمِ ظاہر میں مطابقت ہو، تو اگر وہ دونوں مفرد ہیں تو وہاں دونوں ترکیبیں ہو سکتی ہیں أَقَائِمٌ زَيْدٌ اس میں دونوں ترکیبیں ہو سکتی ہیں، آپ چاہیں تو قَائِمٌ کو خبرِ مقدم بنائیں اور چاہیں تو بتدا کی قسمِ ثانی بنائیں۔ اور آخری دو مثالیں جن میں مطابقت تو ہے لیکن دونوں مفرد نہیں أَقَائِمَانِ الزَّيْدَانِ اور أَقَائِمُونَ الزَّيْدُونَ، لیکن وہ مطابقت مفرد ہونے کے اعتبار سے نہیں ہے بلکہ تثنیہ اور جمع ہونے کے اعتبار سے ہے، تو وہاں پھر، وہاں وہ بتدا کی قسمِ اول ہی بنائیں گے اور یہ صفت کا صیغہ خبرِ مقدم ہی بنے گا۔ تو مطابقت میں کتنی صورتیں؟ مطابقت ہو گی افراد کے اعتبار سے یا تثنیہ ہونے کے اعتبار سے یا جمع ہونے کے اعتبار سے۔ جب مفرد ہونے کے اعتبار سے مطابقت ہو تو وہاں دونوں ترکیبیں جائز ہیں، اور جب تثنیہ اور جمع ہونے کے اعتبار سے آپس میں دونوں میں مطابقت ہو تو وہاں وہ بتدا کی قسمِ اول ہی بنائیں گے اور صفت کا صیغہ خبرِ مقدم ہی بنے گا۔ اور وہ صورت جن میں مطابقت نہ ہو، یعنی دوسری اور تیسری مثال ہے، اس میں صفت کا صیغہ مفرد ہے اور آگے اسمِ ظاہر تثنیہ یا جمع ہے، تو وہاں وہ بتدا کی قسمِ ثانی ہی بنائیں گے اس صفت کے صیغے کو، وہاں بتدا کی قسمِ اول والی ترکیب نہیں ہو سکتی۔ بات سمجھ میں آگئی اچھی طرح؟

جی اب دیکھیے آج کے سبق پر بھئی۔ بھئی گزشتہ سبق کے آخر میں ہم پڑھ رہے تھے، متن تھا اَلْمُجَرَّدُ عَنِ الْعَوَامِلِ اللَّفْظِيَّةِ کہ بتدا وہ اسم ہے جو خالی ہو عواملِ لفظیہ سے۔ آگے صاحبِ جامی تفسیر کر رہے ہیں اس کی أَيِ الَّذِي لَمْ يُوجَدْ فِيهِ، یہ اَلَّذِي یہ کیوں لے کر آئے بھئی؟ وجہ یہ کہ میں نے آپ کو بتلایا تھا الف لام کی قسمیں بھئی۔ الف لام دو قسم پر ہے:

ایک الف لام اسمی اور ایک الف لام حرفی۔ الف لام اسمی جو اسمِ فاعل اور اسمِ مفعول کے صیغوں پر داخل ہو اور یہ دراصل اسمِ موصول ہوتا ہے۔ اَلضَّارِبُ، دیکھو ضَارِبٌ کون سا صیغہ ہے؟ اسمِ فاعل اور اس پر کیا آیا؟ الف لام، تو یہ الف لام دراصل اسمِ موصول ہے بھئی، یہ حرف ہے ہی نہیں، باقاعدہ اس کا اعراب بھی آپ کو بتانا پڑے گا کہ محلاً اس کا اعراب کیا ہے، بات سمجھ میں آ [گئی]؟ ہاں البتہ اس کا اعراب پھر ظاہر جو ہے آگے اَلضَّارِبُ کے اندر ضَارِبٌ صیغے پر ظاہر ہو گا۔ تو ضَارِبٌ دیکھو اسمِ فاعل کا صیغہ ہے اور مَضْرُوبٌ اسمِ مفعول کا صیغہ ہے اور ان پر الف لام داخل ہوا، اور وہ الف لام جو اسمِ فاعل اور اسمِ مفعول کے صیغوں پر داخل ہو وہ دراصل اسمِ موصول ہوتا ہے۔ تو یہاں پر بھی دیکھو متن میں کیا آیا؟ اَلْمُجَرَّدُ، مُجَرَّدٌ اسمِ مفعول کا صیغہ ہے اور اس پر الف لام آیا اور وہ الف لام جو اسمِ فاعل یا اسمِ مفعول کے صیغوں پر داخل ہو وہ اسمِ موصول ہوتا ہے، اس لیے آگے صاحبِ جامی نے اس کی تفسیر کیا کی؟ أَيِ الَّذِي، أَيِ الَّذِي اسمِ موصول کے ساتھ۔ اور مُجَرَّدٌ کا کیا معنی کیا؟ خالی کرنا نہیں بلکہ خالی ہونا یعنی جو خالی ہو، خالی ہو اسی لیے کہا لَمْ يُوجَدْ فِيهِ کہ اس کے اندر نہ پایا جائے بھئی یعنی موجود نہ ہو بھئی۔ اور اَلْعَوَامِلِ اللَّفْظِيَّةِ اس پر الف لام داخل ہوا اس نے اس کی جمعیت باطل کر دی اور یہ جنس کے معنی میں ہوا اور جنس تو ایک فرد کو بھی شامل ہوتی ہے، اسی لیے کہا کہ لَمْ يُوجَدْ فِيهِ عَامِلٌ لَفْظِيٌّ أَصْلًا کہ اس میں کوئی ایک عامل بھی موجود نہ ہو أَصْلًا أَيْ قَطْعًا قطعی طور پر۔ تو پھر یہ کیا ہے؟ بتدا کی قسمِ اول ہے بھئی۔

آگے دیکھیے بھئی، کہتے ہیں وَاحْتَرَزَ بِهِ عَنِ الِاسْمِ الَّذِي فِيهِ عَامِلٌ لَفْظِيٌّ، کہتے ہیں اس قید کے ذریعے، یہ جو کہا نا کہ وہ خالی ہو عواملِ لفظیہ سے، اس قید کے ذریعے احتراز کیا صاحبِ کافیہ نے اس اسم سے اَلَّذِي فِيهِ عَامِلٌ لَفْظِيٌّ جس کے اندر عاملِ لفظی ہو بھئی۔ كَاسْمَيْ إِنَّ وَكَانَ جیسے إِنَّ اور كَانَ کا اسم ہے۔ بھئی عموماً کتابوں والوں نے كَاسْمَيْ أَنَّ لکھا ہوا ہے، کیا لکھا ہے؟ أَنَّ نہیں بھئی یہ إِنَّ ہے بھئی۔ كَاسْمَيْ، اصل میں تھا اِسْمَيْنِ تثنیہ ہے اور پھر نون اضافت کی وجہ سے گر گیا اور کاف جارہ اس پر داخل ہے، كَاسْمَيْ إِنَّ، اور إِنَّ سے إِنَّ خود نہیں مراد بلکہ مراد ہے حروفِ مشبہ بالفعل، حروفِ مشبہ بالفعل۔ جیسے پیچھے مَفْعُولُ مَا لَمْ يُسَمَّ فَاعِلُهُ میں عبارت آئی تھی کہ اس کے اندر شرط یہ ہے کہ اس کا صیغہ بدل دیا جائے فُعِلَ یا يُفْعَلُ کی طرف، اور وہاں صاحبِ جامی نے بتلایا تھا کہ فُعِلَ سے فُعِلَ کا لفظ یعنی یہ صیغہ مراد نہیں ہے بلکہ ماضی مجہول مراد ہے، اور اسی طرح يُفْعَلُ سے يُفْعَلُ کا صیغہ مراد نہیں ہے بلکہ مضارع مجہول مراد ہے۔ تو یہاں پر بھی جو إِنَّ آیا اس سے صرف إِنَّ نہیں مراد بلکہ حروفِ مشبہ بالفعل مراد ہیں۔ تو لہٰذا اس کو كَاسْمَيْ إِنَّ پڑھیں گے بھئی۔ تو بعضوں نے اس کو أَنَّ لکھا ہوا ہے کہ چونکہ درمیانِ عبارت میں جب آئے تو اس کو کیا پڑھتے ہیں؟ أَنَّ پڑھتے ہیں نہیں، نہیں بھئی إِنَّ ہے، یہاں إِنَّ لفظ ذکر کیا، لفظ ذکر کیا اور مراد حروفِ مشبہ بالفعل ہیں بھئی۔ اور آگے وَكَأَنَّ اس کو كَأَنَّ نہ پڑھیں بھئی اس کو كَانَ پڑھیں كَانَ، کیونکہ إِنَّ کے ذریعے اشارہ ہو گیا کس کی طرف؟ تمام حروفِ مشبہ بالفعل کی طرف۔ توجہ ہے؟ بھئی ادھر دیکھیے۔ دیکھو یہ جو حروفِ مشبہ بالفعل ہیں یہ کس پر داخل ہوتے ہیں؟ بتدا اور خبر پر، اور پھر جب بتدا اور خبر پر یہ داخل ہو جائیں تو پھر اس بتدا کو

بتدا نہیں کہتے بلکہ ان کا اسم کہتے ہیں، جو بھی ہو حروفِ مشبہ بالفعل میں سے وہ جو بتدا ہے اب وہ ان کا اسم کہلائے گا اور وہ جو خبر ہے اب وہ بتدا کی خبر نہیں کہلائے گی بلکہ اس، اس حرفِ مشبہ بالفعل کی خبر کہلائے گی۔ اسی طرح كَانَ ہے افعالِ ناقصہ میں سے، كَانَ بھی کس پر داخل ہوتا ہے؟ افعالِ ناقصہ بھی بتدا اور خبر پر داخل ہوتے ہیں، جیسے پہلے تھا زَيْدٌ قَائِمٌ پھر اس پر كَانَ داخل ہوا أَيْ كَانَ زَيْدٌ قَائِمًا۔ كَانَ کیا کرتا ہے؟ اپنے اسم کو رفع دیتا ہے اور خبر کو نصب دیتا ہے، اب كَانَ زَيْدٌ قَائِمًا تو پہلے یہ زَيْدٌ قَائِمٌ بتدا خبر تھے لیکن جب كَانَ آگیا اب ان کو بتدا خبر نہیں کہیں گے بلکہ كَانَ کا اسم اور كَانَ کی خبر کہیں گے۔ تو یہاں پر كَاسْمَيْ إِنَّ وَكَانَ پڑھیں، اس لیے کیونکہ إِنَّ کے ذریعے تمام حروفِ مشبہ آگئے اس کے اندر اور كَانَ کے ذریعے تمام افعالِ ناقصہ مراد ہیں وہ اس کے اندر آگئے۔ تو جیسے إِنَّ اور كَانَ ان دونوں کا اسم ہوتا ہے ان میں عاملِ لفظی ہے، حروفِ مشبہ بالفعل کا جو اسم ہے اس میں عامل وہ خود حرفِ مشبہ بالفعل عامل ہے إِنَّ یا أَنَّ كَأَنَّ وغیرہ جو بھی ہوا وہ عامل ہے، اور افعالِ ناقصہ کا جو اسم ہوتا ہے اس میں وہ افعالِ ناقصہ عامل ہوتے ہیں، لہٰذا وہ بتدا اور خبر کی تعریف سے خارج ہو گئے، کیوں؟ کیونکہ ان کے اندر تو عاملِ لفظی موجود ہے اور بتدا کے بارے میں انہوں نے کیا کہا؟ اَلْمُجَرَّدُ عَنِ الْعَوَامِلِ اللَّفْظِيَّةِ کہ وہ عواملِ لفظیہ سے خالی ہو۔ بات سمجھ میں آگئی؟

تو دیکھیے دوبارہ کہتے ہیں یہ جو قید اوپر ذکر کی صاحبِ کافیہ نے کون سی قید؟ اَلْمُجَرَّدُ عَنِ الْعَوَامِلِ اللَّفْظِيَّةِ اس قید کے ذریعے، کہتے ہیں وَاحْتَرَزَ بِهِ اور اس قید کے ذریعے صاحبِ کافیہ نے احتراز کیا عَنِ الِاسْمِ الَّذِي فِيهِ عَامِلٌ لَفْظِيٌّ اس اسم سے جس کے اندر عاملِ لفظی ہوتا ہے كَاسْمَيْ إِنَّ وَكَانَ جیسے کہ إِنَّ اور كَانَ کے دو اسم ہیں، إِنَّ کا ایک اسم اور ایک كَانَ۔ تو دیکھو ان میں عاملِ لفظی ہے لہٰذا یہ تو عاملِ لفظی سے خالی نہیں تو یہ بتدا کی تعریف سے نکل گئے۔ وَكَأَنَّهُ أَرَادَ بِالْعَامِلِ اللَّفْظِيِّ، تو اس كَأَنَّ اس کو نہ پڑھیں کیا پڑھیں؟ كَانَ پڑھیں، کیونکہ إِنَّ کے ذریعے سارے حروفِ مشبہ بالفعل اس میں آگئے تو آگے دوبارہ كَأَنَّ کو ذکر کرنے کی تو حاجت ہی نہیں اور كَانَ پڑھیں تو اب اس میں افعالِ ناقصہ بھی کے اسم بھی آگئے بھئی۔ تو کہتے ہیں وَكَأَنَّهُ أَرَادَ بِالْعَامِلِ اللَّفْظِيِّ مَا يَكُونُ مُؤَثِّرًا فِي الْمَعْنَى لِئَلَّا يَخْرُجَ عَنْهُ مِثْلُ بِحَسْبِكَ دِرْهَمٌ۔

اچھا دیکھو بِحَسْبِكَ دِرْهَمٌ اس میں ترکیب سنو بھئی، ترکیب سنو: با جارہ زائدہ بھئی، یہ با جارہ ہے لیکن زائد ہے، یاد رکھو کلامِ عرب میں بعض اوقات کچھ حروف زائد آتے ہیں بھئی، زائد آتے ہیں۔ زائد ہونے کا معنی یہ ہے کہ وہ اپنے معنی کا اثر نہیں دیتے، اپنے معنی کا فائدہ نہیں دیتے۔ بھئی یہ تمام حروف جو ہیں ان میں سے ہر ایک کا اپنا اپنا معنی ہے، مِنْ کس لیے آتا ہے؟ ابتدا کے لیے، إِلٰی کس لیے آتا ہے؟ انتہا کے لیے، تو تمام جو حروف ہیں ان سب کا معنی ہوتا ہے لیکن بعض اوقات یہ حروف کلام کے اندر زائد آتے ہیں یعنی وہاں اپنے معنی کا فائدہ نہیں دیتے، تو چونکہ یہ اپنے معنی کا فائدہ نہیں دیتے اس لیے ان کو زائد کہتے ہیں، لیکن اس کا یہ معنی بھی نہیں کہ وہ بالکل بیکار ہوتے ہیں، ان کی وجہ سے کلام میں حسن پیدا ہوتا ہے اور

نیز کلام کے اندر تاکید پیدا ہوتی ہے، کلام میں زور آجاتا ہے۔ توجہ ہے؟ کلام کے اندر زور آجاتا ہے جیسے قسم سے کلام میں زور آتا ہے، ایک شخص کے سامنے آپ ایک بات کرتے ہیں وہ بات نہیں مانتا تو آپ قسم اٹھا کر وہی بات دوبارہ کرتے ہیں، دیکھو قسم سے آپ کی بات میں زور آگیا، کیا آگیا؟ زور آگیا کہ بات ایسی ہی ہے۔ تو، تو جیسے قسم سے کلام کے اندر زور آتا ہے اسی طرح یہ حروف جو زائد ہوتے ہیں ان سے بھی کلام کے اندر زور آجاتا ہے۔ البتہ قسم سے تو بے انتہا زور آتا ہے کلام کے اندر، ان کی وجہ سے بھی کلام میں زور آئے گا لیکن اس درجے کا نہیں ہے بھئی، بات سمجھ میں آگئی؟ لیکن ایک کلام ہے بغیر حرفِ زائد کے اور ایک وہ کلام ہو جس میں عرب حرفِ زائد بھی استعمال کرتے ہیں تو وہ جس میں حرفِ زائد ہو گا اس میں تاکید ہو گی بھئی، تاکید ہو گی۔ تو یہ حروف جو ہیں کچھ زائد آتے ہیں، زائد ہونے کا کیا معنی؟ کہ یہ اپنے معنی کا فائدہ وہاں نہیں دیتے، ہاں کلام کے اندر حسن بھی پیدا کرتے ہیں اور کلام میں تاکید بھی پیدا کرتے ہیں لیکن پھر بھی ان کو زائد کہتے ہیں کیونکہ یہ اپنے معنی کا فائدہ نہیں دے رہے کیونکہ ان کو تو اپنے معنی کے لیے وضع کیا گیا ہے بھئی۔ تو یہاں پر بھی دیکھیے یہ جو بِحَسْبِكَ دِرْهَمٌ، یہ با جارہ زائد ہے بھئی اور اصل میں ہے حَسْبُكَ دِرْهَمٌ۔ حَسْبُكَ ہے بتدا اور دِرْهَمٌ ہے اس کی خبر۔ حَسْبُكَ دِرْهَمٌ آپ کے لیے ایک درہم کافی ہے، یا یوں کہہ لیں بِحَسْبِكَ دِرْهَمٌ آپ کے لیے ایک درہم کافی ہے، دونوں طرح آپ کہہ سکتے ہیں لیکن با لے کر آئیں گے تو کلام میں تھوڑا سا زور آجائے گا اور نیز کلام میں حسن پیدا ہو جائے گا۔ تو ترکیب سنو بھئی: با جارہ، حَسْبِ مجرور لفظاً کیونکہ با جارہ ہے اس نے جر دیا، مجرور لفظاً ہے لیکن محلاً یہ مرفوع ہے بتدا ہے بھئی، توجہ ہے؟ حَسْبِ با جارہ کی وجہ سے لفظاً تو مجرور لیکن محلاً یہ مرفوع ہے بتدا ہے، اور کاف ضمیر مجرور محلاً مضاف الیہ، مضاف اپنے مضاف الیہ سے مل کر یہ، یہ مجرور ہوا با جارہ کے لیے بھئی اور یہ محلاً مرفوع ہے بتدا ہے بھئی۔ اور ایک اور بات بھی یاد رکھنا، یہ جو حروفِ جارہ جب زائد ہوں تو یہ کسی سے جڑتے بھی نہیں ہیں۔ حروفِ جارہ تو جب بھی کلام میں آئیں آٹھ چیزوں میں سے کسی ایک سے ضرور جڑیں گے لیکن وہ حروفِ جارہ جو زائد ہوں وہ کسی سے نہیں جڑیں گے، وجہ یہ کہ وہ اپنے معنی کا فائدہ ہی نہیں دے رہے، اگر آپ ان کو کسی سے جوڑیں گے پھر تو اس کا مطلب یہ ہو گا یہ اپنے معنی کا فائدہ دے رہے ہیں بھئی، بات سمجھ میں آگئی؟ تو بِحَسْبِكَ اس کے اندر حَسْبِكَ یہ مجرور تو لفظاً ہے لیکن محلاً مرفوع ہے بتدا، اور دِرْهَمٌ مرفوع لفظاً اس کی خبر، بتدا اپنی خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔ اب دیکھو بِحَسْبِكَ دِرْهَمٌ اس کے اندر حَسْبُكَ بتدا ہے، بتدا ہے، بات سمجھ میں آ [گئی]؟ اور انہوں نے بتدا کی تعریف کیا کی؟ بتدا وہ اسم ہے جو عوامِل لفظیہ سے خالی ہو اور اس کے اندر تو با جارہ لفظ عامل ہے، عمل کر رہا ہے وہ جر دے رہا ہے، تو یہ تو بتدا کی تعریف سے نکل گیا بھئی! تو صاحبِ جامی آگے بتلا رہے ہیں کہ گویا کہ مصنف نے یہ ارادہ کیا کہ عاملِ لفظی سے وہ عامل مراد ہے جو معنی میں بھی اثر کرے۔ کیا کہا؟ بتدا وہ اسم ہے جو عوامِل لفظیہ سے خالی ہو۔ عاملِ لفظی سے وہ عامل مراد ہے جو لفظوں کے ساتھ ساتھ معنی میں بھی اثر کرے، اپنا معنی بھی دے وہاں پر، اور با جارہ یہ لفظوں میں عمل تو کر رہا ہے لیکن معنی میں اپنا اثر نہیں

دے رہا، تو یہ لہٰذا یہ اس سے نکل گیا۔ کیا، کیا بات ہوئی؟ کہ بھئی انہوں نے بتدا کی تعریف یہ کی کہ وہ عوامل لفظیہ سے خالی ہو اور حَسْبُكَ عواملِ لفظیہ سے خالی نہیں بَا ایک لفظ ہے جو اس کے اندر عمل کر رہا ہے، تو جواب دیا کہ بھئی گویا کہ مصنف کا ارادہ یہ ہے، جو عواملِ لفظیہ انہوں نے متن میں ذکر کیا اس سے مراد وہ عاملِ لفظی ہے جو لفظ کے ساتھ ساتھ معنی میں بھی اپنا اثر دے، اپنا فائدہ دے، اور یہ تو لفظ میں تو فائدہ دے رہا ہے معنی میں کوئی فائدہ نہیں دے رہا، لہٰذا یہ بھی اسی طرح ہے گویا اس پر عاملِ لفظی داخل ہی نہیں ہے، تو یہ بھی بتدا کی تعریف میں داخل ہو گیا بھئی۔ بات سمجھ میں آ گئی؟

تو کہتے ہیں وَكَأَنَّهُ أَرَادَ بِالْعَامِلِ اللَّفْظِيِّ اور گویا کہ ماتن نے عاملِ لفظی کے ذریعے ارادہ کیا مَا يَكُونُ مُؤَثِّرًا فِي الْمَعْنَى وہ عامل جو معنی کے اندر بھی مؤثر ہو اس کا ارادہ کیا لِئَلَّا يَخْرُجَ عَنْهُ تاکہ بتدا کی تعریف سے نکل نہ جائے مِثْلُ اس جیسی مثالیں بِحَسْبِكَ دِرْهَمٌ، تو اس جیسی مثال تاکہ بتدا کی تعریف سے نہ نکلے اس کے اندر داخل رہے کیونکہ اس کے اندر جو عاملِ لفظی ہے وہ لفظوں میں تو عمل کر رہا ہے لیکن معنی میں عمل نہیں کر رہا بھئی۔

آگے دیکھیے بھئی، مُسْنَدًا إِلَيْهِ۔ یہ حال واقع ہو رہا ہے بھئی، اَلْمُجَرَّدُ کے اندر جو هُوَ ضمیر ہے جو نائب الفاعل ہے تو یہ اس سے حال ہے۔ تو وہ اسم جو عواملِ لفظیہ سے خالی ہو اس حال میں ہو کہ مُسْنَدًا إِلَيْهِ کہ وہ مسند الیہ ہو یعنی اس کی طرف اسناد کیا گیا ہو۔ بھئی یہ مسند الیہ کی قید اس لیے لگائی تاکہ خبر اور بتدا کی قسمِ ثانی کو اس سے نکال دیں۔ خبر کیا ہوتی ہے؟ مسند الیہ ہوتی ہے یا مسندبہ؟ خبر مسندبہ ہوتی ہے، اور بتدا کی قسمِ ثانی وہ کیا ہے؟ وہ بھی مسندبہ ہے۔ تو یہ جو بتدا کی قسمِ اول ہے اس میں قید لگا دی کہ وہ مسند الیہ ہو گا۔ جب مسند الیہ کہہ دیا تو خبر بھی نکل گئی اور بتدا کی قسمِ ثانی بھی نکل گئی کیونکہ خبر اور بتدا کی قسمِ ثانی وہ مسند الیہ نہیں ہیں بلکہ مسند ہیں بھئی۔

تو کہتے ہیں مُسْنَدًا إِلَيْهِ وَاحْتَرَزَ بِهِ عَنِ الْخَبَرِ وَثَانِي قِسْمَيِ الْمُبْتَدَأِ اور اس کے ذریعے احتراز کیا ماتن نے خبر سے وَثَانِي قِسْمَيِ الْمُبْتَدَأِ اور بتدا کی دو قسموں میں سے جو دوسری قسم ہے اس سے احتراز کیا اَلْخَارِجِ جو کہ خارج ہے عَنْ هٰذَا الْقِسْمِ اس قسم سے۔ بتدا کی دوسری قسم جو ہے وہ خارج ہے اس بتدا کی قسم سے۔ بھئی بتدا کی دو قسمیں بالکل الگ الگ ہیں، ایک مسند الیہ ہے دوسری مسند ہے، تو بتدا کی قسمِ ثانی بتدا کی قسمِ اول سے خارج ہے، الگ ہے بھئی۔ تو دیکھو بھئی یہ فائدہ بتلا رہے ہیں اس قید کا، یہ جو مُسْنَدًا إِلَيْهِ کی قید آئی تعریف کے اندر اس کا فائدہ بتلا رہے ہیں کہ اس کے ذریعے خبر اور بتدا کی قسمِ ثانی سے ماتن احتراز کر رہے ہیں یعنی اس کو بتدا کی تعریف سے نکال رہے ہیں بھئی۔ کیونکہ بتدا کی تعریف کیا کی؟ بتدا وہ اسم ہے جو عواملِ لفظیہ سے خالی ہو، تو خبر بھی عواملِ لفظیہ سے خالی ہوتی ہے، اسی طرح بتدا کی جو قسمِ ثانی ہے وہ بھی عواملِ لفظیہ سے خالی ہے، تو یہ خبر اور بتدا کی قسمِ ثانی وہ بھی اس بتدا کی قسمِ اول کی تعریف کے اندر داخل ہو رہے تھے تو آگے مُسْنَدًا إِلَيْهِ کی قید لگا دی صاحبِ کافیہ نے اور اس سے وہ دونوں نکل گئے بھئی، اس لیے کیونکہ خبر اور بتدا کی قسمِ ثانی وہ تو مسند الیہ نہیں ہوتے بلکہ مسند ہوتے ہیں۔ تو یہ اَلْخَارِجِ صفت ہے ثَانِي قِسْمَيِ الْمُبْتَدَأِ کی، بتدا کی وہ قسمِ

ثانی اَلْخَارِجِ عَنْ هٰذَا الْقِسْمِ جو اس قسم سے خارج ہے بھئی۔ عبارت سمجھ میں آگئی؟ پھر دیکھیے، کہتے ہیں وَاحْتَرَزَ بِهٖ عَنِ الْخَبَرِ وَثَانِي قِسْمَيِ الْمُبْتَدَأِ الْخَارِجِ عَنْ هٰذَا الْقِسْمِ اور اس قید کے ذریعے احتراز کیا ماتن نے خبر سے اور بتدا کی دو قسموں میں سے جو دوسری قسم ہے جو کہ اس قسم سے خارج ہے، تو ان دونوں سے احتراز کیا، فَإِنَّهُمَا لَا يَكُونَانِ إِلَّا مُسْنَدَيْنِ اس لیے کیونکہ یہ دو چیزیں جو ہیں یعنی خبر اور بتدا کی قسمِ ثانی یہ نہیں ہوتے إِلَّا مُسْنَدَيْنِ مگر مسند ہی، یہ تو مسند ہی ہوتے ہیں۔

دیکھیے بھئی، أَوِ الصِّفَةُ یا صفت کا صیغہ ہو۔ یہ بتدا کی قسمِ ثانی آگئی۔ بھئی میں نے بتایا تھا صفت کے صیغے سے کون سا صیغہ مراد ہے؟ اسمِ فاعل، اسمِ مفعول، صفتِ مشبہ اور، اور اسمِ منسوب جو قائم مقام ہے صفت کے۔ کہتے ہیں أَوِ الصِّفَةُ یا صفت کا صیغہ ہو سَوَاءٌ كَانَتْ مُشْتَقَّةً برابر ہے کہ وہ صفت کا صیغہ مشتق ہو، آگے آرہا ہے ایک دو لفظوں کے بعد، أَوْ جَارِيَةً مَجْرَاهَا یا مشتق کے قائم مقام ہو بھئی، کس کے قائم مقام ہو؟ مشتق کے قائم مقام ہو بھئی۔ تو کہتے ہیں سَوَاءٌ كَانَتْ مُشْتَقَّةً برابر ہے کہ وہ صفت کا صیغہ مشتق ہو أَوْ جَارِيَةً مَجْرَاهَا یا اس کا قائم مقام ہو یعنی مشتق نہ ہو لیکن مشتق کا قائم مقام ہو۔ توجہ ہے؟ بھئی دیکھیے نا ادھر دیکھیے: یہ جو اسمِ فاعل، اسمِ مفعول، صفتِ مشبہ ہیں یہ مشتقات ہیں بھئی، یہ ان کا اشتقاق ہوتا ہے مصدر سے، کس سے؟ مصدر سے بواسطہ فعل کے، تو ان سب کا اشتقاق ہوتا ہے مصدر سے بھئی۔ تو یہ مشتقات ہیں اور جبکہ اسمِ منسوب وہ تو مشتق نہیں ہے، وہ صفت کا قائم مقام تو ہے لیکن مشتق نہیں ہے۔ تو کہتے ہیں أَوِ الصِّفَةُ یا وہ جو بتدا ہے وہ صفت ہوگی، سَوَاءٌ كَانَتْ مُشْتَقَّةً برابر ہے کہ چاہے وہ مشتق ہو وہ صفت كَضَارِبٍ وَمَضْرُوبٍ وَحَسَنٍ جیسے کہ ضَارِبٌ ہے اور مَضْرُوبٌ ہے اور حَسَنٌ ہے۔ ضَارِبٌ کون سا صیغہ؟ اسمِ فاعل، مَضْرُوبٌ اسمِ مفعول اور حَسَنٌ یہ صفتِ مشبہ ہے۔ أَوْ جَارِيَةً مَجْرَاهَا یا وہ اس مشتق کے قائم مقام ہو كَقُرَشِيٍّ جیسے کہ قُرَشِيٌّ ہے بھئی، دیکھو قُرَشِيٌّ اسمِ منسوب ہے اس کے آخر میں یائے مشدد ہے بھئی، قُرَشِيٌّ کا کیا معنی؟ وہ جو منسوب ہو قبیلہ قریش کی طرف بھئی۔

اَلْوَاقِعَةُ بَعْدَ حَرْفِ النَّفْيِ كَمَا وَلَا اور وہ صفت کا صیغہ حرفِ نفی کے بعد واقع ہو جیسے مَا اور لَا۔ یہ حرفِ نفی کی مثال دے دی۔ مَا بھی کس لیے آتا ہے؟ نفی کے لیے، اور لَا بھی کس لیے آتا ہے؟ نفی کے لیے۔ تو وہ حرفِ نفی کے بعد واقع ہو جیسے مَا اور لَا ہیں بھئی یہ نفی کے لیے آتے ہیں۔ أَوْ أَلِفِ الِاسْتِفْهَامِ یا الفِ استفہام کے بعد واقع ہو، وَنَحْوِهٖ یا اس جیسے كَهَلْ وَمَا وَمَنْ جیسے هَلْ ہے، مَا ہے اور مَنْ، اور محشی نے باقی بھی ذکر کر دیے۔ تو معلوم ہوا یاد رکھو یہ الفِ استفہام سے الفِ استفہام ہی نہیں مراد بلکہ اداتِ استفہام مراد ہیں، وہ کلمات جن کے ذریعے سوال پوچھا جاتا ہے وہ سب اس کے اندر داخل ہیں بھئی۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو الفِ استفہام سے صرف الف نہیں مراد بلکہ تمام اداتِ استفہام مراد ہیں بھئی۔ تو، تو پھر سوال پیدا ہوا کہ یہ الفِ استفہام کو کیوں ذکر کیا صاحبِ کافیہ نے؟ تو یوں کہہ دیتے کہ حرفِ نفی کے بعد واقع ہو یا اداتِ استفہام کے بعد واقع ہو۔ تو وجہ یہ کہ چونکہ استفہام کے اندر الف اصل ہے تو اس لیے اصل کو ذکر کر دیا، تو باقی فروع جو

ہیں وہ اسی کے اندر داخل ہیں بھئی۔ تو کہتے ہیں وہ صفت حرفِ نفی کے بعد ہو یا الفِ استفہام کے بعد ہو وَنَحْوِهِ یا الفِ استفہام کے جیسے اور لفظ ہیں کَهَلْ جیسے کہ هَلْ ہے یہ بھی استفہام کے لیے آتا ہے وَمَا اور مَا بھی ہے اور مَنْ بھی ہے یہ سب کس لیے آتے ہیں؟ استفہام کے لیے۔ دیکھیں بین السطور دیا ہوا ہے وَمَتَى وَأَيْنَ وَكَيْفَ وَكَمْ وَأَيَّانَ وغیرہ، یہ سارے بھی مراد ہیں بھئی۔

وَعَنْ سِيبَوَيْهِ جَوَازُ۔ تو صفت کا صیغہ یہ حرفِ نفی یا حرفِ استفہام کے بعد ہونا چاہیے۔ اس کی وجہ کیا ہے؟ یہ قید کیوں لگائی؟ وجہ یہ کہ یاد رکھو یہ جو صفت کے صیغے جب عمل کرتے ہیں تو ان کے عمل کی شرائط ہیں بھئی۔ آگے کافیہ کے اندر بھی اسمِ فاعل، اسمِ مفعول، صفتِ مشبہ وغیرہ کا ذکر آئے گا بھئی، تو یہ صفت کے صیغوں کے عمل کے لیے شرائط ہوتی ہیں، مثلاً جیسے اسمِ فاعل اور اسمِ مفعول ہیں ان کے عمل کے لیے شرط ہے کہ یہ حال یا استقبال کے معنی میں ہوں پھر عمل کریں گے، اگر یہ ماضی کے معنی میں ہوں پھر عمل نہیں کریں گے۔ اور اسی طرح، اسی طرح اسمِ فاعل اور اسمِ مفعول کے عمل کے لیے ضروری ہے کہ ان کا کسی چیز پر اعتماد ہو، یعنی ان سے پہلے چار پانچ چیزیں ہیں وہ آئیں گی تو ان پر اعتماد کرتے ہوئے یعنی ان کے ساتھ ٹیک لگا کر، تکیہ لگا کر، ان پر اعتماد کر کے اس کے بعد پھر یہ عمل کریں گے۔ توجہ ہے؟ مثلاً اسمِ فاعل اور اسمِ مفعول میں وہ ذکر کرتے ہیں کہ یہ تب عمل کریں گے جب ان کا اعتماد ہو، جیسے ان سے پہلے بتدا آئے: زَيْدٌ قَائِمٌ، زَيْدٌ بتدا ہے اب یہ قَائِمٌ جو زید کے بعد آیا یہ عمل کرے گا کیونکہ اس کا اعتماد کس پر ہو گیا؟ بتدا پر یعنی اس نے بتدا پر ٹیک لگا لی، اس کا سہارا لے لیا اب یہ عمل کرے گا، اور آگے زَيْدٌ قَائِمٌ أَبُوهُ، یہ أَبُوهُ کو اب قَائِمٌ رفع دے گا۔ توجہ ہے؟ اسی طرح ان کا اعتماد کبھی موصوف پر ہوتا ہے یہ صفت بن رہے ہوتے ہیں: جَاءَنِي رَجُلٌ قَائِمٌ أَبُوهُ، یہ قَائِمٌ أَبُوهُ کو رفع دے رہا ہے اس کا اعتماد کس پر ہے؟ ما قبل میں اس کا موصوف جو رَجُلٌ آیا۔ توجہ ہے؟ تو لہٰذا یہ صفت کے صیغے تب عمل کرتے ہیں جب ان کا کسی چیز پر اعتماد ہو یعنی کسی چیز کا انہوں نے سہارا لیا ہوا ہو، تو یہاں پر بھی جب ان سے پہلے حرفِ نفی یا حرفِ استفہام آجائے گا تو اس سے ان کو سہارا مل جائے گا اور اس کے سہارے پر پھر یہ آگے عمل کریں گے۔ یہ بصرہ والوں کا مذہب ہے۔ جبکہ کوفہ کے علماء فرماتے ہیں کہ صفت کے صیغے کے عمل کے لیے کسی چیز پر اعتماد کی ضرورت نہیں، کسی سہارے کی ضرورت نہیں، تو یہاں پر بھی وہ فرماتے ہیں کہ حرفِ نفی یا حرفِ استفہام پر اعتماد کی حاجت نہیں ہے بھئی۔

وَعَنْ سِيبَوَيْهِ، ہاں امام سیبویہ کا مذہب آگے ذکر کر رہے ہیں صاحبِ جامی۔ امام سیبویہ فرماتے ہیں کہ حرفِ نفی یا حرفِ استفہام کے بغیر بھی صفت کے صیغے عمل کر سکتے ہیں یعنی وہ بتدا کی قسمِ ثانی بن سکتے ہیں۔ توجہ ہے؟ البتہ یہ قبیح لغت ہے، ناپسندیدہ لغت ہے۔ توجہ ہے؟ بصرہ والے علماء کا مذہب تو متن میں آگیا ان کے نزدیک صیغہ بھی صفت کا ہو اور اس سے ما قبل کیا ہو؟ حرفِ نفی یا حرفِ استفہام ہو، جبکہ امام سیبویہ فرماتے ہیں کہ حرفِ نفی یا حرفِ استفہام نہ ہو ان کے اعتماد

کے بغیر بھی صفت کا صیغہ جو ہے وہ عمل کر سکتا ہے لیکن یہ لغت قبیح ہے ناپسندیدہ ہے بھئی۔ تو کہتے ہیں وَعَنْ سِيبَوَيْهِ جَوَازُ الِابْتِدَاءِ بِهَا اور امام سیبویہ کے نزدیک ان کے ذریعے ابتدا جائز ہے، صفت کے صیغے کے ذریعے ابتدا جائز ہے یعنی اس کو بتدا بنانا جائز ہے مِنْ غَيْرِ اسْتِفْهَامٍ وَنَفْيٍ بغیر استفہام اور نفی کے بھی مَعَ قُبْحٍ ساتھ قباحت کے، بغیر استفہام یا نفی کے اس کے بغیر بھی ان کا بتدا بننا صحیح ہے لیکن یہ مَعَ قُبْحٍ کس کے ساتھ ہے؟ قباحت کے ساتھ ہے یعنی ناپسندیدہ ہے یہ لغت کمزور لغت ہے بھئی، ناپسندیدہ لغت ہے۔ وَالْأَخْفَشُ يَرَى ذٰلِكَ حَسَنًا اور امام اخفش اس کو اچھا سمجھتے ہیں بھئی، ان کی رائے یہ ہے کہ یہ حسن ہے بھئی۔ کس چیز کو اچھا سمجھتے ہیں؟ کہ صفت کا صیغہ بغیر حرفِ نفی یا حرفِ استفہام کے اس کو بتدا بنانا اور اس کو عامل بنانا وہ، وہ کہتے ہیں یہ حسن ہے یہ بھی اچھی لغت ہے یہ قبیح نہیں ہے بھئی۔ تو یہ معنی ہے وَالْأَخْفَشُ يَرَى ذٰلِكَ حَسَنًا اور امام اخفش وہ بھی بصرہ والوں میں سے ہیں وہ اس کو اچھا سمجھتے ہیں وہ اس کو اچھا جانتے ہیں۔ وَعَلَيْهِ قَوْلُ الشَّاعِرِ اور اسی پر شاعر کا قول ہے، یہ امام اخفش یعنی انہی کے مذہب پر شاعر کا یہ قول ہے: فَخَيْرٌ نَحْنُ عِنْدَ النَّاسِ مِنْكُمْ، فَخَيْرٌ نَحْنُ عِنْدَ النَّاسِ مِنْكُمْ۔ دیکھو اب صاحبِ جامی بیان کریں گے اس کو، کہتے ہیں فَخَيْرٌ مُبْتَدَأٌ خَيْرٌ کیا ہے؟ بتدا ہے، وَنَحْنُ فَاعِلُهُ اور نَحْنُ اس کا فاعل ہے بھئی۔ توجہ ہے؟ دیکھو ترجمہ سنو: فَخَيْرٌ بہتر ہیں نَحْنُ ہم، شاعر کہہ رہا ہے ہم لوگ بہتر ہیں عِنْدَ النَّاسِ لوگوں کے نزدیک مِنْكُمْ تمہارے مقابلے میں۔ شاعر کسی کو خطاب کرتے ہوئے کہہ رہا ہے کہ ہم لوگ تمہارے مقابلے میں لوگوں کے نزدیک بہتر ہیں لوگ ہمیں اچھا سمجھتے ہیں بھئی۔ فَخَيْرٌ نَحْنُ عِنْدَ النَّاسِ مِنْكُمْ تو ہم لوگ لوگوں کے نزدیک تمہارے مقابلے میں بہتر ہیں۔ اب دیکھیے کتاب پر، کہتے ہیں فَخَيْرٌ مُبْتَدَأٌ خَيْرٌ کیا ہے؟ بتدا ہے، وَنَحْنُ فَاعِلُهُ اور نَحْنُ اس کا فاعل ہے۔ اب خَيْرٌ دیکھو صفت کا صیغہ ہے اسمِ تفضیل ہے، یاد رکھو یہ خَيْرٌ یہ اسمِ تفضیل ہے اصل میں کیا تھا؟ أَخْيَرُ۔ تو خَيْرٌ اور شَرٌّ یاد رکھو یہ دونوں اسمِ تفضیل ہیں، اور خَيْرٌ اصل میں تھا أَخْيَرُ اور شَرٌّ اصل میں تھا أَشَرُّ بھئی، پہلے کیا تھا أَشْرَرُ پھر راکا را میں ادغام کیا تو کیا بن گیا أَشَرُّ۔ تو أَخْيَرُ اور أَشَرُّ تھے یہ لفظ لیکن یہ چونکہ کثیر الاستعمال ہیں اور کثرتِ استعمال خفت کا تقاضا کرتی ہے کہ لفظ کو ہلکا ہونا چاہیے تو ان کے شروع سے ہمزہ گرا دیا گیا، تو أَخْيَرُ سے کیا بنا دیا گیا؟ خَيْرٌ بنا دیا گیا اور أَشَرُّ سے شَرٌّ۔ تو دیکھو اس مثال میں فَخَيْرٌ یہ خَيْرٌ اسمِ تفضیل ہے اور نَحْنُ جو ہے یہ مرفوع محلاً اس کا فاعل ہے بھئی۔ اور عِنْدَ النَّاسِ، توجہ ہے؟

عِنْدَ النَّاسِ مضاف مضاف الیہ مل کر یہ مفعول فیہ ہے خَيْرٌ کے لیے، اور مِنْكُمْ، مِنْكُمْ یہ جار مجرور ہے آپ نے پڑھا ہے اسمِ تفضیل کے استعمال کے تین طریقے ہیں یا الف لام کے ساتھ یا اضافت کے ساتھ یا مِنْ کے ساتھ، تو یہ جو مِنْكُمْ یہاں آیا یہ خَيْرٌ کے ساتھ متعلق ہے، معلوم ہوا اسمِ تفضیل مِنْ کے ساتھ استعمال ہو رہا ہے اور آپ جانتے ہیں کہ اسمِ تفضیل جب مِنْ کے ساتھ استعمال ہو تو پھر یہ مفرد تثنیہ جمع سب کے لیے یکساں رہتا ہے۔ توجہ ہے؟ مثلاً، مثلاً میں کہتا ہوں زید جو ہے وہ زیادہ پٹائی کرنے والا ہے عمرو سے تو میں کیا کہوں گا؟ زَيْدٌ أَضْرَبُ مِنْ عَمْرٍو، زَيْدٌ أَضْرَبُ مِنْ عَمْرٍو۔ ترکیب

کیسے ہوگی؟ زَیْدٌ بتدا، توجہ ہے؟ زَیْدٌ مرفوع لفظاً بتدا، أَضْرَبُ اسمِ تفضیل اور اسمِ تفضیل بھی صفت کا صیغہ اس کے لیے بھی کیا چاہیے؟ فاعل، تو اس کے اندر هُوَ ضمیر مرفوع محلاً اس کا فاعل جو کس کو راجع؟ زید کو راجع، خبر کو کس سے جوڑتے ہیں؟ بتدا سے، تو اس کے اندر هُوَ ضمیر جو راجع ہے زید کو، مِنْ جارہ، عَمْرٍو (كُمْ ضمیر) مجرور محلاً، جار مجرور مل کر متعلق کس سے؟ أَضْرَبُ اسمِ تفضیل کے ساتھ کیونکہ یہ اسمِ تفضیل مِنْ کے ساتھ استعمال ہو رہا ہے۔ تو اسمِ تفضیل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر شبہِ جملہ ہو کر یہ خبر ہوئی کس کے لیے؟ زید کے لیے۔ توجہ ہے؟ ترکیب سمجھ میں آرہی ہے؟ تو بتدا اپنی خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا، زَیْدٌ أَضْرَبُ مِنْ عَمْرٍو زید زیادہ پٹائی کرنے والا ہے عمرو کے مقابلے میں۔ تو أَضْرَبُ کے اندر کون سی ضمیر نکالی؟ هُوَ۔ توجہ ہے؟ هُوَ۔ اب میں اَلزَّیْدَانِ کو بتدا بناتا ہوں تو بھی، تو بھی أَضْرَبُ مفرد کا مفرد ہی رہے گا اس لیے کیونکہ اسمِ تفضیل جب مِنْ کے ساتھ استعمال ہو تو یہ مفرد مذکر ہی رہتا ہے بھئی، چاہے مذکر کے لیے ہو چاہے مؤنث کے لیے، چاہے واحد کے لیے چاہے تثنیہ کے لیے چاہے جمع کے لیے۔ تو زَیْدٌ أَضْرَبُ مِنْ عَمْرٍو، توجہ ہے؟ تو اب مثلاً میں اَلزَّیْدَانِ کو بتدا بنانا چاہتا ہوں تو بھی أَضْرَبُ اسی طرح مفرد مذکر رہے گا: اَلزَّیْدَانِ أَضْرَبُ مِنْ عَمْرٍو۔ ترکیب کیا ہوگی؟ اَلزَّیْدَانِ مرفوع لفظاً بتدا، أَضْرَبُ مرفوع لفظاً صیغہ اسمِ تفضیل، اس کے اندر، اس کے اندر کون سی ضمیر؟ اب هُمَا نکالنی ہے ضمیر کیونکہ کس کو لوٹانی ہے؟ اَلزَّیْدَانِ۔ ویسے تو أَضْرَبُ مفرد کا صیغہ ہے اور اس کے اندر مفرد کی ضمیر ہوتی ہے لیکن جب اس کے ساتھ مِنْ آجائے پھر موقع کے مطابق اس میں ضمیر نکالیں گے، باقی صفت کے صیغوں میں اس طرح نہیں ہوگا بات سمجھ میں آرہی ہے؟ تو باقی صیغوں کے اندر مفرد میں مفرد کی ضمیر ہوتی ہے تثنیہ میں تثنیہ کی جمع کے اندر جمع کی، لیکن اسمِ تفضیل جب مِنْ کے ساتھ استعمال ہو رہا ہو تو پھر یہ سب کے لیے یکساں رہے گا مفرد مذکر رہے گا تو ضمیر پھر اس میں اس کے مطابق نکالنا۔ تو اَلزَّیْدَانِ أَضْرَبُ مِنْ عَمْرٍو اس أَضْرَبُ کے اندر کون سی ضمیر هُمَا ضمیر۔ تیسری مثال: اَلزَّیْدُونَ أَضْرَبُ مِنْ عَمْرٍو، دیکھو اَلزَّیْدُونَ میں جمع لایا لیکن أَضْرَبُ مِنْ عَمْرٍو اسی طرح مفرد مذکر ہے، تو اب أَضْرَبُ کے اندر کون سی ضمیر ہو گی؟ هُمْ ضمیر ہوگی، توجہ ہے؟ وہ اس کے اندر فاعل بنے گی اور وہ راجع ہے اَلزَّیْدُونَ کو۔ اور نیز یہ مؤنث کے لیے بھی اسی طرح رہے گا: هِنْدٌ أَضْرَبُ مِنْ عَمْرٍو۔ دیکھو هِنْدٌ مؤنث ہے لیکن أَضْرَبُ اسی طرح مفرد مذکر ہے کیونکہ مِنْ کے ساتھ استعمال ہو رہا ہے، تو اب أَضْرَبُ کے اندر کون سی ضمیر؟ ہاں کس سے جوڑ رہے ہو؟ هِنْدٌ سے، اور هِنْدٌ عورت کا نام ہے تو اس کے اندر هِيَ ضمیر، شاباش۔ اور اگر میں کہوں اَلْهِنْدَانِ أَضْرَبُ مِنْ عَمْرٍو تو اب أَضْرَبُ کے اندر کون سی ضمیر؟ هُمَا یعنی تثنیہ مؤنث کی۔ اور اگر میں کہوں اَلْهِنْدَاتُ أَضْرَبُ مِنْ عَمْرٍو تو اب أَضْرَبُ کے اندر کون سی ضمیر؟ هُنَّ ضمیر ہے بھئی۔ بات سمجھ میں آگئی؟ هُنَّ ضمیر کہہ لیں یا هِيَ ضمیر کہہ لیں جمع بتاویلِ جَمَاعَةٌ کس کے حکم میں ہے؟ واحد مؤنث کے حکم میں ہے۔ تو دیکھو هِنْدٌ کے لیے بھی أَضْرَبُ مِنْ عَمْرٍو میں نے کہا حالانکہ اسمِ تفضیل کا مؤنث کا صیغہ الگ ہے ضُرْبَى، هِنْدٌ ضُرْبَى کہنا چاہیے تھا لیکن جب اسمِ تفضیل مِنْ کے ساتھ استعمال ہو تو پھر وہ مفرد تثنیہ جمع سب کے لیے یکساں رہتا ہے اور نیز مذکر

اور مؤنث کے لیے بھی یکساں رہتا ہے یعنی مفرد مذکر ہی رہتا ہے اس میں کوئی تبدیلی نہیں آتی۔ یہاں تک بات سمجھ میں آ گئی؟

تو یہاں دیکھو، تو یہاں خَیْرٌ یہ اسمِ تفضیل ہے اور یہ کس کے ساتھ استعمال ہو رہا ہے؟ مِنْ کے ساتھ، کس کے ساتھ؟ مِنْ کے ساتھ استعمال ہو رہا ہے تو یہ مفرد تثنیہ جمع سب کے لیے یکساں رہے گا۔ بات سمجھ میں آ گئی؟

اچھا، تو کیا ترکیب ہوئی؟ ترکیب میں نے کیا ذکر کی؟ خَیْرٌ یہ مرفوع ہے، مرفوع لفظاً یہ بتدا کی قسمِ ثانی ہے، توجہ ہے؟ یہ بتدا کی قسمِ ثانی ہے یہ مسند ہے، اور نَحْنُ اس کا فاعل ہے جو مسند الیہ ہے۔ تو نَحْنُ مرفوع محلاً اس کا فاعل، عِنْدَ النَّاسِ مضاف مضاف الیہ مل کر یہ عِنْدَ کیا بنتا ہے؟ عِنْدَ کا کیا معنی؟ قریب، قریب اور دور ہونا یہ جگہ کے اعتبار سے ہوتا ہے تو یہ ظرفِ مکان ہے، تو یہ مفعول فیہ بنے گا کس کے لیے؟ خَیْرٌ کے لیے۔ اور مِنْکُمْ، مِنْکُمْ یہ جار مجرور مل کر متعلق خَیْرٌ کے ساتھ۔ توجہ ہے؟ تو خَیْرٌ صفت کا صیغہ اپنے فاعل، مفعول فیہ اور متعلق سے مل کر یہ بتدا کی قسمِ ثانی ہوئی اور نَحْنُ جو اس کا فاعل ہے وہی قائم مقام خبر کے بھی ہے، تو بتدا کی قسمِ ثانی اپنے قائم مقامِ خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔ ترکیب سمجھ میں آ گئی؟ دیکھیے کتاب پر، کہتے ہیں فَخَیْرٌ مُبْتَدَأٌ خَیْرٌ بتدا ہے وَنَحْنُ فَاعِلُهُ اور نَحْنُ اس کا فاعل ہے بھئی۔ کہتے ہیں بھئی اس کو خبرِ مقدم کیوں نہیں بناتے؟ خَیْرٌ نکرہ ہے اور آگے نَحْنُ معرفہ آ رہا ہے، تو نَحْنُ کو کیا بنا دو؟ بتدا، اور خَیْرٌ کو کیا بنا دو؟ خبرِ مقدم۔ کہتے ہیں اس صورت میں اگر ہم نَحْنُ کو بتدا بنا دیں تو یہ جو مِنْکُمْ ہے یہ کس سے جڑ رہا ہے؟ خَیْرٌ سے، تو فصل لازم آئے گا اسمِ تفضیل اور اس کے معمول کے درمیان۔ یہ جو جار مجرور ہوتے ہیں یہ اس جس سے جڑتے ہیں یہ اسی کے معمول ہوتے ہیں وہ ان کے اندر عامل ہوتا ہے، تو کیا خرابی لازم آئے گی اگر نَحْنُ کو بتدا بنائیں؟ فصل لازم آئے گا کس میں؟ خَیْرٌ میں اور مِنْکُمْ میں۔ کس کا فصل لازم آئے گا؟ نَحْنُ کا جو کہ اجنبی ہے۔ کیا معنی اجنبی؟ بھئی بتدا اور خبر تو ایک دوسرے کے ساتھ لازم ہیں بھئی، تو یہ اجنبی کیسے ہوا؟ تو جواب یہ کہ بایں لحاظ یہ اجنبی ہے کہ یہ خَیْرٌ کا معمول نہیں۔ جب آپ اس کو بتدا بنائیں گے، توجہ ہے؟ جب آپ نَحْنُ کو بتدا بنائیں گے اور خَیْرٌ کو خبرِ مقدم بنائیں گے تو بتدا اور خبر میں کون عامل ہوتے ہیں؟ ابتدا، ابتدا عامل، تو معلوم ہوا اس صورت میں نَحْنُ کے اندر خَیْرٌ عامل نہیں۔ اس صورت میں جب نَحْنُ کو آپ نے کیا بنایا؟ بھئی جب نَحْنُ کو آپ فاعل بنائیں پھر تو خَیْرٌ اس کے اندر عامل ہے، لیکن اگر آپ اس نَحْنُ کو بتدا بنائیں، بتدا کی قسمِ اول اور خَیْرٌ کو کیا بنائیں؟ خبرِ مقدم، تو پھر اس خَیْرٌ کے اندر بھی ابتدا عامل اور نَحْنُ کے اندر بھی ابتدا عامل، تو پھر یہ خَیْرٌ کا معمول نہیں، اور آگے مِنْکُمْ جو ہے وہ تو خَیْرٌ کا معمول ہے، تو خَیْرٌ عامل ہے اور عامل بھی ضعیف عامل ہے، خَیْرٌ اسمِ تفضیل، اسمِ تفضیل یاد رکھو کمزور عامل ہے بہت کمزور عامل ہے بھئی۔ تو خَیْرٌ جو اسمِ تفضیل ہے اور اس کا جو معمول ہے مِنْکُمْ ان کے درمیان فصل آ جائے گا کس کا؟ نَحْنُ اجنبی کا۔ توجہ ہے؟ نَحْنُ اجنبی

کا فصل آجائے گا، کہ جب آپ بتدا بنائیں گے تو پھر یہ خَيْرٌ کا معمول نہ رہا۔ توجہ بھی ہے یا نہیں؟ بھئی دیکھیے نا بتدا اور خبر بھی تو ایک دوسرے کے ساتھ لازم ہیں، تو سوال پیدا ہوتا ہے آپ نَحْنُ کو اجنبی کیوں قرار دے رہے ہیں؟ آپ نے کیا کہا اگر نَحْنُ کو کیا بناؤ؟ فاعل نہ بناؤ بلکہ بتدا بناؤ پہلی قسم بنا دو، تو پھر اس صورت میں فصل لازم آئے گا کس کا فصل؟ اجنبی کا، ایک اجنبی کا فصل لازم آئے گا خَيْرٌ اور مِنْكُمْ کے درمیان۔ حالانکہ یہ تو اجنبی نہیں یہ تو اسی خبر کا بتدا ہے۔ تو جواب یہ بایں لحاظ یہ اجنبی ہے کہ یہ خَيْرٌ کا معمول نہیں، اس کے اندر تو ابتدا عامل بن جائے گی، تو خَيْرٌ اور مِنْكُمْ ان کے درمیان یہ نَحْنُ کا فصل آگیا جو کہ اجنبی ہے، اور یہاں فصل بالاجنبی تو جائز نہیں ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ کیا بات کی؟ کہ اگر نَحْنُ کو کیا بناؤ؟ بتدا بناؤ گے تو فصل لازم آئے گا کس کے درمیان؟ عامل اور معمول میں۔ کون عامل؟ خَيْرٌ، اور کون معمول؟ مِنْكُمْ، ان کے درمیان اجنبی کا فصل لازم آئے گا۔ اس پر اشکال ہوتا ہے کہ بھئی آپ نے وہ مِنْكُمْ کی بات کر دی، آپ یہ کہہ دیتے کہ عِنْدَ النَّاسِ بھی تو خَيْرٌ کا معمول ہے، توجہ ہے؟ عِنْدَ النَّاسِ بھی تو خَيْرٌ کا معمول ہے آپ یہ کہہ دیتے کہ خَيْرٌ اور عِنْدَ النَّاسِ جو اس کا معمول ہے دونوں میں فصل آگیا نَحْنُ کا، آپ نے عِنْدَ النَّاسِ کی بات نہیں کی کس کی بات کی؟ مِنْكُمْ کی بات کی۔ توجہ ہے؟ حالانکہ عِنْدَ النَّاسِ بھی کس کا معمول؟ خَيْرٌ کا، اور مِنْكُمْ بھی کس کا معمول؟ خَيْرٌ کا، تو نَحْنُ کے ذریعے فصل صرف مِنْكُمْ سے آیا یا عِنْدَ النَّاسِ سے بھی آگیا؟ عِنْدَ النَّاسِ سے بھی آگیا، تو عِنْدَ النَّاسِ کو انہوں نے ذکر نہیں کیا مِنْكُمْ کو ذکر کیا۔ وجہ یہ کہ یہ جو مِنْكُمْ ہے نا مِنْكُمْ، یہ اسمِ تفضیل کے استعمال کے تین طریقے ہیں، ایک طریقہ کیا ہے؟ پہلا اور اصل طریقہ کیا ہے؟ کس کے ساتھ ہو؟ مِنْ کے ساتھ، تو یہ جو مِنْكُمْ ہے یہ تو قطعی طور پر اس نے خَيْرٌ ہی سے جڑنا ہے، جبکہ عِنْدَ النَّاسِ کا خَيْرٌ سے جڑنا قطعی نہیں کیونکہ یہ ظرف ہے اور ظرف کے لیے کبھی عامل محذوف بھی نکال لیتے ہیں، کیا کرتے ہیں؟ تو محذوف بھی نکال لیتے ہیں، تو عِنْدَ النَّاسِ کا خَيْرٌ کے لیے معمول ہونا یقینی نہیں لیکن مِنْكُمْ کا خَيْرٌ کے لیے معمول ہونا تو یقینی ہے، اس لیے بالخصوص اس کو ذکر کیا بھئی۔ بات سمجھ میں آگئی؟

دیکھیے بھئی اب، کہتے ہیں فَخَيْرٌ مُبْتَدَأٌ تو خَيْرٌ جو ہے وہ بتدا ہے وَنَحْنُ فَاعِلُهُ اور نَحْنُ جو ہے وہ اس کا فاعل ہے، وَلَوْ جُعِلَ خَيْرٌ خَبَرًا عَنْ نَحْنُ اور اگر خَيْرٌ کو خبر بنا دیا جائے عَنْ نَحْنُ نَحْنُ سے لَفُصِلَ بَيْنَ اسْمِ التَّفْضِيلِ وَمَعْمُولِهِ تو فصل آ جائے گا اسمِ تفضیل کے درمیان وَمَعْمُولِهِ الَّذِي مِنْ اور اس کا وہ معمول جو کہ مِنْ ہے اس کے درمیان، اسمِ تفضیل اور اس کا وہ معمول جو مِنْ ہے ان کے درمیان فصل آجائے گا بِأَجْنَبِيٍّ کس کے ذریعے؟ ایک اجنبی کے ذریعے، وَهُوَ غَيْرُ جَائِزٍ اور یہ جائز نہیں ہے لِضَعْفِ عَمَلِهِ بوجہ اس اسمِ تفضیل کے عمل کے ضعیف ہونے کے، میں نے بتایا اسمِ تفضیل بہت کمزور عامل ہے بھئی۔ بِخِلَافِ مَا لَوْ كَانَ فَاعِلًا بخلاف اس کے کہ اگر یہ نَحْنُ فاعل ہو، اگر نَحْنُ کو خَيْرٌ کے لیے کیا بنائیں؟ فاعل ہو پھر فصل بالاجنبی نہیں، اس لیے کیونکہ جو فاعل ہوتا ہے یہ فعل کے لیے جزکی طرح ہوتا ہے۔ یہ معنی ہے بِخِلَافِ مَا لَوْ كَانَ فَاعِلًا بخلاف اس کے کہ اگر وہ نَحْنُ فاعل ہو لِكَوْنِهِ كَالْجُزْءِ اس وجہ سے کہ فاعل جزکی طرح ہوتا ہے۔

یہاں تک بات سمجھ میں آگئی؟ تو خَیْرٌ کے لیے نَحْنُ کو فاعل بنایا اور خَیْرٌ جو ہے یہ بتدا کی قسمِ ثانی اس کو بنا دیا۔ لیکن اس پر محشی حضرات اعتراض کرتے ہیں اشکال کرتے ہیں۔ آگے اسمِ تفضیل کی بحث آئے گی اور وہاں وہ ذکر کرتے ہیں کہ یہ جو اسمِ تفضیل ہے یہ بڑا کمزور عامل ہے، یہ ہمیشہ ضمیر میں عمل کرتا ہے اور وہ بھی ضمیر وہ والی جو اس کے اندر چھپی ہوئی ہوتی ہے اور وہ عمل بھی لا عمل کی طرح ہے کیونکہ اس کا کوئی اثر ظاہر نہیں ہوتا۔ توجہ ہے؟ اسمِ تفضیل بہت کمزور عامل ہے یہ صرف اس ضمیر میں عمل کرتا ہے جو اس کے اندر چھپی ہوئی ہوتی ہے اور وہ عمل بھی لا عمل کی طرح ہے کیونکہ لفظوں میں تو اس کا کوئی اثر نظر نہیں آتا۔ اور باقی صفت کے صیغے اسمِ ظاہر میں عمل کرتے ہیں لیکن اسمِ تفضیل عمل نہیں کرتا، ہاں ایک صورت میں یہ بھی اسمِ ظاہر میں عمل کرتا ہے اور اس کے اندر اس کی خاص شرائط ہیں وہ ساری شرطیں پوری ہوں گی تو پھر وہ اسمِ ظاہر میں عمل کرے گا اور اس کو رفع دے گا، اور وہ شرطیں آگے ذکر ہوں گی اور اس کو کہتے ہیں مسئلہ کُحْل بھئی، کاف چھوٹا حا اور لام، کُحْل کا معنی سرمہ، تو اس میں چونکہ کُحْل کی مثال دی گئی ہے اس کے اندر اس لیے اس کو کیا کہتے ہیں؟ مسئلہ کُحْل کہتے ہیں اور اس کی خاص شرطیں ہیں وہ ساری شرطیں پوری ہوں گی تو پھر اسمِ تفضیل اسمِ ظاہر کے اندر عمل کرے گا۔ توجہ ہے؟ اور یہاں پر اشکال یہ کرتے ہیں محشی حضرات کہ آپ نے خَیْرٌ کو بتدا کی قسمِ ثانی بنایا اور نَحْنُ کو اس کے لیے فاعل بنایا، تو دیکھو خَیْرٌ یہ تو اسمِ ظاہر کے اندر کیا کر رہا ہے؟ کیا کر رہا ہے؟ عمل کر رہا ہے، نَحْنُ ضمیرِ منفصل ہے اسمِ ظاہر تو نہیں لیکن یہ اسمِ ظاہر کے قائم مقام ہے، کس کے؟ جیسے اسمِ ظاہر اپنے معمول کے ساتھ جڑنے کا محتاج نہیں، غُلَامٌ دیکھو ضَرَبْتُ غُلَامًا یہ غُلَامٌ اسمِ ظاہر ہے اور یہ اپنے معمول کے ساتھ جڑنے کا محتاج نہیں یہ الگ بھی رہ سکتا ہے، اسی طرح ضمیرِ متصل وہ تو جدا نہیں ہوتی وہ تو اپنے معمول کے ساتھ جڑی ہوتی ہے لیکن جو ضمیرِ منفصل ہوتی ہے وہ اپنے معمول سے الگ رہ سکتی ہے تو وہ بھی کس کی طرح ہوئی؟ اسمِ ظاہر کی طرح، اسمِ ظاہر تو نہیں لیکن اسمِ ظاہر کے قائم مقام ہے اس کی طرح ہے۔ تو یہاں پر بھی خَیْرٌ کے لیے کس کو فاعل بنایا؟ نَحْنُ کو، اور نَحْنُ کس کے درجے میں؟ اسمِ ظاہر کے درجے میں، تو یہ تو گویا آپ نے اسمِ تفضیل کو اسمِ ظاہر کے اندر عامل بنا دیا حالانکہ اس کی تو شرائط ہیں جو مسئلہ کُحْل میں ذکر ہیں اس کے بغیر تو یہ اسمِ ظاہر کو رفع دے ہی نہیں سکتا۔ اعتراض سمجھ میں آیا؟

لیکن پھر بعض دیگر محشی حضرات جواب دیتے ہیں کہ بھئی دونوں میں فرق ہے: وہاں وہ اسمِ ظاہرِ حقیقی کو رفع دیتا ہے، توجہ ہے؟ اسمِ ظاہرِ حقیقی کو رفع دیتا ہے اور وہاں رفع باقاعدہ لفظوں میں نظر بھی آتا ہے، اور یہاں تو یہ نَحْنُ ضمیر جو ہے یہ حقیقتاً تو اسمِ ظاہر نہیں اس کا قائم مقام ضرور ہے لیکن حقیقتاً اسمِ ظاہر نہیں اور نیز یہ مبنی ہے اس کے اندر بھی اس کے عمل کا اثر دیکھو ظاہر نہیں ہو رہا لہٰذا یہاں یہ عمل کر سکتا ہے۔ فرق سمجھ میں آگیا؟

جبکہ بعض محشی حضرات نے اور ترکیب کی۔ انہوں نے کیا کہا؟ انہوں نے کہا کہ خَیْرٌ کو بتدا کی قسمِ ثانی نہ بناؤ بلکہ اس

کو، بلکہ اس کو خبرِ مقدم بناؤ اور نَحْنُ کو بتدا مؤخر بنا دو۔ توجہ ہے؟ اس پر پھر وہی اشکال جو اشکال انہوں نے ذکر کیا کہ اس صورت میں تو اسمِ تفضیل اور اس کا جو معمول ہے مِنْكُمْ ان کے درمیان اجنبی کا فصل لازم آتا ہے، کیونکہ نَحْنُ اس کے اندر تو عامل ابتدا ہے خَيْرٌ تو نہیں عامل اس کے اندر جب آپ اس کو بتدا بنائیں گے۔ تو وہ محشی فرماتے ہیں کہ خَيْرٌ جو ہے اس کے لیے مِنْكُمْ کو معمول نہ بناؤ یہ جو لفظوں میں ذکر ہے بلکہ اس کے لیے مِنْكُمْ محذوف نکال لو: فَخَيْرٌ مِنْكُمْ نَحْنُ، توجہ ہے؟ تو خَيْرٌ کے بعد ایک مِنْكُمْ محذوف نکال لیں بھئی، خَيْرٌ کے بعد مِنْكُمْ محذوف نکال لیں، تو اس صورت میں دیکھو عامل اور معمول کے درمیان اجنبی کا فصل لازم نہیں آئے گا۔ اب خَيْرٌ مِنْكُمْ میں عمل کر رہا ہے کون سا مِنْكُمْ؟ وہ جو آگے ہے یا جو اس خَيْرٌ کے بعد محذوف ہے؟ کے بعد جو محذوف، اور اس کو حذف کر دیا اس مِنْكُمْ کو اور آگے اس کی پھر تفسیر لائی گئی تاکہ پتہ چل جائے کہ کیا حذف ہے بھئی۔ تو یہ اسی طرح ہو گیا جیسے وہ جو پیچھے مثال آئی تھی: وَإِنْ أَحَدٌ مِنَ الْمُشْرِكِينَ اسْتَجَارَكَ، وَإِنْ أَحَدٌ مِنَ الْمُشْرِكِينَ اسْتَجَارَكَ، تو وہاں إِنْ کے بعد اسْتَجَارَكَ محذوف تھا اور آگے اسْتَجَارَكَ نے اس کی تفسیر کر دی تھی، تو یہاں اس کو بھی اسی قبیل سے بنا لیں گے۔ خَيْرٌ کو کیا بنا دو؟ خبرِ مقدم، اور نَحْنُ کو کیا بناؤ؟ بتدا۔ اور آپ نے کیا کہا کیا خرابی لازم آئی؟ کہ خَيْرٌ اور مِنْكُمْ کے درمیان اجنبی کا فصل لازم آیا، تو کہتے ہیں بھئی خَيْرٌ کے بعد ایک مِنْكُمْ محذوف ہے اور اس کو حذف کر لیا گیا، اس حذف کی وجہ سے ابہام لازم آیا کہ کس سے افضل ہے تو آگے آنے والے مِنْكُمْ نے اس کی تفسیر کر دی، تو خَيْرٌ جو محذوف مِنْكُمْ ہے اس کے اندر کیا کر رہا ہے؟ عمل کر رہا ہے، اب دیکھو، اب دیکھو عامل اور معمول کے درمیان فصل بالاجنبی لازم نہیں آیا بھئی۔ تو گویا یہ مَا أُضْمِرَ عَلَى شَرِيطَةِ التَّفْسِيرِ کی قبیل سے ہے کہ جس کو حذف کر لیا گیا تفسیر کی شرط پر بھئی۔

تو فَخَيْرٌ نَحْنُ عِنْدَ النَّاسِ مِنْكُمْ۔ تو چنانچہ بعض علماء پھر کیا فرماتے ہیں کہ خَيْرٌ اس کو بناؤ خبرِ مقدم اور مِنْكُمْ اس کے لیے محذوف ہے وہ اس سے متعلق ہے، اور نَحْنُ کو کیا بنا دو؟ بتدا مؤخر۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو خَيْرٌ مِنْكُمْ یہ ہے خبرِ مقدم اور نَحْنُ ہے بتدا مؤخر، اور خبر کو کس سے جوڑتے ہیں؟ بتدا سے، توجہ ہے؟ بتدا سے جوڑتے ہیں، تو خَيْرٌ مِنْكُمْ یہ شبہِ جملہ ہے اور جیسے جملے کو جوڑنے کے لیے ربط چاہیے اسی طرح شبہِ جملہ کو جوڑنے کے لیے بھی ربط چاہیے۔ توجہ ہے؟

یاد رکھو ایک اور قیمتی بات کہ یہ جو صفت کے صیغے ہیں اس کو اگر آپ مخاطب کی ضمیر سے جوڑیں تو اس میں مخاطب کی ضمیر نکالیں گے اور اگر متکلم کی ضمیر سے جوڑیں تو پھر اس میں متکلم کی ضمیر نکالیں گے۔ توجہ ہے؟ بھئی دیکھیے نا ضمیریں تین قسم پر ہیں: ایک غائب کی ہے، ایک متکلم کی ہے، ایک مخاطب کی ہے۔ جب غائب کی ضمیر کے ساتھ جوڑیں تو صفت کے صیغے میں بھی غائب کی ضمیر نکالیں، مخاطب کی ضمیر سے صفت کے صیغے کو جوڑیں تو اس کے اندر بھی مخاطب کی ضمیر نکالیں، اور متکلم کی ضمیر سے جوڑیں تو صفت کے صیغے میں بھی متکلم کی ضمیر نکالیں گے۔ جیسے هُوَ قَائِمٌ: هُوَ بتدا، قَائِمٌ مرفوع لفظاً صیغہ اسمِ فاعل، اس کے اندر هُوَ ضمیر مرفوع محلاً اس کا فاعل، اور یہ هُوَ ضمیر کس کو راجع؟ ما قبل میں جو بتدا

هُوَ ہے اس کی طرف راجع ہے، توجہ ہے؟ تو یوں نہ کہو هُوَ ضمیر هُوَ کو راجع ہے، اگرچہ بات ٹھیک ہے آپ کی لیکن یہ تعبیر پسندیدہ نہیں یوں کہو هُوَ ضمیر بتدا کو راجع ہے۔ تو ضمیر اور مرجع کے اندر دیکھو مطابقت بھی ہے، بتدا هُوَ وہ بھی مفرد مذکر اور یہ جو ضمیر هُوَ لوٹائی یہ بھی کیا ہے؟ مفرد مذکر۔ اور اگر جملہ یہ ہو أَنْتَ قَائِمٌ: تو أَنْتَ مرفوع محلاً بتدا، اور یہ قَائِمٌ کو ہم نے کس سے جوڑنا ہے؟ أَنْتَ سے، تو قَائِمٌ مرفوع لفظاً صیغہ اسمِ فاعل، تو اب اس کے اندر هُوَ ضمیر نہ نکالنا اس لیے کیونکہ هُوَ ضمیر تو أَنْتَ کی طرف راجع نہیں ہو سکتی هُوَ ضمیر ہے غائب کی اور أَنْتَ ضمیر ہے مخاطب کی، تو لہٰذا اب قَائِمٌ کے اندر أَنْتَ ضمیر نکالیں گے، کیا نکالیں گے؟ أَنْتَ ضمیر، تو قَائِمٌ مرفوع لفظاً صیغہ اسمِ فاعل اس کے اندر أَنْتَ ضمیر مرفوع محلاً اس کا فاعل۔ اور پھر یہ نہ کہنا کہ یہ أَنْتَ ضمیر اس أَنْتَ ضمیر کو راجع ہے، یاد رکھو مرجع صرف غائب کی ضمیر کا ہوتا ہے، مخاطب اور متکلم ایک دوسرے کے آمنے سامنے ہیں، متکلم بات کرنے والا مخاطب جس سے بات کی جا رہی ہے، ان میں کوئی اشتباہ نہیں۔ میں جب کہوں أَنَا قَائِمٌ میں کھڑا ہوں، کوئی أَنَا میں آپ کو اشتباہ آیا کہ أَنَا سے کون مراد ہے؟ نہیں، مخاطب سمجھ جاتا ہے کہ متکلم اپنی بات کر رہا ہے، اور اسی طرح اگر میں أَنْتَ کہوں تو اس میں کوئی آپ کو اشتباہ آیا کہ اس سے کون مراد ہے؟ نہیں، مخاطب سمجھ جاتا ہے کہ یہ میری بات کی جا رہی ہے، تو متکلم اور مخاطب ایک دوسرے کے سامنے ہوتے ہیں لہٰذا وہاں پر ضمیر کے اندر کوئی اشتباہ نہیں وہاں مرجع وغیرہ تلاش کرنے کی ضرورت نہیں، لیکن هُوَ ضمیر غائب کی ہے اور غائب یہ هُوَ ضمیر یہ تو زید کو بھی لوٹ سکتی ہے، عمرو کو بھی، خالد کو بھی، کتاب کو بھی لوٹ سکتی ہے، قلم کو بھی لوٹ سکتی ہے، پہاڑ کو جبل کو بھی لوٹ سکتی ہے، لہٰذا اس کے لیے مرجع کا پتہ ہونا چاہیے کہ هُوَ سے کون مراد ہے، تو مرجع کس کا ہوتا ہے؟ صرف غائب کی ضمیر کا ہوتا ہے متکلم اور مخاطب کے اندر مرجع نہیں ہوتا وہ ایک دوسرے کے آمنے سامنے ہوتے ہیں۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو ترکیب ہم کیا کر رہے تھے أَنْتَ قَائِمٌ: أَنْتَ مرفوع محلاً بتدا، قَائِمٌ مرفوع لفظاً صیغہ اسمِ فاعل، اس کے اندر أَنْتَ ضمیر مرفوع محلاً اس کا فاعل، اور اسمِ فاعل اپنے فاعل سے مل کر شبہِ جملہ ہو کر خبر، آپ کہیں گے ربط نہیں دیا، ربط نہیں دیا جملہ اور شبہِ جملہ کو جوڑنے کے لیے تو کیا ضروری؟ ربط، یاد رکھو یہ ربط کی دوسری قسم آگئی۔ ربط کی پہلی قسم کیا تھی؟ کہ اس جملہ یا شبہِ جملہ میں کوئی غائب کی ضمیر ہو جو مرجع کی طرف لوٹے یعنی جس چیز کے ساتھ آپ اس کو جوڑ رہے ہیں، اور دوسری قسم ربط کی یہ ہے کہ جس چیز سے آپ جوڑ رہے ہوں جملہ یا شبہِ جملہ کو وہ خود ہی اس جملے یا شبہِ جملہ کے اندر آجائے، تو یہ قَائِمٌ کو میں کس سے جوڑ رہا ہوں؟ أَنْتَ سے اور اس قَائِمٌ کے اندر ہی أَنْتَ آگیا تو ربط آگیا۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو یہ نہ کہنا کہ أَنْتَ ضمیر أَنْتَ کو راجع ہے بھئی کیونکہ مرجع صرف غائب کی ضمیر کا ہوتا ہے۔ تیسری ترکیب کیجیے: أَنَا قَائِمٌ، أَنَا مرفوع محلاً بتدا، قَائِمٌ مرفوع لفظاً صیغہ اسمِ فاعل، مرفوع کیوں؟ کیونکہ خبر ہے، اس کے اندر، اس کے اندر اب هُوَ ضمیر نہیں کہنا کیونکہ هُوَ ضمیر أَنَا کو نہیں لوٹ سکتی أَنَا تو متکلم کی ضمیر ہے هُوَ تو غائب کی ضمیر ہے، تو قَائِمٌ کے اندر کون سی ضمیر؟ أَنَا ضمیر، تو أَنَا

مرفوع محلاً اس کا فاعل، اور ربط آگیا اس قَائِمٌ کو ہم کس سے جوڑ رہے ہیں؟ أَنَا سے اور اس کے اندر بھی کون سی ضمیر آ گئی؟ أَنَا آگئی یعنی متکلم کی ضمیر آگئی، تو اسمِ فاعل اپنے فاعل سے مل کر شبہِ جملہ ہو کر خبر، بتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔ بات سمجھ میں آگئی؟ ایک اور مثال کر لو أَنَا ضَرَبْتُ، ترکیب کیجیے: أَنَا مرفوع محلاً بتدا، ضَرَبْتُ فعل با فاعل، اس کے اندر تَا ضمیر مرفوع محلاً فاعل، فعل اپنے فاعل سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر خبر، بتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا، آپ کہیں گے ربط نہیں دیا، بھئی ربط آگیا ضَرَبْتُ کو ہم نے کس سے جوڑا؟ أَنَا سے اور أَنَا کس کی ضمیر ہے؟ واحد متکلم کی، اور ضَرَبْتُ کے اندر یہ جو تَا ہے یہ بھی کون سی ضمیر ہے؟ یہ بھی واحد متکلم کی ضمیر ہے، تو جس سے ہم جوڑ رہے تھے وہ خود ہی اس کے اندر آ گئی، آپ یہ نہ کہیں ضَرَبْتُ میں تو تَا ہے اور أَنَا تو دوسری ضمیر ہے کہ ضَرَبْتُ میں تو تَا ہے اور آپ جوڑ رہے ہیں أَنَا کے ساتھ، بھئی لفظوں کو نہ دیکھیں ضمیر تو دونوں ہی واحد متکلم کی ہے أَنَا ضمیرِ منفصل ہے اور ضَرَبْتُ میں جو تَا ہے ضمیرِ متصل ہے تو صرف صورت الگ ہے معنی تو دونوں کا ایک ہی ہے بھئی۔ بات سمجھ میں آگئی؟

تو بات یہ چل رہی تھی کہ بعض علماء کیا فرماتے ہیں کہ خَيْرٌ کو خبرِ مقدم بناؤ اور مِنْكُمْ اس کے لیے محذوف ہے اور آگے آنے والا مِنْكُمْ اس کی تفسیر کر رہا ہے اور نَحْنُ کو کیا بناؤ؟ بتدا بناؤ۔ تو نَحْنُ ہوا بتدا، اور خَيْرٌ مِنْكُمْ یہ کیا ہوئی؟ خبرِ مقدم، اور خبر کو کس سے جوڑتے ہیں؟ بتدا سے، تو لہٰذا خَيْرٌ کے اندر کون سی ضمیر نکالیں گے؟ خَيْرٌ مِنْكُمْ اس کو ہم نے کس سے جوڑنا ہے؟ نَحْنُ سے، اور نَحْنُ کون سی ضمیر ہے؟ جمع متکلم کی ہے، تو صفت کا صیغہ ہے خَيْرٌ مِنْكُمْ اور اس صفت کے صیغے کو آپ جوڑ رہے ہیں کس سے؟ متکلم کی ضمیر سے، اور میں نے بتایا کہ صفت کے صیغے کو جب مخاطب یا متکلم کی ضمیر سے جوڑیں تو اس کے اندر بھی مخاطب یا متکلم کی ضمیر ہوگی، تو خَيْرٌ مِنْكُمْ تو خَيْرٌ کے اندر کون سی ضمیر ہوگی؟ نَحْنُ ہوگی، کیا ہوگی؟ نَحْنُ ضمیر ہوگی بھئی وہ فاعل بنے گی۔ تو خَيْرٌ اسمِ تفضیل میں نَحْنُ ضمیرِ مستتر فاعل ہوگی جب اس کو آپ خبرِ مقدم بنائیں بھئی۔ تو اب آپ یہ اعتراض نہ کریں کہ خَيْرٌ تو اسمِ تفضیل مفرد مذکر کا صیغہ ہے اور نَحْنُ ضمیر تو جمع متکلم کی ضمیر ہے تو جمع کی ضمیر مفرد مذکر صیغے کے اندر کیسے مستتر ہوگی اور وہ اس کے اندر کیسے چھپ سکتی ہے؟ تو جواب میں پہلے ذکر کر چکا ہوں بھئی کہ اسمِ تفضیل جب مِنْ کے ساتھ استعمال ہو تو مفرد تثنیہ جمع اور اسی طرح مذکر مؤنث سب کے لیے یکساں رہتا ہے یعنی سب کے لیے مفرد مذکر ہی رہتا ہے اور جس چیز سے آپ اسے جوڑ رہے ہوں اس کے مطابق اس میں ضمیر نکالیں گے۔ جیسے زَيْدٌ أَضْرَبُ مِنْ عَمْرٍو تو ترجمہ کیا ہوگا؟ زید زیادہ پٹائی کرنے والا ہے عمرو کے مقابلے میں، تو أَضْرَبُ کے اندر هُوَ ضمیر نکالیں گے کیونکہ اس کو ہم زَيْدٌ واحد مذکر سے جوڑ رہے ہیں بھئی۔ اور اَلزَّيْدَانِ أَضْرَبُ مِنْ عَمْرٍو وہ دو زید عمرو سے زیادہ پٹائی کرنے والے ہیں، تو اب أَضْرَبُ کے اندر هُمَا ضمیر نکالیں گے۔ اور اَلزَّيْدُونَ أَضْرَبُ مِنْ عَمْرٍو وہ سب زید جو ہیں عمرو سے زیادہ پٹائی کرنے والے ہیں، تو اس صورت میں اب دیکھو أَضْرَبُ کے اندر هُمْ ضمیر نکالیں گے کیونکہ ہم اس کو اَلزَّيْدُونَ

جمع مذکر سے جوڑ رہے ہیں۔ اسی طرح هِنْدٌ أَضْرَبُ مِنْ عَمْرٍو ہند جو ہے وہ عمرو کے مقابلے میں زیادہ پٹائی کرنے والی ہے، تو اب أَضْرَبُ کو ہم چونکہ هِنْدٌ سے جوڑ رہے ہیں تو اس کے اندر هِيَ ضمیر نکالیں گے کیونکہ هِنْدٌ عورت کا نام ہے تو أَضْرَبُ کے اندر واحد مؤنث کی ضمیر هِيَ ہوگی بھئی۔ اور اسی طرح اَلْهِنْدَانِ أَضْرَبُ مِنْ عَمْرٍو وہ دو ہند جو ہیں وہ عمرو سے زیادہ پٹائی کرنے والی ہیں، تو یہاں پر أَضْرَبُ کو ہم اَلْهِنْدَانِ سے جوڑ رہے ہیں اس کے لیے خبر بنا رہے ہیں، تو اب أَضْرَبُ کے اندر هُمَا ضمیر جو تثنیہ مؤنث کی ہے وہ نکالیں گے بھئی وہ اس کے اندر مستتر ہوگی۔ اور اسی طرح اَلْهِنْدَاتُ أَضْرَبُ مِنْ عَمْرٍو تو اب أَضْرَبُ کو ہم اَلْهِنْدَاتُ یعنی جمع مؤنث سے جوڑ رہے ہیں اس کے لیے خبر بنا رہے ہیں، تو اب اس کے اندر اب ہم هُنَّ ضمیر نکالیں گے بھئی، بات سمجھ میں آگئی؟ جمع مؤنث کے مطابق، یا هِيَ ضمیر نکال لیں گے کیونکہ جمع بتاویلِ جَمَاعَةٌ کس کے حکم میں ہے؟ واحد مؤنث کے حکم میں ہے بھئی۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو یاد رکھنا جمع کی طرف هِيَ ضمیر یعنی واحد مؤنث کی ضمیر راجع کرنا ٹھیک ہے، لیکن اگر وہ جمع واو نون کے ساتھ ہو جیسے اَلزَّيْدُونَ تو اب اس کی طرف هِيَ ضمیر واحد مؤنث کی تاویل میں راجع کرنا ٹھیک نہیں پھر جائز نہیں، کیوں؟ کیونکہ اب اَلزَّيْدُونَ کے اندر واو آرہا ہے جو جمع مذکر کی علامت ہے تو اب اس کی طرف هِيَ ضمیر جو واحد مؤنث کی ہے وہ راجع نہیں کر سکتے بھئی۔ تو حاصلِ کلام کیا ہوا؟ کہ اسمِ تفضیل جب مِنْ کے ساتھ استعمال ہو تو یہ ہمیشہ مفرد مذکر رہتا ہے آپ اس کو جس کے ساتھ بھی جوڑیں گے اس کے مطابق پھر اس کے اندر ضمیر نکال لیں گے بھئی۔

آگے دیکھیے بھئی، رَافِعَةً لِظَاهِرٍ اس حال میں کہ وہ صفت کا صیغہ رفع دینے والا ہو لِظَاهِرٍ کس کو؟ اسمِ ظاہر کو، أَوْ مَا يَجْرِي مَجْرَاهُ یا وہ جو اسمِ ظاہر کے قائم مقام ہو بھئی۔ بتدا کی قسمِ ثانی میں کتنی شرائط تھیں؟ تین۔ پہلی شرط کیا؟ کہ صیغہ ہو صفت کا، دوسری شرط یہ کہ وہ حرفِ نفی یا حرفِ استفہام کے بعد ہو، تیسری شرط کیا ذکر کر دی؟ کہ وہ اسمِ ظاہر کو رفع دے دے، رفع دے دے، تو دیکھیے یہ آگے مثال آرہی ہے نَحْوُ قَوْلِهِ تَعَالَىٰ جیسے کہ اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے: أَرَاغِبٌ أَنْتَ عَنْ آلِهَتِي يَا إِبْرَاهِيمُ، أَرَاغِبٌ أَنْتَ کیا تم بے رغبتی کرنے والے ہو، کیا تم اعراض کرنے والے ہو یعنی منہ موڑنے والے ہو، أَرَاغِبٌ أَنْتَ کیا تم منہ موڑ رہے ہو عَنْ آلِهَتِي میرے معبودوں سے يَا إِبْرَاهِيمُ اے ابراہیم، اے ابراہیم کیا تم میرے معبودوں سے منہ موڑ رہے ہو ان سے اعراض کر رہے ہو؟ یہ قرآن کے اندر ذکر ہے، حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد جو تھے آزر انہوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو کہا، وہ بتوں کی عبادت کرتے تھے تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کو یہ کہا کہ أَرَاغِبٌ أَنْتَ عَنْ آلِهَتِي يَا إِبْرَاهِيمُ کیا تم میرے جو معبود ہیں بت جو ہیں کیا تم ان سے منہ موڑ رہے ہو ان سے اعراض کر رہے ہو؟ تو یہ کس نے کہا؟ آزر جو کیا تھے؟ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد۔ لیکن بعض علماء نے لکھا ہے، بعض کبار علماء نے کہ یہ آزر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد نہیں تھے چچا تھے بھئی، کیا تھے؟ چچا تھے، اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد جو تھے وہ موحد ہی تھے وہ اہلِ ایمان میں سے تھے یہ ان کے چچا تھے بھئی، چچا تھے اور چچا کو بھی أَبْ کہہ دیا جاتا ہے باپ کہہ

دیا جاتا ہے، تو بعض کبار علماء نے یہ ذکر کیا ہے۔ تو دیکھو مقامِ استشہاد ہے أَرَاغِبٌ أَنْتَ عَنْ آلِهَتِي، رَاغِبٌ کیا ہے؟ صفت کا صیغہ ہے اور کس کے بعد آیا؟ ہمزہ استفہام کے بعد آیا اور یہ آگے أَنْتَ ضمیر کو رفع دے رہا ہے، اور أَنْتَ ضمیر یہ تو اسمِ ظاہر نہیں یہ تو ضمیر ہے، ہاں یہ ضمیرِ منفصل ہے اور ضمیرِ منفصل بھی کس کے قائم مقام ہوتی ہے؟ اسمِ ظاہر کے۔ تو متن میں تو آیا رَافِعَةً لِظَاهِرٍ کہ وہ صفت کا صیغہ رفع دینے والا ہو کس کو؟ اسمِ ظاہر کو، تو یہاں صاحبِ جامی آگے دیکھو عبارت نکال رہے ہیں کہ رَافِعَةً لِظَاهِرٍ أَوْ مَا يَجْرِي مَجْرَاهُ کہ وہ صفت کا صیغہ اسمِ ظاہر کو رفع دینے والا ہو یا وہ جو اسمِ ظاہر کے قائم مقام ہو، یعنی یہاں اس قید کا اضافہ ضروری ہے، رَافِعَةً لِظَاهِرٍ کے ساتھ أَوْ مَا يَجْرِي مَجْرَاهُ اس قید کا اضافہ ضروری ہے تاکہ اس جیسی مثالیں بھی اس کے اندر داخل ہو جائیں جن کے اندر صفت کا صیغہ اسمِ ظاہر کو رفع نہیں دے رہا بلکہ اسمِ ظاہر کا جو قائم مقام ہے یعنی ضمیرِ منفصل جو ہے اس کو رفع دے رہا ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟

تو کہتے ہیں رَافِعَةً لِظَاهِرٍ اس حال میں کہ وہ صفت کا صیغہ رفع دینے والا ہو اسمِ ظاہر کو أَوْ مَا يَجْرِي مَجْرَاهُ یا وہ جو اس کے قائم مقام ہو۔ بھئی وہ قائم مقام کیا ہے؟ کہتے ہیں وَهُوَ الضَّمِيرُ الْمُنْفَصِلُ وہ ضمیرِ منفصل ہے۔ تو صاحبِ جامی فرما رہے ہیں کہ یہاں اس قید کا اضافہ ضروری ہے رَافِعَةً لِظَاهِرٍ کے ساتھ أَوْ مَا يَجْرِي مَجْرَاهُ اس قید کا اضافہ ضروری ہے لِئَلَّا يَخْرُجَ عَنْهُ تاکہ بتدا کی قسمِ ثانی سے اس جیسی مثالیں نہ نکل جائیں کون سی؟ نَحْوُ قَوْلِهِ تَعَالَىٰ جیسے کہ اللہ تعالیٰ کا قول ہے، اس جیسی مثالیں تاکہ بتدا کی قسمِ ثانی سے نہ نکل جائیں جیسے أَرَاغِبٌ أَنْتَ عَنْ آلِهَتِي يَا إِبْرَاهِيمُ۔

ترکیب سنو بھئی: ہمزہ استفہام، رَاغِبٌ مرفوع لفظاً صیغہ اسمِ فاعل، مرفوع کیوں؟ ہاں مرفوع کیوں؟ بتدا ہے بتدا کی قسمِ ثانی دیکھو مسند ہے، تو یہ بتدا۔ اور أَنْتَ مرفوع محلاً اس کا فاعل، یہ اس کو رفع دے رہا ہے رَاغِبٌ بھئی۔ اور عَنْ جارہ، آلِهَتِي، آلِهَة مجرور لفظاً مضاف، يَا ضمیر مجرور محلاً مضاف الیہ، مضاف مضاف الیہ مل کر مجرور عَنْ کے لیے، جار مجرور مل کر یہ متعلق کس سے؟ رَاغِبٌ سے، رَاغِبٌ سے۔ اور رَاغِبٌ صیغہ اسمِ فاعل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر شبہِ جملہ ہو کر بتدا، اور یہی أَنْتَ جو رَاغِبٌ کا فاعل ہے یہ قائم مقام ہے خبر کے، تو بتدا اپنے قائم مقامِ خبر سے مل کر جملہ اسمیہ انشائیہ ہوا کیونکہ استفہام ہے بھئی۔ بات سمجھ میں آگئی؟

اور دیکھو أَرَاغِبٌ کون سا صیغہ ہے؟ مفرد ہے، تثنیہ ہے یا جمع ہے؟ مفرد ہے، اور أَنْتَ ضمیر وہ مفرد ہے، تثنیہ ہے یا جمع ہے؟ وہ بھی مفرد ہے، تو دیکھو دونوں مفرد ہیں، صفت کا صیغہ بھی مفرد اور آگے اسمِ ظاہر یا جو اس کا قائم مقام ہے وہ بھی مفرد، اور اس طرح کے مقام پر آپ نے پڑھا ہے دونوں ترکیبیں جائز ہیں، دونوں ترکیبیں جائز ہیں، معلوم ہوا آپ أَنْتَ کو بتدا بنا دیں اور رَاغِبٌ کو اس کے لیے خبر بنا دیں یہ بھی جائز ہے۔ تو پہلی ترکیب ہم نے کیا کی؟ أَنْتَ کو فاعل بنایا رَاغِبٌ کے لیے اور رَاغِبٌ کو بتدا کی قسمِ ثانی بنایا۔ دوسری ترکیب بھی یہاں ہو سکتی ہے۔ دوسری ترکیب کیجیے: ہمزہ استفہام، رَاغِبٌ مرفوع

لفظاً صیغہ اسمِ فاعل اور اس کے اندر، اس کے اندر أَنْتَ ضمیر مرفوع محلاً اس کا فاعل کیونکہ اس رَاغِبٌ کو ہم خبر بنانا چاہتے ہیں کس کے لیے؟ أَنْتَ کے لیے اور صفت کے صیغے کو اگر مخاطب یا متکلم کی ضمیر سے جوڑا جائے تو اس کے اندر بھی وہی ضمیر نکالتے ہیں، تو رَاغِبٌ مرفوع لفظاً صیغہ اسمِ فاعل اس کے اندر أَنْتَ ضمیر مرفوع محلاً اس کا فاعل، اسمِ فاعل اپنے فاعل سے مل کر شبہِ جملہ ہو کر خبرِ مقدم، اور أَنْتَ مرفوع محلاً مبتدا ہے، تو مبتدا اپنی خبر سے مل کر جملہ اسمیہ انشائیہ ہوا، مبتدا اپنی خبر سے مل کر جملہ اسمیہ انشائیہ ہوا کیونکہ استفہام ہے بھئی۔ تو یہاں دونوں ترکیبیں ہو سکتی ہیں بھئی، البتہ بعض علماء بعض محشی حضرات نے لکھا ہے کہ اس رَاغِبٌ کو مبتدا کی قسمِ ثانی بنانا پسندیدہ ہے اس لیے کیونکہ اگر اس کو آپ خبرِ مقدم بنائیں اور أَنْتَ کو مبتدا مؤخر بنائیں گے تو اجنبی کا فصل لازم آئے گا رَاغِبٌ اور عَنْ آلِهَتِي کے درمیان، یہ عَنْ آلِهَتِي کس سے متعلق ہے؟ رَاغِبٌ سے متعلق ہے، تو ان کے درمیان فصل بالاجنبی یعنی مبتدا کا فصل لازم آئے گا، تو یہاں رَاغِبٌ کو مبتدا کی قسمِ ثانی بنانا پسندیدہ، اس صورت میں یہ أَنْتَ اس کے لیے فاعل بن جائے گا تو أَنْتَ بھی رَاغِبٌ کا معمول اور عَنْ آلِهَتِي بھی اس کا معمول تو پھر اب فصل بالاجنبی لازم نہیں آئے گا۔

تو کہتے ہیں وَاحْتَرَزَ بِهِ اور اس کے ذریعے احتراز کیا، یہ رَافِعَةً لِظَاهِرٍ کے ذریعے احتراز کیا مصنف نے، تو کہتے ہیں وَاحْتَرَزَ بِهِ عَنْ نَحْوِ أَقَائِمَانِ الزَّيْدَانِ تو یہ اس قید کے ذریعے مصنف نے احتراز کیا أَقَائِمَانِ الزَّيْدَانِ جیسے مثالوں سے۔ أَقَائِمَانِ الزَّيْدَانِ دیکھو صیغہ بھی صفت کا ہے قَائِمَانِ، اور حرفِ استفہام کے بعد بھی ہے، لیکن تیسری شرط پوری نہیں کہ یہ اسمِ ظاہر کو رفع نہیں دے رہا، یہ قَائِمَانِ الزَّيْدَانِ کو رفع نہیں دے سکتا کیوں نہیں دے سکتا؟ کیونکہ صفت کا صیغہ مفرد نہیں ہے، جب اسمِ ظاہر فاعل ہو تو صفت کا صیغہ مفرد ہونا چاہیے لیکن یہ مفرد نہیں۔ تو کہتے ہیں وَاحْتَرَزَ بِهِ عَنْ نَحْوِ أَقَائِمَانِ الزَّيْدَانِ کہ یہ جو ماتن نے رَافِعَةً لِظَاهِرٍ کی قید لگائی اس کے ذریعے احتراز کیا أَقَائِمَانِ الزَّيْدَانِ جیسے مثالوں سے لِأَنَّ أَقَائِمَانِ رَافِعٌ لِضَمِيرٍ عَائِدٍ إِلَى الزَّيْدَانِ، اچھا بھئی أَقَائِمَانِ الزَّيْدَانِ تو یہ قَائِمَانِ الزَّيْدَانِ کو رفع دے سکتا ہے؟ نہیں، جب رفع نہیں دے سکتا تو پھر معلوم ہوا اس کو خبرِ مقدم بنائیں گے، اور خبرِ مقدم بنائیں گے تو پھر یہ کس کو رفع دے گا؟ أَقَائِمَانِ قَائِمَانِ صفت کا صیغہ ہے نا فاعل تو ضرور چاہیے، تو اس کے اندر هُمَا ضمیر ہے اور وہ کس کو راجع؟ الزَّيْدَانِ کو، اور الزَّيْدَانِ لفظوں میں تو مؤخر ہے لیکن رتبے میں مقدم ہے کیونکہ مبتدا ہے، تو یہی بیان کر رہے ہیں، کہتے ہیں لِأَنَّ أَقَائِمَانِ رَافِعٌ لِضَمِيرٍ عَائِدٍ إِلَى الزَّيْدَانِ اس لیے کیونکہ أَقَائِمَانِ جو ہے وہ رفع دے رہا ہے ایسی ضمیر کو عَائِدٍ إِلَى الزَّيْدَانِ جو لوٹ رہی ہے الزَّيْدَانِ کو، وَلَوْ كَانَ رَافِعًا لِهٰذَا الظَّاهِرِ اور اگر یہ أَقَائِمَانِ رفع دے رہا ہوتا لِهٰذَا الظَّاهِرِ اس اسمِ ظاہر کو لَمْ يَجُزْ تَثْنِيَتُهُ تو پھر اس کا تثنیہ ہونا تو پھر جائز نہیں۔

مِثْلُ زَيْدٌ قَائِمٌ جیسے کہ زَيْدٌ قَائِمٌ ہے، کہتے ہیں مِثَالٌ لِلْقِسْمِ الْأَوَّلِ مِنَ الْمُبْتَدَأِ یہ مثال ہے بتدا کی قسمِ اول کی۔ زَيْدٌ قَائِمٌ کیا ترکیب ہے؟ زَيْدٌ مرفوع لفظاً بتدا اور قَائِمٌ مرفوع لفظاً صیغہ اسمِ فاعل، اس کے اندر هُوَ ضمیر مرفوع محلاً اس کا فاعل جو زید کو راجع، اسمِ فاعل اپنے فاعل سے مل کر شبہِ جملہ ہو کر خبر، بتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ خبریہ، تو یہ زَيْدٌ بتدا کی قسمِ اول ہے

یہ مسند الیہ ہے۔

وَمَا قَائِمٌ الزَّيْدَانِ یہ مِثَالٌ لِلصِّفَةِ الْوَاقِعَةِ بَعْدَ حَرْفِ النَّفْيِ یہ مثال ہے اس صفت کی جو حرفِ نفی کے بعد واقع ہے۔ مَا قَائِمٌ الزَّيْدَانِ کیا ترکیب ہے؟ مَا حرفِ نفی، قَائِمٌ مرفوع لفظاً صیغہ اسمِ فاعل، الزَّيْدَانِ مرفوع لفظاً اس کا فاعل اور یہ قائم مقام خبر کے بھی ہے، تو اسمِ فاعل اپنے فاعل سے مل کر شبہِ جملہ ہو کر بتدا اور بتدا اپنے قائم مقامِ خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔ تو کہتے ہیں وَمَا قَائِمٌ الزَّيْدَانِ مِثَالٌ لِلصِّفَةِ الْوَاقِعَةِ بَعْدَ حَرْفِ النَّفْيِ یہ مثال ہے اس صفت کی جو حرفِ نفی کے بعد واقع ہو۔ وَأَقَائِمٌ الزَّيْدَانِ مِثَالٌ لِلصِّفَةِ الْوَاقِعَةِ بَعْدَ حَرْفِ الِاسْتِفْهَامِ یہ مثال ہے اس صفت کی جو حرفِ استفہام کے بعد واقع ہے۔ دیکھو وَمَا قَائِمٌ الزَّيْدَانِ اور أَقَائِمٌ الزَّيْدَانِ یہاں تینوں شرطیں پوری ہیں: مَا قَائِمٌ اور أَقَائِمٌ صیغہ صفت کا ہے، حرفِ نفی یا حرفِ استفہام کے بعد ہے، اور آگے اسمِ ظاہر کو رفع بھی دے رہا ہے اس لیے کیونکہ صفت کا صیغہ مفرد ہے اور آگے تثنیہ ہے تو یہ اس کے لیے خبر نہیں بن سکتا بھئی۔

تو کہتے ہیں فَإِنْ طَابَقَتِ الصِّفَةُ الْوَاقِعَةُ بَعْدَ حَرْفِ النَّفْيِ وَالِاسْتِفْهَامِ اسْمًا مُفْرَدًا اگر مطابق ہو جائے وہ صفت جو حرفِ نفی یا استفہام کے بعد واقع ہے وہ مطابق ہو جائے، کس کے مطابق ہو جائے؟ اسْمًا مُفْرَدًا اس اسمِ مفرد کے مَذْكُورًا بَعْدَهَا جو اس کے بعد واقع ہو۔ بھئی اگر مطابقت آئی صفت کا صیغہ اور آگے اسمِ ظاہر دونوں میں مطابقت ہے صفت بھی مفرد اور اسمِ ظاہر بھی مفرد ہے، تو پھر اس میں دونوں باتیں جائز ہیں یعنی اس صفت کے صیغے کو اس کو خبرِ مقدم بھی بنا سکتے ہیں اور اس کو بتدا کی قسمِ ثانی بھی، تو دیکھو پہلے متن متن دیکھو: فَإِنْ طَابَقَتْ مُفْرَدًا جَازَ الْأَمْرَانِ اگر وہ صفت مطابق ہو جائے اسمِ مفرد کے جَازَ الْأَمْرَانِ تو دونوں امر جائز ہیں۔ بات سمجھ میں آگئی؟

جی دیکھیے دوبارہ، کہتے ہیں فَإِنْ طَابَقَتِ الصِّفَةُ الْوَاقِعَةُ بَعْدَ حَرْفِ النَّفْيِ وَالِاسْتِفْهَامِ اگر مطابق ہو جائے وہ صفت جو حرفِ نفی یا حرفِ استفہام کے بعد واقع ہے کس کے مطابق ہو جائے؟ اسْمًا مُفْرَدًا مَذْكُورًا بَعْدَهَا اس اسمِ مفرد کے جو اس صفت کے بعد واقع ہو نَحْوُ مثال کے طور پر مَا قَائِمٌ زَيْدٌ یا وَأَقَائِمٌ زَيْدٌ اس میں دیکھیں دونوں مفرد ہیں۔ کہتے ہیں وَاحْتَرَزَ بِهِ اور اس قید کے ذریعے، یہ جو مُفْرَدًا کی قید لگائی نا کہ مفرد کے مطابق ہو جائے، کہتے ہیں وَاحْتَرَزَ بِهِ عَمَّا إِذَا طَابَقَتْ مُثَنًّى اور اس کے ذریعے احتراز کیا اس صورت سے جب وہ مطابق ہو اس حال میں کہ دونوں کیا ہوں؟ تثنیہ ہوں نَحْوُ أَقَائِمَانِ الزَّيْدَانِ، أَوْ مَجْمُوعًا یا دونوں کیا ہوں؟ جمع ہوں نَحْوُ أَقَائِمُونَ الزَّيْدُونَ۔ تو أَقَائِمَانِ الزَّيْدَانِ اس میں قَائِمَانِ خبرِ مقدم ہے یہ الزَّيْدَانِ کو رفع نہیں دے سکتا، اور أَقَائِمُونَ الزَّيْدُونَ اس میں بھی قَائِمُونَ کیا ہے؟ خبرِ مقدم ہے یہ الزَّيْدُونَ کو رفع نہیں دے، تو انہوں نے کیا کہا جب مطابقت ہو کس صورت میں؟ مفرد ہونے کی حالت میں، تب دونوں امر جائز ہیں، تثنیہ اور جمع ہونے کی صورت میں مطابقت ہو تو پھر، پھر دونوں امر جائز نہیں پھر وہاں اس کو خبرِ مقدم ہی بنائیں گے۔ یہ معنی ہے، کہتے ہیں وَاحْتَرَزَ بِهِ عَمَّا إِذَا طَابَقَتْ مُثَنًّى اور اس کے ذریعے احتراز کیا اس صورت سے جب مطابقت ہو تثنیہ ہونے کی حالت میں

أَوْ مَجْمُوعًا یا جمع ہونے کی حالت میں نَحْوُ أَقَائِمُونَ الزَّيْدُونَ، فَإِنَّهَا حِينَئِذٍ خَبَرٌ لَيْسَ إِلَّا تو اس وقت پھر یہ صفت خبر ہی ہے لَيْسَ إِلَّا أَيْ لَيْسَ إِلَّا الْخَبَرَ نہیں ہے مگر خبر ہی۔ فَإِنَّهَا حِينَئِذٍ خَبَرٌ تو پھر وہ خبر ہی ہے لَيْسَ إِلَّا یعنی اس کے علاوہ اور کچھ نہیں، اس خبر کے علاوہ کچھ نہیں۔

دیکھو لَيْسَ إِلَّا، إِلَّا حرفِ استثنا ہے، استثنا کے لیے عربی زبان میں إِلَّا کا لفظ وضع ہے ہاں کبھی غَيْرُ کا لفظ بھی استثنا کے لیے استعمال ہو جاتا ہے اور ان کے بعد مستثنیٰ آتا ہے، لیکن یہاں مستثنیٰ اَلْخَبَرَ کو حذف کر دیا کیونکہ بات واضح تھی پیچھے خبر ہی کی بات کر رہے ہیں کہ وہ اس وقت خبر ہو گا لَيْسَ إِلَّا خبر کے علاوہ کچھ نہیں ہو گا۔ تو یہ إِلَّا اور غَيْرُ کے مستثنیٰ کو کبھی حذف کر لیتے ہیں توجہ ہے؟ إِلَّا اور غَيْرُ کے مستثنیٰ کو کبھی حذف کر لیتے ہیں اس وقت جب ان سے پہلے لَيْسَ ہو، اور یہاں پر بھی إِلَّا سے پہلے کیا ہے؟ لَيْسَ، تو اصل کلام یوں ہے لَيْسَتِ الصِّفَةُ شَيْئًا إِلَّا الْخَبَرَ، لَيْسَتِ الصِّفَةُ وہ صفت لَيْسَتِ الصِّفَةُ شَيْئًا وہ صفت کچھ بھی نہیں ہے إِلَّا الْخَبَرَ مگر خبر یعنی وہ صرف خبر ہی بنے گی۔ تو لَيْسَ کے اندر هُوَ ضمیر کس کو راجع؟ صفت کو راجع، آپ کہیں گے صفت تو مؤنث ہے اور لَيْسَ تو هُوَ ضمیر مذکر کی ہے، تو جواب یہ کہ وَصْفٌ کی تاویل میں اس کی طرف ضمیر راجع کر دی، صفت کیا ہے؟ وصف ہی ہے نا اور وصف کا لفظ کیا ہے؟ مذکر ہے تو اس اعتبار سے مذکر کی ضمیر راجع کر دی۔ یا اس لیے کیونکہ آپ نے ضابطہ پڑھا تھا جب ضمیر دائر ہو جائے بَيْنَ الْمَرْجِعِ وَالْخَبَرِ تو دونوں کی رعایت رکھ سکتے ہیں، تو آگے کیا ہے؟ لَيْسَتِ الصِّفَةُ شَيْئًا، شَيْئًا اور اَلْخَبَرَ دونوں کیا ہیں؟ مذکر، اور پیچھے اَلصِّفَةُ کیا ہے؟ مؤنث، تو یہاں مؤنث ضمیر لانا بھی ٹھیک ہے مرجع کی رعایت رکھتے ہوئے اور مذکر لانا بھی ٹھیک آگے خبر کی رعایت رکھتے ہوئے۔

تو دیکھو بھئی یہ لَيْسَ إِلَّا اس کی ترکیب سمجھ لو بھئی۔ میں نے آپ کو بتلایا کہ اس کے اندر هُوَ ضمیر صفت کو راجع ہے، تو گویا اصل کلام یوں ہے لَيْسَ الصِّفَةُ شَيْئًا إِلَّا الْخَبَرَ، تو ترکیب کیسے ہو گی؟ لَيْسَ فعل از افعالِ ناقصہ ہے اور اس کے اندر هُوَ ضمیر مرفوع محلاً اس کا اسم ہے جو صفت کو راجع، اور شَيْئًا منصوب لفظاً ہے یہ لَيْسَ کی خبر ہے اور یہ مستثنیٰ منہ ہے بھئی، اور إِلَّا حرفِ استثنا ہے اور اَلْخَبَرَ منصوب لفظاً یہ مستثنیٰ ہے بھئی، مستثنیٰ ہے اور پھر مستثنیٰ منہ اپنے مستثنیٰ سے مل کر یہ خبر ہوئی لَيْسَ کے لیے اور لَيْسَ اپنے اسم اور خبر سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہوا بھئی۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو لَيْسَ الصِّفَةُ شَيْئًا إِلَّا الْخَبَرَ اور پھر مستثنیٰ منہ کو بعض اوقات حذف کر لیتے ہیں تو گویا کلام یوں ہے لَيْسَ الصِّفَةُ إِلَّا الْخَبَرَ، اب جب شَيْئًا یعنی مستثنیٰ منہ کو حذف کر لیا تو جو مستثنیٰ ہے وہ اب خبر بن گیا بھئی، تو لَيْسَ کے لیے هُوَ ضمیر وہ اس کا اسم اور إِلَّا الْخَبَرَ یہ جو اَلْخَبَرَ کا لفظ جو ہے یہ لَيْسَ کے لیے خبر بن جائے گا۔ بات سمجھ میں آگئی؟

تو کہتے ہیں جَازَ الْأَمْرَانِ تو اس صورت میں دونوں امر جائز ہیں۔ کیا دونوں امر؟ کہتے ہیں كَوْنُ الصِّفَةِ مُبْتَدَأً وَمَا بَعْدَهَا فَاعِلَهَا يَسُدُّ مَسَدَّ الْخَبَرِ کہ صفت جو ہے وہ بتدا ہو اور اس کا ما بعد اس کا فاعل ہو يَسُدُّ مَسَدَّ الْخَبَرِ اور خبر کے قائم مقام

ہو بھئی۔ صفت کو کیا بناؤ؟ بتدا، اور آگے آنے والے کو اس کا فاعل بناؤ اور وہ فاعل ہی کیا ہے؟ يَسُدُّ مَسَدَّ الْخَبَرِ خبر کا قائم مقام ہے۔ یا دوسری صورت وَكَوْنُ مَا بَعْدَهَا مُبْتَدَأً وَالصِّفَةِ خَبَرًا مُقَدَّمًا عَلَيْهِ یا دوسری صورت یہ ہے کہ اس کے ما بعد کو کیا بنائیں؟ بتدا بنائیں اور وہ جو صفت ہے وہ کیا ہو؟ وہ خبرِ مقدم ہو اس پر بھئی، یعنی بتدا کی قسمِ اول وہاں بنا دیں۔ فَهٰهُنَا ثَلَاثُ صُوَرٍ تو یہاں تین صورتیں ہیں۔ کون سی تین صورتیں؟ کہ صفت کا صیغہ یا مفرد ہو گا یا مفرد نہیں۔ اگر مفرد ہو گا پھر آگے اسمِ ظاہر بھی مفرد ہو گا یا نہیں؟ تو اگر خبر بھی مفرد ہو اور اسمِ ظاہر بھی مفرد ہو پھر وہاں دونوں ترکیبیں ہو سکتی ہیں، اور اگر خبر مفرد ہو اور اسمِ ظاہر مفرد نہ ہو تو پھر یہاں متعین ہے اس کو بتدا کی قسمِ ثانی ہی بنائیں گے، اور اگر صفت کا صیغہ مفرد نہیں ہے تو پھر اس کو خبرِ مقدم ہی بنائیں گے وہاں بتدا کی قسمِ اول والی ترکیب ہی ہو گی۔ بات سمجھ میں آگئی؟

تو کہتے ہیں فَهٰهُنَا ثَلَاثُ صُوَرٍ تو یہاں پر تین صورتیں ہیں: إِحْدَاهَا ان صورتوں میں سے ایک یہ ہے أَقَائِمَانِ الزَّيْدَانِ دیکھو صفت کا صیغہ مفرد نہیں ہے اور آگے آنے والے اسمِ ظاہر کے ساتھ اس کی مطابقت ہے تو اس صورت میں یہ قَائِمَانِ جو ہے اس کو خبرِ مقدم ہی بنائیں گے اس کو بتدا کی قسمِ ثانی نہیں بنا سکتے۔ تو کہتے ہیں أَقَائِمَانِ الزَّيْدَانِ وَيَتَعَيَّنُ حِينَئِذٍ أَنْ يَكُونَ الزَّيْدَانِ مُبْتَدَأً وَأَقَائِمَانِ خَبَرًا مُقَدَّمًا عَلَيْهِ اور اس وقت یہ متعین ہے کہ الزَّيْدَانِ بتدا ہے اور أَقَائِمَانِ جو ہے وہ ایسی خبر ہے جو اس پر مقدم ہے۔ وَثَانِيَتُهَا اور دوسری صورت یہ ہے أَقَائِمٌ الزَّيْدَانِ دیکھو اس میں صفت کا صیغہ مفرد ہے اور مطابقت نہیں ہے، تو اس صورت میں اس کو خبرِ مقدم نہیں بنا سکتے اب اس کا بتدا کی قسمِ ثانی ہونا متعین ہے، تو کہتے ہیں وَثَانِيَتُهَا اور دوسری صورت یہ ہے أَقَائِمٌ الزَّيْدَانِ وَيَتَعَيَّنُ حِينَئِذٍ أَنْ يَكُونَ الزَّيْدَانِ فَاعِلًا لِلصِّفَةِ قَائِمًا مَقَامَ الْخَبَرِ اور اس وقت یہ متعین ہے کہ الزَّيْدَانِ جو ہے وہ فاعل ہے صفت کے لیے اس حال میں کہ یہ اس کی خبر کے قائم مقام ہے۔ وَثَالِثَتُهَا اور تیسری صورت یہ ہے أَقَائِمٌ زَيْدٌ، صفت کا صیغہ بھی مفرد اور اسمِ ظاہر بھی مفرد تو مطابقت ہے مفرد ہونے میں، اور میں نے آپ کو بتلایا اس میں دونوں صورتیں دونوں ترکیبیں جائز ہیں بھئی۔ تو کہتے ہیں وَثَالِثَتُهَا اور تیسری صورت جو ہے أَقَائِمٌ زَيْدٌ وَيَجُوزُ فِيهِ الْأَمْرَانِ كَمَا عَرَفْتَ اور اس کے اندر دونوں امر جائز ہیں جیسے کہ آپ نے پہچان لیا۔

تو حاصلِ کلام پھر سن لیں، حاصلِ کلام کیا ہوا؟ کہ صفت کے صیغے کی آگے آنے والے اسمِ ظاہر کے ساتھ مطابقت ہو گی یا مطابقت نہیں؟ اگر مطابقت ہے اور مطابقت مفرد ہونے میں ہے دونوں مفرد ہیں پھر دونوں ترکیبیں جائز، اور اگر مطابقت ہے لیکن وہ مفرد ہونے میں مطابقت نہیں ہے بلکہ تثنیہ اور جمع ہونے میں ہے کہ دونوں تثنیہ ہیں یا دونوں جمع ہیں تو اس صورت میں اس صفت کے صیغے کو خبرِ مقدم ہی بنائیں گے، اور اگر مطابقت نہ ہو یعنی صفت کا صیغہ تو مفرد ہے لیکن آگے آنے والا اسمِ ظاہر تثنیہ یا جمع ہے تو پھر اس صورت میں اس صفت کے صیغے کو بتدا کی قسمِ ثانی ہی بنائیں گے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ حل ہو گیا سارا؟ چلیے بس بھئی، هٰذَا هُوَ الْمَرَامُ وَاللّٰهُ أَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْكَلَامِ۔

سبق نمبر ۹۵: المبتدا والخبر (۳): خبر کی تعریف اور مبتدا سے مطابقت کے قواعد

شرحِ ملا جامی صفحہ: ۶۹ — بتاریخ: ۴ نومبر ۲۰۲۱ء

▪ تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث

دیکھیے بھئی آگے سبق:

وَالْخَبَرُ هُوَ الْمُجَرَّدُ أَيْ هُوَ الِاسْمُ الْمُجَرَّدُ عَنِ الْعَوَامِلِ اللَّفْظِيَّةِ لِأَنَّ الْكَلَامَ فِي مَرْفُوعَاتِ الِاسْمِ فَلَا يَصْدُقُ عَلَى يَضْرِبُ فِي يَضْرِبُ زَيْدٌ أَنَّهُ الْمُجَرَّدُ الْمُسْنَدُ بِهِ الْمُغَايِرُ لِلصِّفَةِ الْمَذْكُورَةِ لِأَنَّهُ لَيْسَ بِاسْمٍ۔

بھئی گزشتہ سبق میں مبتدا کی بحث ہم پڑھ رہے تھے بھئی۔ اور صاحبِ کافیہ نے آپ کو بتلایا کہ مبتدا وہ اسم ہے جو عوامِلِ لفظیہ سے خالی ہو اس حال میں کہ وہ مُسْنَدٌ إِلَيْهِ ہو بھئی۔ عوامِلِ لفظیہ کی قید لگا کر إِنَّ، كَانَ وغیرہ کے اسم کو نکال دیا، اس لیے کیونکہ وہ بھی اگرچہ مُسْنَدٌ إِلَيْهِ ہیں لیکن ان پر عاملِ لفظی داخل ہے۔ اور نیز پھر اشکال ہوتا تھا کہ یہ جو تعریف ہے اس میں تو قید لگا دی کہ وہ عوامِلِ لفظیہ سے خالی ہو اور بِحَسْبِكَ دِرْهَمٌ اس کے اندر یہ حَسْبُكَ مبتدا ہے اور دِرْهَمٌ اس کی خبر ہے حالانکہ اس پر عاملِ لفظی یعنی باء جارہ موجود ہے۔ تو صاحبِ جامی نے اس کا بھی جواب دیا کہ عاملِ لفظی سے مصنف کی مراد وہ عاملِ لفظی ہے جو لفظوں کے ساتھ ساتھ معنیٰ میں بھی مؤثر ہو بھئی، اور بِحَسْبِكَ کے اندر یہ جو با ہے یہ جارہ زائدہ ہے بھئی۔ اور یہ حروفِ جارہ زائدہ اپنے معنیٰ کا اثر نہیں دیتے بھئی۔ تو یہ لفظوں کے اعتبار سے تو یہ مؤثر ہے، جر دے رہی ہے، لیکن معنیٰ کے اعتبار سے مؤثر نہیں ہے بھئی۔ اور میں نے آپ کو یہ بھی بتلایا تھا کہ وہ حروفِ جارہ جو زائد ہوتے ہیں وہ کسی سے متعلق نہیں ہوتے، اس لیے کیونکہ اگر وہ کسی سے متعلق ہوں گے تو پھر وہ اپنے معنیٰ کا فائدہ دیں گے بھئی۔ تو لہٰذا بِحَسْبِكَ دِرْهَمٌ یہ بھی تعریف کے اندر داخل ہو گیا، کیونکہ اس کے اندر اگرچہ عاملِ لفظی موجود ہے لیکن وہ معنیٰ کے اعتبار سے مؤثر نہیں، تو یہ بھی گویا اسی طرح ہے کہ عاملِ لفظی یہاں موجود ہی نہیں ہے بھئی۔

اور مُسْنَدًا إِلَيْهِ کی قید لگائی، اس قید کے ذریعے خبر کو بھی نکال دیا اور مبتدا کی قسمِ ثانی کو بھی اس تعریف سے نکال دیا، اس لیے کیونکہ خبر وہ بھی عاملِ لفظی سے خالی ہے اور مبتدا کی قسمِ ثانی وہ بھی عاملِ لفظی سے خالی ہے۔ وہ اس تعریف میں

داخل ہو رہے تھے، لیکن جب مُسْنَدًا إِلَيْهِ کی قید آگئی تو اب وہ خارج ہو گئے، اس لیے کیونکہ خبر وہ مُسْنَدٌ إِلَيْهِ نہیں ہوتی بلکہ وہ تو مُسْنَد ہوتی ہے، اور اسی طرح مبتدا کی قسمِ ثانی وہ بھی مُسْنَد ہے بھئی۔

اور پھر مبتدا کی قسمِ ثانی کے بارے میں بتلایا تھا کہ اس کے اندر تین شرائط ہیں: پہلی شرط یہ کہ صیغہ صفت کا ہونا چاہیے، دوسری شرط یہ کہ وہ حرفِ نفی یا حرفِ استفہام کے بعد آئے، اور تیسری شرط یہ تھی کہ وہ کسی اسمِ ظاہر کو رفع دے بھئی۔ تو صفت کا صیغہ ذکر کیا اور میں نے بتلایا کہ صفت کے صیغے سے ہر صفت کا صیغہ مراد نہیں ہے، بلکہ اسمِ فاعل، اسمِ مفعول، صفتِ مشبہ اور اسمِ منسوب مراد ہیں۔ اسمِ منسوب وہ اسم جس کے آخر میں یائے مشدد لگا دی جاتی ہے نسبت کے لیے، جیسے لاہور سے لَاهُورِيٌّ لاہور والا، پاکستان سے پاکِسْتَانِيٌّ پاکستان والا۔ تو یہ جو اسمِ منسوب ہے یہ اگرچہ صفت تو نہیں لیکن یہ صفت کے قائم مقام ہے بھئی اور اس کو اسمِ منسوب کہتے ہیں، اور اس کے اندر بھی ضمیر ہوتی ہے اور وہ اس کا نَائِبُ الْفَاعِل ہے، کیونکہ یہ اسمِ منسوب ہے اور مَنْسُوب دیکھو مَفْعُول وزن ہے، تو یہ اسمِ مفعول کی تاویل میں ہے اور اسمِ مفعول کے اندر جو ضمیر ہوتی ہے وہ اس کے لیے نائب فاعل بنتی ہے، تو اس کے اندر بھی یہ نائب فاعل بنے گی۔ جبکہ بعض علماء اس کی تاویل اسمِ فاعل یعنی اسمِ مُنْتَسِب کے ساتھ کرتے ہیں، اسمِ مُنْتَسِب وہ اسم جو منسوب ہو رہا ہے، تو پھر اس صورت میں اس کے اندر جو ضمیر نکالتے ہیں تو اس کو پھر فاعل بناتے ہیں بھئی، کیونکہ اسمِ فاعل کے لیے فاعل چاہیے۔

تو یہ صفت کا صیغہ ہونا چاہیے، اور نیز یہ حرفِ نفی اور حرفِ استفہام کے بعد ہونا چاہیے تاکہ اس کا اعتماد ہو جائے ان پر اور پھر یہ عمل کر سکے۔ یاد رکھو یہ جو صفت کے صیغے ہیں ان کے عمل کے لیے مختلف شرائط ہیں بھئی، اور ان میں سے ایک شرط یہ ہے کہ یہ اسی وقت عمل کریں گے جب ان کا کسی چیز پر اعتماد ہو، یعنی یوں کہیں کہ ان سے پہلے کوئی ایسی چیز آ جائے جس کا یہ سہارا لے لیں اور پھر اس کے بعد یہ عمل کریں گے۔ تو لہٰذا یہاں پر جو حرفِ نفی آئے گا یا حرفِ استفہام آئے گا اس پر اعتماد کرتے ہوئے پھر یہ صفت کے صیغے عمل کریں گے بھئی۔

اور پھر صاحبِ جامی نے بتلایا کہ امام سیبویہ حرفِ نفی اور حرفِ استفہام کے بغیر بھی صفت کے صیغے کو مبتدا بنانا جائز قرار دیتے ہیں، ان کے نزدیک جائز ہے البتہ یہ قبیح ہے یعنی ناپسندیدہ ہے، کمزور لغت ہے۔ جبکہ امام اخفش اس کو اچھا جانتے ہیں یعنی اس کو اچھی لغت قرار دیتے ہیں، اور اسی پر شاعر کا یہ قول بھی مبنی ہے: فَخَيْرٌ نَحْنُ عِنْدَ النَّاسِ مِنْكُمْ۔ فَخَيْرٌ تو یہ خَيْرٌ اسمِ تفضیل ہے، صفت کا صیغہ ہے اور یہ مبتدا کی قسمِ ثانی ہے اور نَحْنُ اس کے لیے فاعل ہے بھئی، اور عِنْدَ النَّاسِ اس کے لیے مفعول فیہ ہے اور مِنْكُمْ یہ خَيْرٌ سے متعلق ہے۔ تو چونکہ یہ نَحْنُ خَيْرٌ کے لیے فاعل ہے تو اب درمیان میں عامل اور معمول کے فَصْل بِالْأَجْنَبِي لازم نہیں آیا۔ خَيْرٌ عامل اور مِنْكُمْ معمول، لیکن درمیان میں جو نَحْنُ ہے اور عِنْدَ النَّاسِ ہے یہ دونوں کس کے معمول؟ یہ بھی خَيْرٌ کے معمول ہیں، تو درمیان میں فَصْل بِالْأَجْنَبِي نہیں آیا۔ لیکن اگر اس نَحْنُ کو مبتدا ے مؤخر بنائیں اور خَيْرٌ کو خبرِ مقدم بنائیں تو پھر اس صورت میں خَيْرٌ اور مِنْكُمْ کے درمیان فصل لازم آئے گا اجنبی

کا جو کہ بتدا ہے۔

تو پھر سوال پیدا ہوتا ہے بھئی بتدا اجنبی کیسے ہے خبر کے لیے؟ بتدا کے لیے تو ہمیشہ خبر ضرور چاہیے اور خبر کے لیے بتدا ضرور چاہیے، یہ تو ایک دوسرے کے ساتھ لازم و ملزوم ہیں، تو پھر یہ بتدا اجنبی کیسے؟ تو میں نے بتلایا تھا بایں لحاظ اجنبی ہے بتدا کہ وہ صفت کا صیغہ اس کے اندر عامل نہیں۔ خَیْرٌ کو خبرِ مقدم بنایا اور خبر کے اندر عامل کیا ہوتا ہے؟ ابتدا۔ اور نَحْنُ کو بتدائے مؤخر بنایا، اس کے اندر بھی عامل کیا؟ ابتدا۔ تو دیکھو نَحْنُ کے اندر اب ابتدا عامل ہے، خَیْرٌ عامل نہیں، جب اس کے اندر خَیْرٌ عامل نہیں تو یہ خَیْرٌ کے لیے اجنبی کی طرح ہی ہوا۔

اور پھر یہاں یہ اشکال بھی ہوتا تھا کہ بھئی آپ نے کہا کہ نَحْنُ کو اگر بتدا بنائیں گے تو پھر خَیْرٌ کا فصل لازم آئے گا اپنے معمول مِنْکُمْ سے، تو سوال پیدا ہوا کہ عِنْدَ النَّاسِ سے بھی تو فصل آ رہا ہے، اس کو نہیں ذکر کیا؟ تو میں نے وجہ ذکر کی تھی کہ عِنْدَ النَّاسِ کے اندر خَیْرٌ کا عامل ہونا قطعی نہیں، اگرچہ عامل تو ہے خَیْرٌ ہی لیکن قطعی نہیں، اس لیے کیونکہ عِنْدَ النَّاسِ ظرف ہے اور ظرف کے لیے کبھی عامل مقدر بھی ہوتا ہے۔ لیکن مِنْکُمْ، مِنْکُمْ کے اندر تو کوئی شک اور شبہ ہی نہیں کیونکہ اسمِ تفضیل کے استعمال کے تین طریقے ہیں اور ان میں سے اصل کون سا طریقہ ہے؟ مِنْ کے ساتھ، تو یہ مِنْکُمْ اسی خَیْرٌ سے متعلق ہو گا اس میں تو کوئی شبہ ہی نہیں، لہٰذا بالخصوص اسی لیے اس کو ذکر کیا۔

جبکہ محشی حضرات نے، بعض علماء نے، انہوں نے کہا نہیں یہ اگر خَیْرٌ کو عامل بنائیں گے تو خَیْرٌ اسمِ تفضیل ہے اور اسمِ تفضیل تو نہایت کمزور عامل ہے، یہ تو اسمِ ظاہر کے اندر عمل کرتا ہی نہیں۔ اور نَحْنُ یہاں ہے تو ضمیرِ منفصل لیکن یہ اسمِ ظاہر کے درجے میں ہے، جیسے اسمِ ظاہر معمول سے الگ ہوتا ہے، جدا رہتا ہے اسی طرح ضمیرِ منفصل بھی جدا رہتی ہے، اپنے معمول کے ساتھ جڑتی نہیں ہے۔ تو یہ جو ضمیرِ منفصل ہے یہ بھی اسمِ ظاہر کے درجے میں ہے۔ تو خَیْرٌ کے لیے جب نَحْنُ کو فاعل بنائیں گے یعنی خَیْرٌ کو بتدا کی قسمِ ثانی بنائیں گے تو اسمِ تفضیل کو عامل بنانا پڑے گا نَحْنُ کے اندر جو کہ اسمِ ظاہر کے درجے میں ہے، حالانکہ اسمِ تفضیل نہایت کمزور عامل ہے اور وہ صرف اس ضمیر میں عمل کرتا ہے جو اس کے اندر چھپی ہوئی ہوتی ہے۔ اور وہ ضمیر اس کے اندر چھپی ہوئی ہے اور اس میں یہ عمل کر رہا ہے، تو یہ عمل بھی گویا لا عمل کی طرح ہے، گویا عمل کر ہی نہیں رہا کیونکہ لفظوں کے اندر اس کے عمل کا کوئی اثر ظاہر نہیں ہوتا۔ ہاں اسمِ ظاہر میں بھی یہ عمل کرتی ہے لیکن وہ عمل نہایت قلیل ہے اور اس کے لیے خاص خاص شرطیں ہیں جس کو علماء ذکر کرتے ہیں، آگے اسی کافیہ کے اندر بھی وہ مسئلہ ذکر ہو گا اور اسے مَسْأَلَةُ الْکُحْل کہتے ہیں۔ مَسْأَلَةُ الْکُحْل، اور اس کے اندر خاص شرطیں ہیں، وہ ساری شرطیں پوری ہوں گی پھر جو ہے اسمِ تفضیل جو ہے وہ اسمِ ظاہر کے اندر عمل کرے گا۔ تو یہاں، تو یہاں تو وہ شرطیں ہی نہیں پوریں، تو پھر یہ کیسے خَیْرٌ کو عامل بنائیں گے اور نَحْنُ کو اس کے لیے فاعل؟

جبکہ پھر بعض علماء نے جواب دیا، وہ کہتے ہیں کہ وہاں جو مَسْأَلَةُ الْكُحْل میں ذکر ہوا ہے اسمِ تفضیل کے عمل کے لیے شرائط جو ہیں وہ اسمِ ظاہر حقیقی کے اندر عمل کی شرائط ہیں، اور یہ نَحْنُ اسمِ ظاہر کے درجے میں تو ہے لیکن حقیقتاً یہ تو اسمِ ظاہر نہیں یہ تو ضمیر ہی ہے، اور یہاں بھی عمل لا عمل ہی کی طرح ہے کیونکہ عمل کا کوئی اثر ظاہر نہیں ہو رہا، کوئی رفع آ نہیں رہا بھئی، نَحْنُ تو مبنی ہے اس پر تو محلاً رفع آئے گا لفظوں میں رفع نہیں آئے گا، تو لہٰذا بایں لحاظ یہ اس سے مختلف ہے، لہٰذا یہاں یہ عمل کر سکتا ہے بھئی۔

پھر وہ علماء جو کہتے ہیں کہ خَيْرٌ کو نَحْنُ کے اندر عامل نہیں بنائیں گے، وہ کہتے ہیں کہ خَيْرٌ کو خبرِ مقدم بنائیں گے اور نَحْنُ کو بتدا ے مؤخر بنائیں گے۔ اور وہ جو اشکال لازم آتا تھا کہ یہ تو فَصْل بِالْأَجْنَبِي لازم آ رہا ہے خَيْرٌ اور مِنْكُمْ کے درمیان، تو وہ جواب دیتے ہیں کہ خَيْرٌ یہ جو مِنْكُمْ مذکور ہے اس کے اندر عامل نہیں ہے بلکہ خَيْرٌ کے بعد مِنْكُمْ محذوف ہے بھئی۔ مِنْكُمْ محذوف ہے اور خَيْرٌ اس کے اندر عامل ہے اور پھر اس کو حذف کر لیا گیا اور آگے آنے والا مِنْكُمْ اس کی تفسیر ہے بھئی۔ تو گویا یہ مَا أُضْمِرَ عَلَى شَرِيطَةِ التَّفْسِير کی قبیل سے ہے کہ جس کو حذف کر لیا گیا تفسیر کی شرط پر بھئی۔

اور پھر تیسری شرط انہوں نے ذکر کی تھی کہ وہ صفت کا صیغہ اسمِ ظاہر کو رفع دے۔ اور صاحبِ جامی نے بتلایا کہ اس کے ساتھ ایک اور قید کا بھی اضافہ کرنا پڑے گا کہ اسمِ ظاہر کو رفع دے یا جو اسمِ ظاہر کے قائم مقام ہو اس کو رفع دے، تاکہ یہ جو اللہ تعالیٰ کا قول ہے: أَرَاغِبٌ أَنْتَ عَنْ آلِهَتِي يَا إِبْرَاهِيمُ، تاکہ اس جیسی مثالیں بھی اس کے اندر داخل ہو جائیں، اس لیے کیونکہ اس کے اندر أَرَاغِبٌ أَنْتَ، رَاغِبٌ صفت کا صیغہ وہ أَنْتَ ضمیر کو رفع دے رہا ہے، اسمِ ظاہر کو رفع نہیں دے رہا، لیکن یہ ضمیرِ منفصل ہے اور ضمیرِ منفصل بھی کس کے درجے میں ہے؟ اسمِ ظاہر کے درجے میں ہے، لہٰذا یوں نہ کہو کہ اسمِ ظاہر کو رفع دے بلکہ اسمِ ظاہر یا قائم مقامِ اسمِ ظاہر کو وہ رفع دے۔ اب یہ مثال بھی اس کے اندر داخل ہو گئی۔ اور میں نے بتایا تھا یہاں دونوں ترکیبیں کر سکتے ہیں: آپ چاہیں تو أَرَاغِبٌ أَنْتَ اس کے اندر رَاغِبٌ کو بتدا کی قسمِ ثانی بنائیں اور أَنْتَ کو اس کے لیے فاعل بنائیں اور وہ قائم مقامِ خبر کے ہے، اور یہ ترکیب پسندیدہ ہے اس لیے کیونکہ اس صورت میں رَاغِبٌ اور عَنْ آلِهَتِي کے درمیان اجنبی کا فصل لازم نہیں آتا۔ اور آپ چاہیں تو بتدا کی قسمِ اول یہاں بنا لیں اور أَرَاغِبٌ یہ رَاغِبٌ کو خبرِ مقدم بنائیں اور أَنْتَ کو بتدا ے مؤخر بنائیں، تو یہاں دونوں ترکیبیں ہو سکتی ہیں کیونکہ صفت کا صیغہ بھی مفرد ہے اور آگے وہ جو قائم مقامِ اسمِ ظاہر ہے وہ بھی مفرد ہے، تو یہاں جب دونوں میں مطابقت ہو مفرد ہونے کے اعتبار سے تو وہاں دونوں ترکیبیں ہو سکتی ہیں۔

آگے دیکھیے بھئی آج کا سبق۔ کہتے ہیں: وَالْخَبَرُ هُوَ الْمُجَرَّدُ أَيْ هُوَ الِاسْمُ الْمُجَرَّدُ عَنِ الْعَوَامِلِ اللَّفْظِيَّةِ۔ جی پہلے متن متن دیکھیے، اب خبر کی بات کریں گے۔ کہتے ہیں: وَالْخَبَرُ هُوَ الْمُجَرَّدُ الْمُسْنَدُ بِهِ۔ خبر وہ اسمِ مجرد ہے۔ بھئی دیکھیے بتدا کی

جو تعریف کی تھی صاحبِ کافیہ نے کیا فرمایا تھا؟ فَالْمُبْتَدَأُ هُوَ الِاسْمُ الْمُجَرَّدُ۔ مُجَرَّد سے پہلے اسم کا لفظ ذکر کیا تھا، اور پھر مُجَرَّد کے بعد آگے عَنِ الْعَوَامِلِ اللَّفْظِيَّةِ کو ذکر کیا تھا، لیکن خبر کے اندر ان دونوں کو حذف کر لیا۔ میں نے بتایا صاحبِ کافیہ کے پاس الفاظ کم ہیں، انہوں نے مختصر سے مختصر لفظوں میں لمبی سے لمبی بات کرنی ہے، تو پیچھے چونکہ ایک مرتبہ الْمُجَرَّد کا موصوف الِاسْم کو ذکر کر دیا تھا اس لیے یہاں پر صرف الْمُجَرَّد کو ذکر کر دیا کہ باقی پڑھنے والا خود ہی سمجھ جائے گا کہ پیچھے مبتدا جو تھا وہ اسمِ مجرد تھا تو خبر بھی کیا ہے؟ اسمِ مجرد ہی ہے بھئی۔ اور نیز وہاں مُجَرَّد کے بعد عَنِ الْعَوَامِلِ اللَّفْظِيَّةِ ذکر کیا تھا اس کو بھی یہاں دوبارہ ذکر نہیں کیا کہ ایک دفعہ میں نے ذکر کر دیا، آگے آپ خود ہی سمجھ جائیں۔

وہ بھی یہاں ملحوظ ہے۔ تو معلوم ہوا جو صاحبِ کافیہ نے کہا وَالْخَبَرُ هُوَ الْمُجَرَّدُ، یہ مُجَرَّد صفت ہے، اس کا موصوف کیا؟ الِاسْم، وہ بھی محذوف، اور اس کا متعلق جو ہے عَنِ الْعَوَامِلِ اللَّفْظِيَّةِ وہ بھی محذوف ہے۔ تو خبر وہ اسم ہے جو خالی ہو عواملِ لفظیہ سے، الْمُسْنَدُ بِهِ، مُسْنَدٌ بِهِ ہو بھئی۔ کیا ہو؟ مُسْنَدٌ بِهِ ہو۔

اس قید کے ذریعے مبتدا کی قسمِ اول کو نکال دیا، کیونکہ مبتدا کی قسمِ اول وہ مُسْنَدٌ بِهِ نہیں ہوتی وہ مُسْنَدٌ إِلَيْهِ ہوتی ہے۔ بھئی دیکھیے نا خبر کی کیا تعریف کی؟ خبر وہ اسم ہے جو عواملِ لفظیہ سے خالی ہو۔ اس کے اندر تو مبتدا کی قسمِ اول بھی داخل ہو رہی ہے، وہ بھی عواملِ لفظیہ سے خالی، اسی طرح مبتدا کی قسمِ ثانی بھی اس کے اندر داخل ہو رہی ہے وہ بھی عواملِ لفظیہ سے خالی ہے۔ تو لہٰذا آگے ایک قید لگا دی الْمُسْنَدُ بِهِ کہ وہ مُسْنَدٌ بِهِ ہو۔ جب مُسْنَدٌ بِهِ کہا تو مبتدا کی قسمِ اول نکل گئی، کیونکہ وہ مُسْنَدٌ بِهِ نہیں ہے بلکہ وہ تو مُسْنَدٌ إِلَيْهِ ہے۔ ہاں مبتدا کی قسمِ ثانی ابھی بھی باقی ہے۔ أَقَائِمٌ الزَّيْدَانِ یہ قَائِمٌ کیا ہے؟ مبتدا کی قسمِ ثانی ہے اور یہ مُسْنَد ہے اور آگے الزَّيْدَانِ وہ اس کا فاعل ہے، وہ مُسْنَدٌ إِلَيْهِ ہے۔ تو مبتدا کی قسمِ ثانی ابھی بھی اس تعریف کے اندر داخل ہے۔ تو اس کو پھر آگے ایک اور قید لگا دی: الْمُغَايِرُ لِلصِّفَةِ الْمَذْكُورَةِ، جو اس مذکورہ صفت کے مغایر ہو۔ خبر کسے کہتے ہیں؟ وہ اسم جو خالی ہو عواملِ لفظیہ سے اور مُسْنَدٌ بِهِ ہو۔ مُسْنَدٌ بِهِ ہو تو مبتدا کی قسمِ ثانی ابھی بھی داخل کیونکہ وہ بھی عواملِ لفظیہ سے خالی اور وہ مُسْنَدٌ بِهِ بھی ہے۔ لیکن آگے کیا کہا؟ الْمُغَايِرُ لِلصِّفَةِ الْمَذْكُورَةِ، کہ وہ خبر جو ہے وہ مذکورہ صفت کے مغایر ہو، اس کے علاوہ ہو۔ کون سی مذکورہ صفت؟ جو ابھی پیچھے ذکر کیا تھا۔ صیغہ صفت کا ہو، حرفِ نفی یا استفہام کے بعد ہو اور کیا کر رہا ہو؟ اسمِ ظاہر کو رفع دے رہا ہو۔ یہ جو مبتدا کی قسمِ ثانی ہے، یہ مُسْنَدٌ بِهِ ہے، یہ خبر کی تعریف میں داخل ہو رہا تھا لیکن جب کہا کہ اس صفت کے علاوہ ہو، یہ صفت نہ ہو، تو مبتدا کی یہ قسمِ ثانی بھی اس قید کی وجہ سے نکل گئی۔ بات سمجھ میں آ گئی۔

دوبارہ دیکھیے، کہتے ہیں: وَالْخَبَرُ هُوَ الْمُجَرَّدُ الْمُسْنَدُ بِهِ الْمُغَايِرُ لِلصِّفَةِ الْمَذْكُورَةِ۔ خبر وہ اسم ہے جو خالی ہو عواملِ لفظیہ سے، مُسْنَدٌ بِهِ ہو، الْمُغَايِرُ لِلصِّفَةِ الْمَذْكُورَةِ، اور یہ صفت جو ذکر کی گئی مبتدا کی تعریف میں اس کے مغایر ہو یعنی اس کے علاوہ ہو، اس سے غیر ہو۔

یہ تو تھا متن بھئی۔ اب آئیے شرح کے ساتھ ہی سارے کو دیکھیں بھئی۔ کہتے ہیں: وَالْخَبَرُ هُوَ الْمُجَرَّدُ أَيْ هُوَ الِاسْمُ الْمُجَرَّدُ عَنِ الْعَوَامِلِ اللَّفْظِيَّةِ۔ بھئی متن میں آیا وَالْخَبَرُ هُوَ الْمُجَرَّدُ، خبر وہ ہے جو کہ خالی ہو۔ آگے صاحبِ جامی نے بتلا دیا کہ الْمُجَرَّد کا موصوف الِاسْم بھی یہاں محذوف ہے اور اس کا متعلق یعنی عَنِ الْعَوَامِلِ اللَّفْظِيَّةِ بھی محذوف ہے۔ مبتدا کی قسمِ اول کے اندر صاحبِ کافیہ نے دونوں چیزیں ذکر کی تھیں، وہاں کیا کہا تھا؟ الْمُبْتَدَأُ هُوَ الِاسْمُ الْمُجَرَّدُ عَنِ الْعَوَامِلِ اللَّفْظِيَّةِ۔ اور چونکہ ایک دفعہ بات گزر چکی تھی اس لیے دوبارہ وہ سارا ذکر نہیں کیا بلکہ صرف هُوَ الْمُجَرَّدُ کہہ دیا کہ پڑھنے والا خود سمجھ جائے گا کہ اس کا موصوف جو ہے وہ الِاسْم محذوف ہے اور آگے یہ خالی ہو، کس چیز سے خالی ہو؟ عوامِلِ لفظیہ سے خالی ہو، وہ بھی محذوف ہے بھئی۔ تو چنانچہ دیکھو متن میں آیا وَالْخَبَرُ هُوَ الْمُجَرَّدُ، آگے صاحبِ جامی نے بتلا دیا أَيْ هُوَ الِاسْمُ الْمُجَرَّدُ عَنِ الْعَوَامِلِ اللَّفْظِيَّةِ، کہ خبر وہ اسم ہے جو خالی ہو عوامِلِ لفظیہ سے۔

اس پر اشکال ہوتا ہے کہ یہ آپ نے الْمُجَرَّد سے پہلے الِاسْم کا لفظ محذوف کیوں نکال لیا؟ تو آپ کو بتائیں گے صاحبِ جامی کہ بھئی ہماری بحث مرفوعاتِ اسم کے بارے میں چل رہی ہے۔ دیکھو ہم اس وقت مرفوعات پڑھ رہے ہیں، آگے منصوبات آئیں گے اور پھر مجرورات آئیں گے، لیکن یہ بحث اسم کی ہے، فعل کی بحث نہیں ہے۔ فعل کی بحث آخر میں آئے گی جب اسم کی بحث مکمل ہو جائے گی تو پھر فعل کی بحث آئے گی اور فعلِ مضارع بھی کبھی مرفوع ہوتا ہے، کبھی منصوب ہوتا ہے اور کبھی مجزوم ہوتا ہے۔ تو وہ فعلِ مضارع کے اندر اس کے مرفوع ہونے کو ذکر کریں گے، یہاں جو مرفوعات کی بحث چل رہی ہے وہ کس کی ہے؟ اسم کی ہے، تو اس لیے الْمُجَرَّد سے پہلے موصوف الِاسْم محذوف نکالنا پڑے گا بھئی۔

تو یہ معنیٰ ہے، کہتے ہیں کہ أَيْ هُوَ الِاسْمُ الْمُجَرَّدُ عَنِ الْعَوَامِلِ اللَّفْظِيَّةِ کہ خبر وہ اسم ہے جو خالی ہو عوامِلِ لفظیہ سے، لِأَنَّ الْكَلَامَ فِي مَرْفُوعَاتِ الِاسْمِ، اس لیے کیونکہ یہ کلام جو ہے مرفوعاتِ اسم کے بارے میں ہے، فَلَا يَصْدُقُ عَلَى يَضْرِبُ، لہٰذا یہ صادق نہیں آتا يَضْرِبُ پر، یہ جو يَضْرِبُ کا لفظ ہے اس پر صادق نہیں آتا، بھئی کون سا يَضْرِبُ کا لفظ؟ کہتے ہیں فِي يَضْرِبُ زَيْدٌ، اس يَضْرِبُ زَيْدٌ جملے کے اندر جو يَضْرِبُ کا لفظ ہے اس پر یہ تعریف صادق نہیں آتی، کیا تعریف؟ کہ أَنَّهُ الْمُجَرَّدُ کہ یہ بھی خالی ہے، الْمُسْنَدُ بِهِ کہ یہ مُسْنَدٌ بِهِ ہے، الْمُغَايِرُ لِلصِّفَةِ الْمَذْكُورَةِ اور یہ اس مذکورہ صفت کے مغایر ہے، تو اس پر یہ خبر کی تعریف صادق نہیں آتی، کہتے ہیں لِأَنَّهُ لَيْسَ بِاسْمٍ، اس لیے کیونکہ یہ يَضْرِبُ اسم نہیں ہے، یہ تو فعل ہے۔

تو کہتے ہیں صاحبِ جامی فرما رہے ہیں کہ خبر کی تعریف میں جو الْمُجَرَّد آیا اس سے مراد الِاسْمُ الْمُجَرَّد ہے بھئی، لہٰذا کوئی يَضْرِبُ زَيْدٌ کے اندر جو يَضْرِبُ آیا ہے تو اس کو لے کر اعتراض نہیں کیا جا سکتا۔ بھئی دیکھو فعلِ مضارع بھی جب عاملِ ناصب اور جازم سے خالی ہو تو وہ مرفوع ہوتا ہے، تو دیکھو يَضْرِبُ زَيْدٌ، يَضْرِبُ فعل اور زَيْدٌ مرفوع لفظاً اس کا فاعل۔ اب

دیکھو یہ یَضْرِبُ یہ بھی خبر کی تعریف میں داخل ہو رہا تھا۔ خبر کی کیا تعریف کی؟ کہ وہ عوامِلِ لفظیہ سے خالی ہو۔ دیکھو یَضْرِبُ زَیْدٌ، یہ یَضْرِبُ کیا ہے؟ عوامِلِ لفظیہ سے خالی ہے، اس پر کوئی عاملِ لفظی داخل نہیں۔ دوسری قید کیا ذکر کی خبر کے اندر؟ کہ وہ مُسْنَدٌ بِهِ ہو۔ یَضْرِبُ زَیْدٌ اس کے اندر یہ جو یَضْرِبُ ہے یہ بھی مُسْنَدٌ بِهِ ہے، آگے زَیْدٌ مرفوع لفظاً اس کا فاعل ہے بھئی اور فاعل مُسْنَدٌ إِلَیْهِ ہوتا ہے۔ تو یَضْرِبُ عوامِلِ لفظیہ سے بھی خالی اور مُسْنَدٌ بِهِ بھی ہے۔ اور تیسری قید جو تھی خبر کے اندر کہ وہ صفتِ مذکورہ سے مغایر ہو، کون سی صفت؟ وہ جو بتدا کی قسمِ ثانی آئی تھی، اس میں کتنی شرطیں تھیں؟ تین شرطیں: صیغہ صفت کا ہو، اور حرفِ نفی یا حرفِ استفہام کے بعد ہو، اور نیز وہ اسمِ ظاہر کو رفع دے رہا ہو، اور یہ شرطیں اس کے اندر پوری نہیں اس لیے کیونکہ یَضْرِبُ یہ تو صفت کا صیغہ ہی نہیں ہے یہ تو فعل ہے بھئی۔ تو یہ بھی دیکھو مغایر ہوا اس صفتِ مذکورہ سے۔ یہ یَضْرِبُ بھی اس صفت کے صیغے سے مغایر ہوا، تو اس کو بھی خبر کہنا چاہیے، اس میں تینوں شرطیں پوری ہیں جو خبر کے اندر ذکر کی گئیں۔ یہ یَضْرِبُ زَیْدٌ کے اندر جو یَضْرِبُ ہے عوامِلِ لفظیہ سے بھی خالی ہے، مُسْنَدٌ بِهِ بھی ہے اور وہ جو صفت ذکر ہوئی بتدا کی قسمِ ثانی میں یہ اس سے مغایر بھی ہے، لہٰذا اس کو بھی کیا کہنا چاہیے؟ خبر کہنا چاہیے، لیکن کوئی اس کو خبر نہیں کہتا، یہ فعل ہے اور آگے اس کا فاعل ہے بھئی۔ خبر کے لیے تو بتدا چاہیے ہوتا ہے حالانکہ یہ فعل ہے اس کے لیے آگے فاعل آرہا ہے۔ تو اس کا جواب دے رہے ہیں صاحبِ جامی کہ بھئی ہم نے آپ کو بتلا دیا کہ جو خبر کی تعریف میں آیا الْخَبَرُ هُوَ الْمُجَرَّدُ اس الْمُجَرَّد سے کیا مراد ہے؟ الِاسْمُ الْمُجَرَّد کہ وہ اسم ہو جو خالی ہو عوامِلِ لفظیہ سے، تو اب یَضْرِبُ زَیْدٌ کے اندر جو یَضْرِبُ ہے وہ اس تعریف سے نکل گیا، کیونکہ ہم اسم کی بات کر رہے ہیں اور یَضْرِبُ تو اسم نہیں ہے وہ تو فعل ہے، اس کی بات تو جہاں فعل کی بحث آئے گی وہاں اس کو ذکر کیا جائے گا۔

بھئی دیکھیے یہاں عبارت آئی فَلَا یَصْدُقُ عَلَی یَضْرِبُ۔ یَضْرِبُ فعل ہے اور اس پر عَلَی جارہ داخل ہے بھئی، حالانکہ یہ عَلَی جارہ یہ صرف اسم پر داخل ہوتا ہے بھئی، تو پھر یہ یَضْرِبُ فعل پر کیسے داخل ہے بھئی؟ یہ یَضْرِبُ پر عَلَی جارہ کیسے داخل ہے بھئی؟ حالانکہ حرفِ جر تو صرف اسم پر داخل ہوتا ہے۔ کیا جواب دیں گے؟ (لفظ) ہاں شاباش کہ یَضْرِبُ سے یَضْرِبُ کا لفظ مراد ہے، تو یہ یَضْرِبُ هٰذَا اللَّفْظ کی تاویل میں ہے۔ فَلَا یَصْدُقُ عَلَی یَضْرِبُ أَيْ عَلَی هٰذَا اللَّفْظِ، لہٰذا اس لفظ پر یہ خبر کی تعریف صادق نہیں آتی، کون سا لفظ؟ یہ یَضْرِبُ، تو یہ هٰذَا اللَّفْظ کی تاویل میں ہے یعنی اسم کی تاویل میں ہے۔ یا دوسرا جواب یہ کہ یہ یَضْرِبُ، وہ جو یَضْرِبُ زَیْدٌ کے اندر یَضْرِبُ آیا ہم نے اس کا نام ہی یَضْرِبُ رکھ دیا تو اب یہ عَلَم کی تاویل میں ہے اور عَلَم تو اسم ہوتا ہے، تو لہٰذا اب یہ اسم ہے اور اس پر عَلَی داخل ہے۔ اور علامت کیا ہے یہ عَلَم ہے؟ یاد رکھو، علامت یہ ہے کہ اس کا ترجمہ نہیں کیا جاتا۔ جہاں لفظ مراد ہوتا ہے اس لفظ کا ترجمہ نہ کیا جائے تو سمجھ جائیں یہ عَلَم کی تاویل میں ہے۔ دیکھو فَلَا یَصْدُقُ عَلَی یَضْرِبُ یہ صادق نہیں آتی خبر کی تعریف عَلَی یَضْرِبُ کس پر؟ یَضْرِبُ پر۔ دیکھو آپ یَضْرِبُ کا ترجمہ نہیں کر رہے حالانکہ یَضْرِبُ کا معنیٰ تو ہے اس ایک شخص نے پٹائی کی، لیکن آپ ترجمہ نہیں کر رہے کیونکہ یہاں لفظ

مراد ہے بھئی۔ بات سمجھ میں آگئی؟ اسی طرح فِي يَضْرِبُ زَيْدٌ یہاں بھی يَضْرِبُ زَيْدٌ پورا جملہ مراد ہے یعنی هٰذَا اللَّفْظ کی تاویل میں ہے، یا یہ بھی يَضْرِبُ زَيْدٌ پورا جملہ عَلم ہے بھئی اور اس لیے اس پر یہ فِي داخل ہو رہا ہے۔ اس کا بھی دیکھو ترجمہ نہیں۔ فَلَا يَصْدُقُ عَلَى يَضْرِبُ فِي يَضْرِبُ زَيْدٌ لہٰذا یہ خبر کی تعریف صادق نہیں آتی اس يَضْرِبُ پر فِي يَضْرِبُ زَيْدٌ جو کس کے اندر ہے؟ يَضْرِبُ زَيْدٌ کے اندر ہے۔ تو دیکھو دونوں جگہ لفظوں کا ترجمہ نہیں کیا گیا، معلوم ہوا لفظ بول کر لفظ مراد ہے۔

اچھا انہوں نے تعریف کی کہ خبر وہ اسم ہے جو عوامِلِ لفظیہ سے خالی ہو۔ بھئی آپ نے پڑھا ہے کہ خبر کبھی کبھار جملہ بھی ہوتی ہے بھئی۔ خبر کبھی کبھار جملہ بھی ہوتی ہے، اور انہوں نے تو کیا کہا؟ خبر وہ اسم ہے بھئی جو خالی ہو عوامِلِ لفظیہ سے۔ تو اس کا جواب یاد رکھنا بھئی کہ اسم ہونا عام ہے چاہے حقیقتاً اسم ہو چاہے حکماً اسم ہو، اور جو جملہ ہوتا ہے وہ حقیقتاً تو اسم نہیں، حقیقتاً تو وہ جملہ ہے، لیکن حکماً وہ اسم ہے یعنی اسم کے حکم میں ہے۔ حکماً اسم کا کیا معنیٰ؟ اسم کے حکم میں ہے، یعنی اسم کا اس کو ہم نے حکم دے دیا ہے بھئی، یہ اسم کے حکم میں ہے۔ بھئی کس طرح اسم کے حکم میں کس طرح؟ کیا معنیٰ؟ معنیٰ یہ ہے کہ اسم کے ساتھ یعنی مفرد کے ساتھ اس کی تعبیر کی جا سکے۔ تو مفرد کے ساتھ اس کی تعبیر کی جا سکے، مثلاً دیکھو زَيْدٌ أَبُوهُ قَائِمٌ۔ اب یہ زَيْدٌ مبتدا ہے اور آگے أَبُوهُ قَائِمٌ یہ پورا جملہ اسمیہ ہے اور یہ خبر بن رہا ہے زید کی۔ توجہ ہے؟ زَيْدٌ ہے مبتدا اور أَبُوهُ قَائِمٌ یہ پورا جملہ اس کی خبر، اور یہ جو أَبُوهُ قَائِمٌ پورا جملہ یہ جو خبر ہے اس کے اندر أَبُوهُ مبتدا ہے اور قَائِمٌ اس أَبُوهُ کی خبر ہے۔ تو ترکیب کیسے ہوگی؟ زَيْدٌ مرفوع لفظاً اس کو پھر مبتدائے اول کہیں گے اور آگے اس کی خبر کے اندر جو مبتدا آئے گا اس کو مبتدائے ثانی کہیں گے۔ تو زَيْدٌ أَبُوهُ قَائِمٌ: زَيْدٌ مرفوع لفظاً مبتدائے اول، أَبُوهُ أَبُو مرفوع لفظاً مضاف، مرفوع کیوں؟ کیونکہ یہ مبتدائے ثانی ہے بھئی، اور مضاف آپ کو کیسے پتا چلا مضاف ہے؟ اس کے ساتھ ضمیرِ متصل جڑی ہوئی ہے۔ اور ہا ضمیر مجرور محلاً مضافٌ الیہ، اور یہ ہا ضمیر راجع ہے زید کو، یہ أَبُوهُ قَائِمٌ پورا جملہ بنے گا اور اس پورے جملے کو ہم کس سے جوڑیں گے؟ زید سے، اور جملے کو یا شبہِ جملہ کو جب بھی کسی چیز سے جوڑنا ہو درمیان میں ربط ضروری، تو یہ ہا ضمیر لائی ہی اسی لیے گئی ہے تاکہ یہ ربط دے سکے، اس کے بغیر ربط نہیں تھا اسی لیے أَبُوهُ کے اندر ہا ضمیر لے کر آئے۔ تو أَبُوهُ مضاف اپنے مضاف الیہ سے مل کر یہ ہے مبتدائے ثانی، اور قَائِمٌ یہ اس مبتدائے ثانی کی خبر ہے۔ تو قَائِمٌ کو کس سے جوڑیں گے؟ أَبُوهُ سے جوڑیں گے، زَيْدٌ سے نہیں جوڑیں گے یہ اس کی خبر نہیں ہے۔ تو قَائِمٌ مرفوع لفظاً صیغہ اسمِ فاعل، اس کے اندر هُوَ ضمیر مرفوع محلاً اس کا فاعل جو کس کو راجع؟ أَبُوهُ کو، کیونکہ یہ قَائِمٌ أَبُوهُ کی خبر ہے زید کی خبر نہیں ہے، تو اسمِ فاعل اپنے فاعل سے مل کر شبہِ جملہ ہو کر خبر، خبر، اور اس کی ضمیر ہم نے کس کو لوٹائی؟ أَبُوهُ کو، تو شبہِ جملہ کا ربط بھی ہم نے اس کے مبتدا سے دے دیا۔ تو أَبُوهُ مبتدا اپنی خبر قَائِمٌ سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہو کر یہ خبر ہوا زید کے لیے۔

تو زید مبتدا اپنی خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔ اب دیکھو زَیْدٌ ہے مبتدا اور أَبُوهُ قَائِمٌ پورا جملہ اسمیہ اس کی خبر ہے، اور خبر کیا ہوتی ہے؟ مرفوع، تو یہ أَبُوهُ قَائِمٌ پورا جملہ محلاً مرفوع ہے، کیونکہ یہ جملہ ہے اور جملہ مبنیات میں سے ہے اور مبنی کا اعراب کیسے بتاتے ہیں؟ محلاً، تو یہ أَبُوهُ قَائِمٌ پورا جملہ محلاً مرفوع ہے۔ توجہ ہے؟ پھر مجھے بتاؤ زَیْدٌ کیوں مرفوع تھا؟ وہ مبتدائے اول۔ أَبُوهُ کیوں مرفوع؟ مبتدائے ثانی۔ قَائِمٌ کیوں مرفوع؟ یہ خبر ہے مبتدائے ثانی کے لیے۔ اور أَبُوهُ قَائِمٌ یہ پورا جملہ کیوں مرفوع؟ یہ زَیْدٌ کی خبر ہے۔ وجہیں سمجھ میں آ رہی ہیں بھئی؟ تو یہ خبر۔ اب دیکھو یہاں خبر پورا جملہ ہے، حالانکہ آپ نے ہمیں کیا بتایا کہ خبر اسم ہوتی ہے، اب یہ تو أَبُوهُ قَائِمٌ یہ تو اسم نہیں ہے یہ تو پورا جملہ ہے، تو میں نے بتلا دیا جواب کہ بھئی اسم ہونا عام ہے چاہے حقیقتاً اسم ہو چاہے حکماً اسم ہو، اور یہ أَبُوهُ قَائِمٌ حقیقتاً تو اسم نہیں حقیقتاً تو یہ جملہ ہے، لیکن حکماً یہ اسم ہے یعنی اس کو ایک اسم کے ساتھ تعبیر کیا جا سکتا ہے۔ ایک اسم کے ساتھ تعبیر کیا جا سکتا ہے۔ مثلاً أَبُوهُ قَائِمٌ کو ہم تعبیر کریں گے قَائِمُ الْأَبِ سے۔ تو گویا اصل کلام یوں ہے: زَیْدٌ قَائِمُ الْأَبِ۔ زید قَائِمُ الْأَبِ ہے یعنی اس کے ابو کھڑے ہیں، اس کے والد کھڑے ہیں۔ تو دیکھو پورے جملے کی تعبیر ہم نے کس سے کر دی؟ ایک اسم کے ساتھ اور وہ کیا ہے؟ قَائِمُ الْأَبِ۔ ابھی بھی آپ کے ذہن میں اشکال آئے گا کہ یہ تو مضاف مضاف الیہ ہیں دو اسم ہیں، یہ تو دو اسم ہیں زَیْدٌ قَائِمُ الْأَبِ، قَائِمُ مضاف اور الْأَبِ مضافٌ الیہ۔ تو یاد رکھو اس کے اندر جو خبر ہے وہ صرف قَائِمُ ہے بھئی اور الْأَبِ وہ تو مضافٌ الیہ بن گیا بھئی۔ تو زَیْدٌ مرفوع ہے کیوں؟ مبتدا، اور قَائِمُ الْأَبِ: قَائِمُ مرفوع لفظاً مضاف اور الْأَبِ مضافٌ الیہ، اور قَائِمُ کے اندر ہُوَ ضمیر ہے، اس کے اندر ہُوَ ضمیر جو زید کو راجع ہے: زید قَائِمُ الْأَبِ ہے، زید کیا ہے؟ قَائِمُ الْأَبِ، یعنی اس کے ابو کھڑے ہیں، یہ نہیں کہ معنیٰ کہ زید کھڑا ہے، زَیْدٌ قَائِمُ الْأَبِ ہے یعنی زید کے ابو کھڑے ہیں۔ تو یہاں دیکھو یہ خبر صرف قَائِمُ ہے الْأَبِ تو مضافٌ الیہ ہے، تو گویا پورے جملے کو ایک اسم کے ساتھ تعبیر کر دیا گیا۔ بات سمجھ میں آ گئی؟ تو اسم ہونا عام ہے چاہے حقیقتاً ہو اور چاہے حکماً ہو، اور حکماً اسم ہونے کا کیا معنیٰ؟ کہ اس جملے کو ایک اسم کے ساتھ تعبیر کیا جا سکے بھئی۔

آگے دیکھیے بھئی: الْمُسْنَدُ بِهِ أَيْ مَا يُوقَعُ بِهِ الْإِسْنَادُ۔ جی یہ مشکل مقام ہے بھئی اس کو توجہ سے سمجھ لیں بھئی۔ بھئی دیکھیے انہوں نے کیا کہا: خبر وہ اسم ہے جو عوامِلِ لفظیہ سے خالی ہو، الْمُسْنَدُ بِهِ، وہ مُسْنَدٌ بِهِ ہو۔ اور آگے شارحِ جامی اس کی تفسیر کر رہے ہیں: أَيْ مَا يُوقَعُ بِهِ الْإِسْنَادُ، یعنی وہ جس کے ذریعے اسناد کو واقع کیا جائے۔ مُسْنَدٌ بِهِ کا کیا معنیٰ؟ وہ لفظ جس کے ذریعے اسناد کو واقع کیا جائے بھئی۔ مثلاً دیکھو زَیْدٌ اکیلا لفظ ہے، کوئی اسناد نہیں۔ آگے میں قَائِمٌ لے کر آیا اور اس قَائِمٌ کے ذریعے میں نے اسناد واقع کر دیا، قَائِمٌ کو میں نے زید سے جوڑ دیا تو کلام کیا بن گیا؟ زَیْدٌ قَائِمٌ، تو یہ اسناد کس کے ذریعے واقع کیا گیا؟ قَائِمٌ کے ذریعے۔ توجہ ہے؟ زَیْدٌ اکیلا لفظ تھا اور کوئی اسناد وغیرہ نہیں تھا، میں ایک اور لفظ قَائِمٌ لایا اور میں نے زید کے ساتھ اس کو جوڑ دیا، اس قَائِمٌ کے ذریعے میں نے اسناد واقع کر دیا۔ توجہ ہے؟ اس کا میں نے اسناد کر دیا زید کی طرف، تو اس کے ذریعے اسناد کو واقع کر دیا گیا، تو یہ مُسْنَدٌ بِهِ ہے بھئی، یہ کیا ہے؟ مُسْنَدٌ بِهِ۔ تو متن میں کیا آیا؟ الْمُسْنَدُ

بِهِ، اور آگے شارحِ جامی نے اس کی کیا تفسیر کی؟ أَيْ مَا يُوقَعُ بِهِ الْإِسْنَادُ، یعنی وہ اسم جس کے ذریعے اسناد کو واقع کیا جائے بھئی۔

یہاں تک بات سمجھ میں آگئی؟ اب اس جگہ کو اچھی طرح سمجھیں بھئی، بہت مشکل مقام ہے بھئی۔ بھئی صاحبِ جامی نے الْمُسْنَدُ بِهِ کی تفسیر أَيْ مَا يُوقَعُ بِهِ الْإِسْنَادُ کے ساتھ کیوں کی؟ اس کی وجہ کیا ہے؟ وجہ کیا ہے؟ تو یہاں پہلے دو تین باتیں سمجھ لیں بھئی۔

سب سے پہلے تو یہ یاد رکھیں: میں نے آپ کو بتلایا تھا کہ یہ جو حروفِ جارہ ہیں ان کے ذریعے کسی فعل کو متعدی کیا جاتا ہے، اور یہ جو ان کا مجرور ہوتا ہے یہ بھی دراصل مفعولِ بہ ہوتا ہے، البتہ یہ مفعولِ بہ غیرِ صریح کہلاتا ہے۔ ایک مفعولِ بہ صریح ہوتا ہے، صریح کا معنیٰ صاف لفظوں میں جو مفعولِ بہ ہو یعنی جس پر نصب آرہا ہو، اور ایک ہے غیرِ صریح، وہ مجرور بحرفِ جر ہے۔ مثلاً دیکھو ضَرَبْتُ زَيْدًا میں نے زید کی پٹائی کی۔ یہ ضَرَبْتُ فعل جو ہے یہ ایک مفعول کو نصب دیتا ہے اور وہ زَيْدًا آگے میں نے ذکر کر دیا، ضَرَبْتُ زَيْدًا۔ اب میں اس ضَرَبْتُ کے ساتھ الْعَصَا کو بھی جوڑنا چاہتا ہوں، میں چاہتا ہوں کہ یہ ضَرَبْتُ الْعَصَا میں بھی عمل کرے اور اس کو بھی نصب دے، یہ بھی اس کے لیے مفعول بنانا چاہتا ہوں، لیکن ضَرَبْتُ تو ایک ہی مفعولِ بہ کو نصب دیتا ہے۔ آگے مفعولِ فیہ، مفعولِ مطلق، مفعولِ لہ، مفعولِ معہ وغیرہ میں تو وہ عمل کرے گا، لیکن مفعولِ بہ تو یہ ایک ہی چاہتا ہے بھئی۔ اور الْعَصَا یہ تو نہ مفعولِ فیہ ہے، نہ زمانہ ہے نہ جگہ ہے، نہ یہ مفعولِ لہ ہے، علت بھی نہیں بیان کر رہا، یہ نہ مفعولِ معہ وغیرہ کچھ بھی نہیں ہے، یہ تو مفعولِ بہ ہی بن سکتا ہے۔ اور ضَرَبْتُ کتنے مفعولِ بہ چاہتا ہے؟ ایک، اور وہ ایک آچکا ہے، ضَرَبْتُ زَيْدًا، اس زَيْدًا کو اس نے نصب دے دیا۔ اور میں اب الْعَصَا کو بھی جوڑنا چاہتا ہوں، تو اب براہِ راست یہ ضَرَبْتُ اس الْعَصَا کے اندر عمل نہیں کر سکتا تو پھر ہم حروفِ جارہ کا سہارا لیتے ہیں۔ چنانچہ اب میں کہوں گا ضَرَبْتُ زَيْدًا بِالْعَصَا، اب مسئلہ حل ہو گیا، اب ضَرَبْتُ الْعَصَا میں عمل کر رہا ہے باء جارہ کے واسطے سے۔ تو یہ الْعَصَا بھی کیا ہے؟ مفعولِ بہ ہے لیکن غیرِ صریح ہے۔ تو یاد رکھو جتنے بھی حروفِ جارہ استعمال ہوتے ہیں تو ان کا جو مجرور ہوتا ہے وہ اپنے معمول کے لیے مفعولِ بہ ہوتا ہے، یعنی مفعولِ بہ غیرِ صریح بھئی۔

تو لہٰذا یہ حروفِ جارہ کے ذریعے کسی فعل کو متعدی کیا جاتا ہے۔ یہ تو میں نے وہ مثال ذکر کی جب فعل ایک مفعول کو پہلے ہی نصب دے رہا تھا اور میں دوسرا مفعول بھی لانا چاہتا تھا۔ کبھی فعل لازمی ہو گا، مثلاً ذَهَبْتُ میں گیا، دیکھو یہ فعلِ لازم ہے، یہ مفعول چاہتا ہی نہیں، یہ مفعول کو نصب دیتا ہی نہیں، لیکن میں اس کے لیے مفعول لانا چاہتا ہوں، میں بتلانا چاہتا ہوں کہ میں زید کو لے گیا، تو ایک طریقہ تو یہ ہے کہ اس کو بابِ افعال میں لے جاتے ہیں، أَذْهَبْتُ زَيْدًا میں زید کو لے گیا، لیکن یہاں میں اس کی بات نہیں کر رہا میں حروفِ جارہ کی بات کر رہا ہوں۔ دوسرا طریقہ یہ ہے کہ اس کے ساتھ پھر حرفِ جر استعمال کیا جاتا ہے، أَيْ ذَهَبْتُ بِزَيْدٍ۔ ذَهَبْتُ بِزَيْدٍ کا کیا معنیٰ؟ میں زید کو لے گیا بھئی۔ تو دیکھو ذَهَبْتُ فعلِ لازم تھا اور با کے ذریعے میں نے اس کو متعدی کر دیا اور یہ جو با کا جو مدخول ہے یعنی مجرور یہ مفعولِ بہ غیرِ صریح ہے ذَهَبْتُ کے

لیے۔ تو یہ مفعولِ بہ غیرِ صریح ہے بھئی۔ یا اسی طرح دوسری مثال لے لو: مَرَرْتُ، مَرَرْتُ کا معنیٰ ہے میں گزرا اور میں اس کو متعدی کرنا چاہتا ہوں میں چاہتا ہوں کہ یہ زید کو نصب دے، لیکن مَرَرْتُ تو فعلِ لازم ہے وہ تو مفعولِ بہ چاہتا ہی نہیں اس کو نصب دیتا ہی نہیں، تو یہاں بھی پھر میں حروفِ جارہ کا سہارا لوں گا اور کیا کہوں گا مَرَرْتُ بِزَيْدٍ، تو اس با نے کیا فائدہ دیا؟ اس نے زید کو معمول بنا دیا مَرَرْتُ کے لیے۔ تو مَرَرْتُ بِزَيْدٍ اس میں یہ زید کیا ہے؟ مفعولِ بہ غیرِ صریح ہے۔ تو حاصلِ کلام یہ کہ یہ جو حروفِ جارہ ہوتے ہیں ان کے ذریعے کسی فعل کو متعدی کیا جاتا ہے ایسے مفعولِ بہ کی طرف جس کے اندر وہ خود براہِ راست عمل نہیں کر سکتا۔

اس کے بعد پھر یاد رکھو یہ جو حروفِ جارہ جس فعل کے ساتھ یا جس عامل کے ساتھ استعمال ہوتے ہیں یہ اس کا صلہ کہلاتے ہیں۔ یہ حروفِ جارہ جس فعل کے ساتھ جڑتے ہیں، جس کے ساتھ استعمال ہوتے ہیں یہ حروفِ جارہ اس فعل کا صلہ کہلاتے ہیں۔ جیسے مَرَرْتُ بِهٖ یہ بِهٖ کے اندر با کس کا صلہ ہے؟ مَرَرْتُ کا۔ ذَهَبْتُ بِزَيْدٍ اس جملے کے اندر یہ باء جارہ کس سے متعلق ہو رہی ہے؟ یہ جار مجرور کس سے متعلق ہیں؟ مَرَرْتُ کے ساتھ، تو ہم کہیں گے کہ یہ با صلہ ہے مَرَرْتُ کا۔ اسی طرح قَالَ ہے مثلاً قَالَ فعل ہے، قَالَ کا معنیٰ بات کرنا اور اس کا صلہ لام آتا ہے، جس سے بات کی جائے اس پر لام داخل کرتے ہیں، مثلاً میں آپ سے کہتا ہوں قُلْتُ لِزَيْدٍ میں نے زید سے کہا۔ تو لِزَيْدٍ کس سے متعلق ہے؟ قُلْتُ سے، تو ہم کیا کہیں گے کہ یہ لام صلہ ہے قُلْتُ کا یا یہ لام صلہ ہے قَالَ فعل کا۔ بات سمجھ میں آ رہی ہے؟ یا اسی طرح میں کہتا ہوں اِشْتَرَيْتُ مِنْ عَمْرٍو میں نے عمرو سے خریدا، یہ مِنْ عَمْرٍو کس سے متعلق ہے؟ اِشْتَرَيْتُ سے، تو کیا کہیں گے کہ یہ مِنْ صلہ ہے اِشْتَرَيْتُ کا۔ تو حاصلِ کلام کیا؟ کہ یہ حروفِ جارہ جس فعل کے ساتھ جڑتے ہیں یہ اس کا صلہ کہلاتے ہیں، تو افعال کے اپنے خاص خاص صلے ہوتے ہیں جو ان کے ساتھ استعمال ہوتے ہیں اور صلے کے بدلنے سے اس فعل کا معنیٰ بدل جاتا ہے۔ جیسے دَعَا کے ساتھ لام آئے دَعَوْتُ لِزَيْدٍ تو اس کا معنیٰ ہے میں نے زید کے لیے دعا کی، تو یہ لام صلہ ہے دَعَوْتُ کا، اور اسی کے ساتھ لام کی جگہ اگر عَلَى لے آئیں دَعَوْتُ عَلَى زَيْدٍ تو اب اس کا معنیٰ ہے میں نے زید کے لیے بد دعا کی، تو دیکھو صلہ بدلنے سے فعل کا معنیٰ بدل جاتا ہے۔ تو وہ حروفِ جارہ جو فعل کے ساتھ استعمال ہوتے ہیں وہ اس کا صلہ کہلاتے ہیں۔

اب دیکھو یہاں اشکال یہ ہوتا ہے کہ الْمُسْنَدُ بِهٖ کہ اس کے ساتھ یہ بِهٖ کیوں لائے بھئی؟ توجہ ہے؟ عبارت پہ نظر ہے؟ وَالْخَبَرُ هُوَ الْمُجَرَّدُ الْمُسْنَدُ بِهٖ یہاں الْمُسْنَدُ بِهٖ عبارت لے کر آئے۔ اشکال یہاں یہ ہوتا ہے کہ الْمُسْنَد یہ اسمِ مفعول کا صیغہ ہے، توجہ ہے؟ اسمِ مفعول کا صیغہ ہے اور آپ کو میں نے بتایا تھا کہ الف لام جو ہے دو قسم پر ہے: ایک الف لام اسمی اور ایک الف لام حرفی۔ الف لام اسمی وہ ہے جو اسمِ فاعل اور اسمِ مفعول کے صیغوں پر داخل ہو۔ جیسے الضَّارِبُ دیکھو ضَارِبٌ اسمِ فاعل کا صیغہ ہے، تو اس پر جو الف لام آیا یہ الف لام اسمی ہے اور یہ دراصل اسمِ موصول ہے، تو الضَّارِبُ کس معنیٰ میں ہوا؟ الَّذِي يَضْرِبُ۔ اور اسی طرح الْمَضْرُوبُ یہ مَضْرُوبٌ اسمِ مفعول کا صیغہ ہے اور اس پر الف لام داخل ہے،

اور اسمِ فاعل اور اسمِ مفعول کے صیغوں پر جو الف لام آئے وہ دراصل اسمِ موصول ہوتا ہے، تو الْمَضْرُوبُ کس معنیٰ میں ہے؟ الَّذِي يُضْرَبُ کے معنیٰ میں ہے۔ تو یہاں پر بھی اسی طرح ہے: الْمُسْنَدُ، مُسْنَدٌ کون سا صیغہ ہے؟ اسمِ مفعول، أَسْنَدَ يُسْنِدُ إِسْنَادًا سے اسمِ مفعول ہے مُسْنَدٌ بھئی، تو اس پر الف لام آیا تو یہ الف لام بھی کس معنیٰ میں ہے؟ اسمِ موصول، تو الْمُسْنَدُ کس معنیٰ میں ہوا؟ الَّذِي يُسْنَدُ۔ الَّذِي يُسْنَدُ، اور یہ جو إِسْنَاد ہے فعل نا إِسْنَاد، یہ متعدی ہے، یہ ایک مفعول کو نصب دیتا ہے۔ توجہ ہے؟ اور جب فعل متعدی ہو ایک مفعول کی طرف، جیسے ضَرَبْتُ زَيْدًا، یہ زَيْدًا کیا ہے؟ مفعولِ بہ ہے، تو جب فعلِ مجہول لاتے ہیں تو اسی مفعول کو کیا بنا دیتے ہیں؟ نَائِبُ الْفَاعِل۔ ضَرَبْتُ زَيْدًا، اب ضَرَبْتُ سے میں فعلِ مجہول بناتا ہوں، تو فاعل کو تو حذف کر لیں گے تا حذف ہو گئی تو کیا بن گیا؟ ضُرِبَ، اور آگے کیا تھا؟ عَمْرًا مثلاً عَمْرًا مفعولِ بہ تھا، تو اب عَمْرًا کو نائب الفاعل بنا دیں گے اور کیسے پڑھیں گے؟ ضُرِبَ عَمْرٌو۔ توجہ ہے؟ ضُرِبَ عَمْرٌو یہ عَمْرٌو مرفوع ہے اور یہ پہلے کیا تھا؟ مفعولِ بہ تھا، اب کیا کہلاتا ہے؟ نَائِبُ الْفَاعِل کہلاتا ہے یا مَفْعُولُ مَا لَمْ يُسَمَّ فَاعِلُهُ کہلاتا ہے۔ تو جب فعل متعدی ہوتا ہے مفعولِ بہ کی طرف تو اس فعل کو جب مجہول بناتے ہیں تو وہی مفعولِ بہ اس کے لیے نائب فاعل بن جاتا ہے۔ تو یہاں پر بھی اسی طرح ہے الْمُسْنَدُ یہ کس سے ہے؟ یہ فعلِ متعدی سے ہے، أَسْنَدَ يُسْنِدُ إِسْنَادًا کا کیا معنیٰ؟ اسناد کرنا، کسی چیز کا اسناد کرنا۔ مثلاً میں آپ سے کہتا ہوں: أَسْنَدَ زَيْدٌ لَفْظًا، زید نے ایک لفظ کا اسناد کیا، تو لَفْظًا دیکھو مفعولِ بہ آ رہا ہے، أَسْنَدَ زَيْدٌ، زَيْدٌ کیا؟ فاعل، اور لَفْظًا کیا؟ مفعولِ بہ، تو أَسْنَدَ زَيْدٌ لَفْظًا یہ لَفْظًا کیا ہے؟ مفعولِ بہ، تو معلوم ہوا إِسْنَاد فعل کے لیے مفعولِ بہ آتا ہے۔ اور جب اس کو مجہول بنائیں گے تو وہی کیا بن جائے گا اس کا؟ نَائِبُ الْفَاعِل بن جائے گا، تو جیسے فعلِ مجہول نائب فاعل کو رفع دیتا ہے اسی طرح اسمِ مفعول بھی کس کو رفع دیتا ہے؟ نائب فاعل کو رفع دیتا ہے۔ تو الْمُسْنَدُ اس کے اندر جو مُسْنَد صیغہ آیا یہ اسمِ مفعول کا صیغہ ہے اور اسی کے اندر ضمیر ہے چھپی ہوئی جو اس کے لیے نائب فاعل بن رہی ہے۔ توجہ ہے؟ اسی کے اندر ضمیر چھپی ہوئی کیا بن رہی ہے؟ نائب فاعل، وہ ضمیر پہلے کیا تھی؟ مفعولِ بہ تھی، اب کیا بن گئی ہے؟ نائب فاعل۔

تو یہ تو متعدی ہے اور اس کے لیے مفعول آتا ہے، اور پھر جب اس فعل کو مجہول بناتے ہیں تو وہی مفعول کیا بن جاتا ہے؟ نائب فاعل بن جاتا ہے، تو الْمُسْنَد کے اندر هُوَ ضمیر موجود ہے، یہ خود متعدی ہے۔ توجہ ہے؟ یہ خود متعدی ہے، اس کے اندر ضمیر ہے یہ اس کو رفع دے رہا ہے، تو پھر بِهِ لانے کی کیا ضرورت؟ کیونکہ حروفِ جارہ تو کس لیے لاتے ہیں؟ متعدی کرنے کے لیے، اور یہ تو پہلے ہی متعدی ہے۔ آپ نے الْمُسْنَدُ بِهِ کہا، حالانکہ الْمُسْنَدُ کہہ لو تو بھی وہی بات ہے۔ جیسے دیکھو زَيْدٌ اکیلا لفظ تھا، میں نے اس کے ساتھ کس کو جوڑ دیا؟ قَائِمٌ کو، تو قَائِمٌ کیا ہے؟ مُسْنَد ہے، اس کا اسناد کیا گیا ہے۔ یہ قَائِمٌ کیا ہے؟ مُسْنَد، کیا معنیٰ مُسْنَد؟ اس کا اسناد کیا گیا ہے۔ اسمِ مفعول کا صیغہ میں استعمال کر رہا ہوں: اس کا اسناد کیا گیا ہے، تو پھر بِهِ لانے کی کیا ضرورت ہے کہ یہ مُسْنَدٌ بِهِ ہے؟ یوں کہو یہ مُسْنَد ہے بھئی، اس کا اسناد کیا گیا ہے۔ لیکن صاحبِ

کافیہ کیا لائے؟ الْمُسْنَدُ بِهِ لائے بھئی، اور یہ باء جارہ ساتھ لائے، اور حرفِ جر کس لیے لاتے ہیں؟ فعل کو متعدی بنانے کے لیے، یہ تو پہلے ہی متعدی ہے اس کے اندر تو هُوَ ضمیر نائب فاعل ہے، پھر یہ بِهِ کے ساتھ اس کو متعدی کرنے کا کیا معنیٰ؟

اشکال سمجھ میں آیا؟ تو صاحبِ جامی اسی اشکال کا جواب دینا چاہتے ہیں کہ یہ جب خود متعدی ہے تو پھر بِهِ کیوں لے کر آئے؟ چنانچہ وہ اس اشکال کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں: الْمُسْنَدُ بِهِ أَيْ مَا يُوقَعُ بِهِ الْإِسْنَادُ، کہ مُسْنَدٌ بِهِ وہ اسم ہے جس کے ذریعے اسناد کو واقع کیا جائے۔ اسناد کو واقع کیا جائے، دیکھو زَيْدٌ قَائِمٌ یہ قَائِمٌ کے ذریعے کیا کیا جا رہا ہے؟ اسناد کو واقع کیا جا رہا ہے، اس کو زید سے جوڑا جا رہا ہے۔

اب یہ جو تفسیر کی صاحبِ جامی نے أَيْ مَا يُوقَعُ بِهِ الْإِسْنَادُ، اس کو سمجھ لیں بھئی۔ بعض شارحین فرماتے ہیں کہ صاحبِ جامی مَا يُوقَعُ بِهِ الْإِسْنَادُ کے ذریعے بتلانا یہ چاہتے ہیں کہ الْمُسْنَدُ بِهِ یہ جو اسناد کا فعل یہاں آیا، یا یوں کہو یہاں جو یہ مُسْنَد آیا یہ متضمن ہے يُوقَعُ فعل کو، کس کو؟ وَقَعَ يَقَعُ، وَقَعَ کا معنیٰ واقع ہونا، وَقَعَ کا کیا معنیٰ؟ واقع ہونا۔ یہ بعض شارحین کی میں تقریر کر رہا ہوں، توجہ ہے؟ صاحبِ جامی نے صرف اتنا کہا أَيْ مَا يُوقَعُ بِهِ الْإِسْنَادُ۔ اب بعض شارحین کیا تقریر کرتے ہیں اس مقام کی؟ کہ صاحبِ جامی بتلانا چاہتے ہیں کہ الْمُسْنَدُ بِهِ کے اندر تضمین ہے، اس کے اندر کیا ہے؟ تضمین ہے۔ تضمین اسے کہتے ہیں یاد رکھو کہ ایک فعل کے اندر دوسرے فعل کے معنیٰ کا لحاظ رکھا جائے، یعنی فعل آپ ایک لائے اور اس کے اندر اس فعل کا اپنا معنیٰ بھی ملحوظ ہے اور اس کے ساتھ ساتھ ایک اور فعل کا معنیٰ بھی آپ نے ملحوظ رکھا، اور اس پر آگے آنے والا صلہ دلالت کرتا ہے، اور اس پر آگے آنے والا صلہ دلالت کرتا ہے یعنی حرفِ جر۔ توجہ ہے؟ تضمین کسے کہتے ہیں؟ بھئی کلامِ عرب کے اندر بعض اوقات ایک فعل ذکر کیا جاتا ہے اور اس کے ساتھ ایک صلہ لے آتے ہیں یعنی حرفِ جر لے آتے ہیں، اور حالانکہ وہ حرفِ جر اس کے ساتھ استعمال نہیں ہوتا، جیسے یہاں الْمُسْنَدُ بِهِ یہ الْمُسْنَد کے ساتھ تو بِهِ استعمال نہیں ہوتا، اس کے اندر تو خود هُوَ ضمیر نائب الفاعل کی موجود ہے، تو پھر بِهِ کے ذریعے اس کو متعدی کرنے کی کوئی حاجت نہیں۔ تو کلامِ عرب میں بعض اوقات ایک فعل ذکر کیا جاتا ہے اور اس کے ساتھ جو صلہ ذکر کیا جاتا ہے یعنی حرفِ جر وہ اس کے ساتھ استعمال نہیں ہوتا۔ توجہ ہے؟ ایک فعل استعمال کیا اور اس کے ساتھ حرفِ جر لے آئے اور وہ حرفِ جر تو اس کے ساتھ استعمال نہیں ہوتا، تو پھر کہتے ہیں کہ اس کے اندر تضمین ہے، کیا ہے؟ تضمین، یعنی اس فعل کے اندر ایک اور فعل کا معنیٰ ملحوظ ہے اور اس فعل کا تو یہ والا صلہ آتا ہے، اس فعل کا تو یہ والا صلہ آتا ہے، تو یہ صلہ اس فعل پر دلالت کرتا ہے۔ یہاں پر بھی الْمُسْنَدُ بِهِ، مُسْنَد کا صلہ تو بِهِ نہیں آتا لیکن اس کے اندر يُوقَعُ فعل کا معنیٰ ملحوظ ہے۔ وَقَعَ يَقَعُ سے يُوقَعُ فعلِ مجہول، الْمُسْنَد اسمِ مفعول ہے نا، یہ کیا ہے؟ اسمِ مفعول، لہٰذا اس کے اندر فعلِ مجہول کا معنیٰ يُوقَعُ ملحوظ ہے، اور وَقَعَ يَقَعُ، توجہ سے سنو، وَقَعَ يَقَعُ وہ فعلِ لازم ہے، اس کے لیے مفعول نہیں آتا، وہ فعلِ لازم ہے اس کے لیے مفعول نہیں آتا، تو اس کو پھر کس کے ذریعے متعدی کرتے ہیں؟ با کے ذریعے متعدی کرتے ہیں، حرفِ جر کے ذریعے متعدی کرتے ہیں۔ معلوم ہوا وَقَعَ يَقَعُ کا صلہ بِهِ آتا ہے،

الْمُسْنَد جو ہے اسناد کا صلہ تو با نہیں آتا لیکن وَقَعَ یَقَعُ کا صلہ با آتا ہے۔ تو یہ جو الْمُسْنَد کے ساتھ بِہِ لے کر آئے یہ بتلانے کے لیے کہ یہاں تضمین ہے بھئی، یعنی اس الْمُسْنَد کے اندر یُوقَعُ فعل کا معنیٰ بھی ملحوظ ہے اور اس پر یہ بِہِ صلہ دلالت کر رہا ہے۔

تضمین کسے کہتے ہیں؟ ایک فعل کے اندر دوسرے فعل کا معنیٰ ملحوظ ہو اور آگے آنے والا صلہ اس پر دلالت کرے، اس لیے کیونکہ بِہِ تو الْمُسْنَد کے ساتھ استعمال نہیں ہوتا تو معلوم ہوا اس کے اندر کسی ایسے فعل کا معنیٰ ملحوظ ہے جس کے ساتھ بِہِ استعمال ہوتا ہے۔ تو وہ موقعے کے مطابق پھر غور کر کے علماء بیان کرتے ہیں، مثلاً ایک شخص یُوقَعُ بیان کرتا ہے، دوسرا کوئی اور بیان کرتا ہے، جو بھی موقعے کے مطابق ہو بھئی۔ تو یہ بِہِ کے ذریعے کیا بتلانا چاہتے ہیں؟ کہ یہ الْمُسْنَد کے اندر کون سے فعل کا معنیٰ ملحوظ ہے؟ یُوقَعُ کا معنیٰ ملحوظ ہے، اور یُوقَعُ تو فعلِ لازم ہے وہ تو مفعول کو نصب دیتا نہیں، تو یُوقَعُ جب فعلِ مجہول لائے، توجہ ہے؟ جب فعلِ مجہول لائے تو فعلِ مجہول کے لیے تو نائب فاعل چاہیے ہوتا ہے اور یُوقَعُ کے لیے تو مفعولِ بہ تھا ہی نہیں کہ جس کو نائب الفاعل بنائیں، تو پھر بِہِ کے ذریعے کیا کرتے ہیں؟ یہ جار مجرور کو اس کا نائب فاعل بناتے ہیں۔ میں نے آپ کو بتلایا تھا کہ یہ جار مجرور بھی کیا بنتے ہیں؟ یہ بھی نائب الفاعل بنتے ہیں، کیا بنتے ہیں؟ تو اگر یُوقَعُ یہاں ہو تو یُوقَعُ فعلِ مجہول، با جارہ، ہا ضمیر مجرور محلاً، اور یہ جار مجرور مل کر کس سے متعلق؟ یُوقَعُ سے، اور یہ نائب الفاعل ہے یُوقَعُ کے لیے۔ یہ بِہِ کیا ہے؟ نائب الفاعل، اور میں نے اس میں یہ بھی بتایا تھا کہ یہ مجازاً کہتے ہیں کہ یہ جار مجرور نائب الفاعل ہے، حقیقت میں یہ جو مجرور ہے یہ ہے نائب الفاعل، تو بِہِ کے اندر یہ جو ہا ضمیر ہے یہ ہے نائب الفاعل، اور یہ ہا ضمیر اس پر تو باء جارہ داخل ہے، تو یہ مجرور ہے محلاً، ضمیر ہے نا مبنی ہے، مبنی کا اعراب کیسے بتاتے ہیں؟ محلاً، تو یہ ہا ضمیر کیا ہے؟ مجرور محلاً اور یہ اس کا محلِ قریب ہے، یہ مجرور ہے با کی وجہ سے، اور محلِ بعید کیا؟ یہ نائب الفاعل ہے کس کے لیے؟ یُوقَعُ کے لیے، تو یہ مرفوع ہے، نائب الفاعل کیا ہوتا ہے؟ مرفوع، توجہ ہے؟ تو بِہِ میں با جر دے رہی ہے ہا کو، تو اس کا محلِ قریب کیا ہوا؟ مجرور، اور محلِ بعید کیا ہوا؟ نائب الفاعل ہے مرفوع ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو کہتے ہیں کہ یُوقَعُ کا صلہ تو بِہِ آتا ہے، تو یہ بِہِ اس یُوقَعُ پر دلالت کر رہا ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ بعض شارحین کی تقریر کر رہا ہوں، وہ فرماتے ہیں کہ الْمُسْنَدُ بِہِ کی تفسیر صاحبِ جامی نے أَيْ مَا يُوقَعُ بِهِ الْإِسْنَادُ کے ساتھ کی، کیا بتلانا چاہتے ہیں صاحبِ جامی؟ کہ الْمُسْنَد یہ متضمن ہے کس کے معنیٰ کو؟ یُوقَعُ کے معنیٰ کو، اور یُوقَعُ کا صلہ تو بِہِ آتا ہے تو یہ بِہِ کس سے متعلق ہے؟ یُوقَعُ سے متعلق ہے، یہ اس کے لیے نائب الفاعل ہے۔

بات سمجھ میں آگئی؟ لیکن یہ تقریر درست نہیں بھئی، یہ تقریر درست نہیں بھئی، یہ تضمین والی، یہ بہت شروحات میں آپ کو ملے گا۔ وجہ یہ: یاد رکھو یہ جو تضمین ہے اس میں ایک فعل تو ذکر ہے اور دوسرے فعل کا معنیٰ ملحوظ ہوتا ہے جس پر آگے آنے والا صلہ دلالت کرتا ہے۔ توجہ ہے؟ یعنی دونوں فعلوں کا معنیٰ ملحوظ ہوتا ہے، ایک فعل تو ذکر ہے اور دوسرے پر آگے آنے والا صلہ دلالت کر رہا ہے، تو اس کا یہ معنیٰ نہیں کہ ذکر یہ والا فعل ہے اور مراد دوسرے فعل کا معنیٰ ہے، نہیں

نہیں پھر تو مجاز بن جائے گا۔ جیسے دیکھو نا الْمُسْنَدُ بِهِ آیا، آپ کیا کہیں کہ یہ الْمُسْنَد کس معنیٰ میں ہے؟ یُوقَعُ کے معنیٰ میں ہے، تو یہ اپنے حقیقی معنیٰ میں ہوا یا دوسرے معنیٰ میں؟ دوسرے معنیٰ میں ہوا، تو پھر تو اس کو مجاز کہنا پڑے گا۔ نہیں نہیں یہ مجاز نہیں، مُسْنَد کا اپنا معنیٰ بھی ملحوظ اور یُوقَعُ کا معنیٰ بھی ملحوظ، دونوں کا معنیٰ وہاں ملحوظ ہوتا ہے۔ تو یاد رکھو تضمین کے اندر دونوں فعلوں کا معنیٰ ملحوظ ہوتا ہے اور اس کی جب تفسیر کی جاتی ہے تو ایک فعل کو اسی طرح ذکر کرتے ہیں اور دوسرے کو عموماً حال بنا دیتے ہیں۔ کیا بنا دیتے ہیں؟ حال بنا دیتے ہیں، تو کبھی عطف کے ذریعے اس کی تفسیر کر دی جاتی ہے اور کبھی حال کے ذریعے۔ توجہ ہے؟ جہاں تضمین ہوتی ہے ایک فعل تو لفظوں میں ذکر ہے اور دوسرے کا معنیٰ ملحوظ اور اس پر آگے آنے والا صلہ دلالت کر رہا ہے، تو ایسے موقع پر پھر اس کی تفسیر کس طرح کی جاتی ہے؟ یا تو عطف کے ذریعے کی جاتی ہے، جیسے یہاں پر کیسے تفسیر کی جائے گی؟ الَّذِي يُسْنَدُ وَيُوقَعُ بِهِ، یا اس کی تفسیر حال کے ساتھ کی جاتی ہے، ایک فعل کو اسی طرح ذکر کرتے ہیں اور دوسرے کو حال بنا کر ذکر کر دیتے ہیں، لیکن صاحبِ جامی نے یہاں اس طرح ذکر نہیں کیا بھئی۔ نہ تو انہوں نے یہاں عطف کیا ہے اور نہ انہوں نے اس کو حال بنایا ہے بھئی۔ لہٰذا یہ تقریر صحیح نہیں، اور نیز اس لیے بھی صحیح نہیں کہ انہوں نے کیا کہا؟ کہ بِهِ کس کا صلہ؟ یُوقَعُ کا، تو الْمُسْنَد کے اندر کون سا معنیٰ ملحوظ؟ یُوقَعُ کا، اور یہ بِهِ اس کا صلہ۔ حالانکہ آپ خود دیکھیں أَيْ مَا يُوقَعُ بِهِ الْإِسْنَادُ، الْإِسْنَادُ کیا بن رہا ہے؟ یہ نائب الفاعل ہے یُوقَعُ کے لیے، توجہ ہے؟ یہ نائب الفاعل بن رہا ہے یُوقَعُ کے لیے، اور نائب الفاعل تو تب بنتا ہے جب فعل متعدی ہو، جب فعل متعدی نہیں ہے تو نائب فاعل کہاں سے آئے گا اس کے لیے؟ براہِ راست نہیں آئے گا۔ جیسے دیکھو اگر یہاں الْإِسْنَادُ نہ ہوتا، يُوقَعُ بِهِ، يُوقَعُ فعلِ مجہول اور بِهِ یہ اس کے لیے کیا بنا دیتے؟ نائب الفاعل، توجہ ہے؟ یہ فعل خود متعدی نہیں ہے تو با کے ذریعے متعدی کیا اور پھر اسی مجرور کو اس کے لیے کیا بنا دیا؟ نائب الفاعل بنا دیا۔ لیکن یہاں پر آپ دیکھیں يُوقَعُ فعلِ مجہول ہے اور آگے الْإِسْنَادُ اس کا نائب الفاعل خود آ رہا ہے، نائب الفاعل خود آ رہا ہے، بات سمجھ میں آ گئی؟ تو اگر یہ بِهِ جو ہے يُوقَعُ کا صلہ بنائیں گے تو پھر يُوقَعُ تو فعلِ لازم ہے بھئی، تو یہ پھر الْإِسْنَادُ اس کے لیے نائب فاعل کیسے بن گیا بھئی؟ الْإِسْنَادُ تو تبھی نائب فاعل بن سکتا ہے براہِ راست جب فعل متعدی ہو۔ مَا يُوقَعُ بِهِ الْإِسْنَادُ: مَا وہ چیز یا وہ اسم يُوقَعُ بِهِ الْإِسْنَادُ جس کے ذریعے اسناد کو واقع کیا جائے، تو يُوقَعُ کا تو نائب الفاعل الْإِسْنَادُ آ رہا ہے، بِهِ تو پھر بھی اس کے لیے نائب الفاعل نہیں بنا۔ حالانکہ جنہوں نے کہا کہ یہاں تضمین ہے ان کے نزدیک یہ بِهِ کیوں لائے؟ يُوقَعُ کو متعدی کرنے کے لیے، کیونکہ يُوقَعُ تو فعلِ لازم تھا، اب فعلِ مجہول بنایا تو فعلِ مجہول کے لیے کیا کرتے ہیں؟ مفعولِ بہ کو نائب الفاعل بناتے ہیں، اور وَقَعَ يَقَعُ کا تو مفعولِ بہ آتا ہی نہیں، تو پھر بِهِ کے ذریعے متعدی کر دیا گیا، تو یہ جو بِهِ میں ہا ضمیر ہے یہ مفعولِ بہ غیرِ صریح ہوئی، کیا ہوئی؟ غیرِ صریح ہوئی، اور پھر یہی کیا بن جائے گی؟ نائب الفاعل بن جائے گی جب فعل کو مجہول بنائیں گے، ضَرَبَ زَيْدٌ عَمْرًا، یہ عَمْرًا کیا ہے؟ مفعولِ بہ، پھر جب ہم ضُرِبَ بنائیں گے تو یہی عَمْرًا کیا بن جائے گا؟ نائب الفاعل بن جائے گا، أَيْ ضُرِبَ عَمْرٌو۔

اور وَقَعَ یَقَعُ کا تو مفعول آتا نہیں، تو اس کو جب فعلِ مجہول بنائیں گے تو نائب فاعل کس کو بنائیں؟ تو لہٰذا اس کو کس کے ذریعے متعدی کر دیا؟ بِہٖ کے ذریعے، اور میں نے بتایا یہ جو حروفِ جارہ جن پر داخل ہوتے ہیں یعنی وہ جو مجرور ہوتا ہے وہ بھی دراصل مفعولِ بہ ہی ہے، ہاں البتہ وہ مفعولِ بہ غیرِ صریح ہے، تو یہ بِہٖ کی ہا ضمیر کیا ہوئی؟ مفعولِ بہ، پھر اسی کو یُوقَعُ کے لیے کیا بنا دیا گیا؟ نائب الفاعل بنا دیا گیا۔ لیکن اگر یہ تقریر کی جائے تو پھر الْإِسْنَادُ لانے کا کیا معنیٰ مَا یُوقَعُ بِہِ الْإِسْنَادُ؟ کہ الْإِسْنَادُ تو خود نائب الفاعل بن رہا ہے یُوقَعُ کے لیے، تو پھر بِہٖ لانے کی کیا ضرورت ہے؟ بات سمجھ میں آ رہی ہے؟ تو لہٰذا یہاں یہ کہنا کہ یہاں پر تضمین ہے، یہ تقریر صحیح نہیں ہے بھئی، بات سمجھ میں آ گئی؟ بعض شارحین نے یہ ذکر کیا ہے کہ یہاں تضمین ہے لیکن یہاں تضمین نہیں ہے۔

تو پھر صاحبِ جامی کیا بتلانا چاہتے ہیں أَيْ مَا یُوقَعُ بِہِ الْإِسْنَادُ کے ذریعے، جب تضمین یہاں نہیں ہے؟ تو یاد رکھو بھئی، میں نے آپ کو بتلایا تھا جہاں تَنَازُعُ فِعْلَیْن کی بحث آئی تھی وہاں ذکر آیا تھا وَإِنِ اسْتُغْنِيَ عَنْہُ، وہاں ذکر آیا تھا بصریین کے مذہب میں کہ فعلِ ثانی کو جب عامل بنائیں تو پہلا اگر فاعل کا تقاضا کر رہا ہو تو اس میں فاعل کی ضمیر لے آئیں گے اور اگر پہلا مفعول کا تقاضا کر رہا ہو تو اس مفعول کو حذف کر لیں گے، کب؟ إِنِ اسْتُغْنِيَ عَنْہُ اگر اس مفعول سے بے نیازی حاصل ہو یعنی اس کی حاجت نہ ہو، اور اگر وہ افعالِ قلوب میں سے ہے پھر اس کو ذکر کرنا پڑے گا، پھر حذف بھی نہیں کر سکتے اور اضمار قبل الذکر بھی نہیں کر سکتے، تو وہاں عبارت آئی تھی وَإِنِ اسْتُغْنِيَ عَنْہُ۔ تو اسْتُغْنِيَ فعلِ مجہول آیا تھا۔ توجہ ہے؟ یہاں میں نے خوب تفصیل بیان کی تھی کہ اسْتُغْنِيَ یہ تو فعلِ لازم ہے، اِسْتَغْنَى زَيْدٌ زید مستغنی ہو گیا، بے نیاز ہو گیا، اب وہ کسی کا محتاج نہیں، تو یہ تو فعلِ لازم ہے اس کے لیے تو مفعول آتا ہی نہیں ہے، مفعول آتا ہی نہیں ہے، تو پھر اس کا نائب الفاعل کیا ہے؟ نائب الفاعل۔ تو ایک ترکیب تو یہ تھی کہ اسْتُغْنِيَ عَنْہُ یہ جو جار مجرور ہے اسی کو اس کا نائب فاعل بنا دیں، یہ عَنْہُ اسی اسْتُغْنِيَ سے متعلق ہے، یہ جو ہا ضمیر مجرور ہے یہی اس کا نائب الفاعل ہے۔ اور ایک ترکیب میں نے یہ بتلائی تھی کہ بعض اوقات ایک فعل کے فاعل یا نائب فاعل کا پتا نہیں چلتا، تو پھر اس فعل کے اندر جو ضمیر ہے وہ اسی فعل کے مصدر کو لوٹا دیتے ہیں۔ تو اسْتُغْنِيَ کے اندر ھُوَ ضمیر نائب الفاعل اور وہ اسی اسْتُغْنِيَ کے مصدر یعنی اِسْتِغْنَاء کو راجع، تو اسْتُغْنِيَ ھُوَ أَيِ الْاِسْتِغْنَاءُ، تو گویا عبارت یوں بن گئی، اسی مصدر کو لے آئیں اور اس کو نائب الفاعل براہِ راست بنا دیں، أُسْتُغْنِيَ الْاِسْتِغْنَاءُ، دیکھو وہ ھُوَ ضمیر اسی اِسْتِغْنَاء کو راجع ہے، اور پھر اس کا ترجمہ کیسے کرتے ہیں؟ میں نے آپ کو بتلایا تھا کہ حَصَلَ یا وَقَعَ کے ساتھ اس کا ترجمہ کریں گے، جیسے أُسْتُغْنِيَ الْاِسْتِغْنَاءُ أَيْ وَقَعَ الْاِسْتِغْنَاءُ یا حَصَلَ الْاِسْتِغْنَاءُ، استغناء حاصل ہو گیا عَنْہُ اس سے، حَصَلَ الْاِسْتِغْنَاءُ عَنْہُ۔ توجہ ہے؟ عبارت کیا تھی؟ أُسْتُغْنِيَ عَنْہُ، أُسْتُغْنِيَ کے نائب الفاعل کا پتا نہیں چل رہا تھا اور جب کسی فعل کے فاعل یا نائب فاعل کا پتا نہ چلے تو اس فعل کے اندر جو ضمیر ہے وہ اسی فعل کے مصدر کی طرف لوٹا دیتے ہیں، تو أُسْتُغْنِيَ کے اندر ھُوَ ضمیر اسی کے مصدر اِسْتِغْنَاء کو راجع کر دی تو عبارت کیا بن گئی؟ أُسْتُغْنِيَ الْاِسْتِغْنَاءُ عَنْہُ، اور معنیٰ کیسے کریں گے؟ معنیٰ کا طریقہ کیا؟ کہ وَقَعَ یا حَصَلَ کے ساتھ ترجمہ کریں گے، أَيْ وَقَعَ

الْاِسْتِغْنَاءُ یا حَصَلَ الْاِسْتِغْنَاءُ استغناء حاصل ہو گیا، استغناء واقع ہو گیا۔ اسی طرح میں نے سلم کی عبارت بھی ذکر کی تھی: وَإِلَّا لَدَارَ أَوْ تَسَلْسَلَ، یہ دَارَ بھی فعل تَسَلْسَلَ بھی فعل، تو اب پتا نہیں چل رہا کہ ان کا فاعل کیا ہے، تو دَارَ کے اندر بھی ضمیر نکالیں گے جو فاعل ہے اور وہ اسی دَارَ کے مصدر یعنی دَوْر کو راجع، أَيْ دَارَ الدَّوْرُ، اور اسی طرح تَسَلْسَلَ

میں بھی ہے: أَيْ تَسَلْسَلَ التَّسَلْسُلُ، اور ترجمہ کیسے کریں گے؟ أَيْ حَصَلَ الدَّوْرُ وَحَصَلَ التَّسَلْسُلُ، یا وَقَعَ الدَّوْرُ اور وَقَعَ التَّسَلْسُلُ، تو حَصَلَ اور وَقَعَ کے ساتھ اس کی تفسیر کرتے ہیں، بات سمجھ میں آگئی؟ تو یہ ایک ترکیب تھی أُسْتُغْنِيَ عَنْهُ، دوسری ترکیب کیا ذکر کی؟ کہ اسی عَنْهُ جار مجرور کو اس کا نائب فاعل بنا دیں، اب أُسْتُغْنِيَ کے اندر کوئی ضمیر نہیں، پہلے ضمیر تھی وہ اسی کے مصدر کو راجع تھی اور عَنْهُ جار مجرور کو ہم نے اس سے جوڑ دیا تھا، اب اس کے اندر کوئی ضمیر نکالنے کی ضرورت نہیں بلکہ عَنْهُ جار مجرور کو اس سے جوڑ دیں اور یہی اس کا نائب فاعل بھی ہے، ترکیب سمجھ میں آگئی؟ تو صاحبِ جامی یہاں بھی یہی بتلانا چاہتے ہیں کہ الْمُسْنَدُ بِهِ، توجہ ہے؟ اشکال کیا تھا؟ کہ مُسْنَد کے اندر خود هُوَ ضمیر نائب الفاعل کی موجود ہے تو پھر بِهِ کے ذریعے متعدی کرنے کا کیا معنیٰ؟ تو صاحبِ جامی فرما رہے ہیں، دیکھو عبارت پہ ذرا نظر رکھو، الْمُسْنَدُ بِهِ: الْمُسْنَد کس معنیٰ میں؟ الَّذِي يُسْنَدُ بِهِ، یہ الف لام کیا ہے؟ اسمی ہے الَّذِي کے معنیٰ میں، الْمُسْنَد کس معنیٰ میں؟ الَّذِي يُسْنَدُ بِهِ، تو یہ يُسْنَدُ کے اندر هُوَ ضمیر اسی کے مصدر کو لوٹا دیں، اسی کے مصدر کو لوٹا دیں، تو عبارت کیا بن گئی؟ الَّذِي يُسْنَدُ الْإِسْنَادُ بِهِ، الَّذِي يُسْنَدُ الْإِسْنَادُ بِهِ، اور پھر اس کی تفسیر کس کے ساتھ کرتے ہیں؟ وَقَعَ یا حَصَلَ کے ساتھ، توجہ ہے؟ اور پھر عبارت کیا بن جائے گی؟ أَيْ وَقَعَ الْإِسْنَادُ یا حَصَلَ الْإِسْنَادُ بِهِ، اس کے ذریعے یعنی خبر کے ذریعے، أَيْ حَصَلَ الْإِسْنَادُ بِهِ، بِهِ کی ہا ضمیر کس کو راجع؟ وہ اسم جو خالی ہے عوامل لفظیہ سے یعنی جس کی بات چل رہی ہے وہ جو خبر ہے، توجہ ہے؟ وہ اسم۔ تو کیا عبارت بن گئی؟ الْمُسْنَدُ بِهِ، کیا عبارت بن گئی؟ الَّذِي يُسْنَدُ بِهِ، پھر يُسْنَدُ کے اندر هُوَ ضمیر کس کو راجع؟ اسی کے مصدر کو راجع، تو پھر عبارت کیا بن گئی؟ الَّذِي يُسْنَدُ الْإِسْنَادُ بِهِ، پھر اس کا ترجمہ کیسے کرتے ہیں؟ الَّذِي وَقَعَ الْإِسْنَادُ بِهِ، الَّذِي وَقَعَ الْإِسْنَادُ، وہ کہ اسناد واقع ہو بھئی، اسناد واقع ہو، لیکن اسناد واقع ہوتا ہے یا اس کے ذریعے اسناد کیا جاتا ہے؟ اسناد کیا جاتا ہے، الْمُسْنَد مجہول کا صیغہ ہے توجہ ہے؟ تو اس کے مطابق مناسبت کے اعتبار سے اسی سے فعلِ مجہول لے آئے، کیا لے آئے؟ فعلِ مجہول، أَيْ يُوقَعُ الْإِسْنَادُ، اسناد واقع نہیں ہوتا اسناد کو واقع کیا جاتا ہے، اس لیے يَقَعُ نہیں لائے بلکہ کیا لے آئے؟ يُوقَعُ لائے۔ اب عبارت کیا بن گئی؟ الَّذِي يُوقَعُ الْإِسْنَادُ بِهِ، عبارت یہی جو صاحبِ جامی نے نکالی: مَا يُوقَعُ بِهِ الْإِسْنَادُ، یہ مَا وہ اسمِ موصول ہے الَّذِي کے معنیٰ میں ہے، ہم نے کیا عبارت نکالی تھی؟ الَّذِي يُوقَعُ الْإِسْنَادُ بِهِ، انہوں نے صرف الْإِسْنَادُ کو مؤخر کر دیا: أَيْ مَا يُوقَعُ بِهِ الْإِسْنَادُ، یعنی وہ اسم جس کے ذریعے اسناد کو واقع کیا جائے۔ توجہ ہے؟ اب اس پر اشکال یہ ہوتا ہے: أَيْ مَا يُوقَعُ بِهِ الْإِسْنَادُ، یہ الْإِسْنَادُ یہ تو نائب الفاعل بن رہا ہے کس کے لیے؟ يُوقَعُ کے لیے، توجہ ہے؟ يُوقَعُ کے لیے، اور يُوقَعُ یہ تو فعلِ لازم ہے، اس کے لیے تو براہِ راست نائب فاعل آ ہی نہیں سکتا، تو یاد رکھنا کہ یہ اس صورت میں پھر وَقَعَ

یَقَعُ سے نہ بناؤ اس کو، وَقَعَ یَقَعُ کا معنیٰ تو ہے واقع ہونا، اس کو أَوْقَعَ یُوقِعُ سے بنا دو، أَوْقَعَ یُوقِعُ کا معنیٰ واقع کرنا، اس کے لیے مفعول آتا ہے اور وہی پھر نائب الفاعل بن جائے گا فعلِ مجہول کے لیے۔ تو معلوم ہوا یُوقَعُ جو ہے ثلاثی مجرد سے نہیں ہے بلکہ ثلاثی مزید سے ہے: أَوْقَعَ یُوقِعُ سے یُوقَعُ، اور اس کے لیے الْإِسْنَادُ نائب الفاعل بن سکتا ہے۔ کیا تقریر ہوئی؟ بھئی سنو، پھر سنو: الْمُسْنَدُ بِهِ یہ کس معنیٰ میں ہے؟ الَّذِي یُسْنَدُ بِهِ، توجہ ہے؟ پھر یُسْنَدُ کے اندر هُوَ ضمیر راجع ہے اسی کے مصدر کو، تو کیا عبارت بن گئی؟ الَّذِي یُسْنَدُ الْإِسْنَادُ بِهِ، پھر اس کے بعد اس کا معنیٰ مفہوم بیان کیا کس طرح؟ معنیٰ کس طرح کریں گے؟ الَّذِي یُوقَعُ الْإِسْنَادُ بِهِ، توجہ ہے؟ الَّذِي یُوقَعُ الْإِسْنَادُ بِهِ، اور اب بِهِ کا لانا ٹھیک ہو گیا۔ دیکھو نا، بھئی سنو، پھر سنو۔ بعض علماء نے کیا کہا تھا؟ یہاں تضمین ہے، لیکن میں نے بتایا تضمین صحیح نہیں اس لیے کیونکہ جہاں تضمین ہو تو وہاں پر یا تو عطف کے ذریعے اس کی تفسیر کی جاتی ہے، دوسرے فعل کو بھی عطف کے ساتھ ذکر کر دیا جاتا ہے، یا دو فعلوں میں سے ایک کو اسی طرح رکھتے ہیں اور ایک کو حال بنا کر لے آتے ہیں، دونوں کو ذکر کرتے ہیں، لیکن یہاں پر ایسا نہیں ہے۔ تو پھر میں نے بتایا کہ یہاں پر صاحبِ جامی یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ الْمُسْنَدُ بِهِ اس کے ساتھ یہ جو بِهِ ہے یہ زائد نہیں یہ بے کار نہیں۔ آپ کا اشکال کیا تھا کہ الْمُسْنَد کے اندر هُوَ ضمیر ہے وہ نائب الفاعل ہے تو بِهِ لانے کی کیا ضرورت؟ تو صاحبِ جامی نے بتلایا کہ بھئی الْمُسْنَد کے اندر جو هُوَ ضمیر ہے وہ اسی کے مصدر کو راجع ہے، لہٰذا مفعول ابھی بھی ساتھ ذکر نہیں ہوا، مفعول ابھی بھی چاہیے، تو آگے بِهِ کے ذریعے اس کو ذکر کر دیا گیا۔ بھئی دیکھیے نا أَسْنَدَ فعلِ متعدی ہے، یہ ایک فاعل چاہتا ہے تو ایک مفعول بھی چاہتا ہے، أَسْنَدَ زَیْدٌ لَفْظًا زید نے اسناد کیا ایک لفظ کا، تو یہ لَفْظًا کیا ہے؟ مفعولِ بہ، اور پھر جب میں فعلِ مجہول لاؤں گا تو اسی مفعولِ بہ کو کیا بنا دوں گا؟ نائب الفاعل بناؤں گا، أُسْنِدَ اللَّفْظُ اس لفظ کا کیا کیا گیا؟ اسناد کیا گیا۔ لیکن میں اس لفظ کو نائب الفاعل نہیں بناتا بلکہ میں أُسْنِدَ کے اندر ضمیر اسی کے مصدر کی طرف لوٹا دیتا ہوں، اسی کے مصدر کی طرف لوٹا دیتا ہوں: أَيْ أُسْنِدَ الْإِسْنَادُ، أَيْ یُوقَعُ الْإِسْنَادُ اسناد کو واقع کیا گیا، اور وہ جو لفظ تھا اس کو بھی میں نے جوڑنا ہے یا نہیں اس کے ساتھ؟ وہ جو اس کا مفعولِ بہ تھا اس کو بھی تو میں نے اس کے ساتھ جوڑنا ہے، اور وہ تو اب نہیں جڑ سکتا کیونکہ آپ نے نائب الفاعل کس کو بنا دیا؟ آپ نے مصدر کو بنا دیا، بنانا کس کو تھا؟ دیکھو بھئی أَسْنَدَ زَیْدٌ لَفْظًا، اس لَفْظًا کو ہم نے کیا بنانا ہے؟ نائب الفاعل بنانا ہے: أُسْنِدَ اللَّفْظُ، لیکن میں نے لفظ کو نائب الفاعل نہیں بنایا، أُسْنِدَ کے اندر ضمیر میں نے اسی کے مصدر کی طرف لوٹا دی: أُسْنِدَ الْإِسْنَادُ، أَيْ یُوقَعُ الْإِسْنَادُ، اور وہ لفظ تو ابھی بھی باقی ہے وہ جو مفعولِ بہ تھا، تو اس کو بھی میں نے ساتھ جوڑنا ہے، اب اس کو میں ساتھ نہیں جوڑ سکتا کیونکہ آپ نے تو مصدر کو نائب الفاعل بنا دیا اور اس لفظ کو بھی ساتھ جوڑنا ہے، تو پھر اب حروفِ جارہ کا سہارا لیں گے اور مثلاً میں با ساتھ لے آؤں گا: أُسْنِدَ الْإِسْنَادُ بِاللَّفْظِ، أُسْنِدَ الْإِسْنَادُ بِاللَّفْظِ، أَيْ یُوقَعُ الْإِسْنَادُ بِاللَّفْظِ کہ اسناد واقع کیا گیا اس لفظ کے ذریعے۔ اب بات سمجھ میں آ گئی؟ تو یہاں پر بھی اسی طرح ہوا الْمُسْنَدُ بِهِ، الْمُسْنَد کے اندر هُوَ ضمیر تھی بھئی جو نائب الفاعل تھی، اور یہ ضمیر ہم نے کس کو راجع کر دی؟ اسی کے مصدر کو راجع کر دی، تو اس کا جو مفعولِ بہ تھا اس کو تو ہم نے نائب الفاعل نہیں بنایا، اس کو بھی تو

فعل کے ساتھ جوڑنا ہے، تو اب کس کا سہارا لے لیا؟ با کا سہارا لے لیا۔ معلوم ہوا اب یہ با متعدی بنانے کے لیے ہے، یہ با کس لیے ہے؟ متعدی بنانے کے لیے ہے۔ بات حل ہو گئی؟ حاصلِ کلام کیا ہوا؟ کہ بعض علماء کیا فرماتے ہیں کہ الْمُسْنَدُ بِهِ اس کے اندر تضمین ہے یعنی یہاں پر يُوقَعُ کا معنیٰ ملحوظ ہے، لیکن میں نے بتایا یہ تقریر صحیح نہیں اس لیے کیونکہ تضمین کی جب تفسیر کی جاتی ہے تو پھر وہاں پر تفسیر کے اندر دوسرے فعل کو عطف کے ذریعے ذکر کر دیا جاتا ہے یا اس کو حال بنا کر ذکر کیا جاتا ہے، اور یہاں أَيْ مَا يُوقَعُ بِهِ الْإِسْنَادُ، نہ تو یہاں عطف ہے اور نہ یہاں حال ذکر کیا صاحبِ جامی نے۔ پھر کیا بتلانا چاہتے ہیں؟ تو میں نے بتلایا کہ الْمُسْنَدُ بِهِ أَيْ مَا يُوقَعُ بِهِ الْإِسْنَادُ بتلانا یہ چاہتے ہیں کہ الْمُسْنَد کے اندر ضمیر جو ہے، ضمیر جس کو آپ نے نائب الفاعل بنایا ہے یہ ضمیر مفعولِ بہ کی ضمیر نہیں ہے بلکہ یہ ضمیر کس کو لوٹا دیں؟ اسی الْمُسْنَد کے مصدر کی طرف لوٹا دیں۔ جب یہ ضمیر مصدر کی طرف لوٹا دی تو وہ جو پہلے مفعولِ بہ تھا جس کو کیا بنانا تھا؟ نائب الفاعل بنانا تھا لیکن آپ نے تو اس کو نائب الفاعل نہیں بنایا آپ نے تو مصدر کو نائب الفاعل بنا دیا، تو اب اس کو بھی تو جوڑنا ہے، تو اب با کا سہارا لینا پڑے گا کیونکہ اب اس کو جوڑنے کی اور کوئی صورت نہیں ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ معلوم ہوا یہ با کس لیے لائی گئی یہاں پر؟ اس کو متعدی بنانے کے لیے لائی گئی ہے، معلوم ہوا یہ با بے کار نہیں ہے۔ یہ تقریر سمجھ میں آگئی؟

تو کہتے ہیں: الْمُسْنَدُ بِهِ أَيْ مَا يُوقَعُ بِهِ الْإِسْنَادُ، یعنی وہ اسم کہ جس کے ذریعے اسناد واقع کیا جائے۔ اور یہ با یاد رکھو استعانت کے لیے بھی ہو سکتی ہے اور سبب کے لیے بھی ہو سکتی ہے۔ استعانت کے لیے با ہو تو اس کا ترجمہ مدد کے ساتھ کیا جاتا ہے: كَتَبْتُ بِالْقَلَمِ میں نے قلم کی مدد سے لکھا، تو یہ با کون سی ہے؟ استعانت کے لیے ہے، اور کبھی کبھار با سببیت کے لیے آتی ہے، تو آپ چاہے اس کو با کو استعانت کے لیے بنا لیں چاہے سببیت کے لیے بنا لیں، دونوں صورتوں میں ترجمہ ٹھیک ہے۔ بھئی دیکھو کیسے ترجمہ کیا ترجمہ ہوا: أَيْ مَا يُوقَعُ بِهِ الْإِسْنَادُ، یعنی وہ اسم کہ جس کی مدد سے اسناد واقع کیا جائے۔ عبارت پہ نظر ہے؟ أَيْ مَا يُوقَعُ بِهِ الْإِسْنَادُ: مَا اسمِ موصول ہے الَّذِي کے معنیٰ میں، وہ اسم يُوقَعُ بِهِ الْإِسْنَادُ کہ اس کی مدد سے اسناد واقع کیا جائے، یا وہ اسم يُوقَعُ بِهِ الْإِسْنَادُ کہ اس کے سبب سے، اس کے ذریعے سے اسناد واقع کیا جائے۔ اب دیکھو عبارت بہترین ہو گئی۔

بات سمجھ میں آگئی؟ تو کیا بات ہوئی؟ خبر وہ اسم ہے جو خالی ہو عواملِ لفظیہ سے اور اس کے ذریعے اسناد واقع کیا جائے، وہ مُسْنَدٌ بِهِ ہو یعنی اس کے ذریعے اسناد واقع کیا جائے۔ بھئی یہ قید کیوں لگائی؟ یہ قید کیوں لگائی؟ کہتے ہیں: وَاحْتَرَزَ بِهِ عَنِ الْقِسْمِ الْأَوَّلِ مِنَ الْمُبْتَدَأِ، اور اس الْمُسْنَدُ بِهِ کی قید کے ذریعے احتراز کیا صاحبِ کافیہ نے مبتدا کی قسمِ اول سے، یعنی مبتدا کی قسمِ اول کو خبر کی تعریف سے نکالنا چاہتے ہیں، کیونکہ مبتدا کی قسمِ اول وہ بھی عواملِ لفظیہ سے خالی ہے لیکن وہ مُسْنَدٌ بِهِ نہیں بلکہ مُسْنَدٌ إِلَيْهِ ہے۔ کہتے ہیں: وَاحْتَرَزَ بِهِ عَنِ الْقِسْمِ الْأَوَّلِ مِنَ الْمُبْتَدَأِ اور اس قید کے ذریعے صاحبِ کافیہ نے مبتدا کی

قسمِ اول سے احتراز کیا، لِأَنَّهُ مُسْنَدٌ إِلَيْهِ لَا مُسْنَدٌ کیونکہ بتدا کی قسمِ اول مُسْنَدٌ إِلَيْهِ ہے، لَا مُسْنَدٌ وہ مُسْنَد نہیں ہے۔ الْمُغَايِرُ لِلصِّفَةِ الْمَذْكُورَةِ اور وہ اسم جو ہے وہ مغایر ہونا چاہیے لِلصِّفَةِ الْمَذْكُورَةِ اس صفت سے جو ذکر کر دی گئی۔ بھئی کہاں مذکور ہوئی؟ کہتے ہیں: فِي تَعْرِيفِ الْمُبْتَدَأِ بتدا کی تعریف میں۔ بھئی بتدا کی تعریف میں جو بتدا کی قسمِ ثانی کے اندر جو صفت ذکر ہوئی تھی یہ خبر کو اس سے مغایر ہونا چاہیے، اس سے الگ ہونا چاہیے بھئی۔ تو یہ قید لگائی الْمُغَايِرُ لِلصِّفَةِ الْمَذْكُورَةِ، اس کے ذریعے کس سے احتراز کیا؟ بتدا کی قسمِ ثانی سے، یہی بیان کر رہے ہیں۔ کہتے ہیں: وَاحْتَرَزَ بِهِ— اچھا بھئی دیکھیے نا بتدا کی قسمِ ثانی بھی مُسْنَد ہے، وہ عوامِلِ لفظیہ سے بھی خالی اور مُسْنَدٌ بِهِ بھی ہے، لہٰذا ابھی بھی وہ خبر کی تعریف میں داخل تھی، خبر کی کیا تعریف کی؟ وہ اسم جو عوامِلِ لفظیہ سے خالی ہو اور مُسْنَدٌ بِهِ ہو، بتدا کی قسمِ ثانی بھی کیا ہے؟ عوامِلِ لفظیہ سے خالی ہے اور مُسْنَدٌ بِهِ ہے، تو وہ ابھی بھی خبر کی تعریف میں داخل تھی، تو الْمُغَايِرُ لِلصِّفَةِ الْمَذْكُورَةِ کی قید کے ذریعے اس کو نکال رہے ہیں، تو کہتے ہیں: وَاحْتَرَزَ بِهِ عَنِ الْقِسْمِ الثَّانِي مِنَ الْمُبْتَدَأِ اور اس کے ذریعے احتراز کیا بتدا کی قسمِ ثانی سے۔

وَلَكَ أَنْ تَقُولَ اور آپ کے لیے یہ بھی جائز ہے کہ آپ یوں بھی کہہ سکتے ہیں، وَلَكَ أَيْ وَجَازَ لَكَ، جار مجرور کس سے متعلق ہیں؟ جَازَ فعلِ محذوف سے، أَيْ وَلَكَ أَنْ تَقُولَ اور آپ کے لیے یہ بھی جائز ہے کہ آپ یوں کہیں: الْمُرَادُ الْمُسْنَدُ بِهِ إِلَى الْمُبْتَدَأِ۔ یہاں سے صاحبِ جامی ایک نیا فائدہ بتلا رہے ہیں آپ کو، فرماتے ہیں کہ یہ جو خبر کی تعریف کی صاحبِ کافیہ نے، کیا تعریف کی؟ الْخَبَرُ هُوَ الْمُجَرَّدُ الْمُسْنَدُ بِهِ

الْمُغَايِرُ لِلصِّفَةِ الْمَذْكُورَةِ، بتلانا یہ چاہتے ہیں کہ الْمُغَايِرُ لِلصِّفَةِ الْمَذْكُورَةِ اس قید کے بغیر بھی خبر کی تعریف مکمل ہے بھئی، اس قید کے بغیر بھی تعریف مکمل ہے۔ کس طرح؟ کہتے ہیں جو پیچھے آیا نا وَالْخَبَرُ هُوَ الْمُجَرَّدُ الْمُسْنَدُ بِهِ، خبر وہ اسم ہے جو خالی ہو عوامِلِ لفظیہ سے، الْمُسْنَدُ بِهِ اور مُسْنَدٌ بِهِ ہو۔ اور مُسْنَدٌ بِهِ سے ہر مُسْنَدٌ بِهِ نہیں مراد، وہ مُسْنَدٌ بِهِ مراد ہے جو إِلَى الْمُبْتَدَأِ ہو، بتدا کی طرف مُسْنَدٌ بِهِ ہو، بتدا کی طرف اس کا اسناد کیا گیا ہو۔ توجہ ہے؟ بھئی دیکھو اس تعریف میں مُسْنَدٌ بِهِ کی قید لگائی اور بتدا کی قسمِ ثانی ابھی بھی اس کے اندر داخل تھی: خبر بھی عوامِلِ لفظیہ سے خالی اور مُسْنَدٌ بِهِ، بتدا کی قسمِ ثانی بھی عوامِلِ لفظیہ سے خالی اور مُسْنَدٌ بِهِ۔ لیکن اسی مُسْنَدٌ بِهِ کی قید کے ذریعے بتدا کی قسمِ ثانی کو بھی آپ نکال سکتے ہیں۔ کس طرح؟ کہ مُسْنَدٌ بِهِ سے کیا مراد لے لیں؟ ہر مُسْنَدٌ بِهِ نہیں، وہ جو مُسْنَدٌ بِهِ ہو إِلَى الْمُبْتَدَأِ، کس کی طرف؟ یعنی جس کا بتدا کی طرف اسناد کیا گیا ہو وہ مراد لے لیں اس سے، وہ مراد لے لیں۔ اور اس صورت میں بتدا کی قسمِ ثانی نکل گئی، کیونکہ وہ مُسْنَدٌ بِهِ تو ہے لیکن مُسْنَدٌ بِهِ إِلَى الْمُبْتَدَأِ نہیں ہے، أَقَائِمٌ الزَّيْدَانِ توجہ ہے؟ یہ قَائِمٌ کیا ہے؟ بتدا کی قسمِ ثانی، اور اس کا اسناد کس کی طرف ہے؟ الزَّيْدَانِ کی طرف جو اس کا فاعل ہے، تو أَقَائِمٌ الزَّيْدَانِ: قَائِمٌ کا اسناد الزَّيْدَانِ یعنی اپنے فاعل کی طرف اسناد ہو رہا ہے، بتدا کی طرف اسناد نہیں۔ تو بتدا کی جو قسمِ ثانی ہے وہ مُسْنَدٌ بِهِ ہے إِلَى الْفَاعِلِ، وہ مُسْنَدٌ بِهِ ہے إِلَى الْفَاعِلِ، اور یہاں جو مُسْنَدٌ بِهِ آیا اس سے کون سا مُسْنَدٌ بِهِ مراد لے لیں؟ الْمُسْنَدُ بِهِ إِلَى الْمُبْتَدَأِ مراد لے لیں، تو پھر اب وہ

بتدا کی قسمِ ثانی نکل جائے گی کیونکہ وہ تو بتدا کی طرف مُسْنَد نہیں ہے بلکہ وہ تو اپنے فاعل کی طرف مُسْنَد ہے۔ تو کہتے ہیں یہ مراد لے لیں اور قرینہ بھی یہاں پر موجود ہے کہ مُسْنَدٌ بِهِ سے ہر دنیا کا مُسْنَدٌ بِهِ مراد نہیں ہے بلکہ مُسْنَدٌ بِهِ إِلَى الْمُبْتَدَأِ مراد ہے، قرینہ بھی موجود۔ کیا قرینہ؟ کہتے ہیں کیونکہ خبر اور بتدا ایک دوسرے کے ساتھ لازم ہیں، خبر کی بات چل رہی ہے، خبر کی بات چل رہی ہے، خبر اور بتدا ایک دوسرے کے ساتھ لازم ہیں، صاحبِ کافیہ نے اکٹھا دونوں کو ذکر کیا: وَمِنْهَا الْمُبْتَدَأُ وَالْخَبَرُ، معلوم ہوا دونوں ایک دوسرے کے ساتھ لازم ہیں، اور خبر کی تعریف میں آپ کیا کہہ رہے ہیں؟ جو مُسْنَدٌ بِهِ ہو، معلوم ہوا کس کی طرف مُسْنَدٌ بِهِ ہوگی؟ بتدا کی طرف مُسْنَدٌ بِهِ ہوگی۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو قرینہ موجود ہے، لہٰذا الْمُسْنَدُ بِهِ سے کیا مراد لو؟ ہر مُسْنَدٌ بِهِ نہیں بلکہ الْمُسْنَدُ بِهِ إِلَى الْمُبْتَدَأِ مراد لے لو اور قرینہ بھی موجود ہے کہ بتدا اور خبر دونوں ایک دوسرے کے ساتھ لازم ہیں اور صاحبِ کافیہ نے بھی دونوں کو اکٹھا ذکر کیا ہے، تو جب خبر مُسْنَدٌ بِهِ ہے تو لازمی بات ہے وہ کسی اور کی طرف مُسْنَدٌ بِهِ نہیں ہوگی کس کی طرف ہوگی؟ بتدا کی طرف، کیونکہ دونوں ایک دوسرے کے ساتھ لازم ہیں، خبر آگئی ہے تو بتدا بھی ساتھ ہی ہوگا تو اسی کی طرف اس کا اسناد ہوگا کسی اور کی طرف نہیں بھئی۔

تو کہتے ہیں: وَلَكَ أَنْ تَقُولَ اور آپ کے لیے یہ بھی جائز ہے کہ آپ یہ کہیں کہ الْمُرَادُ الْمُسْنَدُ بِهِ إِلَى الْمُبْتَدَأِ کہ مراد جو ہے وہ جو مُسْنَدٌ بِهِ ہو بتدا کی طرف، وہ جو مُسْنَدٌ بِهِ ہو بتدا کی طرف، أَوْ تَجْعَلَ الْبَاءَ فِي بِهِ بِمَعْنَى إِلَى۔ جی یہ اور تقریر کر رہے ہیں صاحبِ جامی بھئی، عجیب تقریر کرتے ہیں انسان حیران رہ جاتا ہے۔ دوسری تقریر سنو بھئی عجیب تقریر صاحبِ جامی کی۔ صاحبِ جامی فرماتے ہیں، متن پہ نظر رکھو، کہتے ہیں یہ جو الْمُسْنَدُ بِهِ آیا، کیا آیا؟ الْمُسْنَدُ بِهِ آیا اور اس کی ہم نے اتنی لمبی تقریر کی، یہاں پر با کو إِلَى کے معنیٰ میں لے لیں، کس معنیٰ میں؟ إِلَى کے معنیٰ میں: أَيِ الْمُسْنَدُ إِلَيْهِ۔ توجہ ہے؟ الْمُسْنَدُ إِلَيْهِ، مُسْنَدٌ إِلَيْهِ، تو یہ الْمُسْنَدُ إِلَيْهِ ہے اور إِلَيْهِ کی ہا ضمیر راجع کر دو بتدا کو۔ إِلَيْهِ کی ہا ضمیر راجع کر دو بتدا کی طرف، سارا مسئلہ حل ہو گیا! وہ جو ایک ڈیڑھ گھنٹہ ہم نے تقریر کی اس مقام کو حل کرنے کے لیے وہ سارا حل ہو گیا۔ کس طرح؟ الْمُسْنَدُ بِهِ، با کو کس معنیٰ میں لے لو؟ إِلَى کے معنیٰ میں، تو بِهِ کیا بن گیا؟ إِلَيْهِ، الْمُسْنَدُ إِلَيْهِ۔ خبر کسے کہتے ہیں؟ وہ اسم جو خالی ہو عواملِ لفظیہ سے الْمُسْنَدُ إِلَيْهِ اور جس کا اسناد کیا گیا ہو بتدا کی طرف۔ تو یہ بِهِ بے کار نہیں ہے، یہ بِهِ اصل میں کیا تھا؟ إِلَيْهِ، إِلَيْهِ تھا، اور یاد رکھو عربی زبان میں یہ حروفِ جارہ ایک دوسرے کی جگہ استعمال ہوتے رہتے ہیں۔ تو اصل میں یہ الْمُسْنَدُ إِلَيْهِ تھا، کیا تھا؟ الْمُسْنَدُ إِلَيْهِ، پھر إِلَيْهِ کی إِلَى کو کس سے بدل دیا صاحبِ کافیہ نے؟ با سے بدل دیا، تو إِلَيْهِ کو بدل دیا انہوں نے بِهِ کے ساتھ بدل دیا بھئی۔ کیوں؟ یہ إِلَيْهِ کو بِهِ سے کیوں بدلا؟ کہتے ہیں اس لیے کیونکہ یہ بھی ہے الْمُسْنَدُ إِلَيْهِ اور پیچھے بتدا کے اندر بھی آیا تھا مُسْنَدًا إِلَيْهِ، وہ بھی مُسْنَدٌ إِلَيْهِ اور یہ خبر بھی مُسْنَدٌ إِلَيْهِ، تو پھر اشتباہ لازم آتا تھا، لہٰذا إِلَيْهِ کے بجائے کیا کہہ دیا؟ بِهِ کہہ دیا بھئی۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو کمال کی تقریر کی صاحبِ جامی نے بھئی، کہ الْمُسْنَدُ إِلَيْهِ، تعریف سمجھ میں آرہی ہے؟ کہ خبر جو ہے هُوَ الْمُجَرَّدُ وہ اسم ہے جو خالی ہو عواملِ لفظیہ سے الْمُسْنَدُ إِلَيْهِ جس کا اسناد کیا گیا ہو إِلَيْهِ کس کی طرف؟ بتدا کی

طرف۔ اب الْمُسْنَد کے اندر هُوَ ضمیر مصدر کی طرف لوٹانے کی کوئی ضرورت نہیں بھئی۔ بات سمجھ میں آگئی؟ اب اس کے اندر هُوَ ضمیر نائب الفاعل موجود ہے بھئی اور مصدر کو نہیں راجع بھئی۔ تو عبارت کس لیے بدلی؟ اصل میں یہ بھی کیا تھا؟ الْمُسْنَدُ إِلَيْهِ اور ہا ضمیر کس کو راجع کر دی؟ بتدا کو، اور اس کو بدل کیوں دیا؟ کیونکہ بتدا کی تعریف میں مُسْنَدٌ إِلَيْهِ آیا تھا تاکہ اس کے ساتھ اشتباہ لازم نہ آئے بھئی۔ دیکھیے بھئی۔ کہتے ہیں: أَوْ تَجْعَلَ الْبَاءَ فِي بِهِ بِمَعْنَى إِلَى یا آپ با کو کر دیں بِهِ کے اندر بمعنیٰ إِلَى، کس معنیٰ میں؟ إِلَى کے معنیٰ میں، وَالضَّمِيرَ الْمَجْرُورَ رَاجِعًا إِلَى الْمُبْتَدَأِ۔ یاد رکھو یہ جَعَلَ يَجْعَلُ دو مفعول چاہتا ہے، جَعَلْتُ الطِّينَ كَأْسًا، طِين کہتے ہیں گارے اور مٹی کو، كَأْسًا گلاس کو، جَعَلْتُ الطِّينَ كَأْسًا میں نے مٹی سے گلاس بنا دیا۔ تو جَعَلْتُ فعل با فاعل، اور الطِّينَ مفعولِ اول، اور كَأْسًا مفعولِ ثانی۔ تو یہاں پر بھی اسی طرح ہے: وَالضَّمِيرَ الْمَجْرُورَ رَاجِعًا إِلَى الْمُبْتَدَأِ، اور آپ ضمیرِ مجرور کو راجع کر دیں إِلَى الْمُبْتَدَأِ کس کی طرف؟ بتدا کی طرف راجع کر دیں۔ کیا بات ہوئی؟ أَوْ تَجْعَلَ الْبَاءَ فِي بِهِ بِمَعْنَى إِلَى وَالضَّمِيرَ الْمَجْرُورَ رَاجِعًا إِلَى الْمُبْتَدَأِ یا آپ کے لیے یہ بھی جائز ہے کہ آپ با کو إِلَى کے معنیٰ میں کر دیں اور ضمیرِ مجرور کو بتدا کی طرف لوٹا دیں۔

وَعَلَى التَّقْدِيرَيْنِ يَخْرُجُ بِهِ الْقِسْمُ الثَّانِي مِنَ الْمُبْتَدَأِ اور دونوں تقدیروں پر، دونوں تقدیروں پر یعنی چاہے آپ إِلَى الْمُبْتَدَأِ کی قید یہاں محذوف مان لیں کہ یہاں مُسْنَدٌ بِهِ سے کیا مراد لے لیں؟ مُسْنَدٌ بِهِ إِلَى الْمُبْتَدَأِ، کیا مراد لے لیں؟ ایک تقریر یہ ہے نا کہ الْمُسْنَدُ بِهِ کے ساتھ إِلَى الْمُبْتَدَأِ کی قید آپ ویسے ہی مان لیں کہ یہ مراد ہے، تو آپ چاہیں الْمُسْنَدُ بِهِ إِلَى الْمُبْتَدَأِ یہ مراد لے لیں کہ وہ جو مُسْنَدٌ بِهِ ہو کس کی طرف؟ بتدا کی طرف، اور یا آپ اس با کو کس معنیٰ میں لے لیں؟ إِلَى، دونوں صورتوں میں بتدا کی قسمِ ثانی اسی کے ذریعے نکل جائے گی۔ بتدا کی قسمِ اول بھی نکل جائے گی اور بتدا کی قسمِ ثانی بھی۔ بتدا کی قسمِ اول کیوں؟ کیونکہ وہ تو مُسْنَدٌ إِلَيْهِ ہے۔ دیکھو بھئی الْمُسْنَدُ بِهِ کے اندر دو تقریریں کیں صاحبِ جامی نے: یا تو آپ کہتے ہیں یوں کریں کہ الْمُسْنَدُ بِهِ سے مراد لے لیں الْمُسْنَدُ بِهِ إِلَى الْمُبْتَدَأِ یعنی إِلَى الْمُبْتَدَأِ کی قید یہاں ملحوظ ہے یوں کہیں، بِهِ إِلَى کے معنیٰ میں نہیں ہے بلکہ إِلَى الْمُبْتَدَأِ کی قید یہاں ملحوظ ہے کہ خبر وہ اسم ہے جو مُسْنَدٌ بِهِ ہو إِلَى الْمُبْتَدَأِ کس کی طرف؟ بتدا کی طرف۔ تو اس صورت میں بھی بتدا کی دونوں قسمیں نکل گئیں، کیونکہ خبر تو مُسْنَدٌ بِهِ ہے بتدا کی طرف اور بتدا کی قسمِ اول وہ تو خود بتدا ہے وہ بتدا کی طرف مُسْنَدٌ بِهِ نہیں، اور بتدا کی قسمِ ثانی بھی نکل گئی کیونکہ وہ مُسْنَدٌ بِهِ اپنے فاعل کی طرف ہے وہ تو بتدا کی طرف مُسْنَدٌ بِهِ نہیں، تو اس صورت میں بھی دونوں نکل گئے۔ اور اگر آپ بِهِ کو کس معنیٰ میں لے لیں؟ إِلَيْهِ کے معنیٰ میں لے لیں، تو اس صورت میں بھی کہ خبر وہ اسم ہے جس کا اسناد کیا گیا ہو إِلَى الْمُبْتَدَأِ کس کی طرف؟ بتدا کی طرف۔ جب بتدا کی طرف اسناد ہوا تو بتدا کی قسمِ اول بھی نکل گئی کیونکہ اس کا تو نہیں کسی کی طرف اسناد ہوتا، اور بتدا کی قسمِ ثانی بھی نکل گئی کیونکہ اس کا اسناد ہوتا تو ہے لیکن اپنے فاعل کی طرف ہوتا ہے بتدا کی طرف نہیں ہوتا۔ لہٰذا دونوں تقریروں کی صورت میں الْمُسْنَدُ بِهِ کی قید کے ذریعے ہی بتدا کی قسمِ اول بھی نکل گئی اور بتدا کی قسمِ ثانی بھی نکل گئی،

جب وہ دونوں نکل گئیں تو الْمُغَايِرُ لِلصِّفَةِ الْمَذْكُورَةِ قید لانے کی کوئی حاجت نہیں۔ تعریف اسی پر پوری ہو گئی: وَالْخَبَرُ هُوَ الْمُجَرَّدُ الْمُسْنَدُ بِهِ۔ تو پھر آگے اس کو پھر کیوں ذکر کیا گیا اگر اسی پر تعریف پوری ہو گئی؟ کہتے ہیں اس صورت میں پھر اس کو تاکید بنا سکتے ہیں، کیا بنا سکتے ہیں؟ تاکید، یعنی وَالْخَبَرُ هُوَ الْمُجَرَّدُ الْمُسْنَدُ بِهِ، اسی سے پتا چل گیا تھا کہ مبتدا کی قسمِ ثانی بھی نکل چکی ہے، لیکن صراحتاً یا ضمناً پتا چلا تھا؟ ضمناً سمجھ میں یہ بات آگئی تھی کہ مبتدا کی قسمِ ثانی الْمُسْنَدُ بِهِ کی قید کے ذریعے نکل چکی ہے، تو وہ ایک چیز جو ضمناً سمجھ میں آئی تھی دوبارہ اس کو صراحتاً ذکر کر دیا تو یہ اسی کے لیے تاکید بن جائے گی۔ پہلے ایک چیز صراحتاً معلوم نہیں تھی، اب صاف لفظوں میں بھی اس کو ذکر کر دیا تو وہی چیز جو پہلے معلوم ہوئی تھی اس کو اسی کے لیے تاکید بنا دیں گے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو کہتے ہیں: وَعَلَى التَّقْدِيرَيْنِ يَخْرُجُ بِهِ الْقِسْمُ الثَّانِي مِنَ الْمُبْتَدَأِ اور دونوں تقدیروں پر اس کے ذریعے مبتدا کی قسمِ ثانی نکل جائے گی اس قید کے ذریعے، وَيَكُونُ قَوْلُهُ الْمُغَايِرُ لِلصِّفَةِ الْمَذْكُورَةِ تَأْكِيدًا اور مصنف کا قول جو ہے الْمُغَايِرُ لِلصِّفَةِ الْمَذْكُورَةِ وہ تاکید ہو جائے گا۔

وَاعْلَمْ تو جان لے کہ أَنَّ الْعَامِلَ فِي الْمُبْتَدَأِ وَالْخَبَرِ هُوَ الْاِبْتِدَاءُ کہ وہ جو عامل ہے مبتدا اور خبر میں وہ ابتداء ہے۔ بھئی ابتداء کسے کہتے ہیں؟ کہتے ہیں: أَيْ تَجْرِيدُ الْاِسْمِ عَنِ الْعَوَامِلِ اللَّفْظِيَّةِ وہ اسم کا خالی کرنا عواملِ لفظیہ سے، لِيُسْنَدَ إِلَى شَيْءٍ تاکہ اس کا اسناد کیا جائے کسی چیز کی طرف، أَوْ يُسْنَدَ إِلَيْهِ شَيْءٌ اور یا اس کی طرف کسی چیز کا اسناد کیا جائے۔ میں نے بتایا تھا بھئی ابتداء کسے کہتے ہیں؟ اسم کا خالی ہونا عواملِ لفظیہ سے لیکن اس طور پر کہ اس کی طرف کسی کا اسناد ہو یا اس کا اسناد کسی کی طرف ہو، تاکہ صرف مبتدا اور خبر رہ جائیں۔ یہ ابتداء صرف مبتدا اور خبر میں عامل ہے اور کسی چیز میں عامل نہیں۔ اسی لیے کہا: أَيْ تَجْرِيدُ الْاِسْمِ عَنِ الْعَوَامِلِ اللَّفْظِيَّةِ اسم کو خالی کرنا عواملِ لفظیہ سے، لِيُسْنَدَ إِلَى شَيْءٍ تاکہ اس کا اسناد کیا جائے کسی چیز کی طرف، اس کا— اس میں کون کون داخل ہوئے؟ اس کا اسناد کیا جائے، یہ کون سا اسم ہے؟ اس کا اسناد کیا جائے: خبر، خبر اور نیز وہ مبتدا کی قسمِ ثانی، یہ دونوں مُسنَد ہیں بھئی۔ أَوْ يُسْنَدَ إِلَيْهِ شَيْءٌ یا اس کی طرف کسی چیز کا اسناد کیا جائے، اس میں کون داخل؟ مبتدا کی قسمِ اول، وہ مُسْنَدٌ إِلَيْهِ ہے۔ فَمَعْنَى الْاِبْتِدَاءِ عَامِلٌ فِي الْمُبْتَدَأِ وَالْخَبَرِ تو ابتداء کا جو معنیٰ ہے یہ عامل ہے مبتدا اور خبر میں، رَافِعٌ لَهُمَا رفع دینے والا ہے ان دونوں کو۔ تو یہ جو ابتداء ہے یہ دونوں کے اندر عامل ہے اور دونوں کو رفع دینے والا ہے، عِنْدَ الْبَصْرِيِّينَ، کن کے نزدیک؟ بصریین کے نزدیک۔ وَأَمَّا عِنْدَ غَيْرِهِمْ اور باقی بصرہ والوں کے علاوہ جو ہیں، فَقَالَ بَعْضُهُمْ تو بعض علماء فرماتے ہیں— بھئی ادھر دیکھیے، بصرہ والوں کا مذہب تو کیا کہ مبتدا میں بھی ابتداء عامل اور خبر میں بھی ابتداء عامل، لیکن بعض علماء فرماتے ہیں کہ ابتداء صرف مبتدا میں عامل ہے، ابتداء صرف مبتدا میں عامل ہے اور پھر یہ مبتدا آگے خبر میں خود عامل ہے۔ تو معلوم ہوا مبتدا عواملِ لفظیہ سے خالی ہے، خبر عواملِ لفظیہ سے خالی نہیں اس کے اندر تو مبتدا عامل ہے، مبتدا تو لفظ ہے۔ اور جبکہ بعض علماء فرماتے ہیں کہ مبتدا خبر دونوں ایک دوسرے میں عامل ہیں، مبتدا نے رفع دیا خبر کو اور خبر نے رفع دیا مبتدا کو، تو دونوں کے اندر عاملِ لفظی ہیں بھئی۔ تو صاحبِ

کافیہ نے تو کیا تعریف کی؟ کہ بتدا بھی عوامِلِ لفظیہ سے خالی ہوتا ہے اور خبر بھی عوامِلِ لفظیہ سے خالی ہوتی ہے اور یہ بصرہ والوں کا مذہب ہے اور اس کو صاحبِ کافیہ نے ترجیح دی ہے، جبکہ دیگر علماء کے قول کو لیا جائے تو پھر وہ دونوں تو عوامِلِ لفظیہ سے خالی نہیں: ایک قول کے مطابق بتدا صرف عوامِلِ لفظیہ سے خالی ہے خبر نہیں، خبر کے اندر بتدا عامل ہے، اور دوسرے قول کے مطابق دونوں میں سے ایک بھی عوامِلِ لفظیہ سے خالی نہیں ہے بھئی۔ تو کہتے ہیں: وَأَمَّا عِنْدَ غَيْرِهِمْ اور باقی بصرہ والوں کے علاوہ جو ہیں، فَقَالَ بَعْضُهُمْ تو بعض نحوی فرماتے ہیں: الْإِبْتِدَاءُ عَامِلٌ فِي الْمُبْتَدَأِ کہ ابتداء

عامل ہے بتدا میں، وَالْمُبْتَدَأُ فِي الْخَبَرِ اور بتدا عامل ہے خبر میں۔ وَقَالَ الْآخَرُونَ اور دوسرے نحوی بعض فرماتے ہیں: إِنَّ كُلَّ وَاحِدٍ مِنَ الْمُبْتَدَأِ وَالْخَبَرِ عَامِلٌ فِي الْآخَرِ کہ خبر اور بتدا دونوں میں سے ہر ایک وہ عامل ہے فِي الْآخَرِ دوسرے میں، دونوں ایک دوسرے میں عامل ہیں۔ وَعَلَى هَذَا لَا يَكُونَانِ مُجَرَّدَيْنِ عَنِ الْعَوَامِلِ اللَّفْظِيَّةِ اور اس پر یہ جو بصرہ والوں کے علاوہ قول ہے اس قول کی بنا پر لَا يَكُونَانِ مُجَرَّدَيْنِ عَنِ الْعَوَامِلِ اللَّفْظِيَّةِ یہ دونوں عوامِلِ لفظیہ سے خالی نہیں، یہ دونوں عوامِلِ لفظیہ سے خالی نہیں۔ بھئی دیکھو نا بصرہ والوں کا تو مذہب یہ ہے کہ بتدا بھی عوامِلِ لفظیہ سے خالی ہوتا ہے اور خبر بھی جیسے صاحبِ کافیہ نے تعریف کر دی، جبکہ دوسرے دو گروہ ہیں نحویوں کے۔ بھئی دیکھو یہاں کل تین قول ہو گئے: ایک بصرہ والوں کا مذہب، بصرہ والوں کے قول کے مطابق بتدا اور خبر دونوں عوامِلِ لفظیہ سے خالی ہوتے ہیں اور اسی کو صاحبِ کافیہ نے ترجیح دی اور کافیہ کے اندر اس کو ذکر کیا۔ جبکہ بعض نحوی فرماتے ہیں کہ صرف بتدا کے اندر ابتداء عامل ہے اور خبر کے اندر بتدا عامل ہے، تو اس قول کے مطابق بھی دونوں بتدا اور خبر دیکھو دونوں عوامِلِ لفظیہ سے خالی نہیں۔ اور تیسرا قول، اس کے مطابق تو دونوں میں سے ایک کے اندر بھی ابتداء عامل نہیں ہے، بتدا اور خبر دونوں ایک دوسرے کے اندر عامل ہیں، تو یہ جو آخری دونوں قول لے لیے جائیں تو ان کی بنا پر بتدا اور خبر دونوں عوامِلِ لفظیہ سے خالی نہیں، دونوں عوامِلِ لفظیہ سے خالی نہیں، حالانکہ صاحبِ کافیہ نے تو کیا کہا؟ دونوں عوامِلِ لفظیہ سے خالی ہوتے ہیں، معلوم ہوا انہوں نے کس کے مذہب کو ترجیح دی ہے؟ بصرہ والوں کے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو یہ جو کہا نا وَعَلَى هَذَا اور اس پر اس بنا پر، تو اس کے ذریعے اشارہ ہے وہ جو بصرہ والوں کے علاوہ دونوں قول ہیں نا دونوں کی طرف اشارہ ہے، کہ ان دونوں قولوں پر لَا يَكُونَانِ مُجَرَّدَيْنِ دونوں خالی نہیں ہیں عَنِ الْعَوَامِلِ اللَّفْظِيَّةِ عوامِلِ لفظیہ سے، دونوں خالی نہیں ہیں عوامِلِ لفظیہ سے، لہٰذا صاحبِ کافیہ کی تعریف ان کو شامل نہیں ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ حل ہو گیا؟ چلیے بس بھئی، هَذَا هُوَ الْمَرَامُ، وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْكَلَامِ۔

سبق نمبر ۹۶: المبتدا والخبر (۴): بتدا کا معرفہ ہونا اصل اور نکرہ آنے کے مسوغات

شرحِ ملا جامی صفحہ: ۷۰ — بتاریخ: ۶ نومبر ۲۰۲۱ء

▪ تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث

آگے سبق دیکھیے بھائی:

وَأَصْلُ الْمُبْتَدَإِ أَيْ مَا يَنْبَغِي أَنْ يَكُونَ الْمُبْتَدَأُ عَلَيْهِ إِذَا لَمْ يَمْنَعْ مَانِعٌ التَّقْدِيمُ عَلَى الْخَبَرِ لَفْظًا لِأَنَّ الْمُبْتَدَأَ ذَاتٌ وَالْخَبَرَ حَالٌ مِنْ أَحْوَالِهَا وَالذَّاتُ مُقَدَّمَةٌ عَلَى أَحْوَالِهَا، وَمِنْ ثَمَّ أَيْ وَمِنْ أَجْلِ أَنَّ الْأَصْلَ فِي الْمُبْتَدَإِ التَّقْدِيمُ لَفْظًا جَازَ قَوْلُهُمْ فِي دَارِهِ زَيْدٌ مَعَ كَوْنِ الضَّمِيرِ عَائِدًا إِلَى زَيْدٍ الْمُتَأَخِّرِ لَفْظًا لِتَقَدُّمِهِ رُتْبَةً لِإِصَالَةِ التَّقْدِيمِ.

گزشتہ سبق میں ہم نے خبر کے بارے میں پڑھنا شروع کیا تھا، اور صاحبِ جامی نے آپ کو بتلایا تھا کہ خبر وہ اسم ہے جو خالی ہو عوامِلِ لفظیہ سے۔ اور پھر اس پر اشکال ہوا تھا کہ خبر تو کبھی کبھار جملہ بھی ہوتی ہے اور آپ نے تو کیا فرمایا کہ خبر وہ اسم ہے جو خالی ہو عوامِلِ لفظیہ سے؟ تو اس کا جواب میں نے ذکر کیا تھا کہ خبر کبھی کبھار جملہ ہوتی ہے تو وہ حقیقتاً تو اسم نہیں لیکن حکماً اسم ہے، یعنی وہ اسم کے حکم میں ہے۔ اور اسم کے حکم میں ہے بایں لحاظ کہ اس کو اسم کے ساتھ تعبیر کیا جا سکتا ہے، جیسے زَيْدٌ أَبُوهُ قَائِمٌ۔ یہ جو أَبُوهُ قَائِمٌ یہ خبر ہے زَيْدٌ کی اور یہ قَائِمُ الْأَبِ کی تاویل میں ہے بھائی۔ تو گویا یوں کہا گیا زَيْدٌ قَائِمُ الْأَبِ کہ زید قائم الاب ہے بھائی۔ تو دیکھو جملے کی تعبیر مفرد کے ساتھ، اسم کے ساتھ کر دی گئی، تو یہ حقیقتاً تو اسم نہیں لیکن تاویلاً دیکھو اسم ہے۔

اور پھر اس کے بعد آگے الْمُسْنَدُ بِهِ آیا تھا بھائی اور اس پر ہم نے طویل بحث کی تھی بھائی۔ تو یہاں دیکھو الْمُسْنَدُ بِهِ آیا متن میں کہ خبر وہ اسم ہے جو خالی ہو عوامِلِ لفظیہ سے اور مسندبہ ہو، اور آگے صاحبِ جامی نے اس کی تفسیر کی أَيْ مَا يُوقَعُ بِهِ الْإِسْنَادُ، یعنی وہ اسم جس کے ذریعے اسناد کو واقع کیا جائے۔ جیسے دیکھو لفظ زید اکیلا ہے، تو یہاں کوئی اسناد نہیں۔

پھر میں ایک اور لفظ قَائِمٌ لایا اور اس قَائِمٌ کے ذریعے میں نے اسناد کر دیا، یعنی اس کو زید کے ساتھ جوڑ دیا، زید پر قیام کا حکم لگا دیا۔ تو کلام کیا بن گیا: زَيْدٌ قَائِمٌ۔ تو دیکھو قَائِمٌ کے ذریعے اسناد کیا گیا۔ یہ ہے مَا يُوقَعُ بِهِ الْإِسْنَادُ، وہ اسم جس کے ذریعے اسناد کیا گیا۔ تو بہرحال بات یہ چل رہی تھی کہ متن میں تو آیا الْمُسْنَدُ بِهِ، تو صاحبِ جامی نے اس کی تفسیر مَا يُوقَعُ بِهِ الْإِسْنَادُ کے ساتھ کیوں کی؟

تو اشکال یہاں اصل میں یہ ہوتا تھا کہ الْمُسْنَدُ یہ تو خود متعدی ہے بھائی، تو اسی کے اندر هُوَ ضمیر نائب الفاعل کی موجود ہے۔ تو پھر آگے اس کے ساتھ بِهِ کو کیوں ذکر کیا گیا؟ یہ بِهِ تو متعدی بنانے کے لیے لاتے ہیں، اور الْمُسْنَدُ جب خود متعدی ہے تو بِهِ کے ذریعے اس کو متعدی کرنے کی کوئی حاجت نہیں، تو یہ بِهِ تو زائد ہے، بے کار ہے بھائی۔ تو بعض شارحین نے پھر اس کا جواب دیا کہ الْمُسْنَدُ بِهِ کے اندر تضمین ہے بھائی، تضمین۔ تضمین اسے کہتے ہیں کہ ایک فعل کے اندر دوسرے فعل کا معنی ملحوظ ہو اور آگے آنے والا صلہ یعنی حرفِ جر جو ہے وہ اس پر دلالت کر رہا ہو۔ تو اب اسناد کا صلہ تو بِهِ نہیں آتا، لہٰذا معلوم ہوا اس کے اندر وَقَعَ يَقَعُ کا معنی ملحوظ ہے، اور وَقَعَ يَقَعُ تو لازم ہے، اس کے لیے تو مفعول نہیں آتا، تو اس کو پھر بِهِ کے ذریعے یعنی با کے ذریعے متعدی کرتے ہیں۔ تو الْمُسْنَدُ بِهِ کے اندر معلوم ہوا کہ يَقَعُ کا معنی ملحوظ ہے اور یہ بِهِ اس يَقَعُ پر دلالت کر رہا ہے۔ اور میں نے بتایا تھا تضمین کے اندر آپ یہ نہ سمجھیں کہ ذکر تو الْمُسْنَدُ ہے اور معنی يَقَعُ کا ملحوظ ہے اس کے اندر یعنی مسند کا اپنا معنی ہے ہی نہیں، نہیں، پھر تو یہ مجاز بن جائے گا بھائی کہ ایک فعل دوسرے فعل کے معنی میں ہے۔ تو یہ مجاز نہیں ہے بلکہ مسند یعنی اسناد کا اپنا معنی بھی ملحوظ ہے اور يَقَعُ کا معنی بھی یہاں ملحوظ ہے بھائی۔ تو وہ فرماتے ہیں کہ یہ اسی لیے صاحبِ جامی نے أَيْ مَا يُوقَعُ بِهِ الْإِسْنَادُ کے ساتھ اس کی تفسیر کی، یعنی يُوقَعُ کو نکال کر بتلا دیا کہ الْمُسْنَدُ کے اندر يُوقَعُ فعل کا معنی ملحوظ ہے۔

لیکن میں نے بتایا کہ یہ تقریر درست نہیں بھائی۔ اس لیے کیونکہ جب جہاں تضمین ہو تو وہاں پر یا تو عطف کے ذریعے اس کی تفسیر کی جاتی ہے، دوسرے فعل کو بھی عطف کے ساتھ ذکر کر دیا جاتا ہے، یا دو فعلوں میں سے ایک کو اسی طرح رکھتے ہیں اور ایک کو حال بنا کر لے آتے ہیں، دونوں کو ذکر کرتے ہیں، لیکن یہاں پر ایسا نہیں ہے۔ اگر یہ کہا جائے کہ مسند کے اندر يُوقَعُ کا معنی ملحوظ ہے اور يُوقَعُ تو بِهِ کے ذریعے متعدی ہوتا ہے، حالانکہ یہاں پر تو الْإِسْنَادُ جو ہے وہ نائب الفاعل بن رہا ہے يُوقَعُ کا، مَا يُوقَعُ بِهِ الْإِسْنَادُ، مَا وہ چیز یا وہ اسم يُوقَعُ بِهِ الْإِسْنَادُ جس کے ذریعے اسناد کو واقع کیا جائے، تو يُوقَعُ کا تو نائب الفاعل الْإِسْنَادُ آ رہا ہے، بِهِ تو پھر بھی اس کے لیے نائب الفاعل نہیں بنا۔ حالانکہ جنہوں نے کہا کہ یہاں تضمین ہے ان کے نزدیک یہ بِهِ کیوں لائے؟ يُوقَعُ کو متعدی کرنے کے لیے، کیونکہ يُوقَعُ تو فعلِ لازم تھا، اب فعلِ مجہول بنایا تو فعلِ مجہول کے لیے کیا کرتے ہیں؟ مفعول بہ کو نائب الفاعل بناتے ہیں، اور وَقَعَ يَقَعُ کا تو مفعول بہ آتا ہی نہیں، تو پھر بِهِ کے ذریعے متعدی کر دیا گیا۔ تو یہ جو بِهِ میں هَا ضمیر ہے یہ مفعول بہ غیرِ صریح ہوئی۔ کیا ہوئی؟ غیرِ صریح ہوئی، اور پھر یہی کیا بن جائے گی؟ نائب الفاعل بن جائے گی جب فعل کو مجہول بنائیں گے۔ ضُرِبَ زَيْدٌ عَمْرًا، یہ عَمْرًا کیا ہے؟ مفعول بہ۔ پھر

جب ہم ضُرِبَ بنائیں گے تو یہی عَمْرًا کیا بن جائے گا؟ نائب الفاعل بن جائے گا، أَيْ ضُرِبَ عَمْرٌو۔ اور وَقَعَ يَقَعُ کا تو مفعول آتا نہیں، تو اس کو جب فعلِ مجہول بنائیں گے تو نائب فاعل کس کو بنائیں؟ تو لہٰذا اس کو کس کے ذریعے متعدی کر دیا؟ بِهِ کے ذریعے، اور میں نے بتایا یہ جو حروفِ جارہ جن پر داخل ہوتے ہیں یعنی وہ جو مجرور ہوتا ہے وہ بھی دراصل مفعول بہ ہی ہے۔ ہاں البتہ وہ مفعول بہ غیرِ صریح ہے۔ تو یہ بِهِ کی هَا ضمیر کیا ہوئی؟ مفعول بہ۔ پھر اسی کو يُوقَعُ کے لیے کیا بنا دیا گیا؟ نائب الفاعل بنا دیا گیا۔ لیکن اگر یہ تقریر کی جائے تو پھر الْإِسْنَادُ لانے کا کیا معنی؟ مَا يُوقَعُ بِهِ الْإِسْنَادُ، کہ الْإِسْنَادُ تو خود نائب الفاعل بن رہا ہے يُوقَعُ کے لیے، تو پھر بِهِ لانے کی کیا ضرورت ہے؟ بات سمجھ میں آ رہی ہے؟

تو لہٰذا یہ تقریر درست نہیں کہ یہاں تضمین ہے، بلکہ میں نے بتلایا کہ صاحبِ جامی یہاں سے یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ الْمُسْنَدُ کے اندر ضمیر موجود ہے لیکن وہ ضمیر اسی کے مصدر کو راجع ہے۔ میں نے بتایا تھا بعض اوقات ایک فعل ذکر ہوتا ہے اور اس کے فاعل یا نائب فاعل کا پتا نہیں چلتا، تو پھر اس کے اندر جو ضمیر ہے اسی کے مصدر کی طرف راجع کر دیتے ہیں۔ تو لہٰذا تو الْمُسْنَدُ جب بنایا گیا تو اس کے اندر ضمیر کس کو راجع کر دی؟ اس کے مصدر کو۔ اور الف لام یہاں الْمُسْنَدُ پر الف لام کس معنی میں ہے؟ اَلَّذِي کے معنی میں ہے کیونکہ وہ الف لام جو اسمِ فاعل یا اسمِ مفعول کے صیغوں پر داخل ہو بمعنی اَلَّذِي ہوتا ہے۔ تو الْمُسْنَدُ کس معنی میں ہوا؟ اَلَّذِي يُسْنَدُ۔ اَلَّذِي يُسْنَدُ، اور اس يُسْنَدُ کے اندر ضمیر کس کو راجع کر دی؟ اسی کے مصدر کو راجع کر دی: اَلَّذِي يُسْنَدُ الْإِسْنَادُ، يُسْنَدُ الْإِسْنَادُ۔ اور میں نے بتایا تھا یہ أَسْنَدَ يُسْنِدُ فعل اس کے لیے مفعول آتا ہے، اس کے لیے مفعول آتا ہے، تو جب آپ نے اَلَّذِي يُسْنَدُ کے اندر ضمیر اسی کے مصدر کو راجع کر دی تو مفعول تو ابھی بھی باقی ہے، اس کو تو آپ نے فعل کے ساتھ جوڑا ہی نہیں، لیکن اب وہ نہیں جڑ سکتا کیونکہ آپ نے ضمیر کس کو راجع کر دی ہے؟ مصدر کو۔ تو پھر اس کو جوڑنے کے لیے یعنی یوں کہیں، یوں کہیں یہ جو يُسْنَدُ فعلِ مجہول ہے اس کے اندر جو ضمیر ہے نائب فاعل وہ کس کو راجع کر دی؟ مصدر کو۔ اور وہ مفعول کو ابھی بھی اس سے جوڑنا ہے، اور اب اس کو آپ براہِ راست نہیں جوڑ سکتے تو پھر با کا سہارا لیا گیا، یعنی اس با کو تعدیہ کے لیے لایا گیا، متعدی کرنے کے لیے لایا گیا۔ تو صاحبِ جامی یہی بتلانا چاہتے ہیں، تو کہ اَلَّذِي يُسْنَدُ کے اندر هُوَ ضمیر اس کے مصدر کو راجع ہے اور پھر بِهِ کے ذریعے آگے اس کے مفعول بہ کو بھی جوڑ دیا گیا۔ بات سمجھ میں آئی کہ نہیں؟ جی۔

پھر سنو، دیکھو مثلاً دیکھو ضَرَبَ سے ہم مثال بنا لیتے ہیں۔ ضَرَبَ زَيْدٌ عَمْرًا، یہ عَمْرًا کیا ہے؟ مفعول بہ ہے۔ اب میں اس کو فعلِ مجہول بناتا ہوں تو فاعل زَيْدٌ کو حذف کر لوں گا اور کیا کہوں گا ضُرِبَ عَمْرٌو۔ لیکن فرض کرو میں عَمْرٌو کو میں نائب الفاعل نہیں بناتا بلکہ ضُرِبَ کے اندر هُوَ ضمیر میں اسی کے مصدر کو لوٹا دیتا ہوں: ضُرِبَ الضَّرْبُ، ضُرِبَ الضَّرْبُ۔ اب آگے جو مفعول بہ عمر تھا وہ تو ابھی بھی موجود ہے، وہ تو ابھی بھی نہیں جوڑا آپ نے فعل کے ساتھ، اور اب آپ اس کو نہیں جوڑ سکتے کیونکہ اس نے نائب الفاعل بننا تھا لیکن ضمیر آپ نے کس کو لوٹا دی؟ اسی کے مصدر کو۔ اب اس کو بھی ہم

ساتھ جوڑنا چاہتے ہیں، لیکن اب اس کے جوڑنے کی کوئی صورت نہیں، وہ ضمیر اس کے لیے تھی لیکن آپ نے کس کے لیے استعمال کرلی؟ مصدر کے لیے۔ تو اب اس کو بھی جوڑنا ہے، تو اب با کے ذریعے متعدی کریں گے، با لے کر آئیں گے تو کیسے کہیں گے؟ تو کیسے کہیں گے ضُرِبَ الضَّرْبُ، ضمیر اسی کے مصدر کو راجع ہے، ضُرِبَ الضَّرْبُ، اور با کے ذریعے متعدی کیا کس کی طرف؟ عمر کی طرف: ضُرِبَ الضَّرْبُ بِعَمْرٍو۔ اور ضُرِبَ الضَّرْبُ کا ترجمہ کس کے ساتھ کریں گے؟ یُوقَعُ الضَّرْبُ، جیسے یہاں آیا: أَيْ يُوقَعُ الضَّرْبُ بِعَمْرٍو۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو یُوقَعُ الضَّرْبُ بِعَمْرٍو، یہ ویسے مثال سمجھانے کے لیے میں نے بتایا کہ اس طرح یہاں بھی اسی طرح ہوا ہے: أَيْ مَا يُوقَعُ بِهِ الْإِسْنَادُ۔ يُوقَعُ الْإِسْنَادُ سے کیا بتایا؟ کہ اس کے اندر ضمیر اسی کے مصدر کو راجع ہے، تو پھر معنی کیسے کریں گے؟ میں نے بتایا تھا اُسْتُغْنِيَ عَنْهُ، پھر ضمیر کس کو راجع کی؟ استغناء کو، تو کلام کیا بن گیا؟ اُسْتُغْنِيَ الِاسْتِغْنَاءُ، اُسْتُغْنِيَ الِاسْتِغْنَاءُ، اور پھر ترجمہ کیسے کرتے ہیں؟ يَقَعُ الِاسْتِغْنَاءُ۔ تو یہاں پر بھی اسی طرح ہوا، الْمُسْنَدُ الْإِسْنَادُ، یا یوں کہو الف لام کو اَلَّذِي کے معنی میں لے لو: اَلَّذِي يُسْنَدُ الْإِسْنَادُ، اَلَّذِي يُسْنَدُ الْإِسْنَادُ، اور پھر معنی کیسے کریں گے؟ يُوقَعُ، میں نے بتایا يَقَعُ کے ساتھ نہیں کیونکہ اسناد واقع ہوتا نہیں ہے، اسناد کو واقع کیا جاتا ہے، لہٰذا یہاں يُوقَعُ لائیں گے یعنی أَوْقَعَ يُوقِعُ بابِ افعال سے لے کر آئیں گے، کیونکہ وہ فعلِ متعدی ہے بھائی۔ بات سمجھ میں آ گئی؟ تو أَيْ يُوقَعُ الْإِسْنَادُ اور اس کے ساتھ پھر بِهِ کو جوڑ دیا کیونکہ وہ مفعول لہ کو بھی ساتھ جوڑنا ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو معلوم ہوا یہ با زائد اور بے کار نہیں ہے، یہ اس کو متعدی بنانے کے لیے ہے، کیونکہ الْمُسْنَدُ کے اندر هُوَ ضمیر اسی کے مصدر کو راجع ہے وہ نائب الفاعل ہے، اور اصل میں جو مفعول تھا اس کو ابھی بھی جوڑنا ہے تو کس کے ذریعے جوڑیں گے؟ با کے ذریعے جوڑیں گے، معلوم ہوا یہ با زائد اور بے کار نہیں ہے بھائی۔

تو کہتے ہیں الْمُسْنَدُ بِهِ أَيْ مَا يُوقَعُ بِهِ الْإِسْنَادُ یعنی وہ اسم جس کے ذریعے اسناد واقع کیا جائے، اور میں نے بتایا تھا یہ با استعانت کے لیے بھی آپ بنا سکتے ہیں اور سببیت کے لیے بھی۔ اگر استعانت کے لیے ہو تو ترجمہ یوں ہوگا: أَيْ مَا يُوقَعُ بِهِ الْإِسْنَادُ وہ اسم کہ اس کی مدد سے اسناد واقع کیا جائے، یا اگر با کو سببیہ بنائیں تو مَا يُوقَعُ بِهِ الْإِسْنَادُ وہ اسم جس کے ذریعے سے، جس کے سبب سے اسناد واقع کیا جائے۔

اور آگے خبر کی تعریف میں قید آئی تھی الْمُغَايِرُ لِلصِّفَةِ الْمَذْكُورَةِ کہ وہ خبر کیا ہو؟ اس صفتِ مذکورہ سے مغایر ہو، وہ جو صفت ذکر ہوئی تھی بتدا کی قسمِ ثانی کے اندر بھائی، اس سے مغایر ہو، اس سے الگ ہو۔ تو صاحبِ جامی نے آپ کو بتلایا تھا کہ اس قید کے بغیر بھی تعریف پوری ہو سکتی ہے اگر آپ الْمُسْنَدُ بِهِ سے کیا مراد لے لیں؟ الْمُسْنَدُ بِهِ إِلَى الْمُبْتَدَأِ مراد لے لیں۔ خبر وہ اسم ہے جو عوامل لفظیہ سے خالی ہو اور مسندبہ ہو، کہ مسندبہ سے آپ کیا مراد لے لیں؟ الْمُسْنَدُ بِهِ إِلَى الْمُبْتَدَأِ مراد لے لیں یعنی إِلَى الْمُبْتَدَأِ کی قید یہاں ملحوظ رکھ لیں۔ تو خبر وہ اسم ہے جو خالی ہو عوامل لفظیہ سے اور مسندبہ ہو بتدا کی طرف۔ اس قید کے ذریعے بتدا کی قسمِ اول بھی نکل گئی، بتدا کی قسمِ ثانی بھی نکل گئی۔ کیا کہا؟ جو مسندبہ ہو کس

کی طرف؟ بتدا کی طرف۔ تو بتدا کی قسمِ اول وہ تو مسند الیہ ہے، وہ بھی نکل گئی۔ اور بتدا کی قسمِ ثانی مسندبہ ہے لیکن وہ مسندبہ إِلَى الْمُبْتَدَأِ نہیں ہے بلکہ وہ مسندبہ إِلَى الْفَاعِلِ ہے، وہ اپنے فاعل یا نائب فاعل کی طرف مسندبہ ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو دونوں اس مسندبہ کی قید کے ذریعے نکل جائیں گے اگر آپ الْمُسْنَدُ بِهِ سے الْمُسْنَدُ بِهِ إِلَى الْمُبْتَدَأِ مراد لے لیں۔ یا دوسری صورت یہ ہے کہ الْمُسْنَدُ بِهِ کے اندر یوں کہیں کہ یہ با إِلَى کے معنی میں ہے، یعنی اصل میں تھا الْمُسْنَدُ إِلَيْهِ، پھر إِلَى کو تعبیر کس سے کر دیا صاحبِ کافیہ نے؟ با سے۔ تو الْمُسْنَدُ إِلَيْهِ تھا اور یہ إِلَيْهِ کی هَا ضمیر راجع ہے بتدا کو، اور میں نے بتایا حروفِ جارہ ایک دوسرے کی جگہ استعمال ہوتے ہیں۔ تو گویا یہاں پر بھی با کس معنی میں ہے؟ إِلَى کے معنی میں۔ تو اصل میں یوں ہے: الْمُسْنَدُ إِلَيْهِ، خبر وہ اسم ہے جو خالی ہو عواملِ لفظیہ سے

الْمُسْنَدُ إِلَيْهِ، اور جس کا اسناد کیا گیا ہو إِلَيْهِ کس کی طرف؟ بتدا کی طرف۔ کس کی طرف؟ بتدا کی طرف جس کا اسناد کیا گیا ہو۔ معلوم ہوا یہ بِهِ زائد نہیں، یہ بِهِ بمعنی إِلَيْهِ کے ہے بھائی۔ اور اس صورت میں بھی دیکھو بتدا کی دونوں قسمیں نکل گئیں۔ خبر وہ ہے جو مسند ہو کس کی طرف؟ بتدا کی طرف۔ جب مسند ہے تو بتدا کی قسمِ اول بھی نکل گئی کیونکہ وہ تو مسند بہ ہے ہی نہیں، وہ تو مسند الیہ ہے، اور دوسری قسم بھی نکل گئی کیونکہ وہ بھی مسند إِلَى الْمُبْتَدَأِ نہیں ہے، وہ تو خود بتدا ہے، وہ تو مسند إِلَى الْفَاعِلِ ہے بھائی۔ لہٰذا وہ بھی نکل گئی۔ تو الْمُسْنَدُ بِهِ اصل میں کیا تھا؟ الْمُسْنَدُ إِلَيْهِ تھا، اور إِلَيْهِ کی هَا ضمیر بتدا کو راجع تھی۔ لیکن سوال کہ پھر صاحبِ کافیہ نے إِلَى کو با کے ساتھ کیوں بدل دیا؟ مسند الیہ کے بجائے مسند بِهِ کیوں کہا؟ کہتے ہیں تاکہ اشتباہ واقع نہ ہو، کیونکہ بتدا کی قسمِ اول میں بھی مسند الیہ آیا تھا، یہاں بھی مسند الیہ آجاتا، تو دونوں میں اشتباہ ہوتا۔ لہٰذا اس ثانی مسند الیہ کو انہوں نے کس سے بدل دیا؟ مسند بِهِ سے بدل دیا۔

تو کہتے ہیں اس صورت میں چاہے آپ إِلَى الْمُبْتَدَأِ کی قید ملحوظ مان لیں، یعنی وہ مراد لے لیں الْمُسْنَدُ بِهِ إِلَى الْمُبْتَدَأِ، یا چاہے آپ اس با کو إِلَى کے معنی میں لے لیں، دونوں صورتوں میں بتدا کی قسمِ اول بھی نکل جاتی ہے اس قید کے ذریعے اور بتدا کی قسمِ ثانی بھی نکل جاتی ہے، تو پھر آگے الْمُغَايِرُ لِلصِّفَةِ الْمَذْكُورَةِ یہ قید لانے کی کوئی حاجت نہیں۔ ہاں یہ تاکید بن جائے گی۔ کیا بن جائے گی؟ تاکید۔ یعنی وہ بات جو پہلے ضمناً معلوم ہو رہی تھی اسی کو صراحتاً بھی ذکر کر دیا، تو ایک چیز کو جب دوبارہ ذکر کیا جائے تو وہ کیا کہلاتی ہے؟ تاکید کہلاتی ہے۔ تو مسند بِهِ سے ہی پتا چل گیا تھا کہ بتدا کی قسمِ ثانی اس سے نکل چکی ہے، لیکن آگے پھر صراحتاً بھی کہہ دیا الْمُغَايِرُ لِلصِّفَةِ الْمَذْكُورَةِ کہ خبر جو ہے وہ صفتِ مذکورہ سے مغایر ہو، تو وہ جو ضمناً معلوم ہوا تھا اس کو صراحتاً بھی ذکر کر دیا، بات اور زیادہ واضح ہو گئی اور یہ تاکید ہے اسی کے لیے بھائی۔

یہاں تک بات سمجھ میں آگئی؟ اور پھر انہوں نے آخر میں بتایا تھا کہ بتدا اور خبر دونوں کے اندر عامل ابتدا ہے، اور ابتدا کہتے ہیں اسم کا خالی ہونا عواملِ لفظیہ سے اور اس طور پر کہ اس کا اسناد کسی کی طرف کیا جائے یا اس کی طرف کسی کا

اسناد کیا جائے، تو اب اس میں مبتدا کی دونوں قسمیں بھی داخل ہو گئیں اور خبر بھی۔ یہ تینوں جو ہیں عوامِل لفظیہ سے خالی ہیں اور ان تینوں میں سے ہر ایک یا تو مسند ہے یا مسند الیہ ہے بھائی۔ باقی اور کسی جگہ یہ ابتدا عامل نہیں، جبکہ بعض دوسرے علماء فرماتے ہیں، ان کا مذہب الگ ہے، ان میں سے بعض فرماتے ہیں کہ ابتدا صرف مبتدا میں عامل ہے اور خبر کے اندر پھر خود مبتدا عامل ہے، اس خبر کے اندر ابتدا عامل نہیں۔ جبکہ بعض علماء فرماتے ہیں کہ ابتدا کسی میں بھی نہیں عامل، مبتدا کے اندر خبر عامل ہے اور خبر کے اندر مبتدا عامل ہے، دونوں ایک دوسرے میں عامل ہیں بھائی۔ تو کہتے ہیں اگر یہ جو دوسروں کے قول کو لیا جائے، دوسروں کے قول کو، چاہے جو صرف ابتدا کو مبتدا میں عامل مانتے ہیں یا چاہے دوسرا قول لیا جائے کہ دونوں ایک دوسرے میں عامل ہیں، دونوں قولوں کی بنا پر صاحبِ کافیہ کی تعریف میں یہ داخل نہیں، کیونکہ صاحبِ کافیہ نے تو بتلا دیا کہ مبتدا اور خبر دونوں کے اندر عاملِ لفظی نہیں ہوتا، معلوم ہوا دونوں میں عامل ابتدا ہے۔ تو یہ بصریین کا یہی مذہب ہے اور صاحبِ کافیہ نے بھی اس کو ترجیح دی ہے بھائی۔

اب دیکھیے بھائی آج کا سبق۔ کہتے ہیں: وَأَصْلُ الْمُبْتَدَأِ أَيْ مَا يَنْبَغِي أَنْ يَكُونَ الْمُبْتَدَأُ عَلَيْهِ إِذَا لَمْ يَمْنَعْ مَانِعٌ. وَأَصْلُ الْمُبْتَدَأِ پہلے متن متن دیکھ لیں، کہتے ہیں وَأَصْلُ الْمُبْتَدَأِ التَّقْدِيمُ، اور مبتدا میں اصل جو ہے وہ تقدیم ہے بھائی۔ مبتدا میں اصل تقدیم ہے۔ یاد رکھو مبتدا کے اندر اصل یہ ہے کہ وہ مقدم ہونا چاہیے، اور خبر کے اندر اصل یہ ہے کہ وہ مؤخر ہونی چاہیے بھائی، مؤخر ہونی چاہیے۔ آسان لفظوں میں میں نے آپ کو بتلایا تھا مبتدا اسے کہتے ہیں جس کے بارے میں بات کی جائے، اور خبر وہ جو بات کی جائے اس کو خبر کہتے ہیں۔ تو جس کے بارے میں بات کی جائے پہلے اس کو ذکر کرنا چاہیے اور پھر اس کی خبر کو ذکر کرنا چاہیے بھائی۔ تو لہٰذا مبتدا میں اصل کیا ہے کہ وہ مقدم ہونا چاہیے اور خبر میں اصل یہ ہے کہ وہ مؤخر ہونی چاہیے۔ اور نیز یاد رکھنا مبتدا میں اصل یہ ہے کہ وہ معرفہ ہونا چاہیے اور خبر میں اصل یہ ہے کہ وہ نکرہ ہونی چاہیے۔

تو کہتے ہیں وَأَصْلُ الْمُبْتَدَأِ التَّقْدِيمُ اور مبتدا کے اندر اصل جو ہے تقدیم ہے یعنی اس کو مقدم کرنا، وَمِنْ ثَمَّ جَازَ فِي دَارِهِ زَيْدٌ اور اسی وجہ سے فِي دَارِهِ زَيْدٌ جائز ہے، یہ والا قول جائز ہے بھائی۔ وَامْتَنَعَ صَاحِبُهَا فِي الدَّارِ اور یہ قول ممتنع ہے یعنی جائز نہیں ہے: صَاحِبُهَا فِي الدَّارِ۔ بھائی فِي دَارِهِ زَيْدٌ یہ کہنا جائز ہے اور صَاحِبُهَا فِي الدَّارِ کہنا جائز نہیں بھائی۔ فِي دَارِهِ زَيْدٌ یہ کہنا جائز ہے، اب اس کی ترکیب سمجھ لیں بھائی۔ دیکھو فِي دَارِهِ زَيْدٌ اس کے اندر یہ فِي دَارِهِ یہ خبرِ مقدم ہے کیونکہ یہ جار مجرور ہے اور میں نے آپ کو بتلایا تھا کہ جار مجرور جب بھی کلام میں آئیں تو وہ کبھی بھی مبتدا نہیں بنتے، وہ ہمیشہ خبر بنتے ہیں۔ تو فِي دَارِهِ یہ خبرِ مقدم ہے اور زَيْدٌ مبتدا مؤخر ہے بھائی۔ اب دیکھو فِي دَارِهِ کے اندر هَا ضمیر ہے خبر کے اندر اور یہ لوٹ رہی ہے زید کی طرف۔ کس کی طرف؟ زید کی طرف۔ تو اس صورت میں یہ اضمار قبل الذکر لازم آرہا ہے، ضمیر پہلے آگئی اور مرجع بعد میں۔ تو یہ لفظوں کے اعتبار سے اضمار قبل الذکر ہے، لفظوں کے اندر هَا ضمیر پہلے ہے اور زید مؤخر ہے، لیکن رتبے کے اعتبار سے زید مقدم ہے بھائی فِي دَارِهِ پر، اس لیے کیونکہ زید مبتدا ہے اور فِي دَارِهِ خبر ہے اور مبتدا کا رتبہ خبر

پر مقدم ہوتا ہے۔ تو لہٰذا یہاں فِي دَارِهِ کے اندر جو هَا ضمیر ذکر کی اس میں اضمار قبل الذکر لفظاً تو لازم آیا لیکن رتبتاً لازم نہیں آیا اور یہ جائز ہے۔ اگر اضمار قبل الذکر لفظاً بھی ہو اور رتبتاً بھی ہو وہ تو جائز نہیں، لیکن صرف لفظاً ہو تو پھر جائز ہے بھائی۔ تو لہٰذا یہ اضمار قبل الذکر لفظاً ہے بھائی۔ بات سمجھ میں آگئی؟

وَامْتَنَعَ صَاحِبُهَا فِي الدَّارِ اور یہ قول ممتنع ہے صَاحِبُهَا فِي الدَّارِ یہ ترکیب جائز نہیں۔ وجہ یہ کہ اس ترکیب میں دیکھو صَاحِبُهَا یہ ہے بتدا اور فِي الدَّارِ یہ ہے خبر، اور صَاحِبُهَا کے اندر هَا ضمیر ہے اور یہ هَا ضمیر اَلدَّارِ کو راجع ہے جو خبر کے اندر آرہا ہے۔ تو ضمیر پہلے آگئی اور مرجع بعد میں، اور لفظوں کے اعتبار سے بھی یہ اضمار قبل الذکر ہے، لفظوں میں بھی ضمیر پہلے اور اَلدَّارِ مؤخر، اور رتبے کے اعتبار سے بھی اَلدَّارِ مؤخر ہے کیونکہ اَلدَّارِ خبر کے اندر آرہا ہے اور خبر رتبے کے اعتبار سے مؤخر ہوتی ہے۔ تو صَاحِبُهَا کے اندر یہ جو هَا ضمیر آئی اس کے اندر اضمار قبل الذکر لفظاً بھی ہے اور رتبتاً بھی ہے اور یہ جائز نہیں ہے۔ تو کہتے ہیں وَمِنْ ثَمَّ اور اسی وجہ سے جَازَ جائز ہے یہ قول فِي دَارِهِ زَيْدٌ یہ تو جائز ہے، وَامْتَنَعَ صَاحِبُهَا فِي الدَّارِ اور صَاحِبُهَا فِي الدَّارِ ممتنع ہے بھائی۔ کوئی آپ سے اگر کہے صَاحِبُهَا فِي الدَّارِ کی ترکیب کیجیے، یاد رکھیے آپ کہیں گے کہ یہ کلام جائز ہی نہیں ہے، عرب کے قوانین اور ضوابط کے مطابق جائز ہی نہیں، لہٰذا اس کی ترکیب بھی نہیں ہو سکتی بھائی۔ کیونکہ اس میں اضمار قبل الذکر ہے لفظاً بھی اور رتبتاً بھی۔

اب شرح کے ساتھ دیکھیے، کہتے ہیں: وَأَصْلُ الْمُبْتَدَأِ أَيْ مَا يَنْبَغِي أَنْ يَكُونَ الْمُبْتَدَأُ عَلَيْهِ إِذَا لَمْ يَمْنَعْ مَانِعٌ۔ یہاں سے اصل کا معنی بیان کر رہے ہیں۔ اصل کے کئی معانی آتے ہیں۔ اصل کا معنی بنیاد بھی، جیسے دیکھو مکان تعمیر کیا جاتا ہے تو پہلے بنیاد بنائی جاتی ہے مکان کی۔ بنیاد مضبوط ہو گی تو مکان بھی مضبوط ہو گا، بنیاد کمزور ہو گی تو مکان بھی کمزور ہو گا۔ اسی طرح دیکھو درخت جو ہے وہ جڑوں اور تنے پر قائم ہوتا ہے، تو جڑیں اور تنا جو ہے یہ درخت کے لیے اصل ہیں بھائی، بات سمجھ میں آگئی؟ اور اسی طرح اصل قانون کو بھی کہتے ہیں، تو اصل کے کئی معانی آتے ہیں۔ یہاں کیا معنی ہے اصل کا؟ صاحبِ جامی بتلا رہے ہیں یہاں اصل کا معنی ہے مناسب۔ أَصْلُ الْمُبْتَدَأِ یعنی بتدا کے مناسب یہ ہے کہ اس کو مقدم کرنا چاہیے۔ نہ تو اصل یہاں بنیاد کے معنی میں ہے اور نہ قانون کے معنی میں بلکہ یہ مناسب کے معنی میں ہے۔

تو کہتے ہیں وَأَصْلُ الْمُبْتَدَأِ بتدا کی اصل أَيْ مَا يَنْبَغِي، دیکھا یہ اصل کا معنی کر رہے ہیں، أَيْ مَا يَنْبَغِي أَنْ يَكُونَ الْمُبْتَدَأُ عَلَيْهِ یعنی وہ حالت کہ مناسب ہے کہ بتدا اس پر ہو، إِذَا لَمْ يَمْنَعْ مَانِعٌ جب کوئی مانع نہ ہو۔ جب کوئی مانع نہ ہو تو وہ حالت جو بتدا کے مناسب ہے اس پر بتدا ہو، التَّقْدِيمُ وہ اس کو مقدم کرنا ہے کہ وہ مقدم ہونا چاہیے بھائی۔ ہاں اگر کوئی مانع آ جائے پھر الگ بات ہے، پھر مؤخر بھی ہو سکتا ہے، جیسے فِي الدَّارِ رَجُلٌ، فِي الدَّارِ رَجُلٌ۔ دیکھو فِي الدَّارِ یہ خبرِ مقدم ہے اور رَجُلٌ بتدا مؤخر ہے، لیکن یہاں پر فِي الدَّارِ کو مقدم کرنا واجب ہے۔ توجہ ہے؟ اس لیے کیونکہ رَجُلٌ نکرہ ہے، نکرہ ہے،

اور نکرہ محضہ بتدا نہیں بنتا، کیونکہ بتدا یا تو معرفہ ہونا چاہیے یا اس میں تخصیص ہونی چاہیے، تو یہاں پر فِي الدَّارِ کو مقدم کریں گے اس سے رَجُلٌ کے اندر تخصیص آجائے گی۔ تو اب یہاں پر دیکھو بتدا کے اندر اصل تو یہ ہے اس کو مقدم ہونا چاہیے لیکن فِي الدَّارِ رَجُلٌ کے اندر رَجُلٌ بتدا ہے اور اس کو مقدم کرنا جائز ہی نہیں بھائی، اس کو مؤخر ہی رکھیں گے۔ اسی لیے صاحبِ جامی نے کہا أَيْ مَا يَنْبَغِي أَنْ يَكُونَ الْمُبْتَدَأُ عَلَيْهِ یعنی وہ حالت کہ مناسب یہ ہے کہ بتدا اس حالت پر ہو، إِذَا لَمْ يَمْنَعْ مَانِعٌ جب کوئی مانع نہ ہو۔ جبکہ فِي الدَّارِ رَجُلٌ میں مانع موجود ہے، کیا مانع؟ کہ وہاں رَجُلٌ نکرہ ہے، اور بتدا میں اصل کیا ہے؟ معرفہ ہونا چاہیے۔ تو رَجُلٌ بتدا بن ہی نہیں سکتا جب تک فِي الدَّارِ کو اس پر مقدم نہیں کریں گے۔ تو بتدا میں اصل کیا؟ مقدم ہونا چاہیے، لیکن فِي الدَّارِ رَجُلٌ میں مقدم نہیں کر سکتے کیونکہ مانع آگیا، کیونکہ اگر اس کو مقدم کریں گے پھر تو اس کا بتدا بننا ہی صحیح نہیں ہے۔ اسی لیے کہا إِذَا لَمْ يَمْنَعْ مَانِعٌ جب کوئی مانع نہ ہو بھائی۔

تو بتدا کے اندر اصل جو ہے التَّقْدِيمُ مقدم کرنا ہے عَلَى الْخَبَرِ کس پر؟ خبر پر، لَفْظًا باعتبار لفظوں کے۔ کہ بتدا میں اصل یہ ہے کہ اس کو لفظوں میں خبر پر مقدم کیا جائے بھائی۔ بھائی رتبے کے اعتبار سے تو بتدا ہے ہی مقدم کیونکہ اس کے بارے میں بات کی جا رہی ہے۔ تو جس کے بارے میں بات کی جائے وہ پہلے، اور جو بات کی جائے وہ بعد میں ہونی چاہیے۔ تو لہٰذا رتبے کے اعتبار سے تو بتدا مقدم ہی ہے، لفظوں کے اندر بھی اس کو خبر پر مقدم ہونا چاہیے، یہ مناسب ہے بھائی۔ یہ معنی ہے التَّقْدِيمُ عَلَى الْخَبَرِ خبر پر مقدم کرنا لَفْظًا باعتبار لفظوں کے۔

لِأَنَّ الْمُبْتَدَأَ ذَاتٌ اس لیے کیونکہ بتدا ذات ہے، وَالْخَبَرَ حَالٌ مِنْ أَحْوَالِهَا اور خبر حال ہے اس کے احوال میں سے، وَالذَّاتُ مُقَدَّمَةٌ عَلَى أَحْوَالِهَا اور ذات مقدم ہوتی ہے اپنے احوال پر۔ بھائی دیکھیے ایک ہے ذات اور ایک ہے اس کے احوال، احوال۔ پہلے ذات کا تصور آئے گا پھر اس کے احوال کا تصور آئے گا، یہ نہیں کہ پہلے احوال کا تصور آجائے اور پھر ذات کا تصور آئے، نہیں نہیں۔ تو پہلے کس کا تصور آئے گا؟ ذات کا، اور پھر اس کے احوال کا۔ مثلاً میں نے آپ سے کہا زید سخی ہے، تو پہلے آپ کے ذہن میں زید کا تصور آیا اور پھر اس کی حالت یعنی سخاوت کا بھی تصور آیا کہ وہ سخی ہے بھائی۔ دیکھو انہوں نے کہا لِأَنَّ الْمُبْتَدَأَ ذَاتٌ کیونکہ بتدا ذات ہے۔ بھائی ذات یاد رکھو، ذات کا ایک معنی آتا ہے کہ وہ چیز جس کا اپنا الگ وجود ہو۔ ایک ہوتی ہے ذات ایک ہے صفت۔ ذات اور ایک صفت۔ ذات وہ ہے جس کا اپنا الگ وجود ہو، اور صفت وہ ہے جس کا اپنا الگ وجود نہ ہو۔ جیسے زید، زید کا اپنا الگ خارج میں وجود ہے، اور سخاوت اس کی صفت ہے، سخاوت کا اپنا الگ کوئی وجود نہیں، یہ زید ہے تو زید کی سخاوت بھی ہے، زید نہیں تو زید کی سخاوت بھی نہیں ہے۔ یا جیسے سفیدی، سفیدی کا اپنا الگ کوئی وجود نہیں، کوئی چیز ہے یا کپڑا ہے یا کاغذ ہے تو وہ ذات ہے اور سفیدی اس کی صفت ہے۔ تو ذات سے آپ یہ والا معنی نہ سمجھ لینا کہ ذات اسے کہتے ہیں جس کا اپنا الگ وجود ہو۔ نہیں، یہاں ذات کا وہ معنی نہیں یہ جو انہوں نے کہا نا لِأَنَّ الْمُبْتَدَأَ ذَاتٌ کیونکہ بتدا ذات ہے، بلکہ یہاں ذات کا معنی ہے کہ وہ چیز جس کے بارے میں خبر

دی جا سکے اس کو ذات کہیں گے۔ وہ چیز جس کے بارے میں خبر دی جا سکے اس کو ذات کہیں گے۔ جیسے دیکھو کوئی شخص کہتا ہے اَلْعِلْمُ حَسَنٌ علم اچھی چیز ہے۔ اب دیکھو بتدا کیا؟ اَلعِلْمُ، اور خبر کیا؟ حَسَنٌ۔ اَلْعِلْمُ حَسَنٌ علم اچھی چیز ہے، علم کو بتدا بنایا

اور علم، علم کا تو اپنا الگ کوئی وجود نہیں، علم کا معنی تو ہے جاننا۔ توجہ ہے؟ علم کا معنی کیا ہے؟ جاننا۔ دیکھو اس کو اس کا تو اپنا الگ کوئی وجود نہیں۔ تو آپ کے ذہن میں اشکال آئے گا کہ ہم نے تو جامی میں پڑھا تھا کہ بتدا ذات ہوتی ہے، ذات تو کسے کہتے ہیں جس کا اپنا الگ وجود ہوتا ہے اور علم کا تو اپنا الگ کوئی وجود نہیں۔ میں نے بتایا کہ ذات کا یہ معنی یہاں نہیں، ذات کا معنی یہ ہے جس کے بارے میں خبر دی جا سکے۔ جو بھی چیز ہو جس کے بارے میں خبر دی جا سکے وہ ذات ہے۔ اور اَلْعِلْمُ بے شک صفت ہے لیکن اس کے بارے میں خبر دی جا سکتی ہے یا نہیں؟ بلکہ خبر ہم دے رہے ہیں اَلْعِلْمُ حَسَنٌ علم کیا ہے؟ اچھی چیز ہے۔ دیکھو اس کے بارے میں حسن ہونے کی ہم خبر دے رہے ہیں۔ تو جو بھی ایسی چیز ہے چاہے اس کا اپنا الگ خارج میں وجود ہو یا نہ ہو لیکن اس کے بارے میں خبر دی جا سکے، اس کو کیا کہتے ہیں؟ اس کو ذات کہتے ہیں بھائی۔

تو کہتے ہیں لِأَنَّ الْمُبْتَدَأَ ذَاتٌ اس لیے کیونکہ بتدا ذات ہے، وَالْخَبَرَ حَالٌ مِنْ أَحْوَالِهَا اور خبر جو ہے اس کے احوال میں سے ایک حال ہے، وَالذَّاتُ مُقَدَّمَةٌ عَلَى أَحْوَالِهَا اور ذات مقدم ہوتی ہے اپنے احوال پر۔ بھائی یاد رکھو پہلے ہمارے ذہن میں ذات کا تصور آتا ہے اور پھر اس کی حالت کا تصور آتا ہے۔ مثلاً زید ہے اور ایک اس کی سخاوت ہے۔ پہلے ہمارے ذہن میں زید کا تصور آئے گا اور پھر اس کی حالت اور پھر اس کی سخاوت کا تصور آئے گا۔ اسی طرح اَلْعِلْمُ حَسَنٌ پہلے ہمارے ذہن میں علم کا تصور آئے گا کہ علم کا کیا معنی ہے؟ جاننا، اور پھر اس کے بعد اس کے حسن ہونے کا اس کی حالت کا تصور آئے گا۔ تو ذات کیا ہوتی ہے؟ مقدم ہوتی ہے کس پر؟ اپنے احوال پر بھائی۔

تو انہوں نے آپ کو بتلایا بھائی کہ بتدا چونکہ ذات ہے اور خبر اس کے احوال میں سے ایک حال ہے اور ذات مقدم ہوتی ہے احوال پر، پہلے ذات کا تصور آتا ہے اور پھر اس کے بعد احوال کا تصور کیا جاتا ہے بھائی۔ تو پھر اس پر اشکال ہوتا ہے کہ قَامَ زَيْدٌ، قَامَ فعل اور زَيْدٌ اس کا فاعل۔ قَامَ فعل دیکھو یہ اپنے فاعل کی حالت بیان کر رہا ہے۔ جیسے بتدا خبر میں بتدا ہے ذات اور خبر کیا ہے؟ اس کا حال، تو اسی طرح جملہ فعلیہ کے اندر فعل جو ہے وہ حال ہے اور آگے فاعل کیا ہے؟ ذات ہے۔ تو بھئی جملہ فعلیہ کے اندر تو حال مقدم ہے اور ذات مؤخر ہے۔ آپ نے دلیل کیا ذکر کی کہ چونکہ بتدا ذات ہے اور خبر حال ہے اور ذات مقدم ہوتی ہے حال پر، تو پھر تو یہ بات جملہ فعلیہ کے اندر بھی جاری ہونی چاہیے، لیکن جملہ فعلیہ میں فعل یعنی حال پہلے آتا ہے اور ذات یعنی فاعل یا نائب فاعل بعد میں آتا ہے۔ تو اس کا جواب دیتے ہیں نحوی حضرات کہ وہاں پر ایک عارض پیش آگیا، ایک مانع پیش آگیا، اور وہ مانع یہ ہے کہ فعل جو ہے وہ عامل ہوتا ہے اور جو فاعل یا نائب فاعل

ہے وہ معمول ہوتا ہے اور عامل مقدم ہوا کرتا ہے اپنے معمول پر، اس لیے وہاں فعل کو مقدم کیا گیا، ورنہ ہونا یہی چاہیے تھا کہ پہلے ذات آنی چاہیے اور اس کے بعد صفت۔ تو لہٰذا وہاں فعل عامل تھا اس لیے اس کو مقدم کر دیا گیا اور فاعل معمول تھا اس کو مؤخر کر دیا گیا جبکہ بتدا خبر میں ایسا نہیں ہے۔ تو لہٰذا بتدا میں اصل جو ہے وہ مقدم ہونا اور خبر میں مؤخر ہونا ہے بھائی۔

کہتے ہیں وَمِنْ ثَمَّ أَيْ وَمِنْ أَجْلِ أَنَّ الْأَصْلَ فِي الْمُبْتَدَأِ، جی یہاں ثَمَّ آیا یاد رکھو بھائی یہ میں پہلے بھی بیان کر چکا ہوں، ثَمَّ میں نے بتلایا تھا کہ ثَمَّ اسمِ اشارہ ہے۔ ایک ہے ثُمَّ ثا کے ضمہ کے ساتھ، وہ حرفِ عطف ہے بھائی، اور ایک ہے ثَمَّ ثا کے فتحہ کے ساتھ، یاد رکھو یہ اسمِ اشارہ ہے مکانِ بعید کے لیے، دور کی جگہ کے لیے۔ دور کی جگہ کے لیے۔ تو یہ مکانِ بعید کے لیے اسمِ اشارہ ہے بمعنی وہ یا بمعنی وہاں۔ بات سمجھ میں آ رہی؟ وہ یا وہاں کے معنی میں یہ استعمال ہوتا ہے، اور پھر اس کے ساتھ کبھی گول تا بھی جوڑ دیتے ہیں، اور اس پر بھی زبر پڑھتے ہیں، ثَمَّةَ۔ تو کہیں پر آئے گا وَمِنْ ثَمَّةَ۔ اور پھر یہی گول تا جو ہے حالتِ وقف میں ہا سے بدل جاتی ہے، وَمِنْ ثَمَّهْ، وَمِنْ ثَمَّهْ۔ اور کبھی کبھار اس کے ساتھ لمبی تا بھی جوڑ دیتے ہیں اور اس پر بھی زبر پڑھتے ہیں وَمِنْ ثَمَّتَ، اور کبھی اس میں بھی وقف کرتے ہیں، لیکن اس میں پھر وہ ہا سے نہیں بدلے گی کیونکہ وہ لمبی تا ہے، تو کیسے پڑھیں گے؟ وَمِنْ ثَمَّتْ، وَمِنْ ثَمَّتْ۔ طریقہ سمجھ میں آیا؟ تو حالتِ وقف میں پھر تا کو ساکن کر دیں گے۔ اور پھر یاد رکھنا کبھی درمیانِ عبارت میں بھی ثَمَّهْ آ جاتا ہے۔ درمیانِ عبارت میں بھی ثَمَّهْ آ جائے گا، ہا ہو گی بھائی۔ تو آپ کے ذہن میں اشکال آئے گا بھائی کہ ہا تو اس کے ساتھ نہیں جوڑتے اس کے ساتھ تو کیا جوڑتے ہیں؟ گول تا، اور وہ گول تا حالتِ وقف میں کس سے بدل جاتی ہے؟ ہا سے بدل جاتی ہے۔ تو یہاں تو وقف نہیں یہ تو درمیانِ عبارت ہے، یہاں تو ہونا چاہیے تھا وَمِنْ ثَمَّةَ اور انہوں نے کیا لکھا ہے؟ وَمِنْ ثَمَّهْ بھائی، وَمِنْ ثَمَّهْ۔ تو کبھی کبھار درمیانِ عبارت میں بھی کبھی کلامِ عرب میں درمیانِ عبارت میں بھی وقف کی طرح لفظ کو پڑھ دیا جاتا ہے، إِجْرَاءُ الْوَقْفِ مَقَامَ الْوَصْلِ کہ وصل کے مقام میں وقف کو جاری کر دیا، وقف کے اندر جس طرح پڑھتے ہیں اسی طرح پڑھ دیا اس کو بھائی، تو لہٰذا اس کو بھی بعض اوقات درمیانِ عبارت میں وَمِنْ ثَمَّهْ پڑھ دیا جاتا ہے بھائی۔ تو یہ مقام تو وصل کا تھا یعنی درمیانِ عبارت ہے لیکن اس کو وقف کے درجے میں اتار کر اسی طرح پڑھ دیا گیا۔

تو یہ ثَمَّ کس لیے آتا ہے؟ مکانِ بعید کے لیے، مکانِ بعید کے لیے، اور یہاں پر یہ مجازی معنی میں استعمال ہے، اس لیے کہ وَمِنْ ثَمَّ اور اسی وجہ سے، اس ثَمَّ کے ذریعے پیچھے اشارہ ہے وہ جو ذکر کیا کہ بتدا میں اصل تقدیم ہے، بتدا میں اصل تقدیم ہے، کہتے ہیں اسی وجہ سے فِي دَارِهِ زَيْدٌ کہنا تو جائز ہے اور صَاحِبُهَا فِي الدَّارِ کہنا جائز نہیں ہے، تو وَمِنْ ثَمَّ، ثَمَّ کے ذریعے یہاں اشارہ کس کی طرف ہے؟ پیچھے جو حکم بیان ہوا کہ بتدا میں اصل تقدیم ہے، اس کی طرف اشارہ ہے اور وہ تو ایک حکم

ذکر ہوا، وہ تو ایک بات ذکر ہوئی، وہ تو جگہ کا نام نہیں، اور ثَمَّ تو وضع ہے کس کے لیے؟ جگہ کے لیے، مکانِ بعید کے لیے، تو یہاں پھر یہ مجازی معنی میں استعمال ہے بھائی۔ اور یہ جو وَمِنْ ثَمَّ، یہ جو مِنْ آیا یہ مِنْ سببیہ ہے مِنْ اجلیہ ہے، اس کے ذریعے کسی چیز کے سبب اور علت کو ذکر کیا جاتا ہے۔ اسی لیے صاحبِ جامی نے وَمِنْ ثَمَّ کی تفسیر کیا کی؟ أَيْ وَمِنْ أَجْلِ، أَجْلِ کے ساتھ کی، یہ بتلانے کے لیے کہ یہ مِنْ سببیہ ہے۔

کہتے ہیں وَمِنْ ثَمَّ اور اسی وجہ سے أَيْ وَمِنْ أَجْلِ أَنَّ الْأَصْلَ فِي الْمُبْتَدَأِ التَّقْدِيمُ لَفْظًا اور اسی وجہ سے کہ بتدا کے اندر اصل جو ہے وہ لفظاً تقدیم ہے کہ لفظوں کے اعتبار سے اس کو مقدم کرنا چاہیے، جَازَ جائز ہے قَوْلُهُمْ یہ قول فِي دَارِهِ زَيْدٌ۔ فِي دَارِهِ زَيْدٌ جائز ہے بھائی۔ کیوں جائز ہے؟ فِي دَارِهِ کے اندر هَا ضمیر زید کو راجع ہے اور زید تو لفظوں میں مؤخر ہے، لیکن پھر بھی یہ ترکیب جائز، کیوں جائز؟ کیونکہ زید لفظوں میں تو بے شک مؤخر ہے لیکن رتبے کے اعتبار سے مقدم ہے کیونکہ بتدا میں اصل تقدیم ہے۔

اب دیکھو عبارت پہ نظر رکھو۔ صاحبِ کافیہ کی عبارت ہے جَازَ فِي دَارِهِ زَيْدٌ، یہ فِي دَارِهِ زَيْدٌ جائز ہے۔ اور صاحبِ جامی نے جَازَ کے بعد قَوْلُهُمْ کا لفظ نکالا: جَازَ قَوْلُهُمْ فِي دَارِهِ زَيْدٌ کہ نحویوں کا یہ قول جائز ہے فِي دَارِهِ زَيْدٌ۔ یہ قَوْلُهُمْ کیوں نکالا؟ دراصل وہ ایک اعتراض کا جواب دینا چاہتے ہیں۔ اعتراض یہاں یہ ہوتا ہے کہ جَازَ فعل ہے، اور آگے فِي دَارِهِ زَيْدٌ یہ پورا جملہ اس کے لیے فاعل بن رہا ہے، جائز ہے، کیا جائز ہے؟ فِي دَارِهِ زَيْدٌ جائز ہے۔ یہ پورا جملہ کیا بن رہا ہے اس کے لیے جَازَ کے لیے؟ فاعل بن رہا ہے، اور آپ نے ابھی ہمیں بتایا تھا چند صفحات قبل کہ فاعل اسم کا نام ہے۔ فاعل کس کا نام ہے؟ اسم کا نام ہے اور یہاں پر تو فِي دَارِهِ زَيْدٌ جملہ فاعل بن رہا ہے حالانکہ جملہ تو فاعل نہیں بن سکتا، فاعل تو کون بنے گا؟ فاعل کے لیے تو اسم ہونا ضروری ہے، بات سمجھ میں آرہی ہے؟ جیسے انہوں نے بتایا بتدا بھی کیا ہوتا ہے؟ اسم، خبر بھی کیا ہوتی ہے؟ اسم، اسی طرح جو فاعل گزرا تھا وہ بھی کس کا نام ہے؟ اسم کا۔ تو یہاں تو پورا جملہ فاعل بن رہا ہے حالانکہ جملہ تو فاعل نہیں بن سکتا، فاعل کے لیے تو اسم ہونا ضروری۔ تو صاحبِ جامی جواب دے رہے ہیں کہ بھئی یہ قول کی تاویل میں ہے۔ یہ فِي دَارِهِ زَيْدٌ کس تاویل میں؟ قول کی تاویل میں ہے، یعنی قَوْلُ فاعل ہے اس کے جَازَ کے لیے۔ گویا اصل کلام یوں ہے، سنو بھائی: جَازَ قَوْلُهُمْ جائز ہے ان کا قول، هُمْ ضمیر راجع کر لیں عرب کی طرف یا نحویوں کی طرف راجع کر لیں، عرب کا یہ قول جائز ہے فِي دَارِهِ زَيْدٌ، یا نحویوں کا یہ قول جائز ہے فِي دَارِهِ زَيْدٌ۔

بھئی دیکھیے قَوْلٌ مصدر ہے بھئی، اور میں نے بتایا تھا مصدر بھی اپنے فعل کی طرح عمل کرتا ہے، اور قَالَ فعل، قَالَ فعل کے لیے ایک فاعل چاہیے تو ایک مفعول بھی چاہیے، قُلْتُ میں نے کہا، دیکھو تَا ضمیر فاعل ہے، تَا ضمیر فاعل، اور میں نے کیا کہا؟ فِي دَارِهِ زَيْدٌ۔ یہ یاد رکھو یہ جو آگے قَالَ کے بعد جو جملہ آتا ہے یہ دراصل پورا جملہ مفعول بہ ہوتا ہے قَالَ کے لیے۔ قُلْتُ میں نے کہا، کیا کہا؟ فِي دَارِهِ زَيْدٌ۔ یہ فِي دَارِهِ زَيْدٌ یہ پورا جملہ یہ مفعول بہ ہے قَالَ کے لیے۔ قَالَ فعل اپنے فاعل اور

مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ ہوا۔ کیا بات ہوئی؟ کہ قَالَ کے لیے جیسے ایک فاعل چاہیے ایک مفعول بھی چاہیے اور مفعول کیا ہوتا ہے؟ وہ جو آگے مقولہ ہوتا ہے، وہ جو بات کی جاتی ہے وہ سارا اس کا مفعول بہ ہوتا ہے بھائی۔ تو یہاں پر بھی جَازَ کے بعد قَوْلُهُمْ نکالا، مصدر نکال لیا، اور مصدر بھی فعل کی طرح عمل کرتا ہے جیسے فعل فاعل کو رفع دیتا ہے اور مفعول کو نصب، تو اسی طرح قَوْلٌ آیا اور قَوْلٌ مصدر ہے اور میں نے بتایا مصدر کی عموماً اپنے فاعل کی طرف اضافت کر دیتے ہیں، مصدر کے ساتھ فاعل کا ذکر ضروری نہیں، کبھی ذکر کیا جاتا ہے کبھی نہیں کیا جاتا، لیکن جب ذکر کیا جائے تو عموماً کیا کر دیا جاتا ہے؟ مصدر کی اپنے فاعل کی طرف اضافت کر دی جاتی ہے۔ اپنے... تو یہاں پر بھی قَوْلٌ کی هُمْ ضمیر کی طرف اضافت کر دی قَوْلُهُمْ ان کا قول، یہ هُمْ کون ہیں؟ یہ قول کرنے والے ہیں، یہ فاعل ہیں بھائی، تو هُمْ ضمیر مجرور تو لفظاً ہے لیکن محلاً مرفوع ہے یہ فاعل ہے کس کے لیے؟ قَوْلٌ کے لیے۔ توجہ ہے؟ اور فِي دَارِهِ زَيْدٌ یہ سارا جملہ مقولہ ہے قَوْلٌ مصدر کے لیے یعنی یہ اس کے لیے مفعول بہ ہے، تو قَوْلٌ مصدر اپنے مضاف الیہ اور مفعول بہ سے مل کر یہ فاعل ہوا جَازَ کے لیے۔ بھئی دیکھو فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر جملہ بنتا ہے، لیکن مصدر اپنے فاعل مفعول بہ سے مل کر جملہ نہیں، قَوْلٌ دیکھو مصدر ہے اس میں کوئی بات پوری ہے؟ نہیں۔ مصدر کے ساتھ ہزار چیزیں بھی جڑ جائیں یہ مفرد ہے تو مفرد ہی رہے گا بھائی۔ تو قَوْلٌ کے ساتھ هُمْ ضمیر مضاف الیہ فاعل کی بھی جوڑ دی اور آگے مفعول بہ کو بھی جوڑ دیا پورا مقولہ، لیکن پھر بھی یہ جب قَوْلٌ کے ساتھ جڑ گئے تو یہ کیا بن گئے؟ مفرد۔ تو قَوْلٌ مصدر اپنے مضاف الیہ اور مفعول بہ سے مل کر یہ مصدر فاعل ہوا کس کے لیے؟ جَازَ کے لیے۔ کس کے لیے؟ جَازَ کے لیے۔ تو اشکال کیا ہوتا تھا؟ کہ جَازَ کے لیے فِي دَارِهِ زَيْدٌ پورا جملہ فاعل بنا حالانکہ فاعل کا مفرد ہونا ضروری، تو بتلا دیا کہ یہ پورا جملہ کس تاویل میں ہے؟ قَوْلٌ کی تاویل میں ہے کیونکہ یہ قول ہے، یہ کیا ہے؟ قول، اور قول تو مصدر ہے یہ تو مفرد ہے، اسم ہے اور یہ تو فاعل بن سکتا ہے، تو یہ قول فاعل ہے جَازَ کے لیے۔ یہ جواب دیا کس نے؟ صاحبِ جامی نے۔

یہاں اور بھی تاویل کر سکتے ہیں آپ جو میں پہلے ذکر کر چکا ہوں۔ ایک جواب یہ کہ قول نکالنے کی کوئی ضرورت نہیں فِي دَارِهِ زَيْدٌ یہ لفظ مراد ہیں، کیا مراد ہیں؟ لفظ مراد ہیں، یعنی یہ هٰذَا اللَّفْظُ کی تاویل میں ہے اور هٰذَا اللَّفْظُ یہ تو اسم ہے، یہ تو فاعل بن سکتا ہے، تو گویا کلام یوں ہے، صاحبِ کافیہ نے کیا ذکر کیا؟ جَازَ فِي دَارِهِ زَيْدٌ، یہ فِي دَارِهِ زَيْدٌ جائز ہے اور یہ کس تاویل میں؟ هٰذَا اللَّفْظُ کی تاویل میں، گویا صاحبِ کافیہ یہ کہہ رہے ہیں: جَازَ هٰذَا اللَّفْظُ یہ لفظ جائز ہے، تو دیکھو هٰذَا اللَّفْظُ یہ اسم ہے، یہ فاعل ہے کس کے لیے؟ جَازَ کے لیے۔ توجہ ہے؟ هٰذَا موصوف اور اللَّفْظُ اس کی صفت، بات سمجھ میں آ گئی۔ یا تیسری تاویل آپ یہ کر سکتے ہیں کہ لفظ بول کر جب لفظ مراد ہوتا ہے تو وہ دراصل علم ہوتا ہے، کس کے درجے میں؟ علم کے درجے میں ہوتا ہے، تو گویا وہ جملہ جو نحوی آپس میں استعمال کرتے تھے فِي دَارِهِ زَيْدٌ ہم نے اس کا نام ہی فِي دَارِهِ زَيْدٌ رکھ دیا، اس کا نام ہی فِي دَارِهِ زَيْدٌ رکھ دیا، تو اب یہ علم ہے اور علم وہ تو اسم ہوتا ہے۔ تو یہ اسم کی تاویل میں ہے۔ تو کتنے جواب

ہو گئے؟ تین جواب۔ یا تو یہ قول کی تاویل میں ہے یہ جملہ، دوسرا کہ یہ هٰذَا اللَّفْظُ کی تاویل میں ہے اور تیسرا جواب کیا کہ یہ علم ہے بھائی۔ اور میں نے نشانی بھی بتلائی تھی کہ علم اس کو کہتے ہیں جس کا ترجمہ نہیں کیا جاتا۔ اب آپ دیکھیے آپ سے کوئی ترجمہ پوچھے وَمِنْ ثَمَّ جَازَ فِي دَارِهِ زَيْدٌ کیسے ترجمہ ہو گا؟

سے کہتے ہیں؟ جو ذاتِ غیر معین پر دلالت کرے۔ تو دونوں بالکل الگ الگ چیزیں ہیں۔ لیکن پھر اس نکرہ کے اندر ہم نے کیا پیدا کر دی؟ تخصیص پیدا کر دی۔ تخصیص کی وجہ سے دیگر احتمالات کم ہو گئے۔ تو یہ جو نکرہ ہے یہ معرفہ تو نہ بنا، لیکن احتمالات کم ہو گئے یہ معرفہ کے قریب آگیا۔ جتنے احتمالات کم ہوتے جائیں گے معرفہ کے قریب سے قریب تر ہوتا چلا جائے گا۔ تو تخصیص کسے کہتے ہیں؟

دیگر احتمالات کو کم کرنا یا ختم کرنا۔ تو لہٰذا جب نکرہ کی صفت لائے تو دیگر احتمالات کم ہو گئے۔ تو یہ معرفہ تو نہ ہوا لیکن معرفہ کے قریب ہو گیا، اور قَرِيبٌ إِلَى الشَّيْءِ فِي حُكْمِ الشَّيْءِ ہوتی ہے۔ جو جس چیز کے قریب ہو اس کا وہی حکم ہوتا ہے۔ تو لہٰذا جب یہ نکرہ معرفہ کے قریب ہو گیا تو اب اس کا مبتدا بننا صحیح۔ کیونکہ معرفہ کا مبتدا بننا صحیح تھا اور یہ نکرہ جب تخصیص اس کے اندر آگئی تو یہ بھی معرفہ کے قریب ہو گیا اور اس کا بھی وہی حکم ہو گیا جو معرفہ کا تھا اور معرفہ تو مبتدا بن سکتا تھا لہٰذا یہ نکرہ مخصصہ بھی مبتدا بن سکتا ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ قَرِيبٌ إِلَى الشَّيْءِ فِي حُكْمِ الشَّيْءِ، جو جس چیز کے قریب ہوتی ہے اس کا وہی حکم ہوتا ہے۔ جیسے دیکھو بادشاہ اور اس کا سیکرٹری۔ بادشاہ کا جو سیکرٹری ہے اس کا حکم بھی بادشاہ کی طرح چلتا ہے اور لوگ اس سے ڈرتے ہیں۔ کیونکہ وہ بادشاہ کا قریب ہے۔ حتیٰ کہ بڑے وزیر نے بھی بادشاہ سے ملنا ہو تو اس سیکرٹری کے ذریعے وقت لے گا اور پھر ہی بادشاہ سے اس کی ملاقات ہو سکے گی۔ تو دیکھو سیکرٹری بادشاہ کے قریب ہے اور قَرِيبٌ إِلَى الشَّيْءِ فِي حُكْمِ الشَّيْءِ ہوتا ہے لہٰذا سیکرٹری سے بھی لوگ کس طرح ڈرتے ہیں؟ جیسے بادشاہ سے ڈرتے ہیں۔

تو آپ کو صاحبِ کافیہ بتائیں گے کہ نکرہ میں بھی جب تخصیص آجائے تو پھر اس کا مبتدا بننا صحیح ہے۔ اور تخصیص کے وہ چھ طریقے ذکر کریں گے جو آگے آرہے ہیں۔ دیکھیے بھائی پہلے متن متن دیکھ لیں۔ کہتے ہیں وَقَدْ يَكُونُ الْمُبْتَدَأُ نَكِرَةً اور کبھی کبھار مبتدا جو ہے وہ نکرہ ہوتا ہے، یہ قَدْ جو ہے نا کبھی تقلیل کے لیے آتا ہے یہاں یہ تقلیل کے لیے ہے۔ کبھی کبھار مبتدا نکرہ ہوتا ہے۔

میں نے آپ کو بتایا بھائی مبتدا کے اندر دو چیزیں اصل ہیں۔ کیا؟ ایک تو یہ کہ مبتدا کو مقدم ہونا چاہیے اور دوسرا کیا؟ کہ مبتدا میں اصل یہ ہے کہ معرفہ ہونا چاہیے۔ صاحبِ کافیہ نے صرف ایک چیز ذکر کی کہ مبتدا میں اصل یہ ہے اس کو مقدم ہونا چاہیے۔ مبتدا میں اصل یہ ہے کہ وہ معرفہ ہونا چاہیے اس کو انہوں نے ذکر نہیں کیا لفظوں میں۔ توجہ ہے؟ ہاں، وَقَدْ يَكُونُ

الْمُبْتَدَأُ نَكِرَةً کبھی کبھار بتدا نکرہ بھی ہوتا ہے، اس عبارت کے ذریعے انہوں نے اشارہ کر دیا کہ بتدا کے اندر اصل کیا ہے؟ معرفہ ہونا ہے، ہاں کبھی کبھار یہ نکرہ بھی ہوتا ہے۔ معلوم ہوا دونوں چیزیں انہوں نے یہاں ذکر کر دیں بھائی، جو دو اصل ہیں بتدا میں، اس کا مقدم ہونا بھی اور اس کا معرفہ ہونا بھی۔

کہتے ہیں وَقَدْ يَكُونُ الْمُبْتَدَأُ نَكِرَةً اور کبھی کبھار بتدا نکرہ ہوتا ہے، إِذَا تَخَصَّصَتْ بِوَجْهٍ مَا جب وہ تخصیص پا جائے بِوَجْهٍ مَا کسی وجہ سے۔ جب وہ تخصیص پا جائے کسی بھی وجہ سے۔ مِثْلُ مثال کے طور پر وَلَعَبْدٌ مُؤْمِنٌ خَيْرٌ مِنْ مُشْرِكٍ۔ اب دیکھو اس مثال کے اندر وَلَعَبْدٌ مُؤْمِنٌ خَيْرٌ مِنْ مُشْرِكٍ، یہ لام جو ہے وَلَعَبْدٌ پر، یہ لام اس کو لامِ ابتدا کہتے ہیں اور یہ جملے کی تاکید کے لیے آتا ہے۔ جیسے إِنَّ زَيْدًا قَائِمٌ۔ إِنَّ کس لیے آتا ہے؟ جملے کی تاکید کے لیے آتا ہے۔ أَنَّ تو جملے کو مفرد کے معنی میں کر دیتا ہے جبکہ إِنَّ جملے کو جملہ ہی رکھتا ہے البتہ اس میں تاکید اور زور پیدا کر دیتا ہے۔ اسی طرح یہ لام بھی إِنَّ کی طرح کیا کرتا ہے جملے میں تاکید پیدا کرتا ہے اس میں زور پیدا کر دیتا ہے۔ تو یہاں پر یہ لام تاکید کے لیے ہے، عَبْدٌ یہ ہے بتدا بھائی۔ عَبْدٌ بتدا ہے اور یہ دیکھو نکرہ ہے۔ البتہ اس کے آگے صفت مُؤْمِنٌ ذکر کر دی گئی اور اس کی وجہ سے اس کے اندر تخصیص آگئی، اور نکرہ کے اندر جب تخصیص آجائے تو پھر اس کا بتدا بننا صحیح۔ اسی لیے عَبْدٌ مُؤْمِنٌ یہ ہوا بتدا اور خَيْرٌ مِنْ مُشْرِكٍ یہ ہوئی اس کی خبر بھائی۔

تو یہ تخصیص کا پہلا طریقہ ہے۔ صاحبِ کافیہ نام نہیں بتلائیں گے، نام میں ذکر کرتا جاؤں گا آپ نے یاد رکھنا ہے۔ تخصیص کے چھ طریقے ہیں اور یہ پہلا طریقہ انہوں نے ذکر کر دیا۔ اس کو کہتے ہیں تخصیص بالصفت۔ تخصیص بالصفت، صفت کے ذریعے تخصیص بھائی، تخصیص بالصفت۔

اچھا یہاں عبارت آئی إِذَا تَخَصَّصَتْ بِوَجْهٍ مَا جب وہ نکرہ تخصیص پا جائے بِوَجْهٍ مَا کسی بھی وجہ سے۔ یہ جو مَا آیا نا بِوَجْهٍ کے بعد، یاد رکھو بھائی، یہ بعض اوقات نکرہ کے بعد اس کو ذکر کیا جاتا ہے۔ تو نکرہ کے بعد، اور بعض علماء فرماتے ہیں کہ یہ اس نکرہ کی صفت بنتا ہے۔ صفت بنتا ہے اور یہ اس کے ابہام کو اور بڑھا دیتا ہے۔ جیسے دیکھو إِذَا تَخَصَّصَتْ بِوَجْهٍ مَا، ذرا مَا کے بغیر ترجمہ سنو۔ إِذَا تَخَصَّصَتْ بِوَجْهٍ جب وہ نکرہ تخصیص پا جائے کسی وجہ سے۔ مَا کو ہم نے ختم کر دیا۔ إِذَا تَخَصَّصَتْ بِوَجْهٍ جب وہ نکرہ تخصیص پا جائے بِوَجْهٍ کسی وجہ سے، دیکھو وَجْهٍ نکرہ ہے۔ تخصیص پا جائے وہ نکرہ کسی وجہ سے۔ اب اس کی صفت مَا لائی گئی۔ یہ مَا بھی نکرہ ہے اور اس نے اس کے ابہام کو اور بڑھا دیا۔ اب ترجمہ یوں ہو گا: إِذَا تَخَصَّصَتْ بِوَجْهٍ مَا جب وہ نکرہ تخصیص پا جائے بِوَجْهٍ مَا کسی بھی وجہ سے۔ پہلے کیا ترجمہ تھا؟ جب وہ نکرہ تخصیص پا جائے کسی وجہ سے۔ اب کیا ترجمہ؟ جب وہ نکرہ تخصیص پا جائے کسی بھی وجہ سے۔ دیکھو اس نے کیا کیا؟ اس کے ابہام کو اور زیادہ بڑھا دیا بھائی، اس کے عموم کو اور زیادہ بڑھا دیا بھائی۔ تو بِوَجْهٍ یہ ہے موصوف اور یہ مَا بمعنی شَيْءٍ کے یہ نکرہ یہ

اس کی صفت ہے بھائی۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو بِوَجْهٍ یہ مجرور ہے با جارہ کی وجہ سے اور مَا اس کی صفت ہے اور صفت کا وہی اعراب ہوتا ہے جو موصوف کا، تو یہ مَا بھی محلاً مجرور ہے، یہ مبنی ہے محلاً مجرور ہے بھائی۔

جبکہ بعض علماء فرماتے ہیں نکرہ کے بعد یہ مَا زائد آتا ہے اور یہ اس کے اندر تاکید پیدا کر دیتا ہے۔ اس کے اندر جو ابہام تھا، نکرہ میں کیا ہوتا ہے؟ ابہام، میں نے کہا رَجُلٌ آپ کو کوئی پتا چلا کون سا رجل مراد ہے؟ نہیں، تو نکرہ میں ابہام ہوتا ہے۔ یہ مَا نکرہ کے بعد بڑھاتے ہیں اور یہ صفت نہیں ہوتا، یہ زائد ہے۔ یہ کیا ہے؟ زائد ہے، اور یہ صرف اس کے اندر جو ابہام ہے اس کو پکا کر رہا ہے۔ پہلی تعریف کیا کی تھی کہ یہ مَا صفت ہے اور یہ ابہام کو اور بڑھا دیتا ہے، اور بعض علماء کیا فرماتے ہیں؟ کہ یہ صفت نہیں یہ زائد ہے، توجہ ہے؟ یہ ویسے بڑھاتے ہیں نکرہ کے بعد، اپنے معنی کا فائدہ نہیں دیتا لیکن میں نے بتایا کہ حروفِ زائد بھی کیا کرتے ہیں؟ تاکید کا فائدہ، تو یہ یہاں تاکید پیدا کر رہا ہے بھائی۔ یعنی اسی کے اندر جو ابہام ہے اس کو پکا کر رہا ہے۔

دوبارہ دیکھیے شرح کے ساتھ۔ کہتے ہیں وَقَدْ يَكُونُ الْمُبْتَدَأُ نَكِرَةً اور کبھی کبھار بتدا جو ہے وہ نکرہ ہوتا ہے، وَإِنْ كَانَ الْأَصْلُ فِيهِ أَنْ يَكُونَ مَعْرِفَةً اگرچہ بتدا میں اصل یہ ہے کہ وہ معرفہ ہو، لِأَنَّ لِلْمَعْرِفَةِ مَعْنًى مُعَيَّنًا اس لیے کیونکہ جو معرفہ ہوتا ہے اس کا ایک معین معنی ہوتا ہے، معرفہ کا ایک معین معنی ہوتا ہے وہ ایک معین ذات اور معین چیز پر دلالت کرتا ہے۔ وَالْمَطْلُوبُ الْمُهِمُّ الْكَثِيرُ الْوُقُوعِ فِي الْكَلَامِ اور وہ جو مطلوب ہوتا ہے، الْمُهِمُّ کا معنی اہم، اَلْكَثِيرُ الْوُقُوعِ جو کثرت سے واقع ہو بھائی۔ کہتے ہیں وَالْمَطْلُوبُ الْمُهِمُّ اور وہ مطلوب جو اہم ہوتا ہے الْكَثِيرُ الْوُقُوعِ کثرت سے واقع ہوتا ہے فِي الْكَلَامِ کلام کے اندر، إِنَّمَا هُوَ الْحُكْمُ عَلَى الْأُمُورِ الْمُعَيَّنَةِ وہ حکم لگانا ہے امورِ معینہ پر۔

بھائی آپ اگر اپنے کلام میں بھی غور کر لیں۔ میں نے بتایا بتدا کے اندر اصل کیا ہے؟ وہ معرفہ ہو، اور خبر میں اصل کیا ہے؟ نکرہ ہو۔ اور آسان لفظوں میں بتدا وہ ہے جس کے بارے میں بات کی جائے اور خبر وہ ہے جو بات کی جائے۔ آپ اگر اپنے کلام میں بھی غور کر لیں، آپ اکثر جو باتیں کرتے ہیں کسی معین چیز کے بارے میں کرتے ہیں۔ کس کے بارے میں؟ معین۔ تو ہم جو حکم لگاتے ہیں اکثر اکثر اکثر ہم معین چیزوں پر حکم لگاتے ہیں۔ غیر معین پر بہت کم ہم حکم لگاتے ہیں۔ تو معلوم ہوا متکلم کا اہم مطلوب کیا ہوتا ہے؟ کہ وہ حکم اکثر کس پر لگاتا ہے؟ معین چیز پر حکم لگاتا ہے۔ یہ معنی ہے وَالْمَطْلُوبُ الْمُهِمُّ اور وہ جو مطلوب ہوتا ہے الْمُهِمُّ اہم ہوتا ہے، اور وہ جو اہم مطلوب ہے، کس کا اہم مطلوب؟ متکلم کا۔ کس کا؟ وہ حکم، متکلم بات کر رہا ہے نا، متکلم حکم لگائے گا تو اس کا اہم مطلوب کیا ہوتا ہے وہ کس پر حکم لگاتا ہے؟ معین پر یعنی معرفہ پر۔ تو کہتے ہیں وَالْمَطْلُوبُ الْمُهِمُّ اور وہ جو اہم مطلوب ہوتا ہے الْكَثِيرُ الْوُقُوعِ، یہ سمجھ لو بھائی الْكَثِيرُ الْوُقُوعِ، اَلْكَثِيرُ ہے مضاف اَلْوُقُوعِ ہے مضاف الیہ۔ اَلْكَثِيرُ مضاف اَلْوُقُوعِ مضاف الیہ۔ اس پر آپ کے ذہنوں میں اشکال آئے

گا کہ یہ تو مضاف پر بھی الف لام داخل ہے۔ مضاف پر بھی الف لام داخل ہے حالانکہ مضاف تو نکرہ ہوتا ہے اور اس کی اضافت کی جاتی ہے معرفہ کی طرف اور پھر اس کو معرفہ بناتے ہیں۔ تو یاد رکھنا یہ الْكَثِيرُ الْوُقُوعِ یہ آپس میں مضاف اور مضاف الیہ ہیں بھائی۔ تو سوال پیدا ہوا کہ اَلْكَثِيرُ تو مضاف ہے اور اس پر الف لام پھر کیسے داخل ہو گیا؟ تو یاد رکھنا صفت کا صیغہ جب مضاف ہو رہا ہو تو اس پر الف لام کا لانا جائز ہے بشرطیکہ آگے مضاف الیہ پر بھی الف لام داخل ہو بھائی۔ توجہ ہے؟ اَلْكَثِيرُ پر یہ مضاف ہے اس پر بھی الف لام لانا جائز بشرطیکہ آگے جو مضاف الیہ ہے اس پر بھی الف لام ہو، اور یہاں آپ دیکھ رہے ہیں کہ جو مضاف الیہ اَلْوُقُوعِ ہے اس پر بھی الف لام داخل ہے۔

تو کہتے ہیں وَالْمَطْلُوبُ الْمُهِمُّ الْكَثِيرُ الْوُقُوعِ فِي الْكَلَامِ اور وہ جو اہم مطلوب ہے اور کثیر الوقوع ہے کلام کے اندر، إِنَّمَا هُوَ الْحُكْمُ عَلَى الْأُمُورِ الْمُعَيَّنَةِ وہ حکم لگانا ہے امورِ معینہ پر۔ وَلٰكِنَّهُ لَا يَقَعُ نَكِرَةً عَلَى الْإِطْلَاقِ بَلْ إِذَا تَخَصَّصَتْ تِلْكَ النَّكِرَةُ بِوَجْهٍ مَا۔ یہاں سے آگے انہوں نے کیا بتایا متن میں؟ وَقَدْ يَكُونُ الْمُبْتَدَأُ نَكِرَةً کبھی کبھار بتدا نکرہ بھی ہوتا ہے۔ آگے اب صاحبِ جامی بتلا رہے ہیں کہ بھائی نکرہ بتدا تو بنتا ہے لیکن عَلَى الْإِطْلَاقِ نہیں، یعنی ہر نکرہ بتدا نہیں بنتا بَلْ إِذَا تَخَصَّصَتْ بِوَجْهٍ مَا بلکہ جب وہ تخصیص پا جائے کسی وجہ سے، تو جب تخصیص آئے گی تو وہ نکرہ معرفہ کے قریب ہو گیا، تو اور قَرِيبٌ إِلَى الشَّيْءِ فِي حُكْمِ الشَّيْءِ ہوتی ہے لہٰذا معرفہ تو بتدا بنتا ہے تو اب یہ نکرہ مخصصہ بھی بتدا بن سکتا ہے۔

تو کہتے ہیں وَلٰكِنَّهُ لَا يَقَعُ نَكِرَةً لیکن بتدا جو ہے وہ نکرہ ہو کر واقع نہیں ہوتا عَلَى الْإِطْلَاقِ بھائی یعنی بغیر کسی قید کے نکرہ بتدا واقع ہو جائے ایسا نہیں ہے، بَلْ إِذَا تَخَصَّصَتْ تِلْكَ النَّكِرَةُ بلکہ جب تخصیص پا جائے تِلْكَ النَّكِرَةُ وہ نکرہ۔ بھائی تَخَصَّصَتْ کے بعد تِلْكَ النَّكِرَةُ صاحبِ جامی لے کر آئے تو یہ ضمیر کا مرجع بتلانا چاہتے ہیں کہ تَخَصَّصَتْ کے اندر هِيَ ضمیر کس کو راجع؟ نکرہ کو راجع۔ توجہ ہے؟ اور تَخَصَّصَتْ کے بعد تِلْكَ النَّكِرَةُ نکال کر ایک تو ضمیر کا مرجع بتلایا اور دوسرا یہ بتلا دیا کہ پیچھے نکرہ ذکر تھا، اور نکرہ کا لفظ دیکھو عبارت میں کیا تھا؟ نکرہ تھا یا معرفہ تھا؟ نکرہ لفظ تھا یا اَلنَّكِرَةُ تھا؟ جی عبارت پہ دیکھو وَقَدْ يَكُونُ الْمُبْتَدَأُ نَكِرَةً یہ نکرہ کا لفظ عبارت میں نکرہ ہے بھائی، اس پر الف لام داخل نہیں۔ جب یہ نکرہ ہے لیکن ایک دفعہ جب ایک چیز ذکر ہو جائے تو وہ متعین ہو جاتی ہے یعنی معرفہ ہو جاتی ہے، اس لیے آگے کہا إِذَا تَخَصَّصَتْ تِلْكَ النَّكِرَةُ دیکھو اب معرفہ لے آئے۔ کیا لے آئے؟ معرفہ۔ تَخَصَّصَتْ نَكِرَةٌ نہیں کہا۔ توجہ ہے؟ کیا بتلانا چاہتے ہیں؟ کہ تَخَصَّصَتْ میں هِيَ ضمیر کس کو راجع ہے؟ تو بتلایا کہ وہ نکرہ کو راجع، تو کہنا تو یوں چاہیے تھا إِذَا تَخَصَّصَتْ نَكِرَةٌ کیونکہ پیچھے کیا آیا تھا؟ نکرہ، لیکن صاحبِ جامی نے کیا کہا تِلْكَ النَّكِرَةُ معرفہ لے آئے، بتلانا یہ چاہتے ہیں کہ جب ایک دفعہ چیز ذکر ہو جائے تو وہ کیا ہو جاتی ہے؟ متعین ہو جاتی ہے معرفہ ہو جاتی ہے لہٰذا اب تِلْكَ النَّكِرَةُ وہ معرفہ لے کر آئے۔ تِلْكَ اسمِ اشارہ اور یہ موصوف اور اَلنَّكِرَةُ اس کی صفت، تو وہ والا نکرہ یعنی جس کا ابھی پیچھے ذکر ہوا تھا۔ جیسے دیکھو میں آپ سے کہتا ہوں جَاءَنِي رَجُلٌ أَمْسِ، أَمْسِ گزشتہ کل، جَاءَنِي رَجُلٌ أَمْسِ گزشتہ کل میرے پاس ایک آدمی آیا تھا۔ رَجُلٌ میں نکرہ لایا، کیوں؟ کیونکہ آپ اس کو نہیں جانتے۔ نہ آپ کو اس

کے نام کا پتا نہ آپ کو اس کی شکل کا پتا نہ آپ کو اس کے کپڑوں کا پتا کسی چیز کا پتا

نہیں۔ تو جب آپ کو پہچان نہیں تو میں کیا کہوں گا؟ تو پھر میں کیا لاؤں گا؟ نکرہ ہی لاؤں گا۔ جَاءَنِي رَجُلٌ أَمْسِ دیکھو رَجُلٌ میں نکرہ لایا۔ لیکن ایک دفعہ جب چیز ذکر ہو جائے تو وہ کیا ہو جاتی ہے؟ متعین، تو آگے میں کہتا ہوں فَأَكْرَمْتُ الرَّجُلَ تو پھر میں نے اس آدمی کا اکرام کیا، یا فَأَكْرَمْتُ ذٰلِكَ الرَّجُلَ میں نے اس آدمی کا اکرام کیا۔ توجہ ہے؟ تو اب یہ آگے معرفہ میں لے آیا، پہلے رَجُلٌ نکرہ تھا اب فَأَكْرَمْتُ الرَّجُلَ میں معرفہ لے آیا۔ کیوں معرفہ لایا؟ کیونکہ ایک دفعہ جب چیز ذکر ہو جائے تو وہ کیا ہو جاتی ہے؟ متعین۔ کیا معنی متعین؟ متعین ہونے کا یہ معنی نہیں ہے کہ آپ کو اس آدمی کے نام کا پتا ہے یا کچھ، نہیں بھائی نام وغیرہ کا تو ابھی بھی آپ کو نہیں پتا، نہ آپ نے اس کو دیکھا ہے، نہ آپ کو اس کے نام کا پتا، نہ اس کے کپڑوں کے رنگ کا پتا، نہ شکل و صورت کا پتا۔ میں ابھی بات کر رہا ہوں جَاءَنِي رَجُلٌ أَمْسِ گزشتہ کل میرے پاس ایک آدمی آیا تھا فَأَكْرَمْتُ الرَّجُلَ تو میں نے اس آدمی کا اکرام کیا۔ دیکھو میں نے اس آدمی کہا آپ سمجھ گئے یا نہیں سمجھ گئے؟ کس آدمی کی بات ہو رہی ہے؟ جس کا میں نے ابھی ذکر کیا تھا۔ تو ایک دفعہ جب چیز ذکر ہو جائے تو وہ متعین ہو جاتی ہے، تو یہاں پر بھی صاحبِ جامی تِلْكَ النَّكِرَةُ لائے حالانکہ پیچھے نکرہ کا لفظ نکرہ تھا اور آگے کیا لائے؟ معرفہ لائے کہ ایک دفعہ جب نکرہ ذکر ہو گیا اب وہ کیا ہو گیا؟ متعین ہو گیا بھائی۔

تو کہتے ہیں بَلْ إِذَا تَخَصَّصَتْ تِلْكَ النَّكِرَةُ بِوَجْهٍ مَا بلکہ جب تخصیص پا جائے وہ نکرہ بِوَجْهٍ مَا کسی بھی وجہ سے، مِنْ وُجُوهِ التَّخْصِيصِ تخصیص کی وجہوں میں سے۔ جب وہ نکرہ تخصیص پا جائے بِوَجْهٍ مَا مِنْ وُجُوهِ التَّخْصِيصِ تخصیص کی وجوہ میں سے کسی بھی وجہ سے۔ تخصیص کے طریقوں میں سے کسی بھی طریقے سے وہ تخصیص پا جائے۔ إِذْ بِالتَّخْصِيصِ يَقِلُّ اشْتِرَاكُهَا اس لیے کیونکہ تخصیص کی وجہ سے يَقِلُّ اشْتِرَاكُهَا اس نکرہ کا اشتراک قلیل ہو جائے گا۔ نکرہ کا اشتراک قلیل ہو جائے گا، جیسے میں نے مثال ذکر کی غلام کا لفظ ہے دنیا میں دس لاکھ غلام ہیں اور ان میں سے ایک لاکھ مومن ہیں، تو جب میں نے کہا غلام تو یہ کتنے پر صادق آ رہا ہے؟ دس لاکھ پر، اور جب میں نے کہا غُلَامٌ مُؤْمِنٌ اب یہ کتنے پر صادق آ رہا ہے؟ ایک لاکھ پر، تو دیکھو اس کا اشتراک کم ہو گیا۔ إِذْ بِالتَّخْصِيصِ يَقِلُّ اشْتِرَاكُهَا اس لیے کیونکہ تخصیص کی وجہ سے نکرہ کا اشتراک قلیل ہو جاتا ہے، فَتَقْرُبُ مِنَ الْمَعْرِفَةِ تو یہ نکرہ جو ہے معرفہ کے قریب ہو جاتا ہے۔ مِثْلُ قَوْلِهِ تَعَالَى جیسے کہ اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے: وَلَعَبْدٌ مُؤْمِنٌ خَيْرٌ مِنْ مُشْرِكٍ۔ جی اس کے اندر عَبْدٌ نکرہ ہے اور مُؤْمِنٌ صفت کے ذریعے اس میں تخصیص آ گئی تو اس کا بتدا بننا صحیح۔ یہ تخصیص کا پہلا طریقہ ہے اور اس کا کیا نام ہے؟ تخصیص بالصفت بھائی۔ دیکھیے کہتے ہیں فَإِنَّ الْعَبْدَ مُتَنَاوِلٌ لِلْمُؤْمِنِ وَالْكَافِرِ اس لیے کیونکہ عَبْدٌ کا لفظ یہ شامل ہے مومن کو بھی اور کافر کو بھی۔ بھائی عَبْدٌ کا لفظ بولا جائے یعنی غلام، یہ تو مومن غلام ہو چاہے کافر ہو سب پر صادق آتا ہے۔ تو کہتے ہیں فَإِنَّ الْعَبْدَ مُتَنَاوِلٌ لِلْمُؤْمِنِ وَالْكَافِرِ اس لیے کیونکہ عَبْدٌ کا جو لفظ ہے وہ شامل ہے مومن کو بھی اور کافر کو بھی، وَحَيْثُ وُصِفَ بِالْمُؤْمِنِ اور چونکہ اس کو موصوف کر دیا

گیا بِالْمُؤْمِنِ کس لفظ کے ساتھ؟ مومن کے لفظ کے ساتھ، تَخَصَّصَ بِالصِّفَةِ تو اس نے تخصیص حاصل کرلی صفت کی وجہ سے، اس عَبْدٌ کے لفظ نے تخصیص پالی تخصیص حاصل کرلی صفت کی وجہ سے، فَجُعِلَ مُبْتَدَأً تو اس کو بتدا بنا دیا گیا وَخَيْرٌ خَبَرَهُ اور خَيْرٌ کو اس کی خبر بنا دیا گیا۔

میں نے بتایا تھا گزشتہ سبق میں کہ جَعَلَ دو مفعول چاہتا ہے جَعَلْتُ الطِّينَ كَأْسًا میں نے مٹی کو گلاس بنا دیا۔ میں نے مٹی اور گارے سے کیا بنا دیا؟ گلاس بنا دیا۔ جَعَلْتُ یہ تَا فاعل ہے اور الطِّينَ مفعولِ اول اور كَأْسًا مفعولِ ثانی۔ پھر جب اسی جَعَلَ سے فعلِ مجہول بنائیں گے تو ایک مفعول نائب الفاعل بن جائے گا اور دوسرا اسی طرح منصوب رہے گا، توجہ ہے؟ لہٰذا یہاں پر بھی اسی طرح ہے فَجُعِلَ مُبْتَدَأً، جُعِلَ کے اندر هُوَ ضمیر جو راجع ہے کس کو؟ لفظِ عَبْدٌ کو، فَجُعِلَ اس کو یعنی لفظِ عَبْدٌ کو بنا دیا گیا مُبْتَدَأً کیا بنایا گیا؟ بتدا۔ تو اب آپ کہیں گے کہ جُعِلَ تو فعلِ مجہول ہے، فعلِ مجہول کے لیے یہ مفعول آگے منصوب کیسے آیا وہ تو نائب الفاعل بن جاتا ہے؟ تو میں نے بتایا دو مفعول تھے بھائی، دو میں سے ایک کیا بن چکا؟ نائب الفاعل بن چکا ہے لیکن دوسرا اسی طرح منصوب رہے گا۔ فَجُعِلَ مُبْتَدَأً تو اس عَبْدٌ کو بتدا بنا دیا گیا وَخَيْرٌ خَبَرَهُ، یہ خَيْرٌ کا عطف ہے جُعِلَ کے اندر جو هُوَ ضمیر ہے تو یہ بھی جُعِلَ کا نائب الفاعل ہے، اور خَبَرَهُ اس کا عطف کس پر ہے؟ مُبْتَدَأً پر، یہ بھی وہ دو مفعول ہیں جُعِلَ کے بھائی۔ بات سمجھ میں آرہی ہے؟ تو خَيْرٌ نائب الفاعل بن گیا اور خَبَرَهُ اسی طرح منصوب رہے گا۔ تو کہتے ہیں وَخَيْرٌ خَبَرَهُ اور خَيْرٌ کو اس کی خبر بنا دیا گیا۔

وَمِثْلُ قَوْلِكَ اور جیسے کہ آپ کا یہ قول ہے أَرَجُلٌ فِي الدَّارِ أَمِ امْرَأَةٌ۔ یہ تخصیص کا دوسرا طریقہ آگیا بھائی۔ تخصیص کا دوسرا طریقہ، اس کا نام ہے تخصیص بعلم المتکلم۔ تخصیص بعلم المتکلم، یہاں علمِ متکلم کی وجہ سے تخصیص آگئی کہ متکلم کو ایک بات کا علم ہے بھائی۔ اور یہ تخصیص بعلم المتکلم کہاں آتی ہے؟ تو یاد رکھنا تخصیص بعلم المتکلم وہاں آتی ہے جہاں ہمزۂ استفہام آئے مع أَمْ متصلہ کے۔ جہاں کیا آئے؟ ہمزۂ استفہام مع أَمْ متصلہ۔ یہ جو أَمْ آرہا ہے نا أَرَجُلٌ فِي الدَّارِ أَمِ امْرَأَةٌ۔ یہ جو أَمْ آیا یاد رکھو یہ أَمْ یہ آگے چل کر صاحبِ کافیہ آپ کو بتلائیں گے کہ یہ أَمْ دو قسم پر ہے: ایک أَمْ کو أَمْ متصلہ کہتے ہیں، ایک أَمْ کو أَمْ منقطعہ کہتے ہیں۔ أَمْ متصلہ اس کے ذریعے دو چیزوں کے درمیان تعیین کے بارے میں سوال کیا جاتا ہے۔ اور أَمْ منقطعہ دیکھو اِنْقَطَعَ يَنْقَطِعُ کے معنی کٹ جانا، أَمْ منقطعہ وہ ہوتا ہے جس کے اندر أَمْ سے پہلے ایک بات کی جاتی ہے اور أَمْ کے بعد دوسری بات کی جاتی ہے تو دونوں باتیں دیکھو ایک دوسرے سے منقطع ہیں کٹی ہوئی ہیں۔ أَمْ سے پہلے ایک بات، أَمْ کے بعد کوئی اور بات یعنی پہلی بات کو بالکل چھوڑ دیا جاتا ہے آگے ایک اور الگ بات کر دی جاتی ہے تو اس کو کہتے ہیں أَمْ منقطعہ۔ اور أَمْ متصلہ یہ ہے جو یہاں عبارت میں آیا، اس کے اندر أَمْ سے پہلے اور أَمْ کا مابعد ایک دوسرے سے کٹے ہوئے نہیں ہیں، ایک دوسرے سے منقطع نہیں ہیں بلکہ اس کے ذریعے دو چیزوں کے درمیان تعیین کا سوال کیا جاتا ہے یعنی ایک ہی بات پوچھی جاتی ہے۔ توجہ ہے؟ اس کو کیا کہتے ہیں؟ أَمْ متصلہ۔ مثلاً جیسے یہاں آیا أَرَجُلٌ فِي الدَّارِ أَمِ امْرَأَةٌ کیا آدمی ہے

اس گھر میں أَمِ امْرَأَةٌ یا عورت؟ کیا اس گھر میں آدمی ہے یا عورت؟ یہ آپ سوال کرتے ہیں۔ اور یاد رکھو اس کے ذریعے وہی شخص سوال کرے گا جس کو اتنا پتا ہو کہ اس گھر میں آدمی یا عورت میں سے کوئی ہے۔ آدمی یا عورت میں سے ہے، کوئی اور چیز نہیں ہے اس گھر کے اندر آدمی یا عورت ہی ہے۔ اب اتنا تو اس کو پتا ہے کہ ان دونوں میں سے ایک ہے لیکن اس کو تعیین نہیں، اس کو متعین طور پر پتا نہیں کہ آدمی ہے یا عورت۔ تو اب وہ آپ سے سوال کرتا ہے أَرَجُلٌ فِي الدَّارِ أَمِ امْرَأَةٌ کیا اس گھر کے اندر آدمی ہے یا عورت؟ تو اب آپ جواب میں نَعَمْ یا لَا نہیں کہہ سکتے۔ نَعَمْ کا کیا معنی؟ ہاں، یعنی اس گھر میں آدمی یا عورت ہی ہے۔ بھائی نَعَمْ کہنے کا تو کوئی فائدہ ہی نہیں، اتنا تو اس کو بھی پتا ہے کہ آدمی یا عورت ہی میں سے ایک ہے، تو آپ کے نَعَمْ نے کوئی اور فائدہ دیا؟ نہیں، یہ تو اس کو پہلے ہی پتا تھا کہ آدمی یا عورت میں سے ایک ہے لہٰذا یہاں نَعَمْ کے ساتھ جواب نہیں دیا جا سکتا یا لَا کے ساتھ جواب نہیں دے سکتے بلکہ تعیین کرنا پڑے گی۔ اتنا اس کو بھی پتا ہے ان دو میں سے ایک ہے، اب وہ صرف تعیین کے لیے سوال کر رہا ہے کہ مجھے متعین کر کے بتا دو کہ ان دونوں میں سے کون ہے اس گھر کے اندر۔ اور نیز لَا کے ساتھ بھی جواب نہیں دیا جا سکتا اس لیے کیونکہ اگر آپ کہتے ہیں کہ نہیں، ان دونوں میں سے کوئی بھی نہیں ہے تو اس صورت میں تو متکلم کا علم غلط ہو جائے گا حالانکہ متکلم کو علم ہے کہ انہی دو چیزوں میں سے کوئی ایک چیز اس گھر میں ہے بھائی۔ یا جیسے دوسری مثال لے لو أَزَيْدٌ فِي الدَّارِ أَمْ عَمْرٌو کیا اس گھر میں زید ہے یا عمرو ہے؟ آپ کہتے ہیں نَعَمْ۔ بھائی نَعَمْ جواب دینے کا فائدہ ہی کوئی نہیں یہ تو اس کو پہلے بھی پتا ہے، وہ صرف تعیین چاہتا ہے، یہ مجھے بتاؤ زید ہے یا عمرو، اتنا تو مجھے بھی پتا ہے کہ ان دو میں سے ایک ہے لیکن کون سا والا اس گھر کے اندر ہے مجھے وہ تعیین کر کے بتا دو۔ تو لیکن یہاں زید اور عمرو کی مثال ذکر نہیں کی بلکہ رَجُلٌ اور اِمْرَأَةٌ کو ذکر کیا کیونکہ بات کس کی چل رہی ہے؟ نکرہ کی جس کو بتدا بنایا جائے تخصیص کی وجہ سے، اور زید اور عمرو تو معرفہ ہیں بھائی۔ تو یہاں اس نکرہ کی بات کی جو تخصیص کی وجہ سے بتدا بن سکے۔ تو أَرَجُلٌ فِي الدَّارِ أَمِ امْرَأَةٌ اس کے اندر رَجُلٌ نکرہ ہے اور یہ بتدا بن رہا ہے اور آگے أَمِ امْرَأَةٌ، اِمْرَأَةٌ کا عطف بھی اسی رَجُلٌ پر ہے بھائی۔ تو یہاں تخصیص آگئی بھائی اور تخصیص کس کی وجہ سے آئی؟ علمِ متکلم کی وجہ سے کہ اس کو اتنا علم ہے کہ انہی دو میں سے کوئی ایک چیز ہے۔ تو اس تخصیص کا کیا نام؟ تخصیص بعلم المتکلم بھائی۔ اور یہ کہاں آتی ہے؟ جہاں ہمزۂ استفہام آئے أَمْ متصلہ کے ساتھ بھائی۔

تو کہتے ہیں وَمِثْلُ قَوْلِكَ اور جیسے کہ آپ کا یہ قول ہے أَرَجُلٌ فِي الدَّارِ أَمِ امْرَأَةٌ کیا کوئی آدمی ہے اس گھر میں یا عورت؟ فَإِنَّ الْمُتَكَلِّمَ بِهٰذَا الْكَلَامِ يَعْلَمُ اس لیے کیونکہ وہ شخص جو متکلم ہے اس کلام پر یعنی وہ شخص جو یہ کلام کرنے والا ہے يَعْلَمُ وہ جانتا ہے أَنَّ أَحَدَهُمَا فِي الدَّارِ کہ ان دونوں میں سے کوئی ایک اس گھر میں ہے، فَيَسْأَلُ الْمُخَاطَبَ عَنْ تَعْيِينِهِ تو وہ مخاطب سے سوال کرتا ہے عَنْ تَعْيِينِهِ اس کی تعیین کے بارے میں کہ کون ہے اس گھر کے اندر ان دو میں سے۔ فَكَأَنَّهُ قَالَ تو گویا کہ اس نے یوں کہا أَيٌّ مِنَ الْأَمْرَيْنِ الْمَعْلُومِ كَوْنُ أَحَدِهِمَا فِي الدَّارِ كَائِنٌ فِيهَا۔ جی یہ عبارت سمجھ لیں بھائی یہ مشکل عبارت

ہے بھائی۔

سب سے پہلے یاد رکھو، یاد رکھو ایک ہے صفت بحالہ اور ایک ہے صفت بحالِ متعلقہ۔ ایک ہے صفت بحالہ اور ایک ہے صفت بحالِ متعلقہ۔ یہ ایک دو مثالیں ذرا اپنے سامنے کاپی پر لکھیے پھر آپ کو بات سمجھ میں آئے گی بھائی۔ لکھیے بھائی جَاءَنِي رَجُلٌ عَالِمٌ۔ جَاءَنِي رَجُلٌ عَالِمٌ۔ جی اب ترکیب پہ ذرا نظر رکھو۔ جَاءَ فعل، نونِ وقایہ، یَا ضمیر منصوب محلاً مفعول بہ، رَجُلٌ مرفوع لفظاً موصوف، مرفوع کیوں؟ کہ یہ فاعل ہے جَاءَ کے لیے۔ اور عَالِمٌ مرفوع لفظاً صیغہ اسمِ فاعل، مرفوع کیوں؟ کیونکہ یہ صفت ہے، رَجُلٌ ہے موصوف اور عَالِمٌ ہے اس کی صفت اور موصوف صفت کا اعراب ایک ہی ہوتا ہے۔ تو عَالِمٌ مرفوع لفظاً صیغہ اسمِ فاعل، اس کے اندر هُوَ ضمیر مرفوع محلاً اس کا فاعل جو کس کو راجع؟ شاباش، یہ ضمیر رَجُلٌ کو راجع ہے اس لیے کیونکہ صفت کو موصوف سے جوڑتے ہیں، اور یہ صفت جو ہے شبہ جملہ ہے، شبہ جملہ، اور جس طرح جملے کو کسی چیز سے جوڑنا ہو تو ربط ضروری اسی طرح شبہ جملہ کو بھی کسی چیز سے جوڑنا ہو تو ربط ضروری ہے۔ تو عَالِمٌ اسمِ فاعل جو ہے وہ اپنے فاعل سے مل کر شبہ جملہ ہو کر صفت، موصوف صفت مل کر یہ فاعل ہوا جَاءَ کے لیے، جَاءَ فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہوا۔ جَاءَنِي رَجُلٌ عَالِمٌ آیا میرے پاس ایسا آدمی جو کہ عالم ہے، یا یوں کہیں میرے پاس عالم آدمی آیا۔ میرے پاس عالم آدمی آیا۔ اب ذرا لفظوں پہ ذرا غور کرو۔ رَجُلٌ ہے موصوف اور عَالِمٌ ہے اس کی صفت۔ اور مجھے بتائیے یہ عالم ہونے کا معنی رَجُلٌ میں ہے یا کسی اور چیز میں؟ رَجُلٌ ہی میں ہے، تو اس کو کہتے ہیں صفت بحالہ۔ یہ لفظ لکھ لو بھائی الصِّفَةُ بِحَالِهِ، یہ لفظ لکھیں ذرا اپنے سامنے الصِّفَةُ گول تا ہے بھائی، الصِّفَةُ بِحَالِهِ۔ اس کو کہتے ہیں صفت بحالہ اور یہ هِ ضمیر راجع ہے موصوف کو، أَيِ الصِّفَةُ بِحَالِ الْمَوْصُوفِ یعنی وہ صفت جو اپنے موصوف کی حالت بیان کرتی ہے۔ رَجُلٌ عَالِمٌ، رَجُلٌ موصوف تھا اور عَالِمٌ اس کی صفت ہے، اور یہ عالم ہونے کا معنی کس کے اندر ہے؟ رَجُلٌ کے اندر ہے تو یہ عالم ہونا اپنے موصوف کی حالت بیان کر رہا ہے۔ یہ لفظِ عالم کس کی حالت بیان کر رہا ہے؟ رَجُلٌ کی کہ رَجُلٌ عالم ہے کوئی اور عالم نہیں، اس کو کیا کہتے ہیں صفت بحالہ اور یہ هِ ضمیر کس کو راجع؟ موصوف کو، أَيِ الصِّفَةُ بِحَالِ الْمَوْصُوفِ یعنی وہ صفت جو اپنے موصوف کی حالت بیان

کرے۔ اسی طرح دوسری مثال لکھیے زَيْدٌ عَالِمٌ۔ زَيْدٌ عَالِمٌ۔ ترکیب کیجیے زَيْدٌ مرفوع لفظاً بتدا، عَالِمٌ مرفوع لفظاً صیغہ اسمِ فاعل، اس کے اندر هُوَ ضمیر مرفوع محلاً اس کا فاعل جو کس کو راجع؟ زید کو کیونکہ خبر کو بتدا سے جوڑتے ہیں۔ تو اسمِ فاعل اپنے فاعل سے مل کر شبہ جملہ ہو کر یہ خبر زید کے لیے اور بتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔ اب اس میں بھی دیکھو یہ عَالِمٌ لفظوں میں خبر کس کی؟ زَيْدٌ عَالِمٌ یہ عَالِمٌ لفظوں میں خبر کس کی؟ زید کی اور معنی میں بھی یہ زید کی خبر ہے یہ عالم ہونے کی صفت کس میں پائی جا رہی ہے؟ زید میں پائی جا رہی ہے کہ زید عالم ہے۔ تو یاد رکھو یہ بھی صفت بحالہ ہے۔ یہ جو زَيْدٌ عَالِمٌ

میں عَالِمٌ آیا یہ بھی کیا ہے؟ صفت بحالہ ہے۔ آپ کہیں گے یہ تو صفت نہیں ہے یہ تو خبر ہے۔ تو یاد رکھنا بھائی یہ خبر بھی صفت ہی ہوتی ہے۔ یہ خبر بھی صفت ہی ہوتی ہے۔ بھائی پچھلا جملہ کیا آیا تھا؟ جَاءَنِي رَجُلٌ عَالِمٌ میرے پاس ایسا آدمی آیا جو کہ عالم ہے، تو عالم ہونے کا معنی کس میں تھا؟ اسی رَجُلٌ میں تھا تو وہ صفت بحالہ ہے۔ اسی طرح جب میں نے کہا زَيْدٌ عَالِمٌ زید عالم ہے اس سے بھی کیا پتا چلا کہ عالم ہونے کا معنی کس میں ہے؟ زید میں ہے تو یہ جو خبر ہوتی ہے یہ بھی دراصل صفت ہوتی ہے۔ یہ بھی؟ یہ دراصل صفت ہے ہاں چونکہ آپ کو پتا نہیں تھا اس لیے میں خبر کی صورت میں لایا، جب آپ کو پتا لگ گیا اب یہ صفت بن گئی۔ تو ہر صفت قَبْلَ الْعِلْمِ خبر ہو گی اور بَعْدَ الْعِلْمِ صفت بن جائے گی۔ آپ کو پتا نہیں تھا کہ زید عالم ہے تو یہ قَبْلَ الْعِلْمِ اب میں زَيْدٌ عَالِمٌ میں عَالِمٌ کو خبر کی صورت میں لاؤں گا کیونکہ آپ کو علم نہیں ہے آپ کو خبر نہیں ہے، اور جب آپ کو ایک دفعہ پتا چل گیا اب یہ صفت بن جائے گی، اب میں آپ سے کہوں گا جَاءَنِي زَيْدٌ الْعَالِمُ میرے پاس وہ زید آیا جو عالم تھا۔ زَيْدٌ موصوف اَلْعَالِمُ اس کی صفت۔ تو یہ عالم جب تک آپ کو پتا نہیں تھا جب میں نے ذکر کیا تو کس صورت میں ذکر کیا؟ خبر کی صورت میں اور جب آپ کو پتا لگ گیا اب وہ کیا بن گئی؟ صفت بن گئی اب میں اس کو صفت کے طور پر ذکر کروں گا کہ جَاءَنِي زَيْدٌ الْعَالِمُ وہ زید جو عالم ہے۔ تو حاصلِ کلام کیا؟ کہ خبر جو ہوتی ہے وہ بھی دراصل کیا ہوتی ہے؟ صفت۔ ہاں وہ قَبْلَ الْعِلْمِ خبر ہے وہی صفت اور بَعْدَ الْعِلْمِ وہ کیا ہے؟ صفت ہے بھائی۔ تو یہ بھی صفت بحالہ ہے۔ زَيْدٌ عَالِمٌ میں یہ جو عَالِمٌ ہے یہ بھی کیا ہے؟ صفت بحالہ ہے یعنی یہ اپنے موصوف کی حالت بیان کر رہی ہے یعنی بتدا کی۔

اور کبھی کبھار صفت جو ہے بحالِ متعلقہ ہوتی ہے جیسے اس کی مثال لکھیے بھائی، لکھیے بھائی جَاءَنِي رَجُلٌ عَالِمٌ أَبُوهُ۔

جَاءَنِي رَجُلٌ عَالِمٌ أَبُوهُ۔ ترکیب کیجیے جَاءَ فعل، نونِ وقایہ، يَا ضمیر منصوب محلاً مفعول بہ، رَجُلٌ مرفوع لفظاً موصوف، عَالِمٌ مرفوع لفظاً صیغہ اسمِ فاعل، یہ مرفوع کیوں ہے؟ کیونکہ یہ صفت ہے رَجُلٌ کی۔ جی تو عَالِمٌ مرفوع لفظاً صیغہ اسمِ فاعل، آگے یہ أَبُوهُ آگے کیا بنے گا؟ ہاں مضاف مضاف الیہ مل کر یہ کیا بنیں گے؟ یہ عَالِمٌ کے لیے فاعل بنیں گے جیسے فعل کے لیے فاعل کبھی اسمِ ظاہر آتا ہے کبھی ضمیر صفت کے صیغے کے لیے بھی فاعل کبھی اسمِ ظاہر آتا ہے اور کبھی ضمیر۔ تو یہ أَبُوهُ یہ مضاف مضاف الیہ مل کر یہ اسمِ ظاہر فاعل بن گیا عَالِمٌ کے لیے۔ اب عَالِمٌ کے اندر کوئی ضمیر نہیں۔ تو عَالِمٌ مرفوع لفظاً صیغہ اسمِ فاعل، أَبُوهُ میں أَبُو مرفوع لفظاً مضاف، مرفوع کیوں؟ کیونکہ یہ فاعل ہے فاعل مرفوع ہوتا ہے، اور یہ مضاف ہے آپ کو کیسے پتا چلا؟ کیونکہ یہ اسم کے ساتھ ضمیر متصل ہے، جس اسم کے ساتھ بھی ضمیر متصل آجائے وہ آپس میں کیا بنتے ہیں؟ مضاف مضاف الیہ۔ هَا ضمیر مجرور محلاً مضاف الیہ، اور یہ کس کو راجع؟ هَا ضمیر رَجُلٌ کو راجع ہے کیونکہ ربط دینا ہے ربط دینا اور تو کوئی ضمیر ہے نہیں اور عَالِمٌ أَبُوهُ اس سارے نے صفت بننا ہے کس کی؟ رَجُلٌ کی اور عَالِمٌ کے اندر تو هُوَ ضمیر تھی نہیں تو اب ربط تو ابھی بھی نہیں آیا تو اب یہ هَا ضمیر رَجُلٌ کو راجع ہے۔ جی تو مضاف اپنے مضاف الیہ سے مل کر

یہ فاعل ہوا عَالِمٌ کے لیے۔ عَالِمٌ صیغہ اسمِ فاعل اپنے فاعل سے مل کر شبہ جملہ ہو کر صفت، موصوف صفت مل کر فاعل ہوا بھائی، اور فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہوا۔ جَاءَنِي رَجُلٌ عَالِمٌ أَبُوهُ ترجمہ سنو: آیا میرے پاس ایسا آدمی عَالِمٌ أَبُوهُ کہ عالم ہے اس کا ابو، کہ عالم ہے اس کا ابو۔ اب دیکھو دیکھو یہ عَالِمٌ صفت کس کی؟ لفظوں میں صفت کس کی؟ رَجُلٌ کی۔ رَجُلٌ موصوف ہے اور عَالِمٌ أَبُوهُ سارا اس کی صفت۔ تو عَالِمٌ لفظوں میں تو صفت ہے رَجُلٌ کی لیکن معنی کے اعتبار سے آپ دیکھیں یہ عالم ہونے کا معنی رَجُلٌ میں پایا جا رہا ہے یا اس کے ابو میں؟ اس کے ابو میں، تو یہ صفت بحالہ نہیں ہے بلکہ یہ صفت بحالِ متعلقہ ہے۔ جی یہ لفظ بھی لکھیں آپ اس کے یہاں پر الصِّفَةُ بِحَالِ مُتَعَلِّقِهِ، الصِّفَةُ بِحَالِ مُتَعَلِّقِهِ اور یہ مُتَعَلِّقِهِ کی ہِ ضمیر راجع ہے موصوف کو۔ اَلصِّفَةُ بِحَالِ مُتَعَلِّقِهِ وہ صفت جو اپنے موصوف کے متعلق کی حالت بیان کرے۔ توجہ ہے؟ صفت بحالہ کا کیا معنی تھا؟ وہ صفت جو اپنے موصوف کی حالت بیان کرے، اور صفت بحالِ متعلقہ کیا معنی؟ وہ صفت جو اپنے موصوف کے متعلق کی حالت بیان کرے۔ یہاں پر بھی عَالِمٌ لفظوں میں تو صفت ہے رَجُلٌ کی لیکن معنی کے اعتبار سے وہ رَجُلٌ کی حالت نہیں بیان کر رہی بلکہ رَجُلٌ کے متعلق یعنی اس کے ابو کی حالت بیان کر رہی ہے، اور آدمی کا باپ اس کا متعلق ہے یعنی اس کے ساتھ اس کا تعلق ہے بھائی وہ اس کا باپ ہے بھائی۔ تو صفت کتنی قسم پر ہو گئی؟ ایک صفت بحالہ اور ایک صفت بحالِ متعلقہ۔ صفت بحالہ کسے کہتے ہیں؟ کہ جو لفظوں میں جس کی صفت ہو معنی میں بھی اسی کی صفت ہو۔ پہلی مثال پہ ذرا نظر رکھو جَاءَنِي رَجُلٌ عَالِمٌ۔ جَاءَنِي رَجُلٌ عَالِمٌ، عَالِمٌ لفظوں میں کس کی صفت؟ رَجُلٌ کی اور معنی میں بھی رَجُلٌ کی صفت ہے یہ عالم ہونے کا معنی اسی رَجُلٌ میں پایا جا رہا ہے۔ اور دوسری صفت پہ نظر رکھو جَاءَنِي رَجُلٌ عَالِمٌ أَبُوهُ، یہ عَالِمٌ لفظوں میں صفت کس کی؟ رَجُلٌ کی لیکن معنی میں صفت کس کی ہے؟ أَبُو الرَّجُلِ کی اس آدمی کے باپ کی صفت۔ تو صفت گویا دو قسم پر ہو گئی ایک صفت بحالہ اور ایک صفت بحالِ متعلقہ۔ یہ تو تھا صفت میں اور اسی طرح میں نے بتایا خبر بھی صفت کے درجے میں ہے لہٰذا وہاں بھی کیا مثال بن جائے گی؟ زَيْدٌ عَالِمٌ أَبُوهُ وہاں بھی أَبُوهُ لے آئیں۔ تو اب عَالِمٌ لفظوں میں خبر کس کی؟ زَيْدٌ عَالِمٌ أَبُوهُ یہ عَالِمٌ لفظوں میں خبر کس کی؟ زید کی یعنی لفظوں میں یہ صفت بن رہی ہے زید کی لیکن معنی میں صفت کس کی ہے؟ زید کے ابو کی۔

ایک دو مثالیں اور لکھ لیں پھر بات آپ کو پوری طرح سمجھ میں آ جائے گی۔ زَيْدٌ عَالِمٌ بَنُوهُ، زَيْدٌ عَالِمٌ بَنُوهُ، بَنُوهُ یہ اصل میں تھا بَنُونَ بھائی یہ جمع ہے اِبْنٌ کی۔ اِبْنٌ کی جمع کیا؟ بَنُونَ اور پھر اضافت کی وجہ سے نون گر گیا۔ هَا ضمیر کی طرف اضافت ہوئی نا بَنُوهُ تو بَنُونَ کا کیا معنی؟ بیٹے۔ تو زَيْدٌ عَالِمٌ بَنُوهُ زید کہ عالم ہیں بَنُوهُ اس کے بیٹے۔ ترجمہ سمجھ میں آ رہا ہے؟ تو زَيْدٌ عَالِمٌ بَنُوهُ اس کے اندر جو عَالِمٌ آیا یہ لفظوں میں خبر یعنی لفظوں میں صفت ہے کس کی؟ زید کی اور معنی میں یہ صفت ہے کس کی؟ بَنُوهُ یعنی زید کے بیٹوں کی۔ اور آپ دیکھ رہے ہیں بَنُوهُ جمع ہے جمع ہے لیکن عَالِمٌ مفرد ہے کیوں؟ ہاں شاباش کیونکہ جب اسمِ ظاہر فاعل ہو تو فعل اور صفت کے صیغے کو ہمیشہ مفرد رکھتے ہیں۔ تو جب یہ صفت بحالِ متعلقہ ہو گی تو پھر

یہ ہمیشہ مفرد رہے گی۔ یہ صفت بحالِ متعلقہ تو جب بھی ہو گی یہ مفرد رہے گی کیونکہ آگے اس کا فاعل اسمِ ظاہر آئے گا اور اسمِ ظاہر تبھی فاعل بن سکتا ہے جب صفت کا صیغہ مفرد ہو۔ مثلاً اور مثال بناؤ اَلزَّیْدَانِ عَالِمٌ بَنُوهُمَا، اَلزَّیْدَانِ عَالِمٌ بَنُوهُمَا۔ دیکھو اَلزَّیْدَانِ یہ ہے بتدا اور عَالِمٌ یہ کیا ہے اس کی خبر اور بَنُوهُمَا یہ کیا ہے؟ بَنُوهُمَا یہ فاعل ہے کس کے لیے؟ عَالِمٌ کے لیے۔ اَلزَّیْدَانِ وہ جو دو زید ہیں عَالِمٌ بَنُوهُمَا ان دونوں کے بیٹے عالم ہیں۔ اب یہاں بَنُوهُمَا دیکھو جمع ہے اور عَالِمٌ کو مفرد لائے کیوں مفرد لائے؟ کیونکہ جب فاعل اسمِ ظاہر ہو تو فعل یا صفت کے صیغے کو مفرد رکھتے ہیں۔ نیز آپ غور کریں اَلزَّیْدَانِ بتدا ہے تثنیہ اور عَالِمٌ یہ اس کی خبر ہے لیکن یہ مفرد ہے یہ مفرد ہے۔ تو اب آپ یہ اعتراض نہ کریں کہ تثنیہ کے لیے تو خبر تثنیہ آنی چاہیے وجہ یہ کہ یہ صفت بحالہ نہیں ہے بلکہ یہ کیا ہے؟ صفت بحالِ متعلقہ اور وہ ہمیشہ مفرد رہتی ہے کیونکہ آگے اس کا فاعل اسمِ ظاہر آ رہا ہوتا ہے اور اسمِ ظاہر تبھی اس کے لیے فاعل بنے گا جب صفت کا صیغہ مفرد ہو۔ تو لہٰذا یہ جو صفت بحالِ متعلقہ ہے یہ اپنے موصوف کے مطابق نہیں ہوتی یہ ہمیشہ مفرد رہتی ہے۔ موصوف چاہے مفرد ہو تثنیہ ہو جمع ہو اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا، صفت بحالِ متعلقہ ہمیشہ کیا رہے گی؟ مفرد رہے گی۔ بات سمجھ میں آ گئی؟

ایک اور مثال لکھیے زَیْدٌ عَالِمَةٌ أُمُّهُ، زَیْدٌ عَالِمَةٌ أُمُّهُ۔ جی ترکیب کیا ہو گی؟ زَیْدٌ مرفوع لفظاً بتدا، عَالِمَةٌ مرفوع لفظاً صیغہ اسمِ فاعل، أُمُّهُ مضاف مضاف الیہ مل کر یہ اس عَالِمَةٌ کا فاعل اور أُمُّهُ کی هَا ضمیر کس کو راجع؟ زید کو، اس کے ذریعے ربط آ گیا خبر کا بتدا سے، خبر کو کس سے جوڑتے ہیں؟ بتدا سے۔ تو أُمُّهُ مضاف مضاف الیہ مل کر فاعل، عَالِمَةٌ صیغہ اسمِ فاعل اپنے فاعل سے مل کر شبہ جملہ ہو کر خبر، بتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔ زَیْدٌ عَالِمَةٌ أُمُّهُ ترجمہ کیا؟ زید کہ عالمہ ہے اس کی ماں، زید کہ عالمہ ہے اس کی ماں یعنی زید کی ماں عالمہ ہے۔ اب دیکھو اب آپ کے ذہن میں یہ اشکال نہ آئے کہ زید تو ہے مذکر اور عَالِمَةٌ اس کی خبر تو مؤنث ہے وجہ یہ کہ یہ صفت بحالِ متعلقہ ہے اور یہ اپنے فاعل کے مطابق مذکر مؤنث آتی ہے۔ فاعل اگر مذکر ہو أَبُوهُ ہو تو عَالِمٌ لائیں گے اور فاعل مؤنث یعنی أُمُّهُ ہے تو عَالِمَةٌ مؤنث لائے۔ تو حاصلِ کلام یہ: صفت بحالِ متعلقہ جو ہے وہ ہمیشہ مفرد رہے گی چاہے اس کا موصوف مفرد ہو تثنیہ ہو یا جمع۔ صفت بحالِ متعلقہ ہمیشہ مفرد رہے گی کیونکہ آگے اس کا فاعل اسمِ ظاہر آ رہا ہے اور فاعل اسمِ ظاہر ہو تو فعل یا صفت کے صیغے کو ہمیشہ مفرد رکھتے ہیں۔ اور نیز صفت بحالِ متعلقہ وہ مفرد یا مذکر آئے گی اپنے فاعل کے اعتبار سے نہ کہ اپنے موصوف کے اعتبار سے، موصوف مذکر ہو اور فاعل مؤنث ہو تو صفت بحالِ متعلقہ کو اپنے فاعل کے مطابق مؤنث لائیں گے جیسے اس مثال میں زَیْدٌ عَالِمَةٌ أُمُّهُ یہ عَالِمَةٌ خبر کس کی؟ زید کی لیکن اس کا فاعل کیا ہے؟ أُمُّهُ ہے وہ مؤنث ہے تو عَالِمَةٌ مؤنث لے کر آئے۔ تو معلوم ہوا صفت بحالِ متعلقہ یہ ہمیشہ کیا رہے گی؟ مفرد رہے گی یہ اپنے موصوف کے مطابق تثنیہ یا جمع نہیں آئے گی، اور نیز یہ اپنے فاعل کے مطابق مذکر یا مؤنث آئے گی اگر اس کا فاعل مذکر ہو گا اگر اس کا فاعل مؤنث ہوا تو یہ صفت مؤنث ہو گی۔ ہاں دو چیزوں کے اندر یہ اپنے موصوف کے مطابق ہو گی دو چیزوں میں: ایک تعریف و تنکیر میں، موصوف اگر معرفہ ہو تو صفت

بھی ہمیشہ کیا ہوتی ہے؟ معرفہ۔ اور دوسرا اعراب کے اندر، موصوف پر جو اعراب ہوتا ہے وہی اعراب کس پر ہوتا ہے؟ صفت۔ توجہ ہے؟ زَيْدٌ عَالِمَةٌ أُمُّهُ یہ تو ہم نے بتدا خبر کی مثال کی، کون سی مثال کی؟ بتدا خبر والی لیکن ہے یہ بھی صفت ہی۔

موصوف صفت باقاعدہ موصوف صفت ذرا لے آؤ: جَاءَنِي رَجُلٌ عَالِمَةٌ أُمُّهُ۔ جَاءَنِي رَجُلٌ عَالِمَةٌ أُمُّهُ۔ رَجُلٌ موصوف اور عَالِمَةٌ أُمُّهُ اس کی صفت۔ اب دیکھو دونوں کا اعراب ایک ہے رَجُلٌ بھی مرفوع اور عَالِمَةٌ بھی مرفوع۔ نیز رَجُلٌ نکرہ تو عَالِمَةٌ بھی نکرہ ہے۔ دیکھو رَجُلٌ عَالِمَةٌ أُمُّهُ یہ صفت بحالِ متعلقہ ہے یہ اپنے موصوف کے ساتھ مطابق ہوتی ہے دو چیزوں میں، ایک اعراب میں اور دوسرا تعریف وتنکیر میں، اور دو چیزوں کے اندر یہ اپنے موصوف کے مطابق نہیں ہوتی، کون سی دو چیزیں؟ ایک مفرد تثنیہ اور جمع ہونے میں، یہ اپنے موصوف کے مطابق نہیں ہوگی بلکہ ہمیشہ مفرد رہے گی کیونکہ اس کا فاعل آگے اسمِ ظاہر آرہا ہے۔ اور نیز یہ مذکر مؤنث ہونے میں بھی اپنے موصوف کے مطابق نہیں رہے گی بلکہ اپنے فاعل کے مطابق آئے گی۔ یہ تھی صفت بحالِ متعلقہ، جبکہ ایک ہوتی ہے صفت بحالہ وہ تمام چیزوں میں اپنے موصوف کے مطابق ہوتی ہے۔ جَاءَنِي رَجُلٌ عَالِمٌ، رَجُلٌ پر رفع تو عَالِمٌ پر بھی رفع، رَجُلٌ نکرہ تو عَالِمٌ بھی نکرہ، رَجُلٌ مفرد تو عَالِمٌ بھی مفرد اور رَجُلٌ مذکر تو عَالِمٌ بھی، تو یہ صفت مذکر ہوگی۔ پھر دہرائیں پھر دہرائیں صفت بحالہ، صفت بحالہ کتنی چیزوں میں اپنے موصوف کے مطابق ہوتی ہے؟ چار چیزوں میں: اعراب میں، تعریف وتنکیر میں، مفرد تثنیہ اور جمع ہونے میں اور مذکر مؤنث ہونے میں۔ چاروں چیزوں میں صفت بحالہ اپنے موصوف کے مطابق آئے گی۔ اور ایک صفت بحالِ متعلقہ ہے وہ دو چیزوں میں اپنے موصوف کے مطابق ہوگی اور دو چیزوں میں مطابق نہیں۔ کون سی دو چیزوں میں مطابق ہوگی؟ اعراب میں اور تعریف و تنکیر میں۔ اور کن دو چیزوں میں مطابق نہیں ہوگی؟ افراد تثنیہ اور جمع میں مطابق نہیں ہوگی بلکہ یہ ہمیشہ مفرد رہے گی، اور نیز تذکیر و تانیث میں بھی یہ اپنے موصوف کے مطابق نہیں بلکہ اپنے فاعل کے مطابق ہوگی۔ بات سمجھ میں آگئی؟ اب آئیے عبارت پر بھائی۔

دیکھیے بھائی فَإِنَّ الْمُتَكَلِّمَ بِهٰذَا الْكَلَامِ يَعْلَمُ اس لیے کیونکہ یہ کلام کرنے والا متکلم جانتا ہے کہ أَنَّ أَحَدَهُمَا فِي الدَّارِ کہ ان دونوں میں سے ایک اس گھر میں ہے، فَيَسْأَلُ الْمُخَاطَبَ عَنْ تَعْيِينِهِ تو وہ مخاطب سے پوچھتا ہے اس ایک کی تعیین کے بارے میں۔ فَكَأَنَّهُ قَالَ تو گویا کہ متکلم نے یوں کہا أَيٌّ مِنَ الْأَمْرَيْنِ الْمَعْلُومِ كَوْنُ أَحَدِهِمَا فِي الدَّارِ كَائِنٌ فِيهَا۔ میں نے بتایا تھا یہ عبارت مشکل ہے بھائی اتنی لمبی تقریر کی یہ سمجھانے کے لیے۔ دیکھو أَيٌّ مِنَ الْأَمْرَيْنِ، اَلْأَمْرَيْنِ ہے موصوف اَلْأَمْرَيْنِ موصوف اور اَلْمَعْلُومِ یہ اس کی صفت ہے۔ اَلْأَمْرَيْنِ پر مِن داخل ہے مجرور ہے تو اَلْمَعْلُومِ یہ بھی کیا ہے؟ مجرور۔ اور یاد رکھو یہ اَلْمَعْلُومِ یہ صفت بحالِ متعلقہ ہے اور اس کی مطابقت ہوتی ہے اپنے موصوف کے ساتھ دو چیزوں میں، ایک اعراب میں تو دیکھو اَلْأَمْرَيْنِ مجرور ہے تو اَلْمَعْلُومِ بھی کیا ہے؟ مجرور، اور نیز مطابقت ہوتی ہے تعریف وتنکیر میں، اَلْأَمْرَيْنِ معرفہ تو اَلْمَعْلُومِ بھی کیا ہے؟ معرفہ۔ اور دو چیزوں میں مطابقت نہیں ہوتی ایک افراد تثنیہ اور جمع میں اَلْأَمْرَيْنِ موصوف ہے تثنیہ لیکن اَلْمَعْلُومِ

ہمیشہ جو صفت بحالِ متعلقہ ہے وہ مفرد رہے گا۔ اور نیز تذکیر و تانیث میں بھی مطابقت نہیں ہوتی بلکہ آگے آنے والے اسمِ ظاہر کے مطابق تذکیر و تانیث ہوگی اور اَلْمَعْلُومِ کا فاعل آگے آرہا ہے کَوْنُ أَحَدِهِمَا یہ کَوْنُ مصدر اس کا فاعل ہے، اور کَوْنُ تو مذکر ہے اس لیے اَلْمَعْلُومِ یہ بھی مذکر ہے بھائی، اگر یہ مؤنث فاعل ہوتا تو یہ اَلْمَعْلُومِ کا لفظ بھی کیا ہوتا؟ مؤنث ہوتا بھائی۔ اب دیکھیے فَكَأَنَّهُ قَالَ گویا کہ متکلم نے یہ کہا أَيٌّ مِنَ الْأَمْرَيْنِ کہ ان دو چیزوں میں سے کون سی ہے، ان دو چیزوں میں سے کون سی ہے وہ دو چیزیں اَلْمَعْلُومِ کہ یہ بات معلوم ہے كَوْنُ أَحَدِهِمَا فِي الدَّارِ ان دونوں میں سے ایک کا اس گھر میں ہونا، معلوم ہے کیا چیز معلوم ہے؟ كَوْنُ أَحَدِهِمَا فِي الدَّارِ یہ فاعل ہے، معلوم ہے كَوْنُ أَحَدِهِمَا فِي الدَّارِ ان دو میں سے ایک کا اس گھر میں ہونا معلوم ہے۔ اور كَائِنٌ فِيهَا أَيْ ثَابِتٌ فِيهَا، كَائِنٌ کس معنی میں ہے؟ ثَابِتٌ وہی افعالِ عامہ میں سے ہے بھائی كَانَ يَكُونُ سے۔ كَائِنٌ فِيهَا جو ثابت ہے فِيهَا اس گھر میں۔ اب ذرا دیکھو پھر عبارت دیکھو فَكَأَنَّهُ قَالَ گویا کہ متکلم نے یوں کہا ہے أَيٌّ مِنَ الْأَمْرَيْنِ ان دو چیزوں میں سے کون سی ہے، درمیان کی عبارت چھوڑ دیں كَائِنٌ فِيهَا أَيْ ثَابِتٌ فِيهَا یہ خبر ہے یہ خبر ہے، درمیان میں اَلْمَعْلُومِ كَوْنُ أَحَدِهِمَا فِي الدَّارِ ذرا اس عبارت کو نکال دیں أَيٌّ مِنَ الْأَمْرَيْنِ كَائِنٌ فِيهَا ان دو چیزوں میں سے کون سی چیز ہے كَائِنٌ فِيهَا أَيْ ثَابِتٌ فِيهَا اس گھر میں ثابت، ان دو چیزوں میں سے کون سی چیز اس گھر میں ثابت ہے، ان دو چیزوں میں سے کون سی چیز اس گھر میں ثابت ہے؟ بھائی ان دو چیزوں میں سے کون سی یہ دو چیزیں؟ کہتے ہیں اَلْمَعْلُومِ كَوْنُ أَحَدِهِمَا فِي الدَّارِ کہ جن میں سے ایک کا اس گھر میں ہونا معلوم ہے، یہ دو چیزیں کہ جن میں سے ایک کا اس گھر میں ہونا معلوم ہے ان میں سے کون سی چیز كَائِنٌ فِيهَا اس گھر میں موجود ہے اس گھر میں ثابت ہے۔ بات سمجھ میں آگئی عبارت سمجھ میں آگئی؟ بتلانا یہ چاہتے ہیں کہ یہاں تخصیص جو آئی ہے وہ علمِ متکلم کی وجہ سے آئی ہے۔ متکلم جن دو امروں کا سوال کر رہا ہے ان دو میں سے ایک کا اس گھر میں ہونا معلوم ہے لیکن وہ کون سا ہے صرف تعیین نہیں ہے کہ ہے ان دونوں میں سے ایک ہی لیکن تعیین نہیں ہے ذرا آپ مجھے متعین کر کے بتا دیں کون سا والا ہے بھائی۔

فَكَأَنَّهُ قَالَ تو گویا کہ متکلم نے یہ کہا أَيٌّ مِنَ الْأَمْرَيْنِ کہ وہ جو دو امر ہیں وہ جو دو چیزیں ہیں اَلْمَعْلُومِ كَوْنُ أَحَدِهِمَا فِي الدَّارِ کہ معلوم ہے ان دونوں میں سے ایک کا اس گھر میں ہونا، وہ دو چیزیں کہ ان دونوں میں سے ایک کا اس گھر میں ہونا معلوم ہے ان دو چیزوں میں سے کون سی چیز جو ہے كَائِنٌ فِيهَا أَيْ ثَابِتٌ فِيهَا وہ اس گھر میں ثابت ہے أَيْ مَوْجُودٌ فِيهَا اس گھر میں موجود ہے؟ فَكُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا تَخَصَّصَ بِهٰذِهِ الصِّفَةِ تو ان میں سے ہر ایک جو ہے اس نے تخصیص پا لی اس نے تخصیص حاصل کر لی بِهٰذِهِ الصِّفَةِ اس صفت کی وجہ سے۔ دونوں میں سے ہر ایک نے تخصیص حاصل کر لی۔ دونوں میں سے کیا معنی؟ بھائی آیا نا أَرَجُلٌ فِي الدَّارِ أَمِ امْرَأَةٌ، رَجُلٌ ہے بتدا اور أَمِ امْرَأَةٌ یہ اِمْرَأَةٌ کا اسی پر عطف ہے بھائی اور معطوف کا وہی حکم ہوتا ہے جو کس کا ہوتا ہے؟ معطوف علیہ، تو ان دونوں میں سے ہر ایک میں تخصیص آگئی اس صفت کی وجہ سے۔ کون سی صفت؟ کہ اس گھر میں ان دونوں میں سے ایک کا ہونا معلوم ہے یا یہ رَجُلٌ یا یہ اِمْرَأَةٌ ان دونوں میں سے ایک کا اس گھر

میں ہونا معلوم ہے یا تو یہ ہے یا یہ ہے، تو گھر میں ہونا معلوم دیکھو صفت آ گئی یا نہیں؟ رَجُلٌ یا اِمْرَأَةٌ ان میں سے ایک کا اس گھر میں ہونا معلوم ہے تو یہ معلوم ہونا یہ ان کی صفت ہو گئی بات سمجھ میں آ گئی۔ تو کہتے ہیں فَكُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا تَخَصَّصَ بِهٰذِهِ الصِّفَةِ تو ان دونوں میں سے ہر ایک جو ہے اس نے تخصیص حاصل کر لی اس صفت کی وجہ سے کون سی صفت؟ کہ ان کا اس گھر میں ہونا معلوم ہے۔ فَجُعِلَ رَجُلٌ مُبْتَدَأً تو رَجُلٌ کو بتدا بنا دیا گیا وَفِي الدَّارِ خَبَرَهُ اور فِي الدَّارِ کو اس کی خبر بنا دیا گیا۔

بس بھائی حاصلِ کلام یہ کہ آج ہم نے تخصیص کے دو طریقے پڑھے بھائی۔ تخصیص کے پہلے طریقے کا کیا نام؟ تخصیص بالصفت، کہ یعنی نکرہ کی صفت لا کر اس میں تخصیص پیدا کر دی جائے اور صفت لانے سے اشتراک کم ہو جاتا ہے۔ اور اسی طرح تخصیص کا دوسرا طریقہ کیا ہے؟ تخصیص بعلم المتکلم، اور یہ تخصیص بعلم المتکلم کہاں آتی ہے؟ جہاں ہمزۂ استفہام آئے کس کے ساتھ؟ أَمْ متصلہ کے ساتھ، اور یہاں تخصیص آتی ہے علمِ متکلم کی وجہ سے۔ بھائی کس طرح علمِ متکلم کی وجہ سے تخصیص آئی؟ کہ متکلم کو یہ علم ہوتا ہے کہ انہی دو چیزوں میں سے کوئی ایک اس گھر کے اندر ہے اب وہ اس سوال کے ذریعے صرف تعیین کو طلب کرتا ہے لہٰذا اس سوال کا جواب نَعَمْ یا لَا کے ساتھ نہیں دیا جا سکتا بلکہ تعیین کے ساتھ ہی جواب دینا پڑے گا۔ اس پر ایک اشکال ہوتا ہے کہ یہ تو تعیین متکلم کے نزدیک ہے حالانکہ متکلم کے نزدیک تعیین معتبر نہیں میں جو بھی کلام کروں گا اس کا دارومدار سننے والے پر ہے کہ وہ اس کا کیا معنی سمجھتا ہے۔ تو متکلم کے نزدیک تعیین ہو حالانکہ تعیین تو کس کے نزدیک ہونی چاہیے؟ مخاطب کے نزدیک تعیین ہو پھر جو ہے اس کا بتدا بننا صحیح۔ تو جواب یہ کہ مخاطب کو بھی اس تعیین کا علم ہے وہ جانتا ہے کہ یہ متکلم أَمْ کے ذریعے سوال کر رہا ہے معلوم ہوا اس کو اتنا علم ہے کہ انہی دو چیزوں میں سے کوئی ایک اس گھر میں ہے اب وہ صرف تعیین کو طلب کر رہا ہے، تو جس طرح متکلم کے نزدیک یہاں تخصیص ہے اسی طرح مخاطب بھی جانتا ہے کہ متکلم کو اس بات کا علم ہے تو اس کے نزدیک بھی اس میں تخصیص ہے بھائی۔ اسی لیے یہ متکلم أَمْ کے ذریعے سوال کر رہا ہے مخاطب اس بات کو جانتا ہے بھائی۔ بات سمجھ میں آ گئی حل ہو گیا سارا؟ چلیے بس بھائی هٰذَا هُوَ الْمَرَامُ وَاللّٰهُ أَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْكَلَامِ۔

سبق نمبر ۹۷: المبتدا والخبر (۵): نکرہ کے بتدا بننے کی مزید صورتیں (نفی، استفہام، تخصیص)

شرحِ ملا جامی صفحہ: ۷۱ — بتاریخ: ۷ نومبر ۲۰۲۱ء

▪ تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث

آگے سبق دیکھیے بھئی۔ وَمِثْلُ قَوْلِكَ مَا أَحَدٌ خَيْرٌ مِنْكَ فَإِنَّ النَّكِرَةَ فِيهَا وَقَعَتْ فِي حَيِّزِ النَّفْيِ فَأَفَادَتْ عُمُومَ الْأَفْرَادِ وَشُمُولَهَا فَتَعَيَّنَتْ وَتَخَصَّصَتْ فَإِنَّهُ لَا تَعَدُّدَ فِي جَمِيعِ الْأَفْرَادِ بَلْ هُوَ أَمْرٌ وَاحِدٌ، وَكَذَا كُلُّ نَكِرَةٍ فِي الْإِثْبَاتِ قُصِدَ بِهَا الْعُمُومُ نَحْوُ تَمْرَةٌ خَيْرٌ مِنْ جَرَادَةٍ۔

بھئی گزشتہ سبق میں صاحبِ کافیہ نے آپ کو بتلایا تھا کہ بتدا کے اندر اصل ہے تقدیم بھئی، کہ بتدا کو مقدم ہونا چاہیے، اور خبر کے اندر اصل جو ہے وہ تاخیر ہے کہ اس کو مؤخر ہونا چاہیے، اس لیے کیونکہ بتدا ذات ہے یعنی ذات پر دلالت کرتا ہے، اور خبر حال ہے یعنی حال پر دلالت کرتی ہے، اور ذات مقدم ہوتی ہے اپنے احوال پر۔ پہلے ذات کا تصور آتا ہے اور اس کے بعد اس کے احوال کا تصور کیا جاتا ہے بھئی۔

اور پھر اس پر اشکال ہوا کہ پھر تو فعل اور فاعل جو ہے، فعل پہلے ہے، فاعل بعد میں ہے اور وہ فعل فاعل کی حالت بیان کر رہا ہے اور فاعل مسند الیہ ہے، وہ ذات ہے، اور ذات مقدم ہوتی ہے حالانکہ یہاں تو فعل مقدم ہے اور ذات مؤخر ہے۔ تو اس کا جواب بھی میں نے بتلایا تھا کہ دراصل یہاں مانع موجود ہے، کہ یہاں فعل جو ہے وہ عامل ہے فاعل یا نائب فاعل کے اندر، اور عامل کا درجہ مقدم ہوتا ہے معمول کے مقابلے میں، اس لیے اس مانع کی وجہ سے یہاں پر حال کو مقدم کیا گیا اور ذات کو مؤخر کیا گیا ورنہ اصل یہی ہے کہ ذات مقدم ہو اور حال مؤخر ہو بھئی۔

اور چنانچہ کہتے ہیں اسی وجہ سے فِي دَارِهِ زَيْدٌ یہ کہنا تو جائز ہے، کیونکہ اس کے اندر ہا ضمیر اگرچہ زید کو لوٹ رہی ہے جو لفظوں کے اعتبار سے مؤخر ہے لیکن رتبے کے اعتبار سے وہ مقدم ہے کیونکہ بتدا ہے۔ اور صَاحِبُهَا فِي الدَّارِ یہ کہنا ممتنع ہے یعنی جائز نہیں بھئی، اس لیے کیونکہ یہاں صَاحِبُهَا کے اندر ہا ضمیر جو ہے فِي الدَّارِ کے اندر جو الدَّار موجود ہے اس کی

طرف لوٹ رہی ہے اور وہ تو خبر کے مقام میں واقع ہے، تو لفظوں کے اعتبار سے بھی الدَّار مؤخر اور رتبے کے اعتبار سے بھی الدَّار مؤخر ہے کیونکہ خبر میں ہے بھئی، تو یہ اضمار قبل الذکر لازم آیا لفظاً بھی اور رتبتاً بھی اور یہ جائز نہیں بھئی۔

اور پھر صاحبِ کافیہ نے آپ کو بتلایا تھا کہ بتدا کے اندر دوسری اصل یہ ہے کہ بتدا معرفہ ہوتا ہے اور خبر نکرہ ہوتی ہے، معرفہ معرفت سے ہے جس کی آپ کو پہچان ہو، اور نکرہ نکارت سے ہے جس کی آپ کو پہچان نہ ہو بھئی۔ تو دیکھو بتدا اور خبر ہم لے کر آتے ہیں، بتدا کو معرفہ ذکر کرتے ہیں اور خبر کو نکرہ، بتدا کو معرفہ اس لیے ذکر کرتے ہیں کیونکہ آپ ایک بات بتلانے والے ہیں تو عموماً اور اکثر جو بات بتلائی جاتی ہے وہ کسی جاننے والی چیز کی حالت بیان کی جاتی ہے۔ اور خبر آگے نکرہ لائی جاتی ہے کیونکہ خبر کا آپ کو پتہ نہیں ہے، اگر خبر کا آپ کو پہلے سے ہی پتہ ہے تو پھر تو یہ خبر دینے کا فائدہ ہی کوئی نہیں، تو اس لیے خبر کو نکرہ لایا جاتا ہے بھئی، کہ اس کی مخاطب کو پہچان نہیں ہوتی بھئی۔

تو چنانچہ کبھی کبھار نکرہ جو ہے وہ بھی بتدا بنتا ہے بشرطیکہ اس کے اندر تخصیص پیدا ہو جائے بھئی۔ تو نکرہ بھی کبھی کبھار بتدا بنتا ہے لیکن یہ علی الاطلاق بتدا نہیں بنتا یعنی ہر نکرہ بتدا نہیں بنتا، بلکہ جب نکرہ کے اندر تخصیص پیدا ہو جائے پھر اس کو بتدا بنایا جاتا ہے۔ اور تخصیص کے چھ طریقے صاحبِ کافیہ نے ذکر کیے، جن میں سے دو طریقے ہم نے پڑھے تھے بھئی۔ وہ پہلا طریقہ کیا تھا؟ تخصیص بالصفت بھئی، وَلَعَبْدٌ مُؤْمِنٌ خَيْرٌ مِنْ مُشْرِكٍ۔ اس مثال کے اندر عَبْدٌ جو ہے وہ بتدا ہے اور یہ نکرہ ہے، اور اس کے اندر آگے مُؤْمِنٌ جو صفت آئی اس صفت نے اس کے اندر تخصیص پیدا کر دی اور اشتراک کو کم کر دیا۔ جب عبدِ مؤمن کہا جاتا ہے تو دیکھو کافر عبد اور کافر غلام اس سے نکل گئے بھئی، تو لہٰذا یہاں تخصیص صفت کی وجہ سے آئی، لہٰذا اس عَبْدٌ کا بتدا بننا صحیح ہے۔

اور دوسرا مقام تھا أَرَجُلٌ فِي الدَّارِ أَمِ امْرَأَةٌ، تو یہ تخصیص کا دوسرا طریقہ تھا اور اس کا نام ہے تخصیص بعلم المتکلم بھئی۔ اور تخصیص بعلم المتکلم وہاں آتی ہے جہاں ہمزہ استفہام آئے أَمْ متصلہ کے ساتھ، أَمْ متصلہ کے ساتھ۔ تو یہاں دیکھو متکلم کو اتنا علم ہے مثلاً اس نے کیا سوال کیا أَرَجُلٌ فِي الدَّارِ أَمِ امْرَأَةٌ کہ اس گھر میں کوئی آدمی ہے یا کوئی عورت، معلوم ہوا اس کو اتنا علم ہے کہ ان ہی دو میں سے کوئی ایک ہے، کوئی تیسری چیز وہاں نہیں، تو یہ سوال متکلم تبھی کرتا ہے جب اس کو اتنا پتہ ہو کہ ان ہی دو چیزوں میں سے ایک اس گھر کے اندر ہے۔ تو یہاں اب دیکھو متکلم کو علم ہے اور متکلم کے اس علم کی وجہ سے یہاں تخصیص آگئی، کیا آگئی؟ تخصیص آگئی، تو لہٰذا اب یہ أَرَجُلٌ فِي الدَّارِ اس میں رَجُلٌ نکرہ ہے اور یہ بتدا بن رہا ہے اور أَمِ امْرَأَةٌ یہ امْرَأَةٌ کا عطف رَجُلٌ پر ہے بھئی، اور معطوف کا وہی حکم ہوتا ہے جو معطوف علیہ کا ہوتا ہے۔ تو یہاں یہ رَجُلٌ بتدا بن رہا ہے اور نکرہ ہے لیکن اس کے اندر تخصیص آگئی بِعِلْمِ الْمُتَكَلِّمِ، متکلم کے علم کی وجہ سے، لہٰذا اس کا بتدا بننا صحیح ہے بھئی۔

تو یہاں تخصیص آگئی علمِ متکلم کی وجہ سے کہ اس کو معلوم ہے کہ ان ہی دو چیزوں میں سے کوئی ایک چیز ہے، اور لہٰذا اس کا جواب نَعَمْ یا لَا کے ساتھ نہیں دیا جا سکتا، نَعَمْ کے ساتھ اس کا جواب نہیں دے سکتے اس لیے کیونکہ نَعَمْ کا معنی ہے ہاں، مثلاً أَرَجُلٌ فِي الدَّارِ أَمِ امْرَأَةٌ آپ جواب میں کہتے ہیں نَعَمْ کہ ہاں اس گھر میں مرد یا عورت ہی ہے، تو یہ جواب دینے کا فائدہ ہی کوئی نہیں کیونکہ یہ بات تو متکلم کو بھی علم ہے کہ ان ہی دو میں سے کوئی ایک ہے، تو وہ تعیین کے بارے میں سوال کر رہا ہے، تو نَعَمْ کے ساتھ اس کا جواب نہیں دیا جا سکتا۔ اور نیز لَا کے ساتھ بھی جواب نہیں دیا جا سکتا، اس لیے کیونکہ اگر آپ کہتے ہیں کہ نہیں ان دونوں میں سے کوئی بھی نہیں ہے، تو اس صورت میں تو متکلم کا علم غلط ہو جائے گا، حالانکہ متکلم کو علم ہے کہ ان ہی دو چیزوں میں سے کوئی ایک چیز اس گھر میں ہے بھئی۔

اور پھر یہاں ایک ترکیب آئی تھی أَيٌّ مِنَ الْأَمْرَيْنِ الْمَعْلُومِ، تو یہاں الْأَمْرَيْنِ کی صفت الْمَعْلُومِ آئی تھی اور میں نے آپ کو بتلایا تھا کہ یہ صفت بحال متعلقہ ہے۔ صفت دو قسم پر ہے: ایک صفت بحالہ اور ایک صفت بحال متعلقہ۔ صفت بحالہ یہ ہا ضمیر راجع ہے موصوف کو، یعنی صفت بحال الموصوف، یعنی وہ صفت جس میں موصوف کی حالت بیان کی جائے۔ اور ایک ہے صفت بحال متعلقہ یعنی متعلق الموصوف، یعنی وہ صفت جس میں موصوف کے متعلق کی حالت بیان کی جائے بھئی۔ اور تو یہ جو صفت بحالہ ہے، یہ لفظوں میں جس کی صفت ہوتی ہے معنی میں بھی اسی کی صفت، جَاءَنِي رَجُلٌ عَالِمٌ، رَجُلٌ موصوف عَالِمٌ اس کی صفت، تو لفظوں میں یہ عَالِمٌ صفت ہے رَجُلٌ کی اور معنی کے اعتبار سے بھی یہ عَالِمٌ صفت ہے رَجُلٌ کی، وہ رَجُلٌ ہی عالم ہے، کوئی اور عالم نہیں۔ اور کبھی کبھار صفت جو ہے موصوف کے متعلق کی حالت بیان کرتی ہے، جیسے جَاءَنِي رَجُلٌ عَالِمٌ أَبُوهُ۔ اب دیکھو یہاں پر یہ أَبُوهُ فاعل ہے عَالِمٌ کے لیے اور عَالِمٌ لفظوں میں تو صفت ہے رَجُلٌ کی لیکن معنی کے اعتبار سے یہ صفت ہے أَبُوهُ کی بھئی، کس کی؟ أَبُوهُ کی یعنی موصوف کے متعلق کی صفت ہے بھئی۔ موصوف کے متعلق کی صفت ہے یعنی عالم وہ رَجُلٌ نہیں ہے بلکہ اس کا باپ جو ہے وہ عالم ہے بھئی۔

اور میں نے بتایا تھا کہ یہ جو عام صفت ہوتی ہے یہ اپنے موصوف کے مطابق ہوتی ہے چار چیزوں میں، یعنی یوں کہو صفت بحالہ اپنے موصوف کے مطابق ہو گی چار چیزوں میں: نمبر ایک اعراب، نمبر دو افراد تثنیہ اور جمع، یعنی اگر موصوف مفرد ہے تو صفت بھی مفرد، اور موصوف تثنیہ یا جمع ہے تو صفت بھی تثنیہ اور جمع، اور تیسری چیز ہے تذکیر و تانیث، موصوف مذکر تو صفت بھی مذکر، موصوف مؤنث تو صفت بھی مؤنث، اور چوتھی چیز جو ہے تعریف و تنکیر، موصوف معرفہ تو صفت بھی معرفہ، موصوف نکرہ تو صفت بھی نکرہ بھئی۔ تو یہ جو عام صفت ہے یعنی صفت بحالہ، یہ اپنے موصوف کے مطابق ہوتی ہے ان چار چیزوں میں: اعراب میں، افراد تثنیہ اور جمع میں، تذکیر و تانیث میں، اور تعریف و تنکیر میں۔ جبکہ صفت بحال متعلقہ وہ ہمیشہ مفرد رہے گی، معلوم ہوا افراد تثنیہ اور جمع میں یہ اپنے موصوف کے مطابق نہیں ہو گی۔ اور نیز یہ اپنے فاعل کے مطابق مذکر یا مؤنث آئے گی، فاعل مذکر تو یہ صفت بھی مذکر، وہ مؤنث تو یہ صفت بھی مؤنث، تو یہ دو چیزوں میں اپنے

فاعل کے مطابق ہو گی افراد تثنیہ جمع اور تذکیر و تانیث، اور دو چیزوں میں اپنے موصوف کے مطابق ہو گی یہ صفت بحال متعلقہ، ایک اعراب میں اور ایک تعریف و تنکیر میں۔ تو یہاں پر بھی آیا تھا أَيٌّ مِنَ الْأَمْرَيْنِ الْمَعْلُومِ، الْأَمْرَيْنِ موصوف ہے اور الْمَعْلُومِ اس کی صفت، تو دیکھو دونوں کا اعراب ایک ہے، دونوں مجرور ہیں، اور نیز دونوں تعریف و تنکیر میں بھی ایک جیسے ہیں، الْأَمْرَيْنِ معرفہ تو الْمَعْلُومِ بھی معرفہ۔ اور دو چیزوں میں مطابقت ضروری نہیں، کون سی؟ ایک تو افراد تثنیہ اور جمع میں، دیکھو الْأَمْرَيْنِ تثنیہ ہے اور الْمَعْلُومِ مفرد ہے، اور نیز تذکیر و تانیث میں بھی یہ مطابقت ضروری نہیں جیسے یہاں اس کا فاعل كَوْنُ أَحَدِهِمَا آرہا ہے اور وہ مذکر ہے اس لیے مَعْلُوم کا لفظ بھی مذکر ہے بھئی۔

اب آئیے آج کے سبق پر بھئی: وَمِثْلُ قَوْلِكَ مَا أَحَدٌ خَيْرٌ مِنْكَ فَإِنَّ النَّكِرَةَ فِيهَا وَقَعَتْ فِي حَيِّزِ النَّفْيِ فَأَفَادَتْ عُمُومَ الْأَفْرَادِ وَشُمُولَهَا۔ یہ تخصیص کا تیسرا طریقہ آگیا بھئی۔ اس طریقے کا نام ہے تخصیص بالعموم بھئی۔ یہ تخصیص بالعموم کہلاتی ہے۔ پہلا طریقہ کیا تھا تخصیص کا؟ تخصیص بالصفت، دوسرا طریقہ تھا تخصیص بعلم المتکلم، اور تیسرا طریقہ جو ہے مَا أَحَدٌ خَيْرٌ مِنْكَ اس کو کہتے ہیں تخصیص بالعموم، یعنی عموم کے ذریعے تخصیص پیدا کرنا، ایک چیز کے اندر عموم پیدا کر دینا، شمول پیدا کر دینا کہ وہ اپنے تمام افراد کا احاطہ کر لے، تو یہ تخصیص کا تیسرا طریقہ ہے اور کیا نام ہے اس کا؟ تخصیص بالعموم۔ اور یہ تخصیص بالعموم وہاں آئے گی کہ جہاں پر نکرہ تحت النفی واقع ہو بھئی۔ دیکھو مَا أَحَدٌ خَيْرٌ مِنْكَ اس کے اندر یہ أَحَدٌ بتدا ہے اور خَيْرٌ مِنْكَ اس کی خبر ہے بھئی۔ اور أَحَدٌ تو نکرہ ہے اور نکرہ تو ویسے بتدا نہیں بنتا جب تک اس میں تخصیص نہ آجائے، تو یہاں پر یہ أَحَدٌ پر جو یہ جو مَا حرفِ نفی داخل ہوا اس نے اس کے اندر تخصیص پیدا کر دی، اور تخصیص کس طریقے سے پیدا کی؟ عموم کے ذریعے، کہ اس میں عموم پیدا کر دیا بھئی۔ تو جب بھی نکرہ تحت النفی آئے، جیسے یہاں أَحَدٌ نکرہ مَا کے تحت آیا، اس کے اوپر مَا داخل ہے، تو جب بھی نکرہ تحت النفی آئے تو وہاں تخصیص آجاتی ہے یا یوں کہیں وہاں عموم آجاتا ہے، کیا آجاتا ہے؟ عموم آجاتا ہے جس کی وجہ سے اس میں تخصیص آگئی بھئی۔

مثلاً دیکھو بھئی میرے سامنے مثلاً بیس افراد موجود ہیں بھئی، اور اب ایک طالبِ علم میرے پاس آیا، میں نے اس طالبِ علم سے کہا أَحَدٌ مِنْهُمْ خَيْرٌ مِنْكَ، میرے سامنے کتنے افراد کی جماعت ہے؟ بیس افراد کی، اب ایک اور طالبِ علم آیا، میں نے اس طالبِ علم سے کہا أَحَدٌ مِنْهُمْ خَيْرٌ مِنْكَ ان میں سے کوئی ایک فرد ایسا ہے جو تم سے افضل ہے، تم سے بہتر ہے بھئی۔ توجہ ہے؟ أَحَدٌ مِنْهُمْ ان میں سے کوئی ایک، تعیین نہیں، اس کے اندر اشتباہ ہے کہ کون سا والا ایک اس طالبِ علم سے بہتر ہے، اور کتنے لوگوں کی جماعت میرے سامنے ہے؟ بیس افراد کی، تو دیکھو پہلے فرد کو لے لیں، ہو سکتا ہے یہ ہے وہ ایک جو اس طالبِ علم سے بہتر ہے، تو احتمال ہے ہو سکتا ہے یہ والا فرد ہو۔ دوسرے فرد کو لے لیں اس جماعت کے، اس میں بھی احتمال ہے ہو سکتا ہے یہ والا فرد اس طالبِ علم سے بہتر ہے۔ تیسرے فرد کو لے لیں، ہو سکتا ہے یہ والا فرد طالبِ علم سے بہتر ہے، تو اسی طرح یہ تمام افراد کے اندر یہ احتمال موجود ہے کہ ہو سکتا ہے یہ وہ والا ایک ہو

جو اس طالبِ علم سے بہتر ہے بھئی۔ تو دیکھو أَحَدٌ مِنْهُمْ خَيْرٌ مِنْكَ یہاں دیکھو کوئی حرفِ نفی نہیں ہے۔ کوئی حرفِ، أَحَدٌ مِنْهُمْ خَيْرٌ مِنْكَ ان میں سے کوئی ایک ہے جو خَيْرٌ مِنْكَ جو آپ سے بہتر ہے بھئی، تو اس أَحَدٌ کے اندر بیس احتمال آ گئے۔ میں نے کتنے لوگوں کے اعتبار سے یہ بات کی؟ وہ جو بیس افراد میرے سامنے موجود ہیں، میں نے ان کے اعتبار سے کہا کہ أَحَدٌ مِنْهُمْ خَيْرٌ مِنْكَ کہ ان بیس میں سے کوئی ایک ایسا ہے جو آپ سے افضل ہے بھئی۔ تو اب اس أَحَدٌ میں اشتباہ ہے، یہ ان میں سے ہر ایک پر صادق آ رہا ہے، ہر ایک کے اندر یہ احتمال ہے ہو سکتا ہے یہ والا فرد جو ہے یہ اس طالبِ علم کے مقابلے میں بہتر ہو، تو اس أَحَدٌ میں کتنے احتمال آ گئے؟ بیس احتمال آ گئے۔ تو یہ نکرہ ہے بھئی اور پھر میں اس پر حرفِ نفی لے آتا ہوں مَا أَحَدٌ مِنْهُمْ خَيْرٌ مِنْكَ یہ مِنْهُمْ کو بھی اب ذرا ختم کر دیں، مَا أَحَدٌ خَيْرٌ

مِنْكَ۔ توجہ ہے؟ کوئی ایک بھی تم سے بہتر نہیں ہے۔ کوئی ایک بھی کوئی ایک بھی تم سے بہتر نہیں ہے بھئی۔ اب دیکھو یہاں میں نے نکرہ پر حرفِ نفی داخل کر دیا، اور نکرہ پر جب حرفِ نفی داخل ہو تو وہ عموم کا فائدہ دیتا ہے، تو میں نے سب کی نفی کر دی کہ ان میں سے کوئی ایک بھی آپ سے بہتر نہیں ہے۔ تو سارے مجموعے کی میں نے نفی کر دی۔ پہلے اس أَحَدٌ میں کتنے احتمال تھے؟ بیس احتمال، اب سارے مجموعے کی میں نے اکٹھی نفی کر دی، اب یہاں اور کوئی احتمال نہیں، کیونکہ ایک ہی مجموعہ ہے، ایک سے زیادہ مجموعے نہیں۔ تو ساروں کو ملا دیا تو ایک مجموعہ بن گیا۔ ایک ہی مجموعہ بنے گا کہ کئی مجموعے بنیں گے؟ بھئی جب ساروں کو اکٹھا کر دیا ایک مجموعے میں تو ایک ہی مجموعہ بنے گا۔ تو ایک ہی مجموعہ بنا تو مَا أَحَدٌ خَيْرٌ مِنْكَ ان میں سے کوئی ایک بھی آپ سے بہتر نہیں ہے۔ تو دیکھو مِنْ حَيْثُ الْمَجْمُوع میں نے سب سے نفی کر دی، نفی کر دی اس طالبِ علم کے مقابلے میں بہتر ہونے کی، تو اب یہاں دیکھو اور کوئی احتمال نہیں۔ پہلے أَحَدٌ میں کتنے احتمال تھے؟ بیس احتمال تھے، یعنی اس میں اشتباہ تھا پتہ نہیں یہ والا فرد ہے یا دوسرا ہے یا تیسرا ہے یا چوتھا ہے، کون سا فرد اس طالبِ علم کے مقابلے میں بہتر ہے، اور جب میں نے کہا مَا أَحَدٌ خَيْرٌ مِنْكَ کوئی بھی تم سے بہتر نہیں ہے تو دیکھو ساروں کا مجموعہ بنایا اور اس سارے کی نفی کر دی کہ ان میں سے ایک بھی تم سے بہتر نہیں ہے۔ تو اب یہاں دیکھو نکرہ تحت النفی آیا، اس نے عموم پیدا کر دیا، تمام افراد سے خَيْرٌ مِنْكَ کی نفی ہو گئی کہ ان میں سے کوئی ایک بھی آپ سے بہتر نہیں، اب یہاں اور کوئی احتمال نہیں۔ تو سارے احتمالات ختم ہو گئے۔ سارے احتمالات ختم ہو گئے تو دیکھا عموم آ گیا، تمام افراد کا احاطہ ہوا اور ان سب سے نفی کر دی گئی اس صفت کی۔ بات سمجھ میں آ گئی؟ تو نکرہ تحت النفی جب بھی واقع ہو وہ کس چیز کا فائدہ دیتا ہے؟ عموم کا فائدہ دیتا ہے اور اس کی وجہ سے اس میں تخصیص آ جاتی ہے اور اس تخصیص کی وجہ سے پھر اس کا بتدا بننا صحیح ہے۔

تو مَا أَحَدٌ خَيْرٌ مِنْكَ کوئی ایک بھی تم سے بہتر نہیں ہے۔ دیکھیے بھئی کتاب پر، کہتے ہیں وَمِثْلُ قَوْلِكَ مَا أَحَدٌ خَيْرٌ مِنْكَ

اور جیسے کہ آپ کا قول ہے مَا أَحَدٌ خَيْرٌ مِنْكَ کہ کوئی ایک بھی تم سے بہتر نہیں ہے۔ بھئی دیکھیے کافیہ کی عبارت ہے وَمَا أَحَدٌ خَيْرٌ مِنْكَ، وَمَا أَحَدٌ خَيْرٌ مِنْكَ اور صاحبِ جامی نے درمیان میں وَمِثْلُ قَوْلِكَ، یہ مِثْلُ قَوْلِكَ لفظ بھی نکال لیا۔ بتلانا یہ چاہتے ہیں کہ یہ مَا أَحَدٌ خَيْرٌ مِنْكَ اس کا عطف ہے ماقبل میں جو آیا تھا وَلَعَبْدٌ مُؤْمِنٌ خَيْرٌ مِنْ مُشْرِكٍ اس پر ہے، اور اس سے پہلے تو مِثْل کا لفظ تھا، وہ تو مضاف الیہ تھا مِثْل کے لیے، تو لہٰذا یہ بھی کیا ہے؟ مضاف الیہ ہے مِثْل کے لیے، اس لیے انہوں نے یہاں وَمِثْلُ قَوْلِكَ کا لفظ نکال دیا کہ اس کا عطف اسی پر ہے اور اس پر بھی مِثْل کا لفظ داخل ہو رہا ہے۔ اور نیز مِثْل کے بعد قَوْل کا لفظ نکالتے جا رہے ہیں ہر جگہ۔ بتلانا یہ چاہتے ہیں کہ یہاں یہ جو مثالیں آ رہی ہیں یہ لفظ مراد ہیں، یعنی یہ قَوْل کی تاویل میں ہیں، کس تاویل میں ہیں؟ قَوْل کی تاویل میں ہیں، تو یہ قَوْل اصل میں مضاف الیہ ہے۔ کیا ہے؟ دیکھو نا وَمِثْلُ قَوْلِكَ مَا أَحَدٌ خَيْرٌ مِنْكَ، میں نے آپ کو بتلایا ہے کہ قَالَ جو ہے قَالَ، قَالَ یہ ایک فاعل چاہتا ہے اور ایک مفعول۔ قُلْتُ میں نے کہا۔ کیا کہا؟ آگے مفعول چاہیے بھئی، وہ جو آگے کلام کیا جائے گا وہ دراصل اس کا مفعول ہے بھئی۔ قُلْتُ لِزَيْدٍ میں نے زید سے کہا اِضْرِبْ عَمْرًا کہ عمرو کی پٹائی کرو۔ تو قُلْتُ فعل با فاعل ہے، اس کے اندر تا ضمیر مرفوع محلاً اس کا فاعل، لِزَيْدٍ لام جارہ، زَيْدٍ مجرور، جار مجرور مل کر متعلق کس سے؟ قُلْتُ فعل سے۔ یاد رکھو یہ قَالَ کا صلہ لام آتا ہے۔ جس کے ساتھ بات کی جائے اس پر لام داخل کرتے ہیں۔ قُلْتُ لِزَيْدٍ میں نے کس سے کہا ہے؟ زید سے، میں نے زید سے یہ بات کی ہے تو اس پر لام داخل کرتے ہیں، تو یہ لِزَيْدٍ متعلق ہوا قُلْتُ کے ساتھ۔ بات سمجھ میں آ گئی؟ تو کیا کہیں گے یہ لام صلہ ہے کس کا؟ قَالَ کا۔ میں نے بتایا تھا آپ کو کہ یہ جو حروفِ جارہ جس فعل کے ساتھ جڑتے ہیں، جس فعل کے ساتھ جڑتے ہیں یہ اس کا صلہ کہلاتے ہیں، اور ہر فعل کے مخصوص صلے ہوتے ہیں جو اس کے ساتھ استعمال ہوتے ہیں، یعنی حروفِ جارہ ہوتے ہیں جو اس کے ساتھ استعمال ہوتے ہیں، اور یہ صلہ بدلتا جائے تو فعل کا معنی بدلتا چلا جاتا ہے۔ چنانچہ آپ لغت اٹھائیں گے وہاں بھی آپ دیکھیں گے ایک فعل ذکر ہو گا اور آگے اس کے کئی معانی ذکر ہوں گے اور ہر معنی میں آپ دیکھیں گے کہ فعل کے ساتھ عموماً صلہ بدلتا جا رہا ہے۔ صلہ بدلتا جائے گا تو فعل کا معنی بھی بدلتا جائے گا۔ تو قُلْتُ لِزَيْدٍ یہ لِزَيْدٍ صلہ ہے کس کا؟ قُلْتُ کا۔ اور آگے میں نے کیا کہا؟ اِضْرِبْ عَمْرًا، یہ جو پورا جملہ ہے، جملہ انشائیہ ہے، امر ہے نا، جملہ انشائیہ، یہ پورا جملہ مفعول بہ ہے قُلْتُ کا۔ میں نے کہا، کیا کہا؟ اِضْرِبْ عَمْرًا یہ اِضْرِبْ عَمْرًا مقولہ ہے اور یہ مفعول بہ ہے قُلْتُ کے لیے۔ تو معلوم ہوا قَالَ کا فعل ایک فاعل چاہتا ہے اور ایک مقولہ یعنی مفعول بہ چاہتا ہے۔

تو یہاں پر بھی آیا وَمِثْلُ قَوْلِكَ، یہ قَوْل مصدر ہے اور مصدر بھی اپنے فعل کی طرح عمل کرتا ہے یعنی اپنے فاعل کو رفع دیتا ہے اور مفعول کو نصب، لیکن میں نے بتایا ہے مصدر کے ساتھ فاعل یا نائب فاعل کا ذکر ضروری نہیں۔ فعل یا صفت کے صیغوں کے ساتھ تو فاعل یا نائب فاعل کا ذکر ضروری ہے لیکن مصدر کے ساتھ فاعل یا نائب فاعل کا ذکر ضروری نہیں، کبھی ذکر کر دیا جاتا ہے مصدر کے ساتھ فاعل یا نائب فاعل کو اور کبھی ذکر نہیں کیا جاتا، اور پھر جب ذکر کیا جائے تو عموماً مصدر کی اضافت کر دیتے ہیں اپنے فاعل یا نائب فاعل کی طرف۔ تو یہاں پر بھی وَمِثْلُ قَوْلِكَ، قَوْل مصدر آیا اور کاف ضمیر

جو ہے یہ مجرور محلاً ہے، یہ مضاف الیہ ہے قَوْل کے لیے، مِثْلُ قَوْلِكَ جیسے کہ آپ کا قول ہے، اور یہ کاف ضمیر یہ معنی کے اعتبار سے فاعل ہے قَوْل کے لیے، قَوْلُكَ آپ کا قول یعنی یہ بات آپ نے کی ہے تو آپ کیا ہوئے؟ اس قَوْل کے فاعل ہوئے۔ وَمِثْلُ قَوْلِكَ، قَوْل مصدر مضاف، کاف ضمیر مجرور محلاً مضاف الیہ اور یہی کاف ضمیر فاعل بھی ہے بھئی، تو یہ اس کا محلِ قریب یہ ہے کہ یہ مجرور ہے مضاف الیہ ہے اور محلِ بعید یہ ہے کہ یہ فاعل ہے قَوْل مصدر کے لیے۔ اور آگے مَا أَحَدٌ خَيْرٌ مِنْكَ یہ پورا جملہ یہ مقولہ ہے، یہ مفعول بہ ہے قَوْل مصدر کے لیے۔ تو قَوْل مصدر اپنے مضاف الیہ اور مفعول بہ سے مل کر یہ مضاف الیہ ہوا مِثْل کے لیے۔ تو مِثْل کا مضاف یعنی قَوْل ہے بھئی، تو قَوْل جب داخل کر دیا مَا أَحَدٌ خَيْرٌ مِنْكَ تو یہ مصدر کے حکم میں ہو گیا یعنی مفرد بن گیا، کیا بن گیا؟ مفرد بن گیا۔ تو صاحبِ جامی بتلانا یہ چاہتے ہیں کہ مِثْل کا مضاف الیہ جو ہے مَا أَحَدٌ خَيْرٌ مِنْكَ نہیں ہے بلکہ قَوْل ہے بھئی، کیا ہے؟ قَوْل مصدر ہے، تو یہ مصدر کی تاویل میں اس کو کر لیا۔ اور نیز یہاں آپ یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ مَا أَحَدٌ خَيْرٌ مِنْكَ اس سے لفظ مراد ہیں، کیا مراد ہیں؟ لفظ مراد ہیں بھئی اور اسی لیے اس کا ترجمہ نہیں کیا جاتا، تو یہ هٰذَا اللَّفْظ کی تاویل میں ہے، لہٰذا آپ یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ وَمِثْلُ هٰذَا اللَّفْظِ، قَوْل نکالنے کی ضرورت ہی نہیں۔ قَوْل نے بھی کیا کیا تھا؟ قَوْل نے کیا فائدہ دیا تھا؟ مَا أَحَدٌ خَيْرٌ مِنْكَ اس کو مفرد کی تاویل میں کر دیا تھا، یہ سارا مقولہ بن گیا تھا کس کے لیے؟ قَوْل کے لیے، اور اصل مضاف الیہ یہ مَا أَحَدٌ خَيْرٌ مِنْكَ نہیں ہے بلکہ قَوْل ہے اور قَوْل تو مصدر ہے، مفرد ہے، تو یعنی بتلانا یہ چاہتے ہیں کہ یہ جو مضاف الیہ پورا جملہ نہیں ہے بلکہ یہ قَوْل مصدر ہے جو مفرد ہے بھئی۔ اور دوسری تاویل آپ یہ کر سکتے ہیں کہ یہ مَا أَحَدٌ خَيْرٌ مِنْكَ اس سے یہ لفظ مراد ہیں، تو یہ هٰذَا اللَّفْظ کی تاویل میں ہوا اور یہ هٰذَا اللَّفْظ کو مضاف الیہ بنا دیں مِثْل کے لیے، تو عبارت کیا بن گئی؟ وَمِثْلُ هٰذَا اللَّفْظِ اور جیسے کہ یہ لفظ ہے، یہ دوسری تاویل ہو گئی۔ اور تیسری تاویل یہ کہ اس کو علم کی تاویل میں لے لیں، جب لفظ بول کر لفظ مراد ہو تو وہ علم کی تاویل میں ہوتا ہے، وہ جو کلامِ عرب میں آتا ہے مَا أَحَدٌ خَيْرٌ مِنْكَ اس کا نام ہی ہم نے کیا رکھ دیا مَا أَحَدٌ خَيْرٌ مِنْكَ تو یہ علم ہے اور علم اسم ہوتا ہے۔ بات سمجھ میں آ گئی؟ تو گویا تین طریقے سے آپ اس کو مفرد کی تاویل میں کر سکتے ہیں: یا تو قَوْل کے لیے اس کو مقولہ بنا دیں، قَوْل مصدر مفرد ہے، یا یہ هٰذَا اللَّفْظ کی تاویل میں لے لیں، یہ بھی مفرد ہے، اور یا اس کو علم کی تاویل میں لے لیں، تو بھی یہ مفرد ہے اور علم ہونے کی علامت یہ ہے کہ اس کا ترجمہ نہیں کیا جاتا، جو علم ہوتا ہے اس کا ترجمہ نہیں کیا جاتا۔

اچھا تو کہتے ہیں وَمِثْلُ قَوْلِكَ مَا أَحَدٌ خَيْرٌ مِنْكَ اور جیسے کہ آپ کا یہ قول ہے مَا أَحَدٌ خَيْرٌ مِنْكَ، یعنی اس کے اندر بھی نکرہ کے اندر تخصیص آئی ہے اور کس طریقے سے آئی ہے؟ تخصیص بالعموم ہے بھئی۔ فَإِنَّ النَّكِرَةَ فِيهَا وَقَعَتْ فِي حَيِّزِ النَّفْيِ اس لیے کیونکہ نکرہ جو ہے اس کے اندر نفی کے مقام میں واقع ہوا ہے، حَيِّز کا معنی مکان بھئی اور جگہ۔ فَإِنَّ النَّكِرَةَ فِيهَا وَقَعَتْ فِي حَيِّزِ النَّفْيِ اس لیے کیونکہ نکرہ جو ہے وہ اس جملے کے اندر وہ واقع ہوا ہے حَيِّزِ النَّفْي میں، نفی کے مقام میں یعنی نفی کے محل میں واقع ہوا ہے، نفی کے محل میں واقع ہونے کا کیا معنی؟ کہ تحت النفی ہے یعنی اس پر حرفِ نفی داخل ہو رہا

ہے۔ فَأَفَادَتْ عُمُومَ الْأَفْرَادِ وَشُمُولَهَا تو اس نکرہ نے فائدہ دیا عمومِ افراد کا اور ان کے شمول کا، یعنی یہ عام ہو گیا اس نے اپنے تمام افراد کا احاطہ کر لیا۔ اس نے جب نکرہ تحت النفی آئے تو اس میں عموم آجاتا ہے، وہ اپنے تمام افراد کا احاطہ کر لیتا ہے۔

اس پر یہاں اشکال ہوتا ہے کہ آپ نے کیا کہا کہ یہ تخصیص کے تیسرے طریقے کا کیا نام ہے؟ تخصیص بالعموم بھئی، تخصیص بالعموم، حالانکہ تخصیص اور عموم یہ تو ایک دوسرے کی ضد ہیں، ایک دوسرے کے مقابل ہیں بھئی، تخصیص کا معنی تو ہے دیگر احتمالات کو کم کرنا، اور عموم کا معنی تو ہے افراد کو بڑھا دینا یعنی احتمالات کو بڑھا دینا کہ اور افراد بھی اس میں شامل ہو جائیں، تو تخصیص اور عموم تو ایک دوسرے کی ضد ہیں ایک دوسرے کے مقابل ہیں، تو عموم کے ذریعے کیسے یہاں پر تخصیص آگئی؟ تو جواب یہ کہ بھئی تخصیص کا معنی ہم نے ذکر کیا کہ تخصیص کہتے ہیں دیگر احتمالات کو کم کرنا یا ختم کرنا۔ تخصیص کسے کہتے ہیں؟ دیگر احتمالات کو کم کرنا یا ختم کرنا، اور جب نکرہ تحت النفی واقع ہوتا ہے تو پھر دیگر احتمالات بالکل ختم ہو جاتے ہیں، تو دیکھو تخصیص آگئی بایں معنی کہ دیگر احتمالات ختم ہو گئے۔ جب نکرہ تحت النفی آیا تو اس نے عموم کا فائدہ دیا، تمام افراد کا مجموعہ بنایا اور اس سارے کی کیا کر دی؟ نفی کر دی، تو یہاں عموم آیا اور تمام احتمالات اب ختم ہو گئے، تو بایں معنی یہاں پر تخصیص آگئی کہ دیگر احتمالات ختم ہو گئے۔ یا دوسرے لفظوں میں یوں کہو کہ یہ جو تخصیص ہے ایک ہے نفسِ تخصیص اور ایک ہے کمالِ تخصیص بھئی، نفسِ تخصیص جو ہے اس کا معنی ہے دیگر احتمالات کو کم کرنا، جیسے وَلَعَبْدٌ مُؤْمِنٌ خَيْرٌ مِنْ مُشْرِكٍ عبد کی صفت مؤمن لائی گئی تو اس نے کیا کیا اس میں نفسِ تخصیص پیدا کر دی یعنی دیگر احتمالات کم کر دیے، اس میں احتمالات کم کر دیے۔ عَبْدٌ مُؤْمِنٌ اب یہ عبدِ کافر پر صادق نہیں آئے گا، تو دیکھو اشتراک قلیل ہو گیا۔ تو ایک ہے نفسِ تخصیص، تو صفت وغیرہ سے نفسِ تخصیص آجاتی ہے، جبکہ نکرہ جب تحت النفی ہو تو اس میں کمالِ تخصیص آجاتی ہے یعنی کامل درجے کی تخصیص آجاتی ہے، یعنی تمام احتمالات ختم ہو گئے۔ ایک تھی نفسِ تخصیص، نفسِ تخصیص میں کیا ہوتا ہے؟ احتمالات کم ہوتے ہیں، ختم نہیں ہوتے، اور ایک ہے کمالِ تخصیص کہ کامل درجے کی تخصیص آجائے اور وہ یہ کہ احتمالات کم نہ ہوں بلکہ بالکل ہی ختم ہو جائیں بھئی، اور جب نکرہ تحت النفی آئے تو یہاں احتمالات بالکل ہی ختم ہو گئے۔ پہلے دیکھو بیس افراد تھے ان میں سے ہر ایک کے بارے میں اشتباہ تھا پتہ نہیں یہ والا فرد مراد ہے یہ والا یہ والا کیونکہ میں نے کیا کہا تھا؟ أَحَدٌ مِنْهُمْ خَيْرٌ مِنْكَ تو اس أَحَدٌ میں بیس احتمال تھے، لیکن جب نکرہ تحت النفی آیا اب اس سارے مجموعے کی میں نے اکٹھی نفی کر دی، اب دیکھو اور کوئی احتمال ہے ہی نہیں یہاں، تو یہاں کامل درجے کی تخصیص آگئی، تو ایک ہے نفسِ تخصیص اور ایک ہے کمالِ تخصیص، نفسِ تخصیص کیا ہے؟ دیگر احتمالات کو کم کرنا، اور وہ صفت وغیرہ کے ذریعے آتی ہے، اور ایک ہے کمالِ تخصیص کہ دیگر احتمالات کم نہ ہوں بلکہ بالکل ختم ہی ہو جائیں اور وہ کب آتی

ہے جب نکرہ تحت النفی ہو بھئی۔

تو کہتے ہیں فَإِنَّ النَّكِرَةَ فِيهَا وَقَعَتْ فِي حَيِّزِ النَّفْيِ اس لیے کیونکہ نکرہ اس کے اندر جو ہے وہ نفی کے مقام میں واقع ہے یعنی تحت النفی ہے، فَأَفَادَتْ عُمُومَ الْأَفْرَادِ وَشُمُولَهَا تو اس نے افراد کے عموم اور ان کے شمول کا فائدہ دیا کہ تمام افراد کو اب یہ شامل ہو گیا، فَتَعَيَّنَتْ وَتَخَصَّصَتْ تو یہ متعین ہو گیا وَتَخَصَّصَتْ اور اس نے تخصیص حاصل کر لی۔ فَتَعَيَّنَتْ وَتَخَصَّصَتْ کا ایک معنی ہے بھئی اور یہ فَتَعَيَّنَتْ کے بعد جو وَتَخَصَّصَتْ آیا یہ عطفِ تفسیری کہلاتا تا ہے۔

بعض اوقات ایک لفظ ذکر کیا جاتا ہے اور پھر مصنف اس کا معنی بھی بتلانا چاہتے ہیں، تو ایک طریقہ تو یہ ہے کہ أَيْ حرفِ تفسیر ذکر کیا جائے، یوں کہا جائے فَتَعَيَّنَتْ أَيْ تَخَصَّصَتْ کہ وہ متعین ہوا یعنی اس میں تخصیص آگئی۔ متعین ہونے کا یہاں کیا معنی؟ تخصیص آجانا۔ اور دوسرا طریقہ یہ ہے کہ اس کے اوپر عطف کر دیا جائے بھئی۔ یاد رکھو عطف میں معطوف علیہ اور ہوتا ہے اور معطوف اور، لیکن یہ جو عطفِ تفسیری کے اندر دونوں ایک ہی چیز ہوتے ہیں۔ وہ جو آگے معطوف آتا ہے وہ اسی معطوف علیہ کی تفسیر کرتا ہے، اس کا معنی بیان کرتا ہے۔ تو یہاں پر یہ جو وَتَخَصَّصَتْ آیا اس نے اسی تَعَيَّنَتْ کے معنی کی تفسیر کی بھئی، اس کا معنی بیان کر دیا۔ تو یہ کیا ہے؟ عطفِ تفسیری ہے بھئی۔

تو کہتے ہیں فَتَعَيَّنَتْ وَتَخَصَّصَتْ تو وہ نکرہ جو ہے وہ متعین ہو گیا اور اس نے تخصیص حاصل کر لی۔ متعین ہو گیا، یعنی یوں کہیں، جب میں نے کہا مَا أَحَدٌ خَيْرٌ مِنْكَ کوئی ایک بھی آپ سے بہتر نہیں ہے، دیکھو یہ سارے مجموعے پر حکم لگ گیا، یعنی ہر ہر فرد پر حکم لگ گیا۔ یہ والا فرد بھی آپ سے بہتر نہیں، دوسرا فرد لیا یہ بھی آپ سے بہتر نہیں، تیسرا لیا یہ بھی آپ سے بہتر نہیں، چوتھا لیا اس پر بھی یہ حکم کہ یہ آپ سے بہتر نہیں۔ تو بایں معنی اس میں تعین آگیا، یہ متعین ہو گیا نکرہ کہ اس میں ہر ہر فرد پر یہ حکم لگ رہا ہے۔ پہلے أَحَدٌ مِنْهُمْ خَيْرٌ مِنْكَ کسی ایک پر یہ حکم لگ رہا تھا اور اس ایک کا بھی پتہ نہیں تھا کہ کون سا والا ایک ہے، اور اب مَا أَحَدٌ خَيْرٌ مِنْكَ اب اس میں عموم آیا اور اس نے ہر ہر فرد پر یہ حکم لگا دیا کہ کوئی بھی آپ سے بہتر نہیں ہے۔ تو جب ہر ہر فرد پر حکم لگ گیا تو تعیین آگئی یعنی اب کوئی اور احتمال ہے ہی نہیں بھئی۔

تو کہتے ہیں فَتَعَيَّنَتْ تو وہ نکرہ متعین ہو گیا وَتَخَصَّصَتْ اور اس نے تخصیص حاصل کر لی، فَإِنَّهُ لَا تَعَدُّدَ فِي جَمِيعِ الْأَفْرَادِ بَلْ هُوَ أَمْرٌ وَاحِدٌ اس لیے کیونکہ جمیعِ افراد کے اندر تعدد نہیں ہے بلکہ وہ ایک ہی امر ہے، ایک ہی چیز ہے۔ بھئی جب نکرہ تحت النفی آئے تو یہ عموم کا فائدہ دیتا ہے اور جمیعِ افراد پر وہ حکم لگ جاتا ہے، اور جمیعِ افراد یہ تو ایک ہی چیز ہے۔ جمیعِ افراد ایک ہیں یا ایک سے زیادہ ہیں؟ ایک ہی مجموعہ ہے نا کہ کئی مجموعے ہیں۔ جب تمام افراد کا آپ نے کہہ دیا تو تمام افراد کا تو ایک ہی مجموعہ بنے گا۔ اگر اور مجموعے بناتے تو وہ تمام افراد کے نہیں ہو سکتے، ہم تو کیا کہہ رہے ہیں؟ تمام افراد کا مجموعہ

اور وہ ایک ہی ہو سکتا ہے بھئی۔

تو کہتے ہیں فَإِنَّهُ لَا تَعَدُّدَ فِي جَمِيعِ الْأَفْرَادِ اس لیے کیونکہ تمام افراد کے اندر کوئی تعدد نہیں یعنی وہاں شمار نہیں ہے وہ ایک ہی ہے، بَلْ هُوَ أَمْرٌ وَاحِدٌ بلکہ وہ ایک ہی امر ہے۔ وَكَذَا كُلُّ نَكِرَةٍ فِي الْإِثْبَاتِ قُصِدَ بِهَا الْعُمُومُ اور اسی طرح ہر ایسا نکرہ جو اثبات کے اندر آئے اور قُصِدَ بِهَا الْعُمُومُ اس کے ذریعے عموم کا ارادہ کیا جائے۔ بھئی متن میں تو آیا مَا أَحَدٌ خَيْرٌ مِنْكَ معلوم ہوا نکرہ تحت النفی جب واقع ہو تو وہ عموم کا فائدہ دیتا ہے اور پھر اس کا بتدا بننا صحیح۔ آگے صاحبِ جامی ایک اور فائدہ آپ کو بتلا رہے ہیں کہ یہ صرف تحت النفی ہونے میں ایسا نہیں ہے بلکہ مقامِ اثبات کے اندر بھی کبھی نکرہ آئے اور اس نکرہ کے ذریعے عموم کا ارادہ کیا جائے، کسی خاص فرد کا ارادہ نہیں بلکہ عموم کا ارادہ کیا جائے، تو اس کا بتدا بننا بھی صحیح ہے، اس میں بھی تخصیص بالعموم آگئی۔ تو کہتے ہیں وَكَذَا كُلُّ نَكِرَةٍ فِي الْإِثْبَاتِ قُصِدَ بِهَا الْعُمُومُ اور اسی طرح ہر ایسا نکرہ جو اثبات میں ہو یعنی مقامِ اثبات میں ہو، اس پر کوئی حرفِ نفی وغیرہ داخل نہ ہو، تو ہر ایسا نکرہ جو اثبات میں ہو قُصِدَ بِهَا الْعُمُومُ اس کے ذریعے عموم کا ارادہ کیا جائے، نَحْوُ تَمْرَةٌ خَيْرٌ مِنْ جَرَادَةٍ جیسے کہ یہ قول ہے بھئی تَمْرَةٌ خَيْرٌ مِنْ جَرَادَةٍ۔

تَمْرَة کھجور کو کہتے ہیں بھئی، اور جَرَادَة جَرَادَة یاد رکھو اس کو ٹڈی کہتے ہیں، اردو میں کیا کہتے ہیں؟ ٹڈی۔ اور فارسی میں اس کو ملخ کہتے ہیں ملخ، اور پشتو میں اس کو ملخ کہتے ہیں۔ تو یہ حشرات کے قبیل میں سے ہے بھئی یہ ٹڈی، اور یہ اچھل اچھل کر چلتی ہے بھئی۔ اور اس کی مختلف انواع اور اقسام ہوتی ہیں، بعض بہت چھوٹی ہوتی ہیں، بعض بڑی، حتیٰ کہ بعض یہ انگلی کے برابر بڑی ہوتی ہیں بھئی۔ انگلی کے برابر بڑی ہوتی ہیں، اور پھر بعض اوقات یہ جو ٹڈیاں ہیں یہ فصلوں پر حملہ آور ہوتی ہیں بھئی، اور یہ لاکھوں کروڑوں کی تعداد میں ہوتی ہیں اور جس علاقے کے اندر یہ آجائیں پورے کے پورے علاقے کی فصلوں کو تباہ کر دیتی ہیں بھئی۔ یہ فصلوں پر اس طرح اترتی ہیں جیسے کوئی بادل اتر رہا ہو بھئی۔ میں نے بتایا کروڑوں کی تعداد میں ہوتی ہیں، اور پھر یہ اتنی زیادہ ہوتی ہیں جن جن کھیتوں پر بیٹھتی چلی جائیں ایک آدھ دن میں وہ پورا پورا کھیت پورا پورا درخت بالکل صاف کر دیتی ہیں، اور پھر وہاں سے اڑیں اگلے کھیتوں پر اور اگلے کھیتوں پر، تو جس علاقے میں یہ آئیں وہاں تباہی مچا دیتی ہیں، ساری فصلیں ختم کر دیتی ہیں، اور کسان بیچارے بے بس ہوتے ہیں کچھ بھی نہیں کر سکتے بھئی، سمجھ میں آیا؟ کیونکہ ان کی تعداد اتنی زیادہ ہوتی ہے کہ ان سے بچنے کی کوئی صورت نہیں۔ اور یہ کوئی انگلی کے لگ بھگ بڑی ہوتی ہیں یہ جو فصلوں پر حملہ آور ہوتی ہیں۔

اور پھر لوگ ان کو شکار کرتے ہیں بھئی، ان کا کھانا جائز ہے یہ حلال ہیں بھئی۔ لوگ ان کا شکار کرتے ہیں اور بوریوں میں بھر بھر کر ان کا شکار کرتے ہیں اتنی زیادہ ہوتی ہیں، اور ان کو پکا کر کھاتے ہیں۔ لیکن بہرحال اس علاقے کے اندر وہ تباہی مچا دیتی ہیں، ساری فصلیں، سارے درخت پودے وغیرہ سب کچھ یہ کھا جاتی ہیں، ختم کر دیتی ہیں بھئی۔ اور یہ پچھلے سال پاکستان کے اندر بھی بعض علاقوں کے اندر یہ حملہ آور ہوئی تھیں اور بہت زیادہ نقصان کیا، لیکن اللہ تعالیٰ نے فضل

فرمایا اور پھر یہ قابو میں آگئیں اور ان کو ختم کر دیا گیا۔ تو اس کو ٹڈی کہتے ہیں بھئی، اور عربی میں جَرَادَۃٌ کہتے ہیں۔

نَحْوُ تَمْرَۃٌ خَیْرٌ مِنْ جَرَادَۃٍ۔ تَمْرَۃٌ ایک کھجور بھی خَیْرٌ مِنْ جَرَادَۃٍ وہ ٹڈی سے بہتر ہے۔ تَمْرَۃٌ خَیْرٌ مِنْ جَرَادَۃٍ ایک کھجور بھی ٹڈی سے بہتر ہے۔ یہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول ہے بھئی۔ واقعہ یہ پیش آیا کہ ایک مرتبہ حمص کے کچھ لوگ حج کے لیے آئے بھئی۔ حمص ح، میم، صاد بھئی۔ یہ حمص عراق کے اندر ایک شہر ہے اور دنیا کے قدیم ترین شہروں میں سے ایک شہر بھئی۔ تو وہاں کے کچھ لوگ حج کے لیے آئے بھئی۔ بڑا لمبا طویل سفر بھئی، آج کل تو اللہ نے آسانیاں فرما دیں، اس زمانے میں تو پیدل سفر ہوتے تھے یا اونٹوں وغیرہ پر، تو وہ لوگ حج کے لیے آ رہے تھے۔ راستے میں اسی طرح کسی جگہ پر بہت زیادہ ٹڈیاں تھیں تو انہوں نے بھی ان ٹڈیوں کا شکار کیا اور ان کو کھایا بھئی۔ بعد میں خیال آیا کہ احرام کے اندر تو یہ شکار منع تھا اور ہم نے ان ٹڈیوں کا شکار کیا ہے۔ یاد رکھو احرام کے اندر انسان پر بہت سی پابندیاں عائد ہو جاتی ہیں: وہ اپنے بال نہیں کاٹ سکتا، وہ اپنے ناخن نہیں کاٹ سکتا، وہ خوشبو نہیں لگا سکتا، وہ بیوی کے قریب نہیں جا سکتا، اور اسی طرح شکار کھیلنا بھی اس کے لیے منع ہے، کہ وہ اللہ کے دربار میں حاضری کے لیے جا رہا ہے، حج یا عمرے کے لیے جا رہا ہے، احرام باندھا ہوا ہے تو اب اس کے لیے جائز نہیں کہ کسی بھی چیز کو کسی بھی درجے میں تکلیف پہنچائے، لہٰذا شکار سے بھی منع کر دیا جاتا ہے۔ تو یہ لوگ بعد میں پریشان ہوئے کہ احرام کی حالت میں تو شکار منع تھا اور ہم نے تو یہ ٹڈیاں شکار کر کے کھا لیں، اب کیا کریں؟ تو چنانچہ ایک فقیہ سے مسئلہ پوچھا، انہوں نے فرمایا کہ تم نے احرام کی حالت میں جنایت کی ہے، احرام کی حالت میں تو شکار منع ہے، تمہیں ہر ٹڈی کے بدلے ایک درہم دینا چاہیے بھئی۔ ہر ٹڈی کے بدلے ایک درہم دینا چاہیے۔ اب دیکھو میں نے بتایا لوگ تو بوریاں بھر بھر کر ان کا شکار کرتے ہیں تو ان میں سے ہر آدمی پر پتہ نہیں کتنے ہی درہم آ گئے بھئی جنہوں نے بھی ان کو شکار کیا تھا اور کھایا تھا۔ بعد میں یہ لوگ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ملاقات ہوئی تو ان سے ذکر فرمایا کہ حضرت اس طرح ہم نے ٹڈیوں کا شکار کیا تھا تو اب کیا کریں؟ ہمیں تو بعض فقہاء نے یہ فتویٰ دیا کہ ہر ٹڈی کے بدلے ایک درہم تمہیں صدقہ کرنا پڑے گا۔ تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرمانے لگے کہ اے اہلِ حمص! معلوم ہوتا ہے تمہارے پاس بہت زیادہ درہم ہیں بھئی۔ سمجھ میں آیا؟ یہ تو ہر آدمی پر بیسیوں درہم بلکہ سینکڑوں درہم آ جائیں گے۔ تو پھر اس موقع پر آپ نے یہ تاریخی جملہ ارشاد فرمایا تَمْرَۃٌ خَیْرٌ مِنْ جَرَادَۃٍ یعنی ایک کھجور بھی ٹڈی کے مقابلے میں بہتر ہے، یعنی معنی یہ ہے کہ ہر ٹڈی کے بدلے تمہیں ایک کھجور یا اس کے مثل صدقہ کرنا پڑے گا بھئی۔ تو اب دیکھو حکم میں کتنی آسانی آ گئی بھئی۔ تو یہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول ہے اور ان کا یہ فتویٰ ہے بھئی، تَمْرَۃٌ خَیْرٌ مِنْ جَرَادَۃٍ ایک کھجور بھی ٹڈی سے بہتر ہے بھئی۔ دیکھو حکم میں کتنی نرمی آ گئی، پہلے کتنے درہم تھے اور اب تو میرا خیال ایک آدھ درہم کے اندر ہی سارے اپنے اپنا صدقہ پورا ادا کر سکتے ہیں اتنی کھجوریں یا اس کے مثل بھئی۔

تو اب دیکھو اس مثال کے اندر تَمْرَةٌ یہ بتدا بن رہا ہے اور یہ نکرہ ہے اور یہ مقامِ اثبات میں ہے، اس کے اوپر کوئی حرفِ نفی وغیرہ داخل نہیں، اور نیز اس تَمْرَةٌ کے ذریعے عموم کا ارادہ کیا گیا ہے، کوئی خاص تمرہ مراد نہیں بلکہ ہر تمرہ کو یہ حکم شامل ہے، یعنی ہر کھجور جو ہے وہ ٹڈی کے ہر فرد سے بہتر ہے بھئی۔ تو لہٰذا یہاں بھی اس نکرہ کا بتدا بننا صحیح ہے۔

اور یاد رکھنا یہ جو مثال صاحبِ کافیہ نے ذکر کی مَا أَحَدٌ خَيْرٌ مِنْكَ یہ بنو تمیم کی لغت پر، ان کی زبان پر یہ مثال مبنی ہے۔ بنو تمیم عرب کا ایک بڑا قبیلہ ہے تو یہ ان کی لغت ہے، ان کی زبان ہے مَا أَحَدٌ خَيْرٌ مِنْكَ۔ اس کے اندر یاد رکھو یہ مَا مشابہ بلیس ہے، اور بنو تمیم کے نزدیک یہ مَا عمل نہیں کرتا، لہٰذا أَحَدٌ یہ بتدا ہے اور خَيْرٌ مِنْكَ اس کی خبر ہے بھئی، کیونکہ بنو تمیم کے نزدیک یہ مَا عمل نہیں کرتا۔ جبکہ قبیلہ قریش اور جو اہلِ حجاز وغیرہ ہیں باقی عرب ان کے نزدیک یہ مَا مشابہ بلیس عمل کرتا ہے اور یہ اپنے اسم کو رفع دیتا ہے اور خبر کو نصب بھئی۔ لہٰذا باقیوں کے نزدیک اس جملے کو یوں بولیں گے مَا أَحَدٌ خَيْرًا مِنْكَ۔ یہاں تو خَيْرٌ مرفوع ہے لیکن باقی عرب والوں کے نزدیک اس کو کیسے پڑھیں گے؟ مَا أَحَدٌ خَيْرًا مِنْكَ، خَيْرًا مِنْكَ۔ اور اس صورت میں یہ مَا مشابہ بلیس ہے، أَحَدٌ اس کا اسم ہے اور خَيْرًا مِنْكَ یہ اس کی خبر ہے، کیونکہ مَا مشابہ بلیس اپنے اسم کو رفع دیتا ہے اور خبر کو نصب دیتا ہے۔ اور پھر اس صورت میں اس مثال کو یہاں ذکر نہیں کیا جا سکتا، اس لیے کیونکہ یہاں بحث چل رہی ہے وہ بتدا جو نکرہ ہو بھئی، وہ بتدا جو نکرہ ہو اور تحت النفی واقع ہو، جبکہ ان کے نزدیک تو یہ مَا مشابہ بلیس اس کے اندر عامل بن گیا، اب یہ أَحَدٌ کو بتدا نہیں کہیں گے بلکہ یہ مَا مشابہ بلیس کا اسم ہے اور خَيْرًا مِنْكَ یہ مَا مشابہ بلیس کی خبر ہو گی بھئی۔ تو اس لیے صاحبِ کافیہ نے بنو تمیم کی زبان کے مطابق، ان کی لغت کے مطابق یہ مثال ذکر کی کہ ان کے نزدیک تو یہ مَا عمل کرتا ہی نہیں، تو مَا کے داخل ہونے سے پہلے جیسے أَحَدٌ بتدا تھا اور خَيْرٌ اس بتدا کی خبر تھی، تو مَا کے داخل ہونے کے بعد بھی یہ أَحَدٌ اسی طرح بتدا کہلائے گا اور خَيْرٌ مِنْكَ اس کی خبر کہلائے گی، تو یہ مثال بن گئی وہ بتدا جو نکرہ ہے اور تحت النفی واقع ہے بھئی۔ بات سمجھ میں آ گئی؟

آگے دیکھیے بھئی، کہتے ہیں وَمِثْلُ قَوْلِهِمْ شَرٌّ أَهَرَّ ذَا نَابٍ اور جیسے کہ عربوں کا قول ہے شَرٌّ أَهَرَّ ذَا نَابٍ۔ یہ تخصیص کا چوتھا طریقہ آ گیا بھئی، اور اس کا نام ہے تخصیص بِالْعُدُولِ مِنَ الْجُمْلَةِ الْفِعْلِيَّةِ إِلَى الْجُمْلَةِ الْاِسْمِيَّةِ، جملہ فعلیہ سے عدول کرنا کس کی طرف؟ جملہ اسمیہ کی طرف۔ دیکھو شَرٌّ أَهَرَّ ذَا نَابٍ اصل میں یہ شَرٌّ مؤخر تھا، أَهَرَّ مقدم تھا، أَهَرَّ شَرٌّ ذَا نَابٍ۔ یہ شَرٌّ کیا تھا؟ أَهَرَّ سے مؤخر تھا، أَهَرَّ شَرٌّ ذَا نَابٍ۔ ترکیب کیا تھی؟ ترکیب سنو بھئی: أَهَرَّ فعل، آگے شَرٌّ ہے اس کو فاعل نہ بنائیں بلکہ اس کو فاعل سے بدل بنا لیں، تو أَهَرَّ کے اندر هُوَ ضمیر مرفوع محلاً اس کا فاعل۔ توجہ ہے؟ اور آگے شَرٌّ جو ہے وہ اس هُوَ ضمیر سے بدل ہے، اور آپ جانتے ہیں کہ مبدل منہ اور بدل میں سے اصل مقصود جو ہوتا ہے وہ بدل ہوتا ہے، مبدل منہ کو ویسے ہی بطورِ تمہید کے ذکر کیا جاتا ہے۔ تو اصل کلام کیا تھا؟ أَهَرَّ شَرٌّ ذَا نَابٍ۔ أَهَرَّ فعل، هُوَ ضمیر اس کے اندر مرفوع محلاً مبدل منہ، وہ

فاعل ہے لیکن آگے بدل کو بھی اس کے ساتھ جوڑنا ہے، اور شَرٌّ مرفوع لفظاً یہ بدل، مبدل منہ اپنے بدل سے مل کر یہ فاعل ہوا کس کے لیے؟ أَهَرَّ فعل کے لیے۔ اور ذَا نَابٍ یہ ذَا مضاف، نَابٍ مضاف الیہ۔ جیسے ذُو مَالٍ بھئی۔ ذُو مَالٍ کا کیا معنی؟ مال والا۔ تو حالتِ رفعی میں کہتے ہیں ذُو مَالٍ، حالتِ نصبی میں ذَا مَالٍ، اور حالتِ جری میں ذِي مَالٍ کہتے ہیں۔ تو یہاں پر بھی ذَا نَابٍ یہ ذَا منصوب ہے، یہ مفعول بہ ہے أَهَرَّ کے لیے بھئی۔ اور ذَا منصوب لفظاً مضاف، نَابٍ مجرور لفظاً مضاف الیہ، مضاف اپنے مضاف الیہ سے مل کر یہ مفعول بہ ہوا أَهَرَّ کے لیے۔ تو أَهَرَّ شَرٌّ ذَا نَابٍ فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہوا۔

اور پھر یہ جو شَرٌّ جو بدل تھا فاعل سے، اور بدل میں نے بتایا وہ مقصود ہوتا ہے، تو وہ بھی گویا معنی کے اعتبار سے فاعل تھا بھئی۔ پھر یہ جو فاعل تھا معنی کے اعتبار سے یعنی شَرٌّ، اس کو أَهَرَّ پر مقدم کر دیا گیا، تو کلام کیا بن گیا؟ شَرٌّ أَهَرَّ ذَا نَابٍ۔ توجہ ہے؟ بھئی سوال یہ کہ أَهَرَّ کے اندر هُوَ ضمیر کو آپ نے فاعل بنایا اور شَرٌّ کو اس سے بدل بنایا، بلکہ آپ شَرٌّ کو فاعل بنا دیتے، کیا کرتے؟ شَرٌّ کو فاعل بنا دیتے أَهَرَّ شَرٌّ۔ تو جواب یاد رکھنا کہ بھئی فاعل کو فعل پر مقدم نہیں کیا جا سکتا۔ اگر شَرٌّ کو فاعل بناتے تو فاعل کو فعل پر مقدم نہیں کیا جا سکتا، فاعل ہمیشہ فعل کے بعد آتا ہے، اور ہم نے تو اس کو کیا کرنا ہے؟ مقدم کرنا ہے، لہٰذا اس کو فاعل نہ بناؤ بلکہ اس کو بدل بنا دو۔ اب یہ لفظاً فاعل نہیں ہے بلکہ معناً فاعل ہے، معنی کے اعتبار سے فاعل ہے، اور فاعلِ معنوی کو تو فعل پر مقدم کیا جا سکتا ہے، فاعلِ لفظی کو فعل پر مقدم نہیں کیا جا سکتا لیکن فاعلِ معنوی کو مقدم کیا جا سکتا ہے۔ تو چنانچہ اس لیے شَرٌّ کو مقدم کر دیا گیا، تو کلام کیا بن گیا؟ شَرٌّ أَهَرَّ ذَا نَابٍ۔

شَرٌّ أَهَرَّ، اور یاد رکھو أَهَرَّ، أَهَرَّ، إِهْرَار کہتے ہیں کتے کو بھونکوانا، کتے کو بھونکنے پر مجبور کرنا، اور ذَا نَابٍ، نَاب یاد رکھو یہ کچلی کے دانت کو کہتے ہیں۔ نَاب کہتے ہیں کچلی کے دانت کو بھئی، کچلی کے دانت کو، اور اس کی جمع أَنْيَاب آتی ہے۔ کچلی کا دانت اگر آپ نے اپنے دانتوں پر غور کیا ہو سامنے کے چار دانتوں کو چھوڑ کر ان کے ساتھ دائیں بائیں جو دانت ہیں اوپر نیچے وہ نوکدار ہیں بھئی، ان کو کچلی کے دانت کہتے ہیں اردو میں، اور عربی میں ان کو نَاب کہتے ہیں نَاب، اور اس کی جمع أَنْيَاب آتی ہے۔ تو ذُو نَابٍ کا کیا معنی؟ کچلی کے دانت والا، کچلی کے دانت والا۔ تو ذُو مَالٍ کا کیا معنی تھا؟ مال والا، تو ذُو نَابٍ کا کیا معنی ہوا؟ کچلی کے دانت والا۔ اور یاد رکھو اس سے مراد ہے کتا، ذُو نَابٍ کس کو کہتے ہیں؟ کتے کو بھئی۔

آپ نے اگر غور کیا ہو بھئی، یہ حیوانات جو ہیں، کچھ حیوانات ایسے ہیں جو گھاس وغیرہ اور سبزی کھاتے ہیں اور ان کے تمام دانت ہموار ہوتے ہیں، چونکہ انہوں نے گھاس اور سبزی کھانی ہے اور اس کے لیے ہموار دانتوں کی ضرورت تھی لہٰذا اس لیے اللہ نے ان کو ہموار دانت دے دیے۔ چنانچہ گائے، بیل، بکری وغیرہ ان سب کے دانت ہموار ہیں، ان کا ایک بھی دانت نوکدار نہیں۔ جبکہ کچھ حیوانات ایسے ہیں جو گوشت خور ہیں، گوشت کھانے والے ہیں، ان کو نوکدار دانتوں کی

ضرورت تھی تاکہ اس کے ذریعے وہ شکار کر سکیں اور گوشت کو چیر پھاڑ کر کھا سکیں، تو ان کو اللہ نے نوکدار دانت دیے۔ چنانچہ آپ دیکھیں یہ کتا، بلی، شیر وغیرہ ان سب کے تمام دانت نوکدار ہوتے ہیں، ان کا ایک دانت بھی ہموار نہیں ہوتا۔ جبکہ انسان کو اللہ تعالیٰ نے دونوں طرح کے دانت دیے ہیں، ہموار دانت بھی اور نوکدار دانت بھی۔ اس میں اشارہ ہے اس بات کی طرف کہ یہ سبزی بھی کھا سکتا ہے اور گوشت بھی کھا سکتا ہے بھئی۔ بات سمجھ میں آگئی؟ بعض لوگ دنیا میں ایسے ہیں وہ کہتے ہیں کہ یہ گوشت ہمیں کھانا ہی نہیں چاہیے، یہ گوشت ہمارے اندر حیوانیت پیدا کرتا ہے اور اسی کی وجہ سے لوگ ایک دوسرے پر ظلم کرتے ہیں۔ تو ان کے لیے یہ آسان جواب ہے کہ دیکھو اللہ نے ہمیں دونوں طرح کے دانت دیے ہیں، اس کے ذریعے اشارہ ہے کہ انسان سبزی بھی کھا سکتا ہے اور گوشت بھی کھا سکتا ہے۔ اور نیز ہموار دانت انسان کے زیادہ ہیں اور یہ نوکدار دانت صرف چار ہیں، چار ہیں: دو دائیں طرف اور دو بائیں طرف اوپر نیچے بھئی۔ تو یہ صرف چار ہیں، شاید اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ انسان کے لیے زیادہ گوشت کھانا بہتر نہیں، زیادہ گوشت کھانا بہتر نہیں، زیادہ وہ سبزی وغیرہ کھائے اور گوشت بھی کھائے لیکن کم کھائے بھئی۔ چنانچہ آج کل ڈاکٹر بھی کہتے ہیں بھئی کہ یہ دل وغیرہ کی جو تکالیف ہوتی ہیں، بیماریاں ہوتی ہیں، یہ زیادہ گوشت وغیرہ کھانے کی وجہ سے پھر ہوتی ہیں بھئی۔ ہاں جو سبزیاں وغیرہ کھاتا ہے زیادہ، زیادہ سبزیاں وغیرہ کھائے اور گوشت کم کھائے، تو پھر وہ ان بیماریوں سے بچا رہتا ہے بھئی۔ تو گوشت تو اللہ تعالیٰ کی بڑی نعمت ہے، اس کے مقابلے کی تو کوئی چیز کھانے کی نہیں ہے، لہٰذا انسان پسند یہی کرتا ہے کہ زیادہ گوشت کھائے، لیکن بہت زیادہ گوشت بھی پسندیدہ نہیں بھئی، اعتدال کے درجے میں ہونا چاہیے۔

اچھا تو یہاں بات چل رہی تھی شَرٌّ أَهَرَّ ذَا نَابٍ۔ تو دیکھو اصل میں یہ کیا تھا؟ أَهَرَّ شَرٌّ ذَا نَابٍ، پھر اس شَرٌّ کو کیا کر دیا گیا؟ مقدم کر دیا گیا۔ پہلے کیا تھا؟ أَهَرَّ شَرٌّ ذَا نَابٍ، شر نے کتے کو بھونکوایا، شر نے کتے کو بھونکنے پر مجبور کیا۔ پھر اس شَرٌّ کو مقدم کر دیا گیا، اور آپ نے ضابطہ پڑھا ہے تَقْدِيمُ مَا حَقُّهُ التَّأْخِيرُ کہ مقدم کرنا اس چیز کو جس کا حق کیا تھا کہ اس کو مؤخر کیا جائے، يُفِيدُ الْحَصْرَ وَالْقَصْرَ وَالتَّخْصِيصَ یہ حصر، قصر اور تخصیص کا فائدہ دیتا ہے۔ حصر، قصر، تخصیص تینوں کا ایک معنی ہے: حصر آجائے یا قصر آجائے یا تخصیص آجائے تو سمجھ جائیں یہ سب کا معنی ہے تخصیص بھئی، ان سب کا کیا معنی ہے؟ تخصیص۔ تو لہٰذا جب شَرٌّ کو مقدم کیا گیا تو تَقْدِيمُ مَا حَقُّهُ التَّأْخِيرُ يُفِيدُ الْحَصْرَ وَالْقَصْرَ وَالتَّخْصِيصَ، کسی چیز کو جب مقدم کر دیا جائے حالانکہ اس کا حق مؤخر کرنا تھا تو وہ پھر تخصیص کا فائدہ دیتا ہے۔ تو یہاں تخصیص آگئی، کیا آگئی؟ تخصیص آگئی۔ اب معنی کیا؟ پہلے کیا معنی تھا؟ أَهَرَّ شَرٌّ ذَا نَابٍ، شر نے کتے کو بھونکوایا، اور اب شَرٌّ مقدم ہو گیا، اب معنی ہو گا شر ہی نے کتے کو بھونکوایا۔ تو یہاں حصر آگیا، قصر آگیا یعنی تخصیص آگئی بھئی۔

تو یہ شَرٌّ أَهَرَّ ذَا نَابٍ یہ اسی طرح ہے جیسے کوئی شخص یہ کہے مَا أَهَرَّ ذَا نَابٍ إِلَّا شَرٌّ۔ مَا أَهَرَّ ذَا نَابٍ نہیں بھونکوایا کتے کو إِلَّا شَرٌّ مگر کس نے؟ شر نے۔ تو جیسے مَا اور إِلَّا کس لیے آتے ہیں؟ حصر کے لیے آتے ہیں، تو یہاں پر بھی حصر والا معنی ہے۔

تو شَرٌّ أَهَرَّ ذَا نَابٍ اس کا کیا معنی؟ شر ہی نے کتے کو بھونکوایا ہے، اور مَا أَهَرَّ ذَا نَابٍ إِلَّا شَرٌّ مَا اور إِلَّا کے ساتھ ہو، اس کا بھی یہی معنی کہ شر ہی نے کتے کو بھونکوایا ہے۔ معلوم ہوا یہ جو متن میں جملہ آیا شَرٌّ أَهَرَّ ذَا نَابٍ یہ کس معنی میں ہے؟ مَا أَهَرَّ ذَا نَابٍ إِلَّا شَرٌّ کے معنی میں ہے، یعنی جیسے اس کے اندر تخصیص ہے مَا اور إِلَّا کی وجہ سے، یہاں پر بھی تَقْدِيمُ مَا حَقُّهُ التَّأْخِيرُ کی وجہ سے تخصیص ہے بھئی۔

یہاں ایک اور بات یاد رکھنا۔ انہوں نے آپ کو کیا کہا کہ نکرہ تب ہی بتدا بنے گا جب اس میں تخصیص آجائے، نکرہ محض بتدا نہیں بن سکتا۔ نکرہ کب بتدا بنے گا؟ جب اس میں تخصیص آجائے۔ تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ قَامَ رَجُلٌ، قَامَ رَجُلٌ، یہاں پر قَامَ فعل ہے اور رَجُلٌ اس کا فاعل ہے، اور رَجُلٌ نکرہ محض ہے اور نکرہ محض پر قیام کا حکم لگایا جا رہا ہے۔ پھر تو اس رَجُلٌ نکرہ محض کو بھی فاعل نہیں بننا چاہیے۔ جیسے نکرہ محض جملہ اسمیہ میں مسند الیہ نہیں بن سکتا یعنی بتدا نہیں بن سکتا، اسی طرح جملہ فعلیہ کے اندر مسند الیہ کیا ہوتا ہے؟ فاعل یا نائب فاعل، تو اس کو بھی نکرہ محض نہیں ہونا چاہیے۔ جب رَجُلٌ قَامَ جائز نہیں تو قَامَ رَجُلٌ بھی جائز نہیں ہونا چاہیے۔ اشکال سمجھ میں آرہا ہے؟ تو اس کا جواب دیتے ہیں علمائے نحو کہ ہاں بات ایسی ہی ہے، نکرہ محض کو مسند الیہ نہیں ہونا چاہیے، لیکن قَامَ رَجُلٌ کے اندر رَجُلٌ فاعل بن سکتا ہے اس لیے کیونکہ جب آپ فعل ذکر کرتے ہیں مثلاً آپ نے کیا کہنا ہے؟ قَامَ رَجُلٌ، تو جب آپ نے قَامَ کہا تو اس قَامَ نے آگے آنے والے رَجُل میں تخصیص پیدا کر دی۔ آپ نے کہنا کیا ہے؟ قَامَ رَجُلٌ، ابھی آپ نے رَجُلٌ کہا نہیں، لیکن جیسے ہی قَامَ کہا آگے رَجُلٌ میں تخصیص آگئی۔ جب تخصیص آگئی اب اس نکرہ کا بتدا بننا صحیح ہے۔ بھئی کیسے اس کے اندر تخصیص کیسے آئی؟ قَامَ رَجُلٌ، رَجُلٌ تو اسی طرح نکرہ کا نکرہ ہے؟ کہتے ہیں معنی کے اعتبار سے تخصیص آگئی، کس طرح؟ کہ جب آپ نے قَامَ کہا، ابھی رَجُل آپ نے کہا نہیں، لیکن قَامَ کہتے ہی سننے والے کو پتہ چل گیا کہ آگے کوئی ایسی چیز آنے والی ہے جس پر یہ قَامَ کا حکم لگانا صحیح ہے۔ جس پر آگے ابھی وہ چیز آئی تو نہیں لیکن کوئی ایسی چیز آنے والی ہے جس پر یہ قَامَ کا حکم لگانا صحیح ہے۔ معلوم ہوا وہ آنے سے پہلے ہی، وہ جو رَجُل آنے والا تھا وہ پہلے ہی موصوف بن گیا۔ کیا موصوف کس چیز سے بنا؟ کہ اس پر قَامَ کا حکم لگانا صحیح ہے۔ تو گویا آپ نے کہا قَامَ رَجُلٌ، آپ نے کیا کہا؟ قَامَ رَجُلٌ، تو یہ رَجُلٌ آپ کو نکرہ نظر آرہا ہے نکرہ محض، لیکن یہ نکرہ محض نہیں، اس کے ساتھ اس کی صفت بھی آچکی ہے۔ بھئی وہ صفت کیا؟ کہ بھئی یہ موصوف ہے، یعنی اس کی صفت یہ ہے کہ اس پر قَامَ کا حکم لگانا صحیح ہے، یہ وہ موصوف ہے جس پر قَامَ کا حکم لگانا صحیح۔ رَجُلٌ عَالِمٌ کا کیا معنی؟ یہ ایسا رَجُل ہے جو کہ عالم ہے، یہاں پر بھی جو رَجُلٌ آیا قَامَ رَجُلٌ کے اندر یہ ایسا رَجُل ہے کہ موصوف ہو رہا ہے کس چیز کے ساتھ؟ کہ اس پر قیام کا حکم لگانا صحیح ہے، قیام کے ساتھ موصوف نہیں ہو رہا، اس پر قیام کا حکم لگانا صحیح ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟

پھر سنو: میں کہنا چاہتا ہوں قَامَ رَجُلٌ، اور رَجُلٌ تو نکرہ محض ہے اور نکرہ محض پر تو حکم لگانا اور اس کو مسند الیہ بنانا صحیح نہیں۔ تو نحوی حضرات کیا فرماتے ہیں کہ جب جملہ فعلیہ کے اندر جیسے ہی فعل ذکر کیا جاتا ہے، جیسے ہی فعل ذکر کیا جاتا ہے سننے والے کو فوراً پتہ چل گیا کہ آگے ایک ایسی چیز آنے والی ہے جس پر یہ قیام کا حکم، یہ قَامَ کا حکم لگانا صحیح ہے۔ جس پر قَامَ کا حکم لگانا صحیح ہے معلوم ہوا قَامَ کہتے ہی اس کی صفت آگئی۔ اور کیا صفت؟ مثلاً آگے میں رَجُلٌ لایا، اب یہ رَجُلٌ دیکھنے میں تو اکیلا ہے لیکن حقیقت میں اس کے ساتھ اس کی صفت بھی ہے، اس میں تخصیص آچکی ہے۔ کیا صفت ہے؟ یہ وہ چیز ہے، رَجُل، یہ وہ چیز ہے جس پر قَامَ کا حکم لگانا صحیح، یا یوں کہو یہ رَجُلٌ یہ ایسی چیز ہے کہ موصوف ہو رہی ہے اس بات کے ساتھ کہ اس پر قَامَ کا حکم لگانا صحیح ہے۔ یا دوسری مثال لے لو أَكَلَ رَجُلٌ، أَكَلَ رَجُلٌ۔ جب میں نے أَكَلَ کہا اس سے فوراً پتہ چل گیا آگے کوئی ایسی چیز آنے والی ہے جس پر یہ اکل کا حکم لگانا صحیح ہو گا، تو وہ موصوف ہے، وہ موصوف ہے کس چیز کے ساتھ؟ کہ اس پر اکل کا حکم لگانا صحیح۔ تو دیکھو گویا کلام یوں بن گیا قَامَ رَجُلٌ کو دیکھیں: قَامَ رَجُلٌ دیکھنے میں تو یہ رَجُلٌ ہے لیکن آگے صفت بھی ہے، کیسے؟ قَامَ رَجُلٌ مَوْصُوفٌ، کھڑا ہوا ایسا آدمی جو موصوف ہے، بھئی کس چیز کے ساتھ موصوف ہے؟ کہ اس پر قیام کا حکم لگانا صحیح ہے اس کے ساتھ یہ موصوف ہے بھئی۔

تو دیکھو فاعل کے اندر اس طرح تخصیص آجاتی ہے۔ تو آپ کو اب بتلائیں گے کہ یہ شَرٌّ أَهَرَّ ذَا نَابٍ اس کے اندر بھی تخصیص آگئی جس طرح فاعل میں تخصیص آتی ہے۔ توجہ ہے؟ ذرا اس جملے پر نظر رکھو شَرٌّ أَهَرَّ ذَا نَابٍ، اس کے اندر کہتے ہیں یہ جو شَرٌّ شروع میں آیا یہ اس کے اندر تخصیص آگئی، کس طرح تخصیص آئی؟ کہتے ہیں جس طرح فاعل میں تخصیص آتی ہے، جس طرح فاعل میں۔ بھئی فاعل میں کیسے تخصیص آتی ہے؟ میں نے ابھی بیان کیا، جس طرح فاعل میں تخصیص آتی ہے اس شَرٌّ میں بھی تخصیص آگئی۔ بھئی کیسے تخصیص آگئی؟ فاعل کے اندر فعل پہلے ہوتا ہے اور فاعل بعد میں، اور یہاں پر تو شَرٌّ پہلے ہے اور أَهَرَّ فعل بعد میں ہے، تو اس کے اندر فاعل کی طرح تخصیص کیسے آگئی؟ کہتے ہیں بھئی یہ اصل میں مؤخر تھا، أَهَرَّ شَرٌّ تھا، کیا تھا؟ أَهَرَّ شَرٌّ، اور جب أَهَرَّ فعل آیا

آیا، معلوم ہوا آگے کوئی ایسی ذات آنے والی ہے جو کس کے ساتھ موصوف ہے؟ إِهْرَار کے ساتھ موصوف، اور وہ هُوَ ضمیر ہے۔ تو شَرٌّ تو فاعل نہیں، وہ تو هُوَ ضمیر ہے، تو شَرٌّ تو بدل بن رہا ہے، تو بات یہ کہ میں نے بتلایا آپ کو کہ یہ جو بدل ہوتا ہے یہ بھی معنی کے اعتبار سے کیا ہے؟ فاعل ہے، مبدل منہ پہلے آتا ہے اور بدل بعد میں، لیکن یہ جو مبدل منہ ہوتا ہے یہ اس کو صرف ویسے ہی تمہید کے طور پر ذکر کیا جاتا ہے، اصل مقصود آنے والا بدل ہوتا ہے۔

تو اصل مقصود آگے آنے والا بدل ہوتا ہے۔ تو جب شَرٌّ مؤخر تھا أَهَرَّ شَرٌّ ذَا نَابٍ، اس کے اندر یہ شَرٌّ فاعل تو نہیں لفظوں کے اعتبار سے، لیکن معنی کے اعتبار سے یہ کیا ہے؟ فاعل ہے، اور فاعل تخصیص پا لیتا ہے کس کی وجہ سے؟ فعل

کی وجہ سے، تو یہاں پر بھی أَهَرَّ شَرٌّ ذَا نَابٍ، شَرٌّ سے پہلے کیا آیا؟ أَهَرَّ، تو اس شَرٌّ نے اس کی وجہ سے تخصیص حاصل کر لی۔ بات سمجھ میں آگئی۔

اب دیکھیے کتاب پر، دیکھیے بھئی صاحبِ جامی اور بہتر الفاظ کے ساتھ اس کی وضاحت کریں گے۔ کہتے ہیں وَمِثْلُ قَوْلِهِمْ اور جیسے عربوں کا یہ قول ہے شَرٌّ أَهَرَّ ذَا نَابٍ شر ہی نے بھونکوایا کتے کو، لِتَخَصُّصِهِ بِمَا يَتَخَصَّصُ بِهِ الْفَاعِلُ اس لیے کیونکہ اس نے تخصیص حاصل کر لی، کس نے؟ شَرٌّ نے۔ شَرٌّ بتدا بن رہا ہے، نکرہ ہے اور نکرہ تو بتدا نہیں بن سکتا تو اب وہ تخصیص بیان کرنے لگے ہیں۔ کہتے ہیں لِتَخَصُّصِهِ بوجہ تخصیص پا لینے شَرٌّ کے بِمَا اس چیز کے ساتھ يَتَخَصَّصُ بِهِ الْفَاعِلُ جس کے ساتھ فاعل تخصیص پا لیتا ہے، تخصیص حاصل کر لیتا ہے۔ بھئی شَرٌّ نے بھی تخصیص حاصل کر لی اسی چیز کے ساتھ جس کے ساتھ فاعل تخصیص حاصل کر لیتا ہے، کیونکہ شَرٌّ اصل میں کیا تھا؟ مؤخر تھا، یہ فاعل معنی کے اعتبار سے فاعل تھا۔ تو کہتے ہیں لِتَخَصُّصِهِ بِمَا يَتَخَصَّصُ بِهِ الْفَاعِلُ بوجہ اس کے تخصیص حاصل کر لینے کے اس چیز کے ساتھ جس کے ذریعے فاعل تخصیص حاصل کرتا ہے، لِشَبَهِهِ بِهِ۔

یہاں شَبَه پڑھنا بھئی، لِشِبْهِهِ نہ پڑھنا۔ میں نے آپ کو بتلایا تھا کہ ایک ہے شِبْهٌ اور ایک لفظ ہے شَبَهٌ۔ شِبْهٌ کا معنی ہے مثل، اور شَبَهٌ، شَبَهٌ مصدر ہے بمعنی مشابہت کے بھئی۔ تو یہاں پر بھی یہ مصدر ہے، لِشَبَهِهِ بِهِ اس وجہ سے کہ اس شَرٌّ کی مشابہت ہے بِهِ اس فاعل کے ساتھ۔

دیکھو سنو بھئی، کہتے ہیں یہ جو شَرٌّ اس جملے کے اندر آیا اس نے تخصیص حاصل کر لی اسی چیز کے ذریعے جس کے ذریعے فاعل تخصیص حاصل کرتا ہے۔ فاعل تخصیص حاصل کرتا ہے لِشَبَهِهِ بِهِ اس وجہ سے کہ اس شَرٌّ کی مشابہت ہے فاعل کے ساتھ۔ کس کے ساتھ؟ فاعل۔ فاعل تو نہیں لیکن یہ مؤخر تھا یا نہیں؟ اور مؤخر لفظوں میں تو فاعل نہیں تھا لیکن فاعل سے بدل تو تھا، تو معنی کے اعتبار سے یہ فاعل تھا یعنی فاعل کے مشابہ تھا۔ لِشَبَهِهِ بِهِ اس وجہ سے کہ فاعل کے ساتھ اس کی مشابہت ہے، إِذْ يُسْتَعْمَلُ فِي مَوْضِعِ مَا أَهَرَّ ذَا نَابٍ إِلَّا شَرٌّ کیونکہ اس کو استعمال کیا جاتا ہے فِي مَوْضِعِ مَا أَهَرَّ ذَا نَابٍ إِلَّا شَرٌّ، مَا أَهَرَّ ذَا نَابٍ إِلَّا شَرٌّ کے مقام میں اس کو استعمال کیا جاتا ہے۔

یہ جو جملہ متن میں آیا شَرٌّ أَهَرَّ ذَا نَابٍ اس کو استعمال کیا جاتا ہے مَا أَهَرَّ ذَا نَابٍ إِلَّا شَرٌّ کے مقام میں، اور مَا أَهَرَّ ذَا نَابٍ إِلَّا شَرٌّ کے اندر تو مَا اور إِلَّا ہیں اور ان کی وجہ سے کیا آگئی؟ تخصیص آگئی۔ معلوم ہوا کہ تخصیص کے مقام میں شَرٌّ أَهَرَّ ذَا نَابٍ کو استعمال کیا جاتا ہے۔ بھئی مَا أَهَرَّ ذَا نَابٍ إِلَّا شَرٌّ اس میں تو مَا اور إِلَّا ہیں، اس میں تو بات واضح ہے، یہ ہے ہی کس لیے؟ تخصیص کے لیے، تو یہ تخصیص کے مقام میں استعمال ہوتا ہے۔ اور تخصیص ہی کے مقام میں شَرٌّ أَهَرَّ ذَا نَابٍ بھی استعمال ہوتا ہے، معلوم ہوا اس کے اندر تخصیص ہے بھئی، اس کے اندر تخصیص ہے۔

تو مَا أَهَرَّ ذَا نَابٍ إِلَّا شَرٌّ جس مقام پر یہ استعمال ہوتا ہے اسی مقام پر شَرٌّ أَهَرَّ ذَا نَابٍ بھی استعمال ہوتا ہے، اور یہ کس مقام پر استعمال ہوتا ہے مَا أَهَرَّ ذَا نَابٍ إِلَّا شَرٌّ؟ یہ تخصیص کے مقام میں استعمال ہوتا ہے تخصیص بتلانے کے لیے، کیونکہ اس میں مَا اور إِلَّا ہے، تو شَرٌّ أَهَرَّ ذَا نَابٍ بھی اسی کے مقام میں یعنی تخصیص کے لیے ہی استعمال ہوتا ہے۔ اور دیکھو مَا أَهَرَّ ذَا نَابٍ إِلَّا شَرٌّ اس کے اندر یہ جو شَرٌّ ہے، شَرٌّ ہے، دیکھو یہ فاعل ہے۔ یہ مَا أَهَرَّ، مَا حرفِ نفی، أَهَرَّ فعل، ذَا نَابٍ مفعول، ذَا نَابٍ مفعول، إِلَّا حرفِ استثناء، شَرٌّ یہ أَهَرَّ کے لیے فاعل۔ تو فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہوا۔ تو اس کے اندر دیکھو شَرٌّ فاعل بن رہا ہے۔

تو کہتے ہیں جس مقام پر یہ استعمال ہوتا ہے یعنی حصر اور تخصیص کے لیے، اسی مقام پر شَرٌّ أَهَرَّ ذَا نَابٍ بھی استعمال ہوتا ہے، معلوم ہوا اس کے اندر بھی اسی کی طرح تخصیص ہے، اور اس جملے کے اندر تو دیکھو إِلَّا شَرٌّ یہ شَرٌّ کیا بن رہا تھا؟ فاعل تھا، کیا تھا؟ فاعل، اور فاعل میں کیسے تخصیص آتی ہے؟ کہ فاعل سے پہلے جب فعل کو ذکر کر دیا جائے تو وہ فعل گویا اس کی صفت بن گیا، کیا بن گیا ہے؟ کیونکہ اس پر اس کا حکم لگانا صحیح ہے۔ تو جیسے فاعل کے اندر تخصیص آجاتی ہے اسی طرح شَرٌّ أَهَرَّ ذَا نَابٍ اس کے اندر بھی تخصیص آگئی۔

کیا بات ہوئی؟ دیکھو مَا أَهَرَّ ذَا نَابٍ إِلَّا شَرٌّ یہاں شَرٌّ کے اندر تخصیص ہے، اور تخصیص ہے اور نیز یہ شَرٌّ فاعل ہے، تو اسی طرح شَرٌّ أَهَرَّ ذَا نَابٍ اس کے اندر بھی اسی کی طرح تخصیص ہے۔ جیسے مَا أَهَرَّ ذَا نَابٍ إِلَّا شَرٌّ میں شَرٌّ کے اندر تخصیص تھی کیونکہ وہ کس کے بعد تھا؟ إِلَّا کے بعد تھا اور وہ فاعل تھا، وہ فاعل تھا، اسی طرح شَرٌّ أَهَرَّ ذَا نَابٍ کے اندر جو لفظِ شَرٌّ آیا اس کے اندر بھی تخصیص ہے، اس نے بھی اسی طرح تخصیص حاصل کر لی جیسے مَا أَهَرَّ ذَا نَابٍ إِلَّا شَرٌّ میں جیسے اس میں شَرٌّ نے تخصیص حاصل کی۔ کیوں؟ کیونکہ وہ فاعل ہے، کیا ہے؟ فاعل ہے، تو اس میں بھی یہاں اس نے تخصیص حاصل کر لی ہے۔

تو حاصلِ کلام یہ کہ بھئی یہ جو متن میں آیا شَرٌّ أَهَرَّ ذَا نَابٍ اس کے اندر بھی اسی طرح تخصیص ہے جیسے تخصیص مَا اور إِلَّا کے ساتھ آتی ہے، یعنی جیسے مَا أَهَرَّ ذَا نَابٍ إِلَّا شَرٌّ کے اندر تخصیص ہے۔ مَا أَهَرَّ ذَا نَابٍ إِلَّا شَرٌّ کے اندر جس طرح تخصیص ہے اور یہ تخصیص کے موقع پر استعمال ہوتا ہے، اسی طرح شَرٌّ أَهَرَّ ذَا نَابٍ کے اندر بھی تخصیص ہے اور یہ تخصیص کے موقع پر استعمال ہوتا ہے۔ اور مَا أَهَرَّ ذَا نَابٍ إِلَّا شَرٌّ اس کے اندر تو شَرٌّ فاعل واقع ہو رہا ہے، مَا أَهَرَّ ذَا نَابٍ إِلَّا شَرٌّ کے اندر تو شَرٌّ فاعل واقع ہو رہا ہے، تو جیسے اس جملے کے اندر فاعل یعنی شَرٌّ نے تخصیص حاصل کر لی، اسی طرح شَرٌّ أَهَرَّ ذَا نَابٍ کے اندر بھی یہ جو شَرٌّ جس کو مقدم کیا گیا اس نے بھی اس فاعل کی طرح تخصیص حاصل کر لی، اس نے بھی اس فاعل یعنی شَرٌّ کی طرح تخصیص حاصل کر لی۔ بات سمجھ میں آگئی؟ کہ جس طرح مَا أَهَرَّ ذَا نَابٍ إِلَّا شَرٌّ کے اندر شَرٌّ فاعل ہے اور

اس میں تخصیص ہے، اسی طرح شَرٌّ أَهَرَّ ذَا نَابٍ کے اندر جو شَرٌّ ہے اس میں بھی تخصیص ہے تو اس کے اندر تخصیص آ گئی جس طرح فاعل کے اندر تخصیص آتی ہے، کیونکہ یہ اس فاعل یعنی شَرٌّ کے مشابہ ہے بھئی۔ کس طرح مشابہ ہے؟ کہ یہ شَرٌّ أَهَرَّ ذَا نَابٍ بھی تخصیص کے موقع پر استعمال ہوتا ہے جس طرح مَا أَهَرَّ ذَا نَابٍ إِلَّا شَرٌّ تخصیص کے موقع پر استعمال ہوتا ہے بھئی۔

تو کہتے ہیں إِذْ يُسْتَعْمَلُ فِي مَوْضِعِ مَا أَهَرَّ ذَا نَابٍ إِلَّا شَرٌّ اس لیے کیونکہ یہ جو شَرٌّ أَهَرَّ ذَا نَابٍ متن میں آیا اس کو استعمال کیا جاتا ہے مَا أَهَرَّ ذَا نَابٍ إِلَّا شَرٌّ کے مقام میں۔ وَمَا يَتَخَصَّصُ بِهِ الْفَاعِلُ قَبْلَ ذِكْرِهِ اب بیان کرنے لگے ہیں۔ انہوں نے کیا کہا؟ کہ شَرٌّ نے تخصیص حاصل کر لی جس طرح فاعل تخصیص حاصل کر لیتا ہے، اور فاعل کس طرح تخصیص حاصل کر لیتا ہے اب وہ بیان کرنے لگے ہیں، میں نے بیان کر دیا کہ فاعل کس طرح تخصیص حاصل کرتا ہے؟ کہ فاعل کے اندر جب فعل پہلے ذکر ہو گیا تو اس سے پتہ چل گیا کہ آگے کوئی ایسی چیز آنے والی ہے کہ جس پر یہ قیام کا حکم لگانا صحیح ہے، تو معلوم ہوا وہ پہلے ہی موصوف ہو چکا، اس میں پہلے ہی تخصیص آ گئی ہے بھئی۔

کہتے ہیں وَمَا يَتَخَصَّصُ بِهِ الْفَاعِلُ قَبْلَ ذِكْرِهِ اور وہ چیز جس کے ذریعے فاعل تخصیص حاصل کر لیتا ہے قَبْلَ ذِكْرِهِ اپنے ذکر سے پہلے ہی۔ قَامَ رَجُلٌ، میں نے قَامَ کہا ابھی رَجُلٌ کا ذکر نہیں یعنی ابھی فاعل کا ذکر نہیں ہوا، ذکر سے پہلے ہی فاعل میں کیا آ گئی؟ تخصیص آ گئی۔ یہ معنی ہے وَمَا يَتَخَصَّصُ بِهِ الْفَاعِلُ قَبْلَ ذِكْرِهِ اور وہ چیز جس کے ذریعے فاعل تخصیص حاصل کر لیتا ہے اپنے ذکر سے پہلے ہی، وہ کیا ہے؟ کہتے ہیں هُوَ صِحَّةُ كَوْنِهِ مَحْكُومًا عَلَيْهِ بِمَا أُسْنِدَ إِلَيْهِ۔ هُوَ صِحَّةُ وہ صحیح ہونا، درست ہونا کس چیز کا؟ كَوْنِهِ مَحْكُومًا عَلَيْهِ اس کا محکومٌ علیہ ہونا، اس کے محکومٌ علیہ ہونے کا درست ہونا، صحیح ہونا۔ بھئی اس محکومٌ علیہ ہونا کس چیز کے لیے؟ کہتے ہیں بِمَا أُسْنِدَ إِلَيْهِ مَا سے مراد فعل ہے، اس فعل کے لیے أُسْنِدَ إِلَيْهِ جس کا اس کی طرف اسناد کیا گیا ہے۔

بھئی قَامَ رَجُلٌ، رَجُلٌ کی طرف کس فعل کا اسناد؟ قَامَ۔ تو جب قَامَ کہا تو اس قَامَ نے بتلا دیا کہ آگے کوئی ایسی چیز آنے والی ہے کہ اس کا اس مَا أُسْنِدَ إِلَيْهِ یعنی یہ جو قَامَ فعل جس کا اسناد کیا جا رہا ہے، اس کا اس مَا أُسْنِدَ إِلَيْهِ کے لیے محکومٌ علیہ یعنی مسند الیہ بننا صحیح ہے بھئی۔

تو کہتے ہیں هُوَ صِحَّةُ كَوْنِهِ مَحْكُومًا عَلَيْهِ بِمَا أُسْنِدَ إِلَيْهِ اور وہ درست ہونا، کس چیز کا درست ہونا؟ كَوْنِهِ مَحْكُومًا عَلَيْهِ اس کے محکومٌ علیہ ہونے کا درست ہونا۔ بھئی محکومٌ علیہ ہے کس چیز کے لیے؟ بِمَا أُسْنِدَ إِلَيْهِ۔ یاد رکھو یہ بِمَا أُسْنِدَ إِلَيْهِ یہ جار مجرور ہے، یہ جار مجرور اور یہ متعلق ہے مَحْكُومًا سے۔ یہ جو پیچھے آیا نا مَحْكُومًا عَلَيْهِ کہ محکومٌ علیہ ہے، کس کے لیے محکومٌ علیہ ہے؟ بِمَا أُسْنِدَ إِلَيْهِ اس فعل کے لیے جس کا اس کی طرف اسناد کیا۔ جس فعل کا اس فاعل کی طرف اسناد کیا جا رہا ہے اس فاعل کا اس فعل کے لیے محکومٌ علیہ ہونا صحیح ہے۔

بھئی ایک ہے محکومٌ بہ، ایک ہوتا ہے محکومٌ علیہ۔ قَامَ زَيْدٌ، قَامَ زَيْدٌ، اس میں قَامَ ہے محکومٌ بہ یعنی قَامَ کا حکم لگایا جا رہا ہے۔ جس چیز کا حکم لگایا جائے اس کو محکومٌ بہ کہتے ہیں، اور جس پر حکم لگایا جائے اس کو محکومٌ علیہ کہتے ہیں۔ تو قَامَ رَجُلٌ، قَامَ کا حکم لگایا گیا اور کس پر لگایا گیا؟ رَجُلٌ پر، تو قَامَ ہوا محکومٌ بہ اور رَجُلٌ کیا ہوا؟ محکومٌ علیہ جس پر حکم لگایا گیا۔ یعنی یوں کہو دوسرے لفظوں میں، یہ جو مسندبہ ہے اس کا دوسرا نام ہے محکومٌ بہ، اور جو مسند الیہ ہے اس کا دوسرا نام کیا ہے؟ محکومٌ علیہ، اس پر حکم لگایا گیا ہے۔ تو جب میں نے قَامَ کہا تو یہ قَامَ کیا ہے؟ محکومٌ بہ ہے، یہ مَا أُسْنِدَ إِلَيْهِ ہے جس کا اسناد کیا گیا ہے۔ تو اس قَامَ نے بتا دیا آگے ایک ایسی چیز آنے والی ہے کہ اس کا قَامَ کے لیے محکومٌ علیہ بننا صحیح ہے۔

کہتے ہیں وَمَا يَتَخَصَّصُ بِهِ الْفَاعِلُ قَبْلَ ذِكْرِهِ اور وہ چیز جس کے ذریعے فاعل تخصیص حاصل کر لیتا ہے اپنے ذکر سے پہلے ہی، هُوَ صِحَّةُ كَوْنِهِ مَحْكُومًا عَلَيْهِ وہ اس کا محکومٌ علیہ ہونے کا درست ہونا، کہ اس کا محکومٌ علیہ ہونا درست ہے، بھئی کس چیز کے لیے محکومٌ علیہ؟ بِمَا أُسْنِدَ إِلَيْهِ اس فعل کے لیے جس کا اس کی طرف اسناد کیا گیا ہے۔ فَإِنَّكَ إِذَا قُلْتَ قَامَ اس لیے کیونکہ جب آپ نے قَامَ کہا۔ دیکھو وہی بات اب ذکر کریں گے، قَامَ کہا اور ابھی رَجُلٌ نہیں کہا تو قَامَ کے کہتے ہی وہ جو آگے آنے والا رَجُلٌ ہے وہ کیا ہو چکا؟ موصوف ہو چکا، اس میں تخصیص آچکی۔ فَإِنَّكَ إِذَا قُلْتَ قَامَ اس لیے کیونکہ جب آپ نے قَامَ کہا عُلِمَ مِنْهُ تو اس قَامَ سے یہ بات معلوم ہو گئی کہ أَنَّ مَا يُذْكَرُ بَعْدَهُ کہ وہ چیز جو اس قَامَ کے بعد ذکر کی جائے گی، أَمْرٌ وہ ایک ایسی چیز ہے يَصِحُّ أَنْ يُحْكَمَ عَلَيْهِ بِالْقِيَامِ کہ صحیح ہے کہ اس پر قیام کا حکم لگایا جائے، وہ ایک ایسی چیز ہے کہ صحیح ہے کہ اس پر قیام کا حکم لگایا جائے۔ فَإِذَا قُلْتَ رَجُلٌ پھر جب آپ نے رَجُلٌ کہا فَهُوَ فِي قُوَّةِ رَجُلٍ مَوْصُوفٍ بِصِحَّةِ الْحُكْمِ عَلَيْهِ بِالْقِيَامِ تو وہ اسی قوت میں ہے یعنی اسی درجے میں ہے جیسے کہ رَجُلٍ مَوْصُوفٍ بِصِحَّةِ الْحُكْمِ عَلَيْهِ بِالْقِيَامِ، کہ وہ ایسا رَجُل ہے مَوْصُوفٍ جو موصوف ہو رہا ہے بِصِحَّةِ الْحُكْمِ عَلَيْهِ بِالْقِيَامِ کہ اس پر قیام کا حکم لگانا صحیح ہے، یعنی اس پر قیام کا حکم لگانا صحیح ہے اس بات کے ساتھ موصوف ہو رہا ہے وہ رَجُل بھئی۔

تو کہتے ہیں فَإِذَا قُلْتَ رَجُلٌ پس جب آپ نے رَجُلٌ کہا تو فَهُوَ فِي قُوَّةِ رَجُلٍ مَوْصُوفٍ بِصِحَّةِ الْحُكْمِ عَلَيْهِ بِالْقِيَامِ تو وہ رَجُلٍ مَوْصُوفٍ بِصِحَّةِ الْحُكْمِ عَلَيْهِ بِالْقِيَامِ کی قوت میں ہے، اس کے درجے میں ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ اور اس کا ترجمہ دوبارہ سن لو کہ رَجُلٍ مَوْصُوفٍ بِصِحَّةِ الْحُكْمِ عَلَيْهِ بِالْقِيَامِ کہ وہ ایسا رَجُل ہے جو موصوف ہو رہا ہے کہ اس پر قیام کا حکم لگانا صحیح ہے۔

وَاعْلَمْ أَنَّ الْمُهِرَّ لِلْكَلْبِ بِالنُّبَاحِ الْمُعْتَادِ۔ وَاعْلَمْ یہاں سے اب تخصیص کو بیان کر رہے ہیں۔ شَرٌّ أَهَرَّ ذَا نَابٍ شر ہی نے کتے کو بھونکوایا ہے، اس کے اندر تخصیص ہے۔ بھئی کس طرح ہے اس کے اندر تخصیص؟

تو آپ کو بتلائیں گے یہاں تخصیص دو طرح سے ہو سکتی ہے۔ یہاں پر تخصیص دو طرح سے ہو سکتی ہے: شر ہی نے کتے کو بھونکوایا ہے۔ تو یہ جو کتے کا بھونکنا ہے اس کے اعتبار سے دو قسمیں بنیں گی۔ کیونکہ ایک کتے کا بھونکنا ہے معتاد یعنی عادت کے موافق، یعنی عام عادتاً جیسے کتا بھونکتا ہے اعتدال کے درجے میں، تو یہ ہے نباحِ معتاد۔ نُبَاح کا معنی کتے کا بھونکنا۔ بات سمجھ میں آرہی ہے؟ یہ لفظ آگے آنے والا ہے۔ تو معلوم ہوا یہ جو کتے کا بھونکنا ہے یہ کبھی معتاد ہو گا اور کبھی غیر معتاد۔ تو معتاد کیا ہے؟ کہ اعتدال کے درجے میں کتا جیسے بھونکتا ہے، اور غیر معتاد کیا ہے؟ کہ بہت زیادہ بھونک رہا ہے کتا بھئی۔ تو معلوم ہوا یہ غیر معتاد ہے، عادتاً تو وہ اتنا زیادہ نہیں بھونکتا بھئی۔ تو معلوم ہوا یہ جو کتے کا نُبَاح ہے، اس کا بھونکنا جو ہے، معتاد بھی ہو سکتا ہے اور غیر معتاد بھی۔ تو اس اعتبار سے تخصیص کی دو صورتیں یہاں بنیں گی۔ اگر یہ بھونکنے سے نباحِ معتاد مراد لیں تو اس اعتبار سے یہاں تخصیص دوسری طرح ہے، اور اگر نباحِ غیر معتاد کے اعتبار سے تخصیص یہاں مراد دی جائے تو وہ دوسرے طریقے سے ہے بھئی۔

پہلے نباحِ معتاد کو لے لیں۔ بھئی دیکھیے یہ جو نباحِ معتاد ہے، کتے کا عادت کے موافق بھونکنا، یہ خیر کی وجہ سے بھی ہو سکتا ہے شر کی وجہ سے بھی۔ یہ کسی دشمن کے آنے پر بھی ہو سکتا ہے اور دوست کے آنے پر بھی ہو سکتا ہے۔ جیسے کتا عادتاً بھونکتا ہے چاہے دوست آئے چاہے دشمن آئے، تو دوست کے آنے پر بھی بھونکتا ہے اور دشمن کے آنے پر بھی بھونکتا ہے۔ تو معلوم ہوا یہ جو نباحِ معتاد ہے یہ خیر کی وجہ سے بھی ہو سکتا ہے اور شر کی وجہ سے بھی ہو سکتا ہے۔ دوست کا آنا خیر ہے، دشمن کا آنا شر ہے۔ تو لہٰذا یہاں پر تخصیص آئی کہ شَرٌّ أَهَرَّ ذَا نَابٍ شر ہی نے کتے کو بھونکوایا ہے، معلوم ہوا خیر کی نفی ہو گئی۔

بھئی دیکھیے نا تخصیص کہتے ہیں کہ ایک چیز کے لیے ایک حکم کا اثبات ہے یعنی یوں کہیں مذکور، مذکور کے لیے حکم کا اثبات ہے تو غیر مذکور سے حکم کی نفی ہے، مذکور کے لیے حکم کا اثبات ہے تو غیر مذکور سے حکم کی نفی۔ اور اگر مذکور کے لیے حکم کی نفی ہے تو غیر مذکور کے لیے حکم کا اثبات ہے، اس کو کہتے ہیں تخصیص۔ دیکھو مثال سے بات واضح ہو گی۔ مثلاً آپ کا خیال ہے کہ زید اور عمرو دونوں نے بکر کی پٹائی کی ہے، تو میں آپ سے کہتا ہوں مَا ضَرَبَ بَكْرًا إِلَّا عَمْرٌو۔ آپ کا کیا خیال تھا؟ کہ زید اور عمرو دونوں نے بکر کی پٹائی کی ہے، تو میں کیا کہتا ہوں؟ مَا ضَرَبَ بَكْرًا إِلَّا عَمْرٌو بکر کی پٹائی نہیں کی مگر صرف عمرو نے۔ تو دیکھو میں نے اس پٹائی کی تخصیص کر دی عمرو کے ساتھ، کہ یہ پٹائی صرف کس نے کی ہے؟ عمرو نے کی ہے۔ تو یہ تخصیص ہے، اور تخصیص کسے کہتے ہیں؟ مذکور کے لیے اثبات ہو تو غیر مذکور سے نفی۔ تو عمرو کے لیے پٹائی کا اثبات ہوا تو زید سے پٹائی کی نفی ہو گئی، اس کو کہتے ہیں تخصیص۔

بات سمجھ میں آرہی ہے؟ آپ کا کیا خیال تھا کہ زید اور عمرو دونوں نے پٹائی کی ہے، تو اب ایسے موقع پر میں بتلانا یہ

چاہتا ہوں کہ صرف عمرو نے پٹائی کی ہے، تو اب میں تخصیص والے الفاظ لے کر آؤں گا اور میں کہوں گا مَا ضَرَبَ بَكْرًا إِلَّا عَمْرٌو کہ بکر کی پٹائی نہیں کی مگر عمرو نے، یا دوسرے بامحاورہ ترجمہ کر لیں: عمرو ہی نے بکر کی پٹائی کی ہے۔ اور تو میں نے پٹائی کا اثبات کس کے لیے کیا؟ عمرو کے لیے، تو مذکور کے لیے پٹائی کا اثبات تو غیر مذکور سے کیا ہوئی؟ پٹائی کی نفی، کیونکہ یہاں تخصیص ہے، مَا اور إِلَّا میں لے کر آیا ہوں۔ تو معلوم ہوا عمرو نے پٹائی کی ہے، زید نے پٹائی نہیں کی بھئی۔

تو یہاں پر بھی شَرٌّ أَهَرَّ ذَا نَابٍ شر کے لیے بھونکوانے کا اثبات ہے، تو کس چیز سے بھونکوانے کی نفی ہے بھئی؟ تو میں نے بتایا کہ اس میں دو صورتیں ہیں: یا تو نباحِ معتاد ہو گا یا نباحِ غیر معتاد۔ نباحِ معتاد وہ شر کی وجہ سے بھی ہو سکتا ہے اور خیر کی وجہ سے بھی، تو جب کہا گیا شَرٌّ أَهَرَّ ذَا نَابٍ کہ شر ہی نے کتے کو بھونکوایا ہے، تو شر کے لیے تو بھونکوانے کا اثبات ہوا تو نفی کس چیز سے ہوئی؟ خیر سے، یعنی خیر نے کتے کو نہیں بھونکوایا بلکہ کس نے بھونکوایا ہے؟ شر نے۔ یہ ہے تخصیص، تخصیص کسے کہتے ہیں؟ مذکور کے لیے اثبات ہے تو غیر مذکور سے نفی۔ تو یہاں شر کے لیے بھونکوانے کا اثبات تو نفی کس سے ہے؟ تو بتلا دیا کہ نباحِ معتاد میں نفی کس سے ہے؟ خیر سے ہے کہ خیر نے نہیں بھونکوایا بلکہ شر نے بھونکوایا ہے۔ تو گویا کلام یوں ہو گیا شَرٌّ لَا خَيْرٌ أَهَرَّ ذَا نَابٍ کہ شر نے نہ کہ خیر نے کتے کو بھونکوایا ہے۔ تو شر کے لیے احرار کا ثبوت ہے تو خیر سے احرار کی نفی ہے، اس کو کہتے ہیں تخصیص۔ یہ کس صورت میں ہے؟ نباحِ معتاد میں، جب کتا عادت کے موافق بھونک رہا ہو بھئی۔

اور اگر نباحِ غیر معتاد ہے، عادت کے مطابق کتا نہیں بھونک رہا، بہت زیادہ بھونک رہا ہے، یہ تو پھر صرف شر ہی کی صورت میں ہو سکتا ہے، کس صورت میں؟ شر ہی کی صورت میں ہو سکتا ہے، تو اس میں تو پھر خیر کا احتمال ہی نہیں ہے۔ پھر یہاں تخصیص کیسے آئی؟ نباحِ معتاد میں تو آپ نے شر کے لیے بھونکوانے کا اثبات کیا تو خیر سے کیا ہو گئی؟ بھونکوانے کی نفی، وہاں تو تخصیص سمجھ میں آ جاتی ہے۔ لیکن جب کتا نباحِ غیر معتاد کرے وہاں تو شر ہی شر ہے، وہاں تو خیر نہیں، اور تخصیص تو کسے کہتے ہیں؟ کہ مذکور کے لیے اثبات ہو تو غیر مذکور سے نفی۔ تو شر کے لیے تو بھونکوانے کا اثبات ہو رہا ہے، نفی کس سے ہو گی؟ یہاں تو خیر سے نفی کر نہیں سکتے کیونکہ یہاں تو خیر کا احتمال ہی نہیں ہے بھئی۔ تو اس کا جواب دیں گے صاحبِ جامی کہ بھئی اگر نباحِ غیر معتاد ہو تو پھر اس صورت میں یہاں صفت مقدر مان لیں گے: شَرٌّ أَيْ شَرٌّ عَظِيمٌ کہ شرِ عظیم ہی نے کتے کو بھونکوایا ہے، لَا شَرٌّ حَقِيرٌ کسی شرِ حقیر نے نہیں بھونکوایا۔ تو یہاں صفت مقدر مان لیں گے، یا شَرٌّ کے اندر جو تنوین ہے اس کو تعظیم کے لیے لے لیں گے۔ یاد رکھو یہ جو تنوین آتی ہے بلاغت کے اندر آپ پڑھیں گے کہ کبھی یہ تنوین تعظیم کے لیے آتی ہے، کبھی تحقیر وغیرہ اور معانی کے لیے آتی ہے، تو شَرٌّ کے اندر بھی آخر میں تنوین آ رہی ہے۔ تو صفت کو مقدر ماننے کی ضرورت ہی نہیں ہے، اس تنوین کو کس لیے بنا لیں؟ تعظیم کے لیے، تو اس کا معنی کیا ہو گیا؟ شَرٌّ

عَظِيمٌ۔ تو شَرٌّ أَهَرَّ ذَا نَابٍ جب نباحِ غیر معتاد میں ہو تو پھر اس صورت میں صفت یعنی مقدر مان لیں گے یا یہ تنوین کو تعظیم کے لیے بنا لیں گے اور معنی کیا ہو جائے گا؟ شَرٌّ عَظِيمٌ أَهَرَّ ذَا نَابٍ، شرِ عظیم نے کتے کو بھونکوایا ہے۔ یہ تو مذکور کے لیے اثبات ہوا، اور غیر مذکور سے نفی بھی تو کرنی ہے، تخصیص کسے کہتے ہیں؟ مذکور کے لیے اثبات ہو تو غیر مذکور سے نفی۔ تو پھر نفی کس سے ہے؟ کہتے ہیں نفی شرِ حقیر سے ہو گئی۔ شرِ عظیم ہی نے کتے کو بھونکوایا ہے، شرِ حقیر نے نہیں بھونکوایا بھئی۔ بات سمجھ میں آ گئی؟

اب دیکھیے کتاب پر۔ کہتے ہیں وَاعْلَمْ تو جان لے أَنَّ الْمُهِرَّ لِلْكَلْبِ، أَهَرَّ يُهِرُّ إِهْرَارٌ سے یہ مُهِرّ اسمِ فاعل ہے۔ وَاعْلَمْ تو جان لے کہ أَنَّ الْمُهِرَّ لِلْكَلْبِ وہ جو کتے کو بھونکوانے والا ہے بِالنُّبَاحِ الْمُعْتَادِ نباحِ معتاد کے ساتھ یعنی عادت کے مطابق بھونکنے کے ساتھ، قَدْ يَكُونُ خَيْرًا وہ کبھی خیر ہوتی ہے كَمَا إِذَا كَانَ مَجِيءَ حَبِيبٍ مَثَلًا جیسے کہ حبیب کا آنا مثال کے طور پر، حبیب دوست وغیرہ کا آنا یہ خیر کی وجہ سے بھی بھونکنا ہو سکتا ہے۔ وَقَدْ يَكُونُ شَرًّا اور کبھی کبھار وہ بھونکوانے والا نباحِ معتاد کے اندر وہ شر ہو گا، كَمَا إِذَا كَانَ مَجِيءَ عَدُوٍّ جیسے کہ دشمن کا آنا۔ دشمن کا آنا کیا ہے؟ شر۔ تو یہ جو نباحِ معتاد ہے اس کے اندر جو کتے کو بھونکوانے والی چیز ہے وہ خیر بھی ہو سکتا ہے جیسے دوست کا آنا، اور شر بھی ہو سکتا ہے جیسے دشمن کا آنا۔

وَالْمُهِرَّ لَهُ، یہ وَالْمُهِرَّ کا عطف اسی پیچھے جو أَنَّ الْمُهِرَّ آیا تھا اسی پر عطف کریں۔ وَالْمُهِرَّ لَهُ بِنُبَاحٍ غَيْرِ مُعْتَادٍ اور وہ چیز جو بھونکوانے والی ہے کتے کو نباحِ غیر معتاد کے ساتھ، يُتَشَاءَمُ بِهِ اس سے بدفالی لی جاتی ہے۔ يُتَشَاءَمُ بِهِ کا معنی ہے بدفالی لینا، بدشگونی لینا یعنی ایک چیز کو اچھا نہ سمجھنا۔ کتا بے انتہا زیادہ بھونک رہا ہے تو اس سے بدفالی مراد لی جاتی ہے، بدشگونی اس کو سمجھا جاتا ہے کہ معلوم ہوا کوئی اچھی بات نہیں، کوئی خطرے کی بات ہے، اسی لیے یہ اتنا زیادہ بھونک رہا ہے۔ تو یہ معنی ہے وَالْمُهِرَّ لَهُ بِنُبَاحٍ غَيْرِ مُعْتَادٍ يُتَشَاءَمُ بِهِ اور وہ چیز جو اس کو بھونکوانے والی ہے نباحِ غیر معتاد کے ساتھ يُتَشَاءَمُ بِهِ اس سے بدفالی مراد لی جاتی ہے، فَيَكُونُ شَرًّا لَا خَيْرًا تو اس صورت میں وہ شر ہی ہو گا لَا خَيْرًا خیر نہیں ہو گا وہ جو بھونکوانے والا ہے۔

فَعَلَى الْأَوَّلِ يَصِحُّ، تو اب دو صورتیں ذکر ہو گئیں: ایک نباحِ معتاد اس میں شر اور خیر دونوں کا احتمال، اور ایک نباحِ غیر معتاد اس میں صرف شر ہی شر ہے۔ فَعَلَى الْأَوَّلِ تو پہلی صورت پر یعنی جب نباحِ معتاد ہو يَصِحُّ الْقَصْرُ قصر صحیح ہے، قصر کیا معنی؟ تخصیص بھئی، میں نے بتایا حصر، قصر اور تخصیص سب کا ایک ہی معنی ہے۔ تو پہلی صورت پر جب نباحِ معتاد ہو يَصِحُّ الْقَصْرُ بِالنِّسْبَةِ إِلَى الْخَيْرِ تخصیص صحیح ہے خیر کی طرف نسبت کرتے ہوئے، کیونکہ شَرٌّ أَهَرَّ ذَا نَابٍ کہا ہے تو شر کے لیے بھونکوانے کا ثبوت ہے تو کس سے بھونکوانے کی نفی ہو گئی؟ خیر، تو یہاں قصر صحیح ہے خیر کی طرف نسبت کرتے ہوئے۔ یہ معنی ہے فَعَلَى الْأَوَّلِ تو پہلی صورت میں یعنی نباحِ معتاد میں يَصِحُّ الْقَصْرُ تخصیص صحیح ہے بِالنِّسْبَةِ إِلَى

الْخَيْرِ خیر کی طرف نسبت کرتے ہوئے، فَمَعْنَاهُ تو معنی کلام کا یہ ہو گا شَرٌّ لَا خَيْرٌ أَهَرَّ ذَا نَابٍ کہ شر نے نہ کہ خیر نے کتے کو بھونکوایا۔

وَعَلَى الثَّانِي اور دوسری صورت میں یعنی جب نباحِ غیر معتاد ہو لَا يَصِحُّ قصر صحیح نہیں کیونکہ وہاں تو خیر کا احتمال ہی نہیں، تو کہتے ہیں فَيُقَدَّرُ وَصْفٌ تو وہاں وصف مقدر ہو گا حَتَّى يَصِحَّ الْقَصْرُ یہاں تک کہ قصر صحیح ہو جائے، وہاں صفت نکال لیں گے تاکہ قصر صحیح ہو جائے، مذکور کے لیے اثبات ہو تو غیر مذکور سے نفی ہو جائے۔ فَيَكُونُ الْمَعْنَى تو معنی ہو گا شَرٌّ عَظِيمٌ لَا حَقِيرٌ أَهَرَّ ذَا نَابٍ کہ عظیم شر نے نہ کہ حقیر نے أَهَرَّ ذَا نَابٍ کتے کو بھونکوایا، عظیم شر نے کتے کو بھونکوایا نہ کہ حقیر شر نے۔

کہتے ہیں وَهَذَا مَثَلٌ يُضْرَبُ لِرَجُلٍ قَوِيٍّ أَدْرَكَهُ الْعَجْزُ فِي حَادِثَةٍ اور یہ ضرب المثل ہے، بیان کر رہے ہیں صاحبِ جامی کہ یہ کلام کس موقع پر کیا جاتا ہے؟ تو بتلا رہے ہیں کہ یہ جو شَرٌّ أَهَرَّ ذَا نَابٍ آیا یہ ضرب المثل ہے عربی زبان میں، اور یہ اس موقع پر بولتے ہیں جب کوئی بڑا طاقتور آدمی ہو اور کسی معاملے کے اندر وہ عاجز آ جائے، وہ کام نہ کر سکے۔ مثلاً بڑا طاقتور آدمی ہے بھئی مال و دولت بھی ہے، غلام اور خادم بھی بہت زیادہ ہیں، وہ جو کام چاہتا ہے کر لیتا ہے، تعلقات بھی ہیں، لیکن کسی معاملے کے اندر وہ بھی عاجز آ گیا کچھ نہ کر سکا، تو اس وقت لوگ کہتے ہیں شَرٌّ أَهَرَّ ذَا نَابٍ۔ بات سمجھ میں آ گئی؟ کہ اتنا کوئی طاقتور آدمی ہے لیکن یہ بھی اس معاملے میں عاجز آ گیا بھئی۔

نیز اسی طرح یہ کلام استعمال کیا جاتا ہے جب کسی بڑے خطرے کے آثار نمودار ہوں بھئی۔ جب بڑا خطرہ نمودار ہو بھئی تو اس موقع پر بھی یہ کہا جاتا ہے کہ شَرٌّ أَهَرَّ ذَا نَابٍ شر ہی نے کتے کو بھونکوایا ہے، شر ہی نے یعنی کوئی بہت بڑا خطرہ ظاہر ہونے لگا ہے، تو معنی ہو گا محتاط رہو یعنی احتیاط کرو کوئی بڑا خطرہ ظاہر ہونے والا ہے، کوئی بڑی مصیبت آنے والی ہے، تو اس موقع پر کہتے ہیں شَرٌّ أَهَرَّ ذَا نَابٍ، اور معنی کیا ہے؟ یعنی محتاط رہو، شرِ عظیم ہی نے کتے کو بھونکوایا ہے کوئی بڑا شر آنے والا ہے لہٰذا احتیاط کرو، خیال رکھو۔ بات سمجھ میں آ گئی؟

تو یہاں صاحبِ جامی نے أَهَرَّ کا معنی کیا کیا؟ کتے کا بھونکنا، اور یہ بھونکنا کیا ہے؟ معتاد بھی ہو سکتا ہے اور غیر معتاد بھی ہو سکتا ہے۔ جبکہ بعض دیگر علماء نے لکھا ہے کہ أَهَرَّ، هَرِير سے ہے اور هَرِير جو ہے یہ کتے کے جو عام بھونکنا ہے اس کو هَرِير نہیں کہتے، بلکہ خاص ایک چیخنے کی آواز کتا نکالتا ہے جب کوئی اتنا بڑا فتنہ ظاہر ہو جائے جس کا مقابلہ کتا نہ کر سکے، تو وہ ایک چیخنے جیسی آواز نکالتا ہے اس کو هَرِير کہتے ہیں، یہ عام بھونکنے کو هَرِير نہیں کہتے، یہ بعض علماء ذکر فرماتے ہیں۔ جیسے آپ نے دیکھا ہو گا کہ کوئی چھوٹا کتا ہے اور بڑا کتا اس پر حملہ آور ہوتا ہے تو وہ چھوٹا کتا مقابلہ نہیں کرتا، وہ چیختا ہوا بھاگتا ہے بھئی۔ یہ جو چیخنے کی آواز ہے اس کو هَرِير کہتے ہیں، اور یہ کتا صرف اسی وقت نکالتا ہے جب کوئی اتنا بڑا شر اس کے سامنے آ جائے جس کا وہ مقابلہ ہی نہیں کر سکتا تو وہ چیختا ہوا بھاگتا ہے بھئی۔ یا جیسے کوئی کتا ہو اور کوئی شخص اس کو پتھر

اٹھا کر مارے، اب وہ کتا بھی چیختا ہوا بھاگتا ہے، تو وہ جو چیخنے کی آواز ہے اس کو هَرِیر کہتے ہیں۔ تو هَرِیر سے اگر یہ وہ خاص آواز مراد لی جائے چیخنے والی، تو یہ تو کتا اسی وقت نکالتا ہے جب کوئی بڑا شر ہو جس کا مقابلہ وہ نہ کر سکے۔ شر ہی نے کتے کو بھونکوایا یعنی اس کو چیخنے پر مجبور کر دیا ہے، تو لوگ کہتے ہیں احتیاط کرو یعنی اتنا بڑا شر ہے کہ جس کا مقابلہ کرنا مشکل ہے، محتاط رہو بھئی۔

آگے دیکھیے وَمِثْلُ قَوْلِكَ فِي الدَّارِ رَجُلٌ اور جیسے کہ آپ کا یہ قول ہے فِی

الدَّارِ رَجُلٌ اس گھر میں کوئی آدمی ہے۔ فِي الدَّارِ یہ خبرِ مقدم، اور رَجُلٌ یہ بتدا مؤخر۔ عبارت پر نظر ہے؟ فِي الدَّارِ خبرِ مقدم اور رَجُلٌ بتدا مؤخر، اور رَجُلٌ نکرہ محض ہے، اور نکرہ محض کا تو بتدا بننا صحیح نہیں۔ تو یاد رکھو آپ کو صاحبِ جامی بتلائیں گے کہ یہاں پر رَجُلٌ کے اندر تخصیص آگئی تقدیمِ خبر کی وجہ سے۔ کس کی وجہ سے؟ کہ خبر مقدم ہو گئی، اس کی وجہ سے رَجُلٌ میں تخصیص آگئی، جیسے فاعل کے اندر تخصیص آتی تھی۔ کیسے؟ جب میں نے قَامَ کہا تو اس سے پتہ چل گیا کہ آگے کوئی ایسی چیز آنے والی ہے جس پر قیام کا حکم لگانا صحیح ہے۔ یہاں پر بھی اسی طرح فِي الدَّارِ رَجُلٌ اس میں اب جب فِي الدَّارِ کہا، خبر پہلے آئی، تو اس سے پتہ چل گیا کہ آگے کوئی ایسی چیز آنے والی ہے جس پر فِي الدَّارِ کا حکم لگانا صحیح ہے، جس پر فِي الدَّارِ کا حکم لگانا صحیح ہے، لہٰذا اس کے اندر تخصیص آگئی۔ تو یہ تخصیص کا پانچواں طریقہ ہے، اور اس کا نام ہے تَخْصِيصٌ بِتَقْدِيمِ الْخَبَرِ، خبر کی تقدیم کی وجہ سے نکرہ میں تخصیص۔ بات سمجھ میں آگئی؟ کیونکہ آپ نے پڑھا ہے تَقْدِيمُ مَا حَقُّهُ التَّأْخِيرُ يُفِيدُ الْحَصْرَ وَالْقَصْرَ وَالتَّخْصِيصَ، تو فِي الدَّارِ کو مقدم کیا گیا اس کی وجہ سے رَجُلٌ کے اندر تخصیص آگئی بھئی۔

تو کہتے ہیں وَمِثْلُ قَوْلِكَ فِي الدَّارِ رَجُلٌ لِتَخَصُّصِهِ بِتَقْدِيمِ الْخَبَرِ بوجہ اس کے تخصیص پا لینے کے تقدیمِ خبر کی وجہ سے، یہ جو رَجُلٌ ہے اس نے تخصیص حاصل کر لی بِتَقْدِيمِ الْخَبَرِ کس کی وجہ سے؟ تقدیمِ خبر کی وجہ سے۔ لِأَنَّهُ إِذَا قِيلَ فِي الدَّارِ اس لیے کیونکہ جب کہا گیا فِي الدَّارِ، خبر پہلے لے آئے ابھی بتدا نہیں آیا، لیکن جب کہا گیا فِي الدَّارِ، عُلِمَ تو یہ بات معلوم ہو گئی کہ أَنَّ مَا يُذْكَرُ بَعْدَهُ کہ وہ چیز جو اس کے بعد ذکر کی جائے گی مَوْصُوفٌ بِصِحَّةِ اسْتِقْرَارِهِ فِي الدَّارِ وہ موصوف ہے کس چیز کے ساتھ؟ بِصِحَّةِ اسْتِقْرَارِهِ۔ اِسْتِقْرَار کا معنی قرار پکڑنا بھئی یعنی ہونا، ہونا۔ بھئی یاد رکھو یہ افعالِ عامہ میں سے ہے۔ افعالِ عامہ کون سے ہیں؟ کون، وجود، ثبوت، حصول، اور اسی طرح استقرار یہ بھی کس میں سے ہے؟ افعالِ عامہ میں سے، اور افعالِ عامہ کا کیا معنی تھا؟ ہونا۔ کون، ثبوت، وجود، حصول، استقرار سب کا معنی ہے ہونا۔ تو جب فِي الدَّارِ کہا گیا معلوم ہوا آگے کوئی ایسی چیز آنے والی ہے جس کا گھر میں استقرار صحیح ہے، یعنی جس کا گھر میں ہونا صحیح ہے۔ بات سمجھ میں آ گئی؟ تو استقرار کا کیا معنی؟ ہونا بھئی، ہونا۔

تو کہتے ہیں جب فِي الدَّارِ ذکر کیا گیا عُلِمَ تو یہ جان لیا گیا کہ أَنَّ مَا يُذْكَرُ بَعْدَهُ کہ وہ چیز جو اس فِي الدَّارِ کے بعد ذکر کی جائے گی مَوْصُوفٌ بِصِحَّةِ اسْتِقْرَارِهِ فِي الدَّارِ وہ موصوف ہے بِصِحَّةِ اس بات کے صحیح ہونے کے ساتھ، کس بات کا صحیح ہونا؟ اسْتِقْرَارِهِ فِي الدَّارِ اس کا گھر میں ہونا، کہ اس کا گھر میں ہونا صحیح ہے اس کے ساتھ وہ موصوف ہے۔ فَهُوَ فِي قُوَّةِ التَّخَصُّصِ بِالصِّفَةِ تو یہ اسی قوت میں ہوا جیسے کہ تخصیص حاصل کرنا صفت کی وجہ سے۔ تو جیسے صفت کی وجہ سے تخصیص آجاتی ہے وَلَعَبْدٌ مُؤْمِنٌ خَيْرٌ مِنْ مُشْرِكٍ یہاں عَبْدٌ کے اندر تخصیص آئی کس کی وجہ سے؟ صفت کی وجہ سے، تو یہاں پر بھی یہ فِي الدَّارِ پہلے آگیا تو اس نے آگے آنے والے رَجُلٌ یا آگے آنے والے نکرہ میں تخصیص پیدا کر دی جس طرح صفت جو ہے موصوف کے اندر تخصیص پیدا کر دیتی ہے۔ یہ معنی ہے فَهُوَ فِي قُوَّةِ التَّخَصُّصِ بِالصِّفَةِ تو یہ تخصص بالصفت کے درجے میں ہے۔

وَمِثْلُ قَوْلِكَ سَلَامٌ عَلَيْكَ اور جیسے کہ آپ کا یہ قول ہے سَلَامٌ عَلَيْكَ۔ یہ تخصیص کا چھٹا طریقہ آگیا بھئی۔ یہ تخصیص کا یہ طریقہ اس کا نام ہے تَخْصِيصٌ بِالنِّسْبَةِ إِلَى الْمُتَكَلِّمِ۔ اس کا کیا نام ہے؟ تَخْصِيصٌ بِالنِّسْبَةِ إِلَى الْمُتَكَلِّمِ یعنی یہ تخصیص ہے اس نسبت کی وجہ سے جو متکلم کی طرف کی جا رہی ہے۔

تخصیص کا پہلا طریقہ کیا تھا؟ تخصیص بالصفت۔ دوسرا طریقہ؟ تخصیص بعلم المتکلم۔ تیسرا؟ تخصیص بالعموم۔ چوتھا؟ تخصیص بالعدول من الجملۃ الفعلیۃ إلی الجملۃ الاسمیۃ۔ دیکھو شَرٌّ أَهَرَّ ذَا نَابٍ پہلے کیا تھا؟ أَهَرَّ شَرٌّ ذَا نَابٍ جملہ فعلیہ تھا، فعل پہلے تھا، اور پھر شَرٌّ کو مقدم کر کے بتدا بنایا گیا تو جملہ اسمیہ بن گیا۔ تو یہ تخصیص کا کون سا طریقہ ہے؟ تَخْصِيصٌ بِالْعُدُولِ مِنَ الْجُمْلَةِ الْفِعْلِيَّةِ إِلَى الْجُمْلَةِ الِاسْمِيَّةِ، کہ جملہ فعلیہ سے جملہ اسمیہ کی طرف عدول کرنے کی وجہ سے تخصیص آگئی بھئی۔ اور پانچواں طریقہ تھا تخصیص بتقدیم الخبر، اور یہ چھٹا طریقہ ہے تَخْصِيصٌ بِالنِّسْبَةِ إِلَى الْمُتَكَلِّمِ، کہ تخصیص آگئی اس نسبت کی وجہ سے جو متکلم کی طرف کی جا رہی ہے۔

سَلَامٌ عَلَيْكَ آپ پر سلام ہو۔ یاد رکھو علمائے نحو فرماتے ہیں کہ سَلَامٌ عَلَيْكَ یہ اصل میں تھا سَلَّمْتُ سَلَامًا عَلَيْكَ۔ سَلَّمْتُ سَلَامًا عَلَيْكَ، سَلَّمْتُ فعل تھا اور سَلَامًا یہ مفعولِ مطلق تھا بھئی۔ پھر سَلَّمْتُ فعل کو حذف کر لیا گیا تخفیف کے لیے، کیونکہ سَلَّمْتُ سَلَامًا عَلَيْكَ بڑا لمبا کلام ہے اور سلام تو ہر ایک کو کیا جاتا ہے، تو کثرتِ استعمال خفت کا تقاضا کرتی ہے، تو اس سَلَّمْتُ کو حذف کر دیا گیا تو کیا رہ گیا؟ سَلَامًا عَلَيْكَ رہ گیا۔ اور یہ سَلَامًا کا نصب بتلا رہا ہے کہ اس کا فعل محذوف ہے، یعنی یہ جملہ فعلیہ ہے، یہ جملہ فعلیہ ہے۔ پھر اس سَلَامًا کو بدل دیا گیا سَلَامٌ کی طرف، اس سے جملہ اسمیہ بنا لیا گیا تاکہ یہ دوام اور استمرار پر دلالت کرے۔

بھئی دیکھو یاد رکھو ایک ہے جملہ فعلیہ، ایک ہے جملہ اسمیہ۔ جملہ فعلیہ جو ہے وہ حدوث اور تجدد پر دلالت کرتا ہے۔ یعنی حدوث اور تجدد کا ایک ہی معنی ہے اس لیے میں دونوں لفظ ذکر کر رہا ہوں۔ حدوث اور تجدد کا معنی ہے ایک چیز کا ہونا،

پہلے ایک چیز نہیں تھی اور پھر ہوئی۔ جیسے ضَرَبَ زَیْدٌ زید نے پٹائی کی، دیکھو پہلے زید کی ضرب نہیں تھی، پھر زید نے پٹائی کی اور پھر وہ پٹائی گزر بھی گئی۔ تو اس میں دیکھو ایک چیز کا ہونا ذکر کیا گیا کہ پٹائی ہوئی، پٹائی کی زید نے۔ توجہ ہے؟ تو جملہ فعلیہ کس پر دلالت کرتا ہے؟ حدوث اور تجدد پر، ایک چیز کے ہونے پر کہ پہلے نہیں تھی اور پھر ہوئی اور پھر گزر بھی گئی۔ تو جملہ فعلیہ کس پر دلالت کرتا ہے؟ حدوث اور تجدد پر یعنی ایک چیز کے ہونے پر۔

اور ایک ہے جملہ اسمیہ۔ جملہ اسمیہ صرف ثبوت پر دلالت کرتا ہے۔ زَیْدٌ قَائِمٌ، کیا معنی؟ زید کھڑا ہے۔ بھئی پہلے بھی کھڑا تھا یا نہیں، یا دوسرا زَیْدٌ عَالِمٌ، پہلے بھی عالم تھا یا نہیں، کچھ اس کے اندر ذکر نہیں ہے۔ صرف اتنا بتایا گیا کہ زید کے لیے عَالِمٌ کی صفت ثابت ہے، زید عالم ہے۔ یا زَیْدٌ قَائِمٌ، زید کے لیے قَائِمٌ کی صفت ثابت ہے۔ تو بتدا کے لیے خبر کا ثبوت ہوتا ہے، یہاں حدوث نہیں ہوتا۔ جملہ فعلیہ میں تو کیا تھا؟ حدوث اور تجدد تھا، پہلے ایک چیز نہیں تھی پھر ہوئی اور پھر گزر گئی۔ اور جملہ اسمیہ میں کیا ہوتا ہے؟ بتدا کے لیے خبر کا ثبوت ہوتا ہے، پہلے تھی یا نہیں تھی یہ اس کے اندر ذکر نہیں ہوتا۔ زَیْدٌ قَائِمٌ میں زید کے لیے قَائِمٌ کا ثبوت ہے کہ وہ قائم ہے، پہلے بھی قائم تھا یا نہیں کوئی ذکر نہیں۔ تو جملہ فعلیہ میں حدوث اور تجدد ہوتا ہے، اور جملہ اسمیہ میں ثبوت ہوتا ہے۔

پھر یاد رکھو کہ جملہ فعلیہ کے اندر حدوث اور تجدد ہوتا ہے، لیکن کبھی وہاں کوئی قرینہ ساتھ مل جاتا ہے اور پھر وہ استمرار پر دلالت کرتا ہے۔ کس پر؟ استمرار کا معنی ایک چیز کا بار بار ہونا۔ ضَرَبَ زَیْدٌ اس سے صرف اتنا پتہ چلا کہ زید نے پٹائی کی اور وہ پٹائی گزر بھی گئی، پہلے نہیں تھی پھر ہوئی اور پھر گزر بھی گئی، استمرار نہیں ہے۔ اور کبھی کبھار استمرار بھی آجاتا ہے۔ کیا آجاتا ہے؟ استمرار کا معنی ایک چیز کا بار بار ہونا، لگاتار ہوتے چلے جانا، اس کو کیا کہتے ہیں؟ استمرار کہتے ہیں۔ جیسے دیکھو شب و روز کا گزرنا، شب و روز گزر رہے ہیں اور اس گزرنے میں کیا ہے؟ استمرار ہے، کیا ہے؟ ایک دن گزرا پھر دوسرا دن گزرا پھر تیسرا دن گزرا پھر چوتھا دن گزرا، دن گزرتے ہی چلے جا رہے ہیں، اور یہ کیا ہے؟ استمرار ہے۔ تو یہ جملہ فعلیہ جو ہے وہ حدوث اور تجدد پر دلالت کرتا ہے، لیکن جب کبھی کوئی قرینہ وغیرہ ساتھ مل جائے تو پھر وہ حدوث اور تجدد کے ساتھ ساتھ استمرار پر بھی دلالت کرتا ہے۔ استمرار میں بھی ہونا ہے لیکن ایک دفعہ نہیں، لگاتار، مسلسل ہونا بار بار۔ مثلاً ضَرَبَ زَیْدٌ اس کے اندر استمرار لے آئیں، کیا لے آئیں؟ یَضْرِبُ زَیْدٌ کُلَّ وَقْتٍ زید ہر وقت پٹائی کرتا ہے۔ اب دیکھو کُلَّ وَقْتٍ سے کیا پتہ چلا کہ اس کے اندر استمرار ہے، اور استمرار کا کیا معنی؟ زید پٹائی کرتا ہے، پھر پٹائی کرتا ہے، پھر کرتا ہے، کیونکہ پٹائی میں ثبوت نہیں ہوتا، پٹائی میں ہونا ہے۔ آپ نے کسی چیز کو مارا تو دیکھو ضرب گزر گئی، پھر ضرب لگائی ضرب گزر گئی، تو اس میں بار بار ایک چیز ہوتی جا رہی ہے اور گزرتی جا رہی ہے، ہوتی جا رہی ہے اور گزرتی جا رہی ہے، اس کو کہتے ہیں استمرار۔ تو جملہ فعلیہ حدوث اور تجدد پر دلالت کرتا ہے، اور اس کے ساتھ کبھی کوئی قرینہ وغیرہ مل جائے تو پھر یہ

استمرار پر بھی دلالت کرتا ہے یعنی ایک چیز کے بار بار اور لگاتار ہونے پر بھی دلالت کرتا ہے۔

اور جملہ اسمیہ جو ہے وہ ثبوت پر دلالت کرتا ہے کہ بتدا کے لیے یہ خبر ثابت ہے، یہ صفت اس کے لیے ثابت ہے، اور اس کے ساتھ پھر کبھی کوئی قرینہ مل جائے تو پھر وہ دوام پر دلالت کرتا ہے۔ کس پر؟ دوام پر، یعنی ایک چیز دائماً دوسری چیز کے لیے ثابت ہے۔ جملہ فعلیہ کے ساتھ قرینہ ملتا تھا وہ استمرار پہ دلالت کرتا تھا، بار بار ہونا، دیکھو ہونا وہاں پھر بھی ہے، بار بار ایک چیز ہوتی جا رہی ہے اور گزرتی بھی جا رہی ہے۔ اور جملہ اسمیہ کے اندر گزرنا اور ہونا نہیں ہے، بس ایک چیز کا دوسری چیز کے لیے ثبوت ہے، اور اسی میں پھر کبھی دوام بھی آجاتا ہے۔ مثلاً میں آپ سے کہتا ہوں زَيْدٌ طَوِيلٌ زید لمبے قد والا ہے۔ اب دیکھو زَيْدٌ بتدا ہے اور طَوِيلٌ اس کے لیے خبر ہے، جملہ اسمیہ ہے، اور جملہ اسمیہ کس پر دلالت کرتا ہے؟ ثبوت پر کہ ایک چیز دوسری چیز کے لیے ثابت ہے، ہمیشہ ہے یا ہمیشہ رہے گی یا نہیں یہ ذکر نہیں لیکن ثبوت ہے۔ پھر اسی کے ساتھ قرینہ مل گیا۔ قرینہ کیا ملا؟ کہ دیکھو یہ جو جس کا قد لمبا ہوتا ہے وہ اس کے ساتھ دائماً رہتا ہے جب تک وہ زندہ ہے، یہ تو نہیں کہ قد کبھی لمبا ہو گیا اور کبھی قد چھوٹا ہو گیا، تو لہٰذا یہ جو خبر میں طَوِيلٌ لایا کہ وہ لمبے قد والا ہے اس کے ساتھ ایک اور قرینہ مل گیا، آپ کو آپ کی عقل نے بتا دیا کہ بھئی جس کا قد لمبا ہوتا ہے وہ پھر اسی طرح قد لمبا ہی رہتا ہے یعنی اس کے لیے دائماً ثابت رہتا ہے، تو دیکھو زَيْدٌ طَوِيلٌ یہ جملہ اسمیہ ہے اور اس کے ساتھ قرینہ بھی مل گیا تو اب یہ ثبوت کے ساتھ ساتھ دوام پر بھی دلالت کر رہا ہے۔ دوام پر بھی، تو استمرار اور دوام میں فرق سمجھ میں آیا؟ استمرار میں ایک چیز کا بار بار ہونا ہو گا، اور دوام کے اندر بار بار ہونا نہیں بلکہ اسی ثبوت کے اندر دوام آجاتا ہے۔ زَيْدٌ طَوِيلٌ زید لمبے قد والا ہے اس کا یہ معنی نہیں کہ قد کے بار بار کبھی چھوٹا ہو رہا ہے کبھی بڑا ہو رہا ہے کبھی چھوٹا، نہیں ہونا نہیں ہے اس میں، اسی ثبوت کے اندر دوام آگیا۔ تو استمرار اور دوام الگ الگ چیزیں ہیں، لیکن یاد رکھو یہ ایک دوسرے کی جگہ بھی استعمال ہو جاتے ہیں، کبھی استمرار بول کر دوام مراد لے لیتے ہیں اور کبھی دوام بول کر استمرار مراد لے لیتے ہیں۔ بات سمجھ میں آگئی؟

اچھا بات چل رہی تھی سَلَامٌ عَلَيْكَ، توجہ ہے؟ یہ اصل میں کیا تھا؟ سَلَّمْتُ سَلَامًا عَلَيْكَ۔ پھر سَلَّمْتُ کو حذف کر لیا گیا تو کیا بن گیا؟ سَلَامًا عَلَيْكَ بن گیا، اور سَلَامًا کا نصب کیا بتلا رہا ہے؟ کہ یہ جملہ فعلیہ ہے، اور جملہ فعلیہ کس پر دلالت کرتا ہے؟ حدوث اور تجدد پر، تو اس کو پھر سَلَامٌ بنا دیا گیا تاکہ یہ ثبوت اور دوام پر دلالت کرے۔ کس پر؟ سَلَامٌ عَلَيْكَ، تو اب یہ اس میں ثبوت آیا اور نیز یہ دعا ہے تو دوام اس کے مناسب ہے تو دوام کے لیے اس کو جملہ اسمیہ کی طرف بدل دیا گیا۔ دیکھو ایک ہے سَلَامًا عَلَيْكَ، کیا معنی؟ آپ پر سلامتی ہو میری طرف سے یعنی میں آپ کے لیے یہ دعا کرتا ہوں کہ آپ پر اللہ تعالیٰ سلامتی نازل فرمائے۔ تو دیکھو سلامتی اللہ کی طرف سے آئے اور گزر جائے یہ پسندیدہ ہے یا سلامتی استمرار اور دوام کے ساتھ آپ کے لیے ہو یہ پسندیدہ ہے؟ استمرار اور دوام کے ساتھ ہو وہ سلامتی پسندیدہ ہے۔ اس لیے اس سَلَامًا عَلَيْكَ جملہ

فعلیہ کو بدل دیا کس کے ساتھ؟ سَلَامٌ عَلَيْكَ جملہ اسمیہ کی طرف تاکہ یہ استمرار اور دوام پر دلالت کرے۔ بات سمجھ میں آ گئی؟

تو یہاں پر سَلَامٌ عَلَيْكَ اس کے اندر تخصیص آئی، کس کی وجہ سے تخصیص آئی؟ متکلم کی طرف نسبت کرنے کی وجہ سے کہ یہ سلامتی بھیجنے والا کون، یہ دعا کرنے والا کون ہے؟ متکلم ہے، کوئی اور نہیں ہے بھئی۔

تو کہتے ہیں وَمِثْلُ قَوْلِكَ اور جیسے کہ آپ کا یہ قول ہے سَلَامٌ عَلَيْكَ آپ پر سلامتی ہو، لِتَخَصُّصِهِ بِالنِّسْبَةِ إِلَى الْمُتَكَلِّمِ بوجہ اس کے تخصیص حاصل کر لینے کے، یعنی یہ سَلَامٌ نے تخصیص حاصل کر لی بِالنِّسْبَةِ إِلَى الْمُتَكَلِّمِ متکلم کی طرف نسبت کرنے کی وجہ سے۔ إِذْ أَصْلُهُ سَلَّمْتُ سَلَامًا عَلَيْكَ اس لیے کیونکہ اس کی اصل جو ہے اس جملے کی سَلَّمْتُ سَلَامًا عَلَيْكَ ہے، فَحُذِفَ الْفِعْلُ تو فعل کو حذف کر لیا گیا وَعُدِلَ إِلَى الرَّفْعِ اور عدول کیا گیا رفع کی طرف، یعنی سَلَامًا عَلَيْكَ سے کیا بنا دیا گیا؟ سَلَامٌ عَلَيْكَ بنا دیا گیا، رفع کی طرف عدول کر لیا گیا یعنی نصب کو ختم کر کے رفع لے آئے، لِقَصْدِ الدَّوَامِ وَالِاسْتِمْرَارِ دوام اور استمرار کے ارادے سے، فَكَأَنَّهُ قَالَ تو گویا کہ متکلم نے یوں کہا سَلَامِي۔

أَيْ سَلَامٌ مِنْ قِبَلِي عَلَيْكَ یعنی سلام ہو مِنْ قِبَلِي میری طرف سے عَلَيْكَ آپ پر۔ دیکھو سَلَامِي سلام کی نسبت کس کی طرف ہے؟ متکلم کی طرف۔ بتلایا نا یہاں تخصیص کس وجہ سے آئی؟ متکلم کی طرف نسبت سے، تو یہ سلام کی نسبت کس کی طرف ہے؟ متکلم، اسی لیے کہا فَكَأَنَّهُ قَالَ گویا کہ متکلم نے کہا سَلَامِي۔

اس پر اشکال ہوتا ہے سَلَامِي، سلام مضاف یا ضمیر مضافٌ الیہ، اور یا ضمیر تو معرفہ ہے ضمیر ہے، اور معرفہ کی طرف جو مضاف ہو جائے وہ بھی کیا بن جاتا ہے؟ معرفہ، تو یہ سَلَامِي تو معرفہ بن گیا، آپ ہمیں کہہ رہے ہیں اس میں تخصیص ہے اس کے اندر تو تعریف ہے بھئی۔ توجہ ہے؟ تو جواب دے رہے ہیں أَيْ سَلَامٌ مِنْ قِبَلِي عَلَيْكَ کہ نہیں بھئی یہاں تعریف نہیں ہے، سَلَامِي متکلم کی طرف نسبت کی معنی یہ ہے أَيْ سَلَامٌ مِنْ قِبَلِي عَلَيْكَ۔ سَلَامٌ مِنْ قِبَلِي دیکھو سَلَامِي میں سلام کو مضاف بنایا اور یا ضمیر کو مضافٌ الیہ، تو کسی کے ذہن میں شبہ آسکتا ہے کہ یہ تو معرفہ بن گیا، یہ کیا بن گیا؟ معرفہ، تو آگے اس کی تفسیر پھر نکرہ کے ساتھ کر دی کہ نہیں بھئی یہ مراد ہماری نہیں ہے کہ یہ معرفہ ہو چکا ہے بلکہ ہماری کیا مراد ہے؟ کہ متکلم کی طرف نسبت ہے۔ دیکھو سَلَامٌ مِنْ قِبَلِي عَلَيْكَ میں نے آپ کو بتلایا تھا کہ نکرہ کے بعد جار مجرور آئے اور وہ کسی سے نہ جڑ رہا ہو تو پھر وہ اس کے لیے صفت بنتا ہے، کیا بنتا ہے؟ صفت بنتا ہے۔ تو یہاں پر بھی دیکھو سَلَامٌ مِنْ قِبَلِي، سَلَامٌ کے بعد مِنْ قِبَلِي آیا تو یہ اس سَلَامٌ کے لیے صفت بنے گا، اور جار مجرور کو براہِ راست صفت بناتے ہیں یا متعلق سے جوڑیں گے؟ متعلق سے، تو گویا یہ کلام یوں ہے سَلَامٌ ثَابِتٌ مِنْ قِبَلِي ایسا سلام جو میری طرف سے ثابت ہے عَلَيْكَ وہ آپ پر ہو۔ تو دیکھو یہ سَلَامٌ موصوف اور ثَابِتٌ مِنْ قِبَلِي اس کی صفت، تو بتلانا یہ چاہتے ہیں کہ یہ سَلَامٌ ابھی بھی نکرہ ہے، تو ہم نے جو سَلَامِي

کہا آپ اس سے یہ نہ سمجھیں کہ یہ معرفہ بن گیا ہے۔

تو کہتے ہیں فَكَأَنَّهُ قَالَ تو گویا کہ متکلم نے یوں کہا سَلَامِي أَيْ سَلَامٌ مِنْ قِبَلِي عَلَيْكَ کہ میرا سلام یعنی میری طرف سے سلام ہو عَلَيْكَ آپ پر۔

کہتے ہیں هَذَا هُوَ الْمَشْهُورُ فِيمَا بَيْنَ النُّحَاةِ کہتے ہیں یہی ہے جو مشہور ہے نحویوں کے درمیان۔ آگے صاحبِ جامی قیمتی بات بتلانے لگے ہیں، کہتے ہیں نحوی حضرات میں یہی بات مشہور ہے کہ نکرہ محض بتدا نہیں بن سکتا بلکہ نکرہ تب بتدا بنے گا جب اس میں تخصیص پیدا کر دی جائے بھئی۔ تو کہتے ہیں هَذَا هُوَ الْمَشْهُورُ فِيمَا بَيْنَ النُّحَاةِ یہی مشہور ہے نحویوں کے درمیان کہ نکرہ بغیر تخصیص کے بتدا نہیں بن سکتا۔

وَقَالَ بَعْضُ الْمُحَقِّقِينَ مِنْهُمْ اور نحویوں میں سے بعض محققین وہ فرماتے ہیں کہ مَدَارُ صِحَّةِ الْإِخْبَارِ عَنِ النَّكِرَةِ عَلَى الْفَائِدَةِ نکرہ سے خبر دینے کا صحیح ہونا، کہ نکرہ سے خبر دینا صحیح ہو، اس کا مدار جو ہے عَلَى الْفَائِدَةِ اس کا مدار فائدے پر ہے۔ نکرہ سے خبر دینے کا مدار فائدے پر ہے، یعنی نکرہ سے خبر دینے میں اگر مخاطب کو کوئی فائدہ ہے، اس کو کوئی نئی بات معلوم ہو رہی ہے (فائدے سے کیا مراد؟ اس کو ایک نئی بات پتہ چل رہی ہے)، پھر تو نکرہ کو بتدا بنانا اور اس سے خبر دینا صحیح ہے۔ نکرہ کو بتدا بنانا اور اس سے خبر دینا صحیح ہے، کب؟ جب اس سے مخاطب کو کوئی فائدہ ہو رہا ہو۔

اور اگر فائدہ نہیں ہو رہا تو پھر نکرہ سے خبر دینا بھی صحیح نہیں۔ مثلاً آپ کسی کو کہتے ہیں رَجُلٌ قَامَ کوئی آدمی کھڑا ہے، رَجُلٌ نکرہ ہے بتدا بنایا اور خبر کیا دی قَامَ کوئی آدمی کھڑا ہے۔ بھئی اس خبر دینے کا تو کوئی فائدہ نہیں ہوا، اتنا تو ہر ایک کو پتہ ہے کہ دنیا میں کوئی نہ کوئی آدمی کھڑا ہو گا۔ تو رَجُلٌ قَامَ کہنے کا کوئی فائدہ ہوا سننے والے کو؟ نہیں، لہٰذا رَجُلٌ قَامَ کے ذریعے خبر دینا صحیح نہیں۔ ہاں بعض اوقات یہ خبر دینا صحیح جب اس کو فائدہ حاصل ہو۔ مثلاً آپ کے ساتھی نے آپ سے کہا کہ مثلاً دیکھو مہمان آ گئے ہیں یا نہیں، آپ باہر نکلے اور آپ نے دیکھ کر کیا کہا؟ جی، آپ نے کہا رَجُلٌ قَامَ ایک آدمی کھڑا ہے۔ دیکھا اب اس کا اس کو فائدہ ہوا۔ اس کے خیال میں تو وہاں کوئی بھی نہیں ہو گا لیکن آپ نے کیا خبر دے دی اس کو؟ اب اس کا کیا معنی؟ پوری دنیا میں کوئی آدمی کھڑا ہے یا اس جگہ پر کوئی آدمی کھڑا ہے؟ اور اس بات کا اس کو پہلے پتہ تھا؟ پتہ نہیں تھا، لہٰذا آپ کا خبر دینا صحیح۔ یہ ویسے مثال کے طور پر میں نے سمجھایا، مطلب یہ ہے کہ نکرہ کے ذریعے جب کسی کو خبر دی جائے تو فائدہ کوئی نہیں ہوتا، لیکن اگر فائدہ ہو رہا ہو پھر نکرہ کو بتدا بنانا اور اس کے ذریعے خبر دینا صحیح ہے۔ تو رَجُلٌ قَامَ جب آپ کسی سے کہیں گے تو بھئی اس کا تو معنی ہے کہ کوئی آدمی کھڑا ہے اور دنیا میں کوئی نہ کوئی آدمی تو کھڑا ہی ہے، ہر ایک کو پتہ ہے کوئی نہ کوئی آدمی کھڑا ہو گا بلکہ سینکڑوں ہزاروں کھڑے ہوں گے، تو رَجُلٌ قَامَ کہنے کا کوئی فائدہ نہیں، کوئی نئی بات اس کو معلوم نہیں ہوئی، لہٰذا یہ کہنا صحیح نہیں۔

لیکن اگر فائدہ ہے کوئی نئی بات اس کو معلوم ہو رہی ہے تو پھر نکرہ کو بتدا بنانا صحیح ہے۔ جیسے دیکھو آپ دیکھتے ہیں آسمان پر کبھی کوئی ستارہ ٹوٹتا ہے، ایک دم ایک لکیر سی روشنی کی بنتی ہے ایک جلتی ہوئی لکیر نظر آتی ہے اور پھر ختم ہو جاتا ہے، اس کو کیا کہتے ہیں؟ ستارہ ٹوٹنا کہ ایک ستارہ ابھی ٹوٹ گیا۔ تو اب مثلاً آپ ایک شخص سے کہتے ہیں كَوْكَبٌ انْقَضَّ السَّاعَةَ۔ كَوْكَبٌ ستارہ، انْقَضَّ يَنْقَضُّ کے معنی ٹوٹنا، السَّاعَةَ ابھی۔ آپ کسی جگہ کھڑے ہیں اور وہاں آپ کی اچانک آسمان پر نظر پڑی اور ایک ستارہ آپ کو ایک دم ٹوٹتا ہوا نظر آیا، تو آپ فوراً اپنے ساتھی کو کہتے ہیں كَوْكَبٌ انْقَضَّ السَّاعَةَ ابھی ایک ستارہ ٹوٹ گیا۔ وہ بھی فوراً اوپر کی طرف دیکھیں گے، دیکھیں گے یا نہیں؟ کیوں؟ کیونکہ ایک نئی بات ان کو معلوم ہوئی جو اس سے پہلے ان کے علم میں نہیں تھی، ان کی تو آسمان کی طرف توجہ ہی نہیں تھی۔ تو اب دیکھو كَوْكَبٌ نکرہ آپ لائے اور آپ نے اس نکرہ کو بتدا بنایا كَوْكَبٌ انْقَضَّ السَّاعَةَ ابھی ایک ستارہ ٹوٹ گیا، لیکن فائدہ ہوا یا نہیں؟ ایک نئی یا ایک انوکھی بات سننے والے کو معلوم ہوئی اور وہ فوراً متوجہ بھی ہو گیا اس کی طرف بھئی۔

تو لہٰذا حاصلِ کلام کیا؟ وہ بعض محققین فرماتے ہیں کہ نکرہ کو بتدا بنانے کے لیے اس میں تخصیص ضروری نہیں ہے، بلکہ جہاں پر بھی نکرہ کے ذریعے خبر دینے میں کوئی فائدہ ہو (فائدے کا کیا معنی؟ یعنی مخاطب کو ایک نئی بات اس سے معلوم ہو) تو پھر تو وہاں نکرہ کے ذریعے خبر دینا صحیح ہے، ورنہ نکرہ کے ذریعے خبر دینا صحیح نہیں۔ تو نکرہ کے ذریعے خبر دینا صحیح پھر آپ کو تخصیص وغیرہ لانے کی کوئی ضرورت نہیں، بس اگر مخاطب کو اس سے فائدہ ہے تو پھر نکرہ کو بتدا بنانا صحیح ہے بھئی۔

تو کہتے ہیں وَقَالَ بَعْضُ الْمُحَقِّقِينَ مِنْهُمْ اور بعض محققین جو ہیں ان نحویوں میں سے انہوں نے فرمایا ہے کہ مَدَارُ صِحَّةِ الْإِخْبَارِ عَنِ النَّكِرَةِ نکرہ سے خبر کے صحیح ہونے کا دارومدار عَلَى الْفَائِدَةِ وہ فائدے پر ہے، لَا عَلَى مَا ذَكَرُوهُ مِنَ التَّخْصِيصَاتِ نہ کہ اس چیز پر وہ جو انہوں نے تخصیصات ذکر کی ہیں ان پر فائدے کا مدار نہیں، وہ تخصیصات الَّتِي يُحْتَاجُ فِي تَوْجِيهَاتِهَا جو محتاج ہیں اپنی توجیحات کے اندر إِلَى هَذِهِ التَّكَلُّفَاتِ الرَّكِيكَةِ الْوَاهِيَةِ۔ الرَّكِيكَة اور الْوَاهِيَة کا ایک معنی، رکیکۃ اور واھیۃ کا معنی ہے کمزور، کمزور، ضعیف بھئی۔ تَكَلُّفَات، تکلّف کہتے ہیں بناوٹی بات یعنی بات بنانا، بات کو بنانا اس میں بناوٹ سے کام لینا۔ کہتے ہیں دیکھو یہ جو تخصیصات آپ نے ذکر کیں ان میں سے دیکھو بعض کے اندر بناوٹ سے کام لینا پڑا، بات کو بنانا پڑا۔ جیسے شَرٌّ أَهَرَّ ذَا نَابٍ دیکھو اس کے اندر کتنی بات بنانی پڑی کہ اصل میں کیا تھا؟ أَهَرَّ شَرٌّ ذَا نَابٍ تھا، پھر شَرٌّ کو کیا کر دیا گیا؟ مقدم کر دیا گیا، دیکھو ایک بات بنانی پڑی۔ اسی طرح فِي الدَّارِ رَجُلٌ کہ اس کے اندر بھی تخصیص کیسے آئی؟ کہ جب فِي الدَّارِ پہلے آیا تو اس کی وجہ سے آگے آنے والے رَجُلٌ میں کیا آگئی؟ تخصیص آگئی، دیکھو ایک بات ویسے ہی بنانی پڑی۔ اسی طرح أَرَجُلٌ فِي الدَّارِ أَمِ امْرَأَةٌ اس کے اندر بھی بات بنانی پڑی کہ متکلم کو چونکہ علم ہے اس لیے تخصیص آگئی۔ تو ان میں سے بعض کے اندر کیا کرنا پڑتا ہے؟ تکلفات سے کام لینا پڑتا ہے، کمزور تکلفات سے کام لینا پڑتا ہے، ان تکلفات سے کام لینے

کی کوئی ضرورت نہیں بلکہ جہاں بھی نکرہ کو بتدا بنانے میں اور اس سے خبر دینے میں کوئی فائدہ ہو تو اس نکرہ کو بغیر تخصیص کے آپ کیا کر سکتے ہیں؟ بتدا بنا سکتے ہیں۔

تو کہتے ہیں نکرہ سے خبر دینے کا مدار فائدے پر ہے لَا عَلَى مَا ذَكَرُوهُ مِنَ التَّخْصِيصَاتِ نہ کہ وہ جو تخصیصات انہوں نے ذکر کی ان پر مدار نہیں ہے، وہ تخصیصات الَّتِي يُحْتَاجُ فِي تَوْجِيهَاتِهَا کہ جو محتاج ہیں اپنی توجیحات کے اندر إِلَى هَذِهِ التَّكَلُّفَاتِ الرَّكِيكَةِ الْوَاهِيَةِ ان کمزور تکلفات کے۔ یہ تخصیصات محتاج ہیں اپنی توجیحات کے اندر ان کمزور تکلفات کے محتاج ہیں۔ توجیہ کہتے ہیں وجہ ذکر کرنا، کیا کہنا؟ تو دیکھا ان کے اندر یہ کمزور تکلفات کے ذریعے ان کی وجہیں بیان کرنا پڑیں کہ یہاں نکرہ کیوں بتدا بن رہا ہے، یہاں کیوں بن رہا ہے، یہاں کیوں بن رہا ہے، تو کمزور تکلفات سے کام لے کر ان کی توجیحات ذکر کرنی پڑیں۔ فَعَلَى هَذَا يَجُوزُ تو اس بنا پر جائز ہے أَنْ يُقَالَ یوں کہا جائے كَوْكَبٌ انْقَضَّ السَّاعَةَ ایک ستارہ ابھی ٹوٹ گیا۔ كَوْكَبٌ انْقَضَّ، كَوْكَبٌ کے آخر میں تنوین ہے نون ہے نونِ ساکن ہے اور انْقَضَّ کے شروع میں ہمزہ وصل ہے وہ گر گیا تو دونوں نون ساکن ہیں، تو اول کو کسرہ دیں گے كَوْكَبٌ انْقَضَّ السَّاعَةَ ابھی ایک ستارہ ٹوٹ گیا، یہ کہنا جائز ہے لِحُصُولِ الْفَائِدَةِ فائدہ حاصل ہونے کی وجہ سے۔ وَلَا يَجُوزُ أَنْ يُقَالَ اور یہ کہنا جائز نہیں ہے رَجُلٌ قَائِمٌ کہ ایک آدمی کھڑا ہے، لِعَدَمِهِ کیونکہ اس کے اندر کوئی فائدے کا حصول نہیں ہے۔

وَهَذَا الْقَوْلُ أَقْرَبُ إِلَى الصَّوَابِ اور یہ والا قول جو ہے درست بات کے زیادہ قریب ہے۔ صاحبِ جامی کیا فرما رہے ہیں؟ کہ یہ والا قول درست بات کے زیادہ قریب ہے، یہ تکلفات سے کام لینے کی کوئی ضرورت نہیں ہے بلکہ بات وہی ہے کہ جہاں نکرہ سے خبر دینے میں کوئی فائدہ ہو تو وہاں نکرہ کو بتدا بنا سکتے ہیں، یہ درست بات کے زیادہ قریب ہے۔ معلوم ہوا وہ جنہوں نے وہ تخصیصات ذکر کیں وہ بھی غلط نہیں ہیں، وہ بھی درست بات کے قریب، لیکن یہ والی بات زیادہ قریب ہے درست کے بھئی۔

یاد رکھو علمائے نحو فرماتے ہیں کہ بہت سی ایسی جگہیں ہیں جہاں پر نکرہ محض بتدا بن سکتا ہے بغیر تخصیص کے۔ ان میں سے ایک مقامِ دعا اور بددعا ہے، دعا اور بددعا کے مقام میں نکرہ بتدا بن سکتا ہے بغیر تخصیص کے، جیسے سَلَامٌ عَلَيْكَ یہ دعا ہے تو اس میں سَلَامٌ عَلَيْكَ یہ سَلَامٌ بتدا بن سکتا ہے اس میں کسی تخصیص کو تلاش کرنے کی ضرورت نہیں۔ یا اسی طرح مقامِ بددعا ہو، مثلاً کوئی شخص کسی سے کہتا ہے وَيْلٌ لَكَ تمہارے لیے ہلاکت ہو، تو یہ وَيْلٌ کیا ہے؟ بددعا، تو یہ بھی بتدا ہے اور یہاں بھی کسی تخصیص کی ضرورت نہیں۔ تو ایک مقامِ دعا اور بددعا ہے وہاں بھی نکرہ محضہ بتدا بن سکتا ہے۔

اسی طرح تعجب کے مقام میں بھی نکرہ محضہ بتدا بن سکتا ہے، عَجَبٌ لِزَيْدٍ زید پر تعجب ہے، تو عَجَبٌ دیکھو بتدا ہے اور نکرہ محضہ ہے، تو تعجب کے مقام میں بھی نکرہ محضہ بتدا بن سکتا ہے۔

اسی طرح اِذَا مفاجاتیہ ہے اس کے بعد بھی نکرہ محضہ بتدا بن سکتا ہے۔ اِذَا مفاجاتیہ جو اچانک کے معنی میں آتا ہے، اس کا معنی کیا ہوتا ہے؟ اچانک۔ خَرَجْتُ فَإِذَا رَجُلٌ مَوْجُودٌ میں نکلا تو اچانک ایک آدمی موجود تھا، تو دیکھو فَإِذَا رَجُلٌ، إِذَا مفاجاتیہ ہے اور اس کے بعد رَجُلٌ نکرہ بتدا بن رہا ہے۔

اور اسی طرح جب ایک چیز کی حقیقت مراد ہو تب بھی نکرہ بتدا بن سکتا ہے، رَجُلٌ خَيْرٌ مِنَ الْمَرْأَةِ مرد بہتر ہے عورت سے، یہاں فرد نہیں مراد حقیقت اور ماہیت اور جنس مراد ہے کہ جنسِ رَجُل جو ہے وہ بہتر ہے کس کے مقابلے میں؟ جنسِ امراۃ کے مقابلے میں، یعنی جنسِ رَجُل کو اللہ نے فضیلت نصیب فرمائی ہے۔ تو یہاں دیکھو رَجُلٌ سے رَجُل کے افراد نہیں مراد بلکہ جنس اور حقیقت مراد ہے۔

تو یہ تین چار جگہیں میں نے ذکر کر دیں ان کو بھی یاد رکھنا کہ علماء فرماتے ہیں کچھ جگہیں ایسی ہیں جہاں نکرہ محض بھی بتدا بن سکتا ہے، جیسے تعجب کا مقام ہے، دعا اور بددعا کا مقام ہے، اِذَا مفاجاتیہ کے بعد ہے، اور اسی طرح جب حقیقت اور جنس مراد ہو افراد مراد نہ ہوں، تو ان جگہوں کے اندر بھی نکرہ محض بتدا بن سکتا ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ چلیے بس بھئی، هَذَا هُوَ الْمَرَامُ وَاللّٰهُ أَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْكَلَامِ.

سبق نمبر ۹۸: المبتدا والخبر (٦): خبر کا جملہ واقع ہونا اور رابط کی ضرورت

شرحِ ملا جامی صفحہ: ۷۲ — بتاریخ: ۱۰ نومبر ۲۰۲۱ء

▪ تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث

دیکھیے بھئی آگے سبق:

وَلَمَّا كَانَ الْخَبَرُ الْمُعَرَّفُ فِيمَا سَبَقَ مُخْتَصًّا بِالْمُفْرَدِ لِكَوْنِهِ قِسْمًا مِنَ الْاِسْمِ، فَلَمْ يَكُنِ الْجُمْلَةُ دَاخِلَةً فِيهِ، أَرَادَ أَنْ يُشِيرَ إِلَى أَنَّ خَبَرَ الْمُبْتَدَأِ قَدْ يَقَعُ جُمْلَةً أَيْضًا، فَقَالَ: وَالْخَبَرُ قَدْ يَكُونُ جُمْلَةً اِسْمِيَّةً مِثْلُ زَيْدٌ أَبُوهُ قَائِمٌ وَفِعْلِيَّةً مِثْلُ زَيْدٌ قَامَ أَبُوهُ، وَلَمْ يَذْكُرِ الظَّرْفِيَّةَ لِأَنَّهَا رَاجِعَةٌ إِلَى الْفِعْلِيَّةِ.

مبتدا خبر کی بحث ہم پڑھ رہے ہیں بھئی، اور گزشتہ سبق میں صاحبِ کافیہ نے آپ کو بتلایا تھا کہ مبتدا کبھی کبھار نکرہ بھی ہوتا ہے۔ لیکن ہر نکرہ مبتدا نہیں بنتا بلکہ وہ نکرہ جس کے اندر تخصیص آجائے، وہ مبتدا بن سکتا ہے کیونکہ تخصیص کی وجہ سے اس کے اندر اشتراک قلیل ہوا اور وہ معرفہ کے قریب ہو گیا، اور قریب الی الشیء فی حکم الشیء ہوتی ہے، لہٰذا اب اس کا مبتدا بننا صحیح ہے۔ چنانچہ پھر انہوں نے تخصیص کے چھ طریقے ذکر کیے بھئی۔

پہلا طریقہ تھا تخصیص بالصفت بھئی، کہ صفت لا کر نکرہ میں تخصیص پیدا کر دی جائے۔ دوسرا طریقہ جو ہے تخصیص بعلم المتکلم کہلاتا ہے، اور یہ وہاں آتی ہے جہاں ہمزہ استفہام آئے أم متصلہ کے ساتھ۔ اور تیسرا طریقہ ہے تخصیص بالعموم بھئی، اور یہ وہاں آئے گی جہاں نکرہ تحت النفی آئے بھئی۔ تو نکرہ تحت النفی جب واقع ہوگا تو اس کے اندر عموم آجائے گا اور پھر وہ اپنے تمام افراد کو شامل ہو جائے گا، تو گویا وہ تمام افراد کا ایک مجموعہ بن گیا، اور تمام افراد کا مجموعہ یہ تو امرِ واحد ہی ہے بھئی۔ تو لہٰذا یہاں پر احتمالات ختم ہو گئے، ایک ہی مجموعہ ہے وہ سارا ہی مراد ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو یہاں عموم کی وجہ سے تخصیص آگئی بھئی۔

تو اس پر اشکال ہوتا تھا کہ عموم اور تخصیص یہ تو ایک دوسرے کی ضد ہیں بھئی۔ تخصیص کا معنی ہے اشتراک کو کم کرنا اور عموم کا معنی ہے اشتراک کو بڑھا دینا، افراد کا بڑھ جانا، تو یہ تو ایک دوسرے کی ضد ہیں۔ تو بتلایا تھا کہ ہم نے تخصیص

کا معنی کیا تھا کہ دیگر احتمالات کو کم کرنا یا ختم کرنا۔ اور یہاں پر بھی جب نکرہ کے اندر عموم آیا تو دیگر احتمالات بالکل ختم ہو گئے۔ یا دوسرے لفظوں میں یوں کہو کہ ایک ہے نفسِ تخصیص اور ایک ہے کمالِ تخصیص۔ نفسِ تخصیص یہ ہے کہ اشتراک کم ہو جائے اور کمالِ تخصیص یہ ہے کہ احتمالات بالکل ہی ختم ہو جائیں بھئی۔ تو جب نکرہ تحت النفی آئے گا تو تمام افراد مراد ہوں گے، تو یہاں دیکھو تمام احتمالات ختم ہو گئے، وہ سارا مجموعہ مراد ہے بھئی۔

اس کے بعد تیسرا تخصیص کا طریقہ جو تھا وہ تخصیص بالعدول من الجملۃ الفعلیۃ الی الجملۃ الاسمیۃ، کہ جملہ فعلیہ سے عدول کر کے جملہ اسمیہ بنا لینا تخصیص کے لیے بھئی۔ اور اس کی مثال انہوں نے ذکر کی شَرٌّ أَهَرَّ ذَا نَابٍ۔ یہ اصل میں کیا تھا؟ أَهَرَّ شَرٌّ ذَا نَابٍ۔ أَهَرَّ کے اندر هُوَ ضمیر مبدل منہ وہ فاعل ہے أَهَرَّ کے لیے، اور شَرٌّ اس سے بدل ہے بھئی۔ اور بدل جو ہے وہ بھی معنی کے اعتبار سے فاعل ہے بھئی، کیونکہ مبدل منہ اور بدل میں سے بدل مقصود ہوتا ہے۔ تو لہٰذا پھر اس شَرٌّ کو مقدم کر دیا گیا۔ پہلے کیا تھا؟ أَهَرَّ شَرٌّ ذَا نَابٍ، پھر شَرٌّ کو کیا کر دیا گیا؟ مقدم۔ سوال: پہلے أَهَرَّ شَرٌّ ذَا نَابٍ تھا، تو شَرٌّ کو فاعل بنا دیتے، آپ نے أَهَرَّ کے اندر ضمیر نکالی اور پھر اس کو مبدل منہ بنایا اور شَرٌّ کو اس سے بدل؟ تو وجہ یہ کہ اگر شَرٌّ کو ہم فاعل بناتے کہ یہ فاعل تھا، تو پھر بھئی فاعل کو تو فعل پر مقدم نہیں کیا جا سکتا۔ فاعلِ لفظی کو فعل پر مقدم نہیں کیا جا سکتا، ہاں فاعلِ معنوی کو فعل پر مقدم کیا جا سکتا ہے، اس لیے کہا کہ یہ پہلے أَهَرَّ شَرٌّ تھا لیکن اس وقت بھی شَرٌّ بدل بن رہا تھا، وہ فاعل نہیں تھا بھئی۔

پھر صاحبِ جامی نے آپ کو بتلایا کہ شَرٌّ أَهَرَّ ذَا نَابٍ یہ مَا أَهَرَّ ذَا نَابٍ إِلَّا شَرٌّ کے معنی میں ہے۔ شَرٌّ أَهَرَّ ذَا نَابٍ کس معنی میں ہے؟ مَا أَهَرَّ ذَا نَابٍ إِلَّا شَرٌّ کے معنی میں ہے۔ اور یعنی جیسے وہ تخصیص کے موقع پر استعمال ہوتا ہے اسی طرح یہ شَرٌّ أَهَرَّ ذَا نَابٍ یہ بھی تخصیص کے موقع پر استعمال ہوتا ہے۔ تو شَرٌّ جو مؤخر تھا اس کو مقدم کیا گیا، وَتَقْدِيمُ مَا حَقُّهُ التَّأْخِيرُ يُفِيدُ الْحَصْرَ وَالْقَصْرَ وَالتَّخْصِيصَ، تو اس وجہ سے اس کے اندر تخصیص آ گئی۔

تو حاصلِ کلام یہ کہ بھئی یہ جو متن میں آیا شَرٌّ أَهَرَّ ذَا نَابٍ، اس کے اندر بھی اسی طرح تخصیص ہے جیسے تخصیص مَا اور إِلَّا کے ساتھ آتی ہے، یعنی جیسے مَا أَهَرَّ ذَا نَابٍ إِلَّا شَرٌّ کے اندر تخصیص ہے۔ مَا أَهَرَّ ذَا نَابٍ إِلَّا شَرٌّ کے اندر جس طرح تخصیص ہے اور یہ تخصیص کے موقع پر استعمال ہوتا ہے، اسی طرح شَرٌّ أَهَرَّ ذَا نَابٍ کے اندر بھی تخصیص ہے اور یہ تخصیص کے موقع پر استعمال ہوتا ہے۔ اور مَا أَهَرَّ ذَا نَابٍ إِلَّا شَرٌّ اس کے اندر تو شَرٌّ فاعل واقع ہو رہا ہے۔ مَا أَهَرَّ ذَا نَابٍ إِلَّا شَرٌّ کے اندر تو شَرٌّ فاعل واقع ہو رہا ہے۔ تو جیسے اس جملے کے اندر فاعل یعنی شَرٌّ نے تخصیص حاصل کر لی، اسی طرح شَرٌّ أَهَرَّ ذَا نَابٍ کے اندر بھی یہ جو شَرٌّ جس کو مقدم کیا گیا، اس نے بھی اس فاعل کی طرح تخصیص حاصل کر لی۔ اس نے بھی اس فاعل یعنی شَرٌّ کی طرح تخصیص حاصل... بات سمجھ میں آ گئی؟ کہ جس طرح مَا أَهَرَّ ذَا نَابٍ إِلَّا شَرٌّ کے اندر شَرٌّ فاعل ہے اور اس میں تخصیص ہے، اسی طرح شَرٌّ أَهَرَّ ذَا نَابٍ کے اندر جو شَرٌّ ہے اس میں بھی تخصیص ہے۔ تو اس کے اندر تخصیص آ گئی

جس طرح فاعل کے اندر تخصیص آتی ہے، کیونکہ یہ اس فاعل یعنی شَرٌّ کے مشابہ ہے بھئی۔ کس طرح مشابہ ہے؟ کہ یہ شَرٌّ أَهَرَّ ذَا نَابٍ بھی تخصیص کے موقع پر استعمال ہوتا ہے جس طرح مَا أَهَرَّ ذَا نَابٍ إِلَّا شَرٌّ تخصیص کے موقع پر استعمال ہوتا ہے بھئی۔

پھر اس کے بعد صاحبِ جامی نے یہ بھی بتلایا تھا کہ شَرٌّ أَهَرَّ ذَا نَابٍ کے اندر جو تخصیص ہے وہ دو طرح ہو سکتی ہے۔ کیونکہ کتے کا بھونکنا دو طرح ہو سکتا ہے، ایک نباحِ معتاد ہے اور ایک نباحِ غیرِ معتاد ہے۔ تو جو نباحِ معتاد ہے وہ شر کی وجہ سے بھی ہو سکتا ہے اور خیر کی وجہ سے بھی۔ تو شر کے لیے احرار کا ثبوت ہوا تو خیر سے احرار کی نفی ہو گئی، اور یہی تخصیص ہے کہ مذکور کے لیے اثبات ہو تو غیرِ مذکور سے نفی ہو جائے۔ اور اگر نباحِ غیرِ معتاد مراد لیا جائے، نباح یعنی بھونکنا کتے کا، نباحِ غیرِ معتاد یعنی عادت کے برخلاف کتے کا بھونکنا مراد لیا جائے، وہ تو پھر صرف شر ہی شر کی وجہ سے ہوتا ہے۔ تو پھر اس صورت میں کیسے تخصیص آئے گی؟ کہ مذکور کے لیے اثبات ہو تو غیرِ مذکور سے نفی بھی تو چاہیے۔ تو بتلایا تھا صاحبِ جامی نے کہ اس صورت میں پھر شر کی صفت جو ہے وہ مقدر نکال لیں گے: أَيْ شَرٌّ عَظِيمٌ أَهَرَّ ذَا نَابٍ۔ تو جب شرِ عظیم کے لیے احرار کا ثبوت ہوا تو شرِ حقیر سے احرار کی نفی ہو جائے گی، اور اس طرح اس میں تخصیص آجائے گی۔

اور پھر اس کے بعد اگلی مثال تھی فِي الدَّارِ رَجُلٌ۔ اس کے اندر تخصیص آئی تقدیمِ خبر کی وجہ سے، فِي الدَّارِ رَجُلٌ۔ تو اس میں دیکھو رَجُلٌ نکرہ ہے لیکن بتدا بن رہا ہے، کیونکہ اس کے اندر تخصیص آگئی تقدیمِ خبر کی وجہ سے۔ اور اس کے اندر تخصیص کیسے آئی؟ صاحبِ جامی نے بتلایا کہ جب فِي الدَّارِ کہا گیا تو اس سے پتا چل گیا کہ آگے کوئی ایسی چیز آنے والی ہے کہ جس کا فِي الدَّارِ کے ساتھ موصوف ہونا صحیح ہے۔ اور اسی طرح سَلَامٌ عَلَيْكَ، اس کے اندر متکلم کی طرف نسبت کرنے کی وجہ سے تخصیص آگئی۔ اس لیے کیونکہ یہ اصل میں تھا سَلَّمْتُ سَلَامًا عَلَيْكَ۔ پھر سَلَّمْتُ کو حذف کیا گیا تو سَلَامًا عَلَيْكَ رہ گیا۔ اور یہ سَلَامًا کا نصب بتلا رہا تھا کہ یہاں فعل محذوف ہے یعنی یہ جملہ فعلیہ ہے، اور پھر اس کو بدل دیا گیا جملہ اسمیہ کی طرف۔ کس کی طرف؟ پھر اس کو جملہ اسمیہ کی طرف بدل دیا گیا۔ اس لیے کیونکہ میں نے آپ کو بتلایا کہ جملہ فعلیہ حدوث اور تجدد پر دلالت کرتا ہے یعنی ایک چیز کا ہونا، اور جملہ اسمیہ جو ہے وہ ثبوت پر دلالت کرتا ہے۔ زَيْدٌ قَائِمٌ، اس میں یہ نہیں ذکر کہ زید پہلے کھڑا نہیں تھا اور پھر کھڑا ہوا، نہیں نہیں، بس زَيْدٌ قَائِمٌ اس میں زید کے لیے قیام کا ثبوت ہے، پہلے قیام تھا یا نہیں یہ اس میں ذکر نہیں۔ تو جملہ فعلیہ حدوث اور تجدد پر دلالت کرتا ہے اور جملہ اسمیہ ثبوت پر۔ پھر جملہ فعلیہ کے ساتھ کبھی قرینہ مل جائے تو وہ استمرار پر بھی دلالت کرتا ہے۔ استمرار کا معنی ہے ایک چیز کا بار بار ہونا، مسلسل ہونا، لگاتار ہونا، لیکن اس میں ایک چیز بار بار ہوتی ہے۔ تو جملہ فعلیہ جب اس کے ساتھ کوئی قرینہ مل جائے تو وہ استمرار پر بھی دلالت کرتا ہے، اور جبکہ جملہ اسمیہ وہ تو ثبوت پر دلالت کرتا ہے، اس کے ساتھ جب کوئی قرینہ مل جائے تو پھر وہ دوام پر دلالت کرتا ہے، یعنی ایک چیز دائماً دوسری چیز کے لیے ثابت ہے۔ تو استمرار اور دوام الگ الگ چیزیں ہیں، لیکن یاد رکھو یہ ایک دوسرے کی

جگہ بھی استعمال ہو جاتے ہیں۔ کبھی استمرار بول کر دوام مراد لے لیتے ہیں اور کبھی دوام بول کر استمرار مراد لے لیتے ہیں۔

اور پھر آخر میں صاحبِ جامی نے آپ کو بتلایا کہ بعض محققین فرماتے ہیں کہ نکرہ سے خبر دینے کا دارومدار وہ فائدے پر ہے، ان تخصیصات پر نہیں ہے۔ کیونکہ ان تخصیصات میں سے بعض کے اندر بڑی کمزور توجیہات کرنا پڑتی ہیں بھئی، اس کے بغیر بات بنتی نہیں ہے، جبکہ اصل دارومدار فائدے پر ہے بھئی۔ اگر نکرہ کے ذریعے کسی کو خبر دی جائے اور اس سے اس کو فائدہ حاصل ہوتا ہے تو یہ خبر دینا صحیح ہے۔ نکرہ سے خبر دینے سے فائدہ ہو معنی یہ ہے یعنی اس کو ایک نئی بات کا پتا چلے۔ اگر اس کو نئی بات کا پتا چلتا ہے نکرہ کے ذریعے خبر دینے سے تو نکرہ کے ذریعے خبر دینا صحیح ہے۔ جیسے كَوْكَبٌ انْقَضَّ السَّاعَةَ، ابھی ایک ستارہ ٹوٹ گیا۔ دیکھو آپ ساتھیوں کے سامنے جیسے ہی یہ ذکر کرتے ہیں، وہ بھی فوراً آسمان کی طرف دیکھتے ہیں، کیونکہ اس میں ایک نئی اور انوکھی بات ذکر کی گئی ہے۔ تو كَوْكَبٌ اگرچہ نکرہ ہے لیکن اس کے ذریعے خبر دینا صحیح ہے، کیونکہ اس سے مخاطب کو فائدہ ہوا، ایک نئی بات کا پتا چل گیا۔ اور اگر نکرہ کے ذریعے خبر دینے میں مخاطب کو کوئی فائدہ نہ ہو تو پھر اس کے ذریعے خبر دینا صحیح نہیں۔ جیسے آپ کسی سے کہتے ہیں رَجُلٌ قَائِمٌ۔ رَجُلٌ قَائِمٌ کا کیا معنی؟ کوئی آدمی کھڑا ہے۔ تو اس سے مخاطب کو کوئی نیا فائدہ حاصل نہیں ہوا، کیونکہ یہ تو ہر ایک جانتا ہے کہ دنیا میں کوئی نہ کوئی آدمی کھڑا ہوگا، بلکہ ایک کیا سینکڑوں ہزاروں کھڑے ہوں گے بھئی۔ بات سمجھ میں آرہی ہے؟

اب آئیے آج کے سبق پر۔ کہتے ہیں: وَلَمَّا كَانَ الْخَبَرُ الْمُعَرَّفُ فِيمَا سَبَقَ مُخْتَصًّا بِالْمُفْرَدِ لِكَوْنِهِ قِسْمًا مِنَ الْاِسْمِ، فَلَمْ يَكُنِ الْجُمْلَةُ دَاخِلَةً فِيهِ، أَرَادَ أَنْ يُشِيرَ إِلَى أَنَّ خَبَرَ الْمُبْتَدَأِ قَدْ يَقَعُ جُمْلَةً أَيْضًا. بھئی یہ تمہید ہے آگے آنے والے متن کے لیے۔ وَلَمَّا كَانَ الْخَبَرُ الْمُعَرَّفُ فِيمَا سَبَقَ مُخْتَصًّا بِالْمُفْرَدِ، یہ صاحبِ جامی تمہید باندھ رہے ہیں آگے آنے والے متن کے لیے۔ بھئی پہلے ذرا متن متن دیکھ لیجیے۔ کہتے ہیں: وَالْخَبَرُ قَدْ يَكُونُ جُمْلَةً مِثْلُ زَيْدٌ أَبُوهُ قَائِمٌ، وَزَيْدٌ قَامَ أَبُوهُ، فَلَا بُدَّ مِنْ عَائِدٍ، وَقَدْ يُحْذَفُ، وَمَا وَقَعَ ظَرْفًا فَالْأَكْثَرُ أَنَّهُ مُقَدَّرٌ بِجُمْلَةٍ.

بھئی یہاں سے صاحبِ کافیہ آپ کو بتلا رہے ہیں کہ خبر کبھی کبھار جملہ بھی ہوتی ہے بھئی، جملہ۔ اور پھر یاد رکھو یہ جو جملہ ہے یہ مستقل ہے، کسی چیز سے جڑنے کا محتاج نہیں۔ لیکن آپ پورا جملہ اس کو خبر بنانا چاہتے ہیں اور اس کو مبتدا کے ساتھ جوڑنا چاہتے ہیں تو درمیان میں ربط ضروری ہے، اور وہ چیز جو ربط دے اس کو عائد کہتے ہیں۔ توجہ ہے؟ خبر کبھی کبھار جملہ واقع ہوتی ہے، وہ جملہ اسمیہ بھی ہو سکتی ہے اور جملہ فعلیہ بھی۔ اور جملہ تو مستقل ہے، اس میں تو بات پوری ہوتی ہے، وہ تو کسی سے جڑنے کا محتاج نہیں، لیکن آپ اس کو مبتدا کے ساتھ جوڑنا چاہتے ہیں تو درمیان میں ربط ضروری ہے، اور وہ چیز جو ربط دے اس کو عائد کہتے ہیں۔ اور کبھی کبھار اس عائد کو حذف بھی کر لیا جاتا ہے۔

دیکھیے بھئی! کہتے ہیں وَالْخَبَرُ قَدْ يَكُونُ جُمْلَةً اور خبر کبھی کبھار جملہ ہوتی ہے۔ مِثْلُ زَيْدٌ أَبُوهُ قَائِمٌ جیسے زَيْدٌ أَبُوهُ قَائِمٌ۔

اس کے اندر دیکھو یہ زَیْدٌ یہ ہے بتدائے اول بھئی، اور أَبُوہُ قَائِمٌ، یہ أَبُوہُ ہے بتدائے ثانی، اور یہ قَائِمٌ خبر ہے بتدائے ثانی کی۔ یعنی یہ خبر ہے أَبُوہُ کی۔ اور أَبُوہُ بتدائے ثانی اپنی خبر سے مل کر جملہ اسمیہ ہو کر یہ خبر بنے گا کس کے لیے؟ زید کے لیے۔ تو دیکھو پورا جملہ اسمیہ خبر بن رہا ہے بتدا کے لیے۔ جی، ترکیب اس کی سنیں بھئی: زَیْدٌ مرفوع لفظاً بتدائے اول۔ توجہ ہے؟ أَبُوہُ، أَبُو مرفوع لفظاً مضاف۔ مرفوع کیوں؟ کیونکہ یہ بھی بتدا ہے بھئی، اور مضاف ہے بھئی، اور ھَا ضمیر مجرور محلاً مضاف الیہ۔ اور یاد رکھو یہ ھَا ضمیر راجع ہے زید کو، یہ ربط دے رہی ہے۔ یہ ھَا ضمیر کس کو راجع ہے؟ زید کو۔ یہ ربط دے رہی ہے اس پورے جملے کو زید کے ساتھ یعنی بتدا کے ساتھ۔ تو مضاف اپنے مضاف الیہ سے مل کر یہ ہوا بتدائے ثانی۔ اور قَائِمٌ مرفوع لفظاً صیغہ اسمِ فاعل، اسمِ فاعل اس کے اندر ھُوَ ضمیر مرفوع محلاً اس کا فاعل۔ اور وہ ھُوَ ضمیر کس کو راجع؟ أَبُوہُ کو راجع ہے شاباش، کیونکہ یہ قَائِمٌ، أَبُوہُ کی خبر ہے زید کی خبر نہیں بھئی۔ تو قَائِمٌ شبہِ جملہ ہے، اور جس طرح جملے کو کسی چیز سے جوڑنے کے لیے ربط چاہیے اسی طرح شبہِ جملہ کو بھی جوڑنے کے لیے ربط چاہیے۔ تو قَائِمٌ کے اندر ھُوَ ضمیر أَبُوہُ کو راجع، صیغہ اسمِ فاعل اپنے فاعل سے مل کر شبہِ جملہ ہو کر أَبُوہُ کے لیے خبر۔ أَبُوہُ بتدائے ثانی اپنی خبر سے مل کر جملہ اسمیہ ہو کر یہ خبر ہوا زید کے لیے۔ بتدائے اول اپنی خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔

بات سمجھ میں آگئی؟ تو دیکھو زَیْدٌ أَبُوہُ قَائِمٌ، زید ہے بتدا اور أَبُوہُ قَائِمٌ پورا جملہ اسمیہ اس کی خبر بن رہا ہے۔ اور انہوں نے آپ کو بتلایا کہ جملہ جب بھی کسی چیز سے جوڑنا ہو درمیان میں ربط ضروری ہے، تو یہاں پر یہ أَبُوہُ کی ھَا ضمیر زید کے ساتھ ربط دے رہی ہے۔ لہٰذا أَبُوہُ کو اگر ہٹا دیں اور یہاں پر عمرو لے آئیں: زَیْدٌ عَمْرٌو قَائِمٌ، تو ربط ختم ہو جائے گا، لہٰذا عَمْرٌو قَائِمٌ یہ خبر نہیں بن سکتا زَیْدٌ کے لیے۔ تو یہ أَبُوہُ اسی لیے لے کر آئے ہیں ربط دینے کے لیے، اگر اس کی جگہ کوئی اور لفظ لے آتے تو پھر ربط نہیں آنا تھا اور پھر یہ جملہ بتدا کے لیے خبر نہیں بن سکتا تھا۔

اگلی مثال دیکھیے: زَیْدٌ قَامَ أَبُوہُ۔ زَیْدٌ ہے مرفوع لفظاً بتدا۔ اب یہاں بتدائے اول کہنے کی ضرورت نہیں کیونکہ آگے جملہ فعلیہ آرہا ہے۔ توجہ ہے؟ آپ جانتے ہیں ایک ہے جملہ اسمیہ، ایک ہے جملہ فعلیہ۔ جملہ اسمیہ میں بتدا اور خبر آتے ہیں، اور جملہ فعلیہ کے اندر فعل اور فاعل یا نائب فاعل آتے ہیں۔ تو یہاں پر زَیْدٌ ہے بتدا مرفوع لفظاً اور قَامَ فعل۔ أَبُوہُ، اس کے اندر أَبُو مرفوع لفظاً مضاف، ھَا ضمیر مجرور محلاً مضاف الیہ، اور یہ ھَا ضمیر راجع ہے بتدا کو بھئی یعنی زید کو، اور یہ اس کے ساتھ ربط دے رہی ہے۔ تو مضاف اپنے مضاف الیہ سے مل کر یہ فاعل ہوا قَامَ کے لیے۔ اور فعل اپنے فاعل سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر یہ خبر ہوئی زید بتدا کے لیے۔ بتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔ تو دیکھو اس جملے کے اندر زَیْدٌ ہے بتدا اور قَامَ أَبُوہُ یہ پورا جملہ فعلیہ اس کے لیے خبر بن رہا ہے۔ اور جملے کو جب بھی کسی چیز سے جوڑنا ہو درمیان میں ربط ضروری ہے، اور ربط عموماً کس کے ذریعے دیا جاتا ہے؟ غائب کی ضمیر کے ذریعے۔ اسی لیے أَبُوہُ دیکھو اس کے اندر ضمیر لے کر آئے۔ کیونکہ قَامَ کے اندر تو ضمیر نہیں ہے، قَامَ کے لیے تو أَبُوہُ اسمِ ظاہر فاعل آگیا، لیکن ضمیر یا یوں کہیں ربط تو

ضرور چاہیے تھا، تو اس لیے أَبُوهُ لائے۔ اگر اس أَبُوهُ کی جگہ عَمْرٌو آ جائے: زَيْدٌ قَامَ عَمْرٌو، پھر یہ قَامَ عَمْرٌو زید کے لیے خبر نہیں بن سکتا کیونکہ درمیان میں کوئی ربط نہیں ہے۔

تو معلوم ہوا خبر کبھی کبھار جملہ بھی ہوتی ہے، اور پھر وہ جملہ اسمیہ بھی ہو سکتی ہے اور جملہ فعلیہ بھی ہو سکتی ہے۔ اور پھر ایک اور قیمتی بات یاد رکھنا۔ یاد رکھو وہ جملہ جس کے اندر خبر جو ہے وہ جملہ ہو، تو وہ جملہ جس کے اندر خبر جملہ ہو اس جملے کو کہتے ہیں کبریٰ۔ یہ زَيْدٌ أَبُوهُ قَائِمٌ، تو اس جملے کے اندر دیکھو خبر کیا ہے؟ أَبُوهُ قَائِمٌ۔ تو جس جملے کے اندر خبر پورا جملہ ہو اس جملے کو کہتے ہیں کبریٰ، اور یہ جو خبر ہے أَبُوهُ قَائِمٌ اس کو کہتے ہیں صغریٰ۔ اس کو کیا کہتے ہیں؟ صغریٰ۔ تو دیکھو کبریٰ وہ جملہ ہوتا ہے جس کے اندر خبر جملہ ہوتی ہے اور وہ کیا کہلاتی ہے؟ صغریٰ۔ تو اس کے اندر أَبُوهُ قَائِمٌ یہ ہے صغریٰ، اور زَيْدٌ أَبُوهُ قَائِمٌ یہ سارا جملہ کبریٰ کہلائے گا۔ اسی طرح زَيْدٌ قَامَ أَبُوهُ، یہ پورا جملہ کبریٰ ہے اور اس کے اندر قَامَ أَبُوهُ جو ہے یہ صغریٰ ہے بھئی۔ اور یاد رکھو یہ صرف ابتدا خبر کے اندر ایسا ہے۔ بھئی جملہ تو اور بھی چیزوں سے جڑتا ہے، جملہ کبھی کبھار صفت بھی بنتا ہے، جملہ جو ہے وہ حال بھی بنتا ہے، جملہ جو ہے موصول کا صلہ بھی بنتا ہے، لیکن اس صورت میں پھر صغریٰ اور کبریٰ کی اصطلاح استعمال نہیں ہوتی۔ کسی جملے کو صغریٰ کب کہیں گے؟ جب وہ خبر کی جگہ آئے۔ صفت کی جگہ آئے یا حال کی جگہ آئے یا صلے میں آئے پھر اس کو صغریٰ نہیں کہیں گے۔ تو صغریٰ صرف کس وقت کہیں گے؟ جب وہ خبر کے مقام میں آئے اور ابتدا کے ساتھ جڑ رہا ہو بھئی۔

اور پھر دوسری بات یہ یاد رکھنا: یاد رکھو بعض جملوں کا محلِ اعراب ہوتا ہے اور بعض جملے ایسے ہوتے ہیں جن کا کوئی محلِ اعراب نہیں ہوتا۔ جیسے دیکھو یہ جو مثال آئی زَيْدٌ أَبُوهُ قَائِمٌ، اس کے اندر ابتدا کیا ہے؟ زَيْدٌ۔ اور اس کی خبر کیا ہے؟ أَبُوهُ قَائِمٌ، یہ پورا جملہ اس کی خبر ہے۔ اور خبر کیا ہوتی ہے؟ مرفوع۔ لہٰذا یہ پورا جملہ محلاً مرفوع ہے، کیونکہ جملہ مبنیات میں سے ہے، حتیٰ کہ بعض علماء تو فرماتے ہیں یہ مبنی الاصل ہے۔ تو یہ أَبُوهُ قَائِمٌ محلاً مرفوع ہے کیونکہ خبر ہے اور خبر مرفوع ہوتی ہے۔ اسی طرح زَيْدٌ قَامَ أَبُوهُ، اس کے اندر یہ جو قَامَ أَبُوهُ جملہ فعلیہ ہے یہ محلاً مرفوع ہے کیونکہ خبر ہے۔ تو جملے کے لیے کبھی کبھار محلِ اعراب ہوتا ہے، مثلاً جملہ خبر بنے تو وہ مرفوع ہوگا۔ کبھی کبھار جملہ صفت بنتا ہے اور صفت کا وہی اعراب ہوتا ہے جو موصوف کا ہوتا ہے۔ اسی طرح کبھی کبھار جملہ مضاف الیہ بنتا ہے اور مضاف الیہ مجرور ہوتا ہے۔ اسی طرح کبھی کبھار جملہ مفعول بہ بنتا ہے اور مفعول بہ منصوب ہوتا ہے۔ یہ دیکھو قَالَ کے لیے آگے مقولہ چاہیے، تو یہ جو مقولہ ہوتا ہے یہ مفعول بہ ہوتا ہے قَالَ کے لیے، تو یہ منصوب ہوتا ہے محلاً۔ بات سمجھ میں آ گئی؟ تو بعض جملوں کے لیے کیا ہوتا ہے؟ محلِ اعراب ہوتا ہے۔ اور جبکہ بعض جملے جو ہیں ان کے لیے کوئی محلِ اعراب نہیں ہوتا، تو ان کے لیے کہیں گے لَا مَحَلَّ لَهُ مِنَ الْإِعْرَابِ۔ مثلاً آپ کے سامنے میں ایک جملہ ذکر کرتا ہوں: زَيْدٌ أَبُوهُ قَائِمٌ۔ یہ أَبُوهُ قَائِمٌ تو خبر ہے، یہ تو محلاً مرفوع ہے، لیکن

زَيْدٌ أَبُوهُ قَائِمٌ یہ جو پورا جملہ ہے اس کا کوئی محلِ اعراب نہیں۔ اس کا کوئی محلِ اعراب نہیں۔ ہاں یہ کتاب کے اندر جو آیا نا زَيْدٌ أَبُوهُ قَائِمٌ، اس کا محلِ اعراب ہے کیونکہ اس سے پہلے مِثْلُ کا لفظ آرہا ہے، اور مِثْلُ ہے مضاف اور زَيْدٌ أَبُوهُ قَائِمٌ کیا ہے؟ مضاف الیہ۔ تو ویسے اگر آپ کہیں تو زَيْدٌ أَبُوهُ قَائِمٌ اس کا کوئی محلِ اعراب نہیں ہے۔ بات سمجھ میں... اسی طرح جو موصول کا صلہ ہے اس کا بھی کوئی اعراب نہیں ہوتا بھئی۔ تو بس حاصلِ کلام یہ یاد رکھو: جملے پر اگر کوئی عامل داخل ہو رہا ہے تو پھر اس کا محلِ اعراب ہوگا، اگر کوئی عامل نہیں تو کوئی محلِ اعراب نہیں ہے بھئی، کوئی محلِ اعراب نہیں۔

اور پھر اسی طرح یاد رکھو بعض اوقات ایک جملے کا عطف کیا جاتا ہے دوسرے جملے پر، اور آپ جانتے ہیں معطوف کا وہی حکم ہوتا ہے جو معطوف علیہ کا۔ تو اگر جو معطوف علیہ جملہ ہے اس کے لیے کوئی محلِ اعراب ہے تو معطوف کے لیے بھی وہی محلِ اعراب ہوگا، اور اگر معطوف علیہ جملے کے لیے کوئی محلِ اعراب نہیں تو پھر اس صورت میں معطوف کے لیے بھی کوئی محلِ اعراب نہیں ہوگا بھئی۔

پھر اسی طرح ایک اور بات یاد رکھنا بھئی، یاد رکھنا: جملہ جو ہے ایک جملہ استئنافیہ کہلاتا ہے، ایک جملہ ابتدائیہ اور ایک جملہ استئنافیہ۔ جملہ ابتدائیہ وہ ہے جو بالکل کلام کے آغاز میں آئے، یعنی آپ کوئی بات شروع کرتے ہیں اور شروع میں آغاز میں آپ جملہ لے کر آئیں گے اس کو کیا کہیں گے؟ جملہ ابتدائیہ کہیں گے۔ اور جملہ استئنافیہ اس کو کہتے ہیں جو درمیانِ کلام میں آئے۔ درمیانِ کلام میں جب ایک بات پوری ہو جائے آپ کوئی نئی بات شروع کر دیں جس کا ماقبل سے تعلق نہ ہو، تو اس کو جملہ استئنافیہ کہتے ہیں یا جملہ مستأنفہ کہتے ہیں۔ درمیانِ کلام میں کہیں پر بھی ایک جملہ گزر چکا، بس اب آگے اگلا جملہ دوسرا لانا چاہتے ہیں یا تیسرا چوتھا جو بھی جملہ لا رہے ہیں، لیکن وہ ایسا جملہ ہے جس کا ماقبل سے اعراب وغیرہ کے اعتبار سے کوئی تعلق نہیں ہے، الگ بات شروع کر رہے ہیں، تو اس کو جملہ استئنافیہ کہتے ہیں یا جملہ مستأنفہ کہتے ہیں۔

اسی طرح ایک جملہ اعتراضیہ ہوتا ہے، یا اسی کو جملہ معترضہ بھی کہتے ہیں، جملہ اعتراضیہ یا جملہ معترضہ۔ جملہ معترضہ وہ ہے جو دو ایسی چیزوں کے درمیان آئے جن میں باہم تلازم ہو۔ جملہ معترضہ ایسی دو چیزوں کے درمیان آئے جن میں تلازم ہے، جو ایک دوسرے کی محتاج ہیں۔ مثلاً مبتدا اور خبر ایک دوسرے کے محتاج ہیں، تو مبتدا اور خبر کے بیچ میں کوئی جملہ آجائے تو اس کو جملہ معترضہ کہیں گے۔ مثلاً میں آپ سے کہنا چاہتا ہوں زَيْدٌ عَالِمٌ۔ زَيْدٌ مبتدا عَالِمٌ خبر۔ میں درمیان میں دعا بھی دیتا ہوں: زَيْدٌ رَحِمَهُ اللهُ عَالِمٌ۔ دیکھا؟ اب یہ جو رَحِمَهُ اللهُ درمیان میں میں لے کر آیا کس کے درمیان لایا؟ مبتدا اور خبر کے درمیان۔ اس کا ان سے تعلق تو ہے لیکن ان دو اجزاء کے بیچ میں آگیا، زید کے لیے یہ دعا ہے بھئی۔ تو اس کو جملہ معترضہ کہتے ہیں۔ اسی طرح فعل اور فاعل کے درمیان کوئی جملہ آجائے تو فعل اور فاعل بھی باہم ایک دوسرے کے محتاج ہیں، تو یہ درمیان میں جو جملہ ہے اس کو کیا کہیں گے؟ جملہ معترضہ۔ اسی طرح ذوالحال اور حال کے درمیان کوئی جملہ آجائے تو اس کو بھی کیا کہیں گے؟ جملہ معترضہ۔ اسی طرح قسم اور جوابِ قسم کے درمیان آجائے جملہ تو اس کو بھی

کیا کہیں گے؟ جملہ معترضہ۔ اسی طرح شرط اور جزا کے درمیان کوئی جملہ آجائے اس کو بھی کیا کہیں گے؟ جملہ معترضہ۔ موصوف اور صفت کے درمیان آجائے، اسمِ موصول اور صلے کے درمیان آجائے، اس کو جملہ معترضہ کہیں گے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ جملہ استئنافیہ کسے کہتے ہیں؟ کہ درمیانِ کلام میں کوئی نئی بات شروع کر دی جائے، ماقبل سے الگ بات شروع کر دی جائے، اعراب وغیرہ کے اعتبار سے ماقبل کے ساتھ اس کا تعلق نہ ہو، اس کو جملہ استئنافیہ یا جملہ مستأنفہ کہتے ہیں۔ اور جملہ معترضہ کسے کہتے ہیں؟ جو دو ایسے اجزاء کے درمیان آئے جو باہم ایک دوسرے کے ساتھ لازم ہیں، ایک دوسرے کے محتاج ہیں، جیسے بتدا اور خبر کے درمیان، فعل اور فاعل کے درمیان، قسم جوابِ قسم کے درمیان، شرط اور جزا کے درمیان، ذوالحال اور حال کے درمیان، موصوف صفت کے درمیان، موصول صلے کے درمیان وغیرہ، تو پھر اس کو کیا کہیں گے؟ جملہ معترضہ کہیں گے۔ بات سمجھ میں آگئی؟

تو کہتے ہیں: وَالْخَبَرُ قَدْ يَكُونُ جُمْلَةً مِثْلُ زَيْدٌ أَبُوهُ قَائِمٌ وَزَيْدٌ قَامَ أَبُوهُ، اور خبر کبھی کبھار جملہ ہوتی ہے جیسے زَيْدٌ أَبُوهُ قَائِمٌ اور زَيْدٌ قَامَ أَبُوهُ۔ فَلَا بُدَّ مِنْ عَائِدٍ، تو پھر عائد کا ہونا ضروری ہے۔ جو بھی چیز ربط دے اس کو عائد کہتے ہیں، اور عموماً ربط جو دیا جاتا ہے وہ غائب کی ضمیر کے ذریعے دیا جاتا ہے۔ یاد رکھو جملے کو جس چیز سے بھی جوڑنا ہو درمیان میں ربط ضروری ہے، اور اسی طرح شبہِ جملہ جو ہے اس کا بھی یہی حکم ہے۔ تو جملہ مستقل ہے وہ کسی چیز سے جڑنے کا محتاج نہیں لیکن آپ اس کو کسی چیز سے جوڑنا چاہتے ہیں تو درمیان میں ربط چاہیے۔ اور جملہ کبھی کبھار خبر بنتا ہے، خبر کو بتدا سے جوڑتے ہیں تو اس جملے کے اندر ایک ضمیر چاہیے جو بتدا کی طرف لوٹے۔ اسی طرح کبھی کبھار پورا جملہ صفت بنتا ہے موصوف کے لیے اور صفت کو کس سے جوڑتے ہیں؟ موصوف سے، تو اس جملے کے اندر ایک ضمیر چاہیے جو موصوف کی طرف لوٹے۔ اسی طرح پورا جملہ صلہ بنتا ہے اور صلے کو جوڑتے ہیں اسمِ موصول کے ساتھ، تو اس صلے کے اندر ایک ضمیر چاہیے جو موصول کی طرف لوٹے۔ اسی طرح پورا جملہ کبھی حال بنتا ہے اور حال کو ذوالحال سے جوڑا جاتا ہے، یہ حال اس ذوالحال کی حالت بیان کر رہا ہے، تو ربط ضروری ہے، تو اس کے اندر عموماً کوئی غائب کی ضمیر ہوگی جو اس کی طرف لوٹے۔ اور پھر میں نے آپ کو یہ بھی بتلایا تھا کہ مرجع صرف غائب کی ضمیر کا ہوتا ہے، متکلم اور مخاطب کا مرجع نہیں۔ کیونکہ متکلم جو ہے وہ ہے بات کرنے والا اور مخاطب وہ ہے جس کے ساتھ بات کی جا رہی ہے، تو دونوں آمنے سامنے ہیں۔ متکلم بات کرنے والا اور مخاطب بات کو سننے والا یعنی جس سے بات کی جا رہی ہے، تو دونوں آمنے سامنے ہیں، ان کے اندر کوئی اشتباہ نہیں۔ جبکہ هُوَ ضمیر غائب کی ہے اس میں اشتباہ ہوگا کہ اس سے کیا چیز مراد ہے؟ کوئی انسان مراد ہے، کوئی حیوان مراد ہے، کوئی پہاڑ مراد ہے، کوئی درخت مراد ہے، کیا چیز مراد ہے؟ تو اس کے لیے مرجع چاہیے۔

تو کہتے ہیں جملہ کبھی کبھار خبر بھی ہوتا ہے، فَلَا بُدَّ مِنْ عَائِدٍ تو عائد کا ہونا ضروری ہے، وَقَدْ يُحْذَفُ اور کبھی کبھار جو

ہے عائد کو حذف کر لیا جاتا ہے۔ وَمَا وَقَعَ ظَرْفًا فَالْأَكْثَرُ أَنَّهُ مُقَدَّرٌ بِجُمْلَةٍ، اور وہ خبر جو ظرف واقع ہو تو اکثر نحویوں کے نزدیک وہ مقدر بجملہ ہوگا یعنی مؤول بجملہ ہوگا، یعنی جملے کے ساتھ اس کی تاویل کی جائے گی۔ جملے کے ساتھ اس کی تاویل کی جائے گی۔ دیکھیے بھئی اپنے سامنے ذرا ایک جملہ لکھیے بھئی: زَيْدٌ فِي الدَّارِ، زَيْدٌ فِي الدَّارِ۔ ترکیب سنو: زَيْدٌ مرفوع لفظاً مبتدا، فِي جارہ، الدَّارِ مجرور لفظاً۔ جار مجرور مل کر متعلق کس سے ہوں گے؟ ثَابِتٌ یا ثَبَتَ سے۔ میں نے آپ کو بتلایا تھا کہ جار مجرور جب بھی کلام میں آجائیں وہ آٹھ چیزوں میں سے کسی ایک سے ضرور متعلق ہوں گے۔ یا تو وہ متعلق ہوں گے فعل سے، یا مصدر سے، یا اسمِ فاعل، یا اسمِ مفعول، یا صفتِ مشبہ، یا اسمِ تفضیل، یا مبالغے کے صیغے، یا اسمِ فعل کے ساتھ۔ تو ان آٹھ چیزوں میں سے کسی ایک سے متعلق ہوں گے۔ اگر عبارت میں ان میں سے کوئی مذکور ہو اور وہ جار مجرور اس سے جڑ سکتے ہوں تو اسی سے جوڑ دیں گے۔ اور اگر عبارت میں ان آٹھ میں سے کوئی بھی نہ ہو یا موجود تو ہیں لیکن ان کے ساتھ یہ جڑ نہیں سکتا تو پھر اس کے لیے محذوف نکالیں گے۔ اور جار مجرور کا متعلق اگر عبارت میں ذکر ہو تو ان کو ظرفِ لغو کہتے ہیں، اور اگر جار مجرور کا متعلق جو ہے محذوف ہو تو پھر اس کو ظرفِ مستقر کہتے ہیں۔

تو دیکھو زَيْدٌ فِي الدَّارِ۔ یہ فِي الدَّارِ جار مجرور ہے اور اس جار مجرور کو بھی مجازاً ظرف کہتے ہیں۔ تو اس کے لیے متعلق چاہیے، اور یہاں پر ان آٹھ چیزوں میں سے کوئی بھی چیز نہیں ہے، تو پھر اس کے لیے کیا نکالیں گے؟ ثَبَتَ یا ثَابِتٌ۔ یعنی افعالِ عامہ سے نکالیں گے کوئی فعل یا صفت کا صیغہ۔ افعالِ عامہ کون کون سے ہیں؟ کون، ثبوت، وجود، حصول۔ اور بھی ہیں لیکن زیادہ مشہور یہ ہیں: کون، ثبوت، وجود، حصول۔ ان سب کا معنی ہے ہونا، ہونا۔ پھر یہ افعالِ عامہ سے فعل بھی نکال سکتے ہیں اور صفت کا صیغہ بھی۔ فعل جیسے ثَبَتَ، كَانَ، حَصَلَ، یا وُجِدَ۔ اور صفت کا صیغہ بھی نکال سکتے ہیں: كَائِنٌ، ثَابِتٌ، حَاصِلٌ، یا مَوْجُودٌ۔ میں نے آپ کو بتایا تھا کہ کون، ثبوت اور حصول ان سے صفت کا صیغہ نکالنا ہے تو اسمِ فاعل نکالیں، اور فعل کا صیغہ نکالنا ہے تو فعلِ معروف نکالیں۔ کون سے كَائِنٌ یا كَانَ، ثبوت سے ثَابِتٌ یا ثَبَتَ، حصول سے حَاصِلٌ یا حَصَلَ۔ اور وجود سے اگر صفت کا صیغہ نکالنا چاہتے ہیں تو اسمِ مفعول نکالیں یعنی مَوْجُودٌ، اور اگر آپ اس سے فعل نکالنا چاہتے ہیں تو فعلِ مجہول نکالیں یعنی وُجِدَ بھئی۔

تو یہاں کیا آیا؟ زَيْدٌ فِي الدَّارِ۔ جار مجرور مل کر متعلق کس سے؟ ثَابِتٌ سے۔ توجہ ہے؟ ثَابِتٌ۔ ثَابِتٌ مرفوع لفظاً صیغہ اسمِ فاعل، اس کے اندر هُوَ ضمیر مرفوع محلاً اس کا فاعل۔ تو اسمِ فاعل اپنے فاعل اور متعلق جو ہے یعنی فِي الدَّارِ، اس سے مل کر شبہِ جملہ ہو کر یہ خبر ہوئی مبتدا کے لیے۔ اور اس میں ربط رہ گیا بھئی، ربط بڑا ضروری ہے، ربط کے بغیر نہ جملہ کسی چیز سے جڑے گا اور نہ شبہِ جملہ۔ تو ربط دیں بھئی۔ ثَابِتٌ شاباش، ثَابِتٌ کے اندر هُوَ ضمیر مرفوع محلاً اس کا فاعل ہے جو زید یعنی مبتدا کی طرف لوٹ رہی ہے۔ تو اسمِ فاعل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر شبہِ جملہ ہو کر خبر، مبتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔ زَيْدٌ فِي الدَّارِ، أَيْ زَيْدٌ ثَابِتٌ فِي الدَّارِ۔ تو خبر کو کیا بنایا آپ نے؟ شبہِ جملہ۔ اور آپ چاہیں تو ثَبَتَ بھی نکال سکتے ہیں، اور

پھر باقی ترکیب اسی طرح ہوگی: ثَبَتَ فعل، اس کے اندر هُوَ ضمیر مرفوع محلاً اس کا فاعل جو کس کو راجع؟ زید کو۔ ثَبَتَ فعل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر یہ خبر ہوئی بتدا کے لیے، بتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔ تو ثَابِتٌ نکالیں گے تو یہ شبہِ جملہ بنے گا، ثَبَتَ نکالیں گے تو یہ جملہ فعلیہ ہو کر خبر بنے گا۔

تو یاد رکھو، یاد رکھو بصرہ کے اکثر نحوی فرماتے ہیں کہ ثَبَتَ فعل نکالنا بہتر ہے، ثَبَتَ فعل نکالیں گے۔ اور جبکہ کوفہ کے نحوی فرماتے ہیں کہ ثَابِتٌ یہاں نکالیں گے۔ توجہ ہے؟ تو آپ کے لیے دونوں جائز ہیں، ثَبَتَ بھی نکال سکتے ہیں اور ثَابِتٌ۔ البتہ بصرہ والے اکثر نحوی فرماتے ہیں کہ ثَبَتَ نکالیں گے، ثَبَتَ اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر جملہ بنے گا بھئی، تو یہ فِي الدَّارِ کس تاویل میں ہو جائے گا؟ جملے کی تاویل میں۔ توجہ ہے؟ فِي الدَّارِ کے لیے کیا نکالیں گے؟ ثَبَتَ، اور ثَبَتَ فعل ہے یہ اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر کیا بنے گا؟ جملہ فعلیہ ہو کر یہ خبر بنے گا بتدا کے لیے۔ تو بصرہ کے نحوی فرماتے ہیں کہ یہ جو فِي الدَّارِ تھا اس کی تاویل جملے کے ساتھ کی جائے گی، یعنی فعل کو وہاں مقدر مانا جائے گا، صفت کے صیغے کو مقدر نہیں مانیں گے کیونکہ صفت کا صیغہ ثَابِتٌ وغیرہ جو ہے وہ تو جملہ نہیں بنتا وہ تو شبہِ جملہ بنتا ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو بصرہ والے کیا کہتے ہیں کہ فعل کے ساتھ اس کی تاویل کی جائے گی، کیونکہ عمل کے اندر اصل فعل ہے۔ اس فِي الدَّارِ نے متعلق ہونا ہے تو ثَبَتَ سے اس کو جوڑو کیونکہ ثَبَتَ فعل ہے اور عمل کے اندر اصل فعل ہے، تو جب مقدر ہی نکالنا ہے تو جو عمل کے اندر اصل ہے اس کو مقدر نکالنا بہتر ہے۔ جبکہ کوفہ والے کہتے ہیں کہ نہیں، صفت کا صیغہ مقدر نکالیں گے یعنی یہ جو ظرف ہے فِي الدَّارِ اس کے لیے ثَابِتٌ نکالیں گے۔ وجہ یہ، وجہ یہ کہ یہ خبر ہے اور خبر کے اندر اصل یہ ہے کہ وہ مفرد ہونی چاہیے، جملہ نہیں بلکہ مفرد ہونی چاہیے بھئی۔ تو زَيْدٌ فِي الدَّارِ، تو اس کے اندر جو فِي الدَّارِ آیا بصرہ والے کیا فرماتے ہیں؟ کہ اس کی تاویل جملہ کے ساتھ کی جائے گی یعنی اس کے لیے فعل مقدر نکالیں گے کیونکہ فعل عمل کے اندر اصل ہے۔ اور کوفہ والے کیا فرماتے ہیں کہ زَيْدٌ فِي الدَّارِ کے اندر جو فِي الدَّارِ ہے اس کی تاویل مفرد کے ساتھ کی جائے گی یعنی اس کے لیے صفت کا صیغہ مقدر نکالیں گے، اس لیے کیونکہ خبر کے اندر اصل مفرد ہونا ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟

تو کہتے ہیں وَمَا وَقَعَ ظَرْفًا اور وہ خبر جو واقع ہو ظَرْفًا اس حال میں کہ وہ ظرف ہو۔ توجہ ہے؟ توجہ سے سنو، وَمَا وَقَعَ ظَرْفًا اور وہ خبر جو واقع ہو ظَرْفًا اس حال میں کہ وہ ظرف ہو۔ یہ حال ہے اور یاد رکھو حال کا ترجمہ بامحاورہ آپ کرنا چاہتے ہیں، اردو میں تو اس طرح استعمال نہیں ہوتا وَمَا وَقَعَ ظَرْفًا اس حال میں کہ وہ کیا ہو ظرف ہو، تو بامحاورہ ترجمہ کرنا چاہیں تو وہ جو حال ہو اس کو جملے کے اندر ہی لے جایا کریں۔ تو اس کا ترجمہ یوں کریں گے: وَمَا وَقَعَ ظَرْفًا اور وہ خبر جو ظرف ہو کر واقع ہو، وہ خبر جو ظرف ہو کر واقع ہو۔ دوسری مثال کر لیں: جَاءَنِي زَيْدٌ رَاكِبًا، جَاءَنِي زَيْدٌ رَاكِبًا یہ رَاكِبًا حال ہے۔ آیا میرے پاس زید اس حال میں کہ وہ سوار تھا۔ لیکن بامحاورہ ترجمہ یہ نہیں، اردو میں اس طرح نہیں استعمال ہوتا میرے پاس زید آیا اس حال میں کہ وہ سوار تھا، بلکہ وہ جو حال ہے اس کو جملے کے اندر لے جاتے ہیں: میرے پاس زید سوار ہو کر آیا، میرے پاس زید سوار ہو کر آیا۔ دیکھو کتنا بہترین ترجمہ ہو گیا۔ تو کہتے ہیں وَمَا وَقَعَ ظَرْفًا اور وہ خبر جو ظرف ہو کر واقع

ہو فَالْأَكْثَرُ أَنَّهُ مُقَدَّرٌ بِجُمْلَةٍ تو اکثر نحویوں کے نزدیک وہ خبر جو ہے وہ مقدر ہوگی یعنی مؤول ہوگی بِجُمْلَةٍ کس کے ساتھ؟ جملے کے ساتھ یعنی اس کی تاویل جملے کے ساتھ کی جائے گی یعنی اس کے لیے فعل مقدر نکالیں گے۔ بات سمجھ میں آگئی؟

اب آئیے آج کے سبق پر۔ کہتے ہیں: وَلَمَّا كَانَ الْخَبَرُ الْمُعَرَّفُ فِيمَا سَبَقَ مُخْتَصًّا بِالْمُفْرَدِ لِكَوْنِهِ قِسْمًا مِنَ الْاِسْمِ، فَلَمْ يَكُنِ الْجُمْلَةُ دَاخِلَةً فِيهِ، أَرَادَ أَنْ يُشِيرَ إِلَى أَنَّ خَبَرَ الْمُبْتَدَأِ قَدْ يَقَعُ جُمْلَةً أَيْضًا. بھئی یہ آگے آنے والے متن کے لیے تمہید باندھ رہے ہیں شارحِ جامی۔ آگے متن میں آیا وَالْخَبَرُ قَدْ يَكُونُ جُمْلَةً، یہ متن آگے آرہا ہے کہ خبر کبھی کبھار جملہ ہوتی ہے، تو صاحبِ جامی اس کے لیے تمہید باندھ رہے ہیں بھئی کہ پیچھے خبر کی جو تعریف ذکر ہوئی تھی کہ خبر وہ اسم ہے جو خالی ہو عوامِلِ لفظیہ سے اور مسندبہ ہو اور مذکورہ صفت سے مغایر ہو یعنی بتدا کی قسمِ ثانی سے مغایر ہو، کہتے ہیں کہ وہ اس خبر کی تعریف تھی جو مفرد ہوتی ہے یعنی جو اسم ہوتی ہے۔ حالانکہ خبر تو کبھی کبھار جملہ بھی آتی ہے، تو اب آگے وہ خبر کی وہ دوسری قسم بتلانا چاہتے ہیں یعنی دوسرے الفاظ میں یوں کہو کہ وہ خبر کی تقسیم کر رہے ہیں یہاں سے کہ خبر کی ایک اور قسم بھی ہے اور وہ خبر ہے جو جملہ ہوتی ہے بھئی۔ اور اس کو وہاں اس لیے ذکر کیا کیونکہ خبر کے اندر مفرد ہونا اصل ہے، تو لہٰذا جب تعریف کی تو اس خبرِ مفرد کی تعریف کی، لیکن کبھی کبھار خبر جملہ بھی ہوتی ہے تو اس کو اب صاحبِ کافیہ ذکر کریں گے بھئی، تو صاحبِ جامی اس کے لیے تمہید باندھ رہے ہیں۔

بھئی یاد رکھو فاعل جو ہے وہ بھی اسم ہوتا ہے، اسی طرح مفعول ما لم یسمَّ فاعلہ وہ بھی اسم ہے، اسی طرح بتدا وہ بھی اسم ہے۔ تو ان کے اندر جب ان کی بات پیچھے ذکر ہوئی تھی مثلاً فاعل کا ذکر آیا تو وہاں صاحبِ جامی نے ذکر کیا تھا کہ فاعل وہ اسم ہے لیکن وہ عام ہے چاہے حقیقتاً اسم ہو چاہے حکماً اسم ہو۔ توجہ ہے؟ اور اسی طرح جب بتدا کی بات آئی تو وہاں بھی ذکر کیا کہ بتدا اسم کا نام ہے لیکن وہ عام ہے چاہے وہ لفظاً بتدا ہو اور چاہے وہ تقدیراً بتدا ہو۔ اور اسی طرح جب خبر کی تعریف آئی تھی اور انہوں نے کہا تھا کہ خبر وہ اسم ہے جو عوامِلِ لفظیہ سے خالی ہو، وہاں میں نے ذکر کیا تھا جب یہ خبر کی تعریف ہم پڑھ رہے تھے کہ اسم ہونا عام ہے کبھی حقیقتاً اسم ہوگا اور کبھی حکماً اسم ہوگا اس لیے کیونکہ خبر ہمیشہ اسم نہیں ہوتی، کبھی کبھار خبر جملہ بھی ہوتی ہے تو اس کو بھی خبر کی تعریف میں داخل کرنا ہے۔ توجہ ہے؟ تو وہاں پر میں نے بتلایا تھا کہ خبر کا اسم ہونا عام ہے چاہے حقیقتاً اسم ہو چاہے حکماً اسم ہو۔ اور حقیقتاً اسم جیسے زَيْدٌ قَائِمٌ، تو دیکھو اس میں قَائِمٌ حقیقتاً اسم ہے اور یہ خبر ہے بھئی۔ اور کبھی کبھار حکماً اسم ہوگا جیسے زَيْدٌ أَبُوهُ قَائِمٌ، زَيْدٌ ہے بتدا اور أَبُوهُ قَائِمٌ پورا جملہ اس کی خبر ہے، اب یہ تو اسم نہیں لیکن یہ بھی اسم کے حکم میں ہے تو یہ حکماً اسم ہے۔ حکماً اسم ہونے کا کیا معنی؟ کہ اس کو مفرد کے ساتھ تعبیر کیا جا سکے، جیسے زَيْدٌ أَبُوهُ قَائِمٌ یہ جو أَبُوهُ قَائِمٌ پوری خبر ہے اس کو قَائِمُ الْأَبِ کے ساتھ

تعبیر کیا جا سکتا ہے، کہ زَيْدٌ قَائِمُ الْأَبِ زید جو ہے وہ قَائِمُ الْأَبِ ہے بھئی۔ اور میں نے یہ بھی بتلایا تھا آپ کے ذہن میں یہ اشکال نہ آئے کہ أَبُوهُ قَائِمٌ کو ہم نے قَائِمُ الْأَبِ سے تعبیر کیا اور قَائِمُ الْأَبِ یہ تو مفرد نہیں ہے، یہ تو مضاف مضاف الیہ ہیں، یہ تو ابھی بھی مرکب ہے، اس کے اندر تو ابھی بھی دو لفظ ہیں۔ میں نے بتلایا تھا کہ زَيْدٌ قَائِمُ الْأَبِ اس کے اندر یہ قَائِمٌ خبر ہے اور الْأَبِ وہ تو مضاف الیہ ہے بھئی، اور خبر قَائِمٌ بن رہی ہے، الْأَبِ خبر نہیں بن رہی۔ تو وہاں میں نے بتلایا تھا کہ خبر کا اسم ہونا عام ہے چاہے وہ حقیقتاً اسم ہو چاہے حکماً اسم ہو، اور حکماً اسم میں کس کو داخل کیا تھا؟ جملے کو، اور حکماً اسم ہونے کا کیا معنی؟ کہ اس کو مفرد کے ساتھ تعبیر کیا جا سکے۔ لیکن صاحبِ جامی کو یہ تقریر پسند نہیں، وہاں انہوں نے اسم ذکر کیا اور اسم سے وہ اسم مراد لیا جو حقیقتاً اسم ہو جو مفرد ہو بھئی۔ اور آگے یہاں اب بتلا رہے ہیں کہ چونکہ وہ جو پیچھے خبر کی تعریف آئی تھی اس کے اندر تو وہ خبر داخل نہیں جو جملہ ہوتی ہے، لہٰذا اب آگے باقاعدہ خبر کی تقسیم کرنے لگے ہیں صاحبِ کافیہ اور بتلا رہے ہیں کہ خبر کبھی کبھار جملہ بھی ہوتی ہے۔

حاصلِ کلام کیا؟ کہ پیچھے خبر کی تعریف کی تھی اور اس میں کیا ذکر کیا کہ خبر وہ اسم ہوتی ہے، حالانکہ خبر تو کبھی کبھار جملہ بھی...

ہوتی ہے۔ جب وہاں اسم کہا تو اس کے اندر وہ خبر داخل نہ ہوئی جو جملہ ہوتی ہے، تو اس کو اب آگے ذکر کر رہے ہیں۔ بات سمجھ میں آگئی۔

تو بہرحال میں نے ذکر کیا کہ بعض شارحین نے اسی اسم میں عموم پیدا کر دیا کہ حقیقتاً ہو چاہے اسم چاہے حکماً ہو، تو جو آپ کو پسند آئے وہ تقریر لے لیں، ہر ایک کا اپنا انداز ہے بھائی۔ تو کہتے ہیں: وَلَمَّا كَانَ الْخَبَرُ الْمُعَرَّفُ فِيمَا سَبَقَ مُخْتَصًّا بِالْمُفْرَدِ اور جب وہ خبر، الْمُعَرَّفُ جس کی تعریف کی گئی۔ میں نے آپ کو بتلایا تھا، مُعَرَّف کسے کہتے ہیں؟ جس چیز کی تعریف کی جائے اس کو کہتے ہیں مُعَرَّف۔ اور آگے جو تعریف کی جائے اس کو تعریف بھی کہتے ہیں اور مُعَرِّف بھی۔ مثلاً: اَلْكَلِمَةُ لَفْظٌ وُضِعَ لِمَعْنًى مُفْرَدٍ تو اس میں کس کی تعریف کی جا رہی ہے؟ کلمہ کی، تو کلمہ ہوا مُعَرَّف، اور آگے لَفْظٌ وُضِعَ لِمَعْنًى مُفْرَدٍ یہ اس کی تعریف ہے یا یوں کہیں یہ مُعَرِّف ہے۔

تو کہتے ہیں: وَلَمَّا كَانَ الْخَبَرُ الْمُعَرَّفُ فِيمَا سَبَقَ کہتے ہیں جب وہ خبر، الْمُعَرَّفُ جس کی تعریف کی گئی فِيمَا سَبَقَ ماقبل کے اندر مُخْتَصًّا بِالْمُفْرَدِ جب وہ خبر خاص تھی مفرد کے ساتھ، یعنی وہ خبر مفرد تھی، کیوں؟ لِكَوْنِهِ قِسْمًا مِنَ الْاِسْمِ اس وجہ سے کہ وہ اسم کی قسم ہے۔ اس خبر میں کیا ذکر کیا تھا؟ کہ خبر وہ اسم ہے جو عوامل لفظیہ سے خالی ہو۔ معلوم ہوا خبر کس کی قسم ہے؟ اسم کی قسم ہے۔ تو کہتے ہیں وہ خبر جو تھی جو ماقبل میں گزری وہ مفرد کے ساتھ خاص ہے لِكَوْنِهِ قِسْمًا مِنَ الْاِسْمِ بوجہ اس کے کہ وہ اسم کی قسم ہے۔ فَلَمْ يَكُنِ الْجُمْلَةُ دَاخِلَةً فِيهِ تو جملہ جو ہے وہ تو اس کے اندر داخل نہیں تھا۔ خبر کی ایک

قسم تو جملہ بھی ہے، وہ اس کے اندر داخل نہیں تھی۔ تو أَرَادَ تو مصنف نے ارادہ کیا أَنْ يُشِيرَ إِلَى أَنَّ خَبَرَ الْمُبْتَدَإِ قَدْ يَقَعُ جُمْلَةً أَيْضًا تو مصنف نے ارادہ کیا کہ وہ اشارہ کرے اس بات کی طرف کہ بتدا کی خبر کبھی کبھار جملہ بھی واقع ہوتی ہے، بتدا کی خبر کبھی کبھار جملہ بھی واقع ہوتی ہے۔

بھائی دیکھیے یہاں صاحبِ جامی نے کیا فرمایا؟ أَرَادَ أَنْ يُشِيرَ کہ صاحبِ کافیہ اس بات کی طرف اشارہ کرنا چاہتے ہیں۔ حالانکہ صاحبِ کافیہ اشارہ نہیں کر رہے وہ تو صراحتاً فرما رہے ہیں۔ اشارہ تو صراحت کے مقابلے میں استعمال ہوتا ہے۔ ایک ہے آپ صاف لفظوں میں ایک بات کریں، تو کہتے ہیں انہوں نے یہ بات صراحتاً ذکر کی ہے۔ اور ایک بات کو صاف لفظوں میں نہ ذکر کرنا، بلکہ ایسا کلام لانا کہ اس دوسری چیز کی طرف بھی اشارہ ہو جائے صرف۔ کیا ہو جائے؟ ایک چیز کی طرف، یعنی ایک چیز ضمناً سمجھ میں آجائے، صاف لفظوں سے سمجھ میں نہ آئے۔ تو ضمناً جو چیز سمجھ میں آرہی ہو اس کلام سے، تو اس وقت کہا جاتا ہے کہ اس چیز کی طرف بھی یہ کلام اشارہ کر رہا ہے، مصنف اس بات کی طرف اشارہ کر رہے ہیں۔ تو اشارہ کس کے مقابلے میں آتا ہے؟ صریح کے مقابلے میں، جو بات صریحاً نہ ہو ضمناً معلوم ہو رہی ہو، اس کے لیے اشارے کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے۔ لیکن یہاں پر وَالْخَبَرُ قَدْ يَكُونُ جُمْلَةً صاحبِ کافیہ تو صراحت کے ساتھ ذکر فرما رہے ہیں کہ کبھی کبھار خبر جو ہے وہ جملہ ہوتی ہے۔ لیکن صاحبِ جامی کیا فرما رہے ہیں؟ أَرَادَ أَنْ يُشِيرَ۔ يُشِيرَ کا لفظ استعمال کر رہے ہیں کہ صاحبِ کافیہ اشارہ کرنا چاہتے ہیں۔ کیا کرنا چاہتے ہیں؟ اشارہ۔ اس سے ایک اور قیمتی بات کا آپ کو پتہ چل گیا کہ بعض اوقات اشارہ کا لفظ صریح پر بھی بولا جاتا ہے۔ ایک بات جو صاف لفظوں میں ذکر کر دی گئی ہو، اس کے لیے بھی کیا کہتے ہیں کہ میں نے اس بات کی طرف اشارہ کر دیا۔ بات سمجھ میں آگئی۔

آگے دیکھیے کہتے ہیں: فَقَالَ وَالْخَبَرُ قَدْ يَكُونُ جُمْلَةً اسْمِيَّةً مِثْلُ زَيْدٌ أَبُوهُ قَائِمٌ وَفِعْلِيَّةً مِثْلُ زَيْدٌ قَامَ أَبُوهُ۔ انہوں نے بتلایا کہ خبر کبھی کبھار جملہ ہوتی ہے، اور صاحبِ کافیہ نے آگے دو مثالیں ذکر کیں۔ ایک مثال کیا؟ زَيْدٌ أَبُوهُ قَائِمٌ۔ یہاں زَيْدٌ ہے بتدا اور أَبُوهُ قَائِمٌ یہ پورا جملہ اسمیہ اس کی خبر ہے۔ اور دوسری مثال دی زَيْدٌ قَامَ أَبُوهُ، اس کے اندر زَيْدٌ بتدا ہے اور قَامَ أَبُوهُ یہ پورا جملہ فعلیہ اس کی خبر ہے بھائی۔ تو کہتے ہیں: وَالْخَبَرُ قَدْ يَكُونُ جُمْلَةً اسْمِيَّةً اور خبر کبھی کبھار جملہ اسمیہ ہوتی ہے مِثْلُ زَيْدٌ أَبُوهُ قَائِمٌ جیسے کہ زَيْدٌ أَبُوهُ قَائِمٌ۔ وَفِعْلِيَّةً اور کبھی کبھار خبر جملہ فعلیہ ہوتی ہے مِثْلُ زَيْدٌ قَامَ أَبُوهُ۔ وَلَمْ يَذْكُرِ الظَّرْفِيَّةَ اور ماتن نے جو ہے جملہ ظرفیہ کو ذکر نہیں فرمایا لِأَنَّهَا رَاجِعَةٌ إِلَى الْفِعْلِيَّةِ کیونکہ وہ لوٹتا ہے جملہ فعلیہ کی طرف۔ کس کی طرف لوٹتا ہے؟ جملہ فعلیہ کی طرف۔ ابھی بھائی آگے متن میں ہم نے حل کیا تھا، کیا حل کیا تھا؟ وَمَا يَقَعُ ظَرْفًا اور وہ خبر جو ظرف ہو کر واقع ہو، فَالْأَكْثَرُ أَنَّهُ مُقَدَّرٌ بِجُمْلَةٍ تو اکثر نحویوں کے نزدیک وہ مقدر یعنی مؤول بالجملہ ہے، جملہ کے ساتھ اس کی تاویل کی جائے گی۔ جیسے میں نے مثال بھی آپ کو لکھوائی: زَيْدٌ فِي الدَّارِ۔ اس فِي الدَّارِ کے لیے ہمیشہ متعلق چاہیے اور وہ آپ

ثَبَتَ بھی نکال سکتے ہیں اور ثَابِتٌ بھی، لیکن اکثر نحویوں کے نزدیک اس کی تاویل جملے کے ساتھ کی جائے گی، یعنی یہاں ثَبَتَ یا اس جیسا کوئی فعل نکالیں گے، کیونکہ فعل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر جملہ بنے گا، جبکہ صفت کا صیغہ اگر ثَابِتٌ نکالیں گے وہ تو شبہ جملہ بنے گا بھائی۔ تو اکثر نحویوں کے نزدیک ظرف جو ہے اس کی تاویل کس کے ساتھ کی جائے گی؟ فعل کے ساتھ، یعنی اس کو جملہ بنایا جائے گا۔ تو کہتے ہیں: وَلَمْ يَذْكُرِ الظَّرْفِيَّةَ اور ماتن نے جملہ ظرفیہ کو ذکر نہیں فرمایا لِأَنَّهَا رَاجِعَةٌ إِلَى الْفِعْلِيَّةِ کیونکہ وہ لوٹتا ہے جملہ فعلیہ کی طرف۔ اس کی تاویل کس کے ساتھ کی جاتی ہے؟ وہاں کیا مقدر نکالتے ہیں؟ فعل۔ اور جب فعل مقدر نکالیں گے تو وہ کیا بنے گا؟ جملہ فعلیہ بن جائے گا۔ تو جملہ ظرفیہ کو اس لیے ذکر نہیں کیا کیونکہ وہ لوٹتا ہے کس کی طرف؟ جملہ فعلیہ کی طرف، یعنی وہ نتیجے کے اعتبار سے جملہ فعلیہ ہی ہے بھائی، اور جملہ فعلیہ کی مثال تو پیچھے یہ ذکر کر چکے ہیں متن میں، اس لیے اس کو ذکر نہیں فرمایا۔

اچھا بھائی یاد رکھو یہاں ترکیب کی کچھ انتہائی قیمتی باتیں، کچھ مثالیں بھی ہم حل کر لیتے ہیں۔ لکھیے بھائی: زَيْدٌ فِي الدَّارِ، زَيْدٌ فِي الدَّارِ۔ اور اس سے تھوڑا سا آگے لکھیں کچھ فاصلہ چھوڑ کر: زَيْدٌ عِنْدَكَ، زَيْدٌ عِنْدَكَ۔

بھائی دیکھیے زَيْدٌ فِي الدَّارِ، اس کی ترکیب تو ہم نے کر لی، زَيْدٌ ہے مبتدا اور فِي الدَّارِ کیا ہے؟ اس کی خبر ہے۔ اور یہ فِي الدَّارِ جار مجرور ہے بھائی، اور آپ نے پڑھا ہے جار مجرور جب بھی کلام میں آئے تو وہ آٹھ چیزوں میں سے کسی ایک سے ضرور متعلق ہو گا۔ یا وہ متعلق ہو گا فعل سے، یا مصدر سے، یا اسمِ فاعل سے، یا اسمِ مفعول سے، یا صفتِ مشبہ سے، یا اسمِ تفضیل سے، یا مبالغہ کے صیغوں سے، یا اسمِ فعل کے ساتھ۔ اور یاد رکھنا یہ جو جار مجرور ہے اس کو مجازاً ظرف کہتے ہیں، یہ حقیقتاً ظرف نہیں اس کو مجازاً ظرف کہتے ہیں، کیونکہ ظرف تو زمانے یا جگہ کو کہتے ہیں، اور یہ فِي الدَّارِ یہ تو نہ زمانے کا نام ہے اور نہ جگہ کا نام، تو اس کو مجازاً ظرف کہتے ہیں۔ جبکہ دوسری طرف وہ لفظ جو حقیقتاً زمانے یا جگہ پر دلالت کرے وہ ہے ظرفِ حقیقی، جیسے: زَيْدٌ عِنْدَكَ، زید آپ کے پاس ہے۔ دیکھو یہ عِنْدَكَ، یہ عِنْدَكَ کا کیا معنی؟ پاس ہے، قریب ہے، اور یہ قریب اور دور ہونا یہ جگہ کے اعتبار سے ہوتا ہے۔ تو یہ ظرفِ حقیقی ہے، اس میں جگہ والا معنی ہے۔ کون سا معنی ہے؟ جگہ والا معنی ہے۔ تو گویا ظرف دو قسم پر ہو گیا، ایک ظرفِ مجازی ہے اور وہ جار مجرور کو کہتے ہیں، اور ایک ظرفِ حقیقی ہے اور وہ اس لفظ کو کہتے ہیں جو زمانے یا جگہ پر دلالت کرے بھائی۔

تو زَيْدٌ فِي الدَّارِ، اس کے اندر فِي الدَّارِ خبر ہے اور یہ ظرفِ مجازی ہے، اور زَيْدٌ عِنْدَكَ اس کے اندر عِنْدَكَ جو ہے یہ ظرفِ حقیقی ہے بھائی۔ اور جیسے ظرفِ مجازی یعنی فِي الدَّارِ کے اندر ضروری تھا کہ یہ آٹھ چیزوں میں سے کسی ایک سے متعلق ہو گا، اور یہ جار مجرور کہلائیں گے مُتَعَلِّق، اور جس سے جڑے ہیں اس کو کہیں گے مُتَعَلَّق بھائی۔ جبکہ زَيْدٌ عِنْدَكَ اس میں جو عِنْدَكَ آیا یہ ظرفِ حقیقی ہے، اور یاد رکھو اس کے لیے بھی ان آٹھ چیزوں میں سے کوئی ایک عامل ضرور چاہیے، کیونکہ

یہ ظرف ہے اور ظرف کو کیا کہتے ہیں؟ مفعول فیہ۔ اور مفعول فیہ منصوب ہوتا ہے، اور نصب تو خود بخود نہیں آتا اس کے لیے تو کوئی عامل چاہیے، تو اس کے لیے بھی ان آٹھ چیزوں میں سے کوئی ایک عامل چاہیے۔ تو اگر عبارت میں وہ عامل موجود ہو پھر تو اچھی بات ہے، اور اگر نہ ہو تو پھر محذوف نکالنا پڑے گا۔ اور پھر اس میں بھی اسی طرح ہے جیسے فِي الدَّارِ کے لیے ثَبَتَ بھی نکال سکتے تھے اور ثَابِتٌ بھی، لیکن صاحبِ کافیہ نے کیا فرمایا کہ اکثر کے نزدیک ثَبَتَ یعنی فعل نکالیں گے بھائی۔ اسی طرح عِنْدَكَ، اس کے لیے بھی آپ ثَبَتَ بھی نکال سکتے ہیں اور ثَابِتٌ بھی نکال سکتے ہیں۔

لیکن پھر فرق یہ ہے کہ فِي الدَّارِ کے لیے لفظ بولتے ہیں یہ مُتَعَلِّق ہے، یہ جو جار مجرور ہے اس کے لیے کیا کہتے ہیں؟ یہ مُتَعَلِّق ہے، اور وہ جو عامل ہے وہ مُتَعَلَّق کہلاتا ہے، وہ اس کے اندر عامل ہے لیکن اس کا نام کیا؟ مُتَعَلَّق، اور یہ جار مجرور کا نام کیا؟ مُتَعَلِّق۔ جبکہ ظرفِ حقیقی میں مُتَعَلِّق اور مُتَعَلَّق کا لفظ نہیں بولتے، ظرفِ حقیقی کو کہیں گے معمول، اور جو اس میں عمل کر رہا ہے اس کو عامل کہیں گے۔ کیا کہیں گے؟ عامل۔ تو زَيْدٌ ثَبَتَ فِي الدَّارِ، فِي الدَّارِ کو کیا کہیں گے؟ مُتَعَلِّق، اور ثَبَتَ کو کیا کہیں گے؟ مُتَعَلَّق۔ اور زَيْدٌ ثَبَتَ عِنْدَكَ، اس میں ثَبَتَ کو کیا کہیں گے؟ عامل، اور عِنْدَكَ یہ ظرف ہے یہ مفعول فیہ ہے بھائی، اور مفعول فیہ منصوب ہوتا ہے۔ یہاں تک بات سمجھ میں آگئی۔

تو حاصلِ کلام یہ کہ ظرف دو قسم پر ہے: ایک ظرفِ حقیقی، ایک ظرفِ مجازی۔ ظرفِ مجازی جار مجرور کو کہتے ہیں، اور ظرفِ حقیقی جس میں زمانے یا جگہ والا معنی ہو۔ اور ظرفِ مجازی کے لیے ان آٹھ چیزوں میں سے کوئی ایک چیز چاہیے جس سے وہ متعلق ہوگا، اسی طرح ظرفِ حقیقی کے لیے بھی ان آٹھ چیزوں میں سے کوئی ایک عامل ضرور چاہیے۔ چاہے ظرفِ حقیقی ہو چاہے مجازی ہو، ان کا عامل اگر عبارت میں ذکر ہو تو اس کو کہیں گے ظرفِ لغو بھائی، لَغْوٌ، لام، غین اور واو، لَغْوٌ۔ اور اگر ان کا عامل جو ہے یا متعلق محذوف ہے، تو پھر اس صورت میں ان کو ظرفِ مستقر کہیں گے۔ کیا کہیں گے؟ ظرفِ مستقر کہیں گے۔

اور پھر میں نے آپ کو یہ بھی بتلایا تھا، ذرا یہ مثال پہ نظر رکھیں: زَيْدٌ فِي الدَّارِ۔ زَيْدٌ مبتدا، فِي جارہ، الدَّارِ مجرور، جار مجرور مل کر متعلق کس سے؟ ثَبَتَ سے۔ ثَبَتَ فعل، اس کے اندر هُوَ ضمیر مرفوع محلاً اس کا فاعل، جو کس کو راجع؟ زید مبتدا کو، کیونکہ خبر کو کس سے جوڑتے ہیں؟ مبتدا سے۔ تو فعل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر یہ خبر ہوئی کس کے لیے؟ زید کے لیے۔ میں نے بتایا تھا یہ طلباء کو سمجھانے کے لیے اس طرح ترکیب کرتے ہیں کہ فِي الدَّارِ کے لیے ثَبَتَ نکالتے ہیں۔ لیکن یاد رکھنا یہاں کوئی ثَبَتَ نہیں، ثَبَتَ جا چکا ہے اور اس کی جگہ فِي الدَّارِ نے پکڑ لی ہے، اس کی جگہ فِي الدَّارِ آچکا ہے، اور اب وہ جو عامل چلا گیا وہ جو متعلق چلا گیا، جو جو عمل وہ کر رہا تھا وہ سارے عمل یہ ظرف کرے گا۔ تو ثَبَتَ کے اندر هُوَ ضمیر تھی، ثَبَتَ اس کو رفع دے رہا تھا، وہ ثَبَتَ تو چلا گیا لیکن وہ ضمیر اس فِي الدَّارِ یا عِنْدَكَ کے اندر چھپ گئی، اور اب اس ضمیر کو یہ فِي الدَّارِ رفع دے رہا ہے یا اس کو اب عِنْدَكَ یہ ظرفِ حقیقی اس کو رفع دے رہا ہے بھائی۔ تو گویا اصل ترکیب

یوں ہے: زَيْدٌ مرفوع لفظاً بتدا، فِي جارہ، الدَّارِ مجرور، جار مجرور مل کر یہ ظرفِ مستقر ہوا اور اس کے اندر هُوَ ضمیر مرفوع محلاً اس کا فاعل، جو کس کو راجع ہے؟ زید کو۔ ظرفِ مستقر اپنے فاعل سے مل کر یہ خبر ہوا زید کے لیے، بتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔

دوسرے جملے کی بھی ترکیب سن لو: زَيْدٌ عِنْدَكَ۔ زَيْدٌ مرفوع لفظاً بتدا، عِنْدَ منصوب لفظاً مضاف، كَ ضمیر مجرور محلاً مضاف الیہ، مضاف مضاف الیہ مل کر یہ ظرفِ مستقر ہوا اور اس کے اندر هُوَ ضمیر مرفوع محلاً اس کا فاعل، اور یہ ضمیر لوٹ رہی ہے زید کی طرف، اس نے ربط دے دیا۔ ظرفِ مستقر اپنے فاعل سے مل کر یہ خبر ہوا بتدا کے لیے، بتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔

تو دیکھو زَيْدٌ فِي الدَّارِ، اس میں زید ہے بتدا اور فِي الدَّارِ ہے خبر، یعنی یہ ظرف ہے۔ آپ چاہیں ان کی جگہ بدل دیں، چاہے یوں کہیں: فِي الدَّارِ زَيْدٌ۔ تو بھی فِي الدَّارِ جار مجرور ہے اور میں نے آپ کو بتلایا تھا جار مجرور جب بھی کلام میں آئے وہ خبر تو بن سکتے ہیں بتدا نہیں۔ تو مثلاً آپ نے فِي الدَّارِ کو مقدم کر دیا، تو مقدم کرنے سے یہ کوئی بتدا نہیں بنے گا، یہ اس کو ہم کہیں گے خبرِ مقدم اور زید اس کے لیے کیا ہے؟ بتدا مؤخر ہے بھائی۔ اسی طرح اگر آپ زَيْدٌ عِنْدَكَ، اس کے اندر اگر آپ اس ظرف کو مقدم کر دیں اور یوں کہیں: عِنْدَكَ زَيْدٌ۔ تو اس صورت میں بھی یاد رکھو یہ عِنْدَكَ یہ ہے خبرِ مقدم اور زَيْدٌ ہے بتدا مؤخر، کیونکہ ظرف بتدا واقع نہیں ہوتا بلکہ وہ خبر بنتا ہے۔

اب یہاں جو آیا صاحبِ جامی نے ذکر کیا جملہ ظرفیہ کے بارے میں۔ جملہ ظرفیہ کسے کہتے ہیں؟ یہ

اچھی طرح سمجھ لیں بھائی۔ یاد رکھو سب سے پہلے ابو علی فارسی رحمہ اللہ جو بہت بڑے نحوی گزرے ہیں، سب سے پہلے جملہ ظرفیہ کو انہوں نے ذکر کیا، اسی طرح جملہ شرطیہ کو بھی انہوں نے ذکر کیا۔ یاد رکھو جملہ کی بنیادی دو بڑی اقسام جو ہیں وہ جملہ اسمیہ اور جملہ فعلیہ ہیں۔ جملہ کی بنیادی اقسام کتنی ہیں؟ دو ہی اقسام ہیں اسمیہ اور فعلیہ۔ جملے کی جو بھی قسم ہو وہ ان دو کے اندر داخل ہو جاتی ہے۔ تو ابو علی فارسی رحمہ اللہ انہوں نے سب سے پہلے جملہ ظرفیہ کو بھی ذکر کیا اور جملہ شرطیہ کو بھی۔ چنانچہ یہ فرماتے ہیں کہ جملہ چار قسم پر ہے: ایک جملہ اسمیہ، ایک جملہ فعلیہ، ایک جملہ ظرفیہ اور ایک جملہ شرطیہ۔ انہوں نے سب سے پہلے ذکر کیا۔ جبکہ بعض علماء فرماتے ہیں کہ جملہ شرطیہ سب سے پہلے علامہ زمخشری نے ذکر کیا ہے بھائی۔ اور یہ علامہ زمخشری یہ مؤخر ہیں ابو علی فارسی سے بھائی۔ ابو علی فارسی رحمہ اللہ کی وفات کے کوئی سو سال بعد علامہ زمخشری کی پیدائش ہوئی ہے بھائی، یہ ان سے مؤخر ہیں بھائی۔ تو بعض کہتے ہیں کہ جملہ شرطیہ سب سے پہلے کس نے ذکر کیا؟ علامہ زمخشری نے ذکر کیا ہے۔

اب جملہ ظرفیہ کہتے کس کو ہیں؟ تو یاد رکھو علامہ زمخشری اور ابو علی فارسی رحمہم اللہ کے نزدیک جملہ ظرفیہ وہ ہے جس کا ایک جز ظرف ہو، جس کا ایک جز ظرف ہو۔ پھر چاہے وہ مقدم ہو یا مؤخر ہو اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ تو ان کے

نزدیک زَيْدٌ فِي الدَّارِ یہ جملہ ظرفیہ ہے، جملہ ظرفیہ۔ زَيْدٌ عِنْدَكَ یہ بھی کیا ہے؟ جملہ ظرفیہ۔ پھر چاہے اس کو مقدم ہی کیوں نہ کر دیں: فِي الدَّارِ زَيْدٌ یہ بھی کیا ہے؟ جملہ ظرفیہ، اور عِنْدَكَ زَيْدٌ یہ بھی کیا ہے؟ جملہ ظرفیہ۔ تو ابو علی فارسی اور علامہ زمخشری کے نزدیک جملہ ظرفیہ کسے کہتے ہیں؟ جو متضمن ہو ظرف کو یعنی جس کا ایک جز ظرف ہو۔ جبکہ ابنِ ہشام رحمہ اللہ، یہ بھی بہت بڑے نحوی گزرے ہیں یہ بھی مؤخر ہیں، انہوں نے جملہ ظرفیہ کی اور تعریف کی ہے بھائی، اور تعریف کی ہے۔ ان کے نزدیک جملہ ظرفیہ اس کے اندر دو چیزیں ضروری ہیں: ایک تو یہ کہ وہ ظرف جملے کے شروع میں آئے، اور نیز وہ ظرف عامل ہو اور کسی چیز پر اس کا اعتماد ہو بھائی۔ مثلاً ایک جملہ لکھیے بھائی اپنے سامنے، لکھیے بھائی: أَفِي الدَّارِ زَيْدٌ۔ ہمزہ استفہام کا ہے شروع میں۔ أَفِي الدَّارِ، أَفِي الدَّارِ زَيْدٌ۔ أَفِي الدَّارِ زَيْدٌ، کیا گھر میں زید ہے؟ تو ابنِ ہشام کے نزدیک اس کی ترکیب یوں ہو گی: ہمزہ استفہام، فِي جارہ، الدَّارِ مجرور، جار مجرور مل کر یہ ہوا ظرف۔ اور زَيْدٌ مرفوع لفظاً یہ ہے اس کا فاعل۔ توجہ ہے؟ فِي الدَّارِ ہم نے کیا ترکیب کی تھی؟ ہم فِي الدَّارِ کو بناتے ہیں خبرِ مقدم اور زید کو بناتے ہیں بتدا مؤخر۔ لیکن ابنِ ہشام فرماتے ہیں کہ یہی فِي الدَّارِ عامل ہے، زَيْدٌ کو یہی رفع دے رہا ہے۔ تو فِي الدَّارِ ہوا ظرف، زَيْدٌ ہوا مرفوع لفظاً اس کے لیے فاعل، ظرف اپنے فاعل سے مل کر جملہ ظرفیہ ہوا۔ دیکھو انہوں نے بالکل الگ ترکیب کر دی۔ علامہ زمخشری اور ابو علی کے نزدیک بھائی یہ فِي الدَّارِ جو ہے یہ خبرِ مقدم ہے اور زید بتدا مؤخر ہے، جبکہ ابنِ ہشام کے نزدیک جملہ ظرفیہ اس کو کہیں گے جس کے اندر ظرف مقدم ہو، صدرِ کلام میں ہو، کلام کے شروع میں ہو، اور نیز اس کا کسی چیز پر اعتماد ہو۔ بغیر اعتماد کے وہ عمل نہیں کرے گا۔ یہاں دیکھو ہمزہ استفہام پر اس نے اعتماد کرتے ہوئے زَيْدٌ کو رفع دیا، تو یہ جملہ ظرفیہ ہے۔ بات سمجھ میں آ گئی۔

تو حاصلِ کلام کیا؟ کہ ابو علی فارسی اور علامہ زمخشری کے نزدیک جملہ ظرفیہ کسے کہتے ہیں؟ جس کا ایک جز ظرف ہو۔ تو پھر اس کو بس وہ جملہ ظرفیہ کہتے ہیں۔ جبکہ عام علماء اس کو بھی جملہ اسمیہ ہی کہتے ہیں۔ جبکہ ابنِ ہشام کیا فرماتے ہیں؟ کہ جملہ ظرفیہ وہ ہے جس میں دو چیزیں ہوں: ایک تو ظرف کے لیے صدارتِ کلام ہو، اور دوسرا ظرف کا کسی چیز پر اعتماد بھی ہو بھائی، پھر ہی وہ عمل کرے گا بھائی۔

اسی طرح یاد رکھو ایک جملہ شرطیہ بھی ہے بھائی، جملہ شرطیہ۔ جملہ شرطیہ وہ ہے جو شرط اور جزا سے مرکب ہو، اس کے اندر دو جملے ہوتے ہیں۔ یاد رکھو یہ جو جملہ شرطیہ ہے اس کا دارومدار جزا پر ہوتا ہے۔ سارا دارومدار کس پر ہے؟ جزا پر ہے، شرط جو ہے وہ جزا کے لیے قید ہوتی ہے۔ تو جزا اگر جملہ فعلیہ ہو تو پھر وہ جملہ شرطیہ فعلیہ کہلائے گا۔ اور اگر جزا جو ہے وہ جملہ اسمیہ ہو تو وہ جملہ شرطیہ اسمیہ کہلائے گا۔ مثلاً مثال لکھیے بھائی، مثال لکھیے: إِنْ تَضْرِبْ أَضْرِبْ، إِنْ تَضْرِبْ أَضْرِبْ۔ اگر آپ پٹائی کریں گے تو میں بھی پٹائی کروں گا۔ تو دیکھو إِنْ تَضْرِبْ یہ ہے شرط اور أَضْرِبْ یہ کیا ہے؟ جزا۔ ترکیب کیسے ہو گی؟

إِنْ حرفِ شرط، تَضْرِبْ فعل، أَنْتَ ضمیر مرفوع محلاً اس کے اندر فاعل، فعل اپنے فاعل سے مل کر شرط، فعل اپنے فاعل سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر شرط۔ اور آگے أَضْرِبْ فعل، اس کے اندر أَنَا ضمیر مرفوع محلاً اس کا فاعل، فعل اپنے فاعل سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر جزا۔ شرط جزا مل کر شرط جزا مل کر جملہ شرطیہ ہوا۔ تو یاد رکھو ایک تو اس کا نام اس کا نام جملہ شرطیہ ہے۔ عموماً طلباء شرطیہ جزائیہ کہتے ہیں بھائی، میں پہلے بھی ذکر کر چکا ہوں کہ جزائیہ کی قید ساتھ لگانے کی ضرورت نہیں بھائی، جملہ شرطیہ کہتے ہی اس کو ہیں جس کے اندر شرط اور جزا ہوں بھائی۔

اب اس جملے پہ ذرا غور کرو بھائی: إِنْ تَضْرِبْ أَضْرِبْ۔ شرط کیا ہے؟ إِنْ تَضْرِبْ۔ یاد رکھو یہ جو شرط ہوتی ہے یہ قید ہوتی ہے جزا کے لیے، جملہ شرطیہ کا سارا دارومدار جزا پر ہوتا ہے۔ جزا اس کے اندر کیا ہے؟ أَضْرِبْ۔ جملہ فعلیہ ہے، تو اس جملہ شرطیہ کو کہیں گے جملہ شرطیہ فعلیہ، جملہ شرطیہ فعلیہ۔ اور اگر جزا جو ہے جملہ اسمیہ ہو تو پھر اس کو کہیں گے جملہ شرطیہ اسمیہ۔ مثلاً ایک اور مثال لکھیے: إِنْ أَكْرَمْتَنِي فَأَنْتَ صَدِيقِي، صاد کے ساتھ، إِنْ أَكْرَمْتَنِي فَأَنْتَ صَدِيقِي، إِنْ أَكْرَمْتَنِي فَأَنْتَ صَدِيقِي۔ إِنْ أَكْرَمْتَنِي اگر آپ نے میرا اکرام کیا فَأَنْتَ صَدِيقِي تو پھر آپ میرے دوست ہیں۔ دیکھو إِنْ أَكْرَمْتَنِي یہ ہے شرط اور فَأَنْتَ صَدِيقِي یہ کیا ہے؟ جزا۔ اور شرط جو ہے وہ قید ہوتی ہے کس کے لیے؟ جزا کے لیے۔ اصل کیا ہے؟ جزا۔ اور جزا میں آپ دیکھیں فَأَنْتَ صَدِيقِي، أَنْتَ ہے مبتدا اور صَدِيقِي اس کی خبر ہے، تو یہ جملہ اسمیہ ہے، تو اس جملہ شرطیہ کو کیا کہیں گے؟ یہ جملہ شرطیہ اسمیہ ہے۔ یہاں تک بات سمجھ میں آگئی۔

پھر مزید یاد رکھنا، میں نے بتایا سارا دارومدار جزا پر ہے۔ اگر جزا جملہ خبریہ ہو، کیا ہو؟ جملہ خبریہ ہو، تو پھر اس کو کہیں گے جملہ شرطیہ خبریہ۔ اور اگر جزا جملہ انشائیہ ہو، تو پھر اس کو کہیں گے جملہ شرطیہ انشائیہ۔ تو جملہ شرطیہ خبریہ بھی ہو سکتا ہے اور انشائیہ بھی ہو سکتا ہے، نیز فعلیہ بھی ہو سکتا ہے اور اسمیہ بھی ہو سکتا ہے۔ مثلاً جزا انشاء ہو دیکھو: إِنْ أَكْرَمْتَنِي فَجَزَاكَ اللَّهُ خَيْرًا۔ إِنْ أَكْرَمْتَنِي یہ ہے شرط، فَجَزَاكَ اللَّهُ خَيْرًا یہ کیا ہے؟ جزا ہے اور یہ دعا ہے بھائی، دعا ہے اور دعا کس قبیل سے ہے؟ انشاء کے قبیل سے ہے، تو اس جملہ شرطیہ کو کیا کہیں گے؟ جملہ شرطیہ انشائیہ کہیں گے۔

اب دیکھیے آئیے اب کتاب پر بھائی۔ دوبارہ ترجمہ دیکھیے کہتے ہیں: وَلَمْ يَذْكُرِ الظَّرْفِيَّةَ لِأَنَّهَا رَاجِعَةٌ إِلَى الْفِعْلِيَّةِ۔ صاحبِ جامی فرما رہے ہیں کہ صاحبِ کافیہ نے متن میں اس خبر کی مثال بھی ذکر کی جو جملہ اسمیہ ہے، جیسے زَيْدٌ أَبُوهُ قَائِمٌ۔ اور اس خبر کی مثال بھی ذکر کی جو جملہ فعلیہ ہو، زَيْدٌ قَامَ أَبُوهُ، یہ قَامَ أَبُوهُ یہ خبر کیا ہے؟ جملہ فعلیہ۔ لیکن وَلَمْ يَذْكُرِ الظَّرْفِيَّةَ جملہ ظرفیہ کو ذکر نہیں فرمایا لِأَنَّهَا رَاجِعَةٌ إِلَى الْفِعْلِيَّةِ اس لیے کیونکہ جملہ ظرفیہ لوٹتا ہے جملہ فعلیہ کی طرف۔ صاحبِ کافیہ نے کیا بتلایا تھا؟ کہ وہ خبر جو ظرف واقع ہو اس کی تاویل کس کے ساتھ کی جائے گی؟ اس کی تاویل جملہ کے ساتھ کی جائے گی یعنی اس میں فعل مقدر نکالیں گے، تو وہ جملہ ظرفیہ کس کی طرف لوٹ گیا؟ جملہ فعلیہ کی طرف لوٹ گیا لہٰذا اس لیے اس کو علیحدہ ذکر نہیں فرمایا۔ اور نیز جملہ شرطیہ بھی تو ایک ہے اس کو ذکر نہیں فرمایا، صاحبِ کافیہ نے بھی ذکر نہیں فرمایا اور صاحبِ جامی

نے بھی اس کو ذکر نہیں فرمایا۔ دیکھو حالانکہ جملہ چار قسم پر ہے: اسمیہ، فعلیہ، ظرفیہ اور شرطیہ۔ توجہ ہے؟ تو جملہ اسمیہ اور فعلیہ کی تو مثالیں ذکر کر دیں، جملہ ظرفیہ کیوں نہیں ذکر کیا؟ کیونکہ وہ بھی کس تاویل میں ہے؟ جملہ فعلیہ کی تاویل میں ہے۔ اور جملہ شرطیہ کو نہ صاحبِ کافیہ نے ذکر کیا اور نہ صاحبِ جامی نے۔ وجہ یہ کیونکہ اس کا فعلیہ یا اسمیہ ہونا ظاہر ہے بھائی۔ میں نے بتایا جملہ شرطیہ کا دارومدار کس پر ہے؟ جزا پر ہے، اور جزا اگر جملہ اسمیہ ہو گی تو وہ جملہ شرطیہ اسمیہ ہو گا، اور جزا اگر جملہ فعلیہ ہو گی تو پھر وہ جملہ شرطیہ فعلیہ ہو گا۔ تو وہ بھی اسی اسمیہ اور فعلیہ کے اندر داخل تھا اور وہ چونکہ ظاہر تھا اس لیے اس کو ذکر نہیں فرمایا۔ تفصیل سمجھ میں آ گئی۔

آگے دیکھیے کہتے ہیں: وَإِذَا كَانَ الْخَبَرُ جُمْلَةً اور جب خبر جو ہے وہ جملہ ہو، وَالْجُمْلَةُ مُسْتَقِلَّةٌ بِنَفْسِهَا اور جملہ جو ہے وہ اپنی ذات کے اعتبار سے مستقل ہوتا ہے یعنی اس میں بات پوری ہوتی ہے، لَا تَقْتَضِي الْاِرْتِبَاطَ بِغَيْرِهَا وہ تقاضا نہیں کرتا اپنے علاوہ کے ساتھ جڑنے کا۔ بھائی جملہ من حیث الجملہ مستقل ہے اس میں بات پوری ہے، لہٰذا وہ کسی سے جڑنے کا محتاج نہیں۔ لیکن جب جملہ خبر واقع ہو، جملہ کو کسی چیز سے آپ جوڑیں تو ربط ضروری ہے۔ جیسے دیکھو ایک ہے ریل گاڑی کا انجن اور ایک ہیں اس کے ڈبے، تو جب تک انجن اور ڈبوں کے درمیان جوڑ نہیں آئے گا تو کوئی فائدہ نہیں، وہ انجن وہ ڈبوں کو لے کر نہیں چل سکتا۔ تو اسی طرح جب بھی جملہ کو کسی چیز سے جوڑنا ہو درمیان میں ربط ضروری ہے۔ جملہ تو مستقل ہے وہ تو کسی چیز سے جڑنے کا محتاج نہیں، لیکن آپ اس کو جوڑنا چاہتے ہیں، مثلاً آپ جملے کو خبر بنا رہے ہیں اور خبر کو جوڑتے ہیں بتدا سے، تو آپ پورے جملے کو بتدا سے جوڑنا چاہ رہے ہیں، تو درمیان میں ربط ضروری ہے، اور وہ چیز جو ربط دے اس کو عائد کہتے ہیں۔ تو کہتے ہیں جملہ جو ہے وہ اپنی ذات کے اعتبار سے مستقل ہے لَا تَقْتَضِي الْاِرْتِبَاطَ بِغَيْرِهَا۔

جی لَا تَقْتَضِي یہ عبارت ذرا دیکھو، لَا تَقْتَضِي اور آگے آ رہا ہے الْاِرْتِبَاطَ اس کو کیسے پڑھیں گے؟ لَا تَقْتَضِي اور آگے ہے الْاِرْتِبَاطَ، کیسے ملا کر پڑھیں گے؟ لَا تَقْتَضِ الْاِرْتِبَاطَ۔ دیکھا طلباء اسی طرح پڑھتے ہیں، میں نے حالانکہ بتلایا تھا آپ کو۔ ارتباط بھائی یہ کون سا باب ہے؟ بابِ افتعال۔ میں نے بتایا تھا جتنے ابواب ہیں ان میں صرف بابِ افعال کا ہمزہ قطعی ہے باقی جتنے ہمزہ ہیں وہ سب وصلی ہیں۔ تو ارتباط بابِ افتعال ہے اس کا ہمزہ بھی وصلی، یہ بھی درمیانِ عبارت میں گر جاتا ہے۔ اس پر الف لام آ گیا تو اب وہ ارتباط والا ہمزہ گر گیا، تو اب آ گیا را بھی ساکن اور الف لام کا ال، ال جو لام آیا یہ بھی ساکن۔ تو اجتماعِ ساکنین آیا۔ ایک اجتماعِ ساکنین علیٰ حدہ ہے اور ایک اجتماعِ ساکنین علیٰ غیر حدہ ہے۔ اجتماعِ ساکنین علیٰ حدہ کسے کہتے ہیں؟ کہ اول حرفِ مدہ ہو اور ثانی مدغم ہو، جیسے مَادَّةٌ۔ یہ اجتماعِ ساکنین جائز ہے دیکھو مَادَّةٌ، عربی میں اسی طرح بولتے ہیں، حالانکہ الف بھی ساکن اور آگے جو دالِ مشدد ہے اس کے اندر جو پہلا دال ہے وہ بھی ساکن ہے، تو یہ اجتماعِ ساکنین علیٰ حدہ ہے۔ اور اس کے علاوہ جتنی بھی اجتماعِ ساکنین کی صورتیں ہیں وہ علیٰ غیر حدہ ہے، وہ جائز نہیں۔ تو جہاں پر بھی اجتماعِ ساکنین علیٰ غیر حدہ آئے، پھر اگر اول حرفِ مدہ ہو تو اس کو گرا دیتے ہیں۔ تو ارتباط بابِ افتعال ہے اس کا ہمزہ بھی

وصلی، اس پر الف لام آگیا تو اب وہ ارتباط والا ہمزہ گر گیا، تو اب آگیا را بھی ساکن اور الف لام کا ال، ال جو لام آیا یہ بھی ساکن۔ تو اجتماعِ ساکنین آیا، لیکن یہاں تو اول لام ہے، لام اور را ہیں ان میں سے اول کیا ہے؟ لام، وہ تو حرفِ مدہ نہیں، تو پھر اس کو تو نہیں گرا سکتے۔ تو پھر دوسری صورت یہ ہے کہ اول کو پھر حرکت دیتے ہیں، اور عموماً کسرہ والی حرکت دیتے ہیں، ہمیشہ نہیں لیکن اکثر کون سی حرکت دیتے ہیں؟ کسرہ والی حرکت دیتے ہیں، جیسے مِنْ کو جوڑیں ساتھ تو مِنَ ال، مِنَ ال پڑھتے ہیں، دیکھو نون پر فتحہ پڑھا، حالانکہ اَلسَّاكِنُ إِذَا حُرِّكَ حُرِّكَ بِالْكَسْرِ ہے، تو یہاں پر فتحہ پڑھتے ہیں کیونکہ میم میں پہلے ہی ایک کسرہ موجود ہے تو دوسرا کسرہ بھی آجائے گا تو وہ ثقیل ہو جائے گا لہٰذا وہاں فتحہ پڑھتے ہیں۔ اچھا تو یہاں بات چل رہی تھی ارتباط کی، اس پر الف لام آیا ارتباط کا ہمزہ وصلی تھا گر گیا، پھر

اب لام بھی ساکن آگے را بھی ساکن، اول حرفِ مدہ ہو تو اس کو گرا دیتے، لیکن اول تو مدہ نہیں اس کو گرا نہیں سکتے، تو پھر پہلے کو کسرہ والی حرکت دے دیں گے، تو کیا بن گیا؟ اَلِارْتِبَاطُ، اَلِارْتِبَاطُ۔ لام کے نیچے کسرہ اور اس کو را کے ساتھ جوڑ دیں: اَلِارْتِبَاطُ۔ اب یاد رکھو لام کے نیچے یہ جو کسرہ آیا ہے یہ عارضی ہے یا مستقل ہے؟ یہ عارضی ہے، اور عارضی حرکت کا کوئی اعتبار نہیں۔ یعنی سنو بھائی عارضی حرکت کا کوئی اعتبار نہیں، یعنی پڑھنا آپ نے کسرہ ہی ہے لام کے نیچے، ہاں ماقبل والے لفظ کو اس کے ساتھ جوڑنا ہو تو اس لام کو ساکن ہی سمجھو کہ یوں ہے جیسے یہ، توجہ ہے؟ ہم نے لَا تَقْتَضِي کو جوڑنا ہے اَلِارْتِبَاطَ سے۔ اَلِارْتِبَاطَ میں لام کے نیچے کسرہ آچکا ہے اور یہ کسرہ ہی اب پڑھنا ہے آپ نے ہر حال میں یہاں پر، لیکن چونکہ یہ عارضی حرکت ہے لہٰذا اس لام کو ساکن سمجھو یعنی پچھلے لفظ کو جوڑنے کے لیے اس کو ساکن سمجھو۔ تو پیچھے کیا آیا؟ لَا تَقْتَضِي، اس کے آخر میں یا ہے وہ بھی ساکن، اور آگے لام بھی ساکن۔ تو اجتماعِ ساکنین علیٰ غیر حدہ آیا۔ تو اول حرفِ مدہ ہے یا ہے اور یا سے ماقبل کسرہ ہے، تو یا گر جائے گی۔ تو کیسے پڑھیں گے؟ لَا تَقْتَضِ الْ، کیسے؟ لَا تَقْتَضِ الْ۔ اچھا معلوم ہوا اس لَا تَقْتَضِي کو جب لام سے جوڑنا ہو تو وہ یا گر جاتی ہے، ضاد کے نیچے صرف زیر پڑھتے ہیں۔ اب اسی طرح پڑھیں گے ضاد کے نیچے زیر پڑھیں اور آگے لِارْتِبَاطَ میں لام کے نیچے کسرہ ہی پڑھنا ہے۔ کیسے پڑھیں گے؟ ہاں لَا تَقْتَضِ لِارْتِبَاطَ، لَا تَقْتَضِ لِارْتِبَاطَ۔ وہ یا گر چکی ہے اجتماعِ ساکنین کی وجہ سے۔ طریقہ سمجھ میں آیا؟ تو یوں پڑھیں گے لَا تَقْتَضِ لِارْتِبَاطَ۔ دیکھو تیز پڑھیں گے کسی کو پتہ نہیں چلے گا، لَا تَقْتَضِ لِارْتِبَاطَ۔

تو کہتے ہیں: وَالْجُمْلَةُ مُسْتَقِلَّةٌ بِنَفْسِهَا اور جملہ خود اپنی ذات کے اعتبار سے مستقل ہے یعنی اس کے اندر بات پوری ہو رہی ہے، لَا تَقْتَضِي الْاِرْتِبَاطَ بِغَيْرِهَا یہ تقاضا نہیں کرتا غیر کے ساتھ جڑنے کا۔ فَلَا بُدَّ فِي الْجُمْلَةِ الْوَاقِعَةِ خَبَرًا عَنِ الْمُبْتَدَإِ مِنْ عَائِدٍ يَرْبِطُهَا بِهِ، پس ضروری ہے فِي الْجُمْلَةِ اس جملے میں الْوَاقِعَةِ خَبَرًا عَنِ الْمُبْتَدَإِ جو مبتدا سے خبر واقع ہو رہا ہو، اس جملے میں ضروری ہے مِنْ عَائِدٍ ایک ایسے عائد کا ہونا يَرْبِطُهَا جو اس جملے کا ربط دے دے بِهِ اس مبتدا کے ساتھ۔ توجہ ہے؟ عَائِدٍ نکرہ آیا اور نکرہ کے بعد يَرْبِطُ فعل آیا، تو یہ اس کے لیے صفت بنے گا، اور موصوف صفت کا ترجمہ کیسے کرتے

ہیں؟ موصوف سے پہلے ایسا یا ایسی کا لفظ لاتے ہیں۔ تو کہتے ہیں ضروری ہے اس جملے کے اندر مِنْ عَائِدٍ ایک ایسے عائد کا ہونا يَرْبِطُهَا بِهِ جو اس جملے کا ربط دے دے اس مبتدا کے ساتھ۔ وَذٰلِكَ الْعَائِدُ إِمَّا ضَمِيرٌ۔ میں نے آپ کو بتلایا تھا عائد کی کئی صورتیں ہیں، لیکن سب سے عام صورت کیا ہے عائد کی؟ کہ اس جملے میں کوئی غائب کی ضمیر ہونی چاہیے جو اس چیز کی طرف لوٹے جس کے ساتھ آپ اس کو ربط دے رہے ہیں۔ یاد رکھو جملہ صرف مبتدا سے ہی نہیں جڑتا، جملہ کبھی کبھار صفت بھی بنتا ہے، جملہ حال بھی بنتا ہے، جملہ موصول کا صلہ بھی بنتا ہے۔ تو جملہ چاہے خبر بنے چاہے صفت بنے چاہے صلہ بنے چاہے حال بنے، اس کا ماقبل سے ربط ضروری ہے۔ تو خبر کو کس سے جوڑتے ہیں؟ مبتدا سے، تو اس جملے میں کوئی ضمیر چاہیے جو مبتدا کی طرف لوٹے۔ صفت کو جوڑتے ہیں موصوف کے ساتھ، تو جو جملہ صفت بنے اس میں ضمیر چاہیے جو موصوف کی طرف لوٹے۔ اور جملہ کبھی حال بنتا ہے، اور حال کو ذوالحال سے جوڑتے ہیں، تو اس جملے میں ایک ضمیر چاہیے جو ذوالحال کی طرف لوٹے۔ اور جملہ صلہ بھی بنتا ہے، اور صلے کو موصول سے جوڑتے ہیں، تو اس جملے میں ضمیر چاہیے جو اسمِ موصول کی طرف لوٹے۔ یہ تھی عائد کی ایک قسم، آگے اب آپ کو عائد کی اور قسمیں بھی بتلائیں گے صاحبِ جامی بھائی۔

تو کہتے ہیں: وَذٰلِكَ الْعَائِدُ إِمَّا ضَمِيرٌ اور وہ عائد یا تو ضمیر ہوگی كَمَا فِي الْمِثَالَيْنِ الْمَذْكُورَيْنِ جیسے کہ ان دو مذکورہ مثالوں میں ہے۔ بھائی دیکھیے میں نے آپ کو بتلایا تھا: زَيْدٌ أَبُوهُ قَائِمٌ۔ أَبُوهُ قَائِمٌ پورا جملہ ہے اور یہ خبر ہے زید کے لیے، اور اس کے اندر یہ جو أَبُوهُ کے ساتھ ضمیر جوڑی ہے یہ ربط دینے کے لیے ہے۔ یہ أَبُوهُ کی جگہ اگر آپ عمرو لے آئیں اور یوں کہیں: زَيْدٌ عَمْرٌو قَائِمٌ، پھر کوئی ضمیر نہیں، پھر ربط نہیں آئے گا، لہٰذا اس جملے کا خبر بننا صحیح نہیں۔ اسی طرح زَيْدٌ قَامَ أَبُوهُ، یہ أَبُوهُ کیوں لے کر آئے؟ یہ ربط دینے کے لیے ضمیر کے ساتھ یہ لفظ کو لے کر آئے ہیں، اگر یہاں أَبُوهُ کی جگہ آپ عَمْرٌو رکھ دیں: زَيْدٌ قَامَ عَمْرٌو، تو یہ قَامَ عَمْرٌو میں تو کوئی ضمیر نہیں جو زید کے ساتھ ربط دے، پھر اس کا خبر بننا صحیح نہیں ہے۔ تو کہتے ہیں وہ عائد جو ہے إِمَّا ضَمِيرٌ یا تو ضمیر ہوگی كَمَا فِي الْمِثَالَيْنِ الْمَذْكُورَيْنِ جیسے کہ ان دو مذکورہ مثالوں میں ہے۔

أَوْ غَيْرُهُ یا ضمیر کے علاوہ ہوگی كَاللَّامِ جیسے کہ لام ہے فِي نِعْمَ الرَّجُلُ زَيْدٌ، نِعْمَ الرَّجُلُ زَيْدٌ کے اندر۔ یہ نِعْمَ الرَّجُلُ زَيْدٌ اس پر ذرا نظر رکھیں۔ نِعْمَ یاد رکھو افعالِ مدح میں سے ہے، اس کے ذریعے کسی کی تعریف کی جاتی ہے، یہ انشائے مدح کے لیے ہے۔ کس کے لیے ہے؟ انشائے مدح کے لیے ہے، یعنی اس کے ذریعے مدح یعنی تعریف کو وجود دیا جاتا ہے۔ اور آپ جانتے ہیں کہ جملہ انشائیہ کہنے والے کو سچا یا جھوٹا نہیں کہا جا سکتا۔ جیسے میں کہتا ہوں: نِعْمَ الرَّجُلُ زَيْدٌ، زید بڑا اچھا آدمی ہے۔ اردو میں تو اس کی مثال نہیں ہے، اردو کے اعتبار سے دیکھو تو یہ جملہ خبریہ ہی لگ رہا ہے، اور جملہ خبریہ کے کہنے والے کو تو سچا یا جھوٹا کہا جا سکتا ہے۔ لیکن عربی میں انشائے مدح کے لیے نِعْمَ ہے بھائی، نِعْمَ الرَّجُلُ زَيْدٌ آپ ایک شخص کی تعریف کر رہے ہیں، کسی کو خبر نہیں دے رہے، لہٰذا یہ جملہ کہنے والے کو سچا یا جھوٹا نہیں کہا جا سکتا۔ آپ تعریف کو کیا کر رہے ہیں؟ وجود دے رہے ہیں۔ آپ نے کہا زید اچھا آدمی ہے، اردو میں تو گویا یوں لگ رہا ہے آپ خبر دے رہے

ہیں اور خبر دینے والے کو تو سچا یا جھوٹا کہا جا سکتا ہے، تو اردو میں آپ کہیں زید اچھا آدمی ہے تو کوئی کہہ سکتا ہے آپ سچ بول رہے ہیں یا کوئی کہہ سکتا ہے کہ آپ جھوٹ بول رہے ہیں۔ لیکن عربی میں خبر کے لیے اور لفظ ہیں اور انشاء کے لیے اور لفظ ہیں، تو یہ نِعْمَ الرَّجُلُ جو ہے یہ انشائے مدح کے لیے ہے۔ میں عربی میں کہتا ہوں نِعْمَ الرَّجُلُ زَيْدٌ، زید کتنا اچھا آدمی ہے، تو یہ انشائے مدح ہے، یعنی مدح اور تعریف کو آپ وجود دے رہے ہیں۔ اب اس کے کہنے والے کو سچا یا جھوٹا نہیں، اگر کوئی کہتا ہے کہ آپ سچ بول رہے ہیں یا جھوٹ بول رہے ہیں تو آپ کہیں گے بھائی میں نے خبر کب دی آپ کو؟ میں تو کیا کر رہا ہوں؟ انشائے مدح کر رہا ہوں، مدح کو وجود دے رہا ہوں۔ وجود ایک چیز پہلے نہ ہو اور اس کو وجود دینا، تو اس میں انشائے مدح ہے بھائی۔

تو نِعْمَ افعالِ مدح میں سے ہے بھائی، اور یاد رکھو یہ افعالِ مدح و ذم یہ باقی افعال سے مختلف ہیں بھائی۔ بایں لحاظ کہ باقی افعال کے اندر فاعل پر بات پوری ہو جاتی ہے، لیکن یہ افعالِ مدح و ذم یہ فاعل کے آنے کے بعد ایک اور اسم کا بھی تقاضا کرتے ہیں۔ یعنی وہ شخص جس کی تعریف یا مذمت کی جا رہی ہے آگے پھر اس کا ذکر بھی ضروری ہے بھائی۔ تو یہ جو افعالِ مدح و ذم ہیں یہ ایک فاعل کا تقاضا کرتے ہیں اور آگے ایک اور اسم بھی چاہیے، اور اس کو مخصوص بالمدح یا مخصوص بالذم کہتے ہیں۔ اگر افعالِ مدح کے لیے آئے وہ اسم تو وہ مخصوص بالمدح کہلائے گا، یعنی وہ شخص جو مدح کے ساتھ مخصوص ہے یعنی جس کی تعریف کی جا رہی ہے۔ اور اگر افعالِ ذم ہوں تو پھر اس کو مخصوص بالذم کہتے ہیں، یعنی وہ شخص جس کی مذمت بیان کی جا رہی ہے۔

تو نِعْمَ الرَّجُلُ زَيْدٌ یہاں دو ترکیبیں ہو سکتی ہیں یاد رکھنا۔ ایک ترکیب یہ کہ نِعْمَ فعل از افعالِ مدح، اَلرَّجُلُ مرفوع لفظاً اس کا فاعل، اور فعل اپنے فاعل سے مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہوا، جملہ انشائیہ ہوا کیونکہ اس کے اندر انشائے مدح ہے، اور آگے زَيْدٌ جو ہے اس کو خبر بناتے ہیں اور اس کے لیے بتدا محذوف نکالتے ہیں: أَيْ هُوَ زَيْدٌ، تو هُوَ بتدا اور زَيْدٌ مرفوع لفظاً اس کی خبر۔ نِعْمَ الرَّجُلُ وہ کتنا اچھا آدمی ہے، اور آگے کیا کہا؟ هُوَ زَيْدٌ وہ زید ہے یعنی میں زید کی تعریف کر رہا ہوں۔ تو یہ زید کیا کہلائے گا؟ مخصوص بالمدح کہلائے گا۔ تو دیکھو اس ترکیب کے مطابق یہاں دو جملے ہو گئے بھائی، دو جملے ہو گئے۔ نِعْمَ الرَّجُلُ فعل اپنے فاعل سے مل کر جملہ فعلیہ، اور زَيْدٌ کے لیے هُوَ بتدا محذوف نکالا تو هُوَ زَيْدٌ یہ بتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔

تو یہ ایک ترکیب ہے، لیکن یہاں یہ ترکیب مراد نہیں بھائی، یہاں بات چل رہی ہے عائد کی، اور یہ اس صورت میں ہو گا جب اس سارے کو ایک ہی جملہ بنائیں بھائی، اس سارے کو۔ وہ کس طرح ترکیب ہو گی؟ اس میں یاد رکھو یہ نِعْمَ الرَّجُلُ یہ ہے خبرِ مقدم، اور زَيْدٌ کو بتدا مؤخر بنا لیں گے۔ پہلی ترکیب کیا تھی؟ نِعْمَ الرَّجُلُ جملہ فعلیہ انشائیہ، اور آگے زَيْدٌ جو ہے وہ خبر ہے اس کے لیے بتدا محذوف ہے۔ اب دوسری ترکیب یہ ہے کہ نِعْمَ الرَّجُلُ کو بناؤ پورے جملے کو خبرِ مقدم بناؤ اور زَيْدٌ کو کیا بنا دو؟ بتدا مؤخر۔ تو یہ زَيْدٌ ایسا بتدا ہے جس کی خبر پورا جملہ ہے، اور جب جملہ خبر واقع ہو تو اس کے لیے ربط

ضروری ہے بھائی۔ تو یہاں ربط کیا ہے؟ حالانکہ یہاں تو کوئی غائب کی ضمیر نہیں۔ تو یاد رکھو یہ اَلرَّجُلُ پر جو الف لام آیا یہ ربط دے رہا ہے۔ میں نے آپ کو بتلایا تھا کہ یہ جو الف لام ہے اس کے ذریعے کسی چیز کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے، تو یہاں پر بھی اَلرَّجُلُ جو الف لام ہے اس کے ذریعے اشارہ ہو رہا ہے، اَلرَّجُلُ کا کیا معنی؟ وہ آدمی، یہ وہ کس کا ترجمہ ہے؟ الف لام کا، اور اس الف لام کے ذریعے اشارہ ہے زید کی طرف۔ وہ آدمی، کون؟ زید بھائی۔ بات سمجھ میں آ رہی ہے؟ تو اَلرَّجُلُ کا الف لام جو ہے یہ ربط دے رہا ہے، اس کے ذریعے اشارہ ہے کس کی طرف؟ زید کی طرف کہ اَلرَّجُلُ سے زید مراد ہے، تو اس کے ذریعے ربط آگیا۔ بات سمجھ میں آئی کیسے آیا ربط؟ الف لام کے ذریعے بھائی۔ تو نِعْمَ الرَّجُلُ زَيْدٌ، نِعْمَ فعل از افعالِ مدح، اَلرَّجُلُ مرفوع لفظاً اس کا فاعل، فعل اپنے فاعل سے مل کر خبرِ مقدم، اور زَيْدٌ مرفوع لفظاً مبتدا مؤخر، مبتدا اپنی خبر سے مل کر جملہ اسمیہ انشائیہ ہوا، جملہ اسمیہ انشائیہ ہوا۔

أَوْ وَضْعِ الْمُظْهَرِ مَوْضِعَ الْمُضْمَرِ۔ یہ وَضْعِ الْمُظْهَرِ کا عطف ہے اللَّامِ پر جو پیچھے آیا تھا، اور اللَّامِ پر کاف جارہ داخل ہے وہ مجرور ہے، تو وَضْعِ الْمُظْهَرِ یہ وَضْعِ الْمُظْهَرِ بھی کیا پڑھیں گے؟ مجرور۔ انہوں نے کیا بتایا؟ کہ عائد یا تو ضمیر ہوگی یا اس کے علاوہ ہوگی كَاللَّامِ جیسے کہ لام ہے نِعْمَ الرَّجُلُ زَيْدٌ کے اندر، أَوْ وَضْعِ الْمُظْهَرِ مَوْضِعَ الْمُضْمَرِ یا وَضْعِ الْمُظْهَرِ اسمِ ظاہر کو رکھنا مَوْضِعَ الْمُضْمَرِ ضمیر کے مقام میں۔ بھائی آپ جانتے ہیں کہ کلامِ عرب کے اندر ایک چیز کو جب ذکر کر دیا جائے تو بار بار اس چیز کا نام نہیں لیا جاتا بلکہ اس کے لیے ضمیر استعمال کی جاتی ہے، بلکہ ہر زبان میں اسی طرح ہے نام ایک دفعہ ذکر کیا جاتا ہے اور پھر ضمیریں استعمال کی جاتی ہیں۔ لیکن کبھی کبھار ضمیر کے بجائے اسی اسمِ ظاہر کو دوبارہ لے آتے ہیں، اس کو کہتے ہیں وَضْعُ الْمُظْهَرِ یعنی اسمِ ظاہر کو رکھنا مَوْضِعَ الْمُضْمَرِ ضمیر کے مقام میں۔ وَضْعِ الْمُظْهَرِ مَوْضِعَ الْمُضْمَرِ کیا معنی؟

ضمیر کے مقام میں اسمِ ظاہر کو رکھ دینا، تو یاد رکھو اس کے ذریعے بھی کبھی کبھار ربط آجاتا ہے۔ یعنی جس چیز سے آپ جوڑنا چاہتے ہیں، اسی چیز کو دوبارہ اس جملے کے اندر ذکر کر دیں، جیسے دیکھو: اَلْحَاقَّةُ مَا الْحَاقَّةُ۔ اَلْحَاقَّةُ یہ ہے مبتدا، اور مَا الْحَاقَّةُ یہ پورا جملہ اس کی خبر ہے۔

یہ مَا استفہامیہ ہے۔ اَلْحَاقَّةُ، الحاقۃ یاد رکھو قیامت کا نام ہے، قیامت کو کہتے ہیں۔ اَلْحَاقَّةُ قیامت جو ہے، مَا الْحَاقَّةُ تمہیں کیا معلوم قیامت کیا چیز ہے بھئی؟ الحاقۃ حَقّ سے ہے حق، جس کا ہونا سچ اور واقعی ہے۔ تو الحاقۃ کا معنی کر لیں: وہ جس کا ہونا برحق ہے، وہ قیامت جس کا ہونا برحق ہے۔ تو قرآن میں اللہ فرماتے ہیں: اَلْحَاقَّةُ مَا الْحَاقَّةُ وہ جس کا ہونا برحق ہے، مَا الْحَاقَّةُ اور تمہیں کیا معلوم وہ جس کا ہونا برحق ہے وہ کیا چیز ہے بھئی؟

تو اَلْحَاقَّةُ ہے مبتدا اور مَا الْحَاقَّةُ یہ پورا جملہ اس کی خبر ہے۔ اس کے اندر یہ مَا استفہامیہ ہے اور اَلْحَاقَّةُ اس کی خبر ہے۔ اور مبتدا خبر مل کر یہ پورا جملہ اسمیہ ہو کر، یہ خبر ہے کس کے لیے؟ اَلْحَاقَّةُ کے لیے۔ تو پورا جملہ خبر واقع ہو رہا ہے،

اور خبر کو جب بھی کسی چیز سے جوڑا جائے تو درمیان میں ربط ضروری ہے۔ تو یہاں کیا ربط ہے؟ کہ جس اَلْحَاقَّةُ کے ساتھ ہم جوڑنا چاہتے تھے، اس کا دوبارہ اسی جملے کے اندر ذکر آگیا تو اس سے ربط آگیا۔ مَا الْحَاقَّةُ کو ہم کس سے جوڑنا چاہتے ہیں؟ اَلْحَاقَّةُ سے، اور وہی اَلْحَاقَّةُ خود مَا الْحَاقَّةُ کے اندر ذکر ہو گیا۔ تو اصل میں تو یوں ہونا چاہیے: اَلْحَاقَّةُ مَا هِيَ۔ ایک دفعہ چیز ذکر ہو جائے تو دوبارہ ضمیر ذکر ہوتی ہے، لیکن دوبارہ اسی اسمِ ظاہر کو ذکر کر دیا گیا، اس کو کیا کہتے ہیں: وَضْعُ الْمُظْهَرِ مَوْضِعَ الْمُضْمَرِ بھئی۔

تو یہ عائد کی تیسری صورت آگئی۔ پہلی صورت کیا؟ کہ کوئی غائب کی ضمیر ہو۔ دوسری صورت کیا؟ کہ ربط کس کے ذریعے دیا جائے؟ الف لام کے ذریعے۔ اور تیسری صورت کیا ہے؟ وَضْعُ الْمُظْهَرِ مَوْضِعَ الْمُضْمَرِ بھئی۔

آگے دیکھیے: أَوْ كَوْنُ الْخَبَرِ تَفْسِيرًا لِلْمُبْتَدَإِ، یا خبر کا مبتدا کے لیے تفسیر ہونا، کہ خبر مبتدا کی تفسیر کر رہی ہے، اس کا معنی بیان کر رہی ہے، جیسے: نَحْوُ قُلْ هُوَ اللّٰهُ أَحَدٌ۔ قُلْ هُوَ اللّٰهُ أَحَدٌ، ترکیب سنو بھئی: قُلْ فعلِ امر، أَنْتَ ضمیر مرفوع محلاً اس کے اندر فاعل۔ فعلِ امر ہے نا، فعلِ امر کے اندر أَنْتَ ضمیر اس کا فاعل ہے۔ هُوَ مرفوع محلاً یہ ہے مبتدا اول، اور یہ ضمیرِ شان ہے۔ یہ هُوَ کیا ہے؟ مبتدا اول۔ آگے اللّٰهُ أَحَدٌ پورا جملہ اسمیہ اس کی خبر بنے گا، اور اس کے اندر ایک اور مبتدا آئے گا، تو لہٰذا دونوں میں فرق کرنے کے لیے ایک پہلے مبتدا کو مبتدا اول کہہ دیں گے اور دوسرے کو مبتدا ثانی تاکہ فرق ہو جائے بھئی۔

تو قُلْ هُوَ اللّٰهُ أَحَدٌ، هُوَ کیا ہے؟ یہ ہے مبتدا، توجہ ہے؟ اور اللّٰهُ أَحَدٌ یہ پورا جملہ اس کی خبر ہے۔ اللّٰهُ أَحَدٌ کے اندر لفظِ اللّٰهُ مرفوع لفظاً مبتدا ثانی، أَحَدٌ مرفوع لفظاً یہ خبر ہے مبتدا ثانی کی۔ مبتدا ثانی اپنی خبر سے مل کر جملہ اسمیہ ہو کر، یہ پورا جملہ خبر ہے هُوَ مبتدا کے لیے۔ مبتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا، اور یہ مقولہ ہے قُلْ کے لیے۔ قُلْ کے لیے، قُلْ کے لیے مقولہ چاہیے اور میں نے بتلایا تھا کہ یہ مقولہ مفعول بہ ہوتا ہے، تو یہ هُوَ اللّٰهُ أَحَدٌ یہ مفعول بہ ہے قُلْ کے لیے۔ اور مفعول بہ کیا ہوتا ہے؟ منصوب، تو هُوَ اللّٰهُ أَحَدٌ یہ پورا جملہ محلاً منصوب ہے۔ تو فعلِ امر اپنے فاعل اور مقولے یعنی مفعول بہ سے مل کر، یوں کہیں: فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہوا، کیونکہ فعلِ امر ہے نا قُلْ۔

ترکیب سمجھ میں آگئی؟ اب یاد رکھو، یہ جو هُوَ ہے مبتدا اول، یہ ضمیرِ شان ہے، ضمیرِ شان۔ یاد رکھو ضمیرِ شان جو ہے، یہ ایک مبہم ضمیر ہوتی ہے، آگے آنے والا جملہ اس کی تفسیر کرتا ہے۔ آگے آنے والا جملہ اس کی تفسیر کرتا ہے۔ جیسے: قُلْ کہو، هُوَ حال یہ ہے، هُوَ ضمیر آگئی۔ بھئی هُوَ ضمیر اس سے کیا مراد ہے؟ آگے اس کی تفسیر آگئی: اللّٰهُ أَحَدٌ۔ اس کو ضمیرِ شان کہتے ہیں، شان کا معنی ہے حال، حال۔ قُلْ آپ کہہ دیجیے هُوَ کہ حال یہ ہے، کیا حال ہے؟ اللّٰهُ أَحَدٌ کہ اللہ یکتا ہے، اللہ ایک ہے۔

ایک ہے وَاحِدٌ اور ایک ہے أَحَدٌ۔ وَاحِدٌ وہ ایک جس کے بعد دو آتا ہے، وَاحِدٌ وہ ایک ہے جس کے بعد دو آتا ہے، لیکن أَحَدٌ وہ ایک ہے جس کا کوئی دوسرا نہیں ہوتا، تو اردو میں اس کا ترجمہ ہے یکتا۔ قُلْ هُوَ اللّٰهُ أَحَدٌ، اے پیغمبر آپ فرما دیجیے هُوَ

کہ حال یہ ہے، شان یہ ہے، اللهُ أَحَدٌ اللہ یکتا ہے۔ اللہ یکتا ہے، یعنی اللہ ایسا ایک ہے جس کا کوئی دوسرا نہیں ہے بھئی۔

تو یہاں یہ هُوَ ضمیرِ شان ہے۔ ضمیرِ شان کسے کہتے ہیں؟ یاد رکھو ضمیرِ شان، یہ جو مذکر ہو تو اس کو ضمیرِ شان کہتے ہیں اور اگر یہ مؤنث کی ضمیر ہو تو اس کو ضمیرِ قصہ کہتے ہیں۔ ضمیرِ شان ایک مبہم ضمیر ہوتی ہے اور آگے آنے والا جملہ اس کی تفسیر کرتا ہے۔ هُوَ شان یہ ہے، یعنی حال یہ ہے، یعنی یوں کہو بات یہ ہے، بات یہ ہے اللهُ أَحَدٌ کہ اللہ یکتا ہے۔ تو یہ اللهُ أَحَدٌ پورا جملہ خبر ہے هُوَ ببتدا کی، اور جب جملہ خبر واقع ہو تو درمیان میں ربط ضروری ہے، اور یہاں پر کیا ربط ہے؟ اللهُ أَحَدٌ کے اندر تو کوئی ضمیر بھی نہیں ہے بھئی، تو یہاں کیا ربط ہے بھئی؟ تو یاد رکھنا کہ یہاں ربط بایں لحاظ ہے کہ یہ اللهُ أَحَدٌ یہ اسی هُوَ کی تفسیر ہے۔ بات یہ ہے، کیا بات ہے؟ اللهُ أَحَدٌ کہ اللہ یکتا ہے۔ تو اسی هُوَ کی تفسیر کر دی۔

تو یاد رکھو، پھر سنو، ضمیرِ شان ایک مبہم ضمیر ہوتی ہے، آگے آنے والا جملہ اس کی تفسیر کرتا ہے۔ قُلْ هُوَ، هُوَ ضمیر آ گئی، اور حالانکہ ضمیر کے لیے پہلے مرجع چاہیے، اور یہاں تو اس کا کوئی مرجع پیچھے نہیں ہے۔ تو سننے والا متوجہ ہو جاتا ہے کہ ضمیر آ گئی اور پیچھے مرجع کوئی نہیں، تو پھر آگے فوراً ہی اس ضمیر کی تفسیر کر دی جاتی ہے کہ اللهُ أَحَدٌ اللہ یکتا ہے بھئی۔ تو یہ ضمیرِ شان کسے کہتے ہیں؟ ایک مبہم ضمیر ہوتی ہے، آگے آنے والا جملہ اس کی تفسیر کرتا ہے۔ تو یہاں ربط کس طرح آیا؟ کہ وہ جو خبر ہے وہ اسی ببتدا کی تفسیر ہے بھئی، وہ کوئی الگ چیز نہیں ہے، وہ اسی کا معنی کھول کر بیان کر رہی ہے، وہ اسی کی تشریح کر رہی ہے، وہ اسی کی وضاحت کر رہی ہے، وہ کوئی الگ چیز ہے ہی نہیں، دونوں ایک ہی ہیں، هُوَ کیا ہے؟ اللهُ أَحَدٌ۔

بھئی ہوتا ہمیشہ یہ ہے: پہلے مرجع ذکر کیا جاتا ہے اس کے بعد ضمیر، لیکن یہ جو ضمیرِ شان اور ضمیرِ قصہ ہے، اس میں پہلے ضمیر ہوتی ہے اور پھر آگے اس کی تفسیر کی جاتی ہے۔ وجہ اس کی یہ ہے تاکہ بات اچھی طرح ذہن میں بیٹھ جائے، کیونکہ جب غائب کی ضمیر آئی تو سننے والا فوراً متوجہ ہو جاتا ہے کہ بھئی ضمیر آ گئی، مرجع تو پیچھے کوئی ذکر ہی نہیں ہوا، اور پھر جب ذہن متوجہ ہو گیا، اب ساتھ ہی آگے تفسیر بھی آ گئی کہ اللهُ أَحَدٌ اللہ یکتا ہے۔ تو دیکھو جب ذہن متوجہ ہو گیا، ذہن کے اندر طلب آ گئی کہ اس ضمیر کا مرجع کیا ہے، اس کا معنی کیا ہے، اس سے کیا مراد ہے، تو اب آگے جو بات آئے گی وہ ذہن میں اچھی طرح بیٹھ جائے گی۔ تو یہ جو ضمیرِ شان ہے اس میں ہمیشہ ضمیر پہلے آتی ہے، مرجع بعد میں آتا ہے، اور اس میں مقصد ہی یہ ہوتا ہے کہ پہلے ابہام پیدا کیا جائے، جب هُوَ کہا ابہام پیدا ہوا، اور اس ابہام کی وجہ سے سننے والا متوجہ ہو گا بھئی، اور جب متوجہ ہو گا جب آگے تفسیر آئے گی تو وہ اچھی طرح اس کے ذہن میں بیٹھ جائے گی۔

اور یہی ضمیر اگر مؤنث کی ہو تو اس کو ضمیرِ قصہ کہتے ہیں، جیسے: إِنَّهَا زَيْنَبُ قَائِمَةٌ، إِنَّهَا یہ هَا ضمیر، ضمیرِ قصہ کہلاتی ہے۔ ضمیرِ شان اور ضمیرِ قصہ ایک ہی چیز ہیں، فرق صرف اتنا ہے: مذکر کی ضمیر ہو تو ضمیرِ شان کہلاتی ہے اور مؤنث کی ہو تو ضمیرِ قصہ کہلاتی ہے۔ إِنَّهَا زَيْنَبُ قَائِمَةٌ، قصہ یہ ہے زَيْنَبُ قَائِمَةٌ کہ زینب کھڑی ہے، یعنی بات یہ ہے کہ زینب کھڑی ہے۔

دیکھو یہ جو ضمیرِ شان آتی ہے، آگے آنے والا جملہ اس کی تفسیر کرتا ہے، اس جملے کے اندر اگر مسند الیہ مذکر ہو تو پھر

ضمیر بھی مذکر والی شروع میں لاتے ہیں اور اس کو ضمیرِ شان کہتے ہیں، اور اگر آگے آنے والے جملے میں جو مسند الیہ ہے وہ مؤنث ہو تو پھر ضمیر بھی شروع میں مؤنث والی لائی جاتی ہے۔ تو یہ جو ضمیر مذکر یا مؤنث لاتے ہیں کس کے اعتبار سے لاتے ہیں؟ آگے جو جملہ تفسیر کر رہا ہے اس ضمیر کی، اس میں اگر مسند الیہ مذکر ہو تو ضمیر مذکر کی لاتے ہیں، اور اگر وہ مؤنث ہو تو ضمیر مؤنث کی لاتے ہیں۔ بات سمجھ میں آگئی؟

تو یہاں پر بھی قُلْ هُوَ اللّٰهُ أَحَدٌ، یہ هُوَ یہ ضمیرِ شان ہے اور اللّٰهُ أَحَدٌ یہ اسی کی تفسیر کر رہا ہے، یہ کوئی الگ چیز نہیں، تو اسی سے ربط آگیا، کیونکہ یہ دونوں ایک ہی چیز ہیں۔ تو کہتے ہیں: أَوْ كَوْنُ الْخَبَرِ تَفْسِيرًا لِلْمُبْتَدَأِ یا خبر کا مبتدا کے لیے تفسیر ہونا، نَحْوُ قُلْ هُوَ اللّٰهُ أَحَدٌ جیسے قُلْ هُوَ اللّٰهُ أَحَدٌ بھئی۔

حاصلِ کلام یہاں کیا ہوا؟ کہ جملے کو جب بھی کسی چیز سے جوڑنا ہو تو ربط ضروری، اور یاد رکھنا یہی حکم جو ہے شبہ جملہ کا بھی ہے، اس کو بھی جس چیز سے جوڑنا ہو ربط ضروری۔ اور وہ چیز جو ربط دے اس کو عائد کہتے ہیں۔ اور اس عائد کی ایک صورت یہ ہے کہ کوئی غائب کی ضمیر ہو جو اس چیز کی طرف لوٹے جس کے ساتھ آپ اس جملے کو جوڑنا چاہتے ہیں۔ اور عائد کی دوسری صورت جو ہے جیسے الف لام آجائے کیونکہ الف لام کے ذریعے بھی کسی چیز کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے، اس سے بھی ربط آجاتا ہے: نِعْمَ الرَّجُلُ زَيْدٌ، نِعْمَ الرَّجُلُ کتنا اچھا ہے وہ آدمی، اس 'وہ' کے ذریعے اشارہ ہو گیا کس کی طرف؟ آگے جو زید مبتدا ذکر ہے، تو اس کے ذریعے ربط آگیا۔ اور کبھی کبھار ربط آتا ہے کہ ضمیر کے بجائے اسمِ ظاہر کو لے آئیں، جیسے: اَلْحَاقَّةُ مَا الْحَاقَّةُ، الحاقۃ ہے مبتدا اور مَا الْحَاقَّةُ ہے اس کی خبر، یا جیسے: اَلْقَارِعَةُ مَا الْقَارِعَةُ، القارعۃ ہے مبتدا اور مَا الْقَارِعَةُ یہ پورا جملہ اس کی خبر ہے، اور مَا الْقَارِعَةُ کو کس سے جوڑا گیا ہے؟ القارعۃ سے، تو جس سے جوڑا جا رہا ہے وہ خود ہی مَا الْحَاقَّةُ کے اندر آگیا تو اس سے ربط آگیا، تو اس کو کیا کہتے ہیں؟ وَضْعُ الْمُظْهَرِ مَوْضِعَ الْمُضْمَرِ۔ اور اسی طرح کبھی کبھار خبر جو ہے وہ جملہ ہوتی ہے، لیکن وہ خود مبتدا کی تفسیر کر رہی ہے، اس کا معنی بیان کر رہی ہے، تو اس سے بھی ربط آگیا، تو یہ بھی عائد ہے۔

آگے دیکھیے، کہتے ہیں: وَقَدْ يُحْذَفُ الْعَائِدُ، اور کبھی کبھار عائد کو حذف کر لیا جاتا ہے إِذَا كَانَ ضَمِيرًا جب وہ ضمیر ہو، لِقِيَامِ قَرِينَةٍ أَيْ وَقْتَ قِيَامِ قَرِينَةٍ، یہ لام کس معنی میں ہے؟ وقت کے معنی میں ہے۔ تو کہتے ہیں عائد کو کبھی کبھار حذف کر لیا جاتا ہے جب وہ ضمیر ہو، جس وقت قرینہ قائم ہو، نَحْوُ مثال کے طور پر: اَلْبُرُّ الْكُرُّ بِسِتِّينَ دِرْهَمًا وَالسَّمْنُ مَنَوَانِ بِدِرْهَمٍ۔ اَلْبُرُّ الْكُرُّ بِسِتِّينَ دِرْهَمًا، بُرّ کہتے ہیں گندم کو بھئی، اور اَلْكُرُّ یہ ایک پیمانہ ہے گندم ماپنے کا بھئی، یہ سب سے بڑا پیمانہ ہے گندم ماپنے کا۔ یاد رکھو ایک کُر جو ہے وہ بارہ وسق کا ہوتا ہے، واؤ، سین اور قاف ہے دو نقطوں والا، ایک کُر بارہ وسق کے برابر ہے، اور ایک وسق جو ہے وہ ساٹھ صاع کے برابر ہے، اور ایک صاع جو ہے وہ تین سیر چھ چھٹانک کے برابر ہے، یعنی

یوں کہو تین سیر ڈیڑھ پاؤ، تین سیر ڈیڑھ پاؤ یعنی دو پاؤ ہو جاتے پھر تو ساڑھے تین سیر ہو جاتے، توجہ ہے؟ تو یہ ساڑھے تین سیر سے تھوڑا سا کم ہوتا ہے، تین سیر چھ چھٹانک کہہ لو یا ڈیڑھ پاؤ کہہ لو۔ یہ ایک صاع ہے، جیسے آپ نے بھی پڑھا ہے کہ صدقۂ فطر کتنا دینا پڑتا ہے؟ نصف صاع گندم ہے، بعض چیزیں صاع ہیں اور بعض چیزیں نصف صاع۔ تو یہ جو صاع ہوتا ہے یہ تین سیر چھ چھٹانک کا ہوتا ہے، اور تولوں کے حساب سے یاد رکھو: ایک سیر جو ہے وہ اسی تولے کا ہوتا ہے، ایک سیر اسی تولے کا۔ ہمارے ہاں آج کل کلو رائج ہے، یاد رکھو یہ کلو سیر سے بڑا ہے، کلو تقریباً چھیاسی تولے کا ہے۔ سیر کتنا؟ اسی تولے، اور کلو کتنا؟ چھیاسی، یعنی تقریباً چھ تولے کا فرق ہے دونوں کے اندر، پورا چھ تولے کا نہیں ہے لیکن اس کے لگ بھگ فرق ہے بھئی۔ تو یہ جو تین سیر چھ چھٹانک ہے یہ ہے ایک صاع بھئی، اور یہ ساٹھ صاع ہوں، ساٹھ صاع تو بنتا ہے ایک وسق بھئی۔ یہ کوئی پانچ من کے لگ بھگ بنتا ہے، پانچ من، ایک من میں چالیس سیر ہوتے ہیں، تو یہ ایک وسق بنتا ہے۔ اور بارہ وسق ہوں تو ایک کُر بنتا ہے بھئی۔ بات سمجھ میں آگئی؟ معلوم ہوا یہ کوئی پچاس ساٹھ من کے برابر جو گندم ہے اس کو ایک کُر کہتے ہیں، یعنی بڑا ڈھیر ہو گا گندم کا بھئی، یہ ہے ایک کُر۔ دیکھیے اب کتاب پر، کہتے ہیں: اَلْبُرُّ الْكُرُّ بِسِتِّينَ دِرْهَمًا گندم جو ہے، اَلْكُرُّ ایک کُر اس کا بِسِتِّينَ دِرْهَمًا ساٹھ درہم کا ہے۔ کتنے کا ہے؟ ساٹھ درہم کا ایک کُر ہے۔

آگے ہے: وَالسَّمْنُ مَنَوَانِ بِدِرْهَمٍ، اور سَمْن گھی کو کہتے ہیں، اور گھی جو ہے مَنَوَانِ بِدِرْهَمٍ وہ دو من ہے ایک درہم کے بدلے۔ یاد رکھو یہ وہ من چالیس سیر والا نہیں مراد بھئی، یہ اور پیمانہ ہے چھوٹا سا کوئی پیمانہ ہے، بعضوں نے ایک سیر لکھا ہے، تو یہ چھوٹا پیمانہ ہے بھئی۔ تو گھی جو ہے دو من بِدِرْهَمٍ ایک درہم کے بدلے ہے بھئی۔

بھئی اب دیکھو ترکیب سنو، ترکیب سنو۔ اَلْبُرُّ مرفوع لفظاً بتدائے اول۔ توجہ سے سنو مشکل ترکیب ہے۔ اَلْبُرُّ مرفوع لفظاً بتدائے اول۔ اَلْكُرُّ مرفوع لفظاً بتدائے ثانی۔ بِسِتِّينَ دِرْهَمًا با جارہ، سِتِّينَ مجرور لفظاً مبہم ممیز، مبہم ممیز۔ ساٹھ، بھئی ساٹھ کیا چیز ہیں؟ کتابیں ہیں، قلم ہیں؟ تو اس کے لیے آگے تمیز چاہیے جو اس سے ابہام کو دور کرے، تو سِتِّينَ مجرور لفظاً مبہم ممیز۔ مبہم ممیز کہیں یا صرف ممیز کہہ دیں۔ تو سِتِّينَ مجرور لفظاً ممیز اور دِرْهَمًا منصوب لفظاً اس کی تمیز کہ وہ ساٹھ کیا ہیں؟ درہم ہیں بھئی۔ ممیز اپنی تمیز سے مل کر یہ مجرور ہوا با جارہ کے لیے۔ اور یہ جار مجرور مل کر یہ خبر ہیں بتدائے ثانی اَلْكُرُّ کے لیے۔ ترکیب سمجھ میں آرہی ہے؟

تو جار مجرور مل کر کس سے متعلق ہوں گے؟ توجہ ہے؟ جی۔ یہ خبر ہے اَلْكُرُّ کے لیے۔ جی۔ تو جار مجرور مل کر متعلق کس سے؟ ثَبَتَ نکال لیں یا ثَابِتٌ نکال لیں۔ ثَبَتَ فعل سے۔ ثَبَتَ فعل، اس کے اندر هُوَ ضمیر مرفوع محلاً اس کا فاعل، جو کس کو راجع؟ جی؟ اَلْكُرُّ کو راجع یا اَلْبُرُّ کو راجع؟ شاباش اَلْكُرُّ، کیونکہ بِسِتِّينَ دِرْهَمًا یہ اَلْكُرُّ کی خبر ہے، تو یہ ثَبَتَ کے اندر هُوَ ضمیر جو راجع ہے اَلْكُرُّ کو۔ فعل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر خبر۔ بتدائے ثانی جو اَلْكُرُّ ہے یہ اپنی خبر سے مل کر جملہ اسمیہ ہو کر، یہ خبر ہوا اَلْبُرُّ کے لیے۔

ترکیب سمجھ میں آگئی؟ یہ خبر ہوا کس کے لیے؟ اَلْبُرُّ کے لیے۔ تو یہ پورا جملہ خبر بن رہا ہے اور جملے کو خبر بنانے کے لیے ربط ضروری، تو اس کے اندر تو کوئی ربط نہیں آیا، ربط نہیں آیا۔ تو یاد رکھو یہاں پر عائد محذوف ہے، اور عبارت اصل میں یوں ہے: اَلْكُرُّ مِنْهُ بِسِتِّينَ دِرْهَمًا۔ عائد کیا ہے؟ محذوف ہے۔ یاد رکھو عائد جب مِنْ کے ساتھ ہو، ضمیر ہے اور مِنْ کے ساتھ ہو تو اس کو قیاساً حذف کر لیا جاتا ہے، یعنی عموماً اس کو حذف کر لیتے ہیں۔ تو یہاں پر بھی اَلْكُرُّ مِنْهُ، یہ مِنْهُ، مِنْ جارہ، هَا ضمیر مجرور، اور یہ هَا ضمیر کس کو راجع؟ اَلْكُرُّ مِنْهُ، اس میں سے ایک کُر۔ کس میں سے ایک کُر؟ گندم میں سے، گندم میں سے۔ تو یہ مِنْهُ کی هَا ضمیر کس کو راجع؟ اَلْبُرُّ کو یعنی بتدائے اول کو، اور یہ ربط دے رہی ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟

اچھا یہ مِنْهُ ترکیب میں کیا واقع ہو گا؟ بھئی دیکھیے اس سے پہلے اَلْكُرُّ آیا، معرفہ کے بعد مِنْهُ آیا، توجہ ہے؟ مِنْهُ آیا۔ اور جار مجرور میں نے آپ کو بتایا تھا نکرہ کے بعد آئیں تو وہ عموماً اس کے لیے صفت بنتے ہیں، اور معرفہ کے بعد آئیں تو وہ عموماً اس کے لیے حال بنتے ہیں۔ تو اَلْكُرُّ مِنْهُ، یہ مِنْهُ کو کیا بنا دو؟ حال بنا دو کس سے؟ اَلْكُرُّ سے۔ توجہ ہے؟ جی۔ یہ مِنْهُ ربط دے رہا ہے کس جملے کو؟ اَلْكُرُّ مِنْهُ بِسِتِّينَ دِرْهَمًا، اس جملے کو ربط دے رہا ہے کس کے ساتھ؟ اَلْبُرُّ کے ساتھ۔ توجہ ہے؟ تو لہٰذا اسی جملے کے اندر اس کو حال بنانا ہے، تو کس سے بنا دیں حال؟ اَلْكُرُّ سے حال بنا دیں۔ اَلْكُرُّ بتدا ہے اور اسی کو کیا بنا دو؟ ذوالحال۔ اور مِنْهُ، مِنْ جارہ، هَا ضمیر مجرور، جار مجرور مل کر متعلق کس سے؟ جی، آپ اس کو کیا بنا رہے ہیں؟ حال بنا رہے ہیں، اور حال کیا ہوتا ہے؟ منصوب ہوتا ہے، تو ثَابِتًا نکالیں، تو مِنْهُ متعلق ہوا ثَابِتًا سے۔ ثَابِتًا منصوب لفظاً صیغۂ اسمِ فاعل، اس کے اندر هُوَ ضمیر مرفوع محلاً اس کا فاعل، جو کس کو راجع؟ حال کو کس سے جوڑتے ہیں؟ ذوالحال سے جوڑتے ہیں، تو اس کے اندر هُوَ ضمیر اَلْكُرُّ کو راجع۔ اَلْكُرُّ ذوالحال اپنے حال سے مل کر یہ ہوا بتدا، اور بِسِتِّينَ دِرْهَمًا یہ ہوئی اس کی خبر۔

ہاں اس پر ایک اشکال ہوتا ہے کہ یہ تو آپ بتدا سے حال بنا رہے ہیں، بتدا سے حال۔ حالانکہ صاحبِ کافیہ کا مذہب یہ ہے کہ حال صرف فاعل یا مفعول کی حالت بیان کرتا ہے، اور اَلْكُرُّ یہ تو بتدا ہے نا، یہ فاعل ہے یا یہ نہ مفعول ہے بھئی، اس سے کیسے حال آگیا؟ تو یاد رکھو صاحبِ کافیہ کا تو یہ مذہب ہے کہ حال صرف فاعل یا مفعول کی حالت بیان کرتا ہے، لیکن ابنِ مالک رحمہ اللہ یہ بھی ایک بہت بڑے نحوی گزرے ہیں، وہ فرماتے ہیں حال مطلقاً ہیئت بیان کرتا ہے، کسی بھی چیز سے حال آسکتا ہے، تو ان کے مذہب کو لے لیں تو پھر اَلْكُرُّ سے حال آنا صحیح ہے۔ ہاں صاحبِ کافیہ کے مذہب میں حال صرف فاعل یا مفعول سے آسکتا ہے، لہٰذا اس صورت میں پھر اس کو حال بناؤ، کس سے حال بنائیں؟ کوئی فاعل یا مفعول آیا اس جملے میں؟ نہیں۔ جی؟ وہ جو بِسِتِّينَ دِرْهَمًا کو جوڑا تھا کس سے؟ ثَابِتٌ سے، اور اس ثَابِتٌ کے اندر هُوَ ضمیر کیا تھی؟ وہ فاعل تھی، وہ هُوَ ضمیر کس کو راجع؟ وہ بھی اَلْكُرُّ کو راجع ہے، تو کُر سے چاہے براہِ راست حال بنا دو، یا ثَابِتٌ کے اندر جو هُوَ ضمیر جو کُر کو راجع ہے... ثَابِتٌ بِسِتِّينَ دِرْهَمًا، یہ ثَابِتٌ کیا تھا؟ یہ ثَابِتٌ خبر ہے، وہ جو ثَابِتًا مِنْهُ نکالا وہ حال ہے، میں اس کی بات نہیں کر رہا، یہ ثَابِتٌ بِسِتِّينَ دِرْهَمًا یہ ثَابِتٌ کیا ہے؟ خبر، اور خبر کیا ہوتی ہے؟ مرفوع، اور اس کے اندر ثَابِتٌ کے اندر

کون سی ضمیر ہے؟ هُوَ ضمیر، اور وہ کس کو راجع؟ اَلْكُرُّ کو راجع ہے، تو اس ضمیر کو بنا دو ذوالحال اور مِنْهُ کو اس سے حال بنا دو، أَيْ ثَابِتًا مِنْهُ، ثَابِتًا مِنْهُ۔ اور اس صورت میں یہ جو ثَابِتًا مِنْهُ کے اندر هُوَ ضمیر ہے اس کو کس کی طرف لوٹائیں گے؟ حال ہے، حال کو کس سے جوڑتے ہیں؟ ذوالحال سے جوڑتے ہیں، تو اس ثَابِتًا کے اندر هُوَ ضمیر وہ جو ثَابِتٌ کے اندر هُوَ ضمیر تھی اس کی طرف لوٹائیں گے کیونکہ وہ ذوالحال ہے۔ تو لہٰذا یوں تعبیر نہ کرو کہ هُوَ ضمیر هُوَ ضمیر کو راجع، بات تو آپ کی ٹھیک ہے لیکن تعبیر اچھی نہیں، یوں کہو کہ هُوَ ضمیر ذوالحال کو راجع ہے، هُوَ ضمیر ذوالحال کو۔ ترکیب سمجھ میں آرہی ہے؟ تو لہٰذا اگر ابنِ مالک رحمہ اللہ کا قول لیا جائے تو مِنْهُ کو کس سے حال بنا دو؟ اَلْكُرُّ سے بنا دو، اور صاحبِ کافیہ کا مذہب لیا جائے تو مِنْهُ کو حال کس سے بناؤ؟ ثَابِتٌ بِسِتِّينَ دِرْهَمًا کے اندر جو ضمیر ہے اس سے حال بنا دو۔ بات سمجھ میں آگئی؟

ایک اور ترکیب بھی یہاں سمجھ لو بھئی، وہ بھی فائدے سے خالی نہیں۔ ایک ترکیب یہاں یہ کہ مِنْهُ کو صفت بنا دو اَلْكُرُّ کے لیے۔ توجہ ہے؟ مِنْهُ کو صفت بنا دو کس کے لیے؟ اَلْكُرُّ کے لیے۔ اس پر آپ کے ذہن میں اشکال آئے گا کہ اَلْكُرُّ یہ تو معرفہ ہے اس پر الف لام داخل ہے، اور معرفہ کے بعد جار مجرور آئے وہ تو حال بنتا ہے، آپ اس کو کیا بنانا چاہتے ہیں؟ صفت۔ نکرہ کے بعد جار مجرور آئے، توجہ ہے؟ نکرہ کے بعد جار مجرور آئے تو وہ کیا بنتا ہے؟ صفت۔ تو یاد رکھنا کہ یہ جو اَلْكُرُّ ہے اس کے اندر الف لام عہدِ ذہنی کا بنا لیں، کیونکہ یہاں تعریف مقصود نہیں، اس کے اندر الف لام عہدِ ذہنی کا ہے۔ اور میں نے آپ کو بتلایا تھا کہ الف لام جس لفظ پر داخل ہو جائے وہ اس لفظ کو معرفہ بنا دیتا ہے، رَجُلٌ نکرہ تھا اَلرَّجُلُ کیا بن گیا؟ معرفہ۔ لیکن اگر یہ الف لام عہدِ ذہنی کا ہے تو پھر اس صورت میں لفظوں کے اعتبار سے تو وہ معرفہ بن جائے گا، لیکن معنی کے اعتبار سے وہ نکرہ کا نکرہ ہی ہے، جیسے اس کی مثال بھی میں نے ذکر کی تھی، جیسے حضرت یعقوب علیہ السلام کا واقعہ ہے: إِنِّي أَخَافُ أَنْ يَأْكُلَهُ الذِّئْبُ، الذِّئْبُ پر الف لام آیا لیکن یہ الف لام کون سا ہے؟ عہدِ ذہنی کا ہے، اور میں نے بتایا تھا کہ یہ الذِّئْبُ لفظوں کے اعتبار سے معرفہ بن گیا ہے، لیکن معنی کے اعتبار سے یہ نکرہ ہی ہے، اب اس کا ترجمہ نکرہ والا ہی کریں گے، تو الذِّئْبُ کیا ترجمہ کریں گے؟ کوئی بھیڑیا، مجھے خوف ہے کہ ان کو کوئی بھیڑیا کھا جائے گا۔ تو یہاں پر بھی اَلْكُرُّ کے اندر جو الف لام ہے وہ الف لام کون سا ہوا؟ عہدِ ذہنی والا، تو یہ معنی کے اعتبار سے نکرہ ہے، جب معنی کے اعتبار سے نکرہ ہے تو مِنْهُ کا اس کے لیے صفت بننا صحیح۔ تو اَلْكُرُّ مرفوع لفظاً موصوف، مِنْهُ جار مجرور مل کر کس سے متعلق؟ ثَابِتٌ سے، کس سے؟ ثَابِتٌ سے، کیونکہ اَلْكُرُّ پر بے شک الف لام ہے لیکن وہ معنی کے اعتبار سے نکرہ تو اس کی صفت بھی کیا لائیں گے؟ نکرہ لائیں گے ثَابِتٌ، اور صفت کا وہی اعراب ہوتا ہے جو موصوف کا اعراب ہوتا ہے، اور موصوف یہاں مرفوع ہے تو صفت ثَابِتٌ بھی ہم نے مرفوع نکالی۔ تو ثَابِتٌ مِنْهُ، اور ثَابِتٌ کے اندر هُوَ ضمیر وہ کس کو راجع؟ صفت کو کس سے جوڑتے ہیں؟ موصوف سے، تو وہ هُوَ ضمیر اَلْكُرُّ کو راجع ہے۔ ترکیب سمجھ میں آگئی؟

اگلی ترکیب دیکھیے: وَالسَّمْنُ مَنَوَانِ بِدِرْهَمٍ، اور گھی جو ہے مَنَوَانِ بِدِرْهَمٍ وہ دو من ایک درہم کے بدلے ہے۔ ترکیب

سنو: اَلسَّمْنُ مرفوع لفظاً بتدائے اول۔ مَنَوَانِ مرفوع لفظاً کیونکہ یہ تثنیہ ہے، تثنیہ کا رفع کس کے ساتھ آتا ہے؟ الف کے ساتھ، تو مَنَوَانِ مرفوع لفظاً بتدائے ثانی۔ توجہ ہے؟ با جارہ، دِرْهَمٍ مجرور، جار مجرور مل کر متعلق کس سے؟ توجہ ہے؟ اَلسَّمْنُ ہے بتدائے اول، مَنَوَانِ بِدِرْهَمٍ یہ پورا جملہ اس کی خبر ہے، تو اس کے اندر پھر مَنَوَانِ یہ آیا بتدائے ثانی اور یہ بِدِرْهَمٍ اس مَنَوَانِ کی خبر ہے۔ جی ترکیب کیجیے: با جارہ، دِرْهَمٍ مجرور، جار مجرور مل کر متعلق کس سے؟ شاباش، ثَابِتَانِ نکالیں گے، کیوں؟ کیونکہ یہ بِدِرْهَمٍ کس کی خبر ہے؟ مَنَوَانِ کی اور وہ ہے تثنیہ، تو ربط دینے کے لیے ضمیر بھی کون سی چاہیے؟ تثنیہ والی ضمیر چاہیے، تو بِدِرْهَمٍ متعلق ہوا ثَابِتَانِ سے۔ اور ثَابِتَانِ مرفوع ہے، کیوں مرفوع؟ کیونکہ خبر ہے، اور اس کے اندر هُمَا ضمیر مرفوع محلاً اس کا فاعل، اس کا فاعل جو کس کو راجع؟ مَنَوَانِ بتدائے ثانی کو راجع۔ اسمِ فاعل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر شبہ جملہ ہو کر یہ خبر، بتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ ہوا اور یہ خبر ہے اَلسَّمْنُ کے لیے۔

لیکن سوال، جملے کو تو جب بھی کسی چیز سے جوڑنا ہو ربط ضروری، اور یہاں تو کوئی عائد نہیں، تو یہاں پر بھی عائد محذوف ہے، أَيْ مَنَوَانِ مِنْهُ بِدِرْهَمٍ، مَنَوَانِ مِنْهُ بِدِرْهَمٍ۔ اور پھر یہ مِنْهُ کو کیا بنائیں گے؟ یہ بھئی مَنَوَانِ نکرہ ہے، اور نکرہ کے بعد جار مجرور آجائے تو وہ صفت بنے گا، وہاں ہم نے مِنْهُ کو حال بنایا تھا کیونکہ معرفہ کے بعد آرہا تھا اور ایک صورت میں صفت بھی ہم نے بنا دیا تھا کیونکہ وہ الف لام عہدِ ذہنی کا تھا بھئی، لیکن یہاں تو مَنَوَانِ نکرہ ہے تو یہاں مِنْهُ کو اس کی صفت بنا دیں گے۔ تو مِنْ جارہ، هَا ضمیر مجرور محلاً اور یہ هَا ضمیر کس کو راجع؟ اَلسَّمْنُ کو راجع، یہ بتدائے اول سے ربط دے رہی ہے یہ عائد ہے بھئی۔ جار مجرور مل کر کس سے متعلق؟ یہ مَنَوَانِ کی صفت بنانا ہے، مَنَوَانِ کی صفت بنانا ہے مِنْهُ کو، توجہ ہے؟ ہاں، موصوف تثنیہ ہے تو صفت بھی کیا نکالیں گے؟ تثنیہ، اور موصوف مرفوع ہے تو صفت بھی مرفوع، تو مِنْهُ متعلق ہوا ثَابِتَانِ سے۔ ثَابِتَانِ مرفوع لفظاً صیغۂ اسمِ فاعل، اس کے اندر هُمَا ضمیر مرفوع محلاً اس کا فاعل جو کس کو راجع؟ مَنَوَانِ کو۔ تو اسمِ فاعل اپنے فاعل اور متعلق یعنی مِنْهُ سے مل کر یہ شبہ جملہ ہو کر صفت، موصوف صفت مل کر بتدائے ثانی، اور بِدِرْهَمٍ اس کی خبر، بتدائے ثانی اپنی خبر سے مل کر جملہ اسمیہ ہو کر یہ خبر ہوئی کس کے لیے؟ یہ اَلسَّمْنُ کے لیے، بتدائے اول اپنی خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔ اَلسَّمْنُ مَنَوَانِ مِنْهُ بِدِرْهَمٍ، گھی جو ہے دو من مِنْهُ اس میں سے، گھی جو ہے دو من اس میں سے بِدِرْهَمٍ ایک درہم کے بدلے ہیں۔

ترکیب سمجھ میں آگئی؟ تو ان جملوں میں دیکھو عائد کو حذف کر لیا گیا۔ تو عائد میں نے بتایا جب ضمیر ہو اور اس پر مِنْ داخل ہو رہا ہو تو اس کو قیاساً حذف کر لیا جاتا ہے۔

اسی طرح یاد رکھو عائد اگر مفعول بن رہا ہو تو بھی اس کو حذف کرنا جائز ہے۔ عائد کیا ہو؟ مفعول، کیونکہ مفعول فضلہ ہوتا ہے، مفعول کو حذف کرنا جائز ہے۔ جیسے دیکھو، جیسے زَيْدٌ ضَرَبْتُ، زَيْدٌ ضَرَبْتُ، ترکیب کیجیے: زَيْدٌ مرفوع لفظاً بتدا، ضَرَبْتُ

فعل با فاعل، اس کے اندر تَا ضمیر مرفوع محلاً اس کا فاعل، اور فعل اپنے فاعل سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر خبر، لیکن یہاں تو عائد کوئی نہیں، ربط کوئی نہیں، تو یاد رکھو مفعول محذوف ہے، أَيْ ضَرَبْتُهُ، زَيْدٌ ضَرَبْتُهُ۔ تو ضَرَبْتُ فعل با فاعل، تَا ضمیر مرفوع محلاً فاعل، اور هَا ضمیر منصوب محلاً مفعول بہ، اور یہ راجع ہے کس کو؟ زید کو یعنی بتدا کو۔ تو فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر خبر، بتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو عائد اگر مفعول ہو تو اس کو بھی حذف کرنا جائز کیونکہ مفعول فضلہ ہوتا ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟

دوبارہ دیکھیے، کہتے ہیں: وَقَدْ يُحْذَفُ الْعَائِدُ إِذَا كَانَ ضَمِيرًا لِقِيَامِ قَرِينَةٍ، اور کبھی کبھار عائد کو حذف کر لیا جاتا ہے جب وہ ضمیر ہو، لِقِيَامِ قَرِينَةٍ قرینہ قائم ہوتے وقت۔ یہ ترجمہ نہ کرنا «قرینہ قائم ہونے کی وجہ سے»، یہ لام کو علت کے لیے نہ بناؤ، جی؟ یہ تو پھر تو معنی یہ بن جائے گا: جب بھی قرینہ ہو عائد کو حذف کرنا ضروری ہے، حالانکہ جب بھی قرینہ ہو عائد کا حذف کرنا کوئی ضروری ہے؟ نہیں۔ ہاں، جس وقت قرینہ موجود ہے تو آپ حذف کر سکتے ہیں۔ تو لام کو علت کے لیے بناؤ گے تو معنی تو یہ ہو جائے گا کہ یہ قرینہ باعث بن گیا اس کے حذف کرنے کا، حالانکہ قرینہ سبب اور باعث نہیں بنتا، قرینہ صرف پھر اس پر دلالت کرتا ہے۔ تو کہتے ہیں: وَقَدْ يُحْذَفُ الْعَائِدُ اور کبھی کبھار عائد کو حذف کر لیا جاتا ہے إِذَا كَانَ ضَمِيرًا جب وہ عائد جو ہے ضمیر ہو، لِقِيَامِ قَرِينَةٍ أَيْ وَقْتَ قِيَامِ قَرِينَةٍ جس وقت کوئی قرینہ قائم ہو، نَحْوُ مثال کے طور پر: اَلْبُرُّ الْكُرُّ بِسِتِّينَ دِرْهَمًا گندم جو ہے ایک کُر ساٹھ درہم کے بدلے ہے، وَالسَّمْنُ مَنَوَانِ بِدِرْهَمٍ اور گھی جو ہے دو من ایک درہم کے بدلے ہے، أَيِ الْكُرُّ مِنْهُ وَمَنَوَانِ مِنْهُ۔ عبارت بتلا رہے ہیں کہ اَلْكُرُّ مِنْهُ ہے یعنی مِنْهُ محذوف ہے، اسی طرح وَمَنَوَانِ مِنْهُ ہے یعنی مِنْهُ محذوف ہے۔

بِقَرِينَةِ، بھئی قرینہ کیا ہے؟ یہ مِنْهُ کو کیوں حذف کیا گیا؟ کیا قرینہ ہے؟ کہتے ہیں بھئی دیکھو، جو گندم بیچنے والا ہے وہ گندم کا نرخ ہی بتائے گا، گندم کا ریٹ ہی بتلائے گا، اور جو گھی بیچنے والا ہے وہ گھی کا نرخ یعنی گھی کا ریٹ ہی بتائے گا بھئی۔ کہتے ہیں: بِقَرِينَةِ اس قرینے کی وجہ سے کہ أَنَّ بَائِعَ الْبُرِّ وَالسَّمْنِ کہ گندم اور گھی بیچنے والا لَا يُسَعِّرُ غَيْرَهُمَا وہ نرخ بیان نہیں کرتا غَيْرَهُمَا ان دونوں کے علاوہ کی۔ بھئی سَعَّرَ يُسَعِّرُ، تَسْعِير کا معنی ہوتا ہے قیمت مقرر کرنا، لیکن یہاں ہے قیمت بیان کرنے کے معنی میں، اس لیے کیونکہ گندم اور گھی بیچنے والا لَا يُسَعِّرُ غَيْرَهُمَا تو وہ گندم اور گھی کے علاوہ کی قیمت بیان نہیں کرتا۔

وَمَا وَقَعَ ظَرْفًا، اور وہ خبر جو ظرف ہو کر واقع ہو، أَيِ الْخَبَرُ الَّذِي وَقَعَ ظَرْفَ زَمَانٍ أَوْ مَكَانٍ۔ بھئی متن میں آیا وَمَا وَقَعَ، اور صاحبِ جامی تفسیر کر رہے ہیں: أَيِ الْخَبَرُ الَّذِي وَقَعَ، توجہ ہے؟ ایک تو یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ یہ وَمَا وَقَعَ کے اندر جو مَا آیا یہ مَا موصولہ ہے اور وَقَعَ ظَرْفًا یہ اس کا صلہ ہے۔ اور آپ جانتے ہیں اسمِ موصول معرفہ ہوتا ہے، یاد رکھو یہ جو اسمائے موصولہ ہوتے ہیں ان کے مدلولات ہوتے ہیں، یہ کسی چیز پر دلالت کرتے ہیں۔ میں جب کہوں گا اَلَّذِي تو اس سے کوئی خاص متعین چیز مراد ہو گی، کیونکہ یہ معرفہ ہے اور معرفہ کسے کہتے ہیں؟ جو کسی معین چیز پر دلالت کرے۔ تو یہاں ایک تو یہ بتلا دیا کہ

یہ مَا اسمِ موصول ہے اَلَّذِي ذکر کیا، اور ساتھ اس کا مدلول بھی ذکر کر دیا کہ اَلَّذِي سے کیا مراد ہے؟ اَلْخَبَرُ۔ اَلْخَبَرُ الَّذِي کہا، بتلایا کہ یہ اَلَّذِي سے خبر مراد ہے۔

تو کہتے ہیں: وَمَا وَقَعَ ظَرْفًا اور وہ خبر جو ظرف ہو کر واقع ہو، أَيِ الْخَبَرُ الَّذِي وَقَعَ ظَرْفَ زَمَانٍ أَوْ مَكَانٍ أَوْ جَارًّا وَمَجْرُورًا، یعنی وہ خبر جو ظرفِ زمان یا ظرفِ مکان یا جار مجرور واقع ہو۔ بھئی متن میں آیا تھا ظَرْفًا، صاحبِ جامی اس کی تفسیر کر رہے ہیں: ظَرْفَ زَمَانٍ أَوْ مَكَانٍ أَوْ جَارًّا وَمَجْرُورًا۔ بتلانا یہ چاہتے ہیں کہ ظرف ہونا عام ہے، چاہے ظرفِ حقیقی ہو یعنی جس میں زمانے یا جگہ والا معنی ہو، یا ظرفِ مجازی ہو یعنی جار مجرور ہو، جو بھی خبر ظرف واقع ہو گی، فَالْأَكْثَرُ مِنَ النُّحَاةِ تو اکثر جو نحوی ہیں، وَهُمُ الْبَصْرِيُّونَ اور وہ کون ہیں؟ بصرہ والے ہیں، عَلَى أَنَّهُ وہ اس بات پر ہیں کہ أَنَّهُ أَيِ الْخَبَرَ الْوَاقِعَ ظَرْفًا یعنی وہ خبر جو ظرف واقع ہوئی ہے، وہ خبر جو ظرف واقع ہوئی ہے۔

بھئی دیکھیے متن میں آیا أَنَّهُ، صاحبِ جامی آگے فرما رہے ہیں: أَيِ الْخَبَرَ الْوَاقِعَ ظَرْفًا، یعنی هَا ضمیر کا مرجع بتلا رہے ہیں کہ أَنَّهُ کی هَا ضمیر کس کو راجع؟ خبر کو، خبر کو، وہ خبر جو ظرف ہو کر واقع ہے، وہ خبر جو ظرف ہو کر واقع ہے وہ مراد ہے۔ تو یہ تفسیر کی، اور أَنَّهُ، هَا ضمیر کا اعراب کیا ہے؟ یہ أَنَّ کا اسم ہے، منصوب ہے محلاً۔ توجہ ہے؟ یہ منصوب ہے محلاً، تو آگے جو تفسیر کی اس کا بھی وہی اعراب ہو گا، وہ بھی منصوب ہو گی: أَيِ الْخَبَرَ الْوَاقِعَ ظَرْفًا یعنی وہ خبر جو ظرف ہو کر واقع ہو۔ مُقَدَّرٌ أَيْ مُؤَوَّلٌ، مُقَدَّرٌ کی تفسیر مُؤَوَّلٌ کے ساتھ کی کہ اس کی تاویل کی جائے گی بِجُمْلَةٍ کس کے ساتھ؟ جملے کے ساتھ۔ بھئی کیا معنی جملے کے ساتھ؟ کہتے ہیں: بِتَقْدِيرِ الْفِعْلِ فِيهِ فعل کی تقدیر کے ساتھ۔

بھئی زَيْدٌ فِي الدَّارِ، یہ فِي الدَّارِ کیا ہے؟ خبر، اور یہ خبر ظرف ہے، اور خبر جب بھی ظرف واقع ہو تو اس کی تاویل کس کے ساتھ کی جائے گی؟ ظرف جب بھی خبر واقع ہو تو اس کی تاویل صاحبِ کافیہ نے کیا بتلایا؟ اکثر نحوی کیا فرماتے ہیں؟ اس کی تاویل فعل کے ساتھ کی جائے گی، یعنی تقدیرِ فعل ہو گا وہاں پر۔ بات سمجھ میں آ گئی؟

بھئی یہاں مُقَدَّرٌ کی تفسیر کی صاحبِ جامی نے مُؤَوَّلٌ کے ساتھ، بھئی کیوں؟ تو وجہ یہ کہ اگر مُقَدَّرٌ کو اپنے معنی پر رکھیں پھر تو بات بنتی نہیں ہے بھئی۔ کس طرح؟ دیکھو، کہتے ہیں وہ خبر جو ظرف واقع ہو فَالْأَكْثَرُ عَلَى أَنَّهُ مُقَدَّرٌ تو اکثر نحوی اس بات پر ہیں کہ وہ خبر مقدر ہو گی۔ أَنَّهُ کی هَا ضمیر کس کو راجع؟ خبر کو۔ تو وہ خبر کیا ہو گی؟ نہیں توجہ، نہیں توجہ، پھر سنو: وَمَا وَقَعَ ظَرْفًا فَالْأَكْثَرُ عَلَى أَنَّهُ مُقَدَّرٌ، اور وہ خبر جو ظرف ہو کر واقع ہو جیسے فِي الدَّارِ آیا تھا زَيْدٌ فِي الدَّارِ کے اندر، تو فَالْأَكْثَرُ تو اکثر نحوی اس بات پر ہیں کہ أَنَّهُ مُقَدَّرٌ کہ وہ خبر، أَنَّهُ کی هَا ضمیر کس کو راجع کی صاحبِ جامی نے؟ خبر کو راجع کی، کہ وہ خبر جو ہے مُقَدَّرٌ وہ خبر کیا ہو گی؟ مقدر ہو گی۔ حالانکہ زَيْدٌ فِي الدَّارِ اس کے اندر خبر مقدر ہے یا خبر فِي الدَّارِ لفظوں میں موجود ہے؟ خبر تو فِي الدَّارِ تو لفظوں میں موجود ہے۔ پھر خبر کے مقدر ہونا تو یہاں بات نہیں بنتی بھئی۔ تو اسی لیے کہا کہ مُقَدَّرٌ یہاں کس معنی میں ہے؟ مُؤَوَّلٌ۔ اور نیز مُقَدَّرٌ کے بعد آگے آیا بِجُمْلَةٍ، وہ خبر مقدر ہو گی جملے کے ساتھ۔ یہ بِجُمْلَةٍ جار مجرور یہ مُقَدَّرٌ کے

ساتھ بھی نہیں جڑ سکتا، وہ خبر مقدر ہو گی جملے کے ساتھ، بھئی کیا معنی؟ بات نہیں بن رہی۔ پھر سنو: انہوں نے کیا کہا؟ وہ خبر جو ظرف واقع ہو تو وہ اکثر نحویوں کے نزدیک مقدر ہو گی جملے کے ساتھ، حالانکہ وہ خبر تو مقدر نہیں، زَيْدٌ فِي الدَّارِ یہ فِي الدَّارِ تو لفظوں میں موجود ہے بھئی، اور نیز مقدر ہو گی جملے کے ساتھ یہ بِجُمْلَةٍ بھی مُقَدَّرٌ سے نہیں جڑ رہا، بات واضح نہیں، تو صاحبِ جامی نے بتلایا کہ بھئی یہاں مُقَدَّرٌ مُؤَوَّلٌ کے معنی میں ہے کہ اس خبر کی تاویل کی جائے گی بِجُمْلَةٍ کس کے ساتھ؟ جملے کے ساتھ۔ اب بات ٹھیک ہو گئی۔ وہ خبر جو ظرف واقع ہو اس کی تاویل جملے کے ساتھ کی جائے گی، یعنی یہاں پر تقدیرِ فعل مانا جائے گا، کیونکہ فعل نکالیں گے تو فعل اپنے فاعل سے مل کر جملہ بنے گا، اور اگر آپ صفت کا صیغہ نکالیں گے تو وہ تو شبہ جملہ بنتا ہے وہ تو جملہ نہیں بنتا۔ بات سمجھ میں آگئی؟

تو اکثر نحوی یعنی جو بصرہ والے ہیں عَلٰى أَنَّهُ وہ اس بات پر ہیں کہ أَيِ الْخَبَرَ الْوَاقِعَ ظَرْفًا کہ وہ خبر جو ظرف ہو کر واقع ہو مُقَدَّرٌ أَيْ مُؤَوَّلٌ بِجُمْلَةٍ وہ مؤول ہو گی جملے کے ساتھ یعنی جملے کے ساتھ اس کی تاویل کی جائے گی بِتَقْدِيرِ الْفِعْلِ فِيهِ فعل کی تقدیر کرتے ہوئے اس میں، لِأَنَّهُ إِذَا قُدِّرَ فِيهِ الْفِعْلُ يَصِيرُ جُمْلَةً اس لیے کیونکہ اس کے اندر جب فعل مقدر نکالا جائے گا تو وہ جملہ ہو گا، بِخِلَافِ مَا إِذَا قُدِّرَ فِيهِ اسْمُ الْفَاعِلِ بخلاف اس کے کہ اس کے اندر اسمِ فاعل مقدر نکالا جائے، كَمَا هُوَ مَذْهَبُ الْأَقَلِّ جیسے کہ کم نحویوں کا مذہب ہے، جیسے کہ وہ مذہب جو ان نحویوں کا ہے جن کی تعداد کم ہے، وَهُمُ الْكُوفِيُّونَ اور وہ کوفہ والے ہیں۔ میں نے آپ کو بتلایا کہ بصرہ والے کیا فرماتے ہیں؟ زَيْدٌ فِي الدَّارِ اس فِي الدَّارِ کے لیے ثَبَتَ فعل نکالیں گے، یعنی فعل نکالیں گے، کیا نکالیں گے؟ فعل۔ اور کوفہ والے کیا فرماتے ہیں؟ کہ صفت کا صیغہ نکالیں گے، یعنی کہ ثَابِتٌ فِي الدَّارِ کہیں گے۔ وجہ کیا؟ کیونکہ بصرہ والے فرماتے ہیں کہ فعل اس لیے نکالیں گے کیونکہ عمل کے اندر اصل فعل ہے اور فعل سب سے قوی عامل ہے لہٰذا یہاں فعل نکالنا چاہیے۔ جبکہ کوفہ والے کہتے ہیں کہ خبر کے اندر اصل یہ ہے خبر مفرد ہونی چاہیے، اگر آپ ثَبَتَ نکالیں گے یہ تو جملہ بن جائے گا، اور خبر کے اندر اصل کیا ہے کہ وہ مفرد ہونی چاہیے اور مفرد تب ہی ہو سکتی ہے جب آپ یہاں صفت کا صیغہ نکالیں۔

تو کہتے ہیں: بِخِلَافِ مَا إِذَا قُدِّرَ فِيهِ اسْمُ الْفَاعِلِ بخلاف اس کے جب اس کے اندر اسمِ فاعل کو مقدر مانا جائے، كَمَا هُوَ مَذْهَبُ الْأَقَلِّ جیسے کہ مذہب ہے ان نحویوں کا جو تعداد میں کم ہیں، وَهُمُ الْكُوفِيُّونَ اور وہ کوفہ والے ہیں، فَإِنَّهُ يَصِيرُ حِينَئِذٍ مُفْرَدًا اس لیے کیونکہ اس وقت پھر یہ مفرد ہو گا، پھر تو یہ جملہ نہیں ہو گا، حالانکہ صاحبِ کافیہ کس کو ترجیح دے رہے ہیں؟ کہ وہ خبر جب ظرف واقع ہو تو وہ مؤول بہ جملہ ہو گی۔

وَوَجْهُ الْأَكْثَرِ، اب وہی وجہ بھی ذکر کرنے لگے ہیں جو میں نے بیان کر دی، وَوَجْهُ الْأَكْثَرِ اور اکثر نحویوں کی وجہ جو ہے وہ یہ ہے کہ أَنَّ الظَّرْفَ لَا بُدَّ لَهُ مِنْ مُتَعَلَّقٍ عَامِلٍ فِيهِ کہ ظرف جو ہے ضروری ہے اس کے لیے ایک ایسا متعلق عَامِلٍ فِيهِ جو اس کے اندر عامل ہو، چاہے ظرفِ مجازی ہو چاہے ظرفِ حقیقی ان کے لیے کیا چاہیے؟ عامل ضرور چاہیے۔ کہتے ہیں کہ

وَوَجْهُ الْأَكْثَرِ اکثر نحویوں کی جو وجہ ہے وہ یہ ہے، یعنی اکثر نحویوں نے جو ذکر کیا اس کی وجہ یہ ہے کہ أَنَّ الظَّرْفَ لَا بُدَّ لَهُ مِنْ مُتَعَلَّقٍ عَامِلٍ فِيهِ کہ ظرف جو ہے اس کے اندر ضروری ہے کوئی ایسا متعلق ہونا عَامِلٍ فِيهِ جو اس ظرف کے اندر عامل ہو، وَالْأَصْلُ فِي الْعَمَلِ هُوَ الْفِعْلُ اور عمل کے اندر اصل جو ہے وہ فعل ہی ہے، فَإِذَا وَجَبَ التَّقْدِيرُ تو جب تقدیر واجب ہوئی کہ مقدر نکالنا ہے فَالْأَصْلُ أَوْلَى تو اصل یعنی فعل کی تقدیر اولیٰ ہے۔

وَوَجْهُ الْأَقَلِّ اور وہ جو تھوڑے نحوی ہیں ان کے مذہب کی وجہ یہ ہے، ان کی وجہ یہ ہے کہ أَنَّهُ خَبَرٌ کہ یہ ظرف جو ہے خبر ہے، وَالْأَصْلُ فِي الْخَبَرِ الْإِفْرَادُ اور خبر میں اصل جو ہے وہ مفرد ہونا ہے، لہٰذا صفت کا صیغہ نکالیں گے کیونکہ فعل نکالیں گے وہ تو جملہ بن جائے گا۔ تو کہتے ہیں: وَالْأَصْلُ فِي الْخَبَرِ الْإِفْرَادُ اور اصل جو ہے خبر کے اندر وہ مفرد ہونا ہے، تو یہ ظرف جو خبر کے مقام میں واقع ہے اس کا جو متعلق ہے وہ مفرد نکالیں گے کیونکہ خبر کے اندر اصل کیا ہے وہ مفرد ہونی چاہیے، تو لہٰذا صفت کا صیغہ نکالیں گے تو پھر ہی خبر مفرد ہوگی، اور اگر آپ فعل نکال لیں گے پھر تو خبر جملہ بن جائے گی، حالانکہ خبر میں اصل کیا ہے؟ مفرد ہونی چاہیے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ چلیے بس بھئی، هٰذَا هُوَ الْمَرَامُ وَاللّٰهُ أَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْكَلَامِ۔

سبق نمبر ۹۹: المبتدا والخبر (۷): بتدا کا وجوباً مقدم ہونا اور جوازاً و وجوباً مؤخر ہونا

شرحِ ملا جامی صفحہ: ۷۳ — بتاریخ: ۱۳ نومبر ۲۰۲۱ء

▪ تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث

آگے سبق دیکھیے بھئی۔ ثُمَّ إِنَّ الْأَصْلَ فِي الْمُبْتَدَأِ التَّقْدِيمُ وَجَازَ تَأْخِيرُهُ لَكِنَّهُ قَدْ يَجِبُ لِعَارِضٍ كَمَا أَشَارَ إِلَيْهِ بِقَوْلِهِ: وَإِذَا كَانَ الْمُبْتَدَأُ مُشْتَمِلًا عَلَى مَا لَهُ صَدْرُ الْكَلَامِ، أَيْ عَلَى مَعْنًى وَجَبَ لَهُ صَدْرُ الْكَلَامِ كَالِاسْتِفْهَامِ فَإِنَّهُ يَجِبُ حِينَئِذٍ تَقْدِيمُهُ حِفْظًا لِصَدَارَتِهِ، مِثْلُ: مَنْ أَبُوكَ۔

بھئی گزشتہ سبق میں صاحبِ کافیہ نے آپ کو بتلایا تھا کہ خبر کبھی کبھار جملہ بھی ہوتی ہے، اور وہ خبر جملہ اسمیہ بھی ہو سکتی ہے اور جملہ فعلیہ بھی۔ اور پھر صاحبِ جامی نے بتلایا تھا کہ صاحبِ کافیہ نے جملہ ظرفیہ کو ذکر نہیں فرمایا۔ اور کہتے ہیں وجہ اس کی یہ ہے کیونکہ جملہ ظرفیہ جو ہے وہ فعلیہ کی طرف لوٹتا ہے، کیونکہ گزشتہ سبق میں یہ بات گزری تھی کہ وہ خبر جو ظرف واقع ہو اس کی تاویل جملے کے ساتھ کی جائے گی، یعنی وہاں فعل مقدر نکالیں گے۔ اگر اسمِ فاعل یا اسمِ مفعول وغیرہ مقدر نکالیں گے تو پھر تو وہ جملہ نہیں بنے گا، وہ تو مفرد بن جائے گا، جیسے زَيْدٌ فِي الدَّارِ۔ یہ فِي الدَّارِ کے لیے متعلق کیا نکالیں گے؟ صاحبِ کافیہ نے بتلایا کہ اس کی تاویل کس کے ساتھ کریں گے؟ جملہ کے ساتھ کریں گے، یعنی ثَبَتَ نکالیں گے، تو پھر ہی یہ فعل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر جملہ بنے گا۔ اور اگر ثَابِتٌ وغیرہ نکالیں گے پھر تو یہ شبہِ جملہ بنے گا۔ تو وہ خبر جو ظرف واقع ہو، چاہے ظرفِ حقیقی ہو چاہے ظرفِ مجازی ہو، اس کی تاویل جملہ کے ساتھ کی جائے گی۔

تو کہتے ہیں جملہ ظرفیہ کو اس لیے ذکر نہیں کیا کیونکہ وہ جملہ فعلیہ کی طرف لوٹتا ہے، اس کی تاویل جب جملہ کے ساتھ کریں گے تو وہاں فعل مقدر ہے تو وہ جملہ فعلیہ بنے گا بھئی۔ پھر میں نے یہاں تفصیل بیان کی تھی کہ بھئی جملہ ظرفیہ کہتے کس کو ہیں؟ میں نے بتلایا تھا کہ ابنِ ہشام مشہور نحوی گزرے ہیں، وہ فرماتے ہیں جملہ ظرفیہ وہ ہے کہ اس میں دو چیزیں ضرور ہوں: ایک تو جو ظرف ہے وہ کلام کے شروع میں آئے، یعنی ظرف کے لیے صدارتِ کلام ہو، اور دوسرا وہ ظرف کسی پر اعتماد بھی کرے۔

جیسے میں نے اس کی مثال ذکر کی تھی: أَفِي الدَّارِ زَيْدٌ، أَفِي الدَّارِ زَيْدٌ۔ دیکھو یہ فِي الدَّارِ مقدم ہے، شروع میں ہمزہ استفہام ہے اور پھر فِي الدَّارِ ظرف مقدم ہے اور زَيْدٌ جو ہے مؤخر ہے۔ تو اس میں دیکھو فِي الدَّارِ، صدارت بھی آگئی اس کے لیے کلام کی، اور نیز اس کا اعتماد بھی ہے ہمزہ استفہام پر، چنانچہ وہ عمل کر رہا ہے اور زَيْدٌ کو رفع دے رہا ہے۔ میں نے ترکیب بتلائی تھی: أَفِي الدَّارِ زَيْدٌ، ہمزہ استفہام، فِي جارہ، الدَّارِ مجرور، جار مجرور مل کر یہ ظرف ہوا، اور زَيْدٌ اس کے لیے فاعل ہوا۔

عام نحوی کیا فرماتے ہیں؟ فِي الدَّارِ خبرِ مقدم اور زَيْدٌ بتدا مؤخر۔ لیکن وہ فرماتے ہیں کہ یہ ظرف عمل کر رہا ہے، یہ زَيْدٌ بتدا نہیں ہے، اس کو یہ ظرف ہی رفع دے رہا ہے۔ تو فِي الدَّارِ ظرف اور زَيْدٌ اس کے لیے فاعل، اور ظرف اپنے فاعل سے مل کر جملہ ظرفیہ ہوا۔ جملہ ظرفیہ انشائیہ ہوا کیونکہ استفہام ہے۔

جبکہ ابو علی فارسی اور علامہ زمخشری کے نزدیک جملہ ظرفیہ اس کو کہتے ہیں جس جملے کا ایک جز ظرف ہو، جس جملے کا ایک جز ظرف ہو، اور نہ تو وہ صدارت کی شرط لگاتے ہیں اور نہ ہی وہ کسی چیز پر اعتماد کی شرط لگاتے ہیں۔ تو ان کے نزدیک زَيْدٌ فِي الدَّارِ، زَيْدٌ ایک جز جملے کا اور فِي الدَّارِ یہ دوسرا جز جملے کا، اور یہ جز دیکھو ظرف ہے تو اس کو وہ جملہ ظرفیہ کہتے ہیں۔ کیا کہتے ہیں؟ جملہ ظرفیہ کہتے ہیں۔ اور چاہے یہ ظرف مقدم ہو چاہے مؤخر ہو، کہتے ہیں اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا اور اس کا کسی پر اعتماد بھی ضروری نہیں ہے۔

زَيْدٌ فِي الدَّارِ، زَيْدٌ بتدا ہے اور فِي الدَّارِ یہ خبر ہے، یہ ظرف ہے اور اس کے اندر هُوَ ضمیر ہے، یہ اس کو رفع دے رہا ہے۔ تو یہ ان کے نزدیک جملہ ظرفیہ ہے اور چاہے ظرف مقدم ہو چاہے مؤخر ہو اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ تو زَيْدٌ فِي الدَّارِ یہ بھی ان کے نزدیک جملہ ظرفیہ، فِي الدَّارِ زَيْدٌ یہ بھی جملہ ظرفیہ۔ اور فِي الدَّارِ زَيْدٌ اس میں کیا ترکیب کرتے ہیں؟ فِي الدَّارِ یہ ظرف خبرِ مقدم ہے اور زَيْدٌ کیا ہے؟ بتدا مؤخر ہے، بتدا اپنی خبر سے مل کر جملہ ظرفیہ ہوا۔

اور ایک جملہ شرطیہ بھی ہے۔ میں نے بتایا جملہ شرطیہ کو بھی ذکر نہیں کیا کیونکہ جملہ شرطیہ وہ تو یا جملہ اسمیہ کی طرف لوٹے گا یا جملہ فعلیہ کی طرف لوٹے گا۔ میں نے بتایا تھا شرط اور جزا، شرط اور جزا میں اصل جو ہے وہ جزا ہے اور شرط اس کے لیے قید ہے۔ تو جزا کو دیکھو، اگر جزا جملہ اسمیہ ہو تو وہ جملہ شرطیہ اسمیہ کہلائے گا، اور اگر جزا جملہ فعلیہ ہو تو وہ جملہ شرطیہ فعلیہ کہلائے گا۔ اور نیز جملہ شرطیہ انشائیہ بھی ہو سکتا ہے اور خبریہ بھی، اس کا دارومدار بھی جزا پر ہے۔ اگر جزا جملہ خبریہ ہے تو وہ جملہ شرطیہ خبریہ کہلائے گا، اور اگر جزا انشاء ہے تو پھر وہ جملہ شرطیہ انشائیہ کہلائے گا۔

تو صاحبِ کافیہ نے آپ کو بتلایا کہ خبر کبھی کبھار جملہ بھی ہوتی ہے، اور جملہ جو ہے اپنی ذات کے اعتبار سے مستقل ہے، وہ کسی سے جڑنے کا محتاج نہیں۔ لیکن آپ اس کو کسی چیز سے جوڑنا چاہتے ہیں تو درمیان میں ربط ضروری ہے، اور جو چیز ربط دے اس کو عائد کہتے ہیں۔ اور عائد کی کئی صورتیں صاحبِ جامی نے آپ کو بتلائیں۔ ایک صورت کیا ہے؟ کوئی

غائب کی ضمیر ہو جو اس چیز کی طرف لوٹے جس کے ساتھ آپ اس جملے کو جوڑنا چاہتے ہیں۔ میں نے بتایا تھا یہ جملہ کبھی کبھار خبر بنتا ہے اور خبر کو کس سے جوڑتے ہیں؟ بتدا سے۔ اسی طرح کبھی جملہ صفت بنتا ہے، صفت کو کس سے جوڑتے ہیں؟ موصوف سے۔ کبھی یہ جملہ حال بنتا ہے، حال کو کس سے جوڑتے ہیں؟ ذوالحال سے۔ کبھی جملہ صلہ بنتا ہے، صلے کو کس سے جوڑتے ہیں؟ موصول سے۔ تو جس سے بھی جملے کو آپ نے جوڑنا ہو درمیان میں ربط ضروری ہے، اور ربط عموماً غائب کی ضمیر کے ذریعے دیا جاتا ہے۔

اور اس کے علاوہ کبھی کبھار ربط جو ہے الف لام کے ذریعے بھی آجاتا ہے، جیسے نِعْمَ الرَّجُلُ زَيْدٌ۔ نِعْمَ الرَّجُلُ میں الرَّجُلُ کیا ہے؟ نِعْمَ کا فاعل ہے، اور یہ فعل اپنے فاعل سے مل کر یہ خبرِ مقدم ہے اور زَيْدٌ بتدا مؤخر ہے۔ تو یہاں ربط کس طرح آیا؟ نِعْمَ الرَّجُلُ یہ ہے خبر اور خبر کو کس سے جوڑتے ہیں؟ بتدا سے۔ تو ربط چاہیے، تو یہاں عائد کیا ہے؟ تو جواب یہ کہ یہ جو الرَّجُلُ پر الف لام آیا، میں نے بتایا تھا الف لام کے ذریعے کسی چیز کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے بھئی، تو اس کے ذریعے اشارہ ہے کس کی طرف؟ وہ جو زَيْدٌ آگے آرہا ہے مخصوص بالمدح، تو اس کے ذریعے ربط آگیا دونوں کے درمیان۔

اور دوسری مثال کہ جس چیز کے ساتھ آپ جملے کو جوڑ رہے ہیں وہ چیز خود ہی اس جملے کے اندر آجائے، جیسے الْحَاقَّةُ مَا الْحَاقَّةُ۔ الْحَاقَّةُ ہے بتدا اور مَا الْحَاقَّةُ یہ پورا جملہ یہ ہے اس کی خبر، اور خبر کو کس سے جوڑتے ہیں؟ بتدا سے۔ تو اس پورے جملے کو جوڑا جا رہا ہے الْحَاقَّةُ سے، تو وہی الْحَاقَّةُ خود اس جملے کے اندر بھی آگیا تو دونوں میں ربط آگیا۔ اور اس کو کیا کہتے ہیں؟ وَضْعُ الظَّاهِرِ مَوْضِعَ الْمُضْمَرِ بھئی، اسمِ ظاہر کو رکھ دینا ضمیر کے مقام پر۔ اصل میں تو یوں ہونا چاہیے: الْحَاقَّةُ مَا هِيَ، لیکن هِيَ کے بجائے کیا لے آئے؟ اسمِ ظاہر۔ اس کو کیا کہتے ہیں؟ وَضْعُ الظَّاهِرِ مَوْضِعَ الْمُضْمَرِ یا وَضْعُ الْمُظْهَرِ مَوْضِعَ الْمُضْمَرِ کہتے ہیں، اور یہ ہمیشہ کسی نکتے کی بنا پر کیا جاتا ہے، کوئی نکتہ ہوتا ہے وہاں پر۔

اور اسی طرح کبھی کبھار ربط دیا جاتا ہے کہ وہ جو خبر ہوتی ہے وہ اس بتدا کی تفسیر ہوتی ہے، اور یہ ضمیرِ شان اور ضمیرِ قصہ میں ہوتا ہے۔ تو یہ ضمیرِ شان اور ضمیرِ قصہ ایک مبہم ضمیر ہوتی ہے اور آگے آنے والا جملہ اس کی تفسیر کرتا ہے۔ یاد رکھو ضمیر جب بھی آتی ہے اس کا پہلے مرجع ہونا چاہیے، لیکن ضمیرِ شان میں مرجع پہلے ہوتا ہی نہیں بلکہ ضمیر کو پہلے لے آتے ہیں اور پھر مرجع یعنی آگے آنے والا جملہ اس کی تفسیر کرتا ہے۔ وجہ یہ کہ اس کے اندر مقصدیہ ہوتا ہے کہ پہلے ابہام پیدا کیا جائے پھر تفسیر کی جائے۔ تو هُوَ ضمیر غائب کی ضمیر آجاتی ہے اور مرجع پیچھے نہیں ہوتا تو مخاطب متوجہ ہو جاتا ہے کہ یہ ضمیر کس طرف لوٹ رہی ہے، اس کے ذہن میں طلب پیدا ہو جاتی ہے کہ ضمیر کا مرجع کیا ہے، یہ کس کو لوٹ رہی ہے؟ اور طلب کے بعد پھر ساتھ ہی آگے تفسیر آجاتی ہے، تو اس کی وجہ سے بات ذہن میں اچھی طرح جم جاتی ہے، اچھی طرح ذہن نشین ہو جاتی ہے۔

جیسے ہے قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ۔ هُوَ یہ ضمیرِ شان ہے، اے پیغمبر آپ فرما دیجیے، هُوَ شان یہ ہے، اللَّهُ أَحَدٌ کہ اللہ ایک ہے۔ یہ هُوَ ضمیر کیا ہے؟ ضمیرِ شان، اور یہ اللَّهُ أَحَدٌ اس کی تفسیر ہے، هُوَ سے یہی مراد ہے، کیا مراد ہے؟ اللَّهُ أَحَدٌ مراد ہے۔ تو ضمیر کو پہلے کیوں لائے؟ کہ ابہام پہلے پیدا ہو۔ تو یہاں مرجع ذکر ہی بعد میں ہوتا ہے، پہلے لاتے ہی نہیں ہیں کیونکہ مقصد ہی اولاً ابہام پیدا کرنا ہے۔ اگر مرجع پہلے آجائے پھر تو ابہام نہیں ہو سکتا بھئی۔ تو اس میں ضمیر پہلے آتی ہے اور مرجع بعد میں۔ البتہ حکم یہ لگا دیا جاتا ہے کہ مرجع مقدم ہو چکا۔ حکم، حکماً یعنی حکماً مرجع مقدم ہے، نہ لفظاً مقدم ہے نہ معناً مقدم ہے، صرف حکماً مقدم ہے، کہ حکم لگا دیا کہ مقدم ہو چکا ہے کیونکہ مرجع ہمیشہ پہلے چاہیے تو یہاں تو بعد میں آ رہا ہے، کہتے ہیں بس یہاں بھی کیا ہے یوں سمجھو مرجع پہلے ہو چکا ہے، یعنی حکم لگا دیا، حقیقت میں کوئی مرجع پہلے نہیں گزرا۔ تو یہاں مقصد ہی یہ ہوتا ہے۔ اور پھر اگر یہ ضمیر مذکر کی ہو تو اس کو ضمیرِ شان کہتے ہیں اور اگر یہ مؤنث کی ہو تو اس کو ضمیرِ قصہ کہتے ہیں، قصہ یہ ہے، بات یہ ہے۔ تو شان اور قصہ کا ایک معنیٰ حال یہ ہے یا یوں کہو بات یہ ہے۔ قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ، اے پیغمبر آپ فرما دیجیے هُوَ کہ بات یہ ہے اللَّهُ أَحَدٌ کہ اللہ ایک ہے بھئی۔ بات سمجھ میں آگئی؟

اور پھر انہوں نے آپ کو یہ بھی بتلایا کہ کبھی کبھار عائد کو حذف بھی کر لیا جاتا ہے۔ مِنْ کے ساتھ وہ عائد ہو تو اس کو حذف کر دیا جاتا ہے اور یہ قیاسی ہے۔ اور اسی طرح اگر عائد جو ہے مفعول ہو تو مفعول کو بھی کبھی کبھار حذف کر لیا جاتا ہے۔ بات سمجھ میں آگئی۔

اب آگے دیکھیے بھئی۔ کہتے ہیں: ثُمَّ إِنَّ الْأَصْلَ فِي الْمُبْتَدَأِ التَّقْدِيمُ وَجَازَ تَأْخِيرُهُ لَكِنَّهُ قَدْ يَجِبُ لِعَارِضٍ۔ اچھا، اب کچھ وہ مقامات بتائیں گے صاحبِ کافیہ جہاں بتدا کو مقدم کرنا واجب ہے۔ بھئی بتدا میں تو اصل یہ ہے وہ مقدم ہونا چاہیے لیکن اس کو مؤخر کرنا بھی جائز ہے، لیکن کچھ جگہیں ایسی ہیں جہاں بتدا کو مقدم کرنا واجب ہے، آپ اس کو مؤخر کر ہی نہیں سکتے۔ اسی طرح کچھ جگہیں ایسی ہیں جہاں خبر کو مقدم کرنا اور بتدا کو مؤخر کرنا واجب ہے۔ تو پہلے صاحبِ کافیہ وہ جگہیں ذکر کریں گے جہاں بتدا کو مقدم کرنا واجب ہے، اور پھر وہ جگہیں ذکر کریں گے جہاں خبر کو مقدم کرنا واجب ہے بھئی۔

پہلے ذرا متن متن دیکھ لیں۔ کہتے ہیں: وَإِذَا كَانَ الْمُبْتَدَأُ مُشْتَمِلًا عَلَى مَا لَهُ صَدْرُ الْكَلَامِ، اور جب بتدا مشتمل ہو عَلَى مَا، مَا سے مراد ہے معنیٰ، جب بتدا مشتمل ہو عَلَى مَا ایسے معنیٰ پر لَهُ صَدْرُ الْكَلَامِ جس کے لیے صدارتِ کلام واجب ہو، جس کے لیے صدارتِ کلام واجب ہو یعنی وہ کلام کے آغاز کو چاہتا ہے کہ اس کو کلام کے شروع میں ذکر کیا جائے۔ یاد رکھو کچھ چیزیں ایسی ہوتی ہیں جو ہمیشہ صدارتِ کلام کا تقاضا کرتی ہیں۔ مثلاً تمنی ہے، تمنا کے لیے لَيْتَ آتا ہے اور لَيْتَ ہمیشہ صدارتِ کلام کو چاہتا ہے۔ اسی طرح ترجی ہے، ترجی کے لیے یعنی امید جو ہے، امید کے لیے لَعَلَّ آتا ہے اور یہ بھی

صدارتِ کلام کو چاہتا ہے۔ اسی طرح قسم ہے، قسم کلام کی تاکید کے لیے آتی ہے، یہ بھی کس کو چاہتی ہے؟ صدارتِ کلام کو۔ اسی طرح وہ کلمات جو شرط پر دلالت کرتے ہیں، مثلاً إنْ ہے، إنْ بھی کیا چاہتا ہے؟ صدارتِ کلام، یا اسی طرح مَنْ ہے اگر شرط والا ہو، یہ مَنْ بھی کیا چاہتا ہے؟ صدارتِ کلام۔ تو کچھ چیزیں ایسی ہوتی ہیں جو صدارتِ کلام کو چاہتی ہیں۔

بھئی کیوں؟ صدارتِ کلام کو کیوں چاہتی ہیں؟ وجہ یہ کہ یہ کلام کی نوع کو بدل دیتی ہیں، ایک نوع سے نکال کر دوسری نوع کی طرف لے جاتی ہیں۔ مثلاً میں کہتا ہوں زَيْدٌ قَائِمٌ، زید کھڑا ہے۔ اس پر میں لَيْتَ ذرا داخل کر دوں: لَيْتَ زَيْدًا قَائِمٌ، کاش کہ زید کھڑا ہوتا۔ دیکھو پہلے خبر تھی، اب کیا بن گیا؟ انشاء بن گیا کیونکہ تمنا کس کی قسم ہے؟ انشاء کی۔ تو یہ چیزیں چونکہ کلام کی نوع ہی بدل دیتی ہیں، تو لہٰذا ان کو کلام کے شروع میں ذکر کیا جاتا ہے تاکہ سننے والے کو شروع سے ہی پتہ چل جائے کہ یہ کس قسم کا کلام چل رہا ہے۔ کیونکہ اگر یہ چیزیں آپ شروع میں ذکر نہیں کریں گے، آخر میں لے جا کر ذکر کریں گے تو متکلم، مخاطب تو شروع سے یہ سمجھے گا شاید یہ مجھے خبر دے رہا ہے، کوئی بات بتلا رہا ہے، آخر میں جا کے پتہ چلے گا نہیں نہیں یہ تو تمنا کا اظہار کر رہا ہے۔ تو لہٰذا یہ چیزیں چونکہ خاص قسم کے کلام پر دلالت کرتی ہیں، خاص نوع کے کلام پر دلالت کرتی ہیں، تو یہ صدارت کو چاہتی ہیں تاکہ سننے والے کو کلام کے آغاز سے ہی پتہ چل جائے کہ آگے کس قسم کا کلام کیا جا رہا ہے۔

تو لہٰذا اگر بتدا جو ہے وہ بھی متضمن ہوا ایسے معنیٰ کو جو صدارتِ کلام کو چاہتا ہے جیسے استفہام ہے، جیسے استفہام ہے، تو اس صورت میں اس کو مقدم کرنا واجب ہے، جیسے آگے مثال ذکر کریں گے: مَنْ أَبُوكَ۔ مَنْ أَبُوكَ، آپ کے ابو کون ہیں؟ تو یہاں دیکھو یہ مَنْ کس لیے آیا؟ استفہام کے لیے، تو یہ ہے بتدا اور اس کو مقدم کرنا واجب ہے تاکہ کلام کے آغاز سے ہی سننے والے کو پتہ چل جائے کہ مجھ سے سوال۔

پوچھا جا رہا ہے۔ تو کہتے ہیں: وَإِذَا كَانَ الْمُبْتَدَأُ مُشْتَمِلًا عَلَى مَا لَهُ صَدْرُ الْكَلَامِ، اور جب بتدا مشتمل ہو ایسے معنیٰ پر لَهُ صَدْرُ الْكَلَامِ جس کے لیے صدارتِ کلام واجب ہو، جیسے مِثْلُ: مَنْ أَبُوكَ، جیسے کہ مَنْ أَبُوكَ۔

بھئی چار صورتیں ذکر کریں گے صاحبِ کافیہ کہ اگر بتدا میں یہ والی بات ہوئی، یا دوسری یا تیسری یا چوتھی، آخر میں سب کی جزا اکٹھی نکالیں گے کہ ان تمام صورتوں میں بتدا کو مقدم کرنا واجب ہے۔ دیکھو یہاں چار چھ سات سطروں کے بعد آ رہا ہے: وَجَبَ تَقْدِيمُهُ، متن آ رہا ہے۔ یہ چار صورتیں ذکر کریں گے، ان چاروں صورتوں میں وَجَبَ تَقْدِيمُهُ، بتدا کو مقدم کرنا واجب ہے۔ پہلی کیا صورت ذکر کی؟ کہ جب بتدا مشتمل ہو ایسے معنیٰ پر جو صدارتِ کلام کو چاہتا ہو، جیسے مَنْ أَبُوكَ، تو اس صورت میں اس کو مقدم کرنا واجب ہے۔

أَوْ كَانَا مَعْرِفَتَيْنِ أَوْ مُتَسَاوِيَيْنِ، یا دونوں معرفہ ہوں، كَانَا دیکھو تثنیہ ہے، بتدا اور خبر دونوں معرفہ ہوں، أَوْ مُتَسَاوِيَيْنِ یا دونوں برابر ہوں، یعنی تخصیص کے اندر برابر ہوں۔ بتدا کے اندر بھی تخصیص اور خبر کے اندر بھی تخصیص۔ آپ نے

پڑھا بھئی بتدا کے اندر اصل یہ ہے وہ معرفہ ہونا چاہیے اور خبر کے اندر اصل یہ ہے کہ وہ نکرہ ہونی چاہیے۔ بھئی میں نے آپ کو بتلایا تھا آپ کے پاس دو لفظ ہوں، ایک معرفہ ہو ایک نکرہ ہو تو بتدا کس کو بناؤ؟ معرفہ کو اور خبر کس کو بناؤ؟ نکرہ کو۔ لیکن اگر دونوں ہی بتدا اور خبر دونوں معرفہ ہیں تو اس صورت میں یاد رکھو جب دونوں معرفہ ہوں، بتدا کو مقدم کرنا واجب ہے۔ اب یہ تقدیم ہمیں بتائے گی کہ یہ ہے بتدا، جیسے: مُحَمَّدٌ نَبِيُّنَا، صلی اللہ علیہ وسلم۔ مُحَمَّدٌ یہ بھی معرفہ، نَبِيُّنَا، نَبِيٌّ مضاف نَا ضمیر مضاف الیہ، اور آپ نے پڑھا ہے معرفہ کی طرف جو مضاف ہو جائے وہ بھی کیا بن جاتا ہے؟ معرفہ۔ تو دیکھو ایک لفظ مُحَمَّدٌ یہ بھی کیا ہے؟ معرفہ، اور نَبِيُّنَا دوسرا لفظ بھی معرفہ ہے۔ آپ ان میں سے جس کو چاہیں بتدا بنا سکتے ہیں لیکن جس کو بھی بتدا بنانا چاہتے ہیں اس کو مقدم رکھو اور خبر کو مؤخر کر دو۔ مُحَمَّدٌ نَبِيُّنَا، محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے نبی ہیں۔ دیکھو یہ لفظِ محمد کی تقدیم بتا رہی ہے کہ یہ ہے بتدا اور نَبِيُّنَا ہے اس کی خبر۔ اور اگر آپ نَبِيُّنَا کو بتدا بنانا چاہتے ہیں تو اس کو مقدم کرو بھئی: نَبِيُّنَا مُحَمَّدٌ، ہمارے نبی جو ہیں وہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں بھئی۔ بتدا اور خبر دونوں معرفہ ہوں تو بتدا کو مقدم کرنا واجب ہے۔ اگر آپ اس کو مؤخر کریں گے سننے والے کو تو نہیں پتہ چلے گا کہ یہ بتدا مؤخر ہے، وہ تو جو پہلے آ رہا ہے اسی کو کیا کرے گا؟ بتدا سمجھے گا، لہٰذا اس موقع پر بتدا کو مقدم کرنا واجب ہے بھئی۔

یا دونوں بتدا اور خبر دونوں تخصیص کے اعتبار سے برابر ہوں۔ آپ نے پڑھا کہ نکرہ کبھی کبھار وہ بھی بتدا بنتا ہے لیکن جب اس میں تخصیص پیدا کر دی جائے، اور تخصیص کے چھ طریقے آپ نے پڑھے بھئی: ایک تھا تخصیص بالصفت، ایک تخصیص بعلم المتکلم، ایک تخصیص بالعموم، ایک تخصیص بالعدول من الجملۃ الفعلیۃ اِلی الجملۃ الاسمیۃ، اور ایک تھا تخصیص بتقدیم الخبر، اور ایک تھا تخصیص بالنسبۃ اِلی المتکلم۔ تو نکرہ میں تخصیص آ جائے تو پھر وہ بتدا بن سکتا ہے۔ اب دیکھو آپ کے پاس دو لفظ ہیں، دونوں نکرہ ہیں اور دونوں کے اندر تخصیص ہے، تو آپ ان میں سے جس کو چاہیں بتدا بنا سکتے ہیں، لیکن جس کو بتدا بنانا ہے اس کو مقدم لائیں گے اور جس کو خبر لانا ہے اس کو مؤخر لائیں گے۔

یہ معنیٰ ہے أَوْ كَانَا مَعْرِفَتَيْنِ أَوْ مُتَسَاوِيَيْنِ، یا دونوں جو ہیں معرفہ ہوں یا دونوں برابر ہوں یعنی تخصیص کے اندر، مِثْلُ: أَفْضَلُ مِنِّي أَفْضَلُ مِنْكَ. أَفْضَلُ مِنِّي وہ جو افضل ہے مجھ سے، أَفْضَلُ مِنْكَ وہ افضل ہے آپ سے۔ جو مجھ سے بہتر ہے، ترجمہ سمجھ میں آ رہا ہے؟ جو مجھ سے بہتر ہے أَفْضَلُ مِنْكَ وہ آپ سے بہتر ہے۔ وہ آپ سے بہتر ہے۔

اب اس میں دیکھو أَفْضَلُ اسمِ تفضیل ہے، اور اسمِ تفضیل کے استعمال کے تین طریقے ہیں اور اصل طریقہ کیا ہے مِنْ کے ساتھ، اور یہاں مِنْ ہے۔ تو یہ مِنِّي یہ جڑ رہا ہے پہلے أَفْضَلُ کے ساتھ، اور آگے مِنْكَ جو آیا یہ دوسرے أَفْضَلُ کے ساتھ جڑ رہا ہے، تو دونوں میں تخصیص آ گئی۔ أَفْضَلُ کا کیا معنیٰ تھا؟ جو کسی کے مقابلے میں بہتر ہو۔ جب ساتھ مِنِّي آ گیا تو تخصیص آ گئی: وہ جو مجھ سے افضل ہے۔ معلوم ہوا خالد سے جو افضل ہے وہ بھی نہیں مراد، بکر سے جو افضل ہے وہ

بھی نہیں مراد، مخاطب سے جو افضل ہے وہ بھی نہیں مراد بلکہ کس سے افضل مراد ہے؟ متکلم سے افضل مراد ہے۔ تو دیکھو تخصیص آگئی۔ أَفْضَلُ کا تو کیا معنیٰ تھا؟ جو بہتر ہے، بہتر تو کسی کے مقابلے میں بھی ہو سکتا ہے تو اس کے اندر عموم تھا، لیکن اب جب مِنِّي ساتھ جڑا تو اس میں کیا آگئی؟ تخصیص آگئی، معلوم ہوا ہر ایک سے افضل مراد نہیں بلکہ متکلم سے جو افضل ہے وہ مراد ہے۔ اسی طرح اگلا أَفْضَلُ مِنْكَ آیا، اس میں بھی أَفْضَلُ کے اندر، اس میں بھی عموم تھا، تو وہاں بھی مِنْكَ اس کے ذریعے تخصیص آگئی۔ معلوم ہوا کس کے مقابلے میں افضل مراد ہے؟ مخاطب کے مقابلے میں افضل مراد ہے، کسی اور کے مقابلے میں افضل مراد نہیں۔ تو یہ مِنْكَ اور مِنِّي کی وجہ سے ان میں تخصیص آگئی۔ تو اب آپ ان میں سے جس کو چاہیں بتدا بنائیں اور جس کو چاہیں خبر بنا دیں، لیکن جس کو بتدا بنانا ہے اس کو مقدم لاؤ اور جس کو خبر بنانا ہے اس کو مؤخر۔ اور دیکھو کلام کا معنیٰ بدل جاتا ہے، کلام کا معنیٰ بدل جاتا ہے۔ مثلاً استاد شاگرد کو کہتا ہے، کیا کہے گا؟ أَفْضَلُ مِنْكَ، جو آپ سے افضل ہے، أَفْضَلُ مِنِّي، وہ مجھ سے بھی افضل ہے۔ استاد کہے گا یوں شاگرد کو؟ نہیں۔ دیکھا معنیٰ بدل گیا، اگر میں نے أَفْضَلُ مِنْكَ کو مقدم کیا اور أَفْضَلُ مِنِّي کو مؤخر کیا تو معنیٰ ہی بدل گیا، یہ اب استاد نہیں کہے گا، یہ شاگرد کہے گا اپنے استاد کو، کیا کہے گا؟ شاگرد کہے گا اپنے استاد کو کیا کہے گا؟ أَفْضَلُ مِنْكَ وہ جو آپ سے افضل ہے، أَفْضَلُ مِنِّي وہ مجھ سے بھی افضل، کیونکہ آپ میرے استاد ہیں آپ مجھ سے افضل ہیں تو ظاہر سی بات ہے جو آپ سے افضل ہو گا وہ بھی مجھ سے افضل ہو گا۔ تو دیکھا یہ أَفْضَلُ مِنْكَ کو مقدم کیا اور أَفْضَلُ مِنِّي کو مؤخر کیا تو یہ کلام کا محل بدل گیا، یہ کہنے والا کون ہو گا؟ شاگرد۔ اور أَفْضَلُ مِنِّي أَفْضَلُ مِنْكَ، یہ کہنے والا مثلاً استاد ہو گا بھئی۔ أَفْضَلُ مِنِّي وہ جو میرے سے افضل ہے، أَفْضَلُ مِنْكَ وہ آپ سے افضل ہے بھئی۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو دیکھو کلام کا محل بدل جاتا ہے، کلام کا معنیٰ بدل جاتا ہے بتدا خبر کو بدلنے سے بھئی۔ تو لہٰذا أَفْضَلُ مِنِّي اس کے اندر بھی تخصیص، أَفْضَلُ مِنْكَ اس کے اندر بھی تخصیص، تو جس کو آپ بتدا بنانا چاہیں، جس مقام پر آپ کلام کر رہے ہیں اس کے مطابق جس کو بتدا بنانا چاہتے ہیں بنائیں لیکن اس کو پھر مقدم کر دیں۔

أَوْ كَانَ الْخَبَرُ فِعْلًا لَهُ، یا خبر جو ہے وہ بتدا کا فعل ہو، مِثْلُ: زَيْدٌ قَامَ، جیسے زَيْدٌ قَامَ۔ بھئی دیکھیے زَيْدٌ قَامَ ترکیب کیجیے: زَيْدٌ مرفوع لفظاً بتدا، قَامَ فعل، اس کے اندر هُوَ ضمیر مرفوع محلاً اس کا فاعل جو کس کو راجع؟ زید بتدا کو۔ توجہ ہے؟ فعل اپنے فاعل سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر خبر، بتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔ زَيْدٌ قَامَ، زید کھڑا ہوا۔ زید ہے بتدا اور قَامَ فعل ہے، اور کھڑا کون ہوا؟ یہی بتدا زید ہی کھڑا ہوا ہے، تو یہ بتدا کا فعل ہے۔

اور کبھی کبھار فاعل آگے اسمِ ظاہر آئے گا: زَيْدٌ قَامَ أَخُوهُ۔ تو زَيْدٌ ہوا بتدا، قَامَ فعل، أَخُوهُ، أَخُو مرفوع لفظاً مضاف، مرفوع کیوں؟ فاعل ہے قَامَ کے لیے۔ هَا ضمیر مجرور محلاً مضاف الیہ، اور یہ کس کو راجع؟ ضمیر زید کو راجع، یہی ضمیر ربط

دے رہی ہے اگر یہ ضمیر نہ ہوتی تو ربط نہیں آنا تھا۔ تو مضاف اپنے مضاف الیہ سے مل کر یہ فاعل ہوا کس کے لیے؟ قَامَ کے لیے۔ فعل اپنے فاعل سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر زید کے لیے خبر، بتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔ زَيْدٌ قَامَ أَخُوهُ، تو دیکھو زَيْدٌ ہے بتدا، بتدا کے بعد کیا آیا؟ قَامَ فعل آیا، اور یہ قَامَ فعل زید کا فعل ہے یا زید کے بھائی کا فعل ہے؟ یہ زید کے بھائی کا فعل ہے بھئی۔ تو ایک فعل وہ ہوتا ہے جو بتدا کا اپنا ہو، ایک فعل وہ ہوتا ہے جو بتدا کے متعلق کا ہو۔ دوسرے لفظوں میں یوں کہو ایک صفت بحالہ ہوتی ہے، ایک صفت بحالِ متعلقہ ہوتی ہے۔ رَجُلٌ قَائِمٌ، یہ قَائِمٌ لفظوں میں صفت کس کی؟ رَجُلٌ کی۔ رَجُلٌ موصوف قَائِمٌ اس کی صفت، اور معنیٰ میں بھی یہ صفت کس کی ہے؟ رَجُلٌ ہی کی ہے، یہ قیام کا معنیٰ کس میں ہے؟ اسی رَجُلٌ میں، وہ قائم وہی رَجُلٌ ہی ہے بھئی۔ اور رَجُلٌ قَائِمٌ أَبُوهُ، تو رَجُلٌ موصوف ہے اور قَائِمٌ أَبُوهُ اس کی صفت، لیکن یہ قَائِمٌ کا معنیٰ رَجُلٌ میں ہے یا رَجُلٌ کے متعلق یعنی اس کے باپ میں؟ رَجُلٌ کے متعلق میں ہے، رَجُلٌ کے اندر قیام والی صفت نہیں ہے بلکہ اس کے باپ میں قیام والی صفت ہے بھئی۔ تو رَجُلٌ قَائِمٌ یہ کیا ہے؟ صفت بحالہ، اور رَجُلٌ قَائِمٌ أَبُوهُ یہ کیا ہے؟ صفت بحالِ متعلقہ، یہ ابھی ایک دو سبق قبل میں نے خوب تفصیل وضاحت کی تھی۔

تو اسی طرح یاد رکھو یہ جو خبر ہوتی ہے، خبر بھی دراصل صفت ہی ہوتی ہے، خبر بھی صفت ہی ہوتی ہے۔ یاد رکھو ہر خبر قبل العلم خبر ہے اور بعد العلم وہ صفت ہے۔ آپ کو نہیں پتہ زید عالم ہے تو میں خبر بنا کر لاؤں گا: زَيْدٌ عَالِمٌ، زَيْدٌ بتدا عَالِمٌ اس کی خبر۔ آپ کو نہیں تھا پتہ کہ زید عالم ہے تو میں عالم کو کس شکل میں لایا؟ خبر کی صورت میں لایا۔ تو یہ عالم دیکھو یہ عالم ہونا زید کی صفت ہے لیکن یہ قبل العلم ہے، آپ کو چونکہ پتہ نہیں ہے کہ وہ عالم ہے تو میں اس صفت کو کس صورت میں لایا؟ خبر کی صورت میں، کہ زَيْدٌ عَالِمٌ میں نے آپ کو ایک خبر بتلائی کہ زید عالم ہے۔ اور جب آپ کو پتہ ہے کہ زید عالم ہے تو اب میں عالم کو خبر کی صورت نہیں لاؤں گا، اب میں یہ نہیں کہوں گا زَيْدٌ عَالِمٌ کیونکہ میرا یہ کہنا تو بیکار ہے، آپ کو تو پہلے ہی پتہ ہے زید عالم ہے۔ ہاں، اب میں اس کو صفت کی صورت میں لے کر آؤں گا، مثلاً میں اب آپ سے کہوں گا: جَاءَنِي زَيْدٌ الْعَالِمُ، میرے پاس وہ زید آیا جو عالم ہے، اور آپ چونکہ جانتے ہیں کہ وہ عالم ہے لہٰذا فوراً سمجھ گئے کس زید کی بات ہو رہی ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو ہر خبر قبل العلم خبر ہے اور بعد العلم صفت ہے۔

تو لہٰذا یہ جو صفت بحالہ ہے اور صفت بحالِ متعلقہ، صفت بحالہ یہ خبر کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے یہ لفظ، اور یہی صفت بحالہ جو وہ جو موصوف صفت ہیں ان کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے۔ تو آپ پریشان نہ ہوں کہ میں نے کہا زَيْدٌ قَامَ أَبُوهُ، زَيْدٌ ہے بتدا قَامَ أَبُوهُ اس کی خبر، تو میں کہوں کہ یہ قَامَ أَبُوهُ کیا ہے؟ یہ صفت بحالِ متعلقہ ہے، تو آپ یہ نہ کہیں یہ تو صفت ہے ہی نہیں یہ تو خبر ہے۔ تو میں نے بتلا دیا کہ ہر خبر بھی دراصل کیا ہوتی ہے؟ صفت ہوتی ہے، قبل العلم وہ خبر ہے اور بعد العلم وہ صفت بن جاتی ہے بھئی۔

تو دیکھو زَيْدٌ قَامَ اس کے اندر یہ قَامَ فعل ہے، کس کا فعل ہے؟ بتدا کا فعل ہے۔ تو جب بھی خبر بتدا کا اپنا فعل ہو،

یعنی اس کے متعلق کا فعل نہ ہو بلکہ بتدا کا اپنا فعل ہو تو بتدا کو اس خبر پر مقدم کرنا واجب ہے۔ وجہ یہ کیونکہ اگر آپ اس کو مؤخر کریں گے، مثلاً دیکھو اصل کیا تھا؟ زَيْدٌ قَامَ، زَيْدٌ ہے بتدا قَامَ ہے اس کی خبر۔ ذرا ان کی جگہ بدل دو، قَامَ کو شروع میں لے آؤ: قَامَ زَيْدٌ، قَامَ زَيْدٌ۔ اب کیجیے ترکیب بھئی: قَامَ فعل، آگے؟ زَيْدٌ مرفوع لفظاً فاعل۔ دیکھا آپ نے بتدا خبر والی ترکیب نہیں کی، آپ نے قَامَ کو فعل بنایا اور زَيْدٌ کو اس کے لیے فاعل بنایا، حالانکہ میں نے ابھی آپ کو بتایا کہ یہ زَيْدٌ بتدا ہے میں اس کو ذرا مؤخر کر رہا ہوں، تو بتانے کے باوجود آپ نے پھر بھی قَامَ زَيْدٌ کی ترکیب کیا کی کہ زَيْدٌ کو بتدا مؤخر نہیں بنایا بلکہ قَامَ کے لیے فاعل بنایا۔ تو اس لیے جب بھی خبر بتدا کا اپنا فعل ہو تو اس صورت میں خبر کو مؤخر کرنا اور بتدا کو مقدم کرنا واجب ہے، کیونکہ اگر آپ بتدا کو مؤخر کریں گے تو بتدا کا التباس لازم آئے گا فاعل کے ساتھ، سننے والا سمجھے گا یہ فاعل ہے، حالانکہ آپ تو اس کو فاعل نہیں بنا رہے بلکہ آپ اس کو بتدا مؤخر بنانا چاہتے ہیں۔

تو کہتے ہیں: أَوْ كَانَ الْخَبَرُ فِعْلًا لَهُ، یا وہ جو خبر ہے وہ اس بتدا کا فعل ہو، مِثْلُ: زَيْدٌ قَامَ، جیسے زَيْدٌ قَامَ، وَجَبَ تَقْدِيمُهُ، تو اس صورت میں بتدا کو مقدم کرنا واجب ہے۔ چار صورتیں ذکر کر دیں۔ پہلی صورت کیا؟ جب بتدا متضمن ہو ایسے معنیٰ کو جو صدارتِ کلام کو چاہتا ہو تو اس صورت میں اس کو مقدم کرنا واجب۔ دوسری صورت جب دونوں بتدا اور خبر دونوں معرفہ ہوں تو اس صورت میں بھی بتدا کو مقدم کرنا واجب، ورنہ پھر بتدا کا خبر کے ساتھ التباس لازم آئے گا۔ اسی طرح بتدا اور خبر اگر دونوں تخصیص کے اندر برابر ہوں، بتدا بھی نکرہ مخصصہ اور خبر بھی نکرہ مخصصہ ہے تو اس صورت میں بھی بتدا کو مقدم کرنا واجب ہے، ورنہ بتدا کا التباس لازم آئے گا خبر کے ساتھ، سننے والے کو۔

پتہ نہیں چلے گا۔ اور نیز اگر خبر جو ہے وہ اسی بتدا کا فعل ہو تو اس صورت میں بھی بتدا کو مقدم کرنا واجب۔ اگر آپ مقدم نہیں کریں گے تو اس صورت میں التباس لازم آئے گا۔ بات سمجھ میں آگئی۔

جی اب شرح کے ساتھ اس سارے کو دیکھیے۔ کہتے ہیں: ثُمَّ إِنَّ الْأَصْلَ فِي الْمُبْتَدَأِ التَّقْدِيمُ، پھر بتدا جو ہے اس کے اندر اصل جو ہے تقدیم ہے یعنی اس کو مقدم کرنا، وَجَازَ تَأْخِيرُهُ اور بتدا کو مؤخر کرنا بھی جائز ہے، لَكِنَّهُ قَدْ يَجِبُ لیکن کبھی کبھار بتدا کی تقدیم واجب ہو جاتی ہے، لِعَارِضٍ کسی عارض کی وجہ سے، کوئی ایسی چیز پیش آجاتی ہے جس کی وجہ سے بتدا کو مقدم کرنا واجب ہو جاتا ہے، كَمَا أَشَارَ إِلَيْهِ بِقَوْلِهِ جیسے کہ اشارہ کیا اس کی طرف ماتن نے اپنے اس قول کے ذریعے۔ دیکھا یہاں پھر «أشار» کا لفظ استعمال کیا حالانکہ صاحبِ کافیہ تو صریح لفظوں میں فرما رہے ہیں کہ ان صورتوں میں بتدا کو مقدم کریں گے، لیکن صریح کے لیے بھی کیا لفظ استعمال کر لیا؟ اشارہ کا لفظ استعمال کر لیا بھئی۔

کہتے ہیں: وَإِذَا كَانَ الْمُبْتَدَأُ مُشْتَمِلًا، اور جب بتدا مشتمل ہو، عَلَى مَا ایسے معنیٰ پر، لَهُ صَدْرُ الْكَلَامِ جس کے لیے صدارتِ کلام واجب ہو۔ میں نے بتایا بھئی یہ مَا کا کیا معنیٰ ہے؟ مَا سے کیا مراد ہے؟ معنیٰ بھئی۔ عَلَى مَا لَهُ صَدْرُ الْكَلَامِ یہ جو مَا آیا

اس سے یہاں کیا مراد ہے؟ معنیٰ مراد ہے، جب بتدا مشتمل ہو عَلَى مَا ایسے معنیٰ پر لَهُ صَدْرُ الْكَلَامِ۔ لَهُ دیکھو جار مجرور ہے اور یہ خبرِ مقدم ہے اور صَدْرُ الْكَلَامِ یہ بتدا مؤخر ہے، اور یہ بتدا خبر مل کر یہ مَا کے لیے صلہ بنیں گے اگر مَا کو موصولہ بنائیں۔ مَا موصولہ کے لیے کیا چاہیے؟ صلہ، اور صلہ جملہ ہوتا ہے۔ اسی طرح مَا موصوفہ کے لیے آگے صفت چاہیے۔ فرق کیا ہے؟ مَا موصولہ معرفہ ہوتا ہے اور مَا موصوفہ نکرہ ہوتا ہے شَيْءٌ کے معنیٰ میں۔ تو یہاں مَا کو چاہے موصولہ بنائیں چاہے موصوفہ، آگے لَهُ صَدْرُ الْكَلَامِ یہ پورا جملہ اس کا صلہ ہے۔

لَهُ جار مجرور آئے اور جار مجرور میں نے بتایا تھا کہ کبھی بھی مسند الیہ نہیں بنتے بلکہ کیا بنتے ہیں؟ مسند۔ تو یہ خبرِ مقدم اور صَدْرُ الْكَلَامِ بتدا مؤخر، بتدا خبر مل کر یہ جملہ اسمیہ ہو کر یہ مَا کے لیے یا تو صلہ بنے گا یا صفت۔ اور نیز لَهُ جار مجرور ہے اور جار مجرور کے لیے متعلق چاہیے۔ کیا چاہیے؟ متعلق چاہیے، تو صاحبِ جامی آپ کو بتلائیں گے کہ اس کا متعلق یہاں وَجَبَ ہے۔ بھئی جار مجرور کے لیے ہمیشہ متعلق چاہیے، چاہے آپ ثَبَتَ نکال لیں چاہے ثَابِتٌ نکال لیں، لیکن کیا نکالنا بہتر ہے ثَبَتَ یا ثَابِتٌ؟ ثَبَتَ، تو ثَبَتَ اور یہاں پر یہ وَجَبَ نکال لیں گے، کیا نکال لیں گے؟ موقع کے مطابق کہ وہاں اس کے لیے صدارتِ کلام واجب ہے بھئی۔ یعنی بتدا جب ایسے معنیٰ پر مشتمل ہو جس کے لیے صدارتِ کلام واجب ہے تو پھر اس کو مقدم کرنا اس صورت میں ضروری ہو گا بھئی۔

آگے صاحبِ جامی فرماتے ہیں: أَيْ عَلَى مَعْنًى وَجَبَ لَهُ صَدْرُ الْكَلَامِ۔ بھئی متن میں کیا آیا تھا؟ عَلَى مَا، صاحبِ جامی کیا فرما رہے ہیں؟ عَلَى مَعْنًى، بتلا دیا کہ مَا سے کیا مراد ہے یہاں؟ معنیٰ، معنیٰ مراد ہے۔ اور متن میں کیا تھا؟ لَهُ صَدْرُ الْكَلَامِ، صاحبِ جامی آگے کیا فرما رہے ہیں؟ وَجَبَ لَهُ صَدْرُ الْكَلَامِ، بتلا دیا کہ لَهُ کس سے متعلق ہے؟ وَجَبَ سے، اور یہ خبرِ مقدم ہے اور صَدْرُ الْكَلَامِ اس کا بتدا مؤخر ہے بھئی۔ نیز ایک اور بات کی طرف بھی اشارہ کر دیا کہ یہ مَا موصوفہ ہے۔ کس طرح، کس چیز سے پتہ چلا؟ مَعْنًى کا لفظ نکرہ لے کر آئے۔ اگر یہ معرفہ ہوتا، موصولہ ہوتا تو الْمَعْنَى کہتے یا الَّذِي کہتے، یا یوں کہتے الْمَعْنَى الَّذِي وہ معنیٰ جو کہ۔

تو کہتے ہیں جب بتدا مشتمل ہو عَلَى مَا لَهُ صَدْرُ الْكَلَامِ، أَيْ عَلَى مَعْنًى وَجَبَ لَهُ صَدْرُ الْكَلَامِ یعنی ایسے معنیٰ پر جس کے لیے صدارتِ کلام واجب ہو، كَالِاسْتِفْهَامِ جیسے کہ استفہام ہے، فَإِنَّهُ يَجِبُ حِينَئِذٍ تَقْدِيمُهُ تو واجب ہے حِينَئِذٍ اس وقت، واجب ہے اس وقت۔ کس وقت؟ جب وہ ایسے معنیٰ پر مشتمل ہو، تو اس وقت واجب ہے، کیا واجب ہے؟ تَقْدِيمُهُ اس کو یعنی بتدا کو مقدم کرنا واجب ہے۔ حِفْظًا لِصَدَارَتِهِ۔ حِفْظًا یہ ترکیب میں کیا واقع ہو رہا ہے بھئی؟ معنیٰ پہ غور کرو، معنیٰ پہ غور کرو فوراً آپ کو پتہ چل جائے گا۔ فَإِنَّهُ يَجِبُ حِينَئِذٍ تَقْدِيمُهُ حِفْظًا لِصَدَارَتِهِ۔ معنیٰ پہ غور کرو بھئی معنیٰ سے ترکیب حل ہوتی ہے۔ جلدی بولو بھئی جلدی بولو، اب تو آپ اچھے خاصے نحوی ہیں بھئی۔ یاد رکھو ترکیب سے معنیٰ حل ہوتا ہے اور معنیٰ سے ترکیب حل ہوتی ہے، کہیں معنیٰ سمجھ میں آئے گا ترکیب سمجھ میں آجائے گی، کہیں ترکیب حل ہو گی تو معنیٰ بھی

سمجھ میں آجائے گا۔

یہ مفعول لہ بنے گا۔ ہاں شاباش، دیکھو یہ علت بیان کر رہا ہے، اور وہ مصدر جو منصوب ہو اور ماقبل کی علت بیان کرے اس کو مفعول لہ کہتے ہیں، جیسے ضَرَبْتُهُ تَأْدِيبًا۔ تو کہتے ہیں فَإِنَّهُ يَجِبُ حِينَئِذٍ تَقْدِيمُهُ تو واجب ہے اس وقت بتدا کو مقدم کرنا، حِفْظًا لِصَدَارَتِهِ اس کی صدارت کی حفاظت کرنے کے لیے۔ ضَرَبْتُهُ تَأْدِيبًا میں نے اس کی پٹائی کی ادب سکھانے کے لیے، یہاں بھی اسی طرح ہے حِفْظًا لِصَدَارَتِهِ اس کی صدارت کی حفاظت کرنے کے لیے اس کو مقدم کرنا واجب ہے۔ تو یہ حِفْظًا مفعول لہ ہے بھئی۔

مِثْلُ: مَنْ أَبُوكَ، جیسے کہ مَنْ أَبُوكَ۔ مَنْ أَبُوكَ کی ترکیب سن لیں پہلے۔ مَنْ یاد رکھو یہ مَنْ استفہامیہ ہے اور یہ نکرہ ہے بھئی۔ یہ کیا ہے؟ یہ نکرہ ہے بھئی۔ معرفہ کسے کہتے ہیں؟ جو کسی معین چیز پر دلالت کرے، اور مَنْ، مَنْ کا کیا معنیٰ؟ کون۔ کوئی معین آپ کے ذہن میں آیا؟ نہیں، تو دیکھو یہ نکرہ ہے۔ تو مَنْ استفہامیہ نکرہ ہے، اور أَبُوكَ، أَبُو مرفوع لفظاً مضاف، كَ ضمیر مجرور محلاً مضاف الیہ۔ اب ہمارے پاس دو لفظ ہیں: مَنْ اور أَبُوكَ، کیا ترکیب کریں گے؟ جی، أَبُوكَ اس کو کیا بنائیں گے؟ بتدا۔ شاباش بھئی، أَبُوكَ کو کیا بنائیں گے؟ بتدا، اور مَنْ کو کیا بنائیں گے؟ خبر۔ عام نحوی حضرات یہ ترکیب کرتے ہیں کہ مَنْ چونکہ نکرہ ہے اس کو بنا دیتے ہیں خبرِ مقدم، اور أَبُوكَ اس کو کیا بناتے ہیں؟ یہ معرفہ ہے تو اس کو بتدا مؤخر، بتدا اپنی خبر سے مل کر جملہ اسمیہ انشائیہ ہوا۔ یہ عام نحوی حضرات کرتے ہیں۔

جبکہ امام سیبویہ فرماتے ہیں نہیں، مقامِ استفہام کے اندر نکرہ بھی بتدا بن سکتا ہے۔ تو ان کے نزدیک یہاں یہ مَنْ یہ بتدا ہے اور أَبُوكَ یہ اس کی خبر ہے۔ اور بات کیا چل رہی ہے؟ وہ مقامات جہاں پر بتدا کو مقدم کرنا واجب ہے۔ تو امام سیبویہ کیا فرماتے ہیں؟ مقامِ استفہام میں نکرہ بھی بتدا بن سکتا ہے، تو یہ مَنْ بتدا بن رہا ہے اور چونکہ یہ استفہام کے معنیٰ پر مشتمل ہے اس لیے اس کو مقدم کرنا واجب ہے بھئی۔

تو کہتے ہیں مِثْلُ: مَنْ أَبُوكَ، فَإِنَّ مَنْ مُبْتَدَأٌ مُشْتَمِلٌ عَلَى مَا لَهُ صَدْرُ الْكَلَامِ اس لیے کیونکہ مَنْ جو ہے وہ بتدا ہے جو مشتمل ہے عَلَى مَا ایسے معنیٰ پر لَهُ صَدْرُ الْكَلَامِ جس کے لیے صدارتِ کلام واجب ہے، بھئی وہ کیا چیز ہے؟ کہتے ہیں وَهُوَ الِاسْتِفْهَامُ وہ استفہام ہے، مَنْ جو ہے استفہام پر مشتمل ہے۔

فَإِنَّ مَعْنَاهُ، اچھا تو امام سیبویہ کیا فرماتے ہیں مَنْ بتدا ہے اور أَبُوكَ اس کی خبر، جبکہ عام نحوی کیا فرماتے ہیں مَنْ خبرِ مقدم ہے اور أَبُوكَ بتدا مؤخر ہے کیونکہ وہ معرفہ ہے۔ امام سیبویہ فرماتے ہیں نہیں مقامِ استفہام میں نکرہ بھی بتدا بن سکتا ہے۔ تو سوال پیدا ہوتا ہے کیسے؟ یہ تو نکرہ ہے، تو اس کا جواب دے رہے ہیں امام سیبویہ کی طرف سے آگے صاحبِ جامی، کہ دیکھو مَنْ لفظوں میں اگرچہ نکرہ ہے لیکن مآل اور نتیجے کے اعتبار سے وہ معرفہ ہے۔ مآل اور نتیجے کے اعتبار سے وہ معرفہ ہے، یوں کہیں یہ معرفہ کے درجے میں ہے۔ یہ کس کے درجے میں ہے؟ یہ معرفہ کے درجے میں ہے۔

دیکھو، کہتے ہیں کسی سے آپ پوچھیں مَنْ أَبُوكَ یا مَنْ زَيْدٌ وغیرہ جو بھی سوال کر لیں مَنْ کے ساتھ، تو دراصل گویا آپ اس سے یہ سوال پوچھ رہے ہیں۔ مثلاً مَنْ زَيْدٌ، آپ نے کسی سے پوچھا مَنْ زَيْدٌ زید کون ہے؟ تو وہ آپ کو بتاتا ہے کہ یہ ہے زید۔ تو آپ نے کیا پوچھا؟ مَنْ زَيْدٌ زید کون ہے؟ تو مَنْ نکرہ ہے لیکن امام سیبویہ فرماتے ہیں یہ بتدا ہے۔ کہتے ہیں یہ معرفہ کے درجے میں ہے۔ یہ کس کے درجے میں ہے؟ یہ معرفہ کے درجے میں ہے۔ گویا پوچھنے والے نے یہ پوچھا، ایک آدمی کی طرف اشارہ کر کے کہتا ہے: أَهَذَا زَيْدٌ؟ پھر دوسرے کی طرف اشارہ کیا: أَهَذَا زَيْدٌ؟ پھر تیسرے کی طرف اشارہ کیا: أَهَذَا زَيْدٌ؟ پھر چوتھے کی طرف اشارہ کیا: أَهَذَا زَيْدٌ؟ اسی طرح وہ ساری دنیا کے افراد کی طرف اشارہ کر رہا ہے، زید کی تعیین چاہتا ہے۔ ساری دنیا کے جو رَجُل ہیں ان میں سے ہر ایک کی طرف اشارہ کر رہا ہے، لیکن ساری دنیا کے انسانوں کی طرف اشارہ کرنا اور سب کے بارے میں سوال کرنا یہ تو ممکن ہی نہیں ہے۔ تو لہٰذا اجمالاً پوچھ لیا گیا مَنْ زَيْدٌ، زید کون ہے؟ حقیقت میں یہ گویا ایک ایک آدمی کے بارے میں پوچھا جا رہا ہے، گویا سوال یوں ہے۔ کیا کہا؟ مَنْ زَيْدٌ، گویا اس نے سوال یہ پوچھا: أَهَذَا زَيْدٌ؟ پھر دوسرے کی طرف اشارہ کیا: أَهَذَا زَيْدٌ؟ پھر تیسرے کی طرف اشارہ کیا: أَهَذَا زَيْدٌ؟ پھر چوتھے کی طرف اشارہ کیا: أَهَذَا زَيْدٌ؟ دیکھو اس کے اندر هَذَا، مَنْ کی جگہ ہم کیا لے آئے؟ هَذَا لے آئے اور هَذَا تو اسمِ اشارہ ہے اور اسمِ اشارہ کیا ہے؟ معرفہ ہے بھئی۔ تو یا دوسرے لفظوں میں یوں کہو مثلاً آپ نے کیا پوچھا؟ مَنْ زَيْدٌ، تو گویا آپ یوں پوچھ رہے ہیں: أَهَذَا زَيْدٌ أَمْ هَذَا أَمْ هَذَا أَمْ هَذَا أَمْ هَذَا، ساروں کو معطوف بنا دو هَذَا پر، یا ہر ایک کے بارے میں الگ سوال بنا لو۔

توجہ ہے؟ بھئی تقریر یہ چل رہی ہے کہ امام سیبویہ پر اعتراض ہوتا ہے کہ یہ مَنْ تو نکرہ ہے، یہ بتدا کیسے بنتا ہے؟ تو نحوی حضرات جواب دیتے ہیں امام سیبویہ کی طرف سے کہ وجہ یہ کہ یہاں اجمالاً سوال کیا گیا ہے، حقیقت میں گویا ہر ہر آدمی کے بارے میں سوال کیا جا رہا ہے، ایک ایک آدمی کے بارے میں پوچھا جا رہا ہے: أَهَذَا زَيْدٌ؟ پھر دوسرے کے بارے میں پوچھا: أَهَذَا زَيْدٌ؟ پھر تیسرے کے بارے میں پوچھا: أَهَذَا زَيْدٌ؟ تو مَنْ کی جگہ ہم کیا لے آئے؟ ایک تو ہمزہ استفہام آگیا اور آگے هَذَا اسم آیا، مَنْ بھی اسم تھا نا، هَذَا اسم آیا اور هَذَا کیا ہے؟ معرفہ ہے۔ تو مَنْ یہ معرفہ کے درجے میں ہے۔ توجہ ہے؟ اور ساری دنیا کے انسانوں کے بارے میں تو پوچھنا ممکن ہی نہیں ہے، لہٰذا اجمالی طور پر اکٹھا ہی سب کے بارے میں پوچھ لیا گیا مَنْ زَيْدٌ، زید کون ہے؟ یعنی تمام دنیا کے افراد میں سے مجھے تعیین کر کے بتاؤ زید کون سا ہے، پھر دوسرا تعیین کر کے بتاتا ہے یہ زید ہے۔

تو مَنْ یہ معرفہ کے درجے میں ہے، اس لیے کیونکہ مَنْ أَبُوكَ یہ اسی طرح ہے جیسے آپ کسی سے سوال پوچھیں: أَهَذَا أَبُوكَ أَمْ ذَاكَ؟ تو یہ دیکھو یہاں هَذَا کے ساتھ تعبیر کیا گیا اس کو، تو یہ اگرچہ نکرہ ہے لیکن معرفہ کے درجے میں ہے، اور یہاں دراصل دنیا کے ایک ایک فرد کے بارے میں یہاں سوال کیا جا رہا ہے کہ أَهَذَا أَبُوكَ، أَهَذَا أَبُوكَ، أَهَذَا، ایک ایک کے بارے میں سوال کیا جا رہا ہے۔ لیکن ایک ایک کے بارے میں تو سوال کرنا ممکن نہیں، تو پھر اس کو اجمالاً مَنْ کے ساتھ تعبیر کر دیا جاتا ہے، اور اس مَنْ کے اندر عموم ہے یعنی اس میں ہر ہر فرد کے بارے میں جب سوال ہو رہا ہے تو عموم آگیا، اور عموم کی وجہ سے

نکرہ میں کیا آجاتی ہے؟ تخصیص، لہذا

اس کا بتدا بننا صحیح ہے بھئی۔ تو گویا یہاں اس مَنْ کے اندر عموم آیا۔ مَنْ نکرہ ہے، اور نکرہ تو بتدا ویسے نہیں بنتا جب تک اس میں تخصیص نہ آجائے، تو اس کے اندر تخصیص آگئی عموم کی وجہ سے، کہ گویا ہر ہر فرد کے بارے میں یہ سوال ہے، ہر ہر فرد کے بارے میں یہ سوال ہے، اور ہر ہر فرد کے بارے میں تفصیلاً تو پوچھا نہیں جا سکتا۔ دیکھو یاد رکھو ایک ہے تفصیل ایک ہے اجمال۔ تفصیل یہ ہے جس میں ایک ایک چیز الگ الگ ذکر ہو، اجمال یہ ہے جس میں سب کو اکٹھا ذکر کر دیا جائے۔ مثلاً میں آپ کو بتاتا ہوں کہ میرے تین دوست ہیں، میرے تین دوست ہیں، دیکھو میں نے اجمالاً ذکر کر دیا، تفصیل نہیں بتائی کہ کون کون ہیں وہ تین۔ اجمال ذکر، اس کو اجمال کہتے ہیں، تین دوست ہیں سب کو میں نے اکٹھا کر دیا۔ یا مثلاً میں کہتا ہوں میرے دس دوست ہیں، دیکھو میں نے سب کو اجمالاً ذکر کر دیا دس دوست ہیں، تفصیل نہیں ذکر کی وہ دس کون کون ہیں۔ اور ایک صورت ہے تفصیل کی، کہ میں ایک ایک کا نام لیتا ہوں: زید بھی میرا دوست ہے، زید، عمرو، بکر، خالد وغیرہ فلاں فلاں جو ہیں یہ سارے میرے دوست ہیں۔ اب دیکھو اس میں تفصیل ہے، ایک ایک کا نام ذکر ہے۔ تو ہر ہر فرد کو علیحدہ، ہر ہر چیز کو علیحدہ ذکر کیا جائے اس کو کیا کہتے ہیں؟ تفصیل، اور سب کو اکٹھا ذکر کر دیا جائے اس کو کیا کہتے ہیں؟ اجمال۔ تو اگر ہر ایک کے بارے میں سوال ہوتا: أَهَذَا زَيْدٌ، أَهَذَا زَيْدٌ، أَهَذَا زَيْدٌ، تو یہ تھی تفصیل، اور سب کے بارے میں اجمالاً پوچھ لیا مَنْ زَيْدٌ زید کون ہے، تو یہ کیا ہے؟ اجمال، سب کے بارے میں یعنی اکٹھا ہی پوچھ لیا۔

تو اشکال کیا ہوا کہ مَنْ أَبُوكَ اس کے اندر تو مَنْ نکرہ ہے، یہ بتدا کیسے بن گیا؟ تو اس کا جواب کیا دیتے ہیں نحوی حضرات؟ کہ یہ مَنْ لفظوں کے اعتبار سے یہ نکرہ ہے لیکن یہ معرفہ کے درجے میں ہے۔ کس کے درجے میں ہے؟ معرفہ کے درجے میں ہے، اس لیے کیونکہ مَنْ أَبُوكَ یہ گویا اسی طرح ہے جیسے آپ کسی سے پوچھیں أَهَذَا أَبُوكَ أَمْ ذَاكَ۔ تو دیکھو أَهَذَا ہمزہ استفہام لے آئے اور مَنْ کی جگہ کیا لے آئے؟ هَذَا۔ تو دیکھو یہ معرفہ کے ساتھ اس کو تعبیر کر دیا گیا، تو یہ مَنْ لفظوں میں تو بے شک نکرہ ہے لیکن یہ معرفہ کے درجے میں ہے بھئی، یعنی اس کی تاویل معرفہ کے ساتھ کی جائے گی کہ گویا یہ سوال کیا جا رہا ہے أَهَذَا أَبُوكَ أَمْ ذَاكَ۔ گویا ایک ایک فرد کے بارے میں سوال کیا جا رہا ہے، پھر عبارت جو بھی آپ بنا لیں، جو بھی عبارت بنا لیں یہ تعبیر کریں گے دیکھو۔

دیکھو آگے عبارت کتاب پر دیکھیے: فَإِنَّ مَعْنَاهُ أَهَذَا أَبُوكَ أَمْ ذَاكَ، کیونکہ اس کا معنیٰ یہ ہے أَهَذَا أَبُوكَ کیا یہ ہیں آپ کے ابو، أَمْ ذَاكَ یا وہ ہیں۔ یہ صرف دو کے بارے میں نہیں سوال، یہ صرف ایک مثال دے دی ہے، یہ سوال ہر ہر فرد کے بارے میں ہے۔ عبارت یوں بنا لو: أَهَذَا أَبُوكَ أَمْ ذَاكَ أَمْ ذَاكَ، یعنی هَذَا ہی لاؤ: أَهَذَا أَبُوكَ أَمْ هَذَا أَمْ هَذَا أَمْ هَذَا أَمْ هَذَا، سارے لوگوں کی طرف اشارہ کر کے پوچھتے چلے جاؤ۔ اور ایک صورت ہے ہر ایک کے بارے میں الگ الگ پوچھو: هَذَا أَبُوكَ، أَهَذَا أَبُوكَ، أَهَذَا أَبُوكَ، تو جس عبارت سے بھی تعبیر کر دیں بتلانے کا مقصد یہ ہے کہ دنیا کے ہر ہر فرد کے بارے میں سوال ہو رہا

ہے کہ یہ ہیں یا یہ ہیں یا یہ ہیں بھئی۔ تو دیکھو کس کے ساتھ تعبیر کیا مَنْ کو؟ أَهَذَا أَبُوكَ، معرفہ کے ساتھ تعبیر کیا۔ تو کہتے ہیں فَإِنَّ مَعْنَاهُ اس لیے کیونکہ اس کا معنیٰ یہ ہے أَهَذَا أَبُوكَ أَمْ ذَاكَ کیا یہ ہیں آپ کے ابو یا وہ، وَأَبُوكَ خَبَرُهُ اور یہ أَبُوكَ جو ہے یہ اس کی خبر ہے۔

تو کہتے ہیں: وَهَذَا مَذْهَبُ سِيبَوَيْهِ، اور یہ مذہب ہے امام سیبویہ کا۔ میں نے بتایا امام سیبویہ کی بات علمِ نحو میں پہاڑ کی طرح مضبوط سمجھی جاتی ہے، اور یہ امام سیبویہ وہ ہیں جو بعض فرماتے ہیں کہ بتیس سال کی عمر میں ان کا انتقال ہوا ہے اور بعض کہتے ہیں چالیس کے لگ بھگ عمر میں ان کا انتقال ہوا ہے۔ تو بتیس اور چالیس یہ تو تقریباً جوانی ہی کی عمر ہے بھئی، جوانی میں ان کے علوم کا یہ حال تھا تو اگر آگے زندہ رہتے تو ان کے علوم کا کیا حال ہوتا بھئی۔ تو امام سیبویہ کی بات نحو میں بہت مضبوط سمجھی جاتی ہے۔

تو کہتے ہیں وَهَذَا مَذْهَبُ سِيبَوَيْهِ اور یہ مذہب ہے امام سیبویہ کا، وَذَهَبَ بَعْضُ النُّحَاةِ إِلَى أَنَّ أَبُوكَ مُبْتَدَأٌ اور بعض نحوی اس بات کی طرف گئے ہیں کہ أَبُوكَ جو ہے یہ بتدا ہے، لِكَوْنِهِ مَعْرِفَةً اس وجہ سے کہ یہ معرفہ ہے بھئی، وَمَنْ خَبَرُهُ اور مَنْ اس کی خبر ہے، الْوَاجِبُ تَقْدِيمُهُ وہ خبر کہ واجب ہے اس کو مقدم کرنا، عَلَى الْمُبْتَدَأِ بتدا پر، لِتَضَمُّنِهِ مَعْنَى الِاسْتِفْهَامِ اس لیے کیونکہ وہ متضمن ہے استفہام کے معنیٰ کو۔

توجہ ہے؟ بھئی دیکھیے وَمَنْ خَبَرُهُ الْوَاجِبُ تَقْدِيمُهُ، ترکیب سمجھ میں آرہی ہے؟ وَمَنْ خَبَرُهُ ترکیب کرو۔ مَنْ یہ کیا بنے گا؟ وَمَنْ خَبَرُهُ، معنیٰ پہ غور کرو معنیٰ سے ترکیب حل ہو جائے گی۔ وَمَنْ خَبَرُهُ ترجمہ کرو: مَنْ اس کی خبر ہے۔ دیکھو ترکیب حل ہو گئی، جی بولیے کیا ترکیب ہے؟ مَنْ مرفوع محلاً بتدا۔ شاباش، یہ مَنْ سے لفظِ مَنْ مراد ہے دیکھو ہم اس کا ترجمہ نہیں کر رہے ورنہ تو مَنْ کا معنیٰ ہے کون، تو لہٰذا یہاں لفظ مراد ہے تو یہ ہے بتدا اور خَبَرُهُ یہ کیا ہے؟ یہ اس کی خبر ہے، اور یہ خَبَرُهُ یہ ہے موصوف اور الْوَاجِبُ اس کی صفت ہے۔ وَمَنْ خَبَرُهُ الْوَاجِبُ، خَبَرُهُ یہ اس کی وہ خبر ہے، الْوَاجِبُ تَقْدِيمُهُ جس کی تقدیم واجب ہے، تو الْوَاجِبُ کیا بن رہا ہے؟ صفت، کس کے لیے؟ خَبَرُهُ کے لیے۔ خَبَرُهُ میں خَبَرَ مضاف، هُ ضمیر مضاف الیہ، اور مضاف مضاف الیہ مل کر یہ ہے موصوف، اور اس کی اضافت کس کی طرف ہے خبر کی؟ هُ ضمیر کی طرف، اور هُ ضمیر ہے معرفہ اور معرفہ کی طرف جو لفظ مضاف ہو جائے وہ بھی کیا بن جاتا ہے؟ معرفہ، تو لہٰذا الْوَاجِبُ اس کی صفت بھی کیا لائے؟ معرفہ لائے، بات سمجھ میں آگئی۔

وَمَنْ خَبَرُهُ الْوَاجِبُ، مَنْ اس کی وہ خبر ہے جو واجب ہے، کیا معنیٰ؟ جس کو مقدم کرنا واجب ہے۔ معلوم ہوا یہ الْوَاجِبُ یہ صفت بحالِ متعلقہ ہے۔ لفظوں میں صفت ہے کس کی؟ خَبَرُهُ کی، اور معنیٰ میں صفت ہے تَقْدِيمُهُ کی، تَقْدِيمُ الْخَبَرِ کی۔ ایک صفت بحالہ ہوتی ہے، وہ لفظوں میں جس کی صفت ہوتی ہے معنیٰ میں بھی اسی کی صفت: رَجُلٌ قَائِمٌ، یہ قَائِمٌ کس کی صفت؟ رَجُلٌ کی، تو لفظوں میں بھی رَجُلٌ کی صفت معنیٰ میں بھی رَجُلٌ کی صفت، یہ قَائِمٌ کا معنیٰ رَجُلٌ میں ہے۔ اور ایک

ہوتی ہے صفت بحالِ متعلقہ: رَجُلٌ قَائِمٌ أَبُوهُ، تو یہاں قَائِمٌ لفظوں میں صفت کس کی؟ رَجُلٌ کی، اور معنیٰ میں صفت کس کی؟ أَبُوهُ کی، تو یہ صفت بحالِ متعلقہ ہے۔ یہاں پر بھی الْوَاجِبُ لفظوں میں صفت کس کی؟ خَبَرُهُ کی، اور معنیٰ میں صفت کس کی؟ تَقْدِيمُهُ کی بھئی۔

تو کہتے ہیں وَمَنْ خَبَرُهُ الْوَاجِبُ تَقْدِيمُهُ عَلَى الْمُبْتَدَأِ اور مَنْ اس کی وہ خبر ہے کہ واجب ہے اس خبر کو مقدم کرنا عَلَى الْمُبْتَدَأِ مبتدا پر، لِتَضَمُّنِهِ مَعْنَى الِاسْتِفْهَامِ اس وجہ سے کہ یہ خبر متضمن ہے معنیٰ استفہام کو۔ اور یاد رکھنا یہاں پر اگر صاحبِ کافیہ مَنْ قَامَ یہ مثال ذکر کر دیتے تو پھر یہ متفق علیہ مثال ہوتی، یعنی اس میں سب کے نزدیک مَنْ مبتدا ہے اور قَامَ اس کی خبر ہے۔ توجہ ہے؟ تو مَنْ مبتدا ہے اور قَامَ فعل، اس کے اندر هُوَ ضمیر فاعل جو کس کو راجع؟ مبتدا کو راجع ہے، راجع ہے کیونکہ خبر کو مبتدا سے جوڑا جاتا ہے، فعل اپنے فاعل سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر خبر، مبتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ انشائیہ ہوا کیونکہ استفہام ہے۔ تو مَنْ قَامَ یہ مثال بھی پیش کی جا سکتی تھی اور اس میں کسی نحوی کا اختلاف بھی نہ ہوتا، لیکن صاحبِ کافیہ نے متفق علیہ مثال ذکر نہیں کی بلکہ مَنْ أَبُوكَ یہ مثال ذکر کی جس میں کچھ نحوی اختلاف کرتے ہیں۔ دراصل وجہ یہ، یہ مثال صاحبِ کافیہ نے اس لیے ذکر کی کہ بتلانا چاہتے ہیں کہ امام سیبویہ کا مذہب صحیح ہے بھئی، امام سیبویہ کا مذہب صحیح ہے اور راجح ہے، اس لیے اس کی تصریح کے لیے یہ والی مثال ذکر کی انہوں نے۔

أَوْ كَانَا، أَيِ الْمُبْتَدَأُ وَالْخَبَرُ، مَعْرِفَتَيْنِ۔ متن میں آیا أَوْ كَانَا، آگے صاحبِ جامی فرما رہے ہیں أَيِ الْمُبْتَدَأُ وَالْخَبَرُ، کیا بتلانا چاہتے ہیں؟ كَانَا کی ضمیر کا مرجع۔ تثنیہ کی ضمیر ہے نا كَانَا، تو یہ مبتدا اور خبر کو راجع ہے۔ اور یا وہ دونوں جو ہیں مَعْرِفَتَيْنِ دونوں کیا ہوں؟ معرفہ ہوں، مُتَسَاوِيَيْنِ فِي التَّعْرِيفِ أَوْ غَيْرَ مُتَسَاوِيَيْنِ، تعریف کے اندر دونوں برابر ہوں یا برابر نہ ہوں۔

بھئی یاد رکھو یہ جو معرفہ ہے نا معرفہ، معرفہ کی چھ سات قسمیں آپ نے پڑھی ہیں۔ کون کون سی؟ تمام ضمیریں ہیں، عَلَم ہے نام جو کسی کا ہو، اسمائے اشارہ، اسمائے موصولہ، اور اسی طرح معرف باللام جس پر الف لام آئے، اور ان پانچ میں سے کسی ایک کی طرف جو مضاف ہو یہ چھ ہو گئیں، اور ایک قسم ہے معرفہ بنداء، وہ معرفہ بنداء جو حرفِ نداء کی وجہ سے معرفہ بن جائے، وہ ہماری بحث سے خارج ہے کیونکہ ہم یہاں مبتدا خبر کی بحث کر رہے ہیں۔ تو باقی رہ گئیں چھ قسمیں رہ گئیں معرفہ کی۔ ان چھ قسموں میں ان سب کے اندر یاد رکھو تعریف برابر درجے کی نہیں ہے بھئی، ہر ایک میں الگ الگ درجے کی تعریف ہے۔ سب سے زیادہ تعریف یاد رکھو ضمیروں کے اندر ہے۔ دوسرے درجے پر تعریف عَلَم کے اندر ہے، نام کے اندر ہے۔ تعریف کا معنیٰ ہے پہچان، پہچان۔ سب سے زیادہ تعریف کس میں ہے؟ ضمیروں میں۔ دوسری تعریف کس میں ہے دوسرے درجے والی؟ عَلَم، یعنی عَلَم جس کا نام ہوتا ہے اس نام والے کی آپ کو پہچان ہوتی ہے۔ تیسرا درجہ ہے اسمِ اشارہ کا بھئی، اور چوتھا درجہ ہے اسمِ موصول کا بھئی، اور پانچواں درجہ ہے معرف باللام کا۔ اور آخر میں کیا ذکر

ہوا؟ جو ان پانچ میں سے کسی ایک کی طرف مضاف ہو۔ وہ آخر میں ذکر ہوا لیکن اس کا یہ معنیٰ نہیں وہ چھٹے درجے کا ہے، بلکہ مضاف کا وہی درجہ ہو گا جو مضاف الیہ کا ہو۔ غُلَامُهُ، غلام کی اضافت کس کی طرف؟ هُ ضمیر کی طرف، اور ضمیر کا کون سا درجہ تعریف میں؟ پہلا درجہ، لہٰذا غُلَامُهُ بھی پہلے درجے کا ہے۔ غُلَامُ زَيْدٍ، غلام کی اضافت زید کی طرف اور زید کیا ہے؟ عَلَم ہے، اور عَلَم میں کون سے درجے کی تعریف ہے؟ دوسرے درجے کی تعریف ہے، تو غُلَامُ زَيْدٍ میں بھی تعریف کون سے درجے والی آگئی؟ دوسرے درجے والی۔ بات سمجھ میں آگئی؟ مضاف تعریف لیتا ہے مضاف الیہ سے، اور مضاف الیہ جس درجے کا ہوا مضاف بھی اسی درجے کا معرفہ بن جائے گا۔ بات سمجھ میں آگئی۔ پھر دہراؤ پہلا درجہ تعریف کا کس کا؟ ضمیروں کا، دوسرا عَلَم، تیسرا اسمِ اشارہ، چوتھا اسمِ موصول، پانچواں معرف باللام، اور چھٹا ان میں سے کسی ایک کی طرف مضاف ہو بھئی۔

پھر ضمیروں کے اندر یاد رکھو، ضمیریں یوں تو غائب کی بھی ہے، متکلم کی بھی ہے، مخاطب کی بھی ہے۔ ان میں سب سے اعلیٰ درجہ کس کا؟ یاد رکھو سب سے اعلیٰ درجہ ضمیروں میں متکلم کی ضمیر کا ہے۔ انسان کو سب سے زیادہ اپنا پتہ ہوتا ہے، اس کو سب سے زیادہ اپنی پہچان ہے، تو لہٰذا پہلا درجہ متکلم کی ضمیروں کا۔ دوسرا درجہ مخاطب کا ہے کیونکہ مخاطب متکلم کے سامنے ہوتا ہے، تو دوسرا درجہ اس کا۔ اور تیسرا درجہ غائب کا ہے بھئی۔ تو ضمیروں میں پہلا درجہ کس کا؟ متکلم کی ضمیروں کا، دوسرا مخاطب، تیسرا غائب کی ضمیروں کا۔ یہاں تک بات سمجھ میں آگئی۔

پھر ایک اور بات یاد رکھنا، یہ جو اسمِ اشارہ اور اسمِ موصول ہیں ان کو مبہمات کہتے ہیں۔ اسمِ اشارہ اور اسمِ موصول کو مبہمات کہتے ہیں، اس لیے کیونکہ اسمِ اشارہ مشارٌ الیہ کا محتاج اور موصول صلے کا محتاج۔ موصول کے ساتھ جب تک صلہ نہیں ملاؤ گے اس کا معنیٰ سمجھ میں نہیں آئے گا۔ مثلاً میں آپ سے کہتا ہوں جَاءَ الَّذِي آیا میرے پاس وہ جو کہ، آیا میرے پاس وہ جو کہ، کچھ بات سمجھ میں آئی کون آیا؟ نہیں۔ ہاں آگے میں کہتا ہوں جَاءَ الَّذِي ضَرَبَكَ آیا میرے پاس وہ آدمی جس نے آپ کی پٹائی کی تھی، اب آپ کو پتہ چل گیا کہ الَّذِي سے کون مراد ہے۔ تو صرف الَّذِي ہوتا تو اس کا تو معنیٰ ہے وہ جو کہ، اس سے تو کچھ پتہ نہیں چلتا، تو موصول میں بے انتہا ابہام ہوتا ہے، آگے صلہ پورا ایک جملہ آکر اس کے ابہام کو دور کرتا ہے۔ تو موصول بغیر صلے کے مبہم، اس کا معنیٰ سمجھ میں نہیں آتا۔

اسی طرح اسمِ اشارہ مشارٌ الیہ کے بغیر سمجھ میں نہیں آتا۔ هَذَا، میں کہتا ہوں هَذَا کچھ پتہ چلا کیا مراد ہے؟ نہیں۔ ہاں یا تو میں ہاتھ کے ذریعے اشارہ کروں، مثلاً میں کتاب کی طرف اشارہ کرتا ہوں: هَذَا، آپ سمجھ گئے کہ یہ والی کتاب مراد ہے۔ میں نے قلم کی طرف اشارہ کیا: هَذَا، اب آپ سمجھ گئے کہ یہ والا قلم مراد ہے۔ تو یوں کہو اسمِ اشارہ کے لیے مشارٌ الیہ ضرور چاہیے، وہ مشارٌ الیہ حساً بھی ہو سکتا ہے کہ آپ حساً یعنی ہاتھ وغیرہ کے ذریعے اس کی طرف اشارہ کریں، اور وہ مشارٌ

الیہ لفظوں کے اعتبار سے بھی ذکر ہو سکتا ہے، مثلاً میں ہاتھ سے اشارہ نہیں کرتا صرف اتنا کہتا ہوں: هَذَا الْكِتَابُ۔ آپ کو پتہ چلا کہ هَذَا سے اشارہ کس کی طرف ہے؟ آپ سمجھ گئے کہ کتاب کی طرف اشارہ ہے۔ تو اسمِ اشارہ محتاج ہے مشارٌ الیہ کا، جب تک مشارٌ الیہ کا پتہ نہیں چلے گا تو پتہ نہیں چل سکتا کہ اسمِ اشارہ سے کیا مراد ہے۔ اور مشارٌ الیہ کا پتہ کبھی اشارۂ حسیہ سے چلے گا اور کبھی لفظوں کے اندر اس کو ذکر کر دیا جاتا ہے۔ تو ان دونوں کو کیا کہتے ہیں؟ اسمائے اشارہ اسمائے موصولہ کو کیا کہتے ہیں؟ مبہمات، کیونکہ اسمِ اشارہ مشارٌ الیہ کا محتاج اور موصول صلے کا محتاج۔

بھئی بات یہ چل رہی تھی انہوں نے کیا بتایا کہ بتدا اور خبر جب دونوں معرفہ ہوں تو اس وقت بتدا کو مقدم کرنا واجب ہے۔ تو یا

یاد رکھو اس میں وہ جو دو معرفہ ہیں چاہے وہ ایک ہی درجے کے ہوں یا نہ ہوں اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ مثلاً ایک معرفہ ہے دوسرے درجے والا اور ایک معرفہ ہے چوتھے درجے والا، تو بھی اگرچہ دونوں میں تعریف برابر درجے کی نہیں لیکن پھر بھی آپ جس کو بتدا بنانا چاہتے ہیں اس کو مقدم کریں گے، اور جس کو خبر بنانا چاہتے ہیں اس کو مؤخر کریں گے۔

تو کہتے ہیں: أَوْ كَانَا، أَيِ الْمُبْتَدَأُ وَالْخَبَرُ، مَعْرِفَتَيْنِ یا وہ بتدا اور خبر دونوں معرفہ ہوں، مُتَسَاوِيَيْنِ فِي التَّعْرِيفِ أَوْ غَيْرَ مُتَسَاوِيَيْنِ وہ دونوں تعریف کے اندر برابر ہوں یا دونوں تعریف میں برابر نہ ہوں، وَلَا قَرِينَةَ عَلَى كَوْنِ أَحَدِهِمَا مُبْتَدَأً اور کوئی قرینہ بھی نہ ہو ان دونوں میں سے کسی ایک کے بتدا ہونے پر۔ اگر تو قرینہ موجود ہے پھر تو بتدا کو چاہے مؤخر کرو مقدم کرو سننے والا سمجھ جائے گا بھئی۔ لیکن اگر دونوں بتدا خبر دونوں معرفہ ہیں اور قرینہ بھی کوئی نہیں، چاہے تعریف الگ الگ درجے کی ہی کیوں نہ ہو، تو بھی بتدا کو مقدم کرنا واجب ہے ورنہ اشتباہ لازم آئے گا بتدا کا خبر کے ساتھ۔

تو کہتے ہیں: وَلَا قَرِينَةَ عَلَى كَوْنِ أَحَدِهِمَا مُبْتَدَأً وَالْآخَرِ خَبَرًا، اور کوئی قرینہ بھی نہ ہو اس بات پر کہ دونوں میں سے ایک بتدا ہے اور دوسرا خبر ہے، نَحْوُ مثال کے طور پر زَيْدُنِ الْمُنْطَلِقُ۔ اِنْطَلَقَ يَنْطَلِقُ انْطِلَاق کے معنیٰ ہیں چلنا۔ جی ترجمہ کیجیے۔ پہلے ادھر سنو، مُنْطَلِق کو ذرا نکرہ لے آؤ: زَيْدٌ مُنْطَلِقٌ، ترجمہ کیجیے: زید چلنے والا ہے۔ بھئی عموماً طلبہ یہی ترجمہ کرتے ہیں، اسمِ فاعل کا ترجمہ «والا» کے ساتھ کرتے ہیں: زید چلنے والا ہے۔ حالانکہ اس سے تو معنیٰ بظاہر یوں سمجھ میں آتا ہے کہ ابھی چلا نہیں، چلنے والا ہے مستقبل میں۔ تو یاد رکھو اسمِ فاعل کا ترجمہ ہر جگہ «والا» کے ساتھ نہ کریں بلکہ موقع کے مطابق کریں۔ اسمِ فاعل سے حال بھی مراد ہو سکتا ہے، ماضی بھی اور مستقبل بھی، اس کے مطابق ترجمہ کریں۔ زَيْدٌ مُنْطَلِقٌ اگر آپ کے کہنے کا مطلب حال ہے، یعنی ابھی اس وقت زید منطلق ہے تو ترجمہ کریں: زَيْدٌ مُنْطَلِقٌ زید چل رہا ہے۔ اور اگر آپ کا ارادہ مستقبل کا ہے تو پھر زَيْدٌ مُنْطَلِقٌ زید چلے گا۔ اور اگر ماضی کا ارادہ ہے تو زید چلا تھا، اس کے مطابق ترجمہ کر لیں۔ بات سمجھ میں آگئی۔

اور پھر یہاں الْمُنْطَلِق آیا کیونکہ دونوں لفظ معرفہ چاہئیں، تو زَیْد بھی معرفہ، الْمُنْطَلِق بھی معرفہ۔ دیکھو اس مثال پہ نظر رکھو: زَیْدُنِ الْمُنْطَلِقُ، اصل میں کیا تھا؟ زَیْدٌ، اور آگے کیا تھا؟ الْمُنْطَلِقُ۔ تو زَیْدٌ کے آخر میں کیا ہے؟ تنوین کا نون ہے اور الْمُنْطَلِقُ کے شروع میں الف لام ہے، اور الف لام کا ہمزہ وصلی وہ تو درمیانِ عبارت میں گر گیا۔ اب لام بھی ساکن اور ماقبل میں نون بھی ساکن، تو اِجْتِمَاعُ سَاكِنَيْنِ عَلَى غَيْرِ حَدِّهِ آیا، اور اس میں اگر اول حرفِ مدہ ہو تو اس کو گرا دیتے ہیں، لیکن یہاں تو اول حرف نون ہے، تو پھر اس صورت میں السَّاكِنُ إِذَا حُرِّكَ حُرِّكَ بِالْكَسْرِ، تو کیسے پڑھیں گے؟ زَیْدُنِ الْمُنْطَلِقُ۔ زَیْد بھی معرفہ، الْمُنْطَلِق بھی معرفہ۔

زید کو دیکھو یہ عَلَم ہے اور عَلَم کس درجے کا معرفہ ہے؟ دوسرے درجے کا۔ اور الْمُنْطَلِق پر الف لام ہے اور الف لام کس درجے کا معرفہ ہے؟ یہ پانچویں درجے کا معرفہ ہے۔ تو دونوں میں تعریف الگ الگ درجے کی ہے لیکن اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ آپ یہ کہیں کہ چونکہ زید دوسرے درجے کا ہے اس لیے بتدا اسی نے بننا ہے چاہے مقدم کرو چاہے مؤخر کرو، کیونکہ یہ دوسرے درجے کا ہے اس میں تعریف زیادہ ہے اور الْمُنْطَلِق میں تعریف کم ہے لہٰذا وہ خبر بنے گا۔ نہیں نہیں، ایک میں تعریف کم ہو ایک میں زیادہ اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا، ہیں تو دونوں معرفہ۔ تو جس کو بھی آپ بتدا بنانا چاہتے ہیں اس کو کیا کریں گے؟ مقدم کریں گے، بات سمجھ میں آگئی۔

تو یہاں دیکھو دونوں معرفہ ہیں اور کوئی قرینہ بھی موجود نہیں ہے جو ہمیں یہ بتائے کہ بتدا کون سا ہے، لہٰذا اب صرف تقدیم ہی ہمیں بتائے گی کہ یہ ہے بتدا۔ تو اگر آپ زید کو مؤخر کریں گے: الْمُنْطَلِقُ زَیْدٌ، تو سننے والا کیا سمجھے گا کہ الْمُنْطَلِقُ بتدا ہے اور زَیْدٌ اس کی خبر ہے۔

یہاں کوئی اشکال کر سکتا ہے کہ آپ نے ہمیں کیا کہا کہ جب قرینہ موجود نہ ہو تو پھر بتدا کو مقدم کریں گے اور خبر کو مؤخر بھئی، لیکن کہتے ہیں یہاں تو قرینہ موجود ہے بھئی۔ کیا قرینہ ہے؟ کہتے ہیں دیکھو بتدا جو ہے وہ ذات کو کہتے ہیں اور خبر جو ہے وہ اس کی صفت ہوتی ہے، تو یہاں پر ایک لفظ ہے زَیْدٌ ایک ہے الْمُنْطَلِقُ، اور ظاہر سی بات ہے زید ذات کا نام ہے اور الْمُنْطَلِق یہ صفت بیان ہو رہی ہے چلنے کی صفت، تو ذات جو ہوتی ہے اس کو بتدا بناتے ہیں اور صفت کو خبر بناتے ہیں، تو زید کو چاہے مقدم کرو چاہے مؤخر کرو سننے والے کو پتہ چل جائے گا یہ ذات ہے یہ بتدا ہے اور الْمُنْطَلِق اس کی خبر ہے۔

کہتے ہیں نہیں بھئی، یہاں زید اگرچہ ذات ہے لیکن اس کو تاویل کر کے صفت بنایا جا سکتا ہے، اور الْمُنْطَلِق بے شک صفت ہے لیکن تاویل کر کے اس کو ذات بنایا جا سکتا ہے بھئی۔ مثلاً زید سے صفت بنا لیں، زید سے مراد ہے الْمُسَمَّى بِزَیْدٍ وہ جو زید کے نام کے ساتھ موسوم ہے، دیکھو صفت بن گئی۔ الْمُسَمَّى صفت کا صیغہ آگیا یا نہیں، اسمِ مفعول کا صیغہ آگیا، تو الْمُسَمَّى بِزَیْدٍ ہم نے زید سے کیا بنا لیا؟ زید سے کون مراد؟ مسمیٰ بزید مراد ہے، تو صفت بن گئی یہ تو۔ اور الْمُنْطَلِق کا کیا معنیٰ تھا؟ چلنے والا صفت، ہم اس سے ذات بنا لیتے ہیں: الْمُنْطَلِقُ، الذَّاتُ الْمَوْصُوفُ بِالِانْطِلَاقِ، وہ ذات جو موصوف ہو رہی ہے

انطلاق کے ساتھ۔ دیکھو الْمُنْطَلِق سے ذات بنا لیا ہم نے، وہ ذات جو موصوف ہو رہی ہے انطلاق۔ بات سمجھ میں آئی؟ تو یہاں لہٰذا یہ قرینہ نہیں ہے کہ زید ذات کا نام ہے اور منطلق اس کی صفت ہے بلکہ دونوں میں جب تعریف ہے تو دونوں میں بتدا بننے کا احتمال ہے، تو جس کو بھی بتدا بنانا چاہتے ہیں آپ اس کو مقدم رکھیں اور جس کو خبر بنانا چاہتے ہیں اس کو مؤخر رکھیں گے۔

اور پھر ایک اور قیمتی بات جو میں پہلے بھی ذکر کر چکا ہوں، دیکھو زید ہے اس میں بتدا اور الْمُنْطَلِق ہے اس کی خبر، اور آپ دیکھ رہے ہیں خبر بھی معرفہ ہے۔ اور عام شروحات، اردو کی جتنی آپ شروحات اٹھائیں گے اس میں لکھا ہوتا ہے کہ جب بتدا کے ساتھ ساتھ خبر بھی معرفہ ہو تو درمیان میں ضمیرِ فصل کا لانا واجب ہے، یا فصل کہو بعض اس کو ضمیر کہتے ہیں بعض اس کو حرف کہتے ہیں کہ فصل ہے، تو درمیان میں فصل کا لانا واجب ہوتا ہے۔ تو شروحات میں یہ ذکر ہے لیکن میں نے آپ کو بتلایا تھا کہ یہ درست نہیں، بتدا اور خبر جب دونوں معرفہ ہوں تو فصل کا لانا جائز ہے، واجب نہیں بھئی۔ چنانچہ آپ یہاں دیکھ لیں: زَيْدُنِ الْمُنْطَلِقُ، یہاں بتدا خبر دونوں معرفہ ہیں لیکن درمیان میں کوئی فصل نہیں ہے، اور میں نے وہ حدیث بھی ذکر کی تھی، حدیث میں بھی کیا آتا ہے: الدِّينُ النَّصِيحَةُ، دین خیر خواہی ہی کا نام ہے۔ اور میں نے بتایا تھا کہ جب خبر کو معرفہ لائیں تو وہاں عموماً حصر کا معنیٰ پیدا ہو جاتا ہے۔

زَيْدُنِ الْمُنْطَلِقُ اب ترجمہ کریں۔ پہلے بغیر معرفہ کے ترجمہ کریں: زَيْدٌ مُنْطَلِقٌ کیا ترجمہ؟ زید چل رہا ہے۔ اور اب الف لام لے آئیں: زَيْدُنِ الْمُنْطَلِقُ اب ترجمہ کریں۔ زَيْدٌ مُنْطَلِقٌ کیا ترجمہ؟ زید چل رہا ہے، زید جا رہا ہے، اور زَيْدُنِ الْمُنْطَلِقُ؟ زید ہی چل رہا ہے، مطلب سننے والے کا خیال تھا کہ زید بھی چل رہا ہے اور بکر بھی چل رہا ہے، آپ اس کو کہتے ہیں زَيْدُنِ الْمُنْطَلِقُ زید ہی چل رہا ہے، معلوم ہوا بکر نہیں چل رہا بھئی۔ تو یہ خبر کو بھی معرفہ لے آئیں تو پھر یہ تخصیص کا فائدہ دیتی ہے۔

أَوْ كَانَا مُتَسَاوِيَيْنِ یا وہ دونوں برابر ہوں، فِي أَصْلِ التَّخْصِيصِ کس چیز کے اندر؟ تخصیص میں۔ بظاہر یوں لگتا ہے کہ دو لفظ ہیں آپ کے پاس، دونوں نکرہ ہیں توجہ ہے؟ دو لفظ ہیں اور دونوں میں تخصیص ہے اور تخصیص میں دونوں برابر ہیں، یعنی جتنی تخصیص ایک میں ہے اتنی ہی تخصیص دوسرے میں بھی ہے، تو پھر بتدا کو مقدم کرنا واجب ہے، اگر آپ مقدم نہیں کریں گے تو بتدا کا التباس خبر کے ساتھ لازم آئے گا۔ اور اگر ایک لفظ میں تخصیص زیادہ ہے اور ایک میں تخصیص کم ہے، تو معلوم ہوا پھر جس کو بھی مقدم کر دو وہ زیادہ تخصیص والا ہی بتدا بنے گا۔ لیکن نہیں، اس عبارت کا یہ معنیٰ نہیں ہے کہ دونوں برابر ہوں تخصیص میں یعنی دونوں میں برابر درجے کی تخصیص ہو، بلکہ مراد یہ ہے کہ اصلِ تخصیص میں دونوں برابر ہوں، یعنی دونوں میں تخصیص پائی جائے پھر چاہے ایک میں تخصیص زیادہ ہو ایک میں کم ہو اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ آپ جس کو بھی بتدا بنانا چاہتے ہیں آپ اس کو مقدم رکھیں، چاہے کم تخصیص والے کو مقدم کر دیں چاہے زیادہ

تخصیص والے کو، جس کو بھی آپ مقدم کریں گے سننے والا سمجھے گا کہ یہی بتدا ہے اور جس کو مؤخر کریں گے کہ یہ خبر ہے۔

جیسے مثال ہے بھئی لکھیے اپنی کاپی پر مثال لکھیں پھر آپ کو بات پوری سمجھ میں آئے گی بھئی۔ مختصر سی ایک مثال لکھیں بھئی: غُلَامُ رَجُلٍ صَالِحٍ خَيْرٌ مِنْكَ. لکھ لیا؟ غُلَامُ رَجُلٍ صَالِحٍ خَيْرٌ مِنْكَ. اچھا یہاں پہلے ایک اور بات سمجھ لو۔ یاد رکھو نکرہ کی اضافت معرفہ کی طرف ہو جائے تو وہ نکرہ معرفہ بن جاتا ہے۔ غلام کا لفظ نکرہ ہے لیکن اس کی اضافت ہا ضمیر کی طرف کر دو یا زید کی طرف کر دو غُلَامُ زَيْدٍ تو اب یہ غلام کا لفظ کیا بن گیا؟ معرفہ۔ لیکن اگر نکرہ کی اضافت نکرہ کی طرف کرو تو پھر وہ معرفہ نہیں بنتا صرف اس میں تخصیص آجاتی ہے۔ توجہ ہے؟ مثلاً غلام کا لفظ ہے، یہ غلام کا لفظ ہر غلام پر بولا جا سکتا ہے چاہے مرد کا غلام ہو چاہے عورت کا غلام ہو، لیکن اگر آپ اس کی اضافت کر دیں غُلَامُ رَجُلٍ تو اب صرف یہ مرد کے جو غلام ہیں ان پر صادق آئے گا، جو عورت کے غلام ہیں ان پر صادق نہیں آئے گا، دیکھو اس میں تخصیص آگئی۔ کیا آگئی؟ تخصیص آگئی۔ بات سمجھ میں آگئی۔

اب دیکھو یہ ترکیب دیکھو بھئی: غُلَامُ رَجُلٍ صَالِحٍ خَيْرٌ مِنْكَ. یہ جو لفظِ صَالِح آیا نا صَالِح، یہ بھی نکرہ اور ماقبل میں رَجُل بھی نکرہ، تو یہ رَجُل کی صفت بھی ہو سکتا ہے، توجہ ہے؟ یہ رَجُل کی صفت بھی ہو سکتی ہے یہ صَالِح لفظ، اور یہ صَالِح کا لفظ غُلَام کی صفت بھی ہو سکتا ہے، کیونکہ غُلَام اگرچہ اس کی اضافت رَجُل کی طرف ہو رہی ہے لیکن رَجُل تو نکرہ ہے اور نکرہ کی طرف اضافت کے باوجود نکرہ نکرہ ہی رہتا ہے، تو غُلَام کا لفظ بھی نکرہ ہے، یعنی مضاف بھی نکرہ اور مضاف الیہ بھی نکرہ۔ تو آپ اس صَالِح کو چاہے مضاف کی صفت بنائیں چاہے مضاف الیہ کی صفت بنائیں، اور پھر یاد رکھو دونوں صورتوں میں غُلَام کے اندر دو تخصیصیں آجائیں گی۔

مثلاً ہم صَالِح کو صفت بناتے ہیں رَجُل کی، کس کی؟ رَجُل کی۔ معلوم ہوا ہر رَجُل کا غلام مراد نہیں ہے بلکہ کس رَجُل کا؟ صَالِح رَجُل کا غلام مراد ہے، تو اور تخصیص آگئی یا نہیں؟ دیکھو پہلے غُلَام کا لفظ عام تھا، میں نے جب اس کی اضافت کس کی طرف کر دی؟ رَجُل کی طرف، تو کون سے غلام نکل گئے؟ غُلَامُ امْرَأَةٍ نکل گئے، عورتوں کے جو غلام ہیں وہ نکل گئے، اشتراک قلیل ہوا۔ پھر غُلَامُ رَجُلٍ میں بھی رَجُل ہر طرح کے مراد تھے چاہے نیک ہو یا نیک نہ ہو، لیکن میں رَجُل کی صفت لے آیا غُلَامُ رَجُلٍ صَالِحٍ نیک آدمی کا غلام، تو جو آدمی نیک نہیں ان کے غلام بھی نکل گئے اس سے۔ تو دیکھا دو درجے کی تخصیص آگئی، ایک تخصیص کس کی وجہ سے آئی؟ رَجُل کی طرف اضافت کی وجہ سے، اور دوسری جو صفت لائے رَجُل کی صَالِح اس کی وجہ سے۔ یا اس صَالِح کو صفت بنا دو غُلَام کی، یعنی آدمی کا وہ غلام جو نیک ہو، آدمی کا نیک غلام۔ غُلَامُ رَجُلٍ صَالِحٍ، ترجمہ کیا ہو گا؟ غُلَامُ رَجُلٍ صَالِحٍ یہ صَالِح کو ہم نے صفت بنایا کس کی؟ رَجُل کی، تو ترجمہ کریں غُلَامُ رَجُلٍ صَالِحٍ، ترجمہ کریں: یہ صَالِح کو ہم نے صفت بنایا ہے رَجُل کی، غُلَامُ زَيْدٍ کا کیا ترجمہ؟ زید کا غلام، تو غُلَامُ رَجُلٍ کا ترجمہ آدمی کا غلام، اور

غُلَامُ رَجُلٍ صَالِحٍ کا ترجمہ نیک آدمی کا غلام۔ اور اب ہم صَالِح کو صفت بناتے ہیں غُلَام کی، اب ترجمہ کیا ہو گا؟ صَالِح کو غُلَام کی صفت بنا دیں، نیک وہ آدمی نہیں ہے وہ غلام ہے، اب کیا ترجمہ ہو گا؟ آدمی کا نیک غلام۔

تو آدمی کا نیک غلام، اب اس غُلَام میں دو تخصیصیں آگئیں، پہلی تخصیص کیا کہ اس کی اضافت ہے رَجُل کی طرف، دوسری تخصیص کیا آئی کہ اس کی صفت بھی آگئی، دوسری تخصیص آگئی۔ غُلَامُ رَجُلٍ اس سے عورت کے غلام تو نکل گئے، لیکن آدمی کے غلام تو نیک بھی ہو سکتے ہیں برے بھی، لیکن جب آپ نے کیا کہا غُلَامُ رَجُلٍ صَالِحٌ آدمی کا نیک غلام، تو دیکھو جو نیک نہیں ہیں وہ غلام بھی اس سے نکل گئے، تو دو درجے کی تخصیص آگئی۔ اور خَيْرٌ مِنْكَ یہ اس کی خبر ہے، خَيْرٌ مِنْكَ اس کی خبر ہے، اور خَيْرٌ کا کیا معنیٰ؟ بہتر ہے کسی کے مقابلے میں، اس میں بھی عموم تھا کہ کس کے مقابلے میں بہتر ہے، زید، عمرو، بکر، خالد سب کے مقابلے میں بہتر ہو سکتا ہے، لیکن آگے آیا مِنْكَ کس کے مقابلے میں بہتر ہے؟ مخاطب کے مقابلے میں بہتر مراد ہے، تو دیکھو اس میں تخصیص آگئی۔

مراد ہو سکتا ہے، لیکن آگے آیا مِنْكَ کس کے مقابلے میں بہتر ہے؟ مخاطب کے مقابلے میں بہتر مراد ہے، تو دیکھو اس میں تخصیص آگئی۔ معلوم ہوا مخاطب سے جو بہتر ہے وہ مراد ہے، زید، عمرو، بکر سے جو بہتر ہے وہ مراد نہیں ہے۔ تو خَيْرٌ مِنْكَ اس کے اندر بھی کیا آگئی؟ تخصیص، اور غُلَامُ رَجُلٍ صَالِحٍ اس کے اندر بھی کیا آگئی؟ تخصیص۔ لیکن خَيْرٌ مِنْكَ اس کے اندر تخصیص ہے ایک درجے کی اور غُلَامُ رَجُلٍ صَالِحٍ اس کے اندر تخصیص ہے دو درجے کی۔ تو اب دیکھو تخصیص تو دونوں میں برابر نہیں، تو تخصیص برابر ہونے کا یہ معنیٰ نہیں کہ جس میں تخصیص زیادہ ہے اس کو مقدم کرو یا مؤخر کرو ہر حال میں اس نے ہی بتدا بننا ہے، ایسا نہیں ہے، بلکہ جس کو بھی آپ بتدا بنانا چاہتے ہیں اس کو کیا کر دو؟ مقدم کر دو۔

یہ دیکھو کتاب میں مثال دی ہوئی ہے: غُلَامُ رَجُلٍ صَالِحٍ خَيْرٌ مِنْكَ، مل گئی مثال؟ جی ترکیب سنو: غُلَامُ مرفوع لفظاً مضاف، مرفوع کیوں؟ بتدا ہے۔ رَجُلٍ مجرور لفظاً، آگے صَالِح کو ہم رَجُل کی صفت پہلے بناتے ہیں، تو رَجُلٍ مجرور لفظاً موصوف۔ آگے ترکیب کریں، صَالِح پر کیا اعراب پڑھیں گے؟ جی کس کی صفت بنا رہے ہیں ہم اس کو؟ رَجُل کی، اور رَجُل پر کون سا اعراب ہے؟ مجرور ہے مضاف الیہ ہے تو صَالِحٍ اس پر بھی کیا پڑھیں گے؟ جر۔ تو صَالِحٍ مجرور لفظاً اسمِ فاعل، اس کے اندر هُوَ ضمیر مرفوع محلاً اس کا فاعل جو کس کو راجع؟ رَجُل یعنی موصوف کو راجع، اسمِ فاعل اپنے فاعل سے مل کر شبہ جملہ ہو کر صفت رَجُل کی، موصوف صفت مل کر یہ مضاف الیہ غُلَام کے لیے، مضاف اپنے مضاف الیہ سے مل کر بتدا۔ خَيْرٌ مرفوع لفظاً اسمِ تفضیل، اس کے اندر هُوَ ضمیر مرفوع محلاً اس کا فاعل جو کس کو راجع؟ غُلَام کو یا رَجُل کو؟ غُلَام، کیونکہ غُلَام بتدا ہے خبر کو بتدا سے جوڑتے ہیں، تو خَيْرٌ خبر ہے تو خَيْرٌ کے اندر ضمیر راجع ہے غُلَام یعنی بتدا کو۔ مِنْ جارہ، كَ ضمیر مجرور محلاً، جار مجرور مل کر متعلق خَيْرٌ اسمِ تفضیل کے ساتھ، اسمِ تفضیل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر شبہ

جملہ ہو کر یہ خبر بتدا کے لیے، بتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔ غُلَامُ رَجُلٍ صَالِحٍ خَيْرٌ مِنْكَ، ترجمہ کیجیے: نیک آدمی کا غلام خَيْرٌ مِنْكَ وہ آپ سے بہتر ہے۔

اب دوسری ترکیب کریں، اب صَالِح کو صفت بنائیں گے ہم غُلَام کی۔ تو غُلَامُ مرفوع لفظاً مضاف، رَجُلٍ مجرور لفظاً مضاف الیہ، مضاف مضاف الیہ مل کر موصوف۔ آگے اعراب پڑھو: صَالِحٌ شاباش، مرفوع کیوں پڑھا؟ کیونکہ یہ غُلَام کی صفت ہے اور صفت پر وہی اعراب آتا ہے جو موصوف پر آتا ہے، اور موصوف تو مرفوع ہے تو صَالِحٌ بھی مرفوع، باقی ساری ترکیب اسی طرح ہو گی، البتہ معنیٰ کیا ہو گا: غُلَامُ رَجُلٍ صَالِحٌ خَيْرٌ مِنْكَ ترجمہ کریں: آدمی کا نیک غلام خَيْرٌ مِنْكَ وہ آپ سے، وہ آپ سے بہتر ہے۔

کہتے ہیں: أَوْ كَانَا مُتَسَاوِيَيْنِ یا وہ دونوں برابر ہوں، یعنی بتدا اور خبر، فِي أَصْلِ التَّخْصِيصِ کس کے اندر؟ اصلِ تخصیص میں برابر ہوں، یعنی یہ معنیٰ نہیں ہے کہ ایک میں تخصیص زیادہ ہے یا ایک میں کم ہے، یعنی مُتَسَاوِيَيْنِ کا لفظ آیا توجہ ہے؟ اس کا یہ معنیٰ نہیں ہے کہ دونوں میں برابر درجے کی تخصیص ہو بلکہ مُتَسَاوِيَيْنِ کا معنیٰ ہے اصلِ تخصیص کے اعتبار سے برابر ہوں، یعنی دونوں میں تخصیص ہو چاہے کم ہو یا زیادہ، لیکن اصلِ تخصیص کیا ہے؟ دونوں میں موجود ہے۔ تو دونوں مُتَسَاوِيَيْنِ ہوں فِي أَصْلِ التَّخْصِيصِ کس چیز میں؟ اصلِ تخصیص میں یعنی نفسِ تخصیص دونوں کے اندر ہو بھئی، لَا فِي قَدْرِهِ تخصیص کی مقدار میں نہیں بھئی، یعنی تخصیص کی مقدار میں برابری ضروری نہیں۔ حَتَّى لَوْ قِيلَ یہاں تک کہ اگر کہا گیا: غُلَامُ رَجُلٍ صَالِحٍ خَيْرٌ مِنْكَ، اگر یہ بھی کہا جائے تو لَوَجَبَ تَقْدِيمُهُ أَيْضًا تو اس صورت میں بھی بتدا کو مقدم کرنا واجب ہے۔ آپ خَيْرٌ مِنْكَ کو بتدا بنانا چاہتے ہیں اس میں اب آپ یہ نہ کہیں کہ غُلَام کے اندر دو درجے کی تخصیص، لہٰذا اس کو چاہے مؤخر کرو مقدم کرو اس میں بتدا اسی نے بننا ہے، نہیں نہیں، دونوں میں جب نفسِ تخصیص موجود ہے پھر چاہے تخصیص برابر ہو یا نہ ہو بتدا دونوں کو آپ بنا سکتے ہیں، اور جس کو بھی بنانا ہے اس کو کیا کرنا پڑے گا؟ مقدم کرنا واجب ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ یہ معنیٰ ہے کہ لَوَجَبَ تَقْدِيمُهُ أَيْضًا تو اس صورت میں بھی تقدیم واجب ہے۔

مِثْلُ: أَفْضَلُ مِنِّي أَفْضَلُ مِنْكَ، جیسے کہ أَفْضَلُ مِنِّي أَفْضَلُ مِنْكَ۔ أَفْضَلُ مِنِّي اس میں أَفْضَلُ کے اندر تخصیص آئی کس کی وجہ سے؟ مِنِّي کی وجہ سے، کہ کس کے مقابلے میں افضل ہے؟ متکلم کے مقابلے میں افضل، اور أَفْضَلُ مِنْكَ اس کے اندر تخصیص آئی مِنْكَ کی وجہ سے، کہ کس کے مقابلے میں افضل مراد ہے؟ مخاطب کے مقابلے میں افضل مراد ہے۔ تو اب آپ یہ نہ کہیں کہ أَفْضَلُ مِنِّي میں زیادہ تخصیص أَفْضَلُ مِنْكَ میں کم تخصیص، کیوں؟ کیونکہ أَفْضَلُ مِنِّي میں متکلم کی ضمیر ہے، ایک متکلم کی ضمیر ہے ایک مخاطب کی ایک غائب کی، سب سے زیادہ تعریف کس میں ہوتی ہے؟ متکلم میں، اور دوسرے درجے میں مخاطب کی۔ تو یہاں پر آپ یہ نہ کہیں کہ اس أَفْضَلُ مِنِّي کے اندر چونکہ متکلم کی ضمیر ہے اس میں تخصیص زیادہ ہے اور

أَفْضَلُ مِنْكَ کے اندر چونکہ مخاطب کی ضمیر ہے اس کے اندر تخصیص کم ہے، تو لہٰذا جس میں تخصیص زیادہ ہے وہی بتدا بنے گا چاہے مقدم کرو چاہے مؤخر کرو۔ نہیں بھئی، تخصیص دونوں میں اگرچہ برابر درجے کی نہیں ہے لیکن نفسِ تخصیص کے اعتبار سے دونوں برابر ہیں، یعنی دونوں میں نفسِ تخصیص موجود ہے اور تو دونوں میں بتدا بننے کا بھی احتمال اور خبر بننے کا بھی احتمال، تو جس کو بتدا بنانا چاہتے ہو اس کو مقدم کرنا واجب ہو گا۔

تو کہتے ہیں صورت میں مقدم کرنا واجب ہے، مِثْلُ: أَفْضَلُ مِنِّي أَفْضَلُ مِنْكَ، رَفْعًا لِلِاشْتِبَاهِ اشتباہ کو دور کرنے کے لیے، اشتباہ کو دور کرنے کے لیے بھئی۔ ورنہ تو اشتباہ لازم آئے گا اگر آپ بتدا کو مقدم نہیں کریں گے تو بتدا کا اشتباہ لازم آئے گا خبر کے ساتھ، سننے والا تو یہی سمجھے گا جو مقدم ہے وہ بتدا ہے بھئی۔

اچھا انہوں نے کیا کہا کہ دونوں تعریف میں برابر ہوں یا نہ ہوں اور کوئی قرینہ بھی نہ ہو، توجہ ہے؟ کوئی قرینہ بھی نہ ہو۔ اگر قرینہ موجود ہو پھر چاہے آپ بتدا کو مؤخر بھی کر دیں پھر بھی پتہ چل جائے گا سننے والے کو۔ جیسے مثلاً اس کی مثال لکھیں بھئی: أَبُو حَنِيفَةَ أَبُو يُوسُفَ۔

دیکھو بھئی: أَبُو حَنِيفَةَ أَبُو يُوسُفَ۔ سب سے پہلے تو یاد رکھو أَبُو مضاف ہے اور حَنِيفَةَ مضاف الیہ ہے اور حَنِيفَةَ غیر منصرف ہے، کیونکہ دو سبب ہیں اس کے اندر، کون سے دو سبب؟ ایک علمیت اور ایک تانیث، تو یہ حَنِيفَةَ مضاف الیہ ہے مجرور ہے۔ أَبُو يُوسُفَ، یہ يُوسُفَ جو ہے یہ بھی مضاف الیہ ہے لیکن یہ بھی غیر منصرف ہے، کون سے دو اسباب ہیں اس میں؟ ایک علمیت ہے اور ایک عجمہ ہے اس کے اندر بھئی، ایک علمیت ہے اور ایک عجمہ ہے کیونکہ حضرت یوسف علیہ السلام پہلے گزرے ہیں اور ابھی عربی زبان بنی ہی نہیں تھی اس وقت بھئی، تو یہ دونوں غیر منصرف ہیں بھئی۔ تو اب دیکھیے ترجمہ کیا ہے: أَبُو حَنِيفَةَ أَبُو يُوسُفَ۔ یہاں دراصل تشبیہ دی جا رہی ہے، اب کس کو کس سے تشبیہ دی جا رہی ہے کیا کہیں گے؟ ابو حنیفہ ابو یوسف جیسے ہیں، یا ابو یوسف ابو حنیفہ جیسے ہیں؟ توجہ ہے؟ مجھے بتائیے بھئی، امامِ اعظم ابو حنیفہ وہ امام ابو یوسف جیسے ہیں یہ کہنا مقصد ہے یا امام ابو یوسف امام ابو حنیفہ جیسے ہیں؟ آپ کہیں گے امام ابو یوسف، وجہ یہ کہ شاگرد کو استاد سے تشبیہ دی جاتی ہے نہ کہ استاد کو شاگرد سے بھئی، تو لہٰذا معلوم ہوا یہاں قرینہ موجود ہے، لہٰذا یہاں پر ابو یوسف بے شک مؤخر ہے لیکن ان کو تشبیہ دی جا رہی ہے گویا اصل کلام یوں ہے: أَبُو يُوسُفَ مِثْلُ أَبِي حَنِيفَةَ۔ یہاں قرینہ موجود ہے لہٰذا مؤخر بھی کر دیں تو کوئی حرج نہیں۔

دوسری مثال لکھیں بھئی جس میں قرینہ موجود ہے بھئی: بَنُونَا بَنُو أَبْنَائِنَا۔ لکھ لیا؟ بَنُونَا بَنُو أَبْنَائِنَا۔ یاد رکھو یہ اِبْن جو ہے اس کی جمع بَنُونَ بھی آتی ہے بَنُونَ، اور اسی طرح اِبْن کی جمع أَبْنَاء بھی آتی ہے بھئی، أَبْنَاء بھی۔ بَنُونَا بَنُو أَبْنَائِنَا، ترجمہ کیا؟ بَنُونَا کیا ترجمہ؟ ہمارے بیٹے، اور بَنُو أَبْنَائِنَا کیا ترجمہ؟ ہمارے بیٹوں کے بیٹے۔ اب بتائیے بھئی بَنُونَا بَنُو أَبْنَائِنَا اگر بَنُونَا کو ہم بتدا بنائیں تو معنیٰ کیا ہو گا؟ ہمارے جو بیٹے ہیں بَنُو أَبْنَائِنَا وہ ہمارے بیٹوں کے بھی بیٹے ہیں، یعنی وہ ہمارے پوتے ہیں،

ہمارے جو بیٹے ہیں وہ ہمارے پوتے ہیں بھئی، بیٹے کا بیٹا پوتا ہوتا ہے نا۔ بَنُونَا ہمارے جو بیٹے ہیں بَنُو أَبْنَائِنَا وہ ہمارے بیٹوں کے بیٹے ہیں یعنی ہمارے پوتے ہیں۔ ہمارے بیٹے ہمارے پوتے ہیں۔ یوں کرو اب بتدا بناؤ بَنُو أَبْنَائِنَا کو بتدا بناؤ اور بَنُونَا کو خبرِ مقدم بناؤ: بَنُو أَبْنَائِنَا ہمارے بیٹوں کے جو بیٹے ہیں بَنُونَا وہ ہمارے بیٹے ہیں۔ جی کون سا معنیٰ ٹھیک ہے؟ ہمارے بیٹوں کے جو بیٹے ہیں، یوں کہو ہمارے جو پوتے ہیں وہ بھی ہمارے بیٹے ہی ہیں۔ دیکھو یہ دوسرا معنیٰ ٹھیک ہے۔ پہلا معنیٰ کیا تھا؟ ہمارے جو بیٹے ہیں وہ ہمارے پوتے ہیں، بھئی بیٹے پوتے کیسے ہو سکتے ہیں؟ جو آپ کے بیٹے ہیں وہ آپ کے بیٹوں کے بیٹے کیسے ہو سکتے ہیں؟ اور اب بَنُو أَبْنَائِنَا کو بتدا بناؤ، بَنُو أَبْنَائِنَا ہمارے بیٹوں کے جو بیٹے ہیں وہ بھی ہمارے ہی بیٹے ہیں یعنی بیٹوں کی طرح ہی ہیں بھئی۔ تو یہاں پر کوئی اشتباہ نہیں، بَنُو أَبْنَائِنَا بے شک مؤخر ہے لیکن معنیٰ سے سمجھ میں آ رہا ہے کہ یہ ہے بتدا اور بَنُونَا جو مقدم ہے وہ ہے خبر بھئی۔ دونوں معرفہ ہوں جب قرینہ موجود ہو تو بھی بتدا کو آپ مؤخر کر سکتے ہیں بھئی، جیسے ان دونوں مثالوں میں آپ نے دیکھا بھئی۔

اچھا جی، بات سمجھ میں آ گئی؟ یاد رکھو ایک اور یہاں چھوٹی سی بات معرفہ کی بات آئی تو یاد رکھنا، معرفہ اسے کہتے ہیں جو کسی معین ذات پر دلالت کرے۔ مثلاً غلام کا لفظ نکرہ ہے اور میں نے اس کی اضافت کر دی زید کی طرف: غُلَامُ زَيْدٍ، تو اب یہ غلام کا لفظ کیا بن گیا؟ یہ معرفہ بن گیا، جیسے ہی میں نے کہا غُلَامُ زَيْدٍ زید کا غلام، آپ سمجھ گئے فلاں کی بات ہو رہی ہے وہ جو زید کا غلام ہے۔ لیکن یہ اس وقت ہے جب زید کا ایک ہی غلام ہو۔ اگر زید کے دو یا تین یا زیادہ غلام ہیں اب میں کہتا ہوں غُلَامُ زَيْدٍ کوئی آپ کو پتہ چلا کون سا والا غلام مراد ہے؟ نہیں، معلوم ہوا اب معرفہ نہیں۔ توجہ ہے؟ تو زید کا جب ایک غلام ہو گا تو غُلَامُ زَيْدٍ کہنے سے وہ معرفہ وہ متعین ہوا، لیکن زیادہ غلام ہیں تو غُلَامُ زَيْدٍ کہنے سے بھی وہ معرفہ نہ بنا وہ ابھی بھی نکرہ ہی ہے، ہاں اس میں تخصیص آ گئی تخصیص آ گئی باقیوں کے غلام نکل گئے لیکن زید کے جو دو چار چھ غلام ہیں وہ ابھی بھی اس کے اندر داخل ہیں بھئی۔ تو بعض اوقات معرفہ کی طرف اضافت کے باوجود بھی لفظ معرفہ نہیں بنتا بھئی۔ تو بس آپ نے اتنا ذہن میں رکھنا ہے کہ معرفہ اس کو کہتے ہیں جو کسی متعین ذات پر دلالت کرے، اور جو کسی متعین ذات پر دلالت نہ کرے وہ معرفہ نہیں ہے۔ بات سمجھ میں آ گئی؟ چلیے بس بھئی، هَذَا هُوَ الْمَرَامُ وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْكَلَامِ.

سبق نمبر ۱۰۰: المبتدا والخبر (۸): خبر کے وجوباً مقدم ہونے کے مواضع

شرحِ ملا جامی صفحہ: ۷۳ — بتاریخ: ۱۴ نومبر ۲۰۲۱ء

▪ تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث

آگے سبق دیکھیے بھئی، أَوْ كَانَ الْخَبَرُ فِعْلًا لَهُ أَيْ لِلْمُبْتَدَأِ احْتِرَازٌ عَمَّا لَا يَكُونُ فِعْلًا لَهُ كَمَا فِي قَوْلِكَ زَيْدٌ قَامَ أَبُوهُ فَإِنَّهُ لَا يَجِبُ فِيهِ تَقْدِيمُ الْمُبْتَدَأِ لِجَوَازِ قَامَ أَبُوهُ زَيْدٌ لِعَدَمِ الِالْتِبَاسِ۔

اچھا بھئی گزشتہ سبق میں ہم نے پڑھا تھا کہ بعض صورتیں وہ ہیں جن کے اندر مبتدا کو مقدم کرنا واجب ہے اور صاحبِ کافیہ نے چار جگہیں ذکر کی تھیں بھئی۔ پہلی جگہ کہ جب مبتدا ایسے معنی پر مشتمل ہو جو صدارتِ کلام کو چاہتا ہو۔ میں نے آپ کو بتلایا تھا کہ کچھ چیزیں ایسی ہیں جو صدارتِ کلام کو چاہتی ہیں، تاکہ مخاطب کو آغاز سے ہی، ابتدا سے ہی پتہ چل جائے کہ کیا بات کی جا رہی ہے۔ مثلاً ایک لفظ ہے وہ استفہام کے معنی پر مشتمل ہے تو اس کو مقدم کرنا واجب ہے، تاکہ شروع سے ہی سننے والے کو پتہ چل جائے کہ یہ مجھ سے سوال کیا جا رہا ہے۔

اچھا تو ایک تو مبتدا جب مشتمل ہو ایسے معنی پر جو صدارتِ کلام کو چاہتا ہو تو اس وقت اس کو مقدم کرنا واجب ہے، جیسے مَنْ أَبُوكَ۔ اس کے اندر دیکھو مَنْ استفہامیہ ہے اور نکرہ ہے اور یہ مبتدا واقع ہو رہا ہے اور أَبُوكَ یہ مضاف اور مضاف الیہ مل کر معرفہ ہیں اور یہ خبر ہے بھئی۔ یہ مذہب ہے امام سیبویہ کا۔ امام سیبویہ کے نزدیک مقامِ استفہام کے اندر نکرہ بھی مبتدا بن سکتا ہے بھئی۔ جبکہ عام نحوی حضرات فرماتے ہیں کہ یہاں مَنْ یہ خبرِ مقدم ہے کیونکہ یہ استفہام کے معنی پر مشتمل ہے اور أَبُوكَ یہ مبتدا موخر ہے کیونکہ یہ معرفہ ہے بھئی۔

تو امام سیبویہ پر اشکال ہوتا ہے کہ مَنْ أَبُوكَ اس کے اندر تو مَنْ نکرہ ہے اور أَبُوكَ معرفہ ہے، تو جب معرفہ موجود ہے پھر نکرہ کو مبتدا کیسے بنایا جا سکتا ہے؟ تو اس کا جواب بھی صاحبِ جامی نے دیا تھا کہ یہ اگرچہ لفظوں کے اعتبار سے مَنْ نکرہ ہے لیکن یوں کہیں یہ معرفہ کے درجے میں ہے۔ یہ کس کے درجے میں ہے؟ یہ معرفہ کے درجے میں ہے، اس لیے کیونکہ مَنْ أَبُوكَ یہ اسی طرح ہے جیسے آپ کسی سے سوال پوچھیں أَهٰذَا أَبُوكَ أَمْ هٰذَا۔ تو یہ دیکھو یہاں هٰذَا کے ساتھ تعبیر کیا گیا اس کو۔ تو یہ

اگرچہ نکرہ ہے لیکن معرفہ کے درجے میں ہے اور یہاں دراصل دنیا کے ایک ایک فرد کے بارے میں یہاں سوال کیا جا رہا ہے کہ أَهٰذَا أَبُوكَ أَهٰذَا أَبُوكَ أَهٰذَا، ایک ایک کے بارے میں سوال کیا جا رہا ہے۔ لیکن ایک ایک کے بارے میں تو سوال کرنا ممکن نہیں تو پھر اس کو اجمالاً مَنْ کے ساتھ تعبیر کر دیا جاتا ہے اور اس مَنْ کے اندر عموم ہے یعنی اس میں ہر ہر فرد کے بارے میں جب سوال ہو رہا ہے تو عموم آگیا اور عموم کی وجہ سے نکرہ میں کیا آجاتی ہے؟ تخصیص۔ لہٰذا اس کا مبتدا بننا صحیح ہے بھئی۔

اور یاد رکھنا یہاں پر، یہاں پر اگر صاحبِ کافیہ مَنْ قَامَ یہ مثال ذکر کر دیتے تو پھر یہ متفق علیہ مثال ہوتی، یعنی اس میں سب کے نزدیک مَنْ مبتدا ہے اور قَامَ اس کی خبر ہے۔ توجہ ہے؟ تو مَنْ مبتدا ہے اور قَامَ فعل، اس کے اندر هُوَ ضمیر فاعل جو کس کو راجع؟ مبتدا کو راجع ہے، راجع ہے کیونکہ خبر کو مبتدا سے جوڑا جاتا ہے۔ فعل اپنے فاعل سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر خبر، مبتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ انشائیہ ہوا کیونکہ استفہام ہے۔ تو مَنْ قَامَ یہ مثال بھی پیش کی جا سکتی تھی اور اس میں کسی نحوی کا اختلاف بھی نہ ہوتا، لیکن صاحبِ کافیہ نے متفق علیہ مثال ذکر نہیں کی بلکہ مَنْ أَبُوكَ یہ مثال ذکر کی جس میں کچھ نحوی اختلاف کرتے ہیں۔ دراصل وجہ یہ، یہ مثال صاحبِ کافیہ نے اس لیے ذکر کی کہ بتلانا چاہتے ہیں کہ امام سیبویہ کا مذہب صحیح ہے بھئی۔ امام سیبویہ کا مذہب صحیح ہے اور راجح ہے، اس لیے اس کی تصریح کے لیے یہ والی مثال ذکر کی انہوں نے۔ جبکہ بعض نحویوں نے اس مَنْ کو خبرِ مقدم بنایا بھئی۔

اور دوسری صورت یہ تھی کہ مبتدا اور خبر دونوں معرفہ ہوں۔ اور معرفہ کے تو درجے مختلف ہیں۔ تو کہتے ہیں درجے بے شک مختلف ہوں لیکن پھر بھی ایک پہلے درجے کا معرفہ ہے، ایک چوتھے یا پانچویں درجے کا معرفہ ہے، تو اس درجے کے مختلف ہونے سے بھی کوئی معرفہ ابتدا کے لیے متعین نہیں ہوتا۔ جیسے زَيْدٌ الْمُنْطَلِقُ۔ زَيْدٌ یہ علم ہے، یہ دوسرے درجے کا معرفہ اور الْمُنْطَلِقُ یہ معرف باللام ہے، یہ پانچویں درجے کا معرفہ ہے۔ لیکن اس کے باوجود دونوں میں مبتدا بننے کی صلاحیت ہے، زَيْدٌ ابھی بھی متعین نہیں ہے۔ آپ یہ نہیں کہہ سکتے کہ زَيْدٌ کو موخر کر دیں پھر بھی یہ مبتدا بنے گا کیونکہ یہ دوسرے درجے کا ہے اور الْمُنْطَلِقُ کس درجے کا ہے؟ پانچویں درجے کا ہے۔ نہیں، درجے کے مختلف ہونے سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ ہاں دونوں جب معرفہ ہیں، دونوں میں مبتدا بننے کا احتمال ہے، لہٰذا آپ جس کو مبتدا بنانا چاہتے ہیں آپ اس کو مقدم کر دیں گے۔ تو اس کو آپ مقدم کریں گے اور اس کو مقدم کرنا واجب ہے۔ یہ اس وقت ہے جب کوئی قرینہ موجود نہ ہو۔ اگر قرینہ موجود ہو پھر تو آپ مبتدا کو موخر بھی کر سکتے ہیں، پھر کوئی اشتباہ وغیرہ کا خطرہ نہیں۔ جیسے أَبُو حَنِيفَةَ أَبُو يُوسُفَ۔ اب یہاں پر أَبُو يُوسُفَ مبتدا ہے کیونکہ ان کو تشبیہ دی جا رہی ہے أَيْ أَبُو يُوسُفَ مِثْلُ أَبِي حَنِيفَةَ کہ امام ابو یوسف جو ہیں وہ اپنے استاد امام ابو حنیفہ کی طرح ہیں بھئی۔ یا جیسے بَنُونَا بَنُو أَبْنَائِنَا۔ اب اس میں بَنُونَا یہ خبرِ مقدم ہے اور بَنُو أَبْنَائِنَا یہ مبتدا موخر ہے اور یہ دونوں معرفہ ہیں اور مبتدا کو موخر بھی کر دیا پھر بھی اشتباہ کا کوئی خطرہ نہیں کیونکہ قرینہ موجود ہے، اس لیے کیونکہ یہاں پر بھی

تشبیہ دی جا رہی ہے۔ تشبیہ دی جا رہی ہے تو بیٹوں کو پوتوں سے تشبیہ نہیں دی جاتی بلکہ پوتوں کو کس سے تشبیہ دی جاتی ہے؟ بیٹوں سے کہ ہمارے پوتے بھی ہمارے بیٹوں جیسے ہیں، یعنی جیسے بیٹے ہمیں عزیز ہیں اور ہماری اولاد ہیں اسی طرح پوتے بھی ہمیں عزیز ہیں اور ہماری اولاد ہیں۔ معنی سمجھ میں آگیا؟

تو زَیْدٌ الْمُنْطَلِقُ اس کے اندر تعریف دونوں میں الگ الگ درجے کی ہے لیکن پھر بھی جس کو آپ بتدا بنانا چاہتے ہیں اس کو مقدم کرنا واجب ہے کیونکہ یہاں اور کوئی قرینہ موجود نہیں۔ ہاں اس پر ایک اشکال ہوتا ہے کہ قرینہ تو یہاں موجود ہے، زَیْدٌ ذات کا نام ہے اور الْمُنْطَلِقُ صفت ہے، اور بتدا ذات کو بناتے ہیں اور خبر صفت کو بناتے ہیں، تو لہٰذا زَیْدٌ کو موخر بھی کر دو پھر بھی یہ چونکہ ذات ہے پتہ چل جائے گا، یہ قرینہ بتلا دے گا کہ یہ بتدا ہے۔ تو میں نے اس کا جواب دیا تھا کہ زَیْدٌ بے شک ذات کا نام ہے لیکن اس کو تاویل کر کے صفت بنا سکتے ہیں اور الْمُنْطَلِقُ بے شک صفت ہے لیکن اس کو تاویل کر کے ذات بنا سکتے ہیں۔ جیسے زَیْدٌ، زَیْدٌ ذات کا نام لیکن اس کو تاویل کر کے صفت بنا لیں، مثلاً زَیْدٌ سے کیا مراد؟ الْمُسَمَّی بِزَیْدٍ، وہ جو زید کے نام کے ساتھ موسوم ہے، وہ جس کا نام زید ہے۔ اب دیکھو الْمُسَمَّی کے ساتھ اس کی تعبیر کر دی اور الْمُسَمَّی یہ تو صفت کا صیغہ ہے بھئی، اسمِ مفعول ہے۔ بات سمجھ میں آ رہی ہے؟ اور اسی طرح الْمُنْطَلِقُ جو ہے وہ صفت ہے لیکن اس کو ذات کے ساتھ تعبیر کیا جا سکتا ہے، الْمُنْطَلِقُ کس معنی میں ہو گا؟ الذَّاتُ الْمَوْصُوفُ بِالِانْطِلَاقِ، وہ ذات جو انطلاق کے ساتھ موصوف ہو رہی ہے وہ ہے مُنْطَلِقٌ، تو دیکھو ذات کے ساتھ اس کو تعبیر کر دیا۔ تو لہٰذا زَیْدٌ ذات کا نام ہے اور مُنْطَلِقٌ صفت کا نام ہے اس کی وجہ سے آپ کہیں یہ قرینہ ہے، میں نے بتلایا کہ نہیں یہ قرینہ نہیں کیونکہ یہاں دونوں طرح تاویل ہو سکتی ہے، ذات کو صفت بنایا جا سکتا ہے تاویل کر کے اور صفت کو ذات بنایا جا سکتا ہے تاویل کر کے۔

اور تیسری صورت تھی کہ جہاں بتدا کو مقدم کرنا واجب ہے، جہاں دونوں اصلِ تخصیص میں، یعنی جہاں دونوں بتدا اور خبر دونوں میں نفسِ تخصیص موجود ہو۔ آپ جانتے ہیں کہ نکرہ محض بتدا نہیں بن سکتا اس کے اندر تخصیص کا ہونا ضروری۔ تو بتدا اور خبر دونوں تخصیص میں برابر ہوں۔ تخصیص میں برابر ہونے کا یہ معنی نہیں کہ ایک میں جتنے درجے کی تخصیص ہے دوسرے میں بھی اتنے درجے کی تخصیص ہو، بلکہ معنی یہ ہے کہ نفسِ تخصیص دونوں میں موجود ہو۔ اور جب تخصیص دونوں میں ہے تو دونوں میں بتدا بننے کا احتمال ہے۔ تو بے شک ایک میں تخصیص زیادہ ہو ایک میں کم ہو اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ جس میں زیادہ تخصیص ہے وہ بتدا بننے کے لیے متعین نہیں ہے۔ اگر آپ اس کو موخر کریں گے تو پھر وہ خبر ہی بنے گا۔ تو جس کو بھی آپ بتدا بنانا چاہتے ہیں اس کو مقدم کرنا ضروری ہے۔ جیسے مثال گزری تھی غُلَامُ رَجُلٍ صَالِحٌ خَیْرٌ مِنْكَ۔ اور یہاں صَالِحٌ اس کو رَجُلٍ کی صفت بھی بنا سکتے ہیں اور رَجُلٍ مجرور ہے تو صَالِحٍ بھی مجرور پڑھیں گے، اور صَالِحٌ کو غُلَامُ کی صفت بھی بنا سکتے ہیں اور غُلَامُ مرفوع ہے بتدا ہے تو صَالِحٌ کو بھی مرفوع پڑھیں گے۔ اور دونوں

صورتوں میں غُلَامُ کے اندر دو تخصیصیں آجائیں گی، ایک اضافت والی اور ایک یہ صَالِحٌ صفت والی۔ چاہے آپ اس کو رَجُلٍ کی صفت بنائیں چاہے غُلَامُ کی، دونوں صورتوں میں تخصیص آئے گی غُلَامُ کے اندر دو درجے کی۔ اور خَيْرٌ مِنْكَ اس کے اندر ایک درجے کی تخصیص ہے مِنْكَ کی وجہ سے بھئی۔ تو لہٰذا اب آپ کہیں کہ غُلَامُ رَجُلٍ صَالِحٌ اس کے اندر چونکہ دو درجے کی تخصیص ہے لہٰذا یہ بتدا بننے کے لیے متعین ہے، اس کو موخر بھی کر دو اسی نے بتدا بننا ہے، قرینہ یہاں موجود ہے۔ کہتے ہیں نہیں بھئی یہ قرینہ نہیں ہے، یہاں دونوں میں تخصیص موجود ہے تو دونوں میں بتدا بننے کا احتمال ہے۔ لہٰذا آپ جس کو بتدا بنانا چاہتے ہیں اس کو مقدم کرنا واجب ہے کیونکہ یہاں کوئی قرینہ وغیرہ نہیں جو یہ بتلائے کہ کون بتدا ہے۔ تو صرف تقدیم ہی پھر بتلائے گی کہ یہ جو مقدم ہے یہ ہے بتدا۔ بات سمجھ میں آگئی؟

اور صاحبِ کافیہ نے اس کی مثال ذکر کی تھی أَفْضَلُ مِنِّي أَفْضَلُ مِنْكَ۔ دیکھو اس میں پہلا أَفْضَلُ جو ہے اس کے ساتھ مِنِّي جڑ رہا ہے اور مِنِّي کے اندر يَاء ضمیر ہے اور يَاء ضمیر کا درجہ اعلیٰ ہے۔ جبکہ دوسرا أَفْضَلُ جو ہے اس کے ساتھ مِنْكَ جڑ رہا ہے اور مِنْكَ کے اندر كَاف ضمیر خطاب والی ہے اور دوسرا درجہ ہے تعریف کا خطاب کی ضمیر کا، پہلا درجہ متکلم کی ضمیر کا، دوسرا درجہ مخاطب کی ضمیر کا۔ تو اب آپ یہ نہ کہیں کہ أَفْضَلُ مِنِّي کے اندر تو تخصیص زیادہ اور أَفْضَلُ مِنْكَ کے اندر تخصیص کم، لہٰذا أَفْضَلُ مِنِّي کو چاہے موخر بھی کر دو پھر بھی پتہ چل جائے گا کہ یہی بتدا ہے۔ میں نے بتلایا کہ نہیں بھئی ان دونوں کے اندر بے شک تخصیص ایک درجے کی نہیں ہے لیکن پھر بھی دونوں میں تخصیص تو موجود ہے اور جس نکرہ میں تخصیص موجود ہو وہ بتدا بن سکتا ہے۔ تو آپ جس کو بتدا بنانا چاہیں اس کو مقدم کرنا واجب ہے ورنہ سننے والے کو پتہ ہی نہیں چلے گا کہ یہاں، کہ یہاں کون بتدا ہے اور کون، کون خبر ہے بھئی۔ بات سمجھ میں آگئی؟

آگے دیکھیے بھئی، أَوْ كَانَ الْخَبَرُ فِعْلًا لَهُ أَيْ لِلْمُبْتَدَأِ اور یا وہ خبر جو ہو وہ فعل ہو لَهُ أَيْ لِلْمُبْتَدَأِ، صاحبِ جامی نے ضمیر کا مرجع بتلا دیا کہ لَهُ کی هَاء ضمیر کس کو راجع ہے؟ بتدا کو راجع ہے۔ یا وہ خبر فعل ہو لَهُ أَيْ لِلْمُبْتَدَأِ بتدا کے لیے۔ احْتِرَازٌ عَمَّا لَا يَكُونُ فِعْلًا لَهُ۔ بھئی یہ ذرا اپنے سامنے ایک مثال لکھیے بھئی، زَيْدٌ قَامَ، زَيْدٌ قَامَ۔ ترکیب کیا ہو گی؟ زَيْدٌ مرفوع لفظاً بتدا۔ قَامَ فعل، اس کے اندر هُوَ ضمیر مرفوع محلاً اس کا فاعل جو کس کو راجع؟ زَيْدٌ بتدا کو کیونکہ خبر کو بتدا سے جوڑتے ہیں۔ فعل اپنے فاعل سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر خبر، بتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔ زَيْدٌ قَامَ ترجمہ کیجیے: زید کھڑا ہوا یا زید کھڑا ہے۔ اب دیکھو اس کے اندر قَامَ یہ لفظوں میں خبر ہے کس کی؟ زَيْدٌ بتدا کی، اور معنی میں بھی یہ زید کی خبر ہے یعنی یہ قیام کس کے اندر پایا جا رہا ہے؟ زید کے اندر، زید اس قیام کے ساتھ موصوف ہو رہا ہے۔ بالفاظِ دیگر یہ صفت بحالہ ہے یعنی یہ اپنے موصوف کی حالت بیان کر رہی ہے، جس کی خبر ہے اسی کی حالت بیان کر رہی ہے۔ دوسری مثال لکھیے زَيْدٌ قَامَ أَبُوهُ، زَيْدٌ قَامَ أَبُوهُ۔ جی ترکیب کیجیے: زَيْدٌ مرفوع لفظاً بتدا، قَامَ فعل، أَبُوهُ، أَبُو مرفوع لفظاً مضاف، مرفوع کیوں؟ فاعل ہے قَامَ کے

لیے۔ هَاء ضمیر مجرور محلاً مضاف الیہ اور یہی ربط دے رہی ہے بھئی کیونکہ قَامَ کے اندر تو کوئی ضمیر نہیں، تو یہ هَاء ضمیر کس کو راجع ہے؟ یہ ضمیر زَيْدٌ یعنی بتدا کو راجع ہے۔ تو مضاف اپنے مضاف الیہ سے مل کر یہ فاعل ہوا قَامَ کے لیے۔ قَامَ فعل اپنے فاعل سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر خبر۔ بتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔ زَيْدٌ قَامَ أَبُوهُ، زید کہ کھڑا ہوا أَبُوهُ اس کا باپ، یعنی زید کے ابو کھڑے ہوئے۔ معنی سمجھ میں آرہا ہے؟ اب دیکھو اس کے اندر یہ قَامَ یہ خبر ہے، جملہ فعلیہ ہے نا یہ تو قَامَ خبر ہے کس کی لفظوں میں؟ زید کی، لیکن معنی کے اعتبار سے دیکھیں تو یہ زید کی صفت نہیں ہے، یہ قیام زید میں نہیں پایا جا رہا بلکہ یہ کس کے اندر ہے؟ زید کے متعلق میں یعنی اس کے باپ میں۔ تو دیکھو دو مثالیں ہم نے کر لیں۔ پہلی مثال ہے زَيْدٌ قَامَ اس کے اندر یہ جو قَامَ فعل ہے یہ بتدا کا اپنا فعل ہے، یہ قیام اسی بتدا میں پایا جا رہا ہے۔ اور دوسری مثال میں زَيْدٌ قَامَ أَبُوهُ اس کے اندر قَامَ خبر ہے زید کی لیکن یہ قَامَ بتدا کا فعل نہیں ہے بلکہ بتدا کے متعلق کا فعل ہے یعنی یہ صفت بحالِ متعلقہ ہے۔ تو یاد رکھنا بھئی کہ جب خبر بتدا کا فعل ہو، جب خبر بتدا کا فعل ہو تو بتدا کو مقدم کرنا واجب ہے۔

واجب ہے، جیسے زَيْدٌ قَامَ۔ اس کے اندر یہ زَيْدٌ کو مقدم کرنا واجب ہے کیونکہ قَامَ بتدا یعنی زید کا فعل ہے۔ اس لیے کیونکہ اگر آپ بتدا کو موخر کریں گے اور یوں کہیں گے قَامَ زَيْدٌ تو سننے والا سمجھے گا کہ یہ جو زَيْدٌ ہے یہ بتدا نہیں ہے بلکہ یہ فاعل ہے قَامَ کے لیے۔ کیونکہ قَامَ فعل مفرد ہے اور اسمِ ظاہر کو، یہ مفرد فعل ہو تو وہ اسمِ ظاہر کو رفع دے سکتا ہے تو زَيْدٌ اس کے لیے فاعل بن سکتا ہے، تو وہ اس کو محمول کرے گا کہ یہ زَيْدٌ فاعل ہے بھئی۔ تو لہٰذا جب خبر بتدا کا فعل ہو تو بتدا کو مقدم کرنا واجب ہے بھئی۔

دیکھیے بھئی کتاب پر، کہتے ہیں أَوْ كَانَ الْخَبَرُ فِعْلًا لَهُ أَيْ لِلْمُبْتَدَأِ یا وہ خبر جو ہے فعل ہو بتدا کے لیے۔ احْتِرَازٌ عَمَّا لَا يَكُونُ فِعْلًا لَهُ، یہ احتراز ہے اس خبر سے جو بتدا کا فعل نہ ہو، كَمَا فِي قَوْلِكَ جیسے کہ آپ کے اس قول کے اندر ہے زَيْدٌ قَامَ أَبُوهُ۔ اب یہ قَامَ جو ہے یہ زید کا فعل نہیں ہے بھئی۔ فَإِنَّهُ لَا يَجِبُ فِيهِ تَقْدِيمُ الْمُبْتَدَأِ اس لیے کیونکہ اس کے اندر بتدا کو مقدم کرنا واجب نہیں ہے، لِجَوَازِ قَامَ أَبُوهُ زَيْدٌ۔ جی کاپی پر ایک اور مثال لکھیے بھئی۔ دوسری مثال آپ نے کیا لکھی تھی؟ زَيْدٌ قَامَ أَبُوهُ۔ اب یوں کرو یہ زَيْدٌ کو موخر کر دو، یوں لکھو قَامَ أَبُوهُ زَيْدٌ، قَامَ أَبُوهُ زَيْدٌ۔ اب دیکھو اس کے اندر یہاں یہ خبر جو ہے بتدا کا فعل نہیں تو اس کے اندر بتدا کو موخر بھی کر دیں پھر بھی کوئی التباس نہیں، کوئی اشتباہ نہیں، پتہ چل رہا ہے کہ یہ بتدا ہے۔ کس طرح؟ قَامَ فعل، أَبُوهُ، أَبُو مرفوع لفظاً مضاف، هَاء ضمیر مجرور محلاً مضاف الیہ، مضاف مضاف الیہ مل کر فاعل ہوا قَامَ کے لیے۔ اور یہ هَاء ضمیر کس کو راجع؟ زَيْدٌ جو بتدا موخر ہے۔ اور فعل اپنے فاعل سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر خبر بتدا زَيْدٌ کے لیے جو موخر ہے۔ بتدا اپنی خبر سے مل کر جملہ، جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔ اور دیکھو اس میں قَامَ أَبُوهُ یہ هَاء ضمیر کس کو راجع؟ زَيْدٌ کو۔ تو یہ اضمار قبل الذکر ہے کیونکہ زَيْدٌ لفظوں میں موخر ہے لیکن رتبے کے اعتبار سے زید مقدم ہے کیونکہ وہ بتدا ہے۔

اور اس میں یاد رکھو، اس میں یاد رکھو بعض اوقات یہ اس طرح کنیت ذکر ہوتی ہے اور آگے وہ اس سے بدل واقع ہوتا ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ ذرا ایک اور مثال لکھیں: قَامَ أَخُوكَ زَيْدٌ، قَامَ أَخُوكَ زَيْدٌ۔ دیکھو ہم نے صرف کیا کیا؟ وہ ضمیر بدل دی۔ توجہ ہے؟ لیکن ضمیر بدلنے سے پورا کلام بدل گیا۔ اب آپ قَامَ أَخُوكَ اس کو خبرِ مقدم نہیں بنا سکتے کیونکہ یہ پورا جملہ ہے اور آپ زَيْدٌ کو مبتدا موخر بنانا چاہتے ہیں، اور خبر جب جملہ ہو تو اس میں عائد کا ہونا ضروری جو مبتدا کے ساتھ اس کو جوڑ دے، اور یہاں کوئی غائب کی ضمیر نہیں قَامَ أَخُوكَ، اس کے اندر کوئی غائب کی ضمیر نہیں ہے جو زید کی طرف لوٹ رہی ہو، تو لہٰذا اس صورت میں اس کو خبرِ مقدم نہیں بنا سکتے۔ پھر کیا ترکیب کریں گے یہاں پر؟ یاد رکھو اس صورت میں پھر یہ أَخُوكَ یہ بنے گا مبدل منہ اور زَيْدٌ اس سے بدل ہے۔ توجہ ہے؟ قَامَ أَخُوكَ کھڑا ہوا آپ کا بھائی زَيْدٌ یعنی کہ زید۔ تو اصل میں میں یوں کہنا چاہتا تھا قَامَ زَيْدٌ زید کھڑا ہوا کیونکہ اصل مقصود بدل ہوتا ہے۔ توجہ ہے؟ أَخُوكَ یہ کیا بن رہا ہے؟ مبدل منہ اور زَيْدٌ کیا ہے؟ بدل، اور مبدل منہ اور بدل میں اصل مقصود کیا ہوتا ہے؟ بدل اصل مقصود ہوتا ہے، مبدل منہ کو ویسے ہی تمہید کے طور پر ذکر کر دیا جاتا ہے۔ تو قَامَ أَخُوكَ زَيْدٌ اس کے اندر یہ أَخُوكَ کو ذکر کرنا میرا مقصد ہی نہیں تھا، میرا کیا مقصد ہے کس کو ذکر کرنا؟ زید کو، تو یہ أَخُوكَ یہ میں نے ساتھ ویسے تمہید کے طور پر جوڑ دیا۔ توجہ ہے؟ تو یہ بدل ہے اور بدل کہتے کس کو ہیں یاد رکھنا، بدل وہ ہے بدل الکل کہ بدل اور مبدل منہ دونوں کا مدلول ایک ہو بھئی۔ بدل اور مبدل منہ دونوں کا مدلول ایک۔ أَخُوكَ آپ کا بھائی، اسی کا نام تو زید ہے، تو جو أَخُوكَ جس ذات پہ دلالت کر رہا ہے زَيْدٌ بھی اسی ذات پہ دلالت کر رہا ہے، دونوں کا مدلول ایک ہی ذات ہے۔ توجہ ہے؟ تو بدل کسے کہتے ہیں کہ بدل اور مبدل منہ دونوں کا مدلول ایک ہی ہو بھئی۔ تو یہاں أَخُوكَ اور زَيْدٌ دونوں کا مدلول ایک ہے تو أَخُوكَ کو بنائیں گے مبدل منہ اور زَيْدٌ کو بنائیں گے بدل۔ ترکیب سمجھ میں آگئی؟ اب یہی ترکیب ہم قَامَ أَبُوهُ زَيْدٌ ذرا وہ پچھلے جملے پر آئیں بھئی، قَامَ أَبُوهُ زَيْدٌ۔ تو سوال پیدا ہوتا ہے یہاں بھی اسی طرح کر لیں أَبُوهُ کو کیا بنا دیں؟ مبدل منہ اور زَيْدٌ کو کیا بنا دیں؟ بدل بنا دیں۔ توجہ ہے؟ تو اب آپ خود غور کریں دیکھو، بنائیے ذرا بدل مبدل منہ ہم بنانے کی کوشش کرتے ہیں۔ أَبُوهُ هَاء ضمیر کس کو راجع؟ زید کو۔ أَبُوهُ یعنی زید کا باپ، اور آگے بدل کس کو بنا رہے ہو؟ زید کو، اور یہ زید بدل بن ہی نہیں سکتا کیونکہ دونوں کا مدلول الگ ہے۔ زید کا باپ وہ اور ذات ہے اور زید اور ذات ہے۔ دیکھا دونوں کا مدلول الگ ہے بدل یہاں بن ہی نہیں سکتا بھئی۔ نیز دوسری خرابی یہ بھی لازم آرہی ہے کہ اضمار قبل الذکر لازم آرہا ہے کیونکہ مبدل منہ کا درجہ پہلے ہے اور بدل کا درجہ اس کے بعد، بدل تو اس سے موخر ہوتا ہے، تو هَاء ضمیر کس کو راجع کرنا چاہتے ہیں بدل کو اور هَاء ضمیر کس میں ہے مبدل منہ میں ہے، تو مبدل منہ کا درجہ تو پہلے ہے تو ضمیر پہلے آگئی اور مرجع بعد میں آیا۔ تو اضمار قبل الذکر کی بھی خرابی اور نیز دونوں کا مدلول بھی الگ الگ ہے، أَبُوهُ کا مدلول الگ اور زَيْدٌ کا مدلول الگ ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟

پھر دیکھیے ترجمہ، کہتے ہیں احْتِرَازٌ عَمَّا لَا يَكُونُ فِعْلًا لَهُ یہ احتراز ہے اس خبر سے جو مبتدا کا فعل نہ ہو كَمَا فِي قَوْلِكَ جیسے

کہ آپ کا یہ قول ہے زَيْدٌ قَامَ أَبُوهُ. فَإِنَّهُ لَا يَجِبُ فِيهِ تَقْدِيمُ الْمُبْتَدَأِ اس لیے کیونکہ اس کے اندر، فَإِنَّهُ یہ فَاء کا ترجمہ یہ فَاء علت بتلانے کے لیے آتا ہے تو اس کا ترجمہ کیونکہ کے ساتھ کریں گے۔ فَإِنَّهُ کیونکہ لَا يَجِبُ فِيهِ تَقْدِيمُ الْمُبْتَدَأِ اس کے اندر بتدا کی تقدیم واجب نہیں ہے لِجَوَازِ قَامَ أَبُوهُ زَيْدٌ اس وجہ سے کہ قَامَ أَبُوهُ زَيْدٌ یہ جائز ہے یعنی یہاں خبر کو مقدم کرنا جائز ہے واجب نہیں ہے لِعَدَمِ الِالْتِبَاسِ التباس نہ ہونے کی وجہ سے، اس لیے کیونکہ اس کے اندر اس کے اندر کوئی اشتباہ لازم نہیں آرہا۔ کیا اشتباہ نہیں لازم آرہا؟ بھئی پہلا جملہ میں نے کیا لکھوایا زَيْدٌ قَامَ، وہاں بتدا کو موخر کرتے تھے تو اس کا التباس فاعل کے ساتھ لازم آتا تھا، سننے والا سمجھے گا کہ شاید یہ فاعل ہے حالانکہ آپ تو اس کو بتدا بنانا چاہ رہے تھے اور موخر کرنا چاہ رہے تھے۔ تو وہاں پر اشتباہ کا خطرہ تھا بتدا کا کس کے ساتھ؟ فاعل کے ساتھ، اور یہاں پر یہ اشتباہ کا خطرہ نہیں ہے، زید فاعل نہیں بن سکتا۔

آگے دیکھیے مِثْلُ زَيْدٌ قَامَ جیسے کہ زَيْدٌ قَامَ ہے بھئی۔ یہاں یہ قَامَ زید کا فعل ہے یعنی بتدا کا تو اس صورت میں بتدا کو مقدم کرنا واجب ہے۔ وَجَبَ تَقْدِيمُهُ تو بتدا کی تقدیم واجب ہے، یہ چاروں صورتوں میں جب بتدا ایسے معنی پر مشتمل ہو جو صدارتِ کلام کو چاہتا ہو، یا بتدا اور خبر دونوں معرفہ ہوں، یا دونوں میں نفسِ تخصیص موجود ہو، یا خبر جو ہے بتدا کا فعل ہو، ان چاروں صورتوں میں وَجَبَ تَقْدِيمُهُ یہ سب کی جزا ہے، ان تمام صورتوں میں بتدا کو مقدم کرنا واجب ہے۔ وَجَبَ تَقْدِيمُهُ هَاء ضمیر کا مرجع بتلا رہے ہیں أَيْ تَقْدِيمُ الْمُبْتَدَأِ عَلَى الْخَبَرِ یعنی بتدا کو خبر پر مقدم کرنا واجب ہے فِي هٰذِهِ الصُّوَرِ ان صورتوں میں، ان تمام چاروں صورتوں میں۔ أَمَّا فِي الصُّوَرِ الْأُوَلِ، أُوَل جمع ہے أُولَى کی۔ بات سمجھ میں آرہی ہے؟ أُوَل کس کی جمع؟ أُولَى اور أُولَى کون سا صیغہ ہے؟ فُعْلَى، اسمِ تفضیل ہے۔ وَأَفْعَلُ التَّفْضِيلِ الْمُذَكَّرُ مِنْهُ أَضْرَبُ وَالْجَمْعُ أَضَارِبُ وَالْمُؤَنَّثُ مِنْهُ ضُرْبَى، ضُرْبَى ضُرْبَيَاتٌ ضُرَبٌ، دیکھو أُوَلٌ۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو وَالْمُؤَنَّثُ مِنْهُ کیا آئے گا أُولَى أُولَيَاتٌ اور أُوَلٌ۔

تو کہتے ہیں أَمَّا فِي الصُّوَرِ الْأُوَلِ تو باقی پہلی صورتوں میں یعنی پہلی تین صورتوں میں فَلِمَا ذَكَرْنَا اس وجہ سے جو ہم نے ذکر کر دی۔ پہلی تین وجہوں میں بتدا کو مقدم کرنا واجب ہے اس وجہ سے جو ہم نے پیچھے ذکر کر دی۔ پہلی صورت میں کیا وجہ تھی؟ کیونکہ بتدا مشتمل ہے ایسے معنی پر جو صدارتِ کلام کو چاہتا ہے اس لیے اس کو مقدم کرنا واجب ہے۔ اور دوسری اور تیسری صورت میں جب بتدا اور خبر دونوں معرفہ ہوں یا دونوں نکرہ مخصصہ ہوں، اس صورت میں بتدا کو مقدم کرنا واجب ہے ورنہ بتدا کا اشتباہ لازم آئے گا خبر کے ساتھ اگر آپ اس کو موخر کریں گے تو سننے والا سمجھے گا شاید یہ خبر ہے بھئی، بتدا موخر نہیں ہے یہ بھئی۔

تو کہتے ہیں أَمَّا فِي الصُّوَرِ الْأُوَلِ تو پہلی تین صورتوں میں فَلِمَا ذَكَرْنَا اس وجہ سے جو ہم نے ذکر کر دی، وَأَمَّا فِي الصُّورَةِ الْأَخِيرَةِ اور باقی آخری صورت میں فَلِئَلَّا يَلْتَبِسَ الْمُبْتَدَأُ بِالْفَاعِلِ تاکہ کہیں بتدا کا التباس لازم نہ آئے فاعل کے ساتھ، إِذَا

كَانَ الْفِعْلُ مُفْرَدًا جبکہ فعل کیا ہو؟ مفرد ہو، مِثْلُ زَيْدٌ قَامَ جیسے کہ زَيْدٌ قَامَ۔ زَيْدٌ ہے مبتدا اور قَامَ اس کی خبر ہے اور دیکھو یہ قَامَ مفرد فعل ہے۔ قَامَ فعل مفرد ہے اور اس قَامَ کو اگر مقدم کر دیں گے قَامَ زَيْدٌ کہیں گے تو پھر سننے والا کیا سمجھے گا قَامَ زَيْدٌ؟ کہ یہ زید مبتدا موخر نہیں ہے بلکہ یہ شاید قَامَ کا فاعل ہے۔ کہتے ہیں إِذَا كَانَ الْفِعْلُ مُفْرَدًا جب کہ فعل مفرد ہو مِثْلُ زَيْدٌ قَامَ جیسے زَيْدٌ قَامَ فَإِنَّهُ إِذَا قِيلَ قَامَ زَيْدٌ اس لیے کہ جب یہ کہا جائے قَامَ زَيْدٌ الْتَبَسَ الْمُبْتَدَأُ بِالْفَاعِلِ تو التباس لازم آئے گا مبتدا کا فاعل کے ساتھ، کس کے ساتھ؟ فاعل کے ساتھ، أَوْ بِالْبَدَلِ عَنِ الْفَاعِلِ إِذَا كَانَ مُثَنًّى أَوْ مَجْمُوعًا۔

جی اب دوسری مثال لکھیے اپنی کاپی میں بھئی۔ پہلی مثال ہم نے کر لی زَيْدٌ قَامَ، اس کے اندر قَامَ مفرد تھا۔ دوسری مثال اب تثنیہ الگ سطر میں لکھیں بھئی، الزَّيْدَانِ قَامَا، اسمِ ظاہر بھی تثنیہ اور فعل بھی تثنیہ، الزَّيْدَانِ قَامَا۔ اس سے نچلی سطر میں لکھیں الزَّيْدُونَ قَامُوا، دونوں کو جمع لے آئیں، الزَّيْدُونَ قَامُوا۔ اس صورت میں یاد رکھو الزَّيْدَانِ قَامَا، الزَّيْدَانِ ہے مبتدا، قَامَا فعل، اس کے اندر أَلِف ضمیر مرفوع محلاً اس کا فاعل جو کس کو راجع؟ الزَّيْدَانِ کو۔ فعل اپنے فاعل سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر خبر، مبتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ خبریہ۔ اور الزَّيْدُونَ قَامُوا اس کے اندر بھی اسی طرح ہے، الزَّيْدُونَ مبتدا، قَامُوا فعل، اس کے اندر وَاو ضمیر مرفوع محلاً اس کا فاعل جو کس کو راجع؟ الزَّيْدُونَ مبتدا کو۔ فعل اپنے فاعل سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر خبر، مبتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ خبریہ۔ اب دیکھو یہاں پر دونوں مبتدا اور خبر انہی کا فعل ہے۔ الزَّيْدَانِ قَامَا یہ قَامَا کس کا فعل ہے؟ الزَّيْدَانِ کا۔ الزَّيْدُونَ قَامُوا یہ قَامُوا کس کا فعل ہے؟ الزَّيْدُونَ یعنی مبتدا کا فعل ہے، لیکن تثنیہ اور جمع کی صورت میں اگر ہم مبتدا کو موخر کریں گے تو اس کا التباس فاعل کے ساتھ نہیں آئے گا بلکہ بدل کے ساتھ آئے گا۔ کس طرح؟ اب آگے آپ نے جو پہلا جملہ لکھا الزَّيْدَانِ قَامَا اسی کے آگے تھوڑے فاصلے پر جگہ بدل دیں، قَامَا کو ذرا مقدم کر دیں اور الزَّيْدَانِ کو موخر کر دیں، قَامَا الزَّيْدَانِ، قَامَا الزَّيْدَانِ۔ اب دیکھو پہلے جب مفرد تھا تو ادھر دیکھیے جب زَيْدٌ قَامَ تھا ہم زید کو موخر کرتے تھے قَامَ زَيْدٌ کہتے تھے تو زید کا التباس کس کے ساتھ تھا؟ فاعل کے ساتھ۔ لیکن یہاں جو ہے قَامَا الزَّيْدَانِ اس میں الزَّيْدَانِ کا التباس فاعل کے ساتھ نہیں، کیوں نہیں؟ قَامَا الزَّيْدَانِ یہ الزَّيْدَانِ قَامَا کے لیے فاعل بن سکتا ہے؟ نہیں بن سکتا کیونکہ فاعل جب بھی اسمِ ظاہر ہو فعل کو ہمیشہ مفرد رکھتے ہیں اور یہاں تو قَامَا تثنیہ ہے۔ توجہ ہے؟ قَامَا الزَّيْدَانِ اس جملے کے اندر الزَّيْدَانِ کا التباس فاعل کے ساتھ نہیں آ رہا، ہاں بدل کے ساتھ التباس لازم آ رہا ہے۔ کس طرح؟ کہ قَامَا کے اندر أَلِف جو ہے اس کو بنا دیں مبدل منہ اور الزَّيْدَانِ کو اس سے کیا بنا دیں؟ بدل بنا دیں، اور مبدل منہ اور بدل کا اعراب ایک ہوتا ہے، قَامَا کے اندر أَلِف مرفوع محلاً تھا فاعل ہے تو الزَّيْدَانِ یہ بھی مرفوع ہے یہ اس سے بدل ہے۔ تو یہاں دیکھو قَامَا الزَّيْدَانِ میں الزَّيْدَانِ کا التباس فاعل کے ساتھ نہیں آ رہا بلکہ کس کے ساتھ آ رہا ہے؟ بدل کے ساتھ۔ توجہ ہے؟ پھر سنو، الزَّيْدَانِ قَامَا، الزَّيْدَانِ کیا تھا؟ مبتدا تھا۔ تو اس صورت میں مبتدا کو مقدم کرنا واجب ہے کیونکہ اگر آپ مبتدا کو موخر کریں گے تو کوئی

پڑھنے والا، کوئی سننے والا یہ خیال کر سکتا ہے کہ قَامَا الزَّيْدَانِ، کہ یہ الزَّيْدَانِ **مبتدا موخر** نہیں ہے بلکہ یہ قَامَا کی أَلِف ضمیر سے بدل ہے۔ تو اس صورت میں دیکھو مبتدا کا التباس کس کے ساتھ لازم آیا؟ بدل کے ساتھ۔ اسی طرح نچلا جملہ دیکھیے: الزَّيْدُونَ قَامُوا۔ اس سے تھوڑا آگے کر کے الزَّيْدُونَ کو موخر کریں، قَامُوا الزَّيْدُونَ، قَامُوا الزَّيْدُونَ۔ یہاں پر بھی دیکھیے یہ قَامُوا کے لیے الزَّيْدُونَ فاعل نہیں بن سکتا کیونکہ قَامُوا مفرد نہیں ہے، تو اس کے لیے الزَّيْدُونَ اسمِ ظاہر فاعل نہیں بن سکتا۔ تو یہ جو الزَّيْدُونَ **مبتدا موخر** ہے اس کا التباس یہاں فاعل کے ساتھ نہیں آ رہا بلکہ یہاں بھی بدل کے ساتھ التباس لازم آ رہا ہے۔ سننے والا گمان کرے گا کہ شاید یہ وَاو مبدل منہ ہے اور یہ الزَّيْدُونَ بدل ہے بھئی۔ تو معلوم ہوا یہاں تین صورتیں ہیں، ایک صورت کیا؟ کہ فعل مفرد ہو۔ ایک صورت کہ فعل تثنیہ ہو۔ ایک صورت کہ فعل جمع ہو۔ زَيْدٌ قَامَ، الزَّيْدَانِ قَامَا، الزَّيْدُونَ قَامُوا۔ تو مفرد والی صورت میں اگر مبتدا کو موخر کریں گے تو اس کا التباس کس کے ساتھ لازم آئے گا؟ فاعل کے ساتھ۔ اور تثنیہ اور جمع والی صورت میں اگر ہم مبتدا کو موخر کریں گے تو اس کا التباس کس کے ساتھ لازم آئے گا؟ بدل کے ساتھ التباس لازم آئے گا۔ بات سمجھ میں آگئی؟ اب دیکھیے کتاب پر۔

کہتے ہیں فَإِنَّهُ إِذَا قِيلَ قَامَ زَيْدٌ الْتَبَسَ الْمُبْتَدَأُ بِالْفَاعِلِ اس لیے کیونکہ جب یہ کہا جائے کہ قَامَ زَيْدٌ یعنی زید جو مبتدا کو موخر کر دیا گیا، کیا کہا گیا؟ قَامَ زَيْدٌ، تو الْتَبَسَ الْمُبْتَدَأُ بِالْفَاعِلِ تو التباس لازم آیا مبتدا کا فاعل کے ساتھ، أَوْ بِالْبَدَلِ یا مبتدا کا التباس لازم آئے گا بِالْبَدَلِ عَنِ الْفَاعِلِ کس کے ساتھ؟ وہ جو فاعل سے بدل ہے اس کے، بدل کے ساتھ التباس لازم آئے گا۔ کب؟ إِذَا كَانَ مُثَنًّى أَوْ مَجْمُوعًا جبکہ فعل تثنیہ ہو یا جمع ہو بھئی۔ فَإِنَّهُ إِذَا قِيلَ فِي مِثْلِ الزَّيْدَانِ قَامَا وَالزَّيْدُونَ قَامُوا اس لیے کیونکہ جب الزَّيْدَانِ قَامَا اور الزَّيْدُونَ قَامُوا جیسی مثالوں میں یہ کہا جائے، کیا کہا جائے؟ قَامَا الزَّيْدَانِ وَقَامُوا الزَّيْدُونَ، دیکھو فعل اب مقدم کر دیے، اگر یہ کہا جائے تو يَحْتَمِلُ تو یہ احتمال رکھتا ہے کہ أَنْ يَكُونَ الزَّيْدَانِ وَالزَّيْدُونَ بَدَلًا عَنِ الْفَاعِلِ کہ الزَّيْدَانِ اور الزَّيْدُونَ وہ فاعل سے بدل ہیں۔ فَالْتَبَسَ الْمُبْتَدَأُ بِهِ تو لہٰذا مبتدا کا التباس لازم آیا بدل سے بھئی، کس کے ساتھ؟ بدل عن الفاعل سے لازم آیا۔

ذرا وہ، وہ جو میں نے مثالیں لکھوائیں ان پہ نظر رکھیں۔ تثنیہ اور جمع والی صورت کو دیکھو قَامَا الزَّيْدَانِ، جب ہم نے مبتدا کو موخر کر دیا تو پھر اس صورت میں مبتدا کا التباس کس کے ساتھ لازم آیا؟ بدل عن الفاعل کے ساتھ، جو فاعل سے بدل، کہ یہ فاعل سے شاید بدل ہے۔ اس پر ایک اشکال ہوتا ہے، اشکال یہ کہ قَامَا الزَّيْدَانِ، فاعل کس کو بنایا؟ أَلِف کو، اور یہ أَلِف کو مبدل منہ بنایا اور الزَّيْدَانِ کو اس سے بدل، تو یہ تو اضمار قبل الذکر لازم آیا۔ قَامَا کے اندر جو أَلِف ضمیر ہے کس کو لوٹ رہی ہے؟ الزَّيْدَانِ کو لوٹ رہی ہے اور قَامُوا کے اندر جو وَاو ضمیر ہے یہ آگے آنے والے الزَّيْدُونَ کی طرف لوٹ رہی ہے، اور الزَّيْدَانِ اور الزَّيْدُونَ یہ تو لفظوں میں موخر ہیں اور لفظوں میں بھی موخر ہیں اور نیز رتبے میں بھی موخر ہیں کیونکہ یہ بدل ہیں، مبدل منہ کا درجہ پہلے ہے اور بدل کا درجہ بعد میں ہے۔ تو یہ تو اضمار قبل الذکر لازم آتا ہے لفظاً بھی اور رتبتاً بھی۔

تو جواب یاد رکھنا کہ آپ نے ضابطہ پڑھا تھا اضمار قبل الذکر عمدہ میں جائز ہے بشرطِ تفسیر۔ قَامَا تثنیہ کی ضمیر آئی اور اس کے اندر ابہام تھا اور یہ فاعل ہے، عمدہ ہے، مسند الیہ ہے کلام میں۔ توجہ ہے؟ تو یہ فاعل ہے، تو یہ عمدہ ہے اور عمدہ میں اضمار قبل الذکر جائز ہے بشرطِ تفسیر کہ آگے تفسیر آجائے۔ تو قَامَا اس کے اندر أَلِف ضمیر مبہم آئی اور ساتھ ہی آگے الزَّيْدَانِ اس کی تفسیر آگئی۔ تو یہ اضمار قبل الذکر ہے عمدہ میں بشرطِ تفسیر۔ اشکال اور جواب سمجھ میں آگیا؟ تو لہٰذا یہاں تو اعتراض ہوتا تھا کہ یہ تو اضمار قبل الذکر ہے تو ہم نے جواب دے دیا کہ اضمار قبل الذکر عمدہ میں جائز ہے بشرطِ تفسیر۔

اس پر اشکال ہوتا ہے کہ مفرد والی صورت میں بھی تو بدل پھر بنا سکتے ہیں۔ زَيْدٌ قَامَ تھا، قَامَ زید کا فعل ہے، بتدا کا فعل ہے۔ اب یہاں پر اگر ہم زید کو موخر کر دیں اور قَامَ کو مقدم کر دیں قَامَ زَيْدٌ، تو آپ نے ہمیں کیا کہا تھا کہ زید کا التباس کس کے ساتھ لازم آیا؟ فاعل کے ساتھ، تو آپ نے بدل کو نہیں ذکر کیا۔ یہاں بھی تو بدل کے ساتھ احتمال ہے کہ قَامَ کے اندر هُوَ ضمیر کو مبدل منہ بنائیں اور زید کو اس سے بدل بنائیں۔ وجہ یہ کہ بھئی یہاں پھر وہی بات لازم آئے گی، اضمار قبل الذکر لازم آئے گا۔ اور اگرچہ اضمار قبل الذکر عمدہ میں جائز ہے بشرطِ تفسیر لیکن اس سے بچا جائے تو زیادہ بہتر ہے، اور نیز یہاں فعل مفرد ہے، قَامَ زَيْدٌ فعل مفرد ہے یہ قَامَ زید کو رفع دے سکتا ہے لہٰذا زید کو اس کے لیے فاعل ہی بنائیں گے، بدل بنانے کی کوئی حاجت نہیں۔ توجہ ہے؟ قَامَ زَيْدٌ میں قَامَ زید کو رفع دے سکتا ہے لہٰذا اس کو فاعل ہی بنائیں گے، بدل بنانے کی کوئی حاجت نہیں کوئی ضرورت نہیں اس کی طرف جانے کی، جبکہ قَامَا الزَّيْدَانِ اس کے اندر تو قَامَا الزَّيْدَانِ کو رفع دے ہی نہیں سکتا تو کس کی طرف پھر جا سکتے ہیں؟ بدل کی طرف جا سکتے ہیں۔ فرق سمجھ میں آیا؟

اب اس میں ایک اور بات سمجھ لیں بھئی، کاپی پر نظر رکھیں، تثنیہ اور جمع والی مثالیں، الزَّيْدَانِ قَامَا اور الزَّيْدُونَ قَامُوا۔ پھر کیا کیا؟ بتدا کو موخر کر دیا اور فعل کو مقدم کر دیا، تو بتدا کا التباس کس سے لازم آیا؟ بدل سے، کس سے؟ بدل سے۔ اور یاد رکھو بعض علماء فرماتے ہیں، بھئی بعض اوقات کلامِ عرب میں اس طرح کی عبارت آتی ہے قَامَا الزَّيْدَانِ، قَامُوا الزَّيْدُونَ، تو پھر بعض علماء اس کو بدل بناتے ہیں، کیا بناتے ہیں؟ بعض اس کو پھر بدل بناتے ہیں، جبکہ بعض علماء پھر بھی اس کو فاعل بناتے ہیں، یہ الزَّيْدَانِ اور الزَّيْدُونَ اس کو فاعل بناتے ہیں کس کے لیے؟ قَامَا اور قَامُوا ان کے لیے فاعل بناتے ہیں۔ بھئی ان کے لیے فاعل کیسے بنا رہے ہیں، قَامَا کے اندر تو أَلِف ضمیر ہے اور قَامُوا کے اندر تو وَاو ضمیر ہے تو یہ ضمیریں جب موجود ہیں تو فاعل تو یہ بنیں گی؟ وہ فرماتے ہیں کہ جب آگے فاعل اسمِ ظاہر موجود ہے تو پھر یہ جو أَلِف اور وَاو ہیں اس وقت یہ ضمیریں نہیں ہیں، یہ صرف تثنیہ اور جمع کی علامتیں ہیں، صرف تثنیہ اور جمع کی علامتیں ہیں، جیسے، جیسے چوتھے صیغے کے اندر جو تَاء آتی ہے یہ تانیث کی علامت ہے بھئی، ضَرَبَتْ هِنْدٌ۔ یہ ضَرَبَتْ کے اندر تَاء فاعل نہیں بلکہ یہ هِنْدٌ فاعل ہے اور یہ تَاء کس لیے آئی ہے؟ یہ تانیث کی علامت ہے، یہ صرف اتنا بتا رہی ہے کہ اس ضَرَبَتْ فعل کا اسناد کسی مونث ذات کی طرف ہے، مذکر کی طرف نہیں ہے۔ تو ضَرَبَتْ کے اندر یہ تَاء کس چیز کی علامت ہے؟ تانیث کی علامت ہے، یہ فاعل نہیں۔ تو وہ علماء فرماتے

ہیں اسی طرح قَامَا الزَّيْدَانِ، جب اس طرح آگے اسمِ ظاہر آگے آجائے تو پھر اس وقت یہ جو أَلِف ہے یہ تثنیہ والا یہ جو أَلِف ہے یہ پھر صرف تثنیہ کی علامت ہو گی یہ ضمیر نہیں۔ یہ قَامَا کے اندر أَلِف صرف اتنا بتا رہا ہے کہ اس فعل کا اسناد کسی تثنیہ کی طرف ہے۔ اسی طرح قَامُوا الزَّيْدُونَ، اس قَامُوا کے اندر اب وَاو صرف جمع کی علامت ہے یہ صرف اتنا بتا رہا ہے کہ اس فعل کا اسناد کسی جمع کی طرف ہے بھئی۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو لہٰذا بعض علماء کے نزدیک یہ جو قَامَا الزَّيْدَانِ اور قَامُوا الزَّيْدُونَ ان دو میں یہ جو بتدا جس کو آپ نے موخر کیا اس کا التباس فاعل کے ساتھ لازم آئے گا۔ توجہ ہے؟ عام علماء کیا فرماتے ہیں؟ قَامَا الزَّيْدَانِ، قَامُوا الزَّيْدُونَ، آپ نے الزَّيْدَانِ اور الزَّيْدُونَ بتدا تھا لیکن آپ نے کیا کر دیا؟ موخر کر دیا تو اس کا التباس کس کے ساتھ لازم آیا؟ بدل کے ساتھ۔ لیکن وہ علماء جو یہ أَلِف اور وَاو ہے ان کو صرف تثنیہ اور جمع کی علامت قرار دیتے ہیں اور ان کے نزدیک یہ الزَّيْدَانِ اور الزَّيْدُونَ فاعل ہیں اس فعل کے لیے، تو اب اس بتدا کا التباس کس سے لازم آگیا؟ فاعل کے ساتھ ان کے نزدیک لازم آیا۔ بات سمجھ میں آئی کہ نہیں بھئی؟

تو یہ معنی ہے، تو کہتے ہیں فَالْتَبَسَ الْمُبْتَدَأُ بِهِ تو التباس لازم آیا بتدا کا بدل کے ساتھ أَوْ بِالْفَاعِلِ یا کس کے ساتھ؟ فاعل کے ساتھ التباس لازم آیا عَلَى هٰذَا التَّقْدِيرِ أَيْضًا اسی تقدیر پر۔ یہ جو تثنیہ اور جمع والی صورت ہے اس میں جو آپ نے بتدا کو موخر کیا تو اس بتدا کا التباس بدل کے ساتھ بھی لازم آیا اور فاعل کے ساتھ بھی لازم آیا ان علماء کے نزدیک جو یہ أَلِف اور وَاو کو فاعل نہیں بناتے بلکہ صرف تثنیہ اور جمع کی علامتیں قرار دیتے ہیں۔ یہ معنی ہے فَالْتَبَسَ الْمُبْتَدَأُ بِهِ تو التباس لازم آیا بتدا کا بدل کے ساتھ أَوْ بِالْفَاعِلِ عَلَى هٰذَا التَّقْدِيرِ أَيْضًا یا فاعل کے ساتھ بھی اس تقدیر پر التباس لازم آیا، عَلَى قَوْلِ مَنْ يُجَوِّزُ ان علماء کے قول پر جو جائز قرار دیتے ہیں، کیا جائز قرار دیتے ہیں؟ كَوْنَ الْأَلِفِ وَالْوَاوِ حَرْفًا دَالًّا عَلَى تَثْنِيَةِ الْفَاعِلِ وَجَمْعِهِ، جو جائز قرار دیتے ہیں کہ یہ أَلِف اور وَاو جو ہیں یہ ایسے حرف ہیں جو دلالت کر رہے ہیں فاعل کے تثنیہ اور اس کے جمع ہونے پر كَالتَّاءِ فِي ضَرَبَتْ هِنْدٌ جیسے کہ تَاء ہے ضَرَبَتْ هِنْدٌ کے اندر۔ جیسے یہ تَاء تانیث پر دلالت کر رہی ہے اسی طرح ضَرَبَا اور ضَرَبُوا کے اندر یہ جو أَلِف اور وَاو آئے یہ صرف یہ تثنیہ اور جمع پر دلالت کر رہے ہیں، یہ ضمیریں نہیں ہیں۔ بات سمجھ میں آگئی؟

آگے دیکھیے بھئی، کہتے ہیں وَإِذَا تَضَمَّنَ الْخَبَرُ الْمُفْرَدُ أَيِ الَّذِي لَيْسَ بِجُمْلَةٍ صُورَةً سَوَاءٌ كَانَ بِحَسَبِ الْحَقِيقَةِ جُمْلَةً أَوْ غَيْرَ جُمْلَةٍ۔ اب صاحبِ کافیہ کچھ وہ جگہیں ذکر کریں گے جہاں خبر کو مقدم کرنا واجب ہے۔ تو چار جگہیں ذکر کیں جہاں بتدا کو مقدم کرنا واجب ہے، اب چار ہی جگہیں ذکر کریں گے جہاں خبر کو مقدم کرنا واجب ہے۔ دیکھیے پہلے متن متن دیکھ لیں، کہتے ہیں وَإِذَا تَضَمَّنَ الْخَبَرُ الْمُفْرَدُ مَا لَهُ صَدْرُ الْكَلَامِ جب متضمن ہو یعنی مشتمل ہو خبر الْمُفْرَدُ، وہ خبر جو مفرد ہو، وہ خبر جو مفرد ہو جب وہ مشتمل ہو مَا لَهُ صَدْرُ الْكَلَامِ ایسے معنی پر جس کے لیے صدارتِ کلام واجب ہے، مِثْلُ أَيْنَ زَيْدٌ جیسے أَيْنَ زَيْدٌ۔ یہ پہلی صورت تھی، جب خبر ایسے معنی پر، جب خبرِ مفرد، خبرِ مفرد جب ایسے معنی پر مشتمل ہو جو صدارتِ کلام کو

چاہتا ہے جیسے أَيْنَ زَيْدٌ۔ تو یہ پہلی صورت ہے، صاحبِ کافیہ چار صورتیں ذکر کریں گے اور آخر میں دیکھو فرمائیں گے وَجَبَ تَقْدِيمُهُ، متن پہ نظر ہے؟ صفحے کے آخر میں یا اگلے صفحے پر دیکھ لیں، آخر میں متن میں آرہا ہے وَجَبَ تَقْدِيمُهُ، ان تمام صورتوں میں خبر کو مقدم کرنا واجب ہے۔ تو یہ پہلی صورت کہ جب خبرِ مفرد جو ہے وہ متضمن ہو ایسے معنی پر جس کے لیے صدارتِ کلام واجب ہو جیسے أَيْنَ زَيْدٌ۔

أَيْنَ زَيْدٌ، أَيْنَ زَيْدٌ ترکیب کیجیے بھئی۔ ترکیب کیجیے، أَيْنَ، أَيْنَ غور کریں، میں نے بتایا معنی میں غور کیا کرو معنی سے آپ کو ترکیب سمجھ میں آجائے گی۔ ہاں أَيْنَ دیکھو جگہ کے بارے میں پوچھا جا رہا ہے اور جس چیز میں جگہ اور زمانے والا معنی ہو وہ کیا کہلاتا ہے؟ ظرف، وہ مفعول فیہ بنتا ہے، تو یہ أَيْنَ یہ مفعول فیہ ہے اور مفعول فیہ کے لیے ہمیشہ عامل چاہیے، اس کے لیے بھی اسی طرح ثَبَتَ یا ثَابِتٌ نکالیں گے بھئی۔ تو أَيْنَ، أَيْنَ منصوب محلاً یہ مبنی ہے بھئی، أَيْنَ منصوب محلاً مفعول فیہ ہے بھئی، اور کس کے لیے؟ ثَبَتَ فعل کے لیے کیونکہ صاحبِ کافیہ نے آپ کو بتلایا کہ ظرف کی تاویل کس کے ساتھ کی جائے گی؟ جملہ کے ساتھ، اور وہ فعل نکالیں گے وہاں پر۔ تو أَيْنَ منصوب محلاً مفعول فیہ ہوا ثَبَتَ فعل کے لیے۔ ثَبَتَ فعل، اس کے اندر هُوَ ضمیر مرفوع محلاً اس کا فاعل جو کس کو راجع ہے؟ زَيْدٌ یعنی بتدا کو کیونکہ خبر کو بتدا سے جوڑتے ہیں۔ فعل اپنے فاعل اور مفعول فیہ سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر خبرِ مقدم، اور زَيْدٌ مرفوع لفظاً بتدا موخر، بتدا اپنی خبر سے مل کر جملہ اسمیہ انشائیہ ہوا کیونکہ استفہام ہے۔ اور یہ أَيْنَ یہ ظرفِ مستقر ہے بھئی، یہ کیا ہے؟ ظرفِ مستقر، اور آپ نے پڑھا ہے ظرفِ مستقر خود عمل کرتا ہے، ثَبَتَ جا چکا، اور ثَبَتَ تو چلا گیا لیکن وہ هُوَ ضمیر کس میں چھپ گئی؟ اس ظرفِ مستقر أَيْنَ کے اندر آکر چھپ گئی اور اس ضمیر کو اب یہ أَيْنَ رفع دے رہا ہے بھئی۔ تو اب دیکھو یہ أَيْنَ چونکہ استفہام کے معنی پر مشتمل ہے اس لیے اس کے لیے صدارتِ کلام واجب ہے اور نیز یہ خبر دیکھو مفرد ہے، أَيْنَ صورت کے اعتبار سے کیا ہے؟ مفرد ہے، مفرد ہے، حقیقت میں تو یہ جملہ ہے، توجہ ہے؟ جب ثَبَتَ نکالا تو کیا بن گیا؟

بن گیا جملہ، یا کوفہ والوں کے نزدیک ثَابِتٌ نکالیں گے۔ ثَابِتٌ بھی نکالیں گے تو یہ شبہِ جملہ بنے گا، شبہِ جملہ بنے گا۔ تو بہرحال صورت کے اعتبار سے یہ مفرد ہے بھئی۔ ثَبَتَ نکالیں گے تو حقیقتاً جملہ اور صورتاً اس وقت أَيْنَ مفرد ہے۔ اور کوفہ والوں کے نزدیک ثَابِتٌ نکالیں گے تو پھر حقیقتاً بھی مفرد، مفرد یہاں جملے کے مقابلے میں ہے یعنی جملہ نہ ہو، کیا نہ ہو؟ جملہ۔ تو اگر ثَابِتٌ نکالیں گے تو پھر حقیقتاً بھی مفرد اور صورتاً بھی مفرد۔ تو دونوں تقدیروں پر أَيْنَ صورتاً مفرد ہے، اگرچہ حقیقتاً بصرہ والوں کے نزدیک یہ مفرد نہیں ہے۔

تو کہتے ہیں جب خبرِ مفرد وہ متضمن ہو ایسے معنی کو جو صدارتِ کلام جس کے لیے واجب ہو جیسے أَيْنَ زَيْدٌ، تو خبر کو مقدم کرنا واجب۔ اسی طرح أَوْ كَانَ مُصَحِّحًا لَهُ یا وہ جو خبر ہے وہ اس بتدا کو صحیح کرنے والی ہے، یعنی اس خبر کو مقدم کریں گے تو بتدا کا بتدا بننا صحیح ہوگا ورنہ وہ بتدا بتدا بن ہی نہیں سکتا، جیسے فِي الدَّارِ رَجُلٌ۔ فِي الدَّارِ رَجُلٌ کے اندر دیکھو فِي الدَّارِ

ہے خبرِ مقدم اور رَجُلٌ ہے بتدا موخر، اور رَجُلٌ تو نکرہ ہے اور آپ نے پڑھا ہے کہ نکرہ بغیر تخصیص کے بتدا نہیں بن سکتا تو پھر یہاں اس کے اندر کیسے تخصیص آئی؟ تخصیص کے چھ طریقے آپ نے پڑھے تھے تو یہاں تخصیص کیسے آئی؟ تخصیص بتقدیمِ خبر بھئی، یہ فِي الدَّارِ کو ہم نے مقدم کیا تو اس کی وجہ سے اس رَجُلٌ میں تخصیص آئی، اب اس کا بتدا بننا صحیح ہے۔ اگر یہ مقدم ہوتا رَجُلٌ فِي الدَّارِ پھر رَجُلٌ کا بتدا بننا صحیح ہی نہیں تھا کیونکہ اس میں تخصیص نہیں۔ تو اب دیکھو تقدیمِ خبر کی وجہ سے بتدا کا بتدا بننا صحیح ہے، تو اب لہٰذا خبر کو مقدم کرنا واجب ہے ورنہ تو بتدا کا بتدا بننا صحیح نہ رہے گا۔ یہ معنی ہے أَوْ كَانَ مُصَحِّحًا لَهُ یا وہ خبر جو ہے وہ بتدا کو صحیح کر رہی ہے یعنی اس کا بتدا ہونا، بتدا ہونے کو صحیح کر رہی ہے، مِثْلُ فِي الدَّارِ رَجُلٌ جیسے کہ فِي الدَّارِ رَجُلٌ بھئی۔

أَوْ كَانَ لِمُتَعَلِّقِهِ ضَمِيرٌ فِي الْمُبْتَدَأِ یا خبر کا جو متعلق ہے اس کے لیے کوئی ضمیر ہے فِي الْمُبْتَدَأِ کس کے اندر؟ بتدا۔ بھئی دیکھیے ایک ہے خبر، ایک ہے بتدا۔ بتدا کے اندر کوئی ضمیر ہے اور وہ ضمیر کس کو لوٹ رہی ہے؟ خبر کی طرف۔ توجہ ہے؟ تو اب بتدا کو اگر آپ مقدم رکھیں گے اور اس بتدا میں کس کی ضمیر؟ خبر کی، تو پھر تو یہ ضمیر پہلے آگئی خبر بعد میں آئے گی، تو یہ تو اضمار قبل الذکر ہے لفظاً بھی، لفظوں میں بھی خبر موخر اور رتبے کے اعتبار سے بھی خبر موخر، تو یہ اضمار قبل الذکر لازم آئے گا لفظاً بھی اور رتبتاً بھی اور یہ جائز نہیں۔ لہٰذا ایسی صورت میں جب بتدا کے اندر خبر کی کوئی ضمیر ہو یا یوں کہیں خبر کے متعلق کی کوئی ضمیر ہو تو پھر خبر کو مقدم کرنا واجب ہے۔ جیسے دیکھو، جیسے دیکھو مثال دے رہے ہیں مِثْلُ عَلَى التَّمْرَةِ مِثْلُهَا زُبْدًا۔ دیکھو یہ عَلَى التَّمْرَةِ یہ ہے خبرِ مقدم، توجہ ہے؟ عَلَى التَّمْرَةِ یہ ہے خبرِ مقدم اور مِثْلُهَا یہ ہے بتدا موخر اور یہ زُبْدًا یہ تمیز ہے بھئی۔ عَلَى التَّمْرَةِ ترجمہ سنو: عَلَى التَّمْرَةِ کھجور پر مِثْلُهَا هَاء ضمیر تَمْرَة کو راجع ہے، اسی کے مثل یعنی اسی کے برابر جو ہے زُبْدًا مکھن ہے، زُبْدًا کسے کہتے ہیں؟ مکھن کو کہتے ہیں۔ عرب کا طریقہ یہ تھا کہ ان کے پاس جب کوئی مہمان آتے خاص مہمان تو پھر وہ کھجوروں کو کاٹ کر اس میں سے گٹھلی نکال دیتے اور پھر اس ہر کھجور پر اسی کی مقدار کے برابر مکھن رکھ کر مہمانوں کو پیش کیا جاتا تھا بھئی۔ تو یہ کہتے ہیں عَلَى التَّمْرَةِ مِثْلُهَا زُبْدًا کھجور پر اسی کے برابر مکھن ہے، کھجور پر اسی کے برابر مکھن ہے۔ تو عَلَى التَّمْرَةِ کیا ہے؟ خبرِ مقدم اور مِثْلُهَا کیا ہے؟ بتدا موخر اور زُبْدًا یہ ہے تمیز، تمیز کسے کہتے ہیں؟ جو ابہام کو دور کرے، تو دیکھو مِثْلُهَا میں ابہام تھا، کھجور پر اسی کے برابر ہے، بھئی کیا چیز ہے اس کے برابر؟ تو آگے زُبْدًا نے آکر ابہام دور کیا کہ مکھن ہے بھئی، وہ مثل کیا ہے؟ مکھن ہے بھئی۔ تو یہ مثل سے تمیز واقع ہے بھئی زُبْدًا۔ اب دیکھو مِثْلُهَا یہ ہے بتدا اور اس کے ساتھ هَاء ضمیر جڑی ہوئی ہے اور یہ هَاء ضمیر کس کو راجع؟ التَّمْرَة کو راجع ہے اور التَّمْرَة یہ خبر کا متعلق ہے۔ خبر کیا ہے؟ خبر عَلَى التَّمْرَةِ ہے، تَمْرَة نہیں خبر عَلَى التَّمْرَةِ خبر ہے۔ تو یہ تَمْرَة خبر سے متعلق ہے بھئی، خبر نہیں ہے بلکہ خبر سے متعلق ہے، تو دیکھو مِثْلُهَا بتدا کے اندر ایک ضمیر ہے جو کس کو راجع؟ خبر کے متعلق کو راجع ہے۔

توجہ ہے؟ تو اس صورت میں بھی خبر کو مقدم کرنا واجب ہے ورنہ اضمار قبل الذکر کی خرابی لازم آئے گی۔

تو کہتے ہیں أَوْ لِمُتَعَلِّقِهِ ضَمِيرٌ یا خبر کے متعلق کی کوئی ایسی ضمیر ہے فِي الْمُبْتَدَأِ جو کس کے اندر ہے؟ خبر کے متعلق کی کوئی ضمیر ہے کس کے اندر؟ مبتدا کے اندر کوئی ضمیر ہے خبر کے متعلق کی، مِثْلُ عَلَى التَّمْرَةِ مِثْلُهَا زُبْدًا کھجور پر اسی کے مثل مکھن ہے۔ أَوْ كَانَ خَبَرًا عَنْ أَنَّ یا وہ خبر ہو أَنَّ سے، وہ خبر ہو أَنَّ سے۔ بھئی یاد رکھو ایک ہے أَنَّ اور ایک ہے إِنَّ، یہ دونوں مبتدا اور خبر پر داخل ہوتے ہیں لیکن فرق یہ ہے کہ إِنَّ کے داخل ہونے کے بعد بھی وہ جملہ جملہ ہی رہتا ہے، زَيْدٌ قَائِمٌ اس پر إِنَّ آیا إِنَّ زَيْدًا قَائِمٌ، إِنَّ نے اپنے اسم کو نصب دیا اور خبر کو رفع۔ إِنَّ زَيْدًا قَائِمٌ، اچھا پہلے کیا ترجمہ تھا زَيْدٌ قَائِمٌ؟ زید کھڑا ہے۔ اب إِنَّ زَيْدًا قَائِمٌ کیا ترجمہ ہے؟ اب کیا ترجمہ؟ تاکید آگئی، کلام میں کیا آگئی؟

تاکید آگئی۔ تو بعض اس کا ترجمہ بے شک کے ساتھ کر دیتے ہیں: بے شک زید کھڑا ہے یا یقیناً زید کھڑا ہے۔ یا لفظوں میں بھی ذکر کرنے کی ضرورت نہیں ہے، بس اتنا یاد رکھیں ایک ہے زَيْدٌ قَائِمٌ، ایک ہے إِنَّ زَيْدًا قَائِمٌ۔ تو إِنَّ زَيْدًا قَائِمٌ کا بھی وہی ترجمہ ہے جب اس، لیکن اس کے اندر تاکید ہے، ذرا بات کے اندر زور ہے۔ جیسے آپ قسم کھاتے ہیں، کوئی کسی شخص کے سامنے آپ کوئی بات ذکر کریں اور وہ آپ کی بات نہ مانے تو پھر آپ قسم اٹھاتے ہیں یعنی قسم کے ذریعے دیکھو آپ اپنے کلام میں زور پیدا کر دیتے ہیں۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو اسی طرح یہ إِنَّ بھی کیا کرتا ہے کلام کے اندر زور پیدا کرتا ہے اور جملہ جملہ ہی رہتا ہے۔ زَيْدٌ قَائِمٌ پہلے بھی جملہ تھا اور إِنَّ لے آئے إِنَّ زَيْدًا قَائِمٌ اب بھی یہ کیا ہے؟ جملہ ہے۔ جبکہ أَنَّ یاد رکھو، أَنَّ یہ جملے کو مفرد بنا دیتا ہے، اور یاد رکھو یہ جو أَنَّ ہے یہ حرفِ مصدر ہے۔ یہی جو حرفِ مشبہ بالفعل أَنَّ ہے یہ حرفِ مصدر بھی ہے، یہ جملے کو مفرد بنا دیتا ہے یعنی مصدر کے معنی میں کر دیتا ہے۔ زَيْدٌ قَائِمٌ اس پر ذرا أَنَّ لے آئیں، کیا بن گیا؟ أَنَّ زَيْدًا قَائِمٌ۔ ترجمہ کیجیے۔ أَنَّ زَيْدًا قَائِمٌ، عموماً طلبہ ترجمہ اس کا بھی یہی ترجمہ کرتے ہیں زید کھڑا ہے۔ نہیں بھئی، یہ جو زَيْدٌ قَائِمٌ تھا یہ تو جملہ تھا لیکن جب اس پر أَنَّ داخل ہوا اس نے اس کو مفرد بنا دیا اور مفرد بنانے کا طریقہ پھر یاد رکھو کہ خبر کا مصدر نکالیں اور اس کو أَنَّ کے اسم کی طرف مضاف کر دیں۔ أَنَّ زَيْدًا قَائِمٌ، أَنَّ کا اسم کیا؟ زَيْدٌ، اور أَنَّ کی خبر کیا؟ قَائِمٌ۔ اس خبر کا مصدر نکالیں، قَائِمٌ کا مصدر کیا؟ قِيَامٌ۔ اور اس قِيَامٌ کی اضافت کر دیں أَنَّ کے اسم کی طرف یعنی زید کی طرف، تو کیا بن گیا؟ قِيَامُ زَيْدٍ۔ تو آپ قِيَامُ زَيْدٍ کہہ لیں یا آپ أَنَّ زَيْدًا قَائِمٌ کہہ لیں، دونوں کا ایک ہی معنی ہے۔ تو أَنَّ زَيْدًا قَائِمٌ کا کیا معنی؟ قِيَامُ زَيْدٍ زید کا قیام۔ دیکھو اب جملہ نہیں ہے۔ آپ کسی کے سامنے سارا دن کہتے رہیں أَنَّ زَيْدًا قَائِمٌ زید کا قیام، زید کا قیام، أَنَّ زَيْدًا قَائِمٌ، وہ کہے گا بھئی بات تو پوری کریں۔ أَنَّ زَيْدًا قَائِمٌ زید کے قیام کو کیا ہوا ہے بھئی؟ وہ اچھا ہے، برا ہے، ہونا چاہیے، نہیں ہونا چاہیے، بات آپ پوری نہیں کر رہے۔ تو یہ أَنَّ کیا کرتا ہے؟ جملے کو مصدر بنا دیتا ہے، مفرد کے حکم میں کر دیتا ہے، اور طریقہ کیا ہے؟ خبر کا مصدر نکالیں اور أَنَّ کے اسم کی طرف اس کی اضافت کر دیں۔ تو أَنَّ زَيْدًا قَائِمٌ کہہ لیں یا قِيَامُ زَيْدٍ کہہ لیں، ایک ہی بات ہے۔

دوسری مثال لے لیں: أَنَّ زَيْدًا فِي الدَّارِ، أَنَّ زَيْدًا فِي الدَّارِ۔ اب اس أَنَّ نے زَيْدٌ فِي الدَّارِ کو مفرد بنا دیا ہے۔ أَنَّ زَيْدًا فِي الدَّارِ، جی اب کیا کریں گے؟ اس کو مفرد بنائیں، کیسے بنائیں گے مفرد؟ خبر کا مصدر نکالیں گے اور خبر تو آپ کہیں گے فِي الدَّارِ جار مجرور ہے۔ بھئی جار مجرور کس سے متعلق ہوتے ہیں؟ ثَبَتَ یا ثَابِتٌ سے۔ تو گویا اصل کلام یوں ہے أَنَّ زَيْدًا ثَبَتَ فِي الدَّارِ، تو یہ ثَبَتَ خبر ہے تو اس ثَبَتَ کا مصدر نکال لیں: ثُبُوتٌ بھئی۔ اور اس ثُبُوتٌ کی اضافت کر دیں أَنَّ کے اسم کی طرف یعنی زید کی طرف، تو کیا بن گیا؟ ثُبُوتُ زَيْدٍ، اور جار مجرور ویسے ہی ساتھ ذکر کر دیں: ثُبُوتُ زَيْدٍ فِي الدَّارِ، زید کا گھر میں ہونا۔ دیکھو بات پوری نہیں ہے۔ زید کا گھر میں ہونا۔ تو خبر کا مصدر نکالا کریں، اس کو أَنَّ کے اسم کی طرف مضاف کر دیا کریں اور آگے جار مجرور مفعول وغیرہ جو چیزیں ذکر ہوں وہ ساتھ ویسے ہی لگا دیا کریں، اور ترجمہ مفرد والا کرنا ہے۔ تو أَنَّ زَيْدًا فِي الدَّارِ یہ کس معنی میں ہوا؟ ثُبُوتُ زَيْدٍ فِي الدَّارِ، اور اردو میں کیسے ترجمہ کریں گے؟ زید کا گھر میں ہونا۔ دیکھو مصدر والا میں ترجمہ کر رہا ہوں۔ اب آپ کسی کو سارا دن کہیں زید کا گھر میں ہونا، زید کا گھر میں ہونا، وہ کہے گا بات تو پوری کریں آپ بات پوری نہیں کر رہے، زید کا گھر میں ہونا اچھا ہے، برا ہے، ہونا چاہیے، نہیں ہونا چاہیے، بات پوری کریں بھئی۔

یاد رکھو حروفِ مصدر تین ہیں: أَنْ، مَا، اور أَنَّ۔ أَنْ اور مَا یہ فعل پر داخل ہوتے ہیں اور اس فعل کو یعنی جملہ فعلیہ کو مصدر کے معنی میں کر دیتے ہیں، جبکہ أَنَّ جو ہے یہ حرفِ مشبہ بالفعل ہے اور آپ نے پڑھا ہے کہ یہ جو حروفِ مشبہ بالفعل ہیں یہ مبتدا خبر پر داخل ہوتے ہیں، تو یوں کہو یہ أَنَّ جو ہے جملہ اسمیہ پر داخل ہوتا ہے اور یہ اس جملہ اسمیہ کو مصدر بنا دیتا ہے۔ تو أَنْ اور مَا جملہ فعلیہ کو مصدر بناتے ہیں اور أَنَّ جملہ اسمیہ کو مصدر بنا دیتا ہے۔ تو یہ جو أَنَّ ہے یہ خبر کو مفرد بنا دیتا ہے اور بعض اوقات پھر یہ مبتدا بنتا ہے، وہ مفرد کیا بن جاتا ہے؟ مبتدا بن جاتا ہے۔ تو اس صورت میں جو خبر ہے اس کو مقدم کرنا واجب ہے، خبر کو مقدم کرنا واجب، جیسے یہ مثال دیکھو کتاب کے اندر اس کی ترکیب بھی دیکھو پھر آپ کو بات پوری سمجھ میں آ جائے گی۔

جیسے دیکھو عِنْدِي أَنَّكَ قَائِمٌ، مثال مل گئی؟ عِنْدِي، یہ عِنْدِي یہ عِنْدَ کیا ہے؟ یہ ظرفِ حقیقی ہے۔ عِنْدَ کا معنی پاس اور قریب، پاس اور قریب ہونا اور دور ہونا یہ جگہ کے اعتبار سے ہوتا ہے، تو یہ ظرفِ مکان ہے۔ تو عِنْدِي یہ ہے خبرِ مقدم اور أَنَّكَ قَائِمٌ اس کو ذرا مفرد بنائیں، أَنَّكَ قَائِمٌ۔ أَنَّكَ قَائِمٌ، أَنَّ کی خبر کیا؟ قَائِمٌ، اور اس سے مصدر بنا لیں: قِيَامٌ۔ اور اس أَنَّ کا جو اسم ہے اس کی طرف اس کی اضافت کر دیں: قِيَامُكَ، قِيَامُكَ۔ تو یہ قِيَامُكَ یہ ہے مبتدا، یہ کیا ہے؟ أَنَّكَ قَائِمٌ اس أَنَّ نے اس کو مفرد یعنی قِيَامُكَ کے معنی میں کر دیا، تو گویا اصل کلام یوں ہے عِنْدِي قِيَامُكَ، میرے پاس ہے قِيَامُكَ آپ کا قیام۔ تو قِيَامُكَ یہ کیا ہے؟ مبتدا، اور عِنْدِي یہ کیا ہے؟ ظرف، اور میں نے آپ کو بتلایا تھا ظرف جب بھی کلام میں آئے یہ خبر تو بن سکتا ہے، مبتدا یا أَنَّ یا إِنَّ کا اسم یا كَانَ کا اسم نہیں بن سکتا یعنی مسند الیہ نہیں بن سکتا خبر بن سکتا ہے۔ تو یہ عِنْدِي خبرِ مقدم ہے اور أَنَّكَ قَائِمٌ قِيَامُكَ کے معنی میں یہ مبتدا موخر ہے۔ تو دیکھو یہ عِنْدِي خبر ہے، کس سے خبر ہے؟ أَنَّ سے خبر ہے،

یہ أَنَّكَ قَائِمٌ یہ سارا کیا ہے؟ مبتدا، تو یوں کہیں گے یہ عِنْدِي خبر ہے کس سے؟ أَنَّ سے۔ لہٰذا اس عِنْدِي کو مقدم کرنا واجب، موخر نہیں کر سکتے بھئی، موخر نہیں کر سکتے، وجہ یہ کہ اگر آپ عِنْدِي کو موخر کر دیں اور یوں کہیں أَنَّكَ قَائِمٌ عِنْدِي، تو سننے والا یا پڑھنے والا سمجھے گا کہ شاید یہ أَنَّ نہیں ہے بلکہ إِنَّ ہے، کیونکہ کلام کے شروع میں إِنَّ آتا ہے، کلام کے درمیان میں أَنَّ آتا ہے اور شروع میں إِنَّ۔ تو آپ جب أَنَّ کو شروع میں لے آئے تو سننے یا پڑھنے والا کیا سمجھے گا یہ إِنَّ ہے، توجہ ہے؟ یہ إِنَّ ہے بھئی حالانکہ یہ تو إِنَّ نہیں ہے بلکہ أَنَّ ہے۔ تو جب أَنَّ سے کوئی خبر آئے تو اس خبر کو مقدم کرنا واجب ہے، اگر اس کو مقدم نہیں کریں گے موخر کریں گے تو پھر أَنَّ کا التباس لازم آئے گا کس کے ساتھ؟ إِنَّ کے ساتھ۔

تو کہتے ہیں أَوْ كَانَ خَبَرًا عَنْ أَنَّ یا وہ خبر جو ہے أَنَّ سے خبر ہو مِثْلُ عِنْدِي أَنَّكَ قَائِمٌ جیسے کہ، جیسے کہ عِنْدِي أَنَّكَ قَائِمٌ۔ وَجَبَ تَقْدِيمُهُ تو ان تمام صورتوں میں واجب ہے خبر کو مقدم کرنا۔ بات سمجھ میں آگئی؟

جی اب شرح کے ساتھ سارے کو دیکھیے بھئی۔ کہتے ہیں وَإِذَا تَضَمَّنَ الْخَبَرُ الْمُفْرَدُ جب متضمن ہو یعنی مشتمل ہو وہ خبر، تضمن کا معنی مشتمل، مشتمل ہونا۔ پیچھے کیا کہا تھا؟ پیچھے کیا کہا تھا؟ إِذَا كَانَ الْمُبْتَدَأُ مُشْتَمِلًا، اور یہاں پر تضمن کا لفظ استعمال کیا، یہ صرف تفنن کے لیے۔ کس لیے؟ تفنن کے لیے۔ تفنن کسے کہتے ہیں؟ کہ عبارت کا انداز بدل دینا، ایک ہی بات ہے لیکن ایک جگہ ایک لفظ کے ساتھ ذکر کریں اور دوسری جگہ دوسرے لفظ کے ساتھ، اس سے کلام کی لذت بڑھ جاتی ہے، وہی لفظ بار بار آپ استعمال کریں گے تو اس میں وہ لذت نہیں ہے، تو اس کو کہتے ہیں تفنن۔ یعنی ایک معنی آپ ادا کر چکے ہیں اب دوسری جگہ دوسرے لفظ کے ساتھ اسی معنی کو ادا کریں یعنی عبارت نئی عبارت لے آئیں، اس کو کیا کہتے ہیں؟ تفنن بھئی۔ تو کہتے ہیں وَإِذَا تَضَمَّنَ الْخَبَرُ الْمُفْرَدُ اور جب متضمن ہو یعنی مشتمل ہو وہ خبر جو مفرد ہے، جو مفرد ہے۔

میں نے آپ کو بتلایا أَيْنَ زَيْدٌ، أَيْنَ زَيْدٌ اس کے لیے أَيْنَ کے لیے کیا نکالیں گے؟ ثَبَتَ۔ تو یہ تو پھر اس صورت میں جملہ ہے بھئی، اور ابھی صاحبِ کافیہ نے پیچھے بتایا تھا کہ خبر جب ظرف واقع ہو تو اس کی تاویل جملہ کے ساتھ کی جائے گی یعنی وہاں فعل مقدر ہو گا بھئی، فعل۔ تو لہٰذا اس صورت میں أَيْنَ زَيْدٌ پر اشکال ہوتا ہے کہ یہاں تو ثَبَتَ نکالیں گے، جب ثَبَتَ نکالیں گے تو یہ تو فعل ہو گیا اور آپ نے تو ہمیں کیا کہا؟ جب خبر مفرد ہو، جب مفرد خبر متضمن ہو ایسے معنی کو جو صدارتِ کلام کو چاہتا ہو۔ آپ نے جو آگے مثال ذکر کی وہ مثال آپ کی ممثل لہ کے مطابق نہیں۔ ممثل لہ کیا ہے؟ وہ خبر جو مفرد ہو اور مثال کیا ہے؟ أَيْنَ زَيْدٌ، اس میں تو أَيْنَ جملہ ہے۔ تو صاحبِ جامی آگے اسی کا جواب دے رہے ہیں أَيِ الَّذِي لَيْسَ بِجُمْلَةٍ صُورَةً مفرد سے وہ خبر مراد ہے جو صورت کے اعتبار سے جملہ نہ ہو، اور أَيْنَ یہ بھی حقیقت کے اعتبار سے بے شک جملہ بنا لیں لیکن صورت کے اعتبار سے یہ جملہ نہیں ہے مفرد ہے۔

أَيِ الَّذِي لَيْسَ بِجُمْلَةٍ صُورَةً یعنی وہ خبر جو صورت کے اعتبار سے جملہ نہ ہو، سَوَاءٌ كَانَ بِحَسَبِ الْحَقِيقَةِ جُمْلَةً أَوْ غَيْرَ

جُمْلَةٍ برابر ہے کہ حقیقت کے اعتبار سے وہ جملہ ہو یا نہ ہو یعنی حقیقت کی بات نہیں ہو رہی بلکہ صورت کی بات ہو رہی ہے، صورت کے اعتبار سے جو خبر مفرد ہو۔ تو کہتے ہیں جب خبرِ مفرد متضمن ہو مَا لَهُ صَدْرُ الْكَلَامِ أَيْ مَعْنًى وَجَبَ لَهُ صَدْرُ الْكَلَامِ یعنی ایسے معنی پر جس کے لیے صدارتِ کلام واجب ہے، كَالِاسْتِفْهَامِ جیسے کہ استفہام ہے، مِثْلُ أَيْنَ زَيْدٌ جیسے کہ أَيْنَ زَيْدٌ۔ فَزَيْدٌ مُبْتَدَأٌ تو زید جو ہے وہ بتدا ہے وَأَيْنَ اسْمٌ مُتَضَمِّنٌ لِلِاسْتِفْهَامِ خَبَرُهُ اور أَيْنَ ایسا اسم ہے جو متضمن ہے استفہام کو، خَبَرُهُ وہ اس کی خبر ہے، وَهُوَ ظَرْفٌ اور یہ أَيْنَ کیا ہے؟ یہ ظرف ہے۔ فَإِنْ قُدِّرَ بِفِعْلٍ اگر اس کی تقدیر فعل کے ساتھ کی جائے تو كَانَ الْخَبَرُ جُمْلَةً حَقِيقَةً تو یہ خبر جو ہے حقیقت کے اعتبار سے جملہ ہے مُفْرَدًا صُورَةً، صورت کے اعتبار سے مفرد ہے۔ وَإِنْ قُدِّرَ بِاسْمِ الْفَاعِلِ اور اگر اس کی تقدیر اسمِ فاعل کے ساتھ کی جائے تو كَانَ الْخَبَرُ مُفْرَدًا صُورَةً تو یہ خبر صورت کے اعتبار سے بھی مفرد ہے وَحَقِيقَةً اور حقیقت کے اعتبار سے بھی مفرد ہے۔ وَعَلَى التَّقْدِيرَيْنِ اور دونوں تقدیروں پر، بھئی ایک صورت میں ثَبَتَ نکالا ایک میں ثَابِتٌ۔ ثَبَتَ نکالیں گے تو حقیقتاً جملہ لیکن صورتاً أَيْنَ مفرد ہے۔ اور ثَابِتٌ نکالیں تو حقیقتاً بھی مفرد اور صورتاً جو أَيْنَ ہے وہ بھی مفرد دونوں، تو دونوں تقدیروں پر أَيْنَ صورتاً مفرد ہی ہے۔ ایک صورت میں حقیقتاً جملہ ہے ایک صورت میں حقیقتاً بھی مفرد ہے لیکن بہرحال دونوں تقدیروں میں صورتاً کیا ہے وہ؟ مفرد ہی ہے۔

تو کہتے ہیں وَعَلَى التَّقْدِيرَيْنِ لَيْسَ بِجُمْلَةٍ صُورَةً اور دونوں تقدیروں پر یہ صورتاً جملہ نہیں ہے وَاحْتَرَزَ بِهِ عَنْ نَحْوِ زَيْدٌ أَيْنَ أَبُوهُ اور احتراز کیا اس کے ذریعے زَيْدٌ أَيْنَ أَبُوهُ جیسی مثالوں سے۔ زَيْدٌ أَيْنَ أَبُوهُ ذرا اس جملے پہ نظر رکھیں ترکیب سنیں: زَيْدٌ مرفوع لفظاً بتدا۔ أَيْنَ أَبُوهُ ترکیب کیجیے آگے، أَيْنَ، أَيْنَ شاباش، یہ أَيْنَ أَبُوهُ پورا جملہ ہے، جیسے أَيْنَ زَيْدٌ تھا نا اسی طرح یہاں پر بھی أَيْنَ کو خبرِ مقدم بنائیں گے اور أَبُوهُ کو بتدا موخر، اور یہ بتدا خبر مل کر یہ پورا جملہ خبر بنے گا کس کے لیے؟ زَيْدٌ بتدا کے لیے۔ توجہ ہے؟ ترکیب سنو: زَيْدٌ مرفوع لفظاً بتدا، أَيْنَ جو ہے یہ منصوب محلاً مفعول فیہ ہوا ثَبَتَ فعل کے لیے، ثَبَتَ فعل اس کے اندر هُوَ ضمیر مرفوع محلاً اس کا فاعل جو کس کو راجع ہے؟ زید، أَبُوهُ، ہاں یہ أَيْنَ خبر ہے أَبُوهُ کی تو اس أَيْنَ کو کس سے جوڑنا ہے؟ أَبُوهُ سے، تو فعل اپنے فاعل اور مفعول فیہ سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر خبرِ مقدم، اور أَبُوهُ، أَبُو مرفوع لفظاً مضاف، أَبُو مرفوع کیوں؟ کیونکہ یہ بتدا ہے، یہ کیا ہے؟ بتدا ہے أَيْنَ کے لیے، اور هَاء ضمیر مجرور محلاً مضاف الیہ اور یہ راجع ہے زید کو، یہ اس پورے جملے کو أَيْنَ أَبُوهُ یہ جو سارا جملہ ہے اس کو یہ ضمیر ربط دے رہی ہے زید کے ساتھ۔ بات سمجھ میں آ رہی ہے؟ صاحبِ جامی اور صاحبِ کافیہ جتنی مثالیں ذکر کر رہے ہیں اس میں یہ أَبُوهُ ذکر کرتے ہیں، أَبُوهُ کی جگہ عَمْرٌو یا خَالِدٌ وغیرہ نہیں کہتے کیونکہ ضمیر چاہیے اس کے بغیر ربط نہیں آئے گا۔ تو أَبُوهُ کے اندر هَاء ضمیر یہ زَيْدٌ بتدا کو راجع۔ تو أَبُوهُ مضاف مضاف الیہ مل کر یہ بتدا موخر۔ بتدا اپنی خبرِ مقدم یعنی أَيْنَ سے مل کر جملہ اسمیہ انشائیہ ہو کر یہ خبر کس کے لیے؟ زید کے لیے۔ توجہ ہے؟ زید کے لیے، اور بتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔

تو یہاں پہلے تو یہ یاد رکھیں کہ زَيْدٌ بتدا ہے اور أَيْنَ أَبُوهُ یہ پورا جملہ اس کی خبر ہے۔ اب اس کے اندر دیکھو أَيْنَ استفہام

کے معنی پر مشتمل ہے۔ تو اب آپ یہ اشکال نہ کریں کہ یہ زید کو أَيْنَ پر کیوں مقدم کیا؟ أَيْنَ کو مقدم ہونا چاہیے تھا کیونکہ أَيْنَ استفہام کے معنی پر مشتمل ہے۔ تو جواب یہ کہ یہ أَيْنَ یہ جز ہے أَيْنَ أَبُوهُ اس جملے کا اور اس جملے کے اندر اس کے لیے دیکھو صدارتِ کلام آگئی ہے بھئی۔ أَيْنَ أَبُوهُ۔

أَبُوهُ اس کے اندر یہ جو أَيْنَ ہے یہ دیکھو اس پورے جملے کے شروع میں ہے۔ تو جس جملے کا یہ جز ہے اس جملے کے اندر یہ، اس کو جملے کے شروع میں ذکر کیا گیا ہے، اس کے لیے صدارتِ کلام ہے بھئی۔ تو لہٰذا یہ جو مُفْرَدٌ کہا نا، مفرد اس کے ذریعے اس جیسی مثالوں سے احتراز ہے۔ زَيْدٌ أَيْنَ أَبُوهُ یہ زَيْدٌ کی خبر أَيْنَ أَبُوهُ پورا جملہ ہے اور انہوں نے تو کیا کہا تھا؟ خبر جب مفرد ہو اور وہ متضمن ہو کس کو؟ استفہام کے معنی میں تو اس خبر کو مقدم کرنا واجب ہے۔ اب یہاں پر أَيْنَ أَبُوهُ یہ خبر ہے پوری اور کس کے لیے خبر ہے؟ زید کے لیے تو أَيْنَ أَبُوهُ یہ بھی استفہام کے معنی پر مشتمل ہے اس کو بھی کیا کرنا چاہیے تھا؟ صدارتِ کلام اس کے لیے ہونی چاہیے تھی۔ کہتے ہیں نہیں بھئی، صاحبِ کافیہ نے متن میں کیا قید لگائی؟ وہ خبر کیا ہو؟ مفرد ہو۔ اور یہ أَيْنَ أَبُوهُ یہ تو مفرد نہیں ہے یہ تو پورا جملہ ہے تو اس جیسی مثالوں سے احتراز کیا، اس أَيْنَ أَبُوهُ کو زَيْدٌ پر مقدم کرنا واجب نہیں کیونکہ یہ مفرد نہیں ہے، یہ خبر جملہ ہے بھئی، اس کو پہلے ہی صدارتِ کلام حاصل ہو چکی ہے، یہ أَيْنَ کس کا جز ہے؟ أَيْنَ أَبُوهُ کا جز ہے اور اس جملے میں یہ مقدم ہے بتدا پر۔

تو کہتے ہیں وَاحْتَرَزَ بِهِ عَنْ نَحْوِ زَيْدٌ أَيْنَ أَبُوهُ تو یہ جو مفرد کی قید لگائی اس کے ذریعے احتراز کیا صاحبِ کافیہ نے زَيْدٌ أَيْنَ أَبُوهُ جیسی مثالوں سے، إِذْ لَا تَبْطُلُ بِتَأْخِيرِهِ اس لیے کیونکہ باطل نہیں ہوتا اس کو موخر کرنے سے۔ زَيْدٌ أَيْنَ أَبُوهُ اس کے اندر یہ أَيْنَ أَبُوهُ خبر کو کیا کیا گیا؟ موخر کیا گیا تو اس کی تاخیر سے اس کی صدارت باطل نہیں ہوتی۔ کہتے ہیں إِذْ لَا تَبْطُلُ بِتَأْخِيرِهِ کیونکہ اس خبر کو موخر کرنے کی وجہ سے باطل نہیں ہوتی صَدَارَةُ مَا لَهُ صَدْرُ الْكَلَامِ صدارت اس شے کی جس کے لیے صدارتِ کلام ثابت ہے لِتَصَدُّرِهِ فِي جُمْلَتِهِ بوجہ اس کے شروع میں آنے کے فِي جُمْلَتِهِ اپنے جملے میں، کیونکہ یہ اپنے جملے کے اندر شروع میں آرہا ہے زَيْدٌ أَيْنَ أَبُوهُ، یہ أَيْنَ جو ہے أَيْنَ أَبُوهُ یہ اپنے جملے کے اندر یہ شروع میں آرہا ہے۔ معنی سمجھ میں آگیا؟ لِتَصَدُّرِهِ فِي جُمْلَتِهِ بوجہ اس کے شروع میں آنے کے فِي جُمْلَتِهِ اپنے جملے میں، کہ یہ اپنے جملے میں یعنی یہ جس جملے کا جز ہے اس کے اندر یہ شروع میں ہی آرہا ہے۔

یہاں ایک اور قیمتی بات یاد رکھنا، زَيْدٌ أَيْنَ أَبُوهُ۔ زَيْدٌ ہے بتدا اور أَيْنَ أَبُوهُ ہے اس کی خبر، اور أَيْنَ أَبُوهُ یہ پوری خبر جملہ انشائیہ ہے کیونکہ استفہام ہے۔ اور یاد رکھو جملہ انشائیہ جو ہے وہ خبر نہیں بنتا، جملہ انشائیہ خبر نہیں بنتا۔ یہ خبر نہیں بنتا لیکن یہاں تو جملہ انشائیہ خبر بن رہا ہے زَيْدٌ بتدا ہے اور أَيْنَ أَبُوهُ پورا جملہ انشائیہ اس کی خبر ہے۔ تو یاد رکھو جب بھی جملہ انشائیہ خبر واقع ہو تو اس کے اندر تاویل کی جاتی ہے، کیا کی جاتی ہے؟ تاویل کی جاتی ہے مَقُولٌ فِي حَقِّهِ کی۔ کس کی تاویل کی جاتی ہے؟ مَقُولٌ فِي حَقِّهِ، یہ ذرا لکھیں اپنے سامنے کاپی پر بھئی، لکھیں بھئی زَيْدٌ مَقُولٌ فِي حَقِّهِ، فِي حَقِّهِ آگے وہ جملہ

لکھ دو جو جملہ انشائیہ تھا یعنی أَيْنَ أَبُوهُ، أَيْنَ أَبُوهُ۔ کیا کلام بن گیا؟ زَيْدٌ مَقُولٌ فِي حَقِّهِ أَيْنَ أَبُوهُ۔ ترکیب کیسے ہوگی؟ زَيْدٌ مبتدا اور یہ مَقُولٌ یہ خبر بن گئی۔ مَقُولٌ خبر بن گئی اور مَقُولٌ یہ اسمِ مفعول ہے اور اسمِ مفعول کے لیے کیا چاہیے؟ نائب الفاعل، تو وہ جو آگے جملہ انشائیہ تھا وہ اس کے لیے نائب الفاعل بن گیا وہ اس کا مقولہ ہے۔ میں نے بتایا تھا قَالَ کے بعد جو بات کی جائے وہ بات دراصل کیا ہوتی ہے اس کے لیے؟ مفعول بہ، قُلْتُ لِزَيْدٍ، قُلْتُ لِزَيْدٍ جَاءَ بَكْرٌ۔ تو یہ جَاءَ بَكْرٌ یہ مقولہ ہے کس کے لیے؟ قُلْتُ کے لیے اور یہ مقولہ مفعول بہ ہوتا ہے اور پھر فعلِ مجہول لائیں گے تو یہی نائب فاعل بن جائے گا۔ تو لہٰذا یہاں پر بھی یہ مَقُولٌ اس کو ہم نے خبر بنا دیا کیونکہ جملہ انشائیہ خبر نہیں بنتا، اور وہ جو جملہ انشائیہ تھا اس کو اس کا مقولہ بنا دیا۔ توجہ ہے؟ اب ترکیب سنو: زَيْدٌ مرفوع لفظاً مبتدا، یہ مرفوع ہے کیوں؟ مبتدا ہے۔ مَقُولٌ مرفوع لفظاً صیغہ اسمِ مفعول، مرفوع کیوں؟ کیونکہ خبر ہے، یہ اب خبر بن گئی، اور فِي حَقِّهِ، فِي جارہ حَقِّهِ یہ مضاف مضاف الیہ کر مل کر مجرور، اور هَاء ضمیر کس کو راجع؟ حَقِّهِ کی هَاء ضمیر زید کو راجع، کس کو راجع؟ کیونکہ آپ نے پڑھا ہے جملے یا شبہِ جملے کو جس چیز سے بھی جوڑنا ہو درمیان میں ربط ضروری ہے، یہ ربط دے رہی ہے مبتدا کے ساتھ۔ تو فِي حَقِّهِ جار مجرور مل کر کس سے متعلق؟ مَقُولٌ سے، اور آگے أَيْنَ أَبُوهُ یہ پورا جملہ محلاً مرفوع نائب الفاعل ہے کس کے لیے؟ مَقُولٌ کے لیے۔ مَقُولٌ اسمِ مفعول اپنے نائب فاعل اور متعلق سے مل کر شبہِ جملہ ہو کر یہ خبر زَيْدٌ کے لیے، مبتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔ تو یہ ہمیشہ یاد رکھنا جب بھی جملہ انشائیہ خبر واقع ہو تو وہ خبر نہیں بن سکتا پھر وہاں کیا تاویل کی جاتی ہے؟ مَقُولٌ فِي حَقِّهِ۔ ترجمہ سنو: زَيْدٌ مَقُولٌ فِي حَقِّهِ أَيْنَ أَبُوهُ زید کہ اس کے بارے میں کہا گیا ہے أَيْنَ أَبُوهُ کہ وہ کہاں ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟

آگے دیکھیے بھئی، أَوْ كَانَ الْخَبَرُ بِتَقْدِيمِهِ مُصَحِّحًا لَهُ یا وہ جو خبر ہے وہ اپنے مقدم کرنے کی وجہ سے مُصَحِّحًا لَهُ أَيْ لِلْمُبْتَدَإِ وہ درست کرنے والی ہے مبتدا کو یعنی اس کے مبتدا کا مبتدا ہونا اس کو صحیح کر دیتی ہے خبر تقدیم کی وجہ سے۔ تو کہتے ہیں أَوْ كَانَ الْخَبَرُ بِتَقْدِيمِهِ مُصَحِّحًا لَهُ أَيْ لِلْمُبْتَدَإِ یا وہ خبر جو ہے اپنی تقدیم کی وجہ سے مبتدا کو صحیح کرنے والی ہے مِنْ حَيْثُ إِنَّهُ مُبْتَدَأٌ اس حیثیت سے کہ وہ مبتدا ہے، یعنی مبتدا کو مبتدا ہونے کی حیثیت سے صحیح کرنے والی ہے مبتدا کی ذات کے اعتبار سے نہیں۔ بھئی آپ خبر کو مقدم کریں گے فِي الدَّارِ رَجُلٌ تو کیا فِي الدَّارِ رَجُلٌ کو مقدم کرنے کی وجہ سے رَجُلٌ کی ذات صحیح ہو جائے گی یا اس کا مبتدا ہونا صحیح ہو جائے گا؟ اس کا مبتدا ہونا صحیح ہو جائے گا۔ تو خبر صحیح کرنے والی ہے مبتدا کو مِنْ حَيْثُ إِنَّهُ مُبْتَدَأٌ اس حیثیت سے کہ وہ مبتدا ہے یعنی اس کی ذات کے اعتبار سے نہیں بلکہ اس کے، اس کے مبتدا ہونے کے، اس حیثیت سے اس کو صحیح کرنے والی ہے۔ فَبِتَقْدِيمِهِ يَصِحُّ وُقُوعُهُ مُبْتَدَأً تو اس خبر کے مقدم کرنے کی وجہ سے صحیح ہوگا وُقُوعُهُ مُبْتَدَأً اس کا مبتدا واقع ہونا، اس مبتدا کا مبتدا واقع ہونا صحیح ہوگا، مِثْلُ فِي الدَّارِ رَجُلٌ جیسے کہ فِي الدَّارِ رَجُلٌ۔ فَإِنَّ فِي الدَّارِ خَبَرٌ تَخَصَّصَ الْمُبْتَدَأُ، دیکھو خَبَرٌ نکرہ آیا، خَبَرٌ نکرہ آیا اور نکرہ کے بعد تَخَصَّصَ فعل آیا، اور میں نے بتایا ہے نکرہ کے بعد فعل

آئے تو وہ عموماً اس کے لیے کیا بنتا ہے؟ صفت اور موصوف صفت کا ترجمہ کیسے کرتے ہیں کہ موصوف سے پہلے ایسا یا ایسی کا لفظ لاتے ہیں۔ فَإِنَّ فِي الدَّارِ خَبَرٌ تَخَصَّصَ الْمُبْتَدَأُ بِتَقْدِيمِهِ اس لیے کیونکہ فِي الدَّارِ ایسی خبر ہے کہ تخصیص حاصل کر لی مبتدا نے اس کے مقدم کرنے کی وجہ سے كَمَا عَرَفْتَ جیسے کہ آپ جان چکے ہیں، پیچھے تخصیص کے طریقے ذکر ہوئے تھے۔ فَلَوْ أُخِّرَ اگر اس خبر کو موخر کر دیا جائے بَقِيَ الْمُبْتَدَأُ نَكِرَةً غَيْرَ مَخْصُوصَةٍ تو مبتدا نکرہ غیر مخصوصہ ہو کر باقی رہ جائے گا۔ مبتدا اگر آپ خبر کو موخر کر دیں گے تو مبتدا جو ہے وہ نکرہ غیر مخصوصہ ہو کر باقی رہ جائے گا اور اس صورت میں اس کا مبتدا ہونا صحیح نہیں ہے۔ اب ذرا مجھے ترکیب بتائیے فَإِنَّ فِي الدَّارِ خَبَرٌ تَخَصَّصَ الْمُبْتَدَأُ، یہ فِي الدَّارِ کیا واقع ہو رہا ہے؟ فَإِنَّ فِي الدَّارِ خَبَرٌ تَخَصَّصَ الْمُبْتَدَأُ، تو اس کے اندر یہ فِي الدَّارِ کیا واقع ہو رہا ہے؟ جی، ہاں شاباش یہ إِنَّ کا اسم ہے اور فِي الدَّارِ سے لفظِ فِي الدَّارِ مراد ہے، اسی لیے اس کا ترجمہ بھی نہیں کریں گے اور کیسے کہیں گے کہ فِي الدَّارِ جو ہے وہ ایسی خبر ہے۔ بات سمجھ میں آ گئی؟

أَوْ كَانَ لِمُتَعَلِّقِهِ بِكَسْرِ اللَّامِ یا وہ جو خبر ہے اس کے متعلق کے لیے بِكَسْرِ اللَّامِ یعنی یہ جو لفظِ مُتَعَلِّق آیا یہ لام کے کسرہ کے ساتھ ہے یعنی مُتَعَلِّق ہے، مُتَعَلَّق نہیں۔ أَوْ كَانَ لِمُتَعَلِّقِهِ بِكَسْرِ اللَّامِ یا خبر کا جو متعلق ہے أَيْ كَانَ لِمُتَعَلِّقِ الْخَبَرِ التَّابِعِ لَهُ یعنی وہ جو خبر کا متعلق ہے التَّابِعِ لَهُ جو اس خبر کا تابع ہے۔ یاد رکھو التَّابِعِ یہ صفت ہے لِمُتَعَلِّقِ کی، لِمُتَعَلِّقِ میں مُتَعَلِّق پر لام جارہ داخل ہے اور یہ مجرور ہے اور اس کی اضافت ہو رہی ہے الْخَبَرِ کی طرف لِمُتَعَلِّقِ الْخَبَرِ، اور نکرہ کی اضافت جب معرفہ کی طرف ہو جائے تو وہ بھی کیا بن جاتا ہے؟ معرفہ۔ تو مُتَعَلِّق کا لفظ اب اضافت کی وجہ سے معرفہ بن گیا اور اس کی صفت التَّابِعِ معرفہ لائی گئی۔ خبر کا وہ متعلق التَّابِعِ لَهُ جو خبر کے تابع ہے۔ آگے بِتَبَعِيَّةٍ يَمْتَنِعُ مَعَهَا تَقْدِيمُهُ عَلَى الْخَبَرِ، یہ عبارت سمجھ لو بھئی یہ بڑی مشکل پیچیدہ عبارت ہے بھئی۔

بھئی دیکھیے میں نے کیا بتایا آپ کو کہ یہ مُتَعَلِّقِ الْخَبَرِ یہ ہے موصوف، التَّابِعِ لَهُ یہ کیا ہے اس کی صفت۔ آگے دیکھیے بِتَبَعِيَّةٍ، یاد رکھو تَبَعِيَّة میں با پر فتحہ پڑھیں بھئی، تَبَعِيَّة، اور یہ جو اس کے ساتھ یائے مشدد اور گول تا جڑی ہے یہ اس کو مصدر بنانے کے لیے ہے۔ کیا بنانے کے لیے؟ مصدر۔ یاد رکھو، توجہ سے، تَبَعٌ مصدر بھی آتا ہے اور یہ صفتِ مشبہ بھی ہے حَسَنٌ کی طرح، تَبَعٌ بروزنِ حَسَنٌ۔ تو یہ صفتِ مشبہ بھی ہے اور مصدر بھی ہے، تو یہاں پر یہ صفتِ مشبہ ہے تَبَعٌ بمعنی تَابِعٌ کے ہے، تَبَعٌ کس معنی میں ہے؟ تَابِعٌ۔ تو یہ تَبَعٌ مصدر نہیں ہے کیونکہ اگر مصدر ہوتا تو پھر اس کے ساتھ یائے مشدد اور گول تا جوڑنے کی ضرورت نہیں تھی، وہ تو خود مصدر ہے اور یہ یائے مشدد اور گول تا بھی کس لیے جوڑتے ہیں؟ مصدر بنانے کے لیے، تو یہ تَبَعٌ صفت کا صیغہ ہے یعنی صفتِ مشبہ ہے اور صفت کے صیغ کو مصدر بنانے کے لیے اس کے ساتھ یائے مشدد اور گول تا جوڑتے ہیں، جیسے ضَارِبٌ سے ضَارِبِيَّةٌ، ضَارِبِيَّةٌ کا کیا معنی؟ ضَارِبٌ ہونا۔ مَضْرُوبِيَّةٌ کا کیا معنی؟ مَضْرُوبٌ ہونا۔ تو تَبَعٌ کا کیا معنی؟ تَبَعٌ صفتِ مشبہ ہے تَبَعٌ کا معنی ہے تَابِعٌ اور اس کے ساتھ یائے مشدد اور گول تا جوڑ دی تو یعنی

تَبَعِیَّة کہہ لیں یا تَابِعِیَّة کہہ لیں یعنی تابع ہونا۔ تو تَبَعِیَّة کا کیا معنی؟ تابع ہونا۔ اور دیکھو یہ نکرہ ہے، یہ نکرہ ہے، یاد رکھو بعض کتابوں میں ہے بِتَبَعِیَّتِهِ یہاں هَاء ضمیر بھی ہے لیکن وہ درست نہیں هَاء ضمیر یہاں نہیں، یہ آخر میں گول تا ہی ہے تو یہ تَبَعِیَّة نکرہ ہے اور اس کے بعد یَمْتَنِعُ فعل آیا اور نکرہ کے بعد فعل آئے تو اس کے لیے کیا بنتا ہے؟ صفت، کیا بنتا ہے؟ صفت۔ اور نیز یَمْتَنِعُ مَعَهَا یہ هَاء ضمیر اسی تَبَعِیَّة کو راجع، توجہ ہے؟ توجہ سے سن لو بہت مشکل عبارت ہے، مَعَهَا کی هَاء ضمیر کس کو راجع؟ اسی تَبَعِیَّة کو، تَبَعِیَّة نکرہ ہے اور یَمْتَنِعُ فعل آگے سارا جملہ اس کی صفت بنے گا اور جملہ جب صفت واقع ہو تو اس کے لیے ربط چاہیے موصوف کے ساتھ، تو یہ هَاء ضمیر کیا کر رہی ہے؟ ربط دے رہی ہے تَبَعِیَّة کے ساتھ اس جملے کو، اس کے لیے صفت بنا رہی ہے۔ اور یہ تَقْدِیمُهُ یہ فاعل ہے یَمْتَنِعُ کا۔ یہ تَقْدِیمُهُ کیا ہے؟ فاعل ہے یَمْتَنِعُ کا۔ اس سے ایک اور بات آپ کو پتہ چل گئی، کیا؟ دیکھو تَبَعِیَّة موصوف ہے اور یَمْتَنِعُ اس کی صفت ہے اور آگے اس کا فاعل آرہا ہے اسمِ ظاہر، معلوم ہوا یہ صفت بحالہ نہیں ہے بلکہ صفت بحالِ متعلقہ ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ اب ترجمہ سنو: بِتَبَعِیَّةٍ ایسا تابع ہونا کہ یَمْتَنِعُ مَعَهَا کہ ممتنع ہو اس کے ساتھ یعنی اس تابع ہونے کے ساتھ ممتنع ہو، کیا ممتنع ہو؟ تَقْدِیمُهُ، اور یہ تَقْدِیمُهُ کی هَاء ضمیر مُتَعَلَّق کو راجع کریں، کہ اس تابع ہونے کے ساتھ ممتنع ہو تَقْدِیمُهُ اس متعلق کو مقدم کرنا عَلَى الْخَبَرِ کس پر؟ خبر پر۔ وہ جو خبر کا متعلق ہے جو اس کے تابع ہے اس کی تقدیم ممتنع ہو عَلَى الْخَبَرِ کس پر؟ خبر پر۔

عبارت سمجھ میں آگئی؟ اچھا چلو ذرا پہلے مثالیں کر لو پھر اور بات واضح ہو جائے گی۔ یہ عبارت سمجھ میں آگئی؟ ہاں پھر میں ترجمہ کروں گا انشاء اللہ پھر عبارت سمجھ میں آئے گی، بس میں نے بتا دیا تَبَعِیَّة موصوف ہے اور یَمْتَنِعُ اس کی صفت ہے اور مَعَهَا کی هَاء ضمیر کس کو راجع؟ تَبَعِیَّة کو، اور تَقْدِیمُهُ کی هَاء ضمیر کس کو راجع؟ مُتَعَلَّق کو راجع ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ اب یہ ساری ترکیب یہ جو باتیں میں نے ذکر کیں یہ ذہن میں رکھنا، آگے ایک دو مثالیں کر لیتے ہیں ہم انشاء اللہ پھر بات پوری واضح ہو جائے گی، آپ کو سمجھ میں آجائے گی۔

لکھیے بھئی ایک مثال اپنے سامنے لکھیے، لکھیے بھئی عَبْدُهُ مُتَوَكِّلٌ عَلَى اللهِ، عَبْدُهُ مُتَوَكِّلٌ عَلَى اللهِ۔ کتاب میں بھی مثال دی ہوئی ہے لیکن وہاں تقدیم و تاخیر کے ساتھ ہے، پہلے جیسے میں لکھوا رہا ہوں ذرا اس طرح لکھ لیں بھئی۔ اچھا بھئی لکھ لیا بھئی؟ عَبْدُهُ مُتَوَكِّلٌ عَلَى اللهِ۔ عَبْدُهُ سنو بھئی، عَبْدُ مرفوع لفظاً مضاف، هَاء ضمیر مجرور محلاً مضاف الیہ اور یہ هَاء ضمیر راجع ہے لفظِ اللہ کو، عَبْدُهُ أَيْ عَبْدُ اللهِ، اللہ کا بندہ۔ اور

مُتَوَكِّلٌ مرفوع لفظاً صیغہ اسمِ فاعل، اور اس کے اندر هُوَ ضمیر مرفوع محلاً اس کا فاعل جو کس کو راجع؟ عَبْدُهُ مبتدا کو کیونکہ خبر کو کس سے جوڑتے ہیں؟ مبتدا سے۔ تو مُتَوَكِّلٌ جو ہے یہ خبر ہے۔ آگے عَلَى جارہ، لفظِ اللہِ مجرور، جار مجرور مل کر کس سے متعلق؟ مُتَوَكِّلٌ سے۔ دیکھو جڑ بھی رہا ہے، بھئی یاد رکھو جار مجرور آٹھ چیزوں میں سے کسی ایک سے جڑتا ہے اور ان آٹھ چیزوں کے ساتھ آپ جوڑ کر ترجمہ کر کے دیکھ لیا کریں، اگر ترجمہ ٹھیک ہو تو وہ عموماً پھر اسی سے جڑے گا۔ تو دیکھو ہم نے

عَلَی اللہِ کو کس سے جوڑا؟ مُتَوَکِّلٌ سے، ذرا ترجمہ کر کے دیکھو، باقی تمام لفظ جملے کے ختم کر دو صرف مُتَعَلِّق یعنی جار مجرور اور وہ جو مُتَعَلَّق ہے ان کو لے لیں: مُتَوَکِّلٌ عَلَی اللہِ۔ اب صرف اس کا ترجمہ کریں، مُتَوَکِّلٌ عَلَی اللہِ، بھروسہ کرنے والا عَلَی اللہِ اللہ پر۔ دیکھو معنی بہترین ہو رہا ہے، معلوم ہوا یہ عَلَی اللہِ مُتَوَکِّلٌ سے متعلق ہے۔ تو مُتَوَکِّلٌ جو ہے یہ خبر ہے، توجہ ہے؟ مُتَوَکِّلٌ خبر ہے اور عَلَی اللہِ یہ خبر کا متعلق ہے، اور عَبْدُہٗ یہ بتدا ہے اور اس بتدا کے اندر ایک ضمیر ہے هَاء ضمیر جو کس کو راجع؟ خبر کے متعلق کو راجع ہے۔ عَلَی اللہِ کے اندر جو لفظِ اللہ اس کو راجع، اور عَلَی اللہِ کس سے متعلق ہے؟ مُتَوَکِّلٌ یعنی خبر سے متعلق ہے، توجہ ہے؟ تو اس صورت میں خرابی لازم آرہی ہے، اضمار قبل الذکر ہے، یہ هَاء ضمیر خبر کے متعلق کو راجع ہے اور خبر اور اس کا متعلق لفظوں کے اعتبار سے بھی موخر اور رتبے کے اعتبار سے بھی موخر ہیں۔ پھر اس کو صحیح کرنے کی کیا صورت ہے؟ صحیح کرنے کی کیا صورت ہے؟ تو اس کی صورت یہ ہے کہ عَلَی اللہِ کو سب سے شروع میں لے آئیں۔ اب کلام کیا بن گیا؟ عَلَی اللہِ عَبْدُہٗ مُتَوَکِّلٌ۔ اب بات ٹھیک بن گئی، اب یہ عَلَی اللہِ جو شروع میں آیا یہ کس سے متعلق ہے؟ اسی طرح مُتَوَکِّلٌ سے متعلق ہے، اسی خبر سے متعلق ہے لیکن اس خبر کے متعلق کو مقدم کرنا ممکن تھا، جائز تھا یا جائز نہیں؟ یہ عَلَی اللہِ کس سے متعلق؟ مُتَوَکِّلٌ سے، تو یہ جب خبر سے متعلق ہے تو خبر کے تابع ہے، کیا ہے؟ خبر کے تابع ہے، لیکن یہ جو متعلق ہے جو خبر کا تابع ہے اس کو خبر پر یہاں مقدم کرنا جائز ہے، لہٰذا اس کو مقدم کر دیا گیا عَلَی اللہِ عَبْدُہٗ مُتَوَکِّلٌ۔ اب سارا مسئلہ حل ہو گیا، عَبْدُہٗ کی هَاء ضمیر کس کو راجع؟ لفظِ اللہ کو جو خبر کا متعلق ہے اور خبر کا متعلق اس کو مقدم بھی کیا جا سکتا ہے، تو لہٰذا اب بات ٹھیک بن گئی عَلَی اللہِ عَبْدُہٗ مُتَوَکِّلٌ، اللہ ہی پر اس کا بندہ بھروسہ کرتا ہے۔ تو عَبْدُہٗ کی هَاء ضمیر کس کو راجع؟ خبر کے متعلق کو، اور خبر کے اس متعلق کو خبر پر مقدم کرنا جائز تھا۔ تابع بھی ہے یہ خبر کے کیونکہ خبر سے جڑ رہا ہے، عَلَی اللہِ خبر کے تابع بھی ہے کیونکہ خبر سے جڑ رہا ہے اور تابع ہونے کے ساتھ ساتھ اس کو مقدم کرنا جائز بھی ہے۔

یہ ایک صورت تھی جس میں تابع ہونے کے باوجود متعلق کو مقدم کرنا جائز تھا، اور بعض صورتیں ایسی آئیں گی جہاں جو خبر کا تابع ہو گا اس کو خبر پر مقدم کرنا ممکن ہی نہیں ہو گا۔ یہاں پر کیا تھا؟ عَلَی اللہِ کس سے متعلق؟ مُتَوَکِّلٌ سے، تو یہ خبر کے، خبر کا متعلق ہے، خبر کے تابع ہے اور خبر کے تابع ہونے کے باوجود اس کو خبر پر مقدم کرنا جائز ہے۔ جب اس کو مقدم کرنا جائز ہے تو مُتَوَکِّلٌ کو اٹھا کر مقدم کرنا واجب نہیں۔ دیکھو صرف ہم نے عَلَی اللہِ کو مقدم کیا، مُتَوَکِّلٌ کو مقدم کرنا واجب نہیں۔ لیکن بعض اوقات جو خبر کا متعلق ہوتا ہے وہ خبر کے ایسا تابع ہوتا ہے کہ اس کو مقدم کرنا ممکن ہی نہیں ہوتا، جب اس کو مقدم کرنا ممکن ہی نہیں ہے اور بتدا میں ایک ضمیر ہے جو اس کو لوٹ رہی ہے تو پھر پوری خبر کو اٹھا کر مقدم کرنا پڑے گا۔ بات سمجھ میں آرہی ہے؟ کیا بات ہوئی؟ کہ بتدا میں اگر ایک ضمیر ہو جو کس کو لوٹ رہی ہو؟ خبر کے متعلق کی طرف لوٹ رہی ہو، تو خبر کے اگر اس متعلق کو مقدم کرنا جائز ہے تو پھر خبر کو مقدم کرنا واجب نہیں صرف اس

متعلق کو کیا کر دو؟ مقدم کر دو۔ اور اگر خبر کا وہ متعلق ایسا ہے کہ اس کو خبر پر مقدم کرنا ممکن ہی نہیں ہے خبر پر مقدم کرنا جائز ہی نہیں ہے تو پھر اس صورت میں پوری خبر کو مقدم کرنا واجب ہو جائے گا۔ جیسے اس مثال میں ہے عَلَى التَّمْرَةِ مِثْلُهَا زُبْدًا۔ عَلَى التَّمْرَةِ یہ ہے خبرِ مقدم اور مِثْلُهَا یہ ہے مبتدا موخر، یہ زُبْدًا کو ذرا چھوڑ دیں۔ مِثْلُهَا کیا ہے؟ مبتدا موخر، اور مبتدا کے ساتھ ایک ضمیر ہے هَاء ضمیر اور یہ کس کو راجع ہے؟ التَّمْرَة کو، اور التَّمْرَة کیا ہے؟ خبر ہے یا خبر کا متعلق ہے؟ خبر کا متعلق ہے کیونکہ خبر تو عَلَى التَّمْرَةِ ہے صرف التَّمْرَة نہیں۔ تو مبتدا میں ایک ضمیر ہے جو خبر کے متعلق کو لوٹ رہی ہے اور خبر کا یہ متعلق خبر کے تابع ہے عَلَى جارہ اور التَّمْرَةِ مجرور، مجرور کیا ہوتا ہے؟ جار کے تابع ہوتا ہے، اور مجرور کا جار کے ساتھ اسی طرح اتصال ہوتا ہے جیسے جز کا اتصال ہوتا ہے کس کے ساتھ؟ کل کے ساتھ۔ تو یہاں پر اب یہاں پر یہ مِثْلُهَا کی هَاء ضمیر راجع ہے التَّمْرَة کو اور التَّمْرَة خبر کا متعلق ہے اور اس متعلق کو تابع رکھتے ہوئے خبر پر مقدم کرنا جائز نہیں، اس التَّمْرَة کو عَلَى پر مقدم کرنا جائز نہیں کیونکہ یہ مجرور ہے اور مجرور کبھی بھی جار پر مقدم نہیں ہو سکتا۔ اگر آپ اس کو جار پر مقدم کریں گے ترکیب میں کچھ اور تو بن سکتا ہے مجرور نہیں بن سکتا۔ تو معلوم ہوا کہ عَلَى التَّمْرَةِ کے اندر جو التَّمْرَة ہے یہ تابع ہے خبر کے تابع ہے اور اس کو تابع رکھتے ہوئے مقدم کرنا ممکن نہیں، جب تابع کو مقدم کرنا ممکن نہیں اور مبتدا کی ضمیر تو اسی کو لوٹ رہی ہے تو پھر پوری خبر کو مقدم کرنا واجب۔ بات سمجھ میں آگئی؟

دیکھیے ترجمہ اب، کہتے ہیں أَيْ كَانَ لِمُتَعَلِّقِ الْخَبَرِ التَّابِعِ لَهُ یعنی خبر کا وہ متعلق جو اس خبر کے تابع ہے، ترجمے پہ نظر ہے؟ كَانَ لِمُتَعَلِّقِ الْخَبَرِ التَّابِعِ لَهُ یعنی خبر کا وہ متعلق جو اس خبر کے تابع ہے بِتَبَعِيَّةٍ ایسا تابع ہونا کہ يَمْتَنِعُ مَعَهَا تَقْدِيمُهُ عَلَى الْخَبَرِ کہ ممتنع ہے اس تابع ہونے کے ساتھ اس متعلق کو مقدم کرنا عَلَى الْخَبَرِ کس پر؟ خبر۔ تابع ہونے کے ساتھ اس متعلق کو خبر پر مقدم کرنا ممتنع ہے، ممکن نہیں ہے جیسے عَلَى التَّمْرَةِ کے اندر التَّمْرَة کو عَلَى پر مقدم کرنا ممکن نہیں، تو اس صورت میں پھر خبر کو مقدم کرنا واجب ہے۔ اور اگر اس متعلق کو مقدم کرنا ممکن ہو تو پھر خبر کو مقدم کرنا واجب نہیں، جیسے عَلَى اللهِ عَبْدُهُ مُتَوَكِّلٌ اس کے اندر مُتَوَكِّلٌ خبر ہے لیکن اس کو مقدم کرنا واجب نہیں صرف اس متعلق کو مقدم کر دیا گیا، لیکن یہاں ایسا نہیں ہو سکتا۔ تو کہتے ہیں فَلَا يَرِدُ لہٰذا اعتراض وارد نہیں ہوتا نَحْوُ اس جیسی مثالوں کا، اس جیسی مثالوں کا اعتراض وارد نہیں ہوتا جیسے عَلَى اللهِ عَبْدُهُ مُتَوَكِّلٌ کیونکہ اس کے اندر خبر کو مقدم کرنا واجب نہیں بلکہ صرف اس متعلق کو مقدم کر دیا گیا۔

ضَمِيرٌ كَائِنٌ فِي جَانِبِ الْمُبْتَدَأِ، ضَمِيرٌ کے بعد كَائِنٌ کا لفظ نکال کر صاحبِ جامی کیا بتلانا چاہتے ہیں؟ بتائیے بھئی اب تو آپ اچھے خاصے نحوی ہیں بھئی۔ صاحبِ جامی بتلانا یہ چاہتے ہیں ضَمِيرٌ نکرہ ہے اور اس نکرہ کے بعد فِي الْمُبْتَدَأِ جار مجرور آ گئے اور نکرہ کے بعد جار مجرور آئے تو وہ عموماً کیا بنتے ہیں؟ صفت، اور براہِ راست صفت بنتے ہیں یا ثَابِتٌ وغیرہ نکالتے ہیں؟

ثَابِتٌ، تو یہاں انہوں نے كَائِنٌ نکال کر یہی بتلایا کہ آگے جو جار مجرور آرہا ہے یہ اس ضمیر کی صفت ہے۔ تو متن کو متن سے جوڑیں أَوْ كَانَ لِمُتَعَلِّقِهِ ضَمِيرٌ یا اس خبر کے متعلق کی کوئی ایسی ضمیر فِي الْمُبْتَدَإِ جو کس کے اندر ہو؟ بتدا میں۔ توجہ ہے؟

اچھا تو جار مجرور تھا فِي الْمُبْتَدَإِ بتدا میں ضمیر ہو حالانکہ ذرا اس مثال پہ آؤ عَلَى التَّمْرَةِ مِثْلُهَا، یہ مِثْلُهَا کیا ہے؟ یہ بتدا ہے اور مجھے بتائیے مِثْلُهَا میں بتدا کون ہے؟ مِثْلُ بتدا ہے یا هَاء ضمیر بتدا ہے؟ مِثْلُ بتدا ہے، توجہ ہے؟ یہ مضاف بتدا ہے اور هَاء ضمیر تو مضاف الیہ ہے بھئی۔ اور مجھے بتائیے یہ جو خبر کے متعلق کی ضمیر ہے یہ بتدا جو ہے مِثْلُ اس مِثْلُ کے اندر ہے یا اس کے ساتھ جڑی ہوئی ہے؟ ساتھ جڑی ہوئی ہے اس کے اندر تو نہیں ہے، حالانکہ عبارت سے تو کیا پتہ چل رہا ہے متن میں؟ ضَمِيرٌ فِي الْمُبْتَدَإِ وہ ضمیر کس میں ہو؟ بتدا میں ہو حالانکہ مِثْلُهَا کے اندر جو هَاء ضمیر ہے وہ مِثْلُ کے اندر نہیں ہے بتدا کے اندر نہیں ہے بلکہ بتدا کے ساتھ جڑی ہوئی ہے بھئی۔ تو لہٰذا صاحبِ جامی اسی اعتراض کا جواب دینا چاہتے ہیں کہ کوئی یہ اعتراض نہ کرے کہ اس بتدا کے اندر تو ضمیر نہیں، ضمیر اس کے ساتھ جڑی ہوئی ہے، تو صاحبِ جامی نے کیا کہا؟ متن میں تھا فِي الْمُبْتَدَإِ صاحبِ جامی فرما رہے ہیں فِي جَانِبِ الْمُبْتَدَإِ کہ وہ ضمیر بتدا کی جانب میں ہو، بتدا کی، بھئی ایک خبر والی جانب ہے ایک بتدا والی جانب ہے، کچھ چیزیں بتدا سے جڑ جاتی ہیں کچھ چیزیں خبر سے جڑ جاتی ہیں، تو وہ ضمیر بتدا والی جانب میں ہے بتدا کے اندر چھپی ہوئی نہیں ہے بھئی۔

تو کہتے ہیں ضَمِيرٌ كَائِنٌ فِي جَانِبِ الْمُبْتَدَإِ ایسی ضمیر جو بتدا کی جانب میں ہو رَاجِعٌ إِلَى ذٰلِكَ الْمُتَعَلِّقِ اور وہ ضمیر لوٹ رہی ہو اس متعلق کی طرف۔ پھر سنو بھئی یا خبر کے متعلق کی کوئی ضمیر ہے بتدا کی جانب میں جو اس متعلق کی طرف لوٹ رہی ہے تو اس صورت میں خبر کو مقدم کرنا واجب ہے، خبر کو، جب بتدا میں کوئی ضمیر ہے جو خبر کے متعلق کی طرف لوٹ رہی ہے اور اس متعلق کو خبر پر مقدم بھی نہیں کر سکتے تو پھر پوری خبر کو مقدم کرنا واجب ہے، اگر مقدم نہیں کریں گے تو کیا خرابی لازم آئے گی؟ اضمار قبل الذکر لفظاً اور رتبتاً بھئی۔ تو کہتے ہیں إِذْ لَوْ أُخِّرَ اس لیے کیونکہ اگر خبر کو موخر کر دیا گیا لَزِمَ الْإِضْمَارُ قَبْلَ الذِّكْرِ لَفْظًا وَمَعْنًى تو اضمار قبل الذکر لازم آئے گا لفظاً بھی اور معناً بھی بھئی۔ بات سمجھ میں آگئی؟

مِثْلُ عَلَى التَّمْرَةِ مِثْلُهَا زُبْدًا کھجور پر اسی کے مثل مکھن ہے۔ فَقَوْلُهُ مِثْلُهَا تو مصنف کا قول مِثْلُهَا جو ہے أَيْ مِثْلُ التَّمْرَةِ دیکھو هَاء ضمیر کا مرجع بتلا دیا کہ مِثْلُ التَّمْرَةِ جو ہے مُبْتَدَأٌ یہ بتدا ہے وَفِيهِ ضَمِيرٌ لِمُتَعَلِّقِ الْخَبَرِ اور اس بتدا کے اندر ایک ضمیر ہے جو خبر کے متعلق کے لیے ہے، بھئی خبر کا متعلق کیا؟ وَهُوَ التَّمْرَةُ وہ التَّمْرَةُ ہے، وہ التَّمْرَةُ ہے اس کی ضمیر ہے لِأَنَّ الْخَبَرَ هُوَ قَوْلُهُ عَلَى التَّمْرَةِ اس لیے کیونکہ خبر تو ماتن کا قول عَلَى التَّمْرَةِ ہے، التَّمْرَةُ خبر نہیں ہے بلکہ خبر عَلَى التَّمْرَةِ ہے تو یوں نہ کہو کہ خبر کی ضمیر ہے بلکہ خبر کے متعلق کی ضمیر ہے بھئی۔ تو کہتے ہیں لِأَنَّ الْخَبَرَ هُوَ قَوْلُهُ عَلَى التَّمْرَةِ اس لیے کیونکہ خبر جو ہے وہ ماتن کا قول عَلَى التَّمْرَةِ ہے وَالتَّمْرَةُ مُتَعَلَّقٌ بِهِ اور التَّمْرَةُ جو ہے اس خبر کا متعلق ہے مِثْلَ تَعَلُّقِ الْجُزْءِ بِالْكُلِّ اور التَّمْرَةُ اس سے متعلق ہے جس طرح کہ جز کا تعلق ہوتا ہے کل کے ساتھ۔ یہ التَّمْرَةُ جو ہے یہ جار کے ساتھ اسی

طرح جڑا ہوا ہے جیسے کہ جز جڑا ہوتا ہے کل کے ساتھ۔

أَوْ كَانَ الْخَبَرُ خَبَرًا عَنْ أَنَّ یا وہ خبر جو ہے أَنَّ سے خبر ہو الْمَفْتُوحَةِ وہ أَنَّ جو مفتوحہ ہو، ایک ہے أَنَّ ایک ہے إِنَّ۔ إِنَّ کے اندر دیکھو حمزہ مکسور ہے اور أَنَّ میں حمزہ مفتوح ہے۔ تو أَوْ كَانَ الْخَبَرُ خَبَرًا عَنْ أَنَّ یا وہ خبر جو ہے أَنَّ سے خبر ہو الْمَفْتُوحَةِ وہ أَنَّ جو مفتوحہ ہے، بھئی أَنَّ مفتوحہ ہے یا أَنَّ کے شروع میں حمزہ مفتوحہ ہے؟ حمزہ مفتوحہ ہے، تو یہ معلوم ہوا یہ صفت بحالِ متعلقہ ہے۔ وہ أَنَّ جو مفتوح ہے یعنی جس کا حمزہ مفتوح ہے، الْوَاقِعَةِ مَعَ اسْمِهَا وَخَبَرِهَا الْمُؤَوَّلِ بِالْمُفْرَدِ مُبْتَدَأً وہ أَنَّ مفتوحہ الْوَاقِعَةِ جو واقع ہو رہا ہے، جو واقع ہو رہا ہے، آخر میں آرہا ہے مُبْتَدَأً، بتدا ہو کر واقع ہو رہا ہے۔ وہ أَنَّ بتدا ہو کر واقع ہو رہا ہے۔ بھئی دیکھیے ذرا عبارت پہ دیکھو، أَوْ كَانَ الْخَبَرُ خَبَرًا عَنْ أَنَّ وہ جو مثال آئی تھی آگے متن میں عِنْدِي أَنَّكَ قَائِمٌ، یہ عِنْدِي خبر ہے کس سے؟ أَنَّ سے یا أَنَّكَ قَائِمٌ اس سارے سے؟ سارے سے یہ خبر ہے لیکن متن سے بظاہر یوں لگ رہا ہے کہ أَوْ كَانَ الْخَبَرُ خَبَرًا عَنْ أَنَّ کہ وہ خبر ہو کس سے؟ صرف أَنَّ سے، تو اسی کے لیے آگے صاحبِ جامی فرما رہے ہیں وہ أَنَّ مفتوحہ الْوَاقِعَةِ مَعَ اسْمِهَا وَخَبَرِهَا الْمُؤَوَّلِ بِالْمُفْرَدِ وہ أَنَّ مفتوحہ جو واقع ہو رہا ہے اپنے اسم اور اپنی خبر کے ساتھ الْمُؤَوَّلِ بِالْمُفْرَدِ جس کی تاویل مفرد کے ساتھ کی جائے گی، یہ سارا اپنے اسم اور خبر کے ساتھ یہ جو ہے بتدا واقع ہو رہا ہے، صرف أَنَّ بتدا واقع نہیں ہو رہا۔ عبارت سمجھ میں آگئی؟ تو کہتے ہیں دوبارہ ترجمہ دیکھ لیں: أَوْ كَانَ الْخَبَرُ خَبَرًا عَنْ أَنَّ یا وہ خبر جو ہے أَنَّ سے خبر ہو وہ أَنَّ جو مفتوحہ ہے یعنی اس کا حمزہ مفتوحہ ہے، الْوَاقِعَةِ وہ أَنَّ جو واقع ہو مَعَ اسْمِهَا وَخَبَرِهَا اپنے اسم اور خبر کے ساتھ الْمُؤَوَّلِ

بِالْمُفْرَدِ جس کی تاویل کی گئی مفرد کے ساتھ، ان کے ساتھ مل کر یہ واقع ہو مُبْتَدَأً کیا واقع ہو؟ بتدا واقع ہو۔ إِذْ فِي تَأْخِيرِهِ خَوْفُ لَبْسِ أَنَّ الْمَفْتُوحَةِ بِالْمَكْسُورَةِ اس لیے کیونکہ اس کو موخر کرنے، اس خبر کو موخر کرنے کی صورت میں خَوْفُ لَبْسِ أَنَّ خوف ہے أَنَّ کے التباس کا وہ أَنَّ جو مفتوحہ ہے اس کے التباس کا خوف ہے یعنی اس کا خطرہ ہے بِالْمَكْسُورَةِ کس کے ساتھ؟ مکسورہ یعنی إِنَّ کے ساتھ فِي التَّلَفُّظِ کس کے اندر؟ تلفظ میں، لِإِمْكَانِ الذُّهُولِ عَنِ الْفَتْحَةِ فتحہ سے ذہول ہونے کی وجہ سے۔ ذہول کا معنی بھول جانا۔ لِإِمْكَانِ الذُّهُولِ عَنِ الْفَتْحَةِ اس لیے کیونکہ امکان ہے کہ فتحہ سے ذہول ہو جائے لِخَفَائِهَا اس کے خفی ہونے کی وجہ سے۔ خَفَا کو خا کے فتحہ کے ساتھ پڑھنا، لِخَفَائِهَا۔ بھئی یاد رکھو ایک ہے إِنَّ ایک ہے أَنَّ۔ أَنَّ کے اندر حمزہ پر فتحہ ہے اور فتحہ آپ جانتے ہیں سب سے خفیف حرکت ہے، سب سے، توجہ ہے؟ انہوں نے کیا کہا ادھر دیکھو، صاحبِ کافیہ نے فرمایا کہ وہ خبر جو أَنَّ سے آئے اس کو مقدم کرنا واجب ہے، اس لیے کیونکہ اگر آپ اس خبر کو موخر کریں گے تو سننے والا سمجھے گا شاید یہ أَنَّ نہیں ہے بلکہ إِنَّ ہے، توجہ ہے؟ مثلاً آپ نے اسے یوں کہا سنو بھئی، آپ نے اسے کہا أَنَّكَ قَائِمٌ عِنْدِي، عِنْدِي کو موخر کر دو ذرا، أَنَّكَ قَائِمٌ عِنْدِي، تو وہ سمجھے گا شاید انہوں نے إِنَّ ہی پڑھا ہے، کیا پڑھا ہے؟ کیونکہ فتحہ خفیف ہے خفیف ہے آسانی سے ادا ہوتا ہے اور اس کی طرف توجہ نہیں، اس کی طرف توجہ نہیں تو سننے والے سے ذہول ہو جائے گا کہ شاید اس نے أَنَّ نہیں پڑھا تھا کیا پڑھا تھا؟ إِنَّ کیونکہ کلام کے شروع میں ہے۔ یا اس کے ذہن میں یہ بات آئے

گی کہ بھئی پڑھنا تو إِنَّ تھا سبقتِ لسانی سے یہ کیا پڑھ گئے ہیں؟ أَنَّ پڑھ گئے ہیں بھئی کیونکہ کلام کے شروع میں تو أَنَّ نہیں آتا بلکہ إِنَّ آتا ہے۔ تو یہاں ذہول کا بھی خطرہ کہ وہ سننے والا، فتحہ خفیف ہے آسانی سے ادا ہو گیا ہو سکتا ہے اس کی توجہ ہی نہ ہو اتنی زیادہ، تو اس کے ذہن سے نکل گیا کہ اس نے أَنَّ پڑھا تھا یا إِنَّ تو وہ یہی سمجھے گا کہ إِنَّ پڑھا ہو گا کیونکہ کلام کے شروع میں ہے بھئی۔ اور نیز اگر سن بھی لے گا جب شروع میں آپ أَنَّ پڑھیں گے وہ کہے گا شاید سبقتِ لسانی ہوئی ہے، شروع میں تو إِنَّ پڑھا جاتا ہے أَنَّ نہیں پڑھا جاتا۔ اور نیز اگر کتاب میں لکھا ہو تو کتابت کے اندر وہاں پر بھی وہاں پر بھی التباس لازم آئے گا کس کے ساتھ؟ أَنَّ کا إِنَّ کے ساتھ کیونکہ وہاں پر بھی وہ شروع میں ہے تو پڑھنے والا سمجھے گا اگر وہاں اعراب نہیں لکھے ہوئے تو وہ اس کو إِنَّ ہی پڑھے گا، اور اگر اعراب لکھے بھی ہوئے وہ سمجھے گا شاید کاتب کی غلطی ہے یہاں إِنَّ ہی ہے بھئی۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو اس لیے جب خبر أَنَّ سے آئے تو پھر خبر کو مقدم کرنا واجب ہے ورنہ أَنَّ کا التباس لازم آئے گا إِنَّ کے ساتھ۔

کہتے ہیں إِذْ فِي تَأْخِيرِهِ خَوْفُ لَبْسِ أَنَّ الْمَفْتُوحَةِ بِالْمَكْسُورَةِ فِي التَّلَفُّظِ اس لیے کیونکہ خبر کو موخر کرنے کی صورت میں أَنَّ مفتوحہ کے التباس کا خطرہ ہے إِنَّ مکسورہ کے ساتھ فِي التَّلَفُّظِ کس میں؟ تلفظ میں، تلفظ میں، لِإِمْكَانِ الذُّهُولِ عَنِ الْفَتْحَةِ لِخَفَائِهَا اس لیے کیونکہ ممکن ہے کہ فتحہ سے ذہول ہو جائے یعنی غفلت ہو جائے، ذہول کا معنی غفلت ہونا بھول جانا، کہ ہو سکتا ہے کہ فتحہ سے غفلت ہو جائے لِخَفَائِهَا اس کے خفی ہونے کی وجہ سے کیونکہ فتحہ تو آسانی سے ادا ہوتا ہے تو ہو سکتا ہے سننے والے کی اس کی طرف کامل توجہ نہ ہو بھئی تو اس سے غفلت ہو جائے۔ أَوْ فِي الْكِتَابَةِ، اس الْكِتَابَةِ کا عطف ہے فِي التَّلَفُّظِ پر۔ التباس لازم آئے گا أَنَّ مفتوحہ کا إِنَّ مکسورہ کے ساتھ فِي التَّلَفُّظِ أَوْ فِي الْكِتَابَةِ تلفظ میں یا کتابت میں۔ کتابت کے اندر بھی پڑھنے والا یہی سمجھے گا کہ شاید یہ أَنَّ نہیں ہے بلکہ إِنَّ ہے کیونکہ یہ کلام کے شروع میں ہے بھئی۔ بات سمجھ میں آ گئی؟

آگے دیکھیے بھئی مِثْلُ عِنْدِي أَنَّكَ قَائِمٌ جیسے کہ عِنْدِي أَنَّكَ قَائِمٌ۔ یہ عِنْدِي خبرِ مقدم ہے اور أَنَّكَ قَائِمٌ یہ بتاویلِ مفرد مصدر ہو کر یہ بتدا موخر ہے أَيْ عِنْدِي قِيَامُكَ۔ تو یہ عِنْدِي خبر ہے أَنَّ سے لہٰذا اس عِنْدِي خبر، لہٰذا اس کو مقدم کرنا واجب ہے ورنہ تو أَنَّ کا التباس لازم آئے گا إِنَّ کے ساتھ۔

آگے کہتے ہیں وَجَبَ تَقْدِيمُهُ تو دیکھو ان تمام صورتوں میں، یہ چاروں صورتوں میں وَجَبَ تَقْدِيمُهُ أَيْ تَقْدِيمُ الْخَبَرِ عَلَى الْمُبْتَدَأِ خبر کی تقدیم بتدا پر واجب ہے۔ بات سمجھ میں آ رہی ہے؟ دیکھو متن میں آیا وَجَبَ تَقْدِيمُهُ، آگے صاحبِ جامی هَاء ضمیر کا مرجع بتلا رہے ہیں أَيْ تَقْدِيمُ الْخَبَرِ کہ یعنی خبر کو مقدم کرنا واجب ہے عَلَى الْمُبْتَدَأِ بتدا پر فِي جَمِيعِ هٰذِهِ الصُّوَرِ ان تمام صورتوں میں لِمَا ذَكَرْنَا اس وجہ سے جو ہم نے ذکر کر دیں۔ ہر ایک کے اندر صاحبِ جامی نے وجہ ذکر کر دی کہ ان صورتوں میں خبر کو کیوں مقدم کیا جائے گا۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو حاصلِ کلام یہ کہ چار صورتیں انہوں نے ذکر کیں جہاں

خبر کو مقدم کرنا واجب ہے۔ پہلی صورت وہ کہ جب وہ خبر مفرد ہو صورت کے اعتبار سے اور متضمن ہو ایسے معنی کو جو صدارتِ کلام کو چاہتا ہے، تو اس صورت میں خبر کو مقدم کرنا واجب ہے بھئی۔ اور خبر جب خبر کا مقدم کرنا جو ہے وہ مبتدا کے مبتدا ہونے کو صحیح کر رہا ہو تو پھر بھی خبر کو مقدم کرنا واجب ہے۔ اسی طرح اگر مبتدا کے اندر خبر کے متعلق کی کوئی ضمیر ہو اور خبر کا وہ متعلق ایسا ہے کہ اس کو خبر پر مقدم کرنا ممکن نہیں، تو اس صورت میں پھر پوری خبر کو مقدم کرنا واجب ہو گا ورنہ تو اضمار قبل الذکر لازم آئے گا لفظاً بھی اور رتبتاً بھی۔ اور یا وہ خبر کس سے ہو؟ أَنَّ سے آئے تو اس صورت میں بھی خبر کو مقدم کرنا واجب ورنہ أَنَّ کا التباس لازم آئے گا إِنَّ کے ساتھ بھئی۔ بات سمجھ میں آگئی؟ چلیے بس بھئی هٰذَا هُوَ الْمَرَامُ وَاللهُ أَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْكَلَامِ۔

سبق نمبر ۱۰۱: المبتدا والخبر (۹): تعددِ خبر (ایک مبتدا کی متعدد خبریں) کے قواعد

شرحِ ملا جامی صفحہ: ۷۴ — بتاریخ: ۱۵ نومبر ۲۰۲۱ء

▪ تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث

آگے سبق دیکھیے بھئی:

وَقَدْ يَتَعَدَّدُ الْخَبَرُ مِنْ غَيْرِ تَعَدُّدِ الْمُخْبَرِ عَنْهُ فَيَكُونُ اثْنَيْنِ فَصَاعِدًا، وَذَلِكَ التَّعَدُّدُ إِمَّا بِحَسَبِ اللَّفْظِ وَالْمَعْنَى جَمِيعًا، وَيُسْتَعْمَلُ ذَلِكَ عَلَى وَجْهَيْنِ: بِالْعَطْفِ مِثْلُ: زَيْدٌ عَالِمٌ وَعَاقِلٌ، وَبِغَيْرِ الْعَطْفِ مِثْلُ: زَيْدٌ عَالِمٌ عَاقِلٌ.

گزشتہ سبق میں آپ نے پڑھا کہ کچھ جگہیں ہیں جہاں پر مبتدا کو مقدم کرنا واجب ہے بھئی، اور چار جگہیں صاحبِ کافیہ نے ذکر کیں۔ پہلی جگہ وہ کہ جب مبتدا مشتمل ہو ایسے معنی پر جو صدارتِ کلام کو چاہتا ہو، جیسے مَنْ أَبُوكَ۔ یا وہ مبتدا اور خبر دونوں معرفہ ہوں اور نیز کوئی قرینہ بھی موجود نہ ہو۔ یا دونوں مبتدا اور خبر جو ہیں ان دونوں میں تخصیص ہو بھئی، دونوں نکرہ ہوں لیکن دونوں میں تخصیص ہو اور کوئی قرینہ بھی موجود نہ ہو کہ کون مبتدا ہے اور کون خبر، تو ان تینوں صورتوں میں مبتدا کو مقدم کرنا واجب ہے بھئی۔

اور چوتھی صورت جو ذکر کی جس میں مبتدا کو مقدم کرنا واجب ہے کہ خبر جو ہے وہ مبتدا کا فعل ہو، یعنی وہ صِفَتْ بِحَالِهِ ہو صِفَتْ بِحَالِ مُتَعَلِّقِهِ نہ ہو بھئی، تو اس میں بھی مبتدا کو مقدم کرنا واجب ہے۔ اس لیے کیونکہ اگر آپ اس فعل کو مبتدا پر مقدم کریں گے تو اس صورت میں یا تو وہ فعل مفرد ہوگا یا تثنیہ یا جمع۔ اگر وہ فعل مفرد ہے مثلاً زَيْدٌ قَامَ تھا پھر قَامَ کو مقدم کر دیا قَامَ زَيْدٌ تو اب یہ زَيْدٌ مبتدا مؤخر ہے لیکن اس کا التباس کس کے ساتھ لازم آرہا ہے؟ فاعل کے ساتھ۔ سننے والا یہی سمجھے گا کہ یہ قَامَ فعل ہے اور زَيْدٌ اس کا فاعل ہے۔

دوسری صورت ہے تثنیہ اور جمع والی کہ یہ فعل جو ہے تثنیہ یا جمع ہو، جیسے الزَّيْدَانِ قَامَا یا الزَّيْدُونَ قَامُوا۔ تو یہاں دیکھو

اس کے اندر اگر آپ یہ جو مبتدا ہے الزَّيْدَانِ اور الزَّيْدُونَ ان کو آپ مؤخر کریں گے اور فعل کو مقدم کریں گے اور یوں کہیں گے قَامَا الزَّيْدَانِ یا قَامُوا الزَّيْدُونَ تو اس صورت میں یہ جو مبتدا مؤخر ہے اس کا التباس بدل کے ساتھ لازم آئے گا، فاعل کے ساتھ نہیں کیونکہ یہ فعل تثنیہ اور جمع ہے، اور فعل تثنیہ یا جمع ہو تو وہ اسمِ ظاہر کو رفع نہیں دے سکتا۔ تو قَامَا الزَّيْدَانِ تو اس الزَّيْدَانِ کا التباس کس کے ساتھ آ رہا ہے؟ بدل کے ساتھ۔ اور قَامُوا الزَّيْدُونَ اس الزَّيْدُونَ کا التباس بھی کس کے ساتھ لازم آ رہا ہے؟ بدل کے ساتھ۔

ہاں البتہ بعض علماء کے نزدیک جب ایسی عبارت آئے جس کے اندر فعل تثنیہ یا جمع ہو تو پھر اس صورت میں وہ جو الف اور واو ہے اس کو وہ فاعل نہیں بناتے، ان کو وہ ضمیریں نہیں قرار دیتے بلکہ الف کو تثنیہ کی علامت قرار دیتے ہیں اور واو کو جمع کی علامت۔ تو اس صورت میں پھر آگے آنے والے اسمِ ظاہر کو وہ فاعل بناتے ہیں۔ قَامَا الزَّيْدَانِ وہ کہتے ہیں قَامَا کے اندر یہ جو الف ہے یہ تثنیہ کی علامت ہے، یہ صرف یہ بتلا رہا ہے کہ اس کا اسناد آگے تثنیہ کی طرف ہے یعنی الزَّيْدَانِ جو اسمِ ظاہر ہے۔ اور قَامُوا الزَّيْدُونَ وہ علماء فرماتے ہیں کہ یہ جو قَامُوا کے اندر واو ہے یہ صرف جمع کی علامت ہے، یہ صرف یہ بتلا رہا ہے کہ آگے وہ اسمِ ظاہر جو اس کا فاعل بن رہا ہے وہ جمع ہے بھئی۔

یہ کہتے ہیں اسی طرح ہے جیسے ضَرَبَتْ هِنْدٌ۔ اس ضَرَبَتْ کے اندر جیسے یہ تا جو ہے تانیث کی علامت ہے، یہ صرف اتنا بتاتی ہے کہ اس فعل کا اسناد کسی مؤنث ذات کی طرف کیا جا رہا ہے، تو جیسے ضَرَبَتْ کے اندر تا صرف تانیث کی علامت ہے فاعل نہیں، اسی طرح وہ کہتے ہیں یہ قَامَا الزَّيْدَانِ اور قَامُوا الزَّيْدُونَ اس کے اندر الف اور واو یہ بھی صرف تثنیہ اور جمع کی علامتیں ہیں بھئی۔ تو ان علماء کے نزدیک یہ الزَّيْدَانِ اور الزَّيْدُونَ یہ فاعل بن سکتے ہیں، تو اس صورت میں پھر یہ مبتدا کا التباس فاعل کے ساتھ لازم آتا ہے ان علماء کے نزدیک۔ بات سمجھ میں آگئی۔

اس کے بعد صاحبِ کافیہ نے کچھ وہ جگہیں ذکر کی تھیں جہاں پر خبر کو مقدم کرنا واجب ہے، اور انہوں نے آپ کو بتلایا تھا کہ جب خبرِ مفرد متضمن ہو ایسے معنی کو جس کے لیے صدارتِ کلام واجب ہو، تو اس وقت خبر کو مقدم کرنا واجب ہے جیسے أَيْنَ زَيْدٌ۔ یہ أَيْنَ کیا ہے؟ یہ خبر ہے اور یہ متضمن ہے استفہام کے معنی کو، لہٰذا اس کو مقدم کرنا واجب ہے بھئی واجب ہے۔

یا دوسری صورت یہ ہے کہ خبر جو ہے، خبر کو مقدم کیا جائے گا تو پھر وہ مبتدا کے مبتدا واقع ہونے کو صحیح کر دے گی۔ جیسے فِي الدَّارِ رَجُلٌ تو اس کے اندر یہ رَجُلٌ نکرہ ہے، اس کا مبتدا بننا صحیح نہیں جب تک اس کے اندر تخصیص نہ آجائے۔ تو اس کے اندر تخصیص جو ہے وہ تقدیمِ خبر کی وجہ سے آئی، لہٰذا یہاں خبر کو مقدم کرنا واجب ہے پھر ہی اس مبتدا کا مبتدا بننا صحیح ہوگا۔

یا تیسری صورت یہ ہے کہ وہ جو مبتدا ہے اس کے اندر خبر کے متعلق کی کوئی ضمیر ہو اور خبر کا وہ متعلق ایسا ہے کہ اس کو خبر پر مقدم کرنا ممکن نہیں، تو مبتدا کے اندر خبر کے متعلق کی ضمیر ہے تو اس صورت میں پھر پوری خبر کو مقدم کرنا واجب ہے ورنہ تو اضمار قبل الذکر لازم آئے گا لفظاً اور رتبتاً۔ جیسے عَلَى التَّمْرَةِ مِثْلُهَا زُبْدًا۔ عَلَى التَّمْرَةِ یہ ہے خبر اور مِثْلُهَا یہ ہے مبتدا، اس کے اندر دیکھو ہا ضمیر تَمْرَة کو راجع ہے، تو لہٰذا اب خبر کو مقدم کرنا واجب ہے بھئی۔

اور چوتھی صورت یہ کہ وہ جو خبر ہے وہ أَنَّ سے خبر واقع ہو، جیسے عِنْدِي أَنَّكَ قَائِمٌ۔ تو یہاں عِنْدِي خبرِ مقدم ہے اور أَنَّكَ قَائِمٌ، یہ أَنَّ کیا کرتا ہے؟ پورے جملے کو مفرد یعنی مصدر کی تاویل میں کر دیتا ہے، تو یہ جو أَنَّ حرفِ مشبہ بالفعل ہے، یہی أَنَّ مصدریہ بھی ہے، یہ پورے جملہ اسمیہ کو مصدر بنا دیتا ہے۔ یاد رکھو حروفِ مصدر تین ہیں: أَنْ، مَا اور أَنَّ۔ أَنْ اور مَا یہ فعل پر داخل ہوتے ہیں اور اس فعل کو یعنی جملہ فعلیہ کو مصدر کے معنی میں کر دیتے ہیں، جبکہ أَنَّ جو ہے یہ حرفِ مشبہ بالفعل ہے اور آپ نے پڑھا ہے کہ یہ جو حروفِ مشبہ بالفعل ہیں یہ مبتدا خبر پر داخل ہوتے ہیں، تو یوں کہو یہ أَنَّ جو ہے جملہ اسمیہ پر داخل ہوتا ہے اور یہ اس جملہ اسمیہ کو مصدر بنا دیتا ہے۔ تو أَنْ اور مَا جملہ فعلیہ کو مصدر بناتے ہیں اور أَنَّ جملہ اسمیہ کو مصدر بنا دیتا ہے۔

تو عِنْدِي أَنَّكَ قَائِمٌ، تو یہ عِنْدِي خبرِ مقدم ہے کس سے؟ أَنَّكَ قَائِمٌ سے، اور أَنَّكَ قَائِمٌ یہ کس معنی میں ہے؟ قِيَامُكَ، أَيْ عِنْدِي قِيَامُكَ۔ تو لہٰذا اب اس عِنْدِي کو مقدم کرنا واجب ہے کیونکہ یہ أَنَّ سے خبر ہے، اگر اس عِنْدِي کو مؤخر کر دیا جائے گا تو أَنَّ کا التباس لازم آئے گا إِنَّ کے ساتھ، کیونکہ أَنَّكَ قَائِمٌ یہ کلام کے شروع میں آجائے گا اور کلام کے شروع میں تو إِنَّ آتا ہے تو سننے والا پڑھنے والا سمجھے گا کہ شاید یہ إِنَّ ہے بھئی۔ تو ان تمام صورتوں میں خبر کو مقدم کرنا واجب ہے۔

اب آئیے آج کے سبق پر۔ کہتے ہیں: وَقَدْ يَتَعَدَّدُ الْخَبَرُ مِنْ غَيْرِ تَعَدُّدِ الْمُخْبَرِ عَنْهُ فَيَكُونُ اثْنَيْنِ فَصَاعِدًا۔ آگے صاحبِ کافیہ فرما رہے ہیں کہ کبھی کبھار خبر میں بھی تعدد آتا ہے یعنی ایک ہی مبتدا کی کئی خبریں آتی ہیں۔ ایک مبتدا کی کئی خبریں آتی ہیں مثلاً آپ کہتے ہیں زَيْدٌ عَالِمٌ شَاعِرٌ كَاتِبٌ، تو زَيْدٌ مبتدا ایک ہی ہے اور آگے کئی خبریں آگئیں زَيْدٌ عَالِمٌ كَاتِبٌ شَاعِرٌ، تو دیکھو تین خبریں آگے آگئیں۔ تو کہتے ہیں وَقَدْ يَتَعَدَّدُ الْخَبَرُ مِنْ غَيْرِ تَعَدُّدِ الْمُخْبَرِ عَنْهُ اور کبھی کبھار خبروں میں تعدد ہوتا ہے یعنی خبریں متعدد ہوتی ہیں مِنْ غَيْرِ تَعَدُّدِ الْمُخْبَرِ عَنْهُ مخبر عنہ کے تعدد کے بغیر۔

مخبر عنہ جس کے بارے میں خبر دی جا رہی ہے یعنی مبتدا، مبتدا۔ مبتدا میں تعدد کے بغیر ہی خبر میں تعدد آتا ہے۔ بھئی یاد رکھو مبتدا میں تعدد ہوگا تو پھر تو خبر میں بھی تعدد آئے گا بھئی۔ مبتدا میں تعدد ہوگا تو خبر کے اندر بھی تعدد آئے گا۔ مثلاً هُمَا عَالِمٌ وَجَاهِلٌ۔ هُمَا وہ دونوں عَالِمٌ وَجَاهِلٌ عالم اور جاہل ہیں۔ تو دیکھو مبتدا میں تعدد ہے، مخبر عنہ میں تعدد ہے هُمَا دو، دو کی بات کی جا رہی ہے ایک کی بات نہیں کی جا رہی اور دونوں میں سے ہر ایک کی الگ الگ بات کی جا رہی ہے عَالِمٌ وَجَاهِلٌ۔ عالم اور جاہل ہونے کا حکم ہر ایک پر نہیں لگایا جا رہا کیونکہ ایک ہی شخص عالم بھی ہو اور جاہل بھی ہو یہ نہیں ہو سکتا، یا وہ عالم ہوگا

یا جاہل ہوگا۔ تو یہ جو عالم اور جاہل ہونے کا حکم ہے یعنی جو خبر میں تعدد آرہا ہے یہ کس کے اعتبار سے ہے؟ کہ مخبر عنہ میں تعدد ہے، وہ بھی دو افراد ہیں تو ایک کے بارے میں کیا بتلایا کہ أَحَدُهُمَا عَالِمٌ وَأَحَدُهُمَا جَاهِلٌ۔ تو دیکھا یہاں مخبر عنہ یعنی جس کے بارے میں خبر دی جا رہی ہے اس کے اندر تعدد ہے بھئی، جب اس کے اندر تعدد ہے تو خبر میں بھی تعدد آیا بھئی۔ لیکن یہاں اس مخبر عنہ کی بات نہیں کی جا رہی کہ جس کے اندر تعدد ہو کیونکہ مخبر عنہ میں تعدد ہوگا تو خبر میں بھی کیا ہوگا؟ تعدد ہوگا۔ بلکہ یہاں اس مخبر عنہ یعنی اس مبتدا کی بات کی جا رہی ہے جس میں تعدد نہ ہو، جو خود تو ایک ہے لیکن اس کی خبریں کئی آرہی ہیں آگے۔ بات سمجھ میں آگئی۔

تو کہتے ہیں وَقَدْ يَتَعَدَّدُ الْخَبَرُ مِنْ غَيْرِ تَعَدُّدِ الْمُخْبَرِ عَنْهُ اور کبھی کبھار خبر میں تعدد ہوتا ہے مِنْ غَيْرِ تَعَدُّدِ الْمُخْبَرِ عَنْهُ مخبر عنہ میں تعدد کے بغیر ہی، فَيَكُونُ اثْنَيْنِ فَصَاعِدًا تو وہ خبر جو ہے دو ہوں گی فَصَاعِدًا یا دو سے زیادہ ہوں گی۔ دو یا دو سے زیادہ خبریں ہوں گی۔ بھئی تعدد کے لیے کم از کم دو تو ضرور چاہئیں تو دو بھی ہو سکتی ہیں تین چار پانچ جتنی بھی بنانا چاہیں بنا سکتے ہیں۔

بھئی دیکھیے یہاں پر آیا مِنْ غَيْرِ تَعَدُّدِ الْمُخْبَرِ عَنْهُ۔ صاحبِ جامی نے یہ نہیں فرمایا مِنْ غَيْرِ تَعَدُّدِ الْمُبْتَدَأِ مبتدا میں تعدد کے بغیر، بلکہ کیا فرمایا؟ مِنْ غَيْرِ تَعَدُّدِ الْمُخْبَرِ عَنْهُ۔ مبتدا کہہ لیں یا مخبر عنہ کہہ لیں ایک ہی بات ہے۔ تو صاحبِ جامی نے یہ مخبر عنہ پھر کیوں ذکر کیا مبتدا کو کیوں نہیں ذکر کیا؟ تو وجہ یہ کہ لفظِ خبر کی رعایت کی کہ خبر ہے تو جس کے بارے میں خبر ہے وہ کیا ہوا؟ مخبر عنہ۔ تو اس لیے مخبر عنہ کا لفظ استعمال کیا اور نیز تفنن کے لیے۔ کس کے لیے؟ تفنن میں نے آپ کو گزشتہ سبق میں بتلایا تھا کہ تفنن کسے کہتے ہیں؟ ایک ہی بات کو، ایک ہی چیز کو مختلف عبارتوں سے ادا کرنا تاکہ کلام خوشگوار معلوم ہو، کلام میں لذت محسوس ہو۔ تو ایک ہی چیز کو مختلف انداز میں ذکر کرنا یہ تفنن کہلاتا ہے۔ دو جگہ ذکر آیا ایک چیز کا، ایک جگہ مثلاً مبتدا کا دو جگہ ذکر آیا ایک جگہ لفظِ مبتدا بول دیں دوسری جگہ مخبر عنہ بول دیں دیکھو کلام میں حلاوت آگئی بھئی لذت آگئی ایک نیا لفظ آگیا بھئی۔ تو ایک چیز کو مختلف عبارتوں سے ادا کرنا یہ تفنن کہلاتا ہے۔

آگے دیکھیے کہتے ہیں: وَذَلِكَ التَّعَدُّدُ إِمَّا بِحَسَبِ اللَّفْظِ وَالْمَعْنَى جَمِيعًا۔ ادھر دیکھیے، آگے آپ کو بتلائیں گے کہ یہ جو تعدد ہے خبر کے اندر کبھی لفظ اور معنی دونوں اعتبار سے ہوگا، کبھی صرف لفظوں کے اعتبار سے تعدد ہوگا معنی کے اعتبار سے تعدد نہیں۔ مثلاً میں آپ سے کہتا ہوں زَيْدٌ تَاجِرٌ شَاعِرٌ۔ تو دیکھو تاجر کا معنی اور شاعر کا معنی اور۔ لفظ بھی دو ہیں تاجر کا لفظ الگ شاعر کا لفظ الگ اور معنی بھی دونوں کا الگ الگ ہے، تو دیکھو یہاں خبر میں تعدد ہے لفظاً بھی اور معناً بھی، لفظوں کے اعتبار سے بھی تعدد اور معنی کے اعتبار سے بھی تعدد۔ اور بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ لفظوں کے اعتبار سے تو تعدد ہوتا ہے لیکن معنی کے اعتبار سے تعدد نہیں ہوتا۔ مثلاً میں آپ سے کہتا ہوں هَذَا حُلْوٌ حَامِضٌ۔ یہ کتاب میں مثال آئے گی آگے بھئی هَذَا حُلْوٌ حَامِضٌ۔ حَامِض ضاد کے ساتھ ہے بھئی۔ حُلْوٌ کا معنی میٹھا، حَامِض کا معنی کھٹا۔ تو هَذَا حُلْوٌ حَامِضٌ

یہ میٹھا ہے کھٹا ہے۔ بھئی آپ جانتے ہیں کہ ایک خاص ذائقہ، ایک چیز جو میٹھی بھی ہے اور کھٹی بھی ہے دونوں ذائقے یک وقت اس کے اندر موجود ہیں اس کو اردو میں کھٹ میٹھا کہتے ہیں۔ کیا کہتے ہیں؟ کھٹ میٹھا یا کھٹا میٹھا بھئی۔ اب یہ ایک ہی ذائقہ ہے الگ الگ نہیں ہے بھئی، یہ ایک ہی ذائقہ ہے اور عربی میں اس کو کہتے ہیں مُزٌّ۔ کیا کہتے ہیں؟ مُزٌّ۔ جو کھٹ میٹھا ہے اس کو مُزٌّ کہتے ہیں۔ یا تو مُزٌّ کہہ لیں مثلاً کہ هَذَا مُزٌّ یہ کھٹ میٹھا ہے، یا یوں کہیں هَذَا حُلْوٌ حَامِضٌ یہ کھٹ میٹھا ہے بھئی، یا یوں کہیں یہ کھٹا میٹھا ہے بھئی۔ تو اب اس میں دیکھو هَذَا ہے مبتدا، حُلْوٌ حَامِضٌ یہ خبر ہے بھئی، اور اس میں دیکھو لفظوں میں تعدد ہے لیکن معنی کے اعتبار سے تعدد نہیں کیونکہ یہ ایک ہی ذائقے کا نام ہے۔ تو خبر میں تعدد آتا ہے کبھی یہ تعدد لفظ اور معنی دونوں اعتبار سے ہوتا ہے جیسے زَيْدٌ شَاعِرٌ وَكَاتِبٌ لفظوں کے اعتبار سے بھی تعدد اور معنی کے اعتبار سے بھی تعدد، اور بعض اوقات لفظوں کے اعتبار سے تو تعدد ہوتا ہے اور معنی کے اعتبار سے تعدد نہیں ہوتا۔

اب پھر اس میں یاد رکھو، اگر لفظ اور معنی دونوں اعتبار سے تعدد ہو تو پھر عطف کے ساتھ بھی اس کو لانا صحیح، بغیر حرفِ عطف کے بھی لانا صحیح۔ جیسے؟ جیسے زَيْدٌ شَاعِرٌ وَكَاتِبٌ۔ دیکھو حرفِ عطف میں درمیان میں لے آیا۔ اور آپ چاہیں تو حرفِ عطف درمیان میں نہ لائیں، زَيْدٌ شَاعِرٌ كَاتِبٌ۔ توجہ ہے؟ یہاں خبر میں تعدد ہے کس اعتبار سے؟ لفظ کے اعتبار سے بھی اور معنی کے اعتبار سے بھی، تو یہاں حرفِ عطف لانا بھی صحیح اور اس کے بغیر بھی صحیح ہے، دونوں طرح آپ یہ خبر لا سکتے ہیں۔ اور اگر خبر میں تعدد صرف لفظوں کے اعتبار سے ہے معنی کے اعتبار سے تعدد نہیں ہے تو اس صورت میں عطف کو ترک کر دینا اولیٰ ہے، اس صورت میں پھر جمہور کے نزدیک درمیان میں حرفِ عطف لانا پسندیدہ نہیں۔ تو کیسے کہیں گے؟ هَذَا حُلْوٌ حَامِضٌ کہیں گے، هَذَا حُلْوٌ وَحَامِضٌ کہنا پسندیدہ نہیں ہے۔

تو کہتے ہیں وَذَلِكَ التَّعَدُّدُ إِمَّا بِحَسَبِ اللَّفْظِ وَالْمَعْنَى جَمِيعًا اور وہ جو تعدد ہے خبر کے اندر یا تو وہ لفظ اور معنی دونوں اعتبار سے ہوگا، وَيُسْتَعْمَلُ ذَلِكَ عَلَى وَجْهَيْنِ اور یہ دو طرح پر استعمال ہوتا ہے: بِالْعَطْفِ عطف کے ساتھ ہوگا مِثْلُ زَيْدٌ عَالِمٌ وَعَاقِلٌ، وَبِغَيْرِ الْعَطْفِ اور بغیر عطف کے بھی استعمال ہوگا مِثْلُ زَيْدٌ عَالِمٌ عَاقِلٌ، دیکھو درمیان میں کوئی حرفِ عطف نہیں ہے۔ وَإِمَّا بِحَسَبِ اللَّفْظِ فَقَطْ یا وہ جو تعدد ہے خبر کے اندر وہ صرف لفظ کے اعتبار سے ہے نَحْوُ هَذَا حُلْوٌ حَامِضٌ یہ کھٹا میٹھا ہے، فَإِنَّهُمَا فِي الْحَقِيقَةِ خَبَرٌ وَاحِدٌ اس لیے کیونکہ یہ دونوں حقیقت کے اعتبار سے ایک ہی خبر ہیں أَيْ مُزٌّ یہ مُزٌّ کھٹا میٹھا بھئی یہ اس ذائقے کا نام ہے۔ وَفِي هَذِهِ الصُّورَةِ تَرْكُ الْعَطْفِ أَوْلَى اور اس صورت میں عطف کو ترک کر دینا اولیٰ بہتر ہے، یعنی جب لفظوں میں تعدد ہے لیکن معنی میں تعدد نہیں تو وہاں حرفِ عطف کو چھوڑ دینا اولیٰ ہے۔

وَنَظَرَ بَعْضُ النُّحَاةِ إِلَى صُورَةِ التَّعَدُّدِ وَجَوَّزَ الْعَطْفَ اور بعض نحویوں نے صورتِ تعدد کی طرف دیکھا۔ کس کی طرف؟ صورتِ تعدد کی طرف دیکھا، جیسے هَذَا حُلْوٌ حَامِضٌ کہتے ہیں بھئی صورت کے اعتبار سے تعدد ہے یا نہیں؟ لفظ دو آ رہے ہیں حُلْوٌ اور حَامِضٌ، معنی بے شک ایک ہے لیکن لفظ تو دو ہیں، صورت تو تعدد والی ہے، لہٰذا حرفِ عطف لانا بھی جائز ہے۔

وہ کہتے ہیں هَذَا حُلْوٌ وَحَامِضٌ کہنا بھی جائز ہے بھئی۔ تو کہتے ہیں وَنَظَرَ بَعْضُ النُّحَاةِ إِلَى صُورَةِ التَّعَدُّدِ اور بعض نحویوں نے صورتِ تعدد کی طرف نظر کی وَجَوَّزَ الْعَطْفَ اور عطف کو جائز قرار دیا۔

وَلَا يَبْعُدُ أَنْ يُقَالَ مُرَادُ الْمُصَنِّفِ بِتَعَدُّدِ الْخَبَرِ مَا يَكُونُ بِغَيْرِ عَاطِفٍ۔ بھئی یہاں تک جو تقریر کی وہ عام شارحین کی تقریر کی صاحبِ جامی نے۔ متن متن ذرا دیکھو، کہتے ہیں: وَقَدْ يَتَعَدَّدُ الْخَبَرُ مِثْلُ زَيْدٌ عَالِمٌ عَاقِلٌ، اور کبھی کبھار خبر میں تعدد آتا ہے جیسے زَيْدٌ عَالِمٌ عَاقِلٌ۔ متن میں جو مثال آئی ہے اس میں عَالِمٌ اور عَاقِلٌ دو خبریں ہیں زید کے لیے اور دونوں کے درمیان حرفِ عطف نہیں ہے۔ حرفِ عطف نہیں ہے۔ لیکن عام شارحین جب اس مقام پر تقریر کرتے ہیں تو یہی تقریر کرتے ہیں کہ خبروں میں تعدد آئے گا، کبھی لفظاً و معناً دونوں اعتبار سے ہوگا اور کبھی معناً ہوگا اور پھر ان کے اندر حرفِ عطف لانا بھی جائز اور اس کے بغیر لانا بھی جائز ہے، یعنی حرفِ عطف کے ساتھ خبروں کے تعدد کو بھی وہ یہاں ذکر کرتے ہیں۔ توجہ ہے؟ خبر میں تعدد آئے کس کے ساتھ؟ حرفِ عطف کے ساتھ جیسے زَيْدٌ عَالِمٌ وَعَاقِلٌ۔ حالانکہ صاحبِ کافیہ نے یہ مثال ذکر نہیں کی، انہوں نے کیا کہا؟ زَيْدٌ عَالِمٌ عَاقِلٌ کہا، حرفِ عطف کو درمیان میں ذکر نہیں کیا، لیکن تمام شارحین ذکر فرماتے ہیں کہ حرفِ عطف کے ساتھ بھی صحیح یہ تعدد اور بغیر حرفِ عطف کے بھی یہ تعدد صحیح ہے۔

صاحبِ جامی فرماتے ہیں کہ یہ بات بھی بعید نہیں ہے کہ یوں کہا جائے کہ یہاں مصنف کی مراد وہ خبر ہے جس میں بغیر حرفِ عطف کے تعدد آئے، حرفِ عطف والا تعدد یہاں مراد نہیں۔ اور قرینہ کیا ہے؟ کہتے ہیں مصنف نے جو مثال ذکر کی۔ مصنف نے بغیر حرفِ عطف کے مثال ذکر کی، معلوم ہوا جو عطف کے ساتھ تعدد آئے وہ یہاں مصنف کی مراد نہیں ہے، اسی لیے انہوں نے بغیر عطف والی مثال ذکر کی۔

اور کیا وجہ ہے؟ کیوں ذکر کی بغیر عطف والی مثال؟ کہتے ہیں اس لیے کیونکہ حرفِ عطف کے ذریعے تعدد میں کوئی خفا نہیں۔ بھئی حرفِ عطف کے ذریعے تو تعدد مبتدا میں بھی آتا ہے خبر میں بھی آتا ہے، زَيْدٌ وَعَمْرٌو وَبَكْرٌ قَائِمُونَ تو دیکھو مبتدا میں تعدد آیا زید اور عمر اور بکر، اور اسی طرح عطف کے ذریعے خبر میں بھی تعدد آتا ہے زَيْدٌ عَالِمٌ وَعَاقِلٌ۔ تو حرفِ عطف کے ذریعے تو مبتدا میں بھی تعدد آتا ہے اور خبر میں بھی تعدد آتا ہے اور اس کے اندر کوئی خفا نہیں، کوئی پوشیدگی نہیں، یہ بات ظاہر ہے سب کو پتا ہے بھئی۔ ہاں حرفِ عطف کے بغیر مبتدا میں تعدد جائز نہیں، زَيْدٌ عَمْرٌو بَكْرٌ قَائِمُونَ یوں آپ نہیں کہہ سکتے کہ مبتدا میں تعدد لائیں بغیر عطف کے۔ تو مبتدا میں تو بغیر حرفِ عطف کے تعدد جائز نہیں تھا تو سوال پیدا ہوا کیا خبر میں بھی بغیر حرفِ عطف کے تعدد جائز ہے یا جائز نہیں؟ تو صاحبِ کافیہ نے آپ کو بتلا دیا کہ خبر کے اندر بغیر عطف کے بھی تعدد جائز ہے۔ اور حرفِ عطف اس کو ذکر نہیں کیا کیونکہ اس میں کوئی خفا نہیں، وہ تو ہر ایک جانتا ہے۔ حرفِ عطف کے ساتھ تو مبتدا میں بھی تعدد ہو سکتا ہے اور خبر میں بھی تعدد ہو سکتا ہے۔ تو خفا صرف کس کے اندر تھا؟ بغیر حرفِ عطف کے۔ بغیر حرفِ عطف کے مبتدا میں تو تعدد نہیں ہو سکتا تھا تو کیا خبر میں بھی ہو سکتا ہے یا نہیں؟ اس میں خفا تھا لہٰذا اس لیے

صاحبِ کافیہ نے باقاعدہ اس کی مثال ذکر کر دی۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو معلوم ہوا یوں کہا جائے کہ صاحبِ کافیہ یہاں پر اس خبر کے تعدد کو بیان کر رہے ہیں جس میں حرفِ عطف نہ ہو بھئی، جس میں حرفِ عطف نہ ہو، جیسا کہ ان کی اس مثال سے واضح ہوتا ہے۔

اور نیز اس لیے بھی کیونکہ حرفِ عطف کے ساتھ جب تعدد لایا جائے گا تو وہ جو حرفِ عطف کے بعد آئے اس کو خبر نہیں کہتے اس کو تو معطوف کہتے ہیں اور وہ تو توابع میں سے ہے بھئی۔ مثلاً زَيْدٌ عَالِمٌ وَعَاقِلٌ، یہ عَالِمٌ تو خبر ہے اور یہ وَعَاقِلٌ جو ہے یہ، یہ تو خبر نہیں یہ تو معطوف کہلاتا ہے، یہ تو تابع ہے اور تابع پر وہی اعراب آتا ہے جو متبوع پر ہوتا ہے، یہ معطوف ہے اور معطوف پر معطوف علیہ والا اعراب ہی آتا ہے۔

تو کہتے ہیں وَلَا يَبْعُدُ أَنْ يُقَالَ اور یہ بات بھی بعید نہیں ہے کہ یوں کہا جائے کہ مُرَادُ الْمُصَنِّفِ بِتَعَدُّدِ الْخَبَرِ مَا يَكُونُ بِغَيْرِ عَاطِفٍ کہ مصنف کی مراد جو ہے تعددِ خبر سے وہ خبر ہے جو بغیر حرفِ عطف کے ہو، لِأَنَّ التَّعَدُّدَ بِالْعَاطِفِ لَا خَفَاءَ بِهِ اس لیے کیونکہ وہ تعدد جو عاطف یعنی حرفِ عطف کی وجہ سے آئے لَا خَفَاءَ بِهِ اس میں تو کوئی خفا نہیں لَا فِي الْخَبَرِ وَلَا فِي الْمُبْتَدَأِ نہ تو خبر میں اور نہ ہی بتدا میں، یعنی خبر میں بھی اس میں عطف کے ذریعے تعدد آتا ہے بتدا میں بھی آتا ہے، وَلَا فِي غَيْرِهِمَا اور ان کے علاوہ کے اندر بھی کوئی خفا نہیں ہے بھئی۔ آپ فاعل پر بھی عطف کرتے ہیں جَاءَنِي زَيْدٌ وَعَمْرٌو وَبَكْرٌ وَخَالِدٌ، تو عطف کے ذریعے تو تعدد فاعل میں بھی آجاتا ہے، عطف کے ذریعے تو تعدد مفعول بہ میں بھی آجاتا ہے ضَرَبْتُ زَيْدًا وَبَكْرًا وَخَالِدًا۔ تو عطف کے ذریعے تعدد میں چونکہ کوئی خفا نہیں تھا لہٰذا اس کو ذکر نہیں کیا۔

تو کہتے ہیں لِأَنَّ التَّعَدُّدَ بِالْعَاطِفِ لَا خَفَاءَ بِهِ اس لیے کیونکہ حرفِ عطف کے ذریعے تعدد میں کوئی خفا نہیں ہے لَا فِي الْخَبَرِ نہ تو خبر میں وَلَا فِي الْمُبْتَدَأِ اور نہ بتدا میں وَلَا فِي غَيْرِهِمَا اور نہ ان دونوں کے علاوہ میں۔ وَأَيْضًا الْمُتَعَدِّدُ بِالْعَاطِفِ لَيْسَ بِخَبَرٍ بَلْ هُوَ مِنْ تَوَابِعِهِ اور نیز وہ جو متعدد بالعطف ہے جس میں تعدد آیا عطف کی وجہ سے لَيْسَ بِخَبَرٍ وہ تو حقیقت میں خبر نہیں ہے بَلْ هُوَ مِنْ تَوَابِعِهِ بلکہ وہ تو خبر کے توابع میں سے ہے۔ وَلِهَذَا أَوْرَدَ اور اسی وجہ سے مصنف لے کر آئے فِي الْمِثَالِ مثال کے اندر الْخَبَرَ الْمُتَعَدِّدَ بِغَيْرِ عَاطِفٍ وہ خبر جس کے اندر تعدد ہے بغیر عاطف کے۔ تو کہتے ہیں یہ بات بھی بعید نہیں ہے کہ یوں کہیں کہ یہاں جو تعدد صاحبِ کافیہ بیان کر رہے ہیں وہ کون سا تعدد ہے جو بغیر عاطف کے ہو بھئی، بغیر عاطف کے۔

اور اگر یہ تسلیم کر لیا جائے کہ نہیں وہ دونوں کو بیان کرنا چاہتے ہیں تو پھر سوال پیدا ہوتا ہے کہ پھر وہ بغیر عاطف کی مثال تو لائے ہیں عاطف والی مثال کیوں نہیں لائے؟ عاطف والی مثال کیوں نہیں لائے؟ تو اس کا پھر یہ جواب دیا جا سکتا ہے کہ مصنف کی مراد تو دونوں ہیں لیکن عاطف کے ساتھ خبر کے تعدد میں کوئی خفا نہیں تھا لہٰذا اس کی مثال نہیں دی، اور بغیر عاطف کے خبر کے تعدد میں خفا تھا لہٰذا اس لیے اس کی مثال باقاعدہ ذکر کر دی۔ کہتے ہیں وَلَوْ جُعِلَ التَّعَدُّدُ أَعَمَّ اور اگر تعدد کو عام قرار دیا جائے کہ چاہے عطف کے ساتھ ہو چاہے بغیر عطف کے دونوں یہاں ذکر کر رہے ہیں، فَالِاقْتِصَارُ عَلَيْهِ لِذَلِكَ تو اس مثال پر جو اکتفا کیا وہ اس وجہ سے کیا یعنی ترکِ عاطف والی مثال پر اکتفا کیا اس وجہ سے کیونکہ اس کے اندر خفا تھا،

باقیوں میں خفا نہیں ہے۔

وَقَدْ يَتَضَمَّنُ الْمُبْتَدَأُ مَعْنَى الشَّرْطِ وَهُوَ سَبَبِيَّةُ الْأَوَّلِ لِلثَّانِي أَوْ لِلْحُكْمِ بِهِ فَلَا يَرِدُ عَلَيْهِ نَحْوُ وَمَا بِكُم مِّن نِّعْمَةٍ فَمِنَ اللَّهِ فَيُشْبِهُ الْمُبْتَدَأُ الشَّرْطَ فِي سَبَبِيَّتِهِ لِلْخَبَرِ كَسَبَبِيَّةِ الشَّرْطِ لِلْجَزَاءِ.

بھئی آگے صاحبِ کافیہ آپ کو بتلائیں گے کہ کبھی کبھار مبتدا بھی شرط کے معنی کو متضمن ہوتا ہے، مبتدا کے اندر بھی شرط والا معنی آجاتا ہے لہٰذا ایسے مبتدا کی خبر پر فا کا لانا جائز ہے۔ کیونکہ آپ جانتے ہیں بھئی شرط کی جزا پر عموماً کیا داخل کی جاتی ہے؟ فا۔ فا داخل کی جاتی ہے: إِنْ أَكْرَمْتَنِي فَجَزَاكَ اللَّهُ خَيْرًا، دیکھو جزا پر کیا داخل کی گئی؟ فا۔ تو جیسے شرط کی جزا پر فا داخل کی جاتی ہے اسی طرح کبھی کبھار مبتدا جو ہے وہ متضمن ہوتا ہے معنیِ شرط کو یعنی شرط کے معنی پر وہ مشتمل ہوتا ہے اس کے اندر شرط والا معنی ہوتا ہے، تو اس مبتدا کی خبر پر فا کا لانا جائز ہے۔ فا کا لانا جائز ہے یعنی آپ لانا چاہیں تو لے آئیں اور نہیں لانا چاہتے تو نہ لائیں بھئی۔

بھئی دیکھیے پہلے متن متن۔ تو کہتے ہیں وَقَدْ يَتَضَمَّنُ الْمُبْتَدَأُ مَعْنَى الشَّرْطِ اور کبھی کبھار مبتدا جو ہے شرط کے معنی کو متضمن ہوتا ہے فَيَصِحُّ دُخُولُ الْفَاءِ فِي الْخَبَرِ تو صحیح ہے فا کا، جی ترجمہ کیجیے، فَيَصِحُّ دُخُولُ الْفَاءِ فِي الْخَبَرِ تو صحیح ہے فا کا داخل ہونا بھئی۔ فا کا داخل کرنا نہیں بلکہ دُخُولُ الْفَاءِ فا کا داخل ہونا۔ فَيَصِحُّ دُخُولُ الْفَاءِ فِي الْخَبَرِ تو صحیح ہے فا کا داخل ہونا فِي الْخَبَرِ اس خبر میں۔

وَذَلِكَ الِاسْمُ الْمَوْصُولُ بِفِعْلٍ أَوْ ظَرْفٍ أَوِ النَّكِرَةُ الْمَوْصُوفَةُ بِهِمَا. بھئی وہ کون سا مبتدا ہے وہ بتلا رہے ہیں، کہتے ہیں وَذَلِكَ الِاسْمُ الْمَوْصُولُ اور وہ مبتدا ہے جو اسمِ موصول ہو بِفِعْلٍ أَوْ ظَرْفٍ فعل یا ظرف کے ساتھ۔

بھئی آپ جانتے ہیں کہ اسمِ موصول جو ہے اس کے لیے ہمیشہ صلہ چاہیے۔ موصول کے اندر بے انتہا ابہام ہوتا ہے، اتنا زیادہ ابہام ہوتا ہے کہ جب تک آگے ایک پورا جملہ نہیں آئے گا اس کا ابہام دور نہیں ہوگا۔ بات سمجھ میں آگئی؟ موصول کے اندر بے انتہا ابہام ہے، اتنا ابہام کہ مفرد کے ذریعے وہ ابہام دور نہیں ہو سکتا بلکہ اس کے لیے جملہ لانا پڑے گا۔ تو کلام کے اندر جب بھی اسمِ موصول آئے اس کے فوراً بعد آگے ایک جملہ آئے گا جو اس کا صلہ کہلائے گا بھئی۔ اور موصول کے ساتھ صلہ ملے گا تو پھر اسمِ موصول کا معنی آپ کو سمجھ میں آئے گا، اس کے بغیر اسمِ موصول کا معنی آپ کو سمجھ میں نہیں آئے گا۔ جیسے مثلاً میں آپ سے کہتا ہوں الَّذِي، بلکہ پہلے دوسری مثال لیں میں نے کہا زید، فوراً آپ کے ذہن میں زید کا تصور آگیا کیونکہ زید معرفہ ہے آپ کے ایک ساتھی کا نام زید ہے۔ تو جیسے ہی میں نے زید کہا فوراً آپ کے ذہن میں زید کی صورت آگئی آپ سمجھ گئے کہ کس کے بارے میں بات کی جا رہی ہے۔

تو اسی طرح اسمِ موصول وہ بھی معرفہ ہے اور معرفہ کسے کہتے ہیں؟ جو کسی معین ذات پر دلالت کرے۔ اب میں نے

کہا الَّذِي، الَّذِي کا معنی ہے وہ جو کہ۔ تو الَّذِي وہ جو کہ کوئی ذات آپ کے ذہن میں آئی؟ نہیں بھئی کیونکہ اس کے اندر ابہام ہے وہ جو کہ، بھئی وہ جو کہ کون بھئی؟ کون مراد ہے کچھ پتا نہیں چل رہا۔ تو اس کے اندر ابہام ہے، آگے اب ایک جملہ چاہیے پورا جو اس کے ابہام کو دور کرے گا اور وہ اس کا صلہ کہلاتا ہے۔ مثلاً میں آپ سے کہتا ہوں الَّذِي أَكْرَمَكَ وہ شخص جس نے آپ کا اکرام کیا تھا۔ اب آپ سمجھ گئے کہ اچھا اس آدمی کی بات ہو رہی ہے۔ تو یہ أَكْرَمَكَ یہ صلہ ہے اور اس صلے نے آکر موصول سے ابہام کو دور کر دیا۔ تو اسمِ موصول کو آپ جملے کے اندر چاہے بتدا بنانا چاہیں، چاہے خبر، چاہے فاعل، چاہے مفعول، چاہے صفت، چاہے موصوف، جو بھی بنانا چاہتے ہیں پہلے صلے کو اس کے ساتھ جوڑنا پڑے گا۔ بغیر صلے کے اسمِ موصول نہ بتدا بن سکتا ہے نہ خبر نہ فاعل نہ مفعول کچھ بھی نہیں بن سکتا کیونکہ اس کا معنی ہی نہیں سمجھ میں آئے گا۔ تو اسمِ موصول جب بھی آئے آپ نے فوراً اس کے صلے کو اس کے ساتھ جوڑنا ہے اور صلہ ہمیشہ

جملہ ہوگا۔ اور جملے کو جب بھی کسی چیز سے جوڑنا ہو درمیان میں ربط ضروری ہے، تو اس صلے کے اندر بھی ایک ضمیر غائب کی چاہیے جو کس کی طرف لوٹے؟ اس اسمِ موصول کی طرف لوٹے بھئی۔

اور پھر یاد رکھنا یہ جو اسمِ موصول ہے اس کے لیے تو کوئی محلِ اعراب ہوگا۔ اسمِ موصول اگر بتدا ہے تو وہ محلاً مرفوع ہوگا، اگر وہ خبر ہے تو خبر بھی مرفوع ہوتی ہے تو اسمِ موصول بھی مرفوع ہوگا، اور اگر اسمِ موصول مفعول بن رہا ہے تو وہ منصوب ہوگا، تو اسمِ موصول کے لیے کوئی نہ کوئی اعراب آئے گا، کوئی محلِ اعراب ہوگا اس کے لیے۔ لیکن یہ جو صلہ ہے آگے اس کے لیے کوئی محلِ اعراب نہیں، لَا مَحَلَّ لَهُ مِنَ الْإِعْرَابِ اس کے لیے کوئی محلِ اعراب نہیں۔ آپ کہیں گے بھئی موصول پر جو اعراب ہے وہی اعراب صلے کا بھی ہونا چاہیے۔ نہیں بھئی، یہ کوئی آپس میں موصوف صفت نہیں ہیں۔ موصوف صفت کا اعراب ایک ہوتا ہے، صفت پر وہی اعراب آتا ہے جو موصوف پر آتا ہے، لیکن یہاں موصول کا صلہ ہے یہ اس کی صفت نہیں ہے کہ اس پر بھی وہی اعراب آجائے۔ تو صلہ جو ہے اس کے لیے لَا مَحَلَّ لَهُ مِنَ الْإِعْرَابِ کہیں گے بھئی۔

تو وہ بتدا جو متضمن ہو شرط کے معنی کو، کہتے ہیں وَذَلِكَ الِاسْمُ الْمَوْصُولُ بِفِعْلٍ أَوْ ظَرْفٍ وہ اسمِ موصول ہے جو فعل یا ظرف کے ساتھ آئے۔ کس کے ساتھ آئے؟ فعل۔ یعنی ایسا اسمِ موصول جس کا صلہ فعل آئے اور فعل اپنے فاعل یا نائبِ فاعل سے مل کر کیا بنتا ہے؟ جملہ۔ معلوم ہوا وہ اسمِ موصول جس کا صلہ جملہ فعلیہ ہو۔

اور اسی طرح بِفِعْلٍ أَوْ ظَرْفٍ وہ اسمِ موصول جو ظرف کے ساتھ آئے۔ ظرف آپ جانتے ہیں ایک ظرفِ حقیقی ہے جس میں زمانے اور جگہ والا معنی ہو اور وہ مفعول فیہ بنتا ہے اور اس کے لیے بھی ثَبَتَ یا ثَابِتٌ نکالتے ہیں اگر کلام کے اندر نہ ہو، کیونکہ مفعول فیہ ہے اور مفعول فیہ منصوب ہوتا ہے تو اس کے لیے عامل چاہیے کس نے اس کو نصب دیا یہ کس کے

لیے مفعول فیہ ہے۔ اور اسی طرح ایک جار مجرور ہے اور جار مجرور کو مجازاً ظرف کہتے ہیں اور جار مجرور کے لیے متعلق چاہیے بھئی، تو جار مجرور کے لیے متعلق چاہیے۔ تو یہ جس سے جڑتے ہیں وہ ان کا متعلق کہلاتا ہے۔ وہ اگرچہ ان کے اندر عامل ہے اس میں عامل ہے لیکن اس کے لیے متعلق کا لفظ بولتے ہیں۔ وجہ یہ کہ میں نے بتایا تھا کہ جب کوئی فعل کسی لفظ میں براہِ راست عمل نہ کر سکے تو کس کا سہارا لیا جاتا ہے؟ حرفِ جر کا۔ حرفِ جر کا سہارا لیا جاتا ہے، تو یہ فعل اب اس مجرور میں عمل کر رہا ہے لیکن براہِ راست نہیں بلکہ کس کے واسطے سے؟ حرفِ جر کے واسطے سے اس میں عمل کر رہا ہے، تو حرفِ جر کے ساتھ یہ جو مجرور ہے یہ متعلق کہلائیں گے کیونکہ درمیان میں حرف آ رہا ہے، فعل اس کے اندر براہِ راست عمل نہیں کر رہا تو اس لیے یہاں متعلق کا لفظ بولتے ہیں بھئی۔

تو وہ اسمِ موصول جو ظرف کے ساتھ ہو یعنی جس کا صلہ ظرف آئے چاہے ظرفِ حقیقی ہو چاہے ظرفِ مجازی ہو۔ الَّذِي فِي الدَّارِ، ترکیب کیسے ہوگی؟ الَّذِي اسمِ موصول، فِي جارہ، الدَّارِ مجرور، جار مجرور مل کر متعلق کس سے؟ یہ ظرف آگیا موصول کا صلہ کس سے متعلق؟ باقی جگہ پر ثَبَتَ اور ثَابِتٌ دونوں نکال سکتے ہیں۔ بھئی پیچھے خبر کی بات آئی تھی کہ وہ خبر جو ظرف ہو تو صاحبِ کافیہ نے کیا فرمایا تھا؟ اس کی تاویل جملہ کے ساتھ کی جائے گی یعنی وہاں فعل مقدر نکالیں گے۔ توجہ ہے؟ تو یہ بصرہ والوں کا مذہب ہے، جبکہ کوفہ والے اختلاف کرتے ہیں وہ فرماتے ہیں صفت کا صیغہ یعنی اسمِ فاعل یا اسمِ مفعول یہاں مقدر نکالیں گے کیونکہ خبر کے اندر اصل یہ ہے کہ وہ مفرد ہونی چاہیے۔ جب خبر ظرف واقع ہو اس کے اندر تو علماء کا اختلاف ہے، بعض کیا فرماتے ہیں کہ اس کی تاویل جملہ کے ساتھ کی جائے گی، بعض کہتے ہیں اس کی تاویل مفرد کے ساتھ کی جائے گی۔ لیکن وہ ظرف جو صلہ بنے اس میں بالاتفاق اس کی تاویل جملہ کے ساتھ کی جائے گی یعنی وہاں فعل نکالیں گے۔ کیوں فعل نکالیں گے؟ کیونکہ فعل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ بنے گا، اور اگر آپ صفت کا صیغہ نکالیں گے تو پھر تو وہ مفرد بنے گا بھئی، اور حالانکہ موصول کا صلہ مفرد نہیں ہوتا بلکہ وہ جملہ ہوتا ہے اور جملہ کس صورت میں ہے کہ اس ظرف کی تاویل کس کے ساتھ کی جائے؟ فعل کے ساتھ۔ بات سمجھ میں آگئی؟

تو کہتے ہیں وہ مبتدا جو متضمن ہو شرط کے معنی کو، الِاسْمُ الْمَوْصُولُ بِفِعْلٍ أَوْ ظَرْفٍ وہ اسمِ موصول ہے جو فعل یا ظرف کے ساتھ ہو، أَوِ النَّكِرَةُ الْمَوْصُوفَةُ بِهِمَا یا وہ نکرہ جو ان دونوں کے ساتھ موصوف ہو یعنی ان دونوں میں سے ایک کے ساتھ موصوف ہو۔ بھئی میں نے آپ کو بتلایا تھا نکرہ کے بعد فعل آجائے تو وہ عموماً اس کے لیے کیا بنتا ہے؟ صفت۔ اسی طرح میں نے آپ کو بتلایا تھا کہ نکرہ کے بعد جار مجرور آجائے اور وہ کسی سے نہ جڑ رہا ہو تو وہ بھی عموماً اس نکرہ کے لیے صفت بنے گا۔ لہٰذا وہ نکرہ جو فعل کے ساتھ موصوف ہو رہا ہے یا وہ نکرہ جو ظرف کے ساتھ موصوف ہو رہا ہے اور مبتدا ہے، تو اس کے اندر بھی شرط والا معنی آگیا، لہٰذا اس کی خبر پر فا کا داخل کرنا جائز ہے۔ یہ کچھ مثالیں اپنے سامنے لکھیں تاکہ ان کو ہم حل کر لیں اور بات خوب واضح ہو جائے بھئی۔

لکھیے بھئی: الَّذِي يَأْتِينِي، الَّذِي يَأْتِينِي فَلَهُ دِرْهَمٌ۔ الَّذِي يَأْتِينِي فَلَهُ دِرْهَمٌ۔ جی ترکیب کیجیے۔ معنی سمجھ میں آ رہا ہے؟ جی۔ کیا معنی؟ الَّذِي يَأْتِينِي وہ شخص جو میرے پاس آئے گا فَلَهُ دِرْهَمٌ تو اس کے لیے ایک درہم ہے یعنی میں اسے ایک درہم دوں گا۔ اب دیکھیے الَّذِي يَأْتِينِي ترکیب شروع کیجیے بھئی۔ الَّذِي مرفوع محلاً اسمِ موصول۔ يَأْتِي فعل بافاعل۔ میں نے بتایا تھا فعل کے ساتھ جب فاعل کی ضمیر ہو جڑی ہوئی تو پھر اس کو کیسے تعبیر کریں گے؟ فعل بافاعل۔ تو يَأْتِي فعل بافاعل۔ اب اس کے اندر فاعل بھی بتا دیں کیا ہے؟ يَأْتِي کے اندر هُوَ ضمیر مرفوع محلاً اس کا فاعل۔ آگے نون وقایہ، یا ضمیر منصوب محلاً مفعول بہ۔ فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر صلہ موصول کے لیے۔ نہیں بھئی یہ جملہ صلہ نہیں بن سکتا آپ نے ربط کوئی نہیں بتایا۔ جی ربط دیجیے۔ ہاں يَأْتِينِي کے اندر جو هُوَ ضمیر تھی وہ الَّذِي کو راجع۔ اور پھر یہ بھی غور کر لیا کرو کہ ضمیر اور مرجع میں مطابقت ہے یا نہیں۔ هُوَ ضمیر بھی مفرد مذکر اور الَّذِي بھی مفرد مذکر ہے تو ضمیر اور مرجع میں بھی مطابقت ہے۔ تو فعل اپنے فاعل اور مفعول سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر صلہ، موصول صلہ مل کر مبتدا۔ اور یہ مبتدا دیکھو وہ اسمِ موصول ہے جس کا صلہ فعل آ رہا ہے اور یہ متضمن ہوتا ہے معنیِ شرط کو، لہٰذا اسی لیے اس کی خبر پر فا کا لانا جائز ہے۔ تو یہ فا جو داخل ہو رہی ہے یہ جزا نہیں ہے۔ آپ کو جہاں ایسا کلام مل جائے اور فا کو دیکھتے ہی آپ آنکھیں بند کر کے کہہ دیں یہ جزا ہے، نہیں بھئی آج آپ کو پتا چل گیا کہ یہ فا کبھی خبر پر بھی داخل کرتے ہیں۔ یہ جزا نہیں ہے یہ خبر ہے، یہ کیا ہے؟ خبر ہے کیونکہ مبتدا متضمن تھا معنیِ شرط کو۔ اور فَلَهُ دِرْهَمٌ تو یہ لَهُ دِرْهَمٌ خبر ہے اور یہ پورا جملہ ہے، آپ نے پڑھا ہے کبھی کبھار خبر جو ہے جملہ ہوتی ہے، تو یہاں پر بھی یہ خبر جو ہے جملہ ہے بھئی۔ لَهُ جو ہے یہ جار مجرور ہے اور جار مجرور میں نے آپ کو بتلایا تھا وہ کبھی بھی مسند الیہ نہیں بنتا، مسند تو بن سکتا ہے مسند الیہ نہیں بن سکتا۔ تو لہٰذا فَلَهُ یہ لَهُ کیا ہے؟ خبرِ مقدم، اور دِرْهَمٌ مبتدا مؤخر ہے۔ یہاں پھر اشکال ہوتا ہے کہ دِرْهَمٌ تو نکرہ محض ہے اور نکرہ محض تو مبتدا نہیں بنتا، پھر یہ کیسے مبتدا بن گیا؟ کیا جواب دیں گے آپ؟ فَلَهُ دِرْهَمٌ یہ دِرْهَمٌ تو نکرہ ہے یہ مبتدا کیسے بن سکتا ہے؟ جواب یہ کہ یہاں جو مبتدا مؤخر ہے اس کے اندر تخصیص آ گئی تقدیمِ خبر کی وجہ سے۔ لَهُ کیا ہے؟ خبرِ مقدم ہے اور دِرْهَمٌ مبتدا مؤخر، تو تقدیمِ خبر کی وجہ سے وہ مبتدا جو نکرہ ہے اس کے اندر تخصیص آ گئی لہٰذا اس کا مبتدا بننا صحیح ہے۔ جی ترکیب کیجیے فَلَهُ دِرْهَمٌ۔ جی فا جزائیہ، لَهُ لام جارہ، هَا ضمیر مجرور محلاً، جار مجرور مل کر متعلق کس سے؟ ثَبَتَ بھی نکال سکتے ہیں ثَابِتٌ بھی نکال سکتے ہیں بھئی۔ یہ متعلق کس سے؟ ثَبَتَ فعل سے۔ ثَبَتَ فعل، اس کے اندر هُوَ ضمیر مرفوع محلاً اس کا فاعل۔ فعل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر خبرِ مقدم کس کے لیے؟ دِرْهَمٌ کے لیے۔ نہیں بھئی یہ خبر نہیں بن سکتی جب تک ربط نہیں دیں گے یہ خبر نہیں بنے گی، جملہ کو آپ خبر بنا رہے ہیں۔ ربط دیجیے۔ جی لَهُ کے اندر جو هَا ضمیر ہے یہ کس کو راجع؟ دِرْهَمٌ کو۔ ترجمہ ذرا کرو: فَلَهُ دِرْهَمٌ أَيْ لِدِرْهَمٍ دِرْهَمٌ درہم کے لیے درہم ہے؟ دیکھا معنی صحیح نہیں ہو رہا۔ معلوم ہوا لَهُ کی هَا ضمیر دِرْهَمٌ کو نہیں لوٹا سکتے

ورنہ تو کیا معنی بن جائے گا؟ لِدِرْهَمٍ دِرْهَمٌ درہم کے لیے درہم ہے بھئی۔ اور کوئی ضمیر ہے یہاں پر؟ ہاں ثَبَتَ کے اندر هُوَ ضمیر تھی، ثَبَتَ لَهُ اس کے لیے ثابت ہوگا۔ کیا ثابت ہوگا؟ دِرْهَمٌ بھئی یہ، تو ثَبَتَ کے اندر هُوَ ضمیر ہے اور وہ لوٹا دیں دِرْهَمٌ کی طرف، اور اس سے ربط آگیا خبر کا مبتدا مؤخر کے ساتھ۔ تو یہ خبر ہوئی اور مبتدا اپنی خبر سے مل کر، ہاں لَهُ یہ خبرِ مقدم ہوئی اور دِرْهَمٌ مبتدا مؤخر، تو مبتدا اپنی خبر سے مل کر جملہ اسمیہ ہو کر یہ خبر، جملہ اسمیہ ہو کر یہ خبر کس کے لیے؟ الَّذِي يَأْتِينِي وہ جو مبتدا تھا اس کے لیے خبر بن گئی۔ اور یہ مبتدا کی خبر پورا جملہ ہے، اور جملے کو جب بھی کسی چیز سے جوڑنا ہو درمیان میں کیا ضروری؟ ربط ضروری۔ آپ نے الَّذِي کے ساتھ ربط ہی نہیں دیا بھئی، ربط دیں بھئی۔ ہاں فَلَهُ کی هَا ضمیر جو ہے یہ الَّذِي کو راجع ہے۔ الَّذِي يَأْتِينِي وہ جو میرے پاس آئے گا لَهُ اس کے لیے ہے دِرْهَمٌ، کیا چیز؟ درہم بھئی۔ تو یہ لَهُ کی هَا ضمیر جو ہے یہ الَّذِي کو راجع، اس نے ربط دے دیا۔ تو مبتدا اپنی خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔ ترکیب سمجھ میں آگئی؟

ایک اور جملہ کیجیے جلدی جلدی، لکھیے بھئی: الَّذِي فِي الدَّارِ فَلَهُ دِرْهَمٌ۔ الَّذِي فِي الدَّارِ فَلَهُ دِرْهَمٌ۔ ترکیب کیجیے بھئی۔ الَّذِي مرفوع محلاً اسمِ موصول یہ مبتدا ہے اس لیے مرفوع ہے۔ آگے فِي جارہ، الدَّارِ مجرور، جار مجرور مل کر متعلق کس سے؟ ثَبَتَ سے۔ ثَابِتٌ نکال سکتے ہیں یہاں؟ نہیں، کیونکہ ہمیں جملہ چاہیے۔ ثَابِتٌ نکال سکتے ہیں، ثَابِتٌ یاد رکھو نکال سکتے ہیں لیکن اس صورت میں پھر اس کے لیے ایک مبتدا بھی نکالنا پڑے گا پورا جملہ چاہیے، تو هُوَ مبتدا الگ نکالیں گے اور ثَابِتٌ فِي الدَّارِ الگ نکالیں گے، اور یہ پسندیدہ نہیں کیونکہ حذف کم سے کم ہونا چاہیے۔ تو لہٰذا یہاں پر ثَبَتَ ہی نکالیں گے۔ جی تو ثَبَتَ فعل، هُوَ ضمیر اس کے اندر مرفوع محلاً اس کا فاعل جو لوٹ رہی ہے الَّذِي کی طرف بھئی۔ تو ثَبَتَ فعل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر یہ صلہ موصول کے لیے، موصول صلہ مل کر مبتدا۔ اور فَلَهُ دِرْهَمٌ اسی طرح خبر ہے، باقی ساری ترکیب اسی طرح ہوگی۔

ایک اور جملہ لکھیے بھئی: الَّذِي عِنْدَكَ فَلَهُ دِرْهَمٌ۔ الَّذِي عِنْدَكَ فَلَهُ دِرْهَمٌ۔ ترکیب کیجیے۔ الَّذِي مرفوع محلاً اسمِ موصول، عِنْدَ اعراب بولیے۔ منصوب لفظاً مضاف، كَاف ضمیر مجرور محلاً مضاف الیہ، مضاف اپنے مضاف الیہ سے مل کر یہ مفعول فیہ ہوا کس کے لیے؟ ثَبَتَ کے لیے۔ ثَبَتَ فعل، اس کے اندر هُوَ ضمیر مرفوع محلاً اس کا فاعل جو کس کو راجع؟ الَّذِي کو، یہ ربط آگیا۔ تو ثَبَتَ فعل اپنے فاعل اور مفعول فیہ سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر یہ صلہ، موصول صلہ مل کر مبتدا، اور فَلَهُ دِرْهَمٌ اس کی خبر ہے باقی ترکیب اسی طرح ہوگی۔

طریقہ سمجھ میں آگیا؟ یہ تینوں مثالوں میں دیکھو ان کے اندر ایسا اسمِ موصول مبتدا بن رہا ہے جس کا صلہ فعل ہے یا ظرف ہے، چاہے ظرفِ حقیقی ہو جیسے عِنْدَكَ اور چاہے ظرفِ مجازی ہو جیسے فِي الدَّارِ۔ تو یہ والا جو مبتدا ہے یہ متضمن ہوتا ہے معنیِ شرط کو لہٰذا اس کی خبر پر فا کا لانا جائز، اگر آپ چاہیں تو فا لے آئیں اور آپ چاہیں تو فا کو نہ لائیں بھئی۔

اور دوسرا، دوسرا وہ مبتدا انہوں نے بتلایا أَوِ النَّكِرَةُ الْمَوْصُوفَةُ بِهِمَا، وہ نکرہ جو ان دونوں کے ساتھ یعنی ان دونوں میں

سے ایک کے ساتھ موصوف ہو رہا ہو۔ یعنی ایسا نکرہ جس کی صفت فعل آجائے یا ظرف آجائے۔ جس کی صفت فعل آ جائے یا ظرف آجائے۔ اس کے لیے بھی مثال لکھیے بھئی: كُلُّ رَجُلٍ يَأْتِينِي، كُلُّ رَجُلٍ يَأْتِينِي فَلَهُ دِرْهَمٌ۔ جی ترکیب کیجیے: كُلُّ مرفوع

لفظاً مضاف۔ یاد رکھو یہ جو لفظِ كُلّ ہے یہ ہمیشہ مضاف الیہ چاہتا ہے۔ كُلّ کا معنی سارے، سب کے سب۔ بھئی سارے، کیا چیز بھئی؟ ساری کتابیں یا سارے قلم یا سارے طلبہ یا سارے انسان؟ آگے مضاف الیہ چاہیے بھئی۔ تو كُلّ ہمیشہ کس کا تقاضا کرتا ہے؟ مضاف الیہ کا، تو اس کے بعد ہمیشہ مضاف الیہ آئے گا۔ لیکن کبھی کبھار اس کے مضاف الیہ کو حذف کر دیتے ہیں اور اس کے عوض اس پر تنوین لے آتے ہیں۔ تو کیسے پڑھیں گے؟ كُلٌّ۔ تو جب بھی لفظِ كُلّ اور اسی طرح لفظِ بَعْض، كُلّ اور بَعْض۔ كُلّ کا معنی سارے، بَعْض کا معنی کچھ، تو دونوں مضاف الیہ چاہتے ہیں۔ اور کبھی ان پر تنوین آپ کو عبارت میں نظر آئے گی۔ تو جب بھی كُلّ اور بَعْض کے لفظ پر تنوین آجائے سمجھ جائیں یہ عوض ہے مضاف الیہ کے، مضاف الیہ کو حذف کر دیا گیا اور اس کے عوض كُلّ اور بَعْض پر تنوین لے آئے۔ تو لہٰذا اگر كُلّ پر تنوین آجائے تو آپ سمجھ جائیں اس کا کہ یہ تنوین عوض ہے مضاف الیہ سے، اور عموماً وہ وَاحِدٍ کا لفظ ہوتا ہے یا موقع کے مطابق جو بھی ہو۔ تو كُلٌّ أَيْ كُلُّ وَاحِدٍ بھئی، تو یہ تنوین کس کے عوض ہے؟ وَاحِدٍ جو مضاف الیہ ہے بھئی۔

تو ترکیب کر رہے تھے ہم كُلُّ رَجُلٍ يَأْتِينِي فَلَهُ دِرْهَمٌ۔ كُلُّ مرفوع لفظاً مضاف، رَجُلٍ مجرور لفظاً مضاف الیہ ہے بھئی۔ اور اس کے بعد يَأْتِينِي فعل آرہا ہے اور نکرہ کے بعد فعل آئے تو وہ عموماً اس کے لیے کیا بنتا ہے؟ صفت۔ تو یہاں رَجُلٍ موصوف ہے اور اس کے بعد يَأْتِينِي فعل اس کی صفت بنے گا۔ تو کیسے کہیں

کہ كُلُّ مرفوع لفظاً مضاف، رَجُلٍ مجرور لفظاً موصوف بھئی۔ يَأْتِينِي: يَأْتِي فعل بافاعل، اس کے اندر هُوَ ضمیر مرفوع محلاً اس کا فاعل جو کس کو راجع؟ رَجُل کو راجع ہے، صفت کو موصوف سے جوڑتے ہیں، اور نون وقایہ، یا ضمیر منصوب محلاً مفعول بہ۔ فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر صفت، موصوف صفت مل کر یہ مضاف الیہ ہوا كُلّ کے لیے۔ مضاف اپنے مضاف الیہ سے مل کر بتدا۔ توجہ ہے؟ بتدا۔ اور فَلَهُ دِرْهَمٌ یہ اس کی خبر ہے۔ اب دیکھو كُلُّ رَجُلٍ یہ ایسا بتدا ہے جس کی صفت فعل آرہا ہے، اور وہ بتدا جس کی صفت فعل آئے تو وہ متضمن ہوتا ہے معنیِ شرط کو، لہٰذا اس کی خبر پر فا کا لانا جائز ہے، چاہیں تو لے آئیں چاہیں تو نہ لائیں بھئی۔

یہاں آپ کے ذہن میں اشکال آئے گا: كُلُّ رَجُلٍ يَأْتِينِي یہ يَأْتِينِي کس کی صفت ہے؟ رَجُل کی۔ اور رَجُل تو بتدا نہیں ہے، بتدا تو كُلّ کا لفظ ہے، وہ مرفوع ہے كُلُّ رَجُلٍ یہ رَجُل تو مضاف الیہ ہے۔ تو اس کا جواب بھی یاد رکھنا کہ بھئی یہ جو كُلّ ہے یہ صرف افراد کے احاطے کے لیے آتا ہے۔ كُلُّ رَجُلٍ یعنی ہر آدمی، اس نے رَجُل کے تمام افراد کا احاطہ کر لیا کہ سب کے لیے یہی حکم ہے جو آگے ذکر ہونے والا ہے۔ تو یہ جو كُلّ آتا ہے یہ افراد کے احاطے کے لیے آتا ہے تو اس کے بعد وہ

چیز ذکر ہوتی ہے جس کے افراد کا احاطہ کیا جا رہا ہے، تو گویا یہ کُلّ سے یہ رَجُل ہی مراد ہیں کوئی اور چیز مراد نہیں۔ تو جو رَجُل کی صفت ہے گویا وہ کُلّ کی بھی صفت ہے بھئی۔ کُلّ سے کیا مراد ہے؟ وہی جو آگے آرہا ہے جو مضاف الیہ ہے وہی مراد ہے کوئی اور چیز مراد نہیں، اسی کے افراد مراد ہیں، تو گویا کُلّ اور رَجُل ایک ہی چیز ہیں بھئی، کُلّ صرف اس کے افراد کا احاطہ کر رہا ہے۔ تو جو رَجُل کی صفت ہے گویا وہ کُلّ کی بھی صفت ہے۔ تو یہ ایسا مبتدا ہے جس کی صفت کیا آرہی ہے؟ فعل، لہٰذا اس میں شرط والا معنی آیا تو اس کی خبر پر فا کا لانا جائز ہے بھئی۔

دوسری مثال لکھیے بھئی: كُلُّ رَجُلٍ، كُلُّ رَجُلٍ فِي الدَّارِ فَلَهُ دِرْهَمٌ۔ فَلَهُ دِرْهَمٌ۔ كُلُّ مرفوع لفظاً مضاف، رَجُلٍ مجرور لفظاً موصوف، کیونکہ نکرہ کے بعد جار مجرور آرہا ہے تو وہ اس کے لیے عموماً صفت بنتا ہے۔ فِي جارہ، الدَّارِ مجرور لفظاً، جار مجرور مل کر متعلق کس سے؟ چاہے ثَبَتَ نکالیں یا ثَابِتٌ۔ یہاں جملہ ہونا ضروری نہیں، تو ثَبَتَ نکالیں یا ثَابِتٌ۔ اچھا ثَبَتَ فعل، اس کے اندر هُوَ ضمیر مرفوع محلاً اس کا فاعل جو کس کو راجع؟ رَجُل کو، رَجُل کو، یہ صفت کا ربط آگیا موصوف کے ساتھ۔ ثَبَتَ فعل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر صفت، موصوف صفت مل کر مضاف الیہ ہوا لفظِ كُلّ کے لیے۔ مضاف اپنے مضاف الیہ سے مل کر مبتدا اور فَلَهُ دِرْهَمٌ اس کی خبر ہے، اس میں پھر وہی ترکیب ہوگی جو ہم پہلے کر چکے بھئی۔

آپ نے كُلُّ رَجُلٍ فِي الدَّارِ، آپ نے فِي الدَّارِ کو کس سے جوڑا؟ ثَبَتَ سے۔ ذرا مفرد نکالو: كُلُّ رَجُلٍ فِي الدَّارِ، یہ فِي الدَّارِ کو مفرد سے جوڑو۔ فِي جارہ، الدَّارِ مجرور، جار مجرور مل کر متعلق کس سے؟ ثَابِتٌ مفرد سے؟ یہ جار مجرور مل کر کس سے متعلق؟ جی؟ ہاں شاباش! تو جار مجرور مل کر متعلق ہوں گے ثَابِتٍ بھئی، ثَابِتٌ نہیں کہنا۔ کیونکہ اگر آپ ثَابِتٌ کہیں گے یہ تو رفع آگیا، اور حالانکہ یہ تو صفت بن رہا ہے رَجُل کے لیے اور موصوف صفت کا اعراب ایک ہوتا ہے، رَجُل مجرور ہے تو لہٰذا جو اس کی صفت ثَابِت فِي الدَّارِ آئے گی وہ بھی کیا ہوگی؟ مجرور۔ تو کیا کہیں گے؟ فِي الدَّارِ جار مجرور مل کر متعلق ہے ثَابِتٍ صیغہ اسمِ فاعل سے۔ اور ثَابِتٍ مجرور کیونکہ یہ صفت ہے، اور اس کے اندر هُوَ ضمیر مرفوع محلاً اس کا فاعل جو کس کو راجع؟ موصوف کو۔ اور اسمِ فاعل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر شبہ جملہ ہو کر یہ صفت رَجُل کے لیے، موصوف صفت مل کر یہ مضاف الیہ ہوا كُلّ کے لیے، اور كُلّ مضاف اپنے مضاف الیہ سے مل کر مبتدا، اور آگے فَلَهُ دِرْهَمٌ اس کی خبر۔ طریقہ سمجھ میں آگیا؟

تو لہٰذا ثَابِت نکالیں گے تو کیسے پڑھیں گے؟ ثَابِتٍ۔ اور ثَبَتَ اگر آپ نے نکالا ہے كُلُّ رَجُلٍ ثَبَتَ فِي الدَّارِ، تو یہ ثَبَتَ فِي الدَّارِ پورا جملہ صفت ہے کس کی؟ رَجُل کی۔ اور رَجُل کیا ہے؟ مجرور، لہٰذا اس جملے کا محلِ اعراب کیا ہے؟ یہ بھی مجرور ہے کیونکہ صفت پر وہی اعراب آتا ہے جو موصوف پر۔ تو جملہ چونکہ مبنی ہے اس پر اعراب ظاہر نہیں ہوتا، تو ثَبَتَ فِي الدَّارِ پر اعراب ظاہر نہیں ہوا، جر ظاہر نہیں ہوا، لیکن ثَابِتٍ فِي الدَّارِ یہ تو مفرد ہے اس پر جر ظاہر ہوا۔ بات سمجھ میں آگئی؟

تو کہتے ہیں وَذَلِكَ الِاسْمُ الْمَوْصُولُ بِفِعْلٍ أَوْ ظَرْفٍ اور وہ اسمِ موصول ہے جو فعل یا ظرف کے ساتھ ہو، أَوِ النَّكِرَةُ

الْمَوْصُوفَةُ بِهِمَا یا وہ مبتدا جو ہے ایسا نکرہ ہو جو موصوف ہو رہا ہو بِهِمَا فعل یا ظرف کے ساتھ۔ مِثْلُ: الَّذِي يَأْتِينِي أَوْ فِي الدَّارِ فَلَهُ دِرْهَمٌ۔ دیکھو صاحبِ کافیہ کے پاس الفاظ کم ہوتے ہیں بھئی، ان کی کوشش ہوتی ہے میں مختصر سے مختصر بات کروں۔ تو یہاں وہ دو مثالیں دینا چاہتے تھے: ایک وہ اسمِ موصول جس کا صلہ فعل آئے، ایک وہ اسمِ موصول جس کا صلہ ظرف آئے۔ چنانچہ کیا فرمایا؟ الَّذِي يَأْتِينِي، یہ اسمِ موصول ہے اور يَأْتِينِي اس کا صلہ ہے، آگے کیا فرمایا؟ أَوْ فِي الدَّارِ۔ یہاں دوبارہ الَّذِي نہیں فرمایا، کہتے ہیں باقی بات آپ خود سمجھ جائیں کہ يَأْتِينِي کی جگہ کیا لے آئیں؟ فِي الدَّارِ لے آئیں، اور فَلَهُ دِرْهَمٌ ایک ہی دفعہ خبر لے آئے کہ پہلے کے لیے خبر آپ خود نکال لیں۔ تو گویا یہ دراصل دو مثالوں کے درجے میں ہے، گویا یوں کہا جا رہا ہے: الَّذِي يَأْتِينِي فَلَهُ دِرْهَمٌ، تو الَّذِي يَأْتِينِي کے لیے فَلَهُ دِرْهَمٌ خبر حذف کر دی کیونکہ آگے دوسرے جملے کی خبر فَلَهُ دِرْهَمٌ آ رہی تھی اس سے پتا چل رہا تھا، اور پھر یہ دوسرے جملے میں کیا فرمایا أَوْ فِي الدَّارِ اس سے الَّذِي کو حذف کر دیا بھئی کیونکہ ایک دفعہ الَّذِي پہلے ذکر کر چکے تھے۔ بات سمجھ میں آ گئی؟ تو اب آپ نے یہ نہیں کرنا أَوْ فِي الدَّارِ کہ آپ فِي الدَّارِ کا عطف کس پر کر دیں يَأْتِينِي پر اور اسی الَّذِي کو کیا بنا دیں مبتدا بنا دیں، نہیں نہیں، اس فِي الدَّارِ کے لیے الگ الَّذِي نکالنا پڑے گا کیونکہ یہ الگ مثال ہے بھئی۔ بات سمجھ میں آ گئی؟ اور نیز وہ الَّذِي يَأْتِينِي اس کے لیے خبر بھی الگ نکال لیں گے بھئی۔

آگے دیکھیے: وَكُلُّ رَجُلٍ يَأْتِينِي أَوْ فِي الدَّارِ فَلَهُ دِرْهَمٌ، یہ بھی پھر دو مثالیں ہیں: كُلُّ رَجُلٍ يَأْتِينِي فَلَهُ دِرْهَمٌ ایک مثال، اور كُلُّ رَجُلٍ فِي الدَّارِ فَلَهُ دِرْهَمٌ یہ دوسری مثال بھئی۔ اس کے اندر بھی کہ کچھ چیزیں پہلی مثال میں ذکر کر دیں اور کچھ چیزیں دوسری مثال میں ذکر کر دیں اور کچھ کو حذف کر لیا۔

تو یہاں دیکھو بڑا قیمتی ضابطہ صاحبِ کافیہ نے ذکر فرمایا کہ مبتدا کبھی متضمن ہوتا ہے معنیِ شرط کو اور وہ دو قسم کے مبتدا ہیں: ایک وہ اسمِ موصول جس کا صلہ فعل آئے یا ظرف آئے، اور ایک وہ مبتدا جو نکرہ ہے اور موصوف ہو رہا ہے کس کے ساتھ؟ فعل یا ظرف کے ساتھ، تو یہ متضمن ہیں معنیِ شرط کو۔ اور اب آپ کلامِ عرب میں غور کریں گے آپ کو بہت مثالیں اس کی مل جائیں گی بھئی۔ جیسے حدیث میں آتا ہے: مَنْ تَشَبَّهَ بِقَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ۔ تو مَنْ تَشَبَّهَ، یہ مَنْ موصولہ ہے تَشَبَّهَ اس کا صلہ، اور دیکھو صلہ فعل ہے تو اس کے اندر شرط والا معنی آ گیا مَنْ تَشَبَّهَ بِقَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ، تو دیکھا یہاں فا کا لانا جائز ہے تو فا لائی گئی۔ اور اسی طرح مَنْ كَانَ لِلَّهِ كَانَ اللَّهُ لَهُ۔ مَنْ، مَنْ موصولہ اور مَنْ كَانَ لِلَّهِ یہ كَانَ فعل اس کا صلہ آیا اور تو لہٰذا اس کے اندر شرط والا معنی، تو اس کی خبر پر فا کا لانا جائز ہے چاہے لائیں چاہے نہ لائیں تو یہاں نہیں لائی گئی: مَنْ كَانَ لِلَّهِ كَانَ اللَّهُ لَهُ۔ اسی طرح: السَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوا أَيْدِيَهُمَا۔ یہ بھی اسی کی مثال ہے، کیونکہ آپ نے پڑھا ہے کہ اسمِ فاعل اور اسمِ مفعول کے صیغوں پر جو الف لام داخل ہو وہ دراصل اسمِ موصول ہوتا ہے۔ میں نے مثال ذکر کی تھی الضَّارِبُ کس معنی میں ہے؟ الَّذِي يَضْرِبُ، اور الْمَضْرُوبُ کس معنی میں ہے؟ الَّذِي يُضْرَبُ کے معنی میں ہے۔ تو السَّارِقُ یہ الف لام

کون سا ہے؟ الف لام اسمی ہے، اسم والا ہے یعنی اسمِ موصول ہے اور سَارِق یہ اس کا صلہ ہے، صلہ ہے۔ توجہ ہے؟ پھر سنو السَّارِقُ اس میں الف لام کیا ہے؟ اسمِ موصول اور سَارِق کیا ہے؟ اس کا صلہ ہے بھئی۔ تو اس پر اشکال ہوتا ہے کہ موصول کا صلہ تو جملہ ہوتا ہے اور یہاں تو الف لام کا صلہ صرف لفظِ سَارِق آرہا ہے اور سَارِق تو مفرد ہے، تو میں ذکر کر چکا کہ الضَّارِبُ کس معنی میں ہے؟ الَّذِي يَضْرِبُ، تو یہاں پر بھی یہ السَّارِقُ کس معنی میں ہے؟ الَّذِي يَسْرِقُ یا الَّذِي سَرَقَ۔ پھر اس الَّذِي کو کون سی صورت دی گئی؟ الف لام والی۔ اور الف لام تو صرف مفرد پر داخل ہوتا ہے وہ تو فعل پر داخل نہیں ہو سکتا، تو پھر اس صورت میں وہ جو فعل ہے اس کو بھی مفرد والی صورت دے دیتے ہیں۔ تو الضَّارِبُ دراصل کس معنی میں ہے؟ الَّذِي يَضْرِبُ کے معنی میں ہے۔ تو السَّارِقُ کس معنی میں ہوا؟ الَّذِي يَسْرِقُ یا الَّذِي سَرَقَ۔ تو یہ اسمِ موصول ہے اور اس کا صلہ فعل آرہا ہے اور یہ متضمن ہوتا ہے معنیِ شرط کو لہٰذا اس کی خبر پر فا کا لانا جائز، تو قرآن میں اللہ کیا فرماتے ہیں؟ السَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوا دیکھو فا لائی گئی۔ اسی طرح قرآن میں دوسری جگہ ہے: الزَّانِيَةُ وَالزَّانِي فَاجْلِدُوا۔ الزَّانِيَةُ، جی الزَّانِيَةُ کس معنی میں ہے؟ ہاں مؤنث کے مطابق نکالیں الزَّانِيَةُ، الَّتِي زَنَتْ۔ الَّتِي زَنَتْ، الَّتِي زَنَتْ وَالَّذِي زَنَى۔ ماضی کا صیغہ نکالیں یا مضارع کا موقع کے مطابق۔

اور پھر ایک اور قیمتی نکتہ یاد رکھیں: السَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ اس کے اندر السَّارِقُ مذکر کو مقدم کیا گیا اور السَّارِقَةُ مؤنث کو مؤخر کیا گیا، اور الزَّانِيَةُ وَالزَّانِي اس کے اندر الزَّانِيَةُ مؤنث کو مقدم کیا گیا اور الزَّانِي مذکر کو مؤخر کیا گیا۔ تو اس میں نکتہ کیا ہے؟ ایک میں مذکر مقدم ہے ایک میں مؤنث مقدم ہے۔ وجہ یہ علماء فرماتے ہیں، اور بھی بہت سی وجوہات ذکر کی ہیں علماء نے، ایک ایک وجہ میں ذکر کر دیتا ہوں بھئی۔ السَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ اس کے اندر السَّارِقُ جو مذکر ہے اس کو مقدم کیا وجہ یہ کہ چوری کے لیے جرأت چاہیے بھئی، چوری کے لیے کیا چاہیے؟ جرأت چاہیے اور جرأت مرد کے اندر زیادہ ہے اس لیے السَّارِقُ مذکر کو کیا کر دیا گیا؟ مقدم کر دیا گیا۔ اور نیز اس لیے کہ چوری کی جاتی ہے مال کے لیے اور مال کی زیادہ حاجت مرد کو ہوتی ہے کیونکہ اس کو اپنے لیے بھی مال چاہیے اور اپنے گھر والوں کے لیے بھی مال چاہیے ہوتا ہے، معاش کا ذمہ دار وہ ہوتا ہے، تو اس وجہ سے وہاں چونکہ مال کے لیے زیادہ طلب مرد کرتا ہے اس لیے مذکر کو مقدم ذکر کیا گیا۔ اور جو الزَّانِيَةُ وَالزَّانِي یہاں مؤنث کو مقدم کیا گیا وجہ یہ کہ زنا کا سبب شہوت ہے بھئی اور عورتوں میں شہوت زیادہ ہے اس لیے اس کو مقدم کیا اور مرد کو مؤخر۔ اور نیز اس لیے مقدم کیا کیونکہ زنا کا زیادہ باعث عورت بنتی ہے بھئی، عورت اگر مرد کو دعوت نہیں دے گی تو زنا نہیں ہو سکتا بھئی اور عورت دعوت دے گی تو زنا ہو سکتا ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو زنا میں عموماً ہوتا ہی ایسا ہے کہ عورت ہی دعوت دینے والی اور سبب بنتی ہے زنا کا بھئی۔

اب دیکھیے بھئی سارے کو شرح کے ساتھ بھئی۔ کہتے ہیں: وَقَدْ يَتَضَمَّنُ الْمُبْتَدَأُ مَعْنَى الشَّرْطِ اور کبھی کبھار مبتدا متضمن ہوتا ہے شرط کے معنی کو۔ بھئی شرط کے معنی کو متضمن ہوتا ہے کیا معنی؟ شرط کا معنی سے کیا مراد ہے؟ کہتے ہیں وَهُوَ سَبَبِيَّةُ

الْأَوَّلِ لِلثَّانِي وہ اول کا سبب ہونا لِلثَّانِي ثانی کے لیے۔ بھئی ایک ہے شرط ایک ہے جزا، تو اول جو ہے وہ سبب ہوتا ہے کس کے لیے؟ ثانی کے لیے۔ جیسے میں آپ سے کہتا ہوں إِنْ ضَرَبْتَنِي ضَرَبْتُكَ اگر آپ میری پٹائی کریں گے ضَرَبْتُكَ تو میں بھی آپ کی پٹائی کروں گا۔ تو دیکھو إِنْ ضَرَبْتَنِي اگر آپ میری پٹائی کریں گے یہ سبب بنے گا کس چیز کا؟ ضَرَبْتُكَ کہ میں بھی آپ کی پٹائی کروں گا۔ تو اول سبب ہوتا ہے کس کے لیے؟ ثانی کے لیے، یا یوں کہو شرط سبب ہوتی ہے جزا کے لیے بھئی۔ بات سمجھ میں آگئی؟ کہتے ہیں وَهُوَ سَبَبِيَّةُ الْأَوَّلِ لِلثَّانِي اور وہ اول کا سبب ہونا ہے ثانی کے لیے۔

اس پر اشکال ہوتا ہے، آگے ذرا دیکھیے اسی سطر میں آرہا ہے وَمَا بِكُم مِّن نِّعْمَةٍ فَمِنَ اللَّهِ۔ وَمَا بِكُم مِّن نِّعْمَةٍ اور تمہارے پاس جو بھی نعمت ہے فَمِنَ اللَّهِ تو وہ اللہ کی طرف سے ہے۔ توجہ ہے؟ تمہارے پاس جو بھی نعمت ہے وہ اللہ کی طرف سے ہے۔ دیکھو مَا اسمِ موصول آیا اور اس کا صلہ ظرف آیا بِكُمْ بھئی بِكُمْ، أَيْ مَا ثَبَتَ بِكُم مِّن نِّعْمَةٍ۔ اور وہ اسمِ موصول جو جس کا صلہ ظرف آئے وہ متضمن ہوتا ہے معنیِ شرط کو اسی لیے آگے اس کی خبر پر فا لائی گئی فَمِنَ اللَّهِ، أَيْ فَهُوَ مِنَ اللَّهِ تو وہ کس کی طرف سے ہے؟ اللہ کی طرف سے ہے بھئی، یا فَثَبَتَ مِنَ اللَّهِ وہ اللہ کی طرف سے ثابت ہے۔

تو یہاں اشکال ہوتا ہے: آپ نے ہمیں کیا کہا کہ مبتدا کبھی کبھار متضمن ہوتا ہے معنیِ شرط کو۔ شرط کا کیا معنی؟ شرط سے کیا مراد ہے؟ یعنی اول کا سبب ہونا ثانی کے لیے۔ اور یہاں تو اول سبب نہیں ہے ثانی کے لیے۔ اول کیا ذکر؟ تمہارے پاس جو بھی نعمتیں ہیں، توجہ ہے اس جملے پہ نظر رکھیں: وَمَا بِكُم مِّن نِّعْمَةٍ تمہارے پاس جو بھی نعمتیں ہیں فَمِنَ اللَّهِ وہ کس کی طرف سے ہیں؟ اللہ کی طرف سے ہیں۔ تو وَمَا بِكُم مِّن نِّعْمَةٍ یہ ہے اول اور فَمِنَ اللَّهِ یہ ہے ثانی، اور یہاں اول سبب نہیں ہے ثانی کے لیے۔ مجھے بتائیے آپ کے پاس نعمتیں ہیں یہ سبب ہے اللہ کی طرف سے نعمتیں آنے کا؟ آپ کے پاس اللہ کی طرف سے اس لیے نعمتیں آتی ہیں کہ آپ کے پاس نعمتیں موجود ہیں؟ نہیں۔ بات سمجھ میں آگئی؟ یہاں اول ثانی کے لیے سبب نہیں ہے۔ وَمَا بِكُم مِّن نِّعْمَةٍ اور تمہارے پاس جو بھی نعمت ہے فَمِنَ اللَّهِ وہ کس کی طرف سے ہے؟ تو اول کیا ہے؟ آپ کے پاس نعمتوں کا ہونا۔ اور ثانی کیا ہے؟ اللہ کی طرف سے نعمتوں کا آنا۔ تو آپ کے پاس نعمتوں کا ہونا یہ سبب نہیں ہے اللہ کی طرف سے نعمتوں کے آنے کا، بلکہ اللہ کی طرف سے نعمتیں آئیں تو یہ سبب ہے آپ کے پاس نعمتیں ہونے کا۔ تو یہاں تو ثانی سبب ہے اول کے لیے۔ اللہ کی طرف سے نعمتیں ہیں اس لیے آپ کے پاس بھی نعمتیں ہیں، اگر اللہ نعمتیں نہ دیتے تو آپ کے پاس بھی نعمتیں نہ ہوتیں۔ تو یہاں پر تو اول سبب نہیں ہے ثانی کے لیے بلکہ ثانی سبب ہے کس کے لیے؟ اول کے لیے۔ اور آپ نے تو ہمیں کیا کہا؟ کہ اول سبب ہو ثانی کے لیے۔

تو صاحبِ جامی اس کا بھی جواب دے رہے ہیں، دیکھیے بھئی۔ کہتے ہیں وَهُوَ سَبَبِيَّةُ الْأَوَّلِ لِلثَّانِي وہ اول کا ثانی کے لیے سبب ہونا، أَوْ لِلْحُكْمِ بِهِ یا اول کا سبب ہونا لِلْحُكْمِ بِهِ، أَيْ لِلْحُكْمِ بِالثَّانِي، هَا ضمیر کس کو راجع؟ بِهِ کی هَا ضمیر ثانی کو راجع، أَوْ لِلْحُكْمِ بِالثَّانِي، اول کا سبب ہونا حکم بالثانی کا یعنی ثانی کے حکم لگانے کا۔ دیکھو لِلثَّانِي کو ذرا ہٹا دیں اور اس کی

جگہ لِلْحُكْمِ بِالثَّانِي لے آئیں: وَهُوَ سَبَبِيَّةُ الْأَوَّلِ لِلْحُكْمِ بِالثَّانِي یا وہ اول کا سبب ہونا کہ اول سبب ہے کس چیز کا؟ حکم بالثانی کا یعنی ثانی کے حکم لگانے کا۔ ثانی میں جو حکم لگایا گیا ہے اول اس کا سبب ہو۔ توجہ ہے؟ حکم لگانا یعنی بات کرنا یوں کہو بات کرنا، یعنی ثانی میں جو بات کی گئی ہے اس کا سبب اول ہے۔ ذرا معنی پہ غور کرو: وَمَا بِكُم مِّن نِّعْمَةٍ تمہارے پاس جو کوئی بھی نعمت ہے یہ سبب ہے یہ اول سبب ہے ثانی کے حکم لگانے کا کہ حکم کیا لگایا جائے کہ یہ کس کی طرف سے ہے؟ اللہ کی طرف سے۔ تمہارے پاس نعمتوں کا ہونا یہ سبب بن رہا ہے، یہ بتلا رہا ہے کہ یہ نعمتیں کس کی طرف سے ہیں؟ اللہ کی طرف سے۔ تو اول سبب بنا کس چیز کا؟ ثانی کے وجود کا یا ثانی کے حکم کا؟ ثانی کے حکم یعنی یوں کہو ثانی کی بات کرنے کا سبب بنا، یعنی ثانی میں جو بات کی گئی ہے اس کا سبب اول ہے۔ آپ کے پاس نعمتیں ہیں یہ اللہ کی طرف سے نعمتیں آنے کا سبب نہیں ہے، یہ سبب ہے کس چیز کا؟ یہ حکم لگانے کا، یہ بات کہنے کا کہ یہ نعمتیں کس کی طرف سے ہیں؟ اللہ کی طرف سے ہیں بھئی۔ بات بھی سمجھ میں آئی کہ نہیں؟ کیا بات ہوئی؟ کہ اول سبب ہے کس چیز کا؟ ثانی کا یا ثانی کے حکم کا؟ ثانی کے حکم کا۔ تو یہاں اول ثانی کا سبب نہیں ہے بلکہ اول ثانی کے حکم کا سبب ہے کہ وہ حکم لگایا گیا بھئی۔ یعنی اول سبب ہے اس بات کا جو ثانی میں کی گئی ہے، ثانی کے اندر جو حکم لگایا گیا ہے اول اس کا سبب ہے۔ آپ کے پاس نعمتیں ہیں اس لیے یہ حکم لگایا گیا کہ یہ کس کی طرف سے ہیں؟ اللہ کی طرف سے ہیں۔ آپ کے پاس خود بخود تو نہیں ہو سکتیں، لیکن نعمتیں ہیں تو معلوم ہوا یہ نعمتیں کس کی طرف سے آئی ہیں؟ تو ثانی کے اندر جو حکم لگایا گیا ہے جو بات کی گئی ہے اس کے لیے اول سبب ہے۔ آپ کے پاس اگر نعمتیں نہ ہوتیں تو کیا یہ کہا جا سکتا تھا یہ اللہ کی طرف سے ہیں؟ جی؟ آپ کے پاس اگر نعمتیں نہ ہوتیں تو پھر تو یہ نہیں کہا جا سکتا تھا کہ یہ اللہ کی طرف سے ہیں کیونکہ آپ کے پاس نعمتیں ہی نہیں ہیں، لیکن چونکہ آپ کے پاس نعمتیں ہیں تو یہ حکم لگایا جا سکتا ہے یہ کہا جا سکتا ہے کہ یہ نعمتیں کس کی طرف سے ہیں؟ اللہ کی طرف سے۔ تو دیکھا یہاں اول ثانی کے لیے سبب نہیں ہے بلکہ اول ثانی کے اندر جو حکم لگایا گیا ثانی کے اندر جو بات کی گئی اس کا سبب ہے۔ آپ کے پاس چونکہ یہ نعمتیں ہیں اس لیے کیا کہا گیا کہ یہ نعمتیں اللہ کی طرف سے ہیں۔ بات سمجھ میں آگئی؟

تو کہتے ہیں وَهُوَ سَبَبِيَّةُ الْأَوَّلِ لِلثَّانِي اور وہ اول کا سبب ہونا ہے ثانی کے لیے، أَوْ لِلْحُكْمِ بِهِ یا وہ اول کا سبب ہونا ہے ثانی کے حکم کا، فَلَا يَرِدُ عَلَيْهِ لہٰذا یہ اشکال وارد نہیں ہو سکتا نَحْوُ مثال کے طور پر وَمَا بِكُم مِّن نِّعْمَةٍ فَمِنَ اللَّهِ یعنی اس جیسی مثال کو لے کر اعتراض نہیں کیا جا سکتا۔ فَيُشْبِهُ الْمُبْتَدَأُ الشَّرْطَ تو مبتدا مشابہ ہوا شرط کے فِي سَبَبِيَّتِهِ لِلْخَبَرِ اس بات کے اندر کہ وہ سبب ہے خبر کے لیے۔ بھئی دیکھیے شرط اور جزا میں جو شرط ہے نا وہ سبب ہوتی ہے جزا کا۔ شرط جو ہے وہ سبب ہوتی ہے جزا کا۔ مثلاً ایک شخص اپنی بیوی سے کہتا ہے إِنْ دَخَلْتِ الدَّارَ فَأَنْتِ طَالِقٌ۔ إِنْ دَخَلْتِ الدَّارَ اگر تو

اس گھر میں داخل ہوئی، الدَّارَ دیکھو الف لام آیا اور الف لام کے ذریعے کسی چیز کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے معلوم ہوا کسی خاص گھر کی طرف خاوند نے اشارہ کیا، إِنْ دَخَلْتِ الدَّارَ اگر تو اس گھر میں داخل ہوئی فَأَنْتِ طَالِقٌ تو تجھے طلاق ہے۔ تو دیکھو اب وہ عورت اس گھر میں جائے گی تو یہ طلاق واقع ہو جائے گی۔ تو دیکھو اس گھر میں جانا یہ سبب بنے گا کس چیز کا؟ طلاق ہونے کا۔ تو دیکھو اول سبب ہے کس کے لیے؟ ثانی کے لیے یعنی شرط سبب ہوتی ہے جزا کے لیے۔ توجہ ہے؟ تو یہاں پر بھی بتدا اور خبر کے اندر بھی بتدا متضمن ہوا معنیِ شرط کو تو وہ سبب ہوا کس کے لیے؟ ثانی یعنی خبر کے لیے جس طرح کہ شرط جو اول ہے وہ سبب ہوتی ہے کس کے لیے؟ جزا کے لیے جو کہ ثانی ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟

تو کہتے ہیں فَيُشْبِهُ الْمُبْتَدَأُ الشَّرْطَ تو بتدا مشابہ ہوا شرط کے فِي سَبَبِيَّتِهِ لِلْخَبَرِ کس چیز میں مشابہ ہوا؟ فِي سَبَبِيَّتِهِ لِلْخَبَرِ اس بات میں کہ وہ بتدا سبب بن رہا ہے لِلْخَبَرِ کس کے لیے؟ خبر کے لیے۔ كَسَبَبِيَّةِ الشَّرْطِ لِلْجَزَاءِ جیسے کہ شرط کا سبب ہونا ہے جزا کے لیے۔ ترجمہ سمجھ میں آیا؟ فَيُشْبِهُ الْمُبْتَدَأُ الشَّرْطَ تو بتدا مشابہ ہوا شرط کے فِي سَبَبِيَّتِهِ لِلْخَبَرِ خبر کے لیے اس کے سبب ہونے میں كَسَبَبِيَّةِ الشَّرْطِ لِلْجَزَاءِ جیسے کہ جزا کے لیے شرط کا سبب ہونا ہے۔ دیکھو بھئی یہاں لفظ آیا فَيُشْبِهُ، اس کو يُشْبِهُ پڑھنا بھئی، بعض طلبہ اس کو يَشْبَهُ پڑھتے ہیں حالانکہ یہ مادہ مجرد سے استعمال ہی نہیں ہوتا، مجرد سے یہ باب آتا ہی نہیں ہے ثلاثی مجرد سے، یہ ہمیشہ ثلاثی مزید فیہ سے آئے گا أَشْبَهَ يُشْبِهُ، اسی طرح شَبَّهَ يُشَبِّهُ، اسی طرح شَابَهَ يُشَابِهُ، تو ثلاثی مزید سے استعمال ہوتا ہے ثلاثی مجرد سے استعمال نہیں ہوتا۔ تو یہاں فَيُشْبِهُ پڑھنا بھئی يَشْبَهُ نہ پڑھنا۔

آگے دیکھیے فَيَصِحُّ دُخُولُ الْفَاءِ فِي الْخَبَرِ تو فا کا داخل ہونا صحیح ہے خبر میں، وَيَصِحُّ عَدَمُ دُخُولِهِ فِيهِ اور فا کا داخل نہ ہونا بھی صحیح ہے۔ بھئی متن میں کیا آیا کہ اس کی خبر میں فا کا داخل ہونا صحیح ہے، آگے صاحبِ جامی فرما رہے ہیں وَيَصِحُّ عَدَمُ دُخُولِهِ تشریح کر رہے ہیں فا کا داخل ہونا صحیح ہے معنی کیا ہے کہ نہ داخل ہونا بھی صحیح ہے، یعنی یوں کہو فا کا داخل کرنا جائز ہے یعنی لازم نہیں۔ تو کہتے ہیں وَيَصِحُّ عَدَمُ دُخُولِهِ فِيهِ اور اس میں فا کا داخل نہ ہونا بھی صحیح ہے نَظَرًا إِلَى مُجَرَّدِ تَضَمُّنِ الْمُبْتَدَأِ مَعْنَى الشَّرْطِ نظر کرتے ہوئے دیکھتے ہوئے إِلَى مُجَرَّدِ صرف اس بات کی طرف محض اس بات کی طرف کیا تَضَمُّنِ الْمُبْتَدَأِ مَعْنَى الشَّرْطِ کہ بتدا متضمن ہے شرط کے معنی کو۔ صرف اس بات کی طرف نظر کرتے ہوئے کہ بتدا متضمن ہے معنیِ شرط کو تو اس کی خبر پر فا کا داخل ہونا بھی صحیح اور داخل نہ ہونا بھی صحیح یعنی یوں کہو فا کا داخل کرنا جائز ہے یعنی لازم نہیں، صرف اس بات کی طرف نظر کرتے ہوئے کہ بتدا متضمن ہے معنیِ شرط کو۔ یعنی وہ دلالت مقصود ہے یا دلالت مقصود نہیں اس کی طرف نظر نہ کریں صرف اس بات کی طرف نظر کریں کہ بتدا متضمن ہے معنیِ شرط کو، صرف اس بات کی طرف نظر کرتے ہوئے کہ بتدا کیا ہے متضمن ہے معنیِ شرط کو تو فا کا لانا بھی جائز اور نہ لانا بھی جائز۔

یاد رکھو دراصل یہاں اشکال ہوتا ہے، اشکال یہ ہوتا ہے کہ صاحبِ کافیہ نے کیا فرمایا کہ بتدا جب متضمن ہو معنیِ شرط کو تو اس کی خبر پر فا کا لانا جائز ہے۔ تو اشکال ہوتا ہے کہ نہیں بھئی آپ کی بات ٹھیک نہیں، یا تو فا کا لانا واجب ہوگا یا فا کا

نہ لانا واجب ہوگا، جواز والی صورت یہاں نہیں۔ اس لیے کیونکہ بتدا متضمن ہے معنیِ شرط کو، تو اب بتدا کی اس معنی پر دلالت مقصود بھی ہوگی یا نہیں؟ توجہ ہے؟ میں نے آپ سے کیا کہا الَّذِي يَأْتِينِي فَلَهُ دِرْهَمٌ۔ یہ بتدا کیا ہے؟ متضمن ہے معنیِ شرط کو۔ لیکن میرا بھی ارادہ ہے یا نہیں؟ متکلم جو اس جملے کو ادا کر رہا ہے، یہ بتدا متضمن ہے معنیِ شرط کو اور معنیِ شرط کیا ہے کہ اول سبب ہوتا ہے کس کے لیے؟ ثانی کے لیے۔ تو اگر میرا بھی یہ ارادہ ہے میں اول کو سبب بنا رہا ہوں کس کے لیے؟ ثانی کے لیے، تو یہ دلالت میری مقصود ہوئی۔ جب یہ دلالت مقصود ہوئی تو پھر فا کا لانا واجب ہے بھئی کیونکہ میں اول کو سبب بنا رہا ہوں ثانی کے لیے جیسے شرط اور جزا میں شرط کیا ہوتی ہے سبب اور ثانی کیا ہوتا ہے مسبّب، تو وہاں فا لے کر آتے ہیں۔ توجہ ہے؟ بات کیا ہوئی پھر سنو: یہاں صاحبِ کافیہ نے کیا فرمایا کہ فا کا لانا جائز، معترض اعتراض کرتا ہے کہ نہیں آپ کی بات ہمیں قبول نہیں، فا کا لانا جائز اس کا تو مطلب ہے چاہے فا کو لاؤ یا نہ لاؤ، حالانکہ یہاں تو دو ہی صورتیں بنتی ہیں: ایک صورت میں فا کا لانا واجب ہے اور ایک صورت میں فا کا نہ لانا واجب ہے، جواز والی کوئی صورت نہیں ہے کہ آپ لائیں یا نہ لائیں۔ اس لیے کیونکہ دو ہی صورتیں بنتی ہیں: آپ ایک بتدا لائے ہیں اور وہ بتدا متضمن ہے معنیِ شرط کو اور معنیِ شرط کسے کہتے ہیں کہ اول سبب ہوگا ثانی مسبّب، تو یہ دلالت متکلم کا مقصود ہوگی وہ یہ دلالت چاہتا ہے یا نہیں چاہتا؟ اس نے یہ جملہ ادا کیا ہے، اگر دلالت اس کا مقصد ہے وہ اول کو سبب بنانا چاہتا ہے کس کے لیے؟ ثانی کے لیے تو پھر تو فا کا لانا واجب ہے، فا کا لانا واجب ہے یہ فا ہمیں بتلا رہی ہے کہ اول سبب ہے کس کے لیے؟ ثانی کے لیے بھئی۔ یعنی یوں کہیں سببیت پر اگر دلالت مقصود ہے تو فا کا لانا واجب، اور اگر سببیت پر دلالت مقصود نہیں ہے تو پھر فا کا نہ لانا واجب ہے بھئی۔ توجہ ہے؟ یا تو میں اول کو ثانی کے لیے سبب بنا رہا ہوں یا نہیں بنا رہا، دو ہی صورتیں ہیں۔ اگر میں سبب بنا رہا ہوں تو فا کا لانا واجب کیونکہ یہ فا بتائے گی کہ اول سبب ہے کس کے لیے؟ ثانی کے لیے۔ اور اگر یہ دلالت میری مقصود نہیں ہے میں یہاں یہ نہیں بتلانا چاہتا تو پھر فا کا نہ لانا واجب ہے بھئی، کیونکہ فا لاؤں گا پھر تو سننے والا سمجھے گا کہ شاید یہ مقصود ہے میرا کہ اول سبب ہے ثانی کے لیے حالانکہ یہ میرا مقصود نہیں۔ تو یہاں دو ہی صورتیں بنتی ہیں کہ وہ دلالت مقصود ہوگی یا وہ دلالت مقصود نہیں۔ اگر دلالت مقصود ہے اس سببیت پر تو پھر فا کا لانا واجب، اور اگر وہ دلالت مقصود نہیں تو فا کا نہ لانا واجب ہے بھئی۔ یہاں تو جواز والی کوئی صورت نہیں ہے کہ لانا بھی صحیح اور نہ لانا بھی صحیح۔

تو صاحبِ جامی اس کا جواب دے رہے ہیں کہ بھئی دلالت کے مقصود ہونے اور غیرِ مقصود ہونے سے قطعِ نظر صرف یہ دیکھو کہ بتدا متضمن ہے معنیِ شرط کو۔ صرف اس بات کی طرف نظر کرتے ہوئے فا کا لانا بھی جائز اور نہ لانا بھی جائز۔ دلالت کے مقصود اور غیرِ مقصود ہونے کو نہ دیکھیں صرف کس بات کی طرف نظر کریں؟ کہ یہ بتدا متضمن ہے کس کو؟ معنیِ شرط کو۔ لہٰذا جب یہ متضمن ہے معنیِ شرط کو تو فا چاہیں تو لے آئیں اور چاہیں تو نہ لائیں بھئی۔ یعنی یوں کہو یعنی قصدِ دلالت ہے یا قصدِ دلالت نہیں ہے اس سے قطعِ نظر، اس کی طرف نظر نہ کریں کیونکہ قصدِ دلالت ہے پھر تو فا کا لانا واجب اور قصدِ دلالت نہیں ہے تو پھر فا کا نہ لانا واجب، تو قصدِ دلالت اور عدمِ قصدِ دلالت سے قطعِ نظر صرف اس بات کی طرف دیکھیں

کہ یہ بتدا متضمن ہے معنیِ شرط کو تو پھر بایں لحاظ فا کا لانا جائز ہے، اور دلالت کی طرف نظر کریں تو پھر قصد ہوگا تو فا کا لانا واجب قصد نہیں ہے تو پھر فا کا نہ لانا واجب۔ تو ان سے قطعِ نظر محض اس بات کی طرف دیکھتے ہوئے کہ یہ بتدا متضمن تو ہے معنیِ شرط کو بھئی اس میں شرط والا معنی تو ہے بھئی تو بایں لحاظ فا کا لانا بھی جائز اور فا کا نہ لانا بھی جائز ہے۔

یا یوں کہیں، یوں کہیں کہ یہاں تین صورتیں بنتی ہیں بھئی، تین صورتیں بنتی ہیں، آپ اکثر کتابوں میں پڑھیں گے جگہ جگہ آئے گا: ایک ہے بشرطِ شے، ایک ہے بشرطِ لا شے اور ایک ہے لا بشرطِ شے۔ یہ منطق وغیرہ کی کتابوں میں اکثر آتا ہے۔ دیکھو لفظوں سے ہی پتا چل رہا ہے، کوئی بھی چیز ہو کوئی بات ہو یا تو وہ بشرطِ شے ہوگی اس میں کسی چیز کی شرط ہوگی، بشرطِ شے ہوگی ایک شے کی شرط ہوگی اس میں یعنی ایک شے کے ہونے کی شرط ہوگی اس میں، یا بشرطِ لا شے ہوگی یعنی ایک شے کے نہ ہونے کی شرط ہوگی

اور تیسری صورت ہے لا بشرطِ شے یعنی اس میں کوئی شے کی شرط ہے ہی نہیں، لا بشرطِ شے۔ لا کس پر داخل ہو رہا ہے؟ شرطِ شے پر یعنی شرطِ شے اس میں نہیں ہے۔ اس میں چاہے وہ شے ہو یا نہ ہو دونوں کو شامل ہے۔ مثلاً آپ کا ایک ساتھی آپ کی دعوت کرتا ہے، آپ کا ایک ساتھی آپ کی دعوت کرتا ہے اور کہتا ہے بھئی میں آپ کی دعوت کر رہا ہوں اور اس میں میں آپ کو چائے بھی پلاؤں گا بھئی۔ دعوت میں چائے بھی پلاؤں گا، تو دیکھو یہ دعوت ہو گئی بشرطِ شے۔ اس نے کس کو ساتھ ذکر، اس شرط کا لفظ منہ سے بولنے کی ضرورت نہیں ہے، دعوت میں اس نے کیا ذکر کر دیا؟ دعوت میں کیا ہوگا؟ چائے ہوگی تو یہ دعوت ہوئی بشرطِ شے ایک شے کی شرط کے ساتھ دعوت ہوئی کہ دعوت میں چائے بھی ہوگی۔

اور ایک صورت یہ ہے کہ وہ دعوت کرتا ہے آپ کی، وہ کہتا ہے لیکن اس میں چائے نہیں ہوگی بھئی۔ اس میں دیکھو چائے نہ ہونے کو شرط لگا دیا تو اس کو کیا کہیں گے؟ بشرطِ لا شے۔ لا شے کی شرط لگائی یا ایک شے کے نہ ہونے کی شرط لگائی ہے۔

اور تیسری صورت یہ ہے کہ وہ آپ کی دعوت کرتا ہے اور صرف اتنا کہتا ہے میں آپ کی دعوت کروں گا بھئی۔ دیکھو نہ اس میں اس نے چائے کے ہونے کو ذکر کیا اور نہ اس کے نہ ہونے کو ذکر کیا۔ تو یہ دعوت ہے لا بشرطِ شے یعنی اس میں کسی شے کی شرط نہیں، نہ کسی چیز کے ہونے کی شرط ہے نہ کسی چیز کے نہ ہونے کی۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو گویا کوئی چیز جو ہے وہ کبھی بشرطِ شے ہوگی، کبھی بشرطِ لا شے ہوگی اور کبھی لا بشرطِ شے ہوگی۔

تو یہاں پر بھی، یہاں پر بھی تین صورتیں بنتی ہیں، کتنی صورتیں؟ تین صورتیں بنتی ہیں۔ دیکھو بتدا متضمن ہے معنیِ شرط کو، اور معنیِ شرط کسے کہتے ہیں کہ اول سبب ہو کس کے لیے؟ ثانی کے لیے۔ تو یہ جو اول کا ثانی کے لیے سبب ہونا یہ مقصود ہوگا یہ دلالت مقصود ہوگی، یا عدمِ دلالت مقصود ہوگی، یا ان میں سے کوئی بھی چیز مقصود نہیں ہے نہ دلالت مقصود ہے نہ عدمِ دلالت مقصود ہے۔ جب دلالت مقصود ہو تو پھر فا کا لانا واجب ہے۔ جب یہ دلالت مقصود ہے کہ اول کو آپ کیا بنا رہے

ہیں ثانی کے لیے سبب تو اس کے لیے کیا لانا واجب؟ فا کا لانا۔ اور جب عدمِ دلالت مقصود ہو، آپ اول کو ثانی کے لیے سبب نہیں بنانا چاہتے تو پھر فا کا نہ لانا واجب ہے۔ اور جب نہ دلالت مقصود ہے نہ عدمِ دلالت مقصود ہے تو یہ وہ تیسری صورت ہے کہ بتدا بہرحال متضمن تو ہے معنیِ شرط کو۔ دلالت مقصود ہوتی تو فا کا لانا واجب تھا اور عدمِ دلالت مقصود ہوتی تو فا کا نہ لانا واجب تھا، لیکن یہاں آپ کا کوئی مقصود نہیں ہے نہ دلالت نہ عدمِ دلالت۔ تو اس صورت میں بہرحال بتدا متضمن تو ہے معنیِ شرط کو تو پھر فا کا لانا بھی جائز اور نہ لانا بھی جائز۔ تو صاحبِ کافیہ نے یہ تیسری صورت یہاں ذکر کی ہے کہ جب نہ دلالت مقصود ہو نہ عدمِ دلالت مقصود ہو صرف اس بات کی طرف نظر کریں کہ بتدا متضمن ہے معنیِ شرط کو لہٰذا اس پر فا کا لانا جائز ہے بھئی۔

دوسرے لفظوں میں یوں کہو کہ یہاں امکانِ خاص مراد ہے، کیا مراد ہے؟ امکانِ خاص مراد ہے بھئی۔ آپ منطق میں پڑھ چکے ہیں ایک ہے امکانِ عام اور ایک ہے امکانِ خاص۔ امکانِ عام کہتے ہیں جانبِ مخالف سے ضرورت کی نفی یعنی جانبِ مخالف ضروری نہیں، جانبِ مخالف ضروری نہیں۔ دیکھو ایک ہے ایک چیز کا ہونا، ایک ہے ایک چیز کا نہ ہونا، یہ ہونا اور نہ ہونا ایک دوسرے کے مخالف ہیں۔ توجہ ہے؟ ایک ہے چیز کا ہونا اور ایک ہے چیز کا نہ ہونا، ایک وقت میں ایک ہی ہوگا یا ہونا ہوگا یا نہ ہونا ہوگا بھئی، تو یہ دونوں ایک دوسرے کے مخالف ہیں۔ تو امکانِ عام میں امکان ذکر کیا جاتا ہے کہ یہ ہو سکتا ہے، ممکن ہے۔ مثلاً دیکھو بھئی میں آپ سے کہتا ہوں کہ ہو سکتا ہے زید ابھی آجائے، ممکن ہے زید ابھی آجائے، تو میں کس کو ذکر کر رہا ہوں؟ امکان کو۔ توجہ ہے؟ امکان کو ذکر کر رہا ہوں۔ تو دیکھو اس میں میں زید کے آنے کو ذکر کر رہا ہوں۔ تو جانبِ مخالف کیا؟ نہ آنا۔ تو یہ امکانِ عام ہے، اس میں جانبِ مخالف سے ضرورت کی نفی ہوتی ہے۔ میں آنے کو ذکر کر رہا ہوں، تو جانبِ مخالف کیا؟ نہ آنا، معلوم ہوا نہ آنا ضروری نہیں۔ اگر نہ آنا ضروری ہوتا پھر میں یہ نہیں کہہ سکتا تھا ہو سکتا ہے زید ابھی آجائے۔ مثلاً فرض کرو زید امریکہ میں ہے، زید کہاں پر ہے؟ امریکہ میں ہے، تو پھر کبھی میں کہوں گا ہو سکتا ہے ابھی زید آجائے؟ جی؟ کیونکہ اب اس کا نہ آنا ضروری ہے بھئی، مثلاً اتنی دور ہے کہ یہاں وہ اب پہنچ ہی نہیں سکتا بھئی۔ یا یوں دوسری مثال لو، امریکہ کی مثال بھی نہ لو وہاں بھی احتمال ہے ہو سکتا ہے وہ سفر کر کے آرہا ہو راستے میں آجائے۔ بلکہ فرض کرو زید مر چکا ہے، زید مر چکا ہے، جب مر چکا ہے تو پھر کبھی میں کہوں گا کہ ہو سکتا ہے زید ابھی آجائے؟ کیوں؟ زید کے آنے کا امکان میں کیوں نہیں ذکر کر سکتا؟ کیونکہ جانبِ مخالف یعنی زید کا نہ آنا ضروری ہے لازمی ہے بھئی کیونکہ وہ مر چکا ہے وہ آ ہی نہیں سکتا بھئی۔ توجہ ہے؟ ایک چیز کے ہونے کو میں تب ہی ذکر کروں گا جب اس کا نہ ہونا ضروری نہ ہو، اگر نہ ہونا ضروری ہے پھر میں نہیں کہہ سکتا۔ زید زندہ ہے تو میں کہہ سکتا ہوں کہ ہو سکتا ہے ابھی زید آجائے کیونکہ اس کا نہ آنا ضروری نہیں۔ اور اگر زید مر چکا ہے اب تو اس کا نہ آنا ضروری ہے لازمی ہے وہ آ ہی نہیں سکتا، تو اب میں کبھی بھی نہیں کہوں گا ہو سکتا ہے زید آجائے، آنے کو ذکر نہیں کر سکتا۔ کیوں؟ کیونکہ جانبِ مخالف ضروری ہے یعنی

نہ آنا ضروری ہے کیونکہ وہ مر چکا ہے بھئی۔ بات سمجھ میں آگئی؟

تو امکانِ عام کسے کہتے ہیں؟ جانبِ مخالف سے ضرورت کی نفی۔ اور جانبِ مخالف کیا معنی؟ ایک چیز کا ہونا ذکر ہے تو اس کے مخالف کیا؟ نہ ہونا۔ اگر ہونا ذکر ہے تو اس کی جانبِ مخالف ہے نہ ہونا، اور اگر نہ ہونا ذکر کر رہے ہیں تو اس کی جانبِ مخالف کیا ہے؟ ہونا بھئی۔ تو جو بھی چیز ذکر کی جائے چاہے ہونا چاہے نہ ہونا اس میں امکان تب ہی آئے گا اس کا امکان تب ہی ہوگا جب اس کی جانبِ مخالف ضروری نہ ہو بھئی۔ بات سمجھ میں آگئی؟

یہ تھا امکانِ عام بھئی، اس میں جانبِ مخالف سے ضرورت کی نفی ہوتی ہے۔ اور ایک ہے امکانِ خاص۔ امکانِ خاص میں جانبین سے ضرورت کی نفی ہوتی ہے۔ دونوں جانب سے ضرورت کی نفی: نہ ہونا ضروری اور نہ نہ ہونا ضروری بھئی، نہ ہونا ضروری۔ امکانِ خاص اس میں دونوں جانب سے ضرورت کی نفی ہوتی ہے: نہ ہونا ضروری اور نہ نہ ہونا ضروری۔ مثلاً ایک پتھر ہے پچاس سیر کا پتھر ہے بھئی، پچاس سیر۔ اب دیکھو اس میں احتمال ہے ہو سکتا ہے زید اس کو اٹھا لے، ہو سکتا ہے زید اس کو نہ اٹھا سکے بھئی۔ مثلاً میں کہتا ہوں ہو سکتا ہے زید اس پتھر کو اٹھا لے، اٹھانے کی جانبِ مخالف کیا؟ نہ اٹھانا، معلوم ہوا نہ اٹھانا ضروری نہیں ورنہ میں یہ نہیں کہہ سکتا تھا۔ اور ہو سکتا ہے زید اس پتھر کو نہ اٹھائے، نہ اٹھانے کی جانبِ مخالف کیا؟ اٹھانا، معلوم ہوا اٹھانا ضروری نہیں۔ ہو سکتا ہے اٹھائے ہو سکتا ہے نہ اٹھائے، ایک بھی جانب ضروری نہیں ہے۔ چاہے آپ اٹھانے کو ذکر کریں چاہے نہ اٹھانے کو اس کی جانبِ مخالف ضروری نہیں ہے، تو اس کو کیا کہتے ہیں؟ امکانِ خاص کہتے ہیں۔ تو امکانِ عام میں ایک جانب، دیکھو کلام میں ایک چیز ذکر کریں گے یا ہونا یا نہ ہونا، تو جانبِ مخالف سے اگر ضرورت کی نفی ہو تو اس کو کیا کہتے ہیں امکانِ عام، ہونا ذکر ہے تو اس کی جانبِ مخالف کیا؟ نہ ہونا، اور نہ ہونا کلام میں ذکر ہے تو اس کی جانبِ مخالف کیا؟ ہونا۔ تو اس میں جانبِ مخالف سے ضرورت کی نفی ہوتی ہے تو اس کو امکانِ عام کہتے ہیں۔ اور اگر دونوں جانب سے ضرورت کی نفی ہو تو اس کو امکانِ خاص کہتے ہیں۔

اب دیکھیے بھئی یہاں پر آیا کہ اس کی خبر پر ایسے بتدا کی خبر پر فا کا لانا صحیح ہے یعنی جائز ہے، یہ امکانِ خاص مراد ہے، یہ کیا ہے؟ امکانِ خاص مراد ہے۔ کیا معنی؟ فا کا لانا بھی جائز اور نہ لانا بھی۔ توجہ ہے؟ تو جب فا کا لانا جائز ہے معلوم ہوا جانبِ مخالف یعنی نہ لانا ضروری نہیں۔ اور اگر کہیں کہ فا کا نہ لانا بھی جائز ہے تو فا نہ لانے کی جانبِ مخالف کیا؟ فا کا لانا، معلوم ہوا فا کا لانا بھی لازم نہیں۔ اگر فا کا لانا لازم ہوتا پھر ہم یہ نہیں کہہ سکتے تھے فا کا لانا جائز ہے۔ تو اس میں دونوں جانبیں برابر ہیں، معلوم ہوا فا کا لانا بھی لازم نہیں اور نہ لانا بھی لازم نہیں۔ بھئی دیکھو تین صورتیں تھیں نا، ایک صورت کیا تھی؟ یا تو یہ دلالت مقصود ہوگی کہ اول ثانی کے لیے سبب ہے یا یہ دلالت مقصود نہیں ہوگی۔ اگر یہ دلالت مقصود ہے تو پھر فا کا لانا لازم ہے، دیکھو لانا لازم ہے، لانا لازم ہے۔ اور اگر دلالت مقصود نہیں تو پھر فا کا نہ لانا لازم ہے، دیکھو ان دو صورتوں میں ایک ایک چیز لازم ہو رہی ہے، ایک ایک چیز لازم ہے، لیکن جواز والی صورت میں کوئی ایک بھی چیز لازم اور ضروری

نہیں۔ معلوم ہوا یہ کیا ذکر ہے؟ امکانِ خاص، کیونکہ امکانِ خاص میں ہونا اور نہ ہونا دونوں میں سے ایک بھی ضروری نہیں ہوتا، دونوں ممکن ہوتے ہیں۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو یہاں پر بھی امکانِ خاص مراد ہے امکانِ عام مراد نہیں ہے۔ دلالت مقصود ہوگی یا دلالت مقصود نہیں ان میں امکانِ عام مراد ہے۔ دلالت مقصود ہے تو فاکا لانا لازم معلوم ہوا نہ لانا جائز نہیں۔ اور دلالت مقصود نہیں تو پھر فاکا نہ لانا واجب ہے معلوم ہوا فاکا لانا جائز نہیں، تو وہاں دیکھو ایک ایک جانب ضروری ہے۔ جبکہ یہاں پر دونوں جانبیں دونوں جانبوں سے ضرورت کی نفی ہے، نہ فاکا لانا لازم نہ فاکا نہ لانا لازم تو اس میں امکانِ خاص مراد ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟

تو محض اس بات کی طرف نظر کرتے ہوئے کہ بتدا متضمن ہے معنیِ شرط کو تو یہاں معلوم ہوا لا بشرطِ شے مراد ہے بھئی، کیا مراد ہے؟ لا بشرطِ شے مراد ہے یا یوں کہیں کہ یہاں پر امکانِ خاص مراد ہے۔ ایک ہے امکانِ عام اور ایک ہے امکانِ خاص۔ امکانِ عام میں جانبِ مخالف سے ضرورت کی نفی ہوتی ہے: مثلاً ہونا ذکر ہے تو اس کی جانبِ مخالف کیا؟ نہ ہونا، اور اگر نہ ہونا ذکر ہے تو اس کی جانبِ مخالف کیا؟ ہونا۔ امکانِ عام میں ایک چیز کا امکان ذکر کیا جاتا ہے کہ یہ ممکن ہے اور یہ اسی وقت کہا جاتا ہے جب جانبِ مخالف ضروری نہ ہو لازم نہ ہو، اگر جانبِ مخالف لازم ہو ضروری ہو پھر یہ نہیں کہا جا سکتا کہ یہ ممکن ہے۔ تو وہ صورت جس میں دلالت مقصود ہو اس میں فاکا لانا واجب ہے اور وہ صورت جس میں دلالت مقصود نہیں اس میں فاکا نہ لانا واجب ہے تو دیکھو اس میں ایک جانب لازم ہے ضروری ہے تو وہاں پر وہ امکانِ عام مراد ہے، اور یہاں پر امکانِ خاص مراد ہے اور امکانِ خاص میں دونوں جانبیں برابر ہوتی ہیں ہونا بھی لازم نہیں اور نہ ہونا بھی لازم نہیں تو وہ یہاں پر مراد ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟

پھر ترجمہ سنیں۔ کہتے ہیں: فَيَصِحُّ دُخُولُ الْفَاءِ فِي الْخَبَرِ تو صحیح ہے فاکا داخل ہونا اس خبر میں، وَيَصِحُّ عَدَمُ دُخُولِهِ فِيهِ اور اس خبر کے اندر فاکا داخل نہ ہونا بھی صحیح ہے یعنی دونوں صورتیں جائز ہیں، نَظَرًا إِلَى مُجَرَّدِ تَضَمُّنِ الْمُبْتَدَأِ مَعْنَى الشَّرْطِ اس بات کی طرف نظر کرتے ہوئے کہ بتدا جو ہے وہ شرط کے معنی کو متضمن ہے۔ صرف اس بات کی طرف نظر کرتے ہوئے کہ بتدا معنیِ شرط کو متضمن ہے یعنی دلالت مقصود ہے یا دلالت مقصود نہیں اس کی طرف نظر کیے بغیر صرف اس بات کی طرف نظر کرتے ہوئے کہ بتدا متضمن ہے معنیِ شرط کو۔ تو کہتے ہیں: نَظَرًا إِلَى مُجَرَّدِ تَضَمُّنِ الْمُبْتَدَأِ مَعْنَى الشَّرْطِ۔ مُجَرَّد کا ترجمہ کریں گے محض کے ساتھ، محض: نَظَرًا إِلَى مُجَرَّدِ تَضَمُّنِ الْمُبْتَدَأِ مَعْنَى الشَّرْطِ محض بتدا کے معنیِ شرط کو متضمن ہونے

کی طرف نظر کرتے ہوئے۔ ترجمہ سمجھ میں آیا ترجمہ؟ نَظَرًا إِلَى مُجَرَّدِ تَضَمُّنِ الْمُبْتَدَأِ مَعْنَى الشَّرْطِ محض اس بات کی طرف نظر کرتے ہوئے کہ بتدا متضمن ہے شرط کے معنی کو۔

وَأَمَّا إِذَا قُصِدَتِ الدَّلَالَةُ عَلَى ذَلِكَ الْمَعْنَى فِي اللَّفْظِ اور جب ارادہ کیا جائے اس معنی پر دلالت کا، اور جب اس معنی

پر دلالت کا ارادہ بھی کیا جائے فِي اللَّفْظِ لفظوں کے اندر کہ لفظوں کے اندر بھی اس پر دلالت ہو جائے کہ یہ معنی مقصود ہے یعنی اول کو آپ سبب بنانا چاہتے ہیں کس کے لیے؟ ثانی کے لیے، فَيَجِبُ دُخُولُ الْفَاءِ فِيهِ تو اس کے اندر فا کا داخل ہونا واجب ہے بھئی کیونکہ آپ لفظوں میں دلالت کرنا چاہتے ہیں کہ اول سبب ہے ثانی کے لیے۔

وَأَمَّا إِذَا لَمْ تُقْصَدْ اور باقی جب وہ دلالت مقصود نہ ہو، فَلَمْ يَجِبْ دُخُولُهُ فِيهِ تو پھر اس خبر پر فا کا داخل کرنا واجب نہیں ہے، بَلْ يَجِبُ عَدَمُهُ بلکہ عدمِ دخول جو ہے وہ واجب ہے، بلکہ پھر اس فا کا داخل نہ کرنا واجب ہے جب وہ دلالت مقصود نہیں ہے۔

اور جبکہ تیسری صورت یہ ہے کہ نہ دلالت مقصود ہے نہ عدمِ دلالت مقصود ہے تو صرف اس بات کی طرف اگر دیکھیں کہ بتدا میں بہرحال، بتدا متضمن تو ہے معنیِ شرط کو چاہے مقصود ہے چاہے مقصود نہیں لیکن متضمن تو ہے معنیِ شرط کو تو اس کی طرف نظر کرتے ہوئے فا کا لانا بھی جائز ہے اور فا کا نہ لانا بھی جائز ہے بھئی۔

بات سمجھ میں آگئی؟ چلیے جی بس بھئی۔ هَذَا هُوَ الْمَرَامُ وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْكَلَامِ.

سبق نمبر ۱۰۲: المبتدا والخبر (۱۰): بتدا متضمنِ معنیِ شرط کی خبر پر فاء کے دخول کا بیان

شرحِ ملا جامی صفحہ: ۷۵ — بتاریخ: ۱۶ نومبر ۲۰۲۱ء

▪ تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث

آگے سبق دیکھیے بھئی۔

وَذٰلِكَ الْمُبْتَدَأُ الْمُتَضَمِّنُ مَعْنَى الشَّرْطِ إِمَّا الِاسْمُ الْمَوْصُولُ بِفِعْلٍ أَوْ ظَرْفٍ، أَيِ الَّذِي جُعِلَتْ صِلَتُهُ جُمْلَةً فِعْلِيَّةً أَوْ ظَرْفِيَّةً مُؤَوَّلَةً بِجُمْلَةٍ فِعْلِيَّةٍ هَاهُنَا بِالِاتِّفَاقِ، وَإِنَّمَا اشْتَرَطَ أَنْ تَكُونَ صِلَتُهُ فِعْلًا أَوْ ظَرْفًا مُؤَوَّلًا بِالْفِعْلِ لِيَتَأَكَّدَ مُشَابَهَتُهُ الشَّرْطَ، لِأَنَّ الشَّرْطَ لَا يَكُونُ إِلَّا فِعْلًا.

گزشتہ سبق میں صاحبِ کافیہ نے آپ کو کچھ وہ جگہیں بتلائی تھیں جہاں پر بتدا متضمن ہوتا ہے معنیِ شرط کو تو اس کی خبر پر فا کا لانا جائز ہے۔ بتدا متضمن ہو معنیِ شرط کو تو اس کی خبر پر فا کا لانا جائز ہے۔ اور وہ دو بتدا ہیں بھئی۔ ایک وہ اسمِ موصول جس کا صلہ فعل یا ظرف آئے، اور ایک وہ نکرہ جو موصوف ہو فعل یا ظرف کے ساتھ۔ جیسے: اَلَّذِي يَأْتِينِي فَلَهُ دِرْهَمٌ۔ اَلَّذِي اسمِ موصول ہے، يَأْتِينِي اس کا صلہ فعل آیا تو یہ متضمن ہوا معنیِ شرط کو، تو اس کی خبر پر فا کا لانا جائز ہے۔ اسی طرح: كُلُّ رَجُلٍ فِي الدَّارِ فَلَهُ دِرْهَمٌ۔ یہاں پر دیکھو رَجُلٍ کی صفت کیا آئی؟ فِي الدَّارِ ظرف آیا بھئی۔ اور ہر ایسا نکرہ جو بتدا ہو اور اس کی صفت ظرف آجائے یا فعل آجائے وہ متضمن ہوتا ہے معنیِ شرط کو تو اس کی خبر پر فا کا لانا جائز ہے بھئی۔

پھر صاحبِ جامی نے اس کی تشریح کرتے ہوئے بتلایا تھا کہ بتدا کے شرط کے معنی کو متضمن ہونے کا کیا معنی؟ کہ اول جو ہے وہ سبب ہو ثانی کے لیے۔ کس کے لیے؟ بھئی شرط اور جزا، شرط جو ہے وہ سبب ہوتی ہے جزا کے لیے۔ إِنْ ضَرَبْتَنِي ضَرَبْتُكَ، اگر آپ میری پٹائی کریں گے تو میں بھی آپ کی پٹائی کروں گا۔ تو دیکھو إِنْ ضَرَبْتَنِي یہ ہے سبب، اگر آپ پٹائی کریں گے تو ضَرَبْتُكَ یہ ہے اس کی جزا، یہ ہے مسبب۔ اگر آپ پٹائی کریں گے تو میں بھی پٹائی کروں گا، تو یہ اول کیا ہے؟ سبب بنتا ہے ثانی کے لیے۔ یا جیسے کوئی خاوند اپنی بیوی سے کہتا ہے: إِنْ دَخَلْتِ الدَّارَ فَأَنْتِ طَالِقٌ، اگر تو اس گھر کے

اندر گئی تو تجھے طلاق ہے۔ تو یہاں پر دیکھو اس گھر کے اندر داخل ہونا یہ سبب بنے گا طلاق کے واقع ہونے کا۔ تو شرط اور جزا میں کیا ہے؟ اول سبب ہوتا ہے ثانی کے لیے۔

اس پر اشکال ہوا کہ قرآن میں اللہ فرماتے ہیں: وَمَا بِكُمْ مِنْ نِعْمَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ۔ یہ وَمَا بِكُمْ مِنْ نِعْمَةٍ، مَا جو ہے اسمِ موصول ہے اور اس کا صلہ بِكُمْ مِنْ نِعْمَةٍ ظرف آیا۔ اور یہ متضمن ہے معنیِ شرط کو اور فَمِنَ اللّٰهِ، تو اس لیے اس کی خبر پر فا داخل کی گئی۔ لیکن یہاں تو اول سبب نہیں بن رہا ثانی کے لیے۔ وَمَا بِكُمْ مِنْ نِعْمَةٍ تمہارے پاس جو بھی نعمتیں ہیں فَمِنَ اللّٰهِ تو وہ اللہ کی طرف سے ہیں۔ تو دیکھو اول کیا ہے؟ آپ کے پاس نعمتوں کا ہونا۔ اور ثانی کیا ہے؟ اللہ کی طرف سے نعمتوں کا آنا۔ تو آپ کے پاس نعمتیں ہونا یہ سبب نہیں ہے اللہ کی طرف سے نعمتوں کے آنے کا۔ کیا آپ کے پاس نعمتیں ہیں اس لیے اللہ کی طرف سے نعمتیں آتی ہیں؟ تو یہاں تو اول جو ہے ثانی کے لیے سبب نہیں بن رہا۔ آپ کے پاس نعمتیں ہیں کیا اس لیے اللہ کی طرف سے نعمتیں آتی ہیں؟ نہیں نہیں، بلکہ یہاں ثانی سبب ہے اول کے لیے۔ اللہ کی طرف سے چونکہ نعمتیں آتی ہیں اس لیے ہمارے پاس نعمتیں ہیں، اگر اللہ کی طرف سے نعمتیں نہ آتیں تو ہمارے پاس بھی نعمتیں نہ ہوتیں بھئی۔ تو یہاں تو ثانی سبب ہے اول کے لیے۔

تو اس کا جواب بھی صاحبِ جامی نے دیا تھا کہ: هُوَ سَبَبِيَّةُ الْأَوَّلِ لِلثَّانِي أَوْ لِلْحُكْمِ بِهِ أَيْ لِلْحُكْمِ بِالثَّانِي، یہ بِهِ کی ہا ضمیر کس کو راجع؟ ثانی کو۔ کہ اول سبب ہو ثانی کے لیے أَوْ لِلْحُكْمِ بِهِ یا اول سبب ہو ثانی کے حکم لگانے کا۔ ثانی میں جو حکم لگایا گیا ہے اول اس کا سبب ہو۔ توجہ ہے؟ پھر سنو بھئی۔ بتدا متضمن ہوتا ہے معنیِ شرط کو کبھی کبھار، معنیِ شرط سے کیا مراد ہے؟ کہ اول سبب ہو ثانی کے لیے۔ اول سبب ہو ثانی کے لیے یا اول سبب ہو ثانی کے حکم لگانے کے لیے۔ اول سبب ہو ثانی کا حکم لگانے کے لیے۔ حکم لگانے کا معنی ہے بات کرنا، بات کرنا۔ یعنی ثانی میں جو بات کی گئی ہے اس کا سبب اول ہے۔

پھر سنو۔ معنیِ شرط کا کیا معنی؟ کہ اول سبب ہو ثانی کا۔ لیکن یہاں پر وَمَا بِكُمْ مِنْ نِعْمَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ، یہاں تو اول جو ہے ثانی کا سبب نہیں ہے بلکہ ثانی سبب ہے اول کا۔ اللہ کی طرف سے نعمتیں آتی ہیں اس لیے ہمارے پاس بھی نعمتیں ہیں، اگر اللہ کی طرف سے نعمتیں نہ آتیں تو ہمارے پاس بھی نعمتیں نہ ہوتیں۔ تو ثانی سبب ہے اول کا، حالانکہ صاحبِ جامی نے تو کیا بتلایا کہ اول سبب ہو ثانی کے لیے۔ یہاں تو اول سبب نہیں ثانی کے لیے۔ تو اس کے جواب دینے کے لیے صاحبِ جامی نے کیا لفظ بڑھا دیے؟ أَوْ لِلْحُكْمِ بِهِ، یا اول سبب ہو ثانی کے حکم لگانے کا۔ حکم لگانے کا کیا معنی؟ بات کرنا۔ یعنی اول سبب ہے اس بات کا جو ثانی میں کی گئی ہے۔ ثانی کے اندر جو حکم لگایا گیا ہے اول اس کا سبب ہے۔ آپ کے پاس نعمتیں ہیں اس لیے یہ حکم لگایا گیا کہ یہ کس کی طرف سے ہیں؟ اللہ کی طرف سے ہیں۔ آپ کے پاس نعمتیں ہیں اس لیے یہ بات کی جا سکتی ہے، یہ کہا جا سکتا ہے کہ یہ کس کی طرف سے ہیں؟ نعمتیں، یہ نعمتیں اللہ کی طرف سے۔ آپ کے پاس کیا

ہیں؟ نعمتیں ہیں، تو یہ حکم لگایا جا سکتا ہے کہ یہ نعمتیں کس کی طرف سے آئی ہیں؟ اللہ کی طرف سے۔ آپ کے پاس خود بخود تو نہیں ہو سکتیں، لیکن نعمتیں ہیں تو معلوم ہوا یہ نعمتیں کس کی طرف سے آئی ہیں؟ اللہ... تو ثانی کے اندر جو حکم لگایا گیا ہے، جو بات کی گئی ہے اس کے لیے اول سبب ہے۔ آپ کے پاس اگر نعمتیں نہ ہوتیں تو کیا یہ کہا جا سکتا تھا یہ اللہ کی طرف سے ہیں؟ جی؟ آپ کے پاس اگر نعمتیں نہ ہوتیں تو پھر تو یہ نہیں کہا جا سکتا تھا کہ یہ اللہ کی طرف سے ہیں، کیونکہ آپ کے پاس نعمتیں ہی نہیں ہیں۔ لیکن چونکہ آپ کے پاس نعمتیں ہیں تو یہ حکم لگایا جا سکتا ہے، یہ کہا جا سکتا ہے کہ یہ نعمتیں کس کی طرف سے ہیں؟ اللہ کی طرف سے۔ تو دیکھا، یہاں اول ثانی کے لیے سبب نہیں ہے بلکہ اول ثانی کے اندر جو حکم لگایا گیا، ثانی کے اندر جو بات کی گئی اس کا سبب ہے۔ آپ کے پاس چونکہ یہ نعمتیں ہیں اس لیے کیا کہا گیا کہ یہ نعمتیں اللہ کی طرف سے ہیں۔ بات سمجھ میں آگئی۔

پھر آگے کیا فرمایا؟ اس بتدا کی خبر پر فا کا داخل کرنا صحیح ہے بھئی۔ صحیح ہے، معلوم ہوا فا کا داخل کرنا بھی صحیح اور داخل نہ کریں تو یہ بھی صحیح۔ معلوم ہوا یہاں مراد جواز ہے، کیا مراد ہے؟ بھئی ایک ہوتا ہے وجوب، وجوب میں ایک چیز ضروری ہوتی ہے اور ایک ہے جواز۔ معلوم ہوا یہاں جواز ذکر ہو رہا ہے کہ بتدا متضمن ہو معنیِ شرط کو تو اس کی خبر پر فا کا لانا جائز ہے۔ معلوم ہوا لے آئیں تو بھی ٹھیک، نہ لائیں تو بھی ٹھیک، کوئی حرج نہیں ہے۔

تو اس پر اشکال ہوتا ہے کہ بھئی یہاں تو دو ہی صورتیں بنتی ہیں۔ یہ جو فا ہے یہ دلالت کرے گا اس بات پر کہ اول سبب ہے ثانی کے لیے۔ بتدا کی خبر پر آپ فا لائے ہیں، یہ فا کس بات پر دلالت کرے گی؟ کہ اول سبب ہے ثانی کے لیے۔ تو یہ دلالت متکلم کا مقصود ہوگی یا مقصود نہیں؟ وہ بتدا اور خبر لایا۔ توجہ ہے؟ وہ بتدا اور خبر لایا، اور ایسا بتدا ہے جو اسمِ موصول ہے جس کا صلہ فعل یا ظرف ہے یا ایسا نکرہ ہے جس کی صفت فعل یا ظرف ہے۔ تو وہ ایسا بتدا لے کر آیا۔ اور یہ بتدا تو متضمن ہوتا ہے معنیِ شرط کو۔ یعنی اس میں اول سبب بنتا ہے کس کے لیے؟ ثانی کے لیے یا ثانی کے حکم لگانے کا سبب بنتا ہے۔ تو اس کا بھی یہ ارادہ ہوگا کہ یہ کلام جو ہے اول کے سبب ہونے پر دلالت کرے یا اس کا ارادہ نہیں ہوگا؟ اگر یہ دلالت اس کا ارادہ ہے، وہ چاہتا ہے کہ کلام اس بات پر دلالت کرے کہ اول سبب ہے ثانی کے لیے تو پھر فا کا لانا واجب ہے۔ کیونکہ یہ فا تو شرط اور جزا کے درمیان لائی جاتی ہے اور یہ فا بتلاتی ہے کہ اول سبب ہے ثانی کے لیے۔ تو یہاں پر بھی جب فا لائیں گے تو دلالت ہو جائے گی کہ اول سبب ہے کس کے لیے؟ ثانی... تو متکلم کا یا تو ارادہ ہوگا اس دلالت کا یا ارادہ نہیں ہوگا۔ اگر ارادہ ہے دلالت کا تو پھر تو فا کا لانا واجب۔ اور اگر اس کا ارادہ نہیں ہے دلالت کا تو پھر تو فا کا نہ لانا واجب ہے بھئی۔ جب اس کا دلالت کا ارادہ ہی نہیں ہے۔ تو یہاں تو دو ہی صورتیں بنتی ہیں: یا فا کا لانا واجب یا فا کا نہ لانا واجب۔ جواز والی تو یہاں کوئی صورت ہی نہیں ہے۔

تو صاحبِ جامی نے اس کا بھی جواب دیا کہ صرف اس بات کی طرف نظر کرتے ہوئے کہ بتدا متضمن ہے معنیِ شرط

کو۔ صرف کس بات کی طرف نظر کریں؟ کہ بتدا متضمن ہے معنیِ شرط کو۔ یعنی دلالت مقصود ہے یا دلالت مقصود نہیں، اس سے قطعِ نظر۔ اس کو ذرا چھوڑ دیں، صرف اتنا دیکھیں کہ یہ بتدا کیا ہے؟ متضمن ہے معنیِ شرط کو۔ صرف اس بات کی طرف نظر کریں تو پھر فا کا لانا جائز ہے، چاہے لائیں چاہے نہ لائیں۔ بات سمجھ میں آ گئی؟ کیا معنی؟ یعنی یوں کہو، یعنی قصدِ دلالت ہے یا قصدِ دلالت نہیں ہے۔ اس سے قطعِ نظر، اس کی طرف نظر نہ کریں کیونکہ قصدِ دلالت ہے پھر تو فا کا لانا واجب، اور قصدِ دلالت نہیں ہے تو پھر فا کا نہ لانا واجب۔ تو قصدِ دلالت اور عدمِ قصدِ دلالت سے قطعِ نظر صرف اس بات کی طرف دیکھیں کہ یہ بتدا متضمن ہے معنیِ شرط کو تو پھر بایں لحاظ فا کا لانا جائز ہے۔ اور دلالت کی طرف نظر کریں تو پھر قصد ہوگا تو فا کا لانا واجب، قصد نہیں ہے تو پھر فا کا نہ لانا واجب۔ تو ان سے قطعِ نظر محض اس بات کی طرف دیکھتے ہوئے کہ یہ بتدا متضمن تو ہے معنیِ شرط کو بھئی، اس میں شرط والا معنی تو ہے بھئی، تو بایں لحاظ فا کا لانا بھی جائز اور فا کا نہ لانا بھی جائز ہے۔

یہ دوسرے لفظوں میں یوں کہو کہ یہ لَا بِشَرْطِ شَيْءٍ مراد ہے یہاں پر۔ میں نے بتلایا تھا ایک ہوتا ہے بِشَرْطِ شَيْءٍ، ایک بِشَرْطِ لَا شَيْءٍ اور ایک لَا بِشَرْطِ شَيْءٍ۔ بِشَرْطِ شَيْءٍ جس میں ایک چیز کے ہونے کی شرط ہوتی ہے۔ بِشَرْطِ لَا شَيْءٍ جس میں ایک شے کے نہ ہونے کی شرط ہوتی ہے، دیکھو لَا شَيْءٍ کی شرط ہے بِشَرْطِ لَا شَيْءٍ۔ اور تیسری صورت یہ ہے لَا بِشَرْطِ شَيْءٍ، یعنی جس میں شرطِ شے ہو ہی نا۔ کسی قسم کی شرط ہی نہ ہو، نہ ہونا ذکر ہو اور نہ نہ ہونا ذکر ہو۔ توجہ ہے؟ تو اگر وہ دلالت مقصود ہوگی تو وہ تو بِشَرْطِ شَيْءٍ ہے لہٰذا فا کا لانا واجب۔ اور وہ دلالت مقصود نہیں ہے تو وہ تو بِشَرْطِ لَا شَيْءٍ ہے بھئی تو وہاں فا کا نہ لانا واجب۔ اور تیسری صورت ہے کہ جس میں قصدِ دلالت یا عدمِ قصدِ دلالت سے قطعِ نظر ہے، یعنی نہ وہ بِشَرْطِ شَيْءٍ ہے نہ بِشَرْطِ لَا شَيْءٍ ہے تو تیسری صورت ہے یعنی لَا بِشَرْطِ شَيْءٍ، یعنی جس میں شرطِ شے ہی نہیں ہے۔ دیکھو اس میں لَا شرط پہ داخل ہو رہا ہے، لَا شرط پر داخل ہو رہا ہے یعنی شرطِ شے کی نفی ہے، یعنی کسی قسم کی کوئی شرط ہے ہی نہیں اس کے اندر بھئی۔ تو یہ صورت مراد ہے۔ تو اس کے اندر دیکھو فا کا لانا بھی جائز اور فا کا نہ لانا بھی جائز ہے کیونکہ اس میں نہ قصدِ دلالت ہے اور نہ عدمِ قصدِ دلالت ہے بھئی۔ تو محض اس بات کی طرف نظر کرتے ہوئے کہ بتدا متضمن ہے معنیِ شرط کو، تو یہاں معلوم ہوا لَا بِشَرْطِ شَيْءٍ مراد ہے بھئی، کیا مراد ہے؟ لَا بِشَرْطِ شَيْءٍ مراد ہے۔

یا یوں کہیں کہ یہاں پر امکانِ خاص مراد ہے۔ ایک ہے امکانِ عام اور ایک ہے امکانِ خاص۔ امکانِ عام میں جانبِ مخالف سے ضرورت کی نفی ہوتی ہے۔ مثلاً ہونا ذکر ہے تو اس کی جانبِ مخالف کیا؟ نہ ہونا۔ اور اگر نہ ہونا ذکر ہے تو اس کی جانبِ مخالف کیا؟ ہونا۔ امکانِ عام میں ایک چیز کا امکان ذکر کیا جاتا ہے کہ یہ ممکن ہے۔ اور یہ اسی وقت کہا جاتا ہے جب جانبِ مخالف ضروری نہ ہو، لازم نہ ہو۔ اگر جانبِ مخالف لازم ہو ضروری ہو پھر یہ نہیں کہا جا سکتا کہ یہ ممکن ہے۔ تو وہ صورت جس میں دلالت مقصود ہو اس میں فا کا لانا واجب ہے، اور وہ صورت جس میں دلالت مقصود نہیں اس میں فا کا نہ لانا واجب ہے، تو دیکھو اس میں ایک جانب لازم ہے ضروری ہے تو وہاں پر وہ امکانِ عام مراد ہے، اور یہاں پر امکانِ

خاص مراد ہے اور امکانِ خاص میں دونوں جانبیں برابر ہوتی ہیں۔ ہونا بھی لازم نہیں اور نہ ہونا بھی لازم نہیں تو وہ یہاں پر مراد ہے۔ بات سمجھ میں آگئی۔

آگے دیکھیے آج کا سبق بھئی۔ کہتے ہیں: وَذٰلِكَ الْمُبْتَدَأُ الْمُتَضَمِّنُ مَعْنَى الشَّرْطِ إِمَّا الِاسْمُ الْمَوْصُولُ بِفِعْلٍ أَوْ ظَرْفٍ۔ اس کو کیسے پڑھیں گے؟ إِمَّا الِاسْمُ، إِمَّا الِاسْمُ، إِمَّا الِاسْمُ۔ إِمَّا کا الف بھی گر جائے گا۔ إِمَّا الِاسْمُ الْمَوْصُولُ بِفِعْلٍ أَوْ ظَرْفٍ۔ اور وہ بتدا جو متضمن ہو معنیِ شرط کو یا تو وہ اسمِ موصول ہوگا بِفِعْلٍ أَوْ ظَرْفٍ جو کس کے ساتھ ہوگا؟ فعل یا ظرف کے ساتھ۔ أَيِ الَّذِي جُعِلَتْ صِلَتُهُ جُمْلَةً فِعْلِيَّةً، یعنی وہ اسمِ موصول کہ جس کا صلہ جملہ فعلیہ بنایا گیا ہو، أَوْ ظَرْفِيَّةً یا جملہ ظرفیہ ہو چاہے ظرفِ حقیقی ہو چاہے ظرفِ مجازی، تو اس کا صلہ ایسا جملہ ظرفیہ ہو مُؤَوَّلَةً بِجُمْلَةٍ فِعْلِيَّةٍ جس کی تاویل جملہ فعلیہ کے ساتھ کی گئی ہو هَاهُنَا یہاں پر بِالِاتِّفَاقِ بھئی، تمام نحویوں کا اتفاق ہے اس پر۔

بھئی دیکھیے چند سبق پہلے یہ بات گزری کہ جب خبر ظرف واقع ہو تو وہ مؤول بجملہ ہوگی یعنی اس کی تاویل جملہ کے ساتھ کی جائے گی، یعنی وہاں فعل نکالیں گے۔ زَيْدٌ فِي الدَّارِ یہاں پر زَيْدٌ ثَبَتَ فِي الدَّارِ نکالیں گے کس کے نزدیک؟ بصرہ والوں کے نزدیک۔ جبکہ کوفہ والے کیا فرماتے ہیں؟ کہ یہاں مفرد...

...یعنی صفت کا صیغہ نکالیں گے أَيْ زَيْدٌ ثَابِتٌ فِي الدَّارِ۔ تو وہ خبر جو ظرف واقع ہو اس میں تو نحویوں کا اختلاف ہے، لیکن وہ ظرف جو صلہ بنے اس میں بالاتفاق فعل نکالیں گے۔ اس جملہ ظرفیہ کی تاویل کس کے ساتھ کی جائے گی؟ فعل کے ساتھ، اس لیے کیونکہ فعل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر جملہ بنے گا، اور ہمیں بھی یہاں پر جملہ چاہیے کیونکہ اس نے صلہ بننا ہے اور موصول کا صلہ جملہ ہوا کرتا ہے۔

پھر ترجمہ سنیں: أَيِ الَّذِي جُعِلَتْ صِلَتُهُ جُمْلَةً فِعْلِيَّةً أَوْ ظَرْفِيَّةً مُؤَوَّلَةً بِجُمْلَةٍ فِعْلِيَّةٍ هَاهُنَا بِالِاتِّفَاقِ، یعنی وہ اسمِ موصول کہ جس کا صلہ جملہ فعلیہ بنایا گیا ہو أَوْ ظَرْفِيَّةً یا ایسا جملہ ظرفیہ اس کا صلہ بنایا گیا ہو کہ مُؤَوَّلَةً بِجُمْلَةٍ فِعْلِيَّةٍ کہ جس کی تاویل جو ہے جملہ فعلیہ کے ساتھ کی جائے گی هَاهُنَا یہاں پر بِالِاتِّفَاقِ نحویوں کے اتفاق سے، یعنی تمام نحویوں کے نزدیک یہاں اس کی تاویل جملہ فعلیہ سے کی جائے گی۔

وَإِنَّمَا اشْتَرَطَ أَنْ تَكُونَ صِلَتُهُ فِعْلًا، اچھا بھئی اب وجہ ذکر کر رہے ہیں۔ انہوں نے کیا کہا؟ کہ بعض اوقات بتدا متضمن ہوتا ہے معنیِ شرط کو اور وہ اسمِ موصول ہے جس کا صلہ فعل آئے گا یا ظرف آئے گا۔ بھئی یہ فعل یا ظرف ہونے کی شرط کیوں لگائی؟ کہ اس موصول کا صلہ فعل یا ظرف آئے گا۔ کہتے ہیں وجہ یہ ہے کہ یہاں پر اس بتدا کی مشابہت آگئی شرط کے ساتھ بھئی۔ اور یاد رکھو شرط ہمیشہ فعل ہوا کرتی ہے۔ إِنْ ضَرَبْتَنِي ضَرَبْتُكَ، إِنْ حرفِ شرط اور ضَرَبْتَنِي یہ کیا ہے؟ شرط۔ تو إِنْ ضَرَبْتَنِي دیکھو یہ شرط ہے اور دیکھو یہ جملہ فعلیہ ہے۔ آگے جو جزا آئے گی وہ جملہ فعلیہ بھی ہو سکتا ہے جملہ اسمیہ بھی۔ إِنْ ضَرَبْتَنِي ضَرَبْتُكَ، جزا کیا؟ جزا جملہ فعلیہ۔ شرط تو ہمیشہ جملہ فعلیہ ہوگی لیکن جزا جملہ فعلیہ بھی ہو سکتی ہے اور جملہ اسمیہ

بھی۔ تو إِنْ ضَرَبْتَنِي ضَرَبْتُكَ، یہ ضَرَبْتُكَ جو جزا ہے یہ کون سا جملہ ہے؟ جملہ فعلیہ ہے، یہ فعل ہے بھئی۔ اور یوں بھی میں کہہ سکتا ہوں إِنْ ضَرَبْتَنِي فَأَنْتَ ظَالِمٌ، اگر آپ نے میری پٹائی کی تو آپ ظالم ہیں۔ تو دیکھو أَنْتَ ظَالِمٌ یہ جزا ہے اور یہ جملہ اسمیہ ہے۔ تو معلوم ہوا جزا تو جملہ فعلیہ بھی آسکتی ہے اور جملہ اسمیہ بھی، لیکن شرط ہمیشہ جملہ فعلیہ ہوگی۔ تو شرط ہمیشہ جملہ فعلیہ ہوتی ہے۔ تو لہٰذا یہ جو بتدا ہے اس کی مشابہت شرط کے ساتھ ہے اور مشابہت تبھی ہوگی جب اس کا صلہ یا اس کی صفت کیا آئے؟ فعل یا ظرف آئے، اور ظرف کی بھی تاویل پھر کس کے ساتھ کی جاتی ہے؟ جملہ فعلیہ کے ساتھ، یعنی یہاں پر فعل ہی آنا چاہیے۔ تبھی اس کی مشابہت کس کے ساتھ آجائے گی؟ شرط کے۔ شرط میں بھی ہمیشہ کیا؟ جملہ فعلیہ۔ تو یہاں پر بھی کیا آگیا؟ یہ صلہ یا صفت کیا آجائے گی؟ جملہ فعلیہ تو اس کی شرط کے ساتھ مشابہت ہو جائے گی، تو یہ متضمن ہوگا معنیِ شرط کو۔ بات سمجھ میں آگئی۔

کہتے ہیں وَإِنَّمَا اشْتَرَطَ اور ماتن نے شرط لگائی أَنْ تَكُونَ صِلَتُهُ فِعْلًا أَوْ ظَرْفًا مُؤَوَّلًا بِالْفِعْلِ کہ اس اسمِ موصول کا صلہ جو ہے وہ فعل ہو یا ایسا ظرف ہو مُؤَوَّلًا بِالْفِعْلِ جس کی تاویل فعل کے ساتھ کی جائے۔ یہ شرط کیوں لگائی؟ کہتے ہیں لِيَتَأَكَّدَ مُشَابَهَتُهُ الشَّرْطَ، تاکہ پکی ہو جائے، مضبوط ہو جائے یا پختہ ہو جائے مُشَابَهَتُهُ الشَّرْطَ اس بتدا کی مشابہت شرط کے ساتھ۔ تاکہ اس بتدا کی مشابہت شرط کے ساتھ پختہ ہو جائے، مضبوط ہو جائے۔ لِأَنَّ الشَّرْطَ لَا يَكُونُ إِلَّا فِعْلًا، اس لیے کیونکہ شرط نہیں ہوتی مگر فعل ہی۔

وَفِي حُكْمِ الِاسْمِ الْمَوْصُولِ الْمَذْكُورِ الِاسْمُ الْمَوْصُوفُ بِهِ، اور یہی جو مذکور اسمِ موصول تھا اسی کے حکم میں ہے وہ اسم جو اس اسمِ موصول کے ساتھ موصوف ہو۔ جو اس اسمِ موصول کے ساتھ موصوف ہو۔ بھئی دیکھیے ادھر دیکھیے۔ انہوں نے کیا بتایا؟ کہ کبھی کبھار بتدا متضمن ہوتا ہے معنیِ شرط کو، اور وہ کون سا بتدا ہے؟ وہ اسمِ موصول ہے جس کا صلہ کیا آئے؟ فعل یا ظرف۔ یاد رکھو، یہ جو اسمِ موصول آیا، توجہ سے سنو، یہ جو اسمِ موصول آیا اس کا صلہ کیا ہے؟ فعل یا ظرف ہے۔ اور یہ اسمِ موصول خود کیا بن رہا ہے؟ بتدا بن رہا ہے، توجہ ہے؟ لیکن اگر یہ اسمِ موصول خود بتدا نہ ہو، کسی اسم کی صفت بن رہا ہو، اور وہ اسم بتدا ہے، تو اس کا بھی یہی حکم ہے۔ ابھی جو ہم نے ترکیب کی الَّذِي يَأْتِينِي فَلَهُ دِرْهَمٌ، اس میں یہ الَّذِي کیا بنا تھا؟ اس میں یہ بتدا تھا۔ لیکن اگر ایسی ترکیب آئے جس میں یہ الَّذِي جس کا صلہ فعل یا ظرف ہے یہ خود بتدا نہ بنے، بلکہ یہ بتدا کی صفت بنے بھئی۔ یہ کیا بنے؟ یہ بتدا کی صفت بنے، تو وہ جو اس کا موصوف ہے وہ ہے بتدا، اور اس کی صفت کون سا اسمِ موصول آیا؟ وہ اسم بتدا ہے اور یہ اسمِ موصول اس کی صفت، اور اس اسمِ موصول کا صلہ کیا ہے؟ فعل یا ظرف۔ تو جیسے یہ والا اسمِ موصول خود بتدا بنتا تھا تو یہ متضمن ہوتا تھا معنیِ شرط کو، تو اس کا جو موصوف ہے اس کا بھی یہی حکم ہے۔ اس کا بھی یہی حکم ہے، یعنی وہ بھی متضمن ہوگا معنیِ شرط کو کیونکہ اس کی صفت کیا آرہی ہے؟ ایسا

اسمِ موصول ہے جو... جی، وہ کاپیاں نکالیں ذرا، کاپیوں پر مثال دیکھ کر حل کریں پھر آپ کو بات سمجھ میں آئے گی۔

جی کل میں نے مثال لکھوائی تھی، اس مثال پہ نظر رکھیں: الَّذِي يَأْتِينِي فَلَهُ دِرْهَمٌ۔ توجہ ہے؟ یہ الَّذِي وہ اسمِ موصول ہے جس کا صلہ فعل آرہا ہے، تو یہ متضمن ہے معنیِ شرط کو، تو اس کی خبر پر فا کا لانا جائز۔ تو اس ترکیب میں دیکھو یہ اسمِ موصول الَّذِي بتدا بن رہا ہے۔ لیکن اگر اس بتدا سے پہلے ایک موصوف آجائے، یعنی وہ بتدا بنے اور یہ الَّذِي اس کی صفت بن جائے۔ ذرا یہ الَّذِي سے پہلے لکھو: الرَّجُلُ، موصوف لکھ دو، الرَّجُلُ۔ اب کلام کیا بن گیا؟ الرَّجُلُ الَّذِي يَأْتِينِي فَلَهُ دِرْهَمٌ۔ اب الَّذِي یہ بتدا نہیں ہے، اب الرَّجُلُ بتدا بن رہا ہے۔ توجہ ہے؟ الرَّجُلُ بتدا ہے اور یہ موصوف ہے کیونکہ یہ معرفہ ہے اور آگے ایک اور معرفہ الَّذِي آرہا ہے۔ تو ترکیب کیا ہوگی؟ الرَّجُلُ مرفوع لفظاً موصوف۔ اور مرفوع کیوں؟ بتدا ہے۔ اور الَّذِي مرفوع محلاً یہ موصول صلہ مل کر سارا اس کی صفت۔ موصوف صفت مل کر بتدا، اور پھر وہ خبر آگے فَلَهُ دِرْهَمٌ خبر ہے، بتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔ تو اس میں دیکھو یہ جو الرَّجُلُ آیا، اس کی صفت وہ والا اسمِ موصول ہے جس کا صلہ فعل یا ظرف۔ تو لہٰذا یہ اسم جو موصوف ہو رہا ہے اس اسمِ موصول کے ساتھ، اس کا بھی یہی حکم ہے۔ یعنی یہ بھی متضمن ہے معنیِ شرط کو، لہٰذا اس کی خبر پر بھی فا کا لانا جائز۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو وہ اسمِ موصول جس کا صلہ فعل یا ظرف آئے، وہ چاہے خود بتدا بنے، چاہے وہ کسی بتدا کی صفت بنے، تو دونوں صورتوں میں وہاں پر خبر پر فا کا لانا جائز ہے۔ تو کہتے ہیں وَفِي حُكْمِ الِاسْمِ الْمَوْصُولِ الْمَذْكُورِ، اور یہی اسمِ موصول جو مذکور ہوا اسی کے حکم میں ہے، عبارت پر نظر ہے؟ وَفِي حُكْمِ الِاسْمِ الْمَوْصُولِ الْمَذْكُورِ یہی اسمِ موصول جو مذکور ہوا اسی کے حکم میں ہے الِاسْمُ الْمَوْصُوفُ بِهِ وہ اسم بھی جو اس اسمِ موصول کے ساتھ موصوف ہو رہا ہے۔ بات سمجھ میں آگئی۔

أَوِ النَّكِرَةُ الْمَوْصُوفَةُ بِهِمَا، یا وہ نکرہ جو ان دونوں کے ساتھ موصوف ہو۔ توجہ ہے؟ یا وہ نکرہ جو دونوں کے ساتھ موصوف ہو، وہ بھی متضمن ہوتا ہے معنیِ شرط کو، تو اس کی خبر پر بھی فا کا لانا جائز: كُلُّ رَجُلٍ يَأْتِينِي فَلَهُ دِرْهَمٌ۔ اب اس پر اشکال ہوتا ہے کہ بھئی عبارت سے تو یوں لگتا ہے: أَوِ النَّكِرَةُ الْمَوْصُوفَةُ بِهِمَا، وہ نکرہ جو موصوف ہو بِهِمَا ان دونوں کے ساتھ۔ معلوم ہوا بتدا ایسا نکرہ ہے کہ اس کی صفت فعل بھی آرہا ہے اور اس کی صفت ظرف بھی آئے، پھر اس کے اندر شرط والا معنی آئے گا، کیونکہ بِهِمَا، هُمَا ضمیر کس کو راجع؟ پیچھے جو فعل یا ظرف کا ذکر آیا تھا۔ تو معلوم ہوا وہ دونوں صفت ہونے چاہئیں اس نکرہ کی، حالانکہ دونوں کا صفت ہونا تو ضروری نہیں۔ ایک بھی صفت آجائے، چاہے ظرف آجائے چاہے فعل آجائے۔ تو صاحبِ جامی اس کا جواب دے رہے ہیں: أَيْ بِأَحَدِهِمَا بھئی، یہاں هُمَا ضمیر سے پہلے أَحَد کا لفظ مضاف محذوف ہے۔ تو عبارت کیا بن گئی؟ أَوِ النَّكِرَةُ الْمَوْصُوفَةُ بِأَحَدِهِمَا، وہ نکرہ جو ان دونوں میں سے ایک کے ساتھ موصوف ہو۔ توجہ ہے؟ ایک کے ساتھ موصوف ہو۔ تو یہاں أَحَد کا لفظ مضاف محذوف ہے، کیونکہ صاحبِ کافیہ کے پاس الفاظ کم

ہوتے ہیں، انہوں نے مختصر لفظوں میں لمبی بات کرنی ہے، بات چونکہ واضح تھی کوئی اشتباہ کا خطرہ نہیں ہے، لہٰذا أَحَد مضاف کو محذوف کر دیا تاکہ طالبِ علم پڑھنے والا یا استاد جو پڑھانے والا ہے وہ خود ہی بات کو بیان کر دے گا، تو أَحَد کا لفظ یہاں مضاف محذوف ہے۔ تو کہتے ہیں أَوِ النَّكِرَةُ الْمَوْصُوفَةُ بِهِمَا أَيْ بِأَحَدِهِمَا، یعنی ان دونوں میں سے ایک کے ساتھ موصوف ہو۔

وَفِي حُكْمِهَا الِاسْمُ الْمُضَافُ إِلَيْهَا، اور اسی کے حکم میں ہے وہ اسم جو اس نکرہ کی طرف مضاف ہو۔ جی دوسری مثال میں نے کاپی میں لکھوائی تھی، کیا مثال تھی؟ كُلُّ رَجُلٍ يَأْتِينِي فَلَهُ دِرْهَمٌ۔ یہ كُلُّ رَجُلٍ یہ کیا ہے؟ بتدا، اور اس کی صفت کیا آئی؟ يَأْتِينِي۔ توجہ ہے؟ تو لہٰذا یہ متضمن ہوا معنیِ شرط کو، تو اس کی خبر پر فا کا لانا جائز۔ یاد رکھو، اسی طرح، اسی طرح وہ اسم، وہ اسم جو اس نکرہ کی طرف مضاف ہو اس کا بھی یہی حکم ہے۔ اس کا بھی یہی حکم ہے۔ یہ رَجُلٍ توجہ ہے؟ رَجُلٍ وہ نکرہ ہے جس کی صفت کیا آ رہی ہے؟ فعل یا ظرف۔ تو یہ رَجُلٍ متضمن ہوا معنیِ شرط کو۔ اسی طرح اگر کوئی اسم اس رَجُلٍ کی طرف مضاف ہو گیا، تو اس کا بھی یہی حکم ہے۔ اس کا بھی یہی حکم ہے، جیسے مثال لکھو، آگے ایک مثال لکھ لیجیے: كُلُّ غُلَامِ رَجُلٍ بھئ، یہ رَجُلٍ سے پہلے غُلَام کا لفظ لے آئیں۔ كُلُّ غُلَامِ رَجُلٍ يَأْتِينِي، يَأْتِينِي فَلَهُ دِرْهَمٌ۔ كُلُّ غُلَامِ رَجُلٍ يَأْتِينِي فَلَهُ دِرْهَمٌ۔ ترکیب کیسے ہوگی؟ كُلُّ مرفوع لفظاً مضاف، غُلَامِ مجرور لفظاً یہ ماقبل کے لیے مضاف الیہ اور مابعد کے لیے مضاف۔ كُلُّ کے لیے غُلَام کا لفظ مضاف الیہ بنے گا اور مابعد کے لیے مضاف۔ اور رَجُلٍ مجرور لفظاً یہ مضاف الیہ کس کے لیے؟ غُلَام کے لیے، اور یہ موصوف ہے آگے اس کی صفت آ رہی ہے، یہ رَجُلٍ کی صفت آگے آ رہی ہے۔ اور پھر آگے يَأْتِينِي فعل با فاعل، اس کے اندر هُوَ ضمیر مرفوع محلاً اس کا فاعل جو کس کو راجع؟ جی رَجُلٍ کو راجع ہے، یہ رَجُلٍ کی صفت ہے۔ اور نون وقایہ، یا ضمیر مفعول کی۔ فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر صفت ہوئی رَجُلٍ کے لیے۔ موصوف صفت مل کر یہ مضاف الیہ ہوا غُلَام کے لیے۔ مضاف مضاف الیہ مل کر یہ مضاف الیہ ہوا كُلُّ کے لیے، اور مضاف اپنے مضاف الیہ سے مل کر بتدا۔ اور آگے فَلَهُ دِرْهَمٌ یہ اس کی، اس کی خبر ہے بھئ، اس کی ترکیب ہم کر چکے بھئ۔ اب دیکھو، یہاں پر رَجُلٍ وہ نکرہ ہے جس کی صفت فعل آ رہی ہے، لیکن یہ خود بتدا نہیں بن رہا۔ اگر یہ خود بتدا ہوتا تو ہم کہتے یہ متضمن ہے معنیِ شرط کو۔ لیکن اس نکرہ سے پہلے جو مضاف آ جائے اس کا بھی یہی حکم ہے۔ توجہ ہے؟ اب دیکھو كُلُّ غُلَامِ رَجُلٍ، بتدا کیا ہے؟ كُلُّ غُلَامِ۔ بتدا کیا ہے؟ كُلُّ غُلَامِ بھئ۔ توجہ ہے؟ بھئ میں نے کل بھی بتلایا تھا کہ آپ کے ذہن میں یہ اشکال نہ آئے کہ بتدا تو كُلُّ ہے بھئ، غُلَام تو مضاف الیہ ہے۔ تو میں نے بتایا بھئ کہ یہ كُلُّ صرف افراد کے احاطے کے لیے آتا ہے، یہ كُلّ سے کیا مراد ہے؟ غُلَام ہی مراد ہیں، غُلَام کے سارے افراد مراد ہیں کوئی اور چیز مراد نہیں۔ تو یہ گویا، تو جو غُلَام کا حکم ہے وہی كُلُّ کا بھی حکم ہے۔ جو غُلَام کی صفت ہے وہ كُلُّ کی بھی صفت ہے۔ جو غُلَام کا مضاف الیہ ہے وہ كُلُّ کا بھی مضاف الیہ ہے۔ بات سمجھ میں آ گئی؟ کیونکہ كُلُّ معنی کے اعتبار سے وہی غُلَام ہی مراد ہے کوئی اور

چیز مراد نہیں، یہ اسی کے افراد کا احاطہ کر رہا ہے۔ تو اب دیکھو یہاں پر پہلے کیا تھا؟ كُلُّ رَجُلٍ يَأْتِينِي، كُلُّ رَجُلٍ ایسا بتدا تھا جس کی صفت کیا آرہی تھی؟ فعل۔ اب یہاں پر یہ جو بتدا ہے كُلُّ غُلَامٍ، اس کی صفت نہیں آرہی، ہاں اس کا جو مضاف الیہ ہے اس کی صفت آرہی ہے۔ تو کہتے ہیں کہ یہاں پر پھر مضاف کا بھی وہی حکم ہے۔ پھر سنو، وہ نکرہ جس کی صفت کیا آئی؟ وہ نکرہ جس کی صفت کیا آئے؟ فعل یا ظرف۔ تو جو حکم اس نکرہ کا تھا وہی حکم اس نکرہ کی طرف جو مضاف ہو اس کا بھی وہی حکم ہے۔ اس نکرہ کی طرف جو مضاف ہو اس کا بھی وہی حکم ہے، یعنی وہ بھی متضمن ہے معنیِ شرط کو۔ تو یہاں پر دیکھو غُلَام کا لفظ رَجُلٍ کی طرف مضاف ہو رہا ہے۔ تو جو رَجُلٍ کا حکم تھا وہی کس میں ہے؟ غُلَام کا بھی وہی حکم ہے، یعنی یہ بھی متضمن ہوا معنیِ شرط کو، لہٰذا اس کی خبر پر فا کا لانا جائز۔ بات سمجھ میں آگئی۔ تو کہتے ہیں وَفِي حُكْمِهَا اور اسی نکرہ کے حکم میں ہے الِاسْمُ الْمُضَافُ إِلَيْهَا وہ اسم جو اس نکرہ کی طرف مضاف ہو، اس کا بھی یہی حکم، وہ بھی متضمن ہے معنیِ شرط کو لہٰذا اس کی خبر پر فا کا لانا جائز ہے۔ مِثْلُ الَّذِي...

...يَأْتِينِي جیسے کہ الَّذِي يَأْتِينِي۔ کہتے ہیں هٰذَا مِثَالٌ لِلِاسْمِ الْمَوْصُولِ بِفِعْلٍ، یہ مثال ہے اس اسمِ موصول کی جو فعل کے ساتھ ہے۔ دیکھو الَّذِي يَأْتِينِي دیکھو فعل آیا اس کے ساتھ۔ أَوِ الَّذِي فِي الدَّارِ۔ دیکھو اس کے لیے ایک اور الَّذِي نکال لیا، بتلا دیا کہ یہ دو مثالیں ہیں دراصل یہاں پر۔ أَوِ الَّذِي فِي الدَّارِ۔ یہ وہ اسمِ موصول ہے جس کا صلہ کیا ہے؟ ظرف ہے۔ تو کہتے ہیں هٰذَا مِثَالٌ لِلِاسْمِ الْمَوْصُولِ بِظَرْفٍ، یہ مثال ہے اس اسمِ موصول کی جو ظرف کے ساتھ آئے۔ فَلَهُ دِرْهَمٌ یہ خبر ہے بھئی۔

وَأَمَّا مِثَالُ الِاسْمِ الْمَوْصُوفِ بِالِاسْمِ الْمَوْصُولِ الْمَذْكُورِ۔ بھئی میں نے تو آپ کو مثال لکھوا دی۔ کون سی مثال؟ بھئی وہ اسمِ موصول جس کا صلہ فعل یا ظرف آئے وہ متضمن ہوتا ہے معنیِ شرط کو۔ اسی طرح یہ اسمِ موصول کسی اور بتدا کی صفت بنے تو وہ بھی متضمن ہوگا معنیِ شرط کو، یعنی اس کا جو موصوف ہے وہ بھی متضمن ہوگا معنیِ شرط کو۔ میں نے تو مثال لکھوا دی: الرَّجُلُ الَّذِي يَأْتِينِي فَلَهُ دِرْهَمٌ۔ اب صاحبِ جامی بھی اس کی مثال ذکر کرنے لگے ہیں، کہ دیکھنا ایک بتدا آئے گا، اور بتدا کی صفت ایسا اسمِ موصول ہوگا جس کا صلہ فعل یا ظرف آئے گا، تو لہٰذا اب یہ بتدا بھی متضمن ہے معنیِ شرط کو تو اس کی خبر پر فا کا لانا جائز ہے۔ تو کہتے ہیں وَأَمَّا مِثَالُ الِاسْمِ الْمَوْصُوفِ بِالِاسْمِ الْمَوْصُولِ الْمَذْكُورِ، تو مثال اس اسم کی جو موصوف ہے اس مذکورہ اسمِ موصول کے ساتھ، فَقَوْلُهُ تَعَالَى تو وہ اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے بھئی: قُلْ إِنَّ الْمَوْتَ الَّذِي تَفِرُّونَ مِنْهُ فَإِنَّهُ مُلَاقِيكُمْ۔

ترکیب کیجیے بھئی۔ قُلْ فعلِ امر، أَنْتَ ضمیر مرفوع محلاً اس کا فاعل۔ إِنَّ حرف از حروفِ مشبہ بالفعل۔ الْمَوْتَ منصوب لفظاً یہ إِنَّ کا اسم ہے لیکن آگے صفت آرہی ہے اس کی، تو پہلے اس کو بناؤ موصوف۔ الْمَوْتَ منصوب لفظاً موصوف۔ الَّذِي اعراب بولیے۔ الَّذِي منصوب محلاً اسمِ موصول۔ منصوب کیوں؟ کیونکہ یہ صفت ہے، اور موصوف صفت کا اعراب ایک

ہوتا ہے۔ محلاً کیوں کہا؟ کیونکہ یہ مبنی ہے۔ اچھا تَفِرُّونَ، تَفِرُّونَ فعل، اس کے اندر وَاوْ ضمیر فاعل بھئی۔ اعراب بولو وَاوْ کا۔ مرفوع محلاً۔ اور یہ وَاوْ کون سی ضمیر ہے؟ بھئی جو صیغہ ہے وہ بول دو: جمع مذکر حاضر۔ جمع مذکر حاضر، تو یہ وَاوْ ضمیر ہے جمع مذکر حاضر کی بھئی۔ یہ فاعل ہے، اور مِنْ جارہ، هَا ضمیر مجرور محلاً بھئی، اور یہ راجع ہے کس کو؟ یہ صلہ ہے، صلے کو کس سے جوڑتے ہیں؟ موصول سے۔ تو مِنْهُ هَا ضمیر کس کو راجع؟ الَّذِي کو بھئی۔ اور معنی پہ بھی غور کرنا ہے ضمیر کو راجع کرنے کے بعد۔ پہلے ضمیر اور مرجع میں مطابقت بھی دیکھنی ہے، اور معنی بھی دیکھنا ہے کہ یہ معنی بھی ٹھیک ہو رہا ہے یا نہیں۔ تو جار مجرور مل کر متعلق کس سے؟ تَفِرُّونَ فعل سے، کیونکہ جار مجرور آٹھ چیزوں سے متعلق ہوتے ہیں اور ان میں ایک فعل بھی ہے بھئی۔ تو فعل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر یہ صلہ۔ موصول صلہ مل کر صفت الْمَوْتَ کے لیے۔ موصوف صفت مل کر إِنَّ کا اسم۔

آگے فا جزائیہ بھئی۔ فَإِنَّهُ: إِنَّ حرف از حروفِ مشبہ بالفعل بھئی۔ هَا ضمیر، هَا ضمیر منصوب محلاً کیونکہ یہ إِنَّ کا اسم ہے۔ اور یہ ضمیر کس کو راجع؟ خبر کو کس سے جوڑتے ہیں؟ بتدا سے۔ اور إِنَّ کی خبر کو کس سے جوڑتے ہیں؟ إِنَّ کے اسم سے۔ تو یہ هَا ضمیر کس کو راجع؟ یہ إِنَّ کے اسم یعنی الْمَوْتَ کو راجع، اور یہ ربط دے رہی ہے۔ یہ ضمیر نہ ہوتی تو خبر کا ربط نہ آتا إِنَّ کے اسم کے ساتھ۔ تو هَا ضمیر منصوب محلاً یہ إِنَّ کا اسم بھئی۔ اور مُلَاقِيكُمْ: مُلَاقِي اسمِ فاعل بھئی، لَاقَى يُلَاقِي سے مُلَاقِي اسمِ فاعل ہے، اور اس کے اندر هُوَ ضمیر مرفوع محلاً اس کا فاعل جو کس کو راجع؟ إِنَّهُ مُلَاقِيكُمْ. إِنَّهُ، یہ هَا ضمیر کیا تھی؟ إِنَّ کا اسم۔ اور یہ مُلَاقِيكُمْ کیا ہے؟ إِنَّ کی خبر ہے۔ اور إِنَّ کی خبر کو کس سے جوڑتے ہیں؟ إِنَّ کے اسم سے۔ تو مُلَاقِي کے اندر هُوَ ضمیر راجع ہے إِنَّهُ کی جو هَا ضمیر ہے اس کو راجع ہے بھئی۔ تو یوں کہیں گے کہ هُوَ ضمیر هَا ضمیر کو راجع ہے۔ یہ بات آپ کی ٹھیک ہے تعبیر اچھی نہیں، اس کی بہتر تعبیر کیا ہے؟ کہ یہ هُوَ ضمیر یہ جو فَإِنَّهُ آیا اس میں یہ جو إِنَّ کا اسم ہے اس کو راجع ہے بھئی۔ بات سمجھ میں آگئی۔

اور نیز مُلَاقِيكُمْ، مُلَاقِي کا اعراب بولو بھئی۔ مُلَاقِيكُمْ مرفوع محلاً کیوں؟ مرفوع محلاً کیوں، مبنی ہے؟ مُلَاقِي مبنی ہے کوئی؟ کیا یہ اسمِ اشارہ ہے؟ کیا اسمِ موصول ہے؟ مبنیات کون کون سے ہیں؟ اسمِ اشارہ، اسمِ موصول... تو مُلَاقِيكُمْ کیا یہ اسمِ اشارہ ہے؟ نہیں۔ یہ اسمِ موصول ہے؟ نہیں۔ کیا یہ کنایات میں سے ہے یا اسمِ فعل وغیرہ جو مبنیات ہیں ان میں سے یہ کوئی بھی نہیں ہے تو یہ تو معرب ہے بھئی۔ تو پھر اس کا اعراب بولو مُلَاقِيكُمْ. مُلَاقِي مرفوع تقدیراً بھئی۔ مُلَاقِي یہ قَاضِي کی طرح ہے اور قَاضِي کا رفع کس کے ساتھ آتا ہے؟ تقدیراً آتا ہے۔ تو دیکھو یا اور یا سے ماقبل قاف کے نیچے زیر ہے، اور یہ کیا ہے؟ مرفوع ہے، مرفوع کیوں بھئی؟ کیونکہ یہ إِنَّ کی خبر ہے بھئی۔ تو یہ مُلَاقِي مرفوع تقدیراً مضاف، كُمْ ضمیر مجرور محلاً مضاف الیہ ہے۔ تو مضاف اپنے مضاف الیہ سے مل کر یہ فَإِنَّهُ کے لیے خبر، اور إِنَّ اپنے اسم اور خبر سے مل کر جملہ اسمیہ ہو کر یہ خبر ہوئی کس کے لیے؟ ماقبل میں جو إِنَّ آیا تھا إِنَّ الْمَوْتَ، یہ اس إِنَّ کے لیے خبر ہوئی۔ اور وہ إِنَّ اپنے اسم اور خبر سے

مل کر جملہ اسمیہ ہو کر یہ مقولہ ہوا قُلْ کے لیے، اور مقولہ کیا ہوتا ہے؟ مفعول بہ۔ تو یہ مفعول بہ ہوا قُلْ کے لیے، اور قُلْ فعلِ امر اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہوا کیونکہ فعلِ امر ہے۔

تو یہ پورا جملہ إِنَّ الْمَوْتَ الَّذِي تَفِرُّونَ مِنْهُ فَإِنَّهُ مُلَاقِيكُمْ اس پورے جملے کا اعراب کیا ہے؟ منصوب ہے کیونکہ یہ قُلْ کے لیے مقولہ ہے مفعول بہ ہے بھئی۔ اور فَإِنَّهُ مُلَاقِيكُمْ اس پورے جملے کا اعراب بتائیے بھئی۔ یہ پورا جملہ مرفوع ہے کیونکہ یہ إِنَّ کی خبر ہے بھئی، اور إِنَّ کی خبر کیا ہوتی ہے؟ مرفوع ہوتی ہے۔ اور الَّذِي تَفِرُّونَ مِنْهُ یہ تَفِرُّونَ مِنْهُ پورا جملہ فعلیہ تھا، اس کا محلِ اعراب کیا ہے؟ یہ جو صلہ ہے الَّذِي کا، الَّذِي کا جو صلہ ہے تَفِرُّونَ مِنْهُ، اس تَفِرُّونَ کا اعراب بتائیے۔ جی؟ یہ صلہ ہے اور میں نے بتایا ہے لَا مَحَلَّ لَهُ مِنَ الْإِعْرَابِ، صلے کا کوئی محلِ اعراب نہیں ہوتا بھئی۔ بات سمجھ میں آگئی۔

تو ترجمہ کیا ہے: قُلْ اے پیغمبر آپ کہہ دیجیے، إِنَّ الْمَوْتَ الَّذِي تَفِرُّونَ مِنْهُ یقیناً وہ موت جس سے تم لوگ بھاگتے ہو، فَإِنَّهُ مُلَاقِيكُمْ یقیناً وہ تم سے ملاقات کرے گی، یعنی وہ موت تمہیں آکر رہے گی بھئی۔ اب دیکھیے یہاں پر الَّذِي اسمِ موصول ہے، توجہ ہے؟ اور تَفِرُّونَ مِنْهُ اس کا صلہ فعل آیا۔ اور یہ خود تو بتدا نہیں بن رہا لیکن الْمَوْتَ جو ہے جو اس کا موصوف ہے وہ بتدا بن رہا ہے۔ تو جو حکم اس اسمِ موصول کا تھا وہی حکم اس کے موصوف کا بھی ہے۔ تو لہٰذا یہ والا بتدا بھی متضمن ہوا معنیِ شرط کو اور اس کی خبر پر فا کا لانا جائز۔ آپ کہیں گے بھئی یہ تو بتدا نہیں ہے یہ تو إِنَّ کا اسم ہے، تو بھئی آپ جانتے ہیں کہ إِنَّ کا اسم بھی بتدا کے درجے میں ہوتا ہے۔ إِنَّ کس پر داخل ہوتا ہے؟ إِنَّ بتدا اور خبر پر ہی داخل ہوتا ہے۔ تو جو پہلے بتدا اور خبر تھے إِنَّ کے داخل ہونے کے بعد اب وہ إِنَّ کا اسم اور إِنَّ کی خبر کہلاتے ہیں۔ اور جیسے بتدا مسند الیہ ہوتا ہے إِنَّ کا اسم بھی کیا ہوتا ہے؟ مسند الیہ، تو یہ بھی اسی کے حکم میں ہے۔ تو یہ بتدا تو نہیں لیکن یہ بتدا کے حکم میں ہے کیونکہ مسند الیہ ہے۔ بات سمجھ میں آگئی۔ تو یہ کس کی مثال ہوئی؟ وہ اسمِ موصول جس کا صلہ کیا آئے؟ فعل یا ظرف آئے، اس کے موصوف کا بھی یہی حکم ہے، تو یہ اس کی مثال ہے۔

آگے دیکھیے: وَمِثْلُ كُلُّ رَجُلٍ يَأْتِينِي۔ کہتے ہیں هٰذَا مِثَالٌ لِلِاسْمِ الْمَوْصُوفِ بِفِعْلٍ، یہ مثال ہے اس اسم کی جو موصوف ہو رہا ہے فعل کے ساتھ۔ أَوْ كُلُّ رَجُلٍ فِي الدَّارِ۔ دیکھو یہاں كُلُّ رَجُلٍ دوبارہ نکالا، بتلایا کہ یہ دراصل دو مثالیں ہیں بھئی۔ أَوْ كُلُّ رَجُلٍ فِي الدَّارِ هٰذَا مِثَالٌ لِلِاسْمِ الْمَوْصُوفِ بِظَرْفٍ، یہ مثال ہے اس اسم کی جو موصوف ہو رہا ہے ظرف کے ساتھ۔ فَلَهُ دِرْهَمٌ۔ آگے بھئی، اچھا انہوں نے کیا بتلایا تھا پیچھے؟ کہ یہ جو نکرہ موصوف ہو ظرف یا فعل کے ساتھ اس کا بھی یہ حکم، اور جو اس کا مضاف ہے اس کا بھی یہی حکم ہے، اب اس کی بھی مثال ذکر کریں گے۔ کہتے ہیں: وَأَمَّا مِثَالُ الِاسْمِ الْمُضَافِ إِلَى النَّكِرَةِ الْمَوْصُوفَةِ بِأَحَدِهِمَا، اور باقی مثال اس اسم کی جو مضاف ہو اس نکرہ کی طرف جو موصوف ہو رہا ہے ان دونوں میں سے یعنی ظرف یا فعل میں سے کسی ایک کے ساتھ، فَقَوْلُكَ تو وہ آپ کا یہ قول ہے: كُلُّ غُلَامِ رَجُلٍ يَأْتِينِي أَوْ فِي الدَّارِ فَلَهُ

دِرْهَمٌ. جی یہ مثال بھی ہم نے کر لی بھئی۔

وَلَيْتَ وَلَعَلَّ مِنَ الْحُرُوفِ الْمُشَبَّهَةِ بِالْفِعْلِ إِذَا دَخَلَا... اچھا بھئی۔ وَلَيْتَ وَلَعَلَّ مَانِعَانِ، اور لَيْتَ اور لَعَلَّ جو ہیں وہ مانع ہیں۔ لَيْتَ اور لَعَلَّ مانع ہیں۔ کیا معنی؟ بتلانا یہ چاہتے ہیں صاحبِ کافیہ، متن پر نظر ہے؟ وَلَيْتَ وَلَعَلَّ مَانِعَانِ، لَيْتَ اور لَعَلَّ مانع ہیں۔ بتلانا یہ چاہتے ہیں صاحبِ کافیہ کہ وہ مبتدا جس کی خبر پر فا کا لانا جائز تھا جو ابھی ہم نے پیچھے ذکر کر دیے، یہ والے جو مبتدا ہیں اگر ان پر حروفِ مشبہ بالفعل میں سے لَيْتَ یا لَعَلَّ داخل ہو جائیں تو یہ لَيْتَ اور لَعَلَّ مانع بن جائیں گے، اب فا کا لانا جائز نہیں۔ اب فا کا لانا جائز نہیں بھئی۔ پہلے فا کا لانا جائز تھا لیکن لَيْتَ اور لَعَلَّ آئے تو اب فا کا لانا جائز نہیں۔ تو کہتے ہیں وَلَيْتَ وَلَعَلَّ مَانِعَانِ بِالِاتِّفَاقِ، تو لَيْتَ اور لَعَلَّ مانع ہیں بِالِاتِّفَاقِ، یعنی اس میں تمام نحویوں کا اتفاق ہے۔

بھئی وجہ کیا ہے یہ لَيْتَ اور لَعَلَّ مانع کیوں ہیں؟ کیوں ہیں مانع؟ وجہ یہ کہ یہ جو لَيْتَ ہے یہ تمنی کے لیے آتا ہے، تمنی یعنی تمنا، اور آپ جانتے ہیں تمنا انشاء ہے۔ بوڑھا شخص کہتا ہے کاش میں جوان ہو جاؤں، دیکھو یہ تمنا ہے بھئی۔ اور لَعَلَّ یہ ترجی کے لیے آتا ہے، ترجی یعنی امید بھئی، امید۔ آپ کہتے ہیں لَعَلَّ زَيْدًا يَرْجِعُ، شاید زید واپس آجائے یا امید ہے زید واپس آجائے۔ تو یاد رکھو یہ آپ خبر نہیں دے رہے، یہ صرف آپ اپنی امید ذکر کر رہے ہیں، تو ترجی بھی کس قسم میں سے ہے؟ یہ بھی انشاء ہے، اس کے کہنے والے کو بھی سچا یا جھوٹا نہیں کہا جا سکتا۔ تو لَيْتَ اور لَعَلَّ یہ تمنی اور ترجی کے لیے آتے ہیں، اور تمنی اور ترجی انشاء کی قسمیں ہیں۔ توجہ ہے؟ تو یہ اس کلام کو خبر کی قبیل سے نکال کر انشاء بنا دیں گے۔ یہ لَيْتَ اور لَعَلَّ جس جملے پر داخل ہوں گے اس کو خبر کی قبیل سے نکال کر کیا بنا دیں گے؟ انشاء بنا دیں گے۔ جب یہ انشاء بن گئے تو کہتے ہیں ان کی جو مشابہت تھی شرط اور جزا کے ساتھ وہ ختم ہو گئی۔ شرط اور جزا کے ساتھ مشابہت ختم ہو گئی۔ وجہ یہ کہ شرط اور جزا وہ اخبار کی قبیل سے ہیں۔ شرط اور جزا اخبار کی قبیل سے ہیں یعنی خبر کی قبیل سے ہیں، اور لَيْتَ اور لَعَلَّ یہ تو کلام کو انشائی بنا دیتے ہیں۔ توجہ ہے؟ الَّذِي يَأْتِينِي فَلَهُ دِرْهَمٌ یہ بھی خبر ہے یعنی اخبار کی قبیل سے ہے، الَّذِي يَأْتِينِي فَلَهُ دِرْهَمٌ یہ جملہ خبریہ ہے یہ خبر کی قبیل سے ہے۔ اسی طرح شرط اور جزا وہ بھی کس کی قبیل سے ہیں؟ خبر کی قبیل سے ہیں، تو اس کی اس کے ساتھ مشابہت تھی، لیکن اب اس پر لَيْتَ اور لَعَلَّ آیا، اس نے اس کو کیا بنا دیا؟ انشاء بنا دیا۔ تو یہ جو جملہ ہے جس پر لَيْتَ اور لَعَلَّ داخل ہیں یہ تو بن گیا انشاء، اور شرط اور جزا تو کس قبیل سے ہیں؟ اخبار کی قبیل سے، تو دیکھو مشابہت ختم ہو گئی۔ بات سمجھ میں آگئی۔

دیکھیے بھئی کتاب پر، کہتے ہیں: وَلَيْتَ وَلَعَلَّ مِنَ الْحُرُوفِ الْمُشَبَّهَةِ بِالْفِعْلِ، اور لَيْتَ اور لَعَلَّ حروفِ مشبہ بالفعل میں سے إِذَا دَخَلَا عَلَى الْمُبْتَدَأِ جب یہ داخل ہو جائیں اس مبتدا پر الَّذِي يَصِحُّ دُخُولُ الْفَاءِ عَلَى خَبَرِهِ کہ صحیح ہے اس کی خبر پر فا کا داخل ہونا، تو مَانِعَانِ تو یہ لَيْتَ اور لَعَلَّ کیا بن جائیں گے؟ مانع بن جائیں گے عَنْ دُخُولِهِ عَلَيْهِ اس بات سے کہ فا داخل ہو اس پر، ان کی خبر پر۔ یہ مانع بن جائیں گے کہ وہ فا داخل ہو ان کی خبر پر۔ لِأَنَّ صِحَّةَ دُخُولِهِ عَلَيْهِ إِنَّمَا كَانَتْ لِمُشَابَهَةِ الْمُبْتَدَأِ

وَالْخَبَرِ لِلشَّرْطِ وَالْجَزَاءِ۔ کہتے ہیں لِأَنَّ صِحَّةَ دُخُولِهِ عَلَيْهِ اس لیے کیونکہ فا کا اس پر داخل ہونا صحیح تھا إِنَّمَا كَانَتْ صرف اس وجہ سے لِمُشَابَهَةِ الْمُبْتَدَأِ وَالْخَبَرِ کیونکہ بتدا اور خبر کی مشابہت تھی لِلشَّرْطِ وَالْجَزَاءِ کس کے ساتھ؟ شرط اور جزا کے ساتھ۔ وَلَيْتَ وَلَعَلَّ تُزِيلَانِ تِلْكَ الْمُشَابَهَةَ اور لَيْتَ اور لَعَلَّ وہ زائل کر دیتے ہیں اس مشابہت کو، یعنی اس مشابہت کو ختم کر دیتے ہیں۔ بھئی کیوں ختم کیوں کرتے ہیں؟ کہتے ہیں لِأَنَّهُمَا تُخْرِجَانِ الْكَلَامَ مِنَ الْخَبَرِيَّةِ إِلَى الْإِنْشَائِيَّةِ...

...لِأَنَّهُمَا تُخْرِجَانِ الْكَلَامَ اس لیے کیونکہ یہ دونوں نکال دیتے ہیں کلام کو مِنَ الْخَبَرِيَّةِ إِلَى الْإِنْشَائِيَّةِ خبر ہونے سے انشاء ہونے کی طرف۔ خبر ہونے سے انشاء ہونے کی طرف نکال دیتے ہیں۔ وَالشَّرْطُ وَالْجَزَاءُ مِنْ قَبِيلِ الْإِخْبَارِ۔ اور شرط اور جزا اخبار کی قبیل سے ہیں۔ اس کو إِخْبَار پڑھنا بھئی، أَخْبَار نہ پڑھنا۔ أَخْبَار پڑھیں گے تو یہ خبر کی جمع ہے۔ اور إِخْبَار پڑھیں گے تو یہ بابِ افعال کا مصدر ہے۔ تو یہ شرط اور جزا کس قبیل سے ہیں؟ إِخْبَار کی قبیل سے ہیں، اور إِخْبَار بمعنیِ خبر کے ہے۔ یہ دونوں خبر کی قبیل سے ہیں۔ توجہ ہے؟ اصل میں تو یہ مصدر ہے بابِ افعال کا یہ إِخْبَار، لیکن یہ إِخْبَار بمعنیِ خبر کے عام استعمال ہوتا ہے کتابوں کے اندر۔ کبھی خبر کا لفظ ذکر کر دیتے ہیں کبھی إِخْبَار کا ذکر کر دیتے ہیں۔ تو جب إِخْبَار ذکر کیا جاتا ہے تو اس سے خبر ہی مراد لے لیتے ہیں، معنیِ مصدری وہاں مراد نہیں ہوتا۔ تو کہتے ہیں وَالشَّرْطُ وَالْجَزَاءُ مِنْ قَبِيلِ الْإِخْبَارِ، اور شرط اور جزا جو ہیں وہ خبر کی قبیل سے ہیں۔ وَذٰلِكَ الْمَنْعُ إِنَّمَا هُوَ بِالِاتِّفَاقِ مِنَ النُّحَاةِ، اور یہ جو منع ہے، یہ نحویوں کے اتفاق کے ساتھ ہے، یعنی اس میں تمام نحویوں کا اتفاق ہے۔ فَلَا يُقَالُ لہٰذا یوں نہیں کہا جا سکتا: لَيْتَ أَوْ لَعَلَّ الَّذِي يَأْتِينِي أَوْ فِي الدَّارِ فَلَهُ دِرْهَمٌ۔ یعنی یہ نہیں کہہ سکتے۔ دیکھو لَيْتَ اور لَعَلَّ کو داخل کیا اور آگے فا بھی لے آئے، آپ یوں نہیں کہہ سکتے۔ جب لَيْتَ اور لَعَلَّ لے آئے ہیں تو اب فا نہیں لائیں گے۔ بات سمجھ میں آگئی۔ چونکہ تمام نحویوں کا اتفاق ہے اس لیے کہا آپ یوں نہیں کہہ سکتے۔ یاد رکھو کچھ نحوی اختلاف کریں اور کچھ کہیں کہ جائز نہیں اور کچھ کہیں جائز ہے، تو پھر دیکھو جواز کی صورت نکل آتی ہے۔ اگرچہ عربی زبان کے اعتبار سے، فصاحت کے اعتبار سے وہ کمزور ہی کلام کیوں نہ ہو لیکن کہنا جائز ہوتا ہے۔ کیونکہ کچھ نحوی اگر ناجائز قرار دے رہے ہیں کچھ اسے منع کر رہے ہیں تو کچھ جائز بھی۔ لیکن یہاں تمام نحویوں کا اتفاق ہے اس لیے یہاں فا کا لانا جائز ہی نہیں، لہٰذا آپ یوں نہیں کہہ سکتے۔ فَلَا يُقَالُ یہ آپ نہیں کہہ سکتے: لَيْتَ أَوْ لَعَلَّ الَّذِي يَأْتِينِي أَوْ فِي الدَّارِ فَلَهُ دِرْهَمٌ۔ لہٰذا اب آپ سے کوئی کہے اس جملے کی ترکیب کریں، تو آپ کہیں گے یہ کلام عربی زبان کے اعتبار سے درست ہی نہیں ہے، یہ کہنا صحیح ہی نہیں ہے لہٰذا اس کی ترکیب بھی جائز نہیں۔ ایک کلام عربی زبان کے اعتبار سے جائز ہی نہ ہو تو پھر اس کی ترکیب بھی نہیں کریں گے بھئی۔

فَإِنْ قِيلَ اگر یہ کہا جائے۔ اچھا بھئی اوپر آیا شرط اور جزا إِخْبَار کی قبیل سے ہیں، کس قبیل سے ہیں؟ إِخْبَار کی قبیل سے ہیں۔ اس کا کیا معنی؟ چلیے یہ آخر میں میں بیان کرتا ہوں بھئی، کہ شرط اور جزا إِخْبَار کی قبیل سے کیسے ہیں بھئی۔ دیکھیے بھئی

آگے: فَإِنْ قِيلَ بَابُ كَانَ وَبَابُ عَلِمْتُ أَيْضًا مَانِعَانِ بِالِاتِّفَاقِ، فَمَا وَجْهُ تَخْصِيصِ لَيْتَ وَلَعَلَّ۔ یہ ایک اعتراض ذکر کر رہے ہیں اور اس کا جواب دیں گے۔ اعتراض یہ کہ صاحبِ کافیہ نے یہ تو ذکر کیا کہ لَيْتَ اور لَعَلَّ مانع ہیں بِالِاتِّفَاقِ، یہ جب آجائیں گے تو اب فا کا لانا جائز نہیں۔ تو بھئی اسی طرح كَانَ یعنی افعالِ ناقصہ جو ہیں وہ بھی مانع بنتے ہیں بِالِاتِّفَاقِ، سب نحویوں کا اتفاق ہے۔ اسی طرح عَلِمْتُ افعالِ قلوب جو ہیں، عَلِمْتُ افعالِ قلوب، یہ بھی بتدا اور خبر پر داخل ہوتے ہیں اور ان کو اپنا مفعولِ اول اور مفعولِ ثانی بنا لیتے ہیں۔ تو عَلِمْتُ جب داخل ہو جائے یعنی افعالِ قلوب داخل ہو جائیں تو وہ بھی مانع بنیں گے، اب بھی فا کا لانا جائز نہیں۔ تو جیسے لَيْتَ اور لَعَلَّ مانع ہیں، كَانَ یعنی افعالِ ناقصہ بھی مانع، اور عَلِمْتُ یعنی افعالِ قلوب بھی مانع۔ تو صاحبِ کافیہ نے ان کو ذکر نہیں کیا اور صرف لَيْتَ اور لَعَلَّ کو ذکر کیا، اس کی کیا وجہ؟ تو بتلائیں گے صاحبِ جامی آپ کو کہ دراصل صاحبِ کافیہ یہاں سب کی تفصیل نہیں بیان کر رہے، صرف حروفِ مشبہ بالفعل کی بات کر رہے ہیں۔ اور حروفِ مشبہ بالفعل جو چھ ہیں ان میں سے صرف لَيْتَ اور لَعَلَّ کے اندر نحویوں کا اتفاق ہے کہ یہ مانع ہیں، باقیوں کے اندر نحویوں کا اختلاف ہے۔ تو صرف کس کو ذکر کرنا چاہتے ہیں؟ حروفِ مشبہ بالفعل کے اندر جس میں نحویوں کا اتفاق ہے صرف اس کو ذکر کرنا چاہتے تھے، باقی افعالِ ناقصہ اور افعالِ قلوب وغیرہ کو وہ یہاں ذکر نہیں کر رہے۔

تو کہتے ہیں: فَإِنْ قِيلَ اگر یہ کہا جائے، بَابُ كَانَ وَبَابُ عَلِمْتُ أَيْضًا مَانِعَانِ بِالِاتِّفَاقِ کہ بابِ كَانَ اور بابِ عَلِمْتُ وہ بھی مانع ہیں بِالِاتِّفَاقِ، فَمَا وَجْهُ تَخْصِيصِ لَيْتَ وَلَعَلَّ تو کیا وجہ ہے لَيْتَ اور لَعَلَّ کی تخصیص کی؟ قِيلَ تو کہا گیا، یعنی جواب دیا گیا کہ تَخْصِيصُهُمَا بِبَيَانِ الِاتِّفَاقِ إِنَّمَا هُوَ مِنْ بَيْنِ الْحُرُوفِ الْمُشَبَّهَةِ لَا مُطْلَقًا۔ قِيلَ کے ساتھ جواب ذکر کر رہے ہیں کہ کمزور جواب ہے بھئی۔ قِيلَ کہا گیا ہے، تَخْصِيصُهُمَا بِبَيَانِ الِاتِّفَاقِ کہ ان دونوں کی جو تخصیص ہے بِبَيَانِ الِاتِّفَاقِ اتفاق کے بیان کے ساتھ، یعنی جس میں اتفاق ذکر کیا گیا اتفاق کو بیان کیا گیا اس میں ان دونوں کی تخصیص جو ہے، إِنَّمَا هُوَ مِنْ بَيْنِ الْحُرُوفِ الْمُشَبَّهَةِ لَا مُطْلَقًا وہ حروفِ مشبہ بالفعل میں سے ہے لَا مُطْلَقًا مطلقاً نہیں۔ یعنی حروفِ مشبہ بالفعل میں جس میں نحویوں کا اتفاق تھا اس کو بیان کرنا مقصد ہے، باقی مطلقاً جن میں اتفاق ہے ان کو بیان کرنا مقصد نہیں۔ توجہ ہے؟ اتفاق اور بھی چیزوں میں ہے، لیکن مطلقاً جن میں بھی اتفاق ہے ان کو بیان کرنا مقصد نہیں بلکہ حروفِ مشبہ بالفعل میں جن میں اتفاق ہے صرف ان کو بیان کرنا مقصد ہے۔ تو کہتے ہیں، دوبارہ ترجمہ دیکھیے: قِيلَ تَخْصِيصُهُمَا بِبَيَانِ الِاتِّفَاقِ کہ بیانِ اتفاق کے اندر یہ جو ان دونوں کی تخصیص کی گئی یعنی لَيْتَ اور لَعَلَّ کی، إِنَّمَا هُوَ مِنْ بَيْنِ الْحُرُوفِ الْمُشَبَّهَةِ لَا مُطْلَقًا وہ حروفِ مشبہ بالفعل میں سے ہے یعنی اس کو بیان کرنا مقصد ہے لَا مُطْلَقًا نہ کہ مطلقاً بھئی۔

پھر سوال پیدا ہوا کہ پھر حروفِ مشبہ بالفعل کی تخصیص کیوں؟ صرف انہی کو کیوں بیان کرنا چاہتے ہیں صاحبِ کافیہ، اوروں کو کیوں نہیں بیان کرنا چاہتے؟ تو اس کی بھی وجہ ذکر کریں گے کہ اہمیت دینے کی وجہ سے۔ حروفِ مشبہ بالفعل کا جو بیان ہے اس کو صاحبِ کافیہ نے اہمیت دی، وہ ان کے نزدیک اہم تھا اس کی طرف ان کی توجہ زیادہ تھی، اس لیے اس کو ذکر کر دیا اور باقیوں کو ذکر نہیں کیا بھئی۔ تو کہتے ہیں: وَوَجْهُ ذٰلِكَ التَّخْصِيصِ اور اس تخصیص کی وجہ جو ہے، الِاهْتِمَامُ، اہتمام

کا معنی اہمیت دینا، توجہ کرنا، اور اس تخصیص کی وجہ جو ہے الِاهْتِمَامُ وہ اہمیت دینا ہے یا توجہ کرنا ہے بِبَيَانِ الِاخْتِلَافِ الْوَاقِعِ فِيهَا اس اختلاف کو بیان کرنا جو ان حروفِ مشبہ بالفعل کے درمیان واقع ہے۔ حروفِ مشبہ بالفعل کے اندر جو اختلاف واقع ہے اس کو اہمیت دینے کی وجہ سے صرف اس کو ذکر کیا، باقی کسی کو ذکر نہیں کیا۔ بات سمجھ میں آگئی۔

اچھا بھئی اوپر بات آئی تھی کہ وَالشَّرْطُ وَالْجَزَاءُ مِنْ قَبِيلِ الْإِخْبَارِ، شرط اور جزا إِخْبَار کی قبیل سے ہیں۔ بھئی کیا معنی شرط اور جزا إِخْبَار کی قبیل سے ہیں؟ حالانکہ شرط اور جزا، اس میں اصل کیا ہے؟ شرط اور جزا میں، جملہ شرطیہ کے اندر شرط اور جزا ہوتی ہے، اصل کیا ہے؟ جزا ہے۔ جملہ شرطیہ کا دارومدار جزا پر ہے۔ جزا جملہ خبریہ بھی آسکتی ہے اور جملہ انشائیہ بھی۔ اگر جزا جملہ خبریہ ہو، إِنْ ضَرَبْتَنِي فَأَنْتَ ظَالِمٌ، جزا کیا ہے؟ جملہ اسمیہ ہے اور خبریہ ہے۔ جملہ اسمیہ، تو اس جملہ شرطیہ کو کیا کہیں گے؟ جملہ شرطیہ خبریہ۔ جملہ شرطیہ خبریہ۔ توجہ ہے؟ وہی فعل لے آؤ، اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا بس جملہ خبریہ لانا ہے۔ إِنْ ضَرَبْتَنِي ضَرَبْتُكَ، اگر آپ میری پٹائی کریں گے میں بھی آپ کی پٹائی کروں گا۔ یہ کیا ہے؟ یہ بھی جملہ خبریہ ہے۔ توجہ ہے؟ بھئی ایک تو طلبہ اس میں پریشان ہوتے ہیں کہ خبر کسے کہتے ہیں، ان کو یہی پتہ نہیں چلتا۔ خبر بھئی جس میں ایک بات بتلائی جائے، اور بات بتلانا ماضی کے اعتبار سے بھی ہو سکتا ہے، حال کے اعتبار سے بھی، مستقبل کے اعتبار سے بھی۔ مستقبل کی بات آئے وہ تو وہ سمجھتے ہیں شاید یہ انشاء ہے، یہ تو ابھی ہوئی ہی نہیں۔ توجہ ہے؟ خبر مثلاً میں آپ سے کہتا ہوں زید کل آیا تھا، ماضی کی خبر دی یہ بھی خبر ہے۔ زید ابھی آرہا ہے، یہ حال کی خبر ہے یہ بھی خبر ہے۔ زید کل آئے گا، یہ بھی کیا ہے؟ خبر ہے۔ توجہ ہے؟ یہ خبر ہے یہ انشاء نہیں ہے، تو خبر حال کی بھی ہو سکتی ہے، ماضی کی بھی، مستقبل کی بھی۔ دیکھو کوئی کسی کو کہتا ہے زید کل آئے گا، دوسرا فوراً کہتا ہے نہیں بھئی یہ جھوٹ بول رہا ہے۔ دیکھو سچ اور جھوٹ تو کس میں ہوتا ہے؟ خبر میں ہوتا ہے انشاء میں نہیں ہوتا۔ تو جملہ خبریہ چاہے ماضی سے تعلق ہو، حال سے یا مستقبل سے، وہ جملہ خبریہ ہوگا۔ اور جبکہ جملہ انشائیہ اس میں ایک چیز کو وجود دیا جاتا ہے۔ توجہ ہے؟ جو ایک چیز پہلے اس کا وجود نہیں تھا پھر اس کو وجود دیا گیا، جیسے خاوند نے اپنی بیوی سے کیا کہا: إِنْ دَخَلْتِ الدَّارَ فَأَنْتِ طَالِقٌ، تو یہ فَأَنْتِ طَالِقٌ یہ کوئی خبر نہیں دے رہا، کہہ رہا ہے اگر اس گھر میں گئی تو تجھے طلاق ہے، یعنی طلاق کو وجود دے رہا ہے۔ توجہ ہے؟

تو جملہ شرطیہ کا دارومدار جزا پر ہے۔ اگر جزا جملہ خبریہ ہو تو یہ جملہ شرطیہ خبریہ کہلائے گا، اور اگر جزا جملہ انشائیہ ہو تو یہ جملہ شرطیہ انشائیہ کہلائے گا، کیونکہ شرط تو صرف قید ہے، دارومدار کس پر ہے؟ جزا پر ہے۔ مثلاً میں آپ سے کہتا ہوں: إِنْ أَكْرَمْتَنِي فَجَزَاكَ اللّٰهُ خَيْرًا۔ إِنْ أَكْرَمْتَنِي اگر آپ نے میرا اکرام کیا یہ ہے شرط، فَجَزَاكَ اللّٰهُ خَيْرًا تو اللہ آپ کو جزائے خیر دے۔ دیکھو یہ دعا ہے اور دعا کس قبیل سے ہے؟ انشاء۔ تو یہ جزا کیا ہوئی؟ جملہ انشائیہ۔ تو یہ جو جملہ شرطیہ ہے إِنْ أَكْرَمْتَنِي فَجَزَاكَ اللّٰهُ خَيْرًا، یہ پورا جملہ شرطیہ کون سا ہے؟ خبریہ کہلائے گا یا انشائیہ؟ انشائیہ، کیونکہ دارومدار کس پر ہے؟ جزا پر ہے اور جزا انشاء ہے، تو یہ جملہ شرطیہ انشائیہ ہے۔

تو اشکال یہ ہوتا ہے، آپ نے ہمیں کیا کہا کہ لَيْتَ اور لَعَلَّ مانع بنتے ہیں فا کے لانے سے۔ کیوں مانع بنتے ہیں؟ کیونکہ یہ

کلام کو انشاء بنا دیتے ہیں۔ اور شرط اور جزا تو کس قبیل سے ہیں؟ خبر کی قبیل سے، کس قبیل سے؟ خبر کی قبیل سے۔ تو اس پر اشکال ہوتا ہے کہ شرط اور جزا خبر کی قبیل سے کب ہیں؟ جملہ شرطیہ تو خبریہ بھی ہو سکتا ہے اور انشائیہ بھی ہو سکتا ہے، اور آپ نے ہمیں کیا کہا: شرط اور جزا کس قبیل سے ہیں؟ إِخْبَار کی قبیل سے ہیں۔ حالانکہ ابھی ہم نے مثالیں ذکر کر دیں، جملہ شرطیہ وہ تو خبریہ بھی ہو سکتا ہے وہ تو انشائیہ بھی ہو سکتا ہے، اور آپ ہمیں کیا کہہ رہے ہیں؟ شرط اور جزا إِخْبَار کی قبیل سے ہے، آپ کے اس کہنے کا کیا معنی؟

تو یاد رکھو، بھئی دیکھو شرط اور جزا۔ پہلے شرط آتی ہے پھر جزا۔ شرط بتدا کے درجے میں ہے اور جزا خبر کے درجے میں ہے۔ توجہ ہے؟ پہلے کیا آتی ہے؟ شرط۔ پھر کیا آتی ہے؟ جزا۔ شرط بتدا کے درجے میں ہے اور جزا خبر کے درجے میں۔ مثلاً دیکھو بھئی یہ ہے شرط اور یہ ہے جزا۔ جو بھی شرط لے آؤ، آگے جو بھی جزا لے آؤ، لیکن میرا یہ کہنا صحیح ہے: یہ جو شرط ہے اس کے لیے یہ والی جزا ثابت ہے۔ یہ جو شرط ہے اس کے لیے یہ والی جزا ثابت ہے۔ إِنْ ضَرَبْتَنِي ضَرَبْتُكَ، یہ والی جو شرط ہے إِنْ ضَرَبْتَنِي اس کے لیے یہ والی جزا ثابت ہے ضَرَبْتُكَ۔ اس شرط کے لیے یہ والی جزا ثابت ہے۔ دیکھو جملہ خبریہ بن گیا۔ زَيْدٌ قَائِمٌ، زید کے لیے قیام ثابت ہے۔ یہ جملہ خبریہ ہے زَيْدٌ قَائِمٌ، زید کے لیے قیام ثابت ہے۔ زید ہے بتدا قَائِمٌ ہے اس کی خبر۔ اسی طرح شرط اور جزا بھی بتدا اور خبر کے درجے میں ہیں گویا۔ یعنی یہ جو شرط ہے اس کے لیے یہ والی جزا ثابت ہے، یعنی یہ شرط کس کے درجے میں؟ بتدا کے درجے میں، اور یہ جزا کس کے درجے میں؟ خبر کے درجے میں۔ جیسے بتدا کے لیے خبر ثابت ہوتی ہے، اسی طرح اس شرط کے لیے یہ جزا ثابت ہے۔ تو بایں لحاظ یہ خبر کی قبیل سے ہے۔ اس شرط کے لیے یہ والی جزا ثابت ہے، جملہ خبریہ بن گیا یا نہیں؟ جب بھی آپ جملہ شرطیہ ذکر کرتے ہیں مثلاً میں نے کہا: إِنْ أَكْرَمْتَنِي فَجَزَاكَ اللّٰهُ خَيْرًا، تو میرے کہنے کا کیا معنی؟ اس شرط کے لیے، إِنْ أَكْرَمْتَنِي یہ والی جو شرط ہے اس کے لیے یہ والی جزا فَجَزَاكَ اللّٰهُ خَيْرًا ثابت ہے۔ اور اس شرط کے لیے یہ جزا ثابت ہے یہ تو جملہ خبریہ ہے بھئی۔ زَيْدٌ قَائِمٌ جملہ انشائیہ ہے یا جملہ خبریہ ہے؟ جملہ خبریہ ہے۔ تو اس کے اندر دیکھو زَيْدٌ قَائِمٌ، زَيْدٌ بتدا ہے اور قَائِمٌ خبر، تو ہم کیا کہتے ہیں؟ یہ جو بتدا ہے اس کے لیے یہ والی خبر ثابت ہے۔ تو شرط اور جزا میں بھی اسی طرح ہے: یہ والی جو شرط ہے اس کے لیے یہ والی جزا ثابت ہے، تو شرط ہوئی بتدا کے درجے میں اور جزا ہوئی خبر کے درجے میں۔ تو بایں لحاظ شرط اور جزا إِخْبَار کی قبیل سے ہیں۔ بات سمجھ میں آگئی۔ حل ہو گیا۔ چلیے بس بھئی، هٰذَا هُوَ الْمَرَامُ، وَاللّٰهُ أَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْكَلَامِ۔

سبق نمبر ۱۰۳: المبتدا والخبر (۱۱): «إِنَّ» مکسورہ اور «لَيْتَ وَلَعَلَّ» کے دخول سے فاء کا حکم

شرحِ ملا جامی صفحہ: ۷۶ — بتاریخ: ۱۷ نومبر ۲۰۲۱ء

▪ تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث

آگے سبق دیکھیے بھئی، «وَأَلْحَقَ بَعْضُهُمْ قِيلَ هُوَ سِيبَوَيْهِ إِنَّ الْمَكْسُورَةَ بِهِمَا أَيْ بِلَيْتَ وَلَعَلَّ فِي الْمَنْعِ عَنْ دُخُولِ الْفَاءِ عَلَى الْخَبَرِ، وَالْأَصَحُّ أَنَّهَا لَا تَمْنَعُ عَنْهُ لِأَنَّهَا لَا تُخْرِجُ الْكَلَامَ عَنِ الْخَبَرِيَّةِ إِلَى الْإِنْشَائِيَّةِ يُؤَيِّدُهُ قَوْلُهُ تَعَالَى:إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَمَاتُوا وَهُمْ كُفَّارٌ فَلَنْ يُقْبَلَ».

بھئی گزشتہ سبق میں ہم وہ مقامات پڑھ رہے تھے جہاں بتدا متضمن ہوتا ہے معنیِ شرط کو۔ تو اس کی خبر پر فا کا داخل کرنا صحیح ہے۔ اور وہ اسمِ موصول ہے جس کا صلہ فعل یا ظرف آئے۔ اسی طرح وہ نکرہ جس کی صفت فعل یا ظرف آئے۔ تو یہ متضمن ہوتے ہیں معنیِ شرط کو، تو اس بتدا کی خبر پر فا کا لانا جائز ہے۔ اسی طرح یہ والا اسمِ موصول اگر کسی اسم کی صفت بنے تو اس موصوف کا بھی یہی حکم ہے۔ اور اسی طرح یہ جو نکرہ ہے، اس کی طرف کوئی اسم مضاف ہو جائے تو اس اسم کا بھی یہی حکم ہے یعنی یہ بھی متضمن ہوتے ہیں معنیِ شرط کو، تو ان کی خبر پر فا کا لانا جائز ہے بھئی۔

اس کے بعد صاحبِ کافیہ نے آپ کو بتلایا تھا کہ «لَيْتَ» اور «لَعَلَّ» مانع ہیں بالاتفاق بھئی۔ یعنی وہ بتدا جس کی خبر پر فا کا داخل کرنا جائز تھا اس پر اگر «لَيْتَ» اور «لَعَلَّ» داخل ہو جائیں گے، تو اب اس کی خبر پر فا کا لانا جائز نہیں بھئی۔ اور اس کی وجہ ذکر کی تھی صاحبِ جامی نے کہ یہ «لَيْتَ» اور «لَعَلَّ» کلام کو خبر کے قبیل سے نکال کر انشاء بنا دیتے ہیں۔ تو پھر ان کی مشابہت شرط اور جزا کے ساتھ ختم ہو جاتی ہے، اس لیے کیونکہ شرط اور جزا جو ہے وہ اخبار کے قبیل سے ہیں، اور «لَيْتَ» اور «لَعَلَّ» نے کلام کو کیا بنا دیا؟ کلام کو انشائی بنا دیا۔

پھر اس پر اشکال ہوتا ہے کہ جملہ شرطیہ کا دارومدار تو جزا پر ہے، اور جزا تو جملہ خبریہ بھی ہو سکتی ہے اور جملہ انشائیہ بھی، تو معلوم ہوا جملہ شرطیہ خبریہ بھی ہو سکتا ہے اور انشائیہ بھی اور آپ تو ہمیں کیا بتلا رہے ہیں کہ شرط اور جزا اخبار کے

قبیل سے ہیں؟ تو میں نے تفصیل ذکر کی تھی کہ یہ شرط اور جزا کس طرح اخبار کے قبیل سے ہیں کہ دیکھو شرط اور جزا کے درمیان ربط ہوتا ہے، شرط پائی جائے تو جزا ضرور پائی جاتی ہے، تو شرط ہوئی مبتدا کے درجے میں اور جزا ہوئی خبر کے درجے میں۔ جیسے مبتدا کے لیے خبر ثابت ہوتی ہے اسی طرح شرط کے لیے جزا ثابت ہوتی ہے تو بایں لحاظ یہ اخبار کے قبیل سے ہے۔ مثلاً ایک جملہ خبریہ لے لیں: «زَيْدٌ قَائِمٌ» زید کھڑا ہے، اس میں دیکھو زید ہے مبتدا اور «قَائِمٌ» ہے اس کی خبر، تو ہم کہیں گے کہ اس جملے میں زید کے لیے قیام ثابت ہے۔ تو جیسے یہاں زید کے لیے قیام ثابت ہے، اسی طرح شرط اور جزا میں ہم کہہ سکتے ہیں کہ یہ جو شرط ہے اس کے لیے آگے آنے والی جزا ثابت ہے۔ تو جیسے مبتدا کے لیے خبر ثابت ہوتی ہے اسی طرح شرط کے لیے جزا ثابت ہوتی ہے، تو بایں لحاظ یہ شرط اور جزا اخبار کے قبیل سے ہیں۔ بات سمجھ میں آئی؟ آپ پہلے شرط لائے اور پھر جزا لائے، تو گویا آپ کہنا یہ چاہتے ہیں کہ یہ والی جو شرط ہے اس کے لیے یہ آگے آنے والی جزا ثابت ہے۔ مثلاً خاوند اپنی بیوی سے کہتا ہے «إِنْ دَخَلْتِ الدَّارَ فَأَنْتِ طَالِقٌ»، اگر تو اس گھر میں داخل ہوئی تو تجھے طلاق ہے۔ تو یہ کہنا وہ یہ چاہتا ہے کہ اس شرط کے لیے یہ والی جزا ثابت ہے، وہ گھر میں جائے گی تو یہ جزا آئے گی یعنی اس کو طلاق ہو جائے گی۔ تو بایں لحاظ شرط اور جزا اخبار کے قبیل سے ہیں بھئی۔

پھر اس پر اشکال ہوا تھا کہ «لَيْتَ» اور «لَعَلَّ» جس طرح بالاتفاق مانع ہیں، اسی طرح افعالِ ناقصہ اور افعالِ قلوب جو ہیں وہ بھی بالاتفاق مانع ہیں۔ وہ بھی جب داخل ہو جائیں اس قسم کے اسمِ موصول یا اس قسم کے نکرہ پر، تو وہ بھی مانع بنتے ہیں اور خبر پر فا کا لانا جائز نہیں، تو صاحبِ کافیہ نے ان کو کیوں ذکر نہیں کیا؟ تو اس کا جواب دیا تھا کہ صاحبِ کافیہ تمام ان چیزوں کو ذکر نہیں کرنا چاہتے، بلکہ صرف حروفِ مشبہ بالفعل کے اندر جن کے اندر اتفاق ہے صرف ان کو بیان کرنا چاہتے ہیں۔ اور حروفِ مشبہ بالفعل میں سے تو صرف «لَيْتَ» اور «لَعَلَّ» ہے، جن کے بارے میں نحویوں کا اتفاق ہے کہ یہ مانع بنیں گے۔ پھر سوال پیدا ہوا کہ یہ حروفِ مشبہ بالفعل ہی کو کیوں ذکر کرنا چاہتے ہیں، ان کی تخصیص کی کیا وجہ ہے اور چیزوں کو کیوں نہیں ذکر کرنا چاہتے؟ تو اس کا بھی جواب دیا تھا کہ حروفِ مشبہ بالفعل جو ہیں، اس کے اندر جو اختلاف ہے وہ صاحبِ کافیہ کے نزدیک اہم ہے، اس کو اہمیت دیتے ہوئے اس کو ذکر فرمایا۔ یوں کہیں اس کی طرف ان کی توجہ زیادہ ہے، تو جو اہم تھا ان کے نزدیک اس کو ذکر کر دیا اور جو اہم نہیں تھا اس کو ذکر نہیں فرمایا بھئی۔

اب آگے دیکھیے آج کا سبق، کہتے ہیں: «وَأَلْحَقَ بَعْضُهُمْ قِيلَ هُوَ سِيبَوَيْهِ إِنَّ الْمَكْسُورَةَ بِهِمَا أَيْ بِلَيْتَ وَلَعَلَّ فِي الْمَنْعِ عَنْ دُخُولِ الْفَاءِ عَلَى الْخَبَرِ». آگے بتلائیں گے کہ بعض نحویوں نے «إِنَّ» کو بھی ان دونوں کے ساتھ ملایا ہے یعنی «لَيْتَ» اور «لَعَلَّ» کے ساتھ۔ بعض نحوی حضرات نے «لَيْتَ» اور «لَعَلَّ» کے ساتھ «إِنَّ» کو بھی ملایا ہے، یعنی جس طرح «لَيْتَ» اور «لَعَلَّ» مانع ہیں اس بات سے کہ جب یہ آجائیں تو پھر ان کی خبر پر فا کا لانا جائز نہیں، اسی طرح یہ جو «إِنَّ» ہے یہ بھی جب اس قسم کے جملے پر داخل ہوگا، اس قسم کے مبتدا پر داخل ہوگا تو یہ بھی مانع بنے گا اور اب خبر پر فا کا لانا جائز نہ ہوگا بھئی۔

لیکن صاحبِ جامی آپ کو بتلائیں گے کہ زیادہ صحیح قول یہ ہے کہ «إِنَّ» مانع نہیں بنے گا بھئی۔ بعضوں نے تو «إِنَّ» کو بھی «لَيْتَ» اور «لَعَلَّ» سے ملایا ہے اور اسے بھی مانع قرار دیا ہے اس فا کے لانے سے، لیکن کہتے ہیں زیادہ صحیح قول یہ ہے کہ «إِنَّ» مانع نہیں بنے گا۔ وجہ یہ کہ «إِنَّ» جو ہے کلام کے اندر صرف تاکید پیدا کرتا ہے، وہ کلام کو اخبار سے نکال کر انشاء نہیں بناتا بھئی۔ جبکہ «لَيْتَ» اور «لَعَلَّ» وہ تو کلام کو انشاء بنا دیتے تھے بھئی تو اس کی مشابہت شرط اور جزا سے ختم ہو جاتی تھی۔ جبکہ «إِنَّ»، «إِنَّ» کے داخل ہونے کے بعد بھی جملہ خبریہ وہ جملہ خبریہ ہی رہتا ہے تو اس کی جو مشابہت ہے شرط اور جزا کے ساتھ وہ ابھی بھی موجود ہے، لہٰذا فا کا لانا جائز ہے بھئی۔

دیکھیے بھئی کتاب پر، کہتے ہیں «وَأَلْحَقَ بَعْضُهُمْ» اور ملایا ہے بعض نحویوں نے، «قِيلَ هُوَ سِيبَوَيْهِ» کہا گیا ہے کہ وہ امام سیبویہ ہیں، یہ جو قول کرنے والے ہیں وہ کون ہیں؟ امام سیبویہ ہیں۔ دیکھو اس قول کی نسبت کس کی طرف کی گئی ہے؟ امام سیبویہ۔ «وَأَلْحَقَ بَعْضُهُمْ» اور ملایا ہے بعضوں نے «إِنَّ» مکسورہ کو بھی ان دونوں کے ساتھ، یعنی «إِنَّ» مکسورہ بھی مانع بنے گا دخولِ فا سے۔ اور درمیان میں صاحبِ جامی نے آپ کو بتلا دیا «قِيلَ هُوَ سِيبَوَيْهِ» کہا گیا ہے کہ وہ امام سیبویہ ہیں، انہوں نے «إِنَّ» کو «لَيْتَ» اور «لَعَلَّ» کے ساتھ ملایا ہے دخولِ فا سے مانع ہونے میں۔ اور دیکھو «قِيلَ» کے ساتھ ذکر کیا اس کو «قِيلَ هُوَ سِيبَوَيْهِ»، معلوم ہوا یہ کوئی قطعی بات نہیں ہے کہ امام سیبویہ نے ایسا کہا ہے، ہاں ان کی طرف اس قول کی بعضوں نے نسبت کی ہے کہ یہ ان کا قول ہے، خود امام سیبویہ نے اپنی کتاب میں اس کی کوئی تصریح نہیں کی بھئی، اس لیے اس کو «قِيلَ» کے ساتھ ذکر کیا کہ «قِيلَ هُوَ سِيبَوَيْهِ» کہا گیا ہے کہ وہ قائل کون ہیں؟ امام سیبویہ ہیں بھئی۔ تو بعض نحویوں نے ملایا ہے کس چیز کو؟ «إِنَّ الْمَكْسُورَةَ بِهِمَا» وہ «إِنَّ» جو مکسورہ ہے یعنی جس کا ہمزہ مکسور ہے، «بِهِمَا» اس کو ملایا ہے ان دونوں کے ساتھ بھئی، «بِهِمَا» میں «هُمَا» کی ضمیر کس کو راجع ہے؟ صاحبِ جامی آگے بتلا رہے ہیں «أَيْ بِلَيْتَ وَلَعَلَّ»، «لَيْتَ» اور «لَعَلَّ» کے ساتھ ملایا ہے کس چیز میں؟ «فِي الْمَنْعِ عَنْ دُخُولِ الْفَاءِ عَلَى الْخَبَرِ» خبر پر فا کے داخل ہونے سے منع کرنے میں۔ کس چیز میں؟ «فِي الْمَنْعِ عَنْ دُخُولِ الْفَاءِ عَلَى الْخَبَرِ» ترجمہ آخر سے ہوگا: خبر پر فا کے داخل ہونے سے منع کرنے میں، خبر پر فا کے داخل ہونے سے منع کرنے میں «لَيْتَ» اور «لَعَلَّ» کے ساتھ «إِنَّ» کو ملایا ہے بھئی۔

«وَالْأَصَحُّ أَنَّهَا لَا تَمْنَعُ عَنْهُ» اور زیادہ صحیح قول یہ ہے کہ «أَنَّهَا لَا تَمْنَعُ عَنْهُ» کہ یہ جو «إِنَّ» ہے یہ منع نہیں کرتا «عَنْهُ» اس دخولِ فا سے۔ یہ خبر پر فا کے دخول سے منع نہیں کرتا، یہ اس کے لیے مانع نہیں ہے۔ کہا زیادہ صحیح قول یہ ہے، معلوم ہوا وہ بھی صحیح قول ہے لیکن یہ زیادہ صحیح ہے بھئی، معلوم ہوا اس کو بھی غلط نہیں قرار دیا بھئی۔ تو کہتے ہیں «وَالْأَصَحُّ أَنَّهَا لَا تَمْنَعُ عَنْهُ» اور زیادہ صحیح یہ ہے کہ یہ جو «إِنَّ» ہے یہ منع نہیں کرتا «عَنْهُ أَيْ عَنْ دُخُولِ الْفَاءِ» دخولِ فا سے، «لِأَنَّهَا لَا تُخْرِجُ الْكَلَامَ عَنِ الْخَبَرِيَّةِ إِلَى الْإِنْشَائِيَّةِ» اس لیے کیونکہ یہ جو «إِنَّ» ہے یہ کلام کو نکالتا نہیں خبر ہونے سے انشاء ہونے کی طرف، خبر ہونے سے انشاء ہونے کی طرف یہ کلام کو نہیں نکالتا۔ «يُؤَيِّدُهُ قَوْلُهُ تَعَالَى» اور اس کی تائید کرتا ہے اللہ تعالیٰ کا یہ قول۔

«أَيَّدَ يُؤَيِّدُ» تائید کا معنی ہے قوت دینا، قوت دینا، تو اللہ تعالیٰ کا یہ قول اس بات کو قوت دیتا ہے، اس بات کی تائید کرتا ہے۔ کون سی بات کی؟ کہ «إنَّ» کے آنے کے بعد بھی فا کا داخل ہونا منع نہیں ہے۔ دیکھیے بھئی قرآن میں اللہ فرماتے ہیں «إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَمَاتُوا وَهُمْ كُفَّارٌ فَلَنْ يُقْبَلَ» یقیناً وہ لوگ جو جنہوں نے کفر کیا «وَمَاتُوا» اور وہ مر گئے «وَهُمْ كُفَّارٌ» اس حال میں کہ وہ کفار تھے، وہ کافر تھے، «فَلَنْ يُقْبَلَ» تو ہرگز ان سے قبول نہیں کیا جائے گا، تو ہرگز ان سے قبول نہیں کیا جائے گا، وہ زمین بھر سونا بھی دے دیں اپنی جان چھڑانے کے لیے تو وہ ان سے قبول نہیں کیا جائے گا۔ تو دیکھو اس آیت کے اندر «إنَّ» داخل ہو رہا ہے «الَّذِينَ» اسمِ موصول پر، اور یہ اسمِ موصول ایسا ہے جس کا صلہ «كَفَرُوا» فعل آرہا ہے، اور وہ اسمِ موصول جس کا صلہ فعل آئے وہ متضمن ہوتا ہے معنیِ شرط کو اور اس کی خبر پر فا کا لانا جائز ہے، چنانچہ یہاں بھی کیا آیا «فَلَنْ يُقْبَلَ» دیکھو فا لائی گئی بھئی۔ حالانکہ «إنَّ» داخل ہوا، اگر «إنَّ» مانع ہوتا پھر تو فا داخل نہ ہوتی یہاں پر۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو دیکھو یہاں «كَفَرُوا» یہ ہے صلہ «الَّذِينَ» کا، «وَمَاتُوا» اس کا عطف اسی صلہ پر ہے بھئی اور معطوف کا وہی حکم ہوتا ہے جو معطوفٌ علیہ کا یعنی یہ بھی صلہ ہی ہے، «وَهُمْ كُفَّارٌ» یہ حال ہے ماقبل سے بھئی، «وَمَاتُوا» کے اندر جو واو ضمیر ہے جمع کی یہ اس سے حال ہے بھئی، اور آگے «فَلَنْ يُقْبَلَ» یہ «إنَّ» کی خبر ہے۔ دلیل سمجھ میں آگئی کہ «إنَّ» داخل ہوا لیکن پھر بھی فا لائی گئی، معلوم ہوا «إنَّ» مانع نہیں ہے بھئی۔

«فَإِنْ قِيلَ قَدْ أُلْحِقَ بَعْضُهُمْ أَنَّ الْمَفْتُوحَةَ» یہاں سے ایک اعتراض اور اس کا جواب ذکر کریں گے۔ اعتراض یہ کہ بعض نحویوں نے «إنَّ» کو «لَيْتَ» اور «لَعَلَّ» کے ساتھ ملایا، یہ تو صاحبِ کافیہ نے ذکر کر دیا، لیکن بعض نحویوں نے تو «أَنَّ» جو ہے ہمزہ مفتوحہ کے ساتھ جو ہے اس کو بھی اور اسی طرح «لَكِنَّ» کو بھی ملایا ہے «لَيْتَ» اور «لَعَلَّ» کے ساتھ کہ «أَنَّ» بھی مانع ہے «لَكِنَّ» بھی مانع ہے۔ لیکن صاحبِ کافیہ نے «إنَّ» کو تو ذکر کیا متن کے اندر لیکن «أَنَّ» اور «لَكِنَّ» کو ذکر نہیں فرمایا، اس کی کیا وجہ ہے؟ یا تو ذکر کرتے سب کو ذکر کرتے اور اگر نہ کرتے تو کسی کو بھی ذکر نہ کرتے۔ تو اس کا جواب بعض علماء نے دیا کہ چونکہ یہ «إنَّ» کے بارے میں جو قائل ہیں وہ امام سیبویہ ہیں، انہوں نے «إنَّ» کو ملایا ہے «لَيْتَ» اور «لَعَلَّ» کے ساتھ، تو امام سیبویہ ان کی بات تو علمِ نحو میں پہاڑ کی طرح مضبوط ہوتی ہے، تو ان کی بات کو تو اہمیت دی لہٰذا اس کو ذکر فرمایا، جبکہ «أَنَّ» اور «لَكِنَّ» کو اور نحویوں نے «لَيْتَ» اور «لَعَلَّ» سے ملایا تھا، تو ان کے قول کا کوئی اعتبار نہیں کیا، ان کو کوئی اہمیت نہیں دی اس لیے ان کو ذکر نہیں فرمایا۔

تو کہتے ہیں «فَإِنْ قِيلَ» اگر یہ کہا جائے «قَدْ أُلْحِقَ بَعْضُهُمْ أَنَّ الْمَفْتُوحَةَ وَلَكِنَّ بِلَيْتَ وَلَعَلَّ» کہ تحقیق ملایا ہے بعض نحویوں نے «أَنَّ» مفتوحہ کو اور «لَكِنَّ» کو «لَيْتَ» اور «لَعَلَّ» کے ساتھ، «فَمَا وَجْهُ تَخْصِيصِ إنَّ الْمَكْسُورَةِ بِالْإِلْحَاقِ» تو کیا وجہ ہے کہ «إنَّ» مکسورہ جو ہے اس کے الحاق کی تخصیص کی گئی؟ «فَمَا وَجْهُ تَخْصِيصِ إنَّ الْمَكْسُورَةِ بِالْإِلْحَاقِ» تو «إنَّ» مکسورہ کے الحاق کی تخصیص کی وجہ کیا ہے؟ صرف یہ ذکر فرمایا «قَدْ أُلْحِقَ بَعْضُهُمْ إنَّ»، صرف «إنَّ» کے الحاق کو ذکر کیا تو یہ «إنَّ» کے

الحاق کی تخصیص کی وجہ کیا ہے بھئی؟ تو «قِيلَ» تو کہا گیا ہے، اب جواب دینے لگے ہیں۔ «قِيلَ» کہا گیا ہے «بَعْضُهُمُ الَّذِي أَلْحَقَ إِنَّ بِهِمَا» کہ «بَعْضُهُمْ» وہ بعض، وہ جو متن میں آیا تھا «أَلْحَقَ بَعْضُهُمْ» یہ بعض یہ مراد ہیں، کہ وہ بعض «الَّذِي أَلْحَقَ إِنَّ بِهِمَا» جنہوں نے «إِنَّ» کو ملایا ہے «لَيْتَ» اور «لَعَلَّ» کے ساتھ، وہ بعض جو ہیں «هُوَ سِيبَوَيْهِ» وہ امام سیبویہ ہیں، «فَاعْتَدَّ بِقَوْلِهِ»

لہٰذا ان کے قول کا تو اعتبار کیا، اس کو تو شمار کیا، «وَذَكَرَهُ» اور اس کو ذکر فرمایا صاحبِ کافیہ نے، «وَلَمْ يَعْتَدَّ بِقَوْلِ مَنْ سِوَاهُ» اور اعتبار نہیں کیا ان کے علاوہ کے قول کا، اور نحویوں کے قول کا اعتبار نہیں کیا، «فَلَمْ يَذْكُرْهُ» لہٰذا اس کو ذکر نہیں فرمایا۔

«مَعَ أَنَّ كِلَا الْقَوْلَيْنِ لَا يُسَاعِدُهُمَا الْقُرْآنُ وَكَلَامُ الْفُصَحَاءِ» باوجود اس کے کہ دونوں قول جو ہیں، چاہے امام سیبویہ کا قول ہے «إِنَّ» کے بارے میں، چاہے بعض دیگر نحویوں کا قول ہے «أَنَّ» اور «لَكِنَّ» کے بارے میں، یہ دونوں قول جو ہیں «لَا يُسَاعِدُهُمَا الْقُرْآنُ» قرآن ان کی مدد نہیں کرتا، «سَاعَدَ يُسَاعِدُ» کے معنی مدد کرنا یعنی تائید کرنا، قرآن ان کی تائید نہیں کرتا، «وَكَلَامُ الْفُصَحَاءِ» اور عرب کے فصیح لوگوں کا جو کلام ہے وہ بھی اس کی تائید نہیں کرتا۔ تو کہتے ہیں «مَعَ أَنَّ كِلَا الْقَوْلَيْنِ لَا يُسَاعِدُهُمَا الْقُرْآنُ وَكَلَامُ الْفُصَحَاءِ» ساتھ اس کے کہ دونوں قول جو ہیں ان کی تائید قرآن اور فصحاء کا کلام نہیں کرتا۔

«فَمَا يَدُلُّ عَلَى عَدَمِ مَنْعِ إِنَّ الْمَكْسُورَةِ عَنْ دُخُولِ الْفَاءِ عَلَى الْخَبَرِ مَا سَبَقَ» یہ ترجمہ سمجھ لیں بھئی، یہ ترجمہ ذرا مشکل ہے۔ «فَمَا يَدُلُّ» پس وہ چیز جو دلالت کرتی ہے «عَلَى عَدَمِ مَنْعِ إِنَّ الْمَكْسُورَةِ عَنْ دُخُولِ الْفَاءِ عَلَى الْخَبَرِ مَا سَبَقَ»، ترجمہ اب آخر سے ہوگا: «فَمَا يَدُلُّ» کا ترجمہ کریں گے اور پھر «الْخَبَرِ» سے پیچھے کی طرف ترجمہ کریں گے۔ پس وہ چیز جو دلالت کرتی ہے، کس بات پر؟ کہ خبر جو ہے اس پر فا کے داخل ہونے سے «إِنَّ» مکسورہ جو ہے وہ منع نہیں کرتا۔ وہ چیز جو اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ خبر پر فا کے داخل ہونے سے «إِنَّ» مکسورہ مانع نہیں ہے، اس پر جو بات دلالت کرتی ہے «مَا سَبَقَ» یہ خبر آگئی، وہ جو ماقبل میں گزر گیا۔ وہ جو ماقبل میں گزر گیا وہ اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ یہ جو «إِنَّ» مکسورہ ہے یہ مانع نہیں ہے خبر پر فا کے داخل ہونے سے۔ وہ کیا بات گزری پیچھے؟ وہ جو اللہ تعالیٰ کا قول گزرا «إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا» بھئی۔ تو کہتے ہیں «فَمَا يَدُلُّ عَلَى عَدَمِ مَنْعِ إِنَّ الْمَكْسُورَةِ عَنْ دُخُولِ الْفَاءِ عَلَى الْخَبَرِ مَا سَبَقَ» پس وہ چیز جو دلالت کرتی ہے «عَلَى عَدَمِ مَنْعِ» اس بات پر کہ مانع نہیں ہے «إِنَّ الْمَكْسُورَةِ» «إِنَّ» مکسورہ جو ہے وہ مانع نہیں ہے «عَنْ دُخُولِ الْفَاءِ عَلَى الْخَبَرِ» خبر پر فا کے داخل ہونے سے، وہ چیز «مَا سَبَقَ» وہ ہے جو ماقبل میں گزر گئی۔

«وَمَا يَدُلُّ عَلَى عَدَمِ مَنْعِ أَنَّ الْمَفْتُوحَةِ وَلَكِنَّ عَنْ دُخُولِ الْفَاءِ قَوْلُهُ تَعَالَى» اور وہ چیز جو دلالت کرتی ہے، کس بات پر؟ «عَلَى عَدَمِ مَنْعِ» اس بات پر کہ مانع نہیں ہے، کیا چیز مانع نہیں ہے؟ «أَنَّ الْمَفْتُوحَةِ» «أَنَّ» مفتوحہ مانع نہیں ہے «وَلَكِنَّ» اور «لَكِنَّ» مانع نہیں ہے «عَنْ دُخُولِ الْفَاءِ» فا کے داخل ہونے سے، تو وہ چیز جو اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ یہ دونوں مانع نہیں ہیں «قَوْلُهُ تَعَالَى» وہ اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے: «وَاعْلَمُوا أَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِنْ شَيْءٍ فَأَنَّ لِلَّهِ خُمُسَهُ»۔ ترجمہ سمجھ میں آیا؟

پھر دیکھیں: «وَمَا يَدُلُّ عَلَى عَدَمِ مَنْعِ أَنَّ الْمَفْتُوحَةِ وَلَكِنَّ عَنْ دُخُولِ الْفَاءِ» اور وہ چیز جو اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ «أَنَّ» مفتوحہ اور «لَكِنَّ» یہ مانع نہیں ہیں دخولِ فا سے، «قَوْلُهُ تَعَالَى» وہ اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے: «وَاعْلَمُوا» اور تم لوگ جان لو «أَنَّمَا غَنِمْتُمْ» «أَنَّ» حرف از حروفِ مشبہ بالفعل ہے اور یہ «مَا» موصولہ ہے اور «غَنِمْتُمْ مِنْ شَيْءٍ» یہ اس کا صلہ ہے، توجہ ہے؟ اور تم جان لو «أَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِنْ شَيْءٍ» کہ جو چیز تمہیں غنیمت میں حاصل ہو «فَأَنَّ لِلَّهِ خُمُسَهُ» تو اللہ کے لیے اس کا پانچواں حصہ ہے، «فَأَنَّ لِلَّهِ خُمُسَهُ وَلِلرَّسُولِ» تو اللہ اور اس کے رسول کے لیے اس کا پانچواں حصہ ہے۔ اب دیکھو اس کے اندر «أَنَّ» آیا بھئی اور «أَنَّ» «مَا» موصولہ پر داخل ہے، اور یہ «مَا» موصولہ اس کا صلہ «غَنِمْتُمْ» فعل آرہا ہے، اور وہ اسمِ موصول جس کا صلہ فعل آئے وہ متضمن ہوتا ہے معنیِ شرط کو اور اس پر فا کا لانا جائز ہے، اور یہاں پر اس پر «أَنَّ» داخل ہوا پھر بھی آگے «فَأَنَّ لِلَّهِ خُمُسَهُ» فا لائی گئی۔ معلوم ہوا «أَنَّ» جو ہے یہ مانع نہیں ہے دخولِ فا سے بھئی۔

«وَقَوْلُ الشَّاعِرِ» اب یہ کلامِ فصحاء بھی پیش کر رہے ہیں بھئی، قرآن سے بھی ذکر کر دیا اور اس کے اندر «أَنَّ» کا ذکر تھا، اب ایک فصیح شاعر کا قول ذکر کریں گے جس کے اندر «وَلَكِنَّ» ذکر ہوگا اور وہ مانع نہیں بنے گا دخولِ فا سے بھئی۔ «وَقَوْلُ الشَّاعِرِ» اور شاعر کا قول ہے: «فَوَاللَّهِ مَا فَارَقْتُكُمْ قَالِيًا لَكُمْ وَلَكِنَّ مَا يُقْضَى فَسَوْفَ يَكُونُ»۔ «فَوَاللَّهِ» پس اللہ کی قسم «مَا فَارَقْتُكُمْ» میں تم لوگوں سے جدا نہیں ہوا «قَالِيًا لَكُمْ» یہ حال ہے بھئی، حال ہے بھئی «فَارَقْتُ» کی تا ضمیر سے متکلم کی ضمیر سے۔ «قَلَى يَقْلِي قَلْيًا» کا معنی ہے نفرت کرنا۔ «فَوَاللَّهِ مَا فَارَقْتُكُمْ قَالِيًا لَكُمْ» پس اللہ کی قسم میں تم لوگوں سے جدا نہیں ہوا «قَالِيًا لَكُمْ» تم سے نفرت کرتے ہوئے۔ واللہ میں تم لوگوں سے نفرت کرتے ہوئے تم سے جدا نہیں ہوا «وَلَكِنَّ مَا يُقْضَى» لیکن جو فیصلہ کر دیا جاتا ہے «فَسَوْفَ يَكُونُ» تو عنقریب ویسا ہی ہوتا ہے، تو عنقریب ویسا ہی ہوتا ہے۔ کہنا یہ چاہتا ہے کوئی شاعر ہوگا اپنے قبیلے سے، اپنے رشتہ داروں سے کہیں دور اس کو جانا پڑ گیا بھئی، تو اب وہ شعر میں ان کو پیغام دے رہا ہے کہ میں تم سے جدا ہو گیا ہوں، دور اب آگیا ہوں، تو یہ نہ سمجھنا کہ میں تم لوگوں سے نفرت کرتے ہوئے دور ہوا ہوں، بس اللہ جو فیصلہ فرما دیتے ہیں ویسا ہی ہوتا ہے، یعنی بالفاظِ دیگر وہ یہ کہہ رہا ہے کہ مجھے تقدیر یہاں لے آئی اگرچہ میں تم لوگوں سے جدا نہیں ہونا چاہتا تھا بھئی۔ تو دیکھو اس کے اندر دیکھو «وَلَكِنَّ» آیا اور کس پر داخل ہے «مَا»، «مَا» موصولہ ہے اور «يُقْضَى» اس کا صلہ ہے، اور وہ «مَا» موصولہ جس کا صلہ کیا آئے؟ فعل آئے وہ متضمن ہوتا ہے معنیِ شرط کو تو اس کی خبر پر فا داخل کرنا جائز، تو یہاں دیکھو «فَسَوْفَ» فا داخل ہو رہی ہے اگرچہ اس «مَا» موصولہ پر «لَكِنَّ» داخل ہوا ہے اور پھر بھی «لَكِنَّ» مانع نہیں بن رہا، معلوم ہوا «لَكِنَّ» مانع نہیں ہے بھئی۔

آگے دیکھیے بھئی: «وَقَدْ يُحْذَفُ الْمُبْتَدَأُ لِقِيَامِ قَرِينَةٍ لَفْظِيَّةٍ أَوْ عَقْلِيَّةٍ جَوَازًا أَيْ حَذْفًا جَائِزًا لَا وَاجِبًا». اب کچھ وہ مقامات ذکر فرمائیں گے جہاں مبتدا اور خبر کو حذف کیا جاتا ہے بھئی۔ اور آپ کو بتلائیں گے کہ یہ حذف کبھی جوازاً ہوتا ہے اور کبھی وجوباً بھئی۔ مبتدا کے اندر تو صرف جوازاً حذف کو ذکر فرمائیں گے یعنی جہاں حذف جائز ہے، جہاں حذف واجب

ہے اس کو ذکر نہیں فرمائیں گے۔ جبکہ خبر کے اندر دونوں ذکر فرمائیں گے: جہاں حذف جائز ہے اسے بھی ذکر فرمائیں گے اور جہاں حذف واجب ہے اسے بھی ذکر فرمائیں گے۔ تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ مبتدا کے اندر جہاں حذف واجب ہے اس کو کیوں ذکر نہیں فرمایا؟ تو وجہ اس کی یہ کہ جہاں مبتدا کا حذف واجب ہے وہ نہایت قلیل ہے، وہ قلیل ہے اور نادر ہے، اور «اَلنَّادِرُ كَالْمَعْدُومِ» اور نادر جو ہے وہ معدوم کی طرح ہوتا ہے اس کو شمار ہی نہیں کیا جاتا، اس لیے اس کو ذکر نہیں فرمایا۔ بات سمجھ میں آگئی؟

تو کہتے ہیں «وَقَدْ يُحْذَفُ الْمُبْتَدَأُ لِقِيَامِ قَرِينَةٍ» اور کبھی کبھار مبتدا کو حذف کر لیا جاتا ہے «لِقِيَامِ قَرِينَةٍ» یہ لام بمعنی وقت کے ہے «أَيْ وَقْتَ قِيَامِ قَرِينَةٍ» یعنی جس وقت قرینہ قائم ہو۔ یاد رکھو حذف جب بھی کیا جائے گا اس میں قرینے کا ہونا ضروری ہے بھئی۔ قرینہ کسے کہتے ہیں؟ «هُوَ أَمْرٌ يُشِيرُ إِلَى الْمَطْلُوبِ» وہ چیز جو مطلوب کی طرف اشارہ کردے اس کو کیا کہتے ہیں؟ قرینہ کہتے ہیں۔ توجہ ہے؟ کیا تعریف کی؟ «هُوَ أَمْرٌ يُشِيرُ إِلَى الْمَطْلُوبِ» وہ چیز جو مطلوب کی طرف اشارہ کردے۔ کیا معنی مطلوب؟ یعنی متکلم کا جو مطلوب ہے، جو مقصود ہے اس کی طرف اشارہ کردے۔ میں آپ کے سامنے ایک کلام کرتا ہوں، تو دیکھو میرے دل میں ایک معنی ہے وہ میں آپ تک پہنچانا چاہتا ہوں تو کس کی مدد لیتا ہوں؟ الفاظ کی مدد لیتا ہوں۔ توجہ ہے؟ متکلم ایک بات کرتا ہے وہ دراصل اپنے دل کی بات دوسرے تک پہنچانا چاہتا ہے الفاظ کے ذریعے۔ تو وہ جو الفاظ ہیں کبھی لفظ کا حقیقی معنی مراد ہوگا، کبھی مجازی معنی مراد ہوگا، کبھی ایک لفظ عبارت میں ذکر ہوگا، کبھی حذف ہوگا۔ اب ایک لفظ بولتا ہے اس سے اس کا حقیقی معنی مراد ہے یا اس کا مجازی معنی مراد ہے تو اس کے لیے کوئی چیز چاہیے جو سننے والے کو بھی بتلا دے کہ اس سے یہ والا معنی مراد ہے۔ اسی طرح ایک لفظ کو وہ حذف کر دیتا ہے، اب ایک لفظ کو اس نے حذف کر دیا تو مخاطب کو بات پوری سمجھ میں نہیں آئے گی، لہٰذا کوئی ایک چیز ہونی چاہیے جو مخاطب کو بھی بتلا دے کہ یہ والا لفظ یہاں پر حذف کیا گیا ہے۔ تو اس کو قرینہ کہتے ہیں۔ قرینہ کسے کہتے ہیں؟ وہ چیز جو مطلوب اور مقصود کی طرف اشارہ کردے۔ اور مطلوب اور مقصود سے کیا مراد ہے؟ وہ جو متکلم کا مطلوب ہے، وہ جو بات کرنے والے کا مقصد ہے اس مقصد کی طرف کیا کردے؟ اشارہ کردے۔

مثلاً دیکھو کہ لفظِ شیر بھئی۔ شیر اصل میں وضع ہے جنگلی درندے کے لیے، لیکن شیر کا لفظ بہادر آدمی کے لیے بھی استعمال کر لیا جاتا ہے، بہادر آدمی کے لیے بھی۔ تو اب میں لفظِ شیر بولوں گا تو کوئی قرینہ چاہیے جس سے سننے والے کو پتہ چلے کہ اس سے جنگلی درندہ مراد ہے یا بہادر آدمی مراد ہے۔ تو جو چیز بھی اس مقصد کی طرف، اس مقصود اور مطلوب کی طرف اشارہ کردے اس کو کیا کہیں گے؟ قرینہ کہیں گے۔ اور آپ یہ بھی پڑھ چکے ہیں کہ قرینہ ہمیشہ لا بالوضع ہوتا ہے، اس میں وضع نہیں۔ ایک چیز کو دوسری چیز کے لیے مقرر کیا گیا ہو اس کو قرینہ نہیں کہتے بھئی۔ تو شیر کا حقیقی معنی کیا؟ جنگلی درندہ، اور مجازی معنی کیا؟ بہادر آدمی۔ اب میں آپ کے سامنے دیکھیں لفظ بولتا ہوں، آپ نے مجھے بتانا ہے کہ یہ حقیقی معنی میں

استعمال ہو رہا ہے یا مجازی معنی میں: شیر۔ اب مجھے بتائیے یہ حقیقی معنی میں استعمال ہو رہا ہے یا مجازی معنی میں؟ تو آپ کہیں بھئی، آپ کہیں بھئی کہ یہ حقیقت اور مجازیہ استعمال کے اعتبار سے قسمیں ہیں لفظ کی۔ آپ نے صرف لفظِ شیر کہا، بھئی اس کو کسی جملے میں تو استعمال کریں پھر ہمیں پتہ چلے گا کہ یہ حقیقت ہے یا مجاز۔ جب تک استعمال نہیں ہوگا کسی جملے اور کلام کے اندر، یہ حقیقت ہے یا مجازیہ فیصلہ نہیں کیا جا سکتا۔ ہاں اب دیکھو میں آپ کے سامنے کہتا ہوں کہ کل میں نے جنگل میں ایک شیر دیکھا۔ اب آپ کو پتہ چل گیا کہ اس شیر کا کون سا معنی ہے؟ حقیقی معنی یعنی جنگلی درندہ مراد ہے۔ اور کس طرح پتہ چلا آپ کو؟ کوئی قرینہ چاہیے جس سے پتہ چلے، کس چیز سے پتہ چلا؟ قرینہ کہ وہ جو میں نے جنگل کو ساتھ ذکر کیا، جنگل کے اندر تو وہ جنگلی درندہ ہی ہوگا بھئی۔ تو یہ قرینہ اس نے اس معنی کی طرف اشارہ کر دیا۔ دیکھو میں نے کہا میں نے کل جنگل میں ایک شیر دیکھا، اب اس شیر سے میری مراد کیا ہے؟ میرا مقصود کیا ہے؟ وہ جو مطلوب ہے اس کی طرف کس نے اشارہ کیا؟ یہ جو جنگل کا لفظ ساتھ میں نے ذکر کیا۔ تو یہ جو جنگل کا لفظ ہے یہ قرینہ ہے، یہ اس بات کی طرف اشارہ کر رہا ہے کہ لفظِ شیر سے جنگلی درندہ مراد ہے، بہادر آدمی مراد نہیں ہے بھئی۔ اور مجھے بتائیے کیا جنگل کا لفظ اسی کے لیے وضع کیا گیا ہے کہ یہ ہمیں یہ بتایا کرے کہ یہ شیر کا لفظ جنگلی درندے کے لیے استعمال ہو رہا ہے؟ نہیں، دیکھا؟ تو یہ جو قرینہ ہوتا ہے اس میں وضع نہیں ہوتی بھئی، کوئی بھی چیز آپ کو بتلا دے اس کو قرینہ کہتے ہیں بھئی۔

دوسری مثال بھئی: میں آپ سے کہتا ہوں کل میں چڑیا گھر گیا تھا، وہاں میں نے شیر دیکھا۔ اب شیر کا کیا معنی؟ اب بھی جنگلی درندہ اس کا معنی ہے کیونکہ قرینہ موجود ہے، کون سا قرینہ؟ یہ جو میں چڑیا گھر کا لفظ ساتھ ذکر کر رہا ہوں کہ میں چڑیا گھر گیا تھا۔ ایک اور مثال میں ذکر کرتا ہوں: کل میں نے ایک شیر کو تیر چلاتے ہوئے دیکھا۔ جی یہاں شیر سے کیا معنی مراد ہے؟ مجازی معنی۔ دیکھو جملہ میں نے بولا ہے اور میری یقیناً اس شیر کے لفظ سے یا تو شیر مراد ہوگا یا بہادر آدمی، اور وہ آپ کو کس سے پتہ چلا؟ قرینے سے، کون سا قرینہ؟ تیر چلانا۔ یہ جو تیر چلانا یہ لفظ جو ہیں یہ بتا رہے ہیں تو یہ قرینہ لفظیہ ہے۔ ان لفظوں نے بتایا کہ شیر سے بہادر آدمی مراد ہے جنگلی درندہ مراد نہیں کیونکہ بہادر آدمی تیر چلا سکتا ہے، جنگلی درندہ تو تیر نہیں چلا سکتا تو یہ قرینہ لفظیہ ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو دیکھو یہاں قرینہ لفظ ہے، کیا ہے؟ قرینہ لفظ ہے۔ تو یاد رکھو قرینہ کبھی لفظیہ ہوتا ہے اور کبھی قرینہ عقلیہ ہوتا ہے۔ توجہ ہے؟ اگر لفظ سے آپ کو پتہ چلے ایک معنی کا تو پھر اس کو قرینہ لفظیہ کہیں گے، اگر لفظ کے علاوہ کوئی بھی چیز آپ کو بتلائے اس کو کیا کہتے ہیں؟ قرینہ عقلیہ۔ معلوم ہوا قرینہ دو ہی قسم کا ہوتا ہے: یا قرینہ لفظ ہوتا ہے یا غیرِ لفظ۔ لفظ ہو تو وہ قرینہ لفظیہ، غیرِ لفظ ہو تو اس کا نام قرینہ عقلیہ بھئی۔ طلبہ عموماً پریشان ہوتے ہیں، بعض علماء قرینہ لفظیہ کے ساتھ معنویہ ذکر کر دیتے ہیں، بعض لفظیہ کے ساتھ حالیہ ذکر کر دیتے ہیں، اور بعض لفظیہ کے ساتھ عقلیہ ذکر کر دیتے ہیں تو طالب علم پریشان ہوتا ہے کہ پتہ نہیں شاید یہ الگ الگ قسمیں ہیں قرینے کی۔ نہیں بھئی قرینہ دو ہی قسم پر ہے۔ متکلم کی جو مراد ہے اس کا جو مطلوب ہے جو اس کا مقصود ہے، اس کا پتہ یا تو لفظوں سے ہی چل جائے گا یا کوئی اور چیز بتلا

دے گی۔ تو اگر وہ لفظوں سے پتہ چلے تو وہ قرینہ لفظیہ ہے، لفظوں کے علاوہ

علاوہ کسی بھی چیز سے پتہ چل جائے تو اس کو کیا کہیں گے؟ قرینہ عقلیہ۔ تو یاد رکھنا قرینے کی دو ہی قسمیں ہیں: ایک لفظیہ اور ایک غیرِ لفظیہ۔ یا قرینہ وہ لفظ ہوگا یا غیرِ لفظ ہوگا بھئی، اور غیرِ لفظ ہی کا نام قرینہ عقلیہ ہے بھئی۔ تو قرینہ دو ہی قسم پر ہے: یا لفظیہ ہوگا یا عقلیہ ہوگا۔ ہاں اسی عقلیہ کو کبھی کبھار حالیہ یا معنویہ بھی کہہ دیتے ہیں۔ بات سمجھ میں آرہی ہے؟ کیونکہ بعض اوقات کسی جگہ پر اگر قرینہ لفظ نہیں ہے، لفظ کے علاوہ کوئی چیز ہے، وہ غیرِ لفظ جو ہے اگر وہ حالت ہے تو اس قرینے کو قرینہ حالیہ کہہ دیا جاتا ہے۔ یہ وہی قرینہ عقلیہ ہے لیکن چونکہ یہاں وہ حالت بتلا رہی ہے لہٰذا اس کا نام کیا رکھ دیا؟ قرینہ حالیہ۔ حالانکہ یہ وہی چیز ہے، قرینہ عقلیہ کہو یا قرینہ حالیہ کہو وہی چیز ہے لیکن چونکہ یہاں جو چیز بتانے والی ہے وہ حالت ہے لہٰذا اس کو کیا کہہ دیتے ہیں؟ قرینہ حالیہ کہہ دیتے ہیں، یہ ہے یہ بھی وہی قرینہ عقلیہ۔

بات سمجھ میں آگئی؟ مثلاً ہم مسجد میں بیٹھے ہیں اور ایک شخص مسجد کے دروازے سے اندر داخل ہوا۔ میں نے کہا: شیر آگیا۔ اب مجھے بتائیے یہاں شیر کا کیا معنی؟ بہادر آدمی، مجازی معنی مراد ہے۔ تو دیکھو آپ فوراً سمجھ گئے کہ یہاں شیر بول کر کیا مراد ہے؟ بہادر آدمی مراد ہے۔ یہاں لفظوں نے نہیں بتایا، دیکھو لفظ تو میں نے کیا کہے: شیر آگیا، یہ لفظ آپ کو نہیں بتا رہے کہ اس سے کون سا معنی مراد ہے۔ اس سے تو حقیقی معنی بھی مراد ہو سکتا ہے اور مجازی معنی بھی۔ لیکن اس وقت شیر تو داخل نہیں ہوا، ایک آدمی اندر داخل ہوا ہے، تو یہ حالت بتلا رہی ہے کہ یہاں شیر بول کر کیا مراد ہے؟ مجازی معنی یعنی بہادر آدمی مراد ہے۔ تو کس چیز نے آپ کو بتلایا؟ عقل نے، تو یہ قرینہ عقلیہ ہی ہے۔ لیکن کس طرح عقل نے بتایا؟ یہ جو حالت ہے اس حالت کی وجہ سے عقل نے آپ کو بتلایا کہ اس وقت تو کوئی جنگلی درندہ نہیں اندر داخل ہوا بلکہ کیا داخل ہوا ہے؟ انسان داخل ہوا ہے۔ تو یہاں بتلایا تو عقل نے ہی لیکن اس حالت سے پتہ چلا عقل کو، تو یہ قرینہ عقلیہ ہی ہے لیکن اسی کو کیا کہہ دیتے ہیں؟ قرینہ حالیہ کہہ دیتے ہیں۔

اور بعض اوقات معنی ہمیں بتاتا ہے تو اسی قرینہ عقلیہ کو قرینہ معنویہ کہہ دیتے ہیں۔ مثلاً «أَكَلَ الْكُمَّثْرَى يَحْيَى»۔ اب دیکھو «كُمَّثْرَى» امرود یا ناشپاتی کو کہتے ہیں اور یہاں پر «كُمَّثْرَى» اس میں بھی اعرابِ لفظی منتفی ہے، یہاں بھی اعراب تقدیری، اور «يَحْيَى» کے اندر بھی اعراب تقدیری ہے۔ لیکن پھر بھی آپ کو پتہ چل رہا ہے کہ «أَكَلَ» کا فاعل کون ہے؟ «يَحْيَى» فاعل ہے اور «كُمَّثْرَى» مفعول ہے۔ کس نے بتایا؟ آپ کی عقل نے آپ کو بتلایا بھئی، اس لیے کیونکہ یحییٰ تو امرود کو کھا سکتا ہے لیکن امرود تو یحییٰ کو نہیں کھا سکتا، تو یہ قرینہ آپ کو بتلا رہا ہے کہ «كُمَّثْرَى» مفعول ہے اور «يَحْيَى» فاعل ہے بھئی۔ تو یہ بھی قرینہ عقلیہ ہے، لفظوں سے نہیں پتہ چلا، لفظوں کے اندر تو دونوں اسمِ مقصور ہیں، دونوں پر اعرابِ لفظی منتفی ہے، تو معلوم ہوا یہاں قرینہ غیرِ لفظ ہے اور کس نے بتایا؟ عقل نے بتایا، تو یہ کیا ہے؟ قرینہ عقلیہ ہے۔ لیکن چونکہ یہاں معنی سے پتہ چل رہا ہے، کس سے؟ معنی سے پتہ چل رہا ہے کیونکہ میں نے بتایا یحییٰ تو امرود کو کھا سکتا ہے لیکن امرود تو یحییٰ

کو نہیں کھا سکتا، تو اسی قرینہ عقلیہ کو پھر قرینہ معنویہ کہہ دیتے ہیں، کیا کہہ دیتے ہیں؟ قرینہ معنویہ کہہ دیتے ہیں۔

تو بس اتنا یاد رکھنا قرینہ دو ہی قسم پر ہے: کبھی قرینہ لفظیہ ہوگا، کبھی غیرِ لفظیہ ہوگا اور اس غیرِ لفظیہ کا نام عقلیہ ہے۔ اور اسی عقلیہ کو کبھی کیا کہہ دیتے ہیں حالیہ اگر وہ حالت سے عقل کو پتہ چلا ہے، اور اسی قرینہ عقلیہ کو کبھی معنویہ کہہ دیتے ہیں اگر وہ معنی سے عقل نے آپ کو بتلایا ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو یہ دیکھو ایک قیمتی فائدہ آپ کو حاصل ہو گیا کہ یہ حقیقت اور مجاز کا پتہ کس سے چلتا ہے؟ استعمال سے۔ کس سے؟ استعمال سے پتہ چلے گا کہ یہ حقیقت ہے یا مجاز۔ اور جو چیز اس پر دلالت کرے اس کو کیا کہیں گے؟ قرینہ۔ اور وہ قرینہ لفظیہ بھی ہو سکتا ہے اور عقلیہ بھی ہو سکتا ہے بھئی۔

تو یاد رکھنا جب بھی بتدا یا خبر وغیرہ کسی لفظ کو حذف کیا جائے گا تو ہمیشہ اس کے لیے کوئی قرینہ چاہیے، کوئی ایسی چیز چاہیے جس سے مخاطب کو بھی پتہ چلے کہ میں نے یہاں کون سا لفظ حذف کیا ہے۔ اگر اس کو پتہ ہی نہیں چلے گا تو اس کو تو کلام کا معنی سمجھ میں نہیں آئے گا، وہ جو متکلم کا مطلوب تھا، مقصود تھا، جو بات وہ اس کو بتلانا چاہتا تھا وہ بات اس کو پوری سمجھ میں ہی نہیں آئے گی بھئی۔ تو قرینہ کسے کہتے ہیں؟ «هُوَ أَمْرٌ يُشِيرُ إِلَى الْمَطْلُوبِ»۔ مطلوب سے کیا مراد ہے؟ کس کا مطلوب؟ متکلم کا جو مطلوب ہے اور جو اس کا مقصود ہے، وہ جو بات کرنا چاہتا ہے، اس مطلوب کی طرف جو چیز اشارہ کرے اسے قرینہ کہتے ہیں۔

تو کہتے ہیں «وَقَدْ يُحْذَفُ الْمُبْتَدَأُ لِقِيَامِ قَرِينَةٍ» اور کبھی کبھار بتدا کو حذف کر لیا جاتا ہے «لِقِيَامِ قَرِينَةٍ» یہ لام بمعنی وقت کے ہے «أَيْ وَقْتَ قِيَامِ قَرِينَةٍ» یعنی جس وقت قرینہ قائم ہو۔ یہ لام کو علت کے لیے نہ بنانا، یہ ترجمہ نہ کرنا کہ کبھی کبھار بتدا کو حذف کر لیا جاتا ہے قرینہ قائم ہونے کی وجہ سے، اس سے تو معلوم یوں ہو رہا ہے جیسے یہ قرینہ باعث بن گیا اس کو حذف کرنے کا، حالانکہ قرینہ باعث نہیں بنتا حذف کا بلکہ قرینہ صرف اس پر کیا کرتا ہے؟ دلالت کرتا ہے۔

تو کہتے ہیں «وَقَدْ يُحْذَفُ الْمُبْتَدَأُ لِقِيَامِ قَرِينَةٍ لَفْظِيَّةٍ أَوْ عَقْلِيَّةٍ» اور کبھی کبھار بتدا کو حذف کر لیا جاتا ہے قرینہ قائم ہوتے وقت «لَفْظِيَّةٍ أَوْ عَقْلِيَّةٍ» دیکھو یہ قرینے کی قسمیں بتلا دیں کہ وہ قرینہ لفظیہ ہوگا یا قرینہ عقلیہ۔ تو قرینہ لفظیہ یا عقلیہ قائم ہوتے وقت بتدا کو حذف کر لیا جاتا ہے «جَوَازًا أَيْ حَذْفًا جَائِزًا لَا وَاجِبًا»۔ بھئی متن میں آیا «جَوَازًا»، آگے صاحبِ جامی فرما رہے ہیں «أَيْ حَذْفًا جَائِزًا» کیا بتلانا چاہتے ہیں؟ جی بتلانا یہ چاہتے ہیں کہ یہ «جَوَازًا» مفعولِ مطلق ہے باعتبار موصوفِ محذوف کے۔ یہ منصوب ہے اور مفعولِ مطلق ہے، اور مفعولِ مطلق تو کسے کہتے ہیں؟ وہ مصدر جو ماقبل فعل کے معنی میں ہو، اور «جَوَازًا» جواز کا تو پیچھے کوئی فعل ذکر نہیں بھئی، تو پھر یہ مفعولِ مطلق کیسے؟ تو بتلا دیا «أَيْ حَذْفًا» بھئی کہ اس سے پہلے اس کا موصوف محذوف ہے «حَذْفًا» اور وہ ہے اصل میں مفعولِ مطلق اور یہ اس کی صفت ہے بھئی۔ اور وہ «حَذْفًا» اس کا فعل تو ماقبل میں «وَقَدْ يُحْذَفُ» ذکر ہے بھئی۔ تو «جَوَازًا» اصل میں کیا ہے؟ «حَذْفًا جَوَازًا» یہ صفت ہے

اور اس کا موصوف «حَذْفًا» محذوف ہے بھئی۔ تو یہ «جَوَازًا» مفعولِ مطلق ہے خود یا اپنے موصوف کے اعتبار سے؟ ہاں، تو یہ «جَوَازًا» یہ مفعولِ مطلق ہے اپنے موصوفِ محذوف کے اعتبار سے «أَيْ حَذْفًا جَوَازًا»۔

تو «حَذْفًا» موصوف اور «جَوَازًا» اس کی صفت۔ لیکن «جَوَازًا» تو مصدر ہے بھئی، توجہ ہے؟ مصدر ہے بھئی، یہ جو صفت ہوتی ہے اس کا حمل ہوتا ہے اپنے موصوف پر۔ «جَاءَنِي رَجُلٌ عَالِمٌ»، «رَجُلٌ» موصوف، «عَالِمٌ» اس کی صفت، تو یہ صفت جو ہے اس کا حمل ہوتا ہے موصوف پر یعنی وہ رجل کیا ہے؟ عالم ہے۔ تو یہاں پر بھی «حَذْفًا» موصوف ہے اور «جَوَازًا» اس کی صفت، اور یہ تو مصدر ہے اور مصدر کا حمل تو ذات پر صحیح نہیں۔ توجہ ہے؟ مصدر کا حمل ذات پر صحیح نہیں، تو لہٰذا پھر ذات پر حمل کرنا ہو تو پھر اس مصدر کو کبھی اسمِ فاعل کے معنی میں لے لیتے ہیں کبھی اسمِ مفعول کے معنی میں۔ تو جواز بمعنی جائز کے ہوا «أَيْ حَذْفًا جَائِزًا» بھئی، تو یہ جواز مصدر کس معنی میں ہے؟ اسمِ فاعل یعنی جائز کے معنی میں: «أَيْ حَذْفًا جَائِزًا» ایسا حذف جو جائز ہے۔ دیکھو اب معنی ٹھیک بن گیا۔ پہلے کیا تھا؟ «حَذْفًا جَوَازًا» ایسا حذف جو جواز ہے، بھئی جواز ہے کیا معنی؟ اب کیا بن گیا؟ «حَذْفًا جَائِزًا» ایسا حذف جو جائز ہے۔

ہاں البتہ یہاں آپ کے ذہن میں ایک اشکال آئے گا کہ آپ نے کیا کہا «حَذْفًا» موصوف اور «جَوَازًا» اس کی صفت، اور مصدر کس کا نام ہے؟ مصدر معنی کا نام ہے، مصدر معنی ہے، مصدر وصف ہے، لہٰذا یہ کسی ذات کے لیے صفت نہیں بن سکتا، ذات کے لیے صفت نہیں بن سکتا۔ تو آپ کے ذہنوں میں یہ اشکال آئے گا کہ «حَذْفًا» یہاں جو موصوف ہے وہ بھی تو مصدر ہے، «حَذْفًا» وہ حذف بھی تو کیا ہے مصدر ہے اور «جَوَازًا» بھی کیا ہے مصدر ہے۔ تو «حَذْفًا جَوَازًا»، حذف جو موصوف ہے اس کو آپ کہتے ہیں وہ ذات ہے، وہ ذات ہے، اور جو «جَوَازًا» صفت مصدر ہے آپ اس کو کہتے ہیں یہ صفت ہے۔ جب وہی مصدر موصوف بنتا ہے تو آپ اس کو ذات قرار دیتے ہیں، اور وہی مصدر جب صفت بنتا ہے تو آپ اس کو صفت قرار دیتے ہیں۔ اور صفت کا حمل تو ذات پر نہیں ہو سکتا، ذات پر ذات کا حمل تو ہو سکتا ہے صفت کا حمل نہیں۔ «حَذْفًا جَوَازًا» اس کو کس تاویل میں کر لیا؟ «حَذْفًا جَائِزًا»، اور «جَائِزًا» یہ ذات مع الوصف پر دلالت کر رہا ہے، جائز کوئی چیز ہوگی بھئی، تو اس سے اسمِ فاعل یا اسمِ مفعول بنا لیں گے وہ ذات مع الوصف پر دلالت کرے گا گویا وہ بھی ذات ہوئی اور اب موصوف بھی کیا ہے ذات، تو ذات کا ذات پر حمل ٹھیک ہو جائے گا۔ جیسے «زَيْدٌ عَدْلٌ»، زید کیا ہے؟ ذات، اور «عَدْلٌ» مصدر ہے اور مصدر کا حمل تو ذات پر صحیح نہیں، تو پھر عدل کو کس معنی میں لیتے ہیں؟ عادل کے معنی میں اور عادل اسمِ فاعل ہے اور اسمِ فاعل کس پر دلالت کرتا ہے؟ ذات مع الوصف پر، عادل کا کیا معنی؟ عدل کرنے والا۔ معلوم ہوا کوئی ذات ہے جو عدل کے ساتھ موصوف ہو رہی ہے۔ توجہ ہے؟ تو لہٰذا مصدر کو کس معنی میں لے لیتے ہیں اسمِ فاعل کے معنی میں، اسمِ مفعول کے معنی میں، پھر یہ ذات مع الوصف بن جاتا ہے اور پھر ذات کا ذات پر حمل صحیح ہو جاتا ہے۔ تو اشکال یہاں یہ ہوتا ہے کہ «حَذْفًا جَوَازًا» یہاں تو موصوف بھی مصدر ہے اور «جَوَازًا» صفت بھی کیا ہے مصدر ہے، تو یہاں تو حمل ہونا چاہیے، توجہ ہے؟

یاد رکھو ذات سے مراد وہ ذات نہیں ہے جس کا خارج میں اپنا الگ وجود ہو، جس کا ہاں، دیکھو ذات کہتے ہیں اس کو بھی ذات کہتے ہیں جس کا خارج میں اپنا وجود ہوتا ہے اور جس کا اپنا وجود نہیں ہوتا اس کو صفت کہتے ہیں۔ مثلاً ایک زید ہے، ایک زید کی سخاوت ہے، زید کا خارج میں اپنا الگ وجود ہے لیکن زید کی سخاوت یہ تو زید کی صفت ہے اس کا اپنا الگ کوئی وجود نہیں، زید ہے تو یہ سخاوت ہے، زید نہیں تو یہ سخاوت بھی نہیں۔ تو ذات تو کسے کہتے ہیں جس کا خارج میں اپنا الگ وجود ہو۔ اور «حَذْفًا جَوَازًا» بھئی، اس کے اندر جو موصوف ہے حذف وہ بھی تو مصدر ہے، اس کا تو خارج میں اس کا بھی کوئی وجود نہیں، پھر آپ اس کو ذات کیسے قرار دے رہے ہیں؟ بات سمجھ میں آئی؟ اشکال کیا ہوا «حَذْفًا جَوَازًا» کہ حذف تھا موصوف، «جَوَازًا» اس کی صفت، اور موصوف تو ہے ذات اور صفت تو کیا ہے مصدر، اور مصدر کا حمل تو ذات پر صحیح نہیں لہٰذا «جَوَازًا» کو کس معنی میں لے لو «جَائِزًا أَيْ حَذْفًا جَائِزًا»۔ تو اس پر اشکال ہوتا ہے کہ بھئی «حَذْفًا» جو موصوف ہے وہ بھی تو مصدر ہے، آپ اس کو ذات کیسے کہہ رہے ہیں؟ ابھی تو آپ نے ہمیں بتایا کہ مصدر کا خارج میں کوئی وجود ہی نہیں ہوتا تو یہ ذات کیسے ہے؟ تو جواب یاد رکھنا کہ ذات سے مراد وہ ذات نہیں ہے کہ جس کا خارج میں اپنا الگ وجود ہو، بلکہ ذات سے یہاں مراد ہے وہ چیز جس کے بارے میں خبر دی جا سکے۔

وہ چیز جس کے بارے میں خبر دی جا سکے۔ اور مصدر کے بارے میں بھی تو خبر دی جا سکتی ہے۔ تو جب مصدر موصوف بنتا ہے یا مبتدا بنتا ہے تو پھر وہ ذات کے درجے میں ہو جاتا ہے، کس کے درجے میں؟ ذات کے درجے میں ہو جاتا ہے، اس کے بارے میں خبر دی جا سکتی ہے۔ جیسے پیچھے مثال بھی گزری تھی: «اَلْعِلْمُ حَسَنٌ»، علم اچھی چیز ہے۔ اب دیکھو علم یہ بھی تو مصدر ہے، علم کا کیا معنی؟ جاننا۔ علم کا معنی ہے جاننا۔ دیکھو یہ بھی مصدر ہے لیکن جب یہ مبتدا بن گیا تو یہ ذات بن گئی، کیا بن گئی؟ کیا معنی ذات؟ یہ معنی نہیں کہ خارج میں اس کا اپنا الگ وجود ہو گیا، بلکہ ذات کسے کہتے ہیں؟ جس کے بارے میں خبر دی جا سکے۔ اور «اَلْعِلْمُ حَسَنٌ» علم کے بارے میں میں خبر دے رہا ہوں آپ کو «حَسَنٌ» کہ وہ اچھی چیز ہے۔ تو مصدر کے بارے میں بھی خبر دی جا سکتی ہے، توجہ ہے؟ تو پھر جب مصدر کے بارے میں خبر دی جائے یا مصدر موصوف بنے تو وہ ذات ہوتا ہے یعنی اس کے بارے میں خبر دی جا سکتی ہے، اور تو وہ ذات کے درجے میں ہوا تو جب ذات کے درجے میں ہوا تو پھر اس کی صفت یا خبر مصدر نہیں لا سکتے۔ تو یہاں پر بھی «حَذْفًا» یہ موصوف ہے اور «جَوَازًا» اس کی صفت۔ جب «حَذْفًا» موصوف ہے تو یہ کیا ہوا؟ ذات ہوا۔ کیا معنی ذات؟ یعنی جس کے بارے میں خبر دی جا سکے یعنی جس کی صفت لائی جا سکے۔ تو جب یہ ذات ہوا تو آگے جو «جَوَازًا» جو ہے وہ تو صفت ہی ہے وہ تو مصدر ہی ہے اور مصدر کا حمل تو ذات پر صحیح نہیں لہٰذا پھر «جَوَازًا» کو «جَائِزًا» کے معنی میں لینا پڑے گا بھئی۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو یہی بیان کر رہے ہیں دیکھیے، کہتے ہیں: «جَوَازًا أَيْ حَذْفًا جَائِزًا» یعنی ایسا حذف جو جائز ہو، «لَا وَاجِبًا» واجب نہ ہو بھئی۔ یعنی مبتدا کو

کبھی حذف کرتے ہیں قرینہ قائم ہوتے وقت اور یہ حذف جائز ہوتا ہے واجب نہیں بھئی۔

«وَقَدْ يَجِبُ حَذْفُهُ» میں نے آپ کو بتلایا کہ صاحبِ کافیہ وہ مقام تو ذکر کریں گے جہاں بتدا کا حذف جائز ہے، وہ مقام ذکر نہیں کریں گے جہاں بتدا کا حذف واجب ہے، کیونکہ وہ مقام نہایت قلیل ہیں، وہ نادر ہیں اور «اَلنَّادِرُ كَالْمَعْدُومِ» نادر کو معدوم شمار کیا جاتا ہے تو لہٰذا اس کو شمار ہی نہیں کیا، ذکر ہی نہیں فرمایا۔ تو اب صاحبِ جامی اس کو بیان کریں گے۔ بھئی پہلے آپ اس کو سمجھ لیں پھر کتاب میں بھی دیکھتے ہیں۔ بھئی یاد رکھو کبھی کبھار صفت کو وصفیت سے کاٹ کر خبر بنا دیا جاتا ہے، کبھی کبھار صفت کو وصفیت سے کاٹ کر خبر بنا دیا جاتا ہے مدح کے لیے یعنی تعریف کے لیے یا ذم کے لیے یعنی مذمت کے لیے یا ترحم کے لیے بھئی۔ کبھی کبھار صفت کو وصفیت سے کاٹ کر خبر بنا دیا جاتا ہے یعنی یوں کہو اس پر رفع پڑھا جاتا ہے کیونکہ خبر پر کیا پڑھتے ہیں؟ رفع۔ تو دیکھو موصوف صفت کا اعراب تو ایک ہوتا ہے، جو موصوف پر اعراب آئے گا وہی اعراب صفت پر بھی آئے گا، اور موصوف پر تو رفع بھی آسکتا ہے، نصب بھی اور جر بھی، تو صفت بھی اسی کے مطابق ہوگی۔ لیکن صفت کو وصفیت سے کاٹ کر اس پر وہ اعراب نہیں پڑھا جاتا جو اس پر آنا چاہیے، بلکہ اس پر رفع پڑھ دیا جاتا ہے، رفع پڑھ دیا جاتا ہے۔ کس لیے؟ مدح کے لیے یا ذم کے لیے یا ترحم کے لیے۔ ترحم کا معنی ہے رحم کو طلب کرنا، کسی کے لیے رحم کی دعا کرنا بھئی۔ توجہ ہے؟ تو بعض اوقات ایک صفت ہوتی ہے اس کو کاٹ کر اس پر رفع پڑھ دیا جاتا ہے مدح کے طور پر، یا اس پر رفع پڑھ دیا جاتا ہے مذمت کے طور پر، یا اس پر رفع پڑھ دیا جاتا ہے ترحم کے لیے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ جیسے «بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ» بھئی، اس میں دیکھو لفظِ اللہ

موصوف ہے اور یہ مجرور ہے، یہ مجرور ہے مضاف الیہ ہے اسم کے لیے، اور «الرَّحْمٰن» اور «الرَّحِيم» یہ اس کی صفات ہیں، اور موصوف مجرور ہے تو دونوں صفتیں بھی مجرور ہیں بھئی۔ لیکن بعض اوقات صفت کو وصفیت سے کاٹ کر اس پر رفع پڑھ دیا جاتا ہے مدح کے طور پر، تو یہاں آپ یوں پڑھ سکتے ہیں «بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيمُ»۔ ویسے تو ہے «الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ» لیکن اس پر کیا پڑھ دیا جائے؟ رفع پڑھ دیا جائے، رفع پڑھ دیا جائے۔ اور رفع اس پر کیوں پڑھا؟ خبر ہونے کی بنا پر اس کا بتدا محذوف ہے «أَيْ هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيمُ»۔ تو یہ «هُوَ» بتدا اور «الرَّحْمٰنُ» اس کی خبر، اور خبر پر کیا پڑھتے ہیں؟ رفع، اس لیے اس پر رفع پڑھا گیا۔ اور وہ «هُوَ» کو لفظوں میں ذکر نہیں کرنا، اس کا حذف واجب ہے، اس لیے کیونکہ اگر وہ «هُوَ» لفظوں میں آپ ذکر کردیں اور یوں کہیں «بِسْمِ اللهِ هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيمُ» تو اب تو پتہ نہیں چلے گا کہ یہ پہلے صفت تھی۔ بھئی دیکھو نا صفت کو کاٹ کر اس پر رفع پڑھنا ہے، تو اس کے لیے درمیان میں «هُوَ» بتدا کو بیچ میں نہیں لائیں گے۔ اگر آپ بتدا کو بیچ میں لے آتے ہیں پھر تو کسی کو پتہ نہیں چلے گا کہ یہ «الرَّحْمٰن» پہلے لفظِ اللہ کی صفت تھی بھئی۔ وہ تو یہی سمجھے گا «هُوَ» بتدا «الرَّحْمٰنُ» اس کی خبر ہے، بتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا، یہ الگ بات کی جا رہی ہے۔ لیکن جب «هُوَ»

کو حذف ہی رکھا اور «الرَّحْمٰن» کو وصفیت سے کاٹ کر اس پر رفع پڑھ دیا، تو سننے والا فوراً چونک اٹھے گا کہ بھئی موصوف تو مجرور ہے اور صفت پر رفع پڑھ دیا، تو وہ سمجھ جائے گا کہ یہ یہاں پر مثلاً مدح کے لیے اس پر رفع پڑھا گیا ہے۔ توجہ ہے؟ ایک ہے موصوف کی ویسے صفت لانا، اور ایک ہے اس میں مدح کو بھی اپنی طرف سے شامل کر دینا کہ میں کیا کر رہا ہوں؟ مدح کر رہا ہوں بھئی۔ تو پھر لہٰذا کیسے پڑھیں گے؟ «بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيمُ»، «هُوَ» کو نہیں پڑھنا، «هُوَ» محذوف ہے وجوباً بھئی۔ تو یہاں پر رفع پڑھا گیا مدح کی بنا پر۔ کس لیے؟ مدح کی بنا پر کہ متکلم جو ہے اللہ کی مدح بھی کر رہا ہے ساتھ بھئی۔

اور کبھی کبھار رفع پڑھا جاتا ہے مذمت کے لیے بھی بھئی، اور اس کی مثال ہے «أَعُوذُ بِاللهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ»۔ تو «اَلشَّيْطَانِ» مجرور ہے یہ ہے موصوف، اور «اَلرَّجِيمِ» یہ بھی مجرور ہے یہ اس کی صفت ہے، لیکن کہنے والا شیطان کی ساتھ مذمت بھی کرنا چاہتا ہے تو وہ اس پر رفع پڑھ دے گا: «أَعُوذُ بِاللهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمُ»۔ جب یہ «اَلرَّجِيمُ» پر رفع پڑھا گیا تو سننے والا چونک اٹھے گا کہ بھئی موصوف تو مجرور ہے تو اس کو بھی مجرور ہونا چاہیے تھا لیکن اس پر رفع پڑھا گیا، تو وہ سمجھ جائے گا کہ یہ مذمت کے لیے اس پر رفع پڑھا گیا۔ تو یہاں پر صفت کو وصفیت سے کاٹ کر اس پر رفع پڑھا گیا کس لیے؟ مذمت کے لیے بھئی۔

اور کبھی کبھار یہ ترحم کے لیے ایسا کیا جاتا ہے، مثلاً میں کہتا ہوں «مَرَرْتُ بِعَبْدِكَ الْمِسْكِينِ» میں گزرا آپ کے اس غلام پر «الْمِسْكِينِ» جو مسکین یعنی میں آپ کے مسکین غلام پر گزرا۔ «مَرَرْتُ بِعَبْدِكَ الْمِسْكِينِ»، «عَبْدِكَ» پر با جارہ داخل ہے وہ مجرور ہے، تو «الْمِسْكِينِ» اس کی صفت بھی کیا ہے مجرور ہے، لیکن آپ اس کو وصفیت سے کاٹ کر اس پر رفع پڑھ دیتے ہیں: «مَرَرْتُ بِعَبْدِكَ الْمِسْكِينُ»۔ دیکھا رفع پڑھ دیا، تو یہ کس لیے ہے یہاں؟ ترحم کے لیے بھئی کہ اس پر کیا کیا جائے؟ رحم کیا جائے بھئی۔ توجہ ہے؟ تو کیا کیا جاتا ہے بعض اوقات صفت کو وصفیت سے کاٹ کر اس پر رفع پڑھا جاتا ہے کس لیے؟ مدح کے لیے یا ذم کے لیے یا ترحم کے لیے بھئی۔ اور اس میں پھر مبتدا کو حذف کرنا واجب ہے، اگر مبتدا کو لفظوں میں ذکر کریں گے تو پھر تو کسی کو پتہ نہیں چلے گا کہ یہ پہلے صفت تھی اب اس پر رفع پڑھا گیا ہے، تو اس صورت میں مبتدا کا حذف واجب ہے بھئی واجب ہے۔

دیکھیے بھئی کتاب پر، کہتے ہیں «وَقَدْ يَجِبُ حَذْفُهُ» اور کبھی کبھار مبتدا کا حذف واجب ہوتا ہے «إِذَا قُطِعَ النَّعْتُ بِالرَّفْعِ»۔ نعت وصف کو کہتے ہیں، نعت، صفت، وصف سب کا ایک ہی معنی ہے۔ کہتے ہیں «إِذَا قُطِعَ النَّعْتُ بِالرَّفْعِ» جب نعت یعنی وصف کو کاٹ دیا جائے «بِالرَّفْعِ» کس کے ذریعے؟ رفع کے ذریعے یعنی اس پر رفع پڑھا جائے، «نَحْوُ» مثال کے طور پر «اَلْحَمْدُ لِلَّهِ أَهْلُ الْحَمْدِ» تمام تعریفیں اس اللہ کے لیے «أَهْلُ الْحَمْدِ» جو حمد کا اہل ہے جو حمد کے لائق ہے۔ اب دیکھو یہ «أَهْلُ الْحَمْدِ» یہ صفت ہے لفظِ اللہ کی اور لفظِ اللہ پر لام جارہ داخل ہے وہ مجرور ہے، اور موصوف کا جو اعراب ہوتا ہے وہی صفت کا بھی، تو اصل میں یوں تھا «اَلْحَمْدُ لِلَّهِ أَهْلِ الْحَمْدِ»، «أَهْلِ الْحَمْدِ»۔ پھر اس کو وصفیت سے کاٹ کر اس پر

رفع پڑھا گیا «اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ أَهْلُ الْحَمْدِ» اس سے پتہ چل گیا کہ یہاں متکلم کا مقصود مدح ہے بھئی، یہ کس لیے وصفیت سے کیوں کاٹا گیا ہے؟ مدح کے لیے بھئی۔ اور دیکھو یہ «أَهْلُ الْحَمْدِ» پر رفع پڑھا گیا، معلوم ہوا اس کا مبتدا محذوف ہے اور وہ کیا ہے؟ «هُوَ»۔ وہی بیان کر رہے ہیں صاحبِ جامی بھی: «أَيْ هُوَ أَهْلُ الْحَمْدِ» یعنی وہ حمد کا اہل ہے، حمد کے لائق ہے بھئی۔

«وَإِنَّمَا وَجَبَ حَذْفُهُ» بھئی یہ مبتدا کا حذف واجب کیوں ہے؟ میں نے بیان کر دیا، مجھے بتائیے کیا وجہ؟ کیونکہ اگر مبتدا کو ذکر کر دیں گے پھر تو نہیں پتہ چلے گا کہ یہ پہلے وصف تھا اور اب اس کو کیا بنایا گیا ہے؟ خبر بنایا گیا ہے۔ «هُوَ أَهْلُ الْحَمْدِ» اگر «هُوَ» بھی ساتھ ذکر کر دیا جائے پھر تو کسی کو نہیں پتہ چلے گا کہ یہ «أَهْلُ الْحَمْدِ» پہلے صفت تھی پھر اس کو مبتدا کے لیے خبر بنایا گیا۔ تو کہتے ہیں «وَإِنَّمَا وَجَبَ حَذْفُهُ» کہتے ہیں اس مبتدا کا حذف واجب ہے «لِيُعْلَمَ» تاکہ یہ بات جان لی جائے «أَنَّهُ كَانَ فِي الْأَصْلِ صِفَةً» کہ یہ اصل کے اندر صفت تھی، «فَقُطِعَ لِقَصْدِ الْمَدْحِ أَوِ الذَّمِّ أَوْ غَيْرِ ذَلِكَ» پھر اس کو کاٹ دیا گیا یعنی وصفیت سے کاٹ دیا گیا «لِقَصْدِ الْمَدْحِ» مدح کے ارادے سے «أَوِ الذَّمِّ» یا ذم کے ارادے سے «أَوْ غَيْرِ ذَلِكَ» یا اس کے علاوہ یعنی ترحم کے لیے بھئی، «فَلَوْ ظَهَرَ الْمُبْتَدَأُ» اگر مبتدا ظاہر ہو بھئی یعنی اس کو بھی لفظوں میں ذکر کر دیا جائے، «لَمْ يَتَبَيَّنْ ذَلِكَ» تو پھر یہ بات واضح نہیں ہوگی، یہ بات ظاہر نہیں ہوگی۔ اگر «هُوَ أَهْلُ الْحَمْدِ» کہہ دیا جاتا پھر تو پتہ نہ چلتا کہ یہ اصل میں کیا تھا؟ وصف تھا اور پھر اس کو خبر بنایا گیا ہے۔ تو کہتے ہیں «فَلَوْ ظَهَرَ الْمُبْتَدَأُ لَمْ يَتَبَيَّنْ ذَلِكَ» اگر مبتدا ظاہر ہو جائے تو پھر یہ بات ظاہر نہیں ہوگی کہ یہ اصل میں کیا تھی صفت تھی پھر اس کو کاٹ کر خبر بنایا گیا ہے۔

یہاں تک بات سمجھ میں آ گئی؟ یاد رکھو مدح، ذم اور ترحم کے لیے جس طرح رفع پڑھنا جائز، اسی طرح نصب پڑھنا بھی جائز ہے بھئی۔ جیسے دیکھیں «بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ» نصب پڑھ دیا جائے: «بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنَ الرَّحِيمَ» نصب پڑھا جائے، اور یہ بھی اسی مدح کے لیے ہے۔ اور اس صورت میں یہ پھر مفعول بنے گا، نصب خود تو نہیں آتا، نصب کے لیے کوئی عامل چاہیے، تو یہاں فعل «أَعْنِي» محذوف ہے: «بِسْمِ اللهِ أَعْنِي الرَّحْمٰنَ الرَّحِيمَ»۔ «أَعْنِي» یہ بھئی آپ کلام میں عام استعمال کرتے ہیں یعنی کا لفظ، بولتے ہیں یا نہیں؟ کسی لفظ کا معنی بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں یعنی کہ، تو اسی یعنی سے «أَعْنِي» متکلم کا صیغہ ہے۔ «عَنَى يَعْنِي» کا معنی ہوتا ہے مراد، مراد۔ «أَعْنِي» میری مراد جو ہے، «بِسْمِ اللهِ» میں شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے، «أَعْنِي الرَّحْمٰنَ الرَّحِيمَ» میری مراد وہ جو کہ رحمٰن ہے اور رحیم ہے۔ اور اس صورت میں بھی یہ «أَعْنِي» کو حذف کرنا واجب ہے۔ اگر «أَعْنِي» کو لفظوں میں ذکر کر دیں گے تو پھر تو نہیں پتہ چلے گا کہ یہ «الرَّحْمٰنَ الرَّحِيمَ» پہلے صفت تھے، اب اس کو کاٹ کر «أَعْنِي» کے لیے مفعول بنایا گیا ہے۔ اسی طرح ساتھ جڑا ہو اور موصوف والا اعراب پڑھنے کے بجائے جب آپ نصب پڑھیں گے تو سننے والا خود ہی سمجھ جائے گا کہ یہ مدح، ذم یا ترحم کی وجہ سے یہ نصب دیا جا رہا ہے۔ تو یہ مثال کس کی تھی؟ مدح والی: «بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ» یہ نصب ہے بنابر مدح کے۔ اور مذمت کی وہی مثال: «أَعُوذُ بِاللهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ أَيْ أَعْنِي الرَّجِيمَ»۔ اور اسی طرح ترحم کے لیے بھی وہی مثال بنا لیں، ترحم کے لیے

مثلاً «مَرَرْتُ بِزَيْدٍ الْمِسْكِينَ» میں گزرا زید پر «الْمِسْكِينَ» وہ زید جو مسکین ہے۔ اب دیکھو «زَيْدٍ» مجرور ہے اس پر با جارہ داخل ہے، اور اس کی صفت «الْمِسْكِينِ» یہ بھی مجرور ہونی چاہیے تھی لیکن اس کو وصفیت سے کاٹ کر اس پر نصب پڑھا گیا۔ تو مدح، ذم اور ترحم کے لیے نصب بھی پڑھا جاتا ہے اور رفع بھی۔ رفع پڑھا جائے تو سمجھ جائیں یہ خبر ہے اور اس کا مبتدا محذوف ہے اور اس کو حذف کرنا واجب ہے۔ اور نصب پڑھا جائے تو سمجھ جائیں کہ یہ مفعول بہ ہے «أَعْنِي» فعل کے لیے۔ «أَعْنِي» فعل، «أَنَا» ضمیر اس کے اندر فاعل اور آگے جو آئے گا وہ ہے اس کا مفعول۔ بات سمجھ میں آگئی؟

بھئی یہاں پر دیکھو لفظ آیا «اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ» بھئی، توجہ ہے؟ ذرا کتاب پر دیکھیں «اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ أَهْلُ الْحَمْدِ»، اس میں دیکھو «لِلّٰهِ»، «لِلّٰهِ» دیکھو اس میں دو لام ہیں بھئی۔ بہت سے طلبہ یہ غلطی کرتے ہیں بھئی، وہ لفظِ اللہ پر جب لام جارہ داخل کرتے ہیں تو پھر تین لام لکھ دیتے ہیں بھئی، تین لام لکھتے ہیں، حالانکہ دو ہی لام لکھیں گے بھئی۔ یاد رکھو یہ جو لفظِ اللہ کو لکھا جاتا ہے دو لام کے ساتھ، یہ لفظِ اللہ کی خصوصیت ہے۔ لفظِ اللہ کی خصوصیت ہے۔ «اَللهُ» دیکھو اس میں لام مشدد ہے اور جو حرف مشدد ہو وہ دو لکھتے ہیں یا ایک لکھتے ہیں؟ «مَرَّة» اس میں را مشدد ہے، اور ایک را لکھتے ہیں یا دو؟ ایک۔ تو جو حرف مشدد ہوتا ہے وہ دراصل دو حرف ہوتے ہیں لیکن لکھتے ایک ہی ہیں اور اس پر شد ڈال دیتے ہیں۔ تو «اَللهُ» اس کے اندر بھی دیکھو عربی قوانین کے مطابق ایک لام لکھنا چاہیے اور اس پر شد ڈالنا چاہیے۔ لیکن یہ لفظِ اللہ کی خصوصیت ہے کہ اس میں دو لام لکھے جاتے ہیں بھئی۔ والد صاحب رحمہ اللہ کی کتاب ہے «فتح الله» بھئی، اس میں اس لفظِ اللہ کی خصوصیات والد صاحب نے ذکر فرمائی ہیں بھئی۔ اور وہ کوئی ہزار بارہ سو یا اس سے بھی زائد صفحات پر مشتمل کتاب ہے دو جلدوں میں، اور اس میں صرف یہ لفظِ اللہ کی خصوصیات جمع کی ہیں انہوں نے، اور وہاں پر کوئی ساڑھے آٹھ سو سے زیادہ اس ایک لفظ کی خصوصیات ذکر فرمائی ہیں۔ جس سے پتہ چلتا ہے کہ وہ ذات جتنی عظیم ہے اس ذات کا نام بھی اتنا ہی عظیم ہے بھئی۔ اور اس میں ایک خصوصیت یہ بھی درج ہے کہ یہ جو لفظِ اللہ میں دو لام لکھے جاتے ہیں یہ لفظِ اللہ کی خصوصیت ہے، ورنہ عربی قوانین کے مطابق ایک لام لکھنا چاہیے کیونکہ یہ حرفِ مشدد ہے اور حرفِ مشدد ایک ہی لکھا جاتا ہے بھئی۔ تو لفظِ اللہ میں دو لام لکھے جاتے ہیں اور پھر جب اس پر لام جارہ داخل ہوتا ہے تو اب طلبہ تین لام لکھ دیتے ہیں، نہیں بھئی اب ضابطے کے مطابق بن جائے گا: ایک لام جارہ ہو جائے گا اور ایک لام مشدد ہو جائے گا تو دو ہی لام لکھنے ہیں، تین نہیں لکھنے بھئی۔

یہاں تک بات سمجھ میں آگئی؟ معلوم ہوا کبھی مدح، ذم اور ترحم کی بنا پر کبھی رفع پڑھا جاتا ہے کبھی نصب۔ بھئی اصل مقصد ہوتا ہے ماقبل میں جو موصوف ہے اس سے اعراب کو بدلنا ہے، اعراب کو اس سے کیا کرنا ہے؟ بدلنا ہے بھئی۔ تو جب بدلے گا پھر ہی سننے والے کو پتہ چلے گا۔ مثلاً «جَاءَنِي زَيْدٌ الْكَرِيمُ»۔ «زَيْدٌ» مرفوع ہے «اَلْكَرِيمُ» اس کی صفت یہ بھی

مرفوع ہے۔ اب میں مدح بھی کرنا چاہتا ہوں ساتھ «جَاءَنِي زَيْدٌ الْكَرِيمُ» تو اس میں میں کیا کرنا چاہتا ہوں؟ مدح بھی کرنا چاہتا ہوں۔ اب آپ یہ کہیں کہ اس کو یہ خبر بنا دی میں نے کس کے لیے؟ «هُوَ» کے لیے۔ مدح کے لیے رفع بھی پڑھتے ہیں نصب بھی تو میں کیا پڑھ رہا ہوں اس پر؟ رفع۔ میں نے کیا پڑھا: «جَاءَنِي زَيْدٌ الْكَرِيمُ»۔ کچھ آپ کو پتہ چلا مدح کا؟ نہیں پتہ چلا، کیونکہ زید مرفوع ہے تو الکریم بھی مرفوع ہے تو یہاں تو کوئی فرق پڑا ہی نہیں ہے۔ تو لہٰذا جب موصوف کا جو اعراب ہے صفت کا اگر وہی اعراب ہے پھر تو مدح یا ترحم وغیرہ کا پتہ ہی نہیں چلے گا، تو اس کو بدلنا ضروری ہے۔ لہٰذا یہاں پر جب موصوف مرفوع ہے تو پھر اگر آپ اس کو «هُوَ» کے لیے خبر بنائیں گے یہ صفت کو پھر تو کسی کو پتہ نہیں چلے گا، لہٰذا ایسے موقع پر پھر نصب پڑھا جائے گا بھئی تاکہ پتہ چلے: «جَاءَنِي زَيْدٌ الْكَرِيمَ»۔ اب پتہ چل گیا کہ یہ تو صفت کا اعراب الگ آرہا ہے، معلوم ہوا یہ مدح کی بنا پر منصوب ہے «أَعْنِي الْكَرِيمَ»۔ بات سمجھ میں آگئی؟

آگے دیکھیے، کہتے ہیں «وَيَجِبُ حَذْفُهُ أَيْضًا عِنْدَ مَنْ قَالَ فِي نِعْمَ الرَّجُلُ زَيْدٌ إِنَّ تَقْدِيرَهُ هُوَ زَيْدٌ»۔ بھئی دیکھیے «نِعْمَ الرَّجُلُ زَيْدٌ» اس کے اندر دو ترکیبیں ہیں بھئی۔ ایک ترکیب کیا؟ «نِعْمَ» فعل از افعالِ مدح، «اَلرَّجُلُ» مرفوع لفظاً اس کا فاعل، فعل اپنے فاعل سے مل کر خبرِ مقدم ہے اور «زَيْدٌ» بتدا مؤخر ہے۔ اور پھر

یہ خبریہ تو «نِعْمَ الرَّجُلُ» پورا جملہ ہے، اور خبر کو جب بھی کسی چیز سے جوڑنا ہو درمیان میں ربط ضروری ہے، تو کچھ صفحے پہلے صاحبِ جامی نے عائد کی اقسام ذکر کی تھیں، ان میں بتلایا تھا کہ عائد کبھی کبھار الف لام ہوتا ہے۔ تو یہاں پر یہ جو «اَلرَّجُلُ» پر الف لام آیا اس کے ذریعے اشارہ ہو رہا ہے «زَيْدٌ» بتدا کی طرف، تو اس کے ذریعے ربط آگیا یہ عائد ہے بھئی۔ اور دوسری ترکیب ہے کہ «نِعْمَ الرَّجُلُ» اس کو خبرِ مقدم نہ بنائیں، اس کو الگ جملہ بنا دیں۔ «نِعْمَ» فعل از افعالِ مدح، «اَلرَّجُلُ» مرفوع لفظاً اس کا فاعل، فعل اپنے فاعل سے مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہوا، اور «زَيْدٌ» کو اس «نِعْمَ الرَّجُلُ» کے لیے بتدا نہ بنائیں بلکہ «زَيْدٌ» کے لیے «هُوَ» محذوف نکال لیں اور «زَيْدٌ» کو اس کی خبر بنا دیں: «نِعْمَ الرَّجُلُ هُوَ زَيْدٌ»۔ تو «هُوَ» بتدا محذوف اور «زَيْدٌ» مرفوع لفظاً اس کی خبر۔ تو اس ترکیب کے مطابق یہاں دو جملے بن گئے: «نِعْمَ الرَّجُلُ» جملہ فعلیہ، اور «هُوَ زَيْدٌ» جملہ اسمیہ بن گیا، اور اس کے اندر یہ جو «هُوَ» ہے یہ ہے بتدا اور اس کو حذف کرنا واجب ہے، اس کو حذف کرنا واجب ہے، کیونکہ «اَلرَّجُلُ» سے یہ «زَيْدٌ» ہی مراد ہے۔ «نِعْمَ الرَّجُلُ» وہ کتنا اچھا آدمی ہے، تو یہ «اَلرَّجُلُ» سے کون مراد ہے؟ زید ہی مراد ہے، تو تاکہ «اَلرَّجُلُ» اور «زَيْدٌ» کے درمیان فصل نہ آجائے بھئی، تو لہٰذا یہاں پھر «هُوَ» کو حذف کرنا واجب۔ بات سمجھ میں آئی؟ دیکھو یہاں دو ترکیبیں ہوتی ہیں: ایک ترکیب کے مطابق «نِعْمَ الرَّجُلُ» خبرِ مقدم اور «زَيْدٌ» کیا ہے بتدا مؤخر، پھر تو یہاں کوئی حذف نہیں ہے، پھر تو یہ ہماری بحث سے خارج ہے۔ ہم بحث کر رہے ہیں جہاں بتدا کو حذف کرنا واجب ہے، وہ دوسری ترکیب کے مطابق۔ دوسری ترکیب کے مطابق «نِعْمَ الرَّجُلُ» جملہ فعلیہ الگ، اور «هُوَ زَيْدٌ» آگے الگ جملہ اسمیہ۔ تو یہ جو «هُوَ زَيْدٌ» میں «هُوَ» بتدا اور «زَيْدٌ» اس کی خبر ہے، اس «هُوَ» کو حذف کرنا واجب ہے بھئی۔

تو کہیں گے اسی طرح «نِعْمَ الرَّجُلُ زَيْدٌ»، لیکن ترکیب میں دو جملے الگ الگ بنائیں گے، زید کے لیے «هُوَ» مبتدا محذوف نکالیں گے اور اس «هُوَ» مبتدا کو حذف کرنا واجب ہے بھئی۔ تو یہ وہ چند جگہیں ہیں جہاں پر مبتدا کو حذف کیا جاتا ہے، تو یہ چونکہ نہایت قلیل تھیں اس لیے صاحبِ کافیہ نے ان کو متن میں ذکر نہیں فرمایا۔

تو کہتے ہیں «وَيَجِبُ حَذْفُهُ أَيْضًا عِنْدَ مَنْ قَالَ فِي نِعْمَ الرَّجُلُ زَيْدٌ إِنَّ تَقْدِيرَهُ هُوَ زَيْدٌ» اور مبتدا کا حذف ان کے نزدیک بھی واجب ہے جو «نِعْمَ الرَّجُلُ زَيْدٌ» کے بارے میں یہ فرماتے ہیں کہ «إِنَّ تَقْدِيرَهُ» کہ اس کلام کی تقدیر کیا ہے؟ «هُوَ زَيْدٌ»، «هُوَ زَيْدٌ» اس کی تقدیر ہے یعنی یہاں «هُوَ» مبتدا محذوف ہے اور «زَيْدٌ» اس کی خبر ہے۔ تو ان کے نزدیک یہاں مبتدا کا حذف واجب ہے بھئی۔ یہاں تک بات سمجھ میں آگئی؟

«كَقَوْلِ الْمُسْتَهِلِّ» «أَيِ الْمُبْتَدَأُ الْمَحْذُوفُ جَوَازًا مِثْلُ الْمُبْتَدَإِ الْمَحْذُوفِ فِي مَقُولِ الْمُسْتَهِلِّ الْمُبْصِرِ لِلْهِلَالِ الرَّافِعِ صَوْتَهُ عِنْدَ إِبْصَارِهِ» یہ مشکل عبارت ہے ذرا سمجھ لیں بھئی۔ پہلے ذرا متن دیکھ لیں: «كَقَوْلِ الْمُسْتَهِلِّ:الْهِلَالُ وَاللهِ»۔ مستہل کہتے ہیں چاند کو دیکھنے والا، یہ ہلال سے ہے ہلال سے۔ مستہل کیا معنی؟ چاند کو دیکھنے والا۔ بھئی نئے مہینے کا چاند جیسے رمضان کا چاند دیکھنے کے لیے لوگ جمع ہوتے ہیں، یا عید کا چاند دیکھنے کے لیے لوگ جمع ہوتے ہیں، تو یہ جو چاند کو دیکھنے والے ہیں ان کو کیا کہیں گے؟ مستہل بھئی چاند کو دیکھنے والا۔ اور اسی طرح مستہل آواز کو بلند کرنے والا، اس کو بھی مستہل کہتے ہیں، اور یہاں دونوں معنی ٹھیک ہیں کیونکہ لوگ مستہل چاند کو دیکھنے والے وہ عموماً اونچی آواز سے بولتے ہیں، جس کو چاند نظر آجائے تو وہ بڑا اونچا کہتا ہے: وہ چاند ہے بھئی مجھے نظر آگیا بھئی۔ تو کہتے ہیں «كَقَوْلِ الْمُسْتَهِلِّ» جیسے کہ چاند کو دیکھنے والے کا قول ہے: «الْهِلَالُ وَاللهِ»۔ اصل میں کلام یوں ہے «هَذَا الْهِلَالُ وَاللهِ» یہ چاند ہے واللہ اللہ کی قسم۔ تو دیکھو «هَذَا» مبتدا محذوف ہے اور «الْهِلَالُ» اس کی خبر ہے بھئی، اور ساتھ واللہ قسم کو ساتھ ذکر کر دیا۔ آگے صاحبِ جامی بتلائیں گے کہ بھئی یہ کیا وجہ ہے یہ واللہ قسم کو ساتھ کیوں ذکر کیا؟ صاحبِ کافیہ کے پاس تو الفاظ تھوڑے ہوتے ہیں، تو صرف «الْهِلَالُ» کہہ دیتے، یہ واللہ قسم کو ساتھ ملانے کی کیا ضرورت تھی، اس سے تو بات بلاوجہ لمبی ہو گئی۔ تو اس کا جواب دیں گے کہ چونکہ چاند دیکھنے والوں کی عموماً عادت ہوتی ہے، چاند دکھائی دے تو چاند کی طرف اشارہ کرتے ہوئے قسم بھی کھاتے ہیں تو ان کی عادت کے مطابق قسم کو بھی ساتھ ذکر کر دیا۔ اور نیز اس وجہ سے کہ ہماری بحث چل رہی ہے اس خبر کے بارے میں جس کے مبتدا کو حذف کیا جاتا ہے، جس کے مبتدا کو، تو اگر آگے قسم نہ ہوتی تو «الْهِلَالُ» پر وقف کرنا پڑتا بھئی کیونکہ عرب جو ہے وقف کرتے ہیں کلام کے آخر میں، تو پھر کیسے پڑھتے؟ «الْهِلَالُ»۔ اب تو پتہ نہیں چلے گا کہ یہ الہلال مرفوع ہے یا منصوب ہے، اگر اس کو خبر بنانا جائز ہے تو اس کو مفعول بہ بنانا بھی جائز ہے، پھر تو یہ بھی احتمال آگیا کہ یہ خبر نہیں ہے بلکہ یہ مفعول بہ ہے فعلِ محذوف «رَأَيْتُ» کے لیے «أَيْ رَأَيْتُ الْهِلَالَ»، اور «رَأَيْتُ» کو حذف کر دیا اور صرف کیا کہہ دیا «الْهِلَالَ»۔ توجہ ہے؟ تو اگر صرف «الْهِلَالُ» لفظ کو ذکر کرتے تو اس پر تو وقف ہونا تھا اور پھر پتہ نہیں چلنا تھا کہ یہ

مرفوع ہے یا منصوب ہے اس میں تو پھر نصب کا بھی احتمال آجانا تھا، لہٰذا آگے صاحبِ کافیہ نے قسم بھی ملا دی۔ اب الہلال کا لام جو ہے وسطِ کلام میں آگیا اور وسطِ کلام میں تو وقف نہیں کیا جاتا، تو اب اس پر جب رفع پڑھا جائے گا تو پتہ چل جائے گا کہ یہ مفعول بہ نہیں ہے بلکہ جب یہ مرفوع ہے تو اس کا مبتدا محذوف ہے یہ اس کے لیے خبر ہے۔ بات سمجھ میں آ گئی؟

تو کہتے ہیں «كَقَوْلِ الْمُسْتَهِلِّ الْهِلَالُ وَاللهِ» جیسے کہ چاند دیکھنے والے کا قول «الْهِلَالُ وَاللهِ» «أَيْ هَذَا الْهِلَالُ وَاللهِ» وہ چاند ہے اللہ کی قسم۔ معنی سمجھ میں آگیا؟ «هَذَا» کہہ لو یا «ذَلِكَ» کہہ لو۔ تو یہ «الْهِلَالُ وَاللهِ» یہ مثال ذکر کر رہے ہیں صاحبِ کافیہ۔ کس کی مثال ذکر کر رہے ہیں؟ وہ مبتدا جس کو جوازاً حذف کیا جاتا ہے۔ تو «الْهِلَالُ وَاللهِ» بھی کہا جا سکتا ہے اور مبتدا کو ذکر کر دیا جائے «هَذَا الْهِلَالُ وَاللهِ» یا «ذَلِكَ الْهِلَالُ وَاللهِ» یہ بھی کہا جا سکتا ہے، کیونکہ یہ وہ جگہ ذکر ہو رہی ہے جہاں مبتدا کو حذف کرنا جائز ہے واجب نہیں۔ تو یہ «الْهِلَالُ» کیا بن رہا ہے ترکیب میں؟ خبر۔ اس کا مبتدا محذوف۔ توجہ ہے اب میں اشکال ذکر کرنے لگا ہوں، «الْهِلَالُ» کیا بن رہا ہے ترکیب میں؟ خبر ہے اور اس کا مبتدا محذوف ہے۔ بات کس کی چل رہی ہے پیچھے؟ «وَقَدْ يُحْذَفُ الْمُبْتَدَأُ لِقِيَامِ قَرِينَةٍ جَوَازًا»، کبھی کبھار مبتدا کو قرینہ قائم ہوتے وقت جوازاً حذف کر لیا جاتا ہے، «كَقَوْلِ الْمُسْتَهِلِّ» جیسے کہ چاند دیکھنے والے کا قول «الْهِلَالُ وَاللهِ» جیسے یہ ہے۔ صاحبِ کافیہ پر اشکال ہوتا ہے: اے صاحبِ کافیہ! آپ ہمیں مثال میں وہ مبتدا ذکر کرتے جس کو حذف کرنا جائز ہے۔ آپ نے تو خبر کو ذکر کر دیا مثال میں! «الْهِلَالُ وَاللهِ»، الہلال مبتدا ہے یا خبر ہے؟ الہلال، «أَيْ هَذَا الْهِلَالُ»، الہلال تو کیا بن رہا ہے خبر۔ بات کس کی چل رہی ہے؟ وہ مبتدا جس کو حذف کرنا جائز ہو، تو آپ کو وہ مبتدا کی مثال ذکر کرنی چاہیے تھی اور آپ نے تو کس کی مثال ذکر کر دی؟ خبر کی مثال ذکر کر دی! اشکال سمجھ میں آیا؟ تو اب صاحبِ جامی اس کا جواب دیں گے۔ جواب دیں گے، دیکھو کتاب پر، کہتے ہیں «كَقَوْلِ الْمُسْتَهِلِّ» جیسے کہ مستہل کا قول ہے، مستہل کا یہ قول ہے تو اس مستہل کے قول میں الہلال یہ تو خبر بن رہا ہے اور مثال کس کی دینی چاہیے تھی؟ مبتدا کی۔ تو اس کو اب عبارت نکال کر صاحبِ جامی بتلائیں گے کہ یہ اسی مبتدا کی مثال ہے، یعنی صاحبِ کافیہ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ وہ مبتدا جس کو حذف کیا جاتا ہے اس کی مثال، توجہ ہے؟ وہ مبتدا جس کو حذف کیا جاتا ہے اس کی مثال مستہل کا یہ قول ہے جس کے اندر مبتدا کو جوازاً حذف کیا گیا ہے۔ وہ مبتدا جس کو جوازاً حذف کیا جاتا ہے اس کی مثال مستہل کا یہ والا قول ہے جس میں مبتدا کو جوازاً حذف کیا گیا ہے۔ نہیں توجہ؟ کس کی مثال ذکر کرنا چاہتے ہیں؟ وہ مبتدا جس کو جوازاً حذف کیا جاتا ہے، اس کی مثال یہ قولِ مستہل ہے۔ کون سا قولِ مستہل؟ یہ «الْهِلَالُ وَاللهِ» جس کے اندر مبتدا کو جوازاً حذف کیا گیا ہے، جس کے اندر مبتدا کو، تو یہ اس مبتدا کی مثال بن گئی یا نہیں جس کو جوازاً حذف کیا جاتا ہے؟ بات سمجھ میں آگئی۔

تو کہتے ہیں «كَقَوْلِ الْمُسْتَهِلِّ أَيِ الْمُبْتَدَأُ الْمَحْذُوفُ جَوَازًا» دیکھو «كَقَوْلِ الْمُسْتَهِلِّ» سنو عبارت پہ نظر رکھو مشکل مقام

ہے، «كَقَوْلِ الْمُسْتَهِلِّ» جار مجرور ہے، کاف جارہ ہے، اور یہ «الْهِلَالُ وَاللهِ» یہ مقولہ ہے قول کے لیے، یہ کیا ہے؟ مقولہ ہے قول کے لیے۔ «كَقَوْلِ الْمُسْتَهِلِّ» یہ جار مجرور ہے اور جار مجرور میں نے آپ کو بتایا یہ ہمیشہ کیا بنتے ہیں؟ خبر بنتے ہیں، مبتدا نہیں بنتے۔ تو اس کے لیے مبتدا کیا ہے؟ تو اس کے لیے کیا مبتدا نکالیں گے؟ دیکھو صاحبِ جامی نکال رہے ہیں: «أَيِ الْمُبْتَدَأُ الْمَحْذُوفُ جَوَازًا» یہ ہے مبتدا، وہ مبتدا جس کو جوازاً حذف کیا جاتا ہے، «كَقَوْلِ الْمُسْتَهِلِّ» وہ کس کی طرح ہے؟ قولِ مستہل کی طرح ہے۔ اور کاف کس معنی میں ہے؟ مثل کے معنی میں، توجہ ہے؟ یہ عبارت پہ نظر رکھو، «كَقَوْلِ الْمُسْتَهِلِّ» یہ کاف کس معنی میں؟ مثل کے معنی میں، اور یاد رکھو اس قول سے پہلے مبتدا کا لفظ محذوف نکال لیں: «كَمُبْتَدَإِ قَوْلِ الْمُسْتَهِلِّ»۔ «كَمُبْتَدَإِ»، ترجمہ کریں: دیکھو «كَقَوْلِ الْمُسْتَهِلِّ» کو کیا بنایا خبر، اس کا مبتدا کیا ہے؟ وہ جو صاحبِ جامی نے آگے نکالا: «أَيِ الْمُبْتَدَأُ الْمَحْذُوفُ جَوَازًا» وہ مبتدا، یہ «كَقَوْلِ الْمُسْتَهِلِّ» سے پہلے نکال لو: وہ مبتدا جو جوازاً محذوف کیا جاتا ہے «كَقَوْلِ الْمُسْتَهِلِّ» وہ کس کی طرح ہے؟ قولِ مستہل کی طرح۔ اور قول سے پہلے مبتدا کا لفظ محذوف نکال لو: وہ مبتدا جس کو جوازاً حذف کیا جاتا ہے وہ «كَمُبْتَدَإِ قَوْلِ الْمُسْتَهِلِّ» وہ مستہل کے قول کے مبتدا کی طرح ہے، وہ کس کی طرح ہے؟ وہ مبتدا جس کو جوازاً حذف کیا جاتا ہے وہ مستہل کے قول کے مبتدا کی طرح ہے۔ اور مستہل کے قول کا جو مبتدا ہے وہ تو کیا ہے؟ محذوف ہے، وہ کیا ہے؟ لہٰذا جو آپ نے قول سے پہلے مبتدا نکالا اس کی صفت بھی ساتھ لے آئیں۔ آپ نے قول سے پہلے مضاف کیا محذوف نکالا؟ مبتدا، جیسے کہ مستہل کے قول کا مبتدا ہے، اور مستہل کے قول کا مبتدا وہ بھی کیا ہے؟ محذوف۔ اب سنو عبارت: مبتدا کیا ہے؟ «كَقَوْلِ الْمُسْتَهِلِّ» کے لیے مبتدا نکالا وہ کیا ہے؟ «اَلْمُبْتَدَأُ الْمَحْذُوفُ جَوَازًا»۔ بات سمجھ میں آئی؟ وہ مبتدا جس کو حذف کیا جاتا ہے جوازاً «كَمُبْتَدَإِ قَوْلِ الْمُسْتَهِلِّ» وہ مستہل کے قول کے مبتدا کی طرح ہے جس کو کیا کر لیا گیا ہے؟ حذف کر لیا گیا ہے۔

تو دیکھو کہتے ہیں «أَيِ الْمُبْتَدَأُ الْمَحْذُوفُ جَوَازًا» یعنی وہ مبتدا جس کو جوازاً حذف کیا جاتا ہے «مِثْلُ الْمُبْتَدَإِ» متن میں آیا تھا کاف اور اس کاف کا کیا معنی؟ مثل، تو مثل کا لفظ لے آئے، اور کاف کے بعد میں نے کیا بتایا کس کو محذوف نکالو؟ مبتدا کو، توجہ ہے؟ مبتدا، «مِثْلُ الْمُبْتَدَإِ الْمَحْذُوفِ فِي قَوْلِ الْمُسْتَهِلِّ» جیسے کہ وہ مبتدا جو محذوف ہے مستہل کے قول میں۔ بھئی دیکھو میں نے کیا کہا: «كَقَوْلِ الْمُسْتَهِلِّ» یہ کاف کے بعد کیا محذوف ہے؟ مبتدا، «كَمُبْتَدَإِ قَوْلِ الْمُسْتَهِلِّ»۔ بتدا مضاف اور قول المستہل مضاف الیہ۔ اور آپ نے پڑھا ہے کبھی اضافت «فِي» کے معنی میں ہوتی ہے جب مضاف الیہ مضاف کے لیے ظرف ہو: «صَلَاةُ اللَّيْلِ أَيْ صَلَاةٌ فِي اللَّيْلِ»۔ «صَلَاةٌ» مضاف، «اَللَّيْلِ» مضاف الیہ۔ صلاۃ اللیل کا کیا معنی؟ وہ نماز جو رات میں پڑھی جائے۔ معلوم ہوا یہ جو اللیل مضاف الیہ ہے یہ مضاف یعنی صلاۃ کے لیے ظرف ہے، تو یہاں «فِي» مقدر ہے، تو یہ صلاۃ اللیل کس معنی میں ہے؟ بھئی صلاۃ ہے مضاف، اللیل ہے مضاف الیہ، اور دیکھو مضاف الیہ مضاف کے لیے ظرف ہے یہ صلاۃ اس لیل میں ہے تو یہاں کیا مقدر ہے «فِي» «أَيْ صَلَاةٌ فِي اللَّيْلِ»۔ تو یہاں پر بھی اسی طرح، یہاں قول المستہل سے پہلے کیا محذوف نکالا؟ مبتدا، «كَمُبْتَدَإِ قَوْلِ الْمُسْتَهِلِّ»۔ بتدا مضاف اور قول المستہل مضاف

الیہ۔ اور یہ بتدا جو ہے اس کے لیے قولِ مستہل کیا ہے؟ ظرف ہے، کیا ہے؟ وہ بتدا کس میں آیا ہے؟ قولِ مستہل میں آیا ہے نا وہ جو محذوف ہے، تو اس بتدا کے لیے قولِ مستہل کیا ہے؟ ظرف، اور اس ظرفیت کے لیے کیا لاتے ہیں؟ «فِي»، تو اسی لیے صاحبِ جامی «فِي» لائے اس، صاحبِ جامی نے اس اضافت کو توڑ دیا۔ جیسے «صَلَاةُ اللَّيْلِ» یہ اضافت ہے، اس کو ذرا توڑ دیں: «صَلَاةٌ فِي اللَّيْلِ» آپ «فِي» لے آئے اضافت ٹوٹ گئی۔ تو یہاں پر بھی میں نے کیا کہا تھا کہ قول المستہل سے پہلے بتدا محذوف ہے اور یہ اضافت کون سی ہے؟ «فِي» کے ساتھ ہے۔ اب اس اضافت کو توڑ دیا نیچے صاحبِ جامی نے: کیا کہا؟ «مِثْلُ الْمُبْتَدَإِ الْمَحْذُوفِ» بتدا کی صفت محذوف

بھی لے آئے۔ ذرا اس محذوف کو ذرا ہٹا دیں: «مِثْلُ الْمُبْتَدَإِ فِي مَقُولِ الْمُسْتَهِلِّ»۔ عبارت وہی بن گئی یا نہیں؟ کاف کس معنی میں ہے؟ مثل، اور کاف کے بعد کیا محذوف تھا؟ بتدا، اور بتدا کے بعد کیا لے آئے؟ «فِي» لے آئے، اور قول بمعنی مقول کے ہے۔ قول بمعنی مصدر ہے نا مصدر، جیسے مستہل کا قول۔ قول کا معنی تو کہنا، تو یہاں قول بول کر کیا مراد ہے؟ مقولہ مراد ہے جو بات اس نے کی ہے۔ مصدر کبھی اسمِ فاعل اور اسمِ مفعول کے معنی میں آتا ہے یا نہیں آتا؟ تو یہاں پر بھی قول مصدر ہے، تو یہ مصدر کس معنی میں ہے؟ قول یہ دیکھو نا «الْهِلَالُ وَاللهِ» یہ قول ہے، اور قول تو مصدر ہے تو معلوم ہوا یہ قول بمعنی مقول کے ہے، مقول کا کیا معنی؟ وہ بات جو کی گئی ہے، وہ بات۔ تو یہ «الْهِلَالُ وَاللهِ» یہ بات کی گئی ہے، یہ قول نہیں ہے بلکہ یہ کیا ہے؟ مقول ہے، تو عربی زبان میں مصدر بمعنی مفعول کے عام استعمال ہوتا ہے جیسے خلق بمعنی مخلوق بھئی، اسی طرح قول بمعنی مقول بھئی۔ تو یہ جو آپ اکثر جملے بولتے ہیں یہ فلاں کا قول ہے، یہ فلاں کا قول ہے، یہ قول کس معنی میں ہوتا ہے؟ مقول کے معنی میں ہوتا ہے: یہ فلاں کا مقولہ ہے یعنی اس کی کہی ہوئی بات ہے بھئی۔ تو لہٰذا عبارت سمجھ میں آگئی؟ «كَقَوْلِ الْمُسْتَهِلِّ» یہ کاف کے بعد ہم نے کیا نکالا تھا؟ بتدا، بتدا کا لفظ۔ اور اس بتدا کی اضافت تھی قول المستہل کی طرف اور یہ اضافت کس کے ساتھ تھی؟ «فِي» کے ساتھ۔ تو «كَقَوْلِ الْمُسْتَهِلِّ» یہ سارا کیا ہے؟ خبر، یہ جار مجرور ہے نا، اور جار مجرور کے لیے بتدا بھی چاہیے کہ کس کی خبر ہیں؟ تو «كَقَوْلِ الْمُسْتَهِلِّ» اس کے لیے بتدا کیا ہے؟ آگے جو آیا: «أَيِ الْمُبْتَدَأُ الْمَحْذُوفُ جَوَازًا»، یہ ہے بتدا، وہ بتدا جس کو جوازاً حذف کیا جاتا ہے، «كَقَوْلِ الْمُسْتَهِلِّ» وہ مستہل کے اس قول کی طرح ہے۔ اور اس مستہل کے قول کی تشریح کیا کی؟ «مِثْلُ الْمُبْتَدَإِ الْمَحْذُوفِ فِي مَقُولِ الْمُسْتَهِلِّ»، وہ بتدا جس کو جوازاً حذف کیا جاتا ہے «مِثْلُ الْمُبْتَدَإِ الْمَحْذُوفِ فِي مَقُولِ الْمُسْتَهِلِّ» یہ اس بتدا کے مثل ہے جو محذوف ہے مستہل کے اس قول میں، مستہل کے اس مقولے میں۔ بات سمجھ میں آگئی؟

تو کہتے ہیں «كَقَوْلِ الْمُسْتَهِلِّ أَيِ الْمُبْتَدَأُ الْمَحْذُوفُ جَوَازًا» یعنی وہ بتدا جس کو جوازاً حذف کیا جاتا ہے «مِثْلُ الْمُبْتَدَإِ الْمَحْذُوفِ فِي مَقُولِ الْمُسْتَهِلِّ» وہ اسی بتدا کے مثل ہے جو محذوف ہے مستہل کے اس مقولے میں «الْمُبْصِرِ لِلْهِلَالِ» وہ مستہل جو چاند کو دیکھنے والا ہے، جو چاند کو دیکھ رہا ہے، «الرَّافِعِ صَوْتَهُ» جو اپنی آواز کو اونچا کر رہا ہے، جو اپنی آواز کو اونچا

کرتا ہے «عِنْدَ إِبْصَارِهِ» چاند کو دیکھتے وقت۔ میں نے کیا معنی بیان کیا تھا مستہل کا؟ چاند دیکھنے والا، اس کو بھی مستہل کہتے ہیں، اور اسی طرح مستہل آواز بلند کرنے والا، اس کو بھی مستہل کہتے ہیں۔ تو یہ مستہل کا معنی ہے اور عبارت پہ نظر کرو: «الْمُسْتَهِلِّ» ہے موصوف اور «الْمُبْصِرِ لِلْهِلَالِ» یہ اس کی صفتِ اول، اور «الرَّافِعِ صَوْتَهُ عِنْدَ إِبْصَارِهِ» یہ ہے اس کی صفتِ ثانی۔ یاد رکھو یہ صفتِ کاشفہ ہے، یہ صفتِ کاشفہ ہے۔ کشف کا معنی کھولنا، کھولنا۔ توجہ ہے؟ آپ بھی پڑھتے ہیں بزرگوں کو کشف ہوتا ہے، جو اللہ کے نیک بندے ہوتے ہیں اولیا ہوتے ہیں ان کو بعض اوقات کشف ہوتا ہے یعنی اللہ کوئی بات آگے آنے والی وہ ان کو کھول کر پہلے ہی دکھا دیتے ہیں۔ تو کشف کا معنی ہے کھولنا۔

یاد رکھو یہ جو صفت آتی ہے، صفت یہ موصوف کی وضاحت کر دیتی ہے اس کی توضیح کرتی ہے۔ مثلاً میں کہتا ہوں «جَاءَنِي زَيْدٌ الْعَالِمُ» میرے پاس وہ زید آیا جو عالم ہے۔ اس زید میں دونوں احتمال تھے کہ پتہ نہیں عالم ہے یا عالم نہیں، میں «الْعَالِمُ» کی صفت لا کر میں نے وضاحت کر دی، میں نے توضیح کر دی کہ اب زید کیا ہے؟ عالم ہے۔ تو صفت کیا کرتی ہے؟ موصوف کی توضیح کرتی ہے، اس کی وضاحت کر دیتی ہے یعنی اس سے غیر کے احتمال کو ختم کر دیتی ہے۔ زید میں احتمال تھا عالم ہونے کا بھی اور غیرِ عالم ہونے کا بھی، تو جب عالم صفت آگئی اس نے غیرِ عالم ہونے کے احتمال کو ختم کر دیا۔ تو معرفہ میں صفت کس لیے آتی ہے؟ توضیح کے لیے، اور نکرہ میں صفت آتی ہے تخصیص کے لیے۔ «غُلَامٌ مُؤْمِنٌ» اس «مُؤْمِنٌ» نے غلام کی کوئی وضاحت نہیں کی، ہاں اس میں تخصیص پیدا کر دی۔ پہلے غلام کا لفظ ہر ایک پر بولا جا سکتا تھا، اب یہ صرف مومن غلام پر بولا جا سکتا ہے۔ تو نکرہ کی صفت آئے تو کیا فائدہ دیتی ہے؟ تخصیص کا، اور معرفہ کی صفت آئے تو وہ توضیح کا فائدہ دیتی ہے۔ کیا معنی توضیح؟ وضاحت، کیا معنی وضاحت؟ یعنی غیر کے احتمال کو ختم کر دیتی ہے۔ میں نے کہا «جَاءَنِي زَيْدٌ التَّاجِرُ» میرے پاس وہ زید آیا جو تاجر ہے۔ دیکھا یہ تاجر زید کی صفت ہے، زید میں دونوں احتمال تھے تاجر ہونے کا بھی اور تاجر نہ ہونے کا بھی، تو «التَّاجِرُ» صفت لا کر میں نے وضاحت کر دی کہ زید تاجر ہے، تو غیرِ تاجر ہونے کا احتمال کیا ہوا؟ ختم ہو گیا۔ معرفہ کی صفت کس لیے لائی جاتی ہے؟ توضیح کے لیے۔

اور کبھی کبھار صفت موصوف کا معنی بیان کرنے کے لیے لائی جاتی ہے، کبھی کبھار صفت موصوف کا معنی بیان کرنے کے لیے لائی جاتی ہے، وہ توضیح کا فائدہ نہیں دیتی وہ موصوف کا معنی کھول کر بیان کر دیتی ہے، اس کو صفتِ کاشفہ کہتے ہیں۔ کیا کہتے ہیں؟ صفتِ کاشفہ کہتے ہیں۔ تو کبھی کبھار صفت جو ہے وہ موصوف کے توضیح کے لیے نہیں آتی بلکہ اس کے معنی کو کھول کر بیان کرتی ہے، اس کو صفتِ کاشفہ کہتے ہیں۔ مثلاً میں آپ سے کہتا ہوں: «هَذَا جِسْمٌ طَوِيلٌ عَرِيضٌ عَمِيقٌ»، «جِسْمٌ» موصوف، «طَوِيلٌ» طویل کا معنی لمبا، «عَرِيضٌ» ضاد کے ساتھ عریض کا معنی چوڑا، اور «عَمِيقٌ» عمیق کا معنی گہرا۔ تو جسم موصوف ہے اور «طَوِيلٌ عَرِيضٌ عَمِيقٌ» یہ تین اس کی صفتیں لائی گئیں بھئی۔ اور یاد رکھو جسم اس

چیز کو کہتے ہیں جس کی کوئی لمبائی بھی ہو، چوڑائی بھی ہو اور گہرائی بھی ہو۔ ایک ہوتا ہے نقطہ آپ نے منطق میں پڑھا ہوگا، نقطہ بھئی جس کی نہ گہرائی ہوتی ہے نہ چوڑائی نہ لمبائی بھئی، یعنی اس کی تقسیم نہ گہرائی میں کر سکتے ہیں نہ چوڑائی میں نہ لمبائی میں، کیونکہ اس میں گہرائی ہوتی ہی نہیں تو گہرائی میں تقسیم کیسے، لمبائی اس کی ہے ہی نہیں تو لمبائی میں تقسیم کیسے، چوڑائی اس کی ہے ہی نہیں تو چوڑائی میں تقسیم کیسے؟ پھر نقطے کے بعد خط ہے بھئی، دو یا زیادہ نقطے آپس میں ملیں گے تو خط بنے گا۔ دیکھو اب جب دو نقطے ملے تو لمبائی آگئی، لمبائی آگئی۔ اب یہ جو خط ہے یہ صرف لمبائی میں تقسیم کو قبول کرتا ہے، اس کی گہرائی چوڑائی ہے ہی نہیں تو یہ گہرائی چوڑائی میں تقسیم کو قبول بھی نہیں کرتا۔ پھر دو یا زیادہ خط آپس میں ملتے ہیں، تو دو یا زیادہ خط آپس میں ملتے ہیں تو پھر سطح بنتی ہے «سَطْحٌ» بھئی۔ سطح بنتی ہے۔ سطح وہ ہے جس کی کچھ لمبائی بھی ہوتی ہے کچھ چوڑائی بھی لیکن گہرائی نہیں ہوتی۔ تو یہ جو سطح ہے یہ لمبائی میں بھی تقسیم کو قبول کرتی ہے چوڑائی میں بھی لیکن گہرائی میں تقسیم کو قبول نہیں کرتی۔ اور پھر دو یا زیادہ سطحیں آپس میں ملتی ہیں تو گہرائی بھی آگئی، دو سطحیں مل گئیں تو اب کیا آ گئی؟ گہرائی بھی، لمبائی اور چوڑائی پہلے تھی اب گہرائی بھی آگئی، تو یہ جسم بن گیا۔ دو یا زیادہ سطحیں آپس میں ملیں گی تو جسم بنے گا، اور یہ جسم اس کی لمبائی بھی ہوتی ہے گہرائی بھی اور چوڑائی بھی۔ تو یہ تینوں طرف تقسیم کو قبول کرتا ہے، لمبائی میں آپ اس کو تقسیم کرنا چاہیں تقسیم ہو جائے گا، گہرائی میں کرنا چاہیں گہرائی میں بھی ہو جائے گا، چوڑائی میں کرنا چاہیں تو چوڑائی میں بھی تقسیم ہو جائے گا۔ تو جسم کہتے ہی کس کو ہیں؟ جس کی لمبائی بھی ہو، چوڑائی بھی ہو اور گہرائی بھی ہو۔ تو اب میں نے آپ سے کیا کہا: «هَذَا جِسْمٌ طَوِيلٌ عَرِيضٌ عَمِيقٌ»۔ جسم موصوف، طویل صفتِ اول، عریض صفتِ ثانی، اور عمیق صفتِ ثالث۔ یہ تین صفتیں ہیں، لیکن اس سے کوئی نیا معنی آیا بھئی جسم میں؟ نہیں، جسم تو کہتے ہی اس کو ہیں جو طویل بھی ہو عمیق بھی ہو عریض بھی ہو۔ تو یہ جو تین صفتیں ہیں ان کو کہیں گے صفتِ کاشفہ، یعنی یہ اسی موصوف کے معنی کو کھول کریان کر رہی ہیں کہ جسم کہتے کس کو ہیں؟ جو طویل بھی ہو عریض بھی ہو عمیق بھی ہو بھئی۔ تو اس کو کیا کہتے ہیں؟ صفتِ کاشفہ۔ بعض اوقات صفت اور کوئی نیا معنی نہیں لاتی بلکہ صرف اپنے موصوف کے معنی کو کھول کریان کر دیتی ہے، اس کو کیا کہتے ہیں؟ صفتِ کاشفہ۔ کشف کا کیا معنی؟ کھولنا، یعنی یہ اپنے موصوف کی تفسیر کر رہی ہے اس کا معنی کھول کریان کر رہی ہے۔

تو یہاں پر بھی کیا آیا؟ «الْمُسْتَهِلِّ» موصوف آیا اور اس کی صفت کیا آئی؟ «الْمُبْصِرِ لِلْهِلَالِ» چاند کو دیکھنے والا، «الرَّافِعِ صَوْتَهُ عِنْدَ إِبْصَارِهِ» اور اس کو دیکھتے وقت آواز کو بلند کرنے والا، یہ صفتِ کاشفہ ہے۔ یہ دونوں کیا ہیں؟ صفتِ کاشفہ ہیں، یہ مستہل کے معنی کو کھول کریان کر رہی ہیں۔ مستہل بھی کسے کہتے ہیں؟ چاند کو دیکھنے والا، تو کیا کہا؟ «الْمُبْصِرِ لِلْهِلَالِ»۔

اور مستہل کسے کہتے ہیں؟ آواز کو بلند کرنے والا، تو کیا کہا؟ «الرَّافِعِ صَوْتَهُ عِنْدَ إِبْصَارِهِ» وہ جو اپنی آواز کو بلند کرنے والا ہے چاند دیکھتے وقت بھئی۔ تو یہ صفتِ کاشفہ ہے بھئی۔ بات سمجھ میں آگئی؟ یا بالفاظِ دیگریوں کہو کہ صاحبِ جامی مستہل کا معنی بیان کرنا چاہتے تھے لیکن کمال کی عبارت لائے کہ صفت کی صورت میں انہوں نے معنی بیان کر دیا مستہل کا بھئی۔

تو کہتے ہیں «الْهِلَالُ وَاللهِ أَيْ هَذَا الْهِلَالُ وَاللهِ» دیکھو «هَذَا» مبتدا محذوف نکال لیا، اور اس کا حذف جائز تھا یا واجب تھا؟ جائز تھا بھئی۔ «أَيْ هَذَا الْهِلَالُ وَاللهِ بِالْقَرِينَةِ الْحَالِيَّةِ»۔ بھئی یہ «هَذَا» مبتدا محذوف ہے، اس کو حذف کر دیا گیا «بِالْقَرِينَةِ الْحَالِيَّةِ» کس کی وجہ سے؟ قرینہ حالیہ، کیونکہ قرینہ حالیہ موجود ہے سارے لوگ چاند ہی کو دیکھ رہے ہیں بھئی۔ «وَلَيْسَ مِنْ بَابِ حَذْفِ الْخَبَرِ» کہتے ہیں یہ حذفِ خبر کے باب سے نہیں ہے۔ بھئی یہاں اشکال ہوتا ہے، اشکال یہ کہ آپ نے کیا کہا «الْهِلَالُ وَاللهِ»، الہلال کو کیا بنایا؟ خبر، خبر، اور اس کے لیے مبتدا «هَذَا» محذوف نکالا۔ بھئی آپ اس الہلال کو مبتدا بناتے، اس کی خبر محذوف نکال لیتے: «الْهِلَالُ هَذَا»۔ آپ نے کس کو محذوف مانا؟ مبتدا کو محذوف مانا اور الہلال کو کیا بنایا؟ خبر۔ آپ اس الہلال کو مبتدا بناتے اور «هَذَا» خبر کو محذوف نکال لیتے! کہتے ہیں نہیں بھئی ایسا ہم نہیں کر سکتے، ایسا ہم نہیں کر سکتے۔ کیا وجہ؟ کیا وجہ؟ یاد رکھو، وجہ سمجھ لو گہری بات ہے، یہاں وہ جو بولنے والا ہے مستہل جو ہے وہ نفسِ ہلال کی خبر دینا چاہتا ہے۔ کس کی؟ نفسِ ہلال کی خبر دینا چاہتا ہے، تو جس کی خبر دینا چاہتا ہے یعنی جو خبر دینا چاہتا ہے اس کو خبر بنائیں گے۔ مثلاً میں آپ سے کہتا ہوں «زَيْدٌ عَالِمٌ»، زید آپ کا ایک ساتھی ہے، آپ اس کو جانتے ہیں، آپ اس کو جانتے ہیں۔ اب میں زید کے بارے میں بتلانا چاہتا ہوں کہ وہ کیا ہے؟ عالم ہے، تو وہ عالم کو میں خبر لے کر آؤں گا بھئی۔ زید کو تو آپ جانتے ہیں، جس کو آپ جانتے ہیں اس کو مبتدا بنائیں گے اور جو بات بتلانا ہے اس کو کیا بنائیں گے؟ خبر۔ تو یہاں پر بھی مستہل کیا خبر دینا چاہتا ہے لوگوں کو؟ نفسِ چاند کی خبر دینا چاہتا ہے، اور وہ جو لوگ وہاں موجود ہیں وہ بھی ہلال ہی کو طلب کر رہے ہیں، تو جس بات کی خبر دینا ہے اور جس بات کو طلب کیا جا رہا ہے اس کو خبر ہی کی صورت میں لایا جائے گا، کیونکہ مبتدا جو ہوتا ہے وہ تو معلوم ہوتا ہے، مبتدا کیا ہوتا ہے؟ معلوم ہوتا ہے اور خبر معلوم نہیں ہوتی، تو جو چیز معلوم نہیں ہے اس کو خبر بنا کر لائیں گے بھئی۔ اس کو خبر بنائیں گے کہ «هَذَا الْهِلَالُ» یعنی ایک چیز کی طرف اشارہ کیا لوگ چاند کی دیکھ رہے ہیں کہ افق پر کوئی چیز ہے جو کیا ہے؟ چاند ہے، تو وہ «هَذَا» کے ذریعے اس ایک چیز کی طرف اشارہ کر کے کیا کہا؟ یہ ہے چاند یعنی جس کو تم دیکھ رہے ہو۔ اور اگر یوں کہا جائے «الْهِلَالُ هَذَا» کیا کہا جائے؟ «الْهِلَالُ هَذَا» کہا جائے پھر تو معنی یہ ہو جائے گا کہ لوگوں کو چاند کا پتہ ہے، الہلال کو مبتدا بنایا نا مبتدا کو تو آپ جانتے ہیں مبتدا کی تو پہچان ہوتی ہے، کہ وہ چاند جس کو آپ جانتے ہیں لیکن تعیین نہیں مثلاً دو تین چیزیں ہیں تعیین نہیں کہ ان میں سے کون سا والا ہے چاند، تو آپ کہتے ہیں «الْهِلَالُ هَذَا» چاند یہ والا ہے، چاند۔ تو فرق سمجھ میں آیا؟ تو اگر آپ «الْهِلَالُ هَذَا» کہیں گے پھر تو معنی یہ ہوگا آپ تعیین کر کے بتا رہے ہیں، ہلال کا پتہ ہے سب کو ہلال کو دیکھا ہوا ہے لیکن تعیین نہیں ہو رہی کہ یہ والا یا یہ والا ہے تو آپ کہتے ہیں

«الْهِلَالُ هَذَا» چاند یہ ہے بھئی۔ توجہ ہے؟ پھر تو سارا معنی ہی خراب ہو جائے گا کیونکہ الہلال کو بتدا بنایا اور بتدا تو وہ ہوتا ہے جو معلوم ہوتا ہے اس پر آگے کوئی حکم پھر لگایا جاتا ہے، تو پھر تو کلام کا معنی یہ بن جائے گا جتنے لوگ کھڑے ہوئے ہیں ان کو چاند معلوم ہے چاند ان کو نظر آ رہا ہے لیکن صرف تعیین نہیں ہو رہی یہ دو تین چیزوں میں سے کون سا والا چاند ہے بھئی۔ تو اس وقت پھر کہا جائے گا «الْهِلَالُ هَذَا» چاند یہ والا ہے بھئی۔ اور جب آپ نفسِ ہلال کی خبر دینا چاہتے ہیں، لوگ اس کو ڈھونڈ رہے ہیں، تو جس کی خبر دینا چاہتے ہیں اس کو خبر ہی بنائیں گے: «هَذَا الْهِلَالُ» یہ ہے چاند بھئی۔ بات سمجھ میں آگئی؟

تو کہتے ہیں «وَلَيْسَ مِنْ بَابِ حَذْفِ الْخَبَرِ بِتَقْدِيرِ الْهِلَالُ هَذَا» اور یہ حذفِ خبر کے باب سے نہیں ہے اس تقدیر کے ساتھ: «الْهِلَالُ هَذَا»۔ «وَلَيْسَ مِنْ بَابِ حَذْفِ الْخَبَرِ بِتَقْدِيرِ الْهِلَالُ هَذَا» اور

یہ حذفِ خبر کے باب سے نہیں ہے بایں تقدیر کہ «الْهِلَالُ هَذَا» کہا جائے: الہلال بتدا اور ھذا خبر، اس تقدیر کے ساتھ اس کو حذفِ خبر کے باب سے بنایا جائے ایسا نہیں ہے بھئی۔

«لِأَنَّ مَقْصُودَ الْمُسْتَهِلِّ» اس لیے کیونکہ مستہل جو ہے یعنی چاند کو دیکھنے والے کا مقصود جو ہے «تَعْيِينُ شَيْءٍ بِالْإِشَارَةِ» وہ ایک شے کو متعین کرنا ہے اشارے کے ذریعے کہ «هَذَا» یہ والی چیز جو ہے، «وَالْحُكْمُ عَلَيْهِ بِالْهِلَالِيَّةِ» اور اس پر حکم لگانا ہے ہلال ہونے کا، اس پر حکم لگانا ہے ہلال۔ کہ ایک شے کو متعین کرتا ہے اشارے کے ذریعے کہ «هَذَا» یہ شے جو ہے «هَذَا الْهِلَالُ» یہ کیا ہے؟ ہلال ہے یعنی اس پر ہلال ہونے کا حکم لگانا ہے۔ اچھا «الْهِلَالِيَّةِ» کے اندر یائے مشدد اور گول تا آئی بھئی، تو «الْهِلَالِيَّةِ» کے اندر یائے مشدد اور گول تا آئی اور میں نے آپ کو بتلایا تھا یہ یائے مشدد اور گول تا عموماً مصدر بنانے کے لیے لاتے ہیں، تو ہلالیت کا کیا معنی؟ ہلال ہونا۔ دیکھو اب ترجمہ سنو، کہتے ہیں «وَلَيْسَ مِنْ بَابِ حَذْفِ الْخَبَرِ بِتَقْدِيرِ الْهِلَالُ هَذَا» کہتے ہیں یہ «الْهِلَالُ هَذَا» کی تقدیر کے ساتھ حذفِ خبر کے باب سے نہیں ہے «لِأَنَّ مَقْصُودَ الْمُسْتَهِلِّ تَعْيِينُ شَيْءٍ بِالْإِشَارَةِ» اس لیے کیونکہ مستہل کا مقصود جو ہے وہ ایک شے کو اشارے کے ذریعے متعین کرنا ہے «وَالْحُكْمُ عَلَيْهِ بِالْهِلَالِيَّةِ» اور اس پر حکم لگانا ہے ہلال ہونے کا، «لِيَتَوَجَّهَ إِلَيْهِ النَّاظِرُونَ» تاکہ دیکھنے والے اس کی طرف متوجہ ہو جائیں «وَيَرَوْهُ كَمَا يَرَاهُ» اور وہ بھی اس چاند کو دیکھ لیں جیسے کہ وہ مستہل اس چاند کو دیکھ رہا ہے۔

«وَإِنَّمَا أَتَى بِالْقَسَمِ جَرْيًا عَلَى عَادَةِ الْمُسْتَهِلِّينَ غَالِبًا»۔ «وَإِنَّمَا أَتَى بِالْقَسَمِ»، «أَتَى» کا معنی آنا اور اس کا صلہ «ب» آ گیا تو اب یہ متعدی ہو گیا، معنی ہوگا لانا۔ «وَإِنَّمَا أَتَى بِالْقَسَمِ» اور ماتن جو ہے قسم لے کر آئے، «جَرْيًا عَلَى عَادَةِ الْمُسْتَهِلِّينَ غَالِبًا» تو وہ غالباً مستہلین کی جو عادت ہے اس پر چلتے ہوئے۔ «جَرَى يَجْرِي» کا معنی چلنا۔ تو کہتے ہیں «وَإِنَّمَا أَتَى بِالْقَسَمِ جَرْيًا عَلَى عَادَةِ الْمُسْتَهِلِّينَ غَالِبًا» کہتے ہیں ماتن قسم لے کر آئے غالباً جو مستہلین کی عادت ہے اس پر چلتے ہوئے، «وَلِئَلَّا يُتَوَهَّمَ» اور تاکہ کہیں یہ وہم نہ کیا جائے۔ یہ قسم کیوں لائے؟ ایک تو مستہلین کی عادت پر چلتے ہوئے کہ وہ عموماً چاند کی طرف

اشارہ کرتے ہوئے قسم کھاتے ہیں، «وَلِئَلَّا يُتَوَهَّمَ نَصْبُ الْهِلَالِ عِنْدَ الْوَقْفِ» اور تاکہ ہلال کے نصب کا وہم نہ کیا جائے «عِنْدَ الْوَقْفِ» وقف کے وقت بھئی، کہ اگر وقف کیا جائے گا قسم نہیں لائیں گے پھر تو وقف ہوگا پھر تو نصب کا بھی احتمال آ جائے گا۔ بات سمجھ میں آگئی؟

اچھا یاد رکھنا ہلال کا لفظ آیا۔ پہلے تین دن چاند ہلال کہلاتا ہے، پہلے تین دن چاند ہلال کہلاتا ہے اور اس کے بعد قمر کہلاتا ہے، اس کے بعد مہینے کے اختتام تک قمر کہلاتا ہے، ہاں البتہ چودھویں رات کو پھر وہ بدر کہلاتا ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ چلیے بس بھئی، هَذَا هُوَ الْمَرَامُ وَاللهُ أَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْكَلَامِ۔

سبق نمبر ۱۰۴: المبتدا والخبر (۱۲): بتدا یا خبر کے جوازاً حذف ہونے کے مواضع

شرحِ ملا جامی صفحہ: ۷۷ — بتاریخ: ۱۸ نومبر ۲۰۲۱ء

▪ تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث

آگے سبق دیکھیے بھائی: وَقَدْ يُحْذَفُ الْخَبَرُ جَوَازًا أَيْ حَذْفًا جَائِزًا لِقِيَامِ قَرِينَةٍ مِنْ غَيْرِ إِقَامَةِ شَيْءٍ مَقَامَهُ، مِثْلُ الْخَبَرِ الْمَحْذُوفِ جَوَازًا فِي قَوْلِكَ خَرَجْتُ فَإِذَا السَّبُعُ، فَإِنَّ تَقْدِيرَهُ عَلَى الْمَذْهَبِ الصَّحِيحِ كَمَا نَصَّ عَلَيْهِ صَاحِبُ اللُّبَابِ: خَرَجْتُ فَإِذَا السَّبُعُ وَاقِفٌ، عَلَى أَنْ يَكُونَ إِذَا ظَرْفَ زَمَانٍ لِلْخَبَرِ الْمَحْذُوفِ مِنْ غَيْرِ سَادٍّ مَسَدَّهُ أَيْ فَفِي وَقْتِ خُرُوجِ السَّبُعُ وَاقِفٌ.

گزشتہ سبق میں صاحبِ کافیہ نے آپ کو بتلایا تھا کہ وہ بتدا جس کی خبر پر فا کا لانا جائز ہے، اس بتدا پر اگر لَيْتَ اور لَعَلَّ داخل ہو جائیں تو وہ مانع بنیں گے۔ یعنی اب فا کا لانا جائز نہیں کیونکہ لَيْتَ اور لَعَلَّ کلام کو خبر کی قبیل سے نکال کر انشاء بنا دیتے ہیں۔ تو اس کلام کی جو مشابہت تھی، یا یوں کہیں اس بتدا اور خبر کی جو مشابہت تھی شرط اور جزا کے ساتھ، وہ ختم ہو گئی۔ کیونکہ شرط اور جزا اخبار کی قبیل سے ہیں، اور یہ جملہ تو اب کیا بن گیا؟ انشاء بن گیا۔ تو اس کی مشابہت شرط اور جزا کے ساتھ ختم ہوئی تو اب فا کا لانا جائز نہیں بھائی۔ اور پھر بتلایا تھا کہ بعض نحویوں نے اِنَّ مکسورہ کو بھی انہی دونوں کے ساتھ ملایا ہے کہ وہ بتدا جس کی خبر پر فا کا لانا جائز ہے، اس پر اگر اِنَّ داخل ہو جائے تو وہ اِنَّ بھی مانع بنے گا اور اب اس پر فا کا لانا جائز نہیں بھائی۔ بات سمجھ میں آگئی؟ اور پھر اس قول کی نسبت کی امام سیبویہ کی طرف۔ کیا کہا؟ وَأَلْحَقَ بَعْضُهُمْ قِيلَ هُوَ سِيبَوَيْهِ. دیکھو اس قول کی نسبت کس کی طرف کی گئی ہے؟ وَأَلْحَقَ بَعْضُهُمْ، اور ملایا ہے بعضوں نے اِنَّ مکسورہ کو بھی ان دونوں کے ساتھ یعنی اِنَّ مکسورہ بھی مانع بنے گا دخولِ فا سے۔ اور درمیان میں صاحبِ جامی نے آپ کو بتلا دیا قِيلَ هُوَ سِيبَوَيْهِ، کہا گیا ہے کہ وہ امام سیبویہ ہیں۔ انہوں نے اِنَّ کو لَيْتَ اور لَعَلَّ کے ساتھ ملایا ہے دخولِ فا سے مانع ہونے میں۔ اور دیکھو قِيلَ کے ساتھ ذکر کیا اس کو: قِيلَ هُوَ سِيبَوَيْهِ. معلوم ہوا یہ کوئی قطعی بات نہیں ہے کہ امام سیبویہ نے ایسا کہا ہے۔ ہاں، ان کی طرف اس قول کی بعضوں نے نسبت کی ہے کہ یہ ان کا قول ہے۔ خود امام سیبویہ نے اپنی کتاب میں اس کی کوئی تصریح نہیں کی بھائی۔ اس لیے اس کو قِيلَ کے ساتھ ذکر کیا کہ قِيلَ هُوَ سِيبَوَيْهِ، کہا گیا ہے کہ وہ قائل کون ہیں؟ امام سیبویہ ہیں بھائی۔

جیسے اِنَّ مکسورہ کو لَیْتَ اور لَعَلَّ سے بعضوں نے ملایا ہے، اسی طرح اَنَّ اور لٰکِنَّ کو بھی ملایا ہے۔ تو اس کو ذکر نہیں کیا اور اِنَّ کو ذکر کیا، تو اس کی وجہ بھی آگے ذکر کی۔ وجہ یہ کہ اِنَّ کے بارے میں جو قول ہے اس کی نسبت چونکہ امام سیبویہ کی طرف تھی کہ انہوں نے اس کو لَیْتَ اور لَعَلَّ سے ملایا ہے، تو امام سیبویہ کے قول کو اہمیت دیتے ہوئے اس کو ذکر فرمایا، اور باقی نحویوں کے قول کو وہ اہمیت نہیں دی، اور اس لیے اَنَّ اور لٰکِنَّ کو ذکر نہیں فرمایا۔ اور پھر قرآن سے اور فصیح لوگوں کے کلام سے اس کی مثالیں بھی ذکر کیں کہ جس کے اندر اِنَّ، اَنَّ اور لٰکِنَّ کے داخل ہونے کے باوجود آگے خبر پر فا داخل کی گئی تھی۔

اور پھر آگے انہوں نے بتلایا تھا کہ کبھی کبھار مبتدا کو حذف کر لیا جاتا ہے جب کوئی قرینہ موجود ہو۔ اور میں نے آپ کو بتلایا تھا کہ جب بھی کلام کے اندر کسی لفظ کو حذف کیا جائے تو اس پر قرینے کا ہونا ضروری ہے۔ قرینے کی تعریف میں نے کی تھی کہ قرینہ کسے کہتے ہیں؟ هُوَ أَمْرٌ يُشِيرُ إِلَى الْمَطْلُوبِ. قرینہ وہ چیز ہے جو مطلوب اور مقصود کی طرف اشارہ کر دے۔ کس کا مطلوب اور مقصود؟ متکلم کا۔ یعنی متکلم دیکھو ایک بات آپ کو پہنچانا چاہتا ہے تو وہ اپنے کلام کے اندر مثلاً ایک لفظ کو حذف کرتا ہے، تو سننے والے کو تو پتہ ہی نہیں چلے گا کہ یہاں کون سا لفظ ہے۔ تو لہٰذا وہ حذف اسی وقت اس کے لیے جائز ہو گا جب وہاں کوئی قرینہ ہو جس سے سننے والا فوراً سمجھ جائے کہ یہاں پر یہ والا لفظ محذوف ہے۔ اگر قرینہ نہیں ہو گا تو اسے بات کا معنی ہی پوری طرح سمجھ میں نہیں آئے گا۔ تو جب بھی حذف کیا جائے گا کوئی قرینہ ہونا ضروری ہے۔ بغیر قرینے کے حذف جائز ہی نہیں۔

اور قرینہ کسے کہتے ہیں؟ هُوَ أَمْرٌ يُشِيرُ إِلَى الْمَطْلُوبِ بھائی۔ اور میں نے تفصیل بیان کی تھی کہ قرینہ دو قسم پر ہے۔ یاد رکھو قرینہ دو ہی قسم پر ہے: یا قرینہ لفظیہ ہو گا یا غیرِ لفظیہ۔ یعنی بعض اوقات ہمیں لفظ ایک چیز کے بارے میں بتا دیتے ہیں، اور بعض اوقات لفظوں سے ایک چیز کا پتہ نہیں چلتا لیکن کوئی اور چیز وہاں ہوتی ہے جو ہمیں بتلا دیتی ہے کہ یہاں یہ والا لفظ محذوف ہے۔ تو قرینہ دو ہی قسم پر ہے: یا لفظیہ ہو گا یا غیرِ لفظیہ۔ اور اسی غیرِ لفظیہ کو قرینہ عقلیہ کہتے ہیں۔ کیا کہتے ہیں؟ عقلیہ کہتے ہیں۔ تو اگر لفظ کے علاوہ کوئی بھی چیز آپ کو متکلم کا مقصود اور مطلوب بتلا دے تو اسے کیا کہتے ہیں؟ قرینہ عقلیہ۔ یا تو وہ لفظ بتائیں گے یا لفظ کے علاوہ کوئی اور چیز ہو گی۔ تو لفظ کے علاوہ جو بھی قرینہ ہو اس کو کیا کہتے ہیں؟ قرینہ عقلیہ بھائی۔ تو قرینے کی دو ہی قسمیں ہیں: ایک قرینہ لفظیہ اور ایک قرینہ غیرِ لفظیہ، اور اسی غیرِ لفظیہ کو کیا کہتے ہیں؟ قرینہ عقلیہ۔ یعنی اس میں ہماری عقل ہمیں بتاتی ہے، لفظ نہیں بتاتے۔

بھائی دیکھیے، اور کتابوں کے اندر آپ قرینے کے اور بھی نام پڑھتے ہیں۔ مثلاً کہیں پر قرینہ لفظیہ آتا ہے اور ساتھ قرینہ عقلیہ آئے گا۔ بعض علماء قرینہ لفظیہ اور اس کے ساتھ قرینہ حالیہ ذکر فرماتے ہیں۔ بعض قرینہ لفظیہ اور اس کے ساتھ قرینہ معنویہ ذکر فرماتے ہیں۔ تو طلباء پریشان ہوتے ہیں کہ پتہ نہیں قرینے کی کتنی قسمیں ہیں بھائی۔ تو یاد رکھنا قرینے کی دو ہی قسمیں

ہیں: ایک لفظیہ اور ایک غیرِ لفظیہ۔ یا قرینہ وہ لفظ ہوگا یا غیرِ لفظ ہوگا بھائی، اور غیرِ لفظ ہی کا نام قرینہ عقلیہ ہے بھائی۔ یا قرینہ لفظ ہوگا یا غیر، اسی غیرِ لفظ کا نام کیا ہے؟ قرینہ عقلیہ۔ ہاں، اسی عقلیہ کو کبھی کبھار حالیہ یا معنویہ بھی کہہ دیتے ہیں۔ کیونکہ بعض اوقات کسی جگہ پر اگر قرینہ لفظ نہیں ہے، لفظ کے علاوہ کوئی چیز ہے، وہ غیرِ لفظ جو ہے اگر وہ حالت ہے تو اس قرینے کو قرینہ حالیہ کہہ دیا جاتا ہے۔ یہ وہی قرینہ عقلیہ ہے لیکن چونکہ یہاں وہ حالت بتلا رہی ہے، لہٰذا اس کا نام کیا رکھ دیا؟ قرینہ حالیہ۔ حالانکہ یہ وہی چیز ہے، قرینہ عقلیہ کہو یا قرینہ حالیہ کہو، وہی چیز ہے لیکن چونکہ یہاں جو چیز بتانے والی ہے وہ حالت ہے، لہٰذا اس کو کیا کہہ دیتے ہیں؟ قرینہ حالیہ کہہ دیتے ہیں۔ یہ ہے یہ بھی وہی قرینہ عقلیہ۔

مثلاً ہم مسجد میں بیٹھے ہیں اور ایک شخص مسجد کے دروازے سے اندر داخل ہوا۔ میں نے کہا: شیر آگیا۔ اب مجھے بتائیے یہاں شیر کا کیا معنی؟ بہادر آدمی، مجازی معنی مراد ہے۔ تو دیکھو آپ فوراً سمجھ گئے کہ یہاں شیر بول کر کیا مراد ہے؟ بہادر آدمی مراد ہے۔ یہاں لفظوں نے نہیں بتایا۔ دیکھو لفظ تو میں نے کیا کہے؟ شیر آگیا۔ یہ لفظ آپ کو نہیں بتا رہے کہ اس سے کون سا معنی مراد ہے۔ اس سے تو حقیقی معنی بھی مراد ہو سکتا ہے اور مجازی معنی بھی۔ لیکن اس وقت شیر تو داخل نہیں ہوا، ایک آدمی اندر داخل ہوا ہے، تو یہ حالت بتلا رہی ہے کہ یہاں شیر بول کر کیا مراد ہے؟ مجازی معنی یعنی بہادر آدمی مراد ہے۔ تو کس چیز نے آپ کو بتلایا؟ عقل نے۔ تو یہ قرینہ عقلیہ ہی ہے۔ لیکن کس طرح عقل نے بتایا؟ یہ جو حالت ہے، اس حالت کی وجہ سے عقل نے آپ کو بتلایا کہ اس وقت تو کوئی جنگلی درندہ نہیں اندر داخل ہوا بلکہ کیا داخل ہوا ہے؟ انسان داخل ہوا ہے۔ تو یہاں بتلایا تو عقل نے ہی لیکن اس حالت سے پتہ چلا عقل کو۔ تو یہ قرینہ عقلیہ ہی ہے لیکن اسی کو کیا کہہ دیتے ہیں؟ قرینہ حالیہ کہہ دیتے ہیں۔

اور بعض اوقات معنی ہمیں بتاتا ہے تو اسی قرینہ عقلیہ کو قرینہ معنویہ کہہ دیتے ہیں۔ مثلاً أَكَلَ الْكُمَّثْرَى يَحْيَى، أَكَلَ الْكُمَّثْرَى يَحْيَى۔ اب دیکھو كُمَّثْرَى امرود یا ناشپاتی کو کہتے ہیں۔ اور یہاں پر كُمَّثْرَى، اس میں بھی اعرابِ لفظی منتفی ہے، یہاں بھی اعراب تقدیری۔ اور يَحْيَى کے اندر بھی اعراب تقدیری ہے۔ لیکن پھر بھی آپ کو پتہ چل رہا ہے کہ أَكَلَ کا فاعل کون ہے؟ يَحْيَى فاعل ہے اور كُمَّثْرَى مفعول ہے۔ کس نے بتایا؟ آپ کی عقل نے آپ کو بتلایا بھائی۔ اس لیے کیونکہ يَحْيَى تو امرود کو کھا سکتا ہے لیکن امرود تو يَحْيَى کو نہیں کھا سکتا۔ تو یہ قرینہ آپ کو بتلا رہا ہے کہ كُمَّثْرَى مفعول ہے اور يَحْيَى فاعل ہے بھائی۔ تو یہ بھی قرینہ عقلیہ ہے۔ لفظوں سے نہیں پتہ چلا۔ لفظوں کے اندر تو دونوں اسمِ مقصور ہیں، دونوں پر اعرابِ لفظی منتفی ہے۔ تو معلوم ہوا یہاں قرینہ غیرِ لفظ ہے، اور کس نے بتایا؟ عقل نے بتایا، تو یہ کیا ہے؟ قرینہ عقلیہ ہے۔ لیکن چونکہ یہاں معنی سے پتہ چل رہا ہے، کس سے؟ معنی سے پتہ چل رہا ہے، کیونکہ میں نے بتایا يَحْيَى تو امرود کو کھا سکتا ہے لیکن امرود تو يَحْيَى کو نہیں کھا سکتا، تو اسی قرینہ عقلیہ کو پھر قرینہ معنویہ کہہ دیتے ہیں۔ کیا کہہ دیتے ہیں؟ قرینہ معنویہ کہہ دیتے ہیں۔ تو بس اتنا یاد رکھنا، قرینہ دو ہی قسم پر ہے: کبھی قرینہ لفظیہ ہوگا، کبھی غیرِ لفظیہ ہوگا، اور اس غیرِ لفظیہ کا نام عقلیہ ہے۔ اور

اسی عقلیہ کو کبھی کیا کہہ دیتے ہیں؟ حالیہ اگر وہ حالت سے عقل کو پتہ چلا ہے، اور اسی قرینہ عقلیہ کو کبھی معنویہ کہہ دیتے ہیں اگر وہ معنی سے عقل نے آپ کو بتلایا ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟

تو انہوں نے آپ کو بتلایا کہ بتدا کو کبھی حذف کر لیا جاتا ہے جب قرینہ موجود ہو بھائی، اور یہ حذف جوازاً ہوتا ہے۔ جیسے کہ مستہل کا قول اَلْهِلَالُ وَاللّٰهِ، یہ اصل میں کیا ہے؟ هٰذَا الْهِلَالُ وَاللّٰهِ۔ تو بتدا محذوف ہے اور خبر مذکور ہے۔ تو پھر یہاں اشکال ہوا تھا كَقَوْلِ الْمُسْتَهِلِّ الْهِلَالُ وَاللّٰهِ کہ اے صاحبِ کافیہ! آپ نے تو مثال ذکر کرنی تھی اس بتدا کی جس کو حذف کرنا جائز ہے، لیکن یہ جو قولِ مستہل ہے اَلْهِلَالُ وَاللّٰهِ، یہ اَلْهِلَالُ تو خبر ہے۔ تو آپ نے تو مثال میں خبر کو ذکر کر دیا حالانکہ ذکر کس کو کرنا تھا؟ اس بتدا کو جس کو حذف کرنا جائز ہے۔ تو صاحبِ جامی نے كَقَوْلِ الْمُسْتَهِلِّ کے بعد عبارت نکال کر بتلایا تھا کہ بھائی یہ اسی بتدا کی مثال ہے جس کو جوازاً حذف کیا جاتا ہے۔ اور میں نے بتلایا تھا کہ یہ كَقَوْلِ الْمُسْتَهِلِّ یہ کیا ہے؟ خبر۔ اور اس کے لیے بتدا کیا محذوف ہے؟ یہ کس چیز کی مثال ذکر کی جا رہی ہے؟ اس بتدا کی جس کو حذف کرنا جائز ہے۔ تو عبارت گویا یہ بن گئی کہ وہ بتدا جس کو حذف کیا جاتا ہے جوازاً كَقَوْلِ الْمُسْتَهِلِّ وہ کس کی طرح ہے؟ قولِ مستہل کی طرح ہے اَلْهِلَالُ وَاللّٰهِ۔ بھائی اس کے اندر تو خبر ذکر ہے، تو میں نے بتایا تھا کاف کے بعد یہاں پر بتدا کا لفظ نکال لیں بھائی: كَمُبْتَدَإِ قَوْلِ الْمُسْتَهِلِّ۔ کہ وہ بتدا جس کو جوازاً حذف کیا جاتا ہے وہ مثل ہے اس بتدا کے جو محذوف ہے کس کے اندر؟ قولِ مستہل اَلْهِلَالُ وَاللّٰهِ۔ وہ بتدا جو اَلْهِلَالُ وَاللّٰهِ کے اندر محذوف ہے، وہ بتدا مثال ہے اس بتدا کی جس کو جوازاً حذف کیا جاتا ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟

اور پھر انہوں نے یہ بھی آپ کو بتلایا کہ اَلْهِلَالُ وَاللّٰهِ میں بتدا محذوف ہے، اس کو حذفِ خبر کے باب سے ہم نہیں بنا سکتے کہ اَلْهِلَالُ کو بتدا بنا دیں اور هٰذَا محذوف خبر نکال لیں۔ بلکہ هٰذَا بتدا یہاں محذوف ہے اور اَلْهِلَالُ اس کی خبر ہے۔ وجہ یہ کہ یہاں پر وہ جو مستہل ہے، وہ جو بولنے والا ہے، متکلم ہے، وہ نفسِ چاند کی خبر دینا چاہتا ہے، نفسِ ہلال کی خبر دینا چاہتا ہے، اور وہ جو لوگ وہاں موجود ہیں وہ بھی ہلال ہی کو طلب کر رہے ہیں۔ تو جس بات کی خبر دینا ہے اور جس بات کو طلب کیا جا رہا ہے اس کو خبر ہی کی صورت میں لایا جائے گا، کیونکہ بتدا جو ہوتا ہے وہ تو معلوم ہوتا ہے۔ بتدا کیا ہوتا ہے؟ معلوم ہوتا ہے، اور خبر معلوم نہیں ہوتی، تو جو چیز معلوم نہیں ہے اس کو خبر بنا کر لائیں گے بھائی۔ بات سمجھ میں آ رہی ہے؟ تو اگر آپ اس کو اَلْهِلَالُ هٰذَا کی تقدیر پر لیتے ہیں یعنی اَلْهِلَالُ کو بتدا بناتے ہیں اور هٰذَا خبر محذوف نکال لیتے ہیں، توجہ ہے؟ پھر تو سارا معنی ہی خراب ہو جائے گا۔ کیونکہ اَلْهِلَالُ کو بتدا بنایا اور بتدا تو وہ ہوتا ہے جو معلوم ہوتا ہے، اس پر آگے کوئی حکم پھر لگایا جاتا ہے۔ تو پھر تو کلام کا معنی یہ بن جائے گا: جتنے لوگ کھڑے ہوئے ہیں ان کو چاند معلوم ہے، چاند ان کو نظر آ رہا ہے، لیکن صرف تعیین نہیں ہو رہی یہ دو تین چیزوں میں سے کون سا والا چاند ہے بھائی۔ تو اس وقت پھر کہا جائے گا اَلْهِلَالُ هٰذَا، چاند یہ والا ہے بھائی۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو لہٰذا یہاں هٰذَا بتدا ہی کو محذوف نکالیں گے۔ کس وجہ سے؟ کیونکہ

نفسِ ہلال کی خبر دینا مقصود ہے، اور وہ لوگ ہلال ہی کو طلب کر رہے ہیں۔ معلوم ہوا ہلال کا علم ان کو نہیں، تو جس بات کا علم نہیں، جو بات آپ ان کو بتانا چاہتے ہیں اس بات کو، اس چیز کو خبر ہی کی صورت میں لایا جائے گا۔ لہٰذا کہا جائے گا هٰذَا الْهِلَالُ وَاللّٰهِ، یہ چاند ہے بھائی۔ بات سمجھ میں آگئی؟

اور اس کے بعد صاحبِ جامی نے آپ کو بتلایا تھا کہ بعض جگہیں ایسی ہیں جہاں بتدا کو حذف کرنا واجب ہے بھائی۔ اور وہ کون سی جگہ ہے؟ جہاں صفت کو وصفیت سے کاٹ کر اس پر رفع پڑھ دیا جاتا ہے۔ صفت کا اعراب تو موصوف کے مطابق ہونا چاہیے، لیکن جب آپ اس کو صفت کو کاٹ کر اس پر رفع پڑھ دیتے ہیں، یعنی اس کو خبر بنا دیتے ہیں اور اس کا بتدا محذوف ہوتا ہے وہاں پر۔

کہ جیسے بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيمُ۔ تو یہ اصل میں کیا ہے؟ هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيمُ۔ یہاں هُوَ کو حذف کرنا واجب ہے۔ اور یہ کس لیے کیا جاتا ہے؟ مدح، ذم یا ترحم کی بنا پر۔ تو یہاں پر جب موصوف کا اعراب ایک ہے اور آگے صفت کا اعراب اس موصوف کے مطابق نہیں آتا، اس پر رفع آجاتا ہے، تو سننے والا چونک اٹھتا ہے کہ بھئی موصوف تو مثلاً موصوف تو مجرور ہے، صفت کو تو مجرور ہونا چاہیے تھا لیکن اس پر رفع پڑھا جا رہا ہے، تو وہ سمجھ جاتا ہے یہ مدح کی بنا پر اس پر رفع پڑھا جا رہا ہے۔ تو مدح کی بنا پر پھر رفع پڑھا جاتا ہے اور یہ خبر ہوتی ہے بتدائے محذوف کی۔ أَيْ هُوَ الرَّحْمٰنُ هُوَ الرَّحِيمُ۔ چاہے الگ الگ بتدا دونوں کے لیے نکال لیں چاہے ایک ہی نکال لیں دونوں کے لیے۔ پھر اس بتدا کو حذف کرنا واجب ہے۔ اس کو ذکر نہیں کیا جائے گا کیونکہ اگر درمیان میں آپ هُوَ لے آئے: بِسْمِ اللّٰهِ هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيمُ، پھر تو کسی کو پتہ نہیں چلے گا کہ یہ اَلرَّحْمٰنُ پہلے صفت تھی، اب اس کو صفت سے کاٹ کر خبر بنایا گیا ہے، کیونکہ درمیان میں هُوَ آگیا۔ سیدھی ترکیب ہو گی: هُوَ بتدا، اَلرَّحْمٰنُ خبر۔ لیکن جب هُوَ محذوف ہے تو اب بظاہر یہی لگ رہا تھا یہ صفت ہے، لیکن آپ نے اس پر کیا پڑھ دیا؟ رفع۔ تو پھر یہ اعراب کا جو اختلاف ہے یہ اشارہ کر دے گا کہ یہ مدح یا ذم یا ترحم کی بنا پر کیا جا رہا ہے بھائی۔ اور میں نے یہ بھی بتلایا تھا کہ مدح، ذم اور ترحم کی بنا پر نصب کا پڑھنا بھی جائز ہے بھائی: بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنَ الرَّحِيمَ۔ اور اس صورت میں پھر یہ جو نصب آیا ہے وہ فعلِ محذوف کی وجہ سے آیا ہے اور وہ فعل کیا ہے؟ أَعْنِي۔ اور یہ جو صفت ہے یہ اس کے لیے مفعول بنے گی: أَعْنِي الرَّحْمٰنَ۔ أَعْنِي فعل، أَنَا ضمیر مرفوع محلاً اس کے اندر فاعل اور اَلرَّحْمٰنَ مفعول بہ بھائی۔ اور یہاں أَعْنِي کو بھی حذف کرنا واجب ہے۔ اگر أَعْنِي کو آپ لفظوں میں ذکر کر دیں گے پھر تو پتہ ہی نہیں چلے گا کہ یہ پہلے وصف تھا اور اب اس کو أَعْنِي کے لیے مفعول بہ بنایا گیا ہے، یہ پھر پتہ ہی نہیں چلے گا۔ بات سمجھ میں آگئی؟

اب آئیے بھائی آگے آج کے سبق پر۔ کہتے ہیں: وَقَدْ يُحْذَفُ الْخَبَرُ جَوَازًا أَيْ حَذْفًا جَائِزًا لِقِيَامِ قَرِينَةٍ مِنْ غَيْرِ إِقَامَةِ شَيْءٍ مَقَامَهُ۔ جی، پہلے متن متن دیکھ لیں۔ کہتے ہیں: وَالْخَبَرُ جَوَازًا مِثْلُ خَرَجْتُ فَإِذَا السَّبُعُ۔ اور کبھی کبھار خبر کو جوازاً حذف کیا جاتا ہے، مِثْلُ خَرَجْتُ فَإِذَا السَّبُعُ، میں نکلا تو اچانک درندہ کھڑا تھا۔ سَبُع درندے کو کہتے ہیں۔ خَرَجْتُ فَإِذَا السَّبُعُ أَيْ

خَرَجْتُ فَإِذَا السَّبُعُ وَاقِفٌ بھائی۔ اس کی خبر وَاقِفٌ محذوف ہے بھائی۔ اور میں نے آپ کو بتلایا کہ حذف وہیں پر جائز ہے جہاں کوئی قرینہ موجود ہو۔ یاد رکھو جب ایک لفظ کو حذف کیا جائے تو اس کے لیے قرینے کا ہونا ضروری ہے، قرینہ ہی بتلائے گا کہ یہاں کون سا لفظ محذوف ہے بھائی۔ اور بعض اوقات حذف واجب ہوتا ہے۔ اور واجب وہاں ہو گا حذف جہاں قرینہ بھی موجود ہو، کوئی چیز بتلائے کہ یہاں یہ بات محذوف ہے، یہ لفظ محذوف ہے۔ توجہ ہے؟ قرینہ ہی تو بتلائے گا یہاں کچھ محذوف ہے، قرینہ نہیں تو پھر پتہ ہی نہیں چلے گا۔ تو بعض جگہ حذف جائز ہوتا ہے وہاں قرینہ ہونا ضروری، اور بعض جگہ حذف واجب ہوتا ہے۔ حذف واجب تب ہو گا جب قرینہ بھی موجود ہو، سننے والے کو بتلائے کہ یہاں ایک چیز ایک لفظ محذوف ہے، اور نیز وہاں اس خبر کا قائم مقام بھی کسی کو کر دیا جائے۔ ایک خبر کو آپ نے حذف کر لیا ہے اور دوسری چیز کو اس کا قائم مقام بنا دیا، اس کا نائب بنا دیا۔ اور نائب تبھی بناتے ہیں جب اصل نہ ہو بھائی۔ اگر اصل ہو پھر تو نائب نہیں کوئی اس کا بن سکتا۔ تو نائب کب بنایا جاتا ہے؟ جب اصل نہ ہو بھائی۔ جب اصل ہے پھر نائب بنانے کی کوئی حاجت نہیں۔ تو یہاں پر بھی جب خبر کو وجوباً حذف کیا جائے گا تو ایک تو وہاں قرینہ ہونا چاہیے جس سے سننے والوں کو بھی پتہ چلے کہ یہاں پر یہ خبر محذوف ہے، اور نیز وہاں اس خبر کا کوئی نائب بھی ہونا چاہیے یعنی کسی اور چیز کو خبر کا قائم مقام کر دیا جائے۔ اب جب کسی اور چیز کو خبر کا قائم مقام کر دیا ہے تو اب خبر کو حذف کرنا واجب ہے، اب آپ اس کو ذکر نہیں کر سکتے کیونکہ اس کا نائب موجود ہے، اور نائب اور اصل میں سے ایک آتا ہے ایک وقت میں، دونوں نہیں آتے۔ تو حذف جوازاً کہاں ہو گا؟ جہاں قرینہ تو ہو لیکن کسی کو اس کا قائم مقام نہ بنایا گیا ہو۔ اور حذف وجوباً کہاں ہو گا؟ جہاں قرینہ بھی ہو اور کسی دوسری چیز کو خبر کا نائب بھی بنا دیا جائے۔

تو پہلے جواز والی جگہ انہوں نے ذکر کی۔ کہتے ہیں کہ وَقَدْ يُحْذَفُ الْخَبَرُ جَوَازًا، اور کبھی کبھار خبر کو جوازاً حذف کر لیا جاتا ہے، أَيْ حَذْفًا جَائِزًا یعنی ایسا حذف ہے جو جائز ہوتا ہے، لِقِيَامِ قَرِينَةٍ قرینہ قائم ہوتے وقت بھائی، یہ لام کس معنی میں ہے؟ وقت، قرینہ قائم ہوتے وقت اس کو حذف کر لیا جاتا ہے اور یہ حذف کیسا ہے؟ جائز ہے، لِقِيَامِ قَرِينَةٍ قرینہ قائم ہوتے وقت، مِنْ غَيْرِ إِقَامَةِ شَيْءٍ مَقَامَهُ بغیر اس کے کہ کسی دوسری چیز کو اس کا قائم مقام کر دیا جائے۔ یعنی کسی دوسری چیز کو اس کا قائم مقام کیے بغیر ہی حذف کیا جاتا ہے۔ یہ قید کیوں لگائی؟ حذف وجوباً کو نکالنے کے لیے۔ کیونکہ حذف وجوباً میں بھی قرینہ تو ہوتا ہے لیکن وہاں کسی دوسری چیز کو اس کا قائم مقام کر دیا جاتا ہے، تو وہاں حذف واجب ہوتا ہے۔ اور یہاں قرینہ تو موجود ہے لیکن اس محذوف کا قائم مقام کسی کو نہیں بنایا گیا، تو معلوم ہوا یہ حذف جائز ہے، واجب نہیں۔ یہ معنی ہے مِنْ غَيْرِ إِقَامَةِ شَيْءٍ مَقَامَهُ، کسی دوسری چیز کو اس کا قائم مقام کیے بغیر۔ مِثْلُ الْخَبَرِ الْمَحْذُوفِ جَوَازًا فِي قَوْلِكَ، جیسے کہ وہ خبر جو محذوف ہے جوازاً آپ کے اس قول میں: خَرَجْتُ فَإِذَا السَّبُعُ۔ بھائی متن میں تھا مِثْلُ خَرَجْتُ فَإِذَا السَّبُعُ، اور صاحبِ جامی نے درمیان میں مِثْلُ کے بعد عبارت نکالی: مِثْلُ الْخَبَرِ الْمَحْذُوفِ جَوَازًا فِي قَوْلِكَ. یہ پھر وہی اعتراض

کا جواب دینا چاہتے ہیں جو كَقَوْلِ الْمُسْتَهِلِّ الْهِلَالُ وَاللّٰهِ پر ہوا تھا۔ کہ یہاں بات کس کی چل رہی ہے؟ وہ خبر جس کو حذف کرنا جائز ہے۔ توجہ ہے؟ اور مثال کیا دی؟ خَرَجْتُ فَإِذَا السَّبُعُ، میں نکلا تو اچانک درندہ تھا۔ یہ إِذَا کون سا ہے؟ مفاجاتیہ، اور اَلسَّبُعُ ہے بتدا، اور وَاقِفٌ خبر محذوف ہے۔ تو عبارت میں جو ذکر ہے اَلسَّبُعُ، یہ خبر ہے یا بتدا؟ یہ بتدا ہے، یہ بتدا ہے خبر تو محذوف ہے۔ تو بات چل رہی ہے اس خبر کی جس کو جوازاً حذف کیا جاتا ہے، اور مثال کیا دے رہے ہیں؟ خَرَجْتُ فَإِذَا السَّبُعُ، یہ تو بتدا کی مثال ہے بھائی۔ بتدا ذکر ہے، اس کے اندر تو خبر ذکر ہی نہیں۔ تو صاحبِ کافیہ بات کس کی کر رہے ہیں؟ وہ خبر جس کو جوازاً حذف کیا جاتا ہے۔ اور مثال جو ذکر کی اس میں تو بتدا ذکر ہے، خبر تو اس میں ذکر ہی نہیں۔ تو یہ مثال ممثل لہ کے مطابق نہیں۔ تو صاحبِ جامی اس کا جواب دے رہے ہیں کہ نہیں بھائی، مثال ممثل لہ کے مطابق ہے۔ کس طرح؟ کہ یہ جو قول ہے، اس کے اندر جو خبر محذوف ہے، خَرَجْتُ فَإِذَا السَّبُعُ وَاقِفٌ، یہ وَاقِفٌ یہاں کیا ہے؟ محذوف۔ تو یہ جو خبر اس کلام کے اندر محذوف ہے، یہ حذفِ خبر جوازاً کی مثال ہے۔ یعنی یہ مثال ہے اس خبر کی جس کو جوازاً حذف کیا گیا ہے۔ آپ چاہیں حذف کریں چاہے حذف نہ کریں۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو کیا اعتراض ہوا؟ کہ بات کس کی چل رہی ہے؟ وہ خبر جو محذوف ہو جوازاً، اور مثال آپ نے کیا دی؟ خَرَجْتُ فَإِذَا السَّبُعُ، اس کے اندر تو سَبُع بتدا ہے، آپ نے تو مثال میں بتدا کو ذکر کر دیا حالانکہ کس کو ذکر کرنا چاہیے تھا؟ وہ خبر جو جوازاً محذوف ہو۔ تو وہ تو آپ نے ذکر ہی نہیں کی۔ تو صاحبِ جامی بتلا رہے ہیں نہیں بھائی، یہ اسی کی مثال ہے۔ اس مثال میں توجہ ہے؟ اس مثال میں وہ جو خبر محذوف ہے، وہ خبرِ محذوف...

محذوف جوازاً کی مثال ہے۔ تو کہتے ہیں مِثْلُ الْخَبَرِ الْمَحْذُوفِ، تو دیکھو صاحبِ جامی اَلْخَبَرِ الْمَحْذُوفِ کا لفظ یہاں لے آئے۔ مِثْلُ الْخَبَرِ الْمَحْذُوفِ جَوَازًا فِي قَوْلِكَ، جیسے کہ وہ خبر جو محذوف ہے جوازاً آپ کے اس قول میں: خَرَجْتُ فَإِذَا السَّبُعُ۔ فَإِنَّ تَقْدِيرَهُ عَلَى الْمَذْهَبِ الصَّحِيحِ اس لیے کیونکہ اس قول کی تقدیر جو ہے وہ مذہبِ صحیح کے مطابق كَمَا نَصَّ عَلَيْهِ صَاحِبُ اللُّبَابِ جیسے کہ اس کی تصریح کی ہے صاحبِ لباب نے۔ صاحبِ لباب، ان کا ذکر پہلے بھی گزر چکا ہے، جہاں صاحبِ کافیہ نے کلام کی بات کی تھی وہاں صاحبِ جامی نے ان کا ذکر فرمایا تھا۔ صاحبِ لباب یہ بہت بڑے نحوی گزرے ہیں بھائی، اور ان کا نام تاج الدین محمد ابن محمد ہے، اور ان کی وفات ہوئی ہے ۶۸۴ ہجری میں۔ ۶۸۴ ہجری میں ان کی وفات ہوئی ہے اور انہوں نے کئی بڑی قیمتی کتابیں لکھیں، بہت بڑے نحوی تھے، اور سب سے زیادہ شہرت جو حاصل ہوئی ان کی کتاب لُبَابُ الْإِعْرَابِ کو بھائی، لُبَابُ الْإِعْرَابِ کو، اور اسی سے یہ مشہور ہیں صاحبِ لباب کے نام سے بھائی۔ تو یہ ان کا نام کیا ہے؟ علامہ تاج الدین محمد ابن محمد الاسفرائینی بھائی۔ تو علامہ تاج الدین اسفرائینی کہتے ہیں ان کو بھائی۔

تو کہتے ہیں فَإِنَّ تَقْدِيرَهُ عَلَى الْمَذْهَبِ الصَّحِيحِ كَمَا نَصَّ عَلَيْهِ صَاحِبُ اللُّبَابِ۔ کہتے ہیں اس قول کی تقدیر جو ہے مذہبِ صحیح پر كَمَا نَصَّ عَلَيْهِ صَاحِبُ اللُّبَابِ جیسے کہ اس پر تصریح کی ہے صاحبِ لباب نے۔ نَصَّ عَلَيْهِ کا معنی ہے کسی چیز پر تصریح کرنا بھائی۔ یعنی صاف لفظوں میں ایک بات کو ذکر کرنا۔ بعض اوقات ایسا ہوتا ہے ایک چیز کسی کلام سے اشارتاً معلوم ہو

رہی ہوتی ہے، اور ایک ہے صاف لفظوں میں ایک بات کو ذکر کرنا کہ اس کلام کی تقدیر یہ ہے خَرَجْتُ فَإِذَا السَّبُعُ وَاقِفٌ، صاف لفظوں میں بیان کرنا۔ اس کو کیا کہتے ہیں؟ تصریح بھائی۔ تو جیسے اس پر تصریح کی ہے صاحبِ لباب نے خَرَجْتُ فَإِذَا السَّبُعُ وَاقِفٌ، اس کلام کی تقدیر کیا ہے؟ خَرَجْتُ میں نکلا تو فَإِذَا السَّبُعُ وَاقِفٌ تو اچانک درندہ کھڑا تھا۔ عَلَى أَنْ يَكُونَ إِذَا ظَرْفَ زَمَانٍ بنا پر اس کے کہ إِذَا جو ہے وہ ظرفِ زمان ہے لِلْخَبَرِ الْمَحْذُوفِ خبرِ محذوف کے لیے مِنْ غَيْرِ سَادٍّ مَسَدَّهُ بغیر اس کو اس کا قائم مقام کیے ہوئے، أَيْ فَفِي وَقْتِ خُرُوجِي السَّبُعُ وَاقِفٌ یعنی میرے نکلنے کے وقت میں درندہ کھڑا تھا۔

بھائی یہ سمجھ لیں اس کو۔ یاد رکھو یہ جو إِذَا مفاجاتیہ ہے اس کے اندر علماء کا اختلاف ہے۔ بعض علماء فرماتے ہیں کہ یہ ظرفِ زمان ہے۔ ظرفِ زمان۔ یاد رکھو یہ إِذَا جو ہے ظرفِ زمان ہے، اس کا کیا معنی کرتے ہیں اردو میں؟ جب، جب۔ آتِيكَ میں آپ کے پاس آؤں گا إِذَا طَلَعَتِ الشَّمْسُ جب سورج طلوع ہو گا۔ آتِيكَ میں آپ کے پاس آؤں گا، کب آؤں گا؟ إِذَا طَلَعَتِ الشَّمْسُ جب سورج طلوع ہو گا۔ دیکھا یہ زمانے کی بات ہو رہی ہے، میں اس زمانے میں آؤں گا جس زمانے میں سورج طلوع ہو گا یعنی جس وقت میں سورج طلوع ہو گا۔ تو یہ إِذَا کس لیے آتا ہے؟ زمانے کے لیے۔ تو لہٰذا یہاں پر بھی یہ جو إِذَا مفاجاتیہ ہے یہ ظرفِ زمان ہی ہے۔ خَرَجْتُ میں نکلا فَإِذَا السَّبُعُ وَاقِفٌ تو اچانک اس وقت درندہ کھڑا تھا۔ دیکھا یہ إِذَا وقت کے معنی میں ہے۔ توجہ ہے؟ جبکہ بعض علماء فرماتے ہیں کہ یہ إِذَا مفاجاتیہ یہ ظرفِ مکان ہے۔ ظرفِ مکان ہے، یہ جگہ کے لیے آیا ہے یہاں پر۔ وہ فرماتے ہیں خَرَجْتُ میں نکلا فَإِذَا السَّبُعُ وَاقِفٌ تو اچانک اس جگہ پر درندہ کھڑا تھا۔ پہلوں نے کیا کہا؟ اس زمانے میں درندہ کھڑا تھا۔ بعض کیا فرماتے ہیں؟ اس جگہ پر درندہ کھڑا تھا۔ اور اسی طرح بعض علماء فرماتے ہیں کہ یہ جو إِذَا مفاجاتیہ ہے، اس کی صورت تو إِذَا ظرفیہ کی طرح ہے۔ إِذَا جو ظرف آتا ہے زمانے کے لیے، اس کی صورت تو إِذَا ظرفیہ جیسی ہے لیکن یہ حرف ہے۔ یہ کیا ہے؟ حرف ہے، یہ اسم ہے ہی نہیں، یہ ظرف ہے ہی نہیں، یہ حرف ہے، اور اچانک کے معنی میں ہے۔ تو گویا تین قسم کے قول آ گئے بھائی، اور اس میں صاحبِ جامی فرما رہے ہیں، کس کو ترجیح دے رہے ہیں؟ جو صاحبِ لباب نے لکھا، انہوں نے اس کو کیا قرار دیا؟ ظرفِ زمان قرار دیا ہے۔

اور یاد رکھو یہ جب ظرفِ زمان ہے، تو جب ظرف ہے تو ظرف پر کون سا اعراب آتا ہے؟ ظرف پر؟ بھئی یہ ظرفِ حقیقی ہے نا؟ ظرفِ حقیقی کیا بنتا ہے کلام میں؟ مفعول فیہ بنتا ہے، اس پر نصب آتا ہے۔ تو اس کا عامل کون ہے؟ کون اس کو نصب دے رہا ہے؟ تو بعض علماء فرماتے ہیں کہ یہ جو خبرِ محذوف ہے فَإِذَا السَّبُعُ وَاقِفٌ یہ وَاقِفٌ یا مَوْجُودٌ جو بھی خبر آپ نے نکالی ہے، وہ اس کے اندر عامل ہے۔ وہ اس کے اندر عامل ہے، وہ اس کو نصب دے رہی ہے۔ اور وَاقِفٌ یہ تو اسمِ فاعل کا صیغہ ہے، یا اسی طرح مَوْجُودٌ نکال لیں تو وہ اسمِ مفعول کا صیغہ ہے، اور صفت کے صیغے بھی اپنے فعل جیسا عمل کرتے ہیں آپ جانتے ہیں بھائی۔ تو یہ اس کو نصب دے رہا ہے، یہ اس کے لیے مفعول فیہ ہے۔ بات سمجھ میں آ گئی؟ اور جب خبر کو اس کے اندر عامل بنائیں گے، توجہ سے سنو بھائی، جب خبر یعنی وَاقِفٌ کو إِذَا میں عامل بنائیں گے، تو پھر إِذَا آگے آنے والے جملے کی طرف مضاف نہیں۔ یہ عموماً مضاف ہوتا ہے۔ إِذَا کیا ہوتا ہے؟ مضاف ہوتا ہے۔ تو یہ إِذَا آگے

آنے والے جملے کی طرف مضاف ہوتا ہے۔ لیکن جب آپ اس کے اندر وَاقِفٌ کو عامل بنائیں گے، تو اس صورت میں پھر اس کو مضاف نہیں بنائیں گے۔ کیونکہ پھر خرابی لازم آئے گی۔ خرابی کیا؟ کہ إِذَا مضاف ہو گیا کس کی طرف؟ اَلسَّبُعُ وَاقِفٌ کی طرف، توجہ ہے؟ یہ مضاف ہوا اَلسَّبُعُ وَاقِفٌ کی طرف، اور مضاف عامل ہوتا ہے مضاف الیہ کے اندر، تو گویا یہ عامل بن گیا اَلسَّبُعُ وَاقِفٌ کے اندر، اس کو یہ جر دے رہا ہے۔ اور وہ جو اس کا مجرور ہے اسی کا ایک جز وَاقِفٌ اس کے اندر عمل کر رہا ہے۔ تو گویا عامل جس کے اندر عمل کر رہا تھا وہ جو معمول ہے اس معمول ہی کا ایک جز پھر خود اس کے اندر بھی عمل کر رہا ہے، تو دونوں ایک دوسرے میں عمل کرنے والے بن جائیں گے حالانکہ یہ درست نہیں ہے بھائی کہ دونوں ایک دوسرے میں عمل کریں۔ تو لہٰذا جب وَاقِفٌ یعنی خبر کو اس کے اندر عامل بنائیں تو پھر اس کی اضافت نہیں کریں گے کس کی طرف؟ آگے آنے والے جملے کی طرف۔ چنانچہ اسی لیے صاحبِ جامی نے دیکھو آگے تفسیر کیا کی: أَيْ فَفِي وَقْتِ خُرُوجِي السَّبُعُ وَاقِفٌ، میرے نکلنے کے وقت میں درندہ کھڑا تھا۔ دیکھو یہ وَقْتِ کی اضافت اَلسَّبُعُ وَاقِفٌ کی طرف نہیں کی بھائی، یہی بتلانے کے لیے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ ورنہ تو کیا کہنا چاہیے تھا؟ وَقْتِ وُقُوفِ السَّبُعِ کہنا چاہیے تھا بھائی۔ اگر یہ مضاف ہوتا تو پھر اس جملے کی طرف اس کو مصدر بنا کر اس کا مضاف الیہ ذکر کرتے۔ تو لہٰذا اس صورت میں پھر یہ مضاف نہیں ہو گا۔ بات سمجھ میں آگئی؟ جب یہ مفعول فیہ ہے کس کے لیے؟ وہ جو خبر ہے اس کے لیے تو پھر یہ آگے آنے والے جملے کی طرف مضاف نہیں۔

جبکہ بعض علماء فرماتے ہیں کہ خبر اس کے اندر عامل نہیں ہے، وہ نصب نہیں دے رہی، بلکہ یہ فا عاطفہ ہے۔ یہ فا عاطفہ ہے، اور اس کے بعد ایک فعل محذوف ہے اور وہ ہے فَاجَأُتْ۔ خَرَجْتُ فَفَاجَأُتْ، خَرَجْتُ فَفَاجَأُتْ۔ اور إِذَا کا معنی کر لیں وقت یا زمانے کے ساتھ۔ إِذَا کا ترجمہ کس سے کر لیں؟ إِذَا ظرفیہ ہے نا، وقت یا زمانے کے ساتھ اس کو تعبیر کر دیں۔ اور آگے جملے کی طرف اب اضافت کر دیں۔ کیا کر دیں؟ اضافت کر دیں، کیونکہ اب وہ وَاقِفٌ عامل نہیں ہے، اب فَاجَأُتْ جو فعل نکالا ہے وہ اس کے اندر عامل ہے، توجہ ہے؟ تو معلوم ہوا اب إِذَا کو مضاف اور اَلسَّبُعُ وَاقِفٌ کو مضاف الیہ بنانے میں کوئی خرابی نہیں، کیونکہ وَاقِفٌ اس میں عامل ہے ہی نہیں، فَاجَأُتْ عامل ہے۔ تو اب آگے آنے والا جملہ ہے اس کی طرف یہ مضاف ہے، اور مضاف الیہ تو مفرد ہوتا ہے اور یہ تو جملہ ہے، تو اس جملے کو مفرد سے بدل دیں۔ اس جملے کو مفرد سے بدل کر مضاف الیہ بنا دیں۔ اور جملے کو مفرد سے کیسے بدلتے ہیں؟ مضمونِ جملہ نکالتے ہیں۔ مضمونِ جملہ کیا ہے؟ خبر کا مصدر نکالیں اور بتدا کی طرف مضاف کر دیں۔ اَلسَّبُعُ وَاقِفٌ خبر کیا ہے؟ وَاقِفٌ، وَاقِفٌ کا مصدر نکالیں، وُقُوف بھائی، وُقُوف بھائی۔ اس وُقُوف کی اضافت کریں اَلسَّبُعُ بتدا کی طرف، کیا بن گیا؟ وُقُوفُ السَّبُعِ، درندے کا کھڑا ہونا۔ تو وُقُوفُ السَّبُعِ یہ مضمونِ جملہ نکل آیا، اور اس کی طرف اب إِذَا کی اضافت کر دیں: خَرَجْتُ فَفَاجَأُتْ إِذَا وُقُوفِ السَّبُعِ، خَرَجْتُ فَفَاجَأُتْ إِذَا وُقُوفِ السَّبُعِ۔ یہ إِذَا مضاف ہے تو اس جملے کو ہم نے مفرد بنا لیا کیونکہ مضاف الیہ مفرد ہوتا ہے بھائی۔ اور پھر یہ إِذَا وقت یا زمانے کے معنی میں ہے، تو إِذَا کی جگہ ذرا وقت یا زمانے کا لفظ لے آؤ: خَرَجْتُ فَفَاجَأُتْ زَمَانَ وُقُوفِ السَّبُعِ،

خَرَجْتُ فَفَاجَأْتُ زَمَانَ وُقُوفِ السَّبُعِ، میں نکلا تو اچانک میں نے پایا درندے کے کھڑے ہونے کا زمانہ۔

درندے کے کھڑے ہونے کا زمانہ میں نے پایا۔ یا وقت کا لفظ لے آئیں: خَرَجْتُ فَفَاجَأْتُ وَقْتَ وُقُوفِ السَّبُعِ، میں نکلا تو اچانک میں نے پایا درندے کے کھڑے ہونے کا وقت بھائی۔

اور یاد رکھنا جب آپ فَاجَأْتُ یہاں فعلِ محذوف نکالیں گے، تو آگے جو إِذَا ہے یہ اس کے لیے پھر مفعول فیہ نہیں بنے گا بلکہ مفعول بہ بن جائے گا۔ کیا بن جائے گا؟ آپ معنی پر غور کر لیں: فَفَاجَأْتُ میں نے اچانک پایا، کس چیز کو پایا؟ وَقْتَ وُقُوفِ السَّبُعِ درندے کے کھڑے ہونے کے زمانے کو پا لیا۔ جیسے آپ کہتے ہیں: وَجَدْتُ كِتَابًا میں نے کتاب پا لی، تو وَجَدْتُ کے لیے کتاب کیا ہے؟ مفعول بہ ہے۔ تو یہاں پر بھی جس چیز کو پایا ہے وہ مفعول بہ ہے، مفعول فیہ نہیں۔ مفعول فیہ تو اس کو کہتے ہیں جس کے اندر وہ فعل ہوا ہو۔ وہ پانے کا جو زمانہ ہے، جس زمانے میں چیز پائی ہے، وہ مفعول فیہ بنے گا بھائی۔ لیکن یہاں یہ نہیں کہہ رہے اس زمانے میں میں نے یہ چیز پائی بلکہ کہہ رہے ہیں میں نے وہ زمانہ پا لیا۔ بات سمجھ میں آ گئی؟ تو یہ کیا بن جائے گا؟ مفعول بہ۔ عبارت پر غور کر رہے ہیں، معنی سمجھ میں آ رہا ہے؟ مفعول فیہ اور مفعول بہ کے اندر فرق سمجھ میں آ رہا ہے؟ دیکھو مفعول فیہ وہ ہوتا ہے کہ جس کے اندر کوئی فعل کیا جائے۔ ضَرَبْتُ زَيْدًا يَوْمَ الْجُمُعَةِ، میں نے زید کی پٹائی کی، کب؟ جمعے کے دن میں پٹائی کی۔ وہاں فِی بھی آ سکتا ہے اور یہاں فِی نہیں آ سکتا۔ وَجَدْتُ زَمَانَ وُقُوفِ السَّبُعِ میں نے کیا پایا؟ درندے کے وقوف کا زمانہ پایا۔ یہ نہیں آپ کہہ سکتے میں نے درندے کے وقوف کے زمانے میں پایا۔ فِی زَمَانِ وُقُوفِ السَّبُعِ نہیں کہہ سکتے۔ کیونکہ پھر یہ مفعول چاہے گا بھائی، کیا چیز پائی آپ نے درندے کے وقوف کے زمانے میں؟ تو یہی إِذَا کیا بن جائے گا اس فَاجَأْتُ کے لیے مفعول بہ بن جائے گا۔ تو اگر وَاقِفٌ کو إِذَا کے اندر عامل بنائیں پھر إِذَا ظرف ہے اس کے لیے، مفعول فیہ ہے بھائی۔ اور اگر فَاجَأْتُ کو إِذَا کے اندر عامل بنائیں پھر إِذَا جو ہے مفعول فیہ نہیں بنے گا بلکہ مفعول بہ بن جائے گا۔ بات اچھی طرح سمجھ میں آ گئی؟

اور پھر یہ بھی یاد رکھنا کہ یہ جو خبر ہے اس کو حذف کرنا جائز ہے۔ خبر کو حذف کرنا جائز ہے۔ جب خبر کو حذف کرنا جائز ہے اور یہ خبر کس کے اندر عامل ہے؟ إِذَا کے اندر، توجہ ہے؟ وہ جو صاحبِ جامی قول ذکر کر رہے ہیں اس کی بات کر رہا ہوں۔ صاحبِ جامی کے مطابق یہ إِذَا کے اندر عامل کون ہے؟ صاحبِ لباب کے قول کے مطابق إِذَا کے اندر عامل کون ہے؟ آگے آنے والی خبر عامل ہے۔ اور اس خبر کو حذف کر دیا۔ اور آپ جانتے ہیں کہ بعض اوقات خبر کو حذف کر کے ظرف کو اس کا قائم مقام بنا دیتے ہیں۔ زَيْدٌ عِنْدِي اصل میں کیا تھا؟ زَيْدٌ عِنْدِي: زید مبتدا ہے عِنْدِي خبر ہے، اور عِنْدِي اصل میں کیا تھا؟ ثَابِتٌ عِنْدِي تھا۔ تو اصل خبر کیا تھی؟ ثَابِتٌ، اور وہی عامل تھی عِنْدِي کے اندر بھی، اس کے لیے یہ مفعول فیہ بن رہا تھا۔ پھر اس ثَابِتٌ خبر کو حذف کر دیا اور عِنْدِي ظرف کو اس کا قائم مقام کر دیا، توجہ ہے؟ لیکن یہاں پر ایسا نہیں ہے کہ خبر کو حذف کر دیا ہو، وَاقِفٌ کو حذف کر دیا اور إِذَا کو اس کا قائم مقام بنا دیا۔ کیوں؟ خبر کو جب حذف کیا ہے تو آپ یہ کیوں

نہیں کہتے کہ إِذَا کو اس کا قائم مقام کر دیا؟ زَيْدٌ عِنْدِي اس کے اندر تو آپ کہتے ہیں ثَابِتٌ کو حذف کر دیا یعنی عامل کو حذف کر دیا اور معمول کو اس کا قائم مقام کر دیا ظرف کو۔ یہاں آپ یہ نہیں کہتے کہ فَإِذَا السَّبُعُ وَاقِفٌ: وَاقِفٌ عامل ہے اور إِذَا اس کا مفعول فیہ ہے اس کا ظرف ہے، عامل کو حذف کر دیا اور إِذَا کو اس کا قائم مقام بنا دیا۔ کیوں نہیں کہتے؟ وجہ یہ ہے کہ اگر إِذَا کو اس خبر کا قائم مقام بنا دیں گے تو یہ تو اس کا نائب بن جائے گا، پھر تو خبر کا حذف یہاں واجب ہو جائے گا بھائی۔ حالانکہ یہاں خبر کا حذف واجب ہے یا جائز ہے؟ جائز ہے، واجب نہیں ہے۔ بات سمجھ میں آ گئی؟

تو دیکھیے بھائی کتاب پر، کہتے ہیں: فَإِنَّ تَقْدِيرَهُ عَلَى الْمَذْهَبِ الصَّحِيحِ کہ اس کلام کی تقدیر جو ہے مذہبِ صحیح پر كَمَا نَصَّ عَلَيْهِ صَاحِبُ اللُّبَابِ جیسے کہ اس پر تصریح کی ہے صاحبِ لباب نے، کلام کی تقدیر یہ ہے: خَرَجْتُ فَإِذَا السَّبُعُ وَاقِفٌ۔ دیکھا وَاقِفٌ خبرِ محذوف ہے۔ عَلَى أَنْ يَكُونَ إِذَا ظَرْفَ زَمَانٍ لِلْخَبَرِ الْمَحْذُوفِ بنا پر اس کے کہ إِذَا جو ہے وہ ظرفِ زمان ہے لِلْخَبَرِ الْمَحْذُوفِ اس خبرِ محذوف کے لیے، یہ اس کے لیے ظرفِ زمان ہے یعنی مفعول فیہ ہے، مِنْ غَيْرِ سَادٍّ مَسَدَّهُ بغیر اس کے قائم مقام ہوئے۔ مِنْ غَيْرِ سَادٍّ مَسَدَّهُ، سَادٍّ مَسَدَّهُ کہہ لیں یا قَائِمٍ مَقَامَهُ کہہ لیں ایک ہی معنی ہے۔ مِنْ غَيْرِ سَادٍّ مَسَدَّهُ بغیر اس کے قائم مقام ہوئے۔ بغیر اس کے قائم مقام ہوئے، یہ قید کیوں لگائی؟ کیونکہ اگر یہ إِذَا اس کا قائم مقام ہوتا پھر تو خبر کا حذف واجب ہونا چاہیے تھا حالانکہ یہ واجب نہیں ہے بھائی۔ أَيْ فَفِي وَقْتِ خُرُوجِي دیکھو اب تفسیر کر رہے ہیں۔ دیکھو مثال میں کیا آیا تھا؟ فَإِذَا السَّبُعُ وَاقِفٌ۔ اب یہ إِذَا کو وقت یا زمانے کے معنی میں لے لیں گے۔ اور ظرفیت کے لیے عربی میں کیا آتا ہے؟ فِی آتا ہے، تو پہلے فِی بھی لے آئیں گے، دیکھو: أَيْ فَفِي وَقْتِ خُرُوجِي تو میرے نکلنے کے وقت میں السَّبُعُ وَاقِفٌ درندہ کھڑا تھا۔ معلوم ہوا یہ إِذَا کون سا ہے؟ ظرفِ زمان ہے، اسی لیے وقت کے ساتھ اس کی تفسیر کی۔ تو کہتے ہیں أَيْ فَفِي وَقْتِ خُرُوجِي تو میرے نکلنے کے وقت میں السَّبُعُ وَاقِفٌ درندہ کھڑا تھا۔ یہاں تک بات سمجھ میں آ گئی؟

آگے دیکھیے: وَقَدْ يُحْذَفُ الْخَبَرُ لِقِيَامِ قَرِينَةٍ وُجُوبًا أَيْ حَذْفًا وَاجِبًا فِيمَا الْتُزِمَ أَيْ فِي تَرْكِيبٍ الْتُزِمَ فِي مَوْضِعِهِ أَيْ مَوْضِعِ الْخَبَرِ غَيْرُهُ۔ بھائی اب کچھ وہ جگہیں ذکر کریں گے جہاں خبر کا حذف کرنا واجب ہے۔ اور میں نے بتایا کہ خبر کا حذف جب واجب ہو تو وہاں دو چیزیں ہوں گی: ایک تو کوئی قرینہ ہو گا جو ہمیں بتلائے گا کہ خبر محذوف ہے، اور دوسرا وہاں اس خبر کا قائم مقام بھی کسی کو بنایا جائے گا، پھر ہی حذف واجب ہو گا۔ دراصل علمائے نحو نے دیکھا کلامِ عرب میں غور کرتے ہوئے کہ بعض جگہیں ایسی ہیں کہ عرب وہاں پر مبتدا کو تو لاتے ہیں، خبر کو لاتے ہی نہیں ہیں، خبر کو حذف کر دیتے ہیں۔ توجہ ہے؟ بعض جگہ علمائے نحو کو ایسی ملیں جہاں عرب مبتدا کو تو ذکر کرتے ہیں اور خبر کو ذکر ہی نہیں کرتے۔ انہوں نے تمام عرب کے کلام میں چھان بین کی، تو یہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ ایک بھی، ایک بھی فصیح شخص اس خبر کو ذکر نہیں کر رہا۔ معلوم ہوا اس کا حذف واجب ہے۔ اگر واجب نہ ہوتا تو بعض لوگ تو اس کو ذکر کر دیتے۔ لیکن انہوں نے دیکھا کہ تمام

فصحائے عرب جو ہیں وہ اس خبر کو کیا کرتے ہیں؟ حذف کرتے ہیں۔ تو وہ حیران ہوئے کہ بھائی کیا وجہ ہے، کیوں حذف کرتے ہیں، کبھی تو ذکر بھی کرنا چاہیے بھائی۔ تو پھر بالآخر وہ اس نتیجے پر پہنچے کہ معلوم ہوا خبر کا قائم مقام کسی چیز کو بنا دیا گیا ہے، اور جب تک وہ قائم مقام موجود ہے خبر کا حذف واجب ہے بھائی۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو چنانچہ اس لیے نحوی حضرات کہنے لگے کہ یہاں پر خبر کا حذف واجب اس لیے ہے کیونکہ اس کا قائم مقام کسی دوسری چیز کو بنا دیا گیا ہے، اور جب قائم مقام یا نائب موجود ہو تو اصل نہیں آسکتا، اسی لیے ایک بھی فصیح و بلیغ شخص عرب کا وہ اس خبر کو اپنے قول میں ذکر نہیں کرتا، ہمیشہ محذوف رکھتا ہے۔ معلوم ہوا کہ اس خبر کا قائم مقام کسی دوسری چیز کو انہوں نے بنا دیا ہے۔ تو وہ جگہیں انہوں نے تلاش کیں تو وہ چار جگہیں تھیں بھائی۔ کتنی جگہیں؟ چار جگہیں ہیں جہاں پر خبر کو حذف کرنا واجب ہے۔ اب وہ چار جگہیں یہ ذکر کریں گے بھائی۔

دیکھیے بھائی، پہلے متن متن دیکھ لیں۔ کہتے ہیں بھائی: وَوُجُوبًا، اور کبھی کبھار خبر کو وجوباً حذف کر لیا جاتا ہے، فِيمَا الْتُزِمَ اس ترکیب کے اندر الْتُزِمَ فِي مَوْضِعِهِ غَيْرُهُ جہاں لازم پکڑا جائے، اِلْتَزَمَ کا کیا معنی؟ لازم، فِيمَا اس ترکیب کے اندر جہاں لازم پکڑا جائے فِي مَوْضِعِهِ اس جگہ کے اندر غَيْرُهُ غیرِ خبر کو۔ بھائی خبر کی جگہ ہے، خبر کی جگہ پر کسی غیرِ خبر کو لازم پکڑ لیا یعنی اس کو اس کا قائم مقام کر دیا بھائی۔ توجہ ہے؟ معنی سمجھ میں آرہا ہے؟ خبر کو کیا کر دیا؟ حذف۔ تو جو خبر کی جگہ تھی اس جگہ کسی اور کو لازم پکڑ لیا یعنی اس کو اس کا قائم مقام کر دیا۔ تو کہتے ہیں فِيمَا اس ترکیب میں، کس میں؟ اس ترکیب میں۔ ترکیب سے یہ جو آپ ترکیب کرتے ہیں وہ ترکیب مراد نہیں ہے بھائی، یہ جو آپ ترکیب کرتے ہیں اس کو عربی میں اعراب کہتے ہیں۔ کیا کہتے ہیں؟ اعراب۔ عرب کے سامنے ترکیب کا لفظ ذکر کریں، ترکیب کا معنی تو ہے جوڑنا۔ رَكَّبَ يُرَكِّبُ تَرْكِيبًا کا معنی ہے لفظوں کو، چیزوں کو آپس میں جوڑنا۔ بات سمجھ میں آگئی؟ اور آپ جو ترکیب کرتے ہیں آپ تو اس میں لفظوں کا اعراب بتاتے ہیں بھائی۔ تو اس کے لیے عربی میں اعراب کا لفظ استعمال ہوتا ہے ترکیب کا لفظ استعمال نہیں ہوتا۔ تو یہاں مَا سے مراد صاحبِ جامی بتائیں گے ترکیب مراد ہے۔ کیا معنی ترکیب؟ یعنی یہ جو لفظوں کو آپس میں جوڑ کر ایک کلام بنایا گیا ہے، یہ جو ترکیب ہے، یہ جو لفظوں کو آپس میں جوڑا گیا ہے، اس کے اندر خبر کی جگہ پر دوسری چیز کو اس کا قائم مقام بنا دیا گیا ہے۔ معنی سمجھ میں آرہا ہے؟

تو کہتے ہیں کبھی کبھار خبر کو وجوباً حذف کر لیا جاتا ہے فِيمَا اس ترکیب کے اندر الْتُزِمَ فِي مَوْضِعِهِ کہ لازم پکڑا جائے اس خبر کے مقام میں غَيْرُهُ غیرِ خبر کو۔ غیرِ خبر کو خبر کا قائم مقام بنا دیا جائے۔ مِثْلُ لَوْلَا زَيْدٌ لَكَانَ كَذَا، جیسے یہ پہلی مثال ہے بھائی۔ چار جگہیں ذکر کریں گے: پہلی مثال کیا؟ لَوْلَا زَيْدٌ لَكَانَ كَذَا۔ دوسری مثال کیا؟ ضَرْبِي زَيْدًا قَائِمًا، یہ بھی متن میں آرہا ہے۔ تیسری جگہ کیا؟ كُلُّ رَجُلٍ وَضَيْعَتُهُ۔ اور چوتھی جگہ ہے لَعَمْرُكَ لَأَفْعَلَنَّ كَذَا۔

تو یہ پہلا مقام جو ذکر کر رہے ہیں: مِثْلُ لَوْلَا زَيْدٌ لَكَانَ كَذَا۔ بھائی یہاں لَوْلَا آیا۔ یاد رکھو لَوْلَا دو قسم پر ہے۔ ایک لَوْلَا تحضیضیہ ہے، ضاد ہیں دو اس کے اندر بھائی، تحضیضیہ۔ حَضَّضَ يُحَضِّضُ تَحْضِيضًا کا معنی ہوتا ہے دوسرے کو کسی بات پر ابھارنا، کسی کو کسی بات پر برانگیختہ کرنا۔ تو ایک لَوْلَا تحضیضیہ ہے، وہ کسی کو کسی بات پر ابھارنے کے لیے لایا جاتا ہے۔ اور یاد رکھو یہ جو لَوْلَا تحضیضیہ ہے یہ ایک جملے پر داخل ہوتا ہے، اور وہ جملہ بھی ہمیشہ فعلیہ ہونا چاہیے کیونکہ ابھارا جو ہے وہ فعل پر جاتا ہے، ذات پر نہیں بلکہ فعل پر ابھارا جاتا ہے۔ مثلاً آپ اپنے ساتھی سے کہتے ہیں: لَوْلَا تَضْرِبُ زَيْدًا، لَوْلَا تَضْرِبُ زَيْدًا، تو زید کی پٹائی کیوں نہیں کرتا؟ دیکھا آپ اس کو ابھار رہے ہیں کہ مطلب تمہیں زید کی پٹائی کرنی چاہیے بھائی۔ لَوْلَا تَضْرِبُ زَيْدًا، تو یہ لَوْلَا کیا ہے؟ تحضیضیہ ہے، ابھارنے کے لیے ہے۔ اور کبھی یہ ماضی پر بھی داخل ہوتا ہے۔ ماضی پر جب یہ داخل ہو تو پھر ماضی میں تو ابھارنا نہیں ہو سکتا، وہاں پھر دوسرے کو ملامت کرنا مقصود ہوتا ہے۔ لَوْلَا ضَرَبْتَ زَيْدًا، دیکھو اب ضَرَبْتَ ماضی ہے۔ لَوْلَا ضَرَبْتَ زَيْدًا، تو نے زید کو کیوں نہیں مارا؟ دیکھو ماضی کی بات ہے، تم نے زید کو کیوں نہیں مارا؟ اور ماضی پر ابھارا تو نہیں جا سکتا، وہ تو بات گزر چکی ہے، مطلب دوسرے کو صرف ملامت کر رہا ہے کہ کیوں نہیں مارا تم نے۔ فعلِ مضارع آئے گا مستقبل کی بات ہو گی تو وہاں ہے ابھارنا، اور ماضی کی بات ہو گی تو پھر اس کا معنی کیا ہے؟ ملامت کرنا۔ تو یہ لَوْلَا تحضیضیہ ایک جملے پر داخل ہوتا ہے اور وہ جملہ بھی فعلیہ ہوتا ہے ہمیشہ کیونکہ ابھارا فعل پر جاتا ہے۔

اور دوسرا لَوْلَا امتناعیہ ہے، یہاں پر جو ذکر آ رہا ہے یہ لَوْلَا امتناعیہ ہے۔ لَوْلَا امتناعیہ یہ یاد رکھو دو جملوں پر داخل ہوتا ہے، اور ان دو جملوں میں سے پہلے جملے کا اسمیہ ہونا ضروری ہے۔ لَوْلَا امتناعیہ کتنے جملوں پر داخل ہوتا ہے؟ دو جملوں پر، اور ان میں سے پہلے کا جملہ اسمیہ ہونا ضروری ہے بھائی۔ اور یہ دلالت کرتا ہے امتناعِ ثانی پر بوجہِ وجودِ اول کے۔ کہ ثانی جو ہے، ثانی جملہ جو ہے، اس میں جو بات کی گئی ہے وہ ممتنع ہے، کیوں؟ کیونکہ پہلی چیز کا وجود ہے، جو پہلے جملے میں ذکر ہے اس کا وجود ہے۔ جیسے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مشہور قول ہے: لَوْلَا عَلِيٌّ لَهَلَكَ عُمَرُ۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس ایک مقدمہ پیش ہوا جس میں ایک عورت کو پیش کیا گیا جس نے زنا کیا تھا بھائی، اور وہ شادی شدہ تھی، تو جرم اس کا ثابت ہو گیا تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کو رجم کرنے کا حکم دیا بھائی۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ وہاں موجود تھے، فرمانے لگے کہ یا امیر المؤمنین! اس عورت کا جرم تو ہے، اس کو تو سنگسار کیا جائے، لیکن یہ حاملہ ہے اور اس کے پیٹ میں حمل ہے بھائی، اور اس حمل کا تو کوئی قصور نہیں، اس بچے کا تو کوئی قصور نہیں ہے، تو اگر اس عورت کو ابھی رجم کریں گے تو وہ بچہ بھی ہلاک ہو جائے گا۔ تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فوراً چونک اٹھے اور فرمایا: لَوْلَا عَلِيٌّ لَهَلَكَ عُمَرُ، اگر علی نہ ہوتے عمر تو ہلاک ہو گیا تھا۔ میری تو اس بات کی طرف توجہ ہی نہیں گئی اور میری وجہ سے پھر اگر ایک جان چلی جاتی تو قیامت کے دن میں اللہ کو کیا جواب دیتا۔ تو اس موقع پر حضرت عمر نے یہ فرمایا لَوْلَا عَلِيٌّ لَهَلَكَ عُمَرُ، اگر علی نہ ہوتے عمر تو ہلاک ہو گیا تھا۔ تو یہاں دیکھو یہ لَوْلَا امتناعیہ ہے۔ یہ کس لیے آتا ہے لَوْلَا امتناعیہ؟ کہ ثانی ممتنع ہے کس کی وجہ

سے؟ وجودِ اول کی وجہ سے۔ لَوْلَا عَلِيٌّ اصل میں ہے لَوْلَا...

عَلِيٌّ مَوْجُودٌ، اگر علی موجود نہ ہوتے، اور ثانی کیا ہے؟ لَهَلَكَ عُمَرُ، تو عمر تو ہلاک ہو گئے تھے۔ تو ثانی میں ہلاکتِ عمر ذکر ہے، اور ثانی یعنی ہلاکتِ عمر ممتنع ہے، کیوں؟ بوجہِ وجودِ اول یعنی وجودِ علی کے۔ ہلاکتِ عمر منتفی ہے کس کی وجہ سے؟ وجودِ علی کی وجہ سے بھائی۔

صحابہ کی آپس میں کتنی محبت تھی آپ اس کا تصور نہیں کر سکتے۔ یہ سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم کے شاگرد تھے بھائی، اور ان کے دلوں کو اللہ نے جوڑ دیا تھا بھائی۔ تو اللہ نے ان کے دلوں کو جوڑ دیا تھا اور یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تربیت کا اثر تھا کہ یہ آپس میں اتنی محبت کرتے تھے کہ جسے لفظوں میں بیان نہیں کیا جا سکتا بھائی۔

تو دیکھو اس جملے میں لَوْلَا عَلِيٌّ لَهَلَكَ عُمَرُ، لَوْلَا عَلِيٌّ لَهَلَكَ عُمَرُ، اس کے اندر ثانی ممتنع ہے، منتفی ہے بوجہِ وجودِ اول کے، ہلاکتِ عمر منتفی ہے وجودِ علی کی وجہ سے۔ اب دیکھو یہ جو لَوْلَا ہے اس کے اندر میں نے بتایا یہ دو جملوں پر داخل ہو گا، اور پہلا جملہ ہمیشہ اسمیہ ہو گا۔ اور یہ جو پہلا جملہ اسمیہ ہے اس کی خبر کو وجوباً حذف کیا جائے گا۔ جیسے دیکھو مثال کتاب میں دی ہوئی ہے: لَوْلَا زَيْدٌ لَكَانَ كَذَا۔ یہ لَوْلَا زَيْدٌ أَيْ لَوْلَا زَيْدٌ مَوْجُودٌ، زَيْدٌ ہے مبتدا اور مَوْجُودٌ اس کی خبر ہے اور اس خبر کو حذف کرنا واجب ہے بھائی۔ اور لَكَانَ كَذَا یہ جوابِ لَوْلَا کہلاتا ہے، یہ جو دوسرا جملہ آتا ہے یہ کیا کہلاتا ہے؟ جوابِ لَوْلَا۔ تو یہاں پر یہ زَيْدٌ کی خبر مَوْجُودٌ کو حذف کرنا واجب ہے، حذف کرنا واجب ہے، اس لیے کیونکہ یہاں پر یہ جو جوابِ لَوْلَا ہے یعنی لَكَانَ كَذَا اس کو اس خبر کا قائم مقام کر دیا گیا ہے، اس کو اس خبر کا نائب بنا دیا گیا ہے، اور جب نائب آ گیا اب اصل نہیں آ سکتا، لہٰذا اب اس خبر کو ذکر نہیں کیا جا سکتا۔ توجہ ہے؟ اور قرینہ بھی یہاں پر موجود ہے۔ اس لیے کیونکہ یہ جو لَوْلَا ہے اس کو وضع ہی وجود کے لیے کیا گیا ہے کہ یہ اول کا وجود بتلاتا ہے کہ اول کے وجود کی وجہ سے ثانی منتفی ہے۔ یہ لَوْلَا کو وضع ہی کس لیے کیا گیا ہے؟ کہ ایک چیز کے وجود کی وجہ سے ثانی کیا ہے؟ منتفی، تو اس کو وضع ہی وجود کے لیے کیا گیا ہے۔ لہٰذا وہ جو خبر وجود پر دلالت کر رہی تھی، لَوْلَا زَيْدٌ مَوْجُودٌ، خبر کیا تھی؟ مَوْجُودٌ، تو وہ خبر جو وجود پر دلالت کر رہی تھی اس کو حذف کر لیا گیا کیونکہ لَوْلَا خود اس پر دلالت کر رہا ہے کیونکہ لَوْلَا کو وضع ہی کس لیے کیا گیا ہے کہ بتلاتا ہے کہ وجودِ اول کی وجہ سے ثانی ممتنع ہے، تو لَوْلَا وجود پر دلالت کرتا ہے۔ لہٰذا اس کی خبر جو مَوْجُودٌ تھی اس کو حذف کر لیا گیا۔ تو یہ ہے قرینہ، اس کی وجہ سے حذف کیا گیا، اور پھر یہ حذف واجب ہوا کیونکہ لَكَانَ كَذَا جو جوابِ لَوْلَا ہے اس کو اس خبر کا قائم مقام کر دیا گیا۔ بات سمجھ میں آ گئی؟

دیکھیے بھائی اب کتاب پر شرح کے ساتھ۔ کہتے ہیں: وَقَدْ يُحْذَفُ الْخَبَرُ، اور کبھی کبھار خبر کو حذف کر لیا جاتا ہے لِقِيَامِ قَرِينَةٍ قرینہ قائم ہوتے وقت، وُجُوبًا أَيْ حَذْفًا وَاجِبًا۔ وُجُوبًا کے بعد حَذْفًا وَاجِبًا نکال کر بتلانا چاہتے ہیں کہ یہ وُجُوبًا مفعولِ مطلق ہے باعتبارِ موصوفِ محذوف کے، اور پھر یہ وُجُوبًا بمعنی وَاجِبًا کے ہے، أَيْ حَذْفًا وَاجِبًا یعنی واجب طور پر، فِيمَا

الْتُزِمَ أَيْ فِي تَرْكِيبِ الْتُزِمَ، دیکھا مَا کی جگہ تَرْكِيبِ لے آئے بھائی۔ مَا کی جگہ تَرْكِيبِ کا لفظ لے آئے اور نیز تَرْكِيبِ کا لفظ نکرہ نکالا، بتلانا چاہتے ہیں کہ فِيمَا کے اندر یہ جو مَا ہے یہ موصولہ نہیں بلکہ مَا موصوفہ ہے۔ تو فِيمَا الْتُزِمَ أَيْ فِي تَرْكِيبٍ الْتُزِمَ یعنی ایسی ترکیب میں جس کے اندر لازم پکڑا گیا ہو فِي مَوْضِعِهِ أَيْ مَوْضِعِ الْخَبَرِ ضمیر کا مرجع بتلا دیا، خبر کے مقام میں لازم پکڑا گیا ہو غَيْرُهُ أَيْ غَيْرُ الْخَبَرِ دیکھو پھر ضمیر کا مرجع بتلا دیا۔ یعنی ایسی ترکیب جس میں خبر کے مقام میں غیرِ خبر کو لازم پکڑ لیا گیا ہو۔ وَذٰلِكَ فِي أَرْبَعَةِ أَبْوَابٍ عَلَى مَا ذَكَرَهُ الْمُصَنِّفُ، اور یہ جو ہے چار بابوں میں ہے بنا پر اس کے جو مصنف نے ذکر فرمایا۔ یعنی چار جگہیں ہیں جہاں پر خبر کو حذف کرنا واجب ہے۔

أَوَّلُهَا الْمُبْتَدَأُ الَّذِي بَعْدَ لَوْلَا، اول ان میں سے وہ بتدا ہے جو لَوْلَا کے بعد آئے، مِثْلُ لَوْلَا زَيْدٌ لَكَانَ كَذَا۔ میں نے بتایا لَوْلَا زَيْدٌ، یہ زَيْدٌ ہے بتدا اور اس کی خبر مَوْجُودٌ کو حذف کرنا واجب ہے۔ کہتے ہیں: لَوْلَا زَيْدٌ لَكَانَ كَذَا أَيْ لَوْلَا زَيْدٌ مَوْجُودٌ، دیکھا یہاں خبرِ محذوف نکال لی۔ لِأَنَّ لَوْلَا لِامْتِنَاعِ شَيْءٍ لِوُجُودِ غَيْرِهِ، اس لیے کیونکہ لَوْلَا جو ہے وہ آتا ہے لِامْتِنَاعِ شَيْءٍ ایک شے کے ممتنع ہونے کے لیے لِوُجُودِ غَيْرِهِ اس کے علاوہ کے وجود کی وجہ سے۔ کہ ایک شے ممتنع ہے کیونکہ اس شے کے علاوہ ایک اور چیز کا وجود ہے۔ اور دیکھیے لِامْتِنَاعِ شَيْءٍ اس کے نیچے لکھا ہے: اَلثَّانِي، کہ لَوْلَا آتا ہے امتناعِ ثانی کے لیے لِوُجُودِ غَيْرِهِ، غَيْرِهِ کے نیچے لکھا ہے: اَلْأَوَّلِ، یعنی اول کے وجود کی وجہ سے، تو غَيْرِهِ سے مراد اول ہے۔ لِأَنَّ لَوْلَا لِامْتِنَاعِ شَيْءٍ لِوُجُودِ غَيْرِهِ، اس لیے کیونکہ لَوْلَا آتا ہے کہ ایک شے ممتنع ہے اس شے کے غیر کے پائے جانے کی وجہ سے۔ فَيَدُلُّ عَلَى الْوُجُودِ، تو یہ جو لَوْلَا ہے یہ جو ہے وجود پر دلالت کرتا ہے۔ کس پر دلالت کرتا ہے؟ وجود پر دلالت کرتا ہے۔ وَقَدِ الْتُزِمَ فِي مَوْضِعِ الْخَبَرِ جَوَابُ لَوْلَا، اور تحقیق لازم پکڑا گیا ہے خبر کے مقام میں جَوَابُ لَوْلَا، کس کو؟ خبر کی جگہ کس کو قائم مقام کیا؟ جوابِ لَوْلَا کو۔ تو کہتے ہیں تحقیق لازم پکڑا گیا ہے فِي مَوْضِعِ الْخَبَرِ خبر کے مقام میں جَوَابُ لَوْلَا لَوْلَا کے جواب کو۔ فَيَجِبُ حَذْفُهُ، تو لہٰذا اس خبر کو حذف کرنا واجب ہے لِقِيَامِ قَرِينَةٍ ایک تو قرینہ قائم ہونے کی وجہ سے وَالْتِزَامِ قَائِمِ مَقَامَهُ اور اس وجہ سے کہ اس کے قائم مقام کا التزام کیا گیا ہے یعنی لازم پکڑا گیا ہے اس کے قائم مقام کو، وَالْتِزَامِ قَائِمِ مَقَامَهُ اور اس کے قائم مقام کو لازم پکڑنے کی وجہ سے کہ ایک چیز کو اس کا قائم مقام کر دیا گیا ہے۔ تو یہ اِلْتِزَامِ کا عطف ہے قِيَامِ پر، اور قِيَامِ پر لام جارہ داخل ہے۔ تو دیکھو خبر کو وجوباً حذف کیا گیا، قرینہ بھی چاہیے کہ بتلائے یہ چیز حذف ہے، اور نیز کوئی قائم مقام بھی چاہیے تاکہ حذف کو وجوباً قرار دیا جائے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ دونوں ذکر کر دیے۔ جی دوبارہ دیکھیں: فَيَجِبُ حَذْفُهُ تو اس خبر کو حذف کرنا واجب ہے لِقِيَامِ قَرِينَةٍ وَالْتِزَامِ قَائِمِ مَقَامَهُ قرینہ قائم ہونے کی وجہ سے اور قائم مقام کو لازم پکڑنے کی وجہ سے۔

هٰذَا إِذَا كَانَ الْخَبَرُ عَامًّا، یہ اس وقت ہے جب خبر عام ہو، جب خبر کیا ہو؟ عام ہو۔ بھائی دیکھیے لَوْلَا زَيْدٌ لَكَانَ كَذَا، زَيْدٌ کی خبر کا حذف واجب ہے، اور وہ کیا ہے؟ مَوْجُودٌ: لَوْلَا زَيْدٌ مَوْجُودٌ۔ اور یہ مَوْجُودٌ کس میں سے ہے؟ افعالِ عامہ میں

سے ہے۔ افعالِ عامہ مشہور کتنے ہیں؟ چار: کون، ثبوت، وجود، حصول۔ تو دیکھو اس کے اندر وجود بھی ہے بھائی، وجود۔ تو یہ جب خبر افعالِ عامہ میں سے ہو پھر تو حذف واجب ہے، اور اگر افعالِ عامہ میں سے نہ ہو پھر حذف واجب نہیں۔ کہتے ہیں: هٰذَا إِذَا كَانَ اَلْخَبَرُ عَامًّا، یہ اس وقت ہے جب خبر عام ہو یعنی خبر کا حذف واجب ہو گا اس وقت جب وہ عام ہو۔ وَأَمَّا إِذَا كَانَ خَاصًّا، اور اگر خبر جو ہے وہ خاص ہو یعنی افعالِ خاصہ میں سے ہو، فَلَا يَجِبُ حَذْفُهُ، تو پھر اس خبر کا حذف واجب نہیں۔ كَمَا فِي قَوْلِهِ، جیسے کہ اس قول کے اندر ہے بھائی، شاعر کا قول ہے، شِعْرٌ: وَلَوْلَا الشِّعْرُ بِالْعُلَمَاءِ يُزْرِي لَكُنْتُ الْيَوْمَ أَشْعَرَ مِنْ لَبِيدٍ۔ أَزْرَى يُزْرِي کا معنی ہے عیب دار کرنا، عیب دار بنانا۔ وَلَوْلَا الشِّعْرُ بِالْعُلَمَاءِ يُزْرِي، اور شعر جو ہے اگر وہ علماء کو عیب دار نہ بناتا، اشعار کہنا اگر علماء کو عیب دار نہ کرتا، لَكُنْتُ الْيَوْمَ أَشْعَرَ مِنْ لَبِيدٍ، تو آج میں لبید سے بڑا شاعر ہوتا۔ أَشْعَرَ مِنْ لَبِيدٍ، میں زیادہ بڑا شاعر ہوتا مِنْ لَبِيدٍ کس کے مقابلے میں؟ لبید کے مقابلے میں بھائی۔ توجہ ہے؟ لبید جو ہے، لبید، یہ عرب کے چوٹی کے شعراء میں سے گزرے ہیں بھائی، لبید ابن ربیعہ بھائی۔ بلکہ ان کا ایک معلقہ بھی سبعہ معلقات کے اندر شامل ہے۔ عرب کے وہ مشہور و معروف قصیدے جو سوق عکاظ میں لٹکائے جاتے تھے اور اسی طرح بیت اللہ کے ساتھ جو لٹکائے جاتے تھے، جو چوٹی کے شعراء ہوتے تھے جن کے کلام پر پورا عرب فخر کرتا تھا کہ ہماری زبان ایسی فصیح و بلیغ ہے بھائی۔ تو وہ جو چوٹی کے شعراء تھے وہ جو معلقات تھے ان میں سے ایک معلقہ لبید ابن ربیعہ کا ہے بھائی۔ یہ بہت بڑا شاعر گزرا ہے عرب کا بھائی۔ اور یاد رکھو یہ صحابیِ رسول بھی ہیں بھائی۔ یہ بعد میں ایمان لے آئے تھے۔ حضور علیہ السلام کا زمانہ انہوں نے پایا اور یہ ایمان لے آئے تھے بھائی۔ اور ایمان لانے کے بعد پھر تمام زندگی انہوں نے پھر شعر نہیں کہے، ایک آدھا کوئی شعر کہا ہے اس کے بعد۔ اور ان کا انتقال ہوا ہے ۴۱ ہجری میں بھائی۔ تو ایمان لے آئے اور صحابی ہیں۔ معلوم ہوا کم از کم ۳۰ سال سے زیادہ حضور علیہ السلام کی وفات کے بعد یہ زندہ رہے، تو پھر حضور کی زندگی میں بھی اور اتنی طویل عمر کے اندر بھی پھر انہوں نے دوبارہ کوئی شعر نہیں کہا بھائی۔ تو یہ صحابیِ رسول ہیں بھائی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھائی۔

تو یہ شاعر کیا کہتا ہے: وَلَوْلَا الشِّعْرُ بِالْعُلَمَاءِ يُزْرِي، اگر اشعار کہنا یہ علماء کو عیب دار نہ بناتا، ان کو عیب دار نہ کرتا، لَكُنْتُ الْيَوْمَ أَشْعَرَ مِنْ لَبِيدٍ، تو آج میں لبید سے بڑا شاعر ہوتا بھائی۔ اب اس کے اندر دیکھو لَوْلَا آیا اور اس کے اندر اَلشِّعْرُ یہ ہے بتدا، اور يُزْرِي یہ خبر ہے۔ اور بِالْعُلَمَاءِ اسی يُزْرِي سے متعلق ہے، جار مجرور اسی سے متعلق ہے۔ اور دیکھو یہاں لَوْلَا کے بعد جو جملہ آیا اس کی خبر کو ذکر کیا گیا ہے حالانکہ انہوں نے کیا بتایا؟ حذف کرنا واجب ہے۔ تو دیکھو اس کلام کے اندر لَوْلَا جو ہے، لَوْلَا کے بعد جملہ اسمیہ آیا اور یہ يُزْرِي یہ اس کی خبر ہے بھائی، اور یہاں پر دیکھو خبر مذکور ہے حالانکہ انہوں نے کیا بتلایا تھا کہ لَوْلَا کی خبر کو حذف کرنا واجب ہے بھائی۔ تو وجہ اس کی شارحِ جامی نے ذکر کر دی کہ لَوْلَا کے بعد جو بتدا آئے اگر اس کی خبر افعالِ عامہ میں سے ہو تو اس کو حذف کرنا واجب ہے کیونکہ لَوْلَا خود اس پر دلالت کر رہا ہے، اور اگر افعالِ عامہ میں سے نہ ہو، افعالِ خاصہ میں سے ہو، پھر حذف کرنا واجب نہیں۔ اور یہاں پر دیکھو يُزْرِي یہ افعالِ عامہ میں سے نہیں

ہے بھائی۔ اور یہ بھی یاد رکھیں کہ بعض علماء نے اس شعر کی نسبت امام شافعی رحمہ اللہ کی طرف کی ہے بھائی، کہ یہ کس کا شعر ہے؟ امام شافعی رحمہ اللہ کی طرف، جبکہ بعضوں نے اوروں کی طرف شعر کی نسبت کی ہے، تو حقیقت اللہ ہی جانتے ہیں کہ یہ امام شافعی رحمہ اللہ کا شعر ہے یا کسی اور کا، لیکن بعضوں نے امام شافعی رحمہ اللہ کی طرف اس کی نسبت کی ہے بھائی۔ کہ وہ فرماتے ہیں کہ اگر یہ جو اشعار کہنا یہ علماء کو عیب دار نہ کرتا تو آج میں لبید سے بھی بڑا شاعر ہوتا بھائی۔ وجہ یہ کہ جو شعراء ہوتے ہیں یہ عموماً جھوٹی باتیں کرتے ہیں بھائی۔ یہ جس چیز کی تعریف کرنی ہو تو رائی کو اٹھا کر پہاڑ بنا دیتے ہیں، اور جس چیز کی برائی کرنی ہو تو وہ چاہے پہاڑ جتنی بڑی صفت ہی کسی کی کیوں نہ ہو اس کو چھوٹا کر کے رائی جتنا بنا دیں گے بھائی، اور اسی طرح باطل خیالات ذکر کرتے ہیں، عشق و محبت کی اکثر باتیں ذکر کرتے ہیں، تو یہ اس لیے یہ علماء کے لیے پسندیدہ نہیں بھائی۔ ہاں، ہمارے علماء بھی اشعار کہتے ہیں لیکن وہ سارے وہ اصلاح سے متعلق اشعار ہوتے ہیں جس سے لوگوں کی اصلاح ہو، اس میں آخرت کی باتیں ہوتی ہیں، آخرت کی طرف لوگوں کو متوجہ کرتے ہیں، دین کی طرف متوجہ کرتے ہیں، اونچے پیغامات دیتے ہیں، تو پھر اس قسم کی شاعری یہ ناپسندیدہ نہیں ہے بھائی۔ بات سمجھ میں آگئی؟ اور جیسے قریب کے زمانے میں بھی بہت سے ایسے شعراء گزرے ہیں بھائی، اکبر الہ آبادی بھائی، بہت بڑا شاعر گزرا ہے، اور وہ تمام اصلاحی باتیں کرتا ہے اپنے اشعار کے اندر۔ اسی طرح علامہ اقبال گزرے ہیں بھائی قریب کے زمانے میں، اور کمال کی شاعری ہے، انسان سن کر حیران رہ جاتا ہے، اتنی گہری باتیں، اتنی گہری باتیں کہ اس کو سمجھنے کے لیے ہی بہت وقت چاہیے بھائی۔ اور پھر دیکھو علامہ اقبال، وہ یورپ کے اندر بھی بڑے سال گزار کر آئے، وہاں اعلیٰ ترین یونیورسٹیوں کے اندر وہ پڑھ کر آئے تھے، لیکن ان کے پورے کلام کو اٹھا کر دیکھ لیں، انہوں نے ایک جگہ بھی یورپ کی تعریف نہیں کی، کمال کیا انہوں نے بھائی۔ وہ ذرا بھی ان سے متاثر نہیں تھے۔ تعریف کرتے تھے تو اپنے ہی مذہب کی، اپنے ہی لوگوں کی، اور دکھ کا اظہار کرتے تھے کہ مسلمان سائنس اور تحقیق کے میدان میں پیچھے کیوں رہ گئے بھائی؟ کیوں رہ گئے؟ یہ غیر مسلم کیسے ان سے آگے نکل گئے؟ تو انہوں نے اپنے اشعار کے ذریعے پوری قوم کو بیدار کرنے کی کوشش کی بھائی۔ اشعار میں اگر اچھی بات کی جائے تو وہ پسندیدہ ہے، لیکن عموماً عام شعراء جو ہیں وہ بے کار باتیں ہی کرتے ہوئے آپ کو ملیں گے بھائی۔

جی آگے دیکھیے بھائی۔ کہتے ہیں: هٰذَا عَلَى مَذْهَبِ الْبَصْرِيِّينَ، یہ بصریین کے مذہب پر ہے بھائی۔ یہ جو ذکر ہوا کہ لَوْلَا کے بعد کیا آتا ہے؟ بتدا، اور اس کی خبر کو حذف کرنا واجب ہے کیونکہ جوابِ لَوْلَا کو خبر کا قائم مقام بنا دیا گیا ہے، یہ ساری تقریر کن کے مذہب کے مطابق تھی؟ بصریین کے مذہب کے مطابق۔ وَقَالَ الْكِسَائِيُّ جبکہ امام کسائی...

فرماتے ہیں: اَلْاِسْمُ الْوَاقِعُ بَعْدَهَا فَاعِلٌ لِفِعْلٍ مُقَدَّرٍ، کہ وہ اسم جو لَوْلَا کے بعد واقع ہو وہ فاعل ہوتا ہے فعلِ مقدر کے لیے۔ یعنی وہاں فعل مقدر ہے اور یہ اسم اس کا فاعل ہے، أَيْ لَوْلَا وُجِدَ زَيْدٌ۔ بصرہ والے کیا فرماتے ہیں؟ لَوْلَا زَيْدٌ، یہ زَيْدٌ بتدا ہے اور اس کی خبر مَوْجُودٌ محذوف ہے اور اس کا حذف واجب۔ جبکہ امام کسائی کیا فرماتے ہیں کہ یہ لَوْلَا زَيْدٌ، یہ زَيْدٌ

بتدا نہیں ہے بلکہ یہ فاعل ہے اور اس کے فعل کو حذف کرنا واجب ہے۔ وجہ یہ کہ وہ فرماتے ہیں کہ یہ جو لَوْلَا آیا نا لَوْلَا، یہ لَوْ الگ ہے اور لَا الگ ہے۔ اور لَوْ حروفِ شرط میں سے ہے، اور حرفِ شرط ہمیشہ فعل پر داخل ہوتا ہے۔ شرط ہمیشہ فعل ہوتی ہے، جزا تو جملہ اسمیہ بھی ہو سکتی ہے جملہ فعلیہ بھی، لیکن شرط ہمیشہ جملہ فعلیہ۔ تو یہ لَوْلَا جو آیا یہ لَوْ اور لَا سے مرکب ہے، اور لَوْ حرفِ شرط ہے، اور حرفِ شرط ہمیشہ کس پر داخل ہوتا ہے؟ فعل پر داخل ہوتا ہے، جیسے وہاں مثال پیچھے گزری تھی: وَإِنْ أَحَدٌ مِنَ الْمُشْرِكِينَ اسْتَجَارَكَ، اِنْ داخل ہوا تھا کس پر؟ أَحَدٌ پر، تو وہاں ذکر ہوا تھا کہ یہاں اِنْ کے بعد اِسْتَجَارَكَ فعل محذوف ہے اور آگے آنے والا اِسْتَجَارَكَ اس کی تفسیر کر رہا ہے، کیونکہ اِنْ حرفِ شرط ہے اور وہ اسم پر داخل نہیں ہوتا بلکہ فعل پر داخل ہوتا ہے۔ تو یہاں پر بھی امام کسائی کیا فرماتے ہیں کہ لَوْلَا میں یہ لَوْ وہی شرطیہ ہے، اور اس کے لیے فعل چاہیے تو فعل یہاں محذوف ہے اور زَيْدٌ اس کے لیے فاعل ہے، أَيْ لَوْلَا وُجِدَ زَيْدٌ، اگر زید نہ پایا جاتا۔ اور اس میں لَوْ کی بات میں نے پہلے بھی ذکر کی تھی کہ یہ مثبت کو منفی میں بدل دیتا ہے اور منفی کو مثبت میں۔ تو یہاں لَا وُجِدَ زَيْدٌ ہے، یہ منفی ہے اس کو مثبت میں بدل دے گا کہ یعنی کہ زید موجود ہے، زید کا وجود ہے بھائی۔ تو یہ امام کسائی فرماتے ہیں کہ لَوْ الگ ہے اور لَا الگ ہے، جبکہ بصرہ والے نحوی فرماتے ہیں کہ یہ لَوْلَا ایک ہی لفظ ہے، یہ کوئی لَوْ اور لَا کو ملا کر نہیں جوڑا گیا، یہ لَوْلَا ایک ہی کلمہ ہے بھائی، تو اس کے بعد جو آئے گا وہ ہو گا بتدا اور آگے اس کی خبر محذوف ہو گی۔

یہاں آپ کے ذہن میں اشکال آئے گا کہ امام کسائی کیا فرما رہے ہیں؟ لَوْلَا کے بعد جو اسم واقع ہو گا وہ فاعل ہو گا، اور تقدیرِ کلام کیا ہے؟ لَوْلَا وُجِدَ زَيْدٌ۔ بھائی وُجِدَ تو فعلِ مجہول ہے اور زَيْدٌ تو اس کے لیے مفعول ما لم یسمَّ فاعلہ ہے یعنی نائب الفاعل ہے، اور صاحبِ جامی تو کیا فرما رہے ہیں کہ وہ اسم جو اس کے بعد واقع ہے وہ فاعل ہے بھائی، حالانکہ وہ تو فاعل نہیں بلکہ نائب الفاعل ہے۔ بھائی یہ بات پیچھے بیان ہو چکی ہے بھائی کہ فاعل اور نائب فاعل، ان میں بڑا گہرا تعلق ہے بھائی۔ صاحبِ کافیہ نے تو اس کو مفعول ما لم یسمَّ فاعلہ قرار دیا یعنی فاعل سے الگ کر دیا، حالانکہ بعض علماء کے نزدیک یہ حقیقتاً فاعل ہی ہے، چاہے فاعل ہو چاہے نائب الفاعل۔ یہ جو نائب الفاعل ہے وہ فرماتے ہیں جیسے شیخ عبد القاہر بھائی بہت بڑے امام گزرے ہیں علمِ بلاغت کے، اسی طرح علامہ زمخشری، وہ بھی اس نائب الفاعل کو بھی فاعل ہی کہتے ہیں بھائی۔ صرف فرق اتنا ہے کہتے ہیں ایک فعلِ معروف کا فاعل ہے اور دوسرا فعلِ مجہول کا فاعل ہے، صرف اتنا فرق ہے۔ جبکہ عام نحوی علماء اور جیسے صاحبِ کافیہ وغیرہ وہ فرماتے ہیں نہیں، دونوں میں تعلق تو ہے، دونوں کے سارے احکام بھی ایک جیسے ہیں، لیکن دونوں ہیں الگ الگ چیزیں: ایک فاعل ہے فعل کرنے والا، ایک مفعول ما لم یسمَّ فاعلہ ہے جس پر فعل واقع ہوا ہے بھائی۔ تو جو مفعول ما لم یسمَّ فاعلہ ہے وہ حقیقتاً نہیں فاعل بلکہ حکماً فاعل ہے، کیا ہے؟ حکماً فاعل ہے۔ جبکہ شیخ عبد القاہر اور علامہ زمخشری کیا فرماتے ہیں کہ مفعول ما لم یسمَّ فاعلہ وہ حقیقت میں ہی فاعل ہے، وہ اس کا نام فاعل ہی رکھتے ہیں اس کا کوئی الگ نام رکھتے ہی نہیں ہیں بھائی، صرف اتنا فرق ہے ایک کے لیے فعلِ معروف آتا ہے اور دوسرے

کے لیے فعلِ مجہول آتا ہے۔ تو اس لیے انہوں نے کہا کہ امام کسائی فرماتے ہیں وہ اسم جو اس کے بعد واقع ہو وہ فاعل ہو گا فعلِ مقدر کے لیے بھائی۔ تو یہ ہے تو نائب الفاعل لیکن شیخ عبد القاہر اور علامہ زمخشری کے مذہب کے مطابق اس کو فاعل ہی کہہ دیا بھائی کیونکہ بات واضح تھی بھائی۔ بات سمجھ میں آگئی؟

آگے دیکھیے: وَقَالَ الْفَرَّاءُ لَوْلَا هِيَ الرَّافِعَةُ لِلِاسْمِ الَّذِي بَعْدَهَا، امام فراء فرماتے ہیں کہ یہ جو لَوْلَا ہے هِيَ الرَّافِعَةُ یہی رفع دینے والا ہے لِلِاسْمِ الَّذِي بَعْدَهَا اس اسم کو جو اس کے بعد ہے۔ امام فراء فرماتے ہیں لَوْلَا زَيْدٌ یہ لَوْلَا خود رفع دے رہا ہے زید کو، یعنی یہ اسمِ فعل ہے، یہ کیا ہے؟ اسمِ فعل ہے۔ اسم ہے باقاعدہ وہ فرماتے ہیں یہ، اسم ہے اور فعل والا معنی ادا کر رہا ہے۔ جیسے بھائی رُوَيْدَ، رُوَيْدَ زَيْدًا أَيْ أَمْهِلْ زَيْدًا، جیسے رُوَيْدَ اسمِ فعل ہے أَمْهِلْ کے معنی میں، شَتَّانَ فعل ہے شَتَّانَ زَيْدٌ أَيْ بَعُدَ زَيْدٌ، تو جیسے یہ اسمِ فعل ہیں، وہ فرماتے ہیں امام فراء کہ یہ لَوْلَا بھی اسمِ فعل ہے، یہ خود زَيْدٌ کو رفع دے رہا ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو کہتے ہیں: وَقَالَ الْفَرَّاءُ لَوْلَا هِيَ الرَّافِعَةُ لِلِاسْمِ الَّذِي بَعْدَهَا، اور امام فراء فرماتے ہیں کہ لَوْلَا یہی رفع دینے والا ہے اس اسم کو جو اس کے بعد ہے۔ ترکیب پہ نظر ہے؟ لَوْلَا هِيَ الرَّافِعَةُ، لَوْلَا هِيَ الرَّافِعَةُ۔ بھائی دیکھو یہ لَوْلَا ہے بتدا، اور لَوْلَا سے لفظ مراد ہے، اور جب لفظ بول کر لفظ مراد ہو تو وہ هٰذَا اللَّفْظِ کی تاویل میں ہوتا ہے یعنی معرفہ ہوتا ہے یا وہ علم کے درجے میں ہوتا ہے اور علم بھی کیا ہے؟ معرفہ۔ اور آگے خبر کیا آئی؟ اَلرَّافِعَةُ۔ هِيَ کو ذرا چھوڑ دیں، اَلرَّافِعَةُ اس کی خبر تھی اور وہ بھی معرفہ ہے، وہ بھی معرفہ ہے۔ اور جب بتدا کے ساتھ ساتھ خبر بھی معرفہ آجائے تو پھر تو آپس میں موصوف صفت کا شبہ ہوتا ہے، پڑھنے والا سمجھے گا شاید لَوْلَا موصوف ہے اَلرَّافِعَةُ اس کی صفت، تو پھر درمیان میں کبھی فصل لے آتے ہیں، یہ هِيَ فصل ہے۔ یہ هِيَ کیا ہے؟ فصل ہے۔ میں نے آپ کو بتلایا تھا کہ بتدا اور خبر جب دونوں معرفہ ہوں تو کبھی فصل لاتے ہیں اور کبھی نہیں لاتے۔ یہاں وہ لے کر آئے ہیں کیونکہ یہاں پر صفت ہونے کا شبہ ہو رہا تھا۔ اور پھر یہ جو هِيَ درمیان میں لایا گیا، بعض کہتے ہیں یہ حرف ہے، تو وہ اس کا نام فصل رکھتے ہیں، یہ صرف فصل کر رہا ہے کہ یہ آگے اَلرَّافِعَةُ یہ لَوْلَا کی صفت نہیں ہے بلکہ یہ خبر ہے، یہ کس نے بتایا؟ هِيَ نے۔ تو یہ هِيَ حرف ہے، اور لَا مَحَلَّ لَهُ مِنَ الْإِعْرَابِ کیونکہ حرف ہے بھائی، اعراب تو اسم یا فعل پر آتا ہے بھائی۔ تو یہ حرف ہے، تو لَوْلَا ہوا بتدا اور اَلرَّافِعَةُ کیا ہوئی؟ اس کی خبر۔ جبکہ بعض علماء فرماتے ہیں کہ یہ جو فصل ہے یہ ضمیر ہی ہوتی ہے، تو ان کے نزدیک یہ ضمیر ہے، اسم ہے، لہٰذا اس کے لیے بھی اعراب ہو گا۔ اور پھر وہ فرماتے ہیں کہ لَوْلَا یہاں پر دیکھو کہ لَوْلَا کو بنائیں گے بتدائے اول، اور هِيَ الرَّافِعَةُ یہ پورا جملہ اس کی خبر ہے، اور اس کے اندر هِيَ بتدائے ثانی ہے اور اَلرَّافِعَةُ اس بتدائے ثانی کی خبر ہے بھائی۔ توجہ ہے؟ اس کی خبر ہے۔ اور یہ کس لیے لائے تھے؟ یہ هِيَ کس لیے لائے تھے؟ فصل کے لیے، کیونکہ لَوْلَا بھی معرفہ اَلرَّافِعَةُ بھی معرفہ ورنہ تو موصوف صفت کا شبہ ہوتا تھا۔ تو اب یہاں هِيَ لے آئے۔ تو اس پر اشکال ہوتا ہے کہ هِيَ ضمیر بھی تو معرفہ ہے اور اَلرَّافِعَةُ بھی معرفہ ہے تو موصوف صفت کا شبہ تو یہاں بھی ہونا چاہیے؟ تو کہتے ہیں نہیں بھائی، آپ پڑھ چکے

ہیں ضابطہ: اَلضَّمِيرُ لَا يُوصَفُ وَلَا يُوصَفُ بِهِ، ضمیر نہ موصوف بنتی ہے نہ صفت بنتی ہے بھائی۔ ضمیر نہ موصوف بنتی ہے ضمیر کی کبھی صفت نہیں لائی جاتی، اور اسی طرح صفت بھی نہیں بنتی بھائی ضمیر بھائی۔ تو لہٰذا یہاں موصوف صفت کا شبہ نہیں ہوتا۔ تو ان کے نزدیک یہ هِيَ کیا ہے؟ بتدائے ثانی ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ اور پھر ایک اور بات یاد رکھنا کہ یہ جو فصل لاتے ہیں یا یہ جو ضمیرِ فصل لے کر آتے ہیں، یہ ہمیشہ بتدا کے مطابق ہوگی۔ توجہ ہے؟ اگر بتدا مذکر ہو تو یہ ضمیر بھی مذکر کی ہوگی، اگر بتدا مؤنث ہو تو یہ ضمیر بھی مؤنث کی۔ نیز اگر بتدا مفرد ہو یا تثنیہ ہو یا جمع ہو تو ضمیر بھی اسی کے مطابق مفرد، تثنیہ یا جمع ہوگی۔ یاد رکھو جہاں اس ضمیر کی مطابقت بتدا کے ساتھ نہ ہو پھر وہاں آپ اس کو فصل نہیں بنا سکتے بھائی۔ چنانچہ جہاں پر ہم نے مرفوعات شروع کیے تھے وہاں کیا آیا تھا؟ اَلْمَرْفُوعَاتُ هُوَ مَا اشْتَمَلَ، اَلْمَرْفُوعَاتُ هُوَ مَا اشْتَمَلَ۔ تو وہاں یاد رکھنا اَلْمَرْفُوعَاتُ کو بتدا بنائیں آپ، اور مَا اشْتَمَلَ کو خبر بنائیں، اور هُوَ کو درمیان میں ضمیرِ فصل بنائیں: اَلْمَرْفُوعَاتُ هُوَ مَا اشْتَمَلَ، هُوَ کو فصل بنا دیں اور اَلْمَرْفُوعَاتُ کو بتدا بنا دیں اور مَا اشْتَمَلَ یہ مَا کو موصولہ بنا کر وہ بھی معرفہ ہوتا ہے خبر بنا دیں، یہ ترکیب وہاں نہیں کر سکتے۔ کیوں نہیں کر سکتے؟ کیونکہ بتدا ہے اَلْمَرْفُوعَاتُ جمع مؤنث، اور فصل کیا ہے؟ هُوَ۔ هُوَ نہیں ہو سکتا، یہاں هُنَّ لانا پڑے گا۔ کیا لانا پڑے گا؟ هُنَّ لانا پڑے گا کیونکہ یہ ضمیرِ فصل تب ہی ہوگی، تب ہی ہو سکتی ہے جب یہ بتدا کے مطابق ہو بھائی۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو یہاں پر دیکھو لَوْلَا هِيَ الرَّافِعَةُ۔ لَوْلَا ہے بتدا اور هِيَ فصل آگئی۔ تو اب آپ کہیں گے یہاں کیسے مطابقت ہے؟ تو یاد رکھو لَوْلَا یہ كَلِمَةٌ کی تاویل میں لے لیں اس کو، کس تاویل میں؟ کلمہ کی تاویل میں لے لیں، یا یہ حرف ہے بھائی، اور میں پہلے ذکر کر چکا کہ حروف جو ہیں عربی زبان میں مذکر بھی استعمال ہوتے ہیں مؤنث بھی لیکن مؤنث استعمال ان کا زیادہ ہے، تو یہ حرف ہے تو مؤنث ہے، لہٰذا هِيَ ضمیر واحد مؤنث کی لائے بھائی۔

تو کہتے ہیں: وَقَالَ الْفَرَّاءُ لَوْلَا هِيَ الرَّافِعَةُ لِلْاِسْمِ الَّذِي بَعْدَهَا، اور امام فراء فرماتے ہیں کہ لَوْلَا یہی رفع دینے والا ہے اس اسم کو جو اس کے بعد ہے۔ تو امام فراء کے نزدیک تو یہ اسمِ فعل ہے، کیا ہے؟ اسمِ فعل ہے۔ تو میں نے بتایا یا تو اس کو کلمہ کی تاویل میں لے لیں، کلمہ بھی واحد مؤنث ہے اس کے آخر میں گول تا جڑی ہوئی ہے، یا حرف کی تاویل میں اس کو لے لیں بھائی۔ یہاں تک بات سمجھ میں آگئی اچھی طرح؟ تو یہ پہلا مقام ہم نے پڑھا جہاں خبر کو حذف کرنا واجب ہے، اور وہ کون سی خبر ہے؟ جو لَوْلَا کے بعد جو بتدا آئے یہ اس کی خبر ہے اس کو حذف کرنا واجب، اس کے لیے قرینہ بھی موجود ہے اور نیز جوابِ لَوْلَا کو اس کا قائم مقام بھی کر دیا گیا، تو لہٰذا اب اس کا حذف واجب ہے۔ اگر آپ اس کو کلام میں ذکر کریں گے تو یہ آپ عربی کلام کے اعتبار سے غلطی کر رہے ہیں۔ بات سمجھ میں آگئی؟ چلیے بس بھائی، هٰذَا هُوَ الْمَرَامُ وَاللّٰهُ أَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْكَلَامِ۔

سبق نمبر ۱۰۵: المبتدا والخبر (۱۳): خبر کے وجوباً حذف ہونے کے چار مواضع (لولَا اور مصدر)

شرحِ ملا جامی صفحہ: ۷۸ — بتاریخ: ۲۰ نومبر ۲۰۲۱ء

■ تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث

آگے دیکھیے بھئی سبق:[1]

وَثَانِيهَا كُلُّ مُبْتَدَأٍ كَانَ مَصْدَرًا صُورَةً أَوْ بِتَأْوِيلِهِ مَنْسُوبًا إِلَى الْفَاعِلِ أَوِ الْمَفْعُولِ أَوْ كِلَيْهِمَا وَبَعْدَهُ حَالٌ، أَوْ كَانَ اسْمَ تَفْضِيلٍ مُضَافًا إِلَى ذَلِكَ الْمَصْدَرِ، وَذَلِكَ مِثْلُ: ذَهَابِي رَاجِلًا، وَضَرْبُ زَيْدٍ قَائِمًا إِذَا كَانَ زَيْدٌ مَفْعُولًا بِهِ، وَمِثْلُ: ضَرْبِي زَيْدًا قَائِمًا أَوْ قَائِمَيْنِ، وَأَنْ ضَرَبْتُ زَيْدًا قَائِمًا، وَأَكْثَرُ شُرْبِي السَّوِيقَ مَلْتُوتًا، وَأَخْطَبُ مَا يَكُونُ الْأَمِيرُ قَائِمًا.

بھئی گزشتہ سبق میں صاحبِ کافیہ وہ مقامات ذکر فرما رہے تھے جہاں خبر کو حذف کیا جاتا ہے۔ صاحبِ کافیہ نے آپ کو بتلایا کہ خبر کا حذف دو قسم پر ہے: کبھی حذف جوازاً ہوگا اور کبھی وجوباً۔ میں نے بتلایا تھا آپ کو کہ چاہے حذف جوازاً ہو یا حذف وجوباً ہو، اس کے لیے قرینہ ضرور چاہیے بھئی۔ اور قرینہ کسے کہتے ہیں؟ هُوَ أَمْرٌ يُشِيرُ إِلَى الْمَطْلُوبِ. اور مطلوب سے کس کا مطلوب مراد ہے؟ متکلم کا۔ آپ متکلم ہیں، کوئی بات کرنا چاہتے ہیں، تو جو آپ کے دل میں بات ہے دوسرے

[1]

جدول — خبر کے وجوباً حذف ہونے کے چار مواضع:

موضع	تقدیرِ محذوف	مثال
۱۔ بعد لَوْلَا	کونِ عام (مَوْجُوْدٌ) محذوف	لَوْلَا زَيْدٌ لَهَلَكَ عَمْرٌو
۲۔ مصدرِ نایب	مبتدا مصدر ہو اور بعد میں حال آئے	ضَرْبِي زَيْدًا قَائِمًا
۳۔ واوِ مصاحبت	واو بمعنی مَعَ کے بعد خبر (مَقْرُوْنَانِ)	كُلُّ رَجُلٍ وَضَيْعَتُهُ
۴۔ قسمِ صریح	مبتدا صریح قسم کے لیے ہو (قَسَمِيْ)	لَعَمْرُكَ لَأَفْعَلَنَّ

کو پہنچانا چاہتے ہیں، اس کے لیے آپ الفاظ کا سہارا لیتے ہیں۔ اور ان الفاظ کے ذریعے وہ معنی دوسرے کو پہنچاتے ہیں۔ اب اس میں اگر آپ کوئی لفظ حذف کر لیتے ہیں تو سننے والے کو بات پوری سمجھ میں نہیں آئے گی، لہٰذا کوئی قرینہ چاہیے جو متکلم کے مطلوب اور مقصود پر دلالت کر دے اور سننے والے کو پتہ چل جائے کہ یہاں پر فلاں لفظ حذف ہے، تو پھر وہ بات پوری سمجھ جائے گا۔

تو حذف جب بھی کرنا ہو تو اس کے لیے قرینہ کوئی ضرور چاہیے۔ لیکن جب قرینہ ہو تو اس وقت حذف جائز ہوتا ہے، چاہے آپ حذف کریں چاہے آپ حذف نہ کریں۔ لیکن بعض جگہ جو ہے حذف واجب ہو جاتا ہے، اور یہ اس مقام پر جہاں حذف پر کوئی قرینہ بھی موجود ہو اور نیز کسی دوسری چیز کو اس محذوف کا قائم مقام کر دیا جائے۔ مثلاً جیسے یہاں خبر کی بات ہے۔ خبر کو جب حذف کیا جائے تو قرینے کا ہونا ضروری ہے کیونکہ قرینہ ہی مخاطب کو بتلائے گا کہ یہاں کیا لفظ محذوف ہے، اور نیز یہ حذف وجوباً ہوگا اگر اس خبر کا قائم مقام کسی دوسری چیز کو کر دیا جائے بھئی۔ تو وہ جب قائم مقام موجود ہے تو وہ جو اصل ہے اس کو پھر ذکر نہیں کیا جا سکتا کیونکہ اصل اور قائم مقام میں سے ایک وقت میں ایک ہی آ سکتا ہے بھئی۔

تو پہلی مثال ذکر کی تھی جہاں پر خبر کو حذف کرنا جائز ہے، جیسے: خَرَجْتُ فَإِذَا السَّبُعُ، میں نکلا تو اچانک درندہ کھڑا تھا۔ تو یہاں پر یہ إِذَا جو ہے یہ إِذَا مُفَاجَأَتِيَّة ہے اور یہ اچانک کے معنی میں ہوتا ہے۔ اور اس کے بعد مبتدا ذکر ہوتا ہے جس کی خبر کو عموماً حذف کر لیا جاتا ہے، اس لیے کیونکہ إِذَا مُفَاجَأَتِيَّة وجود پر دلالت کرتا ہے۔ تو جیسے خَرَجْتُ فَإِذَا السَّبُعُ، تو اس کی خبر محذوف ہے اور اس پر یہ إِذَا مُفَاجَأَتِيَّة قرینہ موجود ہے، کیونکہ إِذَا مُفَاجَأَتِيَّة کس پر دلالت کرتا ہے؟ وجود پر بھئی۔ تو یہ خَرَجْتُ فَإِذَا السَّبُعُ وَاقِفٌ بھئی، وَاقِفٌ۔

اور نیز میں نے آپ کو بتلایا تھا جہاں پر بحث آئی تھی کہ نکرہ بھی کبھی کبھار مبتدا واقع ہوتا ہے تو اس کے اندر تخصیص ضروری ہے، اور تخصیص کے چھ طریقے صاحبِ کافیہ نے ذکر کیے تھے۔ اور بحث کے آخر میں میں نے بتلایا تھا کہ چند جگہیں ایسی ہیں جہاں پر علمائے نحو فرماتے ہیں کہ نکرہ بھی مبتدا بن سکتا ہے، وہاں کسی تخصیص وغیرہ کو دیکھنے کی ضرورت نہیں۔ ان میں سے ایک تو مقامِ دعا اور بددعا ہے: سَلَامٌ عَلَيْكَ، یہ مقامِ دعا ہے، لہٰذا سَلَامٌ نکرہ مبتدا واقع ہو سکتا ہے۔ اسی طرح مقامِ بددعا ہو جیسے وَيْلٌ لَكَ، یہ وَيْلٌ کیا ہے؟ نکرہ محض ہے، لیکن مبتدا بن رہا ہے کیونکہ مقامِ بددعا ہے۔ اور اسی طرح جب ایک لفظ بول کر افراد مراد نہ ہوں، حقیقت مراد ہو، تو وہاں بھی نکرہ مبتدا بن سکتا ہے، جیسے: رَجُلٌ خَيْرٌ مِنَ الْمَرْأَةِ، جنسِ رجل، حقیقتِ رجل، حقیقتِ امراۃ سے افضل ہے۔ یہاں افراد نہیں مراد، اس لیے کیونکہ اگر افراد مراد لیے جائیں پھر تو یہ کلام درست نہ رہے گا، اس لیے کیونکہ ایک ایمان والی عورت ہے اور ایک کافر مرد ہے تو ظاہر سی بات ہے ایمان والی عورت اس سے افضل ہے بھئی۔ جبکہ یہاں تو کیا کہا گیا؟ رَجُلٌ خَيْرٌ مِنَ الْمَرْأَةِ، کہ رجل بہتر ہے کس سے؟ عورت سے۔ تو یہاں معلوم ہوا رَجُلٌ سے حقیقتِ رجل مراد ہے، یہ جنس مراد ہے۔ اس جنسِ رجل کو اللہ نے جنسِ امراۃ پر فضیلت بخشی

ہے۔ تو دیکھو یہاں رَجُلٌ بول کر، لفظ بول کر حقیقت اور ماہیت مراد ہے، افراد مراد نہیں، لہٰذا یہاں پر بھی نکرہ بتدا بن سکتا ہے۔ چنانچہ رَجُلٌ نکرہ محض بتدا بنا۔

اسی طرح ایک مقام تھا إِذَا مُفَاجَأَتِيَّة بھئی، اس کے بعد۔ میں نے بتایا تھا إِذَا مُفَاجَأَتِيَّة کے بعد بھی نکرہ محض بتدا بن سکتا ہے بھئی۔ تو یہاں تو آیا خَرَجْتُ فَإِذَا السَّبُعُ، السَّبُعُ پر الف لام ہے، لیکن اگر الف لام نہ ہو پھر بھی درست ہے یہ کلام: خَرَجْتُ فَإِذَا سَبُعٌ وَاقِفٌ، یا خَرَجْتُ فَإِذَا سَبُعٌ۔ خبر کو چاہے ذکر کریں، چاہے حذف کر دیں، دونوں جائز ہیں۔ اور قرینہ کیا موجود ہے؟ کہ یہ إِذَا مُفَاجَأَتِيَّة کس پر دلالت کرتا ہے؟ وجود پر دلالت کرتا ہے بھئی۔

اور پھر میں نے اس کی ترکیب بھی ذکر کی تھی، میں نے بتلایا تھا کہ یہ جو إِذَا مُفَاجَأَتِيَّة ہے اس کے اندر علماء کا اختلاف ہے بھئی۔ بعض علماء فرماتے ہیں یہ ظرفِ زمان ہے، ظرف ہے اور زمانے والا معنی ہے اس کے اندر، جیسے عام طور پر إِذَا ظرفِ زمان استعمال ہوتا ہے، اسی طرح یہ إِذَا مُفَاجَأَتِيَّة بھی کیا ہے؟ ظرفِ زمان ہے۔ جبکہ بعض علماء نے لکھا کہ یہ إِذَا ظرفِ مکان ہے بھئی، یہاں پر یہ إِذَا مُفَاجَأَتِيَّة ظرفِ مکان ہے۔ اور جبکہ بعض علمائے نحو فرماتے ہیں کہ یہ إِذَا مُفَاجَأَتِيَّة حرف ہے بھئی، یہ اسم ہے ہی نہیں، یہ ظرف ہے ہی نہیں بھئی۔

اور پھر اس کے اندر عامل کیا ہے بھئی؟ جب یہ إِذَا ظرف ہے تو ظرف کے لیے تو عامل چاہیے بھئی، ظرف منصوب ہوتا ہے، تو کیا چیز عمل کر رہی ہے؟ تو انہوں نے بتلایا تھا صاحبِ جامی نے کہ مذہبِ صحیح کے مطابق جو صاحبِ لباب نے ذکر کیا ہے، یہ إِذَا ظرفِ زمان ہے اور اس کے اندر آگے وہ جو خبر محذوف ہے وہ عمل کر رہی ہے، وہ عمل کر رہی ہے۔ خَرَجْتُ فَإِذَا السَّبُعُ وَاقِفٌ، یہ وَاقِفٌ دیکھو صفت کا صیغہ ہے، اسمِ فاعل ہے، اور اسمِ فاعل بھی اپنے فعل جیسا عمل کرتا ہے، تو وہ مفعول فیہ کو نصب دے سکتا ہے۔ تو یہ وَاقِفٌ إِذَا کے اندر عامل ہے اور إِذَا اس کے لیے مفعول فیہ ہے۔ اور پھر یہ بھی یاد رکھنا کہ إِذَا جو ہے یہ عموماً مضاف ہوتا ہے آگے آنے والے جملے کی طرف، لیکن جب اس کے اندر وَاقِفٌ کو عامل بنائیں گے پھر إِذَا آگے آنے والے جملے کی طرف مضاف نہیں۔ آگے آنے والے جملے کی طرف مضاف نہیں، اس لیے کیونکہ اس صورت میں خرابی لازم آئے گی۔ خرابی یہ کہ إِذَا عامل ہو جائے گا آگے آنے والے جملے میں، یعنی السَّبُعُ وَاقِفٌ میں، إِذَا مضاف السَّبُعُ وَاقِفٌ مضاف اِلیہ، اور مضاف عامل ہوتا ہے مضاف اِلیہ میں، تو إِذَا عامل ہو جائے گا آگے آنے والے جملے میں اور آگے آنے والے جملے کا ہی ایک جز اس کے اندر عامل ہو جائے گا، تو دونوں گویا ایک دوسرے میں عمل کر رہے ہیں اور یہ درست نہیں ہے بھئی۔ تو لہٰذا اس صورت میں پھر إِذَا کو مضاف نہیں بنائیں گے۔ اب صرف وَاقِفٌ إِذَا میں عامل ہے اور إِذَا جو ہے السَّبُعُ وَاقِفٌ کے اندر عامل نہیں ہے۔

چنانچہ اسی لیے صاحبِ جامی نے دیکھو آگے تفسیر کیا کی: أَيْ فَفِي وَقْتِ خُرُوجِي السَّبُعُ وَاقِفٌ، میرے نکلنے کے وقت میں درندہ کھڑا تھا۔ دیکھو یہ وَقْت کی اضافت السَّبُعُ وَاقِفٌ کی طرف نہیں کی بھئی، یہی بتلانے کے لیے۔ بات سمجھ میں آگئی؟

ورنہ تو کیا کہنا چاہیے تھا؟ وَقْتِ وُقُوفِ السَّبُعِ کہنا چاہیے تھا بھئی، اگر یہ مضاف ہوتا تو پھر اس جملے کی طرف اس کو مصدر بنا کر اس کا مضاف اِلیہ ذکر کرتے۔

تو وَاقِفٌ کو حذف کر لیا اور إِذَا جو اس کا مفعول بہ تھا وہ ابھی بھی باقی ہے، لیکن یہ إِذَا کو اس کا قائم مقام نہیں بنایا، حالانکہ کبھی کبھار جب عامل کو حذف کرتے ہیں تو ظرف کو اس کا قائم مقام بنا دیتے ہیں، جیسے: زَيْدٌ عِنْدَكَ، اصل میں کیا تھا؟ زَيْدٌ ثَابِتٌ عِنْدَكَ، ثَابِتٌ جو عامل تھا عِنْدَكَ کے اندر اس کو حذف کر دیا اور عِنْدَكَ اس کی جگہ قائم مقام ہو گیا۔ لیکن یہاں پر ایسا نہیں کیا گیا۔ کیوں؟ ایسا کیوں نہیں کیا گیا؟ کہتے ہیں اس لیے کیونکہ اس خبر کا حذف جائز ہے، واجب نہیں۔ اگر إِذَا اس کا قائم مقام ہو جاتا پھر تو خبر کا حذف واجب ہونا چاہیے تھا، حالانکہ واجب نہیں۔ معلوم ہوا یہاں ظرف کو اپنے عامل کا قائم مقام نہیں کیا گیا بھئی۔

تو چنانچہ اس کی تقدیر کیا ہوگی صاحبِ لباب کے نزدیک؟ فَفِي وَقْتِ خُرُوجِي، میرے نکلنے کے وقت میں السَّبُعُ وَاقِفٌ درندہ کھڑا تھا۔ تو دیکھو اس کے اندر فِي وَقْتِ خُرُوجِي، فِي لے کر آئے کیونکہ ظرفیت کے لیے عربی میں کیا لاتے ہیں؟ فِي لاتے ہیں، تو یہ بتلانے کے لیے کہ یہ إِذَا ظرف ہے یعنی مفعول فیہ ہے۔

جبکہ بعض علماء فرماتے ہیں کہ یہ إِذَا جو ہے اس کے اندر وَاقِفٌ عامل نہیں ہے بلکہ یہ فَاء کے بعد ایک فعل محذوف ہے۔ یہ فَاء عاطفہ ہے، ماقبل میں آیا ہے خَرَجْتُ، آگے ہے فَفَاجَأْتُ، تو یہ فَاجَأْتُ کا عطف ہے خَرَجْتُ پر اور یہ فَاء عاطفہ ہے۔ اور اس صورت میں پھر یہ فَاجَأْتُ عامل ہے إِذَا کے اندر۔ کس کے اندر؟ فَاجَأْتُ عامل ہے إِذَا کے اندر بھئی۔ اور أَيْ فَفَاجَأْتُ وَقْتَ وُقُوفِ السَّبُعِ، تو اچانک میں نے پایا، کیا پایا؟ وَقْتَ وُقُوفِ السَّبُعِ، درندے کے کھڑے ہونے کا زمانہ، درندے کے وقوف کا زمانہ میں نے پایا۔ اور یاد رکھنا جب آپ فَاجَأْتُ یہاں فعل محذوف نکالیں گے تو آگے جو إِذَا ہے یہ اس کے لیے پھر مفعول فیہ نہیں بنے گا بلکہ مفعول بہ بن جائے گا۔ کیا بن جائے گا؟ آپ معنی پہ غور کر لیں: فَفَاجَأْتُ میں نے اچانک پایا، کس چیز کو پایا؟ وَقْتَ وُقُوفِ السَّبُعِ درندے کے کھڑے ہونے کے زمانے کو پا لیا۔ جیسے آپ کہتے ہیں وَجَدْتُ كِتَابًا میں نے کتاب پا لی، تو وَجَدْتُ کے لیے کتاب کیا ہے؟ مفعول بہ ہے، تو یہاں پر بھی جس چیز کو پایا ہے وہ مفعول بہ ہے، مفعول فیہ نہیں۔ مفعول فیہ تو اس کو کہتے ہیں جس کے اندر وہ فعل ہوا ہو۔ وہ پانے کا جو زمانہ ہے جس زمانے میں چیز پائی ہے وہ مفعول فیہ بنے گا بھئی، لیکن یہاں یہ نہیں کہہ رہے اس زمانے میں میں نے یہ چیز پائی بلکہ کہہ رہے ہیں میں نے وہ زمانہ پا لیا۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو یہ کیا بن جائے گا؟ مفعول بہ۔

عبارت پر غور کر رہے ہیں، معنی سمجھ میں آرہا ہے؟ مفعول فیہ اور مفعول بہ کے اندر فرق سمجھ میں آرہا ہے؟ دیکھو مفعول فیہ وہ ہوتا ہے کہ جس کے اندر کوئی فعل کیا جائے، ضَرَبْتُ زَيْدًا يَوْمَ الْجُمُعَةِ، میں نے زید کی پٹائی کی کب؟ جمعہ کے دن میں پٹائی کی، جمعہ کے۔ وہاں فِي بھی آسکتا ہے اور یہاں فِي نہیں آسکتا۔ وَجَدْتُ زَمَانَ وُقُوفِ السَّبُعِ، میں نے کیا پایا؟

درندے کے وقوف کا زمانہ پایا۔ یہ نہیں آپ کہہ سکتے میں نے درندے کے وقوف کے زمانے میں پایا، فِي زَمَانِ وُقُوفِ السَّبُعِ نہیں کہہ سکتے، کیونکہ پھر یہ مفعول چاہے گا بھئی کیا چیز پائی آپ نے درندے کے وقوف کے زمانے میں؟ تو یہی إِذَا کیا بن جائے گا؟ اس فَاجَأْتُ کے لیے مفعول بہ بن جائے گا۔ تو اگر وَاقِفٌ کو إِذَا کے اندر عامل بنائیں پھر إِذَا ظرف ہے اس کے لیے مفعول فیہ ہے بھئی، اور اگر فَاجَأْتُ کو إِذَا کے اندر عامل بنائیں پھر إِذَا جو ہے مفعول فیہ نہیں بنے گا بلکہ مفعول بہ بن جائے گا۔ بات اچھی طرح سمجھ میں آگئی؟

اور اس کے بعد پھر وہ جگہیں ذکر کیں صاحبِ کافیہ نے جہاں پر، جہاں پر خبر کو حذف کرنا واجب ہے۔ وہاں ایک تو قرینہ چاہیے اور دوسرا، دوسرا کوئی چیز ہو جو اس خبر کے قائم مقام ہو جائے، پھر ہی خبر کا حذف واجب ہوگا، کیونکہ جب قائم مقام موجود ہے تو پھر اصل یعنی خبر کا لانا جائز نہیں۔ اور بتلایا تھا وہ چار جگہیں ہیں بھئی۔ اور پہلی مثال کیا ذکر کی تھی؟ جیسے: لَوْلَا زَيْدٌ لَكَانَ كَذَا۔ میں نے آپ کو بتلایا تھا کہ یہ لَوْلَا جو ہے یہ دو قسم پر ہے: یہ لَوْلَا ایک تَحْضِيضِيَّة کہلاتا ہے، تحضیض کے اندر ضاد ہے دونوں جگہ، اور تحضیض کا معنی کسی دوسرے کو ابھارنا، اور یہ ایک جملے پر داخل ہوتا ہے یہ لَوْلَا تَحْضِيضِيَّة اور وہ بھی جملہ فعلیہ ہوتا ہے بھئی، جیسے: لَوْلَا تَضْرِبُ زَيْدًا تو زید کی پٹائی کیوں نہیں کرتا؟ یعنی ابھار رہا ہے، معلوم ہوا تمہیں زید کی پٹائی کرنی چاہیے۔ اور کبھی یہ ماضی پر بھی داخل ہو جاتا ہے لَوْلَا تَحْضِيضِيَّة، جیسے: لَوْلَا ضَرَبْتَ زَيْدًا تو نے زید کی پٹائی کیوں نہیں کی؟ اور جب ماضی پر داخل ہو، ماضی میں تو کسی چیز پر ابھارا نہیں جا سکتا تو پھر یہ ملامت کے معنی میں ہوتا ہے۔ لَوْلَا ضَرَبْتَ زَيْدًا تو نے زید کی پٹائی کیوں نہیں کی؟ یعنی ملامت کر رہا ہے کہ تمہیں زید کی پٹائی کرنی چاہیے تھی بھئی۔

جبکہ دوسرا لَوْلَا جو ہے لَوْلَا اِمْتِنَاعِيَّة ہے بھئی، اور لَوْلَا اِمْتِنَاعِيَّة دو جملوں پر داخل ہوتا ہے اور ان میں سے پہلا جملہ جو ہے وہ اسمیہ ہونا ضروری ہے۔ اسمیہ، اور دوسرا جملہ جو ہے وہ جوابِ لَوْلَا کہلاتا ہے۔ تو لَوْلَا کے بعد دو جملے آئیں گے،

پہلا جملہ اسمیہ ہوگا اور اس جملہ اسمیہ کے اندر مبتدا کو تو ذکر کریں گے، خبر کو حذف کرنا واجب ہے۔ خبر کو حذف کرنا واجب ہے، کیوں؟ کیونکہ یہ جو لَوْلَا ہے یہ وجود پہ دلالت کرتا ہے۔ یہ لَوْلَا بتلاتا ہے کہ ثانی منتفی ہے، ثانی ممتنع ہے، کیوں؟ بوجہ وجودِ اول کے۔ جیسے وہ مثال میں نے ذکر کی تھی: لَوْلَا عَلِيٌّ لَهَلَكَ عُمَرُ، اگر علی نہ ہوتا تو عمر تو ہلاک ہو گیا تھا۔ اور ہلاکتِ عمر منتفی ہے، ممتنع ہے، کس وجہ سے؟ وجودِ علی کی وجہ سے بھئی۔ میں نے بتایا تھا یہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول ہے، حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں فرمایا انہوں نے۔

تو یہ لَوْلَا اِمْتِنَاعِيَّة آتا ہے امتناعِ ثانی کے لیے بوجہ وجودِ اول کے، بوجہ وجودِ اول۔ تو یہ لَوْلَا کو وضع ہی اس لیے کیا گیا ہے کہ یہ وجودِ اول پر دلالت کرے بوجہ امتناعِ ثانی کے، تو لَوْلَا وجود پر دلالت کرتا ہے یہ قرینہ موجود ہے۔ تو لہٰذا اس قرینے کی وجہ سے اب اس پہلے جملے کی خبر کا حذف جائز ہوا، لیکن پھر جوابِ لَوْلَا کو اس خبر کا قائم مقام بنا دیا، اب اس خبر کا حذف واجب ہو گیا۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو یہ اس خبر کا حذف واجب ہے بھئی، قرینہ بھی موجود ہے کہ لَوْلَا وجود پر دلالت کرتا

ہے اور واجب بھی ہے حذف کیونکہ آگے جوابِ لَوْلَا کو اس خبر کا قائم مقام کر دیا گیا ہے۔

اور پھر صاحبِ جامی نے آپ کو یہ بھی بتلایا تھا کہ یہ خبر کو حذف کرنا اس وقت واجب ہے جب خبر افعالِ عامہ میں سے ہو، اور اگر اس کی خبر جو ہے افعالِ خاصہ میں سے ہو، جیسے شعر میں آیا تھا: وَلَوْلَا الشِّعْرُ بِالْعُلَمَاءِ يُزْرِي، یہاں الشِّعْرُ ہے مبتدا اور يُزْرِي اس کی خبر ہے اور اس کو ذکر کیا گیا، وجہ یہ کہ وہ افعالِ عامہ میں سے نہیں ہے بلکہ افعالِ خاصہ میں سے ہے بھئی۔ میں نے بتلایا تھا افعالِ عامہ وہ افعال جن کا معنی ہر فعل کے اندر پایا جاتا ہے، جیسے کون، ثبوت، وجود، حصول، اس کا سب کا معنی کیا ہے؟ ہونا۔ اور جبکہ ان کے علاوہ باقی افعال کیا ہیں؟ وہ افعالِ خاصہ ہیں یعنی جن کا معنی ہر فعل میں نہیں پایا جاتا۔ ضرب کیا ہے؟ افعالِ خاصہ میں سے۔ شرب کیا ہے؟ افعالِ خاصہ میں سے۔ اسی طرح یہ باقی افعال افعالِ خاصہ میں سے ہیں۔

جبکہ امام کسائی کا مذہب یہ ہے کہ لَوْلَا کے بعد جو اسم ذکر ہو یہ فاعل ہے فعلِ محذوف کے لیے: أَيْ لَوْلَا وُجِدَ زَيْدٌ، لَوْلَا وُجِدَ زَيْدٌ، وہ اس کو فاعل بناتے ہیں، وجہ یہ کہ ان کے نزدیک یہ لَوْلَا جو ہے یہ لَوْ اور لَا سے مرکب ہے، یہ وہی لَوْ حرفِ شرط ہے اور حرفِ شرط تو صرف فعل پر داخل ہوتا ہے لہٰذا یہاں پر فعل کو محذوف نکالیں گے۔ جبکہ بصرہ والوں کے نزدیک یہ لَوْلَا حرف ہے، یہ کسی سے مرکب نہیں ہے، یہ ہے ہی لَوْلَا پورا ایک ہی حرف ہے بھئی، یہ لَوْ اور لَا سے مرکب نہیں، یہ الگ کلمہ ہے بھئی، تو ان کے نزدیک یہ حرف ہے بھئی، لہٰذا وہ جملہ اسمیہ پر داخل ہوتا ہے بھئی۔ جبکہ امام فراء فرماتے ہیں کہ لَوْلَا جو ہے یہ خود رفع دیتا ہے اس اسم کو جو اس کے بعد آتا ہے، یعنی لَوْلَا اسمِ فعل ہے۔ لَوْلَا اسمِ فعل ہے اور جیسے اسمِ فعل اپنے فاعل کو رفع دیتا ہے تو یہ بھی اپنے فاعل زَيْدٌ کو رفع دے رہا ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو یہ پہلا مقام تھا بھئی۔

اب آئیے آج کے سبق پر بھئی۔ کہتے ہیں: وَثَانِيهَا كُلُّ مُبْتَدَأٍ كَانَ مَصْدَرًا صُورَةً أَوْ بِتَأْوِيلِهِ مَنْسُوبًا إِلَى الْفَاعِلِ أَوِ الْمَفْعُولِ أَوْ كِلَيْهِمَا وَبَعْدَهُ حَالٌ، أَوْ كَانَ اسْمَ تَفْضِيلٍ مُضَافًا إِلَى ذَلِكَ الْمَصْدَرِ.

اچھا بھئی یہ ذرا مشکل مقام ہے بھئی، توجہ سے سمجھ لیں بھئی۔ بھئی دوسری جگہ جہاں پر خبر کو حذف کرنا واجب ہے، وہ مقام ہے یاد رکھو جہاں پر مبتدا ایسا مصدر ہو جو منسوب ہو اپنے فاعل یا مفعول یا دونوں کی طرف اور اس مبتدا کے بعد حال واقع ہو بھئی۔ توجہ ہے؟ پھر دہرائیں کون سا مبتدا؟ دوسرا مقام جہاں خبر کو حذف کرنا واجب ہے وہ اس مبتدا کی خبر ہے کہ وہ مبتدا کیا ہو؟ مصدر ہو اور وہ منسوب ہو اپنے فاعل یا مفعول یا دونوں کی طرف، اور اس کے بعد حال واقع ہو۔ توجہ ہے؟ آسان سی بات ہے کہ مصدر ہے، مبتدا بن رہا ہے اور وہ منسوب ہے، اس کی نسبت ہو رہی ہے اپنے فاعل کی طرف یا مفعول کی طرف یا دونوں کی طرف اور اس کے بعد حال واقع ہو رہا ہو۔

ایک یہ مبتدا، اور اسی طرح اگر اسمِ تفضیل مضاف ہو رہا ہو اس جیسے مصدر کی طرف۔ پہلی صورت میں مبتدا یہ مصدر بن رہا تھا اور یہ مصدر منسوب تھا اپنے فاعل یا مفعول یا دونوں کی طرف اور اس کے بعد کیا تھا؟ حال۔ اور اگر اسی مصدر کی طرف اسمِ تفضیل مضاف ہو جائے تو اس کا بھی یہی حکم ہے، یعنی اس مصدر سے پہلے اسمِ تفضیل آگیا ہے اور اب مبتدا

وہ بن رہا ہے اور اس کے بعد جو مضاف اِلیہ مصدر آرہا ہے وہ مصدر اس کی نسبت ہو رہی ہے کس کی طرف؟ وہی شرطیں ذکر کرو، وہ مصدر منسوب ہے اپنے فاعل یا مفعول یا دونوں کی طرف اور اس کے بعد کیا آئے؟ حال۔ تو یہ جو اسمِ تفضیل جو اس جیسے مصدر کی طرف مضاف ہو جائے اس کا بھی یہی حکم ہے یعنی اس کی خبر کو حذف کرنا بھی واجب ہے۔

جیسے دیکھو متن میں آیا، یہ متن کی مثال پہ ذرا نظر رکھیں بھئی، جیسے: ضَرْبِي زَيْدًا قَائِمًا بھئی۔ اس کے اندر دیکھو ضَرْب مصدر ہے، یہ بتدا ہے، اور اس مصدر کی نسبت کی جا رہی ہے فاعل اور مفعول دونوں کی طرف۔ ضَرْبِي، یہ یَاء ضمیر کیا ہے؟ متکلم کی، یہ دراصل فاعل ہے، اس وقت تو مضاف اِلیہ ہے لیکن معنی کے اعتبار سے یہ فاعل ہے۔ ضَرْبِي زَيْدًا، میرا پٹائی کرنا زید کی، میرا زید کی پٹائی کرنا۔ تو دیکھو زَيْد یہ مفعول بہ ہے ضَرْب کے لیے، اور یَاء ضمیر اگرچہ لفظوں میں مضاف اِلیہ ہے لیکن معنی کے اعتبار سے یہ ضَرْب مصدر کے لیے فاعل ہے۔ تو ضَرْبِي زَيْدًا یہ مصدر، یہ بتدا ہے اور اس کی نسبت کی گئی ہے اپنے فاعل اور مفعول دونوں کی طرف یعنی دونوں اس وقت ذکر ہیں بھئی، اور اس کے بعد آگے قَائِمًا حال آرہا ہے۔ تو اس مصدر کی یا یوں کہیں اس بتدا کی خبر کو حذف کرنا واجب ہے۔

اور اسی طرح حکم ہے اس اسمِ تفضیل کا بھی جو ایسے مصدر کی طرف مضاف ہو۔ لہٰذا اس ضَرْبِي زَيْدًا سے پہلے أَكْثَرُ اسمِ تفضیل ذرا لے آئیں: أَكْثَرُ ضَرْبِي زَيْدًا قَائِمًا۔ تو یہ دیکھو أَكْثَرُ اب یہ بتدا بن گیا اور یہ اسمِ تفضیل ہے اور یہ مضاف ہو رہا ہے ضَرْبِي کی طرف یعنی ایسے مصدر کی طرف جس کی نسبت ہو رہی ہے اپنے فاعل یا مفعول کی طرف اور آگے حال آ رہا ہے۔ تو جیسے اس مصدر کی خبر کو حذف کرنا واجب تھا اسی طرح اس اسمِ تفضیل کی خبر کو حذف کرنا بھی واجب ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟

بھئی دیکھیے کتاب میں آیا متن میں: ضَرْبِي زَيْدًا قَائِمًا، ضَرْبِي زَيْدًا قَائِمًا۔ ایک ڈیڑھ سطر کے بعد آرہا ہے: ضَرْبِي زَيْدًا حَاصِلٌ إِذَا كَانَ قَائِمًا، عبارت مل گئی؟ ضَرْبِي زَيْدًا حَاصِلٌ إِذَا كَانَ قَائِمًا۔ عبارت مل گئی بھئی؟ متن میں کیا آیا؟ ضَرْبِي زَيْدًا قَائِمًا۔ یہ عرب اس طرح بولتے ہیں اس جملے کو، لیکن تقدیرِ عبارت کیا ہے وہ آگے ایک ڈیڑھ سطر بعد صاحبِ جامی ذکر فرما رہے ہیں: ضَرْبِي زَيْدًا حَاصِلٌ إِذَا كَانَ قَائِمًا۔ عبارت مل گئی بھئی؟ تو اصل عبارت یہ ہے۔

ترکیب سنو بھئی، ترکیب توجہ سے سمجھ لو بھئی۔ آج ساری باتیں ترکیب کی ہوں گی۔ ایک ترکیب آپ کو سمجھ میں آگئی تو باقی آپ خود کرتے چلے جائیں گے۔ ہم کئی مثالیں کریں گے تاکہ بات خوب اچھی طرح واضح ہو جائے۔

ضَرْبِي زَيْدًا حَاصِلٌ إِذَا كَانَ قَائِمًا۔ ضَرْبِي یاد رکھو یہ بتدا بنے گا، ضَرْب مصدر مضاف، کیونکہ جس اسم کے ساتھ بھی کوئی ضمیر متصل آجائے وہ آپس میں کیا بنتے ہیں؟ مضاف مضاف اِلیہ۔ اچھا، اس ضَرْب کا اعراب بولو بھئی؟ یہ بتدا ہے، شاباش، تو یہ کیا ہوگا؟ یہ مرفوع ہوگا، اور مرفوع کون سا ہے؟ تقدیراً، کیونکہ جو بھی اسم مضاف ہو جائے یَاء متکلم کی طرف

علاوہ جمع مذکر سالم کے، اس کا اعراب تینوں حالتوں میں تقدیری ہوتا ہے۔ تو ضَرْب مرفوع تقدیراً مضاف، مرفوع کیوں؟ مبتدا ہے۔ اور یَاء ضمیر مجرور محلاً مضاف اِلیہ، اور اس کا محلِ قریب ہے یہ مجرور ہے کیونکہ ضَرْب مضاف ہے یہ مضاف اِلیہ، اور محلِ بعید اس کا ہے کہ یہ فاعل ہے ضَرْب مصدر کے لیے۔ ضَرْبِي میری پٹائی، معلوم ہوا میں پٹائی کرنے والا ہوں، اور آگے زَيْدًا مفعول آرہا ہے، میں نے پٹائی کی ہے اور کس کی کی ہے؟ زید کی، تو وہ مفعول ہے۔ اور میں نے آپ کو بتلایا تھا کہ مصدر بھی اسی طرح عمل کرتا ہے جس طرح فعل یعنی اپنے فاعل کو رفع دیتا ہے اور مفعول کو نصب، لیکن مصدر کے ساتھ فاعل یا مفعول کا ذکر ضروری نہیں ہے، کبھی فاعل کو اس کے ساتھ ذکر کر دیا جاتا ہے اور کبھی ذکر نہیں کیا جاتا۔ تو یہاں ذکر ہے بھئی۔

تو یَاء ضمیر مجرور محلاً مضاف اِلیہ، اور زَيْدًا منصوب لفظاً مفعول بہ، اس کو کس نے نصب دیا؟ زَيْدًا کو نصب کس نے دیا؟ ضَرْب نے، شاباش، ابھی تو میں نے بتایا یہ مصدر کے لیے مفعول ہے۔ تو زَيْدًا مفعول بہ۔ ضَرْب مصدر اپنے مضاف اِلیہ اور مفعول بہ سے مل کر یہ ہوا مبتدا۔

مبتدا، آگے حَاصِلٌ یہ خبر شروع ہو گئی بھئی، اور خبر مرفوع ہوتی ہے۔ جی ترکیب کیجیے حَاصِلٌ، مرفوع لفظاً اسمِ فاعل، اسمِ فاعل، اس کے اندر هُوَ ضمیر مرفوع محلاً اس کا فاعل۔ اور هُوَ ضمیر کس کو راجع؟ زید کو؟ زید حاصل ہے؟ ضَرْبِي زَيْدًا حَاصِلٌ ذرا معنی پہ غور کرو، ضَرْبِي زَيْدًا حَاصِلٌ، کیا معنی؟ ضرب حاصل ہے، خبر کو مبتدا سے جوڑتے ہیں، مفعول بہ سے نہیں جوڑنا یہاں، یہ کوئی زید کی صفت نہیں ہے کہ آپ زید سے اس کو جوڑیں۔ تو حَاصِلٌ کے اندر هُوَ ضمیر مرفوع محلاً اس کا فاعل جو کس کو راجع؟ ضَرْب مبتدا کو راجع ہے یہ۔ کیا حاصل ہے؟ وہ ضرب حاصل ہے، یعنی وہ ضرب حاصل کہہ لو یا ثابت کہہ لو، وہ ضرب ثابت ہے، وہ ضرب ثابت ہے۔

اور یہ إِذَا، إِذَا کا اعراب بولیے جلدی کیجیے بھئی، اب تو اچھی خاصی نحو آپ کو آتی ہے۔ إِذَا ظرف ہے، ابھی گزشتہ سبق میں پوری تفصیل ذکر ہوئی تھی بھئی، بلکہ آج بھی خلاصے میں ذکر ہو گیا۔ إِذَا منصوب محلاً مفعول فیہ ہے کس کے لیے؟ حَاصِل کے لیے، حَاصِل اس کے اندر عامل ہے، إِذَا منصوب محلاً ہے اور نصب خود بخود نہیں آتا بھئی، تو إِذَا منصوب محلاً مفعول فیہ ہوا کس کے لیے؟ حَاصِل کے لیے۔ اور میں نے بتایا تھا یہ إِذَا عموماً مضاف ہوتا ہے آگے آنے والے جملے کی طرف، تو یہ ہوا مضاف۔

كَانَ فعل، كَانَ فعل اور یاد رکھنا یہ كَانَ تَامَّة ہے، ناقصہ نہیں۔ كَانَ نَاقِصَة وہ ہوتا ہے جو ایک اسم بھی چاہتا ہے اور ایک خبر بھی، اس کے بغیر بات پوری نہیں، كَانَ زَيْدٌ قَائِمًا، كَانَ کیا کرتا ہے؟ اپنے اسم کو رفع دیتا ہے اور اپنی خبر کو نصب دیتا ہے۔ لیکن کبھی کبھار كَانَ تَامَّة بھی آجاتا ہے۔ كَانَ تَامَّة وہ ہے جس میں صرف فاعل پر بات پوری ہو جائے، اس کے لیے کسی خبر کی ضرورت نہیں۔ جیسے عام افعال میں فاعل کی ضرورت ہوتی ہے، مفعول وغیرہ کی کوئی ضرورت نہیں، ذکر

کریں یا نہ کریں کلام پورا ہو جاتا ہے: ضَرَبَ زَيْدٌ، دیکھو یہ کلام پورا ہے، مفعول کو بے شک ذکر نہ کریں۔ تو یہاں پر بھی كَانَ کیا ہے؟ تَامَّة، اور اس کے اندر هُوَ ضمیر وہ مرفوع محلاً اس کا فاعل ہے، اسم نہیں کیونکہ یہ كَانَ تَامَّة ہے بھئی۔ تو اس کے اندر هُوَ ضمیر مرفوع فاعل ہے نا، اور فاعل کیا ہوتا ہے؟ مرفوع۔ توجہ سے ترکیب سمجھ لو، یہ سمجھ آگئی تو سارا سبق آپ کو سمجھ میں آجائے گا، اور یہ سمجھ نہ آئی تو پھر سارا سبق سمجھ میں نہیں آئے گا کیونکہ ساری ترکیب کی باتیں ہیں آج۔

تو كَانَ، كَانَ تَامَّة اس کے اندر هُوَ ضمیر مرفوع محلاً اس کا فاعل جو کس کو راجع؟ یہ زید کو راجع ہے، یہ زید کو راجع ہے، اور یاد رکھو آگے قَائِمًا حال بھی آرہا ہے، کیا آرہا ہے؟ یہ اسی كَانَ کی هُوَ ضمیر سے حال ہے بھئی: إِذَا كَانَ هُوَ قَائِمًا جب وہ کھڑا تھا، کون کھڑا تھا؟ زید کھڑا تھا بھئی۔ تو یہاں كَانَ کے اندر ضمیر ضرب کو نہیں لوٹانی، وہ ضرب کھڑی تھی یہ تو بات نہیں بنتی، یا تو فاعل کے لیے یہ حال ہے یا، یا مفعول بہ کے لیے۔ توجہ ہے؟ پیچھے آیا تھا نا ضَرْبِي زَيْدًا، ضَرْبِي، دیکھو ضَرْبِي میں یہ يَاء کیا ہے؟ یہ ضرب کے لیے یہ مضاف اِلیہ ہے لیکن معنی کے اعتبار سے یہ ضرب کے لیے فاعل ہے، متکلم جو ہے وہ ضرب لگانے والا ہے، اور زَيْدًا کیا ہے؟ مفعول بہ، اور آگے حال آرہا ہے، توجہ ہے؟ حال آرہا ہے، تو ان دونوں میں سے کسی ایک سے حال بنائیں گے بھئی۔

اچھا، تو كَانَ فعل اس کے اندر هُوَ ضمیر مرفوع محلاً اس کا فاعل جو زید کو راجع ہے، اور وہ ذوالحال ہے، یہ هُوَ ضمیر ذوالحال۔ آگے قَائِمًا منصوب لفظاً، منصوب کیوں؟ کیونکہ یہ حال ہے اور

هُوَ ضمیر، میں نے آپ کو بتایا تھا کہ صفت کے صیغے کو جس ضمیر سے جوڑیں اس کے اندر بھی ویسی ہی ضمیر نکالیں: غائب کی ضمیر سے جوڑیں تو اس کے اندر غائب کی ضمیر نکالیں، متکلم کی ضمیر سے جوڑیں تو اس کے اندر بھی متکلم کی ضمیر نکالیں، مخاطب کی ضمیر سے جوڑیں تو مخاطب کی ضمیر اس کے اندر نکالیں۔ میں نے مثالیں بھی کروائی تھیں: هُوَ قَائِمٌ، اس قَائِمٌ کے اندر کون سی ضمیر؟ هُوَ، کیونکہ قَائِمٌ خبر ہے کس کے لیے؟ هُوَ کے لیے، اس سے ہم نے جوڑنا ہے۔ أَنْتَ قَائِمٌ، أَنْتَ مبتدا اور قَائِمٌ اس کے اندر کون سی ضمیر؟ أَنْتَ ضمیر ہے، کیونکہ قَائِمٌ کو ہم أَنْتَ سے جوڑ رہے ہیں، اس کے اندر هُوَ ضمیر نہیں، هُوَ تو غائب کی ہے اور جوڑ کس سے رہے ہو؟ مخاطب سے، تو اس کے اندر أَنْتَ ضمیر نکالیں گے۔ اور أَنَا قَائِمٌ، اس قَائِمٌ کے اندر کون سی ضمیر؟ أَنَا ضمیر ہے، کیونکہ قَائِمٌ کو میں أَنَا ضمیر سے جوڑ رہا ہوں۔

توجہ ہے؟ اور میں نے یہ بھی بتایا تھا کہ مرجع صرف غائب کی ضمیر کا ہوتا ہے، مخاطب اور متکلم کی ضمیر کا مرجع نہیں ہوتا۔ تو آپ یہ نہ کہیں أَنَا قَائِمٌ کہ قَائِمٌ کے اندر أَنَا ضمیر ہے جو أَنَا کو لوٹ رہی ہے، نہیں نہیں۔ تو یہاں ربط کیسے آیا؟ ربط کیسے آیا؟ ربط اس طرح کہ جیسے وہاں آیا تھا: اَلْحَاقَّةُ مَا الْحَاقَّةُ، اَلْحَاقَّةُ مبتدا ہے اور مَا الْحَاقَّةُ پورا جملہ اس پہلے اَلْحَاقَّةُ کی خبر، اور جس اَلْحَاقَّةُ کے لیے یہ خبر ہے وہ خود ہی اس جملے کے اندر آگیا، تو وہ ربط آگیا۔ یہاں پر بھی أَنَا قَائِمٌ، یہ قَائِمٌ کو میں کس سے جوڑنا چاہتا ہوں؟ أَنَا سے، اور قَائِمٌ کے اندر وہی أَنَا آگیا تو ربط آگیا بھئی۔ اسی طرح أَنْتَ قَائِمٌ، اس قَائِمٌ کے اندر کون سی

ضمیر؟ أَنْتَ، تو یہ ربط آگیا کہ قَائِمٌ کو ہم کس سے جوڑ رہے ہیں؟ أَنْتَ سے اور اس کے اندر بھی کیا ہے؟ أَنْتَ ضمیر ہے۔

اچھا تو یہاں پر كُنْتُ اس کے اندر تَاء ضمیر مرفوع محلاً یہ ذوالحال، اور قَائِمًا منصوب لفظاً اسمِ فاعل، اس کے اندر كُنْتُ کی تَاء ضمیر... توجہ سے سنو: كُنْتُ کی تَاء ضمیر ذوالحال ہے اور وہی ضمیر ہمیں چاہیے کس کے اندر؟ قَائِمًا کے اندر، تو کون سی ضمیر نکالیں گے؟ ہاں، كُنْتُ تَاء ضمیر کس کی ہے، مخاطب کی ہے یا متکلم کی ہے؟ متکلم کی ہے، تو پھر قَائِمًا کے اندر کون سی ضمیر نکالیں گے؟ متکلم کی ضمیر نکالیں گے، أَنَا ضمیر، کیا نکالیں گے؟ أَنَا ضمیر۔ اب آپ یہ نہ کہیں کہ یہ تو الگ الگ ضمیریں ہیں، كُنْتُ کے اندر تَاء ہے اور قَائِمًا کے اندر أَنَا ہے، نہیں بھئی۔ كُنْتُ میں جو تَاء ضمیر ہے وہ بھی واحد متکلم کی ضمیر ہے اور قَائِمًا کے اندر جو أَنَا ضمیر ہے وہ بھی واحد متکلم کی ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟

تو قَائِمًا کے اندر أَنَا ضمیر مرفوع محلاً اس کا فاعل، اور اسمِ فاعل اپنے فاعل سے مل کر شبہ جملہ ہو کر یہ حال، اور ذوالحال اپنے حال سے مل کر، ذوالحال یعنی تَاء ضمیر كُنْتُ کی تَاء ضمیر، وہ ذوالحال اپنے حال سے مل کر یہ فاعل كُنْتُ کے لیے۔ فاعل، فعل اپنے فاعل سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر مضاف اِلیہ إِذَا کے لیے۔ مضاف اپنے مضاف اِلیہ سے مل کر یہ مفعول فیہ ہوا کس کے لیے؟ حَاصِلٌ کے لیے۔ اسمِ فاعل حَاصِلٌ اپنے فاعل اور مفعول فیہ سے مل کر شبہ جملہ ہو کر یہ خبر ضَرْبِي کے لیے، اور مبتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔ ترکیب سمجھ میں آگئی؟ معنی کیا ہوا ضَرْبِي زَيْدًا حَاصِلٌ إِذَا كُنْتُ قَائِمًا؟ کہ میرا زید کی پٹائی کرنا ثابت ہے جب میں کھڑا ہوتا ہوں۔ معلوم ہوا میں جو بھی زید کی پٹائی کرتا ہوں وہ اپنے قیام کی حالت میں کرتا ہوں۔

اسی کے نیچے اب تیسرا جملہ لکھیں، اسی جملے کے نیچے لکھیں: ضَرْبِي زَيْدًا حَاصِلٌ إِذَا كُنَّا قَائِمَيْنِ۔ لکھ لیا؟ ضَرْبِي زَيْدًا حَاصِلٌ إِذَا كُنَّا قَائِمَيْنِ۔ اب حال ہم دونوں سے بنا رہے ہیں، فاعل اور مفعول دونوں سے۔ توجہ ہے؟ فاعل اور مفعول دونوں سے ہم حال بنا رہے ہیں۔ ترکیب کیسے ہوگی؟ ضَرْب مصدر مرفوع مضاف، يَاء ضمیر مجرور محلاً مضاف اِلیہ، زَيْدًا منصوب لفظاً مفعول بہ، مصدر اپنے مضاف اِلیہ اور مفعول بہ سے مل کر مبتدا۔ اور حَاصِلٌ مرفوع لفظاً صیغہ اسمِ فاعل، اس کے اندر هُوَ ضمیر مرفوع محلاً اس کا فاعل جو کس کو راجع؟ ضَرْب مصدر کو راجع ہے یعنی مبتدا کو۔ اور آگے إِذَا منصوب محلاً مفعول فیہ ہے اور یہ مضاف ہے۔ اور كُنَّا فعل، یہ كَانَ کون سا ہے؟ تَامَّة، كُنَّا فعل با فاعل، اور اس کے اندر نَا ضمیر جو جمع متکلم کی ہے وہ اس کا فاعل ہے، لیکن پہلے اس کو ذوالحال بناؤ، ذوالحال بناؤ۔ تو نَا ضمیر مرفوع محلاً ذوالحال۔ اور قَائِمَيْنِ، قَائِمَيْنِ منصوب لفظاً صیغہ اسمِ فاعل، منصوب کیوں؟ حال ہے، اور میں تثنیہ کیوں لایا؟ کیوں تثنیہ لایا؟ کیونکہ فاعل اور مفعول دو ہیں نا، دونوں سے اکٹھا حال میں بنانا چاہتا ہوں۔ بتانا میں یہ چاہتا ہوں کہ میں زید کی جو بھی پٹائی کرتا ہوں اس حال میں کہ دونوں قائم ہوتے ہیں: وہ بھی قیام کی حالت میں ہوتا ہے، میں بھی قیام کی حالت میں ہوتا ہوں۔ تو اب یہ قَائِمَيْنِ دونوں سے، فاعل اور مفعول دونوں سے حال ہے۔

تو اس کے اندر جی بولیے بھئی، یہ حال ہے اور یہ حال کو کس سے جوڑتے ہیں؟ ذوالحال، اور ذوالحال کیا ہے؟ نَا ضمیر،

اور نَا کون سی ضمیر ہے؟ جمع متکلم، تو اس قَائِمَيْنِ کے اندر بھی جمع متکلم کی ضمیر نکال لیں: نَحْنُ بھئی نَحْنُ۔ تو قَائِمَيْنِ منصوب لفظاً صیغہ اسمِ فاعل، اس کے اندر نَحْنُ ضمیر مرفوع محلاً اس کا فاعل، اسمِ فاعل اپنے فاعل سے مل کر شبہ جملہ ہو کر حال۔ ذوالحال جو ہے یعنی نَا متکلم کی ضمیر، ذوالحال اپنے حال سے مل کر یہ فاعل ہوا یہ كَانَ فعل کے لیے یعنی كُنَّا کے لیے، كُنَّا فعل اپنے فاعل سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر مضاف اِلیہ إِذَا کے لیے۔ مضاف مضاف اِلیہ مل کر یہ مفعول فیہ ہوا کس کے لیے؟ حَاصِلٌ کے لیے۔ حَاصِلٌ صیغہ اسمِ فاعل اپنے فاعل اور مفعول فیہ سے مل کر شبہ جملہ ہو کر خبر، مبتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔ ترکیب سمجھ میں آگئی؟

یاد رکھو یہ نَحْنُ جو ہے نا یہ نَحْنُ، یہ متکلم مع الغیر کی ضمیر ہے، یہ تثنیہ کے لیے بھی استعمال ہوتی ہے، جمع کے لیے بھی استعمال ہوتی ہے۔ غائب کے لیے بھی تثنیہ کی ضمیر ہے، مخاطب کے لیے بھی تثنیہ کی ضمیر ہے، لیکن متکلم کے لیے تثنیہ کی ضمیر نہیں۔ تو یہی جمع متکلم جو ہے یہ تثنیہ کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے اور جمع کے لیے بھی، نیز مذکر کے لیے بھی اور مؤنث کے لیے بھی۔ لہٰذا مثلاً آپ تین ساتھی اکٹھے کھڑے ہیں تو آپ کہیں گے: نَحْنُ قَائِمُونَ، نَحْنُ قَائِمُونَ۔ اور اگر آپ دو ساتھی کھڑے ہیں تو کیا کہیں گے؟ نَحْنُ قَائِمَانِ بھئی، توجہ ہے؟ اور نَحْنُ قَائِمُونَ اس کے اندر قَائِمُونَ کے اندر کون سی ضمیر نکالیں گے؟ نَحْنُ ہی نکالیں گے۔ اور نَحْنُ قَائِمَانِ اس کے اندر کون سی ضمیر نکالیں گے؟ اس میں بھی نَحْنُ ہی نکالیں گے کیونکہ یہ تثنیہ کے لیے بھی استعمال ہوتی ہے اور جمع کے لیے بھی، نیز مذکر کے لیے بھی اور مؤنث کے لیے بھی بھئی۔ تو اس لیے قَائِمَيْنِ کے اندر ہم نے نَحْنُ کی ضمیر نکالی۔ طریقہ سمجھ میں آگیا؟

ایک اور مثال لکھیے بھئی، ابھی شروع میں لکھیں، یہ دیکھو یہ جو ابھی آخری مثال آپ نے لکھی اس سے نچلی سطر میں لکھیں لیکن شروع میں لکھیں سطر کے شروع میں: ذَهَابِي رَاجِلًا، ذَهَابِي رَاجِلًا۔ ذَهَبَ يَذْهَبُ ذَهَاب کا معنی ہے جانا، اور رَجِلَ يَرْجَلُ رَجْلًا کا معنی ہے پیدل چلنا، پیدل ہونا، پیادہ ہونا۔ تو جو پیدل ہو اس کو کہتے ہیں رَاجِل بھئی۔ جو پیدل چل رہا ہو وہ کیا ہے؟ رَاجِل ہے بھئی۔ ذَهَابِي رَاجِلًا۔ جی، اب تقدیرِ عبارت مجھے بتاؤ آگے نکال کر۔

تقدیر یہ اسی طرح ہے ضَرْبِي زَيْدًا قَائِمًا بھئی، پھر تقدیرِ عبارت آپ نے کیا نکالی تھی؟ توجہ ہے؟ پہلی مثال کیا آئی تھی متن میں؟ ضَرْبِي زَيْدًا قَائِمًا، اور اس کے اندر تقدیرِ عبارت ہم نے تین قسم کی نکال دی: اگر زید سے حال بناؤ تو کیا ہے؟ ضَرْبِي زَيْدًا حَاصِلٌ إِذَا كَانَ قَائِمًا۔ اور اگر یاء متکلم سے حال بناؤ تو عبارت کیا تھی؟ ضَرْبِي زَيْدًا حَاصِلٌ إِذَا كُنْتُ قَائِمًا۔ اور اگر دونوں سے حال ہے تو پھر کیا کہیں گے؟ ضَرْبِي زَيْدًا حَاصِلٌ إِذَا كُنَّا قَائِمَيْنِ۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو پھر اس صورت میں ضَرْبِي زَيْدًا قَائِمَيْنِ عبارت ہوگی پوری۔

تو اب کیا لکھا؟ ذَهَابِي رَاجِلًا۔ اب اس سے پوری عبارت ذرا بناؤ بھئی۔ ذَهَابِي رَاجِلًا، رَاجِلًا یہ حال ہے، اس کو سب سے آخر میں لے کر جانا ہے: ذَهَابِي حَاصِلٌ إِذَا كَانَ رَاجِلًا۔ اور یہ حال ہے کس سے؟ یہاں تو کوئی مفعول ہے ہی نہیں۔

فاعل کون ہے؟ ذَهَابِي، اضافت کس کی طرف ہے؟ يَاء کی طرف۔ تو یہ يَاء فاعل ہے، جانا کس کا ہے؟ متکلم کا جانا ذکر ہو رہا ہے۔ تو لہٰذا یہ متکلم سے حال ہے۔ تو یوں نہ کہیں ذَهَابِي حَاصِلٌ إِذَا كَانَ رَاجِلًا بلکہ إِذَا كُنْتُ رَاجِلًا۔ توجہ ہے؟ ہاں یہ لکھیں اب آگے جملہ: ذَهَابِي حَاصِلٌ إِذَا كُنْتُ رَاجِلًا، ذَهَابِي حَاصِلٌ إِذَا كُنْتُ رَاجِلًا۔ توجہ ہے؟

ترکیب کیا ہوگی؟ ذَهَاب مصدر مضاف، يَاء ضمیر مجرور محلاً مضاف اِلیہ، اور یہی معنی کے اعتبار سے فاعل بھی ہے ذَهَاب کے لیے۔ مصدر اپنے مضاف اِلیہ سے مل کر بتدا۔ حَاصِلٌ کیا ہے؟ اس کی خبر، اس کے اندر هُوَ ضمیر کس کو راجع؟ اسی ذَهَاب کو راجع ہے، کیا حاصل ہے؟ کیا ثابت ہے؟ وہی ذَهَاب ثابت ہے بھئی۔ توجہ ہے؟ اور إِذَا كُنْتُ، یہ إِذَا مضاف ہے اسی طرح اور یہ مفعول فیہ ہے کس کے لیے؟ حَاصِلٌ کے لیے۔ اور كُنْتُ کے اندر یہ تَاء ضمیر کیا ہے؟ یہ فاعل ہے اور ذوالحال ہے بھئی۔ اور آگے رَاجِلًا اس سے حال ہے۔ رَاجِلًا کے اندر کون سی ضمیر؟ رَاجِلًا کو کس سے حال بنایا؟ كُنْتُ کی تَاء ضمیر سے، تو رَاجِلًا کے اندر بھی واحد متکلم کی ضمیر نکالیں: أَنَا ضمیر رَاجِلًا کے اندر۔ رَاجِلًا اسمِ فاعل اپنے فاعل سے مل کر شبہ جملہ ہو کر حال۔ اور كُنْتُ کی تَاء ضمیر ذوالحال، ذوالحال اپنے حال سے مل کر یہ فاعل ہوا كُنْتُ کے لیے۔ فعل اپنے فاعل سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر یہ مضاف اِلیہ ہوا إِذَا کے لیے۔ مضاف اپنے مضاف اِلیہ سے مل کر مفعول فیہ ہوا حَاصِلٌ کے لیے۔ حَاصِلٌ صیغہ اسمِ فاعل اپنے فاعل اور مفعول فیہ سے مل کر شبہ جملہ ہو کر خبر، بتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔

ترجمہ اب مجھے بتاؤ: ذَهَابِي حَاصِلٌ إِذَا كُنْتُ رَاجِلًا۔ ترجمہ کیجیے۔ ہاں، میرا چلنا ثابت ہے إِذَا كُنْتُ رَاجِلًا جب میں پیدل ہوتا ہوں، یعنی میرا جو بھی چلنا ہے، میرا، یاد رکھو یہ استغراق کا فائدہ دے رہا ہے اس لیے میں ہر جگہ «جو بھی» ساتھ لے کر آرہا ہوں۔ ذَهَابِي میرا جو بھی جانا ہے وہ کس حالت میں ہے؟ پیدل چلنے کی حالت میں ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ یعنی میرا پیدل ہی جانا ہوتا ہے، میرا پیدل ہی جانا ہوتا ہے یعنی اور کسی حالت میں، سواری کی حالت میں نہیں بلکہ پیدل پیادہ جانا ہوتا ہے۔ تو اب اس کے اندر دیکھو صرف فاعل ذکر ہے۔ پچھلا جملہ جو ہم نے کیا تھا، اصل جملہ جو متن میں آیا تھا: ضَرْبِي زَيْدًا قَائِمًا بھئی۔ اس میں دیکھو ضَرْب مصدر کی نسبت ہو رہی تھی فاعل اور مفعول دونوں کی طرف، فاعل بھی ذکر تھا يَاء ضمیر اور مفعول بھی ذکر تھا زَيْدًا، ایک کو مضاف اِلیہ بنایا ایک کو ویسے ساتھ ذکر کر دیا، تو لیکن نسبت دونوں کی طرف ہے، دونوں کی طرف۔ توجہ ہے؟ اور یہاں ذَهَابِي رَاجِلًا اس میں صرف کون ذکر ہے؟ فاعل ذکر ہے مفعول نہیں۔ تو دیکھو یہاں مصدر صرف اپنے فاعل کی طرف منسوب ہے۔ انہوں نے کیا کہا تھا؟ کہ دوسرا وہ بتدا ہے جس کی خبر کو حذف کرنا واجب ہے جو کیا ہو؟ مصدر ہو اور وہ منسوب ہو اپنے فاعل کی طرف یا مفعول کی طرف یا دونوں کی طرف اور اس کے بعد کیا آئے؟ حال آئے۔ جیسے پہلی مثال تھی ضَرْبِي زَيْدًا قَائِمًا، یہ ضَرْب مصدر بتدا ہے اور یہ منسوب ہے کس کی طرف؟ اپنے فاعل اور مفعول دونوں کی طرف یہ منسوب ہو رہا ہے، اور اس کے بعد حال آرہا ہے، لہٰذا اس کی خبر حَاصِلٌ کو حذف کرنا واجب ہے۔ وہ جو حَاصِلٌ خبر تھی اس کو حذف کرنا واجب ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ اور یہاں ذَهَابِي رَاجِلًا، یہاں مصدر منسوب

ہے صرف کس کی طرف؟ ذَهَابِي رَاجِلًا، یہاں صرف فاعل ذکر ہے مفعول ذکر نہیں، تو یہ وہ مبتدا ہے جو مصدر ہے اور یہ منسوب ہے اپنے فاعل کی طرف اور اس کے بعد حال آرہا ہے، تو اس کی خبر جو حَاصِلٌ تھی اس کو حذف کرنا واجب۔

اگلی مثال لکھیے بھئی: ضَرْبُ زَيْدٍ قَائِمًا۔ لکھ لیا؟ ضَرْبُ زَيْدٍ قَائِمًا، بس۔ جی، اس کی تقدیرِ عبارت کیا ہوگی؟ شاباش، ضَرْبُ زَيْدٍ حَاصِلٌ، خبر کو نکال لیں: ضَرْبُ زَيْدٍ حَاصِلٌ إِذَا كَانَ قَائِمًا۔ اور یاد رکھو یہ مفعول کی مثال ذکر کریں گے صاحبِ جامی۔ یہ جو ضَرْبُ زَيْدٍ آیا اس زید میں فاعل ہونے کا بھی احتمال ہے مفعول ہونے کا بھی احتمال ہے، ضَرْبُ زَيْدٍ زید کا پٹ...

...ائی کرنا، معلوم ہوا وہ پٹائی کرنے والا ہے۔ اور اگر آپ زید کو مفعول بنانا چاہتے ہیں تو ضَرْبُ زَيْدٍ زید کا پٹائی ہونا۔ ترجمے میں فرق سمجھ میں آیا؟ زید اگر فاعل ہے، اس نے پٹائی کی ہے، تو ضَرْبُ زَيْدٍ قَائِمًا کا کیا ترجمہ کریں گے؟ ضَرْبُ زَيْدٍ زید کا پٹائی کرنا، یعنی وہ پٹائی کرنے والا ہے۔ اور اگر زید جو ہے وہ اس کی پٹائی ہوئی ہے، مفعول ہے، اس کی طرف نسبت ہو رہی ہے، پھر کیسے ترجمہ کریں گے؟ ضَرْبُ زَيْدٍ زید کی پٹائی ہونا، کرنا نہیں بلکہ ہونا، یہ ترجمہ کریں گے۔ جی، تو یہاں یہ مفعول ہے بھئی۔ اور یہ یاد رکھنا، یہ مصدر کی اضافت اپنے مفعول کی طرف ہو رہی ہے۔ جب مفعول کی طرف ہو رہی ہے تو معلوم ہوا یہ مصدرِ مجہول ہے، اور یہ زَيْد مضاف اِلیہ ہے، لفظاً یہ مجرور ہے لیکن محلاً یہ کیا ہے؟ مرفوع ہے، یہ کیا بن رہا ہے؟ نائب الفاعل بن رہا ہے ضَرْب کے لیے، کیونکہ یہ مصدرِ مجہول ہے، یہ کیا ہے؟ مصدرِ مجہول ہے۔

مصدر کی اضافت اپنے فاعل کی طرف کی جاتی ہے، اور جب اس کی اضافت مفعول کی طرف کی جا رہی ہے تو معلوم ہوا یہ مصدرِ مجہول ہے۔ میں نے آپ کو بتایا تھا کہ ایک مصدرِ معروف ہوتا ہے ایک مصدرِ مجہول، جیسے پٹائی کرنا یہ ہے مصدرِ معروف، اور پٹائی ہونا یہ کیا ہے؟ مصدرِ مجہول، لیکن دونوں کے لیے عربی میں ایک ہی لفظ استعمال ہوتا ہے۔ اسی ضَرْب کا معنی پٹائی کرنا بھی اور اسی ضَرْب کا معنی پٹائی ہونا بھی۔ اور اسی لیے گردانوں میں یہ ضَرْب دو دفعہ آیا: ضَرَبَ يَضْرِبُ ضَرْبًا، یہ فعلِ معروف کے بعد آیا، تو یہ والا ضَرْبًا ضَرَبَ يَضْرِبُ ضَرْبًا، یہ والا ضَرْبًا کیا ہے؟ مصدرِ معروف ہے۔ اور ضُرِبَ يُضْرَبُ ضَرْبًا، یہ دوبارہ مصدر جو آیا یہ کون سا مصدر ہے؟ مصدرِ مجہول ہے، اور مصدرِ مجہول کے لیے وہ جو مفعول ہوتا ہے وہ نائب فاعل پھر بن جاتا ہے۔

تو ضَرْبُ زَيْدٍ قَائِمًا کیا اصل میں عبارت ہے؟ ضَرْبُ زَيْدٍ حَاصِلٌ إِذَا كَانَ قَائِمًا۔ زید کی پٹائی، یوں کہیں ترجمے میں «جو بھی» کا لفظ لے کر آئیں: زید کی جو بھی پٹائی ہوتی ہے حَاصِلٌ إِذَا كَانَ قَائِمًا وہ کب ثابت ہوتی ہے؟ کب حاصل ہوتی ہے؟ جب وہ قائم ہوتا ہے، وہ کھڑا ہوتا ہے۔ معلوم ہوا زید کی جو بھی پٹائی ہوتی ہے وہ زید کے قیام کی حالت میں ہوتی ہے۔ معنی سمجھ میں آگیا؟

یہ تو تھا مصدر بھئی، کیا تھا؟ مصدر۔ اور کبھی کبھار یاد رکھو مصدر تاویلاً ہوتا ہے، حقیقتاً مصدر نہیں، یعنی صورتاً مصدر نہیں ہوتا۔ اس کی مثال لکھو: أَنْ ضَرَبْتُ زَيْدًا قَائِمًا، أَنْ ضَرَبْتُ زَيْدًا قَائِمًا، أَنْ ضَرَبْتُ زَيْدًا قَائِمًا۔ اب دیکھو یہ بھی اسی

کی مثال ہے، لیکن آپ کہیں گے اس کے اندر تو ضَرَبْتُ فعل آرہا ہے، مصدر ہے ہی نہیں۔ جواب یہ کہ یہاں ضَرَبْتُ پر أَنْ داخل ہے، اور أَنْ حرفِ مصدر جب فعل پر داخل ہوتا ہے اس کو کس معنی میں کر دیتا ہے؟ مصدر کے معنی میں کر دیتا ہے۔ تو یہ صورتاً تو مصدر یہاں نہیں، لیکن تاویلاً مصدر ہے، تاویلاً، یہ أَنْ کیا کر دے گا ضَرَبْتُ کو مصدر کے معنی میں کر دے گا: أَنْ ضَرَبْتُ زَيْدًا قَائِمًا۔

ترکیب کیا ہوگی؟ أَنْ ناصبہ، ضَرَبْتُ فعل با فاعل، تَاء ضمیر مرفوع محلاً اس کا فاعل، زَيْدًا منصوب لفظاً مفعول بہ، فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر أَنْ مصدریہ کی وجہ سے بتاویلِ مفرد مصدر ہوا بھئی، یہ کیا بن گیا؟ مفرد بن گیا، مصدر بن گیا بھئی کس کی وجہ سے؟ أَنْ مصدریہ کی وجہ سے۔ اچھا ذرا اس کو مصدر بناؤ بھئی۔ مصدر بنانے کا طریقہ کیا ہے؟ مصدر نکال لیں یہ جو فعل ذکر ہے ضَرَبْتُ، اس کا مصدر نکال لیں: ضَرْب ضَرْب، اور اس کی فاعل یا نائب فاعل جو بھی ساتھ ذکر ہے اس کی طرف اضافت کر دیں۔ أَنْ ضَرَبْتُ اس کا فاعل کون؟ تَاء ضمیر، تو تَاء ضمیر کی طرف اضافت کرو ضَرْب مصدر کی۔ تَاء ضمیر کون سی ہے؟ متکلم کی ہے، اور یہ تو مرفوع ہے فاعل ہے، آپ مضاف اِلیہ بنانا چاہتے ہیں تو وہی متکلم کی ضمیر مجرور والی لے آؤ بھئی۔ متکلم کی ضمیر لاؤ: ضَرْبِي، ضَرْبِي۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو دیکھو اب أَنْ کو بھی ختم کر دو: أَنْ ضَرَبْتُ اس سارے کو ختم کرو اور اس کی جگہ کیا لے آؤ؟ ضَرْبِي، تو ضَرْبِي زَيْدًا قَائِمًا دیکھو وہی عبارت پھر بن گئی۔ توجہ ہے؟ تو معلوم ہوا چاہے مصدر حقیقتاً ہو چاہے مصدر تاویلاً ہو دونوں کا یہی حکم ہے۔ عبارت سمجھ میں آگئی؟ باقی ساری عبارت اسی طرح ہوگی، اور اس کے اندر بھی پھر دونوں احتمال ہیں، توجہ ہے؟ دونوں احتمال ہیں، یہ قَائِمًا یہ متکلم سے بھی حال ہو سکتا ہے اور یہ مفعول بہ سے بھی یعنی زَيْدًا سے بھی حال ہو سکتا ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟

اگلا جملہ لکھیے بھئی: أَكْثَرُ شُرْبِي السَّوِيقَ مَلْتُوتًا۔ یہ کتاب میں مثال دی ہوئی ہے بھئی، یہ اسی ضَرْبِي زَيْدًا قَائِمًا سے چند لفظ آگے ہے: أَكْثَرُ شُرْبِي السَّوِيقَ مَلْتُوتًا۔ سَوِيق کہتے ہیں ستو کو بھئی، کس کو کہتے ہیں؟ ستو کو، یہ عموماً جو کے دانے جو ہیں ان کو آگ پر بھون لیا جاتا ہے اور پھر پیس لیا جاتا ہے تو یہ ستو کہلاتا ہے بھئی۔ اور مَلْتُوت، مَلْتُوت بھئی، لَتَّ يَلُتُّ کا معنی ہے کسی چیز کو بھگونا، پانی وغیرہ اس میں ملانا، پانی کے ساتھ اس کو تر کرنا، پانی میں بھگونا اس کو کیا کہتے ہیں؟ لَتَّ يَلُتُّ لَتًّا، تو مَلْتُوت جس کو پانی میں بھگویا گیا ہو یعنی جس کے ساتھ پانی ملایا گیا ہو، جس کے ساتھ پانی ملایا گیا ہو۔ تو اب دیکھو یہاں وَأَكْثَرُ شُرْبِي السَّوِيقَ مَلْتُوتًا۔ لکھ لیا؟ أَكْثَرُ شُرْبِي السَّوِيقَ مَلْتُوتًا۔ میرا ستو پینا اکثر جو ہے مَلْتُوتًا اس حال میں ہوتا ہے کہ اس کے ساتھ پانی ملا ہوتا ہے۔ یعنی میں پانی ملائے بغیر بھی ستو کھاتا ہوں اور پانی ملا کر بھی ستو پیتا ہوں، لیکن میرا اکثر ستو پینا کس حال میں ہوتا ہے؟ پانی ملائے ہوئے ہونے کی حالت میں۔

اس مثال پہ غور کریں، دیکھو یہ شُرْب مصدر ہے، اور يَاء ضمیر یہ مضاف اِلیہ ہے یہ فاعل ہے، پینے والا متکلم ہے، اور السَّوِيقَ یہ مفعول بہ ہے۔ تو یہ مصدر ہے جو منسوب ہو رہا ہے اپنے فاعل اور مفعول دونوں کی طرف یعنی دونوں عبارت

میں ذکر ہیں۔ اور اس کے آگے مَلْتُوتًا حال آرہا ہے، اور اس سے پہلے اسمِ تفضیل آیا، اور وہ اسمِ تفضیل جو ایسے مصدر کی طرف مضاف ہو اس کا بھی یہی حکم ہے، اس کا بھی یعنی اس کی خبر کو بھی حذف کرنا واجب ہے۔ تو یہاں اب بتدا شُرْب نہیں ہے، أَكْثَرُ شُرْبِي، یہ أَكْثَرُ اسمِ تفضیل بتدا ہے، لیکن یہ اس مصدر کی طرف مضاف ہو رہا ہے لہٰذا اس اسمِ تفضیل کا بھی وہی حکم ہے، یہ بھی وہ بتدا ہے جس کی خبر کا حذف کرنا واجب ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ گویا عبارت کیا ہوئی؟ أَكْثَرُ شُرْبِي السَّوِيقَ حَاصِلٌ إِذَا كَانَ مَلْتُوتًا۔ میرا اکثر ستو کو پینا جو ہوتا ہے حَاصِلٌ أَيْ ثَابِتٌ وہ ثابت ہوتا ہے إِذَا كَانَ مَلْتُوتًا جب وہ ستو کیا ہو؟ پانی ملایا گیا ہو۔ تو كَانَ کے اندر هُوَ ضمیر السَّوِيقَ کو راجع کریں گے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ اور یہ مفعول ہی سے حال ہو سکتا ہے، یہاں فاعل سے حال نہیں ہو سکتا، میں پانی میں نہیں بھگویا ہوا ہوتا بلکہ کیا بھگویا ہوتا ہے؟ ستو، تو یہ صرف مفعول سے حال بنے گا یہاں۔

اگلی مثال دیکھیے: وَأَخْطَبُ مَا يَكُونُ الْأَمِيرُ قَائِمًا بھئی۔ لکھیں بھئی اگلی مثال: وَأَخْطَبُ مَا يَكُونُ الْأَمِيرُ قَائِمًا۔ یہ کتاب میں بھی مثال دی ہوئی ہے بھئی، اسی اگلی سطر میں ہے ورنہ وہاں سے دیکھ کر لکھ لیں: أَخْطَبُ مَا يَكُونُ الْأَمِيرُ قَائِمًا، أَخْطَبُ مَا يَكُونُ الْأَمِيرُ قَائِمًا۔ توجہ ہے؟ یہ أَخْطَبُ اسمِ تفضیل ہے اور وہ اسمِ تفضیل جو مضاف ہو جائے ایسے مصدر کی طرف اس کا بھی یہی حکم ہے، توجہ ہے؟ اب دیکھو آگے أَخْطَبُ کے بعد تو آپ کہیں گے کوئی مصدر نہیں۔ جواب یہ کہ مصدر حقیقتاً تو نہیں موجود بلکہ تاویلاً ہے۔ یہ مَا يَكُونُ الْأَمِيرُ قَائِمًا، یہ مَا مصدریہ ہے، اور مَا مصدریہ فعل پر داخل ہو کر اس کو مصدر کے معنی میں کر دیتا ہے۔ مَا يَكُونُ الْأَمِيرُ، مَا يَكُونُ الْأَمِيرُ، تو مَا يَكُونُ کس معنی میں ہوا؟ كَانَ يَكُونُ كَوْنًا، مصدر بنا لیں نا، مَا يَكُونُ کس معنی میں ہوا؟ كَوْنُ، أَيْ كَوْنُ الْأَمِيرِ، اپنے فاعل کی طرف اضافت کر دی: وَأَخْطَبُ كَوْنِ الْأَمِيرِ قَائِمًا، وَأَخْطَبُ كَوْنِ الْأَمِيرِ قَائِمًا۔ أَخْطَبُ زیادہ بڑا خطیب، زیادہ اچھا خطیب یعنی زیادہ اچھا خطاب کرنے والا، تقریر کرنے والا۔ تو کہنا کیا چاہتے ہیں؟ بتلانا یہ چاہتے ہیں کہ ایک خطاب وہ ہے جو امیر بیٹھنے کی حالت میں کرتا ہے، ایک خطاب اور تقریر وہ ہے جو امیر کھڑے ہونے کی حالت میں کرتا ہے، تو امیر کھڑے ہونے کی حالت میں جو خطاب اور تقریر کرتا ہے وہ زیادہ بہتر ہے اس خطاب کے مقابلے میں جو وہ بیٹھ کر کرتا ہے۔ معنی سمجھ میں آگیا؟ تو کہتے ہیں: وَأَخْطَبُ مَا يَكُونُ الْأَمِيرُ قَائِمًا، امیر جو ہے وہ زیادہ بڑا خطیب ہوتا ہے جس وقت وہ کھڑا ہو۔ معنی سمجھ میں آگیا؟

اب دیکھو اس میں أَخْطَبُ اسمِ تفضیل ہے اور یہ مضاف ہے اس مصدر کی طرف، وہ جو مصدر تاویلاً ہے، اور وہ مصدر اس کی نسبت ہو رہی ہے کس کی طرف؟ اپنے فاعل الْأَمِيرُ کی طرف، اور اس کے بعد حال آرہا ہے، تو اس اسمِ تفضیل أَخْطَبُ کا بھی یہی حکم: اس کی خبر حَاصِلٌ کو حذف کرنا واجب ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ ترکیبیں ساری سمجھ میں آگئیں؟ اب دیکھیے بھئی کتاب پر بھئی۔

کہتے ہیں: وَثَانِيهَا، اور دوسرا جو ہے ان میں سے كُلُّ مُبْتَدَإٍ، بھئی چار بتدا ایسے ہیں جن کی خبر کا حذف کرنا واجب ہے،

تو کہتے ہیں ثَانِيهَا ان میں سے دوسرا جو ہے كُلُّ مُبْتَدَإٍ ہر ایسا بتدا ہے كَانَ مَصْدَرًا جو کیا ہو؟ جو مصدر ہو، صُورَةً أَوْ بِتَأْوِيلِهِ چاہے صورتاً مصدر ہو أَوْ بِتَأْوِيلِهِ یا مصدر کی تاویل میں ہو، مَنْسُوبًا إِلَى الْفَاعِلِ أَوِ الْمَفْعُولِ أَوْ كِلَيْهِمَا اور وہ مصدر منسوب ہو اپنے فاعل کی طرف یا مفعول کی طرف یا دونوں کی طرف یعنی دونوں ذکر ہوں۔ دیکھو عام علماء نے ذکر کیا ہے کہ وہ مصدر مضاف ہو اپنے فاعل یا مفعول یا دونوں کی طرف، اور آپ بھی دیکھ رہے ہیں مصدر مضاف ہو رہا ہے۔ توجہ ہے؟ لیکن صاحبِ جامی نے مضاف کو ذکر نہیں کیا بلکہ کیا کہا؟ وہ مصدر منسوب ہو، وہ مصدر منسوب ہو، وجہ یہ کہ مصدر ایک وقت میں ایک چیز کی طرف مضاف ہو سکتا ہے: یا فاعل کی طرف یا مفعول کی طرف مضاف ہو سکتا ہے۔ تو اگر آپ یہ کہیں مصدر مضاف ہوگا اپنے فاعل کی طرف یا مفعول کی طرف یا دونوں کی طرف، بھئی دونوں کی طرف تو وہ مضاف نہیں ہو سکتا، مضاف تو ایک ہی چیز کی طرف ایک وقت میں ہو سکتا ہے۔ لہٰذا صاحبِ جامی نے عبارت ہی بدل دی، یہ نہیں کہا کہ مضاف ہوگا اپنے فاعل یا مفعول یا دونوں کی طرف کیونکہ دونوں کی طرف تو وہ مضاف ہی نہیں ہو سکتا، بلکہ کیا کہا؟ مصدر منسوب ہوگا اپنے فاعل یا مفعول یا دونوں کی طرف، اور منسوب ہونا تو عام ہے، منسوب تو دس چیزوں کی طرف بھی ایک چیز ہو سکتی ہے یعنی اس کے ساتھ وہ چیزیں ذکر ہوں گی، ان کا اس کے ساتھ تعلق ہوگا۔

تو کہتے ہیں: مَنْسُوبًا إِلَى الْفَاعِلِ أَوِ الْمَفْعُولِ أَوْ كِلَيْهِمَا اور وہ مصدر منسوب ہو فاعل کی طرف یا مفعول کی طرف یا دونوں کی طرف، وَبَعْدَهُ حَالٌ اور اس بتدا کے بعد حال آئے بھئی، وہی مصدر جو بتدا ہے اس کے بعد کیا آئے؟ حال آئے، أَوْ كَانَ اسْمَ تَفْضِيلٍ مُضَافًا إِلَى ذَلِكَ الْمَصْدَرِ۔ یہ كَانَ اسْمَ تَفْضِيلٍ اس کا عطف ہے پیچھے جو عبارت آئی كَانَ مَصْدَرًا: كُلُّ مُبْتَدَإٍ كَانَ مَصْدَرًا ہر وہ بتدا جو مصدر ہو، اسی طرح ہر وہ بتدا كَانَ اسْمَ تَفْضِيلٍ جو کیا ہو؟ ایسا اسمِ تفضیل ہو مُضَافًا إِلَى ذَلِكَ الْمَصْدَرِ جو اس مصدر کی طرف مضاف ہو۔ وَذَلِكَ مِثْلُ ذَهَابِي رَاجِلًا، اور وہ جیسے کہ ذَهَابِي رَاجِلًا ہے بھئی۔ یہ رَاجِلًا حال ہے کس سے؟ ذَهَابِي کی يَاء ضمیر سے، اور یہ ذَهَاب مصدر یہ منسوب ہے صرف کس کی طرف؟ اپنے فاعل کی طرف، مفعول یہاں ذکر ہی نہیں کیونکہ یہ فعلِ لازم ہے بھئی۔ وَضَرْبُ زَيْدٍ قَائِمًا إِذَا كَانَ زَيْدٌ مَفْعُولًا بِهِ، اور ضَرْبُ زَيْدٍ قَائِمًا إِذَا كَانَ زَيْدٌ مَفْعُولًا بِهِ جب زید کیا ہو؟ مفعول بہ۔ میں نے بتایا اس زید میں دونوں احتمال ہیں: اگر یہ ضرب لگانے والا ہے تو یہ فاعل ہے، اگر اس پر ضرب واقع ہوئی ہے تو یہ مفعول ہے۔ تو اگر زید فاعل ہے، توجہ ہے؟ زید ضرب لگانے والا ہے تو پھر تو ضَرْبُ زَيْدٍ یہ ضَرْب مصدرِ معروف ہوگا، اور اگر زید مفعول بہ ہے، اس پر ضرب واقع ہوئی ہے تو پھر یہ ضَرْب مصدر کون سا ہوگا؟ مصدرِ مجہول ہوگا بھئی۔ تو چونکہ فاعل کی مثال پہلے آگئی تھی ذَهَابِي رَاجِلًا اس میں مصدر صرف اپنے فاعل کی طرف منسوب تھا، تو یہ مثال بنائیں گے جب مصدر صرف اپنے مفعول کی طرف منسوب ہو۔ تو کہتے ہیں: وَضَرْبُ زَيْدٍ قَائِمًا إِذَا كَانَ زَيْدٌ مَفْعُولًا بِهِ جب زید مفعول بہ ہو، وَمِثْلُ ضَرْبِي زَيْدًا قَائِمًا اور جیسے کہ ضَرْبِي زَيْدًا قَائِمًا۔ یہ قَائِمًا حال ہے کس سے؟ یا تو ضَرْبِي کے، یا تو ضَرْب کے فاعل سے یعنی متکلم سے یا مفعول بہ سے۔ أَوْ قَائِمَيْ...

...نِ یا دونوں سے بھی حال اکٹھا آسکتا ہے۔ وَأَنْ ضَرَبْتُ زَيْدًا قَائِمًا یہ کس کی مثال ہے؟ مصدرِ تاویلی کی۔ وَأَكْثَرُ شُرْبِي

السَّوِيقَ مَلْتُوتًا یہ کس کی مثال ہے؟ وہ اسمِ تفضیل جو مضاف ہے ایسے مصدر کی طرف۔ وَأَخْطَبُ مَا يَكُونُ الْأَمِيرُ قَائِمًا یہ کس کی مثال ہے؟ کہ اسمِ تفضیل مضاف ہے مصدرِ تاویلی کی طرف۔ أَكْثَرُ شُرْبِي میں أَكْثَرُ مضاف ہے مصدر کی طرف جو صورتاً مصدر ہے یعنی شُرْب حقیقتاً مصدر ہے، اور أَخْطَبُ مَا يَكُونُ الْأَمِيرُ قَائِمًا اس میں أَخْطَبُ اسمِ تفضیل مضاف ہے مصدرِ تاویلی کی طرف۔

فَذَهَبَ الْبَصْرِيُّونَ إِلَى أَنَّ تَقْدِيرَهُ ضَرْبِي زَيْدًا حَاصِلٌ إِذَا كَانَ قَائِمًا، تو بصرہ کے نحوی اس بات کی طرف گئے ہیں کہ أَنَّ تَقْدِيرَهُ کہ اس کلام کی تقدیر جو ہے ضَرْبِي زَيْدًا حَاصِلٌ إِذَا كَانَ قَائِمًا ہے۔ فَحُذِفَ حَاصِلٌ، اب وہی باتیں ذکر کریں گے، میں نے کیا بتلایا تھا؟ پہلے کس کو حذف کیا تھا؟ حَاصِلٌ کو، اور إِذَا كَانَ کو اس کا قائم مقام بنایا، پھر إِذَا كَانَ کو بھی حذف کیا اور قَائِمًا کو اس کا حال بنایا، تو قَائِمًا نائب کا نائب ہوا اور نائب کا نائب بھی نائب ہوتا ہے تو گویا یہ حَاصِلٌ کا نائب ہوا بھئی۔ فَحُذِفَ حَاصِلٌ كَمَا تُحْذَفُ مُتَعَلِّقَاتُ الظُّرُوفِ، تو حَاصِلٌ کو حذف کر لیا گیا جیسے کہ ظروف کے متعلقات کو حذف کر لیا جاتا ہے نَحْوُ زَيْدٌ عِنْدَكَ، یہ اصل میں کیا تھا؟ زَيْدٌ ثَابِتٌ عِنْدَكَ، تو عِنْدَكَ کے جیسے متعلق یعنی ثَابِتٌ کو حذف کیا گیا اسی طرح یہاں پر بھی إِذَا کا جو متعلق حَاصِلٌ تھا اس کو کیا کر لیا گیا؟ حذف کر لیا گیا۔

فَبَقِيَ إِذَا كَانَ قَائِمًا، تو باقی کیا رہ گیا؟ خبر کی جگہ کیا رہ گیا؟ إِذَا كَانَ قَائِمًا، تو حَاصِلٌ یعنی خبر میں سے صرف إِذَا كَانَ قَائِمًا باقی رہ گیا۔ تو کہتے ہیں فَبَقِيَ إِذَا كَانَ قَائِمًا تو خبر میں سے إِذَا كَانَ قَائِمًا باقی رہ گیا۔ ثُمَّ حُذِفَ إِذَا مَعَ شَرْطِهِ الْعَامِلِ فِي الْحَالِ، پھر حذف کر لیا گیا إِذَا کو مَعَ شَرْطِهِ الْعَامِلِ ساتھ اس کی وہ شرط جو عامل ہے حال میں۔ بھئی اس عبارت پہ نظر رکھیں وہ جو میں نے آپ کو جملہ لکھوایا: ضَرْبِي زَيْدًا حَاصِلٌ إِذَا كَانَ قَائِمًا، ضَرْبِي زَيْدًا حَاصِلٌ إِذَا كَانَ قَائِمًا۔ یہ قَائِمًا سب سے آخر میں جو آیا یہ کیا ہے؟ حال ہے، حال ہے۔ اور یاد رکھو جو ذوالحال میں عامل ہوتا ہے وہی حال میں بھی عامل ہوتا ہے۔ اور یہ قَائِمًا حال ہے کس سے؟ هُوَ سے، اور هُوَ کے اندر عامل کون؟ وہ کس کے لیے فاعل ہے؟ كَانَ کے لیے، تو یہی كَانَ قَائِمًا کو بھی نصب دے رہا ہے۔ توجہ ہے؟ تو جب إِذَا کو حذف کیا تو اس کے ساتھ كَانَ کو بھی حذف کر دیا اور یہ وہی كَانَ ہے جو حال کو کیا کر رہا ہے؟ نصب دے رہا ہے، اس کے اندر عامل ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو یہی بات کر رہے ہیں: ثُمَّ حُذِفَ إِذَا پھر إِذَا کو حذف کر لیا گیا مَعَ شَرْطِهِ ساتھ اس کی شرط کے، وہ شرط الْعَامِلِ فِي الْحَالِ جو عامل ہے کس کے اندر؟ حال، یعنی إِذَا کو اس كَانَ کے ساتھ حذف کر لیا گیا جو كَانَ عامل ہے حال کے اندر۔ وَأُقِيمَ الْحَالُ مَقَامَ الظَّرْفِ اور حال کو قائم مقام کر دیا گیا ظرف کے، وَأُقِيمَ الْحَالُ، إِذَا كَانَ کو حذف کر دیا اور کس کو قائم مقام کیا؟ حال کو اس کا قائم مقام کیا۔ تو کہتے ہیں وَأُقِيمَ الْحَالُ مَقَامَ الظَّرْفِ اور حال کو ظرف کا قائم مقام کر دیا گیا، لِأَنَّ فِي الْحَالِ مَعْنَى الظَّرْفِيَّةِ اس لیے کیونکہ حال کے اندر ظرفیّت والا معنی ہوتا ہے۔ حال کے اندر ظرفیّت والا معنی ہوتا ہے۔ فَالْحَالُ قَائِمٌ مَقَامَ الظَّرْفِ، تو حال قائم مقام ہوا کس کا؟ ظرف کا، وہ ظرف الْقَائِمِ مَقَامَ الْخَبَرِ جو خبر کے قائم مقام ہے۔ توجہ ہے؟ پھر سنو، حَاصِلٌ کا قائم مقام

کس کو بنایا؟ إِذَا ظرف کو، اور إِذَا کا قائم مقام کس کو بنایا؟ قَائِمًا کو، کس کو؟ قَائِمًا کو۔ تو قَائِمًا قائم مقام ہے اس إِذَا کا جو قائم مقام تھا کس کا؟ حَاصِلٌ کا، تو گویا قَائِمًا قائم مقام ہو گیا حَاصِلٌ کا بھئی۔ یہی بات بیان کر رہے ہیں۔

تو کہتے ہیں: فَالْحَالُ قَائِمٌ مَقَامَ الظَّرْفِ، تو حال جو ہے قائم مقام ہے اس ظرف کا، دیکھو الظَّرْفِ موصوف ہے آگے الْقَائِمِ مَقَامَ الْخَبَرِ اس کی صفت ہے، تو ظرف سے پہلے میں «اس» کا لفظ لے کر آؤں گا: فَالْحَالُ قَائِمٌ مَقَامَ الظَّرْفِ تو حال قائم مقام ہے اس ظرف کا الْقَائِمِ مَقَامَ الْخَبَرِ جو خبر کے قائم مقام تھا۔ حال قائم مقام ہے اس ظرف کا جو کس کے قائم مقام تھا؟ جو خبر کا قائم مقام تھا۔ فَيَكُونُ الْحَالُ قَائِمًا مَقَامَ الْخَبَرِ، تو حال جو ہے وہ خبر کا بھی قائم مقام ہوگا کیونکہ نائب کا نائب نائب ہوتا ہے۔ توجہ ہے؟ یہ قَائِمًا کس کا قائم مقام تھا؟ إِذَا کا، اور یہ إِذَا کس کا قائم مقام تھا؟ حَاصِلٌ کا، تو قَائِمًا کس کا قائم مقام ہو گیا؟ حَاصِلٌ کا ہو گیا، یہ معنی ہے: فَيَكُونُ الْحَالُ قَائِمًا مَقَامَ الْخَبَرِ تو حال جو ہے وہ خبر کا قائم مقام ہوگا کیونکہ نائب کا نائب نائب ہوتا ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟

بھئی یہاں ایک دو باتیں چھوٹی سی آئیں۔ کہتے ہیں: ثُمَّ حُذِفَ إِذَا مَعَ شَرْطِهِ الْعَامِلِ فِي الْحَالِ، إِذَا کو حذف کر لیا گیا ساتھ اس کی وہ شرط جو عامل ہے کس کے اندر؟ حال کے اندر، وہ شرط جو عامل ہے... اور اس سے کیا مراد ہے؟ توجہ ہے؟ اس سے مراد وہ كَانَ ہے، إِذَا کو اکیلا حذف کیا یا كَانَ کے ساتھ ہی؟ تو إِذَا کو اپنی شرط کے ساتھ حذف کر لیا گیا، وہ شرط جو عامل تھی کس کے اندر؟ قَائِمًا کے اندر۔ عبارت پہ نظر رکھو: ثُمَّ حُذِفَ إِذَا مَعَ شَرْطِهِ الْعَامِلِ فِي الْحَالِ، پھر حذف کر لیا گیا إِذَا کو اپنی اس شرط کے ساتھ جو عامل ہے کس کے اندر؟ حال کے اندر یعنی وہ كَانَ جو عامل ہے کس کے اندر؟ حال، اس کے ساتھ اس کو حذف کر لیا گیا۔ اس پر اشکال ہوا کہ یہ تو إِذَا ظرفیہ ہے، یہ تو إِذَا شرطیہ نہیں، تو پھر اس كَانَ کو شرط کیوں کہہ دیا؟ كَانَ تو شرط نہیں یہاں پر۔ توجہ ہے؟ كَانَ تو یہاں پر شرط نہیں ہے لیکن انہوں نے کیا کہا کہ إِذَا کو اپنی شرط کے ساتھ حذف کر لیا گیا اور وہ شرط ہی عامل تھی کس کے اندر؟ حال کے اندر۔ تو بھئی إِذَا کے بعد جو فعل آیا یہ، یہ تو شرط تو نہیں ہے، یہ تو إِذَا ظرفیہ ہے، یہ إِذَا تو شرطیہ ہے ہی نہیں، تو پھر یہ شرط اس کو کیوں کہا؟

یاد رکھو یہ إِذَا جو ہے نا إِذَا ظرفیہ، یہ إِذَا ظرف ہے بھئی، ظرف ہے اور یہ اس میں زمانے والا معنی ہے، اور کبھی کبھار یہ شرط کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے۔ تو کبھی صرف ظرفیّت کے لیے آتا ہے اور کبھی ظرفیّت کے ساتھ ساتھ شرط والا معنی بھی ہوتا ہے۔ جیسے مثلاً میں کہتا ہوں: إِذَا جَاءَكَ زَيْدٌ فَاضْرِبْهُ، إِذَا جَاءَكَ زَيْدٌ فَاضْرِبْهُ جب زید تمہارے پاس آئے تو اس کی پٹائی کرنا۔ اب یہ إِذَا ظرفیہ بھی ہے اور شرطیہ بھی ہے، اس میں شرط والا معنی بھی ہے: إِذَا جَاءَكَ زَيْدٌ جب زید آپ کے پاس آئے فَاضْرِبْهُ تو پھر اس کی پٹائی کرنا بھئی۔ تو کبھی کبھار یہ شرط کے معنی کو بھی متضمن ہوتا ہے اور پھر آگے شرط اور جزا آتے ہیں بھئی، اور کبھی کبھار یہ صرف ظرف ہوتا ہے شرط کا معنی نہیں ہوتا۔ لیکن جب یہ ظرف ہو پھر بھی اس

کے اندر، اس کے اندر شرط کی بو یا شرط کا کچھ نہ کچھ اثر پایا جاتا ہے۔ جب إِذَا صرف ظرف ہو، شرط نہیں، پھر بھی اس کے اندر شرط کی کچھ نہ کچھ بو، کچھ نہ کچھ اثر ضرور پایا جاتا ہے۔ اسی لیے اس کو شرط کہہ دیا حالانکہ یہاں پر جو إِذَا آیا اس کے بعد وہ جملہ ہے جو مضاف اِلیہ ہے وہ تو شرط، وہ شرط نہیں کہلائے گی لیکن اس کو شرط ہی کہہ دیا کیونکہ إِذَا چاہے ظرفیہ ہی کیوں نہ ہو اس میں شرط کی بو، شرط کا کچھ نہ کچھ اثر پایا جاتا ہے۔ کیونکہ إِذَا کا کیا ترجمہ کرتے ہیں؟ «جب»، «جب»، تو دیکھو یہ «جب» کے لفظ میں ہی دیکھو شرط والا معنی ہے، «جب»۔ توجہ ہے؟ اس کے اندر ہی شرط والا معنی، اردو میں بھی اس کے اندر شرط کی بو محسوس ہوتی ہے، شرط کا اثر محسوس ہوتا ہے۔ مثلاً میں آپ سے کہتا ہوں: آتِيكَ إِذَا طَلَعَتِ الشَّمْسُ، میں آپ کے پاس آؤں گا جب سورج طلوع ہوگا۔ اب یہاں دیکھو یہ شرط اور جزا نہیں ہے یہ تو ظرف ہے: میں آپ کے پاس کب آؤں گا؟ جب سورج طلوع ہوگا۔ إِذَا یہاں ظرف ہے شرط نہیں، لیکن شرط کا معنی پھر بھی یہاں ہے، گویا میں یہ کہہ رہا ہوں: إِذَا طَلَعَتِ الشَّمْسُ فَآتِيكَ جب سورج طلوع ہوگا تو تب میں آؤں گا۔ دیکھا؟ تو کچھ نہ کچھ بو اور اثر اس میں ہوتا ہے، اسی لیے اس کو شرط کہہ دیا، حقیقت میں یہاں یہ جو كَانَ حذف کیا یہ شرط نہیں ہے بھئی۔ عبارت سمجھ میں آگئی؟ یہ معنی ہے ثُمَّ حُذِفَ إِذَا مَعَ شَرْطِهِ الْعَامِلِ فِي الْحَالِ، ثُمَّ حُذِفَ إِذَا پھر إِذَا کو حذف کر لیا گیا مَعَ شَرْطِهِ ساتھ اس کی شرط کے، وہ شرط الْعَامِلِ فِي الْحَالِ جو عامل ہے کس کے اندر؟ حال، یعنی إِذَا کو اس كَانَ کے ساتھ حذف کر لیا گیا جو كَانَ عامل ہے حال کے اندر۔

پھر آگے ایک اور بات کی: وَأُقِيمَ الْحَالُ مَقَامَ الظَّرْفِ اور حال کو ظرف کے قائم مقام کر دیا، دیکھو قَائِمًا کو کس کا قائم مقام کیا؟ إِذَا كَانَ کا یعنی ظرف کا قائم مقام کر دیا۔ بھئی کیوں حال کو ظرف کے قائم مقام کیوں کیا؟ کہتے ہیں لِأَنَّ فِي الْحَالِ مَعْنَى الظَّرْفِيَّةِ، کہتے ہیں اس لیے کیونکہ حال کے اندر ظرفیّت والا معنی ہوتا ہے۔ کس کو حذف کیا؟ إِذَا كَانَ۔ اور اس کا قائم مقام کس کو بنایا؟ قَائِمًا کو۔ بھئی یہ تو حال ہے، حال کو آپ ظرف کا قائم مقام کیسے بنا رہے ہو؟ تو جواب یہ کہ حال کے اندر بھی ظرف والا معنی ہوتا ہے۔ حال کے اندر بھی ظرف والا معنی ہوتا ہے۔ کس طرح؟ مثلاً میں آپ سے کہتا ہوں: جَاءَنِي زَيْدٌ رَاكِبًا، آیا میرے پاس زید اس حال میں رَاكِبًا کہ وہ سوار تھا۔ تو یہ رَاكِبًا حال ہے زَيْدٌ سے، اور انہوں نے کیا بتایا؟ حال کے اندر کون سا معنی ہوتا ہے؟ ظرفیّت والا، ظرف والا معنی ہوتا ہے۔ توجہ ہے؟ بھئی انہوں نے کیا کیا؟ إِذَا كَانَ کو حذف کیا اور قَائِمًا حال کو اس کا قائم مقام کیا۔ سوال پیدا ہوا کہ حال کو آپ نے کس طرح ظرف کا قائم مقام کر دیا؟ تو نحوی حضرات اس کا جواب دیتے ہیں کہ حال کے اندر بھی ظرفیّت والا معنی ہے، جب اس کے اندر بھی ظرفیّت والا معنی ہے تو اس کو ظرف کا قائم مقام کر سکتے ہیں بھئی۔ بھئی کس طرح حال کے اندر ظرفیّت والا معنی کیسے ہے؟ وہ میں آپ کو سمجھا رہا تھا۔ مثلاً میں آپ سے کہتا ہوں: جَاءَنِي زَيْدٌ رَاكِبًا آیا زید میرے پاس اس حال میں رَاكِبًا کہ وہ سوار تھا۔ تو یہ رَاكِبًا حال ہے لیکن اس کے اندر ظرفیّت والا معنی ہے، گویا میں آپ سے یہ کہہ رہا ہوں، سنو اب میں اب اس کو ظرف

بنا دوں گا رَاكِبًا کو کیا بناؤں گا؟ **ظرف:** جَاءَنِي زَيْدٌ فِي وَقْتِ الرُّكُوبِ، جَاءَنِي زَيْدٌ زید میرے پاس آیا فِي وَقْتِ الرُّكُوبِ کس وقت میں؟ سوار ہونے کے وقت میں آیا یعنی وہ سوار تھا۔ دیکھو وہی بات ہے یا نہیں؟ کوئی فرق ہے؟ جَاءَنِي زَيْدٌ رَاكِبًا کہہ لیں کہ زید میرے پاس سوار ہو کر آیا، یا یوں کہہ لیں جَاءَنِي زَيْدٌ فِي وَقْتِ الرُّكُوبِ زید سواری کے وقت میں میرے پاس آیا یعنی جب وہ سوار تھا بھئی۔ تو رَاكِبًا کو کس معنی میں ہم نے کر لیا؟ فِي وَقْتِ الرُّكُوبِ، دیکھو یہ حال جو ہے ظرف کے معنی میں ہوتا ہے۔ تو یہ معنی ہے وَأُقِيمَ الْحَالُ مَقَامَ الظَّرْفِ اور حال کو ظرف کے قائم مقام کر دیا گیا، لِأَنَّ فِي الْحَالِ مَعْنَى الظَّرْفِيَّةِ اس لیے کیونکہ حال کے اندر ظرفیّت والا معنی ہوتا ہے۔ فَالْحَالُ قَائِمٌ مَقَامَ الظَّرْفِ الْقَائِمِ مَقَامَ الْخَبَرِ تو حال جو ہے قائم مقام ہے اس ظرف کا جو قائم مقام ہے خبر کے، فَيَكُونُ الْحَالُ قَائِمًا مَقَامَ الْخَبَرِ تو حال جو ہے وہ قائم مقام ہے خبر کا کیونکہ نائب کا نائب نائب ہوتا ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ عبارت ساری حل ہو گئی؟ چلیے بس کریں بس بھئی، هَذَا هُوَ الْمَرَامُ وَاللّٰهُ أَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْكَلَامِ.

سبق نمبر۱۰۶: المبتدا والخبر(۱۴): علامہ رضی کی تحقیق اور مصدرِ نایب عن الفعل کا اعراب

شرحِ ملا جامی صفحہ: ۷۸ — بتاریخ: ۲۱ نومبر ۲۰۲۱ء

▪ تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث

آگے سبق دیکھیے بھئی:

قَالَ الرَّضِيُّ: هٰذَا مَا قِيْلَ فِيْهِ وَفِيْهِ تَكَلُّفَاتٌ كَثِيْرَةٌ، وَالَّذِيْ يَظْهَرُ لِيْ أَنَّ تَقْدِيْرَهُ بِنَحْوِ ضَرْبِيْ زَيْدًا يُلَابِسُهُ قَائِمًا إِذَا أَرَدْتَ الْحَالَ عَنِ الْمَفْعُوْلِ، وَضَرْبِيْ زَيْدًا يُلَابِسُنِيْ قَائِمًا إِذَا كَانَتْ عَنِ الْفَاعِلِ أَوْلٰى.

گزشتہ سبق میں ہم وہ مقامات پڑھ رہے تھے جہاں پر، جہاں پر خبر کو حذف کرنا واجب ہے۔ اور وہ چار جگہیں ہیں بھئی۔ پہلا مقام جو ہے لَوْلَا کے بعد ہے۔ لَوْلَا زَيْدٌ لَكَانَ كَذَا۔ تو لَوْلَا کے بعد جملہ اسمیہ آئے گا اور آگے پھر جوابِ لَوْلَا۔ تو لَوْلَا کے بعد جو جملہ اسمیہ آئے اس کی خبر کو حذف کرنا واجب ہے۔ اور میں نے بتلایا تھا کہ حذف کے لیے ہمیشہ قرینہ بھی چاہیے اور کوئی چیز بھی اس کے قائم مقام ہونی چاہیے۔ تو یہاں پر بھی یہ جو لَوْلَا ہے یہ وجود پر دلالت کرتا ہے۔ کس پر؟ وجود پر۔ تو لہٰذا اس زَيْدٌ کی خبر جو مَوْجُوْدٌ تھی اس کو حذف کر لیا کیونکہ لَوْلَا اس پر دلالت کر رہا ہے۔ لَوْلَا زَيْدٌ لَكَانَ كَذَا، اصل میں کیا تھا؟ لَوْلَا زَيْدٌ مَوْجُوْدٌ۔ تو لَوْلَا جب وجود پر دلالت کر رہا ہے تو اس خبر مَوْجُوْدٌ کو حذف کر لیا بھئی۔ یاد رکھو لَوْلَا کو اس لیے وضع کیا گیا ہے کہ یہ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ وجودِ اول کی وجہ سے ثانی ممتنع ہے بھئی۔ تو لَوْلَا خود وجود پر جب دلالت کر رہا ہے تو اس کی خبر مَوْجُوْدٌ کو حذف کر لیا گیا اور یہ لَوْلَا اس پر قرینہ موجود ہے۔ اور پھر اس خبر کا قائم مقام جوابِ لَوْلَا کو بنایا گیا تو اب وہ حذف واجب ہوا۔

اسی طرح دوسرا مقام جو ہم نے پڑھا تھا وہ ضَرْبِيْ زَيْدًا قَائِمًا ہے بھئی۔ میں نے بتلایا تھا یہ وہ مقام ہے جہاں پر جو مبتدا ہے وہ ایسا مصدر ہو جس کی نسبت کی گئی ہو اپنے فاعل یا مفعول یا دونوں کی طرف، اور اس کے بعد حال واقع ہو بھئی۔ اس کے بعد حال۔ اور چاہے صورتاً مصدر ہو چاہے مصدرِ تاویلی۔ توجہ ہے؟ تو دوسرا مقام وہ مبتدا ہے جو مصدر ہو چاہے

صورتاً مصدر ہو چاہے تاویلاً مصدر ہو، اور اس مصدر کی نسبت کی گئی ہو اپنے فاعل یا مفعول یا دونوں کی طرف، اور اس کے بعد پھر آگے حال واقع ہو رہا ہو بھئی۔ یا اسی طرح وہ اسمِ تفضیل جو اس مصدر کی طرف مضاف ہو اس کا بھی یہی حکم ہے، یعنی وہ اسمِ تفضیل جو ایسے مصدر کی طرف مضاف ہے کہ جس مصدر کی نسبت ہو رہی ہے اپنے فاعل یا مفعول یا دونوں کی طرف اور اس کے بعد آگے حال آرہا ہے، تو اس کی خبر کو حذف کرنا واجب ہے۔

جیسے دیکھو متن میں آیا۔ یہ متن کی مثال پر ذرا نظر رکھیں بھئی، جیسے ضَرْبِيْ زَيْدًا قَائِمًا بھئی۔ اس کے اندر دیکھو ضَرْبٌ مصدر ہے یہ بتدا ہے، اور اس مصدر کی نسبت کی جا رہی ہے فاعل اور مفعول دونوں کی طرف۔ ضَرْبِيْ، یہ يَاء ضمیر کیا ہے؟ متکلم کی، یہ دراصل فاعل ہے، اس وقت تو مضاف الیہ ہے لیکن معنیٰ کے اعتبار سے یہ فاعل ہے۔ ضَرْبِيْ زَيْدًا: میرا پٹائی کرنا زید کی، میرا زید کی پٹائی کرنا۔ تو دیکھو زَيْدًا یہ مفعول بہ ہے ضَرْبٌ کے لیے، اور يَاء ضمیر اگرچہ لفظوں میں مضاف الیہ ہے لیکن معنیٰ کے اعتبار سے یہ ضَرْبٌ مصدر کے لیے فاعل ہے۔ تو ضَرْبِيْ زَيْدًا یہ مصدر، یہ بتدا ہے، اور اس کی نسبت کی گئی ہے اپنے فاعل اور مفعول دونوں کی طرف، یعنی دونوں اس وقت ذکر ہیں بھئی، اور اس کے بعد آگے قَائِمًا حال آرہا ہے۔ تو اس مصدر کی یا یوں کہیں اس بتدا کی خبر کو حذف کرنا واجب ہے۔ اور اسی طرح حکم ہے اس اسمِ تفضیل کا بھی جو ایسے مصدر کی طرف مضاف ہو۔ لہٰذا اس ضَرْبِيْ زَيْدًا سے پہلے أَكْثَرُ اسمِ تفضیل ذرا لے آئیں: أَكْثَرُ ضَرْبِيْ زَيْدًا قَائِمًا۔ تو یہ دیکھو أَكْثَرُ اب یہ بتدا بن گیا، اور یہ اسمِ تفضیل ہے، اور یہ مضاف ہو رہا ہے ضَرْبِيْ کی طرف یعنی ایسے مصدر کی طرف جس کی نسبت ہو رہی ہے اپنے فاعل یا مفعول کی طرف اور آگے حال آرہا ہے۔ تو جیسے اس مصدر کی خبر کو حذف کرنا واجب تھا اسی طرح اس اسمِ تفضیل کی خبر کو حذف کرنا بھی واجب ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟

اور پھر میں نے آپ کو تقدیرِ عبارت بتلائی تھی کہ اصل میں تقدیرِ عبارت کیا ہے: ضَرْبِيْ زَيْدًا حَاصِلٌ إِذَا كَانَ قَائِمًا۔ تو یہ حَاصِلٌ خبر کو حذف کر لیا گیا، اور إِذَا كَانَ کو اس کا قائم مقام بنا دیا گیا کیونکہ ظرف کو اپنے عامل کا قائم مقام بنا دیا جاتا ہے۔ پھر اس إِذَا ظرف کو اپنے فعل یعنی كَانَ سمیت حذف کر لیا گیا، اور قَائِمًا کو اس کا قائم مقام بنا دیا گیا۔ توجہ ہے؟ تو حَاصِلٌ کا قائم مقام کسے بنایا؟ إِذَا كَانَ کو۔ اور پھر إِذَا كَانَ کو حذف کیا اور اس کا قائم مقام کسے بنایا؟ قَائِمًا کو۔ تو قَائِمًا قائم مقام ہے إِذَا كَانَ کا اور إِذَا كَانَ قائم مقام ہے حَاصِلٌ کا، تو گویا قَائِمًا جو ہے یہ حَاصِلٌ کا بھی قائم مقام ہوا، اس کا بھی نائب ہوا، کیونکہ نائب کا نائب، نائب ہوتا ہے۔ یہ حَاصِلٌ کے نائب کا نائب ہے تو گویا حَاصِلٌ کا بھی یہ نائب ہے۔

اب دیکھیے آگے آج کا سبق بھئی۔ میں نے بتایا اس سارے سبق میں ترکیب ہی کی باتیں ہیں بھئی۔ گزشتہ دن کی ترکیبیں اچھی طرح سمجھ میں آگئی تھیں؟

اب دیکھیے آگے آج کا سبق بھئی۔ قَالَ الرَّضِيُّ: هٰذَا مَا قِيْلَ فِيْهِ۔ علامہ رضی فرماتے ہیں۔ علامہ رضی یاد رکھو یہ بہت

بڑے نحوی گزرے ہیں، اور انہوں نے بھی کافیہ کی شرح لکھی ہے۔ کافیہ کی شرح لکھی ہے وہ شَرْحُ الرَّضِيِّ لِلْكَافِيَةِ کے نام سے مشہور ہے بھئی، اور بہت زبردست شرح لکھی ہے انہوں نے کافیہ کی۔ جیسے یہ جامی جو ہے کافیہ کی عظیم شرح ہے اسی طرح وہ رضی بھی کافیہ کی عظیم شرح ہے بھئی۔ البتہ یہ رضی یہ شیعہ تھے بھئی، یہ کیا تھے؟ شیعہ تھے۔ اور ان کے عقائد کیا تھے یہ اللہ ہی جانتے ہیں کیونکہ شیعوں کے اندر بہت سے فرقے ہیں بھئی۔ ان میں سے بہت سوں کے جو عقیدے ہیں وہ کفر تک پہنچے ہوئے ہیں، لیکن بعض ہیں ان کے عقیدے کفر والے نہیں، بعض صرف حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو فضیلت دیتے ہیں خلفائے ثلاثہ پر۔ تو یہ تو کوئی ایسی چیز نہیں جس کی وجہ سے ان کو کافر قرار دیا جائے، تو اگر کسی کا صرف یہ عقیدہ ہے وہ صرف حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی فضیلت کا قائل ہے باقی صحابہ پر، اس میں تو کوئی ایسی بات نہیں۔ لیکن عام شیعوں کے عقائد بالکل کفریہ ہیں، وہ اس قرآن کو نہیں مانتے، وہ خلفاء کو نہیں مانتے، وہ تمام صحابہ کے کفر کے قائل ہیں سوائے دو چار کے، اور اسی طرح عجیب عجیب ان کے عقائد ہیں بھئی۔ تو باقی اللہ جانتے ہیں یہ کس قسم کے شیعہ تھے، لیکن بہرحال نحو کے بہت بڑے ماہر تھے بھئی اور انہوں نے بڑی زبردست شرح لکھی ہے بھئی۔

تو کہتے ہیں: قَالَ الرَّضِيُّ: علامہ رضی فرماتے ہیں: هٰذَا مَا قِيْلَ فِيْهِ: یہ ہے وہ جو اس کے اندر کہا گیا ہے، ضَرْبِيْ زَيْدًا قَائِمًا کے اندر یہ کہا گیا ہے۔ کیا کہا گیا ہے؟ کہ اس کی خبر محذوف ہے اور اصل میں یہ کیا تھا: ضَرْبِيْ زَيْدًا حَاصِلٌ إِذَا كَانَ قَائِمًا۔ تو یہ اس کے اندر کہا گیا ہے کہ تقدیرِ عبارت یہ ہے۔ وَفِيْهِ تَكَلُّفَاتٌ كَثِيْرَةٌ: اور اس کے اندر بہت سے تکلفات ہیں۔ تکلف کہتے ہیں بات بنانا، بات بنانا یعنی بناوٹ سے کام لینا۔ تو اس کے اندر بھی کہتے ہیں بہت سے تکلفات سے کام لینا پڑا نحویوں کو، اس کے بغیر بات ہی نہیں بن رہی تھی۔ کیا کیا تکلفات؟ دیکھو بھئی تین تکلفات لازم آتے ہیں یہ جو انہوں نے ترکیب ذکر کی۔ ترکیب کیا ذکر کی؟ ضَرْبِيْ زَيْدًا حَاصِلٌ إِذَا كَانَ قَائِمًا۔ اس میں دیکھو حَاصِلٌ کا قائم مقام بنایا إِذَا ظرف کو، یہ تو عام طور پر ہوتا رہتا ہے، یہ تو تکلفات میں سے نہیں۔ پھر إِذَا کو اپنے فعل سمیت حذف کر لیا گیا، یہ ہے پہلا تکلف بھئی، حالانکہ اور کہیں پر ایسا نہیں۔ إِذَا ظرف کے ساتھ اس کے فعل کو بھی حذف کر لیا جائے ایسا اور کسی جگہ نہیں ہے بھئی۔ تو یہ پہلا تکلف۔ دوسرا تکلف یہ کہ یہ كَانَ کو تامہ قرار دیا گیا، حالانکہ ظاہر یہ تھا کہ اس كَانَ کو ناقصہ قرار دیا جائے، کیونکہ تقدیرِ عبارت کیا تھی؟ إِذَا كَانَ قَائِمًا، إِذَا كَانَ قَائِمًا۔ اور كَانَ کیا عمل کرتا ہے؟ اپنے اسم کو رفع دیتا ہے اور خبر کو نصب۔ تو إِذَا كَانَ قَائِمًا، كَانَ کے اندر هُوَ ضمیر کو کیا بنا دیں؟ كَانَ کا اسم، اور قَائِمًا کو كَانَ کی خبر بنا دیں۔ تو ظاہر یہ ہے کہ یہ كَانَ کو ناقصہ قرار دینا چاہیے، كَانَ کے اندر اصل ناقصہ ہے کہ وہ ناقصہ ہو، لیکن كَانَ کو اپنی اصل سے نکال کر اس کو تامہ قرار دیا گیا۔ اور تیسرا تکلف اس کے اندر یہ کیا گیا کہ ظرف کو حذف کر کے حال کو اس کا قائم مقام بنایا گیا، اور پوری نحو میں اس کی کوئی نظیر نہیں، اور کسی جگہ ایسا نہیں ہے کہ حال کو ظرف کا قائم مقام بنا دیا گیا ہو۔ تو یہ تین تکلفات سے یہاں کام لینا پڑا۔ کون کون سے تکلفات؟ پہلا تکلف کیا؟ کہ إِذَا كَانَ، إِذَا کو اپنے فعل كَانَ سمیت حذف کر لیا گیا، پہلا تکلف۔ دوسرا تکلف کیا؟ كَانَ کو تامہ قرار دیا حالانکہ

كَانَ کے اندر اصل ناقصہ ہے، تو اس کو تامہ قرار دیا گیا۔ اور تیسرا تکلف کیا؟ کہ ظرف إِذَا كَانَ کو حذف کر کے قَائِمًا کو اس کا نائب قرار دیا گیا، اور ظرف کا نائب حال کو قرار دیا جائے اس کی اور کوئی نظیر نہیں ہے، اور کوئی مثال نہیں ہے۔ تو یہ تین تکلفات سے کام لینا پڑا۔ بات سمجھ میں آگئی؟

یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے۔ سوال یہ کہ كَانَ کو تامہ کیوں قرار دیا؟ اس کو ناقصہ قرار دے دیتے۔ كَانَ کو تامہ کیوں قرار دیا؟ بظاہر ناقصہ لگ رہا ہے، إِذَا كَانَ قَائِمًا، یہ قَائِمًا کو كَانَ کی خبر بنانا چاہیے، كَانَ کے اندر هُوَ ضمیر ہے اس کو اسم بنانا چاہیے۔ تو اس کی وجہ نحوی ذکر فرماتے ہیں۔ کہتے ہیں وجہ یہ کہ اگر اس قَائِمًا کو كَانَ کی خبر قرار دیا جائے، توجہ ہے؟ اگر اس قَائِمًا کو كَانَ کی خبر قرار دیا جائے تو كَانَ کی خبر تو کبھی معرفہ بھی آجاتی ہے، لیکن اس جیسی مثالوں میں یہ جو اس مصدر کے بعد جو حال آتا ہے وہ ہمیشہ نکرہ ہوتا ہے۔ ضَرْبِيْ زَيْدًا قَائِمًا، یہ جو قَائِمًا جہاں آیا ہے، اس جگہ پر جو بھی حال آیا ہے یعنی جو بھی صفت کا صیغہ منصوب آیا ہے، پورے کلامِ عرب میں ہم نے چھان مارا وہ ہر جگہ نکرہ ہی ہوتا ہے۔ ہر جگہ نکرہ۔ اور حال کا نکرہ ہونا ضروری ہے۔ اگر یہ كَانَ کی خبر ہوتا تو كَانَ کی خبر تو کبھی نکرہ آتی ہے اور کبھی معرفہ بھی آجاتی ہے جیسے بتدا کی خبر نکرہ آتی ہے لیکن کبھی کبھار معرفہ بھی آجاتی ہے۔ توجہ ہے؟ تو جیسے بتدا کی خبر کبھی معرفہ آجاتی ہے كَانَ کی خبر بھی کبھی معرفہ آجاتی ہے، لیکن یہاں یہ کہیں پر بھی معرفہ نہیں آرہا۔ لہٰذا معلوم ہوا یہ كَانَ کی خبر نہیں ہے بھئی۔ بات سمجھ میں آگئی؟

تو کتنے تکلفات ہو گئے؟ تین۔ پہلا تکلف کیا؟ إِذَا كَانَ کو پورا حذف کیا یعنی إِذَا کو فعل کے ساتھ۔ دوسرا تکلف کیا؟ كَانَ کو تامہ قرار دیا۔ تیسرا تکلف کیا؟ کہ ظرف کو حذف کیا اور حال کو اس کا قائم مقام بنایا اور اس کی نظیر نہیں ہے بھئی۔

تو کہتے ہیں: قَالَ الرَّضِيُّ: هٰذَا مَا قِيْلَ فِيْهِ: علامہ رضی فرماتے ہیں یہ اس کے اندر کہا گیا ہے، وَفِيْهِ تَكَلُّفَاتٌ كَثِيْرَةٌ: اور اس کے اندر بہت سے تکلفات ہیں۔ وَالَّذِيْ يَظْهَرُ لِيْ أَنَّ تَقْدِيْرَهُ بِنَحْوِ ضَرْبِيْ زَيْدًا يُلَابِسُهُ قَائِمًا. اب علامہ رضی اس کی توجیہ کر رہے ہیں بھئی۔ بڑی زبردست توجیہ کی جس سے یہ تکلفات سے جان چھوٹ گئی، تکلفات سے۔ یہ کیا کہتے ہیں دیکھو، لکھو بھئی اپنی کاپی پر لکھو بھئی، یہ ترکیب کیجیے۔ کوئی لفظ سمجھ میں نہ آئے تو یہ کتاب پر بھی لکھا ہوا ہے وہاں سے بھی آپ دیکھ سکتے ہیں۔ لکھیے بھئی: ضَرْبِيْ زَيْدًا يُلَابِسُهُ قَائِمًا.

لَابَسَ يُلَابِسُ کا معنیٰ ہے کسی چیز کا دوسری چیز سے جڑنا، کسی چیز کا دوسری چیز سے تعلق ہونا۔ دیکھو بھئی: ضَرْبِيْ زَيْدًا يُلَابِسُهُ قَائِمًا۔ ضَرْبِيْ زَيْدًا، میری جو بھی ضرب ہے زید پر، یا یوں کہیں میرا جو بھی پٹائی کرنا ہے زید کی، يُلَابِسُهُ، وہ ضرب ملی ہوئی ہے زید کے ساتھ۔ هَا ضمیر کس کو راجع؟ زید۔ اور يُلَابِسُ کے اندر هُوَ ضمیر فاعل ہے وہ ضَرْبٌ کو راجع۔ یہ خبر ہے نا؟ یہ يُلَابِسُهُ کیا ہے؟ خبر، اور خبر کو کس سے جوڑتے ہیں؟ بتدا سے۔ تو يُلَابِسُ کے اندر هُوَ ضمیر جو فاعل ہے وہ ضَرْبٌ مصدر کو راجع، اور یہ جو هَا ضمیر ساتھ جڑی ہوئی ہے مفعول کی یہ زید کو راجع۔ میرا زید کی جو بھی پٹائی کرنا ہے، يُلَابِسُهُ، وہ ضرب

ملی ہوئی ہے زید کے ساتھ، قَائِمًا، اس حال میں کہ وہ قائم ہے۔ اس حال میں کہ زید قائم ہے۔ میرے، میں زید کی جو بھی ضرب لگاتا ہوں وہ زید کے ساتھ جڑی ہوتی ہے، ملی ہوتی ہے، اس کا زید کے ساتھ تعلق ہوتا ہے، اس حال میں کہ زید قائم ہوتا ہے، زید قیام کی حالت میں ہوتا ہے۔ معنیٰ سمجھ میں آگیا؟

اب سنو ترکیب بھئی: ضَرْبِيْ، ضَرْبٌ مرفوع تقدیرًا مضاف، مرفوع کیوں؟ مبتدا ہے۔ يَاء ضمیر مجرور محلاً مضاف الیہ، اور زَيْدًا منصوب لفظًا

مَفْعُوْلٌ بِهِ۔ کس کے لیے مَفْعُوْلٌ بِهِ ہے؟ ضَرْبٌ کے لیے۔ میں نے بتایا تھا مصدر اپنے فعل جیسا عمل کرتا ہے۔ تو ضَرْبٌ مصدر اپنے مضاف الیہ اور مَفْعُوْلٌ بِهِ سے مل کر مبتدا، مبتدا۔ يُلَابِسُهُ، يُلَابِسُ فعل، اس کے اندر هُوَ ضمیر مرفوع محلاً اس کا فاعل، وہ ضرب يُلَابِسُ وہ ضرب ملی ہوئی ہے۔ تو يُلَابِسُ فعل اس کے اندر هُوَ ضمیر مرفوع محلاً اس فعل کا فاعل ہے اور یہ ضمیر راجع ہے ضَرْبٌ مصدر کو، وہ ضرب ملی ہوئی ہے۔ اور هَا ضمیر منصوب محلاً مَفْعُوْلٌ بِهِ ہے يُلَابِسُ کے لیے۔ اور یہ ذوالحال ہے بھئی، یہ کیا ہے؟ ذوالحال ہے۔ آگے قَائِمًا منصوب لفظًا صیغہ اسمِ فاعل، منصوب کیوں؟ کیونکہ حال ہے اور حال منصوب ہوتا ہے۔ اس کے اندر هُوَ ضمیر مرفوع محلاً اس کا فاعل جو کس کو راجع؟ وہ ضرب قائم ہوتی ہے یا زید قائم ہوتا ہے؟ ضرب قائم ہوتی ہے یا زید قائم ہوتا ہے؟ زید قائم ہوتا ہے۔ تو یہ يُلَابِسُ کی هُوَ ضمیر وہ تو ضرب کو راجع ہے، تو یہ هُوَ ضمیر سے حال نہیں ہے بلکہ يُلَابِسُهُ کی هَا ضمیر جو مفعول کی ہے اس سے حال ہے۔ تو قَائِمًا اس کے اندر هُوَ ضمیر مرفوع محلاً اس کا فاعل جو کس کو راجع؟ یوں کہیں ذوالحال کو راجع، اور ذوالحال کیا ہے؟ يُلَابِسُهُ کے ساتھ جو هَا ضمیر ہے۔ تو یہ نہ کہیں کہ هُوَ ضمیر هَا ضمیر کو راجع ہے۔ یہ بات تو آپ کی ٹھیک ہے لیکن میں نے بتایا یہ تعبیر اچھی نہیں۔ لہٰذا کیا کہیں؟ هُوَ ضمیر ذوالحال کو راجع ہے۔ یہ حال ہے اور حال کو ذوالحال سے جوڑتے ہیں، اور ذوالحال جو بھی ہو اس سے ہماری غرض نہیں۔ تو هُوَ ضمیر ذوالحال کو راجع، اسمِ فاعل اپنے فاعل سے مل کر شبہِ جملہ ہو کر حال، ذوالحال اپنے حال سے مل کر یہ مَفْعُوْلٌ بِهِ ہوا يُلَابِسُ کے لیے، يُلَابِسُ فعل اپنے فاعل اور مَفْعُوْلٌ بِهِ سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر خبر، مبتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔ ضَرْبِيْ زَيْدًا يُلَابِسُهُ قَائِمًا: میرا زید کی پٹائی کرنا، يُلَابِسُهُ، یہ ضرب، یہ میرا پٹائی کرنا زید کی، یہ اس کے ساتھ ملا ہوا ہوتا ہے اس حال میں کہ وہ زید قائم ہوتا ہے۔ معنیٰ سمجھ میں آگیا؟

تو دیکھو یہ يُلَابِسُ یہ بھی افعالِ عامہ میں سے ہے، یہ بھی کس میں سے ہے؟ افعالِ عامہ میں سے ہے یاد رکھنا بھئی۔ اس کا معنیٰ جڑنا، تعلق ہونا۔ ترکیب سمجھ میں آگئی؟ یہ اس صورت میں ہے کہ جب یہ قَائِمًا حال ہو کس سے؟ بھئی یہ قَائِمًا حال تھا کس سے؟ هَا ضمیر سے، اور هَا ضمیر کس کو راجع؟ زید سے، اور زید کیا ہے ترکیب میں؟ مفعول ہے کس کے لیے؟ ضَرْبٌ کے لیے۔ تو گویا یوں کہو اس ترکیب کے اندر یہ جو قَائِمًا ہے یہ زید سے حال ہے۔ زید کی ضمیر سے حال ہے یا زید سے حال ہے بات تو ایک ہی ہے کیونکہ ضمیر سے بھی وہی زید مراد ہے۔ تو یوں کہو یہ قَائِمًا حال ہے زید سے اور زید کیا ہے؟ مَفْعُوْلٌ بِهِ ہے کس کا؟ مصدر کا، کس کا؟ مصدر۔ تو یوں کہو یہ، یہ قَائِمًا حال ہے مصدر کے مَفْعُوْلٌ بِهِ سے۔ یہ قَائِمًا حال ہے مصدر

کے مَفْعُوْلٌ بِهِ سے۔

اگر مصدر کے فاعل سے حال بنانا چاہیں پھر؟ میں نے کل بھی آپ کو بتلایا تھا ضَرْبِيْ زَيْدًا إِذَا كَانَ قَائِمًا یہ حال ہے کس سے؟ زید سے۔ اور یہ ضَرْبِيْ کے ساتھ جو يَاء ضمیر متکلم کی ہے اور فاعل ہے معنیٰ کے اعتبار سے، اس سے بھی حال بنا سکتے ہیں۔ اس سے بھی حال بنا سکتے ہیں لیکن اس کی ترکیب پھر کیسے ہم نے کی تھی؟ ضَرْبِيْ زَيْدًا حَاصِلٌ إِذَا كُنْتُ قَائِمًا، إِذَا كُنْتُ قَائِمًا بھئی۔ تو یہ ہم نے ضَرْبِيْ کے فاعل سے اس کو حال بنایا تھا۔ حال تو تھا كُنْتُ کی تَاء ضمیر سے لیکن اس تَاء ضمیر سے کون مراد ہے؟ وہی متکلم جو ضَرْبٌ کا بھی فاعل ہے بھئی۔ بات سمجھ میں آگئی؟

جی اب دوسری ترکیب کیجیے بھئی، دوسرا جملہ لکھیے: ضَرْبِيْ زَيْدًا يُلَابِسُنِيْ قَائِمًا۔ لکھ لیا؟ ضَرْبِيْ زَيْدًا يُلَابِسُنِيْ قَائِمًا۔ بس يُلَابِسُهُ کی جگہ يُلَابِسُنِيْ کر دیا۔ اب ہم اس قَائِمًا کو حال بنانا چاہتے ہیں کس سے؟ ضَرْبٌ کے فاعل سے۔ پہلے ضَرْبٌ کے مفعول سے حال بنایا اور اب ضَرْبٌ کے فاعل یعنی يَاء متکلم سے ہم اس کو فاعل بنانا چاہتے ہیں۔ اس کی بھی ترکیب اسی طرح ہے۔ دیکھو: ضَرْبِيْ، ضَرْبُ مرفوع تقدیرًا مضاف، يَاء ضمیر مجرور محلاً مضاف الیہ، زَيْدًا منصوب لفظًا مَفْعُوْلٌ بِهِ ہے ضَرْبٌ مصدر کے لیے، ضَرْبٌ مصدر اپنے مضاف الیہ اور مَفْعُوْلٌ بِهِ سے مل کر یہ ہے بتدا۔ اور يُلَابِسُنِيْ، يُلَابِسُ فعل، اس کے اندر هُوَ ضمیر مرفوع محلاً اس کا فاعل جو کس کو راجع؟ ضَرْبٌ کو، کیونکہ خبر کو کس سے جوڑتے ہیں؟ بتدا سے۔ بھئی معنیٰ پر بھی غور کر لو، ضَرْبِيْ زَيْدًا، میرا زید کو پٹائی کرنا، يُلَابِسُ، وہ ضرب ملی ہوئی ہے، وہ ضرب ملی ہوئی ہے۔ تو يُلَابِسُ کے اندر هُوَ ضمیر کس کو راجع؟ بتدا کو، یہ ربط آگیا خبر کا۔ اور نُوْن وقایہ، يَاء ضمیر منصوب محلاً مَفْعُوْلٌ بِهِ، لیکن ابھی مَفْعُوْلٌ بِهِ نہ بنائیں پہلے اس کو، اس کے ساتھ حال کو جوڑ دیں۔ تو اس کو کیا کہیں؟ یہ ہے ذوالحال بھئی۔ آگے قَائِمًا منصوب لفظًا صیغہ اسمِ فاعل، منصوب کیوں؟ کیونکہ حال ہے۔ تو قَائِمًا منصوب لفظًا صیغہ اسمِ فاعل، اس کے اندر، اس کے اندر هُوَ ضمیر مرفوع محلاً اس کا فاعل جو کس کو راجع؟ یہ يُلَابِسُنِيْ کی يَاء ضمیر کو؟ هُوَ ضمیر يَاء ضمیر کو راجع ہو سکتی ہے؟ پھر، پھر کیا غلطی کی آپ نے؟ بھئی دیکھو ضمیر مرجع میں مطابقت بھی تو ہونی چاہیے نا! توجہ ہے؟ تو اب آپ یہ کہیں کہ قَائِمًا کی هُوَ ضمیر ذوالحال کو راجع ہے، ذوالحال صرف کہنا کافی نہیں، پہلے مطابقت تو دیکھ لو، مطابقت ہو تو پھر آپ کہیں ذوالحال کو راجع ہے، یہاں تو مطابقت ہی نہیں ہے۔ يَاء ضمیر جو ذوالحال ہے وہ ہے متکلم کی ضمیر، اور قَائِمًا کے اندر هُوَ ضمیر جو آپ نے نکالی وہ کون سی ہے؟ وہ غائب کی ہے۔ پھر میں نے کل بھی بتایا، کل بھی ہم نے ترکیب کی إِذَا كُنْتُ قَائِمًا، اس كُنْتُ کے اندر تَاء کو ہم نے ذوالحال بنایا تھا اور قَائِمًا کو اس سے حال بنایا تھا، تو کیا بتلایا تھا میں نے؟ ہاں قَائِمًا کے اندر بھی وہی ضمیر نکالیں۔ جب میں نے بتایا تھا صفت کے صیغے کو جس قسم کی ضمیر سے جوڑ رہے ہیں اس کے اندر بھی وہی ضمیر، اگر غائب کی ضمیر سے جوڑ رہے ہیں تو صفت کے صیغے میں بھی غائب کی ضمیر، اگر صفت کے صیغے کو مخاطب کی ضمیر سے جوڑ رہے ہیں تو اس صفت کے صیغے کے اندر بھی مخاطب کی ضمیر نکالیں، اور اگر صفت کے صیغے کو متکلم کی ضمیر سے جوڑنا چاہتے ہیں تو

اس کے اندر بھی متکلم کی ضمیر نکالیں۔ هُوَ قَائِمٌ، قَائِمٌ کے اندر کون سی ضمیر؟ هُوَ، کیونکہ اس قَائِمٌ کو ہم هُوَ سے جوڑ رہے ہیں۔ أَنْتَ قَائِمٌ، اس قَائِمٌ میں کون سی ضمیر؟ أَنْتَ، کیونکہ اس قَائِمٌ کو ہم أَنْتَ سے جوڑ رہے ہیں۔ أَنَا قَائِمٌ، اس قَائِمٌ میں کون سی ضمیر؟ أَنَا، کیونکہ ہم اس کو أَنَا کے ساتھ جوڑ رہے ہیں۔ تو لہٰذا یہاں پر بھی یہ جو قَائِمًا آیا يُلَابِسُنِيْ قَائِمًا، اس قَائِمًا کو کس سے حال بنا رہے ہیں؟ یہ يَاء ضمیر جو مَفْعُوْلٌ بِهِ ماقبل میں گزری ہے۔ اور تو پھر قَائِمًا کے اندر کون سی ضمیر نکالیں گے؟ أَنَا ضمیر، کون سی ضمیر؟ أَنَا ضمیر نکالیں گے۔ أَنَا ضمیر بھی واحد متکلم کی، اور يُلَابِسُنِيْ کے آخر میں یہ جو يَاء ضمیر ہے ذوالحال یہ بھی واحد متکلم کی ضمیر ہے۔ تو قَائِمًا منصوب لفظًا صیغہ اسمِ فاعل، اس کے اندر أَنَا ضمیر مرفوع محلاً اس کا فاعل، اور یہ ربط آگیا ذوالحال کے ساتھ۔ اسمِ فاعل اپنے فاعل سے مل کر شبہِ جملہ ہو کر حال، ذوالحال جو ہے وہ اپنے حال سے مل کر یہ مَفْعُوْلٌ بِهِ ہوا يُلَابِسُ فعل کے لیے، يُلَابِسُ فعل اپنے فاعل اور مَفْعُوْلٌ بِهِ سے مل کر یہ جملہ فعلیہ ہو کر خبر بتدا کے لیے اور ہم ربط دے چکے ہیں اس جملے کا، اور بتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔ معنیٰ کیا ہے؟ ضَرْبِيْ زَيْدًا يُلَابِسُنِيْ قَائِمًا: میرا زید کی پٹائی کرنا یعنی میں زید کی جو بھی پٹائی کرتا ہوں يُلَابِسُنِيْ وہ پٹائی میرے ساتھ جڑی ہوتی ہے، میرے ساتھ متعلق ہوتی ہے، اس حال میں کہ قَائِمًا میں قائم ہوتا ہوں، میں قیام کی حالت میں ہوتا ہوں۔ توجہ ہے؟ یعنی میں زید کی جو بھی پٹائی کرتا ہوں اس حال میں کہ میں قیام کی حالت میں ہوتا ہوں۔ بات سمجھ میں آگئی؟ یہ تقریر کس نے کی؟ علامہ رضی نے، اور دیکھو اس کے اندر کوئی تکلفات نہیں ہیں۔

ابھی آگے دیکھو، پھر کیا کیا گیا؟ مثلاً پہلے جملے پر نظر رکھو: ضَرْبِيْ زَيْدًا يُلَابِسُهُ قَائِمًا، جو پہلا جملہ میں نے لکھوایا ضَرْبِيْ زَيْدًا يُلَابِسُهُ قَائِمًا، یہ تقدیر کس نے نکالی؟ علامہ رضی نے، اور اس میں دیکھنا کوئی تکلفات نہیں کرنے پڑیں گے، کوئی ایسی چیز نہیں ہے جو کہیں اور نہ ہو۔ پہلا کام اس میں کیا کیا گیا؟ يُلَابِسُهُ کی هَا ضمیر کو حذف کر لیا گیا۔ کس کو؟ یہ ذوالحال تھا، ذوالحال کو کیا کر لیا گیا؟ حذف۔ اور ذوالحال کیا واقع ہو رہا ہے؟ مفعول ہے، توجہ ہے؟ يُلَابِسُهُ کے لیے کیا بن رہا ہے؟ مفعول، اور آپ جانتے ہیں مفعول فضلہ ہوتا ہے اس کو کبھی کبھار کیا کر لیتے ہیں؟ حذف، حذف کر لیتے ہیں۔ تو یہاں پر بھی یہ ذوالحال جب قرینہ موجود ہے، قرینہ جب موجود ہو ذوالحال کو حذف کرنا جائز ہے۔ تو یہاں بھی یہ مفعول کی ضمیر تھی اس کو حذف کر لیا گیا کہ قرینہ موجود ہے۔ پھر اس کے بعد کیا رہ گیا؟ يُلَابِسُ قَائِمًا۔ پھر یہ يُلَابِسُ جو عامل ہے کس کے اندر؟ قَائِمًا کے اندر، توجہ ہے؟ یاد رکھنا حال اور ذوالحال دونوں کا عامل ایک ہی چیز ہوتی ہے۔ ذوالحال کون؟ يُلَابِسُهُ کے ساتھ جو هَا ضمیر ہے، اور یہ منصوب ہے اس میں عامل کون ہے؟ يُلَابِسُهُ کے ساتھ جو هَا ضمیر ہے یہ منصوب ہے یہ ذوالحال ہے، اس کو نصب کس نے دیا؟ يُلَابِسُ نے۔ تو يُلَابِسُ جو ذوالحال میں عامل ہے وہی يُلَابِسُ قَائِمًا کے اندر بھی عامل ہے، وہی قَائِمًا کو نصب دے رہا ہے۔ تو یہ ضابطہ ہمیشہ یاد رکھنا: ذوالحال اور حال دونوں کا عامل ایک ہوتا ہے، ذوالحال اور حال دونوں کا عامل ایک ہوتا ہے۔ تو يُلَابِسُهُ کی هَا ضمیر ذوالحال ہے، اور ذوالحال جب قرینہ موجود ہو تو اس کو حذف کر لیا جاتا ہے، چنانچہ هَا ضمیر کو حذف کر لیا۔ کیا رہ گیا؟ يُلَابِسُ قَائِمًا۔ يُلَابِسُ عامل ہے اور قَائِمًا اس کا معمول یعنی حال ہے، اور حال کے

عامل کو بھی کبھی کبھار حذف کر لیتے ہیں اور حال کو اس کا قائم مقام کر دیتے ہیں۔ تو یُلَابِسُ کو حذف کیا اور قَائِمًا کو اس کا قائم مقام کر دیا گیا۔ بات سمجھ میں آگئی؟ اب جب قَائِمًا کو اس کا قائم مقام کر دیا، اب اس یُلَابِسُ خبر کو لفظوں میں ذکر کرنا جائز نہیں، اس کا حذف واجب ہے۔ ترکیب سمجھ میں آگئی؟

تو علامہ رضی فرماتے ہیں: وَالَّذِيْ يَظْهَرُ لِيْ: اور وہ بات جو میرے لیے ظاہر ہوئی، یعنی میری رائے یہ ہے کہ یوں ترکیب کرنی چاہیے اس میں پھر تکلفات نہیں کرنے پڑتے۔ کہتے ہیں: وَالَّذِيْ يَظْهَرُ لِيْ: اور وہ بات جو میرے لیے ظاہر ہوئی أَنَّ تَقْدِيْرَهُ بِنَحْوِ ضَرْبِيْ زَيْدًا يُلَابِسُهُ، کہ اس کی، اس جملے کی تقدیر جو ہے ضَرْبِيْ زَيْدًا يُلَابِسُهُ قَائِمًا کی طرح آخر میں آرہا ہے ایک سطر کے بعد أَوْلٰى، میرے خیال میں اس کلام کی تقدیر اس طرح کرنا أَوْلٰی یہ کیا ہے؟ اولیٰ، بہتر ہے۔ عبارت سمجھ میں آگئی؟ اور درمیان میں تقدیرِ عبارت بھی نکالیں گے کہ میری رائے میں یوں ہونا چاہیے: جب آپ فاعل سے حال بنانا چاہیں تو یوں ہونا چاہیے، جب مفعول سے حال بنانا چاہیں تو پھر یوں ہونا چاہیے، کہ میری رائے یہ ہے کہ اس طرح اس کلام کی تقدیر أَوْلٰی وہ بہتر ہے بھئی۔

تو کہتے ہیں: وَالَّذِيْ يَظْهَرُ لِيْ: اور وہ بات جو میرے لیے ظاہر ہوئی کہ أَنَّ تَقْدِيْرَهُ بِنَحْوِ ضَرْبِيْ زَيْدًا يُلَابِسُهُ قَائِمًا، کہ اس کلام کی تقدیر اس طرح سے جیسے کہ ضَرْبِيْ زَيْدًا يُلَابِسُهُ قَائِمًا ہے، إِذَا أَرَدْتَ الْحَالَ عَنِ الْمَفْعُوْلِ، جب آپ کا ارادہ مفعول سے حال کا ہو کہ یہ حال ہے کس سے؟ مفعول سے، وَضَرْبِيْ زَيْدًا يُلَابِسُنِيْ قَائِمًا إِذَا كَانَتْ عَنِ الْفَاعِلِ، جب کہ یہ حال کس سے ہو؟ فاعل سے ہو، أَوْلٰى: یہ تقدیر، یہ تقدیر، کون سی تقدیر؟ اس طرح کی تقدیر جیسے ضَرْبِيْ زَيْدًا يُلَابِسُهُ قَائِمًا جب یہ حال ہو کس سے؟ مفعول سے، اور ضَرْبِيْ زَيْدًا يُلَابِسُنِيْ قَائِمًا، اس طرح تقدیر ان کی کرنا اولیٰ ہے بھئی۔ معنیٰ سمجھ میں آگیا؟

وَالَّذِيْ يَظْهَرُ لِيْ: اور وہ بات جو میرے لیے ظاہر ہوئی کہ أَنَّ تَقْدِيْرَهُ بِنَحْوِ ضَرْبِيْ زَيْدًا يُلَابِسُهُ قَائِمًا، کہ اس کلام کی تقدیر اس طرح سے جیسے کہ ضَرْبِيْ زَيْدًا يُلَابِسُهُ قَائِمًا ہے، إِذَا أَرَدْتَ الْحَالَ عَنِ الْمَفْعُوْلِ، جب آپ کا ارادہ مفعول سے حال کا ہو، وَضَرْبِيْ زَيْدًا يُلَابِسُنِيْ قَائِمًا، اور اس طرح اس کی تقدیر کرنا، إِذَا كَانَتْ عَنِ الْفَاعِلِ، جب کہ یہ حال فاعل سے ہو، أَوْلٰى: یہ تقدیر اولیٰ ہے۔ تو یہ أَنَّ کی خبر ہے، أَنَّ تَقْدِيْرَهُ أَوْلٰى: اس کی تقدیر اس طرح سے کرنا اولیٰ یہ بہتر ہے بھئی۔

اب دیکھو یہاں اس عبارت پر اشکال ہوتا ہے، ذرا عبارت پر نظر رکھو: ضَرْبِيْ زَيْدًا يُلَابِسُهُ قَائِمًا، یہ قَائِمًا حال ہے کس سے؟ يُلَابِسُهُ کی هَا ضمیر سے، اور یہ هَا ضمیر يُلَابِسُ کے لیے کیا بن رہی ہے؟ مَفْعُوْلٌ بِهِ۔ تو اس مَفْعُوْلٌ بِهِ سے قَائِمًا کو کیا بنایا؟ حال بنایا، تو علامہ رضی بھی فرما رہے ہیں: إِذَا أَرَدْتَ الْحَالَ عَنِ الْمَفْعُوْلِ، جب آپ کا ارادہ مفعول سے حال کا ہو۔ توجہ ہے؟ اور یہ بھی مفعول سے حال ہے۔ لیکن ذرا اگلے جملے پر نظر رکھو: وَضَرْبِيْ زَيْدًا يُلَابِسُنِيْ قَائِمًا، یہ قَائِمًا کس سے حال؟ يَاء سے، اور یہ يَاء ضمیر یہ يُلَابِسُنِيْ کے لیے کیا ہے؟ مفعول ہے، اور آگے کہہ رہے ہیں: إِذَا كَانَتْ عَنِ الْفَاعِلِ، جب آپ کا ارادہ فاعل سے حال کا ہو۔

حالانکہ دونوں کے اندر مفعول سے حال ہے۔ یُلَابِسُہُ کے اندر ھَا ضمیر مفعول، اس سے حال آیا۔ یُلَابِسُنِیْ کے اندر یَاء ضمیر ذوالحال، اور یہ بھی کیا ہے؟ مفعول ہے۔ تو یہ تو دونوں کے اندر مفعول سے حال ہے، اور آپ ہمیں کیا کہہ رہے ہیں؟ اگر مفعول سے حال کا ارادہ ہے تو یُلَابِسُہُ نکالو، اور اگر فاعل سے حال کا ارادہ ہے تو یُلَابِسُنِیْ نکالو، حالانکہ دونوں میں یہ مفعول سے حال ہے۔

تو یاد رکھنا جواب: کہ یہ فاعل اور مفعول وہ جو شروع میں ضَرْبٌ مصدر آیا تھا اس کے فاعل اور مفعول کی بات ہو رہی ہے۔ یُلَابِسُ کے لیے تو واقعی ھَا ضمیر بھی مفعول ہے اور یَاء ضمیر بھی مفعول، لیکن بات اس ضَرْبٌ کی چل رہی ہے۔ اور ضَرْبِیْ زَیْدًا، یہ یَاء ضمیر کیا ہے معنیٰ کے اعتبار سے؟ فاعل ہے۔ اور زَیْدًا کیا ہے؟ مفعول ہے۔ تو اگر آپ زَیْدًا سے حال بنانا چاہتے ہیں یعنی مفعول سے، تو یُلَابِسُہُ نکالیں، اور یہ ھَا ضمیر زید کو لوٹے گی، تو گویا یہ زید سے ہی حال ہے۔ اور اگر آپ ضَرْبِیْ کا جو فاعل ہے یعنی یَاء متکلم کی، اس سے حال بنانا چاہتے ہیں تو پھر یُلَابِسُنِیْ کی عبارت نکالیں، یعنی یہاں وہی متکلم کی ضمیر نکال کر اس سے حال بنا دیں۔ اور یہ جب متکلم سے حال ہے وہی متکلم تو ضَرْبٌ کا فاعل ہے، تو یہ گویا فاعل سے حال ہوا۔ تو یہ فاعل اور مفعول کون سے مراد ہیں؟ ضَرْبٌ مصدر کے فاعل اور مفعول مراد ہیں، یُلَابِسُ کے فاعل اور مفعول مراد نہیں ہیں بھئی۔ بات سمجھ میں آگئی؟

اور پھر یہ یُلَابِسُ کو کیوں نکالا علامہ رضی نے؟ افعالِ عامہ کے اندر تو کون، وجود، حصول، ثبوت، ان میں سے کسی ایک کو نکال لیتے۔ تو وجہ یہ، وجہ یہ کہ یہ یُلَابِسُ بھی افعالِ عامہ میں سے ہے، اور حَاصِلٌ یا ثَابِتٌ وغیرہ بھی کیا ہیں؟ افعالِ عامہ میں سے ہیں۔ حَاصِلٌ یا ثَابِتٌ وہ زیادہ عام استعمال ہوتے ہیں، اگر وہ نکالتے وہ تو فعلِ لازم ہیں، وہ تو فعلِ لازم ہیں، ان کے لیے تو مفعول آتا ہی نہیں ہے۔ اور نکالنی کیا ہے؟ خبر، توجہ ہے؟ خبر نکالنی ہے اور خبر کو جوڑنا کس سے ہے؟ بتدا سے، تو خبر کے اندر ایک ضمیر بھی چاہیے جو اس بتدا ضَرْبٌ کو بھی لوٹے، اور ساتھ ذوالحال کو بھی جوڑنا ہے مفعول بنا کر۔ اور حَاصِلٌ کے لیے تو مفعول بہ آتا ہی نہیں۔ بات سمجھ میں آئی؟

یُلَابِسُ کے ساتھ ہمیں دو ضمیریں چاہئیں۔ ایک تو یہ یُلَابِسُ کیا بن رہا ہے؟ خبر، کس کے لیے خبر ہے؟ بتدا ضَرْبٌ کے لیے، تو ضَرْبٌ سے بھی اس کو جوڑنا ہے، تو لہٰذا اسی لیے یُلَابِسُ کے اندر ھُوَ ضمیر ضَرْبٌ کو راجع ہے، وہ ضرب جڑی ہوئی ہے۔ اور آگے مفعول بھی چاہیے جس سے آپ نے آگے حال بنانا ہے بھئی۔ توجہ ہے؟ اگر حَاصِلٌ نکالیں گے تو حَاصِلٌ کے اندر تو صرف فاعل آجائے گا، حَاصِلٌ یا حَصَلَ نکالیں: ضَرْبِیْ زَیْدًا حَصَلَ، تو حَصَلَ کے اندر ھُوَ ضمیر کس کو لوٹاؤ گے؟ ضَرْبٌ کو، وہ ضرب حاصل ہوئی ہے۔ آگے مفعول بھی تو چاہیے، ذوالحال بھی چاہیے نا جس سے آگے حال بنانا ہے؟ تو یہاں ذوالحال لانے کی پھر کوئی صورت نہیں ہوگی۔ توجہ ہے؟ حَصَلَ کے اندر جو ھُوَ ضمیر ہوگی وہ تو ضَرْبٌ کو راجع ہے، اس سے تو حال نہیں بنا سکتے، وہ ضرب کھڑی ہے یا وہ زید یا متکلم کھڑا ہے؟ متکلم یا زید کھڑا ہے، تو وہ ذوالحال بھی ہمیں چاہیے۔ اور حَصَلَ کے اندر ھُوَ ضمیر تو کس کو لوٹے گی؟ ضَرْبٌ کو، تو اس ھُوَ ضمیر سے آگے قَائِمًا حال نہیں بنا سکتے کیونکہ حال ضَرْبٌ سے

نہیں ہے، وہ ضَرْبٌ کھڑی نہیں ہے بلکہ وہ فاعل یا مفعول کھڑا ہے بھئی۔ لہٰذا یہاں پر حَصَلَ یا حَاصِلٌ کے بجائے کیا نکالا؟ یُلَابِسُنِيْ اسی لیے نکالا کہ یہ افعالِ عامہ میں سے بھی ہے اور یہ فاعل کے ساتھ مفعول بھی چاہتا ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟

اور دوسرا قیمتی ضابطہ بھی میں نے بتادیا وہ بھی یاد رکھنا ہے، کیا؟ کہ حال اور ذوالحال دونوں کا عامل ایک ہی ہونا چاہیے۔ توجہ ہے؟

تو کہتے ہیں: ثُمَّ نَقُوْلُ۔ میں نے تفصیل بیان کردی، علامہ رضی کے نزدیک تقدیرِ عبارت کیا ہے: ضَرْبِيْ زَيْدًا يُلَابِسُهُ قَائِمًا۔ پھر کیا کیا گیا؟ هَا ضمیر کو، يُلَابِسُهُ کے ساتھ جو هَا ضمیر ذوالحال تھی اس کو حذف کیا گیا، کیونکہ جب قرینہ موجود ہو تو ذوالحال کو حذف کرنا جائز ہے۔ اور پھر کیا رہ گیا؟ يُلَابِسُ قَائِمًا۔ اور يُلَابِسُ عامل تھا اور قَائِمًا حال اس کا معمول تھا، اور عامل کو حذف کرکے حال کو کبھی اس کا قائم مقام کردیا کرتے ہیں۔ توجہ ہے؟ اب یہی باتیں ذکر کریں گے۔

کہتے ہیں: ثُمَّ نَقُوْلُ: پھر ہم کہتے ہیں: حُذِفَ الْمَفْعُوْلُ الَّذِيْ هُوَ ذُوْ الْحَالِ: حذف کرلیا گیا اس مفعول کو جو ذوالحال تھا۔ کون سا ذوالحال؟ يُلَابِسُهُ یا يُلَابِسُنِيْ، یہ جو هَا ضمیر يُلَابِسُ کے ساتھ جڑی ہوئی ہے، یا يَاء ضمیر جو يُلَابِسُ کے ساتھ جڑی ہوئی ہے، اس کو حذف کرلیا گیا۔ تو کہتے ہیں: حُذِفَ الْمَفْعُوْلُ الَّذِيْ هُوَ ذُوْ الْحَالِ: حذف کرلیا گیا اس مفعول کو جو ذوالحال تھا، فَبَقِيَ: تو باقی عبارت کیا رہ گئی؟ ضَرْبِيْ زَيْدًا يُلَابِسُ قَائِمًا۔ یہ، یہ تقدیرِ عبارت رہ گئی۔

آگے: وَيَجُوْزُ حَذْفُ ذِيْ الْحَالِ مَعَ قِيَامِ الْقَرِيْنَةِ: اور ذوالحال کو حذف کرنا جائز ہے مَعَ قِيَامِ الْقَرِيْنَةِ قرینہ قائم ہوتے وقت، جب قرینہ قائم ہو تو ذوالحال کو حذف کرنا جائز ہے۔ توجہ ہے؟ بھئی اشکال ہوتا ہے نا کہ آپ نے يُلَابِسُ کے آخر سے ضمیر کو حذف کردیا وہ تو ذوالحال تھی بھئی، ذوالحال کو آپ کیسے حذف کر رہے ہیں، اس سے آگے حال آرہا ہے؟ تو اس کا بھی بتلا رہے ہیں کہ بھئی جب قرینہ موجود ہو تو ذوالحال کو حذف کرنا جائز ہے بھئی۔ بات سمجھ میں آرہی ہے؟

تو کہتے ہیں: وَيَجُوْزُ حَذْفُ ذِيْ الْحَالِ مَعَ قِيَامِ الْقَرِيْنَةِ: اور جائز ہے ذوالحال کو حذف کرنا قرینہ قائم ہوتے وقت، كَمَا تَقُوْلُ: جیسے آپ کہتے ہیں: الَّذِيْ ضَرَبْتُ قَائِمًا زَيْدٌ۔ الَّذِيْ ضَرَبْتُ قَائِمًا، وہ جس کی میں نے پٹائی کی قَائِمًا اس حال میں کہ وہ کھڑا تھا، زَيْدٌ، وہ زید ہے، وہ زید ہے۔ آپ کو میں نے بتایا تھا بھئی موصول کے لیے ہمیشہ صلہ چاہیے، تو الَّذِيْ ضَرَبْتُ قَائِمًا یہ سارا ہے مبتدا اور زَيْدٌ ہے اس کی خبر۔ تو یہاں الَّذِيْ اسمِ موصول، ضَرَبْتُ فعل، یہ اس کا صلہ ہے۔ توجہ ہے؟ عبارت پر نظر رکھو: الَّذِيْ ضَرَبْتُ قَائِمًا زَيْدٌ، یہ اصل میں تھا الَّذِيْ ضَرَبْتُهُ قَائِمًا۔ ضَرَبْتُهُ کے آخر سے هَا ضمیر کو حذف کرلیا گیا، توجہ ہے؟ کیونکہ وہ مفعول بہ ہے، وہ ذوالحال بھی ہے اور مفعول بہ بھی ہے، اور مفعول بہ فضلہ ہوتا ہے اس کو حذف کرنا جائز، اور نیز اس سے آگے قَائِمًا حال آرہا تھا، تو یہاں کوئی قرینہ چاہیے جو ہمیں یہ بتلائے کہ یہ حال کس سے ہے، کوئی قرینہ چاہیے۔ توجہ ہے؟ تو وہ قرینہ آگے کیا ہے؟ زَيْدٌ آگے لفظ موجود ہے۔ الَّذِيْ ضَرَبْتُ قَائِمًا، وہ جس کی میں نے پٹائی کی اس حال میں کہ وہ کھڑا تھا، زَيْدٌ، وہ کون ہے؟ زید ہے۔ معلوم ہوا کہ ذوالحال وہ یہی زید ہے، تو اس کی ضمیر کو حذف کرلیا۔ توجہ ہے؟ اور

وہی ضمیر عائد تھی، وہ الَّذِيْ کو لوٹ رہی تھی۔

الَّذِيْ ضَرَبْتُ، الَّذِيْ اسمِ موصول، اور اس کا اعراب بولو۔ ترکیب پھر دیکھو، ترکیب پر نظر رکھو: الَّذِيْ ضَرَبْتُ قَائِمًا زَيْدٌ۔ یہ الَّذِيْ ضَرَبْتُ قَائِمًا یہ سارا ابتدا ہے اور زَيْدٌ اس کی خبر۔ جی اب بولیے بھئی: الَّذِيْ مرفوع محلاً ابتدا، یہ اسمِ موصول ہے، یہ ابتدا ہے لیکن ابھی ابتدا نہ بنائیں باقی چیزیں اس کے ساتھ جوڑ دیں صلہ وغیرہ۔ ضَرَبْتُ فعل با فاعل، تَاء ضمیر مرفوع محلاً اس کا فاعل، اور اس کے ساتھ هَا ضمیر بھی نکالنا پڑے گی ضَرَبْتُهُ۔ وہ هَا ضمیر منصوب محلاً ذوالحال ہے۔ منصوب کیوں؟ کیونکہ وہ ضَرَبْتُ کے لیے مفعول ہے۔ تو هَا ضمیر منصوب محلاً مفعول بہ، اور یہی هَا ضمیر الَّذِيْ کو بھی راجع ہے، یہی عائد ہے، یہی ربط دے رہا ہے، اگر یہ نہ ہو تو پھر ربط نہیں آسکتا۔ اور یہ مفعول ہے اور مفعول کیا ہوتا ہے؟ فضلہ، اس کو حذف کرنا جائز ہے، اور نیز اس سے قَائِمًا حال آرہا ہے، اب ہمیں کیسے پتا چلے گا کہ یہ حال کس سے ہے؟ تو اس کا قرینہ آگے زَيْدٌ موجود ہے، آگے جو خبر آرہی ہے وہ خبر ہمیں بتلا رہی ہے کہ یہ حال کس سے ہے؟ اسی زید سے ہے یعنی اسی کی ضمیر سے ہے۔ تو ضَرَبْتُهُ، تَاء ضمیر مرفوع محلاً فاعل، هَا ضمیر منصوب محلاًیہ ذوالحال ہے، اور یہ هَا ضمیر کس کو راجع؟ الَّذِيْ کو، یہ عائد بھی ہے۔ قَائِمًا منصوب لفظًا صیغہ اسمِ فاعل، منصوب کیوں؟ حال ہے، اور اس کے اندر هُوَ ضمیر مرفوع محلاً اس کا فاعل جو کس کو راجع؟ ضَرَبْتُهُ کی هَا ضمیر کو، کیونکہ حال کو کس سے جوڑتے ہیں؟ ذوالحال سے، وہ هَا ضمیر جو ہے۔ تو اسمِ فاعل اپنے فاعل سے مل کر شبہِ جملہ ہو کر حال، اور ذوالحال وہ جو هَا ضمیر تھی، وہ ذوالحال اپنے حال سے مل کر یہ مفعول بہ ہوا ضَرَبْتُ کے لیے، ضَرَبْتُ فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر صلہ، موصول صلہ مل کر ابتدا، اور زَيْدٌ مرفوع لفظًا اس کی خبر، ابتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ خبریہ۔ الَّذِيْ ضَرَبْتُهُ قَائِمًا: وہ جس کی میں نے پٹائی کی اس حال میں کہ وہ کھڑا ہوا تھا، زَيْدٌ، وہ کون ہے؟ زید ہے۔ تو دیکھو آگے زَيْدٌ قرینہ تھا وہ بتلا رہا تھا کہ ذوالحال اسی کی ضمیر ہے، لہٰذا اس کو حذف کر دیا گیا۔

پھر دیکھیں عبارت، کہتے ہیں: وَيَجُوْزُ حَذْفُ ذِيْ الْحَالِ مَعَ قِيَامِ الْقَرِيْنَةِ: اور ذوالحال کو حذف کرنا جائز ہے مَعَ قِيَامِ الْقَرِيْنَةِ قرینہ قائم ہوتے وقت، كَمَا تَقُوْلُ: جیسے کہ آپ کہتے ہیں: الَّذِيْ ضَرَبْتُ قَائِمًا زَيْدٌ، أَيْ ضَرَبْتُهُ: دیکھا تفسیر کر دی کہ یہ ضَرَبْتُ اصل میں کیا ہے؟ ضَرَبْتُهُ ہے بھئی۔

ثُمَّ حُذِفَ يُلَابِسُ۔ اچھا یہ مثال دی کہ ذوالحال کو حذف کرنا جائز ہے جب قرینہ موجود ہو۔ تو کس کے اندر حذف کیا تھا؟ کس کے لیے دلیل دے رہے تھے؟ ضَرْبِيْ زَيْدًا يُلَابِسُ قَائِمًا، جو ابھی ایک سطر پیچھے گزرا: ضَرْبِيْ زَيْدًا يُلَابِسُ قَائِمًا۔ اس کے اندر يُلَابِسُ کے آخر سے هَا ضمیر حذف کی تھی ذوالحال بھئی، اس کے آخر سے ذوالحال کو حذف کیا تھا تو اس کی دلیل دے رہے تھے کہ ذوالحال پر جب قرینہ موجود ہو تو اسے حذف کرنا جائز ہے۔

پھر اس کے بعد کہتے ہیں: ثُمَّ حُذِفَ يُلَابِسُ الَّذِيْ هُوَ خَبَرُ الْمُبْتَدَأِ: پھر اس کے بعد حذف کر لیا گیا يُلَابِسُ الَّذِيْ اس يُلَابِسُ کو هُوَ خَبَرُ الْمُبْتَدَأِ جو ابتدا کی خبر ہے۔ يُلَابِسُ کس کی خبر تھی؟ ضَرْبِيْ زَيْدًا اس ابتدا کی یہ يُلَابِسُ خبر تھی۔ تو کہتے ہیں: ثُمَّ حُذِفَ

يُلَابِسُ الَّذِيْ هُوَ خَبَرُ الْمُبْتَدَأِ: پھر حذف کر لیا گیا اس يُلَابِسُ کو جو مبتدا کی خبر ہے، وَالْعَامِلُ فِي الْحَالِ: اور حال میں عامل ہے۔ پھر دیکھو: ضَرْبِيْ زَيْدًا يُلَابِسُ قَائِمًا، یہ قَائِمًا کو نصب کون دے رہا ہے؟ يُلَابِسُ۔ تو یہ مبتدا کی خبر بھی ہے اور حال کے اندر عامل بھی ہے، اس کو حذف کر لیا گیا۔ پھر دیکھو عبارت، کہتے ہیں: ثُمَّ حُذِفَ يُلَابِسُ الَّذِيْ هُوَ خَبَرُ الْمُبْتَدَأِ وَالْعَامِلُ فِي الْحَالِ: پھر حذف کر لیا گیا اس يُلَابِسُ کو جو مبتدا کی خبر ہے اور حال کے اندر عامل ہے، وَقَامَ الْحَالُ مَقَامَهُ: اور حال اس کا قائم مقام ہو گیا، كَمَا تَقُوْلُ: جیسے آپ کہتے ہیں: رَاشِدًا مَهْدِيًّا، أَيْ سِرْ رَاشِدًا مَهْدِيًّا۔ دیکھو یہ رَاشِدًا مَهْدِيًّا یہ دونوں حال واقع ہو رہے ہیں، اور یہاں فعل محذوف ہے، سِرْ۔ سَارَ يَسِيْرُ کا معنیٰ چلنا۔ یہ دعا کے طور پر مسافر جب کوئی سفر پر نکلتا تو اس کو دعا کے طور پر عربی میں کہتے ہیں کہ رَاشِدًا مَهْدِيًّا۔ رَشَدَ يَرْشُدُ کا معنیٰ ہدایت پر ہونا، راہ پانا، راہ پانا، راستہ جس کو ملا ہو بھئی، یعنی راستے سے جو بھٹکا نہ ہو بھئی۔ اور مَهْدِيٌّ جس کو ہدایت دی گئی ہو یعنی جس کو راستہ بتلایا گیا ہو بھئی۔ تو گویا دونوں کا ایک ہی معنیٰ ہے، رَاشِدًا کا معنیٰ بھی راستے کو پانے والا یعنی جو بھٹکا نہیں ہے اپنے راستے پر ہے، اور مَهْدِيٌّ جس کو راستہ بتایا گیا ہے، معلوم ہوا وہ بھی راستے پر ہے وہ بھی راستے سے بھٹکا نہیں ہے، تو دونوں کا ایک ہی معنیٰ ہے۔

تو اصل میں کلام کیا ہے؟ سِرْ رَاشِدًا مَهْدِيًّا۔ سِرْ فعلِ امر، أَنْتَ ضمیر اس کے اندر ذوالحال ہے۔ یہ دعا دی جا رہی ہے سِرْ أَنْتَ رَاشِدًا مَهْدِيًّا، مسافر سفر پر جا رہا ہے کہ تم جاؤ اس حال میں کہ رَاشِدًا مَهْدِيًّا ہو یعنی راستہ پانے والے ہو، راستے سے بھٹکنے والے نہ ہو بھئی۔ آج کل تو آسانی ہے بھئی، راستے بنے ہوئے ہیں، ایک شہر سے دوسرے شہر جاتے ہیں راستے ہیں، سڑکیں بنی ہوئی ہیں، قدیم زمانے میں تو جنگلوں میں سے گزرنا پڑتا تھا، تو جو مسافر جاتا اس کو یہ دعا دی جاتی تھی کہ راستے کو پانے والے ہو، راستے پر چلنے والے ہو، راستے سے بھٹکنے والے نہ ہو بھئی۔

تو ترکیب کیا ہے؟ یہ رَاشِدًا اور مَهْدِيًّا یہ حال ہیں، اور سِرْ فعلِ امر یہاں محذوف ہے، اور اس کے اندر أَنْتَ ضمیر وہ ذوالحال ہے، وہ فاعل بھی ہے اور ذوالحال بھی ہے۔ معنیٰ سمجھ میں آگیا؟ سِرْ فعلِ امر ہے، اور اس کے اندر أَنْتَ ضمیر مرفوع محلاً اس کا فاعل اور یہی ذوالحال ہے، اور رَاشِدًا اور مَهْدِيًّا اسی سے حال ہے۔ تو رَاشِدًا حال کس سے؟ سِرْ کے اندر أَنْتَ ضمیر سے، تو اور حال کو کس سے جوڑتے ہیں؟ ذوالحال سے، تو أَنْتَ ذوالحال ہے۔ تو اس رَاشِدًا کے اندر بھی کون سی ضمیر؟ أَنْتَ ضمیر ہے، اور وہ أَنْتَ ضمیر رَاشِدًا کے لیے فاعل کیونکہ یہ اسمِ فاعل کا صیغہ ہے۔ اور مَهْدِيًّا یہ اسمِ مفعول کا صیغہ ہے، تو اس کے اندر بھی أَنْتَ ضمیر ہے کیونکہ یہ بھی کس سے حال ہے؟ یہ بھی أَنْتَ وہ جو سِرْ کے اندر أَنْتَ ضمیر تھی یہ بھی اس سے حال ہے۔ تو یہ مَهْدِيًّا اسمِ مفعول ہے، اس کے اندر بھی أَنْتَ ضمیر اور وہ نائب الفاعل ہے بھئی۔ توجہ ہے؟ تو یہاں پر دیکھو سِرْ یا یوں کہو: اِذْهَبْ رَاشِدًا مَهْدِيًّا، اِذْهَبْ تم جاؤ اس حال میں کہ تم ہدایت پر ہو بھئی، سیدھے راستے پر ہو۔ تو یہاں ذوالحال کیا؟ أَنْتَ ضمیر، اور رَاشِدًا مَهْدِيًّا یہ کیا؟ حال، حال دونوں حال ہیں۔ سمجھ میں آیا؟ یہ دونوں الگ الگ حال ہیں۔ اور دیکھو اِذْهَبْ یا سِرْ فعل کو حذف کر لیا، اور وہی فعل عامل تھا کس کے اندر؟ ذوالحال میں بھی اور

حال میں بھی کیونکہ دونوں کا عامل ایک ہوتا ہے۔ تو ذوالحال اور حال دونوں کا جو عامل تھا سِرْ فعل یا اِذْهَبْ فعل اس کو حذف کر لیا گیا، اور اسی طرح جو ذوالحال تھا اس کو بھی حذف کر لیا گیا بھئی۔ بات سمجھ میں آگئی؟ اور پھر یہ رَاشِدًا مَهْدِيًّا کو اس کا قائم مقام کر دیا گیا، جب اس کا قائم مقام کر دیا گیا اب فعل کو ذکر کرنا جائز نہیں۔ اب فعل اِذْهَبْ یا سِرْ کو ذکر کرنا جائز نہیں۔ تو معلوم ہوا حال کو کبھی اپنے عامل کا قائم مقام کر دیتے ہیں، جیسے یہاں پر رَاشِدًا مَهْدِيًّا کو اِذْهَبْ یا سِرْ کا قائم مقام کر دیا گیا۔

تو یہی بات بیان کر رہے ہیں، پھر عبارت دیکھیں: ثُمَّ حُذِفَ يُلَابِسُ الَّذِيْ هُوَ خَبَرُ الْمُبْتَدَأِ وَالْعَامِلُ فِي الْحَالِ: پھر حذف کر لیا گیا اس يُلَابِسُ کو جو کہ مبتدا کی خبر بھی ہے اور حال کے اندر عامل بھی ہے، وَقَامَ الْحَالُ مَقَامَهُ: اور حال اس کا قائم مقام ہو گیا، حال اپنے عامل کا قائم مقام ہو گیا، كَمَا تَقُوْلُ: جیسے آپ کہتے ہیں: رَاشِدًا مَهْدِيًّا، أَيْ سِرْ رَاشِدًا مَهْدِيًّا. فَعَلٰى هٰذَا يَكُوْنُوْنَ مُسْتَرِيْحِيْنَ مِنْ تِلْكَ التَّكَلُّفَاتِ الْبَعِيْدَةِ. فَعَلٰى هٰذَا: تو اس تقدیر پر يَكُوْنُوْنَ جو نحوی حضرات ہیں يَكُوْنُوْنَ مُسْتَرِيْحِيْنَ، مُسْتَرِيْحٌ کا معنیٰ ہے راحت پانے والا، راحت حاصل کرنے والا۔ تو اس تقدیر پر یہ علامہ رضی فرما رہے ہیں، ان کی بات چل رہی ہے، وہ فرماتے ہیں اگر میری یہ تقدیر لے لیں جو میں نے کلام کی ذکر کی، تو اس صورت میں ان تکلفات سے جان چھوٹ جائے گی، ان تکلفات سے یہ نحوی حضرات راحت میں آجائیں گے، کیونکہ وہ ساری ایسی چیزیں تھیں جن میں تکلف سے کام لینا پڑا، عام طور پر اس طرح نہیں ہوتا بھئی۔ کون کون سے تکلفات تھے؟ إِذَا کو كَانَ کے ساتھ حذف کیا، پھر كَانَ کو ناقصہ قرار دیا، اور تیسرا حال کو ظرف کا قائم مقام بنایا۔ حال کو اپنے عامل کا تو قائم مقام بنانا ٹھیک ہے اور جگہ بھی ہوتا ہے، لیکن حال کو ظرف کا قائم مقام بنانا اس کی اور کوئی مثال نہیں ہے بھئی۔

تو کہتے ہیں: فَعَلٰى هٰذَا يَكُوْنُوْنَ مُسْتَرِيْحِيْنَ مِنْ تِلْكَ التَّكَلُّفَاتِ الْبَعِيْدَةِ: تو اس تقدیر پر نحوی حضرات جو ہیں وہ راحت پانے والے ہوں گے ان تکلفاتِ بعیدہ سے۔ یہ کس کی تقریر چل رہی ہے؟ علامہ رضی کی بھئی۔

تو یہ بحث تھی ضَرْبِيْ زَيْدًا قَائِمًا کے بارے میں بھئی۔ اور اس کے اندر خبر کا حذف واجب ہے، کیونکہ یہ وہ مقامات ذکر ہو رہے ہیں جہاں خبر کا حذف واجب، اور واجب کیوں ہے؟ کیونکہ قَائِمًا کو یعنی حال کو اس کا قائم مقام بنا دیا گیا ہے، اور اصل اور قائم مقام میں سے ایک وقت میں ایک آسکتا ہے، تو جب قائم مقام آگیا اب اصل کو آپ ذکر نہیں کر سکتے۔ اور نیز قرینہ بھی تو چاہیے، حذف کے لیے قرینہ بھی چاہیے۔

لَوْلَا زَيْدٌ لَكَانَ كَذَا، اس کے اندر قرینہ کیا تھا؟ لَوْلَا خود وجود پر دلالت کرتا ہے اس لیے وہاں پر خبر مَوْجُوْدٌ کو کیا کر لیا؟ حذف۔ یہاں کیا قرینہ ہے؟ قرینہ یاد رکھنا، بصرہ والوں کے مذہب کے مطابق، بصرہ والے فرماتے ہیں یہاں قرینہ موجود ہے کہ خبر محذوف ہے۔ بھئی جو چیز محذوف ہے اس کے لیے قرینہ بھی تو چاہیے کہ پتا چلے یہاں یہ چیز محذوف ہے۔ کہتے ہیں یہاں قرینہ موجود ہے۔ کیا قرینہ موجود ہے؟ بھئی قرینہ یہاں قَائِمًا ہے، اس حَاصِلٌ پر یہ قَائِمًا قرینہ موجود ہے۔ بھئی حَاصِلٌ پر

قَائِمًا کیسے قرینہ موجود ہے؟

تو کہتے ہیں بھئی دیکھیے یہاں یہ، توجہ سے سنو: ضَرْبِيْ زَيْدًا قَائِمًا۔ بھئی قرینہ یہاں قَائِمًا ہے، وہ اس طرح کہ یہ جو ضَرْبٌ مصدریہ جو مبتدا ہے یہاں مقصد یہ خبر دینا ہے کہ یہ مقید ہے قیام کے ساتھ۔ توجہ ہے؟ باریک بات ہے، خوب توجہ سے سمجھ لو: ضَرْبِيْ زَيْدًا قَائِمًا، یہ قَائِمًا کس کے قائم مقام؟ حَاصِلٌ کے قائم مقام۔ تو حَاصِلٌ خبر محذوف ہے، اور جب خبر محذوف ہو تو کوئی قرینہ بھی چاہیے جس سے سننے والے کو پتا چلے کہ یہاں یہ لفظ محذوف ہے بھئی، قرینہ اس پر دلالت کرتا ہے۔ تو کیا چیز اس پر دلالت کر رہی ہے؟ کہتے ہیں یہی قَائِمًا اس خبرِ محذوف پر دلالت کر رہا ہے۔ اس لیے کیونکہ یہاں پر یہ جو مصدر ضَرْبٌ آیا اس کے بارے میں یہ خبر دینا مقصود ہے کہ یہ قیام کے ساتھ مقید ہے۔ توجہ سے ذرا معنیٰ پر غور کرو: ضَرْبِيْ زَيْدًا: میرا زید کی پٹائی کرنا، قَائِمًا: کس حالت میں ہے؟ قیام کی حالت میں۔ تو یہ جو ضَرْبِيْ زَيْدًا ہے، یہ جو میرا زید کی پٹائی کرنا ہے، میں اس کے بارے میں آپ کو خبر دینا چاہتا ہوں کہ یہ ضرب کس حالت میں ہوئی ہے؟ قیام کی حالت میں ہوئی ہے۔ توجہ سے سنو، میں اس ضرب کے بارے میں خبر دینا چاہتا ہوں کہ یہ ضرب قیام سے مقید ہے۔ میں کیا خبر دینا چاہتا ہوں؟ میں اسی ضرب کے بارے میں خبر دینا چاہتا ہوں، اور کیا خبر دینا چاہتا ہوں؟ کہ یہ جو ضرب جو مبتدا میں ذکر ہو رہی ہے یہ قیام کے ساتھ مقید ہے۔ اور یہ ضرب قیام کے ساتھ تب ہی مقید ہو سکتی ہے جب پہلے ثابت تو ہو۔ تو میں اس ضرب کی خبر دینا چاہتا ہوں کہ یہ قیام کے ساتھ مقید ہے، اور قیام کے ساتھ یہ ضرب تب ہی مقید ہو سکتی ہے جب پہلے اس کا ثبوت تو ہو۔ ثبوت ہوگا تو پھر قیام سے مقید ہو سکتی ہے، جب تک ثبوت نہیں قیام سے مقید کیسے کریں گے آپ اس کو؟ توجہ ہے؟ نہیں توجہ۔ میں کس کے بارے میں خبر دینا چاہتا ہوں؟ یہ جو ضرب گزری، کون سی ضرب؟ جو مبتدا میں ذکر ہو رہی ہے، یہ جو میں نے زید کو لگائی ہے، میں اس ضرب کے بارے میں خبر دینا چاہتا ہوں کہ یہ ضرب مقید ہے کس چیز کے ساتھ؟ قیام کے ساتھ، لہٰذا میں کہتا ہوں ضَرْبِيْ زَيْدًا قَائِمًا۔ تو یہ میں نے کیا خبر دی؟ یہ ضرب مقید ہے کس کے ساتھ؟ قیام کے ساتھ۔ تو یہ قِيَامًا حال ہے اور یہ قید ہے اس کے لیے، اور یہ قید تب ہی آ سکتی ہے جب پہلے ضرب کا ثبوت تو ہو۔ ثبوت ہوگا، حصول ہوگا، تو پھر ہی آپ اس کو مقید کر سکتے ہیں، بغیر حصول و ثبوت کے مقید کر سکتے ہیں؟ بغیر ثبوت اور حصول کے مقید نہیں کر سکتے، پہلے اس ضرب کا ثبوت چاہیے پھر آپ اس کو مقید کریں گے۔ بھئی اگر ضرب لگی ہی نہیں ہے تو پھر کیسے قیام کے ساتھ آپ مقید کر سکتے ہیں؟ تو مقید کب کر سکتے ہیں آپ؟ جب پہلے اس کا ثبوت آ جائے، اس کا حصول ہو جائے۔ توجہ ہے؟ تو اس لیے یہاں حَاصِلٌ خبر محذوف ہے، یعنی وہ، وہ جو ضرب ہے حاصل ہے، ثابت ہے، اور پھر اس کے بعد اس کو قَائِمًا کے ساتھ مقید کر دیا گیا۔ جب ثابت اور حاصل ہے اب اس کو قَائِمًا کے ساتھ مقید کرنا صحیح ہے۔ بات سمجھ میں آئی؟

پھر سنو: ضَرْبِيْ زَيْدًا قَائِمًا، میں اس ضرب کے بارے میں خبر دینا چاہتا ہوں، کون سی ضرب؟ یہ جو میری ضرب ہے

زید پر، اس کے بارے میں خبر دینا چاہتا ہوں کہ یہ ضرب مقید ہے کس چیز کے ساتھ؟ قیام کے ساتھ۔ اور ضرب کو آپ قیام کے ساتھ تب ہی مقید کر سکتے ہیں پہلے اس کا ثبوت تو پیش کریں، ثبوت ہوگا تو پھر ہی قیام سے مقید کر سکتے ہیں۔ اگر اس کا ثبوت ہی نہیں ہے وہ ضرب لگی ہی نہیں ہے تو اس قیام سے کیسے اس کو مقید کر سکتے ہیں؟ تو پہلے کیا ضروری؟ ثبوت اور حصول ضروری ہے اس کے بعد ہی مقید ہوگی۔ لہٰذا قِیَامًا قید تو ذکر ہے، حَاصِلٌ تو ذکر نہیں لیکن وہ خود ہی سمجھ میں آگیا کہ حَاصِلٌ ہے، ثبوت ہے، اس کے بعد ہی اس کو قید کیا جا رہا ہے۔ تو حَاصِلٌ اور ثَابِتٌ یہاں پر کیا ہے؟ خبر محذوف ہے۔ کس نے بتایا؟ قَائِمًا نے بتایا، کیونکہ قَائِمًا قید ہے اور قید کب آتی ہے؟ جب ایک چیز کا ثبوت ہو۔ جس چیز کا ثبوت ہی نہیں ہے تو اس کو مقید کیسے کیا جا سکتا ہے؟ تو یہ قَائِمًا جو ہے یہ قرینہ ہے اس حَاصِلٌ پر بھئی۔ بات سمجھ آگئی اچھی طرح؟ کہ میں اس اپنی ضرب کے بارے میں خبر دینا چاہتا ہوں کہ وہ مقید ہے قیام کے ساتھ، اور مقید کب ہوگی؟ جب پہلے ضرب حاصل تو ہو، حاصل ہوئی ہے، ثابت ہوئی ہے، تو پھر ہی مقید بھی میں کر سکتا ہوں۔ اگر حاصل اور ثابت ہی نہیں ہے تو مقید کیسے کروں گا؟ لہٰذا حاصل اور ثابت یہاں محذوف ہے خود ہی پتا چل گیا بھئی۔ بات اچھی طرح سمجھ میں آگئی؟ تو یہ قَائِمًا قرینہ بتلا رہا ہے کہ حاصل ہو چکی ہے، حَاصِلٌ یہاں خبر ہے بھئی، اور پھر اس کے بعد یہ قَائِمًا اس کے لیے کیا بنی ہے؟ قید بنی ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟

آگے دیکھیے بھئی: وَقَالَ الْكُوْفِيُّوْنَ تَقْدِيْرُهُ ضَرْبِيْ زَيْدًا قَائِمًا حَاصِلٌ بِجَعْلِ قَائِمًا مِنْ مُتَعَلِّقَاتِ الْمُبْتَدَأِ. توجہ سے بھئی۔ کوفہ والے نحوی فرماتے ہیں، کوفہ والے نحوی، وہ فرماتے ہیں کہ اس کلام کی تقدیر یہ ہے، دیکھو بھئی کتاب پر: وَقَالَ الْكُوْفِيُّوْنَ: اور کوفہ والے نحوی فرماتے ہیں: تَقْدِيْرُهُ: کہ اس کلام کی تقدیر جو ہے ضَرْبِيْ زَيْدًا قَائِمًا حَاصِلٌ ہے، وہ سب سے آخر میں صرف حَاصِلٌ خبر نکال لیتے ہیں۔ توجہ ہے؟ ضَرْبِيْ زَيْدًا، بھئی پہلے تو وہی متن والا جملہ بولو جو اصل تھا: ضَرْبِيْ زَيْدًا قَائِمًا، بس اس کے بعد حَاصِلٌ نکال لو: ضَرْبِيْ زَيْدًا قَائِمًا حَاصِلٌ، بس یہ حَاصِلٌ خبر محذوف ہے۔ اور ان بصرہ والوں نے تو بڑی مشکل اور پیچیدہ عبارت نکالی تھی: ضَرْبِيْ زَيْدًا حَاصِلٌ إِذَا كَانَ قَائِمًا بھئی، جبکہ کوفہ والے آسان عبارت نکالتے ہیں، وہ فرماتے ہیں ضَرْبِيْ زَيْدًا قَائِمًا حَاصِلٌ، صرف حَاصِلٌ خبر محذوف ہے۔ اور یہ جو قَائِمًا ہے اس کو انہوں نے ابتدا کے ساتھ جوڑ دیا ہے، ابتدا کی جانب اس کو لے گئے ہیں۔ پہلے قَائِمًا کس کی جانب میں تھا؟ خبر کی جانب میں تھا، اور یہ کوفہ والے اس کو ابتدا کی جانب لے گئے ہیں۔ ضَرْبِيْ زَيْدًا قَائِمًا، یہ قَائِمًا آپ چاہیں تو اس کو حال بنائیں ضَرْبِيْ کی یَاء ضمیر سے، اور آپ چاہیں تو اس کو حال بنائیں زَيْدًا سے۔ اگر زَيْدًا سے حال بنائیں تو معنیٰ کیا ہوگا؟ ضَرْبِيْ زَيْدًا: میرا پٹائی کرنا زید کی اس حال میں کہ زید کھڑا ہو، حَاصِلٌ: یہ پٹائی حاصل ہو گئی ہے، یہ پٹائی ثابت ہے۔ کون سی پٹائی؟ ضَرْبِيْ زَيْدًا: میرا پٹائی کرنا کس کی؟ زید کی، کس حالت میں؟ کہ زید کیا تھا؟ کھڑا۔ میری وہ پٹائی جو زید کے قیام کی حالت میں تھی حَاصِلٌ وہ ثابت ہے، حَاصِلٌ کا معنیٰ ثابت، میری وہ پٹائی جو زید کے قیام کی حالت میں تھی وہ ثابت ہے۔

بات سمجھ میں آگئی؟ دیکھو معنیٰ ہی بدل گیا۔ یاد رکھو، یاد رکھو یہ جو کلام ہے نا جو متن میں آیا پیچھے: ضَرْبِيْ زَيْدًا قَائِمًا، اس کلام کا معنیٰ کیا ہے؟ اس کلام کا معنیٰ ذرا لکھو اپنے سامنے، کس کلام کا معنیٰ؟ یہ جو متن میں آیا تھا: ضَرْبِيْ زَيْدًا قَائِمًا۔ اس کا معنیٰ ہے: مَا أَضْرِبُ زَيْدًا إِلَّا قَائِمًا۔ لکھیں بھئی: مَا أَضْرِبُ زَيْدًا إِلَّا قَائِمًا۔ مَا أَضْرِبُ زَيْدًا إِلَّا قَائِمًا۔ کیا ترجمہ؟ مَا أَضْرِبُ زَيْدًا: میں پٹائی نہیں کرتا زید کی إِلَّا قَائِمًا مگر قیام کی حالت میں، مگر... اب یہ قَائِمًا یہ حال ہو سکتا ہے متکلم سے بھی اور زَيْدًا سے بھی۔ میں زید کی پٹائی نہیں کرتا مگر اس حال میں کہ میں قائم ہوتا ہوں، یا یہ مفعول سے حال بناؤ: میں زید کی پٹائی نہیں کرتا مگر اس حال میں کہ زید جو ہے وہ قائم ہوتا ہے۔ توجہ ہے؟ تو یہ فاعل سے چاہے حال بناؤ چاہے مفعول سے بناؤ۔

اور دیکھو اس کے اندر مَا اور إِلَّا آیا، اور مَا اور إِلَّا کس لیے آتے ہیں؟ حصر کے لیے۔ توجہ ہے؟ حصر۔ یہ کس کا معنیٰ میں بیان کر رہا ہوں؟ ضَرْبِيْ زَيْدًا قَائِمًا، یہ اس کا معنیٰ بیان کر رہا ہوں۔ بالاتفاق اس کلام کا معنیٰ ہے: مَا أَضْرِبُ زَيْدًا إِلَّا قَائِمًا۔ معنیٰ یہ ہے کہ میں زید کی پٹائی نہیں کرتا مگر اس حال میں کہ وہ کھڑا ہوتا ہے، یعنی میں زید کی جو بھی پٹائی کرتا ہوں وہ اس حال میں ہوتی ہے کہ زید کھڑا ہوتا ہے۔ توجہ ہے؟ ہم حال بنا لیتے ہیں زید سے۔ کس سے؟ زید سے۔ دیکھو: مَا أَضْرِبُ زَيْدًا إِلَّا قَائِمًا، میں زید کی پٹائی نہیں کرتا مگر اس حال میں کہ زید کھڑا ہوتا ہے، یعنی میں زید کی جو بھی پٹائی کرتا ہوں وہ زید کے قیام ہی کی حالت میں ہوتی ہے، قعود کی حالت میں نہیں، بیٹھنے کی حالت میں نہیں ہوتی۔ مَا اور إِلَّا تخصیص کے لیے آتے ہیں نا؟ حصر اور قصر اور تخصیص کا ایک معنیٰ، اور تخصیص کسے کہتے ہیں؟ کہ مذکور کا اثبات ہے تو غیرِ مذکور کی نفی۔ توجہ ہے؟ جب میں نے اس میں کہہ دیا کہ میں زید کی پٹائی نہیں کرتا مگر قیام کی حالت میں، معلوم ہوا قیام کی حالت میں پٹائی کا اثبات ہوا، تو قعود کی حالت میں پٹائی کی کیا ہو گئی؟ تخصیص اسی کو کہتے ہیں نا، ایک چیز کا اثبات ہے تو دوسری چیز کی نفی ہے۔ تو یہاں پر بھی قیام کی حالت میں پٹائی کا اثبات ہے إِلَّا قَائِمًا، تو معلوم ہوا کس حالت میں پٹائی کی نفی ہو گئی؟ بیٹھنے۔ بھئی مخاطب کا خیال تھا کہ میں زید کی، زید کے قیام کی حالت میں بھی پٹائی کرتا ہوں جب زید کھڑا ہوتا ہے، اور جب زید بیٹھا ہو میں تب بھی اس کی پٹائی کرتا ہوں، تو میں اس کو کہتا ہوں: مَا أَضْرِبُ زَيْدًا إِلَّا قَائِمًا: میں زید کی پٹائی نہیں کرتا مگر اس حال میں کہ وہ کھڑا ہوتا ہے۔ معلوم ہوا بیٹھنے کی حالت میں میں اس کی پٹائی... تخصیص سمجھ میں آئی؟ تخصیص کسے کہتے ہیں؟ مذکور کا اثبات ہو تو غیرِ مذکور کی نفی ہو۔ مذکور کا اثبات ہوا کس کا؟ قیام کی حالت میں پٹائی کا اثبات ہوا إِلَّا کے ساتھ، تو قعود یعنی بیٹھنے کی حالت میں پٹائی کی کیا ہو گئی؟ نفی۔ توجہ ہے؟

اب سنو: متن میں آیا تھا ضَرْبِيْ زَيْدًا قَائِمًا، اس کا معنیٰ ہے: مَا أَضْرِبُ زَيْدًا إِلَّا قَائِمًا۔ اس میں مَا اور إِلَّا آئے، اور مَا اور إِلَّا کس لیے آتے ہیں؟ حصر اور قصر اور تخصیص کے لیے آتے ہیں۔ معلوم ہوا وہ جو متن میں کلام آیا تھا ضَرْبِيْ زَيْدًا قَائِمًا یہ تخصیص کے لیے ہے، اور اس کا معنیٰ کیا ہے؟ ضَرْبِيْ زَيْدًا قَائِمًا: میں زید کی جو بھی پٹائی کرتا ہوں قَائِمًا وہ اس کے قیام

کی حالت میں ہوتی ہے۔ تخصیص آگئی یا نہیں؟ بیٹھنے کی حالت میں کوئی پٹائی نہیں ہوتی۔ تو ضَرْبِيْ زَيْدًا قَائِمًا کا کیا معنیٰ؟ مَا أَضْرِبُ زَيْدًا إِلَّا قَائِمًا۔یہاں تک بات سمجھ میں آگئی؟

بھئی یہ والا معنیٰ کیوں ہے؟ ضَرْبِيْ زَيْدًا قَائِمًا، اس کا معنیٰ آپ نے کیا مَا أَضْرِبُ زَيْدًا إِلَّا قَائِمًا، یہ حصر والا اور تخصیص والا معنیٰ آپ کہاں سے اس کے اندر لے آئے؟ تو اس کا ضابطہ یاد رکھنا: کہ جب اسمِ جنس معرفہ ہو، جب اسمِ جنس معرفہ ہو اور تخصیص کا کوئی قرینہ موجود نہ ہو تو وہ عموم کا فائدہ دیتا ہے۔ جب اسمِ جنس معرفہ ہو اور تخصیص کا کوئی قرینہ نہ ہو تو وہ عموم کا فائدہ دیتا ہے۔ اسمِ جنس کسے کہتے ہیں؟ جو قلیل اور کثیر سب پر بولا جاتا ہے۔ ایک تو ہے مفرد، تثنیہ اور جمع۔ ایک کتاب ہو تو کہیں گے كِتَابٌ، دو ہوں تو کہیں گے كِتَابَانِ، زیادہ ہوں تو کیا کہیں گے؟ كُتُبٌ۔ توجہ ہے؟ تو مفرد، مفرد کا اطلاق ایک پر ہوتا ہے، تثنیہ کا اطلاق دو پر ہوتا ہے اور جمع کا اطلاق تین یا تین سے زیادہ پر ہوتا ہے۔ تو یہ كُتُبٌ یہ ہے جمع، اس کا اطلاق تین سے کم پر نہیں ہوتا۔ جبکہ اسمِ جنس وہ ہوتا ہے جس کا اطلاق قلیل اور کثیر سب پر ہوتا ہے، جیسے اِنْسَانٌ۔ اِنْسَانٌ اسمِ جنس ہے، اس کا اطلاق ایک انسان ہو تو بھی ہم کہیں گے یہ انسان ہے، دو ہوں تو بھی ہم کہیں گے یہ انسان ہیں، تین یا زیادہ ہوں تو بھی ہم کہیں گے یہ انسان ہیں۔ تو دیکھو اسمِ جنس میں لفظ نہیں بدل رہا۔ وہاں كِتَابٌ مفرد تھا، كِتَابَانِ تثنیہ تھا اور كُتُبٌ جمع تھا، لیکن یہاں وہی ایک انسان کا لفظ مفرد کے لیے بھی بول رہے ہیں، تثنیہ، جمع سب کے لیے بھئی۔ اس کو کہتے ہیں اسمِ جنس۔ اسمِ جنس کا اطلاق قلیل پر بھی ہوتا ہے اور کثیر پر بھی، اور وہ لفظ بدلتا نہیں ہے اسی طرح رہتا ہے، اس کو کیا کہتے ہیں؟ اسمِ جنس۔

تو یاد رکھو ضابطہ یہ ہے: اسمِ جنس جب معرفہ ہو، کیا ہو؟ معرفہ ہو اور تخصیص کا کوئی قرینہ موجود نہ ہو تو پھر وہ عموم کا فائدہ دیتا ہے، وہ... اور یاد رکھنا یہ جو مصدر ہے یہ اسمِ جنس ہے، یہ مصدر کیا ہے؟ اسمِ جنس ہے۔ ایک ضرب لگاؤ وہ بھی ضرب، ہزار ضربیں لگاؤ وہ بھی ضرب ہے۔ ایک ضرب لگاؤ وہ بھی ضرب، ہزار لگاؤ وہ بھی ضرب۔ تو یہ ضَرْبٌ مصدر اسمِ جنس ہے، اور اس کی یَاء ضمیر کی طرف اضافت ہو رہی ہے: ضَرْبِيْ زَيْدًا۔ ضَرْبٌ کی اضافت کس کی طرف ہے؟ یَاء ضمیر کی طرف، اور یَاء ضمیر ہے معرفہ، اور معرفہ کی طرف جو چیز مضاف ہو جائے وہ بھی کیا بن جاتی ہے؟ معرفہ۔ تو ضَرْبِيْ کیا بن گیا؟ معرفہ بن گیا۔ اور اسمِ جنس جب معرفہ ہو اور تخصیص کا کوئی قرینہ نہ ہو تو وہ کس چیز کا فائدہ دیتا ہے؟ عموم کا یعنی استغراق کا، یعنی اپنے تمام افراد کا احاطہ کر لیتا ہے، وہ ساری جنس کا احاطہ کر لیتا ہے، وہ عموم کا فائدہ دیتا ہے۔ تو ضَرْبِيْ کا کیا معنیٰ؟ عموم والا ترجمہ کرو۔ ضَرْبِيْ زَيْدًا، عموم والا ترجمہ کرو: میری جو بھی ضرب ہے زید پر، میری ہر ضرب جو زید پر ہے، دیکھا عموم آگیا یا نہیں؟ تو اسمِ جنس جب معرفہ ہو اور تخصیص کا کوئی قرینہ نہ ہو... ہاں بعض اوقات قرینہ موجود ہوگا تو پھر وہ عموم کا فائدہ نہیں دے گا، جیسے آپ اپنے ساتھی کو پیسے دے کر بھیجتے ہیں بازار کہ اِشْتَرِ اللَّحْمَ:

گوشت خرید لینا۔ پیسے دے کر بھیجا کیا کہا؟ اِشْتَرِ اللَّحْمَ: گوشت خرید لینا۔ اب یہ اَللَّحْمُ، لَحْمٌ بھی اسمِ جنس ہے، تھوڑا ہو وہ بھی لَحْمٌ، زیادہ ہو وہ بھی لَحْمٌ، اور اس پر الف لام آیا مُعَرَّفٌ بِاللَّامِ ہے، اور اسمِ جنس جب معرفہ ہو اور تخصیص کا کوئی قرینہ نہ ہو تو وہ عموم کا اور استغراق کا فائدہ دیتا ہے، لیکن یہاں پر استغراق نہیں قرینہ موجود ہے۔ آپ نے کیا کہا؟ اِشْتَرِ اللَّحْمَ: گوشت خرید لو۔ بھئی ساری دنیا کا وہ گوشت خرید سکتا ہے؟ نہیں بھئی، تو یہاں قرینہ موجود ہے بھئی کہ یہاں استغراق مقصود نہیں ہے، انہی پیسوں کے اندر ساری دنیا کا گوشت تو نہیں خریدا جا سکتا بھئی۔ اسی طرح اِشْرَبِ الْمَاءَ: تو پانی پی لے۔ اِشْرَبِ الْمَاءَ، یہ مَاءٌ بھی کیا ہے؟ اسمِ جنس ہے، تھوڑا ہو یا زیادہ وہ مَاءٌ ہے بھئی، پانی ہے بھئی، اور اب آپ کسی کو کیا کہتے ہیں؟ اِشْرَبِ الْمَاءَ، تو الْمَاءَ یہ معرفہ لے کر آئے اور اسمِ جنس ہے، اور اسمِ جنس جب معرفہ اور تخصیص کا کوئی قرینہ نہ ہو تو وہ عموم کا فائدہ دیتا ہے، تو اس کا یہ معنیٰ نہیں اِشْرَبِ الْمَاءَ ساری دنیا کا پانی آپ پی لو، بلکہ یہاں قرینہ موجود ہے کہ یہاں ساری دنیا کا پانی مراد نہیں ہے کیونکہ پانی تو تھوڑا سا ہی پیا جاتا ہے، ساری دنیا کا پانی تو وہ پی ہی نہیں سکتا بھئی۔ بات سمجھ میں آگئی؟

تو ضابطہ کیا ہوا؟ کہ اسمِ جنس جب معرفہ ہو اور تخصیص کا کوئی قرینہ نہ ہو تو پھر وہاں استغراق مراد ہوتا ہے، اور اگر قرینہ موجود ہو جیسے اِشْتَرِ اللَّحْمَ یا اِشْرَبِ الْمَاءَ، جب قرینہ موجود ہو کہ عموم یہاں مقصود نہیں ہے تو پھر وہاں عموم نہیں ہوگا، لیکن اگر کوئی قرینہ نہ ہو اور اسمِ جنس معرف ہو تو پھر وہ عموم اور استغراق کا فائدہ دے گا۔ ضابطہ سمجھ میں آگیا؟

اب یہاں پر بھی دیکھو: ضَرْبِيْ زَيْدًا، یہ ضَرْبٌ مضاف ہے یَاء ضمیر کی طرف اور یہ معرفہ بن گیا، تو یہ اسمِ جنس معرفہ ہوا تو یہ عموم کا فائدہ دے گا، تو معنیٰ کیا ہوگا؟ ضَرْبِيْ زَيْدًا قَائِمًا: میری جو بھی ضرب ہے زید پر وہ قَائِمًا کس حال میں ہے؟ قیام کی حالت میں ہے، معلوم ہوا قعود کی حالت میں کوئی ضرب نہیں۔ دیکھا تخصیص آگئی یا نہیں؟ میری جو بھی ضرب ہے زید پر وہ کس حالت میں ہے؟ زید کے قیام کی حالت میں ہے، معلوم ہوا قعود کی حالت میں کوئی ضرب نہیں۔ تخصیص آگئی یا نہیں آگئی؟ اسی کو تو تخصیص کہتے ہیں جب آپ نے تمام ضربوں کا اس میں احاطہ کر لیا کہ میری ہر ضرب کس حال میں ہے؟ زید کے قیام کی حالت میں ہے، معلوم ہوا کوئی بھی ضرب قعود کی حالت میں نہیں ہے۔ بات سمجھ میں آگئی اچھی طرح؟

تو اب بات چل رہی تھی کوفہ والوں کی۔ کوفہ والوں نے کلام کی تقدیر کیا نکالی؟ ضَرْبِيْ زَيْدًا قَائِمًا حَاصِلٌ۔ تو قَائِمًا کو انہوں نے بتدا کی جانب لے گئے اور حَاصِلٌ خبر محذوف نکال لی۔ تو کلام کا معنیٰ کیا ہوا؟ ضَرْبِيْ زَيْدًا: میری ضرب زید پر، قَائِمًا: اس حال میں کہ زید قائم تھا، زید کے قیام کی حالت میں میری ضرب زید پر، حَاصِلٌ: وہ حاصل ہے۔ توجہ سے، باریک بات ہے: ضَرْبِيْ زَيْدًا قَائِمًا، یہ سارا بتدا ہے اور حَاصِلٌ کیا ہے اس کی خبر۔ میری جو ضرب ہے زید پر قیام کی حالت میں

حَاصِلٌ وہ حاصل ہے، وہ ثابت ہے۔ میری زید پر جو ضرب ہے زید کے قیام کی حالت میں وہ حاصل ہے۔ دیکھو پہلے بتدا بناؤ: ضَرْبِيْ زَيْدًا قَائِمًا: میری ضرب جو زید پر واقع ہے اس کے قیام کی حالت میں، یہ ہے بتدا، میری وہ ضرب جو زید پر اس کے قیام کی حالت میں واقع ہے حَاصِلٌ یہ حاصل ہے۔ تو اس میں تو صرف آپ نے قیام کی حالت میں جو ضرب ہے اس کی بات کی ہے کہ وہ حاصل ہے، وہ ثابت ہے بھئی، جو قعود کی حالت میں ضرب ہے اس کی تو نفی نہیں ہوئی اس سے، حالانکہ اس، بالاتفاق اس کلام کا معنیٰ کیا ہے: مَا أَضْرِبُ زَيْدًا إِلَّا قَائِمًا۔ بالاتفاق اس کلام کے اندر تخصیص ہے اور آپ نے جو کلام ذکر کیا اس کے اندر کوئی تخصیص نہیں۔ فرق سمجھ میں آیا؟ متن میں کیا آیا تھا؟ ضَرْبِيْ زَيْدًا قَائِمًا، اور اس کے اندر کیا تھی؟ تخصیص، اس کلام کا کیا معنیٰ تھا؟ مَا أَضْرِبُ زَيْدًا إِلَّا قَائِمًا، یعنی زید کی میں جو بھی پٹائی کرتا ہوں وہ زید کے قیام کی حالت میں ہوتی ہے، قعود کی حالت میں کبھی نہیں ہوتی کیونکہ حصر کیا، تخصیص کر دی۔ اور کوفہ والوں نے کیا کیا؟ ضَرْبِيْ زَيْدًا قَائِمًا، قَائِمًا کو کس سے جوڑا؟ بتدا سے، تو معنیٰ کیا بن گیا؟ میری وہ ضرب جو زید پر واقع ہوتی ہے زید کے قیام کی حالت میں، میری وہ ضرب جو زید پر واقع ہوتی ہے اس کے قیام کی حالت میں حَاصِلٌ، یہ خبر آگئی، وہ ضرب حاصل ہے۔ میری وہ ضرب جو زید پر قیام کی حالت میں ہوتی ہے وہ حاصل ہے، بھئی قعود کی حالت میں جو ضرب ہوتی ہے وہ؟ اس کے بارے میں تو بات ہی نہیں کی، اس کی تو اس میں نفی نہیں ہوئی۔ معنیٰ سمجھ میں آرہا ہے اچھی طرح؟ تو ایک خرابی تو یہ لازم آئی۔

اور نیز کوفہ والوں نے جو کلام کی تقدیر نکالی اس میں دوسری خرابی یہ لازم آتی ہے کہ حَاصِلٌ آخر میں حذف کیا گیا ہے: ضَرْبِيْ زَيْدًا قَائِمًا حَاصِلٌ، یہ حَاصِلٌ کو حذف کر دیا گیا اور اس کا قائم مقام کسی کو نہیں بنایا، اس کا قائم مقام کسی کو نہیں بنایا، اور جب قائم مقام نہ ہو تو پھر تو حذف جوازًا ہوتا ہے وجوبًا نہیں، لہٰذا اس حذف کو جوازًا کہنا چاہیے حالانکہ یہ جوازًا نہیں ہے یہ وجوبًا ہے۔ تو خبر کو حذف کرنا بغیر کسی قائم مقام کے یہ پہلی خرابی، اور دوسری خرابی یہ کہ اس صورت میں انہوں نے بتدا کو مقید کر دیا قَائِمًا کے ساتھ، اور اس کے اندر وہ حصر والا معنیٰ ختم ہو گیا، اب حصر والا معنیٰ نہیں۔ بات سمجھ میں آگئی اچھی طرح؟

تو کہتے ہیں: وَقَالَ الْكُوْفِيُّوْنَ: اور کوفہ والے نحوی فرماتے ہیں: تَقْدِيْرُهُ: کہ اس کلام کی تقدیر جو ہے ضَرْبِيْ زَيْدًا قَائِمًا حَاصِلٌ۔ دیکھا حَاصِلٌ سب سے آخر میں نکالا۔ بِجَعْلِ قَائِمًا مِنْ مُتَعَلِّقَاتِ الْمُبْتَدَأِ: بایں صورت کہ قَائِمًا کو بنایا گیا مِنْ مُتَعَلِّقَاتِ الْمُبْتَدَأِ کس کے متعلقات میں سے؟ بھئی پہلے جو بصرہ والوں نے ترکیب کی تھی انہوں نے قَائِمًا کو کس کے متعلقات میں سے بنایا تھا؟ خبر کے، خبر کے، اور انہوں نے کس کے متعلقات میں سے بنا دیا؟ بتدا۔ تو کہتے ہیں: بِجَعْلِ قَائِمًا مِنْ مُتَعَلِّقَاتِ الْمُبْتَدَأِ: قَائِمًا کو بناتے ہوئے بتدا کے متعلقات میں سے۔ وَيَلْزَمُهُمْ: اور ان پر لازم آتا ہے۔ اب دو خرابیاں ان پر لازم آتی ہیں وہ ذکر کریں گے۔ وَيَلْزَمُهُمْ: اور کوفہ والوں پر لازم آتا ہے حَذْفُ الْخَبَرِ مِنْ غَيْرِ سَدِّ شَيْءٍ مَسَدَّهُ: خبر کو حذف کرنا

بغیر کسی چیز کو اس کے قائم مقام کیے ہوئے۔ سَدُّ شَيْءٍ مَسَدَّهُ کا معنیٰ ہے کسی ایک شے کو دوسری شے کے قائم مقام... تو ان پر لازم آتا ہے حَذْفُ الْخَبَرِ خبر کو حذف کرنا مِنْ غَيْرِ سَدِّ شَيْءٍ مَسَدَّهُ بغیر کسی چیز کو اس کے قائم مقام کیے ہوئے۔ بھئی ویسے خبر حذف کی جائے تو وہاں قائم مقام کرنا ضروری نہیں، لیکن جہاں حذف وجوبًا ہو وہاں قائم مقام کرنا، کسی چیز کو اس کا قائم مقام کرنا ضروری ہے، تو یہاں کوئی قائم مقام نہیں اور خبر کا حذف واجب ہے۔ نیز وَتَقْيِيْدُ الْمُبْتَدَأِ یہ تَقْيِيْدُ کا عطف ہے حَذْفُ پر اور حَذْفُ فاعل تھا يَلْزَمُهُمْ کا، ان پر کیا لازم آتا ہے؟ ایک تو خبر کو حذف کرنا بغیر کسی قائم مقام کے، اور نیز ان پر لازم آتا ہے تَقْيِيْدُ الْمُبْتَدَأِ مبتدا کو مقید کرنا، وہ مبتدا الْمَقْصُوْدِ عُمُوْمُهُ جس کا عموم مقصود ہے۔ وَتَقْيِيْدُ الْمُبْتَدَأِ الْمَقْصُوْدِ عُمُوْمُهُ: اور مقید کرنا اس مبتدا کو جس کا عموم مقصود ہے بِدَلِيْلِ الْاِسْتِعْمَالِ استعمال کی دلیل کی وجہ سے، استعمال کی دلیل...

بھئی عرب اس کلام کو ہمیشہ حصر کے مقام میں استعمال کرتے ہیں: ضَرْبِيْ زَيْدًا قَائِمًا، اس کلام کو وہ ہمیشہ کہاں استعمال کرتے ہیں؟ حصر کے مقام میں، کہ میرا زید کی پٹائی کرنا قیام ہی کی حالت میں ہوتا ہے کبھی بھی قعود کی حالت میں نہیں۔ تو عرب اس کلام کو کہاں استعمال کرتے ہیں؟ حصر کے مقام میں، اور اس میں عموم مقصود ہوتا ہے۔ کس طرح اس مبتدا میں؟ ضَرْبِيْ زَيْدًا: میری جو بھی ضرب ہے زید پر قَائِمًا وہ کس حال میں ہے؟ قیام کی حالت میں ہے، تو اس مبتدا کے اندر عموم مقصود ہوتا ہے، کیا ہوتا ہے؟ عموم مقصود ہوتا ہے کہ میری جو بھی ضرب ہے ہر ضرب کو یہ شامل ہے، میری ہر ضرب جو زید پر واقع ہوتی ہے قَائِمًا کس حال میں ہوتی ہے؟ تو یہاں یہ جو مبتدا ہوتا ہے اس میں عموم مقصود ہوتا ہے۔ لیکن کوفہ والوں کے قول کو لے لیں ان کے تقدیرِ کلام کو لے لیں تو قَائِمًا کس کے متعلقات میں سے؟ مبتدا کے، تو مبتدا میں تو عموم چاہیے تھا اور انہوں نے اس کو مقید کر دیا کہ میری وہ ضرب جو قیام کی حالت میں ہے وہ حاصل ہے، تو جو ضرب قیام کی حالت میں ہے اس کا تو ذکر آیا، جو قعود کی حالت میں ہے اس کا تو ذکر ہی نہیں حالانکہ یہاں تو عموم مقصود تھا کہ ہر ضرب اس میں شامل ہونی چاہیے چاہے وہ قیام کی حالت میں ہو چاہے قعود کی حالت میں ہو۔

یاد رکھو یہ جو حال ہے نا یہ قید ہوتا ہے عاملِ ذوالحال کے لیے، حال قید ہوتا ہے عاملِ ذوالحال کے لیے، اسی طرح یہ صفت وغیرہ یہ بھی قید ہوتی ہیں، اسی طرح مفعول بہ یہ بھی قید ہوتا ہے۔ مثلاً میں کہتا ہوں ضَرَبْتُ: میں نے پٹائی کی، میں نے مفعول کو ذکر نہیں کیا تو احتمال ہے ہو سکتا ہے یہ ضرب کس پر واقع ہوئی ہو؟ زید پر، ہو سکتا ہے عمر پر، ہو سکتا ہے بکر پر، ہو سکتا ہے خالد پر۔ میں نے صرف کیا کہا؟ ضَرَبْتُ، میں نے مفعول کو ذکر ہی نہیں کیا، تو مفعول چاہیے تو ضرور، ضرب تو بغیر مضروب کے نہیں ہو سکتی۔ تو جب میں نے مفعول کو ذکر نہیں کیا تو کلام میں احتمال ہے ہو سکتا ہے مفعول زید ہو، عمر ہو، بکر ہو، خالد ہو، پتا نہیں کون ہے ان میں سے۔ لیکن جب میں مفعول کو ذکر کر دوں گا: ضَرَبْتُ زَيْدًا: میں نے زید کی پٹائی کی،

تو معلوم ہوا اب یہ ضرب مقید ہو گئی اس مفعول بہ کے ساتھ، معلوم ہوا یہ وہ ضرب ذکر ہو رہی ہے جو زید پر واقع ہوئی ہے، کوئی اور ضرب یہاں مراد نہیں۔ قید آ گئی یا نہیں آ گئی؟

اسی طرح یاد رکھو صفت بھی قید ہوتی ہے، صفت وغیرہ جو چیزیں ذکر کی جائیں فعل کے ساتھ یہ ساری قیدیں ہیں بھئی۔ مثلاً صفت میں ذکر کرتا ہوں: جَاءَنِيْ رَجُلٌ: میرے پاس ایک آدمی آیا، میرے پاس... اس آدمی میں احتمال ہے ہو سکتا ہے عالم ہو، عالم نہ ہو، دونوں احتمال ہیں۔ لیکن جب میں اس کی صفت لے آیا: جَاءَنِيْ رَجُلٌ عَالِمٌ، یہ عَالِمٌ قید بن گئی اس رَجُلٌ کے لیے، معلوم ہوا یہ جو جَاءَنِيْ رَجُلٌ عَالِمٌ میں یہ جو رَجُلٌ مراد ہے اس سے عالم مرد ہی مراد ہے اس سے اب غیرِ عالم مراد نہیں لے سکتے بھئی۔ یہ قید ہے، بات سمجھ میں آ گئی؟

اسی طرح یہ جو حال ہوتا ہے یہ بھی قید ہوتا ہے عاملِ ذوالحال کے لیے، کس کے لیے؟ بھئی ابھی میں نے بتایا کہ یہ حال اور ذوالحال دونوں کا عامل ایک ہی چیز ہوتی ہے، دونوں میں ایک ہی چیز عمل کرتی ہے، تو حال قید ہوتا ہے کس کے لیے؟ عاملِ ذوالحال کے لیے، کیونکہ عاملِ ذوالحال ہی تو اسی کے اندر بھی عامل ہے تو یہ اس کے لیے کیا بن جاتا ہے؟ قید۔ مثلاً میں کہتا ہوں جَاءَنِيْ زَيْدٌ: میرے پاس زید آیا۔ زید کا آنا عام ہے چاہے وہ پیدل آیا ہو چاہے سوار ہو کر آیا ہو، دونوں صورتوں میں میں کہہ سکتا ہوں جَاءَنِيْ زَيْدٌ۔ لیکن اگر میں حال لے آتا ہوں ساتھ: جَاءَنِيْ زَيْدٌ رَاكِبًا: میرے پاس زید آیا اس حال میں کہ وہ سوار تھا، تو یہ رَاكِبًا قید بن گئی اس مجیئت کے لیے، اس نے بتا دیا کہ یہ جو مجیئت ہے یہ پیدل والی مجیئت مراد نہیں ہے بلکہ کون سی مراد ہے؟ سوار ہو کر آنے والی مجیئت مراد ہے۔ تو یہ قید بن گیا اس کے لیے، معلوم ہوا اب اس سے عام مجیئت آپ نہیں مراد لے سکتے یعنی پیدل مجیئت مراد نہیں لے سکتے بلکہ کون سی مجیئت مراد ہے؟ قیام والی ہی مجیئت مراد ہے۔ تو یہاں پر بھی دیکھو یہاں بات چل رہی تھی کہ یہ جو انہوں نے کیا کہا: وَتَقْيِيْدُ الْمُبْتَدَأِ الْمَقْصُوْدِ: مبتدا کو مقید کرنا کس کے ذریعے؟ یہ حال جو ہے میں نے ابھی بتایا یہ حال کیا ہوتا ہے؟ قید ہوتا ہے، تو یہاں پر بھی جب کوفہ والوں نے قَائِمًا کو کس سے جوڑا؟ مبتدا سے ہی جوڑا، تو یہ مبتدا کے لیے قید بن گیا۔ مثلاً یہ قَائِمًا حال ہے کس سے؟ زَيْدًا سے ہم نے بنایا نا حال، متکلم کی ضمیر سے بھی حال ہو سکتا ہے اور زید سے بھی جو مفعول بہ ہے اس سے بھی، لیکن ہم نے زید سے مثلاً حال بنایا، اور اس زید کے اندر عامل کون؟ ضَرْبِيْ زَيْدًا قَائِمًا۔ یہ زَيْدًا میں عامل کون؟ کون نصب دے رہا ہے زَيْدًا کو؟ ضَرْبٌ، اور جو عامل ہوتا ہے ذوالحال میں وہی عامل ہوتا ہے حال میں، معلوم ہوا یہ قَائِمًا کو نصب بھی کون دے رہا ہے؟ ضَرْبٌ۔ تو یہ قَائِمًا قید ہو گیا کس کے لیے؟ اس ضَرْبٌ کے لیے، معلوم ہوا ہر ضرب یہاں نہیں مراد، وہ ضرب مراد ہے جو مقید ہے قیام کے ساتھ، زید کے قیام کے ساتھ۔ تو یہ مبتدا اس کے اندر تو عموم مقصود ہوتا تھا، لیکن اب یہ عموم نہیں آ سکتا کیونکہ یہ مقید ہو گیا قیام کے ساتھ، معلوم ہوا صرف وہ ضرب مراد ہے جو قیام کی حالت میں ہوئی ہے، وہ ضرب تو اس سے نکل گئی جو قعود یعنی بیٹھنے کی حالت میں ہوئی ہے۔ بات سمجھ میں آ گئی اچھی طرح؟

تو دو خرابیاں لازم آئیں۔ کیا خرابیاں لازم آئیں کوفہ والوں کے مذہب پر؟ ایک تو خبر کو حذف کیا بغیر قائم مقام کے، کیونکہ خبر سب سے آخر میں حَاصِلٌ نکالی، اس کو حذف کیا کوئی قائم مقام ہے اس کا؟ یہ قَائِمًا اس کا قائم مقام نہیں بن سکتا، یہ قَائِمًا تو آپ نے بتدا سے جوڑ دیا ہے، کچھ چیزیں بتدا سے جڑ گئیں کچھ چیزیں خبر سے جڑتی ہیں، بتدا کی چیز کو خبر کے قائم مقام نہیں کر سکتے اور خبر کی چیزوں کو بتدا کے قائم مقام نہیں کر سکتے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو کوفہ والوں نے قَائِمًا کو کس سے جوڑا؟ بتدا سے، تو یہ اب خبر کا قائم مقام ہو سکتا ہے؟ نہیں۔ تو اور خبر حَاصِلٌ حذف تو ہے، تو اس خبر کا حذف واجب ہے حالانکہ اس کا کوئی قائم مقام نہیں ہے، حالانکہ بغیر قائم مقام کے خبر کا حذف واجب نہیں۔ اور دوسری خرابی کیا لازم آئی؟ کہ انہوں نے بتدا کو مقید کر دیا حالانکہ یہ بتدا تو اس میں تو عموم مقصود ہوتا ہے، اس میں... خود کوفہ والے بھی مانتے ہیں اس کلام کا، یہ ضَرْبِيْ زَيْدًا قَائِمًا، وہ جو متن میں آیا تھا ضَرْبِيْ زَيْدًا قَائِمًا،

اس کلام کا معنیٰ کوفہ والے بھی تسلیم کرتے ہیں کہ اس کا معنیٰ ہے: مَا أَضْرِبُ زَيْدًا إِلَّا قَائِمًا۔ میں زید کی پٹائی نہیں کرتا مگر کس حالت میں؟ کھڑے ہو کر، معلوم ہوا میری جو بھی پٹائی ہوتی ہے زید پر جو واقع ہوتی ہے وہ ہمیشہ زید کے قیام کی حالت میں ہوتی ہے، معلوم ہوا کبھی بھی قعود کی حالت میں نہیں ہوتی۔ دیکھو اس کے اندر تخصیص ہے بھئی اور عموم ہے، ہر ضرب قیام کی حالت میں ہوتی ہے، لیکن جب قَائِمًا کو کوفہ والوں نے کس سے جوڑ دیا؟ بتدا سے، تو اس سے تو وہ والی ضرب مراد ہوئی جو قیام کی حالت میں ہوتی ہے، اس کی بات چل رہی ہے، قعود والی ضرب تو نکل ہی گئی، تو عموم باقی رہا؟ عموم تو باقی نہیں رہا، عموم تو یہ تھا کہ ہر ضرب اس کے اندر داخل ہوتی، لیکن ہر ضرب تو اب اس کے اندر داخل نہیں، صرف کون سی ضرب داخل ہے؟ قیام کی حالت والی ضرب داخل ہے۔ خرابی سمجھ میں آگئی؟ دیکھیے بھئی۔

کہتے ہیں: وَيَلْزَمُهُمْ حَذْفُ الْخَبَرِ مِنْ غَيْرِ سَدِّ شَيْءٍ مَسَدَّهُ: اور کوفہ والوں پر لازم آتا ہے خبر کو حذف کرنا بغیر کسی شے کو اس کے قائم مقام کرنے کے، وَتَقْيِيْدُ الْمُبْتَدَأِ الْمَقْصُوْدِ عُمُوْمُهُ بِدَلِيْلِ الْاِسْتِعْمَالِ: اور مقید کرنا اس بتدا کو کہ جس کا عموم مقصود ہے۔ توجہ ہے؟ اَلْمُبْتَدَأِ یہ ہے موصوف، اَلْمَقْصُوْدِ یہ ہے اس کی صفت، اور عُمُوْمُهُ یہ مرفوع ہے، کیوں مرفوع؟ عُمُوْمُهُ أَيْ عُمُوْمُ الْمُبْتَدَأِ، یہ نائب الفاعل ہے اَلْمَقْصُوْدِ کے لیے، یہ نائب الفاعل ہے اَلْمَقْصُوْدِ کے لیے۔ توجہ ہے؟ معلوم ہوا یہ اَلْمَقْصُوْدُ صفت بحالِ متعلقہ ہے۔ یہ صفت بحالِ متعلقہ ہے، صفت بحالِ متعلقہ کسے کہتے ہیں؟ جو لفظوں میں صفت ہو ایک کی اور معنیٰ میں صفت ہو اس کے متعلق کی۔ تو اَلْمَقْصُوْدُ لفظوں میں صفت ہے بتدا کی، بتدا مجرور تو اَلْمَقْصُوْدِ بھی مجرور، بتدا معرفہ تو اَلْمَقْصُوْدِ بھی معرفہ۔ معنیٰ میں یہ صفت بتدا کی نہیں ہے بلکہ عُمُوْمُهُ أَيْ عُمُوْمُ الْمُبْتَدَأِ، یہ عمومِ بتدا کی صفت ہے بھئی، عمومِ بتدا مقصود ہوتا ہے۔ تو کہتے ہیں: وَتَقْيِيْدُ الْمُبْتَدَأِ الْمَقْصُوْدِ عُمُوْمُهُ: اور مقید کرنا اس بتدا کو کہ جس کا عموم مقصود ہے بِدَلِيْلِ الْاِسْتِعْمَالِ: دلیلِ استعمال کی وجہ سے، دلیلِ استعمال کی وجہ سے۔

اور یاد رکھنا اَلْاِسْتِعْمَالُ، اس پر الف لام آیا، معلوم ہوا کوئی خاص استعمال مراد ہے، ہر استعمال مراد نہیں، تو مراد اس سے ہے اِسْتِعْمَالُ الْعَرَبِ بھئی، عرب کا استعمال مراد ہے باقی زبانوں والوں کا استعمال مراد نہیں۔ یعنی عرب اس کو حصر کے مقام میں استعمال کرتے ہیں، عرب اس کو عموم کے مقام پر استعمال کرتے ہیں جہاں عموم مقصود ہوتا ہے، یعنی ضرب سے ہر ضرب مراد لینی ہو تب یوں کہیں گے: ضَرْبِيْ زَيْدًا قَائِمًا۔ توجہ ہے؟

بِدَلِيْلِ الْاِسْتِعْمَالِ، یاد رکھو دَلِيْلِ مضاف اور اَلْاِسْتِعْمَالِ مضاف الیہ، اور یاد رکھو یہ اضافتِ بیانی ہے، یہ اضافتِ بیانی ہے۔ اضافتِ بیانی اسے کہتے ہیں کہ مضاف الیہ بیان کرتا ہے مضاف کا، مضاف کا معنیٰ کھول کر بیان کر دیتا ہے، اس کی تفسیر کر دیتا ہے، اس کو کیا کہتے ہیں؟ اضافتِ بیانی۔ توجہ ہے؟ دَلِيْلِ مضاف، اَلْاِسْتِعْمَالِ مضاف الیہ، یہ اَلْاِسْتِعْمَالِ کیا کر رہا ہے؟ دلیل کا بیان کر رہا ہے۔ بھئی پیچھے یہ بات آئی نا کہ اس مبتدا کے اندر عموم مقصود ہوتا ہے، یہ جو انہوں نے ذکر کیا کہ وہ مبتدا جو مصدر ہو اور وہ منصوب ہو اپنے فاعل یا مفعول کی طرف اور اس کے بعد کیا آئے؟ حال آئے، اس قسم کا جو مبتدا ہوتا ہے اس میں عموم مقصود ہوتا ہے۔ اس کی دلیل کیا ہے؟ کہتے ہیں اس کی دلیل عرب کا استعمال ہے، اس کی دلیل عرب کا استعمال ہے۔ توجہ ہے؟ اب دیکھو عبارت کیا آئی: بِدَلِيْلِ الْاِسْتِعْمَالِ، کہ اس قسم کے مبتدا میں عموم مقصود ہوتا ہے، ذرا اضافت کو توڑ دیں، اس قسم کے مبتدا میں عموم مقصود ہوتا ہے بِدَلِيْلٍ ایک دلیل کی وجہ سے، دلیل بھی موجود ہے، بھئی وہ دلیل کیا ہے؟ اَلْاِسْتِعْمَالُ أَيِ اسْتِعْمَالُ الْعَرَبِ، عرب کا استعمال ہے۔ عرب اس قسم کا کلام ہمیشہ وہاں لاتے ہیں جہاں عموم مقصود ہوتا ہے اور حصر مقصود ہوتا ہے۔ تو اس قسم کے مبتدا میں عموم مقصود ہوتا ہے، اس کی دلیل موجود ہے اور وہ دلیل کیا ہے؟ اِسْتِعْمَالُ الْعَرَبِ ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو میں یہ بیان کر رہا تھا کہ یہ بِدَلِيْلِ الْاِسْتِعْمَالِ یہ اضافتِ بیانی ہے، دَلِيْلِ مضاف اَلْاِسْتِعْمَالِ مضاف الیہ، یہ اَلْاِسْتِعْمَالِ اسی دلیل کا بیان کر رہا ہے کہ اس قسم کے مبتدا میں عموم مقصود ہوتا ہے بِدَلِيْلٍ کس کی وجہ سے؟ ایک دلیل کی وجہ سے، بھئی وہ دلیل کیا ہے؟ اَلْاِسْتِعْمَالُ، اس نے بیان کر دیا آکر کہ کون سی دلیل مراد ہے؟ استعمال مراد ہے یعنی عربوں کا استعمال مراد ہے، وہ دلیل ہے، عربوں کا استعمال اس کی دلیل ہے۔ تو اس اضافت کو جس میں مضاف الیہ بیان کرتا ہے مضاف کا، اس کی تفسیر کرتا ہے، اس کو کیا کہتے ہیں؟ اضافتِ بیانی۔ آپ پڑھ چکے ہیں بھئی تفسیر کے کئی طریقے بھئی۔ ایک تفسیر کا کیا طریقہ تھا؟ حرفِ أَيْ کے ساتھ: رَأَيْتُ الْغَضَنْفَرَ أَيِ الْأَسَدَ بھئی، حرفِ أَيْ کے ساتھ تفسیر کی جاتی ہے۔ اسی طرح کبھی تفسیر کس کے ذریعے کی جاتی ہے؟ واؤ کے ذریعے، واؤ کے ذریعے تفسیر کر دی جاتی ہے جس کو عطفِ تفسیری کہتے ہیں: جَاءَنِيْ غَضَنْفَرٌ وَأَسَدٌ، دیکھا یہ تفسیر آگئی۔ اور ایک تفسیر کا طریقہ یہ ہے کہ صفت لائی جائے جس کو صفتِ کاشفہ کہتے ہیں بھئی، اور اسی طرح ایک تفسیر کا کیا طریقہ ہے؟ کہ اضافت کے اندر تفسیر کر دی جائے۔ طریقہ سمجھ میں آگیا؟

آگے دیکھیے: وَذَهَبَ الْأَخْفَشُ إِلٰى أَنَّ الْخَبَرَ الَّذِيْ سَدَّتِ الْحَالُ مَحَلَّهُ مَصْدَرٌ مُضَافٌ إِلٰى صَاحِبِ الْحَالِ أَيْ ضَرْبِيْ زَيْدًا

ضَرْبُهُ قَائِمًا۔ جی یہ لکھیے بھئی، کاپی پر آگے لکھیں بھئی۔ امام اخفش کے نزدیک اس کلام کی تقدیر کیا ہے؟ کون سا کلام؟ وہ جو متن میں آیا تھا: ضَرْبِيْ زَيْدًا قَائِمًا۔ امام اخفش کے نزدیک اس کی تقدیر ہے: ضَرْبِيْ زَيْدًا ضَرْبُهُ قَائِمًا۔ ضَرْبِيْ زَيْدًا ضَرْبُهُ قَائِمًا۔ لکھ لیا؟ ضَرْبِيْ زَيْدًا ضَرْبُهُ قَائِمًا۔

امام اخفش فرماتے ہیں کہ اس بتدا کی خبر یہ جو مصدر پیچھے گزرا، اس بتدا کی خبر یہی مصدر دوبارہ لے آئیں اور اس کو ذوالحال کی طرف مضاف کر دیں۔ بتدا پیچھے کیا آیا تھا؟ ضَرْبِيْ زَيْدًا، یہ ضَرْبٌ بتدا تھا، اسی ضَرْبٌ کو دوبارہ لے آئیں، اور اس مصدر کی پھر اضافت کر دیں کس کی طرف؟ فاعل یا مفعول، جس کو بھی ذوالحال بنانا چاہتے ہو اس کی طرف اضافت کر دو۔ آپ ذوالحال کس کو بنانا چاہتے ہیں؟ پیچھے کون آیا تھا؟ ضَرْبِيْ زَيْدًا، يَاء متکلم فاعل ہے اور زَيْدًا مفعول ہے، آپ فاعل سے آگے حال لانا چاہتے ہو تو فاعل کی طرف اس ضَرْبٌ مصدر کی اضافت کر دو، اور آپ مفعول سے حال بنانا چاہتے ہو تو مفعول کی طرف اس کی اضافت کر دو۔ تو ان کے نزدیک تقدیرِ عبارت کیا ہوگی؟ ضَرْبِيْ زَيْدًا، آگے دوبارہ یہی ضَرْبٌ مصدر لے آؤ: ضَرْبِيْ زَيْدًا ضَرْبٌ، اور آگے اس مصدر کی اضافت کر دو، کس سے حال بنانا چاہتے ہو؟ زید سے یا متکلم سے؟ یعنی فاعل سے یا مفعول سے؟ مثلاً مفعول سے ہم پہلے بناتے ہیں، زید سے اور زید کی طرف ضمیر لے آؤ، تو وہ اس کے ساتھ جوڑ دو: ضَرْبُهُ۔ ضَرْبِيْ زَيْدًا ضَرْبُهُ، یہ هَا ضمیر کس کو لوٹائی ہم نے؟ زید یعنی مفعول کو، اور آگے قَائِمًا لے آؤ: ضَرْبِيْ زَيْدًا ضَرْبُهُ قَائِمًا۔ اب دیکھو ضَرْبُهُ کے اندر هَا ضمیر ذوالحال ہے اور قَائِمًا اس سے حال۔

اب ترکیب کیا ہوگی؟ ضَرْبِيْ زَيْدًا ضَرْبُهُ قَائِمًا۔ ضَرْبِيْ زَيْدًا ہے بتدا اور ضَرْبُهُ قَائِمًا یہ کیا ہے؟ خبر۔ توجہ ہے؟ ضَرْبِيْ زَيْدًا اس کی ترکیب تو سمجھ میں آگئی، ضَرْبٌ مصدر اپنے مضاف الیہ اور مفعول بہ سے مل کر بتدا۔ آگے ضَرْبُهُ، ضَرْبٌ مرفوع لفظًا مضاف، مرفوع کیوں؟ کیونکہ یہ خبر ہے، وہ خبرِ محذوف ہے بھئی، اور هَا ضمیر مجرور محلاً مضاف الیہ بھئی، اور یہ ذوالحال ہے بھئی، ذوالحال ہے، اور قَائِمًا منصوب لفظًا صیغہ اسمِ فاعل، اس کے اندر هُوَ ضمیر مرفوع محلاً اس کا فاعل جو کس کو راجع؟ ذوالحال کو، ذوالحال کو جو ضَرْبُهُ کی هَا ضمیر ہے وہ ذوالحال ہے۔ تو اسمِ فاعل اپنے فاعل سے مل کر شبہِ جملہ ہو کر حال، ذوالحال اپنے حال سے مل کر یہ مضاف الیہ ہوا ضَرْبٌ مصدر کے لیے، ضَرْبٌ مصدر اپنے مضاف الیہ سے مل کر یہ خبر، بتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔ ترکیب سمجھ میں آگئی؟

امام اخفش کے نزدیک کیا ترکیب ہو گئی؟ ضَرْبِيْ زَيْدًا ضَرْبُهُ قَائِمًا۔ ضَرْبِيْ زَيْدًا ہے بتدا اور ضَرْبُهُ قَائِمًا یہ کیا ہے؟ خبر۔ اس میں سے ضَرْبُهُ کو حذف کر دیا اور قَائِمًا کو اس کا قائم مقام بنا دیا۔ یہ تو وہ صورت تھی جب ہم نے حال بنایا تھا مفعول سے، زید سے۔ اگر فاعل سے حال بناؤ پھر کیسے کہیں گے؟ آگے خبر میں مصدر وہی ضَرْبٌ دوبارہ لے آؤ اور فاعل کی طرف اضافت کر دو، اور فاعل تو کون ہے؟ متکلم، تو آگے خبر بنائیں گے ضَرْبِيْ قَائِمًا۔ تو پوری عبارت کیا بن گئی؟ ضَرْبِيْ زَيْدًا ضَرْبِيْ قَائِمًا۔ ضَرْبِيْ زَيْدًا یہ کیا ہے؟ بتدا، اور ضَرْبِيْ قَائِمًا یہ کیا ہے؟ خبر۔ تو خبر میں اسی مصدر کو دوبارہ لے آئے اور

ذوالحال کی طرف اس کی اضافت کر دی، اور ذوالحال ہم کس کو بنانا چاہتے ہیں؟ فاعل کو، کس کو؟ فاعل کو۔ پہلا جو ضَرْبِيْ آیا تھا اس کا فاعل کون تھا؟ متکلم تھا، تو آگے خبر میں بھی اسی کو ہم ذوالحال بنانا چاہتے ہیں تو اسی يَاء کی طرف ضَرْبٌ کی دوبارہ اضافت کر دو۔ ضَرْبِيْ زَيْدًا کیا ہوا؟ مبتدا، اور ضَرْبِيْ قَائِمًا کیا ہوئی؟ خبر، تو اس کے اندر یہ يَاء ضمیر ذوالحال اور قَائِمًا اس سے حال، پھر اس ضَرْبِيْ کو حذف کر دیا اور قَائِمًا کو اس کا قائم مقام کر دیا۔ اور ترکیب کیا ہوگی؟ ضَرْبِيْ زَيْدًا ضَرْبِيْ قَائِمًا، ضَرْبِيْ زَيْدًا ہے مبتدا اور ضَرْبِيْ قَائِمًا ہے خبر۔ ترکیب کیا ہوگی؟ ضَرْبٌ مرفوع تقديرًا... شروع سے، شروع سے: ضَرْبٌ مرفوع تقديرًا مضاف، مرفوع کیوں؟ مبتدا ہے، مبتدا ہے، کس کی ترکیب ہم کر رہے ہیں؟ ضَرْبِيْ زَيْدًا کی، آگے خبر کیا آئے گی؟ ضَرْبِيْ قَائِمًا وہ پھر آئے گی۔ تو ضَرْبٌ مرفوع تقديرًا مضاف، مرفوع کیوں؟ مبتدا ہے، يَاء ضمیر مجرور محلاً مضاف الیہ، اور زَيْدًا منصوب لفظًا مفعول بہ، مصدر اپنے مضاف الیہ اور مفعول بہ سے مل کر مبتدا۔ آگے خبر کیا آئی؟ ضَرْبِيْ قَائِمًا، اس کے اندر ضَرْبٌ مرفوع تقديرًا مضاف، مرفوع کیوں؟ کیونکہ یہ خبر ہے، يَاء ضمیر مجرور محلاً ذوالحال بھئی، یہ ذوالحال بھئی، پھر اس کو مضاف الیہ بنائیں گے، ہے تو مضاف الیہ ہی لیکن حال کو بھی جوڑنا ہے ساتھ، تو یہ ذوالحال۔ قَائِمًا منصوب لفظًا صیغہ اسمِ فاعل، اس کے اندر... يَاء ضمیر سے ہم جوڑ رہے ہیں، تو اس کے اندر أَنَا ضمیر مرفوع محلاً اس کا فاعل، اسمِ فاعل اپنے فاعل سے مل کر شبہِ جملہ ہو کر حال ہوا يَاء ضمیر کے لیے، ذوالحال اپنے حال سے مل کر مضاف الیہ ہوا ضَرْبٌ کے لیے، مضاف مضاف الیہ مل کر خبر، مبتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔ ترکیب سمجھ میں آگئی؟ امام اخفش کے نزدیک دوبارہ وہی مصدر لائیں گے اور جس کو ذوالحال بنانا چاہتے ہیں اس کی طرف اس کی اضافت کر دیں گے۔ طریقہ سمجھ میں آ گیا؟

تو ضَرْبِيْ زَيْدًا ضَرْبِيْ قَائِمًا۔ اب ان کا معنیٰ سمجھ لو، دیکھو امام اخفش کے نزدیک معنیٰ میں کوئی خرابی نہیں آتی۔ پہلا جملہ کیا لکھوایا؟ ضَرْبِيْ زَيْدًا ضَرْبُهُ قَائِمًا۔ معنیٰ یہ ہے: ضَرْبِيْ زَيْدًا: میری جو بھی ضرب واقع ہوتی ہے زید پر، ضَرْبُهُ قَائِمًا: وہ وہ ضرب ہوتی ہے جو مقید ہوتی ہے قیام کے ساتھ یعنی زید کے قیام کے ساتھ۔ اب دیکھو یہ وہی معنیٰ ہے: میری وہ ضرب جو زید پر واقع ہوتی ہے وہ ضرب ہے جو زید پر قیام کی حالت میں واقع ہوتی ہے، معلوم ہوا میری جو بھی ضرب زید پر واقع ہوتی ہے وہ ضرب ہے جو قیام کی حالت میں ہوتی ہے، معلوم ہوا قعود کی حالت میں کوئی ضرب نہیں ہوتی۔ دیکھا عموم بھی باقی ہے، میری جو بھی ضرب زید پر ہوتی ہے، ضَرْبُهُ قَائِمًا وہ زید کی ضرب ہوتی ہے اس کے قیام کی حالت میں، تو دیکھو عموم بھی ہے اور تخصیص بھی ہے، معلوم ہوا قعود کی حالت میں کوئی ضرب نہیں ہوتی۔

ہاں اس میں پھر خرابی یہ ہے، امام اخفش کے مذہب پر اعتراض کرتے ہیں نحوی حضرات کہ معلوم ہوا یہ قَائِمًا کے اندر عامل کون؟ ضَرْبُهُ، یہ ہے عامل، توجہ ہے؟ یہ ہے عامل۔ میں نے بتایا تھا ذوالحال اور حال دونوں کا عامل ایک ہوتا ہے، یہی ضَرْبٌ مصدر هَا ضمیر میں بھی عامل اور قَائِمًا حال میں بھی عامل، اور اس مصدر کو حذف کر لیا گیا اور اس کے معمول کو باقی

رکھا گیا حالانکہ یہ جائز نہیں ہے۔ مصدر بڑا ضعیف عامل ہے، مصدر کو حذف کر لیا گیا ضَرْبُهُ کو حذف کر لیا اور قَائِمًا جو اس کا معمول تھا، حال تھا، وہ باقی رکھا، یہ ممتنع ہے جائز نہیں۔ تو ان کے قول میں تخصیص اسی طرح باقی رہتی ہے، تخصیص اسی طرح باقی ہے، صرف یہ خرابی لازم آتی ہے کہ مصدر جو عاملِ ضعیف ہے اس کو حذف کرنا اور اس کے معمول کو باقی رکھنا لازم آتا ہے اور یہ تو جائز نہیں ہے۔ وہ دوسری ترکیب جب ہم نے فاعل سے حال بنایا تھا اس کا بھی معنیٰ سمجھ لیں: ضَرْبِيْ زَيْدًا ضَرْبِيْ قَائِمًا، ضَرْبِيْ زَيْدًا ضَرْبِيْ قَائِمًا اس کا بھی اسی طرح معنیٰ ہے: ضَرْبِيْ زَيْدًا: میری جو بھی ضرب ہوتی ہے زید پر، ضَرْبِيْ قَائِمًا: وہ میری وہ والی ضرب ہوتی ہے جو میرے قیام کی حالت میں ہوتی ہے۔ تو اس میں بھی دیکھو وہی تخصیص والا معنیٰ ہے۔

تو کہتے ہیں: وَذَهَبَ الْأَخْفَشُ إِلٰى أَنَّ الْخَبَرَ: اور امام اخفش اس بات کی طرف گئے ہیں کہ وہ خبر الَّذِيْ سَدَّتِ الْحَالُ مَحَلَّهُ کہ حال اس کا قائم مقام ہوا، مَصْدَرٌ مُضَافٌ: وہ مصدر ہے جو مضاف ہو رہا ہو إِلٰى صَاحِبِ الْحَالِ: کس کی طرف؟ صاحبِ حال یعنی ذوالحال کی طرف۔ بات سمجھ میں آگئی؟ امام اخفش کیا

فرماتے ہیں کہ وہ خبر کہ حال جس کا قائم مقام ہوا ہے وہ مصدر ہے جو مضاف ہو رہا ہے کس کی طرف؟ ذوالحال کی طرف۔ بھئی خبر محذوف ہے نا: ضَرْبِيْ زَيْدًا قَائِمًا۔ امام اخفش کے نزدیک تقدیر کیا ہے؟ ضَرْبِيْ زَيْدًا ضَرْبُهُ قَائِمًا، اور وہ ضَرْبُهُ مذکور ہے یا محذوف ہے؟ وہ تو محذوف ہے، توجہ ہے؟ وہ تو محذوف ہے اور یہ قَائِمًا کیا ہے؟ اس کا قائم مقام ہے۔ اصل قول کیا ہے عربوں کا؟ ضَرْبِيْ زَيْدًا قَائِمًا۔ یہ قَائِمًا کس کا قائم مقام؟ خبر کا، اور وہ خبر کیا ہے امام اخفش کے نزدیک؟ ضَرْبُهُ ہے بھئی، ضَرْبُهُ یا ضَرْبِيْ جو بھی آپ نکالنا چاہیں۔ توجہ ہے؟ تو یہ حال کس کا قائم مقام ہے؟ اس خبر کا جس کو حذف کیا گیا ہے، تو یہی بیان کر رہے ہیں۔ پھر عبارت دیکھیں: وَذَهَبَ الْأَخْفَشُ إِلٰى أَنَّ الْخَبَرَ: اور امام اخفش اس بات کی طرف گئے ہیں کہ وہ خبر الَّذِيْ سَدَّتِ الْحَالُ مَحَلَّهُ کہ وہ خبر کہ حال اس کا قائم مقام ہوا ہے، مَصْدَرٌ: وہ خبر ایسا مصدر ہے مُضَافٌ إِلٰى صَاحِبِ الْحَالِ جو مضاف ہو رہا ہے کس کی طرف؟ صاحبِ حال کی طرف بھئی۔ أَيْ ضَرْبِيْ زَيْدًا ضَرْبُهُ قَائِمًا۔ دیکھا یہ ضَرْبُهُ کے اندر هَا ضمیر یہ ذوالحال ہے، تو خبر وہ مصدر ہے جو مضاف ہو رہا ہے کس کی طرف؟ ذوالحال کی طرف۔ یہاں تک بات سمجھ میں آگئی؟

تو امام اخفش کا مذہب انہوں نے ذکر کیا کہ امام اخفش کے نزدیک وہی مصدر ذوالحال کی طرف مضاف کر دیا جائے یہ خبر ہے بھئی۔ خبر کیا ہے؟ وہی مصدر جو مبتدا ہے اسی کو آگے دوبارہ خبر کے اندر بھی لایا جائے اور اس کی اضافت ذوالحال کی طرف کر دی جائے، تو وہی مصدر عامل ہو گیا ذوالحال میں بھی اور آگے آنے والے حال میں بھی، لیکن اس میں خرابی یہ ہے کہ مصدر تو عاملِ ضعیف ہے، مصدر کو حذف کر لیا گیا اور قَائِمًا جو اس کا معمول تھا اس کو باقی رکھا گیا حالانکہ یہ جائز نہیں ہے بھئی۔

وَذَهَبَ بَعْضُهُمْ إِلٰى أَنَّ هٰذَا الْمُبْتَدَأَ لَا خَبَرَ لَهُ لِكَوْنِهِ بِمَعْنَى الْفِعْلِ إِذِ الْمَعْنٰى مَا أَضْرِبُ زَيْدًا إِلَّا قَائِمًا۔ اچھا چلیے بس کرتے ہیں بھئی۔ یہ آخری سطر رہ گئی یہ اس مسئلے سے متعلق ہے، یہ جو مسئلہ ذکر ہوا ضَرْبِيْ زَيْدًا قَائِمًا اس سے متعلق یہ آخری بات رہ گئی بعض نحویوں کا مذہب، یہ انشاءاللہ کل ہم پڑھ لیں گے، اور ساتھ ہی اس سارے سبق کا اچھی طرح خلاصہ بھی کر لیں گے، اور پھر میں وجہ بھی ذکر کروں گا کہ کیا وجہ ہے یہ نحوی یہاں پر کیوں انہوں نے اتنا اختلاف کیا اور اس کی وجہ کیا ہے۔ یہاں تک باتیں سمجھ میں آگئیں؟ چلیے بس بھئی، هٰذَا هُوَ الْمَرَامُ وَاللّٰهُ أَعْلَمُ بِحَقِيْقَةِ الْكَلَامِ۔

سبق نمبر ۱۰۷: المبتدا والخبر (۱۵): «ضَرْبِيْ زَيْدًا قَائِمًا» میں خبرِ محذوف کی تقدیر

شرحِ ملا جامی صفحہ: ۷۹ — بتاریخ: ۲۲ نومبر ۲۰۲۱ء

▪ تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث

دیکھیے بھائی آگے سبق: وَذَهَبَ بَعْضُهُمْ إِلَىٰ أَنَّ هٰذَا الْمُبْتَدَأَ لَا خَبَرَ لَهُ لِكَوْنِهِ بِمَعْنَى الْفِعْلِ إِذِ الْمَعْنَىٰ مَا أَضْرِبُ زَيْدًا إِلَّا قَائِمًا، وَثَالِثُهَا كُلُّ مُبْتَدَأٍ اشْتَمَلَ خَبَرُهُ عَلَىٰ مَعْنَى الْمُقَارَنَةِ وَعُطِفَ عَلَيْهِ شَيْءٌ بِالْوَاوِ الَّتِيْ بِمَعْنَىٰ مَعَ وَذٰلِكَ مِثْلُ كُلُّ رَجُلٍ وَضَيْعَتُهُ أَيْ كُلُّ رَجُلٍ مَقْرُوْنٌ مَعَ ضَيْعَتِهِ.

بھائی آج پہلے یہ آخری سطر جو رہ گئی تھی اس مسئلے کی پہلے اس کو حل کر لیتے ہیں اور اس کے بعد پھر پورے اس مسئلے کا خلاصہ یہ جو مسئلہ گزرا یہ جو کلام گزرا ضَرْبِيْ زَيْدًا قَائِمًا تو پہلے یہ آخری مذہب اس کے بارے میں کر لیتے ہیں اور پھر اس کے بعد اس سارے کا خلاصہ کر لیتے ہیں بھائی۔ ان شاء اللہ تعالیٰ پھر پورا مسئلہ آپ کے سامنے واضح ہو جائے گا بھائی۔

تو کہتے ہیں وَذَهَبَ بَعْضُهُمْ إِلَىٰ أَنَّ هٰذَا الْمُبْتَدَأَ لَا خَبَرَ لَهُ، بعض نحوی حضرات اس بات کی طرف گئے ہیں کہ ضَرْبِيْ زَيْدًا قَائِمًا اس کے اندر یہ جو ضَرْبِيْ مبتدا ہے یہ ایسا مبتدا ہے جس کی کوئی خبر نہیں بھائی۔ باقیوں نے تو کیا کہا کہ یہ ایسا مبتدا ہے جس کی خبر کو حذف کرنا واجب ہے، لیکن بعض نحوی حضرات فرماتے ہیں کہ یہ ضَرْبِيْ زَيْدًا قَائِمًا یہ ایسا مبتدا ہے جس کی کوئی خبر نہیں بھائی۔ بھائی کیسے؟ یہ کیسے کہ مبتدا ہے اور اس کی خبر کوئی نہ ہو؟ کہتے ہیں اس لیے کیونکہ یہ فعل کے معنیٰ میں ہے۔ کس کے معنیٰ میں؟ فعل کے معنیٰ میں ہے۔ بھائی آپ پڑھ چکے ہیں جہاں مبتدا کی تفصیل بیان کی تھی صاحبِ کافیہ نے، انہوں نے بتلایا تھا آپ کو کہ مبتدا کی پہلی قسم جو ہے وہ مسند الیہ ہوتی ہے اور مبتدا کی ایک اور قسم بھی ہے وہ مسند ہوتی ہے اور وہ ایسا مبتدا ہے جس کی کوئی خبر نہیں آتی۔ تو یہ بھی ایسا مبتدا ہے جس کی کوئی خبر نہیں ہے بھائی۔ اور وہ کیا مبتدا تھا؟ مبتدا کی دوسری قسم وہ کون سا مبتدا تھا جس میں تین شرطیں پائی جائیں؟ پہلی بات کہ وہ جو مبتدا ہے وہ صفت کا صیغہ ہونا چاہیے اور نیز دوسری شرط یہ کہ وہ ہمزہ استفہام یا حرفِ نفی کے بعد واقع ہو اور تیسری شرط یہ کہ وہ کسی اسمِ ظاہر کو رفع دے۔ تو یہ مبتدا کی قسمِ ثانی ہے، یہ مسند ہے اور آگے جس اسمِ ظاہر کو وہ رفع دے رہا ہے وہ اس کا فاعل ہے اور وہی قائم مقام

خبر کے بھی ہے بھائی۔ وہی قائم مقام خبر کے بھی ہے۔ جیسے اس کی مثال کیا گزری تھی؟ أَقَائِمٌ الزَّيْدَانِ۔ أَقَائِمٌ الزَّيْدَانِ۔ دیکھو ترکیب کیا ہے؟ ہمزہ استفہام، قَائِمٌ صیغہ اسمِ فاعل، الزَّيْدَانِ یہ تثنیہ ہے لیکن چونکہ اسمِ ظاہر ہے تو یہ قَائِمٌ کے لیے فاعل بن سکتا ہے بھائی۔ اور فعل یا صفت کے صیغے کے لیے جب فاعل اسمِ ظاہر آئے تو اس کو مفرد رکھتے ہیں اور قَائِمٌ بھی مفرد ہے وہ الزَّيْدَانِ کو رفع دے سکتا ہے۔ تو قَائِمٌ مرفوع لفظاً صیغہ اسمِ فاعل یہ مرفوع کیوں ہے؟ کیونکہ یہ مبتدا کی قسمِ ثانی ہے اور مبتدا مرفوع ہوتا ہے۔ اور الزَّيْدَانِ مرفوع لفظاً یہ فاعل ہے کس کے لیے؟ قَائِمٌ کے لیے اور نیز یہ قائم مقامِ خبر بھی ہے۔ کیونکہ خبر بھی چاہیے ہمیں لیکن خبر تو ہے نہیں لہٰذا یہ ہے تو حقیقت میں فاعل لیکن خبر کا قائم مقام بھی اسی کو قرار دے دیا۔ تو صفت کا صیغہ یعنی قَائِمٌ اپنے فاعل سے مل کر شبہِ جملہ ہو کر یہ ہوا مبتدا، اور پھر یہ مبتدا اپنے قائم مقامِ خبر سے مل کر جملہ اسمیہ انشائیہ ہوا کیونکہ استفہام ہے بھائی اور استفہام انشاء کی قسم ہے بھائی۔

تو دیکھو اس کے اندر یاد رکھو أَقَائِمٌ الزَّيْدَانِ، أَقَائِمُنِ الزَّيْدَانِ، اس کے اندر یاد رکھو یہ قَائِمٌ ایسا مبتدا ہے جس کی کوئی خبر نہیں اور یاد رکھو یہ فعل کے معنیٰ میں ہے۔ یہ کس معنیٰ میں ہے؟ یہ جو مبتدا کی قسمِ ثانی ہوتی ہے یہ فعل کے معنیٰ میں ہوتی ہے۔ یعنی قَائِمٌ بمعنیٰ قَامَ کے ہے بھائی۔ قَائِمٌ کس معنیٰ میں ہے؟ قَامَ فعل کے معنیٰ میں ہے۔ اور جب فعل کے معنیٰ میں ہے فعل کے لیے تو کسی خبر کی ضرورت نہیں ہوتی لہٰذا اس کے لیے بھی کسی خبر کی ضرورت نہیں ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو بعض نحویوں کی بات چل رہی ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ یہ جو ضَرْبِيْ زَيْدًا قَائِمًا یہ جو متن میں آیا، کیا آیا؟ ضَرْبِيْ زَيْدًا قَائِمًا یہ بھی ایسا مبتدا ہے جس کی کوئی خبر نہیں۔ جس کی کوئی خبر نہیں کیونکہ یہ فعل کے معنیٰ میں ہے۔ کس معنیٰ میں ہے؟ فعل کے معنیٰ میں ہے۔ یہاں تک بات سمجھ میں آگئی؟

تو کہتے ہیں وَذَهَبَ بَعْضُهُمْ إِلَىٰ أَنَّ هٰذَا الْمُبْتَدَأَ لَا خَبَرَ لَهُ اور بعض نحوی حضرات اس بات کی طرف گئے ہیں کہ یہ جو مبتدا ہے لَا خَبَرَ لَهُ اس کی کوئی خبر نہیں، لِكَوْنِهِ بِمَعْنَى الْفِعْلِ بوجہ اس کے فعل کے معنیٰ میں ہونے کے، اس وجہ سے کہ یہ فعل کے معنیٰ میں ہے، إِذِ الْمَعْنَىٰ مَا أَضْرِبُ زَيْدًا إِلَّا قَائِمًا کیونکہ معنیٰ جو ہے مَا أَضْرِبُ زَيْدًا إِلَّا قَائِمًا اس کا معنیٰ کیا ہے؟ مَا أَضْرِبُ زَيْدًا إِلَّا قَائِمًا۔ یہاں ایک قیمتی بات یاد رکھنا، یہ شروحات وغیرہ میں آپ کو نہیں ملے گی، یہ کتابت کی غلطی ہے بھائی۔ مَا أَضْرِبُ زَيْدًا إِلَّا قَائِمًا یہ کیا ہے؟ یہ کتابت کی غلطی ہے۔ یہاں ہونا صرف یوں چاہیے تھا أَضْرِبُ زَيْدًا قَائِمًا، یہ مَا اور إِلَّا کو نہیں ہونا چاہیے۔ کیا ہونا چاہیے؟ أَضْرِبُ زَيْدًا قَائِمًا۔ کیوں؟ مَا اور إِلَّا کیوں نہیں ہونے چاہئیں؟ بھائی دیکھیے نا وہ متن پہ آؤ اصل عبارت کیا تھی؟ ضَرْبِيْ زَيْدًا قَائِمًا، توجہ ہے؟ اور یہ نحوی کیا فرماتے ہیں؟ یہ جو ضَرْبِيْ مبتدا ہے یہ ایسا مبتدا ہے جس کی کوئی خبر نہیں۔ کیوں نہیں خبر اس کی؟ کیونکہ یہ فعل کے معنیٰ میں ہے۔ کس معنیٰ میں؟ فعل کے معنیٰ میں۔ لہٰذا ضَرْبِيْ سے فعل بناؤ۔ ضَرْبِيْ، ضَرْبٌ مصدر بھی ہے اور فاعل کون ہے؟ يَاء ضمیر ہے تو ایسا فعل لے کر آؤ جس کا فاعل متکلم کی ضمیر ہو۔ ضَرْبِيْ کی جگہ لے آؤ، فعلِ مضارع لے آؤ أَضْرِبُ، کیا لے آؤ؟ أَضْرِبُ۔ دیکھو ضَرْبِيْ کی جگہ کیا آگیا؟ أَضْرِبُ۔ ضَرْبِيْ میں

ضَرْبٌ مصدر تھا اور یَاء ضمیر متکلم کی فاعل تھی، ہم بھی کیا لے آئے؟ أَضْرِبُ فعل لے آئے اور اس کے اندر أَنَا ضمیر فاعل یعنی وہی متکلم فاعل ہے۔ تو عبارت اب ضَرْبِيْ کی جگہ أَضْرِبُ لے آؤ، اب پڑھو عبارت کو أَضْرِبُ زَيْدًا قَائِمًا، عبارت بن گئی یا نہیں؟ تو جو نحوی فرماتے ہیں کہ یہ مصدر فعل کے معنیٰ میں ہے تو ان کے نزدیک تقدیرِ عبارت کیا ہے؟ أَضْرِبُ زَيْدًا قَائِمًا۔ أَضْرِبُ زَيْدًا قَائِمًا، أَضْرِبُ زَيْدًا میں پٹائی کرتا ہوں زید کی قَائِمًا اس حال میں کہ میں کھڑا ہوتا ہوں یا اس حال میں کہ زید کھڑا ہوتا ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ کیونکہ یہ فاعل سے بھی حال ہو سکتا ہے اور مفعول سے بھی حال ہو سکتا ہے۔ تو لہٰذا یہ جو کتاب میں عبارت آئی مَا أَضْرِبُ زَيْدًا إِلَّا قَائِمًا یہ کتابت کی غلطی ہے، یہاں کیا ہونا چاہیے تھا؟ أَضْرِبُ زَيْدًا قَائِمًا، یہ مَا اور إِلَّا نہیں ہونے چاہئیں تھے۔

اور دلیل بھی میں ذکر کر دیتا ہوں کہ یہ أَضْرِبُ زَيْدًا قَائِمًا ہونا چاہیے تھا۔ دلیل یہ، عبارت پہ نظر رکھو لِكَوْنِهِ بِمَعْنَى الْفِعْلِ إِذِ الْمَعْنَىٰ مَا أَضْرِبُ زَيْدًا إِلَّا قَائِمًا، اس سارے پر دیکھیں کوئی حاشیہ نمبر ہے؟ دیکھو اس کے اوپر حاشیہ دیا ہو گا بھائی۔ توجہ ہے کس پر؟ لِكَوْنِهِ بِمَعْنَى الْفِعْلِ إِذِ الْمَعْنَىٰ مَا أَضْرِبُ زَيْدًا إِلَّا قَائِمًا، اس پر ایک دو یا تین حاشیے دیے ہوں گے ان میں سے ایک حاشیہ دیکھیں اس میں لکھا ہو گا لَا يَخْفَىٰ، یہ حاشیہ میں پڑھ رہا ہوں، لَا يَخْفَىٰ أَنَّ اسْتِفَادَةَ الْحَصْرِ عَلَىٰ هٰذَا التَّقْدِيْرِ غَيْرُ ظَاهِرٍ اور آگے لکھا ہو گا عبد الغفور بھائی۔ بات سمجھ میں آرہی ہے؟ یاد رکھو یہ ملا عبد الغفور جو ہیں یہ صاحبِ جامی کے شاگرد ہیں، براہِ راست شاگرد ہیں جنہوں نے جامی پڑھی ہے کس سے؟ مصنف سے خود انہوں نے جامی پڑھی ہے۔ اور وہ کیا فرما رہے ہیں؟ کیا فرما رہے ہیں؟ لَا يَخْفَىٰ أَنَّ اسْتِفَادَةَ الْحَصْرِ عَلَىٰ هٰذَا التَّقْدِيْرِ غَيْرُ ظَاهِرٍ کہ یہ بات مخفی نہیں ہے کہ اس تقدیر پر حصر ظاہر نہیں۔ کیا فرما رہے ہیں؟ اس تقدیر پر حصر ظاہر نہیں۔ کس تقدیر پر؟ یہ جو اوپر آیا مَا أَضْرِبُ زَيْدًا إِلَّا قَائِمًا یہ اسی پر ہے نا حاشیہ؟ اور مجھے بتائیے، مجھے بتائیے اس حاشیے کو ذرا چھوڑو مَا أَضْرِبُ زَيْدًا إِلَّا قَائِمًا اس میں مَا اور إِلَّا آئے یا نہیں آئے؟ اور مَا اور إِلَّا کس لیے آتے ہیں؟ حصر کے لیے، تو اس کے اندر تو حصر بالکل ظاہر ہے۔ اور ملا عبد الغفور کیا فرما رہے ہیں؟ کہ یہ تقدیر لی جائے، اس مذہب والوں کی تقدیر لی جائے تو حصر ظاہر نہیں۔ معلوم ہوا یہاں مَا اور إِلَّا نہیں ہونا چاہیے، کیونکہ مَا اور إِلَّا تو موجود ہیں اور جب مَا اور إِلَّا موجود ہیں وہ تو آتے ہی حصر کے لیے ہیں، حصر تو بالکل ظاہر ہے لیکن وہ کیا فرما رہے ہیں کہ اس تقدیر پر حصر ظاہر نہیں ہے بھائی۔ معلوم ہوا ان کے پاس جو عبارت تھی اس میں مَا اور إِلَّا نہیں تھے، اور جب مَا اور إِلَّا نہیں تو حصر نہیں، اسی لیے انہوں نے لکھا کہ اس تقدیر پر حصر نہیں۔

بات سمجھ میں آگئی؟ تو کتاب میں کیا تقدیر لکھی ان مذہب والوں کی؟ مَا أَضْرِبُ زَيْدًا إِلَّا قَائِمًا، اور میں نے کیا تقدیر لکھوائی؟ أَضْرِبُ زَيْدًا قَائِمًا۔ أَضْرِبُ زَيْدًا قَائِمًا ترجمہ کریں أَضْرِبُ زَيْدًا قَائِمًا کا: میں زید کی پٹائی کرتا ہوں قیام کی حالت میں۔ قعود کی کوئی بات ہوئی یہاں؟ قعود کی حالت میں ضرب کی نفی ہوئی؟ نہیں، تو اس کے اندر دیکھو حصر غیرِ ظاہر ہے بھائی۔ اس مذہب والوں کی تقدیر لی جائے تو پھر ضَرْبِيْ کو کس معنیٰ میں لینا پڑے گا؟ أَضْرِبُ اور باقی عبارت اسی طرح رہے گی تو

عبارت کیا بن گئی؟ أَضْرِبُ زَيْدًا قَائِمًا، میں زید کی پٹائی کرتا ہوں قیام کی حالت میں۔ تو اس سے قعود کی حالت میں ضرب کی نفی تو نہیں ہوئی، حالانکہ اس کلام کے اندر آپ نے پڑھا تھا تخصیص مقصود ہے۔ اور یہ جو عبارت لکھی نا مَا أَضْرِبُ زَيْدًا إِلَّا قَائِمًا یہ تو متفق علیہ معنیٰ ہے، سب کے نزدیک اس عبارت کا کیا معنیٰ ہے؟ سب کے نزدیک اس عبارت میں عموم بھی ہے اور تخصیص بھی ہے ضَرْبِيْ زَيْدًا قَائِمًا اور کیا معنیٰ ہے اس عبارت کا؟ مَا أَضْرِبُ زَيْدًا إِلَّا قَائِمًا کہ میں پٹائی نہیں کرتا مگر قیام کی حالت میں۔ معلوم ہوا میں زید کی جو بھی پٹائی کرتا ہوں وہ کس حالت میں ہوتی ہے؟ قیام کی حالت میں، معلوم ہوا قعود کی حالت میں کوئی پٹائی نہیں ہوتی اور یہی تو تخصیص ہے کہ ایک چیز کا اثبات ہے یعنی قیام کی حالت میں پٹائی کا اثبات ہے تو قعود کی حالت میں پٹائی کی نفی ہے، یہی تو تخصیص ہے بھائی۔ تو یہ جو یہاں ذکر کیا مَا أَضْرِبُ زَيْدًا إِلَّا قَائِمًا یہ ہے متفق علیہ معنیٰ، سب کے نزدیک یہی معنیٰ ہے ضَرْبِيْ زَيْدًا قَائِمًا کا۔ اور یہ جو مذہب والے ہیں ان کے نزدیک اصل عبارت کیا بنتی ہے؟ أَضْرِبُ زَيْدًا قَائِمًا بنتی ہے، توجہ ہے؟ لیکن کتاب میں کیا درج کر دی؟ مَا أَضْرِبُ زَيْدًا إِلَّا قَائِمًا، تو یہ کیا ہے؟ کتابت کی غلطی ہے، یہاں أَضْرِبُ زَيْدًا قَائِمًا ہونا چاہیے تھا اور اسی پر ملا عبد الغفور فرما رہے ہیں کہ ان کی عبارت لو أَضْرِبُ زَيْدًا قَائِمًا پھر تو حصر ظاہر ہی نہیں ہے، اس میں حصر کہاں ہے بھائی؟ اور یاد رکھو یہ ملا عبد الغفور بہت بڑے عالم گزرے ہیں بھائی۔ یہ بڑی قیمتی باتیں یہ حاشیے میں درج کرتے ہیں، جامی حل ہوتی چلی جاتی ہے بھائی۔ تو انہوں نے لکھا ہے کہ اس میں حصر ظاہر نہیں۔ معلوم ہوا ان کے پاس جو نسخہ تھا وہاں پر مَا اور إِلَّا درج نہیں تھا، کیونکہ مَا اور إِلَّا درج ہو پھر تو کوئی نہیں کہہ سکتا اس میں حصر نہیں ہے، مَا اور إِلَّا تو آتے ہی کس لیے ہیں؟ حصر کے لیے۔

نیز میری کتاب میں ایک اور حاشیہ بھی ہے اس پر، میری کتاب میں۔ دیکھیے وَذَهَبَ بَعْضُهُمْ ذرا متن دیکھو وَذَهَبَ بَعْضُهُمْ إِلَىٰ أَنَّ هٰذَا الْمُبْتَدَأَ لَا خَبَرَ لَهُ یہ جو وَذَهَبَ بَعْضُهُمْ ہے اس پر کوئی حاشیہ ہے؟ حاشیہ ہے وَذَهَبَ بَعْضُهُمْ؟ کیا حاشیہ ہے؟ پڑھو ذرا۔ آگے؟ جی آگے؟ دیکھو اس حاشیے کے آخر میں فرما رہے ہیں وَقَالَ الرَّضِيُّ وَهٰذَا الْمَذْهَبُ أَيْضًا بَاطِلٌ، یہ مذہب بھی باطل ہے۔ کیوں؟ لِأَنَّهُ لَا حَصْرَ فِيْ قَوْلِكَ أَضْرِبُ زَيْدًا قَائِمًا کہ أَضْرِبُ زَيْدًا قَائِمًا کے اندر کوئی حصر نہیں۔ یہ حاشیہ ہے؟ دیکھا اس سے بھی پتہ چلا کہ یہاں أَضْرِبُ زَيْدًا قَائِمًا ہی ہے اور اس کے اندر تو حصر نہیں ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو سوال پیدا ہوتا ہے یہ خرابی آئی کہاں سے؟ یہ مَا اور إِلَّا کس نے یہاں درج کر دیا؟

تو یاد رکھنا یہ خرابی غالباً شرحِ رضی سے آئی ہے۔ میں نے بتایا علامہ رضی نے بھی کافیہ کی بڑی زبردست شرح لکھی ہے اور انہوں نے اس مذہب کو وہاں ذکر کیا ہے جیسے حاشیے میں بھی آگیا کہ وہ فرماتے ہیں یہ مذہب باطل ہے۔ اور ان کی جو شرح ہے اس کے اندر یہ مذہب دو جگہ ذکر ہے۔ کتنی جگہ؟ ایک جگہ ذکر ہے پھر تین چار سطروں کے بعد پھر دوبارہ یہی مذہب ذکر ہے۔ تو پہلی جگہ جو وہ عبارت ذکر ہے وہاں پر انہوں نے بھی یہی لکھا ہے مَا أَضْرِبُ إِلَّا زَيْدًا، حصر کے ساتھ لکھا ہے، اور دوسری جگہ کیا لکھا ہے کہ یہ مذہب باطل ہے کیونکہ اس میں کوئی حصر نہیں، کس میں؟ أَضْرِبُ زَيْدًا قَائِمًا، تو دوسری جگہ

انہوں نے صحیح عبارت لکھی ہے اور پہلی جگہ وہاں بھی عبارت غلط ہے کیونکہ ان کے نزدیک وہ فرماتے ہیں معنیٰ کیا بنتا ہے؟ یہ مذہب ذکر کرتے ہیں علامہ رضی اور فرماتے ہیں ان کے نزدیک کلام کا معنیٰ ہے مَا أَضْرِبُ زَيْدًا إِلَّا قَائِمًا یعنی مَا اور إِلَّا کے ساتھ ذکر کرتے ہیں اور پھر تین چار سطروں بعد دوبارہ ذکر کرتے ہیں لیکن وہاں مَا اور إِلَّا نہیں ہوتا۔ توجہ ہے؟ تو معلوم ہوا یہ پہلی عبارت جو ہے وہ درست نہیں۔ ایک ہے مَا أَضْرِبُ زَيْدًا إِلَّا قَائِمًا اور ایک ہے أَضْرِبُ زَيْدًا قَائِمًا، دیکھا دونوں میں سے ایک ہی صحیح ہے نا؟ صاحبِ رضی دونوں معنیٰ بیان کرتے ہیں، ایک جگہ لکھتے ہیں کہ ان کے نزدیک معنیٰ یہ بنتا ہے، دوسری جگہ لکھتے ہیں کہ ان کے نزدیک معنیٰ یہ بنتا ہے، تو معنیٰ تو ایک ہو سکتا ہے دو معنیٰ تو نہیں ہو سکتے۔ معلوم ہوا رضی کے اندر کسی نقل کرنے والے سے ایک جگہ غلطی ہوئی اور وہی نقل ہوا پھر یہاں، کسی نے جو جامی کو نقل کرنے والا تھا اس نے رضی میں وہ پہلی عبارت پہ اس کی نظر پڑی اور وہاں تو مَا اور إِلَّا تھا تو اس نے یہاں بھی کیا لکھ دیا؟ مَا اور إِلَّا لکھ دیا۔ تو یہ وہاں سے خرابی آئی ہے بظاہر ایسا ہی معلوم ہوتا ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟

تو ان کے نزدیک تقدیرِ عبارت کیا ہو گی؟ أَضْرِبُ زَيْدًا قَائِمًا۔ اور اس صورت میں حصر اس کلام میں باقی نہیں رہے گا حالانکہ حصر یہاں مقصود ہے۔ کیا مقصود ہے؟ ضَرْبِيْ زَيْدًا قَائِمًا اس کے اندر حصر مقصود ہے، توجہ ہے؟ کیوں حصر مقصود ہے؟ کیونکہ بالاتفاق سب کے نزدیک اس کلام کا معنیٰ کیا ہے؟ مَا أَضْرِبُ زَيْدًا إِلَّا قَائِمًا۔ یہ جو عبارت ذکر ہے نا یہ وہ اتفاقی معنیٰ ہے جس پر سب متفق ہیں کہ اس کا ضَرْبِيْ زَيْدًا قَائِمًا کا کیا معنیٰ؟ مَا أَضْرِبُ زَيْدًا إِلَّا قَائِمًا، یہ اس کا معنیٰ یہ تو اتفاقی معنیٰ بیان کر دیا یہاں پر بھائی۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو یہ کتابت کی غلطی ہے بھائی۔

تو کہتے ہیں وَذَهَبَ بَعْضُهُمْ إِلَىٰ أَنَّ هٰذَا الْمُبْتَدَأَ لَا خَبَرَ لَهُ اور بعض نحوی اس بات کی طرف گئے ہیں کہ یہ جو مبتدا ہے لَا خَبَرَ لَهُ اس کی کوئی خبر نہیں، لِكَوْنِهِ بِمَعْنَى الْفِعْلِ اس وجہ سے کہ یہ فعل کے معنیٰ میں ہے، إِذِ الْمَعْنَىٰ مَا أَضْرِبُ زَيْدًا إِلَّا قَائِمًا، تو یہ مَا أَضْرِبُ زَيْدًا إِلَّا قَائِمًا کی جگہ کیا ہونا چاہیے؟ أَضْرِبُ زَيْدًا قَائِمًا، اور اس صورت میں اس سے حصر مستفاد نہیں ہوتا حالانکہ ضَرْبِيْ زَيْدًا قَائِمًا کے اندر تو حصر ہے بھائی۔ تو ان کے نزدیک تقدیرِ عبارت میں حصر باقی نہیں رہتا لہٰذا یہ مذہب بھی باطل ہے، درست نہیں بھائی۔ بات سمجھ میں آگئی؟

تو معلوم ہوا بصرہ والوں کے نزدیک تقدیرِ عبارت کیا ہے؟ ضَرْبِيْ زَيْدًا حَاصِلٌ إِذَا كَانَ قَائِمًا، جبکہ علامہ رضی کے نزدیک تقدیرِ عبارت کیا ہے؟ ضَرْبِيْ زَيْدًا يُلَابِسُنِيْ قَائِمًا، اور کوفہ والوں کے نزدیک تقدیرِ عبارت کیا ہے؟ ضَرْبِيْ زَيْدًا قَائِمًا حَاصِلٌ، اور امام اخفش کے نزدیک تقدیرِ عبارت کیا ہے؟ ضَرْبِيْ زَيْدًا ضَرْبُهُ قَائِمًا، اور بعض نحویوں کے نزدیک تقدیرِ عبارت کیا ہے؟ أَضْرِبُ زَيْدًا قَائِمًا۔ توجہ ہے؟

بھائی یہ اتنا اختلاف کیوں آیا یہ تقدیرِ عبارت کے اندر بھائی؟ اور یہ اس مشکل میں نحوی کیوں پڑ گئے بھائی، کوئی کچھ بیان کر رہا ہے کوئی کچھ بیان کر رہا ہے؟ تو وجہ یاد رکھنا بھائی، وجہ یہ کہ نحویوں کا قانون ہے کہ حال اور ذوالحال کا عامل ایک

ہونا چاہیے۔ کیا قانون ہے؟ حال اور ذوالحال کا عامل ایک ہونا چاہیے۔ جَاءَنِيْ زَيْدٌ رَاكِبًا، میرے پاس زید آیا اس حال میں کہ وہ سوار تھا۔ یہ رَاكِبًا حال ہے کس سے؟ زَيْدٌ سے، زید سوار ہو کر آیا ہے تو رَاكِبًا حال کس سے؟ زَيْدٌ سے، اور زَيْدٌ میں عامل کیا کس نے رفع دیا زید کو؟ جَاءَ نے، تو وہی جَاءَ عامل ہے رَاكِبًا کے اندر بھی کیونکہ ذوالحال اور حال کا عامل ایک ہی ہوتا ہے۔ جو ذوالحال میں عمل کر رہا ہے وہی نصب دے رہا ہے حال کو بھی۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو نحویوں کا یہ قانون ہے، اس قانون کی وجہ سے مشکل میں پڑ گئے۔ اس قانون کی وجہ سے مشکل میں پڑ گئے بھائی اور اسی لیے بعضوں نے ایک عبارت نکالی بعضوں نے دوسری عبارت نکالی، مقصد یہ تھا کہ ذوالحال اور حال کا عامل ایک چاہیے۔ ذوالحال اور حال کا عامل ایک چاہیے۔

اچھا اب دیکھو بھائی پورے مسئلے کا خلاصہ دوبارہ سن لیں بھائی۔ ان شاء اللہ تعالیٰ ہر ہر مذہب کو بالتفصیل ہم دوبارہ بھی کر لیتے ہیں اور آپ دیکھیں گے کہ یہ مشکل میں نحوی کیوں پڑے کیونکہ وہ کیا چاہتے ہیں؟ حال اور ذوالحال دونوں کا عامل ایک ہونا چاہیے۔ مسئلہ یہ ذکر ہوا کہ صاحبِ کافیہ دوسری جگہ ذکر کر رہے ہیں جہاں بتدا کی خبر کو حذف کرنا واجب ہے بھائی۔ اور وہ دوسری جگہ کون سی ہے؟ انہوں نے ذکر کیا ضَرْبِيْ زَيْدًا قَائِمًا۔ اور اس سے کون سی جگہ مراد ہے؟ صاحبِ جامی نے آپ کو بتلایا کہ اس سے مراد وہ بتدا ہے جو مصدر ہو اور وہ مصدر منسوب ہو اپنے فاعل کی طرف یا مفعول کی طرف یا دونوں کی طرف اور اس کے بعد حال آ رہا ہو۔ دیکھو ضَرْبِيْ زَيْدًا قَائِمًا یہ ضَرْبٌ کیا ہے؟ مصدر ہے اور یہاں اس کی نسبت ہو رہی ہے اپنے فاعل اور مفعول دونوں کی طرف۔ فاعل بھی ذکر ہے اور اس کا مفعول بھی، یہ يَاء متکلم کیا ہے ضَرْبٌ کے لیے فاعل اور زَيْدًا کیا ہے مفعول۔ ضَرْبِيْ زَيْدًا میرا زید کی پٹائی کرنا، معلوم ہوا متکلم ہے فاعل اور زَيْدًا کیا ہے مفعول۔ تو یہ ضَرْبٌ یہ ایسا بتدا ہے جو مصدر ہے اور یہ منسوب ہے یہاں پر اپنے فاعل اور مفعول دونوں کی طرف منسوب ہے اور اس کے بعد قَائِمًا حال آ رہا ہے تو اس بتدا کی خبر کو حذف کرنا واجب۔ چنانچہ یہاں اس کی خبر حَاصِلٌ جو ہے اس کو وجوباً حذف کیا گیا۔ ضَرْبِيْ زَيْدًا حَاصِلٌ یہاں خبر محذوف ہے اور وجوباً محذوف ہے بھائی۔ اور یا اسی طرح وہ اسمِ تفضیل جو اس مصدر کی طرف مضاف ہو جائے اس کا بھی یہی حکم ہے، اس ضَرْبٌ سے پہلے ذرا اسمِ تفضیل لے آؤ أَكْثَرُ ضَرْبِيْ زَيْدًا قَائِمًا۔ اکثر میرا زید کی پٹائی کرنا قَائِمًا وہ کس حال میں ہوتا ہے؟ قیام کی حالت میں۔ تو ضَرْبٌ سے پہلے أَكْثَرُ کا لفظ لے آئے تو أَكْثَرُ بتدا بن گیا جو اسمِ تفضیل ہے اور یہ اسمِ تفضیل مضاف ہو رہا ہے اس مصدر کی طرف جو منسوب ہے اپنے فاعل یا مفعول یا دونوں کی طرف اور اس کے بعد کیا آ رہا ہے؟ حال آ رہا ہے۔ تو اس اسمِ تفضیل کا بھی وہی حکم ہے اس کی خبر کو بھی وجوباً حذف کیا جائے گا۔

پھر تقدیرِ عبارت کیا ہے؟ میں نے بتلایا تھا بصرہ والوں کے نزدیک تقدیرِ عبارت کیا ہے؟ ضَرْبِيْ زَيْدًا حَاصِلٌ إِذَا كَانَ قَائِمًا۔ تو ضَرْبِيْ زَيْدًا یہ ہوئی بتدا کی جانب اور حَاصِلٌ إِذَا كَانَ قَائِمًا یہ ہوئی خبر کی جانب۔ ان کے اندر یاد رکھنا بار بار فاعل اور مفعول کی بات آئے گی اور فاعل اور مفعول کس کے مراد ہوں گے؟ یہ جو ضَرْبٌ ہے یہ جو ضَرْبٌ مصدر ہے شروع میں،

یہ جو یَاء ضمیر متکلم کی ہے یہ ہے فاعل اور جو زید ہے وہ ہے مفعول، تو آگے بھی فاعل اور مفعول کی جگہ جگہ بات آئے گی تو آپ نے خود سمجھتے جانا ہے کس کے فاعل کی بات ہو رہی ہے؟ ضَرْبٌ کے، کس کے مفعول کی بات ہو رہی ہے؟ ضَرْبٌ کے، آگے آئے گا حال فاعل سے بناؤ یا حال کس سے بناؤ؟ مفعول سے بناؤ۔ تو فاعل اور مفعول کون سے مراد ہوں گے؟ یہ ضَرْبٌ کے فاعل اور مفعول مراد ہوں گے۔ ضَرْبِيْ زَيْدًا ضَرْبٌ کا فاعل کون؟ متکلم یَاء ضمیر ہے متکلم کی اور ضَرْبٌ کا مفعول کون؟ زید ہے بھائی، یہ منصوب ہے لفظاً۔

تو تقدیرِ عبارت کیا ہوئی؟ ضَرْبِيْ زَيْدًا حَاصِلٌ إِذَا كَانَ قَائِمًا۔ ترکیب کیا تھی؟ ضَرْبٌ مرفوع تقدیراً مضاف، یَاء ضمیر مجرور محلاً مضاف الیہ یہ اس کا محلِ قریب ہے مجرور ہے اور محلِ بعید کیا ہے؟ یہ فاعل ہے کس کے لیے؟ ضَرْبٌ مصدر کے لیے، اور زَيْدًا مفعول بہ ہے، ضَرْبٌ مصدر اپنے مضاف الیہ اور مفعول بہ سے مل کر بنا۔ حَاصِلٌ مرفوع لفظاً صیغہ اسمِ فاعل، اس کے اندر هُوَ ضمیر مرفوع محلاً اس کا فاعل جو کس کو راجع؟ کیا چیز حاصل ہے؟ حاصل یاد رکھو یہ حَاصِلٌ بمعنیٰ ثَابِتٌ کے ہے، آپ جانتے ہیں کون، ثبوت، وجود، حصول سب کا ایک معنیٰ ہے تو حَاصِلٌ کہہ لیں یا ثَابِتٌ کہہ لیں تو یہ حَاصِلٌ کس معنیٰ میں؟ ثَابِتٌ، کیا چیز ثابت ہے یہاں؟ یہاں حَاصِلٌ کے اندر هُوَ ضمیر کس کو راجع؟ ضَرْبٌ کو راجع کیونکہ یہ خبر ہے اور خبر کو بتدا سے جوڑتے ہیں، وہ ضَرْبٌ حاصل ہے، وہ ضَرْبٌ ثابت ہے۔ اور إِذَا كَانَ یہ کیا ہے؟ إِذَا یہ مفعول فیہ ہے، کیا ہے؟ مفعول فیہ اور یہ آگے جملے کی طرف مضاف ہوتا ہے تو آگے كَانَ فعل بھی ذکر کر دیا کیونکہ فعل اپنے فاعل سے مل کر جملہ بنے گا۔ تو إِذَا منصوب محلاً مضاف اور یہ منصوب کیوں؟ یہ مفعول فیہ ہے یعنی ظرف ہے حَاصِلٌ کے لیے۔ تو یہ مضاف۔ كَانَ، كَانَ تامہ ہے یہ ناقصہ نہیں، كَانَ فعل اس کے اندر هُوَ ضمیر مرفوع محلاً اس کا فاعل جو کس کو راجع؟ زید کو۔ کس کو؟ زید کو، کیونکہ پیچھے ایک فاعل ذکر ہوا ایک مفعول۔ فاعل متکلم کی ضمیر ہے تو یہ هُوَ ضمیر متکلم کو راجع نہیں ہو سکتی هُوَ ضمیر یعنی یَاء کو آپ راجع کر دیں، نہیں بھائی یَاء کو تو هُوَ ضمیر راجع نہیں ہو سکتی، توجہ ہے؟ ہاں زید کو راجع ہو سکتی ہے۔ یاد رکھنا زید یہ اسمِ ظاہر ہے، زید ضمیر ہے یا اسمِ ظاہر ہے؟ اسمِ ظاہر، اور یاد رکھنا اسمِ ظاہر غائب کے درجے میں ہوتا ہے اس کے لیے غائب کی ضمیر لاتے ہیں کیونکہ نام اس کا لیا جاتا ہے جو موجود نہ ہو، متکلم اپنا نام بھی نہیں لیتا، مخاطب سامنے ہوتا ہے اس کا بھی نام نہیں لیتا۔ تو متکلم اپنے آپ کو بھی نام سے تعبیر نہیں کرتا، مخاطب کو بھی نام سے تعبیر نہیں کرتا بلکہ ضمیریں استعمال کرتا ہے، اپنی بات کرنی ہو تو کہتا ہے میں آج فلاں جگہ گیا تھا، میں نے آج یہ کام کیا، میں نے آج وہ کام کیا دیکھو میں کا لفظ لا رہا ہے یعنی ضمیر لا رہا ہے۔ مخاطب کا بھی نام نہیں لیتا بلکہ پوچھتا ہے آپ کا کیا حال ہے، آپ کیا کر رہے ہیں، آپ کیا پڑھتے ہیں دیکھو ضمیر استعمال کر رہا ہے نام نہیں لے رہا۔ ہاں غائب کا پہلی دفعہ نام لیا جاتا ہے تو نام جو ہے یہ اسمِ ظاہر ہے بھائی اور اسمِ ظاہر کس کے درجے میں ہے؟ غائب، تو نام اس کا لیا جاتا ہے جو غائب ہوتا ہے۔ تو زید یہاں اسمِ ظاہر آیا اور یہ کس کے درجے میں ہے؟ غائب کے درجے میں لہٰذا هُوَ ضمیر زید کو تو لوٹ سکتی ہے متکلم کی طرف نہیں لوٹ سکتی۔

تو کَانَ کے اندر ھُوَ ضمیر مرفوع محلاً اس کا فاعل جو کس کو راجع؟ زید کو۔ اب دیکھو ذوالحال لائیں گے اور آگے حال بھی آئے گا۔ آپ ذوالحال کیسے بنانا چاہتے ہیں؟ اگر آپ زید کو یعنی زید کو اور زید کیا ہے ضَرْبٌ کے لیے مفعول بہ، مفعول بہ، اور متکلم کیا ہے ضَرْبٌ کے لیے فاعل۔ تو آپ فاعل سے حال بنانا چاہتے ہیں یا مفعول سے؟ اگر آپ مفعول سے حال بنانا چاہتے ہیں مفعول تو زید ہے تو کَانَ کے اندر ھُوَ ضمیر لے آؤ جو زید کو راجع ہے۔ اب یہ ھُوَ سے مراد زید ہے۔ تو کَانَ فعل، ھُوَ ضمیر مرفوع محلاً اس کا فاعل جو کس کو راجع؟ زید کو اور یہ ھُوَ ضمیر ذوالحال۔ اور قَائِمًا منصوب لفظاً صیغہ اسمِ فاعل، اس کے اندر ھُوَ ضمیر مرفوع محلاً اس کا فاعل جو کس کو راجع؟ ذوالحال کو۔ کس کو؟ ذوالحال بھی ھُوَ یہ بھی ھُوَ دیکھو ضمیر اور مرجع میں بھی مطابقت ہے ذوالحال بھی مفرد مذکر اور ھُوَ ضمیر جو اس کی طرف لوٹائی وہ بھی مفرد مذکر۔ تو قَائِمًا صیغہ اسمِ فاعل اپنے فاعل سے مل کر شبہِ جملہ ہو کر حال۔ حال، اور ذوالحال کیا تھا؟ کَانَ کے اندر ھُوَ ضمیر اور اس کو رفع کس نے دیا؟ کَانَ نے۔ تو جو عامل ہے ذوالحال میں وہی عامل ہے کس کے اندر؟ حال میں بھی تو معلوم ہوا قَائِمًا کو نصب بھی کس نے دیا؟ کَانَ نے نصب دیا۔ اب دیکھو بات بن گئی۔ یہ صرف اپنے ضابطے کو بچانے کے لیے یہ اتنی لمبی عبارت لائے بصرہ والے کہ حال اور ذوالحال دونوں کا عامل ایک ہوتا ہے تو یہ کَانَ یہاں نکال لیا۔ توجہ ہے؟ بات سمجھ میں آرہی ہے؟

بھائی صرف حَاصِلٌ لاتے نا ضَرْبِيْ زَيْدًا حَاصِلٌ قَائِمًا، حَاصِلٌ قَائِمًا، پھر بات نہیں بن رہی تھی ورنہ تو وہ حَاصِلٌ صرف لے آتے۔ اگر حَاصِلٌ لائیں تو حَاصِلٌ کے اندر کون سی ضمیر ہے؟ ھُوَ ضمیر ہے اور ھُوَ ضمیر وہ تو کس کو لوٹ رہی ہے؟ ضَرْبٌ کو لوٹ رہی ہے۔ تو ھُوَ ضمیر تو ضَرْبٌ کو لوٹ رہی ہے حالانکہ ہمیں یہاں زید یا متکلم کی ضمیر چاہیے جس کو آپ ذوالحال بنانا چاہتے ہیں۔ اور حَاصِلٌ تو فعلِ لازم ہے، بات سمجھ بھی آرہی ہے کہ نہیں؟ حَاصِلٌ تو کیا ہے؟ فعلِ لازم ہے وہ تو مفعول کا تقاضا ہی نہیں کرتا تو مفعول یہاں ہم لا ہی نہیں سکتے ورنہ اسی کے ساتھ ہم مفعول لے آتے اور آگے اسی سے حال بھی لے آتے تو پھر دونوں کا عامل ایک بن جاتا۔ لیکن حَاصِلٌ ھُوَ ضمیر جو ضَرْبٌ کو لوٹ رہی ہے اس کو تو رفع دے رہا ہے، زید اور متکلم کی ضمیر اس کے ساتھ جوڑنے کی گنجائش ہی نہیں ہے ورنہ ہم اسی کو ذوالحال بنا دیتے اور قَائِمًا کو اس سے حال بنا دیتے اور اس طرح دونوں کا عامل حَاصِلٌ بن جاتا۔ دونوں کا عامل پھر کون بن جاتا؟ حَاصِلٌ بن جاتا، لیکن حَاصِلٌ کے ساتھ تو مفعول آ ہی نہیں سکتا وہ تو فعلِ لازم ہے لہٰذا آگے ظرف لا کر کَانَ کا فعل لے آئے بھائی۔ إِذَا كَانَ۔ بات سمجھ میں آرہی ہے؟ تو لہٰذا اب مسئلہ حل ہو گیا جب إِذَا كَانَ لے آئے تو كَانَ عامل بن گیا ذوالحال میں بھی اور حال میں بھی، اس لیے اتنی لمبی عبارت لے کر آئے۔

پھر اس کے بعد کیا کیا گیا؟ حَاصِلٌ کو حذف کیا گیا اور إِذَا كَانَ ظرف کو اس کا قائم مقام کر دیا گیا اور ظرف کو اپنے عامل کا قائم مقام کرتے رہتے ہیں۔ زَيْدٌ عِنْدِيْ اصل میں کیا تھا؟ زَيْدٌ ثَابِتٌ عِنْدِيْ، تو ثَابِتٌ کو حذف کیا عِنْدِيْ کو اس کا قائم مقام کر دیا۔ تو یہاں بھی حَاصِلٌ کو حذف کیا اور إِذَا كَانَ کو اس کا قائم مقام کر دیا۔ پھر یہ إِذَا کو اپنے فعل یعنی كَانَ سمیت حذف کیا

اور قَائِمًا کو اس کا نائب بنا دیا اور نائب کا نائب کیا ہوتا ہے؟ نائب ہوتا ہے، معلوم ہوا کہ قَائِمًا حَاصِلٌ کا بھی نائب بن گیا۔ حَاصِلٌ کا بھی نائب بن گیا، تو یہ اس کا نائب ہوا لہٰذا اب وہ حَاصِلٌ کو ذکر نہیں کیا جا سکتا۔

تو یہ وہ صورت تھی، یہ وہ صورت تھی جب آپ نے یہ قَائِمًا کو کس سے حال بنایا؟ ضَرْبٌ کے فاعل سے یا مفعول سے؟ مفعول سے، ضَرْبِيْ زَيْدًا قَائِمًا ضَرْبٌ کا فاعل کون ہے؟ متکلم اور ضَرْبٌ کا مفعول کون؟ زید، اور یہ إِذَا كَانَ قَائِمًا یہ قَائِمًا کو ابھی ہم نے حال کس سے بنایا؟ زید سے حال بنایا کیونکہ كَانَ کے اندر هُوَ ضمیر ذوالحال ہے اور وہ زید کو لوٹ رہی ہے تو یہ حال ہے کس سے؟ زید یعنی مفعول سے، کس سے؟ اس مصدر کے مفعول سے حال ہے۔ اور اگر آپ فاعل سے حال بنانا چاہیں پھر کیا عبارت ہوگی؟ ضَرْبِيْ زَيْدًا حَاصِلٌ إِذَا كُنْتُ قَائِمًا۔ اب كَانَ کے اندر متکلم کی ضمیر ہم لائیں گے اور وہ ذوالحال اور قَائِمًا اس سے حال اور قَائِمًا کو کس سے جوڑنا ہے؟ كُنْتُ کی تَاء ضمیر سے لہٰذا قَائِمًا کے اندر بھی کون سی ضمیر نکالیں گے؟ متکلم کی یعنی أَنَا ضمیر نکالیں گے کیونکہ صفت کے صیغے کو جس قسم کی ضمیر سے جوڑیں گے اس کے اندر بھی ویسی ہی ضمیر چاہیے، تو متکلم کی ضمیر سے قَائِمًا کو ہم جوڑنا چاہتے ہیں تو پھر

اس کے اندر بھی متکلم کی ضمیر أَنَا فاعل نکالیں گے۔ یہاں تک بات سمجھ میں آ گئی؟ تو یہ بصرہ والوں کا مذہب ہے، کیوں اتنی لمبی عبارت نکالی؟ تاکہ ذوالحال اور حال دونوں کا عامل ایک ہی ہو جائے، تو كَانَ عامل بن گیا ذوالحال میں بھی اور حال میں بھی، اس لیے یہ اتنی لمبی عبارت لے کر آئے۔ تو یہ بصرہ والوں کا مذہب ہے تو بصرہ والوں کے نزدیک ضَرْبِيْ زَيْدًا قَائِمًا یہ ضَرْبٌ ایسا مصدر ہے جس کی خبر کو حذف کرنا واجب ہے، اور جہاں بھی خبر کا حذف کرنا واجب ہو وہاں دو چیزیں چاہئیں: ایک تو قرینہ چاہیے جو ہمیں بتلائے کہ کیا حذف ہے، اور ایک قائم مقام چاہیے بھائی تاکہ کیونکہ قائم مقام

مقام جب آ جائے پھر اصل نہیں آ سکتا، کیونکہ قائم مقام نے اس کی جگہ لے لی اب جگہ ہی نہیں بچی اس کے واپس آنے کی۔ وہ جو اصل تھا حَاصِلٌ وہ چلا گیا اس کی جگہ کیا آ گیا؟ قَائِمًا آ گیا۔ جب قَائِمًا نے اس کی جگہ پکڑ لی اب اس کے لیے جگہ ہی نہیں بچی وہ واپس آ ہی نہیں سکتا، تو حذف کیا ہوا؟ واجب ہوا۔ تو جہاں بھی حذف واجب ہو خبر کے اندر وہاں کتنی چیزیں واجب؟ ایک تو قرینہ چاہیے، دوسرا اس کا کوئی قائم مقام چاہیے۔ تو قائم مقام کیا ہے؟ قَائِمًا، کس کا قائم مقام ہے یہ؟ حَاصِلٌ کا۔ وہ حَاصِلٌ کہہ لیں یا ثَابِتٌ کہہ لیں۔

اور قرینہ بھی تو چاہیے، تو قرینہ کیا ہے اس پر بھائی؟ تو قرینہ یاد رکھو بھائی قرینہ یہاں قَائِمًا ہے، اس حَاصِلٌ پر یہ قَائِمًا قرینہ موجود ہے۔ بھائی حَاصِلٌ پر قَائِمًا کیسے قرینہ موجود ہے؟ تو کہتے ہیں بھائی دیکھیے یہاں یہ توجہ سے سنو ضَرْبِيْ زَيْدًا قَائِمًا، بھائی قرینہ یہاں قَائِمًا ہے، وہ اس طرح کہ یہ جو ضَرْبٌ مصدر یہ جو مبتدا ہے یہاں مقصد یہ خبر دینا ہے کہ یہ مقید ہے قیام کے ساتھ، توجہ ہے؟ باریک بات ہے خوب توجہ سے سمجھ لو۔ ضَرْبِيْ زَيْدًا قَائِمًا، یہ قَائِمًا کس کے قائم مقام؟ حَاصِلٌ کے قائم مقام۔ تو حَاصِلٌ خبر محذوف ہے، اور جب خبر محذوف ہو تو کوئی قرینہ بھی چاہیے جس سے سننے والے کو پتہ چلے کہ یہاں یہ لفظ محذوف

ہے بھائی۔ قرینہ اس پر دلالت کرتا ہے۔ تو کیا چیز اس پر دلالت کر رہی ہے؟ کہتے ہیں یہی قَائِمًا اس خبرِ محذوف پر دلالت کر رہا ہے۔ اس لیے کیونکہ یہاں پر یہ جو مصدر ضَرْبٌ آیا اس کے بارے میں یہ خبر دینا مقصود ہے کہ یہ قیام کے ساتھ مقید ہے۔ توجہ سے سنو، میں اس ضَرْبٌ کے بارے میں خبر دینا چاہتا ہوں کہ یہ ضَرْبٌ قیام سے مقید ہے۔ میں کیا خبر دینا چاہتا ہوں؟ میں اسی ضَرْبٌ کے بارے میں خبر دینا چاہتا ہوں اور کیا خبر دینا چاہتا ہوں؟ کہ یہ جو ضَرْبٌ جو بتدا میں ذکر ہو رہی ہے یہ قیام کے ساتھ مقید ہے، اور قیام کے ساتھ یہ ضَرْبٌ تبھی مقید ہو سکتی ہے جب پہلے اس کا ثبوت تو ہو۔ ثبوت ہو گا تو پھر قیام سے مقید ہو سکتی ہے، جب تک ثبوت نہیں قیام سے مقید کیسے کریں گے آپ اس کو؟ توجہ ہے؟ میں کس کے بارے میں خبر دینا چاہتا ہوں؟ یہ جو ضَرْبٌ گزری کون سی ضَرْبٌ؟ جو بتدا میں ذکر ہو رہی ہے یہ جو میں نے زید کو لگائی ہے۔ میں اس ضَرْبٌ کے بارے میں خبر دینا چاہتا ہوں کہ یہ ضَرْبٌ مقید ہے کس چیز کے ساتھ؟ قیام کے ساتھ، لہٰذا میں کہتا ہوں ضَرْبِيْ زَيْدًا قَائِمًا۔ تو یہ میں نے کیا خبر دی؟ یہ ضَرْبٌ مقید ہے کس کے ساتھ؟ قیام کے ساتھ۔ تو یہ قَائِمًا حال ہے اور یہ قید ہے اس کے لیے، اور یہ قید تبھی آ سکتی ہے جب پہلے ضَرْبٌ کا ثبوت تو ہو۔ ثبوت ہو گا حصول ہو گا تو پھر ہی آپ اس کو مقید کر سکتے ہیں، بغیر حصول و ثبوت کے مقید کر سکتے ہیں؟ بغیر ثبوت اور حصول کے مقید نہیں کر سکتے۔ پہلے اس ضَرْبٌ کا ثبوت چاہیے پھر آپ اس کو مقید کریں گے۔ بھائی اگر ضَرْبٌ لگی ہی نہیں ہے تو پھر کیسے قیام کے ساتھ آپ مقید کر سکتے ہیں؟ تو مقید کب کر سکتے ہیں آپ؟ جب پہلے اس کا ثبوت آ جائے اس کا حصول ہو جائے۔ توجہ ہے؟ تو اس لیے یہاں حَاصِلٌ خبر محذوف ہے یعنی وہ جو ضَرْبٌ ہے حاصل ہے ثابت ہے اور پھر اس کے بعد اس کو قَائِمًا کے ساتھ مقید کر دیا گیا، جب ثابت اور حاصل ہے اب اس کو قَائِمًا کے ساتھ مقید کرنا صحیح ہے۔ بات سمجھ میں آئی؟ پھر سنو، ضَرْبِيْ زَيْدًا قَائِمًا میں اس ضَرْبٌ کے بارے میں خبر دینا چاہتا ہوں کون سی ضَرْبٌ؟ ضَرْبِيْ زَيْدًا قَائِمًا یہ جو میری ضَرْبٌ ہے زید پر اس کے بارے میں خبر دینا چاہتا ہوں کہ یہ ضَرْبٌ مقید ہے کس چیز کے ساتھ؟ قیام کے ساتھ، اور ضَرْبٌ کو آپ قیام کے ساتھ تبھی مقید کر سکتے ہیں پہلے اس کا ثبوت تو پیش کریں۔ ثبوت ہو گا تو پھر ہی قیام سے مقید کر سکتے ہیں، اگر اس کا ثبوت ہی نہیں ہے وہ ضَرْبٌ لگی ہی نہیں ہے تو اس قیام سے کیسے اس کو مقید کر سکتے ہیں؟ تو پہلے کیا ضروری؟ ثبوت اور حصول ضروری ہے اس کے بعد ہی مقید ہو گی، لہٰذا قَائِمًا قید تو ذکر ہے حَاصِلٌ تو ذکر نہیں لیکن وہ خود ہی سمجھ میں آ گیا کہ حَاصِلٌ ہے ثبوت ہے اس کے بعد ہی اس کو قید کیا جا رہا ہے۔ تو حَاصِلٌ اور ثَابِتٌ یہاں پر کیا ہے؟ خبر محذوف ہے، کس نے بتایا؟ قَائِمًا نے بتایا، کیونکہ قَائِمًا قید ہے اور قید کب آتی ہے؟ جب ایک چیز کا ثبوت ہو، اس ایک چیز کا ثبوت ہی نہیں ہے تو اس کو مقید کیسے کیا جا سکتا ہے؟ تو یہ قَائِمًا جو ہے یہ قرینہ ہے اس حَاصِلٌ پر بھی۔ بات سمجھ آ گئی؟ اچھی طرح؟ کہ میں اس اپنی ضَرْبٌ کے بارے میں خبر دینا چاہتا ہوں کہ وہ مقید ہے قیام کے ساتھ اور مقید کب ہو گی جب پہلے ضَرْبٌ حاصل تو ہو۔ حاصل ہوئی ہے ثابت ہوئی

ہے تو پھر ہی مقید بھی میں کر سکتا ہوں، اگر حاصل اور ثابت ہی نہیں ہے تو مقید کیسے کروں گا؟ لہٰذا حاصل اور ثابت یہاں محذوف ہے خود ہی پتہ چل گیا بھائی۔ بات اچھی طرح سمجھ میں آگئی؟ تو یہ قَائِمًا قرینہ بتلا رہا ہے کہ حاصل ہو چکی ہے، حَاصِلٌ یہاں خبر ہے بھائی اور پھر اس کے بعد یہ قَائِمًا اس کے لیے کیا بنی ہے؟ قید بنی ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟

اچھا تو بصرہ والوں کے نزدیک ضَرْبِيْ زَيْدًا قَائِمًا میں تقدیرِ عبارت کیا ہے؟ ضَرْبِيْ زَيْدًا حَاصِلٌ إِذَا كَانَ قَائِمًا۔ جبکہ علامہ رضی فرماتے ہیں کہ یہ بصرہ والوں کے مذہب میں کئی تکلفات لازم آتے ہیں۔ ایک تو تکلف یہ ہے کہ إِذَا كَانَ پورے کو حذف کر دیا یعنی ظرف کو اپنے فعل سمیت حذف کر دیا حالانکہ اس کی اور کوئی مثال نہیں جہاں پر ظرف کو اپنے فعل سمیت حذف کیا گیا ہو۔ دوسرا تکلف اس کے اندر یہ ہے کہ كَانَ کو تامہ قرار دیا گیا حالانکہ كَانَ کے اندر اصل ناقصہ ہونا ہے۔ اور تیسری خرابی یہ ہے کہ إِذَا كَانَ کو حذف کر کے قَائِمًا یعنی حال کو اس کا قائم مقام بنایا گیا ہے اور اس کی نظیر اور کہیں نہیں کلامِ عرب میں کہ ظرف کو حذف کر لیا جائے اور حال کو اس کا قائم مقام بنا دیا جائے۔ تو کتنے تکلفات لازم آئے؟ تین تکلفات: ایک تو إِذَا كَانَ کو حذف کیا گیا یعنی إِذَا کو اپنے فعل سمیت حذف کر لیا گیا، دوسرا كَانَ کو تامہ قرار دیا گیا حالانکہ كَانَ کے اندر اصل ہے ناقصہ ہونا، اور تیسری خرابی یہ ہے کہ ظرف کا قائم مقام حال کو بنا دیا گیا حالانکہ پورے کلامِ عرب میں اس کی کوئی مثال نہیں ہے بھائی۔ تو چنانچہ وہ فرماتے ہیں کہ میرے نزدیک اس کلام کی تقدیر یہ ہے کہ یوں کہا جائے ضَرْبِيْ زَيْدًا يُلَابِسُهُ قَائِمًا۔ يُلَابِسُهُ قَائِمًا، اگر آپ مفعول سے حال بنانا چاہتے ہیں۔ يُلَابِسُهُ، يُلَابِسُ کا معنیٰ ہے جڑنا، متعلق ہونا اور اس کے اندر هُوَ ضمیر فاعل کی ہے وہ کس کو راجع؟ کیا چیز جڑی ہوئی ہے؟ وہ ضَرْبٌ جڑی ہوئی ہے، تو يُلَابِسُهُ فعل محذوف ہے، اس کے اندر هُوَ ضمیر کس کو راجع؟ ضَرْبٌ کو، وہ ضَرْبٌ جڑی ہوئی ہے اور اس يُلَابِسُ کے ساتھ هَا ضمیر یہ مفعول بہ ہے اور یہ کس کو راجع؟ زید کو، تو اب آگے قَائِمًا اس هَا ضمیر سے حال آگیا۔ تو يُلَابِسُهُ، یہ هَا ضمیر میں عامل کون؟ يُلَابِسُ، تو یہ ذوالحال میں عامل ہے، تو قَائِمًا کے اندر بھی یہی عامل بن گیا، تو دیکھو مسئلہ حل ہو گیا۔ تو لہٰذا انہوں نے حَاصِلٌ خبر نکالی ہی نہیں بلکہ افعالِ عامہ میں سے وہ فعل لیا جس کے لیے مفعول بھی آتا ہے۔ اور چونکہ یہ بہترین عبارت انہوں نے نکالی اسی لیے صاحبِ جامی نے بھی ان کی عبارت کو نقل کیا کہ علامہ رضی کے نزدیک اس کی تقدیر یہ ہے اور اس صورت میں پھر اس کے اندر کوئی تکلف نہیں کرنا پڑتا۔ تو تقدیرِ عبارت کیا ہوئی؟ ضَرْبِيْ زَيْدًا يُلَابِسُهُ قَائِمًا، یہ کب؟ جب آپ حال کس سے بنائیں؟ مفعول سے یعنی زید سے، اور اگر آپ حال بنائیں متکلم سے یعنی فاعل سے پھر کیسے کہیں گے؟ ضَرْبِيْ زَيْدًا يُلَابِسُنِيْ قَائِمًا۔ يُلَابِسُنِيْ قَائِمًا، اور یہ يَاء متکلم کیا ہے؟ یہ ضَرْبٌ کے لیے فاعل تھی پیچھے تو یہ فاعل سے حال بنا رہے ہیں، توجہ ہے؟ تو اب دیکھو حال اور ذوالحال دونوں کا عامل ایک بن گیا، مسئلہ حل ہو گیا اور اس میں کوئی تکلف نہیں کرنا پڑتا۔ اس میں کوئی تکلف نہیں کرنا پڑتا۔ ضَرْبِيْ زَيْدًا يُلَابِسُهُ قَائِمًا اس کے اندر سب سے پہلے کیا کیا گیا؟ يُلَابِسُهُ کے آخر سے ذوالحال کی ضمیر کو حذف کر دیا گیا اور انہوں نے آپ کو بتلایا تھا کہ ذوالحال پر جب قرینہ موجود ہو تو اس کو حذف کرنا جائز ہے بھائی۔

تو عبارت کیا رہ گئی؟ يُلَابِسُهُ کے آخر سے هَا ضمیر حذف کر دیں باقی عبارت پڑھیں کیا بن گئی؟ ضَرْبِيْ زَيْدًا يُلَابِسُ قَائِمًا۔ پھر اس يُلَابِسُ کو حذف کر دیا گیا، یہ يُلَابِسُ جو ابتدا کی خبر بھی ہے اور جو قَائِمًا کے اندر عامل بھی ہے اس يُلَابِسُ کو حذف کر دیا گیا اور اس قَائِمًا کو اس کا قائم مقام کر دیا گیا۔ جب قائم مقام کر دیا اب يُلَابِسُ ذکر نہیں ہو سکتا بھائی، اس کا حذف واجب ہو گیا۔ تو عامل کو حذف کیا اور حال کو اس کا قائم مقام کیا اور اس کی مثالیں بھی عربی میں موجود ہیں۔ جیسے مسافر سے کہا جاتا ہے رَاشِدًا مَهْدِيًّا، اصل میں کیا تھا؟ سِرْ رَاشِدًا مَهْدِيًّا، یعنی تم جاؤ راستے کو پاتے ہوئے، تم راہ یاب ہو کر جاؤ بھائی راستے کو پاتے ہوئے جاؤ یعنی راستے سے نہ بھٹکو بھائی۔ تو یہ دعا ہے جب مسافر جاتا ہے اس کو یہ دعا دی جاتی بھائی۔ اور اس کے اندر سِرْ فعلِ امر ہے اور اس کے اندر أَنْتَ ضمیر مرفوع محلاً اس کا فاعل اور یہی ذوالحال ہے، اور رَاشِدًا اور مَهْدِيًّا اسی سے حال ہے۔ تو رَاشِدًا حال کس سے؟ سِرْ کے اندر أَنْتَ ضمیر سے، تو اور حال کو کس سے جوڑتے ہیں؟ ذوالحال سے، تو أَنْتَ ذوالحال ہے، تو اس رَاشِدًا کے اندر بھی کون سی ضمیر؟ أَنْتَ ضمیر ہے اور وہ أَنْتَ ضمیر رَاشِدًا کے لیے فاعل کیونکہ یہ اسمِ فاعل کا صیغہ ہے، اور مَهْدِيًّا یہ اسمِ مفعول کا صیغہ ہے تو اس کے اندر بھی أَنْتَ ضمیر ہے کیونکہ یہ بھی کس سے حال ہے؟ یہ بھی أَنْتَ وہ جو سِرْ کے اندر أَنْتَ ضمیر تھی یہ بھی اس سے حال ہے، تو یہ مَهْدِيًّا اسمِ مفعول ہے اس کے اندر بھی أَنْتَ ضمیر اور وہ نائب الفاعل ہے بھائی۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو یہاں پر دیکھو وہی سِرْ عامل ہے ذوالحال میں بھی اور حال میں بھی، اور اس سِرْ کو حذف کر لیا گیا عامل کو حذف کر لیا اور رَاشِدًا مَهْدِيًّا حال کو اس کا قائم مقام بنا دیا۔ تو یہ بھی کلامِ عرب میں ہوتا ہے کہ عامل کو حذف کر لیتے ہیں اور حال کو اس کا قائم مقام کر دیتے ہیں۔ لہٰذا علامہ رضی کی عبارت پر کوئی اشکال نہیں ہوتا، تو ان کے نزدیک بھی يُلَابِسُ جو ابتدا کی خبر بھی تھی اور جو حال کے اندر عامل بھی تھا اس يُلَابِسُ کو حذف کیا، عامل کو حذف کیا اور حال قَائِمًا کو اس کا قائم مقام بنا دیا۔ تو علامہ رضی کی عبارت پر کوئی اشکال نہیں ہوتا۔

اور پھر اس کے بعد کوفہ والوں کا مذہب ذکر ہوا تھا۔ کوفہ والے کیا فرماتے ہیں؟ ضَرْبِيْ زَيْدًا قَائِمًا وہ فرماتے ہیں یہ قَائِمًا کو خبر کی جانب نہ لے کر جاؤ اس کو ابتدا کی جانب ہی رکھو اور اس کے بعد ایک حَاصِلٌ خبر نکال لو۔ تو گویا ان کے نزدیک تقدیرِ عبارت یہ ہے ضَرْبِيْ زَيْدًا قَائِمًا حَاصِلٌ۔ اب یہ قَائِمًا کس سے حال ہے؟ چاہے آپ ضَرْبِيْ کی يَاء ضمیر سے بنا لیں چاہے زَيْدًا سے حال بنا لیں۔ توجہ ہے؟ کوفہ والوں کے نزدیک یہ قَائِمًا خبر کی طرف نہیں ہے بلکہ کس کی طرف ہے؟ ابتدا کی طرف ہے، یہ ابتدا کے متعلقات میں سے ہے، ابتدا کے ساتھ ہی اس کو جوڑیں گے، توجہ ہے؟ پہلے بصرہ والوں کا مذہب ذکر ہوا ان کے نزدیک یہ قَائِمًا کس جانب میں تھا؟ خبر کی جانب تھا یہ خبر کا قائم مقام تھا، اور کوفہ والوں کے نزدیک یہ قَائِمًا کس کی جانب میں ہے؟ یہ ابتدا کی جانب میں ہے اور یہ قَائِمًا ضَرْبٌ کے فاعل سے بھی آپ حال بنا سکتے ہیں اور مفعول سے بھی۔ ضَرْبِيْ زَيْدًا قَائِمًا حَاصِلٌ، ذوالحال کسے بنانا چاہتے ہو؟ مثلاً ہم ذوالحال ضَرْبٌ کے فاعل کو بناتے ہیں یعنی يَاء متکلم کو، ضَرْبِيْ، تو یہ يَاء ہوئی ذوالحال اور قَائِمًا اس سے حال اور اس حال کے اندر کون سی ضمیر؟ أَنَا ضمیر، تو یہ حال ہوا۔ اور اگر آپ اس کو

زَیْدًا سے حال بنانا چاہتے ہیں تو قَائِمًا کے اندر کون سی ضمیر؟ هُوَ ضمیر، توجہ ہے؟ اور دیکھو وہ خرابی بھی لازم نہیں آرہی، ضَرْبِيْ، یہ یَاء کے اندر عامل کون؟ ضَرْبٌ، اور زَیْدًا کے اندر بھی عامل کون؟ ضَرْبٌ، اور یہ قَائِمًا جو ان دونوں میں سے کسی ایک سے حال آرہا ہے اس کے اندر بھی عامل کون؟ یہی ضَرْبٌ عامل ہے۔ تو مسئلہ حل ہو گیا، حال اور ذوالحال دونوں کا عامل ایک ہی ہے۔ اس کو بتدا کی جانب لے آؤ دونوں کا عامل ایک ہی بن جائے گا، یہی ضَرْبٌ عامل ہے اور حَاصِلٌ کو آخر میں نکال لیں خبر کو۔ لیکن یہ مذہب بھی درست نہیں ہے بھائی، اس میں دو خرابیاں لازم آتی ہیں۔ ایک خرابی تو یہ کہ حَاصِلٌ کو حذف کیا اور اس کا کوئی قائم مقام نہیں حالانکہ قائم مقام ہونا چاہیے تب ہی حذف واجب ہو گا، اس کے بغیر تو حذف واجب نہیں۔ آپ کہیں گے یہ قَائِمًا کو اس کا نائب بنا دو جیسے بصرہ والوں نے کیا تھا۔ جواب یہ کہ قَائِمًا تو آپ نے بتدا کی جانب آپ اس کو لے گئے ہیں، بتدا کی طرف جو چیزیں ہیں وہ خبر کے قائم مقام نہیں ہو سکتیں اور خبر کی طرف جو چیزیں ہیں وہ بتدا کے قائم مقام نہیں ہو سکتیں۔ قَائِمًا کو کوفہ والے کس طرف لے گئے؟ بتدا کی جانب میں، لہٰذا یہ خبر حَاصِلٌ کا قائم مقام نہیں بن سکتا، اس کا قائم مقام کوئی اور چیز چاہیے اور آگے تو اور کوئی لفظ ہی نہیں ہے۔ تو خبر کو حذف کرنا لازم ہوا بغیر کسی قائم مقام کے، یہ درست نہیں۔ اور دوسری خرابی یہ لازم آتی ہے کہ اس طرح کا جو بتدا ہوتا ہے اس میں عموم مقصود ہوتا ہے، اس طرح کا جو بتدا ہوتا ہے اس میں عموم مقصود ہوتا ہے۔ اور اس کی دلیل کیا ہے کہ اس میں عموم مقصود ہوتا ہے؟ کہتے ہیں اس کی دلیل عرب کا استعمال ہے بھائی، اس کی دلیل عرب کا استعمال ہے۔ عرب یہ جو کلام ہے ضَرْبِيْ زَیْدًا قَائِمًا اس قسم کا کلام ہمیشہ اس جگہ استعمال کرتے ہیں جہاں عموم بھی مقصود ہوتا ہے اور حصر بھی، عموم بھی اور حصر بھی۔ اور میں نے ضابطہ بتلایا تھا کہ جب اسمِ جنس معرفہ آئے اور کوئی قرینہ تخصیص کا نہ ہو تو پھر وہ

استغراق کا فائدہ دیتا ہے، عموم کا فائدہ دیتا ہے، وہ اپنی تمام جنس کو شامل ہو جاتا ہے۔ اور مصدر بھی اسمِ جنس ہے بھائی، اور ضَرْبٌ مصدر ہے اور یَاء ضمیر کی طرف مضاف ہوا تو یہ معرفہ بن گیا، اور اسمِ جنس جب معرف ہو اور تخصیص کا کوئی قرینہ نہ ہو تو وہ استغراق اور عموم کا فائدہ دیتا ہے۔ تو ضَرْبِيْ زَیْدًا کا کیا معنیٰ ہوا؟ میری جو بھی ضرب ہے زید پر، یعنی ہر ضرب اس کے اندر آ گئی، توجہ ہے؟ تو میری ہر ضرب جو زید پر ہے وہ حاصل ہے کس حالت میں؟ قیام کی حالت میں حاصل ہے۔ معلوم ہوا کوئی ایک ضرب بھی جو میری زید پر واقع ہے وہ قعود کی حالت میں نہیں ہے، دیکھو یہ تخصیص آ گئی۔ چنانچہ سب کے نزدیک بالاتفاق اس کلام کا معنیٰ ہے مَا أَضْرِبُ زَیْدًا إِلَّا قَائِمًا۔ یہ ضَرْبِيْ زَیْدًا قَائِمًا اس کلام کا معنیٰ بالاتفاق کیا ہے؟ مَا أَضْرِبُ زَیْدًا إِلَّا قَائِمًا، میں زید کی پٹائی نہیں کرتا مگر صرف قیام کی حالت میں۔ تو اس کا یہ معنیٰ ہے، لیکن کوفہ والوں کے مذہب کو لیا جائے تو پھر اس کے اندر عموم باقی نہیں رہتا، عموم بھی نہیں رہے گا تخصیص بھی نہیں رہے گی بھائی۔ کس طرح؟ کیونکہ انہوں نے قَائِمًا کو کس سے جوڑ دیا؟ بتدا سے۔ پہلے بات چل رہی تھی میری جو بھی ضرب ہے

زید پر، اب قیام کی قید بھی ساتھ لگ گئی، میری جو ضرب ہے زید پر قیام کی حالت میں، آگے حَاصِلٌ وہ حاصل ہے وہ ثابت ہے۔ میری وہ ضرب جو زید پر قیام کی حالت میں ہے وہ ثابت ہے۔ تو اس میں تو صرف قیام کی حالت میں جو ضرب ہے اس کا ذکر ہے، قعود کی حالت کا تو ذکر ہی نہیں ہے۔ تو عموم بھی نہ رہا، مقصود تو کیا تھا؟ عموم، میری جو بھی ضرب ہے ہونا یہ معنیٰ چاہیے تھا، لیکن یہاں کون سی ضرب رہ گئی؟ قیام کی حالت میں جو ضرب ہے صرف وہ مراد ہے کیونکہ قَائِمًا آپ نے اس کے لیے قید بڑھا دی، کیا بڑھا دی؟ تو ضَرْبِيْ زَيْدًا قَائِمًا کا کیا معنیٰ؟ میری جو بھی ضرب ہے زید پر قیام کی حالت میں حَاصِلٌ آگے خبر آگئی وہ حاصل ہے۔ تو معلوم ہوا قیام کی حالت میں جو ضرب ہے آپ صرف اس کی بات کر رہے ہیں، تو یہ تو بتدا کے اندر عموم نہیں رہا اس کے اندر سے تو وہ ضربیں نکل گئیں جو قعود کی حالت میں ہوتی ہیں ان کا تو آپ نے ذکر ہی نہیں کیا حالانکہ اس بتدا میں تو کیا مقصود ہوتا ہے؟ عموم مقصود ہوتا ہے ہر طرح کی ضرب اس میں داخل ہونی چاہیے بھائی۔ تو عموم بھی نہیں اور نیز حصر بھی نہیں ہے، اس سے تو صرف اتنا پتہ چلا کہ میری جو بھی ضرب زید پر قیام کی حالت میں ہے حَاصِلٌ وہ ثابت ہے، قعود کی حالت کی ضرب کی تو یہاں بات ہی نہیں ہوئی، حالانکہ تخصیص کسے کہتے ہیں؟ کہ ایک چیز کا اثبات ہو تو دوسرے کی نفی ہو، تو یہاں تو قعود کی حالت میں ضرب کی کوئی نفی نہیں ہوئی۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو لہٰذا کوفہ والوں کے مذہب میں دو خرابیاں لازم آئیں کیا؟ ضَرْبِيْ زَيْدًا قَائِمًا حَاصِلٌ، آخر میں حَاصِلٌ خبر کو حذف کیا گیا اور اس کا قائم مقام کسی کو نہیں بنایا گیا، اور نیز قَائِمًا کو ضرب کے لیے قید بنا دیا تو اس کے اندر تو قیام والی ضربیں آگئیں قعود والی ضربوں کا تو ذکر ہی نہیں، تو عموم بھی باقی نہ رہا صرف قیام والی ضربوں کا ذکر ہوا قعود کا ذکر ہی نہیں ہوا، اور نیز تخصیص بھی نہیں ہے کہ قعود کی ضربوں کی نفی ہو جائے وہ بھی اس کے اندر نہیں ہے۔ ہاں حال اور ذوالحال کا عامل ایک ہی بن گیا وہ مسئلہ حل ہو گیا۔ ضَرْبِيْ زَيْدًا قَائِمًا یہی ضرب عامل ہے کس کے اندر؟ ذوالحال میں بھی چاہے متکلم ہے چاہے زید ہے، اور یہی ضرب عامل ہے کس کے اندر؟ قَائِمًا کے اندر بھی کیونکہ وہ قَائِمًا اسی فاعل یا مفعول سے حال ہے۔ توجہ ہے؟ تو حال اور ذوالحال کا عامل ایک بن گیا، لیکن دو خرابیاں آئیں کہ خبر کو بغیر کسی قائم مقام کے حذف کر دیا اور دوسرا بتدا کے اندر عموم ختم ہو گیا اور نیز تخصیص بھی باقی نہ رہی۔

پھر اس کے بعد امام اخفش کا مذہب ذکر کیا۔ امام اخفش فرماتے ہیں کہ اس بتدا کی خبر یہ جو مصدر پیچھے گزرا اس بتدا کی خبر یہی مصدر دوبارہ لے آئیں اور اس کو ذوالحال کی طرف مضاف کر دیں۔ بتدا پیچھے کیا آیا تھا؟ ضَرْبِيْ زَيْدًا، یہ ضَرْبٌ بتدا تھا۔ اسی ضرب کو دوبارہ لے آئیں اور اس مصدر کی پھر اضافت کر دیں کس کی طرف؟ فاعل یا مفعول، جس کو بھی ذوالحال بنانا چاہتے ہو اس کی طرف اضافت کر دو۔ آپ ذوالحال کس کو بنانا چاہتے ہیں؟ پیچھے کون آیا تھا؟ ضَرْبِيْ زَيْدًا، يَاء متکلم فاعل ہے اور زَيْدًا مفعول ہے۔ آپ فاعل سے آگے حال لانا چاہتے ہو تو فاعل کی طرف اس ضَرْبٌ مصدر کی اضافت

کر دو، اور آپ مفعول سے حال بنانا چاہتے ہو تو مفعول کی طرف اس کی اضافت کر دو۔ تو ان کے نزدیک تقدیرِ عبارت کیا ہو گی؟ ضَرْبِيْ زَيْدًا آگے دوبارہ یہی ضَرْبٌ مصدر لے آؤ، ضَرْبِيْ زَيْدًا ضَرْبُ اور آگے اس مصدر کی اضافت کر دو کس سے حال بنانا چاہتے ہو؟ زید سے یا متکلم سے؟ یعنی فاعل سے یا مفعول سے؟ مثلاً مفعول سے ہم پہلے بناتے ہیں زید سے اور زید کی طرف ضمیر لے آؤ تو وہ اس کے ساتھ جوڑ دو ضَرْبُهُ، ضَرْبِيْ زَيْدًا ضَرْبُهُ۔ یہ هَا ضمیر کس کو لوٹائی ہم نے؟ زید یعنی مفعول کو اور آگے قَائِمًا لے آؤ ضَرْبِيْ زَيْدًا ضَرْبُهُ قَائِمًا۔ اب دیکھو ضَرْبُهُ کے اندر هَا ضمیر ذوالحال ہے اور قَائِمًا اس سے حال، اور ضَرْبُهُ کی یہ هَا ضمیر ہے اس کے اندر عامل کون؟ ضَرْبٌ، اور یہ قَائِمًا میں بھی عامل کون؟ ضَرْبٌ، تو دیکھو حال اور ذوالحال دونوں کا عامل ایک ہوا تو مسئلہ حل ہو گیا۔ اور نیز امام اخفش کی ترکیب بہتر ہے بھائی کوفہ والوں سے۔ امام اخفش کے نزدیک کیا ترکیب ہو گئی؟ ضَرْبِيْ زَيْدًا ضَرْبُهُ قَائِمًا۔ معنیٰ کیا؟ ضَرْبِيْ زَيْدًا میری وہ جو ضرب ہے جو زید پر واقع ہوتی ہے، ضَرْبُهُ قَائِمًا وہ ضرب ہوتی ہے جو زید کے قیام کی حالت میں ہوتی ہے۔ میری وہ ضرب جو زید پر واقع ہوتی ہے وہ ضرب ہے جو زید پر قیام کی حالت میں واقع ہوتی ہے، معلوم ہوا میری جو بھی ضرب زید پر واقع ہوتی ہے وہ ضرب ہے جو قیام کی حالت میں ہوتی ہے، معلوم ہوا قعود کی حالت میں کوئی ضرب نہیں ہوتی۔ دیکھا عموم بھی باقی ہے، میری جو بھی ضرب زید پر ہوتی ہے ضَرْبُهُ قَائِمًا وہ زید کی ضرب ہوتی ہے اس کے قیام کی حالت میں۔ تو دیکھو عموم بھی ہے اور تخصیص بھی ہے، معلوم ہوا قعود کی حالت میں کوئی ضرب نہیں ہوتی۔ لیکن امام اخفش کے مذہب میں خرابی یہ کہ ضَرْبُهُ کو حذف کر لیا گیا اور قَائِمًا کو باقی رکھا گیا کیونکہ عبارت کیا ہے؟ ضَرْبِيْ زَيْدًا قَائِمًا، وہ ضَرْبُهُ کو تو حذف کر لیا وہ جو خبر تھی اس کو حذف کر دیا اور قَائِمًا کو اس کا قائم مقام بنا دیا۔ تو ان کے مذہب پر خرابی یہ لازم آتی ہے کہ مصدر عاملِ ضعیف ہے اور عاملِ ضعیف مصدر کو حذف کر دیا اور اس کے معمول یعنی قَائِمًا کو باقی رکھا بھائی، حالانکہ یہ ممتنع ہے یہ جائز نہیں کہ مصدر کو حذف کر دیا جائے اور اس کے معمول کو باقی رکھا جائے، یہ جائز نہیں ہے۔ امام اخفش کے نزدیک کیا ترکیب ہو گئی؟ ضَرْبِيْ زَيْدًا ضَرْبُهُ قَائِمًا۔ ضَرْبِيْ زَيْدًا ہے بتدا اور ضَرْبُهُ قَائِمًا یہ کیا ہے؟ خبر، اس میں سے ضَرْبُهُ کو حذف کر دیا اور قَائِمًا کو اس کا قائم مقام بنا دیا۔ یہ تو وہ صورت تھی جب ہم نے حال بنایا تھا مفعول سے زید سے، اگر فاعل سے حال بناؤ پھر کیسے کہیں گے؟ آگے خبر میں مصدر وہی ضرب دوبارہ لے آؤ اور فاعل کی طرف اضافت کر دو، اور فاعل تو کون ہے؟ متکلم، تو آگے خبر بنائیں گے ضَرْبِيْ قَائِمًا۔ تو پوری عبارت کیا بن گئی؟ ضَرْبِيْ زَيْدًا ضَرْبِيْ قَائِمًا۔ ضَرْبِيْ زَيْدًا یہ کیا ہے؟ بتدا، اور ضَرْبِيْ قَائِمًا یہ کیا ہے؟ خبر۔ تو خبر میں اسی مصدر کو دوبارہ لے آئے اور ذوالحال کی طرف اس کی اضافت کر دی اور ذوالحال ہم کس کو بنانا چاہتے ہیں؟ فاعل کو، کس کو؟ فاعل کو۔ پہلا جو ضَرْبِيْ آیا تھا اس کا فاعل کون تھا؟ متکلم تھا، تو آگے خبر میں بھی اسی کو ہم ذوالحال بنانا چاہتے ہیں تو اسی یَاء کی طرف ضرب کی دوبارہ اضافت کر دو۔ ضَرْبِيْ زَيْدًا کیا ہوا؟ بتدا، اور ضَرْبِيْ قَائِمًا کیا ہوئی؟ خبر۔ تو اس کے اندر یہ یَاء ضمیر ذوالحال اور قَائِمًا اس سے حال، پھر اس ضَرْبِيْ کو حذف کر دیا اور قَائِمًا کو اس کا قائم مقام کر دیا۔

اور ترکیب کیا ہوگی؟ ضَرْبِيْ زَيْدًا ضَرْبِيْ قَائِمًا، ضَرْبِيْ زَيْدًا ہے مبتدا اور ضَرْبِيْ قَائِمًا ہے خبر۔ ترکیب کیا ہوگی؟ ضَرْبٌ مرفوع تقدیراً، شروع سے شروع سے: ضَرْبٌ مرفوع تقدیراً مضاف، مرفوع کیوں؟ مبتدا ہے، مبتدا ہے کس کی ترکیب ہم کر رہے ہیں؟ ضَرْبِيْ زَيْدًا کی، آگے خبر کیا آئے گی؟ ضَرْبِيْ قَائِمًا وہ پھر آئے گی۔ تو ضَرْبٌ مرفوع تقدیراً مضاف، مرفوع کیوں؟ مبتدا ہے، يَاء ضمیر مجرور محلاً مضاف الیہ، اور زَيْدًا منصوب لفظاً مفعول بہ، مصدر اپنے مضاف الیہ اور مفعول بہ سے مل کر مبتدا۔ آگے خبر کیا آئی؟ ضَرْبِيْ قَائِمًا، اس کے اندر ضَرْبٌ مرفوع تقدیراً مضاف، مرفوع کیوں؟ کیونکہ یہ خبر ہے، يَاء ضمیر مجرور محلاً ذوالحال بھائی یہ ذوالحال بھائی پھر اس کو مضاف الیہ بنائیں گے ہے تو مضاف الیہ ہی لیکن حال کو بھی جوڑنا ہے ساتھ، تو یہ ذوالحال، قَائِمًا منصوب لفظاً صیغہ اسمِ فاعل، اس کے اندر يَاء ضمیر سے ہم جوڑ رہے ہیں تو اس کے اندر أَنَا ضمیر مرفوع محلاً اس کا فاعل، اسمِ فاعل اپنے فاعل سے مل کر شبہِ جملہ ہو کر حال ہوا يَاء ضمیر کے لیے۔ ذوالحال اپنے حال سے مل کر مضاف الیہ ہوا ضَرْبٌ کے لیے، مضاف مضاف الیہ مل کر خبر، مبتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔ ترکیب سمجھ میں آگئی؟ امام اخفش کے نزدیک دوبارہ وہی مصدر لائیں گے اور جس کو ذوالحال بنانا چاہتے ہیں اس کی طرف اس کی اضافت کر دیں گے، طریقہ سمجھ میں آگیا۔ تو امام اخفش کے مذہب میں کیا خرابی لازم آئی؟ کہ مصدر جو عاملِ ضعیف ہے اس کو حذف کرنا اور معمول کو باقی رکھنا لازم آیا اور یہ جائز نہیں، باقی اور کوئی خرابی ان کے کلام ان کی تقدیر پر نہیں۔

جبکہ بعض اس بات کی طرف گئے ہیں کہ یہ ایسا مبتدا ہے جس کی کوئی خبر نہیں ہے اس لیے کیونکہ یہ فعل کے معنیٰ میں ہے۔ ضَرْبِيْ زَيْدًا قَائِمًا یہ ضَرْبٌ مبتدا ہے یہ ایسا مبتدا ہے جو اس کی کوئی خبر نہیں کیونکہ یہ فعل کے معنیٰ میں ہے، تو ضَرْبِيْ کی جگہ فعل لے آؤ أَضْرِبُ، أَضْرِبُ زَيْدًا قَائِمًا۔ تو معلوم ہوا ان کے نزدیک ضَرْبِيْ زَيْدًا قَائِمًا کس معنیٰ میں ہے؟ أَضْرِبُ زَيْدًا قَائِمًا کے معنیٰ میں ہے، لیکن اس میں کیا خرابی لازم آتی ہے؟ کہ اس میں حصر نہیں ہے، اس کے اندر أَضْرِبُ زَيْدًا قَائِمًا میں زید کی پٹائی کرتا ہوں اس حال میں کہ وہ قائم ہوتا ہے یا میں قائم ہوتا ہوں تو اس سے قعود کے اندر جو ضرب ہے اس کی نفی تو نہیں ہوئی، اس میں تو صرف اتنا بیان ہوا کہ قیام کی حالت میں ضرب ہوتی ہے، قعود کی حالت میں ضرب ہوتی ہے یا نہیں ہوتی وہ تو اس کے اندر ذکر نہیں۔ اور ان کے نزدیک بھی آپ دیکھیں أَضْرِبُ زَيْدًا قَائِمًا یہ قَائِمًا کو کس سے حال بنایا؟ یا زید سے بناؤ یا أَضْرِبُ کے اندر أَنَا ضمیر سے بناؤ، اور اس أَنَا میں عامل کون؟ أَضْرِبُ، زَيْدًا میں بھی عامل کون؟ أَضْرِبُ، اور اسی سے قَائِمًا حال آیا تو حال کے اندر بھی عامل کون؟ أَضْرِبُ، دیکھو ان کے نزدیک بھی حال اور ذوالحال کا عامل ایک ہی ہے بھائی۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو یہ دیکھو کئی مذاہب ذکر ہوئے، بصرہ والوں کا مذہب ذکر ہوا، علامہ رضی کا مذہب ذکر ہوا، کوفہ والوں کا مذہب ذکر ہوا، امام اخفش کا مذہب ذکر ہوا، کچھ دیگر نحویوں کا مذہب ذکر ہوا۔ یہ اس مشکل میں نحوی کیوں پڑ گئے؟ کیونکہ ان کا ضابطہ کیا ہے؟ حال اور ذوالحال کا عامل ایک ہوتا ہے، اس لیے ہر ایک کو الگ الگ عبارت نکالنا پڑی اور معنیٰ وہی برقرار رکھنا ہے مَا أَضْرِبُ زَيْدًا إِلَّا قَائِمًا۔ تو جہاں حال اور ذوالحال کا عامل بھی ایک بن گیا اور معنیٰ بھی یہی

ہے پھر وہ ترکیب ٹھیک ہے اور بعض کے اندر دیکھو کچھ کمی یا خرابی آرہی تھی وہ بھی ذکر ہو گئی۔

اور یاد رکھنا بعض نحوی حضرات فرماتے ہیں، توجہ سے سنو، بعض نحوی حضرات فرماتے ہیں کہ حال اور ذوالحال کا عامل ایک ہونا ضروری نہیں۔ حال اور ذوالحال کا عامل ایک ہونا ضروری نہیں، تو ان کے نزدیک کوئی خرابی نہیں، مسئلہ آرام سے حل ہو جاتا ہے۔ وہ فرماتے ہیں تقدیرِ عبارت یوں ہے ضَرْبِيْ زَيْدًا حَاصِلٌ قَائِمًا، ضَرْبِيْ زَيْدًا حَاصِلٌ قَائِمًا۔ بس حَاصِلٌ نکالو بھائی اور کچھ نکالنے کی ضرورت نہیں، اس حَاصِلٌ کو حذف کیا اور قَائِمًا کو اس کا قائم مقام کر دیا، اور حال کو اپنے عامل کا قائم مقام کرتے رہتے ہیں جیسے رَاشِدًا مَهْدِيًّا اصل میں کیا تھا؟ سِرْ رَاشِدًا مَهْدِيًّا، سِرْ کو حذف کیا اور رَاشِدًا مَهْدِيًّا کو اس کا قائم مقام کر دیا۔ تو خبر کیا نکالو؟ صرف حَاصِلٌ نکالو۔ کیوں؟ کیونکہ ان کے نزدیک حال اور ذوالحال کا عامل ایک ہونا ضروری نہیں، توجہ ہے؟ مبتدا کیا؟ ضَرْبِيْ زَيْدًا، اور خبر کیا؟ حَاصِلٌ قَائِمًا۔ تو دیکھو قَائِمًا خبر والی جانب ہے لہٰذا حَاصِلٌ کو حذف کر کے قَائِمًا کو اس کا قائم مقام کر سکتے ہیں۔ اور نیز ان کے نزدیک خرابی کوئی نہیں، کیوں نہیں خرابی؟ دیکھو حال کس سے بنایا قَائِمًا کو؟ ضَرْبِيْ کی يَاء ضمیر سے بناؤ یا زَيْدًا سے بناؤ، یعنی فاعل سے بناؤ چاہے مفعول سے بناؤ، توجہ ہے؟ تو یہ حال ہے فاعل یا مفعول سے، اور اس فاعل اور مفعول میں عامل کون؟ ضَرْبٌ، ضَرْبٌ۔ آگے خبر میں ان کا ذکر ہی نہیں آرہا ضَرْبِيْ زَيْدًا حَاصِلٌ وہاں تو صرف حَاصِلٌ ہے اور حَاصِلٌ میں ضمیر کس کو راجع؟ ضَرْبٌ کو راجع ہے، وہاں تو فاعل یا مفعول کی طرف کوئی ضمیر راجع نہیں، توجہ ہے؟ تو وہاں پر ذوالحال ہے ہی نہیں، ذوالحال براہِ راست مبتدا کے اندر موجود ہے۔ اسی مبتدا میں ضَرْبِيْ زَيْدًا یہ جو يَاء ضمیر ہے براہِ راست اس سے حال قَائِمًا آگے آگیا، یا اسی ضَرْبِيْ زَيْدًا کے اندر یہ جو زَيْدًا مفعول ہے براہِ راست اس سے قَائِمًا کیا آگیا؟ حال۔ اور اس قَائِمًا میں عامل کون اس کو نصب کون دے رہا ہے؟ کہتے ہیں حَاصِلٌ دے رہا ہے۔ تو حال کو نصب کون دے رہا ہے ان کے نزدیک؟ حَاصِلٌ۔ اور ذوالحال کے اندر عامل کون؟ ضَرْبٌ۔ ذوالحال تو يَاء ضمیر ہے یا زید ہے نا اور اس میں تو ضَرْبٌ عامل ہے، تو ذوالحال میں عامل کون؟ ضَرْبٌ، اور حال میں عامل کون؟ حَاصِلٌ۔ تو دیکھا ان کے نزدیک کوئی مسئلہ ہی نہیں بھائی ضَرْبِيْ زَيْدًا حَاصِلٌ قَائِمًا۔ تو یہ مختلف عبارتیں کیوں نکالنا پڑیں مختلف نحوی حضرات کو؟ کیونکہ ان کا ضابطہ کیا تھا کہ حال اور ذوالحال کا عامل ایک ہوتا ہے۔ اور جن کے نزدیک حال اور ذوالحال کا عامل ایک ہونا ضروری نہیں وہ فرماتے ہیں بس سیدھی سی عبارت ہے ضَرْبِيْ زَيْدًا حَاصِلٌ قَائِمًا۔ یہ قَائِمًا کو نصب کس نے دیا؟ حَاصِلٌ نے، ضَرْبٌ نے نہیں کیونکہ ضَرْبٌ تو مبتدا کی جانب وہ تو مبتدا ہے یہ خبر کے اندر ہے، خبر کے اندر

مبتدا عمل نہیں کرتا بھائی، تو یہاں حَاصِلٌ ہی عمل کر رہا ہے اور قَائِمًا کو نصب دے رہا ہے۔ اور ذوالحال کیا ہے؟ کہتے ہیں ذوالحال وہ مبتدا کے اندر جو فاعل اور مفعول آئے ان میں سے کسی ایک کو بنا دو، اور ان کے اندر تو عامل کون ہے؟ ضَرْبٌ۔ تو ذوالحال کے اندر عامل ضَرْبٌ ہے اور قَائِمًا حال کے اندر عامل حَاصِلٌ ہے، تو ذوالحال اور حال کا عامل الگ الگ ہوا لیکن وہ فرماتے ہیں کوئی حرج نہیں ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ حل ہو گیا؟

چلیے بس کریں بھائی باقی ان شاء اللہ کل پڑھیں گے، یہاں تک ساری بحث اچھی طرح سمجھ میں آگئی؟ چلیے بس بھائی هٰذَا هُوَ الْمَرَامُ وَاللهُ أَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْكَلَامِ.

سبق نمبر ۱۰۸: المبتدا والخبر (۱۶): واوِ مصاحبت اور «أَفْعَلُ» تفضیل کے بعد خبر کا وجوبی حذف

شرحِ ملا جامی صفحہ: ۷۹ — بتاریخ: ۲۳ نومبر ۲۰۲۱ء

▪ تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث

دیکھیے بھئی آگے سبق: وَثَالِثُهَا كُلُّ مُبْتَدَإٍ اشْتَمَلَ خَبَرُهُ عَلَى مَعْنَى الْمُقَارَنَةِ وَعُطِفَ عَلَيْهِ شَيْءٌ بِالْوَاوِ الَّتِي بِمَعْنَى مَعَ، وَذَلِكَ مِثْلُ: كُلُّ رَجُلٍ وَضَيْعَتُهُ، أَيْ كُلُّ رَجُلٍ مَقْرُونٌ مَعَ ضَيْعَتِهِ، فَهَذَا الْخَبَرُ وَاجِبٌ حَذْفُهُ لِأَنَّ الْوَاوَ يَدُلُّ عَلَى الْخَبَرِ الَّذِي هُوَ مَقْرُونٌ وَأُقِيمَ الْمَعْطُوفُ فِي مَوْضِعِهِ.

صاحبِ کافیہ وہ مقامات ذکر فرما رہے ہیں جہاں پر خبر کا حذف کرنا واجب ہے بھئی۔ اور میں نے بتلایا تھا آپ کو کہ جہاں بھی خبر کا حذف واجب ہوگا وہاں دو چیزیں ہوں گی: ایک تو کوئی قرینہ چاہیے جو اس بات پر دلالت کرے کہ خبر محذوف ہے، اور دوسرا اس خبر کا کوئی قائم مقام بھی چاہیے۔ اگر کوئی قائم مقام نہیں ہوگا تو خبر کا حذف واجب نہیں ہوگا بلکہ صرف جائز ہوگا بھئی۔

تو آج ہم تیسرا مقام پڑھیں گے۔ پہلا مقام تھا لَوْلَا زَيْدٌ لَكَانَ كَذَا، یعنی یہ جو لَوْلَا ہے یہ وجود پر دلالت کرتا ہے، لہٰذا اس کے بعد جو جملہ اسمیہ آتا ہے اس کی خبر کو حذف کرنا واجب ہے کیونکہ یہ لَوْلَا خود اس پر دلالت کر رہا ہے، اور پھر جوابِ لَوْلَا کو اس خبر کا قائم مقام کر دیا جاتا ہے۔ دوسرا مقام جو تھا ضَرْبِي زَيْدًا قَائِمٌ، یعنی وہ مقام جہاں بتدا ایسا مصدر ہو، چاہے وہ مصدر صورتاً ہو یا تاویلاً ہو، اور وہ منسوب ہو اپنے فاعل یا مفعول یا دونوں کی طرف اور اس کے بعد حال آئے۔ تو اس کی خبر کو حذف کرنا بھی واجب ہے بھئی، اور اسی طرح وہ اسمِ تفضیل جو اس جیسے مصدر کی طرف مضاف ہو جائے اس کا بھی یہی حکم ہے۔ تو یہاں پر بھی قرینہ بھی موجود ہے اور نیز قائم مقام بھی موجود ہے۔ ضَرْبِي زَيْدًا قَائِمًا، یہ قَائِمًا حال ہے اور اس کو خبر کے قائم مقام کر دیا گیا۔ خبر کیا تھی بصرا والوں کے نزدیک؟ حَاصِلٌ إِذَا كَانَ قَائِمًا. تو اس حَاصِلٌ کو حذف کیا گیا اور قَائِمًا کو اس کا قائم مقام کر دیا گیا، اور نیز اس خبر پر قرینہ بھی موجود ہے اس لیے کیونکہ یہ جو بتدا مصدر ہے ضَرْبِي زَيْدًا، یہ جو بتدا ہے اس کے بارے میں یہ خبر دینا مقصود ہے کہ یہ قیام کے ساتھ مقید ہے، یہ قیام کے ساتھ مقید ہے، اسی لیے قَائِمًا حال کو قید ذکر کیا گیا، اور قید تب ہی آتی ہے جب پہلے ایک چیز ثابت تو ہو، حاصل تو ہو، حاصل ہونے کے بعد ہی

اس کو مقید کیا جا سکتا ہے۔ لہٰذا یہ قَائِمًا اس خبرِ محذوف یعنی حَاصِلٌ پر دلالت کر رہا ہے۔ تو قرینہ بھی موجود ہے اور نیز قائم مقام یہ قَائِمًا بھی موجود ہے اس لیے خبر کا حذف واجب ہوا۔

آج ہم تیسرا مقام پڑھیں گے۔ تیسرا مقام دیکھو، یہ جو متن آیا پہلے اس پر نظر رکھیں۔ کہتے ہیں: وَكُلُّ رَجُلٍ وَضَيْعَتُهُ. ضَيْعَة یاد رکھو یہ اس زمین کو کہتے ہیں جو غلہ اگانے والی ہو، جو کاشت کے قابل ہو، جس کو فصلوں کے لیے تیار کیا گیا ہو، اس زمین کو کیا کہتے ہیں؟ ضَيْعَةٌ بھئی۔ لیکن یہاں پر یہ ضَيْعَة پیشے کے معنی میں ہے۔ یہاں پر، یہاں پر پیشے اور ہنر کے معنی میں ہے، جیسے کاریگروں کا اب ہر کاریگر کا اپنا پیشہ ہے، اپنا ہنر ہے، اس کی کاریگری ہے، اس کو کیا کہتے ہیں؟ ضَيْعَة۔ تو كُلُّ رَجُلٍ وَضَيْعَتُهُ۔ اور یہ واو یاد رکھو بمعنی مَعَ کے ہے، یہ واو بمعنی مَعَ کے ہے۔ اصل کلام کیا ہے؟ كُلُّ رَجُلٍ مَقْرُونٌ مَعَ ضَيْعَتِهِ۔ توجہ ہے؟ صاحبِ جامی بھی نکال رہے ہیں آگے: أَيْ كُلُّ رَجُلٍ مَقْرُونٌ مَعَ ضَيْعَتِهِ۔ ہر آدمی جو ہے اس کو ملایا گیا ہے، جوڑا گیا ہے مَعَ ضَيْعَتِهِ اپنے پیشے کے ساتھ۔ یعنی آسان لفظوں میں یوں کہو: ہر آدمی اپنے پیشے کے ساتھ جڑا ہوا ہے، ہر آدمی اپنے پیشے کے ساتھ جڑا ہوا ہے۔ تو لہٰذا یہاں پر یہ خبر مَقْرُونٌ تھی بھئی۔

ترکیب سنو بھئی: كُلُّ مرفوع لفظاً مضاف، رَجُلٍ مجرور لفظاً مضافٌ اِلیہ، مضاف مضافٌ اِلیہ مل کر مبتدا۔ اور یہ مَقْرُونٌ اس کی خبر ہے۔ تو مَقْرُونٌ مرفوع لفظاً صیغۂ اسمِ مفعول، اس کے اندر هُوَ ضمیر مرفوع محلاً اس کا نائب الفاعل، جو کس کو راجع ہے؟ مبتدا کو۔ اور یہ مَعَ جو ہے یہ منصوب محلاً مفعولٌ فیہ ہے، یہ ظرف ہے بھئی۔ اور ضَيْعَتِهِ، ضَيْعَةِ مجرور لفظاً مضافٌ اِلیہ ہے مَعَ کے لیے، اور مضاف ہے آگے آنے والی ضمیر کے لیے۔ اور هِ ضمیر مجرور محلاً مضافٌ اِلیہ بھئی، اور یہ هِ ضمیر بھی اس رَجُلٍ کو راجع ہے۔ تو مضاف اپنے مضافٌ اِلیہ سے مل کر یہ مضافٌ اِلیہ ہوا مَعَ کے لیے، مَعَ مضاف اپنے مضافٌ اِلیہ سے مل کر یہ مفعولٌ فیہ ہوا مَقْرُونٌ کے لیے، مَقْرُونٌ اسمِ مفعول اپنے نائب الفاعل اور مفعولٌ فیہ سے مل کر شبہ جملہ ہو کر یہ خبر، مبتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔

تو یہ مَقْرُونٌ خبر کو حذف کیا گیا بھئی۔ کس طرح؟ دیکھو بھئی تقدیرِ عبارت کیا نکالی: كُلُّ رَجُلٍ مَقْرُونٌ مَعَ ضَيْعَتِهِ۔ اس مَعَ کو حذف کر لیا گیا اور یہاں پر واو لے آئے، یہ واو بمعنی مَعَ کے ہے۔ تو عبارت کیا بن گئی: كُلُّ رَجُلٍ مَقْرُونٌ وَضَيْعَتُهُ۔ واو لے آئے اور یہ ضَيْعَتُهُ کا عطف کر دیا مَقْرُونٌ کے اندر هُوَ ضمیر جو نائب الفاعل تھی، توجہ سے سن لو بھئی! یہاں پر مَعَ کو ختم کر دیا گیا اور اس کی جگہ واو لے آئے کیونکہ واو بھی کس معنی میں ہے؟ مَعَ کے معنی میں ہے، اسی مَعَ کے معنی پر وہ دلالت کر رہا ہے، اور واو تو آتا ہے عطف کے لیے۔ تو اب ضَيْعَة کا عطف کس پر کر دیا گیا؟ مَقْرُونٌ کے اندر هُوَ ضمیر ہے جو کس کو راجع ہے؟ كُلُّ رَجُلٍ کو راجع ہے، اس پر عطف کر دیا گیا۔ تو وہ ہوئی معطوفٌ علیہ اور وَضَيْعَتُهُ یہ کیا ہوا؟ معطوف بھئی۔ پھر اس کے بعد یہ مَقْرُونٌ کو حذف کر لیا گیا، یہ جو خبر تھی اس کو حذف کر دیا گیا، اور یہ معطوف کو اس کا قائم مقام بنا دیا گیا۔ خبر کو حذف کر دیا گیا اور معطوف کو اس کا قائم مقام بنا دیا گیا، تو عبارت کیا بن گئی: كُلُّ رَجُلٍ وَضَيْعَتُهُ، كُلُّ رَجُلٍ

وَضَيْعَتُهُ۔

اور یہ ضَيْعَة کا عطف اب كُلُّ رَجُلٍ پر کر دیا گیا۔ کس پر؟ كُلُّ رَجُلٍ پر۔ بھئی پہلے بھی ضَيْعَة کا عطف كُلُّ رَجُلٍ پر تھا، اب بھی كُلُّ رَجُلٍ پر ہے۔ آپ کہیں گے بھئی کہ پہلے تو اس کا عطف ضمیر پر تھا، کس پر؟ بھئی وہ ضمیر بھی تو اسی كُلُّ رَجُلٍ کی طرف راجع تھی، تو اس ضمیر پر بھی عطف گویا ایسے ہی تھا جیسے کس پر عطف ہے؟ كُلُّ رَجُلٍ پر عطف ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو لہٰذا اب مَقْرُونٌ کو ختم کر دیا گیا اور وَضَيْعَتُهُ جس کا عطف كُلُّ رَجُلٍ کی ضمیر پر تھا اب اس کا براہِ راست عطف کس پر کر دیا گیا؟ كُلُّ رَجُلٍ پر کر دیا گیا۔ تو عبارت کیا بن گئی: كُلُّ رَجُلٍ وَضَيْعَتُهُ۔ تو اب یہ ضَيْعَتُهُ کا عطف کس پر ہے؟ كُلُّ رَجُلٍ یعنی بتدا پر ہے، کس پر ہے؟ بتدا پر ہے، اور اس کی خبر جو مقارنت کے معنی پر مشتمل تھی اس کو حذف کر لیا گیا۔

خبر کا کیا معنی تھا؟ مَقْرُونٌ ملایا ہوا، یا یوں کہیں ملا ہوا، ملا ہوا۔ تو اس کو حذف کر لیا گیا اور اس پر قرینہ بھی موجود ہے۔ قرینہ کیا؟ یہ جو واو ہے۔ واو کا کیا معنی؟ مَعَ۔ واو کا معنی مَعَ یعنی ساتھ ہونا، مَقْرُونٌ ہونا۔ مَقْرُونٌ ملا ہوا ہونے کا بھی کیا معنی؟ ساتھ ہونا۔ تو یہ واو اسی مقارنت کے معنی پر دلالت کر رہا ہے۔ مقارنت جب دو چیزیں ملی ہوں گی، معلوم ہوا ساتھ ہوں گی، اکٹھی ہوں گی، اسی طرح یہ واو بھی کس معنی میں ہے؟ مَعَ کے معنی میں، تو اس کا معنی بھی ساتھ ہونا، اکٹھے ہونا، ملا ہوا ہونا، بات سمجھ میں آرہی ہے؟ تو یہ جو واو ہے یہ اس خبرِ محذوف پر دلالت کر رہا ہے، اس لیے اس خبر کو حذف کر دیا۔ توجہ ہے؟ یہ واو کس پر دلالت کر رہا ہے؟ اس خبرِ محذوف پر، یہ قرینہ ہو گیا۔ یہ واو بمعنی مَعَ اس خبرِ محذوف پر دلالت کر رہا ہے تو یہ قرینہ ہوا، اور نیز اس خبر کا حذف واجب ہے، اب اس کو آپ دوبارہ نہیں لا سکتے، کیوں؟ کیونکہ یہ معطوف کو اس کا قائم مقام کر دیا گیا ہے، اور جب قائم مقام آجائے تو پھر اصل نہیں آسکتا۔ بات سمجھ میں آگئی اچھی طرح؟

اب ترجمہ دیکھیے شرح کے ساتھ: وَثَالِثُهَا كُلُّ مُبْتَدَإٍ۔ چار بھئی وہ چار بتدا ایسے ہیں جن کی خبر کا حذف کرنا واجب ہے، تو ان میں سے تیسرا جو ہے كُلُّ مُبْتَدَإٍ ہر ایسا بتدا ہے۔ عبارت سمجھ میں آگئی؟ تو کہتے ہیں وَثَالِثُهَا اور ان میں سے تیسرا جو ہے كُلُّ مُبْتَدَإٍ ہر ایسا بتدا ہے اشْتَمَلَ خَبَرُهُ عَلَى مَعْنَى الْمُقَارَنَةِ کہ جس کی خبر مقارنت کے معنی پر مشتمل ہو۔ اس کی خبر بھی دیکھو مقارنت کے معنی پر مشتمل تھی، مَقْرُونٌ تھی اس کی خبر بھئی۔ تو ہر ایسا بتدا کہ اس کی خبر مقارنت کے معنی پر مشتمل ہو وَعُطِفَ عَلَيْهِ شَيْءٌ بِالْوَاوِ اور اس پر عطف کیا جائے کسی چیز کا بِالْوَاوِ اس واو کے ذریعے الَّتِي بِمَعْنَى مَعَ وہ واو جو مَعَ کے معنی میں ہو، تو اس کی خبر کو حذف کرنا بھی واجب ہے۔ وَذَلِكَ مِثْلُ اور وہ، اور وہ جیسے کہ كُلُّ رَجُلٍ وَضَيْعَتُهُ، أَيْ كُلُّ رَجُلٍ مَقْرُونٌ مَعَ ضَيْعَتِهِ، یہ ہے تقدیرِ عبارت۔

فَهَذَا الْخَبَرُ وَاجِبٌ حَذْفُهُ اس خبر کا حذف واجب ہے بھئی۔ فَهَذَا الْخَبَرُ وَاجِبٌ حَذْفُهُ تو یہ جو خبر ہے وَاجِبٌ حَذْفُهُ اس کا حذف واجب ہے۔ توجہ ہے؟ فَهَذَا الْخَبَرُ ہے بتدا اور وَاجِبٌ حَذْفُهُ ہے اس کی خبر۔ اور آپ دیکھ رہے ہیں کہ وَاجِبٌ اس کا آگے اسمِ ظاہر فاعل آرہا ہے۔ واجب کیا ہے؟ حَذْفُهُ اس خبر کا حذف واجب ہے، توجہ ہے؟ تو یوں کہیں کہ

وَاجِبٌ لفظوں میں تو صفت ہے خبر کی، لیکن معنی کے اندر یہ صفت ہے حذفِ خبر کی۔ وہ خبر نہیں واجب بلکہ اس کا حذف واجب ہے۔ معلوم ہوا یہ کون سی صفت ہے؟ صفت بِحَالِ مُتَعَلِّقِهِ، توجہ ہے؟ ایک صفت بِحَالِهِ ہوتی ہے جو ایسے معنی پر دلالت کرتی ہے جو موصوف میں پایا جائے، اور ایک صفت بِحَالِ مُتَعَلِّقِهِ ہوتی ہے جو ایسے معنی پر دلالت کرتی ہے جو موصوف کے متعلق میں پایا جائے۔ زَيْدٌ قَائِمٌ، یہ قَائِمٌ کس کی خبر؟ زید کی، اور قائم بھی کون ہے؟ زید۔ یہ قیام کی صفت زید میں ہی ہے تو اس خبر کو کیا کہیں گے کہ یہ صفت بِحَالِهِ ہے، خبر بھی تو صفت ہوتی ہے میں نے بیان کیا تھا، تو یہ صفت بِحَالِهِ ہے۔ اور اگر میں کہوں زَيْدٌ قَائِمٌ أَبُوهُ، زید کے کھڑے ہیں اس کے ابو، اب دیکھو یہاں قَائِمٌ لفظوں میں تو صفت کس کی، خبر کس کی؟ زید کی، لیکن معنی کے اعتبار سے وہ زید نہیں قائم بلکہ اس کے ابو قائم ہیں، تو لہٰذا یہ صفت بِحَالِ مُتَعَلِّقِهِ ہے بھئی۔ یعنی یوں کہو کہ یہ لفظوں میں تو صفت ہے زید کی یعنی خبر ہے زید کی، لیکن معنی میں یہ صفت ہے کس کی؟ أَبُوهُ کی۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو یہاں پر بھی اسی طرح ہے۔

تو کہتے ہیں فَهَذَا الْخَبَرُ وَاجِبٌ حَذْفُهُ تو یہ جو خبر ہے اس کا حذف واجب ہے لِأَنَّ الْوَاوَ... بھئی جب خبر کا حذف واجب ہو تو کتنی چیزیں چاہییں؟ دو۔ ایک تو قرینہ چاہیے اور ایک قائم مقام بھی اس کا چاہیے، وہ اب ذکر کر رہے ہیں۔ کہتے ہیں لِأَنَّ الْوَاوَ يَدُلُّ عَلَى الْخَبَرِ الَّذِي هُوَ مَقْرُونٌ اس لیے کیونکہ یہ جو واو ہے یہ دلالت کر رہا ہے اس خبر پر جو مَقْرُونٌ ہے، یہ واو بمعنی مَعَ کے ہے تو یہ اسی خبر پر کیا کر رہا ہے؟ دلالت کر رہا ہے تو یہ قرینہ ہے۔ وَأُقِيمَ الْمَعْطُوفُ اور معطوف کو قائم کر دیا گیا فِي مَوْضِعِهِ خبر کے مقام میں، یعنی معطوف کو خبر کا قائم مقام کر دیا گیا، تو اب خبر کا حذف واجب ہوا۔

وَرَابِعُهَا كُلُّ مُبْتَدَإٍ يَكُونُ مُقْسَمًا بِهِ وَخَبَرُهُ الْقَسَمُ۔ چوتھا وہ مبتدا جس کی خبر کو حذف کرنا واجب ہے بھئی۔ یاد رکھو وہ مبتدا ہے، وہ مبتدا ہے کہ جو مُقْسَمٌ بِهِ ہو یعنی جس کی قسم اٹھائی جا رہی ہے، اور اس کی خبر کو حذف کرنا واجب ہے، اور وہ جو جوابِ قسم ہے اس کو اس خبر کا قائم مقام کر دیا گیا۔ جیسے یہ دیکھو مثال دیکھو متن میں: لَعَمْرُكَ لَأَفْعَلَنَّ كَذَا۔ لَعَمْرُكَ، اصل میں تقدیرِ عبارت یوں ہے: لَعَمْرُكَ قَسَمِي، لَعَمْرُكَ قَسَمِي۔ یاد رکھو یہ جو لام آیا یہ قسم کے لیے آتا ہے، کس کے لیے؟ قسم کے لیے۔ لیکن یہ خود قسم کا معنی نہیں ادا کر رہا۔ ایک تو لام خود قسم کا معنی ادا کرتا ہے جیسے قسم کے لیے عربی میں کیا ہے؟ واو ہے، وَاللهِ، کیا معنی؟ میں اللہ کی قسم کھاتا ہوں۔ اور اسی میں کبھی کیا کہہ دیتے ہیں؟ لِلّٰهِ، اس کا بھی وہی معنی: میں اللہ کی قسم کھاتا ہوں۔ تو یہ لام جو ہے قسمیہ ہے لیکن یہ جارّہ ہوتا ہے، یہ جر دیتا ہے، لِلّٰهِ، دیکھا اس نے لفظِ اللہ کو جر دیا، توجہ ہے؟ اور جبکہ یہ لام دیکھیں لَعَمْرُكَ، یہ جر نہیں دے رہا، یہ وہ لامِ قسم نہیں ہے، اس کا معنی قسم نہیں، ہاں

یہ لام قسم کی خبر دے رہا ہے، یہ قسم کی خبر دے رہا ہے۔ یہ لام داخل ہوتا ہے مُقْسَمٌ بِهِ پر، جس چیز کی قسم اٹھائی جا رہی ہے اس پر داخل ہوتا ہے، اور خود اس کا معنی قسم نہیں ہوتا، آگے آنے والی خبر کے اندر قسم ہوتی ہے، اس کے اندر

قسم کا لفظ ہوتا ہے۔ اصل میں یوں ہے: لَعَمْرُكَ قَسَمِي، لَعَمْرُكَ قَسَمِي، میں آپ کی عمر کی قسم کھاتا ہوں، میں آپ کی عمر کی قسم کھاتا ہوں۔ عمر کسے کہتے ہیں؟ یہ دنیا میں بقا کا جو زمانہ ہے، جتنا زمانہ انسان اس دنیا میں گزارتا ہے وہ اس کی عمر ہے بھئی، جتنا زمانہ اس دنیا میں انسان گزارتا ہے وہ اس کی عمر ہے۔ تو عُمْر عین کے ضمہ اور میم کے سکون کے ساتھ، عُمْر، عُمْر۔ اور عین کے فتحہ کے ساتھ بھی، عَمْر بھی کہتے ہیں، عُمْر بھی، میم ساکن ہے، عُمْر بھی اور عَمْر بھی۔ لیکن مقامِ قسم میں عَمْر استعمال کرتے ہیں، عُمْر نہیں۔ لَعَمْرُكَ کہیں گے، لَعُمْرُكَ نہیں کہیں گے۔ وجہ یہ کہ عُمْر کے اندر عین پر ضمہ ہے اور ضمہ ثقیل ہے، اس کی زبان پر ادائیگی دشوار ہے۔ اور عَمْر کے اندر عین پر فتحہ ہے اور فتحہ کی ادائیگی زبان پر آسان ہے۔ اور یہ عرب جو ہیں یہ قسمیں بہت کھاتے ہیں، بات بات پر یہ قسم اٹھاتے ہیں۔ اور قسم کلام کی تحسین کے لیے بھی قسم لائی جاتی ہے، کلام کو حسین بنانے کے لیے، تو یہ قسم اٹھاتے ہیں اور بعض اوقات کلام کی تاکید مقصود ہوتی ہے اور بہت سی جگہ صرف کلام کے اندر حسن پیدا کرنا مقصود ہوتا ہے۔ تو قسم بہت کثرت سے کلامِ عرب میں استعمال ہوتی ہے، اور کثرتِ استعمال خفت کا تقاضا کرتی ہے کہ لفظ کو خفیف ہونا چاہیے تاکہ جلدی سے زبان پر ادا ہو جائے۔ لہٰذا اس لیے مقامِ قسم جو ہے کثرتِ استعمال کی وجہ سے اس کے اندر لَعُمْرُكَ نہیں کہیں گے بلکہ کیا کہیں گے؟ لَعَمْرُكَ۔ معنی وہی ہے عَمْر کا بھی اور عُمْر کا بھی، یعنی وہ جو مدتِ بقا ہے دنیا کے اندر کسی شخص کی۔

تو دیکھو لَعَمْرُكَ لَأَفْعَلَنَّ كَذَا، اصل میں کلام کیا ہے؟ لَعَمْرُكَ قَسَمِي۔ لَعَمْرُكَ آپ کی جو عمر ہے قَسَمِي وہ میری قسم ہے۔ آپ کی جو عمر ہے وہ میری قسم ہے، کیا معنی میری قسم ہے؟ یعنی میں اس کی قسم اٹھاتا ہوں۔ آپ کی جو عمر ہے وہ چیز ہے جس کی میں قسم اٹھاتا ہوں۔ تو قَسَمِي یہاں خبر محذوف ہے، خبر محذوف ہے، اور اس خبرِ محذوف پر یہ لام دلالت کر رہا ہے۔ یہ جو لام ہے میں نے بتایا اس کا اپنا معنی قسم نہیں بلکہ قسم کا لفظ آگے خبر کے اندر خود آرہا ہے، اور اس لام کو کہتے ہیں لامِ مُوطِئَة لِلْقَسَم، مُوطِئَة، طاء ہے طاء ظاء، لامِ مُوطِئَة لِلْقَسَم، یا یوں کہیں لامِ مُؤْذِنَة لِلْقَسَم، وہ لام جو قسم کی اطلاع دے رہا ہے، مُؤْذِنَة لِلْقَسَم، وہ لام جو قسم کی خبر دے رہا ہے۔ اس کا اپنا معنی قسم نہیں لیکن یہ قسم کی خبر دے رہا ہے، یہ مُقْسَمٌ بِهِ پر داخل ہوتا ہے جس کی قسم اٹھائی جاتی ہے۔ تو یہ لَعَمْرُكَ کا لام یہ قرینہ ہے، کیا بتلا رہا ہے؟ کہ خبر قَسَمِي محذوف ہے۔ اور پھر اس قَسَمِي خبر کو حذف کر دیا گیا اور لَأَفْعَلَنَّ كَذَا جو جوابِ قسم تھا اس کو اس کا قائم مقام کر دیا گیا۔ یاد رکھو ایک ہوتی ہے قسم، ایک ہے جوابِ قسم۔ قسم مثلاً آپ کہتے ہیں وَاللهِ، أَيْ أُقْسِمُ بِاللهِ میں اللہ کی قسم اٹھاتا ہوں، اور آگے جو بات ذکر کی جائے جس پر قسم اٹھائی جا رہی ہے اس کو کہتے ہیں جوابِ قسم۔ مثلاً آپ کہتے ہیں وَاللهِ اللہ کی قسم لَأَضْرِبَنَّ زَيْدًا میں ضرور بالضرور زید کی پٹائی کروں گا۔ تو یہ لَأَضْرِبَنَّ زَيْدًا یہ کیا ہے؟ جوابِ قسم، یعنی وہ بات جس کی قسم اٹھائی جا رہی ہے۔ تو یہاں کیا کیا گیا؟ اصل میں کیا تھا؟ لَعَمْرُكَ قَسَمِي لَأَفْعَلَنَّ كَذَا۔ پھر قَسَمِي کو حذف کر دیا گیا کیونکہ یہ لام اس پر دلالت کر

رہا ہے، قرینہ موجود ہے، اور لَأَفْعَلَنَّ كَذَا جو جوابِ قسم تھا اس کو اس خبر کا قائم مقام کر دیا گیا، تو اب اس کا حذف واجب ہو گیا۔ بات سمجھ میں آگئی؟

تو کہتے ہیں: وَرَابِعُهَا اور ان میں سے چوتھا جو ہے كُلُّ مُبْتَدَإٍ ہر ایسا ابتدا ہے يَكُونُ مُقْسَمًا بِهِ کہ جو مُقْسَمٌ بِهِ ہے یعنی اس کی قسم اٹھائی گئی ہے، اس کی قسم اٹھائی گئی ہے، وَخَبَرُهُ الْقَسَمُ اور اس کی خبر قسم ہے۔ چوتھا ابتدا وہ ہے جو مُقْسَمٌ بِهِ ہو اور اس کی خبر قسم ہو۔ وَذَلِكَ مِثْلُ لَعَمْرُكَ لَأَفْعَلَنَّ كَذَا اور وہ اس کے مثل ہے: لَعَمْرُكَ لَأَفْعَلَنَّ كَذَا. أَيْ لَعَمْرُكَ وَبَقَاؤُكَ قَسَمِي، لَعَمْرُكَ وَبَقَاؤُكَ قَسَمِي۔ بھئی متن میں تو صرف آیا تھا لَعَمْرُكَ، تو صاحبِ جامی کو کہنا چاہیے تھا أَيْ لَعَمْرُكَ قَسَمِي، لیکن صاحبِ جامی کیا فرما رہے ہیں؟ أَيْ لَعَمْرُكَ وَبَقَاؤُكَ قَسَمِي۔ کیا بتلانا چاہتے ہیں؟ یہ عَمْر کا معنی بیان کر رہے ہیں کہ عَمْر کا کیا معنی ہے؟ بقا بھئی، دنیا میں بقا کا زمانہ۔ تو یہ عطفِ تفسیری ہے جس کے اندر معطوف جو ہے وہ معنی بیان کرتا ہے معطوفٌ علیہ کا بھئی۔ أَيْ لَعَمْرُكَ وَبَقَاؤُكَ قَسَمِي یعنی آپ کی عمر اور آپ کی بقا کی میری قسم ہے، بھئی کیا معنی آپ کی عمر میری قسم ہے؟ لَعَمْرُ... توجہ ہے؟ لَعَمْرُكَ آپ کی جو عمر ہے قَسَمِي وہ میری قسم ہے بھئی کیا معنی؟ اس قسم کا تو حمل صحیح نہیں بنتا: آپ کی عمر میری قسم ہے! کہتے ہیں بھئی معنی یہ ہے مَا أُقْسِمُ بِهِ، یعنی آپ کی عمر وہ چیز ہے أُقْسِمُ بِهِ جس کی میں قسم اٹھاتا ہوں۔

تو کہتے ہیں: أَيْ لَعَمْرُكَ وَبَقَاؤُكَ قَسَمِي یعنی آپ کی عمر اور آپ کی بقا جو ہے وہ میری قسم ہے، أَيْ مَا أُقْسِمُ بِهِ یعنی وہ چیز ہے، آپ کی عمر وہ چیز ہے کہ أُقْسِمُ بِهِ کہ میں جس کی قسم اٹھاتا ہوں۔ فَلَا شَكَّ أَنَّ لَعَمْرَكَ يَدُلُّ عَلَى الْقَسَمِ الْمَحْذُوفِ، اس بات میں کوئی شک نہیں ہے کہ لَعَمْرَكَ جو ہے وہ دلالت کر رہا ہے قسمِ محذوف پر، یہ قرینہ ہے۔ وَجَوَابُ الْقَسَمِ قَائِمٌ مَقَامَهُ، اور جوابِ قسم جو ہے اس خبر کا قائم مقام ہے، یا یوں کہیں کہ جوابِ قسم جو ہے اس قسمِ محذوف کا قائم مقام ہے، فَيَجِبُ حَذْفُهُ، تو اس کا حذف واجب ہے۔ وَالْعَمْرُ وَالْعُمْرُ بِمَعْنًى وَاحِدٍ، اور عَمْر اور عُمْر ایک ہی معنی میں ہیں، دونوں کا ایک ہی معنی ہے۔ وَلَا يُسْتَعْمَلُ مَعَ اللَّامِ إِلَّا الْمَفْتُوحُ، اور لام کے ساتھ صرف مفتوح ہی استعمال کیا جاتا ہے، یعنی عَمْر ہی استعمال ہوتا ہے، لِأَنَّ الْقَسَمَ مَوْضِعُ التَّخْفِيفِ لِكَثْرَةِ اسْتِعْمَالِهِ، اس لیے کیونکہ قسم جو ہے وہ تخفیف کا مقام ہے لِكَثْرَةِ اسْتِعْمَالِهِ اپنے کثرتِ استعمال کی وجہ سے۔ بات سمجھ میں آگئی؟

ہاں تو لَعَمْرُكَ لَأَفْعَلَنَّ كَذَا، میں آپ کی عمر کی قسم کھاتا ہوں کہ میں ایسا ضرور کروں گا۔ اس پر آپ کے ذہنوں میں اشکال آئے گا کہ یہ لَعَمْرُكَ اس میں تو غیر اللہ کی قسم کھائی گئی ہے، غیر اللہ کی۔ یاد رکھو مخلوق کے لیے جائز نہیں ہے کہ وہ خالق کے علاوہ کسی اور کی قسم اٹھائے۔ ہاں اور خالق، خالق تو خالق ہے اس کی مرضی وہ جس چیز کی بھی چاہے قسم اٹھا سکتا ہے۔ تو مخلوق کے لیے البتہ جائز نہیں کہ وہ خالق کے علاوہ کسی اور کی قسم اٹھائے۔ تو یہاں اشکال ہوتا ہے کہ یہاں پر تو غیر اللہ کی قسم اٹھائی گئی، مخاطب کی عمر کی قسم اٹھائی گئی ہے۔ تو یاد رکھنا بھئی قسم لانے میں کئی مقاصد ہوتے ہیں۔ قسم جو ہے

یہ کلام میں تاکید پیدا کرتی ہے، نیز یہ کلام کو حسین بناتی ہے، تو یہ قسم تاکیدِ کلام کے لیے بھی لائی جاتی ہے اور تحسینِ کلام کے لیے بھی لائی جاتی ہے، اور نیز یہ قسم جو ہے یہ مُقْسَمٌ بِهِ کی عظمت پر بھی دلالت کرتی ہے، یعنی وہ چیز جس کی قسم اٹھائی گئی ہے وہ بڑی ہی عظیم چیز ہے۔ اسی لیے غیر اللہ کے علاوہ قسم سے منع فرمایا گیا، کیونکہ قسم جس چیز کی کھائی جاتی ہے معلوم ہوا وہ چیز بڑی ہی با عظمت ہے مخاطب کے دل میں، تو لہٰذا حکم دیا گیا کہ خالق کے علاوہ کسی اور کی قسم اٹھانے کی اجازت نہیں ہے۔ تو بعض علماء جواب دیتے ہیں کہ یہاں جو قسم ہے وہ صرف تحسینِ کلام کے لیے اور تاکیدِ کلام کے لیے ہے، یہاں مُقْسَمٌ بِهِ کی تعظیم مقصود نہیں ہے، لہٰذا یہ قسم جائز ہے۔ تو یہ تعظیم پر دلالت نہیں کر رہی اس لیے یہ جائز ہے۔ اور اگر پھر بھی آپ کے ذہن میں اشکال رہتا ہے تو بعض علماء اور جواب دیتے ہیں، وہ اس میں تاویل کرتے ہیں، کہتے ہیں کہ آپ کی عمر کی قسم یعنی آپ کو عمر دینے والے کی قسم، یعنی یہاں بھی اللہ ہی کی قسم مراد ہے، خالق ہی کی قسم مراد ہے۔ تو آپ کی عمر کی قسم یعنی آپ کو عمر دینے والے یعنی اللہ کی قسم بھئی۔ بات سمجھ میں آگئی؟

آگے دیکھیے: خَبَرُ إِنَّ وَأَخَوَاتِهَا، أَيْ مِنَ الْمَرْفُوعَاتِ خَبَرُ إِنَّ وَأَخَوَاتِهَا، أَيْ أَشْبَاهِهَا مِنَ الْحُرُوفِ الْخَمْسِ الْبَاقِيَةِ وَهِيَ أَنَّ وَكَأَنَّ وَلَكِنَّ وَلَيْتَ وَلَعَلَّ۔ مرفوعات کا بیان چل رہا ہے بھئی۔ سب سے پہلے صاحبِ کافیہ نے فاعل کے بارے میں بتایا، پھر مفعول مَا لَمْ يُسَمَّ فَاعِلُهُ کے بارے میں بتایا، اور اس کے بعد پھر مبتدا اور خبر کے بارے میں بتلایا۔ اب مرفوعات میں سے إِنَّ کی خبر کو ذکر کریں گے۔ آپ جانتے ہیں کہ حروفِ مشبہ بالفعل ایک اسم اور ایک خبر چاہتے ہیں۔ یہ کیا کرتے ہیں؟ اپنے اسم کو نصب دیتے ہیں اور خبر کو رفع دیتے ہیں۔ تو مرفوع ان کا اسم ہے یا ان کی خبر؟ ان کی خبر ہے، اور بات کس کی چل رہی ہے؟ مرفوعات کی، اس لیے إِنَّ کی خبر ذکر کی: خَبَرُ إِنَّ، کہ وہ مرفوعات میں سے ہے۔ جس لفظ کے بارے میں کوئی آپ کو بتلا دے یا آپ کو پتہ چل جائے کہ یہ إِنَّ یا حروفِ مشبہ بالفعل کی خبر ہے، ساتھ ہی ایک اور بات بھی آپ سمجھ جاتے ہیں کہ اس پر رفع پڑھنا ہے بھئی۔

تو کہتے ہیں، دیکھیے پہلے متن، متن کہتے ہیں: خَبَرُ إِنَّ وَأَخَوَاتِهَا هُوَ الْمُسْنَدُ بَعْدَ دُخُولِ هَذِهِ الْحُرُوفِ۔ إِنَّ اور اس کے اخوات کی خبر جو ہے وہ مسند ہوتی ہے بَعْدَ دُخُولِ هَذِهِ الْحُرُوفِ ان حروف کے داخل ہونے کے بعد۔ إِنَّ اور اس کے جو اخوات ہیں، اخوات سے مراد ہیں جو اس کے مشابہ ہیں یعنی حروفِ مشبہ بالفعل۔ إِنَّ کے مشابہ کون ہے؟ أَنَّ ہے، كَأَنَّ ہے، لَيْتَ، لَكِنَّ، لَعَلَّ بھئی، یہ سارے حروفِ مشبہ بالفعل مراد ہوئے۔ اور ان کو اخوات کہا، ان کو کیا کہا؟ اخوات کہا کیونکہ یہ حروف ہیں، اور میں نے بتایا حرف جو ہے عربی میں مذکر بھی استعمال ہوتا ہے مؤنث بھی لیکن مؤنث زیادہ استعمال ہوتے ہیں۔ تو یہ سارے جب مؤنث ہیں تو یہ کس کی طرح ہوئے آپس میں؟ بہنوں کی طرح ہوئے، جیسے بہنیں ایک دوسرے کے مشابہ ہوتی ہیں اسی طرح یہ جو باقی کے حروفِ مشبہ بالفعل ہیں وہ بھی إِنَّ کے مشابہ ہیں۔ یعنی جیسے إِنَّ عمل کرتا ہے ایک اسم کو نصب دیتا ہے اور ایک کو رفع، اسی طرح یہ باقی حروفِ مشبہ بالفعل بھی ایک اسم کو نصب دیتے ہیں اور ایک کو رفع دیتے

ہیں، تو ان کو اخوات کہا بھئی۔ اور اخوات کیوں کہا؟ کیونکہ یہ حروف ہیں بھئی، تو چونکہ یہ مؤنث ہیں لہٰذا ان کو اخوات قرار دیا، تو یہاں پر مشابہت مراد ہے۔

تو کہتے ہیں: إِنَّ اور اس کے اخوات کی خبر جو ہے هُوَ الْمُسْنَدُ وہ مسند ہوتی ہے بَعْدَ دُخُولِ هَذِهِ الْحُرُوفِ ان حروف کے داخل ہونے کے بعد۔ بھئی آپ جانتے ہیں کہ یہ حروفِ مشبہ بالفعل مبتدا اور خبر پر داخل ہوتے ہیں۔ اور پھر جو مبتدا تھا اس کو یہ نصب دیتے ہیں اور جو خبر تھی اس کو یہ رفع دیتے ہیں، اور اب وہ مبتدا اور خبر نہیں کہلاتے بلکہ إِنَّ کا اسم اور إِنَّ کی خبر کہلاتے ہیں۔ تعریف پر نظر ہے؟ پھر دیکھیں: خَبَرُ إِنَّ وَأَخَوَاتِهَا إِنَّ اور اس کے اخوات کی خبر هُوَ الْمُسْنَدُ وہ مسند ہوتی ہے۔ بھئی مسند ہوتی ہے کسی چیز کی طرف، یعنی مسندٌ إلیہ نہیں ہوتی بلکہ کیا ہوتی ہے؟ مسند ہوتی ہے کسی چیز کی طرف۔ تو اس کے اندر تو تمام مسند داخل ہو گئے۔ مبتدا کی خبر وہ بھی کیا ہوتی ہے؟ مسند۔ كَانَ کی خبر بھی کیا ہوتی ہے؟ مسند۔ اسی طرح إِنَّ وغیرہ کی خبر بھی کیا ہوتی ہے؟ مسند۔ اور نیز اسی طرح لَا نفی جنس کی خبر بھی مسند، مَا و لَا مشابہ بِلَيْسَ ان کی خبر بھی مسند۔ تو جب کہا کہ إِنَّ اور اخوات جو ہیں ان کی خبر مسند ہوتی ہے تو یہ ساری خبریں داخل ہو گئیں، کیونکہ کیا کہا؟ هُوَ الْمُسْنَدُ، هُوَ سے تعریف شروع ہو رہی ہے نا! هُوَ الْمُسْنَدُ وہ کیا ہوتی ہے؟ مسند ہوتی ہے، تو مسند تو یہ ساری خبریں ہیں۔ پھر آگے جب کہا بَعْدَ دُخُولِ هَذِهِ الْحُرُوفِ ان حروف کے داخل ہونے کے بعد، تو اب مبتدا کی خبر بھی نکل گئی کیونکہ اس پر تو یہ والے حروف داخل نہیں، كَانَ کی خبر بھی نکل گئی کیونکہ اس پر تو یہ حروف داخل نہیں، لَا نفی جنس کی خبر بھی نکل گئی، مَا و لَا مشابہ بِلَيْسَ کی خبر بھی نکل گئی کیونکہ، کیونکہ کیا قید آ گئی؟ ان حروف کے داخل ہونے کے بعد۔ تو کہتے ہیں إِنَّ اور اس کے اخوات جو ہیں ان کی خبر مسند ہوتی ہے ان حروف کے داخل ہونے کے بعد۔

جی اب دیکھیے شرح کے ساتھ۔ کہتے ہیں: خَبَرُ إِنَّ وَأَخَوَاتِهَا، أَيْ مِنَ الْمَرْفُوعَاتِ خَبَرُ إِنَّ وَأَخَوَاتِهَا، أَيْ مِنَ الْمَرْفُوعَاتِ۔ دیکھو متن میں کیا آیا؟ خَبَرُ إِنَّ وَأَخَوَاتِهَا۔ صاحبِ جامی بتلانا یہ چاہتے ہیں کہ یہ خَبَرُ إِنَّ وَأَخَوَاتِهَا یہ ہے مبتدا اور اس کی خبر ماقبل میں مِنْهَا محذوف ہے، یہ کس کا بیان چل رہا ہے؟ مرفوعات کا، تو ماقبل میں ہے وَمِنْهَا خَبَرُ إِنَّ اور مرفوعات میں سے کیا ہے؟ إِنَّ کی

کی خبر ہے۔ تو مِنْهَا جار مجرور ہے اور جار مجرور کبھی بھی مبتدا نہیں بنتے، مسندٌ إلیہ نہیں بنتے بلکہ کیا بنتے ہیں؟ مسند۔ تو وہ مِنْهَا جو مقدم ہے اس کو کیا بنائیں گے؟ خبرِ مقدم، اور خَبَرُ إِنَّ کو کیا بنائیں گے؟ مبتدا مؤخر بھئی۔ تو یہی ذکر کر رہے ہیں: أَيْ مِنَ الْمَرْفُوعَاتِ، مرفوعات میں سے ہے خَبَرُ إِنَّ وَأَخَوَاتِهَا، مرفوعات میں سے إِنَّ اور اس کے اخوات کی خبر ہے، أَيْ أَشْبَاهِهَا۔ اخوات سے بتلا رہے ہیں کہ مراد اشباہ ہیں بھئی۔ یہ أَشْبَاه جمع ہے شِبْهٌ، شِبْهٌ کا کیا معنی؟ مثل۔ إِنَّ اور اس کے جو مثل ہیں وہ مراد ہیں، وہ مراد ہیں۔ تو اشباہ مراد ہیں۔ تو سوال پیدا ہوا کہ مثل مراد ہیں تو اخوات سے ان کو کیوں تعبیر کیا؟ تو جواب یہ کہ بہنیں بھی چونکہ ایک دوسرے کے مثل ہوتی ہیں اسی طرح یہ جو باقی کے حروفِ مشبہ بالفعل ہیں وہ بھی إِنَّ کے مشابہ ہیں، اس لیے ان کو اخوات کے ساتھ تعبیر کر دیا، اور نیز چونکہ یہ حروف ہیں بھئی اور حروف کو زیادہ تر مؤنث استعمال کیا جاتا

ہے عربی زبان میں، اس لیے ان کے لیے اخوات کا لفظ ذکر کیا۔ اور مراد کیا ہے؟ اشباہ، یعنی ملزوم بول کر لازم مراد ہے۔ بھئی دیکھو بہنیں ہیں، بہنیں ایک دوسرے کے مشابہ ہوتی ہیں، تو مشابہت بہنوں کے ساتھ لازم ہے، تو بہنیں ہیں ملزوم اور مشابہت ہے لازم، اوریہاں پر ملزوم بول کر لازم مراد ہے، یعنی بہنیں بول کر ان کا لازم یعنی مشابہت مراد ہے، یعنی إنَّ اور اس کے جو مشابہ حروف ہیں۔ بات سمجھ میں آگئی؟

تو کہتے ہیں: أَيْ مِنَ الْمَرْفُوعَاتِ خَبَرُ إِنَّ وَأَخَوَاتِهَا، مرفوعات میں سے إنَّ اور اس کے اخوات کی خبر ہے، أَيْ أَشْبَاهِهَا یعنی وہ جو اس کے مشابہ ہیں۔ بھئی اس کے مشابہ کیا ہیں؟ ابھی بھی ابہام ہے بات کے اندر، تو آگے مِنْ کے ساتھ اس کا بیان کر دیا: مِنَ الْحُرُوفِ الْخَمْسِ الْبَاقِيَةِ یعنی کہ باقی پانچ حروف۔ إنَّ اور اس کے جو مشابہ ہیں یعنی باقی پانچ حروف، ان کی خبر کیا ہوتی ہے؟ مرفوع ہوتی ہے۔ بھئی وہ باقی پانچ حروف کیا ہیں؟ کہتے ہیں: وَهِيَ أَنَّ وَكَأَنَّ وَلَكِنَّ وَلَيْتَ وَلَعَلَّ، وہ یہ حروف ہیں بھئی۔

وَهُوَ مَرْفُوعٌ بِهَذِهِ الْحُرُوفِ لَا بِالِابْتِدَاءِ عَلَى الْمَذْهَبِ الْأَصَحِّ۔ یاد رکھو یہ جو آپ نے کافیہ میں مذہب پڑھا کہ إنَّ کیا کرتا ہے؟ اپنے اسم کو نصب دیتا ہے اور اپنی خبر کو رفع دیتا ہے، یہ بصرا والوں کا مذہب ہے۔ جبکہ کوفہ کے علمائے نحو فرماتے ہیں کہ إنَّ صرف اپنے اسم کو نصب دیتا ہے، خبر میں وہ کوئی عمل نہیں کرتا، خبر میں کوئی عمل نہیں کرتا۔ بصرا والے تو کیا کہتے ہیں؟ اپنے اسم کو نصب دیتا ہے اوریہ جو خبر پر رفع آیا یہ رفع بھی کس نے دیا؟ إنَّ نے دیا۔ جبکہ کوفہ والے کہتے ہیں نہیں، یہ جو حروفِ مشبہ بالفعل ہیں یہ مبتدا اور خبر پر داخل ہوتے ہیں، إنَّ داخل ہونے کے بعد اپنے اسم کو تو نصب دے دیتا ہے، خبر میں یہ کوئی عمل نہیں کرتے، اور خبر، مبتدا کی خبر کیوں مرفوع ہوتی ہے؟ ابتدا کی وجہ سے، اس میں عامل کیا ہے؟ ابتدا، تو یہ إنَّ کی خبر میں ابھی بھی وہی ابتدا عامل ہے۔ إنَّ کس پر داخل ہوا؟ مبتدا خبر پر، اس نے مبتدا میں تو عمل کیا، اس کو نصب دیا، اپنا اسم بنا لیا، لیکن خبر میں کوئی عمل نہیں کیا، خبر پہلے بھی ابتدا کی وجہ سے مرفوع تھی ابھی بھی مرفوع ہے۔ لیکن صاحبِ جامی آپ کو بتلائیں گے کہ زیادہ صحیح مذہب کے مطابق إنَّ دونوں میں عمل کرتا ہے، اب یہ جو خبر مرفوع ہے یہ ابتدا کی وجہ سے نہیں ہے بلکہ إنَّ کی وجہ سے ہے۔

تو کہتے ہیں: وَهُوَ مَرْفُوعٌ بِهَذِهِ الْحُرُوفِ اور وہ خبر جو ہے وہ ان حروف کی وجہ سے مرفوع ہوتی ہے، لَا بِالِابْتِدَاءِ ابتدا کی وجہ سے مرفوع نہیں، عَلَى الْمَذْهَبِ الْأَصَحِّ زیادہ صحیح مذہب پر، زیادہ صحیح مذہب کے مطابق۔ دیکھا؟ بصرا والوں کے مذہب کو أَصَحّ قرار دیا۔ بھئی یاد رکھو ایک ہے لفظِ أَصَحّ اور ایک ہے صَحِيح بھئی۔ أَصَحّ کا معنی زیادہ صحیح بھئی۔ تو بظاہر لگتا ہے کہ أَصَحّ کے اندر زیادہ قوت ہے کہ زیادہ صحیح ہے، لیکن زیادہ قوت صَحِيح کے اندر ہے۔ جب ایک چیز کو صَحِيح قرار دے دیا معلوم ہوا اس کے جو مقابل ہے اس کو، اس کو غیرِ صحیح اور غلط قرار دے دیا بھئی۔ تو صَحِيح میں زیادہ قوت ہے کہ اس کی وجہ سے مقابل کی بالکل نفی ہو جاتی ہے یعنی اس کو غلط اور باطل قرار دے دیا جاتا ہے۔ جبکہ أَصَحّ اس کے

اندر اتنی قوت نہیں ہے، أَصَحّ کا کیا معنی؟ زیادہ صحیح۔ تو کہہ رہے ہیں بصرا والوں کا مذہب زیادہ صحیح ہے، تو معلوم ہوا کوفہ والوں کا مذہب بھی صحیح ہے، غلط نہیں ہے، لیکن بصرا والوں کا مذہب ان کے مقابلے میں زیادہ صحیح ہے۔ تو معلوم ہوا قوت کس کے اندر زیادہ؟ أَصَحّ کے اندر یا صَحِیح کے اندر؟ صَحِیح کے اندر زیادہ قوت ہے بھئی، اس کی وجہ سے جب صَحِیح کہا جائے تو معلوم ہوا دوسرے کی بات کو بالکل ہی رد کر دیا گیا، اس کو غلط قرار دے دیا گیا۔

تو کہتے ہیں: وَهُوَ مَرْفُوعٌ بِهَذِهِ الْحُرُوفِ لَا بِالِابْتِدَاءِ عَلَى الْمَذْهَبِ الْأَصَحِّ، اور یہ جو خبر ہے یہ ان حروف کی وجہ سے مرفوع ہے نہ کہ ابتدا کی وجہ سے عَلَى الْمَذْهَبِ الْأَصَحِّ زیادہ صحیح مذہب پر۔ لِأَنَّهَا لَمَّا شَابَهَتِ الْفِعْلَ الْمُتَعَدِّيَ كَمَا يَجِيءُ عَمِلَتْ رَفْعًا وَنَصْبًا مِثْلَهُ۔ یاد رکھو یہ جو حروفِ مشبہ بالفعل ہیں یہ فعل کے مشابہ ہیں، اس لیے ان کو مشبہ بالفعل کہتے ہیں۔ یہ جو حروفِ مشبہ بالفعل ہیں یہ فعل کے مشابہ ہیں اس لیے ان کا یہ نام رکھا گیا حُرُوفٌ مُشَبَّهٌ بِالْفِعْلِ، یہ ایسے حروف ہیں جو مشابہ ہیں فعل کے۔ اور یہ لفظوں کے اعتبار سے بھی فعل کے مشابہ ہیں اور معنی کے اعتبار سے بھی فعل کے مشابہ ہیں۔ لفظوں کے اعتبار سے ان کی فعل کے ساتھ مشابہت یہ ہے کہ فعل جس طرح ثلاثی، رباعی اور خماسی ہوتا ہے، اسی طرح یہ حروفِ مشبہ بالفعل بھی کوئی ثلاثی ہے، کوئی رباعی ہے، کوئی خماسی ہے۔ إِنَّ، إِنَّ کے کتنے حروف ہیں؟ تین حروف، کیونکہ حرفِ مشدد دراصل کتنے حروف ہوتے ہیں؟ دو۔ تو ایک ہمزہ اور دو نون کتنے ہو گئے؟ تین حروف۔ أَنَّ کے اندر بھی کتنے حروف؟ تین حروف۔ اور لَيْتَ کے اندر بھی تین حروف۔ لَعَلَّ کے اندر؟ لَعَلَّ کے اندر لام مشدد ہے، چار حروف۔ لَكِنَّ کے اندر؟ لَكِنَّ، لَكِنَّ میں لام کے بعد الف بھی آپ پڑھ رہے ہیں اور آخر میں نونِ مشدد بھی ہے، تو یہ پانچ حروف ہیں۔ اور كَأَنَّ، كَأَنَّ کے اندر کتنے حروف؟ چار حروف ہیں بھئی۔ تو ان میں سے کوئی ثلاثی ہے، کوئی رباعی ہے اور کوئی خماسی، جس طرح فعل ثلاثی، رباعی اور خماسی ہوتا ہے۔ آپ کہیں گے بھئی کہ فعل تو ہم نے ثلاثی اور رباعی پڑھا ہے، فعل تو خماسی نہیں ہوتا! تو جواب یہ کہ بھئی یہ حروفِ اصلیہ کے اعتبار سے نہیں ثلاثی، رباعی اور خماسی، بلکہ یہاں مراد ہے حروف کی تعداد کے اعتبار سے۔ حروفِ اصلیہ تو تین یا چار ہی ہوں گے، لیکن حروف کی تعداد چار سے زیادہ بھی ہو سکتی ہے۔ تو فعل کبھی حروف کی تعداد کے اعتبار سے ثلاثی ہو گا: ضَرَبَ، کتنے حروف ہیں؟ تین حروف ہیں۔ فَتَحَ، اس کے بھی کتنے حروف ہیں؟ تین حروف ہیں۔ أَكْرَمَ، اس کے اندر چار حروف ہیں، اصلی تو بے شک تین ہیں لیکن کل حروف کتنے ہیں؟ چار ہیں۔ اور تَصَرَّفَ، اس کے اندر کتنے حروف ہیں؟ تَصَرَّفَ، کتنے حروف ہیں؟ اس میں پانچ حروف ہیں بھئی، دیکھا؟ تو فعل جس طرح ثلاثی، رباعی اور خماسی ہوتا ہے حروف کی تعداد کے اعتبار سے، یعنی حروف کی کل تعداد کے اعتبار سے، تو اسی طرح یہ حروف بھی کیا ہیں؟ کوئی ثلاثی ہے، کوئی رباعی ہے اور کوئی خماسی ہے۔

اور نیز معنی کے اعتبار سے بھی یہ فعل کے مشابہ ہیں، یعنی یہ سب فعل والا معنی ادا کرتے ہیں۔ إِنَّ اور أَنَّ تحقیق کے لیے آتے ہیں، ایک بات میں تاکید پیدا کرنے کے لیے، زور پیدا کرنے کے لیے، تو یہ تحقیق کے لیے آتے ہیں تو یہ حَقَّقْتُ کے

معنی میں ہوئے۔ إِنَّ اور أَنَّ کس معنی میں ہوئے؟ حَقَّقْتُ، دیکھو یہ فعل کے معنی میں ہیں۔ لَيْتَ جو ہے تمنا کے لیے آتا ہے تو یہ تَمَنَّيْتُ کے معنی میں ہوا۔ لَعَلَّ ترجی کے لیے آتا ہے تو یہ تَرَجَّيْتُ کے معنی میں ہوا۔ اور لٰكِنَّ استدراک کے لیے آتا ہے تو لٰكِنَّ اسْتَدْرَكْتُ کے معنی میں ہوا۔ اور كَأَنَّ تشبیہ کے لیے آتا ہے تو یہ شَبَّهْتُ کے معنی میں ہوا۔ تو یہ جتنے حروفِ مشبہ بالفعل ہیں یہ سب فعل کے معنی میں ہیں بھئی۔ تو لٰكِنَّ کس معنی میں ہے؟ اسْتَدْرَكْتُ کے معنی میں ہے۔ استدراک کہتے ہیں، استدراک کہتے ہیں تلافی کرنا۔ ماقبل کلام سے کوئی وہم پیدا ہو اس وہم کو دور کرنا، ختم کرنا، اس کی تلافی کرنا، اس کو کیا کہتے ہیں؟ استدراک بھئی۔ مثلاً میں آپ سے کہتا ہوں: جَاءَنِي زَيْدٌ، میرے پاس زید آیا تھا، تو آپ کے ذہن میں فوراً آیا کہ جب زید آیا ہے تو عمرو بھی آیا ہوگا کیونکہ زید اور عمرو دونوں گہرے دوست ہیں، جہاں بھی جاتے ہیں اکٹھے جاتے ہیں، تو جب زید آیا ہے تو یقیناً عمرو بھی آیا ہوگا۔ میں نے تو صرف کیا کہا؟ جَاءَنِي زَيْدٌ، لیکن آپ کے ذہن میں یہ وہم آسکتا ہے کہ عمرو بھی آیا ہوگا۔ لہٰذا میں اس وہم کا ازالہ کرتا ہوں کہ اس کے ساتھ ہی اور کلام بھی ملا دیتا ہوں، تو میں صرف جَاءَنِي زَيْدٌ نہیں کہتا کہ اس سے تو آپ کے ذہن میں وہم آئے گا، تو میں اس وہم کی بھی تلافی کرتا ہوں اور کیسے کہوں گا؟ جَاءَنِي زَيْدٌ لٰكِنَّ عَمْرًا لَمْ يَجِئْ، میرے پاس زید آیا لٰكِنَّ عَمْرًا لَمْ يَجِئْ لیکن عمرو نہیں آیا۔ تو دیکھو وہ جو ایک وہم آپ کے ذہن میں پیدا ہو سکتا تھا میں نے اس کی تلافی کر دی لٰكِنَّ کے ذریعے، اس کو کہتے ہیں استدراک بھئی، تو لٰكِنَّ کس لیے آتا ہے؟ استدراک کے لیے آتا ہے بھئی۔

تو یہ حروف جو ہیں فعل کے مشابہ ہیں، نیز یہ فعلِ متعدی کے ساتھ ان کی یہ مشابہت بھی ہے کہ جس طرح فعلِ متعدی جو ہے فاعل کو رفع دیتا ہے اور مفعول کو نصب، اسی طرح یہ حروفِ مشبہ بالفعل بھی جو ہیں ایک اسم کو نصب دیتے ہیں اور ایک کو رفع دیتے ہیں۔ تو بایں اعتبار یہ فعلِ متعدی کے مشابہ ہو گئے۔ کہتے ہیں: لِأَنَّهَا لَمَّا شَابَهَتِ الْفِعْلَ الْمُتَعَدِّيَ كَمَا يَجِيءُ اس لیے کیونکہ جب یہ حروف فعلِ متعدی کے مشابہ ہو گئے كَمَا يَجِيءُ جیسے کہ آگے آئے گا بھئی۔ یہ اشارہ ہے حروف کی بحث کی طرف۔ حروف کی بحث کے اندر یہ جو حروفِ مشبہ بالفعل ہیں، یہ حروف ہیں نا سارے، تو ان کی مفصل بحث آئے گی وہاں پر۔ تو وہاں یہ ذکر کریں گے کہ ان کو حروفِ مشبہ بالفعل کیوں کہتے ہیں؟ تو یہ حروف کی بحث کے اندر ان کا بیان آئے گا۔ اور حروف کی بحث تو کتاب کے بالکل آخر میں ہے۔ اسی لیے صاحبِ جامی نے یہ نہیں فرمایا كَمَا سَيَجِيءُ، جیسے عنقریب آجائے گا، کیونکہ اس کا بیان قریب نہیں ہے بلکہ کتاب کے آخر میں ہے اس لیے كَمَا يَجِيءُ فرمایا۔ تو کہتے ہیں: لِأَنَّهَا لَمَّا شَابَهَتِ الْفِعْلَ الْمُتَعَدِّيَ تو جب یہ حروف جو ہیں فعلِ متعدی کے مشابہ ہو گئے كَمَا يَجِيءُ جیسے کہ اس کا بیان آجائے گا، عَمِلَتْ رَفْعًا وَنَصْبًا مِثْلَهُ تو انہوں نے عمل کیا رفع کا اور نصب کا مِثْلَهُ اسی فعلِ متعدی کے مثل۔ انہوں نے بھی رفع دینے اور نصب دینے کا عمل کیا کس کی طرح؟ فعلِ متعدی کی طرح، جیسے فعلِ متعدی اپنے فاعل کو رفع اور مفعول کو نصب، اسی طرح یہ جو حروفِ مشبہ بالفعل ہیں یہ بھی ایک اسم کو نصب دیتے ہیں اور ایک اسم کو رفع دیتے ہیں بھئی۔

معنی سمجھ میں آگیا؟

هُوَ أَيْ خَبَرُ إِنَّ وَأَخَوَاتِهَا۔ اب یہ تعریف شروع کر دی بھئی ان کی۔ کہتے ہیں هُوَ أَيْ خَبَرُ إِنَّ وَأَخَوَاتِهَا، یہ هُوَ ضمیر کس کو راجع؟ پیچھے جو خبر کا لفظ آیا تھا اس کو راجع ہے، کہ وہ جو إِنَّ اور اخوات کی خبر ہے الْمُسْنَدُ وہ مسند ہوتی ہے، وہ مسند ہوتی ہے إِلَى شَيْءٍ آخَرَ کسی دوسری چیز کی طرف۔ ان حروفِ مشبہ بالفعل کی خبر مسند ہوتی ہے کسی دوسری چیز کی طرف۔ تو کہتے ہیں ان کی خبر مسند ہوتی ہے إِلَى شَيْءٍ آخَرَ کسی دوسری چیز کی طرف۔ بھئی ان کی خبر مسند ہے اور مسند کے لیے ہمیشہ کیا چاہیے؟ مسندٌ إلیہ چاہیے، تو ان کی خبر کسی نہ کسی چیز کی طرف مسند ہو گی۔ بَعْدَ دُخُولِ أَحَدِ هَذِهِ الْحُرُوفِ ان حروف میں کسی ایک کے داخل ہونے کے بعد۔ متن میں کیا تھا؟ بَعْدَ دُخُولِ هَذِهِ الْحُرُوفِ۔ صاحبِ جامی نے درمیان میں أَحَد کا لفظ نکال دیا کہ ان حروف میں سے کسی ایک کے داخل ہونے کے بعد۔ وجہ یہ کہ بظاہر عبارت سے یوں معلوم ہوتا ہے کہ یہ سارے حروف جب خبر پر داخل ہوں گے تب وہ مسند ہو گی، حالانکہ یہ سارے تو ایک ہی خبر پر داخل نہیں ہوتے، تو بتلا دیا کہ یہاں أَحَد کا لفظ مضاف محذوف ہے۔ صاحبِ کافیہ کے پاس الفاظ کم ہوتے ہیں، کچھ چیزیں وہ حذف کرتے چلے جاتے ہیں کہ پڑھنے والا خود ہی سمجھ جائے گا، تو صاحبِ جامی نے بتلایا کہ یہاں هَذِهِ الْحُرُوف سے پہلے أَحَد کا لفظ مضاف محذوف ہے۔ تو ان کی خبر مسند ہوتی ہے کسی دوسری چیز کی طرف بَعْدَ دُخُولِ أَحَدِ هَذِهِ الْحُرُوفِ عَلَيْهِمَا بعد اس کے کہ ان حروف میں سے کوئی ایک داخل ہو جائے عَلَيْهِمَا ان پر، بعد اس کے کہ جبکہ یہ ان دونوں پر داخل ہو جائیں، یعنی وہ مسند اور مسندٌ إلیہ پر داخل ہو جائیں۔

تو فَقَوْلُهُ الْمُسْنَدُ شَامِلٌ... اب دیکھو تعریف کے اندر فوائدِ قیود ذکر کر رہے ہیں۔ کیا فائدہ ذکر کریں گے؟ میں نے ذکر کر دیا، جب الْمُسْنَد کہا تو اس کے اندر بتدا کی خبر بھی آگئی، وہ بھی مسند ہوتی ہے، كَانَ کی خبر بھی، لَا نفی جنس کی خبر بھی، مَا و لَا مشابہ بِلَيْسَ ان سب کی خبریں داخل ہو گئیں، اور پھر جب کہا بَعْدَ دُخُولِ هَذِهِ الْحُرُوفِ تو اس کے ذریعے باقی ساری خبریں نکل گئیں بھئی۔ تو کہتے ہیں: فَقَوْلُهُ الْمُسْنَدُ شَامِلٌ لِخَبَرِ كَانَ، ماتن کا قول الْمُسْنَدُ جو ہے وہ شامل ہے كَانَ کی خبر کو، وَخَبَرِ الْمُبْتَدَإِ اور بتدا کی خبر کو، وَخَبَرِ لَا الَّتِي لِنَفْيِ الْجِنْسِ اور لَا نفی جنس کی خبر کو، وَغَيْرِهَا اور اس کے علاوہ جو ہیں یعنی مَا و لَا مشابہ بِلَيْسَ وغیرہ کی خبر۔ وَبِقَوْلِهِ بَعْدَ دُخُولِ هَذِهِ الْحُرُوفِ اور مصنف کا قول جو آیا بَعْدَ دُخُولِ هَذِهِ الْحُرُوفِ اس کے ذریعے خَرَجَ جَمِيعُهَا عَنْهُ، ساری خبریں نکل گئیں اس تعریف سے، صرف إِنَّ وغیرہ کی خبر رہ گئی۔ بات سمجھ میں آ گئی؟

چلیے بس کریں، بس بھئی، هَذَا هُوَ الْمَرَامُ وَاللهُ أَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْكَلَامِ۔

سبق نمبر ۱۰۹: خبرِ إنَّ و اخواتہا (۱): حروفِ مشبہ بالفعل کا عمل اور خبر کے احکام

شرحِ ملا جامی صفحہ: ۷۹ — بتاریخ: ۲۴ نومبر ۲۰۲۱ء

▪ تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث

آگے سبق دیکھیے بھئی:[1]

وَالْمُرَادُ بِدُخُوْلِ هٰذِهِ الْحُرُوْفِ عَلَيْهِمَا وُرُوْدُهَا عَلَيْهِمَا لِإِيْرَاثِ أَثَرٍ فِيْهِمَا لَفْظًا أَوْ مَعْنًى، فَلَا يَنْتَقِضُ التَّعْرِيْفُ بِمِثْلِ يَقُوْمُ فِيْ قَوْلِنَا إِنَّ زَيْدًا يَقُوْمُ أَبُوْهُ، فَإِنَّ يَقُوْمُ هٰهُنَا مِنْ حَيْثُ إِسْنَادُهُ إِلَى أَبُوْهُ لَيْسَ مِمَّا يَدْخُلُ عَلَيْهِ إِنَّ بِهٰذَا الْمَعْنَى، بَلْ إِنَّمَا دَخَلَ عَلَى جُمْلَةِ يَقُوْمُ أَبُوْهُ.

بھئی گزشتہ سبق میں ہم پڑھ رہے تھے وہ مبتدا جن کی خبر کا حذف کرنا واجب ہے، اور صاحبِ جامی نے آپ کو بتلایا تھا وہ چار مبتدا ہیں، ان میں سے آخری دو ہم نے کل پڑھے تھے بھئی۔ صاحبِ کافیہ نے آپ کو بتلایا کہ تیسرا وہ مبتدا جس کی خبر کو حذف کرنا واجب ہے وہ «كُلُّ رَجُلٍ وَضَيْعَتُهُ» کے مثل ہے بھئی۔ یعنی اس سے مراد ہر وہ مبتدا جس کی خبر مقارنت کے معنی پر مشتمل ہو اور اس پر واو بمعنی «مَعَ» کے ذریعے عطف کیا جائے، تو اس مبتدا کی خبر کو حذف کرنا واجب ہے، جیسے «كُلُّ رَجُلٍ وَضَيْعَتُهُ»۔

[1]

جدول — حروفِ مشبہ بالفعل (چھ حروف) اور ان کے معانی و عمل:

حرف	معنی و فائدہ	عمل و مثال (اسم منصوب، خبر مرفوع)
إِنَّ، أَنَّ	تاکیدِ نسبت (جملہ اسمیہ کی مضبوطی)	إِنَّ زَيْدًا قَائِمٌ
كَأَنَّ	تشبیہ (اور ظن کے لیے)	كَأَنَّ زَيْدًا أَسَدٌ
لٰكِنَّ	استدراک (دو متغایر جملوں کے درمیان)	جَاءَ زَيْدٌ لٰكِنَّ عَمْرًا غَائِبٌ
لَيْتَ، لَعَلَّ	تمنی (محال/بعید) اور ترجی (توقع)	لَيْتَ الشَّبَابَ يَعُوْدُ، لَعَلَّ زَيْدًا قَادِمٌ

«ضَيْعَة» میں نے بتلایا تھا غلہ اگانے والی زمین یعنی قابلِ کاشت زمین کو کہتے ہیں بھئی، لیکن یہاں مراد ہے پیشہ بھئی، پیشہ۔ تو «كُلُّ رَجُلٍ وَضَيْعَتُهُ أَيْ مَعَ ضَيْعَتِهِ»، یہ واو بمعنی «مَعَ» کے ہے اور خبر «مَقْرُوْنٌ» محذوف ہے، تو تقدیرِ عبارت کیا ہے؟ «كُلُّ رَجُلٍ مَقْرُوْنٌ مَعَ ضَيْعَتِهِ»۔ پھر اس «مَعَ» کو ختم کیا گیا اور واو کو لے آئے بھئی، واو بمعنی «مَعَ» کے، اور اس «ضَيْعَتُهُ» کا عطف کر دیا گیا «مَقْرُوْنٌ» کے اندر جو «هُوَ» ضمیر تھی نائب الفاعل اور جو لوٹ رہی تھی «كُلُّ رَجُلٍ» کو، اس پر عطف کیا گیا۔ اور پھر اس کے بعد اس «مَقْرُوْنٌ» کو حذف کر لیا گیا، کیونکہ یہ جو واو بمعنی «مَعَ» کے ہے یہ اس پر دلالت کر رہا ہے۔ خبر بھی کیا تھی؟ «مَقْرُوْنٌ» ملا ہوا، اور «مَعَ» کا معنی بھی کیا ہے؟ ساتھ ہونا، ملا ہوا ہونا، اکٹھا ہونا، تو یہ واو جو ہے اس خبر پر دلالت کر رہا ہے، یہ قرینہ ہے بھئی۔ اور «مَقْرُوْنٌ» کے «هُوَ» ضمیر پر «وَضَيْعَتُهُ» کا عطف تھا، اور وہ «هُوَ» ضمیر راجع تھی «كُلُّ رَجُلٍ» کو، تو گویا یوں سمجھو کہ «وَضَيْعَتُهُ» کا عطف «كُلُّ رَجُلٍ» پر ہی تھا۔ چنانچہ «مَقْرُوْنٌ» کو حذف کر لیا گیا اور «كُلُّ رَجُلٍ» پر ہی «وَضَيْعَتُهُ» کا عطف کر دیا گیا، اور پھر یہ جو «وَضَيْعَتُهُ» ہے اس کو اس خبر کا قائم مقام بنا دیا گیا۔ تو قرینہ بھی موجود ہے یہ واو بمعنی «مَعَ» کے اور نیز قائم مقام بھی آگیا، لہذا اس خبر کا حذف کرنا واجب ہے۔ معنی کیا ہوا «كُلُّ رَجُلٍ وَضَيْعَتُهُ»؟ ہر شخص اپنے پیشے کے ساتھ ملا ہوا ہے۔ معنی سمجھ میں آیا؟ ہر شخص اپنے پیشے کے ساتھ ملا ہوا ہے۔

اور چوتھا وہ بتدا جس کی خبر کو حذف کرنا واجب ہے، کہتے ہیں وہ بتدا ہے جو مقسم بہ ہو اور اس کی خبر جو ہے قسم ہو، جیسے «لَعَمْرُكَ لَأَفْعَلَنَّ كَذَا»۔ تقدیرِ عبارت کیا ہے؟ «لَعَمْرُكَ قَسَمِيْ»۔ تو «لَعَمْرُكَ» یہ ہے بتدا اور «قَسَمِيْ» یہ ہے خبر، اور اس خبر کو حذف کر دیا گیا، کیونکہ یہ «لَعَمْرُكَ» کا لام اس قسم پر دلالت کر رہا ہے، یہ لام قسم کی خبر دے رہا ہے، اور پھر اس خبر کے قائم مقام جوابِ قسم یعنی «لَأَفْعَلَنَّ كَذَا» کو اس کا قائم مقام کر دیا گیا۔ تو قرینہ بھی موجود ہے اور قائم مقام بھی آ گیا تو اس خبر کا حذف واجب ہوا بھئی۔ «لَعَمْرُكَ لَأَفْعَلَنَّ كَذَا» معنی کیا ہوا؟ میں تیری عمر کی قسم کھاتا ہوں «لَأَفْعَلَنَّ كَذَا» میں ضرور بضرور ایسا کروں گا۔ معنی سمجھ میں آگیا۔

اب آپ کے ذہنوں میں اشکال آئے گا کہ یہاں پر تو مخاطب کی عمر کی قسم اٹھائی گئی ہے، حالانکہ غیر اللہ کی قسم جائز نہیں، غیر اللہ کی قسم جائز نہیں۔ یاد رکھنا کہ مخلوق کے لیے خالق کے علاوہ کسی اور کی قسم کھانا جائز نہیں، اور خالق وہ تو خالق ہے، اس کی مرضی جس چیز کی بھی چاہے قسم کھائے۔ تو سوال پیدا ہوا کہ «لَعَمْرُكَ» اس کے اندر تو مخاطب کی عمر کی قسم کھائی گئی اور یہ تو شرعاً جائز نہیں۔ تو یاد رکھنا بھئی قسم لانے میں کئی مقاصد ہوتے ہیں۔ قسم جو ہے یہ کلام میں تاکید پیدا کرتی ہے، نیز یہ کلام کو حسین بناتی ہے۔ تو یہ قسم تاکیدِ کلام کے لیے بھی لائی جاتی ہے اور تحسینِ کلام کے لیے بھی لائی جاتی ہے، اور نیز یہ قسم جو ہے یہ مقسم بہ کی عظمت پر بھی دلالت کرتی ہے، یعنی وہ چیز جس کی قسم اٹھائی گئی ہے وہ بڑی ہی عظیم چیز ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ اسی لیے غیر اللہ کے علاوہ قسم سے منع فرمایا گیا، کیونکہ قسم جس چیز کی کھائی جاتی ہے

معلوم ہوا وہ چیز بڑی ہی باعظمت ہے مخاطب کے دل میں، تو لہذا حکم دیا گیا کہ خالق کے علاوہ کسی اور کی قسم اٹھانے کی اجازت نہیں ہے۔ لیکن یاد رکھنا یہاں جو قسم آئی وہ تعظیم کے لیے نہیں ہے «لَعَمْرُكَ لَأَفْعَلَنَّ كَذَا» یہاں پر جو قسم آئی جس میں مخاطب کی عمر کی قسم کھائی جا رہی ہے یہ جو قسم ہے تعظیم کے لیے نہیں ہے، بلکہ یہ صرف کلام کو حسین بنانے کے لیے ہے اور کلام میں تاکید پیدا کرنے کے لیے ہے۔ تو یہ تعظیم پر دلالت نہیں کر رہی اس لیے یہ جائز ہے۔ اور بعض علماء اور جواب دیتے ہیں بھئی، وہ اس میں تاویل کرتے ہیں کہ تیری عمر کی قسم یعنی مراد یہ ہے کہ تمہیں عمر دینے والے کی قسم یعنی اللہ کی قسم بھئی، تو یہاں پر بھی اللہ ہی کی قسم کھائی جا رہی ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟

اس کے بعد «إنَّ» کی خبر کے بارے میں ہم نے پڑھنا شروع کیا تھا، اور صاحبِ کافیہ نے آپ کو بتلایا کہ «إنَّ» کی جو خبر ہے وہ مرفوع ہوتی ہے۔ آپ نے پڑھا ہے کہ یہ جو حروفِ مشبہ بالفعل ہیں یہ مبتدا اور خبر پر داخل ہوتے ہیں، مبتدا کو یہ نصب دیتے ہیں اور پھر وہ مبتدا مبتدا نہیں کہلاتا بلکہ وہ ان حروفِ مشبہ بالفعل کا اسم کہلاتا ہے، اور مبتدا کی جو خبر تھی اس کو یہ حروف جو ہیں رفع دیتے ہیں تو پھر وہ مبتدا کی خبر نہیں کہلاتی بلکہ ان حروفِ مشبہ بالفعل کی خبر کہلاتی ہے۔ تو «إنَّ» کا ایک اسم ہے اور ایک خبر ہے۔ «إنَّ» کا اسم منصوب ہوتا ہے اور خبر مرفوع ہوتی ہے، اور یہاں ہم بحث پڑھ رہے ہیں مرفوعات کے بارے میں، اسی لیے صاحبِ کافیہ نے کس کو یہاں ذکر کیا؟ «إنَّ» کی خبر کو، کیونکہ وہ مرفوعات میں سے ہے۔ اور اس کی تعریف کی اور بتلایا کہ «إنَّ» کی خبر جو ہے «هُوَ الْمُسْنَدُ بَعْدَ دُخُوْلِ هٰذِهِ الْحُرُوْفِ» کہ ان کی خبر مسند ہوتی ہے کسی چیز کی طرف ان حروف کے داخل ہونے کے بعد۔ تو جب کہا کہ «إنَّ» کی خبر مسند ہوتی ہے تو اس میں مبتدا کی خبر بھی داخل ہوئی کیونکہ وہ بھی مسند ہوتی ہے، اور «كَانَ» کی خبر بھی داخل ہوئی، لائے نفی جنس کی خبر بھی داخل ہوئی، «مَا» و «لَا» مشابہ ب«لَيْسَ» کی خبر بھی داخل ہوئی، اور پھر جب کہا «بَعْدَ دُخُوْلِ هٰذِهِ الْحُرُوْفِ» ان حروف کے داخل ہونے کے بعد، «إنَّ» کی خبر مسند ہوتی ہے ان حروف کے داخل ہونے کے بعد، تو اب باقی سب خبریں نکل گئیں بھئی۔ مبتدا کی خبر بھی، «كَانَ» وغیرہ کی خبر بھی نکل گئی کیونکہ ان پر تو یہ حروف داخل نہیں بھئی۔

اب دیکھیے بھئی آج کا سبق بھئی۔ کہتے ہیں: «وَالْمُرَادُ بِدُخُوْلِ هٰذِهِ الْحُرُوْفِ عَلَيْهِمَا وُرُوْدُهَا عَلَيْهِمَا لِإِيْرَاثِ أَثَرٍ فِيْهِمَا لَفْظًا أَوْ مَعْنًى»۔ جی، اب یہ ایک اعتراض کا جواب دینا چاہتے ہیں صاحبِ جامی بھئی۔ اعتراض، اعتراض سے پہلے ایک ترکیب اپنے سامنے ذرا کاپی پر لکھیے اور اس کو پہلے ہم حل کر لیتے ہیں پھر آپ کو اعتراض سمجھ میں آئے گا بھئی۔ لکھیے بھئی، لکھیے بھئی: «إنَّ زَيْدًا يَقُوْمُ أَبُوْهُ»۔ «إنَّ زَيْدًا يَقُوْمُ أَبُوْهُ»۔ لکھ لیا «إنَّ زَيْدًا يَقُوْمُ أَبُوْهُ»؟ ترکیب کیجیے بھئی۔ «إنَّ» حرف از حروفِ مشبہ بالفعل، «زَيْدًا» منصوب لفظاً «إنَّ» کا اسم، «يَقُوْمُ» فعل، «أَبُوْهُ» اس کے اندر «أَبُوْ» مرفوع لفظاً مضاف، مرفوع کیوں؟ کیونکہ یہ «يَقُوْمُ» کا فاعل ہے بھئی، تو «أَبُوْ» مرفوع لفظاً مضاف، «هُ» ضمیر مجرور محلاً مضاف الیہ۔ اور یہ «هُ» ضمیر راجع ہے زید کو یعنی «إنَّ» کے اسم کو، کیونکہ «إنَّ» کی خبر کو «إنَّ» کے اسم کے ساتھ جوڑا جاتا ہے، اور یہ «يَقُوْمُ» اپنے

فاعل سے مل کر جملہ بنے گا اور جملے کو جب بھی کسی چیز سے جوڑنا ہو درمیان میں ربط ضروری ہے، تو یہ «ہٗ» ضمیر ربط دے رہی ہے بھئی، کیونکہ «یَقُوْمُ» کے اندر تو کوئی ضمیر نہیں ہے، اس کا تو فاعل اسمِ ظاہر «أَبُوْہُ» آرہا ہے۔ تو «ہٗ» ضمیر کس کو راجع؟ زید کو۔ اور یاد رکھنا یہ «ہٗ» ضمیر «إِنَّ» کو نہ راجع کرنا بھئی، کیونکہ «إِنَّ» تو حرف ہے بھئی، حرف اور فعل کی طرف ضمیر کبھی راجع نہیں ہوتی بھئی۔ اور نیز یہ «إِنَّ» کی خبر ہے بھئی، اور «إِنَّ» کی خبر کو «إِنَّ» کے اسم سے جوڑا جاتا ہے تو اس کے اندر ایک ضمیر چاہیے جو «إِنَّ» کے اسم کی طرف لوٹے، تو یہ «ہٗ» ضمیر زید کو راجع ہے اور اس نے ربط دے دیا۔ تو «أَبُوْہُ» مضاف اپنے مضاف الیہ سے مل کر یہ فاعل ہوا «یَقُوْمُ» کے لیے، «یَقُوْمُ» فعل اپنے فاعل سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر «إِنَّ» کی خبر بھئی، «إِنَّ» اپنے اسم اور خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا بھئی۔ ترکیب سمجھ میں آگئی؟

اب دیکھو اس عبارت پر غور کرو بھئی پھر اشکال آپ کو سمجھ میں آئے گا۔ اس کے اندر «إِنَّ» کا اسم ہے «زَیْدًا» اور «یَقُوْمُ أَبُوْہُ» پورا جملہ فعلیہ یہ ہے «إِنَّ» کی خبر بھئی۔ بات سمجھ میں آگئی؟ اب «إِنَّ» کی خبر پر اشکال ہوتا ہے کہ اس جملے کے اندر یہ جو «یَقُوْمُ» آیا یہ «یَقُوْمُ» «إِنَّ» کی خبر نہیں ہے، «إِنَّ» کی خبر کیا ہے؟ «یَقُوْمُ أَبُوْہُ» پورا جملہ «إِنَّ» کی خبر ہے۔ توجہ ہے؟ «إِنَّ» کی خبر صرف «یَقُوْمُ» نہیں ہے بلکہ پورا جملہ «یَقُوْمُ أَبُوْہُ» ہے۔ لیکن یہ جو «یَقُوْمُ» ہے یہ «إِنَّ» کی خبر کے اندر داخل ہو رہا ہے۔ «إِنَّ» کی خبر کی انہوں نے کیا تعریف کی؟ کہ «إِنَّ» کی خبر وہ مسند ہوتی ہے ان حروف کے داخل ہونے کے بعد۔ اور اس کے اندر بھی دیکھو یہ جو «یَقُوْمُ» ہے اس پر «إِنَّ» داخل ہے بھئی، اور نیز یہ مسند بھی ہے۔ «إِنَّ» کی خبر کیا ہوتی ہے؟ مسند۔ یہ «یَقُوْمُ» مسند ہے اور اس کا اسناد کس کی طرف ہے؟ «أَبُوْہُ» کی طرف، وہ اس کے لیے فاعل ہے۔ تو یہ «یَقُوْمُ» جو ہے یہ «إِنَّ» کے داخل ہونے کے بعد یہ مسند ہے تو اس کو «إِنَّ» کی خبر کہنا چاہیے، حالانکہ یہ «إِنَّ» کی خبر نہیں ہے۔ اشکال سمجھ میں آرہا ہے؟ اشکال یہ ہوتا ہے کہ بھئی «إِنَّ» کی خبر تو «یَقُوْمُ أَبُوْہُ» پورا جملہ فعلیہ ہے لیکن اس جملے کے اندر یہ جو «یَقُوْمُ» ہے یہ بھی «إِنَّ» کی خبر کی تعریف میں داخل ہو رہا ہے، کیونکہ «إِنَّ» کی خبر کی تعریف کیا کی؟ «إِنَّ» اور اس کے اخوات کی خبر جو ہے «ھُوَ الْمُسْنَدُ» وہ جو مسند ہوتا ہے کسی چیز کی طرف ان حروف کے داخل ہونے کے بعد، اور «یَقُوْمُ» یہ بھی «إِنَّ» کے داخل ہونے کے بعد مسند ہے، کس کی طرف؟ «أَبُوْہُ» کی طرف، کس کی طرف ہے اس کا اسناد؟ «أَبُوْہُ» کی طرف اسناد ہے، «زَیْدًا» کی طرف تو اس کا اسناد نہیں ہے، لیکن بہرحال تعریف کے اندر یہ داخل ہو رہا ہے کیونکہ کیا تعریف کی «إِنَّ» کی خبر مسند ہوتی ہے کب؟ ان حروف کے داخل ہونے کے بعد، اور دیکھو یہاں پر «یَقُوْمُ» پر بھی «إِنَّ» داخل ہے «إِنَّ زَیْدًا یَقُوْمُ أَبُوْہُ»۔ تو «یَقُوْمُ» جو ہے «إِنَّ» کی خبر کی تعریف اس پر صادق آرہی ہے، «إِنَّ» کے داخل ہونے کے بعد یہ مسند ہے لیکن یہ «إِنَّ» کی خبر نہیں۔ «إِنَّ» کی خبر تو «یَقُوْمُ أَبُوْہُ» پورا جملہ ہے۔ اشکال سمجھ میں آیا؟ کیا اشکال ہوا؟ کہ «إِنَّ زَیْدًا یَقُوْمُ أَبُوْہُ» اس جملے کے اندر جو «یَقُوْمُ» ہے اس پر «إِنَّ» کی خبر کی تعریف صادق آرہی ہے، لہٰذا اس کو «إِنَّ» کی خبر کہنا چاہیے لیکن یہ تو «إِنَّ» کی خبر نہیں ہے۔ تو دیکھو غیرِ معرف تعریف کے اندر داخل ہوا، تعریف مانع نہیں

دخولِ غیر سے۔ یہ «يَقُوْمُ» کیا بن رہا ہے؟ اس کو کیا کہنا چاہیے؟ اس «إنَّ» کی خبر کہنا چاہیے کیونکہ تعریف اس پر صادق آ رہی ہے، لیکن یہ تو «إنَّ» کی خبر نہیں ہے، «إنَّ» کی خبر تو «يَقُوْمُ أَبُوْهُ» پورا جملہ ہے بھئی، صرف یہ فعل «إنَّ» کی خبر نہیں ہے، تو یہ تعریف میں داخل ہو رہا ہے حالانکہ یہ «إنَّ» کی خبر نہیں ہے۔ معلوم ہوا «إنَّ» کی خبر کی تعریف دخولِ غیر سے مانع نہیں، تعریف تو ایسی ہونی چاہیے جو جامع بھی ہو اور مانع بھی ہو۔ جامع ہو یعنی معرف یعنی جس کی تعریف کی جا رہی ہے اس کے تمام افراد اس کے اندر داخل ہو جائیں، اور نیز مانع بھی ہونا چاہیے کوئی غیرِ معرف اس کے اندر داخل نہیں ہونا چاہیے۔ تو «إنَّ» کی خبر کی تعریف کی جا رہی ہے تو اس کے اندر صرف وہ چیزیں داخل ہونی چاہئیں جو «إنَّ» کی خبر ہیں بھئی، لیکن اس کے اندر تو «يَقُوْمُ» بھی داخل ہو گیا حالانکہ وہ تو «إنَّ» کی خبر نہیں ہے، «إنَّ» کی خبر تو «يَقُوْمُ أَبُوْهُ» پورا جملہ ہے۔ اشکال سمجھ میں آ گیا؟

تو صاحبِ جامی اس کا جواب دیں گے کہ بھئی یہ اشکال آپ کے ذہن میں اس لیے آیا کہ یہ جو تعریف کے اندر آیا «بَعْدَ دُخُوْلِ هٰذِهِ الْحُرُوْفِ» ان حروف کے داخل ہونے کے بعد، آپ نے داخل ہونے کا لفظی معنی مراد لے لیا، داخل ہونے کا لفظی معنی مراد لے لیا۔ دیکھو اب ذرا اس مثال پہ رکھو «إنَّ زَيْدًا يَقُوْمُ أَبُوْهُ»، اس «يَقُوْمُ» پر «إنَّ» داخل ہے یا نہیں؟ اس پر بھی «إنَّ» داخل ہے، اس سارے جملے پر کیا ہے «إنَّ» داخل ہے۔ تو آپ نے دخول کا لفظی معنی مراد لے لیا کہ اس پر بھی «إنَّ» تو داخل ہے «إنَّ» داخل ہے، لہذا اس کو بھی کیا کہنا چاہیے «إنَّ» کی خبر۔

لیکن دخول سے لفظوں میں داخل ہونا مراد نہیں ہے، بلکہ دخول سے مراد یہ ہے کہ «إنَّ» جو ہے یہ جو مسند اور مسند الیہ ہیں ان کو اپنا اثر دے دے، ان کو اپنا اثر دے دے۔ ایک «إنَّ» کا اسم ہوتا ہے، ایک «إنَّ» کی خبر ہوتی ہے، «إنَّ» ان دونوں کو لفظاً بھی اثر دیتا ہے اور معناً بھی اثر دیتا ہے۔ لفظاً کیا اثر دیتا ہے؟ «إنَّ» کا اسم منصوب ہوتا ہے اور «إنَّ» کی خبر مرفوع ہوتی ہے، تو لفظوں میں بھی اثر دیتا ہے، اور معنی کے اندر بھی اثر دیتا ہے کہ کلام کے اندر تاکید پیدا کر دیتا ہے۔ توجہ ہے؟ تو کہتے ہیں داخل ہونے سے آپ نے لفظی معنی مراد لے لیا کہ «إنَّ» اس جملے پر داخل تو ہے لہذا اس «يَقُوْمُ» کو بھی کیا کہنا چاہیے؟ «إنَّ» کی خبر کہنا چاہیے، کہتے ہیں نہیں، اس پر «إنَّ» داخل ہی نہیں ہے کیونکہ داخل ہونے کا وہ معنی نہیں ہے کہ لفظوں کے اندر اس پر داخل ہو جائے، بلکہ داخل ہونے کا معنی یہ ہے کہ «إنَّ» ان کو اپنا اثر دے دے، لفظوں کے اعتبار سے یا معنی کے اعتبار سے اثر دے دے۔ توجہ ہے؟ لفظوں کے اعتبار سے اثر دے یا معنی کے اعتبار سے ان کو اثر دے دے۔

اور دیکھو ذرا اس جملے پہ نظر رکھو «إنَّ زَيْدًا يَقُوْمُ أَبُوْهُ»۔ یہ «يَقُوْمُ أَبُوْهُ» یہ پورا جملہ «إنَّ» کی خبر ہے اور اس کے اندر یہ جو «يَقُوْمُ» ہے یہ مرفوع ہے، اس پر رفع ہے، لیکن یہ رفع «إنَّ» نے نہیں دیا کہ آپ کہیں یہ «إنَّ» کی خبر ہے اور خبر کیا ہوتی ہے «إنَّ» کی؟ مرفوع، تو اس پر جو رفع آیا «إنَّ» نے دیا۔ نہیں بھئی، فعلِ مضارع پر جو رفع آتا ہے وہ کسی عامل کی وجہ سے نہیں آتا۔ فعلِ مضارع جب اس پر کوئی نصب اور جزم دینے والا عامل نہ ہو تو وہ مرفوع ہوتا ہے۔ آپ نے پڑھا ہے

اسم کا اعراب تین قسم پر ہے: رفع، نصب، جر۔ لیکن فعلِ مضارع کا اعراب رفع، نصب، جزم ہے بھئی۔ اور رفع جو ہے فعلِ مضارع میں جب اس پر کوئی نصب دینے والا عامل نہ ہو اور کوئی جزم دینے والا عامل نہ ہو تو اس پر رفع آئے گا، جیسے «یَضْرِبُ»۔ «یَضْرِبُ» پر دیکھو میں رفع پڑھ رہا ہوں اور کوئی عامل اس پر داخل نہیں ہے۔ ہاں، جب نصب دینے والا عامل آئے گا وہ نصب دے دے گا جیسے «لَنْ یَضْرِبَ»، دیکھو اس «لَنْ» ناصبہ نے کیا کیا؟ «یَضْرِبُ» کو نصب دے دیا «لَنْ یَضْرِبَ»۔ اور جب جزم دینے والا عامل آئے گا وہ جزم دے دے گا جیسے «لَمْ یَضْرِبْ»، دیکھو «لَمْ» جازمہ آیا اور اس نے «یَضْرِبُ» کو جزم دے دیا۔ تو فعلِ مضارع مرفوع کب ہوتا ہے؟ جب نصب یا جزم دینے والا کوئی عامل نہ ہو۔ معلوم ہوا اس پر رفع کے لیے کسی عامل کی ضرورت نہیں۔ تو معلوم ہوا یہ جو «یَقُوْمُ» پر رفع آیا «إِنَّ زَیْدًا یَقُوْمُ أَبُوْہُ»، یہ جو «یَقُوْمُ» پر رفع آیا یہ «إِنَّ» کی وجہ سے نہیں آیا۔ «إِنَّ» کی خبر مرفوع ہوتی ہے لیکن یہ رفع «إِنَّ» کی وجہ سے نہیں آیا۔ تو معلوم ہوا «إِنَّ» نے یہاں لفظوں کے اندر «یَقُوْمُ» میں کوئی عمل نہیں کیا۔ اور نیز معنی کے اندر بھی عمل نہیں کیا۔ «إِنَّ» معنی کے اعتبار سے کیا عمل کرتا ہے؟ اس اسناد کے اندر تاکید پیدا کر دیتا ہے، اس میں زور پیدا کر دیتا ہے، اور یہ «یَقُوْمُ» کا اسناد کس کی طرف ہے؟ «أَبُوْہُ» کی طرف، اس اسناد کے اندر «إِنَّ» نے کوئی تاکید پیدا نہیں کی۔ ہاں یہ جو «یَقُوْمُ أَبُوْہُ» پورا جملہ ہے اس کا اسناد ہوا «زَیْدًا» کی طرف، اس اسناد کے اندر «إِنَّ» نے تاکید پیدا کر دی۔ کون سا اسناد؟ یہ جو «یَقُوْمُ أَبُوْہُ» پورے جملے کا اسناد ہوا کس کی طرف؟ «زَیْدًا» کی طرف، کس کی طرف؟ «إِنَّ» کے اسم کی طرف جو پورے جملے کا اسناد ہوا اس کے اندر «إِنَّ» نے تاکید پیدا کی ہے۔ لیکن «یَقُوْمُ» کے اندر لفظوں کے اعتبار سے بھی «إِنَّ» نے کوئی عمل نہیں کیا اور «یَقُوْمُ» کا جو اسناد ہے «أَبُوْہُ» کی طرف اس اسناد میں بھی «إِنَّ» نے کوئی تاکید پیدا نہیں کی۔ تو لہذا یہ «إِنَّ» کی خبر کی تعریف سے خارج ہے بھئی۔

آپ نے اشکال کیا کیا تھا؟ کہ یہ بھی «إِنَّ» کی خبر کی تعریف میں داخل ہو رہا ہے حالانکہ یہ تو «إِنَّ» کی خبر نہیں ہے اس کو داخل نہیں ہونا چاہیے۔ صاحبِ جامی فرما رہے ہیں کہ بھئی آپ نے، آپ نے داخل ہونے کا لفظی معنی مراد لے لیا کہ لفظوں کے اندر تو «إِنَّ» اس پر داخل ہو رہا ہے لہذا اس کو «إِنَّ» کی خبر کہنا چاہیے حالانکہ یہ «إِنَّ» کی خبر نہیں۔ کہتے ہیں نہیں بھئی داخل ہونے کا یہ معنی نہیں کہ لفظوں میں اس پر داخل ہو، بلکہ داخل ہونے کا معنی یہ ہے کہ «إِنَّ» ان کو اپنا اثر بھی دے دے، ان کو اپنا اثر بھی دے دے، لفظوں میں اثر دے دے یا معنی میں اثر دے دے۔ اور یہاں جو «یَقُوْمُ» اکیلا «یَقُوْمُ» ہے اس کو «إِنَّ» نے لفظوں میں بھی کوئی اثر نہیں دیا، «إِنَّ» کی وجہ سے اس پر رفع نہیں آیا، اور معنی کے اعتبار سے بھی «إِنَّ» نے اس کو کوئی اثر نہیں دیا کہ اس کا جو اسناد ہو رہا ہے «أَبُوْہُ» کی طرف اس میں «إِنَّ» نے کوئی تاکید پیدا نہیں کی۔ تو یہ تعریف سے خارج ہے کیونکہ اس پر «إِنَّ» داخل ہی نہیں ہوا بھئی۔ «إِنَّ» کی خبر مسند ہوتی ہے ان حروف کے داخل ہونے کے بعد، ٹھیک ہے «یَقُوْمُ» مسند تو ہے ان حروف کے داخل ہونے کے بعد، لیکن اس پر تو «إِنَّ» داخل ہی نہیں ہے۔ کیا معنی داخل نہیں ہے؟ بھئی لفظوں کے اعتبار سے تو داخل ہے، بھئی لفظوں کے اعتبار سے تو داخل ہے، لیکن

لفظاً یا معناً اس کو کوئی اثر نہیں دے رہا۔ داخل ہونے کا کیا معنی؟ لفظاً یا معناً اس کو کوئی اثر دے، اور یہاں «يَقُوْمُ» کو «إنَّ» جو ہے لفظاً یا معناً کوئی بھی اثر نہیں دے رہا۔ جب یہ کوئی بھی اثر نہیں دے رہا، معلوم ہوا اس پر «إنَّ» داخل نہیں۔ جب اس پر «إنَّ» داخل نہیں تو یہ «إنَّ» کی خبر بھی نہیں۔ «إنَّ» کی خبر کی تعریف اس پر صادق نہیں آ رہی، جب صادق نہیں آ رہی تو یہ خارج ہے اور اس کو خارج ہی ہونا چاہیے بھئی۔ کیونکہ دخول کا کیا معنی ہے؟ کہ لفظوں یا معنی میں اثر دے، اور اس نے کوئی اثر دیا «إنَّ» نے؟ نہیں دیا، تو اس پر «إنَّ» داخل ہی نہیں ہے، کیونکہ «إنَّ» کی خبر اس کو کہیں گے جس پر «إنَّ» داخل ہو بھئی، اور داخل ہونے کا کیا معنی؟ لفظوں میں یا معنی میں اپنا اثر دے دے۔ بات سمجھ میں آ گئی اچھی طرح؟

دیکھیے بھئی کتاب پر۔ کہتے ہیں: «وَالْمُرَادُ بِدُخُوْلِ هٰذِهِ الْحُرُوْفِ عَلَيْهِمَا»، ان حروف کے ان دونوں پر یعنی مسند اور مسند الیہ پر داخل ہونے سے مراد یہ ہے، کیا مراد ہے؟ «وُرُوْدُهَا عَلَيْهِمَا لِإِيْرَاثِ أَثَرٍ فِيْهِمَا لَفْظًا أَوْ مَعْنًى»۔ ورود کا معنی بھی داخل ہونا ہے۔ «وُرُوْدُهَا عَلَيْهِمَا»، ان حروف کا داخل ہونا «عَلَيْهِمَا» اس مسند اور مسند الیہ پر «لِإِيْرَاثِ أَثَرٍ فِيْهِمَا»۔ «أَوْرَثَ يُوْرِثُ إِيْرَاثٌ» کا معنی ہے وارث بنانا، یہاں معنی ہے عطا کرنا، دینا بھئی، بخشنا۔ کہتے ہیں «وُرُوْدُهَا عَلَيْهِمَا»، ان دونوں پر یعنی مسند اور مسند الیہ پر ان حروف کا داخل ہونا «لِإِيْرَاثِ أَثَرٍ فِيْهِمَا» تاکہ یہ ان میں اپنا اثر دے دیں، یہ «إنَّ» کیا کر دے؟ وہ جو مسند اور مسند الیہ ہیں یعنی «إنَّ» کا اسم اور خبر ہیں ان پر یہ داخل ہونے سے کیا مراد؟ کہ یہ ان کو اپنا اثر دے دیں «لَفْظًا أَوْ مَعْنًى» لفظوں کے اعتبار سے اثر دے دیں یا معنی کے اعتبار سے اثر دے دیں۔ بات سمجھ میں آ گئی؟ پھر ترجمہ دیکھو۔ کہتے ہیں: «وَالْمُرَادُ بِدُخُوْلِ هٰذِهِ الْحُرُوْفِ عَلَيْهِمَا» اور ان دونوں پر ان حروف کے داخل ہونے سے مراد یہ ہے، کیا مراد ہے؟ «وُرُوْدُهَا عَلَيْهِمَا لِإِيْرَاثِ أَثَرٍ فِيْهِمَا لَفْظًا أَوْ مَعْنًى» کہ ان کا داخل ہونا ان دونوں پر تاکہ یہ ان دونوں میں اپنا اثر دے دیں لفظوں کے اعتبار سے «أَوْ مَعْنًى» یا معنی کے اعتبار سے، اور «يَقُوْمُ» کو تو نہ لفظوں کے اعتبار سے اثر دیا ہے اور نہ معنی کے اعتبار سے اثر دیا ہے، تو گویا اس پر «إنَّ» داخل ہی نہیں ہے، جب داخل ہی نہیں ہے تو یہ «إنَّ» کی خبر بھی نہیں ہے بھئی۔

«فَلَا يَنْتَقِضُ التَّعْرِيْفُ»، لہذا تعریف ٹوٹتی نہیں ہے۔ «اِنْتَقَضَ» کا معنی ٹوٹنا، مراد ہے اعتراض ہونا، تعریف پر اعتراض ہونا۔ «فَلَا يَنْتَقِضُ التَّعْرِيْفُ»، لہذا تعریف منتقض نہیں ہوتی یعنی اس پر اعتراض نہیں ہوتا «بِمِثْلِ يَقُوْمُ»، «يَقُوْمُ» جیسے لفظوں کے ذریعے «فِيْ قَوْلِنَا»، وہ «يَقُوْمُ» جو ہمارے اس قول کے اندر ہے «إنَّ زَيْدًا يَقُوْمُ أَبُوْهُ»۔ اس قول کے اندر یہ جو «إنَّ زَيْدًا يَقُوْمُ أَبُوْهُ»، اس کے اندر یہ جو «يَقُوْمُ» ہے اس کے ذریعے «إنَّ» کی خبر کی تعریف نہیں ٹوٹتی، کیونکہ اس کے اندر نہ «إنَّ» نے لفظوں میں اثر کیا ہے نہ معنی میں، جب یہ کوئی بھی اثر نہیں دے رہا معلوم ہوا اس پر «إنَّ» داخل نہیں، جب اس پر «إنَّ» داخل نہیں تو یہ «إنَّ» کی خبر بھی نہیں، «إنَّ» کی خبر تو «يَقُوْمُ أَبُوْهُ» پورا جملہ ہے۔

«فَإِنَّ يَقُوْمُ هٰهُنَا»، یاد رکھو «فَإِنَّ يَقُوْمُ» یہاں جو «يَقُوْمُ» آیا اس سے لفظِ «يَقُوْمُ» مراد ہے، جیسے پیچھے آیا تھا «بِمِثْلِ يَقُوْمُ» اس سے بھی کیا مراد تھا؟ لفظِ «يَقُوْمُ»۔ تو یہاں «يَقُوْمُ» سے «يَقُوْمُ» کا لفظ مراد ہے، یعنی یہ «هٰذَا اللَّفْظُ» کی تاویل میں ہے یا یہ علم کے درجے میں ہے، اور نشانی کیا ہے؟ کیسے پتہ چلے گا کہ اس سے لفظ مراد ہے؟ بھئی اس کا ترجمہ نہیں کیا

جاتا۔ جب وہ علم کے درجے میں ہو یا «هٰذَا اللَّفْظُ» کے درجے میں ہو تو پھر اس کا ترجمہ نہیں کیا جاتا، دیکھو یہاں ہم «يَقُوْمُ» کا ترجمہ نہیں کریں گے۔ کہتے ہیں «فَإِنَّ يَقُوْمُ هٰهُنَا»، اس لیے کیونکہ «يَقُوْمُ» کا لفظ یہاں پر «مِنْ حَيْثُ» اس حیثیت سے «إِسْنَادُهُ إِلَى أَبُوْهُ» کہ اس کا اسناد کس کی طرف ہے؟ «أَبُوْهُ» کی طرف، «لَيْسَ مِمَّا يَدْخُلُ عَلَيْهِ إِنَّ بِهٰذَا الْمَعْنَى»، «لَيْسَ مِمَّا» یہ ان چیزوں میں سے نہیں ہے «يَدْخُلُ عَلَيْهِ إِنَّ» جس پر «إِنَّ» داخل ہوا ہو «بِهٰذَا الْمَعْنَى» اس معنی کے اعتبار سے۔ «يَقُوْمُ» اس حیثیت سے کہ اس کا اسناد «أَبُوْهُ» کی طرف ہے، یہ ان چیزوں میں سے نہیں ہے جس پر «إِنَّ» داخل ہوا ہے «بِهٰذَا الْمَعْنَى» اس معنی کے اعتبار سے، اس معنی یعنی کس معنی کے اعتبار سے؟ کہ «إِنَّ» اس کو لفظوں میں یا معنی میں کوئی اثر دے دے، تو اس اعتبار سے تو «يَقُوْمُ» پر «إِنَّ» داخل نہیں، لفظوں میں بے شک داخل ہے لیکن اس معنی کے اعتبار سے داخل نہیں کہ «يَقُوْمُ» کو لفظوں میں اثر دے دے یعنی اس کو رفع دے دے، یا معنی میں اثر دے دے یعنی اس کے اسناد میں کیا پیدا کر دے؟ تاکید پیدا کر دے، دونوں میں سے ایک بھی چیز یہاں نہیں ہے۔ لہذا یہ «يَقُوْمُ» یہ تعریف سے خارج ہے اور اس کو خارج ہونا بھی نہیں چاہیے بھئی۔ بات سمجھ میں آگئی؟ عبارت سمجھ میں آئی؟ تو کہتے ہیں «فَإِنَّ يَقُوْمُ هٰهُنَا مِنْ حَيْثُ إِسْنَادُهُ إِلَى أَبُوْهُ» اس لیے کیونکہ «يَقُوْمُ» یہاں پر اس حیثیت سے کہ اس کا اسناد «أَبُوْهُ» کی طرف ہے «لَيْسَ مِمَّا يَدْخُلُ عَلَيْهِ إِنَّ بِهٰذَا الْمَعْنَى» یہ ان چیزوں میں سے نہیں ہے یعنی یہ ان لفظوں میں سے نہیں ہے جس پر «إِنَّ» داخل ہوا «بِهٰذَا الْمَعْنَى» اس معنی کے اعتبار سے کہ اس کو لفظاً یا معناً اثر دے دے، ایسا نہیں ہے۔ «بَلْ إِنَّمَا دَخَلَ عَلَى جُمْلَةِ يَقُوْمُ أَبُوْهُ»، بلکہ «إِنَّ» تو داخل ہوا ہے «يَقُوْمُ أَبُوْهُ» کے جملہ پر ہی۔ بلکہ «إِنَّ» تو داخل ہوا ہے «يَقُوْمُ أَبُوْهُ» کے جملہ پر، یعنی یہ «يَقُوْمُ أَبُوْهُ» کا جو پورا جملہ ہے یہ «إِنَّ» کی خبر ہے، اس کا اسناد جو ہے کس کی طرف؟ «زَيْدًا» کی طرف، اس اسناد میں «إِنَّ» نے تاکید پیدا کر دی۔ بات سمجھ میں آگئی؟

بھئی یہاں پر آیا «مِنْ حَيْثُ إِسْنَادُهُ إِلَى أَبُوْهُ»۔ بھئی «إِلَى» جارہ آیا اور «أَبُوْهُ» یہ تو مرفوع ہے بھئی، یہ اسمائے ستہ مکبرہ موحدہ مضافہ الی غیر یائے متکلم میں سے ہے اور اس کا رفع واو کے ساتھ، نصب الف کے ساتھ اور جر یا کے ساتھ آتا ہے، اور یہاں «إِلَى» جارہ آیا ہے تو «أَبِيْهِ» ہونا چاہیے تھا، لیکن کتاب میں کیا ہے؟ «إِلَى أَبُوْهُ»۔ میں نے پہلے بھی بتلایا تھا بھئی یاد رکھنا یہ اعرابِ حکائی ہے بھئی، یعنی ایک حکایت ایک بات کے اندر ایک لفظ جیسا تھا اس کو اسی طرح ذکر کر دیا جائے۔ یہ «أَبُوْهُ» کا لفظ ہم نے کہاں سے لیا؟ «إِنَّ زَيْدًا يَقُوْمُ أَبُوْهُ» کے جملے سے لیا، اور اس جملے کے اندر «أَبُوْهُ» مرفوع تھا کیونکہ فاعل تھا «يَقُوْمُ» کے لیے، تو وہی اعراب یہاں پر بھی پڑھ دیا بھئی۔ تو وہ جو بات تھی، کون سی بات؟ «إِنَّ زَيْدًا يَقُوْمُ أَبُوْهُ»، یہ بات کہہ لو یا حکایت کہہ لو، ایک ہی معنی، حکایت کا بھی کیا معنی؟ بات، تو اس حکایت یا اس بات کے اندر «أَبُوْهُ» مرفوع تھا تو وہی اعراب یہاں پر بھی پڑھ دیا گیا، اس کو کہتے ہیں اعرابِ حکائی یعنی حکایت والا اعراب، یعنی جس حکایت سے جس بات سے اس لفظ کو لیا گیا ہے وہی اعراب اس پر یہاں پڑھ دیا گیا۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو یہ «أَبُوْهُ» لفظاً تو مرفوع ہے اعرابِ حکائی کی وجہ سے، لیکن محلاً مجرور ہے کیونکہ «إِلَى» جارہ داخل ہو رہا ہے اور «إِلَى» جر دیتا ہے۔ بات

سمجھ میں آگئی؟

اچھا بھئی یہاں آیا «إنَّ» کے ان پر داخل ہونے سے مراد یہ ہے کہ یہ ان کو اپنا اثر دیتا ہے، «لَفْظًا أَوْ مَعْنًى» لفظاً اثر دیتا ہے یا معناً اثر دیتا ہے۔ اس پر اشکال ہوتا ہے کہ «إنَّ» تو جب بھی کسی مسند اور مسند الیہ پر داخل ہوتا ہے تو وہاں «إنَّ» لفظوں میں بھی اثر کرتا ہے اور معنی میں بھی اثر کرتا ہے۔ لفظوں میں کیا اثر کرتا ہے؟ کہ اپنے اسم کو نصب دیتا ہے اور اپنی خبر کو رفع دیتا ہے، رفع دیتا ہے۔ اور معنی میں بھی اثر کرتا ہے، معنی میں کیسے اثر کرتا ہے؟ کہ وہ جو «إنَّ» کے اسم اور «إنَّ» کی خبر کے درمیان اسناد ہے اس میں تاکید پیدا کر دیتا ہے۔ توجہ ہے؟ تو یہاں پر تو آیا «لَفْظًا أَوْ مَعْنًى» «إنَّ» ان میں اثر کرتا ہے لفظاً یا معناً، یہاں تو «أَوْ» آیا۔ «أَوْ» تو دو چیزوں کے درمیان انفصال کے لیے آتا ہے کہ یہ والی چیز ہے یا یہ والی ہے۔ اس سے تو یہ پتہ چلا بعض جگہ صرف لفظاً اثر کرے گا اور بعض جگہ صرف معناً اثر کرے گا، توجہ ہے؟ حالانکہ جہاں یہ لفظاً اثر کرتا ہے وہاں معناً بھی اثر ہوتا ہے یا نہیں؟ «إنَّ زَيْدًا قَائِمٌ» دیکھو لفظوں میں «إنَّ» نے اثر کیا، «زَيْدًا» کو نصب دیا اور «قَائِمٌ» کو رفع دیا، اور نیز تاکید بھی کلام میں آئی کہ نہیں آئی؟ تاکید بھی کلام کے اندر آگئی۔ تو جہاں لفظوں میں عمل کرتا ہے وہاں معنی کے اندر بھی تاکید پیدا کرتا ہے، اور انہوں نے تو «لَفْظًا أَوْ مَعْنًى» کو الگ الگ ذکر کر دیا۔ توجہ ہے؟ کہ لفظاً اثر کرے گا یا معناً، معلوم ہوا جہاں لفظاً اثر ہو گا وہاں معناً نہیں ہو گا اور جہاں معناً اثر ہو گا وہاں لفظاً اثر نہیں ہو گا بھئی۔ تو بعض علماء نے پھر اس کا جواب دیا کہ یہ جو «أَوْ» ہے، یہ بمعنی واو کے ہے۔ یہاں جو حرفِ «أَوْ» آیا درمیان میں یہ کس معنی میں ہے؟ واو کے معنی میں ہے، کہ «إنَّ» ان کو اپنا اثر دیتا ہے «لَفْظًا وَمَعْنًى» لفظاً بھی اور معناً بھی اثر دیتا ہے بھئی۔ بات سمجھ میں آگئی۔

لیکن بہتر یہ ہے کہ یہ «أَوْ» کو اپنے ہی معنی میں رکھا جائے۔ دوسرا جواب جو بعض علماء نے دیا وہ بہتر ہے اور اس میں «أَوْ» کو «أَوْ» ہی کے معنی میں رکھا جائے گا۔ توجہ ہے؟ تو پھر اس پر اشکال ہوتا ہے کہ «لَفْظًا أَوْ مَعْنًى» کا پھر کیا معنی؟ اس سے تو یہ پتہ چل رہا ہے جہاں لفظاً عمل ہے وہاں معناً نہیں اور جہاں معناً عمل ہے وہاں لفظاً نہیں۔ تو دیکھو لفظاً سے مراد لے لیں جہاں لفظوں میں «إنَّ» کا اثر ظاہر ہو۔ بھئی دیکھو نا «إنَّ» داخل ہوا ہے، اس نے اپنے اسم کو نصب دینا ہے اور اپنی خبر کو رفع دینا ہے۔ تو گویا ایک اسم کو یہ نصب دیتا ہے اور ایک اسم کو رفع دیتا ہے۔ اور یہ جو اعراب ہوتا ہے یہ کبھی لفظاً آتا ہے، کبھی تقدیراً اور کبھی محلاً۔ معرب میں اعراب کیسے آئے گا؟ کبھی لفظاً، کبھی تقدیراً، اور مبنی میں اعراب کیسے آئے گا؟ محلاً آئے گا۔ توجہ ہے؟

تو جنہوں نے پہلا جواب دیا تھا کہ یہ «أَوْ» کس معنی میں ہے؟ واو کے معنی میں ہے، انہوں نے کہا لفظاً عام ہے یعنی لفظوں میں عمل دے گا یعنی اعراب دے گا اور وہ اعراب چاہے لفظاً ہو، چاہے تقدیراً ہو، چاہے محلاً، سب اس کے اندر آگئے۔ لفظاً تو حالانکہ صرف اس کو کہتے ہیں جہاں تلفظ سے پتہ چلے، لیکن وہ کیا فرماتے ہیں جنہوں نے پہلا جواب دیا تھا کہ یہ

«أَوْ» کس معنی میں ہے؟ واو کے معنی میں ہے، تو انہوں نے کہا یہاں جو لفظاً آیا نا لفظاً عام ہے، لفظوں میں عمل کرنے کا معنی یہ ہے کہ وہ اپنے اسم اور خبر کو اعراب دیتا ہے، چاہے وہ اعراب لفظاً دے، چاہے تقدیراً دے، چاہے محلاً دے، یہ لفظوں میں عمل کر رہا ہے۔ یہ عمل کس میں ہے؟ لفظوں میں عمل کر رہا ہے لہذا لفظاً کے اندر تینوں طرح کے اعراب آ گئے، چاہے لفظاً ہو، چاہے تقدیراً ہو، چاہے محلاً۔ اور معناً سے مراد یہ ہے کہ کلام میں تاکید پیدا کرتا ہے۔ تو لفظاً اور چیز ہے معناً اور چیز ہے، لیکن «إِنَّ» جہاں بھی عمل کرتا ہے وہ اس کا عمل یہی ہوتا ہے، لفظوں میں وہ رفع اور نصب دے گا چاہے لفظاً ہو چاہے تقدیراً ہو چاہے محلاً ہو، اور معنی کے اندر وہ تاکید پیدا کرتا ہے۔ تو یہ دونوں چیزیں تو ہر جگہ ہوتی ہیں، جہاں بھی «إِنَّ» اور حروفِ مشبہ بالفعل آئیں گے وہاں یہ دونوں چیزیں ہوں گی، لفظوں میں عمل بھی ہو گا اور معنی کے اندر بھی وہ اپنا اثر دیں گے۔ تو لہذا یہ «أَوْ» کس معنی میں لے لیا انہوں نے؟ واو کے معنی میں لے لیا۔ بات سمجھ میں آ گئی۔

جبکہ بعض دیگر علماء فرماتے ہیں کہ نہیں، یہ «أَوْ» کو واو کے معنی میں لینے کی کوئی ضرورت نہیں، اس «أَوْ» کو اپنے ہی معنی میں رکھیں۔ بھئی اپنے ہی معنی میں رکھیں تو پھر کیا معنی؟ «لَفْظًا أَوْ مَعْنًى» اس سے تو پتہ چلا جہاں لفظاً عمل ہے وہاں معناً نہیں اور جہاں معناً عمل ہے وہاں لفظاً نہیں۔ تو اس صورت میں یاد رکھو کہ یہ جو لفظاً ہے لفظاً سے صرف لفظاً جہاں اعراب ظاہر ہو وہ مراد لے لیں۔ پہلے لفظاً کے اندر کس کس کو داخل کیا تھا؟ چاہے اعراب لفظاً ہو چاہے تقدیراً ہو چاہے محلاً، سب لفظاً کے اندر داخل تھے۔ لیکن اس صورت میں پھر سب کو لفظاً میں داخل نہ کریں، لفظاً سے صرف وہ اثر مراد لیں جو باقاعدہ لفظوں میں نظر آئے، باقاعدہ اس پر تلفظ کیا جائے، یعنی باقاعدہ «إِنَّ» کسی اسم کو نصب دے یا خبر کو رفع دے بھئی، اسم کو نصب دے اور خبر کو رفع دے، یعنی لفظاً وہ اعراب ظاہر ہو رہا ہو، تو یہ ہے لفظاً۔ اور اگر وہ اعراب لفظوں میں ظاہر نہیں ہو رہا، تقدیراً ہے یا محلاً ہے، وہ معناً کے اندر داخل کر دیں، کس کے اندر؟ معناً کے اندر داخل کر دیں کہ «إِنَّ» اثر کرے گا یا لفظاً اثر کرے گا یا معناً، یعنی لفظوں کے اندر اس کا اثر نظر آئے گا کہ باقاعدہ نصب اور رفع آئیں گے، یا لفظوں میں اس کا اثر نہیں نظر آئے گا بلکہ صرف معنی میں نظر آئے گا۔

توجہ ہے؟ لیکن پھر بھی اشکال ابھی بھی باقی ہے، بعض جگہ لفظوں میں اثر نظر آئے گا بعض جگہ لفظوں میں نہیں ہے صرف معنی میں، بھئی جہاں لفظوں میں اثر ہو گا وہاں معنی کے اندر بھی اثر ہو گا یا نہیں؟ حالانکہ یہاں تو «أَوْ» آیا ہے۔ تو جواب اس کا دیتے ہیں کہ بھئی یہ جو «أَوْ» آیا یہ انفصال کے لیے آتا ہے، اور یہ انفصال جو ہے آپ نے منطق کے اندر پڑھا ہے کہ یہ کبھی «عَلَى سَبِيْلِ مَنْعِ الْجَمْعِ» کے طریقے پر ہوتا ہے اور کبھی «عَلَى سَبِيْلِ مَنْعِ الْخُلُوِّ» کے طریقے پر ہوتا ہے اور کبھی دونوں کے طریقے پر ہوتا ہے۔ بھئی آپ نے منطق میں پڑھا ہے کہ ایک قضیہ منفصلہ ہوتا ہے، یہ دو چیزوں کے درمیان انفصال بیان کرتا ہے اور اس میں «أَوْ» آتا ہے، اور پھر کبھی دو چیزوں میں انفصالِ حقیقی ہوتا ہے، کبھی صرف مانعۃ الجمع

ہوتا ہے، کبھی مانعۃ الخلو ہوتا ہے۔ خا، لام اور واو ہے، خلو بھئی، کبھی مانعۃ الخلو ہوتا ہے۔

مثلاً میں کہتا ہوں: «هٰذَا الْعَدَدُ إِمَّا زَوْجٌ أَوْ فَرْدٌ»، یہ عدد یا تو جفت ہے یا طاق ہے۔ اب دیکھو یہاں «أَوْ» آیا، یہ عدد یا تو جفت ہے یا طاق۔ جفت جو دو سے تقسیم ہو سکے اور طاق وہ ہے جو دو پر تقسیم نہ ہو سکے یعنی جس کے جوڑے نہ بن سکیں بھئی۔ تو اب جو عدد ہے وہ یا تو جفت ہو گا یا طاق ہو گا، ایک وقت میں ایک ہی ہو سکتا ہے، ایک ہی عدد جفت بھی ہو اور طاق بھی ہو ایسا کبھی نہیں ہو سکتا۔ تو یہاں پر بھی «أَوْ» آیا، جفت اور طاق کے درمیان اس نے انفصال بیان کر دیا۔ اور یہ انفصالِ حقیقی ہے یعنی دونوں جمع بھی نہیں ہو سکتے اور دونوں اٹھ بھی نہیں سکتے۔ ایک ہی عدد میں دونوں جمع ہو جائیں وہ جفت بھی ہو طاق بھی ہو ایسا بھی نہیں ہو سکتا، اور دونوں ہی اٹھ جائیں یعنی کوئی ایسا عدد ہے وہ جفت بھی نہیں ہے طاق بھی نہیں ہے ایسا بھی نہیں ہو سکتا۔ تو یہ انفصالِ حقیقی ہے یہاں پر، یعنی یہاں یہ مانعۃ الجمع بھی ہے دونوں جفت اور طاق جمع بھی نہیں ہو سکتے ایک عدد میں، اور نیز مانعۃ الخلو بھی ہے یعنی خالی ہونا بھی منع ہے ان دونوں سے، کوئی عدد ایسا نہیں کہ دونوں سے خالی ہو جائے وہ جفت بھی نہ ہو اور طاق بھی نہ ہو۔ توجہ ہے؟ تو یہاں انفصالِ حقیقی ہے یعنی اس میں جمع بھی منع ہے اور اس میں خالی ہونا بھی منع ہے بھئی۔

اور کبھی صرف جمع ہونا منع ہوتا ہے خالی ہونا منع نہیں ہوتا۔ جیسے مثلاً میں کہتا ہوں کہ یہ چیز یا تو درخت ہے یا پتھر ہے۔ اب ان دونوں کا جمع ہونا منع ہے، درمیان میں «أَوْ» لے کر آیا، ایک ہی چیز درخت بھی ہو اور پتھر بھی ہو ایسا نہیں ہو سکتا۔ ہاں دونوں سے خالی ہونا ممکن ہے، کوئی ایسی چیز ہے جو درخت بھی نہیں ہے پتھر بھی نہیں ہے، مثلاً کتاب ہے، قلم ہے، یہ درخت بھی نہیں ہے اور پتھر بھی نہیں۔ تو درخت اور پتھر ان کا جمع ہونا منع ہے، ان سے خالی ہونا منع نہیں۔

اور بعض اوقات صرف خالی ہونا منع ہوتا ہے، جمع ہونا منع نہیں۔ جیسے مثلاً میں کہتا ہوں یا تو زید پانی میں ہے یا ڈوب نہیں رہا۔ یا تو زید پانی میں ہے یا ڈوب نہیں رہا۔ بھئی دو ہی چیزیں ہیں، یا زید ڈوب رہا ہے یا ڈوب نہیں رہا، دو ہی چیزیں ہیں، لیکن یہاں میں نے ڈوبنے کے مقابلے میں نہ ڈوبنا ذکر نہیں کیا کیونکہ ان کے درمیان تو انفصالِ حقیقی ہے بھئی۔ یہ جمع بھی نہیں ہو سکتے، ڈوبنا اور نہ ڈوبنا دونوں جمع ہو جائیں یہ بھی نہیں ہو سکتا، اور دونوں میں سے ایک بھی نہ پایا جائے یہ بھی نہیں ہو سکتا بھئی۔ توجہ ہے؟ تو لہذا میں یہاں کیا لفظ لے آیا؟ کہ زید یا تو پانی میں ہے یا ڈوب نہیں رہا۔ اب ان دونوں میں سے ایک چیز ضرور ہو گی، ان دونوں سے زید خالی ہو جائے یہ نہیں ہو سکتا۔ اگر پانی میں نہیں ہے زید تو پھر ڈوب سکتا ہے؟ جب پانی میں نہیں ہے تو ڈوب نہیں رہا۔ اور یا پانی میں ہے زید، جب پانی میں زید ہے بھئی آگے وہ ڈوب رہا ہے یا ڈوب نہیں رہا، دونوں امکان ہیں۔ ہو سکتا ہے پانی میں وہ ڈوب رہا ہو، ہو سکتا ہے پانی کے اندر بھی وہ کشتی کے اندر سوار ہے پانی میں ہے لیکن ڈوب نہیں رہا، یا پانی کے اندر وہ تیر رہا ہے۔ تو پانی میں ہے دیکھو اس میں ڈوبنا اور نہ ڈوبنا دونوں صورتیں آ گئیں۔ دوسری طرف کیا ہے مقابلے میں؟ پانی میں نہیں، ڈوب نہیں رہا۔ تو دیکھو یہاں پر ایک طرف کیا ذکر ہے؟ زید پانی میں

ہے یا ڈوب نہیں رہا۔ ان دونوں میں سے زید خالی نہیں ہو سکتا۔ زید میں ایک چیز ان میں سے ضرور ہو گی۔ ہاں ان دونوں کا جمع ہونا ممکن ہے، دونوں سے خالی نہیں ہو سکتا، دونوں جمع ہو سکتے ہیں۔ کیا؟ کہ زید پانی میں بھی ہو اور ڈوب نہیں بھی رہا ہو، یعنی کشتی میں سوار ہے یا پانی میں وہ تیر رہا ہے، تو دیکھو پانی میں بھی ہے اور ڈوب نہیں بھی رہا، دونوں چیزیں جمع ہو گئیں۔ لیکن دونوں سے خالی ہو جائے یہ نہیں ہو سکتا، پانی میں ہونا اور نہ ڈوبنا دونوں سے خالی ہو جائے یہ نہیں ہو سکتا۔ مجھے کوئی زید کی ایسی حالت بتا سکتے ہیں؟ زید پہاڑ پر ہے یا گھر پر ہے یا کشتی میں ہے، جہاں کہیں بھی وہ ہے ان دو میں سے ایک چیز وہ ضرور ہے، یا وہ پانی میں ہے یا ڈوب نہیں رہا۔ تو آپ غور کر لیں ایک چیز اس میں ضرور ہو گی ان دونوں میں سے۔ تو یہ «عَلَى سَبِيْلِ مَنْعِ الْخُلُوِّ» کے طریقے پر یہاں «أَوْ» آیا ہے، زید یا پانی میں ہے یا ڈوب نہیں رہا، ان دونوں سے وہ خالی نہیں ہو سکتا۔ ہاں یہ منع الجمع کے طریقے پر نہیں ہے، جمع ہونا ان کا ممکن ہے لیکن دونوں سے خالی ہونا ممکن نہیں ہے۔ بات سمجھ میں آ گئی؟ یہ مثال ہے ذرا ٹیڑھی سی، انسان چکرا جاتا ہے۔ دیکھو زید پانی میں ہے یا ڈوب نہیں رہا۔ دو ہی صورتیں ہیں نا، یا پانی میں ہو گا یا پانی میں نہیں ہو گا۔ دوسری طرف ہے یا ڈوب رہا ہے یا ڈوب نہیں رہا، لیکن دونوں میں سے ایک ایک چیز میں نے لے لی۔ پانی میں ہے یا پانی میں نہیں ہے، میں نے صرف پانی میں ہونے کو لیا، پانی میں نہ ہونے کو چھوڑ دیا۔ دوسری طرف کیا تھا؟ ڈوب رہا ہے یا نہیں ڈوب رہا، ان دونوں میں بھی انفصال ہے، ان میں سے بھی میں نے صرف ایک چیز لے لی کہ ڈوب نہیں رہا۔ اب جملہ کیا بن گیا؟ یا زید پانی میں ہے یا ڈوب نہیں رہا۔ دو ہی کیفیتیں ہیں نا زید کی، یا وہ ڈوب رہا ہو گا یا ڈوب نہیں رہا ہو گا۔ اگر ڈوب رہا ہے تو پھر تو وہ پانی میں ہے، اور اگر ڈوب نہیں رہا پھر ہو سکتا ہے پانی میں ہو یا پانی سے باہر ہو، اور اگر پانی میں بھی ہے اس میں بھی دونوں احتمال آ گئے، ہو سکتا ہے پانی کے اندر وہ ڈوب رہا ہو ہو سکتا ہے نہ۔ تو یہ دو چیزوں سے زید خالی ہو ہی نہیں سکتا، آپ غور کر لینا۔ بات سمجھ میں آ گئی؟ زید کی کوئی بھی حالت ہے، وہ پہاڑ پر ہے، وہ گھر پر ہے، وہ سڑک پر ہے، وہ کشتی کے اندر بیٹھا ہے، وہ پانی میں تیر رہا ہے، ساری حالتیں آپ دیکھ لینا ان سب کے اندر ان دو میں سے ایک بات اس پر ضرور صادق آئے گی، یا وہ پانی میں ہو گا یا ڈوب نہیں رہا۔ ہاں دونوں جمع بھی ہو سکتے ہیں، دونوں جمع، لیکن دونوں سے خالی ہو جائے یہ نہیں ہو سکتا بھئی۔ کیا معنی دونوں سے خالی ہو جائے؟ بھئی پہلے کیا ذکر ہے؟ پانی میں ہے یا ڈوب نہیں رہا، دونوں کی ضد لے آؤ ذرا۔ پانی میں ہونے کی ضد کیا؟ پانی میں نہیں ہے، اور ڈوب نہیں رہا اس کی ضد لے آؤ، ڈوب رہا ہے۔ پانی میں نہ ہو اور ڈوب رہا ہو یہ نہیں ہو سکتا بھئی، پانی میں نہ ہو ضد پہلے ہم نے کیا کہا تھا پانی میں ہو، اب لے آؤ پانی میں نہ ہو، پانی میں نہ ہو اور ڈوب رہا ہو یہ کبھی نہیں ہو سکتا بھئی، یہ دونوں نہیں ہو سکتا بھئی۔ بات سمجھ میں آ گئی؟

تو یہاں پر بھی اشکال یہ چل رہا تھا کہ جہاں پر لفظاً اثر ہو گا وہاں پر معناً بھی ضرور اثر ہو گا، لیکن یہاں تو صاحبِ جامی کیا لے آئے درمیان میں؟ کہ اثر لفظاً ہو گا یا معناً ہو گا، اس سے تو معلوم ہوا دونوں میں سے ایک وقت میں ایک پایا جائے

گا دونوں نہیں ہوں گے، تو اس کا جواب دینے کے لیے میں نے اتنی تفصیل ذکر کی کہ «لَفْظًا أَوْ مَعْنًى» یہاں پر جو «أَوْ» آیا یہ انفصال کے لیے ہے لیکن یہ انفصال منع الخلو کے طریقے پر ہے، منع الخلو یعنی ان دونوں سے خالی نہیں ہے، یا لفظاً اثر ہو گا یا معناً اثر ہو گا ان دو میں سے ایک چیز ضرور ہو گی، ان دونوں سے خالی نہیں ہو سکتا۔ ہاں یہ منع الجمع کے طریقے پر نہیں ہے، جمع یہ دونوں ہو سکتے ہیں، جمع ہو سکتے ہیں، جہاں لفظاً اثر ہو وہاں معناً بھی ہو سکتا ہے اور جہاں معناً اثر ہو وہاں لفظاً بھی ہو سکتا ہے، تو دونوں کا جمع ہونا تو ممکن ہے لیکن دونوں میں سے ایک بھی نہ پایا جائے، دونوں سے خالی ہو جائے، نہ لفظاً اثر ہو نہ معناً اثر ہو، یہ نہیں ہو سکتا۔ بات سمجھ میں آگئی؟

تو حاصلِ کلام کیا ہوا کہ یہاں «لَفْظًا أَوْ مَعْنًى» آیا، تو پھر اشکال ہوا کہ جہاں لفظاً اثر ہوتا ہے وہاں تو معناً بھی ضرور ہوتا ہے، تو پھر یہ «لَفْظًا أَوْ مَعْنًى» کو الگ الگ کیوں ذکر کیا؟ تو اس کا جواب بعضوں نے دیا کہ یہاں «أَوْ» بمعنی واو کے ہے، کہ لفظاً اور معناً اثر کرتا ہے۔ توجہ ہے؟ اور لفظاً عام ہے، چاہے لفظاً اعراب ظاہر ہو، چاہے تقدیراً اعراب آئے، چاہے محلاً اعراب آئے سب اس کے اندر آگئے۔ اور معنی سے کیا مراد ہے؟ کہ معنی کے اندر تاکید پیدا کرتا ہے۔ تو «إِنَّ» لفظاً عمل کرتا ہے، تو جہاں لفظاً اثر ہوتا ہے وہاں معناً بھی اثر ہوتا ہے اس کا، تو لہذا وہ مجبور ہوئے یہ کہنے پر کہ یہ «أَوْ» بمعنی واو کے ہے کہ لفظاً بھی عمل کرتا ہے اور معناً بھی عمل کرتا ہے۔ لفظوں میں رفع اور نصب آئے گا اور رفع اور نصب چاہے لفظاً ہو چاہے تقدیراً ہو چاہے محلاً ہو، اور معناً بھی اثر آئے گا یعنی تاکید پیدا کر دے گا اس کے اندر۔

جبکہ دوسرا جواب بعضوں نے دیا، وہ کہتے ہیں کہ نہیں یہ «أَوْ» کو واو کے معنی میں لینے کی کوئی ضرورت نہیں، اس «أَوْ» کو اپنے ہی معنی میں رکھیں۔ بھئی اپنے ہی معنی میں رکھیں تو پھر کیا معنی؟ «لَفْظًا أَوْ مَعْنًى» اس سے تو پتہ چلا جہاں لفظاً عمل ہے وہاں معناً نہیں اور جہاں معناً عمل ہے وہاں لفظاً نہیں۔ کہتے ہیں بھئی لفظاً سے وہ اثر مراد لیں جہاں اعراب باقاعدہ لفظوں میں ظاہر ہو، یعنی اسم کو وہ نصب دے اور خبر کو وہ باقاعدہ رفع دے اور وہ نصب اور رفع لفظوں میں نظر آئے یعنی باقاعدہ اس پر تلفظ ہو، لفظاً سے وہ اثر مراد ہے۔ یا صرف معنی کے اندر اثر دے گا یعنی لفظوں کے اندر کوئی اثر نہیں دے گا، معنی کے اندر کیا اثر؟ کلام میں تاکید پیدا کرے گا، لفظوں میں کوئی اثر نہیں کیونکہ وہاں پر اعراب تقدیراً ہو گا یا محلاً ہو گا تو لفظوں کے اندر کوئی اثر ظاہر نہیں ہو گا، ہاں معنی کے اندر تاکید آجائے گی۔ اس پر پھر اشکال ہوتا ہے کہ بھئی جہاں لفظوں کے اندر «إِنَّ» اثر کرتا ہے «إِنَّ زَيْدًا قَائِمٌ» تو یہاں پر معنی کے اندر بھی تو اثر ہوتا ہے، حالانکہ اس سے تو کیا پتہ چل رہا ہے کہ جہاں لفظاً عمل ہے وہاں معناً نہیں اور جہاں معناً ہے وہاں لفظاً نہیں۔ کہتے ہیں بھئی یہ «عَلَى سَبِيْلِ مَنْعِ الْخُلُوِّ» کے طریقے پر ہے کہ ان دونوں سے خالی نہیں ہو سکتا، یا تو لفظاً عمل ہو گا یا معناً عمل ہو گا دونوں میں سے ایک ضرور ہو گا ان سے خالی نہیں ہو سکتا، ہاں ان کے جمع ہونا ممتنع نہیں کیونکہ جہاں لفظاً ہو گا اثر لفظوں کے اندر جب اعراب ظاہر ہو گا تو معنی کے اندر تاکید بھی ضرور آجائے گی تو جمع ہونا تو ان کا ممکن ہے لیکن دونوں سے خالی ہونا ممکن نہیں۔ تو «أَوْ» یہاں کس طریقے

پر آیا ہے؟ منع الخلو کے طریقے پر آیا ہے منع الجمع کے طریقے پر نہیں ہے بھئی۔ بات اچھی طرح سمجھ میں آگئی؟

تو صاحبِ جامی کی تقریر کیا ہوئی؟ اشکال کیا ہوتا تھا کہ «إِنَّ زَيْدًا يَقُوْمُ أَبُوْهُ» یہ جو «يَقُوْمُ» ہے یہ «إِنَّ» کی خبر کی تعریف میں داخل ہو رہا ہے حالانکہ یہ «إِنَّ» کی خبر نہیں، «إِنَّ» کی خبر تو «يَقُوْمُ أَبُوْهُ» ہے، تو یہ تعریف تو مانع نہیں بھئی دخولِ غیر سے، اس کے اندر تو «يَقُوْمُ» داخل ہو گیا حالانکہ وہ «إِنَّ» کی خبر نہیں لیکن تعریف اس پر صادق آرہی ہے۔ تو اس کا جواب دے دیا صاحبِ جامی نے کہ بھئی «إِنَّ» کے داخل ہونے سے آپ نے لفظی معنی مراد لے لیا، لفظی معنی مراد نہیں بلکہ داخل ہونے کا معنی یہ ہے کہ «إِنَّ» اس کو لفظاً یا معناً اپنا اثر دے دے، اور یہ جو «يَقُوْمُ» ہے اس کو «إِنَّ» نے نہ لفظوں میں کوئی عمل دیا ہے اور نہ معنی کے اعتبار سے کہ اس «يَقُوْمُ» کا جو اسناد ہے «أَبُوْهُ» کی طرف اس میں «إِنَّ» نے کوئی تاکید پیدا نہیں کی۔ تو «إِنَّ» اس پر اس معنی کے اعتبار سے داخل نہیں ہوا «بَلْ إِنَّمَا دَخَلَ عَلَى جُمْلَةِ يَقُوْمُ أَبُوْهُ» بلکہ «إِنَّ» تو داخل ہوا ہے «يَقُوْمُ أَبُوْهُ» کے جملہ پر بھئی۔

تو صاحبِ جامی نے یہ جواب دیا۔ کہتے ہیں ہمارا یہ جواب لے لیں پھر کوئی اور تاویل کر کے جواب دینے کی کوئی حاجت نہیں ہے بھئی۔ مثلاً بعض علماء نے کیا جواب دیا؟ تعریف کیا آئی تھی «إِنَّ» کی خبر کی؟ «إِنَّ» کی خبر وہ مسند ہوتی ہے ان حروف کے داخل ہونے کے بعد۔ کیا ہوتی ہے؟ مسند۔ بعضوں نے یہ جواب دیا اس اشکال کا کہ یہاں جو «مُسْنَد» لفظ آیا اس مسند سے مراد وہ والا مسند ہے جو «إِنَّ» کے اسم کی طرف مسند ہو۔ ہر مسند مراد نہیں ہے، آپ نے اس سے ہر مسند مراد لیا تھا، لیکن اس سے ہر مسند مراد نہیں بلکہ وہ مسند مراد ہے جو «إِنَّ» کے اسم کی طرف مسند ہو، اس کی طرف اسناد ہو رہا ہو۔ اور ذرا اس جملے پہ نظر رکھو «إِنَّ زَيْدًا يَقُوْمُ أَبُوْهُ»، یہ جو «يَقُوْمُ» ہے اس کا اسناد «إِنَّ» کے اسم زید کی طرف ہو رہا ہے یا «أَبُوْهُ» کی طرف ہو رہا ہے؟ «أَبُوْهُ» کی طرف۔ تو یہ تو اس مسند سے ہی خارج ہو گیا کیونکہ مسند سے مراد ہر مسند نہیں ہے بلکہ وہ مسند ہے جو کس کی طرف مسند ہو؟ «إِنَّ» کے اسم کی طرف جو مسند ہو وہ مراد ہے، اور یہ «يَقُوْمُ» یہ تو «إِنَّ» کے اسم کی طرف مسند نہیں ہے بلکہ یہ تو «أَبُوْهُ» کی طرف مسند ہے، لہذا یہ «إِنَّ» کی خبر بھی نہیں تو یہ «إِنَّ» کی خبر کی تعریف سے خارج ہو گیا۔ صاحبِ جامی آپ کو بتلائیں گے کہ نہیں بھئی یہ جواب دینے کی ضرورت نہیں، یہ جواب اگر آپ دیں گے تو تعریف میں پھر ایک اور خرابی لازم آئے گی۔ وہ کیا؟ یہ ذرا تعریف پر آئیں بھئی، پچھلے صفحے پر تعریف نکالیں۔ «إِنَّ» کی خبر کی تعریف انہوں نے ذکر کی متن، متن کو دیکھیں بھئی: «هُوَ الْمُسْنَدُ بَعْدَ دُخُوْلِ هٰذِهِ الْحُرُوْفِ» کہ «إِنَّ» کی خبر وہ مسند ہوتی ہے کسی چیز کی طرف ان حروف کے داخل ہونے کے بعد۔ یہ فرماتے ہیں کہ یہ جو «مُسْنَد» کا لفظ آیا اس مسند سے ہر مسند نہیں مراد، بلکہ کون سا مسند مراد ہے؟ وہ جو مسند ہو ان حروف کے اسم کی طرف، یعنی «إِنَّ» کے اسم کی طرف جو مسند ہو وہ مراد ہے۔ تو اس پر پھر صاحبِ جامی فرماتے ہیں کہ پھر تو اور خرابی لازم آئے گی، پھر تو یہ جو «بَعْدَ دُخُوْلِ هٰذِهِ الْحُرُوْفِ» ہے یہ قید لغو ہو جائے گی، بیکار ہو جائے گی۔ یہ قید کیوں آئی تھی؟ مبتدا وغیرہ کی خبر کو نکالنے کے لیے، «كَانَ» کی خبر کو نکالنے کے لیے، لیکن پھر یہ قید لغو ہو جائے گی۔ کس طرح؟ کیونکہ جب آپ نے یہ کہا، «إِنَّ» کی خبر کی کیا تعریف کی؟ «هُوَ الْمُسْنَدُ»

«إنَّ» کی خبر وہ مسند ہوتی ہے، اور مسند سے کیا مراد لیا؟ کہ کس کی طرف مسند ہوتی ہے؟ ان کے اسم کی طرف مسند ہوتی ہے۔ جب کہا ان کا جو اسم ہے اس کی طرف مسند ہوتی ہے، تو ان کا اسم کب ہوتا ہے؟ جب یہ حروف داخل ہو جائیں یا پہلے سے ہی ان کا اسم ہوتا ہے؟ جب یہ داخل ہو جائیں پھر ہی بتدا ان کا اسم کہلاتا ہے۔ تو جب کہا کہ ان کی خبر مسند ہوتی ہے ان کے اسم کی طرف، معلوم ہوا «إنَّ» پہلے ہی داخل ہو چکا ہے، لہذا اب یہ خبر «إنَّ» کے اسم کی طرف مسند ہے۔ جب «إنَّ» پہلے ہی داخل ہو چکا ہے تو پھر آگے «بَعْدَ دُخُوْلِ هٰذِهِ الْحُرُوْفِ» ان حروف کے داخل ہونے کے بعد یہ کہنے کی کیا حاجت ہے؟ ان حروف کے داخل ہونے کے بعد، کیونکہ آپ نے مسند کا کیا معنی کیا؟ «إنَّ» کی خبر وہ مسند ہوتی ہے کس طرف؟ ان کے اسم کی طرف، ان حروف کے اسم کی طرف، اور ان حروف کے اسم کی طرف خبر تب ہی مسند ہو گی نا جب «إنَّ» وغیرہ داخل ہو چکے ہیں، جب وہ داخل ہو چکے ہیں معلوم ہوا وہ جو بتدا ہے اب وہ ان کا اسم بن چکا ہے، جب ان کا اسم بن چکا ہے تو اب خبر کیا ہو گی؟ مسند ہو گی ان کے اسم کی طرف۔ تو جب کہہ دیا کہ «إنَّ» کی خبر وہ مسند ہوتی ہے ان کے اسم کی طرف، معلوم ہوا «إنَّ» داخل ہو چکا ہے، اور یہ «إنَّ» کے داخل ہونے کے بعد ہی ہو گا، «إنَّ» کے داخل ہونے کے بعد ہی «إنَّ» کی خبر «إنَّ» کے اسم کی طرف مسند ہو سکتی ہے۔ لہذا «بَعْدَ دُخُوْلِ هٰذِهِ الْحُرُوْفِ» کی قید یکار چلی گئی، آپ صرف اتنا کہہ دیتے: «هُوَ الْمُسْنَدُ» «إنَّ» کی خبر وہ مسند ہوتی ہے کس کی طرف؟ «إنَّ» کے اسم کی طرف، اور وہ کب ہو گی مسند؟ جب «إنَّ» داخل ہو چکا ہے تب ہی «إنَّ» کا اسم ہے نا، «إنَّ» کے داخل ہونے سے پہلے تو کوئی «إنَّ» کا اسم نہیں، اور آپ کہہ رہے ہیں مسند سے کیا مراد ہے وہ جو «إنَّ» کے اسم کی طرف مسند ہو، معلوم ہوا «إنَّ» پہلے ہی داخل ہو چکا ہے، معلوم ہوا یہ «إنَّ» کے داخل ہونے کے بعد کی بات ہو رہی ہے کہ وہ خبر مسند ہو گی «إنَّ» کے اسم کی طرف۔ لہذا آگے «بَعْدَ دُخُوْلِ هٰذِهِ الْحُرُوْفِ» کہنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے، کیونکہ وہ قید کس لیے لگائی تھی؟ تاکہ بتدا کی خبر نکل جائے، «كَانَ» کی خبر نکل جائے اور «مَا» و «لَا» مشابہ ب «لَيْسَ» وغیرہ کی خبر نکل جائے کیونکہ وہ سارے بھی مسند ہوتے ہیں۔ لیکن جب مسند سے وہ والا مسند مراد لے لیا جو ان حروف کے اسماء کی طرف مسند ہو، تو وہ تو ان حروف کے داخل ہونے کے بعد ہی ہو سکتا ہے اس سے پہلے نہیں ہو سکتا، تو پھر اس صورت میں تو «كَانَ» وغیرہ کی خبر داخل نہیں ہے بھئی، کیونکہ «كَانَ» وغیرہ کی خبر تو ان حروف کے اسماء کی طرف مسند نہیں ہوتی بھئی۔

تو لہذا یہ کہتے ہیں صاحبِ جامی فرماتے ہیں کہ یہ جو ہم نے دخول کا معنی بیان کر دیا، دخول کا یہ معنی مراد لے لیا جائے تو پھر کوئی حاجت پیش نہیں آتی کہ یہ جواب دیا جائے کہ مسند سے مراد ان حروف کے اسماء کی طرف مسند مراد ہے، اور نیز اس صورت میں یہ «بَعْدَ دُخُوْلِ هٰذِهِ الْحُرُوْفِ» کی قید بھی لغو ہو جائے گی، بیکار ہو جائے گی اگر مسند سے وہ والا مسند مراد لیں جو آپ نے ذکر کیا۔ تو صاحبِ جامی فرماتے ہیں آگے دیکھیے، کہتے ہیں: «فَلَا يُحْتَاجُ إِلَى أَنْ يُجَابَ عَنْهُ»، کہتے ہیں ہمارا یہ جواب لے لیں کہ داخل ہونے سے کیا مراد ہے کہ «إنَّ» لفظاً یا معناً اثر دے دے، جب یہ جواب لے لیں گے یعنی جب

دخول کا یہ معنی کر لیں گے «فَلَا يُحْتَاجُ» تو پھر احتیاج نہیں ہو گی، جب داخل ہونے کا یہ معنی کر لیں گے کہ «إنَّ» لفظاً یا معناً اپنا اثر دے تو پھر «فَلَا يُحْتَاجُ» پھر حاجت نہیں پیش آئے گی «إِلَى أَنْ يُجَابَ عَنْهُ» کہ جواب دیا جائے اس اعتراض سے «بِأَنَّ الْمُرَادَ بِالْمُسْنَدِ» کہ یہ جو مسند کا لفظ آیا تھا تعریف کے اندر اس سے مراد جو ہے «الْمُسْنَدُ إِلَى أَسْمَاءِ هٰذِهِ الْحُرُوْفِ» وہ جو مسند ہو ان حروف کے اسماء کی طرف۔ وہ جو تعریف کے اندر مسند آیا اس سے یہ مراد لیا جائے کہ وہ جو مسند ہو ان حروف کے اسماء کی طرف، نہیں توجہ؟ مسند سے کیا مراد لیں؟ وہ جو مسند ہو ان حروف یعنی حروفِ مشبہ بالفعل کے اسماء کی طرف، بلکہ یوں کہو آسان لفظوں میں «إنَّ» کے اسم کی طرف، «إنَّ» کے اور «إنَّ» سے مراد لے لیں تمام حروفِ مشبہ بالفعل۔ وہ جو مسند آیا اس مسند سے کون سا مسند مراد لیا جائے؟ جو «إنَّ» کے اسم کی طرف مسند ہو، وہ مراد لینے کی کوئی حاجت پھر پیش نہیں آئے گی بھئی۔ تو کہتے ہیں «فَلَا يُحْتَاجُ إِلَى أَنْ يُجَابَ عَنْهُ» لہذا احتیاج نہیں ہو گی اس بات کی طرف کہ جواب دیا جائے اس اعتراض سے «بِأَنَّ الْمُرَادَ بِالْمُسْنَدِ» کہ وہ جو مسند آیا تھا اس مسند سے مراد جو ہے «الْمُسْنَدُ إِلَى أَسْمَاءِ هٰذِهِ الْحُرُوْفِ» وہ جو مسند ہو رہا ہے ان حروف کے اسموں کی طرف۔ مسند سے وہ مسند مراد لینے کی حاجت نہیں۔ «وَيَلْزَمُ مِنْهُ» اور اس کے ساتھ لازم ہے یعنی اگر یہ مراد لیا جائے مسند سے وہ خاص مسند مراد لیا جائے تو «وَيَلْزَمُ مِنْهُ اسْتِدْرَاكُ قَوْلِهِ» تو اس صورت میں ماتن کا یہ قول مستدرک ہو جائے گا یعنی بیکار ہو جائے گا، لغو ہو جائے گا، کون سا قول؟ یہ «بَعْدَ دُخُوْلِ هٰذِهِ الْحُرُوْفِ»، یہ قول مستدرک ہو گا بیکار ہو گا یعنی اس کے لانے کی کوئی حاجت نہ رہے گی۔

«وَلَا إِلَى أَنْ يُجَابَ»، بعضوں نے اور جواب دیا تھا اس کو بھی صاحبِ جامی رد کر رہے ہیں۔ پہلے والوں نے کیا جواب دیا؟ کہ «الْمُسْنَدُ» سے کون سا مسند مراد ہے؟ جو «إنَّ» کے اسم کی طرف مسند ہو، ان حروف کے اسماء کی طرف مسند ہو۔ کہتے ہیں یہ جواب نہ دو ورنہ تو «بَعْدَ دُخُوْلِ هٰذِهِ الْحُرُوْفِ» والا قول لغو ہو جائے گا۔ اور بعضوں نے اور جواب دیا، وہ کہتے ہیں «الْمُسْنَدُ» سے مراد اسمِ مسند ہے، مسند سے کیا مراد ہے؟ اسمِ مسند ہے، اور «إنَّ زَيْدًا يَقُوْمُ أَبُوْهُ» اس کے اندر یہ جو «يَقُوْمُ» ہے یہ تو فعل ہے، یہ تو فعل ہے، تو جب اسمِ مسند کہہ دیا کہ وہ مسند کیا ہو؟ اسم ہو، تو یہ «يَقُوْمُ» کا اعتراض ہوتا ہی نہیں پھر کیونکہ یہ تو فعل ہے۔ توجہ ہے؟ بعضوں نے کیا جواب دیا کہ یہ جو تعریف کے اندر مسند کا لفظ آیا اس سے کیا مراد ہے؟ اس مسند سے اسمِ مسند مراد ہے، فعلِ مسند مراد نہیں۔ جب اسمِ مسند مراد ہے تو «يَقُوْمُ» کا اعتراض اب نہیں ہو سکتا کیونکہ «يَقُوْمُ» تو فعل ہے بھئی۔ جب یہ فعل ہے تو «إنَّ» کی خبر کی تعریف اس پر صادق ہی نہیں آ رہی۔ تو صاحبِ جامی اس کو بھی رد کریں گے، کہتے ہیں نہیں بھئی یہ جواب دینے کی بھی کوئی حاجت نہیں۔ اس لیے کیونکہ اگر آپ یہ جواب دیں گے تو اس سے تو یہ معلوم ہوا کہ «إنَّ» کی خبر ہمیشہ اسم آئے گی، حالانکہ «إنَّ» کی خبر تو جملہ بھی آتی ہے۔ تو پھر آپ کو اس میں بھی تاویل کرنا پڑے گی۔ جنہوں نے کیا جواب دیا کہ مسند سے کیا مراد ہے؟ اسمِ مسند مراد ہے، تو جہاں پر بھی «إنَّ» کی خبر جملہ آئے گی تو وہاں پر ان کو تاویل کر کے اسم بنانا پڑے گا کیونکہ انہوں نے «إنَّ» کی خبر کی کیا تعریف کی؟ «إنَّ» کی خبر وہ اسمِ مسند ہے، تو پھر جہاں بھی «إنَّ» کی خبر جملہ آئے گی ان کو تاویل کر کے اس کو اسم بنانا پڑے گا حالانکہ کوئی

حاجت نہیں اس کو اسم بنانے کی۔ بات سمجھ میں آگئی؟ کہ وہ دخول والا وہ معنی مراد لے لیں جو ہم نے ذکر کیا تو پھر کوئی اور جواب دینے کی حاجت نہیں۔

تو کہتے ہیں: «وَلَا إِلَى أَنْ يُجَابَ» اور نہ ہی حاجت ہے اس بات کی کہ یہ جواب دیا جائے کہ «بِأَنَّ الْمُرَادَ بِالْمُسْنَدِ الِاسْمُ الْمُسْنَدُ» کہ مسند سے مراد جو ہے اسمِ مسند ہے، «فَيُحْتَاجَ إِلَى تَأْوِيلِ الْجُمْلَةِ بِالِاسْمِ حَيْثُ يَكُوْنُ خَبَرُهَا جُمْلَةً» تو پھر احتیاج ہو گی کہ جملے کی تاویل کی جائے اسم کے ساتھ «حَيْثُ يَكُوْنُ خَبَرُهَا جُمْلَةً» جس جگہ ان حروف کی خبر جملہ ہو۔ «حَيْثُ» یاد رکھو مکان کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے تو یہاں پر بھی «حَيْثُ» مکان کے معنی میں ہے، «حَيْثُ يَكُوْنُ خَبَرُهَا جُمْلَةً» جس جگہ اس کی خبر جملہ ہو، جس جگہ ان حروفِ مشبہ بالفعل کی خبر جملہ ہو وہاں حاجت پیش آئے گی کہ اس کی تاویل کی جائے اسم کے ساتھ۔ توجہ ہے؟ پھر ترجمہ دیکھیں، کہتے ہیں: «فَيُحْتَاجَ إِلَى تَأْوِيلِ الْجُمْلَةِ بِالِاسْمِ حَيْثُ يَكُوْنُ خَبَرُهَا جُمْلَةً» تو حاجت پیش آئے گی کہ اس جملہ کی تاویل اسم کے ساتھ کی جائے «حَيْثُ يَكُوْنُ خَبَرُهَا جُمْلَةً» جس جگہ «إِنَّ» کی خبر جو ہے وہ جملہ ہو۔ جس جگہ بھی «إِنَّ» کی خبر جملہ ہو تو وہاں حاجت پیش آئے گی کہ اس جملہ کی تاویل اسم کے ساتھ کی جائے «مِثْلُ إِنَّ زَيْدًا يَقُوْمُ» جیسے کہ «إِنَّ زَيْدًا يَقُوْمُ» کے اندر ہے بھئی۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو یہاں پر بھی «يَقُوْمُ» کو پھر «قَائِمٌ» کے معنی میں لینا پڑے گا، تاویل کرنا پڑے گی حالانکہ یہاں کسی تاویل کی حاجت نہیں۔

تو حاصلِ کلام کیا ہوا کہ یہاں اشکال ہوتا تھا کہ «إِنَّ زَيْدًا يَقُوْمُ أَبُوْهُ» یہاں پر یہ «يَقُوْمُ أَبُوْهُ» پورا جملہ «إِنَّ» کی خبر ہے صرف «يَقُوْمُ» نہیں، لیکن یہ «يَقُوْمُ» «إِنَّ» کی خبر کی تعریف میں داخل ہو رہا ہے اس لیے کیونکہ انہوں نے «إِنَّ» کی خبر کی کیا تعریف کی؟ کہ «إِنَّ» کی خبر وہ مسند ہوتی ہے کسی چیز کی طرف ان حروف کے داخل ہونے کے بعد، اور یہاں پر «يَقُوْمُ» بھی «إِنَّ» کے داخل ہونے کے بعد مسند ہو رہا ہے «أَبُوْهُ» کی طرف۔ تو لہذا اس کو بھی «إِنَّ» کی خبر کہنا چاہیے حالانکہ یہ «إِنَّ» کی خبر نہیں ہے، «إِنَّ» کی خبر «يَقُوْمُ أَبُوْهُ» پورا جملہ ہے۔ تو صاحبِ جامی نے جواب دیا کہ آپ نے داخل ہونے سے لفظی معنی مراد لے لیا کہ لفظوں میں اس پر داخل ہو، لفظوں میں داخل ہونا مراد نہیں ہے بلکہ داخل ہونے کا معنی یہ ہے کہ «إِنَّ» جو ہے یعنی یہ حروفِ مشبہ بالفعل لفظاً یا معناً اس کو اپنا اثر دیں بھئی۔ اور یہاں پر یہ «يَقُوْمُ» اس کے اندر «إِنَّ» نے نہ لفظاً کوئی اثر دیا اور نہ اس کے اندر معناً کوئی اثر دیا کہ «يَقُوْمُ» کا جو اسناد ہو رہا ہے «أَبُوْهُ» کی طرف اس میں کوئی تاکید پیدا نہیں کی بھئی۔ تو صاحبِ جامی فرماتے ہیں جب داخل ہونے کا یہ معنی کر لیں گے کہ «إِنَّ» لفظاً یا معناً اپنا اثر دے، تو کوئی اور جواب دینے کی حاجت پیش نہیں آئے گی۔ مثلاً بعضوں نے کیا جواب دیا تھا کہ «الْمُسْنَدُ» سے کیا مراد ہے؟ وہ جو مسند ہو «إِنَّ» کے اسم کی طرف، تو کہتے ہیں کہ یہ جواب دینے کی بھی پھر حاجت پیش نہیں آئے گی، بلکہ نیز اس جواب میں تو ایک اور خرابی لازم آئے گی کہ «إِنَّ» کی خبر وہ مسند ہوتی ہے «إِنَّ» کے اسم کی طرف، تو وہ «إِنَّ» کے اسم کی طرف «إِنَّ» کے داخل ہونے کے بعد ہی مسند ہو گی «إِنَّ» کے داخل ہونے سے پہلے تو نہیں، تو لہذا آگے «بَعْدَ دُخُوْلِ هٰذِهِ الْحُرُوْفِ» کی قید

لگانے کی کوئی حاجت ہی نہیں کیونکہ لفظِ مسند سے ہی کیا پتہ چل گیا؟ مسند سے کیا مراد ہے؟ وہ جو مسند ہے «إنَّ» کے اسم کی طرف، معلوم ہوا «إنَّ» داخل ہو چکا ہے، تو «إنَّ» کے اسم کی طرف بعد میں ہی مسند ہو سکتی ہے پہلے تو نہیں، لہذا اسی سے پتہ چل گیا کہ «إنَّ» داخل ہو چکا ہے تو پھر آگے «بَعْدَ دُخُوْلِ هٰذِهِ الْحُرُوْفِ» کہنے کی کوئی حاجت نہیں ہے بھئی، لہذا اس صورت میں یہ قید لغو ہو جائے گی۔ اور نیز بعضوں نے دوسرا جواب دیا تھا اس کو بھی شارحِ جامی نے رد کیا، بعضوں نے کہا تھا مسند سے اسمِ مسند مراد ہے، اسمِ مسند مراد ہے، تو صاحبِ جامی فرماتے ہیں کہ نہیں یہ جواب دینے کی بھی کوئی حاجت نہیں اس لیے کیونکہ اس صورت میں «إنَّ» کی خبر وہ تو کبھی کبھار جملہ بھی آتی ہے تو جہاں بھی «إنَّ» کی خبر جملہ آئے گی پھر وہاں تاویل کی حاجت پیش آئے گی کیونکہ آپ نے مسند سے کیا مراد لیا اسمِ مسند، تو اس کو پھر اسم بنانا پڑے گا بھئی۔

آگے دیکھیے بھئی: «مِثْلُ قَائِمٌ فِيْ إنَّ زَيْدًا قَائِمٌ» جیسے کہ «قَائِمٌ» کا لفظ ہے «إنَّ زَيْدًا قَائِمٌ» کے اندر۔ بات کس کی چل رہی ہے؟ «إنَّ» کی خبر کی، اور «إنَّ زَيْدًا قَائِمٌ» یہ مثال ذکر کی صاحبِ کافیہ نے۔ صاحبِ کافیہ ذرا متن دیکھو: «مِثْلُ إنَّ زَيْدًا قَائِمٌ» جیسے کہ «إنَّ زَيْدًا قَائِمٌ» ہے۔ یہ مثال ذکر کی اور مثال کس کی دینا چاہتے ہیں؟ «إنَّ» کی خبر کی، اور یہ «إنَّ زَيْدًا قَائِمٌ» یہ سارا تو «إنَّ» کی خبر نہیں ہے اس کے اندر خبر صرف «قَائِمٌ» ہے، تو وہ صاحبِ جامی اسی کی وضاحت کر رہے ہیں کہ جیسے «مِثْلُ قَائِمٌ» جیسے کہ «قَائِمٌ» کا لفظ ہے «فِيْ إنَّ زَيْدًا قَائِمٌ» اس جملے کے اندر۔ «فَإِنَّهُ الْمُسْنَدُ بَعْدَ دُخُوْلِ هٰذِهِ الْحُرُوْفِ»، دیکھو اس پر تعریف بھی صادق آ رہی ہے یہ جو «قَائِمٌ» ہے، «إنَّ» کی خبر کی کیا تعریف کی؟ وہ مسند ہوتا ہے «إنَّ» کے داخل ہونے کے بعد، «فَإِنَّهُ الْمُسْنَدُ بَعْدَ دُخُوْلِ هٰذِهِ الْحُرُوْفِ» اس لیے کیونکہ یہ جو «قَائِمٌ» ہے یہ مسند ہے ان حروف کے داخل ہونے کے بعد۔

عبارت حل ہو گئی، مسئلہ اچھی طرح سمجھ میں آگیا۔ اچھا یہاں بھئی عبارت آئی، عبارت کی ایک بات سمجھ لیں میں نے پہلے بھی ذکر کیا تھا، یہاں عبارت آئی «فَلَا يُحْتَاجُ إِلَى أَنْ يُجَابَ عَنْهُ»۔ میں نے بتلایا تھا کہ بعض اوقات عبارت کے اندر کوئی فعل آجاتا ہے فعلِ معروف یا مجہول اور اس کے فاعل یا نائب الفاعل کا پتہ نہیں چلتا، فاعل یا نائب الفاعل کا پتہ نہیں چلتا، تو یہاں پر جیسے آیا «فَلَا يُحْتَاجُ»۔ «يُحْتَاجُ» فعلِ مجہول ہے، تو وہ نائب الفاعل کیا ہے؟ تو نائب الفاعل کیا ہے؟ میں نے بتایا تھا کہ اس صورت میں پھر دو طریقے ہیں بھئی۔ ایک تو یہ کہ اسی کے اندر ضمیر نکال لیں اور وہ ضمیر اسی کے مصدر کو راجع کر دیں، تو «فَلَا يُحْتَاجُ هُوَ» اور «هُوَ» ضمیر کس کو راجع؟ اسی «يُحْتَاجُ» کے مصدر یعنی احتیاج کو راجع، تو عبارت یوں بن گئی «فَلَا يُحْتَاجُ الِاحْتِيَاجُ»، «فَلَا يُحْتَاجُ الِاحْتِيَاجُ»، اور پھر معنی کیسے کریں گے؟ میں نے بتلایا تھا «يَقَعُ» یا «حَصَلَ» کے ساتھ: «فَلَا يُحْتَاجُ الِاحْتِيَاجُ أَيْ لَا يَقَعُ الِاحْتِيَاجُ» یعنی احتیاج واقع نہیں ہو گی، حاجت واقع نہیں ہو گی۔ بات سمجھ میں آگئی؟ یہ ایک طریقہ ہے۔ لہذا اس کا ترجمہ کیسے کریں گے؟ «فَلَا يُحْتَاجُ إِلَى أَنْ يُجَابَ عَنْهُ» لہذا احتیاج واقع نہیں ہو گی، ضرورت پیش نہیں آئے گی کہ اس اعتراض سے یوں جواب دیا جائے بھئی۔ یا دوسری ترکیب یہ کہ اس کے

ساتھ یہ جو جار مجرور آیا «إِلَى أَنْ يُجَابَ عَنْهُ» یہ جار مجرور کو اس کا نائب الفاعل بنا دیں، یہ جار مجرور کو۔ اب «يُحْتَاجُ» کے اندر ضمیر نکالنے کی ضرورت نہیں کیونکہ آگے «إِلَى أَنْ يُجَابَ عَنْهُ» یہ اس کا نائب الفاعل بن رہا ہے، یہ کیا بن رہا ہے؟ نائب الفاعل بن رہا ہے یہ جار مجرور بھئی۔ اور یہ نائب الفاعل کیوں بنتا ہے؟ کیونکہ آپ نے پڑھا ہے یہ حروفِ جارہ کیوں لائے جاتے ہیں عبارت میں؟ فعل کو متعدی کرنے کے لیے، کس کے لیے؟ فعل کو متعدی کرنے کے لیے۔ تو جن پر یہ حروفِ جارہ داخل ہوتے ہیں یہ دراصل یہ بھی مفعول بہ ہیں البتہ یہ غیرِ صریح ہیں، یہ غیرِ صریح ہیں، اور جب فعلِ مجہول لایا جائے تو وہی مفعول بہ کیا بن جاتا ہے؟ نائب الفاعل۔ تو یہاں پر بھی یہ «إِلَى أَنْ يُجَابَ عَنْهُ» یہ جو جار مجرور ہے یہ نائب الفاعل بن جائے گا۔ اور اس کو تعبیر اس طرح کرتے ہیں کہ یہ جار مجرور اس کا نائب الفاعل ہے، توجہ ہے؟ جار مجرور نائب الفاعل ہے، یہ ویسے تعبیر اس طرح کرتے ہیں حقیقت میں یہ جار مجرور سارا نائب الفاعل نہیں ہے بلکہ وہ جو مجرور ہے وہ نائب الفاعل ہے یعنی «أَنْ يُجَابَ عَنْهُ» یہ نائب الفاعل ہے، اور یہ اس پر «أَنْ» مصدریہ داخل ہو رہا ہے تو یہ اس کو مفرد کی تاویل میں کر دیتا ہے تو یہ ہے نائب الفاعل۔ توجہ ہے؟ لہذا «إِلَى أَنْ يُجَابَ عَنْهُ» «إِلَى» حرفِ جر ہے اور «أَنْ يُجَابَ عَنْهُ» یہ پورا جملہ «أَنْ» کی وجہ سے بتاویلِ مفرد یہ مجرور ہے محلاً، یہ مجرور ہے محلاً اور یہ مفرد کی تاویل میں ہے مصدر کی تاویل میں ہے، لیکن محلاً یہ مرفوع ہے کیونکہ نائب الفاعل ہے «يُحْتَاجُ» کے لیے۔ توجہ ہے؟

تو ایک تاویل کیا؟ «يُحْتَاجُ» کے اندر «هُوَ» ضمیر نکال لیں اور وہ اسی کے مصدر کو راجع کر دیں، أَيْ «فَلَا يُحْتَاجُ الِاحْتِيَاجُ» اور پھر اس کا ترجمہ کیسے کرتے ہیں؟ «حَصَلَ الِاحْتِيَاجُ» یا «يَقَعُ الِاحْتِيَاجُ» کے ساتھ اس کا ترجمہ کرتے ہیں۔ اور یا دوسری صورت یہ ہے کہ اس کے اندر کوئی ضمیر نہ نکالیں، آگے جو جار مجرور ہے اس کو اس کا نائب الفاعل بنا دیں۔ اور نائب الفاعل کیسے بنتے ہیں؟ یہ جار مجرور اسی سے متعلق بھی ہو جائے گا کیونکہ جار مجرور کے لیے کوئی متعلق بھی چاہیے، تو یہ جار مجرور اسی سے متعلق ہو گا اور یہی اس کا نائب الفاعل بھی ہے۔ اور میں نے بتایا جار مجرور کو نائب الفاعل کہہ دیا گیا کہ یہ جار مجرور نائب الفاعل ہے، حقیقت میں یہ جار مجرور نائب الفاعل نہیں بلکہ وہ جو مجرور ہے وہ ہے نائب الفاعل۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو یہ آپ نے ہمیشہ یاد رکھنا ہے، جگہ جگہ یہ عبارتیں آتی ہیں کہ جہاں وہ لکھ دیتے ہیں کہ یہ جار مجرور نائب الفاعل ہے تو وہاں آپ سمجھ جائیں، ایک تو یہ کہ اس جار مجرور کو اسی سے جوڑنا بھی ہے یہ اسی سے متعلق بھی ہو رہے ہیں، اور نائب الفاعل حقیقت میں وہ مجرور ہے یہ سارا جار مجرور نہیں ہے۔ اور نیز اس طرح کی عبارت «فَلَا يُحْتَاجُ» جیسے لفظ جگہ جگہ آتے ہیں، معنی مشکل ہو جاتا ہے کہ جس میں ضمیر کا پتہ نہیں چلتا، تو وہاں «حَصَلَ» یا «يَقَعُ» کے ساتھ اس کا ترجمہ کیا جاتا ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ حل ہو گیا سارا؟ چلیے بس بھئی، هٰذَا هُوَ الْمَرَامُ، وَاللهُ أَعْلَمُ بِحَقِيْقَةِ الْكَلَامِ.

سبق نمبر ۱۱۰: خبرِ إنَّ و اخواتہا (۲): خبرِ إنَّ پر لامِ ابتدا کے دخول اور تقدمِ خبر کے قواعد

شرحِ ملا جامی صفحہ: ۸۰ — بتاریخ: ۲۵ نومبر ۲۰۲۱ء

▪ تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث

دیکھیے بھئی آگے سبق:

وَأَمْرُهُ كَأَمْرِ خَبَرِ الْمُبْتَدَإِ أَيْ حُكْمُهُ كَحُكْمِ خَبَرِ الْمُبْتَدَإِ فِي أَقْسَامِهِ مِنْ كَوْنِهِ مُفْرَدًا وَجُمْلَةً وَنَكِرَةً وَمَعْرِفَةً، وَفِي أَحْكَامِهِ مِنْ كَوْنِهِ وَاحِدًا وَمُتَعَدِّدًا وَمُثْبَتًا وَمَحْذُوفًا، وَفِي شَرَائِطِهِ مِنْ أَنَّهُ إِذَا كَانَ جُمْلَةً فَلَا بُدَّ مِنْ عَائِدٍ وَلَا يُحْذَفُ إِلَّا إِذَا عُلِمَ.

گزشتہ سبق میں ہم إنَّ کی خبر کے بارے میں پڑھ رہے تھے بھئی، اور إنَّ کی خبر کی تعریف کی صاحبِ کافیہ نے: هُوَ الْمُسْنَدُ بَعْدَ دُخُولِ هٰذِهِ الْحُرُوفِ۔ کہ إنَّ کی خبر جو ہے وہ مُسْنَد ہوتی ہے کسی چیز کی طرف ان حروف کے داخل ہونے کے بعد۔ تو اس پر ایک اشکال ہوتا تھا کہ یہ آپ کی تعریف دخولِ غیر سے مانع نہیں، اس میں غیرِ معرّف داخل ہو رہا ہے حالانکہ تعریف کو تو جامع مانع ہونا چاہیے۔ غیرِ معرّف اس میں کس طرح داخل ہو رہا ہے؟ ایک مثال میں نے آپ کو لکھوائی تھی: إنَّ زَيْدًا يَقُومُ أَبُوهُ۔ تو یہ جو زَيْدًا ہے یہ إنَّ کا اسم ہے اور يَقُومُ أَبُوهُ پورا جملہ فعلیہ خبر ہے إنَّ کی۔ تو یہ پورا جملہ إنَّ کی خبر ہے، صرف جو يَقُومُ ہے یہ إنَّ کی خبر نہیں، لیکن اس پر إنَّ کی خبر کی تعریف صادق آ رہی ہے لہٰذا اس کو بھی إنَّ کی خبر کہنا چاہیے حالانکہ یہ تو إنَّ کی خبر نہیں ہے۔ کس طرح؟ کیونکہ انہوں نے إنَّ کی خبر کی کیا تعریف کی؟ کہ إنَّ کی خبر مُسْنَد ہوتی ہے کسی چیز کی طرف إنَّ کے داخل ہونے کے بعد۔ اور یہ جو يَقُومُ ہے، یہ بھی إنَّ کے داخل ہونے کے بعد مُسْنَد ہے کسی چیز کی طرف۔ یہ کس کی طرف مُسْنَد ہے يَقُومُ؟ أَبُوهُ کی طرف۔ تو اس کو بھی إنَّ کی خبر کہنا چاہیے حالانکہ یہ تو إنَّ کی خبر نہیں ہے، إنَّ کی خبر تو يَقُومُ أَبُوهُ پورا جملہ فعلیہ ہے۔

تو صاحبِ جامی نے پھر اس کا جواب دیا تھا کہ آپ نے دخول کا لفظی معنیٰ مراد لے لیا کہ داخل ہونے سے کیا مراد ہے؟ کہ اس کے اوپر آ جائے، لفظوں کے اندر اس پر آ جائے، جیسے إنَّ زَيْدًا يَقُومُ أَبُوهُ۔ اب اس يَقُومُ پر لفظوں کے اندر تو إنَّ داخل ہو رہا ہے۔ لیکن تعریف کے اندر جو دخول کا لفظ ذکر ہے اس سے لفظوں پر داخل ہونا مراد نہیں ہے، بلکہ یہ مراد ہے کہ

یہ اپنا اثر دے دیتے ہیں اس مُسْنَد اور مُسْنَد إِلَيْهِ کو لفظوں کے اندر یا معنیٰ کے اندر بھئی۔ یعنی لَفْظًا یا مَعْنًی یہ اپنا اثر دے دیتے ہیں بھئی۔ اور یہ جو يَقُومُ ہے، اس کو إنَّ نے نہ لفظوں میں کوئی اثر دیا ہے اور نہ معنیٰ کے اندر۔ لفظوں کے اندر بھی کوئی عمل نہیں کیونکہ يَقُومُ پر جو رفع آیا وہ إنَّ کی وجہ سے نہیں آیا، اور معنیٰ کے اندر بھی کوئی اثر نہیں کہ یہ جو يَقُومُ کا اسناد ہو رہا ہے أَبُوهُ کی طرف، اس اسناد کے اندر إنَّ نے کوئی تاکید پیدا نہیں کی بھئی۔ تو لہٰذا نہ لَفْظًا کوئی اثر دیا إنَّ نے اور نہ مَعْنًی کوئی اثر دیا، تو یہ إنَّ کی خبر کی تعریف میں داخل ہی نہیں ہے کیونکہ إنَّ کی خبر کی کیا تعریف کی؟ إنَّ کی خبر وہ ہے جو مُسْنَد ہو کسی چیز کی طرف ان حروف کے داخل ہونے کے بعد۔ اور داخل ہونے سے کیا مراد ہے؟ کہ لَفْظًا یا مَعْنًی إنَّ ان کو اپنا اثر دے بھئی۔ اور اس يَقُومُ کو تو إنَّ نے نہ لَفْظًا کوئی اثر دیا نہ مَعْنًی کوئی اثر دیا، تو اس پر تعریف صادق ہی نہیں آ رہی، یہ تعریف کے اندر داخل ہی نہیں ہے بھئی، لہٰذا اس کے ذریعے تعریف پر اعتراض نہیں کیا جا سکتا کہ یہ بھی تعریف میں داخل ہو رہا ہے، یہ تعریف میں داخل نہیں ہو رہا بھئی۔

لہٰذا جو بعض علماء نے جواب دیا تھا کہ مُسْنَد سے مراد یہ ہے وہ جو مُسْنَد ہو ان حروف کے اسم کی طرف، کہتے ہیں وہ جواب دینے کی کوئی ضرورت نہیں۔ اس لیے کیونکہ اگر وہ جواب آپ دیں گے تو پھر اس میں خرابی لازم آئے گی کہ بَعْدَ دُخُولِ هٰذِهِ الْحُرُوفِ کی قید لغو ہو جائے گی، بے کار ہو جائے گی۔ اس لیے کیونکہ إنَّ کی خبر کی کیا تعریف کریں گے؟ هُوَ الْمُسْنَدُ، إنَّ کی خبر وہ جو مُسْنَد ہوتی ہے، کس چیز کی طرف مُسْنَد؟ ان حروف کے اسماء کی طرف مُسْنَد ہوتی ہے۔ ان حروف کے؟ ان حروف کے اسماء تب ہی بنیں گے نا جب پہلے إنَّ ان پر داخل ہو، جب داخل ہو گا پھر ہی وہ إنَّ کا اسم کہلائیں گے۔ تو إنَّ کی خبر جب وہ مُسْنَد ہوئی ان حروف کے اسماء کی طرف، معلوم ہوا إنَّ پہلے ہی داخل ہو چکا ہے۔ لہٰذا آگے بَعْدَ دُخُولِ هٰذِهِ الْحُرُوفِ کہنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے، کیونکہ وہ قید کس لیے لگائی تھی؟ تاکہ ابتدا کی خبر نکل جائے، كَانَ کی خبر نکل جائے، اور مَا وَلَا مُشَابِهِ بِ لَيْسَ وغیرہ کی خبر نکل جائے کیونکہ وہ سارے بھی مُسْنَد ہوتے ہیں۔ لیکن جب مُسْنَد سے وہ والا مُسْنَد مراد لے لیا جو ان حروف کے اسماء کی طرف مُسْنَد ہو، تو وہ تو ان حروف کے داخل ہونے کے بعد ہی ہو سکتا ہے اس سے پہلے نہیں ہو سکتا، تو پھر اس صورت میں تو كَانَ وغیرہ کی خبر داخل نہیں ہے بھئی، کیونکہ كَانَ وغیرہ کی خبر تو ان حروف کے اسماء کی طرف مُسْنَد نہیں ہوتی بھئی۔ تو لہٰذا یہ کہتے ہیں، صاحبِ جامی فرماتے ہیں کہ یہ جو ہم نے دخول کا معنیٰ بیان کر دیا، دخول کا یہ معنیٰ مراد لے لیا جائے تو پھر کوئی حاجت پیش نہیں آتی کہ یہ جواب دیا جائے کہ مُسْنَد سے مراد ان حروف کے اسماء کی طرف مُسْنَد مراد ہے، اور نیز اس صورت میں یہ بَعْدَ دُخُولِ هٰذِهِ الْحُرُوفِ کی قید بھی لغو ہو جائے گی، بے کار ہو جائے گی اگر مُسْنَد سے وہ والا مُسْنَد مراد لیں جو آپ نے ذکر کیا۔

جبکہ بعضوں نے اور جواب دیا تھا، انہوں نے کہا تھا کہ الْمُسْنَدُ جو تعریف کے اندر آیا اس سے مُسْنَدِ اسم مراد ہے، اور إنَّ زَيْدًا يَقُومُ أَبُوهُ اس کے اندر جو يَقُومُ ہے یہ تو اسم ہے ہی نہیں، یہ تو فعل ہے۔ لہٰذا یہ إنَّ کی خبر کی تعریف سے خارج ہو گیا کیونکہ إنَّ کی خبر جو ہے وہ تو اسمِ مُسْنَد ہوتی ہے، وہ اسمِ مُسْنَد ہوتی ہے اور یہ فعل ہے۔ تو صاحبِ جامی فرماتے ہیں

کہ نہیں، یہ جواب دینے کی بھی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ اس لیے کیونکہ اس صورت میں تو إنَّ کی خبر جہاں بھی جملہ آئے گی اس کی تاویل کرکے اس کو اسم بنانا پڑے گا، کیونکہ انہوں نے إنَّ کی خبر کی کیا تعریف کی؟ کہ إنَّ کی خبر اسمِ مُسْنَد ہوتی ہے۔ اور جہاں جملہ آئے وہ تو جملہ ہے وہ تو اسم نہیں، تو پھر اس کو تاویل کرکے کیا بنانا پڑے گا؟ اسم بنانا پڑے گا، جیسے إنَّ زَيْدًا يَقُومُ۔ اب یہ إنَّ زَيْدًا يَقُومُ کے اندر یاد رکھو، یہ والا يَقُومُ إنَّ کی خبر ہے۔ وہ جو آیا تھا إنَّ زَيْدًا يَقُومُ أَبُوهُ، وہ يَقُومُ، وہ إنَّ کی خبر نہیں تھا۔ لیکن إنَّ زَيْدًا يَقُومُ، یہ کیا ہے؟ إنَّ کی خبر ہے، کیونکہ اس يَقُومُ کا اسناد ہے هُوَ ضمیر کی طرف، اور وہ هُوَ ضمیر إنَّ کے اسم یعنی زید کو راجع ہے، اور کسی چیز کی ضمیر کی طرف اسناد حقیقت میں اسی چیز کی طرف اسناد ہوتا ہے۔ تو دیکھو یہاں پر یہ يَقُومُ، یہ جو يَقُومُ ہے اس کا اسناد إنَّ کے اسم کی طرف ہی ہے تو یہ إنَّ کی خبر ہوئی بھئی۔ لیکن اگر وہ تاویل لے لی جائے جو بعضوں نے جواب دیا کہ مُسْنَد سے کیا مراد ہے؟ اسمِ مُسْنَد، تو ان کو اس يَقُومُ کے اندر بھی تاویل کرنا پڑے گی کہ یہ يَقُومُ کس معنیٰ میں ہے؟ قَائِمٌ کے معنیٰ میں ہے، یعنی إنَّ زَيْدًا يَقُومُ یہ بمعنیٰ إنَّ زَيْدًا قَائِمٌ کے ہے بھئی۔ بات سمجھ میں آگئی؟

اب آئیے بھئی آج کے سبق پر۔ کہتے ہیں: وَأَمْرُهُ كَأَمْرِ خَبَرِ الْمُبْتَدَإِ أَيْ حُكْمُهُ كَحُكْمِ خَبَرِ الْمُبْتَدَإِ۔ جی، پہلے صرف متن متن دیکھ لیجیے: وَأَمْرُهُ كَأَمْرِ خَبَرِ الْمُبْتَدَإِ، اور إنَّ کی جو خبر ہے اس کا حکم جو ہے كَأَمْرِ خَبَرِ الْمُبْتَدَإِ ابتدا کی خبر کے حکم کی طرح ہے۔ إنَّ کی جو خبر ہے اس کا وہی حکم ہے جو ابتدا کی خبر کا حکم ہوتا ہے۔ تو کہتے ہیں: وَأَمْرُهُ كَأَمْرِ خَبَرِ الْمُبْتَدَإِ، أَمْرُهُ کی هَا ضمیر راجع ہے پیچھے جو إنَّ کی خبر کا ذکر آیا۔ تو کہتے ہیں: وَأَمْرُهُ اور إنَّ کی جو خبر ہے اس کا حکم جو ہے كَأَمْرِ خَبَرِ الْمُبْتَدَإِ یہ ابتدا کی خبر کے حکم کی طرح ہے۔ إِلَّا فِي تَقْدِيمِهِ، مگر اس کو مقدم کرنے میں، مگر اس کو مقدم کرنے میں، یعنی مقدم کرنے میں إنَّ کی خبر کا حکم ابتدا کی خبر کے حکم کی طرح نہیں۔ تو إنَّ کی خبر کا حکم ابتدا کی خبر کے حکم کی طرح ہے، یعنی جیسے ابتدا کی خبر کبھی مفرد آتی ہے اور کبھی جملہ، اسی طرح إنَّ کی خبر بھی کبھی مفرد آئے گی اور کبھی جملہ، جیسے إنَّ زَيْدًا قَائِمٌ۔ یہ قَائِمٌ کیا ہے؟ إنَّ کی خبر ہے اور مفرد ہے بھئی۔ اور کبھی إنَّ کی خبر جملہ ہوگی: إنَّ زَيْدًا يَقُومُ۔ دیکھو یہ إنَّ کی خبر يَقُومُ جملہ ہے، یا جیسے وہ مثال تھی إنَّ زَيْدًا يَقُومُ أَبُوهُ، یہ يَقُومُ أَبُوهُ پورا جملہ إنَّ کی خبر ہے بھئی۔ اسی طرح ابتدا کی خبر کبھی معرفہ ہوتی ہے اور کبھی نکرہ ہوتی ہے، اسی طرح إنَّ کی خبر بھی ہے، یعنی وہ بھی کبھی معرفہ ہوتی ہے اور کبھی نکرہ ہوتی ہے۔ اور نیز جیسے ابتدا کی خبر کبھی ابتدا کی ایک ہی خبر آتی ہے، کبھی ایک سے زیادہ خبریں آتی ہیں، اسی طرح إنَّ کی بھی کبھی ایک خبر آئے گی کبھی ایک سے زیادہ خبریں آئیں گی۔ نیز جیسے ابتدا کی خبر کبھی اس کو ذکر کیا جاتا ہے، کبھی اس کو حذف کر لیا جاتا ہے جب قرینہ وغیرہ موجود ہو، تو اسی طرح إنَّ کی خبر کا حکم بھی ہے، اس کو بھی کبھی لفظوں میں ذکر کرتے ہیں اور کبھی کوئی قرینہ وغیرہ ہو تو حذف کر لیتے

ہیں۔ اسی طرح بتدا کی جو خبر ہے وہ جب جملہ ہو تو پھر اس میں ایک عائد کا ہونا ضروری ہے جو اس کو بتدا کے ساتھ ربط دے دے، اسی طرح إنَّ کی خبر بھی جب جملہ ہو تو اس میں بھی عائد کا ہونا ضروری ہے ربط کے لیے۔ اور نیز جیسے بتدا کی جو خبر ہے جب جملہ ہو اس میں عائد ہوتا ہے، اور لیکن اس عائد کو کبھی حذف بھی کر لیتے ہیں جب کوئی قرینہ وغیرہ موجود ہو، اسی طرح إنَّ کی خبر جب جملہ واقع ہو تو اس میں بھی عائد کا ہونا ضروری ہے اور اگر کوئی قرینہ موجود ہو تو پھر اس عائد کو حذف کرنا بھی جائز ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ معلوم ہوا إنَّ کی خبر کا وہی حکم ہے جو بتدا کی خبر کا ہے ان تمام چیزوں میں جو ذکر ہو گئیں۔

آگے دیکھیے متن بھئی: إِلَّا فِي تَقْدِيمِهِ، مگر اس خبر کو مقدم کرنے میں، مگر اس خبر کو مقدم کرنے میں، یہ استثناء ہے ماقبل سے۔ پیچھے کیا بات ذکر ہوئی؟ إنَّ کی خبر بتدا کی خبر کی طرح ہے، إِلَّا فِي تَقْدِيمِهِ، مگر اس کے مقدم کرنے میں، یعنی مقدم کرنے میں یہ اس کی طرح نہیں ہے۔ بھئی بتدا کی خبر جو ہے اس کو مقدم بھی کیا جا سکتا ہے مثلاً زَيْدٌ قَائِمٌ، زَيْدٌ ہے بتدا اور قَائِمٌ ہے خبر، لیکن قَائِمٌ کو آپ مقدم بھی کر سکتے ہیں قَائِمٌ زَيْدٌ بھئی۔ کیونکہ قَائِمٌ نکرہ ہے اور زَيْدٌ معرفہ ہے، اور بتدا میں اصل یہ ہے کہ معرفہ ہونا چاہیے اور خبر میں اصل یہ ہے کہ نکرہ ہونی چاہیے، تو قَائِمٌ نکرہ ہے اور زَيْدٌ معرفہ ہے تو آپ بے شک قَائِمٌ کو مقدم کر دیں پھر بھی پتہ چل جائے گا کہ یہ قَائِمٌ یہ خبرِ مقدم ہے اور زَيْدٌ بتدا مؤخر ہے۔ تو بتدا کی خبر کو مقدم کرنا بھی جائز ہے، زَيْدٌ قَائِمٌ میں آپ کیا کہہ سکتے ہیں؟ قَائِمٌ زَيْدٌ بھی کہہ سکتے ہیں۔ لیکن إنَّ کی خبر جو ہے وہ بتدا کی خبر کی طرح نہیں ہے تقدیم کے اندر، یعنی إنَّ کی خبر کو إنَّ کے اسم پر مقدم کرنا جائز نہیں۔

تو کہتے ہیں: إِلَّا فِي تَقْدِيمِهِ، مگر اس خبر کے مقدم کرنے میں، إِلَّا أَنْ يَكُونَ ظَرْفًا، مگر یہ کہ وہ خبر ظرف ہو بھئی، مگر یہ کہ وہ خبر ظرف ہو۔ بھئی ایک إِلَّا پہلے آیا: إِلَّا فِي تَقْدِيمِهِ، ایک إِلَّا آگے دوبارہ آیا: إِلَّا أَنْ يَكُونَ ظَرْفًا۔ یاد رکھو ایک ہی مُسْتَثْنًى مِنْهُ سے دو مرتبہ إِلَّا کے ذریعے استثناء نہیں کیا جا سکتا، إِلَّا یہ کہ عطف کیا جائے۔ بھئی عطف کیا جائے پھر تو کئی استثناء بھی ہو سکتے ہیں، جیسے فعل کے لیے ایک ہی فاعل چاہیے لیکن عطف کے ذریعے کئی فاعل آپ ذکر کر سکتے ہیں: جَاءَنِي زَيْدٌ وَعَمْرٌو وَبَكْرٌ وَخَالِدٌ۔ تو اسی طرح إِلَّا استثناء کے لیے آتا ہے اور ایک مُسْتَثْنًى مِنْهُ سے ایک ہی استثناء کیا جا سکتا ہے، إِلَّا یہ کہ حرفِ عطف استعمال کیا جائے، اور یہاں تو کوئی حرفِ عطف نہیں: إِلَّا فِي تَقْدِيمِهِ إِلَّا أَنْ يَكُونَ ظَرْفًا۔ تو پھر صاحبِ کافیہ نے کیسے دو مرتبہ استثناء کر دیا اور درمیان میں کوئی حرفِ عطف بھی ذکر نہیں کیا بھئی؟ تو یاد رکھو یہ جو دوسرا استثناء ہے یہ مفہومِ کلام سے ہے بھئی، اور اس جیسی عبارت پہلے بھی گزر چکی ہے، وہ جہاں پر اسبابِ منعِ صرف ذکر کیے تھے صاحبِ کافیہ نے۔ تمام اسبابِ منعِ صرف جب ذکر کر دیے تو آخر میں انہوں نے ایک دو ضابطے ذکر فرمائے تھے اور فرمایا تھا: وَمَا فِيهِ عَلَمِيَّةٌ مُؤَنَّثَةٌ إِذَا نُكِّرَ صُرِفَ لِمَا تَبَيَّنَ مِنْ أَنَّهَا لَا تُجَامِعُ مُؤَنَّثَةً إِلَّا مَا هِيَ شَرْطٌ فِيهِ، إِلَّا مَا هِيَ شَرْطٌ فِيهِ إِلَّا الْعَدْلَ وَوَزْنَ الْفِعْلِ۔ دیکھو یہاں پر دو مرتبہ إِلَّا آیا، ایک إِلَّا مَا هِيَ شَرْطٌ فِيهِ اور ایک إِلَّا الْعَدْلَ وَوَزْنَ الْفِعْلِ۔ اور وہاں بھی میں نے

آپ کو بتلایا تھا کہ ایک مُسْتَثْنًى مِنْهُ سے ایک ہی استثناء کیا جا سکتا ہے، تو پھر یہ کیسے صاحبِ کافیہ نے یہاں پر ایک مُسْتَثْنًى مِنْهُ سے دو استثناء کیسے کر دیے؟ تو اس کا جواب بھی میں نے ذکر کیا تھا کہ یہ جو دوسرا استثناء ہے یہ مفہومِ کلام سے ہے بھئی، یہ مفہومِ کلام سے ہے۔ یہاں پر بھی إِلَّا فِي تَقْدِيمِهِ إِلَّا أَنْ يَكُونَ ظَرْفًا، یہ جو دوسرا استثناء ہے یہ مفہومِ کلام سے ہے، کس سے ہے؟ مفہومِ کلام سے ہے بھئی۔ صاحبِ کافیہ کے پاس الفاظ کم ہوتے ہیں، وہ مختصر عبارت میں لمبی بات کرنا چاہتے ہیں، لہٰذا ایک عبارت سے جب ایک بات سمجھ میں آگئی۔ تو اس کو دوبارہ ذکر نہیں کیا بلکہ اس سے استثناء کر دیا براہِ راست بھئی۔ جیسے دیکھو پہلے کیا ذکر کیا؟ وَأَمْرُهُ كَأَمْرِ خَبَرِ الْمُبْتَدَإِ إِلَّا فِي تَقْدِيمِهِ، کہ یہ جو إِنَّ کی خبر ہے یہ بتدا کی خبر کی طرح ہے سوائے تقدیم کے۔ معلوم ہوا تقدیم کے اندر إِنَّ کی خبر بتدا کی خبر کی طرح نہیں ہے۔ کیا عبارت بن گئی؟ تقدیم کے اندر إِنَّ کی خبر بتدا کی خبر کی طرح نہیں ہے، إِلَّا أَنْ يَكُونَ ظَرْفًا مگر یہ کہ وہ ظرف ہو، مگر یہ کہ وہ ظرف ہو، پھر وہ بتدا کی خبر کی طرح ہے۔ عبارت سمجھ میں آگئی؟ کہ إِنَّ کی خبر بتدا کی خبر کی طرح نہیں ہے کس چیز میں؟ تقدیم میں، تقدیم میں یہ اس کی طرح نہیں ہے، إِلَّا أَنْ يَكُونَ ظَرْفًا مگر یہ کہ إِنَّ کی خبر ظرف ہو، پھر یہ بتدا کی خبر کی طرح ہے۔ توجہ ہے؟

تو کہتے ہیں: إِلَّا أَنْ يَكُونَ ظَرْفًا، مگر یہ کہ وہ خبر جو ہے ظرف ہو۔ جیسے دیکھو بھئی آپ نے پڑھا ہے کہ ظرف دو قسم پر ہے: ایک ظرفِ حقیقی، ایک ظرفِ مجازی۔ ظرفِ حقیقی کسے کہتے ہیں؟ جس میں جگہ یا زمانے والا معنیٰ ہو: زَيْدٌ عِنْدِي۔ عِنْدَ کا کیا معنیٰ؟ پاس ہونا، قریب ہونا، اور قریب اور دور ہونا یہ جگہ کے اعتبار سے ہوتا ہے، تو یہ ظرفِ حقیقی ہے بھئی۔ زَيْدٌ ہے بتدا اور عِنْدِي یہ ظرفِ حقیقی اس کی خبر ہے۔ اسی طرح ایک ظرفِ مجازی ہے اور وہ جار مجرور کو کہتے ہیں: زَيْدٌ فِي الدَّارِ۔ زَيْدٌ ہے بتدا اور فِي الدَّارِ جار مجرور اس کی خبر ہے۔ اور اس میں پھر تفصیل یاد رکھو، جس طرح بتدا کی خبر میں تھا اسی طرح إِنَّ کی خبر میں بھی ہو گا۔ بتدا کی خبر جب ظرف ہو، توجہ ہے؟ جب ظرف ہو اور بتدا معرفہ ہو۔ بتدا معرفہ ہے اور خبر ظرف ہے تو اس خبر کو بتدا پر مقدم کرنا جائز ہے، جیسے زَيْدٌ فِي الدَّارِ۔ زَيْدٌ بتدا معرفہ ہے اور اس کی خبر فِي الدَّارِ ظرف ہے، تو اس فِي الدَّارِ کو بتدا پر مقدم کرنا جائز ہے، یعنی آپ چاہیں مقدم کریں چاہیں نہ کریں، آپ چاہیں زَيْدٌ فِي الدَّارِ کہیں اور آپ چاہیں خبر کو مقدم کر کے کیا کہیں: فِي الدَّارِ زَيْدٌ۔ تو جب بتدا خود معرفہ ہو اور اس کی خبر ظرف ہو تو اس خبر کو بتدا پر مقدم کرنا جائز ہے۔ اور اگر بتدا نکرہ ہے اور خبر ظرف ہے تو پھر اس ظرف کو بتدا پر مقدم کرنا واجب ہے، جیسے رَجُلٌ فِي الدَّارِ۔ آپ اس رَجُلٌ کو کیا بنانا چاہتے ہیں؟ بتدا، اور فِي الدَّارِ کو کیا بنانا چاہتے ہیں؟ خبر، اور یہ رَجُلٌ بتدا جو ہے وہ تو نکرہ ہے، تو اس صورت میں پھر خبر کو مقدم کرنا واجب ہے۔ اب آپ یوں کہیں گے: فِي الدَّارِ رَجُلٌ۔ آپ یوں نہیں کہہ سکتے: رَجُلٌ فِي الدَّارِ، کیونکہ بتدا نکرہ ہے، تو اس صورت میں جب بتدا نکرہ ہو اور خبر ظرف ہو تو پھر اس صورت میں خبر کو بتدا پر مقدم کرنا واجب ہے۔ اس لیے کیونکہ نکرہ محض بتدا نہیں بن سکتا، اس کے لیے ضروری ہے اس میں تخصیص ہو، تو جب آپ خبر مقدم کریں گے تو اس کی وجہ سے بتدا میں تخصیص آجائے گی، اب اس کا بتدا بننا صحیح ہو جائے گا۔ بات سمجھ میں آگئی؟

تو کیسے کہیں گے؟ رَجُلٌ کو مبتدا بنانا چاہتے ہیں اور فِي الدَّارِ کو خبر تو کس طرح کہیں گے؟ فِي الدَّارِ رَجُلٌ۔

اسی طرح إنَّ کے اندر بھی ہے، إنَّ کی خبر بھی جب ظرف ہو تو پھر إنَّ کے اسم کو دیکھیں گے۔ اگر وہ إنَّ کا اسم معرفہ ہے تو پھر اس خبر، جو ظرف ہے، اس کو إنَّ کے اسم پر مقدم کرنا جائز ہے، واجب نہیں، جیسے إنَّ زَيْدًا فِي الدَّارِ۔ اس میں آپ خبر کو مقدم بھی کر سکتے ہیں: إنَّ فِي الدَّارِ زَيْدًا۔ اور اگر إنَّ کا اسم نکرہ ہو اور خبر ظرف ہے تو پھر خبر کو مقدم کرنا واجب ہے بھئی۔ جیسے إنَّ کا اسم رَجُلٌ کو بنائیں اور فِي الدَّارِ اس کی خبر بنائیں تو کیسے کہیں گے؟ إنَّ فِي الدَّارِ رَجُلًا بھئی، یہاں رَجُلٌ کو مؤخر کرنا واجب ہے۔ معلوم ہوا کہ إنَّ کی خبر وہ مبتدا کی خبر کی طرح ہوتی ہے سوائے تقدیم میں، تقدیم کے اندر مبتدا کی خبر میں تو تقدیم جائز ہوتی ہے، إنَّ کی خبر میں تقدیم جائز نہیں، إلَّا یہ کہ إنَّ کی خبر ظرف ہو، جب ظرف ہو پھر یہ مبتدا کی خبر کی طرح ہے، جیسے مبتدا کی خبر اگر مبتدا خود معرفہ ہو اور اس کی خبر ظرف ہو تو خبر کو مبتدا پر مقدم کرنا جائز، اور اگر مبتدا نکرہ ہو تو خبر کو اس پر مقدم کرنا واجب، اسی طرح إنَّ کے اندر بھی ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟

اب دیکھیے شرح کے ساتھ بھئی۔ کہتے ہیں بھئی: وَأَمْرُهُ كَأَمْرِ خَبَرِ الْمُبْتَدَإِ أَيْ حُكْمُهُ كَحُكْمِ خَبَرِ الْمُبْتَدَإِ۔ امر کا معنیٰ کر رہے ہیں کہ متن میں تو آیا أَمْرُهُ بھئی، اس امر کا کیا معنیٰ؟ صاحبِ جامی فرما رہے ہیں امر کا معنیٰ حکم، امر یہاں حکم کے معنیٰ میں ہے۔ أَيْ حُكْمُهُ یعنی إنَّ کی خبر کا حکم جو ہے كَحُكْمِ خَبَرِ الْمُبْتَدَإِ وہ مبتدا کی خبر کے حکم کی طرح ہے۔ بھئی کس چیز میں إنَّ کی خبر کا حکم مبتدا کی خبر کی طرح ہے؟ تو اب آپ کو بتلائیں گے، تین چیزیں بتلائیں گے۔ آگے آ رہا ہے: فِي أَقْسَامِهِ، اقسام کے اندر بھی اسی کی طرح ہے، جیسے مبتدا کی خبر میں جو جو قسمیں آتی تھیں وہی قسمیں کس میں آئیں گی؟ إنَّ کی خبر میں بھی۔ آگے چند لفظوں کے بعد آ رہا ہے: وَفِي أَحْكَامِهِ، احکام کے اندر بھی إنَّ کی خبر مبتدا کی خبر کی طرح ہے، یعنی مبتدا کی خبر کے جو احکام تھے وہی احکام إنَّ کی خبر کے بھی ہیں۔ اور پھر چند لفظوں کے بعد آگے آ رہا ہے: وَفِي شَرَائِطِهِ، اور شرائط کے اندر بھی إنَّ کی خبر مبتدا کی خبر کی طرح ہے، یعنی مبتدا کی خبر کے اندر جو شرائط تھیں وہی شرائط إنَّ کی خبر میں بھی ہیں۔ تو إنَّ کی خبر مبتدا کی خبر کی طرح ہے کتنی چیزوں میں؟ تین چیزوں میں: اقسام کے اندر، احکام کے اندر اور شرائط کے اندر۔ اب اقسام سے کیا مراد ہے، احکام سے کیا مراد ہے، شرائط سے کیا مراد ہے وہ بھی صاحبِ جامی ساتھ ذکر کریں گے بھئی۔

تو کہتے ہیں: أَيْ حُكْمُهُ كَحُكْمِ خَبَرِ الْمُبْتَدَإِ، إنَّ کی خبر جو ہے اس کا حکم مبتدا کی خبر کے حکم کی طرح ہے فِي أَقْسَامِهِ اس کی اقسام میں۔ بھئی اس کی اقسام میں کیا معنیٰ؟ مِنْ کے ساتھ بیان کر رہے ہیں: مِنْ كَوْنِهِ مُفْرَدًا وَجُمْلَةً وَنَكِرَةً وَمَعْرِفَةً، یعنی اس کا مفرد اور جملہ ہونا، وَنَكِرَةً وَمَعْرِفَةً اور نکرہ اور معرفہ ہونا۔ جیسے بھئی مبتدا کی خبر کبھی مفرد ہوتی ہے کبھی جملہ، اسی طرح إنَّ میں بھی ہو گا۔ اور جیسے مبتدا کی خبر کبھی نکرہ ہوتی ہے اور کبھی معرفہ، اسی طرح إنَّ کے اندر بھی ہو گا۔ فِي أَقْسَامِهِ

کی ھَا ضمیر مبتدا کی خبر کو راجع کریں۔ إنَّ کی خبر مبتدا کی خبر کی طرح ہے فِي أَقْسَامِهِ اس کی اقسام کے اندر، مِنْ كَوْنِهِ مُفْرَدًا وَجُمْلَةً وَنَكِرَةً وَمَعْرِفَةً یعنی اس کا مفرد اور جملہ ہونا اور نکرہ اور معرفہ ہونا، تو اس کے اندر إنَّ کی خبر مبتدا کی خبر کی اقسام کی طرح ہے۔

وَفِي أَحْكَامِهِ، اور اس کے احکام کے اندر بھی إنَّ کی خبر اسی کی طرح ہے۔ آگے مِنْ کے ذریعے بیان کر رہے ہیں بھئی احکام سے کیا مراد ہے؟ کہتے ہیں: مِنْ كَوْنِهِ وَاحِدًا وَمُتَعَدِّدًا، یعنی اس کا واحد اور متعدد ہونا، جیسے مبتدا کی خبر کبھی ایک آتی ہے اور کبھی ایک سے زیادہ خبریں آتی ہیں، اسی طرح إنَّ کی خبر میں بھی ہے۔ وَمُثْبَتًا وَمَحْذُوفًا، یہاں مُثْبَت کا معنیٰ مذکور کے ہے، آگے مَحْذُوف کا لفظ آرہا ہے۔ سمجھ میں آئی بات؟ بھئی ایک مثبت منفی کے مقابلے میں آتا ہے، ایک کلامِ مثبت ہوتا ہے ایک کلامِ منفی جس کے اندر نفی ذکر ہو اس کو کلامِ منفی کہتے ہیں۔ تو یہاں یہ مُثْبَت سے مراد وہ کلام نہیں ہے جس کے اندر اثبات ہو بلکہ مُثْبَت سے کیا معنیٰ؟ یعنی خبر کو کبھی ثابت کیا جاتا ہے یعنی لفظوں میں ذکر کیا جاتا ہے، وَمَحْذُوفًا اور کبھی حذف کیا جاتا ہے، وہ محذوف ہوتی ہے خبر، تو اس کے اندر بھی إنَّ کی خبر مبتدا کی خبر کی طرح ہے۔ وَفِي شَرَائِطِهِ، اور شرائط کے اندر بھی، مِنْ أَنَّهُ إِذَا كَانَ جُمْلَةً یعنی کہ، شرائط سے کیا مراد ہے مِنْ سے بیان کر رہے ہیں: مِنْ أَنَّهُ إِذَا كَانَ جُمْلَةً یعنی کہ مبتدا کی خبر جب جملہ ہو فَلَا بُدَّ مِنْ عَائِدٍ تو اس کے اندر عائد کا ہونا ضروری ہوتا ہے، وَلَا يُحْذَفُ إِلَّا إِذَا عُلِمَ اور اس عائد کو حذف نہیں کیا جاتا مگر اس وقت جب وہ معلوم ہو، یعنی اس پر قرینہ وغیرہ قائم ہو، اس کا پتہ ہو پھر ہی حذف کیا جاتا ہے۔ تو یہی ساری اقسام، احکام اور شرائط إنَّ کی خبر میں بھی ہیں بھئی۔

وَالْمُرَادُ أَنَّ أَمْرَهُ كَأَمْرِهِ بَعْدَ، جی یہاں سے ایک اعتراض کا جواب دے رہے ہیں۔ اعتراض یہ کہ آپ نے ہمیں کیا بتایا کہ إنَّ کی خبر مبتدا کی خبر کی طرح ہے تمام چیزوں کے اندر، لیکن ہم آپ کو دکھاتے ہیں کہ بعض چیزیں وہ مبتدا کی خبر تو بن سکتی ہیں، إنَّ کی خبر نہیں بن سکتیں، جیسے أَيْنَ زَيْدٌ، زید کہاں ہے؟ اس میں دیکھو أَيْنَ یہ ظرف ہے بھئی، یہ خبرِ مقدم ہے، اس کے لیے ثَابِتٌ نکالیں گے۔ آپ نے پڑھا تھا کہ کبھی کبھار خبر ایسے معنیٰ پر مشتمل ہوتی ہے جو صدارتِ کلام کو چاہتا ہے، أَيْنَ کے اندر دیکھو استفہام والا معنیٰ ہے تو یہ خبرِ مقدم ہے اور زَيْدٌ مبتدا مؤخر ہے۔ ترکیب کیسے ہوگی؟ أَيْنَ کیا بنے گا؟ أَيْنَ منصوب مَحَلًّا، یہ مبنی ہے، اور یہ مفعول فیہ ہے ثَابِتٌ کے لیے، اور ثَابِتٌ صیغہ اسمِ فاعل اس کے اندر هُوَ ضمیر فاعل جو کس کو راجع؟ مبتدا کو راجع، کیونکہ یہ خبرِ مقدم ہے، اور زَيْدٌ مبتدا مؤخر بھئی۔ مبتدا اپنی خبر سے مل کر جملہ اسمیہ انشائیہ ہوا کیونکہ استفہام ہے۔ اسی طرح دوسرا جملہ دیکھ لیجیے: مَنْ أَبُوكَ۔ مَنْ أَبُوكَ، امام سیبویہ کے نزدیک تو ترکیب کیا ہے؟ مَنْ ہے مبتدا اور أَبُوكَ یہ مضاف مضاف الیہ مل کر یہ خبر ہے۔ امام سیبویہ کے نزدیک اور اسی طرح صاحبِ کافیہ کے نزدیک جو ہے مقامِ استفہام کے اندر نکرہ مبتدا بن سکتا ہے، تو یہ مَنْ نکرہ ہے لیکن چونکہ مقامِ استفہام میں ہے اس لیے یہ ہے مبتدا اور أَبُوكَ

معرفہ جو ہے وہ اس کی خبر ہے۔ جبکہ عام نحوی حضرات فرماتے ہیں کہ نہیں، مَنْ جو ہے وہ خبرِ مقدم ہے اور أَبُوكَ یہ معرفہ ہے یہ بتدا مؤخر ہے، کیونکہ آپ کے پاس دو اسم ہوں ایک معرفہ ہو ایک نکرہ ہو تو معرفہ کو بتدا بنائیں گے اور نکرہ کو خبر بنائیں گے، تو یہ مَنْ خبرِ مقدم ہے اور اس کو اس لیے مقدم کیا گیا کیونکہ یہ استفہام کے معنیٰ پر مشتمل ہے۔

تو دیکھو، ایک جملہ ہے أَيْنَ زَيْدٌ، اس کے اندر أَيْنَ جو ہے یہ خبرِ مقدم ہے، اور دوسرا جملہ ہے مَنْ أَبُوكَ، اس کے اندر مَنْ جو ہے یہ خبرِ مقدم ہے۔ تو آپ نے ہمیں کیا کہا؟ کہ إنَّ کی خبر وہ بتدا کی خبر کی طرح ہے تمام چیزوں میں، تو اس کا معنیٰ تو یہ ہے کہ جو چیزیں بتدا کی خبر بن سکتی ہیں وہ إنَّ کی خبر بھی بن سکتی ہیں، لیکن یہاں پر یہ جو مَنْ اور أَيْنَ ہیں یہ إنَّ کی خبر نہیں بن سکتے۔ لہٰذا آپ یوں نہیں کہہ سکتے: إنَّ أَيْنَ زَيْدٌ، اور اسی طرح آپ یہ بھی نہیں کہہ سکتے: إنَّ مَنْ أَبَاكَ۔ آپ یوں نہیں کہہ سکتے۔ یہ جو بتدا کی خبریں ہیں جو استفہام کے معنیٰ پر مشتمل ہیں، آپ ان کو إنَّ کی خبر نہیں بنا سکتے۔ وجہ یہ کہ إنَّ بھی صدارتِ کلام کو چاہتا ہے اور یہ جو مَنْ اور أَيْنَ خبریں ہیں یہ بھی کیا چاہتی ہیں؟ صدارتِ کلام کو چاہتی ہیں، لہٰذا یہ دونوں اکٹھے نہیں ہو سکتے کیونکہ ایک کو آپ مقدم کریں گے تو دوسرے کی صدارت فوت ہو جائے گی۔ اسی طرح إنَّ یقین اور تاکید کے لیے آتا ہے اور جبکہ استفہام وہ تو تردد پہ دلالت کر رہا ہے۔ إنَّ سے پتہ چلے گا کہ ایک چیز میں یقین ہے اور یہ استفہام سے کیا پتہ چلے گا؟ کہ اس کو تردد ہے، اسے بات کا پتہ ہی نہیں ہے بھئی۔ تو لہٰذا چونکہ معنیٰ کے اعتبار سے بھی ان میں تضاد ہے لہٰذا یہ جمع نہیں ہو سکتے۔ بات سمجھ میں آگئی؟

تو آپ نے تو ہمیں کیا کہا؟ کہ إنَّ کی خبر وہ بتدا کی خبر کی طرح ہے، لیکن ان مثالوں میں آپ نے دیکھ لیا کہ یہ أَيْنَ اور مَنْ جو ہیں بتدا کی خبر تو بن سکتے ہیں لیکن إنَّ کی خبر نہیں بن سکتے، تو اس کا جواب دیں گے صاحبِ جامی کہ بھئی إنَّ کی خبر، إنَّ کی خبر بتدا کی خبر کی طرح ہے اس سے مراد یہ ہے کہ جب کوئی مانع بھی نہ ہو اور تمام شرائط بھی پوری ہوں، یعنی ایک چیز کا إنَّ کی خبر بننا صحیح ہو تو پھر اس کے بعد ہی یہ بتدا کی خبر کی طرح ہے تمام چیزوں میں، جب مانع بھی کوئی نہ ہو اور شرائط بھی پوری ہوں اس کے بعد ہی ایک چیز کا إنَّ کی خبر بننا صحیح ہو گا۔ تو شرائط پوری ہونے کے ساتھ ساتھ کوئی مانع بھی نہ ہو پھر ہی ایک چیز کا إنَّ کی خبر ہونا صحیح ہو گا اور اس کے بعد ہم کہیں گے کہ یہ خبر بتدا کی خبر کی طرح ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ یہی بات بیان کر رہے ہیں دیکھیے بھئی۔ کہتے ہیں: وَالْمُرَادُ أَنَّ أَمْرَهُ كَأَمْرِهِ، اور مراد یہ ہے کہ إنَّ کی خبر کا حکم بتدا کی خبر کے حکم کی طرح ہے، کب؟ بَعْدَ أَنْ يَصِحَّ كَوْنُهُ خَبَرًا بعد اس کے کہ اس کا خبر ہونا صحیح ہو بھئی۔ یہ أَيْنَ اور مَنْ کا تو إنَّ کی خبر ہونا ہی صحیح نہیں ہے، اس کا خبر ہونا پہلے صحیح ہو جائے پھر اس خبر کا معاملہ کس کی طرح ہے؟ بتدا کی خبر کی طرح ہے۔ اور صحیح ہونا کب ہو گا؟ جب شرائط بھی پوری ہوں اور جب کوئی مانع بھی نہ ہو۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو کہتے ہیں: وَالْمُرَادُ أَنَّ أَمْرَهُ كَأَمْرِهِ اور مراد یہ ہے کہ إنَّ کی خبر کا حکم جو ہے بتدا کی خبر کی طرح ہے، بَعْدَ أَنْ يَصِحَّ كَوْنُهُ خَبَرًا بعد اس کے کہ اس کا خبر ہونا صحیح

ہو جائے بِوُجُودِ شَرَائِطِهِ کہ اس کی شرائط جو ہیں وہ پائی جائیں وَانْتِفَاءِ مَوَانِعِهِ اور موانع بھی منتفی ہوں، موانع بھی موجود نہ ہوں بھئی۔ جب شرائط بھی پوری ہوں گی اور موانع بھی نہیں ہوں گے پھر اس چیز کا خبر ہونا صحیح ہو گا إنَّ کے لیے، تو پھر اس کے بعد اب اس کا معاملہ کس کی طرح ہے؟ مبتدا کی خبر کے معاملے کی طرح ہے بھئی۔ تو کہتے ہیں: وَلَا يَلْزَمُ مِنْ ذٰلِكَ، اور اس سے یہ لازم نہیں آتا، یہ جو انہوں نے متن میں کہا کہ إنَّ کی خبر مبتدا کی خبر کی طرح ہے، اس سے وَلَا يَلْزَمُ مِنْ ذٰلِكَ اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ أَنَّ كُلَّ مَا يَصِحُّ أَنْ يَكُونَ خَبَرًا لِلْمُبْتَدَإِ يَصِحُّ أَنْ يَقَعَ خَبَرًا لِبَابِ إِنَّ، کہ ہر وہ چیز کہ جس کا مبتدا کے لیے خبر ہونا صحیح ہو اس کا إنَّ کے باب کے لیے خبر ہونا بھی صحیح ہو گا۔ توجہ ہے؟ بھئی کہنا یہ چاہتے ہیں انہوں نے متن میں کیا کہا: إنَّ کی خبر کا حکم مبتدا کی خبر کے حکم کی طرح ہے، تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ جو چیز بھی مبتدا کی خبر بن سکتی ہے وہ إنَّ کی بھی خبر بن سکتی ہے۔ نہیں نہیں، بلکہ اس کا معنیٰ یہ ہے کہ جب ایک چیز کا إنَّ کی خبر ہونا صحیح ہو بھئی، یعنی اس خبر بننے کے لیے جو شرائط ہیں وہ بھی پوری ہوں اور کوئی مانع بھی نہ ہو، تو پھر اس چیز کا إنَّ کی خبر ہونا صحیح ہو گا۔ اب جب اس کا خبر ہونا صحیح ہو گیا تو اس کا حکم کس کی طرح ہے؟ مبتدا کی خبر کی طرح ہے بھئی۔

تو کہتے ہیں: وَلَا يَلْزَمُ مِنْ ذٰلِكَ أَنَّ كُلَّ مَا يَصِحُّ أَنْ يَكُونَ خَبَرًا لِلْمُبْتَدَإِ يَصِحُّ أَنْ يَقَعَ خَبَرًا لِبَابِ إِنَّ، اور اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ ہر وہ چیز جس کا مبتدا کے لیے خبر ہونا صحیح ہو اس کا بابِ إنَّ کے لیے خبر ہونا بھی صحیح ہو، حَتّٰى يَرِدَ یہاں تک کہ پھر یہ اعتراض وارد ہوتا کہ أَنَّهُ يَجُوزُ أَنْ يُقَالَ أَيْنَ زَيْدٌ وَمَنْ أَبُوكَ کہ یہ تو جائز ہے کہ یوں کہا جائے أَيْنَ زَيْدٌ وَمَنْ أَبُوكَ، یعنی أَيْنَ اور مَنْ کو مبتدا کے لیے خبر بنانا تو صحیح ہے، وَلَا يَجُوزُ أَنْ يُقَالَ اور یہ جائز نہیں ہے کہ یوں کہا جائے: إِنَّ أَيْنَ زَيْدًا، یوں کہنا جائز نہیں، وَإِنَّ مَنْ أَبَاكَ، یوں کہنا بھی جائز نہیں۔ اشکال سمجھ میں آیا؟ کیا اشکال ہوا؟ کہ انہوں نے کیا کہا: إنَّ کی خبر کا حکم مبتدا کی خبر کی طرح ہے؟ کہتے ہیں اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ جو بھی مبتدا کی خبر بنے اس کا إنَّ کی خبر بننا بھی صحیح ہو جائے، اس سے یہ لازم نہیں آتا اور حتیٰ کہ پھر اس کی وجہ سے یہ اعتراض بھی لازم آئے کہ أَيْنَ اور مَنْ مبتدا کے لیے تو خبر بن سکتے ہیں لیکن إنَّ کے لیے خبر نہیں بن سکتے، کیونکہ اس سے یہ مراد نہیں ہے بلکہ اس سے کیا مراد ہے؟ کہ جب ایک چیز کا إنَّ کی خبر ہونا تو صحیح ثابت ہو جائے، اور وہ کب ہو گا؟ جب شرائط بھی پوری ہوں إنَّ کی خبر بننے کے لیے جو جو شرطیں ہیں، اور نیز کوئی مانع بھی نہ ہو بھئی۔

اچھا بھئی، تو اب یہ ترکیب کیسے ہو گی: إِنَّ أَيْنَ زَيْدًا؟ جی، إِنَّ أَيْنَ زَيْدًا اس کی کیا ترکیب ہو گی؟ جی؟ ہاں شاباش بھئی، یہ میں نے آپ کو پہلے بتایا تھا کہ عربی زبان کے اعتبار سے انہوں نے بتا دیا کہ یہ کہنا جائز نہیں، یعنی عربی زبان کے اعتبار سے یوں کہنا جائز نہیں، یہ جملہ غلط ہے۔ جب جملہ عربی زبان کے اعتبار سے ٹھیک ہی نہیں ہے تو اس کی ترکیب بھی نہیں کی جائے گی بھئی، کیونکہ وہ عربی اعتبار سے درست ہی نہیں ہے۔

إِلَّا فِي تَقْدِيمِهِ، مگر اس خبر کی تقدیم کے اندر، أَيْ لَيْسَ أَمْرُهُ كَأَمْرِ خَبَرِ الْمُبْتَدَإِ فِي تَقْدِيمِهِ، یعنی إنَّ کی خبر جو ہے اس کا حکم

مبتدا کے خبر کے حکم کی طرح نہیں ہے فِي تَقْدِيمِهِ کس میں؟ اپنی تقدیم کے اندر بھئی۔ فَإِنَّهُ لَا يَجُوزُ تَقْدِيمُهُ عَلَى الِاسْمِ، اس لیے کیونکہ جائز نہیں ہے کہ إنَّ کی خبر کو مقدم کیا جائے إنَّ کے اسم پر، وَقَدْ جَازَ تَقْدِيمُ الْخَبَرِ عَلَى الْمُبْتَدَإِ، اور تحقیق خبر کو مقدم کرنا مبتدا پر یہ تو جائز ہے۔ إنَّ کی خبر کو تو إنَّ کے اسم پر مقدم کرنا جائز نہیں لیکن مبتدا کی خبر کو مبتدا پر مقدم کرنا جائز ہے۔

وَذٰلِكَ لِأَنَّ، اور یہ اس وجہ سے... اب وجہ ذکر کر رہے ہیں۔ اب وجہ ذکر کریں گے، وجہ پہلے سمجھ لو۔ بھئی دیکھیے بھئی، بھئی یہ جو إنَّ کی خبر کی بات جہاں شروع ہوئی تھی وہاں انہوں نے آپ کو بتلایا تھا کہ یہ جو إنَّ ہے، یہ جو حروفِ مشبہ بالفعل ہیں، ان کی مشابہت ہے فعل کے ساتھ اس لیے ان کو حروفِ مشبہ بالفعل کہتے ہیں۔ اور یہ مشابہ ہیں فعلِ متعدی کے، جیسے فعلِ متعدی اپنے فاعل کو رفع دیتا ہے اور اپنے مفعول کو نصب، اسی طرح یہ حروفِ مشبہ بالفعل بھی ایک اسم کو نصب دیتے ہیں اور ایک اسم کو رفع دیتے ہیں، تو یہ ان کے مشابہ ہیں۔ اور یہ جو فعل کا عمل ہے اپنے فاعل میں اور مفعول میں، ایک عملِ اصلی ہے اور ایک عملِ فرعی ہے۔ اس فعلِ متعدی کا عملِ اصلی کیا؟ کہ پہلے فاعل آنا چاہیے، فعل کے فوراً بعد فاعل کا درجہ ہے، یہ پہلے بیان کر چکے ہیں جہاں فاعل کے بارے میں بات آئی تھی کہ فاعل کے اندر اصل یہ ہے کہ فعل کے ساتھ ملا ہوا ہو بھئی۔ تو لہٰذا اس فعلِ متعدی کا عملِ اصلی کیا؟ کہ اس کے بعد فاعل آئے پھر مفعول آئے، یعنی پہلے مرفوع آئے اور پھر منصوب آئے۔ یہ ہے اس فعلِ متعدی کا عملِ اصلی۔ اور ایک اس کا عملِ فرعی ہے، عملِ فرعی کیا؟ کہ یہ فاعل اور مفعول کی جگہ بدل دیں، مفعول کو پہلے لے آئیں اور فاعل کو بعد میں لے جائیں، تو اس صورت میں دیکھو فعل کے بعد پہلے منصوب آئے گا یعنی مفعول بہ، اور اس کے بعد فاعل یعنی مرفوع آئے گا۔

تو یہ حروفِ مشبہ بالفعل کی مشابہت کس کے ساتھ؟ فعلِ متعدی کے ساتھ۔ اور فعلِ متعدی کا ایک عملِ اصلی ہے ایک عملِ فرعی ہے۔ عملِ اصلی کیا کہ اس کے فوراً بعد فاعل آئے پھر مفعول آنا چاہیے، یعنی پہلے مرفوع آنا چاہیے پھر منصوب آنا چاہیے۔ اور عملِ فرعی کیا ہے؟ کہ پہلے مفعول آجائے اور اس کے بعد فاعل آجائے، بھئی کیونکہ فعل ہے، فعل سب سے قوی عامل ہے، اس میں اگر آپ ترتیب بدل بھی دیں گے فاعل کو بعد میں لے آئیں اور مفعول کو پہلے لے آئیں پھر بھی یہ فعل اسی طرح عمل کرے گا، بلکہ مفعول کو فعل پر مقدم کر دیں پھر بھی یہ فعل اپنے مفعول کے اندر عمل کرتا ہے اور اس کو نصب دیتا ہے کیونکہ فعل قوی عامل ہے۔ تو فعل کا عملِ اصلی کیا؟ کہ پہلے مرفوع آئے پھر منصوب، اور فعل کا عملِ فرعی کیا؟ کہ پہلے منصوب آئے اور اس کے بعد؟ اس کے بعد فاعل یعنی مرفوع آئے۔ تو ان حروف کی مشابہت تھی فعلِ متعدی کے ساتھ، تو لہٰذا ان کو فعل کا عمل دے دیا گیا۔ اور چونکہ یہ فعل کی فرع ہیں لہٰذا ان کو فعل کا فرعی عمل دیا گیا، تو ان کے اندر بھی ان کا اسم جو منصوب ہے وہ مقدم ہوتا ہے اور خبر جو مرفوع ہوتی ہے وہ مؤخر ہوتی ہے۔ یعنی یہ بھی ایک اسم کو نصب دیتے ہیں اور ایک اسم کو رفع۔ توجہ ہے؟ تو اگر، اگر إنَّ کی خبر کو إنَّ کے اسم پر مقدم کرنا جائز ہو جائے تو پھر تو یہ بالکل فعل کی طرح ہو گئے بھئی۔ فعل کا عملِ اصلی کیا؟ پہلے مرفوع پھر منصوب، اور عملِ فرعی کیا؟ پہلے

منصوب پھر مرفوع۔ تو اگر یہ حروفِ مشبہ بالفعل جو ہیں ان کے اندر بھی اسی طرح جائز ہو جائے کہ خبر کو إنَّ کے اسم پر مقدم کر دیں گے، تو ان کو تو فعل کا عملِ اصلی بھی مل جائے گا اور فعل کا عملِ فرعی دونوں ان کو حاصل ہو جائیں گے، حالانکہ ان کا درجہ تو فعل سے کم ہے بھئی۔ لہٰذا اس لیے یہاں پر خبر کو مقدم کرنا جائز نہیں ہے ورنہ تو یہ فعل کے برابر ہو جائیں گے بھئی۔ بات سمجھ میں آگئی؟ دیکھیے بھئی کتاب پر اب صاحبِ جامی ذرا اور بہتر الفاظ میں اسی کو بیان کریں گے۔

کہتے ہیں: وَذٰلِكَ لِأَنَّ هٰذِهِ الْحُرُوفَ فُرُوعٌ عَلَى الْفِعْلِ، اس لیے کیونکہ یہ جو حروف ہیں یعنی حروفِ مشبہ بالفعل، فُرُوعٌ عَلَى الْفِعْلِ أَيْ فُرُوعٌ لِلْفِعْلِ، یہ عَلَى کس معنیٰ میں ہے؟ لام کے معنیٰ میں ہے، کہ یہ جو حروفِ مشبہ بالفعل ہیں یہ فعل کی فروع ہیں، فعل کی فرع ہیں، فعل اصل اور یہ اس کے مشابہ ہیں تو ان کو بھی وہی عمل دے دیا گیا، تو یہ فعل کی فروع ہیں بھئی، فِي الْعَمَلِ کس چیز میں؟ عمل کے اندر بھئی۔ فَأُرِيدَ أَنْ يَكُونَ عَمَلُهَا فَرْعِيًّا أَيْضًا، چونکہ یہ فعل کی فرع ہیں، توجہ ہے؟ بھئی ایک ہے فعل کا عملِ اصلی، عملِ اصلی، اور اس میں مرفوع مقدم ہوتا ہے اور منصوب مؤخر۔ اور ایک ہے فعل کا عملِ فرعی، اس میں منصوب مقدم ہوتا ہے اور مرفوع مؤخر ہوتا ہے۔ تو چونکہ یہ فعل کی فرع ہیں لہٰذا ان کو فعل کا فرعی عمل دیا گیا، تو ان کے اندر بھی ان کا اسم جو منصوب ہے وہ مقدم ہوتا ہے اور خبر جو مرفوع ہوتی ہے وہ مؤخر ہوتی ہے۔

تو کہتے ہیں یہ حروف فعل کی فروع ہیں عمل کے اندر، فَأُرِيدَ أَنْ يَكُونَ عَمَلُهَا فَرْعِيًّا أَيْضًا، تو ارادہ کیا گیا کہ ان کا عمل جو ہے وہ بھی فرعی ہو۔ وَالْعَمَلُ الْفَرْعِيُّ لِلْفِعْلِ أَنْ يَتَقَدَّمَ الْمَنْصُوبُ عَلَى الْمَرْفُوعِ، اور فعل کا عملِ فرعی یہ ہے کہ منصوب مقدم ہو جائے مرفوع پر، یعنی منصوب پہلے آئے اور مرفوع بعد میں، یہ فعل کا عملِ فرعی ہے۔ وَالْأَصْلِيُّ أَنْ يَتَقَدَّمَ الْمَرْفُوعُ عَلَى الْمَنْصُوبِ، اور فعل کا عملِ اصلی یہ ہے کہ مرفوع مقدم ہو جائے منصوب پر۔ فَلَمَّا أُعْمِلَتِ الْعَمَلَ الْفَرْعِيَّ، تو جب ان کو عملِ فرعی دے دیا گیا، تو لَمْ يُتَصَرَّفْ فِي مَعْمُولَيْهَا، تو پھر تصرف نہ کیا گیا اس کے دونوں معمولوں میں، یعنی اس میں کوئی تبدیلی نہیں کی گئی، بِتَقْدِيمِ ثَانِيهِمَا عَلَى الْأَوَّلِ، بایں صورت کہ ثانی کو مقدم کر دیا جائے اول پر۔ جب ان کو فعل کا عملِ فرعی دے دیا گیا تو پھر اس کے دو معمولوں میں کوئی تصرف نہیں کیا گیا کہ ثانی یعنی مرفوع کو مقدم کر دیا جائے اول یعنی منصوب پر، یہ تصرف ان کے اندر نہیں کیا گیا۔ كَمَا يُتَصَرَّفُ فِي مَعْمُولَيِ الْفِعْلِ، جیسے کہ تصرف کیا جاتا ہے فعل کے دو معمولوں میں۔ فعل کے دو معمولوں کے اندر تو تصرف کیا جاتا ہے، اول کو ثانی پہ لے گئے اور ثانی کو اول کی جگہ لے آئے، دونوں طرح جائز ہے، لیکن ان کے اندر یہ تصرف نہیں کیا گیا بھئی، لِنُقْصَانِهَا عَنْ دَرَجَةِ الْفِعْلِ، اس وجہ سے کہ ان کا درجہ فعل سے کم ہے۔ لِنُقْصَان، نقصان کہتے ہیں کمی کو، کمی۔ لِنُقْصَانِهَا، اس وجہ سے کہ ان میں کمی ہے عَنْ دَرَجَةِ الْفِعْلِ، فعل کے درجے سے، یعنی ان کا درجہ فعل سے کم ہے بھئی، ورنہ تو یہ فعل کے برابر ہو جائیں گے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ پھر ذرا ایک دفعہ ترجمہ دیکھ لیں۔ کہتے ہیں: فَلَمَّا أُعْمِلَتِ الْعَمَلَ الْفَرْعِيَّ، جب ان حروف کو عملِ فرعی دے دیا گیا تو لَمْ يُتَصَرَّفْ فِي مَعْمُولَيْهَا، تو پھر ان کے جو دو معمول ہیں یعنی ان کا اسم اور خبر، ان میں کوئی تصرف نہیں کیا گیا۔ با، آگے با تصویر یہ ہے، صورت بتا رہے

ہیں کہ کس طرح تصرف کیا جائے۔ کہتے ہیں: بِتَقْدِيمِ ثَانِيهِمَا عَلَى الْأَوَّلِ، بایں صورت کہ ثانی جو ہے ان دونوں میں سے اس کو مقدم کر دیا جائے اول پر، یہ تصرف ان میں نہیں کیا گیا۔ كَمَا يُتَصَرَّفُ فِي مَعْمُولَيِ الْفِعْلِ، جیسے کہ یہ تصرف کیا جاتا ہے فعل کے دو معمولوں میں۔ مَعْمُولَيِ الْفِعْلِ، اصل میں کیا تھا؟ مَعْمُولَيْنِ، فعل کے دو معمول، پھر نون اضافت کی وجہ سے گر گیا بھئی۔ تو كَمَا يُتَصَرَّفُ فِي مَعْمُولَيِ الْفِعْلِ، جیسے کہ تصرف کیا جاتا ہے فعل کے دو معمولوں میں، ان میں تصرف نہیں کیا گیا۔ کیوں نہیں کیا گیا؟ لِنُقْصَانِهَا عَنْ دَرَجَةِ الْفِعْلِ، فعل کے درجے سے ناقص ہونے کی وجہ سے کہ ان کا درجہ فعل سے کم ہے بھئی۔

إِلَّا أَنْ يَكُونَ الْخَبَرُ ظَرْفًا، مگر یہ کہ یہ حروفِ مشبہ بالفعل کی خبر ظرف ہو، اس وقت پھر وہ مبتدا کی خبر کی طرح ہے، یعنی مبتدا کی خبر اگر ظرف ہو اور مبتدا خود معرفہ ہو تو خبر کو مقدم کرنا جائز، اور اگر مبتدا نکرہ ہو اور خبر ظرف ہو تو خبر کو مقدم کرنا واجب، تو یہاں بھی اسی طرح ہے۔ تو کہتے ہیں: إِلَّا أَنْ يَكُونَ الْخَبَرُ ظَرْفًا، مگر یہ کہ خبر ظرف ہو۔ بھئی میں نے آپ کو بتلایا یہ کس چیز سے استثناء ہے؟ یہ مفہومِ کلام سے۔ اور مفہومِ کلام کیا نکلا تھا؟ بھئی دیکھیے نا دوبارہ دیکھیں: إِنَّ کی خبر مبتدا کی خبر کی طرح ہے، إِلَّا فِي تَقْدِيمِهِ، مگر تقدیم کے اندر اس کی طرح نہیں ہے۔ معلوم ہوا إِنَّ کی خبر مبتدا کی خبر کی طرح نہیں ہے کس چیز میں؟ تقدیم میں، اس سے استثناء ہے، یعنی کلامِ منفی سے استثناء ہے، کس سے؟ منفی سے استثناء ہے، وہی اب صاحبِ جامی بھی ذکر کر رہے ہیں۔ أَيْ لَيْسَ أَمْرُهُ كَأَمْرِ خَبَرِ الْمُبْتَدَإِ فِي تَقْدِيمِهِ، یعنی إِنَّ کی خبر کا حکم جو ہے مبتدا کے خبر کے حکم کی طرح نہیں ہے فِي تَقْدِيمِهِ اس کی تقدیم کے اندر، إِلَّا إِذَا كَانَ ظَرْفًا مگر یہ کہ وہ خبر ظرف ہو۔ فَإِنَّ حُكْمَهُ إِذَنْ حُكْمَهُ فِي جَوَازِ التَّقْدِيمِ، اس لیے کیونکہ پھر جو ہے یہ إِنَّ کی خبر کا حکم إِذَنْ تب، اس وقت، جب خبر کیا ہو؟ ظرف ہو، فَإِنَّ حُكْمَهُ إِذَنْ پس إِنَّ کی خبر کا حکم جو ہے إِذَنْ اس وقت، یعنی جب وہ ظرف ہو، تو اس وقت إِنَّ کی خبر کا حکم حُكْمَهُ وہ مبتدا کی خبر کے حکم کی طرح ہے فِي جَوَازِ التَّقْدِيمِ تقدیم کے جائز ہونے میں، کب؟ إِذَا كَانَ الِاسْمُ مَعْرِفَةً جب ان کا اسم کیا ہو؟ معرفہ ہو، نَحْوُ قَوْلِهِ تَعَالَى: إِنَّ إِلَيْنَا إِيَابَهُمْ۔ إِنَّ إِلَيْنَا إِيَابَهُمْ، دیکھو إِنَّ حرف از حروفِ مشبہ بالفعل ہے، إِلَيْنَا جار مجرور آئے، اور میں نے آپ کو بتلایا تھا کہ یہ جار مجرور جب بھی کلام میں آئیں، یہ خبر تو بن سکتے ہیں یعنی مُسْنَد تو بن سکتے ہیں، مُسْنَد إِلَيْهِ نہیں بن سکتے، تو إِنَّ، كَانَ وغیرہ کے بعد جب بھی جار مجرور آجائیں وہ ہمیشہ خبرِ مقدم ہوں گے۔ تو یہاں پر بھی دیکھو یہ إِنَّ کے بعد جو إِلَيْنَا آیا یہ جار مجرور جو ہیں یہ خبرِ مقدم ہیں، اور إِيَابَهُمْ یہ مضاف مضاف الیہ مل کر إِنَّ کا اسم ہے۔ تو یہاں دیکھو خبر کو مقدم کیا گیا کیونکہ إِلَيْنَا وہ ظرف ہے، جار مجرور ہے، اور إِنَّ کا اسم إِيَابَهُمْ یہ معرفہ ہے بھئی، لہٰذا یہاں خبر کو مقدم کرنا جائز ہے، واجب نہیں ہے بھئی۔ جی، إِنَّ إِلَيْنَا إِيَابَهُمْ، یقیناً ہماری طرف ہی ان کا لوٹنا ہے، یقیناً یہ لوگ، یہ سب ہماری طرف ہی لوٹیں گے بھئی، قیامت کے دن سب کا حساب ہو گا بھئی۔

وَفِي وُجُوبِهِ، اور اسی طرح إنَّ کی خبر کا حکم اس وقت بتدا کی خبر کے حکم کی طرح ہے کس چیز میں؟ فِي وُجُوبِهِ تقدیم کے واجب ہونے میں، کب؟ إذَا كَانَ الِاسْمُ نَكِرَةً جب إنَّ کا اسم نکرہ ہو بھئی۔ عبارت بھی سمجھ میں آ رہی ہے کہ نہیں؟ جب إنَّ کی خبر ظرف ہو تو اس کا حکم بتدا کی خبر کی طرح ہے، کبھی اس کو مقدم کرنا جائز ہوتا ہے اور کبھی واجب، اسی طرح إنَّ میں بھی کبھی جائز ہو گا اور کبھی واجب۔ جائز کب ہو گا؟ جب إنَّ کا اسم معرفہ ہو، اور واجب کب ہو گا؟ جب إنَّ کا اسم نکرہ ہو بھئی۔ تو یہ معنیٰ ہے وَفِي وُجُوبِهِ۔ یہ فِي وُجُوبِهِ کا عطف ہے فِي جَوَازِ التَّقْدِيمِ پر، اور وُجُوبِهِ کی هَا ضمیر تقدیم کو راجع ہے، وَفِي وُجُوبِهِ۔ اور تقدیم کے واجب ہونے میں یہ بھی بتدا کی خبر کی طرح ہے إذَا كَانَ الِاسْمُ نَكِرَةً جب اس کا اسم نکرہ ہو، نَحْوَ: إنَّ مِنَ الْبَيَانِ لَسِحْرًا۔ إنَّ مِنَ الْبَيَانِ لَسِحْرًا، اس میں دیکھو إنَّ حرف از حروفِ مشبہ بالفعل ہے، مِنَ الْبَيَانِ یہ إنَّ کی خبرِ مقدم ہے کیونکہ جار مجرور ہے، ظرف ہے بھئی، اور لَسِحْرًا یہ إنَّ کا اسمِ مؤخر ہے، اس پر یہ جو لام آیا ہے یہ تاکید کے لیے ہے، اور إنَّ اپنے اسم کو نصب دیتا ہے تو سِحْرًا دیکھو یہ بھی منصوب ہے بھئی۔ اور یاد رکھو یہ حدیث ہے بھئی، یہ کیا ہے؟ حدیث ہے، یہ کچھ لوگ آئے تھے مشرکین اور پھر انہوں نے صحابہ سے کوئی بات وغیرہ کی، خطاب کیا، اور بڑی فصیح و بلیغ زبان تھی بھئی، بڑے فصیح و بلیغ الفاظ اور بڑے فصیح و بلیغ انداز میں انہوں نے خطاب کیا، حتیٰ کہ صحابہ بھی ان کے بیان پر حیرت کا اظہار کر رہے تھے کہ اتنا فصیح و بلیغ انہوں نے بیان کیا، کوئی باتیں کی ہوں گی صحابہ کے ساتھ بھئی، تو حضور علیہ السلام نے اس موقع پر فرمایا: إنَّ مِنَ الْبَيَانِ لَسِحْرًا، کہ بعض بیان جو ہوتے ہیں وہ جادو کی طرح اثر رکھتے ہیں بھئی، بعض بیان جادو کی طرح اثر رکھتے ہیں، انسان پر یعنی بڑا، انسان ان سے بڑا متاثر ہوتا ہے بھئی۔

سمجھ میں آیا؟ یہ زبان سب سے قیمتی چیز ہے بھئی، زبان بھئی۔ آپ آج کل بھی دیکھ لیں جس کے پاس زبان ہے تمام لوگ اس کے پیچھے ہیں، یہ فاسق و فاجر یہ ہمارے اوپر جو حکومت کر رہے ہیں یہ بھی اوپر وہی آتے ہیں جن کی زبان ہوتی ہے بھئی۔ تو زبان جس کو مل جائے بڑی نعمت ہے، لیکن اگر اسی کو شرارت کے لیے جب وہ استعمال کرتا ہے یہ اس کے لیے بہت نقصان دہ بن جاتی ہے بھئی اور اس کی آخرت تباہ کر دیتی ہے۔

تو کہتے ہیں: إنَّ مِنَ الْبَيَانِ لَسِحْرًا، یقیناً بعض بیان جو ہیں لَسِحْرًا وہ جادو کی طرح ہوتے ہیں، یعنی جادو کی طرح اثر رکھتے ہیں۔ اور دوسری مثال: وَإنَّ مِنَ الشِّعْرِ لَحِكْمَةً، اور یہ دوسری مثال کہ بعض شعر جو ہیں ان میں حکمت ہوتی ہے، یعنی بڑی دانائی کی باتیں اشعار کے اندر ہوتی ہیں۔ تو یہاں پر بھی دیکھو إنَّ کے بعد مِنَ الشِّعْرِ جار مجرور آیا اور اس کو مقدم کرنا واجب ہے، اس لیے کیونکہ آگے جو إنَّ کا اسم ہے لَحِكْمَةً وہ نکرہ ہے بھئی، اور اس پر بھی یہ لام تاکید کے لیے ہے، تو بعض شعر جو ہیں وہ بڑی حکمت والے ہوتے ہیں۔

إنَّ کی خبر کو ویسے مقدم کرنا جائز نہیں لیکن اگر وہ ظرف ہو تو وہ بتدا کی خبر کی طرح ہے، اس کو مقدم کیا جاتا ہے کبھی وجوباً اور کبھی جوازاً۔ اس کی وجہ کیا ہے؟ کہتے ہیں: وَذٰلِكَ، اور یہ اس وجہ سے، اس وجہ سے یعنی إنَّ کی خبر جب ظرف ہو تو وہ بتدا کی خبر کی طرح ہوتی ہے اس وجہ سے لِتَوَسُّعِهِمْ فِي الظُّرُوفِ، اس وجہ سے کہ نحوی جو ہیں وہ ظروف میں وسعت کرتے ہیں، ان میں کشادگی کرتے ہیں، مَا لَا يُتَوَسَّعُ فِي غَيْرِهَا، وہ وسعت جو کسی اور میں نہیں کی جاتی۔ نحوی حضرات ظروف میں ایسی وسعت کرتے ہیں کہ وہ وسعت کسی اور چیز میں نہیں کرتے بھئی۔ تو دیکھو یہاں پر بھی ظروف کے اندر وسعت ہے، إنَّ کی خبر کچھ اور ہو تو مقدم کرنا جائز ہی نہیں، اور إنَّ کی خبر ظرف ہو تو پھر اس کو مقدم کرنا جائز ہوتا ہے۔

بھئی وجہ کیا ہے ظروف کے اندر یہ وسعت کیوں کی جاتی ہے؟ وجہ یہ کہ اس کائنات میں اس عالم کے اندر جو کچھ بھی ہوتا ہے، کوئی بھی فعل ہوتا ہے، وہ کسی نہ کسی زمانے میں ہو گا اور کسی نہ کسی جگہ میں ہو گا۔ مثلاً آپ پڑھ رہے ہیں، دیکھو یہ کوئی نہ کوئی زمانہ ہے اور کوئی نہ کوئی جگہ ہے جہاں پر آپ پڑھ رہے ہیں۔ اسی طرح کوئی بھی فعل ہو گا اس کے لیے ہمیشہ جگہ بھی چاہیے اور زمانہ بھی چاہیے، اور جگہ اور زمانہ یہی تو ظرف ہیں۔ ظرف اصل میں برتن کو کہتے ہیں، جیسے برتن میں ایک چیز ڈالی جائے اور برتن اس چیز کو ہر طرف سے گھیر لیتا ہے، وہ چیز اس برتن کے اندر بند ہو جاتی ہے، اسی طرح یہ جو زمانہ ہے اس نے بھی ہر طرف سے ہمارا احاطہ کیا ہے، یعنی ہم جو کچھ بھی کرتے ہیں وہ کسی نہ کسی زمانے میں ہوتا ہے، اسی طرح یہ جگہ اس نے بھی ہمارا احاطہ کیا ہوا ہے ظرف کی طرح، ہم جو کچھ بھی کرتے ہیں وہ کسی نہ کسی جگہ میں ہو گا۔ تو معلوم ہوا اب کوئی بھی فعل کیا جائے وہ ہمیشہ کسی نہ کسی جگہ میں ہو گا اور کسی نہ کسی زمانے میں ہو گا، بلکہ اس کائنات میں جو چیز بھی موجود ہے وہ کسی نہ کسی جگہ ہے اور کسی نہ کسی زمانے کے اندر ہے بھئی۔ بات سمجھ میں آ گئی؟ تو معلوم ہوا یہ زمانے اور جگہ کا تعلق ہر چیز سے ہے، یعنی یوں کہو ظرف کا تعلق ہر چیز سے ہے، تو ظرف کی مثال محرم کی طرح ہوئی، ان کا ہر چیز سے چاہے کوئی چیز موجود ہے، چاہے کوئی فعل ہو رہا ہے یا ہوا ہے، ہر ایک کے ساتھ زمانے کا بھی تعلق اور جگہ کا بھی تعلق، تو ہر ایک سے جب ان کا تعلق ہے تو گویا ہر چیز سے ان کی رشتہ داری ہے، یعنی یہ محرم کی طرح ہیں، کس کی طرح ہیں؟ محرم کی طرح۔ اور آپ بھی جانتے ہیں کہ جب گھر کے اندر مہمان آئے تو مہمان کو گھر کے اندر آنے کی اجازت نہیں ہوتی، اس کو بیٹھک میں بٹھایا جاتا ہے، لیکن اگر کوئی محرم آتا ہے تو محرم کو گھر کے اندر جانے کی بھی اجازت ہوتی ہے، تو یہ ظروف کی مثال محارم کی طرح ہوئی اور جو باقی معمول ہیں وہ اجنبیوں کی طرح ہوئے بھئی۔ لہٰذا ان کے اندر ان چیزوں کی گنجائش ہے جن کی گنجائش اور چیزوں میں نہیں ہے۔ بات سمجھ میں آ گئی؟

تو اسی لیے کہا: وَذٰلِكَ لِتَوَسُّعِهِمْ فِي الظُّرُوفِ، اور یہ اس وجہ سے کہ نحوی جو ہیں ظروف کے اندر وہ وسعت کرتے ہیں،

وہ کشادگی اور گنجائش دیتے ہیں ظروف میں مَا لَا يُتَوَسَّعُ فِي غَيْرِهَا، جس کی گنجائش ان کے علاوہ میں نہیں ہوتی۔ بات سمجھ میں آگئی؟ حل ہو گیا سارا؟ چلیے بس بھئی، هٰذَا هُوَ الْمَرَامُ وَاللهُ أَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْكَلَامِ۔

سبق نمبر ۱۱۱: خبرِ لائے نفیِ جنس (۱): «خَبَرُ لَا الَّتِیْ لِنَفْیِ الْجِنْسِ» کی تعریف و عمل

شرحِ ملا جامی صفحہ: ۸۱ — بتاریخ: ۲۷ نومبر ۲۰۲۱ء

▪ تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث

دیکھیے بھائی آگے سبق: خَبَرُ لَا الَّتِيْ لِنَفْيِ الْجِنْسِ أَيْ لِنَفْيِ صِفَتِهِ إِذْ لَا رَجُلَ قَائِمٌ مَثَلًا لِنَفْيِ الْقِيَامِ عَنِ الرَّجُلِ لَا لِنَفْيِ الرَّجُلِ نَفْسِهِ. هُوَ الْمُسْنَدُ إِلٰى شَيْءٍ آخَرَ.

اچھا بھائی، گزشتہ سبق میں اِنَّ کی خبر کے بارے میں ہم پڑھ رہے تھے بھائی۔ اور صاحبِ کافیہ نے آپ کو بتلایا کہ اِنَّ کی خبر کا وہی حکم ہے جو مبتدا کی خبر کا ہے بھائی۔ یعنی اقسام کے اعتبار سے بھی، احکام کے اعتبار سے بھی اور شرائط کے اعتبار سے بھی۔ جو اقسام مبتدا کی خبر کی تھیں، یعنی کبھی وہ مفرد ہوتی ہے، کبھی جملہ، کبھی معرفہ ہوتی ہے، کبھی نکرہ، تو وہی اقسام اِنَّ کی خبر میں بھی جاری ہوں گی۔ اسی طرح احکام کے اندر بھی بھائی، احکام کے اندر کہ کبھی کبھار مبتدا کی خبر ایک آتی ہے، کبھی ایک سے زیادہ خبریں آجاتی ہیں۔ اسی طرح کبھی مبتدا کی خبر کو ذکر کرتے ہیں، کبھی حذف کرتے ہیں، تو اِنَّ کی خبر کا بھی یہی حکم ہے، وہ کبھی ایک خبر آئے گی، کبھی ایک سے زیادہ، کبھی اس کو ذکر کریں گے اور کبھی حذف کریں گے۔

اسی طرح جو شرائط تھیں مبتدا کی خبر کی، وہی شرائط اِنَّ کی خبر کی بھی ہیں۔ مثلاً مبتدا کی خبر جب جملہ ہوتی تھی تو اس کے اندر ایک عائد کا ہونا ضروری تھا، اسی طرح اِنَّ کی خبر جب جملہ ہو تو اس کے اندر بھی عائد کا ہونا ضروری۔ اور نیز وہ عائد بھائی، اگر وہ معلوم ہو، اس پر کوئی قرینہ موجود ہو تو پھر اس کو حذف کرنا جائز ہے، تو اسی طرح اِنَّ کی خبر کے اندر بھی وہ جو عائد ہے اس کو قرینہ ہوتے ہوئے حذف کرنا جائز ہے۔

آگے استثنا کیا تھا: إِلَّا فِيْ تَقْدِيْمِهِ، مگر تقدیمِ خبر کے اندر بھائی۔ اِنَّ کی خبر مبتدا کی خبر کی طرح ہے مگر تقدیم کے اندر، یعنی تقدیم کے اندر یہ اس کی طرح نہیں ہے۔ مبتدا کی خبر کو مبتدا پر مقدم کرنا جائز ہے، لیکن اِنَّ کی خبر جو ہے وہ اس تقدیم کے اندر مبتدا کی خبر کی طرح نہیں، اس کو اپنے اسم پر مقدم کرنا جائز نہیں بھائی۔

اور اس کی وجہ ذکر کی تھی شارحِ جامی نے۔ وجہ یہ کہ یہ جو اِنَّ ہے اس کی مشابہت ہے فعلِ متعدی کے ساتھ بھائی۔ اور فعلِ متعدی جو ہے وہ اپنے فاعل کو رفع دیتا ہے اور اپنے مفعول کو نصب دیتا ہے۔ اور ایک اس فعلِ متعدی کا عملِ اصلی ہے اور ایک اس کا عملِ فرعی ہے۔ عملِ اصلی کیا فعلِ متعدی کا؟ کہ اس کے فوراً بعد فاعل آنا چاہیے، کیونکہ جہاں فاعل کی بحث گزری تھی، وہاں صاحبِ کافیہ نے بتلایا تھا کہ اصل یہ ہے کہ فاعل جو ہے فعل کے ساتھ ملا ہوا ہو، یعنی پہلے فاعل آنا چاہیے، اس کے بعد باقی معمولات آنے چاہئیں۔ تو لہٰذا فعلِ متعدی کا عملِ اصلی کیا؟ کہ اس کے فوراً بعد پہلے فاعل آئے اور اس کے بعد مفعول کو ذکر کیا جائے، یعنی مرفوع پہلے آئے اور منصوب بعد میں آئے۔ لیکن فعل چونکہ قوی عامل ہے، لہٰذا اس کے اندر اگر معمول جو ہیں ان کی ترتیب بدل دیں یہ پھر بھی عمل کرتا ہے۔ چنانچہ اگر مفعول کو پہلے لے آئیں اور فاعل کو بعد میں لے آئیں تو بھی یہ عمل کرے گا۔ وہ جو مفعول پہلے آیا وہ منصوب ہوگا اور وہ جو فاعل بعد میں آیا وہ مرفوع ہوگا۔ تو فعلِ متعدی کا عملِ اصلی کیا؟ پہلے مرفوع آئے اور پھر منصوب۔ اور فعلِ متعدی کا عملِ فرعی کیا؟ کہ پہلے منصوب آئے اور پھر مرفوع۔ اور چونکہ یہ حروفِ مشبہ بالفعل یہ فعل کی فرع ہیں، یہ فعل کے مشابہ ہیں، اور چونکہ یہ فعل کی فرع ہیں لہٰذا اس لیے ان کو عملِ فرعی دیا گیا فعل کا۔ اور عملِ فرعی کیا تھا؟ پہلے منصوب آئے اور اس کے بعد مرفوع آئے، تو اِنَّ کے اندر بھی اسی طرح ہے: إِنَّ زَيْدًا قَائِمٌ، پہلے منصوب ہے اور اس کے بعد مرفوع ہے۔

اور پھر تقدیم اس کے اندر انہوں نے بتایا جائز نہیں۔ وجہ یہ کہ اگر اِنَّ کی خبر کو اِنَّ کے اسم پر مقدم کریں گے تو پھر اِنَّ کے بعد پہلے مرفوع آئے گا اور اس کے بعد منصوب آئے گا، تو یہ تو بالکل فعل کے برابر ہو جائے گا۔ فعل کے اندر بھی مرفوع کو مقدم کریں یا مؤخر کریں دونوں طرح وہ عمل کرتا ہے، تو پھر تو اِنَّ بھی فعل کی طرح رتبے میں اور درجے میں برابر ہو جائے گا کہ کبھی اس کا مرفوع مقدم ہوتا ہے، کبھی مؤخر ہوتا ہے۔ تو چونکہ اس کا درجہ فعل سے کم ہے، اس لیے اس کو صرف فعل کا عملِ فرعی دیا گیا، عملِ اصلی جائز نہیں، یعنی یہاں خبر کو مقدم کرنا جائز نہیں۔

آگے پھر ایک اور استثنا آیا تھا: إِلَّا أَنْ يَكُوْنَ الْخَبَرُ ظَرْفًا۔ مگر یہ کہ خبر ظرف ہو۔ میں نے آپ کو بتلایا تھا کہ ایک مستثنیٰ منہ سے ایک ہی استثنا کیا جا سکتا ہے اِلَّا کے ذریعے، اس لیے کیونکہ مستثنیٰ منہ میں اتنا عموم نہیں ہوتا کہ کئی دفعہ اس سے کیا کیا جائے، استثنا کیا جائے۔ ہاں، حرفِ عطف کے ذریعے آپ کئی استثنا کر سکتے ہیں۔ جیسے فعل کے لیے فاعل ہمیشہ ایک ہی آتا ہے، لیکن آپ عطف کے ذریعے کئی فاعل ذکر کر سکتے ہیں: جَاءَنِيْ زَيْدٌ وَعَمْرٌو وَبَكْرٌ وَخَالِدٌ، دیکھو کئی فاعل آپ لے آئے عطف کے ذریعے۔ تو یہاں پر بھی ایک مستثنیٰ منہ سے عطف کے ذریعے تو ایک سے زیادہ استثنا جائز ہیں، لیکن بغیر عطف کے ایک سے زیادہ استثنا جائز نہیں۔ اور یہاں پر إِلَّا فِيْ تَقْدِيْمِهٖ ایک استثنا آگیا، اس کے بعد دوبارہ آیا إِلَّا أَنْ يَكُوْنَ ظَرْفًا تو یہ دوسرا استثنا آیا حالانکہ یہ تو جائز نہیں۔ اور صاحبِ جامی نے پھر آپ کو بتلایا تھا کہ یہ جو دوسرا استثنا ہے یہ مفہومِ کلام سے ہے۔ کس سے ہے؟ مفہومِ کلام سے بھائی۔ صاحبِ کافیہ کے پاس الفاظ تھوڑے ہوتے ہیں، انہوں نے مختصر لفظوں میں لمبی بات کرنی ہوتی ہے۔ تو جب ایک بات پچھلے کلام سے مفہوم ہو رہی تھی، اس کو دوبارہ ذکر نہیں کیا بلکہ براہِ

راست اس سے اسی طرح استثنا کر دیا۔ مثلاً پچھلے کلام سے کیا مفہوم ہوا تھا؟ پیچھے کیا کہا کہ اِنَّ کی خبر بتدا کی خبر کی طرح ہے سوائے کس میں؟ تقدیم میں۔ اس سے ایک بات پتہ چل گئی کہ اِنَّ کی خبر تقدیم میں بتدا کی خبر کی طرح نہیں ہے بھائی۔ دیکھا، ایک کلامِ منفی مفہوم ہو گیا یہاں سے۔ تو اس کلامِ منفی سے پھر یہ استثنا کیا گیا۔ کون سا کلامِ منفی؟ کہ اِنَّ کی خبر وہ بتدا کی خبر کی طرح نہیں ہے تقدیم کے اندر، إِلَّا أَنْ يَّكُوْنَ ظَرْفًا، مگر یہ کہ وہ خبر ظرف ہو، پھر یہ بتدا ہی کی طرح ہے۔ بات سمجھ میں آ گئی؟

تو جیسے بتدا کی خبر جو ہے اگر وہ ظرف ہو، ظرف ہو، تو پھر بتدا کو دیکھیں گے۔ اگر بتدا خود معرفہ ہے اور خبر ظرف ہے، تو اس خبر کو مؤخر رکھنا بھی جائز اور اس کو بتدا پر مقدم کرنا بھی جائز۔ زَيْدٌ فِي الدَّارِ، اس میں فِي الدَّارِ کو مقدم کر کے آپ یوں کہیں: فِي الدَّارِ زَيْدٌ، یہ بھی جائز ہے۔ اور اگر بتدا نکرہ ہو اور خبر ظرف ہو، پھر خبر کو مقدم کرنا واجب ہے۔ آپ رَجُلٌ نکرہ کو بتدا بنانا چاہتے ہیں اور فِي الدَّارِ اس کی خبر ہے تو رَجُلٌ فِي الدَّارِ آپ یوں نہیں کہہ سکتے، بلکہ خبر کو مقدم کرنا واجب ہے۔ کیسے کہیں گے؟ فِي الدَّارِ رَجُلٌ، کیونکہ تقدیمِ خبر کی وجہ سے رَجُلٌ جو نکرہ محض ہے اس میں تخصیص آ گئی اور اس کا بتدا بننا صحیح۔ تو اگر رَجُلٌ کو ہم مقدم کریں گے تو پھر تو اس کے اندر تخصیص نہیں، اس کا بتدا بننا ہی صحیح نہیں۔ تو اِنَّ کی خبر میں بھی اسی طرح ہے، اگر خبر ظرف ہو تو اِنَّ کے اسم کو دیکھو۔ اگر وہ معرفہ ہے تو خبر کو مقدم کرنا جائز ہے، آپ مقدم کریں یا نہ کریں۔ لیکن اگر اِنَّ کا اسم نکرہ ہے اور خبر ظرف ہے تو پھر خبر کو اِنَّ کے اسم پر مقدم کرنا واجب ہے جیسے بتدا میں تھا۔ بات سمجھ میں آ گئی؟

اور پھر انہوں نے یہ بھی بتلایا تھا، کہتے ہیں اس وجہ سے کہ یہ جو ظروف ہیں ان کے اندر نحوی حضرات وسعت کرتے ہیں، ایسی وسعت، ایسی گنجائش جو کسی اور میں وہ نہیں دیتے بھائی۔ کس کے اندر؟ ظروف کے اندر۔ وجہ یہ، وجہ یہ کہ اس کائنات میں، اس عالم کے اندر جو کچھ بھی ہوتا ہے، کوئی بھی فعل ہوتا ہے، وہ کسی نہ کسی زمانے میں ہوگا اور کسی نہ کسی جگہ میں ہوگا۔ مثلاً آپ پڑھ رہے ہیں، دیکھو یہ کوئی نہ کوئی زمانہ ہے اور کوئی نہ کوئی جگہ ہے جہاں پر آپ پڑھ رہے ہیں۔ اسی طرح کوئی بھی فعل ہوگا، اس کے لیے ہمیشہ جگہ بھی چاہیے اور زمانہ بھی چاہیے، اور جگہ اور زمانہ یہی تو ظرف ہیں۔ ظرف اصل میں برتن کو کہتے ہیں، جیسے برتن میں ایک چیز ڈالی جائے اور برتن اس چیز کو ہر طرف سے گھیر لیتا ہے، وہ چیز اس برتن کے اندر بند ہو جاتی ہے۔ اسی طرح یہ جو زمانہ ہے اس نے بھی ہر طرف سے ہمارا احاطہ کیا ہے، یعنی ہم جو کچھ بھی کرتے ہیں وہ کسی نہ کسی زمانے میں ہوتا ہے۔ اسی طرح یہ جگہ، اس نے بھی ہمارا احاطہ کیا ہوا ہے ظرف کی طرح، ہم جو کچھ بھی کرتے ہیں وہ کسی نہ کسی جگہ میں ہوگا۔ تو معلوم ہوا کوئی بھی فعل کیا جائے وہ ہمیشہ کسی نہ کسی جگہ میں ہوگا اور کسی نہ کسی زمانے میں ہوگا، بلکہ اس کائنات میں جو چیز بھی موجود ہے وہ کسی نہ کسی جگہ ہے اور کسی نہ کسی زمانے کے اندر ہے

بھائی۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو معلوم ہوا یہ زمانے اور جگہ کا تعلق ہر چیز سے ہے، یعنی یوں کہو ظرف کا تعلق ہر چیز سے ہے۔ تو ظرف کی مثال محرم کی طرح ہوئی۔ ان کا ہر چیز سے، چاہے کوئی چیز موجود ہے، چاہے کوئی فعل ہو رہا ہے یا ہوا ہے، ہر ایک کے ساتھ زمانے کا بھی تعلق اور جگہ کا بھی تعلق، تو ہر ایک سے جب ان کا تعلق ہے تو گویا ہر چیز سے ان کی رشتہ داری ہے، یعنی یہ محرم کی طرح ہیں۔ کس کی طرح ہیں؟ محرم کی طرح۔ اور آپ بھی جانتے ہیں کہ جب گھر کے اندر مہمان آئیں تو مہمان کو گھر کے اندر آنے کی اجازت نہیں ہوتی، اس کو بیٹھک میں بٹھایا جاتا ہے۔ لیکن اگر کوئی محرم آتا ہے تو محرم کو گھر کے اندر جانے کی بھی اجازت ہوتی ہے۔ تو یہ ظروف بھی محرم کی طرح ہیں، لہٰذا ان کے اندر ان چیزوں کی گنجائش ہے جن کی گنجائش اور چیزوں میں نہیں ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ یہ معنی ہے: وَذٰلِكَ لِتَوَسُّعِهِمْ فِي الظُّرُوْفِ مَا لَا يُتَوَسَّعُ فِيْ غَيْرِهَا، اور یہ اس وجہ سے کہ نحوی حضرات جو ہیں وہ وسعت کرتے ہیں ظروف کے اندر، جس کی گنجائش اور چیزوں میں نہیں ہوتی۔ بات سمجھ میں آگئی؟

اب آگے دیکھیے بھائی، آج کا سبق بھائی۔ کہتے ہیں: خَبَرُ لَا الَّتِيْ لِنَفْيِ الْجِنْسِ أَيْ لِنَفْيِ صِفَتِهٖ إِذْ لَا رَجُلَ قَائِمٌ مَثَلًا لِنَفْيِ الْقِيَامِ عَنِ الرَّجُلِ لَا لِنَفْيِ الرَّجُلِ۔ جی، اب لائے نفی جنس کی خبر کی بات آئی بھائی۔ بحث چل رہی ہے مرفوعات کی۔ مرفوعات میں سے سب سے پہلے صاحبِ کافیہ نے فاعل ذکر کیا، پھر مفعول مالم یسمَّ فاعلہ ذکر کیا، اس کے بعد مبتدا اور خبر کو ذکر کیا، اور اس کے بعد اِنَّ کی خبر ذکر کی۔ تو پانچ مرفوعات اب تک بیان ہو چکے ہیں بھائی۔ اب لائے نفی جنس کی خبر آگئی بھائی، لائے نفی جنس کی خبر آگئی۔ اور لائے نفی جنس کی خبر وہ مرفوع ہوتی ہے۔ اس کا اسم نہیں بلکہ خبر مرفوع ہوتی ہے، تو یہاں اس لیے وہ خبر کو ذکر کر رہے ہیں کیونکہ مرفوعات کی بحث چل رہی ہے بھائی۔

بھائی پہلے متن متن دیکھ لیں۔ کہتے ہیں: خَبَرُ لَا الَّتِيْ لِنَفْيِ الْجِنْسِ هُوَ الْمُسْنَدُ بَعْدَ دُخُوْلِهَا نَحْوُ لَا غُلَامَ رَجُلٍ ظَرِيْفٌ فِيْهَا۔ متن مل گیا بھائی؟ خَبَرُ لَا الَّتِيْ لِنَفْيِ الْجِنْسِ، خبر اس لا کی، الَّتِيْ لِنَفْيِ الْجِنْسِ، جو کس لیے ہوتا ہے؟ نفیِ جنس کے لیے ہوتا ہے، جنس کی نفی کے لیے ہوتا ہے۔ صاحبِ جامی آپ کو بتلائیں گے کہ یہاں الجنس سے پہلے مضاف محذوف ہے اور اصل کلام یوں ہے: خَبَرُ لَا الَّتِيْ لِنَفْيِ صِفَةِ الْجِنْسِ۔ خَبَرُ لَا الَّتِيْ لِنَفْيِ صِفَةِ الْجِنْسِ، یعنی یہ جو لائے نفی جنس ہے یہ جنس کی نفی کے لیے نہیں آتا، بلکہ جنس سے صفت کی نفی کرتا ہے۔ مثلاً میں آپ سے کہتا ہوں: لَا رَجُلَ قَائِمٌ، لَا رَجُلَ قَائِمٌ، کوئی آدمی کھڑا نہیں ہے۔ اب مجھے بتائیے کیا میں نے جنسِ رجل کی نفی کی ہے یا جنسِ رجل سے اس کی ایک صفت یعنی قیام کی نفی کی ہے؟ صفت کی نفی کی ہے، رجل کی نفی نہیں کی کہ کسی رجل کا وجود ہی نہیں ہے، بلکہ میں نے کیا کہا: لَا رَجُلَ قَائِمٌ، کوئی رجل قائم نہیں ہے، تو جنسِ رجل سے میں نے صفت یعنی قیام کی نفی کی ہے۔ تو یہ لائے نفی جنس یہ جنس کی نفی کے لیے نہیں آتا، نام اس کا لِنَفْيِ الْجِنْسِ ہے لیکن یہ کس لیے آتا ہے؟ لِنَفْيِ صِفَةِ الْجِنْسِ، یہ جنس کی صفت کی نفی کے لیے آتا ہے۔ تو کہتے

ہیں: خَبَرُ لَا الَّتِيْ لِنَفْيِ الْجِنْسِ، خبر اس لا کی جو نفیِ جنس کے لیے آتا ہے یعنی نفیِ صفتِ جنس کے لیے آتا ہے، هُوَ الْمُسْنَدُ بَعْدَ دُخُوْلِهَا، لائے نفی جنس کی خبر وہ مسند ہوتی ہے، کیا ہوتی ہے؟ مسند ہوتی ہے۔ تو جب مسند کہا تو اس کے اندر اِنَّ کی خبر بھی داخل ہو گئی کیونکہ اِنَّ کی خبر بھی کیا ہوتی ہے؟ مسند۔ ابتدا کی خبر بھی داخل ہو گئی کیونکہ ابتدا تو مسند الیہ ہے لیکن خبر کیا ہے؟ مسند۔ کانَ کی خبر بھی داخل ہو گئی کیونکہ کانَ کی خبر بھی کیا ہے؟ مسند۔ تو جب مسند کہا تو وہ ساری خبریں اس کے اندر آ گئیں بھائی۔ لیکن پھر آگے جب کہا بَعْدَ دُخُوْلِهَا، اس لا کے داخل ہونے کے بعد، اب وہ ساری خبریں نکل گئیں کہ اس کی خبر مسند ہوتی ہے بَعْدَ دُخُوْلِهَا کس کے داخل ہونے کے بعد؟ اس لائے نفی جنس کے داخل ہونے کے بعد۔ اب ساری خبریں نکل گئیں، کیونکہ ابتدا کی خبر مسند تو ہے لیکن بَعْدَ دُخُوْلِهَا کیا اس پر لائے نفی جنس داخل ہوا؟ نہیں، اس پر تو داخل نہیں۔ کانَ کی خبر بھی نکل گئی کیونکہ اس پر بھی لائے نفی جنس داخل نہیں۔ تو جب اس کے داخل ہونے کو ذکر کر دیا تو وہ ساری خبریں نکل گئیں جن پر یہ داخل نہیں بھائی، صرف اسی کی خبر باقی رہ گئی۔ تعریف سمجھ میں آ گئی؟ تو کہتے ہیں هُوَ الْمُسْنَدُ بَعْدَ دُخُوْلِهَا کہ اس کی خبر جو ہے وہ مسند ہوتی ہے کسی چیز کی طرف بَعْدَ دُخُوْلِهَا اس کے داخل ہونے کے بعد۔ جیسے نَحْوُ لَا غُلَامَ رَجُلٍ ظَرِيْفٌ فِيْهَا۔ لَا غُلَامَ رَجُلٍ ظَرِيْفٌ فِيْهَا۔ ظَرِيْفٌ کا معنی ہے خوش طبع، یعنی ہنسی مذاق کرنے والا، خوش مزاج آدمی، وہ انسان جو خوش طبع ہو، ہنس مکھ ہو بھائی، ہنسی مذاق کرنے والا ہو۔ بعض لوگوں کی طبیعت ہوتی ہے ہنسی مذاق کرنے والی، اس کو کیا کہتے ہیں؟ ظَرِيْفُ الطَّبْعِ بھائی۔ لَا غُلَامَ رَجُلٍ ظَرِيْفٌ فِيْهَا۔ غُلَامَ مضاف ہے، رَجُلٍ مضاف الیہ ہے بھائی۔ اور ظَرِيْفٌ یہ اس کے لیے خبرِ اول ہے اور فِيْهَا خبرِ ثانی ہے بھائی۔ تو دیکھو اس کے اندر لَا کیا عمل کر رہا ہے؟ اپنے اسم کو نصب دے رہا ہے۔ لَا غُلَامَ رَجُلٍ، غُلَامَ مضاف، رَجُلٍ مضاف الیہ، اور یہ غلام منصوب ہے، یہ نصب کس نے دیا؟ لَا نے۔ تو لَا کیا عمل کرتا ہے؟ اپنے اسم کو نصب دیتا ہے۔ اور ظَرِيْفٌ یہ اس کی خبرِ اول ہے اور یہ مرفوع ہے، کیونکہ لائے نفی جنس کی خبر مرفوعات میں سے ہے۔ اسی طرح فِيْهَا یہ خبرِ ثانی ہے اس کی بھائی۔ فِيْهَا، هَا ضمیر راجع ہے دَار کو۔ لَا غُلَامَ رَجُلٍ ظَرِيْفٌ فِيْهَا، فِيْهَا، هَا ضمیر کس کو راجع؟ دَار کو راجع۔ کسی مرد کا کوئی غلام خوش طبع نہیں ہے فِيْهَا اس گھر کے اندر۔ تو هَا ضمیر کس کو راجع؟ اَلدَّار کو راجع ہے اور دَار مؤنثِ سماعی ہے اس لیے اس کی طرف مؤنث ضمیر راجع کی۔ البتہ آپ کے ذہن میں اشکال آئے گا کہ یہاں تو دَار کا ذکر پیچھے کہیں نہیں ہوا تو پھر اس کی طرف ضمیر کیسے راجع کر دی؟ تو شارحین اس کا جواب دیتے ہیں کہ گویا یہ کلام کسی سوال کے جواب میں ذکر کیا گیا تھا۔ کسی نے سوال کیا تھا: أَغُلَامُ رَجُلٍ ظَرِيْفٌ فِي الدَّارِ؟ سوال کیا کیا گیا تھا؟ أَغُلَامُ رَجُلٍ ظَرِيْفٌ فِي الدَّارِ؟ کیا اس گھر کے اندر کوئی خوش طبع غلام ہے؟ تو چونکہ سوال کے اندر اَلدَّار کا ذکر ہو گیا، لہٰذا اس کے جواب میں صرف ضمیر ذکر کر دی گئی، اسمِ ظاہر کو دوبارہ ذکر نہیں کیا گیا بھائی۔

آگے متن دیکھیے بھائی۔ کہتے ہیں: وَيُحْذَفُ كَثِيْرًا، اور اس لائے نفی جنس کی خبر کو بسا اوقات کیا کر لیا جاتا ہے؟ حذف کر

لیا جاتا ہے۔ وَيُحْذَفُ كَثِيْرًا، اس لائے نفی جنس کی خبر کو بسا اوقات حذف کر لیا جاتا ہے۔ وجہ یہ کہ یہ لائے نفی جنس کی خبر عموماً افعالِ عامہ میں سے ہوتی ہے۔ توجہ ہے؟ لائے نفی جنس کی خبر عموماً کس میں سے ہوتی ہے؟ افعالِ عامہ میں سے ہوتی ہے، لہٰذا اس کو حذف کر لیا جاتا ہے۔ افعالِ عامہ میں نے بتلایا تھا کون کون سے ہیں؟ کون، وجود، ثبوت، حصول وغیرہ۔ تو اس کی خبر افعالِ عامہ میں سے ہوتی ہے، اور اس کا تو پتہ لَا سے ہی چل جاتا ہے، لہٰذا اس کو عموماً ذکر نہیں کرتے۔ مثلاً کوئی شخص کیا کہتا ہے: لَا مَالَ۔ لَا مَالَ۔ تو دیکھو اس سے خود ہی پتہ چل گیا، معلوم ہوا مال کی نفی کی جا رہی ہے یعنی اس کے وجود کی نفی کی جا رہی ہے، تو اصل میں کلام کیا ہے؟ لَا مَالَ مَوْجُوْدٌ۔ یا جیسے لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ، لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ، اس میں بھی دیکھو: لَا إِلٰهَ أَيْ مَوْجُوْدٌ، لَا إِلٰهَ مَوْجُوْدٌ إِلَّا اللّٰهُ۔ تو اس کی خبر عموماً کس میں سے ہوتی ہے؟ افعالِ عامہ میں سے ہوتی ہے اس لیے عموماً اس کو حذف کر لیا جاتا ہے۔ تو کہتے ہیں وَيُحْذَفُ كَثِيْرًا اور بسا اوقات اس کی خبر کو حذف کر لیا جاتا ہے۔ جی، اب آئیے شرح کے ساتھ اس کو دیکھیں۔

دیکھیے بھائی، کہتے ہیں: خَبَرُ لَا الَّتِيْ لِنَفْيِ الْجِنْسِ أَيْ لِنَفْيِ صِفَتِهٖ۔ خَبَرُ لَا الَّتِيْ لِنَفْيِ الْجِنْسِ، یہاں قیمتی بات یاد رکھنا بھائی عام شروحات میں آپ کو نہیں ملے گی بھائی۔ یہاں دیکھو لِنَفْيِ الْجِنْسِ جار مجرور آیا اور جار مجرور کے لیے ہمیشہ کوئی نہ کوئی متعلق چاہیے بھائی۔ اور وہ متعلق آپ افعالِ عامہ میں سے بھی نکال سکتے ہیں اور افعالِ خاصہ۔ آپ نے پڑھا ہے جار مجرور کلام کے اندر آئے تو وہ آٹھ چیزوں میں سے کسی ایک سے ضرور متعلق ہوگا۔ وہ کون کون سی چیزیں ہیں؟ فعل ہے، مصدر ہے، اسمِ فاعل، اسمِ مفعول، صفتِ مشبہ، اسمِ تفضیل، مبالغے کے صیغے اور اسمِ فعل۔ تو ان آٹھ چیزوں میں سے کسی ایک کے ساتھ جار مجرور متعلق ہوگا۔ اگر وہ متعلق عبارت میں ذکر ہے تو جار مجرور کو اس سے جوڑ دیں گے، اور اگر متعلق عبارت میں ذکر نہیں ہے تو پھر محذوف نکالیں گے، اور محذوف افعالِ عامہ میں سے بھی نکال سکتے ہیں اور افعالِ خاصہ۔ تو افعالِ عامہ مشہور چار ہیں: کون، وجود، ثبوت اور حصول۔ اور بھی افعالِ عامہ ہیں لیکن یہ زیادہ مشہور ہیں، یہ عام استعمال ہوتے ہیں۔ ان سب کا معنی ہے ہونا۔ كَانَ يَكُوْنُ كَوْنًا اس کا معنی بھی ہونا، ثبوت، وجود، حصول سب کا معنی ہے ہونا۔ تو لہٰذا جار مجرور کے لیے متعلق تو ضرور چاہیے، تو وہ پھر اگر متعلق عبارت میں ذکر نہ ہو تو محذوف نکالتے ہیں۔ تو یہاں پر لِنَفْيِ الْجِنْسِ یہ جار مجرور آئے، تو صاحبِ جامی نے اَلْكَائِنَةِ نکال کر بتلا دیا کہ یہ کس سے متعلق ہیں؟ اَلْكَائِنَةِ سے۔ توجہ ہے؟ اَلْكَائِنَةِ وہی كَوْن سے ہے، كَوْن سے اسمِ فاعل کا صیغہ ہے۔ چاہے آپ اَلثَّابِتَةِ کہہ لیں یا اَلْحَاصِلَةِ کہہ لیں۔ توجہ ہے؟ تو یہ اَلْكَائِنَةِ اسمِ فاعل کا صیغہ نکالا۔ اور نیز مؤنث نکالا بھائی، كَائِنٌ نہیں کہا بلکہ اَلْكَائِنَةِ کہا بھائی۔ وجہ یہ کہ یہ صفت ہے لَا کی۔ یہ صفت ہے کس کی؟ لَا کی، اور لَا حرف ہے، اور حروف میں نے بتایا تھا عربی میں مذکر بھی استعمال ہوتے ہیں، مؤنث بھی استعمال ہوتے ہیں، لیکن زیادہ تر ان کا استعمال کس طرح ہے کہ مؤنث استعمال ہوتے ہیں۔ تو یہ لفظ لَا جو آیا یہ حرف ہے، یہ مؤنث ہے بھائی، تو اس کی صفت کیا لائے؟ اَلْكَائِنَةِ، یہ بھی مؤنث نکالی۔ اور نیز چونکہ لَا مجرور تھا کیونکہ خبر ہے مضاف اور

لَا ہے مضاف الیہ، خَبَرُ لَا، لَا کی خبر، تو لَا ہے مضاف الیہ اور مضاف الیہ کیا ہوتا ہے؟ مجرور، تو اس کی صفت بھی مجرور اَلْكَائِنَةِ نکالی بھائی۔ بات سمجھ میں آگئی؟

میں نے آپ کو بتلایا تھا بھائی، توجہ سے سنو، میں نے آپ کو بتلایا تھا کہ نکرہ کے بعد اگر فعل آجائے تو وہ عموماً اس نکرہ کے لیے صفت بنتا ہے۔ توجہ ہے؟ نکرہ کے بعد اگر کیا آجائے؟ فعل، تو وہ فعل عموماً اس نکرہ کے لیے صفت بنے گا۔ اسی طرح نکرہ کے بعد اگر جار مجرور آجائے اور وہ جار مجرور کسی سے نہ جڑ رہا ہو تو وہ بھی اس کے لیے عموماً صفت بنے گا۔ اور پھر صفت براہِ راست بنتا ہے جار مجرور یا اس کے لیے بھی کوئی نہ کوئی متعلق نکالیں گے؟ متعلق تو ضرور نکالنا ہے، مثلاً رَجُلٌ فِي الدَّارِ۔ رَجُلٌ فِي الدَّارِ، رَجُلٌ نکرہ ہے اور اس کے بعد فِي الدَّارِ جار مجرور آیا، تو یہ اس کے لیے صفت بنے گا۔ تو فِي الدَّارِ کو کس سے جوڑیں گے؟ فِي الدَّارِ کو ثَابِتٌ سے، کس سے؟ ثَابِتٌ سے جڑے گا اور ثَابِتٌ مرفوع لفظاً صیغہ اسمِ فاعل، اس کے اندر هُوَ ضمیر مرفوع محلاً اس کا فاعل، جو کس کو راجع؟ رَجُلٌ موصوف کو بھائی، یہ صفت ہم بنا رہے ہیں اور صفت کو کس سے جوڑتے ہیں؟ موصوف سے۔ تو بہرحال یہ فِي الدَّارِ ثَابِتٌ سے متعلق ہو کر رَجُلٌ کی صفت بنے گا۔ اور رَجُلٌ مرفوع ہے تو ثَابِتٌ بھی ہم نے مرفوع نکالا۔ بات سمجھ میں آگئی؟ رَجُلٌ فِي الدَّارِ ترجمہ کیجیے۔ موصوف صفت والا ترجمہ کرو، جملے والا ترجمہ نہیں کرنا بھائی۔ رَجُلٌ فِي الدَّارِ، ایک آدمی گھر میں ہے، بھائی یہ تو آپ جملے کا ترجمہ کر رہے ہیں، یہ تو موصوف صفت ہیں پورا جملہ تو نہیں ہے۔ ایک آدمی گھر میں ہے یہ تو پورا جملہ ہے، اس میں تو بات پوری ہے بھائی۔ آپ موصوف صفت والا ترجمہ کریں، رَجُلٌ فِي الدَّارِ أَيْ رَجُلٌ ثَابِتٌ فِي الدَّارِ، میں نے کیا بتلایا تھا؟ نکرہ کے اندر موصوف سے پہلے ایسا یا ایسی کا لفظ لے آتے ہیں: ایسا آدمی جو کہ گھر میں ہے۔ ایسا آدمی جو کہ گھر میں ہے۔ یہ دیکھو موصوف صفت ہیں، بات اس میں پوری نہیں۔ آپ کسی کو یوں کہیں گے ایسا آدمی جو کہ گھر میں ہے، تو وہ کہے گا بات تو پوری کریں، اس کو کیا ہوا؟ زندہ ہے، مر گیا ہے، چلا گیا ہے؟ وہ، تو یہ بات پوری اس میں نہیں ہے۔

تو اگر نکرہ کے بعد اگر جار مجرور آئے یا فعل آئے تو وہ ہمیشہ اس نکرہ کے لیے صفت بنیں گے۔ اور اگر معرفہ کے بعد فعل آئے یا جار مجرور آئے تو وہ اس معرفہ کے لیے حال بنیں گے۔ مثلاً زَيْدٌ کے بعد فِي الدَّارِ آیا، زَيْدٌ کے بعد فِي الدَّارِ، اور زَيْدٌ ہے معرفہ، اور فِي الدَّارِ جار مجرور آیا، اور معرفہ کے بعد جار مجرور آئے تو اس کے لیے کیا بنتا ہے؟ حال بنتا ہے۔ نکرہ کے بعد صفت، معرفہ کے بعد حال۔ تو لہٰذا زَيْدٌ فِي الدَّارِ مثلاً کسی جگہ عبارت میں زَيْدٌ آیا ہے، وہ فاعل بن رہا ہے، اور فِي الدَّارِ آگے اس کے بعد آگیا اور وہ کسی سے نہیں جڑ رہا، تو اب اس کو کیا بنائیں گے زید کے لیے حال۔ اور کیسے بنائیں گے حال؟ فِيْ جارہ، اَلدَّارِ مجرور، آگے جار مجرور مل کر متعلق ثَابِتًا منصوب نکالیں گے کیونکہ حال منصوب ہوتا ہے۔ ثَابِتًا منصوب لفظاً صیغہ اسمِ فاعل، اس کے اندر هُوَ ضمیر مرفوع محلاً اس کا فاعل، جو کس کو راجع ہے؟ ذوالحال کو، کیونکہ حال کو کس سے جوڑتے ہیں؟ ذوالحال سے بھائی۔

اسی طرح یاد رکھو معرفہ کے بعد اگر فعل آجائے تو وہ اس کے لیے صفت نہیں بنتا بلکہ وہ بھی اس کے لیے حال بنتا ہے۔ توجہ ہے؟ پھر دہراؤ، نکرہ کے بعد فعل یا جار مجرور آئے تو وہ نکرہ کے لیے صفت، معرفہ کے بعد جار مجرور یا فعل آئے تو اس معرفہ کے لیے حال بنتے ہیں۔ جیسے آپ جگہ جگہ پڑھتے ہیں لکھا ہوتا ہے: قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی، اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ اب دیکھو لفظ اللہ یہ معرفہ ہے، بلکہ یہ عَلَى الْإِطْلَاقِ أَعْرَفُ الْمَعَارِفِ ہے، تمام معرفوں سے زیادہ تعریف اس کے اندر ہے بھائی۔ اور اس کے بعد تَعَالٰی فعل آیا۔ تَعَالٰی بابِ تفاعل سے ماضی ہے، تَعَالٰی، فعل آیا اور معرفہ کے بعد فعل آئے تو میں نے بتلایا تھا وہ اس کے لیے کیا بنتا ہے؟ حال۔ تو یہاں لفظ اللہ کو بنائیں گے ذوالحال۔ تَعَالٰی فعل، اس کے اندر هُوَ ضمیر مرفوع محلاً فاعل جو کس کو راجع؟ ذوالحال کو راجع۔ فعل اپنے فاعل سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر بتقدیرِ قَدْ یہ حال ہے۔ قَدْ وجہ یہ کہ یہ تَعَالٰی ماضی کا صیغہ ہے اور ماضی جب بھی حال واقع ہو تو وہاں قَدْ کا ہونا ضروری ہے۔ قَدْ ضَرَبَ زَيْدٌ، دیکھو قَدْ تحقیق کے لیے آتا ہے، ایک بات کو پکا کرنے کے لیے آتا ہے۔ تو ماضی جب بھی حال واقع ہو اس سے پہلے قَدْ کا ہونا ضروری، یا لفظوں میں ذکر ہوگا قَدْ یا محذوف ہوگا وہاں پر۔ اور یہاں پر تو قَدْ لفظوں میں ذکر نہیں تو محذوف نکال لیں گے۔ تو تَعَالٰی فعل اپنے فاعل سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر بتقدیرِ قَدْ یہ حال ہوا لفظ اللہ کے لیے۔ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی، فرمایا اللہ نے تَعَالٰی اس حال میں کہ اللہ تعالیٰ بلند ہیں، ان کی ذات بڑی اونچی ہے۔ معنی سمجھ میں آگیا؟

جی ضابطہ کیا ہوا؟ نکرہ کے بعد جار مجرور یا فعل آئے تو وہ اس کے لیے صفت، معرفہ کے بعد جار مجرور یا فعل آئے تو اس کے لیے حال بنتا ہے۔ تو یہاں یاد رکھو، یہاں آیا خَبَرُ لَا، خَبَرُ لَا، یہ ذرا اَلَّتِيْ کو یہاں سے نکال دیں، ختم کر دیں۔ خَبَرُ لَا، لا کی خبر، لِنَفْيِ الْجِنْسِ، لا کے بعد لِنَفْيِ الْجِنْسِ آیا، اور یہاں لَا بول کر لفظ لَا مراد ہے، وہ جو لَا نفیِ جنس کے لیے آتا ہے اس کا نام ہی کیا رکھ دیا؟ لَا رکھ دیا۔ تو یہ اس وقت هٰذَا اللَّفْظِ کی تاویل میں ہے یا یہ علم ہے اور علم کیا ہوتا ہے؟ معرفہ۔ معرفہ ہوتا ہے تو یہ معرفہ آگیا بھائی۔ خَبَرُ لَا، لا کی خبر۔ معرفہ آیا اور معرفہ کے بعد لِنَفْيِ الْجِنْسِ جار مجرور آگئے۔ اَلَّتِيْ کو ذرا نکال دیں، اَلَّتِيْ یہاں نہیں ہے۔ تو لَا معرفہ آیا بھائی اور معرفہ کے بعد جار مجرور آیا اور معرفہ کے بعد جار مجرور آئے تو وہ اس کے لیے کیا بنتا ہے؟ حال بنتا ہے، کیا بنتا ہے؟ حال۔ لہٰذا جمہور نحوی حضرات کے نزدیک اس لِنَفْيِ الْجِنْسِ کو لا کے لیے حال بنانا چاہیے۔ کیا بنانا چاہیے؟ حال بنانا چاہیے اور عبارت کیا ہونی چاہیے؟ اَلْكَائِنَةِ کو چھوڑ دیں، ثَابِتًا سے نکال لیں، کیا نکالیں گے؟ منصوب نکالیں گے، کیا نکالیں گے؟ کیونکہ حال منصوب ہوتا ہے، اور نیز مؤنث نکالیں گے کیونکہ ضمیر کس کو راجع ہوگی؟ لَا کو، اور لَا حرف ہے اور حروف کیا استعمال ہوتے ہیں زیادہ تر؟ مؤنث۔ تو کیسے کہیں گے؟ خَبَرُ لَا ثَابِتَةً لِنَفْيِ الْجِنْسِ یا كَائِنَةً کہہ لیں، ثَابِتَةً کہہ لیں یا كَائِنَةً کہہ لیں یا حَاصِلَةً کہہ لیں ایک ہی بات ہے۔ تو خَبَرُ لَا ثَابِتَةً یا كَائِنَةً لِنَفْيِ الْجِنْسِ، خبر لا کی، خبر لا کی اس حال میں کہ وہ لَا کیا ہے؟ ثَابِتَةً لِنَفْيِ الْجِنْسِ، ثابت ہے نفیِ جنس کے لیے، تو وہ ثَابِتَةً حال بنے گا کس سے؟ لَا سے۔ یہ عام نحوی حضرات یہ فرماتے ہیں۔ توجہ ہے؟ عام نحوی حضرات یہ فرماتے ہیں، تو وہ جب معرفہ کے بعد جار مجرور آئے تو اس کو حال بناتے ہیں اور وہ ثَابِتَةً نکرہ ہی نکالتے ہیں۔ لیکن بعض نحوی حضرات صفت بھی بنا دیتے ہیں، اور وہ پھر

ثَابِتٌ نہیں نکالتے اَلثَّابِتُ نکالتے ہیں۔ توجہ ہے؟ تو وہ معرفہ کے لیے بھی اس جار مجرور کو صفت بنا دیتے ہیں۔ بات سمجھ میں آرہی ہے کیا؟ کہ معرفہ کے بعد جار مجرور آئے تو اس کو کیا بنائیں گے؟ حال، لہٰذا ثَابِتًا یا ثَابِتَةً نکرہ نکالیں گے اور منصوب۔ لیکن بعض نحوی حضرات وہ اس کو بھی صفت بناتے ہیں، وہ جو متعلق نکالتے ہیں وہ معرفہ نکالتے ہیں، وہ ثَابِتٌ نہیں نکالتے بلکہ اَلثَّابِتُ نکالتے ہیں۔ تو صاحبِ جامی نے بھی یہاں پر، یہاں پر لِنَفْيِ الْجِنْسِ کو حال بنانے کے بجائے لَا کی صفت بنا دیا، اَلْكَائِنَةِ معرفہ نکالا بھائی۔ اور لَا بھی معرفہ، اور اَلْكَائِنَةِ یہ بھی کیا ہے؟ معرفہ، اور معرفہ کے بعد معرفہ آئے تو اس کے لیے کیا بنتا ہے؟ صفت بنتا ہے۔

لیکن عام نحوی حضرات فرماتے ہیں کہ نہیں، معرفہ نہیں نکالیں گے بلکہ نکرہ نکالیں گے۔ توجہ ہے؟ وجہ یہ کہ آپ نے پڑھا ہے کہ اسمِ فاعل پر الف لام جو داخل ہوتا ہے وہ دراصل اسمِ موصول ہوتا ہے۔ اَلضَّارِبُ کس معنی میں ہے؟ اَلَّذِيْ يَضْرِبُ، اور اَلْمَضْرُوْبُ کس معنی میں ہے؟ اَلَّذِيْ يُضْرَبُ۔ تو اسمِ فاعل اور اسمِ مفعول کے صیغوں پر جو الف لام داخل ہوتا ہے وہ دراصل اسمِ موصول ہوتا ہے، اور آگے وہ جو اسمِ فاعل کا صیغہ ہے وہ اس کا صلہ ہوتا ہے، اور وہ فعل کے معنی میں ہوتا ہے۔ تو اَلضَّارِبُ کس معنی میں ہوا؟ اَلَّذِيْ يَضْرِبُ، اس میں جو الف لام آیا وہ ہے اَلَّذِيْ، اور ضَارِبٌ کس معنی میں؟ يَضْرِبُ کے معنی میں۔ توجہ ہے؟ تو باقی نحوی فرماتے ہیں کہ نہیں، معرفہ نہیں نکالیں گے، وجہ یہ کہ اگر آپ معرفہ نکالیں گے تو پھر تو یہ موصول مع صلہ کے ہو گیا۔ مثلاً اَلضَّارِبُ کسی جگہ نکالتے ہیں، تو آپ اَلضَّارِبُ کو حذف کر لیتے ہیں، تو یہ اَلضَّارِبُ کیا ہے؟ اَلَّذِيْ يَضْرِبُ، تو گویا آپ نے موصول کو صلے سمیت حذف کر لیا، حالانکہ حذفِ موصول جائز نہیں، حذفِ موصول جائز نہیں۔ توجہ ہے؟ تو اگر آپ کیا نکالیں؟ معرفہ نکالیں گے، معرفہ نکالیں گے تو اس پر کیا آئے گا؟ الف لام آئے گا، اور وہ الف لام کیا ہے؟ اسمِ موصول، اور آگے جو صفت کا صیغہ جس پر وہ داخل ہوا وہ صیغہ اس کے لیے کیا ہے؟ وہ اس کا صلہ ہے۔ جیسے اَلضَّارِبُ کس معنی میں ہے؟ اَلَّذِيْ يَضْرِبُ، تو اگر آپ اَلضَّارِبُ کو حذف کرتے ہیں تو یہ اسی طرح ہے جیسے آپ نے اَلَّذِيْ يَضْرِبُ کو یعنی موصول کو صلے سمیت حذف کر لیا، اور موصول کا حذف تو جائز نہیں ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو عام نحوی حضرات فرماتے ہیں کہ اس لیے جار مجرور معرفہ کے بعد آئے تو اس کو حال بنائیں گے، اور حال کیا ہوتا ہے؟ نکرہ، تو پھر وہاں ثَابِتًا نکالنا پڑے گا، اَلثَّابِتَةَ نہیں نکالیں گے، کیونکہ اگر اَلثَّابِتَ نکالتے ہیں پھر تو کیا خرابی لازم آئے گی؟ معلوم ہوا اَلثَّابِتَ پورا حذف کر دیا ہے درمیان سے آپ نے، اور اَلثَّابِتُ تو دراصل کیا تھا؟ اَلَّذِيْ يَثْبُتُ، تو یہ تو آپ نے موصول صلہ کو حذف کر لیا، حالانکہ اسمِ موصول کا حذف تو جائز نہیں ہے۔ لہٰذا اس لیے وہ کہتے ہیں کہ معرفہ کے لیے اَلثَّابِتُ وغیرہ نہیں نکالیں گے۔ کیا خرابی لازم آتی ہے؟ کہ موصول کا حذف مع الصلہ کے لازم آتا ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟

لیکن علمائے محققین فرماتے ہیں کہ مطلقاً جس اسمِ فاعل اور اسمِ مفعول پر بھی الف لام آجائے وہ ہمیشہ اسمِ موصول نہیں ہوتا، وہ ہمیشہ اسمِ موصول نہیں ہوتا، بلکہ اگر وہ اسمِ فاعل اور اسمِ مفعول جو ہیں ان میں حدوث والا معنی ہوا تو پھر تو

الف لام اسمی ہے یعنی بمعنی اَلَّذِیْ کے ہے، اور اگر وہ اسمِ فاعل اور اسمِ مفعول جو ہیں ثبوت کے معنی میں ہیں پھر وہاں پر الف لام حرفی ہی ہے، الف لام حرفی ہی ہے۔ ایک ہوتا ہے ثبوت، ایک ہے حدوث۔ حدوث جس میں ایک چیز کا ہونا ہو، ایک چیز کا ہونا ہو، اور ثبوت میں ایک چیز کا دوسری چیز کے لیے ثبوت ہوتا ہے، اس میں ایک چیز کا ہونا نہیں، جیسے ضرب ہے۔ ضرب میں کیا ہوتا ہے؟ حدوث۔ آپ ضرب لگائیں گے تو ضرب ہوگی، اور جب لگا دیں گے تو ضرب گزر بھی گئی۔ تو حدوث کسے کہتے ہیں؟ ایک چیز کا ہونا، پہلے ایک چیز نہ ہو، پھر پائی جائے اور پھر گزر بھی جائے، اس کو کیا کہتے ہیں؟ حدوث، یعنی ایک چیز کا ہونا۔ بات سمجھ میں آ رہی ہے؟ اور ایک ہے ثبوت، ثبوت کے اندر ہونا نہیں ہوتا۔ تو وہ جو اسمِ فاعل یا اسمِ مفعول آئے اس کے معنی پر آپ غور کر لیا کریں۔ جیسے اَلضَّارِبُ، اَلضَّارِبُ کس سے ہے؟ ضرب سے، اور ضرب میں کیا ہوتا ہے؟ حدوث ہوتا ہے، پہلے ضرب نہیں تھی، پھر لگتی ہے اور پھر گزر بھی جاتی ہے۔ اور ایک وہ اسمِ فاعل ہے جو ثبوت کے معنی میں ہوتا ہے جیسے اَلْعَالِمُ۔ عالم کسے کہتے ہیں؟ جس کے پاس علم ہو، اور کیا اس میں حدوث ہوتا ہے؟ ایک چیز نہیں تھی، ہوئی اور پھر گزر گئی؟ نہیں، اَلْعَالِمُ کا معنی ہے ایک شخص کے لیے صفتِ علم ثابت ہے، اَلضَّارِبُ کا معنی ہے ایک شخص کے لیے صفتِ ضرب ثابت ہے، لیکن صفتِ ضرب کے اندر حدوث ہوتا ہے، وہ ضرب لگتی ہے اور پھر گزر جاتی ہے، لیکن علم جب ایک شخص کے لیے ثابت ہوا تو وہ اس کے ساتھ ثابت ہی رہے گا، علم کے اندر حدوث نہیں ہوتا، علم کے اندر... دیکھو مجھے بتاؤ، جو شخص ضارب ہے، ضرب لگانے والا ہے، کیا وہ ہر وقت ضرب لگاتا رہتا ہے یا کسی وقت ضرب لگائے گا اور وہ گزر بھی جائے گی؟ کسی وقت ضرب لگائے گا۔ اور جو عالم ہے کیا وہ کسی وقت عالم ہوتا ہے یا ہر وقت وہ عالم ہے؟ ہر وقت وہ عالم ہے، علم اس کے ساتھ ہے، علم کی صفت جب حاصل ہو گئی اب وہ جدا نہیں، اس کے اندر حدوث نہیں۔ تو دیکھو عَالِمٌ ایسی صفت ہے جس میں ثبوت ہے، اور ضَارِبٌ ایسی صفت ہے جس میں حدوث ہے۔ توجہ ہے؟

تو لہٰذا اسمِ فاعل اور اسمِ مفعول معلوم ہوا دو قسم کے ہو گئے: کچھ وہ ہیں جن کے اندر ثبوت ہے، کچھ وہ ہیں جن کے اندر حدوث ہے۔ تو علمائے محققین فرماتے ہیں کہ الف لام اگر ایسے اسمِ فاعل پر داخل ہوا ہے جو ثبوت کے معنی میں ہے، جیسے اَلثَّابِتُ یا جیسے اَلْعَالِمُ، دیکھو اس میں ثبوت ہے، اور جب یہ ثبوت کے معنی میں ہے اسمِ فاعل تو پھر یہ الف لام اسمی نہیں ہے بلکہ یہ الف لام حرفی ہے، یعنی حرف ہے یہ اسم نہیں، یہ اسمِ موصول نہیں۔ تو اَلْعَالِمُ یہ بمعنی اَلَّذِیْ یَعْلَمُ کے نہیں ہے، یہ الف لام حرف ہے اور اس نے عَالِمٌ لفظ کو معرفہ بنا دیا۔ آپ نے پڑھا ہے کہ الف لام دو قسم پر ہے: ایک اسمی اور ایک حرفی۔ الف لام اسمی جو اسمِ فاعل اور اسمِ مفعول کے صیغوں پر داخل ہوتا ہے اور یہ بمعنی اَلَّذِیْ کے ہوتا ہے، اور ایک الف لام حرفی ہے اور وہ کسی لفظ پر داخل ہوتا ہے اس کو معرفہ بنا دیتا ہے۔ توجہ ہے؟ الف لام اسمی وہ خود اسمِ

موصول ہے، خود معرفہ ہے، کسی اور کو وہ معرفہ نہیں بناتا۔ جبکہ الف لام حرفی خود حرف ہے لیکن جس اسم پر داخل ہوتا ہے اس کو کیا بنا دیتا ہے؟ معرفہ بنا دیتا ہے، جیسے رَجُلٌ پر الف لام داخل ہوا تو اَلرَّجُلُ، دیکھو یہ معرفہ بن گیا۔ تو الف لام اسمی کون سا ہے؟ جو اسمِ فاعل اور اسمِ مفعول کے صیغوں پر داخل ہو وہ اسمی ہے۔ اسمی، جیسے لاہوری کا کیا معنی؟ لاہور والا۔ اسمی کا کیا معنی؟ اسم والا، یعنی جو اسم ہے، جو خود اسم ہے، اسم کی طرف منسوب ہے۔ اور ایک الف لام حرفی ہے، حرفی کا کیا معنی؟ حرف والا، جو حرف ہے بھائی، جو حرف کی طرف منسوب ہے بھائی۔ تو ضابطہ کیا ذکر ہوا؟ وہ الف لام جو اسمِ فاعل اور اسمِ مفعول کے صیغوں پر داخل ہو وہ اسمی ہوتا ہے۔ علمائے محققین فرماتے ہیں کہ یہ ضابطہ مطلق نہیں، جس اسمِ فاعل اور اسمِ مفعول پر بھی الف لام آجائے اور آپ فوراً آنکھیں بند کر کے کہہ دیں کہ یہ تو الف لام اسمی ہے، یہ تو اسمِ موصول ہے، کہتے ہیں ایسا نہیں، ایسا نہیں۔ بلکہ اس اسمِ فاعل اور اسمِ مفعول میں آپ غور کرو، اگر اس میں ثبوت والا معنی ہے تو پھر یہ الف لام حرفی ہی ہے، یہ اسمِ موصول نہیں ہے۔ اور اگر اس اسمِ فاعل اور اسمِ مفعول میں حدوث والا معنی ہو تو پھر وہ الف لام اسمی ہے بھائی۔ اگر اس میں حدوث والا معنی ہو تو پھر وہ الف لام اسمی ہے یعنی اسمِ موصول ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟

تو علماء کیا فرماتے ہیں کہ جار مجرور اگر نکرہ کے بعد آئیں تو وہ اس کے لیے صفت بنیں گے، اور معرفہ کے بعد آئیں تو پھر اس کو حال بنائیں گے صفت نہیں بنائیں گے، کیوں نہیں بنائیں گے؟ کیونکہ اگر آپ صفت کا صیغہ معرفہ نکالیں گے جیسے اَلثَّابِتُ، اَلثَّابِتُ، تو پھر اس کے اندر تو الف لام اسمِ موصول ہوا اور ثَابِتٌ اس کا صلہ ہوا، تو گویا موصول کو صلے سمیت حذف کیا گیا ہے، حالانکہ موصول کو صلے سمیت حذف کرنا جائز نہیں ہے۔ تو اس کا بھی جواب ہو گیا، اب بات آپ کو سمجھ میں آگئی ہوگی کہ نہیں بھائی، اَلثَّابِتُ کو اگر حذف بھی کریں تو یہ الف لام تو اسمِ موصول ہے ہی نہیں، تو موصول کا حذف لازم ہی نہیں آتا۔ توجہ ہے؟ تو لہٰذا اس لیے صاحبِ جامی نے یہاں اَلْكَائِنَةِ نکالا، اور اَلْكَائِنَةِ کس معنی میں ہے؟ اَلثَّابِتَةِ، دیکھو اس کے اندر ثبوت والا معنی ہے، اس میں حدوث والا معنی نہیں۔ اَلثَّابِتَةِ دیکھو اس میں تو ثبوت کی بات ہو رہی ہے، اس میں تو حدوث کی بات نہیں ہے۔ لہٰذا یہ جو الف لام آیا یہ الف لام حرفی ہے، یہ اسمِ موصول نہیں۔ لہٰذا اَلثَّابِتَةِ نکال لیا، معلوم ہوا الف لام بھی حذف ہے اور ثَابِتَةِ بھی حذف ہے، لیکن کیا اسمِ موصول کا حذف لازم آیا؟ نہیں، بلکہ یہ تو الف لام حرفی ہی تھا، لہٰذا معرفہ بھی نکال سکتے ہیں۔ بات سمجھ میں آگئی؟ ہاں، جہاں حدوث والا معنی ہوگا، مثلاً کوئی افعالِ خاصہ سے آپ نکالنا چاہتے ہیں، تو پھر وہ اکثر نحویوں کے نزدیک جائز نہیں ورنہ کیا خرابی لازم آئے گی؟ حذفِ موصول مع الصلہ لازم آئے گا، اور حذفِ موصول مع الصلہ تو جائز نہیں ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو صاحبِ جامی نے کیا نکالا؟ اَلْكَائِنَةِ یعنی اَلثَّابِتَةِ، اور اس کے اندر جو الف لام ہے وہ حرفی ہے، الف لام حرفی ہے، الف لام اسمی نہیں ہے۔ دیکھیے اَلْكَائِنَةِ کے

نیچے بین السطور لکھا ہوا ہے: اَللَّامُ حَرْفُ التَّعْرِيْفِ لَا مَوْصُوْلٌ، یہ موصول نہیں ہے، کیوں؟ یہ اسی لیے کہا کہ یہ اَلْكَائِنَةِ جو ہے یہ ثبوت کے معنی میں ہے، حدوث کے معنی میں نہیں ہے بھائی۔

یہاں تک بات سمجھ میں آگئی؟ تو بعض نحویوں کے نزدیک معرفہ کے بعد بھی جار مجرور آئے تو متعلق کو معرفہ نکال کر صفت بنانا جائز ہے، تو صاحبِ جامی نے بھی اَلْكَائِنَةِ نکال کر اس کو لَا کی صفت بنایا۔ بھائی میں نے بتلایا تھا آپ کو ایک قیمتی بات بتلاؤں بھائی۔ بھائی یاد رکھو، یہ بات آپ کو عام شروحات میں بھی نہیں ملے گی بھائی۔ یہاں جو آیا نا خَبَرُ لَا الَّتِيْ الْكَائِنَةِ لِنَفْيِ الْجِنْسِ، یاد رکھو یہ جو اَلَّتِيْ یہاں پر ہے یہ کتابت کی غلطی ہے۔ یہ کسی لکھنے والے نے اس کو یہاں پر درج کر دیا اور یہ اسی طرح تمام نسخوں میں نقل ہوتا چلا آیا۔ یہاں یہ اَلَّتِيْ نہیں ہونا چاہیے بھائی۔ اور دلیل کیا کہ اس کو نہیں ہونا چاہیے؟ اس کی دلیل یہی اَلْكَائِنَةِ ہے۔ اگر اَلَّتِيْ ہو تو اَلْكَائِنَةِ نہیں آسکتا، اور اگر اَلْكَائِنَةِ ہے تو اَلَّتِيْ نہیں ہو سکتا بھائی۔ توجہ ہے؟ بھائی اصل میں ہو سکتا ہے یہ تبدیلی صاحبِ کافیہ نے ہی کی ہو۔ مصنف حضرات جب کتاب لکھ لیتے تھے، اور پھر صاحبِ کافیہ نے کافیہ جیسی عظیم کتاب لکھی، تو طلباء دور دراز سے پڑھنے کے لیے آتے بھائی، اور مصنف جو ہیں پھر وہ اپنی تصنیف ان کو پڑھاتے بھی اور لکھواتے بھی تھے۔ قدیم زمانے میں تو چھاپنے کے لیے کوئی پریس وغیرہ نہیں ہوتے تھے، وہی سارا کچھ طلباء اپنے ہاتھ سے نقل کرتے تھے بھائی۔ تو وہ طلباء کو وہ کتابیں لکھواتے تھے بھائی، اور اسی طرح پھر نقل در نقل ہو کر وہ کتابیں ہم تک پہنچیں بھائی۔ اس میں علماء نے دیکھو زندگیاں گزار دیں، آپ سوچیں تو سہی پوری ایک کتاب کا درس بھی دینا اور پوری کتاب لکھوانا بھی بھائی۔ تو بعض نسخوں میں دیکھو، بعض نسخوں میں یوں تھا: خَبَرُ لَا، یہ اَلَّتِيْ کو ذرا نکال دیں، خَبَرُ لَا لِنَفْيِ الْجِنْسِ۔ جبکہ ہو سکتا ہے پھر بعد میں یہ تبدیلی صاحبِ کافیہ نے ہی خود کر دی ہو، لَا کے بعد لِنَفْيِ الْجِنْسِ سے پہلے کیا بڑھا دیا؟ اَلَّتِيْ بڑھا دیا۔ توجہ ہے؟ اَلَّتِيْ بڑھا دیا۔ تو یہ اَلْكَائِنَةِ یہ تو صاحبِ جامی نے نکالا ہے، ذرا اس کو آپ نکال دو۔ پہلے کیا عبارت تھی؟ ذرا اَلَّتِيْ کو بھی نکال دیں، خَبَرُ لَا لِنَفْيِ الْجِنْسِ۔ اور لَا کیا ہے؟ لَا علم کے درجے میں ہے، معرفہ ہے، اور اس کے بعد لِنَفْيِ الْجِنْسِ آیا، تو اس کو حال بھی بنا سکتے ہیں اور صفت بھی بنا سکتے ہیں۔ اگرچہ جمہور کے نزدیک کیا ہے؟ حال ہی بنائیں گے لیکن بعض کے نزدیک صفت بھی بنا سکتے ہیں۔ اور پھر شاید صاحبِ کافیہ نے یہی اَلَّتِيْ کا لفظ بعد میں بڑھا دیا، ان کی اپنی کتاب تھی، بعض اوقات مصنف ایک لفظ کو بدل دیتا ہے، تو پھر وہ کیا لے آئے؟ اَلَّتِيْ لے آئے۔ توجہ ہے؟ اور یہ اَلَّتِيْ یہ دیکھو لَا بھی معرفہ اور اَلَّتِيْ بھی معرفہ، تو یہ انہوں نے صفت بنا دیا اس کو۔ پہلے صفت کیا تھی؟ اَلنَّابِتَةِ لِنَفْيِ الْجِنْسِ، پہلے یہ صفت تھی۔ اب کیا لے آئے؟ اَلَّتِيْ لِنَفْيِ الْجِنْسِ، اب اَلَّتِيْ صفت بن گیا لَا کے لیے اور آگے لِنَفْيِ الْجِنْسِ اس کا صلہ بن گیا، موصول کے بعد ہمیشہ کیا آتا ہے؟ صلہ آتا ہے۔

معلوم ہوا صاحبِ جامی کے پاس جو کافیہ کا نسخہ تھا، جس کی وہ یہ شرح کر رہے ہیں، اس میں یہ اَلَّتِيْ کا لفظ نہیں تھا، یہ اَلَّتِيْ کا لفظ نہیں تھا۔ اَلَّتِيْ کا لفظ نہیں تھا اور آگے لَا کے بعد کیا تھا؟ لِنَفْيِ الْجِنْسِ، تو اس لِنَفْيِ الْجِنْسِ جار مجرور جو آیا لَا

کے بعد یعنی معرفہ کے بعد جار مجرور آیا۔ خبر اس لَا کی، اَلثَّابِتَةِ لِنَفْيِ الْجِنْسِ، وہ لَا جو ثابت ہے کس کے لیے؟ نفی کے لیے۔ تو معرفہ کے بعد جار مجرور آیا، تو لہٰذا صاحبِ جامی نے کیا کیا؟ اس لِنَفْيِ الْجِنْسِ کو حال نہیں بنایا بلکہ لَا کی صفت بنا دیا۔ توجہ ہے؟ وجہ کیا؟ وجہ یہ کیونکہ صاحبِ کافیہ کا مذہب یہ ہے، توجہ ہے؟ صاحبِ کافیہ کا مذہب یہ ہے کہ حال صرف فاعل یا مفعول یا دونوں کی حالت بیان کرتا ہے اور کسی چیز کی نہیں۔ حال کس کی حالت بیان کرتا ہے؟ فاعل یا مفعول یا دونوں کی حالت بیان کرتا ہے، کسی اور چیز کی نہیں۔ جَاءَنِيْ زَيْدٌ رَاكِبًا، دیکھو یہ رَاكِبًا یہ حال ہے کس سے؟ زید سے، اور زید لفظوں میں فاعل ہے۔ تو یہ جو حال ہوتا ہے یا فاعل کی حالت بیان کرتا ہے یا مفعول کی یا دونوں کی، اور خَبَرُ لَا، لَا کی خبر، یہ لَا نہ تو یہ فاعل ہے عبارت کے اندر، نہ مفعول ہے بھائی، لہٰذا اس کے بعد جار مجرور آیا، اب اس کو حال بنانا، صاحبِ کافیہ کے مذہب کے مطابق حال بنانا ٹھیک نہیں تھا، تو اس لیے صاحبِ جامی نے کیا بنا دیا اس کو؟ صفت بنا دیا، کیونکہ یہ لَا نہ لفظوں میں فاعل ہے، نہ معنی کے اعتبار سے فاعل ہے۔

تو معلوم ہوا یہ اَلَّتِيْ ان نسخوں میں نہیں تھا۔ اور اگر اَلَّتِيْ کو جوڑ دیں، پھر اَلْكَائِنَةِ لانا درست نہیں، کیونکہ اَلَّتِيْ اسمِ موصول ہے، اور اسمِ موصول کیا ہوتا ہے؟ معرفہ، اور اس کے بعد کیا چاہیے؟ صلہ، اور موصول صلہ مل کر پھر یہ معرفہ کے بعد آ رہے ہیں، تو ماقبل معرفہ کے لیے یہ کیا بن جائیں گے؟ صفت۔ لَا بھی معرفہ اور اس کے بعد اَلَّتِيْ لِنَفْيِ الْجِنْسِ موصول صلہ آئے، تو یہ لَا کے لیے کیا بن جائیں گے؟ صفت۔ اور آپ نے پڑھا تھا، صاحبِ جامی نے آپ کو بتلایا تھا بھائی جہاں بات آئی تھی کہ کبھی کبھار مبتدا متضمن ہوتا ہے معنیِ شرط کو۔ توجہ ہے؟ کہاں پر تھی یہ بحث؟ یہ دیکھو چار پانچ صفحے قبل یہ عبارت آئی تھی: وَقَدْ يَتَضَمَّنُ الْمُبْتَدَأُ مَعْنَى الشَّرْطِ فَيَصِحُّ دُخُوْلُ الْفَاءِ فِي الْخَبَرِ، اور کبھی کبھار مبتدا متضمن ہوتا ہے شرط کے معنی کو تو صحیح ہے اس کی خبر پر فاء کا داخل ہونا۔ وَذٰلِكَ الْاِسْمُ الْمَوْصُوْلُ بِفِعْلٍ أَوْ ظَرْفٍ، اور وہ مبتدا جو متضمن ہوتا ہے معنیِ شرط کو وہ اسمِ موصول ہے جو فعل یا ظرف کے ساتھ آئے، جو فعل یا ظرف کے ساتھ آئے۔ آگے ذرا عبارت دیکھو صاحبِ جامی کی: أَيِ الَّذِيْ جُعِلَتْ صِلَتُهٗ جُمْلَةً فِعْلِيَّةً أَوْ ظَرْفِيَّةً مُؤَوَّلَةً بِجُمْلَةٍ فِعْلِيَّةٍ هَاهُنَا بِالْاِتِّفَاقِ۔ ادھر دیکھیے۔ بتانا یہ چاہتے ہیں کہ اسمِ موصول کے بعد، اسمِ موصول کے بعد اگر صرف جار مجرور آجائیں، یعنی صلے میں صرف جار مجرور ہے اور کچھ نہیں، اور صلہ تو ہمیشہ کیا ہوتا ہے؟ جملہ، لہٰذا جب صلے کے اندر جار مجرور آئے تو وہاں آپ ثَابِتٌ نہیں نکالیں گے بلکہ بالاتفاق ثَبَتَ نکالیں گے۔ بالاتفاق ثَبَتَ نکالیں گے۔ کیوں؟ کیونکہ اگر آپ نے ثَابِتٌ نکالا تو ثَابِتٌ تو مفرد ہے بھائی، یہ اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر مفرد رہے گا۔ اور موصول کا صلہ تو مفرد نہیں ہوتا، وہ تو جملہ ہوتا ہے، لہٰذا یہاں ثَبَتَ نکالیں گے۔ ثَبَتَ فعل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر یہ صلہ بنے گا موصول کے لیے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ بھائی جار مجرور کے لیے متعلق چاہیے، وہ متعلق فعل بھی نکال سکتے ہیں، صفت کا صیغہ بھی، ثَبَتَ بھی نکال سکتے ہیں، ثَابِتٌ بھی۔ لیکن یہ جار مجرور اگر صلہ بن رہے ہیں اور کوئی چیز نہیں، صرف جار مجرور ہیں صلے میں، تو بالاتفاق وہاں کیا نکالیں گے؟ ثَبَتَ

نکالیں گے کیونکہ صلہ کیا ہوتا ہے؟ جملہ ہوتا ہے، لہٰذا جملہ چاہیے ہمیں تو ثَبَتَ ہی نکالنا پڑے گا۔ چنانچہ انہوں نے کیا فرمایا؟ أَيِ الَّذِيْ جُعِلَتْ صِلَتُهٗ جُمْلَةً فِعْلِيَّةً أَوْ ظَرْفِيَّةً مُؤَوَّلَةً بِجُمْلَةٍ فِعْلِيَّةٍ هَاهُنَا بِالْاِتِّفَاقِ، کہ وہ جس کا صلہ جملہ فعلیہ یا ظرفیہ ہو، اس کی تاویل کی جائے گی جملہ فعلیہ کے ساتھ، یعنی یہاں فعل نکالیں گے، هَاهُنَا یہاں پر بِالْاِتِّفَاقِ، اس میں کوفہ اور بصرہ کے سب نحویوں کا اس میں اتفاق ہے بھائی۔ بات سمجھ میں آگئی؟

لہٰذا یہاں پر اب دیکھو: خَبَرُ لَا الَّتِيْ لِنَفْيِ الْجِنْسِ۔ اَلَّتِيْ اسمِ موصول آیا اور لِنَفْيِ الْجِنْسِ جار مجرور آیا، تو اس موصول کا صلہ ظرف ہے، ظرف ہے، اور جب بھی موصول کا صلہ ظرف آئے اس کی تاویل کس کے ساتھ کی جائے گی؟ جملہ فعلیہ کے ساتھ بالاتفاق، اور وہاں کیا نکالیں گے؟ ثَبَتَ، تو یہاں کیا ہونا چاہیے تھا؟ ثَبَتَ ہونا چاہیے تھا۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو صاحبِ جامی کے پاس جو نسخہ تھا اس میں یہ اَلَّتِيْ موجود نہیں تھا بھائی، اسی لیے انہوں نے اَلْكَائِنَةِ نکال کر لِنَفْيِ الْجِنْسِ کو لَا کی صفت بنایا۔ اور اگر اَلَّتِيْ موجود ہو تو پھر تو اَلَّتِيْ موصول اس کی صفت بن جائے گا، اب اَلْكَائِنَةِ نکالنے کی ضرورت نہیں بلکہ اَلَّتِيْ ثَبَتَتْ لِنَفْيِ الْجِنْسِ یہاں ثَبَتَتْ نکالنا پڑے گا کیونکہ ہمیں صلہ جملہ چاہیے۔

اور اس پر آپ حاشیہ بھی دیکھ لیں، حاشیوں کے اندر بھی یہ اَلَّتِيْ کا لفظ موجود نہیں ہے بھائی۔ یہ اَلْكَائِنَةِ کے اوپر حاشیہ دیا ہوا ہے، کیا لکھا ہے؟ دیکھیں یہ اس حاشیے کے درمیان میں آرہا ہے: وَذَا لَا يَجُوْزُ عِنْدَ الْبَصْرِيِّيْنَ۔ مل گئی عبارت؟ فَالتَّقْدِيْرُ عِنْدَهُمْ، ان کے نزدیک تقدیر عبارت کیا ہوگی بصرہ والوں کے نزدیک؟ خَبَرُ لَا كَائِنَةً لِنَفْيِ الْجِنْسِ۔ دیکھو ان کے نزدیک كَائِنَةً حال بنائیں گے، دیکھو یہاں اَلَّتِيْ کا لفظ نہیں ہے۔ اَلَّتِيْ کا لفظ نہیں ہے، اگر اَلَّتِيْ کا لفظ ہو تو پھر اَلْكَائِنَةِ یہاں جڑتا نہیں ہے بھائی۔

حاصلِ کلام یہ کہ صاحبِ جامی کے پاس کافیہ کا جو نسخہ تھا اور جس سے انہوں نے پھر کافیہ کی شرح کی، اس نسخے کے اندر اَلَّتِيْ کا لفظ نہیں تھا بھائی۔ اور وہ، انہوں نے پھر لِنَفْيِ الْجِنْسِ کو لَا کی صفت بنانے کے لیے اَلْكَائِنَةِ کا لفظ نکالا۔ اگر اَلَّتِيْ کا لفظ ہوتا تو وہ پھر اَلْكَائِنَةِ نہ نکالتے، بلکہ پھر یہاں فعل نکالتے ثَبَتَتْ یا كَانَتْ، اس لیے کیونکہ اَلَّتِيْ جب موجود ہے تو لِنَفْيِ الْجِنْسِ نے اس کے لیے صلہ بننا ہے اور موصول کا صلہ ہمیشہ جملہ ہوتا ہے۔ تو اس نسخے میں یہ اَلَّتِيْ نہیں تھا، بعد میں کسی نے اس اَلَّتِيْ کا اضافہ کر دیا کیونکہ کافیہ کے جو نسخے عام رائج تھے ان میں اَلَّتِيْ کا لفظ موجود تھا۔ اب یہ ہو سکتا ہے یہ صاحبِ کافیہ نے اس اَلَّتِيْ کا اضافہ کیا ہو کافیہ کے نسخوں کے اندر، یا ہو سکتا ہے ان کے بعد کسی طالبِ علم نے غلطی سے اس نے اضافہ کر دیا اور پھر وہ نسخے پھیلتے چلے گئے۔ تو بہرحال یہ جو جامی کے اندر جو کافیہ کا متن تھا اس میں اَلَّتِيْ کا لفظ نہیں تھا، بعد میں کسی لکھنے والے نے اس کا اضافہ کر دیا۔ بات سمجھ میں آگئی؟

اور پھر یہ بھی یاد رکھنا، یہ خَبَرُ لَا الَّتِيْ لِنَفْيِ الْجِنْسِ یہ مبتدا ہے، یہ مبتدا ہے اور مِنْهَا خبر محذوف ہے، جیسے اِنَّ کی خبر کی بات آئی تھی، وہاں پر بھی مِنْهَا خبر محذوف تھی۔ عبارت یوں ہے: وَمِنْهَا خَبَرُ لَا الَّتِيْ لِنَفْيِ الْجِنْسِ۔ وَمِنْهَا أَيْ وَمِنَ الْمَرْفُوْعَاتِ،

مرفوعات میں سے کیا ہے؟ خَبَرُ لَا الَّتِيْ لِنَفْيِ الْجِنْسِ ہے بھائی۔ تو مِنْهَا جار مجرور ہے، اور میں نے آپ کو بتلایا ہے جار مجرور یہ خبر تو بن سکتے ہیں مبتدا کبھی بھی نہیں، تو مِنْهَا یہ خبرِ مقدم اور خَبَرُ لَا الَّتِيْ لِنَفْيِ الْجِنْسِ یہ سارا کیا بنے گا؟ مبتدا بن جائے گا۔ عبارت سمجھ میں آگئی اچھی طرح؟

تو یہ لَا معرفہ ہے، لَا سے لفظِ لَا مراد ہے۔ توجہ ہے؟ اور جب لفظ بول کر لفظ مراد ہو تو پھر اس کا ترجمہ نہیں کیا جاتا، چنانچہ آپ بھی دیکھ لیں: خَبَرُ لَا الَّتِيْ لِنَفْيِ الْجِنْسِ، جی ترجمہ کیجیے۔ اس لَا کی خبر، اَلَّتِيْ لِنَفْيِ... یہ اَلَّتِيْ لَا کی صفت ہے، اس لَا کی خبر اَلَّتِيْ لِنَفْيِ الْجِنْسِ جو کس لیے آتا ہے؟ نفیِ جنس کے لیے۔ دیکھا یہ لَا کا ترجمہ آپ نہیں کر رہے، حالانکہ لَا کا ترجمہ تو ہے نہیں یا نفی، یوں آپ نہیں کہہ رہے اس نفی کی خبر، بلکہ آپ کیا کہہ رہے ہیں؟ اس لَا کی خبر بھائی۔ تو لہٰذا یہ اَلَّتِيْ یہاں نہیں ہونا چاہیے بھائی، لیکن آج کل جو کافیہ کے نسخے شائع اور رائج ہیں ان میں چونکہ اَلَّتِيْ موجود ہے، لہٰذا اس لیے جامی کے اندر بھی کسی نے نقل کر کے اَلَّتِيْ لکھ دیا وہیں سے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ ورنہ صاحبِ جامی کے پاس جو نسخہ تھا معلوم ہوتا ہے اس میں اَلَّتِيْ نہیں تھا، ورنہ وہ کبھی بھی اَلْكَائِنَةِ نہ نکالتے بلکہ كَائِنٌ نکالتے یا ثَبَتَتْ نکالتے بھائی۔

تو کہتے ہیں: لِنَفْيِ الْجِنْسِ أَيْ لِنَفْيِ صِفَتِهٖ۔ لِنَفْيِ الْجِنْسِ أَيْ لِنَفْيِ صِفَتِهٖ۔ میں نے آپ کو بتلایا تھا کہ نفی کے بعد اَلْجِنْسِ سے پہلے مضاف یہاں محذوف ہے اور وہ صفت کا لفظ ہے أَيْ لِنَفْيِ صِفَةِ الْجِنْسِ، وہی صاحبِ جامی بیان کر رہے ہیں: أَيْ لِنَفْيِ صِفَتِهٖ۔ صِفَتِهٖ کی ہِ ضمیر جنس کو راجع ہے، یعنی جنس کی صفت کی نفی کے لیے۔ إِذْ لَا رَجُلَ قَائِمٌ مَثَلًا، جیسے کہ کہتے ہیں مثلاً لَا رَجُلَ قَائِمٌ کا یہ جو جملہ ہے لِنَفْيِ الْقِيَامِ عَنِ الرَّجُلِ، یہ رَجُل سے قیام کی نفی کے لیے ہے، لَا لِنَفْيِ الرَّجُلِ نَفْسِهٖ، خود آدمی کی نفی کے لیے نہیں ہے۔ کیا اشکال ہوا؟ کہ اس کا نام کیا ہے؟ لائے نفی جنس، حالانکہ یہ جنس کی نفی کے لیے تو نہیں آتا۔ لَا رَجُلَ قَائِمٌ کا کیا معنی؟ جنسِ رجل نہیں ہے یا رجل قائم نہیں ہے؟ قائم نہیں ہے، دیکھو جنس کی نفی کے لیے یہ نہیں آتا، بلکہ جنس کی صفت کی نفی کرتا ہے۔ تو کہتے ہیں یہ لِنَفْيِ الْقِيَامِ عَنِ الرَّجُلِ، یہ رجل سے قیام کی نفی کے لیے ہے، لَا لِنَفْيِ الرَّجُلِ نَفْسِهٖ، یہ خود رجل کی نفی کے لیے نہیں ہے۔

یاد رکھو یہ نَفْسِهٖ یہ تاکید ہے اَلرَّجُلِ کے لیے۔ تاکید کا باب آگے آئے گا، اس میں صاحبِ کافیہ آپ کو بتلائیں گے۔ تاکید ایک صورت یہ ہے کہ اسی لفظ کو دوبارہ ذکر کیا جائے: جَاءَنِيْ زَيْدٌ زَيْدٌ، دیکھو زَيْدٌ کو میں نے دو دفعہ ذکر کر دیا۔ اسی طرح کبھی کبھار یہ نَفْس اور عَيْن کے ذریعے تاکید لاتے ہیں۔ نَفْس اور عَيْن، تو یہ مفرد، تثنیہ اور جمع سب کے لیے اس کو تاکید بناتے ہیں، اسی کے مطابق صیغہ بھی بدلے گا اور ضمیر بھی بدلے گی۔ توجہ ہے؟ لہٰذا یہاں اَلرَّجُلِ مفرد ہے، لہٰذا نَفْس کا لفظ بھی مفرد لائے اور ہِ ضمیر بھی مفرد لائے۔ اور یہ ماقبل کی تاکید ہے کس کی؟ اَلرَّجُلِ کی، تو اَلرَّجُلِ ہوا مؤکد اور نَفْسِهٖ ہوئی اس کی تاکید، اور مؤکد اور تاکید کا اعراب ایک ہوتا ہے، جو اعراب مؤکد کا ہوتا ہے وہی تاکید کا ہوتا ہے۔ اور یہاں پر اَلرَّجُلِ کیا ہے؟

مضاف الیہ ہے، مجرور ہے، تو نَفْسِہٖ یہ بھی کیا ہے؟ مجرور ہے، اور ہِ ضمیر اسی اَلرَّجُلِ کو راجع ہے۔ اگر اَلرَّجُلُ مرفوع ہوتا، مثلاً زید کو لے آئیں: جَاءَنِيْ زَيْدٌ نَفْسُهٗ، دیکھا نَفْسُهٗ کو بھی میں نے کیا پڑھا؟ مرفوع، کیونکہ یہ زید کی تاکید ہے اور زید مرفوع تو نَفْسُهٗ بھی مرفوع۔ ضَرَبْتُ زَيْدًا نَفْسَهٗ، تو دیکھو یہاں زَيْدًا منصوب ہے تو نَفْسَهٗ بھی منصوب اس کی تاکید ہے۔ اور مَرَرْتُ بِزَيْدٍ نَفْسِهٖ، یہاں زَيْدٍ مجرور ہے تو نَفْسِهٖ بھی مجرور ہے بھائی۔ تاکید کے اندر اس کا مفصل بیان آجائے گا بھائی۔

تو کہتے ہیں: إِذْ لَا رَجُلَ قَائِمٌ مَثَلًا، کہتے ہیں جیسے لَا رَجُلَ قَائِمٌ جو ہے لِنَفْيِ الْقِيَامِ عَنِ الرَّجُلِ، یہ رجل سے قیام کی نفی کے لیے ہے، لَا لِنَفْيِ الرَّجُلِ نَفْسِهٖ، یہ خود رجل کی نفی کے لیے نہیں ہے۔

هُوَ الْمُسْنَدُ إِلٰى شَيْءٍ آخَرَ، یہ لائے نفی جنس کی جو خبر ہے وہ مسند ہوتی ہے إِلٰى شَيْءٍ آخَرَ کسی دوسری چیز کی طرف۔ هٰذَا شَامِلٌ لِخَبَرِ الْمُبْتَدَأِ، یہ شامل ہے کس کو؟ مبتدا کی خبر کو بھی، وَخَبَرِ إِنَّ، اور اِنَّ کی خبر کو بھی، وَكَانَ وَغَيْرِهَا، اور کَانَ کی خبر کو بھی، وَغَيْرِهَا، اور اس کے علاوہ اوروں کی جو خبریں ہیں۔ بھائی کہا کہ اس کی خبر مسند ہوتی ہے، تو اس میں مبتدا کی خبر بھی آگئی وہ بھی مسند ہوتی ہے، اِنَّ کی خبر بھی آگئی، کَانَ کی خبر بھی آگئی، مَا وَلَا مُشَابِهَ بِلَيْسَ کی خبر وغیرہ بھی سب آ گئیں اس کے اندر۔ تو کہتے ہیں یہ مسند ہوتا ہے، جب مسند کہا تو اس میں مبتدا کی خبر بھی داخل ہوئی، اِنَّ، اِنَّ سے مراد ہے حروفِ مشبہ بالفعل، ان کی خبر بھی اس میں داخل ہو گئی، کَانَ کی خبر جو ہے یعنی افعالِ ناقصہ کی خبر بھی داخل ہو گئی، تمام خبریں اس کے اندر داخل ہو گئیں کیونکہ یہ سب مسند ہوتے ہیں۔

بَعْدَ دُخُوْلِهَا، جب یہ قید لگائی کہ اس لا کے داخل ہونے کے بعد، تو اب وہ ساری خبریں نکل گئیں۔ مبتدا کی خبر بھی نکل گئی کیونکہ وہ مسند تو ہے لیکن اس پر لا داخل نہیں، اسی طرح اِنَّ اور کَانَ کی خبر بھی نکل گئی کیونکہ وہ مسند تو ہیں لیکن ان پر لا داخل نہیں بھائی۔ تو کہتے ہیں: بَعْدَ دُخُوْلِهَا أَيْ بَعْدَ دُخُوْلِ لَا، یعنی لا کے داخل ہونے کے بعد۔ بَعْدَ دُخُوْلِهَا، هَا ضمیر کا مرجع بتلا دیا: أَيْ بَعْدَ دُخُوْلِ لَا بھائی، یہ هَا ضمیر کس کو راجع ہے؟ لا کو، اور لا کو مؤنث ضمیر کیوں راجع کی؟ کیونکہ یہ حرف ہے اور حروف زیادہ تر مؤنث استعمال ہوتے ہیں۔ فَخَرَجَ بِهٖ سَائِرُ الْأَخْبَارِ، تو نکل گئیں اس قید کے ذریعے سَائِرُ الْأَخْبَارِ باقی خبریں، باقی خبریں اس قید کے ذریعے نکل گئیں بھائی۔

وَالْمُرَادُ بِدُخُوْلِهَا مَا عَرَفْتَ فِيْ خَبَرِ إِنَّ، اور داخل ہونے سے وہی مراد ہے جو آپ نے اِنَّ کی خبر میں پہچان لیا۔ فَلَا يَرِدُ نَحْوُ يَضْرِبُ، لہٰذا يَضْرِبُ جیسے لفظوں کا اعتراض وارد نہیں ہوتا فِيْ لَا رَجُلَ يَضْرِبُ أَبُوْهُ، اس جملے کے اندر جو يَضْرِبُ آیا۔ توجہ ہے؟ بھائی دیکھیے، آپ نے ہمیں کیا کہا؟ کہ لائے نفی جنس کی خبر وہ مسند ہوتی ہے لا کے داخل ہونے کے بعد۔ آپ کی یہ تعریف دخولِ غیر سے مانع نہیں، آپ کی اس تعریف کے اندر اس جیسی مثال میں جو يَضْرِبُ لفظ آرہا ہے، لَا رَجُلَ يَضْرِبُ أَبُوْهُ، آپ کی تعریف لی جائے تو یہ يَضْرِبُ اس کو بھی لائے نفی جنس کی خبر کہنا پڑے گا، حالانکہ یہ لائے نفی جنس کی خبر نہیں ہے، حالانکہ یہ لائے نفی جنس کی خبر نہیں ہے۔ پہلے ترکیب سنو بھائی، کہ لَا رَجُلَ يَضْرِبُ أَبُوْهُ، لائے نفی جنس، رَجُلَ مبنی علی

الفتح، یہ کیا ہے؟ مبنی ہے، توجہ ہے؟ بھائی کیسے آپ کو پتہ چلے گا کہ یہ مبنی ہے؟ کیسے پتہ چلے گا؟ یہ اس کو معرب نہیں کہتے، نحوی حضرات لَا رَجُلَ، اس رَجُلَ کو وہ مبنی کہتے ہیں بھائی۔ یاد رکھو، یاد رکھو، یہ لَا رَجُلَ پر جو تنوین نہیں آرہی اس تنوین کے نہ آنے سے پتہ چلا کہ یہ مبنی ہے۔ دیکھو مانعِ تنوین دو چیزیں ہیں بھائی، یا تو الف لام آجائے اور یا آگے مضاف الیہ آجائے۔ اور رَجُل اس پر الف لام داخل ہے؟ نہیں، تو الف لام بھی نہیں ہے، اور نیز آگے کوئی مضاف الیہ بھی نہیں ہے کہ جس کی وجہ سے تنوین گر جاتی، تو کوئی مانعِ تنوین چیز یہاں نہیں، پھر بھی لَا رَجُلَ پر تنوین نہیں آرہی، معلوم ہوا یہ معرب نہیں ہے بلکہ مبنی ہو چکا ہے، اگر یہ معرب ہوتا تو اس پر تنوین آنی چاہیے تھی۔ اسی طرح یَا زَیْدُ، یہ جو منادیٰ ہے، یَا زَیْدُ، کہتے ہیں منادیٰ مفرد معرفہ ہو تو یہ مبنی علی الضم ہوتا ہے، یَا زَیْدُ دیکھو اس پر پیش آرہی ہے، ضمہ ہے، تو اس کو مبنی کہا۔ بھائی اس کو معرب کیوں نہیں کہتے؟ وجہ وہی جو میں نے ابھی ذکر کر دی، کہ اس پر تو مانعِ تنوین کوئی چیز موجود نہیں ہے، کہنا تو چاہیے تھا یَا زَیْدٌ، لیکن کہا کیا گیا؟ یَا زَیْدُ، تنوین نہیں آئی حالانکہ لفظِ زید پر نہ الف لام داخل ہے نہ آگے کوئی مضاف الیہ ہے، کوئی مانعِ تنوین چیز نہیں، پھر بھی تنوین نہیں آرہی، معلوم ہوا یہ کیا بن چکا ہے؟ مبنی بن چکا ہے بھائی۔ تو یہاں پر بھی اسی طرح ہے لَا رَجُلَ، یہ کیا ہے؟ مبنی ہے بھائی۔ تو رَجُلَ مبنی علی الفتح، یہ تو مبنی علی الفتح ہے، اور مبنی کا بھی کوئی محلِ اعراب ہوتا ہے یا نہیں؟ هُوَ قَائِمٌ، ترکیب کرو هُوَ قَائِمٌ: هُوَ مرفوع محلاً بتدا، دیکھا هُوَ مبنی علی الفتح ہے، هُوَ، واؤ کے اوپر کیا پڑھ رہے ہو؟ فتحہ، تو یہ مبنی علی الفتح ہے لیکن محلاً اعراب آپ بتا رہے ہیں: هُوَ مرفوع محلاً۔ تو یہاں پر بھی لَا رَجُلَ، یہ مبنی علی الفتح ہے لیکن اعراب تو بتانا پڑے گا کہ اعراب کیا ہے، تو اعراب کیا ہے اس کا؟ منصوب محلاً ہے، یہ لائے نفی جنس کا اسم ہے، اور لائے نفی جنس کیا کرتا ہے؟ اپنے اسم کو نصب دیتا ہے، جیسے اگلی مثال متن میں آرہی ہے: لَا غُلَامَ رَجُلٍ ظَرِیْفٌ، یہاں پر لائے نفی جنس دیکھو نصب دے رہا ہے غُلَامَ رَجُلٍ کو۔

کیا ہم کر رہے تھے؟ ترکیب کر رہے تھے۔ تو یہ لَا رَجُلَ یَضْرِبُ أَبُوْهُ، یہ لَا رَجُلَ کو کیا کہتے ہیں؟ یہ مبنی ہے، کیوں کہتے ہیں مبنی ہے؟ کیونکہ اس پر تنوین نہیں آرہی، کوئی مانعِ تنوین نہیں، الف لام وہ بھی نہیں ہے، اضافت بھی نہیں، پھر بھی تنوین نہیں، معلوم ہوا یہ کیا بن چکا ہے؟ مبنی بن چکا ہے۔ اسی طرح یَا زَیْدُ اس کو بھی مبنی کہتے ہیں، کیوں؟ کیونکہ مانعِ تنوین کوئی نہیں لیکن پھر بھی تنوین نہیں آرہی، معلوم ہوا یہ کیا بن چکا ہے؟ مبنی۔ اور مبنی کا اعراب کیسے بیان کرتے ہیں؟ محلاً۔ تو لَا رَجُلَ، لائے نفی جنس، رَجُلَ مبنی علی الفتح۔ مبنی علی الفتح کہنے کی ضرورت ہی نہیں ہے، سب کو نظر آرہا ہے یہ کیا ہے مبنی علی الفتح، بس صرف اتنا کہو منصوب محلاً، یہ مبنی ہے یا بیان بھی کر دو بے شک ساتھ، تو منصوب محلاً یہ لائے نفی جنس کا اسم۔ یَضْرِبُ فعل، أَبُوْهُ، أَبُوْ مرفوع لفظاً مضاف، مرفوع کیوں؟ یہ فاعل ہے یَضْرِبُ کے لیے، اور هُ ضمیر مجرور محلاً مضاف الیہ، یہ کس کو راجع؟ جی ہاں شاباش، یہ رَجُلَ کو راجع ہے، اس لیے کیونکہ لائے نفی جنس کی خبر کو کس سے جوڑتے ہیں؟ لائے

نفی جنس کے اسم سے بھائی۔ تو أَبُوْهُ کی هُ ضمیر رَجُلَ کو یعنی لائے نفی جنس کے اسم کو راجع ہے۔ تو أَبُوْهُ یہ مضاف مضاف الیہ مل کر یہ فاعل ہوئے یَضْرِبُ کے لیے۔ یَضْرِبُ فعل اپنے فاعل سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر یہ خبر لَا کی، لَا اپنے اسم اور خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔ ترکیب سمجھ میں آگئی؟ اب دیکھو یہ لائے نفی جنس کی خبر یَضْرِبُ أَبُوْهُ پورا جملہ ہے، پورا جملہ ہے، لیکن آپ نے جو لائے نفی جنس کی تعریف کی، اس تعریف کے مطابق یہ یَضْرِبُ اکیلا، اس کو بھی لائے نفی جنس کی خبر کہنا چاہیے، حالانکہ یہ لائے نفی جنس کی خبر تو یَضْرِبُ نہیں ہے، یَضْرِبُ أَبُوْهُ پورا جملہ ہے، صرف یہ فعل لائے نفی جنس کی خبر نہیں ہے بھائی۔ تو صاحبِ جامی آپ کو بتلائیں گے کہ بھائی ہم اِنَّ کی خبر میں تقریر کر چکے ہیں، وہاں پر کیا اعتراض ہوا تھا؟ إِنَّ زَيْدًا يَقُوْمُ أَبُوْهُ، وہاں بھی یہی اشکال ہوا تھا۔ اِنَّ کی خبر کیا ہے؟ يَقُوْمُ أَبُوْهُ پورا جملہ ہے، لیکن آپ کی تعریف لے لی جائے تو يَقُوْمُ کو بھی کیا کہنا پڑے گا؟ اِنَّ کی خبر کہنا پڑے گا۔ توجہ ہے؟ تو صاحبِ جامی نے پھر اس کا جواب دیا تھا۔

تو یہاں اعتراض کس طرح ہوتا ہے کہ یہ يَضْرِبُ کس طرح داخل ہو رہا ہے لائے نفی جنس کی خبر میں؟ کہتے ہیں آپ نے تعریف کیا کی؟ کہ لائے نفی جنس کی خبر وہ مسند ہوتی ہے کسی چیز کی طرف، اور یہ يَضْرِبُ بھی مسند ہے بھائی، اس کا اسناد أَبُوْهُ کی طرف ہو رہا ہے۔ اور نیز بَعْدَ دُخُوْلِهَا کس کے داخل ہونے کے بعد؟ لا کے داخل ہونے کے بعد، تو یہ لا کے داخل ہونے کے بعد یہ يَضْرِبُ مسند ہے أَبُوْهُ کی طرف، تو اس يَضْرِبُ کو بھی کیا کہنا چاہیے؟ لائے نفی جنس کی خبر کہنا چاہیے، لیکن یہ تو لائے نفی جنس کی خبر نہیں ہے، بلکہ اس کی خبر تو يَضْرِبُ أَبُوْهُ پورا جملہ ہے۔

تو صاحبِ جامی نے اِنَّ کی خبر میں جواب دیا تھا کہ بھائی آپ نے داخل ہونے کا لفظی معنی مراد لے لیا، کہ چونکہ یہ لفظوں کے اندر لا اس پر داخل ہے لہٰذا یہ بھی تعریف کے اندر داخل ہو رہا ہے۔ یعنی لا کے داخل ہونے کا یہ معنی نہیں کہ صرف لفظوں میں اس پر داخل ہو، بلکہ داخل ہونے کا معنی یہ ہے کہ لَا لفظاً یا معناً اپنا اثر دے دے۔ لَا لفظاً یا معناً اپنا اثر دے دے۔ اور لَا لفظوں میں کیا اثر کرتا ہے؟ اپنے اسم کو نصب دیتا ہے تو خبر کو رفع دیتا ہے، لیکن یہاں يَضْرِبُ پر جو رفع آیا وہ لا کی وجہ سے نہیں ہے، بلکہ فعلِ مضارع جب ناصب اور جازم سے خالی ہو تو وہ مرفوع ہوتا ہے، رفع کے لیے وہاں کسی عامل کی ضرورت نہیں، تو یہ جو يَضْرِبُ پر رفع آیا یہ لا نے نہیں دیا، تو معلوم ہوا لا نے يَضْرِبُ کے اندر لفظوں میں کوئی عمل نہیں کیا۔ اور نیز معنی میں بھی کوئی اثر نہیں کیا، یہ جو يَضْرِبُ کا اسناد ہو رہا ہے أَبُوْهُ کی طرف، اس کے اندر نفی نہیں آئی۔ لا معنی میں کیا اثر دیتا ہے؟ نفی پیدا کر دیتا ہے، تو یہ جو يَضْرِبُ کا اسناد ہے أَبُوْهُ کی طرف، اس اسناد میں لا نے کوئی نفی والا معنی پیدا نہیں کیا۔ ہاں، يَضْرِبُ أَبُوْهُ پورا جملہ جب اس کی اسناد کس کی طرف ہو؟ رَجُلَ کی طرف، اس کے اندر اس نے نفی والا معنی پیدا کر دیا۔ توجہ ہے؟ تو لا نے يَضْرِبُ میں نہ لفظاً اثر کیا اور نہ معناً اثر کیا۔ لہٰذا يَضْرِبُ کے ذریعے آپ لائے نفی جنس کی خبر کی تعریف پر اعتراض نہیں کر سکتے کہ یہ بھی تعریف میں داخل ہو رہا ہے، یہ تعریف میں داخل ہی نہیں، کیونکہ داخل ہونے کا یہ معنی نہیں کہ لفظوں میں داخل ہو، بلکہ لفظاً یا معناً اپنا اثر دے، اور یہاں لا نے نہ لفظاً اپنا اثر دیا ہے اور نہ

معناً اثر دیا ہے، لہٰذا اس پر لا داخل ہی نہیں، جب داخل ہی نہیں تو یہ تعریف میں کیسے داخل ہو گیا؟ بات سمجھ میں آگئی؟

تو کہتے ہیں: وَالْمُرَادُ بِدُخُوْلِهَا مَا عَرَفْتَ فِيْ خَبَرِ إِنَّ، اور لا کے داخل ہونے سے مراد جو ہے وہ جو آپ جان چکے ہیں اِنَّ کی خبر میں، فَلَا يَرِدُ نَحْوُ يَضْرِبُ، لہٰذا يَضْرِبُ جیسے لفظوں کا اعتراض وارد نہیں ہوتا فِيْ لَا رَجُلَ يَضْرِبُ أَبُوْهُ، اس جیسے جملوں میں، لَا رَجُلَ يَضْرِبُ أَبُوْهُ کے اندر جو يَضْرِبُ ہے اس جیسے لفظوں کا اعتراض وارد نہیں ہوتا۔ چلیے بس کریں، بات سمجھ میں آگئی اچھی طرح؟ چلیے بس بھائی هٰذَا هُوَ الْمَرَامُ وَاللّٰهُ أَعْلَمُ بِحَقِيْقَةِ الْكَلَامِ۔

سبق نمبر ۱۱۲: خبرِ لائے نفیِ جنس (۲): «لَا غُلَامَ رَجُلٍ ظَرِيفٌ» کی مثال کی حکمت اور حذفِ خبر

شرحِ ملا جامی صفحہ: ۸۱ — بتاریخ: ۲۸ نومبر ۲۰۲۱ء

▪ تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث

آگے سبق دیکھیے بھئی: لَا غُلَامَ رَجُلٍ ظَرِيْفٌ، وَإِنَّمَا عَدَلَ عَنِ الْمِثَالِ الْمَشْهُوْرِ وَهُوَ قَوْلُهُمْ: لَا رَجُلَ فِي الدَّارِ، لِاحْتِمَالِ حَذْفِ الْخَبَرِ وَجَعْلِ فِي الدَّارِ صِفَةً، بِخِلَافِ مَا ذَكَرَهُ لِأَنَّ غُلَامَ رَجُلٍ مُعْرَبٌ مَنْصُوْبٌ لَا يَجُوْزُ ارْتِفَاعُ صِفَتِهِ عَلَى مَا هُوَ الظَّاهِرُ.

بھئی گزشتہ سبق میں ہم نے لائے نفی جنس کی خبر کے بارے میں پڑھنا شروع کیا تھا، اور بحث چل رہی ہے مرفوعات کی بھئی۔ اور لائے نفی جنس جو ہے اس کا اسم منصوب ہوتا ہے اور خبر مرفوع، تو اس لیے مرفوعات کے اندر اس کی خبر کو ذکر کیا۔ اور میں نے آپ کو بتلایا کہ یہ خَبَرُ لَا الَّتِيْ لِنَفْيِ الْجِنْسِ یہ، یہ مبتدا ہے اور اس کی خبر ما قبل میں محذوف ہے، اور تقدیرِ عبارت یوں ہے: مِنْهَا خَبَرُ لَا الَّتِيْ لِنَفْيِ الْجِنْسِ۔ تو مِنْهَا خبرِ مقدم ہے اور هَا ضمیر راجع ہے مرفوعات کو، أَيْ مِنَ الْمَرْفُوْعَاتِ خَبَرُ لَا الَّتِيْ لِنَفْيِ الْجِنْسِ بھئی۔

اور پھر میں نے آپ کو بتلایا تھا بھئی کہ یہاں الَّتِيْ کے بعد صاحبِ جامی نے الْكَائِنَةَ کا لفظ نکالا ہے بھئی۔ وہ اس لیے کیونکہ صاحبِ جامی لِنَفْيِ الْجِنْسِ کو صفت بنانا چاہتے ہیں لَا کی بھئی۔ کس کی؟ صفت بنانا چاہتے ہیں لَا کی۔ اور میں نے آپ کو بتلایا تھا کہ یہ جو الَّتِيْ کا لفظ ہے، یہ کتابت کی غلطی ہے، یہ کسی لکھنے والے نے اس کا اضافہ کیا ہے بھئی۔ اور حاصلِ کلام یہ کہ یہ جو الَّتِيْ کا لفظ آیا، معلوم ہوا صاحبِ جامی جب کافیہ کی شرح کر رہے تھے، تو ان کے پاس جو کافیہ کا نسخہ تھا اس کے اندر یہ الَّتِيْ کا لفظ نہیں تھا۔ عبارت کس طرح تھی؟ خَبَرُ لَا لِنَفْيِ الْجِنْسِ۔ یہ لَا جو ہے اس سے لفظِ لَا مراد ہے، تو یہ هٰذَا اللَّفْظِ کی تاویل میں ہے، یا یوں کہیں یہ عَلَم ہے اس لَا کے لیے، تو یہ معرفہ ہوا، اور معرفہ کے بعد جار مجرور آیا، اور معرفہ کے بعد جار مجرور آئے تو اس کو عموماً اس سے حال بناتے ہیں۔ میں نے آپ کو بتلایا تھا کہ نکرہ کے بعد اگر جار مجرور آئے یا فعل آئے تو عموماً وہ اس نکرہ کے لیے صفت بنتے ہیں، جبکہ معرفہ کے بعد اگر جار مجرور یا فعل آئے تو وہ عموماً اس معرفہ کے لیے حال بنتے

ہیں۔ تو عام نحوی کیا فرماتے ہیں کہ خَبَرُ لَا لِنَفْيِ الْجِنْسِ اس لِنَفْيِ الْجِنْسِ کو لَا کے لیے کیا بنائیں گے؟ حال بنائیں گے، اور عبارت کیسے ہوگی؟ خَبَرُ لَا كَائِنَةً لِنَفْيِ الْجِنْسِ، یا ثَابِتَةً لِنَفْيِ الْجِنْسِ۔ اور ثَابِتَةً نکرہ نکالا کیونکہ حال نکرہ ہوا کرتا ہے، اور اس کو منصوب نکالا ثَابِتَةً کو کیونکہ حال منصوب ہوتا ہے۔ تو لَا جو ہے معرفہ ہے، تو اس کے بعد جار مجرور آئے تو اس کو اس سے حال بنانا چاہیے، لیکن بعض نحوی حضرات صفت بھی بناتے ہیں۔ اور صاحبِ جامی نے بھی اس کو صفت بنایا۔ اور لَا چونکہ معرفہ تھا اس لیے اس کی صفت الْكَائِنَةِ بھی معرفہ نکالی بھئی۔ اور نیز چونکہ لَا مجرور تھا کیونکہ خبر ہے مضاف اور لَا ہے مضافٌ الیہ، خَبَرُ لَا لَا کی خبر، تو لَا ہے مضافٌ الیہ اور مضاف الیہ کیا ہوتا ہے؟ مجرور، تو اس کی صفت بھی مجرور الْكَائِنَةِ نکالی بھئی۔

تو عام نحوی حضرات فرماتے ہیں کہ جار مجرور کے لیے جو محذوف نکالیں گے وہ نکرہ نکالیں گے، معرفہ نہیں۔ یعنی ثَابِتٌ وغیرہ تو نکالیں گے، الثَّابِتُ نہیں نکالیں گے۔ اس لیے کیونکہ اسمِ فاعل اور اسمِ مفعول کے صیغے پر جو الف لام داخل ہوتا ہے وہ دراصل اسمِ موصول ہوتا ہے۔ تو الثَّابِتُ کس معنی میں ہوگا؟ الَّذِيْ يَثْبُتُ۔ الْعَالِمُ کس معنی میں ہوگا؟ الَّذِيْ يَعْلَمُ۔ الضَّارِبُ کس معنی میں ہوگا؟ الَّذِيْ يَضْرِبُ۔ تو الثَّابِتُ کو اگر آپ محذوف مانتے ہیں، اس کا مطلب ہے الثَّابِتُ کو یہاں سے حذف کر دیا گیا۔ اور وہ تو اسمِ فاعل ہے جس پر الف لام داخل ہے، تو گویا آپ نے اسمِ موصول کو مع صلہ کے حذف کر لیا، حالانکہ حذفِ موصول تو جائز نہیں ہے۔ لیکن میں نے بتایا علمائے محققین فرماتے ہیں کہ اسمِ فاعل اور اسمِ مفعول پر جو بھی الف لام آئے وہ ہمیشہ اسمِ موصول نہیں ہوتا، بلکہ اس اسمِ فاعل یا اسمِ مفعول کے معنی پر آپ غور کر لیں، اگر اس کے اندر حدوث والا معنی ہو پھر تو یہ الف لام اسمِ موصول ہے الَّذِيْ کے معنی میں ہے۔ اور اگر وہ اسمِ فاعل یا اسمِ مفعول جو ہے ثبوت کے معنی میں ہے، تو پھر یہ الف لام حرفی ہی ہے، یہ اسمِ موصول نہیں ہے، یہ حرف ہے بھئی۔ بات سمجھ میں آگئی؟ اور حدوث اور ثبوت کسے کہتے ہیں میں نے وضاحت کی تھی کہ حدوث جس کے اندر ایک چیز کا ہونا پایا جائے، پہلے نہ ہو اور پھر ہو جائے۔ جیسے ضرب، ضرب پہلے نہیں ہوتی پھر ضرب لگائی جاتی ہے اور ضرب گزر بھی جاتی ہے، تو دیکھو ایک چیز ہوئی، ایک چیز کا ہونا پایا گیا۔ جبکہ علم جو ہے، علم کا ایک شخص کے لیے ثبوت ہوتا ہے، اس میں حدوث نہیں، کہ ایک شخص نے ایک چیز کو جانا اور وہ جاننا گزر گیا یعنی ختم ہو گیا، نہیں، جب ایک شخص نے ایک چیز کو جان لیا وہ عالم ہو گیا تو اب وہ علم اس کے لیے ثابت ہے، اب وہ عالم ہی ہے بھئی، اب یہ اس صفت کا حدوث نہیں ہے کہ اس سے ختم ہو جائے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ مثلاً آپ زید کے بارے میں کہتے ہیں زید ضارب ہے، کیا معنی؟ وہ ہر وقت ضرب لگاتا ہے یا کبھی کبھی ضرب لگاتا ہے؟ ظاہر سی بات ہے کسی کسی وقت وہ ضرب لگاتا ہے، جب تک اس نے ضرب نہیں لگائی ضرب کا وجود نہیں، پھر اس نے ضرب لگائی تو ضرب کا وجود ہوا اور پھر ضرب کا وجود گزر بھی گیا، تو دیکھو ایک چیز کا ہونا پایا گیا۔ جبکہ ایک شخص جب علم حاصل کر لیتا ہے تو وہ علم اس کے لیے ثابت ہوتا ہے بھئی، یہ اب

اس سے جدا نہیں۔ یہاں ہونا نہیں کہ کسی وقت عالم ہے کسی وقت عالم نہیں، نہیں، جب علم اس کے لیے ثابت ہے تو ہر وقت ثابت ہے۔ جبکہ ضرب، جب کوئی شخص ضارب ہے تو ہر وقت ضارب نہیں، کبھی ضارب ہو گا اور کبھی ضارب نہیں ہو گا۔ فرق سمجھ میں آگیا؟ تو علمائے محققین فرماتے ہیں کہ اسمِ فاعل اسمِ مفعول کے معنی میں غور کر لیا جائے، اگر اس میں حدوث والا معنی ہو تو پھر تو الف لام اسمی ہے یعنی اسمِ موصول ہے، اور اگر اس میں حدوث والا معنی نہیں ہے بلکہ ثبوت والا معنی ہے، تو پھر اس پر داخل ہونے والا الف لام اسمی یعنی اسمِ موصول نہیں ہے، بلکہ الف لام حرفی ہے بھئی۔ تو یہاں پر بھی صاحبِ جامی نے کیا نکالا؟ الْكَائِنَةِ۔ معرفہ کیوں نہیں نکالتے؟ کیونکہ کیا خرابی لازم آتی تھی؟ حذفِ موصول مع الصِّلة۔ لیکن الْكَائِنَةِ یہ تو کس معنی میں ہے؟ النَّابِتَةِ کے معنی میں ہے، اور النَّابِتَةِ دیکھو اس میں تو ثبوت کی بات ہو رہی ہے، اس میں تو حدوث کی بات نہیں ہے۔ تو لہٰذا اس صورت میں یہ خرابی لازم نہیں آتی بھئی۔ تو اس لیے صاحبِ جامی نے الْكَائِنَةِ صفت نکال کر لِنَفْيِ الْجِنْسِ کو اس سے جوڑا اور اس کو پھر صفت بنا دیا لَا کے لیے۔ بات سمجھ میں آگئی؟

تو معلوم ہوا صاحبِ جامی کے پاس جو نسخہ تھا اس کے اندر یہ الَّتِيْ کا لفظ نہیں تھا۔ حاصلِ کلام یہ کہ یہ جو الَّتِيْ کا لفظ آیا، معلوم ہوا صاحبِ جامی جب کافیہ کی شرح کر رہے تھے تو ان کے پاس جو کافیہ کا نسخہ تھا اس کے اندر یہ الَّتِيْ کا لفظ نہیں تھا۔ عبارت کس طرح تھی؟ خَبَرُ لَا لِنَفْيِ الْجِنْسِ۔ اسی لیے انہوں نے لِنَفْيِ الْجِنْسِ کو الْكَائِنَةِ سے جوڑا۔ کیونکہ اگر ان کے پاس جو نسخہ تھا اس میں الَّتِيْ کا لفظ ہوتا، تو لِنَفْيِ الْجِنْسِ کو الْكَائِنَةِ سے نہیں جوڑ سکتے، کیونکہ اس صورت میں تو یہ مفرد رہے گا، حالانکہ موصول کا صلہ ہمیشہ جملہ چاہیے بھئی۔ تو اگر الَّتِيْ ہوتا تو پھر وہ الْكَائِنَةِ نہ نکالتے، بلکہ وہ كَانَتْ یا ثَبَتَتْ نکالتے بھئی۔ کیونکہ موصول کا صلہ ہمیشہ جملہ ہوتا ہے، صاحبِ جامی خود بھی پیچھے ذکر کر چکے ہیں۔ لیکن انہوں نے الْكَائِنَةِ نکالا، تو یہی الْكَائِنَةِ اس بات کی دلیل ہے کہ ان کے پاس جو نسخہ تھا اس میں یہ الَّتِيْ کا لفظ نہیں تھا بھئی۔ تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ پھر یہ الَّتِيْ کا لفظ یہاں کہاں سے آیا بھئی؟ تو میں نے بتلایا کہ ہو سکتا ہے بعد میں کسی کاتب نے اس کا اضافہ کر دیا ہو، کسی لکھنے والے نے، کسی طالبِ علم نے، کسی نے۔ میں نے بتایا قدیم زمانے میں کتابیں ہاتھ سے لکھی جاتی تھیں، تو ہو سکتا ہے بعد میں کسی طالبِ علم نے اس میں الَّتِيْ کے لفظ کا اضافہ کر دیا ہو۔ اور یہ بھی احتمال ہے کہ ہو سکتا ہے صاحبِ کافیہ نے اس لفظ کا اضافہ کیا ہو۔ بھئی قدیم زمانے میں مصنفین کتاب تصنیف کر لیتے تھے، اور طلباء آتے تھے اور ان کو وہ درس بھی دیتے اور وہ کتاب بھی لکھواتے تھے بھئی۔ تو مصنفین اپنی کتابوں میں بعض اوقات کوئی معمولی رد و بدل بھی کوئی ایک آدھ لفظ بدل بھی دیتے ہیں، تو ہو سکتا ہے صاحبِ کافیہ نے جو نسخے طلباء کو لکھوائے، ابتدائی نسخوں میں یہ الَّتِيْ نہیں تھا، عبارت کیا تھی خَبَرُ لَا لِنَفْيِ الْجِنْسِ، اور پھر بعد میں انہوں نے اس کا اضافہ کر دیا ہو۔ یہ ایک احتمال ہے قطعی بات نہیں ہے، اور ہو سکتا ہے کسی طالبِ علم نے کسی نقل کرنے والے نے یہاں الَّتِيْ کا لفظ بڑھا دیا ہو۔ تو بہرحال ہمارے ہاں جو رائج نسخے ہیں کافیہ کے، ان کافیہ کے نسخوں میں سب کے اندر الَّتِيْ کا لفظ موجود ہے۔ تو ہو سکتا ہے جب جامی کو نقل کیا جا

رہا ہو تو کسی نے کافیہ کے ساتھ اس کا تقابل کیا ہو۔ کسی نے؟ تو بھئی متن کا متن کے ساتھ تقابل کیا گیا ہو گا کہ متن ٹھیک ہے کہیں غلطی تو نہیں، تو کافیہ کے جو نسخے رائج تھے ان کے اندر الَّتِيْ تھا، جامی کی شرح کے اندر خود یہ الَّتِيْ نہیں تھا، تو انہوں نے کہا شاید یہاں کتابت کی غلطی ہوئی ہے رہ گیا ہے تو کسی نے اس کو درج کر دیا۔ بات سمجھ میں آگئی؟ اور میں نے بتایا حاشیہ کے اندر بھی، حاشیہ کے اندر بھی آپ دیکھ لیں تو وہاں پر بھی یہ الَّتِيْ کا لفظ نہیں ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ جیسے میں نے ذکر کیا تھا، دیکھیں یہ اس حاشیے کے درمیان میں آ رہا ہے: عِنْدَ الْبَصْرِيِّيْنَ فَالتَّقْدِيْرُ عِنْدَهُمْ خَبَرُ لَا كَائِنَةً لِنَفْيِ الْجِنْسِ۔ دیکھو اس کے اندر الَّتِيْ کا لفظ نہیں ہے بھئی۔

اور پھر صاحبِ جامی نے آپ کو بتلایا تھا کہ لِنَفْيِ الْجِنْسِ، کہ یہ جو لائے نفی جنس ہے یہ جنس کی نفی کے لیے نہیں آتا، یہ جنس سے صفت کی نفی کرتا ہے۔ لہٰذا جنس سے پہلے صفت کا لفظ مضاف محذوف ہے، أَيْ لِنَفْيِ صِفَةِ الْجِنْسِ بھئی۔ اور پھر بتایا تھا کہ یہ لائے نفی جنس کی خبر جو ہے یہ مسند ہوتی ہے لَا کے داخل ہونے کے بعد۔ جب مسند کہا تو اس میں مبتدا کی خبر بھی داخل ہوئی، إِنَّ کی خبر بھی داخل ہوئی، كَانَ وغیرہ کی خبر بھی داخل ہوئی، کیونکہ یہ سب مسند ہوتے ہیں۔ اور پھر جب کہا بَعْدَ دُخُوْلِهَا اس لَا کے داخل ہونے کے بعد، اب وہ ساری خبریں نکل گئیں کیونکہ ان پر تو لَا داخل نہیں، تو لہٰذا صرف لَا کی خبر باقی رہ گئی بھئی۔ اور پھر انہوں نے یہ بھی بتلایا کہ دخول سے مراد وہی معنی ہے جو ہم نے إِنَّ کی خبر میں ذکر کر دیا تھا۔ إِنَّ کی خبر میں انہوں نے ذکر کیا تھا کہ إِنَّ کے داخل ہونے کا معنی یہ ہے کہ وہ لفظوں میں یا معنی میں اپنا اثر دے۔ تو یہاں پر بھی لائے نفی جنس کے داخل ہونے کا معنی یہ ہے کہ وہ اس خبر میں لفظوں میں یا معنی میں اپنا اثر دے۔ لہٰذا لَا رَجُلَ يَضْرِبُ أَبُوْهُ، یہ جو يَضْرِبُ ہے اس کا اعتراض نہیں کیا جا سکتا کہ یہ لائے نفی جنس کی خبر میں داخل ہے۔ کیونکہ اعتراض ہوتا ہے کہ لائے نفی جنس آیا لَا رَجُلَ يَضْرِبُ أَبُوْهُ، یہ يَضْرِبُ پر لَا داخل ہو رہا ہے، تو یہ مسند بھی ہے اور اس پر لَا بھی داخل ہوا تو اس کو لائے نفی جنس کی خبر کہنا چاہیے حالانکہ یہ تو لائے نفی جنس کی خبر نہیں، لائے نفی جنس کی خبر تو يَضْرِبُ أَبُوْهُ پورا جملہ ہے، اکیلا يَضْرِبُ نہیں ہے۔ تو صاحبِ جامی نے جواب دیا کہ بھئی إِنَّ میں ہم جواب دے چکے ہیں کہ لَا کے داخل ہونے کا کیا معنی ہے؟ کہ لفظاً اثر کرے یا معناً اثر کرے، اور یہ جو يَضْرِبُ ہے اس کے اندر لَا نہ لفظوں میں عمل کر رہا ہے اور نہ جو اس کا اسناد ہے أَبُوْهُ کی طرف نہ کوئی معنی کے اعتبار سے اس میں اثر کر رہا ہے کہ نفی کا معنی اس کو دے دے، تو يَضْرِبُ پر گویا لَا داخل ہی نہیں۔ جب اس پر لَا داخل ہی نہیں تو یہ يَضْرِبُ لائے نفی جنس کی خبر کے اندر داخل بھی نہیں۔ خبر کے اندر تو وہی داخل ہو گا جس پر لَا داخل ہو، اور اس يَضْرِبُ پر لَا داخل نہیں۔ کیوں نہیں داخل؟ کیونکہ اس لَا نے اس کو نہ لفظوں میں کوئی اثر دیا ہے اور نہ معنی میں کوئی اثر دیا ہے، تو اس پر لَا داخل ہی نہیں ہوا تو اس پر لائے نفی جنس کی خبر کی تعریف صادق بھی نہیں آتی بھئی۔ بات سمجھ میں آگئی؟

آگے دیکھیے بھئی: نَحْوُ لَا غُلَامَ رَجُلٍ ظَرِيْفٌ، وَإِنَّمَا عَدَلَ عَنِ الْمِثَالِ الْمَشْهُوْرِ وَهُوَ قَوْلُهُمْ: لَا رَجُلَ فِي الدَّارِ، لِاحْتِمَالِ حَذْفِ الْخَبَرِ وَجَعْلِ فِي الدَّارِ صِفَةً۔ صاحبِ کافیہ نے لائے نفی جنس کی خبر کی مثال یہ ذکر کی: لَا غُلَامَ رَجُلٍ ظَرِيْفٌ فِيْهَا۔ فِيْهَا

بھی آگے متن میں آرہا ہے: لَا غُلَامَ رَجُلٍ ظَرِيْفٌ فِيْهَا۔ تو اشکال ہوتا ہے، اعتراض ہوتا ہے کہ بھئی عام نحوی حضرات تو یہ مثال نہیں دیتے، وہ تو مختصر سی مثال دیتے ہیں: لَا رَجُلَ فِي الدَّارِ۔ لَا رَجُلَ فِي الدَّارِ یہ مثال دیتے ہیں، صاحبِ جامی نے عام نحویوں کی مثال کو چھوڑ کر لَا غُلَامَ رَجُلٍ ظَرِيْفٌ فِيْهَا اتنی لمبی مثال ذکر کر دی اس کی کیا وجہ ہے؟ تو اس کا جواب دیں گے صاحبِ جامی کہ بھئی لَا رَجُلَ فِي الدَّارِ، توجہ ہے؟ لَا رَجُلَ فِي الدَّارِ، اس کے اندر رَجُلَ یہ مبنی علی الفتح لائے نفی جنس کا اسم ہے بھئی، یہ کیا ہے؟ لائے نفی جنس کا اسم ہے، اور فِي الدَّارِ جو ہے لائے نفی جنس کی خبر ہے۔ لیکن اس خبر کے اندر یہ بھی احتمال تھا کہ ہو سکتا ہے یہ رَجُل کی صفت ہو اور خبر جو ہے محذوف ہو۔ متن میں آگے آیا تھا بھئی گزشتہ سبق میں ہم نے پڑھا تھا: وَيُحْذَفُ كَثِيْرًا، کہ اس لائے نفی جنس کی خبر کو اکثر حذف کر لیا جاتا ہے، کثرت سے اس کو حذف کر لیا جاتا ہے۔ تو یہاں پر بھی یہ شبہ ہو سکتا تھا کہ لَا رَجُلَ فِي الدَّارِ، کہ رَجُل نکرہ ہے، توجہ ہے؟ رَجُل نکرہ ہے اور فِي الدَّارِ اس کے بعد جار مجرور آیا، اور نکرہ کے بعد جار مجرور آئے تو وہ عموماً اس نکرہ کے لیے صفت بنتا ہے۔ تو اس فِي الدَّارِ میں یہ بھی شبہ تھا، یہ بھی احتمال تھا کہ یہ رَجُل کی صفت ہے اور یہ موصوف صفت مل کر لائے نفی جنس کا اسم اور آگے خبر جو مَوْجُوْدٌ ہے وہ محذوف ہے، أَيْ لَا رَجُلَ فِي الدَّارِ مَوْجُوْدٌ بھئی۔ توجہ ہے؟ تو اس کے اندر کیا احتمال تھا جو عام نحوی جو مثال ذکر کرتے ہیں، کون سی مثال؟ لَا رَجُلَ فِي الدَّارِ، اس میں کیا احتمال تھا کہ یہ فِي الدَّارِ ہو سکتا ہے لَا کی خبر نہ ہو بلکہ یہ رَجُل کی صفت ہو کیونکہ نکرہ کے بعد جار مجرور آرہا ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو اس لیے صاحبِ جامی نے یہ عام نحویوں والی مثال چھوڑ کر لَا غُلَامَ رَجُلٍ ظَرِيْفٌ فِيْهَا والی مثال ذکر کی بھئی۔ اور اس مثال کے اندر دیکھو ظَرِيْفٌ کے اندر صفت ہونے کا شبہ نہیں، صفت ہونے کا شبہ نہیں۔ کیوں نہیں شبہ ہوتا؟ کہتے ہیں اس لیے کیونکہ لَا غُلَامَ رَجُلٍ، یہ غُلَامَ رَجُلٍ جو ہے یہ منصوب ہے، یہ لائے نفی جنس کا اسم ہے، اور ظَرِيْفٌ وہ مرفوع ہے اس پر رفع آرہا ہے بھئی۔ اگر یہ ظَرِيْفٌ غُلَامَ رَجُلٍ کی صفت ہوتی تو غُلَامَ رَجُلٍ تو منصوب ہے تو ظَرِيْف کو بھی کیا ہونا چاہیے تھا؟ منصوب۔ تو دونوں کا اعراب الگ الگ ہے، وہ اعراب ہمیں بتلا رہا ہے کہ یہ آپس میں موصوف صفت نہیں کیونکہ موصوف صفت کا تو ایک ہی اعراب ہوتا ہے۔

بھئی ترکیب کر لیں اس کی: لَا غُلَامَ رَجُلٍ ظَرِيْفٌ فِيْهَا۔ عبارت پر نظر ہے؟ لَا نفی جنس، غُلَامَ منصوب لفظاً مضاف، منصوب کیوں؟ کیونکہ یہ لائے نفی جنس کا اسم ہے اور لائے نفی جنس اپنے اسم کو نصب دیتا ہے اور خبر کو رفع۔ تو غُلَامَ منصوب لفظاً مضاف، رَجُلٍ مجرور لفظاً مضافٌ الیہ، مضاف اپنے مضاف الیہ سے مل کر یہ لائے نفی جنس کا اسم۔ ظَرِيْفٌ، ظَرِيْفٌ یہ صفتِ مشبہ ہے، ظَرِيْفٌ کا کیا معنی ہے؟ خوش طبع، ہنس مکھ بھئی۔ ظَرِيْفٌ یہ مرفوع لفظاً یہ صفتِ مشبہ ہے، اور یہ لائے نفی جنس کی خبرِ اول ہے بھئی۔ تو ظَرِيْفٌ مرفوع لفظاً صفتِ مشبہ، اور صفتِ مشبہ کے لیے بھی کیا چاہیے؟ فاعل چاہیے، تو اس کے اندر هُوَ ضمیر مرفوع محلاً اس کا فاعل۔ هُوَ ضمیر کس کو راجع کریں گے؟ رَجُل کو یا غُلَامَ رَجُلٍ کو؟ رَجُل کو کیوں نہیں راجع کرتے؟ ہاں کیونکہ رَجُل تو مضاف الیہ ہے، لائے نفی جنس کا اسم تو غُلَامَ ہے، اور ظَرِيْف کیا ہے لائے نفی جنس کی خبر ہے، اور لائے نفی جنس کی خبر کو لائے نفی جنس کے اسم کے ساتھ جوڑتے ہیں، تو ربط چاہیے تو وہ هُوَ ضمیر غُلَامَ

رَجُلٍ کو راجع ہے بھئی۔ تو صفتِ مشبہ اپنے فاعل سے مل کر شبہ جملہ ہو کر خبرِ اول۔ اور آگے فِيْهَا یہ خبرِ ثانی ہے، فِيْ جارہ، هَا ضمیر مجرور محلاً، اور یہ هَا ضمیر دَار کو راجع ہے، اور دَار کا لفظ عربی میں مؤنثِ سماعی ہے تو اس لیے اس کی طرف مؤنث کی ضمیر راجع کی۔ تو فِيْ جارہ، هَا ضمیر مجرور محلاً، جار مجرور مل کر یہ کس سے متعلق ہوں گے؟ یہ خبرِ ثانی ہے بھئی، تو جار مجرور کس سے متعلق ہوں گے؟ جی ثَابِتٌ مرفوع لفظاً، ثَابِتٌ نکال لیں یا ثَبَتَ نکال لیں، ثَابِتٌ نکالیں گے تو وہ مفرد بنے گا اور ثَبَتَ نکالیں گے تو وہ جملہ فعلیہ بن جائے گا۔ تو جار مجرور مل کر متعلق کس سے؟ ثَابِتٌ۔ ثَابِتٌ مرفوع لفظاً صیغہ اسمِ فاعل، مرفوع کیوں؟ کیونکہ لائے نفی جنس کی خبر ہے اور ابھی ہم نے پڑھا کہ یہ کس میں سے ہے؟ مرفوعات میں سے ہے بھئی۔ تو یہ مرفوع لفظاً صیغہ اسمِ فاعل، تو ثَابِتٌ مرفوع لفظاً صیغہ اسمِ فاعل، اس کے اندر هُوَ ضمیر مرفوع محلاً اس کا فاعل جو کس کو راجع؟ جی یہ بھی خبر ہے اور لائے نفی جنس کی خبر کو کس سے جوڑتے ہیں؟ اس کے اسم سے، تو لہٰذا هُوَ ضمیر اس غُلَامَ رَجُلٍ کو راجع ہے۔ تو ثَابِتٌ صیغہ اسمِ فاعل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر شبہ جملہ ہو کر یہ لائے نفی جنس کی خبرِ ثانی۔ اور اگر آپ ثَبَتَ نکالیں گے تو ثَبَتَ فعل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر لائے نفی جنس کی خبرِ ثانی۔ تو لائے نفی جنس اپنے اسم اور دونوں خبروں سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔

بات یہ چل رہی تھی کہ صاحبِ کافیہ نے عام نحویوں والی مثال لَا رَجُلَ فِي الدَّارِ کو کیوں نہیں ذکر کیا، یہ نئی مثال کیوں ذکر کی؟ تو وہ صاحبِ جامی وہ وجہ ذکر کر رہے تھے کہ فِي الدَّارِ کے اندر احتمال تھا کہ وہ رَجُل کی صفت ہو کیونکہ رَجُل نکرہ آیا اور اس کے بعد جار مجرور آیا بھئی۔ اور جبکہ یہ جو مثال صاحبِ جامی نے ذکر کی اس کے اندر یہ شبہ نہیں ہوتا۔ کیوں نہیں شبہ ہوتا؟ کہتے ہیں اس لیے کیونکہ لَا غُلَامَ رَجُلٍ، یہ غُلَامَ رَجُلٍ جو ہے یہ منصوب ہے، یہ لائے نفی جنس کا اسم ہے، اور ظَرِيْفٌ وہ مرفوع ہے اس پر رفع آرہا ہے بھئی۔ اگر یہ ظَرِيْفٌ غُلَامَ رَجُلٍ کی صفت ہوتی تو غُلَامَ رَجُلٍ تو منصوب ہے، تو ظَرِيْف کو بھی کیا ہونا چاہیے تھا؟ منصوب۔ تو دونوں کا اعراب الگ الگ ہے، وہ اعراب ہمیں بتلا رہا ہے کہ یہ آپس میں موصوف صفت نہیں کیونکہ موصوف صفت کا تو ایک ہی اعراب ہوتا ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو لَا رَجُلَ فِي الدَّارِ کے اندر فِي الدَّارِ میں صفت ہونے کا شبہ تھا، لیکن لَا غُلَامَ رَجُلٍ ظَرِيْفٌ فِيْهَا اس کے اندر جو ظَرِيْفٌ آیا اس میں صفت ہونے کا شبہ نہیں ہے۔ تو اس لیے صاحبِ جامی نے یہ عام نحویوں والی مثال چھوڑ کر لَا غُلَامَ رَجُلٍ ظَرِيْفٌ فِيْهَا والی مثال ذکر کی بھئی۔ بات سمجھ میں آگئی؟

تو کہتے ہیں: وَإِنَّمَا عَدَلَ عَنِ الْمِثَالِ الْمَشْهُوْرِ، ماتن جو ہے یعنی صاحبِ کافیہ انہوں نے عدول کیا اس مشہور مثال سے، وَهُوَ قَوْلُهُمْ: لَا رَجُلَ فِي الدَّارِ، اور وہ نحویوں کا یہ قول ہے: لَا رَجُلَ فِي الدَّارِ۔ لِاحْتِمَالِ حَذْفِ الْخَبَرِ وَجَعْلِ فِي الدَّارِ صِفَةً، اس وجہ سے کہ اس مثال کے اندر حذفِ خبر وَجَعْلِ فِي الدَّارِ صِفَةً اور فِي الدَّارِ کو صفت بنانے کا احتمال ہے۔ جَعْلِ کا عطف ہے حَذْفِ پر بھئی۔ لِاحْتِمَالِ حَذْفِ الْخَبَرِ وَجَعْلِ فِي الدَّارِ صِفَةً، اس لیے کیونکہ اس مثال کے اندر حذفِ خبر اور

فِي الدَّارِ کو صفت بنانے کا احتمال ہے۔ بِخِلَافِ مَا ذَکَرَہُ، بخلاف اس مثال کے جو صاحبِ کافیہ نے ذکر کی، لِأَنَّ غُلَامَ رَجُلٍ مُعْرَبٌ مَنْصُوْبٌ، اس لیے کیونکہ غُلَامَ رَجُلٍ جو ہے معرب ہے، منصوب ہے، لَا یَجُوْزُ ارْتِفَاعُ صِفَتِهِ، اس کی صفت کا مرفوع ہونا جائز نہیں۔ بھئی صفت کا وہی اعراب ہوتا ہے جو موصوف پر آتا ہے، اور لَا غُلَامَ رَجُلٍ یہاں تو غُلَامَ رَجُلٍ منصوب ہے تو اس کی صفت بھی کیا آنی چاہیے؟ منصوب آنی چاہیے حالانکہ ظَرِیْفٌ کا لفظ تو مرفوع ہے، اور وہ معرب جو منصوب ہو اس کی صفت مرفوع لانا جائز نہیں ہے۔ لہٰذا یہ جو صاحبِ کافیہ نے مثال ذکر کی اس کے اندر ظَرِیْفٌ کا غُلَامَ رَجُلٍ کے لیے صفت ہونے کا شبہ نہیں پڑتا۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو کہتے ہیں: بِخِلَافِ مَا ذَکَرَہُ، بخلاف اس مثال کے جو صاحبِ کافیہ نے ذکر کی کہ اس کے اندر یہ شبہ نہیں ہوتا، لِأَنَّ غُلَامَ رَجُلٍ مُعْرَبٌ مَنْصُوْبٌ، اس لیے کیونکہ غُلَامَ رَجُلٍ جو ہے وہ معرب ہے، منصوب ہے، لَا یَجُوْزُ ارْتِفَاعُ صِفَتِهِ عَلَی مَا هُوَ الظَّاهِرُ، اس کی صفت کا مرفوع ہونا جائز نہیں عَلَی مَا هُوَ الظَّاهِرُ، بنا بر اس کے جو ظاہر ہے۔ ظاہر یہی ہے کہ اس کی صفت کا مرفوع ہونا جائز نہیں۔ توجہ ہے؟ لفظوں پر غور کر رہے ہیں بھئی؟ وہ کیا فرماتے ہیں: لَا یَجُوْزُ ارْتِفَاعُ صِفَتِهِ عَلَی مَا هُوَ الظَّاهِرُ، کہ وہ معرب جو منصوب ہو اس کی صفت کا مرفوع ہونا جائز نہیں بنا بر اس کے جو ظاہر ہے۔

اچھا بھئی یہاں ایک اور بات یاد رکھنا بھئی، مثلاً دیکھو پیچھے کیا مثال آئی: لَا رَجُلَ فِي الدَّارِ۔ تو اس کے بارے میں صاحبِ جامی نے بتلایا کہ لَا رَجُلَ فِي الدَّارِ اس کے اندر فِي الدَّارِ لَا رَجُلَ کی خبر ہے لیکن اس کے اندر صفت ہونے کا بھی احتمال ہے۔ بلکہ دوسری مثال لے لیں، دوسری مثال: لَا رَجُلَ قَائِمٌ۔ لَا رَجُلَ قَائِمٌ، کوئی آدمی کھڑا نہیں ہے۔ اب اس کے اندر یاد رکھو لَا نفی جنس کے لیے ہے، رَجُلَ جو ہے یہ لائے نفی جنس کا اسم ہے، اور قَائِمٌ اس کی خبر ہے بھئی۔ قَائِمٌ اس کی خبر ہے، لیکن اس قَائِمٌ کے اندر رَجُل کے لیے صفت ہونے کا بھی احتمال ہے، جیسے لَا رَجُلَ فِي الدَّارِ، وہاں فِي الدَّارِ کے اندر کیا احتمال تھا کہ وہ صفت ہو اور خبر محذوف ہو۔ توجہ ہے؟ اسی طرح لَا رَجُلَ قَائِمٌ، یہ قَائِمٌ لَا رَجُلَ کے لیے خبر ہے لیکن اس کے اندر صفت ہونے کا بھی احتمال ہے۔ تو آپ کہیں گے بھئی صفت کیسے؟ صفت کیسے؟ تو یاد رکھنا کہ صفت جو ہے اپنے موصوف کے لفظوں کے اندر تابع ہوتی ہے، موصوف پر جو اعراب آتا ہے صفت پر بھی وہی اعراب آتا ہے، لیکن بعض اوقات صفت محل کے تابع ہوتی ہے، وہ جو محل ہے، وہ جو جگہ ہے اس کے تابع ہوتی ہے۔ تو جیسے لَا رَجُلَ، یہ رَجُل کیا ہے؟ مبنی علی الفتح ہے بھئی۔ کیا ہے؟ مبنی علی الفتح ہے، اور یہ محلاً منصوب ہے کیونکہ لائے نفی جنس کیا کرتا ہے؟ اپنے اسم کو نصب دیتا ہے، توجہ ہے؟ تفصیل میں بیان کر چکا بھئی گزشتہ سبق کے اندر، کہ لَا رَجُلَ یہ مبنی ہے، مبنی علی الفتح ہے، تو یہ مبنی ہے اور مبنی کا بھی تو کوئی نہ کوئی اعراب ہوتا ہے، اور وہ اعراب محلاً بتلایا جاتا ہے، تو یہ لَا رَجُلَ کے اندر جو رَجُل ہے یہ منصوب محلاً ہے لائے نفی جنس کا اسم ہے اور لائے نفی جنس اپنے اسم کو نصب دیتا ہے۔ تو یہ منصوب محلاً ہے، لیکن یہ اس کا محلِ قریب ہے۔ اور ایک اس کا محلِ بعید ہے کہ یہ مبتدا ہے بھئی۔ وجہ یہ کہ یہ لائے نفی جنس کس پر داخل ہوتا ہے؟ مبتدا اور خبر پر، تو یہ رَجُل اس وقت تو لائے نفی جنس کا اسم ہے لیکن حقیقت میں یہ کیا تھا؟ مبتدا تھا، یہ کیا تھا؟ یہ مبتدا

تھا، تو یہ مرفوع محلاً ہے۔ یہ، تو یہ اس کا محلِ بعید ہے۔ محلِ قریب کیا؟ لائے نفی جنس کا اسم ہے اور وہ منصوب ہوتا ہے محلاً، تو محلِ قریب کیا ہے؟ منصوب ہے محلاً۔ اور محلِ بعید کیا ہے؟ مرفوع ہے کیونکہ یہ تو حقیقت میں مبتدا تھا بھئی، اس پر لَا داخل ہوا اور اس نے یہ اعراب ان کو دے دیے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو بعض اوقات جب صفت وغیرہ لاتے ہیں تو لفظوں کے تابع نہیں کرتے، محل کے تابع کرتے ہیں، توجہ ہے؟ اور یہ تو مبنی ہے، مبنی میں تو صفت تابع ہی کس کے ہوتی ہے؟ محل کے۔ لہٰذا، لہٰذا یہ رَجُل کے دو محل آگئے، ایک محلِ قریب کہ منصوب ہے، اور ایک محلِ بعید کہ مرفوع ہے، تو اس کے مطابق اس کی صفت لانا جائز ہے۔ محلِ قریب کیا؟ یہ منصوب محلاً ہے، جب منصوب ہے تو اس کی صفت بھی منصوب لائیں گے اور یوں کہیں گے: لَا رَجُلَ قَائِمًا، اور خبر محذوف ہے: لَا رَجُلَ قَائِمًا مَوْجُوْدٌ، کوئی قائم آدمی موجود نہیں ہے۔ تو یہ کس پر حمل کیا؟ یہ قَائِمًا منصوب صفت کیوں لائے؟ یہ اس کے محلِ قریب پر حمل کیا۔ اور اس کا محلِ بعید کیا ہے؟ یہ مرفوع ہے مبتدا ہے، اور مبتدا مرفوع ہو گا تو اس کی صفت بھی مرفوع ہو گی، تو قَائِمٌ یہ صفت بھی بنا سکتے ہیں لائے نفی جنس کے اسم کے لیے۔ تو قَائِمٌ مرفوع اور کیوں مرفوع ہے؟ یہ رَجُل کے محلِ بعید پر محمول ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ اور پھر اس صورت میں خبر محذوف نکال لیں گے: لَا رَجُلَ قَائِمٌ مَوْجُوْدٌ، کوئی ایسا آدمی جو قائم ہو، جو کھڑا ہو، موجود نہیں ہے۔ تو حاصلِ کلام کیا ہوا کہ صفت کے اندر بعض اوقات لفظوں پر حمل کرتے ہیں اور بعض اوقات محل پر حمل کرتے ہیں۔ تو یہاں پر بھی دیکھو بھئی یہ مثال کیا آئی جو صاحبِ کافیہ نے ذکر کی؟ لَا غُلَامَ رَجُلٍ ظَرِيْفٌ۔ یہ غُلَامَ رَجُلٍ منصوب ہے اور معرب ہے، اور معرب کی صفت جو ہے اس کے مطابق ہوتی ہے اعراب کے اندر، تو لہٰذا یہ ظَرِيْفٌ یہ اس کی صفت نہیں ہے بھئی، کیونکہ اگر یہ صفت ہوتی تو اسے منصوب ہونا چاہیے تھا۔ تو صاحبِ جامی آپ کو بتلا رہے ہیں کہ یہاں پر وہ شبہ نہیں ہوتا۔ ظَرِيْفٌ کے اندر غُلَامَ رَجُلٍ کی صفت ہونے کا شبہ نہیں ہوتا کیونکہ دونوں کا اعراب الگ الگ ہے۔ لیکن بہرحال غُلَامَ رَجُلٍ لائے نفی جنس کا اسم ہے، اور یہ حقیقت میں یہ بھی کیا تھا؟ مبتدا تھا بھئی، تو اس کا بھی محل کیا ہے؟ محلاً یہ بھی مرفوع ہے کیونکہ حقیقت میں یہ مبتدا تھا اس پر لائے نفی جنس داخل ہوا اور اس نے یہ اعراب دیے، تو اس کے محل پر حمل کرتے ہوئے ظَرِيْفٌ کا اس کے لیے صفت ہونے کا بھی احتمال ہے۔ توجہ ہے؟ غُلَامَ رَجُلٍ ویسے تو معرب ہے، منصوب ہے اور بظاہر جو ہے ظَرِيْفٌ کو اس کی صفت بنانا جائز نہیں کیونکہ دونوں کا اعراب الگ الگ ہے، لیکن بہرحال احتمال تو موجود ہے کہ ظَرِيْفٌ کو کیا کیا جائے؟ ظَرِيْفٌ کو صفت بنا دیا جائے کس پر حمل کرتے ہوئے؟ محل پر حمل کرتے ہوئے۔ تو یہی بات، اسی کی طرف اشارہ کر رہے ہیں صاحبِ جامی، کیا کہتے ہیں؟ پھر عبارت دیکھو، کہتے ہیں: لِأَنَّ غُلَامَ رَجُلٍ مُعْرَبٌ مَنْصُوْبٌ، اس لیے کیونکہ غُلَامَ رَجُلٍ معرب ہے، منصوب ہے، لَا يَجُوْزُ ارْتِفَاعُ صِفَتِهِ عَلَى مَا هُوَ الظَّاهِرُ، جائز نہیں ہے اس کی صفت کا مرفوع ہونا بنا بر اس کے جو ظاہر ہے۔ یعنی ظاہر کے اعتبار سے اس کی صفت کا مرفوع ہونا جائز نہیں، اگرچہ احتمال پھر بھی ہے کہ اس کے محل پر محمول کرتے ہوئے اس کو کیا بنا دیا جائے؟ صفت۔ لیکن ظاہر کو دیکھا جائے تو معرب پر جو اعراب ہوتا ہے صفت پر بھی وہی اعراب ہوتا ہے، ظاہر کے اعتبار سے اس صفت پر کوئی دوسرا اعراب

پڑھنا جائز نہیں بھئی۔

کہتے ہیں: فِيْهَا أَيْ فِي الدَّارِ۔ یہ هَا ضمیر کا مرجع بتلا دیا کہ فِيْهَا کی هَا ضمیر کس کو راجع ہے؟ الدَّار کو راجع ہے۔ خَبَرٌ بَعْدَ خَبَرٍ، یہ ایک خبر کے بعد دوسری خبر ہے۔ لَا ظَرْفُ ظَرِيْفٍ وَلَا حَالٌ، لِأَنَّ ظَرَافَةً لَا يَتَقَيَّدُ بِالظَّرْفِ وَنَحْوِهِ. بھئی صاحبِ جامی نے فِيْهَا کو خبرِ ثانی بنایا، ظَرِيْفٌ کو خبرِ اول بنایا اور فِيْهَا کو خبرِ ثانی بنایا۔ معلوم ہوا اس کے لیے ثَابِتٌ محذوف نکالیں گے اور پھر یہ ثَابِتٌ سے جڑ کر خبرِ ثانی بنے گی لائے نفی جنس کے اسم کے لیے۔ تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ جو جار مجرور ہیں یہ تو آٹھ چیزوں میں سے کسی ایک سے متعلق ہوتے ہیں، ان آٹھ چیزوں میں سے ایک چیز یعنی ظَرِيْفٌ صفتِ مشبہ یہاں موجود ہے، تو جار مجرور تو صفتِ مشبہ سے بھی جڑ سکتے ہیں، تو پھر علیحدہ ثَابِتٌ نکالنے کی کیا ضرورت ہے؟ اسی ظَرِيْفٌ کے ساتھ اس کو کیوں نہیں جوڑا گیا؟ آپ نے اس کو کیوں خبرِ ثانی بنایا؟ آپ اس فِيْهَا کو اسی ظَرِيْفٌ سے جوڑ دیتے ایک ہی خبر بنا لیتے۔ تو صاحبِ جامی اس کا بھی جواب دے رہے ہیں کہ نہیں بھئی، یہاں فِيْهَا کو ظَرِيْفٌ کے ساتھ نہیں جوڑ سکتے۔ اس لیے کیونکہ یہ جو جار مجرور ہے یہ اپنے عامل کے لیے قید ہوا کرتا ہے، یہ اپنے عامل کے لیے قید ہوا کرتا ہے، تو اس صورت میں تو یہ ظرافت جو ہے یہ مقید ہو جائے گی فِي الدَّارِ کے ساتھ۔ حالانکہ ظرافت جو ہے اس کو کسی جگہ یا زمانے کے ساتھ مقید نہیں کیا جا سکتا۔ مثلاً آپ ایک آدمی کے بارے میں کہیں کہ یہ آدمی جو ہے صبح سے لے کر دوپہر تک تو ظریف الطبع ہوتا ہے اس کے بعد یہ ظریف الطبع نہیں ہوتا، نہیں بھئی، ظرافت زمانے کے ساتھ مقید نہیں ہوتی، یہ فطرت اور طبیعت ہوتی ہے بعض لوگوں کی، اللہ نے طبیعت ہی اور فطرت ہی ایسی بنائی ہوتی ہے کہ وہ ہنسی مذاق کرنے والے ہوتے ہیں، اس میں اس کو کسی زمانے یا جگہ کے ساتھ مقید نہیں کیا جا سکتا۔ تو فِيْهَا کو اگر کس سے جوڑ دیا جاتا؟ ظَرِيْفٌ سے، پھر تو یہ ظرافت مقید ہو جاتی فِي الدَّارِ کے ساتھ، تو اس کا معنی تو یہ ہوتا کہ کوئی شخص ایسا ہے جو فِي الدَّارِ تو ظریف الطبع ہے لیکن جیسے ہی گھر سے باہر نکلتا ہے اب وہ ظریف الطبع نہیں ہے، حالانکہ ظرافت تو طبیعت کا نام ہے، جو شخص ظریف ہے وہ تو ہر جگہ ظریف ہے یہ ظرافت اس سے جدا نہیں ہوتی بھئی۔ تو ظرافت کو کسی زمانے یا جگہ کے ساتھ مقید نہیں کیا جا سکتا۔ ایسا نہیں ہو سکتا ایک شخص فِي الدَّارِ تو ظریف الطبع ہو اور گھر سے نکلے تو ظریف الطبع نہ ہو۔

آپ کے ذہن میں اشکال آئے گا کہ کیوں نہیں ایسے ہو سکتا بھئی؟ ایک شخص ہے وہ گھر جاتا ہے تو گھر میں ہنسی مذاق کرتا ہے، گھر سے باہر وہ کسی کے ساتھ ہنسی مذاق کرتا ہی نہیں۔ یا ایک شخص ہے وہ صرف صبح سے ظہر تک یہ ہنسی مذاق کرتا ہے، شام کے وقت وہ کسی سے مذاق کرتا ہی نہیں۔ تو یہ تو ظرافت مقید ہو گئی کس کے ساتھ؟ جگہ کے ساتھ بھی اور زمانے کے ساتھ بھی۔ نہیں بھئی، نہیں، ظرافت زمانے یا جگہ کے ساتھ مقید نہیں ہو سکتی۔ یہاں مذاق کرنے یا نہ کرنے کی بات نہیں ہو رہی، کہ مذاق کر رہا ہے یا نہیں کر رہا، وہ تو ظاہر سی بات کسی وقت وہ خوش طبعی کرے گا کسی وقت وہ خوش طبعی نہیں کرے گا بھئی۔ تو یہاں خوش طبعی کرنے کی بات نہیں ہو رہی، اس کی طبیعت کی بات ہو رہی ہے، اس کی

طبیعت کی بات ہو رہی ہے، جب ایک شخص ظریف الطبع ہے تو وہ ہر وقت ظریف الطبع ہے، چاہے وہ ہنسی مذاق کرے یا نہ کرے، چاہے وہ رو رہا ہو پھر بھی وہ ہے ظریف الطبع ہی بھئی، یہ اس کی طبیعت ہے اس کی فطرت اللہ نے یہ رکھی ہے۔ تو ظریف الطبع ہونے کا یہ معنی نہیں ہے کہ انسان ہر وقت ہنسی مذاق ہی کرتا رہے گا بھئی۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو ظریف الطبع ہونے کے لیے خوش طبعی کرنا ضروری نہیں، یہ ایک طبیعت ہوتی ہے یہ ایک فطرت ہوتی ہے یہ بدلتی نہیں ہے۔ چنانچہ اسی لیے دیکھو ظَرِیْفٌ صفتِ مشبہ لائے بھئی، اور صفتِ مشبہ آپ جانتے ہیں ثبوت کے لیے آتی ہے، اس میں ایک چیز کا بالفعل ہونا ضروری نہیں۔ جیسے علم الصیغہ کے اندر آپ نے پڑھا تھا: ایک ہے سَامِعٌ اور ایک ہے سَمِیْعٌ۔ سَامِعٌ اسمِ فاعل ہے اور سَمِیْعٌ صفتِ مشبہ ہے۔ تو سَامِعٌ سننے والا، سننے والا، اور یہ اسی وقت کہیں گے جب کہ ایک انسان کوئی آواز سن رہا ہو، تو وہ اس وقت سَامِعٌ ہے۔ جیسے میں اس وقت تقریر کر رہا ہوں، آپ میری تقریر سن رہے ہیں، تو آپ سَامِعٌ ہیں، سَامِعٌ۔ اور اگر میں اب تقریر روک دوں اور کسی طرف سے اور کوئی آواز نہیں آرہی، تو اس وقت آپ پھر سَامِعٌ نہیں ہوں گے بھئی، کیونکہ کوئی آواز ہی نہیں، سَامِعٌ کا معنی تو ہے آواز سننے والا، تو اس وقت تو کوئی آواز ہی نہیں جس کو آپ سنیں۔ جبکہ سَمِیْعٌ کا معنی ہے جس میں سننے کی صلاحیت ہو بھئی، تو سَمِیْعٌ اس کو کہیں گے، اب وہ شخص چاہے کوئی آواز سنے یا نہ سنے، جب ایک شخص میں سننے کی صلاحیت ہے تو وہ ہر وقت سَمِیْعٌ ہے، چاہے کوئی آواز ہو یا نہ ہو اس میں سننے کی صلاحیت ہر وقت موجود ہے۔ لہٰذا میں آپ کے سامنے تقریر کر رہا ہوں، تو اس وقت آپ سَامِعٌ بھی ہیں اور سَمِیْعٌ بھی ہیں بھئی، کیونکہ آپ آواز سن بھی رہے ہیں اور آپ میں سننے کی صلاحیت بھی ہے بھئی۔ اور اگر میں خاموش ہو جاؤں اور ارد گرد سے بھی کوئی کسی قسم کی آواز نہیں آرہی، تو اس وقت پھر آپ سَامِعٌ تو نہیں ہوں گے کیونکہ کوئی آواز ہی نہیں سن رہے، ہاں سَمِیْعٌ پھر بھی آپ ہیں کیونکہ آپ میں سننے کی صلاحیت ہے بھئی۔ تو یہاں پر بھی ظَرِیْفٌ دیکھو صفتِ مشبہ لے کر آئے بھئی، صفتِ مشبہ ایک چیز کے بالفعل ہونے کے لیے نہیں لاتے بلکہ ایک چیز کے ثبوت کے لیے لاتے ہیں۔ تو ایک شخص جب ظریف الطبع ہے، معلوم ہوا اس کی طبیعت ظرافت والی ہے چاہے وہ خوش طبعی کرے یا نہ کرے۔ وہ بے شک گھر میں ہنسی مذاق کرتا ہے باہر ہنسی مذاق نہیں کرتا، لیکن طبیعت اس کی وہی ہے، وہ ہنسی مذاق کرے یا نہ کرے اس کے لیے ظرافت کا ثبوت ہے بھئی۔ لہٰذا معلوم ہوا ظرافت جو ہے اس کو زمانے یا جگہ کے ساتھ مقید نہیں کیا جا سکتا۔ جو ظریف الطبع ہے اس کے لیے ظرافت ہر ہر لمحہ ثابت ہے، چاہے وہ خوش طبعی کرے یا نہ کرے، چاہے وہ سنجیدہ رہے، چاہے وہ روئے، کچھ بھی وہ کر رہا ہے وہ ظریف الطبع ہر وقت ہی ہے بھئی۔ ظرافت کو جگہ یا زمانے کے ساتھ مقید نہیں کیا جا سکتا بھئی۔ تو معلوم ہوا یہ فِیْهَا کو ظَرِیْفٌ کے ساتھ متعلق نہیں کر سکتے۔

تو کہتے ہیں: خَبَرٌ بَعْدَ خَبَرٍ، یہ ایک خبر کے بعد دوسری خبر ہے۔ لَا ظَرْفُ ظَرِیْفٍ، یہ فِیْهَا جو ہے نہ تو ظَرِیْفٌ کا ظرف ہے، وَلَا حَالٌ اور نہ حال ہے۔ حال بھی نہیں بنا سکتے اس کو کیونکہ حال بھی قید ہوتا ہے۔ حال کیسے بناتے؟ ظَرِیْفٌ کے اندر هُوَ ضمیر

کو ذوالحال بنا لیتے اور آگے فِيْهَا کو ثَابِتًا سے متعلق کر کے اس سے حال بنا لیتے۔ تو اگر اس کو حال بناتے تو بھی اس نے ظَرِيْفٌ کے لیے قید ہی بننا تھا، اس لیے کیونکہ آپ نے پڑھا ہے حال اور ذوالحال دونوں کا عامل ایک ہی ہوتا ہے۔ ظَرِيْفٌ کے اندر هُوَ ضمیر ذوالحال اس کے اندر بھی ظَرِيْفٌ عامل، اور آگے ثَابِتًا فِيْهَا جو حال ہوتا اس میں بھی ظَرِيْفٌ عامل۔ جب ثَابِتًا فِيْهَا کے اندر ظَرِيْفٌ عامل ہے تو یہ ثَابِتًا فِيْهَا کس کے لیے قید بن گیا؟ اسی ظَرِيْفٌ کے لیے قید بن گیا۔ بات تو وہی ہو گئی کہ ظرافت کو آپ نے مقید کر دیا فِي الدَّارِ کے ساتھ، حالانکہ ظرافت تو فِي الدَّارِ کے ساتھ مقید نہیں ہو سکتی۔ تو یہ معنی ہے لَا ظَرْفُ ظَرِيْفٍ کہ یہ فِيْهَا جو ہے نہ تو ظَرِيْفٌ کا ظرف ہے اور نہ حال ہے، لِأَنَّ ظَرَافَةً لَا يَتَقَيَّدُ بِالظَّرْفِ وَنَحْوِهِ، اس لیے کیونکہ ظرافت جو ہے یعنی خوش طبعی جو ہے خوش مزاجی جو ہے، یہ ظرف اور اس جیسی چیزوں کے ساتھ مقید نہیں ہو سکتی۔

وَإِنَّمَا أَتٰى بِهِ لِئَلَّا يَلْزَمَ الْكَذِبُ، یہ ایک اور سوال کا جواب دے رہے ہیں۔ سوال یہ کہ صاحبِ کافیہ نے یہ دوسری خبر کیوں ذکر کی؟ ایک ہی خبر ذکر کر دیتے اور یوں کہتے: لَا غُلَامَ رَجُلٍ ظَرِيْفٌ۔ یہ خبرِ ثانی وہ لے آئے حالانکہ اس خبرِ ثانی کے لانے کا تو کوئی فائدہ نہیں۔ صاحبِ کافیہ تو ہر جگہ کوشش کرتے ہیں کم سے کم الفاظ استعمال کریں، پھر یہاں انہوں نے خبرِ ثانی کیوں بیکار ذکر کر دی؟ تو صاحبِ جامی آپ کو بتلائیں گے کہ نہیں بھئی صاحبِ کافیہ یہ جو دوسری خبر لائے یہ بیکار نہیں، اگر یہ دوسری خبر نہ لاتے تو پھر جھوٹ لازم آتا۔ کیونکہ معنی کیا بن جاتا؟ لَا غُلَامَ رَجُلٍ ظَرِيْفٌ، کسی آدمی کا کوئی غلام ہنس مکھ نہیں ہے، کسی آدمی کا کوئی غلام خوش طبع نہیں ہے۔ اور یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ کسی مرد کا کوئی بھی غلام پوری دنیا کے اندر خوش طبع نہ ہو بھئی؟ تو اگر صرف ظَرِيْفٌ لاتے تو پھر اس میں جھوٹ لازم آتا۔ لہٰذا اس کے ساتھ ایک اور خبر فِيْهَا بھی جوڑ دی، تو گویا خبر دونوں کا مجموعہ بن گیا۔ معنی کیا ہے؟ کہ کسی آدمی کا کوئی ایسا غلام جو خوش طبع بھی ہو، اور اس کسی معین گھر کی طرف اشارہ کر کے خوش طبع بھی ہو اس کا غلام اور اس گھر کے اندر بھی ہو، ایسا نہیں ہے۔ اور یہ تو عین ممکن ہے کہ کسی معین گھر کے اندر کسی آدمی کا کوئی خوش طبع غلام موجود نہ ہو۔ تو اگر فِيْهَا نہ لاتے تو کیا خرابی لازم آتی؟ جھوٹ کی خرابی لازم آتی۔ تو دیکھو ہمارے اسلاف معمولی مثالوں کے اندر بھی جھوٹ سے اپنے آپ کو بچاتے تھے، جبکہ آج جھوٹ ہمارے بچے بچے کی زبان پر ہے۔ مسلمان کی تو یہ شان ہوتی تھی کہ وہ جھوٹ بولنا جانتا ہی نہیں تھا، مسلمان کی زبان سے ایک بات نکل آتی تھی تو چاہے مسلم ہوتے یا غیر مسلم سب کہتے جب اس نے یہ کہہ دیا ہے تو بات اسی طرح ہے، اس میں جھوٹ کا شبہ ہی نہیں، یہ شخص کبھی جھوٹ بولتا ہی نہیں، چاہے اس کا اپنا نقصان ہو کچھ بھی ہو جائے سب کچھ اس کا تباہ ہو جائے پھر بھی یہ جھوٹ کبھی نہیں بول سکتا۔ اور یہ مسلمانوں کی یہی صفات تھیں جس نے پوری دنیا کے اندر اسلام کو پھیلا دیا۔ مسلمان جہاں کا رخ کرتے تھے وہاں کے لوگ دیکھ کر حیران رہ جاتے کہ یہ کیسے لوگ ہیں، کسی حال میں نہ کسی کو تکلیف دیتے ہیں، نہ جھوٹ بولتے ہیں، نہ کوئی اور بری عادات ہیں ان لوگوں کے اندر، تو وہ لوگ مسلمان ہوتے چلے جاتے

بھئی۔ بات سمجھ میں آگئی؟ جھوٹ سے اپنے آپ کو بچاؤ بھئی اور سچ بولنا بڑے لوگوں کی علامت ہے بھئی، بڑا آدمی سچ بولتا ہے بھئی۔ اور بڑے لوگوں کی عادتیں اپناؤ ان شاء اللہ آپ میں سے ہر ایک کو اللہ بڑا آدمی بنا دیں گے۔ اللہ آپ میں سے ہر ایک کو بڑا آدمی بنائے، بڑا مدرس بنائے اور خوب دینی خدمات کی توفیق نصیب فرمائے۔

تو ایک فائدہ، یہ خبرِ ثانی کس لیے لائے؟ کہ اگر فِيْهَا نہ لاتے پھر تو جھوٹ لازم آتا۔ اور نیز صاحبِ کافیہ بتلانا چاہتے ہیں کہ یہ لائے نفی جنس کی خبر ظرف بھی آسکتی ہے اور غیرِ ظرف بھی۔ ظَرِيْفٌ لائے یہ غیرِ ظرف ہے، فِيْهَا لائے یہ ظرف ہے، معلوم ہوا لائے نفی جنس کی خبر ظرف بھی آسکتی ہے اور غیرِ ظرف بھی آسکتی ہے۔

تو کہتے ہیں: وَإِنَّمَا أَتٰى بِهِ، اور اس خبرِ ثانی کو صاحبِ کافیہ لے کر آئے لِئَلَّا يَلْزَمَ الْكَذِبُ، تاکہ کہیں جھوٹ لازم نہ آئے، بِنَفْيِ ظَرَافَةِ كُلِّ غُلَامِ رَجُلٍ، بِنَفْيِ ظَرَافَةِ كُلِّ غُلَامِ رَجُلٍ، ہر آدمی کے ہر غلام سے ظرافت کی نفی کی وجہ سے۔ ہر آدمی کے ہر غلام سے ظرافت کی نفی ہو گی تو اس صورت میں کیا لازم آئے گا؟ جھوٹ لازم آئے گا بھئی۔ تو کہتے ہیں: لِئَلَّا يَلْزَمَ الْكَذِبُ بِنَفْيِ ظَرَافَةِ كُلِّ غُلَامِ رَجُلٍ، تاکہ کہیں جھوٹ لازم نہ آئے ہر آدمی کے ہر غلام سے ظرافت کی نفی کی وجہ سے۔ وَلِيَكُوْنَ مِثَالًا لِنَوْعَيْ خَبَرِهَا الظَّرْفُ وَغَيْرُهُ، اور تاکہ یہ مثال ہو جائے لِنَوْعَيْ خَبَرِهَا، لا کی خبر کی دو نوعوں کی۔ تاکہ یہ مثال ہو جائے لِنَوْعَيْ خَبَرِهَا، اصل میں تھا نَوْعَيْنِ، نون اضافت کی وجہ سے گر گیا، تاکہ یہ مثال ہو جائے لِنَوْعَيْ خَبَرِهَا، لا کی خبر کی دو انواع کی۔ لا کی خبر کی دو انواع بھئی کبھی خبر ظرف ہو گی کبھی غیرِ ظرف، تو دونوں انواع کی تاکہ یہ مثال ہو جائے۔ تو کہتے ہیں: وَلِيَكُوْنَ مِثَالًا لِنَوْعَيْ خَبَرِهَا، تاکہ یہ مثال ہو جائے لا کی خبر کی دو نوعوں کی، الظَّرْفُ وَغَيْرُهُ، وہ دو نوع کیا ہیں؟ الظَّرْفُ وَغَيْرُهُ أَيْ غَيْرُ الظَّرْفِ، ایک ظرف ہے اور ایک غیرِ ظرف ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ یہ جو الظَّرْفُ آیا بھئی اور اسی پر وَغَيْرُهُ کا عطف ہے، اس میں یاد رکھو اس الظَّرْفُ پر رفع پڑھنا بھی جائز، نصب پڑھنا بھی جائز، جر بھی۔ الظَّرْفُ وَغَيْرُهُ، الظَّرْفَ وَغَيْرَهُ، توجہ ہے؟ الظَّرْفِ وَغَيْرِهِ، معطوف پر وہی اعراب آئے گا نا جو معطوفٌ علیہ پر ہوتا ہے۔ تو الظَّرْفُ، الظَّرْفَ، الظَّرْفِ تینوں طرح پڑھ سکتے ہیں اور آگے وَغَيْرُهُ بھی اسی کے مطابق پڑھیں گے بھئی۔

بھئی تین اعراب کس طرح آئیں گے اس پر یاد رکھو بھئی۔ یہ بات میں نے پہلے بھی ذکر کی تھی کہ ایک چیز جب اجمالاً بیان ہو جائے اور آگے پھر اس کی تفصیل بیان ہو تو پھر وہاں پر تین طرح کے اعراب جائز ہوتے ہیں۔ مثلاً میں آپ سے کہتا ہوں: میرے تین دوست ہیں۔ تو دیکھو میں نے اجمالاً ذکر کیا تفصیل نہیں بتائی کہ وہ تین دوست کون ہیں، اجمالاً ذکر کر دیا کہ میرے تین دوست ہیں۔ اور ایک صورت یہ ہے کہ میں تفصیل بیان کروں، ایک ایک کا نام لوں، کہ میرا دوست زید ہے اور عمر ہے اور بکر ہے۔ تو اس کو کہتے ہیں تفصیل بھئی، جس میں ایک ایک چیز الگ الگ ذکر ہوتی ہے، اور ایک اجمال ہے کہ سب کو اکٹھا ذکر کر دیا جائے۔ تو یاد رکھو اجمال کے بعد جب بھی تفصیل آئے تو وہاں پر تین طرح کے اعراب جائز ہوتے ہیں: یا تو اس کو ما قبل سے بدل بنایا جائے، یا اس کو فعلِ محذوف کے لیے مفعول بہ بنایا جائے، یا اس کو مبتدا کی خبر

بنایا جائے۔ توجہ ہے؟ کون کون سے اعراب؟ پہلا کیا؟ ما قبل سے بدل بنایا جائے۔ دوسرا اعراب؟

فعلِ محذوف کے لیے مفعول بہ بنایا جائے۔ اور تیسرا اعراب؟ رفع پڑھا جائے خبر ہونے کی وجہ سے، خبر ہونے کی وجہ سے۔ جیسے دیکھو، یہاں پہلے اجمالاً ایک بات آئی، کیا؟ لِنَوْعَيْ خَبَرِهَا، خبر کی دو نوعوں کے لیے۔ معلوم ہوا خبر کی دو انواع ہیں دو قسمیں ہیں، کون کون سی ہیں تفصیل ذکر نہیں، یہ اجمالاً ذکر ہے۔ آگے پھر تفصیل آگئی کون سی دو نوع ہیں خبر کی؟ ایک ظرف اور ایک غیرِ ظرف۔ تو لِنَوْعَيْ خَبَرِهَا اس میں ہے اجمال، اور الظَّرْفُ وَغَيْرُهُ اس کے اندر ہے تفصیل۔ اور اجمال کے بعد تفصیل آئے تو کتنے اعراب جائز ہوتے ہیں؟ تین اعراب۔ پہلا کیا؟ کہ اس کو ما قبل سے بدل بناؤ۔ اور لِنَوْعَيْ خَبَرِهَا دیکھو نَوْعَيْ پر لام جارہ داخل ہے، یہ لام جارہ داخل ہے وہ مجرور ہے، تو جو اعراب مبدل منہ کا ہوتا ہے وہی اعراب بدل کا بھی، تو اس صورت میں الظَّرْفِ وَغَيْرِهِ پڑھیں گے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ اس کو فعلِ محذوف کے لیے مفعول بہ بناؤ: أَعْنِي الظَّرْفَ وَغَيْرَهُ۔ لِيَكُوْنَ مِثَالًا لِنَوْعَيْ خَبَرِهَا، تاکہ یہ مثال ہو جائے خبر کی دو انواع کے لیے، کون کون سی؟ أَعْنِي الظَّرْفَ وَغَيْرَهُ۔ أَعْنِي اس کے اندر أَنَا ضمیر فاعل، أَعْنِي وہی فعل جو یعنی آپ بولتے رہتے ہیں، أَعْنِي یعنی میری مراد یہ ہے، عَنٰى يَعْنِيْ کا معنی کیا ہے؟ ارادہ کرنا، جس چیز کا ارادہ کیا جائے، أَعْنِي میری مراد یہ ہے: الظَّرْفَ وَغَيْرَهُ، دیکھو یہ مفعول بہ بن گیا أَعْنِي فعل کے لیے۔ اور تیسری صورت یہ ہے کہ اس کو خبر بنا دیں بتدائے محذوف کے لیے: لِيَكُوْنَ مِثَالًا لِنَوْعَيْ خَبَرِهَا، تاکہ یہ مثال ہو جائے خبر کی دو انواع کے لیے، کون کون سی دو انواع؟ أَحَدُهُمَا الظَّرْفُ، ایک نوع ظرف ہے، وَثَانِيْهِمَا غَيْرُهُ، اور دوسرا غیرِ ظرف ہے بھئی، دوسرا۔ توجہ ہے؟ أَحَدُهُمَا بتدا محذوف اور الظَّرْفُ اس کے لیے خبر، اور خبر کیا ہوتی ہے؟ مرفوع۔ اسی طرح ثَانِيْهِمَا یہ بتدا محذوف اور غَيْرُهُ یہ اس کے لیے خبر۔ یہ تو دونوں کے لیے ہم نے الگ الگ بتدا نکالا، آپ چاہیں تو دونوں کے لیے ایک ہی بتدا نکال لیں کیونکہ محذوف نکالنا ہے آپ کی مرضی ہے جس طرح بھی عبارت بنا لیں، تو یوں کہہ دیں: هُمَا الظَّرْفُ وَغَيْرُهُ، اور هُمَا ضمیر راجع کر دیں لِنَوْعَيْ خَبَرِهَا کو، خبر کی دو انواع کی طرف۔ هُمَا وہ دو انواع کیا ہیں؟ الظَّرْفُ وَغَيْرُهُ، اس صورت میں بھی دیکھو یہ خبر ہی بن رہا ہے۔ تو جہاں پر بھی اجمال کے بعد تفصیل آئے کتنے اعراب جائز ہوتے ہیں؟ تین۔ کون کون سے؟ ہاں رفع نصب جر نہیں کہنا، رفع نصب جر نہیں، بدل، بدل اور پھر نصب اور رفع کہہ سکتے ہو۔ ایک صورت کس کی ہے؟ بدل، بدل میں تو مبدل منہ پر جو بھی اعراب ہو گا اس کے مطابق آئے گا، ہو سکتا ہے اس پر ما قبل والے پر رفع ہو نصب ہو جر ہو بدل پر بھی وہی اعراب آئے گا۔ ہاں نصب اور رفع آپ ذکر کر سکتے ہو کیونکہ ایک صورت میں مفعول بہ بن رہا ہے تو آنا ہی نصب ہے، اور ایک صورت میں بتدا کی خبر بن رہا ہے تو آنا ہی رفع ہے، ہاں بدل والی صورت متعین نہیں، بدل والی صورت میں مبدل منہ کو دیکھیں گے اس پر کیا اعراب ہے، اور یہاں پر لِنَوْعَيْ اس پر لام جارہ داخل تھا مجرور تھا اس لیے یہاں جر بھی آگیا۔ بات سمجھ میں آگئی؟

آگے دیکھیے: وَيُحْذَفُ خَبَرُ لَا هٰذِهِ حَذْفًا كَثِيْرًا، اور حذف کیا جاتا ہے، بھئی کس کو حذف کیا جاتا ہے؟ صاحبِ جامی ضمیر

کا مرجع بتلا رہے ہیں: خَبَرُ لَا هٰذِهِ، لا کی اس خبر کو حذف کیا جاتا ہے۔ تو یہ ضمیر کس کو راجع؟ خبرِ لا کو، کس کو؟ خبرِ لا کو راجع ہے۔ اور آگے کہا: حَذْفًا كَثِيْرًا۔ متن میں تو آیا تھا صرف كَثِيْرًا، متن میں کیا عبارت تھی؟ وَيُحْذَفُ كَثِيْرًا۔ لیکن صاحبِ جامی نے کیا نکالا كَثِيْرًا سے پہلے؟ حَذْفًا كَثِيْرًا۔ کیا بتلانا چاہتے ہیں؟ ہاں شاباش، یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ یہ كَثِيْرًا مفعولِ مطلق ہے باعتبارِ موصوفِ محذوف کے۔ اس کا جو موصوف محذوف ہے حَذْفًا وہ مفعولِ مطلق ہے، تو یہ كَثِيْرًا مفعولِ مطلق ہوا خود یا اپنے موصوفِ محذوف کے اعتبار سے؟ موصوفِ محذوف کے اعتبار سے، یعنی کثرت سے اس کو حذف کیا جاتا ہے۔ اور آپ چاہیں تو اس کو مفعول فیہ بنا لیں۔ میں نے بتایا پہلے بھی ذکر کیا تھا ایک جگہ پر کئی کئی ترکیبیں ہو جاتی ہیں، تو آپ یہ كَثِيْرًا کو مفعول فیہ بھی بنا سکتے ہیں، أَيْ زَمَانًا كَثِيْرًا، وَيُحْذَفُ زَمَانًا كَثِيْرًا، اور لا کی خبر کو حذف کیا جاتا ہے زَمَانًا كَثِيْرًا، اکثر زمانوں میں اکثر اوقات میں۔ تو کہتے ہیں: وَيُحْذَفُ خَبَرُ لَا هٰذِهِ حَذْفًا كَثِيْرًا، اور اس لا کی خبر کو کثرت سے حذف کیا جاتا ہے، إِذَا كَانَ الْخَبَرُ عَامًّا، جب اس کی خبر عام ہو، كَالْمَوْجُوْدِ وَالْحَاصِلِ، جیسے کہ موجود اور حاصل ہے۔ بھئی اس لا کی خبر کو اکثر حذف کر لیا جاتا ہے جب وہ افعالِ عامہ میں سے ہو۔ مثلاً آپ کہنا چاہتے تھے: لَا مَالَ مَوْجُوْدٌ، تو مَوْجُوْدٌ کہنے کی کوئی ضرورت نہیں، صرف اتنا کہہ دیں: لَا مَالَ۔ بات سمجھ میں آگئی؟ لَا مَالَ جب آپ نے کہا تو خود ہی پتہ چل گیا کہ مال کی نفی کی جا رہی ہے اور مال کی نفی کیسے ہو گی؟ کہ اس کے وجود کی نفی کی جائے۔ معلوم ہوا لَا مَالَ مَوْجُوْدٌ، خبر محذوف ہے۔ یا اسی طرح لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ بھئی، اب دیکھو اصل میں ہے: لَا إِلٰهَ مَوْجُوْدٌ إِلَّا اللّٰهُ، تو یہ مَوْجُوْدٌ کو حذف کر لیا گیا۔ تو یہ لائے نفی جنس کی خبر جب یہ افعالِ عامہ پر مشتمل ہو تو اس کو کثرت سے حذف کر لیا جاتا ہے، کیونکہ یہ لَا خود اس پر دلالت کر رہا ہے۔ کیونکہ لَا جو ہے وہ نفی کے لیے آتا ہے، کس لیے آتا ہے؟ نفی کے لیے آتا ہے، وہ آگے آنے والی خبر پر خود بخود دلالت کر دیتا ہے۔ جب آپ نے کہا لَا مَالَ خبر کو حذف کر لیا اور یہ لَا کس لیے آتا ہے؟ نفی کے لیے آتا ہے، اور آگے مال کے بعد کوئی ایسی صفت نہیں جس کی نفی کی جا رہی ہو۔ مثلاً میں کہتا ہوں لَا رَجُلَ قَائِمٌ، میں نے رجل سے قیام کی نفی کر دی، توجہ ہے؟ میں نے رجل سے قیام کی نفی کر دی، لیکن یہاں پر میں نے کہا لَا مَالَ، بھئی کس چیز کی نفی کی جا رہی ہے وہ آگے ذکر نہیں، معلوم ہوا یہی چیز جو ذکر ہے اسی کی ذات کی نفی کی جا رہی ہے، اس کی کسی صفت کی نفی نہیں کی جا رہی بلکہ اس کی ذات کی نفی کی جا رہی ہے، معلوم ہوا اس چیز کا وجود نہیں ہے، أَيْ لَا مَالَ مَوْجُوْدٌ، مال موجود نہیں ہے۔ دلیل سمجھ میں آئی کیا؟ کہ لائے نفی جنس کی خبر جب افعالِ عامہ میں سے ہو تو اس کو اکثر حذف کر لیا جاتا ہے، اس لیے کیونکہ یہ لا اس پر دلالت کرتا ہے۔ بھئی لا کیسے اس پر دلالت کرتا ہے؟ کہتے ہیں اس لیے کیونکہ لا نفی کے لیے آتا ہے، اور اس کے بعد جو چیز ذکر ہوتی ہے اس سے کسی صفت کی نفی کی جاتی ہے۔ لَا رَجُلَ قَائِمٌ، لا کے بعد رجل ہے، رجل سے اس کی ایک صفت قیام کی نفی کی جا رہی ہے۔ لیکن جب آگے قَائِمٌ موجود نہیں ہے، آپ صرف مثلاً کہتے ہیں لَا مَالَ، آگے آپ نے خبر کو کیا کر لیا؟ حذف کر لیا۔ وہ معلوم ہوا وہ صفت ذکر ہی نہیں ہے جس کی نفی کی جا رہی ہے، معلوم ہوا یہ جو چیز لا کے بعد ذکر ہے یعنی لَا مَالَ، لا کے بعد کیا ذکر ہے؟

مال، معلوم ہوا اسی چیز کی ذات کی نفی کی جا رہی ہے، اس کے وجود کی نفی کی جا رہی ہے۔ تو خبر کیا ہے اس کی؟ مَوْجُوْدٌ، أَيْ لَا مَالَ مَوْجُوْدٌ۔ بات سمجھ میں آگئی؟

تو کہتے ہیں: وَيُحْذَفُ خَبَرُ لَا هٰذِهِ حَذْفًا كَثِيْرًا، اور اس لا کی خبر کو بکثرت حذف کر لیا جاتا ہے، إِذَا كَانَ الْخَبَرُ عَامًّا كَالْمَوْجُوْدِ وَالْحَاصِلِ، جب خبر جو ہے وہ عام ہو یعنی افعالِ عامہ میں سے ہو، جیسے کہ موجود اور حاصل ہے، لِدَلَالَةِ النَّفْيِ عَلَيْهِ، اس لیے کیونکہ یہ نفی اس پر دلالت کر رہی ہے۔ یہ جو لا آیا نا نفی کے لیے، یہ اس پر دلالت کر رہا ہے۔ کس طرح دلالت کر رہا ہے؟ اس لیے کیونکہ لا نفی کے لیے آتا ہے اور اس کے لیے ہمیشہ آگے کیا چاہیے؟ کوئی منفی چاہیے، کوئی ایسی چیز جس کی نفی کی گئی ہے، اور یہاں تو صرف مال کا لفظ موجود ہے، آگے کوئی صفت ہے ہی نہیں جس کی نفی کی جا رہی ہے، معلوم ہوا یہ جو ذکر ہوا، یہ جو مال ذکر ہوا، اس سے کسی صفت کی نفی نہیں کی جا رہی، خود اسی کی ذات اور اس کی وجود ہی کی نفی کی جا رہی ہے۔ منفی چاہیے یا نہیں لا کے لیے؟ لا نفی کے لیے آتا ہے اس کے لیے منفی چاہیے، آگے منفی صفت تو ہے نہیں، معلوم ہوا یہ جو چیز ہے المال، خود اسی کی ذات اور اس کی وجود ہی کی نفی کی جا رہی ہے، أَيْ لَا مَالَ مَوْجُوْدٌ۔ بات سمجھ میں آ گئی؟ لِدَلَالَةِ النَّفْيِ عَلَيْهِ، اس لیے کیونکہ یہ نفی اس پر دلالت کر رہی ہے۔ نَحْوُ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ، أَيْ لَا إِلٰهَ مَوْجُوْدٌ إِلَّا اللّٰهُ، یعنی کوئی معبود موجود نہیں ہے سوائے اللہ کے۔ یہ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ، اس لفظِ اللہ پر رفع پڑھنا بھی جائز اور نصب پڑھنا بھی جائز۔ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ، دیکھو لفظِ اللہ پر رفع پڑھا، لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهَ، دیکھو لفظِ اللہ پر نصب پڑھا۔ نصب اس پر پڑھیں گے مستثنیٰ ہونے کی وجہ سے، کیونکہ یہ إِلَّا کے بعد آیا اور إِلَّا کے بعد مستثنیٰ آتا ہے اور مستثنیٰ منصوب ہوتا ہے، تو اس لیے اس پر نصب پڑھنا بھی جائز۔ اور نیز اس کو لا کے اسم سے بدل بنانا بھی جائز ہے۔ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ، لا کا اسم کیا؟ إِلٰهَ، إِلٰهَ، اس سے بدل بنا لیا، اور اس کے محل پر حمل کرتے ہوئے کیونکہ یہ إِلٰهَ، یہ لَا إِلٰهَ میں جو إِلٰهَ ہے یہ حقیقت میں مبتدا تھا بھئی اور مبتدا کیا ہوتا ہے؟ مرفوع، تو محل کے اعتبار سے یہ مرفوع ہے، لہٰذا اس سے بدل بنا لیا، مبدل منہ اور بدل کا اعراب ایک ہوتا ہے، تو إِلٰهَ جو ہے یہ محلاً مرفوع ہے مبتدا ہونے کی وجہ سے تو اس کا جو بدل ہے لفظِ اللہ اس پر بھی رفع پڑھیں گے۔ بات سمجھ میں آگئی؟

آگے دیکھیے: وَبَنُوْ تَمِيْمٍ لَا يُثْبِتُوْنَهُ، اور بنو تمیم والے جو ہیں وہ اس خبر کو ثابت نہیں کرتے۔ بنو تمیم عرب کا ایک بڑا قبیلہ ہے بھئی، وہ لائے نفی جنس کی خبر کو ثابت نہیں کرتے۔ اس کلام کے دو معنی ہو سکتے ہیں، صاحبِ جامی آپ کو بتلائیں گے۔ یا تو ادھر دیکھیے بھئی، یا تو اس کلام کا معنی یہ ہے کہ بنو تمیم والے اس کی خبر کو ثابت نہیں کرتے یعنی لفظوں میں کبھی اس کو ثابت نہیں کرتے، ہمیشہ اس کو محذوف رکھتے ہیں، یعنی ان کے نزدیک لائے نفی جنس کی خبر کا حذف واجب ہے۔ بنو تمیم والے اس لائے نفی جنس کی خبر کو ثابت نہیں کرتے، کیا معنی ثابت نہیں کرتے؟ یعنی لفظوں میں اس کو ثابت نہیں کرتے، ان کے نزدیک اس کو حذف کرنا واجب ہے۔ یا دوسرا معنی یہ ہے کہ بنو تمیم والے اس کو ثابت نہیں کرتے، یعنی وہ اس لائے نفی جنس کے اسم کے لیے کوئی خبر مانتے ہی نہیں ہیں بھئی، کہ اس کے لیے خبر آتی ہی نہیں ہے بھئی۔ تو معنی

سمجھ میں آگیا؟ کتنے معنی ہو گئے؟ دو معنی۔ پہلا معنی کیا؟ کہ وہ خبر کو ثابت نہیں کرتے یعنی لفظوں میں ثابت نہیں کرتے بلکہ اس کو ہمیشہ مقدر مانتے ہیں، یعنی اس کو حذف کرنا واجب ہے ان کے نزدیک۔ اور دوسرا معنی کیا؟ کہ اس کے لیے خبر نہ لفظاً آئے گی اور نہ تقدیراً آئے گی بھئی، وہ اس کے لیے خبر مانتے ہی نہیں بھئی۔

دیکھیے بھئی کتاب پر، کہتے ہیں: وَبَنُوْ تَمِيْمٍ لَا يُثْبِتُوْنَهُ، اور بنو تمیم والے اس کی خبر کو ثابت نہیں کرتے، أَيْ لَا يُظْهِرُوْنَ الْخَبَرَ فِي اللَّفْظِ، یعنی اس کی خبر کو ظاہر نہیں کرتے لفظوں میں، یعنی اس کو حذف کرتے ہیں، کیا کرتے ہیں؟ حذف واجب ہے۔ أَيْ لَا يُظْهِرُوْنَ الْخَبَرَ فِي اللَّفْظِ، یعنی وہ اس کی خبر کو ظاہر نہیں کرتے لفظوں میں، لِأَنَّ الْحَذْفَ عِنْدَهُمْ وَاجِبٌ، اس لیے کیونکہ حذف ان کے نزدیک واجب ہے۔ أَوِ الْمُرَادُ، یا یہ مراد ہے کہ أَنَّهُمْ لَا يُثْبِتُوْنَهُ أَصْلًا، کہ وہ اس کی خبر کو ثابت ہی نہیں کرتے، أَصْلًا أَيْ قَطْعًا، قطعی طور پر ثابت ہی نہیں کرتے، لَا لَفْظًا وَلَا تَقْدِيْرًا، نہ لفظاً اور نہ تقدیراً بھئی۔ فَيَقُوْلُوْنَ، بھئی خبر جب ہے ہی نہیں تو پھر کلام کا کیا معنی؟ لَا مَالَ، اس کا پھر کیا معنی؟ لَا مَالَ مَوْجُوْدٌ، جب مَوْجُوْدٌ کو آپ مانتے ہی نہیں ہیں، تو وہ کہتے ہیں: فَيَقُوْلُوْنَ، پس بنو تمیم والے کہتے ہیں: مَعْنٰى قَوْلِهِمْ، کہ عربوں کے اس قول کا معنی: لَا أَهْلَ وَلَا مَالَ، کہ عربوں کا یہ جو قول ہے لَا أَهْلَ وَلَا مَالَ، اس قول کا معنی جو ہے: انْتَفَى الْأَهْلُ وَالْمَالُ، کہ اہل یعنی گھر والے بھی منتفی ہیں، وَالْمَالُ اور مال بھی منتفی ہے، یعنی دونوں میں سے کوئی چیز نہیں ہے۔ تو دیکھو یہ لَا أَهْلَ وَلَا مَالَ کس معنی میں ہوا؟ انْتَفَى الْأَهْلُ وَالْمَالُ، یہ دونوں کے انتفا پر دلالت کر رہا ہے، لہٰذا یہاں کسی خبر کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ فَيَقُوْلُوْنَ، پس وہ کہتے ہیں: مَعْنٰى قَوْلِهِمْ لَا أَهْلَ وَلَا مَالَ، کہ عربوں کا یہ جو قول ہے لَا أَهْلَ وَلَا مَالَ اس کا معنی جو ہے انْتَفَى الْأَهْلُ وَالْمَالُ، گھر والے اور مال جو ہیں منتفی ہیں یعنی دونوں کا وجود نہیں ہے۔ فَلَا يَحْتَاجُ إِلٰى تَقْدِيْرِ خَبَرٍ، تو یہ محتاج نہیں ہے تقدیرِ خبر کی طرف۔ یہ کلام محتاج نہیں ہے تقدیرِ خبر کی طرف کیونکہ یہ انْتَفٰى کے معنی میں ہے بھئی۔

وَعَلَى التَّقْدِيْرَيْنِ يَحْمِلُوْنَ مَا يُرٰى خَبَرًا فِيْ مِثْلِ لَا رَجُلَ قَائِمٌ عَلَى الصِّفَةِ دُوْنَ الْخَبَرِ۔ اچھا بھئی دونوں تقدیروں پر، توجہ سے ادھر دیکھیے بھئی۔ بنو تمیم والے وہ اس کی خبر کو ثابت نہیں کرتے، کیا معنی ثابت نہیں کرتے؟ دو معنی بیان کر دیے: یا تو لفظوں میں ثابت نہیں کرتے ہمیشہ اس کو مقدر مانتے ہیں، یا سرے سے ثابت مانتے ہی نہیں کہ اس کے لیے خبر کی حاجت ہی نہیں ہے خبر اس کے لیے آ ہی نہیں سکتی بھئی۔ تو پھر بھئی بعض اوقات خبر لفظوں میں آتی تو ہے، جیسے ابھی صاحبِ کافیہ نے ذکر کیا: لَا غُلَامَ رَجُلٍ ظَرِيْفٌ فِيْهَا، دیکھو یہ ظَرِيْفٌ خبر آئی یا نہیں آئی؟ اسی طرح لَا رَجُلَ قَائِمٌ، یہ قَائِمٌ لفظوں میں خبر آتو رہی ہے۔ تو بنو تمیم والے تو کیا کہتے ہیں اس کی خبر لفظوں میں آ ہی نہیں سکتی، تو پھر اس صورت میں وہ کیا کہیں گے؟ بھئی کبھی ہم تو خود دیکھتے ہیں خبر لفظوں میں آتی ہے، تو جو لفظوں کے اندر خبر نظر آتی ہے بنو تمیم والے اس کو خبر نہیں بناتے، صفت بناتے ہیں۔ تو لَا رَجُلَ قَائِمٌ، اس قَائِمٌ کو وہ صفت بناتے ہیں رجل کے لیے اور مَوْجُوْدٌ محذوف مانتے ہیں، ایک تقدیر پر۔ لفظوں میں جو ذکر ہو اس کو کیا بنا دیتے ہیں؟ صفت۔ معلوم ہوا لَا غُلَامَ رَجُلٍ ظَرِيْفٌ فِيْهَا، یہ ظَرِيْفٌ فِيْهَا کو وہ

کیا بنائیں گے؟ صفت بنائیں گے کیونکہ خبر ہمیشہ ان کے نزدیک محذوف ہوتی ہے۔ اور یہ ظَرِيْفٌ فِيْهَا صفت ہے کس کے لیے؟ غُلَامَ رَجُلٍ کے لیے، وہ تو منصوب ہے اور ظَرِيْفٌ تو مرفوع ہے، تو کیا جواب دیں گے؟ کہ محل پر حمل کرتے ہوئے یہ صفت ہے اور غُلَامَ رَجُلٍ محل کے اعتبار سے مرفوع ہے کیونکہ بتدا ہے۔ توجہ ہے؟ تو لفظوں میں جو خبر نظر بھی آ رہی ہو وہ محل پر حمل کرتے ہوئے اس کو صفت بناتے ہیں اور خبر کو ہمیشہ محذوف مانتے ہیں ایک تقدیر پر، اور دوسری تقدیر کے مطابق تو وہ خبر مانتے ہی نہیں بھئی، جو نظر آ رہی ہو اس کو وہ صفت بنا دیتے ہیں۔ بات سمجھ میں آ گئی؟

تو کہتے ہیں: وَعَلَى التَّقْدِيْرَيْنِ، اور دونوں تقدیروں پر، يَحْمِلُوْنَ مَا يُرٰى خَبَرًا، وہ محمول کرتے ہیں وہ جو خبر دکھائی دے رہی ہو، فِيْ مِثْلِ لَا رَجُلَ قَائِمٌ، اس جیسی مثالوں کے اندر، جو خبر دکھائی دے رہی ہو اس کو وہ محمول کرتے ہیں عَلَى الصِّفَةِ، صفت پر، دُوْنَ الْخَبَرِ، نہ کہ خبر پر۔ یعنی اس کو صفت بناتے ہیں، خبر نہیں بناتے۔ تو لَا رَجُلَ قَائِمٌ کے اندر یہ جو قَائِمٌ آیا ہے اس کو کیا بناتے ہیں بنو تمیم والے؟ صفت بناتے ہیں اور محل پر محمول کرتے ہیں، کیونکہ رَجُل مرفوع ہے بتدا ہونے کی وجہ سے۔

یہاں محشی حضرات لکھتے ہیں بھئی۔ پہلی تقدیر کیا نکالی؟ أَيْ لَا يُظْهِرُوْنَ الْخَبَرَ فِي اللَّفْظِ، کہ وہ خبر کو لفظوں میں ظاہر نہیں مانتے۔ تو محشی ملا عبد الغفور، انہوں نے علامہ اندلسی کا قول ذکر کیا ہے کہ پتہ نہیں کہاں سے یہ بات کتابوں کے اندر نقل ہو گئی بھئی، کہ بنو تمیم والے ہمیشہ اس کی خبر مقدر نکالتے ہیں لفظوں میں کبھی بھی نہیں مانتے۔ کہتے ہیں یہ درست نہیں ہے، بلکہ بنو تمیم کا مذہب یہ ہے، ادھر دیکھیے بھئی، بلکہ وہ فرماتے ہیں بنو تمیم کا مذہب یہ ہے کہ خبر پر کوئی قرینہ ہو گا یا قرینہ نہیں۔ اگر قرینہ موجود ہے تو خبر کو حذف کرنا واجب ہے، اور اگر قرینہ موجود نہیں تو خبر کو ذکر کرنا واجب ہے۔ صاحبِ جامی نے تو کیا ذکر کیا؟ پہلی تقدیر کیا ذکر کی؟ کہ لفظوں میں خبر کو ثابت نہیں مانتے یعنی ہمیشہ محذوف مانتے ہیں۔ علامہ اندلسی کیا فرماتے ہیں؟ کہ یہ نقل صحیح نہیں، پتہ نہیں کہاں سے یہ نقل ہوا ہے اور اسی طرح پھر علماء نقل کرتے چلے گئے ایک دوسرے سے۔ کہتے ہیں صحیح مذہب یہ ہے بنو تمیم کا کہ ان کے نزدیک جو خبر ہے اس پر قرینہ ہو گا یا قرینہ نہیں۔ اگر قرینہ نہیں ہے تو خبر کو ذکر کرنا واجب ہے، اور اگر قرینہ موجود ہے تو حذف کرنا واجب ہے۔ دیکھا، معلوم ہوا ان کے نزدیک بھی خبر بعض اوقات ذکر کی جاتی ہے بلکہ اس کا ذکر واجب ہوتا ہے جب قرینہ نہ ہو، اور جب قرینہ ہو تو حذف واجب۔ جبکہ اہلِ حجاز کا کیا مذہب ہے؟ اہلِ حجاز کا کہ ان کے نزدیک اگر قرینہ نہ ہو پھر تو خبر کا ذکر واجب ہے۔ بھئی جب بھی کوئی لفظ حذف کریں ہمیشہ اس پر کیا چاہیے؟ قرینہ، اگر قرینہ نہ ہو تو پھر حذف نہیں کر سکتے ورنہ تو سننے والے کو پتہ ہی نہیں چلے گا کہ یہ کیا بات کہنا چاہتا ہے۔ تو اہلِ حجاز کے نزدیک قرینہ ہو گا یا قرینہ نہیں، اگر قرینہ موجود ہے تو حذف جائز ہے، واجب نہیں، بنو تمیم والے تو کہتے تھے واجب ہے، اور اگر قرینہ موجود نہیں تو پھر ذکر واجب ہے۔ معلوم ہوا ذکر کے اندر جب قرینہ نہ ہو، جب قرینہ نہ ہو تو بنو تمیم اور اہلِ حجاز کا مذہب ایک ہی ہے، جب قرینہ نہیں ہے بنو تمیم کے نزدیک بھی ذکر واجب، اہلِ حجاز کے نزدیک بھی ذکر

واجب ہے، اس کو ذکر کرنا پڑے گا خبر کو۔ اور جب قرینہ موجود ہو تو اہلِ حجاز کے نزدیک حذف جائز ہے اور بنو تمیم کے نزدیک حذف واجب ہے، یہ فرق ہے بھئی۔ بات سمجھ میں آگئی اچھی طرح؟

آگے دیکھیے بھئی: اِسْمُ مَا وَلَا الْمُشَبَّهَتَيْنِ بِلَيْسَ۔ اِسْمُ مَا وَلَا، وہ ما اور لا، الْمُشَبَّهَتَيْنِ بِلَيْسَ، جو مشابہ ہیں لَيْسَ کے ساتھ، ان کا اسم۔ اِسْمُ ہے مضاف، مَا وَلَا، یہ معطوفٌ علیہ اپنے معطوف سے مل کر یہ ہوئے موصوف، توجہ ہے؟ اور یہ چونکہ لفظ بول کر لفظ مراد ہیں تو یہ هٰذَا اللَّفْظِ یا عَلَم کے درجے میں ہیں تو یہ معرفہ ہوئے، اور معطوفٌ علیہ اپنے معطوف سے مل کر دو بن گئے، تو دو معرفہ ذکر ہوئے تو آگے اس کی صفت بھی تثنیہ لائے: الْمُشَبَّهَتَيْنِ، وہ ما اور لا جو مشابہ ہیں کس کے ساتھ؟ لَيْسَ کے ساتھ، ان کا اسم، ان کا اسم مضاف ہے نا ما اور لا کی طرف۔ اس ما اور لا کا اسم الْمُشَبَّهَتَيْنِ بِلَيْسَ جو مشابہ ہیں لَيْسَ کے ساتھ۔ عبارت سمجھ میں آگئی؟ اور یہاں پر بھی ما قبل میں مِنْهَا محذوف نکال لیں: مِنْهَا اسْمُ مَا وَلَا الْمُشَبَّهَتَيْنِ بِلَيْسَ، أَيْ مِنَ الْمَرْفُوْعَاتِ، مرفوعات میں سے کیا ہے؟ ما و لا مشابہ بلیس کا اسم ہے۔

اچھا بھئی یہ ما اور لا مشابہ ہیں لَيْسَ کے ساتھ۔ کس چیز میں مشابہ ہیں؟ صاحبِ جامی بتلائیں گے۔ کہ نفی کے معنی میں بھی مشابہ ہیں، جیسے لَيْسَ نفی کا معنی دیتا ہے ما اور لا بھی کلام کے اندر نفی پیدا کرتے ہیں۔ تو یہ ایک تو نفی کے اندر لَيْسَ کے ساتھ مشابہ ہیں۔ اور نیز جیسے لَيْسَ مبتدا اور خبر پر داخل ہوتا ہے، اسی طرح یہ ما اور لا بھی مبتدا اور خبر پر داخل ہوتے ہیں۔ تو اس اعتبار سے ان کی مشابہت ہے لَيْسَ کے ساتھ۔ کتنی چیزوں میں؟ دو چیزوں میں۔ ایک کیا؟ جیسے لَيْسَ نفی کا فائدہ دیتا ہے یہ بھی نفی کا فائدہ دیتے ہیں۔ دوسرا؟ جیسے لَيْسَ مبتدا اور خبر پر داخل ہوتا ہے یہ ما اور لا بھی مبتدا اور خبر پر داخل ہوتے ہیں۔

تو کہتے ہیں: اِسْمُ مَا وَلَا الْمُشَبَّهَتَيْنِ بِلَيْسَ، اس ما اور لا کا اسم جو مشابہ ہیں لَيْسَ کے ساتھ فِيْ مَعْنَى النَّفْيِ، دیکھو یہ وجہِ تشبیہ ذکر کر رہے ہیں کہ کس چیز میں مشابہ ہیں، فِيْ مَعْنَى النَّفْيِ نفی کے معنی میں، وَالدُّخُوْلِ عَلَى الْمُبْتَدَإِ وَالْخَبَرِ اور مبتدا اور خبر پر داخل ہونے میں، اس چیز کے اندر وہ مشابہ ہیں لَيْسَ کے ساتھ۔ وَلِهٰذَا تَعْمَلَانِ عَمَلَهُ، اور اسی لیے یہ دونوں اس کا عمل کرتے ہیں یعنی لَيْسَ والا عمل کرتے ہیں۔ اور لَيْسَ کیا عمل کرتا ہے؟ لَيْسَ افعالِ ناقصہ میں سے ہے، یہ اپنے اسم کو رفع دیتا ہے اور خبر کو نصب دیتا ہے۔ تو یہ بھی اسی طرح عمل کرتے ہیں۔

اب ان کے اسم کی تعریف کرنے لگے ہیں، کہتے ہیں: هُوَ الْمُسْنَدُ إِلَيْهِ، جی پہلے متن متن دیکھ لیں، هُوَ الْمُسْنَدُ إِلَيْهِ بَعْدَ دُخُوْلِهِمَا، ان کا جو اسم ہوتا ہے وہ مسندٌ الیہ ہوتا ہے ان دونوں کے داخل ہونے کے بعد۔ بھئی دیکھیے ما و لا مشابہ بلیس کیا عمل کرتے ہیں؟ اپنے اسم کو رفع دیتے ہیں اور خبر کو نصب دیتے ہیں۔ اور یہ کس کی بحث چل رہی ہے؟ مرفوعات کی، تو مرفوع ان کا اسم ہوتا ہے یا خبر ہوتی ہے؟ اسم ہوتا ہے، اسی لیے کہا اِسْمُ مَا وَلَا الْمُشَبَّهَتَيْنِ بِلَيْسَ، حالانکہ إِنَّ کی خبر کو ذکر کیا تھا اور لائے نفی جنس کی بھی خبر، کیونکہ وہ مرفوع ہوتے ہیں، جبکہ ما و لا مشابہ بلیس کا اسم مرفوع ہوتا ہے۔ تو اب اس کی

تعریف کرنے لگے ہیں، کہتے ہیں: هُوَ الْمُسْنَدُ إِلَيْهِ بَعْدَ دُخُوْلِهِمَا، ان کا جو اسم ہے وہ مسندٌ الیہ ہوتا ہے، ان کا اسم مسندٌ الیہ ہوتا ہے۔ جب مسندٌ الیہ کہا، جب مسندٌ الیہ کہا تو مبتدا بھی داخل ہو گیا وہ بھی کیا ہوتا ہے؟ مسندٌ الیہ۔ كَانَ کا اسم بھی داخل ہو گیا وہ بھی کیا ہوتا ہے؟ مسندٌ الیہ۔ اسی طرح إِنَّ کا اسم بھی داخل ہوا وہ بھی کیا ہوتا ہے؟ مسندٌ الیہ ہوتا ہے۔ تو یہ سارے مسندٌ الیہ اس کے اندر داخل ہو گئے۔ پھر جب کہا بَعْدَ دُخُوْلِهِمَا ان دونوں کے داخل ہونے کے بعد، تو اب وہ باقی سارے مسندٌ الیہ نکل گئے جن پر یہ داخل نہیں ہیں بھئی۔ تو کہتے ہیں: هُوَ الْمُسْنَدُ إِلَيْهِ بَعْدَ دُخُوْلِهِمَا، تو ان کا اسم جو ہے وہ مسندٌ الیہ ہوتا ہے ان کے داخل ہونے کے بعد۔ مِثْلُ مَا زَيْدٌ قَائِمًا وَلَا رَجُلٌ أَفْضَلَ مِنْكَ۔ دیکھیے بھئی یہ مَا زَيْدٌ قَائِمًا، یہ ما مشابہ بلیس ہے اور زَيْدٌ اس کا اسم ہے اور قَائِمًا اس کی خبر ہے، اور ما مشابہ بلیس اپنے اسم کو رفع دے رہا ہے اور خبر کو نصب۔ ترکیب کیسے ہو گی؟ ما مشابہ بلیس، زَيْدٌ مرفوع لفظاً اس کا اسم، قَائِمًا منصوب لفظاً صیغہ اسمِ فاعل، اس کے اندر هُوَ ضمیر مرفوع محلاً اس کا فاعل جو کس کو راجع؟ زید کو، کیونکہ ما مشابہ بلیس کی خبر کو اس کے اسم کے ساتھ جوڑتے ہیں۔ تو اسمِ فاعل اپنے فاعل سے مل کر شبہ جملہ ہو کر خبر، ما مشابہ بلیس اپنے اسم اور خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔ اسی طرح وَلَا رَجُلٌ أَفْضَلَ مِنْكَ، لَا مشابہ بلیس، رَجُلٌ مرفوع لفظاً لا کا اسم، أَفْضَلَ منصوب لفظاً اسمِ تفضیل بھئی، کیونکہ یہ لا کی خبر ہے اور لا اپنی خبر کو نصب دیتا ہے، اور یہ غیرِ منصرف ہے یہ أَفْضَلَ کا لفظ غیرِ منصرف ہے۔ کون سے دو اسباب ہیں اس میں غیرِ انصراف کے؟ ایک تو اس میں ایک وزنِ فعل ہے اور ایک وصف ہے بھئی صفت ہے بھئی یہ۔ تو أَفْضَلَ منصوب لفظاً اسمِ تفضیل، اور اسمِ تفضیل بھی صفت کا صیغہ ہے اس کے لیے بھی کیا چاہیے؟ فاعل چاہیے، تو اس کے اندر هُوَ ضمیر مرفوع محلاً اس کا فاعل جو کس کو راجع؟ لائے نفی جنس کے اسم کو بھئی یہ ربط آ گیا۔ مِنْ جارہ، كَ ضمیر مجرور محلاً، جار مجرور مل کر کس سے متعلق؟ اسمِ تفضیل أَفْضَلَ کے ساتھ کیونکہ اسمِ تفضیل کے استعمال کے تین طریقے ہیں: مِنْ کے ساتھ، الف لام کے ساتھ، اور اضافت کے ساتھ، یہاں مِنْ کے ساتھ ہے۔ تو اسمِ تفضیل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر شبہ جملہ ہو کر خبر، لائے نفی جنس اپنے اسم اور خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔ مَا زَيْدٌ قَائِمًا، زید کھڑا نہیں ہے۔ لَا رَجُلٌ أَفْضَلَ مِنْكَ، کوئی آدمی آپ سے افضل نہیں ہے۔ معنی سمجھ میں آ گیا؟ اب اس میں یاد رکھنا یہ جو ما مشابہ بلیس ہے یہ معرفہ پر بھی داخل ہوتا ہے اور نکرہ پر بھی، معرفہ پر بھی اور نکرہ پر بھی، اور یہاں دیکھو مَا زَيْدٌ یہ زید معرفہ ہے اس پر داخل ہوا۔ جبکہ لا مشابہ بلیس جو ہے وہ صرف نکرہ میں عمل کرتا ہے وہ معرفہ میں عمل نہیں کرتا، اسی لیے وَلَا رَجُلٌ أَفْضَلَ مِنْكَ دیکھو رَجُلٌ کو نکرہ لے کر آئے۔ توجہ ہے؟ تو ما اس کا عمل عام ہے، اس کا اسم معرفہ بھی آ سکتا ہے اور نکرہ بھی، اور لا کا اسم ہمیشہ کیا آئے گا؟ نکرہ آئے گا بھئی۔

آگے متن دیکھیے، کہتے ہیں: وَهُوَ فِيْ لَا شَاذٌّ۔ وَهُوَ فِيْ لَا شَاذٌّ، یہ ذال مشدد ہے۔ اور یہ جو لَيْسَ کا عمل ہے فِيْ لَا کس کے اندر؟ لا کے اندر، شَاذٌّ شاذ ہے۔ شاذ کا معنی قلیل۔ بھئی ایک شاذ کا معنی ہوتا ہے جو آپ کے قانون کی گرفت میں نہ آئے،

جو آپ کے قانون کے تحت نہ آئے اس کو شاذ کہتے ہیں۔ جیسے آپ نے پڑھا ہے بابِ فتح سے جو بھی فعل آئے اس کا عین یا لام حرفِ حلقی ہونا ضروری ہے۔ جو بھی فعل بابِ فتح سے آئے اس کا عین یا لام کا حرفِ حلقی ہونا ضروری ہے، دیکھو فَتَحَ اس کے آخر میں ح ہے اور ح حروفِ حلقیہ میں سے ہے۔ لیکن دیکھو أَبٰی یَأْبٰی، یہ بھی بابِ فتح سے آتا ہے، أَبٰی یَأْبٰی بابِ فتح سے آتا ہے، لیکن اس کے اندر دیکھو عین اور لام حرفِ حلقی نہیں۔ عین کیا ہے اس میں؟ با، اور لام کیا ہے؟ یا جو الف سے بدل گئی۔ تو أَبٰی یَأْبٰی یہ بابِ فتح سے آتا ہے اور اس میں عین اور لام میں سے کوئی بھی حرفِ حلقی نہیں، تو اس کو شاذ کہیں گے۔ کیا کہیں گے؟ شاذ۔ کیا معنی شاذ کا؟ یعنی قانون کے خلاف ہے، یہ معنی نہیں کہ یہ لفظ غلط ہے، استعمال کے اعتبار سے ٹھیک ہے، عرب اس کو اسی طرح استعمال کرتے ہیں، عربی زبان کے اعتبار سے استعمال کے اعتبار سے یہ لفظ ٹھیک ہے لیکن ہم نے جو قانون بنایا اس قانون کے تحت یہ داخل نہیں ہو رہا، تو ایسے لفظ کو کیا کہتے ہیں؟ جو استعمال کے اعتبار سے ٹھیک ہو اور قانون کے تحت داخل نہ ہو رہا ہو اس کو شاذ کہتے ہیں۔ اور بعض اوقات شاذ صرف قلیل کے معنی میں استعمال ہوتا ہے، تو یہاں جو شاذ آیا یہ قلیل کے معنی میں ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ یہاں اس معنی میں نہیں ہے کہ یہ قانون کے تحت نہیں آرہا، استعمال کے اعتبار سے تو ٹھیک ہے لیکن قانون کی گرفت میں نہیں آرہا، نہیں نہیں، یہاں یہ قانون کے مطابق ہے، قانون کے مطابق لا کو بھی کیا کرنا چاہیے؟ اپنے اسم کو رفع دینا چاہیے اور خبر کو نصب دینا چاہیے اور یہ لا ایسا ہی عمل کرتا ہے۔ تو یہ استعمال بھی اسی طرح ہے اس کا اور قانون بھی اسی طرح ہے، تو لہٰذا یہاں شاذ کس معنی میں ہے؟ قلیل کے معنی میں ہے بھئی قلیل۔ تو کہتے ہیں: وَهُوَ فِيْ لَا شَاذٌّ، اور یہ جو لَیْسَ کا عمل ہے لا کے اندر قلیل ہے، قلیل ہے، یعنی بہت کم کلامِ عرب میں اس طرح آیا ہے کہ لا نے اپنے اسم کو رفع اور خبر کو نصب دیا ہو، نہایت ہی قلیل ہے بھئی۔ لہٰذا آپ اس پر قیاس کرتے ہوئے ایسا کلام ذکر نہیں کر سکتے جس میں آپ لا کو استعمال کریں اور وہ اپنے اسم کو رفع دے اور خبر کو نصب دے۔ آپ کوئی کلام کرنا چاہتے ہیں، آپ اس میں لا مشابہ بلیس استعمال کرنا چاہتے ہیں، اپنی طرف سے ایک نیا جملہ بنانا چاہتے ہیں، نہیں بھئی آپ کے لیے جائز نہیں، یہ سماع پر موقوف ہے، جہاں جہاں عربوں نے استعمال کیا ہے وہی کلام آپ استعمال کر سکتے ہیں، اپنی طرف سے کوئی نیا کلام نہیں بنا سکتے۔

جی اب دیکھیے شرح کے ساتھ، کہتے ہیں: هُوَ الْمُسْنَدُ إِلَيْهِ، هٰذَا شَامِلٌ لِلْمُبْتَدَإِ وَلِكُلِّ مُسْنَدٍ إِلَيْهِ، یہ جب مسندٌ الیہ کہا نا، تو یہ شامل ہے بتدا کو بھی اور ہر مسندٌ الیہ کو بھی، جیسے إِنَّ کا اسم ہے كَانَ کا اسم وغیرہ وہ سب مسندٌ الیہ ہوتے ہیں۔ بَعْدَ دُخُوْلِهِمَا، ان کے داخل ہونے کے بعد، خَرَجَ بِهِ غَيْرُ اسْمِ مَا وَلَا، تو اس سے نکل گئے ما اور لا کے اسم کے علاوہ جتنے مسندٌ الیہ ہیں وہ نکل گئے۔ بتدا وہ بھی نکل گیا، إِنَّ کا اسم بھی نکل گیا، کیونکہ ان پر یہ داخل نہیں ہیں بھئی۔

کہتے ہیں: وَبِمَا عَرَفْتَ مِنْ مَعْنَى الدُّخُوْلِ لَا يَرِدُ مِثْلُ أَبُوْهُ فِيْ مَا زَيْدٌ أَبُوْهُ قَائِمٌ۔ جی ذرا اس مثال پہ نظر رکھیں: مَا

زَيْدٌ أَبُوْهُ قَائِمٌ، ترکیب سنو بھئی۔ ما مشابہ بلیس، زَيْدٌ مرفوع لفظاً اس کا اسم، أَبُوْهُ، أَبُوْ مرفوع لفظاً مضاف، یہ جو ما کی خبر ہے أَبُوْهُ قَائِمٌ یہ پورا جملہ ہے، یہ پورا جملہ خبر بنے گا، توجہ ہے؟ اور یہ أَبُوْهُ قَائِمٌ یہ بتدا خبر آپس میں بنیں گے۔ تو أَبُوْ مرفوع لفظاً مضاف، مرفوع کیوں؟ کیونکہ یہ بتدا ہے، اور هُ ضمیر مجرور محلاً مضافٌ الیہ، اور یہ ضمیر کس کو راجع؟ یہ زید کو راجع ہے، یہ ربط دے رہی ہے اس پورے جملے کو ما کے اسم کے ساتھ۔ جی آپ دیکھ رہے ہیں غور کر رہے ہیں جتنی مثالیں لا رہے ہیں اس میں ضمیریں ساتھ ذکر کرتے چلے جا رہے ہیں، کیونکہ اگر ضمیر نہیں ہو گی تو ربط نہیں آئے گا بھئی۔ تو أَبُوْهُ مضاف اپنے مضاف الیہ سے مل کر بتدا، قَائِمٌ مرفوع لفظاً صیغہ اسمِ فاعل، مرفوع کیوں؟ کیونکہ یہ بتدا کی خبر ہے، یہ ما کی خبر نہیں بلکہ بتدا کی خبر ہے۔ تو قَائِمٌ مرفوع لفظاً صیغہ اسمِ فاعل، اس کے اندر هُوَ ضمیر مرفوع محلاً اس کا فاعل، جو کس کو راجع؟ جی؟ أَبُوْهُ کو راجع کریں گے یا زید کو راجع کریں گے؟ جی؟ ہاں أَبُوْهُ کو، میں نے بتایا تو ہے کہ یہ قَائِمٌ ما کی خبر نہیں ہے أَبُوْهُ کی خبر ہے، اور خبر کو بتدا سے جوڑتے ہیں، تو اس کے اندر هُوَ ضمیر أَبُوْهُ کو راجع۔ تو اسمِ فاعل اپنے فاعل سے مل کر یہ خبر ہوئی أَبُوْهُ کے لیے، بتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ ہو کر یہ خبر ہوئی ما مشابہ بلیس کی۔ ما مشابہ بلیس اپنے اسم اور خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔

اب دیکھیے أَبُوْهُ قَائِمٌ پورا جملہ یہ ما کی خبر ہے۔ اب یہاں اشکال یہ ہوتا ہے: ما کے، بات چل رہی ہے ما کے اسم کی، ما کا اسم وہ مسندٌ الیہ ہوتا ہے ان کے داخل ہونے کے بعد۔ أَبُوْهُ قَائِمٌ یہ ساری خبر ہے کس کی؟ ما کی، لیکن یہ جو اس خبر کے اندر أَبُوْهُ جو بتدا آیا یعنی جو مسندٌ الیہ آیا یہ بھی تعریف کے اندر داخل ہو رہا ہے۔ یہ جو ما کے اسم کی جو انہوں نے تعریف کی کیا تعریف کی؟ ما کا اسم وہ ہے جو مسندٌ الیہ ہوتا ہے ان کے داخل ہونے کے بعد۔ یہ اس کے اندر دیکھو یہ جو أَبُوْهُ ہے یہ بتدا ہے اور بتدا کیا ہوتا ہے؟ مسندٌ الیہ، تو یہ مسندٌ الیہ بھی ہے اور اس پر ما بھی داخل ہوا ہے، تو لہٰذا اس کو بھی کیا کہنا چاہیے؟ أَبُوْهُ کو ما کا اسم کہنا چاہیے، حالانکہ یہ تو ما کا اسم نہیں ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ اسم کی بات چل رہی ہے، ما کا اسم، پھر سنو: إِنَّ کے اندر اور لائے نفی جنس کے اندر خبر کی بات آئی تھی، یہاں ما اور لا کے اسم کی بات چل رہی ہے۔ ما اور لا کا اسم کیا ہوتا ہے؟ مسندٌ الیہ۔ اس جملے کے اندر أَبُوْهُ قَائِمٌ، أَبُوْهُ بتدا ہے اور قَائِمٌ اس کی خبر ہے، اس میں یہ جو بتدا ہے یہ بھی تو مسندٌ الیہ ہے، یہ بھی مسندٌ الیہ، اور نیز کیا کہا؟ ما کا اسم مسندٌ الیہ ہوتا ہے ان کے داخل ہونے کے بعد، اور یہ أَبُوْهُ پر بھی ما داخل ہے، تو اس أَبُوْهُ کو بھی کیا کہنا چاہیے؟ ما کا اسم، حالانکہ یہ ما کا اسم نہیں، ما کا اسم تو زَيْدٌ ہے اور یہ أَبُوْهُ قَائِمٌ تو سارا اس کی خبر ہے بھئی۔ بات سمجھ میں آ رہی ہے؟ تو اشکال ہوتا ہے کہ آپ کی تعریف دخولِ غیر سے مانع نہیں، اس جملے کے اندر جو أَبُوْهُ ہے اس کو بھی ما کا اسم کہنا چاہیے کیونکہ تعریف اس پر صادق آ رہی ہے، حالانکہ وہ ما کا اسم نہیں۔ تو اس کا جواب وہی ہے جو پیچھے گزر چکا ہے، کہ ما کے داخل ہونے کا لفظی معنی آپ نے مراد لے لیا کہ لفظوں میں ما داخل ہوا ہو اور یہاں پر بھی لفظوں میں ما داخل ہے، لیکن لفظی معنی مراد نہیں ہے بلکہ کیا مراد ہے؟ کہ ما لفظاً یا معناً اپنا اثر دے، ما لفظاً یا معناً اپنا اثر دے، اور یہ جو أَبُوْهُ ہے اس کے اندر ما نے نہ لفظوں میں عمل کیا ہے نہ معنی کے اندر۔ لفظوں

میں ما کیا عمل کرتا ہے؟ اپنے اسم کو رفع دیتا ہے۔ توجہ ہے؟ اور یہ أَبُوْهُ یہ مرفوع ہے، یہ رفع ما نے دیا یا یہ ابتدا ہونے کی وجہ سے مرفوع ہے؟ ابتدا، اور ابتدا میں عامل کیا ہوتا ہے؟ ابتدا عامل ہوتی ہے، تو أَبُوْهُ پر جو رفع ہے یہ ابتدا کی وجہ سے ہے ما کی وجہ سے نہیں۔ اور معنی کے اندر بھی ما نے اس میں کوئی اثر نہیں کیا، ما نفی کا فائدہ دیتا ہے اور یہ أَبُوْهُ قَائِمٌ اس جملے کو ما نے کوئی نفی کا فائدہ نہیں دیا۔ توجہ ہے؟ یہ أَبُوْهُ مسندٌ الیہ ہے اور قَائِمٌ اس کی خبر ہے، ما جو ہے نفی پیدا کر رہا ہے لیکن أَبُوْهُ قَائِمٌ اس جملے کے اندر نفی نہیں پیدا کر رہا، بلکہ اس پورے جملے کا جب اسناد ہو گا زید کی طرف تو اس کے اندر وہ نفی پیدا کرے گا۔ معلوم ہوا یہ جو أَبُوْهُ ہے ما نے نہ اس میں لفظوں میں عمل کیا اور نہ اس میں معنی میں عمل کیا ہے۔ بات اچھی طرح سمجھ میں آ گئی؟

آگے دیکھیے بھئی، کہتے ہیں: وَبِمَا عَرَفْتَ اور وہ جو آپ نے جان لیا مِنْ مَعْنَى الدُّخُوْلِ یعنی دخول کا معنی، لَا يَرِدُ تو اعتراض وارد نہیں ہوتا مِثْلُ أَبُوْهُ، أَبُوْهُ جیسے لفظوں کا، فِيْ مَا زَيْدٌ أَبُوْهُ قَائِمٌ اس جیسی مثالوں کے اندر یہ جو أَبُوْهُ کا لفظ ہے اس کا اعتراض وارد نہیں ہوتا۔ ترجمہ سمجھ میں آ گیا؟

کہتے ہیں: مِثْلُ مَا زَيْدٌ قَائِمًا وَلَا رَجُلٌ أَفْضَلَ مِنْكَ، وَإِنَّمَا أَتَى بِالنَّكِرَةِ، جی۔ بھئی دیکھیے صاحبِ کافیہ نے دو مثالیں ذکر کیں، ایک ما کی اور ایک لا کی۔ ما کا جو اسم لائے وہ تو معرفہ لائے اور لا کا اسم نکرہ لائے۔ میں نے وجہ ذکر کر دی کہ ما معرفہ اور نکرہ دونوں میں عمل کرتا ہے، اور لا صرف نکرہ میں عمل کرتا ہے اس لیے لا کی مثال میں رَجُلٌ نکرہ لے کر آئے۔ کہتے ہیں: وَإِنَّمَا أَتَى بِالنَّكِرَةِ بَعْدَ لَا، اور لا کے بعد نکرہ لے کر آئے صاحبِ کافیہ، لِأَنَّ لَا لَا تَعْمَلُ إِلَّا فِي النَّكِرَةِ، اس لیے کیونکہ یہ لا جو ہے یہ عمل نہیں کرتا مگر نکرہ میں ہی، بِخِلَافِ مَا، بخلاف کس کے؟ ما کے، فَإِنَّهَا تَعْمَلُ فِي النَّكِرَةِ وَالْمَعْرِفَةِ، کیونکہ وہ نکرہ اور معرفہ میں عمل کرتا ہے یعنی دونوں میں عمل کرتا ہے۔ تو یہ عمل کرتا ہے معرفہ اور نکرہ دونوں میں، ما عمل کرتا ہے معرفہ اور نکرہ دونوں میں۔ بھئی متن میں جو ما کی مثال آئی اس میں تو صرف معرفہ ذکر ہے زَيْدٌ، اس سے تو یہ معلوم ہو رہا ہے کہ ما صرف معرفہ میں عمل کرتا ہے، اور لَا رَجُلٌ سے پتہ چل رہا ہے کہ لا صرف کس کے اندر عمل کرتا ہے؟ نکرہ۔ اعتراض سمجھ میں آ رہا ہے؟ کہ ما معلوم ہوا صرف معرفہ میں عمل کرتا ہے کیونکہ معرفہ کو مثال میں ذکر کیا، اور لا جو ہے صرف نکرہ میں عمل کرتا ہے اس لیے رَجُلٌ نکرہ کو ذکر کیا۔ تو صاحبِ جامی نے ہمیں یہ تو بتا دیا کہ لا کے بعد رَجُلٌ نکرہ کیوں لائے؟ کیونکہ لا صرف کس میں عمل کرتا ہے؟ نکرہ میں۔ تو ما کا بھی تو یہی معلوم ہو رہا ہے، اس کے بارے میں کوئی بات نہیں کی؟ تو اس کا جواب دیتے ہیں علماء کہ بھئی دیکھیے یہ ما کا جو اسم ہوتا ہے نا یہ مسندٌ الیہ ہوتا ہے، اور مسندٌ الیہ کے اندر اصل کیا ہے؟ اس کو معرفہ ہونا چاہیے یا نکرہ؟ معرفہ ہونا چاہیے، مسندٌ الیہ جس کے بارے میں بات کی جا رہی ہے وہ معرفہ ہونا چاہیے، اس کی آپ کو پہچان ہونی چاہیے۔ تو مسندٌ الیہ میں معرفہ ہونا ہے اصل، اور نکرہ ہونا ہے فرع۔ تو مَا زَيْدٌ کے اندر جب اصل کو ذکر کر دیا تو نکرہ کا خود بخود پتہ چل گیا کہ جب معرفہ اس کا اسم بن سکتا ہے تو نکرہ جو فرع ہے وہ بھی بن سکتا ہے۔ جبکہ لا کے اندر رَجُلٌ نکرہ

ذکر کیا، حالانکہ مسندٌ الیہ میں تو اصل کیا ہے؟ معرفہ ہونا، لیکن فرع کو ذکر کیا نکرہ کو ذکر کیا، تو یہاں سوال پیدا ہوا کہ مسندٌ الیہ کے اندر تو اصل معرفہ ہے یہاں نکرہ کیوں ذکر کیا؟ تو اس لیے اس کا جواب دیا کہ اس کا اسم معرفہ آ ہی نہیں سکتا، اس لیے اس کی مثال نکرہ کے ساتھ ذکر کی۔ بات سمجھ میں آگئی؟

آگے دیکھیے، کہتے ہیں: هٰذَا لُغَةُ أَهْلِ الْحِجَازِ، یہ لغت ہے اہلِ حجاز کی۔ حجاز عرب کا ایک بڑا علاقہ بھئی وہ حجاز کہلاتا ہے، یہ مکہ اور مدینہ اسی کے اندر آتے ہیں بھئی۔ تو یہ اہلِ حجاز کی لغت ہے، یعنی ان کی زبان اس طرح ہے، یعنی ان کے نزدیک ما اور لا، ادھر دیکھیے، اہلِ حجاز کے نزدیک ما اور لا اپنے اسم کو رفع دیتے ہیں اور خبر کو نصب۔ جبکہ بنو تمیم جو عرب کا ایک بڑا قبیلہ ہے، ان کے نزدیک یہ ما اور لا عمل کرتے ہی نہیں ہیں بھئی۔ لہٰذا یہ جب داخل بھی ہو جائیں گے جملے پر، تو یہ کوئی عمل کریں گے ہی نہیں بھئی۔ اور وہ جیسے پہلے مبتدا اور خبر تھے، ما اور لا کس پر داخل ہوتے ہیں؟ مبتدا اور خبر پر، تو ما اور لا کے داخل ہونے کے بعد بھی وہ مبتدا اور خبر ہیں، صرف نفی کا فائدہ دے دیں گے، صرف کلام میں نفی کا فائدہ دے دیں گے باقی لفظوں میں کوئی عمل نہیں کریں گے۔ یعنی پہلے جیسے وہ مبتدا تھا ابتدا کی وجہ سے مرفوع تھا تو اب بھی وہ مبتدا ہے، اور پہلے جیسے وہ خبر ابتدا کی وجہ سے مرفوع تھی تو اب بھی وہ خبر ابتدا کی وجہ سے مرفوع ہے۔

تو کہتے ہیں: هٰذَا لُغَةُ أَهْلِ الْحِجَازِ، اہلِ حجاز کی زبان ہے یعنی اس طرح ان کے نزدیک ما اور لا اس طرح عمل کرتے ہیں۔ وَأَمَّا بَنُوْ تَمِيْمٍ فَلَا يُثْبِتُوْنَ لَهُمَا الْعَمَلَ، اور باقی بنو تمیم جو ہیں وہ ان دونوں کے لیے عمل ثابت نہیں کرتے۔ وَيَقُوْلُوْنَ الِاسْمُ وَالْخَبَرُ بَعْدَ دُخُوْلِهِمَا مَرْفُوْعَانِ بِالِابْتِدَاءِ، اور وہ کہتے ہیں کہ اسم اور خبر جو ہیں ان دونوں کے داخل ہونے کے بعد بھی مرفوع ہیں بِالِابْتِدَاءِ، کس کی وجہ سے؟ ابتدا کی وجہ سے، كَمَا كَانَا قَبْلَ دُخُوْلِهِمَا، جیسے کہ یہ دونوں ان کے داخل ہونے سے پہلے تھے۔ وَعَلٰى لُغَةِ أَهْلِ الْحِجَازِ وَرَدَ الْقُرْآنُ، اور اہلِ حجاز کی زبان پر قرآن نازل ہوا ہے۔ نَحْوُ، مثال کے طور پر: مَا هٰذَا بَشَرًا، قرآن میں کیا ہے؟ مَا هٰذَا بَشَرًا، اس کے اندر دیکھو مَا مشابہ بلیس ہے اور یہ بَشَرًا کو نصب دے رہا ہے۔ بنو تمیم کے نزدیک تو یہ عمل ہی نہیں کرتا، تو ان کی لغت کے مطابق کیا ہونا چاہیے تھا؟ مَا هٰذَا بَشَرٌ ہونا چاہیے تھا، هٰذَا مبتدا اور بَشَرٌ اس کی خبر، اور لیکن قرآن کے اندر بَشَرًا پر نصب آیا ہے، معلوم ہوا قرآن کس کی لغت پر وارد ہوا ہے؟ اہلِ حجاز کی۔ تو کہتے ہیں: وَعَلٰى لُغَةِ أَهْلِ الْحِجَازِ وَرَدَ الْقُرْآنُ، اور اہلِ حجاز کی زبان پر قرآن نازل ہوا ہے، نَحْوُ مَا هٰذَا بَشَرًا۔

وَهُوَ أَيْ عَمَلُ لَيْسَ فِيْ لَا دُوْنَ مَا شَاذٌّ، اور یہ جو لَيْسَ کا عمل ہے فِيْ لَا کس کے اندر؟ لا کے اندر، دُوْنَ مَا نہ کہ ما میں، شَاذٌّ شاذ ہے۔ یعنی یہ جو لَيْسَ کا عمل لا جو ہے اس کے اندر تو شاذ ہے ما کے اندر شاذ نہیں۔ ما کے اندر آپ بھی کوئی کلام بنانا چاہتے ہیں تو آپ اس کے مطابق اسم کو مرفوع لے آئیں اور خبر کو منصوب لے آئیں۔ تو کہتے ہیں: وَهُوَ أَيْ عَمَلُ لَيْسَ فِيْ لَا دُوْنَ مَا شَاذٌّ، اور لَيْسَ کا عمل جو ہے لا کے اندر نہ کہ ما کے اندر شاذ ہے۔ شاذ کے بعد صاحبِ جامی فرما رہے ہیں: قَلِيْلٌ، کہ شاذ یہاں کس معنی میں ہے؟ قلیل کے معنی میں ہے، توجہ ہے؟ تو عرب میں لا کے ذریعے اسم کو رفع اور خبر کو نصب بہت

قلیل آیا ہے، اور تو گویا یہ نادر ہے، توجہ ہے؟ نادر، اور النَّادِرُ كَالْمَعْدُوْمِ، نادر کو معدوم شمار کرتے ہیں۔ تو اب آپ اس طرح کا کلام بنانا چاہیں جس میں لا کو عامل بنائیں تو آپ کے لیے یہ جائز نہیں ہے۔

جی تو شَاذٌّ قَلِيْلٌ یہ معنی بیان کر دیا بھئی شاذ کا۔ لِنُقْصَانِ مُشَابَهَةِ لَا بِلَيْسَ، اس لیے کیونکہ لا کی جو مشابہت ہے لَيْسَ کے ساتھ اس کے اندر نقصان ہے، اس میں کمی ہے۔ لِأَنَّ لَيْسَ لِنَفْيِ الْحَالِ وَلَا لَيْسَ كَذٰلِكَ، اس لیے کیونکہ لَيْسَ جو ہے وہ حال کی نفی کے لیے آتا ہے اور لا ایسا نہیں ہے، فَإِنَّهُ لِلنَّفْيِ مُطْلَقًا، اس لیے کیونکہ یہ نفی کے لیے آتا ہے مطلقاً۔ بھئی یاد رکھو یہ جو لَيْسَ ہے نا لَيْسَ، یہ نفی کے لیے آتا ہے لیکن یہ نفیِ حالی کے لیے آتا ہے، حال کے اندر جو ہے ایک چیز سے کسی صفت کی نفی کرتا ہے۔ مثلاً میں کہتا ہوں لَيْسَ زَيْدٌ قَائِمًا، لَيْسَ زَيْدٌ قَائِمًا کیا معنی؟ زید کھڑا نہیں ہے، یعنی اس وقت زمانہ حال میں، توجہ ہے؟ تو لَيْسَ زمانہ حال کے اندر نفی کا فائدہ دیتا ہے، زمانہ حال کے اندر کسی چیز سے کسی صفت کی نفی کرتا ہے۔ جبکہ لا ایسا نہیں، لا جو ہے نفیِ مطلق کے لیے آتا ہے، یعنی اس میں زمانے کی قید نہیں ہوتی، اس میں زمانے کی قید نہیں ہوتی، وہ مطلقاً ایک چیز سے دوسری چیز کی نفی کر دیتا ہے، یعنی یوں کہو تینوں زمانوں میں نفی کر دیتا ہے۔ مطلق کا کیا معنی؟ جس میں کوئی قید نہیں، جب کوئی قید نہیں تو معلوم ہوا ہر زمانے میں کیا کر دی اس نے؟ نفی کر دی۔ ایک تو زمانہ ہے نا، بھئی میں کہتا ہوں زید کھڑا نہیں ہے یا تو حال کی بات کروں گا یا مستقبل کی بات کروں گا یا ماضی کی بات کروں گا، لیکن اگر میں مطلقاً کہوں، مطلقاً کا کیا معنی؟ کوئی قید نہیں، جب کوئی قید نہیں معلوم کس زمانے میں نفی ہو رہی ہے؟ معلوم ہوا تینوں زمانوں میں نفی ہو رہی ہے، کسی زمانے کے ساتھ یہ مقید نہیں ہے۔ جبکہ لَيْسَ کس لیے آتا ہے؟ حال کی نفی کے لیے آتا ہے۔ تو لَيْسَ نفیِ حالی کے لیے آتا ہے۔ لیکن یہ یاد رکھنا یہ اس وقت ہے جب لَيْسَ کے ساتھ کوئی قرینہ نہ ہو، لَيْسَ کے ساتھ کوئی قرینہ نہ ہو۔ اگر ساتھ قرینہ یا کوئی لفظ آپ جوڑ دیتے ہیں: لَيْسَ زَيْدٌ قَائِمًا بِالْأَمْسِ، تو اب دیکھو آپ نے أَمْسِ گزشتہ کل کو ساتھ جوڑ دیا، اب لَيْسَ زید سے قیام کی نفی کر رہا ہے لیکن کس زمانے میں؟ گزشتہ زمانے میں۔ تو جب لَيْسَ مطلق آئے کوئی قرینہ وغیرہ نہ ہو کوئی قید نہ ہو تو پھر اس صورت میں زمانہ حال کے اندر ایک صفت کی وہ نفی کرے گا، لیکن اگر ساتھ قید وغیرہ آپ ذکر کر دیتے ہیں تو پھر اس زمانے کے مطابق اس میں معنی آجائے گا۔ جبکہ لا جو ہے وہ مطلق نفی کے لیے آتا ہے اس میں کوئی قید نہیں ہوتی۔ جبکہ ما جو ہے ما، وہ بھی نفیِ حالی کے لیے آتا ہے، ما بھی نفیِ حالی کے لیے آتا ہے، مَا زَيْدٌ قَائِمًا کیا معنی؟ اس وقت زید کھڑا نہیں ہے، الا یہ کہ کوئی زمانے کے ساتھ قید آجائے پھر وہ زمانہ مراد لے لیں گے۔ تو کس کی مشابہت لَيْسَ کے ساتھ زیادہ ہوئی؟ ما کی یا لا کی؟ بھئی لَيْسَ آتا ہے نفیِ حالی کے لیے، لا آتا ہے نفیِ مطلق کے لیے، اور ما بھی آتا ہے نفیِ حالی کے لیے، تو کس کی مشابہت لَيْسَ کے ساتھ زیادہ ہوئی؟ ما کی مشابہت زیادہ ہوئی۔ اسی لیے ما کے اندر لَيْسَ والا عمل شاذ نہیں ہے، جبکہ لا کے اندر لَيْسَ کا عمل شاذ ہے بھئی۔

تو کہتے ہیں: لِنُقْصَانِ مُشَابَهَةِ لَا بِلَيْسَ، اس لیے کیونکہ لا کی جو مشابہت ہے لَيْسَ کے ساتھ اس کے اندر نقصان ہے

اس میں کمی ہے، لِأَنَّ لَيْسَ لِنَفْيِ الْحَالِ وَلَا لَيْسَ كَذٰلِكَ، اس لیے کیونکہ لَيْسَ جو ہے وہ نفیِ حال کے لیے آتا ہے اور لا ایسا نہیں ہے، فَإِنَّهُ لِلنَّفْيِ مُطْلَقًا، اس لیے کیونکہ لا جو ہے وہ نفی کے لیے آتا ہے مطلقاً یعنی اس میں زمانے کی کوئی قید نہیں ہوتی۔ بِخِلَافِ مَا، بخلاف ما کے، فَإِنَّهُ أَيْضًا لِنَفْيِ الْحَالِ، اس لیے کیونکہ وہ بھی نفیِ حال کے لیے ہے۔ فَيَقْتَصِرُ عَمَلُ لَا عَلٰى مَوْرِدِ السَّمَاعِ، تو اس لیے لا کا جو عمل ہے وہ، مَوْرِدِ وارد ہونے کی جگہ، تو لہٰذا لا کا عمل جو ہے وہ بند رہے گا عَلٰى مَوْرِدِ السَّمَاعِ، سماع کے وارد ہونے کی جگہوں میں، سماع کے وارد ہونے کی جگہوں میں، یعنی سماع کی جگہوں کے اندر ہی اس کا عمل بند رہے گا، جہاں جہاں ہم نے عربوں سے سنا ہے کہ انہوں نے کسی جگہ اپنے اشعار وغیرہ کے اندر لا کے ذریعے رفع اور نصب دیا ہے تو ہم بھی اسی کو استعمال کر سکتے ہیں، اپنی طرف سے کوئی نیا کلام نہیں کر سکتے، یہ سماع کے مواقع پر ہی بند رہے گا۔ یہ معنی ہے فَيَقْتَصِرُ عَمَلُ لَا، تو لہٰذا لا کا عمل بند رہے گا عَلٰى مَوْرِدِ السَّمَاعِ، سماع کے وارد ہونے کی جگہوں میں یعنی سماع کے مواقع میں۔

نَحْوُ قَوْلِهِ، جیسے کہ ایک شاعر کا قول ہے شعر:

▪ متنِ کتاب و تحقیقِ مسائلِ نحویہ

مَنْ صَدَّ عَنْ نِيْرَانِهَا فَأَنَا ابْنُ قَيْسٍ لَا بَرَاحُ

مَنْ صَدَّ عَنْ نِيْرَانِهَا، صَدَّ يَصُدُّ کے معنی ہیں رکنا، باز رہنا۔ نِيْرَان جمع ہے نَار کی، نار کی، اور یہ هَا ضمیر جو جڑی ہوئی ہے ساتھ یہ ضمیر حَرْب کو راجع ہے، اور حَرْب مؤنثِ سماعی ہے۔ مَنْ صَدَّ عَنْ نِيْرَانِهَا، جو شخص باز رہتا ہے، جو شخص رکا رہتا ہے عَنْ نِيْرَانِهَا جنگوں کی آگ سے، جو شخص جنگ کی آگ جو ہے اس سے رکا رہتا ہے اس سے باز رہتا ہے، فَأَنَا ابْنُ قَيْسٍ، تو میں قیس کا بیٹا ہوں، لَا بَرَاحُ۔ بَرِحَ يَبْرَحُ بَرَاحًا کا معنی ہے اپنی جگہ سے ہٹ جانا، بَرِحَ يَبْرَحُ بَرَاح کا کیا معنی؟ اپنی جگہ سے ہٹ جانا، اپنی جگہ کو چھوڑ دینا۔ فَأَنَا ابْنُ قَيْسٍ، تو میں تو قیس کا بیٹا ہوں، لَا بَرَاحٌ لِيْ، خبر محذوف ہے، لَا بَرَاحٌ لِيْ، میرے لیے اپنی جگہ سے ہٹنا نہیں ہے، یعنی میں اپنی جگہ سے نہیں ہٹ سکتا۔ مَنْ صَدَّ عَنْ نِيْرَانِهَا، جو شخص باز رہتا ہے عَنْ نِيْرَانِهَا جنگ کی آگ سے، جنگ کی آگ سے مراد جنگ کی ہولناکیاں ہیں اور اس کے مشکلات اور سختیاں ہیں بھئی۔ جو شخص جنگ کی سختیوں سے باز رہتا ہے یعنی جنگوں سے اپنے آپ کو بچاتا ہے ان تکالیف کو برداشت نہیں کر سکتا، تو وہ بے شک رکا رہے وہ بے شک جنگوں میں شریک نہ ہو، فَأَنَا ابْنُ قَيْسٍ، لیکن میں تو قیس کا بیٹا ہوں، میرا باپ قیس تھا جو بڑا بہادر تھا اور وہ جنگوں میں شریک ہوتا تھا، اور بیٹا بھی اپنے باپ کے نقشِ قدم پر چلتا ہے، تو میرا باپ جیسے جنگوں کے اندر شہرت رکھتا تھا اور بہادر آدمی تھا مشہور تھا میں بھی اسی کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے میں اسی طرح جنگوں میں شرکت کروں گا، میرے لیے جنگوں سے پیچھے ہٹنا ممکن نہیں ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ یعنی اپنی بہادری اور شجاعت کو بیان کر رہا

ہے شاعر۔ کہتے ہیں: مَنْ صَدَّ عَنْ نِيْرَانِهَا، جو شخص رکا رہتا ہے جنگ کی آگ سے یعنی اس کی سختیوں اور ہولناکیوں سے، فَأَنَا ابْنُ قَيْسٍ، میں تو قیس کا بیٹا ہوں، لَا بَرَاحُ، أَيْ لَا بَرَاحٌ لِيْ، کہ میرے لیے ہٹنا نہیں ہے۔ أَيْ لَا بَرَاحٌ لِيْ، دیکھو آگے صاحبِ جامی نے بھی خبر نکال کر بتلا دی۔ یہ لَا کیا ہے؟ مشابہ بلیس، اور بَرَاحٌ اس کا اسم مرفوع ہے، اور لِيْ، أَيْ ثَابِتًا لِيْ بھئی یہ اس کی خبر، جار مجرور کو کس سے جوڑیں گے؟ ثَابِتًا سے، ثَابِتًا منصوب نکالا کیونکہ لا مشابہ بلیس کی خبر منصوب ہوتی ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟

وَلَا يَجُوْزُ أَنْ تَكُوْنَ لِنَفْيِ الْجِنْسِ۔ یہاں سے اب ایک سوال کا جواب دے رہے ہیں۔ سوال یہ کہ آپ نے لَا بَرَاحُ اس کے اندر لَا کو مشابہ بلیس قرار دیا، آپ اس کو لائے نفی جنس بنا دیتے، آپ اس کو لائے نفی جنس بنا دیتے وہ آپ نے کیوں نہیں بنایا؟ تو آپ کو بتلائیں گے کہ اگر ہم اس کو لائے نفی جنس بنا دیتے تو لائے نفی جنس کے بعد جب رفع آئے تو اس صورت میں لا کا تکرار ضروری ہے، اس صورت میں لائے نفی جنس جو ہے اس کے بعد، بھئی ابھی جو گزرا لَا رَجُلَ فِي الدَّارِ دیکھو لَا کیا کرتا ہے؟ لا کا اسم کبھی مبنی ہوتا ہے اور کبھی لَا غُلَامَ رَجُلٍ ظَرِيْفٌ فِيْهَا دیکھو یہاں غُلَامَ رَجُلٍ منصوب ہے۔ لائے نفی جنس کا اسم یا تو مبنی ہوتا ہے یا منصوب ہوتا ہے۔ اگر آپ یہ کہیں لَا بَرَاحُ اس لَا کو کون سا لا قرار دو؟ اس لَا کو بھی لائے نفی جنس قرار دو، تو یہ جو بَرَاحٌ آیا اس کے اندر صرف رفع والی روایت آئی ہے، اس شعر کے اندر رفع والی روایت آئی ہے نصب یا مبنی علی الفتح والی روایت نہیں۔ تو اگر آپ اس لا کو لائے نفی جنس بنائیں گے تو اس کے بعد اگر اسم مرفوع آ جائے تو تکرارِ لا بھی ضروری ہے اور ایک اور اسم کا تکرار بھی ضروری، جیسے دیکھو لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللهِ، لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ دیکھو لائے نفی جنس آیا اور حَوْلَ یہ بھی مبنی علی الفتح، وَلَا قُوَّةَ یہ پھر لا کا تکرار آیا اور قُوَّةَ یہ بھی مبنی علی الفتح۔ توجہ ہے؟ اور اس کے اندر یوں بھی پڑھنا جائز ہے: لَا حَوْلٌ وَلَا قُوَّةٌ، لَا حَوْلٌ وَلَا قُوَّةٌ، یعنی اس صورت میں پھر لا عمل نہیں کر رہا، حَوْلٌ اور قُوَّةٌ یہ مبتدا ہیں، توجہ ہے؟ یہ مبتدا ہیں۔ تو لا کے اندر، لا کے بعد جو اسم آئے اس پر رفع صرف اسی وقت پڑھا جاتا ہے جب لا کا بھی تکرار آئے اور اس کے بعد دوسرے اسم کا بھی تکرار آئے۔ جبکہ یہاں پر تو ایک ہی دفعہ لا آیا ہے، نہ لا کا تکرار ہے یہاں پر اور نہ لا کے بعد کسی دوسرے اسم کا تکرار ہے، لہٰذا اس لا کو لائے نفی جنس نہیں بنا سکتے بلکہ یہ لا مشابہ بلیس ہی ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟

کہتے ہیں: وَلَا يَجُوْزُ أَنْ تَكُوْنَ لِنَفْيِ الْجِنْسِ، اور یہ جائز نہیں ہے کہ یہ لَا جو ہے نفیِ جنس کے لیے ہو جائے، لِأَنَّهَا إِذَا كَانَتْ لِنَفْيِ الْجِنْسِ، اس لیے کیونکہ اگر یہ لَا جو ہے نفیِ جنس کے لیے ہوا تو لَا يَجُوْزُ فِيْمَا بَعْدَهَا الرَّفْعُ، تو جائز نہیں ہے اس کے ما بعد میں الرَّفْعُ، کیا جائز نہیں ہے؟ رفع۔ تو لَا يَجُوْزُ فِيْمَا بَعْدَهَا الرَّفْعُ، تو اس کے ما بعد کے اندر رفع جائز نہیں ہے، مَا لَمْ يَتَكَرَّرْ، جب تک اس میں تکرار نہ آئے۔ اور یہاں لَا بَرَاحُ میں کوئی تکرار ہے؟ دوسری دفعہ دوبارہ کہیں لا آ رہا ہے؟ نہیں یہاں تکرار نہیں۔ تو کہتے ہیں: مَا لَمْ يَتَكَرَّرْ، جب تک اس میں تکرار نہ آئے، وَلَا تَكْرَارَ فِي الْبَيْتِ، اور شعر کے اندر تو کوئی لا کا تکرار نہیں

ہے۔ معلوم ہوا یہ لَا کون سا ہے؟ لا مشابہ بلیس ہے بھئی۔

اِعْلَمْ أَنَّ الْمُرَادَ بِالْمُسْنَدِ وَالْمُسْنَدِ إِلَيْهِ فِيْ هٰذِهِ التَّعْرِيْفَاتِ مَا يَكُوْنُ مُسْنَدًا أَوْ مُسْنَدًا إِلَيْهِ بِالْأَصَالَةِ لَا بِالتَّبَعِيَّةِ بِقَرِيْنَةِ ذِكْرِ التَّوَابِعِ فِيْمَا بَعْدُ فَلَا يَنْتَقِضُ بِالتَّوَابِعِ۔ صاحبِ جامی فرماتے ہیں کہ ان تعریفات کے اندر جو مسند اور مسندٌ الیہ ذکر ہوئے ہیں، اس سے وہ والے مسند اور مسندٌ الیہ مراد ہیں جو اصالتاً ہوں بھئی، جو تبعاً ہوں مسند اور مسندٌ الیہ وہ مراد نہیں بھئی، وہ مراد نہیں۔ اصالتاً اور تبعاً کیا معنی؟ بھئی بعض چیزوں پر عامل براہِ راست داخل ہوتا ہے اور ان کو رفع نصب یا جر دیتا ہے، اور بعض چیزیں وہ ہوتی ہیں کہ جن میں عامل براہِ راست عمل نہیں کرتا بلکہ وہ اپنے ما قبل کے تابع ہوتی ہیں، جیسے صفت۔ صفت میں عامل براہِ راست عمل نہیں کرتا بلکہ صفت اپنے موصوف کے تابع ہوتی ہے، یعنی موصوف پر اگر رفع نصب یا جر ہو گا تو صفت پر بھی اسی کے مطابق رفع نصب یا جر آئے گا، تو صفت کس میں سے ہے؟ توابع میں سے ہے، یہ اپنے ما قبل کے تابع ہوتی ہے۔ اسی طرح معطوف جو ہے وہ معطوفٌ علیہ کے تابع ہوتا ہے، عامل براہِ راست معطوفٌ علیہ میں عمل کرتا ہے اور جو معطوف ہوتا ہے وہ معطوفٌ علیہ کا تابع ہوتا ہے، معطوفٌ علیہ پر رفع آئے گا تو معطوف پر بھی رفع، اور معطوفٌ علیہ پر نصب یا جر آئے گا تو معطوف پر بھی نصب یا جر آئے گا۔ تو صفت بھی توابع میں سے، معطوف بھی توابع میں سے، اسی طرح تاکید ہے اور بدل ہے اور عطفِ بیان ہے، یہ بھی توابع میں سے ہیں۔ تو لہٰذا صاحبِ جامی فرما رہے ہیں کہ یہاں پر جو مسند اور مسندٌ الیہ کا ذکر آیا ان تعریفات کے اندر، اس سے وہ والے مسند اور مسندٌ الیہ مراد ہیں جو اصالتاً مسند اور مسندٌ الیہ ہوں، توابع میں سے نہ ہوں، اس لیے کیونکہ توابع کا حکم بعض اوقات الگ ہوتا ہے۔ تو آپ توابع کو لے کر اعتراض نہ کرنا، جیسے ابھی مثال گزری: لَا غُلَامَ رَجُلٍ ظَرِيْفٌ فِيْهَا، دیکھو یہ ظَرِيْفٌ اور فِيْهَا کو بنو تمیم والے صفت بناتے ہیں، بنو تمیم والے صفت بناتے ہیں، اور یہاں پر دیکھو صفت کا اعراب اور ہے اور موصوف کا اعراب اور ہے، غُلَامَ رَجُلٍ جو ہے موصوف جو ہے وہ منصوب ہے اور صفت مرفوع ہے اس کے محل پر حمل کرتے ہوئے۔ تو توابع کے اندر بعض اوقات حکم تھوڑا سا مختلف ہوتا ہے، تو ہم نے یہ جو تعریفات کیں آپ توابع کو لے کر اعتراض نہیں کر سکتے کیونکہ ان تعریفات کے اندر جو مسند اور مسندٌ الیہ ذکر ہیں وہ والے مسند اور مسندٌ الیہ ہیں جو اصالتاً مسند اور مسندٌ الیہ ہوں، توابع میں سے نہ ہوں، لہٰذا توابع کو لے کر آپ اعتراض نہیں کر سکتے۔ بات سمجھ میں آگئی؟

تو کہتے ہیں: اِعْلَمْ تو جان لے أَنَّ الْمُرَادَ بِالْمُسْنَدِ وَالْمُسْنَدِ إِلَيْهِ فِيْ هٰذِهِ التَّعْرِيْفَاتِ کہ وہ مسند اور مسندٌ الیہ جو ان تعریفات کے اندر ہیں، اس سے مراد مَا يَكُوْنُ مُسْنَدًا وَمُسْنَدًا إِلَيْهِ بِالْأَصَالَةِ لَا بِالتَّبَعِيَّةِ، اس سے وہ مسند اور مسندٌ الیہ مراد ہیں جو بالاصالت ہوں نہ کہ بالتبعیت، یعنی اصالتاً مسند اور مسندٌ الیہ ہوں تبعاً نہ ہوں۔ بِقَرِيْنَةِ ذِكْرِ التَّوَابِعِ فِيْمَا بَعْدُ، بِقَرِيْنَةِ، قرینہ بھی ذکر کر رہے ہیں کہ کیا قرینہ ہے جس کی وجہ سے آپ نے یہ کہا کہ یہاں جو مسند اور مسندٌ الیہ ذکر کیے گئے ان سے وہ مسند اور مسندٌ الیہ مراد ہیں جو بالاصالت ہیں، جو توابع میں سے ہیں وہ مراد نہیں، اس پر کیا قرینہ موجود ہے؟ تو اس کا بھی جواب دے رہے ہیں، کہتے ہیں: بِقَرِيْنَةِ ذِكْرِ التَّوَابِعِ فِيْمَا بَعْدُ، اس قرینے سے کہ توابع کا ذکر بعد میں ہے بھئی، توابع کا ذکر باقاعدہ الگ

صاحبِ کافیہ آگے فرمائیں گے، معلوم ہوا یہاں جو چیزیں ذکر ہو رہی ہیں ان کے اندر وہ توابع شامل نہیں ہیں ان کا الگ ذکر کریں گے۔ تو کہتے ہیں: بِقَرِيْنَةِ ذِكْرِ التَّوَابِعِ فِيْمَا بَعْدُ، اس قرینے سے کہ توابع کا ذکر ان کے ما بعد ہے، فَلَا يَنْتَقِضُ بِالتَّوَابِعِ، لہٰذا یہ تعریف توابع سے ٹوٹتی نہیں، یعنی ان توابع کو لے کر آپ اعتراض نہیں کر سکتے۔

اور یہ بات بھی یاد رکھنا کہ یہی بات کہ یہاں پر جو مسند اور مسندٌ الیہ آئے اس سے اصالتاً جو مسند اور مسندٌ الیہ ہیں وہ مراد ہیں توابع مراد نہیں، یہی بات صاحبِ جامی فاعل کی بحث میں بھی اس کو ذکر کر چکے کہ مَا أُسْنِدَ إِلَيْهِ الْفِعْلُ کہ فاعل وہ ہے جس کی طرف فعل کا اسناد کیا گیا ہو بِالْأَصَالَةِ لَا بِالتَّبَعِيَّةِ، یعنی اصالتاً اس کی طرف فعل کا اسناد ہو تبعاً فعل کا اسناد نہ ہو تاکہ اس سے فاعل کے توابع نکل جائیں بھئی۔ تو صاحبِ جامی یہ بات پہلے بھی ذکر کر چکے تھے پھر اس کو دوبارہ ذکر کیا بھئی، اس لیے کیونکہ وہ بات کافی پہلے گزری تھی تو دوبارہ یاد دہانی کے طور پر اس کو ذکر کر دیا، اور نیز اس لیے کہ کیونکہ بعضوں کا حافظہ قوی ہوتا ہے بعضوں کا کمزور ہوتا ہے، تو کہیں ایسا نہ ہو کمزور طالبِ علم کے ذہن سے وہ بات نکل گئی ہو لہٰذا اس کو دوبارہ ذکر کر دیا، کیونکہ یہ ایسی بات ہے جس کا تعلق مرفوعات، منصوبات، مجرورات ان ساروں کے ساتھ اس کا تعلق تھا اس لیے اس کو دوبارہ انہوں نے ذکر کر دیا بھئی۔ چلیے بس بھائی، هٰذَا هُوَ الْمَرَامُ وَاللّٰهُ أَعْلَمُ بِحَقِيْقَةِ الْكَلَامِ۔

الْبَابُ السَّابِعُ: الْمَنْصُوبَاتُ (الْجُزْءُ الْأَوَّلُ) — الْمَفَاعِيلُ الْخَمْسَةُ وَالْمُنَادَى

منصوبات (حصہ اول): مفعولِ مطلق، مفعولِ بہ، منادیٰ (مبنی و معرب، ترخیم، ندبہ)، اشتغال، مفعولِ فیہ، مَفعولِ لہ اور مَفعولِ معہ — اسباق ۱۱۳ تا ۱۴۰

سبق نمبر ۱۱۳: المنصوبات (۱): تعریفِ منصوبات («مَا اشْتَمَلَ عَلَى عَلَمِ الْمَفْعُوْلِيَّةِ»)

شرحِ ملا جامی صفحہ: ۸۲ — بتاریخ: ۲۹ نومبر ۲۰۲۱ء

■ تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث

آگے سبق دیکھیے بھئی:[1]

وَلَمَّا فَرَغَ مِنَ الْمَرْفُوْعَاتِ شَرَعَ فِي الْمَنْصُوْبَاتِ وَقَدَّمَهَا عَلَى الْمَجْرُوْرَاتِ لِكَثْرَتِهَا وَلِخِفَّةِ النَّصْبِ، فَقَالَ: الْمَنْصُوْبَاتُ هُوَ مَا اشْتَمَلَ عَلَى عَلَمِ الْمَفْعُوْلِيَّةِ، قَدْ تَبَيَّنَ شَرْحُهُ بِمَا ذُكِرَ فِي الْمَرْفُوْعَاتِ، وَالْمُرَادُ بِعَلَمِ الْمَفْعُوْلِيَّةِ عَلَامَةُ كَوْنِ الْاِسْمِ مَفْعُوْلًا حَقِيْقَةً أَوْ حُكْمًا، وَهِيَ أَرْبَعٌ: الْفَتْحَةُ وَالْكَسْرَةُ وَالْأَلِفُ وَالْيَاءُ۔

بھئی گزشتہ سبق میں مرفوعات کی آخری بحثیں ہم پڑھ رہے تھے۔ صاحبِ کافیہ نے آپ کو بتلایا تھا کہ لائے نفی جنس جو

[1] نقشۂ نحوی (۵): منصوباتِ اسم (مفاعیل، ملحقات اور نواسخ) کا جامع شجرہ:

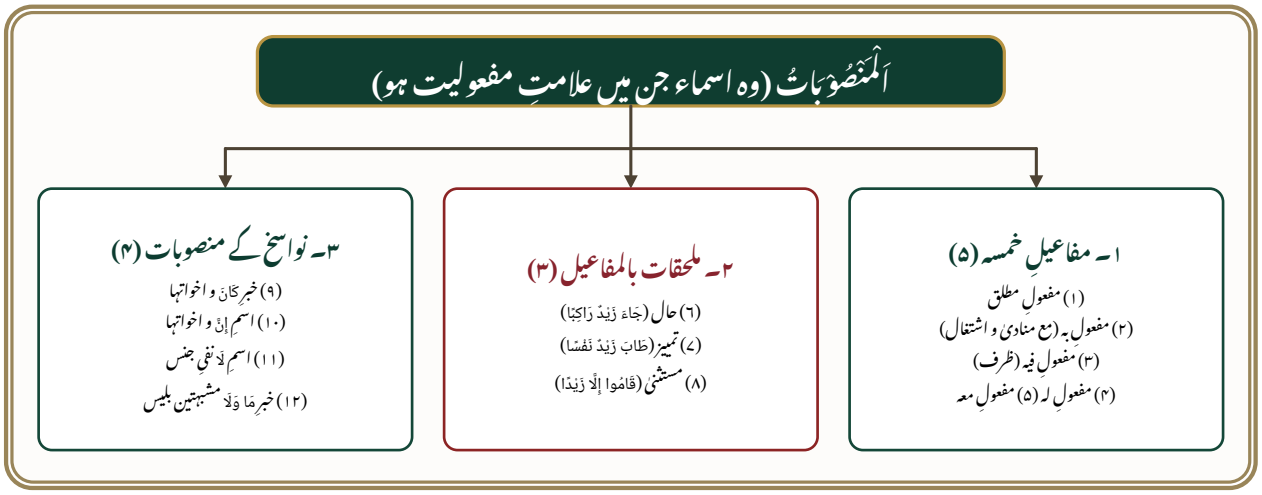

ہے اس کی خبر مرفوع ہوتی ہے۔ اور پھر اس کی مثال ذکر کی تھی لَا غُلَامَ رَجُلٍ ظَرِيْفٌ فِيْهَا۔ اس پر اشکال ہوا تھا کہ صاحبِ کافیہ نے عام نحویوں کے نزدیک جو مشہور مثال ہے لَا رَجُلَ فِي الدَّارِ اس کو چھوڑ کر یہ نئی مثال کیوں ذکر کی؟ تو صاحبِ جامی نے بتلایا تھا کہ چونکہ اس مثال کے اندر فِي الدَّارِ جو ہے اس کے اندر صفت ہونے کا بھی احتمال تھا کہ لَا رَجُلَ فِي الدَّارِ، رَجُلٌ جو ہے نکرہ ہے یہ ہو موصوف اور نکرہ کے بعد جار مجرور آئے تو وہ عموماً اس کی صفت ہوتا ہے، تو لہٰذا اس کے اندر صفت ہونے کا بھی احتمال تھا اور خبر کے محذوف ہونے کا احتمال تھا کہ اصل کلام کیا ہو لَا رَجُلَ فِي الدَّارِ مَوْجُوْدٌ بھئی۔ تو لہٰذا اس لیے اس مثال کو ترک کر دیا اور یہ نئی مثال ذکر کر دی لَا غُلَامَ رَجُلٍ ظَرِيْفٌ فِيْهَا۔ اور اس کے اندر جو ہے لَا غُلَامَ رَجُلٍ یہ غُلَامَ رَجُلٍ معرب ہے منصوب ہے۔ اور معرب منصوب ہو تو اس کی صفت بھی منصوب ہی آتی ہے، اس کی صفت پر رفع پڑھنا بظاہر جائز نہیں، اس لیے یہ مثال لے کر آئے۔ اس مثال کے اندر ظَرِيْفٌ کا غُلَامَ رَجُلٍ کے لیے صفت بننا جائز نہیں، اور ساتھ ظاہر کی قید لگا دی کہ ظاہر کے اعتبار سے ظَرِيْفٌ کا غُلَامَ رَجُلٍ کے لیے صفت بننا جائز نہیں اگرچہ محل پر حمل کرتے ہوئے یہاں ظَرِيْفٌ کا غُلَامَ رَجُلٍ کے لیے صفت ہونے کا احتمال پھر بھی ہے بھئی۔ اس لیے کیونکہ غُلَامَ رَجُلٍ یہ لائے نفی جنس کا اسم ہے لیکن لائے نفی جنس کس پر داخل ہوتا ہے؟ بتدا اور خبر پر، اور بتدا اور خبر تو مرفوع ہوتے ہیں، تو غُلَامَ رَجُلٍ اس وقت تو منصوب ہے لیکن حقیقت کے اعتبار سے یہ مرفوع ہے بتدا ہے بھئی۔ تو یہ محل کے اعتبار سے کیا ہوا؟ مرفوع۔ غُلَامَ رَجُلٍ لفظوں کے اعتبار سے منصوب ہے لیکن محل کے اعتبار سے مرفوع ہے تو محل پر حمل کرتے ہوئے اس کی صفت کو مرفوع لانے کا احتمال یہاں موجود ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟

پھر لَا غُلَامَ رَجُلٍ ظَرِيْفٌ فِيْهَا یہ فِيْهَا صاحبِ جامی نے بتلایا تھا کہ یہ خبرِ ثانی ہے۔ خبرِ ثانی ہے، اور یہ جار مجرور ہے اور جار مجرور کے لیے کوئی نہ کوئی متعلق چاہیے، تو یہ ثَابِتٌ سے متعلق ہو کر خبرِ ثانی بنیں گے۔ تو تقدیرِ عبارت یہ ہے لَا غُلَامَ رَجُلٍ ظَرِيْفٌ ثَابِتٌ فِيْهَا بھئی۔ تو یہ فِيْهَا کیا ہے؟ خبرِ ثانی ہے۔ اس پر اشکال ہوا کہ بھئی یہ جار مجرور ہے اور جار مجرور آٹھ چیزوں میں سے کسی ایک سے متعلق ہوتا ہے اور ان آٹھ چیزوں میں سے یہاں ظَرِيْفٌ صفتِ مشبہ موجود ہے، تو اس کے ساتھ کیوں نہیں جوڑا فِيْهَا کو اور اس کے لیے علیحدہ محذوف کیوں نکالا ثَابِتٌ بھئی؟ حالانکہ یہ تو ظَرِيْفٌ سے بھی جڑ سکتا ہے۔ تو اس کا جواب بھی دیا تھا کہ اگر یہ فِيْهَا کو ظَرِيْفٌ سے جوڑیں گے تو پھر خرابی لازم آئے گی کہ اس صورت میں آپ نے ظرافت کو مقید کر دیا فِي الدَّارِ کے ساتھ۔ ظرافت کا کیا معنی؟ ہنس مکھ ہونا، خوش مزاج ہونا، اور یہ طبیعت اور فطرت کا نام ہے، اس کے اندر تبدیلی نہیں آسکتی۔ بعض لوگوں کو اللہ نے خوش مزاج پیدا کیا ہے، وہ ہنسی مذاق کرتے ہیں۔ تو اگر آپ فِيْهَا کو ظَرِيْفٌ سے جوڑ دیں گے تو معنی یہ ہو جائے گا کہ ظَرِيْفٌ فِيْهَا کہ اس گھر کے اندر جب وہ ہو تو وہ کیا ہوگا؟ ظریف ہوگا، خوش مزاج ہوگا، اور گھر سے جیسے ہی باہر نکلا اب وہ ظریف الطبع نہیں ہے، خوش مزاج نہیں ہے، ایسا نہیں ہو سکتا بھئی۔ طبیعت جیسی ہے ویسی ہی رہے گی، فطرت جیسی ہے ویسی ہی رہے گی۔ تو ظرافت جو ہے اس کو ظرف وغیرہ کے ساتھ مقید نہیں کیا جا سکتا، اس لیے فِيْهَا کو اس سے نہیں جوڑیں گے۔

اور پھر سوال پیدا ہوا کہ یہ دوسری خبر کیوں لے کر آئے؟ ایک ہی خبر لے آتے لَا غُلَامَ رَجُلٍ ظَرِيْفٌ، یہ فِيْهَا یہ تو زائد ہو گیا، بیکار لفظ آگیا اور حالانکہ صاحبِ کافیہ تو اپنا ایک لفظ ضائع نہیں جانے دیتے۔ تو صاحبِ جامی نے بتلایا کہ بھئی یہ فِيْهَا جو خبرِ ثانی ہے یہ بھی بیکار نہیں ہے، یہ اس لیے لے کر آئے تاکہ جھوٹ لازم نہ آئے۔ کیونکہ اگر یہ کہہ دیا جائے لَا غُلَامَ رَجُلٍ ظَرِيْفٌ تو معنی کیا ہوگا؟ کسی آدمی کا کوئی غلام ظریف الطبع نہیں، خوش مزاج نہیں، اور یہ کیسے ہو سکتا ہے پوری دنیا کے اندر کسی آدمی کا کوئی بھی غلام خوش مزاج نہ ہو بھئی۔ تو اس صورت میں جھوٹ لازم آتا تھا، لہٰذا ایک اور خبر بھی ساتھ لے آئے فِيْهَا أَيْ فِي الدَّارِ۔ اب معنی کیا بن گیا کہ کسی آدمی کا کوئی غلام خوش مزاج نہیں ہے اس گھر میں، کسی معین گھر کی طرف اشارہ کر دیا اور یہ تو عین ممکن ہے کہ کوئی معین گھر ہو اور اس کے اندر کسی آدمی کا کوئی خوش مزاج، خوش طبع غلام موجود نہ ہو بھئی۔ تو ایک فائدہ یہ اس کا ہوا کہ خبرِ ثانی لے آئے تو اب جھوٹ لازم نہیں آتا، اور نیز اس لیے دوسری خبر لائے تاکہ اس بات کی طرف اشارہ ہو جائے کہ یہ جو لائے نفی جنس کی خبر ہے وہ ظرف بھی آسکتی ہے اور غیرِ ظرف بھی۔ ظَرِيْفٌ وہ غیرِ ظرف ہے اور فِيْهَا وہ ظرف ہے، تو لائے نفی جنس جو ہے اس کی خبر ظرف بھی آسکتی ہے اور غیرِ ظرف بھی آسکتی ہے۔

اور پھر انہوں نے یہ بھی بتایا تھا کہ بسا اوقات اس لائے نفی جنس کی خبر کو حذف کر لیا جاتا ہے جب وہ افعالِ عامہ میں سے ہو۔ جیسے لَا مَالَ أَيْ لَا مَالَ مَوْجُوْدٌ بھئی، تو مَوْجُوْدٌ یہ افعالِ عامہ میں سے ہے لہٰذا اس کو حذف کر لیا گیا۔ یا جیسے کلمۂ توحید ہے بھئی لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ، تقدیرِ عبارت کیا ہے لَا إِلٰهَ مَوْجُوْدٌ إِلَّا اللهُ، تو یہاں پر بھی مَوْجُوْدٌ کو حذف کر لیا گیا کیونکہ یہ افعالِ عامہ میں سے ہے۔ تو لائے نفی جنس کی خبر عموماً افعالِ عامہ پر مشتمل ہوتی ہے لہٰذا بسا اوقات اس کو حذف کر لیا جاتا ہے، اس لیے کیونکہ یہ لَا خود اس پر دلالت کرتا ہے۔ یہ لَا خود اس پر دلالت کرتا ہے۔ بھئی لَا کیسے اس پر دلالت کرتا ہے؟ کہتے ہیں دیکھو یہ جو لَا ہے یہ نفی کے لیے آتا ہے، کس کے لیے؟ نفی کے لیے آتا ہے اور یہ ایک چیز سے اس کی صفت کی نفی کرتا ہے۔ لَا رَجُلَ قَائِمٌ، دیکھو اس میں رَجُلٌ سے قیام کی نفی کی گئی، رَجُلٌ سے۔ تو یہ لَا نفی کے لیے آتا ہے اس کے لیے منفی کا ہونا ضروری ہے، کوئی ایسی چیز جس کی نفی کی جا رہی ہے اور لَا رَجُلَ قَائِمٌ اس میں رَجُلٌ سے قیام کی صفت کی نفی کی جا رہی ہے۔ لیکن کبھی کبھار خبر افعالِ عامہ میں سے ہوتی ہے تو اس کو حذف کر لیتے ہیں، مثلاً صرف یہ کہا لَا مَالَ، مَوْجُوْدٌ کو حذف کر دیا۔ تو بھی کوئی حرج نہیں کیونکہ یہ لَا اس مَوْجُوْدٌ پر دلالت کر رہا ہے۔ کس طرح دلالت کر رہا ہے؟ اس لیے کیونکہ لَا نفی کے لیے آتا ہے اور اس کے لیے ہمیشہ آگے کیا چاہیے؟ کوئی منفی چاہیے، کوئی ایسی چیز جس کی نفی کی گئی ہے اور یہاں تو صرف مال کا لفظ موجود ہے۔ آگے کوئی صفت ہے ہی نہیں جس کی نفی کی جا رہی ہے، معلوم ہوا یہ جو ذکر ہوا، یہ جو مال ذکر ہوا اس سے کسی صفت کی نفی نہیں کی جا رہی، اس کی ذات ہی کی نفی کی جا رہی ہے۔ منفی چاہیے یا نہیں لَا کے لیے؟ لَا نفی کے لیے آتا ہے اس کے لیے منفی چاہیے، آگے منفی صفت تو ہے نہیں، معلوم ہوا یہ جو چیز ہے الْمَالُ خود اسی کی ذات

اور اس کی وجود ہی کی نفی کی جا رہی ہے أَيْ لَا مَالَ مَوْجُوْدٌ۔ بات سمجھ میں آگئی؟

اور پھر بتلایا تھا کہ بنو تمیم والے جو ہیں اس لائے نفی جنس کی خبر کو ثابت نہیں کرتے۔ صاحبِ جامی نے بتلایا تھا کہ اس کلام کے دو معنی ہو سکتے ہیں۔ ایک معنی تو یہ کہ بنو تمیم والے اس کی خبر کو ثابت نہیں کرتے یعنی لفظوں میں ثابت نہیں کرتے، ہمیشہ اس کو محذوف رکھتے ہیں، اس کو مقدر مانتے ہیں، یعنی ان کے نزدیک اس خبر کا حذف واجب ہے۔ لائے نفی جنس کی خبر کا حذف واجب ہے، یا تو اس کلام کا یہ معنی۔ یا دوسرا معنی یہ کہ بنو تمیم والے سرے سے لائے نفی جنس کی خبر کو ثابت ہی نہیں کرتے، مانتے ہی نہیں ہیں کہ اس کے لیے کسی خبر کی ضرورت ہی نہیں ہے، کیونکہ لَا أَهْلَ وَلَا مَالَ کس معنی میں ہے؟ اِنْتَفَى الْأَهْلُ وَالْمَالُ۔ توجہ ہے؟ عرب کہتے ہیں لَا أَهْلَ وَلَا مَالَ جب کسی شخص کے گھر والے بھی نہیں ہیں اور اس کے پاس کوئی مال بھی نہیں ہے تو وہ کیا کہتا ہے؟ لَا أَهْلَ وَلَا مَالَ۔ تو یہاں پر اس کے لیے عام عرب کیا فرماتے ہیں کہ تقدیرِ کلام کیا ہے لَا أَهْلَ مَوْجُوْدٌ وَلَا مَالَ مَوْجُوْدٌ، لیکن بنو تمیم والے کیا کہتے ہیں کہ اس کے لیے کسی خبر کی ضرورت نہیں، نہ لفظوں میں اس کے لیے خبر مانتے ہیں نہ تقدیراً اس کے لیے خبر مانتے ہیں، بلکہ یہ کہتے ہیں لَا أَهْلَ وَلَا مَالَ یہ بمعنی اِنْتَفَى الْأَهْلُ وَالْمَالُ کے معنی میں ہے۔ جب یہ انتفا کے معنی میں ہوا تو اب تو یہ کسی خبر کا محتاج نہیں، فعل تو کسی خبر کا محتاج نہیں ہوتا۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو بنو تمیم کے بارے میں کیا فرمایا صاحبِ کافیہ نے کہ وہ لائے نفی جنس کی خبر کو ثابت نہیں کرتے۔ ثابت نہ کرنے کا کیا معنی؟ دو تقریریں کیں صاحبِ جامی نے۔ ثابت نہ کرنے کا معنی یہ ہے کہ لفظوں میں ثابت نہیں کرتے مقدر مانتے ہیں، اور دوسری تقریر کیا کہ نہ لفظاً ثابت کرتے ہیں اور نہ تقدیراً ثابت کرتے ہیں کہ اس کے لیے خبر کی ضرورت ہی نہیں ہے بھئی۔

تو کہتے ہیں بعض اوقات خبر آتی تو ہے جیسے ابھی صاحبِ کافیہ نے مثال ذکر کی لَا غُلَامَ رَجُلٍ ظَرِيْفٌ فِيْهَا۔ خبر آتو رہی ہے لفظوں کے اندر ظَرِيْفٌ فِيْهَا موجود ہے، اسی طرح لَا رَجُلَ قَائِمٌ دیکھو قَائِمٌ لفظوں میں موجود ہے۔ تو بنو تمیم تو کیا کہتے ہیں اس لائے نفی جنس کی خبر ہمیشہ مقدر ہوتی ہے، یا دوسرا معنی کیا کہ اس کے لیے خبر آتی ہی نہیں یہ خبر کا محتاج ہی نہیں۔ تو جہاں خبر موجود ہو لفظوں میں پھر وہ کیا کہتے ہیں؟ خبر تو بعض اوقات لفظوں میں موجود ہوتی ہے۔ تو کہتے ہیں وہ اس کو صفت پر محمول کرتے ہیں۔ کس پر؟ وہ اس کو صفت پر محمول کرتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں لَا غُلَامَ رَجُلٍ ظَرِيْفٌ فِيْهَا یہ ظَرِيْفٌ اور یہ فِيْهَا یہ خبر نہیں ہے بلکہ یہ صفت ہے غُلَامَ رَجُلٍ کی اور یہ اس کے محل پر محمول ہے اور محل کے اعتبار سے تو غُلَامَ رَجُلٍ بتدا ہے تو بتدا مرفوع ہوتا ہے تو اس کی صفت بھی کیا ہوگی؟ مرفوع ہوگی بھئی۔ اور پھر میں نے آپ کو یہ بھی بتلایا تھا کہ جو پہلی بات ذکر کی کہ بنو تمیم والے اس کی خبر کو ثابت نہیں کرتے کیا معنی؟ یعنی ان کے نزدیک حذف واجب ہے، خبر تو آتی ہے لیکن حذف واجب۔ دوسری تقدیر پر تو خبر وہ مانتے ہی نہیں ہیں لیکن پہلی تقدیر کے مطابق اس لائے نفی جنس کی خبر کو حذف کرنا واجب ہے بھئی، واجب ہے۔ تو ملا عبد الغفور میں نے بتلایا یہ شاگرد ہیں صاحبِ جامی کے براہِ راست بھئی، یہ

بہت بڑے عالم گزرے ہیں اور انہوں نے علامہ اندلسی کا قول نقل کیا ہے، وہ فرماتے ہیں کہ پتا نہیں کہاں سے یہ بات نقل کی گئی کہ بنو تمیم والے لائے نفی جنس کی خبر کے حذف کو واجب قرار دیتے ہیں، کہتے ہیں پتا نہیں کہاں سے یہ بات نقل کی گئی اور حق یہ نہیں ہے، حق یہ ہے کہ بنو تمیم والے وہ کہتے ہیں کہ اس خبر پر کوئی قرینہ ہوگا یا قرینہ نہیں، اگر قرینہ موجود نہیں ہے تو پھر ذکر واجب ہے، کیونکہ قرینہ نہیں ہے، قرینہ ہی تو بتلاتا ہے کہ کیا لفظ حذف ہوا ہے، جب قرینہ نہیں ہے تو پھر حذف نہیں کر سکتے پھر ذکر واجب ہے اور جب قرینہ موجود ہو تو پھر حذف واجب ہے، یہ ہے ان کا مذہب بھئی۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو اہلِ حجاز کیا کہتے ہیں کہ اگر قرینہ نہ ہو تو پھر ذکر واجب ہے اور اگر قرینہ موجود ہو تو پھر حذف واجب نہیں ہے بلکہ حذف جائز ہے۔ تو معلوم ہوا جب قرینہ نہ ہو تو بنو تمیم والے بھی کہتے ہیں ذکر واجب اور باقی عرب بھی کیا کہتے ہیں ذکر واجب، اور ہاں جب قرینہ موجود ہو تو بنو تمیم والے کہتے ہیں حذف واجب ہے جبکہ باقی عرب کیا کہتے ہیں؟ حذف جائز ہے واجب نہیں ہے، یہ فرق ہے دونوں کے اندر بھئی، پہلی تقدیر پر بھئی۔

اس کے بعد ہم نے ما و لا مشابہ بلیس کے بارے میں پڑھا تھا کہ یہ دونوں جو ہیں لَیْسَ کے مشابہ ہیں۔ کس چیز کے اندر؟ نفی کا معنی دینے میں، جیسے لَیْسَ جو ہے کلام میں نفی پیدا کرتا ہے اسی طرح مَا اور لَا بھی کلام میں نفی پیدا کرتے ہیں۔ اور نیز جیسے لَیْسَ مبتدا اور خبر پر داخل ہوتا ہے، مَا اور لَا بھی مبتدا اور خبر پر داخل ہوتے ہیں۔ اور یہ جو ما و لا مشابہ بلیس جو ہیں ان کا اسم مرفوع ہوتا ہے۔ اِنَّ کی تو خبر مرفوع تھی اور لائے نفی جنس کی بھی خبر مرفوع تھی لیکن ما و لا مشابہ بلیس کا اسم مرفوع ہوتا ہے، اس لیے اسم کو یہاں پر ذکر کیا۔ اور اس کی تعریف کی کہ اس کا اسم وہ مسند الیہ ہوتا ہے ان دونوں کے داخل ہونے کے بعد۔ تو جب کیا کہا ان کا اسم مسند الیہ ہوتا ہے تو اس میں سارے مسند الیہ داخل ہو گئے، مبتدا بھی آگیا وہ بھی مسند الیہ ہے، کَانَ، اِنَّ وغیرہ کا جو اسم ہے وہ بھی آگیا کیونکہ وہ بھی مسند الیہ ہوتے ہیں لیکن جب آگے کہا بَعْدَ دُخُوْلِهِمَا ان دونوں کے داخل ہونے کے بعد تو اب مبتدا بھی نکل گیا اور کَانَ اور اِنَّ وغیرہ کا اسم بھی نکل گیا کیونکہ وہ مسند الیہ تو ہیں لیکن ان پر یہ حروف داخل نہیں ہیں بھئی۔

اور پھر انہوں نے آپ کو بتلایا تھا کہ یہ جو مَا ہے یہ معرفہ پر بھی داخل ہوتا ہے اور نکرہ پر بھی، جبکہ لَا صرف نکرہ پر داخل ہوتا ہے۔ اور یہ جو لَیْسَ کا عمل ہے لَیْسَ کیا عمل کرتا ہے؟ اپنے اسم کو رفع دیتا ہے اور خبر کو نصب۔ یہ مَا اور لَا بھی اسی طرح عمل کرتے ہیں۔ تو یہ جو لَیْسَ کا عمل ہے لَا کے اندر شاذ ہے یعنی قلیل ہے۔ لَیْسَ کا عمل لَا کے اندر قلیل ہے، شاذ ہے۔ بھئی شاذ کبھی قلیل کے معنی میں آتا ہے اور کبھی شاذ اس کو کہتے ہیں جو استعمال کے اعتبار سے ٹھیک ہو اور قانون کے مخالف ہو اس کو بھی شاذ کہتے ہیں، اور کبھی شاذ صرف کس معنی میں آتا ہے؟ قلیل کے معنی میں، تو یہاں شاذ قلیل کے معنی میں ہے کہ لَا کے اندر لَیْسَ والا عمل قلیل ہے۔ معنی یہ ہے کہ آپ اس جیسا کلام بنانا چاہیں جس میں لَا کے ذریعے

ایک اسم کو رفع دیں اور ایک کو نصب دیں، آپ کے لیے یہ جائز نہیں۔ یہ کلامِ عرب میں اتنا قلیل آیا ہے، اتنا قلیل آیا ہے کہ اس پر قیاس کرتے ہوئے آپ اس جیسا عربی کلام آپ کے لیے بنانا جائز نہیں بلکہ یہ سماع پر موقوف ہے، یعنی عرب شعراء وغیرہ سے جہاں ہم نے سنا ہے کہ انہوں نے لَا کے ذریعے اسم کو رفع دیا اور خبر کو نصب دیا ہے صرف اسی کو آپ استعمال کر سکتے ہیں، اپنی طرف سے کوئی نیا کلام نہیں بنا سکتے۔ جبکہ مَا کا عمل کثیر ہے لہٰذا آپ اس کے مطابق کلام بنا سکتے ہیں کہ مَا کو استعمال کریں اور وہ اسم کو رفع دے اور خبر کو نصب دے۔ وجہ یہ کہتے ہیں کہ مَا کی مشابہت لَیْسَ کے ساتھ زیادہ ہے اس لیے کیونکہ لَیْسَ نفی حالی کے لیے آتا ہے، حال میں ایک چیز کی نفی کرتا ہے، زمانہِ حال۔ لَیْسَ زَیْدٌ قَائِمًا کیا معنی؟ زید اس وقت کھڑا نہیں ہے۔ یہ زمانہِ حال میں قیام کی نفی کی زید سے۔ اسی طرح مَا بھی ہے، مَا زَیْدٌ قَائِمًا اس کا بھی یہی معنی کہ زید اس وقت کھڑا نہیں ہے۔ تو لَیْسَ نفی حالی کے لیے آتا ہے اور اسی طرح مَا بھی نفی حالی کے لیے آتا ہے۔ جبکہ لَا وہ نفی مطلق کے لیے آتا ہے، مطلق یعنی جس میں کوئی قید نہ ہو۔ تو لَا نفی کے لیے تو آتا ہے لیکن اس نفی میں کوئی قید نہیں ہوتی یعنی ماضی، حال یا مستقبل کی، آسان لفظوں میں یوں کہو یہ ہر زمانے کے اعتبار سے نفی کر دیتا ہے۔ لَا رَجُلٌ أَفْضَلُ مِنْكَ کوئی آدمی افضل نہیں ہے، اس میں کسی زمانے کی قید نہیں یعنی مطلقاً اس نے نفی کر دی، یا یوں کہو ہر زمانے کے اعتبار سے گویا اس نے نفی کر دی۔ یہ نہیں کہا کہ صرف حال میں آپ سے کوئی افضل نہیں ہے یا ماضی میں نہیں ہے یا مستقبل میں نہیں ہے، بس مطلقاً نفی کر دی، زمانے کی کوئی قید نہیں۔ جب زمانے کی کوئی قید نہیں تو معلوم ہوا ہر زمانے کے اعتبار سے کیا کر دی؟ نفی کر دی اس نے۔ تو دیکھو لَیْسَ نفی حالی کے لیے آتا ہے اور مَا بھی نفی حالی کے لیے تو اس کی مشابہت لَیْسَ سے زیادہ ہے، اور لَا نفی مطلق کے لیے آتا ہے تو اس کی مشابہت لَیْسَ کے ساتھ کم ہے۔ اور میں نے یہ بھی بتایا تھا کہ لَیْسَ جو ہے نفی حالی کے لیے آتا ہے لیکن اگر اس کے ساتھ کوئی قید وغیرہ لگا دیں پھر یہ ماضی کے اندر بھی نفی کا فائدہ دے سکتا ہے اور مستقبل کے اندر بھی نفی کا فائدہ دے سکتا ہے، یعنی جو قید آئے گی چاہے وہ ماضی ہو، حال ہو یا مستقبل اس کے مطابق نفی آجائے گی۔ جیسے میں کہتا ہوں لَیْسَ زَیْدٌ قَائِمًا بِالْأَمْسِ۔ اب دیکھو أَمْسِ گزشتہ کل کو کہتے ہیں تو اب بِالْأَمْسِ کی جب قید آگئی اب لَیْسَ زَیْدٌ قَائِمًا بِالْأَمْسِ اس نے قیام کی نفی کی زید سے کس زمانے میں؟ گزشتہ زمانے کے اندر بھئی۔ یعنی جو قید آجائے گی۔ ہاں اگر کوئی قید وغیرہ نہ ہو، کوئی قرینہ نہ ہو تو پھر لَیْسَ نفی حال کے لیے آتا ہے اور اسی طرح مَا بھی نفی حال کے لیے آتا ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟

اب آئیے آج کے سبق پر۔ کہتے ہیں: وَلَمَّا فَرَغَ مِنَ الْمَرْفُوْعَاتِ شَرَعَ فِي الْمَنْصُوْبَاتِ وَقَدَّمَهَا عَلَى الْمَجْرُوْرَاتِ لِكَثْرَتِهَا وَلِخِفَّةِ النَّصْبِ، فَقَالَ: الْمَنْصُوْبَاتُ هُوَ مَا اشْتَمَلَ عَلَى عَلَمِ الْمَفْعُوْلِيَّةِ۔ آگے صاحبِ کافیہ منصوبات کا بیان شروع فرما رہے ہیں بھئی۔ اور مرفوعات سات ذکر کیے صاحبِ کافیہ نے۔ کون کون سے مرفوعات ذکر کیے؟ فاعل کو ذکر کیا، مفعول ما لم یسم فاعلہ، مبتدا، خبر، اِنَّ کی خبر، لائے نفی جنس کی خبر اور ما و لا مشابہ بلیس کا اسم۔ یہ سات مرفوعات انہوں نے ذکر کیے۔ اس پر

آپ کے ذہنوں میں اشکال آئے گا کہ مرفوع تو اور بھی ہیں ان کو کیوں نہیں ذکر فرمایا؟ كَانَ بھی اپنے اسم کو رفع دیتا ہے اور خبر کو نصب۔ افعالِ مقاربہ جو ہیں وہ بھی اپنے اسم کو رفع دیتے ہیں اور خبر کو نصب۔ تو كَانَ کا اسم بھی مرفوعات میں سے ہے، اسی طرح افعالِ مقاربہ کا اسم بھی کس میں سے ہے؟ مرفوعات میں سے، لیکن صاحبِ کافیہ نے ان کو یہاں ذکر نہیں فرمایا۔ تو جواب یاد رکھنا بھئی کہ صاحبِ کافیہ کے نزدیک كَانَ جس کو رفع دیتا ہے اس کو وہ كَانَ کا اسم نہیں کہتے، وہ اس کو كَانَ کا فاعل کہتے ہیں۔ اور اسی طرح افعالِ مقاربہ کا جو اسم ہے اس کو عام نحوی تو اسم کہتے ہیں لیکن صاحبِ کافیہ اس کو افعالِ مقاربہ کا فاعل کہتے ہیں بھئی۔ اور وَلَا مُشَاحَّةَ فِي الْاِصْطِلَاحِ، اصطلاح میں بخل نہیں ہے بھئی، ہر ایک کی اپنی اصطلاح ہوتی ہے۔ صاحبِ کافیہ بہت بڑے عالم، بہت بڑے نحوی گزرے ہیں، ان کی اپنی اصطلاح ہے وہ كَانَ اور افعالِ مقاربہ کے اسم کو فاعل کہتے ہیں، اسم نہیں کہتے۔ باقی احکام تو اسی طرح ہوں گے لیکن نام انہوں نے الگ رکھا ہے کہ یہ فعل ہیں اور آگے رفع دے رہے ہیں اور فعل جس کو رفع دے اس کو اس فعل کا فاعل کہتے ہیں، اس کو فعل کا اسم نہیں کہتے اس لیے وہ ان کو فاعل کہتے ہیں۔ اور مرفوعات میں فاعل کا ذکر آیا یا نہیں آیا؟ فاعل کا ذکر تو آگیا تو اس میں كَانَ کا اسم بھی داخل ہو گیا، افعالِ مقاربہ کا اسم بھی داخل ہو گیا، اس لیے انہوں نے یہ ان کے اسم کو علیحدہ ذکر نہیں کیا۔ بات سمجھ میں آگئی؟

اب دیکھیے بھئی، کہتے ہیں: وَلَمَّا فَرَغَ مِنَ الْمَرْفُوْعَاتِ۔ صاحبِ جامی آگے منصوبات کی بحث شروع ہو رہی ہے اس کے لیے تمہید باندھ رہے ہیں، کہتے ہیں: وَلَمَّا فَرَغَ مِنَ الْمَرْفُوْعَاتِ اور جب صاحبِ کافیہ مرفوعات کی بحث سے فارغ ہو گئے تو شَرَعَ فِي الْمَنْصُوْبَاتِ تو وہ منصوبات کے اندر شروع ہوئے یعنی اب ان کو بیان کرنے لگے ہیں۔ وَقَدَّمَهَا عَلَى الْمَجْرُوْرَاتِ لِكَثْرَتِهَا وَلِخِفَّةِ النَّصْبِ اور منصوبات کو مقدم کیا صاحبِ کافیہ نے مجرورات پر لِكَثْرَتِهَا ان کی کثرت کی وجہ سے کہ یہ کثیر ہیں۔ منصوبات چونکہ کثیر ہیں اور مجرورات قلیل ہیں لہٰذا منصوبات کو پہلے ذکر کیا کہ یہ کثیر ہیں تو ان میں بحث بھی زیادہ ہے، تو اس لیے ان کو پہلے لے کر آئے تاکہ جو مشکل کام ہے وہ جلدی ختم ہو جائے اور پھر آخر میں مجرورات کی مختصر بحث کر لیں گے۔ اور نیز اس لیے کیونکہ منصوبات جو ہیں ان پر نصب، منصوبات کن کو کہتے ہیں جن پر نصب آتا ہے، تو ایک ہے نصب اور ایک ہے کسرہ، ان دونوں میں سے نصب جو ہے وہ خفیف ہے۔ یاد رکھو ضمہ، فتحہ، کسرہ ان تینوں میں سے سب سے خفیف حرکت جو ہے وہ فتحہ ہے اور سب سے ثقیل حرکت جو ہے وہ ضمہ ہے۔ سب سے ثقیل حرکت ضمہ ہے، تو منصوبات پر نصب آتا ہے، مجرورات پر جر یعنی کسرہ عموماً آتا ہے، تو ان دونوں میں سے جو خفیف تھا وہ نصب تھا اس لیے اس کو مقدم کر دیا بھئی۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو لِكَثْرَتِهَا کو لیں تو اس کا معنی کیا ہوا؟ کہ چونکہ بحث طویل ہوگی، مشکل ہوگی لہٰذا مشکل کام کو پہلے کر لیا جائے۔ اور لِخِفَّةِ النَّصْبِ کو لیا جائے تو کیا معنی؟ کہ فتحہ خفیف ہے معلوم ہوا ہلکے کام کو پہلے کر لیا جائے اور جو ثقیل ہے، مشکل ہے اس کو بعد میں کیا جائے بھئی، تو دو دلیلیں دونوں قسم کی دے دیں بھئی۔

اور دیکھیے یہاں منصوبات کی جب بحث آئی تو صاحبِ جامی نے ذکر کیا کہ منصوبات کو کیوں مقدم کیا اور مجرورات کو کیوں مؤخر کیا بھئی، کیوں مؤخر کیا۔ اور جہاں مرفوعات آئے تھے وہاں پر ذکر نہیں کیا کہ مرفوعات کو کیوں مقدم کیا، حالانکہ وہاں بھی ذکر کرنا چاہیے تھا کہ مرفوعات کو کیوں مقدم کیا۔ میں اس کا جواب پہلے ذکر کر چکا ہوں، وجہ یہ کہ یہ جو مرفوعات ہیں یہ کلام کے اندر عمدہ واقع ہوتے ہیں۔ میں نے بتایا تھا عمدہ کسے کہتے ہیں؟ کلام کا بنیادی جز یعنی مسند اور مسند الیہ بھئی۔ اور جملۂ اسمیہ میں مسند اور مسند الیہ کیا ہوتے ہیں؟ مبتدا اور خبر۔ اور جملۂ فعلیہ میں مسند اور مسند الیہ کیا ہوتے ہیں؟ فعل اور فاعل یا نائب فاعل۔ اور ان میں سے ایک تو فعل ہے اس کو نکال دیں، باقی یہ تین چیزیں ہیں ان پر عمدہ کا اطلاق ہوتا ہے: مبتدا، خبر اور فاعل یا نائب فاعل۔ فاعل اور نائب فاعل کو ایک ہی شمار کرتے ہیں، بات سمجھ میں آگئی؟ تو یہ تین چیزیں ہیں جن کو عمدہ کہا جاتا ہے۔ تو مرفوعات چونکہ عمدہ ہوتے ہیں کلام کے اندر، اور عمدہ کو ہونا بھی پہلے چاہیے بھئی۔ اور منصوبات اور مجرورات کلام کے اندر فضلہ ہیں یعنی زائد ہیں، مسند اور مسند الیہ نہیں ہیں بلکہ زائد ہیں، تو چونکہ مرفوعات عمدہ ہوتے ہیں لہٰذا ان کو ہونا بھی مقدم چاہیے لہٰذا وہاں اس کو ذکر ہی نہیں کیا کیونکہ یہ بات ظاہر ہے کہ عمدہ کو کیا ہونا چاہیے؟ مقدم ہونا چاہیے۔ اس لیے وہاں پر اس بات کو ذکر نہیں کیا۔ جبکہ منصوبات اور مجرورات دونوں کلام میں فضلہ ہوتے ہیں، یعنی یہ نہ مسند بنتے ہیں اور نہ مسند الیہ بنتے ہیں، یہ فضلہ ہیں زائد چیز ہیں۔ تو جب دونوں زائد ہیں تو اب یہاں سوال پیدا ہوتا ہے جب دونوں زائد ہیں تو پھر منصوبات کو کیوں مقدم کیا؟ مجرورات کو کیوں نہیں مقدم کیا؟ تو اس لیے اس کا جواب صاحبِ جامی نے یہاں ذکر کیا۔

تو کہتے ہیں: فَقَالَ: اَلْمَنْصُوْبَاتُ۔ الْمَنْصُوْبَاتُ کے اندر یاد رکھو منصوبات میں وہی ترکیبیں ہوں گی جو مرفوعات میں میں نے ذکر کی تھیں۔ یعنی اس کو مرفوع پڑھنا بھی جائز اور منصوب پڑھنا بھی جائز۔ اَلْمَنْصُوْبَاتُ مرفوع پڑھو۔ مرفوع کیوں پڑھیں گے؟ یا تو یہ مبتدا ہے یا خبر ہے۔ مبتدا بھی مرفوع ہوتا ہے خبر بھی مرفوع۔ آپ اس کو مبتدا بناتے ہیں تو خبر محذوف نکال لو: اَلْمَنْصُوْبَاتُ هٰذِهِ۔ اور اگر آپ اس کو خبر بنانا چاہتے ہیں تو مبتدا محذوف نکال لو: هٰذِهِ الْمَنْصُوْبَاتُ۔ توجہ ہے؟ تو اس صورت میں صرف رفع پڑھیں گے کیونکہ مبتدا بھی مرفوع ہوتا ہے اور خبر بھی مرفوع۔ یا آپ اس سے پہلے مضاف محذوف نکال لو: أَيْ هٰذَا بَحْثُ الْمَنْصُوْبَاتِ۔ تو اس صورت میں دیکھو منصوبات مجرور ہے کیوں؟ کیونکہ بَحْثُ مضاف ہے اور الْمَنْصُوْبَاتِ مضاف الیہ۔ لیکن بَحْثُ کو حذف کر دیا اور اس کی جگہ منصوبات کو قائم مقام کر دیا اور بَحْثُ تو مرفوع تھا مبتدا کی خبر تھا هٰذَا بَحْثُ الْمَرْفُوْعَاتِ، تو لہٰذا وہی اعراب اب اس پر بھی آگیا تو یہ بھی مرفوع ہے کس بنا پر؟ خبر ہے، بھئی بَحْثُ کا لفظ کیا تھا؟ هٰذَا بَحْثُ الْمَنْصُوْبَاتِ، بَحْثُ کا لفظ خبر تھا، تو یہ منصوبات تو مضاف الیہ تھا لیکن اس خبر کو حذف کیا اور اس کا قائم مقام کس کو بنا دیا؟ کبھی کبھار مضاف کو حذف کر لیتے ہیں اور مضاف الیہ کو اس کا قائم مقام بنا دیتے ہیں تو جو اعراب مضاف پر تھا وہی اعراب مضاف الیہ پر آجاتا ہے۔ لہٰذا آپ یوں کہیں توجہ سے سنو: هٰذِهِ الْمَنْصُوْبَاتُ، یہ منصوبات ہیں۔ اس

صورت میں منصوبات پر کیا آیا؟ رفع، کیونکہ یہ کیا ہے؟ خبر ہے۔ اور یا دوسری صورت یہ ہے کہ آپ یوں کہیں تقدیرِ عبارت یوں ہے: هٰذَا بَحْثُ الْمَنْصُوْبَاتِ، ہٰذَا۔ اب کوئی آپ سے پوچھے بھئی الْمَنْصُوْبَاتِ کا اعراب کیا ہے؟ تو آپ کہیں مرفوع ہے۔ آپ کہیں۔ آپ کہیں گے بھئی یہ تو الْمَنْصُوْبَاتِ مجرور ہے۔ بھئی وہ مجرور تھا جب بَحْثُ کا لفظ خود موجود ہو، لیکن بَحْثُ کا لفظ تو آپ نے حذف کر دیا ہے اور اس کا قائم مقام کس کو بنا دیا؟ الْمَنْصُوْبَاتِ کو، تو اب یہ بھی مرفوع ہی ہے۔ توجہ ہے؟ تو آپ یوں کہہ لیں هٰذِهِ الْمَنْصُوْبَاتُ تب بھی یہ مرفوع خبر ہونے کی بنا پر، اور اگر آپ کہیں تقدیرِ عبارت هٰذَا بَحْثُ الْمَرْفُوْعَاتِ تو بھی آپ کہیں یہ جو الْمَنْصُوْبَاتُ ہے مرفوع ہے کس بنا پر؟ خبر ہونے کی بنا پر۔ یہ خود یہ تو خبر نہیں لیکن اس کا جو مضاف تھا جو محذوف ہے وہ کیا تھا؟ خبر تھا، اسی کا اعراب اب اس کو دے دیا اس کو اس کا قائم مقام بنا دیا۔ تو معلوم ہوا الْمَنْصُوْبَاتُ پر رفع آئے گا یا خبر ہونے کی بنا پر یا مبتدا ہونے کی بنا پر۔ اور چاہے اس کو اسی طرح بَحْثُ کا لفظ نکالیں اور اس کو مبتدا بنا دیں: بَحْثُ الْمَنْصُوْبَاتِ هٰذَا، اس صورت میں بھی یہ مبتدا بنے گا کیونکہ بَحْثُ مبتدا تھا وہ چلا گیا اس کی جگہ منصوبات آ گیا تو یہ بھی کیا بن گیا؟ مبتدا بن گیا۔

اور دوسری صورت یہ ہے کہ اس کو منصوب پڑھیں اِقْرَأْ فعل کے لیے: اِقْرَأِ الْمَنْصُوْبَاتِ۔ اِقْرَأْ فعل، أَنْتَ ضمیر اس کے اندر فاعل اور الْمَنْصُوْبَاتِ منصوب لفظاً کیونکہ اس کا نصب آتا ہی کسرہ کی صورت میں ہے کیونکہ یہ جمع مؤنث سالم ہے بھئی۔ تو یا تو اس پر رفع آئے گا مبتدا یا خبر ہونے کی وجہ سے یا اس پر نصب آئے گا اور یہ اِقْرَأْ فعل کے لیے مفعول بہ بنے گا۔ یا تیسری صورت یہ ہے کہ اس پر کوئی اعراب نہیں، یہ مبنی علی السکون ہے یعنی یہاں کوئی ترکیب نہیں، یہ عنوان ہے: الْمَنْصُوْبَاتُ۔ آپ رفع پڑھنا چاہتے ہیں یا نصب یا جر، کچھ بھی نہیں پڑھ سکتے کیونکہ ترکیب ہی نہیں ہے، کیونکہ رفع، نصب یا جر عامل کی وجہ سے آتا ہے، خود تو آتا ہی نہیں۔ تو جب یہاں ترکیب ہی نہیں یہ عنوان ہے، کوئی عامل نہیں تو نہ اس پر رفع آ سکتا ہے نہ نصب اور نہ جر، تو الْمَنْصُوْبَاتُ اس کو پڑھیں گے۔ بات سمجھ میں آ گئی؟ تو یاد رکھنا یہ جو منصوبات کا لفظ آیا یہ اس پر رفع پڑھنا بھی جائز ہے، نصب پڑھنا بھی جائز ہے، اور ایک صورت میں جب کوئی ترکیب نہ ہو تو یہ مبنی علی السکون ہے۔ البتہ اس پر جر پڑھنا جائز نہیں، جر والی یہاں کوئی صورت نہیں۔ ایک صورت میں مجرور ہو تو رہا تھا جیسے هٰذَا بَحْثُ الْمَنْصُوْبَاتِ لیکن پھر وہاں مضاف کو حذف کر کے اس مضاف الیہ کو اس کا قائم مقام کر دیا تو اس کا جو اعراب تھا وہ اس کو دے دیا اور اس پر تو رفع تھا تو اس صورت میں بھی اس پر رفع ہی آئے گا۔ تو لہٰذا یہاں رفع بھی جائز ہے مبتدا یا خبر ہونے کی بنا پر، نصب بھی جائز ہے مفعول بہ ہونے کی بنا پر، مبنی علی السکون بھی یہ ہو سکتا ہے اگر اس کو عنوان قرار دیا جائے اور کوئی عامل اس پر داخل نہ ہو، لیکن جر والی کوئی صورت نہیں، جر والی کوئی صورت نہیں بھئی۔

آگے دیکھیے، کہتے ہیں: هُوَ مَا اشْتَمَلَ عَلَى عَلَمِ الْمَفْعُوْلِيَّةِ۔ منصوب وہ ہے، هُوَ مَا اشْتَمَلَ، منصوب وہ اسم ہے، مَا سے مراد ہے اسم، منصوب وہ اسم ہے جو مشتمل ہو عَلَى عَلَمِ الْمَفْعُوْلِيَّةِ مفعول ہونے کی علامت پر بھئی۔ تو منصوب وہ ہے

جو مشتمل ہو مفعول ہونے کی علامت پر۔ کہتے ہیں: قَدْ تَبَيَّنَ يَّنَ شَرْحُهُ بِمَا ذُكِرَ فِي الْمَرْفُوْعَاتِ۔ تحقیق اس کی شرح جو ہے وہ ظاہر ہے وہ جو ذکر کیا گیا مرفوعات کے اندر۔ اس کی شرح ظاہر ہے وہ جو مرفوعات میں ذکر کیا گیا تھا، یعنی وہی شرح ساری یہاں پر بھی ہے۔ صاحبِ جامی نے وہاں پر جو تقریر ذکر کی تھی اس کا خلاصہ میں دوبارہ ذکر کر دیتا ہوں بھئی، توجہ سے سنیں بھئی۔ کہ یہاں یہ جو الْمَنْصُوْبَاتُ آیا یہ مَنْصُوْبٌ کی جمع ہے مَنْصُوْبَةٌ کی جمع نہیں۔ وجہ یہ کیونکہ اس کا موصوف جو ہے وہ مذکر ہے أَيِ الْاِسْمُ الْمَنْصُوْبُ۔ یہ بحث کس کی چل رہی ہے؟ اسم کی، تو اسم ہوا موصوف اور الْمَنْصُوْبُ ہوئی اس کی صفت، اور اسم کا لفظ مذکر ہے تو اس کی صفت بھی کیا آئے گی؟ مذکر آئے گی اور اسی الْمَنْصُوْبُ کی پھر جمع کیا لے آئے؟ الْمَنْصُوْبَاتُ لے آئے۔ اور صاحبِ جامی نے آپ کو بتلایا تھا کہ مذکرِ لا یعقل، مذکرِ، یعنی وہ مذکر جو غیرِ ذوی العقول میں سے ہو۔ ذوی العقول کتنی چیزیں ہیں؟ تین: انسان، جنات اور فرشتے۔ ان کے علاوہ باقی مخلوقات وہ غیرِ ذوی العقول میں سے ہیں۔ تو جو مذکرِ لا یعقل ہو یعنی وہ مذکر جو غیرِ ذوی العقول میں سے ہو، اس کی صفت کثرت کے ساتھ الف تا کے ساتھ لائی جاتی ہے، یعنی جمع مؤنث سالم کی صورت میں لائی جاتی ہے۔ تو یہاں پر بھی الْاِسْمُ یہ بھی کس میں سے ہے؟ مذکر ہے اور لا یعقل ہے، لہٰذا اس کی صفت الْمَنْصُوْبُ کی جمع الف تا کے ساتھ لائی گئی۔ جیسے اس کی مثال بھی ذکر کی تھی صاحبِ جامی نے جیسے خَيْلٌ صَافِنَاتٌ۔ یہ خَيْلٌ یہ مذکرِ لا یعقل ہے اور اس کی صفت صَافِنَاتٌ ذکر کی گئی۔ تو صَافِنَاتٌ وہ گھوڑے جو تین قدموں پر کھڑے ہوں اور ایک قدم کو انہوں نے، ایک کھر کو انہوں نے اٹھایا ہو اور صرف اس کے کنارے کو زمین پر رکھا ہو، اور یہ گھوڑوں کے اندر عمدہ صفت شمار ہوتی ہے۔ اسی طرح جِمَالٌ سِبَحْلَاتٌ، جِمَالٌ جمع ہے جَمَلٌ کی، اونٹ کو کہتے ہیں اور سِبَحْلَاتٌ کا معنی ضخیم بھئی، موٹے بھئی، بڑے جسم والے۔ تو دیکھو یہاں جِمَالٌ یہ غیرِ ذوی العقول میں سے ہے مذکر ہے تو اس کی صفت سِبَحْلَاتٌ الف تا کے ساتھ لائی گئی۔ اسی طرح أَيَّامٌ خَالِيَاتٌ یعنی گزشتہ ایام، تو أَيَّامٌ يَوْمٌ کی جمع ہے اور يَوْمٌ مذکرِ لا عقل ہے تو اس کی صفت الف تا کے ساتھ لائی گئی۔

پھر اس کے بعد یہ هُوَ ضمیر آئی تھی هُوَ مَا اشْتَمَلَ، هُوَ مَا اشْتَمَلَ، تو یہ ضمیر کس کو راجع؟ تو عام شارحین فرماتے ہیں کہ یہ هُوَ ضمیر الْمَنْصُوْبَاتُ کو راجع ہے۔ اس پر اشکال ہوا کہ الْمَنْصُوْبَاتُ تو جمع ہے اور جمع کی طرف یا تو جمع کی ضمیر لوٹائی جاتی ہے یا واحد مؤنث کی ضمیر لوٹائی جاتی ہے بتاویلِ جَمَاعَةٌ کے، لہٰذا یہاں هِيَ مَا اشْتَمَلَ ہونا چاہیے تھا۔ اشکال سمجھ میں آ رہا ہے؟ تو وہ شارحین جواب دیتے ہیں کہ بھئی جب ضمیر دائر ہو جائے بَيْنَ الْمَرْجِعِ وَالْخَبَرِ تو پھر دونوں کی رعایت رکھنا جائز ہے۔ یہاں پر بھی هُوَ ضمیر دائر ہو گئی بَيْنَ الْمَرْجِعِ وَالْخَبَرِ۔ اس کے مرجع کو دیکھیں الْمَنْصُوْبَاتُ تو هُوَ کے بجائے هِيَ لانا چاہیے، اور اس کی خبر جو ہے مَا اشْتَمَلَ وہ مَا تو مذکر ہے لہٰذا اس کو، خبر کو دیکھتے ہوئے ضمیر کو مذکر یعنی هُوَ لانا چاہیے۔ اور اس قسم کے مقام پر آپ دونوں میں سے جس کی بھی رعایت رکھنا چاہیں رکھ سکتے ہیں، آپ چاہیں مرجع کی رعایت رکھیں آپ چاہیں خبر کی رعایت رکھیں۔ تو صاحبِ کافیہ نے هُوَ ضمیر مَنْصُوْبَاتُ کو راجع کی اور مَا اشْتَمَلَ خبر کی رعایت رکھتے ہوئے مذکر

کی ضمیر لے آئے۔

لیکن صاحبِ جامی نے اس جواب کو رد فرمایا تھا کہ نہیں بھئی هُوَ ضمیر کو اَلْمَنْصُوْبَاتُ کی طرف راجع نہیں کر سکتے، اس لیے کیونکہ اَلْمَنْصُوْبَاتُ جمع ہے اور جمع دلالت کرتا ہے افراد پر اور آگے منسوب کی تعریف کی جا رہی ہے هُوَ مَا اشْتَمَلَ عَلَى عَلَمِ الْمَفْعُوْلِيَّةِ یہ منصوب کی تعریف کی جا رہی ہے، اور تعریف افراد کی نہیں ہوتی بلکہ ماہیت اور جنس کی تعریف کی جاتی ہے۔ اس لیے کیونکہ افراد تو بہت سارے ہوتے ہیں آپ ایک فرد کی تعریف کریں گے تو وہ دوسرے پر صادق نہیں آئے گی، دوسرے کی تعریف کریں گے تو وہ تیسرے پر صادق نہیں آئے گی۔ مثلاً آپ انسان کی تعریف کرنا چاہتے ہیں، آپ زید کی تعریف کرتے ہیں کہ زید جو ہے اس طرح کا انسان ہے، اس طرح کی اس کی عادات ہیں، اس طرح اس کا قد ہے، اس طرح کا اس کا حلیہ ہے، اس طرح کے اس کے بال ہیں، تو آپ زید کی تعریف کریں گے وہ تو خالد پر صادق نہیں آئے گی، وہ تو عمر اور بکر پر صادق نہیں آئے گی، تو لہٰذا تعریف افراد کی نہیں کی جاتی بلکہ تعریف جنس اور ماہیت کی کی جاتی ہے۔ چنانچہ اب انسان کی تعریف کوئی پوچھے تو آپ کہیں گے اَلْإِنْسَانُ حَيَوَانٌ نَاطِقٌ۔ اب دیکھو یہ ایسی تعریف کر دی اب یہ ہر فردِ انسان پر صادق آئے گی کیونکہ آپ نے کس کی تعریف کی ہے؟ جنس اور ماہیت کی تعریف کی ہے، افراد کی تعریف نہیں کی۔ تو صاحبِ جامی کیا فرماتے ہیں کہ هُوَ ضمیر اَلْمَنْصُوْبَاتُ کو راجع کرنا درست نہیں، ورنہ تو پھر افراد کی تعریف ہو جائے گی۔ تو پھر کس کو راجع ہے؟ هُوَ ضمیر مَنْصُوْبٌ کو راجع ہے، وہ منصوب جو مَنْصُوْبَاتُ کے ضمن میں آیا، کیونکہ اَلْمَنْصُوْبَاتُ جمع ہے اور جمع کے ضمن میں مفرد موجود ہوتا ہے۔ توجہ ہے؟ جیسے اس کی مثال میں نے ذکر کی تھی قرآن میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں اِعْدِلُوْا هُوَ أَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى۔ اب یہ هُوَ ضمیر کس کو راجع ہے؟ تو علمائے مفسرین فرماتے ہیں کہ هُوَ ضمیر عَدْلٌ کو راجع ہے۔ اس پر اشکال ہوتا ہے پیچھے تو کہیں عَدْلٌ مصدر کا ذکر نہیں ہے، پیچھے تو اِعْدِلُوْا فعل کا ذکر ہے۔ تو وہ جواب دیتے ہیں کہ اِعْدِلُوْا فعل کے ضمن میں مصدر بھی آگیا، اس لیے کیونکہ فعل کا جو مفہوم ہوتا ہے وہ مرکب ہوتا ہے تین چیزوں سے، ایک اس کے اندر وہ مصدر والا معنی ہوتا ہے، ایک زمانہ ہوتا ہے اور ایک نسبت الی الفاعل، تو جب اِعْدِلُوْا فعل آیا تو اس کے ضمن میں عَدْلٌ مصدر بھی آگیا تو یہ هُوَ ضمیر اس عَدْلٌ مصدر کو راجع ہے۔ یہاں پر بھی جب اَلْمَنْصُوْبَاتُ جمع آگئی تو جمع کے ضمن میں مفرد بھی آگیا تو یہ هُوَ ضمیر اس مفرد اَلْمَنْصُوْبُ کو راجع ہے۔ اور پھر یہ بھی بتلایا تھا انہوں نے کہ یہ اَلْمَنْصُوْبُ جس کی طرف ضمیر راجع کی اس سے منصوب کا فرد نہیں مراد بلکہ جنس مراد ہے یعنی جنسِ منصوب کو راجع ہے یہ هُوَ ضمیر۔ کس کو؟ کیونکہ تعریف فرد کی نہیں کی جاتی بلکہ جنس اور ماہیت کی کی جاتی ہے۔ بھئی یہ جو جمع ہے نا جمع، جیسے یہ افراد پر دلالت کرتی ہے اسی طرح یہ جنس اور ماہیت پر بھی دلالت کرتی ہے۔ جیسے مثلاً میں آپ سے کہتا ہوں رِجَالٌ، رِجَالٌ اب یہ جمع ہے رَجُلٌ کی۔ اس سے آپ کو پتا چل گیا کہ رَجُلٌ کے تین یا تین سے زیادہ افراد ہیں۔ رِجَالٌ جمع ہے نا اور جمع کا اطلاق تین یا تین سے زیادہ پر ہوتا ہے۔ تو رِجَالٌ نے جیسے افراد پر دلالت کی اسی طرح اس نے جنس اور ماہیت پر بھی دلالت کر دی۔ معلوم ہوا یہ جو تین یا زیادہ افراد ہیں وہ جنسِ رَجُلٌ کے ہیں، جنسِ اِمْرَأَةٌ وغیرہ کے نہیں۔ تو جمع جیسے افراد پر دلالت کرتی ہے اسی طرح

ماہیت پر بھی دلالت کرتی ہے، تو لہٰذا یہاں هُوَ ضمیر اس منصوب کو راجع جو الْمَنْصُوْبَاتُ کے ضمن میں آیا اور وہ منصوب بھی فردِ منصوب مراد نہیں ہے بلکہ جنسِ منصوب مراد ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟

اور پھر اس کے بعد آگے مَا اشْتَمَلَ آیا بھئی۔ صاحبِ جامی نے ذکر کیا تھا کہ اس مَا سے مراد اسم ہے بھئی، اس مَا سے مراد اسم ہے۔ میں نے آپ کو بتلایا تھا کہ ایک مَا موصولہ ہوتا ہے اور ایک مَا موصوفہ۔ مَا موصولہ کے لیے آگے صلہ چاہیے اور مَا موصوفہ کے لیے آگے صفت چاہیے۔ اور مَا موصولہ معرفہ ہوتا ہے اور مَا موصوفہ نکرہ ہوتا ہے اور آگے آنے والا جملہ اس کی صفت بنتا ہے بھئی۔ اور جملہ کس کے حکم میں؟ نکرہ کے حکم میں، جب جملہ نکرہ ہے تو معلوم ہوا اس کا موصوف جو مَا موصوفہ ہے وہ بھی نکرہ ہے، تو یہ مَا جو ہے شَيْءٌ کے معنی میں ہے۔ کس معنی میں؟ شَيْءٌ کے معنی میں یعنی کوئی چیز۔ تو صاحبِ جامی نے مَا اشْتَمَلَ کی تفسیر کی تھی أَيْ اِسْمٌ اِشْتَمَلَ۔ بتلا دیا کہ یہ مَا موصولہ نہیں ہے بلکہ مَا موصوفہ ہے اسی لیے اِسْمٌ نکرہ نکالا بھئی۔ اور نیز یہ مَا یہ تو شَيْءٌ کے معنی میں ہوتا ہے اور یہ دنیا کی ہر چیز پر صادق آتا ہے، پھر صاحبِ جامی نے اس کی تفسیر اِسْمٌ کے ساتھ کیسے کی؟ اس کا مصداق اسم کو کیسے بنایا؟ تو وہاں ذکر ہوا تھا کہ بھئی یہاں دنیا کی ہر چیز مراد نہیں ہے کیونکہ یہاں پر جیسے دیکھو منصوبات کا ذکر ہو رہا ہے اور کس چیز کے منصوبات ذکر ہو رہے ہیں؟ اسم کے، تو یہاں مَا سے بھی کیا مراد ہے؟ اسم مراد ہے بھئی۔

اور کہا اِشْتَمَلَ کہ وہ اسم مشتمل ہو عَلَى عَلَمِ الْمَفْعُوْلِيَّةِ۔ یہ اشتمال کا کیا معنی؟ کہ وہ اسم مشتمل ہوگا مفعول ہونے کی علامت پر، تو اشتمال کا کیا معنی؟ کیونکہ اشتمال سے تو ہمارے ذہن میں اِشْتِمَالُ الْكُلِّ عَلَى الْجُزْءِ آتا ہے جیسے کل جز پر مشتمل ہوتا ہے۔ آپ اردو میں بھی استعمال کرتے ہیں، مثلاً آپ کسی کو کہتے ہیں یہ کتاب دس ابواب پر مشتمل ہے، کیا معنی؟ یعنی دس ابواب کتاب کا جز ہیں اور کتاب کل ہے۔ یا جیسے آپ کسی کو کہتے ہیں یہ چائے جو ہے خالص دودھ پر مشتمل ہے، کیا معنی؟ کہ یہ خالص دودھ اس چائے کا جز ہے۔ یا جیسے آپ کسی کو بتلاتے ہیں قرآن تیس پاروں پر مشتمل ہے، معلوم ہوا تیس پارے جز ہیں اور قرآن کل ہے۔ تو اشتمال کے لفظ سے تو ہمارے ذہن میں اِشْتِمَالُ الْكُلِّ عَلَى الْجُزْءِ کا معنی آتا ہے حالانکہ یہاں پر یہ جو نصب ہوتا ہے یہ تو منصوب کا جز نہیں ہوتا۔ زَيْدًا یہ دیکھو اس پر جو نصب آیا یہ زید کا جز نہیں ہے، تو صاحبِ جامی نے بتلایا تھا کہ اشتمال سے مراد اِشْتِمَالُ الْمَوْصُوْفِ عَلَى الصِّفَةِ مراد ہے کہ جس طرح موصوف صفت پر مشتمل ہوتا ہے اسی طرح وہ اسم بھی جو ہے نصب پر مشتمل ہوتا ہے یعنی نصب اس کی صفت ہوتی ہے، جیسے زَيْدًا یہ لفظِ زید جو ہے نصب اس کی صفت ہے بھئی۔ بات سمجھ میں آگئی؟

اور پھر انہوں نے بتلایا تھا کہ یہ جو عَلَمٌ کا لفظ آیا یہ عَلَمٌ بمعنی علامت کے ہے، اور نیز یہ جو مَفْعُوْلِيَّةٌ کا لفظ آیا یہ مَفْعُوْلِيَّةٌ کے اندر یائے مشدد اور گول تا آرہی ہے اور یہ یائے مشدد اور گول تا کبھی مصدر بنانے کے لیے لاتے ہیں اور کبھی یہ نسبت کے لیے لے کر آتے ہیں۔ نسبت کے لیے جیسے لَاهُوْرِيٌّ کیا معنی؟ لاہور والا، اور لَاهُوْرِيَّةٌ کیا معنی؟ لاہور والی۔ تو دیکھو یہ

یائے مشدد اور گول تا کبھی نسبت کے لیے بھی لاتے ہیں۔ اور وہ یائے مشدد اور گول تا جو نسبت کے لیے ہو اس کا ترجمہ مَنْسُوْبٌ إِلٰی کے ساتھ کرتے ہیں، مَنْسُوْبٌ إِلٰی۔ تو لَاهُوْرِيٌّ کا کیا معنی؟ مَنْسُوْبٌ إِلٰی لَاهُوْرَ۔ اور لَاهُوْرِيَّةٌ کا کیا معنی؟ مَنْسُوْبَةٌ إِلٰی لَاهُوْرَ۔ اور اگر یہ یائے مشدد اور گول تا مصدر والی ہو تو پھر اس کی تفسیر كَوْنُ الشَّيْءِ کے ساتھ کرتے ہیں۔ كَانَ يَكُوْنُ كَوْنًا اس کا معنی ہے ہونا۔ جیسے مفعولیت، اس کی تفسیر کیا کریں گے اگر یہ یا مصدر والی ہو؟ كَوْنُ الشَّيْءِ مَفْعُوْلًا۔ ضارب بیت کی تفسیر کیا کریں گے؟ كَوْنُ الشَّيْءِ ضَارِبًا۔ اور نیز یہ کس چیز کے فاعل اور مفعول ہونے کی بات ہو رہی ہے؟ اسم کے، تو شَيْءٌ کی جگہ اِسْمٌ لے آؤ۔ تو یہاں پر بھی یہ مَفْعُوْلِيَّةٌ کے اندر جو یائے مشدد اور گول تا آئی یہ مصدر کے لیے ہے، لہٰذا اس کی تفسیر کیا کریں گے؟ كَوْنُ الْاِسْمِ مَفْعُوْلًا، اسم کا مفعول ہونا۔ بات سمجھ میں آگئی؟ اب دیکھیے بھئی۔

کہتے ہیں: هُوَ مَا اشْتَمَلَ عَلَى عَلَمِ الْمَفْعُوْلِيَّةِ۔ منصوب جو ہے وہ اسم ہے جو مشتمل ہو مفعول ہونے کی علامت پر۔ ترجمہ سمجھ میں آرہا ہے؟ مفعولیت کا میں نے کیا ترجمہ کیا؟ مفعول ہونا، دیکھا مصدر والا ترجمہ کیا، اور مَا سے کیا مراد ہے؟ اسم۔ تو کہتے ہیں هُوَ مَا اشْتَمَلَ عَلَى عَلَمِ الْمَفْعُوْلِيَّةِ جنسِ منصوب جو ہے یا یوں کہو منصوب جو ہے وہ اسم ہے جو مشتمل ہو مفعول ہونے کی علامت پر۔ قَدْ تَبَيَّنَ شَرْحُهُ بِمَا ذُكِرَ فِي الْمَرْفُوْعَاتِ، کہتے ہیں اس کی شرح اور تفسیر جو ہے وہ ظاہر ہے اس کی وجہ سے جو مرفوعات کے اندر ذکر کر دیا گیا۔ وَالْمُرَادُ بِعَلَمِ الْمَفْعُوْلِيَّةِ اور عَلَمِ مَفْعُوْلِيَّةِ سے مراد جو ہے عَلَامَةُ كَوْنِ الْاِسْمِ مَفْعُوْلًا وہ اسم کے مفعول ہونے کی علامت ہے۔ عَلَمُ الْمَفْعُوْلِيَّةِ سے کیا مراد ہے؟ مفعول ہونے کی علامت۔ تو کہتے ہیں وَالْمُرَادُ بِعَلَمِ الْمَفْعُوْلِيَّةِ عَلَمِ مَفْعُوْلِيَّةِ سے مراد جو ہے عَلَامَةُ كَوْنِ الْاِسْمِ مَفْعُوْلًا اسم کے مفعول ہونے کی علامت، حَقِيْقَةً أَوْ حُكْمًا چاہے وہ حقیقتاً مفعول ہو چاہے حکماً مفعول ہو۔ کچھ چیزیں تو حقیقتاً مفعول ہوتی ہیں اور وہ جیسے مفاعیلِ خمسہ ہیں: مفعولِ مطلق، مفعول بہ، مفعول معہ، مفعول لہ اور مفعول فیہ۔ یہ سب کیا ہیں؟ حقیقتاً مفعول ہیں، اور کچھ چیزیں جو ہیں وہ حکماً مفعول ہیں یعنی ان پر نصب آئے گا تو وہ حقیقتاً مفعول نہیں جیسے حال ہے وہ بھی منصوب ہوتا ہے، تمیز ہے وہ بھی منصوب ہوتی ہے، مستثنیٰ ہے وہ بھی منصوب ہوتا ہے، اور اسی طرح كَانَ کی خبر وہ بھی منصوب، اِنَّ کا اسم وہ بھی منصوب، لائے نفی جنس کا اسم وہ بھی منصوب، ما و لا مشابہ بلیس کی خبر وہ بھی منصوب، تو یہ سارے یہ بھی کیا ہیں؟ یہ حقیقتاً تو مفعول نہیں لیکن حکماً مفعول ہیں۔ بات سمجھ میں آگئی؟ بھئی انہوں نے کہا نا کہ منصوب کسے کہتے ہیں؟ جو مفعول ہونے کی علامت پر مشتمل ہو۔ مفعول ہونے کی علامت پر مشتمل ہو یعنی جس پر نصب آئے، کیا آئے؟ نصب، اور نصب کی کئی صورتیں ہیں آگے آپ کو بتائیں گے کہ کبھی نصب فتحہ کے ساتھ آئے گا، کبھی کسرہ کے ساتھ، کبھی الف کے ساتھ اور کبھی یا کے ساتھ۔ یہ نصب کس کی علامت ہے؟ مفعول ہونے کی علامت ہے۔ تو جس پر یہ علامت آجائے معلوم ہوا وہ مفعول ہے چاہے وہ حقیقتاً مفعول ہو چاہے حکماً۔ حقیقتاً تو وہ مفاعیلِ خمسہ ہیں اور حکماً میں کیا کیا آگئے؟ وہ ساری چیزیں

آگئیں جن پر نصب آتا ہے تو ان کو حکماً مفعول قرار دیا۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو یہ جو کَانَ کی خبر ہے اِنَّ کا اسم وغیرہ یہ تو حقیقت میں عمدہ ہیں بھئی لیکن ان پر نصب آیا کیوں آیا؟ کیونکہ گویا ان کو مفعول کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے تو حقیقتاً تو یہ مفعول نہیں لیکن حکماً یہ مفعول ہیں بھئی۔

جی آگے دیکھیے، کہتے ہیں: وَهِيَ أَرْبَعٌ اور یہ مفعول ہونے کی علامتیں جو ہیں یہ چار ہیں: اَلْفَتْحَةُ وَالْكَسْرَةُ وَالْأَلِفُ وَالْيَاءُ، فتحہ ہے، کسرہ ہے، الف ہے اور یا ہے۔ نَحْوُ مثال کے طور پر رَأَيْتُ زَيْدًا۔ جی زَيْدًا پر نصب آیا اور کس صورت میں آیا نصب؟ فتحہ کی صورت میں۔ وَمُسْلِمَاتٍ اس کا عطف اسی زید پر ہے اور زید منصوب تھا تو یہ بھی منصوب ہے لیکن اس کا نصب کس شکل میں آتا ہے؟ کسرہ کی صورت میں آتا ہے، تو دیکھا معلوم ہوا کہ منصوب ہونے کی علامت فتحہ بھی ہے اور کسرہ بھی ہے بھئی۔ اور نیز وَأَبَاكَ یہ أَبَاكَ کس میں سے ہے؟ اسمائے ستہ مکبرہ موحدہ مضافہ الی غیر یائے المتکلم، اور ان کا رفع واؤ کے ساتھ آتا ہے اور نصب الف کے ساتھ، تو معلوم ہوا یہ الف بھی مفعول ہونے کی علامت ہے یہ نصب ہے۔ وَمُسْلِمَيْنِ وَمُسْلِمِيْنَ۔ مُسْلِمَيْنِ یہ تثنیہ ہے اس کا نصب یا ما قبل مفتوح کے ساتھ، اور مُسْلِمِيْنَ یہ جمع ہے اور جمع کا نصب یا ما قبل مکسور کے ساتھ۔ تو معلوم ہوا نصب کی علامتیں کتنی ہو گئیں؟ چار: فتحہ جیسے رَأَيْتُ زَيْدًا، کسرہ جیسے رَأَيْتُ مُسْلِمَاتٍ، الف جیسے رَأَيْتُ أَبَاكَ، اور یا جیسے رَأَيْتُ مُسْلِمَيْنِ وَمُسْلِمِيْنَ۔ بات سمجھ میں آگئی؟ پھر دیکھیے، کہتے ہیں: وَهِيَ أَرْبَعٌ اور مفعول ہونے کی علامتیں چار ہیں: اَلْفَتْحَةُ وَالْكَسْرَةُ وَالْأَلِفُ وَالْيَاءُ فتحہ، کسرہ، الف اور یا، نَحْوُ رَأَيْتُ زَيْدًا وَمُسْلِمَاتٍ وَأَبَاكَ وَمُسْلِمَيْنِ وَمُسْلِمِيْنَ۔ فَمِنْهُ أَيْ مِنَ الْمَنْصُوْبِ أَوْ مِمَّا اشْتَمَلَ عَلَى عَلَمِ الْمَفْعُوْلِيَّةِ۔ فَمِنْهُ ہا ضمیر کا مرجع بتلا رہے ہیں أَيْ مِنَ الْمَنْصُوْبِ کہ یہ منصوب کو ضمیر راجع کر لیں أَوْ مِمَّا اشْتَمَلَ عَلَى عَلَمِ الْمَفْعُوْلِيَّةِ یا یہ ضمیر مَا اشْتَمَلَ کو راجع کر لیں۔ توجہ ہے؟ بھئی اوپر پر تعریف آئی تھی هُوَ مَا اشْتَمَلَ عَلَى عَلَمِ الْمَفْعُوْلِيَّةِ۔ یہ کس کی تعریف ہے؟ منصوب کی۔ تو منصوب ہوا معرَّف اور مَا اشْتَمَلَ عَلَى عَلَمِ الْمَفْعُوْلِيَّةِ یہ ہوئی اس کی تعریف، توجہ ہے؟ تو آپ چاہیں فَمِنْهُ کی ہا ضمیر معرَّف یعنی منصوب کو راجع کر دیں، اور آپ چاہیں تو آپ مِنْهُ کی ہا ضمیر مَا اشْتَمَلَ یعنی تعریف کو راجع کر دیں۔ بھئی معرَّف اور معرِّف ایک ہی چیز ہوتے ہیں۔ جس پر معرَّف صادق آتا ہے اس پر تعریف بھی صادق آتی ہے اور جس پر تعریف صادق آتی ہے اس پر معرَّف بھی صادق آتا ہے۔ جیسے اَلْكَلِمَةُ لَفْظٌ وُضِعَ لِمَعْنًى مُفْرَدٍ۔ جو بھی الکلمہ ہوگا اس پر لَفْظٌ وُضِعَ لِمَعْنًى مُفْرَدٍ یہ تعریف صادق آئے گی اور جس چیز پر بھی یہ لَفْظٌ وُضِعَ لِمَعْنًى مُفْرَدٍ والی تعریف صادق آئے گی اس پر کلمہ کا لفظ بھی صادق آئے گا۔ تو معرَّف اور معرِّف دونوں ایک ہی ہوتے ہیں۔ صرف فرق یہ ہے کہ معرَّف کے اندر اجمال ہوتا ہے اور تعریف کے اندر تفصیل ہوتی ہے۔ توجہ ہے؟ تو فَمِنْهُ ضمیر چاہے معرَّف کو راجع کر دیں یعنی جس میں اجمال ہے، یا چاہے تعریف یعنی مَا اشْتَمَلَ کو راجع کر دیں جس کے اندر تفصیل ہے۔ بات ایک ہی ہے کیونکہ معرَّف اور معرِّف ایک ہی چیز ہیں بھئی، یعنی ان کا مصداق ایک ہی ہوتا ہے۔ البتہ اگر یہ مِنْهُ کی ہا ضمیر منصوب کو راجع کریں تو اس صورت میں ہم انتشارِ ضمائر سے بچ جائیں گے۔ بھئی کلام کے اندر دو تین ضمیریں آجائیں اور ایک ضمیر کسی اور چیز کی طرف راجع ہو، دوسری کسی اور کی طرف، تیسری کسی اور کی طرف، اس کو

کہتے ہیں انتشارِ ضمائر، اور اس کی وجہ سے بعض اوقات کلام کا معنی سمجھنا مشکل ہو جاتا ہے۔ اور ضمیریں دو تین آئیں اور ان کا مرجع ایک ہی ہو، ایک ہی چیز کی طرف لوٹا دیں تو یہ پسندیدہ ہے کیونکہ اس سے بات کا سمجھنا آسان ہوتا ہے، اس میں اتحادِ مرجع ہوتا ہے، ایک ہی چیز کو ضمیریں لوٹ رہی ہیں۔ تو لہٰذا پیچھے هُوَ ضمیر غائب کی آئی تھی وہ بھی منصوب کو راجع اور فَمِنْهُ کی ہا ضمیر اس کو بھی منصوب کی طرف راجع کر دیں تو اس صورت میں اتحادِ مرجع لازم آئے گا، دونوں ضمیروں کا مرجع متحد ہے اور اس سے بات کا سمجھنا آسان ہو جاتا ہے۔ اور آپ چاہیں تو مِنْهُ کی ہا ضمیر مَا اشْتَمَلَ کو راجع کر دیں بھئی، مَا اشْتَمَلَ کو راجع کر دیں، اور اس صورت میں پھر فائدہ یہ ہوگا کہ مرجع صراحتاً مذکور ہوگا۔ بھئی اگر مِنْهُ کی ہا ضمیر منصوب کو راجع کریں تو پیچھے کہیں منصوب کا ذکر آیا؟ پیچھے منصوبات کا ذکر تو آیا تھا منصوب کا ذکر نہیں، اور اس منصوبات کے ضمن میں منصوب آگیا تھا، تو پھر اگر مِنْهُ کی ہا ضمیر منصوب کو راجع کریں تو اس صورت میں مرجع جو ہے وہ ضمناً مذکور ہے، صراحتاً مذکور نہیں۔ اور اگر مِنْهُ کی ہا ضمیر مَا اشْتَمَلَ کو راجع کریں تو مَا اشْتَمَلَ تو صراحتاً مذکور ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو مِنْهُ کی ضمیر منصوب کو راجع کریں تو کیا فائدہ؟ اتحادِ مرجع لازم آئے گا۔ اور مِنْهُ کی ضمیر مَا اشْتَمَلَ کو راجع کریں تو پھر کیا فائدہ؟ کہ مرجع صراحتاً مذکور ہوگا۔

آگے دیکھیے، کہتے ہیں: اَلْمَفْعُوْلُ الْمُطْلَقُ۔ مفعولِ مطلق جو ہے، سُمِّيَ بِهِ لِصِحَّةِ إِطْلَاقِ صِيْغَةِ الْمَفْعُوْلِ عَلَيْهِ مِنْ غَيْرِ تَقْيِيْدِهِ بِالْبَاءِ أَوْ فِيْ أَوْ مَعَ أَوِ اللَّامِ۔ اب مفاعیل کا بیان شروع کرنے لگے ہیں۔ کیا فرمایا: فَمِنْهُ الْمَفْعُوْلُ الْمُطْلَقُ۔ جنسِ منصوب میں سے ایک مفعولِ مطلق ہے بھئی۔ ذرا متن متن دیکھ لیں۔ کہتے ہیں: فَمِنْهُ الْمَفْعُوْلُ الْمُطْلَقُ جنسِ منصوب میں سے مفعولِ مطلق ہے۔ وَهُوَ اسْمُ مَا فَعَلَهُ فَاعِلُ فِعْلٍ مَذْكُوْرٍ بِمَعْنَاهُ۔ عبارت مل گئی بھئی؟ کہتے ہیں مفعولِ مطلق وَهُوَ اسْمُ مَا وہ نام ہے اس حدث کا، مَا سے مراد ہے حدث بھئی۔ کیا مراد ہے؟ حدث مراد ہے۔ حدث یاد رکھو مصدر کو کہتے ہیں۔ یعنی حدث وہ معنی جو غیر کے ساتھ قائم ہو، جس کا اپنا الگ وجود نہ ہو بھئی۔ میں نے آپ کو بتلایا تھا کہ مصدر جو ہے اس کا خارج میں کوئی وجود نہیں، یہ مصدر کسی نہ کسی کی صفت ہوتی ہے، اور خارج میں ہمیں مصدر کبھی نہیں دکھائی دیتا، ہاں اس مصدر سے جو حالت اور ہیئت حاصل ہو گئی وہ حالت اور ہیئت ہمیں نظر آتی ہے۔ خارج میں ہمیں دوڑنا نہیں نظر آتا کیونکہ دوڑنا مصدر ہے اور مصدر کا خارج میں کوئی وجود نہیں، یہ کسی کی صفت ہوتی ہے۔ ہاں اس مصدر سے جو صورت حاصل ہوئی، جو ہیئت حاصل ہوئی وہ ہمیں خارج میں نظر آتی ہے، تو ہمیں خارج میں دوڑنا نہیں نظر آتا بلکہ دوڑ نظر آتی ہے، یعنی وہ صورت جو دوڑنے کی وجہ سے حاصل ہوئی وہ ہمیں نظر آتی ہے اور اس کو حاصل بالمصدر کہتے ہیں۔ تو ہمیں خارج میں مصدر نظر نہیں آتا بلکہ حاصل بالمصدر نظر آتا ہے۔ اسی طرح ہمیں خارج میں ہنسنا نہیں نظر آتا کیونکہ ہنسنا مصدر ہے، بلکہ ہمیں خارج میں حاصل بالمصدر یعنی ہنسی نظر آتی ہے۔ اسی طرح خارج میں ہمیں چلنا نہیں نظر آتا بلکہ حاصل بالمصدر یعنی چال نظر آتی ہے۔ تو مصدر کہہ لیں یا حدث کہہ لیں، یہ ایک معنی کا نام ہے جو غیر کی صفت بنتا ہے، اس کا اپنا الگ کوئی

وجود نہیں۔ مثلاً ضَرَبَ زَيْدٌ، ضَرَبَ زَيْدٌ دیکھو زید نے کون سا فعل کیا؟ ضرب والا، یہ ضرب زید کی صفت ہے، یہ مصدر زید کی صفت ہے۔ زید ہے تو یہ زید کی ضرب بھی ہے، زید نہیں تو یہ زید کی ضرب بھی نہیں ہے۔ اسی طرح أَكَلَ زَيْدٌ زید نے کھانا کھایا، تو زید کا فعل کیا ہے یہاں پر؟ اکل ہے، زید ہے تو یہ زید کا اکل بھی ہے، زید نہیں تو زید کا اکل بھی نہیں ہے۔ اسی طرح شَرِبَ زَيْدٌ زید نے پیا، کون سا فعل کیا زید نے؟ شرب والا، تو یہ شرب مصدر جو ہے یہ حدث جو ہے یہ زید کی صفت ہے۔ زید ہے تو یہ شرب بھی ہے، زید نہیں تو یہ زید کا شرب بھی نہیں ہے۔ تو دیکھو مصدر کا اپنا الگ کوئی وجود نہیں ہوتا، یہ کسی کی صفت ہوتی ہے، وہ غیر ہے تو یہ صفت بھی ہے، وہ غیر نہیں تو یہ صفت بھی نہیں ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟

تو مفعولِ مطلق کی تعریف کر رہے ہیں، کہتے ہیں: وَهُوَ اسْمُ مَا کہ مفعولِ مطلق وہ نام ہے اس حدث کا، فَعَلَهُ فَاعِلُ فِعْلٍ جس کو فعل کے فاعل نے کیا ہو، جس کو، جس کو کسی فعل کے فاعل نے کیا ہو اس حدث کو مفعولِ مطلق کہتے ہیں۔ تو کہتے ہیں وَهُوَ اسْمُ مَا کہ مفعولِ مطلق نام ہے اس حدث کا، مَا کا ترجمہ چاہے مصدر کے ساتھ کر لیں چاہے حدث کے ساتھ کر لیں۔ مفعولِ مطلق اس مصدر کا نام ہے جس کو کسی فعل کے فاعل نے کیا ہو۔ تو اس کے اندر دیکھو سارے مصادر آگئے۔ ہر مصدر اس کو کوئی نہ کوئی کرنے والا تو چاہیے، مصدر کا خود تو اپنا الگ وجود نہیں ہوتا۔ ضرب کا الگ وجود ہو سکتا ہے؟ نہیں، کوئی نہ کوئی ضارب ہوگا تو ضرب پائی جائے گی، کوئی نہ کوئی شارب ہوگا تو شرب پایا جائے گا۔ توجہ ہے؟ تو مصدر کا اپنا وجود الگ ہوتا ہی نہیں، اس کے لیے کوئی نہ کوئی کرنے والا چاہیے بھئی۔ تو لہٰذا جب انہوں نے کہا کہ مفعولِ مطلق وہ نام ہے اس مصدر کا جس کو کسی فعل کے فاعل نے کیا ہو، جس کو، اور ہر مصدر کے لیے کوئی نہ کوئی فاعل تو ہوتا ہے، تو ہر مصدر اس کے اندر آگیا۔

آگے پھر قید آگئی مَذْكُوْرٍ أَيْ فِعْلٍ مَذْكُوْرٍ جس کو فعلِ مذکور کے فاعل نے کیا ہو، اب سارے مصدر نکل گئے صرف وہ مصدر رہ گیا جس کا فعل مذکور ہے۔ مثلاً اپنے سامنے ایک مثال لکھو ذرا۔ لکھیے بھئی: ضَرَبَ زَيْدٌ ضَرْبًا، ضَرَبَ زَيْدٌ ضَرْبًا۔ لکھ لیا؟ جی ترکیب سنیے بھئی: ضَرَبَ فعل، زَيْدٌ مرفوع لفظاً فاعل، ضَرْبًا منصوب لفظاً مفعولِ مطلق، فعل اپنے فاعل اور مفعولِ مطلق سے مل کر جملہ فعلیہ ہوا۔ ضَرَبَ زَيْدٌ ضَرْبًا ترجمہ کیجیے۔ مفعولِ مطلق کا یاد رکھو الگ ترجمہ نہیں کرتے، عموماً طلبہ کیا ترجمہ کرتے ہیں اس جملے کا ضَرَبَ زَيْدٌ ضَرْبًا: زید نے پٹائی کی پٹائی کرنا۔ نہیں بھئی یہ پٹائی کرنا الگ ذکر نہیں کرنا آپ نے، ضَرَبَ زَيْدٌ ضَرْبًا کیا ترجمہ ہوگا؟ زید نے پٹائی کی، زید نے پٹائی کی۔ اب دیکھو اس جملے کے اندر یہ جو ضَرْبًا ہے یہ مفعولِ مطلق ہے، اب ہم اس پر تعریف لگاتے ہیں ذرا یہ مفعولِ مطلق کی۔ انہوں نے کیا کہا؟ وَهُوَ اسْمُ مَا فَعَلَهُ فَاعِلُ فِعْلٍ مَذْكُوْرٍ کہ مفعولِ مطلق وہ اس مصدر کا نام ہے جس کو فعلِ مذکور کے فاعل نے کیا ہو۔ بلکہ ادھر دیکھیے: ضَرَبَ زَيْدٌ صرف یہ جملہ ہے ضَرَبَ زَيْدٌ۔ مجھے بتائیے ضَرَبَ زَيْدٌ زید نے کون سا فعل کیا؟ ضرب کی، زید نے کون سا فعل کیا؟ ضرب والا فعل کیا، زید نے ضرب کا فعل کیا۔ بات سمجھ میں آگئی؟ اب ذرا اس مثال پہ نظر رکھو ضَرَبَ زَيْدٌ ضَرْبًا۔ یہ ضَرْبًا مفعولِ مطلق ہے، ہم اس

پر یہ تعریف لگاتے ہیں کہ مفعولِ مطلق اِسْمُ مَا یہ اس حدث یعنی اس مصدر کا نام ہے، یہ جو ضَرْبًا دیکھو یہ مصدر ہے یہ اس مصدر کا نام ہے، فَعَلَهُ فَاعِلُ فِعْلٍ مَذْكُوْرٍ جس کو فعلِ مذکور کے فاعل نے کیا ہو۔ فعلِ مذکور کیا ہے یہاں پر؟ ضَرَبَ، اور اس کا فاعل کون ہے؟ زید۔ تو دیکھا جس کو فعلِ مذکور کے فاعل نے کیا ہے، یہ ضرب کس نے لگائی ہے؟ زید نے لگائی ہے، تو یہ جو ضَرْبًا ہے یہ مفعولِ مطلق ہے، یہ وہ چیز ہے، یہ وہ مصدر ہے جس کو فعلِ مذکور کے فاعل یعنی زید نے کیا ہے۔ ضَرَبَ زَيْدٌ زید نے کیا لگائی ہے؟ ضرب، تو یہ ضَرْبًا کیا ہے؟ مفعولِ مطلق۔ کیا تعریف ہوئی؟ مفعولِ مطلق کسے کہتے ہیں؟ مفعولِ مطلق وہ مصدر ہے جس کو فعلِ مذکور کے فاعل نے کیا ہے بھئی۔

آگے دیکھیے بھئی کتاب پر: بِمَعْنَاهُ، بِمَعْنَاهُ۔ یہ صفتِ ثانی آگئی فعل کے لیے: فَاعِلُ فِعْلٍ مَذْكُوْرٍ بِمَعْنَاهُ۔ فِعْلٍ مضاف الیہ ہے مجرور ہے اور آگے مَذْكُوْرٍ اس کی صفتِ اول، اور بِمَعْنَاهُ یہ جار مجرور آیا اور جار مجرور نکرہ کے بعد آئے تو یہ اس کے لیے صفت بنتا ہے، تو فِعْلٍ نکرہ تھا تو مَذْكُوْرٍ اس کی صفتِ اول اور بِمَعْنَاهُ جار مجرور اس کے بعد آیا یہ اس کے لیے صفتِ ثانی ہے بھئی۔ ایسا فعل مَذْكُوْرٍ جو مذکور ہو بِمَعْنَاهُ اور اس اسم کے معنی میں ہو۔ ایسا فعل جو مذکور ہو اور اس اسم کے معنی میں ہو بھئی۔ توجہ ہے؟ وہ جو مثال میں نے لکھوائی اس پہ نظر رکھیں ضَرَبَ زَيْدٌ ضَرْبًا۔ یہ ضَرْبًا یہ مفعولِ مطلق ہے، یہ وہ مصدر ہے فَعَلَهُ فَاعِلُ فِعْلٍ مَذْكُوْرٍ یہ ضَرْبًا یہ والا کام کس نے کیا ضرب والا؟ فعلِ مذکور جو ضَرَبَ تھا اس کے فاعل یعنی زید نے کیا ہے۔ توجہ ہے؟ اور یہ فعل اسی اسم کے معنی میں ہے، یہ ضَرَبَ بھی اس ضرب کے معنی میں ہے، ضَرَبَ اور ضرب ایک ہی معنی یا الگ الگ معنی ہے؟ ایک ہی معنی ہے، اس میں بھی ضرب ذکر ہے اس میں بھی ضرب۔ یہ بِمَعْنَاهُ یہ کس کی صفت؟ یہ فعل کی، معلوم ہوا وہ جو فعل ہے وہ اس اسم یعنی اس مصدر کے معنی میں ہوگا۔ اور یہاں پر فعل کون سا ذکر؟ ضَرَبَ، اور یہ ضَرَبَ اس اسم کے معنی میں ہوگا کون سا اسم؟ یہ جو ضَرْبًا ذکر ہو رہا ہے، اور ضَرَبَ اس ضَرْبًا کے معنی میں ہے۔ توجہ ہے؟ اور مثال لے لیں: شَرِبَ عَمْرٌو شُرْبًا، شَرِبَ عَمْرٌو شُرْبًا۔ یہ شُرْبًا کیا ہے؟ مفعولِ مطلق ہے کیونکہ یہ نام ہے اس حدث کا جس کو کس نے کیا ہے؟ فعلِ مذکور کے فاعل، فعلِ مذکور کیا؟ شَرِبَ، اور اس کا فاعل کون؟ زید، تو یہ شرب والا فعل کس نے کیا ہے؟ زید نے کیا ہے، تو شُرْبًا یہ مفعولِ مطلق ہے کیونکہ یہ وہ حدث ہے جس کو فعلِ مذکور کے فاعل یعنی زید نے، زید کہو یا عمر جو بھی ذکر ہے، کہ جس کو فعلِ مذکور کے فاعل یعنی عمر نے کیا ہے، اور یہ فعل بِمَعْنَاهُ، بِمَعْنَاهُ کس کی صفت؟ فعل کی، فعل کی، اور وہ فعل اس اسم کے معنی میں ہو تو یہاں پر بھی یہ شَرِبَ کا فعل اس اسم یعنی شُرْبًا کے معنی میں ہے، دونوں کا معنی ایک ہے بھئی۔

یہ بِمَعْنَاهُ کی قید لگائی اصل میں مفعولِ لہ کو نکالنے کے لیے۔ ذرا ایک اور مثال اپنے سامنے لکھیں: ضَرَبَ زَيْدٌ تَأْدِيْبًا، ضَرَبَ زَيْدٌ تَأْدِيْبًا۔ لکھ لیا؟ ضَرَبَ زَيْدٌ تَأْدِيْبًا۔ یہ تَأْدِيْبًا یہ مفعولِ لہ ہے، مفعولِ لہ وہ مصدر ہوتا ہے جو ما قبل فعل کی علت اور سبب بیان کرتا ہے۔ ضَرَبَ زَيْدٌ زید نے پٹائی کی تَأْدِيْبًا ادب سکھانے کے لیے۔ توجہ ہے؟ ادب سکھانے کے لیے۔

اس مثال پہ نظر ہے ضَرَبَ زَيْدٌ تَأْدِيْبًا؟ یہ ضَرَبَ زَيْدٌ زید نے کون سا فعل کیا ہے؟ ضرب والا۔ توجہ ہے مثال پہ نظر رکھیں، زید نے کون سا فعل کیا ہے؟ ضرب والا، اسی طرح یہ جو آگے تادیب ہے یہ بھی فعل زید نے ہی کیا ہے۔ زید نے ہی کیا ہے۔ زید نے پٹائی کی ہے ادب سکھانے کے لیے تو یہ ادب سکھانا کوئی الگ چیز نہیں ہے، اسی پٹائی کو تادیب کہیں گے۔ دیکھو زید نے کسی کو ضرب لگائی بایں اعتبار کہ اس سے اس آدمی کو تکلیف ہوئی اس کو ضرب کہیں گے، اور بایں اعتبار کہ اس سے اس کی اصلاح ہوئی اس کو تادیب کہیں گے۔ تو وہی ضرب بایں اعتبار کہ اس سے دوسرے کو تکلیف ہوئی اس کو ضرب کہیں گے اور وہی ضرب بایں اعتبار کہ اس سے دوسرے کی اصلاح ہو رہی ہے وہ ادب سیکھ رہا ہے تو اسی کو تادیب کہیں گے۔ تو معلوم ہوا جوں جوں ضرب لگتی جا رہی ہے وہ ادب سیکھتا چلا جا رہا ہے، تو ضَرَبَ زَيْدٌ تَأْدِيْبًا معلوم ہوا زید کا فعل یہاں پر ضرب بھی ہے اور تادیب بھی ہے۔ ضَرَبَ زَيْدٌ تَأْدِيْبًا اس میں زید کا فعل کیا کیا ہے؟ ضرب بھی ہے اور تادیب، یہ ادب سکھانا بھی، یہ بھی زید نے ہی کیا ہے۔ تو اب یہ جو بِمَعْنَاهُ کی قید لگائی مفعولِ مطلق کے اندر یہ مفعولِ لہ یعنی تَأْدِيْبًا کو نکالنے کے لیے ہے۔ کس طرح؟ کیا تعریف کی کہ مفعولِ مطلق اِسْمُ مَا یہ اس حدث کا نام ہے جس کو فعلِ مذکور کے فاعل نے کیا ہو، اور تَأْدِيْبًا یہ بھی کیا ہے؟ مصدر ہے یعنی حدث ہے، اور اس کو کس نے کیا ہے؟ فعلِ مذکور کے فاعل ضَرَبَ زَيْدٌ تَأْدِيْبًا اسی زید نے یہ تادیب بھی کی ہے۔ تو تَأْدِيْبًا وہ مصدر ہے جس کو فعلِ مذکور کے فاعل یعنی زید نے کیا ہے، لیکن بِمَعْنَاهُ یہ فعل اس حدث کے معنی میں ہو بھئی، یہ فعل اس اسم کے معنی میں ہو، اور مجھے بتائیے ضَرَبَ تَأْدِيْبًا کے معنی میں ہے؟ ضَرَبَ اور تَأْدِيْبًا کا ایک معنی ہے یا الگ الگ معنی ہے؟ الگ الگ معنی ہے۔ پچھلی مثال میں تھا ضَرَبَ زَيْدٌ ضَرْبًا، وہ ضَرَبَ اسی ضرب کے معنی میں تھا، لیکن یہاں پر ضَرَبَ اس تادیب کے معنی میں نہیں ہے لہٰذا بِمَعْنَاهُ کی قید سے یہ تَأْدِيْبًا نکل گیا۔ تَأْدِيْبًا اگرچہ اس کو بھی فعلِ مذکور کے فاعل نے کیا ہے لیکن فعلِ مذکور اس کے معنی میں نہیں ہے، تو لہٰذا یہ تعریف سے نکل گیا۔ تو مفعولِ مطلق کے لیے کیا ضروری ہے؟ کہ فعلِ مذکور اسی کے معنی میں ہو، اس کا کوئی الگ معنی نہ ہو بھئی۔ حالانکہ یہاں پر ضَرَبَ زَيْدٌ تَأْدِيْبًا اس کے اندر جو ضَرَبَ ہے وہ تو تَأْدِيْبًا کے معنی میں نہیں ہے اس کا تو الگ معنی ہے، تو تَأْدِيْبًا اس مفعولِ مطلق کی تعریف سے نکل گیا کیونکہ یہ فعل اس کا ہم معنی نہیں ہے بھئی۔

بات سمجھ میں آگئی؟ تو کہتے ہیں: وَهُوَ اسْمُ مَا فَعَلَهُ فَاعِلُ فِعْلٍ مَذْكُوْرٍ بِمَعْنَاهُ کہ مفعولِ مطلق نام ہے اس حدث کا جس کو فعلِ مذکور کے فاعل نے کیا ہو، بِمَعْنَاهُ ایسا فعل جو اسی اسم کے ہم معنی ہو، اسی کے معنی میں ہو، یعنی وہ فعل اور اس مصدر کا معنی ایک ہونا چاہیے۔ چلیے بس بھئی، هٰذَا هُوَ الْمَرَامُ وَاللهُ أَعْلَمُ بِحَقِيْقَةِ الْكَلَامِ.

سبق نمبر ۱۱۴: المفعول المطلق (۱): مفعولِ مطلق کی تعریف، وجہِ تسمیہ اور تین فوائد

شرحِ ملا جامی صفحہ: ۸۲ — بتاریخ: ۳۰ نومبر ۲۰۲۱ء

▪ تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث

اچھا بھئی آگے سبق دیکھیے:[۱]

اَلْمَفْعُوْلُ الْمُطْلَقُ سُمِّيَ بِهٖ لِصِحَّةِ إِطْلَاقِ صِيْغَةِ الْمَفْعُوْلِ عَلَيْهِ مِنْ غَيْرِ تَقْيِيْدِهٖ بِالْبَاءِ أَوْ فِيْ أَوْ مَعَ أَوِ اللّٰامِ بِخِلَافِ الْمَفَاعِيْلِ الْأَرْبَعَةِ الْبَاقِيَةِ فَإِنَّهٗ لَا يَصِحُّ إِطْلَاقُ صِيْغَةِ الْمَفْعُوْلِ عَلَيْهَا إِلَّا بَعْدَ تَقْيِيْدِهَا بِوَاحِدَةٍ مِنْهَا فَيُقَالُ الْمَفْعُوْلُ بِهٖ أَوْ فِيْهِ أَوْ مَعَهٗ أَوْ لَهٗ.

بھئی گزشتہ سبق میں ہم نے منصوبات کے بارے میں پڑھنا شروع کیا تھا بھئی۔ اور صاحبِ کافیہ نے آپ کو بتلایا کہ منصوب وہ ہے جو مفعول ہونے کی علامت پر مشتمل ہو بھئی، اور مفعول ہونا عام ہے چاہے حقیقتاً مفعول ہو اور چاہے حکماً مفعول ہو۔ حقیقتاً مفعول ہو جیسے مفاعیلِ خمسہ ہیں بھئی: مفعولِ مطلق، مفعول بہ، مفعول لہ، مفعول معہ اور مفعول فیہ بھئی۔ اور حکماً جو ہیں جیسے کہ تمیز ہے، حال ہے، مستثنیٰ ہے، نیز اسی طرح كَانَ کی جو خبر ہے وہ بھی منصوب ہوتی ہے، إِنَّ کا اسم منصوب ہوتا ہے، لَا نفیِ جنس کا اسم منصوب ہوتا ہے، مَا و لَا مشبّہتین بِلَيْسَ کی جو خبر ہے وہ منصوب ہوتی ہے، اسی طرح افعالِ مقاربہ کی خبریہ منصوبات میں سے ہیں۔ اب حالانکہ یہ سب تو عمدہ ہیں بھئی اور مفعول جو ہے وہ تو فضلہ

[۱]

جدول — مفعولِ مطلق کی تین اقسام اور امثلہ:

قسم	فائدہ	مثال
۱۔ تاکیدی	نفسِ فعل کی تاکید (ہمیشہ مفرد)	ضَرَبْتُ ضَرْبًا
۲۔ نوعی	فعل کی کیفیت و نوع کا بیان	جَلَسْتُ جِلْسَةَ الْعَالِمِ
۳۔ عددی	فعل کی تعداد کا بیان (تثنیہ و جمع ممکن)	ضَرَبْتُ ضَرْبَتَيْنِ / ضَرَبَاتٍ

ہوتا ہے۔ وہ فضلہ ہوتا ہے اور یہ چیزیں جو ذکر ہوئیں كَانَ کی خبر ہے، إِنَّ اور لَا نفیِ جنس کا اسم وغیرہ، یہ تو کلام کے اندر عمدہ واقع ہوتے ہیں یعنی مسند یا مسند الیہ۔ تو یہ بھی حکماً مفعول ہیں، ان پر نصب آ رہا ہے کیونکہ ان کی مشابہت ہے مفعول کے ساتھ تو اس لیے ان کو نصب دیا گیا بھئی۔

اور پھر انہوں نے آپ کو یہ بھی بتلایا کہ مفعول ہونے کی علامتیں چار ہیں بھئی: فتحہ ہے، کسرہ ہے، الف ہے اور یاء ہے بھئی۔ جیسے رَأَيْتُ زَيْدًا وَمُسْلِمَاتٍ وَأَبَاكَ وَمُسْلِمَيْنِ وَمُسْلِمِيْنَ۔ رَأَيْتُ زَيْدًا، یہ زَيْدًا پر جو فتحہ آیا یہ نصب کی علامت ہے۔ اسی طرح رَأَيْتُ مُسْلِمَاتٍ، یہ مُسْلِمَاتٍ جو ہے اس کا نصب کسرہ کے ساتھ آتا ہے، تو یہ جو کسرہ ہے یہ بھی نصب کی یعنی مفعول ہونے کی علامت ہے۔ اسی طرح أَبَاكَ، اسمائے ستہ مکبرہ موحدہ مضافہ الی غیر یاء المتکلم، اس کے ساتھ الف آیا اور یہ الف بھی مفعول ہونے کی علامت ہے۔ اسی طرح مُسْلِمَيْنِ اور مُسْلِمِيْنَ، تثنیہ اور جمع جو ہیں ان کے اندر نصب جو ہے وہ یاء کے ساتھ آتا ہے تو یہ یاء بھی مفعول ہونے کی علامت ہے۔

اس کے بعد صاحبِ کافیہ نے منصوبات کا بیان شروع کرتے ہوئے فرمایا تھا: فَمِنْهُ الْمَفْعُوْلُ الْمُطْلَقُ۔ صاحبِ جامی نے آپ کو بتلایا کہ یہ مِنْهُ کی ہا ضمیر چاہیں تو مَنْصُوْب کو راجع کر دیں اور چاہیں تو مَا اشْتَمَلَ عَلٰى عَلَمِ الْمَفْعُوْلِيَّةِ کو راجع کر دیں۔ مَنْصُوْب جو ہے معرّف ہے جس کی تعریف کی گئی، اور هُوَ مَا اشْتَمَلَ عَلٰى عَلَمِ الْمَفْعُوْلِيَّةِ یہ اس کی تعریف ہے۔ تو آپ چاہیں مِنْهُ کی ہا ضمیر معرّف یعنی مَنْصُوْب کو راجع کر دیں، اور آپ چاہیں تو اس ضمیر کو تعریف یعنی مَا اشْتَمَلَ عَلٰى عَلَمِ الْمَفْعُوْلِيَّةِ کو راجع کر دیں۔

اور پھر اس کے بعد ہم نے مفعولِ مطلق کی تعریف پڑھی تھی بھئی۔ صاحبِ کافیہ نے آپ کو بتلایا کہ وَهُوَ اسْمُ مَا فَعَلَهُ فَاعِلُ فِعْلٍ مَذْكُوْرٍ بِمَعْنَاهُ، کہ مفعولِ مطلق وہ نام ہے اس حدث کا۔ میں نے بتلایا تھا کہ حدث وہ معنی ہے جو غیر کی صفت ہوتا ہے، جس کا اپنا الگ کوئی وجود نہیں، اور یہ اسی مصدر کو کہتے ہیں۔ تو مصدر کا اپنا الگ کوئی وجود نہیں ہوتا، یہ کسی کی صفت بنتا ہے۔ وہ غیر ہے تو اس کا وجود ہے، وہ غیر نہیں تو اس کا اپنا الگ کوئی وجود نہیں۔ جیسے ضَرَبَ زَيْدٌ، زید نے ضرب لگائی۔ زید ہے تو زید کی یہ ضرب بھی ہے، زید نہیں تو زید کی اس ضرب کا بھی کوئی وجود نہیں۔

تو کہتے ہیں مفعولِ مطلق نام ہے اس حدث کا یا یوں کہیں اس مصدر کا جس کو کسی فعل کے فاعل نے کیا ہو۔ جب یہ کہا کسی فعل کے فاعل نے اس حدث کو کیا ہو، اس مصدر کو کیا ہو، تو اس کے اندر سارے مصادر داخل ہو گئے کیونکہ ہر مصدر کو کوئی نہ کوئی کرنے والا ہے۔ مصدر تو غیر کی صفت ہوتی ہے، اس کا تو اپنا الگ کوئی وجود ہوتا ہی نہیں، تو اس میں تمام مصادر داخل ہو گئے۔ لیکن جب آگے مَذْكُوْرٍ کی قید آ گئی جس کو فعلِ مذکور کے فاعل نے کیا ہو، تو اب وہ تمام مصادر نکل گئے جن کا فعل مذکور نہ ہو۔ تو ضَرَبَ زَيْدٌ ضَرْبًا، اب یہ ضَرْبًا اس کے اندر داخل ہے اس لیے کیونکہ اس کو فعلِ مذکور کے فاعل نے کیا ہے۔ فعلِ مذکور کیا ہے؟ ضَرَبَ، اور اس کا فاعل کون ہے؟ زَيْدٌ۔ ضَرَبَ زَيْدٌ ضَرْبًا، یہ ضَرْبًا یہ مفعولِ مطلق

ہے اس لیے کیونکہ اس کو فعلِ مذکور کے فاعل یعنی زید نے کیا ہے۔ ضَرَبَ زَيْدٌ کیا معنی؟ زید نے ضرب لگائی ہے۔ تو زید کا فعل کیا ہے؟ ضرب ہے، تو اس فعل کو کس نے کیا ہے؟ زید نے۔ تو ضَرَبَ زَيْدٌ ضَرْبًا، یہ ضَرْبًا مفعولِ مطلق ہے یعنی یہ وہ مصدر ہے جس کو فعلِ مذکور کے فاعل نے کیا ہے۔

اور پھر آگے ایک اور قید بڑھا دی تھی بِمَعْنَاهُ، اور یہ صفتِ ثانی ہے اس فعل کے لیے۔ وہ فعل جو مذکور ہے اور اس اسم کا ہم معنی ہے، اس مصدر کا ہم معنی ہے۔ دیکھو ضَرَبَ زَيْدٌ ضَرْبًا، یہ ضَرْبًا کیا ہے؟ یہ مفعولِ مطلق ہے، اور یہ جو ماقبل کا فعل ہے دیکھو یہ اسی کے ہم معنی ہے، اسی کا ہم معنی ہے۔ یہاں وہ حدث بھی کون سا ذکر ہے؟ ضرب ذکر ہے، اور ماقبل میں فعل بھی کیا ہے؟ وہی ضرب والا فعل ذکر ہو رہا ہے۔ تو یہ بِمَعْنَاهُ صفت ہے کس کی؟ فِعْلٍ کی، تو وہ فعل جو ہے اس مصدر کے ہم معنی ہو بھئی۔

اور یہ قید اس لیے لگائی کیونکہ مفعول لہ کو وہ نکالنا چاہتے ہیں تعریف سے۔ ضَرَبَ زَيْدٌ تَأْدِيْبًا، زید نے پٹائی کی ادب سکھانے کے لیے۔ دیکھو اب اس کے اندر زید کا فعل ضرب بھی ہے، اور اسی طرح یہ جو تَأْدِيْب ہے، ادب سکھانا، یہ بھی زید ہی کا فعل ہے۔ یہ بھی زید ہی کا فعل ہے۔ تو تَأْدِيْبًا جو ہے یہ مفعول لہ ہے جو ماقبل فعل کی علت بیان کر رہا ہے، اور اس کو کرنے والا بھی وہی فاعل ہے۔ یہ ضرب کس نے لگائی؟ زید نے۔ اور یہ ادب کس نے سکھایا؟ زید نے۔ اور یہ ادب سکھانا کوئی الگ چیز نہیں ہے، وہی ضرب بایں اعتبار کہ اس سے دوسرے کو تکلیف ہو رہی ہے اس کو ضرب کہتے ہیں، اسی فعل کو ضرب کہتے ہیں۔ اور اس، اور بایں اعتبار کہ اسی ضرب سے اس کی اصلاح ہو رہی ہے اور وہ ادب سیکھتا جا رہا ہے، اسی ضرب کو کیا کہیں گے؟ تَأْدِيْب کہیں گے۔ تو ضرب کا فعل بھی کس نے کیا؟ فعلِ مذکور کے فاعل نے، یعنی ضَرَبَ زَيْدٌ، یہ زید نے کیا۔ اور یہ تَأْدِيْب بھی کس کا فعل ہے؟ فعلِ مذکور کے فاعل کا فعل ہے۔ تو جب کہا کہ مفعولِ مطلق وہ اس حدث کا نام ہے جس کو فعلِ مذکور کے فاعل نے کیا ہو، تو اس کے اندر ضَرَبَ زَيْدٌ ضَرْبًا یہ ضرب بھی داخل ہوا کیونکہ اس کو بھی فعلِ مذکور کے فاعل نے کیا ہے، اور ضَرَبَ زَيْدٌ تَأْدِيْبًا، تَأْدِيْبًا بھی داخل ہوا کیونکہ اس کو بھی فعلِ مذکور کے فاعل یعنی زید نے کیا ہے۔ تو اب اس مفعول لہ کو تعریف سے نکالنا چاہتے ہیں کیونکہ مفعولِ مطلق کی تعریف کر رہے ہیں، تو بِمَعْنَاهُ کی قید لگا دی کہ وہ فعل جو ہے اس مصدر کے معنی میں ہو۔

اب دیکھو ضَرَبَ زَيْدٌ ضَرْبًا، یہ ضَرَبَ کس معنی میں ہے؟ آگے آنے والے مصدر ضَرْب کے معنی میں ہے، تو یہ تو اس کے اندر داخل رہا۔ اور ضَرَبَ زَيْدٌ تَأْدِيْبًا، یہ ضَرَبَ کیا تَأْدِيْب کے معنی میں ہے؟ کیا ضَرَبَ کا معنی ادب سکھانا ہے؟ نہیں بھئی، تو یہ جو فعل ہے یہ اس مصدر تَأْدِيْبًا کے معنی میں نہیں، تو لہٰذا مفعول لہ اس تعریف سے خارج ہو گیا۔ کیا بات ہوئی؟ کہ یہ بِمَعْنَاهُ کی قید کس لیے لگائی؟ مفعول لہ کو خارج کرنے کے لیے، کیونکہ مفعولِ مطلق بھی فعلِ مذکور کے فاعل کا فعل ہوتا ہے اور مفعول لہ بھی فعلِ مذکور کے فاعل کا فعل ہوتا ہے، لیکن جب قید لگا دی کہ وہ فعل اس کا ہم معنی ہو تو اب تَأْدِيْبًا

نکل گیا کیونکہ یہ ماقبل میں جو ضَرَبَ فعل ذکر ہوا وہ تو اس کا ہم معنی نہیں ہے۔ بات سمجھ میں آگئی۔ تو مفعولِ مطلق کے لیے کیا ضروری ہے؟ کہ فعلِ مذکور اسی کے معنی میں ہو، اس کا کوئی الگ معنی نہ ہو بھئی۔

اب آئیے آج کے سبق پر بھئی۔ کہتے ہیں: اَلْمَفْعُوْلُ الْمُطْلَقُ سُمِّيَ بِهٖ لِصِحَّةِ إِطْلَاقِ صِيْغَةِ الْمَفْعُوْلِ عَلَيْهِ مِنْ غَيْرِ تَقْيِيْدِهٖ بِالْبَاءِ أَوْ فِيْ أَوْ مَعَ أَوِ اللَّامِ۔ بھئی مفعولِ مطلق، اب اس کی وجہِ تسمیہ ذکر کر رہے ہیں کہ مفعولِ مطلق کو مفعولِ مطلق کیوں کہتے ہیں بھئی؟ مفعولِ مطلق کو مفعولِ مطلق کیوں کہتے ہیں؟ بھئی سب سے پہلے تو یہ یاد رکھو، جتنے مفعول ذکر ہیں یعنی مفاعیلِ خمسہ، ان میں سے حقیقت میں صرف یہ مفعولِ مطلق جو ہے یہ مفعول ہے، باقی مفعول نہیں۔ جتنے مفعول ہیں مفاعیلِ خمسہ ان میں سے صرف یہ مفعولِ مطلق یہ مفعول ہے، باقی مفعول نہیں ہیں۔ یعنی مفعول کا معنی دیکھیں، مفعول کا کیا معنی؟ مفعول، کیا ہوا۔ فَعَلَ کا معنی فعل کرنا، فَاعِل کا معنی فعل کرنے والا، اور مَفْعُوْل وہ جس کو کیا گیا ہے۔ مَفْعُوْلٌ، معنی پہ غور کر رہے ہو مفعول کا کیا معنی؟ جس کو کیا گیا ہے۔ تو یہ جو مفعولِ مطلق ہے حقیقت میں یہی مفعول ہے، باقی مفعول نہیں ہیں۔ یعنی صرف اس پر صیغۂ مفعول کا اطلاق اس پر صرف صحیح ہے بغیر تقیید کے، جبکہ باقی جو مفاعیل ہیں ان پر بِهٖ یا لَهٗ یا فِيْهِ یا مَعَهٗ وغیرہ کی قید لگانا پڑے گی، اس کے بغیر ان پر مفعول کا اطلاق صحیح نہیں، جبکہ اس پر بغیر کسی قید کے مفعول کا اطلاق صحیح ہے۔ ضَرَبَ زَيْدٌ ضَرْبًا، زید نے کیا فعل کیا؟ ضرب والا کیا، تو ضرب وہ فعل ہے جو کیا گیا ہے، جو یعنی ضرب وہ چیز ہے جس کو زید نے کیا ہے، جس کو زید نے وجود دیا ہے۔ تو یہ مفعولِ مطلق یہ اس چیز کا نام ہے جس کو فعل کا فاعل کرتا ہے یعنی اس کو وجود دیتا ہے۔ ضَرَبَ زَيْدٌ، زید نے جب ضرب لگائی تو کس چیز کو وجود دیا؟ ضرب کو وجود دیا، تو زید کا مفعول کیا، زید کا کیا ہوا کیا ہے؟ ضرب ہے۔ توجہ ہے؟ زید نے کیا کیا اور کس چیز کو وجود دیا؟ ضرب کو، تو ضرب جو ہے یہ زید کا مفعول ہے، یہ زید کا کیا ہوا کام ہے۔ جبکہ ضَرَبَ زَيْدٌ عَمْرًا، زید نے عمرو کی پٹائی کی، کیا زید نے عمرو کو وجود دیا ہے؟ تو وجود صرف یہ جو مصدر ہے اس کو وہ جو فاعل ہوتا ہے وہ اس کو وجود دیتا ہے۔ تو حقیقت کے اعتبار سے صرف یہ ہے اس کا مفعول، یہ ہے اس کا کیا ہوا۔ باقیوں پر مفعول کا اطلاق صحیح نہیں بغیر قید کے۔ بات سمجھ میں آگئی۔ تو مفعولِ مطلق جو ہے اس کو مفعولِ مطلق کیوں کہتے ہیں؟ کیونکہ صیغۂ مفعول کا اطلاق صرف اسی پر صحیح ہے، یہی وہ چیز ہے، توجہ سے سنو، یہی وہ چیز ہے جس کو فعلِ مذکور کے فاعل نے کیا ہے اور اس کو وجود دیا ہے، باقی جتنے مفاعیل ہیں ان کو اس نے وجود نہیں دیا بھئی، صرف اس کو وجود دیا ہے۔ جس نے ضَرَبَ کیا اس نے ضرب کو وجود دیا، جس نے شَرِبَ کیا اس نے شرب کو وجود دیا، جس نے أَكَلَ کیا اس نے اکل کو وجود دیا، تو یہی وہ چیز ہے جو عربی زبان کے اعتبار سے جس کو مفعول کہیں یعنی کیا ہوا، فاعل نے یہ کیا ہے بھئی۔ بات سمجھ میں آ۔ تو یہ کیا ہے یعنی اس کو وجود دیا ہے، جبکہ مفعول بہ اس پر تو فاعل کا فعل واقع ہوتا ہے، فاعل اس کو کوئی وجود نہیں دیتا۔ مفعول معہ وہ تو فاعل کے ساتھ فعل میں شریک ہوتا ہے، فاعل اس کو کوئی وجود نہیں دیتا۔ مفعول فیہ، مفعول فیہ تو وہ زمانہ ہے جس کے اندر فاعل نے فعل کیا ہے، فاعل نے کوئی اس مفعول فیہ کو وجود نہیں دیا۔ ہاں مفعول لہ رہ گیا، مفعول لہ وہ ہے جس کو فاعل وجود دیتا ہے۔ ضَرَبَ زَيْدٌ تَأْدِيْبًا، یہ تَأْدِيْب والا فعل بھی

کس نے کیا ہے؟ زید نے کیا ہے، زید نے کیا ہے، لہٰذا یہ بھی زید کا مفعول ہے، زید کا۔ ضَرَبَ زَيْدٌ تَأْدِيْبًا، زید نے ضرب لگائی ادب سکھانے کے لیے، تو یہ ضرب بھی کس کا فعل؟ زید کا، اور یہ ادب سکھانا بھی کس کا فعل؟ زید کا۔ تو یہ مفعول لہ یہ بھی فعلِ مذکور کے فاعل کا کیا ہوا کام ہے یعنی اس کا مفعول ہے، اس کا مفعول ہے۔ معلوم ہوا زید کا کام ضرب بھی ہے، زید کا مفعول ضرب بھی ہے اور زید کا مفعول تَأْدِيْب بھی ہے، تَأْدِيْب بھی ہے۔ لیکن پھر یہ مفعولِ مطلق اور مفعول لہ میں فرق یہ ہے کہ زید کو اس ضرب کی وجہ سے فاعل کہا جا رہا ہے یا تَأْدِيْب کی وجہ سے فاعل کہا جا رہا ہے؟ ضرب کی وجہ سے، ضَرَبَ زَيْدٌ یہ جو ضرب کا فعل ہے اس کے لیے زید فاعل ہے، تو زید کو جو فاعل کہا جا رہا ہے وہ ضرب کے اعتبار سے کہا جا رہا ہے، تَأْدِيْب کے اعتبار سے فاعل نہیں کہا جا رہا بھئی۔ تو زید کا فاعل ہونا اس ضرب کی وجہ سے ہے، تَأْدِيْب کی وجہ سے نہیں۔ کیا بات ہوئی؟ بات یہ چل رہی تھی کہ مفعولِ مطلق کو یہ نام کیوں دیا گیا، تو اس کی وجہ صاحبِ جامی بتا رہے ہیں اس لیے کیونکہ یہ جو مفعولِ مطلق ہے صرف اسی پر مفعول کا لفظ بغیر کسی قید کے بولنا صحیح ہے۔ باقیوں پر بِهٖ یا فِيْهِ یا لَهٗ مَعَهٗ کی قید کے بغیر مفعول کا لفظ بولنا صحیح نہیں۔ کیوں نہیں صحیح باقیوں پر اور اس پر کیوں صحیح ہے؟ میں نے وجہ بتا دی کیونکہ، کیونکہ حقیقت میں فعلِ مذکور کے فاعل نے یہی فعل کیا ہے۔ ضَرَبَ زَيْدٌ ضَرْبًا، فعلِ مذکور کیا؟ ضَرَبَ، اور فاعل کیا؟ زَيْدٌ۔ تو یہ جو فعلِ مذکور کا فاعل زید ہے اس نے حقیقت میں کیا کیا ہے؟ ضرب لگائی ہے، ضرب کو وجود دیا ہے، تو یہ ضرب جو ہے زید کا مفعول ہے یعنی زید کا کیا ہوا کام ہے۔ تو لہٰذا حقیقت میں یہی مفعول ہے، حقیقت میں یہی مفعول ہے، جبکہ مفعول بہ وہ فعلِ مذکور کے فاعل کا کیا ہوا نہیں ہے یعنی اس نے اس کو وجود نہیں دیا، اسی طرح مفعول فیہ اور مفعول معہ وہ بھی فعلِ مذکور کے فاعل کا کیا ہوا یعنی اس کا وجود دیا ہوا وہ نہیں ہے بھئی، فاعل نے ان کو وجود نہیں دیا۔ ہاں صرف مفعول لہ رہ گیا تھا، اس کو تو فعلِ مذکور کے فاعل نے وجود دیا ہے، لیکن وہ بھی نکل جاتا ہے اس لیے کیونکہ کیا کہا؟ فعلِ مذکور کے فاعل نے جس کو، تو فاعل کا فاعل ہونا وہ اس تَأْدِيْب کی وجہ سے نہیں ہے بلکہ ضرب کی وجہ سے ہے اس کا فاعل ہونا۔ ضَرَبَ زَيْدٌ ضَرْبًا، یہ زید فاعل ہے کس کی وجہ سے؟ اس ضرب کی وجہ سے، اگر یہ ضرب نہ ہوتی تو زید فاعل بھی نہ ہوتا بھئی۔ تو فعلِ مذکور کے فاعل کا فاعل ہونا اس ضرب کی وجہ سے ہے، کسی اور چیز کی وجہ سے نہیں ہے بھئی۔ تو لہٰذا اس فاعل کا حقیقت میں فعل کیا ہے؟ ضرب ہی ہے، تَأْدِيْب نہیں، تَأْدِيْب کی وجہ سے، تَأْدِيْب اس کا فعل تو ہے لیکن یہ فاعل تَأْدِيْب کی وجہ سے فاعل نہیں کہلا رہا بلکہ ضرب کی وجہ سے، تو حقیقت میں اس کا فعل کیا ہے؟ ضرب ہی ہے بھئی۔ اب بات سمجھ میں آ گئی۔

تو کہتے ہیں: اَلْمَفْعُوْلُ الْمُطْلَقُ، مفعولِ مطلق جو ہے سُمِّيَ بِهٖ اس کو اس نام کے ساتھ موسوم کیا گیا یعنی اس کا یہ نام مفعولِ مطلق رکھا گیا، لِصِحَّةِ إِطْلَاقِ صِيْغَةِ الْمَفْعُوْلِ عَلَيْهِ مِنْ غَيْرِ تَقْيِيْدِهٖ بِالْبَاءِ أَوْ فِيْ أَوْ مَعَ أَوِ اللَّامِ، اس لیے کیونکہ اس پر مفعول کے صیغے کا اطلاق صحیح ہے بغیر اس کو مقید کیے باء یا فِیْ یا مَعَ یا لام کے ساتھ، کہ اس پر مفعول کے صیغے کا اطلاق صحیح ہے کیونکہ یہ فعل کے فاعل کا کیا ہوا ہے یعنی جس کو فعل کے فاعل نے کیا ہے اور اس کو وجود دیا ہے، جبکہ باقی

مفاعیل ایسے نہیں ہیں، ان کو فعلِ مذکور کے فاعل نے وجود نہیں دیا بھئی۔

بِخِلَافِ الْمَفَاعِيْلِ الْأَرْبَعَةِ الْبَاقِيَةِ، بخلاف باقی کے چار مفاعیل، فَإِنَّهُ لَا يَصِحُّ إِطْلَاقُ صِيْغَةِ الْمَفْعُوْلِ عَلَيْهَا، اس لیے کیونکہ ان کے اوپر مفعول کے صیغے کا اطلاق صحیح نہیں ہے، إِلَّا بَعْدَ تَقْيِيْدِهَا بِوَاحِدَةٍ مِنْهَا، مگر بعد اس کے کہ ان کو مقید کر دیا جائے ان میں سے کسی ایک کے ساتھ یعنی لَهٗ یا فِيْهِ یا مَعَهٗ یا بِهٖ کے ساتھ مقید کرنے کے بعد پھر ان پر مفعول کے صیغے کا اطلاق صحیح ہے۔ فَيُقَالُ الْمَفْعُوْلُ بِهٖ أَوْ فِيْهِ أَوْ مَعَهٗ أَوْ لَهٗ، پس یوں کہا جاتا ہے: مفعول بہ، او فیہ، او معہ، او لہ، یعنی مفعول کے ساتھ کوئی قید لگائی جاتی ہے۔ کبھی مفعول بہ کہتے ہیں، کبھی مفعول فیہ کہتے ہیں، کبھی مفعول معہ کہتے ہیں، اور کبھی مفعول لہ کہتے ہیں۔ تو باقی کے جو مفاعیل ہیں ان کے ساتھ جب تک یہ بِهٖ، فِيْهِ، لَهٗ اور مَعَهٗ کی کوئی قید نہیں لگائیں گے، ان کے اوپر مفعول کا اطلاق صحیح نہیں کیونکہ وہ فاعل کے مفعول نہیں یعنی فاعل نے ان کو وجود نہیں دیا۔ جبکہ مفعولِ مطلق اس کو تو فعلِ مذکور کے فاعل نے وجود دیا ہے، تو اس پر بغیر کسی قید کے بھی مفعول کا لفظ صحیح ہے۔ مفعول کا کیا معنی؟ کیا ہوا، وجود دیا ہوا۔ تو چونکہ اس کو بھی فعلِ مذکور کے فاعل نے کیا ہے اور وجود دیا ہے اس لیے اس کو کیا کہتے ہیں؟ مفعولِ مطلق کہتے ہیں۔

بات سمجھ میں آگئی۔ اس پر آپ کے ذہنوں میں اشکال آئے گا: یہاں تو قید موجود ہے مَفْعُوْلٌ مُطْلَقٌ، مُطْلَق کی قید موجود ہے۔ یہاں پر تو مطلق کی قید موجود ہے اور آپ نے تو ہمیں کیا کہا کہ بغیر کسی قید کے بھی اس کا اطلاق اس مفعول پر صحیح ہے؟ تو جواب یاد رکھنا کہ بھئی یہ باقیوں سے صرف فرق کرنے کے لیے ہے۔ باقیوں میں بِهٖ، لَهٗ، فِيْهِ، مَعَهٗ کی قید تھی، قید تھی، تو اس کے اندر چونکہ کوئی قید نہیں تو اس کی گویا صراحت بھی کر دی کہ مفعولِ مطلق، مطلق کا کیا معنی؟ جس میں کوئی قید نہ ہو بھئی۔ مطلق کا کیا معنی؟ جس میں کوئی قید نہ ہو، تو اس کے ساتھ مطلق کا لفظ یہ بتانے کے لیے، باقیوں سے فرق کرنے کے لیے مطلق کا لفظ لگاتے ہیں کہ اس کے ساتھ بِهٖ، فِيْهِ وغیرہ میں سے کوئی قید موجود نہیں ہے۔ بات سمجھ میں آگئی۔

اب آگے دیکھیے بھئی۔ کہتے ہیں: وَهُوَ أَيِ الْمَفْعُوْلُ الْمُطْلَقُ اسْمُ مَا فَعَلَهٗ فَاعِلُ فِعْلٍ۔ اب یہ تعریف شروع ہو گئی مفعولِ مطلق کی۔ وَهُوَ أَيِ الْمَفْعُوْلُ الْمُطْلَقُ، هُوَ ضمیر کے بعد صاحبِ جامی نے أَيِ الْمَفْعُوْلُ الْمُطْلَقُ کا لفظ نکالا، وہ دراصل اس ضمیر کا مرجع بتلانا چاہتے ہیں کہ هُوَ ضمیر کس کو راجع ہے؟ مفعولِ مطلق کو راجع ہے اور یہ اس کی تعریف کی جا رہی ہے۔ آگے کہا: اسْمُ مَا فَعَلَهٗ فَاعِلُ فِعْلٍ، مفعولِ مطلق وہ نام ہے اس حدث کا۔ میں نے بتلایا کہ مَا سے کیا مراد ہے؟ حدث۔ حدث وہ معنی جو غیر کی صفت ہوتا ہے، یعنی یہ جو مصدر ہے۔ یاد رکھو مصدر کا اپنا الگ کوئی وجود نہیں، یہ ایک معنی کا نام ہے جو غیر کی صفت ہوتا ہے، خارج میں اس کا اپنا الگ کوئی وجود نہیں۔ تو معلوم ہوا مصدر ایک معنی ہے بھئی، کیا ہے؟ معنی ہے جو کسی کی صفت ہوتا ہے، جیسے ضَرَبَ زَيْدٌ، زید نے ضرب لگائی، تو یہ ضرب زید کی صفت ہے۔ ضرب مصدر زید کی صفت ہے کیونکہ اس نے ضَرَبَ کا فعل کیا ہے۔ شَرِبَ عَمْرٌو، عمرو نے شَرِبَ کا فعل کیا ہے تو یہ شرب اب اس کی صفت ہے۔ تو

کہتے ہیں مفعولِ مطلق وہ نام ہے اس حدث کا جس کو کسی فعل کے فاعل نے کیا ہو۔

وَالْمُرَادُ بِفِعْلِ الْفَاعِلِ إِيَّاهُ قِيَامُهُ بِهِ۔ یہاں سے ایک اعتراض کا جواب دے رہے ہیں۔ اعتراض یہ کہ آپ نے ہمیں کیا بتلایا کہ مفعولِ مطلق اس حدث کا نام ہے جو فاعل نے کیا ہو، مفعولِ مطلق اس حدث کا نام ہے جس کو کسی فعل کے فاعل نے کیا ہو۔ معلوم ہوا فاعل نے اس کو وجود دیا ہو۔ جیسے ضَرَبَ زَيْدٌ ضَرْبًا، دیکھو زید نے ضرب والا فعل کیا تو کس چیز کو وجود دیا؟ ضرب کو وجود دیا۔ توجہ ہے؟ ضَرَبَ زَيْدٌ، زید نے کس چیز کو وجود دیا؟ ضرب کو، اگر زید نہ ہوتا تو یہ زید کی ضرب کا وجود تھا؟ نہیں، تو اگر زید نہ ہوتا تو زید کی ضرب کا وجود بھی نہ ہوتا۔ اسی طرح شَرِبَ عَمْرٌو، عمرو نے پانی پیا تو دیکھو یہ شرب عمرو کی صفت ہے۔ عمرو ہے تو یہ عمرو کا شرب بھی ہے، عمرو نہ ہوتا تو عمرو کا شرب بھی نہ ہوتا۔ معلوم ہوا عمرو نے اس شرب کو وجود دیا ہے، اسی طرح زید نے اس ضرب کو وجود دیا ہے۔ تو آپ نے مفعولِ مطلق کی کیا تعریف کی؟ کہ مفعولِ مطلق وہ حدث ہے جس کو کسی فعل کے فاعل نے کیا ہو یعنی فاعل نے اس کو وجود دیا ہو۔ لیکن ہم آپ کو دکھاتے ہیں کہ کئی مفعولِ مطلق ایسے ہیں کہ ان کے فاعل نے ان کو وجود نہیں دیا، کئی مفعولِ مطلق ایسے ہیں کہ ان کے فاعل نے ان کو وجود نہیں دیا، جیسے مَاتَ زَيْدٌ مَوْتًا۔ مَاتَ زَيْدٌ مَوْتًا، زید مر گیا۔ اب یہ مَاتَ زَيْدٌ کے بعد یہ جو مَوْتًا لفظ آرہا ہے یہ مفعولِ مطلق ہے بالاتفاق۔ لیکن یہ مرنے کا فعل زید نے نہیں کیا یعنی یہ مرنے کے فعل کو زید نے وجود نہیں دیا بلکہ اس کو موت کس نے دی ہے؟ اللہ تعالیٰ نے دی ہے۔ تو یہ جو مَوْتًا ہے یہ آپ کی تعریف سے نکل گیا۔ آپ نے تو مفعولِ مطلق کی تعریف کیا کی؟ مفعولِ مطلق اس حدث کا نام ہے جس کو کسی فعل کے فاعل نے کیا ہو بھئی، بلکہ مختصر لفظوں میں یوں کہو کہ مفعولِ مطلق وہ حدث ہے جس کو فاعل نے کیا ہو۔ مفعولِ مطلق وہ حدث ہے جس کو فاعل نے کیا ہو اور مَاتَ زَيْدٌ مَوْتًا، یہ زید فاعل ہے اور یہ مَوْتًا آگے مفعولِ مطلق آرہا ہے لیکن یہ جو مَاتَ کا فعل ہے یہ اس فاعل نے نہیں کیا۔ تو لہٰذا اس مَوْتًا کو تو مفعولِ مطلق نہیں کہنا چاہیے۔

اسی طرح جَسُمَ جَسَامَةً، جیسے جَسُمَ الْفِيْلُ جَسَامَةً۔ جسامت کا معنی ہے بڑے جسم والا ہونا۔ جیسے دیکھو ہاتھی کا جسم بڑا ہے اور بکری کا جسم چھوٹا ہے، تو ہم کہیں گے جَسُمَ الْفِيْلُ جَسَامَةً۔ فیل کا معنی ہاتھی، جَسُمَ الْفِيْلُ جَسَامَةً، ہاتھی بڑے جسم والا ہے۔ اب یہاں پر دیکھو یہ جو جسامت کا لفظ آخر میں آرہا ہے یہ مفعولِ مطلق ہے، اور مفعولِ مطلق کسے کہتے ہیں آپ نے ہمیں کیا بتایا؟ وہ حدث ہے جس کو فاعل نے کیا ہو، حالانکہ یہ فیل نے تو بڑے ہونے کا فعل نہیں کیا۔ جَسُمَ الْفِيْلُ، جَسُمَ کا فاعل کون؟ فیل، لیکن فیل نے تو یہ جسم کے بڑے ہونے والا فعل اس نے تو نہیں کیا، یہ بڑا جسم تو اس کو اللہ تعالیٰ نے عطا فرمایا ہے۔ تو یہاں پر بھی یہ جَسَامَةً مفعولِ مطلق ہے لیکن یہ آپ کی تعریف میں داخل نہیں۔

اور اسی طرح شَرُفَ زَيْدٌ شَرَفًا۔ شرف کا معنی معزز ہونا، تو شَرُفَ زَيْدٌ شَرَفًا، زید معزز ہوا، زید عزت والا ہے، زید معزز ہے۔ اب یہاں پر دیکھو یہ جو شَرَفًا کا لفظ آرہا ہے یہ مفعولِ مطلق ہے، لیکن اس فاعل یہ زید نے یہ شرف والا فعل نہیں کیا،

یہ عزت اس کو اللہ نے نصیب فرمائی ہے۔

اسی طرح فعلِ منفی کے بعد جو مفعولِ مطلق آئے گا وہ بھی اس سے نکل گیا: مَا ضَرَبَ زَيْدٌ ضَرْبًا۔ زید نے پٹائی نہیں کی، آگے دیکھو ضَرْبًا مفعولِ مطلق آرہا ہے۔ تو زید فاعل ہے کس فعل کا؟ مَا ضَرَبَ کا۔ تو ماقبل میں گویا ضَرَبَ کا فعل ذکر ہے زید اس کا فاعل ہے لیکن اس پر حرفِ نفی داخل ہے، تو کیا زید نے یہ ضرب والا فعل کیا ہے یا نہیں کیا؟ زید نے تو یہ ضرب والا فعل نہیں کیا اور آپ نے تو ہمیں کیا کہا؟ مفعولِ مطلق اس حدث کا نام ہے جس کو فاعل نے کیا ہو، حالانکہ اس کو تو فاعل نے نہیں کیا۔ لہٰذا مَا ضَرَبَ زَيْدٌ ضَرْبًا، یہ جو ضَرْبًا آیا اس کو مفعولِ مطلق نہیں کہنا چاہیے حالانکہ بالاتفاق یہ مفعولِ مطلق ہے بھئی۔

اعتراض سمجھ میں آرہا ہے؟ کہ اگر آپ کی مفعولِ مطلق کی تعریف لی جائے تو بہت سے مفعولِ مطلق آپ کی تعریف سے خارج ہو جاتے ہیں۔ تو صاحبِ جامی اب اس کا جواب دیں گے کہ بھئی فاعل کے اس فعل کو کرنے سے مراد یہ ہے کہ وہ فعل فاعل کی صفت ہو اور فاعل کی طرف اس کا اسناد صحیح ہو۔ فاعل کا فعل کو کرنا اس کا یہ معنی نہیں ہے کہ فاعل اس کو وجود دے، جیسے ضَرَبَ زَيْدٌ ضَرْبًا زید نے کیا کیا؟ ضرب کو وجود دیا، شَرِبَ عَمْرٌو شُرْبًا عمرو نے شرب کو وجود دیا، تو یہاں وجود دینا، یہاں فاعل کا فعل کو کرنے سے یہ مراد نہیں ہے کہ فاعل اس فعل کو وجود دے، بلکہ معنی یہ ہے کہ اس فعل کا اس فاعل کے لیے صفت ہونا صحیح ہو اور اس فعل کا اس فاعل کی طرف اسناد صحیح ہو۔ مَاتَ زَيْدٌ مَوْتًا، دیکھو یہ موت کس پر آئی ہے؟ زید پر، تو یہ موت زید کی صفت ہے، تو اس موت کا زید کی صفت ہونا صحیح ہے اور نیز اس موت کا اسناد زید کی طرف صحیح ہے مَاتَ زَيْدٌ کیونکہ یہ موت کس پر آئی ہے؟ زید پر آئی ہے۔ تو فاعل کا فعل کو کرنے سے کیا مراد ہے؟ کہ وہ فعل فاعل کی صفت ہو، وہ فاعل ہے تو وہ صفت بھی ہے، وہ فاعل نہیں تو وہ صفت بھی نہیں، اور نیز اس فاعل کی طرف اس کا اسناد صحیح ہونا چاہیے۔ جیسے مَاتَ زَيْدٌ مَوْتًا، تو یہ موت دیکھو زید کی صفت ہے، زید ہے تو یہ والی زید کی موت بھی ہے، زید نہ ہوتا تو یہ زید کی موت بھی نہ ہوتی بھئی، اور نیز اس مَاتَ کا اسناد زید کی طرف صحیح ہے۔ اسی طرح جَسُمَ الْفِيْلُ جَسَامَةً، یہ ہاتھی ہے تو یہ جَسُمَ کا فعل بھی ہے، ہاتھی نہ ہوتا تو یہ ہاتھی کے بڑے جسم والی صفت بھی نہ ہوتی بھئی، اور نیز جَسُمَ کا اسناد ہاتھی کی طرف صحیح ہے۔ اسی طرح شَرُفَ زَيْدٌ شَرَفًا، زید کا معزز ہونا دیکھو یہ زید کی صفت ہے، زید ہے تو یہ زید کی شرافت بھی ہے، زید نہیں تو زید کی شرافت بھی نہیں، اور نیز شَرُفَ کا اسناد بھی زید کی طرف صحیح ہے۔ تو کیا معنی ہوا؟ فاعل کا فعل کو کرنے سے مراد کیا ہے؟ فاعل کا فعل کو کرنے سے مراد یہ نہیں ہے کہ فاعل اس کو وجود دے، اس کو اپنے اختیار سے کرے، بلکہ معنی یہ ہے کہ وہ فعل اس فاعل کی صفت بن سکے اور فاعل کی طرف اس کا اسناد صحیح ہو، بس اتنا کافی ہے، اس کو اپنے اختیار سے کرنا ضروری نہیں ہے۔ بات سمجھ میں آگئی۔

اور نیز وہ جو فعلِ منفی کا اعتراض ہوا تھا مَا ضَرَبَ زَيْدٌ ضَرْبًا، اس کے اندر تو زید نے ضرب نہیں لگائی اور آپ نے تو ہمیں کیا کہا مفعولِ مطلق کسے کہتے ہیں جس کو فاعل نے کیا ہو بھئی، تو یہاں تو زید نے ضرب والا فعل نہیں کیا، تو جواب گزر

گیا کہ معنی یہ ہے کہ فاعل کی طرف اس فعل کا اسناد صحیح ہو، اور پھر چاہے وہ اسناد ایجابی ہو یا سلبی ہو یعنی اس میں ایک چیز کا اثبات ہو یا ایک چیز کی نفی ہو، اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔

تو کہتے ہیں: وَالْمُرَادُ بِفِعْلِ الْفَاعِلِ إِيَّاهُ اور مراد جو ہے بِفِعْلِ الْفَاعِلِ، فاعل کا کرنا إِيَّاهُ اس حدث کو۔ توجہ ہے؟ بھئی تعریف میں کیا آیا؟ مَا فَعَلَهُ فَاعِلُ فِعْلٍ جس کو فعل کے فاعل نے کیا ہو، کیا ہو، یہ کرنے کا کیا معنی کہ اس نے کیا ہو؟ کہتے ہیں وَالْمُرَادُ بِفِعْلِ الْفَاعِلِ إِيَّاهُ اور فاعل کا اس کو کرنے سے مراد جو ہے قِيَامُهُ بِهِ کہ وہ فعل اس کے ساتھ قائم ہو یعنی اس کی صفت ہو، بِحَيْثُ يَصِحُّ إِسْنَادُهُ إِلَيْهِ اس طور پر کہ اس کی طرف اس کا اسناد صحیح ہو۔ یہ ضروری نہیں کہ اس نے اس کو اپنے اختیار سے کیا ہو بھئی۔ لَا أَنْ يَكُوْنَ مُؤَثِّرًا فِيْهِ، اس سے یہ مراد نہیں ہے کہ وہ جو فاعل ہے وہ اس حدث کے اندر مؤثر ہو، مُوْجِدًا إِيَّاهُ اس کو وجود دینے والا ہو۔ اس سے یہ مراد نہیں، کیونکہ مَاتَ زَيْدٌ میں زید نے کوئی موت کو وجود نہیں دیا، ہاں موت زید کی صفت ہے، اس کے ساتھ قائم ہے اور اس کا اسناد زید کی طرف صحیح ہے۔ فَلَا يَرِدُ عَلَيْهِ لہٰذا اس تعریف پر یہ اعتراض وارد نہیں ہوتا، مِثْلُ مَاتَ مَوْتًا وَجَسُمَ جَسَامَةً وَشَرُفَ شَرَفًا، تو اس تعریف پر مَاتَ مَوْتًا، جَسُمَ جَسَامَةً اور شَرُفَ شَرَفًا جیسا اعتراض وارد نہیں ہوتا۔

وَإِنَّمَا زِيْدَ لَفْظُ الِاسْمِ لِأَنَّ مَا فَعَلَهُ الْفَاعِلُ۔ بھئی سوال پیدا ہوا کہ یہ تعریف کے اندر اسم کا لفظ کیوں بڑھایا؟ کہ مفعولِ مطلق وہ اس حدث کا نام ہے۔ تو یہ اسم کا لفظ کیوں بڑھایا؟ مختصر تعریف کرتے اور یوں کہتے کہ مفعولِ مطلق وہ حدث ہے، اور انہوں نے کیا کہا یہ اس حدث کا نام ہے۔ تو آپ کو صاحبِ جامی وجہ بتلائیں گے۔ بھئی وجہ یہ کہ وہ جو حدث ہے وہ تو معنی ہے بھئی۔ زید نے خارج میں اور واقع میں کسی کو ضرب لگائی تو وہ ضرب کس کی صفت ہے؟ زید کی صفت ہے، اور وہ معنی کا نام ہے جو زید کی صفت ہے۔ یہ جو زبان سے میں کہہ رہا ہوں ضَرَبَ زَيْدٌ ضَرْبًا، یہ والا ضرب زید کی صفت نہیں ہے، یہ تو لفظ کا نام ہے اور یہ لفظ تو وہ ہے جو میں زبان سے ادا کر رہا ہوں، یہ تو میری صفت ہے، یہ جو زبان سے میں نے لفظ بولا یہ تو زید کی صفت نہیں۔ زید کی صفت تو کیا ہے؟ وہ جو اس نے خارج کے اندر ضرب والا فعل کیا ہے، تو وہ ضرب فعل اب اس کی صفت ہے اور وہ معنی ہے، وہ لفظ کا نام نہیں ہے۔ بات سمجھ میں آ رہی ہے؟ تو وہ جو حدث ہوتا ہے وہ معنی کا نام ہے۔ میں نے آپ کو بتلایا حدث یعنی مصدر وہ ایک معنی کا نام ہے، خارج میں اس کا وجود نہیں ہوتا، تو جب وہ معنی کا نام ہے تو اب تعریف کس کی چل رہی ہے؟ مفعولِ مطلق کی۔ اور مفعولِ مطلق کے بارے میں نحوی بحث کرتا ہے، اور نحوی جو ہے وہ معنی سے بحث نہیں کرتا، عربی کے الفاظ سے بحث کرتا ہے۔ تو اگر اسم کا لفظ نہ ہوتا تو پھر اشکال ہونا تھا کہ مفعولِ مطلق وہ تو معنی کا نام ہے بھئی، اور نحوی تو لفظوں کے بارے میں بحث کرتا ہے، تو پھر نحوی اس کے بارے میں کیسے بحث کرتا ہے جب یہ لفظ ہی نہیں ہے؟ تو بتلا دیا کہ نہیں بھئی، وہ جو حدث ہے اس کا نام مفعولِ مطلق ہے، اس کا۔ تو اسی لیے کہا اِسْمُ مَا اس حدث کا اسم جو ہے مفعولِ مطلق ہے، اور مفعولِ مطلق جب اسم ہے تو

یہ لفظ ہوا اور نحوی بھی کس کے بارے میں بحث کرتے ہیں؟ لفظوں کے بارے میں۔ نحوی لفظوں کے بارے میں بحث کرتا ہے نا کہ عربی زبان کے الفاظ کو آپس میں جوڑنا کیسے ہے، اور مفرد کسے کہتے ہیں، مرکب کسے کہتے ہیں، جملہ کیسے بنتا ہے، موصوف صفت کیسے بنتے ہیں، پھر اعراب کے بارے میں بتلاتا ہے، رفع کہاں پڑھنا ہے، نصب کہاں پڑھنا ہے، جر کہاں پڑھنا ہے، تو یہ دیکھو یہ ساری لفظوں کی بحث ہے۔ اور اگر آپ اسم کا لفظ تعریف میں نہیں بڑھائیں گے تو پھر تو خرابی کیا لازم آئے گی؟ معلوم ہوا مفعولِ مطلق وہ حدث ہے اور حدث تو معنی ہے، جب وہ معنی ہے تو نحوی اس کے بارے میں بحث کیسے کرتا ہے حالانکہ نحوی تو بحث کرتا ہے مفعولِ مطلق کے بارے میں۔ تو صاحبِ کافیہ نے اس کا گویا جواب دے دیا کہ اس حدث کا نام مفعولِ مطلق ہے، وہ حدث نہیں مفعولِ مطلق بلکہ اس کا نام مفعولِ مطلق ہے بھئی۔

تو کہتے ہیں: وَإِنَّمَا زِيْدَ لَفْظُ الِاسْمِ، اور کہتے ہیں اسم کا لفظ تعریف کے اندر بڑھایا گیا، لِأَنَّ مَا فَعَلَهُ الْفَاعِلُ هُوَ الْمَعْنٰى، اس لیے کیونکہ وہ حدث جس کو فاعل نے کیا ہے هُوَ الْمَعْنٰى وہ تو معنی ہے بھئی، حدث تو معنی کا نام ہے، وَالْمَفْعُوْلُ الْمُطْلَقُ مِنْ أَقْسَامِ اللَّفْظِ، اور مفعولِ مطلق جو ہے وہ تو لفظ کی اقسام میں سے ہے۔

وَيَدْخُلُ فِيْهِ الْمَصَادِرُ كُلُّهَا، کہتے ہیں اس کے اندر سارے مصادر داخل ہو رہے ہیں بھئی۔ ابھی تک جو تعریف کی کہ مفعولِ مطلق جو ہے اِسْمُ مَا وہ نام ہے اس حدث کا جس کو کسی فعل کے فاعل نے کیا ہو، یعنی مختصر لفظوں میں کہو جس کو فاعل نے کیا ہو۔ مفعولِ مطلق وہ نام ہے اس حدث کا جس کو فاعل نے کیا ہو، تو سارے مصادر اس کے اندر داخل ہو گئے کیونکہ ہر مصدر کے لیے کوئی فاعل چاہیے، بغیر فاعل کے مصدر کا وجود نہیں۔ ضرب کے لیے ہمیشہ کیا چاہیے؟ ضارب، ضارب نہیں تو ضرب بھی نہیں۔ شرب کے لیے ہمیشہ کیا چاہیے؟ شارب چاہیے، شارب نہیں تو شرب بھی نہیں۔ تو فاعل تو ہر مصدر کے لیے کوئی نہ کوئی ہوتا ہے، تو جب کہا کہ مفعولِ مطلق وہ اس حدث کا نام ہے جس کو فاعل نے کیا ہو، تو سارے مصادر اس کے اندر داخل ہو گئے۔ چاہے وہ عبارت کے اندر مرفوع آرہے ہیں، چاہے منصوب ہیں، چاہے مجرور ہیں، جو بھی اعراب ان پر آرہا ہو، وہ سب کیا ہیں؟ ان کو کسی فاعل نے کیا ہے، بغیر فاعل کے تو ان کا وجود نہیں، تو وہ بھی مفعولِ مطلق کی تعریف میں داخل ہو گئے۔

اب آگے مَذْكُوْرٍ کی قید کے ذریعے باقی مصادر کو نکال دیں گے۔ تو کہتے ہیں: وَيَدْخُلُ فِيْهِ الْمَصَادِرُ كُلُّهَا، اور اس کے اندر داخل ہو جاتے ہیں تمام مصادر۔ مَذْكُوْرٍ صِفَةٌ لِلْفِعْلِ، یہ صفت ہے فعل کی، یعنی وہ فعل مذکور ہونا چاہیے۔ پھر تعریف دیکھیں: هُوَ اسْمُ مَا فَعَلَهُ فَاعِلُ فِعْلٍ مَذْكُوْرٍ، مفعولِ مطلق وہ نام ہے اس حدث کا جس کو فعلِ مذکور کے فاعل نے کیا ہو۔ اب جب یہ فعل کے ساتھ مَذْكُوْرٍ کی صفت آگئی تو اب باقی سارے مصادر نکل گئے جن کے ساتھ ان کا فعل مذکور نہیں ہوتا۔ مثلاً آگے ایک مثال ذکر کریں گے: اَلضَّرْبُ وَاقِعٌ عَلٰى زَيْدٍ۔ وہ ضرب جو ہے، کسی مخصوص ضرب کی طرف اشارہ کیا،

مثلاً آپ میں اور ساتھی کے درمیان ایک ضرب کی بات چل رہی تھی کہ آج کسی کو استاد نے مارا ہے، لیکن کس کو مارا ہے پتہ نہیں۔ تو آپ کو اطلاع مل گئی کہ کس کی پٹائی ہوئی ہے، تو اب آپ اپنے اس ساتھی کو بتاتے ہیں: اَلضَّرْبُ وَاقِعٌ عَلٰی زَیْدٍ، وہ ضرب زید پر واقع ہو رہی ہے، مثلاً ابھی بھی ضرب لگ رہی ہے۔ اب اس جملے کے اندر دیکھو اَلضَّرْبُ مصدر آیا اور یہ ابتدا ہے، ابتدا ہے اور یہ تو مفعولِ مطلق نہیں ہے۔ تو یہ ضرب یہ بھی تعریف کے اندر داخل ہو رہا ہے کیونکہ یہ ضرب اس کو بھی کسی نہ کسی فاعل نے کیا ہے۔ اس کو مفعولِ مطلق کی تعریف میں داخل ہونا چاہیے یا خارج ہونا چاہیے؟ خارج ہونا چاہیے کیونکہ یہ تو ابتدا ہے، مفعولِ مطلق تو منصوب ہوتا ہے۔ تو جب مَذْکُوْرٍ کی قید لگائی تو اب یہ ضرب بھی نکل گیا تعریف سے، اس لیے کیونکہ مفعولِ مطلق کا فعل مذکور ہوتا ہے اور اَلضَّرْبُ وَاقِعٌ عَلٰی زَیْدٍ یہاں تو ضرب کا کوئی فعل مذکور نہیں ہے، نہ لفظوں میں ذکر ہے اور نہ تقدیراً نکالنے کی حاجت ہے۔ تو مَذْکُوْرٍ کی قید سے پہلے سارے مصادر تعریف میں داخل تھے، اور مَذْکُوْرٍ کی قید لگائی تو وہ سارے تعریف سے نکل گئے۔

تو کہتے ہیں: مَذْکُوْرٍ صِفَةٌ لِلْفِعْلِ، یہ مَذْکُوْرٍ جو ہے صفت ہے فعل کی، وَهُوَ أَعَمُّ مِنْ أَنْ يَكُوْنَ۔ یہاں سے تعمیم کر رہے ہیں بھئی کہ مذکور ہونے سے مراد یہ نہیں ہے کہ باقاعدہ لفظوں کے اندر وہ فعل ذکر ہو، بلکہ مذکور ہونا عام ہے، چاہے حقیقتاً لفظوں میں فعل ذکر ہو جیسے ضَرَبْتُ ضَرْبًا، یہاں ضَرْبًا کے لیے ضَرَبْتُ باقاعدہ لفظوں میں حقیقتاً مذکور ہے، اور یا پھر اس کا فعل حکماً مذکور ہو، حکماً مذکور ہو۔ اور حکماً مذکور ہونے کی دو صورتیں ذکر کریں گے، کہ کبھی فعل مقدر ہو گا اور کبھی فعل اسم کی صورت میں ہو گا، کس کی صورت میں؟ اسم کی صورت میں۔ فعل لفظوں میں نہیں ہے بلکہ مقدر ہے جیسے اللہ تعالیٰ کا قول ہے: فَضَرْبَ الرِّقَابِ بھئی، فَضَرْبَ الرِّقَابِ۔ دیکھو یہ ضَرْبَ الرِّقَابِ یہ مفعولِ مطلق ہے، منصوب ہے بھئی، منصوب ہے، اور اس کا فعل مقدر ہے بھئی، أَيْ فَاضْرِبُوْا ضَرْبَ الرِّقَابِ، پس تم لوگ گردنیں مارو، یعنی کفار سے اگر تمہارا سامنا ہو جائے اور ان سے جنگ کی نوبت آئے تو ان کا مقابلہ کرو، ان کو قتل کرو بھئی۔ معنی سمجھ میں آگیا۔ تو دیکھو فَضَرْبَ الرِّقَابِ یہ اب مفعولِ مطلق ہے، لفظوں میں تو فعل مذکور نہیں لیکن تقدیراً فعل موجود ہے یہاں پر، تو مذکور ہونا عام ہے چاہے حقیقتاً فعل مذکور ہو چاہے حکماً فعل مذکور ہو۔ تو دیکھو فَضَرْبَ الرِّقَابِ اس کا فعل مقدر ہے تو گویا حکماً اس کا فعل بھی مذکور ہے۔ اور اسی طرح کبھی کبھار فعل لفظوں میں آتا ہی نہیں بلکہ صفت کا صیغہ آجاتا ہے اور اس سے آگے مفعولِ مطلق آجاتا ہے، جیسے زَیْدٌ ضَارِبٌ ضَرْبًا۔ زَیْدٌ ابتدا ہے، ضَارِبٌ یہ خبر ہے، یہ اسمِ فاعل کا صیغہ ہے اور آگے اسی سے ضَرْبًا مفعولِ مطلق آ گیا۔ تو یہاں پر بھی اشکال ہوتا ہے کہ بھئی یہاں تو فعل مذکور نہیں، نہ لفظاً ہے نہ تقدیراً ہے، کہتے ہیں نہیں بھئی یہاں پر بھی حکماً فعل مذکور ہے اس لیے کیونکہ یہ ضَارِبٌ، یہ ضَارِبٌ اسمِ فاعل ہے اور اسمِ فاعل بھی کس کے معنی میں ہوتا ہے؟ فعل کا معنی ہی یہ ادا کرتا ہے، تو لہٰذا گویا فعل حکماً یہاں بھی مذکور ہے۔ بات سمجھ میں آگئی۔

کہتے ہیں: وَهُوَ أَعَمُّ مِنْ أَنْ يَكُوْنَ مَذْكُوْرًا حَقِيْقَةً كَمَا إِذَا كَانَ مَذْكُوْرًا بِعَيْنِهٖ، اور فعل کا مذکور ہونا عام ہے کہ وہ مذکور ہو حقیقتاً، كَمَا إِذَا كَانَ مَذْكُوْرًا بِعَيْنِهٖ جیسے کہ فعل مذکور ہو بِعَيْنِهٖ اپنی ذات کے اعتبار سے یعنی لفظوں کے اعتبار سے ہی، نَحْوُ ضَرَبْتُهٗ ضَرْبًا، دیکھا اس کے اندر ضَرَبْتُ فعل باقاعدہ لفظوں میں مذکور ہے۔ أَوْ حُكْمًا، یا وہ اس کا مذکور ہونا حکماً ہو، كَمَا إِذَا كَانَ مُقَدَّرًا جیسے کہ فعل مقدر ہو، نَحْوُ فَضَرْبَ الرِّقَابِ جیسے ضَرْبَ الرِّقَابِ بھئی اس کا فعل مقدر ہے أَيِ اضْرِبُوْا ضَرْبَ الرِّقَابِ۔ أَوِ اسْمًا، یہ اسْمًا کا عطف ہے مُقَدَّرًا پر، حکماً کی دو صورتیں ذکر کر رہے ہیں کہ وہ فعل حکماً مذکور ہو گا اور حکماً مذکور ہونے کی دو صورتیں ہیں، کون سی؟ کہ یا تقدیراً ہو گا یا اسم کی صورت میں ہو گا۔ أَوِ اسْمًا یا ایسا اسم ہو گا فِيْهِ مَعْنَى الْفِعْلِ جس کے اندر فعل والا معنی ہو۔ اِسْمًا بھئی یہ نکرہ آیا اور میں نے آپ کو بتلایا تھا نکرہ کے بعد جملہ آئے تو وہ عموماً اس کی صفت بنتا ہے، تو یہاں اِسْمًا ہے نکرہ اور فِيْهِ مَعْنَى الْفِعْلِ یہ پورا جملہ اسمیہ اس کے بعد آیا۔ فِيْهِ ہے خبرِ مقدم، اور مَعْنَى الْفِعْلِ مضاف مضاف الیہ مل کر مبتدا مؤخر، مبتدا اپنی خبر سے مل کر جملہ اسمیہ ہو کر یہ صفت ہے اِسْمًا کی، اور موصوف صفت کا ترجمہ کیسے کرتے ہیں؟ موصوف سے پہلے ایسا یا ایسی کا لفظ لے آتے ہیں۔ تو کہتے ہیں: أَوِ اسْمًا فِيْهِ مَعْنَى الْفِعْلِ یا وہ ایسا اسم ہو جس کے اندر فعل والا معنی ہو، نَحْوُ ضَارِبٌ ضَرْبًا۔ یہاں تک بات سمجھ میں آگئی کہ مذکور ہونا عام ہے چاہے حقیقتاً ہو چاہے حکماً، اور حکماً پھر چاہے تقدیراً ہو یا اسم کی صورت میں ہو بھئی۔

وَخَرَجَ بِهِ الْمَصَادِرُ الَّتِيْ لَمْ يُذْكَرْ فِعْلُهَا، اور نکل گئے اس سے وہ مصادر جن کا فعل مذکور نہیں ہوتا، لَا حَقِيْقَةً وَلَا حُكْمًا نہ تو حقیقتاً فعل مذکور ہوتا ہے اور نہ حکماً بھئی، نَحْوُ اَلضَّرْبُ وَاقِعٌ عَلٰى زَيْدٍ، جیسے اس کے اندر یہ جو اَلضَّرْبُ ہے اس کا فعل نہ حقیقتاً ہے اور نہ حکماً ہے اس لیے کیونکہ یہ مبتدا ہے، اس کے لیے کسی فعل کے یہاں مقدر نکالنے کی حاجت ہی نہیں ہے، تو لفظوں میں بھی فعل نہیں اور تقدیراً بھی نہیں بھئی۔ اَلضَّرْبُ وَاقِعٌ عَلٰى زَيْدٍ، وہ ضرب زید پر واقع ہو رہی ہے۔

بِمَعْنَاهُ صِفَةٌ ثَانِيَةٌ لِلْفِعْلِ۔ کہتے ہیں بِمَعْنَاهُ یہ دوسری صفت ہے فعل کے لیے۔ پہلی صفت کیا تھی؟ مَذْكُوْرٍ، اور دوسری کیا ہے؟ بِمَعْنَاهُ، بِمَعْنَاهُ۔ اور بِمَعْنَاهُ کی ہا ضمیر جو ہے وہ اِسْم جو پیچھے آیا تھا تعریف کے اندر اس کو راجع کر دیں یا وہ جو مَا آیا تھا اس کی طرف راجع کر دیں۔ وہ مَا کون ہے؟ مسمیٰ ہے۔ ایک اسم ہوتا ہے ایک مسمیٰ، جیسے ایک زید ہے ایک زید کی ذات ہے۔ تو لفظِ زید یہ ہوا اسم، اور جیسے ہی میں نے لفظِ زید زبان سے کہا آپ کے ذہن میں فوراً زید کی صورت آگئی، دیکھا وہ مسمیٰ جو ہے اس کی صورت آپ کے ذہن میں آگئی۔ تو زید اور ہے اور اس کا نام اور ہے، اسم اور چیز ہے مسمیٰ اور چیز ہے۔ تو یہاں پر بھی بِمَعْنَاهُ کی ہا ضمیر یا تو اس اسم کو راجع کر دیں یا مَا کو راجع کر دیں، اور وہ فعل جو ہے اس اسم کے معنی میں ہو، وہ جو مفعولِ مطلق ذکر ہو رہا ہے آگے، یہ فعل کیا ہو؟ یہ فعل اس کا ہم معنی ہو۔ جیسے ضَرَبَ زَيْدٌ ضَرْبًا، ضَرَبَ زَيْدٌ ضَرْبًا، یہ ضَرْبًا یہ ہے وہ حدث جو کس نے کیا ہے؟ فعلِ مذکور کے فاعل نے، اور فعل کیا ذکر ہے؟ ضَرَبَ، اور یہ ضَرَبَ اس اسم یعنی ضَرْبًا کا ہم معنی ہے، دونوں کا معنی ایک ہی ہے بھئی۔ بات سمجھ میں آ رہی ہے؟ تو بِمَعْنَاهُ کیا ترجمہ؟ کون کس

کے معنی میں ہو؟ مصدر اس فعل کے معنی میں نہیں، یہ نہیں کہہ رہے، وہ فعل بِمَعْنَاهُ اس مصدر کے معنی میں ہو۔ توجہ ہے؟ وہ جو فعل ہے یہ فعل کی صفت ہے نا، وہ ایسا فعل، فِعْلٍ مَذْكُوْرٍ بِمَعْنَاهُ، ایسا فعل جو مذکور ہو اور جو اس اسم کے معنی میں ہو، تو ضَرَبَ زَيْدٌ ضَرْبًا، یہ ضَرْبَ کس معنی میں ہے؟ ضرب مصدر کے معنی میں ہے بھئی۔

تو کہتے ہیں: صِفَةٌ ثَانِيَةٌ لِلْفِعْلِ یہ صفتِ ثانیہ ہے فعل کے لیے۔ وَلَيْسَ الْمُرَادُ بِهٖ، یہاں اب ایک اعتراض ہوتا ہے اس کا جواب دے رہے ہیں۔ اعتراض یہ کہ آپ نے ہمیں کیا کہا؟ کہ وہ فعل اس حدث کے یا اس مصدر کے معنی میں ہو، ضَرَبَ زَيْدٌ ضَرْبًا یعنی یہ ضَرْبَ کس کے معنی میں ہو؟ ضرب کے معنی میں ہو۔ کہتے ہیں نہیں بھئی ضَرَبَ ضرب کے معنی میں نہیں ہو سکتا اس لیے کیونکہ ضرب مصدر ہے، اور فعل، فعل کا معنی تو مرکب ہوتا ہے تین چیزوں سے: ایک مصدر، ایک زمانہ، اور ایک نسبت الی الفاعل۔ ایک مصدر، ایک زمانہ اور ایک نسبت الی الفاعل، تو فعل کے مفہوم میں تین چیزیں ہوتی ہیں، ان میں سے ایک چیز مصدر ہے یعنی ضرب ہے، تو معلوم ہوا فعل ضرب کے معنی میں نہیں ہے بلکہ ضرب فعل کا جز ہے بھئی۔ توجہ ہے؟ اور آپ نے تو ہمیں کیا کہا کہ وہ فعل اس اسم یعنی اس مصدر کے، یعنی یوں کہو فعل اس مفعولِ مطلق کے معنی میں ہو، یوں کہو آسان لفظوں میں۔ فعل کو کیا ہونا چاہیے؟ مفعولِ مطلق کے معنی میں ہونا چاہیے، حالانکہ مفعولِ مطلق تو مصدر ہے، مصدر تو اکیلا ہے اور فعل کے اندر مصدر بھی ہے، زمانہ بھی ہے اور نسبت الی الفاعل بھی ہے، تو فعل اس مصدر کے معنی میں ہے یا یہ مصدر اس فعل کا جز ہے بھئی؟ یہ مصدر اس فعل کا جز ہے، فعل تو اس کے معنی میں نہیں ہو سکتا، فعل کل ہے اور مصدر جز ہے بھئی، دونوں میں فرق ہے۔ تو صاحبِ جامی آپ کو بتلائیں گے بھئی کہ فعل کے اس کے معنی میں ہونے کا یہ معنی نہیں ہے کہ دونوں کا معنی ایک ہو، بلکہ معنی یہ ہے کہ فعل اس کے معنی پر اسی طرح مشتمل ہو جس طرح کل جز پر مشتمل ہوتا ہے۔ فعل اس مفعولِ مطلق کے معنی پر اسی طرح مشتمل ہو جس طرح کل جز پر مشتمل ہوتا ہے، اور ضَرَبَ یہ ضرب کے معنی پر مشتمل ہے یا نہیں؟ اور ضرب اس کا جز ہے کہ نہیں؟ تو دیکھو فعل مشتمل ہے ضرب یعنی اس مصدر کے معنی پر جیسے کل کس پر مشتمل ہوتا ہے؟ جز پر۔ جیسے آپ دیکھیں کسی سے کہتے ہیں، اردو میں بھی آپ استعمال کرتے ہیں اشتمالِ کل علی الجز: آپ کہتے ہیں کہ یہ کتاب دس ابواب پر مشتمل ہے۔ کیا معنی؟ یعنی یہ کتاب ہے کل اور اس کے اندر دس باب ہیں تو دس باب ہوئے اس کے جز۔ تو کس طرح بولتے ہیں، کس طرح کہتے ہیں اردو میں؟ یہ کتاب دس ابواب پر مشتمل ہے، دیکھا کل کے لیے، کل جز پر مشتمل ہوتا ہے اور یہ اردو میں بھی ہم استعمال کرتے ہیں۔ یا دوسری مثال لے لو، آپ کسی سے کہتے ہیں یہ چائے خالص دودھ پر مشتمل ہے، اب دیکھو معلوم ہوا خالص دودھ اس چائے کا جز ہے۔ اسی طرح کہتے ہیں کہ قرآن جو ہے تیس پاروں پر مشتمل ہے، معلوم ہوا قرآن کل ہے اور تیس پارے اس کا جز ہیں۔ تو یہاں پر بھی اسی طرح ہے، فعل کا اس مصدر کے ہم معنی ہونے کا مطلب یہ ہے کہ فعل اس کے معنی پر مشتمل ہو اسی طرح جس طرح کل مشتمل ہوتا ہے جز پر، تو یہاں پر بھی فعل اس کے معنی پر مشتمل

ہے بھئی اور مصدر جو ہے وہ اس فعل کے معنی کا جز ہے۔ بات سمجھ میں آگئی۔

تو کہتے ہیں: وَلَيْسَ الْمُرَادُ بِهٖ اور اس سے یہ مراد نہیں ہے کہ أَنَّ الْفِعْلَ كَائِنٌ بِمَعْنٰى ذٰلِكَ الِاسْمِ، كَائِنٌ أَيْ ثَابِتٌ، كَائِنٌ کی جگہ ذرا ثَابِتٌ لے آئیں پھر بات آپ کو اچھی طرح سمجھ میں آئے گی۔ کہتے ہیں وَلَيْسَ الْمُرَادُ بِهٖ، یہ جو انہوں نے کہا نا کہ فعل اس اسم کا ہم معنی ہو، فعل اس مصدر کا ہم معنی ہو، کہتے ہیں وَلَيْسَ الْمُرَادُ بِهٖ اس سے یہ مراد نہیں ہے کہ أَنَّ الْفِعْلَ كَائِنٌ بِمَعْنٰى ذٰلِكَ الِاسْمِ کہ وہ فعل ثابت ہو اس اسم کے معنی میں، اس اسم سے کیا مراد ہے؟ وہ مصدر، مصدر، اس سے یہ مراد نہیں ہے کہ وہ فعل اس مصدر کے معنی میں ثابت ہو۔ فَإِنَّ مَعْنَى الِاسْمِ جُزْءُ مَعْنَاهُ، فَإِنَّ یہاں جو یہ فا آئی، یہ فا کبھی کبھار علت بیان کرنے کے لیے لاتے ہیں اور پھر اس کا ترجمہ کیونکہ یا اس وجہ سے کے ساتھ کیا جاتا ہے، تو یہاں پر بھی یہ فا کیا بیان کر رہی ہے؟ علت، کہ اس کا یہ معنی نہیں ہے کہ فعل اس اسم کے یعنی اس مصدر کے معنی میں ہو، کیونکہ فَإِنَّ مَعْنَى الِاسْمِ جُزْءُ مَعْنَاهُ اس لیے کیونکہ وہ جو اسم کا معنی ہے یعنی وہ جو مصدر کا معنی ہے جُزْءُ مَعْنَاهُ وہ فعل کے معنی کا جز ہے بھئی۔ تو پھر کیا مراد ہے جب یہ مراد نہیں؟ کہتے ہیں: بَلِ الْمُرَادُ بلکہ مراد یہ ہے کہ أَنَّ مَعْنَى الْفِعْلِ مُشْتَمِلٌ عَلَيْهِ کہ فعل کا معنی اس مصدر کے معنی پر مشتمل ہے اِشْتِمَالَ الْكُلِّ عَلَى الْجُزْءِ جس طرح کل مشتمل ہوتا ہے جز پر۔

فَخَرَجَ بِهٖ مِثْلُ تَأْدِيْبًا فِيْ قَوْلِكَ، پس تَأْدِيْبًا جیسے لفظ نکل گئے فِيْ قَوْلِكَ جو کہ آپ کے اس قول میں ہیں: ضَرَبْتُهٗ تَأْدِيْبًا، ضَرَبْتُهٗ تَأْدِيْبًا۔ بھئی یہ جو بِمَعْنَاهُ کی قید لگائی نا صاحبِ کافیہ نے، یہ دراصل مفعول لہ کو نکالنا چاہتے ہیں میں پہلے بیان کر چکا ہوں۔ ضَرَبَ زَيْدٌ تَأْدِيْبًا، زید نے ضرب لگائی، زید نے پٹائی کی ادب سکھانے کے لیے۔ تو ضرب بھی زید کا فعل، اور آگے جو تَأْدِيْبًا مفعول لہ آرہا ہے وہ بھی زید کا فعل ہے۔ یہ ادب سکھانے کا کام کس نے کیا؟ زید نے ہی کیا ہے۔ توجہ ہے؟ تو زید نے جو ضرب لگائی اس میں دو حیثیتیں ہیں، اس حیثیت سے کہ اس ضرب سے دوسرے کو تکلیف ہو رہی ہے تو اسی فعل کو ضرب کہیں گے، اور اس حیثیت سے کہ اس فعل سے دوسرے کی اصلاح ہو رہی ہے اور وہ ادب سیکھتا جا رہا ہے تو اس اعتبار سے اس کو تَأْدِيْب کہیں گے، تو ضرب بھی زید کا فعل اور تَأْدِيْب بھی زید کا فعل ہے۔ تو جب تعریف کی کہ مفعولِ مطلق وہ نام ہے اس حدث کا جس کو فعلِ مذکور کے فاعل نے کیا ہو، توجہ ہے؟ مفعولِ مطلق کی تعریف ہو رہی ہے کہ مفعولِ مطلق اس حدث کا نام ہے جس کو فعلِ مذکور کے فاعل نے کیا ہے، تو مفعول لہ بھی اس میں داخل ہو گیا، کیونکہ ضَرَبَ زَيْدٌ تَأْدِيْبًا، تو یہ تَأْدِيْب والا فعل بھی کس نے کیا؟ یہی ماقبل میں جو فعل مذکور ہے اس کے فاعل یعنی زید نے، ضَرَبَ زَيْدٌ تَأْدِيْبًا۔ تَأْدِيْبًا سے پہلے کیا ہے؟ ضَرَبَ زَيْدٌ ہے، تو یہ جو فعل مذکور ہے اس کا جو فاعل زید ہے اسی نے یہی تَأْدِيْب والا فعل بھی کیا ہے، تو مفعول لہ بھی اس تعریف کے اندر داخل ہو رہا تھا۔ لیکن جب یہ کہہ دیا بِمَعْنَاهُ وہ فعل اس مصدر کا ہم معنی ہو یعنی وہ فعل اس مصدر کے معنی پر مشتمل ہو، تو اب مفعول لہ نکل گیا۔ کیونکہ ضَرَبَ زَيْدٌ تَأْدِيْبًا یہ جو ماقبل میں فعل ضَرَبَ آیا یہ اس تَأْدِيْبًا کے معنی پر مشتمل نہیں۔ کیا ضَرَبَ کے اندر تَأْدِيْب والا مصدر موجود ہے؟ ضَرَبَ کے اندر تو ضرب

مصدر تو موجود ہے، تَأْدِيْبًا مصدر موجود نہیں، تو جب بِمَعْنَاهُ کی قید لگا دی تو مفعول لہ نکل گیا بھئی۔ کیوں نکل گیا؟ کیونکہ ماقبل میں جو فعل آیا ہے وہ اس کے معنی پر مشتمل نہیں ہے یعنی، یعنی یہ فعل کے معنی کا جز نہیں ہے بھئی۔

تو کہتے ہیں: فَخَرَجَ بِهٖ تو اس قید کی وجہ سے، یہ جو بِمَعْنَاهُ کی قید آئی اس کی وجہ سے نکل گیا مِثْلُ تَأْدِيْبًا، تَأْدِيْبًا جیسا لفظ، فِيْ قَوْلِكَ جو کہ آپ کے اس قول میں ہے ضَرَبْتُهٗ تَأْدِيْبًا۔ بھئی کیوں نکل گیا؟ کہتے ہیں: فَإِنَّهٗ اس لیے کیونکہ یہ جو تَأْدِيْب ہے، وَإِنْ كَانَ مِمَّا فَعَلَهٗ فَاعِلُ فِعْلٍ مَذْكُوْرٍ، اگرچہ یہ بھی ان چیزوں میں سے ہے جس کو فعلِ مذکور کے فاعل نے کیا ہے، لٰكِنَّهٗ لَيْسَ مِمَّا يَشْتَمِلُ عَلَيْهِ مَعْنَى الْفِعْلِ، لیکن یہ ان چیزوں میں سے نہیں ہے کہ جس پر فعل کا معنی مشتمل ہو۔ ضَرَبَ، ضَرْب کے معنی پر مشتمل ہے، تَأْدِيْب کے معنی پر مشتمل نہیں۔ یہ معنی ہے لٰكِنَّهٗ لَيْسَ مِمَّا يَشْتَمِلُ عَلَيْهِ مَعْنَى الْفِعْلِ، لیکن تَأْدِيْب جو ہے ان چیزوں میں سے نہیں ہے کہ جس پر اس فعل کا معنی مشتمل ہے۔

وَكَذٰلِكَ خَرَجَ بِهٖ مِثْلُ كَرَاهَتِيْ فِيْ نَحْوِ كَرِهْتُ كَرَاهَتِيْ۔ کہتے ہیں اسی طرح خَرَجَ بِهٖ اس بِمَعْنَاهُ کی قید کے ذریعے نکل گیا مِثْلُ كَرَاهَتِيْ، كَرَاهَتِيْ جیسا لفظ بھی، فِيْ نَحْوِ كَرِهْتُ كَرَاهَتِيْ جو اس جیسی مثالوں میں ہے: كَرِهْتُ كَرَاهَتِيْ۔ كَرِهَ يَكْرَهُ كَرَاهَةً کے معنی ہیں ناپسند کرنا، کسی چیز کو ناگوار سمجھنا۔ تو مثلاً بھئی آپ کسی جگہ پر کہیں گئے تھے اور آپ کے سامنے کسی نے کوئی فعل کیا، اور آپ نے اس فعل پر ناگواری کا اظہار کیا، آپ نے اس کے اس فعل کو ناپسند کیا۔ لیکن بعد میں جب آپ واپس آئے، آپ نے غور کیا تو آپ نے سوچا اوہو، میں نے تو ایک پہلو سے اس فعل کو دیکھا تھا، اس اعتبار سے تو مجھے اچھا نہیں لگا، لیکن دوسرے پہلو سے تو یہ اچھا فعل تھا، اس بیچارے نے تو اپنی جانب سے اچھا فعل کیا تھا۔ تو وہ جو ناگواری اور ناپسندیدگی کا اظہار آپ نے اس موقع پر کیا تھا، بعد میں اب آپ کو اپنی وہ ناپسندیدگی اور ناگواری بری لگ رہی ہے، تو آپ کہتے ہیں: كَرِهْتُ كَرَاهَتِيْ، کہ میں نے ناگوار سمجھا كَرَاهَتِيْ اپنی ناگواری کو، میں نے اپنی ناگواری کو ناگوار سمجھا۔ یا یوں کہیں، میں نے ناپسند کیا اپنی ناپسندیدگی کو۔ تو دیکھو اس جملے کے اندر یہ جو كَرَاهَتِيْ کا لفظ آرہا ہے یہ مفعول بہ ہے۔ مثلاً آپ کہتے ہیں كَرِهْتُ زَيْدًا، میں نے زید کو ناپسند کیا، دیکھو زَيْدًا مفعول بہ ہے بھئی۔ یا كَرِهْتُ الشَّيْءَ، میں نے اس چیز کو ناپسند کیا، ناگوار سمجھا، تو اَلشَّيْءَ کیا بن رہا ہے؟ مفعول بہ بن رہا ہے۔ اسی طرح اَلشَّيْءَ کی جگہ ذرا كَرَاهَتِيْ لے آئیں، كَرِهْتُ كَرَاهَتِيْ، میں نے ناپسند کیا کس چیز کو ناپسند کیا؟ كَرَاهَتِيْ اپنی ناپسندیدگی کو۔ تو دیکھو اس جملے کا معنی سمجھ میں آرہا ہے کہ یہ كَرَاهَتِيْ مفعول بہ بن رہا ہے۔ توجہ ہے؟ یہ کیا بن رہا ہے؟ یہ مفعول بہ بن رہا ہے۔

لیکن اشکال ہوتا ہے کہ یہ كَرَاهَتِيْ بھی مفعولِ مطلق کی تعریف میں داخل ہو رہا ہے۔ توجہ ہے؟ كَرِهْتُ كَرَاهَتِيْ، یہ كَرَاهَتِيْ کیا ہے؟ مفعول بہ ہے، اس کو تعریف کے اندر داخل نہیں ہونا چاہیے کیونکہ تعریف کس کی بیان ہو رہی ہے؟ مفعولِ مطلق کی، اور یہ كَرَاهَتِيْ تو مفعول بہ ہے، اس کو تو تعریف میں داخل نہیں ہونا چاہیے، لیکن یہ تعریف کے اندر داخل ہو رہا ہے۔ کس طرح داخل ہو رہا ہے؟ مفعولِ مطلق کی کیا تعریف کی؟ وہ حدث ہے جس کو فعلِ مذکور کے فاعل نے کیا

ہو۔ اور کَرَاهَتِيْ کے اندر جو کَرَاهَت کا لفظ آرہا ہے، توجہ ہے؟ کَرَاهَتِيْ کے اندر جو کَرَاهَت کا لفظ آرہا ہے، اس سے ماقبل کَرِهْتُ فعل مذکور ہے، تو یہ جو کراہت ہے، یہ فعل کس نے کیا ہے؟ فعلِ مذکور کے فاعل نے کیا ہے۔ اور نیز یہ کراہت کا لفظ ہے، ماقبل میں جو کَرِهْتُ آیا وہ کَرِهْتُ فعل اس کا ہم معنی ہے، یعنی وہ فعل اس کے معنی پر مشتمل ہے، اس کَرِهْتُ کے اندر کراہت مصدر موجود ہے بھئی۔ اشکال سمجھ میں آیا؟ کہ کَرِهْتُ کَرَاهَتِيْ کے اندر کَرَاهَتِيْ مفعول بہ ہے، لیکن آپ کی مفعولِ مطلق کی تعریف اس پر صادق آرہی ہے، اس لیے کیونکہ یہ بھی وہ حدث ہے جس کو ماقبل میں یہ جو فعل مذکور ہے اس کے فاعل نے کیا ہے، نیز وہ فعل اس کا ہم معنی بھی ہے یعنی فعل اس کراہت کے معنی پر مشتمل ہے: کَرِهْتُ، کَرِهْتُ فعل ہے اور اس کے اندر کون سا مصدر ہے؟ کراہت والا مصدر موجود ہے اور آگے بھی کَرَاهَتِيْ وہی کراہت والا مصدر آرہا ہے۔ تو اعتراض سمجھ میں آیا؟ تو لہٰذا اعتراض یہ ہوا کہ آپ کی تعریف دخولِ غیر سے مانع نہیں، اس کے اندر تو مفعول بہ بھی داخل ہو رہا ہے جیسے کَرِهْتُ کَرَاهَتِيْ۔

تو صاحبِ جامی اس کا جواب دیں گے۔ کہتے ہیں نہیں بھئی، یہ جو بِمَعْنَاهُ کی قید آگئی، اس قید کی وجہ سے یہ کَرَاهَتِيْ بھی مفعولِ مطلق کی تعریف سے نکل گیا۔ بھئی کس طرح یہ نکل گیا اس تعریف سے؟ تو صاحبِ جامی آپ کو بتلائیں گے کہ کَرِهْتُ کے بعد جو کراہت کا لفظ ذکر کیا جائے تو اس کے اندر دو اعتبار ہو سکتے ہیں بھئی۔ ایک اعتبار سے دیکھیں تو پھر یہ مفعولِ مطلق بنے گا، دوسرے اعتبار سے دیکھیں تو پھر یہ مفعول بہ بنے گا۔ اگر یہ اعتبار کیا جائے کہ یہ فعلِ مذکور کے فاعل کی صفت ہے، دیکھو ادھر دیکھو، زید نے ضرب لگائی خارج میں تو یہ ضرب زید کی صفت ہے، توجہ ہے؟ اسی طرح میں جملے میں کہتا ہوں ضَرَبَ زَيْدٌ ضَرْبًا، ماقبل میں جو فاعل ہے اس نے یہی والا فعل کیا ہے تو معلوم ہوا جو آگے ضَرْبًا آرہی ہے وہ اس ضارب کی صفت ہے، وہ اس ضارب کی صفت ہے اور یہ وہی ضرب مصدر ہے جس سے ماقبل والے فعل ضَرَبَ کا اشتقاق ہوا ہے۔ توجہ ہے؟ فعل کا اشتقاق کس سے ہوتا ہے؟ مصدر سے، اور جس مصدر سے فعل کا اشتقاق ہوتا ہے فعل کے اندر بھی وہی والا مصدر موجود ہوتا ہے۔ ضَرَبَ کا اشتقاق کس سے ہوا ہے؟ ضرب مصدر سے، تو ضَرَبَ کے اندر کون سا مصدر موجود ہے؟ ضرب والا، کوئی اور مصدر نہیں بلکہ وہی ضرب جس سے اس کا اشتقاق ہوا ہے وہی اس کے اندر موجود ہے۔ تو کہتے ہیں یہاں پر بھی یہ جو کراہت کا لفظ کَرِهْتُ کے بعد ذکر کیا جائے، اس کے اندر دو اعتبار ہیں۔ ایک اعتبار سے مفعولِ مطلق ہے کس طرح؟ کہ بایں اعتبار اگر کراہت کو ذکر کیا جائے، توجہ سے سنو، اگر بایں اعتبار کراہت کو ذکر کیا جائے کہ یہ ماقبل میں جو فعل ذکر ہوا یہ اس کے فاعل کی صفت ہے۔ ضَرَبَ زَيْدٌ ضَرْبًا، یہ زید فاعل ہے، اس کی صفت کیا ہے؟ ضرب ہے۔ تو اسی طرح کَرِهْتُ کَرَاهَةً، یا یوں کہیں کَرِهَ زَيْدٌ کَرَاهَةً کہہ دیں، کَرِهَ زَيْدٌ کَرَاهَةً، تو اس کے اندر بھی دیکھو جو آخر میں کَرَاهَةً مفعولِ مطلق آرہا ہے یہ ماقبل والا جو فاعل ہے اس کی صفت ہے، اس نے یہی فعل کیا ہے تو یہ کراہت اس کی صفت ہے۔ تو کراہت کو بایں اعتبار اگر ذکر کیا جائے کہ یہ جو ماقبل میں فاعل ذکر ہوا ہے یہ اس کی صفت ہے اور اسی سے ماقبل والے فعل کا اشتقاق بھی ہوا ہے، جب اسی سے اس فعل کا اشتقاق بھی ہوا ہے، معلوم ہوا فعل

اس کے معنی پر بھی مشتمل ہے، جب فعل اس کے معنی پر بھی مشتمل ہے تو بایں اعتبار یہ مفعولِ مطلق ہے۔ توجہ ہے؟ حاصلِ کلام سنا رہا ہوں، کیا؟ کہ کَرِهْتُ كَرَاهَةً، یہ جو كَرَاهَةً ہے اس کو بایں لحاظ، بایں اعتبار اگر ذکر کیا جائے کہ فاعل نے یہی والا فعل کیا ہے، فاعل نے جب فاعل نے یہی والا فعل کیا ہے تو یہ کراہت فاعل کی صفت ہے۔ ضَرَبَ زَيْدٌ، زید نے پٹائی کی تو زید کی صفت کیا ہے؟ ضرب۔ تو جب کراہت والا فعل فاعل نے کیا ہے تو یہ کراہت اس کی صفت ہوئی۔ تو آپ بایں اعتبار کراہت کے مصدر کو ذکر کرتے ہیں کہ فاعل نے یہی والا فعل کیا ہے اور یہی وہ مصدر ہے جس سے اس فعل کا اشتقاق ہوا ہے، کیونکہ فاعل کی صفت وہی فعل بنے گا نا جو فاعل نے کیا ہے، جب كَرِهْتُ فعل کیا تو كَرِهْتُ تو کس سے مشتق ہے؟ کراہت سے، تو معلوم ہوا یہ وہی مصدر ہے جس سے اس فعل کا اشتقاق ہوا ہے۔

پھر سنو، آپ كَرِهْتُ فعل کے بعد کراہت کے لفظ کو ذکر کرتے ہیں، کراہت کے مصدر کو ذکر کرتے ہیں بایں اعتبار کہ یہی فعل فاعل نے کیا ہے اور یہی اس کی صفت ہے اور یہی وہ مصدر ہے جس سے اس فعل کا اشتقاق ہوا ہے، اور فعل کا اشتقاق جس مصدر سے ہوا ہوتا ہے فعل کے اندر بھی وہی مصدر ہوتا ہے، اور جب فعل کے اندر بھی وہی مصدر ہے تو فعل دیکھو اس کے معنی پر مشتمل ہوا، جب فعل اس کے معنی پر مشتمل ہوا تو بایں اعتبار یہ کراہت کیا ہے؟ مفعولِ مطلق ہے، کیونکہ کیا قید لگائی تھی؟ بِمَعْنَاهُ، فعل اس کے معنی پر مشتمل ہو۔

اور نیز دوسرا اعتبار اس کراہت کے اندر یہ ہے کہ كَرِهْتُ کے بعد کراہت کو آپ ذکر کرتے ہیں بایں اعتبار کہ آپ کا فعل اس پر واقع ہوا ہے، جیسے ضَرَبْتُ زَيْدًا، یہ میری ضرب کس پر واقع ہے؟ زید پر، تو زید کیا ہے؟ مفعول بہ ہے۔ توجہ ہے؟ تو اسی طرح كَرِهْتُ کے بعد اگر کراہت کے لفظ کو بایں لحاظ ذکر کیا جائے کہ آپ کا کراہت کا فعل اس پر واقع ہوا ہے، تو بایں لحاظ یہ مفعول بہ ہے، فعل اس کے معنی پر مشتمل نہیں ہے۔ كَرِهْتُ كَرَاهَتِيْ، اس کے اندر جو كَرَاهَتِيْ ذکر ہے یہ مفعول بہ ہونے کی حیثیت سے ذکر ہے کہ اس پر فعل واقع ہوا ہے، تو بایں لحاظ فعل اس کے معنی پر مشتمل نہیں۔ باریک بات ہے، گہری بات ہے۔ كَرِهْتُ كَرَاهَتِيْ، یہ كَرَاهَتِيْ کیا ہے؟ مفعول بہ ہے، تو یہاں پر جو كَرَاهَتِيْ ذکر کیا گیا اس کو مفعول بہ ہونے کی حیثیت سے ذکر کیا گیا یعنی اس پر فعل واقع ہے، جب فعل اس پر واقع ہے تو بایں لحاظ تو فعل اس کے معنی پر مشتمل نہیں۔ جیسے ضَرَبْتُ زَيْدًا، میں نے کس کی پٹائی کی؟ زید، زید مفعول بہ ہے، تو کیا ماقبل میں ضَرَبْتُ زید کے معنی پر مشتمل ہے؟ ماقبل میں ضَرَبْتُ زید کے معنی پر مشتمل ہے؟ نہیں۔ تو یہاں پر بھی كَرِهْتُ كَرَاهَتِيْ کے اندر جو كَرَاهَتِيْ ذکر ہو رہا ہے وہ اس حیثیت سے کہ اس پر آپ کے کراہت کا فعل واقع ہو رہا ہے۔ جب کراہت کا فعل اس پر واقع ہو رہا ہے تو اس اعتبار سے تو فعل اس کے معنی پر مشتمل نہیں ہے۔ فعل اس کے معنی پر کب مشتمل تھا؟ جب یہ اعتبار کرتے کہ اسی سے فعل کا اشتقاق ہوا ہے، مثلاً كَرِهْتُ كَرَاهَةً، توجہ سے۔ تو دیکھو كَرِهْتُ كَرَاهَةً، یہاں پر كَرَاهَةً کو میں نے کس اعتبار سے ذکر کیا؟ کہ یہ فعل اسی کراہت سے مشتق ہے اور یہی کراہت اس فعل کے فاعل کی صفت ہے، تو بایں اعتبار جب اسی سے فعل کا اشتقاق ہوا ہے تو فعل اس کے معنی پر مشتمل ہے بھئی۔ اور جب میں نے کہا كَرِهْتُ كَرَاهَتِيْ تو اس کے

اندر جو كَرَاهَتِيْ کو میں نے ذکر کیا وہ اس اعتبار سے ذکر کیا کہ فعل اس پر واقع ہوا ہے بھئی، اور جب فعل اس پر واقع ہے تو اس اعتبار سے تو فعل اس کے معنی پر مشتمل نہیں۔ اگر اس اعتبار سے ذکر کرتے کہ یہ وہی مصدر ہے جس سے فعل کا اشتقاق ہوا ہے تو اس اعتبار سے تو فعل اس کے معنی پر مشتمل ہے، لیکن بایں اعتبار كَرَاهَتِيْ کو ذکر کیا کہ یہ مفعول بہ ہے یعنی اس پر فعل واقع ہوا ہے تو اس اعتبار سے تو فعل اس کے معنی پر مشتمل نہیں۔ ضَرَبَ کس سے مشتق ہے؟ ضرب سے، تو جب ضَرَبَ ضرب سے مشتق ہے تو ضَرَبَ کے اندر ضرب والا معنی بھی ہے، تو لہٰذا جب میں ضَرَبْتُ ضَرْبًا کہوں گا تو یہ ضَرْبًا وہی مصدر ہے جس سے فعل کا اشتقاق ہوا ہے تو ظاہر سی بات ہے فعل اس کے معنی پر بھی مشتمل ہے۔ اور جب آگے میں كَرِهْتُ كَرَاهَتِيْ کہتا ہوں تو كَرِهْتُ كَرَاهَتِيْ میں كَرَاهَتِيْ کو میں نے کس حیثیت سے ذکر کیا؟ کہ اسی کراہت سے فعل کا اشتقاق ہوا ہے یا اس اعتبار سے ذکر کیا کہ اس پر فعل واقع ہو رہا ہے؟ اس پر آپ کا فعل واقع ہو رہا ہے۔ جب اس پر آپ کا فعل واقع ہو رہا ہے، اس اعتبار سے تو فعل اس کے معنی پر نہیں مشتمل کیونکہ فعل اس سے مشتق نہیں ہے، یہ تو مفعول بہ ہے بھئی۔ فرق سمجھ میں آیا؟ معلوم ہوا كَرِهْتُ كَرَاهَتِيْ کے اندر جو كَرَاهَتِيْ کا لفظ ذکر ہے وہ کس حیثیت سے ذکر؟ اس حیثیت سے کہ اس پر فعل واقع ہے۔ جب اس پر فعل واقع ہونے کی حیثیت سے ذکر ہے تو معلوم ہوا فعل اس کے معنی پر مشتمل نہیں، اور ہم نے تو کیا کہا تھا؟ فعل اس کے معنی پر مشتمل ہونا چاہیے، تو بایں اعتبار یہ تعریف سے کیا ہو گیا؟ خارج ہو گیا۔ تو لہٰذا اس کا اشکال تعریف پر نہیں کیا جا سکتا۔

پھر سنو، آپ كَرِهْتُ فعل کے بعد کراہت کے لفظ کو ذکر کرتے ہیں، کراہت کے مصدر کو ذکر کرتے ہیں بایں اعتبار کہ یہی فعل فاعل نے کیا ہے اور یہی اس کی صفت ہے اور یہی وہ مصدر ہے جس سے اس فعل کا اشتقاق ہوا ہے، اور فعل کا اشتقاق جس مصدر سے ہوا ہوتا ہے فعل کے اندر بھی وہی مصدر ہوتا ہے، اور جب فعل کے اندر بھی وہی مصدر ہے تو فعل دیکھو اس کے معنی پر مشتمل ہوا، جب فعل اس کے معنی پر مشتمل ہوا تو بایں اعتبار یہ کراہت کیا ہے؟ مفعولِ مطلق ہے، کیونکہ کیا قید لگائی تھی؟ بِمَعْنَاهُ، فعل اس کے معنی پر مشتمل ہو۔ اور اگر آپ کراہت کے مصدر کو فعل کے بعد بایں اعتبار ذکر کرتے ہیں کہ یہ فعل اس پر واقع ہے بھئی، تو بایں اعتبار تو فعل اس کے معنی پر مشتمل نہیں، فعل جس پر واقع ہوتا ہے کیا اس کے معنی پر مشتمل ہوتا ہے؟ نہیں۔ تو بایں اعتبار جب آپ اس کو ذکر کریں کہ فعل اس پر واقع ہوا ہے تو اس اعتبار سے تو فعل اس کے معنی پر مشتمل نہیں، جب فعل اس کے معنی پر مشتمل نہیں تو بِمَعْنَاهُ کی قید سے یہ نکل گیا کیونکہ ہم نے تو کیا قید لگا دی کہ فعل اس کے معنی پر مشتمل ہونا چاہیے۔ لہٰذا كَرِهْتُ كَرَاهَةً، یہ كَرَاهَةً تو مفعولِ مطلق ہے کیونکہ یہ اعتبارِ اول کے لحاظ سے ذکر کیا گیا ہے، اور كَرِهْتُ كَرَاهَتِيْ کے اندر جو كَرَاهَتِيْ آیا یہ اس تعریف سے نکل گیا کیونکہ اس کے معنی پر فعل مشتمل نہیں ہے۔ بات سمجھ میں آ گئی؟ حل ہو گیا۔

اب دیکھیے صاحبِ جامی اس کو اور بہترین اور مختصر لفظوں میں بیان کریں گے۔ کہتے ہیں: وَكَذٰلِكَ خَرَجَ بِهٖ مِثْلُ كَرَاهَتِيْ

فِيْ نَحْوِ كَرِهْتُ كَرَاهَتِيْ۔ کہتے ہیں اسی طرح كَرِهْتُ كَرَاهَتِيْ جیسی مثالوں کے اندر جو كَرَاهَتِيْ کا لفظ ہے وہ بھی اس قید کی وجہ سے نکل گیا، کون سی قید؟ بِمَعْنَاهُ۔ بِمَعْنَاهُ قید کا کیا معنی تھا؟ کہ فعل اس مصدر کے معنی پر مشتمل ہو۔ اب آپ کو بتائیں گے کہ كَرِهْتُ كَرَاهَتِيْ کے اندر یہ كَرِهْتُ كَرَاهَتِيْ کے معنی پر مشتمل نہیں، جب مشتمل نہیں تو یہ نکل گیا۔ فَإِنَّ لِلْكَرَاهَةِ اعْتِبَارَيْنِ، اس لیے کیونکہ کراہت کے دو اعتبار ہیں۔ أَحَدُهُمَا ان دو اعتباروں میں سے ایک جو ہے كَوْنُهَا بِحَيْثُ قَامَتْ بِفَاعِلِ الْفِعْلِ الْمَذْكُوْرِ، وہ اس کراہت کا ہونا اس طور پر کہ وہ قائم ہے فعلِ مذکور کے فاعل کے ساتھ یعنی اس کی صفت ہے۔ جب میں نے كَرِهْتُ والا فعل کیا تو میری صفت کیا ہوئی؟ کراہت ہوئی۔ تو کراہت بایں اعتبار کہ یہ ماقبل والے فعل کے فاعل کی صفت ہے۔ توجہ ہے؟ تو کہتے ہیں: أَحَدُهُمَا ان دونوں اعتباروں میں سے ایک جو ہے كَوْنُهَا بِحَيْثُ قَامَتْ بِفَاعِلِ الْفِعْلِ الْمَذْكُوْرِ وہ کراہت کا ہونا ہے اس طور پر کہ فعلِ مذکور کے فاعل کے ساتھ وہ قائم ہے یعنی اس کی صفت ہے، اس کی صفت ہے، اس پر فعل واقع نہیں ہے بلکہ وہ فاعل کی صفت، بایں اعتبار کہ وہ فعلِ مذکور کے فاعل کے ساتھ قائم ہے یعنی اس کی صفت ہے۔ وَاشْتُقَّ مِنْهَا فِعْلٌ أُسْنِدَ إِلَيْهِ، اور اسی سے اشتقاق ہوا ہے اس فعل کا جس کا اسناد اس فاعل کی طرف ہے، تو بایں اعتبار اگر اس کو ذکر کیا جائے تو وَلَا شَكَّ أَنَّ مَعْنَى الْفِعْلِ مُشْتَمِلٌ عَلَيْهَا حِيْنَئِذٍ تو کوئی شک نہیں کہ فعل کا معنی وہ اس پر مشتمل ہو گا حِيْنَئِذٍ اس وقت، یعنی جب اس اعتبار سے ذکر کریں۔

کیا بات ہوئی؟ پھر دہرائیں، مشکل بات ہے اس لیے میں بار بار تکرار کروا رہا ہوں۔ کہ كَرِهْتُ كَرَاهَتِيْ، یہ جو كَرَاهَتِيْ آیا یہ تو مفعول بہ ہے، یہ بھی تعریف میں داخل ہو رہا تھا۔ تو کہتے ہیں بھئی یہ جو بِمَعْنَاهُ کی قید آئی، بِمَعْنَاهُ کا کیا ترجمہ کیا؟ کہ فعل اس مفعولِ مطلق کے معنی پر مشتمل ہو یا یوں کہو اس مصدر کے، جو مصدر آگے مفعولِ مطلق جس کو آپ بنانا چاہتے ہیں، کہ فعل اس مصدر کے معنی پر مشتمل ہو۔ تو یہاں پر اگر کراہت کو بایں اعتبار ذکر کیا جائے کہ فعلِ مذکور کے فاعل کی یہ صفت ہے اور اسی سے اشتقاق ہوا ہے اس فعل کا جس کا اسناد فاعل کی طرف کیا جا رہا ہے، تو پھر اس صورت میں جب اسی سے فعل کا اشتقاق ہوا ہے تو ظاہر سی بات ہے فعل اسی کے معنی پر مشتمل ہے۔ جب فعل اسی کے معنی پر مشتمل ہے تو بِمَعْنَاهُ کی قید اس میں پوری ہو گئی کہ فعل اسی کے معنی پر مشتمل ہے، تو پھر یہ مفعولِ مطلق کہلائے گا۔ اور اگر بایں اعتبار اس کو ذکر کیا جائے کہ آپ کا فعل اس پر واقع ہے، تو بایں اعتبار تو فعل اس کے معنی پر مشتمل نہیں ہے، لہٰذا پھر یہ مفعولِ مطلق نہیں ہو گا بھئی۔

تو کہتے ہیں: وَثَانِيْهِمَا كَوْنُهَا بِحَيْثُ وَقَعَ عَلَيْهَا فِعْلُ الْكَرَاهَةِ، اور دوسرا اعتبار یہ ہے کہ كَوْنُهَا وہ کراہت کا ہونا بِحَيْثُ اس طور پر کہ وَقَعَ عَلَيْهَا فِعْلُ الْكَرَاهَةِ کہ اس پر ماقبل میں جو کراہت والا فعل آیا ہے وہ اس کے اوپر واقع ہوا ہے۔ فَإِذَا ذُكِرَتْ بَعْدَ الْفِعْلِ بِالِاعْتِبَارِ الْأَوَّلِ، پس جب اس کراہت کو ذکر کیا جائے فعل کے بعد کس اعتبار سے؟ پہلے اعتبار سے، كَمَا فِيْ قَوْلِكَ كَرِهْتُ كَرَاهَةً، جیسے کہ آپ کے اس قول میں ہے: كَرِهْتُ كَرَاهَةً، جیسے اس قول میں ہے کہ كَرِهْتُ کے بعد یہ كَرَاهَةً ذکر ہے، کس حیثیت سے؟ کہ یہ كَرِهْتُ کا فاعل کون ہے؟ متکلم، معلوم ہوا یہ کراہت متکلم کی صفت ہے، اور اسی کراہت سے یہ

كَرِهْتُ کے فعل کا اشتقاق ہوا ہے، جب اسی سے فعل کا اشتقاق ہوا ہے تو فعل کا جس مصدر سے اشتقاق ہوتا ہے فعل کے اندر بھی وہی مصدر ہوتا ہے، تو بایں اعتبار اس فعل کے اندر بھی وہی مصدر ہے، تو معلوم ہوا یہ فعل اس کے ہم معنی ہے۔ تو فَهُوَ مَفْعُوْلٌ مُطْلَقٌ، تو یہ مفعولِ مطلق ہے۔ وَإِذَا ذُكِرَتْ بَعْدَهٗ بِالِاعْتِبَارِ الثَّانِيْ، اور جب كَرِهْتُ کو ذکر کیا جائے اس کے فعل کے بعد دوسرے اعتبار سے، كَمَا فِيْ قَوْلِكَ كَرِهْتُ كَرَاهَتِيْ، جیسے کہ آپ کے اس قول میں ہے: كَرِهْتُ كَرَاهَتِيْ، تو اس کے اندر جو كَرَاهَتِيْ ہے وہ کس اعتبار سے ذکر ہے؟ کہ اس سے فعل کا اشتقاق ہوا ہے یا اس پر یہ فعل واقع ہوا ہے؟ اس پر فعل واقع ہوا ہے۔ تو فَهُوَ مَفْعُوْلٌ بِهٖ، تو پھر یہ مفعول بہ ہے، لَا مَفْعُوْلٌ مُطْلَقٌ مفعولِ مطلق نہیں ہے، إِذْ لَيْسَ ذٰلِكَ الْفِعْلُ مُشْتَمِلًا عَلَيْهَا بِهٰذَا الِاعْتِبَارِ، اس لیے کیونکہ یہ فعل اس پر مشتمل نہیں ہے اس اعتبار سے، بَلْ هُوَ وَاقِعٌ عَلَيْهَا بلکہ وہ فعل اس پر واقع ہے وُقُوْعَ الْفِعْلِ عَلَى الْمَفْعُوْلِ بِهٖ، جس طرح کہ فعل مفعول بہ پر واقع ہوتا ہے۔ فَخَرَجَ بِهٰذَا الِاعْتِبَارِ عَنِ الْحَدِّ، تو یہ كَرِهْتُ كَرَاهَتِيْ یہ نکل گیا بِهٰذَا الِاعْتِبَارِ اس اعتبار کی وجہ سے عَنِ الْحَدِّ کس سے؟ حد، حد کہتے ہیں جامع مانع تعریف کو بھئی، تو یہ جو مفعولِ مطلق کی جامع مانع تعریف آئی اس سے یہ كَرَاهَتِيْ نکل گیا اس اعتبار سے۔ وَانْطَبَقَ الْحَدُّ عَلَى الْمَحْدُوْدِ، اور منطبق ہو گئی حد عَلَى الْمَحْدُوْدِ کس پر؟ محدود پر۔ حد کسے کہتے ہیں؟ تعریف، اور محدود جس کی تعریف کی گئی۔ تو تعریف کس کی کی جا رہی ہے؟ مفعولِ مطلق کی، وہ ہوا محدود، اور جو تعریف کی وہ ہے حد۔ تو کہتے ہیں: وَانْطَبَقَ الْحَدُّ عَلَى الْمَحْدُوْدِ، اور منطبق ہو گئی حد محدود پر جَامِعًا وَمَانِعًا، جامع مانع ہو کر، جامع مانع، یہ تعریف جامع مانع ہو کر منطبق ہو گئی محدود پر، یعنی یوں کہو منطبق ہو گئی یعنی صادق آئی، یہ حد صادق آ گئی محدود پر جامع مانع ہو کر۔ یعنی یہ حد جامع ہے، اس میں تمام مفعولِ مطلق داخل ہو گئے، اور نیز یہ حد مانع ہے، مفعول لہ بھی نکل گیا اس سے اور كَرِهْتُ كَرَاهَتِيْ جیسے لفظ بھی اس سے نکل گئے بھئی۔ بات سمجھ میں آ گئی۔

اب یاد رکھو، حاصلِ کلام سن لو بھئی قیمتی بات: معلوم ہوا كَرِهْتُ كَرَاهَتِيْ یہ كَرَاهَتِيْ مفعولِ مطلق نہیں ہے، یہ بلکہ یہ مفعول بہ ہے۔ ہاں كَرِهْتُ كَرَاهَةً یہ کراہت کیا ہے؟ یہ مفعولِ مطلق ہے، دیکھ رہے ہیں آپ؟ جیسے دیکھو صاحبِ جامی نے بھی ذکر کیا: كَمَا فِيْ قَوْلِكَ كَرِهْتُ كَرَاهَةً، یہاں دیکھو کراہت کو اکیلا ذکر کیا ہے، یا ہٹا دی اس سے متکلم کی جو یا تھی، اس اعتبار سے مفعولِ مطلق ہے۔ اور كَرِهْتُ كَرَاهَتِيْ اس کو ذکر کیا کہ یہ مفعول بہ ہے۔ بات سمجھ میں آ گئی۔ تو یاد رکھنا یہ جو كَرِهْتُ كَرَاهَتِيْ ہے یہ كَرَاهَتِيْ یہ مفعولِ مطلق نہیں ہے، یہ مفعول بہ ہے اور اس کو صاحبِ جامی نے تعریف سے نکال دیا، اس کو تعریف سے نکال دیا۔ تو بعض شارحین نے تو یہی تقریر کی ہے جو میں نے ذکر کی کہ یہ كَرَاهَتِيْ مفعول بہ ہے، اس کو تعریف سے نکلنا بھی چاہیے اور نکال بھی دیا صاحبِ جامی نے۔ جبکہ بعض شارحین نے اور تقریر کی بھئی، اور تقریر کی۔ ان کی تقریر کا حاصل یہ ہے، وہ کہتے ہیں کہ یہ كَرَاهَتِيْ کے اندر ہی دو اعتبار ہیں، کس کے اندر؟ كَرَاهَتِيْ کے اندر ہی دو اعتبار ہیں، اسی طرح یا ساتھ جڑی ہوئی ہو پھر بھی دو اعتبار ہیں۔ اگر اس اعتبار سے آپ اس کو ذکر کریں کہ اسی سے فعل کا اشتقاق ہے تو یہ مفعولِ مطلق، اور اس اعتبار سے اگر آپ اس کو ذکر کریں کہ فعل اس پر واقع ہے تو یہ مفعول بہ ہے۔ تو

چنانچہ وہ کہتے ہیں اسی كَرَاهَتِيْ کے اندر دو اعتبار ہیں، کتنے اعتبار؟ دو، ایک اعتبار سے مفعولِ مطلق ہے اور دوسرے اعتبار سے مفعولِ مطلق نہیں ہے۔ چنانچہ آگے وہ مزید فرماتے ہیں، کہتے ہیں یہ جو آیا نا وَانْطَبَقَ الْحَدُّ عَلَى الْمَحْدُوْدِ جَامِعًا وَمَانِعًا، کہ یہ حد صادق آگئی محدود پر جامع مانع ہو کر، جامع مانع، اس کو وہ اسی كَرَاهَتِيْ سے جوڑتے ہیں، کہ من وجہٍ كَرَاهَتِيْ کو داخل ہونا چاہیے تاکہ تعریف جامع ہو جائے، اور من وجہٍ كَرَاهَتِيْ کو خارج ہونا چاہیے تاکہ تعریف کیا ہو جائے؟ مانع ہو جائے۔ تو انہوں نے یہ جامع اور مانع کو اسی كَرَاهَتِيْ سے جوڑ دیا ہے، تعریف جامع بھی کب ہو گی جب كَرَاهَتِيْ ایک اعتبار سے داخل ہو جائے کہ مفعولِ مطلق ہے، اور تعریف مانع کب ہو گی جب دوسرے اعتبار سے كَرَاهَتِيْ کیا ہو جائے؟ خارج ہو جائے۔ لیکن یاد رکھنا یہ تقریر درست نہیں ہے بھئی۔ یہ كَرَاهَتِيْ کے اندر دو اعتبار نہیں ہیں، كَرَاهَتِيْ کے اندر ایک ہی اعتبار ہے، یہ مفعول بہ ہے بھئی، بات سمجھ میں آرہی ہے؟ یہ مفعول بہ ہے اور اس کو خارج ہی ہونا چاہیے، اس میں کوئی دو اعتبار نہیں ہیں اور صاحبِ جامی بھی اس کو نکالنا ہی چاہتے ہیں۔ چنانچہ دیکھو جہاں بات شروع کی تھی وہاں کیا فرمایا: وَكَذٰلِكَ خَرَجَ بِهٖ مِثْلُ كَرَاهَتِيْ، کہ كَرَاهَتِيْ جیسی مثالیں اس سے نکل گئیں بھئی۔ یہ نہیں کہا کہ بعض اعتبار سے نکلی ہیں اور بعض سے نہیں نکلیں، نہیں نہیں، کیا کہا؟ یہ تعریف سے نکل گئیں۔ اور جب کہا تھا دو اعتبار ہیں کراہت کے اندر، ایک اعتبار سے مفعولِ مطلق ہے، ایک اعتبار سے مفعولِ مطلق نہیں، تو جہاں کہا یہ ایک اعتبار سے مفعولِ مطلق ہے تو وہاں مثال الگ ذکر کی: كَرِهْتُ كَرَاهَةً بھئی، دیکھو یا کو ختم کر دیا، تو اس اعتبار سے مفعولِ مطلق ہے، اور جہاں کہا کہ دوسرے اعتبار سے یہ مفعول بہ ہے مفعولِ مطلق نہیں ہے تو اس کے لیے دوسری مثال ذکر کی: بِالِاعْتِبَارِ الثَّانِيْ كَمَا فِيْ قَوْلِكَ كَرِهْتُ كَرَاهَتِيْ، دیکھا؟ اور اس کے آگے ذکر کیا فَهُوَ مَفْعُوْلٌ بِهٖ لَا مَفْعُوْلٌ مُطْلَقٌ، یہ مفعول بہ ہے مفعولِ مطلق نہیں ہے، تصریح کر دی کہ یہ مفعولِ مطلق نہیں ہے، اسی کے اندر دو اعتبار نہیں ہیں بھئی۔ بات سمجھ میں آگئی۔ تو كَرَاهَتِيْ کو نکلنا چاہیے بھئی، لہٰذا اسی کے اندر دو اعتبار بنانا یہ درست نہیں ہے بھئی۔ چنانچہ خود آگے پھر بالکل آخر میں بھی فرمایا کہ فَخَرَجَ بِهٰذَا الِاعْتِبَارِ، یہ جو كَرِهْتُ كَرَاهَتِيْ ہے اس اعتبار سے نکل گیا کیونکہ اس میں اعتبارِ ثانی ہے، اعتبارِ اول اس میں ہے ہی نہیں بھئی۔ اور یہ جو کہا نا وَانْطَبَقَ الْحَدُّ عَلَى الْمَحْدُوْدِ جَامِعًا وَمَانِعًا، یہ اس ساری بحث کی طرف اشارہ ہے کہ یہ ساری تعریف کیا ہو گئی؟ جامع مانع ہو گئی۔ یہ تعریف جامع بھی ہے، مَاتَ مَوْتًا جیسی مثالیں داخل نہیں ہو رہی تھیں لیکن صاحبِ جامی نے بتایا یہ بھی داخل ہیں، اور نیز كَرِهْتُ كَرَاهَتِيْ داخل ہو رہے تھے، صاحبِ جامی نے بتایا یہ داخل نہیں یہ خارج ہیں، تو تعریف کیا ہو گئی؟ مانع ہوئی، تو یہ ساری بحث کے اعتبار سے فرما رہے ہیں کہ یہ تعریف جامع مانع ہے بھئی۔ بات سمجھ میں آگئی۔

آگے دیکھیے بھئی۔ کہتے ہیں: وَقَدْ يَكُوْنُ الْمَفْعُوْلُ الْمُطْلَقُ لِلتَّأْكِيْدِ إِنْ لَمْ يَكُنْ فِيْ مَفْهُوْمِهٖ زِيَادَةٌ عَلٰى مَا يُفْهَمُ مِنَ الْفِعْلِ۔ اب مفعولِ مطلق کے فائدے ذکر کریں گے۔ مفعولِ مطلق کے فائدے بھئی، ادھر دیکھیے پہلے اس کو سمجھ لیں۔ مفعولِ مطلق کے یاد رکھو تین بڑے فائدے ہیں بھئی۔ ایک تو یہ تاکید کے لیے آتا ہے، یعنی ماقبل میں جو فعل ذکر ہو یہ اسی کو پکا کر

دیتا ہے، اس کو پختہ کر دیتا ہے۔ ضَرَبْتُ ضَرْبًا، یہ جو ضَرْبًا مفعولِ مطلق آیا اس نے اسی ضَرَبْتُ کے معنی کو پکا کر دیا۔ پکا کرنے کا معنی کیا؟ کہ یہ غلطی اور مجاز کے احتمال کو ختم کر دیتا ہے۔ توجہ ہے؟ مفعولِ مطلق کا پہلا فائدہ کیا کہ یہ تاکید کے لیے آتا ہے، تاکید کا کیا معنی؟ یعنی مجاز اور غلطی کے احتمال کو ختم کر دیتا ہے۔ مثلاً میں نے آپ سے کہا ضَرَبْتُ زَيْدًا، ضَرَبْتُ زَيْدًا۔ تو بھئی جب میں نے ضَرَبْتُ زَيْدًا کہا تو سننے والے کے ذہن میں آسکتا ہے کہ بھئی زید تو بڑا طاقتور آدمی ہے تو اس کی پٹائی کون کر سکتا ہے، تو یہ ضَرَبْتُ غلطی سے زبان پر آگیا اصل میں تو وہ أَكْرَمْتُ کہنا چاہتا تھا۔ میں نے تو ضَرَبْتُ زَيْدًا کہا لیکن سننے والے کے ذہن میں آسکتا ہے کہ یہ ضَرَبْتُ غلطی سے زبان پر آگیا اصل میں تو کیا کہنا چاہتے تھے؟ أَكْرَمْتُ زَيْدًا کہنا چاہتے تھے، لیکن جب میں نے آگے ضَرْبًا مفعولِ مطلق ذکر کر دیا ضَرَبْتُ زَيْدًا ضَرْبًا، اس ضَرْبًا نے اس ضرب کے فعل کو پکا کر دیا کہ وہ فعل غلطی سے ادا نہیں ہوا بلکہ ضرب بول کر ضرب ہی مراد ہے۔ اور نیز یہ مفعولِ مطلق مجاز کے احتمال کو بھی ختم کر دیتا ہے۔ مجاز کے احتمال کو بھی ختم کر دیتا ہے۔ مثلاً میں نے کہا ضَرَبْتُ زَيْدًا تو سننے والے کے ذہن میں آسکتا ہے کہ بھئی زید کی پٹائی نہیں کی ہو گی، لفظ تو پٹائی کا ذکر کیا لیکن پٹائی نہیں کی ہو گی بس اس کو ڈانٹ دیا ہو گا اور لیکن بہت زیادہ ڈانٹ دیا تو اس ڈانٹ کو ہی پٹائی سے تعبیر کر دیا کہ یوں سمجھو میں نے پٹائی ہی کر دی اس کی بھئی۔ تو لہٰذا ضَرَبْتُ زَيْدًا، یہ جو ضَرَبْتُ فعل ذکر ہوا اس کو سننے والا مجاز پر محمول کر سکتا ہے کہ شاید یہ مجازاً یہ کلام کیا گیا ہے، حقیقت میں ضرب کا فعل واقع نہیں ہوا کیونکہ آپ جانتے ہیں بعض اوقات ایک لفظ کا ایک حقیقی معنی ہوتا ہے اور ایک مجازی معنی ہوتا ہے، جیسے شیر۔ شیر کا لفظ جنگلی درندے کے لیے وضع ہے لیکن یہ بہادر آدمی کے لیے بھی استعمال ہو جاتا ہے، تو جنگلی درندہ یہ لفظِ شیر کا حقیقی معنی اور یہ بہادر آدمی اس کا مجازی معنی۔ تو فعل کے بعد جب مفعولِ مطلق کو ذکر کر دیا جائے تو وہ مجاز کے احتمال کو ختم کر دیتا ہے۔ تو مفعولِ مطلق کا پہلا فائدہ کیا؟ تاکید، کہ یہ کلام میں تاکید پیدا کرتا ہے، کیا معنی تاکید پیدا کرتا ہے؟ یعنی غلطی اور مجاز کے احتمال کو ختم کر دیتا ہے۔

اور دوسرا فائدہ یاد رکھنا کہ یہ جو مفعولِ مطلق ہے کبھی نوع بیان کرنے کے لیے آتا ہے، کسی چیز کی کوئی خاص نوع، کوئی خاص قسم بیان کرنے کے لیے آتا ہے، جیسے میں کہتا ہوں جَلَسْتُ جِلْسَةَ الْقَارِئِ۔ جَلَسْتُ میں بیٹھا، اب میں آپ کو یہ بھی بتلانا چاہتا ہوں کہ میں کس نوع پر، کس طریقے پر بیٹھا، تو پھر آگے میں مفعولِ مطلق لا کر اس کو بیان کروں گا: جَلَسْتُ جِلْسَةَ الْقَارِئِ، جس طرح قاری حضرات بیٹھتے ہیں میں اس طرح بیٹھا۔ تو یہ کبھی نوع بیان کرنے کے لیے آتا ہے۔

اور اسی طرح کبھی مفعولِ مطلق جو ہے وہ عدد بیان کرنے کے لیے آتا ہے، جیسے مثلاً میں آپ سے کہنا چاہتا ہوں میں ایک دفعہ بیٹھا، تو میں کہوں گا جَلَسْتُ جَلْسَةً۔ اور اگر میں بتلانا چاہتا ہوں کہ میں دو مرتبہ بیٹھا، تو پھر میں کہوں گا جَلَسْتُ جَلْسَتَيْنِ۔ اور اگر میں بتلانا چاہتا ہوں میں کئی مرتبہ بیٹھا، تو میں کہوں گا جَلَسْتُ جَلَسَاتٍ، میں کئی مرتبہ بیٹھا۔

اور میں نے پہلے بھی ذکر کیا تھا کہ مفعولِ مطلق کا الگ ترجمہ نہیں کرتے۔ ضَرَبْتُ ضَرْبًا، اس کا کیا ترجمہ کریں گے؟

میں نے پٹائی کی۔ طلبہ کیا ترجمہ کرتے ہیں ضَرَبْتُ ضَرْبًا: میں نے مارا مارنا۔ دیکھا مفعولِ مطلق یعنی وہ مصدر کا ترجمہ الگ ذکر کرتے ہیں۔

دیکھیے بھئی کتاب پر، سب سے پہلے متن متن دیکھ لیں۔ کہتے ہیں: وَقَدْ يَكُوْنُ لِلتَّأْكِيْدِ، اور مفعولِ مطلق کبھی کبھار تاکید کے لیے آتا ہے، وَالنَّوْعِ اور کبھی کبھار نوع یعنی قسم بتلانے کے لیے آتا ہے کہ کس قسم کا فعل کیا گیا، وَالْعَدَدِ اور کبھی مفعولِ مطلق عددیان کرنے کے لیے آتا ہے۔ مِثْلُ جَلَسْتُ جُلُوْسًا، کیا ترجمہ ہو گا؟ میں بیٹھا۔ جَلَسْتُ جُلُوْسًا میں بیٹھا، طلبہ عموماً کیا ترجمہ کرتے ہیں؟ میں بیٹھا بیٹھنا، نہیں بھئی مفعولِ مطلق کا الگ ترجمہ نہیں کرتے، جَلَسْتُ جُلُوْسًا میں بیٹھا۔ یہ تاکید کے لیے ہے بھئی، یہ کس لیے ہے؟ تاکید کے لیے ہے۔ یاد رکھنا مفعولِ مطلق تاکید کے لیے اس وقت ہو گا جب اس کے مفہوم میں کوئی زیادتی نہ ہو، یہ وہی مفہوم ادا کرے جو فعل سے مفہوم ہو رہا ہے۔ بھئی فعل کے اندر بھی مصدر ہوتا ہے یا نہیں؟ فعل کے اندر بھی مصدر ہوتا ہے، تو فعل کے اندر جو مصدر تھا اس سے جو معنی مفہوم ہو رہا تھا مفعولِ مطلق سے بھی وہی معنی مفہوم ہو، اس میں کسی طرح کی کوئی زیادتی نہ ہو تو پھر سمجھو یہ تاکید کے لیے ہے۔ جَلَسْتُ، جَلَسْتُ سے کیا سمجھ میں آیا؟ کون سا مصدر؟ جلوس، اور آگے وہی مصدر جُلُوْسًا بھی میں آگے لے آیا، معلوم ہوا یہ مصدر تاکید کے لیے ہے۔ تاکید کسے کہتے ہیں؟ ایک چیز کو دو دفعہ ذکر کیا جائے، ایک چیز کو۔ تو جَلَسْتُ سے کیا سمجھ میں آیا؟ جلوس، اور آگے جلوس دوبارہ بھی آگیا تو اس نے وہ پہلے جلوس کو پکا کر دیا بھئی۔ بات سمجھ میں آرہی ہے؟ تو یہ یاد رکھنا کہ مفعولِ مطلق تاکید کے لیے اس وقت ہو گا جب اس کے مفہوم میں کوئی زیادتی نہ ہو، کس سے زیادتی نہ ہو؟ وہ جو فعل سے مفہوم ہو رہا تھا، وہ جو فعل سے مصدر مفہوم ہو رہا تھا اس کے مفہوم پر کوئی زیادتی اس کے اندر نہیں ہے تو پھر سمجھ جاؤ یہ تاکید کے لیے ہے، اور اگر اس کے معنی کے اندر زیادتی ہے پھر سمجھ جاؤ یہ نوع یا عدد کے لیے ہے۔

جیسے یاد رکھو، یہ فَعْلَةٌ وزن عددیان کرنے کے لیے آتا ہے، فَعْلَةٌ عددیان کرنے کے لیے، جیسے جَلْسَةٌ۔ جَلَسْتُ جَلْسَةً، کیا معنی؟ میں ایک دفعہ بیٹھا۔ اور جَلَسْتُ جَلْسَتَيْنِ میں دو مرتبہ بیٹھا، اور جَلَسْتُ جَلَسَاتٍ میں کئی مرتبہ بیٹھا۔ تو فَعْلَةٌ وزن مصدر میں کس لیے آتا ہے؟ عددیان کرنے کے لیے۔ اور یاد رکھو فِعْلَةٌ وزن جو ہے وہ نوع بیان کرنے کے لیے آتا ہے۔ جَلَسْتُ جِلْسَةً، کیا معنی؟ میں ایک طریقے پر بیٹھا، ایک نوع پر بیٹھا۔ جَلَسْتُ جِلْسَتَيْنِ، کیا معنی؟ میں دو طریقوں پر بیٹھا۔ جَلَسْتُ جِلْسَاتٍ، کیا معنی؟ میں کئی طریقوں پر بیٹھا، کافی دیر بیٹھنا پڑا تو کبھی تھک کر ایک طریقے پر بیٹھ جاتا، کبھی تھک کر دوسرے طریقے پر بیٹھ جاتا۔ بات سمجھ میں آرہی ہے؟ تو فَعْلَةٌ وزن مصدر میں کس لیے آتا ہے؟ عددیان کرنے کے لیے، اور فِعْلَةٌ وزن کس لیے آتا ہے؟ نوع بیان کرنے کے لیے۔

تو مفعولِ مطلق تاکید کے لیے کب ہو گا؟ جب اس کا بھی وہی مفہوم ہو جو مصدر فعل سے مفہوم ہو رہا تھا، اگر اس کے

مفہوم میں ذرا بھی زیادتی آگئی تو سمجھ جاؤ یہ تاکید کے لیے نہیں ہے۔ مثلاً میں آپ سے کہتا ہوں جَلَسْتُ جُلُوْسًا، جَلَسْتُ سے بھی کون سا مصدر سمجھ میں آیا؟ جلوس، اور آگے بھی جُلُوْسًا ذکر ہے اس کے اندر کوئی زیادتی نہیں ہے، تو لہٰذا یہ مفعولِ مطلق کس لیے ہے؟ تاکید کے لیے ہے۔ اور اگر میں یوں کہوں جَلَسْتُ جَلْسَةً، توجہ ہے؟ جَلَسْتُ جَلْسَةً، یہ جَلْسَةً کس لیے آیا؟ عددبیان کرنے کے لیے۔ کس طرح؟ آپ اس کو تاکید کے لیے کیوں نہیں بناتے؟ اس لیے کیونکہ اس کے معنی میں زیادتی ہے۔ وہ جو جَلَسْتُ ہے اس سے صرف بیٹھنا سمجھ میں آرہا ہے، اور جَلْسَةً کا کیا معنی؟ جَلْسَةً، ایک مرتبہ بیٹھنا، یہ عدد کے لیے ہے۔ تو فعل سے صرف کیا سمجھ میں آیا؟ بیٹھنا، اور جَلْسَةً سے کیا سمجھ میں آیا؟ ایک دفعہ بیٹھنا، تو مفہوم میں زیادتی آ گئی۔ جب مفہوم میں زیادتی آگئی معلوم ہوا فعل سے جو مصدر مفہوم ہوا وہ اور ہے، جو یہاں آپ ذکر فرما رہے ہیں وہ جب یہ اور ہے، دونوں میں فرق ہے، تو یہ تاکید کے لیے نہیں ہو سکتا۔ تاکید کے لیے وہی چیز، تاکید کسے کہتے ہیں؟ کہ اسی چیز کو دوبارہ لایا جائے، جب اسی چیز کو دوبارہ لایا جائے بھئی۔ جَاءَنِيْ زَيْدٌ زَيْدٌ، یہ زیدِ ثانی کیا کر رہا ہے؟ زیدِ اول کی تاکید ہے۔ میں نے کسی سے کہا جَاءَنِيْ زَيْدٌ، اب اس کے ذہن میں آسکتا ہے بھئی زید کہاں آیا ہو گا، زید تو بڑا آدمی ہے، تو میں دوبارہ اس کی تاکید لایا جَاءَ زَيْدٌ زَيْدٌ، اس نے اس پہلے زید کو پکا کر دیا، معلوم ہوا کہ زید ہی آیا ہے بھئی۔ بات سمجھ میں آرہی ہے؟ تو تاکید کسے کہتے ہیں؟ کہ ایک چیز کو دو دفعہ ذکر کیا جائے تو یہ اس چیز کو پکا کر دیتی ہے۔ تو اگر فعل سے ایک مصدر مفہوم ہو رہا ہے اور آگے مفعولِ مطلق کے مفہوم اور ہے، تو معلوم ہوا یہ تو وہی چیز نہیں، جب وہی چیز نہیں معلوم ہوا یہ تاکید نہیں پیدا کر رہا بلکہ یہ نوع یا عدد کا فائدہ دے رہا ہے۔ بات سمجھ میں آرہی ہے؟

اسی طرح جَلَسْتُ جِلْسَةً، یہ جِلْسَةً کس لیے آیا؟ یہ نوع کے لیے ہے، یہ تاکید کے لیے نہیں، کیونکہ جِلْسَة کا کیا معنی؟ ایک نوع پر بیٹھنا، ایک طریقے پر بیٹھنا۔ تو فعل سے تو صرف جلوس بیٹھنا سمجھ میں آرہا تھا، ایک خاص طریقے پر بیٹھنا یہ تو اس سے سمجھ میں نہیں آرہا تھا، تو اس کے مفہوم میں زیادتی ہے بھئی۔ یا دوسری مثال لے لو: ضَرَبْتُ ضَرْبًا، یہ ضَرْبًا کس لیے ہے؟ یہ ضَرَبْتُ ضَرْبًا تاکید کے لیے ہے، نوع کے لیے ہے یا عدد کے لیے ہے؟ یہ تاکید کے لیے ہے، ضَرَبَ سے بھی ضرب سمجھ میں آیا اور آگے ضَرْبًا میں لے آیا۔ دوسری مثال لے لو: ضَرَبْتُ ضَرْبًا شَدِيْدًا، یہ کس لیے ہے؟ یہ نہیں تاکید کے لیے بھئی اس کی صفت آگئی۔ ضَرْبًا شَدِيْدًا، کیا معنی؟ سخت پٹائی، سخت پٹائی۔ اور فعل سے سخت پٹائی سمجھ میں آئی تھی یا مطلق پٹائی سمجھ میں آئی تھی؟ مطلق، تو یہاں پر یہ نوع بیان کر رہا ہے، کیونکہ پٹائی کوئی ہلکی ہوتی ہے کوئی سخت ہوتی ہے تو اس نے نوع بیان کر دی۔ توجہ ہے؟ تو نوع کے لیے کبھی وہ خاص وزن فِعْلَةٌ استعمال کرتے ہیں اور کبھی صفت لائی جاتی ہے بھئی، کبھی صفت لائی جاتی ہے، کبھی اضافت وغیرہ کی جاتی ہے۔ جَلَسْتُ جُلُوْسَ الْقَارِئِ، کیا معنی؟ پھر سنو، جَلَسْتُ جُلُوْسًا یہ جُلُوْسًا کس لیے ہے؟ تاکید کے لیے کیونکہ جَلَسْتُ سے بھی وہی جلوس سمجھ میں آیا آگے بھی وہی جلوس ہے۔ اب ذرا اس کی اضافت کر دو: جَلَسْتُ جُلُوْسَ الْقَارِئِ، قاری کی طرح بیٹھنا، یہ تو فعل سے مفہوم نہیں ہو رہا، معلوم ہوا یہ آگے اب

جو جُلُوْسَ الْقَارِئِ آیا یہ کس لیے ہے؟ یہ نوع کے لیے ہے۔

اور مثال لے لو: جَلَسْتُ جُلُوْسَيْنِ، جَلَسْتُ جُلُوْسَيْنِ، یہ جُلُوْسَيْنِ کس لیے آیا؟ یہ عددبیان کرنے کے لیے آیا، کیونکہ جُلُوْسَيْنِ کا کیا معنی ہے؟ دو دفعہ بیٹھنا، تثنیہ ہے بھئی، اور فعل سے کوئی دو دفعہ بیٹھنا سمجھ میں آیا تھا؟ نہیں، طریقہ سمجھ میں آگیا۔ تو لہٰذا یہ جو مفعولِ مطلق ہے کبھی تاکید کے لیے آئے گا، کبھی نوع کے لیے اور کبھی عدد کے لیے۔ تاکید کے لیے جو آئے اس کا مفہوم وہی ہونا چاہیے جو فعل سے مفہوم ہوا تھا، اگر اس کے مفہوم میں کسی بھی لحاظ سے کمی یا زیادتی ہے تو سمجھ جاؤ یہ تاکید کے لیے نہیں ہے۔

جیسے قرآن میں اللہ فرماتے ہیں: كَلَّمَ اللّٰهُ مُوْسٰى تَكْلِيْمًا۔ كَلَّمَ اللّٰهُ مُوْسٰى، اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کلام فرمایا، تو یہاں مجاز کا احتمال ہو سکتا تھا کہ اللہ نے براہِ راست کلام نہیں فرمایا ہو گا، کسی فرشتے کے ذریعے پیغام بھیجا ہو گا، اور فرشتے کے ذریعے پیغام بھجوانا بھی تو اسی طرح ہے جیسے اللہ خود ہی کلام فرما رہے ہیں۔ لیکن آگے تَكْلِيْمًا مصدر آگیا، اور كَلَّمَ سے بھی کون سا مصدر معلوم ہوا تھا؟ تکلیم، اور آگے بھی تکلیم آگیا، تو اس نے اس کو پکا کر دیا اور مجاز کے احتمال کو ختم کر دیا۔ معلوم ہوا اللہ نے فرشتے وغیرہ کے ذریعے کلام نہیں فرمایا بلکہ براہِ راست کلام فرمایا ہے، یہاں مجاز کا احتمال ختم ہو گیا۔ بات سمجھ میں آگئی۔

تو ضَرَبْتُ ضَرْبًا شَدِيْدًا، یہ ضَرْبًا شَدِيْدًا کس لیے آیا؟ نوع کے لیے۔ ایک اور مثال لے لیں: ضَرَبْتُ ضَرْبًا كَثِيْرًا، یہ ضَرْبًا كَثِيْرًا کس لیے آیا؟ جی؟ نہیں، یہ عددبیان کرنے کے لیے ہے یہاں پر بھئی۔ ضربِ کثیر اور قلیل یہ تو عدد کے اعتبار سے ہوتا ہے، ضرب تھوڑی ہے یا ضرب زیادہ ہے بھئی۔ بات سمجھ میں آگئی۔

تو معلوم ہوا عدد کو بیان کرنے کے لیے کبھی وہ خاص وزن استعمال کرتے ہیں: جَلَسْتُ جَلْسَةً یا جَلَسْتُ جَلْسَتَيْنِ یا جَلَسْتُ جَلَسَاتٍ۔ کبھی صفت لاتے ہیں، جیسے ضَرَبْتُ ضَرْبًا كَثِيْرًا۔ اور کبھی یاد رکھو مَرَّةً کا لفظ استعمال کر لیتے ہیں: جَلَسْتُ مَرَّةً میں ایک دفعہ بیٹھا، جَلَسْتُ مَرَّتَيْنِ میں دو دفعہ بیٹھا، جَلَسْتُ مِرَارًا میں کئی مرتبہ بیٹھا، اور یہ مَرَّةً اور مَرَّتَيْنِ وغیرہ یہ سارے ظرف ہیں، یہ کیا ہیں؟ یہ ظرفِ زمان ہیں، یہ مفعول فیہ بنیں گے۔ بات سمجھ میں آگئی۔ جی، تو عددبیان کرنے کے لیے کبھی فَعْلَةٌ وزن استعمال کرتے ہیں، کبھی مصدر کی صفت بھی لے آتے ہیں اور کبھی مَرَّةً وغیرہ کا لفظ استعمال کرتے ہیں۔ اور نوع بیان کرنے کے لیے کیا کرتے ہیں؟ کبھی فِعْلَةٌ وزن استعمال کر لیتے ہیں اور کبھی اس مصدر کی صفت لے آتے ہیں، ضَرَبْتُ ضَرْبًا شَدِيْدًا بھئی، نوع بیان کرنے کے لیے۔ اور تاکید کے لیے مصدر کب ہو گا؟ جب اس مصدر کا مفہوم وہی ہو جو فعل سے مفہوم ہو رہا ہے، اس میں کسی قسم کی کوئی کمی یا زیادتی نہ ہو بھئی۔ بات سمجھ میں آگئی۔

اب اس سارے کو شرح کے ساتھ دیکھیے بھئی۔ کہتے ہیں: وَقَدْ يَكُوْنُ الْمَفْعُوْلُ الْمُطْلَقُ لِلتَّأْكِيْدِ، اور کبھی کبھار مفعولِ مطلق تاکید کے لیے ہوتا ہے، إِنْ لَمْ يَكُنْ فِيْ مَفْهُوْمِهٖ زِيَادَةٌ اگر اس کے مفہوم میں زیادتی نہ ہو، عَلٰى مَا يُفْهَمُ مِنَ الْفِعْلِ اس مفہوم پر وہ جو مفہوم ہو رہا ہے فعل سے۔ جب اس کے مفہوم میں زیادتی نہ ہو وہ جو فعل سے مفہوم ہو رہا ہے اس پر اس کے مفہوم میں زیادتی نہ ہو بھئی۔ معنی سمجھ میں آگیا؟ تو کہتے ہیں: إِنْ لَمْ يَكُنْ فِيْ مَفْهُوْمِهٖ زِيَادَةٌ عَلٰى مَا يُفْهَمُ مِنَ الْفِعْلِ، اگر اس کے مفہوم میں زیادتی نہ ہو اس پر وہ جو فعل سے مفہوم ہو رہا ہے۔ وَالنَّوْعِ، اور کبھی کبھار مفعولِ مطلق جو ہے نوع کے لیے آتا ہے، إِنْ دَلَّ عَلٰى بَعْضِ أَنْوَاعِهٖ اگر یہ مفعولِ مطلق فعل کی بعض انواع پر دلالت کرے۔ وَالْعَدَدِ، اور کبھی یہ عدد کے لیے آتا ہے، إِنْ دَلَّ عَلٰى عَدَدِهٖ اگر یہ اس فعل کے عدد پر دلالت کرے۔ مِثْلُ جَلَسْتُ جُلُوْسًا لِلتَّأْكِيْدِ، یہ تاکید کے لیے ہے، وَجِلْسَةً بِكَسْرِ الْجِيْمِ لِلنَّوْعِ، یہ نوع کے لیے ہے، وَجَلْسَةً بِفَتْحِهَا، یہ جیم کے فتحہ کے ساتھ ہے، لِلْعَدَدِ یہ عدد کے لیے ہے۔

فَالْأَوَّلُ أَيِ الَّذِيْ لِلتَّأْكِيْدِ لَا يُثَنّٰى وَلَا يُجْمَعُ۔ پس پہلا یعنی وہ جو تاکید کے لیے ہے لَا يُثَنّٰى وَلَا يُجْمَعُ نہ اس کی تثنیہ لائی جاتی ہے اور نہ جمع۔ بھئی وہ مصدر جو تاکید کے لیے لایا جائے اس کی نہ تثنیہ لائی جاتی ہے اور نہ جمع۔ بھئی کیوں؟ تثنیہ اور جمع اس کی کیوں نہیں لاتے؟ کہتے ہیں بھئی اس نے صرف ماقبل فعل میں تاکید پیدا کرنی ہے، تاکید پیدا کرنی ہے تو تاکید کے لیے مفرد کافی ہے، تثنیہ یا جمع لانے کی ضرورت نہیں۔ ضَرَبْتُ ضَرْبًا، اس ضَرْبًا نے کیا کیا؟ ضَرَبْتُ کے اندر تاکید پیدا کر دی، تو تثنیہ اور جمع لانے کی جب حاجت ہی نہیں ہے تو لہٰذا تاکید کے لیے جمع یا تثنیہ لانا بھی جائز نہیں ہے۔ بات سمجھ میں آگئی۔ تو وہ مفعولِ مطلق جو تاکید کے لیے آئے لَا يُثَنّٰى وَلَا يُجْمَعُ اس کی نہ تثنیہ لائی جاتی ہے اور نہ جمع بھئی۔ لِأَنَّهٗ دَالٌّ عَلَى الْمَاهِيَّةِ الْمُعَرَّاةِ عَنِ الدَّلَالَةِ عَلَى التَّعَدُّدِ، اس لیے کیونکہ یہ جو ہے، جو مفعولِ مطلق جو تاکید کے لیے آتا ہے، وہ دلالت کرتا ہے عَلَى الْمَاهِيَّةِ اس ماہیت پر، الْمُعَرَّاةِ عَنِ الدَّلَالَةِ عَلَى التَّعَدُّدِ، مُعَرَّاة کا معنی ہے خالی ہونا، مُعَرَّاة کا کیا معنی؟ جو چیز خالی ہو اس کو مُعَرَّاة، خالی ہو یا ننگی ہو اس کو مُعَرَّاة کہتے ہیں، تو یہاں خالی ہونے کے معنی میں ہے۔ بھئی یاد رکھو یہ جو مصدر ہے نا مصدر، یہ آپ کو میں پہلے ذکر کر چکا ہوں یہ اسمِ جنس ہے بھئی، یہ اسمِ جنس ہے اور جنس کا اطلاق قلیل اور کثیر سب پر ہوتا ہے۔ تو فعل جب آپ نے کہا ضَرَبْتُ، تو ضَرَبْتُ سے آپ کو ضرب سمجھ میں آئی، اور مجھے بتائیے یہ جو ضرب جنس اور ماہیت آپ کو سمجھ میں آئی، اس کے اندر کوئی تعدد ہے؟ ضَرَبْتُ، میں نے پٹائی کی، کوئی آپ کو پتہ چلا دو دفعہ یا چار دفعہ یا چھ دفعہ یا ایک دفعہ؟ نہیں، یہ مطلق ہے، اس میں عدد کی کوئی قید نہیں۔ تو فعل سے وہ جو مصدر مفہوم ہوتا ہے، یا یوں کہو فعل سے وہ جو ماہیت اور جنس مفہوم ہوتی ہے وہ عدد پر دلالت نہیں کرتا۔ جب وہ عدد پر دلالت نہیں کر رہا تو اس کے لیے جو تاکید آپ لا رہے ہیں اس کے اندر بھی عدد پر دلالت نہیں ہونی چاہیے بھئی۔ اگر آپ اس کو تثنیہ یا جمع لے آتے ہیں اور آپ بنانا چاہتے ہیں اس کو تاکید کے لیے، تو بھئی اس کے تو مفہوم میں زیادتی آگئی، یہ تو وہ جنس آپ نے ذکر کر دی مثلاً ضَرَبْتُ ضَرْبَيْنِ، یہ تو آپ

نے ضَرْبَيْنِ وہ ماہیت اور جنس ذکر کر دی جس کے اندر تعدد ہے، اور جو فعل سے جو ماہیت مفہوم ہوئی تھی وہ تو اس میں تو تعدد نہیں تھا، تو پھر تو دونوں ایک چیزیں نہیں ہیں۔ لہٰذا یہ تاکید کے لیے نہیں ہو سکتا جو تثنیہ یا جمع ہو بھئی۔ تاکید کے لیے کیا ضروری؟ کہ وہ ماہیت جو فعل سے مفہوم ہوئی ہے، اور فعل سے کون سی ماہیت مفہوم ہوئی تھی؟ جو تعدد سے خالی تھی، تو تاکید کے لیے بھی جو مصدر لائیں اس کو بھی تعدد سے خالی ہونا چاہیے، لہٰذا اس کو تثنیہ اور جمع نہیں لا سکتے۔ حاصلِ کلام کیا؟ کہ فعل سے جو ماہیت سمجھ میں آ رہی ہے آگے وہی ماہیت آپ دوبارہ ذکر کریں گے تو تاکید بنے گی، ورنہ وہ تاکید کے لیے نہیں ہو سکتا۔

تو کہتے ہیں: لِأَنَّهُ دَالٌّ عَلَى الْمَاهِيَّةِ الْمُعَرَّاةِ عَنِ الدَّلَالَةِ عَلَى التَّعَدُّدِ، اس لیے کیونکہ یہ جو مفعولِ مطلق جو تاکید کے لیے آتا ہے، یہ دلالت کرتا ہے اس ماہیت پر جو خالی ہوتی ہے، بھئی کس چیز سے خالی ہوتی ہے؟ عَنِ الدَّلَالَةِ عَلَى التَّعَدُّدِ تعدد پر دلالت سے، یعنی یہ تعدد پر دلالت نہیں کرتا جو تاکید کے لیے آتا ہے۔ وَالتَّثْنِيَةُ وَالْجَمْعُ يَسْتَلْزِمَانِ التَّعَدُّدَ، جبکہ تثنیہ اور جمع تو مستلزم ہیں تعدد کو بھئی، ان کے ساتھ تو تعدد لازم ہے۔ تثنیہ کس کو کہتے ہیں؟ جس میں دو افراد ہوں، اور جمع کس کو کہتے ہیں؟ جس میں دو سے زیادہ ہوں، تو ان میں تعدد ہے بھئی۔ فَلَا يُقَالُ پس یہ نہیں کہا جائے گا: جَلَسْتُ جُلُوْسَيْنِ أَوْ جُلُوْسَاتٍ إِلَّا إِذَا قُصِدَ بِهِ النَّوْعُ أَوِ الْعَدَدُ۔ تو کہتے ہیں جَلَسْتُ جُلُوْسَيْنِ أَوْ جُلُوْسَاتٍ نہیں کہیں گے، مگر اس وقت جب ارادہ کیا جائے اس کے ذریعے نوع یا عدد کا، پھر تثنیہ یا جمع لائیں گے، ویسے تثنیہ اور جمع تاکید کے لیے نہیں لائیں گے بھئی۔

بِخِلَافِ أَخَوَيْهِ، بخلاف اس کے دو بھائیوں کے، یعنی کہ نوع اور عدد۔ نوع اور عدد، یہ تین چیزیں ذکر ہوئیں نا: تاکید، نوع اور عدد۔ تاکید کے اندر اس مفعولِ مطلق کو تثنیہ اور جمع نہیں لا سکتے، لیکن نوع اور عدد اس کے اندر تثنیہ اور جمع لا سکتے ہیں۔ یہ معنی ہے بِخِلَافِ أَخَوَيْهِ بخلاف اس کے دو بھائیوں کے یعنی نوع اور عدد۔ آگے پڑھیں بھئی، کس طرح پڑھیں گے؟ اَلَّذَيْنِ، یہ اَلَّذِيْنَ نہیں ہے بھئی۔ میں نے آپ کو بتلایا تھا ایک ہے اَلَّذِيْنَ اور ایک ہے اَللَّذَيْنِ۔ اَلَّذِيْنَ جمع کے لیے آتا ہے، اَلَّذِيْنَ اسمِ موصول ہے جمع کے لیے آتا ہے، اور ایک تثنیہ کے لیے آتا ہے اَللَّذَيْنِ، اور دونوں میں پھر فرق بھی میں نے بتلایا تھا: اَلَّذِيْنَ کے اندر ایک لام ہے کیونکہ یہ کثیر الاستعمال ہے اور کثرت خفت کو چاہتی ہے تو اس میں ایک ہی لام رکھا۔ اور اَللَّذَيْنِ یہ تثنیہ کے لیے آتا ہے اور تثنیہ کے لیے تو اسمِ موصول کا استعمال کم ہوتا ہے تو اس لیے اس میں پھر دو لام لکھتے ہیں۔ تو یہاں دیکھو اَللَّذَيْنِ دو لام ہیں، اس سے پتہ چل جاتا ہے کہ یہ تثنیہ ہے۔ تو کہتے ہیں: بِخِلَافِ أَخَوَيْهِ اللَّذَيْنِ هُمَا لِلنَّوْعِ وَالْعَدَدِ، بخلاف اس کے دو بھائیوں کے جو کہ نوع اور عدد ہیں۔ نَحْوُ جَلَسْتُ جَلْسَتَيْنِ وَجَلَسَاتٍ بِكَسْرِ الْجِيْمِ أَوْ فَتْحِهَا، یعنی یہ جو دو مثالیں ہیں ان کو جیم کے کسرہ اور فتحہ دونوں کے ساتھ پڑھ سکتے ہیں۔ جَلَسْتُ جَلْسَتَيْنِ، کیا معنی؟ میں دو مرتبہ بیٹھا، اور جَلَسْتُ جَلَسَاتٍ میں کئی مرتبہ بیٹھا۔ اب اس کو جیم کے کسرہ کے ساتھ پڑھیں: جَلَسْتُ جِلْسَتَيْنِ، کیا معنی؟ میں دو قسم پر بیٹھا، اور جَلَسْتُ جِلْسَاتٍ میں کئی قسم پر، کئی طریقوں پر بیٹھا۔ تو کہتے ہیں: نَحْوُ جَلَسْتُ جَلْسَتَيْنِ وَجَلَسَاتٍ بِكَسْرِ الْجِيْمِ أَوْ

فَتْحِهَا، یہ جیم کے کسرہ یا فتحہ کے ساتھ ہے یعنی دونوں اس میں پڑھ سکتے ہیں۔

وَقَدْ يَكُوْنُ الْمَفْعُوْلُ الْمُطْلَقُ بِغَيْرِ لَفْظِهٖ، اور کبھی کبھار مفعولِ مطلق جو ہے بِغَيْرِ لَفْظِهٖ أَيْ بِغَيْرِ لَفْظِ الْفِعْلِ، یہ ہا ضمیر کس کو راجع؟ فعل کو۔ یاد رکھنا یہ جو مفعولِ مطلق ہے کبھی کبھار اپنے فعل کے لفظ سے مغایر ہوتا ہے، کبھی لفظوں میں مغایرت ہوتی ہے اور کبھی باب کے اندر صرف مغایرت ہوتی ہے۔ لفظوں میں مغایرت، یعنی دونوں کے لفظ ہی الگ ہیں، مادہ ہی الگ ہے، جیسے قَعَدْتُ جُلُوْسًا۔ قعود کا معنی بھی بیٹھنا اور جلوس کا معنی بھی بیٹھنا ہے۔ تو دیکھو قَعَدَ کا مادہ اور، جَلَسَ کا مادہ اور ہے، لیکن چونکہ معنی ایک ہے، معنی ایک ہونا ضروری ہے کیونکہ پیچھے تعریف کے اندر کیا ذکر کیا تھا؟ فِعْلٍ مَذْكُوْرٍ بِمَعْنَاهُ، معنی کی قید آئی تھی کہ وہ فعل اس کا ہم معنی ہونا چاہیے بھئی۔ تو دیکھو اس کے اندر دونوں کا مادہ ہی الگ ہے۔ اور کبھی کبھار مادہ تو ایک ہوتا ہے لیکن باب الگ الگ ہوتے ہیں، جیسے أَنْبَتَهُ اللّٰهُ نَبَاتًا۔ أَنْبَتَ یہ بابِ افعال ہے، اور نَبَاتًا جو آگے مفعولِ مطلق آیا وہ ثلاثی مجرد سے آیا۔ تو فعل آیا ثلاثی مزید فیہ سے اور مفعولِ مطلق آیا ثلاثی مجرد سے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو حاصلِ کلام یہ کہ مفعولِ مطلق جو ہے وہ کبھی اپنے فعل کے مغایر ہوتا ہے، کبھی مادے میں مغایر ہوتا ہے اور کبھی باب کے اندر مغایر ہوتا ہے۔

تو کہتے ہیں: وَقَدْ يَكُوْنُ الْمَفْعُوْلُ الْمُطْلَقُ بِغَيْرِ لَفْظِهٖ، اور کبھی کبھار مفعولِ مطلق جو ہے اپنے فعل کے لفظ کے علاوہ ہوتا ہے، أَيْ مُغَايِرًا لِلَفْظِ فِعْلِهٖ یعنی اپنے فعل کے لفظ کے مغایر ہوتا ہے، إِمَّا بِحَسَبِ الْمَادَّةِ یا تو مادہ کے اعتبار سے، مِثْلُ قَعَدْتُ جُلُوْسًا جیسے قَعَدْتُ جُلُوْسًا، وَإِمَّا بِحَسَبِ الْبَابِ اور یا پھر باب کے اعتبار سے یعنی الگ ہوتا ہے، نَحْوُ أَنْبَتَهُ اللّٰهُ نَبَاتًا، اللہ نے وہ سبزہ اگایا۔ أَنْبَتَهُ اللّٰهُ اللہ نے وہ اگایا یعنی وہ سبزہ اگایا، اور نَبَاتًا اس کے آگے مفعولِ مطلق ہے اور دونوں کا باب الگ الگ ہے۔

صاحبِ کافیہ نے یہاں قَعَدْتُ جُلُوْسًا مثال ذکر کی اور دونوں کا معنی ایک ہی ہے۔ بعض علماء نے فرق کیا ہے، وہ کہتے ہیں کہ قیام کے بعد جب کوئی شخص بیٹھے، کھڑا ہوا تھا اور بیٹھ جائے تو اس کے لیے قعود کا لفظ بولتے ہیں، اور لیٹا ہوا ہو اور اس کے بعد بیٹھ جائے تو اس کے لیے جلوس کا لفظ بولتے ہیں۔ تو قعود کس کے بعد ہے؟ قیام کے بعد۔ یہ عموماً بھول جاتا ہے انسان کہ قیام کے بعد کون سا ہے بیٹھنا اور لیٹنے کے بعد بیٹھنا کون سا ہے، تو ایک نشانی یاد رکھنا: قعود کے شروع میں بھی قاف ہے اور قیام کے شروع میں بھی قاف ہے، تو قعود جو ہے وہ ہے جو قیام کے بعد ہو، اور جلوس وہ ہے جو لیٹنے کے بعد ہو یا سونے کے بعد ہو۔ تو بعض علماء نے یہ فرق کیا ہے، اگر یہ فرق تسلیم کر لیا جائے پھر تو یہ مثال درست نہیں رہتی، پھر یہ مثال... لیکن عام علماء نے یہ فرق نہیں کیا یعنی مطلق بیٹھنے کے لیے قعود بھی بولتے ہیں اور جلوس بھی، اور اسی پر یہ مثال بھی مبنی ہے بھئی۔

وَسِيْبَوَيْهِ يُقَدِّرُ لَهٗ عَامِلًا مِنْ بَابِهٖ، اور امام سیبویہ اس کے لیے مقدر نکالتے ہیں عامل کو مِنْ بَابِهٖ اسی کے باب سے، اور امام سیبویہ ان کے لیے اسی کے باب سے عامل مقدر نکالتے ہیں۔ امام سیبویہ فرماتے ہیں کہ نہیں، مفعولِ مطلق فعل کے لفظوں سے مغایر نہیں ہو سکتا، مادہ میں بھی مغایر نہیں ہو سکتا اور باب کے اندر بھی مغایر نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ وہ فرماتے ہیں قَعَدْتُ جُلُوْسًا، یہ جُلُوْسًا قَعَدْتُ سے مفعولِ مطلق نہیں ہے بلکہ اس کے لیے جَلَسْتُ کا فعل الگ نکالو، أَيْ جَلَسْتُ جُلُوْسًا۔ اور اسی طرح أَنْبَتَهُ اللّٰهُ نَبَاتًا، اس کے اندر وہ فرماتے ہیں کہ نَبَاتًا جو ہے اس کے لیے فعل الگ نکالنا پڑے گا، أَيْ نَبَتَ نَبَاتًا۔ بات سمجھ میں آگئی۔

تو کہتے ہیں: وَسِيْبَوَيْهِ يُقَدِّرُ لَهٗ عَامِلًا مِنْ بَابِهٖ، اور امام سیبویہ اس مفعولِ مطلق کے لیے عامل کو مقدر نکالتے ہیں مِنْ بَابِهٖ اسی کے باب سے: أَيْ قَعَدْتُ وَجَلَسْتُ جُلُوْسًا۔ دیکھا جَلَسْتُ الگ نکال لیں گے اس جُلُوْسًا کے لیے۔ اور ایک اور قیمتی بات آپ کو بتلاؤں بھئی: قَعَدْتُ وَجَلَسْتُ جُلُوْسًا۔ دیکھیے قَعَدْتُ اوپر متن میں آؤ، قَعَدْتُ جُلُوْسًا، تو جُلُوْسًا کے لیے جَلَسْتُ الگ نکالیں گے تو کیسے کہنا چاہیے تھا؟ قَعَدْتُ جَلَسْتُ جُلُوْسًا۔ لیکن صاحبِ جامی کیا فرما رہے ہیں؟ أَيْ قَعَدْتُ وَجَلَسْتُ جُلُوْسًا، درمیان میں واؤ بھی لے آئے۔ یہ واؤ کیوں لائے؟ وجہ یہ کہ یاد رکھنا فعل پر فعل کبھی داخل نہیں ہوتا، ایک فعل کے فوراً بعد دوسرا فعل آجائے درمیان میں کوئی لفظ وغیرہ نہ ہو تو یہ جائز نہیں، کلامِ عرب میں اس کی مثال نہیں ہے۔ تو لہٰذا قَعَدْتُ جَلَسْتُ جُلُوْسًا کہتے تو پھر تو یہ درست نہیں تھا عربی زبان کے اعتبار سے، اس لیے درمیان میں واؤ لے آئے بھئی۔ بات سمجھ میں آگئی؟ قَعَدْتُ وَجَلَسْتُ جُلُوْسًا، وَأَنْبَتَهُ اللّٰهُ فَنَبَتَ نَبَاتًا، دیکھو یہاں فا لے آئے بھئی۔ تو وَأَنْبَتَهُ اللّٰهُ اور اللہ نے وہ سبزہ اگایا، فَنَبَتَ نَبَاتًا تو وہ اگ آیا بھئی، اللہ نے وہ سبزہ اگایا تو وہ سبزہ اگ آیا بھئی۔ معنی سمجھ میں آگیا؟ حل ہو گیا سارا؟ چلیے بس بھئی۔ هٰذَا هُوَ الْمَرَامُ وَاللّٰهُ أَعْلَمُ بِحَقِيْقَةِ الْكَلَامِ۔

سبق نمبر ۱۱۵: المفعول المطلق (۲): مفعولِ مطلق کے ناصب کا جوازاً اور وجوباً حذف ہونا

شرحِ ملا جامی صفحہ: ۸۴ — بتاریخ: ۲ دسمبر ۲۰۲۱ء

▪ تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث

دیکھیے بھئی آگے سبق۔

وَقَدْ يُحْذَفُ الْفِعْلُ النَّاصِبُ لِلْمَفْعُولِ الْمُطْلَقِ لِقِيَامِ قَرِينَةٍ جَوَازًا، كَقَوْلِكَ لِمَنْ قَدِمَ مِنْ سَفَرِهِ خَيْرَ مَقْدَمٍ، أَيْ قَدِمْتَ قُدُومًا خَيْرَ مَقْدَمٍ. فَخَيْرٌ اسْمُ تَفْضِيلٍ، وَمَصْدَرِيَّتُهُ بِاعْتِبَارِ الْمَوْصُوفِ أَوِ الْمُضَافِ إِلَيْهِ، لِأَنَّ اسْمَ التَّفْضِيلِ لَهُ حُكْمُ مَا أُضِيفَ إِلَيْهِ.

بھئی گزشتہ سبق میں ہم نے مفعول مطلق کے بارے میں پڑھنا شروع کیا تھا بھئی۔ اور صاحب جامی نے آپ کو بتلایا کہ مفعول مطلق کا یہ نام اس لیے رکھا گیا کیونکہ تمام مفاعیل میں سے صرف یہی ہے جس پر مفعول کے صیغے کا اطلاق صحیح ہے بغیر با، فی، مع یا لام کی قید کے۔ باقیوں کے اندر بِهِ یا لَهُ یا فِيهِ یا مَعَهُ کی قید لگانا پڑتی ہے۔ جبکہ اس پر ان قیدوں کے بغیر بھی مفعول کے صیغے کا اطلاق صحیح ہے۔ کیونکہ مفعول، مفعول کا کیا معنی عربی زبان میں؟ کیا ہوا۔ تو یہ جو مفعول مطلق ہے یہ بھی فاعل کا کیا ہوا ہے۔ جیسے دیکھو ضَرَبَ زَيْدٌ، زید نے ضرب لگائی۔ اب آپ سے کوئی پوچھے زید نے کیا کیا؟ تو آپ کہیں گے ضرب، ضرب کا فعل کیا۔ تو دیکھو زید کا کیا ہوا کیا ہے؟ ضرب ہے۔ تو اس لیے اس پر مفعول یعنی کیا ہوا کا، اس صیغے کا اطلاق صحیح ہے کیونکہ یہی وہ چیز ہے جس کو فاعل کرتا ہے اور اس کو وجود دیتا ہے۔ جبکہ باقی مفاعیل ایسے نہیں کہ فاعل ان کو وجود دے۔ مفعول بہ ہے، اس پر تو فاعل کا فعل صرف واقع ہوتا ہے، فاعل مفعول بہ کو وجود نہیں دیتا۔ اسی طرح مفعول معہ ہے، وہ تو فاعل کے ساتھ اس فعل کے کرنے میں شریک ہے، فاعل نے کوئی اس کو وجود نہیں دیا۔ اور اسی طرح مفعول فیہ ہے، وہ تو اس زمانے کا نام ہے جس کے اندر فاعل نے فعل کیا ہے۔ تو وہ اس زمانے کا نام ہے، فاعل نے اس کو کوئی وجود نہیں دیا۔ ہاں مفعول لہ ایسا ہے جس کو یہ فاعل وجود دیتا ہے۔ ضَرَبَ زَيْدٌ تَأْدِيبًا۔

زید نے ضرب لگائی ادب سکھانے کے لیے۔ تو یہاں اب زید کے دو فعل ہیں، ایک ضرب اور ایک تادیب۔ یہ ادب سکھانے کا کام بھی کس نے کیا؟ زید نے، اور ضرب بھی کس نے لگائی؟ زید نے۔ تو وہی ضرب بایں لحاظ کہ اس سے دوسرے کو تکلیف ہوئی ہے یہ ضرب کہلاتی ہے، اور وہی ضرب بایں لحاظ کہ اس سے دوسرے کی اصلاح ہوئی ہے اور اس نے ادب سیکھا ہے اسے تادیب کہتے ہیں۔ تو یہ دونوں فعل زید کے مفعول ہیں۔

یہ دونوں فعل زید کے مفعول ہیں یعنی زید نے ان کو وجود دیا ہے۔ ضرب کو بھی زید نے وجود دیا، زید کے اس فعل سے پہلے ضرب زید کا وجود نہیں تھا۔ اور یہ تَأْدِيبًا کو بھی زید نے وجود دیا کیونکہ یہ ضرب زید سے پہلے تادیب زید کا وجود نہیں تھا۔ زید نے یہ فعل کیا تو اس کا وجود پایا گیا۔ تو مفعول لہ بھی فاعل کا کیا ہوا، اور مفعول مطلق بھی فاعل کا کیا ہوا یعنی دونوں فاعل کے مفعول ہیں۔ تو پھر تو مفعول لہ پر بھی مفعول کے صیغے کا اطلاق صحیح ہونا چاہیے بغیر با، فی، مع یا لام کی قید کے، کیونکہ وہ بھی فاعل کا کیا ہوا ہے۔ تو میں نے فرق بتلایا تھا کہ بھئی یہ جو فاعل کو فاعل کہا جاتا ہے، یہ اس مفعول مطلق کی وجہ سے فاعل کہا جاتا ہے، مفعول لہ کی وجہ سے نہیں۔ ضَرَبَ زَيْدٌ تَأْدِيبًا، یہ زید کیا ہے؟ فاعل ہے۔ یہ فاعل ہے اور یہ فاعل کس وجہ سے کہلا رہا ہے؟ ماقبل میں فعل کیا ذکر ہے؟ ضَرَبَ کا۔ تو اس ضَرَبَ کے فعل کی وجہ سے یہ فاعل کہلا رہا ہے۔ یعنی ضرب کا جو فعل اس نے کیا ہے، یعنی جو مفعول مطلق والا فعل اس نے کیا ہے، اس فعل کی وجہ سے یہ فاعل کہلا رہا ہے، تادیب کی وجہ سے یہ فاعل نہیں کہلا رہا۔ تو بایں لحاظ مفعول مطلق کی زیادہ تخصیص ہے کس کے ساتھ؟ فاعل کے ساتھ، کیونکہ فاعل اسی کی وجہ سے فاعل کہلا رہا ہے۔ ضَرَبَ زَيْدٌ تَأْدِيبًا۔ اگر یہ زید کی ضاربیت نہ ہوتی تو زید فاعل نہ کہلاتا۔ تو زید اس ضاربیت کی وجہ سے فاعل کہلا رہا ہے، تادیب کی وجہ سے فاعل نہیں کہلا رہا۔ تو اس لیے معلوم ہوا فاعل کا فعل حقیقت میں ضرب ہی ہے۔ تادیب بھی اس کا فعل ہے لیکن اس کی وجہ سے وہ فاعل نہیں کہلا رہا۔ تو حقیقت میں گویا فاعل کا فعل صرف کیا ہے؟ وہ ضرب ہے یعنی وہ مفعول مطلق ہے۔ تو صرف مفعول مطلق پر مفعول کے صیغے کا اطلاق صحیح ہے بغیر کسی قید کے، جبکہ باقی مفاعیل پر بغیر قید کے مفعول کے صیغے کا اطلاق صحیح نہیں ہے۔

اور یہی وجہ ہے اس کو مقدم کرنے کی بھی۔ اسی وجہ سے صاحب کافیہ نے اس کو مقدم کیا کیونکہ حقیقت میں فاعل کا مفعول یہی ہے بھئی۔ حقیقت میں فاعل کا مفعول یعنی کیا ہوا کام یہی ہے، اسی کو فاعل نے وجود دیا ہے۔ تو اس کو مقدم کیا۔ تو مفعول لہ بھی فاعل کا کیا ہوا ہے۔ لیکن حقیقت میں فاعل کس کی وجہ سے فاعل کہلا رہا ہے؟ اس مفعول مطلق کی وجہ سے یعنی اس ضرب کی وجہ سے وہ فاعل کہلا رہا ہے۔ تو معلوم ہوا کہ فاعل کی زیادہ تخصیص کس کے ساتھ ہے؟ اس مفعول مطلق کے ساتھ ہے، اس لیے مفعول مطلق کو مقدم کیا کس پر؟ مفعول لہ پر۔ اور نیز اس وجہ سے بھی مقدم کیا کہ مفعول مطلق تو ہر فعل کے لیے ہوتا ہے چاہے آپ ذکر کریں یا نہ کریں۔ ضَرَبَ زَيْدٌ، میں نے آگے کوئی ضَرْبًا ذکر نہیں کیا، لیکن زید کا فعل کیا ہے؟ ضرب ہے۔ شَرِبَ عَمْرٌو، میں نے آگے کوئی مفعول مطلق ذکر نہیں کیا، لیکن عمرو کا فعل کیا ہے؟

شرب ہے۔ تو مفعول مطلق ہر فعل کا ہوتا ہے چاہے آپ ذکر کریں یا نہ کریں۔ جبکہ مفعول لہ، وہ تو ماقبل فعل کی علت بیان کرتا ہے، وہ ہر فعل کا نہیں ہوتا۔ بہت سے کام آپ ایسے کرتے ہیں جو عبث ہوتے ہیں، بے کار ہوتے ہیں، ان کا کوئی، ان کا کوئی مقصد ہی نہیں ہوتا۔ جیسے میں نے پہلے بھی مثال ذکر کی تھی آپ بیٹھے ہوئے ہیں اور سوچ میں ڈوبے ہوئے ہیں اور تنکے کے ساتھ آپ زمین کو کرید رہے ہیں۔ اب دیکھو یہ آپ کا ایسا کام ہے جو عبث ہے، بے کار ہے، اس کا کوئی مقصد نہیں۔ تو اس طرح اگر آپ غور کریں گے بہت سے کام ایسے ہوتے ہیں جو انسان عبث کرتا ہے، جس کا کوئی مقصد نہیں ہوتا۔

اور پھر بتلایا تھا کہ مفعول مطلق کسے کہتے ہیں؟ وہ نام ہے اس حدث کا جس کو فعل مذکور کے فاعل نے کیا ہو، اور وہ فعل مذکور اس حدث یعنی اس مصدر کے ہم معنی ہو، اس مصدر کے ہم معنی ہو بھئی۔ تو یہ جو مفعول مطلق کی تعریف کی کہ مفعول مطلق اس حدث کا نام ہے جس کو فاعل نے کیا ہو، تو اس پر اشکال ہوتا ہے کہ بہت سے مفعول مطلق ایسے ہیں کہ جن کے فعل کو فاعل نے کیا نہیں یعنی فاعل نے ان کو وجود نہیں دیا ہوتا، وہ تو آپ کی تعریف سے نکل گئے۔ جیسے مَاتَ زَيْدٌ مَوْتًا، یہ مَوْتًا مفعول مطلق ہے لیکن یہ مرنے کا فعل، زید نے تو اس کو وجود نہیں دیا، زید نے تو اس کو اپنے اختیار سے نہیں کیا۔ اسی طرح جَسُمَ جَسَامَةً، بڑے جسم والا ہونا، یہ بھی جو بڑے جسم والا ہے وہ اس نے اپنے اختیار سے تو نہیں کیا، یہ تو اللہ نے اس کو بڑا جسم عطا فرمایا ہے۔ اسی طرح شَرُفَ شَرَفًا وغیرہ جیسے افعال کے مفعول مطلق تو نکل جاتے ہیں کیونکہ ان کو تو فاعل وجود نہیں دیتا، اپنے اختیار سے نہیں کرتا۔ تو اس کا بھی جواب دیا تھا صاحب جامی نے کہ فاعل کے فعل کو کرنے کا مطلب یہ ہے کہ وہ فعل اس کی صفت ہو، وہ فاعل ہے تو وہ فعل ہے، وہ فاعل نہیں تو وہ فعل بھی نہیں، اور وہ اس فعل کی طرف فاعل کا اسناد صحیح ہو بھئی، یہ معنی نہیں کہ فاعل نے اس کو وجود دیا ہو۔ تو اب مَاتَ زَيْدٌ مَوْتًا، اب یہ بے شک موت کا فعل جو ہے اس کو زید نے وجود نہیں دیا، لیکن یہ موت زید کی صفت ہے، یہ موت زید کی صفت ہے کیونکہ مرا کون ہے؟ زید ہے، تو یہ موت زید کی صفت ہے۔ اور نیز اس موت کا اسناد زید کی طرف صحیح ہے، مَاتَ زَيْدٌ مَوْتًا، دیکھا زید کی طرف مَاتَ کا اسناد کیا جا رہا ہے۔ تو فاعل کے فعل کو کرنے کا مطلب یہ ہے کہ اس کی طرف اسناد صحیح ہونا چاہیے۔ پھر وہ چاہے اسناد جو ہے، وہ اسناد چاہے ایجابی ہو چاہے سلبی، یعنی چاہے اس میں کسی چیز کا اثبات کیا گیا ہو چاہے کسی چیز کی نفی کی گئی ہو، جیسے مَا ضَرَبَ زَيْدٌ ضَرْبًا۔ اب اس میں فعل منفی ہے، تو ترجمہ کیا؟ زید نے پٹائی نہیں کی۔ اور آپ نے تو ہمیں کیا کہا تھا مفعول مطلق کسے کہتے ہیں؟ وہ فعل جو فاعل نے کیا ہو۔ اور یہاں تو ضَرَبَ کا فعل زید نے نہیں کیا، حرف نفی داخل ہے، معلوم ہوا اس نے ضرب والا فعل نہیں کیا، تو اس کے بعد بھی مفعول مطلق آ رہا ہے تو یہ بھی تعریف سے نکل گیا کیونکہ یہ ضرب کا فعل تو فاعل نے نہیں کیا۔ تو اس کا بھی جواب ہو گیا کہ فعل کے کرنے کا معنی یہ ہے کہ اس فاعل کی طرف اسناد صحیح ہو، اور یہاں پر بھی مَا ضَرَبَ کا اسناد زید کی طرف صحیح ہے۔

اور پھر اس کے بعد بتلایا تھا کہ یہاں تک جو تعریف ہوئی کہ مفعول مطلق وہ نام ہے اس حدث کا جس کو فاعل نے کیا

ہو، تو اس میں تمام دنیا کے مصادر داخل ہو گئے۔ تمام دنیا کے مصادر داخل ہو گئے، اس لیے کیونکہ ہر مصدر کو کسی نہ کسی فاعل نے کیا ہوتا ہے، مصدر کے لیے ہمیشہ کوئی فاعل چاہیے، بغیر فاعل کے تو مصدر نہیں ہو سکتا۔ ضرب کے لیے کوئی ضارب چاہیے، شرب کے لیے کوئی شارب چاہیے، اکل کے لیے کوئی آکل چاہیے۔ تو لہذا اس میں سارے افعال داخل ہو گئے تھے کیونکہ ہر مصدر جو ہے اس کے لیے کوئی نہ کوئی فاعل چاہیے۔ پھر آگے جب مَذْكُورٍ کہا تو اس قید کے ذریعے وہ تمام مصادر نکل گئے جن کا فعل لفظوں میں مذکور نہ ہو بھئی۔ اور پھر اس کے بعد یہ بھی کہا بِمَعْنَاهُ کہ وہ فعل، کہ وہ فعل اس اسم کے یعنی اس حدث کے معنی میں ہو، اس مصدر کے معنی میں ہو، ضَرَبَ زَيْدٌ ضَرْبًا، یعنی یہ جو ضَرَبَ ہے یہ اس ضرب کے معنی میں ہو۔ اور اس کے معنی میں ہونے کا کیا مطلب؟ صاحب جامی نے بتلایا تھا کہ اس کے معنی میں ہونے کا مطلب یہ ہے کہ فعل اس مصدر کے معنی پر مشتمل ہو، یعنی وہ مصدر کا معنی فعل کا جز ہونا چاہیے، کیونکہ فعل کے اندر تین چیزیں ہوتی ہیں: مصدر، زمانہ اور نسبت إلى الْفَاعِلِ، تو مصدر فعل کا جز ہوتا ہے۔

اور پھر کہتے ہیں کہ یہ جو بِمَعْنَاهُ کی قید آئی، اس کے ذریعے كَرِهْتُ كَرَاهَتِي جیسی مثالیں بھی نکل گئیں۔ کیونکہ اعتراض ہوتا تھا کہ آپ نے یہ جو مفعول مطلق کی تعریف کی یہ دخول غیر سے مانع نہیں، اس کے اندر كَرِهْتُ كَرَاهَتِي جیسی مثالوں کے اندر یہ جو كَرَاهَتِي لفظ آ رہا ہے یہ بھی داخل ہو رہا ہے، حالانکہ یہ تو مفعول مطلق نہیں ہے، یہ تو مفعول بہ ہے۔ كَرِهْتُ كَرَاهَتِي، میں نے ناپسند کیا اپنی ناپسندیدگی کو یا میں نے ناگوار سمجھا اپنی ناگواری کو۔ تو یہ دیکھا یہ تو كَرَاهَتِي، اس پر تو فاعل کا فعل واقع ہو رہا ہے۔ تو پھر صاحب جامی نے آپ کو بتلایا کہ ہم نے جو بِمَعْنَاهُ کا ترجمہ آپ کو بتلا دیا کہ فعل اس کے معنی میں ہونے کا کیا معنی؟ کہ فعل اس کے معنی پر مشتمل ہو، فعل اس کے معنی پر مشتمل ہو اور اس مصدر کا معنی فعل کے معنی کا جز ہو۔ تو اس قید کی وجہ سے یہ كَرِهْتُ كَرَاهَتِي جیسی مثالیں بھی اس تعریف سے نکل گئیں۔

کیوں؟ کہتے ہیں اس لیے کیونکہ یہ جو كَرِهْتُ كَرَاهَتِي، اس کے اندر یہ جو کراہت مصدر ذکر ہے اس کے اندر دو اعتبار ہیں۔ ایک اعتبار یہ کہ اس کراہت کو آپ ذکر کرتے ہیں فعل کے بعد بایں اعتبار کہ فاعل نے یہی والا فعل کیا ہے۔ فاعل نے، جب فاعل نے یہی والا فعل کیا ہے تو یہ کراہت فاعل کی صفت ہے۔ ضَرَبَ زَيْدٌ، زید نے پٹائی کی تو زید کی صفت کیا ہے؟ ضرب۔ تو جب کراہت والا فعل فاعل نے کیا ہے تو یہ کراہت اس کی صفت ہوئی۔ تو آپ بایں اعتبار کراہت کے مصدر کو ذکر کرتے ہیں کہ فاعل نے یہی والا فعل کیا ہے، اور یہی وہ مصدر ہے جس سے اس فعل کا اشتقاق ہوا ہے۔ کیونکہ فاعل کی صفت وہی فعل بنے گا نا جو فاعل نے کیا ہے۔ جب كَرِهْتُ فعل کیا تو كَرِهْتُ تو کس سے مشتق ہے؟ کراہت سے۔ تو معلوم ہوا یہ وہی مصدر ہے جس سے اس فعل کا اشتقاق ہوا ہے۔ پھر سنو، آپ كَرِهْتُ فعل کے بعد کراہت کے لفظ کو ذکر کرتے ہیں، کراہت کے مصدر کو ذکر کرتے ہیں بایں اعتبار کہ یہی فعل فاعل نے کیا ہے اور یہی اس کی صفت ہے اور یہی وہ مصدر ہے جس سے اس فعل کا اشتقاق ہوا ہے، اور فعل کا اشتقاق جس مصدر سے ہوا ہوتا ہے فعل کے اندر بھی وہی مصدر ہوتا ہے۔ اور جب فعل کے اندر بھی وہی مصدر ہے تو فعل دیکھو اس کے معنی پر مشتمل ہوا۔ جب فعل اس

کے معنی پر مشتمل ہوا تو بایں اعتبار یہ کراہت کیا ہے؟ مفعول مطلق ہے۔ کیونکہ کیا قید لگائی تھی؟ بِمَعْنَاهُ، فعل اس کے معنی پر مشتمل ہو۔

اور اگر آپ کراہت کے مصدر کو فعل کے بعد بایں اعتبار ذکر کرتے ہیں کہ یہ فعل اس پر واقع ہے بھئی، تو بایں اعتبار تو فعل اس کے معنی پر مشتمل نہیں۔ فعل جس پر واقع ہوتا ہے کیا اس کے معنی پر مشتمل ہوتا ہے؟ نہیں۔ تو بایں اعتبار جب آپ اس کو ذکر کریں کہ فعل اس پر واقع ہوا ہے، تو اس اعتبار سے تو فعل اس کے معنی پر مشتمل نہیں۔ جب فعل اس کے معنی پر مشتمل نہیں تو بِمَعْنَاهُ کی قید سے یہ نکل گیا، کیونکہ ہم نے تو کیا قید لگا دی کہ فعل اس کے معنی پر مشتمل ہونا چاہیے۔ لہٰذا كَرِهْتُ كَرَاهَةً، یہ كَرَاهَةً تو مفعول مطلق ہے کیونکہ یہ اعتبار اول کے لحاظ سے ذکر کیا گیا ہے۔ اور كَرِهْتُ كَرَاهَتِي کے اندر جو كَرَاهَتِي آیا، یہ اس تعریف سے نکل گیا کیونکہ اس کے معنی پر فعل مشتمل نہیں ہے۔ بات سمجھ میں آ گئی؟

اور میں نے یہ بھی بتایا تھا کہ بعض شارحین نے اسی كَرَاهَتِي کے اندر دو اعتبار بنا لیے کہ بعض اعتبار سے یہ داخل ہے، بعض اعتبار سے یہ داخل نہیں۔ میں نے بتایا نہیں یہ درست نہیں ہے بھئی۔ یہ كَرَاهَتِي جو ہے یہ تو قطعی طور پر مفعول بہ ہی ہے اور اس کو نکلنا ہی چاہیے، اس کو کسی بھی اعتبار سے داخل نہیں ہونا چاہیے۔ بات سمجھ میں آ گئی؟ اور اس کے بعد صاحب کافیہ نے مفعول مطلق کے فائدے بتلائے تھے کہ مفعول مطلق کے تین بڑے فائدے ہیں بھئی۔ تین بڑے فائدے ہیں۔ ایک فائدہ کیا؟ کہ یہ کبھی کبھار تاکید کے لیے آتا ہے، اور تاکید کا کیا معنی؟ کہ کلام سے غلطی اور مجاز کے احتمال کو ختم کر دیتا ہے۔ اور کبھی کبھار یہ نوع کے لیے آتا ہے، اور کبھی کبھار یہ عددیان کرنے کے لیے

آتا ہے۔ اور میں نے بتلایا تھا کہ وہ مفعول مطلق جو تاکید کے لیے آئے، اس کے مفہوم میں کوئی زیادتی نہیں ہونی چاہیے، بلکہ جو فعل سے مصدر مفہوم ہوا تھا، آگے بعینہ ویسا ہی مصدر آپ ذکر کریں تو پھر یہ تاکید کے لیے ہوگا۔ کیوں؟ کیونکہ تاکید کہتے ہیں کہ ایک چیز کو پکا کرنا یعنی اس کو دو دفعہ ذکر کرنا۔ اور دو دفعہ ایک چیز تبھی ذکر ہوگی کہ جو مصدر فعل سے مفہوم ہوا تھا وہی آپ دوبارہ آگے ذکر کر دیں۔ اور اگر آپ آگے ایسا مصدر ذکر کرتے ہیں جس کے مفہوم میں کچھ زیادتی ہے، مثلاً ضَرَبْتُ زَيْدًا ضَرْبًا شَدِيدًا۔ اب یہ ضَرْبًا شَدِيدًا، یہ تو فعل سے مفہوم نہیں ہوا۔ فعل سے تو صرف ضَرْبًا مفہوم ہوا تھا اور آگے آپ ضَرْبًا شَدِيدًا لے آئے، تو معلوم ہوا یہ تاکید کے لیے نہیں ہو سکتا۔ تاکید کے لیے کیا ضروری؟ کہ جو فعل سے مصدر مفہوم ہوا تھا آگے بھی ویسا ہی مصدر آپ ذکر کریں، اس میں کوئی زیادتی نہ ہو۔ اگر اس میں زیادتی آ گئی تو پھر فعل سے جو مفہوم ہوا تو وہ تو اور مصدر تھا، اور آپ نے جو آگے ذکر کیا وہ تو اور مصدر ہے۔ جب دونوں الگ الگ چیزیں ہیں تو تاکید آئی؟ تاکید تو کسے کہتے ہیں؟ ایک ہی چیز کو دو دفعہ ذکر کیا جائے تو پھر تاکید آتی ہے۔ الگ الگ چیزوں کو ذکر کریں پھر تو تاکید

نہیں آتی۔ بات سمجھ میں آگئی؟

اور پھر انہوں نے یہ بھی بتلایا کہ وہ مصدر جو تاکید کے لیے آئے اس کی تثنیہ اور جمع نہیں لائی جائے گی، اس لیے کیونکہ وہ تاکید کے لیے ہے اور تاکید کا کام مفرد کے لانے سے پورا ہو جاتا ہے۔ تو لہذا تثنیہ اور جمع لانے کی کوئی حاجت نہیں۔ اور نیز یہ بھی بتلایا تھا انہوں نے آپ کو کہ کبھی کبھار مفعول مطلق اپنے فعل کے لفظ کے علاوہ سے ہوتا ہے، یعنی کبھی تو مادہ ہی الگ ہوتا ہے اور کبھی صرف باب الگ ہوتے ہیں۔ جبکہ امام سیبویہ فرماتے ہیں کہ نہیں، مفعول مطلق اپنے فعل سے مغایر نہیں ہو سکتا، دونوں کا باب بھی ایک ہونا چاہیے اور مادہ بھی ایک ہونا چاہیے۔ جہاں ذرا فرق آجائے تو وہ پھر کہتے ہیں کہ اس مفعول مطلق کے فعل کو مقدر نکالنا پڑے گا۔ بات سمجھ میں آگئی؟ اب آگے دیکھیے بھئی۔

کہتے ہیں وَقَدْ يُحْذَفُ الْفِعْلُ النَّاصِبُ لِلْمَفْعُولِ الْمُطْلَقِ۔ جی یہاں سے اب آپ کو بتلائیں گے کہ کبھی کبھار مفعول مطلق کے فعل کو حذف کر لیا جاتا ہے۔ یاد رکھنا یہ جو مفعول مطلق کا فعل حذف کیا جاتا ہے، یہ دو قسم پر ہے۔ بعض جگہ حذف جائز ہوگا اور بعض جگہ حذف واجب ہوگا۔ حذف جائز کہاں ہوگا؟ آپ کو بتلائیں گے جہاں پر قرینہ موجود ہو، کوئی ایسی چیز ہو جو بتلائے کہ یہاں پر، یہاں پر یہ والا فعل حذف ہے تو وہاں پر پھر اس کے فعل کو حذف کرنا جائز ہے۔ مثلاً آپ کا ایک ساتھی سفر سے آیا، اب آپ اس سے کہتے ہیں خَيْرَ مَقْدَمٍ، خَيْرَ مَقْدَمٍ۔ جیسے کوئی شخص آتا ہے آپ اردو میں اس کو کیا کہتے ہیں؟ اردو میں اور فارسی میں، خوش آمدید، خوش آمدید بھئی۔ کسی آنے والے کی آمد پر خوشی کا اظہار کیا جاتا ہے کہ آپ کا آنا خوشی کا باعث ہے، تو کیا کہتے ہیں؟ خوش آمدید۔ اسی طرح عربی میں کیا کہتے ہیں؟ خَيْرَ مَقْدَمٍ۔ تو اب ایک آپ کا ساتھی سفر سے آیا، آپ نے اس سے کہا خَيْرَ مَقْدَمٍ یعنی خوش آمدید، آپ کا آنا خوشی کا باعث ہے۔ تو اب دیکھو یہ خَيْرَ مَقْدَمٍ، یہ مفعول مطلق ہے، اور اس کے فعل کو آپ نے حذف کر لیا۔ اور قرینہ بھی موجود ہے، کہ جب قرینہ موجود ہو تاکہ پتہ تو چلے کہ یہاں پر کون سا فعل حذف ہے۔ اور قرینہ کیا ہے؟ یہ اس کی حالت ہے بھئی۔ وہ سامان اٹھائے ہوئے اندر کمرے میں داخل ہوا، دیکھو سفر سے واپس آیا ہے، تو اب یہ اس کی حالت جو ہے یہ دلالت کر رہی ہے اس فعل پر۔ تو خَيْرَ مَقْدَمٍ اصل میں کیا تھا؟ قَدِمْتَ خَيْرَ مَقْدَمٍ، قَدِمْتَ، کہ آپ تشریف لائے ہیں خَيْرَ مَقْدَمٍ، یعنی آپ کا تشریف لانا اچھا ہے، خوشی کا باعث ہے۔ تو خَيْرَ مَقْدَمٍ کے فعل کو حذف کر لیا، اور یہ حذف جوازی ہے، وجوبی نہیں۔ آپ چاہیں تو فعل کو ذکر کر دیں اور یوں کہیں قَدِمْتَ خَيْرَ مَقْدَمٍ، اور یا فعل کو حذف کر دیں اور یوں کہیں خَيْرَ مَقْدَمٍ، دونوں طرح جائز ہے۔

تو لہذا یہاں پر دیکھو، یہ خَيْرَ مَقْدَمٍ یہ مفعول مطلق ہے۔ خَيْرَ مَقْدَمٍ، خَيْرَ مضاف، مَقْدَمٍ مضاف الیہ۔ اور یاد رکھو یہ خَيْرَ جو ہے یہ اسم تفضیل ہے، اصل میں تھا أَخْيَرُ بھئی۔ اسم تفضیل کا وزن کیا ہے؟ أَفْعَلُ وزن، تو یہ اصل میں أَخْيَرُ تھا۔ پھر چونکہ یہ کثیر الاستعمال ہے اور کثرت استعمال خفت کا تقاضا کرتی ہے کہ لفظ کو مختصر اور ہلکا ہونا چاہیے زبان پر، تو پھر اس کو خَيْرٌ بنا دیا گیا، شروع سے ہمزہ کو حذف کر دیا گیا۔ اور پھر یاد رکھو یہ مفرد، تثنیہ، جمع، مذکر، مونث سب کے لیے اسی

طرح استعمال ہوتا ہے، اس کی تثنیہ جمع نہیں لاتے، اس کو مونث نہیں لاتے۔ اسی طرح شَرٌّ، شَرٌّ بھی اسم تفضیل ہے، وہ بھی اصل میں تھا أَشَرُّ، پھر اس میں بھی تخفیف کی گئی کیونکہ یہ دونوں کیا ہیں؟ کثیر الاستعمال ہیں بھئی۔ تو قَدِمْتَ خَيْرَ مَقْدَمٍ، یہ خَيْرَ کیا ہے؟ اسم تفضیل ہے، اور آگے جو مَقْدَمٍ آیا یہ مصدر میمی ہے، یہ مصدر ہے۔ یہ مصدر ہے، اس کو مصدر میمی کہتے ہیں بھئی جس مصدر کے شروع میں میم آئے۔ یہ تو ثلاثی مجرد سے ہے، ثلاثی مزید میں تو مصدر میمی قیاسی عام استعمال ہوتا ہے۔ آپ نے بھی گردانیں پڑھی ہیں، جیسے أَكْرَمَ کی گردان پڑھی، اس سے اسم مفعول کیا آتا ہے؟ مُكْرَمٌ، اور ظرف کیا آتا ہے؟ وہ بھی مُكْرَمٌ، اور یاد رکھو اس سے مصدر بھی آتا ہے اسی مُكْرَمٌ وزن پر۔ توجہ ہے؟ تو یہ جو ثلاثی مزید کے اندر یہ جو اسم مفعول کا وزن ہوتا ہے، یہی وزن اسم ظرف کا بھی ہوتا ہے اور اسی وزن پر بعض اوقات ان کے مصادر بھی آتے ہیں، اس کو مصدر میمی کہتے ہیں۔ معلوم ہوا مُكْرَمٌ یہ تین صیغے ہیں: یہ اسم مفعول بھی ہے، یہ اسم ظرف بھی ہے، اور یہ مصدر میمی بھی ہے۔ تو یہاں پر بھی یہ مَقْدَمٌ کیا ہے؟ مصدر میمی ہے، مصدر ہے۔

اور مثال کس کی ذکر کر رہے ہیں؟ وہ مفعول مطلق جس کے فعل کو حذف کرنا جائز ہے۔ تو یہ خَيْرَ مَقْدَمٍ، بھئی یہ مفعول مطلق کیسے ہو گیا؟ یہ خَيْرَ تو اسم تفضیل ہے اور مصدر تو مضاف الیہ ہے آگے، اور اعتبار تو مضاف کا ہوتا ہے، مضاف الیہ کا اعتبار نہیں ہوتا۔ تو یہ تو آپ نے اسم تفضیل کو مثال میں ذکر کر دیا حالانکہ مثال کس کی ذکر کرنی چاہیے تھی؟ مفعول مطلق کی۔ تو جواب یہ کہ بھئی یہ خَيْرَ اسم تفضیل ہے اور اسم تفضیل کا وہی حکم ہوتا ہے جو اس کے مضاف الیہ کا ہوتا ہے، اور اس کا مضاف الیہ مصدر ہے، تو گویا یہ بھی کیا ہے؟ مصدر ہی کے معنی میں ہو گیا۔ بات سمجھ میں آگئی؟ یہ جو اسم تفضیل ہے نا اس کا وہی حکم ہوتا ہے جو مضاف الیہ کا ہوتا ہے۔ مثلاً آپ کہتے ہیں زَيْدٌ أَفْضَلُ الْقَوْمِ، زید اس قوم میں سے سب سے بہتر ہے، زید ان سب سے بہتر ہے۔ تو یہ دیکھو یہ أَفْضَلُ مضاف اور الْقَوْمِ مضاف الیہ، اور اس أَفْضَلُ کا وہی حکم ہے جو قوم کا ہے، کیونکہ کس کی بات کی؟ زید کی، کہ زید اس قوم میں سے افضل ہے۔ توجہ ہے؟ معلوم ہوا زید بھی انہی میں سے ہے، یہ أَفْضَلُ سے کون مراد ہے؟ زید، اور معلوم ہوا یہ بھی اسی قوم میں سے ہے۔ تو أَفْضَلُ ہے مضاف، الْقَوْمِ ہے مضاف الیہ، اور أَفْضَلُ سے کون مراد ہے؟ أَفْضَلُ الْقَوْمِ کون ہے؟ زید۔ تو اس اسم تفضیل کا وہی حکم ہے جو مضاف الیہ کا ہے کیونکہ زید بھی اسی قوم میں سے ہے، انہی کے افراد میں سے ایک فرد ہے۔ زید انہی میں سے ہے جبھی آپ ان پر فضیلت دے رہے ہیں، اگر زید کسی اور قوم کا ہو تو پھر کیسے، کیا معنی فضیلت دینے کا؟ تو جب اسم تفضیل کی اضافت کی جاتی ہے کسی چیز کی طرف، تو اسم تفضیل کا وہی حکم ہوتا ہے جو مضاف الیہ کا ہوتا ہے، اس لیے کیونکہ اسم تفضیل اسی کے افراد میں سے ایک فرد ہے۔ زَيْدٌ أَفْضَلُ الْقَوْمِ، یہ أَفْضَلُ اسم تفضیل ہے اور اس کی اضافت ہے الْقَوْمِ کی طرف، اور کس کے بارے میں کہا جا رہا ہے؟ زید کے بارے میں، کہ زید أَفْضَلُ الْقَوْمِ ہے، اس قوم سے افضل ہے۔ معلوم ہوا

زید انہی کے افراد میں سے ایک فرد ہے بھئی۔ تو اسم تفضیل کا بھی وہی حکم ہوتا ہے جو مضاف الیہ کا ہوتا ہے۔ تو یہاں پر بھی خَيْرَ مَقْدَمٍ، خَيْرَ اسم تفضیل ہے اور مَقْدَمٍ مضاف الیہ ہے، تو خَيْرَ کا وہی حکم ہے جو آگے مضاف الیہ کا ہے، اور مضاف الیہ تو مصدر ہے، گویا یہ بھی کیا ہے؟ مصدر ہی ہے بھئی۔ تو یہ مفعول مطلق ہی کی مثال ہے۔

یا بعض اور جواب دیتے ہیں، وہ کہتے ہیں کہ اس کے لیے مفعول مطلق محذوف نکال لیں، أَيْ قُدُومًا خَيْرَ مَقْدَمٍ، قُدُومًا خَيْرَ مَقْدَمٍ۔ قَدِمْتَ قُدُومًا، دیکھا قَدِمْتَ سے قُدُوم مصدر الگ نکال لیا اور خَيْرَ مَقْدَمٍ کو اس کی صفت بنا دیا۔ تو معلوم ہوا خَيْرَ مَقْدَمٍ، یہ مفعول مطلق ہے یا تو مضاف الیہ کے اعتبار سے کیونکہ اسم تفضیل کا وہی حکم ہوتا ہے جو مضاف الیہ کا، تو یہ خَيْرَ مَقْدَمٍ مفعول مطلق ہے یا تو مضاف الیہ کے اعتبار سے، یا اپنے موصوف محذوف کے اعتبار سے یعنی قُدُومًا، أَيْ قَدِمْتَ قُدُومًا خَيْرَ مَقْدَمٍ۔ اگر آپ قُدُومًا موصوف محذوف نکالتے ہیں تو پھر خَيْرَ مَقْدَمٍ مفعول مطلق ہے کس کے اعتبار سے؟ اپنے موصوف محذوف کے اعتبار سے۔ معلوم ہوا خود خَيْرَ مَقْدَمٍ مفعول مطلق نہیں ہے، اس کا جو موصوف محذوف ہے یعنی قُدُومًا وہ مفعول مطلق ہے۔ اور آپ چاہیں تو قُدُومًا نکالنے کی کوئی ضرورت نہیں، کیونکہ اس کا مضاف الیہ مصدر ہے تو اس کا بھی وہی حکم ہو گیا، تو یہ خَيْرَ مَقْدَمٍ خود ہی مفعول مطلق ہے بھئی۔ بات سمجھ میں آ گئی؟

دیکھیے بھئی کتاب پر، کہتے ہیں وَقَدْ يُحْذَفُ الْفِعْلُ النَّاصِبُ لِلْمَفْعُولِ الْمُطْلَقِ، اور کبھی کبھار حذف کر لیا جاتا ہے اس فعل کو جو نصب دینے والا ہے مفعول مطلق کو، لِقِيَامِ قَرِينَةٍ، یہ لام بمعنی وقت کے ہے أَيْ وَقْتَ قِيَامِ قَرِينَةٍ، جس وقت قرینہ موجود ہو۔ بھئی یہ بات پہلے بھی گزر چکی ہے کہ یہ لام، اس کو وقت کے معنی میں لینا، یہ لام علت کے لیے بھی آتا ہے تو آپ یہ ترجمہ نہ کرنا کہ مفعول کے فعل کو حذف کر لیا جاتا ہے قرینہ قائم ہونے کی وجہ سے۔ آپ کہیں گے یہ معنی زیادہ اچھا لگ رہا ہے ہمیں کہ فعل کو حذف کر لیا جاتا ہے قرینہ قائم ہونے کی وجہ سے۔ بھئی ترجمہ بے شک آپ کو اچھا لگ رہا ہے لیکن اس صورت میں پھر خرابی آ جاتی ہے بھئی۔ خرابی کیا؟ کیا بات ہوئی کہ مفعول مطلق کو حذف کر لیا جاتا ہے قرینہ قائم ہونے کی وجہ سے، معلوم ہوا قرینہ سبب بنا ہے حذف کا۔ قرینہ قائم ہونے کی وجہ سے، لام کے ذریعے علت بیان کی جاتی ہے، معلوم ہوا اس حذف کی وجہ کیا ہے، علت کیا ہے؟ قرینہ۔ حالانکہ قرینہ جو ہے سبب نہیں بنتا حذف کا، حذف کسی اور نکتے کی وجہ سے کیا جاتا ہے، ہاں قرینہ صرف اس پر دلالت کرتا ہے۔ تو جس جگہ، جس وقت قرینہ موجود ہو، تو پھر اس نکتے کی وجہ سے آپ حذف کر سکتے ہیں۔ تو حذف کا نکتہ کوئی اور ہوتا ہے، یہ قرینہ اس کے حذف کا باعث نہیں بنتا، اس کی وجہ سے حذف نہیں کیا جاتا، بلکہ قرینہ اس کے حذف پر دلالت کرتا ہے۔

تو کہتے ہیں کبھی کبھار وہ فعل جو مفعول مطلق کو نصب دیتا ہے اس کو حذف کر لیا جاتا ہے لِقِيَامِ قَرِينَةٍ، جس وقت قرینہ قائم ہو، جَوَازًا، اور یہ حذف کیسا ہوتا ہے؟ جوازی ہوتا ہے۔ كَقَوْلِكَ جیسے کہ آپ کا قول لِمَنْ قَدِمَ مِنْ سَفَرِهِ اس شخص

سے جو اپنے سفر سے آیا ہے، جو شخص اپنے سفر سے آیا ہے آپ کا اس سے کہنا: خَيْرَ مَقْدَمٍ، أَيْ قَدِمْتَ قُدُومًا خَيْرَ مَقْدَمٍ، دیکھا یہ تقدیر عبارت نکال کر بتلا دی کہ فعل کون سا حذف ہے؟ قَدِمْتَ، اور آپ چاہیں تو مفعول مطلق کو بھی محذوف نکال لیں قَدِمْتَ قُدُومًا خَيْرَ مَقْدَمٍ۔ اور میں نے یہ بھی بتایا آپ چاہیں قُدُومًا نکالیں یا نہ نکالیں۔ اگر آپ نے قُدُومًا نکالا تو معلوم ہوا یہ خَيْرَ مَقْدَمٍ مفعول مطلق ہے اپنے موصوف کے اعتبار سے۔ اور اگر آپ قُدُومًا نہیں نکالتے بلکہ یوں کہتے ہیں قَدِمْتَ خَيْرَ مَقْدَمٍ، تو اس صورت میں یہ خَيْرَ مَقْدَمٍ مفعول مطلق ہے اپنے مضاف الیہ کے اعتبار سے، تو اس صورت میں یہ خود ہی مفعول مطلق ہے، اسم تفضیل شروع میں آیا لیکن اسم تفضیل کا وہی حکم ہوتا ہے جو اس کے مضاف الیہ کا ہوتا ہے۔ تو کہتے ہیں فَخَيْرٌ اسْمُ تَفْضِيلٍ، تو خَيْرٌ جو ہے یہ اسم تفضیل ہے، وَمَصْدَرِيَّتُهُ بِاعْتِبَارِ الْمَوْصُوفِ، اور اس کا مصدر ہونا موصوف کے اعتبار سے ہے، أَوِ الْمُضَافِ إِلَيْهِ، یا مضاف الیہ کے اعتبار سے ہے، لِأَنَّ اسْمَ التَّفْضِيلِ لَهُ حُكْمُ مَا أُضِيفَ إِلَيْهِ، اس لیے کیونکہ اسم تفضیل جو ہے اس کے لیے وہی حکم ہوتا ہے جس کی طرف اس کی اضافت کی جائے بھئی۔

وَوُجُوبًا، أَيْ حَذْفًا وَاجِبًا۔ اور کبھی کبھار یہ مفعول مطلق کے فعل ناصب کو وجوباً حذف کر لیا جاتا ہے۔ وُجُوبًا کے بعد أَيْ حَذْفًا وَاجِبًا کے ذریعے صاحب جامی یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ یہ وُجُوبًا مفعول مطلق ہے باعتبار موصوف محذوف کے۔ پیچھے يُحْذَفُ کا فعل ذکر ہے، اسی سے یہاں پر حَذْفًا نکال لیں، حَذْفًا مفعول مطلق، اور یہ وُجُوبًا اس کی صفت ہے، اور وجوب تو مصدر ہے، تو عبارت کیا بن گئی؟ وَقَدْ يُحْذَفُ حَذْفًا وُجُوبًا، اور وُجُوبًا تو مصدر ہے، مصدر ہے اور مصدر کا حمل تو ذات پر صحیح نہیں، مصدر تو کسی کی صفت نہیں بن سکتا۔ حَذْفًا موصوف اور وُجُوبًا اس کی صفت، تو پھر کیا کریں گے؟ مصدر کو اسم فاعل کے معنی میں لے لیں گے أَيْ حَذْفًا وَاجِبًا، یعنی ایسا حذف جو واجب ہے بھئی۔ یہ باتیں پہلے بھی کئی مرتبہ گزر چکیں۔

سَمَاعًا۔ اچھا یاد رکھو، مفعول مطلق کے فعل کو حذف کیا جاتا ہے، اور یہ حذف دو قسم پر ہے: کبھی یہ حذف جائز ہوگا اور کبھی واجب۔ پھر واجب کے اندر آپ کو بتلائیں گے، واجب کے اندر کہ حذف واجب جو ہے یہ پھر دو قسم پر ہے۔ حذف واجب دو قسم پر ہے۔ بعض جگہ حذف واجب ہوتا ہے یہ سماعی ہے یعنی سماع پر موقوف ہے، عربوں سے ہم نے اسی طرح سنا ہے، کوئی ضابطہ اور قانون اس کا نہیں۔ اور بعض جگہ یہ مفعول مطلق کا حذف واجب ہوتا ہے اور یہ قیاسی ہے یعنی قانون کے مطابق ہے۔ علمائے نحو نے غور کر کے ان کے لیے قوانین تیار کیے اور پورے کلام عرب کو چھان مارا تو دیکھا یہ ہر جگہ واقعی انہی قوانین کے مطابق استعمال ہوئے ہیں۔ تو معلوم ہوا حذف واجب کتنی قسم پر؟ دو

قسم پر: کچھ سماعی ہے، کچھ قیاسی۔ سماعی کا کیا معنی؟ کہ عربوں سے ہم نے ایسے ہی سنا ہے۔ بھئی کچھ جگہیں ایسی ہیں، ادھر دیکھیے، کچھ جگہیں ایسی ہیں جہاں پر مفعول مطلق کے فعل کو حذف کرنا واجب ہے۔ ہم نے آج تک کسی عرب

سے نہیں سنا کہ اس نے ان کے فعل کو ذکر کیا ہو۔ ہمیشہ کیا کرتے ہیں وہ ان کے فعل کو؟ حذف ہی رکھتے ہیں۔ معلوم ہوا یہ جو مفعول مطلق ہیں، ان کے فعل کا حذف واجب ہے۔ اگر واجب نہ ہوتا تو کچھ عرب تو کم از کم ذکر کر دیتے، لیکن کسی نے بھی ذکر نہیں کیا، معلوم ہوا یہ حذف واجب ہے۔

حذف واجب۔ پھر اس میں علماء نے غور کیا کہ یہاں یہ جو حذف واجب ہے، اس کی وجہ کیا ہے؟ تو کچھ چیزوں کے لیے وہ قوانین بنانے میں کامیاب ہو گئے۔ ان کو انہوں نے کہا یہ قیاسی ہیں یعنی قانون کے مطابق ہیں، اور جہاں آپ کے کلام میں بھی اس جیسی جگہ آئے تو آپ کے لیے بھی حذف واجب ہوگا، آپ اس پر قیاس کر سکتے ہیں۔ اور کچھ جگہیں ایسی ہیں جو سماعی ہیں یعنی سماع پر موقوف ہیں۔ ہم نے ان کے لیے بہت کوشش کی کہ کوئی ضابطہ اور قانون بنا دیا جائے کہ پتہ چلے اس قانون کی وجہ سے عرب جو ہے حذف کرتے ہیں، لیکن پوری کوشش کے باوجود کوئی قانون ہم نہیں بنا سکے بھئی۔ کوئی قانون نہیں بنا سکے۔ تو جن کے بارے میں قانون نہیں بنا سکے ان کو کیا کہا؟ سماعی ہیں، سماع پر موقوف ہیں، بس ہم نے عربوں سے سنا ہے۔ قانون کیا ہے، کیوں حذف واجب ہے؟ کہتے ہیں نہیں کوئی قانون نہیں ہے، بس عربوں سے ہم نے اسی طرح سنا ہے۔ اور کچھ کے بارے میں کہ یہ قانون ہے اور ایسے مقام پر عرب حذف کرتے ہیں، پورے کلام عرب میں دیکھا واقعی ایسا تھا بھئی۔ تو معلوم ہوا حذف واجب کتنی قسم پر؟ دو۔ یا سماعی ہوگا یا قیاسی۔ سماعی کا کیا معنی؟ جو سماع پر موقوف ہے، عربوں سے اسی طرح سنا ہے یعنی اس کے لیے کوئی ضابطہ اور قانون نہیں۔ اور قیاسی وہ جن کے لیے ضابطہ اور قانون ہے بھئی۔

تو کہتے ہیں وَوُجُوبًا، أَيْ حَذْفًا وَاجِبًا۔ سَمَاعًا یعنی ایسا حذف جو واجب ہے اور سماعی ہے۔ سَمَاعًا کے بعد صاحب جامی فرما رہے ہیں: أَيْ سَمَاعِيًّا۔ متن میں تو کیا آیا؟ سَمَاعًا۔ صاحب جامی اس کی تفسیر کیا کر رہے ہیں؟ سَمَاعِيًّا۔ بتلانا یہ چاہتے ہیں کہ یہ جو متن میں سَمَاعًا آیا یہ اسم منسوب ہے۔ اسم منسوب کسے کہتے ہیں؟ جس کے آخر میں یائے مشدد لگا دی جاتی ہے نسبت کے لیے۔ جیسے لاہور کی طرف نسبت کرنا چاہیں تو کیا کہیں گے؟ لَاهُورِيٌّ۔ اسی طرح سماع کی طرف نسبت کریں گے تو کیا کہیں گے؟ سَمَاعِيٌّ۔ تو یہ سَمَاعًا اصل میں سَمَاعِيًّا تھا۔ سَمَاعِيًّا تھا، اور اسم منسوب کے آخر سے یائے مشدد کو حذف کیا جاتا ہے، یہ کلام عرب میں عام رائج ہے۔ اسم منسوب کے آخر سے یائے مشدد کو کثرت سے حذف کر لیا جاتا ہے، تو یہ بھی اصل میں سَمَاعِيًّا تھا، پھر اس یائے مشدد کو صاحب کافیہ نے حذف کر لیا اور کیا کہا؟ سَمَاعًا۔ بات سمجھ میں آ گئی۔ تو یہ اصل میں اسم منسوب ہے یعنی سماع کی طرف منسوب۔ سَمَاعًا أَيْ سَمَاعِيًّا یعنی سماعی ہے۔

مَوْقُوفًا، یہ اس کی تفسیر کر رہے ہیں سماعی ہونے کا کیا معنی؟ کہتے ہیں مَوْقُوفًا عَلَى السَّمَاعِ یعنی کہ وہ سماع پر موقوف ہے، لَا قَاعِدَةَ لَهُ يُعْرَفُ بِهَا، اس کا کوئی ضابطہ اور قانون نہیں ہے جس کے ذریعے اس کو جانا جائے۔ نَحْوُ سَقْيًا جیسے سَقْيًا۔ یہ

مفعول مطلق ہے۔ آگے تقدیر کلام نکال رہے ہیں: أَيْ سَقَاكَ اللَّهُ سَقْيًا، اللہ آپ کو سیراب کرے۔ یہ دعا ہے بھئی۔ یہ دعا ہے۔ عرب کسی کو دعا دیتے ہیں مثلاً کوئی اچھائی کسی نیکی پر اس کو دعا دیتے ہیں، سَقْيًا، اللہ آپ کو سیراب کرے۔ ہم نے کبھی عربوں سے نہیں سنا کہ انہوں نے پورا جملہ کہا ہو سَقَاكَ اللَّهُ سَقْيًا، بلکہ مختصراً صرف کیا کہتے ہیں؟ سَقْيًا۔ معنی کیا ہے؟ سَقَاكَ اللَّهُ سَقْيًا، کہ اللہ آپ کو سیراب کرے۔ تو دیکھو اس کے فعل کو حذف کر لیا اور یہ حذف واجب ہے، اور ضابطہ؟ کہتے ہیں ضابطہ کوئی نہیں، بس یہ سماع پر موقوف ہے، ہم نے عربوں سے اسی طرح سنا ہے۔

وَرَعْيًا أَيْ رَعَاكَ اللَّهُ رَعْيًا، یعنی اللہ آپ کی حفاظت کرے۔ یہ بھی دعا ہے بھئی۔ یہ بھی اسی طرح ہم نے عربوں سے سنا ہے۔ وَخَيْبَةً، خَيْبَةً یہ بددعا ہے، مثلاً کسی کافر کو آپ بددعا دیتے ہیں جو اسلام اور مسلمانوں کو تکلیف دے رہا ہے، تو آپ کہتے ہیں خَيْبَةً۔ یہ بددعا ہے۔ یہاں تقدیر کلام کیا ہے؟ خَابَ خَيْبَةً، کہ وہ ناکام و نامراد ہو۔ مِنْ خَابَ الرَّجُلُ خَيْبَةً، یہ کس سے لیا گیا ہے؟ یہ لیا گیا ہے خَابَ الرَّجُلُ خَيْبَةً سے، إِذَا لَمْ يَنَلْ مَا طَلَبَ، جب وہ شخص نہ پائے مَا طَلَبَ جس کو وہ طلب کر رہا ہے۔ جب ایک شخص جس چیز کو طلب کر رہا ہے اس کو نہ پائے، تو اس وقت کہتے ہیں خَابَ الرَّجُلُ خَيْبَةً۔ تو اسی سے پھر بددعا بنا لی، خَيْبَةً، کسی کو بددعا دیتے ہیں بھئی۔

وَجَدْعًا، وَجَدْعًا۔ جَدْعٌ کا معنی آپ کو آگے بتلائیں گے کہ اس کا معنی ہے مثلہ کرنا: میم، ثا، لام اور گول تا ہے، مُثْلَةٌ۔ مثلہ کہتے ہیں کہ کسی کے ناک، کان، ہونٹ کاٹ دینا، آنکھیں نکال دینا، اسی طرح بازو وغیرہ کاٹ دینا، یعنی انسان کا حلیہ بگاڑ دینا۔ عرب کے ہاں طریقہ یہ تھا سخت دشمنیاں ہوتی تھیں تو جب دشمن کو قتل کر دیتے تھے، تو بعض لوگ پھر ان کا مثلہ بھی کرتے تھے، ناک کان وغیرہ بھی کاٹ دیتے تھے۔ اور شریعت میں اس سے منع کیا گیا بھئی۔ کسی مسلمان کے لیے جائز نہیں ہے کہ اپنے کسی دشمن کو بھی قتل کر دے، کافر کو بھی قتل کر دے، مثلہ کرنے کی اجازت نہیں ہے۔ بات سمجھ میں آ گئی؟ تو یہ مثلہ کرنے کو جَدْعٌ کہتے ہیں، اور اسی سے پھر جَدْعًا یہ مفعول مطلق ہے۔ دیکھو کتاب پر، وَجَدْعًا أَيْ جُدِعَ جَدْعًا، یہ کسی کافر کو مثلاً آپ بددعا دیتے ہیں جُدِعَ جَدْعًا، اس کا مثلہ کیا جائے، یعنی اللہ تعالی اس کو، معنی یہ ہے اللہ اس کو ذلیل کریں، اس کو تکلیفوں میں مبتلا کریں بھئی۔ کہتے ہیں وَجَدْعًا أَيْ جُدِعَ جَدْعًا، اس کا مثلہ کیا جائے، وَالْجَدْعُ قَطْعُ الْأَنْفِ وَالْأُذُنِ وَالشَّفَةِ وَالْيَدِ، اور جَدْعٌ جو ہے، قَطْعُ الْأَنْفِ یہ ناک کا کاٹنا ہے، وَالْأُذُنِ اور کان کا کاٹنا، وَالشَّفَةِ اور ہونٹ کا کاٹنا، وَالْيَدِ اور ہاتھ کا کاٹنا ہے۔

وَحَمْدًا، یہ بھی مفعول مطلق ہے، اس کے فعل کو بھی حذف کرنا واجب ہے۔ وَحَمْدًا أَيْ حَمِدْتُ حَمْدًا، میں نے تعریف کی، میں نے حمدیان کی۔ تو یہ خبر بھی ہو سکتی ہے اور یہ انشائے حمد بھی مقصود ہو سکتا ہے۔ وَشُكْرًا أَيْ شَكَرْتُ شُكْرًا، میں نے شکریہ ادا کیا یا میں نے شکر ادا کیا، میں نے شکر ادا کیا۔ تو یہاں دیکھو، عرب صرف کیا کہتے ہیں؟ آپ عرب کا کوئی کام کریں تو وہ آپ کو یہ نہیں کہے گا شَكَرْتُ شُكْرًا، بلکہ کیا کہے گا؟ شُكْرًا۔ وَعَجَبًا أَيْ عَجِبْتُ عَجَبًا، یہ تعجب کا اظہار کرنے

کے لیے کہتے ہیں۔ کسی کی کوئی بات عجیب لگی تو آپ کہتے ہیں عَجَبًا. عَجِبْتُ عَجَبًا یہ کہنا درست نہیں کیونکہ اس کے فعل کو حذف کرنا واجب ہے۔ عَجَبًا کا کیا معنی؟ یعنی انسان اپنے تعجب کا اظہار کر رہا ہے کہ یہ تو بڑی حیرت کی بات ہے۔

جی آگے دیکھیے، کہتے ہیں فَإِنَّهُ لَمْ يُوجَدْ فِي كَلَامِهِم، اس لیے کیونکہ نہیں پایا گیا عربوں کے کلام میں۔ کیا نہیں پایا گیا؟ اسْتِعْمَالُ الْأَفْعَالِ الْعَامِلَةِ فِي هَذِهِ الْمَصَادِرِ، ان افعال کا استعمال جو عمل کرنے والے ہیں ان مصدروں میں۔ ان مصدروں میں جو افعال عمل کر رہے ہیں جو یہ صاحب جامی نے ساری تقدیر عبارت ہر ایک کی ذکر کر دی، کہتے ہیں کہ عربوں کے کلام میں نہیں پایا گیا کہ ان مصادر کے اندر عمل کرنے والے جو افعال ہیں ان کا استعمال۔ وَهَذَا مَعْنَى وُجُوبِ الْحَذْفِ سَمَاعًا، اور یہ معنی ہے وجوب الحذف سماعاً کا۔ انہوں نے کیا کہا؟ کہ حذف واجب ہے، اور یہ کس پر موقوف ہے؟ سماع پر، توجہ ہے؟ بعض مصادر کے فعل کو حذف کرنا واجب ہے، اور یہ حذف واجب کس قسم کا ہے؟ سماع پر موقوف ہے۔ تو کہتے ہیں وَهَذَا مَعْنَى وُجُوبِ الْحَذْفِ سَمَاعًا، اور یہ معنی ہے وجوب الحذف سماعاً کا۔ یعنی حذف کا واجب ہونا باعتبار سماع کے اس کا یہ معنی ہے۔ بھئی کون سا معنی؟ یہ جو پیچھے ذکر کر دیا کہ عربوں کے کلام میں ہم نے نہیں پایا کہ انہوں نے ان کے لیے افعال کو ذکر کیا ہو، استعمال کیا ہو، کسی عرب نے ان کے لیے افعال کو ذکر نہیں کیا، استعمال نہیں کیا۔ یہ معنی ہے کہ ان مصادر کے فعل کا حذف واجب ہے باعتبار سماع کے بھئی۔

معنی سمجھ میں آگیا؟ تو کہتے ہیں وَهَذَا مَعْنَى وُجُوبِ الْحَذْفِ سَمَاعًا، یہ معنی ہے وجوب الحذف سماعاً کا۔ قِيلَ عَلَيْهِ اس پر کہا گیا ہے یعنی اعتراض کیا گیا ہے، قَدْ قَالُوا حَمِدْتُ اللَّهَ حَمْدًا وَشَكَرْتُهُ شُكْرًا وَعَجِبْتُ عَجَبًا، کہ تحقیق عربوں نے کہا ہے حَمِدْتُ اللَّهَ حَمْدًا اور شَكَرْتُهُ شُكْرًا اور عَجِبْتُ عَجَبًا کہا ہے یعنی فعل کو بھی ذکر کیا ہے۔ فَأَجَابَ بَعْضُهُمْ تو بعضوں نے جواب دیا بِأَنَّ ذَلِكَ لَيْسَ مِنْ كَلَامِ الْفُصَحَاءِ، کہ یہ فصیح لوگوں کے کلام میں سے نہیں ہے۔ وَبَعْضُهُمْ اور بعضوں نے یہ جواب دیا بِأَنَّ وُجُوبَ الْحَذْفِ إِنَّمَا هُوَ فِيمَا اسْتُعْمِلَ بِاللَّامِ، کہ حذف کا واجب ہونا وہ اس صورت میں ہے کہ جب یہ لام کے ساتھ استعمال ہو، نَحْوُ حَمْدًا لَهُ وَشُكْرًا لَهُ وَعَجَبًا لَهُ، تو جب لام کے ساتھ ہو تب فعل کا حذف واجب ہے۔ اس جواب پر پھر اعتراض ہوتا ہے کہ جب لام کا استعمال ہوگا پھر حذف واجب ہے، تو متن میں تو کہیں پر بھی لام ذکر نہیں ہے۔ متن میں؟ تو جواب پھر وہ دیتے ہیں کہ بھئی متن میں اختصار کی وجہ سے حذف کر لیا گیا ورنہ وہاں پر بھی لام موجود ہے۔ حَمْدًا أَيْ حَمْدًا لَهُ، شُكْرًا أَيْ شُكْرًا لَهُ۔

آگے دیکھیے، کہتے ہیں وَقَدْ يُحْذَفُ الْفِعْلُ النَّاصِبُ لِلْمَفْعُولِ الْمُطْلَقِ حَذْفًا وَاجِبًا قِيَاسًا. اب یہ دوسری جگہ آگئی۔ میں نے آپ کو بتلایا تھا کہ مفعول مطلق کے فعل کو حذف کرنا واجب ہے، بعض جگہ یہ جو حذف واجب ہے وہ سماع پر موقوف ہے اور بعض جگہ قیاسی ہے یعنی اس کا ضابطہ اور قانون ہے۔ تو وہ حذف جو واجب تھا اور سماع پر موقوف تھا وہ بیان ہو گئے، اب وہ جو قیاسی حذف ہے اس کو ذکر کرنے لگے ہیں بھئی۔ تو کہتے ہیں وَقَدْ يُحْذَفُ الْفِعْلُ النَّاصِبُ لِلْمَفْعُولِ الْمُطْلَقِ

حَذْفًا وَاجِبًا قِيَاسًا، اور کبھی کبھار وہ فعل جو نصب دینے والا ہے مفعول مطلق کو اس کو حذف کر لیا جاتا ہے ایسا حذف جو واجب ہوتا ہے اور قیاسی ہے۔ أَيْ حَذْفًا قِيَاسِيًّا یعنی حذف قیاسی ہے۔ يُعْلَمُ لَهُ ضَابِطٌ كُلِّيٌّ، يُعْلَمُ لَهُ معلوم ہے اس کے لیے ضَابِطٌ كُلِّيٌّ، کلی قانون۔ ضابط کا کیا معنی؟ قانون۔ ایسا کلی قانون يُحْذَفُ مَعَهُ الْفِعْلُ لُزُومًا، کہ اس کے ساتھ فعل کو لزوماً حذف کر لیا جاتا ہے لزوم کے طریقے پر۔

ادھر دیکھیے، بعض جگہیں قیاسی ہیں یعنی ان کے لیے ضابطہ معلوم ہے کہ اس ضابطے کے ہوتے ہوئے پھر حذف لازم ہوگا۔ حذف لازم۔ بعض کے لیے ایسا ضابطہ موجود ہے جو کلی ہے۔ یاد رکھو ضابطہ ہوتا ہی کلی ہے، جیسے الْفَاعِلُ مَرْفُوعٌ، یہ ضابطہ ہے اور یہ ضابطہ کلی ہے۔ أَيْ كُلُّ فَاعِلٍ مَرْفُوعٌ، ہر فاعل مرفوع ہوگا، لہذا عبارت میں جہاں کہیں آپ فاعل لائیں گے اس پر رفع پڑھیں گے۔ تو ضابطہ ہوتا ہی کلی ہے۔ تو یہاں پر بھی ان کے لیے بھی ایسا کلی ضابطہ معلوم ہے کہ جہاں وہ ضابطہ پایا جائے گا یعنی جہاں اس جیسی صورت پائی جائے گی تو وہاں پر حذف واجب ہو جائے گا۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو کہتے ہیں وہ حذف قیاسی ہے يُعْلَمُ لَهُ ضَابِطٌ كُلِّيٌّ يُحْذَفُ مَعَهُ الْفِعْلُ لُزُومًا یعنی معلوم ہے ان کے لیے ایسا کلی قانون کہ اس کے ساتھ فعل کو لزوماً حذف کیا جاتا ہے۔ فِي مَوَاضِعَ مُتَعَدِّدَةٍ، کئی جگہوں میں، کئی جگہوں میں۔ متن میں آیا وَقِيَاسًا فِي مَوَاضِعَ، اور قیاساً حذف کیا جاتا ہے فِي مَوَاضِعَ کئی جگہوں میں۔ آگے صاحب کافیہ چھ سات جگہیں ذکر کریں گے جہاں پر مفعول مطلق کے عامل فعل کو حذف کیا جاتا ہے اور یہ حذف واجب ہے اور قیاسی ہے، ضابطہ ساتھ ذکر کریں گے۔ یہ ضابطہ جہاں پایا جائے وہاں آپ کے لیے بھی حذف واجب ہے۔ اگر آپ ذکر کریں گے تو آپ کلام عرب کے اعتبار سے غلطی کر رہے ہیں۔ تو چھ سات جگہیں ذکر کریں گے۔ لیکن یہ صرف چھ سات جگہیں نہیں ہیں، جگہیں زیادہ ہیں، تو ان میں سے جو مشہور مشہور ہیں وہ ذکر کر دیں گے، ورنہ تو اور بھی جگہیں ہیں جہاں پر حذف واجب ہے اور قیاسی ہے بھئی، قانون بھی ہے وہاں پر باقاعدہ۔ تو صاحب جامی نے اسی بات کی طرف اشارہ کیا فِي مَوَاضِعَ کے بعد مُتَعَدِّدَةٍ کا لفظ نکالا کہ یہ حذف قیاسی

کیا جاتا ہے فِي مَوَاضِعَ مُتَعَدِّدَةٍ کئی جگہوں کے اندر۔ یہ نہیں کہا کہ صاحب کافیہ نے آگے سات جگہیں ذکر کی ہیں، کہنا تو یوں چاہیے تھا کہ سات جگہوں کے اندر، مثلاً صاحب کافیہ نے چھ یا سات جگہیں ذکر کی ہیں، تو ان سات جگہوں کے اندر حذف واجب ہے، بلکہ کیا کہا؟ فِي مَوَاضِعَ مُتَعَدِّدَةٍ، کئی جگہوں میں یہ حذف کیا جاتا ہے، اشارہ کر دیا کہ کئی جگہیں ہیں ان میں سے صاحب کافیہ چند ایک کو ذکر کریں گے جو مشہور ہیں بھئی۔

تو کہتے ہیں مِنْهَا أَيْ مِنْ هَذِهِ الْمَوَاضِعِ مَوْضِعُ مَا وَقَعَ أَيْ مَفْعُولٌ مُطْلَقٌ وَقَعَ مُثْبَتًا۔ اب وہ جگہیں ذکر کر رہے ہیں بھئی۔ اب صرف ذرا متن متن دیکھیے بھئی۔ کہتے ہیں مِنْهَا ان جگہوں میں سے مَا وَقَعَ ایک وہ مقام ہے جہاں مفعول مطلق واقع ہو مُثْبَتًا مثبت ہو کر۔ توجہ ہے؟ مفعول مطلق مثبت ہو کر واقع ہو، یعنی اس کے اثبات کا ارادہ کیا گیا ہو، اس کی نفی کا ارادہ نہ

ہو۔ توجہ ہے؟ ضَرَبَ زَيْدٌ ضَرْبًا، کیا معنی؟ زید کے لیے ضرب ہے یا نہیں ہے؟ ہے۔ ضَرَبَ زَيْدٌ ضَرْبًا، معلوم ہوا ضرب زید کے لیے ہے۔ اور مَا ضَرَبَ زَيْدٌ ضَرْبًا، یہاں بھی ضَرْبًا مفعول مطلق ہے لیکن کیا یہ زید کے لیے اثبات ہے یا اس زید سے نفی کی جا رہی ہے؟ نفی کی جا رہی ہے۔ توجہ ہے؟ تو مراد کیا ہے؟ ایسا مفعول مطلق جو مثبت ہو یعنی جس کے اثبات کا ارادہ کیا گیا ہو۔ بَعْدَ نَفْيٍ، اور یہ مفعول مطلق کس کے بعد آئے؟ نفی کے بعد۔ آئے گا نفی کے بعد لیکن اس کے اثبات کا ارادہ کیا گیا ہوگا۔ بھئی کیا معنی، نفی کے بعد آئے اور اثبات کیسے ہوگا؟ نفی کے بعد تو نفی ہوتی ہے! کہتے ہیں آگے مثلاً إِلَّا آجاتا ہے۔ مَا زَيْدٌ إِلَّا سَيْرًا، مَا زَيْدٌ، توجہ ہے؟ مَا زَيْدٌ إِلَّا، بلکہ یہ مثال دیکھیں کتاب میں چند سطروں کے بعد متن میں دیکھیں: نَحْوُ مَا أَنْتَ إِلَّا سَيْرًا، مثال مل گئی؟ دیکھو اب یہاں کیا معنی ہے؟ مَا أَنْتَ إِلَّا سَيْرًا، دیکھو معنی سمجھ لو۔

سَارَ يَسِيرُ سَيْرًا کا معنی ہے چلنا، چلنا۔ مَا أَنْتَ إِلَّا سَيْرًا، آپ نہیں ہیں مگر چلتے ہی رہتے۔ آپ نہیں ہیں مگر چلنے ہی والے، یعنی آپ تو ہر وقت گھومتے ہی رہتے ہیں۔ مثلاً ایک آدمی ہے بہت زیادہ سفر کرنے والا ہے، تو وہ آپ کو کوئی بات سناتے ہوئے کہتا ہے کہ میں کبھی قیام کرتا ہوں اور کبھی سفر کرتا ہوں۔ تو آپ اس کو کہتے ہیں نہیں بھئی، مَا أَنْتَ إِلَّا سَيْرًا، آپ تو چلتے ہی رہتے ہیں، آپ تو ہر وقت گھومتے ہی رہتے ہیں، یعنی آپ کا قیام اگر ہے بھی تو وہ لا قیام کی طرح ہے، آپ ہر وقت سفر میں رہتے ہیں، آپ ہر وقت کہیں نہ کہیں گھومتے رہتے ہیں، کبھی ایک جگہ سفر میں ہوتے ہیں کبھی دوسری جگہ۔ تو دیکھو وہ قیام کو بھی ذکر کر رہا تھا سیر کے ساتھ، آپ نے قیام کی نفی کر دی کہ نہیں قیام گویا ہے ہی نہیں، آپ تو صرف چلتے ہی رہتے ہیں۔ معنی سمجھ میں آ رہا ہے؟ اب دیکھو مَا أَنْتَ آپ نہیں ہیں إِلَّا سَيْرًا مگر چلتے ہی رہتے، یعنی آپ چلتے ہی رہتے ہیں، آپ گھومتے ہی رہتے ہیں کبھی ایک جگہ کبھی دوسری جگہ۔ آپ نہیں ہیں مگر چلتے ہی رہتے، یہ تو میں مَا اور إِلَّا والا ترجمہ کر رہا ہوں۔ ذرا مَا اور إِلَّا کو ختم کریں مثلاً دوسری مثال لے لیں: مَا زَيْدٌ إِلَّا شَاعِرٌ، زید نہیں ہے مگر شاعر۔ مخاطب کا خیال تھا زید شاعر بھی ہے اور کاتب بھی ہے، آپ اس کو کہتے ہیں مَا زَيْدٌ إِلَّا شَاعِرٌ، زید نہیں ہے مگر شاعر۔ تو آپ نے زید کو کس میں بند کر دیا؟ شاعر ہونے میں بند کر دیا، معلوم ہوا کاتب ہونے کی نفی کر دی آپ نے۔ بات سمجھ میں آ رہی ہے؟ کاتب ہونے کی نفی کر دی۔ مَا زَيْدٌ إِلَّا شَاعِرٌ، زید نہیں ہے مگر شاعر، یہ تو مَا اور إِلَّا کے ساتھ ترجمہ ہے۔ مَا اور إِلَّا کے بغیر ترجمہ کریں بھئی۔ یہ جو إِلَّا کے بعد آئے اس کے بعد «ہی» کا لفظ بڑھا دیں: زید شاعر ہی ہے۔ یا یہ جو إِلَّا کے بعد لفظ آیا ہے اس سے پہلے «صرف» کا لفظ بڑھا دیں، ہی نہ لائیں: زید صرف شاعر ہے۔ تو لفظی ترجمہ کیا؟ مَا زَيْدٌ إِلَّا شَاعِرٌ، لفظی ترجمہ کیا؟ زید نہیں ہے مگر شاعر۔ اور بامحاورہ ترجمہ کیسے کریں گے ہی یا صرف کے ساتھ؟ زید شاعر ہی ہے، یا یوں کہیں زید صرف شاعر ہے، ایک ہی بات ہے، زید شاعر ہی ہے یا زید صرف شاعر ہے، معلوم ہوا کاتب نہیں۔ تو یہ بامحاورہ ترجمہ ہے۔

اب مجھے بتائیے، ادھر دیکھیے: مَا زَيْدٌ إِلَّا شَاعِرٌ، حرف نفی آیا یا نہیں؟ حرف نفی آیا ہے۔ اور بامحاورہ ترجمہ کریں: زید

شاعر ہی ہے۔ نفی ہے؟ دیکھو نفی نہیں ہے، وہ نفی کس نے توڑ دی تھی؟ إِلَّا نے توڑ دی تھی۔ نفی تھی لیکن إِلَّا نے کیا کیا؟ شاعر کو نفی سے نکال دیا، إِلَّا کے بعد شاعر کا لفظ آیا نا تو إِلَّا نے کیا کیا؟ اس مَا کی نفی کو توڑ دیا۔ بات سمجھ میں آ رہی ہے؟ تو یہ إِلَّا نفی کو توڑ دیتا ہے۔ تو یہاں پر بھی اسی طرح ہے، کتاب پر دیکھیے: مَا أَنْتَ إِلَّا سَيْرًا، یہ جو سَيْرًا ہے یہ مفعول مطلق ہے، اور اس کے فعل کو حذف کرنا واجب ہے، اور یہ کس جگہ پر ہوگا؟ انہوں نے بتلایا کہ جس کے اثبات کا ارادہ کیا گیا ہو۔ اور مجھے بتائیے مَا أَنْتَ إِلَّا سَيْرًا اس کا بامحاورہ ترجمہ کریں: آپ چلتے ہی رہتے ہیں۔ دیکھا نفی تو کوئی نہیں، چلتے رہنے کا اثبات کیا جا رہا ہے مخاطب کے لیے۔ تو یہ مفعول مطلق نفی کے بعد آیا، یعنی مَا شروع میں داخل ہے، لیکن اس کے اثبات کا ارادہ کیا گیا ہے، نفی کا ارادہ نہیں کیا گیا۔

اب پھر عبارت دیکھیں: مِنْهَا مَا وَقَعَ مُثْبَتًا، ان جگہوں میں سے ایک وہ جگہ ہے جہاں مفعول مطلق جو ہے وہ مثبت ہو یعنی اس کے اثبات کا ارادہ کیا گیا ہو، بَعْدَ نَفْيٍ أَوْ مَعْنَى نَفْيٍ، اور نفی کے بعد آئے یا معنی نفی کے بعد۔ اور وہ نفی یا معنی نفی، دَاخِلٍ عَلَى اسْمٍ، وہ داخل ہو ایسے اسم پر، لَا يَكُونُ خَبَرًا عَنْهُ۔ توجہ ہے؟ وہ نفی یا معنی نفی داخل ہو ایسے اسم پر لَا يَكُونُ خَبَرًا عَنْهُ، کہ یہ مفعول مطلق اس سے خبر نہ بن سکے۔ ادھر دیکھو اس مثال پہ نظر رکھو، مَا أَنْتَ إِلَّا سَيْرًا۔ یہ سَيْرًا مفعول مطلق ہے اور اس کے اثبات کا ارادہ کیا گیا ہے اور یہ کس کے بعد ہے؟ نفی یا معنی نفی کے بعد ہے۔ اور یہ نفی یا معنی نفی کس پر داخل ہے؟ أَنْتَ، یہ جو اسم ہے، مَا کے بعد کیا ہے؟ أَنْتَ۔ آگے ایک دو سطروں کے بعد ہے وَإِنَّمَا أَنْتَ سَيْرًا، مثال مل گئی متن میں؟ وَإِنَّمَا أَنْتَ سَيْرًا۔ اس میں بھی دیکھو، یہ إِنَّمَا معنی نفی کس پر داخل ہے؟ أَنْتَ یعنی اسم پر۔ کس پر؟ مَا أَنْتَ میں بھی مَا کس پر داخل ہے؟ اسم پر، یہ أَنْتَ اسم ہے، اور إِنَّمَا بھی کس پر داخل ہے؟ اسم پر۔ یہ دراصل نکالنا چاہتے ہیں اس نفی اور معنی نفی کو جو فعل پر داخل ہو۔ معلوم ہوا یہ مَا کے بعد فعل نہیں آنا چاہیے، إِنَّمَا کے بعد فعل نہیں آنا چاہیے۔ تو وہ نفی یا معنی نفی، وہ داخل ہو ایسے اسم پر کہ یہ آگے مفعول مطلق اس سے خبر نہ بن سکے۔ مثال پہ نظر رکھو: مَا کس پر داخل ہے؟ اسم پر، اور یہ ایسا اسم ہے کہ آگے آنے والا سَيْرًا اس سے خبر نہیں بن سکتا۔ کیوں نہیں بن سکتا؟ کیونکہ وہ منصوب ہے، اگر وہ خبر ہوتی، خبر تو مرفوع ہوتی ہے، اس پر تو رفع آتا ہے، اور اس پر نصب آ رہا ہے، معلوم ہوا یہ اس سے خبر نہیں بن سکتا۔ اسی طرح وَإِنَّمَا أَنْتَ سَيْرًا، إِنَّمَا أَنْتَ سَيْرًا، اس کے اندر بھی دیکھو، اس کے اندر بھی معنی نفی داخل ہے اسم پر، اور وہ اسم ایسا ہے کہ آگے آنے والا مفعول مطلق اس سے خبر نہیں بن سکتا کیونکہ یہ تو منصوب ہے، خبر ہوتی تو مرفوع ہونا چاہیے تھا۔

شرطیں سمجھ میں آگئیں؟ تین شرطیں ہیں ادھر سنو۔ کہ بعض جگہ مفعول مطلق کے فعل کو حذف کرنا واجب ہے، اور یہ واجب قیاسی ہے یعنی اس کے لیے باقاعدہ ضابطہ موجود ہے۔ اور وہ ضابطہ پہلی جگہ ان جگہوں میں سے کون سی ہے؟ کہ وہ مفعول مطلق، اس میں تین شرطیں ہیں بھئی، پہلی جگہ اس میں تین شرطیں ہیں۔ پہلی شرط کیا؟ کہ وہ مفعول مطلق مثبت ہو

یعنی اس کے اثبات کا ارادہ کیا گیا ہو۔ دوسری شرط یہ کہ وہ مفعول مطلق

نفی یا معنی نفی کے بعد واقع ہو، اور تیسری شرط یہ ہے کہ وہ نفی یا معنی نفی وہ ایسے اسم پر داخل ہو کہ مفعول مطلق کا اس سے خبر بننا صحیح نہ ہو بھئی۔ بات سمجھ میں آگئی؟ اب دیکھیے شرح کے ساتھ اس سارے کو۔

کہتے ہیں وَمِنْهَا أَيْ مِنْ هَذِهِ الْمَوَاضِعِ، ضمیر کا مرجع بتلا دیا کہ مِنْهَا کی ہا ضمیر کس کو راجع ہے؟ مَوَاضِعَ کو۔ اور ان جگہوں میں سے جو ہے، مَوْضِعُ مَا وَقَعَ، یہ مَا وَقَعَ سے پہلے مَوْضِعُ کا لفظ نکال لیا۔ اور آگے آیا مَا وَقَعَ، مَا وَقَعَ اس کی تفسیر شارح جامی نے کیا کی؟ أَيْ مَفْعُولٌ مُطْلَقٌ وَقَعَ، کیا بتلانا چاہتے ہیں؟ کہ یہاں مَا سے کیا مراد ہے؟ مفعول مطلق ہے بھئی، اور یہ مَا موصوفہ ہے اسی لیے اس کے لیے مفعول مطلق نکرہ نکالا۔ توجہ ہے؟ میں نے آپ کو بتلایا تھا ایک مَا موصولہ ہوتا ہے اور ایک مَا موصوفہ۔ تو یہاں مَا کے بعد کیا نکالا؟ مَا وَقَعَ أَيْ مَفْعُولٌ مُطْلَقٌ وَقَعَ۔ تو معلوم ہوا مَا سے کیا مراد ہے جو مَا وَقَعَ متن میں آیا؟ اس سے مفعول مطلق مراد ہے، مفعول مطلق۔ اور مِنْهَا، مِنْهَا کی ہا ضمیر کس کو راجع کی؟ مَوَاضِعَ کو۔ ان جگہوں میں سے ایک جگہ جو ہے، مَا وَقَعَ وہ مفعول مطلق ہے، مَا سے کیا مراد ہے؟ مفعول مطلق، باقی چھوڑ دیں بس دیکھیں مختصر کلام، مفعول مطلق ہے۔ ان جگہوں میں سے، ان جگہوں میں سے ایک مفعول مطلق ہے، بھئی مفعول مطلق جگہ کا نام ہے؟ انہوں نے کیا کہا ان جگہوں میں سے ایک مفعول مطلق ہے، بھئی یوں کہیں نا ان جگہوں میں سے ایک جگہ یہ ہے، ان جگہوں میں سے ایک جگہ یہ ہے، لیکن جگہ نہیں کہا بلکہ کیا کہا؟ مفعول مطلق کہا، ان جگہوں میں سے ایک مفعول مطلق ہے، بھئی مفعول مطلق تو موضع کا نام نہیں جگہ کا نام نہیں، لہذا حمل صحیح نہیں ہو رہا تھا، تو اس لیے صاحب جامی نے مَا وَقَعَ سے پہلے مَوْضِعُ کا لفظ نکال لیا، کہ ان جگہوں میں سے مَوْضِعُ مَا وَقَعَ، ان جگہوں میں سے ایک جگہ مَوْضِعُ مَا وَقَعَ وہ جگہ ہے جہاں مفعول مطلق واقع ہو۔ اب حمل صحیح ہو گیا۔ عبارت سمجھ میں آرہی ہے؟ عبارت پہ نظر ہے؟ مَا وَقَعَ سے کیا مراد ہے؟ مَفْعُولٌ مُطْلَقٌ وَقَعَ، اور اس سے پہلے مَوْضِعُ کا لفظ دیکھو صاحب جامی نے نکالا ہے، کیوں نکالا؟ کیونکہ اس کے بغیر حمل صحیح نہیں ہوتا تھا۔

اور یہاں ایک اور بات یاد رکھنا، کہ مِنْهَا ان جگہوں میں سے ایک جگہ، یہ مِنْ تبعیضیہ ہے، مِنْ تبعیضیہ۔ اور یہ جو مِنْ تبعیضیہ ہوتا ہے علماء فرماتے ہیں کہ یہ اسم ہے، یہ حرف ہے ہی نہیں، یہ بعض کے معنی میں ہے۔ تو مِنْهَا کا کیا معنی ہے؟ أَيْ بَعْضُهَا، مِنْهَا کا کیا معنی؟ بَعْضُهَا، ان جگہوں میں سے بعض جگہیں وہ ہیں جو آگے ذکر ہیں۔ مِنْهَا أَيْ بَعْضُهَا بھئی۔ تو لہذا پھر اس صورت میں یہ مبتدا بنے گا۔ یہ مِنْهَا یہ جار مجرور نہیں ہے، یہ مضاف مضاف الیہ ہیں، توجہ ہے؟ یہ مضاف مضاف الیہ ہیں، یہ ہے مبتدا اور مَا وَقَعَ ہے اس کی خبر۔ بعض جگہوں میں سے مَوْضِعُ مَا وَقَعَ ایک مفعول مطلق کے واقع ہونے کی وہ جگہ ہے۔ بات سمجھ میں آگئی۔ اور اگر آپ چاہیں تو عام ترکیب کر لیں، کہ مِنْهَا کو جار مجرور بنائیں، مِنْهَا کو جار مجرور، اور جار مجرور آپ جانتے ہیں وہ خبر تو بن سکتے ہیں مبتدا نہیں بن سکتے، تو یہ جار مجرور خبر مقدم ہو جائے گا اور مَا وَقَعَ اس کا مبتدائے

مؤخر ہو جائے گا۔ اور پھر مِنْهَا سے کیا مراد ہے؟ بعض جگہیں۔ اور آگے مفعول مطلق ہے لہذا اس مفعول مطلق سے پہلے مَوْضِعُ کا لفظ مضاف محذوف نکال لیں گے تاکہ حمل صحیح ہو جائے۔ بات سمجھ میں آگئی کہ ان جگہوں میں سے ایک وہ جگہ ہے۔

تو کہتے ہیں مِنْهَا أَيْ مِنْ هَذِهِ الْمَوَاضِعِ، اور ان جگہوں میں سے مَوْضِعُ مَا وَقَعَ أَيْ مَفْعُولٌ مُطْلَقٌ وَقَعَ یعنی وہ اس مفعول مطلق کے واقع ہونے کی جگہ ہے، مُثْبَتًا، أُرِيدَ إِثْبَاتُهُ، مُثْبَتًا کا کیا معنی؟ یعنی اس مفعول مطلق کے اثبات کا ارادہ کیا گیا ہو، لَا نَفْيُهُ، اس کی نفی کا ارادہ نہ کیا گیا ہو۔ فَإِنَّهُ لَوْ أُرِيدَ نَفْيُهُ اس لیے کیونکہ اگر اس مفعول مطلق کی نفی کا ارادہ کیا گیا ہو، نَحْوُ مَا زَيْدٌ يَسِيرُ سَيْرًا، تو لَا يَجِبُ حَذْفُهُ، تو پھر اس فعل کا حذف واجب نہیں۔ بھئی اگر نفی کا ارادہ ہو، مَا زَيْدٌ يَسِيرُ سَيْرًا، زید چلتا نہیں ہے یعنی زید گھومتا نہیں ہے، زید گھومتا نہیں ہے چلتا نہیں ہے سفر نہیں کرتا، تو اب یہاں دیکھو جب نفی کا ارادہ کیا گیا ہے، حرف نفی داخل ہے، زید کے لیے گھومنا ثابت ہے یا نہ گھومنا؟ مَا زَيْدٌ يَسِيرُ سَيْرًا، زید نہیں گھومتا زید نہیں چلتا، تو اس سے تو چلنے کی نفی کی جا رہی ہے، تو پھر اس صورت میں حذف واجب نہیں۔ چنانچہ آپ بھی دیکھ رہے ہیں، مَا زَيْدٌ يَسِيرُ سَيْرًا دیکھو فعل کو ذکر کیا ہے، حذف نہیں کیا۔ تو یہ معنی ہے کہ اگر اس کی نفی کا ارادہ کیا جائے تو پھر لَا يَجِبُ حَذْفُهُ تو اس کا حذف واجب نہیں۔

بَعْدَ نَفْيٍ دَاخِلٍ عَلَى اسْمٍ، بھئی دیکھیے، بھئی دیکھیے، انہوں نے کیا کہا؟ پہلا مقام جہاں مفعول مطلق کے فعل کو حذف کرنا واجب ہے کون سا مقام ہے؟ جب مفعول مطلق نفی کے بعد آئے، أَوْ مَعْنَى النَّفْيِ، یا کس کے بعد آئے؟ معنی نفی۔ اور وہ جو نفی ہے یا معنی نفی وہ داخل ہو رہے ہوں ایسے اسم پر کہ آگے آنے والا مفعول مطلق اس سے خبر نہ بن سکے۔ توجہ ہے؟ وہ نفی یا معنی نفی داخل ہو رہے ہوں ایسے اسم پر کہ آگے آنے والا مفعول مطلق اس اسم سے خبر مَا اور إِنَّمَا أَنْتَ پہ داخل ہو رہے ہیں، یعنی ایسے اسم پر کہ آگے آنے والا مفعول مطلق اس سے خبر نہیں بن سکتا۔ تو دیکھو یہ جو عبارت آئی نا ذرا صرف متن دیکھیں، بَعْدَ نَفْيٍ أَوْ مَعْنَى نَفْيٍ، کہ وہ مفعول مطلق کس کے بعد آئے؟ نفی کے بعد یا معنی نفی کے بعد، دَاخِلٍ عَلَى اسْمٍ، اور وہ نفی یا معنی نفی داخل ہو کس پر؟ اسم پر۔ معلوم ہوا اسم پر داخل ہونا یہ صرف معنی نفی میں ہے یا دونوں کے اندر ہے؟ دونوں کے اندر ہے، نفی یا معنی نفی دونوں کس پر داخل ہونے چاہئیں؟ اسم پر۔ تو جب یہ دو ہیں، توجہ ہے؟ معلوم ہوا یہ دَاخِلٍ دونوں کی صفت ہے کہ وہ نفی بھی داخل ہو ایسے اسم پر، اور وہ معنی نفی بھی داخل ہو ایسے اسم پر، دونوں مراد ہیں۔ جب دونوں مراد ہیں تو دو ہو گئے، تو پھر دَاخِلٍ نہیں کہنا چاہیے تھا، تثنیہ لانا چاہیے تھا کہ دَاخِلَيْنِ عَلَى اسْمٍ، کہ وہ نفی اور معنی نفی دونوں داخل ہونے چاہئیں اسم پر۔ توجہ ہے؟ کہ یہ دَاخِلٍ اس کا تعلق صرف نفی سے ہی نہیں اور صرف معنی نفی سے بھی نہیں، بلکہ دونوں سے ہے۔ جب دونوں کی یہ صفت ہے تو تثنیہ کا صیغہ ہونا چاہیے تھا۔ تو جواب یاد رکھنا کہ بھئی یہ نفی اور معنی نفی کے درمیان أَوْ آیا ہے، کیا آیا ہے؟ أَوْ، اور جب دو چیزوں کے درمیان أَوْ آئے معلوم ہوا دونوں میں سے

ایک، وقت میں ایک آئے گی دونوں اکٹھے نہیں آسکتے، تو یہ أَحَدُ الْأَمْرَيْنِ کی تاویل میں ہے، کس معنی میں؟ ان دو چیزوں میں سے کوئی ایک۔ تو اب یہ دَاخِلِ أَحَدُ الْأَمْرَيْنِ کی صفت ہو گئی، اور أَحَدُ الْأَمْرَيْنِ میں تو أَحَدُ دیکھو مفرد ہے، تو دَاخِلِ بھی کیا ہے؟ مفرد، کہ ان دو میں سے کوئی ایک جو ہے وہ داخل ہو رہا ہو ایسے اسم پر۔ بات سمجھ میں آگئی؟ معلوم ہوا دَاخِلِ دونوں کی صفت ہے۔ چنانچہ یہی بتلانے کے لیے دیکھو صاحب جامی نے اوپر جو آیا نا بَعْدَ نَفْيٍ اس کے بعد الگ دَاخِلِ نکال لیا۔ متن تو کیا تھا؟ بَعْدَ نَفْيٍ أَوْ مَعْنَى نَفْيٍ دَاخِلِ، معنی نفی کے بعد داخل کا لفظ آرہا تھا، بَعْدَ نَفْيٍ کے بعد تو داخل کا لفظ نہیں تھا، لیکن صاحب جامی نے بَعْدَ نَفْيٍ کے بعد بھی دَاخِلِ کا لفظ نکال لیا۔

کتاب پہ نظر ہے؟ کہتے ہیں بَعْدَ نَفْيٍ، اور وہ مفعول مطلق جس کے اثبات کا ارادہ کیا گیا ہے وہ ایسی نفی کے بعد آئے دَاخِلٍ عَلَى اسْمٍ کہ وہ نفی داخل ہو ایسے اسم پر لَا يَكُونُ الْمَفْعُولُ الْمُطْلَقُ خَبَرًا عَنْهُ کہ وہ مفعول مطلق اس سے خبر واقع نہ ہو۔ أَوْ بَعْدَ مَعْنَى نَفْيٍ، یا وہ مفعول مطلق جس کے اثبات کا ارادہ کیا گیا ہے وہ معنی نفی کے بعد آئے، ایسا معنی نفی دَاخِلٍ عَلَى اسْمٍ کہ وہ معنی نفی داخل ہو ایسے اسم پر لَا يَكُونُ الْمَفْعُولُ الْمُطْلَقُ خَبَرًا عَنْهُ کہ مفعول مطلق اس سے خبر نہ ہو سکے، کیونکہ مفعول مطلق تو منصوب ہے وہ خبر نہیں بن سکتا اگر خبر بنانا ہے تو پھر تو مرفوع ہونا چاہیے بھئی۔ بات سمجھ میں آگئی۔ تو ان دونوں مثالوں میں دیکھیں مفعول مطلق منصوب آرہا ہے وہ خبر نہیں بن سکتا اگر خبر ہوتا تو اس پر رفع آنا چاہیے تھا۔ تو کہتے ہیں خبر نہ بن سکے اس سے، أَيْ عَنْ ذَلِكَ الِاسْمِ اس اسم سے۔

وَإِنَّمَا قَالَ عَلَى اسْمٍ اور ماتن نے کیا کہا؟ دَاخِلِ عَلَى اسْمٍ، وہ نفی یا معنی نفی کس پر داخل ہو؟ اسم پر۔ میں نے بتلایا تھا آپ کو یہ اسم کی قید کیوں لگائی؟ فعل کو نکالنے کے لیے، وہی ذکر کر رہے ہیں۔ کہتے ہیں وَإِنَّمَا قَالَ عَلَى اسْمٍ اور ماتن نے عَلَى اسْمٍ کہا، لِأَنَّهُ لَوْ دَخَلَ عَلَى فِعْلٍ اس لیے کیونکہ وہ نفی یا معنی نفی اگر فعل پر داخل ہو، نَحْوُ مثال کے طور پر مَا سِرْتُ إِلَّا سَيْرًا، دیکھا اب حرف نفی سِرْتُ فعل پر داخل ہے، وَإِنَّمَا سِرْتُ سَيْرًا، اسی طرح إِنَّمَا معنی نفی دیکھو سِرْتُ فعل پر داخل ہے، فَلَا يَكُونُ مِنْهُ تو پھر یہ اس میں سے نہیں۔ یہ جس کے بارے میں ہم بحث کر رہے ہیں ہم کس کے بارے میں بحث کر رہے ہیں؟ جہاں حذف واجب ہے قیاسی طور پر، یہ اس میں سے نہیں۔ بات کس کی چل رہی ہے؟ بعض جگہ حذف واجب ہوتا ہے، بعض جگہ، اور یہ حذف قیاسی ہے یعنی ضابطے کے مطابق ہے، تو اگر یہ نفی یا معنی نفی فعل پر داخل ہو تو پھر یہ اس بحث سے نہیں یہ اس سے نکل جائے گا۔ کیونکہ جب نفی کس پر داخل ہے؟ فعل پر، تو فعل تو مذکور ہو گیا، اسی طرح معنی نفی کس پر داخل ہے؟ فعل پر، جب داخل ہے تو فعل تو ذکر ہو گیا، حالانکہ ہم تو بات اس فعل کی کر رہے ہیں جس کو حذف کرنا واجب ہے بھئی۔ دیکھو مَا سِرْتُ إِلَّا سَيْرًا، دیکھو یہ سِرْتُ فعل تو ذکر ہے، اور ہم تو کس کی بات کر رہے ہیں جس فعل کو حذف کرنا واجب ہے، اسی طرح وَإِنَّمَا سِرْتُ سَيْرًا یہاں بھی فعل ذکر ہے۔ تو کہتے ہیں اس صورت میں لَا يَكُونُ مِنْهُ یہ اس میں سے نہیں ہوگا۔

وَإِنَّمَا وَصَفَ الِاسْمَ بِأَنْ لَا يَكُونُ الْمَفْعُولُ الْمُطْلَقُ خَبَرًا عَنْهُ، بھئی ماتن نے کیا قید لگائی کہ وہ مفعول مطلق اس اسم سے خبر نہ بن سکے کیوں؟ کہتے ہیں اس لیے کیونکہ وہ منصوب ہے اگر خبر ہوتا تو پھر تو کیا ہونا چاہیے تھا؟ مرفوع ہونا چاہیے تھا، یہی بیان کر رہے ہیں۔ کہتے ہیں وَإِنَّمَا وَصَفَ الِاسْمَ، اور ماتن یعنی صاحب کافیہ نے اسم کو موصوف کیا بِأَنْ لَا يَكُونُ الْمَفْعُولُ الْمُطْلَقُ خَبَرًا عَنْهُ کہ وہ مفعول مطلق اس سے خبر نہ ہو سکے، لِأَنَّهُ لَوْ كَانَ خَبَرًا عَنْهُ اس لیے کیونکہ اگر یہ مفعول مطلق اس سے خبر ہو سکے، نَحْوُ مثال کے طور پر مَا سَيْرِي إِلَّا سَيْرٌ شَدِيدٌ، نہیں ہے میرا چلنا مگر سخت چلنا، شدید چلنا، لَكَانَ مَرْفُوعًا عَلَى الْخَبَرِيَّةِ پھر تو وہ مفعول مطلق جو ہے مرفوع ہوتا خبر ہونے کی بنا پر، منصوب نہ ہوتا۔ توجہ ہے؟

آگے دیکھیے بھئی۔ أَوْ وَقَعَ الْمَفْعُولُ الْمُطْلَقُ مُكَرَّرًا، یہ دوسری جگہ آ گئی، یا وہ مفعول مطلق جو ہے مکرر واقع ہو یعنی اس میں تکرار ہو، دو دفعہ واقع ہو، توجہ ہے؟ أَوْ وَقَعَ الْمَفْعُولُ الْمُطْلَقُ مُكَرَّرًا یا وہ مفعول مطلق مکرر واقع ہو۔ بھئی یہ دوسری جگہ صاحب کافیہ ذکر کر رہے ہیں، لیکن اس کو بھی پہلی جگہ کے ساتھ ہی ذکر کر دیا، پہلی جگہ کے ساتھ ہی ذکر کر دیا کہ وہ مفعول مطلق مکرر واقع ہو بھئی۔ حالانکہ یہ باقاعدہ الگ ضابطہ ہے، اور چونکہ یہ الگ ضابطہ ہے چنانچہ دیکھو صاحب کافیہ کی ذرا عبارت دیکھو: أَوْ وَقَعَ مُكَرَّرًا یا وہ مفعول مطلق، متن بتلا رہا ہوں متن دیکھو، أَوْ وَقَعَ مُكَرَّرًا یا وہ مفعول مطلق مکرر واقع ہو۔ یہ وَقَعَ کو صاحب کافیہ نے دوبارہ ذکر کیا، حالانکہ صاحب کافیہ تو کلام کو مختصر سے مختصر کرتے ہیں، یہ پیچھے ذکر ہو گیا تھا مَا وَقَعَ مُثْبَتًا، تو وَقَعَ ایک دفعہ ذکر تھا تو یہ مُثْبَتًا پر کیا کرتے؟ حمل کر دیتے اور یوں کہتے أَوْ مُكَرَّرًا، لیکن یہ وَقَعَ کا لفظ دوبارہ ذکر کیا، یہ اشارہ کر دیا صاحب کافیہ نے کہ یہ الگ قانون ہے، یہ دوسری جگہ ہے، یہ اسی کی تفصیل نہیں ہے یہ الگ ضابطہ ہے بھئی۔ بات سمجھ میں آ گئی؟ اس لیے وَقَعَ کا لفظ دوبارہ لائے۔ کہتے ہیں أَوْ وَقَعَ الْمَفْعُولُ الْمُطْلَقُ مُكَرَّرًا، اور یا وہ مفعول مطلق جو ہے وہ مکرر ہو۔ بھئی دیکھیے نیچے اسی کے نیچے سطر میں ہے، نَحْوُ دُكَّتِ الْأَرْضُ دَكًّا دَكًّا۔ دُكَّتِ الْأَرْضُ دَكًّا دَكًّا، زمین کو ریزہ ریزہ کر دیا جائے گا، اللہ تعالی قیامت کی ہولناکیاں بیان فرما رہے ہیں کہ زمین کو ریزہ ریزہ کر دیا جائے گا۔ اب دیکھو اس کے اندر مفعول مطلق دو دفعہ آیا، دَكًّا دَكًّا، دو دفعہ آیا۔ کون سے مقامات ذکر ہو رہے ہیں؟ جہاں مفعول مطلق کے فعل کو حذف کرنا واجب ہے، حالانکہ یہاں دُكَّتِ الْأَرْضُ دیکھو فعل ذکر ہے، فعل ذکر ہے، تو صاحب کافیہ پر اعتراض ہوتا تھا، آپ نے ہمیں کیا کہا؟ أَوْ وَقَعَ مُكَرَّرًا یا مفعول مطلق مکرر آئے، معلوم ہوا وہاں بھی حذف واجب ہے، حالانکہ ہم نے قرآن سے مثال دکھا دی کہ وہاں دیکھو حذف نہیں ہوا ہے۔ تو اس کا جواب صاحب جامی دے رہے ہیں آگے، کہ بھئی ضابطہ پورا ذکر نہیں کیا، صاحب کافیہ نے مختصر عبارت ذکر کر دی، کچھ ماقبل سے مفہوم ہو رہا تھا اس لیے آگے اس کو دوبارہ ذکر نہیں کیا، یہ ضابطہ پورا کس طرح ہے وہ صاحب جامی آگے ذکر کر رہے ہیں۔ کہتے ہیں أَوْ وَقَعَ الْمَفْعُولُ الْمُطْلَقُ مُكَرَّرًا یا مفعول مطلق مکرر واقع ہو، أَيْ فِي مَوْضِعِ الْخَبَرِ یعنی وہ مفعول مطلق مکرر واقع ہو خبر کے مقام میں، کہاں پر؟ خبر کے مقام میں، عَنِ اسْمٍ ایسے اسم سے، لَا يَصِحُّ وُقُوعُهُ خَبَرًا عَنْهُ کہ اس مفعول مطلق کا اس سے خبر ہونا صحیح نہ ہو۔ توجہ ہے؟ قید بڑھا دی کہ مفعول مطلق

مکرر ہو اور کہاں پر ہو؟

خبر کے مقام میں ہو اور اس کا خبر بننا صحیح نہ ہو۔ ماقبل میں ایک اسم بھی گزرا ہو، وہ مبتدا ہے اور یہ اس کے خبر کے مقام میں آیا ہے، لیکن اس کا اس کے لیے خبر بننا صحیح نہ ہو کیونکہ اس پر نصب آرہا ہے، حالانکہ خبر تو مرفوع ہوتی ہے۔ تو پورا ضابطہ کیا ہوا؟ کہ مفعول مطلق مکرر آئے اور کس جگہ پر آئے؟ خبر کے مقام میں آئے، اور ایک ایسے اسم کے بعد آئے کہ وہ اسم تو مبتدا ہے اور یہ اس کے خبر کے مقام میں ہے، لیکن یہ اس کے لیے خبر بن نہیں سکتی۔ اب جب یہ ضابطہ لگا دیا اب وہ دُكَّتِ الْأَرْضُ دَكًّا دَكًّا والا اعتراض ختم، کیونکہ انہوں نے کیا کہا تھا؟ کہ وہ مفعول مطلق جو مکرر ہے خبر کے مقام میں آئے، اور یہاں تو مبتدا ماقبل میں ہے ہی نہیں، دُكَّتِ الْأَرْضُ فعل مجہول ہے اور نائب فاعل ہے، یہاں کوئی مبتدا ذکر ہی نہیں ہے کہ جس کے خبر کے مقام میں دَكًّا دَكًّا واقع ہوا ہو۔ بات سمجھ میں آگئی؟ لہذا یہ اعتراض آپ نہیں کر سکتے۔

تو کہتے ہیں أَيْ فِي مَوْضِعِ الْخَبَرِ عَنِ اسْمٍ لَا يَصِحُّ وُقُوعُهُ خَبَرًا عَنْهُ، یعنی وہ مفعول مطلق مکرر واقع ہو ایک ایسے اسم سے خبر کے مقام میں کہ اس اسم سے اس کا خبر ہونا صحیح نہ ہو، فَلَا يَرِدُ نَحْوُ دُكَّتِ الْأَرْضُ دَكًّا دَكًّا، لہذا اعتراض وارد نہیں ہوتا دُكَّتِ الْأَرْضُ دَكًّا دَكًّا جیسا۔ وَإِنَّمَا جَمَعَ بَيْنَ الضَّابِطَتَيْنِ، بھئی سوال جب یہ الگ ضابطہ ہے تو صاحب کافیہ نے اکٹھا کیوں ذکر کیا؟ وجہ یہ کہ صاحب کافیہ کے پاس الفاظ کم ہوتے ہیں، وہ چاہتے ہیں میں مختصر سے مختصر لفظوں میں لمبی سے لمبی بات کر دوں۔ تو چونکہ کچھ باتیں پہلے ضابطے میں ذکر ہو گئی تھیں۔ کیا؟ پہلے ضابطے میں کیا تھا؟ کہ وہ مفعول مطلق خبر کے مقام میں ہو اور اس کا خبر بننا صحیح نہ ہو۔ یہ جو مفعول مطلق مکرر آیا یہ بھی کہاں آئے گا؟ خبر کے مقام میں اور اس کا خبر بننا صحیح نہیں، تو یہ اس کے ساتھ اس بات میں شریک تھا کہ یہ دونوں قسمیں جو ہیں مفعول مطلق کی خبر کے مقام میں آتی ہیں اور ان کا خبر بننا صحیح نہیں ہوتا، یعنی ان سے پہلے مبتدا آتا ہے اور پھر یہ اس کے بعد آتی ہیں لیکن ان کا خبر بننا صحیح نہیں ہوتا۔ تو کہتے ہیں وَإِنَّمَا جَمَعَ بَيْنَ الضَّابِطَتَيْنِ اور صاحب کافیہ نے دونوں ضابطوں کو جمع فرما دیا یعنی اکٹھا کر دیا، لِاشْتِرَاكِهِمَا اس وجہ سے کہ دونوں ضابطوں میں اشتراک ہے، فِي الْوُقُوعِ بَعْدَ اسْمٍ لَا يَكُونُ خَبَرًا عَنْهُ، اس بات کے اندر کہ وہ مفعول مطلق واقع ہوتے ہیں ایک ایسے اسم کے بعد لَا يَكُونُ خَبَرًا عَنْهُ جس سے وہ خبر نہ ہو سکیں بھئی۔ بات سمجھ میں آرہی ہے؟

جی تو ضابطہ سمجھ میں آگیا؟ اعتراض جواب سمجھ میں آیا؟ اعتراض یہ کہ صاحب کافیہ نے دونوں ضابطوں کو اکٹھا کیوں ذکر کر دیا؟ توجہ ہے؟ میں نے آپ کو بتلایا کہ صاحب کافیہ نے جو کہا نا أَوْ وَقَعَ مُكَرَّرًا، یہ وَقَعَ کے ذریعے اشارہ تو کر دیا کہ یہ الگ ضابطہ ہے، کیونکہ ایک دفعہ وَقَعَ پیچھے ذکر ہو چکا تھا، دوبارہ وَقَعَ لانے کی ضرورت نہیں تھی لیکن صاحب کافیہ دوبارہ وَقَعَ لائے یہی بتلانے کے لیے کہ یہ جو آگے بات ہو رہی ہے یہ اسی ضابطے کے ساتھ نہیں ہے یہ الگ ضابطہ ہے کہ مفعول مطلق مکرر واقع ہو بھئی۔ تو صاحب کافیہ نے وَقَعَ ذکر کر کے اس بات کی طرف اشارہ تو کر دیا کہ یہ الگ ضابطہ ہے، لیکن الگ ضابطے

کے طور پر ذکر نہیں فرمایا، کس طرح؟ کہ یہاں وہ ہر ضابطے کے شروع میں فرما رہے ہیں وَمِنْهَا وَمِنْهَا وَمِنْهَا، لیکن اس کے لیے انہوں نے وَمِنْهَا مَا وَقَعَ نہیں فرمایا، البتہ اشارہ کر دیا وَقَعَ کا لفظ لا کر کہ یہ الگ ضابطہ ہے۔ اور کیوں دونوں کو اکٹھا ذکر کیا، الگ ضابطے کے طور پر کیوں نہیں ذکر کیا؟ اس لیے کیونکہ دونوں ضابطوں میں اشتراک ہے اس بات کے اندر کہ دونوں ضابطوں کے اندر جو مفعول مطلق ذکر ہو رہا ہے وہ ایک ایسے اسم کے بعد ہے جس سے اس کا خبر ہونا صحیح نہیں، تو کلام کو مختصر کرنے کے لیے صاحب کافیہ نے اسی کے ساتھ ملا کر دوسرا ضابطہ بھی ذکر کر دیا۔ معنی سمجھ میں آگیا؟

نَحْوُ مثال کے طور پر، مَا أَنْتَ إِلَّا سَيْرًا، آپ تو گھومتے ہی رہتے ہیں، یا آپ تو چلتے ہی رہتے ہیں، سفر میں رہتے ہیں، أَيْ تَسِيرُ سَيْرًا دیکھو فعل محذوف نکال کر بتلا دیا، أَيْ تَسِيرُ سَيْرًا، یہاں تَسِيرُ فعل محذوف ہے اور اس کا حذف واجب ہے۔ وَمَا أَنْتَ إِلَّا سَيْرَ الْبَرِيدِ، آپ نہیں چلتے مگر ایک منزل کے چلنے کے برابر، آپ تو نہیں چلتے مگر ایک منزل کے برابر ہی، ایک منزل کے برابر ہی چلتے ہیں۔ یاد رکھو بَرِيدٌ، بَرِيدٌ عام عربی زبان میں ڈاک کو کہتے ہیں، یہ جو ڈاک کا نظام ہے، یہ خطوط وغیرہ ادھر ادھر بھیجے جاتے ہیں۔ اور اسی طرح بَرِيدٌ جو دو منزلوں کے درمیان فاصلہ ہے اس کو بھی بَرِيدٌ کہتے ہیں۔ قدیم زمانے میں سفر کا کیا طریقہ تھا؟ کہ صبح صبح قافلے نکلتے تھے، صبح صبح، اندھیرے میں ہی چل پڑتے، اور پھر صبح نو، دس، گیارہ بجے تک یہ سفر کرتے، پھر اب دھوپ تیز ہونے لگتی اور لوگ بھی تھک جاتے، کئی گھنٹے سفر کر لیا تو پھر پڑاؤ ڈال دیتے تھے، پھر کھانے پینے وغیرہ کی تیاری شروع ہو جاتی، پھر اگلے دن دوبارہ فجر کے بعد پھر قافلہ چل پڑتا اور پھر صبح دس گیارہ بجے تک سفر ہوتا اور پھر پڑاؤ ڈال دیا جاتا۔ تو یہ جو ایک دن میں فاصلہ طے کیا جاتا تھا یہ کوئی بیس پچیس کلومیٹر یہ، بعض پیدل ہوتے بعض کوئی کسی کے پاس سواری ہوتی، تو یہ بیس پچیس کلومیٹر ہر روز وہ سفر طے کرتے تھے یا اس کے لگ بھگ بھئی۔ تو اس کو ایک منزل کہتے ہیں، کیا کہتے ہیں؟ یہ جو ایک دن میں سفر کیا جاتا ہے اس کو ایک منزل کہتے ہیں، اور اسی کا نام بَرِيدٌ ہے، بَرِيدٌ ہے۔ تو کہتے ہیں وَمَا أَنْتَ إِلَّا سَيْرَ الْبَرِيدِ، آپ نہیں چلتے مگر ایک منزل کے چلنے کے برابر۔ مخاطب کہتا ہے بھئی میں تو دو یا تین منزلیں چل لیتا ہوں، آپ اس کو کہتے ہیں نہیں، مَا أَنْتَ إِلَّا سَيْرَ الْبَرِيدِ، آپ تو نہیں چلتے مگر ایک منزل کے برابر ہی، ایک منزل کے برابر ہی چلتے ہیں۔ أَيْ تَسِيرُ سَيْرَ الْبَرِيدِ یعنی آپ برید کے مثل ایک منزل کے برابر چلتے ہیں۔ یہاں تک بات سمجھ میں آگئی۔

بھئی سوال، کہ صاحب کافیہ تو بات مختصر کرتے ہیں، یہاں پھر انہوں نے دو مثالیں کیوں ذکر کیں؟ ایک مثال ذکر کر دیتے مَا أَنْتَ إِلَّا سَيْرًا، لیکن دو ذکر کیں مَا أَنْتَ إِلَّا سَيْرًا اور وَمَا أَنْتَ إِلَّا سَيْرَ الْبَرِيدِ۔ تو آپ کو بتلائیں گے صاحب جامی کہ یہ دو مثالیں صاحب کافیہ نے اس لیے ذکر کیں کہ وہ بتلانا چاہتے ہیں کہ یہ جو مفعول مطلق ہم ذکر کر رہے ہیں یہ نکرہ بھی ہو سکتا ہے اور معرفہ بھی۔ سَيْرًا یہ نکرہ ہے، اور سَيْرَ الْبَرِيدِ یہ معرفہ ہے کیونکہ سَيْر کی اضافت ہو رہی ہے الْبَرِيدِ کی طرف اور وہ معرف باللام ہے، معرفہ ہے، اور معرفہ کی طرف جو مضاف ہو جائے وہ بھی کیا بن جاتا ہے؟ معرفہ۔ تو کیا بتلانا چاہتے ہیں؟

کہ یہ مفعول مطلق نکرہ بھی ہو سکتا ہے اور معرفہ بھی۔ یا یہ بتلانا چاہتے ہیں، یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ یہ مفعول مطلق بتدا کا اپنا فعل بھی ہو سکتا ہے یا بتدا کے فعل کو اس کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہو، ایسا بھی ہو سکتا ہے۔ یہ بتدا کا اپنا فعل بھی ہو سکتا ہے یا بتدا کے فعل کو اس کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہو یہ ایسا بھی ہو سکتا ہے۔ دیکھو غور کرو ذرا۔ مَا أَنْتَ إِلَّا سَيْرًا، آپ نہیں ہیں مگر گھومتے ہی رہتے ہیں، چلتے ہی رہتے ہیں، یہ کس کا فعل ہے؟ مخاطب کا ہی فعل ہے، آپ چلتے ہیں، آپ چلتے ہیں۔ اور دوسری میں دیکھو، وَمَا أَنْتَ إِلَّا سَيْرَ الْبَرِيدِ، اور آپ نہیں چلتے رہتے إِلَّا سَيْرَ الْبَرِيدِ مگر ایک منزل کے برابر، یعنی آپ کا چلنا کس کے مثل ہے؟ ایک منزل چلنے کے مثل ہے، معلوم ہوا مخاطب کے فعل کو سیر برید کے ساتھ تشبیہ دی جا رہی ہے۔ جیسے میں کہتا ہوں جَلَسْتُ جِلْسَةَ الْقَارِئِ، کیا معنی؟ میں قاری کا بیٹھنا بیٹھا، قاری کا تو اپنا فعل ہے، ہاں میں اپنے بیٹھنے کو اس کے ساتھ تشبیہ دے رہا ہوں، جَلَسْتُ جِلْسَةَ الْقَارِئِ، میں قاری کی طرح بیٹھا بھئی۔ تو یہاں پر بھی وَمَا أَنْتَ إِلَّا سَيْرَ الْبَرِيدِ کہ آپ نہیں چلتے مگر ایک منزل کے مثل، دیکھو اس کے ساتھ تشبیہ دی جا رہی ہے۔ تو دو مثالیں کیوں ذکر کیں؟ کہ یہ بتلانے کے لیے کہ یہ مفعول مطلق جو ہے نکرہ بھی آ سکتا ہے اور معرفہ بھی، اور یا یہ بتلانے کے لیے کہ یہ مفعول مطلق بتدا کا اپنا فعل بھی ہو سکتا ہے یا اس کے ساتھ بتدا کے فعل کو تشبیہ دی گئی ہو یہ ایسا بھی ہو سکتا ہے، یا اس وجہ سے دو مثالیں ذکر کیں کہ یہ جو مفعول مطلق ہے مضاف بھی ہو سکتا ہے یا غیر مضاف بھی۔ سَيْرًا غیر مضاف ہے اور سَيْرَ الْبَرِيدِ مضاف ہے تو یہ دونوں طرح ہو سکتا ہے۔ بات سمجھ میں آ گئی، دیکھیے بھئی۔

تو کہتے ہیں نَحْوُ مَا أَنْتَ إِلَّا سَيْرًا أَيْ تَسِيرُ سَيْرًا وَمَا أَنْتَ إِلَّا سَيْرَ الْبَرِيدِ أَيْ تَسِيرُ سَيْرَ الْبَرِيدِ، یعنی آپ ایک منزل کے مثل چلتے ہیں، هَذَانِ مِثَالَانِ لِمَا وَقَعَ مُثْبَتًا بَعْدَ نَفْيٍ، یہ دونوں مثالیں ہیں اس مفعول مطلق کی جو واقع ہوا ہے کس کے بعد؟ جو واقع ہوا ہے مثبت یعنی جس کے اثبات کا ارادہ کیا گیا ہے، بَعْدَ نَفْيٍ اور کس کے بعد ہے؟ نفی کے بعد۔ ایک معنی نفی کے بعد بھی آئے گا اس کی مثال آگے آنے والی ہے، تو یہ نفی کی مثال تھی۔ وَإِنَّمَا أَوْرَدَ مِثَالَيْنِ اور ماتن جو ہیں وہ دو مثالیں لے کر آئے، تَنْبِيهًا اس بات پر تنبیہ کرنے کے لیے، عَلَى أَنَّ الِاسْمَ الْوَاقِعَ مَوْقِعَ الْخَبَرِ کہ وہ اسم جو خبر کے مقام میں واقع ہے یعنی وہ جو مفعول مطلق ہے، يَنْقَسِمُ إِلَى النَّكِرَةِ وَالْمَعْرِفَةِ وہ تقسیم ہوتا ہے نکرہ اور معرفہ کی طرف یعنی دونوں طرح وہ آ سکتا ہے، أَوْ إِلَى مَا هُوَ فِعْلٌ لِلْمُبْتَدَأِ یا وہ تقسیم ہوتا ہے إِلَى مَا هُوَ فِعْلٌ لِلْمُبْتَدَأِ اس قسم کی طرف جو بتدا کا فعل ہو، وَإِلَى مَا يُشَبَّهُ بِهِ فِعْلُهُ یا اس قسم کی طرف کہ جس کے ساتھ بتدا کے فعل کو تشبیہ دی گئی ہو، أَوْ إِلَى مُفْرَدٍ وَمُضَافٍ یا تقسیم ہوتا ہے إِلَى مُفْرَدٍ وَمُضَافٍ مفرد اور مضاف کی طرف، یعنی یہ مفعول مطلق معرفہ بھی آ سکتا ہے اور نکرہ بھی، بتدا کا فعل بھی ہو سکتا ہے یا اس کے فعل کو اس کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہو ایسا بھی ہو سکتا ہے، اور نیز مفرد بھی ہو سکتا ہے اور مضاف بھی ہو سکتا ہے۔ مفرد کا کیا معنی؟ یعنی جو مضاف نہ ہو بھئی۔

وَإِنَّمَا أَنْتَ سَيْرًا، یہ کس کی مثال ہے؟ معنی نفی کے بعد ہے۔ کہتے ہیں أَيْ تَسِيرُ سَيْرًا، مِثَالٌ لِمَا وَقَعَ بَعْدَ مَعْنَى النَّفْيِ یہ

مثال ہے اس مفعول مطلق کی جو واقع ہوا ہے معنی نفی کے بعد۔ وَزَيْدٌ سَيْرًا سَيْرًا أَيْ يَسِيرُ سَيْرًا، دیکھا یہ وہ مفعول مطلق ہے جو مکرر آیا ہے، اور کس کے بعد ہے؟ یہ الگ ضابطہ ذکر ہوا تھا، یہاں نفی یا معنی نفی کی بات نہیں ہے، أَوْ وَقَعَ مُكَرَّرًا یا وہ مفعول مطلق مکرر آئے اور ایک ایسے اسم کے بعد آئے جس سے یہ خبر واقع نہ ہو سکے، جیسے وَزَيْدٌ سَيْرًا سَيْرًا دیکھو اس میں نہ نفی ہے نہ معنی نفی ہے، ایک اسم کے بعد آیا ہے اور مفعول مطلق مکرر ہے اور اس کا اس سے خبر ہونا صحیح نہیں۔ تو کہتے ہیں وَزَيْدٌ سَيْرًا سَيْرًا أَيْ يَسِيرُ سَيْرًا مِثَالٌ لِمَا وَقَعَ مُكَرَّرًا یہ مثال ہے اس مفعول مطلق کی جو مکرر واقع ہوا ہے۔

بھئی یہ دو مثالیں ذکر کیں، یہ دو مثالیں ذکر کیں، ان کے اندر فعل کو حذف کرنا واجب ہے۔ یہ وہ قیاسی مقامات چل رہے ہیں جہاں مفعول مطلق کے فعل کو حذف کرنا واجب ہے۔ بھئی کیا وجہ ہے یہاں حذف کرنا واجب کیوں ہے؟ واجب کیوں ہے؟ وجہ یہ، وجہ یہ کہ اس قسم کے مقام میں یہ جو حصر ذکر کیا جاتا ہے، حصر اور تکرار، پہلے ضابطے میں کیا تھا؟ مَا اور إِلَّا اور إِنَّمَا آئے تھے حصر اور تخصیص کے لیے آئے تھے، کیونکہ اس قسم کا مقام جو ہے جس میں حصر ہے یعنی تخصیص ہے یا جس کے اندر تکرار ہے، ان دونوں کے اندر فعل کا حذف واجب ہے، کیونکہ یہاں پر جو مفعول مطلق کو ذکر کیا جاتا ہے وہ دوام اور لزوم کے لیے، توجہ سے، قیمتی بات ذکر کر رہا ہوں، یہاں جو مفعول مطلق ذکر کیا جاتا ہے کس لیے؟ دوام کے لیے کہ یہ اس کی دائماً صفت ہے، ہر وقت اس کے ساتھ رہتی ہے اس سے جدا نہیں ہوتی، اور لازم ہے۔ یہ دائماً اس کے ساتھ رہتی ہے اور اس کے ساتھ لازم ہے اس سے جدا نہیں ہوتی بھئی۔ تو دوام اور لزوم پر دلالت کے لیے فعل کو حذف کرنا پڑے گا، کیونکہ فعل میں نے آپ کو بتلایا تھا حدوث اور تجدد کے لیے آتا ہے۔ حدوث اور تجدد کا کیا معنی؟ ایک چیز کا ہونا یعنی پہلے نہیں تھی، ہوئی اور پھر گزر گئی، تو فعل حدوث اور تجدد پر دلالت کرتا ہے اس کا تو معنی ہے ایک دفعہ ایک چیز ہوئی اور گزر گئی بس۔ کبھی کبھار فعل مضارع استمرار کے لیے بھی آجاتا ہے، استمرار کیا؟ ایک چیز کا بار بار ہونا، ایک دفعہ ہوئی گزر گئی، پھر ہوئی گزر گئی، پھر ہوئی گزر گئی، وہی حدوث اور تجدد، اس میں اگر تسلسل آجائے تو اس کو کیا کہتے ہیں؟ استمرار۔ تو فعل مضارع کبھی کبھار استمرار کے لیے بھی آجاتا ہے، لیکن فعل کی وضع حدوث کے لیے ہی ہے، فعل کو کس لیے وضع کیا گیا ہے؟ حدوث کے لیے کہ ایک چیز ہوئی اور گزر گئی، یہ بتلانے کے لیے۔ اور یہاں پر یہ جو حصر ذکر کیا جا رہا ہے مَا اور إِلَّا یا إِنَّمَا کے ساتھ یا یہ جو تکرار ذکر کیا جا رہا ہے اس کا مقصد کیا ہے؟ دوام بتلانا مقصد ہے کہ یہ صفت مبتدا کے ساتھ دائمی ہے بھئی، اور یہ اس کے ساتھ لازم ہے اس سے جدا نہیں ہوتی۔ اور فعل؟ فعل تو دوام پہ نہیں دلالت کرتا، فعل تو تجدد اور حدوث پہ کہ ایک دفعہ چیز ہوئی اور گزر گئی۔ لہذا یہاں اس دوام پر تصریح کرنے کے لیے فعل کا حذف واجب ہے، کیونکہ فعل کو آپ ذکر کریں گے فعل تو دوام پر دلالت نہیں ہونے دے گا، فعل تو تجدد پر اور حدوث پر دلالت کرے گا، اور آپ تو کیا چاہتے ہیں؟ آپ تو دوام چاہتے ہیں اور لزوم چاہتے ہیں، تو لہذا وہ فعل جو حدوث اور تجدد کے لیے وضع ہے اس

کو آپ کیا کر دیتے ہیں؟ حذف کر دیتے ہیں۔ اگرچہ فعل مضارع کبھی کبھار استمرار کے لیے بھی آتا ہے لیکن اصل وضع تو اس کی حدوث کے لیے ہی ہے بھئی۔ آپ کیا چاہتے ہیں؟ دوام اور لزوم، دوام اور لزوم بتلانا چاہتے ہیں، اور اس دوام اور لزوم پر آپ چاہتے ہیں تصریح بھی ہو جائے، سننے والے کو بھی پتہ چلے کہ میں یہاں دوام کا ارادہ کر رہا ہوں۔ تصریح کے لیے پھر کیا کرتے ہیں آپ اس فعل کو

حذف، تو اس فعل کو اس لیے حذف کرنا واجب ہے تاکہ اس دوام اور لزوم پر تصریح ہو جائے۔ پھر اور سنو، مزید فائدہ، اگر اس دوام اور لزوم میں مبالغہ بھی آپ چاہتے ہیں، کیا؟ مبالغہ بھی آپ چاہتے ہیں کہ اور خوب بڑھا چڑھا کر بیان کرنا چاہتے ہیں، تو پھر اس مفعول مطلق کو مفعول مطلق نہیں رہنے دیتے اس کو خبر ہی بنا دیتے ہیں، یعنی براہ راست بتدا پر حمل کر دیتے ہیں۔ براہ راست؟ جیسے وہ مثال آئی تھی: زَيْدٌ عَدْلٌ، عام علماء کیا فرماتے ہیں کہ عَدْلٌ کس معنی میں ہے؟ عَادِلٌ، کیونکہ عَدْلٌ تو مصدر ہے اور مصدر تو وصف ہے، مصدر تو ایک معنی کا نام ہے اور بتدا زَيْدٌ جو ہے وہ تو ذات ہے اور وصف کا حمل تو ذات پر صحیح نہیں، تو پھر وہ کیا کہتے ہیں عَدْلٌ بمعنی عَادِلٌ کے ہے کہ زید عادل ہے یعنی عدل کرنے والا ہے۔ جبکہ علمائے محققین کیا فرماتے ہیں کہ عَدْلٌ کو کوئی عَادِلٌ کے معنی میں لینے کی ضرورت نہیں، یہ بطور مبالغہ کے زید پر عَدْلٌ کا حمل کیا گیا ہے، کیونکہ اگر آپ کہیں زید عادل ہے تو اس کا تو معنی یہ ہے زید انصاف کرنے والا ہے، اس میں تو کوئی مبالغہ نہیں، لیکن آپ چاہتے ہیں کہ زید بہت زیادہ انصاف کرنے والا ہے تو اب آپ عَادِلٌ نہیں لاتے بلکہ کیا لاتے ہیں؟ عَدْلٌ، زَيْدٌ عَدْلٌ۔ یعنی زید انصاف ہی ہے یعنی زید خود ہی انصاف ہے، ہر چیز میں وہ اتنا انصاف کرتا ہے کہ اس کی اپنی ذات ہی کیا بن چکی ہے؟ انصاف بھئی۔ تو یہ جو مصدر کا حمل ذات پر کیا جاتا ہے یہ بطور مبالغہ کے ہوتا ہے۔ تو یہاں پر بھی یہ جو مفعول مطلق کے ساتھ جو تخصیص اور حصر ذکر کیا گیا اور تکرار کیا گیا اس کا، یہ کس لیے کیا جاتا ہے؟ دوام اور لزوم پر دلالت کرنے کے لیے۔ اور پھر جب اس دوام اور لزوم میں مبالغہ بھی کرنا مقصود ہو کہ اور بڑھا چڑھا کر آپ بیان کرنا چاہتے ہیں، تو پھر اس مفعول مطلق کو، اس پر رفع پڑھ کر براہ راست خبر بنا دیتے ہیں۔ کیا بنا دیتے ہیں؟ خبر بنا دیتے ہیں، زَيْدٌ سَيْرًا سَيْرًا اس کو بدل کر کیا بنا دیتے ہیں؟ زَيْدٌ سَيْرٌ سَيْرٌ دیکھا وہی مفعول مطلق میں تکرار تھا، لیکن اب اسی کو کیا بنا دیا؟ خبر بنا دیا۔ اب اسی دوام اور لزوم کے اندر مبالغہ بھی آگیا حد سے زیادہ بڑھا کر آپ نے کہ گویا زید کی ذات ہی چلنا ہے، وہ ہر وقت چلتا ہی رہتا ہے اس کی ذات ہی سیر بن چکی ہے بھئی۔ یا اسی طرح مَا زَيْدٌ إِلَّا سَيْرًا تھا، آپ اس سَيْرًا کو خبر ہی بنا دیں، مَا زَيْدٌ إِلَّا سَيْرٌ دیکھا اب آپ نے مفعول مطلق کو کیا کر دیا؟ خبر ہی بنا دیا اس دوام اور لزوم میں مبالغہ کرنے کے لیے۔ بات سمجھ میں آگئی۔

آگے دیکھیے بھئی۔ کہتے ہیں وَمِنْهَا أَيْ مِنَ الْمَوَاضِعِ الَّتِي يَجِبُ حَذْفُ الْفِعْلِ النَّاصِبِ لِلْمَفْعُولِ الْمُطْلَقِ فِيهَا، اچھا بھئی یہ پہلے متن متن دیکھیں، وَمِنْهَا مَا وَقَعَ، اور ان جگہوں میں سے ایک وہ جگہ ہے کہ جہاں مفعول مطلق واقع ہو تَفْصِيلًا لِأَثَرِ

مَضْمُونِ جُمْلَةٍ مُتَقَدِّمَةٍ۔ جُمْلَةٍ مُتَقَدِّمَةٍ وہ جملہ جو پہلے گزرا ہو، تَفْصِيلًا لِأَثَرِ مَضْمُونِ جُمْلَةٍ مُتَقَدِّمَةٍ، جہاں پر مفعول مطلق جو ہے جملہ متقدمہ یعنی وہ جملہ جو پہلے گزرا ہے اس کے مضمون کے اثر کی تفصیل واقع ہو۔ اثر سے مراد ہے غرض اور مقصد، اثر کا معنی کر لیں مقصد، مقصد۔ کہ دوسرا مقام وہ ہے جہاں مفعول مطلق جو ہے ماقبل والے جملے کے مضمون کا جو مقصد ہے اس کی تفصیل ہو کر واقع ہو، اس کی تفصیل۔ میں نے بتایا تھا ایک ہوتا ہے اجمال، ایک ہے تفصیل۔ اجمال میں مختصراً چیز کو بیان کیا جاتا ہے، ایک ایک چیز کو الگ نہیں، اور تفصیل میں ایک ایک چیز کو الگ الگ ذکر کیا جاتا ہے۔ مثلاً میں آپ سے کہتا ہوں میرے تین دوست ہیں، یہ میں نے اجمالاً ذکر کیا، کون کون ہے میں نے کوئی تفصیل بیان نہیں کی، لیکن اتنا بتا دیا میرے تین دوست ہیں، سب کو اکٹھا سمیٹ دیا تین کے اندر۔ اور ایک صورت یہ ہے کہ میں ان کے الگ الگ نام ذکر کروں کہ زید، عمرو، بکر اور خالد میرے دوست ہیں، اب دیکھو میں نے تفصیل بیان کر دی ایک ایک فرد کو الگ الگ بیان کر دیا کہ یہ ہیں میرے دوست۔ تو یہاں پر بھی دوسرا مقام وہ ہے جہاں پر مفعول مطلق جملہ متقدمہ کا جو مضمون ہے اس کا جو مقصد ہے اس مقصد کی تفصیل ہو کر واقع ہو، یعنی اس کے مقصد کو پورا کھول کر بیان کر دے، اس میں جتنے احتمالات ہیں ہر ایک کو الگ الگ ذکر کر دے، تو اس مقام پر بھی اس کے فعل کو حذف کرنا واجب۔

بھئی مضمون جملہ یہاں آیا، مضمون جملہ کسے کہتے ہیں میں پہلے بیان کر چکا، مضمون جملہ عام لفظوں میں کہو یعنی جملے میں جو بات بیان کی گئی ہے، زَيْدٌ قَائِمٌ اس جملے میں کیا بیان کیا گیا ہے؟ زید کا قیام بیان کیا گیا ہے۔ تو مضمون جملہ بنانے کا طریقہ بھی میں نے آپ کو بتلایا تھا، کہ جملہ اسمیہ کا مضمون جملہ کیسے نکالتے ہیں؟ کہ جو خبر ہے اس کا مصدر نکالیں اور بتدا کی طرف مضاف کر دیں، زَيْدٌ قَائِمٌ، بتدا ہے زَيْدٌ اور قَائِمٌ ہے خبر، خبر کا مصدر نکالیں قِيَامٌ اور اس قیام کی اضافت کر دیں بتدا کی طرف، قِيَامُ زَيْدٍ، دیکھا زید کا قیام، یہ مضمون جملہ نکل آیا۔ مضمون جملہ آسان لفظوں میں کیا کہیں گے؟ وہ بات جو جملے میں ذکر کی گئی ہے، اس جملے میں قیام زید ذکر کیا گیا ہے۔ اور دوسری مثال لے لیں زَيْدٌ فِي الدَّارِ، یہاں بتدا کون؟ زید، اور خبر کیا؟ فِي الدَّارِ، اس خبر کا مصدر نکالیں، آپ کہیں گے فِي الدَّارِ کا کیا مصدر ہے؟ بھئی یہ فِي الدَّارِ کس سے متعلق ہے؟ ثَابِتٌ سے، وہ ثَابِتٌ ہے اصل میں خبر، تو ثَابِتٌ کا مصدر نکالیں ثُبُوتٌ اور اس کی اضافت کر دیں بتدا کی طرف، ثُبُوتُ زَيْدٍ، اور باقی جار مجرور وغیرہ کو ویسے ساتھ جوڑ دیں، ثُبُوتُ زَيْدٍ فِي الدَّارِ، زید کا گھر میں ہونا اس جملے میں یہ ذکر ہے۔ یہ تو تھا جملہ اسمیہ میں کہ خبر کا مصدر نکالیں اور بتدا کی طرف مضاف کر دیں تو مضمون جملہ نکل آئے گا۔

جملہ فعلیہ کا مضمون جملہ کیسے نکالیں گے؟ اس میں بھی اسی طرح ہے، وہاں فعل اور فاعل آئے گا، تو کیا کریں؟ اس فعل کا مصدر نکالیں اور فاعل یا مفعول کی طرف اس کی اضافت کر دیں۔ ضَرَبَ زَيْدٌ عَمْرًا، ضَرَبَ زَيْدٌ عَمْرًا، فعل کیا؟ ضَرَبَ، اس کا مصدر نکالو ضَرْبٌ، اور اس کی اضافت کر دو فاعل کی طرف ضَرْبُ زَيْدٍ، اس جملے میں کیا بیان ہو رہا ہے؟ ضَرْبُ زَيْدٍ، یا مفعول کی طرف اضافت کر دیں ضَرْبُ عَمْرٍو، اس جملے میں کیا بیان ہو رہا ہے؟ ضَرْبُ عَمْرٍو بیان ہو رہا ہے۔ فعل کا مصدر

نکالیں اور فاعل یا مفعول کی طرف مضاف کر دیں، طریقہ سمجھ میں آگیا۔ لیکن دونوں میں فرق ہے، جب آپ فاعل کی طرف اضافت کریں گے تو یہ مصدر معروف ہوگا، ضَرْبُ زَيْدٍ، یہ مصدر معروف ہے۔ اور اگر آپ مفعول کی طرف اضافت کریں گے ضَرْبُ عَمْرٍو تو پھر یہ مصدر مجہول ہے۔ میں نے آپ کو بتلایا تھا کہ عربی زبان میں یہی مصدر جو ہے، یہی مصدر معروف بھی استعمال ہوتا ہے اور مجہول بھی، اسی لیے گردانوں کے اندر فعل معروف کے بعد بھی ضَرْبًا ذکر ہے اور فعل مجہول کے بعد بھی ضَرْبًا ذکر ہے، تو سوال پیدا ہوتا ہے یہ تو مختصر گردانیں ہیں جہاں پوری پوری گردان سے ایک صیغہ لیتے ہیں، ضَرَبَ فعل ماضی کے چودہ صیغے ہیں لیکن صرف ضَرَبَ لیا، يَضْرِبُ فعل مضارع کے چودہ صیغے ہیں لیکن صرف يَضْرِبُ لیا، اسی طرح آگے ضُرِبَ فعل مجہول کے چودہ صیغے ہیں ماضی کے لیکن صرف ضُرِبَ لیا، تو ایک ایک صیغہ لے رہے ہیں کیونکہ یہ مختصر گردان ہے۔ تو پھر ضَرَبَ يَضْرِبُ ضَرْبًا ایک دفعہ مصدر ذکر ہو گیا، تو پھر ضُرِبَ يُضْرَبُ ضَرْبًا یہ دوبارہ مصدر کو کیوں ذکر کیا؟ تفصیل میں نے بیان کی تھی کہ یہ جو پہلا مصدر ہے یہ مصدر معروف ہے، اور یہ جو دوسرا مصدر ہے یہ مصدر مجہول ہے، پہلا مصدر فعل معروف کے بعد آیا تو وہ مصدر معروف ہے، دوسرا مصدر فعل مجہول کے بعد آیا تو وہ مصدر مجہول ہے۔ تو دراصل علماء آپ کو بتلانا یہ چاہتے ہیں کہ عربی زبان میں مصدر معروف بھی آتا ہے اور مجہول بھی، اور دونوں کا وزن ایک ہی ہے یعنی ایک ہی مصدر معروف کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے اور مجہول کے لیے بھی۔ تو یہ ضَرْبٌ اگر مصدر معروف ہو تو اس کا معنی کیا؟ ضَرْبٌ یعنی پٹائی کرنا، پٹائی کرنا۔ اور یہی مصدر مجہول ہو ضَرْبٌ تو اس کا معنی ہے پٹائی ہونا، یعنی جس کی پٹائی کی جائے۔ ایک ہے پٹائی کرنا اور ایک ہے پٹائی ہونا، دونوں میں بڑا فرق ہے۔ تو ضَرْبُ زَيْدٍ آپ نے مضمون جملہ نکالا ضَرَبَ زَيْدٌ عَمْرًا اس کا، اور فاعل کی طرف اضافت کی ضَرْبُ زَيْدٍ، یا آپ نے مفعول کی طرف اضافت کی ضَرْبُ عَمْرٍو، تو یاد رکھو جب فاعل کی طرف اضافت کی تو یہ مصدر معروف ہے، اور جب مفعول کی طرف اضافت کی تو یہ مصدر مجہول ہے۔ فاعل کی طرف اضافت کریں ضَرْبُ زَيْدٍ اس کا معنی کیا ہے؟ زید کا پٹائی کرنا، ضَرَبَ زَيْدٌ عَمْرًا مضمون جملہ کیا ہے؟ آپ کہتے ہیں ضَرْبُ زَيْدٍ کہ اس جملے میں زید کا پٹائی کرنا بیان ہو رہا ہے۔ اور اگر آپ مفعول کی طرف اضافت کریں کہ اس جملے کا مضمون جملہ کیا؟ آپ نے کہا ضَرْبُ عَمْرٍو مفعول کی طرف اضافت کر دی، کیا معنی ضَرْبُ عَمْرٍو؟ عمرو کی پٹائی ہونا، زید کا تھا پٹائی کرنا اور عمرو کا ہے پٹائی ہونا، فرق سمجھ میں آرہا ہے؟

تو اب سوال یہ ہے کہ ہم جملہ فعلیہ کا مضمون جملہ نکالنا چاہتے ہیں، جملہ فعلیہ کا مضمون جملہ نکالنا چاہتے ہیں، آپ نے ہمیں کیا کہا یا فاعل کی طرف اضافت کر دو یا مفعول کی طرف، تو ایک وقت میں تو ایک کی طرف اضافت ہو سکتی ہے، تو پھر ہم کیسے بیان کریں کہ یہاں اس وقت فاعل کی طرف اضافت کرنی چاہیے یا مفعول کی طرف؟ کہتے ہیں بھئی اس جملے کا مقصد دیکھ لیں وہ جملہ لانے کا مقصد کیا ہے، وہ جملہ لانے کا مقصد اگر یہ ہے کہ آپ فاعل کے بارے میں بتلانا چاہتے ہیں تو پھر فاعل کی طرف اضافت کرو، اور اگر آپ مفعول کے بارے میں بتلانا چاہتے ہیں تو پھر مفعول کی طرف اضافت کرو۔ بھئی کیا معنی فاعل بتلانا چاہتے ہیں یا مفعول؟ مثلاً آپ کو اتنا پتہ ہے، میں نے آپ سے کہا ضَرَبَ زَيْدٌ عَمْرًا، آپ کو اتنا پتہ تھا

کہ عمرو کی پٹائی ہوئی ہے لیکن کی کس نے ہے یہ آپ کو پتہ نہیں تھا، تو اب جب میں لایا ضَرَبَ زَيْدٌ عَمْرًا میں کس کے بارے میں بتلانا چاہتا ہوں؟ آپ کو اتنا پتہ تھا کہ پٹائی کس کی ہوئی ہے عمرو کی یہ تو آپ کو پتہ تھا، لیکن کس نے کی ہے فاعل کون ہے وہ آپ کو پتہ نہیں تھا، تو میں نے کیا کہا ضَرَبَ زَيْدٌ عَمْرًا، تو یہ جملہ میں کس کے لیے لایا فاعل بتلانے کے لیے یا مفعول بتلانے کے لیے؟ فاعل بتلانے کے لیے کیونکہ مفعول کا تو آپ کو پتہ تھا، تو لہذا اس صورت میں فاعل کا بتلانا مقصود تھا تو مضمون جملہ کے اندر فاعل کی طرف اضافت کرو کہ اس جملے میں ضَرْبُ زَيْدٍ بتلانا مقصود ہے، ضَرْبُ عَمْرٍو بتلانا مقصود نہیں وہ تو آپ کو پہلے ہی پتہ تھی۔ یا دوسری مثال لیں، میں نے کہا ضَرَبَ زَيْدٌ عَمْرًا، آپ کو اتنا تو پتہ تھا کہ پٹائی زید نے کی ہے، لیکن یہ نہیں تھا پتہ کہ زید نے کس کی پٹائی کی ہے، تو میں نے کہا ضَرَبَ زَيْدٌ عَمْرًا تو یہ جملہ لانے کا مقصد کیا ہے؟ عمرو کے بارے میں میں بتلانا چاہتا ہوں کہ وہ جو زید نے ضرب لگائی تھی وہ عمرو کو لگائی تھی، تو لہذا اب اس جملے کا مضمون جملہ کیا ہوگا؟ ضَرْبُ عَمْرٍو، اس میں ضرب عمرو بیان ہو رہی ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو مضمون جملہ کیسے نکالتے ہیں؟ جملہ اسمیہ کا مضمون جملہ اس طرح نکالتے ہیں کہ خبر کا مصدر نکال کر مبتدا کی طرف مضاف کر دیں گے، اور جملہ فعلیہ کا مضمون جملہ اس طرح نکالیں گے کہ فعل کا مصدر نکال کر فاعل یا مفعول کی طرف مضاف کر دیں گے۔ بات سمجھ میں آگئی۔

اور نیز یہاں دیکھو کتاب میں آیا تَفْصِيلًا لِأَثَرِ مَضْمُونِ جُمْلَةٍ مُتَقَدِّمَةٍ، کہ وہ ماقبل والے جملے کے مضمون کے غرض جو ہے اس کا جو مقصد ہے اس کی تفصیل بیان کرے۔ اثر کا کیا معنی؟ مقصد اور غرض، اور تفصیل کا کیا معنی؟ یعنی اس میں جتنے احتمالات ہیں وہ سب کو ذکر کر دے۔ دیکھو مثال سے وضاحت ہوگی، جیسے بھئی اللہ تعالی کا قول ہے، آگے متن میں آرہا ہے، مِثْلُ فَشُدُّوا الْوِثَاقَ فَإِمَّا مَنًّا بَعْدُ وَإِمَّا فِدَاءً، عبارت مل گئی؟ جیسے اللہ تعالی کا قول ہے فَشُدُّوا الْوِثَاقَ، شَدَّ يَشُدُّ کا معنی ہے باندھنا، باندھنا۔ اور وِثَاقٌ کہتے ہیں وہ چیز جس سے باندھا جائے، رسی یا زنجیر وغیرہ، اس کو کیا کہتے ہیں؟ وِثَاقٌ۔ تو اللہ تعالی مومنین کو حکم دے رہے ہیں فَشُدُّوا الْوِثَاقَ، شُدُّوا، شَدَّ يَشُدُّ سے امر کیا آئے گا؟ شُدَّ، شُدَّ، گردان کیسے ہوگی؟ شُدَّ، شُدَّا، شُدُّوا، تو دیکھا یہ جمع مذکر حاضر کا صیغہ ہے امر ہے، فَشُدُّوا اور اس کے اندر یہ واو فاعل ہے جمع مذکر حاضر کی، پس تم لوگ باندھ دو الْوِثَاقَ بندوں کو، بند کو، تم بند کو باندھ دو یعنی مشرکین کے ساتھ اگر تمہاری جنگ ہو اور ان کو گرفتار کر لو تو اس کے بعد ان کے بند باندھ دو یعنی ان کو رسی وغیرہ یا چیزوں سے ان کو باندھ دو، فَإِمَّا مَنًّا بَعْدُ پھر اس کے بعد یا تو احسان کرنا ہے أَيْ فَإِمَّا تَمُنُّونَ مَنًّا بَعْدُ، یا تو بعد میں تم لوگ پھر احسان کرو گے یعنی ویسے ہی چھوڑ دو گے ان کو احسان کرتے ہوئے، وَإِمَّا فِدَاءً أَيْ وَإِمَّا تُفْدُونَ فِدَاءً یا پھر تم فدیہ لے لو گے۔ اللہ کیا فرما رہے ہیں کہ تم لوگ کیا کر لو؟ جنگ کے اندر جب مشرکین کو قیدی بنا لو تو بند باندھ لو یعنی ان کو مضبوطی سے باندھ لو، پھر اس کے بعد تم لوگ کیا کرو گے؟ یا تو احسان کرتے ہوئے ان کو ویسے ہی چھوڑ دو گے، یا تم پھر ان کے بدلے فدیہ لے لو گے۔ تو یہاں پر دیکھو فَشُدُّوا الْوِثَاقَ یہ جملہ آیا، شُدُّوا الْوِثَاقَ یہ ماقبل میں جملہ آیا، اور اس کے بعد آیا فَإِمَّا مَنًّا، یہ مَنًّا کیا ہے؟ یہ مفعول مطلق ہے اس کے فعل کو حذف کرنا واجب، اسی

طرح وَإِمَّا فِدَاءً یہ فِدَاءً بھی کیا ہے؟ یہ بھی مفعول مطلق ہے اس کے فعل تُفْدُونَ کو حذف کرنا واجب ہے۔ توجہ ہے؟ اور یہ جو مفعول

مطلق ہے یہ تفصیل بیان کر رہا ہے، تفصیل بیان کر رہا ہے کس چیز کی؟ کس چیز کی تفصیل بیان کر رہا ہے؟ ماقبل میں جو جملہ آیا تھا فَشُدُّوا الْوِثَاقَ اس جملے کا جو مضمون تھا اس کی غرض کی، اس کے مقصد کی تفصیل بیان کر رہا ہے۔ اس جملے کا مضمون ذرا نکالیں فَشُدُّوا الْوِثَاقَ۔ فعل کیا ہے؟ شُدُّوا، اس کا مصدر نکالیں شَدَّ یَشُدُّ شَدًّا، تو شَدٌّ اس کا مصدر ہے، اور آگے مفعول کی طرف اس کی اضافت کر دیں شَدُّ الْوِثَاقِ، بند باندھنا۔ بند باندھنا یہ ہے مضمون جملہ، اس جملے میں یہ ذکر ہوا ہے۔ اور اس کا مقصد کیا ہے یہ بند باندھنے کا مقصد کیا ہے، غرض کیا ہے؟ کہ بعد میں یا تو احسان کرتے ہوئے چھوڑ دینا یا فدیہ لے کر چھوڑ دینا۔ تو دیکھو ماقبل میں جملہ آیا فَشُدُّوا الْوِثَاقَ اس جملے کا جو مضمون ہے اس کی غرض اور مقصد کیا ہے؟ اس کی تفصیل آگے آ رہی ہے، تفصیل یعنی اس میں جو احتمال تھے کہ یا تو تم احسان کرتے ہوئے چھوڑ دو گے یا فدیہ لے کر چھوڑ دو گے۔ تو یہ بند باندھنے کا مقصد کیا تھا؟ احسان کر کے ویسے ہی چھوڑنا یا فدیہ لے کر چھوڑنا۔ دیکھو یہ غرض ہے اور اس کی تفصیل آگئی یعنی اس غرض کے اندر جو احتمالات تھے وہ ذکر کر دیے بھئی، جو مقاصد تھے اس کے اندر وہ سارے ذکر کر دیے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ کیا بات ہوئی کہ وہ مفعول مطلق جو ماقبل میں آنے والے جملے کے، ماقبل میں آنے والا جو جملہ ہے اس کا جو مضمون ہے، اس مضمون کی جو غرض اور مقصد ہے اس کی تفصیل بیان کرے، تو اس مفعول مطلق کے فعل کو حذف کرنا واجب ہے۔ جیسے یہاں پر مَنًّا اور فِدَاءً یہ تفصیل بیان کر رہے ہیں ماقبل میں جو جملہ آیا تھا اس کے مضمون کے جو مقصد تھا، جو اس کا فائدہ تھا اس فائدے کی تفصیل بیان کر رہے ہیں، لہذا ان کے فعل کو حذف کرنا واجب ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ اچھا، تو لہذا یہ اس کی تفصیل بیان کر رہا ہے تو ان کے فعل کو حذف کرنا واجب ہے۔ تفصیل سمجھ میں آگئی، اب دیکھیے کتاب پر۔

کہتے ہیں وَمِنْهَا أَيْ مِنَ الْمَوَاضِعِ الَّتِي يَجِبُ حَذْفُ الْفِعْلِ النَّاصِبِ لِلْمَفْعُولِ الْمُطْلَقِ فِيهَا، اور ان جگہوں میں سے جن کے اندر مفعول مطلق کو نصب دینے والے فعل کو حذف کرنا واجب ہے ان میں سے مَا وَقَعَ أَيْ مَوْضِعُ مَفْعُولٍ مُطْلَقٍ وَقَعَ، وہ جگہ ہے جہاں مفعول مطلق واقع ہو تَفْصِيلًا لِأَثَرِ مَضْمُونِ جُمْلَةٍ مُتَقَدِّمَةٍ، کہ وہ تفصیل ہو اس غرض کی جو ماقبل میں آنے والے جملے کے مضمون کی ہے۔ یا آخر سے ترجمہ کریں تَفْصِيلًا لِأَثَرِ مَضْمُونِ جُمْلَةٍ مُتَقَدِّمَةٍ کہ جہاں مفعول مطلق جو ہے جملہ متقدمہ کے مضمون کے جو مقصد ہے اس کی تفصیل ہو کر واقع ہو، ماقبل میں جو جملہ ہے، ترجمہ میں آخر سے کر رہا ہوں، ماقبل میں جو جملہ ہے اس کے مضمون کی جو غرض ہے اس کی تفصیل ہو کر واقع ہو، وہ مفعول مطلق اس غرض کی تفصیل ہو کر واقع ہو تو اس کے فعل کو حذف کرنا واجب ہے۔

کہتے ہیں وَالْمُرَادُ بِمَضْمُونِ الْجُمْلَةِ اور مضمون جملہ سے مراد جو ہے مَصْدَرُهَا الْمُضَافُ إِلَى الْفَاعِلِ أَوِ الْمَفْعُولِ کہ اس فعل کا جو مصدر ہے وہ مضاف ہو رہا ہو إِلَى الْفَاعِلِ أَوِ الْمَفْعُولِ فاعل یا مفعول کی طرف، کہ وہ مصدر مضاف ہو فاعل یا

مفعول کی طرف یہ ہے مضمون جملہ۔ وَبِأَثَرِهِ اور مضمون کے اثر سے کیا مراد ہے؟ کہتے ہیں وَبِأَثَرِهِ اور اس کے اثر سے مراد جو ہے غَرَضُهُ الْمَطْلُوبُ مِنْهُ اس مضمون جملہ سے جو غرض اور مقصد مطلوب ہے وہ مراد ہے۔ وَبِتَفْصِيلِ الْأَثَرِ اور تفصیل اثر سے مراد جو ہے بَيَانُ أَنْوَاعِهِ الْمُحْتَمَلَةِ بیان ان انواع کا جس کا ان میں احتمال ہے، جتنی انواع کا اس میں احتمال ہے ان کو بیان کرنا۔ مِثْلُ قَوْلِهِ تَعَالَى جیسے کہ اللہ تعالی کا قول ہے فَشُدُّوا الْوِثَاقَ پس تم بند باندھ لو فَإِمَّا مَنًّا بَعْدُ أَيْ بَعْدَ شَدِّ الْوِثَاقِ تو پھر یا تو احسان کرنا ہے بَعْدُ أَيْ بَعْدَ شَدِّ الْوِثَاقِ بند باندھنے کے بعد، وَإِمَّا فِدَاءً یا فدیہ لینا ہے۔ فَقَوْلُهُ تو اللہ تعالی کا جو قول ہے فَشُدُّوا الْوِثَاقَ یہ جو قول ہے جُمْلَةٌ یہ ایسا جملہ ہے مَضْمُونُهَا شَدُّ الْوِثَاقِ کہ اس کا مضمون شَدُّ الْوِثَاقِ ہے، وَالْغَرَضُ الْمَطْلُوبُ مِنْ شَدِّ الْوِثَاقِ اور وہ غرض جو مطلوب ہے شد وثاق سے إِمَّا الْمَنُّ أَوِ الْفِدَاءُ یا تو وہ احسان کرنا ہے یا فدیہ لینا ہے، فَفَصَّلَ اللَّهُ سُبْحَانَهُ هَذَا الْغَرَضَ الْمَطْلُوبَ تو اللہ تعالی نے تفصیل بیان کی اس غرض مطلوب کی بِقَوْلِهِ اپنے اس قول کے ذریعے یعنی اس کے ذریعے اللہ نے اس کی تفصیل بیان کی فَإِمَّا مَنًّا بَعْدُ وَإِمَّا فِدَاءً تو پھر یا تو احسان کرنا ہے بعد میں یا فدیہ لینا ہے، أَيْ إِمَّا تَمُنُّونَ مَنًّا بَعْدَ الشَّدِّ یعنی یا تو تم احسان کرو گے باندھنے کے بعد، وَإِمَّا تُفْدُونَ فِدَاءً یا تم فدیہ قبول کرو گے، یا فدیہ قبول کرو گے۔ اس کو تَفْدُونَ نہ پڑھنا بھئی تُفْدُونَ، کیونکہ مجرد سے پڑھیں تو اس کا معنی ہوتا ہے فدیہ دینا، فَدَى يَفْدِي کا کیا معنی؟ فدیہ دینا، اور باب افعال سے پڑھیں أَفْدَى يُفْدِي تو پھر اس کا معنی ہے فدیہ قبول کرنا یعنی فدیہ لینا، تاکہ تم لوگ کیا کرو بعد میں فدیہ قبول کرو بھئی۔ یہاں تک بات سمجھ میں آگئی؟

تو بھئی یہاں پر یہ آیا فَإِمَّا مَنًّا بَعْدُ أَيْ بَعْدَ شَدِّ الْوِثَاقِ۔ بھئی بَعْدُ آیا اور دیکھو بَعْدُ یہاں پر مبنی ہے، کیسے پتہ چلا؟ آیت کے اندر فَإِمَّا مَنًّا بَعْدُ وَإِمَّا فِدَاءً میں نے علامت ذکر کی تھی کہ بَعْدُ پر تو تنوین آسکتی ہے اور لیکن پھر بھی یہاں تنوین نہیں آئی، معلوم ہوا یہ مبنی ہے یہ مبنی علی الضم ہے۔ اور مبنی ہے اور مبنی کا اعراب کیسے بتاتے ہیں؟ محلاً، تو یہ محلاً مفعول فیہ ہے، یہ منصوب ہے بھئی منصوب ہے۔ اور آپ نے پڑھا ہے کہ قَبْلُ اور بَعْدُ جو ہیں یہ ہمیشہ مضاف الیہ چاہتے ہیں، قَبْلُ کا معنی پہلے، بھئی کس سے پہلے؟ آگے مضاف الیہ چاہیے۔ بَعْدُ کا معنی بعد میں، بھئی کس کے بعد میں؟ آگے مضاف الیہ چاہیے، کہ بَعْدَ زَيْدٍ أَوْ بَعْدَ عَمْرٍو أَوْ بَعْدَ بَكْرٍ۔ اور اس کے استعمال کے طریقے کتنے ہیں؟ تین، کہ یہ مضاف الیہ چاہتے ہیں، کبھی مضاف الیہ ساتھ ذکر ہوتا ہے تو اس صورت میں پھر ان پر نصب آئے گا کیونکہ یہ مفعول فیہ ہیں اور مفعول فیہ پر نصب آتا ہے۔ اور بعض صورتوں میں پھر ان کے مفعول فیہ کو حذف کر لیتے ہیں، جب حذف کر لیتے ہیں تو پھر وہ نیت میں البتہ مراد ہوتا ہے، نیت میں تو مراد ہے اور لفظوں سے آپ نے حذف کر لیا تو اس کا نقصان ہوا، لہذا اس صورت میں یہ مبنی علی الضم ہوتا ہے مبنی علی الضم۔ اور ایک صورت یہ ہے کہ حذف کر دیا اور اس کو پھر نسیا منسیا کر دیا یعنی بالکل بھلایا ہوا کہ آگے گویا اس کے لیے مضاف الیہ چاہیے ہی نہیں، جب آگے مضاف الیہ چاہیے ہی نہیں تو گویا اس کا کوئی نقصان ہی نہیں، جب نقصان نہیں ہوا تو بھی یہ اسی طرح معرب رہے گا اور پھر بَعْدًا پڑھیں گے تنوین کے ساتھ کیونکہ یہ مفعول فیہ ہے۔ ہاں البتہ ایک صورت میں یہ مبنی بنے گا جب آپ نے لفظوں سے اس کا مضاف الیہ حذف کر دیا لیکن نیت میں ابھی بھی ہے۔ چنانچہ

مثلاً میں آپ سے کہتا ہوں جَاءَنِي زَيْدٌ بَعْدَ عَمْرٍو، کیا ترجمہ؟ زید میرے پاس آیا کس کے بعد؟ عمرو کے بعد۔ اب میں اس کے مضاف الیہ کو حذف کر دیتا ہوں لفظوں سے، جَاءَنِي زَيْدٌ بَعْدُ، اب مبنی ہو گیا۔ اب ترجمہ کریں: آیا میرے پاس زید... ہاں دیکھا آیا میرے پاس زید بعد میں، نہیں بھئی یہ ترجمہ نہیں صحیح، کیونکہ مضاف الیہ لفظوں سے آپ نے بے شک حذف کیا ہے لیکن نیت میں ابھی بھی ہے، تو آیا زید بَعْدَ عَمْرٍو، ترجمہ اسی طرح کریں گے۔ لفظ کیا میں نے بولا؟ جَاءَنِي زَيْدٌ بَعْدُ، زید میرے پاس عمرو کے بعد آیا۔ بھئی عمرو تو لفظوں میں نہیں ذکر لیکن بَعْدُ کا مبنی ہونا بتلا رہا ہے کہ یہاں ایک لفظ حذف ہوا ہے، نیت میں ہے تو ترجمے میں اس کو پھر ذکر کریں گے۔ بات سمجھ میں آ گئی؟ اسی لیے دیکھو صاحب کافیہ نے کیا فرمایا: فَإِمَّا مَنًّا بَعْدُ، یہ مبنی علی الضم ہے، بتلا دیا کہ اس کا مضاف الیہ محذوف ہے اور اس کو آگے ذکر کر دیا، اور جب ذکر کریں گے تو اب بَعْدَ معرب ہو جائے گا أَيْ بَعْدَ شَدِّ الْوِثَاقِ، یعنی بند باندھنے کے بعد جو ہے پھر یا تو احسان کرو گے یا پھر فدیہ لے کر چھوڑ دو گے بھئی۔ بات سمجھ میں آ گئی؟

اور یہاں پر فعل کو حذف کرنا کیوں واجب ہے؟ وجہ یہ، یہاں پر فعل کو حذف کرنا اس لیے واجب ہے کیونکہ ماقبل والا، کیونکہ ماقبل میں جملہ ذکر ہے وہ جملہ خود اس پر دلالت کر رہا ہے، یہ اسی کی غرض کی تفصیل واقع ہوتے ہیں نا، تو جب یہ اسی کی غرض کی تفصیل ہیں تو گویا اس جملے کے اندر اجمالاً وہ بات آ چکی ہے، جب ایک دفعہ آ چکی ہے تو دوبارہ ان افعال کو ذکر کریں گے تو بات بڑی لمبی ہو جائے گی، لہذا ایسے موقع پر حذف کرنا واجب ہے۔ بات سمجھ میں آ گئی؟ چلیے بس بھئی، هَذَا هُوَ الْمَرَامُ وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْكَلَامِ۔

سبق نمبر ۱۱۶: المفعول المطلق (۳): تشبیہ اور مثنیٰ مفعولِ مطلق («لَبَّیْکَ وَسَعْدَیْکَ») کی تحقیق

شرحِ ملا جامی صفحہ: ۸۶ — بتاریخ: ۴ دسمبر ۲۰۲۱ء

▪ تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث

آگے دیکھیے سبق بھئی:

وَمِنْهَا أَيْ مِنْ تِلْكَ الْمَوَاضِعِ مَا وَقَعَ أَيْ مَوْضِعُ مَفْعُولٍ مُطْلَقٍ وَقَعَ لِلتَّشْبِيهِ، أَيْ لِأَنْ يُشَبَّهَ بِهِ أَمْرٌ آخَرُ، وَاحْتَرَزَ بِهِ عَنْ نَحْوِ لِزَيْدٍ صَوْتٌ صَوْتٌ حَسَنٌ لِأَنَّهُ لَمْ يَقَعْ لِلتَّشْبِيهِ.

بھئی گزشتہ سبق میں صاحبِ کافیہ نے آپ کو بتلایا تھا کہ مفعول مطلق جو ہے اس کے فعل کو کبھی کبھار حذف کر لیا جاتا ہے، اور یہ حذف دو قسم پر ہے: کبھی حذف جوازاً ہوگا اور کبھی حذف وجوباً ہوگا۔ حذف جوازاً وہاں ہوگا جہاں پر قرینہ موجود ہو، وہ قرینہ اس فعلِ محذوف پر دلالت کرے گا۔ جیسے آپ کا ایک ساتھی سفر سے آیا اور آپ نے کہا خَیْرَ مَقْدَمٍ، تو یہ خَیْرَ مَقْدَمٍ مفعول مطلق ہے اور اس کا فعل محذوف ہے أَيْ قَدِمْتَ خَيْرَ مَقْدَمٍ، یا قَدِمْتَ قُدُومًا خَيْرَ مَقْدَمٍ۔ تو یہ جو خَیْرَ مَقْدَمٍ ہے، اس کے فعل کو حذف کر لیا گیا یعنی قَدِمْتَ کو، اور اس پر قرینہ حالیہ موجود ہے، یعنی آپ کے ساتھی کی حالت جو ہے، کیونکہ وہ کہاں سے آیا؟ سفر سے آیا ہے، تو یہ حالت اس فعل پر دلالت کر رہی ہے۔ جیسے آپ اردو میں کہتے ہیں خوش آمدید بھئی۔ تو یہ اسی طرح خوشی کے اظہار کے طور پر کہا جاتا ہے، یا یہ دعا ہے، دعا کے طور پر کہا جاتا ہے کہ آپ کے آنے کو اللہ تعالیٰ اچھا فرمائے۔

تو صاحبِ جامی نے آپ کو بتلایا تھا کہ یہ خَیْرَ مَقْدَمٍ یہ مفعول مطلق ہے باعتبار مضاف الیہ کے، کیونکہ یہ جو مَقْدَم ہے یہ مصدرِ میمی ہے بھئی۔ مصدرِ میمی اس مصدر کو کہتے ہیں کہ جس کے شروع میں میمِ زائد ہو بھئی، سوائے بابِ مفاعلہ کے، کیونکہ بابِ مفاعلہ کے اندر جو میم ہے وہ بھی زائد ہے لیکن اس کو مصدرِ میمی نہیں کہتے بھئی۔ تو یہ خَیْرَ مَقْدَمٍ یا تو مفعول مطلق ہے باعتبار مضاف الیہ کے، یعنی خَیْر خود تو اسمِ تفضیل ہے لیکن مَقْدَمٍ جو اس کا مضاف الیہ ہے وہ مصدر ہے، تو اس کے اعتبار سے یہ سارا خَیْرَ مَقْدَمٍ ہی کیا ہے؟ مفعول مطلق ہے۔ صاحبِ جامی نے بتلایا تھا کہ اسمِ تفضیل کا وہی

حکم ہوتا ہے جو مضاف الیہ کا۔ تو خَيْرَ مَقْدَمٍ یا تو یہ مفعول مطلق ہے باعتبار مضاف الیہ کے، اور یا اس کے لیے موصوف محذوف نکال لیں أَيْ قَدِمْتَ قُدُومًا خَيْرَ مَقْدَمٍ، تو پھر یہ مفعول مطلق ہوگا باعتبار موصوفِ محذوف کے، یعنی وہ جو قُدُومًا ہے اس کے اعتبار سے مفعول مطلق ہے۔

اور بعض جگہ پھر یہ مفعول مطلق کے فعل کو حذف کرنا واجب ہوتا ہے۔ پھر یہ واجب دو قسم پر ہے: کچھ سماعی ہے اور کچھ قیاسی ہے۔ سماعی جو سماع پر موقوف ہے یعنی اس کا کوئی ضابطہ نہیں، ہم نے عربوں سے اسی طرح سنا ہے۔ ہم نے بہت کوشش کی کہ کسی طرح کوئی قانون بن جائے کہ جس کے تحت یہ آجائیں، لیکن کوئی قانون ایسا ہم نہیں بنا سکتے۔ تو کچھ جگہیں ہیں جہاں پر عرب ہمیشہ حذف کرتے ہیں اور کوئی ضابطہ اور قانون بھی نہیں، تو اس کو کیا کہتے ہیں؟ سماعی۔ اور کچھ جگہیں ہیں جہاں کے لیے نحوی حضرات قانون اور ضابطہ بنانے میں کامیاب ہو گئے، تو اس کو قیاسی کہتے ہیں۔ یعنی اس جیسا مقام آپ کے کلام کے اندر بھی آجائے تو آپ کے لیے بھی وہاں حذف کرنا واجب ہوگا، ورنہ آپ کلامِ عرب کے اعتبار سے غلطی کریں گے۔

تو سماعی کہاں پر ہے؟ انہوں نے بتلایا تھا جیسے سَقْيًا ہے۔ سَقْيًا اصل میں تھا سَقَاكَ اللهُ سَقْيًا، اللہ آپ کو سیراب کرے، یہ بطورِ دعا کے کہا جاتا ہے۔ اسی طرح رَعْيًا کی دعا دی جاتی ہے، تو أَيْ رَعَاكَ اللهُ رَعْيًا، اللہ تعالیٰ آپ کی حفاظت فرمائے۔ اسی طرح خَيْبَةً یہ بددعا ہے بھئی کہ کوئی شخص ناکام و نامراد ہو تو اس کے بددعا کے طور پر کہا جاتا ہے۔ اسی طرح جَدْعًا یہ بھی بددعا ہے، اس کا لفظی معنی تو ہے ناک کان وغیرہ کا کاٹنا یعنی مثلہ کرنا، تو یہاں یہ کسی کے لیے بددعا ہے کہ یعنی کہ اللہ تعالیٰ اس کو ذلیل کرے اور تکلیفوں اور مشکلات میں مبتلا کرے۔ اسی طرح حَمْدًا یہ بھی مفعول مطلق ہے، اس کے فعل کو حذف کرنا واجب ہے أَيْ حَمِدْتُ حَمْدًا۔ شُكْرًا جو ہے أَيْ شَكَرْتُ شُكْرًا، اور عَجَبًا أَيْ عَجِبْتُ عَجَبًا۔

اور ان کے عامل فعل کو حذف کرنا واجب ہے اس لیے کیونکہ ہم نے کبھی عربوں سے نہیں سنا کہ انہوں نے اس کے فعل کو لفظوں میں ذکر کیا ہو۔ پھر اس پر اشکال ہوا تھا کہ ہم نے تو عربوں سے سنا ہے، وہ کہتے ہیں حَمِدْتُ اللهَ حَمْدًا، یا شَكَرْتُهُ شُكْرًا، یا عَجِبْتُ عَجَبًا، تو یہ جملے تو وہ بولتے ہیں، تو ان کے اندر دیکھو مفعول مطلق کے ساتھ فعل بھی ذکر ہے۔ تو بعضوں نے پھر جواب دیا کہ یہ کلام جو ہے عرب کے فصیح لوگوں کا نہیں ہے، یہ بعد والوں کا کلام ہے اور اس کا کوئی اعتبار نہیں۔ جبکہ بعضوں نے جواب دیا کہ ان کے فعل کو حذف کرنا وہاں پر واجب ہے جہاں پر لام کے ساتھ یہ استعمال ہوں۔ جیسے حَمْدًا لَهُ، شُكْرًا لَهُ وغیرہ بھئی، تو پھر اس وقت ان کے فعل کو حذف کرنا واجب ہے۔ تو اس پر اشکال ہوا کہ متن کے اندر تو کہیں پر لام نہیں آیا، تو وہ پھر جواب دیتے ہیں کہ متن میں لام اس کو حذف کر لیا گیا بطورِ اختصار کے بھئی۔

اور پھر قیاسی جو ہیں کئی جگہیں ہیں، ان میں سے دو تین جگہیں ہم نے گزشتہ سبق میں پڑھی تھیں بھئی۔ انہوں نے

آپ کو بتلایا کہ پہلی جگہ وہ ہے جہاں پر مفعول مطلق کے اثبات کا ارادہ کیا جائے یعنی وہ مثبت ہو کر واقع ہو، اور کس کے بعد آئے؟ نفی یا معنی نفی کے بعد آئے، اور وہ نفی یا معنی نفی ایک اسم پر داخل ہو، فعل پر داخل نہ ہو، اور نیز وہ مفعول مطلق اس اسم سے خبر نہ واقع ہو سکے۔ توجہ ہے؟ کتنی شرطیں ہو گئیں؟ تین شرطیں۔ پہلی شرط کیا؟ کہ وہ مفعول مطلق اس کے اثبات کا ارادہ کیا گیا ہو۔ دوسری شرط کیا؟ کہ وہ نفی یا معنی نفی کے بعد واقع ہو۔ اور تیسری شرط کیا؟ کہ وہ نفی یا معنی نفی ایسے اسم پر داخل ہو کہ مفعول مطلق کا اس سے خبر بننا صحیح نہ ہو۔ خبر اس لیے نہیں بن سکتی کیونکہ وہ مفعول مطلق منصوب ہوتا ہے اور خبر تو مرفوع ہوتی ہے، تو اس کا نصب بتلا رہا ہے کہ وہ خبر نہیں بن سکتا۔

جیسے مَا أَنْتَ إِلَّا سَيْرًا، تم نہیں ہو مگر چلتے ہی رہتے، یعنی تم چلتے ہی رہتے ہو ہر وقت۔ تو یہاں پر دیکھو، تم ہر وقت چلتے ہی رہتے ہو، دیکھو چلتے رہنے کا اثبات ہے۔ اور نیز یہ نفی کے بعد واقع ہوا ہے، مَا أَنْتَ إِلَّا سَيْرًا، دیکھو شروع میں حرفِ نفی آیا ہے۔ اور یہ حرفِ نفی أَنْتَ ایک اسم پر داخل ہے، اور وہ اسم ایسا ہے کہ آگے آنے والا سَيْرًا اس سے خبر نہیں بن سکتا کیونکہ وہ منصوب ہے اور خبر تو مرفوع ہوتی ہے۔ توجہ ہے؟ مَا أَنْتَ إِلَّا سَيْرًا بھئی۔

اور اسی طرح دوسری جگہ وہ ذکر کی جہاں مفعول مطلق مکرر واقع ہو۔ مفعول مطلق مکرر واقع ہو جیسے زَيْدٌ سَيْرًا سَيْرًا۔ اس پر پھر اشکال ہوا تھا کہ آپ نے ہمیں کیا کہا؟ مفعول مطلق جہاں مکرر واقع ہو تو وہاں پر بھی اس کے فعل کو حذف کرنا واجب ہے، ہم آپ کو دکھاتے ہیں قرآن میں ہے: دُكَّتِ الْأَرْضُ دَكًّا دَكًّا، زمین کو ریزہ ریزہ کر دیا جائے گا۔ تو یہاں پر دیکھو دَكًّا دَكًّا یہ مفعول مطلق ہے اور یہ مفعول مطلق مکرر آیا ہے، دو مرتبہ آیا ہے، اور اس کے فعل کو حذف نہیں کیا گیا بلکہ دُكَّتِ الْأَرْضُ دیکھو ماقبل میں فعل اس کا مذکور ہے۔ تو صاحبِ جامی نے بتلایا تھا کہ بھئی ضابطہ دراصل پورا ذکر نہیں کیا صاحبِ کافیہ نے، کیونکہ ماقبل میں کچھ باتیں ذکر ہو گئی تھیں انہی پر انحصار کرتے ہوئے دوبارہ ان کو ذکر نہیں کیا۔ اور ضابطہ پورا یہ ہے کہ مفعول مطلق مکرر واقع ہو اور ایک ایسے اسم کے بعد آئے کہ جس کے لیے یہ خبر نہ بن سکے۔ جیسے زَيْدٌ سَيْرًا سَيْرًا۔ یہ سَيْرًا سَيْرًا مکرر ہے اور کس کے بعد ہے؟ زَيْدٌ کے بعد ہے، اور یہ اس سے خبر نہیں بن سکتا کیونکہ یہ سَيْرًا سَيْرًا تو منصوب ہیں اور خبر تو مرفوع ہوتی ہے۔

تو پھر اس پر اشکال ہوا کہ بھئی صاحبِ کافیہ نے دونوں ضابطوں کو اکٹھا کیوں ذکر کیا؟ دونوں ضابطوں کو اکٹھا کیوں ذکر کیا؟ تو صاحبِ جامی نے بتلایا اس لیے کیونکہ یہ دونوں ضابطے مشترک ہیں اس بات کے اندر کہ وہ مفعول مطلق ایک ایسے اسم کے بعد واقع ہوتا ہے جس سے وہ خبر نہ بن سکے۔ کہ یہ دونوں ضابطوں میں اس بات میں اشتراک ہے کہ اس کے اندر جو مفعول مطلق واقع ہوتا ہے وہ ایک اسم کے بعد آتا ہے، خبر کے مقام میں آتا ہے لیکن اس سے خبر واقع نہیں ہو سکتا۔ تو دونوں ضابطوں میں چونکہ یہ بات مذکور تھی، اس لیے ان دونوں کو اکٹھا ذکر کر دیا۔

اور تیسرا مقام صاحبِ کافیہ نے بتلایا تھا کہ وَمِنْهَا مَا وَقَعَ تَفْصِيلًا لِأَثَرِ مَضْمُونِ جُمْلَةٍ مُتَقَدِّمَةٍ، کہ تیسرا مقام وہ ہے کہ

جہاں پر مفعول مطلق جملہ متقدمہ کے مضمون کے اثر کی تفصیل ہو کر واقع ہو۔ یعنی ماقبل میں جو جملہ آیا ہے، اس کا جو مضمون ہے، اس مضمون کا جو غرض ہے، جو اس سے جو مقصد مطلوب ہے اور جو غرض مقصود ہے اس سے، یا یوں کہو جو فائدہ اس سے مطلوب ہے، اس کی تفصیل بیان کرنے کے لیے جس مفعول مطلق کو لایا جائے، اس کے عامل فعل کو حذف کرنا بھی واجب ہے۔ جیسے اللہ تعالیٰ کا قول ہے: فَشُدُّوا الْوَثَاقَ فَإِمَّا مَنًّا بَعْدُ وَإِمَّا فِدَاءً، کہ پھر اس کے بعد مضبوط بند باندھ لو، پھر اس کے بعد یا تو احسان کرنا ہے یا اس کے بعد فدیہ قبول کرنا ہے۔ یعنی کافروں کو جنگ کے بعد جن کو تم نے قیدی بنایا ہے ان کو مضبوطی سے باندھ لو، پھر اس کے بعد یا تو احسان کرتے ہوئے ان کو ویسے ہی چھوڑ دینا، اور یا ان سے فدیہ لے کر ان کو چھوڑ دینا۔ تو دیکھو بند باندھنے کا مقصد کیا ہے؟ بند باندھنے کا مقصد کیا ہے، اس کا فائدہ کیا ہے، اس کی غرض کیا ہے؟ کہ بعد میں یا احسان کرتے ہوئے چھوڑ دینا یا فدیہ لے لینا۔ ماقبل میں جو جملہ تھا فَشُدُّوا الْوَثَاقَ، اس کا جو مضمون تھا یعنی شَدُّ الْوَثَاقِ، اس کے جو غرض اور فائدہ تھا، اس کی تفصیل بیان کر دی، یعنی یا تو إِمَّا مَنًّا بَعْدُ وَإِمَّا فِدَاءً۔ اور مقامِ استشہاد ہے مَنًّا، اس کا فعل تَمُنُّونَ مَنًّا وہ محذوف ہے، اور اسی طرح فِدَاءً یہ اصل میں کیا ہے؟ تُفْدُونَ فِدَاءً، تو یہاں پر بھی فعل محذوف ہے اور ان کا حذف واجب ہے، اس لیے کیونکہ ماقبل والا جملہ اس پر دلالت کر رہا ہے، کیونکہ یہ اسی کی غرض کی تفصیل ہیں۔ تو جب ماقبل میں ایک جملہ آگیا اور اس سے یہی مقصود ہیں، یہی غرض ہے، تو پھر اب ان کے فعلوں کو دوبارہ ذکر کیا جائے گا تو پھر بات بڑی لمبی ہو جائے گی، لہٰذا ان کو حذف کرنا واجب ہے بھئی۔

اب آگے دیکھیے بھئی آج کا سبق بھئی۔ کہتے ہیں: وَمِنْهَا أَيْ مِنْ تِلْكَ الْمَوَاضِعِ مَا وَقَعَ أَيْ مَوْضِعُ مَفْعُولٍ مُطْلَقٍ وَقَعَ لِلتَّشْبِيهِ۔ جی پہلے متن متن دیکھیں۔ کہتے ہیں: وَمِنْهَا مَا وَقَعَ لِلتَّشْبِيهِ عِلَاجًا بَعْدَ جُمْلَةٍ مُشْتَمِلَةٍ عَلَى اسْمٍ بِمَعْنَاهُ وَصَاحِبِهِ۔

وَمِنْهَا اور ان جگہوں میں سے وہ ہے کہ جہاں مفعول مطلق واقع ہو لِلتَّشْبِيهِ کس لیے؟ تشبیہ کے لیے واقع ہو، یعنی اس کے ساتھ کسی چیز کو تشبیہ دی جائے۔ عِلَاجًا، عِلَاجًا سے مراد ہے کہ وہ افعالِ جوارح میں سے ہو۔ عِلَاجًا کا کیا معنی؟ کہ وہ مفعول مطلق کس میں سے ہو؟ افعالِ جوارح میں سے ہو۔ جوارح جمع ہے جَارِحَةٌ کی اور جَارِحَة کہتے ہیں یہ انسان کے اعضاء جن کے ذریعے وہ کام وغیرہ کرتا ہے، یہ ہاتھ پاؤں وغیرہ، یعنی اعضاءِ ظاہریہ کہہ لیں، یہ کیا ہیں؟ جوارح ہیں بھئی جوارح بھئی۔ تو وہ مفعول مطلق جو ہے کس میں سے ہو؟ افعالِ جوارح میں سے ہو، یعنی افعالِ قلوب میں سے نہ ہو، قلب کا فعل نہ ہو بلکہ جوارح کا فعل ہو۔ تیسری بات کہ وہ مفعول مطلق ایک ایسے جملے کے بعد آئے کہ اس جملے کے اندر اس کا ہم معنی اسم بھی ہو اور صاحبِ اسم بھی ہو۔ توجہ ہے؟ کہ وہ مفعول مطلق ایک ایسے جملے کے بعد آئے کہ اس جملے کے اندر اس کا ہم معنی اسم بھی ہو اور صاحبِ اسم بھی ہو۔

کیا ضابطہ ذکر ہوا؟ تیسرا وہ مقام جہاں مفعول مطلق کے فعل کو حذف کرنا واجب ہے کون سا ہے؟ کہ وہ مفعول مطلق تشبیہ کے لیے آئے، یعنی اس کے ساتھ کسی چیز کو تشبیہ دی جائے۔ دوسری بات کہ وہ افعالِ جوارح میں سے ہو، افعالِ قلوب میں سے نہ ہو۔ اور تیسری شرط یہ کہ اس سے ماقبل ایک جملہ آنا چاہیے اور اس جملے کے اندر یہ جو مفعول مطلق آرہا

ہے اس کا ہم معنی اسم بھی اس جملے میں ہو اور صاحبِ اسم بھی ہو۔ صاحبِ اسم یعنی جو اس کے ساتھ موصوف ہو رہا ہے، جو اس کے ساتھ موصوف ہو رہا ہے جس کی یہ صفت ہے۔ دیکھو مثال سے وضاحت ہوگی، جیسے مَرَرْتُ بِهِ، نحو مَرَرْتُ بِهِ فَإِذَا لَهُ صَوْتٌ صَوْتَ حِمَارٍ۔ مَرَرْتُ بِهِ میں اس کے پاس سے گزرا، فَإِذَا لَهُ صَوْتٌ، إِذَا مفاجاتیہ ہے جس کا معنی اچانک کے ساتھ کرتے ہیں۔ فَإِذَا لَهُ صَوْتٌ، تو اچانک اس کے لیے آواز، اچانک اس کے لیے آواز تھی، یعنی اونچا بول رہا ہوگا یا چلا رہا ہوگا، صَوْتَ حِمَارٍ جیسے کہ گدھے کی آواز ہوتی ہے۔

معنی سمجھ میں آگیا؟ مَرَرْتُ بِهِ فَإِذَا لَهُ صَوْتٌ صَوْتَ حِمَارٍ، میں اس شخص کے پاس سے گزرا تو اس کے لیے ایسی آواز تھی جیسے کہ گدھے کی آواز ہوتی ہے۔ معلوم ہوا نہایت اونچی آواز میں بول رہا تھا یا چیخ رہا تھا، چلا رہا تھا بھئی۔ تو اب دیکھو مقامِ استشہاد ہے صَوْتَ حِمَارٍ، یہ ہے وہ مفعول مطلق جس کے فعل کو حذف کرنا واجب ہے أَيْ يَصُوتُ صَوْتَ حِمَارٍ۔ تو يَصُوتُ فعل کو حذف کرنا واجب ہے، اور شرطیں جو ذکر ہوئیں وہ ساری پوری ہیں۔ یہاں دیکھو صَوْتَ حِمَارٍ اس شخص کی ایسی آواز تھی جیسے کس کی آواز ہوتی ہے؟ گدھے کی آواز، معلوم ہوا اس شخص کی آواز کو تشبیہ دی جا رہی ہے گدھے کی آواز کے ساتھ۔ تو یہ صَوْتَ حِمَارٍ مفعول مطلق آیا تشبیہ کے لیے۔

یعنی اس کے ساتھ اس شخص کی آواز کو تشبیہ دی گئی ہے۔ اور دوسری شرط کیا تھی؟ عِلَاجًا، کہ وہ مفعول مطلق کس میں سے ہو؟ افعالِ جوارح میں سے ہو، افعالِ قلوب میں سے نہ ہو، اور یہ آواز نکالنا، آواز دینا یہ بھی کس سے ہے؟ منہ کے ذریعے ہے، تو یہ افعالِ جوارح میں سے ہے، افعالِ قلوب میں سے نہیں ہے۔ اور اسی طرح تیسری شرط کیا تھی؟ کہ اس سے ماقبل ایک جملہ آئے اور اس جملے کے اندر اسی مفعول مطلق کا ہم معنی اسم بھی ہو اور صاحبِ اسم بھی ہو۔ تو اس سے ماقبل ایک جملہ ہے بھئی، یہ صَوْتَ حِمَارٍ سے ماقبل جملہ ہے لَهُ صَوْتٌ۔ لَهُ خبرِ مقدم ہے اور صَوْتٌ مبتدا مؤخر ہے بھئی۔ اور دیکھو اس جملے کے اندر صَوْت کا لفظ آرہا ہے، اور یہ اسی مفعول مطلق کا ہم معنی اسم ہے۔ یاد رکھو مابعد میں جو صَوْت آ رہا ہے، صَوْت آرہا ہے، یہ ہے مصدر۔ صَوْتَ حِمَارٍ میں جو صَوْت آیا یہ کیا ہے؟ مصدر، اور اس کا معنی کیا کریں گے؟ آواز دینا۔ مصدری ترجمہ کریں گے نا، مصدر ہے، آواز دینا۔ صَاتَ يَصُوتُ صَوْتًا کا معنی آواز دینا۔ اور ایک صَوْت صرف آواز کے معنی میں بھی آتا ہے، وہ اسم ہے، وہ مصدر نہیں۔ تو یہ جو ماقبل والے جملے میں آیا نا فَإِذَا لَهُ صَوْتٌ، یہ صَوْت یہ مصدر نہیں ہے، یہ اسم ہے بمعنی آواز کے۔ تو فرق کیا ہوا؟ صَوْت اگر مصدر ہو تو کیا معنی کریں گے؟ آواز دینا، دیکھو مصدری ترجمہ کریں گے۔ اور صَوْت اگر عام اسم ہو، مصدر نہ ہو، پھر؟ پھر اس کا معنی ہے آواز بھئی۔ تو یہ جو پہلے جملے میں صَوْت آیا اس کا معنی ہے آواز۔

تو اب دیکھو یہ صَوْتَ حِمَارٍ یہ کس لیے آیا؟ تشبیہ کے لیے۔ اور نیز کس میں سے ہے؟ افعالِ جوارح میں سے ہے۔ اور نیز اس سے ماقبل ایک جملہ ہے لَهُ صَوْتٌ، اور اس جملے کے اندر اسی مفعول مطلق کا ہم معنی اسم بھی موجود ہے۔ کون سا

اسم؟ صَوْتٌ، یہ اسی صَوْت مصدر کا ہم معنی ہے۔ اور نیز صاحبِ اسم بھی موجود ہے، لَهُ۔ لَهُ اس کے لیے آواز تھی، دیکھو یہ موصوف کا ذکر بھی آگیا، جس کے لیے یہ آواز تھی اس کا بھی ذکر آگیا۔

چوتھی جگہ کون سی ہے جہاں مفعول مطلق کے فعل کو حذف کرنا واجب ہے؟ جہاں مفعول مطلق کس لیے آئے؟ تشبیہ کے لیے۔ اور عِلَاجًا، وہ مفعول مطلق کس میں سے ہو؟ افعالِ جوارح میں سے ہو، افعالِ قلوب میں سے نہ ہو۔ اور تیسری شرط کیا ہے؟ کہ وہ مفعول مطلق ایک ایسے جملے کے بعد واقع ہو، یعنی اس سے ماقبل میں جملہ آنا چاہیے اور وہ جملہ اسی مفعول مطلق کے ہم معنی اسم پر بھی مشتمل ہو اور صاحبِ اسم پر بھی، یعنی جس کے لیے وہ صفت ثابت ہو رہی ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ جی اب دیکھیے بھئی شرح کے ساتھ۔

کہتے ہیں: وَمِنْهَا أَيْ مِنْ تِلْكَ الْمَوَاضِعِ، اور ان جگہوں میں سے جو ہے مَا وَقَعَ أَيْ مَوْضِعُ مَفْعُولٍ مُطْلَقٍ وَقَعَ، ایک وہ جگہ ہے جہاں مفعول مطلق واقع ہو لِلتَّشْبِيهِ کس لیے؟ تشبیہ کے لیے۔ کہ تشبیہ کے لیے کیا معنی؟ کہتے ہیں أَيْ لِأَنْ يُشَبَّهَ بِهِ أَمْرٌ آخَرُ، کہ تاکہ تشبیہ دی جائے اس مفعول مطلق کے ساتھ أَمْرٌ آخَرُ کسی دوسری چیز کو، دوسری چیز کو اس کے ساتھ تشبیہ دی جائے۔ وَاحْتَرَزَ بِهِ عَنْ نَحْوِ لِزَيْدٍ صَوْتٌ صَوْتٌ حَسَنٌ، کہتے ہیں یہ قید لگا کر، اس قید کے ذریعے احتراز کیا لِزَيْدٍ صَوْتٌ صَوْتٌ حَسَنٌ جیسی مثالوں سے۔ یہ جتنی قیدیں ہیں یہ سب احترازی قیدیں ہیں، یعنی ہر قید کے ذریعے کسی چیز کو نکالنا مقصود ہے۔ تو یہ جو قید لگائی تشبیہ والی، اس کے ذریعے کس کو نکالنا مقصود ہے؟ لِزَيْدٍ صَوْتٌ صَوْتٌ حَسَنٌ جیسی مثالوں کو۔ اس میں دیکھو: لِزَيْدٍ صَوْتٌ زید کے لیے آواز ہے، صَوْتٌ حَسَنٌ اچھی آواز۔ اب یہ جو صَوْتٌ حَسَنٌ ہے یہ موصوف صفت ہے، صَوْتٌ ہے موصوف اور حَسَنٌ صفتِ مشبہ اس کی صفت ہے اور اس کے اندر هُوَ ضمیر ہے جو کس کو راجع؟ موصوف یعنی صَوْتٌ کو۔ پھر یہ موصوف صفت مل کر یہ بدل ہیں پہلے صَوْتٌ سے۔ توجہ ہے؟ یہ دونوں بدل ہیں پہلے صَوْتٌ سے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو دیکھو اب یہ جو صَوْتٌ حَسَنٌ آیا، یہ مفعول مطلق نہیں ہے۔ یہ تو ماقبل سے بدل واقع ہو رہا ہے اور اس کے اندر شرائط نہیں پوری، کون سی شرائط؟ کہ وہ مفعول مطلق کس لیے آنا چاہیے؟ تشبیہ کے لیے، اور یہاں تشبیہ نہیں ہے ویسے اس کی صفت ذکر کی جا رہی ہے کہ اس کی آواز اچھی آواز ہے۔ تو ترجمہ کیسے کریں گے؟ لِزَيْدٍ صَوْتٌ صَوْتٌ حَسَنٌ، زید کی اچھی آواز ہے۔

تو کہتے ہیں اس کے ذریعے احتراز کیا عَنْ نَحْوِ لِزَيْدٍ صَوْتٌ صَوْتٌ حَسَنٌ جیسی مثالوں سے، لِأَنَّهُ لَمْ يَقَعْ لِلتَّشْبِيهِ اس لیے کیونکہ یہ تشبیہ کے لیے واقع نہیں ہے۔

عِلَاجًا أَيْ حَالَ كَوْنِهِ دَالًّا عَلَى فِعْلٍ مِنْ أَفْعَالِ الْجَوَارِحِ۔ عِلَاجًا کے بعد صاحبِ جامی فرما رہے ہیں أَيْ حَالَ كَوْنِهِ دَالًّا، کیا بتلانا چاہتے ہیں؟ کہ یہ حال واقع ہو رہا ہے اور حال منصوب ہوتا ہے۔ أَيْ حَالَ كَوْنِهِ دَالًّا اس حال میں کہ وہ مفعول مطلق دلالت کرنے والا ہو عَلَى فِعْلٍ مِنْ أَفْعَالِ الْجَوَارِحِ ظاہری اعضاء کے افعال میں سے کسی فعل پر۔ وَاحْتَرَزَ بِهِ اور اس قید

کے ذریعے احتراز کیا عَنْ نَحْوِ اس جیسی مثالوں سے لِزَيْدٍ زُهْدٌ زُهْدُ الصُّلَحَاءِ، زید کے لیے زہد ہے جیسے کہ زُهْدُ الصُّلَحَاءِ نیک لوگوں کا زہد ہوتا ہے۔ زہد کہتے ہیں دنیا سے بے رغبتی۔ دنیا سے بے رغبت ہو انسان، آخرت کی طرف ساری اس کی توجہ ہو، دنیاوی چیزوں کی کوئی حرص، کوئی طمع، کوئی امید نہ رکھے۔ دنیا سے بے رغبت شخص کو کیا کہتے ہیں؟ زاہد کہتے ہیں۔ اور یہ جو زہد ہے یاد رکھو یہ فعلِ قلب ہے، دل جو ہے، یہ دل کا فعل ہے، یہ بے رغبتی کس کی صفت ہے؟ دل کی صفت ہے کہ دل جو ہے دنیا کی طرف متوجہ نہیں ہوتا۔ تو جب عِلَاجًا کی قید لگائی تو اس جیسی مثالیں نکل گئیں بھئی۔ تو لہٰذا اس مثال کے اندر جو زُهْدُ الصُّلَحَاءِ آیا، یہ بدل واقع ہو رہا ہے ماقبل والے زہد سے بھئی، یہ مفعول مطلق نہیں ہے، اس لیے کیونکہ یہ مصدر اگرچہ تشبیہ کے لیے ہے، زید کے زہد کو تشبیہ دی جا رہی ہے نیک لوگوں کے زہد کے ساتھ، لیکن یہ افعالِ جوارح میں سے نہیں ہے، دوسری شرط یہاں پوری نہیں، اس لیے یہ اس ضابطے سے نکل گیا۔

تو کہتے ہیں اس کے ذریعے احتراز کیا اس جیسی مثالوں سے: لِزَيْدٍ زُهْدٌ زُهْدُ الصُّلَحَاءِ زید کے لیے نیک لوگوں جیسا زہد ہے، لِأَنَّ الزُّهْدَ لَيْسَ مِنْ أَفْعَالِ الْجَوَارِحِ اس لیے کیونکہ زہد جو ہے افعالِ جوارح میں سے نہیں ہے۔

بَعْدَ جُمْلَةٍ اور یہ مفعول مطلق کس کے بعد آنا چاہیے؟ ایک ایسے جملے کے بعد۔ میں نے بتلایا تھا یہ مفعول مطلق کس کے بعد آئے؟ ایسے جملے کے بعد جو اسی مفعول مطلق کے ہم معنی اسم پر بھی مشتمل ہو اور صاحبِ اسم پر بھی مشتمل ہو، وہی اب قید کا فائدہ بتلا رہے ہیں۔ کہتے ہیں بَعْدَ جُمْلَةٍ، یہ جو بَعْدَ جُمْلَةٍ کی قید آئی وَاحْتَرَزَ بِهِ احتراز کیا اس کے ذریعے عَنْ نَحْوِ اس جیسی مثالوں سے: صَوْتُ زَيْدٍ صَوْتُ حِمَارٍ۔ صَوْتُ زَيْدٍ صَوْتُ حِمَارٍ، زید کی آواز گدھے کی آواز جیسی ہے۔

اب دیکھو یہاں جو صَوْتُ حِمَارٍ آیا یہ تشبیہ کے لیے بھی ہے، تشبیہ دی جا رہی ہے زید کی آواز کو گدھے کی آواز کے ساتھ، اور نیز یہ افعالِ جوارح میں سے بھی ہے، لیکن تیسری شرط پوری نہیں کہ جملے کے بعد وہ آنا چاہیے، اور یہ تو صَوْتُ حِمَارٍ جملے کے بعد نہیں ہے، اس سے پہلے تو صرف مبتدا آیا ہے۔ تو صَوْتُ زَيْدٍ یہ مبتدا ہے اور صَوْتُ حِمَارٍ یہ خبر ہے۔ تو یہ وہ مفعول مطلق نہیں ہے جس کے فعل کو حذف کرنا واجب ہے، بلکہ یہ تو خبر ہے بھئی۔

مُشْتَمِلَةٍ تِلْكَ الْجُمْلَةُ۔ جی مُشْتَمِلَةٍ کے بعد تِلْكَ الْجُمْلَةُ نکال کر صاحبِ جامی کیا بتلانا چاہتے ہیں؟ جی اب تو آپ اچھے خاصے نحوی ہیں بھئی: مُشْتَمِلَةٍ تِلْكَ الْجُمْلَةُ۔ بھئی متن کو متن سے جوڑیں: بَعْدَ جُمْلَةٍ مُشْتَمِلَةٍ، جُمْلَةٍ موصوف ہے اور مُشْتَمِلَةٍ اس کی صفت ہے، اور یہ مُشْتَمِلَةٍ کون سا صیغہ ہے؟ اسمِ فاعل ہے، اور اسمِ فاعل کے لیے کیا چاہیے؟ فاعل چاہیے، اور یہ صفت ہے جملے کی تو اس کے اندر ضمیر ہوگی جو کس کو لوٹے گی؟ اسی جملے کو، تو لہٰذا وہ ضمیر کا مرجع بتلا دیا کہ مُشْتَمِلَةٍ تِلْكَ الْجُمْلَةُ، کہ اس کے اندر هِيَ ضمیر اس جملے کو راجع ہے۔ کہ وہ جملہ مشتمل ہو عَلَى اسْمٍ كَائِنٍ بِمَعْنَاهُ۔ اسْمٍ کے بعد كَائِنٍ نکال کر صاحبِ جامی کیا بتلانا چاہتے ہیں؟ جی شاباش، یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ یہ اسْمٍ نکرہ ہے اور اس کے بعد بِمَعْنَاهُ جار مجرور آیا، اور نکرہ کے بعد جار مجرور آئے تو وہ عموماً اس کے لیے صفت بنتا ہے، اور براہِ راست صفت بنے گا یا یہ کسی سے پہلے متعلق ہوگا

اور پھر صفت بنے گا؟ متعلق ہوگا، تو وہ کَائِنٍ ہے، کَائِنٍ وہی ثَابِتٍ بھئی۔ تو وہ جملہ مشتمل ہو عَلَى اسْمٍ ایک ایسے اسم پر كَائِنٍ أَيْ ثَابِتٍ بِمَعْنَاهُ جو اسی مفعول مطلق کے معنی میں ہو بھئی۔ وہ جملہ مشتمل ہو ایک ایسے اسم پر جو اس مفعول مطلق کا ہم معنی ہو بھئی۔ أَيْ بِمَعْنَى الْمَفْعُولِ الْمُطْلَقِ۔ جی متن میں آیا بِمَعْنَاهُ، صاحبِ جامی آگے فرما رہے ہیں أَيْ بِمَعْنَى الْمَفْعُولِ الْمُطْلَقِ، کیا بتلانا چاہتے ہیں؟ ضمیر کا مرجع بتلانا چاہتے ہیں۔

تو بِمَعْنَاهُ أَيْ بِمَعْنَى الْمَفْعُولِ، وہ اسم جو ہے وہ ثابت ہو مفعول مطلق کے معنی میں یعنی اسی کا ہم معنی ہو۔ وَاحْتَرَزَ بِهِ عَنْ نَحْوِ مَرَرْتُ بِزَيْدٍ فَإِذَا لَهُ ضَرْبٌ صَوْتُ حِمَارٍ۔ اور اس قید کے ذریعے احتراز کیا اس جیسی مثالوں سے: مَرَرْتُ بِزَيْدٍ میں زید کے پاس سے گزرا فَإِذَا لَهُ ضَرْبٌ تو اس کے لیے ضرب تھی، یعنی اس کی پٹائی ہو رہی تھی، صَوْتُ حِمَارٍ زید کے لیے گدھے جیسی آواز تھی، وہ گدھے جیسی آواز کے ساتھ چلا رہا تھا یا بول رہا تھا۔ اب دیکھو یہاں صَوْتُ حِمَارٍ آیا، صَوْتُ حِمَارٍ یہ مصدر ہے، اور یہ تشبیہ کے لیے آیا پہلی شرط بھی پوری، پھر یہ افعالِ جوارح میں سے ہے دوسری شرط بھی پوری، تیسری شرط کیا تھا کہ جملے کے بعد آئے وہ جملے کے بعد بھی آرہا ہے ماقبل میں لَهُ ضَرْبٌ پورا جملہ ہے، اور پھر قید کیا تھی؟ کہ وہ جملہ ایسے اسم پر مشتمل ہو جو اس مفعول مطلق کا ہم معنی ہو، یہاں پر یہ شرط پوری نہیں ہو رہی بھئی۔ ماقبل والا جو جملہ ہے لَهُ ضَرْبٌ اس کے اندر تو کوئی صَوْتٌ کا لفظ نہیں آرہا، بات سمجھ میں آگئی؟

معنی سمجھ میں آگیا بھئی؟ دیکھو معنی سنو: مَرَرْتُ بِزَيْدٍ میں زید کے پاس سے گزرا فَإِذَا لَهُ ضَرْبٌ تو اس کے لیے ضرب تھی یعنی اس کی پٹائی ہو رہی تھی، صَوْتُ حِمَارٍ یعنی اس کے لیے گدھے جیسی آواز تھی۔ اس کی پٹائی ہو رہی تھی یعنی اس کے لیے گدھے جیسی آواز تھی، یہ بدل ہے نا بدل کا ترجمہ عموماً یعنی کے ساتھ کر لیتے ہیں۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو یعنی کے ساتھ۔ تو یہاں اب دیکھو یاد رکھو یہ صَوْتُ حِمَارٍ یہ بدل ہے ضَرْبٌ سے۔ کس سے؟ ضَرْبٌ سے بدل ہے۔ اور ضَرْبٌ یہ مبتدا مؤخر ہے، لَهُ خبرِ مقدم اور ضَرْبٌ مبتدا اور صَوْتُ حِمَارٍ اس سے بدل ہے، بدل ہے۔ توجہ ہے؟ تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ بدل میں تو بدل اور مبدل منہ دونوں کا مدلول ایک ہوتا ہے، یعنی جو بدل کا معنی ہوگا وہی مبدل منہ کا بھی معنی ہونا چاہیے۔ جَاءَنِي زَيْدٌ أَخُوكَ میرے پاس زید آیا، آپ کا بھائی، دیکھو زید سے جو ذات مراد ہے أَخُوكَ اس سے بھی وہی ذات مراد ہے بھئی، دونوں ایک ہی ذات پر دلالت کر رہے ہیں۔ تو بدل اور مبدل منہ دونوں کا مدلول ایک ہوتا ہے، اور یہاں تو دونوں کا مدلول ایک نہیں۔ مبدل منہ ہے ضَرْبٌ اور بدل کیا ہے صَوْتُ حِمَارٍ، ایک میں ضرب ذکر ہے تو دوسرے میں صَوْت ذکر ہے۔ تو یاد رکھنا یہ بدلِ ادعائی ہے بھئی، بدلِ ادعائی یعنی دعویٰ کیا گیا ہے۔ بدلِ ادعائی ہے، یعنی ماقبل اس کے معنی پر مشتمل ہے، گویا یہ دعویٰ کیا گیا ہے۔ بھئی ماقبل میں تو ضرب کا ذکر ہے وہ تو صَوْت کے معنی پر مشتمل نہیں ہے۔ بھئی جب ایک آدمی کو ضرب لگے گی تو وہ یقیناً چیخے گا اور چلائے گا، تو وہاں پر دیکھو صَوْت بھی آگئی، تو لفظوں میں صَوْت اگرچہ نہیں ہے لیکن معنی کے اعتبار سے صَوْت آگئی، تو گویا یہ دعویٰ کر دیا گیا کہ جب ضرب کا ذکر آگیا تو گویا صَوْت کا بھی ذکر آگیا، لہٰذا اس سے اس کو بدل بنا لیا گیا۔ بات سمجھ میں آگئی؟

تو کہتے ہیں مَرَرْتُ بِزَيْدٍ میں زید کے پاس سے گزرا فَإِذَا لَهُ ضَرْبٌ صَوْتُ حِمَارٍ تو اس کے لیے ضرب یعنی گدھے جیسی آواز تھی۔ اچھا بھئی یہاں آیا فَإِذَا لَهُ ضَرْبٌ صَوْتُ حِمَارٍ۔ بھئی بعض کتابوں میں ضَرْبُ صَوْتِ حِمَارٍ ہے۔ آپ کی کتابوں میں اعراب تو نہیں ہے؟ ضَرْبُ صَوْتِ، ضَرْب کے اوپر ضمہ لگایا ہوگا اور صَوْت کے نیچے کسرہ، یہ درست نہیں ہے بھئی، ضَرْبٌ پر تنوین پڑھیں اور صَوْتُ حِمَارٍ کو اس سے بدل بنائیں گے، بات سمجھ میں آگئی؟ یہ مضاف مضاف الیہ نہیں ہے بھئی۔

وَعَلَى صَاحِبِهِ، اور وہ جملہ مشتمل ہو کس پر؟ پہلے کیا بتایا؟ وہ جملہ مشتمل ہو ایسے اسم پر جو اس مفعول مطلق کا ہم معنی ہو، وَصَاحِبِهِ اور کس پر مشتمل ہو؟ صاحبِ اسم پر یعنی اس کے موصوف پر مشتمل ہو یعنی جس کی وہ صفت ہو بھئی۔ تو کہتے ہیں وَعَلَى صَاحِبِهِ أَيْ صَاحِبِ ذَلِكَ الِاسْمِ، یعنی اس اسم کے صاحب پر، اس پر مشتمل ہو۔ بھئی کیا معنی صَاحِبِ ذَلِكَ الِاسْمِ، اس اسم والا؟ صَاحِبِ ذَلِكَ الِاسْمِ کا کیا ترجمہ کریں گے؟ اس اسم والا۔ اس صَاحِبُ ذَلِكَ، اس اسم والا۔ بھئی کیا معنی اس اسم والا؟ کہتے ہیں أَيِ الَّذِي قَامَ بِهِ مَعْنَاهُ، یعنی وہ ذات جس کے ساتھ وہ معنی قائم ہے۔

وَمُشْتَمِلَةٌ عَلَى صَاحِبِ ذَلِكَ الِاسْمِ، اور وہ جملہ مشتمل ہے اس اسم کے صاحب پر بھی یعنی اس اسم والے پر بھی یعنی اس کے موصوف پر بھی مشتمل ہے۔ کہتے ہیں وہ صاحبِ اسم کون ہے اس جملے میں؟ کہتے ہیں وَهُوَ الضَّمِيرُ الْمَجْرُورُ فِي قَوْلِهِ لَهُ، اور وہ جو ضمیرِ مجرور ہے ماتن کے قول لَهُ کے اندر، یعنی هَا ضمیر جو ہے یہ صاحبِ اسم ہے۔ تو اس میں ساری شرطیں پوری، لہٰذا اس لیے صَوْتَ حِمَارٍ اس کے فعل کو حذف کرنا واجب ہے۔

بھئی میری کتاب میں یہ جو جملہ آیا نا فَصَوْتُ حِمَارٍ مَصْدَرٌ وَقَعَ لِلتَّشْبِيهِ عِلَاجًا، یہ صَوْتُ حِمَارٍ یہاں صَوْت کی تا پر فتحہ بھی ہے، ضمہ بھی ہے۔ فتحہ بھی ہے اور ضمہ بھی ہے۔ ضمہ کیوں پڑھیں گے؟ کیونکہ یہ بتدا ہے۔ فَصَوْتُ حِمَارٍ مَصْدَرٌ، تو صَوْتَ حِمَارٍ مصدر ہے، تو صَوْتُ حِمَارٍ بتدا اور مَصْدَرٌ اس کی خبر۔ اور اگر فَصَوْتَ حِمَارٍ پڑھیں تو یہ نصب کیوں ہے؟ فَصَوْتَ حِمَارٍ مَصْدَرٌ، کلام پہ غور کرو، معنی پہ غور کرو بھئی۔ بھئی یہ بتدا ہے، بتدا ہونا تو قطعی ہے، یہ بتدا ہے اور مَصْدَرٌ وَقَعَ اس کی خبر ہے۔ پھر بتدا ہونے کے باوجود اس پر فتحہ بھی جائز ہے اور ضمہ بھی جائز ہے۔ ضمہ کیوں جائز؟ کیونکہ بتدا مرفوع ہوتا ہے۔ اور فتحہ کیوں جائز ہے؟ جی؟ فتحہ کیوں جائز؟ ہے بتدا ہی لیکن فتحہ بھی جائز، کیوں؟ اعرابِ حکائی بھئی، اعرابِ حکائی، یہ صَوْتَ حِمَارٍ کا لفظ کہاں سے لیا؟ متن میں جو جملہ آرہا ہے اور اس کے اندر اس پر نصب ہے، تو وہی نصب یہاں بھی پڑھ دیں گے۔ تو فَصَوْتَ حِمَارٍ مَصْدَرٌ آپ یوں بھی پڑھ سکتے ہیں یا فَصَوْتُ حِمَارٍ مَصْدَرٌ آپ یوں بھی پڑھ سکتے ہیں۔ اگر رفع پڑھیں گے تو یہ بتدا ہے اور بتدا ہوتا ہی مرفوع ہے، اور اگر نصب پڑھتے ہیں تو یہ نصب اعرابِ حکائی کی وجہ سے ہے۔ ہاں تو لفظوں میں یہ بے شک منصوب ہے لیکن محلاً مرفوع ہی ہے کیونکہ بتدا ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟

آگے دیکھیے: وَنَحْوُ مَرَرْتُ بِهِ فَإِذَا لَهُ صُرَاخٌ صُرَاخَ الثَّكْلَى۔ فَإِذَا لَهُ صُرَاخٌ، صَاد کے ساتھ بھئی صُرَاخ۔ مَرَرْتُ بِهِ میں اس کے پاس سے گزرا فَإِذَا لَهُ صُرَاخٌ، یہ صُرَاخ بھی چیخنے چلانے کو کہتے ہیں بھئی، زور زور سے چیخنا اور چلانا۔ صَرَخَ يَصْرُخُ

صُرَاخًا یہ مصدر ہے بھئی۔ فَإِذَا لَهُ صُرَاخٌ تو اچانک اس کے لیے چیخنا چلانا تھا، صُرَاخَ الثَّكْلَى۔ ثَكْلَى کہتے ہیں وہ عورت جس کا بچہ مر گیا ہو۔ تو یقیناً جس عورت کا بچہ مر گیا ہو وہ تو بڑی ہی دکھ، غم اور تکلیف کی حالت میں ہوگی اور بہت زیادہ رو رہی ہوگی، چیخ رہی ہوگی، چلا رہی ہوگی۔ تو کہتے ہیں مَرَرْتُ بِهِ میں اس کے پاس سے گزرا فَإِذَا لَهُ صُرَاخٌ تو اس کے لیے چیخنا چلانا تھا صُرَاخَ الثَّكْلَى جس طرح وہ عورت چیختی اور چلاتی ہے اور جس کا بچہ مر گیا ہو۔

معنی سمجھ میں آگیا؟ اب دیکھیے یہ صُرَاخٌ صُرَاخَ الثَّكْلَى یہ دوسری مثال ہے بھئی، اور یہ مثال پوری ذکر نہیں کی صاحبِ کافیہ نے، تو محذوف جو کلام تھا وہ صاحبِ جامی نے ذکر کر دیا: مَرَرْتُ بِهِ فَإِذَا لَهُ صُرَاخٌ۔ کیونکہ صاحبِ کافیہ ایک دفعہ ایک بات ذکر کر چکے تھے، باقی کو پھر ذکر نہیں کیا کہ پڑھنے والا خود سمجھ جائے گا۔ تو کہتے ہیں أَيْ يَصْرُخُ صُرَاخَ الثَّكْلَى، دیکھو فعلِ محذوف نکال لیا أَيْ يَصْرُخُ صُرَاخَ الثَّكْلَى یعنی وہ چیخ رہا تھا جس طرح کہ وہ عورت چیختی ہے جس کا بچہ مر گیا ہو۔ کہتے ہیں وَهِيَ امْرَأَةٌ مَاتَ وَلَدُهَا اور یہ وہ عورت ہے جس کا بچہ مر گیا ہو، یہ معنی بیان کر رہے ہیں ثَكْلَى کا۔

وَمِنْهَا أَيْ مِنْ تِلْكَ الْمَوَاضِعِ۔ جی اگلا مقام جہاں پر مفعول مطلق کے فعل کو حذف کرنا واجب ہے بھئی۔ کہتے ہیں وَمِنْهَا أَيْ مِنْ تِلْكَ الْمَوَاضِعِ مَا وَقَعَ أَيْ مَوْضِعُ مَفْعُولٍ مُطْلَقٍ وَقَعَ مَضْمُونَ جُمْلَةٍ لَا مُحْتَمَلَ لَهَا غَيْرُهُ۔ جی پہلے متن متن دیکھ لیں۔ کہتے ہیں اور ان جگہوں میں سے ایک وہ جگہ ہے جہاں مفعول مطلق واقع ہو مَضْمُونَ جُمْلَةٍ اس حال میں کہ وہ مضمونِ جملہ ہو، لَا مُحْتَمَلَ لَهَا غَيْرُهُ اور اس جملے میں اور کوئی احتمال بھی نہ ہو، اور اس جملے میں اور کوئی بھی احتمال نہ ہو۔

تو یہ پانچواں مقام ہے جہاں پر مفعول مطلق کے فعل کو حذف کرنا واجب ہے۔ کون سا مقام ہے؟ کہ مفعول مطلق مضمونِ جملہ ہو کر واقع ہو اور اس جملے میں اور کوئی احتمال بھی نہ ہو۔ مضمونِ جملہ سے یہاں وہ مضمونِ جملہ نہیں مراد جو گزشتہ سبق میں ہم نے پڑھا تھا کہ فعل کا مصدر نکال کر فاعل یا مفعول کی طرف اس کی اضافت کر دی جائے، وہ مضمونِ جملہ یہاں نہیں مراد، بلکہ مراد ہے حاصل بھئی، اس جملے کا جو حاصل ہے۔ تو پانچواں مقام وہ ہے جہاں مفعول مطلق جملے کا مضمون واقع ہو یعنی حاصلِ جملہ ہو کر واقع ہو، اور اس جملے میں اس کے علاوہ اور کوئی احتمال نہ ہو۔

نَحْوُ لَهُ عَلَيَّ أَلْفُ دِرْهَمٍ اعْتِرَافًا۔ لَهُ عَلَيَّ أَلْفُ دِرْهَمٍ، فلاں کے مجھ پر ایک ہزار درہم ہیں۔ لَهُ عَلَيَّ، فلاں کے مجھ پر ہیں، کیا ہیں؟ أَلْفُ دِرْهَمٍ، ایک ہزار درہم۔ آگے آیا اعْتِرَافًا، یہ ہے مفعول مطلق، اور اس کے فعل کو حذف کرنا واجب ہے اس لیے کیونکہ یہ ماقبل کے جملے کا مضمونِ جملہ ہے، اور اس جملے کے اندر اور کوئی احتمال نہیں۔ جب کوئی شخص یہ کہتا ہے لَهُ عَلَيَّ أَلْفُ دِرْهَمٍ تو اس کو کیا کہتے ہیں آپ لوگ؟ کہ یہ اعتراف کر رہا ہے، اپنے اوپر کسی کے لیے مال کا اعتراف کر رہا ہے۔ تو ماقبل کے جملے کا حاصل کیا، مضمون کیا؟ کہ اس کے اندر اعتراف ہے، اور یہی اعتراف آگے مفعول مطلق بھی واقع ہو گیا۔ تو یہ مفعول مطلق ماقبل والے جملے کا مضمون ہے اور اس جملے کے اندر اور کوئی احتمال نہیں، اس جملے میں اعتراف ہی ہے اس کے اندر کوئی اور احتمال نہیں۔ آگے ایک اور جملہ آئے گا اس میں آپ دیکھیں گے کہ وہاں اور بھی احتمال

ہوگا۔ بات سمجھ میں آگئی؟

تو کہتے ہیں کہ ان جگہوں میں سے ایک جگہ وہ ہے کہ جہاں پر مفعول مطلق جو ہے واقع ہو مَضْمُونَ جُمْلَةٍ جملے کا مضمون ہو کر لَا مُحْتَمَلَ لَهَا غَيْرُهُ اور اس جملے کے اندر مفعول مطلق کے علاوہ اور کوئی احتمال نہ ہو، نَحْوُ مثال کے طور پر لَهُ عَلَيَّ أَلْفُ دِرْهَمٍ فلاں کے مجھ پر ایک ہزار درہم ہیں اعْتِرَافًا، أَيِ اعْتَرَفْتُ اعْتِرَافًا، تو یہ کیا ہے مفعول مطلق ہے۔ بات سمجھ میں آ گئی؟ دیکھیے بھئی اب شرح کے ساتھ۔

کہتے ہیں وَمِنْهَا أَيْ مِنْ تِلْكَ الْمَوَاضِعِ اور ان جگہوں میں سے جو ہے مَا وَقَعَ أَيْ مَوْضِعُ مَفْعُولٍ مُطْلَقٍ وَقَعَ ایک وہ مقام ہے جہاں مفعول مطلق واقع ہو مَضْمُونَ جُمْلَةٍ ایسے جملے کا مضمون ہو کر لَا مُحْتَمَلَ لَهَا أَيْ لِهَذِهِ الْجُمْلَةِ غَيْرُهُ کہ کوئی اور احتمال نہ ہو اس جملے میں غَيْرُهُ أَيْ غَيْرُ الْمَفْعُولِ الْمُطْلَقِ مفعول مطلق کے علاوہ۔ مفعول مطلق کیا آیا تھا؟ اعْتِرَافًا، اور اس جملے میں اعتراف کے علاوہ کوئی اور احتمال نہیں ہے، اس میں صرف مال کا کسی کے لیے اعتراف ہی کیا جا رہا ہے۔

نَحْوُ لَهُ عَلَيَّ أَلْفُ دِرْهَمٍ اعْتِرَافًا أَيِ اعْتَرَفْتُ اعْتِرَافًا، فَاعْتِرَافًا مَصْدَرٌ وَقَعَ مَضْمُونَ جُمْلَةٍ تو اس جملے کے اندر اعْتِرَافًا جو ہے وہ ایسا مصدر ہے وَقَعَ مَضْمُونَ جُمْلَةٍ جو مضمونِ جملہ ہو کر واقع ہوا ہے، مضمونِ جملہ، اور کون سا جملہ؟ کہتے ہیں وَهِيَ لَهُ عَلَيَّ أَلْفُ دِرْهَمٍ یہ والا جو جملہ ہے لَهُ عَلَيَّ أَلْفُ دِرْهَمٍ۔ لِأَنَّ مَضْمُونَهُ الِاعْتِرَافُ اس لیے کیونکہ اس جملے کا مضمون اعتراف ہے، وَلَا مُحْتَمَلَ لَهُ سِوَاهُ اور اس کے علاوہ اس میں اور کوئی احتمال نہیں۔ اس جملے میں صرف اعتراف کیا جا رہا ہے اس میں اور کوئی احتمال ہے ہی نہیں، لہٰذا کہتے ہیں چنانچہ اگر کسی نے کسی کے بارے میں یہ کہہ دیا کہ فلاں کے میں نے ایک ہزار درہم دینے ہیں، یہ جملہ کہہ دیا لَهُ عَلَيَّ أَلْفُ دِرْهَمٍ، اور اس پر گواہ ہو گئے یا قاضی کے سامنے اس نے کہہ دیا، تو دوسرا شخص قاضی کے پاس لے جا کر اس سے یہ پیسے وصول کر سکتا ہے، کیونکہ اس کے اندر اعتراف کے علاوہ اور کوئی احتمال نہیں ہے بھئی۔

اچھا بھئی، یہ جو جملہ آیا اس کی ترکیب کیا ہوگی؟ لَهُ عَلَيَّ أَلْفُ دِرْهَمٍ اعْتِرَافًا۔ یاد رکھو لَهُ اور عَلَيَّ دو جار مجرور آ رہے ہیں، تو ان میں سے ایک کو خبر بنا دیں گے، ایک کو خبر بنا دیں گے اور دوسرے کو بھی اسی سے جوڑ دیں گے۔ جیسے مثلاً لَهُ کو ہم خبر بنا دیتے ہیں، لَهُ خبر ہے اور جار مجرور ہے، اور جار مجرور کے لیے پھر کیا نکالتے ہیں؟ ثَبَتَ یا ثَابِتٌ، تو یہاں ثَابِتٌ نکالیں گے، ثَابِتٌ، تو جار مجرور کس سے متعلق ہوا؟ ثَابِتٌ سے، ثَابِتٌ سے متعلق ہوا۔ تو یہ ثَابِتٌ سے متعلق ہوا اور یہ عَلَيَّ بھی اسی سے متعلق ہے، اسی ثَابِتٌ سے، اس کے لیے الگ ثَابِتٌ نکالنے کی ضرورت نہیں۔ توجہ ہے؟ اور میں نے بتلایا تھا کہ یہ طلباء کو سمجھانے کے لیے بتلاتے ہیں کہ یہاں ثَابِتٌ ہے، حقیقت میں کوئی ثَابِتٌ نہیں، ثَابِتٌ جا چکا، اس کی جگہ کس نے پکڑ لی؟ لَهُ نے، کس نے؟ لَهُ نے۔ تو وہ ظرف جو اپنے عامل کی جگہ پر آ جائے اس کو کیا کہتے ہیں؟ ظرفِ مستقر۔ معلوم ہوا لَهُ کیا ہے؟ ظرفِ مستقر، اور وہ جو سارا عمل ثَابِتٌ کر رہا تھا اب یہ لَهُ کرے گا۔ ثَابِتٌ کیا عمل کر رہا تھا؟ وہ اس کے اندر ایک ضمیر چھپی

ہوئی تھی فاعل کی اس کو رفع دے رہا تھا، اب وہ ضمیر لَهُ کے اندر چھپ گئی اب اس کو رفع کون دے رہا ہے؟ یہ لَهُ ظرف جار مجرور جو ظرف ہے۔ اور نیز اور ثَابِتٌ کیا عمل کر رہا تھا؟ اسی کے ساتھ عَلَيَّ بھی متعلق تھا، تو ثَابِتٌ اس عَلَيَّ کے اندر بھی عمل کر رہا تھا، اب وہ ثَابِتٌ چلا گیا تو اب اس کے اندر عمل کون کرے گا عَلَيَّ کے اندر؟ اب لَهُ عمل کرے گا، لَهُ عمل کرے گا۔ توجہ ہے؟ جب اس عَلَيَّ کی—توجہ سے سنو—جب اس عَلَيَّ کے اندر عامل لَهُ ہے تو عَلَيَّ کا عامل محذوف ہوا یا مذکور؟ مذکور۔ جب مذکور ہوا تو یہ ظرفِ مستقر ہے یا ظرفِ لغو ہے؟ یہ ظرفِ لغو ہے۔ تو لَهُ عَلَيَّ، لَهُ ظرفِ مستقر اور عَلَيَّ ظرفِ لغو ہے بھئی۔ بات سمجھ میں آگئی؟ اور اگر آپ چاہیں تو عَلَيَّ کو خبر بنا دیں اور لَهُ کو پھر اس سے متعلق کر دیں، تو پھر عَلَيَّ ظرفِ مستقر بن جائے گا اور یہ وہ سارے عمل کرے گا، ضمیر بھی اس کے اندر ہی چھپ جائے گی اور لَهُ اس کے ساتھ متعلق ہو جائے گا وہ ظرفِ لغو ہو جائے گا۔ بات سمجھ میں آ رہی ہے؟

آگے دیکھیے، کہتے ہیں وَيُسَمَّى هَذَا النَّوْعُ مِنَ الْمَفْعُولِ الْمُطْلَقِ تَأْكِيدًا لِنَفْسِهِ، اور مفعول مطلق کی اس نوع کو تاکیدِ لِنَفْسِهِ کہتے ہیں۔ کیا کہتے ہیں؟ تاکیدِ لِنَفْسِهِ، یعنی یہ اپنی ہی ذات کی تاکید کر رہا ہے۔ ماقبل والے جملے سے بھی کیا مفہوم ہوا؟ اعتراف، اور آگے بھی کیا آیا؟ اعْتِرَافًا۔ توجہ ہے؟ ماقبل والا جملہ کیا تھا؟ لَهُ عَلَيَّ أَلْفُ دِرْهَمٍ، یہ بھی کیا ہے؟ مضمونِ جملہ کیا ہے؟ اعتراف، اور آگے اعْتِرَافًا مصدر آیا، تو ایک چیز جب دو دفعہ آجائے اسی کو تاکید کہتے ہیں۔ اسی کو تاکید۔ تو ماقبل والے جملے سے بھی اعتراف مفہوم ہوا اور بعد میں مفعول مطلق بھی اعتراف آیا، تو یہ اسی اعتراف کو پکا کر رہا ہے، تو اس کو کیا کہتے ہیں؟ تَأْكِيدًا لِنَفْسِهِ أَيْ تَأْكِيدٌ لِنَفْسِ الْمَفْعُولِ الْمُطْلَقِ، یعنی یہ مفعول مطلق اپنی ہی تاکید کر رہا ہے۔ کیا معنی اپنی ہی تاکید؟ یعنی ماقبل میں بھی کیا تھا؟ اعتراف، اور یہ مفعول مطلق بھی کیا ہے؟ اعتراف، تو یہ اپنی ہی تاکید کر رہا ہے کسی اور چیز کی تاکید نہیں کر رہا، جبکہ اگلی مثال میں آپ دیکھیں گے۔ یا یوں کہو، یوں کہو، یہ مفعول مطلق ہے تاکید یعنی یہ ہے مؤکِّد، مؤکِّد جو تاکید پیدا کرنے والا ہے، اور کس میں تاکید پیدا کی؟ ماقبل کے جملے کا مضمون کیا ہے؟ وہ بھی اعتراف ہے۔ تو مؤکَّد وہ بھی اعتراف، مؤکِّد وہ بھی اعتراف۔ توجہ ہے؟ مؤکَّد بھی اعتراف اور مؤکِّد بھی اعتراف، یعنی مؤکَّد کون سا اعتراف؟ جو مضمونِ جملہ ہے جملے کا جو حاصل ہے، اور مؤکِّد یہ جو اعْتِرَافًا مفعول مطلق ذکر ہے، تو دونوں ایک ہی چیز ہیں۔ مؤکَّد بھی اعتراف، مؤکِّد بھی اعتراف، تو اس کو کیا کہیں گے؟ تَأْكِيدًا لِنَفْسِهِ کہ مفعول مطلق اپنی ہی تاکید کر رہا ہے کسی اور چیز کی تاکید نہیں کر رہا۔ معلوم ہوا مؤکِّد اور مؤکَّد میں کوئی فرق نہیں ہے، کوئی مغایرت نہیں ہے۔ مؤکَّد بھی کیا جملے سے بھی کیا مفہوم ہوا؟ اعتراف، اور مفعول مطلق بھی کیا آیا؟ اعتراف، تو دونوں میں کوئی مغایرت نہیں، جملے سے بھی اعتراف مفہوم ہوا اور آگے مفعول مطلق بھی کیا آیا اعْتِرَافًا، تو مؤکِّد اور مؤکَّد میں کوئی مغایرت نہیں، کوئی مغایرت نہیں۔ بات سمجھ میں آگئی؟

جبکہ اگلی مثال آئے گی وہاں آپ دیکھیں گے کہ مؤکِّد اور مؤکَّد میں اعتباری فرق ہے، مؤکِّد اور مؤکَّد میں اعتباری فرق

ہے۔ بھئی اعتباری فرق کسے کہتے ہیں؟ جو معتبر کے اعتبار پر موقوف ہو، آپ اعتبار کریں تو ہے آپ اعتبار نہ کریں تو نہیں ہے۔ مثلاً میں نے آپ کے ایک ساتھی سے پوچھا بھئی اس تپائی کی لمبائی کیا ہے؟ وہ کہتا ہے جی دائیں طرف سے اس کو ناپیں تو یہ چار فٹ کی ہے۔ میں نے دوسرے سے پوچھا کہ ہاں بھئی اس تپائی کی لمبائی کیا ہے؟ اس نے کہا جی اس کو بائیں طرف سے ناپیں تو یہ چار فٹ کی ہے۔ اب دیکھو دونوں میں فرق کوئی بھی نہیں ہے، ہاں صرف اعتباری ہے، اگر آپ اعتبار کرتے ہیں کہ ایک میں کس طرف سے ماپا گیا ہے؟ دائیں طرف سے، ایک میں کس طرف سے ناپا گیا ہے؟ بائیں طرف سے، ورنہ تو کوئی فرق نہیں۔ تو اعتباری چیز معتبر کے اعتبار پر موقوف ہوتی ہے، وہ اعتبار کرلے تو ہے وہ اعتبار نہ کرے تو نہیں ہے۔ اور کچھ چیزیں اعتباری نہیں حقیقی ہیں، مثلاً یہ کتاب ہے، اس کتاب کا وجود ہے، یہ آپ کے اعتبار پر موقوف نہیں ہے، آپ اعتبار کریں یا نہ کریں اس کا وجود ہے۔ یہ قلم ہے بھئی، یہ آپ کے اعتبار پر موقوف نہیں ہے آپ اعتبار کریں یا نہ کریں یہ موجود ہے بھئی۔ یہ مسجد ہے بھئی، یہ پہاڑ، یہ دریا، یہ سب چیزیں جو آپ دیکھتے ہیں

ہے، یہ یقیناً موجود ہیں، ان کا وجود ہمارے اعتبار پر موقوف نہیں ہے۔ تو کہتے ہیں کہ یہ جو مفعول مطلق ہوتا ہے، یہ ہوتا ہے مؤکِّد، اور ماقبل کے جملے کا مضمون جو ہوتا ہے وہ ہوتا ہے مؤکَّد۔ یہاں چونکہ مؤکِّد اور مؤکَّد میں کوئی مغایرت نہیں، دونوں ایک ہی چیز ہیں، بلکہ اعتباری فرق بھی نہیں ہے، اس لیے اس کو تَأْكِيدًا لِنَفْسِهِ کہتے ہیں بھئی۔ تَأْكِيدًا لِنَفْسِهِ۔ جب ایک چیز میں تھوڑا بہت اعتباری فرق بھی نہ ہو تو وہ گویا اپنی ہی تاکید کر رہا ہے، مؤکِّد اور مؤکَّد بالکل ایک ہی چیز ہے۔ تو کہتے ہیں وَيُسَمَّى هَذَا النَّوْعُ مِنَ الْمَفْعُولِ الْمُطْلَقِ تَأْكِيدًا لِنَفْسِهِ اور مفعول مطلق کی اس نوع کو تَأْكِيدًا لِنَفْسِهِ کہتے ہیں، لِأَنَّهُ اس لیے کیونکہ یہ مفعول مطلق يُؤَكِّدُ مَضْمُونَ الْجُمْلَةِ تاکید کرتا ہے جملے کے مضمون کی، وَلَا يُغَايِرُهُ أَصْلًا اور یہ مفعول مطلق اس جملے کے مضمون سے ہرگز مغایر نہیں ہوتا، بالکل اس سے الگ نہیں ہوتا، بلکہ دونوں ایک ہی چیز ہیں۔ لَا بِالذَّاتِ وَلَا بِالِاعْتِبَارِ، نہ ذات کے اعتبار سے اور نہ ہی اعتبار کے اعتبار سے، یعنی ان میں نہ حقیقی فرق ہے اور نہ ہی اعتباری فرق ہے، دونوں بالکل ایک ہی ہیں۔ جملے کا مضمون اعتراف اور آگے آنے والا مفعول مطلق بھی اعْتِرَافًا، گویا اعتراف نے اعتراف ہی کی تاکید کر دی۔ تو جب دونوں میں نہ ذاتی فرق نہ اعتباری فرق، اسی لیے اس کا نام کیا رکھا؟ تَأْكِيدًا لِنَفْسِهِ، کہ اس نے اپنی ہی ذات کی تاکید کر دی۔

اب اگلی قسم دیکھیے بھئی۔ کہتے ہیں: وَمِنْهَا مَا وَقَعَ مَضْمُونَ جُمْلَةٍ لَهَا مُحْتَمَلٌ غَيْرُهُ، اور ان جگہوں میں سے وہ ہے کہ جہاں مفعول مطلق مضمون جملہ ہو کر واقع ہو لیکن اس جملے کے اندر اس کے علاوہ کوئی اور احتمال بھی موجود ہو، یعنی لَهَا مُحْتَمَلٌ غَيْرُهُ کہ اس جملے کے اندر مفعول مطلق کے علاوہ کوئی اور احتمال بھی ہو، کوئی اور معنی بھی ہو، پھر جب مفعول مطلق آجائے تو وہ اس میں سے ایک احتمال کو متعین کر دیتا ہے اور دیگر احتمالات کی نفی کر دیتا ہے۔

مثلاً: زَيْدٌ أَبُوكَ حَقًّا۔ زَيْدٌ أَبُوكَ، زید تمہارا باپ ہے۔ آگے آیا حَقًّا، یقیناً، بالکل سچ ہے، حقیقت ہے کہ زید تمہارا باپ

ہے۔ تو اب دیکھو ماقبل میں جو جملہ آیا زَيْدٌ أَبُوكَ، اس میں ایک سے زیادہ احتمال تھے۔ اس میں ایک احتمال یہ تھا کہ واقعی زید تمہارا حقیقی باپ ہے، اور ایک احتمال اس میں یہ بھی تھا کہ مجازی طور پر آپ کہہ رہے ہیں کہ بھئی زید تو تمہارے باپ کی جگہ ہے، زید تمہارا باپ ہی تو ہے، یعنی باپ کی طرح تمہارے پر شفقت کرنے والا اور مہربان اور تمہاری خیر خواہی کرنے والا ہے۔ تو اس جملے کے اندر دو احتمال تھے: حقیقی معنی بھی مراد ہو سکتا تھا اور مجازی معنی بھی مراد ہو سکتا تھا۔ تو جب آگے حَقًّا مفعول مطلق آیا تو اس نے ایک احتمال کو متعین کر دیا اور دوسرے احتمال کی نفی کر دی۔ تو حَقًّا نے بتلایا کہ اس سے مراد حقیقی باپ ہے۔

بات سمجھ میں آگئی؟ دیکھو اس میں بھی جملے کا مضمون کیا تھا؟ کہ واقعی زید تمہارا باپ ہے۔ آگے حَقًّا آیا، وہ بھی کس معنی میں ہے؟ واقعی، یعنی حق ہونا، واقعی ہونا، سچ ہونا۔ تو اس میں بھی وہی مضمون ہے، لیکن اس جملے کے اندر ایک اور احتمال بھی تھا، وہ تھا مجاز والا، اور حَقًّا نے اس احتمال کو ختم کر دیا اور حقیقی والے کو متعین کر دیا۔

تو اس کو کہتے ہیں تَأْكِيدًا لِغَيْرِهِ، کیا کہتے ہیں؟ تَأْكِيدًا لِغَيْرِهِ۔ یعنی یہ جو مؤکِّد ہے یعنی مفعول مطلق، اور مؤکَّد جو جملے کا مضمون ہے، ان دونوں میں تھوڑا اعتباری فرق ہے، اس لیے کیونکہ ماقبل والے جملے کے اندر دو احتمال تھے، تو یہ متردد تھا، ان دو احتمالوں میں یہ جملہ متردد تھا، جبکہ حَقًّا آیا تو اس نے ان میں سے ایک کو متعین کر دیا۔ تو وہ ماقبل کا جملہ تردد والا، اور یہ مفعول مطلق تعین والا۔ ماقبل کا جملہ وہ تردد کے ساتھ تھا، اس میں تردد تھا، اور یہ مفعول مطلق تردد سے خالی ہے، یہ تو تعین کرنے والا ہے۔ تو یہ اعتباری فرق ان میں آگیا کہ وہ متردد ہے اور یہ متعین ہے۔ گویا یہ غیر کی تاکید کر رہا ہے، تو اسی لیے اس کو کیا کہہ دیتے ہیں؟ تَأْكِيدًا لِغَيْرِهِ، اس کا نام تَأْكِيدًا لِغَيْرِهِ رکھ دیا۔

اب دیکھیے شرح کے ساتھ۔ کہتے ہیں وَمِنْهَا أَيْ مِنْ تِلْكَ الْمَوَاضِعِ اور ان جگہوں میں سے مَا وَقَعَ أَيْ مَوْضِعُ مَفْعُولٍ مُطْلَقٍ وَقَعَ ایک وہ جگہ ہے جہاں مفعول مطلق واقع ہو مَضْمُونَ جُمْلَةٍ جملے کا مضمون ہو کر لَهَا أَيْ لِتِلْكَ الْجُمْلَةِ مُحْتَمَلٌ غَيْرُهُ کہ اس جملے کے اندر اس مفعول مطلق کے علاوہ کوئی اور احتمال بھی ہو۔ لَهَا مُحْتَمَلٌ غَيْرُهُ، یاد رکھو یہ مُحْتَمَلٌ مبتدا مؤخر ہے اور لَهَا خبرِ مقدم، اور غَيْرُهُ یہ صفت بنے گی مُحْتَمَلٌ کی۔ غَيْرُهُ صفت بنے گی مُحْتَمَلٌ کی۔

نَحْوُ زَيْدٌ أَبُوكَ حَقًّا، مثال کے طور پر زَيْدٌ أَبُوكَ حَقًّا، زید واقعی تمہارا باپ ہے۔ أَيْ حَقَّ ذَلِكَ حَقًّا یا أَحُقُّ ذَلِكَ حَقًّا، دو طرح سے فعلِ محذوف نکال سکتے ہیں: حَقَّ ذَلِكَ حَقًّا کہ یہ بات واقعی ثابت ہوئی، یا أَحُقُّ ذَلِكَ حَقًّا میں اس بات کو سچ ثابت کرتا ہوں۔ فَحَقًّا مَصْدَرٌ وَقَعَ مَضْمُونَ جُمْلَةٍ، تو حَقًّا ایسا مصدر ہے جو مضمونِ جملہ ہو کر واقع ہوا ہے۔ کہتے ہیں کون سے جملے کا مضمون؟ کہتے ہیں وَهِيَ زَيْدٌ أَبُوكَ، یہ زَيْدٌ أَبُوكَ جو جملہ ہے اس کا مضمون۔ لَهَا مُحْتَمَلٌ غَيْرُهُ اور اس جملے میں حَقًّا کے علاوہ کوئی اور احتمال بھی ہے، لِأَنَّ قَوْلَكَ زَيْدٌ أَبُوكَ، کیونکہ تیرا یہ قول زَيْدٌ أَبُوكَ، يَحْتَمِلُ أَنْ يَكُونَ عَلَى سَبِيلِ الْحَقِيقَةِ یہ احتمال رکھتا ہے کہ یہ حقیقت کے طور پر ہو، وَأَنْ يَكُونَ عَلَى سَبِيلِ الْمَجَازِ اور یہ بھی احتمال رکھتا ہے کہ یہ مجاز کے طور پر ہو، یعنی مجاز کے طور پر کہیں، باپ کی طرح تمہارا خیر خواہ ہے، تمہارا ہمدرد ہے۔ تو فَحَقًّا دَلَّ عَلَى الْحَقِيقَةِ، تو جب آگے

حَقًّا آیا تو اس نے دلالت کر دی حقیقت پر، یعنی حقیقی معنی پر دلالت کر دی۔

وَيُسَمَّى هَذَا النَّوْعُ تَأْكِيدًا لِغَيْرِهِ، اور اس نوع کو تَأْكِيدًا لِغَيْرِهِ کہتے ہیں، لِأَنَّ فِي تَأْكِيدِهِ لِلْجُمْلَةِ نَوْعَ تَغَايُرٍ اس لیے کیونکہ یہ مفعول مطلق کا جملے کی تاکید کرنے میں ایک قسم کا تغایر ہے، یعنی جملے کے مضمون میں اور اس میں ایک قسم کا تغایر ہے، یعنی تھوڑا بہت فرق ہے، اعتباری فرق، وَلَوْ بِالِاعْتِبَارِ اگرچہ اعتبار ہی کے طور پر ہو۔ کیوں؟ کہتے ہیں لِأَنَّ الْجُمْلَةَ مُتَرَدِّدَةٌ بَيْنَ احْتِمَالَيْنِ اس لیے کیونکہ جملہ جو ہے وہ دو احتمالوں کے درمیان متردد ہے، وَهُوَ مُعَيِّنٌ لِأَحَدِهِمَا اور یہ جو مفعول مطلق ہے یہ ان دو احتمالوں میں سے ایک احتمال کو متعین کرنے والا ہے، تو گویا یہ غیر کی تاکید کر رہا ہے اس لیے اس کو تَأْكِيدًا لِغَيْرِهِ کہتے ہیں۔

پہلے والے میں ماقبل والے جملے کے اندر کوئی احتمال ہی نہیں تھا دوسرا، صرف ایک ہی معنی تھا، اعتراف، اور وہی مفعول مطلق آیا اعْتِرَافًا، اس لیے اس کو تَأْكِيدًا لِنَفْسِهِ کہتے ہیں، اور دوسرے میں چونکہ ماقبل والے جملے میں دو احتمال تھے اور اس نے آکر ایک کو متعین کر دیا تو اس میں ایک اعتباری مغایرت پیدا ہو گئی، تو اس لیے اس کو تَأْكِيدًا لِغَيْرِهِ کہتے ہیں۔ بات سمجھ میں آ گئی بھئی؟

ہیں یہ حقیقی چیزیں ہیں، یہ معتبر کے اعتبار پر موقوف نہیں، کوئی مانے یا نہ مانے ان کا وجود ہے بھئی۔ تو اعتباری چیز کسے کہتے ہیں؟ جو معتبر کے اعتبار پر موقوف ہو، وہ اعتبار کرتا ہے تو ہے وہ اعتبار نہیں کرتا تو نہیں ہے بھئی۔

جی تو یہاں پر دیکھو، یہاں پر مؤکِّد بھی کیا ہے؟ جملے سے کیا سمجھ میں آیا؟ اعتراف۔ اور آگے مفعول مطلق بھی کیا آیا؟ اعتراف۔ تو دونوں میں کوئی مغایرت نہیں، اعتباری فرق بھی نہیں ہے۔ اگلی مثال آئے گی اس میں اعتباری فرق ہوگا۔ جیسے اگلی مثال دیکھ ہی لیں، مثلاً اگلی مثال ہے زَيْدٌ قَائِمٌ حَقًّا۔ اب اس میں دیکھو زَيْدٌ قَائِمٌ یہ ہے مبتدا خبر، اور حَقًّا یہ ہے مفعول مطلق۔ حَقَّ يَحِقُّ اور حَقَّ يَحُقُّ کا معنی ہے ایک چیز کا ثابت ہونا، صحیح ہونا۔ زَيْدٌ قَائِمٌ حَقًّا، زید کھڑا ہے حَقًّا، أَيْ أُحِقُّ حَقًّا، یعنی میں اس بات کو ثابت کرتا ہوں یہ صحیح ہے۔ معنی سمجھ میں آ رہا ہے؟ زَيْدٌ قَائِمٌ حَقًّا، زید کھڑا ہے حَقًّا، أَيْ أُحِقُّ حَقًّا میں اس بات کو ثابت کرتا ہوں یعنی یہ بات صحیح ہے۔

اب دیکھو یہ جو ماقبل میں جملہ آیا زَيْدٌ قَائِمٌ، یہ جملہ خبریہ ہے، اور جملہ خبریہ کسے کہتے ہیں؟ جس میں سچ اور جھوٹ دونوں کا احتمال ہے۔ آپ نے تو آگے کہہ دیا حَقًّا یہ بات سچ ہے، لیکن خود جملے کے اندر دونوں احتمال تھے: حق ہونے کا بھی اور باطل ہونے کا بھی، یا یوں کہو سچ ہونے کا بھی اور جھوٹ ہونے کا بھی۔ تو جملے کے اندر دونوں احتمال تھے۔ توجہ ہے؟ اب دیکھیے، جملے کے اندر حق ہونے کا بھی احتمال اور باطل ہونے کا بھی احتمال، اور آگے حَقًّا آیا۔ وہ جو جملے کے اندر حق ہونے کا احتمال تھا اس نے اس حق کو کیا کر دیا؟ پکا کر دیا۔ جملے سے بھی کیا مفہوم ہوا تھا؟ جملے کے اندر بھی حق کا احتمال تھا، اس آگے حَقًّا مفعول مطلق نے آکر اس حَقًّا کو پکا کر دیا۔ بات بھی سمجھ میں آئی کہ نہیں؟ کیا بات ہوئی؟ کہ ماقبل میں

جو جملہ ہے وہ جملہ خبریہ ہے، اس کے اندر حق ہونے کا بھی احتمال اور باطل ہونے کا بھی، تو حق ہونے کا احتمال ہے کہ نہیں ہے؟ حق ہونے کا بھی احتمال ہے، اور آگے مفعول مطلق بھی کیا آگیا؟ حَقًّا، تو اس مفعول مطلق نے اس حَقًّا کو کیا کر دیا؟ پکا کر دیا، تو اس میں تاکید پیدا کر دی۔

لیکن یہاں، یہاں جو جملے سے حَقًّا مفہوم ہوا وہ اور ہے، اور جو آگے مفعول مطلق حَقًّا آیا وہ اور ہے بھئی، دونوں میں فرق ہے۔ ایک حَقًّا جملے سے سمجھ میں آیا اور ایک حَقًّا آگے مفعول مطلق آیا، دونوں میں فرق ہے۔ کیا فرق ہے؟ جملے سے جو حَقًّا سمجھ میں آیا وہ احتمالی ہے، وہ قطعی اور یقینی نہیں۔ جملے میں تو حق ہونے کا بھی احتمال اور باطل ہونے کا بھی۔ تو جملے سے جو حَقًّا سمجھ میں آرہا ہے وہ احتمالی ہے، قطعی اور یقینی نہیں۔ اور مفعول مطلق جو حَقًّا ہے وہ تو منصوص علیہ ہے، اس پر تو نص لائی گئی ہے، باقاعدہ صراحتاً صاف لفظوں میں کہہ دیا گیا ہے، تو وہ تو یقینی ہے بھئی۔ تو معلوم ہوا جملے سے جو حَقًّا سمجھ میں آیا تھا وہ احتمالی، اور جو مفعول مطلق آیا وہ یقینی۔

نہیں بات سمجھ میں آرہی؟ بھئی زَيْدٌ قَائِمٌ حَقًّا، زید کھڑا ہے اور آگے حَقًّا مفعول مطلق آیا، اور یہ مضمونِ جملہ میں تاکید پیدا کر رہا ہے۔ توجہ ہے؟ کیونکہ مضمونِ جملہ کیا یعنی حاصلِ جملہ، حاصلِ جملہ کیا؟ یہ جو بات ذکر کی جا رہی ہے جملے میں زید کے قائم ہونے کی، اس میں حق ہونے کا بھی احتمال اور باطل ہونے کا بھی، تو مضمونِ جملہ حَقًّا أَوْ بَاطِلًا دونوں چیزیں آ رہی ہیں، دونوں کا احتمال ہے اس میں۔ اور آگے مفعول مطلق کیا آیا؟ حَقًّا آیا، اور یہ منصوص علیہ ہے، منصوص علیہ جس پر نص لائی جائے، جس کو صاف لفظوں میں ذکر کیا جائے۔ تو جملے سے بھی حَقًّا سمجھ میں آیا لیکن وہ حَقًّا یقینی نہیں تھا، وہ جملے کے اندر ایک احتمال تھا کہ حق ہوگا، اور دوسرا احتمال بھی تھا کہ ہو سکتا ہے باطل ہو۔ تو جملے سے جو حق ہونا سمجھ میں آیا وہ احتمالی ہے، یقینی نہیں۔ اور جو آگے حَقًّا لفظ آیا وہ تو حَقًّا کا لفظ خود آگیا، وہ تو یقینی ہے حق ہی ہے، اس کے اندر تو باطل کا احتمال نہیں ہے۔ تو جملے سے جو حَقًّا سمجھ میں آیا وہ ہے احتمالی یعنی یقینی نہیں، اور جو آگے حَقًّا آیا وہ ہے یقینی، وہ تو منصوص علیہ ہے باقاعدہ صاف لفظوں میں ذکر ہے بھئی۔

توجہ ہے؟ تو یہ جو حَقًّا آیا یہ کس لیے آیا؟ تاکید کے لیے، اور اس حَقًّا میں اور وہ جو جملے سے حَقًّا سمجھ میں آیا تھا دونوں میں فرق ہے بھئی۔ کیا فرق ہے؟ اعتباری فرق ہے، کیا فرق ہے؟ وہ جو حَقًّا تھا جملے میں آیا وہ ہے احتمالی، اور یہ جو حَقًّا ہے مفعول مطلق سے جو سمجھ میں آرہا ہے وہ ہے یقینی، تو وہ احتمالی یہ یقینی۔ تو دونوں ایک چیز ہوئے یا دونوں میں اعتباری فرق آگیا؟ اعتباری۔ دیکھو یہ حَقًّا جو آگے مفعول مطلق آیا یہ جملے سے جو حَقًّا مفہوم ہوا تھا یہ اسی کی تاکید ہے، یہ اسی کی تاکید ہے۔ تاکید کہتے کسے ہیں؟ کہ ایک چیز کو دو دفعہ لایا جائے، تو جملے سے بھی حَقًّا سمجھ میں آیا، آگے بھی کیا آپ لے آئے؟ حَقًّا لے آئے، لیکن بہرحال اگرچہ ایک چیز ہیں لیکن اعتباری فرق ہے دونوں کے اندر۔ جملے سے جو حَقًّا سمجھ میں آیا تھا وہ ایک احتمال تھا وہ یقینی نہیں، اور آگے جو حَقًّا لفظ آیا وہ تو خود لفظ آگیا وہ تو یقینی ہے۔ حَقًّا کا کیا معنی ہوتا ہے؟ حق ہونا اس کا معنی ہوتا ہے، اس میں کوئی باطل ہونے کا احتمال ہے؟ حَقًّا کا تو معنی جو چیز حق ہے، حق ہونا ایک چیز کا۔ تو جملے سے جو

حَقًّا سمجھ میں آیا وہ ایک احتمال تھا وہ یقینی نہیں، اور جو حَقًّا مفعول مطلق آیا وہ ہے یقینی، تو دونوں میں اعتباری فرق ہے۔ دونوں میں اعتباری۔

تو لہٰذا اس قسم کو کہتے ہیں تَأْكِيدًا لِغَيْرِهِ، تاکیدِ لِغَيْرِهِ۔ وہ جو پہلی قسم آئی تھی اعْتِرَافًا والی مثال آئی تھی وہ تھا تَأْكِيدًا لِنَفْسِهِ، جملے سے بھی کیا سمجھ میں آیا تھا؟ اعتراف، اور آگے بھی کیا ذکر کیا؟ اعْتِرَافًا، دونوں میں کوئی مغایرت نہیں، حتیٰ کہ اعتباری مغایرت بھی نہیں ہے دونوں میں۔ جبکہ یہاں پر بھی حَقًّا آیا یہ اپنی تاکید تو کر رہا ہے لیکن دونوں میں اعتباری فرق ہے۔ تو وہ جو اعتراف والی مثال تھی اس قسم کا مفعول مطلق ہو اس کو کہتے ہیں تَأْكِيدًا لِنَفْسِهِ کہ یہ اپنی ہی تاکید کر رہا ہے۔ اور یہ جو دوسری مثال آئی زَيْدٌ قَائِمٌ حَقًّا، اس کے اندر حَقًّا جو ہے یہ اپنی ہی تاکید کر رہا ہے یا اپنے مغایر کی تاکید کر رہا ہے؟ اعتباری فرق ہے یا نہیں؟ اعتباری۔ تو جملے میں جو حَقًّا تھا وہ تھا احتمالی، اور یہ حَقًّا کون سا ہے؟ یہ یقینی ہے، تو یہ اپنی تاکید کر رہا ہے یا اس احتمالی حَقًّا کی تاکید کر رہا ہے؟ یہ حَقًّا یقینی جو ہے اس حَقًّا احتمالی کی تاکید کر رہا ہے، تو یہ اپنی تاکید کر رہا ہے یا اپنے مغایر چیز کی تاکید کر رہا ہے؟ اپنے مغایر چیز کی تاکید کر رہا ہے۔ ہے تو دونوں حَقًّا، تاکید تو ہمیشہ ہوتی یہی ہے ایک چیز دو دفعہ ذکر کیا جائے، یہاں بھی دونوں ایک ہی ہیں جملے سے بھی حَقًّا سمجھ میں آیا آگے بھی حَقًّا ہے، لیکن بہرحال اعتباری فرق ہے۔ جملے سے جو حَقًّا سمجھ میں آیا وہ تھا احتمالی اور یہ حَقًّا کیا ہے؟ یقینی ہے۔ تو یہ جو حَقًّا مفعول مطلق آیا اس نے اپنی تاکید نہیں کی، یہ اپنی ذات کے لیے تاکید نہیں ہے، یہ تو اس حَقًّا کے لیے تاکید ہے جو جملے سے مفہوم ہوا، اور وہ اس حَقًّا سے مغایر ہے، دونوں میں اعتباری فرق ہے۔ بات سمجھ میں آگئی اچھی طرح؟

اب دیکھیے عبارت۔ کہتے ہیں وَيُسَمَّى هَذَا النَّوْعُ مِنَ الْمَفْعُولِ الْمُطْلَقِ تَأْكِيدًا لِنَفْسِهِ، اور یہ جو قسم ہے مفعول مطلق کی اس کو تاکیدِ لِنَفْسِهِ کہتے ہیں، أَيْ لِنَفْسِ الْمَفْعُولِ الْمُطْلَقِ یعنی وہ تاکید جو مفعول مطلق کی ذات کے لیے ہو۔ لِأَنَّهُ إِنَّمَا يُؤَكِّدُ نَفْسَهُ وَذَاتَهُ، اس لیے کیونکہ یہ جو اعْتِرَافًا والی مثال ہے—بات سمجھ میں آ رہی ہے؟ اس کے بارے میں بات چل رہی ہے—لِأَنَّهُ إِنَّمَا يُؤَكِّدُ نَفْسَهُ وَذَاتَهُ، اس لیے کیونکہ یہ جو مفعول مطلق ہے اپنے نفس اور اپنی ہی ذات کی تاکید کر رہا ہے، لَا أَمْرًا يُغَايِرُهُ کسی ایسی چیز کی تاکید نہیں جو اس کے مغایر ہو، وَلَوْ بِالِاعْتِبَارِ اگرچہ اعتبار سے ہی ہو، یعنی اگرچہ اعتبار سے ہی وہ مغایر کیوں نہ ہو اس کی تاکید نہیں کر رہا بلکہ اپنی ہی ذات کی تاکید کر رہا ہے، کیونکہ یہاں کوئی اعتباری فرق بھی نہیں۔

کیا بات ہوئی؟ لَهُ عَلَيَّ أَلْفُ دِرْهَمٍ، اس سے بھی کیا سمجھ میں آیا؟ اعتراف، اور آگے مفعول مطلق بھی کیا آیا؟ اعْتِرَافًا، تو یہ مفعول مطلق اپنی ہی تاکید کر رہا ہے۔ جملے سے جو اعتراف سمجھ میں آیا وہ بھی یقینی ہے وہاں کوئی اور احتمال نہیں، اور آگے جو اعْتِرَافًا آیا وہ بھی یقینی ہے اس میں بھی کوئی اور احتمال نہیں، تو یہ اپنی ہی ذات کی تاکید کر رہا ہے، کسی ایسی چیز کی تاکید نہیں کر رہا جو اس مفعول مطلق سے مغایر ہے اگرچہ اعتباری ہی کیوں نہ ہو، یعنی اعتباری فرق بھی یہاں پر نہیں ہے۔ ہاں اگلی مثال میں اعتباری فرق ہوگا بھئی۔ یہ معنی ہے لِأَنَّهُ إِنَّمَا يُؤَكِّدُ نَفْسَهُ وَذَاتَهُ اس لیے کیونکہ یہ جو مفعول مطلق ہے اپنی ہی نفس اور اپنی ہی ذات کی تاکید کر رہا ہے، لَا أَمْرًا يُغَايِرُهُ وَلَوْ بِالِاعْتِبَارِ یہ کسی ایسی چیز کی تاکید نہیں کر رہا جو اس کے

مغایر ہو وَلَوْ بِالِاعْتِبَارِ اگرچہ وہ اعتبار کے لحاظ سے ہی کیوں نہ مغایر ہو اس کی یہ تاکید نہیں کر رہا۔

وَمِنْهَا مَا وَقَعَ مَضْمُونَ جُمْلَةٍ لَهَا أَيْ لِهَذِهِ الْجُمْلَةِ مُحْتَمَلٌ غَيْرُهُ، اور ان جگہوں میں سے ایک جگہ وہ ہے جہاں پر مفعول مطلق واقع ہو۔ کیا واقع ہو؟ مَضْمُونَ جُمْلَةٍ ایک ایسے جملے کا مضمون، لَهَا أَيْ لِهَذِهِ الْجُمْلَةِ مُحْتَمَلٌ غَيْرُهُ کہ اس جملے کے اندر اس کے علاوہ اور بھی احتمال ہو، أَيْ غَيْرُ الْمَفْعُولِ الْمُطْلَقِ یعنی مفعول مطلق کے علاوہ بھی احتمال ہو۔ نَحْوُ زَيْدٌ قَائِمٌ حَقًّا، جیسے زَيْدٌ قَائِمٌ حَقًّا، أَيْ أُحِقُّ حَقًّا، یہ تقدیرِ عبارت ہے بھئی، حَقًّا کے لیے فعل محذوف ہے أُحِقُّ، اور یہ متکلم کا صیغہ ہے بھئی، أَحَقَّ يُحِقُّ کا معنی ثابت کرنا۔ مِنْ حَقَّ يَحِقُّ، کس سے ہے یہ؟ حَقَّ يَحِقُّ سے ہے إِذَا ثَبَتَ وَوَجَبَ، جب کوئی ایک چیز ثابت ہو جائے اور واجب ہو جائے۔ فَحَقًّا مَصْدَرٌ وَقَعَ مَضْمُونَ جُمْلَةٍ، تو حَقًّا ایسا مصدر ہے جو مضمونِ جملہ واقع ہوا ہے، وَهِيَ قَوْلُهُ زَيْدٌ قَائِمٌ، اور وہ یہ جملہ ہے زَيْدٌ قَائِمٌ، اس کے لیے یہ مضمونِ جملہ ہے۔ وَلَهَا مُحْتَمَلٌ غَيْرُهُ، اور اس جملے کے اندر اس مفعول مطلق کے علاوہ غیر کا بھی احتمال ہے، زَيْدٌ قَائِمٌ حَقًّا کہا باطلاً ہونے کا بھی احتمال ہے یا نہیں؟ جی یہ معنی ہے وَلَهَا مُحْتَمَلٌ غَيْرُهُ اور اس جملے کے اندر اس مفعول مطلق کے علاوہ اور بھی احتمال ہے، لِأَنَّهَا تَحْتَمِلُ الصِّدْقَ وَالْكَذِبَ وَالْحَقَّ وَالْبَاطِلَ اس لیے کیونکہ یہ جملہ جو ہے سچ اور جھوٹ کا احتمال رکھتا ہے وَالْحَقَّ وَالْبَاطِلَ اور حق اور باطل ہونے کا احتمال رکھتا ہے۔

وَيُسَمَّى هَذَا النَّوْعُ مِنَ الْمَفْعُولِ الْمُطْلَقِ تَأْكِيدًا لِغَيْرِهِ، اور یہ قسم جو ہے مفعول مطلق کی اس کو تَأْكِيدًا لِغَيْرِهِ کہتے ہیں۔ لِأَنَّهُ مِنْ حَيْثُ هُوَ مَنْصُوصٌ عَلَيْهِ۔ اب وہی فرق بیان کریں گے جو میں نے آپ کو سمجھا دیا کہ جملے سے جو حَقًّا مفہوم ہو رہا ہے وہ ہے احتمالی، یعنی مؤکَّد جو ہے وہ ہے احتمالی، اور جو مؤکِّد ہے وہ ہے یقینی۔ جو جملے سے مفہوم ہوا حَقًّا، یہ آگے آنے والا حَقًّا اس کی تاکید ہے، اس کے لیے مؤکَّد ہے، تو جملے سے جو حَقًّا مفہوم ہوا وہ ہے مؤکَّد اور وہ ہے احتمالی، اور جو مابعد میں مفعول مطلق ذکر ہوا وہ ہے مؤکِّد اور وہ ہے یقینی، کیونکہ وہ منصوص علیہ ہے۔ منصوص علیہ کسے کہتے ہیں؟ جس پر نص لائی جائے یعنی جس کو صاف لفظوں میں باقاعدہ ذکر کیا جائے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ مثلاً کسی نے کوئی بات کی اور آپ اس سے کہتے ہیں دیکھا، اس نے اس طرح کی باتیں کی تھیں، ان باتوں سے اشارہ ہو رہا ہے کہ زید اچھا آدمی ہے، اس نے صراحتاً تو نہیں کہا صاف لفظوں میں کہ زید اچھا آدمی ہے، لیکن اس کی باتوں سے معلوم ہو رہا تھا، کچھ نہ کچھ اشارہ ہو رہا تھا کہ زید اچھا آدمی ہے۔ اور ایک صورت یہ ہے کہ وہ صاف لفظوں میں خود کہہ دے کہ زید اچھا آدمی ہے بھئی۔ تو جب وہ صاف لفظوں میں کہے گا زید اچھا آدمی ہے تو یہ تو اس نے لفظوں میں کیا کر دی؟ صراحت کر دی، تو اس کو کیا کہیں گے؟ منصوص علیہ یعنی باقاعدہ اس پر لفظ وہ لے آیا، صراحت کر دی، تصریح کر دی۔

تو کہتے ہیں اس کو تَأْكِيدًا لِغَيْرِهِ کہتے ہیں، لِأَنَّهُ مِنْ حَيْثُ هُوَ مَنْصُوصٌ عَلَيْهِ بِلَفْظِ الْمَصْدَرِ، اس لیے کیونکہ یہ اس حیثیت سے کہ یہ منصوص علیہ ہے بِلَفْظِ الْمَصْدَرِ مصدر کے لفظ کے ساتھ، کہ یہ کیا ہے؟ منصوص علیہ ہے۔ بھئی دیکھو یہ جو جملے

سے سمجھ میں آیا، جملے سے جو حَقًّا سمجھ میں آیا، وہ یقینی ہے یا وہ محتمل ہے؟ وہ یقینی ہے یا احتمالی ہے؟ یعنی وہ محتمل کہہ لو یا احتمالی کہہ لو، وہ محتمل، اور جو مفعول مطلق سے حَقًّا سمجھ میں آیا وہ یقینی۔ لیکن ہیں تو دونوں حَقًّا، جب دونوں حَقًّا ہیں تو تاکید تو پیدا کر رہا ہے اس حَقًّا کے اندر یہ، لیکن اعتباری فرق ہے بھئی۔ تو کہتے ہیں لِأَنَّهُ اس لیے کیونکہ یہ جو مضمونِ جملہ ہے اس حیثیت سے کہ وہ منصوص علیہ ہے لفظِ مصدر کے ساتھ، اس پر نص لائی گئی ہے صراحت کی گئی ہے کس کے ساتھ؟ زَيْدٌ قَائِمٌ کے بعد حَقًّا کو ذکر کیا گیا، یہ مضمونِ جملہ ہی ہے، تو یہاں پر لفظوں میں اس پر تصریح کی گئی، اور خود جملے سے جو سمجھ میں آرہا ہے وہ منصوص علیہ نہیں وہ تو صرف ایک احتمال ہے۔ بات سمجھ میں آرہی ہے کہ نہیں؟ نہیں سمجھ میں آرہی۔

دیکھو جملے سے بھی حَقًّا سمجھ میں آیا اور آگے حَقًّا جو لے کر آئے یہ اسی جملے کا مضمون ہے، لیکن بایں لحاظ دیکھیں کہ لفظوں میں ذکر ہے یہ تو یہ تو منصوص علیہ ہوا۔ تو یہ منصوص علیہ یہ وہی مضمونِ جملہ ہے جس کا جملے کے اندر احتمال تھا۔ تو کہتے ہیں لِأَنَّهُ اس لیے کیونکہ یہ جو مضمونِ جملہ ہے مِنْ حَيْثُ هُوَ مَنْصُوصٌ عَلَيْهِ بِلَفْظِ الْمَصْدَرِ اس حیثیت سے کہ یہ لفظِ مصدر کے ساتھ منصوص علیہ ہے یعنی لفظِ مصدر کے ساتھ اس کو ذکر کیا گیا ہے، يُؤَكِّدُ نَفْسَهُ یہ اپنے ذات کی تاکید کر رہا ہے مِنْ حَيْثُ هُوَ مُحْتَمَلُ الْجُمْلَةِ اس حیثیت سے کہ وہ جملے کا محتمل ہے، یعنی جملے میں احتمال تھا آگے اسی حَقًّا نے آکر کیا کر دیا اس احتمال کو پکا کر دیا۔

مِنْ حَيْثُ هُوَ مُحْتَمَلُ الْجُمْلَةِ اس حیثیت سے کہ وہ جملے کا محتمل ہے یعنی جملے میں اس کا احتمال ہے۔ فَالْمُؤَكَّدُ اسْمَ مَفْعُولٍ، تو مؤکَّد اسمَ مَفْعُولٍ یہ حال ہے مؤکَّد سے کہ یہ صیغہ کون سا ہے؟ اسمِ مفعول پڑھنا اس کو اسمِ فاعل نہ پڑھنا۔ تو کہتے ہیں فَالْمُؤَكَّدُ اسْمَ مَفْعُولٍ، تو مؤکَّد اس حال میں کہ یہ اسمِ مفعول ہے، مِنْ حَيْثُ اس حیثیت سے کہ اعْتِبَارُ وَصْفِ الِاحْتِمَالِ فِيهِ، کہ اس کے اندر احتمال ہونے کا اعتبار ہے، جملے سے جو سمجھ میں آیا وہ اس میں وہ احتمالی ہے۔ بات سمجھے؟ اب وہ اعتباری فرق ذکر کر رہے ہیں۔ بلکہ یوں کرو پہلے کلام کو سمجھ لو: فَالْمُؤَكَّدُ یہ اسمِ مفعول ہے، یہ اسمِ مفعول ہے، آگے ہے يُغَايِرُ الْمُؤَكَّدَ، یہ مؤکَّد مغایر ہے مؤکِّد کے، یہ مؤکَّد مغایر ہے اس مؤکِّد کے۔ مؤکِّد کون سا؟ جو جملے سے سمجھ میں آیا، اور مؤکِّد کون سا؟ جو آگے مفعول مطلق ذکر ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ عبارت سمجھ میں آرہی ہے بھئی؟ کہتے ہیں فَالْمُؤَكَّدُ يُغَايِرُ الْمُؤَكِّدَ، یہ جو مؤکَّد ہے یعنی وہ جو جملے سے مفہوم ہو رہا ہے وہ حَقًّا، وہ مغایر ہے اس حَقًّا کے جو مؤکِّد ہے جو آگے مفعول مطلق آرہا ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ اب ساتھ درمیان میں ذکر کریں گے کہ مؤکَّد اس میں کس چیز کا اعتبار ہے؟ مؤکَّد جو ہے وہ مؤکِّد سے مختلف کیسے ہے؟ مؤکَّد میں کیا چیز ہے اور آگے پھر مؤکِّد کے بارے میں بیان کریں گے کہ اس میں کیا چیز ہے، فرق کیا ہے۔

کہتے ہیں فَالْمُؤَكَّدُ اسْمَ مَفْعُولٍ تو مؤکَّد اس حال میں کہ یہ اسمِ مفعول کا صیغہ ہے، مِنْ حَيْثُ اعْتِبَارُ وَصْفِ الِاحْتِمَالِ فِيهِ اس حیثیت سے کہ اس کے اندر احتمال کے وصف کا اعتبار ہے، اس کے اندر یہ جو مؤکَّد ہے یعنی جملے سے جو حَقًّا

مفہوم ہو رہا ہے اس کے اندر احتمال کا وصف ہے یعنی وہ احتمالی ہے، یقینی نہیں۔ تو مِنْ حَيْثُ اعْتِبَارُ وَصْفِ الِاحْتِمَالِ فِيهِ تو مؤکَّد جو ہے وہ اس حیثیت سے کہ اس کے اندر احتمال ہونے کا وصف معتبر ہے، احتمال ہونے کا وصف معتبر ہے، تو وہ مؤکَّد اس حیثیت سے کہ اس میں احتمال ہونے کا وصف معتبر ہے، يُغَايِرُ الْمُؤَكِّدَ وہ مؤکِّد کے، تو وہ مغایر ہے مؤکِّد کے۔ کون سا مؤکِّد؟ اسْمَ فَاعِلٍ اس حال میں کہ یہ اسمِ فاعل ہے، مِنْ حَيْثُ إِنَّهُ مَنْصُوصٌ عَلَيْهِ بِالْمَصْدَرِ اس حیثیت سے کہ یہ منصوص علیہ بالمصدر ہے، یعنی مصدر کے لفظ کے ساتھ اس کی تصریح کی گئی ہے۔ تو مؤکَّد میں کیا وصف ملحوظ؟ کہ اس میں احتمال ہونے کا وصف ملحوظ ہے یعنی وہ احتمالی ہے۔ اور مؤکِّد اس حیثیت سے کہ وہ منصوص علیہ بِلفظِ المصدر لفظِ مصدر کے ساتھ باقاعدہ اس کی صراحت کی گئی ہے بھئی۔ بات سمجھ میں آگئی؟ پھر ایک دفعہ ترجمہ دیکھ لیں۔ کہتے ہیں فَالْمُؤَكَّدُ اسْمَ مَفْعُولٍ مِنْ حَيْثُ اعْتِبَارُ وَصْفِ الِاحْتِمَالِ فِيهِ، تو مؤکَّد جو اسمِ مفعول ہے اس حیثیت سے کہ اس کے اندر احتمال کا وصف معتبر ہے، یہ مغایر ہے اس مؤکِّد کے جو اسمِ فاعل ہے اس حیثیت سے کہ أَنَّهُ مَنْصُوصٌ عَلَيْهِ بِالْمَصْدَرِ کہ وہ جو مؤکَّد ہے وہ منصوص علیہ بالمصدر ہے یعنی مصدر کے لفظ کے ساتھ اس کی تصریح کی گئی ہے۔

وَيُحْتَمَلُ أَنْ يَكُونَ الْمُرَادُ، اور یہ بھی احتمال ہے کہ اس سے مراد یہ ہو۔ یہ تو وہ تقریر تھی صاحبِ جامی کی جس کے اندر یہ جو لام آیا نا تَأْكِيدًا لِنَفْسِهِ اور تَأْكِيدًا لِغَيْرِهِ، یہ تاکید کا صلہ بنا دیں۔ میں نے آپ کو بتلایا تھا کہ یہ حروفِ جارہ جس جس فعل کے ساتھ جڑتے ہیں یہ اس کا صلہ کہلاتے ہیں، اور ہر فعل کے خاص خاص صلے ہوتے ہیں جو اس کے ساتھ استعمال ہوتے ہیں، اور صلہ بدلتا ہے تو معنی بدلتا ہے۔ جیسے دَعَوْتُ لَهُ، دَعَا يَدْعُو کے ساتھ لام کا، لام استعمال ہوتا ہے لام حرفِ جر، اور یہ صلہ بدلے گا تو معنی بدل جائے گا۔ دَعَوْتُ لَهُ، دَعَوْتُ کے ساتھ لام آیا صلہ یعنی حرفِ جر، تو اس کا معنی ہے کسی کے لیے دعا کرنا۔ اور اس کے ساتھ عَلَى لے آؤ: دَعَوْتُ عَلَيْهِ، اب دیکھو صلہ بدل گیا تو معنی بدل گیا، دَعَوْتُ عَلَيْهِ کا معنی کسی کے لیے بددعا کرنا بھئی۔ تو صلہ بدلنے سے فعل کا معنی بدل جاتا ہے۔ تو یہاں پر بھی جو تَأْكِيدًا لِنَفْسِهِ اور تَأْكِيدًا لِغَيْرِهِ آیا، اس کے اندر یہ جو لام ہے یہ اسی تاکید سے جڑ رہا ہے اور یہ اسی کا صلہ ہے۔ یہ تَأْكِيدًا لِنَفْسِهِ میں جو لام آیا اور تَأْكِيدًا لِغَيْرِهِ میں جو لام آیا، یہ اسی تاکید کا صلہ ہے، أَيْ تَأْكِيدًا لِنَفْسِهِ یہ تاکید ہے لِنَفْسِهِ اپنی ذات کے لیے، دیکھو بہترین ترجمہ ہو رہا ہے اسی کے ساتھ جڑ رہا ہے، اور تَأْكِيدًا لِغَيْرِهِ یہ تاکید ہے غیر کے لیے یعنی کیونکہ دونوں میں اعتباری فرق ہے، اپنی ذات کی تاکید نہیں ہے بلکہ غیر کی تاکید ہے۔

اور آگے صاحبِ جامی بتائیں گے کہ یہ بھی ممکن ہے کہ یہاں پر یہ جو لام آیا اس کو صلہ نہ بناؤ بلکہ اس کو علت کے لیے بنا دو، کس کے لیے بنا دو؟ علت۔ آپ جانتے ہیں کہ عربی زبان میں علت بیان کرنے کے لیے لام استعمال کرتے ہیں: ضَرَبْتُهُ لِلتَّأْدِيبِ میں نے اس کی پٹائی کی، لِلتَّأْدِيبِ کس لیے؟ ادب سکھانے کے لیے، تو یہ لام علت اور سبب بیان کرنے کے لیے آتا ہے۔ تو یہاں پر بھی یہ تَأْكِيدًا لِغَيْرِهِ اس کے اندر لام کو علت کے لیے بنا لیں سبب بیان کرنے کے لیے، تو ترجمہ کیسا ہوگا

دیکھو: تَأْكِيدًا لِغَيْرِهِ کہ یہ مفعول مطلق جو ہے تاکید ہے لِغَيْرِهِ أَيْ لِأَجْلِ غَيْرِهِ غیر کی وجہ سے، یہ تاکید ہے، اب ترجمہ سمجھ میں آرہا ہے؟ پہلے کیا ترجمہ تھا کہ یہ تاکید ہے غیر کے لیے یعنی دونوں میں فرق ہے، ایک احتمالی ہے اور ایک یقینی۔ اب دوسرا ترجمہ ہے تَأْكِيدًا لِغَيْرِهِ کہ یہ تاکید ہے غیر کی وجہ سے، غیر کی وجہ سے۔ بھئی کیوں غیر کی وجہ سے کیا معنی؟ کہتے ہیں معنی یہ ہے کہ اس جملے کے اندر دونوں احتمال تھے: حق ہونے کا بھی اور باطل ہونے کا بھی۔ تو یہ جو حَقًّا تاکید لائی گئی یہ اس غیر یعنی باطل کی وجہ سے لائی گئی تاکہ یہ باطل کا احتمال ختم ہو جائے۔ زَيْدٌ قَائِمٌ حَقًّا، یہ حَقًّا کیوں لایا گیا؟ وہ جو باطل ہونے کا احتمال تھا اس کو ختم کرنے کے لیے۔ تو یہ تاکید کس لیے لائی گئی؟ باطل کے احتمال کو ختم کرنے کے لیے۔ ہاں تَأْكِيدًا لِغَيْرِهِ ترجمہ کرو: تاکید ہے غیر کی وجہ سے، وہ غیر کون ہے؟ باطل ہونے کا جو احتمال تھا، تو یہ تاکید کیوں لائی گئی؟ غیر کی وجہ سے لائی گئی تاکہ اس غیر کے احتمال کو ختم کر دیا جائے۔

تو صاحبِ جامی بتلائیں گے آپ کو کہ اس کے اندر یہ لام کو آپ سببیہ اور اجلیہ بھی بنا سکتے ہیں، اور پھر یہ بھی کہیں گے کہ جب یہاں اجلیہ بناؤ تو پھر تَأْكِيدًا لِنَفْسِهِ میں بھی اجلیہ بنا دو، تاکہ دونوں میں ایک جیسا لام آجائے۔ پہلی صورت میں دونوں میں لام کون سا تھا؟ صلہ۔ اب کیا بناؤ؟ دونوں میں لام علت کے لیے بناؤ۔ تو وہاں پھر علت کے لیے بنائیں گے: تَأْكِيدًا لِنَفْسِهِ جو تاکید ہے لِنَفْسِهِ، تاکید ہے اپنی ہی ذات کی وجہ سے، تاکید ہے اپنی ہی ذات کی وجہ سے۔ بھئی اپنی ذات کی وجہ سے تاکید کیا معنی؟ بھئی اپنی ذات کی وجہ سے تاکید کا معنی یہ ہے کہ اپنی ذات کی وجہ سے تاکید لائی گئی تاکہ اس میں تکرار آجائے، اور جب تکرار آئے گا تو یہ پکا ہو جائے گا۔ لَهُ عَلَيَّ أَلْفُ دِرْهَمٍ اس سے بھی کیا سمجھ میں آیا؟ اعتراف، تو آگے اعتراف لائے اپنی ہی ذات کی وجہ سے کہ ایک دفعہ آچکا ہے تاکہ یہ دوبارہ بھی آجائے، اور جب دوبارہ آجائے گا تو یہ پکا ہو جائے گا۔ تو یہاں اپنی ذات کی وجہ سے تاکید لائی گئی ہے تاکہ اس میں تکرار آجائے، اور جب تکرار آئے گا تو پھر یہ کیا ہو جائے گا؟ پختہ۔ بلکہ یوں کہو یہ تاکید اپنی ذات کی وجہ سے لائی گئی ہے تاکہ یہ پکا ہو جائے، تاکہ یہ پکا ہو جائے، اور وہاں پر تاکید غیر کی وجہ سے لائی گئی ہے تاکہ وہ غیر دفع ہو جائے، وہ دور ہو جائے۔ فرق سمجھ میں آیا؟ تو ایک میں تاکید ہے غیر کی وجہ سے تاکہ وہ غیر دور ہو جائے یعنی باطل ہونے کا احتمال ختم ہو جائے، اور پہلے کے اندر تاکید لائی گئی ہے اپنی ذات کی وجہ سے کہ تاکہ یہ پکا ہو جائے، ایک دفعہ تو آچکا ہے لیکن پکا تو کب ہوگا جب دو دفعہ لائیں گے، تو دوسری دفعہ بھی لایا گیا اپنی ذات کی وجہ سے کہ یہ خود کیا ہو جائے؟ پکا ہو جائے۔ بات سمجھ میں آگئی؟

تو کہتے ہیں وَيُحْتَمَلُ أَنْ يَكُونَ الْمُرَادُ اور یہ بھی احتمال ہے کہ اس سے مراد یہ ہو، یہ جو تَأْكِيدًا لِغَيْرِهِ آیا اس سے مراد یہ ہو، أَنَّهُ تَأْكِيدٌ لِأَجْلِ غَيْرِهِ کہ یہ تاکید ہے غیر کی وجہ سے، لِيَنْدَفِعَ تاکہ وہ غیر دور ہو جائے، ختم ہو جائے۔ وَعَلَى هَذَا يَنْبَغِي اور اس بنا پر مناسب یہ ہے، یعنی اس تقریر پر پھر مناسب یہ ہے اگر آپ یہاں لام کو کس لیے بناتے ہیں؟ اجلیہ، تو پھر عَلَى هَذَا اس بنا پر يَنْبَغِي مناسب یہ ہے أَنْ يَكُونَ الْمُرَادُ بِالتَّأْكِيدِ لِنَفْسِهِ کہ تَأْكِيدٌ لِنَفْسِهِ سے جو مراد ہو، أَنَّهُ تَأْكِيدٌ لِأَجْلِ نَفْسِهِ کہ

وہاں بھی لام کون سا مراد لے لو؟ اجلیہ لے لو، أَنَّهُ تَأْكِيدٌ لِأَجْلِ نَفْسِهِ کہ وہ تاکید ہے اپنی ذات کی وجہ سے۔ اپنی ذات کی وجہ سے تاکید ہے کیا معنی؟ کیوں؟ اپنی ذات کی وجہ سے تاکید لائی گئی لِيَتَكَرَّرَ تاکہ اس میں کیا آجائے؟ تکرار آجائے، جب تکرار آجائے گا تو پھر وہ پختہ ہو جائے گا، لِيَتَكَرَّرَ تاکہ اس میں تکرار آجائے وَيَتَقَرَّرَ اور تاکہ وہ پختہ ہو جائے بھئی۔ حَتَّى يَحْسُنَ التَّقَابُلُ تاکہ دونوں کے اندر تقابل اچھا ہو جائے۔ ایک میں اگر آپ لام اجلیہ بناؤ اور دوسرے میں لام صلے والا بناؤ تو یہ اچھا نہیں لگتا۔ یہاں پر یہ دونوں مفعول مطلق ایک دوسرے کے مقابل ہیں بھئی، وہ جو مضمونِ جملہ تو واقع ہو رہا ہے لیکن یا وہ تَأْكِيدٌ لِنَفْسِهِ ہوگا یا تَأْكِيدٌ لِغَيْرِهِ ہوگا، تو یہ دونوں ایک دوسرے کے مقابل ہیں۔ جب ایک دوسرے کے مقابل ہیں تو جب ایک جگہ کے اندر آپ نے لام صلے کے لیے بنایا ہے تو دوسری جگہ بھی صلے کے لیے بناؤ پھر ہی مقابلہ واضح ہوگا اور اچھا نظر آئے گا۔ اور اگر ایک کے اندر آپ نے لام کو اجلیہ بنایا ہے تو دوسرے کے اندر بھی لام کو اجلیہ بناؤ بھئی، اسی صورت میں مقابلہ نظر آئے گا کہ یہ دونوں ایک دوسرے کے مقابل ہیں بھئی۔ بات سمجھ میں آگئی؟ چلیے بس بھئی، هَذَا هُوَ الْمَرَامُ وَاللهُ أَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْكَلَامِ۔

سبق نمبر ۱۱۷: المفعول المطلق (۴): «حَنَانَیْکَ وَدَوَالَیْکَ» اور سماعی مصادرِ محذوف الفعل

شرحِ ملا جامی صفحہ: ۸۷ — بتاریخ: ۵ دسمبر ۲۰۲۱ء

▪ تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث

آگے سبق دیکھیے بھئی:

وَمِنْهَا مَا وَقَعَ مُثَنًّى أَيْ عَلَىٰ صِيغَةِ التَّثْنِيَةِ وَإِنْ لَمْ يَكُنْ لِلتَّثْنِيَةِ بَلْ لِلتَّكْرِيرِ وَالتَّكْثِيرِ، وَلَا بُدَّ فِي تَتْمِيمِ هٰذِهِ الْقَاعِدَةِ مِنْ قَيْدِ الْإِضَافَةِ أَيْ مُثَنًّى مُضَافًا إِلَى الْفَاعِلِ أَوِ الْمَفْعُولِ، لِئَلَّا يَرِدَ مِثْلُ قَوْلِهِ تَعَالَىٰ: ﴿ثُمَّ ارْجِعِ الْبَصَرَ كَرَّتَيْنِ﴾ أَيْ رَجْعًا مُكَرَّرًا كَثِيرًا.

گزشتہ سبق میں ہم وہ مقامات پڑھ رہے تھے جہاں مفعولِ مطلق کے عامل فعل کو حذف کرنا واجب ہے بھئی۔ اور صاحبِ کافیہ نے آپ کو بتلایا کہ یہ دو قسم کے مقامات ہیں جن کے اندر حذف واجب ہے بھئی: کچھ سماعی ہیں اور کچھ قیاسی ہیں۔ سماعی وہ ہیں جو سماع پر موقوف ہیں یعنی ہم کوئی ایسا ضابطہ نہیں بنا سکے۔ تو جب وہ قیاسی نہیں ہیں، سماعی ہیں، تو آپ ان پر قیاس نہیں کر سکتے۔ اور کچھ جگہیں وہ ہیں قیاسی۔

ان قیاسی جگہوں میں سے پہلی جگہ انہوں نے بتلائی تھی کہ جہاں پر مفعولِ مطلق جو ہے، وہ اس کے اثبات کا ارادہ کیا جائے اور وہ نفی یا معنیِ نفی کے بعد آئے، اور وہ نفی یا معنیِ نفی ایسے اسم پر داخل ہو کہ مفعولِ مطلق کا اس سے خبر بننا صحیح نہ ہو، اس لیے کیونکہ وہ منصوب ہے بھئی۔ جیسے: «مَا أَنْتَ إِلَّا سَيْرًا» آپ نہیں ہیں مگر چلتے ہی رہتے بھئی۔ تو یہاں پر دیکھو یہ «سَيْرًا» جو ہے اس کے اثبات کا ارادہ کیا گیا ہے، یعنی آپ چلتے ہی رہتے ہیں۔ اور نیز یہ حرفِ نفی یا معنیِ نفی کے بعد واقع ہے، اور وہ نفی یا معنیِ نفی جو ہے وہ «أَنْتَ» یعنی اسم پر داخل ہے، اور وہ اسم ایسا ہے کہ آگے آنے والا مفعولِ مطلق جو ہے «إِلَّا سَيْرًا»، اس «سَيْرًا» کا اس سے خبر بننا صحیح نہیں ہے۔

اور دوسری جگہ وہ ہے کہ جہاں مفعولِ مطلق مکرر آئے اور ایک ایسے اسم کے بعد آئے کہ جس سے اس کا خبر بننا صحیح نہ ہو۔ تو اس کے اندر دیکھو نفی یا معنیِ نفی کی قید نہیں ہے۔ جیسے: «زَيْدٌ سَيْرًا سَيْرًا» یہ «سَيْرًا» مکرر آیا ہے اور ایک اسم کے بعد آیا ہے اور اس کا اس سے خبر بننا صحیح نہیں، اس لیے کیونکہ یہ منصوب ہے جبکہ خبر تو مرفوع ہوتی ہے۔

اور پھر تیسرا طریقہ ہم نے پڑھا تھا کہ جہاں پر مفعولِ مطلق ماقبل میں آنے والے جملے کے مضمون کی جو غرض ہے اور اس کا جو مقصد ہے، اس کی تفصیل ہو کر واقع ہو بھئی۔ اس کی تفصیل ہو کر واقع ہو جیسے اللہ تعالیٰ قرآن میں فرماتے ہیں: «فَشُدُّوا الْوَثَاقَ» تو تم بند مضبوطی سے باندھ لو، یعنی جب کفار سے، مشرکین سے جنگ ہو تو جو گرفتار ہوں ان کو مضبوطی سے باندھ لو۔ «فَإِمَّا مَنًّا بَعْدُ وَإِمَّا فِدَاءً» یہ مضبوطی سے باندھنا کس لیے ہے؟ کہ تاکہ تم بعد میں یا تو احسان کرتے ہوئے ویسے ہی ان کو چھوڑ دو گے تو ان لوگوں پر تمہارا احسان ہو جائے گا، یا تم ان لوگوں سے فدیہ وصول کر کے ان کو چھوڑو گے تو تمہیں مال حاصل ہو جائے گا۔ تو یہاں پر «مَنًّا» اور «فِدَاءً» جو مفعولِ مطلق آئے، ان کے فعل کو حذف کرنا واجب ہے بھئی، اس لیے کیونکہ یہ ماقبل میں جو جملہ آیا تھا «فَشُدُّوا الْوَثَاقَ»، یہ اس کے مضمون کی جو غرض ہے اور جو مقصد ہے اور جو فائدہ ہے، اس کی یہ تفصیل بیان کر رہے ہیں بھئی۔

اور چوتھا مقام جہاں مفعولِ مطلق کے عامل فعل کو حذف کرنا واجب ہے، وہ مقام ہے جہاں مفعولِ مطلق تشبیہ کے لیے آئے اور وہ افعالِ جوارح میں سے ہو، اور اس سے ماقبل میں ایک ایسا جملہ ہو جو اس مفعولِ مطلق کے ہم معنیٰ اسم پر بھی مشتمل ہو اور صاحبِ اسم پر بھی مشتمل ہو۔ جیسے اس کی مثال آئی تھی: «مَرَرْتُ بِهِ فَإِذَا لَهُ صَوْتٌ صَوْتَ حِمَارٍ» میں اس کے پاس سے گزرا تو اس کی ایسی ہی آواز تھی جیسے گدھے کی آواز۔ بھئی جیسے گدھے کی آواز اونچی ہوتی ہے اور ناگوار گزرتی ہے، اسی طرح معلوم ہوا وہ بھی یا اونچی آواز سے بول رہا تھا یا چیخ رہا تھا، چلا رہا تھا۔

اب مقامِ استشہاد ہے «صَوْتَ حِمَارٍ»۔ یہ مفعولِ مطلق ہے اور اس کے فعل کو حذف کرنا واجب ہے۔ اس لیے کیونکہ یہ تشبیہ کے لیے آیا ہے، اس شخص کی آواز کو گدھے کی آواز کے ساتھ تشبیہ دی جا رہی ہے۔ اور نیز یہ آواز جو ہے یہ افعالِ جوارح میں سے ہے۔ یہ آواز کا نکالنا اور چیخنا اور چلانا اور بولنا یہ منہ سے ہوتا ہے، تو یہ افعالِ جوارح یعنی ظاہری اعضاء میں سے ہے۔ اور نیز اس سے ماقبل میں ایک جملہ واقع ہے جس کے اندر اس کا ہم معنیٰ اسم بھی ہے یعنی «صَوْتٌ»۔ «فَإِذَا لَهُ صَوْتٌ» دیکھو یہ «صَوْتٌ» اسی کا ہم معنیٰ ہے۔ اور نیز صاحبِ اسم بھی ہے یعنی جس کے لیے یہ آواز ہے «أَيْ لَهُ صَوْتٌ» تو یہ جو «لَهُ» میں «هَا» ضمیر آئی، یہ ہے صاحبِ اسم جس کے لیے یہ آواز ثابت کی جا رہی ہے۔ تو لہٰذا جس کے اندر یہ شرطیں پوری نہ ہوئیں، چاہے ساری شرطیں پوری نہ ہوں یا ان میں سے بعض پوری نہ ہوں، تو پھر وہاں پر اس کو مفعولِ مطلق نہیں بنائیں گے بلکہ وہ پھر بدل یا خبر وغیرہ واقع ہوں گے، جس کی مثالیں بھی گزر گئی تھیں بھئی۔

اور پھر یہاں پر صاحبِ کافیہ نے دو مثالیں ذکر کیں: «فَإِذَا لَهُ صَوْتٌ صَوْتَ حِمَارٍ» اور دوسری مثال ذکر کی: «وَصُرَاخٌ

صُرَاخَ الثَّكْلَىٰ أَيْ مَرَرْتُ بِهِ فَإِذَا لَهُ صُرَاخٌ صُرَاخَ الثَّكْلَىٰ»۔ میں نے بتلایا تھا «صَرَخَ يَصْرُخُ» کے معنیٰ ہیں چیخنا، تو اسی سے «صُرَاخٌ» مصدر ہے صاد کے ساتھ ہے بھئی صراخ۔ اور «الثَّكْلَىٰ»، ثکلیٰ کہتے ہیں وہ عورت جس کا بچہ مر گیا ہو۔ «مَرَرْتُ بِهِ» میں اس کے پاس سے گزرا «فَإِذَا لَهُ صُرَاخٌ» تو اچانک اس کے لیے اسی طرح چیخنا اور چلانا تھا، یعنی وہ اسی طرح چیخ اور چلا رہا تھا جس طرح وہ عورت چیختی اور چلاتی ہے جس کا بچہ فوت ہو گیا ہو، جس کے بچے کا انتقال ہو گیا ہو۔

اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ صاحبِ کافیہ نے یہاں دو مثالیں کیوں ذکر کیں بھئی؟ صاحبِ کافیہ تو بات مختصر کرتے ہیں۔ تو وجہ اس کی یہ کہ یہ جو دوسری مثال ہے «صُرَاخٌ»، یہ مصدر ہے، یہ مصدر ہے جبکہ پہلی مثال جو ہے «فَإِذَا لَهُ صَوْتُ صَوْتَ حِمَارٍ»، اس کے بارے میں بعض علماء کیا فرماتے ہیں؟ یہ اسمِ مصدر ہے۔ تو ایک مثال مصدر کی ذکر کر دی اور ایک اسمِ مصدر کی۔ جبکہ صاحبِ جامی فرماتے ہیں کہ یہ جو «صَوْتٌ» آیا یہ بھی مصدر ہی ہے اور یہ «صَاتَ يَصُوتُ صَوْتًا» سے ماخوذ ہے۔ تو یاد رکھو صوت مصدر بھی ہے، اور مصدر ہو تو اس کا معنیٰ ہے آواز دینا، دیکھو مصدری ترجمہ ہے، اور صوت آواز جو ہے اس کو بھی صوت کہتے ہیں یعنی غیرِ مصدر ہے بھئی۔ تو پھر میں نے یہاں تفصیل بیان کی تھی کہ مصدر اور اسمِ مصدر میں کیا فرق ہے۔

ہمیشہ یاد رکھنا بھئی طلبہ پریشان ہوتے ہیں کہ یہ اسمِ مصدر کیا معنیٰ؟ تو میں نے بتلایا تھا بھئی کہ اسمِ مصدر وہ ہے جو مصدر ہی کا معنیٰ ادا کرتا ہے لیکن اس کے حروف اس مصدر سے کم ہوتے ہیں۔ یا یوں کہیں کہ جو مصدر ہوتا ہے اس کے حروف اپنے فعل کے برابر ہوتے ہیں یا اپنے فعل سے زیادہ ہوتے ہیں۔ «ضَرَبَ يَضْرِبُ ضَرْبًا»، دیکھو «ضَرَبَ» فعل ہے تو مصدر کیا ہے «ضَرْب»۔ دیکھو دونوں میں تین تین حروف ہیں۔ «أَكْرَمَ» فعل کے اندر چار حروف ہیں، «إِكْرَام» مصدر کے اندر پانچ حروف ہیں۔ «اسْتَخْرَجَ» فعل کے اندر چھ حروف ہیں، «اسْتِخْرَاج» مصدر کے اندر سات حروف ہیں بھئی۔ تو آپ غور کر لینا مصدر کے اندر اپنے فعل کے برابر یا اپنے فعل سے زائد حروف ہوتے ہیں۔ جبکہ اسمِ مصدر جو ہے اس کے اندر اس مصدر سے کم حروف ہوتے ہیں، یا یوں کہیں اس کے اندر اپنے فعل سے کم حروف ہوتے ہیں۔ اسمِ مصدر کے اندر اپنے فعل سے کہہ لیں یا اپنے مصدر سے کہہ لیں ان سے حروف کم ہوتے ہیں۔ جیسے میں نے کئی مثالیں لکھوائیں بھئی: جیسے «اغْتَسَلَ يَغْتَسِلُ اغْتِسَالًا»، «اغْتَسَلَ» سے مصدر کیا آتا ہے؟ «اغْتِسَال»۔ اور دیکھو «اغْتَسَلَ» اس کے اندر پانچ حروف ہیں، «اغْتِسَال» مصدر میں چھ حروف ہیں، جبکہ اسمِ مصدر جو آتا ہے اسی سے وہ ہے «غُسْل» بھئی اور اس کے اندر صرف تین حروف ہیں۔ تو اغتسال اور غسل کا ایک معنیٰ ہے۔ اسی طرح «أَعْطَىٰ يُعْطِي» سے مصدر آتا ہے «إِعْطَاء» بھئی۔ تو «إِعْطَاء» کے اندر کتنے حروف ہیں؟ «إِعْطَاء» کے اندر پانچ حروف ہیں، پانچ حروف ہیں اور اسی سے اسمِ مصدر آتا ہے «عَطَاء» بھئی۔ اسی طرح «زَكَّىٰ يُزَكِّي تَزْكِيَةً»، «تَزْكِيَة» یہ مصدر ہے جبکہ اسی سے اسمِ مصدر آتا ہے «زَكَاة» بھئی۔ اسی طرح «صَلَّىٰ يُصَلِّي تَصْلِيَةً»، اسی سے اسمِ مصدر ہے «صَلَاة» بھئی۔ تو اسمِ مصدر کے اندر اپنے فعل سے کم حروف ہوتے ہیں، باقی معنیٰ بھی وہی ہوتا ہے اور عمل بھی یہ اسی طرح کرتا ہے۔ جس طرح مصدر اپنے فاعل کو

رفع اور اپنے مفعول کو نصب دیتا ہے اسی طرح اسمِ مصدر بھی عمل کرتا ہے۔ تو یہ فائدہ ہمیشہ یاد رکھنا بھئی طلبہ عموماً اس میں پریشان ہوتے ہیں۔

اور پھر اگلی جگہ ہم نے پڑھی تھی کہ وہ مفعولِ مطلق جن کے فعل کو حذف کرنا واجب ہے، ان میں سے ایک وہ مفعولِ مطلق ہے جو مضمونِ جملہ واقع ہو، توجہ ہے، مضمونِ جملہ واقع ہو۔ اور پھر اس میں دو قسمیں ہیں: ایک وہ مفعولِ مطلق جو مضمونِ جملہ واقع ہو رہا ہے اور اس جملے کے اندر اور کوئی احتمال نہیں، اس مفعولِ مطلق کے علاوہ اور کوئی احتمال نہیں۔ اور دوسری صورت یہ ہے کہ مفعولِ مطلق مضمونِ جملہ واقع ہو رہا ہے اور اس جملے کے اندر اس مفعولِ مطلق کے علاوہ اور بھی احتمال ہیں بھئی۔ بات سمجھ میں آگئی؟ جیسے «لَهُ عَلَيَّ أَلْفُ دِرْهَمٍ اعْتِرَافًا»۔ یہ «لَهُ عَلَيَّ أَلْفُ دِرْهَمٍ» اس سے بھی کیا پتہ چلا؟ اعتراف کا۔ توجہ ہے؟ مضمونِ جملہ کیا ہے؟ اعتراف۔ میں نے آپ کو بتلایا تھا کہ یہاں جو لفظ آیا نا مضمونِ جملہ، اس سے وہ مضمونِ جملہ نہیں مراد جو پیچھے ذکر ہوا تھا کہ مصدر کی اضافت کر دی جائے فاعل یا مفعول کی طرف، وہ مضمونِ جملہ مراد نہیں، بلکہ یہاں مضمونِ جملہ سے مراد ہے حاصلِ کلام، حاصلِ جملہ۔ تو یہاں پر بھی جب کوئی شخص یہ کہے «لَهُ عَلَيَّ أَلْفُ دِرْهَمٍ» تو یہ دراصل کیا کر رہا ہے؟ اعتراف کر رہا ہے۔ تو آگے مفعولِ مطلق بھی کیا آیا؟ «اعْتِرَافًا»۔ تو جملے سے بھی کیا سمجھ میں آیا؟ اعتراف۔ اور آگے مفعولِ مطلق بھی کیا آیا؟ اعتراف۔ تو یہ جو اعتراف ہے، یہ مفعولِ مطلق جو ہے، یہ مضمونِ جملہ ہو کر واقع ہو رہا ہے۔ اور اس جملے کے اندر اس اعتراف کے علاوہ اور کوئی احتمال بھی نہیں۔ تو اس کا کیا نام ہے؟ «تَأْكِيدٌ لِنَفْسِهِ»۔ یعنی یہ اپنی ہی ذات کی تاکید کر رہا ہے۔ جملے سے بھی کیا سمجھ میں آیا؟ اعتراف۔ آگے لفظ بھی کیا آیا؟ اعتراف۔ تو یہ اپنی ہی ذات کی تاکید کر رہا ہے۔ یعنی یوں کہو جملے سے جو سمجھ میں آیا وہ ہے مؤکد، اور آگے دوبارہ جب لفظ لایا گیا تو اس کو کیا کہتے ہیں تاکید۔ تو جملے سے بھی سمجھ میں آیا جو مؤکد وہ بھی ہے اعتراف، آگے جو مؤکد یعنی تاکید آئی وہ بھی ہے اعتراف، تو مؤکد اور مؤکد میں کوئی فرق نہیں، اعتباری فرق بھی نہیں ہے۔ تو یہ «تَأْكِيدٌ لِنَفْسِهِ» ہے کہ یہ اعتراف اپنی ہی تاکید کر رہا ہے، کسی مغایر چیز کی تاکید نہیں کر رہا، چاہے وہ مغایر اعتباری طور پر ہی کیوں نہ ہو، ایسا بھی یہاں نہیں ہے۔ یعنی کسی مغایر کی تاکید نہیں کر رہا، چاہے وہ مغایر اعتباری ہی کیوں نہ ہو، ایسا بھی یہاں نہیں ہے بھئی۔

جبکہ دوسری مثال ہم نے کی تھی: «زَيْدٌ قَائِمٌ حَقًّا»۔ اس کے اندر دیکھو «زَيْدٌ قَائِمٌ» یہ جملہ آیا اور اس کے بعد «حَقًّا» یہ مفعولِ مطلق آیا اور یہ مضمونِ جملہ ہے، کیونکہ ماقبل کا جو جملہ ہے اس میں حق ہونے کا بھی احتمال اور باطل ہونے کا بھی احتمال، یا یوں کہو اس میں سچ ہونے کا بھی احتمال اور جھوٹ ہونے کا بھی احتمال۔ تو آگے «حَقًّا» آیا، اس نے جملے کے اندر جو حق ہونے کا احتمال تھا اس کو پکا کر دیا۔ تو جملے کے اندر بھی احتمال تھا یعنی جملہ بھی محتمل تھا حقاً کا بھی اور باطلاً کا بھی۔ تو بہرحال جملے میں محتمل تو ہے حقاً، اور آگے بھی «حَقًّا» آیا اور یہ «حَقًّا» منصوص علیہ ہے یعنی اس پر تصریح کی گئی ہے، لفظوں میں اس کو ذکر کیا گیا ہے۔ ایک حقاً جملے سے سمجھ میں آیا، وہ منصوص علیہ نہیں، جملے کے اندر کہیں حقاً کا لفظ تھا؟ نہیں۔ لیکن آگے جو حقاً آیا وہ تو منصوص علیہ ہے، لفظوں کے اندر خود یہی لفظ آگیا۔ تو ایک حقاً کہاں سے سمجھ میں آ

رہا ہے؟ جملے سے، وہ منصوص علیہ نہیں، وہاں پر حقاً کا لفظ نہیں، ہاں وہ محتمل ہے یعنی جملے کے اندر اس کا احتمال ہے۔ اور اگلا جو «حَقًّا» جو مفعولِ مطلق آیا وہ تو منصوص علیہ ہے، خود لفظوں کے اندر حقاً آگیا۔ تو جملے سے بھی کیا سمجھ میں آیا؟ حقاً۔ اور آگے لفظوں میں بھی کیا آیا؟ حقاً۔ تو یہ تاکید کر رہا ہے۔ یاد رکھو تاکید ہمیشہ اپنی ہی کی جاتی ہے، غیر کی تاکید نہیں کی جاتی، کیونکہ تاکید کا کیا معنیٰ ہے کہ ایک چیز کو دو بار ذکر کیا جائے جس سے وہ چیز پکی ہو جائے، پختہ ہو جائے۔ پہلے ایک چیز ذکر ہے اور دوبارہ ذکر ہو گی تو وہ پہلی چیز کو پکا کرے گی اور پختہ کرے گی۔ اگر پہلے چیز کوئی اور ہے اور دوسری کوئی اور ہے تو پھر تو وہاں تاکید ہی نہیں ہے۔ تاکید تو کسے کہتے ہیں؟ ایک چیز کو دو دفعہ ذکر کیا جائے۔ «جَاءَنِي زَيْدٌ زَيْدٌ»، یہ زیدِ ثانی کیا کر رہا ہے؟ پہلے زید کی تاکید ہے، یہ اس کو پکا کر رہا ہے۔ تو تاکید کے لیے کیا ضروری کہ ایک چیز کو دو دفعہ ذکر کیا جائے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ اس کے بغیر وہ تاکید کہلائے گی...

آئے گی نہیں بھئی۔ لہٰذا جملے سے بھی کیا سمجھ میں آیا؟ «حَقًّا»۔ اور آگے تاکید بھی کیا آئی؟ «حَقًّا»۔ تو یہ اپنی ہی تاکید کر رہا ہے۔ یہ آپ نہ کہیں کہ یہ کسی اور چیز کی تاکید کر رہا ہے، بلکہ میں نے بتایا تاکید اپنی ہی کی ہوتی ہے کسی اور چیز کی نہیں۔ ہاں اس کا نام الگ رکھا ہے «تَأْكِيدًا لِغَيْرِهِ»۔ کیونکہ یہ اگرچہ اپنی تاکید کر رہا ہے، لیکن مؤکد اور مؤکد میں فرق ہے بھئی، اعتباری فرق ہے۔ اعتباری فرق میں نے بتایا تھا کہ اعتباری وہ چیز ہوتی ہے جو معتبر کے اعتبار پر موقوف ہو: معتبر اس کا اعتبار کرتا ہے تو وہ فرق ہے، معتبر اعتبار نہیں کرتا تو وہ فرق بھی نہیں ہے۔ تو یہاں دونوں میں اعتباری فرق ہے، کیونکہ جملے سے جو «حَقًّا» سمجھ میں آیا تھا وہ محتمل تھا یعنی منصوص علیہ نہیں تھا، اور جو بعد میں «حَقًّا» لفظ آیا وہ تو منصوص علیہ ہے، لفظ ہے بھئی۔ تو وہ جو جملے سے سمجھ میں آیا وہ ہے محتمل اور جو بعد میں «حَقًّا» ہے وہ ہے منصوص علیہ۔ تو بایں اعتبار یہ دونوں غیر ہیں ایک دوسرے سے: ایک صرف محتمل ہے اور ایک منصوص علیہ ہے۔ تو یہ جو «حَقًّا» منصوص علیہ آیا اس نے کس «حَقًّا» کی تاکید کی؟ وہ جو «حَقًّا» محتمل تھا۔ تو اس نے اپنی ہی تاکید کی یا غیر کی تاکید کی؟ غیر، یعنی اس اعتبار سے دونوں میں فرق ہے، تو اس نے اپنی تاکید نہیں کی۔ اپنی تاکید تو تب ہوتی اگر ماقبل والا بھی «حَقًّا» بھی منصوص علیہ ہوتا اور یہ بھی کیا ہوتا منصوص علیہ، پھر ہم کہتے یہ اپنی تاکید کر رہا ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو اول محتمل ہے اور ثانی منصوص علیہ ہے، تو بایں اعتبار دونوں میں فرق ہے۔ تو گویا یوں کہیں گے یہ جو «حَقًّا» آیا «زَيْدٌ قَائِمٌ حَقًّا»، یہ جو «حَقًّا» لفظ آیا یہ «تَأْكِيدٌ لِغَيْرِهِ» ہے، یہ غیر کی تاکید کر رہا ہے، اپنی تاکید نہیں۔ غیر کیوں ہے؟ کیونکہ جس کی تاکید کر رہا ہے وہ تو منصوص علیہ نہیں، وہ تو محتمل ہے، تو وہ یہی ہوا یا اس سے غیر ہوا؟ یہ غیر، تو یہ غیر کی تاکید کر رہا ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟

تو یہ وہ صورت ہے جبکہ دونوں جگہ جو لام آیا ہے اس کو صلہ بنائیں: «تَأْكِيدًا لِنَفْسِهِ» ایسی تاکید جو اپنی ذات کے لیے ہو، اور «تَأْكِيدًا لِغَيْرِهِ» ایسی تاکید جو غیر کے لیے ہو یعنی غیر کی تاکید ہو۔ تو اس صورت میں لام کو صلہ بنایا تھا۔ اور صاحبِ جامی نے بتلایا تھا کہ آپ چاہیں تو اس لام کو اجلیہ بنا لیں، لام کو اجلیہ بنا لیں علت کے لیے بنا لیں، کہ «تَأْكِيدًا لِغَيْرِهِ» کہ یہ

جو «حَقًّا» ہے یہ تاکید ہے «لِغَیْرِہٖ» غیر کی وجہ سے۔ پہلے ترجمہ کیا تھا؟ «تَأْکِیدًا لِغَیْرِہٖ» یہ غیر کی تاکید ہے۔ اب ترجمہ کیا ہے؟ «تَأْکِیدًا لِغَیْرِہٖ»، اب لام کو اجلیہ بناؤ، ترجمہ کیا ہو گا؟ تاکید ہے غیر کی وجہ سے۔ کس کی وجہ سے؟ غیر کی وجہ سے۔ کیا معنیٰ غیر کی وجہ سے؟ بھئی اس جملے کے اندر دونوں احتمال تھے: حق ہونے کا بھی اور باطل ہونے کا بھی، تو یہ «حَقًّا» تاکید لائی گئی اس غیر کی وجہ سے یعنی اس باطل کے احتمال کی وجہ سے، تاکہ وہ احتمال دفع ہو جائے، ختم ہو جائے۔ تو یہ «حَقًّا» تاکید کیوں لائی گئی؟ غیر کی وجہ سے۔ وہ غیر کون ہے؟ وہ جو باطلاً کا احتمال تھا جملے کے اندر۔ تو اس باطلاً احتمال ہونے، اس میں چونکہ باطلاً کا بھی احتمال تھا، تو یہ «حَقًّا» تاکید لائی گئی اس غیر یعنی باطلاً کی وجہ سے تاکہ وہ احتمال جملے سے ختم ہو جائے۔

اور پھر صاحبِ جامی نے کہا کہ اگر یہاں پر لام کو اجلیہ بناؤ تو پھر «تَأْکِیدًا لِنَفْسِہٖ» کے اندر بھی لام کو اجلیہ بنانا چاہیے بھئی۔ لام کو اجلیہ بنانا چاہیے۔ اس لیے کیونکہ یہ دونوں ایک دوسرے کے مقابلے میں ہیں۔ وہاں پر «تَأْکِیدٌ لِنَفْسِہٖ» ہے تو یہاں «تَأْکِیدٌ لِغَیْرِہٖ» ہے۔ تو یہاں پر یہ دونوں مفعولِ مطلق ایک دوسرے کے مقابل ہیں بھئی: وہ جو مضمونِ جملہ تو واقع ہو رہا ہے، لیکن یا وہ تاکیدِ لنفسہ ہو گا یا تاکیدِ لغیرہ ہو گا۔ تو یہ دونوں ایک دوسرے کے مقابل ہیں۔ جب ایک دوسرے کے مقابل ہیں تو جب ایک جگہ کے اندر آپ نے لام صلے کے لیے بنایا ہے تو دوسری جگہ بھی صلے کے لیے بناؤ، پھر ہی مقابلہ واضح ہو گا اور اچھا نظر آئے گا۔ اور اگر ایک کے اندر آپ نے لام کو اجلیہ بنایا ہے تو دوسرے کے اندر بھی لام کو اجلیہ بناؤ بھئی، اسی صورت میں مقابلہ نظر آئے گا کہ یہ دونوں ایک دوسرے کے مقابل ہیں بھئی۔ تو لہٰذا وہاں پر پھر کیا معنیٰ ہو گا؟ «تَأْکِیدًا لِنَفْسِہٖ أَيْ تَأْکِیدًا لِأَجْلِ نَفْسِہٖ» یعنی تاکید ہے اپنی ذات کی وجہ سے۔ بھئی اپنی ذات کی وجہ سے تاکید کیا معنیٰ؟ بھئی اپنی ذات کی وجہ سے تاکید کا معنیٰ یہ ہے کہ اپنی ذات کی وجہ سے تاکید لائی گئی تاکہ اس میں تکرار آجائے اور جب تکرار آئے گا تو یہ پکا ہو جائے گا۔ «لَهُ عَلَيَّ أَلْفُ دِرْهَمٍ» اس سے بھی کیا سمجھ میں آیا؟ اعتراف۔ تو آگے اعتراف لائے اپنی ہی ذات کی وجہ سے کہ ایک دفعہ آچکا ہے تاکہ یہ دوبارہ بھی آجائے اور جب دوبارہ آجائے گا تو یہ پکا ہو جائے گا۔ تو یہاں اپنی ذات کی وجہ سے تاکید لائی گئی ہے تاکہ اس میں تکرار آجائے، اور جب تکرار آئے گا تو پھر یہ کیا ہو جائے گا پختہ۔ بلکہ یوں کہو یہ تاکید اپنی ذات کی وجہ سے لائی گئی ہے تاکہ یہ پکا ہو جائے، تاکہ یہ پکا ہو جائے۔ اور وہاں پر تاکید غیر کی وجہ سے لائی گئی ہے تاکہ وہ غیر دفع ہو جائے، وہ دور ہو جائے۔ فرق سمجھ میں آیا؟ تو ایک میں تاکید ہے غیر کی وجہ سے تاکہ وہ غیر دور ہو جائے یعنی باطل ہونے کا احتمال ختم ہو جائے، اور پہلے کے اندر تاکید لائی گئی ہے اپنی ذات کی وجہ سے کہ تاکہ یہ پکا ہو جائے: ایک دفعہ تو آچکا لیکن پکا تو کب ہو گا؟ جب دو دفعہ لائیں گے تو دوسری دفعہ بھی لایا گیا اپنی ذات کی وجہ سے کہ یہ خود کیا ہو جائے پکا ہو جائے۔

آگے دیکھیے بھئی آج کا سبق۔ کہتے ہیں: «وَمِنْهَا مَا وَقَعَ مُثَنًّى أَيْ عَلَىٰ صِيغَةِ التَّثْنِيَةِ وَإِنْ لَمْ يَكُنْ لِلتَّثْنِيَةِ». جی، ساتویں قسم آگئی وہ مفعولِ مطلق جہاں پر اس کے فعل کو حذف کرنا واجب ہے۔ تو آپ کو بتلائیں گے صاحبِ کافیہ کہ وہ جگہ ہے جہاں مفعولِ مطلق تثنیہ واقع ہو۔ متن، متن پہلے دیکھیں۔ کہتے ہیں «وَمِنْهَا مَا وَقَعَ مُثَنًّى» اور ان میں سے ایک مقام وہ ہے

جہاں پر مفعولِ مطلق تثنیہ واقع ہو، «مِثْلُ لَبَّيْكَ وَسَعْدَيْكَ» جیسے کہ لبیک و سعدیک۔ تو ان جگہوں میں سے ایک وہ جگہ ہے جہاں مفعولِ مطلق تثنیہ واقع ہو۔ صاحبِ جامی آپ کو بتلائیں گے کہ یہ ضابطہ پورا ذکر نہیں کیا صاحبِ کافیہ نے، بس صرف اتنا کہہ دیا کہ مفعولِ مطلق تثنیہ ہو۔ حالانکہ یاد رکھنا مفعولِ مطلق جو ہے جب بھی تثنیہ آئے تو اس کے فعل کو حذف کرنا واجب نہیں ہے، بلکہ اس میں دیکھیں گے کہ تثنیہ بول کر تثنیہ کا ارادہ ہے یا کثرت کا ارادہ ہے۔ اگر تثنیہ بول کر تثنیہ ہی کا ارادہ ہے تو پھر عامل کو حذف کرنا واجب نہیں ہے، «ضَرَبْتُ ضَرْبَيْنِ» میں نے دو ضربیں لگائیں۔ دیکھا یہاں «ضَرْبَيْنِ» مفعولِ مطلق ہے، تثنیہ ہے اور اس کے فعل «ضَرَبْتُ» کو ذکر کیا گیا ہے۔ تو جب بھی تثنیہ آئے مفعولِ مطلق، اس کے فعل کو حذف کرنا واجب نہیں۔

ہاں یاد رکھنا بعض اوقات عربی زبان کے اندر مفعولِ مطلق کو تثنیہ ذکر کیا جاتا ہے اور وہاں تثنیہ مراد نہیں ہوتا بلکہ کثرت مراد ہوتی ہے، کثرت مراد ہوتی ہے۔ تو جب کثرت کا ارادہ ہو، مفعولِ مطلق ذکر کیا جائے تثنیہ اور ارادہ کس کا ہے؟ کثرت کا ہے، تو پھر اس کے اندر دیکھیں گے کہ یہ مفعولِ مطلق یہ اپنے فاعل یا مفعول کی طرف مضاف ہے یا مضاف نہیں۔ اگر اپنے فاعل کی طرف یا مفعول کی طرف یہ مضاف ہو، پھر اس کے عامل کو حذف کرنا واجب ہے، اور اگر یہ اپنے فاعل یا مفعول کی طرف مضاف نہ ہو، پھر اس کے عامل کو حذف کرنا واجب نہیں۔ حاصلِ کلام کیا؟ کہ مفعولِ مطلق یا تثنیہ کے لیے آئے گا یا کثرت کے لیے۔ اگر تثنیہ کے لیے آئے تو اس کے فعل کو حذف کرنا واجب نہیں۔ اگر کثرت کے لیے آئے پھر اس میں دیکھیں گے کہ یہ مفعولِ مطلق اپنے فاعل یا مفعول کی طرف مضاف ہو رہا ہے یا مضاف نہیں ہو رہا۔ اگر مضاف ہو رہا ہے تو پھر تو اس کے عامل کو حذف کرنا واجب، اور اگر مضاف نہیں ہو رہا ہے کثرت کے لیے ہی لیکن اپنے فاعل یا مفعول کی طرف مضاف نہیں ہو رہا، تو پھر اس کے فعل کو حذف کرنا واجب نہیں۔ جیسے کہ اللہ تعالیٰ قرآن میں فرماتے ہیں: «ثُمَّ ارْجِعِ الْبَصَرَ كَرَّتَيْنِ» کہ پھر آپ لوٹا لیجیے اپنی نگاہ کو «كَرَّتَيْنِ»۔ تو یہاں «كَرَّتَيْنِ» آیا مفعولِ مطلق آیا اور تثنیہ آیا، لیکن یہ یہاں تثنیہ کے لیے نہیں ہے بلکہ کثرت بتلانے کے لیے ہے۔ اللہ تعالیٰ فرما رہے ہیں کہ آپ اس آسمان پر نگاہ ڈال لیجیے، آپ ہماری تخلیقات پر نگاہ ڈال لیجیے، آپ کو ہماری پیدا کی ہوئی چیزوں میں، ہماری بنائی ہوئی چیزوں میں آپ کو کوئی عیب نظر نہیں آئے گا۔ تو یہاں «كَرَّتَيْنِ» سے یہ مراد نہیں ہے کہ دو مرتبہ نگاہ ڈال لیجیے، بلکہ یہاں یہ کثرت کے لیے ہے یعنی کثرت سے نگاہ ڈال لیجیے، بار بار نگاہ ڈال لیجیے، آپ کو ہماری بنائی ہوئی چیزوں کے اندر کبھی کوئی عیب دکھائی نہیں دے گا بھئی۔ تو اب دیکھو قرآن میں اللہ کیا فرما رہے ہیں: «ثُمَّ ارْجِعِ الْبَصَرَ كَرَّتَيْنِ»، یہاں «كَرَّتَيْنِ» مفعولِ مطلق آیا تثنیہ آیا بھئی اور یہ کثرت کے لیے ہے۔ اگر مفعولِ مطلق تثنیہ لائیں اور تثنیہ کا ہی ارادہ کریں تو بھی فعل کا حذف واجب نہیں، اور اگر مفعولِ مطلق تثنیہ لائیں اور ارادہ کس کا ہو کثرت کا ہو پھر حذف کب واجب ہے؟ اگر اس کی اضافت ہو جائے اپنے فاعل یا مفعول کی طرف۔ اور یہاں «كَرَّتَيْنِ» کے آگے کوئی اضافت نہیں ہو رہی کہ آگے اس کی اضافت ہو کس کی طرف فاعل یا مفعول کی طرف۔ اسی لیے اس کا فعل «ارْجِعْ» دیکھو ذکر ہے: «ثُمَّ ارْجِعِ الْبَصَرَ كَرَّتَيْنِ» تو یہ «ارْجِعْ» فعل یہاں ذکر ہے،

حذف واجب نہیں، کیونکہ یہ اپنے فاعل یا مفعول کی طرف مضاف نہیں۔

اور ہاں اپنے فاعل یا مفعول کی طرف مضاف ہو، تثنیہ ہے اور اپنے فاعل یا مفعول کی طرف مضاف ہے، پھر حذف واجب ہے، جیسے «لَبَّيْكَ»۔ دیکھو حاجی تلبیہ پڑھتے ہیں: «لَبَّيْكَ اللَّهُمَّ لَبَّيْكَ»، آج آپ کو صاحبِ کافیہ نے بتلا دیا کہ یہ جو «لَبَّيْكَ» ہے یہ دراصل مفعولِ مطلق ہے اور یہ تثنیہ ہے، تثنیہ ہے، اصل میں کیا ہے؟ «لَبَّيْنِ» حالتِ نصبی میں، اور پھر اس کی اضافت کر دی گئی کاف ضمیر کی طرف، تو وہ نون اضافت کی وجہ سے گر گیا تو کیا بن گیا؟ «لَبَّيْكَ» بھئی۔ بات سمجھ میں آ گئی؟ آپ کو صاحبِ جامی بتائیں گے کہ اصل عبارت یہ ہے: «أُلِبُّ لَكَ إِلْبَابَيْنِ»۔ اصل میں یہ کیا تھا؟ «أُلِبُّ لَكَ إِلْبَابَيْنِ»۔ «أَلَبَّ يُلِبُّ إِلْبَابًا» کے معنیٰ ہیں خدمت کے لیے حاضر رہنا۔ «أَلَبَّ يُلِبُّ إِلْبَابًا» کا کیا معنیٰ ہے؟ خدمت کے لیے، فرمانبرداری کے لیے اور اطاعت کے لیے حاضر رہنا۔ تو حاجی بھی وہاں پر کہتا ہے «لَبَّيْكَ اللَّهُمَّ لَبَّيْكَ» اے اللہ میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوں، اے اللہ میں آپ کی عبادت کے لیے حاضر ہوں، اے اللہ میں حاضر ہوں تاکہ آپ کے احکامات پر عمل کروں اور مسلسل ان پر عمل کرتا رہوں۔ تو دیکھو «لَبَّيْكَ» کا کیا معنیٰ؟ اے اللہ میں بار بار آپ کی خدمت اور عبادت کے لیے حاضر ہوں۔ دیکھو کتنا لمبا کلام ہے اور مختصر لفظوں کے اندر سمو دیا گیا، «لَبَّيْكَ» کا یہ معنیٰ ہے۔ بات سمجھ میں آ گئی؟ کہ اے اللہ میں بار بار حاضر ہوں، مسلسل حاضر ہوں آپ کی خدمت اور آپ کی عبادت اور آپ کے احکام پر عمل کرنے کے لیے۔

بات سمجھ میں آ گئی؟ تو یہ «لَبَّيْكَ» کیا ہے؟ دیکھو مفعولِ مطلق ہے، تثنیہ ہے اور مضاف ہو رہا ہے کس کی طرف؟ مفعول کی طرف، تو اس کے فعل کو حذف کرنا واجب ہے بھئی۔ اور صاحبِ جامی آپ کو بتلائیں گے کہ تقدیرِ عبارت ہے «أُلِبُّ لَكَ إِلْبَابَيْنِ»۔ «أُلِبُّ لَكَ» میں حاضر ہوں، «لَكَ» آپ کے لیے، «إِلْبَابَيْنِ» بار بار حاضر ہونا، دیکھو تثنیہ آ رہا ہے کثرت کے لیے، کثرت کے ساتھ حاضر ہوں۔ پھر اس کے بعد کیا کیا گیا؟ «أُلِبُّ» فعل کو حذف کر لیا گیا، باقی کیا رہ گیا؟ «لَكَ إِلْبَابَيْنِ»۔ پھر یہ «إِلْبَابَيْنِ»، یہ «إِلْبَاب» یہ ثلاثی مزید فیہ سے ہے اور اس کا مادہ کیا ہے؟ «لَبٌّ»۔ تو «إِلْبَاب» کے اندر شروع کا ہمزہ بھی زائد اور درمیان میں الف بھی زائد ہے، پھر اس «إِلْبَابَيْنِ» کے اندر جو زوائد تھے ان کو حذف کر دیا گیا اور اس کو ثلاثی مجرد کی طرف لوٹا دیا گیا۔ تو «إِلْبَابَيْنِ» سے کیا بن گیا؟ «لَبَّيْنِ»۔ شروع کا ہمزہ بھی گرایا اور درمیان سے الف بھی گرا دیا، تو «لَكَ لَبَّيْنِ» یہ رہ گیا بھئی، «لَكَ لَبَّيْنِ»۔ پھر اس کے اندر یہ لام جارہ کو حذف کیا گیا اور یہ کاف جو مفعول تھا اس کی طرف «لَبَّيْنِ» کی اضافت کر دی گئی اور نون پھر اضافت سے گر گیا، تو کیا رہ گیا؟ «لَبَّيْكَ»۔ بات سمجھ میں آ گئی؟ تو تقدیرِ عبارت کیا ہے؟ «أُلِبُّ لَكَ إِلْبَابَيْنِ»۔ طریقہ سمجھ میں آ گیا؟

اور یہ بھی احتمال ذکر کریں گے کہ ہو سکتا ہے یہ «لَبَّ بِالْمَكَانِ» سے ماخوذ ہو، «أُلِبُّ» سے نہ ماخوذ ہو، ثلاثی مزید سے نہ ہو بلکہ یہ ثلاثی مجرد سے ہی ہو۔ «لَبَّ يَلُبُّ بِالْمَكَانِ» کے معنیٰ ہوتے ہیں کسی جگہ ٹھہرنا، جمنا۔ تو یہاں پر بھی دیکھو اس کے اندر بھی کیا ذکر کیا جا رہا ہے کہ اے اللہ میں آپ کی عبادت کے لیے اپنی جگہ پر جما ہوا ہوں یعنی مسلسل آپ کی عبادت کے

لیے، آپ کی خدمت کے لیے میں حاضر ہوں بھئی۔ تو یہ «لَبَّ بِالْمَكَانِ» سے بھی ماخوذ ہو سکتا ہے۔ تو پھر اس صورت میں حذفِ زوائد کی حاجت ہی نہیں۔ بابِ افعال سے بناتے تو پھر تو اس میں زوائد تھے، اور اگر ثلاثی مجرد سے ہی اس کو بنا لیں «لَبَّ بِالْمَكَانِ» کے فعل سے اس کو بنا لیا جائے تو پھر تو حذفِ زوائد کی کوئی حاجت ہی نہیں ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ دیکھیے بھئی کتاب پر۔ کہتے ہیں: «وَمِنْهَا مَا وَقَعَ مُثَنًّى» اور ان جگہوں میں سے ایک وہ جگہ ہے جہاں مفعولِ مطلق تثنیہ ہو کر واقع ہو، «أَيْ عَلَى صِيغَةِ التَّثْنِيَةِ» یعنی تثنیہ کے صیغے پر ہو، «وَإِنْ لَمْ يَكُنْ لِلتَّثْنِيَةِ بَلْ لِلتَّكْرِيرِ وَالتَّكْثِيرِ» اگرچہ وہ تثنیہ کے لیے نہ ہو بلکہ تکرار اور تکثیر کے لیے ہو۔ مفعولِ مطلق آئے گا تو تثنیہ، صیغہ تثنیہ کا ہو گا، لیکن تثنیہ کے لیے نہیں ہو گا بلکہ تکرار اور تکثیر کے لیے، جیسے یعنی میں بار بار اے اللہ حاضر ہوں اور کثرت...

کے ساتھ میں حاضر ہوں۔

«وَلَا بُدَّ فِي تَتْمِيمِ هٰذِهِ الْقَاعِدَةِ» میں نے آپ کو بتلایا تھا صاحبِ کافیہ نے صرف کیا ذکر کیا؟ کہ اس کے اندر مفعولِ مطلق تثنیہ واقع ہو۔ اور حالانکہ ایک اور قید بھی ضروری تھی کہ اس کی اضافت ہو اپنے فاعل یا مفعول کی طرف، اس کو انہوں نے ذکر نہیں کیا۔ تو اب صاحبِ جامی اس کو ذکر کریں گے کہ اس قاعدے کی تکمیل ہو گی جب اس میں یہ بھی ذکر کر دیا جائے، اس کے بغیر یہ قاعدہ پورا نہیں ہے۔ تو کہتے ہیں: «وَلَا بُدَّ فِي تَتْمِيمِ هٰذِهِ الْقَاعِدَةِ مِنْ قَيْدِ الْإِضَافَةِ» اور ضروری ہے «فِي تَتْمِيمِهَا» «فِي تَتْمِيمِ هٰذِهِ الْقَاعِدَةِ»، تتمیم کا معنیٰ ہے تکمیل بھئی پورا کرنا، اور ضروری ہے اس قاعدے کی تکمیل میں یعنی اس کو پورا کرنے کے لیے «مِنْ قَيْدِ الْإِضَافَةِ» اضافت کی قید۔ اس میں اضافت کی قید ضروری ہے کہ مفعولِ مطلق تثنیہ بھی ہو اور اپنے فاعل یا مفعول کی طرف اس کی اضافت بھی ہو۔ «أَيْ مُثَنًّى مُضَافًا إِلَى الْفَاعِلِ أَوِ الْمَفْعُولِ» یعنی تثنیہ ہو جو کہ مضاف ہو رہا ہو «إِلَى الْفَاعِلِ أَوِ الْمَفْعُولِ» فاعل یا مفعول کی طرف، «لِئَلَّا يَرِدَ مِثْلُ قَوْلِهِ تَعَالَىٰ: ﴿ ثُمَّ ارْجِعِ الْبَصَرَ كَرَّتَيْنِ ﴾» تاکہ کہیں اعتراض وارد نہ ہو اللہ تعالیٰ کے اس جیسے قول کے ذریعے: «ثُمَّ ارْجِعِ الْبَصَرَ كَرَّتَيْنِ»۔ «أَيْ رَجْعًا مُكَرَّرًا كَثِيرًا» دیکھو «كَرَّتَيْنِ» تثنیہ آیا تھا لیکن صاحبِ جامی اس کا معنیٰ بیان کر رہے ہیں: «أَيْ رَجْعًا مُكَرَّرًا كَثِيرًا»۔ «رَجْعًا» لوٹنا دیکھو اسی «ارْجِعْ» سے «رَجْعًا» مفعولِ مطلق بنا لیا، اور «مُكَرَّرًا» یعنی جس میں تکرار ہو، «كَثِيرًا» جس کے اندر کثرت ہو، یعنی آپ بار بار کثرت کے ساتھ اپنی نگاہ ڈال لیجیے۔

«وَفِي جَعْلِ الْمِثَالِ مِنْ تَتِمَّةِ التَّعْرِيفِ لِإِفَادَةِ هٰذَا الْقَيْدِ تَكَلُّفٌ»۔ بھئی بعض شارحین نے اور جواب دیا۔ صاحبِ جامی نے تو کیا کہا؟ کہ صاحبِ کافیہ نے یہ ضابطہ پورا نہیں ذکر کیا، اس میں ایک اور قید بھی ہونی چاہیے کہ یہ مفعولِ مطلق جو تثنیہ واقع ہوا ہے اس کی اضافت بھی ہو رہی ہو اپنے فاعل یا مفعول کی طرف۔ بعض شارحین نے اور جواب دیا۔ انہوں نے کہا کہ کوئی قید لگانے کی ضرورت نہیں بلکہ آگے جو صاحبِ کافیہ نے مثالیں ذکر کیں «مِثْلُ لَبَّيْكَ وَسَعْدَيْكَ»، یہ بھی اس ضابطے کے ساتھ ہی جوڑ دیں۔ اس کو مثال نہ بنائیں، اس کو ضابطے کا حصہ بنا دیں۔ مثال تو ہوتی ہے نا ضابطے کی وضاحت کے لیے: پہلے ایک ضابطہ پورا ذکر کر دیا جاتا ہے اور اس کے بعد مثال کے ذریعے اس کی وضاحت کی جاتی ہے۔ لیکن بعضِ

شارحین نے جواب یہ دیا کہ مثال کو الگ نہ کریں ضابطے سے، مثال کو ہی ضابطے کا تتمہ بنا دیں، مثال کو ہی ضابطے کا تتمہ بنا دیں، ضابطے کا آخری حصہ بنا دیں، اس کو ضابطے کے ساتھ جوڑ دیں۔ تو جب مثال کو آپ جوڑ دیں گے تو مثال کے اندر تو اضافت ہو رہی ہے: «لَبَّيْكَ» اور «سَعْدَيْكَ» دونوں کے اندر اضافت ہو رہی ہے تو اس مثال سے...

خود ہی بات سمجھ میں آ رہی تھی، اس لیے صاحبِ کافیہ نے باقی بات کو لفظوں کے اندر ذکر نہیں کیا۔ کیا کہا؟ اب جوڑو ذرا مثال کو: «وَمِنْهَا مَا وَقَعَ مُثَنًّى» اور ان جگہوں میں سے ایک وہ جگہ ہے جہاں مفعولِ مطلق تثنیہ واقع ہو «مِثْلُ لَبَّيْكَ وَسَعْدَيْكَ» جیسے کہ لبیک اور سعدیک واقع ہو رہے ہیں اپنے فاعل یا مفعول کی طرف مضاف ہو کر۔ دیکھو اب بات پوری ہو گئی۔ تو اس مثال کو کیا کریں؟ ضابطے ہی کا حصہ بنا دیں۔ تو صاحبِ جامی کہیں گے نہیں بھئی، مثال کو ضابطے کا حصہ بنانا اس میں تکلف ہے۔ تکلف کسے کہتے ہیں؟ بات کو بنانا، بناوٹی بات، یعنی اس میں تکلف کرنا پڑے گا، ایک بات بنانی پڑے گی، بن نہیں رہی لیکن بنانی پڑے گی کہ اس کو ضابطے کا حصہ بنانا پڑے گا۔ حالانکہ ضابطہ تو ہمیشہ الگ ذکر ہوتا ہے اور پھر مثال کے ذریعے اس کی وضاحت کی جاتی ہے، نہ یہ کہ مثال کو ہی اس ضابطے کا حصہ بنا دیا جائے۔ بات سمجھ میں آ گئی؟ تو کہتے ہیں: «وَفِي جَعْلِ الْمِثَالِ مِنْ تَتِمَّةِ التَّعْرِيفِ» اور بنانا مثال کو تعریف کے تتمے میں سے «لِإِفَادَةِ هٰذَا الْقَيْدِ» تاکہ یہ مثال فائدہ دے اس قید کا، اور اس مثال کو اس تعریف کا تتمہ بنانا (تتمہ جس پر کسی چیز کی تکمیل ہو رہی ہو)، اس مثال کو تعریف کا تتمہ بنانا «لِإِفَادَةِ هٰذَا الْقَيْدِ» تاکہ یہ فائدہ دے اس قید کا، «تَكَلُّفٌ» یہ تکلف ہے بھئی، اس کے اندر تکلف ہے۔ تو بہرحال اپنا اپنا طریقہ ہے، دونوں طریقوں سے جواب ہو سکتا ہے۔ صاحبِ جامی کو وہ بات پسند تھی کہ یہ قید باقاعدہ لفظوں میں ذکر ہونی چاہیے، جبکہ بعضوں نے کیا جواب دے دیا کہ لفظوں میں ذکر کی حاجت ہی نہیں، وہی مثال کو ہی ضابطے کا حصہ بنا دو پوری بات سمجھ میں آ جاتی ہے۔

تو کہتے ہیں: «مِثْلُ لَبَّيْكَ، أَصْلُهُ:أُلِبُّ لَكَ إِلْبَابَيْنِ» اس کی اصل کیا ہے؟ «أُلِبُّ لَكَ إِلْبَابَيْنِ»۔ «أَلَبَّ يُلِبُّ» کا کیا معنیٰ؟ خدمت میں حاضر ہونا۔ «أَيْ أُقِيمُ لِخِدْمَتِكَ وَامْتِثَالِ أَمْرِكَ وَلَا أَبْرَحُ عَنْ مَكَانِي إِقَامَةً كَثِيرَةً مُتَتَالِيَةً»۔ «أَيْ أُقِيمُ لِخِدْمَتِكَ» اے اللہ میں آپ کی خدمت کے لیے کھڑا ہوں، «وَامْتِثَالِ أَمْرِكَ» امتثال کہتے ہیں حکم پر عمل کرنا، «وَامْتِثَالِ أَمْرِكَ» اور آپ کے حکم پر عمل کرنے کے لیے، آپ کے حکم کی تابعداری کرنے کے لیے، «وَلَا أَبْرَحُ عَنْ مَكَانِي» اور میں نہیں ہٹوں گا اپنی جگہ سے، یعنی جما رہوں گا مسلسل آپ کی خدمت میں اور آپ کی عبادت کے لیے حاضر رہوں گا۔ «إِقَامَةً كَثِيرَةً مُتَتَالِيَةً» دیکھا یہ اب وہ معنیٰ بیان کر رہے ہیں، مفعولِ مطلق تثنیہ آیا تھا نا تو یہاں پر کون سا فعل ذکر ہے؟ «أُقِيمُ»۔ تو یہاں پر «إِقَامَةً» مفعولِ مطلق لے آئے: قائم ہونا، «كَثِيرَةً» کثرت کے ساتھ، «مُتَتَالِيَةً» مسلسل، بار بار بھئی۔

تو اب دیکھو ترجمہ کس طرح کریں گے؟ یہ «إِقَامَةً كَثِيرَةً مُتَتَالِيَةً» یہ مفعولِ مطلق ہے بھئی۔ اور میں نے آپ کو بتلایا تھا مفعولِ مطلق کا الگ ترجمہ نہیں کرتے۔ «ضَرَبْتُ ضَرْبًا» طلبہ اس کا ترجمہ عموماً کیا کرتے ہیں؟ «ضَرَبْتُ» میں نے مارا، «ضَرْبًا» مارنا۔ میں نے مارا مارنا۔ بھئی مفعولِ مطلق کا الگ ترجمہ نہیں کرتے، اس کو اسی جملے کے اندر اسی فعل کے ساتھ

لے جاتے ہیں۔ جیسے مثلاً میں کہتا ہوں «ضَرَبْتُ ضَرْبًا شَدِيدًا»، تو طلبہ عموماً کیا ترجمہ کرتے ہیں؟ «ضَرَبْتُ» میں نے مارا، «ضَرْبًا شَدِيدًا» سخت مارنا۔ نہیں بھئی مفعولِ مطلق کو اسی فعل کے ساتھ جوڑ دو: «ضَرَبْتُ ضَرْبًا شَدِيدًا» کیا ترجمہ ہو گا؟ میں نے سخت پٹائی کی، یا میں نے شدت کے ساتھ مارا۔ تو یہاں پر بھی یہ «إِقَامَةً كَثِيرَةً مُتَتَالِيَةً» اس سارے کو لے جائیں «أَيْ أُقِيمُ لِخِدْمَتِكَ» وہاں پر جوڑ دیں۔ اب سنو ترجمہ: «أَيْ أُقِيمُ لِخِدْمَتِكَ» یعنی اے اللہ میں کثرت کے ساتھ بار بار آپ کی خدمت کے لیے کھڑا ہوں «وَامْتِثَالِ أَمْرِكَ» اور آپ کے حکم کی تعمیل کرنے کے لیے «وَلَا أَبْرَحُ عَنْ مَكَانِي» اور میں اپنی جگہ سے نہیں ہٹوں گا یعنی مسلسل آپ کی حکم کی تعمیل میں لگا رہوں گا۔

«فَحُذِفَ الْفِعْلُ» جی، تو تقدیرِ کلام کیا تھی؟ «أُلِبُّ لَكَ إِلْبَابَيْنِ»۔ اب اس سے لبیک کیسے بنا؟ اب وہ بیان کرنے لگے ہیں۔ کہتے ہیں: «فَحُذِفَ الْفِعْلُ وَأُقِيمَ الْمَصْدَرُ مَقَامَهُ» تو «أُلِبُّ» فعل کو حذف کر لیا گیا «وَأُقِيمَ الْمَصْدَرُ مَقَامَهُ» اور مصدر کو اس کا قائم مقام کر دیا گیا۔ جب مصدر اس کا قائم مقام ہو گیا اب فعل کو آپ ذکر نہیں کر سکتے، کیونکہ اصل یا نائب میں سے ایک وقت میں ایک آ سکتا ہے۔ تو جب مصدر کو اس فعل کا قائم مقام کر دیا اب اس فعل کو ذکر نہیں کر سکتے۔ تو کہتے ہیں: «فَحُذِفَ الْفِعْلُ وَأُقِيمَ الْمَصْدَرُ مَقَامَهُ» تو فعل کو حذف کر لیا گیا اور اس مصدر کو اس کا قائم مقام کر دیا گیا، «وَرُدَّ إِلَى الثُّلَاثِيِّ بِحَذْفِ زَوَائِدِهِ» اور پھر اس مصدر کو لوٹا دیا گیا ثلاثی مجرد کی طرف «بِحَذْفِ زَوَائِدِهِ» اس کے زوائد کو حذف کرتے ہوئے، «ثُمَّ حُذِفَ حَرْفُ الْجَرِّ مِنَ الْمَفْعُولِ وَأُضِيفَ الْمَصْدَرُ إِلَيْهِ» پھر حرفِ جر کو مفعول سے حذف کر لیا گیا «وَأُضِيفَ الْمَصْدَرُ إِلَيْهِ» اور مصدر کی اس مفعول کی طرف اضافت کر لی گئی۔ تو کیا بن گیا؟ کیا طریقہ ذکر کیا؟ «أُلِبُّ لَكَ إِلْبَابَيْنِ»۔ «أُلِبُّ» فعل کو حذف کر دیا گیا، پھر «لَكَ إِلْبَابَيْنِ» رہ گیا۔ پھر اس «إِلْبَابَيْنِ» کو مجرد کی طرف لے گئے، مجرد کی طرف لے گئے، کیا بن گیا؟ «لَبَّيْنَ»، ہمزہ شروع سے گرا دیا اور درمیان سے الف، «لَبَّيْنَ»۔ تو کیا بن گیا پورا؟ «لَكَ لَبَّيْنَ»۔ پھر اس حرفِ جر کو حذف کر لیا گیا اور یہ کاف کی طرف «لَبَّيْنَ» کی اضافت کر دی گئی تو کیا بن گیا؟ «لَبَّيْكَ»۔ طریقہ سمجھ میں آ گیا؟ تو کہتے ہیں: «ثُمَّ حُذِفَ حَرْفُ الْجَرِّ مِنَ الْمَفْعُولِ وَأُضِيفَ الْمَصْدَرُ إِلَيْهِ» پھر حرفِ جر کو حذف کر لیا گیا مفعول سے «وَأُضِيفَ الْمَصْدَرُ إِلَيْهِ» اور مصدر کی اس کی طرف اضافت کر دی گئی۔

«وَيَجُوزُ أَنْ يَكُونَ مِنْ «لَبَّ بِالْمَكَانِ»» اور یہ بھی جائز ہے کہ یہ لبیک جو ہے یہ «لَبَّ بِالْمَكَانِ» سے ہو یعنی اس سے لیا گیا ہو۔ «أُلِبُّ» بابِ افعال سے نہ ہو بلکہ «لَبَّ بِالْمَكَانِ» یعنی ثلاثی مجرد سے ہی ہو۔ تو پھر اس صورت میں حذفِ زوائد کی ضرورت ہی نہیں کیونکہ جب ثلاثی مجرد سے ہے تو زوائد تو ہیں ہی نہیں۔ «لَبَّ بِالْمَكَانِ» کا معنیٰ بھی کسی جگہ پر رہنا، کسی جگہ پر ٹھہرنا، اس جگہ پر قرار پکڑنا، اس جگہ پر جم جانا۔ اور اسی طرح «أُلِبُّ بِالْمَكَانِ» بھی استعمال ہوتا ہے، اس کا بھی یہی معنیٰ ہے۔ تو پھر اس صورت میں دیکھو لب اسی أُلِبُّ کے معنیٰ میں ہوا بھئی۔ تو کہتے ہیں: «وَيَجُوزُ أَنْ يَكُونَ مِنْ «لَبَّ بِالْمَكَانِ» بِمَعْنَىٰ أَلَبَّ» اور یہ بھی جائز ہے کہ یہ جو ہے لبیک جو ہے «لَبَّ بِالْمَكَانِ» سے اخذ کیا گیا ہو «بِمَعْنَىٰ أَلَبَّ» یہ «لَبَّ بِالْمَكَانِ» کس

معنیٰ میں ہے؟ ألبّ، اس کا بھی یہی معنیٰ آتا ہے، «فَلَا يَكُونُ مَحْذُوفَ الزَّوَائِدِ» تو اس صورت میں یہ محذوف الزوائد نہیں ہو گا یعنی اس میں سے زائد حذف نہیں کیے گئے۔

«وَعَلَىٰ هٰذَا الْقِيَاسِ «سَعْدَيْكَ»» اور اسی قیاس پر سعدیک بھی ہے: «أَيْ أُسْعِدُكَ إِسْعَادًا بَعْدَ إِسْعَادٍ»۔ دیکھو سعدیک وہی مفعولِ مطلق ہے، تثنیہ ہے اور اپنے مفعول کی طرف مضاف ہو رہا ہے۔ یہ «أَسْعَدَ يُسْعِدُ إِسْعَادًا» سے ہے۔ «أَسْعَدَ يُسْعِدُ» کا معنیٰ ہے کسی کی مدد کرنا۔ دیکھو تقدیرِ عبارت نکال رہے ہیں صاحبِ جامی: «أَيْ أُسْعِدُكَ إِسْعَادًا بَعْدَ إِسْعَادٍ» کہ میں آپ کی مدد کرتا ہوں «إِسْعَادًا بَعْدَ إِسْعَادٍ» ایک مدد کے بعد دوسری مدد یعنی کثرت کے ساتھ بار بار میں آپ کی مدد کرتا ہوں۔ معنیٰ سمجھ میں آگیا؟ تو یہ مخاطب مثلاً کسی سے کہتا ہے «سَعْدَيْكَ» یعنی میں مسلسل آپ کی مدد کرتا رہتا ہوں، میں مسلسل آپ کی مدد میں لگا رہوں گا۔ تو یہاں پر یہ بھی کثرت بیان کرنے کے لیے ہے۔ دیکھیے بھئی کتاب پر: «سَعْدَيْكَ أَيْ أُسْعِدُكَ إِسْعَادًا بَعْدَ إِسْعَادٍ» دیکھو صاحبِ جامی تفسیر کر رہے ہیں کہ «أُسْعِدُكَ» میں آپ کی مدد کرتا ہوں «إِسْعَادًا بَعْدَ إِسْعَادٍ» ایک مدد کے بعد دوسری مدد یعنی بار بار اور کثرت کے ساتھ۔ «بِمَعْنَىٰ أُعِينُكَ» دیکھو معنیٰ بیان کر دیا: «أُسْعِدُكَ» کا کیا معنیٰ؟ «أُعِينُكَ» میں آپ کی مدد کرتا ہوں۔

«إِلَّا أَنَّ «أَسْعَدَ» يَتَعَدَّىٰ بِنَفْسِهِ بِخِلَافِ «أَلَبَّ» فَإِنَّهُ يَتَعَدَّىٰ بِاللَّامِ»۔ یہاں سے فرق بیان کر رہے ہیں کہ آپ کہیں گے کہ لبیک اس کی اصل آپ نے ہمیں کیا بتلائی تھی؟ «أُلِبُّ لَكَ إِلْبَابَيْنِ» وہاں آپ لام بھی لے کر آئے تھے، اور یہاں آپ نے کیا کہا؟ «أُسْعِدُكَ إِسْعَادًا بَعْدَ إِسْعَادٍ» یہاں آپ لام نہیں لائے حالانکہ یہاں بھی آپ کو کیا کہنا چاہیے تھا؟ «أُسْعِدُ لَكَ» کہنا چاہیے تھا۔ تو صاحبِ جامی بتلا رہے ہیں کہ بھئی دونوں فعلوں میں فرق ہے۔ «أَلَبَّ يُلِبُّ» وہ فعلِ لازم تھا، وہ فعلِ لازم تھا، اور فعلِ لازم جو ہے وہ براہِ راست مفعول کو نصب نہیں دے سکتا، تو پھر حروفِ جارہ کا سہارا لیا جاتا ہے۔ جیسے «ذَهَبَ» کا معنیٰ جانا۔ اب میں زید کو اس «ذَهَبَ» کا مفعول بنانا چاہتا ہوں، لیکن «ذَهَبَ زَيْدًا» میں یہ نہیں کہہ سکتا کیونکہ ذھب فعلِ لازم ہے، یہ مفعول کو نصب دے ہی نہیں سکتا۔ تو پھر ایک صورت یہ ہے کہ اس کو بابِ افعال میں لے جاتے ہیں «أَذْهَبْتُ زَيْدًا»، یا حرفِ جر کا سہارا لے لیا جاتا ہے «ذَهَبْتُ بِزَيْدٍ»۔ «ذَهَبْتُ بِزَيْدٍ» کا کیا معنیٰ؟ میں زید کو لے گیا۔ تو یہ زید، یہ ذھب کے لیے مفعولِ بہ ہے، البتہ یہ مفعولِ بہ غیرِ صریح ہے۔ ایک ہوتا ہے مفعولِ بہ صریح جس کو فعل نصب دیتا ہے، صاف لفظوں میں نصب کا پتہ چلتا ہے، اور ایک مفعولِ بہ غیرِ صریح ہے جس میں فعل براہِ راست عمل نہیں کر سکتا تو پھر حرفِ جر کی مدد لی جاتی ہے، تو یہ بھی مفعولِ بہ ہی ہے بھئی۔ تو کہتے ہیں دیکھو «أَلَبَّ» جو تھا وہ فعلِ لازم تھا، وہ مفعول کو براہِ راست نصب نہیں دے سکتا تھا تو وہاں لام کا سہارا لیا گیا، اسی لیے «أُلِبُّ لَكَ» کہا گیا۔ جبکہ «أَسْعَدَ يُسْعِدُ إِسْعَادًا» یہ تو فعلِ متعدی ہے، یہ تو مفعول کو براہِ راست نصب دے سکتا ہے، اس لیے یہاں لام وغیرہ لانے کی کوئی حاجت نہیں بلکہ «أُسْعِدُكَ» کاف کو براہِ راست یہ نصب دے رہا ہے، یہ براہِ راست اس کے لیے مفعولِ بہ ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو کہتے ہیں: «إِلَّا أَنَّ «أَسْعَدَ» يَتَعَدَّىٰ بِنَفْسِهِ» مگر یہ بات ہے کہ اسعد فعل جو ہے «يَتَعَدَّىٰ بِنَفْسِهِ» وہ خود متعدی ہے «بِخِلَافِ «أَلَبَّ»

فَإِنَّهُ يَتَعَدَّىٰ بِاللَّامِ» بخلاف ألبّ کے، اس لیے کیونکہ وہ تو لام کے ذریعے متعدی ہوتا ہے، لام کے بغیر متعدی نہیں، یعنی وہ براہِ راست خود نصب نہیں دے سکتا مفعول کو۔

آگے دیکھیے بھئی۔ کہتے ہیں: «الْمَفْعُولُ بِهِ هُوَ مَا وَقَعَ أَيْ هُوَ اسْمُ مَا وَقَعَ عَلَيْهِ فِعْلُ الْفَاعِلِ»۔ جی اب مفعولِ بہ آگیا، مفعولِ مطلق کی بحث مکمل ہوئی بھئی۔ اچھا پہلے متن متن دیکھیے بھئی۔ کہتے ہیں: «الْمَفْعُولُ بِهِ هُوَ مَا وَقَعَ عَلَيْهِ فِعْلُ الْفَاعِلِ» یہ مفعولِ بہ جو ہے وہ چیز ہے، یہاں اسم کا لفظ مضاف محذوف ہے، «هُوَ اسْمُ مَا» مفعولِ بہ جو ہے وہ اس چیز کا نام ہے «وَقَعَ عَلَيْهِ فِعْلُ الْفَاعِلِ» جس پر فاعل کا فعل واقع ہو۔ «ضَرَبْتُ زَيْدًا» یہ زیداً کیا ہے؟ مفعولِ بہ ہے کیونکہ اس پر یہ ضربت کا فعل واقع ہوا ہے۔ عبارت سمجھ میں آرہی ہے بھئی؟ کہتے ہیں: «الْمَفْعُولُ بِهِ هُوَ مَا وَقَعَ عَلَيْهِ فِعْلُ الْفَاعِلِ» مفعولِ بہ وہ نام ہے اس چیز کا جس پر فاعل کا فعل واقع ہو بھئی۔ تو «ضَرَبْتُ زَيْدًا» یہ زیداً مفعولِ بہ ہے بھئی۔

اور پھر صاحبِ جامی آپ کو بتلائیں گے کہ واقع ہونے سے واقع ہونا مراد نہیں ہے بلکہ تعلق مراد ہے کہ فعل کا اس چیز کے ساتھ تعلق ہو بھئی، فعل کا اس چیز کے ساتھ تعلق ہو بھئی۔ اس لیے کیونکہ مثلاً آپ کہتے ہیں: «إِيَّاكَ نَعْبُدُ» اے اللہ ہم آپ ہی کی عبادت کرتے ہیں۔ تو «نَعْبُدُ» فعل ہے، اس کے اندر «نَحْنُ» ضمیر مرفوع محلاً فاعل اور ماقبل میں جو «إِيَّاكَ» آیا یہ ہے مفعولِ بہ، یہ ہے منصوب محلاً۔ «إِيَّاكَ نَعْبُدُ» اے اللہ ہم آپ ہی کی عبادت کرتے ہیں۔ اب دیکھو یہاں «إِيَّاكَ» مفعولِ بہ ہے اور یہاں اس سے مراد اللہ تعالیٰ کی ذات ہے، اور یہاں آپ کی عبادت اللہ کی ذات پر واقع نہیں ہوتی، تو عبادت اللہ کی ذات پر واقع نہیں ہوتی بلکہ اللہ کے لیے عبادت کی جاتی ہے۔ تو اگر واقع ہونے کا معنیٰ واقع ہونے کے کر لیں تو پھر اس جیسی مثالیں تو نکل جائیں گی: «إِيَّاكَ نَعْبُدُ» اس کے اندر «إِيَّاكَ» بالاتفاق مفعولِ بہ ہے، لیکن آپ نے کیا تعریف کی مفعولِ بہ کی؟ جس پر فاعل کا فعل واقع ہو، حالانکہ اللہ تعالیٰ کی ذات پر تو عبادت کا فعل واقع نہیں ہوتا بھئی، تو عبادت کا تعلق ہے اللہ تعالیٰ سے، یا عبادت اللہ کے لیے کی جاتی ہے۔ تو اس لیے صاحبِ جامی آپ کو بتلائیں گے کہ بھئی واقع ہونے سے مراد ہے تعلق بھئی کہ فعل کا اس کے ساتھ تعلق ہو بھئی۔ اور ظاہر سی بات ہے «إِيَّاكَ نَعْبُدُ» دیکھو یہ عبادت کا تعلق ہے اللہ کی ذات سے کہ اللہ کے لیے یہ عبادت کی جا رہی ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ یا دوسری مثال لے لیں: «دَعَوْتُ اللَّهَ» میں نے اللہ سے دعا کی۔ میں نے اللہ سے دعا کی۔ اب «دَعَوْتُ» کے لیے لفظِ اللہ آگے مفعولِ بہ بن رہا ہے، لیکن کیا ہماری دعا اللہ کی ذات پر واقع ہوتی ہے؟ یا دعا کا اللہ سے تعلق ہے بھئی؟ تعلق ہے بھئی، اللہ سے دعا کی جا رہی ہے، اللہ سے مانگا جا رہا ہے۔ تو لہٰذا معلوم ہوا کہ یہ جو تعریف کے اندر آیا کہ جس پر فاعل کا فعل واقع ہو، واقع ہونے سے کیا مراد ہے؟ فعل کا تعلق مراد ہے کہ فعل کا اس کے ساتھ تعلق ہو۔ اور اس تقریر سے «مَا ضَرَبْتُ زَيْدًا» جیسا اشکال بھی ختم ہوا: «مَا ضَرَبْتُ زَيْدًا» میں نے زید کی پٹائی...

پٹائی نہیں کی۔ اب اس جملے کے اندر یہ «زَيْدًا» منصوب ہے، اور کیوں منصوب ہے «مَا ضَرَبْتُ زَيْدًا»؟ کیونکہ یہ مفعولِ

بہ ہے۔ تو «زَیْدًا» تو مفعولِ بہ ہے، حالانکہ آپ نے ہمیں کیا بتایا مفعولِ بہ کسے کہتے ہیں؟ جس پر فاعل کا فعل واقع ہو، اور یہاں پر تو متکلم کیا کہہ رہا ہے «مَا ضَرَبْتُ زَیْدًا» میں نے زید کی پٹائی نہیں کی، معلوم ہوا اس پر ضرب واقع نہیں ہے۔ تو صاحبِ جامی نے بتلا دیا کہ بھئی واقع ہونے سے مراد فعل کا تعلق ہے، اور پھر تعلق ہونا عام ہے: چاہے فعلِ مثبت کا تعلق ہو چاہے فعلِ منفی کا تعلق ہو، تو یہ بھی اس کے اندر داخل ہو گیا۔ اور پھر یہ بھی یاد رکھنا تعلقِ اولیٰ مراد ہے۔ کیا مراد ہے؟ تعلقِ اولیٰ مراد ہے، یعنی اس تعلقِ اولیٰ کا معنیٰ یہ ہے کہ اس کے بغیر فعل کا معنیٰ سمجھ میں ہی نہ آئے، یعنی اس کے بغیر فعل ہو ہی نہ سکے۔ جیسے «ضَرَبْتُ زَیْدًا» دیکھو ضرب کے لیے جیسے ایک ضارب چاہیے، ایک مضروب بھی چاہیے، مضروب کے بغیر ضرب ہو ہی نہیں سکتی۔ تو «ضَرَبْتُ زَیْدًا» یہ «زَیْدًا» کیا ہے؟ مفعولِ بہ ہے، یہ مضروب ہے، اس کے بغیر ضرب کے فعل کا تعقل ہی نہیں ہو سکتا، اس کے بغیر ضرب کا فعل پایا ہی نہیں جا سکتا۔ ہاں «ضَرَبْتُ زَیْدًا» لفظوں سے آپ زید کو بے شک حذف کر دیں اور یوں کہیں «ضَرَبْتُ»۔ «ضَرَبْتُ» میں نے پٹائی کی، لیکن جو بھی سنے گا اس جملے کو «ضَرَبْتُ»، وہ فوراً سمجھ جائے گا آپ نے پٹائی کی ہے تو کوئی مضروب بھی ہو گا، بغیر مضروب کے اس ضرب کا تعقل ہی نہیں ہو سکتا۔ بات سمجھ میں آ رہی ہے؟ کیا آپ مجھے کوئی مثال دکھا سکتے ہیں ضرب ہو مضروب کوئی نہ ہو؟ نہیں ایسی کوئی مثال نہیں کیونکہ ضرب بغیر مضروب کے ہو ہی نہیں سکتی۔ اسی طرح کیا کوئی ایسی مثال مجھے دکھا سکتے ہیں کہ شرب ہو لیکن مشروب کوئی نہ ہو؟ نہیں بھئی شرب بغیر مشروب کے ہو ہی نہیں سکتا بھئی۔ اسی طرح اکل ہو چھوٹے کاف کے ساتھ یعنی کھانا، اکل ہو اور ماکول یعنی کوئی کھائی جانے والی چیز جو ہے وہ نہ ہو، ایسا نہیں ہو سکتا۔ تو مفعول کے بغیر فعل کا تعقل ہی نہیں ہو سکتا، ہماری سمجھ میں ہی نہیں آ سکتا بھئی۔ تو کیا معنیٰ کیا کہ واقع ہونے سے کیا مراد ہے؟ فعل کا اس کے ساتھ تعلق ہو اور تعلق کون سا مراد ہے؟ تعلقِ اولیٰ مراد ہے، یعنی جس کے بغیر فعل کا تعقل نہ ہو سکے۔

لہٰذا حال، تمیز وغیرہ، مستثنیٰ یہ نکل گئے۔ حال جو فاعل یا مفعول کی حالت بیان کرتا ہے، تمیز جو کسی چیز سے ابہام کو دور کرتی ہے، اور مستثنیٰ جس کو ماقبل کے حکم سے نکالا جائے، یہ چیزیں نکل گئیں، کیونکہ ان کا بھی فعل کے ساتھ تعلق تو ہے، فعل ان سب کو نصب تو دیتا ہے، لیکن فعل کا تعقل ان کے تعقل پر موقوف نہیں ہے۔ حال، تمیز اور مستثنیٰ اس کے بغیر بھی فعل سمجھ میں آتا ہے۔ «ضَرَبْتُ زَیْدًا» میں نے زید کی پٹائی کی، دیکھو نہ یہاں پر حال ہے، نہ مستثنیٰ ہے، نہ تمیز ہے، کوئی چیز بھی نہیں ہے اور بات ہمیں پوری سمجھ میں آ رہی ہے «ضَرَبْتُ زَیْدًا» کہ متکلم نے زید کی پٹائی کی ہے۔ بات سمجھ میں آ گئی؟

تو کہتے ہیں: «اَلْمَفْعُولُ بِهِ هُوَ مَا وَقَعَ عَلَيْهِ فِعْلُ الْفَاعِلِ، نَحْوُ: ضَرَبْتُ زَيْدًا» مفعولِ بہ اس چیز کا نام ہے جس پر فاعل کا فعل واقع ہو، «نَحْوُ: ضَرَبْتُ زَيْدًا» جیسے «ضَرَبْتُ زَیْدًا» تو یہ «زَیْدًا» مفعولِ بہ ہے بھئی۔

اب دیکھیے شرح کے ساتھ بھئی۔ کہتے ہیں: «اَلْمَفْعُولُ بِهِ هُوَ مَا وَقَعَ أَيْ هُوَ اسْمُ مَا وَقَعَ» مفعولِ بہ جو ہے «هُوَ مَا وَقَعَ

أَيْ هُوَ اسْمُ مَا وَقَعَ»۔ «مَا وَقَعَ» سے پہلے صاحبِ جامی نے اسم کا لفظ مضاف محذوف نکال کر بتلا دیا کہ مفعولِ بہ ما وقع نہیں ہے بلکہ ما وقع کا نام ہے بھئی، وہ ما وقع نہیں ہے بلکہ ما وقع کا نام جو ہے اس کو مفعولِ بہ کہتے ہیں۔ مثلاً دیکھو بھئی ما وقع وہ تو کبھی ذات ہوگی اور کبھی معنیٰ ہوگا۔ «ضَرَبْتُ زَيْدًا» میں نے کس کی پٹائی کی؟ زید کی۔ تو خارج میں اور واقع کے اندر میں نے زید کی پٹائی کی۔ تو کیا مفعولِ بہ وہ زید کی ذات ہے یا «ضَرَبْتُ زَيْدًا» کے اندر یہ جو «زَيْدًا» لفظ ہے یہ مفعولِ بہ ہے؟ یہ جو لفظ ہے «ضَرَبْتُ زَيْدًا» یہ جو «زَيْدًا» لفظ ہے یہ مفعولِ بہ ہے، وہ جو خارج میں زید کی ذات ہے وہ مفعولِ بہ نہیں ہے بھئی۔ اور اسی طرح کبھی وہ مفعولِ بہ معنیٰ ہوگا بھئی، مفعولِ بہ مثلاً: «أَحْدَثْتُ الضَّرْبَ»۔ «أَحْدَثْتُ الضَّرْبَ» میں نے اس ضرب کو وجود دیا۔ تو «أَحْدَثْتُ» فعل و فاعل اور «الضَّرْبَ» مفعولِ بہ ہے، اور ضرب یہ مفعولِ بہ بن رہا ہے حالانکہ ضرب تو ایک معنیٰ کا نام ہے، یہ مصدر ہے بھئی۔ میں نے بتایا تھا مصدر کا خارج میں کوئی وجود نہیں، یہ کسی کی صفت ہوتی ہے، یہ ایک معنوی چیز ہے، خارج میں یہ ہمیں دکھائی نہیں دیتی کیونکہ اس کا اپنا الگ وجود ہی نہیں۔ تو «أَحْدَثْتُ الضَّرْبَ» یہ «الضَّرْبَ» کیا ہے؟ مفعولِ بہ ہے، اور یہ ضرب مصدر ہے، معنیٰ ہے، تو اس مثال میں دیکھو ضرب جو مفعولِ بہ ہے وہ تو ایک معنیٰ ہے بھئی۔ توجہ ہے؟ تو وہ جو «أَحْدَثْتُ الضَّرْبَ» تو وہ جو معنیٰ ہے وہ مفعولِ بہ نہیں ہے بلکہ یہ جو لفظِ ضرب جس کے ساتھ اس کو میں نے ذکر کیا یہ ضرب مفعولِ بہ ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو یہاں پر بھی «مَا وَقَعَ» سے پہلے اسم کا لفظ مضاف محذوف نکالیں گے کہ مفعولِ بہ وہ ما وقع کا اسم ہے بھئی، تو یہ لفظ کی قبیل سے ہے۔ چنانچہ اسی لیے نحوی اس کے بارے میں بحث کرتا ہے کیونکہ نحوی عربی الفاظ کے بارے میں بحث کرتا ہے، تو جب یہ اسم ہے تو یہ بھی لفظ ہوا تو اس کے بارے میں اس لیے نحوی بحث کرتا ہے۔ تو کہتے ہیں: «الْمَفْعُولُ بِهِ هُوَ مَا وَقَعَ أَيْ هُوَ اسْمُ مَا وَقَعَ» تو مفعولِ بہ نام ہے اس چیز کا «وَقَعَ عَلَيْهِ فِعْلُ الْفَاعِلِ» جس پر فاعل کا فعل واقع ہو۔

«وَلَمْ يَذْكُرِ الِاسْمَ» بھئی صاحبِ جامی نے اسم کا لفظ مضاف محذوف نکالا، تو صاحبِ کافیہ نے کیوں نہیں ذکر کیا؟ اب اس کی وجہ ذکر کر رہے ہیں کہ بھئی صاحبِ کافیہ نے مفعولِ مطلق کے اندر اسم کا لفظ ذکر کر دیا تھا، تو لہٰذا اس لیے اسی پر اکتفا کرتے ہوئے دوبارہ اس کو ذکر نہیں کیا کہ پڑھنے والا خود سمجھ جائے گا۔ تو کہتے ہیں: «وَلَمْ يَذْكُرِ الِاسْمَ» اور صاحبِ کافیہ نے اسم کو ذکر نہیں فرمایا «اكْتِفَاءً بِمَا سَبَقَ فِي الْمَفْعُولِ الْمُطْلَقِ» اکتفا کرتے ہوئے اس پر جو ماقبل میں گزر گیا تھا مفعولِ مطلق کے اندر۔

«وَالْمُرَادُ بِوُقُوعِ فِعْلِ الْفَاعِلِ عَلَيْهِ تَعَلُّقُهُ بِهِ بِلَا وَاسِطَةِ حَرْفِ الْجَرِّ» اور مراد جو ہے فاعل کے فعل کے واقع ہونے سے «عَلَيْهِ» اس مفعولِ بہ پر۔ ترجمہ سمجھ میں آرہا ہے؟ «وَالْمُرَادُ بِوُقُوعِ فِعْلِ الْفَاعِلِ عَلَيْهِ» اور فاعل کے فعل کے اس مفعولِ بہ پر واقع ہونے سے مراد جو ہے «تَعَلُّقُهُ بِهِ» وہ اس فعل کا تعلق ہے اس مفعولِ بہ کے ساتھ، کہ فعل کا واقع ہونے سے واقع ہونا مراد نہیں ہے بلکہ تعلق مراد ہے، «بِلَا وَاسِطَةِ حَرْفِ الْجَرِّ» اور یہ تعلق بغیر واسطہِ حرفِ جر کے ہو یعنی درمیان

میں حرفِ جر نہیں آنا چاہیے۔ تو دیکھو ایک وہ لفظ ہے جس کے اندر فعل براہِ راست عمل کرتا ہے اور اس کو نصب دیتا ہے جیسے «ضَرَبْتُ زَيْدًا»، اور ایک وہ ہے جس کے اندر فعل عمل کرتا ہے بواسطہِ حرفِ جر کے جیسے «مَرَرْتُ بِزَيْدٍ»۔ لیکن یہ جو بغیر حرفِ جر کے واسطے کے اندر جس کے اندر فعل عمل کر رہا ہے یعنی «ضَرَبْتُ زَيْدًا»، اس کے بارے میں نحوی کہتے ہیں کہ اس «زَيْدًا» پر یہ ضرب واقع ہے، جبکہ «مَرَرْتُ بِزَيْدٍ» نحوی حضرات یہ نہیں کہتے کہ یہ مرور کا فعل اس زید پر واقع ہے بلکہ اس کے لیے وہ لفظ بولتے ہیں کہ یہ مرور کا تعلق ہے زید کے ساتھ، یہ مرور متلبس ہے زید کے ساتھ۔ فرق سمجھ میں آیا؟ انہوں نے کیا کہا؟ «وَالْمُرَادُ بِوُقُوعِ فِعْلِ الْفَاعِلِ عَلَيْهِ» کہ مفعولِ بہ پر فاعل کے فعل کے واقع ہونے سے مراد جو ہے «تَعَلُّقُهُ بِهِ» فعل کا اس مفعولِ بہ کے ساتھ تعلق ہو «بِلَا وَاسِطَةِ حَرْفِ الْجَرِّ» بغیر حرفِ جر کے واسطے کے۔ «فَإِنَّهُمْ يَقُولُونَ فِي «ضَرَبْتُ زَيْدًا»: إِنَّ الضَّرْبَ وَاقِعٌ عَلَىٰ زَيْدٍ» اس لیے کیونکہ نحوی حضرات کہتے ہیں «ضَرَبْتُ زَيْدًا» کے بارے میں کہ «إِنَّ الضَّرْبَ وَاقِعٌ عَلَىٰ زَيْدٍ» کہ یہ ضرب زید پر واقع ہے، اس لیے کیونکہ ضربت نے «زَيْدًا» میں براہِ راست عمل کیا ہے درمیان میں کوئی حرفِ جر نہیں۔ «وَلَا يَقُولُونَ فِي «مَرَرْتُ بِزَيْدٍ»: إِنَّ الْمُرُورَ وَاقِعٌ عَلَيْهِ» اور «مَرَرْتُ بِزَيْدٍ» میں وہ یہ نہیں کہتے کہ «إِنَّ الْمُرُورَ وَاقِعٌ عَلَيْهِ» کہ مرور زید پر واقع ہے، «بَلْ مُتَلَبِّسٌ بِهِ» بلکہ کہتے ہیں کہ وہاں پر مرور متلبس بزید ہے، زید کے ساتھ جڑا ہوا ہے، زید کے ساتھ تعلق ہے اس کا۔ فرق سمجھ میں آیا؟ مفعولِ بہ جو ہوتا ہے جس کو فعل نصب دیتا ہے اس کے لیے نحوی حضرات کیا لفظ بولتے ہیں؟ کہ فعل اس پر واقع ہے، اور جس کے اندر فعل عمل کرتا ہے بواسطہِ حرفِ جر کے اس کے بارے میں نحوی یہ نہیں کہتے کہ اس پر فعل واقع ہے بلکہ کیا کہتے ہیں؟ فعل کا اس کے ساتھ تعلق ہے۔ تو تعریف میں جو کہا نا «الْمَفْعُولُ بِهِ هُوَ مَا وَقَعَ عَلَيْهِ فِعْلُ الْفَاعِلِ» جس پر فاعل کا فعل واقع ہو، تو وہ جو مجرور بحرفِ جر ہے وہ نکل گیا، کیونکہ اس کے بارے میں نحوی یہ نہیں کہتے کہ فعل اس پر واقع ہے بلکہ کیا کہتے ہیں؟ کہ فعل اس کے ساتھ متلبس ہے، متلبس کا کیا معنیٰ؟ متعلق ہے، جڑا ہوا ہے۔ یہاں تک بات سمجھ میں آگئی؟

تو کہتے ہیں: «فَخَرَجَ بِهِ الْمَفَاعِيلُ الثَّلَاثَةُ الْبَاقِيَةُ» تو اس قید کی وجہ سے یہ جو «وَقَعَ» کی قید لگائی نا اس قید کی وجہ سے باقی کے تین مفعول نکل گئے۔ «فَإِنَّهُ لَا يُقَالُ فِي وَاحِدٍ مِنْهَا: إِنَّ الْفِعْلَ وَاقِعٌ عَلَيْهِ» اس لیے کیونکہ ان میں سے کسی کے بارے میں بھی یہ نہیں کہا جاتا کہ «إِنَّ الْفِعْلَ وَاقِعٌ عَلَيْهِ» کہ فعل اس پر واقع ہے، «بَلْ فِيهِ أَوْ لَهُ أَوْ مَعَهُ» بلکہ اس کے لیے کہتے ہیں کہ فعل اس میں واقع ہے یا اس کے لیے واقع ہے یا... یہ وقع کو سب کے ساتھ جوڑ دیں، کہ ان باقیوں کے بارے میں «وَقَعَ عَلَيْهِ» نہیں کہتے کہ فعل اس پر واقع ہے «بَلْ فِيهِ» بلکہ کیا کہتے ہیں؟ «وَقَعَ فِيهِ»۔ «أَوْ لَهُ» یا «وَقَعَ لَهُ» کہتے ہیں، «أَوْ مَعَهُ» یا «وَقَعَ مَعَهُ» کہتے ہیں۔ بھئی دیکھو بھئی یہ جو مفعولِ بہ ہے نا اس پر فاعل کا فعل واقع ہوتا ہے۔ «ضَرَبْتُ زَيْدًا» یہ میری ضرب کس پر واقع ہے؟ زید پر واقع ہے۔ جبکہ باقی کے جو تین مفعول ہیں یعنی مفعولِ فیہ، مفعولِ لہ اور مفعولِ معہ، ان میں یہ نہیں کہتے کہ فعل ان پر واقع ہے، ان پر واقع یہ نہیں کہتے، بلکہ ان میں واقع ہے یا ان کے لیے واقع ہے یا ان کے ساتھ واقع

ہے۔ مثلاً، مثلاً «ضَرَبْتُ زَيْدًا يَوْمَ الْجُمُعَةِ» میں نے زید کی پٹائی کی کس دن؟ جمعے والے دن۔ تو یہ جو «يَوْمَ الْجُمُعَةِ» اس کو بھی فعل نے نصب دیا ہے لیکن یہ نہیں کہتے کہ یہ ضربت کا فعل جمعے کے دن پر واقع ہے، بلکہ کیا کہتے ہیں؟ کہ یہ ضربت کا فعل جمعے کے دن میں واقع ہے، «فِيهِ» اس کے لیے مفعولِ فیہ کا لفظ بولتے ہیں کہ اس کے اندر فعل کیا گیا ہے۔ اور اسی طرح دوسری مثال لے لیں جیسے مفعولِ لہ ہے: «ضَرَبْتُ زَيْدًا تَأْدِيبًا» یہ «تَأْدِيبًا» کو بھی ضربت نے نصب دیا، لیکن نحوی حضرات یہ نہیں کہتے کہ یہ ضربت کا فعل تادیباً پر واقع ہے بلکہ یوں کہتے ہیں کہ یہ مفعولِ لہ ہے یعنی فعل جو ہے واقع ہوا ہے لہ اس کی وجہ سے۔ اور مفعولِ معہ جو ہے مثلاً: «جَاءَنِي زَيْدٌ وَعَمْرًا» زید آیا عمر کے ساتھ۔ یہ «عَمْرًا» منصوب ہے کیونکہ یہ واو بمعنیٰ مع کے بعد ہے، یہ مفعولِ معہ ہے۔ معلوم ہوا زید کا آنا کس کے ساتھ ہے؟ عمر کے ساتھ یعنی دونوں نے آنے کا فعل اکٹھا کیا ہے۔ تو یہ جو «عَمْرًا» ہے اس کے بارے میں یہ نہیں کہتے کہ اس پر فاعل کا فعل واقع ہے بلکہ کیا کہتے ہیں؟ فاعل کا فعل وقع معہ اس کے ساتھ واقع ہوا ہے، یہ مفعولِ معہ ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو باقی کے تین مفاعیل جو ہیں ان کے لیے فعل ان پر واقع ہے یہ نہیں کہتے بلکہ اس میں کہتے ہیں «وَقَعَ فِيهِ» اس کے اندر فعل واقع ہوا ہے یعنی یہ مفعولِ فیہ ہے، اور یا کہتے ہیں «وَقَعَ لَهُ» اس کی وجہ سے فعل واقع ہوا ہے یعنی یہ مفعولِ لہ ہے، یا «وَقَعَ مَعَهُ» کہتے ہیں کہ اس کے ساتھ فعل واقع ہوا ہے یعنی مفعولِ معہ ہے۔ تو لہٰذا جب کہا «وَقَعَ عَلَيْهِ»، توجہ ہے کتاب میں؟ جب «وَقَعَ عَلَيْهِ فِعْلُ الْفَاعِلِ» کہا کہ فاعل کا اس پر فعل واقع ہو تو یہ تینوں مفعول نکل گئے: مفعولِ فیہ بھی نکل گیا، مفعولِ لہ بھی نکل گیا اور مفعولِ معہ بھی نکل گیا۔ پھر دیکھیے ترجمہ۔ کہتے ہیں: «فَخَرَجَ بِهِ الْمَفَاعِيلُ الثَّلَاثَةُ الْبَاقِيَةُ» تو باقی تین مفعول نکل گئے «فَإِنَّهُ لَا يُقَالُ فِي وَاحِدٍ مِنْهَا: إِنَّ الْفِعْلَ وَاقِعٌ عَلَيْهِ» اس لیے کہ ان میں سے کسی ایک میں بھی یہ نہیں کہا جاتا کہ فعل اس پر واقع ہوا ہے «بَلْ فِيهِ أَوْ لَهُ أَوْ مَعَهُ» بلکہ اس میں کیا کہتے ہیں؟ کہ فعل جو ہے وقع فیہ اس میں واقع ہوا ہے، أو لہ ای وقع لہ فعل اس کی وجہ سے واقع ہوا ہے، أو معہ ای وقع معہ فعل اس کے ساتھ واقع ہوا ہے۔

«وَالْمَفْعُولُ الْمُطْلَقُ بِمَا يُفْهَمُ مِنْ مُغَايَرَتِهِ لِفِعْلِ الْفَاعِلِ» اور کہتے ہیں مفعولِ مطلق بھی نکل گیا۔ یہ «وَالْمَفْعُولُ الْمُطْلَقُ» اس کا عطف ہے پیچھے «الْمَفَاعِيلُ الثَّلَاثَةُ» جو آیا تھا۔ تو «فَخَرَجَ بِهِ الْمَفَاعِيلُ الثَّلَاثَةُ» تو اس قید کی وجہ سے مفاعیلِ ثلاثہ بھی نکل گئے «وَالْمَفْعُولُ الْمُطْلَقُ» اور مفعولِ مطلق بھی نکل گیا۔ بھئی مفعولِ مطلق کیسے نکل گیا؟ کہتے ہیں اس لیے کیونکہ جب یہ کہا فاعل کا فعل اس پر واقع ہوتا ہے، فاعل کا فعل... اس سے پتہ چل گیا فعل اور چیز ہے اور جس پر واقع ہو رہا ہے وہ اور چیز ہے، جس پر فاعل کا فعل واقع ہو رہا ہے... بھئی ایک چیز ہے جو واقع ہو رہی ہے اور ایک وہ چیز ہے جس پر واقع ہو رہی ہے، معلوم ہوا دونوں الگ الگ چیزیں ہیں بھئی۔ تو جب کہا کہ مفعولِ بہ وہ ہے جس پر فاعل کا فعل واقع ہو، معلوم ہوا فعل الگ چیز ہے اور جس پر واقع ہے یعنی مفعولِ بہ وہ الگ چیز ہے۔ جب یہ پتہ چل گیا تو پتہ چلا کہ یہ مفعولِ بہ مفعولِ مطلق بھی نہیں...

ہے، کیونکہ مفعولِ مطلق وہ تو عینِ فعل کو کہتے ہیں۔ «ضَرَبْتُ ضَرْبًا» میں نے کون سا فعل کیا؟ ضرب والا۔ تو یہ جو مفعولِ

مطلق ہوتا ہے یہ تو عینِ فعل کا نام ہی ہے بھئی۔ اور فعل کی تعریف میں اس کی قید بھی آئی تھی۔ مفعولِ مطلق کسے کہتے ہیں؟ «هُوَ اسْمُ مَا فَعَلَهُ فَاعِلُ فِعْلٍ مَذْكُورٍ بِمَعْنَاهُ» وہ نام ہے جس کو کیا ہو فعلِ مذکور کے فاعل نے، اور وہ فعل اس کے ہم معنیٰ ہو۔ دیکھو مفعولِ مطلق وہ تو عینِ فعل کا نام ہے۔ توجہ ہے؟ مفعولِ مطلق... «ضَرَبَ زَيْدٌ» زید نے کون سا فعل کیا؟ ضرب والا، تو وہی آپ مفعولِ مطلق آگے بنا دیتے ہیں «ضَرَبَ زَيْدٌ ضَرْبًا»۔ «شَرِبَ عَمْرٌو» عمر نے کون سا کام کیا؟ شرب والا، تو اسی کو آپ آگے مفعولِ مطلق بنا دیتے ہیں «شَرِبَ عَمْرٌو شُرْبًا»۔ تو مفعولِ مطلق وہ تو عینِ فعل ہوتا ہے، لیکن جب یہاں کہہ دیا کہ فعل اس پر واقع ہوتا ہے تو پتہ چلا مفعولِ بہ اور چیز ہے مفعولِ مطلق اور چیز ہے، کیونکہ مفعولِ مطلق وہ تو عینِ فعل کا نام ہے اس پر تو فاعل کا فعل واقع نہیں ہوتا۔

تو کہتے ہیں: «وَالْمَفْعُولُ الْمُطْلَقُ بِمَا يُفْهَمُ» اور مفعولِ مطلق بھی نکل گیا «بِمَا يُفْهَمُ» وہ جو سمجھ میں آتا ہے «بِمَا يُفْهَمُ» وہ جو مفہوم ہو رہا ہے۔ بھئی کیا مفہوم ہو رہا ہے؟ آگے من کے ذریعے بیان ہے: «مِنْ مُغَايَرَتِهِ لِفِعْلِ الْفَاعِلِ» یعنی کہ اس کا فاعل کے فعل سے مغایر ہونا۔ کہتے ہیں: «وَالْمَفْعُولُ الْمُطْلَقُ» اور مفعولِ مطلق بھی نکل گیا «بِمَا يُفْهَمُ» اس کی وجہ سے جو مفہوم ہو رہا ہے۔ بھئی کیا مفہوم ہو رہا ہے؟ ابھی تک بات واضح نہیں ہوئی تھی تو آگے من کے ذریعے اس کا بیان کر دیا۔ میں نے آپ کو بتلایا تھا کہ یہ اس طرح کی عبارت کثرت کے ساتھ آتی ہے: ایک چیز کو ذکر کیا جاتا ہے موصول صلہ کے ساتھ اور پھر بھی معنیٰ واضح نہیں ہوتا تو آگے من کے ساتھ اس کا بیان کر دیا جاتا ہے۔ تو کیا کہا؟ کہ مفعولِ مطلق بھی نکل گیا «بِمَا يُفْهَمُ» اس چیز کی وجہ سے جو... وہ جو مفہوم ہو رہا ہے، وہ جو بات سمجھ میں آ رہی ہے۔ بھئی وہ کیا چیز ہے؟ ابھی بھی بات پوری واضح نہیں۔ تو اب من کے ساتھ بیان کر دیا: «مِنْ مُغَايَرَتِهِ لِفِعْلِ الْفَاعِلِ» یعنی کہ یہ مفعولِ بہ کا فعلِ فاعل سے مغایر ہونا۔ بھئی جب مفعولِ بہ پر فاعل کا فعل واقع ہے، معلوم ہوا مفعولِ بہ فعلِ فاعل سے مغایر چیز ہے، الگ چیز ہے، فعل اور ہے مفعولِ بہ اور۔ تو جب یہ فعلِ فاعل سے مغایر چیز ہے، معلوم ہوا پھر یہ مفعولِ مطلق نہیں ہے، مفعولِ مطلق تو عینِ فعل کا نام ہوتا ہے۔ تو کہتے ہیں: «بِمَا يُفْهَمُ مِنْ مُغَايَرَتِهِ لِفِعْلِ الْفَاعِلِ» وہ جو مفہوم ہو رہا ہے یعنی مفعولِ بہ کا فعلِ فاعل سے مغایر ہونا، «فَإِنَّ الْمَفْعُولَ الْمُطْلَقَ عَيْنُ فِعْلِهِ» اس لیے کیونکہ مفعولِ مطلق جو ہے وہ تو عینِ فعلِ فاعل ہے، وہ تو عینِ فعلِ فاعل ہے، وہ تو اس سے کوئی مغایر نہیں ہے۔

چلیے بس یہاں تک بات سمجھ میں آ گئی؟ چلیے بس بھئی، هٰذَا هُوَ الْمَرَامُ وَاللّٰهُ أَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْكَلَامِ۔

سبق نمبر ۱۱۸: المفعول بہ (۱): تعریفِ مفعولِ بہ اور عامل کے وجوبی حذف کے مواضع

شرحِ ملا جامی صفحہ: ۸۸ — بتاریخ: ۶ دسمبر ۲۰۲۱ء

▪ تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث

آگے سبق دیکھیے بھئی:

وَالْمُرَادُ بِفِعْلِ الْفَاعِلِ فِعْلٌ اعْتُبِرَ إِسْنَادُهُ إِلَى مَا هُوَ **فَاعِلٌ** حَقِيقَةً أَوْ حُكْمًا، فَخَرَجَ بِهِ مِثْلُ زَيْدٌ فِي ضُرِبَ زَيْدٌ عَلَى صِيغَةِ الْمَجْهُولِ، فَإِنَّهُ لَمْ يُعْتَبَرْ إِسْنَادُهُ إِلَى فَاعِلِهِ، وَلَا يُشْكَلُ بِمِثْلِ أُعْطِيَ زَيْدٌ دِرْهَمًا، فَإِنَّهُ يَصْدُقُ عَلَى دِرْهَمًا أَنَّهُ وَقَعَ عَلَيْهِ فِعْلُ الْفَاعِلِ الْحُكْمِيِّ الْمُعْتَبَرِ إِسْنَادُ الْفِعْلِ إِلَيْهِ، فَإِنَّ **مَفْعُولَ** مَا لَمْ يُسَمَّ فَاعِلُهُ فِي حُكْمِ الْفَاعِلِ۔

گزشتہ سبق میں ہم وہ آخری مقام پڑھ رہے تھے جہاں پر مفعولِ مطلق کے فعل کو حذف کرنا واجب ہے، اور صاحبِ جامی نے آپ کو بتلایا کہ یہ وہ مفعولِ مطلق ہے جو تثنیہ واقع ہو اور اس کی اضافت اپنے فاعل یا مفعول کی طرف ہو رہی ہو، اور نیز یہ تثنیہ بتلانے کے لیے نہ ہو بلکہ تکرار اور کثرت کے لیے لایا گیا ہو۔ تو اس قسم کا جو مفعولِ مطلق ہے، اس کے عامل فعل کو حذف کرنا واجب ہے، جیسے لَبَّيْكَ اور سَعْدَيْكَ۔ حاجی کہتا ہے لَبَّيْكَ اللَّهُمَّ لَبَّيْكَ، تو معنیٰ کیا ہے کہ اے اللہ! میں مسلسل اور بار بار آپ کی خدمت کے لیے حاضر ہوں تاکہ آپ کے احکامات کی تعمیل کروں، اور میں اپنی جگہ سے ہٹوں گا نہیں، مسلسل آپ کے احکامات کی تعمیل میں لگا رہوں گا۔ تو یہ لَبَّيْكَ اصل میں تھا أُلِبُّ لَكَ إِلْبَابَيْنِ، پھر اس میں سے أُلِبُّ فعل کو حذف کر لیا گیا، تو باقی رہ گیا لَكَ إِلْبَابَيْنِ۔ پھر اس میں سے إِلْبَابَيْنِ جو ثلاثی مزید فیہ سے تھا، اس میں سے زوائد کو ختم کر کے اس کو ثلاثی مجرد کی طرف لوٹا دیا گیا، تو لَبَّيْنِ ہوا۔ تو عبارت کیا باقی بچ گئی؟ لَكَ لَبَّيْنِ۔ پھر اس لَكَ میں سے لامِ جارہ کو حذف کر دیا گیا اور لَبَّيْنِ کی اضافت کر دی کاف ضمیر کی طرف، تو نون اضافت سے گر گیا، تو لَبَّيْكَ رہ گیا۔

اور نیز اسی طرح سَعْدَيْكَ بھی ہے۔ سَعْدَيْكَ کا معنیٰ صاحبِ جامی نے بیان کیا تھا أَيْ أُسْعِدُكَ إِسْعَادًا بَعْدَ إِسْعَادٍ، تو یعنی میں مسلسل آپ کی مدد کرتا رہتا ہوں، میں مسلسل آپ کی مدد میں لگا رہوں گا۔ تو یہاں پر یہ بھی کثرت بیان کرنے کے لیے ہے۔ تو اصل میں یہ کیا تھا؟ أُسْعِدُكَ إِسْعَادَيْنِ۔ پھر أُسْعِدُ فعل کو حذف کر لیا گیا اور اس مفعولِ مطلق سے زوائد ختم

کر کے یہ جو کاف ضمیر تھی مفعول بہ کی، اس کی طرف اضافت کر دی گئی تو سَعْدَیْکَ ہوا بھئی۔ اور پھر صاحبِ جامی نے یہ بھی بتلایا تھا آپ کو کہ یہ أُلِبُّ کے اندر لَکَ لامِ جارہ لے کر آئے تھے، اس کو مفعول پر داخل کیا تھا، وجہ یہ کہ وہ فعلِ لازم ہے۔ جب کہ، جب کہ یہ أَسْعَدَ یُسْعِدُ، یہ فعلِ متعدی ہے، یہ براہِ راست مفعول کو نصب دے سکتا ہے، لہٰذا اس کے لیے لامِ جارہ لانے کی کوئی ضرورت نہیں۔

اور اس کے بعد پھر ہم نے مفعول بہ کے بارے میں پڑھنا شروع کیا تھا۔ صاحبِ کافیہ نے آپ کو بتلایا کہ مفعول بہ وہ اس چیز کا نام ہے جس پر فاعل کا فعل واقع ہو، کہ مفعول بہ اس چیز کا نام ہے جس پر فاعل کا فعل واقع ہو بھئی۔ اور صاحبِ جامی نے آپ کو بتلایا کہ فعل کے واقع ہونے سے مراد یہ ہے کہ فعل کا اس کے ساتھ تعلق ہو بغیر حرفِ جر کے واسطے کے، یعنی بلا واسطہ حرفِ جر کے فعل کا اس کے ساتھ تعلق ہو۔ بات سمجھ میں آرہی ہے؟ تعریف کیا کی مفعول بہ کی؟ کہ مفعول بہ اس چیز کا نام ہے جس پر فاعل کا فعل واقع ہو۔ بھئی واقع ہونے کا کیا معنیٰ؟ تو صاحبِ جامی نے بتلایا کہ واقع ہونے سے مراد یہ ہے کہ فعل کا اس کے ساتھ بلا واسطہ حرفِ جر کے تعلق ہو بھئی۔

لہٰذا اب إِيَّاکَ نَعْبُدُ یا دَعَوْتُ اللّٰهَ جیسے اعتراضات ختم ہو گئے۔ اس لیے کیونکہ تعریف کیا کی تھی کہ فاعل کا فعل اس پر واقع ہو، اور إِيَّاکَ نَعْبُدُ، یہاں پر تو نَعْبُدُ کا فعل إِيَّاکَ پر واقع نہیں ہے بھئی، کیونکہ عبادت اللہ پر واقع نہیں ہے بلکہ عبادت کا اللہ سے تعلق ہے، عبادت اللہ کے لیے کی جاتی ہے۔ اور اسی طرح دَعَوْتُ اللّٰهَ، میں نے اللہ سے دعا کی، تو یہاں پر بھی لفظِ اللہ مفعول بہ ہے اور صاحبِ کافیہ نے تو کیا تعریف کی کہ فاعل کا فعل اس پر واقع ہو، اور حالانکہ ہماری یہ دعا اللہ پر واقع نہیں ہے، ہاں اس دعا کا اللہ سے تعلق ہے یعنی اللہ سے یہ دعا مانگی جا رہی ہے۔ تو واقع ہونے سے کیا مراد ہے؟ کہ فعل کا اس کے ساتھ تعلق ہو بلا واسطہ حرفِ جر کے۔

اور اس تقریر سے مَا ضَرَبْتُ زَيْدًا جیسا اشکال بھی ختم ہوا۔ مَا ضَرَبْتُ زَيْدًا، میں نے زید کی پٹائی نہیں کی۔ اب اس جملے کے اندر یہ زَيْدًا منصوب ہے، اور کیوں منصوب ہے؟ مَا ضَرَبْتُ زَيْدًا، کیونکہ یہ مفعول بہ ہے۔ تو زَيْدًا تو مفعول بہ ہے حالانکہ آپ نے ہمیں کیا بتایا؟ مفعول بہ کسے کہتے ہیں؟ جس پر فاعل کا فعل واقع ہو، اور یہاں پر تو متکلم کیا کہہ رہا ہے؟ مَا ضَرَبْتُ زَيْدًا، میں نے زید کی پٹائی نہیں کی، معلوم ہوا اس پر ضرب واقع نہیں ہے۔ تو صاحبِ جامی نے بتلا دیا کہ بھئی واقع ہونے سے مراد فعل کا تعلق ہے اور پھر تعلق ہونا عام ہے، چاہے فعلِ مثبت کا تعلق ہو، چاہے فعلِ منفی کا تعلق ہو، تو یہ بھی اس کے اندر داخل ہو گیا۔

اور میں نے آپ کو یہ بھی بتلایا تھا کہ تعلقِ اولیٰ مراد ہے، تعلقِ اولیٰ مراد ہے، جو یعنی اولاً ذہن کے اندر آتا ہے بھئی، یعنی جس کے بغیر اس چیز کا تعقل ہی نہ ہو سکے۔ اب دیکھو، اب دیکھو، فعل کا تعلق تو حال کے ساتھ بھی ہوتا ہے، فعل حال کو بھی نصب دیتا ہے، فعل کا تعلق مستثنیٰ سے بھی ہوتا ہے اور اسی طرح فعل کا تعلق تمیز سے بھی ہوتا ہے، لیکن وہ تعلقِ اولیٰ نہیں۔ تعلقِ اولیٰ کا کیا معنیٰ؟ کہ فعل کا اس کے بغیر تعقل ہی نہ ہو سکے، فعل اس کے بغیر آپ کو سمجھ میں ہی نہ آ سکے،

اور حالانکہ حال، تمیز اور مستثنیٰ، اس کے بغیر بھی فعل سمجھ میں آتا ہے۔ ضَرَبْتُ زَيْدًا، میں نے زید کی پٹائی کی۔ دیکھو نہ یہاں پر حال ہے، نہ مستثنیٰ ہے، نہ تمیز ہے، کوئی چیز بھی نہیں ہے اور بات ہمیں پوری سمجھ میں آرہی ہے ضَرَبْتُ زَيْدًا کہ متکلم نے زید کی پٹائی کی ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو تعلقِ اولیٰ مراد ہے اور تعلقِ اولیٰ کا کیا معنیٰ کہ فعل اس کے بغیر سمجھ میں ہی نہ آسکے۔ اب یہاں پر دیکھو ضرب کا ذکر ہے ضَرَبْتُ زَيْدًا، ضرب کا ذکر ہے اور ضرب کے لیے جیسے ضارب کا ہونا ضروری ہے، مضروب کا ہونا بھی ضروری ہے۔ بغیر مضروب کے ضرب کا تعقل ہی نہیں ہو سکتا۔ آپ مفعول کو لفظوں میں ذکر کریں یا نہ کریں، اس سے کوئی اثر نہیں پڑتا۔ یہ جو ضرب کا فعل ہے، یہ عقل میں آتا ہی نہیں جب تک اس کے لیے کسی مضروب کا تصور بھی نہ آئے۔ آپ صرف یوں کہہ دیں ضَرَبَ زَيْدٌ، آپ نے مفعول کو لفظوں سے حذف کر لیا لیکن سننے والا یہ آپ کا کلام سنتے ہی سمجھ جائے گا کہ معلوم ہوا آپ نے جب ضرب لگائی ہے تو کوئی مضروب بھی ہے جس پر ضرب واقع ہوئی ہے۔ آپ کہتے ہیں أَكَلْتُ، میں نے کھایا، کیا کھایا یہ آپ نے بے شک ذکر نہیں کیا لیکن سننے والا سمجھ جاتا ہے کوئی چیز ہو گی جو کھائی ہو گی بھئی۔ آپ کہتے ہیں شَرِبْتُ، میں نے پیا، آپ نے بے شک آگے کوئی مشروب ذکر نہیں کیا لیکن سننے والا فوراً سمجھ گیا کہ آپ نے کوئی چیز پی ہے بھئی۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو لہٰذا یہ ہے تعلقِ اولیٰ، یعنی فعل کا اس کے بغیر، فعل اس کے بغیر سمجھ میں ہی نہ آئے بھئی۔

اور پھر صاحبِ جامی نے بتلایا تھا کہ یہ جو مَا وَقَعَ عَلَيْهِ کی قید آئی کہ اس پر فاعل کا فعل واقع ہو، اس کے ذریعے باقی چاروں مفعول اس تعریف سے نکل گئے۔ تعریف کس کی کی جا رہی ہے؟ مفعول بہ کی، تو باقی مفاعیل کو اس تعریف سے نکلنا چاہیے، تو وہ اس مَا وَقَعَ کی قید کے ذریعے نکل گئے۔ اس لیے کیونکہ جب یہ کہا کہ فاعل کا فعل اس پر واقع ہو، تو مفعول فیہ نکل گیا، کیونکہ فاعل کا فعل اس پر واقع نہیں ہوتا بلکہ اس میں واقع ہوتا ہے، وَقَعَ فِيهِ، وہاں فِيهِ لے کر آتے ہیں کہ اس کے اندر واقع ہے۔ اور اسی طرح مفعول لہ بھی نکل گیا یا جیسے ضَرَبْتُهُ تَأْدِيبًا، میں نے زید کی پٹائی کی ادب سکھانے کے لیے، یہ تَأْدِيبًا بھی نکل گیا، اس لیے کیونکہ یہ ضرب کا فعل اس تادیب پر واقع نہیں ہے بلکہ وَقَعَ لَهُ، اس کی وجہ سے یہ ضرب کا فعل ہوا ہے، ادب سکھانے کے لیے فعل، ضرب کا فعل کیا گیا ہے۔ اسی طرح مفعول معہ بھی نکل گیا، جیسے آپ کہتے ہیں جَاءَنِي زَيْدٌ وَعَمْرًا، میرے پاس زید آیا وَعَمْرًا أَيْ مَعَ عَمْرٍو، کس کے ساتھ آیا؟ عمرو کے ساتھ۔ تو یہ واو بمعنی مَعَ کے بعد جو عَمْرًا آرہا ہے، یہ مفعول معہ ہے۔ اس لیے کیونکہ یہ مفعول معہ ہوتا ہے، اس کے بارے میں نحوی حضرات یہ نہیں کہتے کہ وَقَعَ عَلَيْهِ الْفِعْلُ، کہ فعل اس پر واقع ہے، بلکہ اس کے بارے میں کیا کہتے ہیں؟ وَقَعَ مَعَهُ الْفِعْلُ، اس کے ساتھ فعل واقع ہوا ہے، فاعل نے اس کے ساتھ مل کر یہ فعل کیا ہے۔ اور نیز مفعولِ مطلق بھی خارج ہو گیا۔ بھئی وہ مفعولِ مطلق کیسے خارج ہوا؟ کہتے ہیں جب انہوں نے کہا کہ مفعول بہ وہ ہے جس پر فاعل کا فعل واقع ہو، معلوم ہوا فاعل کا فعل اور چیز ہے اور جس پر واقع ہو رہا ہے وہ اور چیز ہے، وہ ایک ہی چیز نہیں ہے کیونکہ کوئی چیز اپنے اوپر تو واقع نہیں ہو سکتی، کوئی چیز ہو

گی وہ دوسری چیز پر واقع ہوتی ہے، تو معلوم ہوا جو چیز واقع ہوئی وہ فعل وہ اور چیز ہے اور جس پر واقع ہے وہ اور چیز ہے۔ اور حالانکہ مفعولِ مطلق وہ تو فعل سے کوئی مغایر چیز نہیں ہوتی، وہ تو عینِ فعل ہی کا نام ہے بھئی۔ مفعولِ مطلق تو عینِ فعل کا نام ہے، تعریف کیا کی تھی؟ اَلْمَفْعُولُ الْمُطْلَقُ هُوَ اسْمُ مَا فَعَلَهُ فِعْلُ الْفَاعِلِ، جس کو فاعل کے فعل نے کیا ہو بھئی۔ تو وہ فاعل کا فعل جو ہے وہ مفعولِ مطلق ہوتا ہے، اور مفعول بہ میں کیا کہا؟ فاعل کا فعل اس پر واقع ہو، معلوم ہوا فعل اور چیز ہے اور جس پر واقع ہے وہ یعنی مفعول بہ اور چیز ہے۔ معلوم ہوا یہ مفعول بہ، مفعولِ مطلق نہیں ہے کیونکہ مفعولِ مطلق فعل سے مغایر اور الگ نہیں ہوتا، وہ تو عینِ فعل ہوتا ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ اب آگے دیکھیے آج کا سبق بھئی۔

کہتے ہیں: وَالْمُرَادُ بِفِعْلِ الْفَاعِلِ فِعْلٌ اعْتُبِرَ إِسْنَادُهُ إِلَى مَا هُوَ فَاعِلٌ حَقِيقَةً أَوْ حُكْمًا۔ بھئی تعریف دیکھیے متن کے اندر کہ اَلْمَفْعُولُ بِهِ هُوَ مَا وَقَعَ عَلَيْهِ فِعْلُ الْفَاعِلِ، مفعول بہ اس چیز کا نام ہے جس پر فاعل کا فعل واقع ہو، جس پر فاعل کا۔ بعض شارحین نے یہاں اعتراض کیا اور انہوں نے کہا کہ متن کے اندر یہ جو الْفَاعِلِ کا لفظ صاحبِ کافیہ لے کر آئے، اس کے لانے کی کوئی حاجت نہیں تھی۔ یہ کہنے کی ضرورت نہیں تھی کہ جس پر فاعل کا فعل واقع ہو، بلکہ صرف اتنا کہہ دیتے کہ مفعول بہ وہ ہے جس پر فعل واقع ہو۔ مفعول بہ وہ ہے جس پر فعل واقع ہو، تو دیکھو یہ معلوم ہوا یہ فاعل کا لفظ متن کے اندر زائد آگیا بھئی۔ تو صاحبِ جامی اب جواب دیں گے صاحبِ کافیہ کی طرف سے کہ نہیں بھئی، یہ فاعل کا لفظ یہاں بیکار نہیں ہے۔ یہ فاعل کا لفظ یہ بتلانے کے لیے لایا گیا ہے کہ مفعول بہ کے ساتھ جس وقت فعل کا تعلق ہو رہا ہو، اس وقت فاعل کو بھی ہونا چاہیے۔ جس وقت فعل واقع ہو رہا ہو کس پر؟ مفعول بہ پر، تو اس وقت وہاں فاعل کا بھی ذکر ہونا چاہیے۔ صاحبِ جامی اس کو یوں ذکر کریں گے کہ جب مفعول بہ پر فعل واقع ہو رہا ہو، تو اس وقت فاعل کی طرف اسناد بھی معتبر ہو بھئی۔ اس وقت فاعل۔ بھئی ضَرَبَ زَيْدٌ عَمْرًا، توجہ ہے؟ ضَرَبَ زَيْدٌ عَمْرًا، یہ زید کیا ہے؟ فاعل، اور عَمْرًا کیا ہے؟ مفعول بہ۔ اس مفعول بہ کی بات ہو رہی ہے۔ مفعول بہ کسے کہتے ہیں؟ جس پر فاعل کا فعل واقع ہو۔ بھئی یہ فاعل کا فعل کہنے کی کیا ضرورت تھی؟ صرف یہ کہہ دیتے جس پر فعل واقع ہو؟ کہتے ہیں یہ قید اس لیے بڑھا دی صاحبِ کافیہ نے، بتلانا یہ چاہتے ہیں کہ جس وقت مفعول بہ کے ساتھ فعل کا تعلق ہو رہا ہو، اس وقت اسی فعل کا اسناد فاعل کی طرف بھی ہو رہا ہو۔ اس وقت اس فعل کا اسناد، یعنی یہ اسناد بھی معتبر ہو بھئی۔ فعل کا فاعل کی طرف اسناد بھی معتبر ہونا چاہیے۔ اور فاعل کی طرف اسناد کب معتبر ہو گا؟ جب فاعل موجود ہو گا۔ جب فاعل موجود ہو گا تو فعل کا اس کی طرف اسناد بھی ہو گا، جب اسناد ہو گا تو پھر اس کا آپ اعتبار بھی کریں گے، اگر فاعل ہی نہیں ہے تو اعتبار کیسے کریں گے اس کا؟ توجہ ہے؟ میں نے آسان لفظوں میں بتا دیا کہ یہ فاعل کے لفظ کو صاحبِ کافیہ نے کیوں ذکر کیا تعریف کے اندر؟ یہ بتلانے کے لیے کہ جس وقت فعل کا تعلق اس مفعول بہ سے آ رہا ہے، جس وقت وہ فعل مفعول بہ پر واقع ہو رہا ہے، عین اسی وقت فعل کا جو اسناد ہو رہا ہے فاعل کی طرف وہ بھی ہونا چاہیے، وہ بھی معتبر ہونا چاہیے۔ اور وہ تبھی معتبر ہو گا نا جب فاعل موجود ہو۔ جب فاعل ہو گا تو فعل کا اس کی طرف اسناد بھی ہو گا، جب اسناد ہے تو اب آپ اس اسناد کا بھی اعتبار کریں گے، اگر فاعل ہی نہیں ہے تو اسناد کا اعتبار کیسے کریں

گے بھئی؟ معلوم ہوا کہ مفعول بہ وہ ہے جس پر فعل واقع ہو اور عین اسی حالت میں فعل کے لیے فاعل بھی ذکر کیا گیا ہو، چاہے وہ فاعلِ حقیقی ہو، چاہے فاعلِ حکمی ہو۔ جی، چاہے وہ فاعلِ حقیقی ہو، چاہے فاعلِ حکمی ہو۔ فاعلِ حکمی سے کیا مراد ہے؟ مَفْعُولُ مَا لَمْ يُسَمَّ فَاعِلُهُ۔ آپ جانتے ہیں کبھی کبھار، کبھی کبھار فعلِ مجہول لے آتے ہیں، تو پھر فاعل کو حذف کر کے وہ جو مفعول بہ تھا اس کو اس کا نائب بنا دیتے ہیں، جیسے ضُرِبَ زَيْدٌ۔ تو یہ زَيْدٌ کیا ہے؟ نائب الفاعل ہے، مَفْعُولُ مَا لَمْ يُسَمَّ فَاعِلُهُ ہے، اور بعض نحوی حضرات تو اس کو فاعل ہی کہتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں یہ بھی حقیقتاً فاعل ہی ہے، جب کہ جمہور کیا کہتے ہیں کہ فاعل اور چیز ہے اور نائب الفاعل اور چیز ہے۔ فاعل جو ہے وہ حقیقتاً اس فعل کو کرنے والا ہے، اور نائب الفاعل اس فعل کو کرنے والا نہیں ہے، ہاں یہ اس فاعل کا نائب بن گیا ہے، تو یہ حکماً فاعل ہے، حقیقتاً فاعل نہیں بلکہ حکماً۔ توجہ ہے؟ بعض کبار علماء تو نائب الفاعل کو بھی فاعل ہی کہتے ہیں، لیکن عام علماء فرق کرتے ہیں کہ جو فعل کو کرنے والا ہے وہ حقیقتاً فاعل ہے، اور یہ نائب الفاعل یہ فاعل کی جگہ آیا ہے لیکن حقیقتاً فاعل نہیں ہے، یہ حکماً فاعل ہے۔ حکماً فاعل کا کیا معنیٰ؟ اس کو فاعل والا حکم دے دیا گیا، تو باقی تمام احکامات میں یہ فاعل کی طرح ہی ہے۔

تو بات کیا چل رہی تھی؟ کہ مفعول بہ کسے کہتے ہیں؟ جس پر فاعل کا فعل واقع ہو، تو اعتراض ہوا کہ یہ فاعل کا لفظ بیکار لے آئے صاحبِ کافیہ۔ تو صاحبِ جامی بتا رہے ہیں کہ نہیں، یہ بیکار لفظ نہیں لائے، صاحبِ کافیہ یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ جس وقت فعل مفعول بہ کو نصب دے رہا ہو، یعنی یوں کہیں وہ فعل جو مفعول بہ کو نصب دے رہا ہے، اس کا اسناد جو فاعل کی طرف ہے وہ بھی معتبر ہو بھئی، اس کا بھی اعتبار کیا جائے۔ اس کا اسناد جو فاعل کی طرف ہو رہا ہے اس کا بھی اعتبار کیا جائے، اور فاعل کی طرف فعل کے اسناد کا اعتبار کب کیا جائے گا؟ جب فاعل موجود ہو گا۔ جب فاعل موجود ہو گا تو اس کی طرف اسناد بھی ہو گا اور وہ معتبر بھی ہو گا، اگر فاعل ہی موجود نہیں ہے تو اسناد کا اعتبار کیسے کریں گے؟ بات سمجھ میں آ گئی؟ اور فاعل جو ہے وہ، چاہے وہ فاعل حقیقتاً فاعل ہو، چاہے حکماً فاعل ہو، یعنی چاہے فاعل ہو چاہے نائب الفاعل ہو، دونوں میں سے کسی ایک کی طرف فعل کا اسناد ہونا چاہیے۔ بات سمجھ میں آ گئی؟

تو لہٰذا یہ فِعْلُ الْفَاعِلِ کی قید کی وجہ سے ضُرِبَ زَيْدٌ جیسا اعتراض بھی اب تعریف پر نہیں ہو سکتا، اور أُعْطِيَ زَيْدٌ دِرْهَمًا جیسا اعتراض بھی نہیں ہو سکتا۔ دیکھیے یہ کتاب میں مثال دیکھیے ذرا بھئی۔ کہتے ہیں: زَيْدٌ فِي ضُرِبَ زَيْدٌ، عبارت مل گئی؟ یہ اشکال ہوتا تھا تعریف پر۔ اشکال یہ کہ آپ نے ہمیں کیا کہا؟ کہ مفعول بہ اسے کہتے ہیں جس پر فاعل کا فعل واقع ہو، تو اس میں ضُرِبَ زَيْدٌ، یہ زَيْدٌ بھی تعریف کے اندر داخل ہو گیا۔ ضُرِبَ زَيْدٌ، یہ بھی تعریف کے اندر داخل ہوا کیونکہ اس پر بھی ضرب کا فعل واقع ہوا ہے، حالانکہ بالاتفاق یہ مفعول بہ نہیں۔ بالاتفاق یہ مفعول بہ نہیں۔ بھئی فاعل کا فعل اس پر واقع تو ہوا ہے، لیکن اس کو مفعول بہ نہیں کہتے کیونکہ فعلِ مجہول کا اس کی طرف اسناد ہو رہا ہے، اس کو کیا کہتے ہیں؟ مَفْعُولُ مَا لَمْ يُسَمَّ فَاعِلُهُ کہتے ہیں یا نائب الفاعل کہتے ہیں، مفعول بہ تو منصوب ہوتا ہے۔ تو اشکال کیا ہوتا تھا کہ آپ کی تعریف مانع نہیں

دخولِ غیر سے۔ آپ نے کہا مفعول بہ وہ ہے جس پر فاعل کا فعل واقع ہو، تو ضُرِبَ زَيْدٌ کے اندر یہ جو زَيْدٌ آیا یہ بھی آپ کی تعریف میں داخل ہو گیا، کیونکہ اس پر بھی ضرب واقع ہوئی ہے، اس کو بھی مفعول بہ کہنا چاہیے حالانکہ یہ تو مفعول بہ نہیں ہے، یہ تو نائب الفاعل ہے، یہ تو مَفْعُولُ مَا لَمْ يُسَمَّ فَاعِلُهُ ہے، مفعول بہ تو منصوب ہوتا ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو معلوم ہوا آپ کی تعریف دخولِ غیر سے مانع نہیں۔

دوسرا اشکال یہ ہوتا ہے: أُعْطِيَ زَيْدٌ دِرْهَمًا، زید کو درہم عطا کیا گیا۔ اصل میں مثلاً کیا تھا؟ أَعْطَيْتُ زَيْدًا دِرْهَمًا۔ آپ کو میں نے بتلایا تھا کہ بابِ أَعْطَيْتُ دو مفعول چاہتا ہے۔ أَعْطَيْتُ زَيْدًا، میں نے زید کو عطا کیا، اور کیا چیز عطا کی وہ بھی آگے چاہیے، أَعْطَيْتُ زَيْدًا دِرْهَمًا، میں نے زید کو ایک درہم دیا۔ تو زَيْدًا مفعولِ اول ہے اور دِرْهَمًا مفعولِ ثانی۔ پھر أَعْطَيْتُ فعل سے فعلِ مجہول بنا لیا گیا اور فاعل کو حذف کر دیا گیا، تو أُعْطِيَ فعل ہوا۔ اور جب فعلِ مجہول بنایا جائے تو مفعول بہ کو نائب الفاعل بناتے ہیں، تو زَيْدٌ جو مفعولِ اول تھا اس کو نائب الفاعل بنا دیا گیا، تو کلام کیا بن گیا؟ أُعْطِيَ زَيْدٌ دِرْهَمًا۔ یہ مثال دیکھ رہے ہیں کتاب میں بھئی؟ ایک سطر کے بعد ہے: أُعْطِيَ زَيْدٌ دِرْهَمًا۔ تو أُعْطِيَ فعل مجہول ہے، زَيْدٌ یہ اس کا نائب الفاعل ہے، اور یہ دِرْهَمًا یہ مفعول بہ ہے۔ اب تعریف پر اشکال یہ ہوتا ہے: آپ نے ہمیں کیا کہا؟ آپ نے ہمیں کیا کہا؟ کہ مفعول بہ کسے کہتے ہیں؟ جس پر فاعل کا فعل واقع ہو۔ کہتے ہیں تو یہاں، تو یہ دِرْهَمًا یہ بالاتفاق مفعول بہ ہے، لیکن یہ اس تعریف سے نکل گیا، کیونکہ آپ نے تعریف کیا کی کہ مفعول بہ کسے کہتے ہیں جس پر فاعل کا فعل واقع ہو، اور دِرْهَمًا پر جو أُعْطِيَ فعل واقع ہو رہا ہے وہ فاعل کا فعل نہیں ہے، بلکہ أُعْطِيَ زَيْدٌ، یہ تو زید یعنی نائب الفاعل کا فعل ہے۔ کس کا فعل ہے؟ نائب الفاعل یعنی مَفْعُولُ مَا لَمْ يُسَمَّ فَاعِلُهُ کا فعل اس پر واقع ہو رہا ہے۔ اشکال سمجھ میں آیا؟ تو یہ دِرْهَمًا، یہ بالاتفاق مفعول بہ ہے، لیکن آپ نے کیا کہا کہ مفعول بہ کسے کہتے ہیں جس پر فاعل کا فعل واقع ہو، تو یہ تو تعریف سے نکل گیا، تو آپ کی تعریف جامع بھی نہیں۔ آپ کی تعریف جامع بھی نہیں، مانع بھی نہیں۔ جامع کیوں نہیں؟ کیونکہ أُعْطِيَ زَيْدٌ دِرْهَمًا، یہ دِرْهَمًا نکل گیا کیونکہ اس پر فاعل کا فعل واقع نہیں ہو رہا بلکہ اس پر مَفْعُولُ مَا لَمْ يُسَمَّ فَاعِلُهُ کا فعل واقع ہو رہا ہے۔ اور آپ کی تعریف مانع بھی نہیں، اس کے اندر ضُرِبَ زَيْدٌ کے اندر یہ جو زَيْدٌ ہے یہ داخل ہوا کیونکہ اس پر فعل واقع ہو رہا ہے، اس پر فعل واقع ہو رہا ہے، حالانکہ بالاتفاق یہ مفعول بہ نہیں کیونکہ مفعول بہ تو منصوب ہوتا ہے۔

تو صاحبِ جامی آپ کو بتلائیں گے کہ بھئی یہ جو ہم نے تقریر کی وہ تقریر لے لیجیے تو سارے اشکالات ختم ہو جائیں گے۔ ہم نے کیا تقریر کی؟ کہ جس فعل کا مفعول بہ سے تعلق ہو، اسی فعل کا فاعل کی طرف اسناد بھی معتبر ہو، یعنی اس کا فاعل بھی وہاں ہونا چاہیے۔ آسان لفظوں میں یوں کہو کہ مفعول بہ الگ ہو اور فاعل الگ ہو بھئی، یعنی مفعول بہ سے اس فعل کا تعلق الگ ہو اور فاعل یا نائب فاعل کی طرف اس کا اسناد الگ ہو۔ اب ضُرِبَ زَيْدٌ تعریف سے نکل گیا۔ اس لیے کیونکہ ضُرِبَ زَيْدٌ، اس میں ٹھیک ہے زید پر ضرب واقع تو ہے، زید پر ضرب واقع تو ہے، تو اگر آپ اس کو مفعول بہ کہتے ہیں، تو ہم نے کیا کہا وہ فعل کیسا ہونا چاہیے؟ کہ اس کا اسناد فاعل یا نائب فاعل کی طرف بھی الگ سے ہونا چاہیے۔ تو اگر آپ اس

کو مفعول بہ کہنا چاہتے ہیں تو فاعل کی طرف اسناد کدھر ہے؟ اور اگر آپ اس کو نائب الفاعل قرار دیتے ہیں تو پھر مفعول بہ کدھر ہے بھئی؟ بات سمجھ میں آگئی؟ تو ایک وقت میں ایک چیز ہو سکتی ہے، تو جب کہ مفعول بہ میں کیا ضروری ہے کہ جس فعل کا اس کے ساتھ تعلق ہو، اسی فعل کا اسناد فاعل کی طرف بھی ہو رہا ہو۔ تو یہاں پر اگر آپ ضُرِبَ زَيْدٌ، آپ اس زید کو داخل کرنا چاہتے ہیں تعریف میں یہ کہہ کر کہ اس پر فعل واقع ہوا ہے، تو پھر اس فعل کا اسناد فاعل کی طرف کہاں ہے بھئی؟ ہم نے کہا وہ بھی معتبر ہونا چاہیے۔ اور اگر آپ کہتے ہیں اسی کی طرف جو اسناد ہو رہا ہے یہ فاعلِ حکمی ہے کیونکہ یہ نائب الفاعل ہے، تو پھر مفعول بہ کدھر ہے؟ اس کے ساتھ فعل کا تعلق الگ ہونا چاہیے۔ بات سمجھ میں آگئی؟

اور نیز أُعْطِيَ زَيْدٌ دِرْهَمًا، یہ مثال بھی تعریف کے اندر داخل ہو گئی۔ آپ نے تو کہا تھا یہ داخل نہیں ہو رہی، کہتے ہیں ہماری تقریر لے لیں پھر یہ تعریف کے اندر داخل ہو گئی۔ ہم نے کیا تعریف کی؟ کہ جس فعل کا تعلق مفعول بہ سے ہے اس فعل کا اسناد فاعل کی طرف بھی معتبر ہو، اور وہ فاعل ہونا عام ہے، چاہے حقیقتاً فاعل ہو چاہے حکماً فاعل ہو۔ حکماً فاعل میں کون آگیا؟ مَفْعُولُ مَا لَمْ يُسَمَّ فَاعِلُهُ۔ تو یہاں پر بھی دِرْهَمًا پر، دِرْهَمًا پر أُعْطِيَ فعل واقع ہے، اور یہ فعل کس کا ہے؟ زید کا ہے، زید حقیقتاً فاعل تو نہیں لیکن حکماً فاعل ہے۔ تو جس وقت، جس وقت أُعْطِيَ کا تعلق دِرْهَمًا سے ہو رہا ہے، اسی وقت أُعْطِيَ کا جو یہ اسناد ہو رہا ہے زَيْدٌ کی طرف وہ بھی موجود ہے، وہ بھی معتبر ہے بھئی۔ تو لہٰذا دِرْهَمًا کیا ہوا؟ تعریف کے اندر داخل ہو گیا۔

لہٰذا کہتے ہیں جب ہماری یہ تقریر آپ لے لیں گے، تو وہ اشکال بھی ختم ہو گیا جو بعض علماء نے کیا ہے کہ تعریف کے اندر جو ذکر کیا گیا مَا وَقَعَ عَلَيْهِ فِعْلُ الْفَاعِلِ، کہ یہ فاعل کا لفظ تو بیکار ہے۔ تو کہتے ہیں اب ہماری تقریر سے آپ کو پتا چل گیا کہ یہ فاعل کا لفظ بیکار نہیں ہے، بلکہ یہ صرف یہ بتلانے کے لیے لایا گیا ہے کہ وہ فعل جو، جس کا تعلق مفعول بہ سے ہو رہا ہے اس فعل کا اسناد فاعل کی طرف بھی ہونا چاہیے، وہ اسناد معتبر ہو بھئی۔ بات سمجھ میں آگئی؟ حل ہو گیا؟

دیکھیے بھئی، کہتے ہیں: وَالْمُرَادُ بِفِعْلِ الْفَاعِلِ، اور فاعل کے فعل سے مراد، یہ جو متن میں آیا نا فاعل کا فعل، اس سے مراد جو ہے فِعْلٌ اعْتُبِرَ إِسْنَادُهُ، ایسا فعل ہے کہ معتبر ہو اس کا اسناد إِلَى مَا هُوَ فَاعِلٌ حَقِيقَةً أَوْ حُكْمًا، اس چیز کی طرف جو فاعل ہو حقیقتاً یا حکماً۔ اس فعل سے وہ فعل مراد ہے جس کا اسناد فاعل کی طرف معتبر ہو، چاہے فاعل حقیقی ہو چاہے حکمی ہو۔ فَخَرَجَ بِهِ مِثْلُ زَيْدٌ فِي ضُرِبَ زَيْدٌ عَلَى صِيغَةِ الْمَجْهُولِ، تو اس قید کی وجہ سے، یہ جو قید ذکر کی وَقَعَ عَلَيْهِ فِعْلُ الْفَاعِلِ، اس قید کی وجہ سے نکل جائیں گے زَيْدٌ جیسے لفظ بھی جو ضُرِبَ زَيْدٌ کے اندر آئے ہیں، عَلَى صِيغَةِ الْمَجْهُولِ، کس حال میں؟ کہ یہ مجہول کے صیغے پر ہے۔ فَإِنَّهُ لَمْ يُعْتَبَرْ إِسْنَادُهُ إِلَى فَاعِلِهِ، اس لیے کیونکہ یہ جو فعل ہے اس کی اسناد اس کے فاعل کی طرف معتبر نہیں۔ اس کے فاعل کی طرف یہاں اسناد نہیں ہو رہی، کیونکہ فاعل وہ تو جا چکا ہے، اس مفعول نے اس کی جگہ لے لی ہے۔ تو اب، اب ٹھیک ہے فعل اس پر واقع تو ہے، لیکن فعل کا اسناد اس وقت، ضُرِبَ زَيْدٌ، جس وقت ضُرِبَ کا تعلق

کس سے آرہا ہے؟ زید سے آرہا ہے، کیا الگ اسناد فاعل کی طرف ہو رہا ہے؟ نہیں، کیونکہ فاعل تو جا چکا ہے، زید نے اس کی جگہ لے لی ہے بھئی۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو بے شک اس پر فاعل کا فعل واقع ہے، لیکن اس فعل کا اسناد اس وقت کسی فاعل کی طرف نہیں ہو رہا بلکہ وہ تو خود اسی کی طرف ہو رہا ہے بھئی۔

آگے دیکھیے، کہتے ہیں: وَلَا يُشْكَلُ بِمِثْلِ أُعْطِيَ زَيْدٌ دِرْهَمًا، اور نیز اشکال نہیں کیا جائے گا أُعْطِيَ زَيْدٌ دِرْهَمًا جیسی مثالوں کے ذریعے۔ جی وَلَا يُشْكَلُ اس کا عطف ہے فَخَرَجَ بِهِ پر، کہ فعل سے کیا مراد ہے؟ وہ فعل جس کا اسناد فاعل کی طرف معتبر بھی ہو، تو اس سے یہ ضُرِبَ زَيْدٌ جیسی مثالیں بھی نکل جائیں گی، وَلَا يُشْكَلُ بِمِثْلِ أُعْطِيَ زَيْدٌ دِرْهَمًا، اور اس جیسی مثالوں کو لے کر اشکال اور اعتراض بھی نہیں کیا جا سکتا بھئی۔ فَإِنَّهُ يَصْدُقُ عَلَى دِرْهَمًا، اس لیے کیونکہ درہم پر یہ بات صادق آتی ہے کہ أَنَّهُ وَقَعَ عَلَيْهِ فِعْلُ الْفَاعِلِ الْحُكْمِيِّ، کہ اس پر واقع ہو رہا ہے فاعلِ حکمی کا فعل۔ فاعلِ حقیقی کا فعل تو نہیں واقع ہو رہا درہم پر لیکن فاعلِ حکمی کا فعل واقع ہو رہا ہے۔ کون سا فاعلِ حکمی؟ الْمُعْتَبَرِ إِسْنَادُ الْفِعْلِ إِلَيْهِ، کہ اس کی طرف فعل کا اسناد معتبر بھی ہے۔ أُعْطِيَ زَيْدٌ دِرْهَمًا، یہاں فاعلِ حکمی کون؟ توجہ ہے؟ اس مثال پہ نظر رکھیں، أُعْطِيَ زَيْدٌ دِرْهَمًا، یہ دِرْهَمًا مفعول بہ ہے، اور اس پر أُعْطِيَ کا فعل واقع ہو رہا ہے، اور یہ أُعْطِيَ فعل کس کا ہے؟ اس فاعلِ حکمی کا فعل ہے، وہ جو زید ہے، یہ اس فاعلِ حکمی کا فعل ہے کہ جس کی طرف فعل کا اسناد معتبر بھی ہے، یعنی فعل کا اسناد اس کی طرف ہو بھی رہا ہے بھئی۔

اور یہاں یہ عبارت کو دیکھیں بھئی: فَإِنَّهُ يَصْدُقُ عَلَى دِرْهَمًا أَنَّهُ وَقَعَ عَلَيْهِ فِعْلُ الْفَاعِلِ الْحُكْمِيِّ الْمُعْتَبَرِ إِسْنَادُ الْفِعْلِ إِلَيْهِ۔ یاد رکھو اس میں یہ فِعْلُ مضاف ہے اور الْفَاعِلِ مضاف الیہ، اور آگے الْحُكْمِيِّ اور الْمُعْتَبَرِ یہ دونوں صفتیں ہیں فاعل کی، وہ فاعل جو حکمی ہے، یعنی فاعل حقیقی نہیں نائب الفاعل ہے، اور الْمُعْتَبَرِ یہ صفتِ ثانی ہے فاعل کے لیے۔ تو الْحُكْمِيِّ اور الْمُعْتَبَرِ یہ دونوں مجرور ہوں گے کیونکہ ان کا موصوف مجرور ہے، لیکن پھر یاد رکھنا یہ جو الْمُعْتَبَرِ ہے، یہ صفت بحال متعلقہ ہے، یعنی لفظوں میں تو یہ صفت ہے فاعل کی، لیکن معنیٰ کے اعتبار سے یہ إِسْنَادُ الْفِعْلِ إِلَى الْفَاعِلِ کی۔ دیکھو الْمُعْتَبَرِ یہ اسمِ مفعول ہے اور اس کے لیے نائب الفاعل چاہیے، وہ نائب الفاعل آگے اسمِ ظاہر آرہا ہے، إِسْنَادُ الْفِعْلِ إِلَيْهِ، کہ اس فاعل کی طرف فعل کا اسناد جو ہے۔ تو ترجمہ کیا ہوا؟ کہ واقع ہوا ہے اس پر فِعْلُ الْفَاعِلِ الْحُكْمِيِّ، اس فاعلِ حکمی کا فعل، الْمُعْتَبَرِ إِسْنَادُ الْفِعْلِ إِلَيْهِ، کہ جس کی طرف اس فعل کا اسناد معتبر ہے، وہ فاعل کہ جس کی طرف اس فعل کا اسناد معتبر ہے، یعنی وہ فاعل بھی وہاں موجود ہونا چاہیے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو بتلانا مقصد یہ تھا کہ یہ الْمُعْتَبَرِ یہ صفت بحال متعلقہ ہے اور آگے جو إِسْنَادُ الْفِعْلِ إِلَيْهِ آرہا ہے یہ اس کا نائب الفاعل ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟

تو یہ معنیٰ ہے فَإِنَّهُ يَصْدُقُ عَلَى دِرْهَمًا، اس لیے کیونکہ دِرْهَمًا پر یہ بات صادق آتی ہے کہ أَنَّهُ وَقَعَ عَلَيْهِ فِعْلُ الْفَاعِلِ

الْحُكْمِيِّ الْمُعْتَبَرِ إِسْنَادُ الْفِعْلِ إِلَيْهِ، کہ اس پر واقع ہوا ہے اس فاعلِ حکمی کا فعل الْمُعْتَبَرِ إِسْنَادُ الْفِعْلِ إِلَيْهِ کہ جس کی طرف فعل کی اسناد معتبر ہے، یعنی اس کا بھی اعتبار کیا گیا ہے۔ فَإِنَّ مَفْعُولَ مَا لَمْ يُسَمَّ فَاعِلُهُ فِي حُكْمِ الْفَاعِلِ، اس لیے کیونکہ مفعولِ ما لم یسمَّ فاعلہ جو ہے وہ بھی فاعل کے حکم میں ہوتا ہے۔ وَبِمَا ذَكَرْنَا، اور یہ جو ہم نے ذکر کر دیا یعنی جو تقریر ہم نے کر دی، ظَهَرَ فَائِدَةُ ذِكْرِ الْفَاعِلِ، تو اس سے تعریف کے اندر جو فاعل کا لفظ آیا تھا، اس لفظِ فاعل کو ذکر کرنے کا فائدہ بھی ظاہر ہو گیا۔ تو کہتے ہیں وَبِمَا ذَكَرْنَا ظَهَرَ فَائِدَةُ ذِكْرِ الْفَاعِلِ، اور وہ جو ہم نے ذکر کر دیا اس سے فاعل کے ذکر کا فائدہ بھی ظاہر ہو گیا۔ فَلَا يَرِدُ، لہٰذا یہ اعتراض وارد نہیں ہوتا کہ أَنَّهُ لَوْ قَالَ مَا وَقَعَ عَلَيْهِ الْفِعْلُ لَكَانَ أَخْصَرَ، کہ اگر ماتن جو ہیں وہ مَا وَقَعَ عَلَيْهِ الْفِعْلُ کہہ دیتے اور فاعل کو ذکر نہ کرتے لَكَانَ أَخْصَرَ، تو یہ کلام زیادہ مختصر ہوتا اور بہتر ہوتا۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو کہتے ہیں یہ اعتراض بھی نہیں ہو سکتا۔

نَحْوُ ضَرَبْتُ زَيْدًا، جیسے ضَرَبْتُ زَيْدًا۔ فَإِنَّ زَيْدًا قَدْ وَقَعَ عَلَيْهِ بِلَا وَاسِطَةِ حَرْفِ الْجَرِّ، اس لیے کیونکہ یہ جو زید کا لفظ ہے، اس پر واقع ہوا ہے بلا واسطہ حرفِ جر کے۔ بھئی کیا واقع ہوا ہے؟ کہتے ہیں فِعْلٌ اعْتُبِرَ إِسْنَادُهُ إِلَى الْفَاعِلِ، ایسا فعل جس کا اسناد اس کے فاعل کی طرف معتبر ہے، وہ فاعل الَّذِي هُوَ ضَمِيرُ الْمُتَكَلِّمِ، جو متکلم کی ضمیر ہے۔

ضَرَبْتُ زَيْدًا، توجہ ہے؟ ضَرَبْتُ زَيْدًا، اس میں زَيْدًا پر یہ ضَرَبْتُ کا فعل واقع ہوا ہے بغیر کسی حرفِ جر کے واسطے کے، اور یہ ضَرَبْتُ ایسا فعل ہے کہ جس کا اسناد اس کے فاعل کی طرف بھی معتبر ہے اور وہ متکلم کی ضمیر ہے۔

آگے دیکھیے، کہتے ہیں: وَقَدْ يَتَقَدَّمُ الْمَفْعُولُ بِهِ عَلَى الْفِعْلِ، اور کبھی کبھار مفعول بہ مقدم ہو جاتا ہے فعل پر، وہ فعل الْعَامِلِ فِيهِ جو اس کے اندر عمل کر رہا ہے، لِقُوَّةِ الْفِعْلِ فِي الْعَمَلِ، بوجہ فعل کے عمل کے اندر قوی ہونے کے۔ فعل قوی عامل ہے بھئی، فعل اپنے مابعد میں بھی عمل کرتا ہے اور اپنے سے ماقبل میں بھی عمل کرتا ہے، اور نیز یاد رکھنا یہ اسمِ فاعل اسمِ مفعول بھی اسی طرح ہیں بھئی۔ تو کہتے ہیں لِقُوَّةِ الْفِعْلِ فِي الْعَمَلِ، بوجہ فعل کے عمل کے اندر قوی ہونے کے، فَيَعْمَلُ فِيهِ مُتَقَدِّمًا وَمُتَأَخِّرًا، تو فعل اس مفعول بہ کے اندر عمل کرتا ہے مُتَقَدِّمًا اس حال میں کہ وہ مقدم ہو وَمُتَأَخِّرًا اور اس حال میں کہ وہ مؤخر ہو۔

إِمَّا جَوَازًا، اب آپ کو بتائیں گے کہ بھئی یہ جو مفعول بہ کو فعل پر مقدم کیا جاتا ہے، یہ کبھی جوازاً ہوتا ہے، کبھی وجوباً ہوتا ہے، اور کبھی ممتنع ہوتا ہے یعنی اس کو فعل پر آپ مقدم کر ہی نہیں سکتے۔ توجہ ہے؟ صاحبِ کافیہ نے کیا کہا کہ مفعول بہ کو کبھی فعل پر مقدم کیا جاتا ہے۔ صاحبِ جامی بتائیں گے کہ یہ مفعول بہ کو فعل پر مقدم کرنا کبھی جائز ہوتا ہے، آپ مقدم کریں یا نہ کریں جائز ہے، اور کبھی یہ واجب ہوتا ہے، آپ کو ہر حال میں اس کو مقدم ہی کرنا پڑے گا، اور بعض اوقات کوئی

مانع آجاتا ہے تو وہاں پھر مفعول بہ کو فعل پر مقدم کرنا ممتنع ہوتا ہے، تینوں ذکر کریں گے۔

کہتے ہیں: إِمَّا جَوَازًا، یا تو یہ مقدم کرنا جوازاً ہو گا، مِثْلُ مثال کے طور پر: اللَّهَ أَعْبُدُ۔ یہ اللَّهَ، یہ لفظِ اللہ مفعول بہ مقدم ہے اور أَعْبُدُ فعل ہے۔ اصل کلام یوں تھا: أَعْبُدُ اللَّهَ، لفظِ اللہ مؤخر تھا، تو معنیٰ کیا ہو گا؟ أَعْبُدُ اللَّهَ، میں اللہ کی عبادت کرتا ہوں۔ أَعْبُدُ فعل، أَنَا ضمیر فاعل، اور لفظِ اللہ منصوب ہے مفعول بہ ہے۔ میں اللہ کی عبادت کرتا ہوں، لیکن اس سے اور چیزوں کی عبادت کی نفی نہیں ہوئی۔ تو لہٰذا مفعول بہ کو مقدم کر دیا گیا، تو کیا بن گیا؟ اللَّهَ أَعْبُدُ۔ اور آپ نے ضابطہ پڑھا ہے: تَقْدِيمُ مَا حَقُّهُ التَّأْخِيرُ يُفِيدُ الْحَصْرَ وَالْقَصْرَ وَالتَّخْصِيصَ، کہ وہ چیز جس کو مؤخر کرنا چاہیے تھا اس کو جب مقدم کر دیا جائے تو وہ حصر، قصر اور تخصیص کا فائدہ دیتا ہے۔ اور تخصیص کسے کہتے ہیں؟ کہ مذکور کے لیے ایک چیز کا اثبات ہو تو غیرِ مذکور سے اس کی نفی ہو جائے۔ تو اب یہاں تخصیص آگئی، اللَّهَ أَعْبُدُ، میں اللہ ہی کی عبادت کرتا ہوں، معلوم ہوا کسی اور چیز کی عبادت نہیں کرتا۔ دیکھا، یہاں اللہ کے لیے عبادت کا اثبات ہے تو باقی سب سے عبادت کی نفی ہو گئی، یہ ہے تخصیص بھئی۔ اسی طرح آپ کہتے ہیں ضَرَبْتُ زَيْدًا، کیا ترجمہ؟ میں نے زید کی پٹائی کی۔ اور زَيْدًا کو مقدم کر دیں، زَيْدًا ضَرَبْتُ، اب کیا معنیٰ؟ میں نے زید ہی کی پٹائی کی، معلوم ہوا عمرو، بکر کی پٹائی نہیں کی بھئی۔

تو کہتے ہیں إِمَّا جَوَازًا، یا تو یہ مقدم کرنا جوازاً ہو گا، مِثْلُ اللَّهَ أَعْبُدُ میں اللہ ہی کی عبادت کرتا ہوں، وَوَجْهَ الْحَبِيبِ أَتَمَنَّىٰ۔ وَجْهَ الْحَبِيبِ یہ مفعول بہ مقدم ہے اور أَتَمَنَّىٰ فعل ہے۔ وَجْهَ الْحَبِيبِ، حبیب کا چہرہ یعنی محبوب کا چہرہ، أَتَمَنَّىٰ میں اس کی تمنا کرتا ہوں۔ تو وَجْهَ الْحَبِيبِ مفعول بہ ہے، اس کو فعل پر مقدم کر دیا گیا تو یہاں تخصیص آگئی، وَجْهَ الْحَبِيبِ أَتَمَنَّىٰ، میں محبوب کے چہرے ہی کی تمنا کرتا ہوں کہ اسی کی زیارت ہو جائے، اس کا دیدار ہو جائے۔

وَإِمَّا وُجُوبًا، یا وہ مفعول بہ کو مقدم کرنا وجوباً ہو گا، فِيمَا تَضَمَّنَ مَعْنَى الِاسْتِفْهَامِ أَوِ الشَّرْطِ، یہ اس مفعول بہ کے اندر جو متضمن ہو استفہام کے معنیٰ کو یا شرط کے معنیٰ کو۔ نَحْوُ مثال کے طور پر: مَنْ رَأَيْتَ؟ مَنْ رَأَيْتَ؟ ذرا معنیٰ پہ غور کرو، مَنْ رَأَيْتَ، کیا ترجمہ؟ آپ نے کس کو دیکھا؟ تو یہ مَنْ کیا واقع ہو رہا ہے؟ معنیٰ پہ غور کرو آپ کو بات سمجھ میں آجائے گی، مَنْ رَأَيْتَ، کیا بن رہا ہے؟ مفعول بھئی، اس کو ذرا مؤخر کرو، رَأَيْتَ مَنْ، آپ نے دیکھا مَنْ کس کو؟ دیکھا یہ مفعول ہے، لیکن اس کو مقدم کر دیا گیا کیونکہ یہ استفہام کے معنیٰ پر مشتمل ہے۔ مَنْ رَأَيْتَ؟ آپ نے کس کو دیکھا؟ اور اس مَنْ کو مقدم کرنا واجب ہے، یہ مفعول بہ ہے اور اس کو مقدم کرنا واجب کیونکہ یہ استفہام کے معنیٰ پر مشتمل ہے اور استفہام صدارتِ کلام کو چاہتا ہے، تاکہ کلام کے شروع سے ہی سننے والے کو پتا چل جائے کہ مجھ سے سوال پوچھا جا رہا ہے۔ اگر اس لفظ کو آخر میں لائیں گے، استفہام والے لفظ کو آخر میں لائیں گے، تو متکلم اتنی توجہ ہی نہیں کرے گا کہ عام سی بات چل رہی ہے، آخر میں جا کے اس کو پتا چلے گا او ہو یہ تو میرے سے سوال پوچھا جا رہا تھا۔ لہٰذا تاکہ متکلم پوری طرح متوجہ ہو جائے، شروع سے ہی اس

کو پتا چل جائے کہ مجھ سے کوئی بات پوچھی جا رہی ہے، تو استفہام والے لفظ کو شروع میں لاتے ہیں۔ تو مَنْ رَأَيْتَ، یہ مَنْ کیا ہے؟ اعراب کیا اس کا؟ منصوب محلاً مفعول بہ مقدم، رَأَيْتَ فعل با فاعل، تَا ضمیر مرفوع محلاً اس کا فاعل، فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہوا کیونکہ استفہام ہے۔

یا شرط ہو جیسے: وَمَنْ تُكْرِمْ يُكْرِمْكَ، مَنْ تُكْرِمْ آپ جس کا اکرام کریں گے يُكْرِمْكَ وہ آپ کا اکرام کرے گا۔ تو مَنْ، مَنْ یہ شرطیہ ہے اور یہ مفعول بہ مقدم ہے، دیکھو معنیٰ پہ غور کرو، تُكْرِمُ مَنْ، آپ اکرام کریں گے مَنْ جس کا۔ دیکھا یہ مفعول بہ ہے بھئی۔ تو لہٰذا اس کو مقدم کر دیا گیا، مَنْ تُكْرِمْ۔ مَنْ شرطیہ ہے، توجہ ہے؟ مَنْ تُكْرِمْ، یہ شرطیہ ہے، یہ مفعول بہ مقدم ہے، تو ترکیب کیسے ہو گی؟ مَنْ بولو مفعول بہ ہے بھئی، منصوب محلاً مفعول بہ مقدم، تُكْرِمْ فعل، أَنْتَ ضمیر مرفوع محلاً اس کے اندر فاعل، فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر شرط۔ يُكْرِمْكَ، يُكْرِمْ فعل، اس کے اندر هُوَ ضمیر مرفوع محلاً اس کا فاعل، اور کاف ضمیر منصوب محلاً مفعول بہ، فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر جزا، اور یہ هُوَ ضمیر مَنْ کو راجع ہے، کس کو راجع ہے؟ مَنْ کو۔ تو شرط جزا مل کر، شرط جزا مل کر، ہاں جزائیہ نہیں کہنا بھئی، جملہ شرط جزا مل کر جملہ شرطیہ ہوا بھئی۔

کہتے ہیں: هٰذَا إِذَا لَمْ يَكُنْ مَانِعٌ مِنَ التَّقْدِيمِ، یہ اس وقت ہے یعنی مفعول بہ کا مقدم کرنا فعل پر یہ اس وقت ہے إِذَا لَمْ يَكُنْ مَانِعٌ مِنَ التَّقْدِيمِ، جب کوئی چیز مانع نہ ہو اس کو مقدم کرنے سے، كَوُقُوعِهِ فِي حَيِّزِ أَنْ، جیسے کہ مفعول بہ کا واقع ہونا فِي حَيِّزِ أَنْ، حَيِّز کا معنیٰ ہے جگہ اور مکان بھئی، جیسے کہ مفعول بہ کا واقع ہونا فِي حَيِّزِ أَنْ، أَنْ کے حَيِّز میں، أَنْ کے جگہ میں، أَنْ کی جگہ یعنی أَنْ کے تحت، أَنْ کے بعد واقع ہونا۔ أَنْ جن پر داخل ہوا ہے وہ أَنْ کی جگہ ہے، بات سمجھ میں آ گئی؟ تو یہ أَنْ کی جگہ میں یعنی أَنْ کے بعد واقع ہوا ہے۔ نَحْوُ مثال کے طور پر: مِنَ الْبِرِّ، بِرٌّ نیکی کو کہتے ہیں، مِنَ الْبِرِّ نیکی میں سے ہے أَنْ تَكُفَّ لِسَانَكَ کہ آپ اپنی زبان کو روکیں، آپ اپنی زبان کو روکیں۔ یعنی زبان کو روکنا اور بیکار باتیں نہ کرنا یہ کس میں سے ہے؟ نیکی میں سے ہے۔ تو مِنَ الْبِرِّ یہ جار مجرور آیا اور آپ جانتے ہیں جار مجرور کبھی بھی مسند الیہ نہیں بن سکتے یعنی مبتدا نہیں بن سکتے بلکہ وہ خبر بنیں گے، تو یہ مِنَ الْبِرِّ خبرِ مقدم۔ اور أَنْ تَكُفَّ لِسَانَكَ، كَفَّ يَكُفُّ فعل، أَنْتَ ضمیر اس کے اندر فاعل ہے مرفوع محلاً، لِسَانَكَ یہ مضاف مضاف الیہ مل کر مفعول بہ، فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر أَنْ کی وجہ سے بتاویلِ مفرد یہ مبتدا مؤخر۔ یہ أَنْ کیا کرتا ہے؟ یہ فعل پر داخل ہوتا ہے، جملے پر داخل ہوتا ہے اور اس کو مصدر کے معنیٰ میں کر دیتا ہے، یہ أَنْ مصدریہ۔ تو أَنْ تَكُفَّ لِسَانَكَ، تو یہ مصدر کے معنیٰ میں ہو گیا، تو یہ تَكُفَّ کس معنیٰ میں ہوا؟ كَفٌّ کے معنیٰ میں ہو گیا، أَيْ كَفُّكَ لِسَانَكَ، آپ کا اپنی زبان کو روکنا، یہ ہے مبتدا مؤخر بھئی۔

اب دیکھو بات یہ چل رہی ہے کہ یہ لِسَانَكَ یہ مفعول بہ ہے، کس کے لیے؟ تَكُفُّ فعل کے لیے، توجہ ہے؟ تَكُفُّ فعل کے لیے۔ بتلا یہ رہے ہیں صاحبِ جامی کہ مفعول بہ کو فعل پر مقدم کرنا کبھی جائز ہوتا ہے اور کبھی واجب اور کبھی ممتنع ہوتا ہے

جب کوئی مانع آجائے، اور یہاں پر یہ أَنْ آگیا۔ اب یہ أَنْ جو ہے، یہ لِسَانَکَ کو فعل پر مقدم نہیں ہونے دے گا، یہ اس کے لیے مانع بن گیا۔ یہ کیا بن گیا؟ اس کے لیے مانع بن گیا۔ یہ لِسَانَکَ اس کو آپ تَکُفَّ پر مقدم کردیں اور یوں کہیں: أَنْ لِسَانَکَ تَکُفَّ، یوں بھی نہیں کہہ سکتے، اور آپ لِسَانَکَ کو أَنْ تَکُفَّ سارے پر مقدم کردیں اور یوں کہیں: لِسَانَکَ أَنْ تَکُفَّ، یہ بھی نہیں کہہ سکتے۔ توجہ ہے؟ یہ لِسَانَکَ جو مفعول بہ ہے کس فعل کا؟ تَکُفَّ فعل کا، کون سا تَکُفُّ فعل؟ جس پر أَنْ داخل ہے، تو یہ جو فعل جس پر أَنْ داخل ہے اس کے مفعول بہ کو اس فعل پر بھی مقدم نہیں کرسکتے اور أَنْ مع الفعل پر بھی مقدم نہیں کرسکتے۔ توجہ ہے؟ بھئی یاد رکھو، یاد رکھو، ایک قیمتی نکتہ میں پہلے بھی بیان کرچکا ہوں کہ جس طرح اسمِ موصول ہوتا ہے اسی طرح حرفِ موصول بھی ہے۔ جیسے اسمِ موصول کے لیے ہمیشہ صلہ چاہیے، الَّذِي ضَرَبَکَ، یہ الَّذِي اسمِ موصول ہے تو آگے ضَرَبَکَ یہ اس کے لیے صلہ ہے، اور موصول کے لیے ہمیشہ کیا چاہیے؟ صلہ۔ تو جیسے اسمِ موصول کے لیے ہمیشہ صلہ چاہیے اسی طرح کچھ حرفِ موصول بھی ہیں، ان کے لیے بھی ہمیشہ آگے صلہ چاہیے۔ اور جیسے اسمِ موصول کا صلہ ہمیشہ جملہ ہوتا ہے، حرفِ موصول کا صلہ بھی ہمیشہ جملہ ہوتا ہے۔ اور حرفِ موصول کون سے ہیں؟ تین ہیں، وہی حروفِ مصدر۔ حروفِ مصدر کون کون سے؟ أَنْ، مَا اور أَنَّ۔ أَنْ، مَا اور أَنَّ۔ أَنَّ یہ وہی أَنَّ ہے جو حروفِ مشبہ بالفعل میں آپ نے پڑھا ہے إِنَّ اور أَنَّ، تو یہ جو أَنَّ ہے یہ جملہ اسمیہ پر داخل ہوتا ہے، اس کے لیے ایک اسم چاہیے اور ایک خبر، تو یہ جملہ اسمیہ پر داخل ہوتا ہے اور یہ اس کو مصدر کے معنیٰ میں کردیتا ہے، تو یہ أَنَّ کیا ہے؟ حرفِ موصول، اور آگے جس جملے پر یہ داخل ہوا جس کو اس نے مصدر بنا دیا وہ اس کا صلہ ہے۔ تو یہ أَنَّ، یہ جملہ اسمیہ پر داخل ہوتا ہے جب کہ أَنْ اور مَا یہ فعل پر داخل ہوتے ہیں یعنی جملہ فعلیہ پر، جیسے یہاں پر أَنْ تَکُفَّ، أَنْ دیکھو فعل پر داخل ہے، اور یہ جو جملہ فعلیہ ہے یہ اس أَنْ کا صلہ ہے۔ اسی طرح مَا مصدریہ وہ بھی فعل پر داخل ہوتا ہے تو وہ جو فعل ہے وہ اپنے فاعل وغیرہ سے مل کر وہ اس کے لیے صلہ بنتا ہے۔ تو جیسے اسمِ موصول ہوتا ہے اسی طرح حرفِ موصول بھی آتا ہے، اور وہ حرفِ موصول کون کون سے ہیں؟ أَنْ، أَنَّ اور مَا۔ اور ان میں فرق کیا ہے؟ أَنَّ اس کے لیے جملہ اسمیہ صلہ چاہیے، اور أَنْ اور مَا اس کے لیے صلہ جملہ فعلیہ چاہیے۔ اور یہ بھی یاد رکھنا کہ یہ حرفِ موصول اور اسمِ موصول میں فرق یہ ہے، بھئی حرفِ موصول کے لیے بھی صلہ چاہیے، اسمِ موصول کے لیے بھی صلہ چاہیے، لیکن دونوں میں فرق یہ ہے، دونوں میں فرق یہ ہے کہ اسمِ موصول کا جو صلہ ہوتا ہے اس کا اسمِ موصول کے ساتھ ربط ضروری ہوتا ہے، تو اس کے اندر ایک ضمیر ہونی چاہیے جو اسمِ موصول کی طرف لوٹے۔ اسمِ موصول کا جو صلہ ہوتا ہے، چاہے جملہ اسمیہ ہو چاہے جملہ فعلیہ، اس کے اندر ایک ضمیر چاہیے جو کس کی طرف لوٹے؟ اسمِ موصول کی طرف، جب کہ حرفِ موصول کے اندر کوئی ضمیر نہیں چاہیے جو اس کو حرف کے ساتھ جوڑ دے، اس لیے کیونکہ ضمیر حرف کی طرف راجع نہیں ہو سکتی۔ بات سمجھ میں آگئی؟

تو جس طرح، توجہ سے سنو بھئی، اسمِ موصول ہے اسی طرح حرفِ موصول بھی ہے، اور اسمِ موصول کے فوراً بعد

کیا چاہیے؟ صلہ۔ موصول اور صلے کے درمیان فصل جائز نہیں کہ آپ موصول اور صلے کے درمیان کوئی اور چیز لے آئیں، کوئی اور لفظ ذکر کر دیں، یہ جائز نہیں۔ تو اسی طرح حرفِ موصول کے اندر بھی حرفِ موصول اور صلے کے درمیان فصل جائز نہیں۔ لہٰذا ذرا عبارت پہ نظر رکھیں: مِنَ الْبِرِّ أَنْ تَكُفَّ لِسَانَكَ، یہ أَنْ کیا ہے؟ حرفِ موصول، اور یہ تَكُفَّ یہ فعل کیا ہے اس کا؟ صلہ ہے۔ اگر آپ لِسَانَكَ کو تَكُفَّ پر مقدم کرتے ہیں، أَنْ اور تَكُفَّ کے درمیان لِسَانَكَ کو لے آئیں، تو کیا خرابی لازم آئی؟ حرفِ موصول اور اس کے صلے کے درمیان فصل آگیا، حالانکہ حرفِ موصول اور اس کے صلے کے درمیان فصل جائز نہیں۔ اور اگر آپ یہ جو لِسَانَكَ مفعول بہ ہے، اس کو أَنْ تَكُفَّ سارے پر مقدم کر دیں، بھئی آپ کہتے ہیں بھئی صرف تَكُفَّ پر ہم مقدم نہیں کر سکتے تو چلو سارے پر مقدم کر دیتے ہیں، یہ أَنْ تَكُفَّ سے پہلے لے آتے ہیں لِسَانَكَ اور یوں کہہ دیتے ہیں: لِسَانَكَ أَنْ تَكُفَّ، کہتے ہیں یہ بھی جائز نہیں، یہ بھی جائز نہیں۔ وجہ کیا؟ یا تو یوں کہہ لو کہ یہ أَنْ نے تَكُفَّ کو مصدر کے معنیٰ میں کر دیا، اور مصدر عاملِ ضعیف ہے، وہ اپنے مابعد میں تو عمل کرتا ہے، اپنے سے ماقبل میں وہ عمل نہیں کر سکتا، تو پھر لِسَانَكَ کو یہ أَنْ تَكُفَّ نصب نہیں دے سکتا۔ بات سمجھ میں آگئی؟ یا دوسرے لفظوں میں یوں کہو، دوسرے لفظوں میں یوں کہو کہ یہ جو أَنْ ہے یہ ہے موصول اور تَكُفَّ ہے اس کا صلہ، اور صلہ کبھی موصول پر مقدم نہیں ہو سکتا۔ معلوم ہوا یہ تَكُفَّ أَنْ پر مقدم نہیں ہو سکتا۔ جب یہ تَكُفَّ أَنْ پر مقدم نہیں ہو سکتا، تو لِسَانَكَ بطریقِ اولیٰ أَنْ پر مقدم نہیں ہو سکتا۔ کیوں؟ دیکھو تَكُفَّ ہے عامل، یہ لِسَانَكَ معمول ہے، اس کو نصب کس نے دیا؟ تَكُفَّ نے، تو تَكُفَّ ہوا عامل اور لِسَانَكَ ہے معمول۔ تو جب یہ تَكُفَّ أَنْ پر مقدم نہیں ہو سکتا، یعنی صلہ، صلہ موصول پر مقدم، تو جب تَكُفَّ جو صلہ ہے یعنی جو عامل ہے وہ أَنْ پر مقدم نہیں ہو سکتا، تو اس کا جو معمول ہے وہ بطریقِ اولیٰ أَنْ پر مقدم نہیں ہو سکتا۔ بات سمجھ میں آگئی؟

اور یہاں ایک اور بات بھی یاد رکھنا، ایک تو قیمتی نکتہ یہ ہمیشہ یاد رکھنا کہ جیسے اسمِ موصول ہوتا ہے اسی طرح حرفِ موصول بھی ہوتا ہے، اور اسمِ موصول کے لیے جیسے ہمیشہ صلہ چاہیے، حرفِ موصول کے لیے بھی ہمیشہ صلہ چاہیے، اور وہ تین ہیں أَنَّ، أَنْ اور مَا۔ ان میں فرق کیا ہے؟ أَنَّ جملہ اسمیہ اس کا صلہ چاہیے، اور أَنْ اور مَا اس کے لیے صلہ جملہ فعلیہ چاہیے، اور نیز یہ بھی یاد رکھنا موصول صلے کے درمیان فصل نہیں ہو سکتا۔ اب یہاں یہ صلہ کا لفظ آیا، صلہ کا لفظ یاد رکھنا نحو کے اندر تین چیزوں کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ صلہ ص کے ساتھ ہے۔ صلہ۔ ایک تو صلہ کا لفظ یہ موصول کے صلے کے لیے آتا ہے، چاہے اسمِ موصول ہو چاہے حرفِ موصول، جو ان کا صلہ ہوتا ہے وہ اس پر صلہ کا لفظ بولا جاتا ہے۔ اور نیز یہ صلہ کا لفظ زائد کے لیے بھی آتا ہے، کس کے لیے؟ زائد کے لیے، یہ میں پہلے بھی بیان کر چکا کہ قرآن کے اندر جو لفظ زائد آئے، یعنی اپنے معنیٰ کا فائدہ نہیں دے رہا، اس کو زائد نہیں کہتے بلکہ اس کو صلہ کہتے ہیں بطورِ ادب کے۔ اس لیے کیونکہ زائد کہو، تو پھر تو یوں معلوم ہوتا ہے جیسے یہ لفظ بالکل ہی زائد ہے، بیکار ہے، حالانکہ قرآن میں ایسا کوئی لفظ نہیں۔ تو زائد کا معنیٰ کیا ہوتا ہے؟ جو لفظ زائد ہوتا ہے کلامِ عرب میں، وہ بالکل بیکار اور زائد نہیں ہوتا بلکہ وہ کلام میں حسن بھی پیدا کرتا ہے اور

تاکید بھی۔ جیسے میں کہتا ہوں زَيْدٌ لَيْسَ بِإِنْسَانٍ، زید لَیْسَ بِإِنْسَانٍ، یہ بِإِنْسَانٍ یہ لَیْسَ کی خبر ہے اور لَیْسَ کی خبر منصوب ہوتی ہے، تو یوں کہنا چاہیے تھا زَيْدٌ لَيْسَ إِنْسَانًا، لیکن اس پر کبھی باءِ جارہ زائد لے آتے ہیں۔ تو یہ جو باءِ جارہ ہے یہ زائد ہے، زَيْدٌ لَيْسَ بِإِنْسَانٍ کے اندر یہ جو باءِ جارہ ہے یہ زائد۔ زائد ہونے کا کیا معنیٰ؟ یہ اپنے معنیٰ کا فائدہ نہیں دے رہی، بھئی با تو کئی معانی کے لیے آتی ہے، کبھی با سبب بتانے کے لیے آتی ہے، کبھی استعانت کے لیے آتی ہے، کبھی الصاق کے لیے آتی ہے، مختلف معانی کے لیے، تو یہ اپنے معنیٰ کا فائدہ نہیں دے رہی۔ لیکن اس کا یہ معنیٰ بھی نہیں کہ یہ با بالکل زائد ہے، بلکہ یہ کلام میں حسن بھی پیدا کر رہی ہے اور نیز یہ کلام میں تاکید اور زور بھی پیدا کر رہی ہے۔ بھئی جب یہ حسن بھی پیدا کر رہی ہے اور کلام کے اندر تاکید اور زور بھی پیدا کر رہی ہے، تو پھر اس کو زائدہ کیوں کہتے ہیں؟ بھئی زائدہ کا معنیٰ یہ ہے اپنے معنیٰ کا فائدہ نہیں دے رہی۔ با کو تو کلام میں حسن بڑھانے کے لیے نہیں وضع کیا گیا، با کو تو کلام کے اندر تاکید پیدا کرنے کے لیے نہیں وضع کیا گیا، بات سمجھ میں آگئی؟ اس کے تو اپنے الگ اور معانی ہیں، یہ اپنے معنیٰ میں سے کسی کا فائدہ نہیں دے رہی، اس لیے اس کو زائد کہتے ہیں۔ لیکن یہی اسی طرح کا کوئی حرف کوئی لفظ قرآن میں آجائے تو وہاں پھر زائد کا لفظ بھی نہیں بولتے بلکہ کیا کہتے ہیں؟ صلہ ہے، اور معنیٰ وہی ہوتا ہے، معنیٰ وہی ہے زائد کے، لیکن صلہ کا لفظ بطورِ ادب کہہ دیا اس لیے کیونکہ لفظِ زائد بولیں تو ذہن میں اولاً یوں آتی ہے بات شاید یہ بالکل ہی بیکار اور زائد ہے۔ تو قرآن میں جب حرفِ زائد آئے تو کیا لفظ بولتے ہیں؟ صلہ کہ یہ صلہ ہے۔ تو صلہ کا لفظ کس پر بولتے ہیں؟ ایک جو موصول کا صلہ ہوتا ہے، اسی طرح صلہ کا لفظ زائد کے لیے بھی استعمال کرتے ہیں یعنی قرآن میں۔ اسی طرح صلہ کا لفظ فعل کے ساتھ جو حرفِ جر استعمال ہو اس کو بھی اس فعل کا صلہ کہتے ہیں، جو حروفِ جارہ فعل کے ساتھ استعمال ہوتے ہیں ان کو اس فعل کا صلہ کہتے ہیں اور صلے کے بدلنے سے معنیٰ بدل جاتا ہے، جیسے میں کئی دفعہ ذکر کر چکا ہوں: دَعَوْتُ لَهُ، دَعَا يَدْعُو کے ساتھ لام استعمال ہوتا ہے، دَعَوْتُ لَهُ کا کیا معنیٰ؟ میں نے اس کے لیے دعا کی۔ اور اسی لام کی جگہ ذرا عَلَىٰ لے آؤ: دَعَوْتُ عَلَيْهِ، تو صلہ بدلا معنیٰ ہی بدل گیا، اب معنیٰ ہے میں نے اس کے لیے بددعا کی۔ آپ بھی لغت کے اندر دیکھیں گے ایک ہی فعل کے ساتھ حروفِ جارہ آگے ذکر ہوتے ہیں، حرفِ جر بدلتا جا رہا ہے تو وہ معنیٰ بھی بدلتا جا رہا ہے بھئی۔ تو فعل کے ساتھ جو حرفِ جر استعمال ہوتا ہے جو اس سے متعلق ہوتا ہے اس کو اس فعل کا صلہ کہتے ہیں اور صلے کے بدلنے سے فعل کا معنیٰ بدل جاتا ہے۔ تو صلہ کا لفظ نحو کے اندر کتنی چیزوں پر بولا جاتا ہے؟ تین چیزوں پر: موصول کے صلے پر، اور زائد پر، اور وہ جو فعل کے ساتھ حرفِ جر استعمال ہو اس پر بھئی۔ بات سمجھ میں آگئی؟

تو کہتے ہیں: نَحْوُ مِنَ الْبِرِّ أَنْ تَكُفَّ لِسَانَكَ، بات سمجھ میں آگئی؟ یہ لِسَانَكَ مفعول بہ ہے لیکن اس کو ہم تَكُفَّ پر بھی مقدم نہیں کر سکتے اور أَنْ تَكُفَّ پر بھی مقدم نہیں کر سکتے۔ معنیٰ سمجھ میں آگیا؟ مِنَ الْبِرِّ نیکی میں سے ہے أَنْ تَكُفَّ لِسَانَكَ کہ آپ اپنی

زبان کو روکیں، اپنی زبان کو روکنا بیکار اور فضول باتوں سے یہ بھی نیکی ہے بھئی۔

آگے دیکھیے، کہتے ہیں: وَقَدْ يُحْذَفُ الْفِعْلُ الْعَامِلُ فِي الْمَفْعُولِ بِهِ لِقِيَامِ قَرِينَةٍ۔ بھئی اب آپ کو بتلائیں گے کہ مفعول بہ کے فعل کو کبھی کبھار حذف کر لیا جاتا ہے اور یہ حذف کبھی جوازاً ہو گا اور کبھی وجوباً۔ جوازاً وہاں ہو گا جہاں پر کوئی قرینہ موجود ہو۔ قرینہ وہ چیز جو یہ بتلائے کہ یہاں پر یہ والا لفظ محذوف ہے، کوئی بھی چیز ہو، وہ لفظ بھی ہو سکتا ہے اور غیرِ لفظ بھی ہو سکتا ہے۔ مثلاً کسی نے، کسی نے آپ سے پوچھا: مَنْ أَضْرِبُ؟ میں کس کی پٹائی کروں؟ تو آپ جواب میں کہتے ہیں: زَيْدًا۔ دیکھا زَيْدًا کے فعل اِضْرِبْ کو آپ نے حذف کر لیا۔ اس نے پوچھا مَنْ أَضْرِبُ، میں کس کی پٹائی کروں؟ آپ کو کہنا چاہیے اِضْرِبْ زَيْدًا کہ تو زید کی پٹائی کر، تو اِضْرِبْ فعل کو آپ نے حذف کر لیا، کیوں؟ کیونکہ قرینہ موجود ہے، سوال کے اندر ضرب کا فعل ذکر ہو چکا ہے، تو یہاں پر اب اِضْرِبْ زَيْدًا یہاں فعل کو حذف کرنا جائز ہے۔ آپ چاہیں تو صرف زَيْدًا کہیں اور آپ چاہیں تو اِضْرِبْ زَيْدًا کہیں بھئی۔

تو کہتے ہیں: وَقَدْ يُحْذَفُ الْفِعْلُ الْعَامِلُ فِي الْمَفْعُولِ بِهِ، اور کبھی کبھار اس فعل کو حذف کر لیا جاتا ہے جو مفعول بہ میں عامل ہوتا ہے، لِقِيَامِ قَرِينَةٍ، أَيْ وَقْتَ قِيَامِ قَرِينَةٍ، جس وقت قرینہ قائم ہو، قرینہ موجود ہو، مَقَالِيَّةٍ أَوْ حَالِيَّةٍ، چاہے وہ قرینہ مقالیہ ہو یا حالیہ ہو۔ میں نے آپ کو بتلایا تھا کہ بھئی قرینہ دو ہی قسم پر ہے: یا قرینہ لفظ ہو گا یا غیرِ لفظ۔ قرینہ لفظ ہو تو اس کو لفظیہ کہتے ہیں اور غیرِ لفظ ہو تو اس کو عقلیہ کہتے ہیں یعنی جس میں لفظ نہیں بتاتے ہماری عقل ہمیں بتلاتی ہے۔ بھئی قرینہ لفظیہ میں بھی عقل ہی بتاتی ہے، توجہ ہے؟ جیسے دیکھو مثلاً شیر جنگلی درندے کا بھی نام ہے اور یہ بہادر آدمی کو بھی کہتے ہیں، تو اگر یہ اپنے حقیقی معنیٰ میں استعمال ہو تو یہ حقیقت کہلاتا ہے اور اگر دوسرے معنیٰ میں استعمال ہو تو یہ مجاز کہلاتا ہے۔ اب دیکھیے مثلاً میں آپ سے کہتا ہوں: کل میں چڑیا گھر گیا تھا، میں نے شیر دیکھا۔ اس شیر سے کون سا معنیٰ مراد ہے؟ جنگلی درندہ۔ قرینہ کیا ہے؟ یہ جو میں نے چڑیا گھر کا لفظ ساتھ ذکر کیا، تو معلوم ہوا یہ قرینہ آپ کو بتلا رہا ہے، اور یہ قرینہ لفظیہ ہے یا غیرِ لفظیہ؟ لفظیہ ہے، قرینہ لفظیہ ہے۔ اور دوسری مثال لے لیں، مثلاً مسجد کے اندر ایک شخص داخل ہوا، میں نے کہا کہ شیر آگیا، اس شیر سے کیا مراد ہے؟ بہادر آدمی، بہادر آدمی۔ تو دیکھو اس کے اندر قرینہ کیا ہے؟ یہ جو حالت ہے، وہ مسجد کے اندر آیا ہے، توجہ ہے؟ تو قرینہ کبھی لفظ ہو گا کبھی غیرِ لفظ، لیکن دونوں میں ہمیں بتلاتی عقل ہی ہے، عقل نہیں ہو گی اس کو تو پتا ہی نہیں چلے گا، تو یہ عقل ہی ہمیں بتلاتی ہے چاہے قرینہ لفظیہ ہو یا عقلیہ، لیکن ایک میں چونکہ لفظ واسطہ بنا اس لیے اس کا نام قرینہ لفظیہ رکھ دیا اور دوسرے میں لفظ واسطہ نہیں بنا تو اس کو قرینہ عقلیہ کہہ دیا۔ توجہ ہے؟ اور پھر اس قرینہ عقلیہ کی مختلف صورتیں ہیں، اس کے اعتبار سے نام بھی بدل دیتے ہیں، لفظ کے اعتبار سے بھی کبھی نام بدل دیتے ہیں، جیسے یہاں پر یہ مثال آئی مَنْ أَضْرِبُ کس نے آپ سے پوچھا، آپ نے کیا کہا زَيْدًا، أَيِ اضْرِبْ زَيْدًا۔ تو آپ نے اِضْرِبْ فعل کو حذف

کر لیا کیونکہ قرینہ موجود ہے۔ قرینہ کیا ہے؟ اس کا وہ جو سوال ہے، اور سوال کیا تھا؟ لفظ تھا۔ تو یہ قرینہ لفظیہ ہے، کیا ہے؟ یا یوں کہہ دو قرینہ مقالیہ، قرینہ مقالیہ یعنی قول قرینہ ہے، مخاطب نے جو سوال کیا اس کا قول قرینہ ہے، تو قرینہ لفظیہ کہہ دو یا قرینہ مقالیہ کہہ دو۔ اسی طرح قرینہ عقلیہ کہہ دو یا قرینہ حالیہ کہہ دو وغیرہ اور کوئی نام، بات سمجھ میں آگئی؟

جی دیکھیے کتاب پر، تو کہتے ہیں کبھی مفعول بہ کے فعل کو حذف کر لیا جاتا ہے لِقِيَامِ قَرِينَةٍ، جس وقت قرینہ موجود ہو، مَقَالِيَّةٍ أَوْ حَالِيَّةٍ، چاہے وہ قرینہ مقالیہ ہو یا حالیہ ہو۔ مقالیہ سے کیا مراد؟ قرینہ لفظیہ، اور حالیہ سے کیا مراد؟ قرینہ عقلیہ، لیکن حالیہ کہہ دیا کیونکہ حالت دلالت کر رہی ہے۔ جَوَازًا، اور یہ حذف جوازاً ہوتا ہے، نَحْوُ زَيْدًا، جیسے کہ زَيْدًا کا لفظ ہے، یہ اس کے عامل کو حذف کر لیا گیا، لِمَنْ قَالَ، یہ اس شخص سے کہا گیا جس نے یہ کہا تھا مَنْ أَضْرِبُ؟ اس نے کہا تھا مَنْ أَضْرِبُ، آپ نے جواب میں اس کو کیا کہا؟ زَيْدًا۔ تو آپ اِضْرِبْ زَيْدًا بھی کہہ سکتے ہیں اور زَيْدًا بھی کہہ سکتے ہیں۔ تو زَيْدًا لِمَنْ قَالَ مَنْ أَضْرِبُ، اس حال میں کہ یہ اس شخص کو کہا گیا جس نے کہا تھا مَنْ أَضْرِبُ میں کس کی پٹائی کروں؟ أَيِ اضْرِبْ زَيْدًا، دیکھا یہاں اِضْرِبْ فعلِ محذوف وہ نکال کر صاحبِ جامی نے بتلا دیا کہ یہ فعل نصب دے رہا ہے زَيْدًا کو۔ تو کہتے ہیں فَحُذِفَ الْفِعْلُ، تو اس فعل کو حذف کر لیا گیا لِلْقَرِينَةِ الْمَقَالِيَّةِ الَّتِي هِيَ السُّؤَالُ، اس قرینہ مقالیہ کی وجہ سے جو کہ سوال ہے۔

وَنَحْوُ مَكَّةَ لِلْمُتَوَجِّهِ إِلَيْهَا، اور کبھی کبھار قرینہ لفظیہ نہیں ہو گا بلکہ قرینہ حالیہ ہو گا، جیسے ایک شخص مکہ جانا چاہ رہا ہے، مکہ کی تیاری میں لگا ہوا ہے، مثلاً سامان تیار کر رہا ہے، احرام وغیرہ باندھا ہوا ہے، تو اب آپ اس سے کہتے ہیں: مَكَّةَ؟ أَيْ أَتُرِيدُ مَكَّةَ؟ یعنی کیا آپ مکہ کا ارادہ کر رہے ہیں یعنی مکہ جانا چاہتے ہیں؟ تو دیکھو یہاں پر آپ نے کیا کہا؟ مَكَّةَ؟ سوال پوچھ رہے ہیں اس سے، تو کہنا کیا چاہیے تھا؟ أَتُرِيدُ مَكَّةَ یا تُرِيدُ مَكَّةَ، آپ مکہ کا ارادہ کر رہے ہیں؟ تو تُرِيدُ فعل، أَنْتَ ضمیر اس کے اندر فاعل، اور مَكَّةَ اس کے لیے مفعول بہ، تو یہ فعل کو حذف کرنا جائز ہے اور آپ چاہیں تو لفظوں میں ذکر کر دیں۔ اور یہاں قرینہ کیا موجود ہے؟ آپ اگر صرف یہ کہتے ہیں مَكَّةَ یعنی اس سے سوال پوچھ رہے ہیں، تو قرینہ کیا ہے؟ یہ اس کی حالت بتلا رہی ہے، اس کی جو حالت ہے یہ اس فعلِ محذوف پر دلالت کر رہی ہے کیونکہ اس نے احرام باندھا ہوا ہے اور سامان وغیرہ تیار کر رہا ہے، معلوم ہوا اس کا مکہ جانے کا ارادہ ہے۔ تو کہتے ہیں وَنَحْوُ مَكَّةَ اور جیسے کہ مَكَّةَ جو ہے لِلْمُتَوَجِّهِ إِلَيْهَا، اس حال میں کہ یہ اس شخص کو کہا جائے جو مکہ کی طرف متوجہ ہے یعنی اس کی طرف جا رہا ہے، أَيْ تُرِيدُ مَكَّةَ، یعنی کیا آپ مکہ کا ارادہ کر رہے ہیں یعنی مکہ جانا چاہتے ہیں؟ فَحُذِفَ الْفِعْلُ لِلْقَرِينَةِ الْحَالِيَّةِ، تو فعل کو حذف کر لیا گیا قرینہ حالیہ کی وجہ سے، اس کی حالت بتلا رہی تھی کہ وہ مکہ کا ارادہ رکھتا ہے۔ یہاں تک بات سمجھ میں آگئی؟

وَوُجُوبًا فِي أَرْبَعَةِ مَوَاضِعَ، اور مفعول بہ کے فعل کو حذف کیا جائے گا وجوباً چار جگہوں میں، کتنی جگہوں میں؟ چار جگہوں کے اندر مفعول بہ کے فعل کو وجوباً حذف کیا جائے گا۔ صاحبِ جامی آپ کو بتلائیں گے کہ چار کا عددیہ حصر کے لیے نہیں ہے، حصر کے لیے نہیں ہے کہ چار ہی جگہیں ہیں، جگہیں چار سے زیادہ ہیں لیکن چار ہی کو صاحبِ کافیہ نے اس لیے

ذکر فرمایا کہ ان کے اندر بحثیں زیادہ ہیں، باقیوں کے اندر نسبتاً بحث کم ہے اس لیے ان کو ذکر نہیں فرمایا، تو چار جگہیں کہنے کا یہ معنیٰ نہیں ہے چار ہی جگہیں ہیں، جگہیں اور بھی ہیں۔ یاد رکھو جمہور کے نزدیک جب عدد ذکر کیا جاتا ہے تو عدد حصر کے لیے نہیں ہوتا، عدد حصر کے لیے نہیں ہوتا۔ مثلاً آپ کی جیب میں سو روپے ہیں، آپ اپنے ساتھی کو کہتے ہیں میری جیب میں پچاس روپے ہیں، میری جیب میں پچاس روپے ہیں، تو آپ کا کلام بالکل صحیح ہے۔ جب سو آپ کی جیب میں سو ہیں تو اس سو کے اندر پچاس بھی آ گئے کہ نہیں آ گئے؟ پچاس بھی آ گئے۔ تو آپ نے کہا میری جیب میں پچاس روپے ہیں، اس کا یہ معنیٰ نہیں کہ پچاس سے زائد نہیں ہیں، معلوم ہوا پچاس سے کم نہیں ہیں، پچاس تو ہیں بھئی، زائد بھی ہو سکتے ہیں۔ تو عدد جو ہے وہ حصر کے لیے نہیں ہوتا بلکہ کثرت بتلانا مقصود ہوتا ہے بھئی۔ اور مفعول بہ کے فعل کو حذف کیا جاتا ہے وجوباً چار جگہوں میں۔ تَخْصِيصُهَا بِالذِّكْرِ لَيْسَ لِلْحَصْرِ، کہ یہ جو چار جگہوں کی تخصیص کی ذکر کے ساتھ، لَيْسَ لِلْحَصْرِ، یہ حصر اور تخصیص کے لیے نہیں ہے، لِوُجُوبِ الْحَذْفِ، اس لیے کیونکہ حذف واجب ہے فِي بَابِ الْإِغْرَاءِ، کس کے اندر؟ باب الاغراء کے اندر بھی حذف واجب ہے، وَالْمَنْصُوبِ عَلَى الْمَدْحِ أَوِ الذَّمِّ أَوِ التَّرَحُّمِ، اور اسی طرح وہ جو منصوب ہوتا ہے مدح، ذم یا ترحم کی بنا پر اس میں بھی حذف واجب ہے۔ اغراء کے اندر بھی حذف واجب، حالانکہ ان چار میں تو اغراء ذکر نہیں کیا صاحبِ کافیہ نے، اور اسی طرح منصوب ہوتا ہے کبھی مدح، ذم یا ترحم کی بنا پر، وہ بھی ان چار کے اندر ذکر نہیں کیا، تو معلوم ہوا جہاں حذف واجب ہوتا ہے مفعول بہ کے فعل کا وہ جگہیں چار سے زائد ہیں بھئی۔ تو کہتے ہیں، پیچھے کیا ذکر کیا تھا؟ کہ ان کی تخصیص کی ذکر کے ساتھ یعنی خاص طور پر انہی کو ذکر کیا، لَيْسَ لِلْحَصْرِ، یہ حصر کے لیے نہیں ہے، آگے دیکھیے: بَلْ لِكَثْرَةِ مَبَاحِثِهَا، بلکہ کس لیے ان کو ذکر کیا؟ بلکہ خاص طور پر ان کو ذکر کیا لِكَثْرَةِ مَبَاحِثِهَا ان کے مباحث کثیر ہونے کی وجہ سے بِالنِّسْبَةِ إِلَىٰ هٰذِهِ الْأَبْوَابِ ان ابواب کی نسبت سے۔ یہ جو ابواب ذکر ہوئے باب الاغراء اور منصوب علی المدح، ذم اور ترحم، ان کے مقابلے میں جو صاحبِ کافیہ نے چیزیں ذکر کیں ان میں بحث زیادہ ہے، اس لیے ان کو خاص طور پر ذکر کیا۔ بات سمجھ میں آ گئی؟

اعتراض کیا ہوا؟ کہ کتنی جگہیں صاحبِ کافیہ نے ذکر کیں جہاں مفعول بہ کے فعل کو حذف کرنا واجب ہے؟ چار جگہیں۔ تو صاحبِ جامی نے بتلایا کہ یہ چار جو جگہیں ذکر کیں یہ حصر کے لیے نہیں ہیں کیونکہ اس کے علاوہ اور بھی جگہیں ہیں جہاں حذف واجب ہے، جیسے باب الاغراء ہے اور اسی طرح وہ جو منصوب ہوتا ہے مدح، ذم اور ترحم کی بنا پر۔ تو پھر ان کو خاص طور پر کیوں ذکر کیا؟ کہتے ہیں کیونکہ ان کے اندر بحثیں زیادہ ہیں بمقابلہ ان چیزوں کے یہ جو باب الاغراء اور منصوب علی المدح، ذم وغیرہ ہیں۔

یہاں آیا: مَنْصُوبٍ عَلَى الْمَدْحِ وَالذَّمِّ وَالتَّرَحُّمِ، یہ میں پہلے بھی بیان کر چکا ہوں، پہلے بھی بیان کر چکا ہوں۔ بھئی یاد

رکھیے بعض اوقات صفت کو وصفیت سے کاٹ کر اس پر رفع پڑھ دیا جاتا ہے بنا بر مدح کے یا ذم کے یا ترحم کے، جیسے بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ، اس میں لفظِ اللہ موصوف ہے اور وہ مجرور ہے، مضاف الیہ ہے، اور آگے الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ یہ اس کی صفات ہیں اور یہ دونوں بھی مجرور ہیں کیونکہ صفت پر وہی اعراب آتا ہے جو موصوف پر آتا ہے، لیکن آپ مدح کے طور پر اس صفت کو، اس کا اعراب کیا ہے؟ اس پر جر ہے، آپ اس پر رفع پڑھ دیتے ہیں: بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيمُ، تو صفت کو وصفیت سے کاٹ کر آپ نے اس پر رفع پڑھ دیا، کس لیے؟ مدح کی بنا پر، آپ اللہ کی مدح کرنا چاہتے ہیں، اور یہ جب رفع پڑھیں گے تو یاد رکھنا اس صورت میں یہ خبر بنیں گی اور بتدا محذوف ہے: أَيْ هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيمُ، تو هُوَ بتدا اور الرَّحْمٰنُ اس کی خبر، اور خبر مرفوع ہوتی ہے۔ اور هُوَ کو لفظوں میں نہیں ذکر کر سکتے: بِسْمِ اللّٰهِ هُوَ الرَّحْمٰنُ، اگر آپ هُوَ کو لفظوں میں لے آئیں گے تو پھر تو کسی کو پتا نہیں چلے گا کہ یہ الرَّحْمٰنُ پہلے صفت تھی، اب درمیان میں هُوَ لا کر اس کو هُوَ کے لیے خبر بنا دیا ہے۔ آپ تو سننے والے کو بتلانا چاہتے ہیں کہ یہ ہے تو صفت لیکن میں کیا پڑھ رہا ہوں اس پر؟ رفع پڑھ رہا ہوں، کس وجہ سے؟ مدح کی بنا پر، حمد وثنا کی وجہ سے، تو وہ اسی وقت ہو گا جب درمیان میں کوئی فصل نہ ہو۔ جب آپ کہیں گے بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيمُ تو سننے والا فوراً چونک اٹھے گا کہ بھئی موصوف پر تو جر ہے، یہ صفت پر رفع کیوں پڑھ دیا؟ اور پھر سمجھ جائے گا کہ یہ کس لیے پڑھا گیا ہے؟ مدح کی بنا پر۔ تو مدح کی بنا پر رفع پڑھتے ہیں اور پھر ترکیب میں یہ کیا بنتا ہے جس پر رفع پڑھا ہے؟ یہ خبر، یہ صفت کو خبر بنا دیتے ہیں اور ان کا بتدا محذوف ہوتا ہے اور اس کا حذف واجب ہے۔ اور اسی طرح کبھی رفع پڑھتے ہیں ذم کی بنا پر، جیسے أَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ، الشَّيْطَانِ موصوف، الرَّجِيمِ اس کی صفت، اور موصوف مجرور ہے تو صفت بھی مجرور ہے، لیکن آپ کیا کرتے ہیں اس صفت کو، اس صفت پر رفع پڑھ دیتے ہیں، کس لیے؟ مذمت کے طور پر، آپ بتلانا چاہتے ہیں کہ میں اس شیطان کی مذمت کرتا ہوں، تو کیسے پڑھیں گے؟ أَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمُ۔ تو سننے والا فوراً چونک اٹھے گا کہ موصوف مجرور ہے تو صفت پر جر کے بجائے کیا پڑھ دیا گیا؟ رفع، یہ کیوں پڑھا گیا؟ اور پھر بات کو سمجھ جائے گا کہ یہ مذمت کے لیے ایسا کیا گیا۔ اور اسی طرح کبھی رفع پڑھا جاتا ہے ترحم کے لیے، ترحم کا معنیٰ ہے کسی کے لیے رحم کی دعا کرنا، رحم کو طلب کرنا کہ اس پر رحم کیا جائے، مثلاً آپ کہتے ہیں: مَرَرْتُ بِزَيْدٍ الْمِسْكِينِ، زَيْدٍ مجرور ہے اس پر باءِ جارہ داخل ہے، الْمِسْكِينِ اس کی صفت بھی مجرور ہے، تو اب آپ اس پر رفع پڑھتے ہیں صفت پر: مَرَرْتُ بِزَيْدٍ الْمِسْكِينُ، تو سننے والا فوراً چونک اٹھے گا کہ زَيْدٍ موصوف تو مجرور ہے تو صفت پر رفع کیوں پڑھ دیا گیا بھئی، اس کو تو مجرور ہونا چاہیے تھا، اور پھر فوراً بات سمجھ جائے گا کہ یہ کس لیے اس پر رفع پڑھا گیا؟ ترحم کے لیے کہ زید پر رحم کیا جائے بھئی۔ تو لہٰذا مدح، ذم اور ترحم کے لیے بعض اوقات صفت پر رفع پڑھ دیا جاتا ہے اور اس صورت میں ان کا بتدا محذوف ہوتا ہے اور یہ صفت اس کے لیے خبر بنتی ہے اور خبر مرفوع ہوتی ہے۔ اور اسی طرح کبھی مدح، ذم اور ترحم کے لیے نصب بھی پڑھتے ہیں اور اس صورت میں أَعْنِي فعل وہاں محذوف ہوتا ہے، أَعْنِي فعل، أَنَا ضمیر اس کے اندر فاعل، عَنَىٰ يَعْنِي کا کیا

معنیٰ ہے؟ مراد ہونا، ارادہ کرنا، أَعْنِي میری مراد یہ ہے۔ مثلاً دیکھو: بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ، اس پر آپ نے نصب پڑھ دیا، رفع بھی پڑھ سکتے ہیں نصب بھی، رفع پڑھیں گے تو یہ هُوَ کے لیے خبر بنا دیں گے اس کو، اور نصب پڑھیں گے تو أَعْنِي فعل کے لیے مفعول بہ بنا دیں گے: بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ أَيْ أَعْنِي الرَّحْمٰنَ الرَّحِيمَ، أَعْنِي فعل، أَنَا ضمیر اس کے اندر فاعل، اور الرَّحْمٰنَ الرَّحِيمَ اس کے لیے مفعول بہ۔ تو سننے والا جب آپ نے بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ جیسے ہی الرَّحْمٰنَ الرَّحِيمَ پر نصب پڑھا، سننے والا فوراً چونک اٹھے گا کہ بھئی یہ تو صفت تھی اس پر تو جر آنا چاہیے تھا، آپ اس پر نصب پڑھ رہے ہیں، پھر فوراً ہی سمجھ جائے گا معلوم ہوا یہ کس لیے منصوب ہے؟ یہ مدح کے طور پر۔ اسی طرح مذمت کے طور پر بھی نصب پڑھا جائے گا وہاں بھی اسی طرح أَعْنِي، ترحم کے لیے بھی نصب پڑھا جائے گا وہاں بھی أَعْنِي۔ تو لہٰذا معلوم ہوا مدح، ذم اور ترحم کے لیے رفع بھی پڑھنا جائز نصب پڑھنا بھی جائز، کس پر؟ صفت پر، صفت پر۔ اور جب رفع پڑھا جائے گا تو مبتدا محذوف ہے اور ہماری یہ بحث تو مبتدا خبر کی نہیں چل رہی، یہ تو مفعول بہ کی چل رہی ہے، ہاں جب نصب پڑھیں گے تو نصب کس وجہ سے پڑھا؟ کیونکہ یہ مفعول بہ ہے اور اس کے لیے فعل أَعْنِي محذوف ہے اور أَعْنِي کو حذف کرنا واجب ہے، کیونکہ اگر آپ اس کو ذکر کر دیں گے پھر تو کسی کو نہیں پتا چلے گا کہ یہ پہلے صفت تھی پھر بعد میں اس کو مفعول بہ بنایا گیا۔ تو لہٰذا مدح، ذم اور ترحم کی بنا پر نصب پڑھنا جائز اور اس وقت وہ جو فعل ہے اس کو حذف کرنا واجب ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو دیکھو یہ بھی وہ مقام ہے جہاں پر مفعول بہ کے فعل کو حذف کرنا واجب ہے، اسی کو ذکر کیا صاحبِ جامی نے: وہ جو منصوب ہے عَلَى الْمَدْحِ أَوِ الذَّمِّ أَوِ التَّرَحُّمِ۔

یہ اب بَابُ الْإِغْرَاءِ آیا بھئی، اس کو اچھی طرح سمجھ لیں کہ اغراء کسے کہتے ہیں؟ اغراء، اغراء۔ أَغْرَىٰ يُغْرِي إِغْرَاءً کا معنیٰ ہے ابھارنا، ابھارنا۔ ایک ہے بابِ اغراء، ایک ہے بابِ تحذیر۔ حَذَّرَ يُحَذِّرُ تَحْذِيرًا کا معنیٰ ہے دوسرے کو ڈرانا، دوسرے کو خبردار کرنا، دوسرے کو متنبہ کرنا۔ توجہ ہے؟ یاد رکھو نیک کام پر، اچھی بات پر، اچھی عادت پر کسی کو آپ ابھارتے ہیں تو اس کو کہتے ہیں اغراء، اور کسی خطرے والی چیز سے کسی کو آپ بچنے کا کہتے ہیں، اس پر اس کو متنبہ کرتے ہیں تو اس کو کہتے ہیں تحذیر۔ اچھے کام پر دوسرے کو ابھارا جاتا ہے اس کو کہیں گے اغراء، اور بری عادت سے دوسرے کو بچنے کا کہا جاتا ہے اس کو کہتے ہیں تحذیر، تو اغراء اور تحذیر ایک دوسرے کے مقابل ہیں۔ جیسے، جیسے اخلاص: اخلاص دیکھو اعمال کے اندر اخلاص ہونا چاہیے، جو عمل بھی آپ کریں وہ خالص اللہ کی رضا کے لیے ہونا چاہیے۔ تو اخلاص اچھی چیز ہے یا بری چیز ہے؟ اچھی چیز ہے، تو اخلاص پر کسی کو آپ ابھارتے ہیں کہ اخلاص کو لازم پکڑو بھئی، اخلاص کو اختیار کرو، تو اس کے لیے اغراء کا لفظ بولیں گے۔ اور گناہ جو ہے گناہ کرنا، گناہ کرنا ناپسندیدہ ہے تو اس سے کسی کو آپ روکتے ہیں تو اس کو کیا کہیں گے؟ تحذیر کہیں گے، کیا کہیں گے؟ یاد رکھو یہ جو اغراء اور تحذیر ہیں، اغراء جو ہے اس میں تین صورتیں ہیں اغراء کی۔ اغراء کی ایک صورت یہ ہے کہ وہ جو مغریٰ بہ ہے جس سے یعنی جس پر ابھارا جا رہا ہے، یاد رکھو اغراء وہ نیک کام

کا جو کہنے والا ہے وہ ہوا مُغْرِ، نیک کام پر جو ابھارنے والا ہے: أَغْرَىٰ يُغْرِي إِغْرَاءً فَهُوَ مُغْرٍ اسمِ فاعل ہے ابھارنے والا، اور جس کو ابھارا جا رہا ہے جس کو نصیحت کی جا رہی ہے وہ ہے مُغْرًى، اور جس بات پر اس کو ابھارا جا رہا ہے وہ ہے مُغْرًى بِهِ، وہ ہے مُغْرًى بِهِ۔ مثلاً دیکھو مغریٰ بہ میں آپ کے سامنے ذکر کرتا ہوں: الْإِخْلَاصَ، یہ مغریٰ بہ ہے، میں نے اس کے فعل کو حذف کر لیا، أَيِ الْزَمِ الْإِخْلَاصَ کہ تو لازم پکڑ اخلاص کو۔ اِلْزَمْ پڑھنا ہے اس کو بھئی، عموماً طلبہ اس کو أَلْزِمْ پڑھتے ہیں۔ اِلْزَمْ کا کیا معنیٰ؟ لَزِمَ يَلْزَمُ کا معنیٰ لازم ہونا، اِلْزَمْ تو لازم ہو جا الْإِخْلَاصَ کس کے ساتھ؟ اخلاص کے ساتھ یعنی تو اخلاص کے ساتھ لازم ہو جا، اس کو اختیار کر لے۔ اور أَلْزِمْ کا کیا معنیٰ ہوتا ہے؟ تو لازم کر دے، أَلْزِمِ الْإِخْلَاصَ تو لازم کر دے اخلاص کو، کس کے ساتھ لازم کروں زید کے ساتھ عمرو یا بکر کے ساتھ؟ تو یہ تو معنیٰ ہی بدل گیا بھئی، بات سمجھ میں آگئی؟ تو اِلْزَمْ پڑھنا ہے، أَلْزِمْ نہیں پڑھنا۔ تو الْإِخْلَاصَ یہ ہے مغریٰ بہ جس پر میں ابھار رہا ہوں۔ مغریٰ بہ کے لانے کی تین صورتیں ہیں: یا تو اس کو مفرد لایا جائے، یا اس کا تکرار کیا جائے: الْإِخْلَاصَ الْإِخْلَاصَ، اور تیسری صورت یہ ہے کہ عطف کے ساتھ دو چیزوں کو ذکر کیا جائے: الْإِخْلَاصَ وَالصَّلَاةَ۔ توجہ ہے؟ مغریٰ بہ کے لانے کی کتنی صورتیں ہیں؟ تین صورتیں: یا تو اس کو مفرد لاؤ، یا تکرار کے ساتھ لاؤ، یا عطف کے ساتھ لاؤ۔ میں کس پر ابھارنا چاہتا ہوں مثلاً اخلاص پر، یا جیسے، یا جیسے میں آپ سے کہتا ہوں: الْأَمَانَةَ، امانت دیکھو اچھا وصف ہے امانت دار ہونا، تو میں آپ سے کیا کہتا ہوں؟ الْأَمَانَةَ أَيِ الْزَمِ الْأَمَانَةَ، تو امانت کو لازم پکڑ، اس عادت کو اختیار کر۔ تو اِلْزَمْ فعل، أَنْتَ ضمیر فاعل اور الْأَمَانَةَ مفعول بہ، مفعول بہ۔ توجہ ہے؟ تو ایک صورت یہ ہے کہ مغریٰ بہ کو مفرد لایا جائے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ اس میں تکرار لے آئیں، اس کو دو دفعہ ذکر کریں: الْأَمَانَةَ الْأَمَانَةَ دو دفعہ ذکر کیا، الْإِخْلَاصَ الْإِخْلَاصَ دو دفعہ ذکر کیا، الصَّلَاةَ الصَّلَاةَ أَيِ الْزَمِ الصَّلَاةَ الصَّلَاةَ، الْقُرْآنَ الْقُرْآنَ أَيِ الْزَمِ الْقُرْآنَ الْقُرْآنَ۔ یہاں اِلْزَمْ فعل نکالیں گے اور جو ثانی لفظ آئے گا یہ اول کے لیے تاکیدِ لفظی ہے، ایک ہی لفظ کو دو دفعہ ذکر کیا جائے تو وہ اس کے لیے کیا ہوتی ہے؟ تاکید۔ تیسری صورت یہ ہے عطف کے ساتھ دو چیزوں کو ذکر کیا جائے: الصَّلَاةَ وَالْقُرْآنَ أَيِ الْزَمِ الصَّلَاةَ وَالْقُرْآنَ، الْإِخْلَاصَ وَالدِّيَانَةَ أَيِ الْزَمِ الْإِخْلَاصَ وَالدِّيَانَةَ۔ بات سمجھ میں آ رہی ہے؟ تو مغریٰ بہ کے لانے کی کتنی صورتیں ہیں؟ تین صورتیں: یا مفرد لاؤ، یا تکرار کے ساتھ لاؤ، یا عطف کے ساتھ لاؤ۔ مفرد لاؤ تو فعل کا حذف جائز، اور تکرار کے ساتھ یا عطف کے ساتھ لاؤ تو فعل کا حذف واجب ہے، اور یہ سب مفعول بہ بنتے ہیں۔ یاد رکھو جب مغریٰ بہ کو مفرد لایا جائے تو اس کے فعل کو حذف کرنا جائز ہے یعنی آپ چاہیں حذف کریں چاہیں ذکر کر دیں۔ میں قرآن کے پڑھنے پر آپ کو ابھارنا چاہتا ہوں کہ قرآن کو لازم پکڑو تو میں کہوں گا: الْقُرْآنَ، میں نے فعل کو حذف کر دیا، اور میں چاہوں تو فعل کو ذکر کر دوں: اِلْزَمِ الْقُرْآنَ، اور یہ مفعول بہ ہیں سارے بھئی۔ تو جب مغریٰ بہ کو مفرد ذکر کیا جائے تو اس میں فعل کا حذف جائز ہے، واجب نہیں، آپ اس کو ذکر بھی کر سکتے ہیں۔ اور جب مغریٰ بہ کو مکرر لایا جائے اس میں تکرار ہو یا عطف کی صورت میں لایا جائے پھر فعل کا حذف واجب ہے۔ الصَّلَاةَ الصَّلَاةَ اب اِلْزَمْ کو میں ذکر نہیں کر سکتا بھئی۔ الْقُرْآنَ الْقُرْآنَ، الدِّيَانَةَ الدِّيَانَةَ، الْبِرَّ الْبِرَّ، توجہ ہے؟ جب تکرار کے ساتھ مغریٰ بہ کو ذکر کریں گے تو فعل کا حذف واجب ہے۔ اور اسی طرح عطف کے ساتھ

جب ذکر کریں گے تب بھی فعل کا حذف واجب ہے: اَلْقُرْآنَ وَالصَّلَاةَ، الدِّيَانَةَ وَالْإِخْلَاصَ، الْأَمَانَةَ وَالدِّيَانَةَ۔ صورت سمجھ میں آرہی ہے؟ تو مغریٰ بہ کے لانے کی کتنی صورتیں؟ تین صورتیں: یا مفرد لاؤ یا تکرار کے ساتھ لاؤ یا عطف کے ساتھ لاؤ۔ مفرد لاؤ تو فعل کا حذف جائز اور تکرار کے ساتھ یا عطف کے ساتھ لاؤ تو فعل کا حذف واجب ہے، اور یہ سب مفعول بہ بنتے ہیں۔

اسی طرح تحذیر کے اندر بھی ہے۔ اغراء کے اندر تو ایک اچھی بات، اچھی عادت پر ابھارا جاتا ہے، اور تحذیر کے اندر کوئی نقصان دہ چیز یا نقصان دہ عادت پر متنبہ کیا جاتا ہے، اور اس میں پھر چار صورتیں ہیں۔ ایک صورت یہی کہ محذر منہ جو ہے اس کو مفرد ذکر کیا جائے۔ بھئی تحذیر کا معنیٰ ہے دوسرے کو متنبہ کرنا، تو متنبہ کرنے والا ہے وہ ہے مُحَذِّر اسمِ فاعل متنبہ کرنے والا، اور جس آدمی کو متنبہ کر رہا ہے یعنی جو مخاطب ہے وہ ہے مُحَذَّر، اور جس چیز یا جس عادت سے بچنے کا کہہ رہا ہے وہ ہے مُحَذَّرٌ مِنْهُ: مُحَذِّر، مُحَذَّر اور مُحَذَّرٌ مِنْهُ، اور اغراء میں کیا تھا؟ مُغْرٍ، مُغْرًى اور مُغْرًى بِهِ۔ توجہ ہے؟ تو مُحَذِّر متکلم، مُحَذَّر مخاطب اور مُحَذَّرٌ مِنْهُ وہ چیز جس سے بچنے کا کہا جا رہا ہے۔ تحذیر کے اندر چار صورتیں ہیں: کہ وہ محذر منہ کو یا مفرد ذکر کرو گے، یا اس کو تکرار کے ساتھ ذکر کرو گے، یا اس کو عطف کے ساتھ ذکر کرو گے، یا اس کو إِيَّا کے ساتھ ذکر کرو گے۔ چار صورتیں کون کون سی؟ تحذیر کے اندر چار صورتیں کون کون سی؟ کہ محذر منہ کو مفرد لائیں، یا تکرار کے ساتھ لائیں، یا عطف کے ساتھ لائیں، یا إِيَّا کے ساتھ لائیں بھئی۔ اور یہاں فعل نکالیں گے اِحْذَرْ، اِحْذَرْ یا اِتَّقِ یا اِجْتَنِبْ، بات سمجھ میں آرہی ہے؟ یا بَاعِدْ۔ اِحْذَرْ یعنی تم بچو، اس چیز سے بچو، اِحْذَرْ، یا بَاعِدْ اس چیز کو دور کرو اپنے سے، یا اِجْتَنِبْ اس چیز سے اجتناب کرو۔ تو یہاں حَذِرَ يَحْذَرُ اِحْذَرْ عموماً فعل نکالتے ہیں یا اس جیسا کوئی بھی ہو۔ تو اب مثلاً میں آپ سے کیا کہتا ہوں؟ اَلنِّفَاقَ أَيِ احْذَرِ النِّفَاقَ، منافقت سے اپنے آپ کو بچاؤ، منافقت کے ظاہر میں کچھ ہو اور باطن میں کچھ، اس سے اپنے آپ کو بچاؤ۔ تو اس میں کتنی صورتیں؟ چار۔ ایک صورت کیا کہ مفرد لائیں اَلنِّفَاقَ، چاہیں تو فعل کو حذف کریں چاہیں فعل کو ذکر کریں: اِحْذَرِ النِّفَاقَ یا اَلنِّفَاقَ حذف کر لیں فعل کو، دونوں صورتیں جائز ہیں۔ جب کہ باقی صورتوں کے اندر یہاں حذف واجب ہے۔ دوسری صورت کیا کہ اس محذر منہ کو مکرر لائیں: اَلنِّفَاقَ النِّفَاقَ دو دفعہ میں لے آیا، اب اِحْذَرِ النِّفَاقَ النِّفَاقَ ہم نہیں کہہ سکتے، فعل کو حذف کرنا واجب، اور یہ نفاقِ ثانی اول کے لیے تاکیدِ لفظی ہے۔ تیسری صورت کیا ہے عطف کے ذریعے: اَلنِّفَاقَ وَالْكَسَلَ، کسل کہتے ہیں سستی کو، کہ أَيِ احْذَرِ النِّفَاقَ وَالْكَسَلَ کہ تم منافقت اور سستی سے اپنے آپ کو بچاؤ۔ یا میں کہتا ہوں: اَلْغِشَّ وَالْغِلَّ، غش کہتے ہیں دھوکا ملاوٹ بھئی، اور غِلٌّ کہتے ہیں کینہ، دل کے اندر جو دشمنی ہو نفرت ہو کینہ ہو، تو اَلْغِشَّ وَالْغِلَّ أَيِ احْذَرِ الْغِشَّ وَالْغِلَّ بھئی۔ یا اسی طرح میں کہتا ہوں آپ سے اَلرِّيَاءَ، تو میں فعل کو ذکر بھی کر سکتا ہوں: اِحْذَرِ الرِّيَاءَ، یا اَلرِّيَاءَ اَلرِّيَاءَ دیکھو تکرار کے ساتھ فعل کو حذف کرنا واجب، یا اَلرِّيَاءَ وَالنِّفَاقَ ریاکاری سے یعنی دکھلاوے سے اور منافقت سے بچو بھئی۔ یا مثلاً شیر ہے شیر خطرناک کوئی جانور ہے، وہ بھی اسی طرح ہے: اَلْأَسَدَ أَيِ اتَّقِ الْأَسَدَ یا اِحْذَرِ الْأَسَدَ، دوسری صورت تو یہ تھا مفرد، دوسری صورت کیا: اَلْأَسَدَ اَلْأَسَدَ، تیسری صورت کیا؟ تیسری صورت عطف کے ساتھ

بھئی دو چیزوں کو ذکر کیا جائے: النِّفَاقَ وَالْأَسَدَ کوئی صورت یہ مثلاً کوئی بھی مثال آپ بنا لیں۔ اور چوتھی صورت ہے تحذیر کے اندر إِيَّا کے ساتھ بھئی، کس کے ساتھ؟ إِيَّا کے ساتھ بھئی، اور یہ إِيَّا وہی ضمیرِ منصوب منفصل ہے بھئی، وہ جو آپ پڑھتے ہیں بھئی إِيَّاكَ، إِيَّاكُمَا، إِيَّاكُمْ، إِيَّاكِ، إِيَّاكُمَا، إِيَّاكُنَّ، جیسے قرآن میں ہے إِيَّاكَ نَعْبُدُ، یہ إِيَّاكَ کیا ہے؟ ضمیرِ منصوب منفصل ہے بھئی، بات سمجھ میں آرہی ہے؟ اور یاد رکھو پھر یہ إِيَّا کے اندر تین صورتیں ہیں: ایک صورت یہ ہے کہ آپ إِيَّا کو واو کے ساتھ ذکر کریں یعنی عطف کے ساتھ، یا آپ إِيَّا کو مِنْ کے ساتھ ذکر کریں، اور تیسری صورت ہے کہ اس میں نہ واو ذکر ہو اور نہ مِنْ ذکر ہو۔ کتنی صورتیں إِيَّا کے اندر؟ تین صورتیں: ایک صورت کیا کہ واو کے ساتھ ذکر ہو، دوسری صورت کیا مِنْ کے ساتھ ذکر ہو، اور تیسری صورت ہے کہ نہ واو ذکر ہو اور نہ مِنْ ذکر ہو۔ مثلاً، مثلاً آپ دوسرے کو خبردار کرنا چاہتے ہیں کہ جھوٹ سے اپنے آپ کو بچائے تو آپ اس سے کہتے ہیں: إِيَّاكَ وَالْكَذِبَ، دیکھو واو درمیان میں لے آئے، إِيَّاكَ وَالْكَذِبَ، یہ إِيَّاكَ یہ بھی ضمیرِ منصوب منفصل ہے اور الْكَذِبَ یہ بھی منصوب ہے، یہ دونوں مفعول بہ ہیں بھئی، بات سمجھ میں آرہی ہے؟ اور یہ بھی یاد رکھنا یہ إِيَّا والی تینوں صورتوں کے اندر فعل کا حذف واجب ہے، آپ لفظوں میں ذکر نہیں کر سکتے بھئی۔ تو یہاں پر پہلی صورت کیا؟ واو کے ساتھ: إِيَّاكَ وَالْكَذِبَ۔ دوسری صورت ہے مِنْ کے ساتھ: إِيَّاكَ مِنَ الْكَذِبِ۔ اور تیسری صورت ہے بغیر واو اور مِنْ کے، اور اس صورت میں پھر آپ مصدرِ مؤول کو آگے لے کر آئیں گے اس کے ساتھ جوڑ کر یعنی أَنْ مع الفعل کے ذکر ہو گا: إِيَّاكَ أَنْ تَكْذِبَ، إِيَّاكَ أَنْ تَكْذِبَ، أَنْ تَكْذِبَ۔ اور یاد رکھو یہاں مِنْ مقدر ہے: أَيْ إِيَّاكَ مِنْ أَنْ تَكْذِبَ۔ اور واو اور مِنْ کے ساتھ بھی آپ أَنْ کو ذکر کر سکتے ہیں، پہلے کیا ذکر کیا تھا؟ إِيَّاكَ وَالْكَذِبَ، آپ یوں بھی کہہ سکتے ہیں: إِيَّاكَ وَأَنْ تَكْذِبَ، توجہ ہے؟ إِيَّاكَ وَالْكَذِبَ، اور أَنْ کے ساتھ بھی لا سکتے ہیں: إِيَّاكَ وَأَنْ تَكْذِبَ۔ مِنْ کے اندر بھی آپ أَنْ بھی لا سکتے ہیں بغیر أَنْ کے بھی: إِيَّاكَ مِنَ الْكَذِبِ یا إِيَّاكَ مِنْ أَنْ تَكْذِبَ۔ اور پھر تیسری صورت یہ ہے کہ واو اور مِنْ کے بغیر لائیں اور کیا کہیں؟ إِيَّاكَ أَنْ تَكْذِبَ۔ اور اس صورت میں پھر أَنْ ہی کو لائیں گے، جب واو اور مِنْ لفظوں میں نہ ہو تو پھر آگے أَنْ کے ساتھ ہی ذکر کرنا پڑے گا محذر منہ کو، بغیر أَنْ کے ذکر نہیں کر سکتے، یعنی آپ یوں نہیں کہہ سکتے: إِيَّاكَ الْكَذِبَ، إِيَّاكَ أَنْ تَكْذِبَ تو کہہ سکتے ہیں دیکھو درمیان میں نہ واو ہے اور نہ مِنْ ہے، لیکن إِيَّاكَ الْكَذِبَ، الْكَذِبَ لائے دیکھو یہ محذر منہ أَنْ مع الفعل کے ساتھ نہیں ہے اور درمیان میں واو اور مِنْ بھی نہیں ہے، تو صاحبِ کافیہ کے نزدیک اور جمہور کے نزدیک یہ صورت جائز نہیں۔ جب کہ بعض نحوی حضرات فرماتے ہیں کہ یہ صورت بھی جائز ہے: إِيَّاكَ الْكَذِبَ کہنا بھی جائز ہے یا إِيَّاكَ الْأَسَدَ کہنا بھی جائز ہے، لیکن جمہور نحوی کیا فرماتے ہیں کہ محذر منہ کو إِيَّاكَ کے ساتھ ملا کر بغیر واو اور مِنْ کے ذکر کرنا چاہتے ہیں تو وہ أَنْ مع الفعل ہی کو ذکر کر سکتے ہیں، کسی اسمِ صریح کو ذکر نہیں کر سکتے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ معلوم ہوا اسمِ مؤول یعنی أَنْ مع الفعل جو ہے وہ جو مصدر کی تاویل میں ہو جاتا ہے، اس اسمِ مؤول کو تو ذکر کر سکتے ہیں لیکن اسمِ صریح کو ذکر نہیں کر سکتے۔

بات سمجھ میں آگئی؟ تو اغراء کسے کہتے ہیں؟ کسی نیک عادت یا نیک چیز پر دوسرے کو ابھارنا کہ وہ اس نیک چیز کو لازم پکڑ لے، وہاں اِلْزَمْ کا فعل ہو گا۔ اور تحذیر جس میں کسی نقصان دہ عادت یا نقصان دہ چیز پر کسی دوسرے کو متنبہ کیا جائے،

اور وہاں پر اِحْذَرْ یا اِجْتَنِبْ یا حَذِّرْ یا اِتَّقِ یا بَاعِدْ جیسا کوئی فعل محذوف ہوگا۔ اور پھر ان کے اندر آپ نے پڑھا کہ اغراء کے اندر تین صورتیں ہیں: یا تو اس کو، مغریٰ بہ کو مفرد لاؤ، یا تکرار کے ساتھ لاؤ، یا عطف کے ساتھ۔ مفرد لاؤ تو اس میں حذفِ فعل جائز ہے واجب نہیں، تکرار اور عطف کے ساتھ ہو تو حذفِ فعل واجب ہے۔ جب کہ تحذیر کے اندر چار صورتیں ہیں: یا مفرد ہوگا، یا تکرار کے ساتھ ہوگا، یا عطف کے ساتھ ہوگا، یا إِیَّا کے ساتھ ہوگا۔ محذر منہ کو مفرد لاؤ تو حذفِ فعل جائز ہے واجب نہیں، جب کہ باقی تین صورتوں میں حذفِ فعل واجب ہے۔ اور دوسری صورت کیا کہ محذر منہ کو مکرر لاؤ، دو دفعہ لاؤ اس میں تکرار ہو، تیسری صورت کیا کہ اس کو عطف کے ساتھ لاؤ، دو چیزوں کو ذکر کر دو، اور چوتھی صورت کیا کہ إِیَّا کے ساتھ ذکر کرو۔ إِیَّا کے اندر تین صورتیں ہیں: ایک صورت کیا واو کے ساتھ، ایک صورت مِنْ کے ساتھ، اور ایک صورت واو اور مِنْ کے بغیر ہے۔ واو کے ساتھ ہو تو پھر واو کے بعد آپ اسمِ صریح کو بھی ذکر کر سکتے ہیں اور أَنْ مع الفعل کو بھی ذکر کر سکتے ہیں: إِیَّاكَ وَالْكَذِبَ اور إِیَّاكَ وَأَنْ تَكْذِبَ۔ اور اسی طرح مِنْ کے اندر بھی دونوں صورتیں جائز ہیں، آپ اسمِ صریح کو بھی ذکر کر سکتے ہیں اور مصدرِ مؤول کو بھی: إِیَّاكَ مِنَ الْكَذِبِ یا إِیَّاكَ مِنْ أَنْ تَكْذِبَ۔ اور اگر آپ واو اور مِنْ کے بغیر لانا چاہتے ہیں تو پھر اسمِ مؤول کو تو لا سکتے ہیں اسمِ صریح کو نہیں لا سکتے، تو آپ یوں کہیں گے: إِیَّاكَ أَنْ تَكْذِبَ، إِیَّاكَ الْكَذِبَ کہنا جائز نہیں جمہور کے نزدیک۔ ہاں بعض نحوی فرماتے ہیں کہ إِیَّاكَ الْكَذِبَ کہنا بھی جائز ہے۔ تو یہ محذر منہ کی مثالیں ہوئیں۔ آپ مثلاً الْأَسَدَ کو لے آئیں: إِیَّاكَ وَالْأَسَدَ، إِیَّاكَ مِنَ الْأَسَدِ، شیر سے اپنے آپ کو بچاؤ بھئی۔ اور یہ إِیَّا والی صورتوں میں فعل کا حذف واجب ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو إِیَّا میں کتنی صورتیں ہو گئیں؟ جمہور کے نزدیک تین صورتیں ہوئیں، اور بعض نحوی جو ہیں إِیَّا کے بعد واو اور مِنْ کے بغیر بھی اسمِ صریح کے ذکر کو جائز قرار دیتے ہیں، تو وہ کہتے ہیں إِیَّاكَ الْأَسَدَ، إِیَّاكَ الْكَذِبَ، إِیَّاكَ النِّفَاقَ وغیرہ یہ کہنا صحیح ہے، لیکن جمہور کے نزدیک یہ جائز نہیں ہے بھئی۔ اور میں نے بتلایا کہ یہ إِیَّا جو ہے یہ وہ ضمیرِ منصوب منفصل ہے، تو یہ موقعے کے مطابق لائیں گے: اگر ایک مخاطب ہے جس سے آپ یہ کہہ رہے ہیں تو إِیَّاكَ وَالْأَسَدَ کہیں گے، اور اگر تثنیہ یا جمع ہے یا مؤنث ہے تو اسی کے مطابق ضمیر لائیں گے: إِیَّاكُمَا وَالْأَسَدَ، إِیَّاكُمْ وَالْأَسَدَ، إِیَّاكِ وَالْأَسَدَ، إِیَّاكُمَا وَالْأَسَدَ، إِیَّاكُنَّ وَالْأَسَدَ۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ تو یہ تھا بابِ تحذیر اور بابِ اغراء۔ تو بابِ اغراء کے اندر بھی فعل کو حذف کرنا واجب ہے بعض صورتوں کے اندر آپ نے پڑھا، تکرار اور عطف والی صورتوں میں، تو لیکن اس کو بھی صاحبِ کافیہ نے ذکر نہیں کیا کیونکہ اس کی بحثیں قلیل ہیں ان کے مقابلے میں یہ جو انہوں نے ذکر کیے بھئی۔ اور یہ تحذیر کے بارے میں یاد رکھنا صاحبِ کافیہ بھی یہ جو چار جگہیں ہیں جہاں پر مفعول بہ کے فعل کو حذف کرنا واجب ہے ان میں وہ تحذیر کو آگے ذکر کریں گے، توجہ ہے؟ تو تحذیر کو وہ آگے ذکر کریں گے، البتہ اغراء کو ذکر نہیں کیا تھا تو اس کو صاحبِ جامی نے ذکر کر دیا بھئی، بات سمجھ میں آگئی؟ تو یہ ہے اغراء بھئی: نیک اور اچھی بات پر یا اچھی چیز پر کسی کو ابھارنا کہ وہ اس کو لازم پکڑ لے۔ بات سمجھ میں آگئی؟

اب دیکھیے بھئی، کہتے ہیں: وَوُجُوبًا فِي أَرْبَعَةِ مَوَاضِعَ، اور مفعول بہ کے فعل کو وجوباً حذف کیا جاتا ہے چار جگہوں میں۔ تَخْصِيصُهَا بِالذِّكْرِ لَيْسَ لِلْحَصْرِ، کہتے ہیں یہ جو چار جگہوں کی تخصیص کی ذکر کے ساتھ، لَيْسَ لِلْحَصْرِ یہ حصر کے لیے نہیں ہے۔ آگے آخر میں آرہا ہے: بَلْ لِكَثْرَةِ مَبَاحِثِهَا بِالنِّسْبَةِ إِلَىٰ هٰذِهِ الْأَبْوَابِ، بلکہ یہ ان کی کثرتِ مباحث کی وجہ سے ہے بنسبت ان ابواب کے یہ جو درمیان میں ذکر ہوئے۔ درمیان میں کیا ذکر ہوا؟ کہتے ہیں یہ حصر کے لیے نہیں ہے لِوُجُوبِ الْحَذْفِ فِي بَابِ الْإِغْرَاءِ، اس لیے کیونکہ حذف واجب ہے باب الاغراء کے اندر بھی، وَالْمَنْصُوبِ عَلَى الْمَدْحِ أَوِ الذَّمِّ أَوِ التَّرَحُّمِ، اور اسی طرح حذف واجب ہے وہ جو منصوب ہوتا ہے مدح، ذم یا ترحم کی بنا پر۔ عبارت سمجھ میں آگئی؟

اب وہ چار جگہیں ذکر کریں گے، کہتے ہیں: الْأَوَّلُ مِنْ تِلْكَ الْمَوَاضِعِ الْأَرْبَعَةِ سَمَاعِيٌّ، پہلی جگہ جو ہے ان چار جگہوں میں سے سَمَاعِيٌّ وہ سماعی ہے بھئی، سماعی ہے مَقْصُورٌ عَلَى السَّمَاعِ یعنی سماع پر بند ہے، کس پر؟ سماع پر بند ہے، لَا يَتَجَاوَزُ عَنْ أَمْثِلَةٍ مَحْدُودَةٍ، اور یہ تجاوز نہیں کرتا چند محدود مثالوں سے مَسْمُوعَةٍ جن کو سنا گیا ہے، بِأَنْ يُقَاسَ عَلَيْهَا أَمْثِلَةٌ أُخْرَىٰ، بایں صورت کہ اس پر دوسری مثالوں کا قیاس کیا جائے۔ توجہ ہے؟ پہلی جگہ کون سی ہے؟ سماعی ہے بھئی۔ پہلی جگہ سماعی ہے، سماعی کا کیا معنیٰ؟ یعنی سماع پر موقوف ہے، عربوں سے ہم نے اسی طرح سنا ہے۔ جب یہ سماعی ہے معلوم ہوا اس کے لیے کوئی ضابطہ اور قانون نحوی نہیں بنا سکے، یعنی اس کے لیے جب کوئی ضابطہ اور قانون موجود نہیں ہے تو آپ اس پر قیاس نہیں کر سکتے۔ جب آپ اس پر قیاس نہیں کر سکتے تو یہ انہی مثالوں کے اندر بند ہیں جو عربوں سے ہم نے سنی ہیں، آپ ان پر قیاس کرتے ہوئے نئی مثالیں نہیں بنا سکتے۔ تو یہی بات بیان کر رہے ہیں، دیکھیے دوبارہ: کہتے ہیں الْأَوَّلُ مِنْ تِلْكَ الْمَوَاضِعِ الْأَرْبَعَةِ سَمَاعِيٌّ، ان چار جگہوں میں سے پہلی جگہ سماعی ہے، مَقْصُورٌ عَلَى السَّمَاعِ، سماعی کیا معنیٰ؟ یہ بند ہے کس پر؟ سماع پر ہے، لَا يَتَجَاوَزُ عَنْ أَمْثِلَةٍ مَحْدُودَةٍ مَسْمُوعَةٍ، اور یہ تجاوز نہیں کرتا وہ جو کچھ محدود مثالیں ہیں مَسْمُوعَةٍ جن کو سنا گیا ہے، کچھ محدود مثالیں جو عربوں سے سنی گئی ہیں ان سے یہ تجاوز نہیں کرتا یعنی اور مثالیں آپ نہیں بنا سکتے، کیوں نہیں بنا سکتے؟ کیونکہ کوئی قانون اور ضابطہ ہی نہیں ہے، کوئی قانون اور ضابطہ ہوتا تو پھر آپ ان کے اوپر مثالیں اور تیار کرتے اور پھر کہتے کہ ان میں بھی حذف واجب ہے، تو یہ ان چند سنی ہوئی محدود مثالوں سے تجاوز نہیں کرتے، بِأَنْ يُقَاسَ، یہ باء تصویریہ ہے، صورت بتلا رہے ہیں کہ تجاوز کرنے کی کیا صورت ہے؟ کہ بِأَنْ يُقَاسَ عَلَيْهَا أَمْثِلَةٌ أُخْرَىٰ، بایں صورت کہ ان پر قیاس کیا جائے دوسری مثالوں کا، دوسری مثالوں کو ان پر قیاس کرتے ہوئے بنا لیا جائے، ایسا یہاں پر نہیں کیونکہ کوئی ضابطہ ہی نہیں موجود بھئی۔

نَحْوُ امْرَأً وَنَفْسَهُ، جیسے امْرَأً وَنَفْسَهُ، أَيِ اتْرُكِ امْرَأً وَنَفْسَهُ، تقدیرِ عبارت کیا ہے؟ اتْرُكِ امْرَأً وَنَفْسَهُ۔ بھئی یہ اردو میں بھی جیسے آپ کہتے ہیں کوئی دو آدمی کسی بات پر جھگڑ رہے ہیں یا ناراضگی ہے یا لڑنے کی صورت ہے تو آپ اس کو کہتے ہیں بھئی چھوڑو بھئی چھوڑو جھگڑے کو جانے دو لڑائی نہ کرو بھئی، یا اس کو نصیحت کرنا چھوڑ دو یہ آپ کی باتوں پر عمل نہیں کرتا، تو

کیسے کہتے ہیں عربی میں؟ امْرَأً وَنَفْسَهُ، امْرَأً آدمی، وَنَفْسَهُ اور اس کی ذات، آدمی اور اس کی ذات کو اور اس کی جان کو چھوڑ دو، آدمی کو اور اس کی ذات کو چھوڑ دو۔ تو یہاں پر اتْرُكْ فعل کو حذف کر لیا گیا اور یہ وجوباً حذف ہے۔ بھئی وجوباً کیوں حذف ہے؟ کہتے ہیں اس لیے کیونکہ ہم نے آج تک کسی فصیح عرب سے نہیں سنا کہ انہوں نے اتْرُكْ کے لفظ کو ذکر کیا ہو، وہ ہمیشہ کیا ذکر کرتے ہیں؟ امْرَأً وَنَفْسَهُ ذکر کرتے ہیں یعنی فعل کو ذکر نہیں کرتے یعنی اس آدمی اور اس کی جان کو چھوڑ دو یعنی جانے دو یعنی کسی کو آپ نصیحت کر رہے ہیں وہ بات مانتا ہی نہیں ہے تو آپ کا ساتھی آپ کو کہتا ہے امْرَأً وَنَفْسَهُ یہ آدمی اور اس کی جان کو چھوڑ دو یعنی اس کو نصیحت نہ کرو یہ آپ کی بات ماننے کے لیے تیار نہیں۔ تو یہ امْرَأً یہ دیکھو مفعول بہ ہے، وَنَفْسَهُ اور یہ نَفْسَهُ کا اس پر عطف ہے یا یہ واو بمعنی مَعَ کے ہے: اتْرُكِ امْرَأً مَعَ نَفْسِهِ، آدمی کو اس کی جان سمیت چھوڑ دو بھئی یعنی اس کو اب مزید نصیحت کرنے یا سمجھانے کی ضرورت نہیں ہے بھئی۔

وَانْتَهُوا خَيْرًا لَكُمْ، وَانْتَهُوا اِنْتَهَىٰ کا معنیٰ باز آنا، رک جانا، خَيْرًا لَكُمْ، مقامِ استشہاد جو ہے یہ خَيْرًا لَكُمْ ہے، خَيْرًا مفعول بہ ہے اور اس کے فعل کو حذف کرنا واجب ہے، اور ضابطہ کیا ہے؟ ضابطہ اور قانون کوئی نہیں، ہم نے ہمیشہ عربوں سے اسی طرح سنا ہے۔ بھئی عیسائیوں کا عقیدہ ہے کہ وہ تین خداؤں کو مانتے ہیں: ایک اللہ تعالیٰ، ایک حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ایک حضرت جبریل علیہ السلام، ان تینوں کو وہ کہتے ہیں یہ تین خدا ہیں اور یہ تین حقیقت میں ایک ہی ہیں، یہ تین ایک ہیں اور ایک تین ہیں، یا جب کہ بعض حضرت جبریل علیہ السلام کی جگہ حضرت مریم کو ساتھ ملاتے ہیں کہ یہ ان کے تین خدا ہیں بھئی۔ تو یہ تین کو ایک کہتے ہیں اور ایک کو تین کہتے ہیں، اور خود اقرار بھی کرتے ہیں کہ یہ ہمارے مذہب کا ایک ایسا راز ہے جو خود ہمیں بھی آج تک سمجھ میں نہیں آیا، جب کہ اس کے مقابلے میں اسلام کی تعلیمات بڑی سیدھی سادی ہیں کہ اللہ ایک ہے بھئی، تو اسلام کی تعلیمات اور عقیدۂ توحید بڑا سیدھا سادا اور واضح ہے بھئی۔ تو یہاں پر کیا آیا: وَانْتَهُوا، یعنی عیسائیوں کو خطاب کیا جا رہا ہے: اے عیسائیو! تم باز آجاؤ، أَيِ انْتَهُوا عَنِ التَّثْلِيثِ، کس چیز سے باز آجاؤ؟ عقیدۂ تثلیث سے، وہ جو تم کہتے ہو کہ تین خدا ہیں اور وہ تین دراصل ایک ہیں، تو وہ جو عقیدۂ تثلیث ہے اس سے تم باز آجاؤ، اور خَيْرًا لَكُمْ أَيِ اقْصُدُوا خَيْرًا لَكُمْ، اور تم ارادہ کرو خَيْرًا لَكُمْ وہ چیز جو تمہارے لیے بہتر ہے۔ تو اقْصُدُوا فعل، واو ضمیر اس کے اندر فاعل، اور خَيْرًا لَكُمْ اس کے لیے مفعول بہ ہے، اور اس کے فعل اقْصُدُوا کو حذف کرنا واجب ہے۔ اور کیوں واجب ہے؟ کوئی ضابطہ نہیں کوئی قانون نہیں، ہم نے عربوں سے ہمیشہ اسی طرح سنا ہے، کبھی انہوں نے یہ خَيْرًا کے لیے فعل کو ذکر نہیں کیا، معلوم ہوا اس فعل کا حذف واجب ہے۔ وَانْتَهُوا اور تم لوگ باز آجاؤ یعنی عقیدۂ تثلیث سے، اور خَيْرًا لَكُمْ أَيِ اقْصُدُوا خَيْرًا لَكُمْ، اور تم لوگ ارادہ کرو خَيْرًا لَكُمْ اس چیز کا جو تمہارے لیے بہتر ہے، تم اس چیز کا ارادہ کرو جو تمہارے لیے بہتر ہے یعنی توحید کا ارادہ کرو، توحید کی طرف آجاؤ بھئی۔ تو اب دیکھو آپ کہیں گے بھئی یہ خَيْرًا لَكُمْ کے لیے فعلِ محذوف نکالا، اس کو اسی اِنْتَهُوا فعلِ امر کے لیے مفعول بنا دیتے۔ تو جواب یہ کہ اِنْتَهُوا فعلِ لازم ہے بھئی، اس کے لیے مفعول آتا ہی

نہیں، یہ خَيْرًا کو نصب دے ہی نہیں سکتا۔ چنانچہ آگے دیکھ لیں: أَيِ انْتَهُوا عَنِ التَّثْلِيثِ، شارحِ جامی تفصیل کر رہے ہیں تو اِنْتَهُوا کے لیے تَثْلِيث لے آئے تو درمیان میں عَنْ کا اضافہ کر دیا دیکھو حرفِ جر کا، اس کے بغیر یہ عمل نہیں کرتا مفعول بہ میں۔ اِنْتَهُوا عَنِ التَّثْلِيثِ، تم لوگ تثلیث سے باز آجاؤ۔ تو اِنْتَهُوا فعلِ لازم ہے، یہ مفعول بہ کو نصب نہیں دیتا، لہٰذا خَيْرًا کے لیے ایک الگ فعل نکالنا پڑے گا۔ اور نیز اگر یہ اِنْتَهُوا نصب دیتا بھی، تو بھی خَيْرًا کو اس کے لیے مفعول بناتے تو پھر تو معنیٰ ہی خراب ہو جاتا، پھر تو معنیٰ یوں بن جاتا: اِنْتَهُوا خَيْرًا لَكُمْ، تم لوگ باز آجاؤ اس چیز سے جو تمہارے لیے بہتر ہے، معلوم ہوا جو چیز بہتر ہے اس سے ان کو روکا جا رہا ہے، پھر تو معنیٰ ہی خراب ہو جائے گا بھئی۔ لہٰذا خَيْرًا لَكُمْ کے لیے فعلِ محذوف نکالیں گے۔ أَيِ انْتَهُوا عَنِ التَّثْلِيثِ، یعنی تم لوگ عقیدۂ تثلیث سے باز آجاؤ، وَاقْصُدُوا خَيْرًا لَكُمْ، اور تم ارادہ کرو اس چیز کا جو تمہارے لیے بہتر ہے، وَهُوَ التَّوْحِيدُ، اور وہ عقیدۂ توحید ہے بھئی۔

وَأَهْلًا وَسَهْلًا۔ جی یہ أَهْلًا وَسَهْلًا عرب کہتے ہیں جب بھی کوئی مہمان وغیرہ کوئی آتا ہے تو کیا کہتے ہیں؟ أَهْلًا وَسَهْلًا بھئی، جیسے اردو میں خوش آمدید وغیرہ خیر مقدمی کلمات کہے جاتے ہیں۔ اب یہ أَهْلًا وَسَهْلًا یہ منصوب ہیں، کیوں منصوب ہیں؟ آج آپ کو پتا چل گیا کہ یہ منصوب ہیں بنا بر مفعول بہ ہونے کے، اور ان کے فعل کو حذف کرنا واجب ہے۔ بھئی کیوں واجب ہے، ضابطہ کیا ہے؟ کہتے ہیں کوئی ضابطہ نہیں، یہ سماع پر موقوف ہیں، عربوں سے ہم نے اسی طرح سنا ہے، آج تک ہم نے کسی فصیح عرب سے نہیں سنا کہ اس نے ان کے لیے فعل کو ذکر کیا ہو۔ تو أَهْلًا وَسَهْلًا، أَيْ أَتَيْتَ أَهْلًا۔ بھئی یاد رکھو أَهْل کا معنیٰ ہے، أَهْل کا ایک معنیٰ ہے جو اپنے ہوں، جو اپنے ہوں، تو یہ اس کے مقابلے میں آئے گا جو اجانب ہیں یعنی اجنبی ہیں، کچھ اپنے ہیں اور کچھ اجانب، تو کبھی أَهْل کا لفظ اپنوں کے لیے یعنی رشتے داروں کے لیے استعمال ہوتا ہے، جیسے أَهْلُ الْبَيْتِ، أَهْلُ الْبَيْتِ کا کیا معنیٰ؟ گھر والے، تو أَهْل کا لفظ، أَهْل کا لفظ رشتے داروں اور اپنوں کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے۔ اور اسی طرح أَهْل مصدر بھی ہے جس کا معنیٰ ہے آباد ہونا، آباد ہونا۔ تو دونوں کے اعتبار سے شارحِ جامی معنیٰ کریں گے، کہ اگر أَهْل جو ہے یہ مصدر مراد لیا جائے تو پھر أَهْل اور مصدر کا کیا معنیٰ تھا أَهْل کا؟ آباد ہونا، کسی جگہ کا آباد ہونا جہاں آبادی ہو، ویرانہ نہ ہو بھئی، تو آباد ہونا أَهْل یہ مصدر ہے، تو پھر یہ أَهْل بمعنی مَأْهُول کے ہو گا، جیسے خَلْق بمعنی مَخْلُوق کے ہے، تو یہ أَهْل کا کیا معنیٰ؟ مَأْهُول یعنی وہ جگہ جو آباد ہے بھئی، وہ جگہ جو، أَيْ مَكَانًا مَأْهُولًا، وہ جگہ جو مَأْهُول ہے یعنی آباد ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟

تو کہتے ہیں: أَيْ أَتَيْتَ أَهْلًا، دیکھا أَتَيْتَ فعلِ محذوف ہے، اس نے أَهْلًا کو نصب دیا ہے، أَتَيْتَ أَهْلًا أَيْ مَكَانًا مَأْهُولًا مَعْمُورًا، یعنی آپ آئے ہیں ایسی جگہ پر مَأْهُولًا جو آباد ہے، مَعْمُورًا، مَعْمُور کا معنیٰ بھی آباد، ایسی جگہ پر جو آباد ہے، معمور ہے، لَا خَرَابًا، ویرانے میں آپ نہیں آئے۔ مہمان آیا ہے اس کو کیا کہتے ہیں؟ آپ آباد جگہ پر آئے ہیں ویرانے میں نہیں یعنی یہاں آپ کو کسی قسم کی وحشت محسوس نہیں ہو گی۔ أَوْ أَهْلًا لَا أَجَانِبَ، یا آپ اپنے رشتے داروں میں، اپنوں میں آئے

ہیں، لَا أَجَانِبَ غیروں میں اور اجنبیوں میں نہیں آئے۔ وَوَطِئْتَ سَهْلًا، وَطِئَ يَطَأُ کے معنیٰ ہیں روندنا، وَوَطِئْتَ سَهْلًا اور آپ نے نرم زمین کو روندا ہے یعنی یہ نرم جگہ ہے، یہاں آپ کو کسی قسم کی سختی اور مشکل پیش نہیں آئے گی۔ وَوَطِئْتَ سَهْلًا، وَطِئَ يَطَأُ بابِ سَمِعَ سے ہے، وَوَطِئْتَ سَهْلًا اور آپ نے نرم زمین کو روندا ہے مِنَ الْبِلَادِ شہروں میں سے، لَا حَزْنًا سخت زمین کو نہیں۔ أَتَيْتَ أَهْلًا وَوَطِئْتَ سَهْلًا، یعنی آپ اپنوں میں آئے ہیں، یہاں آپ کو کوئی بیگانگی اور وحشت محسوس نہیں ہو گی، اور نیز آپ نے نرم زمین کو روندا ہے یعنی یہاں آپ کو کسی قسم کی مشکل پیش نہیں آئے گی۔ حَزْن کہتے ہیں سخت زمین کو بھئی، تو وَطِئْتَ سَهْلًا مِنَ الْبِلَادِ لَا حَزْنًا، آپ نے شہروں میں سے نرم زمین کو روندا ہے یعنی نرم جگہ پر آئے ہیں، نرم زمین پر آئے ہیں، لَا حَزْنًا سخت زمین پر نہیں آئے، تو یہاں آپ کو کوئی مشکل پیش نہیں آئے گی۔

بات سمجھ میں آگئی؟ چلیے بس بھئی هٰذَا هُوَ الْمَرَامُ وَاللّٰهُ أَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْكَلَامِ۔

سبق نمبر ۱۱۹: المنادیٰ (۱): منادیٰ کی تعریف اور منادیٰ کے مبنی بر علامتِ رفع ہونے کا بیان

شرحِ ملا جامی صفحہ: ۸۹ — بتاریخ: ۷ دسمبر ۲۰۲۱ء

▪ تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث

آگے سبق دیکھیے بھئی:[1]

وَالْمَوْضِعُ الثَّانِي مِنْ تِلْكَ الْمَوَاضِعِ الْأَرْبَعَةِ الْمُنَادَى، وَهُوَ الْمَطْلُوبُ إِقْبَالُهُ أَيْ تَوَجُّهُهُ إِلَيْكَ بِوَجْهِهِ أَوْ بِقَلْبِهِ، كَمَا إِذَا نَادَيْتَ مُقْبِلًا عَلَيْكَ بِوَجْهِهِ حَقِيقَةً مِثْلُ يَا زَيْدُ، أَوْ حُكْمًا مِثْلُ يَا سَمَاءُ وَيَا جِبَالُ وَيَا أَرْضُ۔

بھئی گزشتہ سبق میں ہم مفعول بہ کی بحث پڑھ رہے تھے بھئی۔ اور صاحبِ کافیہ نے آپ کو بتلایا کہ مفعول بہ وہ ہے جس پر فاعل کا فعل واقع ہو۔ اور صاحبِ جامی نے بتلایا کہ واقع ہونے سے مراد فعل کا اس کے ساتھ تعلق ہے بلا واسطہ حرفِ جر کے۔ اور میں نے یہ بھی بتلایا تھا کہ تعلق سے مراد تعلقِ اولی ہے، یعنی جس کے بغیر فعل کا تعقل ہی نہ ہو سکے۔

[1]

نقشۂ نحوی (٦): منادیٰ کے احکامِ اعراب و بناء کا شجرہ:

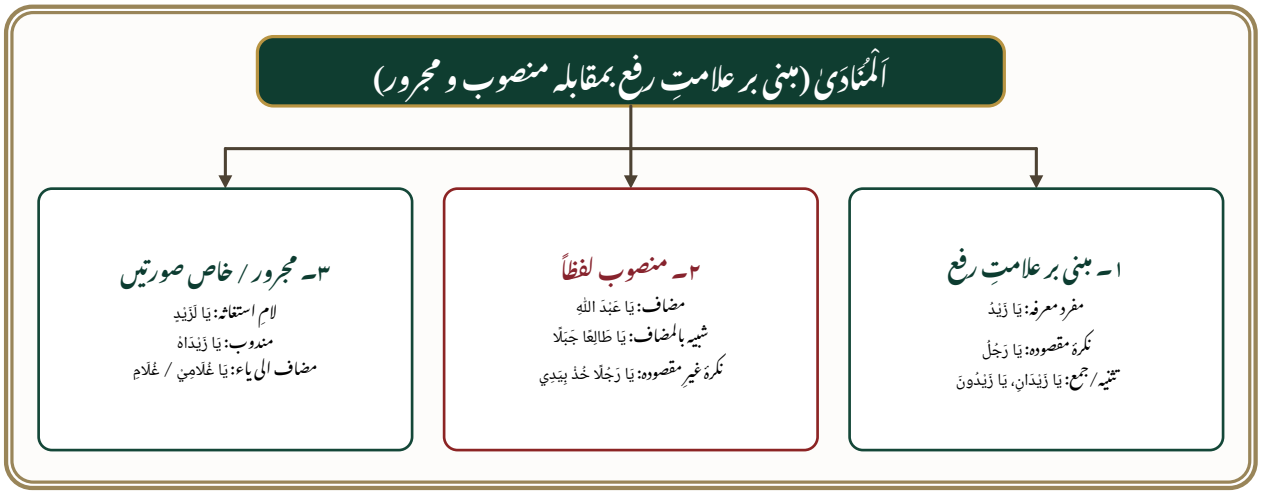

پھر اس تعریف پر اعتراض ہوتا تھا کہ اس کے اندر یہ جو فاعل کا لفظ ذکر کیا صاحبِ کافیہ نے وہ زائد ہے، وہ اگر صرف یوں کہہ دیتے کہ مفعول بہ وہ اس چیز کا نام ہے وَقَعَ عَلَيْهِ الْفِعْلُ جس پر فعل واقع ہو تو بات کافی تھی، یہ فاعل کی قید زائد آگئی متن کے اندر بھئی۔ اور نیز یہاں اشکال ہوتا تھا کہ یہ جو تعریف کی صاحبِ کافیہ نے یہ جامع بھی نہیں اور مانع بھی نہیں، اس لیے کیونکہ ضُرِبَ زَيْدٌ یہ زَيْدٌ جو ہے مفعول ما لم یسم فاعلہ ہے یعنی نائب الفاعل ہے، لیکن یہ آپ کی تعریف کے اندر داخل ہو رہا ہے اس لیے کیونکہ اس پر ضرب واقع ہوئی ہے۔ تو معلوم ہوا آپ کی تعریف دخولِ غیر سے مانع نہیں۔ اور نیز آپ کی تعریف جامع بھی نہیں، اس لیے کیونکہ أُعْطِيَ زَيْدٌ دِرْهَمًا اس کے اندر جو دِرْهَمًا ہے یہ مفعول بہ ہے، لیکن یہ آپ کی تعریف سے خارج ہو رہا ہے اس لیے کیونکہ اس پر فاعل کا فعل واقع نہیں ہوا، بلکہ اس پر تو مفعول ما لم یسم فاعلہ کا فعل واقع ہوا ہے۔ أُعْطِيَ زَيْدٌ یہ زَيْدٌ نائب الفاعل ہے اور یہ أُعْطِيَ اس کا فعل ہے، تو یہ مفعول ما لم یسم فاعلہ کا فعل جو ہے یہ دِرْهَمًا پر واقع ہو رہا ہے۔

تو صاحبِ جامی نے آپ کو بتلایا تھا کہ بھئی یہ جو تعریف کے اندر فاعل کا لفظ آیا یہ بیکار نہیں، بلکہ اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ فاعل کے فعل سے مراد وہ والا فعل ہے جس کا اسناد فاعل کی طرف معتبر بھی ہو۔ یہ جو فِعْلِ فَاعِل تعریف کے اندر آیا، تو یہ فاعل کے فعل سے مراد وہ والا فعل ہے جس کا اسناد فاعل کی طرف معتبر بھی ہو، پھر وہ فاعل چاہے حقیقتاً ہو چاہے حکماً ہو یعنی مفعول ما لم یسم فاعلہ ہو۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو کہتے ہیں ہماری یہ تقریر لے لیں گے تو تینوں اعتراضات ختم ہو گئے۔

ایک اعتراض کیا ہوا تھا؟ کہ ضُرِبَ زَيْدٌ یہ تعریف کے اندر داخل ہو رہا ہے اس لیے کیونکہ یہ جو زید ہے اس پر ضرب واقع ہوئی ہے، لیکن اس کو کوئی بھی مفعول بہ نہیں کہتا بلکہ اس کو مفعول ما لم یسم فاعلہ کہتے ہیں، کیونکہ مفعول بہ تو منصوب ہوتا ہے اور یہ تو مرفوع ہے بھئی۔ تو صاحبِ جامی فرماتے ہیں کہ نہیں بھئی، ہماری تقریر سے یہ اشکال بھی ختم ہو گیا۔ ہم نے کیا کہا کہ فعل سے کون سا فعل مراد ہے؟ جس کا اسناد فاعل کی طرف معتبر ہو۔ یعنی جس فعل کا تعلق مفعول بہ سے آ رہا ہے، اسی فعل کا اسناد فاعل کی طرف بھی ہو رہا ہو، یعنی وہ اسناد بھی معتبر ہو۔ آسان لفظوں میں یوں کہو کہ مفعول بہ الگ ہو اور فاعل الگ ہو بھئی، یعنی مفعول بہ سے اس فعل کا تعلق الگ ہو اور فاعل یا نائب فاعل کی طرف اس کا اسناد الگ ہو۔ اب ضُرِبَ زَيْدٌ تعریف سے نکل گیا، اس لیے کیونکہ ضُرِبَ زَيْدٌ اس میں ٹھیک ہے زید پر ضرب واقع تو ہے، زید پر ضرب واقع تو ہے، تو اگر آپ اس کو مفعول بہ کہتے ہیں تو ہم نے کیا کہا وہ فعل کیسا ہونا چاہیے؟ کہ اس کا اسناد فاعل یا نائب فاعل کی طرف بھی الگ سے ہونا چاہیے۔ تو اگر آپ اس کو مفعول بہ کہنا چاہتے ہیں تو فاعل کی طرف اسناد کدھر ہے؟ اور اگر آپ اس کو نائب الفاعل قرار دیتے ہیں تو پھر مفعول بہ کدھر ہے بھئی؟ بات سمجھ میں آگئی؟ تو ایک وقت میں ایک چیز ہو سکتی ہے، تو جبکہ مفعول بہ میں کیا ضروری ہے کہ جس فعل کا اس کے ساتھ تعلق ہو اسی فعل کا اسناد فاعل کی طرف بھی

ہو رہا ہو۔ تو یہاں پر اگر آپ ضُرِبَ زَيْدٌ آپ اس زید کو داخل کرنا چاہتے ہیں تعریف میں یہ کہہ کر کہ اس پر فعل واقع ہوا ہے، تو پھر اس فعل کا اسناد فاعل کی طرف کہاں ہے بھئی؟ ہم نے کہا وہ بھی معتبر ہونا چاہیے۔ اور اگر آپ کہتے ہیں اسی کی طرف جو اسناد ہو رہا ہے یہ فاعلِ حکمی ہے کیونکہ یہ نائب الفاعل ہے، تو پھر مفعول بہ کدھر ہے؟ اس کے ساتھ فعل کا تعلق الگ ہونا چاہیے۔ بات سمجھ میں آگئی۔

اور نیز أُعْطِيَ زَيْدٌ دِرْهَمًا کا اعتراض بھی ختم ہوا، اس لیے کیونکہ یہ جو دِرْهَمًا ہے اس کے ساتھ أُعْطِيَ فعل کا تعلق ہے اور اس فعل کا اسناد فاعل کی طرف معتبر ہے، یعنی فاعل کی طرف اس کا اسناد ہو رہا ہے جو کہ زَيْدٌ ہے، اور وہ فاعلِ حقیقی تو نہیں لیکن فاعلِ حکمی ضرور ہے بھئی۔ تو یہ ہے اس فاعل کے لفظ کے لانے کا فائدہ۔ یہ ہے اس فاعل کے لفظ کے لانے کا فائدہ، معلوم ہوا یہ جو فاعل کا لفظ تعریف میں ذکر کیا گیا یہ بیکار نہیں بلکہ صرف یہ بتلانے کے لیے ہے کہ وہ فعل جس کا تعلق مفعول بہ سے آرہا ہے اس کا اسناد فاعل کی طرف معتبر ہونا چاہیے، یعنی آسان لفظوں میں یوں کہو کہ مفعول بہ کے ساتھ تعلق الگ ہو اور فاعل کی طرف اس کا اسناد الگ ہو رہا ہو۔

پھر اس کے بعد صاحبِ کافیہ نے مثال ذکر کی تھی: ضَرَبْتُ زَيْدًا، کہ یہ زَيْدًا مفعول بہ ہے، اس پر فاعل کا فعل واقع ہے یعنی ضَرَبْتُ اور اس ضَرَبْتُ کا اسناد فاعل کی طرف معتبر بھی ہے یعنی فاعل بھی اس کا موجود ہے یہاں پر بھئی۔ اور پھر انہوں نے بتایا تھا کہ کبھی کبھار مفعول بہ جو ہے وہ فعل پر مقدم ہو جاتا ہے، اور یہ مقدم ہونا کبھی جائز ہوتا ہے، کبھی واجب ہوتا ہے جب وہ استفہام یا شرط کے معنیٰ کو متضمن ہو، اور کبھی کبھار مفعول بہ کو فعل پر مقدم کرنا ممتنع ہوتا ہے کیونکہ وہاں کوئی مانع آجاتا ہے بھئی۔ جیسے اس مثال کے اندر تھا: مِنَ الْبِرِّ أَنْ تَكُفَّ لِسَانَكَ، تو یہاں پر یہ جو لِسَانَكَ ہے یہ مفعول بہ ہے تَكُفَّ فعل کے لیے، اور اس کو تَكُفَّ فعل پر بھی مقدم نہیں کر سکتے اور أَنْ تَكُفَّ اس پورے سے بھی مقدم نہیں کر سکتے، اس لیے کیونکہ اگر آپ لِسَانَكَ کو مقدم کریں گے تَكُفَّ پر اور أَنْ اور تَكُفَّ کے درمیان لے آئیں گے تو پھر تو آپ نے فصل کر دیا بَيْنَ حَرْفِ الْمَوْصُولِ وَالصِّلَةِ، حرفِ موصول اور اس کے صلے کے درمیان۔ اور حرفِ موصول یہ أَنْ ہے اور اس کا صلہ فعل ہوتا ہے یعنی ہمیشہ یہ فعل پر داخل ہوتا ہے، تو اس صورت میں اس أَنْ اور اس کے صلہ یعنی فعل کے درمیان فصل آ جائے گا اور یہ جائز نہیں ہے بھئی۔ اور نیز یہ لِسَانَكَ کو أَنْ پر بھی مقدم نہیں کر سکتے، اس لیے کیونکہ یہ معمول ہے تَكُفَّ کا اور تَكُفَّ عامل ہے اور اس عامل پر أَنْ داخل ہے، تو وہ تَكُفَّ خود أَنْ پر مقدم نہیں ہو سکتا جو عامل ہے، جب عامل خود أَنْ پر مقدم نہیں ہو سکتا تو اس کا معمول بطریقِ اولیٰ اس پر مقدم نہیں ہو سکتا۔ یا آپ یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ یہ لِسَانَكَ کو أَنْ تَكُفَّ پر مقدم نہیں کر سکتے اس لیے کیونکہ یہ أَنْ نے تَكُفَّ کو مصدر کے معنیٰ میں کر دیا اور مصدر عاملِ ضعیف ہے، وہ اپنے مابعد میں تو عمل کرتا ہے اپنے سے ماقبل کے اندر عمل نہیں کرتا۔ تو دیکھو یہاں پر مانع آگیا، اب مفعول بہ کو فعل پر مقدم کرنا جائز نہیں ہے بھئی۔

اور میں نے یہاں آپ کو فائدہ بتلایا تھا بھئی کہ ایک ہے اسمِ موصول اور ایک ہے حرفِ موصول۔ اسمِ موصول کے لیے بھی صلہ چاہیے اور حرفِ موصول کے لیے بھی صلہ چاہیے بھئی۔ اور حرفِ موصول تین ہیں: أَنَّ، أَنْ اور مَا۔ اور أَنَّ یہ جملہ اسمیہ پر داخل ہوتا ہے تو وہ اس کا صلہ، اور أَنْ اور مَا ہمیشہ فعل پر داخل ہوتے ہیں تو وہ فعل ان کا صلہ ہے۔ اور یہ بھی یاد رکھنا کہ یہ حرفِ موصول اور اسمِ موصول میں فرق یہ ہے، بھئی حرفِ موصول کے لیے بھی صلہ چاہیے اسمِ موصول کے لیے بھی صلہ چاہیے، لیکن دونوں میں فرق یہ ہے، دونوں میں فرق یہ ہے کہ اسمِ موصول کا جو صلہ ہوتا ہے اس کا اسمِ موصول کے ساتھ ربط ضروری ہوتا ہے، تو اس کے اندر ایک ضمیر ہونی چاہیے جو اسمِ موصول کی طرف لوٹے۔ اسمِ موصول کا جو صلہ ہوتا ہے چاہے جملہ اسمیہ ہو چاہے جملہ فعلیہ اس کے اندر ایک ضمیر چاہیے جو کس کی طرف لوٹے؟ اسمِ موصول کی طرف۔ جبکہ حرفِ موصول کے اندر کوئی ضمیر نہیں چاہیے جو اس کو حرف کے ساتھ جوڑ دے، اس لیے کیونکہ ضمیر حرف کی طرف راجع نہیں ہو سکتی۔ بات سمجھ میں آگئی۔ اور میں نے یہ بھی آپ کو بتلایا تھا کہ صلہ کا لفظ علمِ نحو کے اندر یہ موصول کے صلے کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے چاہے موصولِ اسمی ہو چاہے موصولِ حرفی ہو، اور نیز یہ صلہ کا لفظ زائد کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے، قرآن کے اندر جو لفظ زائد ہو اس کے لیے بطورِ ادب کے صلہ کا لفظ بولتے ہیں صاد کے ساتھ بھئی۔ اور اسی طرح صلہ اس حرفِ جر کو بھی کہتے ہیں جو کسی فعل کے ساتھ متعلق ہوتا ہے بھئی۔

تو کہتے ہیں کبھی کبھار اس کے فعل کو حذف کر لیا جاتا ہے، اور یہ حذف دو قسم پر ہے: کبھی حذف جوازاً ہو گا اور کبھی حذف وجوباً ہو گا بھئی۔ حذف جوازاً وہاں ہو گا جہاں قرینہ موجود ہو، اور وہ قرینہ قرینہ لفظیہ بھی ہو سکتا ہے اور قرینہ عقلیہ بھی ہو سکتا ہے۔ قرینہ لفظیہ یا یوں کہیں قرینہ مقالیہ اس کی مثال ذکر کی تھی: کسی نے آپ سے کہا مَنْ أَضْرِبُ؟ میں کس کی پٹائی کروں؟ تو آپ جواب میں صرف یوں کہہ سکتے ہیں: زَيْدًا، اور آپ یوں بھی کہہ سکتے ہیں: اِضْرِبْ زَيْدًا کہ فعل کو ذکر کر دیں۔ تو یہاں فعل کو حذف کرنا جائز ہے کون سا فعل؟ جو مفعول بہ زَيْدًا کو نصب دے رہا ہے۔ اور کبھی کبھار قرینہ لفظیہ نہیں ہو گا بلکہ قرینہ حالیہ ہو گا۔ جیسے ایک شخص مکہ جانا چاہ رہا ہے، مکہ کی تیاری میں لگا ہوا ہے، مثلاً سامان تیار کر رہا ہے، احرام وغیرہ باندھا ہوا ہے، تو اب آپ اس سے کہتے ہیں: مَكَّةَ؟ أَيْ أَتُرِيدُ مَكَّةَ؟ یعنی کیا آپ مکہ کا ارادہ کر رہے ہیں؟ یعنی مکہ جانا چاہتے ہیں؟ تو دیکھو یہاں پر آپ نے کیا کہا: مَكَّةَ؟ سوال پوچھ رہے ہیں اس سے، تو کہنا کیا چاہیے تھا؟ أَتُرِيدُ مَكَّةَ؟ یا تُرِيدُ مَكَّةَ؟ آپ مکہ کا ارادہ کر رہے ہیں؟ تو تُرِيدُ فعل أَنْتَ ضمیر اس کے اندر فاعل اور مَكَّةَ اس کے لیے مفعول بہ، تو یہ فعل کو حذف کرنا جائز ہے اور آپ چاہیں تو لفظوں میں ذکر کر دیں۔ اور یہاں قرینہ کیا موجود ہے؟ آپ اگر صرف یہ کہتے ہیں مَكَّةَ؟ یعنی اس سے سوال پوچھ رہے ہیں، تو قرینہ کیا ہے؟ یہ اس کی حالت بتلا رہی ہے، جو اس کی جو حالت ہے یہ اس فعلِ محذوف پر دلالت کر رہی ہے کیونکہ وہ اس نے احرام باندھا ہوا ہے اور سامان وغیرہ تیار کر رہا ہے، معلوم ہوا اس کا مکہ جانے کا ارادہ ہے۔ بات سمجھ میں آگئی۔

تو بعض جگہ حذف جائز ہوتا ہے جس وقت قرینہ موجود ہو، اور بعض جگہ یہ مفعول بہ کے فعل کا حذف واجب ہوتا ہے اور صاحبِ کافیہ نے آپ کو بتلایا وہ چار جگہیں ہیں۔ پھر مزید تفصیل صاحبِ جامی نے بتلائی کہ یہ چار جگہوں کو ذکر کیا صاحبِ کافیہ نے اس کا یہ معنیٰ نہیں کہ انہی چار جگہوں میں حذف واجب ہے بلکہ اور بھی جگہیں ہیں، لیکن ان کے اندر یہ جو چار جگہیں ہیں ان کے اندر بحثیں زیادہ تھیں اس لیے صرف ان چار کو صاحبِ کافیہ نے ذکر کیا اور باقیوں کو ذکر نہیں کیا بھئی۔ جیسے کہ ان میں سے ایک جگہ ہے وہ جو منصوب ہوتا ہے مدح، ذم یا ترحم کی بنا پر۔ میں نے بتلایا تھا کہ مدح، ذم یا ترحم کی بنا پر صفت کو وصفیت سے کاٹ کر اس پر رفع پڑھنا بھی جائز اور نصب پڑھنا بھی جائز۔ رفع اس پر پڑھا جاتا ہے خبر ہونے کی بنا پر، یعنی اس کے لیے مبتدا محذوف نکالتے ہیں اور اس مبتدا کو لفظوں میں ذکر کرنا جائز نہیں، اس لیے کیونکہ پھر پتہ ہی نہیں چلے گا کہ یہ پہلے صفت تھی اور پھر اس کو کاٹ کر خبر بنایا گیا ہے۔ اور نیز مدح، ترحم اور ذم کی بنا پر نصب بھی جائز ہے اور اس صورت میں پھر یہ أَعْنِي فعل کے لیے مفعول بہ بنیں گے۔ اور اس أَعْنِي فعل کو حذف کرنا واجب ہے۔ تو دیکھو یہ ہماری بحث سے متعلق ہے، بات ہم کس کی کر رہے ہیں؟ مفعول بہ کی، اور کون سا مفعول بہ؟ جس کے فعل کو حذف کرنا واجب ہے۔ تو یہاں پر بھی مدح، ذم اور ترحم کی بنا پر جب نصب پڑھا جاتا ہے تو وہ مفعول بہ ہوتا ہے أَعْنِي فعل کے لیے، أَعْنِي فعل کے اندر أَنَا ضمیر فاعل ہوتی ہے اور آگے وہ جو صفت ہوتی ہے وہ اس کے لیے مفعول بہ بنتی ہے، اور اس أَعْنِي کو حذف کرنا واجب ہے ورنہ تو پتہ ہی نہیں چلے گا کہ یہ اصل میں صفت تھی اور پھر اس کو کاٹ کر اس کو مفعول بہ بنایا گیا۔

تو اسی میں سے ایک اغراء ہے بھئی۔ میں نے آپ کو بتلایا تھا ایک ہے اغراء اور ایک ہے تحذیر۔ اغراء وہ ہے جس کے اندر کسی کو اچھے کام پر، اچھی عادت پر یا اچھی چیز پر ابھارا جائے بھئی، اور اس میں اِلْزَمْ فعل محذوف ہوتا ہے کہ تو اس چیز کو یا اس عادت کو لازم پکڑ لے۔ اور اس کے پھر ذکر کے تین طریقے ہیں۔ ایک صورت یہ ہے کہ وہ جو مغریٰ بہ ہے یعنی جس پر ابھارا جا رہا ہے اس کو مفرد ذکر کیا جائے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ اس کو تکرار کے ساتھ ذکر کیا جائے۔ اور تیسری صورت یہ ہے کہ اس کو عطف کے ساتھ ذکر کیا جائے۔ مفرد ذکر کیا جائے جیسے الصَّلَاةَ۔ بھئی نصب پڑھنا ہے مفعول بہ کی بحث چل رہی ہے یہ سارے منصوب ہیں۔ الصَّلَاةَ، دیکھو مفرد ذکر کیا۔ اور پھر یاد رکھو یہ جو مفرد والی صورت ہے اس میں فعل کا حذف جائز ہے، آپ چاہیں حذف کریں اور چاہیں لفظوں میں ذکر کر دیں۔ آپ یوں بھی کہہ سکتے ہیں الصَّلَاةَ، یا یوں بھی کہہ سکتے ہیں اِلْزَمِ الصَّلَاةَ کہ تو نماز کو لازم پکڑ، یا اسی طرح الْقُرْآنَ یا اِلْزَمِ الْقُرْآنَ۔ اور آپ چاہیں تو تکرار کے ساتھ لائیں یا عطف کے ساتھ، اور تکرار اور عطف کی صورت میں حذف واجب ہے۔ جیسے الصَّلَاةَ الصَّلَاةَ، الْقُرْآنَ الْقُرْآنَ۔

الدِّيَانَةَ الدِّيَانَةَ، الْأَمَانَةَ الْأَمَانَةَ، اور آپ چاہیں تو عطف کے ساتھ لائیں پھر بھی فعل کا حذف واجب ہے، جیسے الدِّيَانَةَ وَالْأَمَانَةَ، الصَّلَاةَ وَالْقُرْآنَ۔ جبکہ تحذیر جو ہے، تحذیر کے اندر کسی ناپسندیدہ عادت یا کسی ناپسندیدہ چیز یا کسی خطرے والی چیز پر دوسرے انسان کو متنبہ کیا جاتا ہے کہ وہ اس سے بچ جائے بھئی۔ اور اس کے اندر پھر چار صورتیں ہیں بھئی، چار۔ ایک

صورت یہ ہے کہ مُحَذَّرٌ مِنْهُ جو ہے اس کو مفرد ذکر کیا جائے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ اس کو تکرار کے ساتھ ذکر کیا جائے۔ تیسری صورت اس کے اندر بھی عطف والی ہے، اور چوتھی صورت ہے کہ اس کو إِيَّا کے ساتھ ذکر کیا جائے۔

جب مُحَذَّرٌ مِنْهُ کو مفرد ذکر کیا جائے، تو پھر فعل کا حذف جائز ہے، آپ چاہیں حذف کر لیں چاہیں حذف نہ کریں۔ اور عموماً یہاں کون سا فعل نکالتے ہیں؟ اِحْذَرْ یا اِجْتَنِبْ یا اِتَّقِ یا حَذِّرْ یا بَاعِدْ اس جیسا کوئی فعل موقع محل کے مطابق نکال لیتے ہیں۔ تو اس صورت میں حذف جائز ہے بھئی جب مُحَذَّرٌ مِنْهُ کو مفرد ذکر کیا جائے۔ اور اگر تکرار کے ساتھ یا عطف کے ساتھ ذکر کیا جائے تو پھر اس صورت میں فعل کا حذف واجب ہے بھئی۔ تو یہ تین صورتیں گویا مشترک ہو گئیں، اغراء کے اندر بھی اور تحذیر کے اندر بھی۔ کہ مُغْرًى بِهِ یا مُحَذَّرٌ مِنْهُ کو مفرد ذکر کیا جائے گا یا تکرار کے ساتھ یا عطف کی صورت میں۔ اور چوتھی صورت ہے تحذیر کے اندر إِيَّا کے ساتھ بھئی۔ کس کے ساتھ؟ إِيَّا کے ساتھ بھئی۔ اور یہ إِيَّا وہی ضمیرِ منصوب منفصل ہے بھئی، وہ جو آپ پڑھتے ہیں بھئی إِيَّاكَ إِيَّاكُمَا إِيَّاكُمْ إِيَّاكِ إِيَّاكُمَا إِيَّاكُنَّ، جیسے قرآن میں ہے إِيَّاكَ نَعْبُدُ۔ یہ إِيَّاكَ کیا ہے؟ ضمیرِ منصوب منفصل ہے بھئی، بات سمجھ میں آ رہی ہے؟

اور یاد رکھو پھر یہ إِيَّا کے اندر تین صورتیں ہیں، ایک صورت یہ ہے کہ آپ إِيَّا کو واو کے ساتھ ذکر کریں یعنی عطف کے ساتھ، یا آپ إِيَّا کو مِنْ کے ساتھ ذکر کریں، اور تیسری صورت ہے کہ اس میں نہ واو ذکر ہو اور نہ مِنْ ذکر ہو۔ کتنی صورتیں إِيَّا کے اندر؟ تین صورتیں، ایک صورت کیا کہ واو کے ساتھ ذکر ہو، دوسری صورت کیا مِنْ کے ساتھ ذکر ہو، اور تیسری صورت ہے کہ نہ واو ذکر ہو اور نہ مِنْ ذکر ہو۔ مثلاً، مثلاً آپ دوسرے کو خبردار کرنا چاہتے ہیں کہ جھوٹ سے اپنے آپ کو بچائے تو آپ اس سے کہتے ہیں: إِيَّاكَ وَالْكَذِبَ، دیکھو واو درمیان میں لے آئے۔ إِيَّاكَ وَالْكَذِبَ، یہ إِيَّاكَ یہ بھی ضمیرِ منصوب منفصل ہے اور الْكَذِبَ یہ بھی منصوب ہے، یہ دونوں مفعول بہ ہیں بھئی، بات سمجھ میں آ رہی ہے؟ اور یہ بھی یاد رکھنا، یہ إِيَّا والی تینوں صورتوں کے اندر فعل کا حذف واجب ہے، آپ لفظوں میں ذکر نہیں کر سکتے بھئی۔ تو یہاں پر پہلی صورت کیا؟ واو کے ساتھ: إِيَّاكَ وَالْكَذِبَ۔ دوسری صورت ہے مِنْ کے ساتھ: إِيَّاكَ مِنَ الْكَذِبِ۔ اور تیسری صورت ہے بغیر واو اور مِنْ کے، اور اس صورت میں پھر آپ مصدرِ مؤول کو آگے لے کر آئیں گے اس کے ساتھ جوڑ کر یعنی أَنْ مَعَ الْفِعْلِ کے ذکر ہو گا: إِيَّاكَ أَنْ تَكْذِبَ۔ إِيَّاكَ أَنْ تَكْذِبَ۔ أَنْ تَكْذِبَ، اور یاد رکھو یہاں مِنْ مقدر ہے، أَيْ إِيَّاكَ مِنْ أَنْ تَكْذِبَ۔ اور واو اور مِنْ کے ساتھ بھی آپ أَنْ کو ذکر کر سکتے ہیں۔ پہلے کیا ذکر کیا تھا؟ إِيَّاكَ وَالْكَذِبَ، آپ یوں بھی کہہ سکتے ہیں إِيَّاكَ وَأَنْ تَكْذِبَ۔ توجہ ہے؟ إِيَّاكَ وَالْكَذِبَ، اور أَنْ کے ساتھ بھی لا سکتے ہیں إِيَّاكَ وَأَنْ تَكْذِبَ۔ مِنْ کے اندر بھی آپ أَنْ بھی لا سکتے ہیں بغیر أَنْ کے بھی: إِيَّاكَ مِنَ الْكَذِبِ یا إِيَّاكَ مِنْ أَنْ تَكْذِبَ۔ اور پھر تیسری صورت یہ ہے کہ واو اور مِنْ کے بغیر لائیں، اور کیا کہیں إِيَّاكَ أَنْ تَكْذِبَ۔ اور اس صورت میں پھر أَنْ ہی کو لائیں گے جب واو اور مِنْ لفظوں میں نہ ہو تو پھر آگے أَنْ کے ساتھ ہی ذکر کرنا پڑے گا مُحَذَّرٌ مِنْهُ کو، بغیر أَنْ کے ذکر نہیں کر سکتے، یعنی آپ یوں نہیں کہہ سکتے إِيَّاكَ الْكَذِبَ۔ إِيَّاكَ أَنْ تَكْذِبَ تو کہہ سکتے ہیں دیکھو درمیان میں نہ واو ہے اور نہ مِنْ ہے، لیکن إِيَّاكَ الْكَذِبَ، الْكَذِبَ لائے دیکھو یہ مُحَذَّرٌ مِنْهُ أَنْ مَعَ الْفِعْلِ کے ساتھ نہیں ہے اور درمیان میں واو

اور مِنْ بھی نہیں ہے تو صاحبِ کافیہ کے نزدیک اور جمہور کے نزدیک یہ صورت جائز نہیں۔ جبکہ بعض نحوی حضرات فرماتے ہیں کہ یہ صورت بھی جائز ہے، إِيَّاكَ الْكَذِبَ کہنا بھی جائز ہے، یا إِيَّاكَ الْأَسَدَ کہنا بھی جائز ہے، لیکن جمہور نحوی کیا فرماتے ہیں کہ مُحَذَّرٌ مِنْهُ کو إِيَّاكَ کے ساتھ ملا کر بغیر واو اور مِنْ کے ذکر کرنا چاہتے ہیں تو وہ أَنْ مَعَ الْفِعْلِ ہی کو ذکر کر سکتے ہیں کسی اسمِ صریح کو ذکر نہیں کر سکتے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ معلوم ہوا اسمِ مؤول یعنی أَنْ مَعَ الْفِعْلِ جو ہے وہ جو مصدر کی تاویل میں ہو جاتا ہے اس اسمِ مؤول کو تو ذکر کر سکتے ہیں لیکن اسمِ صریح کو ذکر نہیں کر سکتے۔

تو حاصلِ کلام کیا ہوا کہ إِيَّا کے اندر تین صورتیں ہیں: ایک صورت کیا واو کے ساتھ، ایک صورت مِنْ کے ساتھ، اور ایک صورت واو اور مِنْ کے بغیر ہے۔ واو کے ساتھ ہو تو پھر واو کے بعد آپ اسمِ صریح کو بھی ذکر کر سکتے ہیں اور أَنْ مَعَ الْفِعْلِ کو بھی ذکر کر سکتے ہیں: إِيَّاكَ وَالْكَذِبَ اور إِيَّاكَ وَأَنْ تَكْذِبَ۔ اور اسی طرح مِنْ کے اندر بھی دونوں صورتیں جائز ہیں، آپ اسمِ صریح کو بھی ذکر کر سکتے ہیں اور مصدرِ مؤول کو بھی: إِيَّاكَ مِنَ الْكَذِبِ یا إِيَّاكَ مِنْ أَنْ تَكْذِبَ۔ اور اگر آپ واو اور مِنْ کے بغیر لانا چاہتے ہیں تو پھر اسمِ مؤول کو تو لا سکتے ہیں اسمِ صریح کو نہیں لا سکتے، تو آپ یوں کہیں گے: إِيَّاكَ أَنْ تَكْذِبَ۔ إِيَّاكَ الْكَذِبَ کہنا جائز نہیں جمہور کے نزدیک، ہاں بعض نحوی فرماتے ہیں کہ إِيَّاكَ الْكَذِبَ کہنا بھی جائز ہے۔ تو یہ مُحَذَّرٌ مِنْهُ کی مثالیں ہوئیں، آپ مثلاً الْأَسَدَ کو لے آئیں: إِيَّاكَ وَالْأَسَدَ، إِيَّاكَ مِنَ الْأَسَدِ، شیر سے اپنے آپ کو بچاؤ بھئی۔ اور یہ إِيَّا والی صورتوں میں فعل کا حذف واجب ہے، بات سمجھ میں آگئی؟ تو إِيَّا میں کتنی صورتیں ہو گئیں؟ جمہور کے نزدیک تین صورتیں ہوئیں اور بعض نحوی جو ہے إِيَّا کے بعد واو اور مِنْ کے بغیر بھی اسمِ صریح کے ذکر کو جائز قرار دیتے ہیں تو وہ کہتے ہیں إِيَّاكَ الْأَسَدَ، إِيَّاكَ الْكَذِبَ، إِيَّاكَ النِّفَاقَ وغیرہ یہ کہنا صحیح ہے لیکن جمہور کے نزدیک یہ جائز نہیں ہے بھئی۔ اور میں نے بتلایا کہ یہ إِيَّا جو ہے یہ وہ ضمیرِ منصوب منفصل ہے، تو یہ موقع کے مطابق لائیں گے۔ اگر ایک مخاطب ہے جس سے آپ یہ کہہ رہے ہیں تو إِيَّاكَ وَالْأَسَدَ کہیں گے، اور اگر تثنیہ یا جمع ہے یا مؤنث ہے تو اسی کے مطابق ضمیر لائیں گے: إِيَّاكُمَا وَالْأَسَدَ، إِيَّاكُمْ وَالْأَسَدَ، إِيَّاكِ وَالْأَسَدَ، إِيَّاكُمَا وَالْأَسَدَ، إِيَّاكُنَّ وَالْأَسَدَ، صورت سمجھ میں آگئی؟ تو یہ إِيَّا کے اندر تین صورتیں جائز ہیں جمہور کے نزدیک اور ایک چوتھی صورت بعض نحویوں کے نزدیک جائز ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟

تو یہ تھا بابِ تحذیر اور بابِ اغراء، تو بابِ اغراء کے اندر بھی فعل کو حذف کرنا واجب ہے بعض صورتوں کے اندر آپ نے پڑھا تکرار اور عطف والی صورتوں میں، تو لیکن اس کو بھی صاحبِ کافیہ نے ذکر نہیں کیا کیونکہ اس کی بحثیں قلیل ہیں ان کے مقابلے میں یہ جو انہوں نے ذکر کی ہیں بھئی۔ اور پھر بتلایا تھا کہ یہ جو چار جگہ جہاں مفعول بہ کے فعل کو حذف کرنا واجب ہے ان میں سے پہلی جگہ سماعی ہے، یعنی عربوں سے ہم نے سنا ہے اور اس کے لیے کوئی ضابطہ اور قانون نہیں، جب ضابطہ اور قانون نہیں ہے تو آپ اپنی طرف سے مزید مثالیں اس کی نہیں بنا سکتے یہ اپنے مورد پر بند رہے گا جہاں عربوں نے حذف کیا ہے انہی کو آپ اسی طرح استعمال کر سکتے ہیں۔ جیسے اِمْرَأً وَنَفْسَهُ اصل میں کیا تھا؟ أُتْرُكْ اِمْرَأً وَنَفْسَهُ،

تو أتْرُكْ کو حذف کرنا واجب ہے اس کو لفظوں میں اگر آپ ذکر کرتے ہیں تو کلامِ عرب کے اعتبار سے آپ غلطی کر رہے ہیں۔ اور اسی طرح وَانْتَهُوا خَيْرًا لَكُمْ أَيِ انْتَهُوا عَنِ التَّثْلِيثِ وَاقْصِدُوا خَيْرًا لَكُمْ،یہاں خَيْرًا جو منصوب ہے یہ مفعول بہ ہے اور اس کے فعل اِقْصِدُوا کو حذف کرنا واجب ہے، اور ضابطہ کیا ہے؟ ضابطہ کوئی نہیں عربوں سے ہم نے اسی طرح سنا ہے۔ اور اسی طرح أَهْلًا وَسَهْلًا، عرب جو ہے خیر مقدمی کلمات کے طور پر أَهْلًا وَسَهْلًا کہتے ہیں، صاحبِ کافیہ نے آپ کو بتلا دیا کہ یہ مفعول بہ ہے: أَيْ أَتَيْتَ أَهْلًا وَوَطِئْتَ سَهْلًا، آپ آباد جگہ پر آئے ہیں یہاں آپ کو وحشت نہیں ہو گی یا آپ اپنوں کے اندر آئے ہیں یہاں آپ کو اجنبیت محسوس نہیں ہو گی، وَوَطِئْتَ سَهْلًا اور آپ نے نرم زمین کو روندا ہے یعنی یہاں آپ کو کسی قسم کی دشواری پیش نہیں آئے گی۔

اب آئیے آج کے سبق پر بھئی، کہتے ہیں: وَالْمَوْضِعُ الثَّانِي مِنْ تِلْكَ الْمَوَاضِعِ الْأَرْبَعَةِ الْمُنَادَى، وَهُوَ الْمَطْلُوبُ إِقْبَالُهُ۔ بھئی انہوں نے آپ کو بتلایا تھا کہ مفعول بہ کے فعل کو حذف کرنا واجب ہے چار جگہوں پر، ان چار میں سے پہلی جگہ سماعی ہے اور باقی تین جگہیں قیاسی ہیں، تو اب وہ ان چار میں سے دوسری جگہ یعنی سماعی جگہ ذکر کر رہے ہیں بھئی۔ کہتے ہیں: وَالْمَوْضِعُ الثَّانِي مِنْ تِلْكَ الْمَوَاضِعِ الْأَرْبَعَةِ الْمُنَادَى، اور دوسری جگہ ان چار جگہوں میں سے الْمُنَادَى وہ منادیٰ ہے بھئی۔ منادیٰ کسے کہتے ہیں؟ بھئی پہلے متن متن دیکھ لیں، کہتے ہیں: وَهُوَ الْمَطْلُوبُ إِقْبَالُهُ بِحَرْفٍ نَائِبٍ مَنَابَ أَدْعُو لَفْظًا أَوْ تَقْدِيرًا۔ تو کہتے ہیں منادیٰ جو ہے وَهُوَ الْمَطْلُوبُ إِقْبَالُهُ منادیٰ وہ ہے کہ جس کی توجہ جو ہے مطلوب ہو، اِقبال کا کیا معنیٰ؟ توجہ، وَهُوَ الْمَطْلُوبُ إِقْبَالُهُ منادیٰ وہ ہے کہ جس کی توجہ مطلوب ہو، بِحَرْفٍ نَائِبٍ مَنَابَ أَدْعُو ایک ایسے حرف کے ذریعے جو أَدْعُو کے قائم مقام ہو، لَفْظًا أَوْ تَقْدِيرًا اور وہ حرف لفظاً ہو گا یا تقدیراً ہو گا بھئی۔ توجہ ہے؟ منادیٰ کسے کہتے ہیں؟ منادیٰ وہ جس کی توجہ مطلوب ہے، جس کو آپ اپنی طرف متوجہ کرنا چاہتے ہیں، اور یہ متوجہ کرنا کس کے ذریعے ہو گا؟ ایک ایسے حرف کے ذریعے ہو گا جو أَدْعُو کے قائم مقام ہے، جو کس کے قائم مقام ہے؟ أَدْعُو کے قائم مقام ہے، آگے چل کر یہ آپ کو بتلائیں گے کہ حروفِ ندا پانچ ہیں: أَيَا، هَيَا، يَا، أَيْ اور ہمزہ۔ أَيَا، هَيَا، يَا، أَيْ اور ہمزہ۔ ان میں سے یاد رکھو جن کے اندر حروف زائد ہیں وہ بعید کے لیے ہیں، دور کے شخص کو ندا دینے کے لیے، اور جن میں حروف کم ہیں وہ قریب کے لیے ہیں۔ زید آپ کے قریب ہے آپ اس کو ندا دینا چاہتے ہیں تو آپ کہیں گے أَزَيْدُ يا أَيْ زَيْدُ، اور اگر زید دور ہے آپ اس کو ندا دینا چاہتے ہیں تو آپ کہیں گے أَيَا زَيْدُ يا هَيَا زَيْدُ۔ اور جبکہ يَا عام ہے، قریب کے لیے بھی اس کو استعمال کر لیتے ہیں اور بعید دونوں کے لیے آپ استعمال کر سکتے ہیں، زید چاہے قریب ہو یا بعید ہو آپ اس کے لیے يَا استعمال کر سکتے ہیں۔ اور نیز یہ بھی یاد رکھنا کہ حرفِ ندا کو کبھی کبھار حذف کر لیا جاتا ہے تو یاد رکھنا حذف جو ہو گا وہ صرف يَا کا حذف جائز ہے، محذوف جہاں پر بھی حرفِ ندا محذوف ہو تو کون سا حرف محذوف ہو گا؟ يَا محذوف ہو گا، ہمزہ یا أَيْ یا أَيَا یا هَيَا ان کا حذف جائز نہیں یہ نہیں محذوف ہوں گے بھئی۔ اور نیز یہ بھی یاد رکھنا کہ ان حروفِ ندا میں سے یہ جو لفظِ يَا ہے، یہ جو حرفِ يَا ہے لفظِ اللہ پر صرف يَا کا داخل کرنا جائز ہے،

باقی حروفِ ندا کو لفظِ اللہ پر داخل کرنا جائز نہیں، تو آپ یَا اللّٰہُ تو کہہ سکتے ہیں لیکن ہمزہ یا أَيْ یا أَیَا یا هَیَا کو لفظِ اللہ پر داخل کرنا جائز نہیں ہے بھئی۔

جی، تو منادیٰ کسے کہتے ہیں؟ منادیٰ وہ ہے جس کی توجہ مطلوب ہو ایک ایسے حرف کے ذریعے جو قائم مقام ہو أَدْعُو کے۔ معلوم ہوا حرفِ ندا کے بغیر کسی کو اپنی طرف متوجہ کیا جائے تو اس کو منادیٰ نہیں کہتے۔ انہوں نے کیا کہا؟ منادیٰ کسے کہتے ہیں؟ وہ جس کی توجہ مطلوب ہے کس کے ذریعے؟ ایسے حرف کے ذریعے جو قائم مقام ہے أَدْعُو کے۔ لہٰذا أَدْعُو کے علاوہ کسی اور حرف کے ذریعے یا اس کے بغیر کسی اور لفظ کے ذریعے آپ کسی کو اپنی طرف متوجہ کریں گے تو اس کو منادیٰ نہیں کہیں گے۔ مثلاً میں کہتا ہوں لِیُقْبِلْ زَیْدٌ، زید کو متوجہ ہونا چاہیے، فعلِ امر ہے نا، لِیُقْبِلْ زَیْدٌ زید کو متوجہ ہونا چاہیے، اب دیکھو یہاں پر بھی زید کی توجہ کو طلب کیا جا رہا ہے، لیکن کس کے ذریعے؟ حروفِ ندا کے ذریعے یا لِیُقْبِلْ فعل کے ذریعے؟ لِیُقْبِلْ فعل کے ذریعے، لہٰذا اس کو منادیٰ نہیں کہیں گے۔ منادیٰ میں کیا ضروری ہے؟ کہ اس کی توجہ کس کے ذریعے طلب کی جائے؟ حرفِ ندا کے ذریعے۔ اور یاد رکھنا آگے چل کر آپ کو بتائیں گے یہ حرفِ ندا قائم مقام ہے أَدْعُو کے، یَا زَیْدُ أَيْ أَدْعُو زَیْدًا، میں زید کو پکار رہا ہوں، میں زید کو بلا رہا ہوں، أَدْعُو زَیْدًا، أَدْعُو فعل أَنَا ضمیر اس کے اندر فاعل ہے اور زَیْدًا اس کے لیے مفعول بہ، تو أَدْعُو زَیْدًا کہیں تو یہ زَیْدًا یہ بھی منادیٰ نہیں، کیونکہ اس پر حرفِ ندا داخل نہیں۔ ہم نے کیا کہا منادیٰ کسے کہیں گے؟ جس کی توجہ طلب کی جائے کس کے ذریعے؟ حرفِ ندا کے ذریعے طلب کی جائے، وہ ایسا حرف جو قائم مقام کس کے ہو؟ أَدْعُو کے قائم مقام ہو۔ معلوم ہوا خود أَدْعُو لفظوں کے اندر آجائے تو پھر جس کو وہ نصب دے گا اس کو منادیٰ نہیں کہیں گے۔ تو منادیٰ کسے کہتے ہیں؟ کہ اس کی توجہ مطلوب ہوتی ہے اور نیز کیا ضروری کہ اس پر ایسا کوئی حرف داخل ہو جو قائم مقام أَدْعُو کے ہو بھئی۔ اور پھر وہ حرفِ ندا کبھی...

لفظوں میں ہوتا ہے اور کبھی تقدیراً ہوتا ہے۔ لفظوں میں جیسے میں کہتا ہوں: یَا زَیْدُ، دیکھو یَا کا حرف لفظوں میں موجود ہے۔ اور کبھی یہ لفظ تقدیراً ہو گا جیسے قرآن میں اللہ فرماتے ہیں: یُوسُفُ أَعْرِضْ عَنْ هٰذَا، اب یہ یُوسُفُ یہ منادیٰ ہے اور یہاں یَا حرفِ ندا محذوف ہے أَيْ یَا یُوسُفُ أَعْرِضْ عَنْ هٰذَا۔ تو دیکھو حرفِ ندا یہاں محذوف ہے، یہاں یُوسُفُ کا لفظ منادیٰ ہے۔

اب دیکھیے سارے کو بھئی شرح کے ساتھ۔ تو کہتے ہیں: وَالْمَوْضِعُ الثَّانِي مِنْ تِلْكَ الْمَوَاضِعِ الْأَرْبَعَةِ الْمُنَادَى، اور دوسری جگہ ان چار جگہوں میں سے منادیٰ ہے۔ وَهُوَ الْمَطْلُوبُ إِقْبَالُهُ، اور منادیٰ وہ ہے کہ جس کی توجہ مطلوب ہو۔ إِقْبَالُهُ اس کی توجہ بھئی، اس کی توجہ دیکھو شارحِ جامی خود اس کی تفسیر کر رہے ہیں: إِقْبَالُهُ أَيْ تَوَجُّهُهُ إِلَيْكَ، یعنی اس کی آپ کی طرف توجہ جو ہے وہ مطلوب ہو، بِوَجْهِهِ أَوْ بِقَلْبِهِ اور توجہ وہ عام ہے چاہے چہرے کے ذریعے ہو چاہے دل کے ذریعے ہو۔ چاہے

چہرے کے ذریعے چاہے دل کے ذریعے۔ مثلاً زید سامنے کھڑا تھا اس کا چہرہ کسی اور طرف تھا، تو اب آپ اس کو اپنی طرف متوجہ کرنا چاہتے ہیں کہ وہ اپنا چہرہ آپ کی طرف کر لے تو آپ کیا کہیں گے؟ يَا زَيْدُ، تو یہاں دیکھو توجہ مطلوب ہے چہرے کے ساتھ۔ اور کبھی کبھار توجہ قلب کے ساتھ مطلوب ہوتی ہے چہرے کے ساتھ نہیں۔ مثلاً زید آپ کے سامنے کھڑا ہے، زید سامنے ہے اور اس کا رخ بھی اور چہرہ بھی آپ کی طرف ہے، لیکن پھر بھی آپ کہتے ہیں يَا زَيْدُ، کیوں؟ کیونکہ آپ چاہتے ہیں کہ اس کا دل بھی آپ کی طرف متوجہ ہو جائے، یہ نہ ہو رخ تو میری طرف ہے اور دل اس کا کسی اور بات میں مشغول ہے کوئی اور بات وہ سوچ رہا ہو۔ تو توجہ معلوم ہوا عام ہے، چاہے چہرے کے ذریعے ہو چاہے دل کے ذریعے ہو۔ یا جیسے ایک شخص کو آپ ندا دیتے ہیں اور وہ دیوار کے پیچھے ہے، اب دیکھو وہ چہرے کے ساتھ تو آپ کی طرف متوجہ نہیں ہو سکتا کیونکہ درمیان میں دیوار ہے، ہاں دل کے ساتھ وہ آپ کی طرف متوجہ ہو سکتا ہے۔ تو توجہ عام ہے چاہے چہرے کے ساتھ ہو اور چاہے دل کے ساتھ۔

تو کہتے ہیں: أَيْ تَوَجُّهُهُ إِلَيْكَ بِوَجْهِهِ أَوْ بِقَلْبِهِ، یعنی اس کی توجہ آپ کی طرف وہ مطلوب ہے بِوَجْهِهِ اپنے چہرے کے ذریعے أَوْ بِقَلْبِهِ یا اپنے دل کے ذریعے۔ بھئی چہرے کے ذریعے تو توجہ واضح تھی لیکن دل کے ذریعے توجہ اس کا کیا معنیٰ ہے؟ میں نے مثال سے وضاحت کر دی کہ زید کا چہرہ تو آپ کی طرف ہے لیکن آپ چاہتے ہیں کہ دل بھی آپ کی طرف متوجہ ہو جائے۔ تو قلب کے ساتھ توجہ چونکہ اس میں خفا تھا تو اب اس کی تفصیل کر رہے ہیں۔ کہتے ہیں: أَوْ بِقَلْبِهِ یا دل کے ساتھ آپ کی طرف توجہ مطلوب ہو، كَمَا إِذَا نَادَيْتَ مُقْبِلًا عَلَيْكَ بِوَجْهِهِ جیسے کہ آپ نے ندا دی اس شخص کو جو متوجہ ہے اپنے چہرے کے ساتھ آپ کی طرف، تو اس کو آپ ندا دیتے ہیں تو یہاں دراصل اس کے قلب کو اپنی طرف متوجہ کرنا چاہتے ہیں۔

حَقِيقَةً مِثْلُ يَا زَيْدُ أَوْ حُكْمًا، یہ حَقِيقَةً اور حُكْمًا یاد رکھنا یہ تفصیل و تعمیم ہے إِقْبَالُهُ کی۔ یہ تعمیم اور تفصیل ہے إِقْبَالُهُ کی، اور إِقْبَالُهُ کا کیا معنیٰ کیا صاحبِ جامی نے؟ متوجہ ہونا۔ تو یہ متوجہ ہونا کبھی حَقِيقَةً ہو گا اور متوجہ ہونا کبھی حُكْمًا ہو گا۔ توجہ ہے؟ بھئی اس کو طلب کی تفصیل نہ بنا لینا کہ وہ طلب کبھی حقیقتاً ہو گی اور کبھی وہ طلب حکماً ہو گی، یہ طلب کی تفصیل نہیں ہے۔ طلب تو حقیقتاً ہی ہے ہر جگہ، اس لیے کیونکہ یہ جو حرفِ ندا ہے یہ آلہ طلب ہے، اس کے ذریعے دوسرے کی توجہ کو طلب کیا جاتا ہے۔ تو جہاں بھی منادیٰ آئے گا حرفِ ندا ضرور ہو گا چاہے لفظاً ہو چاہے تقدیراً ہو۔ تو جب حرفِ ندا موجود ہے تو طلب تو ہر حال میں وہاں ہے کیونکہ حرفِ ندا آلہ طلب ہے، تو طلب تو ہر حال کے اندر جو ہے حقیقی ہے۔ تو پھر یہ حَقِيقَةً اور حُكْمًا کس کی تفصیل ہے؟ یہ إِقْبَالُهُ کی تفصیل ہے، یہ اس کے اندر تعمیم پیدا کی جا رہی ہے کہ وہ متوجہ ہونا جس کو آپ طلب کر رہے ہیں، وہ متوجہ ہونا کبھی حقیقتاً ہو گا جیسے زید کو آپ نے ندا دی وہ حقیقتاً آپ کی طرف متوجہ ہو

گیا۔ اور کبھی کبھار یہ متوجہ ہونا حکماً ہو گا جس کو آپ طلب کر رہے ہیں، یعنی پہاڑ، درخت وغیرہ یا أَرْضُ یا سَمَاءُ وغیرہ ان کو جب آپ ندا دیتے ہیں۔

بات سمجھ میں آ گئی؟ یاد رکھنا کلامِ عرب کے اندر بعض اوقات یہ اور چیزوں کو بھی ندا دی جاتی ہے، جیسے قرآن کے اندر بھی ہے یَا سَمَاءُ، یَا أَرْضُ، یا اسی طرح اور چیزوں کو کلامِ عرب میں ندا دی جاتی ہے یَا شَجَرُ۔ تو اب یہ تو بے جان چیزیں ہیں بھئی یہ تو متوجہ نہیں ہو سکتیں، اس لیے کیونکہ صاحبِ جامی نے بتلا دیا آپ کو کہ متوجہ ہونا یا تو چہرے کے ذریعے ہو گا یا قلب کے ذریعے ہو گا، اور یہ آسمان، زمین، درخت وغیرہ نہ تو ان کے لیے چہرہ ہے اور نہ ان کے لیے قلب ہے، تو اسی لیے صاحبِ جامی نے یہاں پر تعمیم کر دی کہ یہ جو متوجہ ہونا ہے یہ حقیقتاً بھی ہو سکتا ہے اور حکماً بھی۔ حقیقتاً متوجہ ہونا جیسے آپ کہتے ہیں یَا زَیْدُ، یہاں زید حقیقتاً متوجہ ہو سکتا ہے چہرے کے ذریعے یا قلب کے ذریعے، تو لہٰذا یہاں حقیقتاً متوجہ ہونا جو ہے وہ مطلوب ہے۔ اور یہ جو پہاڑ، درخت وغیرہ ان کو ندا دی جاتی ہے تو ان کا متوجہ ہونا حقیقتاً نہیں کیونکہ حقیقتاً متوجہ ہونے کے لیے قلب چاہیے یا چہرہ چاہیے وہ تو ان کے لیے نہیں، تو لہٰذا یہاں متوجہ ہونا حکماً ہے جس کو طلب کیا جا رہا ہے۔ یعنی ان کو اس شخص کے درجے میں اتار لیا گیا جو حقیقتاً متوجہ ہو سکتا ہے، اس کے درجے میں اتار کر پھر ان کو ندا دی گئی، تو حکماً ان کا متوجہ ہونا جو ہے اس کو طلب کیا جا رہا ہے۔

تو کہتے ہیں: فَإِنَّهَا نُزِّلَتْ أَوَّلًا مَنْزِلَةَ مَنْ لَهُ صَلَاحِيَّةُ النِّدَاءِ، اس لیے کیونکہ ان کو پہلے اتارا گیا اس شخص کے درجے میں جس میں ندا کی صلاحیت ہے۔ ترجمہ سمجھ میں آ رہا ہے؟ فَإِنَّهَا نُزِّلَتْ أَوَّلًا مَنْزِلَةَ مَنْ لَهُ صَلَاحِيَّةُ النِّدَاءِ، اس لیے کہ ان کو پہلے اس شخص کے درجے میں اتارا گیا جس میں ندا کی صلاحیت ہے یعنی جو حقیقتاً متوجہ ہو سکتا ہے۔ ثُمَّ أُدْخِلَ عَلَيْهَا حَرْفُ النِّدَاءِ وَقُصِدَ نِدَاؤُهَا، پھر ان کے اوپر حرفِ ندا کو داخل کیا گیا اور ان کی ندا کا ارادہ کیا گیا۔ پہلے ان کو اس شخص کے درجے میں اتارا گیا جو حقیقتاً متوجہ ہو سکتا ہے یعنی اپنے چہرے یا قلب کے ساتھ، اور پھر اس کے بعد ان کو ندا دی گئی اور حرفِ ندا کو ان پر داخل کیا گیا۔ فَهِيَ فِي حُكْمِ مَنْ يُطْلَبُ إِقْبَالُهُ، تو لہٰذا یہ بھی اس شخص کے حکم میں ہیں جس کی توجہ جو ہے اس کو طلب کیا جا رہا ہے، بِخِلَافِ الْمَنْدُوبِ بخلاف کس کے؟ مندوب کے۔ بخلاف مندوب کے بھئی۔

بات سمجھ میں آ گئی کہ حَقِيقَةً أَوْ حُكْمًا یہ طلب کی تفصیل نہیں ہے بھئی، طلبہ اسے عموماً طلب کی تفصیل بناتے ہیں۔ وہ کس طرح؟ کہ وہ کہتے ہیں کہ منادیٰ وہ ہے جس کی توجہ حقیقتاً مطلوب ہو گی یا حکماً مطلوب ہو گی۔ دیکھا مطلوب کی تفصیل کر دی کہ منادیٰ وہ ہے جس کی توجہ حقیقتاً مطلوب ہو گی یا حکماً مطلوب ہو گی۔ حالانکہ طلب تو حقیقتاً ہی ہے بھئی، اس لیے کیونکہ طلب کے لیے حرفِ ندا آیا ہے بھئی، اور حرفِ ندا آلہ طلب ہے، یہ مخاطب کی توجہ طلب کرنے کے لیے آتا ہے۔ تو لہٰذا طلب تو حقیقتاً ہی ہے، البتہ وہ توجہ جسے طلب کیا جا رہا ہے، وہ توجہ جسے طلب کیا جا رہا ہے وہ توجہ حقیقتاً بھی ہو سکتی ہے اور حکماً بھی۔ حقیقتاً وہاں ہو گی جہاں چہرہ اور قلب ہو وہاں حقیقتاً توجہ ہو سکتی ہے، اور حکماً توجہ وہاں ہو گی جہاں چہرہ

اور قلب نہ ہو، جہاں چہرہ اور قلب نہ ہو۔

اور نیز، نیز یاد رکھنا یہ جو متوجہ ہونے کے اندر تعمیم پیدا کر دی حَقِیقَةً یا حُکْمًا کے ذریعے اس سے یَا اللّٰهُ کا اعتراض بھی ختم ہوا۔ یَا اللّٰهُ کا اعتراض بھی ختم ہوا۔ اعتراض یہ کہ اللہ تعالیٰ کو بھی ندا دی جاتی ہے کہ یَا اللّٰهُ، تو اللہ تعالیٰ بھی منادیٰ ہیں، لیکن یہاں تعریف کیا کی کہ منادیٰ وہ ہے جس کی توجہ مطلوب ہو۔ تو اس تعریف سے تو اللہ تعالیٰ کی ذات تو منادیٰ ہونے سے خارج ہو گئی، کیونکہ توجہ تو اس کی مطلوب ہو گی جس کی آپ کی طرف توجہ نہ ہو بھئی۔ اور اللہ تعالیٰ جو ہے وہ تو ہر آن ہر چیز کی طرف متوجہ ہیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا علم تو نہایت کامل ہے، ہر چیز اللہ تعالیٰ کے علم میں ہے، اللہ کسی بھی چیز سے غافل نہیں، کسی بھی چیز سے بے توجہ نہیں، تو اعتراض ہوتا ہے کہ آپ نے تعریف کیا کی منادیٰ کی کہ جس کی توجہ مطلوب ہو؟ تو اللہ تعالیٰ کو جو ندا دی جاتی ہے وہ تو اس تعریف سے خارج ہو گئی بھئی۔ اور نیز صاحبِ جامی نے توجہ کی تفسیر کی تھی کہ متوجہ ہونا یا چہرے کے ذریعے ہو گا یا دل کے ذریعے ہو گا، حالانکہ اللہ تعالیٰ کی ذات تو چہرے اور دل سے پاک ہے بھئی، لَیْسَ کَمِثْلِهٖ شَیْءٌ اللہ کے مثل کوئی چیز نہیں بھئی۔ اللہ کے لیے انسانوں کی طرح ہاتھ، چہرہ، دل وغیرہ ثابت کرنا یہ تو کفر ہے بھئی۔

یاد رکھو اللہ تعالیٰ کے لیے انسانوں کی طرح قلب، چہرہ، ہاتھ، پاؤں وغیرہ ثابت کرنا یہ جائز نہیں ہے، یہ کفر ہے بھئی۔ لَیْسَ کَمِثْلِهٖ شَیْءٌ اللہ کے مثل کوئی چیز نہیں ہے بھئی۔ اگر اللہ کے لیے ہاتھ، پاؤں وغیرہ اعضاء کو ثابت کیا جائے گا تو اللہ کی ذات کا مرکب ہونا لازم آئے گا۔ اور جو مرکب ہو معلوم ہوا اس کے اجزاء ہیں، جب وہ اجزاء ہیں تو ان کو آپس میں ترکیب دینے کے لیے جوڑنے کے لیے کوئی اور ذات چاہیے، معلوم ہوا کسی اور ذات نے اسے پیدا کیا ہے، اور جو مرکب ہو وہ حادث ہوتا ہے جبکہ اللہ کی ذات تو قدیم ہے۔ تو اللہ تعالیٰ کی ذات تو قدیم ہے۔ قدیم یاد رکھنا اصطلاحی لفظ ہے بھئی۔ ایک اردو میں آپ قدیم استعمال کرتے ہیں جس کا معنیٰ ہے پرانا، نہیں یہاں یہ اس معنیٰ میں نہیں ہے، بلکہ قدیم اس کو کہتے ہیں جس پر کبھی عدم نہ آیا ہو۔ اور حادث اسے کہتے ہیں جس پر کبھی عدم آیا ہو، یعنی ایک زمانہ تھا اس کا وجود نہیں تھا اور پھر بعد میں اس کا وجود ہوا تو اس کو کیا کہیں گے؟ حادث۔ جبکہ اللہ کی ذات قدیم ہے یعنی ہمیشہ سے ہے، کبھی بھی کوئی ایسا زمانہ نہیں آیا جس میں اللہ کی ذات نہیں تھی بھئی، تو اللہ کی ذات ہمیشہ سے ہے یعنی قدیم ہے، کبھی بھی اس پر عدم نہیں آیا بھئی۔ تو اگر اللہ کے لیے انسانوں کی طرح اعضاء کو ثابت کیا جائے گا تو اللہ کی ذات کا حادث ہونا لازم آئے گا، اور جو حادث ہو وہ خدا نہیں ہو سکتا۔ لہٰذا یہ جو منادیٰ کی تعریف کی کہ منادیٰ وہ ہے کہ اس کی توجہ مطلوب ہوتی ہے، تو اس سے تو اللہ کو جو ندا دی جاتی ہے...

جاتی ہے یَا اللّٰهُ وہ اس منادیٰ کی تعریف سے خارج ہو گئی بھئی۔

بات سمجھ میں آگئی؟ اس لیے کیونکہ متوجہ ہونا وہاں ہوگا جہاں توجہ نہ ہو، اللہ تو ہر آن متوجہ ہیں۔ اور نیز اس لیے کیونکہ متوجہ ہونا چہرے یا قلب کے ذریعے ہوگا اور اللہ تعالیٰ تو چہرے اور قلب سے پاک ہیں بھئی۔ لیکن جب یہ متوجہ ہونے میں تعمیم پیدا کر دی کہ متوجہ ہونا کبھی حقیقتاً ہوگا اور کبھی حکماً ہوگا، تو اب وہ اللہ کو جو ندا دی جاتی ہے وہ بھی اس کے اندر داخل ہو گئی۔ یعنی اللہ کی توجہ مطلوب ہے حکماً بھئی۔ حقیقتاً نہیں حقیقتاً تو اللہ ہر آن متوجہ ہیں، حکماً توجہ مطلوب ہے بھئی۔ بھئی حکماً توجہ مطلوب ہونے کا یہاں کیا معنیٰ؟ یاد رکھو، حکماً توجہ مطلوب ہونے کا یہاں معنیٰ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ مَسْئُولُ الْإِجَابَةِ ہیں۔ مَسْئُول کا معنیٰ ہے وہ جس سے مانگا جائے، جس سے درخواست کی جائے، جس سے گزارش کی جائے، جس سے سوال کیا جائے وہ ہے مَسْئُول۔ اور الْإِجَابَة أَجَابَ يُجِيبُ إِجَابَةً کا معنیٰ ہے جواب دینا اور قبول کرنا۔ تو اللہ تعالیٰ کی حکماً جو توجہ ہے وہ مطلوب ہے، یعنی اللہ تعالیٰ مَسْئُولُ الْإِجَابَةِ ہیں۔ یعنی اللہ سے قبولیت کی درخواست کی جا رہی ہے، کہ اے اللہ ہم آپ سے دعا مانگ رہے ہیں آپ کو پکار رہے ہیں، اے اللہ آپ ہماری اس پکار کو سن لیجیے آپ ہماری اس پکار کو ہماری اس دعا کو قبول فرما لیجیے۔ تو اللہ تعالیٰ کی توجہ حکماً جو ہے وہ مطلوب ہے یعنی اللہ تعالیٰ مَسْئُولُ الْإِجَابَةِ ہیں۔ اور یاد رکھنا الْمَطْلُوبُ إِقْبَالُهُ کے ساتھ مَسْئُولُ الْإِجَابَةِ ہونا لازم ہے۔ جس کی توجہ مطلوب ہوگی وہ توجہ کیوں مطلوب ہے؟ کیونکہ وہ مَسْئُولُ الْإِجَابَةِ ہے، اس سے جواب دینے کی درخواست کی جا رہی ہے۔ مثلاً آپ زید کو ندا دیتے ہیں اے زید! تو آپ اس کی توجہ طلب کر رہے ہیں، اور صرف توجہ طلب کرنا ہی مقصد ہے یا آپ چاہتے ہیں کہ جو بات آپ اس کو کہہ رہے ہیں اس کا وہ جواب دے اور اس کو قبول کرلے بھئی؟ تو یہ طلبِ اقبال کے ساتھ مَسْئُولُ الْإِجَابَةِ ہونا لازم ہے۔ تو یہاں پر اللہ تعالیٰ ان کا متوجہ ہونا مطلوب ہے یعنی اللہ تعالیٰ مَسْئُولُ الْإِجَابَةِ ہیں، ان سے دعا کو قبول کرنے کی درخواست اور گزارش کی جا رہی ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو لہٰذا جب متوجہ ہونے میں تعمیم پیدا کر دی کہ متوجہ ہونا حقیقتاً ہوگا یا حکماً ہوگا، تو جو اللہ کو ندا دی جاتی ہے وہ بھی اس کے اندر داخل ہو گئی۔

تو کہتے ہیں: فَهِيَ فِي حُكْمِ مَنْ يُطْلَبُ إِقْبَالُهُ، تو یہ جو چیزیں ہیں یہ بھی اس شخص کے حکم میں ہو گئیں جس کی توجہ مطلوب ہو، جس کی توجہ کو طلب کیا جائے، بِخِلَافِ الْمَنْدُوبِ بخلاف مندوب کے لِأَنَّهُ الْمُتَفَجَّعُ عَلَيْهِ أُدْخِلَ عَلَيْهِ حَرْفُ النِّدَاءِ لِمُجَرَّدِ التَّفَجُّعِ لَا لِتَنْزِيلِهِ مَنْزِلَةَ الْمُنَادَى۔ بھئی آگے مندوب کا ذکر صاحبِ کافیہ بھی کریں گے۔ مندوب بھئی، مندوب نُدْبَة سے ہے، نُدْبَة کا معنیٰ ہے کسی پر رونا۔ تو مندوب وہ شخص جس پر رویا جائے۔ وہ شخص جس پر رویا جائے۔ اور ایک لفظ یہاں تَفَجُّع کا آئے گا۔ تَفَجُّع کا معنیٰ ہے کسی پر غم زدہ ہونا، دکھی ہونا، اظہارِ غم کرنا۔ تو یاد رکھو عرب کے اندر جب کوئی بڑا شخص مر جاتا تھا تو اس پر بڑا ماتم کیا جاتا تھا بھئی، اور جتنا بڑا شخص ہوتا تو اتنا ہی طویل عرصہ اس پر ماتم کیا جاتا تھا، حتیٰ کہ بعض پر سال سال یا اس سے بھی زیادہ ماتم کیا جاتا تھا، وہ خاندان والے، وہ قبیلے والے وہ ماتم کرنے والوں کو باقاعدہ پیسے دے کر بلواتے تھے، اور ان کا کام مسلسل ان پر ماتم کرنا، ان پر رونا، چیخنا اور چلانا ہوتا تھا۔ تو وہ جس پر رویا جائے اس

کو کیا کہتے ہیں؟ مندوب کہتے ہیں۔ مندوب کہتے ہیں۔ اور وہ مُتَفَجَّعٌ عَلَيْهِ ہے یعنی جس پر اظہارِ غم کیا جا رہا ہے۔ تو مندوب جو ہے یاد رکھو یہ مندوب صاحبِ کافیہ نے اس کو منادیٰ سے نکال دیا۔ بعض علماء نے مندوب کو بھی منادیٰ کے اندر داخل رکھا جبکہ صاحبِ کافیہ نے اس کو منادیٰ سے نکال دیا۔ مندوب کے وہی احکام ہیں جو منادیٰ کے ہیں۔ یعنی منادیٰ بعض صورتوں میں مبنی علی الضم ہوتا ہے، منادیٰ بعض صورتوں میں منصوب ہوتا ہے، تو مندوب کے بھی وہی سارے احکام ہیں۔ ہاں تھوڑا سا فرق ہے کہ مندوب کے اندر لفظِ وَا بھی استعمال کرتے ہیں۔ وَا زَيْدُ، دیکھو ندا کے اندر تو صرف یہ حروفِ ندا استعمال ہوتے ہیں لیکن مندوب میں یَا کے ساتھ ساتھ وَا زَيْدُ یہ وَا کا لفظ بھی استعمال کیا جاتا ہے۔ اور اسی طرح مندوب کے آخر میں الف بھی بعض اوقات الف کو بھی ملا دیا جاتا ہے وَا زَيْدَا، یا ہا بھی ساتھ ملا دی جاتی ہے وَا زَيْدَاهْ۔ تو مندوب کو صاحبِ کافیہ نے منادیٰ سے نکال دیا حالانکہ مندوب کے سارے احکام منادیٰ کی طرح ہیں چند ایک حکم چھوڑ کر۔ تو منادیٰ سے کیوں نکال دیا مندوب کو صاحبِ کافیہ نے؟ تو صاحبِ جامی آپ کو بتلا رہے ہیں کہ بھئی منادیٰ اس کو کہتے ہیں جس کی توجہ مطلوب ہو، اور مندوب تو وہ شخص ہے جس کا انتقال ہو چکا ہے اس پر رویا جا رہا ہے اظہارِ غم کیا جا رہا ہے، مثلاً زید کا انتقال ہو گیا اور اس پر ندبت کرتے ہوئے روتے ہوئے کیا کہا جاتا ہے؟ يَا زَيْدُ، تو دراصل یہاں زید کی توجہ مطلوب نہیں ہے، کیونکہ زید تو مر چکا ہے یہ صرف اظہارِ غم کے طور پر کہا جا رہا ہے۔ تو جب زید کی توجہ مطلوب نہیں جو مر چکا ہے یعنی وہ جو مندوب ہے، تو پھر وہ منادیٰ نہیں کیونکہ منادیٰ تو اس کو کہتے ہیں جس کی توجہ مطلوب ہوتی ہے بھئی۔ تو اس لیے صاحبِ کافیہ نے مندوب کو منادیٰ کی بحث سے نکال دیا، اس کو وہ الگ آخر میں ذکر کریں گے منادیٰ کی بحث کے بعد۔ بات سمجھ میں آ رہی ہے؟

تو لہٰذا يَا سَمَاءُ، يَا جِبَالُ، يَا شَجَرُ وغیرہ یہ جو چیزیں جن کو ندا دی جاتی ہیں ان کو منادیٰ بنا دیا کہ حقیقتاً تو ان کی توجہ مطلوب نہیں لیکن حکماً ان کی توجہ مطلوب ہے، تو ان کو منادیٰ قرار دے دیا۔ جبکہ مندوب کو صاحبِ کافیہ فرماتے ہیں ہم حکماً بھی داخل نہیں کر سکتے، کیونکہ اس کی توجہ مطلوب نہیں اس پر صرف اظہارِ غم کیا جا رہا ہے، چنانچہ اس لیے انہوں نے مندوب کو منادیٰ کے تحت داخل نہیں کیا۔ تو کہتے ہیں: بِخِلَافِ الْمَنْدُوبِ بخلاف مندوب کے لِأَنَّهُ الْمُتَفَجَّعُ عَلَيْهِ اس لیے کیونکہ وہ تو مُتَفَجَّعٌ عَلَيْهِ ہے یعنی اس پر تو غم کا اظہار کیا جا رہا ہے، أُدْخِلَ عَلَيْهِ حَرْفُ النِّدَاءِ اس پر حرفِ ندا کو داخل کیا جاتا ہے لِمُجَرَّدِ التَّفَجُّعِ صرف غم کا اظہار کرنے کے لیے بھئی، لَا لِتَنْزِيلِهِ مَنْزِلَةَ الْمُنَادَى اس کو منادیٰ کے درجے میں اتارنے کی وجہ سے اس پر حرفِ ندا داخل نہیں کیا جاتا کہ اس کی توجہ مطلوب ہے، بلکہ صرف کس لیے داخل کرتے ہیں حرفِ ندا؟ اظہارِ غم کے لیے۔ تو کہتے ہیں: أُدْخِلَ عَلَيْهِ حَرْفُ النِّدَاءِ لِمُجَرَّدِ التَّفَجُّعِ اس پر حرفِ ندا کو داخل کیا جاتا ہے محض اظہارِ غم کرنے کے لیے، لَا لِتَنْزِيلِهِ مَنْزِلَةَ الْمُنَادَى وَقَصْدِ نِدَائِهِ نہ کہ اس لیے کہ اس کو منادیٰ کے درجے میں اتارا گیا ہے اور اس کی ندا کا ارادہ کیا گیا ہے۔ فَخَرَجَ بِهٰذَا الْقَيْدِ عَنْ تَعْرِيفِ الْمُنَادَى تو اس قید سے مندوب جو ہے منادیٰ کی تعریف

سے نکل گیا۔ کون سی قید سے؟ اَلْمَطْلُوبُ إِقْبَالُهُ اس قید کے ذریعے مندوب منادیٰ کی تعریف سے نکل گیا بھئی۔ وَلِهٰذَا أَفْرَدَ الْمُصَنِّفُ أَحْكَامَهُ بِالذِّكْرِ فِيمَا بَعْدُ اور اسی لیے علیحدہ کیا ہے مصنف نے أَحْكَامَهُ أَيْ أَحْكَامَ الْمَنْدُوبِ، اسی لیے مصنف یعنی صاحبِ کافیہ نے مندوب کے احکام کو علیحدہ کیا ہے بِالذِّكْرِ کس کے ساتھ؟ ذکر، یعنی ان کو علیحدہ ذکر کیا ہے فِيمَا بَعْدُ اس منادیٰ کے بعد بھئی۔

وَفِيهِ تَحَكُّمٌ، جی، یہاں سے صاحبِ جامی رد کر رہے ہیں صاحبِ کافیہ کا۔ کہ صاحبِ کافیہ نے يَا أَرْضُ، يَا جِبَالُ، يَا سَمَاءُ ان کو تو حکماً منادیٰ بنا دیا اور منادیٰ کے اندر ان کو داخل کر دیا، تو مندوب بھی کیا ہے؟ مندوب کو بھی داخل کرنا چاہیے تھا۔ اگر ان کو داخل کیا ہے تو مندوب کو بھی داخل کرنا چاہیے تھا، اور اگر مندوب کو نکالا ہے تو یہ يَا سَمَاءُ، يَا أَرْضُ وغیرہ کو بھی نکالنا چاہیے تھا بھئی۔ تو کہتے ہیں: وَفِيهِ تَحَكُّمٌ، تَحَكُّم کہتے ہیں خود اپنی طرف سے ایک بات کا فیصلہ کر دینا یعنی بغیر کسی دلیل کے۔ خود ایک رائے بنا لینا، ایک تو ہے نا کہ دلیل کے ساتھ ہو باقاعدہ رائے، یعنی یوں کہو زبردستی کا فیصلہ۔ تَحَكُّم کسے کہتے ہیں؟ زبردستی کا فیصلہ یعنی بغیر دلیل کے ایک فیصلہ کر دینا۔ صاحبِ جامی فرما رہے ہیں: وَفِيهِ تَحَكُّمٌ، یہ مندوب کو یہ جو منادیٰ سے نکالا گیا ہے اس کے اندر تَحَكُّم ہے، یعنی یہ تو صاحبِ کافیہ نے ویسے ہی زبردستی کا فیصلہ کر دیا اپنی طرف سے بغیر دلیل کے ایک حکم لگا دیا اور مندوب کو اس سے نکال دیا۔ فَإِنَّ الْمَنْدُوبَ أَيْضًا كَمَا قَالَ بَعْضُهُمْ مُنَادًى مَطْلُوبٌ إِقْبَالُهُ حُكْمًا عَلَىٰ وَجْهِ التَّفَجُّعِ، فَإِنَّ الْمَنْدُوبَ أَيْضًا كَمَا قَالَ بَعْضُهُمْ مُنَادًى اس لیے کیونکہ مندوب بھی جیسا کہ بعض علماء نے کہا ہے کہ وہ منادیٰ ہے، مَطْلُوبٌ إِقْبَالُهُ ایسا منادیٰ جس کی توجہ مطلوب ہے حُكْمًا یعنی حکماً اس کی توجہ مطلوب ہے، حقیقتاً تو توجہ مطلوب نہیں لیکن حکماً توجہ مطلوب ہے، عَلَىٰ وَجْهِ التَّفَجُّعِ غم اور دکھ کے طریقے پر یا یوں کہو اظہارِ غم کے طریقے پر۔ فَإِذَا قُلْتَ پس جب آپ یوں کہیں: يَا مُحَمَّدَاهْ، دیکھو یہ کوئی شخص ہے وہ اس کا انتقال ہو گیا تو يَا مُحَمَّدَاهْ کہا گیا، فَكَأَنَّكَ تُنَادِيهِ یہ اسی طرح ہے جیسے کہ گویا آپ اس کو ندا دے رہے ہیں وَتَقُولُ لَهُ اور آپ اس سے کہہ رہے ہیں: تَعَالَ کہ آؤ، کہ آ جاؤ فَأَنَا مُشْتَاقٌ إِلَيْكَ میں آپ کا مشتاق ہوں، میں آپ سے ملنا چاہتا ہوں، میں آپ کی زیارت کرنا چاہتا ہوں۔ تو معلوم ہوا کہ یہ جو مندوب ہے یہ بھی منادیٰ ہے اور اس کی توجہ حکماً مطلوب ہوتی ہے۔ مثلاً آپ يَا زَيْدَاهْ کہتے ہیں تو گویا آپ زید کو پکار رہے ہیں کہ آ جاؤ میں آپ سے ملنا چاہتا ہوں، میں آپ کی زیارت کرنا چاہتا ہوں، میں آپ کا مشتاق ہوں بھئی۔ تو کہتے ہیں: فَإِذَا قُلْتَ يَا مُحَمَّدَاهْ جب آپ نے يَا مُحَمَّدَاهْ کہا فَكَأَنَّكَ تُنَادِيهِ گویا کہ آپ اس کو ندا دے رہے ہیں وَتَقُولُ لَهُ اور اس سے کہہ رہے ہیں: تَعَالَ فَأَنَا مُشْتَاقٌ إِلَيْكَ کہ میں آپ کا مشتاق ہوں، میں آپ کے لیے بے تاب ہوں، میں آپ سے ملنا چاہتا ہوں، میں آپ کی زیارت کرنا چاہتا ہوں۔

اچھا یاد رکھنا، تَعَالَ یہ فعلِ جامد ہے بھئی۔ تَعَالَ کا معنیٰ: آ جاؤ۔ اور اس کے لام پر ہمیشہ فتحہ رہتا ہے۔ جیسے: تَعَالَ، تَعَالَيَا، تَعَالَوْا، تَعَالَيْ بھئی۔ تَعَالَيْ کہیں گے، تَعَالِي نہیں کہیں گے، حالانکہ باقیوں کے لیے یا سے ماقبل کسرہ لے آتے ہیں جیسے اِضْرِبْ، اِضْرِبَا، اِضْرِبُوا، اِضْرِبِي یہاں یا سے ماقبل کسرہ آ گیا، لیکن تَعَالَ کے اندر یا سے ماقبل کسرہ نہیں آئے گا فتحہ ہی آئے گا:

تَعَالَ، تَعَالَيَا، تَعَالَوْا، تَعَالَيْ بھئی۔ تو اس کے لام پر فتحہ آتا ہے ہمیشہ اور یہ فعلِ جامد ہے، یعنی اس سے صرف یہ امر کے صیغے آتے ہیں، نہ ماضی کے صیغے آتے ہیں اور نہ مضارع کے صیغے آتے ہیں، تو یہ فعلِ جامد ہے۔

آگے دیکھیے، کہتے ہیں: فَالْأَوْلَى إِدْخَالُهُ تَحْتَ الْمُنَادَى كَمَا فَعَلَهُ صَاحِبُ الْمُفَصَّلِ، تو بہتر یہ ہے کہ یہ مندوب جو ہے اس کو منادیٰ کے تحت داخل کیا جائے كَمَا فَعَلَهُ صَاحِبُ الْمُفَصَّلِ جیسے کہ صاحبِ مفصل نے کیا ہے۔ مفصل میں ذکر کر چکا، علامہ زمخشری کی کتاب جس سے صاحبِ کافیہ نے کافیہ اخذ کی بھئی۔ وَقِيلَ اور کہا گیا ہے: الظَّاهِرُ مِنْ كَلَامِ سِيبَوَيْهِ أَيْضًا أَنَّهُ دَاخِلٌ فِي الْمُنَادَى، اور کہا گیا ہے کہ امام سیبویہ کے کلام سے بھی یہی ظاہر ہوتا ہے کہ یہ جو مندوب ہے یہ منادیٰ میں داخل ہے بھئی۔

آگے دیکھیے: بِحَرْفٍ نَائِبٍ مَنَابَ أَدْعُو، ایسے حرف کے ذریعے جو قائم مقام ہو أَدْعُو کے، مِنَ الْحُرُوفِ الْخَمْسَةِ پانچ حروف میں سے، وَهِيَ يَا، وَأَيَا، وَهَيَا، وَأَيْ، وَالْهَمْزَةُ۔ وَاحْتَرَزَ بِهِ عَنْ نَحْوِ لِيُقْبِلْ زَيْدٌ، کہتے ہیں احتراز کیا اس قید کے ذریعے لِيُقْبِلْ زَيْدٌ جیسی مثالوں سے۔ یہ زَيْدٌ اس کی بھی توجہ طلب کی جا رہی ہے لِيُقْبِلْ فعل کے ذریعے، لیکن اس کو منادیٰ نہیں کہیں گے کیونکہ اس پر کوئی ایسا حرف داخل نہیں جو أَدْعُو کے قائم مقام ہو بھئی۔

کہتے ہیں: لَفْظًا أَوْ تَقْدِيرًا۔ لَفْظًا أَوْ تَقْدِيرًا بھئی۔ لَفْظًا أَوْ تَقْدِيرًا کی صاحبِ جامی تین تقریریں کریں گے بھئی۔ کہ یہ تفصیل ہے کہ پیچھے جو مَطْلُوب کا لفظ آیا تھا اس سے جو طلب معلوم ہوئی یہ اس طلب کی تفصیل ہے، کہ وہ طلب کبھی لفظاً ہو گی اور کبھی تقدیراً ہو گی۔ یا یہ تفصیل ہے جو لفظ آیا بِحَرْفٍ نَائِبٍ، یہ نَائِبٍ سے جو نیابت یعنی نائب ہونا معلوم ہو رہا ہے یہ اس کی تفصیل ہے، کہ وہ نائب ہونا کبھی لفظاً ہو گا کبھی تقدیراً ہو گا۔ یا یہ تفصیل ہے منادیٰ کی کہ وہ منادیٰ کبھی لفظاً ہو گا یا تقدیراً ہو گا۔ توجہ ہے؟ یہ لَفْظًا یا تَقْدِيرًا یہ تفصیل بیان ہو رہی ہے کس چیز کی تفصیل ہے؟ صاحبِ جامی بتلائیں گے، تین احتمال ذکر کریں گے۔ یا تو یہ طلب کی تفصیل ہے کہ وہ طلب یا لفظاً ہو گی یا وہ طلب تقدیراً ہو گی۔ یا یہ نَائِبٍ سے جو نیابت نائب ہونا معلوم ہو رہا ہے، وہ نائب ہونا کبھی لفظاً ہو گا اور کبھی تقدیراً ہو گا۔ یا یہ تفصیل ہے منادیٰ کی کہ وہ منادیٰ یا تو لفظاً ہو گا یا تقدیراً ہو گا بھئی۔

دیکھیے بھئی کتاب پر، کہتے ہیں: لَفْظًا أَوْ تَقْدِيرًا، تَفْصِيلٌ لِلطَّلَبِ یہ تفصیل ہے طلب کی، أَيْ طَلَبًا لَفْظِيًّا، جی، أَيْ طَلَبًا لَفْظِيًّا یہ طلب کی تفصیل ہے، آگے کیا کہا أَيْ طَلَبًا لَفْظِيًّا کیا بتلانا چاہتے ہیں؟ کہ...

لَفْظًا منصوب ہے بنا بر مفعولِ مطلق ہونے کے۔ آپ نے پڑھا ہے بھئی مفعولِ مطلق جو ہے فعل سے بھی آتا ہے اور اسمِ فاعل اور اسمِ مفعول سے بھی آسکتا ہے جیسے پیچھے مثال آئی تھی ضَارِبٌ ضَرْبًا، زَيْدٌ ضَارِبٌ ضَرْبًا، یہ ضَارِبٌ کے بعد جو ضَرْبًا آیا یہ مفعولِ مطلق ہے۔ تو جیسے فعل سے مفعولِ مطلق آتا ہے اسی طرح اسمِ فاعل اور اسمِ مفعول سے بھی

مفعولِ مطلق آسکتا ہے۔ تو پیچھے الْمَطْلُوبُ آیا تھا، اور اس مَطْلُوب سے کون سا مصدر سمجھ میں آیا؟ طلب والا، تو وہی طلب آگے اس کو مفعولِ مطلق بنا دیا۔ تو لَفْظًا أَوْ تَقْدِيرًا ان دونوں کے لیے طلب کا لفظ محذوف نکال لیں، کیا بن جائے گا؟ طَلَبًا لَفْظًا أَوْ طَلَبًا تَقْدِيرًا۔ عبارت پر نظر ہے؟ لَفْظًا أَوْ تَقْدِيرًا دونوں کے لیے طلب کا لفظ نکال لو: طَلَبًا لَفْظًا أَوْ طَلَبًا تَقْدِيرًا۔ اور پھر نیز آگے کیا کہا: أَيْ طَلَبًا لَفْظِيًّا، یہ لَفْظِيًّا نکال کر کیا بتلانا چاہتے ہیں؟ کہ یہ جو لفظ آیا عبارت کے اندر یہ اسمِ منسوب ہے۔ اسمِ منسوب آپ پڑھ چکے ہیں کہ کسی اسم کے آخر میں یائے مشدد لگا کر اس سے اسمِ منسوب بنا لیا جاتا ہے، جیسے لاہور سے لَاهُورِيٌّ، لاہور والا۔ تو یہاں پر بھی لفظ سے لَفْظِيٌّ، لفظ والا، اور یہ منصوب ہے تو لَفْظِيًّا۔ اور میں نے آپ کو یہ بھی بتلایا تھا کہ جہاں پیچھے آیا تھا چند صفحے قبل، سَمَاعًا آیا تھا عبارت کے اندر، صاحبِ جامی نے سَمَاعِيًّا لفظ نکالا تھا وہاں پر، اور میں نے بتلایا تھا کیا بتلانا چاہتے ہیں؟ کہ یہ اسمِ منسوب ہے اور اسمِ منسوب سے کبھی کبھار یا کو حذف کر لیا جاتا ہے۔ تو سَمَاعِيًّا تھا یا حذف کر لی کیا رہ گیا؟ سَمَاعًا رہ گیا۔ اسی طرح یہاں پر بھی یہ بتلانا چاہتے ہیں أَيْ طَلَبًا لَفْظِيًّا کہ یہ لَفْظًا اصل میں کیا تھا؟ لَفْظِيًّا تھا، اسمِ منسوب ہے، اور پھر یا کو حذف کر لیا گیا۔ اسی طرح یہ جو تَقْدِيرًا آیا یہ اصل میں کیا تھا؟ تَقْدِيرِيًّا تھا۔ بات سمجھ میں آگئی؟

تو کہتے ہیں یہ تفصیل ہے طلب کی أَيْ طَلَبًا لَفْظِيًّا۔ بھئی دیکھو عبارت کیا بن گئی؟ الْمُنَادَى وَهُوَ الْمَطْلُوبُ إِقْبَالُهُ بِحَرْفٍ نَائِبٍ مَنَابَ أَدْعُو طَلَبًا لَفْظِيًّا أَوْ طَلَبًا تَقْدِيرِيًّا، کہ وہ طلب یا تو لفظی ہو گی یا وہ طلب تقدیری ہو گی۔ بھئی طلبِ لفظی ہونے کا کیا معنیٰ اور طلبِ تقدیری ہونے کا کیا معنیٰ؟ کہتے ہیں بھئی یہ جو حرفِ ندا ہے یہ اس طلب پر دلالت کرتا ہے۔ یَا زَيْدُ، میں زید کی توجہ طلب کر رہا ہوں، کس نے بتایا؟ اس یَا حرفِ ندا نے، یہ آلہ ندا ہے، تو آلہ ندا لفظوں میں ہو گا تو یہ طلبِ لفظی ہے، کیونکہ یہ طلب پہ دلالت کر رہا ہے۔ اور آلہ ندا حذف کر لیا جائے تو یہ طلبِ تقدیری ہے بھئی، آلہ ندا مقدر ہے بھئی۔ تو جب آلہ ندا لفظوں میں ہو تو طلب لفظی ہے اور آلہ ندا مقدر ہو تو طلب تقدیری ہے بھئی۔ تو کہتے ہیں: لَفْظًا أَوْ تَقْدِيرًا، تَفْصِيلٌ لِلطَّلَبِ یہ تفصیل ہے طلب کی، أَيْ طَلَبًا لَفْظِيًّا یعنی وہ طلب جو ہے لفظی ہو گی، کیا اس کی صورت بتلا رہے ہیں بھئی با تصویر یہ ہے، بِأَنْ تَكُونَ آلَةُ الطَّلَبِ لَفْظِيَّةً بایں صورت کہ وہ آلہ طلب جو ہے وہ لفظی ہو، نَحْوُ يَا زَيْدُ جیسے یَا زَيْدُ دیکھو یَا لفظوں میں موجود ہے، أَوْ تَقْدِيرِيًّا یا وہ طلب تقدیری ہو گی بِأَنْ تَكُونَ آلَتُهُ مُقَدَّرَةً بایں صورت کہ وہ آلہ طلب جو ہے وہ مقدر ہو گا، نَحْوُ يُوسُفُ أَعْرِضْ عَنْ هٰذَا أَيْ يَا يُوسُفُ، دیکھا یُوسُفُ سے آلہ ندا کو حذف کر لیا گیا بھئی۔

أَوْ لِلنِّيَابَةِ، یا یہ لَفْظًا أَوْ تَقْدِيرًا تفصیل ہے نیابت کی۔ نیابت یعنی نائب ہونا۔ متن میں کیا آیا تھا؟ بِحَرْفٍ نَائِبٍ مَنَابَ أَدْعُو، ایسا حرف جو أَدْعُو کا نائب ہو، تو اس نَائِب اسمِ فاعل کا جو صیغہ ہے اس سے مصدر نِيَابَت سمجھ میں آیا۔ تو وہ نیابت یا لفظاً ہو گی یا تقدیراً۔ بھئی دیکھو یہ حرفِ ندا نائب ہوتا ہے کس کا؟ أَدْعُو کا۔ تو یہ أَدْعُو کا نائب ہونا کبھی لفظاً ہو گا کبھی تقدیراً ہو گا۔ بھئی لفظاً نائب کب ہو گا؟ جب نائب لفظوں میں آجائے، یَا زَيْدُ، تو یہ نیابت کون سی ہے؟ لفظی ہے، لفظوں میں اس کا

نائب بن رہا ہے۔ اور کبھی نیابت تقدیراً ہوگی جب حرفِ ندا تقدیراً ہو۔ جیسے یُوسُفُ أَعْرِضْ عَنْ هٰذَا، یہاں حرفِ ندا حذف ہے اور حرفِ ندا کس کا قائم مقام تھا؟ أَدْعُو کا، اور أَدْعُو کو حذف کر لیا گیا اور یَا کو اس کا نائب بنایا گیا، لیکن یَا کو اس کا نائب بنایا گیا لفظوں کے اعتبار سے یا تقدیراً نائب بنا دیا گیا؟ تقدیراً نائب بنایا گیا کیونکہ لفظوں کے اندر تو یَا موجود نہیں ہے۔ تو نائب ہونا یا تو لفظوں میں ہوگا یا تقدیراً ہوگا یعنی لفظوں میں وہ ظاہر نہیں ہوگا نائب بھیٔ۔ کہتے ہیں: أَوْ لِلنِّيَابَةِ یا یہ تفصیل ہے نائب ہونے کی، أَيْ نِيَابَةً لَفْظِيَّةً یعنی لفظی نائب ہونا، بِأَنْ يَكُونَ النَّائِبُ مَلْفُوظًا بایں صورت کہ وہ نائب ملفوظ ہو یعنی لفظوں میں موجود ہو، أَوْ تَقْدِيرِيَّةً یا وہ نیابت تقدیری ہوگی بِأَنْ يَكُونَ النَّائِبُ مُقَدَّرًا بایں صورت کہ وہ نائب مقدر ہوگا، كَمَا فِي الْمِثَالَيْنِ الْمَذْكُورَيْنِ جیسے کہ ان دو مذکورہ مثالوں میں گزرا۔ وہی دو مثالیں اس کے لیے بھی مثالیں بن جائیں گی بھیٔ۔ وہ مثالیں کس چیز کی تھیں؟ یہ طلب لفظی ہوگی یا طلب تقدیری ہوگی۔ اور پھر یا یہ نائب ہونا لفظاً ہوگا یا یہ نائب ہونا تقدیراً ہوگا۔ تو یہ جو دو تقریریں کیں کس کی؟ لَفْظًا أَوْ تَقْدِيرًا کی صاحبِ جامی نے، ان دونوں صورتوں میں لَفْظًا أَوْ تَقْدِيرًا یہ مفعولِ مطلق واقع ہو رہے ہیں۔ دونوں مفعولِ مطلق، ایک صورت میں طلب کے لیے اور ایک صورت میں نیابت کے لیے، نیابت مصدر ہے۔ تو تقدیرِ عبارت گویا کیا ہو گئی؟ پہلی صورت طلب نکالو یہاں پر موصوف اس کا: طَلَبًا لَفْظِيًّا أَوْ تَقْدِيرِيًّا، عبارت سمجھ میں آ رہی ہے؟ دوسری صورت نیابت کا مصدر یہاں نکال لیں: نِيَابَةً لَفْظِيَّةً اس کے مطابق اسمِ منسوب مونث نکال لیں گے نِيَابَةً لَفْظِيَّةً أَوْ نِيَابَةً تَقْدِيرِيَّةً۔ تو یہ جو پہلی دو تقریریں کیں صاحبِ جامی نے اس کے مطابق یہ لَفْظًا اور تَقْدِيرًا کیا واقع ہو رہے ہیں؟ مفعولِ مطلق۔ اور خود براہِ راست مفعولِ مطلق ہیں یا اپنے موصوفِ محذوف کے اعتبار سے؟ اپنے موصوفِ محذوف کے اعتبار سے یہ مفعولِ مطلق بن رہے ہیں، ان کا جو موصوف ہے طَلَبًا یا نِيَابَةً وہ اصل میں مفعولِ مطلق ہے ماقبل سے۔

آگے دیکھیے: أَوْ لِلْمُنَادَى، یا یہ تفصیل ہے منادیٰ کی، کس کی؟ منادیٰ کی، یعنی بتلانا یہ چاہتے ہیں کہ یہ جو إِقْبَالُهُ کی ہا ضمیر ہے یہ منادیٰ کو راجع ہے۔ منادیٰ وہ ہے کہ اس کی توجہ مطلوب ہو، تو إِقْبَالُهُ کے آخر میں ہا ضمیر ہے اور یہ ہا ضمیر کس کو راجع ہے؟ منادیٰ کو راجع ہے، تو یہ اس سے حال واقع ہو رہے ہیں، کہ اس کی توجہ مطلوب ہے اس حال میں کہ وہ منادیٰ لفظاً ہے یا تقدیراً، تو اس صورت میں یہ حال بنیں گے۔ کیا بنیں گے؟ حال بنیں گے۔ اور حال آپ جانتے ہیں وہ صفت کے درجے میں ہوتا ہے، حال کا حمل ہوتا ہے ذوالحال پر۔ جَاءَنِي زَيْدٌ رَاكِبًا آیا میرے پاس زید رَاكِبًا اس حال میں کہ وہ سوار تھا۔ با محاورہ ترجمہ کیسے کریں گے؟ زید میرے پاس سوار ہو کر آیا۔ معلوم ہوا یہ سوار ہونا یہ کس کی صفت ہے؟ زید کی۔ توجہ ہے؟ رَاكِبًا لفظوں میں تو حال ہے لیکن حال بھی دراصل کیا ہوتا ہے؟ ذوالحال کی صفت بیان کرتا ہے، اور صفت کا حمل ہوتا ہے موصوف پر۔ صفت کا حمل ہوتا ہے موصوف پر، اور یہاں پر تو لَفْظًا اور تَقْدِيرًا یہ تو دونوں مصدر ہیں، اور منادیٰ وہ تو ذات ہے۔ گویا عبارت یوں بنا لیں، ذوالحال کو بنا لیں مبتدا اور یہ حال کو بنا لیں خبر، کیا عبارت بن گئی؟ الْمُنَادَى لَفْظٌ أَوْ تَقْدِيرٌ۔ صفت کا حمل ہوتا ہے نا موصوف کے اوپر، اور آپ اس لَفْظًا اور تَقْدِيرًا کو کیا بنانا چاہتے ہیں؟ حال، اور حال کس

کے درجے میں؟ صفت کے درجے میں، اور صفت کا حمل کس پر ہوتا ہے؟ موصوف پر حمل ہوتا ہے، مثلاً میں آپ سے کہتا ہوں جَاءَنِي رَجُلٌ عَالِمٌ، رَجُلٌ موصوف اور عَالِمٌ اس کی صفت، تو یہاں آپ یوں کہہ سکتے ہیں الرَّجُلُ عَالِمٌ وہ آدمی عالم ہے دیکھو صفت کا حمل ہو رہا ہے موصوف پر۔ تو یہاں پر بھی حال کا ذرا حمل کر دیں ذوالحال پر: الْمُنَادَى لَفْظٌ أَوْ تَقْدِيرٌ، تو یہ تو حمل صحیح نہیں بنتا کیونکہ منادیٰ وہ ذات ہے اور لَفْظٌ اور تَقْدِيرٌ یہ دونوں تو مصدر ہیں اور مصدر کا حمل تو ذات پر صحیح نہیں۔ جیسے زَيْدٌ عَدْلٌ، عدل کا حمل زید پر صحیح نہیں، تو پھر کیا کہتے ہیں؟ کہ یہ عدل کس معنیٰ میں ہے؟ عَادِل کے معنیٰ میں ہے، یعنی وہ جو مصدر ہوتا ہے اس کو اسمِ فاعل یا اسمِ مفعول کے معنیٰ میں لے لیتے ہیں موقع کے مطابق۔ تو یہاں پر بھی الْمُنَادَى لَفْظٌ أَوْ تَقْدِيرٌ مصدر کا حمل ہو رہا ہے ذات پر، تو پھر اس کو اسمِ فاعل یا اسمِ مفعول کے معنیٰ میں لے لیں گے۔ اور یہاں پر اسمِ مفعول کے معنیٰ میں لینا صحیح ہے۔ تو عبارت کیا بن گئی؟ تو لفظ سے اسمِ مفعول بنائیے: مَلْفُوظ۔ تو الْمُنَادَى مَلْفُوظٌ، منادیٰ یا تو ملفوظ ہو گا۔ اور تقدیر سے بنائیے اسمِ مفعول بھئی: مُقَدَّر۔ الْمُنَادَى مَلْفُوظٌ أَوْ مُقَدَّرٌ، یا وہ منادیٰ ملفوظ ہو گا یا مقدر ہو گا۔ بات سمجھ میں آگئی؟ معلوم ہوا لَفْظًا أَوْ تَقْدِيرًا ان کو یا تو مفعولِ مطلق بنائیں باعتبارِ موصوفِ محذوف کے اور اس صورت میں یہ دونوں کیا ہوں گے؟ اسمِ منسوب ہوں گے اور ان کے آخر سے یائے نسبت کو حذف کر لیا گیا اور یائے نسبت کو کلامِ عرب کے اندر حذف کر لیا جاتا ہے، اور یا اگر اس کو حال بنائیں تو پھر یہ لفظ بمعنیٰ مَلْفُوظ کے ہو گا اور تقدیر بمعنیٰ مُقَدَّر کے ہو گا۔ تقریر سمجھ میں آگئی؟

تو کہتے ہیں: أَوْ لِلْمُنَادَى یا یہ لَفْظًا أَوْ تَقْدِيرًا جو ہے یہ تفصیل ہے منادیٰ کی، وَالْمُنَادَى الْمَلْفُوظُ مِثْلُ يَا زَيْدُ اور منادیٰ ملفوظ جو ہے جیسے کہ يَا زَيْدُ، دیکھو اس کے اندر منادیٰ زید کیا ہے؟ ملفوظ ہے اس پر تلفظ ہو رہا ہے، وَالْمُقَدَّرُ اور منادیٰ مقدر جو ہے مِثْلُ مثال کے طور پر: أَلَا يَا اسْجُدُوا۔ قرآن میں ہے بھئی: أَلَا يَا اسْجُدُوا۔ اب یہ يَا حرفِ ندا ہے اور یہ اسْجُدُوا فعل پر داخل ہے، تو منادیٰ یہاں محذوف ہے أَيْ أَلَا يَا قَوْمُ اسْجُدُوا، تو یہاں قَوْم منادیٰ محذوف ہے۔ تو کہتے ہیں: وَالْمُقَدَّرُ مِثْلُ أَلَا يَا اسْجُدُوا أَيْ أَلَا يَا قَوْمُ اسْجُدُوا۔ یہاں تک بات سمجھ میں آگئی؟ تو کبھی وہ طلب لفظاً ہو گی یا تقدیراً۔ طلبِ لفظی کیا ہے؟ کہ حرفِ ندا لفظوں میں ذکر ہے، اور طلبِ تقدیری کیا ہے؟ کہ حرفِ ندا لفظوں میں ذکر نہیں کیونکہ وہی تو طلب پہ دلالت کر رہا ہے تو طلب تقدیراً ہوئی۔ یا وہ نائب ہونا لفظاً ہو گا یا تقدیراً ہو گا، نائب ہونا لفظاً کیسے؟ کہ حرفِ ندا أَدْعُو کی جگہ پر لفظوں میں آجائے۔ اور نائب ہونا تقدیراً کیسے ہو گا؟ کہ أَدْعُو تو چلا گیا لیکن يَا حرفِ ندا اس کی جگہ پر لفظوں میں نہیں آیا بلکہ تقدیراً آ گیا بھئی۔ بات سمجھ میں آگئی؟ یا وہ منادیٰ کی تفصیل ہے کہ وہ منادیٰ یا تو ملفوظ ہو گا جیسے يَا زَيْدُ زید ملفوظ ہے، یا وہ منادیٰ مقدر ہو گا جیسے أَلَا يَا اسْجُدُوا کے اندر قَوْم کا لفظ جو منادیٰ ہے وہ مقدر ہے۔ یہاں تک بات سمجھ میں آگئی؟

آگے دیکھیے، تو کہتے ہیں: وَانْتِصَابُ الْمُنَادَى عِنْدَ سِيبَوَيْهِ، بھئی بحث چل رہی ہے مفعول بہ کی، اور مفعول بہ منصوب ہوتا

ہے، اور انہوں نے آپ کو بتلایا کہ مفعول بہ کے فعل کا حذف دو قسم پر ہے: کبھی جائز ہے اور کبھی واجب۔ اور واجب کی چار صورتیں ہیں، اور ان میں سے پہلی صورت کیا؟ سماعی، اور باقی تین قیاسی۔ اور ان میں سے پہلا کیا ہے؟ منادیٰ۔ معلوم ہوا منادیٰ کس میں سے ہے؟ مفعول بہ ہے جس کے عامل کو حذف کرنا واجب، معلوم ہوا یہ منصوب ہوتا ہے۔ منادیٰ منصوب ہوتا ہے۔ اب یہ منادیٰ منصوب کیوں ہوتا ہے؟ نصب کی وجہ کیا ہے؟ تو امام سیبویہ فرماتے ہیں، توجہ سے سنو، امام سیبویہ فرماتے ہیں: یَا زَیْدُ، یہ زید اصل میں منصوب ہے، تقدیرِ عبارت کیا ہے؟ أَدْعُو زَیْدًا۔ توجہ ہے؟ یَا زَیْدُ، یَا حرفِ ندا قائم مقام کس کے؟ أَدْعُو فعل کے۔ أَدْعُو فعل، أَنَا ضمیر مرفوع محلاً اس کے اندر اس کا فاعل، اور زَیْدُ اس کا اعراب بولو۔ آپ کہیں گے یہ تو مبنی علی الضم ہے، بھئی مبنی کا بھی اعراب آپ بتاتے ہیں یا نہیں؟ هُوَ قَائِمٌ یہ هُوَ کیا ہے؟ مبنی ہے اور اس کا اعراب کیا؟ مرفوع محلاً بتدا۔ تو زَیْدُ بے شک مبنی ہے لیکن اعراب تو کچھ اس کا ہوگا، اس کا اعراب کیا؟ یہ منصوب محلاً مفعول بہ ہے أَدْعُو کے لیے۔ مبنی کا اعراب محلاً بتلاتے ہیں نا؟ تو یہ یَا زَیْدُ یہ زَیْدُ بھی کیا ہے؟ یہ مبنی ہے اور محلاً منصوب ہے، یہ مفعول بہ ہے کس کے لیے؟ أَدْعُو کے لیے، أَدْعُو نے اس کو نصب دیا ہے۔ أَدْعُو فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہوا کیونکہ ندا ہے اور ندا انشاء کی قسم ہے۔ تو یہ کس کے نزدیک ہے؟ امام سیبویہ کے نزدیک۔ تو امام سیبویہ کے نزدیک یہ جو منادیٰ ہے اس کو نصب کس نے دیا؟ یَا نے دیا یا أَدْعُو نے دیا؟ أَدْعُو نے دیا ہے نصب اس کو، یَا تو صرف اس أَدْعُو کا قائم مقام ہے۔

جبکہ امام مبرد فرماتے ہیں کہ یہ یَا قائم مقام ہے أَدْعُو کے، اور جیسے أَدْعُو عمل کر رہا تھا اب یہ نائب بھی عمل کر رہا ہے، اور یہ منادیٰ کو جو نصب دیا ہے اس یَا نے دیا ہے۔ امام سیبویہ فرماتے ہیں وہ أَدْعُو محذوف جو ہے اس نے نصب دیا، اور امام مبرد کیا فرماتے ہیں؟ یہ جو نائب آگیا یہ اسی کی طرح عمل کر رہا ہے اس نے نصب دیا ہے۔ جبکہ ابو علی فارسی جو ہیں وہ فرماتے ہیں کہ یہ جو حروفِ ندا ہیں یہ اسمائے افعال ہیں، یہ اسمائے...

افعال ہیں، تو جب یہ اسمِ فعل ہے تو یہ نصب اس نے دیا ہے بھئی۔ اسمِ فعل آپ جانتے ہیں کبھی کبھار نصب دیتا ہے جیسے رُوَیْدَ زَیْدًا أَيْ أَمْهِلْ زَیْدًا کہ آپ زید کو کچھ وقت دے دیں کچھ مہلت دے دیں بھئی۔ پھر دہرائیے بھئی، منادیٰ کو نصب کس نے دیا؟ امام سیبویہ کے نزدیک أَدْعُو نے نصب دیا، اور امام مبرد کے نزدیک یہ جو یَا ہے قائم مقام اس نے نصب دیا، جبکہ ابو علی فارسی کیا فرماتے ہیں کہ یہ جو حروفِ ندا ہیں یہ اسمِ فعل ہیں، یہ اسم ہیں لیکن یہ خود فعل والا عمل کرتے ہیں، توجہ ہے؟ معلوم ہوا ان کے نزدیک یہ حرفِ ندا أَدْعُو کے قائم مقام ہیں ہی نہیں، یہ خود ہی اسمِ فعل ہیں یہ خود نصب دیتے ہیں۔ تو ابو علی فارسی کے نزدیک یہ حروفِ ندا یہ حروف ہیں ہی نہیں یہ اسمائے افعال ہیں، اور یہ أَدْعُو کے قائم مقام بھی نہیں ہیں یہ خود ہی اسماء ہیں اور یہی نصب دیتے ہیں آگے آنے والے منادیٰ کو۔ بات سمجھ میں آگئی؟

دیکھیے بھئی، کہتے ہیں: وَانْتِصَابُ الْمُنَادَى اور منادیٰ کا منصوب ہونا عِنْدَ سِيبَوَيْهِ امام سیبویہ کے نزدیک عَلَىٰ أَنَّهُ مَفْعُولٌ بِهِ اس بنا پر ہے کہ یہ مفعول بہ ہے، وَنَاصِبُهُ الْفِعْلُ الْمُقَدَّرُ اور اس کو نصب دینے والا وہ فعل جو ہے وہ مقدر ہے، وَأَصْلُ يَا زَيْدُ أَدْعُو زَيْدًا اور یَا زَیْدُ کی اصل جو ہے أَدْعُو زَيْدًا ہے، فَحُذِفَ الْفِعْلُ حَذْفًا لَازِمًا لِكَثْرَةِ اسْتِعْمَالِهِ پس اس فعل کو حذف کر لیا گیا حَذْفًا لَازِمًا ایسا حذف جو لازم ہے، یہ حَذْفًا لَازِمًا کیا واقع ہو رہا ہے ترکیب میں؟ مفعولِ مطلق ہے، اور مفعولِ مطلق کا الگ ترجمہ نہیں کرتے، لہٰذا اس حذفِ لازم کو اسی حُذِفَ کے اندر لے جائیں۔ اب ترجمہ سنیں: فَحُذِفَ الْفِعْلُ حَذْفًا لَازِمًا تو اس فعل کو لازمی طور پر حذف کر لیا گیا، لِكَثْرَةِ اسْتِعْمَالِهِ اس کے کثرتِ استعمال کی وجہ سے، چونکہ ندا کثیر الاستعمال ہے اس لیے أَدْعُو فعل کو حذف کر لیا گیا۔ وَلِدَلَالَةِ حَرْفِ النِّدَاءِ عَلَيْهِ اور نیز اس لیے کیونکہ حرفِ ندا اس پر دلالت کر رہا ہے، ایک تو کثرتِ استعمال کی وجہ سے، کثرتِ استعمال خفت کا تقاضا کرتی ہے، اور نیز اس لیے حذف کر لیا گیا کہ اس کا قائم مقام یَا آگیا وہ یَا اس پر دلالت بھی کر رہا ہے۔ تو کہتے ہیں: وَلِدَلَالَةِ حَرْفِ النِّدَاءِ عَلَيْهِ اور اس وجہ سے کہ حرفِ ندا اس پر دلالت کر رہا ہے، وَإِفَادَتِهِ فَائِدَتَهُ اور یہ حرفِ ندا اسی کا فائدہ دے رہا ہے۔ أَدْعُو بھی کیا بتلا رہا تھا کہ کسی کو بلایا جا رہا ہے اور یَا نے بھی وہی فائدہ دیا۔

وَعِنْدَ الْمُبَرِّدِ بِحَرْفِ النِّدَاءِ لِسَدِّهِ مَسَدَّ الْفِعْلِ، اور منادیٰ کا منصوب ہونا جو ہے وہ امام مبرد کے نزدیک بِحَرْفِ النِّدَاءِ کس کی وجہ سے ہے؟ حرفِ ندا کی وجہ سے ہے، یہ حرفِ ندا خود اس کو نصب دے رہا ہے، لِسَدِّهِ مَسَدَّ الْفِعْلِ بوجہ اس کے فعل کے قائم مقام ہونے کے، اس لیے کیونکہ یہ فعل کے قائم مقام ہو گیا ہے عمل کے اندر تو یہ عمل کر رہا ہے اور نصب یہ دے رہا ہے۔

وَقَالَ أَبُو عَلِيٍّ فِي بَعْضِ كَلَامِهِ جبکہ ابو علی فارسی فرماتے ہیں فِي بَعْضِ كَلَامِهِ اپنے بعض کلام کے اندر کہ إِنَّ يَا وَأَخَوَاتِهَا أَسْمَاءُ الْأَفْعَالِ کہ یَا جو ہے، یَا اور جو اس کے اخوات ہیں یعنی باقی کے جو حروفِ ندا ہیں أَسْمَاءُ الْأَفْعَالِ یہ اسمائے افعال ہیں۔ فَعَلَىٰ هَٰذَيْنِ الْمَذْهَبَيْنِ لَا يَكُونُ مِنْ هَٰذَا الْبَابِ، تو ان دو مذہبوں کی بنا پر لَا يَكُونُ مِنْ هَٰذَا الْبَابِ یہ جو منادیٰ منصوب ہے وہ اس باب سے نہیں، یہ اس باب سے کیا معنیٰ؟ بھئی منادیٰ مفعول بہ ہے اس میں تو سب کا اتفاق ہے، لیکن بات اس مفعول بہ کی چل رہی ہے جس کے عامل کو حذف کرنا واجب ہے، جس کے عامل کو حذف کرنا واجب ہے، اور یہ یَا زَیْدُ یہ زید کو نصب کس نے دیا؟ امام سیبویہ کے نزدیک أَدْعُو نے نصب دیا اور أَدْعُو کا حذف واجب ہے کیونکہ اس کا قائم مقام آگیا، تو امام سیبویہ کے نزدیک تو یہ اسی باب سے ہے، وہ مفعول بہ جس کے عامل کو حذف کرنا واجب۔ جبکہ امام مبرد کے نزدیک اس زید کو نصب کس نے دیا ہے؟ یَا نے، تو اس کا تو عامل موجود ہے، اور ابو علی فارسی کے نزدیک بھی اس زید کو نصب کس نے دیا ہے؟ یہ جو یَا اسمِ فعل ہے اس نے نصب دیا ہے، تو امام مبرد اور امام ابو علی فارسی جو ہیں ان دونوں کے نزدیک اس منادیٰ کا عامل لفظوں میں موجود ہے، تو یہ ہماری بحث سے پھر متعلق نہیں کیونکہ ہماری بحث تو کس مفعول بہ کے بارے میں چل رہی ہے؟ جس کے عامل کو حذف کرنا واجب ہے، بات سمجھ میں آگئی؟ یہ معنیٰ ہے فَعَلَىٰ

هٰذَيْنِ الْمَذْهَبَيْنِ تو یہ جو دو آخری مذہب ہیں ان کی بنا پر لَا يَكُونُ مِنْ هٰذَا الْبَابِ یہ جو منادیٰ ہے وہ اس باب سے نہیں، کس باب سے؟ آگے خود تفسیر بھی بیان کر رہے ہیں: أَيْ مِمَّا انْتَصَبَ الْمَفْعُولُ بِهِ بِعَامِلٍ وَاجِبِ الْحَذْفِ، یعنی وہ باب کہ نصب دیا گیا ہو مفعول بہ کو ایک ایسے عامل کی وجہ سے جس کا حذف واجب ہے، یہ اس باب میں سے نہیں ہے بھئی۔ ہماری بحث کس بارے میں چل رہی ہے کہ وہ مفعول بہ جس کے عامل کا حذف واجب ہو، اور جبکہ یہ باقی دو مذہب جو ہیں ان کے نزدیک تو عامل لفظوں میں موجود ہے تو وہ اس باب میں سے نہیں ہے۔ یاد رکھو بِعَامِلٍ یہ ہے موصوف اور وَاجِبِ الْحَذْفِ یہ ہے اس کی صفت، عَامِلٍ ہے موصوف اور وَاجِبِ الْحَذْفِ یہ ہے اس کی صفت، تو آپ کے ذہن میں یہ نہ آئے کہ عَامِلٍ یہ تو نکرہ ہے اور وَاجِبِ الْحَذْفِ اس کی صفت تو معرفہ ہے، نہیں بھئی، یہ وَاجِبِ الْحَذْفِ یہ بھی نکرہ ہے، اس لیے کیونکہ یہ صفت کا صیغہ اپنے معمول کی طرف مضاف ہو تو وہ نکرہ ہی رہتا ہے۔ تو یہ وَاجِب دیکھیں اسمِ فاعل کا صیغہ ہے اور اس کی اضافت ہو رہی ہے الْحَذْفِ کی طرف جو معرفہ ہے لیکن یہ اضافت لفظی ہے، یہ جو صفت کا صیغہ مضاف ہو اپنے معمول کی طرف اس کو اضافتِ لفظی کہتے ہیں، ایک اضافتِ معنوی ہوتی ہے اور ایک اضافتِ لفظی ہوتی ہے، تو یہ اضافتِ لفظی ہے بھئی، آگے صاحبِ کافیہ بھی اس اضافتِ لفظی اور معنوی کو بیان کرتے ہیں بھئی۔ تو یہ وَاجِبِ الْحَذْفِ یہ صفت ہے عَامِلٍ کی اور دونوں موصوف صفت دونوں نکرہ ہیں بھئی۔

وَعَلَى الْمَذَاهِبِ كُلِّهَا مِثْلُ يَا زَيْدُ جُمْلَةٌ، اور ان تمام مذاہب پر مِثْلُ يَا زَيْدُ جُمْلَةٌ یہ يَا زَيْدُ جیسے لفظ جو ہیں وہ جملہ ہیں، ان تمام مذاہب کے مطابق يَا زَيْدُ جیسے لفظ جو ہیں جملہ ہیں۔ تو کہتے ہیں: وَعَلَى الْمَذَاهِبِ كُلِّهَا مِثْلُ يَا زَيْدُ جُمْلَةٌ اور ان تمام مذاہب پر يَا زَيْدُ جیسے الفاظ جو ہیں وہ جملہ ہیں، وَلَيْسَ الْمُنَادَىٰ أَحَدَ جُزْأَيِ الْجُمْلَةِ اور جو منادیٰ ہے وہ جملے کے دو جزوں میں سے کوئی ایک بھی نہیں ہے۔ سب کے نزدیک یہ جملہ ہے يَا زَيْدُ، امام سیبویہ کے نزدیک بھی، امام مبرد کے نزدیک بھی، اور امام ابو علی فارسی کے نزدیک بھی، سب کے نزدیک يَا زَيْدُ جملہ ہے، لیکن یاد رکھنا سب کے نزدیک یہ جو منادیٰ ہے یہ اس جملے کے اندر نہ مسند واقع ہو رہا ہے اور نہ مسند الیہ، نہ مسند ہے اور نہ مسند الیہ، کیونکہ یہ مفعول بہ ہے اور مفعول بہ تو فضلہ ہوتا ہے زائد چیز ہوتی ہے۔ تو سب کے نزدیک یہ جملہ تو ہے لیکن جملے کے دو جزوں میں سے ایک جز بھی یہ نہیں ہے، یعنی نہ یہ مسند ہے اور نہ مسند الیہ ہے۔ تو سب کے نزدیک یہ جملہ ہے: وَلَيْسَ الْمُنَادَىٰ أَحَدَ جُزْأَيِ الْجُمْلَةِ اور نہیں ہے منادیٰ جملے کے دو جزوں میں سے کوئی ایک، أَحَدَ جُزْأَيِ الْجُمْلَةِ اصل میں ہے جُزْأَيْنِ پھر نون اضافت کی وجہ سے گر گیا، تو جملے کے دو جزوں میں سے کوئی ایک بھی منادیٰ نہیں ہے۔

فَعِنْدَ سِيبَوَيْهِ جُزْآ الْجُمْلَةِ، تو امام سیبویہ کے نزدیک جُزْآ الْجُمْلَةِ، اصل میں کیا تھا؟ جُزْآنِ، جُزْآنِ، یہ تثنیہ ہے بھئی، اور نون اضافت سے گر گیا، اور آگے الْجُمْلَةِ کا لفظ آیا تو کیسے ہونا چاہیے؟ تو کیا بن گیا جُزْآ الْجُمْلَةِ، اور پھر اجتماعِ ساکنین کی وجہ سے الف بھی گر گیا تو کیسے پڑھیں گے؟ جُزْأَلْجُمْلَةِ۔ فَعِنْدَ سِيبَوَيْهِ جُزْآ الْجُمْلَةِ تو امام سیبویہ کے نزدیک جملہ کے جو دو جز ہیں،

وہ دو جز کون سے بھئی؟ أَيِ الْفِعْلُ وَالْفَاعِلُ یعنی فعل اور فاعل، کیونکہ ان کے نزدیک أَدْعُو مقدر ہے نا اور أَدْعُو فعل ہے أَنَا ضمیر اس کے اندر فاعل، تو فعل ہوا مسند اور فاعل ہوا مسند الیہ، وہ دونوں مقدر ہیں، اور زیدیہ مفعول بہ ہے۔ تو کہتے ہیں: فَعِنْدَ سِيبَوَيْهِ جُزْآ الْجُمْلَةِ أَيِ الْفِعْلُ وَالْفَاعِلُ مُقَدَّرَانِ تو امام سیبویہ کے نزدیک جملے کے دونوں جز یعنی فعل اور فاعل مُقَدَّرَانِ یہ دونوں مقدر ہیں۔

وَعِنْدَ الْمُبَرِّدِ حَرْفُ النِّدَاءِ قَائِمٌ مَقَامَ أَحَدِ جُزْأَيِ الْجُمْلَةِ، اور امام مبرد کے نزدیک حَرْفُ النِّدَاءِ حرفِ ندا جو ہے قَائِمٌ مَقَامَ أَحَدِ جُزْأَيِ الْجُمْلَةِ وہ جملے کے دو جزوں میں سے ایک جز کے قائم مقام ہے۔ امام مبرد کیا فرماتے ہیں کہ یہ جو حرفِ ندا ہے یہ اس فعل کا قائم مقام ہے جو أَدْعُو فعل چلا گیا، اور اب پہلے وہ فعل عمل کر رہا تھا اب یہ يَا خود عمل کر رہی ہے، تو یہ يَا کیا ہے؟ یہ مسند، اور اس کا فاعل کہتے ہیں مقدر ہے، تو يَا ہوئی مسند اور وہ فاعل ہوا مسند الیہ، يَا تو لفظوں میں، مسند تو لفظوں میں موجود ہے اور مسند الیہ مقدر ہے، اور آگے مفعول بہ جو ہے وہ فضلہ ہے۔ تو کہتے ہیں: وَعِنْدَ الْمُبَرِّدِ اور امام مبرد کے نزدیک جو ہے حَرْفُ النِّدَاءِ قَائِمٌ مَقَامَ أَحَدِ جُزْأَيِ الْجُمْلَةِ کہ حرفِ ندا جو ہے جملے کے دو جزوں میں سے ایک کے قائم مقام ہے، أَيِ الْفِعْلِ یعنی کہ فعل کے قائم مقام ہے، وَالْفَاعِلُ مُقَدَّرٌ اور فاعل مقدر ہے بھئی۔ توجہ ہے؟ تو اس پر اشکال ہوتا ہے امام مبرد کے مذہب پر کہ فاعل کو تو حذف کرنا ٹھیک نہیں، اشکال سمجھ میں آرہا ہے؟ تو ان کے مذہب پر یہ اشکال ہوتا ہے کہ ان کے مذہب کے مطابق یہ جو حرفِ ندا ہے نا یہ صرف فعل کے قائم مقام ہے فاعل کے قائم مقام نہیں، فعل کے قائم مقام تو يَا حرفِ ندا آگیا اور فاعل مقدر ہے، حالانکہ فاعل کو حذف کرنا جائز نہیں۔ تو علامہ رضی فرماتے ہیں کہ یہ بھی جائز ہے آپ کے لیے آپ یوں کہیں کہ امام مبرد کے نزدیک یہ جو يَا حرفِ ندا ہے یہ صرف أَدْعُو فعل کے قائم مقام نہیں ہے بلکہ فعل اور فاعل دونوں کے قائم مقام ہے آپ یوں بھی کہہ سکتے ہیں، کیونکہ صرف فاعل کا حذف تو جائز نہیں ہے، بات سمجھ بھی آئی کہ نہیں؟ امام مبرد کے نزدیک یہ جو حرفِ ندا ہے یہ فعل کا قائم مقام ہے فاعل کا قائم مقام نہیں، لیکن کہتے ہیں آپ یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ یہ دونوں کے قائم مقام ہے، یہ دونوں کے قائم مقام ہے کیونکہ فاعل کو حذف کرنا تو جائز نہیں ہے۔

وَعِنْدَ أَبِي عَلِيٍّ اور ابو علی فارسی رحمہ اللہ کے نزدیک أَحَدُ جُزْأَيْهَا اس جملے کے دو جزوں میں سے ایک جو ہے اِسْمُ الْفِعْلِ ایک کیا ہے؟ اسمِ فعل ہے، وَالْآخَرُ ضَمِيرٌ مُسْتَتِرٌ فِيهِ اور دوسرا جز جو ہے وہ ضمیرِ مستتر ہے اس کے اندر۔ ابو علی فارسی کے نزدیک یہ جو حروفِ ندا ہیں یہ اسمِ فعل ہیں اور جب یہ اسمِ فعل ہیں تو انہی کے اندر فاعل کی ضمیر بھی چھپی ہوئی ہے، تو وہ مسند اور مسند الیہ ہیں اور یہ مفعول بہ یہ فضلہ ہے زائد ہے۔ تو امام سیبویہ کے نزدیک جملے کے دونوں جز مقدر ہیں بھئی، أَدْعُو فعل بھی اور أَنَا فاعل بھی۔ امام مبرد کے نزدیک يَا ایک جز کے تو قائم مقام ہے یعنی فعل کے تو قائم مقام ہے اور فاعل مقدر ہے۔ اور جبکہ ابو علی فارسی رحمہ اللہ کے نزدیک دونوں جز مذکور ہیں، یہ اسمِ فعل ایک جز ہے جملے کا اور

دوسرا اسی کے اندر ضمیرِ مستتر چھپی ہوئی ہے۔ سب کے نزدیک یہ جملہ ہے یَا زَیْدُ، امام سیبویہ کے نزدیک بھی، امام مبرد کے نزدیک بھی، اور امام ابو علی فارسی کے نزدیک بھی سب کے نزدیک یَا زَیْدُ جملہ ہے، لیکن سب کے نزدیک یہ جو منادیٰ ہے یہ اس جملے کے اندر نہ مسند واقع ہو رہا ہے اور نہ مسند الیہ، تو سب کے نزدیک یہ جملہ تو ہے لیکن جملے کے دو جزوں میں سے ایک جز بھی یہ نہیں ہے، یعنی نہ یہ مسند ہے اور نہ مسند الیہ ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ چلیے بس بھئی، هٰذَا هُوَ الْمَرَامُ وَاللّٰهُ أَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْكَلَامِ.

سبق نمبر ۱۲۰: المنادیٰ (۲): منادیٰ کے منصوب اور مبنی بر ضم ہونے کی اقسام

شرحِ ملا جامی صفحہ: ۹۰ — بتاریخ: ۱۴ دسمبر ۲۰۲۱ء

▪ تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث

آگے دیکھیے بھئی سبق: وَيُبْنَى أَيِ الْمُنَادَى قَدَّمَ بَيَانَ الْبِنَاءِ وَالْخَفْضِ وَالْفَتْحِ عَلَى النَّصْبِ لِقِلَّتِهَا بِالنِّسْبَةِ إِلَى النَّصْبِ، وَلِطَلَبِ الْاِخْتِصَارِ فِي بَيَانِ النَّصْبِ بِقَوْلِهِ: وَيُنْصَبُ مَا سِوَاهُمَا. عَلَى مَا يُرْفَعُ بِهِ أَيْ عَلَى الضَّمَّةِ أَوِ الْأَلِفِ أَوِ الْوَاوِ الَّتِي يُرْفَعُ بِهَا الْمُنَادَى فِي غَيْرِ صُورَةِ النِّدَاءِ.

گزشتہ اسباق میں مفعول بہ کی بحث چل رہی تھی بھئی۔ منصوبات کا بیان شروع ہوا تھا۔ سب سے پہلے صاحبِ کافیہ نے مفعولِ مطلق کے بارے میں بتلایا اور اس کے بعد مفعول بہ کے بارے میں۔ اور پھر صاحبِ کافیہ نے بتلایا تھا کہ مفعول بہ کے عامل فعل کو کبھی کبھار حذف کر لیا جاتا ہے اور وہ حذف دو قسم پر ہے: کبھی وہ حذف جوازاً ہوگا اور کبھی وجوباً۔ حذف جوازاً وہاں ہوگا جہاں پر کوئی قرینہ موجود ہو۔ اور حذف وجوباً جو ہے وہ چار جگہوں پر ہوگا۔ پھر صاحبِ جامی نے آپ کو بتلایا کہ یہ چار کا عدد جو صاحبِ کافیہ نے ذکر کیا یہ حصر کے لیے نہیں ہے۔ یعنی یہ معنی نہیں ہے کہ انہی چار جگہوں میں مفعول بہ کے عامل کو حذف کرنا واجب ہے، بلکہ اس کے علاوہ اور جگہیں بھی ہیں، جیسے اغراء ہے اور اسی طرح وہ جو منصوب ہوتا ہے مدح، ذم اور ترحم کی بنا پر۔ لیکن انہی چار جگہوں کو صاحبِ کافیہ نے ذکر کیا کیونکہ ان کے اندر بحثیں زیادہ ہیں۔ تو وہ چار جگہوں میں سے پہلی جگہ سماعی ہے جو سماع پر موقوف ہے۔ جب یہ سماعی ہے تو پھر اس پر قیاس کرتے ہوئے ہم مزید مثالیں نہیں بنا سکتے۔ جبکہ باقی تین جگہیں جو ہیں وہ قیاسی ہیں بھئی، یعنی جہاں مفعول بہ کے عامل کو حذف کرنا واجب ہے۔ ان میں سے پہلی جگہ جو ہے منادیٰ ہے جس کے بارے میں ہم نے گزشتہ سبق میں پڑھا تھا۔

صاحبِ کافیہ نے آپ کو بتلایا کہ منادیٰ وہ ہے کہ جس کی توجہ مطلوب ہو ایک ایسے حرف کے ذریعے جو قائم مقام ہو أَدْعُو کے، اور وہ حرف جو ہے وہ کبھی لفظاً ہوگا اور کبھی تقدیراً ہوگا بھئی۔ تو منادیٰ وہ ہے جس کی توجہ مطلوب ہوتی ہے

ایسے حرف کے ذریعے جو قائم مقام ہو أَدْعُو کے، اور وہ حروفِ ندا جو ہیں وہ پانچ ہیں: أَيَا، هَيَا، يَا، أَيْ، اور هَمْزَه۔ اور میں نے آپ کو بتلایا تھا کہ ہمزہ اور أَيْ قریب کے لیے استعمال ہوتے ہیں جب منادیٰ قریب ہو۔ اور أَيَا اور هَيَا بعید کے لیے استعمال ہوتے ہیں۔ اور يَا عام ہے، قریب کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے اور بعید کے لیے بھی۔

تو لہٰذا منادیٰ کے اندر ضروری ہے کہ اس کی توجہ کو حرفِ ندا کے ذریعے طلب کیا جائے۔ اگر کسی اور لفظ کے ذریعے کسی کی توجہ کو طلب کیا جائے تو اس کو منادیٰ نہیں کہیں گے۔ جیسے لِيُقْبِلْ زَيْدٌ۔ اب لِيُقْبِلْ فعلِ امر ہے اور امر طلب کے لیے آتا ہے، لِيُقْبِلْ زَيْدٌ چاہیے کہ زید متوجہ ہو جائے۔ تو یہاں پر دیکھو زید کی توجہ مطلوب ہے لیکن حرفِ ندا کے ذریعے نہیں ہے بلکہ لِيُقْبِلْ فعلِ امر کے ذریعے ہے۔ تو لہٰذا یہاں پر یہ جو زید لفظ آیا اس کو منادیٰ نہیں کہیں گے۔ منادیٰ میں ضروری ہے کہ اس پر حرفِ ندا داخل ہو لفظاً یا تقدیراً بھئی۔

تو منادیٰ کی تعریف کی تھی صاحبِ کافیہ نے: اَلْمُنَادَى وَهُوَ الْمَطْلُوبُ إِقْبَالُهُ۔ إِقْبَالُهُ کی تفسیر پھر صاحبِ جامی نے کی کہ إِقْبَالُهُ سے مراد اس کی توجہ ہے، کہ منادیٰ وہ ہے جس کی توجہ مطلوب ہو، اور یہ توجہ چہرے کے ذریعے بھی ہو سکتی ہے اور قلب کے ذریعے بھی۔ چہرے کے ذریعے توجہ کب مطلوب ہو؟ مثلاً منادیٰ وہ شخص جس کو آپ ندا دے رہے ہیں اس کا چہرہ دوسری جانب ہے تو آپ چاہتے ہیں کہ وہ چہرہ میری طرف کر لے، میری طرف متوجہ ہو جائے۔ اور قلب کے ذریعے متوجہ ہونے کی مثال صاحبِ کافیہ نے ذکر کی تھی کہ جیسے ایک شخص، اس کا چہرہ پہلے ہی آپ کی طرف ہے پھر بھی اس کو ندا دی جاتی ہے تو دراصل یہاں اس کے قلب کو اپنی طرف متوجہ کرنا مقصود ہے کہ اگر اس کے قلب میں کوئی اور چیز ہے، کوئی اور بات وہ سوچ رہا ہے تو اس کو چھوڑ کر میری طرف متوجہ ہو جائے۔ تو معلوم ہوا متوجہ ہونا عام ہے، چاہے قلب کے ذریعے ہو اور چاہے چہرے کے ذریعے ہو۔

اور پھر اس کے بعد آگے حَقِيقَةً أَوْ حُكْماً کے ذریعے اس توجہ میں تعمیم پیدا کی تھی صاحبِ جامی نے، کہ وہ متوجہ ہونا جس کو طلب کیا جا رہا ہے وہ یا تو حقیقتاً ہوگا جیسے يَا زَيْدُ، اب زید جو ہے حقیقتاً آپ کی طرف متوجہ ہو سکتا ہے چہرے کے ذریعے یا قلب کے ذریعے۔ اور کبھی کبھار یہ متوجہ ہونا حکماً ہوگا جیسے يَا سَمَاءُ، يَا جِبَالُ، يَا أَرْضُ۔ کلامِ عرب کے اندر ان چیزوں کو بھی ندا دی جاتی ہے حالانکہ ان کے لیے تو نہ چہرہ ہے اور نہ قلب ہے۔ تو پھر یہاں متوجہ ہونا حکماً ہے بھئی۔ کیا ہے؟ حکماً متوجہ ہونا یہاں طلب کیا جا رہا ہے۔ یعنی ان چیزوں کو ان کے درجے میں اتار لیا گیا جن میں ندا کی صلاحیت ہے اور جو حقیقتاً متوجہ ہو سکتے ہیں اور پھر ان کو ندا دی گئی۔

اور اس سے پھر يَا اللهُ کا اعتراض بھی ختم ہوا اس لیے کیونکہ اعتراض ہوتا تھا کہ آپ نے منادیٰ کی جو تعریف کی اس کے اندر اللہ تعالیٰ کو جو ندا دی جاتی ہے يَا اللهُ یہ تو اس کے اندر داخل نہیں، اس لیے کیونکہ اس کی تعریف آپ نے کیا کی کہ منادیٰ وہ ہے جس کی توجہ مطلوب ہو، اور توجہ تو اس کی مطلوب ہوگی جس کی آپ کی طرف توجہ نہ ہو، حالانکہ اللہ تعالیٰ تو

ہر آن میں، ہر لمحے میں، ہر ہر چیز کی طرف متوجہ ہیں۔ کوئی بھی چیز اللہ کے علم سے غائب نہیں، اللہ کا علم نہایت کامل ہے، ہر ہر چیز، ہر ہر لمحہ اللہ کے علم میں ہے۔ تو یَا اللهُ جو ندا ہے وہ تو آپ کی اس تعریف سے خارج ہوئی۔ نیز آپ نے متوجہ ہونے کا کیا معنی کیا کہ متوجہ ہونا ہو چہرے کے ذریعے یا قلب کے ذریعے، حالانکہ اللہ تعالیٰ کی ذات چہرے اور قلب سے پاک ہے۔ لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ، اللہ کے مثل کوئی چیز نہیں ہے۔ اور اللہ کے لیے انسانوں کی طرح چہرہ، ہاتھ، پاؤں وغیرہ ثابت کرنا یہ کفر ہے بھئی۔ اس لیے کیونکہ اگر اللہ کے لیے چہرہ، ہاتھ، پاؤں، قلب وغیرہ کو ثابت کیا جائے گا تو اللہ کا مرکب ہونا لازم آئے گا۔ اور مرکب وہ ہوتا ہے جس کے اجزاء ہوتے ہیں۔ پھر تو اس سے معلوم ہوگا گویا اللہ کے بھی اجزاء ہیں اور ان کو جوڑا گیا ہے۔ تو پھر اس کے لیے کوئی مرکِّب چاہیے، کوئی جوڑنے والا چاہیے، یعنی کوئی ایسی ذات چاہیے جس نے ان کو جوڑا ہو۔ تو اس صورت میں اللہ تعالیٰ کا حادث ہونا لازم آئے گا حالانکہ اللہ کی ذات قدیم ہے۔ قدیم اسے کہتے ہیں جس پر کبھی عدم نہ آیا ہو، اور حادث اسے کہتے ہیں جس پر عدم آیا ہو یعنی ایک زمانہ تھا اس کا وجود نہیں تھا۔ تو اگر اللہ کے لیے ہم ہاتھ، پاؤں اور چہرے وغیرہ کو ثابت کریں گے تو اللہ کا حادث ہونا لازم آئے گا اور جو حادث ہو وہ خدا نہیں ہو سکتا۔

تو لہٰذا جب یہاں پر إِقْبَالُهُ کے اندر تعمیم پیدا کر دی کہ وہ متوجہ ہونا حقیقتاً بھی ہو سکتا ہے اور حکماً بھی ہو سکتا ہے، تو جو اللہ کو ندا دی جاتی ہے یعنی یَا اللهُ وہ بھی اس کے اندر داخل ہوگیا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ جو ہیں حکماً اللہ کی توجہ مطلوب ہے، یعنی اللہ مَسْؤُولُ الْإِجَابَةِ ہیں، مَسْؤُولُ الْإِجَابَةِ۔ یعنی اللہ تعالیٰ جو ہیں ان سے قبولیت کی درخواست کی جا رہی ہے کہ اے اللہ ہم آپ کو پکار رہے ہیں، آپ سے دعا کر رہے ہیں اور آپ مَسْؤُولُ الْإِجَابَةِ ہیں، ہماری دعا کو قبول کرنے والے ہیں، آپ ہماری درخواست کو، ہماری دعا کو قبول فرما لیجیے۔

تو اس کے بعد صاحبِ جامی نے آپ کو بتلایا کہ صاحبِ کافیہ نے یَا سَمَاءُ، یَا جِبَالُ، یَا أَرْضُ جیسی چیزیں جو ہیں ان کو تو منادیٰ کے اندر داخل کر لیا کہ متوجہ ہونے میں تعمیم پیدا کر دی کہ متوجہ ہونا یا حقیقتاً ہوگا یا حکماً ہوگا، جب حکماً کہا اس میں تعمیم پیدا کر دی تو پھر اب یَا أَرْضُ، یَا جِبَالُ وغیرہ بھی اس کے اندر داخل ہوگئے۔ لیکن مندوب کو انہوں نے داخل نہیں کیا۔ میں نے بتلایا تھا مندوب وہ شخص ہے جس پر رویا جائے اور اظہارِ غم کیا جائے۔ عرب میں کوئی شخص مر جاتا تو اس پر اظہارِ غم کیا جاتا، ماتم کیا جاتا اور اس کے لیے بھی مثلاً زید کا انتقال ہوگیا ہے تو یَا زَيْدُ یا یَا زَيْدَاهُ ماتم کرتے ہوئے اس طرح کہا جاتا تھا بھئی۔ تو یہ جو جس پر رویا جائے اور اظہارِ غم کیا جائے اس کو مندوب کہتے ہیں۔ مندوب یہ نُدْبَتْ سے ہے، نُدْبَتْ کا معنی ہے کسی پر رونا۔ تو مندوب کو جو ہے صاحبِ کافیہ نے منادیٰ سے نکال دیا اور چنانچہ اسی لیے وہ مندوب کو منادیٰ کی بحث کے بعد آخر میں پھر وہ ذکر کرتے ہیں، علیحدہ ذکر کرتے ہیں۔ تو ان کے نزدیک یہ مندوب منادیٰ میں داخل نہیں۔ وجہ یہ کہ صاحبِ کافیہ فرماتے ہیں کہ یَا زَيْدُ یا یَا زَيْدَاهُ یہ جو مندوب کو پکارا جاتا ہے یہ دراصل اس کی توجہ مطلوب نہیں ہوتی۔ منادیٰ تو اس کو کہتے ہیں جس کی توجہ مطلوب ہو، اور مندوب پر کو جو یَا زَيْدَاهُ یا یَا زَيْدُ پکارا جاتا ہے وہ صرف اظہارِ

غم کے لیے، اپنے غم، دکھ، درد کا اظہار کیا جا رہا ہے، تو یہاں مرنے والے کی توجہ مطلوب نہیں۔ نہ حقیقتاً توجہ مطلوب ہے اور نہ حکماً توجہ جو ہے وہ مطلوب ہے۔ تو لہٰذا مندوب منادیٰ کی تعریف میں داخل نہیں۔ وہ جب یہ قید لگا دی کہ منادیٰ وہ ہے کہ هُوَ الْمَطْلُوبُ إِقْبَالُهُ کہ اس کی توجہ مطلوب ہوتی ہے تو مندوب اس تعریف سے نکل گیا۔

لیکن صاحبِ جامی نے پھر اس کو رد کیا اور فرمانے لگے کہ یہ تحکم ہے یعنی بلا دلیل کے ایک فیصلہ کر دیا صاحبِ کافیہ نے۔ صحیح یہ ہے کہ مندوب کو بھی منادیٰ کے اندر داخل کرنا چاہیے، اس لیے کیونکہ مندوب جو ہے اس کی بھی توجہ حکماً مطلوب ہے۔ یعنی اظہارِ غم کرتے ہوئے اس کو پکارا جا رہا ہے کہ ہم آپ کے مشتاق ہیں، ہم آپ کے لیے بے تاب ہیں، ہم آپ سے ملنا چاہتے ہیں، آپ کی زیارت کرنا چاہتے ہیں، لہٰذا آپ حاضر ہو جائیں۔ لہٰذا بہتر یہ ہے کہ مندوب کو بھی منادیٰ کے تحت داخل کیا جاتا۔

اور پھر صاحبِ کافیہ نے لَفْظاً أَوْ تَقْدِيراً کی قید لگائی تھی تعریف میں۔ تو صاحبِ جامی نے اس کی تین تقریریں کیں کہ لَفْظاً أَوْ تَقْدِيراً یا تو یہ تفصیل ہے طلب کی، کہ منادیٰ وہ ہے جس کی توجہ مطلوب ہے، یا وہ طلب لفظاً ہوگی یا تقدیراً ہوگی۔ یاد رکھو یہ جو حرفِ ندا ہیں یہ آلہِ طلب ہیں۔ آلہِ طلب لفظوں میں ہوگا اور کبھی مقدر ہوگا۔ لفظوں میں ہے تو طلب لفظاً ہے، اور آلہِ ندا جو ہے وہ تقدیراً ہے تو معلوم ہوا طلب تقدیراً ہے۔ تو معلوم ہوا یہ طلب دو قسم کی ہو سکتی ہے: کبھی طلب لفظاً ہوگی اور کبھی طلب تقدیراً ہوگی۔ یا یہ لَفْظاً أَوْ تَقْدِيراً تفصیل ہے نیابت کی، کہ وہ جو حرف جو نائب ہے أَدْعُو کا کبھی وہ لفظاً ہوگا یعنی لفظوں میں ہوگا اور کبھی تقدیراً ہوگا یعنی فرض کر لیں وہ نائب موجود ہے بھئی۔ یا یہ تفصیل ہے منادیٰ کی، کہ وہ منادیٰ کبھی کبھار ملفوظ ہوگا یعنی لفظوں میں ہوگا اور کبھی مقدر ہوگا یعنی لفظوں میں ذکر نہیں ہوگا۔

اور پھر صاحبِ جامی نے آپ کو یہ بھی بتلایا تھا کہ یہ جو منادیٰ منصوب ہوتا ہے یہ مفعول بہ ہے اور اس کو نصب دینے والا فعل مقدر ہے، اور يَا زَيْدُ اصل میں کیا ہے؟ أَدْعُو زَيْداً۔ پھر کثرتِ استعمال کی وجہ سے أَدْعُو کو حذف کر لیا گیا اور اس کے قائم مقام يَا کو لے آئے۔ تو یہ جو زَيْداً کو نصب دیا ہے یہ أَدْعُو نے دیا ہے جو کہ حذف ہو چکا ہے، یہ يَا اس کا قائم مقام تو ہے لیکن یہ عمل نہیں کر رہی، یہ نہیں نصب دے رہی۔ جبکہ امام مبرد فرماتے ہیں کہ یہ حرفِ ندا فعل کا قائم مقام ہے عمل کے اندر بھی بھئی، لہٰذا اب یہ نصب دے رہا ہے، أَدْعُو جا چکا۔ اور جبکہ ابو علی فارسی فرماتے ہیں کہ یہ جو حروفِ ندا ہیں یہ اسماءِ افعال ہیں۔ اسماءِ افعال۔ تو یہ تین مذاہب ذکر کیے۔ بتلانا یہ چاہتے تھے صاحبِ جامی کہ بھئی ہماری بحث چل رہی ہے اس مفعول بہ کے بارے میں جس کے عامل کو حذف کرنا واجب ہے۔ اور یہ صرف امام سیبویہ کے مطابق پھر یہ منادیٰ ہماری اس بحث میں داخل ہے کیونکہ منادیٰ کو أَدْعُو نے نصب دیا اور وہ أَدْعُو اس کا حذف واجب ہے کیونکہ اس کا قائم مقام يَا آ چکا ہے۔ جبکہ امام مبرد کے نزدیک تو یہ يَا خود نصب دے رہا ہے لہٰذا عامل موجود ہے۔ اور ابو علی فارسی

کے نزدیک یہ جو یَا ہے یہ اسمِ فعل ہے یہ خود نصب دے رہا ہے۔ تو امام سیبویہ کے نزدیک یہ منادیٰ اس بحث سے متعلق ہے جبکہ باقی دو کے نزدیک اس بحث سے متعلق نہیں بھئی۔

اور پھر نیز یہ بھی بتایا کہ سب کے مذاہب پر یہ یَا زَیْدُ جملہ ہے، جملہ ہے لیکن یہ جو منادیٰ ہے یہ جملے کا جز نہیں۔ یعنی جملے کے جو بنیادی جز ہوتے ہیں مسند اور مسند الیہ، یہ منادیٰ یہ تو مفعول بہ ہے اور مفعول بہ تو فضلہ ہوتا ہے۔ امام سیبویہ کے نزدیک تقدیرِ کلام

ہے أَدْعُو زَیْداً، تو أَدْعُو فعل أَنَا ضمیر اس کے اندر فاعل، فعل جو ہے وہ ہے مسند اور أَنَا ضمیر فاعل جو ہے مسند الیہ، تو یہ دونوں مسند اور مسند الیہ دونوں مقدر ہیں اور یہ زَیْداً جو ہے مفعول بہ ہے۔ اور جبکہ امام مبرد کے نزدیک حرفِ ندا جو ہے وہ فعل کے قائم مقام ہے تو لہٰذا یہ مسند ہوا اور فاعل جو ہے وہ مقدر ہے جبکہ مفعول بہ فضلہ ہے۔ جبکہ ابو علی فارسی کے نزدیک فعل کے دونوں جز جو ہیں مذکور ہیں یعنی یہ اسمِ فعل اور دوسرا اس کے اندر ضمیرِ مستتر، اسمِ فعل حقیقتاً مذکور ہے اور ضمیر جو اس کے اندر چھپی ہوئی ہے وہ حکماً مذکور ہے، جبکہ یہ جو منادیٰ ہے یہ مفعول بہ ہے، یہ فضلہ ہے بھئی۔

اب آئیے جی آج کے سبق پر۔ کہتے ہیں: وَیُبْنَی أَيِ الْمُنَادَی قَدَّمَ بَیَانَ الْبِنَاءِ وَالْخَفْضِ وَالْفَتْحِ عَلَی النَّصْبِ لِقِلَّتِهَا بِالنِّسْبَةِ إِلَی النَّصْبِ، وَلِطَلَبِ الْاِخْتِصَارِ فِي بَیَانِ النَّصْبِ بِقَوْلِهِ: وَیُنْصَبُ مَا سِوَاهُمَا.

تو اب منادیٰ کا اعراب بیان کریں گے۔ پہلے ذرا متن متن صرف دیکھ لیں۔ کہتے ہیں: وَیُبْنَی عَلَی مَا یُرْفَعُ بِهِ إِنْ كَانَ مُفْرَداً مَعْرِفَةً مِثْلُ یَا زَیْدُ وَیَا رَجُلُ وَیَا زَیْدَانِ وَیَا زَیْدُونَ، وَیُخْفَضُ بِلَامِ الْاِسْتِغَاثَةِ مِثْلُ یَا لَزَیْدٍ، وَیُفْتَحُ لِإِلْحَاقِ أَلِفِهَا وَلَا لَامَ فِیهِ مِثْلُ یَا زَیْدَاهُ، وَیُنْصَبُ مَا سِوَاهُمَا مِثْلُ یَا عَبْدَ اللهِ وَیَا طَالِعاً جَبَلاً وَیَا رَجُلاً لِغَیْرِ مُعَیَّنٍ. جی، یہ سارا متن مل گیا بھئی۔ جی، متن متن پہلے ہم حل کرتے ہیں۔

کہتے ہیں: وَیُبْنَی اور منادیٰ جو ہے وہ مبنی ہوگا بھئی، عَلَی مَا یُرْفَعُ بِهِ اس علامت پر جس پر اس کو رفع دیا جاتا ہے۔ کب؟ إِنْ كَانَ مُفْرَداً مَعْرِفَةً اگر وہ منادیٰ مفرد معرفہ ہو بھئی۔ یاد رکھو بھئی منادیٰ اگر مفرد معرفہ ہو تو وہ مبنی ہوگا علامتِ رفع پر۔ مفرد ہو، یعنی مضاف یا مشابہ مضاف نہ ہو بھئی۔ یاد رکھو مفرد کا لفظ علمِ نحو کے اندر چار چیزوں کے مقابلے میں آتا ہے۔ کبھی مفرد کا لفظ مرکب کے مقابلے میں آتا ہے، تو جب مفرد کہہ دیا جائے تو مرکب کو نکالنا مقصد ہوتا ہے، چاہے وہ مرکبِ تام ہو چاہے مرکبِ ناقص ہو، سب کو نکالنا مقصد ہوتا ہے جب کہہ دیا جائے یہ لفظ مفرد ہے۔ اور کبھی کبھار مفرد کا لفظ وہ جملے کے مقابلے میں آتا ہے، جب کہا جائے یہ مفرد ہے تو معنی یہ ہوتا ہے یہ جملہ نہیں ہے، جیسے عَبْدُ اللهِ۔ اب عَبْدُ اللهِ دیکھو دو لفظ ہیں یہ مرکب ہے، لیکن مثلاً میں آپ سے کہتا ہوں کہ دیکھو عَبْدُ اللهِ مفرد ہے، معلوم ہوا یہاں مفرد مرکب کے مقابلے میں نہیں آرہا ورنہ تو عَبْدُ اللهِ کا لفظ مرکب ہے دو لفظ ہیں اس کے اندر، بلکہ یہاں مفرد جملے کے مقابلے میں آرہا ہے کہ عَبْدُ اللهِ جملہ نہیں ہے بھئی۔ اور کبھی کبھار مفرد کا لفظ جو ہے تثنیہ اور جمع کے مقابلے میں آتا ہے، جب کہہ دیا جائے

کہ کِتَابٌ یہ مفرد ہے، معلوم ہوا یہ تثنیہ اور جمع نہیں ہے بھئی۔ اور کبھی مفرد کا لفظ مضاف اور مشابہ مضاف کے مقابلے میں ذکر کیا جاتا ہے، جب کہہ دیا جائے کہ یہ مفرد ہے تو بتلانا یہ مقصد ہوتا ہے کہ یہ مضاف یا مشابہ مضاف نہیں۔ مثلاً میں آپ سے کہتا ہوں زَیْدٌ کا لفظ جو ہے مفرد ہے، یعنی یہ نہ مضاف ہے اس وقت اور نہ مشابہ مضاف ہے۔ تو مفرد کا لفظ علمِ نحو میں کتنی چیزوں کے مقابلے میں آتا ہے؟ چار چیزوں کے مقابلے میں: کبھی مفرد کا لفظ مرکب کے مقابلے میں آئے گا، کبھی جملے کے مقابلے میں آئے گا، کبھی تثنیہ اور جمع کے مقابلے میں آئے گا اور کبھی مضاف اور مشابہ مضاف کے مقابلے میں آئے گا۔

تو کہتے ہیں منادیٰ اگر وہ مفرد ہو اور معرفہ ہو تو وہ مبنی ہوگا علامتِ رفع پر۔ عبارت پر نظر ہے؟ وَیُبْنَی عَلَی مَا یُرْفَعُ بِهِ اور منادیٰ جو ہے وہ مبنی ہوگا اس علامت پر جس پر اس کو رفع دیا جاتا ہے، إِنْ کَانَ مُفْرَداً مَعْرِفَةً اگر وہ منادیٰ مفرد معرفہ ہو۔ یاد رکھو یہاں جو مفرد کا لفظ آیا یہاں وہ مضاف اور مشابہ مضاف کے مقابلے میں ہے۔ منادیٰ جب مفرد ہو یعنی نہ مضاف ہو اور نہ مشابہ مضاف۔

مضاف تو آپ جانتے ہی ہیں کہ ایک چیز جو ہے اس کی نسبت کر دی جائے اس کی اضافت کر دی جائے کسی دوسری چیز کی طرف، جیسے غُلَامُ زَیْدٍ۔ اس غلام کی نسبت کر دی کس کی طرف؟ زید کی طرف۔ تو جیسے مضاف جو ہے مضاف الیہ کا محتاج ہے اس کے بغیر اس کا معنی پورا نہیں۔ بھئی میں زید کے غلام کو ذکر کرنا چاہتا ہوں تو صرف غلام کہوں گا تو کیا آپ کے ذہن میں زید کا غلام آئے گا؟ میں صرف غلام، میں ذکر کس کا کرنا چاہتا ہوں؟ زید کے غلام کا، اور میں صرف کہوں غلام، کوئی آپ کے ذہن میں زید کا غلام آیا؟ نہیں، بلکہ مطلق غلام آپ کے ذہن میں آئے گا۔ تو مضاف جو ہوتا ہے وہ مضاف الیہ کا محتاج ہے یعنی اس کے بغیر اس کا معنی پورا نہیں۔ میں زید کے غلام کا ذکر کرنا چاہتا ہوں تو غُلَامُ زَیْدٍ اضافت کے ساتھ ہی مجھے کہنا پڑے گا۔ تو جس طرح مضاف اپنے معنی کے اندر محتاج ہوتا ہے مضاف الیہ کا، اسی طرح ایک ہے شبہِ مضاف بھئی۔ شبہِ مضاف اسے کہتے ہیں کہ جو مضاف تو نہیں لیکن مضاف کے مثل ہے، اس کے مشابہ ہے۔ یعنی جس طرح مضاف محتاج ہے مضاف الیہ کا اس کے بغیر اس کا معنی پورا نہیں ہوتا، اسی طرح شبہِ مضاف بھی وہ لفظ ہے کہ آگے وہ کسی اور لفظ کا محتاج ہے اور اس کے بغیر اس کا معنی پورا نہیں۔ ایک لفظ آیا، وہ اپنا معنی ادا کرنے میں دوسرے لفظ کا محتاج ہے۔ جب تک وہ دوسرا لفظ اس کے ساتھ نہیں جوڑیں گے اس کا معنی سمجھ میں نہیں آئے گا۔

جیسے آگے مثال آئے گی یَا طَالِعاً جَبَلاً۔ طَالِعٌ، طَلَعَ یَطْلُعُ طُلُوعاً کا معنی چڑھنے والا، جَبَلاً پہاڑ، یَا طَالِعاً جَبَلاً اے پہاڑ پر چڑھنے والے۔ اب یہ دیکھو یہ طَالِعاً محتاج ہے جَبَلٌ کا، کیونکہ اگر آپ صرف کہیں طَالِعٌ بھئی چڑھنے والا، بھئی پھر تو معنی پورا نہیں کس چیز پر چڑھنے والا؟ درخت پر چڑھنے والا، چھت پر چڑھنے والا، پہاڑ پر چڑھنے والا، دیوار پر چڑھنے والا، معنی اس کا پورا نہیں ہوتا۔ پھر آگے جب آپ نے جَبَلاً لفظ ذکر کر دیا اب بات پوری سمجھ میں آگئی کہ کس کو ندا دی جا رہی ہے

وہ شخص جو پہاڑ پر چڑھنے والا ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو یَا طَالِعاً جَبَلاً یہ طَالِعاً یہ مشابہ مضاف ہے، آگے جو جَبَلاً آیا اس کے ذکر کے بغیر اس کا معنی پورا نہیں، اور وہ جو آگے لفظ آیا وہ مضاف الیہ نہیں ہے بھئی، توجہ ہے؟

تو یہاں مفرد کا لفظ، انہوں نے کہا منادیٰ جب مفرد معرفہ ہو، یہاں مفرد کس کے مقابلے میں ہے؟ مضاف اور مشابہ مضاف۔ مشابہ مضاف کسے کہتے ہیں؟ وہ اسم جس کا معنی پورا نہیں ہوتا جب تک اس کے ساتھ کوئی اور لفظ نہ ملائیں۔ وہ اسم جس کا معنی پورا نہیں ہوتا جب تک اس کے ساتھ کوئی اور لفظ نہ ملائیں۔ یَا طَالِعاً جَبَلاً، طَالِعاً کا معنی پورا نہیں ہوتا جب تک اس کے ساتھ جَبَلاً کا لفظ نہ ملائیں۔ یا دوسری مثال لے لو: یَا خَیْراً مِنْ زَیْدٍ، یَا خَیْراً مِنْ زَیْدٍ اے وہ شخص جو زید سے بہتر ہو۔ اب خَیْراً اس کا معنی پورا نہیں جب تک اس کے ساتھ مِنْ زَیْدٍ نہ ملائیں۔ یَا خَیْراً اے وہ شخص جو بہتر ہے، بھئی کس سے بہتر ہے؟ آگے وہ بھی چاہیے بھئی۔ توجہ ہے؟ تو لہٰذا یَا خَیْراً یہ بھی کیا ہے؟ یہ خَیْراً مشابہ مضاف ہے، یہ آگے مفضّل علیہ کا محتاج ہے، یعنی جس چیز پر فضیلت دی جا رہی ہے اس کو بھی آگے بیان چاہیے۔ یَا خَیْراً مِنْ زَیْدٍ تو یہ خَیْراً کس کا محتاج؟ مِنْ زَیْدٍ یا اس جیسے کسی لفظ کا محتاج ہے اس کے بغیر اس کا معنی پورا نہیں۔ تو مشابہ مضاف کسے کہتے ہیں؟ وہ اسم جس کے ساتھ جب تک کوئی اور لفظ نہیں ملائیں گے اس کا معنی پورا نہیں ہوتا۔

تو کہتے ہیں منادیٰ جب مفرد ہو اور معرفہ ہو تو وہ مبنی ہوگا علامتِ رفع پر۔ معرفہ ہونا یاد رکھو عام ہے، چاہے قبل النداء معرفہ ہو چاہے بعد النداء معرفہ ہو۔ زَیْدٌ دیکھو لفظِ زَیْدٌ یہ کسی کا نام ہے، یہ ندا سے پہلے ہی معرفہ ہے۔ اب آپ زید کو ندا دیتے ہیں یَا زَیْدُ۔ تو دیکھو یہ لفظِ زَیْدٌ یہ ندا سے پہلے ہی معرفہ تھا، یہ ندا سے پہلے ہی معرفہ تھا۔ جبکہ یَا رَجُلُ اب دیکھو یہ رَجُلٌ ایک شخص ہے اس کو آپ ندا دیتے ہیں، ایک آدمی آپ کے پاس سے گزر رہا ہے آپ اس کا نام نہیں جانتے تو آپ اس کو ندا دیتے ہیں یَا رَجُلُ۔ تو اب دیکھو یہ رَجُلٌ یہ معرفہ ہے بھئی۔ ندا سے قبل تو یہ نکرہ تھا، اکیلا رَجُلٌ نکرہ ہے، لیکن جب آپ نے ندا دی تو کسی معین آدمی کو دی یا غیرِ معین آدمی کو؟ معین آدمی کو آپ نے ندا دی ہے۔ ایک شخص آپ کے پاس سے گزر رہا ہے یا سامنے کھڑا ہے آپ کو اس کا نام نہیں آتا، آپ اس کو ندا دیتے ہیں یَا رَجُلُ اے آدمی! تو دیکھو یہ معرفہ ہے بھئی۔ معرفہ کسے کہتے ہیں؟ جو کسی معین ذات پر دلالت کرے، تو ایک شخص آپ کے سامنے کھڑا ہے متعین ہے جس کو آپ آواز دے رہے ہیں۔

یاد رکھو جس طرح الف لام تعریف کا فائدہ دیتے ہیں، جس لفظ پر یہ الف لام داخل ہو جائے اس کو معرفہ بنا دیتا ہے، اسی طرح یہ جو حروفِ ندا ہیں یہ بھی آلۂ تعریف ہیں، یہ بھی تعریف کا فائدہ دیتے ہیں، جس لفظ پر داخل ہو جائیں اس کو معرفہ بنا دیتے ہیں۔ تو جیسے رَجُلٌ نکرہ ہے، الف لام لے آئیں اَلرَّجُلُ دیکھو معرفہ بن گیا۔ اسی طرح یَا رَجُلُ یہ بھی کیا بن گیا؟ معرفہ بن گیا۔ اور معرفہ کیسے بنا؟ معرفہ کسے کہتے ہیں؟ جو کسی معین ذات پر دلالت کرے، لہٰذا وہ شخص آپ کے سامنے موجود ہے آپ اس کو ندا دے رہے ہیں لیکن آپ کو اس کا نام نہیں آتا تو آپ اس کو یَا رَجُلُ کہتے ہیں، اب اس رَجُلُ سے دنیا کا ہر

آدمی مراد ہے یا وہ جو متعین آدمی جس کو آپ ندا دے رہے ہیں وہ مراد ہے؟ متعین، تو دیکھو یہ معرفہ ہو چکا ہے بھئی۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو یَا زَیْدُ یہ زید دیکھو ندا سے پہلے ہی معرفہ تھا اور یَا رَجُلُ یہ رجل ندا سے پہلے تو معرفہ نہیں تھا لیکن یَا جو آلہِ تعریف اس پر جب داخل ہوا اب یہ کیا بن گیا؟ معرفہ۔ توجہ ہے؟

بات کس کی چل رہی ہے؟ منادیٰ کی۔ منادیٰ اگر مفرد معرفہ ہو تو وہ مبنی ہوگا علامتِ رفع پر۔ مفرد معرفہ ہو، مفرد سے کیا مراد؟ جو مضاف یا مشابہ مضاف نہ ہو۔ معرفہ سے کیا مراد؟ کہتے ہیں معرفہ ہونا عام ہے، چاہے قبل النداء ہو چاہے بعد النداء ہو بس مفرد معرفہ ہونا چاہیے۔ جب بھی منادیٰ مفرد معرفہ ہو یعنی نہ مضاف ہے نہ مشابہ مضاف ہے اور نہ نکرہ ہے تو پھر وہ مبنی ہوگا علامتِ رفع پر، یعنی جس چیز کے ساتھ اس پر رفع آتا ہے اسی پر اس کو مبنی بنا دیں گے۔ میں زید کو ندا دینا چاہتا ہوں، زید پر رفع کس طرح آتا ہے؟ جَاءَنِي زَیْدٌ، رَأَیْتُ زَیْداً، مَرَرْتُ بِزَیْدٍ۔ تو زید پر رفع کس کے ساتھ آتا ہے؟ ضمہ کے ساتھ، تو اسی ضمہ پر یہ مبنی ہو جائے گا: یَا زَیْدُ، یَا زَیْدُ۔ توجہ ہے؟

بھئی یہ بات میں پہلے بھی ذکر کر چکا، یَا زَیْدُ اس پر ضمہ آرہا ہے پھر اس کو علمائے نحو مبنی کیوں کہتے ہیں؟ وجہ یہ کہ اس پر تنوین نہیں آرہی بھئی۔ جب ایک لفظ پر جب تنوین آسکتی ہے تو پھر تنوین اس پر ہمیشہ آئے گی الا یہ کہ کوئی مانعِ تنوین آجائے، اور مانعِ تنوین دو چیزیں ہیں: ایک الف لام، جس لفظ پر الف لام آجائے تو اس سے تنوین گر جاتی ہے، رَجُلٌ اس پر تنوین ہے، اَلرَّجُلُ اب تنوین نہیں آئے گی کیونکہ الف لام آگیا۔ یا اس کی اضافت کر دی جائے، غُلَامٌ، غُلَامٌ پر تنوین آتی ہے لیکن آپ اضافت کر دیں غُلَامُ زَیْدٍ اب تنوین غلام سے گر گئی بھئی۔ تو مانعِ تنوین کتنی چیزیں ہیں؟ الف لام اور اضافت۔ تو میں نے کہا یَا زَیْدُ، اب زید پر تنوین آئی؟ تنوین نہیں آئی۔ کوئی مانعِ تنوین چیز ہے یہاں؟ الف لام ہے زید پر؟ نہیں۔ کیا آگے کوئی مضاف الیہ آرہا ہے؟ نہیں۔ تو نہ اضافت ہے نہ الف لام ہے پھر بھی تنوین نہیں آرہی، معلوم ہوا یہ مبنی بن چکا ہے۔ یہ کیا بن چکا ہے؟ مبنی بن چکا ہے ورنہ تو تنوین آنی چاہیے تھی اگر یہ معرب ہوتا بھئی۔

تو یَا زَیْدُ یہ منادیٰ ہے، دیکھو مفرد ہے نہ مضاف ہے نہ مشابہ مضاف اور نیز یہ معرفہ ہے تو یہ مبنی ہے علامتِ رفع پر، اس کا رفع کس کے ساتھ آتا ہے؟ ضمہ کے ساتھ تو اسی پر یہ مبنی بن گیا، اسی پر یہ مبنی بن گیا۔ اور اسی طرح، اسی طرح یَا رَجُلُ، یہ بھی مفرد ہے دیکھو نہ مضاف ہے نہ مشابہ مضاف ہے اور نیز معرفہ ہے بھئی یعنی یہ بعد النداء معرفہ ہے تو یہ بھی مبنی ہے علامتِ رفع پر۔ یَا زَیْدَانِ، یَا زَیْدَانِ یہ تثنیہ ہے اور تثنیہ کا رفع کس کے ساتھ آتا ہے؟ الف کے ساتھ تو یہ اسی پر مبنی ہے۔ یَا زَیْدَانِ آپ سے کوئی پوچھے یہ زَیْدَانِ کیا ہے اس وقت تو آپ کیا کہیں گے؟ یہ مبنی ہے الف پر، کیونکہ یہ اس کا رفع کس کے ساتھ آتا ہے؟ الف کے ساتھ۔ یَا زَیْدُونَ یہ زَیْدُونَ جمع مذکر سالم ہے، جمع مذکر سالم کا رفع کس کے ساتھ آتا ہے؟ واو کے ساتھ تو یہ اس وقت مبنی ہے۔ توجہ ہے؟ یَا زَیْدَانِ یہ مفرد معرفہ ہے، یہ مفرد ہے؟ مفرد کیسے یہ تو تثنیہ ہے بھئی؟ جی یہ تو تثنیہ ہے، پھر کیا جواب دیں گے؟ بھئی یہاں مفرد سے مراد وہ تثنیہ اور جمع کے مقابلے والا مفرد نہیں مراد بلکہ مضاف اور مشابہ

مضاف کے مقابلے والا مفرد مراد ہے۔

تو یہ بے شک تثنیہ ہو، بس مضاف اور مشابہ مضاف نہیں ہونا چاہیے اور زَیْدَانِ بھی نہ مضاف ہے اور نہ مشابہ مضاف، تو یہ مفرد ہے۔ اور نیز یہ معرفہ ہے، یہ یہ معرفہ ہے۔ کیسے معرفہ ہے؟ یاد رکھو علم جو ہے نا علم، کسی معین ذات پر دلالت کرتا ہے تو وہ معرفہ ہے۔ لیکن جب ایک جماعت کا نام وہی رکھ دیا جائے پھر وہ نکرہ بن جاتا ہے۔ وہ نکرہ بن جاتا ہے، تو جب زید دو یا دو سے زیادہ ہوگئے تو یہ نکرہ بن گیا۔ تو یَا زَیْدَانِ اس کے اندر جو زَیْدَانِ آیا یہ نکرہ ہے۔ یہ اور پھر یَا داخل ہوئی اور اس نے اس کو معرفہ بنا دیا تو یہ بعد النداء معرفہ ہوا۔ لہٰذا یاد رکھو جب علم کو تثنیہ اور جمع بناتے ہیں تو پہلے اس کو نکرہ کر دیتے ہیں، تعریف اس سے ختم ہو جاتی ہے، اور پھر اس کی تثنیہ اور جمع بناتے ہیں۔ اور پھر اس کے اندر اگر آپ تعریف لانا چاہتے ہیں تو پھر الف لام لے کر آئیں گے: اَلزَّیْدَانِ، اَلزَّیْدُونَ۔ بات سمجھ میں آ رہی ہے؟ کیا؟ علم کو جب تثنیہ یا جمع بناتے ہیں تو اس سے تعریف ختم کر دی جاتی ہے، اس کو نکرہ بنا دیا جاتا ہے۔ تو زَیْدَانِ یہ نکرہ ہے یا معرفہ ہے؟ پھر سوچ میں ڈوب گئے، ذہن دماغ نہیں حاضر۔ علم کو جب تثنیہ یا جمع بنانا ہو تو پہلے اس کو نکرہ بنا دیتے ہیں، تو اکیلا زَیْدٌ یہ تو معرفہ ہے لیکن اسی کی تثنیہ بنا لو زَیْدَانِ یہ نکرہ ہے۔ اور آپ اس میں دوبارہ تعریف لانا چاہتے ہیں تو پھر الف لام لے آئیں گے اَلزَّیْدَانِ۔ اسی طرح زَیْدُونَ یہ معرفہ ہے یا نکرہ ہے؟ نکرہ ہے، لہٰذا آپ اس کی دوبارہ معرفہ بنانا چاہتے ہیں تو کیا لے آئیں؟ الف لام، اَلزَّیْدُونَ لے آئیں گے۔ تو لہٰذا یَا زَیْدَانِ یہ زَیْدَانِ مفرد ہے اور معرفہ ہے۔ مفرد ہے کیا معنی؟ یَا زَیْدَانِ یہ مفرد ہے یعنی مضاف یا مشابہ مضاف نہیں، اور نیز معرفہ ہے، قبل النداء معرفہ ہے یا بعد النداء معرفہ؟ یَا زَیْدَانِ؟ نہیں توجہ۔ بھئی جب میں نے کہا زَیْدٌ یہ تو معرفہ ہے، جب میں نے کہا زَیْدَانِ یہ کیا بن گیا؟ یہ تو نکرہ بن گیا۔ علم کو جب بھی تثنیہ اور جمع بناتے ہیں وہ کیا بن جاتا ہے؟ پہلے اس کو نکرہ بناتے ہیں پھر اس کی تثنیہ اور جمع بناتے ہیں، تو اکیلا زَیْدَانِ یہ نکرہ ہے۔ آپ اس کو معرفہ بنانا چاہتے ہیں تو طریقہ کیا؟ الف لام لے آؤ۔ اور یَا زَیْدَانِ اس میں کوئی الف لام ہے؟ نہیں، تو معلوم ہوا یہ نکرہ تھا پہلے، پھر یَا آلہِ تعریف آگیا، اور جیسے الف لام کے ذریعے کسی لفظ میں تعریف آجاتی ہے، آلہِ تعریف یعنی حرفِ ندا اس میں داخل ہو جائے تو وہ بھی اس میں تعریف پیدا کر دیتا ہے۔ تو یَا زَیْدَانِ یہ معرفہ ہے، قبل النداء یا بعد النداء؟ بعد النداء، جیسے یَا رَجُلُ بعد النداء معرفہ ہوا تھا اسی طرح یَا زَیْدَانِ بھی بعد النداء معرفہ ہے۔ اسی طرح یَا زَیْدُونَ یہ زَیْدُونَ بھی بعد النداء معرفہ ہے۔ اور زَیْدَانِ ہو یا زَیْدُونَ یہ دونوں مفرد ہیں، کیونکہ یہاں مفرد تثنیہ اور جمع کے مقابلے میں ذکر نہیں ہوا بلکہ کون سا مفرد ذکر ہوا ہے؟ جو مضاف یا مشابہ مضاف نہ ہو، اور زَیْدَانِ نہ یہ مضاف ہے نہ مشابہ مضاف، اور زَیْدُونَ یہ نہ مضاف ہے اور نہ مشابہ مضاف، تو یہ ساری مثالیں ہوئیں منادیٰ مفرد معرفہ کی۔

تو یَا زَیْدُ یہ مبنی علی الضم ہے۔ یَا رَجُلُ یہ بھی مبنی علی الضم ہے۔ یَا زَیْدَانِ یہ مبنی علی الالف ہے۔ یَا زَیْدُونَ یہ مبنی علی الواو ہے کیونکہ جمع مذکر سالم کا رفع کس کے ساتھ آتا ہے؟ واو۔ تو جس کو بھی آپ ندا دیں تو جس چیز کے ساتھ اس کا رفع آتا ہے، اگر وہ مفرد معرفہ ہے تو اسی پر اس کو مبنی بنا دیں گے۔ اسی پر اس کو مبنی بنا دیں گے۔ بات سمجھ میں آ رہی ہے؟

یعنی تنوین اگر آرہی ہے تو وہ تنوین اس سے گر جائے گی بھئی۔ تو کہتے ہیں: وَيُبْنَى عَلَى مَا يُرْفَعُ بِهِ اور منادیٰ جو ہے مبنی ہوتا ہے اس علامت پر جس پر اس کو رفع دیا جاتا ہے، إِنْ كَانَ مُفْرَداً مَعْرِفَةً اگر وہ منادیٰ مفرد معرفہ ہو، مِثْلُ يَا زَيْدُ وَيَا رَجُلُ وَيَا زَيْدَانِ وَيَا زَيْدُونَ۔یہاں تک بات سمجھ میں آگئی؟

آگے دیکھیے، کہتے ہیں: وَيُخْفَضُ بِلَامِ الْاِسْتِغَاثَةِ مِثْلُ يَا لَزَيْدٍ۔ وَيُخْفَضُ، خفض کہتے ہیں جر دینا، جر دینا کسی لفظ کو۔ وَيُخْفَضُ اور منادیٰ کو جر دیا جاتا ہے بِلَامِ الْاِسْتِغَاثَةِ لامِ استغاثہ کی وجہ سے، مِثْلُ يَا لَزَيْدٍ۔ یاد رکھو اِسْتَغَاثَ يَسْتَغِيثُ اِسْتِغَاثَةً کا معنی ہے فریاد کرنا، فریاد کرنا، کسی کو مدد کے لیے پکارنا۔ تو کبھی کبھار یاد رکھو منادیٰ پر لامِ استغاثہ داخل کیا جاتا ہے جب کسی کو کسی کی مدد کے لیے آپ پکار رہے ہوں۔ مثلاً آپ کہیں جا رہے تھے آپ کو ایک شخص تکلیف میں مبتلا نظر آیا۔ آپ اس کی مدد کرنا چاہتے ہیں لیکن آپ اس کی مدد کرنے پر قادر نہیں ہیں بھئی۔ آپ اس کی مدد کرنا چاہتے ہیں لیکن مدد کر نہیں سکتے اس وقت، تو پھر آپ اس شخص کو پکارتے ہیں جو اس کی مدد کر سکے بھئی، تو آپ کہتے ہیں: يَا لَزَيْدٍ لِلْمَظْلُومِ، يَا لَزَيْدٍ لِلْمَظْلُومِ۔ توجہ سے سن لو بھئی! يَا لَزَيْدٍ آپ زید کو پکار رہے ہیں اور کس کے لیے پکار رہے ہیں؟ وہ جو مظلوم ہے۔ يَا لَزَيْدٍ یعنی اے زید میں آپ کو پکار رہا ہوں لِلْمَظْلُومِ کس کے لیے؟ اس مظلوم کے لیے۔ اے زید میں آپ کو پکار رہا ہوں اس مظلوم کے لیے، میں اس کے لیے فریاد کر رہا ہوں کہ تم آؤ اور اس کی مدد کرو کیونکہ تم ہی اس کی مدد کر سکتے ہو اس وقت اور کوئی مدد نہیں کر سکتا۔ توجہ ہے؟

تو دیکھو يَا لَزَيْدٍ یہ زید منادیٰ ہے اور اس پر یہ لام داخل ہوا ہے، یہ لامِ جارہ ہے اور یہ لامِ جارہ جر دیتا ہے، يَا لَزَيْدٍ۔ تو لامِ استغاثہ کی وجہ سے دیکھو منادیٰ مجرور ہوگیا کیونکہ یہ لامِ جارہ ہے، یہ لامِ جارہ ہے۔ توجہ ہے بھئی؟ عرب کے اندر ان کے کلام کا یہ طریقہ تھا کسی شخص کے لیے فریاد کی جاتی، مدد کی جاتی تھی، کسی دوسرے کو پکارا جاتا کہ وہ آکر اس کی مدد کرے۔ یا مثلاً کچھ لوگ کھڑے ہیں آپ ان کو بلاتے ہیں: يَا لَقَوْمِ لِلْمَظْلُومِ، يَا لَقَوْمِ اے لوگو، لِلْمَظْلُومِ میں تمہیں پکار رہا ہوں لِلْمَظْلُومِ اس مظلوم کے لیے کہ تم آکر اس کی مدد کرو۔ میں تو اس کی مدد کرنے پر قادر نہیں لیکن تم لوگ اس کی مدد کر سکتے ہو تو میں تمہیں پکار رہا ہوں آؤ اور اس کی مدد کرو: يَا لَقَوْمِ لِلْمَظْلُومِ۔ توجہ ہے؟

تو یاد رکھو یہاں استغاثہ کے اندر تین چیزیں ہوں گی بھئی: ایک مستغیث ہے فریاد کرنے والا، وہ متکلم ہے جو فریاد کر رہا ہے، جو ندا دے رہا ہے وہ ہے مستغیث، فریاد کرنے والا۔ اور جس کو پکار رہا ہے وہ ہے مستغاث بھئی۔ میں نے زید کو مدد کے لیے پکارا ہے کہ وہ آکر اس مظلوم کی مدد کرے تو زید ہوا مستغاث بھئی، جس سے فریاد کی جا رہی ہے۔ اور وہ جو مظلوم ہے وہ مستغاث لہ ہے، مستغاث لہ، جس کے لیے فریاد کی جا رہی ہے۔ تو ندا دینے والا کون ہوگا؟ مستغیث، فریاد کرنے والا ہے مستغیث۔ اور جس سے فریاد کی جا رہی ہے وہ کون ہے؟ مستغاث۔ اور جس کے لیے فریاد کی جا رہی ہے وہ ہے

مستغاث لہ۔ یَا لَزَیْدٍ لِلْمَظْلُومِ، زید کیا ہے؟ مستغاث، اور مظلوم؟ مستغاث لہ۔ یہاں تک بات سمجھ میں آگئی؟

یاد رکھو مستغاث پر بھی لام داخل کرتے ہیں اور مستغاث لہ پر بھی لام داخل کرتے ہیں۔ جیسے میں نے ابھی بار بار مثال ذکر کی: یَا لَزَیْدٍ دیکھو مستغاث پر لام داخل ہوا، لِلْمَظْلُومِ مستغاث لہ پر بھی کیا داخل ہوا؟ لام داخل ہوا۔ تو مستغاث پر بھی لام داخل ہوتا ہے اور مستغاث لہ پر بھی لام داخل ہوتا ہے۔ تو دونوں میں فرق کرنے کے لیے مستغاث پر جو لام داخل ہوتا ہے اس پر فتحہ پڑھتے ہیں اور مستغاث لہ پر جو لام داخل ہوتا ہے اس پر کسرہ پڑھتے ہیں: یَا لَزَیْدٍ لِلْمَظْلُومِ۔ یَا لَزَیْدٍ یہ لام کا فتحہ کیا بتلا رہا ہے آپ کو؟ کہ زید مستغاث ہے، زید سے فریاد کی جا رہی ہے، اس کو مدد کے لیے بلایا جا رہا ہے۔ اور لِلْمَظْلُومِ اس کے اندر لام کے نیچے کسرہ آپ کو کیا بتلا رہا ہے؟ کہ یہ مستغاث لہ ہے۔ توجہ ہے؟ تو کبھی منادیٰ پر لامِ استغاثہ داخل کیا جاتا ہے، لامِ استغاثہ، اور یہ پھر جر دیتا ہے یَا لَزَیْدٍ تو یہ مجرور ہوگا۔ پھر سنو: منادیٰ اگر مفرد معرفہ ہو تو وہ مبنی ہوگا علامتِ رفع پر۔ اور منادیٰ پر اگر لامِ استغاثہ داخل ہے تو پھر منادیٰ مجرور ہوگا۔ توجہ ہے؟

اور یاد رکھنا کبھی مستغاث کے آخر میں الف بڑھا دیتے ہیں، الف بڑھا دیتے ہیں اور الف اپنے سے ماقبل فتحہ چاہتا ہے: یَا زَیْدَا۔ دیکھو الف بڑھا دیا، یہ مستغاث ہے۔ تو مستغاث کے آخر میں کبھی کیا بڑھا دیتے ہیں؟ الف، اور الف اپنے سے ماقبل کیا چاہتا ہے؟ فتحہ۔ الف اپنے سے ماقبل فتحہ چاہتا ہے اور شروع میں اگر لام لے آئیں تو لام آخر میں جر چاہتا ہے۔ توجہ ہے؟ لہٰذا جب الف آخر میں لائیں گے تو پھر لام نہیں لائیں گے اور جب لام شروع میں ہو تو پھر آخر میں الف نہیں لائیں گے، کیونکہ لام کس کا تقاضا کر رہا ہے؟ جر کا۔ اور اگر الف لائیں، الف اپنے سے ماقبل پر کس چیز کا تقاضا کرے گا؟ فتحہ کا۔ توجہ ہے؟ یَا لَزَیْدٍ یہ لامِ جارہ کیا تقاضا کر رہا ہے دال پر کیا آنا چاہیے؟ جر۔ اور یَا زَیْدَا یہ الف کیا تقاضا کر رہا ہے دال پر کیا آنا چاہیے؟ فتحہ۔ تو دونوں کا اثر الگ الگ ہے لہٰذا ایک وقت میں ایک آئے گا یا لام آئے گا یا الف۔ تو یَا زَیْدَا یہ الف کون سا ہے؟ الف استغاثہ کے لیے ہے بھئی اور یہ مستغاث کے آخر میں داخل کرتے ہیں۔ اور کبھی اس کے ساتھ ہا بھی ملا دیتے ہیں تاکہ آواز اور لمبی ہو جائے۔ ایک شخص تکلیف میں مبتلا ہے، اس کی مدد کے لیے ایک شخص کو پکار رہے ہیں تو آواز کو انسان چاہتا ہے لمبا کرے، تو لہٰذا الف کے ساتھ کبھی کبھار ہا بھی بڑھا دیتے ہیں۔ تو آپ یوں بھی کہہ سکتے ہیں یَا زَیْدَا بغیر ہا کے اور ہا کے ساتھ بھی کہہ سکتے ہیں یَا زَیْدَاهُ۔ دیکھا آواز لمبی ہوگئی یا نہیں ہا کی وجہ سے؟ تو جب مستغاث کے آخر میں الف بڑھا دیا جائے تو پھر وہ مبنی ہوگا فتح پر، اس کے آخر میں کیا آئے گا؟ دال پر فتحہ آئے گا۔

دیکھیے بھئی کتاب پر۔ کہتے ہیں: وَيُخْفَضُ بِلَامِ الْاِسْتِغَاثَةِ اور منادیٰ جو ہے وہ مجرور ہوگا لامِ استغاثہ کی وجہ سے، مِثْلُ يَا لَزَيْدٍ جیسے یَا لَزَیْدٍ۔ وَيُفْتَحُ لِإِلْحَاقِ أَلِفِهَا اور منادیٰ جو ہے مفتوح ہوگا لِإِلْحَاقِ أَلِفِهَا۔ أَلْحَقَ يُلْحِقُ إِلْحَاقاً کا معنی ملنا بھی اور ملانا بھی۔ توجہ ہے؟ أَلْحَقَ يُلْحِقُ إِلْحَاقاً کا معنی ملنا بھی یعنی یہ لازمی بھی استعمال ہوتا ہے اور اس کا معنی ملانا بھی یعنی یہ

متعدی بھی استعمال ہوتا ہے۔ تو یہاں اس کا معنی کر لیں ملنے کے، ملنے کے۔ وَيُفْتَحُ اور منادیٰ جو ہے وہ مبنی علی الفتح ہوگا لِإِلْحَاقِ أَلِفِهَا، یہ ہا ضمیر راجع ہے استغاثہ کو، لِإِلْحَاقِ أَلِفِ الْاِسْتِغَاثَةِ الفِ استغاثہ کے ملنے کی وجہ سے۔ الفِ استغاثہ کے ملنے کی وجہ سے منادیٰ جو ہے مبنی علی الفتح ہوگا۔ وَلَا لَامَ فِيهِ اور اس وقت لام نہیں ہوگا، جب مستغاث کے آخر میں الفِ استغاثہ آجائے تو پھر لام نہیں آئے گا بھئی۔ مِثْلُ يَا زَيْدَاهُ. وَيُنْصَبُ مَا سِوَاهُمَا اور ان کے علاوہ باقی صورتوں میں منادیٰ منصوب ہوگا۔

بھئی اوپر دو سطریں قبل آیا وَيُفْتَحُ لِإِلْحَاقِ أَلِفِهَا اور اب آرہا ہے آگے وَيُنْصَبُ مَا سِوَاهُمَا۔ میں نے آپ کو بتلایا تھا یہاں تین طرح کے نام ہیں، تین طرح کے: رَفْعٌ، نَصْبٌ، جَرٌّ یہ کس کے ساتھ خاص؟ معرب کے ساتھ۔ اور ضَمٌّ، فَتْحٌ، كَسْرٌ یہ مبنی کے ساتھ خاص ہیں۔ اور اسی کے ساتھ گول تا ملا دیں ضَمَّةٌ، فَتْحَةٌ، كَسْرَةٌ یہ معرب اور مبنی دونوں کے لیے استعمال ہوتے ہیں۔ توجہ ہے؟ رَفْعٌ، نَصْبٌ، جَرٌّ یہ کس کے لیے استعمال ہوتے ہیں؟ معرب کے لیے۔ اور ضَمٌّ، فَتْحٌ، كَسْرٌ یہ کس کے لیے؟ مبنی کے لیے۔ اور ضَمَّةٌ، فَتْحَةٌ، كَسْرَةٌ یہ کس کے لیے؟ دونوں کے لیے استعمال ہوتے ہیں۔ تو یہاں دیکھو پہلے آیا وَيُفْتَحُ اور اب آگے آرہا ہے وَيُنْصَبُ. تو يُفْتَحُ سے کیا پتہ چلا؟ فتحہ کا ذکر آیا اور فتحہ تو کس پر آتا ہے؟ مبنی پر، یہ مبنی کے لیے بولا جاتا ہے۔ تو وَيُفْتَحُ لِإِلْحَاقِ أَلِفِهَا کہ منادیٰ مبنی علی الفتح ہوگا الفِ استغاثہ کے ملنے کی وجہ سے۔ يَا زَيْدَاهُ یہ دال پر جو حرکت ہے یہ نصب نہیں ہے، یہ فتحہ ہے، توجہ ہے؟ یہ نصب نہیں، یہ فتحہ ہے۔ اور يَا عَبْدَ اللهِ یہ عَبْدَ اللهِ کے عبد پر دال پر جو زبر ہے یہ نصب ہے، یہ نصب ہے۔ وَيُفْتَحُ آیا، يُفْتَحُ سے کیا پتہ چلا؟ الفِ استغاثہ ملے گا تو منادیٰ کیا ہوگا؟ مبنی علی الفتح ہوگا۔ اور يُنْصَبُ سے کیا پتہ چلا؟ کہ ان کے علاوہ باقی صورتوں میں منادیٰ منصوب ہوگا یعنی معرب ہوگا، مبنی نہیں ہوگا۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو کہتے ہیں وَيُنْصَبُ مَا سِوَاهُمَا اور ان دونوں کے علاوہ باقی صورتوں میں منادیٰ منصوب ہوگا۔ ان دونوں کے علاوہ، کون سے دو؟ ایک منادیٰ مفرد معرفہ اور ایک منادیٰ مستغاث بھئی، منادیٰ مستغاث۔ پھر اس مستغاث میں دونوں صورتیں آگئیں چاہے مستغاث لامِ استغاثہ کے ساتھ ہو یا الفِ استغاثہ کے ساتھ۔ تو بہرحال دونوں مستغاث کے اندر آ گئے۔ بھئی دیکھو ابھی تک تین صورتیں ذکر ہوئیں: منادیٰ مفرد معرفہ ہو تو وہ مبنی ہوگا علامتِ رفع پر۔ اور منادیٰ اگر اس پر لامِ استغاثہ داخل ہو تو وہ مجرور ہوگا۔ اور منادیٰ کے آخر میں اگر الفِ استغاثہ ہو تو وہ مبنی علی الفتح ہوگا۔ اور ان کے علاوہ باقی تمام صورتوں میں وہ منصوب ہوگا، وہ معرب ہوگا، اس پر نصب آئے گا بھئی۔

تو کہتے ہیں: وَيُنْصَبُ مَا سِوَاهُمَا اور منادیٰ جو ہے منصوب ہوگا مَا سِوَاهُمَا ان دونوں کے علاوہ، یعنی منادیٰ مفرد معرفہ اور منادیٰ مستغاث کے علاوہ منادیٰ منصوب ہوگا، مِثْلُ يَا عَبْدَ اللهِ بھئی۔ يَا عَبْدَ اللهِ دیکھو یہ مضاف ہے تو یہ مفرد معرفہ نہیں اور اس پر لامِ استغاثہ بھی نہیں یا الفِ استغاثہ بھی اس کے آخر میں نہیں ہے تو اب یہ منصوب ہے، يَا عَبْدَ اللهِ۔ دیکھو عبد پر کیا پڑھ رہے ہیں ہم؟ یہ عبد کی دال پر نصب پڑھ رہے ہیں، يَا عَبْدَ اللهِ۔ وَيَا طَالِعاً جَبَلاً اے پہاڑ پر چڑھنے

والے، یہ مشابہ مضاف ہے دیکھو یہ بھی منصوب ہے۔ یَا طَالِعاً جَبَلاً بھئی، یَا طَالِعاً یہ منادیٰ ہے۔ کون سا منادیٰ ہے؟ مشابہ مضاف، اور اس صورت میں منادیٰ منصوب ہوتا ہے تو یہ طَالِعاً منصوب ہے۔ اور یہ جَبَلاً کیا ہے بھئی ترکیب کے اعتبار سے؟ یاد رکھو یہ مفعول بہ ہے طَالِعاً کے لیے۔ میں نے آپ کو بتلایا ہے بھئی صفت کے صیغے بھی اپنے فعل کی طرح عمل کرتے ہیں، تو جیسے ضَرَبَ کے لیے فاعل اور مفعول چاہیے اسی طرح ضَارِبٌ کے لیے بھی ایک فاعل چاہیے اور ایک مفعول۔ یہاں طَالِعٌ، طَالِعٌ کا کیا معنی؟ چڑھنے والا، تو اس کس چیز پر چڑھنے والا؟ آگے مفعول بھی چاہیے یا نہیں چاہیے؟ تو یہ جَبَلاً مفعول ہے اور مفعول منصوب ہوتا ہے۔ ترکیب سمجھ میں آرہی ہے؟ تو کہتے ہیں جیسے یَا عَبْدَ اللہِ، وَیَا طَالِعاً جَبَلاً، وَیَا رَجُلاً لِغَیْرِ مُعَیَّنٍ اور اسی طرح یَا رَجُلاً اس حال میں کہ یہ غیرِ معین کو کہا جائے۔ یَا رَجُلاً کس کو کہا جائے؟ غیرِ معین کو کہا جائے۔ بھئی دیکھیے نابینا آدمی ہے، اب وہ بیچارہ اس کو دکھائی نہیں دے رہا، اب چاہتا ہے کہ کوئی شخص میری مدد کرے، وہ کہتا ہے: یَا رَجُلاً خُذْ بِیَدِي اے آدمی میرا ہاتھ پکڑ لو۔ یَا رَجُلاً اے آدمی، خُذْ بِیَدِي میرا ہاتھ پکڑ لو۔ اب مجھے بتائیے جب نابینا ندا دے رہا ہے تو کسی متعین کو ندا دے رہا ہے یا کوئی بھی آکر اس کا ہاتھ تھام کر اس کی مدد کر دے بھئی؟ کوئی بھی آکر مدد کر دے۔ تو دیکھو یہاں رَجُلاً نکرہ ہے بھئی، یہاں رَجُلاً نکرہ ہے۔ آپ جب کسی کو ندا دیتے ہیں تو آپ کو وہ شخص دکھائی دے رہا ہے، نام کا بے شک پتہ نہیں لیکن رجل تو متعین ہے، تو آپ کیسے کہیں گے؟ یَا رَجُلُ۔ توجہ ہے؟ یَا رَجُلُ۔ اور نابینا جب ندا دے رہا ہے تو وہ رجل متعین نہیں ہے، جب متعین نہیں ہے تو وہ ندا کے بعد بھی نکرہ کا نکرہ ہی ہے۔ توجہ ہے؟ انہوں نے کیا کہا تھا؟ منادیٰ مفرد معرفہ ہو، مفرد معرفہ ہو۔ اب نابینا آواز دے رہا ہے یَا رَجُلاً، اب رجل مفرد تو ہے، نہ یہ مضاف ہے اور نہ مشابہ مضاف، لیکن معرفہ نہیں ہے کیونکہ متعین نہیں ہے۔ معرفہ کسے کہتے ہیں؟ جو کسی متعین ذات پہ دلالت کرے، اور اندھا جس کو آواز دے رہا ہے وہ تو متعین نہیں ہے، وہ تو چاہتا ہے کوئی بھی گزرنے والا اس کا ہاتھ تھام کر اس کی مدد کر دے۔ تو آپ کا یَا رَجُلُ کہنا وہ رجلِ معین کے لیے ہے اور اندھے کا یَا رَجُلاً کہنا رجلِ غیرِ معین کے لیے ہے۔ تو اب یہ نہ کہیں کہ بینا شخص جب بھی کہے گا وہ یَا رَجُلُ کہے گا اور نابینا جب بھی کہے گا یَا رَجُلاً کہے گا، نہیں بھئی ایسا نہیں ہے۔ یہ صرف آپ نے اس پہ دیکھنا ہے کہ وہ رجل متعین ہے یا متعین نہیں۔ وہ رجل متعین ہے یا متعین نہیں۔ تو اگر متعین نہیں تو پھر اس کے لیے نکرہ لائیں گے۔ مثلاً طلبہ بیٹھے ہیں آپ ان میں سے ساتھیوں میں سے کسی کو آواز دیتے ہیں کہ یہ کتاب لے لو، آپ کسی متعین کو آواز نہیں دیتے، آپ چاہتے ہیں کوئی بھی آکر یہ کتاب میرے سے لے جائے، تو آپ کہیں گے یَا طَالِباً۔ کیا کہیں گے؟ حالانکہ آپ کو دکھائی دے رہے ہیں یا نہیں وہ طلبہ بیٹھے ہیں، مثلاً دس طلبہ بیٹھے ہیں آپ آواز دیتے ہیں: یَا طَالِباً خُذِ الْکِتَابَ یہ کتاب لے لو۔ اب کسی متعین طالب علم کو کہا یا کوئی بھی آکر لے لے؟ کوئی بھی۔ تو دیکھا یَا طَالِباً آپ نکرہ کہیں گے بھئی۔ اور اندھا مثلاً اندھا ہے ایک جگہ پر مسجد میں ہے اور اس مسجد میں اس وقت اندھے کو پتہ ہے ایک ہی آدمی ہے میرے پاس موجود ہے، تو اندھا اب اس کو کیسے آواز دے گا؟ مثلاً اندھے کا ایک ساتھی ہے اس

کا، اس کا دوست ہے اس کے ساتھ ہے بھئی، اب وہ اندھا اس کو آواز دینے لگا لیکن فوری طور پر ذہن میں نام نہیں آیا تو اندھا اس کو کیسے آواز دے گا؟ يَا رَجُلُ خُذْ بِيَدِي۔ اب اس میں يَا رَجُلُ سے کون مراد ہے؟ وہ متعین اس کا دوست مراد ہے یا کوئی اور مراد ہے بھئی؟ متعین مراد ہے۔ تو معرفہ ہو، معرفہ جب وہ متعین ہے تو معرفہ ہے، جب معرفہ ہے تو مفرد بھی ہے اور معرفہ بھی ہے تو مبنی علی الضم۔ اور اگر وہ مفرد تو ہے لیکن معرفہ نہیں ہے یا سرے سے مفرد ہی نہیں ہے، تو ان تمام صورتوں میں منادیٰ منصوب ہوگا۔ تو یہ معنی ہے يَا رَجُلاً لِغَيْرِ مُعَيَّنٍ، يَا رَجُلاً اس حال میں کہ یہ کہا جائے کسی غیرِ معین آدمی کو۔

حاصلِ کلام کیا؟ کہ منادیٰ جو ہے وہ کبھی مبنی ہوتا ہے، کبھی اس پر جر آتا ہے، کبھی اس پر فتحہ آتا ہے اور کبھی وہ منصوب ہوتا ہے۔ توجہ ہے؟ منادیٰ کبھی مبنی ہوگا جب وہ مفرد معرفہ ہو، اور منادیٰ کبھی مجرور ہوگا جب اس پر لامِ استغاثہ آئے، اور منادیٰ کبھی مفتوح ہوگا مبنی علی الفتح ہوگا اگر اس کے آخر میں الفِ استغاثہ اس کے آخر میں آئے، اور اس کے علاوہ باقی صورتوں میں منادیٰ منصوب ہوگا۔ اس میں کون سی صورتیں آگئیں؟ کہ منادیٰ مفرد نہ ہو، جیسے يَا عَبْدَ اللهِ، يَا طَالِعاً جَبَلاً، یہ مفرد نہیں ہے کیونکہ مضاف یا مشابہ مضاف ہے۔ اور یا مفرد تو ہے لیکن معرفہ نہیں ہے، جیسے يَا رَجُلاً جب اندھا کہے کسی غیرِ معین آدمی کو۔ اور تیسری مثلاً نہ مفرد ہو، مفرد بھی نہ ہو اور معرفہ بھی نہ ہو، مثلاً يَا طَالِعاً جَبَلاً اے پہاڑ پر چڑھنے والے، پہاڑ پر چڑھنے والے، یہاں غیرِ معین کا ارادہ کر لیا جائے تو معرفہ بھی نہیں اور نیز یہ تو مفرد بھی نہیں ہے، مشابہ مضاف ہے بھئی۔ تو منادیٰ میں کتنی صورتیں ہو گئیں؟ چار۔ کبھی منادیٰ مبنی ہوگا علامتِ رفع پر کب؟ جب وہ مفرد ہو اور معرفہ۔ کبھی منادیٰ مجرور ہوگا جب اس پر لامِ استغاثہ آئے۔ اور کبھی منادیٰ مبنی علی الفتح ہوگا جب اس پر الفِ استغاثہ اس کے آخر میں آئے۔ اور اس کے علاوہ باقی صورتوں میں منادیٰ منصوب ہوگا۔ چار صورتیں ہو گئیں، بات سمجھ میں آگئی؟

اب آئیے سارے کو شرح کے ساتھ حل کریں بھئی۔ دیکھیے بھئی کہتے ہیں: وَيُبْنَى أَيِ الْمُنَادَى۔ متن میں آیا بھئی وَيُبْنَى، آگے أَيِ الْمُنَادَى کہہ کر صاحبِ جامی کیا بتلانا چاہتے ہیں؟ ہاں، یہ ضمیر کا مرجع بتلانا چاہتے ہیں کہ يُبْنَى کے اندر هُوَ ضمیر کس کو راجع ہے؟ منادیٰ کو، کہ منادیٰ جو ہے وہ مبنی ہوگا۔ کہتے ہیں: وَيُبْنَى أَيِ الْمُنَادَى اور مبنی ہوگا یعنی کہ منادیٰ۔ قَدَّمَ بَيَانَ الْبِنَاءِ وَالْخَفْضِ وَالْفَتْحِ عَلَى النَّصْبِ۔ بھئی یہاں سے صاحبِ جامی ذکر کر رہے ہیں کہ منادیٰ کے اندر چار صورتیں بن گئیں، کتنی صورتیں؟ چار صورتیں بن گئیں۔ کبھی منادیٰ جو ہے مبنی ہوتا ہے جب مفرد معرفہ ہو، کبھی اس پر لامِ استغاثہ داخل ہو تو مجرور ہوتا ہے، کبھی اس کے آخر میں الفِ استغاثہ آئے تو وہ مفتوح ہوتا ہے اور ان کے علاوہ باقی

صورتوں میں وہ منصوب ہوتا ہے۔ تو نصب والی صورت ہے اس کو سب سے آخر میں ذکر کیا۔ اور بنا، جر اور فتح والی صورتوں کو پہلے ذکر کیا۔ ان کو مقدم کیوں کیا، نصب والی صورتوں کو مؤخر کیوں کیا؟ تو آپ کو صاحبِ جامی بتلائیں گے کہ بنا، خفض اور فتح والی ایک ایک صورت تھی اور نصب کے اندر تین صورتیں تھیں بھئی۔ تو ان کے اندر یہ چونکہ قلیل تھے تو لہٰذا ان کو پہلے ذکر کر دیا۔ منادیٰ مبنی ہوگا علامتِ رفع پر کب؟ جب وہ مفرد معرفہ ہو، بس ایک ہی صورت ہے۔ منادیٰ مجرور ہوگا کب؟ جب اس پر لامِ استغاثہ داخل ہو، ایک ہی صورت ہے۔ اور منادیٰ مبنی علی الفتح ہوگا کب؟ جب اس کے آخر میں الفِ استغاثہ آئے، دیکھو ایک ہی صورت ہے۔ اور نصب والی تو تین صورتیں بن گئیں، یعنی منادیٰ مفرد نہ ہو، مفرد نہ ہو، مضاف یا مشابہ مضاف ہو۔ یا مضاف یا مشابہ مضاف تو نہیں، مفرد تو ہے لیکن معرفہ نہیں ہے، جیسے اندھا کہتا ہے: يَا رَجُلاً خُذْ بِيَدِي۔ یا تیسری صورت یہ ہے کہ مفرد بھی نہ ہو یعنی مضاف یا مشابہ مضاف بھی ہو اور معرفہ بھی نہ ہو بلکہ نکرہ ہو۔ توجہ ہے؟ نصب کی کتنی صورتیں؟ تین صورتیں۔ کون سی پہلی صورت؟ دیکھو اس کا تقابل کرو منادیٰ مفرد معرفہ سے، کس سے؟ منادیٰ مفرد معرفہ سے۔ منادیٰ مفرد معرفہ میں دو قیدیں ہیں: ایک کیا؟ مفرد ہونا چاہیے، دوسرا کیا؟ معرفہ ہونا چاہیے۔ تو نصب کے اندر ایک صورت کیا؟ کہ پہلی قید نہ ہو، مفرد نہ ہو، چاہے مضاف ہو چاہے مشابہ مضاف ہو۔ دوسری صورت کیا؟ مفرد تو ہے لیکن معرفہ نہیں ہے، جیسے يَا رَجُلاً خُذْ بِيَدِي اندھا کہتا ہے۔ تیسری صورت یہ ہے کہ نہ مفرد ہو اور نہ معرفہ ہو۔ نہ مفرد ہو اور نہ معرفہ ہو، تین صورتیں بن جاتی ہیں۔ تو نصب والی صورتیں زیادہ تھیں اور بنا والی اور جر والی اور فتح والی صورت ایک ایک تھی اس لیے ان کو پہلے ذکر کیا۔ بات سمجھ میں آگئی؟ دیکھیے بھئی۔

کہتے ہیں: وَيُبْنَى أَيِ الْمُنَادَى اور منادیٰ مبنی ہوتا ہے۔ قَدَّمَ بَيَانَ الْبِنَاءِ وَالْخَفْضِ وَالْفَتْحِ عَلَى النَّصْبِ مصنف نے مقدم کر دیا بنا، خفض یعنی جر اور فتح والی صورتوں کو عَلَى النَّصْبِ کس پر مقدم کیا؟ نصب پر مقدم کیا۔ لِقِلَّتِهَا بوجہ ان کے قلیل ہونے کے بِالنِّسْبَةِ إِلَى النَّصْبِ نصب کی طرف نسبت کرتے ہوئے۔ یہ جو بنا، خفض اور فتح والی صورتیں ہیں یہ قلیل ہیں بِالنِّسْبَةِ إِلَى النَّصْبِ کس کی طرف نسبت کرتے ہوئے؟ نصب کی طرف، کیونکہ نصب کے اندر تین صورتیں ہیں جبکہ بنا کی بھی ایک صورت، خفض کی بھی ایک صورت اور فتح کی بھی ایک صورت۔ نیز وَلِطَلَبِ الْاِخْتِصَارِ فِي بَيَانِ النَّصْبِ اور نیز نصب کے بیان میں اختصار کو طلب کرنے کی وجہ سے۔ بھئی نصب کے اندر تین صورتیں بنتی ہیں، تین صورتیں۔ تو اگر ہر ایک کو بیان کرتے کہ نصب آئے گا اگر منادیٰ مضاف یا مشابہ مضاف ہو، نصب آئے گا اگر منادیٰ نکرہ ہو، نصب آئے گا اگر منادیٰ نکرہ بھی ہو اور مضاف یا مشابہ مضاف بھی ہو، تو تین صورتوں کو الگ الگ بیان کرنا پڑتا بھئی، تین صورتوں کو۔ لہٰذا ان کے بیان کو مختصر کرنے کے لیے صاحبِ کافیہ نے بنا، خفض اور فتح والی صورت کو پہلے ذکر کیا، کہ بنا اس صورت میں آئے گا، خفض اس صورت میں آئے گا، اور فتحہ اس صورت میں آئے گا، اور آخر میں مختصراً کہہ دیا: اس کے علاوہ باقی صورتوں میں نصب ہوگا۔ اس کے علاوہ باقی صورتوں میں نصب ہوگا۔ بھئی وہ کون کون سی صورتیں ہیں؟ نہیں بھئی، تفصیل بیان کرنے کی ضرورت ہی نہیں، آپ خود ہی پر قیاس کر لیجیے۔ تو دیکھو نصب کے بیان میں اختصار آگیا یا نہیں؟ ورنہ

ایک ایک کا الگ الگ بیان کرنا پڑتا۔

تو کہتے ہیں: بنا، خفض اور فتح کے بیان کو مقدم کیا لِقِلَّتِهَا بِالنِّسْبَةِ إِلَى النَّصْبِ اس وجہ سے کہ یہ قلیل ہیں نصب کی نسبت سے، وَلِطَلَبِ الْاِخْتِصَارِ فِي بَيَانِ النَّصْبِ اور نیز نصب کے بیان میں اختصار کو طلب کرنے کی وجہ سے بِقَوْلِهِ اپنے اس قول کے ذریعے وَيُنْصَبُ مَا سِوَاهُمَا اور ان دونوں کے علاوہ باقی صورتوں میں منادیٰ منصوب ہوگا بھئی۔

عَلَى مَا يُرْفَعُ بِهِ اس علامت پر جس پر منادیٰ کو رفع دیا جاتا ہے، أَيْ عَلَى الضَّمَّةِ أَوِ الْأَلِفِ أَوِ الْوَاوِ۔ بھئی رفع کی کتنی صورتیں ہیں بھئی؟ مرفوعات کے شروع میں بیان ہوا تھا۔ رفع کبھی ضمہ کے ساتھ آتا ہے: جَاءَنِي زَيْدٌ، کبھی رفع الف کے ساتھ آتا ہے تثنیہ میں: رَجُلَانِ، اور کبھی رفع واو کے ساتھ آتا ہے: مُسْلِمُونَ کے اندر اور اسی طرح اسماءِ ستہ مکبرہ موحدہ مضافہ الی غیرِیاءِ متکلم کے اندر۔ تو کہتے ہیں: أَيْ عَلَى الضَّمَّةِ أَوِ الْأَلِفِ أَوِ الْوَاوِ الَّتِي یعنی وہ ضمہ اور وہ الف اور وہ واو الَّتِي يُرْفَعُ بِهَا الْمُنَادَى جس کے ذریعے منادیٰ کو رفع دیا جاتا ہے فِي غَيْرِ صُورَةِ النِّدَاءِ ندا کی صورتوں کے علاوہ میں۔

بھئی یہ دراصل ایک اعتراض کا جواب دے رہے ہیں صاحبِ جامی۔ اعتراض یہ ہوتا ہے، توجہ سے سنو بھئی! پیچھے آیا وَيُبْنَى اور بنی ہوتا ہے، کون بنی ہوتا ہے؟ منادیٰ، تو يُبْنَى کے اندر هُوَ ضمیر کس کو راجع؟ منادیٰ کو۔ اور آگے آیا عَلَى مَا يُرْفَعُ بِهِ، يُرْفَعُ کے اندر بھی هُوَ ضمیر راجع ہے منادیٰ کو۔ منادیٰ بنی ہوتا ہے عَلَى مَا اس علامت پر يُرْفَعُ بِهِ جس پر منادیٰ کو رفع دیا جاتا ہے۔ منادیٰ بنی ہوتا ہے اس علامت پر جس علامت پر منادیٰ کو رفع دیا جاتا ہے، تو يُبْنَى کے اندر هُوَ ضمیر نائب الفاعل وہ کس کو راجع؟ وہ بھی منادیٰ کو، اور يُرْفَعُ کے اندر هُوَ ضمیر نائب الفاعل وہ بھی کس کو راجع؟ منادیٰ کو راجع ہے۔ تو کہتے ہیں یہ تو اجتماعِ متضادین ہوگیا، یہ تو اجتماعِ متضادین ہوگیا، اس لیے کیونکہ پہلے کیا کہا؟ منادیٰ بنی ہوتا ہے، اور آگے کہا کہ يُرْفَعُ بِهِ جس پر منادیٰ کو رفع دیا جاتا ہے، اور میں نے آپ کو بتایا رفع، نصب، جر یہ کس کے لیے استعمال ہوتے ہیں؟ یہ نام کس کے لیے استعمال ہوتے ہیں؟ معرب کے لیے، توجہ ہے؟ پیچھے کہہ رہے ہیں منادیٰ بنی ہوتا ہے، آگے کہہ رہے ہیں جس پر منادیٰ کو رفع دیا جاتا ہے، اور رفع تو کس پر آتا ہے؟ معرب پر آتا ہے، اس سے پتہ چلا منادیٰ معرب ہوتا ہے۔ يُبْنَى سے پتہ چلا منادیٰ بنی اور يُرْفَعُ سے پتہ چلا منادیٰ معرب ہوتا ہے، یہ تو اجتماعِ متضادین ہے بھئی۔ ایک لفظ یا تو بنی ہو سکتا ہے یا معرب ہو سکتا ہے، دونوں اکٹھے نہیں ہو سکتے بھئی۔ اشکال اور اعتراض سمجھ میں آیا؟

تو صاحبِ جامی جواب دیں گے کہ بھئی یہاں پر جو آیا نا جس علامت پر منادیٰ کو رفع دیا جاتا ہے، اس سے ندا کے علاوہ صورت مراد ہے۔ بھئی دیکھو زَيْدٌ لفظ ہے، زَيْدٌ کا لفظ عبارتوں میں استعمال ہوتا ہے، کبھی اس پر رفع آتا ہے، کبھی نصب اور کبھی جر۔ اور یہی زید کا لفظ جب منادیٰ بن جائے گا تو بنی ہوگا علی الضم: يَا زَيْدُ۔ توجہ ہے؟ کہنا یہ چاہتے ہیں کہ يُرْفَعُ کے اندر ضمیر منادیٰ ہی کو راجع ہے لیکن ندا کے علاوہ منادیٰ کے مرفوع ہونے کی صورت مراد ہے۔ ندا کی صورت میں تو

زید کا لفظ مبنی ہے یَا زَیْدُ، ندا کی صورت میں تو یہ زید کا لفظ مبنی، لیکن ندا کے علاوہ باقی صورتوں میں زید پر جس طریقے سے رفع آتا ہے اسی علامت پر یہ مبنی ہو جائے گا۔ تو ندا کی صورت کے علاوہ رفع مراد ہے۔ توجہ ہے؟ اعتراض کیا تھا؟ کہ یُبْنَی کے اندر ھُوَ ضمیر بھی منادیٰ کو راجع، یُرْفَعُ کے اندر ھُوَ ضمیر بھی منادیٰ کو راجع ہے، تو ایک ہی وقت میں ایک لفظ مبنی بھی ہوگا اور مرفوع بھی ہوگا یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ تو بتلایا کہ بھئی یہ جو رفع کا ذکر آیا یہاں ندا کے علاوہ کی صورت مراد ہے۔ منادیٰ مبنی ہوگا کس پر؟ اس علامت، توجہ سے سنو ادھر دیکھو، منادیٰ مبنی ہوگا اس علامت پر جس پر اس منادیٰ کو رفع دیا جاتا ہے ندا کی صورتوں کے علاوہ میں۔ ندا کی صورتوں کے علاوہ میں جیسے اس کو رفع دیا جاتا تھا اسی علامت پر اس کو مبنی بنا دو۔ اور یَا زَیْدُ، یہ زید کا لفظ ندا کے علاوہ صورتوں میں رفع اس پر کیسے آتا ہے؟ ضمہ کے ساتھ جَاءَنِي زَیْدٌ، تو اسی پر اس کو مبنی بنا دیں گے۔ جواب سمجھ میں آگیا؟ کہ منادیٰ مبنی ہوتا ہے اس علامت پر جس پر اس کو رفع دیا جاتا ہے ندا کی صورتوں کے علاوہ میں بھئی۔ تو کہتے ہیں: أَيْ عَلَى الضَّمَّةِ أَوِ الْأَلِفِ أَوِ الْوَاوِ الَّتِي يُرْفَعُ بِهَا الْمُنَادَى فِي غَيْرِ صُورَةِ النِّدَاءِ یعنی منادیٰ مبنی ہوگا اس ضمہ یا الف یا واو پر جس کے ساتھ اس کو رفع دیا جاتا ہے ندا کی صورت کے علاوہ میں۔ ندا کی صورت کے علاوہ میں جس علامت کے ساتھ اس کو رفع دیا جاتا ہے اسی پر وہ مبنی ہو جائے گا۔ جواب سمجھ میں آگیا؟

أَوِ الْفِعْلُ مُسْنَدٌ إِلَى الْجَارِّ وَالْمَجْرُورِ أَعْنِي بِهِ وَلَا ضَمِيرَ فِيهِ۔ یہ دوسرا جواب دے رہے ہیں اسی اعتراض کا۔ اعتراض کیا ہوا تھا؟ کہ یُبْنَی کے اندر ھُوَ ضمیر بھی منادیٰ کو راجع اور یُرْفَعُ کے اندر ھُوَ ضمیر بھی منادیٰ کو راجع ہے، تو ایک ہی لفظ مبنی بھی ہو اور مرفوع بھی ہو یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ تو اب جواب دے رہے ہیں کہ بھئی یُرْفَعُ کے اندر ھُوَ ضمیر نائب الفاعل کس کو راجع کر رہے تھے آپ؟ منادیٰ کو، یوں کریں یُرْفَعُ کے اندر ضمیر نکالیں ہی نہ۔ یُرْفَعُ کے اندر ضمیر ہے ہی نہیں، یہ خالی ہے ضمیر سے۔ بھئی پھر؟ یہ فعلِ مجہول ہے، فعلِ مجہول کے لیے نائب فاعل تو ضرور چاہیے، تو کہتے ہیں یہ جو آگے بِهِ جار مجرور آرہا ہے اس کو اس کا نائب فاعل بنا دیں، اس کو اس کا نائب فاعل بنا دیں۔ اور میں نے آپ کو بتلایا تھا جار مجرور کیسے نائب الفاعل بنتے ہیں؟ یہ ویسے وسعت سے کام لیتے ہوئے کہہ دیا جاتا ہے یہ جار مجرور اس کے نائب فاعل ہیں، جار مجرور نائب فاعل نہیں ہیں بلکہ یہ جو مجرور ہوتا ہے یہ نائب فاعل ہوتا ہے۔ تو بِهِ کے اندر یہ جو ھَا ضمیر آرہی ہے دراصل یہ نائب فاعل ہے یُرْفَعُ کے لیے۔ توجہ ہے؟ تو یہ بِهِ جار مجرور متعلق ہے اسی یُرْفَعُ سے اور یہ نائب الفاعل ہے یعنی اس کے اندر جو ھَا ضمیر ہے وہ نائب الفاعل ہے۔ اب اشکال ختم۔ اشکال کیا تھا؟ یُبْنَی کے اندر ھُوَ ضمیر بھی منادیٰ کو راجع، یُرْفَعُ کے اندر ھُوَ ضمیر بھی منادیٰ کو راجع، اب ہم نے بتا دیا یُرْفَعُ میں کوئی ضمیر ہے ہی نہیں جو منادیٰ کو لوٹے، اشکال ہی ختم ہوا۔

ترجمہ کیا ہوگا؟ پہلے کیا ترجمہ تھا؟ سنو، ترجمہ سنو پہلے کیا ترجمہ تھا: وَيُبْنَى اور منادیٰ مبنی ہوگا عَلَى مَا اس علامت پر يُرْفَعُ کہ رفع دیا جاتا ہے منادیٰ کو بِهِ اس علامت کے ساتھ۔ دیکھو يُرْفَعُ میں ضمیر تھی پہلے، کس کو راجع تھی؟ منادیٰ کو۔ منادیٰ مبنی ہوتا ہے عَلَى مَا يُرْفَعُ بِهِ، منادیٰ مبنی ہوتا ہے اس علامت پر يُرْفَعُ بِهِ جس کے ساتھ منادیٰ کو رفع دیا جاتا ہے۔ دوسرا

اب دوسرا جواب جو صاحبِ جامی نے ابھی دیا کیا؟ کہ یُرْفَعُ کے اندر ھُوَ ضمیر نکالیں ہی نہ۔ اب جب ھُوَ ضمیر نہیں نکالی تو بِهِ جو ہے یہ اس کے لیے نائب فاعل بن گیا۔ جب نائب فاعل بن گیا اب مَا يُرْفَعُ بِهِ کا ترجمہ کیسے کریں گے؟ أَيْ يَقَعُ الرَّفْعُ بِهِ۔ توجہ سے سنو بھئی! عَلَى مَا، میں نے آپ کو پہلے بتلایا تھا بعض اوقات ایک فعل کے فاعل یا نائب فاعل کا پتہ نہیں چلتا، تو اس کے اندر ضمیر اسی کے مصدر کو لوٹا دیتے ہیں۔ جیسے یہاں پر، مثلاً يُرْفَعُ کے فاعل کا پتہ نہیں، فرض کر لو ویسے فاعل کا پتہ نہیں چل رہا، تو پھر اسی کے اندر ضمیر کس کو لوٹا دیں گے؟ اسی کے مصدر کو، اور اس کا مصدر کیا ہے؟ رَفْعٌ۔ تو عبارت کیا بن جائے گی؟ يُرْفَعُ الرَّفْعُ۔ یہ دوسری مثال لے لیں جیسے سلم کی عبارت میں نے ذکر کی تھی: وَإِلَّا لَدَارَ أَوْ تَسَلْسَلَ، یا دور لازم آئے گا یا تسلسل لازم آئے گا۔ دَارَ یہ بھی فعلِ ماضی ہے، تَسَلْسَلَ یہ بھی فعلِ ماضی ہے اور فعل کے لیے کیا چاہیے؟ فاعل چاہیے، یہ فعلِ معروف ہے فعلِ معروف کے لیے فاعل چاہیے۔ فاعل کا کبھی پتہ نہیں چلتا تو پھر اسی کے اندر ضمیر فاعل کی اسی کے مصدر کو لوٹا دیتے ہیں۔ تو دَارَ کے اندر ھُوَ ضمیر اسی کے مصدر دَوْرٌ کو راجع، تو عبارت کیا بن گئی؟ لَدَارَ الدَّوْرُ۔ ھُوَ ضمیر کس کو راجع؟ دَوْرٌ کو راجع ہے نا، تو دَوْرٌ کو خود ہی یہاں پر لے آؤ لَدَارَ الدَّوْرُ۔ اور اسی طرح لَدَارَ أَوْ تَسَلْسَلَ، تَسَلْسَلَ کے اندر ضمیر اسی کے مصدر تَسَلْسُلٌ کو راجع کر دیں، پھر اسی مصدر کو لے آئیں ذرا تَسَلْسَلَ التَّسَلْسُلُ۔ توجہ ہے؟ پھر ترجمہ کیسے کریں گے؟ میں نے طریقہ بتلایا تھا حَصَلَ یا يَقَعُ کے ساتھ ترجمہ کریں گے۔ لَدَارَ الدَّوْرُ أَيْ يَقَعُ الدَّوْرُ یا حَصَلَ الدَّوْرُ، دور حاصل ہوگا۔ تَسَلْسَلَ التَّسَلْسُلُ أَيْ يَقَعُ التَّسَلْسُلُ تسلسل واقع ہوگا یا حَصَلَ التَّسَلْسُلُ تسلسل حاصل ہوگا۔ تو یہاں پر بھی جب ہم نے مَا يُرْفَعُ بِهِ، يُرْفَعُ کے اندر ہم نے ضمیر نہیں نکالی اور بِهِ کو اس کا نائب الفاعل بنا دیا، تو پھر ترجمہ کیسے کریں گے؟ يُرْفَعُ کا ترجمہ پھر کر لیں گے اسی طریقے پر: يَقَعُ الرَّفْعُ یا حَصَلَ الرَّفْعُ، جس کے ساتھ رفع حاصل ہوتا ہے، جس کے ساتھ رفع واقع ہوتا ہے۔ اب ترجمہ سنو: وَيُبْنَى عَلَى مَا وَقَعَ الرَّفْعُ بِهِ اور منادیٰ مبنی ہوگا عَلَى مَا اس علامت پر وَقَعَ الرَّفْعُ بِهِ جس کے ساتھ رفع واقع ہوتا ہے۔ توجہ ہے؟ یہ اتنی لمبی میں تقریر کر رہا ہوں بتلانا یہ چاہتا ہوں، وہ علامت جس کے ساتھ رفع واقع ہوتا ہے۔ دیکھو منادیٰ کی کوئی ضمیر نہیں میں نے لوٹائی، منادیٰ کا ذکر

ہی نہیں کیا میں نے اس میں، عَلَى مَا يُرْفَعُ بِهِ اس میں منادیٰ کو میں نے ذکر ہی نہیں کیا۔ پہلے ذکر تھا منادیٰ کا، پہلے کیا ترجمہ تھا؟ عَلَى مَا يُرْفَعُ بِهِ جس علامت پر منادیٰ کو رفع دیا جاتا ہے۔ اب منادیٰ کا لفظ ہی بیچ میں سے نکال دو: عَلَى مَا يُرْفَعُ بِهِ جس علامت پر رفع واقع ہوتا ہے۔ دیکھو اب منادیٰ کا لفظ ہی نہیں۔ طریقہ سمجھ میں آیا؟

تو کہتے ہیں: أَوِ الْفِعْلُ مُسْنَدٌ إِلَى الْجَارِّ وَالْمَجْرُورِ أَعْنِي بِهِ وَلَا ضَمِيرَ فِيهِ یا یہ فعل جو ہے یعنی يُرْفَعُ فعل مسند ہے إِلَى الْجَارِّ وَالْمَجْرُورِ کس کی طرف؟ جار اور مجرور کی طرف مسند ہے، وہ یعنی اس کے لیے مسند الیہ ہے، نائب الفاعل ہے۔ تو کہتے ہیں: أَوِ الْفِعْلُ مُسْنَدٌ إِلَى الْجَارِّ وَالْمَجْرُورِ یا یہ فعل مسند ہے جار اور مجرور کی طرف، أَعْنِي بِهِ میری مراد بِهِ ہے یعنی یہ جو بِهِ جار مجرور ہے اس کی طرف فعل مسند ہے، وَلَا ضَمِيرَ فِيهِ اور اس فعل کے اندر کوئی ضمیر نہیں ہے بھئی۔

وَإِرْجَاعُ الضَّمِيرِ إِلَى الْاِسْمِ غَيْرُ مُلَائِمٍ لِسَوْقِ الْكَلَامِ۔ بعض علماء نے اس کا اور جواب دیا تھا، صاحبِ جامی اس کو رد کر رہے ہیں۔ بعض علماء نے جواب دیا تھا کہ عَلَى مَا يُرْفَعُ بِهِ اس کے اندر جو هُوَ ضمیر ہے وہ منادیٰ کو نہ لوٹائیں ورنہ تو پھر اشکال ہوتا ہے، بلکہ اس کے اندر جو ضمیر ہے وہ مطلق اسم کو لوٹا دیں۔ کس کو؟ مطلق اسم۔ دیکھو ادھر دیکھو، یہ لفظِ زَيْدٌ ہے، یہ لفظِ زَيْدٌ۔ یہ عبارتوں میں جگہ جگہ واقع ہوتا ہے اور کبھی کبھار یہ منادیٰ بھی بنتا ہے۔ تو مثلاً یہ معلوم ہوا اس زید میں ایک صورت ہے منادیٰ والی اور ایک صورت ہے جس میں یہ منادیٰ نہیں ہے جو بھی صورت ہے، یعنی مطلق زید۔ مطلق زید یعنی اس کا رفع کس کے ساتھ آتا ہے؟ یعنی جس جو منادیٰ نہیں ہے۔ منادیٰ ہوگا پھر تو وہ مبنی علی الضم ہو جائے گا۔ منادیٰ کے علاوہ رفع اس کا کس کے ساتھ آتا ہے؟ ضمہ کے ساتھ، توجہ ہے؟ جَاءَنِي زَيْدٌ دیکھو رفع کس کے ساتھ آیا؟ ضمہ کے ساتھ آیا۔ تو يُرْفَعُ کے اندر ضمیر لوٹاؤ لیکن مطلق اسم کی طرف لوٹاؤ بھئی کہ وہ منادیٰ کے ساتھ مقید نہ ہو۔ تو منادیٰ مبنی ہوگا عَلَى مَا يُرْفَعُ بِهِ اس علامت پر جس پر اس اسم کو رفع دیا جاتا ہے۔ يُرْفَعُ میں ضمیر کس کو لوٹاؤ؟ یہ نہ کہیں کہ جس علامت پر اس منادیٰ کو رفع دیا جاتا ہے، بلکہ یوں کہو: جس علامت پر اس اسم کو رفع دیا جاتا ہے۔ وَيُبْنَى عَلَى مَا يُرْفَعُ بِهِ اور منادیٰ مبنی ہوگا اس علامت پر جس پر اس اسم کو رفع دیا جاتا ہے، اب اشکال ختم ہوگیا کیونکہ اب منادیٰ کی طرف ہم نے ضمیر نہیں لوٹائی۔ منادیٰ کی طرف لوٹاتے پھر اعتراض ہوتا کہ آپ ایک طرف کہہ رہے ہیں منادیٰ مبنی ہوتا ہے دوسری طرف کہہ رہے ہیں اس پر رفع آتا ہے، تو ضمیر کس کو لوٹا دی؟ مطلق اسم کو لوٹا دی جو منادیٰ نہیں ہے بھئی۔ ترجمہ سمجھ میں آیا کہ نہیں؟ وَيُبْنَى اور منادیٰ جو ہے مبنی ہوتا ہے عَلَى مَا يُرْفَعُ بِهِ اس علامت پر جس علامت کے ساتھ اس اسم کو رفع دیا جاتا ہے جو منادیٰ بن رہا ہے بھئی۔

تو حاصلِ کلام یہ کہ بعض علماء نے کیا کہا کہ يُرْفَعُ کے اندر ضمیر کس کو لوٹائیں؟ منادیٰ کو نہ لوٹائیں بلکہ مطلق اسم کو لوٹائیں۔ صاحبِ جامی اس کو رد کر رہے ہیں، کہتے ہیں نہیں بھئی ضمیر کو مطلق اسم کی طرف لوٹانا یہ سَوْقِ کلام کے مناسب نہیں ہے۔ سَوْقِ کلام کہتے ہیں کلام کا چلاؤ بھئی، کلام کا انداز، کلام کا طرز اور اسلوب بھئی، اس کو کیا کہتے ہیں؟ سَوْقِ کلام۔ کہتے ہیں سَوْقِ کلام کے مناسب نہیں ہے کہ آپ يُرْفَعُ کی ضمیر مطلق اسم کو لوٹا دیں، وجہ یہ کہ بات چل رہی ہے منادیٰ کی بھئی۔ جب منادیٰ کی بات چل رہی ہے تو آپ مطلق اسم کو کیسے ضمیر راجع کرتے ہو؟ یا تو منادیٰ ہی کو ضمیر راجع کریں یا منادیٰ کو ضمیر راجع نہ کریں بھئی۔ مطلق اسم کی طرف ضمیر کو راجع کرنا اس کلام کے مناسب نہیں۔ کیوں نہیں مناسب؟ کیونکہ بات کس کی چل رہی ہے؟ منادیٰ کی بات چل رہی ہے، مطلق اسم کی تو یہاں کوئی بات نہیں چل رہی بھئی۔ تو کہتے ہیں: وَإِرْجَاعُ الضَّمِيرِ إِلَى الْاِسْمِ غَيْرُ مُلَائِمٍ لِسَوْقِ الْكَلَامِ اور ضمیر کو لوٹانا اسم کی طرف یعنی اسمِ مطلق کی طرف غَيْرُ مُلَائِمٍ یہ مناسب نہیں ہے لِسَوْقِ الْكَلَامِ کلام کے چلاؤ کے۔

إِنْ كَانَ أَيِ الْمُنَادَى مُفْرَداً اگر وہ منادیٰ جو ہے مفرد ہو، أَيْ لَا يَكُونُ مُضَافاً وَلَا شِبْهَ مُضَافٍ یعنی نہ تو وہ مضاف ہو اور نہ شبہِ مضاف ہو۔ بھئی شبہِ مضاف کسے کہتے ہیں؟ وہ خود بتلا رہے ہیں: وَهُوَ كُلُّ اسْمٍ لَا يَتِمُّ مَعْنَاهُ إِلَّا بِانْضِمَامِ أَمْرٍ آخَرَ إِلَيْهِ وہ ہر ایسا اسم ہے کہ جس کا معنی پورا نہیں ہوتا مگر یہ کہ اس کے ساتھ کوئی دوسری چیز مل جائے۔ شبہِ مضاف کسے کہتے ہیں؟ وہ اسم جس کا معنی پورا نہیں ہوتا جب تک اس کے ساتھ کوئی دوسری چیز نہ ملے۔ يَا طَالِعاً اس کے ساتھ جب تک جَبَلاً کا لفظ نہیں جوڑیں گے اس کا معنی سمجھ میں نہیں آئے گا کہ کیا مراد ہے بھئی، بات سمجھ میں آگئی۔ اسی طرح دوسری مثال میں نے ذکر کی تھی: يَا خَيْراً مِنْ زَيْدٍ۔ اب یہ خَيْراً یہ ایسا اسم ہے اس کا معنی پورا نہیں ہوتا جب تک اس کے ساتھ مِنْ زَيْدٍ کو نہ ملائیں بھئی، کیونکہ یہ خیر اسمِ تفضیل ہے یہ ایک چیز کو دوسری چیز پر فضیلت دینے کے لیے لاتے ہیں، تو جب تک مفضّل علیہ نہیں ہوگا بات سمجھ میں نہیں آئے گی، بات پوری نہیں ہوگی۔ میں نے کہا زید بہتر ہے، بھئی کس سے بہتر ہے؟ مفضّل علیہ بھی تو چاہیے بھئی۔ توجہ ہے؟ تو شبہِ مضاف کسے کہتے ہیں؟ وہ اسم کہ جب تک اس کے ساتھ کوئی دوسری چیز نہ ملے اس کا معنی پورا نہیں ہوتا۔ تو کہتے ہیں: وَهُوَ كُلُّ اسْمٍ لَا يَتِمُّ مَعْنَاهُ إِلَّا بِانْضِمَامِ أَمْرٍ آخَرَ إِلَيْهِ وہ ہر ایسا اسم ہے کہ اس کا معنی پورا نہیں ہوتا مگر یہ کہ اس کے ساتھ کوئی دوسری چیز مل جائے۔ اِنْضِمَام آیا بھئی، اِنْضَمَّ يَنْضَمُّ اِنْضِمَاماً یہ بابِ انفعال ہے، یاد رکھنا بابِ انفعال کا بڑا خاصہ جو ہے کہ وہ فعل کو لازمی بنا دیتا ہے۔ فعل کو کیا بنا دیتا ہے؟ فعل کو لازم، تو اِنْضَمَّ يَنْضَمُّ کا کیا معنی ہوگا؟ ملنا ہے، ملانا نہیں، ملانا تو متعدی ہو جائے گا۔ تو بابِ انفعال سے جو فعل آتے ہیں وہ لازم ہوتے ہیں بھئی۔

مَعْرِفَةً اور وہ منادیٰ کیا ہو؟ مفرد ہو اور معرفہ ہو۔ قَبْلَ النِّدَاءِ أَوْ بَعْدَهُ ندا سے قبل یا ندا کے بعد، یعنی اس کو معرفہ ہونا چاہیے چاہے قبل النداء ہی معرفہ ہو جیسے يَا زَيْدُ، اور چاہے بعد النداء وہ معرفہ ہو جائے جیسے يَا رَجُلُ۔

وَإِنَّمَا بُنِيَ الْمُفْرَدُ الْمَعْرِفَةُ لِوُقُوعِهِ مَوْقِعَ الْكَافِ الْاِسْمِيَّةِ الْمُشَابِهَةِ لَفْظاً وَمَعْنىً لِكَافِ الْخِطَابِ الْحَرْفِيَّةِ، وَكَوْنِهِ مِثْلَهَا إِفْرَاداً وَتَعْرِيفاً۔ جی یہ جگہ سمجھ لیں اچھی طرح بھئی۔ بھئی دیکھیے یہ منادیٰ مفرد معرفہ ہو تو یہ مبنی کیوں ہوتا ہے؟ جیسے يَا زَيْدُ یہ زَيْدُ مبنی کیوں ہے، معرب کیوں نہیں؟ تو اس کی وجہ صاحبِ جامی بتلائیں گے کہ وجہ یہ کہ یہ کاف ضمیر کی جگہ آیا ہے، اور کاف ضمیر کی مشابہت ہے کاف حرفِ خطاب کے ساتھ، تو لہٰذا اس لیے یہ مبنی ہوا۔ یاد رکھو، تفصیل یاد رکھو: مبنی الاصل تین چیزیں ہیں: تمام حروف، فعلِ ماضی اور فعلِ امر۔ کتنی چیزیں ہیں؟ تین چیزیں: تمام حروف، فعلِ ماضی اور فعلِ امر۔ اسم مبنی الاصل نہیں ہے۔ تو اسم کے اندر جو آپ مبنی کی قسمیں پڑھتے ہیں ضمیریں ہیں، اسماءِ اشارہ ہیں، اسماءِ موصولہ وغیرہ، یہ جو اسم مبنی ہوتا ہے یہ اس کی مشابہت آجاتی ہے مبنی الاصل کے ساتھ، یعنی حروف کے ساتھ یا فعلِ ماضی کے ساتھ یا فعلِ امر کے ساتھ، تو اس لیے وہ اسم بھی پھر مبنی بن جاتا ہے۔ تو اسم مبنی الاصل نہیں ہے، اسم مبنی بنتا ہے کس وجہ سے؟ کیونکہ اس کی مشابہت آجاتی ہے کس کے ساتھ؟ مبنی الاصل کے ساتھ مشابہت آجاتی ہے۔ اور ہر مشابہت بھی نہیں مراد، بلکہ کچھ خاص مشابہتیں ہیں ورنہ تو نفسِ مشابہت تو موجود ہے، حروف بھی کیا ہیں؟ لفظ، اور زَيْدٌ یہ بھی کیا ہے؟

لفظ، تو نفسِ مشابہت تو موجود ہے تو زید کو بھی مبنی ہونا چاہیے، لیکن ہر مناسبت نہیں مراد بلکہ کچھ خاص مناسبتیں مراد ہیں۔ تو کوئی اسم ویسے مبنی نہیں ہوتا بلکہ اس کی جب مبنی الاصل کے ساتھ مشابہت آئے گی تو پھر وہ مبنی بنے گا۔

اور آپ جانتے ہیں کہ متکلم اپنے لیے بھی ضمیر استعمال کرتا ہے اور مخاطب کے لیے بھی ضمیر استعمال کرتا ہے۔ مثلاً میرا نام زید ہے، میں اپنے بارے میں بات کرنا چاہتا ہوں تو میں آپ سے یہ نہیں کہوں گا کہ زید آج بازار گیا تھا، زید نے آج کھانا کھایا، زید نے آج یہ کام کیا، تو متکلم اپنا نام نہیں لیتا بلکہ اپنے آپ کو ضمیر کے ساتھ تعبیر کرتا ہے کہ میں نے آج یہ کام کیا، میں آج بازار گیا تھا، تو دیکھو یہ «میں» یہ کیا ہے؟ ضمیر ہے۔ اسی طرح مخاطب کا نام نہیں لیا جاتا، مثلاً مخاطب کا نام اگر زید ہے آپ کا نام زید ہے تو میں آپ سے یوں نہیں کہوں گا کہ زید کا کیا حال ہے، زید آج کل کیا کر رہا ہے، زید نے آج کیا کھانا کھایا، نہیں بلکہ مخاطب کے لیے بھی ضمیر استعمال کی جاتی ہے، کہ آپ کا کیا حال ہے، آپ کا کیا نام ہے، آپ کیا کرتے ہیں، یہ «آپ» کیا ہے؟ ضمیر ہے بھئی، توجہ ہے؟ نام غائب کا لیا جاتا ہے اور وہ بھی ایک مرتبہ، پھر اس کے لیے بھی ضمیر استعمال کی جاتی ہے، مثلاً میں زید کا ذکر کرنے لگا ہوں زید غائب ایک تیسرا شخص ہے آپ کا ساتھی ہے تو میں آپ سے کہتا ہوں کہ زید اچھا آدمی ہے، دیکھو پہلی دفعہ نام ذکر کیا اور پھر اس کے بعد اس کے لیے بھی ضمیریں استعمال کرتے ہیں کہ وہ میرے پاس آیا تھا، وہ محنتی آدمی ہے، دیکھو یہ «وہ» ضمیر ہے۔ تو متکلم اپنے لیے بھی ضمیر استعمال کرتا ہے اور مخاطب کے لیے بھی ضمیر استعمال کی جاتی ہے، نام نہیں لیا جاتا۔ تو یہ جو منادیٰ ہے اس کو تو ندا دی جا رہی ہے، اس سے تو خطاب کیا جا رہا ہے۔ خطاب کہتے ہیں وہ کلام جو دوسرے کی طرف متوجہ ہو کر کیا جائے، اس کو کیا کہتے ہیں؟ خطاب۔ یہ جو میں تقریر کر رہا ہوں آپ کی طرف متوجہ ہو کر، اس کو کہیں گے خطاب۔ خطاب کسے کہتے ہیں؟ وہ کلام جو کسی دوسرے کی طرف متوجہ ہو کر کیا جائے اس کو خطاب کہتے ہیں۔ تو منادیٰ جو ہے اس کو ندا دی جاتی ہے یعنی اس سے خطاب کیا جاتا ہے، اس کی توجہ آپ اپنی طرف کروانا چاہ رہے ہیں، تو منادیٰ وہ ہے جس کو آپ ندا دے رہے ہیں۔ تو معلوم ہوا وہ آپ کا مخاطب ہے، اور مخاطب کے لیے کیا استعمال کی جاتی ہے؟ ضمیر استعمال کی جاتی ہے۔ تو یہ مقام تو ہے خطاب کا، اور مقامِ خطاب میں ضمیر استعمال کی جاتی ہے لیکن ندا کے وقت اسمِ ظاہر کو عموماً لے آتے ہیں بھئی۔ تو معلوم ہوا یَا زَیْدُ، یَا زَیْدُ کس کے درجے میں ہے؟ أَدْعُوكَ کے درجے میں ہے، یعنی منادیٰ یہ ضمیر کے مقام میں واقع ہوا ہے کیونکہ خطاب ہو رہا ہے اور خطاب کے موقع پر نام نہیں لیا جاتا بلکہ ضمیر استعمال کی جاتی ہے۔

پھر مزید یاد رکھنا کہ جیسے یہ کاف ضمیر ہے اسی طرح یہ کاف حرفِ خطاب بھی ہے بھئی۔ جیسے کاف ضمیر ہے اسی طرح کاف حرفِ خطاب بھی ہے۔ یہ جو اسمِ اشارہ کے آخر میں کاف ہے ذٰلِكَ، ذٰلِكَ یہ کاف کیا ہے؟ کاف حرفِ خطاب ہے اور یہ صرف مخاطب پر دلالت کرتی ہے۔ مخاطب پر کہ میں جس سے بات کر رہا ہوں وہ ایک ہے یا دو ہیں یا زیادہ ہیں، مذکر ہیں یا مؤنث۔ جیسے مثلاً ایک آدمی ہے میں اس کو بتلانا چاہتا ہوں کہ وہ زید ہے، تو میں کہوں گا ذٰلِكَ زَیْدٌ وہ زید ہے۔ تو یہ ذٰلِكَ کے

اندر یہ ذَا جو ہے یہ ہے اسمِ اشارہ، اور یہ جو آخر میں کاف آیا یہ کاف حرفِ خطاب ہے۔ تو ایک آدمی میرے سامنے موجود تھا اس کے سامنے میں نے کہا ذٰلِكَ زَيْدٌ اور ترجمہ کیا ہے؟ وہ زید ہے۔ اب میرے سامنے دو آدمی تھے اور میں ان کو بتلانا چاہتا ہوں کہ وہ زید ہے، تو اب میں یوں نہیں کہوں گا ذٰلِكَ زَيْدٌ کیونکہ ذٰلِكَ کے آخر میں تو کاف حرفِ خطاب ہے اور یہ مفرد ہے، وہ یہ بتلا رہا ہے کہ میرا مخاطب ایک ہے، اب تو میرے مخاطب دو ہیں تو اب میں ذٰلِكَ نہیں کہوں گا بلکہ کہوں گا ذٰلِكُمَا زَيْدٌ، یہ كُمَا لے آیا۔ یہ ضمیر نہیں ہے، یہ حرفِ خطاب ہے بھئی، یہ صرف اتنا بتا رہا ہے کہ جن لوگوں سے میں یہ بات کر رہا ہوں وہ دو ہیں بھئی۔ تو میں کیا کہوں گا؟ ذٰلِكُمَا زَيْدٌ، ترجمہ کیا؟ ترجمہ وہی ہوگا: وہ زید ہے۔ اور اگر میرے سامنے تین یا تین سے زیادہ مرد ہیں اور میں زید کے بارے میں ان کو بتلانا چاہتا ہوں تو میں کہوں گا ذٰلِكُمْ زَيْدٌ، وہ زید ہے۔ اگر ایک عورت ہے تو میں کہوں گا ذٰلِكِ زَيْدٌ، ترجمہ وہی ہوگا: وہ زید ہے۔ توجہ ہے؟ تو معلوم ہوا یہ کاف حرفِ خطاب ہے، یہ صرف مخاطب پر دلالت کرتا ہے، یہ صرف یہ بتلاتا ہے کہ مخاطب ایک ہے یا دو ہیں یا زیادہ ہیں، مذکر ہیں یا مؤنث ہیں۔ ایک کاف ضمیر بھی آتی ہے اور یہ کاف حرفِ خطاب ہے۔ وہ کاف جو ضمیر ہے وہ کافِ اسمی ہے، جیسے رَأَيْتُكَ میں نے آپ کو دیکھا، رَأَيْتُكُمَا میں نے آپ دونوں کو دیکھا، رَأَيْتُكُمْ میں نے آپ سب کو دیکھا۔ یہ کاف ضمیر ہے، اس کو کہتے ہیں کافِ اسمی یعنی یہ اسم والا کاف ہے، یہ اسم ہے، ضمیر ہے۔ اور ایک ہے ذٰلِكَ، ذٰلِكُمْ

ذٰلِكُمْ، ذٰلِكِ، ذٰلِكُمَا، ذٰلِكُنَّ۔ یہ کاف جو ہے اس کو کافِ حرفی کہتے ہیں، یعنی حرف والا کاف ہے یہ، اسم نہیں ہے۔ تو کاف دو قسم پر ہوا: ایک کافِ اسمی وہ ضمیر ہے، ایک کافِ حرفی وہ کاف حرف ہے، وہ صرف مخاطب پر دلالت کرتا ہے کہ مخاطب ایک ہیں یا زیادہ ہیں، مخاطب پر دلالت کرتا ہے لیکن وہ ہے حرف بھئی۔ بھئی دیکھنے میں تو دونوں ایک جیسے ہیں: رَأَيْتُكَ اس میں بھی کاف ہے، ذٰلِكَ اس کے آخر میں بھی کاف ہے۔ پھر ایک کو اسم کیوں قرار دیا، ضمیر قرار دے دیا اس کو، اور دوسرے کو حرف قرار دے دیا؟ وجہ یہ کہ ضمیر جو ہوتی ہے اس کی جگہ اسمِ ظاہر آسکتا ہے، جبکہ کاف جو حرفِ خطاب ہے اس کی جگہ اسمِ ظاہر نہیں آسکتا۔ رَأَيْتُكَ میں نے آپ کو دیکھا، یہ کاف ضمیر ہے کیونکہ اس کاف کو ہٹائیں اور اس کی جگہ اسمِ ظاہر کو لے آئیں: رَأَيْتُ زَيْداً، دیکھو اسمِ ظاہر لا سکتے ہیں اس کی جگہ۔ اور جبکہ ذٰلِكَ اس کے اندر یہ کاف جو ہے یہ علماءِ نحو فرماتے ہیں یہ حرفِ خطاب ہے، یہ اسم نہیں۔ دلیل کیا؟ دلیل یہ کہ اس کاف کی جگہ اسمِ ظاہر کو نہیں لا سکتے۔ اس کاف کی جگہ اسمِ ظاہر کو نہیں لا سکتے، اگر یہ ضمیر ہوتی تو ضمیر تو اسم ہے تو اس کی جگہ دوسرا اسم بھی آسکتا ہے، لیکن اس کی جگہ تو دوسرا اسم نہیں آسکتا۔ تو کاف کتنی قسم پر ہوا؟ دو۔ ایک کافِ اسمی، ایک کافِ حرفی۔ کافِ اسمی ضمیر ہے اور کافِ حرفی حرف ہے۔ اور پھر یہ کافِ اسمی ہے یا حرفی ہمیں پتہ کیسے چلے گا؟ کہ اس کاف کی جگہ اگر اسمِ ظاہر کو آپ لا سکتے ہیں اس کاف کو ہٹا کر تو معلوم ہوا وہ ضمیر ہے، اگر نہیں لا سکتے تو معلوم ہوا وہ حرفِ خطاب ہے۔ تو کاف حرفِ خطاب اور یہ چار جگہ آتا ہے۔ کتنی جگہ؟ چار جگہ آتا ہے۔ ایک تو یہ اسمِ اشارہ کے آخر میں آتا ہے: ذٰلِكَ، ذٰلِكُمَا، ذٰلِكُمْ۔ یاد رکھو قرآن میں جگہ

جگہ اس طرح آتا ہے، وہاں آپ پریشان ہوں گے۔ مثلاً قرآن میں آتا ہے ذٰلِكُنَّ تو آپ پریشان ہوں گے کہ بھئی اس کا کیا معنی؟ بھئی اس کا وہی معنی: «وہ»۔ صرف یہ كُنَّ یہ بتلا رہا ہے کہ کس سے بات کی جا رہی ہے؟ جمع مؤنث سے یہ بات کی جا رہی ہے، مخاطب کون ہیں؟ جمع مؤنث۔ کہیں پر قرآن میں آئے گا ذٰلِكُمْ، ترجمہ وہی ہوگا: «وہ»۔ صرف یہ كُمْ کیا بتلا رہا ہے؟ کہ مخاطب جو ہیں وہ جمع مذکر ہیں۔ تو ذٰلِكَ، ذٰلِكُمَا، ذٰلِكُمْ، ذٰلِكِ، ذٰلِكُمَا، ذٰلِكُنَّ ترجمہ سب کا وہی ہوگا۔ میں زید کی طرف اشارہ کرنا چاہتا ہوں تو ایک مرد ہو تو میں کہوں گا ذٰلِكَ زَيْدٌ، دو ہوں تو ذٰلِكُمَا زَيْدٌ، زیادہ ہوں تو ذٰلِكُمْ زَيْدٌ۔ ترجمہ وہی ہوگا: وہ زید ہے، وہ زید ہے۔ یہ صرف دلالت کر رہے ہیں کہ مخاطب ایک ہے یا دو ہیں یا زیادہ ہیں، مذکر ہیں یا مؤنث۔ بات سمجھ میں آرہی ہے؟ تو یہ کاف حرفِ خطاب ہے۔ ایک تو یہ اسمِ اشارہ کے ساتھ آتا ہے۔ دوسرا إِيَّاكَ، إِيَّاكُمَا، إِيَّاكُمْ۔ علماءِ نحو فرماتے ہیں یہ إِيَّا ضمیر ہے اور یہ کاف حرفِ خطاب ہے۔ یہ کاف حرفِ خطاب ہے۔ إِيَّاكَ، إِيَّاكُمَا، إِيَّاكُمْ، إِيَّاكِ، إِيَّاكُمَا، إِيَّاكُنَّ یہ سب کیا ہیں؟ حرفِ خطاب ہیں۔ یہ صرف دلالت کر رہے ہیں کہ مخاطب ایک ہے یا دو ہیں یا زیادہ ہیں، مذکر ہیں یا مؤنث۔ اسی طرح اسمِ فعل ہے: عَلَيْكَ، عَلَيْكُمَا، عَلَيْكُمْ یہ بھی کیا ہے؟ یہ عَلَيْكَ تم لازم پکڑو، یہ عَلَيْكَ کے آخر میں کاف کیا ہے؟ حرفِ خطاب ہے۔ عَلَيْكَ، عَلَيْكُمَا، عَلَيْكُمْ۔ اسی طرح أَرَأَيْتَكَ، أَرَأَيْتَكُمْ۔ أَرَأَيْتَ کے آخر میں بھی جو کاف آتا ہے یہ کاف کیا ہے؟ حرفِ خطاب۔ تو یہ کتنی جگہ آتا ہے؟ چار جگہ۔ توجہ ہے؟ ایک اسمِ اشارہ کے آخر میں جو کاف آتا ہے یہ حرفِ خطاب ہے، یہ حرف ہے اور مخاطب پر دلالت کر رہا ہے اس لیے اس کو حرفِ خطاب کہتے ہیں۔ اور ایک اسی طرح إِيَّاكَ کے آخر میں آتا ہے، اور اسی طرح اسمِ فعل کے ساتھ جڑا ہوا آتا ہے، اور أَرَأَيْتَ اس کے ساتھ جڑا ہوا أَرَأَيْتَكَ، أَرَأَيْتَكُمْ یہ بھی حرفِ خطاب ہے۔

اور یاد رکھو یہ معرفہ اور نکرہ یہ اسم کی قسمیں ہیں، معرفہ اور نکرہ یہ اسم کی قسمیں ہیں۔ لیکن یہ جو کاف حرفِ خطاب ہے علماءِ نحو فرماتے ہیں یہ بھی معرفہ ہے، یہ بھی معرفہ ہے۔ توجہ ہے؟ اس معرفہ اور نکرہ یہ کس کی قسمیں ہیں؟ اسم کی قسمیں ہیں۔ اسم یا معرفہ ہوتا ہے یا نکرہ ہوتا ہے، فعل یا حرف نہیں۔ لیکن یہ جو کاف حرفِ خطاب ہے علماءِ نحو فرماتے ہیں یہ معرفہ ہے۔ بھئی یہ معرفہ کیسے ہے؟ معرفہ تو اسم کی قسم ہے۔ تو یاد رکھنا بایں لحاظ یہ معرفہ ہے کہ یہ مخاطب پر دلالت کر رہا ہے۔ کس پر؟ مخاطب پر۔ اور مخاطب متعین ہوتا ہے یا غیرِ متعین؟ متعین ہوتا ہے، تو چونکہ یہ متعین ذات پر دلالت کرتا ہے اس لیے اس کو معرفہ کہتے ہیں۔

اچھا، بات کیا چل رہی تھی؟ کہ أَدْعُو زَيْداً کس کے درجے میں ہے؟ أَدْعُوكَ کے درجے میں ہے۔ گویا یہ زید کا لفظ کس کی جگہ آیا؟ ضمیر کی جگہ آیا۔ اور یہ ضمیر کیا ہے؟ یہ کافِ اسمی ہے۔ اور یہ کافِ اسمی کی مشابہت ہے کس کے ساتھ؟ کافِ حرفی کے ساتھ۔ توجہ ہے؟ کافِ اسمی جو ضمیر ہے اس کی مشابہت ہے کافِ حرفی یعنی حرفِ خطاب کے ساتھ، لفظوں میں بھی مشابہت، معنی میں بھی مشابہت۔ تو کافِ اسمی مشابہ ہوا کس کے ساتھ؟ کافِ حرفی کے ساتھ لفظوں میں بھی اور معنی میں بھی۔ لفظوں میں کیا مشابہت ہے؟ لفظوں میں مشابہت یہ ہے کہ ایک تو صورت ایک جیسی ہے دونوں کی،

لیکن صورت کا یہاں اعتبار نہیں، بس یہ دیکھیں کہ کاف ضمیر جو ہے وہ بھی مفرد اور کاف حرفِ خطاب جو ہے وہ بھی مفرد ہے۔ کیا معنی مفرد؟ نہ مضاف ہے نہ مشابہ مضاف ہے۔ رَأَيْتُكَ یہ کاف ضمیر، یہ نہ مضاف ہے اور نہ مشابہ مضاف۔ اور وہ حرفِ خطاب کاف جو ہے ذٰلِكَ یہ بھی کیا ہے؟ نہ مضاف ہے نہ مشابہ مضاف۔ تو لفظوں میں یہ مشابہت ہے کہ کافِ اسمی وہ بھی مفرد ہے اور کاف حرفِ خطاب وہ بھی مفرد ہے۔ اور معنی کے اندر یہ مشابہت ہے، توجہ سے سنو معنی کے اندر بھی مشابہت، کہ کافِ اسمی بھی خطاب کے لیے آتا ہے اور کافِ حرفی بھی خطاب کے لیے۔ نیز کافِ اسمی بھی معرفہ ہے اور کافِ حرفی بھی معرفہ ہے، کیونکہ دونوں مخاطب پر دلالت کرتے ہیں۔ پھر سنو: یہ کافِ اسمی کی مشابہت ہے کس کے ساتھ؟ کافِ حرفی کے ساتھ، لفظوں میں بھی مشابہت اور معنی میں بھی مشابہت۔ لفظاً مشابہت کیا؟ کہ کافِ اسمی جیسے مفرد ہے یعنی مضاف یا مشابہ مضاف نہیں، اسی طرح کافِ حرفی بھی مضاف یا مشابہ مضاف نہیں، تو یہ اس کی طرح ہوا۔ اور نیز کافِ اسمی جو ہے وہ بھی خطاب کے لیے ہے جیسے کہ کافِ حرفی کس لیے آتا ہے؟ خطاب کے لیے ہے۔ اور نیز کافِ اسمی بھی معرفہ ہے کیونکہ مخاطب متعین پر دلالت کرتا ہے، اسی طرح کافِ حرفی بھی کیا ہے؟ وہ حرف ہے لیکن معرفہ ہے کیونکہ وہ مخاطب پر دلالت کرتا ہے۔ تو کافِ اسمی کی مشابہت آگئی کس کے ساتھ؟ کافِ حرفی کے ساتھ، کس اعتبار سے؟ لفظاً بھی اور معناً بھی۔ لفظاً مشابہت کیا ہے؟ مفرد ہونے میں۔ اور معناً مشابہت کیا ہے؟ خطاب میں اور تعریف کے اندر بھئی۔ تو لہٰذا کافِ اسمی کی مشابہت آگئی کافِ حرفی کے ساتھ، اور کافِ حرفی وہ تو حرف ہے مبنی الاصل ہے، اور جس اسم کی مشابہت آجائے حرف کے ساتھ یعنی مبنی الاصل کے ساتھ وہ بھی کیا بن جاتا ہے؟ مبنی، تو اس لیے کافِ اسمی مبنی ہے، اس لیے کافِ اسمی مبنی ہے۔ توجہ ہے؟

اور اس کافِ اسمی کی جگہ کون آگیا؟ اس کافِ اسمی کی جگہ منادیٰ آگیا۔ کون آگیا؟ منادیٰ آگیا۔ تو اب اس منادیٰ کی بھی مشابہت ہوگئی کس کے ساتھ؟ کافِ حرفی کے ساتھ۔ توجہ ہے؟ کس چیز میں مشابہت؟ انہی تینوں چیزوں میں: یہ منادیٰ کس کی جگہ آیا؟ کافِ اسمی کی جگہ، اور کافِ اسمی کس لیے آتا تھا؟ خطاب کے لیے، تو منادیٰ بھی کس لیے ہوگیا؟ خطاب کے لیے۔ نیز منادیٰ بھی کیا ہے؟ مفرد، مفرد بھی ہے اور معرفہ، وہی مبنی ہوتا ہے نا، منادیٰ بھی مفرد ہے اور معرفہ ہے، اور کافِ حرفی بھی کیا تھا؟ وہ بھی مفرد تھا یعنی وہ مضاف مشابہ مضاف نہیں تھا، اور نیز وہ معرفہ تھا۔ تو اس لیے منادیٰ مبنی ہوا۔

بات سمجھ میں آگئی؟ پھر سنو، پھر سنو، حاصلِ کلام سنو بات آپ سمجھ چکے ہیں۔ دیکھو یہ جو منادیٰ آیا یہ ضمیر کی جگہ آیا، یعنی یہ کافِ اسمی کی جگہ آیا، اور کافِ اسمی مبنی ہے، کیوں مبنی ہے؟ کیونکہ کافِ اسمی کی مشابہت ہے کافِ حرفی کے ساتھ لفظاً بھی مشابہت اور معناً بھی۔ لفظاً مشابہت ہے کس اعتبار سے؟ کہ جیسے یہ کافِ اسمی مفرد ہے مضاف یا مشابہ مضاف نہیں ہے، اسی طرح کافِ حرفی بھی کیا ہوتا ہے؟ مضاف یا مشابہ مضاف نہیں۔ اور نیز معنی کے اندر بھی مشابہت ہے کہ کافِ اسمی جو ہے وہ خطاب کے لیے آتا ہے اور معرفہ ہوتا ہے، اور اسی طرح کافِ حرفی جو ہے وہ بھی خطاب کے

لیے آتا ہے اور معرفہ ہوتا ہے۔ تو مفرد ہونے میں بھی مشابہت، خطاب کے اندر بھی مشابہت اور معرفہ ہونے میں بھی مشابہت۔ تو اس لیے کافِ اسمی مبنی ہے، کیونکہ کافِ اسمی اسم ہے نا، اسم کی مشابہت آگئی کس کے ساتھ؟ نہیں توجہ۔ کافِ اسمی اسم ہے اور اسم ویسے ہی مبنی بنتا ہے یا جب اس کی مشابہت ہوگی مبنی الاصل کے ساتھ؟ جب مشابہت ہوگی، تو یہ کافِ اسمی مبنی کیوں ہے؟ کیونکہ اس کی مشابہت ہے کافِ حرفی کے ساتھ، مفرد ہونے میں بھی، خطاب کے اندر بھی اور تعریف کے اندر بھی تین چیزوں میں۔ اور اسی کافِ اسمی کی جگہ کون آگیا؟ منادیٰ آگیا۔ کافِ اسمی کس لیے تھا؟ خطاب کے لیے، تو منادیٰ بھی کس لیے ہوگیا؟ خطاب کے لیے۔ اور نیزیہ یَا زَیْدُ مثلاً یہ زید کیا ہے؟ یہ خطاب کے لیے بھی ہوا، اور نیزیہ مفرد بھی ہے مضاف یا مشابہ مضاف نہیں، اور نیزیہ معرفہ بھی ہے کیونکہ کیا کہا کس منادیٰ کی بات چل رہی ہے؟ کون سا منادیٰ مبنی ہوتا ہے؟ جو مفرد اور معرفہ ہو۔ تو یہ کہ یَا زَیْدُ اس کے اندر یہ جو زید ہے یہ خطاب کے لیے بھی ہوا اور نیزیہ مفرد بھی ہے اور نیزیہ معرفہ بھی ہے، تو اس منادیٰ کی مشابہت آگئی کس کے ساتھ؟ اس کافِ حرفی کے ساتھ، کافِ حرفی کے ساتھ۔ جب اس کی مشابہت کافِ حرفی کے ساتھ آئی تو یہ بھی مبنی ہوگیا۔ جیسے کافِ اسمی مبنی ہوا تھا یہ منادیٰ بھی کیا بن گیا؟ مبنی ہوگیا۔

تو صاحبِ جامی نے آپ کو بتلایا کہ اس منادیٰ کی مشابہت ہے کافِ اسمی کے ساتھ، اور کافِ اسمی کی مشابہت ہے کافِ حرفی کے ساتھ، تو اس منادیٰ کی بھی مشابہت ہوگئی کافِ حرفی کے ساتھ اس لیے یہ مبنی ہے بھئی۔ کیونکہ کافِ حرفی تو حرف ہے اور حرف تو مبنی الاصل ہے، تو منادیٰ کی مشابہت آگئی مبنی الاصل کے ساتھ لہٰذا یہ مبنی بن گیا۔ تو اس پر اشکال ہوتا ہے کہ اے صاحبِ جامی آپ نے اتنی لمبی تقریر کی، آپ نے کہا کہ منادیٰ کی مشابہت ہے کس کے ساتھ؟ کافِ اسمی کے ساتھ، اور کافِ اسمی کی مشابہت ہے کس کے ساتھ؟ کافِ حرفی کے ساتھ، تو لہٰذا منادیٰ کی بھی مشابہت آگئی کس کے ساتھ؟ کافِ حرفی کے ساتھ اس لیے یہ مبنی ہے۔ آپ مختصراً صرف اتنا کہہ دیتے کہ منادیٰ کی مشابہت ہے کافِ اسمی کے ساتھ اور کافِ اسمی مبنی ہے اس لیے منادیٰ بھی مبنی ہوگیا، یہ کافِ حرفی کا ذکر کرنے کی کیا ضرورت تھی اور منادیٰ کی اس کے ساتھ مشابہت بیان کرنے کی کیا ضرورت تھی؟ صرف اتنا کہہ دیتے کہ منادیٰ کی مشابہت ہے کس کے ساتھ؟ کافِ اسمی کے ساتھ تو لہٰذا اس لیے یہ مبنی ہے۔

بات سمجھ میں آرہی ہے کہ نہیں؟ پھر سنو بھئی یہ مبنی الاصل جو ہیں صرف حروف اور فعلِ ماضی اور فعلِ امر ہے، اور اسم جب مبنی بنتا ہے اس کی مشابہت ہوتی ہے مبنی الاصل کے ساتھ پھر ہی وہ مبنی بنتا ہے ویسے نہیں۔ معلوم ہوا اسم کب مبنی بنے گا؟ جب اس کی مشابہت کس کے ساتھ آئے؟ مبنی الاصل کے ساتھ مشابہت آئے پھر وہ مبنی بنے گا ویسے نہیں۔ اگر اسمِ مبنی کے ساتھ ایک اسم کی مشابہت آجائے وہ مبنی نہیں بنے گا، مثلاً ایک اسم ہے اس کی مشابہت کس کے ساتھ آگئی؟ اسمِ موصول کے ساتھ مشابہت آگئی، فرض کرو ایک اسم ہے اس کی مشابہت کس سے آئی؟ اسمِ موصول

سے اور اسمِ موصول تو مبنی ہے، تو اس اسم کو آپ مبنی نہیں بنا سکتے، کیونکہ اسمِ مبنی، توجہ ہے؟ اسمِ مبنی کے ساتھ مشابہت سے کوئی اسم مبنی نہیں بنتا، بلکہ اسم صرف کب مبنی بنتا ہے؟ ذرا اپنی کاپی پر لکھیں، کاپی پر تین لفظ لکھیں پھر آپ کو بات سمجھ میں آئے گی۔ ایک طرف لکھیں منادیٰ بھئی، منادیٰ۔ اس سے کچھ فاصلے پر لکھیں کافِ اسمی، اور پھر اس سے کچھ فاصلے پر لکھیں کافِ حرفی۔ ایک سطر میں لکھیں بھئی ایک سطر میں: سب سے پہلے لکھیں منادیٰ، پھر سطر کے درمیان میں لکھیں کافِ اسمی، کافِ اسمی، اور سطر کے بالکل آخر میں لکھیں کافِ حرفی، کافِ حرفی۔ اب دیکھو صاحبِ جامی نے آپ کو کہا کہ یہ جو منادیٰ ہے اس کی مشابہت آئی کس کے ساتھ؟ کافِ اسمی کے ساتھ یہ جو درمیان میں آپ نے لکھا، اور اس کافِ اسمی کی مشابہت ہے کس کے ساتھ؟ کافِ حرفی کے ساتھ، اور کافِ حرفی تو مبنی الاصل ہے حرف ہے تو اس کے ساتھ مشابہت کی وجہ سے کافِ اسمی بھی کیا بن گیا؟ مبنی بن گیا، کیا بن گیا؟ مبنی بن گیا کیونکہ مبنی الاصل کے ساتھ جس اسم کی مشابہت آتی ہے وہ مبنی بن جاتا ہے۔ لیکن اسمِ مبنی کے ساتھ کسی اسم کی مشابہت آئے تو وہ مبنی نہیں بنتا۔ یہ کافِ اسمی یہ تو اسم ہے، اس کے ساتھ کسی کی مشابہت آئے تو وہ مبنی نہیں بنے گا، وہ مبنی نہیں بنے گا۔ بلکہ اسم کب مبنی بنتا ہے؟ جب اس کی مشابہت کس کے ساتھ آئے؟ مبنی الاصل کے ساتھ مشابہت آئے۔ تو اس مبنی کی مشابہت اگر کافِ اسمی کے ساتھ آ بھی جائے پھر بھی یہ مبنی نہیں بن سکتا، یہ کیوں نہیں بن سکتا؟ کیونکہ یہ جو کافِ اسمی ہے اس نے تو خود اپنی بنا کہاں سے لی ہے؟ اپنا مبنی ہونا کہاں سے لیا اس نے؟ مبنی الاصل سے لیا ہے، اس سے کوئی بنا اخذ نہیں کر سکتا۔ توجہ ہے؟ اگر یوں کہا جائے کہ منادیٰ مبنی ہے کیونکہ یہ کس کے ساتھ مشابہ ہے؟ کافِ اسمی کے ساتھ، بھئی کافِ اسمی نے تو اپنی بنا خود کہاں سے اخذ کی ہے؟ کافِ حرفی سے، تو یہ تو خود فقیر ہے، محتاج ہے کافِ حرفی کا، تو اس سے اگر بنا لے گا منادیٰ

تو یہ تو اسی طرح ہوا جیسے محتاج سے اور فقیر سے مانگا جا رہا ہے۔ کافِ اسمی نے اپنا مبنی ہونا کہاں سے لیا؟ کافِ حرفی سے، اور اگر آپ یہ کہیں کہ یہ جو منادیٰ ہے اس نے اپنی بنا کہاں سے لی ہے؟ کافِ اسمی سے، کافِ حرفی سے تو یہ بنا لے گا وہ تو مبنی الاصل ہے، اگر آپ یہ کہیں منادیٰ کی مناسبت کس کے ساتھ ہے؟ کافِ اسمی کے ساتھ اس لیے یہ مبنی ہوا، تو یہ تو گویا آپ بنا کس سے لے رہے ہیں؟ کافِ اسمی سے اور وہ تو خود محتاج اور فقیر ہے، اس نے تو اپنی بنا خود کہاں سے اخذ کی ہے؟ کافِ حرفی کی وجہ سے یہ مبنی ہوا ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو لہٰذا کسی اسمِ مبنی کے ساتھ کوئی دوسرا اسم مشابہ بھی ہو جائے تو وہ مبنی نہیں بنے گا، بلکہ کوئی اسم مبنی کب بنتا ہے؟ جب اس کی مشابہت کس کے ساتھ آئے؟ مبنی الاصل کے ساتھ آئے۔ اسی لیے صاحبِ جامی لمبی تقریر کریں گے اور کہیں گے کہ منادیٰ کی مناسبت ہے کس کے ساتھ؟ کافِ اسمی، اور کافِ اسمی کی مناسبت ہے کس کے ساتھ؟ کافِ حرفی کے ساتھ، تو لہٰذا منادیٰ کی بھی مناسبت آگئی کس کے ساتھ؟ کافِ حرفی کے ساتھ لہٰذا وہ مبنی بن گیا، کیونکہ مبنی الاصل کے ساتھ مشابہت آگئی۔ اور کافِ اسمی کی مناسبت تھی کتنی

چیزوں میں کافِ حرفی کے ساتھ؟ تین چیزوں میں، کون سی؟ یوں کہیں: افراد، تعریف اور خطاب۔ افراد، مفرد ہے مضاف مشابہ مضاف نہیں، معرفہ ہے نکرہ نہیں، اور خطاب کے لیے ہے۔ تو کافِ اسمی بھی مفرد، اور نیز معرفہ، اور نیز خطاب کے لیے، اور کافِ حرفی بھی کیا ہے؟ کافِ حرفی بھی وہ بھی مفرد ہے اور معرفہ ہے اور خطاب کے لیے ہے۔ اور کس منادیٰ کی بات ہو رہی ہے؟ جو مفرد اور معرفہ ہو، خطاب رہ گیا تھا، توجہ ہے؟ خطاب رہ گیا تھا لیکن یہ کس کی جگہ آیا؟ ضمیر کی جگہ آیا، یہ کاف ضمیر کی جگہ آگیا اور ضمیر کس لیے آتی ہے؟ خطاب کے لیے، تو اس منادیٰ کے اندر خطاب بھی آگیا، منادیٰ مفرد بھی ہے، منادیٰ معرفہ بھی ہے، تو یہ کافِ حرفی کے ساتھ اس کی مناسبت آگئی تینوں چیزوں میں: افراد میں بھی، تعریف میں بھی اور خطاب میں بھی۔ تو جب مبنی الاصل کے ساتھ کسی اسم کی مشابہت آتی ہے تو وہ کیا بن جاتا ہے؟ مبنی، اس لیے منادیٰ مفرد معرفہ مبنی بن گیا۔ کتنی چیزوں میں مناسبت آئی؟ تین چیزیں، کون کون سی؟ بھئی مفرد اور معرفہ، یہ اس منادیٰ کی بات چل رہی ہے جو مفرد اور معرفہ ہو تو مفرد اور معرفہ تو یہ ہے ہی، صرف خطاب باقی تھا۔ خطاب کے لیے تو ضمیر آتی ہے اسمِ ظاہر تو نہیں آتا، لیکن یہ ضمیر کی جگہ آیا تو اس میں خطاب والی صفت بھی آگئی۔ تو خطاب بھی ہے، مفرد بھی ہے، معرفہ بھی ہے، تو اس کی مناسبت آگئی مبنی الاصل کاف حرفِ خطاب کے ساتھ، تو یہ بھی کیا بن گیا؟ مبنی بن گیا۔ بات سمجھ میں آگئی؟

اب دیکھیے کتاب پر، یہی بات صاحبِ جامی نہایت مختصر لفظوں میں اور بہترین انداز میں بیان کریں گے۔ کہتے ہیں: وَإِنَّمَا بُنِيَ الْمُفْرَدُ الْمَعْرِفَةُ کہتے ہیں مبنی بنایا گیا منادیٰ مفرد معرفہ کو، لِوُقُوعِهِ مَوْقِعَ الْكَافِ الْاِسْمِيَّةِ اس لیے کیونکہ یہ واقع ہوا ہے کافِ اسمیہ کی جگہ پر، وہ کافِ اسمیہ الْمُشَابِهَةِ لَفْظاً وَمَعْنىً لِكَافِ الْخِطَابِ الْحَرْفِيَّةِ وہ کافِ اسمیہ جو مشابہ ہے لفظوں کے اعتبار سے بھی اور معنی کے اعتبار سے بھی کافِ خطابِ حرفیہ کے۔ لفظوں میں مشابہت کیا ہے؟ کہ دونوں مفرد ہیں، اور معنی میں مشابہت کیا ہے؟ کہ دونوں معرفہ بھی ہیں اور دونوں خطاب کے لیے بھی ہیں بھئی۔ آگے دیکھیے: وَكَوْنِهِ مِثْلَهَا یہ وَكَوْنِهِ کا عطف ہے لِوُقُوعِهِ پر، کہ منادیٰ مفرد معرفہ کو مبنی بنایا گیا کیوں؟ کیونکہ ایک تو وہ کافِ اسمیہ کی جگہ آیا تھا، اور نیز وَكَوْنِهِ مِثْلَهَا إِفْرَاداً وَتَعْرِيفاً اور یہ منادیٰ جو ہے یہ کافِ اسمیہ کے مثل ہے إِفْرَاداً وَتَعْرِيفاً کس چیز میں؟ افراد اور تعریف، مفرد اور معرفہ ہونے میں۔

وَذٰلِكَ لِأَنَّ يَا زَيْدُ اور یہ اس وجہ سے ہے لِأَنَّ يَا زَيْدُ بِمَنْزِلَةِ أَدْعُوكَ اس لیے کیونکہ يَا زَيْدُ کس درجے میں ہے؟ أَدْعُوكَ، یعنی معلوم ہوا یہ لفظِ زید کاف ضمیر کی جگہ پر آرہا ہے۔ وَهٰذَا الْكَافُ كَكَافِ ذٰلِكَ اور یہ والا جو کافِ اسمیہ ہے یہ جو أَدْعُوكَ کے اندر کاف ہے، یہ كَكَافِ ذٰلِكَ یہ کس کاف کی طرح ہے؟ ذٰلِكَ اسمِ اشارہ کے کاف کی طرح ہے یعنی وہ کافِ حرفیہ خطابیہ جو ہے، اس کی طرح ہے لَفْظاً وَمَعْنىً لفظوں کے اعتبار سے بھی اور معنی کے اعتبار سے بھی۔

وَإِنَّمَا قُلْنَا ذٰلِكَ اور ہم نے یہ کہا، کیا کہا ہم نے؟ یہ جو اوپر ہم نے کہا ادھر دیکھیے کہ یہ منادیٰ کافِ اسمیہ کی جگہ بھی واقع

ہوا ہے اور اس کے مثل بھی ہے مفرد اور معرفہ ہونے میں، یہ اس کی جگہ بھی ہے اور بھئی کس منادیٰ کی بات چل رہی ہے؟ جو مفرد معرفہ ہونا، جو مفرد معرفہ ہو، تو منادیٰ مفرد معرفہ ہے کس کی طرح؟ کافِ اسمیہ کی طرح، وہ بھی کیا ہوتا ہے؟ مفرد معرفہ۔ اور نیز منادیٰ اس کی جگہ پر آیا تو یہ خطاب کے لیے بھی ہوگیا، تو افراد، تعریف اور خطاب تینوں کے اندر منادیٰ کس کے مثل ہوا؟ کافِ اسمیہ کے مثل، اور پھر کافِ اسمیہ کے واسطے سے یہ کس کے مثل ہوگیا؟ کافِ حرفیہ کے بھی مثل ہوگیا کیونکہ کافِ اسمیہ کی بھی یہی تین مشابہتیں کافِ حرفیہ کے ساتھ، بات سمجھ میں آئی؟

کہتے ہیں: وَإِنَّمَا قُلْنَا ذٰلِكَ اور یہ ہم نے اس لیے کہا، لِأَنَّ الْاِسْمَ لَا يُبْنَى إِلَّا لِمُشَابَهَتِهِ لِلْحَرْفِ أَوِ الْفِعْلِ اس لیے کیونکہ اسم جو ہے وہ مبنی نہیں ہوتا مگر یہ کہ اس کی مشابہت آئے حرف یا فعل یعنی مبنی الاصل کے ساتھ۔ وَلَا يُبْنَى لِمُشَابَهَةِ الْاِسْمِ الْمَبْنِيِّ اور اسم مبنی نہیں ہوتا اسمِ مبنی کی مشابہت کی وجہ سے، اسمِ مبنی کے ساتھ مشابہت کی وجہ سے۔ اگر آپ دوسرے اسم کو مبنی قرار دیتے ہیں، بھئی وہ اسم تو خود کیوں مبنی ہوا تھا؟ مبنی الاصل کے ساتھ مشابہت کی وجہ سے۔ توجہ ہے؟ جیسے دیکھو بھئی ذٰلِكَ اسمِ اشارہ ہے، یہ مبنی ہے، کیوں مبنی؟ کیونکہ اس کی مشابہت ہے حروف کے ساتھ، جیسے حروف اپنا معنی بتانے میں غیر کے محتاج اسی طرح اسمِ اشارہ بھی مشارٌ الیہ کا محتاج۔ توجہ ہے؟ تو اسمِ اشارہ کیوں مبنی؟ حروف کے ساتھ یعنی مبنی الاصل کے ساتھ مشابہت کی وجہ سے۔ اب اگر کسی اسم کی مشابہت آجائے اسمِ اشارہ کے ساتھ اور آپ کہیں کہ اسمِ اشارہ چونکہ مبنی ہے اور اس کے ساتھ اس اسم کی مشابہت آئی تو یہ بھی مبنی ہونا چاہیے، یہ تو اسی طرح ہوا جیسے آپ فقیر سے مانگ رہے ہیں، اسمِ اشارہ نے تو خود اپنی بنا کہاں سے لی ہے؟ مبنی الاصل سے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو یہ اسم اگر اس سے لے گا تو یہ فقیر سے مانگنے کی طرح ہو جائے گا۔ تو اسم کب مبنی ہوتا ہے؟ جب اس کی مشابہت مبنی الاصل کے ساتھ مشابہت ہو پھر وہ مبنی ہوتا ہے، اسمِ مبنی کے ساتھ مشابہت ہو تو پھر کوئی اسم مبنی نہیں ہوتا۔

جی آگے دیکھیے: مِثْلُ يَا زَيْدُ وَيَا رَجُلُ۔ یہ يَا زَيْدُ اور يَا رَجُلُ یہ دونوں منادیٰ مبنی علی الضم ہیں، آگے آئے گا يَا زَيْدَانِ وہ کیا ہے؟ مبنی علی الالف، اور آگے يَا زَيْدُونَ آئے گا وہ مبنی علی الواو ہے۔ اور نیز يَا زَيْدُ وَيَا رَجُلُ، زید جو ہے ندا سے پہلے بھی معرفہ تھا، اور رَجُلٌ ندا سے پہلے معرفہ نہیں ہے بلکہ بعد النداء یہ کیا بن گیا؟ معرفہ بن گیا۔ تو کہتے ہیں: مِثْلُ يَا زَيْدُ وَيَا رَجُلُ مِثَالَانِ لِمَا هُوَ مَبْنِيٌّ عَلَى الضَّمَّةِ یہ دو مثالیں ہیں اس منادیٰ کی جو مبنی ہے ضمہ پر، أَوَّلُهَا مَعْرِفَةٌ قَبْلَ النِّدَاءِ ان میں سے جو پہلا ہے وہ ندا سے قبل ہی معرفہ ہے، وَثَانِيهِمَا مَعْرِفَةٌ بَعْدَ النِّدَاءِ اور ان میں سے جو دوسرا ہے وہ ندا کے بعد معرفہ ہے یعنی يَا رَجُلُ۔ وَيَا زَيْدَانِ مِثَالُ الْمَبْنِيِّ عَلَى الْأَلِفِ اور يَا زَيْدَانِ جو ہے یہ مثال ہے اس منادیٰ کی جو مبنی ہے الف پر، وَيَا زَيْدُونَ مِثَالُ الْمَبْنِيِّ عَلَى الْوَاوِ اور يَا زَيْدُونَ یہ مثال ہے اس منادیٰ کی جو مبنی ہے واو پر۔ یہاں تک بات سمجھ میں آگئی؟ سارا حل ہوگیا اچھی طرح؟ چلیے بس بھئی، هٰذَا هُوَ الْمَرَامُ وَاللّٰهُ أَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْكَلَامِ۔

سبق نمبر ۱۲۱: المنادیٰ (۳): لامِ استغاثہ، لامِ تعجب اور یائے متکلم کی طرف مضاف منادیٰ

شرحِ ملا جامی صفحہ: ۹۱ — بتاریخ: ۱۵ دسمبر ۲۰۲۱ء

▪ تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث

آگے سبق دیکھیے بھئی: وَيُخْفَضُ أَيْ يَنْجَرُّ الْمُنَادَى بِلَامِ الْاِسْتِغَاثَةِ أَيْ بِلَامٍ تَدْخُلُهُ وَقْتَ الْاِسْتِغَاثَةِ، وَهِيَ لَامُ التَّخْصِيصِ أُدْخِلَتْ عَلَى الْمُسْتَغَاثِ دَلَالَةً عَلَى أَنَّهُ مَخْصُوصٌ مِنْ بَيْنِ أَمْثَالِهِ بِالدُّعَاءِ، مِثْلُ يَا لَزَيْدٍ.

اچھا بھئی، گزشتہ سبق میں ہم نے منادی کا اعراب پڑھنا شروع کیا تھا۔ اور آپ نے پڑھا کہ اعراب کے اعتبار سے منادی چار قسم پر ہے۔ کبھی منادی جو ہے وہ مبنی ہوگا علامتِ رفع پر، اور یہ اس وقت ہوگا جب وہ منادی مفرد ہو اور معرفہ ہو۔ مفرد ہو یعنی مضاف یا مشابہ مضاف نہ ہو، اور معرفہ ہو چاہے قبل الندا معرفہ ہو اور چاہے بعد الندا معرفہ ہو۔ قبل الندا معرفہ جیسے يَا زَيْدُ، یہ زید کا لفظ ندا سے پہلے ہی معرفہ تھا۔ اور بعد الندا معرفہ کی مثال جیسے يَا رَجُلُ، یہ رجل کا لفظ ندا سے پہلے نکرہ تھا کیونکہ نہ اس پر الف لام ہے اور نہ اس کی اضافت ہو رہی ہے بھئی۔

تو منادی جب مفرد معرفہ ہو تو وہ مبنی ہوتا ہے علامتِ رفع پر۔ اور اگر اس پر لامِ استغاثہ داخل ہو جائے تو پھر وہ مجرور ہوتا ہے۔ اور اگر اس کے آخر میں، منادی کے آخر میں الفِ استغاثہ آجائے تو پھر وہ مَبْنِيٌّ عَلَى الْفَتْحِ ہوگا یعنی وہ مفتوح ہوگا۔ اور جبکہ باقی تمام صورتوں کے اندر منادی منصوب ہوگا۔

دیکھو دو قیدیں آئیں بھئی: منادی جب مفرد معرفہ ہو، اور دوسری صورت کیا آئی؟ مستغاث ہو۔ تو ان کے علاوہ باقی تمام صورتوں میں منادی منصوب ہوگا۔ ایک صورت جیسے منادی غیرِ مفرد ہو، اور اس میں پھر دو صورتیں آگئیں: یا تو وہ مضاف ہوگا یا مشابہ مضاف ہوگا۔ جیسے يَا عَبْدَ اللهِ، اب يَا عَبْدَ اللهِ یہ عَبْدَ اللهِ جو منادی ہے یہ معرفہ تو ہے لیکن یہ غیرِ مفرد ہے، مفرد نہیں ہے بلکہ یہ تو مضاف ہے۔ یا اسی طرح يَا طَالِعًا جَبَلًا، يَا طَالِعًا جَبَلًا کوئی پہاڑ پر چڑھنے والا شخص تھا آپ اس کو ندا دیتے ہیں يَا طَالِعًا جَبَلًا، تو آپ ایک معین آدمی کو ندا دے رہے ہیں تو یہ معرفہ تو ہے، البتہ یہ غیرِ مفرد ہے کیونکہ یہ تو مشابہ مضاف ہے۔ اور مشابہ مضاف کسے کہتے ہیں؟ صاحبِ جامی نے آپ کو بتلایا تھا کہ مشابہ مضاف وہ اسم ہے کہ جس

کا معنی پورا نہیں ہوتا جب تک اس کے ساتھ کوئی اور لفظ نہ مل جائے۔ تو طَالِعًا کا معنی پورا نہیں ہوتا جب تک اس کے ساتھ جَبَلًا کا لفظ نہ ملایا جائے بھئی۔ تو یہ تو غیرِ مفرد کی دو صورتیں کر لیں آپ نے، کہ منادی مضاف ہوگا یا مشابہ مضاف ہو۔

اور اگر غیرِ معرفہ ہو، جیسے يَا رَجُلًا خُذْ بِيَدِي، اندھا کسی کو ندا دیتا ہے يَا رَجُلًا خُذْ بِيَدِي۔ اب دیکھو یہی رَجُلٌ اگر اس میں معین آدمی کا ارادہ کیا جائے تو پھر اس وقت یہ مفرد بھی ہے اور معرفہ بھی ہے، تو مبنی ہوگا علامتِ رفع پر: يَا رَجُلُ۔ اور جب اسی رَجُلٌ کے ذریعے کسی معین کا ارادہ نہ کیا جائے تو پھر یہ نکرہ ہے بھئی اور یہ منصوب ہوگا۔ تو اندھا جب آواز دیتا ہے تو اس کو کوئی دکھائی نہیں دے رہا، کسی معین آدمی کو وہ آواز نہیں دے رہا کہ وہ چاہتا ہے کوئی بھی شخص آکر اس کا ہاتھ تھام لے اور اس کی مدد کرے۔ تو یہ يَا رَجُلًا خُذْ بِيَدِي یہ مفرد تو ہے لیکن معرفہ نہیں ہے بلکہ نکرہ ہے بھئی۔

تو حاصل کیا ہوا کہ منادی اعراب کے اعتبار سے چار قسم پر ہوا: کبھی کبھار وہ مبنی ہوگا علامتِ رفع پر، کبھی وہ مجرور ہوگا لامِ استغاثہ کی وجہ سے، کبھی وہ مفتوح ہوگا الفِ استغاثہ کی وجہ سے، اور باقی صورتوں کے اندر وہ منصوب ہوگا بھئی۔

اور پھر یہاں پر ایک اشکال ہوا تھا۔ اشکال یہ کہ وَيُبْنَى عَلَى مَا يُرْفَعُ بِهِ، کہ يُبْنَى کے اندر هُوَ ضمیر جو ہے وہ راجع ہے منادی کو، اسی طرح عَلَى مَا يُرْفَعُ بِهِ وہ علامت جس پر منادی کو رفع دیا جائے تو يُرْفَعُ کے اندر بھی هُوَ ضمیر جو ہے وہ راجع ہے منادی کو۔ تو یہ تو اجتماعِ متضادین لازم آیا اس لیے کیونکہ يُبْنَى سے پتہ چلا کہ وہ منادی مبنی ہوگا، اور يُرْفَعُ سے پتہ چل رہا ہے کہ وہ تو معرب ہوگا کیونکہ رفع تو معرب پر آتا ہے بھئی۔ اور یہ تو نہیں ہو سکتا کہ ایک لفظ ایک ہی وقت میں مبنی بھی ہو اور معرب بھی ہو۔

تو صاحب جامی نے پہلا جواب یہ دیا تھا کہ يُرْفَعُ کے اندر جو ضمیر ہے اس کو بھی منادی ہی کو راجع کیا جائے، لیکن اس کے اندر ندا کے علاوہ کی صورت مراد ہے، وہی جو منادی ہے اس کی ندا کے علاوہ کی صورت مراد ہے۔ جیسے يَا زَيْدُ، یہ زَيْدٌ کیا ہے؟ منادی ہے۔ تو اسی منادی کی ندا کے علاوہ کی صورت مراد ہے، اور ندا کے علاوہ کی صورتوں کے اندر تو زَيْدٌ پر رفع کس طرح آتا ہے؟ ضمہ کے ساتھ، تو اسی پر پھر منادی ہوتے وقت پھر اسی پر یہ مبنی ہو جائے گا۔ تو منادی مبنی ہوگا عَلَى مَا يُرْفَعُ بِهِ اس علامت پر جس پر اس کو رفع دیا جاتا ہے ندا کے علاوہ کی صورتوں میں۔ جواب سمجھ میں آگیا؟

یا دوسرا جواب یہ دیا تھا کہ يُرْفَعُ کے اندر ضمیر منادی کو راجع ہی نہ کریں، بلکہ بِهِ جو آگے جار مجرور آرہا ہے اسی کو اس کا نائب الفاعل بنا دیں بھئی۔ اور پھر میں نے ترجمہ کرنے کا طریقہ بھی بتلایا تھا کہ عَلَى مَا يُرْفَعُ بِهِ أَيْ عَلَى مَا يَقَعُ الرَّفْعُ بِهِ۔ تو منادی مبنی ہوگا عَلَى مَا اس علامت پر يَقَعُ الرَّفْعُ بِهِ جس علامت کے ساتھ رفع آتا ہے۔

اور بعض علماء نے یہ جواب دیا تھا کہ يُرْفَعُ کے اندر جو ضمیر ہے وہ مطلقِ اسم کو راجع کی جائے۔ ایک يَا زَيْدُ دیکھو یہ جو لفظِ زَيْدٌ ہے، ایک اس کے منادی ہونے کی حالت ہے اور ایک منادی کے علاوہ مطلقاً جب اس میں کوئی قید نہ ہو۔ تو اسی

مطلقِ اسم کو ضمیر راجع کر دی جائے، کہ منادی مبنی ہوگا عَلَى مَا يُرْفَعُ بِهِ اسی علامت پر جس علامت پر اس اسم کو رفع دیا جاتا ہے۔ وہ جو منادی بن رہا ہے جس علامت پر اس اسم کو رفع دیا جاتا ہے، تو اس صورت میں يُرْفَعُ کی ضمیر مطلقِ اسم کی طرف راجع ہوگی۔ لیکن صاحبِ جامی نے اس کو پسند نہیں فرمایا بلکہ رد کیا، کہتے ہیں اس لیے کیونکہ یہ سوقِ کلام کے مناسب نہیں ہے۔ کلام منادی کے بارے میں چل رہا ہے تو ضمیر اگر آپ نکالیں تو وہ منادی ہی کو لوٹانی چاہیے، کلام مطلقِ اسم کے بارے میں نہیں چل رہا بھئی۔

تو منادی جب مفرد ہو، مفرد ہو اور معرفہ ہو تو وہ مبنی ہوگا علامتِ رفع پر بھئی۔ پھر وجہ ذکر کی تھی صاحبِ جامی نے کہ یہ منادی مفرد معرفہ جو ہے مبنی کیوں ہوتا ہے؟ اور بتلایا تھا کہ یہ منادی جو ہے یہ کاف ضمیر کی جگہ آیا۔ یعنی يَا زَيْدُ، أَدْعُوكَ اس کے درجے میں ہے۔ يَا زَيْدُ کس کے درجے میں ہے؟ أَدْعُوكَ، یعنی خطاب کے لیے لایا جا رہا ہے اور خطاب کے لیے تو ضمیر لائی جاتی ہے۔ معلوم ہوا یہ منادی ضمیر کی جگہ پر ہے بھئی۔ تو یہ ضمیر کی جگہ پر بھی واقع ہوا، اور نیز یہ اس ضمیر کی طرح ہے مفرد اور معرفہ ہونے میں۔ کیا کہا؟ کون سا منادی مَبْنِيٌّ عَلَى الضَّمِّ ہوگا؟ جو مفرد ہو اور معرفہ۔ تو دیکھو مفرد اور معرفہ ہونے میں بھی یہ اس ضمیر کی طرح ہے۔ جیسے أَدْعُوكَ یہ ضمیر بھی کیا ہے؟ مفرد ہے، یعنی مضاف یا مشابہ مضاف نہیں، اور نیز یہ ضمیر بھی معرفہ ہے جیسے منادی کیا ہے؟ معرفہ ہے بھئی۔

تو لہذا یہ جو منادی ہے یہ أَدْعُوكَ کے اندر جو کاف ضمیر ہے اس کے مثل ہو گیا۔ کس چیز میں؟ تین چیزوں کے اندر: ایک تو اس کی جگہ آیا یعنی جیسے وہ ضمیر خطاب کے لیے آتی ہے یہ منادی بھی کس لیے ہے؟ خطاب کے لیے؛ نیز جیسے وہ ضمیر مفرد ہے یعنی مضاف یا مشابہ مضاف نہیں، یہ منادی بھی مفرد ہے مضاف یا مشابہ مضاف نہیں؛ اور نیز جیسے وہ ضمیر معرفہ ہے اسی طرح یہ منادی بھی معرفہ ہے کیونکہ اس میں قید آگئی وہ منادی جو مفرد ہو اور معرفہ۔ تو تین چیزوں کے اندر اس منادی کی مشابہت آگئی کاف ضمیر کے ساتھ: ایک خطاب، اور اسی طرح افراد، اور تعریف کے اندر۔

اور یہ جو کافِ ضمیر ہے یہ مشابہ ہے کافِ حرفی کے ساتھ۔ کافِ، یعنی یوں کہو کافِ اسمی مشابہ ہے کافِ حرفی کے ساتھ۔ اور کافِ حرفی میں نے بتلایا تھا وہ کاف ہے جو مخاطب پر دلالت کرتا ہے۔ یہ اسمِ اشارہ کے آخر میں آتا ہے جیسے ذٰلِكَ، ذٰلِكُمَا، ذٰلِكُمْ بھئی۔ اور اسی طرح یہ إِيَّاكَ، إِيَّاكُمَا، إِيَّاكُمْ یہ جو ضمیر ہے منصوب منفصل بھئی، علمائے نحو فرماتے ہیں یہ اس کے اندر یہ إِيَّا ضمیر ہے اور یہ کاف حرفِ خطاب ہے بھئی، یہ مخاطب پر دلالت کر رہا ہے بھئی۔ یہ کاف صرف اتنا بتلاتا ہے کہ یہ مخاطب مفرد ہے، تثنیہ ہے یا جمع ہے، مذکر ہے یا مؤنث۔ مفرد ہو تو کیا کہتے ہیں؟ إِيَّاكَ یا یوں کہو ذٰلِكَ، اور اگر تثنیہ ہو تو کیا کہیں گے؟ ذٰلِكُمَا، جمع ہو تو ذٰلِكُمْ۔ تو یہ مذکر کی صورتیں تھیں، اور مؤنث ہو مفرد ہو تو ذٰلِكِ، اور مؤنث تثنیہ ہو تو ذٰلِكُمَا، اور جمع ہو تو ذٰلِكُنَّ۔

مثلاً زید دور کھڑا ہے میں اس کی طرف اشارہ کر کے مخاطب کو اس کے بارے میں بتلانا چاہتا ہوں، تو مخاطب اگر ایک مفرد مذکر ہے، ایک مرد ہے تو میں اس کو کہوں گا ذٰلِكَ زَيْدٌ۔ ترجمہ کیا؟ وہ زید ہے۔ اور اس کاف نے صرف اتنا بتلایا کہ یہ جس

سے میں کلام کر رہا ہوں وہ مفرد مذکر ہے، اور اس کا علیحدہ ترجمہ نہیں کیا جاتا۔ اور اسی طرح اگر میرے سامنے دو مرد کھڑے ہیں اور میں ان کو زید کے بارے میں بتلاتا ہوں تو میں کہوں گا ذٰلِكُمَا زَيْدٌ۔ تو ترجمہ پھر بھی وہی ہوگا: وہ زید ہے، لیکن كُمَا نے صرف اتنا اس بات پر دلالت کر دی کہ میرے مخاطب دو مرد ہیں۔ اور اسی طرح اگر میرے مخاطب دو سے زیادہ مرد ہیں تو اب میں کیا کہوں گا؟ ذٰلِكُمْ زَيْدٌ، ترجمہ وہی ہوگا: وہ زید ہے۔

تو یہ جو کاف حرفِ خطاب ہے یہ صرف مخاطب پر دلالت کرتا ہے بھئی کہ وہ مفرد ہے، تثنیہ ہے یا جمع ہے، مذکر ہے یا مؤنث ہے بھئی۔ اور جبکہ کافِ ضمیر وہ تو اسم ہے بھئی۔ تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ ایک کاف ہے اس کو اسم قرار دیا اور ایک کاف ہے اس کو حرف قرار دیا، یہ دونوں میں فرق کیوں کیا گیا؟ وجہ یہ کہ کاف جو ضمیر ہوگی اس کی جگہ اسمِ ظاہر آسکتا ہے۔ رَأَيْتُكَ یا یوں کہیں ضَرَبْتُكَ میں نے آپ کی پٹائی کی، یہ کاف ضمیر ہے اس کی جگہ کاف ضمیر کو ہٹائیں اور اس کی جگہ کسی اسمِ ظاہر کو لے آئیں: ضَرَبْتُ زَيْدًا۔ دیکھا جو کافِ ضمیر ہوگی اس کی جگہ اسمِ ظاہر کو لانا ٹھیک ہوگا، اور جو کاف حرفِ خطاب ہوگا اس کی جگہ اسمِ ظاہر کو لانا ٹھیک نہیں۔ ذٰلِكَ یہ کاف حرفِ خطاب ہے، اس کاف کو ہٹائیں اور اس کی جگہ کوئی اور لفظ لایا جائے ایسا نہیں ہو سکتا بھئی۔ تو دونوں میں فرق کیا ہوا کہ کاف اسمی ہے اس کی جگہ اسمِ ظاہر آسکتا ہے، اور جو کاف حرفی ہے اس کی جگہ اسمِ ظاہر نہیں آسکتا۔

اور نیز یہ کافِ حرفی جو ہے یہ اسمِ اشارہ کے آخر میں بھی آتا ہے ذٰلِكَ، اور اسی طرح یہ إِيَّاكَ ضمیرِ منصوب منفصل کے آخر میں بھی آتا ہے، اور اسی طرح یہ اسمِ فعل کے آخر میں بھی آتا ہے عَلَيْكَ، عَلَيْكُمَا، عَلَيْكُمْ، اور اسی طرح یہ أَرَأَيْتَكَ، أَرَأَيْتَكُمْ یہ اس أَرَأَيْتَ کے آخر میں بھی آتا ہے۔ یہ صرف مخاطب پر دلالت کرتا ہے اور اس کی جگہ اسمِ ظاہر نہیں آسکتا بھئی۔

تو منادی کی مشابہت ہوئی کافِ اسمی کے ساتھ تین چیزوں میں: خطاب، تعریف، اور افراد کے اندر۔ اور یہ کافِ اسمی مشابہ ہے کافِ حرفی کے ساتھ انہی تین چیزوں میں، یعنی افراد، تعریف اور خطاب کے اندر۔ تو جب منادی کی مشابہت آگئی کافِ اسمی کے ساتھ ان تین چیزوں میں، تو منادی کافِ اسمی کے واسطے سے مشابہ ہو گیا کافِ حرفی کے بھی بھئی۔ انہی تین چیزوں میں منادی کی بھی مشابہت آگئی کافِ حرفی کے ساتھ، اور کافِ حرفی تو مَبْنِيُّ الْأَصْلِ ہے اور مَبْنِيُّ الْأَصْلِ کے ساتھ جس اسم کی مشابہت ہو جائے وہ بھی کیا بن جاتا ہے؟ مبنی۔ تو اس لیے منادی مبنی ہو گیا۔

اس پر اشکال ہوتا ہے اے صاحبِ جامی آپ نے اتنی لمبی تقریر کی کہ منادی مشابہ ہے کافِ اسمی کے اور کافِ اسمی مشابہ ہے کافِ حرفی کے، تو منادی بھی مشابہ ہو گیا کس کے؟ کافِ حرفی کے اس لیے مبنی بن گیا۔ آپ مختصراً یوں کہہ دیتے کہ منادی کی مشابہت آگئی کافِ اسمی کے ساتھ اور کافِ اسمی تو مبنی تھا لہذا یہ منادی بھی کیا بن گیا؟ مبنی۔ کہتے ہیں نہیں بھئی ہم یوں نہیں کہہ سکتے۔ اس لیے کیونکہ جو کافِ اسمی ہے یہ اسم ہے اور اسم مَبْنِيُّ الْأَصْلِ نہیں ہے، مَبْنِيُّ الْأَصْلِ تو

صرف حروف ہیں اور فعلِ ماضی ہے اور فعلِ امر۔ تو یہ جو اسم مبنی ہوتا ہے یہ اپنی بِنا یعنی اپنا مبنی ہونا یہ خود مَبْنِيُّ الْأَصْلِ سے اخذ کرتا ہے۔ تو جب یہ کافِ اسمی نے اپنی بِنا کہاں سے اخذ کی ہے؟ کافِ حرفی سے، تو اب منادی اس کافِ اسمی سے اپنی بِنا اخذ نہیں کر سکتا بھئی۔ ورنہ تو یہ اسی طرح ہو جائے گا جیسے فقیر سے مانگا جا رہا ہے۔ کافِ اسمی تو خود محتاج تھا، اس نے اپنی بِنا کہاں سے لی؟ کافِ حرفی سے، تو پھر اگر منادی اسی سے اپنی بِنا لے گا تو یہ تو محتاج سے مانگنے کی طرح ہو جائے گا، حالانکہ محتاج سے تو نہیں مانگا جاتا بھئی۔

اب آئیے آج کے سبق پر بھئی: وَيُخْفَضُ أَيْ يَنْجَرُّ الْمُنَادَى بِلَامِ الْاِسْتِغَاثَةِ أَيْ بِلَامٍ تَدْخُلُهُ وَقْتَ الْاِسْتِغَاثَةِ، وَهِيَ لَامُ التَّخْصِيصِ۔ بھئی اب منادائے مستغاث کی تفصیل بیان کرنے لگے ہیں صاحبِ کافیہ۔

میں نے آپ کو بتلایا کہ ایک ہے مستغیث، ایک ہے مستغاث، اور ایک ہے مستغاث لہ۔ مستغیث جو فریاد کرنے والا ہے یعنی متکلم یعنی جو ندا دینے والا ہے؛ اور مستغاث ہے جس کو ندا دی جائے، جس سے فریاد کی جائے، جس سے مدد طلب کی جائے؛ اور ایک ہے مستغاث لہ جس کے لیے فریاد کی جا رہی ہے۔ مثلاً آپ ایک شخص کے پاس سے گزرے اور آپ کو اس پر رحم آیا، ترس آیا اور آپ اس کی مدد کرنا چاہتے ہیں لیکن آپ اس کی مدد کرنے پر قادر نہیں، تو آپ اس شخص کو ندا دیتے ہیں یا ان لوگوں کو ندا دیتے ہیں جو اس کی مدد پر قادر ہیں۔ مثلاً آپ زید کو ندا دیتے ہیں: يَا لَزَيْدٍ لِلْمَظْلُومِ، يَا لَزَيْدٍ لِلْمَظْلُومِ۔

تو یاد رکھو یہ جو مستغاث ہے اس پر لامِ جارہ داخل کرتے ہیں، اور یہ لام مفتوح ہوتا ہے تاکہ فرق ہو جائے مستغاث لہ سے۔ مستغاث لہ پر جو لام داخل ہوگا وہ اس کے نیچے کسرہ ہوگا بھئی۔ تو يَا لَزَيْدٍ لِلْمَظْلُومِ، یہ لَزَيْدٍ کے لام پر فتحہ بتلا رہا ہے کہ زید مستغاث ہے، اور لِلْمَظْلُومِ کے لام کے نیچے کسرہ بتلا رہا ہے کہ یہ مستغاث لہ ہے۔ اور معنی کیا ہوگا؟ يَا لَزَيْدٍ اے زید میں آپ سے فریاد کر رہا ہوں لِلْمَظْلُومِ کس کے لیے؟ اس مظلوم کے لیے، یا یوں کہیں ترجمہ یہ ہوگا يَا لَزَيْدٍ اے زید میں آپ کو پکار رہا ہوں لِلْمَظْلُومِ اس مظلوم کے لیے کہ آپ آکر اس کی مدد کریں۔ تو مستغاث پر جو لام آئے گا وہ مفتوح، اور مستغاث لہ پر جو لام آئے گا وہ مکسور ہوگا بھئی۔

دیکھیے بھئی کتاب پر، کہتے ہیں وَيُخْفَضُ أَيْ يَنْجَرُّ الْمُنَادَى بِلَامِ الْاِسْتِغَاثَةِ، وَيُخْفَضُ خفض کہتے ہیں جر دینا، وَيُخْفَضُ اور جر دیا جائے گا أَيْ يَنْجَرُّ الْمُنَادَى یعنی منادی مجرور ہوگا، مجرور ہوگا بِلَامِ الْاِسْتِغَاثَةِ لامِ استغاثہ کی وجہ سے، لامِ استغاثہ کی وجہ سے أَيْ بِلَامٍ تَدْخُلُهُ وَقْتَ الْاِسْتِغَاثَةِ یعنی ایسا لام جو داخل ہوتا ہے منادی پر استغاثہ کے وقت میں۔ وَهِيَ لَامُ التَّخْصِيصِ اور یہ لامِ تخصیص ہے أُدْخِلَتْ عَلَى الْمُسْتَغَاثِ جس کو مستغاث پر داخل کیا گیا دَلَالَةً یہ دلالت کرنے کے لیے عَلَى أَنَّهُ مَخْصُوصٌ مِنْ بَيْنِ أَمْثَالِهِ بِالدُّعَاءِ کہ وہ منادی مخصوص ہے اپنے جیسوں میں، عَلَى أَنَّهُ مَخْصُوصٌ مِنْ بَيْنِ أَمْثَالِهِ کہ منادی مخصوص ہے اپنے جیسوں میں بِالدُّعَاءِ پکار کے ساتھ، یعنی خاص طور پر منادی ہی کو پکارا گیا ہے۔ مثلاً آپ نے کیا کہا؟ يَا لَزَيْدٍ لِلْمَظْلُومِ اے زید میں آپ کو پکار رہا ہوں اس مظلوم کے لیے۔ تو دیکھو یہ جو مستغاث پر لام آتا ہے یہ لامِ تخصیص ہے جو اس بات

پر دلالت کرتا ہے کہ اے مستغاث آپ کے ساتھ ہی یہ پکار خاص ہے یعنی میں خاص طور پر آپ ہی کو پکار رہا ہوں، آپ ہی آکر اس مظلوم کی فریاد رسی کر سکتے ہیں اور اس کی مدد کر سکتے ہیں۔

تو یہ لام کس لیے ہے؟ تخصیص کے لیے۔ یاد رکھو یہ لامِ جارہ مختلف معانی کے لیے آتا ہے بھئی۔ کبھی یہ لامِ جارہ اختصاص کے لیے آتا ہے جیسے کہتے ہیں اَلْجُلُّ لِلْفَرَسِ۔ جُلّ یہ گھوڑے کے اوپر جو زین رکھی جاتی ہے جو چمڑے کی ہوتی ہے وہ زین اور نہایت سخت ہوتی ہے، تو اس کے نیچے ایک نہایت موٹا کپڑا بچھایا جاتا ہے بلکہ کئی تہیں کر کے وہ کپڑا بچھایا جاتا ہے تاکہ جو چمڑے کی زین ہے یہ گھوڑے کی کمر کو زخمی نہ کر دے۔ تو وہ جو کپڑا زین کے نیچے گھوڑے کی کمر پر بچھایا جاتا ہے اس کو جُلّ کہتے ہیں، اردو میں اس کو جھول کہتے ہیں جھول۔ تو اَلْجُلُّ لِلْفَرَسِ جھول جو ہے وہ خاص ہے کس کے ساتھ؟ گھوڑے کے ساتھ خاص ہے۔ توجہ ہے؟ تو یہ لام کس لیے ہے؟ اختصاص کے لیے، کہ ایک یہ بتلاتا ہے ایک چیز خاص ہے دوسری چیز کے ساتھ۔

اسی طرح ایک لامِ ملکیت بھی ہے بھئی، لامِ ملکیت۔ مثلاً میں کہتا ہوں اَلْمَالُ لِزَيْدٍ یہ مال زید کا ہے۔ کیا معنی؟ یہ مال زید یعنی زید اس کا مالک ہے بھئی۔ دونوں میں فرق سمجھ میں آرہا ہے؟ پچھلے میں تھا اَلْجُلُّ لِلْفَرَسِ وہ جھول گھوڑے کے ساتھ خاص ہے، گھوڑا اس کا مالک نہیں ہے، ہاں وہ جھول خاص ہے کس کے ساتھ؟ گھوڑے کے ساتھ یعنی جھول گھوڑے کے لیے استعمال کی جاتی ہے۔ اور یہاں پر کیا آیا؟ اَلْمَالُ لِزَيْدٍ یہاں یہ معنی نہیں کہ یہ مال خاص ہے زید کے ساتھ، بلکہ زید اس کا مالک ہے بھئی، تو یہ لام کس لیے ہے؟ ملکیت کے لیے ہے۔

اسی طرح کبھی لام استحقاق کے لیے بھی آتا ہے جیسے اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ۔ اللہ تعالی وہ مستحق ہے تمام حمدوں کا۔ توجہ ہے؟ اللہ تعالی تمام حمدوں کا مستحق ہے، یہاں پر لفظِ اللہ پر جو لام داخل ہے لامِ استحقاق ہے۔ بھئی اور چیزوں کی بھی تعریف کی جاتی ہے لیکن حقیقت میں مستحقِ حمد اللہ تعالی ہی ہیں بھئی۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو لہذا اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ میں یہ لام کون سا؟ لامِ استحقاق، اور اَلْمَالُ لِزَيْدٍ یہ لام کون سا؟ یہ ملکیت کے لیے ہے اور جیسے ملکیت کی مثال قرآن میں اللہ فرماتے ہیں لَهُ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ، یہ لَهُ کے اندر لام یہ ملکیت کے لیے ہے کہ اللہ مالک ہے ان تمام چیزوں کا جو زمین اور آسمان کے اندر ہیں۔ اور کبھی یہ لام اختصاص کے لیے آتا ہے جو بتلاتا ہے کہ ایک چیز خاص ہے دوسری چیز کے ساتھ جیسے اَلْجُلُّ لِلْفَرَسِ جھول خاص ہے گھوڑے کے ساتھ۔

یا جیسے یہاں پر آیا، جیسے یہاں پر آیا يَا لَزَيْدٍ یہ لام کون سا ہے؟ اختصاص کے لیے، یہ کیا بتلا رہا ہے کہ یہ جو فریاد ہے یہ خاص ہے کس کے ساتھ؟ زید کے ساتھ۔ زید اس کا مالک نہیں ہے بھئی یہ تو فریاد ہے بھئی، بات سمجھ میں آرہی ہے؟ البتہ

زید اس کے ساتھ خاص ہے یعنی زید ہی کو پکارا جا رہا ہے کسی اور کو نہیں پکارا جا رہا کیونکہ زید ہی مدد کر سکتا ہے اس مظلوم کی اور کوئی مدد نہیں کر سکتا۔

تو کیا بات ہوئی؟ یَا لَزَیْدٍ لِلْمَظْلُومِ یہ لَزَیْدٍ پر لام جو آیا یہ کس لیے ہے؟ اختصاص کے لیے، اور اختصاص کا کیا معنی؟ کہ یہ بتلاتا ہے کہ ایک چیز خاص ہے اس کے ساتھ۔ تو یہاں پر بھی یہ جو پکار ہے یہ خاص ہے زید کے ساتھ۔ توجہ ہے؟

اور یہ جو مستغاث لہ پر لام داخل ہے یَا لَزَیْدٍ لِلْمَظْلُومِ، یہ لِلْمَظْلُومِ پر جو لام داخل ہے یاد رکھو یہ لام تعلیل کے لیے ہے۔ لامِ تعلیل علت بیان کرتا ہے۔ کیا بیان کرتا ہے؟ علت بیان کرتا ہے۔ یَا لَزَیْدٍ اے زید میں آپ سے فریاد کرتا ہوں، میں آپ کو مدد کے لیے پکار رہا ہوں، لِلْمَظْلُومِ کس کے لیے؟ مظلوم کے لیے۔ دیکھو علت بیان کی جا رہی ہے۔ ضَرَبْتُهُ لِلتَّأْدِيبِ میں نے اس کی پٹائی کی کس لیے؟ ادب سکھانے کے لیے، دیکھا علت بیان کرنے کے لیے «کے لیے» کا لفظ لے کر آتے ہیں یا «اس وجہ سے» کا لفظ لے کر آتے ہیں۔ تو یہاں پر بھی کیا آیا؟ یَا لَزَیْدٍ لِلْمَظْلُومِ یہ لِلْمَظْلُومِ پر لام تعلیل والا ہے کہ اے زید میں آپ کو پکار رہا ہوں لِلْمَظْلُومِ اس مظلوم کی وجہ سے۔ تو مستغاث پر جو لام داخل ہوا وہ لامِ اختصاص، اور مستغاث لہ پر جو لام داخل ہوا وہ لامِ تعلیل ہے جو علت بیان کرتا ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟

دوبارہ دیکھیے، کہتے ہیں وَهِيَ لَامُ التَّخْصِيصِ اور یہ لامِ تخصیص ہے أُدْخِلَتْ عَلَى الْمُسْتَغَاثِ جس کو مستغاث پر داخل کیا گیا دَلَالَةً اس بات پر دلالت کرنے کے لیے عَلَى أَنَّهُ مَخْصُوصٌ مِنْ بَيْنِ أَمْثَالِهِ بِالدُّعَاءِ کہ وہ اپنے جیسوں کے اندر وہی مخصوص ہے اس دعا اور اس پکار کے ساتھ، مِثْلُ يَا لَزَيْدٍ۔

وَإِنَّمَا فُتِحَتْ بھئی لامِ مستغاث جو ہے اس پر فتحہ ہے، اور لامِ مستغاث لہ جو ہے اس کے نیچے کسرہ ہے، اس کی وجہ کیا ہے؟ وجہ آپ کو بتلائیں گے صاحبِ جامی۔ کہتے ہیں دیکھو کہ یہ لامِ مستغاث کو فتحہ اس لیے دیا گیا تاکہ فرق ہو جائے مستغاث کا مستغاث لہ سے۔ کس سے فرق ہو جائے؟ اس لیے کیونکہ بعض اوقات، بعض اوقات مستغاث کو حذف کر لیتے ہیں اور صرف مستغاث لہ عبارت میں ذکر ہوتا ہے۔ مثلاً اصل میں تو کیا تھا یَا لَزَیْدٍ لِلْمَظْلُومِ، پھر لَزَیْدٍ کو حذف کر لیا گیا اور کیا بن گیا؟ یَا لِلْمَظْلُومِ، یَا لِلْمَظْلُومِ۔ تو یہ جو لِلْمَظْلُومِ میں جو لام کا کسرہ ہے یہ بتلا رہا ہے کہ یہ مستغاث لہ ہے، اور مستغاث پر لام کا فتحہ بتلاتا ہے کہ وہ مستغاث ہے بھئی۔ تو اگر دونوں میں لام پر کسرہ ہوتا تو پھر تو مستغاث لہ کا التباس لازم آتا مستغاث کے ساتھ۔ مثلاً یَا لَزَیْدٍ کے بجائے یَا لِزَیْدٍ ہوتا، یَا لِزَیْدٍ لِلْمَظْلُومِ، اب لِزَیْدٍ کو حذف کر دیا کیا رہ گیا؟ یَا لِلْمَظْلُومِ۔ تو لِلْمَظْلُومِ کے لام کے نیچے بھی کسرہ اور لِزَیْدٍ کے لام کے نیچے بھی کسرہ تھا، تو اب سننے والے کو پتہ نہیں چلے گا کہ یَا لِلْمَظْلُومِ یہ مظلوم جو ہے یہ مستغاث ہے یا مستغاث لہ۔ تو کبھی کبھار مستغاث کو حذف کر لیا جاتا ہے تو اگر دونوں کے لام کے نیچے کسرہ ہوتا تو سننے والے کو پتہ ہی نہ چلتا کہ یہ جو ذکر ہے یہ مستغاث لہ ہی ہے یا یہ مستغاث ہے بھئی۔ تو اس لیے فرق کرنے کے لیے مستغاث کے لام کو فتحہ دے دیا گیا، تو کیا بن گیا؟ یَا لَزَیْدٍ لِلْمَظْلُومِ۔ اب لَزَیْدٍ کو آپ بے شک حذف بھی کر دیں، یَا لِلْمَظْلُومِ

یہ لام کا کسرہ آپ کو بتا دے گا کہ یہ مستغاث نہیں ہے بلکہ یہ مستغاث لہ ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟

دیکھیے بھئی کتاب پر، کہتے ہیں وَإِنَّمَا فُتِحَتْ لِئَلَّا يَلْتَبِسَ بِالْمُسْتَغَاثِ لَهُ إِذَا حُذِفَ الْمُسْتَغَاثُ، اور مستغاث کو فتحہ دیا گیا تاکہ کہیں اس کا التباس لازم نہ آئے مستغاث لہ کے ساتھ إِذَا حُذِفَ الْمُسْتَغَاثُ جب مستغاث کو حذف کر لیا جائے۔ مستغاث تو حذف ہے اور مستغاث لہ ذکر ہے تو لام کا کسرہ بتلا دے گا، نَحْوُ يَا لِلْمَظْلُومِ، دیکھا یہ لام کا کسرہ بتلا رہا ہے یہ مستغاث لہ ہے أَيْ يَا لَقَوْمٍ لِلْمَظْلُومِ، أَيْ يَا لَقَوْمٍ بتلا دیا کہ مستغاث لَقَوْمٍ یہاں پر محذوف ہے بھئی۔ فَإِنَّهُ لَوْ لَمْ تُفْتَحْ لَامُ الْمُسْتَغَاثِ اس لیے کیونکہ اگر مستغاث کے لام کو فتحہ نہ دیا گیا تو لَمْ يُعْلَمْ تو یہ معلوم نہیں ہو سکے گا أَنَّ الْمَظْلُومَ فِي هٰذَا الْمِثَالِ مُسْتَغَاثٌ أَوْ مُسْتَغَاثٌ لَهُ تو پھر یہ معلوم نہیں ہو سکے گا کہ وہ جو مظلوم کا لفظ آیا ہے اس مثال میں وہ مستغاث ہے یا مستغاث لہ ہے۔

وَلَمْ يُعْكَسِ الْأَمْرُ یہاں سے یہ بتلا رہے ہیں کہ بھئی پھر اس کا برعکس کر لیتے! مستغاث کے لام پر کسرہ ہی رہنے دیتے، مستغاث لہ کے لام پر فتحہ دے دیتے، یوں بھی تو ہو سکتا، فرق ہی کرنا تھا نا۔ ایک کے لام کو فتحہ دینا تھا ایک کے لام پر کسرہ ہی رہنا تھا، تو آپ اس کا برعکس بھی تو کر سکتے تھے پھر بھی فرق ہو سکتا تھا کہ آپ مستغاث لہ کے لام کو فتحہ دے دیتے۔ کہتے ہیں نہیں بھئی اس کا برعکس بھی ہم نہیں کر سکتے، وجہ یہ کہ یہ مستغاث جو ہے یہ ہے منادی، مستغاث لہ تو منادی نہیں۔ تو مستغاث ہوا منادی، اور یہ جو منادی ہوتا ہے یہ آپ پڑھ چکے ہیں یہ کاف ضمیر کی جگہ واقع ہے اس لیے کیونکہ خطاب کے لیے، یعنی یوں کہو مخاطب کے لیے ہمیشہ ضمیر استعمال کی جاتی ہے اس کا نام نہیں استعمال کیا جاتا۔ تو یہ جو منادی ہے یہ ضمیر کی جگہ واقع ہوتا ہے۔ اور یاد رکھنا ضمیر پر جو لامِ جارہ داخل ہوتا ہے اس پر فتحہ ہوتا ہے۔ اسمِ ظاہر پر لامِ جارہ آئے تو اس پر کسرہ، اور ضمیر پر جب لامِ جارہ داخل ہو اس پر فتحہ ہوتا ہے۔ مثلاً میں آپ سے کہتا ہوں هٰذَا الْكِتَابُ لَكَ یہ کتاب آپ کی ہے، دیکھو لَكَ یہ کاف ضمیر پر لامِ جارہ داخل ہوا تو اس لام پر فتحہ ہے۔ یا هٰذَا الْكِتَابُ لَهُ یہ کتاب اس کی ہے، دیکھو لَهُ میں بھی لام پر فتحہ ہے۔ تو ضمیر پر جب لامِ جارہ داخل ہوتا ہے اس پر فتحہ ہوتا ہے، جبکہ اسمِ ظاہر پر جب لامِ جارہ داخل ہو تو اس پر کسرہ ہی رہتا ہے جیسے هٰذَا الْكِتَابُ لِزَيْدٍ یہ زید کی کتاب ہے، تو دیکھو لِزَيْدٍ میں لامِ جارہ اسمِ ظاہر زید پر داخل ہے اور اس کے نیچے کسرہ ہے بھئی۔ تو مستغاث کس کی جگہ واقع ہوا؟ مستغاث منادی ہے، اور منادی کس کی جگہ آیا؟ ضمیر کی جگہ آیا، اور ضمیر پر جب لام داخل کرتے ہیں تو اس پر کیا پڑھتے ہیں؟ فتحہ۔ تو چونکہ مستغاث ضمیر کی جگہ آیا ہے اس لیے اس کے لام کو فتحہ دیا گیا جبکہ مستغاث لہ وہ تو ضمیر کی جگہ واقع نہیں بھئی، اس سے تو خطاب نہیں کیا جا رہا لہٰذا اس کے لام کو فتحہ نہیں دیا جا سکتا۔ بات سمجھ میں آگئی؟

تو کہتے ہیں وَلَمْ يُعْكَسِ الْأَمْرُ اور معاملے کو اس کے برعکس نہیں کیا گیا لِأَنَّ الْمُنَادَى الْمُسْتَغَاثَ وَاقِعٌ مَوْقِعَ كَافِ الضَّمِيرِ اس لیے کیونکہ وہ منادی جو مستغاث ہے وَاقِعٌ مَوْقِعَ كَافِ الضَّمِيرِ یہ واقع ہے اس کاف ضمیر کی جگہ پر الَّتِي تُفْتَحُ لَامُ الْجَرِّ

مَعَهَا جس کے ساتھ لامِ جر کو فتحہ دیا جاتا ہے۔ اس لیے کیونکہ وہ منادی جو مستغاث ہے، توجہ ہے، عبارت پہ نظر ہے؟ اس لیے کیونکہ وہ منادی جو مستغاث ہے وہ اس کاف ضمیر کی جگہ پر واقع ہو رہا ہے جس کے ساتھ لامِ جر کو فتحہ دیا جاتا ہے نَحْوُ لَكَ جیسے کہ لَكَ، دیکھو کاف ضمیر پر جو لامِ جارہ داخل ہوا اس پر فتحہ ہے۔ بِخِلَافِ الْمُسْتَغَاثِ لَهُ بخلاف مستغاث لہ کے لِعَدَمِ وُقُوعِهِ مَوْقِعَ الضَّمِيرِ اس لیے کیونکہ وہ ضمیر کی جگہ واقع نہیں ہے۔

ضمیر کے مقام پر واقع نہیں بھئی، اس لیے کیونکہ وہ ضمیر کے مقام پر واقع نہیں ہے بھئی، اس کو تو ندا نہیں دی جا رہی بھئی مستغاث لہ کو۔

فَإِنْ عَطَفْتَ عَلَى الْمُسْتَغَاثِ، یہاں سے ایک اور فائدہ بتلا رہے ہیں صاحبِ جامی۔ صاحبِ جامی نے آپ کو بتلایا کہ یہ مستغاث کے لام کو فتحہ کیوں دیا گیا؟ تاکہ فرق ہو جائے کس سے؟ مستغاث لہ سے، اس صورت میں جب کبھی کبھار مستغاث کو حذف کر لیا جاتا ہے اور صرف مستغاث لہ رہ جاتا ہے، تو فرق ہو جائے تاکہ۔ اور آگے بتلا رہے ہیں آپ کو کہ اگر کوئی اور چیز فرق کر دے تو پھر مستغاث کے لام پر بھی کسرہ ہی رکھیں گے بھئی۔ جب کوئی اور چیز فرق والی موجود ہے تو پھر لام کو فتحہ دینے کی بھی ضرورت نہیں۔

مثلاً دیکھو بھئی آپ مستغاث پر عطف کرتے ہیں۔ مثلاً یَا لَزَیْدٍ یہ زید مستغاث ہے بھئی، اور اس پر آپ عَمْرٌو کا عطف کرنا چاہتے ہیں۔ تو اس میں دو صورتیں ہیں: ایک صورت یہ کہ درمیان میں حرفِ ندا دوبارہ لائیں گے، یا اس کے بغیر ہی عطف کریں گے۔ مثلاً یَا کے بغیر عطف کرتے ہیں، کیسے؟ یَا لَزَیْدٍ وَلِعَمْرٍو۔ دیکھو یَا لَزَیْدٍ وَلِعَمْرٍو، یہ عَمْرٌو کا عطف کیا گیا زید پر، اور درمیان میں حرفِ ندا یَا کو دوبارہ ذکر نہیں کیا گیا۔ اور یَا لَزَیْدٍ یہ زید پر جو لام ہے اس کا فتحہ بتلا رہا ہے کہ یہ مستغاث ہے، یہ مستغاث ہے۔ اور جب یہ مستغاث ہے تو ظاہر سی بات ہے جس چیز کا اس پر عطف کیا جائے گا وہ بھی مستغاث ہوگا کیونکہ معطوف کا وہی حکم ہوتا ہے جو معطوفٌ علیہ کا ہوتا ہے۔ معطوفٌ علیہ اگر فاعل ہے تو معطوف بھی فاعل ہوگا، معطوفٌ علیہ اگر مفعول ہے تو معطوف بھی مفعول ہوگا۔ یہاں پر معطوفٌ علیہ مستغاث ہے تو جس کا اس پر عطف کیا جائے گا ظاہر سی بات ہے وہ بھی مستغاث ہی ہوگا، مستغاث لہ نہیں ہوگا۔ تو یَا لَزَیْدٍ یہ لَزَیْدٍ پر عطف کیا کس کا؟ عَمْرٌو کا۔ جب عَمْرٌو کا اس پر عطف کر رہے ہیں اور بغیر حرفِ ندا کے، تو اب یہ عطف سے ہی فرق ہو رہا ہے، یَا لَزَیْدٍ وَلِعَمْرٍو۔ تو یہ عَمْرٌو کا عطف ہے زید پر، اور زید تو مستغاث ہے اس پر لام کا فتحہ بتلا رہا ہے کہ وہ مستغاث، جب وہ مستغاث ہے تو اس پر جو عَمْرٌو کا عطف کیا گیا یہ بھی معلوم ہو گیا مستغاث ہی ہے، تو یہ عطف کے ذریعے ہی فرق ہو رہا ہے۔ عطف کے ذریعے ہی فرق ہو رہا ہے، یہ عطف ہی بتلا رہا ہے کہ یہ جو عَمْرٌو ہے یہ بھی مستغاث ہی ہے کیونکہ اس کا عطف مستغاث پر کیا جا رہا ہے۔ تو جب عطف کے ذریعے فرق ہو رہا ہے تو اب لام پر فتحہ لانے کی بھی کوئی حاجت نہیں۔ تو عَمْرٌو کے لام پر پھر کسرہ ہی پڑھیں گے: یَا لَزَیْدٍ وَلِعَمْرٍو۔ توجہ ہے؟ یَا لَزَیْدٍ زید کے لام پر تو فتحہ ہے، اس نے بتا دیا یہ مستغاث ہے، اور آگے وَلِعَمْرٍو یہ عَمْرٌو

کے لام پر فتحہ لانے کی کوئی ضرورت نہیں۔ کیوں؟ کیونکہ یہ عطف جو ہے اس نے فرق کر دیا، عطف نے بتلا دیا کہ عَمْرٌو کا عطف مستغاث پر کیا جا رہا ہے تو یہ بھی مستغاث ہی ہے، یہ مستغاث لہ نہیں ہے۔ جب عطف سے فرق ہو گیا تو اب عَمْرٌو پر لام کا فتحہ لانے کی حاجت نہیں ہے، کیونکہ فتحہ تو کس لیے لاتے تھے؟ تاکہ مستغاث لہ سے فرق ہو جائے، اور یہاں عطف خود فرق کر رہا ہے لہذا فتحہ لانے کی کوئی حاجت نہیں، تو کیسے کہیں گے؟ یَا لَزَیْدٍ وَلِعَمْرٍو۔

اور اگر یَا کو دوبارہ لے کر آئیں، حرفِ ندا کو دوبارہ لائیں، یعنی عَمْرٌو پر بھی یَا داخل کریں تو پھر یاد رکھو پھر عَمْرٌو کے لام پر فتحہ لائیں گے۔ مثلاً آپ یوں کہتے ہیں: یَا لَزَیْدٍ وَیَا لَعَمْرٍو، اب عَمْرٌو کے لام پر بھی فتحہ لائیں گے۔ معطوفٌ علیہ کیا؟ یَا لَزَیْدٍ، اور معطوف کیا؟ وَیَا لَعَمْرٍو۔ تو یَا لَعَمْرٍو کا عطف ہے یَا لَزَیْدٍ پر، لیکن یہاں پر عَمْرٌو کے اندر پھر لام پر فتحہ لائیں گے، وجہ یہ کہ یَا دوبارہ آ گئی، اور جب یَا دوبارہ آئی تو یہ الگ مستقل منادی ہے بھئی۔ اور یَا کے بعد تو مستغاث بھی آ سکتا ہے اور کبھی کبھار مستغاث کو حذف کر کے مستغاث لہ کو بھی لے آتے ہیں۔ تو اگر آپ یہاں پر بھی یَا لِعَمْرٍو پڑھیں گے تو سننے والا یہی سمجھے گا کہ یَا لَزَیْدٍ یہ زید تو مستغاث ہے وَیَا لِعَمْرٍو یہ عَمْرٌو کیا ہے؟ مستغاث لہ ہے بھئی۔ بات سمجھ میں آ گئی؟ کیونکہ وہ الگ مستقل منادی بن رہا ہے، تو لہذا جب یَا حرفِ ندا کے ساتھ عطف کریں گے تو پھر اس دوسرے مستغاث پر بھی لام پر فتحہ لائیں گے ورنہ فرق نہیں ہو سکے گا۔

دیکھیے بھئی کتاب پر، کہتے ہیں فَإِنْ عَطَفْتَ عَلَى الْمُسْتَغَاثِ بِغَيْرِ يَا اگر آپ عطف کریں مستغاث پر بغیر یَا کے یعنی بغیر حرفِ ندا کے، نَحْوُ يَا لَزَيْدٍ وَلِعَمْرٍو، تو كَسَرْتَ لَامَ الْمَعْطُوفِ تو آپ معطوف کے لام کو کسرہ دیں گے لِأَنَّ الْفَرْقَ بَيْنَهُ وَبَيْنَ الْمُسْتَغَاثِ لَهُ حَاصِلٌ اس لیے کیونکہ وہ جو معطوف کا فرق ہے مستغاث لہ سے وہ حاصل ہے۔ وہ جو معطوف ہے اس کا فرق کس سے حاصل ہے؟ مستغاث لہ سے حاصل ہے بھئی۔ کس طرح فرق حاصل ہے؟ کہتے ہیں بِعَطْفِهِ عَلَى الْمُسْتَغَاثِ اس وجہ سے کہ اس کا عطف مستغاث پر کیا جا رہا ہے۔ جب عَمْرٌو کا عطف مستغاث پر کیا جا رہا ہے معلوم ہوا عَمْرٌو بھی مستغاث ہی ہے، مستغاث لہ نہیں، تو عطف سے ہی فرق حاصل ہو گیا۔ تو عطف سے ہی مستغاث کا فرق حاصل ہو رہا ہے کس سے؟ مستغاث لہ سے، لہذا اب لام کے ذریعے فرق کرنے کی حاجت نہیں تو لام پر کسرہ پڑھیں گے اور کیسے کہیں گے؟ یَا لَزَیْدٍ وَلِعَمْرٍو۔

وَإِنْ عَطَفْتَ مَعَ يَا اور اگر آپ مستغاث پر عطف کریں یَا کے ساتھ، فَلَا بُدَّ مِنْ فَتْحِ لَامِ الْمَعْطُوفِ أَيْضًا تو پھر لامِ معطوف کا فتحہ بھی ضروری ہے نَحْوُ يَا لَزَيْدٍ وَيَا لَعَمْرٍو، يَا لَزَيْدٍ وَيَا لَعَمْرٍو۔ تو دیکھو اب آپ یہاں عطف کر رہے ہیں یَا لَزَیْدٍ پر اور یَا کے ساتھ عطف کر رہے ہیں، تو پھر گویا وہ الگ مستقل منادی ہے، یَا حرفِ ندا الگ دوبارہ آیا، تو یَا کے بعد تو مستغاث بھی آ سکتا ہے اور مستغاث لہ بھی آ سکتا ہے، کبھی مستغاث کو حذف کر کے کس کو لے آتے ہیں یَا کے بعد؟

مستغاث لہ کو لے آتے ہیں۔ تو لہذا یہاں چونکہ دونوں احتمال تھے، فرق نہیں ہو سکتا تھا، تو اب فرق کرنے کے لیے لَعَمْرِو کے لام پر فتحہ لائیں گے، یہ لام کا فتحہ بتلائے گا کہ یہ عَمْرٌو یہ بھی مستغاث ہی ہے، یہ مستغاث لہ نہیں ہے بھئی۔

آگے دیکھیے، کہتے ہیں وَإِنَّمَا أُعْرِبَ الْمُنَادَى بَعْدَ دُخُولِ لَامِ الْاِسْتِغَاثَةِ لِأَنَّ عِلَّةَ بِنَائِهِ،یہاں سے ایک سوال کا جواب دے رہے ہیں۔ سوال یہ کہ یہ جو منادی مفرد معرفہ ہے یہ تو مبنی ہوتا ہے۔ یَا زَیْدُ دیکھو مفرد ہے نہ مضاف ہے نہ مشابہ مضاف، اور نیز معرفہ ہے تو یہ تو مَبْنِيٌّ عَلَى الضَّمِّ ہوتا ہے۔ تو پھر منادائے مستغاث جب اس پر لامِ جارہ آگیا تو آپ نے اس کو جر کیوں دیا؟ اس کو اسی طرح مبنی رکھتے ! اور مبنی پر بھی لامِ جارہ داخل ہوتا ہے جیسے اسمِ موصول بھی مبنی ہے، اسمِ اشارہ بھی مبنی ہے، ضمیر بھی مبنی ہے، تو ان پر بھی لامِ جارہ داخل ہوتا ہے۔ دیکھو لَهُ یہ ضمیر پر لامِ جارہ داخل ہوا، توجہ ہے؟ اور اسی طرح الَّذِي پر لامِ جارہ داخل ہو سکتا ہے لِلَّذِي، اسمِ اشارہ پر داخل ہو سکتا ہے لامِ جارہ لِذٰلِكَ، تو لامِ جارہ تو مبنی پر بھی داخل ہوتا ہے تو آپ لامِ جارہ بھی داخل کرتے اور اس کو مبنی بھی رکھتے بھئی۔ بات سمجھ میں آگئی؟ یہ مفرد معرفہ ہے۔

تو صاحبِ جامی بتلائیں گے کہ یہ جو منادی مفرد معرفہ ہے یہ مبنی اس لیے ہوا کہ ہم نے آپ کو بتا دیا کہ اس کی مشابہت آگئی کس کے ساتھ؟ کافِ اسمی کے ساتھ یعنی ضمیر کے ساتھ، اور کافِ اسمی کی مشابہت ہے کس کے ساتھ؟ کافِ حرفی کے ساتھ یعنی حرفِ خطاب کے ساتھ۔ تو اس کافِ ضمیر کے واسطے سے منادی کی مشابہت کافِ حرفی کے ساتھ بھی آ گئی۔ اور کافِ حرفی وہ تو حرف ہے، مَبْنِيٌّ الْأَصْلِ ہے، تو منادی جب مَبْنِيٌّ الْأَصْلِ یعنی کافِ حرفی کے مشابہ ہوا تو اس کو مبنی قرار دے دیا گیا۔ لیکن جب اسی منادی پر لامِ جارہ داخل ہوا، اور لامِ جارہ یہ تو اسم کی خصوصیات میں سے ہے۔ آپ نے اسم کے خاصے پڑھے، اسم کے خواص میں سے ایک کیا ہے؟ کہ اس پر حروفِ جارہ داخل ہوتے ہیں۔ حروفِ جارہ صرف اسم پر داخل ہوتے ہیں، حرف پر بھی داخل نہیں ہوتے اور فعل پر بھی داخل نہیں ہوتے۔ تو منادی اس کی مشابہت تھی مَبْنِيٌّ الْأَصْلِ کے ساتھ، لیکن جب اس پر ایک ایسی چیز داخل ہو گئی جو خاص طور پر اسم پر ہی داخل ہوتی ہے تو اس کی اسم والی جہت قوی ہو گئی، اور وہ جو اس منادی کی مشابہت آرہی تھی حرفِ خطاب کے ساتھ وہ مشابہت کمزور پڑ گئی بھئی۔ توجہ ہے؟ یہ منادی مبنی کیوں ہوا تھا؟ کیونکہ اس کی مشابہت تھی حرف کے ساتھ، لیکن اس پر ایک ایسی چیز آگئی جو صرف اسم پر داخل ہوتی ہے، تو اسم والی جانب قوی ہو گئی اور وہ جو مشابہت تھی حرف کے ساتھ وہ مشابہت کمزور پڑ گئی۔ جب کمزور پڑ گئی تو اس کو لہذا پھر معرب بنا دیا گیا کیونکہ اسم والی جانب قوی ہو گئی، اور اسم میں اصل کیا ہے؟ کہ وہ معرب ہوتا ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟

تو کہتے ہیں وَإِنَّمَا أُعْرِبَ الْمُنَادَى بَعْدَ دُخُولِ لَامِ الْاِسْتِغَاثَةِ کہتے ہیں اعراب دیا گیا منادی کو یعنی اس کو معرب بنایا گیا لامِ استغاثہ کے داخل ہونے کے بعد لِأَنَّ عِلَّةَ بِنَائِهِ اس لیے کیونکہ اس کے مبنی ہونے کی جو علت ہے كَانَتْ مُشَابَهَتَهُ لِلْحَرْفِ

وہ اس کی حرف کے ساتھ مشابہت تھی۔ اس منادی کے مبنی ہونے کی علت کیا تھی؟ حرف کے ساتھ اس کی مشابہت تھی۔ تو کہتے ہیں وَاللَّامُ الْجَارَّةُ مِنْ خَوَاصِّ الْاِسْمِ اور لامِ جارہ یہ تو اسم کے خاصوں میں سے ہے، فَبِدُخُولِهَا ضَعُفَتْ مُشَابَهَتُهُ لِلْحَرْفِ تو اس لامِ جارہ کے داخل ہونے کی وجہ سے اس منادی کی مشابہت حرف کے ساتھ ضعیف ہو گئی، فَأُعْرِبَ عَلَى مَا هُوَ الْأَصْلُ فِيهِ تو اس کو اعراب دیا گیا بنا بر اس کے جو اس کے اندر اصل ہے، جو اس کے اندر اصل ہے، یعنی اس منادی کے اندر اصل کیا ہے؟ معرب ہونا چاہیے بھئی، منصوب ہونا چاہیے، یہ مفعول بہ ہے أَدْعُو فعل کے لیے بھئی۔ توجہ ہے؟ تو لہذا وہ جو اس منادی کی مشابہت آئی تھی مَبْنِيُّ الْأَصْلِ کے ساتھ اس لیے مبنی بن گیا تھا ورنہ تو اصل کیا ہے منادی منصوب ہوتا ہے معرب ہوتا ہے بھئی۔ تو کہتے ہیں فَأُعْرِبَ عَلَى مَا هُوَ الْأَصْلُ فِيهِ تو اس کو اعراب دیا گیا یعنی اس منادی کو معرب بنایا گیا بنا بر اس کے جو اصل ہے منادی کے اندر کہ وہ معرب ہوتا ہے۔

قِيلَ قَدْ يُخْفَضُ الْمُنَادَى بِلَامَيِ التَّعَجُّبِ وَالتَّهْدِيدِ أَيْضًا۔ جی اب یہاں سے صاحبِ جامی صاحبِ کافیہ پر ایک اعتراض کریں گے اور اس کا پھر جواب بھی ذکر کریں گے۔ اعتراض یہ ہوتا ہے صاحبِ کافیہ پر کہ اے صاحبِ کافیہ آپ نے لامِ استغاثہ کو تو منادی کی بحث میں ذکر کر دیا لیکن اسی طرح دو اور لام بھی آتے ہیں جو جر دیتے ہیں، ایک لامِ تعجب ہے ایک لامِ تہدید ہے، یہ بھی منادی پر داخل ہوتے ہیں اور یہ بھی اس کو جر دیتے ہیں تو آپ نے ان دونوں کو کیوں نہیں ذکر کیا؟ لامِ تعجب جیسے يَا لَلْمَاءِ، بھئی کسی جگہ پر آپ پہنچے اور آپ کی توقع ہی نہیں تھی کہ یہاں پانی مل سکتا ہے، آپ کو اچانک خوب زیادہ پانی مل گیا تو آپ اس وقت تعجب سے کہتے ہیں:

يا لَلْمَاءِ! دیکھو یہ لام پر فتحہ ہے، یا لَلْمَاءِ کہ اس پانی پر تو تعجب ہے کہ کتنا زیادہ ہے بھئی! يا لَلْمَاءِ، دیکھو معنی کیا ہوگا؟ اس پانی پر تعجب ہے کہ کتنا زیادہ ہے، یا یوں کہو اس پانی پر تعجب ہے، یہ کتنا ہے یا یہ کیسا ہے؟ یعنی بہت کثیر ہے۔ یا اسی طرح يا لَلدَّوَاهِي، دَوَاهِي جمع ہے دَاهِيَةٌ کی، اور دَاهِيَةٌ کہتے ہیں بڑی مصیبت کو بھئی۔ تو يا لَلدَّوَاهِي، کسی شخص پر بہت زیادہ مشکلات آئیں، حادثاتِ زمانہ اس پر آئے، تو وہ اس وقت کہتا ہے: يا لَلدَّوَاهِي! یعنی ان مصیبتوں پر تعجب ہے، یہ کتنی ہیں بھئی، یعنی کتنی زیادہ ہیں بھئی! تو یہ لام جو آیا یہ تعجب کے لیے ہے بھئی، تعجب کے لیے۔ اور اس میں یہ بھی یاد رکھنا یہ جو لامِ تعجب ہے اس پر اصل میں فتحہ ہے بھئی، اس پر اصل میں يا لَلْمَاءِ، دیکھو لام پر فتحہ ہے۔ اسی طرح يا لَلدَّوَاهِي، یہاں بھی لام پر فتحہ ہے۔ لیکن اسی لام پر کسرہ بھی کثرت کے ساتھ عربی زبان میں استعمال ہوتا ہے۔ تو يا لَلْمَاءِ یوں بھی کہتے ہیں اور يا لِلْمَاءِ یوں بھی کہتے ہیں۔ اسی طرح يا لَلدَّوَاهِي اور اسی طرح يا لِلدَّوَاهِي دونوں طرح کہتے ہیں۔ تو یہ لام جو ہے لامِ تعجب یہ مفتوح ہوتا ہے، لیکن علامہ رضی جنہوں نے کافیہ کی عظیم شرح لکھی ہے وہ فرماتے ہیں کہ یہ لامِ تعجب پر کسرہ بھی کثیر الاستعمال ہے عربی زبان میں۔ تو يا لَلْمَاءِ بھی کہہ سکتے ہیں اور يا لِلْمَاءِ، يا لَلدَّوَاهِي بھی کہہ سکتے ہیں اور يا لِلدَّوَاهِي بھی کہہ

سکتے ہیں۔

تو اعتراض چل رہا تھا کہ یہ دیکھو یہ لامِ تعجب بھی آتا ہے اور یہ بھی جر دیتا ہے منادی کو، صاحبِ کافیہ نے اس کو کیوں ذکر نہیں کیا؟ اسی طرح ایک لامِ تہدید ہے، هَدَّدَ يُهَدِّدُ تَهْدِيدٌ کا معنی ہے دھمکی دینا بھئی۔ اور جس کو دھمکی دی جاتی ہے اس پر لام داخل کرتے ہیں۔ مثلاً: يا لَزَيْدٍ لَأَقْتُلَنَّكَ، کوئی شخص ہے زید سے اس کا جھگڑا ہے تو وہ زید کو دھمکی دیتے ہوئے کہتا ہے: يا لَزَيْدٍ اے زید! لَأَقْتُلَنَّكَ میں تجھے ضرور بضرور قتل کردوں گا۔ تو یہاں پر دیکھو یہ جس کو دھمکی دی جا رہی ہے یعنی اس پر لام داخل کیا گیا اور یہ لام بھی مفتوح ہے: يا لَزَيْدٍ لَأَقْتُلَنَّكَ۔

تو اشکال کیا تھا کہ اے صاحبِ کافیہ آپ نے لامِ استغاثہ کو ذکر کر دیا اور آپ نے لامِ تعجب اور لامِ تہدید کو ذکر نہیں کیا حالانکہ یہ بھی منادی پر داخل ہوتے ہیں اور یہ اس کو جر دیتے ہیں بھئی۔ اور نیز آگے صاحبِ کافیہ نے آگے چل کر فرمایا: وَيُنْصَبُ مَا سِوَاهُمَا، وَيُنْصَبُ اور ان دونوں کے علاوہ جو منادی ہوتا ہے وہ منصوب ہوتا ہے۔ کن دونوں کے علاوہ؟ منادی جو مفرد معرفہ ہو وہ تو بنی علی الضم ہے، اور منادائے مستغاث چاہے وہ لام کے ساتھ ہو چاہے الف کے ساتھ۔ تو منادائے مفرد معرفہ اور منادائے مستغاث کے علاوہ باقی صورتوں میں منادی منصوب ہوگا، حالانکہ مصنف کی تو یہ بات درست نہیں بنتی۔ اس لیے کیونکہ منادائے مفرد معرفہ اور منادائے مستغاث کے علاوہ وہ منادی بھی تو ہے جس پر لامِ تعجب اور لامِ تہدید داخل ہے، اور وہ تو مجرور ہوتے ہیں۔ تو پھر مصنف کا یہ کہنا کیسے صحیح ہے وَيُنْصَبُ مَا سِوَاهُمَا کہ ان دونوں کے علاوہ باقی تمام صورتوں میں منادی منصوب ہوتا ہے؟ منصوب کیسے بھئی؟ باقی صورتوں کے اندر تو لامِ تعجب بھی آگیا، اور باقی صورتوں کے اندر لامِ تہدید بھی آگیا، اور جب لامِ تعجب اور لامِ تہدید منادی پر آئیں پھر تو وہ منصوب نہیں ہوتا وہ تو پھر مجرور ہوتا ہے بھئی۔

اشکال سمجھ میں آیا؟ ایک تو اعتراض یہ کہ صاحبِ کافیہ نے یہ دو لام، یہ لامِ تعجب اور لامِ تہدید کو ذکر کیوں نہیں فرمایا؟ وہ بھی منادی پر داخل ہوتے ہیں۔ اور نیز آگے صاحبِ کافیہ نے کہا کہ ان دونوں کے علاوہ باقی صورتوں میں منادی منصوب ہوگا، کن دونوں کے علاوہ؟ منادائے مفرد معرفہ اور مستغاث کے علاوہ باقی صورتوں میں منادی منصوب ہوگا۔ بھئی باقی تمام صورتوں میں تو منصوب نہیں ہو سکتا کیونکہ ان دونوں کے علاوہ صورتوں کے اندر لامِ تعجب بھی آگیا اور لامِ تہدید بھی آگیا، اس صورت میں تو منادی منصوب نہیں ہوتا، تو مصنف کا وَيُنْصَبُ مَا سِوَاهُمَا ان دونوں کے علاوہ باقی صورتوں میں منادی منصوب ہوتا ہے یہ کلی طور پر یہ کہنا کیسے صحیح ہو سکتا ہے بھئی؟ بات سمجھ میں آگئی؟

تو اس کا پھر جواب دیا بعض علماء نے کہ یہ لامِ تعجب اور لامِ تہدید جو ہیں یہ بھی حقیقت میں لامِ استغاثہ ہی ہیں۔ یہ کوئی الگ چیز ہوتی تو ہم اس کو الگ ذکر کرتے، یہ لامِ تعجب بھی کیا ہے؟ لامِ استغاثہ، اور لامِ تہدید بھی کیا ہے؟ لامِ استغاثہ۔ تو جب لامِ استغاثہ کا ذکر کر دیا تو ان سب کا ذکر ہو گیا، علیحدہ ان کو ذکر کرنے کی کوئی حاجت نہیں ہے بھئی۔

بھئی یہ کس طرح لامِ استغاثہ ہیں؟ کہتے ہیں لامِ تعجب اس طرح لامِ استغاثہ ہے گویا تعجب کرنے والا جو ندا دے رہا ہے، مثلاً آپ کو پانی ملا تو آپ کیا کہتے ہیں؟ یا لَلْمَاءِ، تو آپ ہوئے مُتَعَجِّب بھئی تعجب کرنے والا جس نے یہ لفظ کہا ہے یا لَلْمَاءِ وہ ہے مُتَعَجِّب، اور وہ چیز جس پر تعجب کا اظہار کیا جا رہا ہے وہ ہے مُتَعَجَّبٌ مِنْهُ۔ تو متکلم کیا ہوا؟ مُتَعَجِّب، اور وہ جو پانی ہے یا وہ جو مصیبت ہے وہ ہے مُتَعَجَّبٌ مِنْهُ۔ تو یہ جو تعجب کے لیے لام آیا یہ بھی لامِ استغاثہ ہے، گویا مُتَعَجِّب جو ہے وہ مُتَعَجَّبٌ مِنْهُ کو ندا دے رہا ہے یا لَلْمَاءِ کہ اے مُتَعَجَّبٌ مِنْهُ تم حاضر ہو جاؤ، تمہاری وجہ سے مجھے تعجب لاحق ہوا ہے، تم حاضر ہو جاؤ تاکہ میں تم سے جی بھر کے اپنا تعجب پورا کر لوں اور اس تعجب سے میری جان چھوٹ جائے۔ اے مُتَعَجَّبٌ مِنْهُ تمہاری وجہ سے مجھے تعجب لاحق ہوا ہے، تو میں تم سے فریاد کرتا ہوں میں تم سے درخواست کرتا ہوں کہ حاضر ہو جاؤ تاکہ میں جی بھر کے تم سے اپنے تعجب کو پورا کر لوں اور اس تعجب سے میری جان چھوٹ جائے بھئی۔ تو دیکھو یہاں پر بھی یہ لام کس لیے ہے؟ جو لامِ تعجب ہے وہ دراصل لامِ استغاثہ ہی ہے جس میں مُتَعَجَّبٌ مِنْهُ سے فریاد کی جا رہی ہے بھئی۔

اور اسی طرح لامِ تہدید جو ہے کہتے ہیں وہ بھی لامِ استغاثہ ہے بھئی۔ کس طرح لامِ استغاثہ ہے؟ مثلاً یا لَزَيْدٍ لَأَقْتُلَنَّكَ، یہ جو کلام کرنے والا ہے یعنی منادی جو ہے جو ندا دے رہا ہے وہ ہے مُهَدِّد۔ هَدَّدَ يُهَدِّدُ تَهْدِيدًا فَهُوَ مُهَدِّدٌ یہ اسمِ فاعل ہے۔ تو جس نے یہ لفظ کہا یا لَزَيْدٍ لَأَقْتُلَنَّكَ وہ ہوا مُهَدِّد، اور زید جس کو دھمکی دی گئی ہے وہ ہے مُهَدَّد بھئی۔ توجہ ہے؟ تو یہ جو لامِ تہدید ہے یہ بھی لامِ استغاثہ ہے کس طرح؟ گویا کہ مُهَدِّد جو ہے وہ مُهَدَّد سے فریاد کر رہا ہے۔ دھمکی دینے والا گویا زید سے فریاد کر رہا ہے یا لَزَيْدٍ لَأَقْتُلَنَّكَ۔ تو زید کیا ہوا؟ مُهَدَّد، تو مُهَدِّد جو ہے وہ مُهَدَّد یعنی زید سے درخواست کر رہا ہے، اس سے فریاد کر رہا ہے کہ اے زید مجھے تم پر بہت غصہ ہے میں تم سے انتقام لینا چاہتا ہوں تو تم حاضر ہو جاؤ تاکہ میں تم سے جی بھر کر انتقام لے لوں اور اپنے غصے کی آگ ٹھنڈی کر لوں بھئی، اور اس غضب اور انتقام سے میری جان چھوٹ جائے۔ اے زید تم حاضر ہو جاؤ میں تم سے فریاد کرتا ہوں کہ تم حاضر ہو جاؤ تاکہ میں تم سے انتقام لے کر اپنے غضب کی آگ ٹھنڈی کر لوں اور اس غضب سے میری جان چھوٹ جائے بھئی۔ تو معلوم ہوا یہ لامِ تہدید بھی کیا ہے؟ دراصل لامِ استغاثہ ہی ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟

دیکھیے بھئی کتاب پر: قِيلَ کہا گیا ہے، قَدْ يُخْفَضُ الْمُنَادَى بِلَامَيِ التَّعَجُّبِ وَالتَّهْدِيدِ أَيْضًا کہ منادی کو جر دیا جاتا ہے تعجب اور تہدید کے دو لاموں کی وجہ سے بھی۔ بِلَامَيِ التَّعَجُّبِ اصل میں کیا تھا؟ لَامَيْنِ التَّعَجُّبِ، تثنیہ ہے لَامَيْنِ دو لام جو ہے اور نون اضافت سے گر گیا۔ تو کہتے ہیں قِيلَ کہا گیا ہے، قَدْ يُخْفَضُ الْمُنَادَى بِلَامَيِ التَّعَجُّبِ وَالتَّهْدِيدِ أَيْضًا کہ منادی کو جر دیا جاتا ہے تعجب اور تہدید کے دو لاموں کی وجہ سے بھی۔ فَلَامُ التَّعَجُّبِ نَحْوُ يَا لَلْمَاءِ وَيَا لَلدَّوَاهِي، تو لامِ تعجب جو ہے جیسے کہ یا لَلْمَاءِ اور یا لَلدَّوَاهِي۔ وَلَامُ التَّهْدِيدِ نَحْوُ يَا لَزَيْدٍ لَأَقْتُلَنَّكَ، اور لامِ تہدید جو ہے جیسے یا لَزَيْدٍ لَأَقْتُلَنَّكَ، اس کے اندر یہ لام تہدید کے لیے ہے۔ فَلِمَ أَهْمَلَ الْمُصَنِّفُ رَحِمَهُ اللّٰهُ ذِكْرَهُمَا تو کیوں چھوڑ دیا مصنف نے ان دونوں کے ذکر کو؟ أَهْمَلَ

یُهْمِلُ إِهْمَال کا معنی ہے چھوڑ دینا، نظر انداز کر دینا، توجہ نہ کرنا۔ فَلِمَ أَهْمَلَ الْمُصَنِّفُ ذِكْرَهُمَا تو مصنف نے کیوں نظر انداز کر دیا ان دونوں لاموں کے ذکر کو؟

وَكَيْفَ يَصْدُقُ قَوْلُهُ فِيمَا بَعْدُ وَيُنْصَبُ مَا سِوَاهُمَا كُلِّيًّا اور نیز کیسے صادق آسکتا ہے مصنف کا قول جو بعد میں آرہا ہے، کون سا قول؟ وَيُنْصَبُ مَا سِوَاهُمَا، یہ والا قول مصنف کا کیسے صادق آسکتا ہے كُلِّيًّا کلی طور پر؟ منادیٰ ان دونوں کے علاوہ باقی صورتوں میں منصوب، کون سی دو صورتیں؟ منادائے مفرد معرفہ ہو اور منادائے مستغاث، ان کے علاوہ باقی صورتوں میں منادیٰ منصوب ہوگا۔ بھئی باقی تمام صورتوں میں تو منصوب نہیں ہو سکتا کیونکہ ان دونوں کے علاوہ صورتوں کے اندر لامِ تعجب بھی آگیا اور لامِ تہدید بھی آگیا، اس صورت میں تو منادیٰ منصوب نہیں ہوتا۔ تو مصنف کا وَيُنْصَبُ مَا سِوَاهُمَا ان دونوں کے علاوہ باقی صورتوں میں منادیٰ منصوب ہوتا ہے یہ کلی طور پر یہ کہنا کیسے صحیح ہو سکتا ہے بھئی؟

تو کہتے ہیں وَكَيْفَ يَصْدُقُ قَوْلُهُ فِيمَا بَعْدُ وَيُنْصَبُ مَا سِوَاهُمَا كُلِّيًّا اور مصنف کا جو قول بعد میں آرہا ہے کہ وَيُنْصَبُ مَا سِوَاهُمَا یہ کلی طور پر کیسے صادق آسکتا ہے؟ وَأُجِيبَ اور جواب اس کا دیا گیا بِأَنَّ كُلًّا مِنْ هَاتَيْنِ اللَّامَيْنِ لَامُ الْاِسْتِغَاثَةِ، بِأَنَّ كُلًّا مِنْ هَاتَيْنِ اللَّامَيْنِ کہ ان دو لاموں میں سے ہر ایک جو ہے لَامُ الْاِسْتِغَاثَةِ وہ لامِ استغاثہ ہے۔ ان دونوں لاموں میں سے ہر ایک یعنی لامِ تعجب بھی لامِ استغاثہ اور لامِ تہدید بھی لامِ استغاثہ۔

بات سمجھ میں آگئی؟ اور یہاں آیا بِأَنَّ كُلًّا، یہ كُلّ کا لفظ آیا بھئی كُلّ، اور كُلّ یاد رکھو ہمیشہ مضاف الیہ چاہتا ہے۔ كُلّ کا معنی ہے سارا، بھئی کیا چیز اس کی ساری؟ كُلُّ كِتَابٍ یا كُلُّ قَلَمٍ یا كُلُّ طَالِبٍ، ساری کتابیں یا سارے قلم یا سارے طلبہ، آگے مضاف الیہ چاہیے بھئی۔ تو پھر کبھی کبھار اس کے مضاف الیہ کو حذف کر لیتے ہیں اور پھر اس مضاف الیہ کے عوض كُلّ کے لفظ پر تنوین لے آتے ہیں، جیسے یہاں پر ہے: بِأَنَّ كُلًّا، یہ كُلّ پر تنوین آرہی ہے اور یہ تنوین عوض ہے مضافٌ الیہ کا۔ تو جہاں کہیں بھی عبارتوں کے اندر كُلّ کے لفظ پر تنوین آجائے تو آپ سمجھ جائیں کہ یہ تنوین عوض ہے مضافٌ الیہ سے۔ اور پھر وہ مضاف الیہ کیسے نکالتے ہیں بھئی؟ وہ بھی آسان ہے، وہ وَاحِد یا وَاحِدَة کا لفظ نکال لیں گے: كُلُّ وَاحِدٍ یا كُلُّ وَاحِدَةٍ۔ مذکر ہو تو وَاحِد کا لفظ نکال لیں گے اور مؤنث ہو تو وَاحِدَةٌ کا لفظ نکال لیں گے۔ اور یہاں بات چل رہی ہے لام کی، اور لام حرف ہے اور حرف عربی زبان میں مؤنث استعمال ہوتے ہیں۔ توجہ ہے؟ اسی لیے کہا هَاتَيْنِ اللَّامَيْنِ، هَاتَيْنِ اللَّامَيْنِ، هَذَيْنِ اللَّامَيْنِ نہیں کہا، مؤنث کا اسمِ اشارہ استعمال کیا۔ تو لہٰذا یہاں پر بھی كُلًّا کے آگے مضاف الیہ جو نکالیں وہ مؤنث نکال لیں، کس طرح عبارت یوں بن گئی: بِأَنَّ كُلَّ وَاحِدَةٍ مِنْ هَاتَيْنِ اللَّامَيْنِ، یعنی ان دو لاموں میں سے ہر ایک جو ہے لَامُ الْاِسْتِغَاثَةِ وہ لامِ استغاثہ ہے بھئی۔

وہ لامِ استغاثہ کس طرح ہے؟ اب وہ بیان کرنے لگے ہیں: كَأَنَّ الْمُهَدِّدَ اسْمَ فَاعِلٍ گویا کہ وہ جو مُهَدِّد ہے، اسْمَ فَاعِلٍ

اس کے آگے اسمِ فاعل کا لفظ نکال کر بتلا دیا کہ یہ جو مُهَدِّد لفظ آیا ہے اس کو اسمِ فاعل پڑھنا اس کو اسمِ مفعول نہ پڑھنا۔ اور آگے آرہا ہے بِالْمُهَدَّدِ اسْمَ مَفْعُولٍ کہ یہ جو مُهَدَّد لفظ آیا ہے یہ اس حال میں ہے کہ یہ اسمِ مفعول ہے، یعنی اس کو اسمِ مفعول کا صیغہ پڑھنا اسمِ فاعل نہ پڑھنا بھئی۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو ہمارے علماء کا یہ طریقہ ہے، بعض جگہ کسی لفظ کے اندر اشتباہ کا خطرہ ہو کہ پڑھنے والا اس کو پتہ نہیں اسمِ فاعل پڑھتا ہے یا اسمِ مفعول، تو وہاں لفظوں میں بھی تصریح کر دیتے ہیں تاکہ پڑھنے والے سے غلطی نہ ہو بھئی۔

تو کہتے ہیں كَأَنَّ الْمُهَدِّدَ اسْمَ فَاعِلٍ گویا کہ مُهَدِّد اس حال میں کہ یہ اسمِ فاعل کا صیغہ ہے يَسْتَغِيثُ بِالْمُهَدَّدِ وہ فریاد کرتا ہے مُهَدَّد سے اسْمَ مَفْعُولٍ اس حال میں کہ مُهَدَّد کیا ہے؟ اسمِ مفعول کا صیغہ ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ اب یہ اسمِ فاعل اور اسمِ مفعول ان دو کو ذرا ترجمے سے نکال دیں تو عبارت یوں بن گئی: كَأَنَّ الْمُهَدِّدَ يَسْتَغِيثُ بِالْمُهَدَّدِ لِيَحْضُرَ فَيَنْتَقِمَ مِنْهُ وَيَسْتَرِيحَ مِنْ أَلَمِ خُصُومَتِهِ۔ عبارت سمجھ میں آگئی؟ تو کہتے ہیں كَأَنَّ الْمُهَدِّدَ گویا کہ مُهَدِّد جو ہے یعنی دھمکی دینے والا جو ہے يَسْتَغِيثُ بِالْمُهَدَّدِ وہ فریاد کرتا ہے مُهَدَّد سے یعنی جس کو دھمکی دی جا رہی ہے اس سے فریاد کرتا ہے لِيَحْضُرَ کہ وہ حاضر ہو جائے فَيَنْتَقِمَ مِنْهُ تو یہ اس سے انتقام لے لے وَيَسْتَرِيحَ مِنْ أَلَمِ خُصُومَتِهِ اور پھر یہ راحت پا لے، یہ راحت حاصل کر لے مِنْ أَلَمِ خُصُومَتِهِ، أَلَم کہتے ہیں دکھ درد اور تکلیف کو اور خُصُومَت کہتے ہیں جھگڑے کو، وَيَسْتَرِيحَ مِنْ أَلَمِ خُصُومَتِهِ اور اس کے جھگڑے کی جو تکلیف ہے اس سے نجات حاصل کر لے، اس سے راحت حاصل کر لے۔ مُهَدِّد مُهَدَّد کو کیا کہتا ہے؟ يا لَزَيْدٍ لَأَقْتُلَنَّكَ اے زید حاضر ہو جاؤ تاکہ میں تم سے انتقام لے لوں اور میرے دل میں جو غضب اور غصہ ہے

اور جھگڑے کی تکلیف ہے وہ ختم ہو جائے میں اس سے راحت حاصل کر لوں۔ تو یہ معنی ہے کہ لِيَحْضُرَ کہ وہ مُهَدَّد جو ہے وہ حاضر ہو جائے فَيَنْتَقِمَ مِنْهُ تو مُهَدِّد اس سے انتقام لے لے وَيَسْتَرِيحَ مِنْ أَلَمِ خُصُومَتِهِ اور اس کے جھگڑے کی جو تکلیف ہے اس سے راحت حاصل کر لے۔ جی دیکھا، تو معلوم ہوا یہ لامِ تہدید کیا ہے؟ لامِ استغاثہ ہے۔

اب لامِ تعجب کیسے لامِ استغاثہ ہے اب وہ بیان کرنے لگے ہیں: وَكَأَنَّ الْمُتَعَجِّبَ يَسْتَغِيثُ بِالْمُتَعَجَّبِ مِنْهُ گویا کہ مُتَعَجِّب یعنی جو تعجب کرنے والا ہے وہ فریاد کرتا ہے مُتَعَجَّبٌ مِنْهُ سے لِيَحْضُرَ تاکہ وہ حاضر ہو جائے وہ مُتَعَجَّبٌ مِنْهُ فَيَقْضِيَ مِنْهُ الْعَجَبَ تو یہ اس سے اپنے تعجب کو پورا کر لے، یہ جی بھر کے اس سے اپنے تعجب کو پورا کر لے وَيَتَخَلَّصَ مِنْهُ اور اس تعجب سے نجات پا لے۔ بھئی جب جی بھر کر تعجب کر لے گا تو تعجب سے نجات حاصل ہو جائے گی، جیسے ایک شخص کو بھوک لگے وہ جی بھر کر کھانا کھا لے گا تو بھوک سے اس کو نجات حاصل ہو جائے گی۔ تو یہاں پر بھی وہ مُتَعَجِّب کیا کہتا ہے؟ اے مُتَعَجَّبٌ مِنْهُ تو حاضر ہو جا تاکہ میں جی بھر کر تجھ سے اپنا تعجب پورا کر لوں اور پھر میری اس تعجب سے جان چھوٹ جائے۔

آگے دیکھیے بھئی: وَأُجِيبَ عَنْ لَامِ التَّعَجُّبِ بِوَجْهٍ آخَرَ ذَكَرَهُ الْمُصَنِّفُ فِي الْإِيضَاحِ اور جواب دیا گیا ہے لامِ تعجب سے

بِوَجْهٍ آخَرَ ایک اور وجہ، ایک اور طریقے سے بھی، ذَكَرَهُ الْمُصَنِّفُ فِي الْإِيضَاحِ جس کو اسی مصنف یعنی صاحبِ کافیہ نے ذکر کیا ہے فِي الْإِيضَاحِ اپنی کتاب اِیضَاح کے اندر۔ بھئی اِیضَاح یاد رکھنا یہ شرح ہے مُفَصَّل کی۔ وہی مُفَصَّل، علامہ زمخشری کی کتاب جس سے صاحبِ کافیہ نے اپنی کافیہ اخذ کی ہے۔ یہ کافیہ کس سے اخذ کی ہے؟ مُفَصَّل سے جو علامہ زمخشری کی کتاب ہے، اور اسی مُفَصَّل کی ایک علیحدہ شرح بھی کی ہے صاحبِ کافیہ نے جس کا نام اِیضَاح ہے بھئی۔ تو اس اِیضَاح کے اندر اس اشکال کا انہوں نے ایک اور جواب بھی دیا ہے، ایک اور جواب بھی دیا ہے۔

وہ جواب یہ کہ صاحبِ کافیہ فرماتے ہیں کہ یا لَلْمَاءِ اور یا لَلدَّوَاهِي ان پر جو لام داخل ہو رہا ہے یہ منادی ہیں ہی نہیں۔ یہ لام منادی پر داخل ہی نہیں ہوا کہ اس کو یہاں ذکر کیا جائے، بلکہ منادی یہاں پر محذوف ہے أَيْ يَا قَوْمُ اے لوگو بھئی۔ وہ منادی محذوف ہے، تو یہ منادی ہیں ہی نہیں۔ تو ان پر جب لام داخل ہوا تو وہ تو منادی ہیں ہی نہیں، یہاں تو منادی کی بحث چل رہی ہے لہذا اس کو یہاں ذکر کرنے کی کوئی حاجت نہیں ہے، منادی محذوف ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟

تو کہتے ہیں: وَأُجِيبَ عَنْ لَامِ التَّعَجُّبِ بِوَجْهٍ آخَرَ اور جواب دیا گیا ہے لامِ تعجب سے ایک اور طریقے سے بھی، ذَكَرَهُ الْمُصَنِّفُ فِي الْإِيضَاحِ جس کو مصنف نے ذکر فرمایا ہے اپنی کتاب اِیضَاح کے اندر، وَهُوَ اور وہ جواب یہ ہے کہ أَنَّ الْمُنَادَى فِي قَوْلِهِمْ يَا لَلْمَاءِ وَيَا لَلدَّوَاهِي کہ وہ جو منادی ہے عربوں کے اس قول کے اندر یا لَلْمَاءِ اور یا لَلدَّوَاهِي میں، لَيْسَ الْمَاءَ وَلَا الدَّوَاهِيَ وہ منادی ماء اور دواہی نہیں ہے، وَإِنَّمَا الْمُرَادُ اور مراد جو ہے: يَا قَوْمُ أَوْ يَا هٰؤُلَاءِ اعْجَبُوا لِلْمَاءِ وَلِلدَّوَاهِي۔ یہ دیکھا، يَا قَوْمُ منادی محذوف ہے، يَا هٰؤُلَاءِ، هٰؤُلَاءِ اسمِ اشارہ ہے قریب کے لیے یعنی اے یہ سب لوگ بھئی یعنی جو قریب موجود ہیں ان کو ندا دی جا رہی ہے۔ تو يَا قَوْمُ وَيَا هٰؤُلَاءِ اے لوگو یا اے تم سب لوگو! اعْجَبُوا لِلْمَاءِ تم لوگ تعجب کرو پانی پر وَلِلدَّوَاهِي اور ان مصیبتوں پر۔ بات سمجھ میں آئی؟ ان لوگوں کو ندا دی جا رہی ہے کہ اے لوگو دیکھو ایسی جگہ پر پانی مل گیا جہاں پانی ملنے کی امید ہی نہیں تھی اور اتنا زیادہ پانی مل گیا، تو اے لوگو تم اس پانی پر تعجب کا اظہار کرو۔ یا اے لوگو اتنی مصیبتیں ہیں، اے لوگو تم ان مصیبتوں پر تعجب کا اظہار کرو، ان چیزوں پر تعجب کرو، تو تم لوگ اس پر تعجب کرو۔

یہاں تک بات سمجھ میں آگئی۔ وَلَا يَخْفَى عَلَيْكَ أَنَّ الْقَوْلَ بِحَذْفِ الْمُنَادَى عَلَى تَقْدِيرِ كَسْرِ اللَّامِ ظَاهِرٌ۔ یہاں سے اب اشکال کر رہے ہیں صاحبِ جامی، یہ جو دوسرا جواب دیا، دوسرا جواب کیا دیا؟ کہ یا لَلْمَاءِ اور یا لَلدَّوَاهِي اس میں یہ جو لام داخل ہوا ہے یہ منادی پر نہیں داخل کہ آپ کہیں اس کو بھی ذکر کرنا چاہیے تھا، بلکہ منادی تو یہاں محذوف ہے أَيْ يَا قَوْمُ اور يَا هٰؤُلَاءِ اس طرح کا کوئی بھی منادی یہاں محذوف نکال لیا جائے موقع کے مطابق بھئی۔ بات سمجھ میں آگئی؟

تو صاحبِ جامی آگے اشکال کریں گے کہ بھئی دیکھیے یہ یا لَلْمَاءِ اس میں لام پر فتحہ بھی پڑھا جاتا ہے اور یا لِلْمَاءِ اس میں لام پر کسرہ بھی پڑھا جاتا ہے۔ تو آپ کا جواب کسرہ والی صورت میں تو چل جائے گا، فتحہ والی صورت میں آپ کا جواب اشکال سے خالی نہیں۔ آپ کا جواب اشکال سے خالی نہیں۔ کس طرح؟ بھئی اگر اس پر لام پر کسرہ ہو، کیا ہو؟ لام پر کسرہ

ہو، تو عبارت کیا بن گئی؟ يَا قَوْمُ لِلْمَاءِ، يَا قَوْمُ لِلْمَاءِ یعنی یا اے قوم والو! اعْجَبُوا لِلْمَاءِ تم تعجب کرو کس پر؟ پانی پر، اس پانی کی وجہ سے تم لوگ تعجب کرو۔ تو یہ لام کے نیچے کسرہ آیا، اور اسمِ ظاہر پر جب لام آئے اس کے نیچے کیا پڑھتے ہیں؟ کسرہ ہی پڑھتے ہیں، تو کسرہ ہی آنا چاہیے۔ تو کسرہ والی صورت میں تو آپ کا جواب ٹھیک ہو گیا، منادی محذوف ہے یہ لِلْمَاءِ اور لِلدَّوَاهِي منادی ہیں ہی نہیں، منادی ہوتے تو ان پر لام پر فتحہ آتا لیکن یہ تو منادی ہیں ہی نہیں منادی تو محذوف ہے لہذا لام پر کسرہ ہی ہونا چاہیے۔ تو کسرہ والی صورت میں تو آپ کا جواب چل جائے گا۔ لیکن فتحہ والی صورت میں آپ کا جواب نہیں چل سکتا اس میں اشکال ہوتا ہے، وجہ یہ کہ اگر یا لَلْمَاءِ اور یا لَلدَّوَاهِي لام پر فتحہ ہے، اور آپ کیا کہتے ہیں؟ کہ منادی محذوف ہے، اگر منادی محذوف ہے تو پھر لَلْمَاءِ کے لام پر فتحہ کیوں آیا؟ اشکال یہ ہوتا ہے، یہ فتحہ تو تب آتا ہے جب یہ لام منادی پر داخل ہو۔ اور کیوں فتحہ آتا ہے؟ کیونکہ منادی ضمیر کی جگہ آیا ہے، کس کی جگہ؟ ضمیر کی جگہ، اور ضمیر پر جو لامِ جارہ داخل ہو اس پر کیا پڑھتے ہیں؟ فتحہ۔ تو لہذا جب یہ لام جب منادی پر داخل ہو پھر اس پر فتحہ پڑھتے ہیں۔ تو کسرہ والی صورت میں تو آپ کہہ سکتے ہیں منادی محذوف ہے، لیکن فتحہ والی صورت میں آپ کہیں منادی محذوف ہے، اگر منادی محذوف ہے تو پھر لام پر فتحہ کیوں آیا؟ لام کا فتحہ تو بتلا رہا ہے کہ یہ منادی ہیں، یہ ماء خود منادی ہے، دواہی خود منادی ہیں۔ بات سمجھ میں آ گئی؟

دیکھیے بھئی کتاب پر، کہتے ہیں: وَلَا يَخْفَى عَلَيْكَ اور یہ بات آپ پر پوشیدہ نہیں ہے کہ أَنَّ الْقَوْلَ بِحَذْفِ الْمُنَادَى عَلَى تَقْدِيرِ كَسْرِ اللَّامِ ظَاهِرٌ، أَنَّ الْقَوْلَ بِحَذْفِ الْمُنَادَى کہ منادی کے حذف کا قول جو ہے، کہ منادی محذوف ہے یہ جو قول ہے، عَلَى تَقْدِيرِ كَسْرِ اللَّامِ لام کے کسرہ کی تقدیر پر، لام کے کسرہ کی تقدیر پر حذفِ منادی کا جو قول ہے ظَاهِرٌ وہ تو ظاہر ہے۔ جب منادی محذوف ہے اور یہ ماء اور دواہی منادی ہیں ہی نہیں، تو لام پر آنا بھی کیا چاہیے؟ کسرہ ہی آنا چاہیے، پھر تو اس صورت میں آپ کا یہ قول تو ظاہر ہے بھئی کہ درست صحیح ہے۔ وَأَمَّا عَلَى تَقْدِيرِ فَتْحِهَا فَمُشْكِلٌ اور باقی اس لام کے فتحہ کی تقدیر پر، لام کے فتحہ کی تقدیر پر یہ والا قول کرنا کہ منادی محذوف ہے، لام پر فتحہ بھی ہے اور آپ کیا کہہ رہے ہیں منادی محذوف ہے، فَمُشْكِلٌ تو اس صورت میں یہ والا قول جو ہے یہ مشکل ہے یعنی اس پر اشکال ہوتا ہے اعتراض ہوتا ہے۔ عبارت سمجھ میں آ گئی؟

تو کہتے ہیں وَلَا يَخْفَى عَلَيْكَ اور یہ بات آپ پر مخفی نہیں ہے کہ أَنَّ الْقَوْلَ بِحَذْفِ الْمُنَادَى کہ حذفِ منادی کا قول جو ہے عَلَى تَقْدِيرِ كَسْرِ اللَّامِ لام کے کسرہ کی تقدیر پر، لام کے کسرہ کی تقدیر پر منادی کے حذف کا جو قول ہے ظَاهِرٌ وہ ظاہر ہے یعنی اس میں کوئی اشکال نہیں۔ وَأَمَّا عَلَى تَقْدِيرِ فَتْحِهَا اور باقی حذفِ منادی کا قول فتحِ لام کی تقدیر پر کہ لام پر فتحہ ہو فَمُشْكِلٌ تو وہ مشکل ہے یعنی اس پر اعتراض ہوتا ہے اس پر اشکال ہوتا ہے۔ بھئی کیوں اشکال ہوتا ہے؟ کہتے ہیں لِانْتِفَاءِ مَا يَقْتَضِي فَتْحَهَا حِينَئِذٍ اس لیے کیونکہ وہ چیز منتفی ہے جو اس لام کے فتحہ کا تقاضا کر رہی ہے اس وقت۔ اس لیے کیونکہ وہ چیز منتفی

ہے جو اس وقت لام کے فتحہ کا تقاضا کر رہی ہے، کس وقت؟ جب منادی محذوف ہے، جب منادی محذوف ہے تو پھر یا لَلْمَاءِ یہاں لام پر فتحہ کیوں آیا؟ کوئی ایسی چیز نہیں جو اس لام کے فتحہ کا تقاضا کرے، کیونکہ یہ منادی کی جگہ تو واقع ہی نہیں ہے۔ تو کہتے ہیں لِانْتِفَاءِ مَا يَقْتَضِي فَتْحَهَا حِينَئِذٍ اس لیے کیونکہ وہ چیز منتفی ہے جو اس لام کے فتحہ کا تقاضا کرے حِينَئِذٍ اس وقت بھئی، یعنی جس وقت منادی محذوف ہو۔ كَمَا هُوَ ظَاهِرٌ مِمَّا سَبَقَ جیسے کہ یہ بات ظاہر ہے مِمَّا سَبَقَ اس سے جو ماقبل میں بات گزر چکی ہے، یعنی ماقبل میں ہم نے بتایا تھا یہ لام پر فتحہ کیوں آتا ہے؟ کیونکہ یہ منادی کی جگہ واقع ہے تو یہ کاف ضمیر کی جگہ واقع ہے اور کاف ضمیر پر تو لام پر فتحہ آتا ہے تو لہذا اس پر بھی فتحہ لے آتے ہیں۔

آگے دیکھیے کہتے ہیں: وَيُفْتَحُ أَيْ يُبْنَى الْمُنَادَى عَلَى الْفَتْحِ لِإِلْحَاقِ أَلِفِهَا، جی پہلے متن متن دیکھیے کہتے ہیں: وَيُفْتَحُ لِإِلْحَاقِ أَلِفِهَا وَلَا لَامَ فِيهِ۔ وَيُفْتَحُ اور منادی مفتوح ہوتا ہے، بھئی دیکھیے یہاں آ رہا ہے يُفْتَحُ، متن ذرا دوبارہ دیکھو: وَيُفْتَحُ لِإِلْحَاقِ أَلِفِهَا وَلَا لَامَ فِيهِ مِثْلُ يَا زَيْدَاهْ وَيُنْصَبُ مَا سِوَاهُمَا۔ یہاں آیا يُنْصَبُ اور اوپر آیا يُفْتَحُ۔ توجہ ہے؟ میں نے آپ کو بتلایا تھا کہ یہاں تین طرح کے نام ہیں: ایک کیا؟ ضَمٌّ فَتْحٌ كَسْرٌ، اور ایک ہے ضَمَّةٌ فَتْحَةٌ كَسْرَةٌ، اور ایک ہے رَفْعٌ نَصْبٌ جَرٌّ۔ تو جو ضَمٌّ فَتْحٌ كَسْرٌ ہے یہ خاص ہے مبنی کے ساتھ۔ اور اسی کے ساتھ گول تا جوڑ دیں ضَمَّةٌ فَتْحَةٌ كَسْرَةٌ تو اب یہ عام ہے معرب کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے اور مبنی کے لیے بھی۔ اور رَفْعٌ نَصْبٌ جَرٌّ یہ خاص ہیں معرب کے ساتھ۔ توجہ ہے؟ رفع، نصب، جر یہ خاص ہیں کس کے ساتھ؟ معرب کے ساتھ۔ اور ضَمٌّ فَتْحٌ كَسْرٌ بغیر گول تا کے یہ خاص ہیں مبنی کے ساتھ۔ اور اسی کے ساتھ گول تا جوڑ دیں ضَمَّةٌ فَتْحَةٌ كَسْرَةٌ تو یہ عام ہیں معرب کے لیے بھی استعمال ہوتے ہیں اور مبنی کے لیے بھی۔ تو چنانچہ یہاں دیکھو اوپر آیا وَيُفْتَحُ اور نیچے آیا وَيُنْصَبُ۔ يُفْتَحُ فتحہ سے ہے اور فتحہ تو کس کے لیے آتا ہے؟ مبنی کے لیے، معلوم ہوا یہ اس صورت يُفْتَحُ معلوم ہوا مبنی ہوگا اس صورت میں یہ مبنی۔ اور نیچے کیا آیا؟ يُنْصَبُ یہ نصب سے ہے اور نصب تو معرب کے لیے آتا ہے، تو يُنْصَبُ سے کیا پتہ چلا کہ منادی معرب ہوگا بھئی۔

تو کہتے ہیں وَيُفْتَحُ أَيْ يُبْنَى الْمُنَادَى عَلَى الْفَتْحِ اور منادی جو ہے وہ مبنی علی الفتح ہوگا لِإِلْحَاقِ أَلِفِهَا، أَلْحَقَ يُلْحِقُ إِلْحَاق کا معنی ہے ملنا بھی اور ملانا بھی، یعنی یہ فعلِ لازم بھی ہے اور فعلِ متعدی بھی ہے، موقع کے مطابق جہاں جو ترجمہ مناسب ہو وہ کر لیں گے۔ یہاں پر ملنا کر لیں گے فعلِ لازم والا ترجمہ۔ وَيُفْتَحُ لِإِلْحَاقِ أَلِفِهَا اور منادی مبنی علی الفتح ہوگا لِإِلْحَاقِ أَلِفِهَا ہا ضمیر راجع ہے استغاثہ کو، الفِ استغاثہ کے ملنے کی وجہ سے منادی الفِ استغاثہ کے ملنے کی وجہ سے مبنی علی الفتح ہوگا۔ وَلَا لَامَ فِيهِ حِينَئِذٍ اور اس وقت اس میں کوئی لام نہیں ہوگا۔ توجہ ہے؟ منادی اگر اس کے آخر میں کیا آ جائے؟ الفِ استغاثہ، تو وہ مبنی علی الفتح ہوگا۔ وَلَا لَامَ فِيهِ اور اس وقت اس میں لام نہیں آئے گا۔ اس وقت اس میں لام نہیں آئے گا اس لیے کیونکہ لام منادی کے آخر میں کیا چاہتا ہے؟ لام منادی کے آخر میں جر چاہتا ہے، جر چاہتا ہے، اور منادی کے آخر میں اگر الفِ استغاثہ آ جائے تو الف اپنے سے ماقبل میں فتحہ چاہتا ہے، تو الف منادی کے آخر میں فتحہ چاہتا ہے اور

لام منادی کے آخر میں جر چاہتا ہے، تو ان دونوں میں منافات ہے یہ دونوں جمع نہیں ہو سکتے۔ تو جب لامِ استغاثہ آئے گا تو الفِ استغاثہ نہیں آئے گا، اور جب الفِ استغاثہ آئے گا تو لامِ استغاثہ پھر اس منادی پر داخل نہیں ہوگا۔ بات سمجھ میں آ گئی؟

تو کہتے ہیں وَيُفْتَحُ أَيْ يُبْنَى الْمُنَادَى عَلَى الْفَتْحِ اور منادی جو ہے وہ مبنی علی الفتح ہوتا ہے لِإِلْحَاقِ أَلِفِهَا الفِ استغاثہ کے ملنے کی وجہ سے، أَيْ أَلِفِ الْاِسْتِغَاثَةِ دیکھا متن میں آیا تھا أَلِفِهَا، ہا ضمیر تھی اور صاحبِ جامی نے آگے ضمیر کا مرجع بتلا دیا أَيْ أَلِفِ الْاِسْتِغَاثَةِ کہ الفِ استغاثہ، یعنی ہا ضمیر استغاثہ کو راجع ہے۔ لِإِلْحَاقِ أَلِفِهَا أَيْ أَلِفِ الْاِسْتِغَاثَةِ یعنی الفِ استغاثہ کے ملنے کی وجہ سے بِآخِرِهِ اس منادی کے آخر میں لِاقْتِضَاءِ الْأَلِفِ فَتْحَ مَا قَبْلَهَا اس لیے کیونکہ الف تقاضا کرتا ہے ماقبل کے فتحہ کا، اپنے سے ماقبل کے فتحہ کا۔ بھئی الف اپنے سے ماقبل کیا چاہتا ہے؟ فتحہ چاہتا ہے۔ بات سمجھ میں آ گئی؟

اس پر اشکال ہوتا ہے، اشکال ہوتا ہے کہ آپ نے کیا کہا کہ منادی کے آخر میں الفِ استغاثہ آ جائے تو وہ مبنی علی الفتح ہوگا۔ بھئی یہ مبنی علی الفتح آپ کیوں کہتے ہیں؟ مبنی تو نہیں ہونا چاہیے، بلکہ معرب ہی رکھتے اور اعراب اس پر تقدیراً لے آتے! منادی منصوب ہوتا ہے نا، تو آخر میں الفِ استغاثہ آ گیا، الف اپنے سے ماقبل فتحہ چاہتا ہے ٹھیک ہے فتحہ بھی پڑھیں اور کہیں یہ تقدیراً منصوب ہے۔ بھئی جیسے دیکھو غُلَامِي، غُلَامِي، غُلَام مضاف ہے یا ضمیر کی طرف۔ اور آپ نے پڑھا ہے جو اسم بھی علاوہ جمع مذکر سالم کے جب مضاف ہو جائے یائے متکلم کی طرف تو وہ تینوں حالتوں میں اس کا اعراب تقدیری ہوتا ہے کیونکہ یا اپنے سے ماقبل کسرہ چاہتی ہے۔ تو غُلَامِي کے اندر غلام کا اعراب تینوں حالتوں میں تقدیری، کیوں تقدیری؟ کیونکہ یا اپنے سے ماقبل کیا چاہتی ہے؟ کسرہ چاہتی ہے۔ تو اسی طرح یہاں الف آ گیا، الف اپنے سے ماقبل فتحہ چاہتا ہے تو آپ یہاں پر بھی کیا کہتے کہ اعراب تقدیری ہے بھئی! اعراب، لیکن آپ نے کیا کہا؟ یہ مبنی ہے، مبنی علی الفتح ہے۔ تو یہ مبنی کیوں قرار دیا آپ نے اس کو؟ اعراب تقدیری کہہ دیتے۔ تو اس کا جواب یاد رکھنا کہ بھئی یہ جو فتحہ آیا یہ الف کی وجہ سے آیا، اور یہ جو مبنی ہوا یہ مفرد معرفہ ہونے کی وجہ سے ہوا، کیونکہ منادی مفرد معرفہ ہو تو وہ مبنی ہوتا ہے۔ توجہ ہے؟ يَا زَيْدَاهْ یہ زید کیا ہے؟ مفرد ہے اور معرفہ ہے۔ مفرد کیسے ہے؟ کہ نہ مضاف ہے اور نہ مشابہ مضاف، اور معرفہ بھی ہے۔ تو یہ منادی مفرد معرفہ بھی ہوا تو یہ مبنی ہوگا، اور آخر میں الف آ گیا تو الف اپنے سے ماقبل فتحہ چاہتا ہے تو اسی فتحہ پر اس کو مبنی قرار دے دیا۔ بات سمجھ میں آ گئی؟ تو اعتراض کیا ہوتا تھا کہ آپ اس کو معرب ہی قرار دیتے، تو جواب یہ کہ فتحہ آیا ہے الف کی وجہ سے اور مبنی قرار دیا ہے مفرد معرفہ ہونے کی وجہ سے۔ بات سمجھ میں آ گئی؟

آگے دیکھیے کہتے ہیں وَلَا لَامَ فِيهِ حِينَئِذٍ اور اس وقت اس میں لام نہیں ہوگا، جب کیا آ جائے منادی کے آخر میں؟ الفِ استغاثہ، تو پھر اس میں لام نہیں آئے گا۔ کیوں؟ کہتے ہیں لِأَنَّ اللَّامَ تَقْتَضِي الْجَرَّ اس لیے کیونکہ لام جو ہے وہ جر کا تقاضا کرتا ہے، وَالْأَلِفُ الْفَتْحَ اور الف فتحہ کا تقاضا کرتا ہے، فَبَيْنَ أَثَرَيْهِمَا تَنَافٍ تو ان دونوں کے اثروں میں منافات ہے۔ ان دونوں

کے اثر، لام کا اثر کیا؟ جر آئے گا۔ اور الف کا اثر کیا؟ فتحہ آئے گا۔ تو دونوں کا یہ جو اثر ہے یعنی جر اور فتحہ، ان میں منافات ہے بھئی، ان میں ایک وقت میں ایک آسکتا ہے بھئی دونوں نہیں آسکتے۔ تو کہتے ہیں فَبَيْنَ أَثَرَيْهِمَا تَنَافٍ تو ان دونوں کے اثر میں یعنی لام اور الف کے اثر میں تَنَافٍ منافات ہے، فَلَا يَحْسُنُ الْجَمْعُ بَيْنَهُمَا تو ان دونوں کو جمع کرنا اچھا نہیں ہے، ان دونوں کو جمع کرنا اچھا نہیں ہے۔

توجہ ہے؟ بھئی ان لفظوں کی طرف توجہ رکھو بھئی فَلَا يَحْسُنُ الْجَمْعُ بَيْنَهُمَا ان دونوں کو جمع کرنا اچھا نہیں ہے۔ اے صاحبِ جامی آپ نے ہمیں بتایا کہ ان دونوں کے درمیان منافات ہے، ان دونوں کے جو اثر ہیں لام اور الف ان کا جو اثر ہے ان دونوں میں منافات۔ جب ان کے اثر میں منافات ہوئی تو اب ان دونوں میں بھی منافات آگئی، ان دونوں میں بھی منافات آگئی۔ تو آپ کو یوں کہنا چاہیے تھا کہ جب ان دونوں میں منافات آگئی تو ان کا جمع کرنا ممتنع ہے، ان کا جمع کرنا جائز ہی نہیں، ان کا جمع کرنا ممتنع ہے یا یوں کہو ان کا جمع کرنا صحیح ہی نہیں ہے، لیکن آپ نے یہ نہیں کہا کہ ممتنع ہے یا صحیح نہیں، بلکہ آپ نے کیا کہا؟ فَلَا يَحْسُنُ الْجَمْعُ بَيْنَهُمَا ان دونوں کا جمع کرنا اچھا نہیں ہے۔ کہنا تو چاہیے تھا کہ ان دونوں کا جمع کرنا ممتنع ہے بھئی۔

تو یاد رکھنا جواب: بھئی یہ صاحبِ جامی نے اس لیے یہ لفظ استعمال کیے، وجہ یہ کہ دونوں کا جمع کرنا ممتنع نہیں ہے، جمع ہو سکتے ہیں صورتاً جمع ہو سکتے ہیں، صورتاً جمع ہو سکتے ہیں۔ مثلاً غیرِ منصرف ہے، غیرِ منصرف پر کسرہ بھی فتحہ کی صورت میں آتا ہے۔ جَاءَنِي أَحْمَدُ دیکھو رفع آیا بغیر تنوین کے، رَأَيْتُ أَحْمَدَ دیکھو نصب آیا بغیر تنوین کے، اور مَرَرْتُ بِأَحْمَدَ یہ دیکھو با جارہ ہے اور أَحْمَدَ اس پر فتحہ آرہا ہے، تو یہ مجرور ہے، یہ مجرور ہے لیکن اس کا جر آتا ہی فتحہ کی صورت میں ہے۔ معلوم ہوا غیرِ منصرف پر جر کس صورت میں آتا ہے؟ فتحہ کی صورت میں آتا ہے۔ تو مثلاً اب یہ جو أَحْمَدُ ہے اسی پر میں لامِ جارہ بھی داخل کروں گا اور الفِ استغاثہ بھی لے آؤں گا: يَا لَأَحْمَدَاهْ، يَا لَأَحْمَدَاهْ! دیکھو لامِ استغاثہ ہے اور یہ جر کا تقاضا کرتا ہے، اور احمد کے آخر میں میں کیا پڑھ رہا ہوں؟ فتحہ، فتحہ، تو اس کا جر آتا ہی کس صورت میں ہے؟ فتحہ کی صورت میں۔ اور نیز الف اپنے سے ماقبل کیا چاہتا ہے؟ فتحہ، تو الف کا تقاضا بھی پورا ہوا اور لام کا تقاضا بھی پورا ہوا۔ لام نے جر دیا جر فتحہ کی صورت میں آیا، اور الف نے اپنے سے ماقبل فتحہ چاہا تو فتحہ ہی موجود ہے۔ بات سمجھ میں آئی؟ تو صورتاً دونوں جمع ہو گئے بھئی، صورتاً جمع ہو گئے۔ تو چونکہ ان دونوں کا جمع ہونا ممتنع نہیں تھا، ممکن تھا کسی نہ کسی صورت میں، اس لیے صاحبِ جامی نے کیا کہا کہ ان دونوں کا جمع کرنا اچھا نہیں ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟

تو یہ صرف صورتاً جمع ہوئے ہیں حقیقت میں نہیں، کیونکہ یہ فتحہ يَا لِأَحْمَدَ اگر اس فتحہ کو لام کی وجہ سے قرار دیا جائے تو پھر تو یہ اعراب ہے باقاعدہ، جر ہے، اس کا جر آتا ہی فتحہ کے ساتھ ہے۔ اور اگر یہ فتحہ الف کی وجہ سے قرار دیا جائے تو پھر تو یہ ویسے حرکت ہے بھئی، یہ تو اعراب ہے ہی نہیں۔ تو ایک ہی فتحہ اعراب بھی ہو جائے اور اعراب کے علاوہ ویسے

حرکت بھی اس کو قرار دیا جائے یہ نہیں ہو سکتا بھئی، ایک وقت میں ایک چیز ہو سکتی ہے۔ تو صرف صورتاً یہ دونوں کا اثر جمع ہو رہا ہے، حقیقت میں دونوں کا اثر جمع نہیں ہوا بھئی۔

تو کہتے ہیں فَبَيْنَ أَثَرَيْهِمَا تَنَافٍ تو ان دونوں کے اثر کے اندر منافات ہے فَلَا يَحْسُنُ الْجَمْعُ بَيْنَهُمَا تو ان دونوں کے اندر جمع کرنا اچھا نہیں ہے، مِثْلُ يَا زَيْدَاهْ جیسے کہ يَا زَيْدَاهْ بھئی۔ بھئی اس کے آخر میں الفِ استغاثہ کے ساتھ ساتھ ہا کو بھی ساتھ ملا دیا ہے۔ میں نے آپ کو بتلایا تھا کہ مستغاث کے آخر میں الفِ استغاثہ ملاتے ہیں اور کبھی کبھار ساتھ ہا بھی ملا دیتے ہیں تاکہ آواز خوب لمبی ہو جائے۔ اگر صرف الف ہو تو کیسے کہیں گے؟ يَا زَيْدَا، اور اگر ہا بھی ہو تو آواز اور لمبی ہو جائے گی يَا زَيْدَاهْ۔ بات سمجھ میں آئی؟ تو کہتے ہیں مِثْلُ يَا زَيْدَاهْ بِإِلْحَاقِ الْهَاءِ بِهِ لِلْوَقْفِ اس کے ساتھ وقف کے لیے ہا کو ملاتے ہوئے، یعنی اس میں ہا کو ساتھ ملایا گیا ہے وقف کے لیے۔

وَيُنْصَبُ مَا سِوَاهُمَا اور ان دونوں کے علاوہ باقی صورتوں میں منادی منصوب ہوگا۔ کون دونوں؟ ایک منادائے مفرد معرفہ اور ایک منادائے مستغاث۔ پھر مستغاث میں دو صورتیں ہیں، کبھی وہ لام کے ساتھ ہوگا کبھی الف کے ساتھ، وہ دونوں اسی کے اندر داخل ہو گئے بھئی۔ تو کہتے ہیں وَيُنْصَبُ مَا سِوَاهُمَا اور ان دونوں کے علاوہ باقی صورتوں میں منادی منصوب ہوگا۔ بھئی منصوب کیوں ہوگا منادی؟ مفعول ہونے کی وجہ سے، کیونکہ منادی مفعول بہ ہوتا ہے جیسے يَا زَيْدُ اصل میں کیا ہے؟ أَدْعُو زَيْدًا، تو منادی اصل میں منصوب ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟

آپ کو صاحبِ جامی بتلائیں گے کہ باقی صورتوں میں منادی منصوب ہوگا یہ اس وقت ہے اگر ندا سے پہلے منادی مبنی نہ ہو، ندا سے پہلے مبنی نہ ہو۔ اگر ندا سے پہلے ہی وہ مبنی ہے اب آپ بے شک اس کو منادی بھی بنا دیں پھر بھی وہ منصوب تو نہیں ہوگا بھئی وہ تو مبنی کا مبنی ہی رہے گا بھئی۔ تو منصوب ہونے کی کون سی صورت ہے؟ جب منادی ندا سے پہلے معرب ہو بھئی، کیا ہو؟ معرب۔ اور پھر جب وہ معرب ہے تو معرب کے اندر کبھی نصب لفظاً آتا ہے اور کبھی نصب تقدیراً آتا ہے، تو یہ منادی کو بھی دیکھ لیں گے کہ اس پر اعراب لفظاً آتے ہیں یا اعراب تقدیراً آتے ہیں اس کے مطابق اس پر نصب آئے گا۔ تو ان دونوں صورتوں کے علاوہ باقی صورتوں میں منادی منصوب ہوگا کیونکہ وہ مفعول بہ ہے، اور پھر منصوب تب ہوگا جب پہلے سے وہ مبنی نہ ہو بھئی، اور پھر جب معرب ہے تو پھر وہ منصوب لفظاً بھی ہو سکتا ہے اور تقدیراً بھی ہو سکتا ہے بھئی۔

تو کہتے ہیں وَيُنْصَبُ مَا سِوَاهُمَا أَيْ وَيُنْصَبُ بِالْمَفْعُولِيَّةِ یعنی منادی منصوب ہوگا مفعول ہونے کی وجہ سے مَا سِوَى الْمُنَادَى الْمُفْرَدِ الْمَعْرِفَةِ وَالْمُنَادَى الْمُسْتَغَاثِ مَعَ اللَّامِ أَوِ الْأَلِفِ یعنی منادائے مفرد معرفہ کے علاوہ جو ہو اور اسی طرح وہ منادائے مستغاث جو لام یا الف کے ساتھ آئے ان کے علاوہ جو منادی ہوگا وہ منصوب ہوگا مفعول ہونے کی بنا پر، لَفْظًا أَوْ تَقْدِيرًا اور وہ نصب لفظاً آئے گا یا تقدیراً إِنْ كَانَ مُعْرَبًا قَبْلَ دُخُولِ حَرْفِ النِّدَاءِ اگر وہ منادی معرب ہوا حرفِ ندا کے

داخل ہونے سے پہلے۔ اگر وہ پہلے سے بنی تھا پھر تو نصب نہیں آسکتا بھئی، یعنی ندا سے پہلے معرب تھا تو ابھی بھی معرب رہے گا اور نصب آئے گا اور وہ نصب لفظاً بھی ہو سکتا ہے اور تقدیراً بھی۔

لِأَنَّ عِلَّةَ النَّصْبِ وجہ ذکر کر رہے ہیں بھئی، وجہ ذکر کر رہے ہیں کہ باقی صورتوں میں منادی منصوب ہے کس وجہ سے؟ مفعول ہونے کی وجہ سے۔ اب اس کی تفصیل بیان کر رہے ہیں کہ بھئی دیکھیے منادی کے اندر اصل تو نصب ہی ہے، منادی کے اندر اصل نصب ہے کیونکہ یہ مفعول بہ ہے بھئی۔ ہاں بعض اوقات کوئی مغیر آجاتا ہے، کوئی چیز جو اس میں تبدیلی پیدا کر دیتی ہے اور اس پر نصب نہیں آسکتا۔ منادی میں اصل کیا ہے؟ منصوب ہونا چاہیے۔ کیوں منصوب ہونا چاہیے؟ کیونکہ مفعول بہ ہے اور مفعول بہ منصوب ہوتا ہے، لیکن جب کوئی مغیر آجاتا ہے تو پھر وہ اس کو بدل دیتا ہے وہ نصب آنے نہیں دیتا۔ جیسے مغیر منادائے مفرد معرفہ میں مغیر کیا تھا؟ یَا زَیْدُ، یہ کیا ہے؟ مفرد بھی ہے اور معرفہ، تو یہاں اس کو بھی منصوب ہونا چاہیے تھا لیکن ایک مغیر آگیا کہ اس کی مشابہت آئی کس کے ساتھ؟ حرفِ خطاب کے ساتھ، اس منادی کی ایک عارض پیش آگیا ایک چیز پیش آگئی جس نے اس کو بدل دیا اور اس کو مبنی بنا دیا، یَا زَیْدُ یہ تو مبنی علی الضم ہے حالانکہ اس کو کیا ہونا چاہیے تھا؟ منصوب ہونا چاہیے تھا کیونکہ منادی میں اصل کیا ہے کہ وہ منصوب ہو کیونکہ وہ مفعول بہ ہے، لیکن بعض اوقات کوئی مغیر آجاتا ہے کوئی ایسی چیز آجاتی ہے جو اس کے نصب کو بدل دیتی ہے۔ تو یَا زَیْدُ کے اندر بھی یَا زَیْدًا ہونا چاہیے تھا لیکن اس زید کی مناسبت آگئی مشابہت آگئی کس کے ساتھ؟ کاف حرفِ خطاب کے ساتھ یعنی مبنی الاصل کے ساتھ، اور اس لیے یہ کیا بن گیا؟ مبنی بن گیا۔ تو منادی منصوب ہوتا ہے الا یہ کہ کوئی مغیر آجائے۔ اسی طرح یَا لَزَیْدٍ یہ مستغاث ہے اور مستغاث بھی منادی ہے تو اس کو بھی کیا ہونا چاہیے؟ منصوب ہونا چاہیے، لیکن یہ لامِ جارہ آیا اس لامِ جارہ نے اس کی حالت بدل دی اور نصب سے کس کی طرف بدل دیا اس کو؟ جر کی طرف۔ اسی طرح یَا زَیْدَاہْ، یَا زَیْدَاہْ یہ زید منادی ہے اور منادی میں اصل کیا ہے وہ منصوب ہونا چاہیے لیکن

اس کے آخر میں الفِ استغاثہ آگیا، اور الف اپنے سے ماقبل میں فتحہ چاہتا ہے تو اس نے اس کو بدل دیا کس کی طرف؟ فتحہ کی طرف۔ اور یاد رکھنا یہ جو یَا زَیْدَاہْ ہے یہاں پر یہ نہ کہنا کہ آخر میں فتحہ ہے ہی تو سہی، تو پھر فرق کیا ہوا؟ فرق بہت ہے بھئی! مفعول بہ میں تو نصب آتا ہے، فتحہ نہیں آتا۔ نصب معرب پر آتا ہے اور فتحہ مبنی پر آتا ہے۔ تو جب الفِ استغاثہ اس کے آخر میں آیا تو اس نے اس کو نصب سے کس کی طرف بدل دیا؟ فتحہ کی طرف یعنی معرب سے مبنی کی طرف بدل دیا، بھئی یہ مفرد معرفہ جو ہے یہ تو مبنی ہو جاتا ہے۔

اور باقی صورتیں جہاں پر کوئی مغیر نہیں، نہ تو وہ مفرد معرفہ ہے کہ اس کی مشابہت آئے مبنی الاصل کے ساتھ، اور نہ اس پر لامِ استغاثہ داخل ہوا اور نہ اس کے آخر میں الفِ استغاثہ آیا، تو جہاں پر کوئی مغیر نہ ہو تو وہاں منادی پر کیا آجائے گا؟ وہی اصل کے مطابق اس پر نصب آجائے گا۔ توجہ ہے؟

دیکھیے بھئی کتاب پر، کہتے ہیں لِأَنَّ عِلَّةَ النَّصْبِ وَهُوَ وُقُوعُهُ مَوْقِعَ الْمَفْعُولِ اس لیے کیونکہ جو نصب کی علت ہے اور وہ کیا ہے؟ اس کا مفعول کی جگہ پر واقع ہونا، توجہ ہے؟ اس لیے کیونکہ نصب کی علت اور وہ نصب کی علت ہے اس منادی کا مفعول کی جگہ واقع ہونا، مُتَحَقِّقَةٌ یہ علت متحقق ہے، پائی جا رہی ہے فِيهِ اس منادی کے اندر، بِلَا مُغَيِّرٍ کسی مغیر کے بغیر، یعنی کوئی ایسی چیز بھی نہیں جو اس میں تبدیلی پیدا کر دے۔ کوئی ایسی چیز بھی نہیں ہے جو اس میں تبدیلی پیدا کر دے، چنانچہ منادی مضاف ہو يَا عَبْدَ اللهِ، مشابہ مضاف ہو يَا طَالِعًا جَبَلًا، نکرہ ہو يَا رَجُلًا خُذْ بِيَدِي، یہاں پر وہ علتِ نصب یعنی مفعول کی جگہ واقع ہونا یہ بھی پایا جا رہا ہے اور کوئی مغیر بھی نہیں ہے تو یہاں پر کیا آجائے گا؟ نصب آجائے گا بھئی۔

بِخِلَافِ الْمُفْرَدِ الْمَعْرِفَةِ وَالْمُسْتَغَاثِ بخلاف مفرد معرفہ کے اور مستغاث کے کہ وہاں پر علتِ نصب یعنی مفعول کی جگہ واقع ہونا وہ تو متحقق ہے، لیکن وہاں پر مغیر بھی آگیا بھئی، مغیر بھی آگیا ہے۔ بھئی کیا مغیر آگیا؟ مفرد معرفہ میں کاف حرفِ خطاب کے ساتھ مشابہت آگئی اور مستغاث میں کبھی لام آگیا اور کبھی الف آگیا۔

آگے دیکھیے: وَمِثَالُ الْغَيْرِ الْمُفْرَدِ يَا عَبْدَ اللهِ وَيَا طَالِعًا جَبَلًا وَيَا رَجُلًا، اور غیرِ مفرد کی مثال جیسے يَا عَبْدَ اللهِ اور يَا طَالِعًا جَبَلًا، اور آگے يَا رَجُلًا یہ نکرہ کی مثال ہے بھئی۔ اصل میں یہ عبارت کس طرح تھی؟ یہ عبارت تھی وَمِثَالُهُ يَا عَبْدَ اللهِ وَيَا طَالِعًا جَبَلًا وَيَا رَجُلًا، یہ مثال کس کی؟ یعنی وَيُنْصَبُ مَا سِوَاهُمَا ان دونوں کے علاوہ باقی صورتوں میں منادی منصوب ہوگا، اس کی مثالیں آگے دیں يَا عَبْدَ اللهِ، يَا طَالِعًا جَبَلًا، اور يَا رَجُلًا۔ تو اب ان مثالوں میں يَا عَبْدَ اللهِ اور يَا طَالِعًا جَبَلًا یہ غیرِ مفرد کی مثال ہے، اور يَا رَجُلًا یہ غیرِ معرفہ یعنی نکرہ کی مثال ہے بھئی۔ تو صاحبِ جامی نے اس کی وضاحت بھی کر دی۔

وَاعْلَمْ أَنَّهُمْ ذَكَرُوا أَنَّ الْمَفْرُوضَ لَهُ فِي هٰذِهِ الْمَوَاضِعِ أَدْعُو أَوْ أُنَادِي۔ جی یہاں سے ایک نہایت اہم قاعدہ بیان کر رہے ہیں صاحبِ جامی، اور یہ بحث بڑی اچھی ہے، توجہ سے سنیے گا بھئی۔ وہ یہ کہ ہم کہتے ہیں: يَا زَيْدُ، ہم نے آپ کو پڑھایا کہ يَا زَيْدُ اصل میں کیا ہے؟ أَدْعُو زَيْدًا یا أُنَادِي زَيْدًا۔ يَا جو حرفِ ندا ہے یہ فعلِ محذوف کے قائم مقام ہے، یہ يَا کس کے قائم مقام ہے؟ أَدْعُو یا أُنَادِي کے۔ اور زَيْدٌ اس کے لیے کیا بنتا ہے؟ مفعول بہ۔

اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ جو ہم نے کہا يَا حرفِ ندا یہ أَدْعُو یا أُنَادِي فعل کے قائم مقام ہے، تو یہ محذوف فعل أَدْعُو یا أُنَادِي یہ جملہ انشائیہ ہے یا جملہ خبریہ؟ کیا یہ انشا ہے یا خبر ہے؟ بھئی بات تو سادہ سی ہے، جملہ کی دو قسمیں آپ نے پڑھیں: جملہ خبریہ اور جملہ انشائیہ۔ جملہ خبریہ کسے کہتے ہیں؟ وہ کلام جس کے کہنے والے کو آپ سچا یا جھوٹا کہہ سکیں۔ اور جملہ انشائیہ کسے کہتے ہیں؟ جس کے کہنے والے کو آپ سچا یا جھوٹا نہ کہہ سکیں۔

مثلاً ایک جملہ آپ کے سامنے پیش کرتا ہوں: قُمْتُ میں کھڑا ہو گیا، کوئی شخص کہتا ہے قُمْتُ میں کھڑا ہوا یا ضَرَبْتُ میں نے پٹائی کی، تو سننے والا کیا کہہ سکتا ہے؟ ہاں تو سچ کہہ رہا ہے یا تو جھوٹ کہہ رہا ہے۔ تو یہ جملہ خبریہ ہوا۔ اسی طرح میں کہتا

ہوں أَنَا أَضْرِبُ زَيْدًا میں زید کی پٹائی کرتا ہوں، یا میں کہتا ہوں أَضْرِبُ زَيْدًا میں زید کی پٹائی کرتا ہوں، تو سننے والا کہہ سکتا ہے ہاں بھئی تو سچ کہہ رہا ہے یا تو جھوٹ کہہ رہا ہے۔ لیکن بعض جملے ایسے ہیں کہ ان کے کہنے والے کو آپ سچا یا جھوٹا نہیں کہہ سکتے۔ مثلاً میں کہتا ہوں اِضْرِبْ، میں نے کسی کو کہا اِضْرِبْ مار! تو سننے والا یہ تو نہیں کہہ سکتا تو جھوٹ بول رہا ہے، یا تو سچ بول رہا ہے، یہ تو نہیں کہہ سکتا کیونکہ اس نے تو کوئی خبر ہی نہیں دی۔

اب آپ نے یہ بھی پڑھا ہے کہ یہ جو فعلِ مضارع ہوتا ہے أَضْرِبُ، أَدْعُو، أُنَادِي یہ فعلِ مضارع ہے۔ اس کے ذریعے تو خبر دی جاتی ہے۔ فعلِ مضارع کس لیے آتا ہے؟ حال یا استقبال کے زمانے کی خبر دینے کے لیے آتا ہے۔ میں کہتا ہوں أَدْعُو زَيْدًا میں زید کو پکارتا ہوں یا میں زید کو پکاروں گا۔ تو یہ أَدْعُو فعلِ مضارع ہے اور اس کے ذریعے خبر دی جاتی ہے۔ تو جب میں کہتا ہوں يَا زَيْدُ، آپ کہتے ہیں يَا زَيْدُ اصل میں کیا ہے؟ أَدْعُو زَيْدًا، تو ظاہر تو یہ ہے کہ یہ أَدْعُو زَيْدًا جملہ خبریہ ہے، جملہ خبریہ ہے۔ لیکن یاد رکھنا نہیں، علمائے نحو فرماتے ہیں یہ جملہ خبریہ نہیں ہے، یہ جملہ انشائیہ ہے بھئی! اور تمام دنیا کو پتہ ہے کہ يَا زَيْدُ جملہ انشائیہ ہے، ندا انشا کی قسموں میں سے ہے بھئی۔

قرآن مجید میں دیکھو: يَا أَيُّهَا النَّاسُ، يَا بَنِي آدَمَ، کیا اس کے بارے میں کوئی یوں کہہ سکتا ہے یہ جھوٹ ہے؟ کوئی نہیں کہہ سکتا کیونکہ یہ تو ندا ہے، ندا جملہ انشائیہ کی قسموں میں سے ہے۔ لیکن سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب آپ نے کہا يَا زَيْدُ اصل میں أَدْعُو زَيْدًا ہے تو پھر أَدْعُو تو فعلِ مضارع ہے، اور فعلِ مضارع سے تو خبر دی جاتی ہے، تو یہ جملہ خبریہ ہونا چاہیے تھا آپ نے اس کو جملہ انشائیہ کیسے قرار دیا؟ تو یہ سوال صاحبِ جامی اٹھائیں گے اور اس کا جواب بھی دیں گے۔

جواب یہ کہ فعلِ مضارع یا فعلِ ماضی اگرچہ ان کو وضع کیا گیا ہے خبر دینے کے لیے، لیکن بعض جگہ ان کو انشا کے لیے بھی استعمال کیا جاتا ہے، بعض جگہ ان کو انشا کے لیے بھی استعمال کیا جاتا ہے۔ مثلاً عقدِ بیع کے اندر، خرید و فروخت کے اندر، یا نکاح کے اندر، بائع کہتا ہے بِعْتُ میں نے بیچا، اور مشتری کہتا ہے اِشْتَرَيْتُ میں نے خریدا۔ یا نکاح کے اندر ایک کہتا ہے زَوَّجْتُكَ میں نے آپ کا نکاح کر دیا، اور دوسرا کہتا ہے قَبِلْتُ میں نے قبول کیا۔ اب یہ بِعْتُ، اِشْتَرَيْتُ، زَوَّجْتُ، قَبِلْتُ یہ سارے کیا ہیں؟ فعلِ ماضی ہیں۔ اور فعلِ ماضی کو کس لیے وضع کیا گیا ہے؟ گزرے ہوئے زمانے کی خبر دینے کے لیے۔ مثلاً میں نے کل کوئی کتاب بیچی، آج آپ مجھ سے پوچھتے ہیں بھئی آپ کے پاس وہ کتاب تھی کیا ہوا؟ میں کہتا ہوں بِعْتُهُ میں نے اس کو بیچ دیا، تو کل جو کام ہو چکا ہے اس کی میں آپ کو خبر دے رہا ہوں۔ اب اس میں سننے والا مجھے سچا یا جھوٹا کہہ سکتا ہے کہ بھئی تو سچ کہہ رہا ہے یا جھوٹ کہہ رہا ہے۔ لیکن جب معاملہ ہو رہا ہوتا ہے بائع اور مشتری کے درمیان، اور بائع کہتا ہے بِعْتُ میں نے یہ کتاب بیچی اور مشتری کہتا ہے اِشْتَرَيْتُ میں نے خرید لی، تو یہ بِعْتُ سے پہلے بیع ہوئی نہیں تھی، ابھی بِعْتُ کہہ کر اس نے بیع کو ایجاد کیا، بیع کا انشا کیا بھئی۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو اس وقت کوئی سننے والا یہ کہہ سکتا ہے کہ تو جھوٹ بول رہا ہے؟ نہیں کہہ سکتا کیونکہ بِعْتُ کہہ کر اس نے بیع پیدا کی، بیع کا انشا کیا۔

تو معلوم ہوا صیغہ ماضی کا اگرچہ اس کو وضع کیا گیا ہے خبر کے لیے، لیکن بعض جگہ وہ انشا کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے۔ اسی طرح صیغہ مضارع کا، جیسے أَدْعُو یا أُنَادِي، اگرچہ اس کو وضع کیا گیا ہے کس کے لیے؟ خبر کے لیے، لیکن بعض جگہ وہ انشا کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے۔ چنانچہ یَا زَیْدُ کے اندر یہ جو أَدْعُو یا أُنَادِي محذوف ہے یہ انشا کے لیے ہے بھئی، یہ کس کے لیے ہے؟ انشا کے لیے ہے بھئی۔ تو اب اس کے اندر یَا زَیْدُ کوئی یہ نہیں کہہ سکتا کہ تو سچ کہہ رہا ہے یا جھوٹ کہہ رہا ہے کیونکہ اس کے اندر خبر نہیں ہے۔ یہ تو أَدْعُو کے ذریعے ندا کا انشا کر رہا ہے، ندا کو ایجاد کر رہا ہے۔

تو ایک جواب یہ ہو گیا کہ اگرچہ أَدْعُو یا أُنَادِي وضع کیے گئے ہیں خبر کے لیے لیکن یہاں یہ انشا کے لیے استعمال کیے جا رہے ہیں، ان کے ذریعے خبر دینا مقصود نہیں ہے بلکہ ان کے ذریعے ندا کا انشا کرنا مقصود ہے۔ اور نیز اس کے ساتھ یہ بھی سمجھ لو کہ أَدْعُو، أُنَادِي اگر یہ لفظوں میں ذکر ہوں، یعنی کوئی شخص یَا زَیْدُ کہنے کے بجائے زبان سے کہہ دے أَدْعُو زَیْدًا یا أُنَادِي زَیْدًا، اگر زبان سے ادا کر دے تو پھر تو یہ خبر ہی ہے، پھر یہ انشا نہیں ہے۔ لیکن اگر اس کو مقدر مانا جائے اور اس کی جگہ یَا حرفِ ندا ذکر کیا جائے تو پھر یہ جملہ انشائیہ بن جاتا ہے بھئی۔ توجہ ہے؟ اگر زبان سے کوئی کہے أَدْعُو زَیْدًا تو یہ کیا بنے گا؟ جملہ خبریہ بنے گا، کوئی کہہ سکتا ہے تو جھوٹ کہہ رہا ہے تو زید کو نہیں پکارتا، یا تو سچ کہہ رہا ہے۔ لیکن اگر زبان سے أَدْعُو نہ کہے بلکہ أَدْعُو کی جگہ پر یَا حرفِ ندا لے آئے یَا زَیْدُ، تو پھر یہ جملہ انشائیہ بن جائے گا بھئی۔

تو یہاں تک سمجھ میں آ گیا کہ اگرچہ أَدْعُو اور أُنَادِي وضع کیے گئے ہیں خبر کے لیے لیکن ان کا استعمال یہاں کس لیے ہے؟ انشا کے لیے ہے۔ اچھا اب ایک بات اور سمجھ لو، اس کے بعد ایک اور سوال پیدا ہوتا ہے۔ سوال یہ کہ بھئی دیکھو جملہ کی دو قسمیں تھیں: جملہ خبریہ اور جملہ انشائیہ۔ جملہ خبریہ میں جب ہم کوئی جملہ کہتے ہیں تو اس کے ساتھ ہمارا فعل خارج میں ہوتا ہے، ہم اپنے اس فعل کی خبر دیتے ہیں۔ مثلاً میں کہتا ہوں قَرَأْتُ الْکِتَابَ میں نے کتاب پڑھی۔ تو ایک میرا پڑھنے کا فعل ہے جو کتاب پر ہوا، اور پھر میں نے اپنی زبان سے لفظ کہے قَرَأْتُ الْکِتَابَ، ان لفظوں سے میں نے اس فعل کی خبر دی۔ تو یہاں دو چیزیں ہو گئیں: ایک وہ فعل جو خارج میں واقع ہوا یعنی پڑھنے کا فعل، اور ایک یہ لفظ قَرَأْتُ الْکِتَابَ جو اس فعل کی خبر دے رہا ہے، یہ دو چیزیں ہیں۔ اور اگر میں جھوٹ بولوں کہ میں نے کتاب پڑھی ہی نہیں تھی اور ویسے ہی کہہ دوں قَرَأْتُ الْکِتَابَ، تو لفظ تو موجود ہیں لیکن خارج میں فعل موجود نہیں ہے۔

لیکن جملہ انشائیہ میں ایسا نہیں ہوتا۔ جملہ انشائیہ میں وہ فعل الگ اور لفظ الگ نہیں ہوتے بلکہ انہی لفظوں کے ذریعے وہ فعل وجود میں آتا ہے۔ مثلاً دیکھو میں نے کہا بِعْتُہٗ میں نے یہ کتاب بیچ دی۔ تو اس سے پہلے کوئی بیع نہیں تھی، انہی لفظوں کے بولنے سے کیا وجود میں آئی؟ بیع وجود میں آئی۔ یا میں نے کسی شخص کو کہا قُمْ کھڑے ہو جا، اس سے پہلے کوئی طلب نہیں تھی، انہی لفظوں کے بولنے سے طلب وجود میں آئی۔ یا میں کہتا ہوں یَا زَیْدُ اے زید! اس سے پہلے کوئی ندا نہیں تھی، یَا زَیْدُ کے کہنے سے ندا وجود میں آئی، تو انہی لفظوں کے ساتھ وہ عمل وجود میں آیا بھئی۔

اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ بھئی یہ تو ہم نے مان لیا کہ یَا زَیْدُ یہ انشا ہے، یعنی یَا زَیْدُ کہنے سے ندا وجود میں آ رہی ہے۔ تو بھئی یَا زَیْدُ کے معنی میں اگر ہم أَدْعُو زَیْدًا نکالیں، تو لفظ یَا زَیْدُ تو خود بول رہا ہے متکلم، تو أَدْعُو کو مقدر ماننے کی کیا حاجت ہے؟ لفظ یَا زَیْدُ سے ہی اس نے ندا کا انشا کر لیا، پھر آپ یوں کیوں کہتے ہیں کہ یَا زَیْدُ میں أَدْعُو یا أُنَادِي محذوف ہے؟ بھئی أَدْعُو یا أُنَادِي کس لیے نکالا؟ ابھی تک ہماری جتنی بھی گفتگو ہوئی ہم نے یہی پڑھا تھا کہ یَا زَیْدُ کے اندر أَدْعُو یا أُنَادِي محذوف ہے اور یَا زَیْدُ اس کے لیے کیا بنتا ہے؟ مفعول بہ۔ لیکن جب آپ کہتے ہیں کہ یَا زَیْدُ انشا ہے اور اس کو بولنے سے ہی ندا وجود میں آ جاتی ہے تو پھر أَدْعُو کو مقدر ماننے کی کیا ضرورت ہے؟

تو صاحبِ جامی اس کا جواب دیں گے، کہتے ہیں بھئی یہ أَدْعُو یا أُنَادِي یہ انشا کا ایک مضمون ہے، یعنی ہم جو کہتے ہیں أَدْعُو زَیْدًا، تو یہ بطورِ تقریرِ معنی ہے۔ یوں سمجھو کہ کسی لفظ کا مطلب سمجھانے کے لیے اس کے مقابل کوئی لفظ لکھ دیا جاتا ہے، تو یہ بطورِ تقریرِ معنی ہے یعنی معنی کی وضاحت کے لیے ہے، حقیقت میں أَدْعُو یا أُنَادِي یہاں محذوف نہیں ہے بھئی۔ حقیقت میں أَدْعُو یا أُنَادِي محذوف نہیں ہے، بلکہ یَا یہ خود ہی ندا کے لیے بنایا گیا ہے اور یَا زَیْدُ خود ہی ندا کا انشا کر رہا ہے، اور وہ جو ہم أَدْعُو یا أُنَادِي نکالتے ہیں وہ صرف معنی کو واضح کرنے کے لیے نکالتے ہیں یعنی اس کا معنی یہ بنتا ہے۔

اور اگر کوئی یہ کہے کہ نہیں بھئی یہاں أَدْعُو یا أُنَادِي واقع میں محذوف ہے، تو پھر اس کا کیا جواب ہوگا؟ وہی جو میں نے پہلے بتلایا، کہ پھر ہم یوں کہہ دیں گے کہ یہ أَدْعُو اور أُنَادِي اگرچہ وضع کیے گئے ہیں خبر کے لیے لیکن یہاں یہ انشا کے لیے استعمال ہو رہے ہیں۔ دیکھیے کتاب پر بڑی نفیس بحث ہے، انشاء اللہ عبارت پڑھیں گے خوب سمجھ میں آ جائے گی۔

کہتے ہیں وَاعْلَمْ أَنَّهُمْ ذَكَرُوا اور جان لیجیے کہ علمائے نحو نے ذکر کیا ہے أَنَّ الْمُقَدَّرَ فِيهِ فِي هٰذِهِ الْمَوَاضِعِ أَدْعُو أَوْ أُنَادِي کہ ان جگہوں پر جو فعل مقدر ہوتا ہے وہ أَدْعُو یا أُنَادِي ہوتا ہے۔ ان جگہوں پر یعنی یَا زَیْدُ، یَا عَبْدَ اللّٰهِ، یَا رَجُلًا یہاں پر جو فعل مقدر ہوتا ہے وہ کیا ہوتا ہے؟ أَدْعُو یا أُنَادِي ہوتا ہے۔

فَإِنْ قِيلَ تو اگر یہ کہا جائے یعنی یہ اعتراض کیا جائے کہ مَفْهُومُ أَدْعُو وَأُنَادِي إِخْبَارٌ بِالدُّعَاءِ وَالنِّدَاءِ کہ أَدْعُو اور أُنَادِي کا جو مفہوم ہے یعنی معنی ہے وہ تو دعا اور ندا کی خبر دینا ہے۔ بھئی أَدْعُو کا کیا معنی؟ میں پکارتا ہوں۔ أُنَادِي کا کیا معنی؟ میں آواز دیتا ہوں۔ تو یہ تو خبر دینا ہے۔ وَالْمَقْصُودُ هٰهُنَا إِنْشَاؤُهُمَا اور جبکہ یہاں پر مقصود ہے انشا کرنا ان دونوں کا، دعا اور ندا کا انشا کرنا مقصود ہے لَا الْإِخْبَارُ عَنْهُمَا نہ کہ ان دونوں کے بارے میں خبر دینا۔ یہاں یَا زَیْدُ میں خبر دینا مقصود نہیں ہے بلکہ دعا اور ندا کا انشا کرنا مقصود ہے بھئی۔ تو پھر یَا زَیْدُ کے اندر أَدْعُو اور أُنَادِي کیسے مقدر ہو سکتے ہیں؟

قِيلَ تو جواب دیا گیا ہے، قِيلَ تو جواب دیا گیا ہے: اس میں پھر دو جواب دیے گئے، پہلا جواب أَنَّ الْمُقَدَّرَ هُوَ أَدْعُو وَأُنَادِي الْمُسْتَعْمَلَانِ فِي الْإِنْشَاءِ کہ یہاں جو مقدر ہے وہ أَدْعُو اور أُنَادِي ہیں جو کہ استعمال کیے گئے ہیں انشا کے اندر، دُونَ

الْإِخْبَارِ نہ کہ اخبار یعنی خبر کے اندر، یعنی اس کا استعمال یہاں انشا میں کیا گیا ہے خبر میں نہیں کیا گیا۔ كَبِعْتُ وَاشْتَرَيْتُ جیسے کہ بِعْتُ اور اِشْتَرَيْتُ، بھئی بِعْتُ کا لفظ وضع کیا گیا ہے خبر کے لیے لیکن عقدِ بیع کے اندر جب اس کو بولا جاتا ہے تو اس کو انشا کے اندر استعمال کیا جاتا ہے نہ کہ اخبار میں۔ تو اسی طرح أَدْعُو اور أُنَادِي اگرچہ وضع کیے گئے ہیں خبر کے لیے لیکن ان کا استعمال یہاں کس میں کیا جا رہا ہے؟ انشا میں نہ کہ اخبار میں۔

یہ پہلا جواب ہوا، اب دوسرا جواب دیکھیے: أَوْ يُقَالُ یا یوں کہا جائے: یہ جو لفظ ہم بولتے ہیں أَدْعُو اور أُنَادِي، تو يَا زَيْدُ کے اندر حقیقت میں أَدْعُو اور أُنَادِي محذوف نہیں ہیں، بلکہ يَا خود ہی ندا کا انشا کر رہا ہے، البتہ وہ جو ہم يَا زَيْدُ کے معنی میں بولتے ہیں أَدْعُو زَيْدًا یا أُنَادِي زَيْدًا وہ صرف بطورِ تقریرِ معنی ہے یعنی معنی کی وضاحت کے لیے اس کے مقابل یہ لفظ بول دیے جاتے ہیں۔ تو یہ دوسرا جواب ہے۔

تو کہتے ہیں أَوْ يُقَالُ یا یوں کہا جائے: لَيْسَ أَدْعُو وَأُنَادِي مُقَدَّرَيْنِ حَقِيقَةً کہ أَدْعُو اور أُنَادِي یہ حقیقت میں مقدر نہیں ہیں يَا زَيْدُ کے اندر، بَلْ هُمَا مَذْكُورَانِ تَقْرِيرًا لِلْمَعْنَى بلکہ ان دونوں کو صرف معنی کی تقریر یعنی معنی کی وضاحت کے لیے ذکر کیا گیا ہے۔ وَأَمَّا الْفِعْلُ الْمُقَدَّرُ فَمُجَرَّدٌ عَنِ الْإِخْبَارِ اور باقی وہ فعل جو حقیقت میں مقدر ہے وہ خبر سے مجرد ہے۔ بھئی پھر کیا مطلب؟ اگر حقیقت میں وہ فعل مقدر أَدْعُو یا أُنَادِي نہیں ہے تو پھر کون سا فعل مقدر ہے جو زید کو نصب دے؟ بھئی کہتے ہیں اس پر کوئی خاص فعل وہ ہے جو صرف انشا کا فائدہ دیتا ہے اور خبر سے مجرد ہے۔

کیوں؟ کہتے ہیں لِأَنَّ حَرْفَ النِّدَاءِ نَائِبٌ عَنْهُ اس لیے کیونکہ حرفِ ندا اس فعل کے نائب بن گیا، وَلَا يُمْكِنُ إِبْرَازُهُ مَعَ الْإِتْيَانِ بِالْحَرْفِ اور اس فعل کو ظاہر کرنا ممکن نہیں ہے حرفِ ندا کے لانے کے ساتھ، یعنی حرفِ ندا بھی ہو اور وہ فعل بھی ذکر کیا جائے ایسا نہیں ہو سکتا۔ وَمَتَى أُبْرِزَ ذٰلِكَ الْفِعْلُ عَلَى نَحْوِ أَدْعُو زَيْدًا وَأُنَادِيهِ وَتُرِكَ حَرْفُ النِّدَاءِ اور جب اس فعل کو ظاہر کر دیا جائے اس طرح کہ أَدْعُو زَيْدًا یا أُنَادِي زَيْدًا کہا جائے اور حرفِ ندا کو چھوڑ دیا جائے، انْقَلَبَ الْكَلَامُ خَبَرًا تو وہ کلام خبر میں بدل جاتا ہے، پھر وہ انشا نہیں رہتا بھئی۔

توجہ ہے؟ تو دو باتیں ہو گئیں، پھر دوبارہ سن لیجیے: ایک بات تو یہ کہ اگر ہم یہ کہیں کہ أَدْعُو اور أُنَادِي ہی حقیقت میں مقدر ہیں تو پھر وہ وضع کیے گئے ہیں خبر کے لیے لیکن ان کا استعمال یہاں کس میں ہو رہا ہے؟ انشا میں، جیسے بِعْتُ اور اِشْتَرَيْتُ کو وضع کیا گیا خبر کے لیے لیکن عقدِ بیع کے اندر ان کا استعمال انشا میں ہوتا ہے۔ یا دوسری بات یہ کہیں کہ حقیقت میں أَدْعُو یا أُنَادِي یہاں مقدر نہیں ہیں بلکہ یہ جو ہم نے يَا زَيْدُ کی تفسیر کی أَدْعُو زَيْدًا یا أُنَادِي زَيْدًا کے ساتھ یہ صرف معنی کی وضاحت کے لیے ہے، اور حقیقت میں تو حرفِ ندا کسی ایسے فعل کا نائب ہے جو خبر سے مجرد ہے اور وہ صرف انشا کے لیے ہے، اور وہ ایسا فعل ہے کہ جس کو ظاہر بھی نہیں کیا جا سکتا اس لیے کیونکہ اگر آپ اس کو ظاہر کریں گے اور حرفِ ندا کو حذف کر دیں گے تو پھر تو وہ خبر بن جائے گا بھئی۔ مثلاً آپ کہیں أَدْعُو زَيْدًا تو یہ کیا بن گیا؟ یہ تو خبر بن گیا۔ تو لہذا یہ تو نہیں ہو سکتا کہ

حرفِ ندا بھی لائیں اور اس کو بھی ذکر کردیں کیونکہ حرفِ ندا اسی کا نائب ہے، اور نائب اور منوبٌ عنہ یہ دونوں ایک ساتھ جمع نہیں ہوتے بھئی۔

دوبارہ دیکھیے کتاب پر، کہتے ہیں وَأَمَّا الْفِعْلُ الْمُقَدَّرُ فَمُجَرَّدٌ عَنِ الْإِخْبَارِ اور باقی جو حقیقت میں فعل مقدر ہے وہ اخبار سے مجرد ہے، یعنی وہ خبر والا نہیں ہے بلکہ وہ تو انشا والا ہے۔ لِأَنَّ حَرْفَ النِّدَاءِ نَائِبٌ عَنْهُ اس لیے کیونکہ حرفِ ندا اس کا نائب ہے، وَلَا يُمْكِنُ إِبْرَازُهُ مَعَ الْإِتْيَانِ بِالْحَرْفِ اور اس کا ظاہر کرنا ممکن نہیں ہے حرفِ ندا کو لانے کے ساتھ۔ یعنی حرفِ ندا بھی لے آئیں اور اس فعل کو بھی لے آئیں یہ ممکن نہیں ہے کیونکہ نائب اور منوبٌ عنہ جمع نہیں ہو سکتے۔ وَمَتَى أُبْرِزَ ذٰلِكَ الْفِعْلُ عَلَى نَحْوِ أَدْعُو زَيْدًا وَأُنَادِيهِ وَتُرِكَ حَرْفُ النِّدَاءِ اور جب اس فعل کو ظاہر کردیا جائے اس طرح کہ أَدْعُو زَيْدًا اور أُنَادِيهِ کہا جائے اور حرفِ ندا کو چھوڑ دیا جائے، انْقَلَبَ الْكَلَامُ خَبَرًا تو کلام خبر میں بدل جائے گا۔ یعنی اگر کوئی یوں کہے أَدْعُو زَيْدًا یا أُنَادِي زَيْدًا اور حرفِ ندا کو چھوڑ دے، تو پھر وہ کلام خبر بن جائے گا، انشا نہیں رہے گا بھئی۔

بات سمجھ میں آگئی؟ آگے دیکھیے: وَتَوَابِعُ الْمُنَادَى الْمَبْنِيِّ، جی یہاں سے ایک نیا سبق شروع ہو رہا ہے توابعِ منادی کے بارے میں، اس کو انشاء اللہ کل کے سبق میں پڑھیں گے۔ آج یہیں تک کافی ہے بھئی۔ جی۔

▪ متنِ کتاب و تحقیقِ مسائلِ نحویہ

وَمَا عَلَيْنَا إِلَّا الْبَلَاغُ۔

یہ جو صفت ہوتی ہے یہ موصوف کے لیے قید ہوتی ہے، یعنی موصوف کے اندر جو غیر کا احتمال ہے اس غیر کے احتمال کو ختم کر دیتی ہے۔ اب یاد رکھو، اس کی ایک اور مثال سمجھیں، پھر اس کے بعد اس عبارت کو حل کرتا ہوں۔

ایک بات اور سمجھ لیں، ایک ہوتا ہے توقیتِ قید اور ایک ہوتا ہے تقیید۔ توقیتِ قید اور تقیید کسے کہتے ہیں؟ بھئی صفت جو ہے نا یا تو بطورِ تقیید ہوتی ہے یا بطورِ توقیت ہوتی ہے۔ جی اب صفتِ مقیدہ کسے کہتے ہیں اور صفتِ موکدہ کسے کہتے ہیں؟ دیکھو بھئی: میں آپ سے کہتا ہوں جَاءَنِي رَجُلٌ عَالِمٌ، یہاں عَالِمٌ صفت ہے رَجُلٌ کی، اور یہ رَجُلٌ میں غیرِ عالم کا بھی احتمال ہے، جب عَالِمٌ آگیا اس نے غیرِ عالم کے احتمال کو ختم کر دیا، یعنی ہر رَجُل مراد نہیں صرف وہی رَجُل مراد ہے جو عالم ہو۔ اس کو کہتے ہیں تقیید، یعنی غیر کے احتمال کو ختم کر دینا۔

اور ایک ہوتا ہے توقیت، توقیت کا معنی ہے تاکید، یعنی اس میں غیر کا احتمال ہی نہیں ہوتا، وہ صفت بطورِ تاکید آتی ہے جیسے قرآن مجید میں آیا ہے: لَا تَتَّخِذُوا إِلٰهَيْنِ اثْنَيْنِ، الٰہ دو مت بناؤ۔ بھئی آپ غور کیجیے: إِلٰهَيْنِ یہ تثنیہ کا صیغہ ہے اور تثنیہ کا صیغہ دو ہی پر دلالت کرتا ہے، اس میں تین چار کا احتمال ہے؟ نہیں۔ پھر آگے اللہ تعالی نے کیا فرمایا؟ اثْنَيْنِ، یعنی صفت

لے آئے دو، دو معبود نہ بناؤ۔ تو یہ صفت جو اثْنَيْنِ آیا یہ تثنیہ پر آیا ہے، اور تثنیہ کا صیغہ پہلے ہی دو پر دلالت کر رہا ہے اس میں غیر کا احتمال ہے ہی نہیں، تو یہ صفت بطورِ تاکید آئی ہے، تقیید کے لیے نہیں آئی۔ یعنی غیر کے احتمال کو ختم کرنے کے لیے نہیں آئی کیونکہ غیر کا احتمال تو پہلے ہی نہیں ہے۔

اسی طرح مثلًا ایک شخص کی ایک بیوی تھی، اس کی ایک بیوی تھی اور اس کا نام مثلاً زینب تھا، وہ اپنے دوست سے کہتا ہے میرے گھر میں میری بیوی موجود ہے زَوْجَتِي الْحَسْنَاءُ، میری خوبصورت بیوی۔ اب دیکھو اس کی بیوی ہی ایک ہے، اس میں غیرِ حسن کا کوئی احتمال نہیں ہے، یعنی کوئی دوسری بیوی نہیں ہے جس سے امتیاز مقصود ہو، بلکہ اس نے یہ صفت بطورِ تاکید ذکر کی ہے، بطورِ مدح یا بطورِ تاکید ذکر کی ہے۔

اسی طرح مثلاً اب دیکھو يَا رَجُلًا، يَا رَجُلًا مَقُولًا لِغَيْرِ مُعَيَّنٍ۔ اب غور کیجیے: یہ جو منادی رَجُلًا ہے یہ منصوب ہے، توجہ ہے؟ رَجُلًا منصوب ہے، اور میں نے آپ کو بتلایا تھا کہ منادی جب مفرد معرفہ ہو تو وہ مبنی علی الضم ہوتا ہے، تو اگر یہ رَجُل معین ہوتا یعنی معرفہ ہوتا تو پھر کیا آتا؟ يَا رَجُلُ، مبنی علی الضم آتا، لیکن چونکہ یہ منصوب ہے يَا رَجُلًا، تو اس کے منصوب ہونے سے ہی پتہ چل گیا کہ یہ معین نہیں ہے بلکہ غیرِ معین ہے۔ تو جب رَجُلًا منصوب آگیا تو اس میں معین ہونے کا احتمال رہا؟ نہیں رہا! کیونکہ اگر معین ہوتا تو يَا رَجُلُ مرفوع ہوتا یعنی مبنی علی الضم ہوتا، رَجُلًا منصوب نہ ہوتا۔ تو رَجُلًا کے نصب سے ہی متعین ہو گیا کہ یہ غیرِ معین کو کہا جا رہا ہے، معین کو نہیں کہا جا رہا، تو رَجُلًا میں معین کا احتمال ہے ہی نہیں۔

اب جب آگے آپ نے کہا: يَا رَجُلًا مَقُولًا لِغَيْرِ مُعَيَّنٍ، تو یہ جو لِغَيْرِ مُعَيَّنٍ یا مَقُولًا لِغَيْرِ مُعَيَّنٍ آیا ہے، اگر اس کو رَجُلًا کی صفت بنائیں یا حال بنائیں تو بھئی اس میں رَجُلًا میں تو معین کا احتمال ہی نہیں تھا کہ یہ آکر اس احتمال کو ختم کرے! تو یہ تقیید کے لیے نہیں ہے بلکہ کس لیے ہے؟ توقیت کے لیے ہے، یعنی اسی بات کو مزید واضح اور موکد کرنے کے لیے کہ دیکھو بھئی رَجُلًا منصوب ہے اور یہ غیرِ معین کے لیے ہے۔

جی یہی بات یہاں صاحبِ جامی فرما رہے ہیں، دیکھیے کتاب پر: وَهٰذَا تَأْكِيدٌ لِنَصْبِ رَجُلًا لَا تَقْيِيدٌ لَهُ، لِأَنَّهُ مَنْصُوبًا لَا يَحْتَمِلُ الْمُعَيَّنَ۔ جی عبارت دیکھو: وَهٰذَا تَأْكِيدٌ لِنَصْبِ رَجُلًا، یہ لفظ تَأْكِيدٌ ہے بھئی، میں نے پہلے تَوْقِيتٌ پڑھ دیا تھا، تَأْكِيدٌ ہے۔ وَهٰذَا تَأْكِيدٌ لِنَصْبِ رَجُلًا لَا تَقْيِيدٌ لَهُ، اور یہ لِغَيْرِ مُعَيَّنٍ یا مَقُولًا لِغَيْرِ مُعَيَّنٍ یہ تَأْكِيدٌ ہے رَجُلًا کے نصب کی، لَا تَقْيِيدٌ لَهُ نہ کہ رَجُلًا کے لیے تقیید ہے۔ کیوں؟ لِأَنَّهُ مَنْصُوبًا لَا يَحْتَمِلُ الْمُعَيَّنَ، اس لیے کیونکہ یہ رَجُل اس حال میں کہ وہ منصوب ہے، یعنی رَجُلًا منصوب ہونے کی حالت میں، لَا يَحْتَمِلُ الْمُعَيَّنَ معین کا احتمال ہی نہیں رکھتا۔ کیونکہ اگر معین ہوتا تو يَا رَجُلُ ہوتا، رَجُلًا نہ ہوتا۔ تو منصوب ہونے کی حالت میں اس میں معین کا احتمال ہی نہیں ہے، تو یہ جو آگے کہا گیا مَقُولًا لِغَيْرِ مُعَيَّنٍ، یہ تقیید نہیں ہے بلکہ صرف اس کے نصب کی تاکید ہے بھئی! بات سمجھ میں آگئی؟

اب آگے دیکھیے، نَحْوُ قَوْلِ الْأَعْمَى جیسے اندھے کا قول، يَا رَجُلًا خُذْ بِيَدِي اے کسی آدمی میرا ہاتھ پکڑ لو۔ جی اب دیکھیے،

چوتھی قسم، چوتھی قسم کیا تھی؟ جو نہ مفرد ہو اور نہ معرفہ ہو۔

اب اس کے بارے میں تھوڑی تفصیل ہے وہ سمجھ لیجیے۔ منادی مفرد معرفہ ہو تو مبنی علی الضم ہوتا ہے، اس کے علاوہ صورتوں میں منادی منصوب ہوتا ہے: یا تو مفرد نہ ہو یعنی مضاف یا مشابہ مضاف ہو، یا معرفہ نہ ہو یعنی نکرہ غیر معینہ ہو، یا نہ مفرد ہو نہ معرفہ ہو یعنی دونوں صفتیں نہ پائی جائیں۔ مثلاً وہ نکرہ غیر معینہ بھی ہو اور ساتھ مضاف بھی ہو، یا نکرہ غیر معینہ ہو اور مشابہ مضاف ہو، جیسے يَا رَجُلًا صَالِحًا خُذْ بِيَدِي یا يَا ضَارِبًا رَجُلًا، یا يَا غُلَامَ رَجُلٍ خُذْ بِيَدِي۔ کوئی اندھا شخص ہے اور وہ کہتا ہے: يَا غُلَامَ رَجُلٍ خُذْ بِيَدِي، اے کسی آدمی کے غلام میرا ہاتھ پکڑ لو، یا اے کسی آدمی کے بیٹے میرا ہاتھ پکڑ لو۔ یا اندھا کہتا ہے: يَا ضَارِبًا رَجُلًا خُذْ بِيَدِي، اے کسی آدمی کو مارنے والے میرا ہاتھ پکڑ لو۔ اب یہ غُلَامَ رَجُلٍ مضاف ہے اور مضاف ہے نکرہ کی طرف تو یہ نکرہ ہی رہا، معرفہ نہیں بنا، اور مفرد بھی نہیں ہے کیونکہ مضاف ہے۔ تو نہ مفرد ہے اور نہ معرفہ۔

آگے دیکھیے کتاب پر: وَالْقِسْمُ الرَّابِعُ وَهُوَ مَا لَا يَكُونُ مُفْرَدًا وَلَا مَعْرِفَةً، اور چوتھی قسم وہ ہے جو نہ مفرد ہو اور نہ معرفہ ہو، مِثْلُ يَا غُلَامَ رَجُلٍ مَقُولًا لِغَيْرِ مُعَيَّنٍ جیسے يَا غُلَامَ رَجُلٍ جس وقت یہ غیرِ معین کو کہا جائے، أَوْ يَا خَيْرًا مِنْ زَيْدٍ مَقُولًا لِغَيْرِ مُعَيَّنٍ یا يَا خَيْرًا مِنْ زَيْدٍ جس وقت یہ غیرِ معین کو کہا جائے۔ دیکھو غُلَامَ رَجُلٍ یہ مضاف ہے اور غیرِ معین کو کہا گیا تو نہ مفرد ہے نہ معرفہ۔ اور خَيْرًا مِنْ زَيْدٍ یہ مشابہ مضاف ہے کیونکہ مِنْ زَيْدٍ اس کے معنی کو پورا کر رہا ہے، اور یہ بھی غیرِ معین کو کہا گیا تو نہ مفرد ہے نہ معرفہ۔

وَإِنَّمَا أَهْمَلَ الْمُصَنِّفُ الْمِثَالَ لِهٰذَا الْقِسْمِ، اور مصنف نے اس چوتھی قسم کی مثال کو کیوں چھوڑ دیا؟ یعنی متن میں مصنف نے تین مثالیں دیں: يَا عَبْدَ اللّٰهِ مضاف کی، يَا طَالِعًا جَبَلًا مشابہ مضاف کی، اور يَا رَجُلًا نکرہ غیر معینہ کی، چوتھی قسم یعنی جو نہ مفرد ہو نہ معرفہ ہو اس کی مثال مصنف نے نہیں دی، کیوں چھوڑ دیا؟ لِعَدَمِ الْحَاجَةِ إِلَيْهِ اس کی طرف حاجت نہ ہونے کی وجہ سے، فِيمَا سَيَجِيءُ بَيَانُهُ جیسا کہ آگے اس کا بیان آئے گا، أَوْ لِأَنَّهُ قَدْ يُعْلَمُ حُكْمُهُ بِطَرِيقِ الْأَوْلَى یا اس لیے کیونکہ اس کا حکم بطریقِ اولی معلوم ہو جاتا ہے۔ یعنی جب ایک صفت کے نہ ہونے سے منادی منصوب ہو جاتا ہے تو جب دونوں صفتیں ہی نہ ہوں، نہ مفرد ہو اور نہ معرفہ ہو، تو پھر بطریقِ اولی وہ منصوب ہوگا۔

جی یہاں تک بات مکمل ہو گئی، اب آگے نئی بحث شروع ہو رہی ہے توابعِ منادی کی، توابعِ منادی کے بارے میں انشاء اللہ کل پڑھیں گے۔ وَآخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ۔

ایک مغیر آگیا، ایک چیز آگئی جس نے اس کو بدل دیا اور وہ کیا کہ اس کے آخر میں الفِ استغاثہ آگیا۔

بات سمجھ میں آگئی؟ حاصلِ کلام کیا کہ منادی میں اصل نصب ہے، وہ منصوب ہونا چاہیے کیونکہ وہ مفعول بہ ہے، اور

مفعول بہ تو وہ ہر وقت ہے، ہر وقت ہے لیکن کبھی کوئی مغیر آکر اس کو بدل دیتا ہے۔ اور جب ان دو صورتوں کے علاوہ منادی مفرد معرفہ ہو یا منادائے مستغاث، ان دو صورتوں کے علاوہ باقی صورتوں میں جب منادی معرب ہے اور کوئی مغیر وہاں پر نہیں ہے، تو پھر اپنی اصل پر رہتے ہوئے منادی منصوب ہی ہوگا۔ جی، کوئی مغیر نہیں ہے تو منادی منصوب ہی ہوگا۔ بات سمجھ میں آگئی؟

کہتے ہیں لِأَنَّ عِلَّةَ النَّصْبِ وَهِيَ الْمَفْعُولِيَّةُ مُتَحَقِّقَةٌ فِيهِ اس لیے کیونکہ نصب کی جو علت ہے وَهِيَ الْمَفْعُولِيَّةُ اور وہ مفعول ہونا ہے مُتَحَقِّقَةٌ فِيهِ وہ منادی کے اندر پائی جا رہی ہے، وَمَا غَيَّرَهُ مُغَيِّرٌ عَنْ حَالِهِ اور کسی چیز نے اس منادی کو اپنی حالت سے بدلا نہیں۔ منادائے مفرد معرفہ میں ایک مغیر آیا تھا، ایک بِنا عارض ہو گئی تھی، اس بِنا نے اس کو مبنی بنا دیا۔ اور منادائے مستغاث پر جب لام عارض پیش آیا اس لام جو مغیر تھا اس نے منادی کو نصب سے جر کی طرف بدل دیا، یا مستغاث کے اندر الف آیا تو وہ مغیر تھا اس نے نصب سے فتحہ کی طرف اس کو بدل دیا۔ جبکہ باقی صورتوں میں تو کوئی مغیر نہیں، جب مغیر کوئی نہیں تو منادی اپنی اصل پر برقرار رہتے ہوئے منصوب ہوگا۔ بات سمجھ میں آگئی؟

پھر ترجمہ دیکھیں، کہتے ہیں لِأَنَّ عِلَّةَ النَّصْبِ وَهِيَ الْمَفْعُولِيَّةُ مُتَحَقِّقَةٌ فِيهِ اس لیے کیونکہ نصب کی جو علت ہے، نصب کا جو سبب ہے اور وہ مفعول ہونا ہے، مُتَحَقِّقَةٌ فِيهِ وہ منادی کے اندر ثابت ہے بھئی۔ وَمَا غَيَّرَهُ مُغَيِّرٌ عَنْ حَالِهِ اور کسی مغیر نے اس منادی کو اپنی حالت سے بدلا بھی نہیں ہے، تو اب یہ منصوب ہی ہوگا۔

کہتے ہیں وَمَا سِوَى الْمُفْرَدِ الْمَعْرِفَةِ إِمَّا مَا لَا يَكُونُ مُفْرَدًا، بھئی انہوں نے کیا کہا کہ منادی منصوب ہوگا ان دونوں کے علاوہ صورتوں میں، کن دونوں کے علاوہ؟ مفرد معرفہ یا مستغاث۔ تو مفرد معرفہ کے علاوہ کیا صورت ہے؟ اب وہ ذکر کرنے لگے ہیں۔ بات سمجھ میں آگئی؟

مفرد معرفہ، منادی مفرد معرفہ ہو تو مبنی ہوتا ہے علامتِ رفع پر۔ توجہ ہے؟ کون سا منادی؟ مفرد ہو، معرفہ ہو۔ تو اس میں دیکھو دو قیدیں ہیں: مفرد بھی ہونا چاہیے یعنی مضاف یا مشابہ مضاف نہ ہو، اور معرفہ ہونا چاہیے چاہے قبل الندا معرفہ ہو چاہے بعد الندا معرفہ ہو۔ تو دو قیدیں جب ہوں گی تو منادی مبنی ہوگا۔ تو اس کے علاوہ صورت کیا ہوگی؟ کہ ان قیدوں کی نفی کر دو۔ ان قیدوں کی یعنی مفرد نہ ہو بلکہ غیرِ مفرد ہو، اور اس میں پھر دو صورتیں آگئیں: یا مضاف ہوگا یا مشابہ مضاف ہوگا۔ توجہ ہے؟ اور یا معرفہ والی صفت کی نفی کر دو، مفرد تو ہو لیکن معرفہ نہ ہو، جیسے يَا رَجُلًا خُذْ بِيَدِي۔ اندھا کہتا ہے کسی شخص کو پکار کر کہ میرا ہاتھ تھام لو۔ تو اب یہ يَا رَجُلًا یہ رَجُل مفرد تو ہے نہ مضاف ہے اور نہ مشابہ مضاف، لیکن معرفہ نہیں ہے کیونکہ کسی متعین کا یہاں اس نے ارادہ نہیں کیا۔ بات سمجھ میں آگئی؟

پھر سمجھو کہ منادی منصوب ہوگا ان دونوں کے علاوہ بھئی، کن دونوں کے علاوہ؟ منادائے مفرد معرفہ اور مستغاث

کے علاوہ۔ مفرد معرفہ کے علاوہ کیسے ہوگا اب وہ بیان کرنے لگے ہیں صاحبِ جامی کہ منادی مفرد معرفہ کے علاوہ ہو، کیا معنی علاوہ ہو؟ یعنی اس میں ان دو شرطوں میں سے ایک کی نفی کر دو۔ کس کی؟ مثلاً مفرد نہیں ہے، پھر اس میں دو صورتیں آگئیں: مضاف ہوگا جیسے یَا عَبْدَ اللّٰہِ، یا مشابہ مضاف ہوگا جیسے یَا طَالِعًا جَبَلًا۔ تو یہ دونوں معرفہ تو ہیں لیکن مفرد نہیں ہیں، مضاف یا مشابہ مضاف ہیں۔ یا دوسری صورت یہ ہے کہ معرفہ نہ ہو مفرد ہو، یعنی یَا رَجُلًا یہ مفرد تو ہے لیکن معرفہ نہیں۔ اور ایک صورت یہ بھی ہے کہ نہ مفرد ہو اور نہ ہی معرفہ ہو، وہ مثال صاحبِ جامی آپ کو شرح کے اندر ذکر کریں گے۔

دیکھیے بھئی کتاب پر، کہتے ہیں وَمَا سِوَی الْمُفْرَدِ الْمَعْرِفَةِ اور مفرد معرفہ کے علاوہ جو ہے، مفرد معرفہ کے علاوہ کیا ہو سکتا ہے؟ جو غیرِ مفرد ہو یا غیرِ معرفہ ہو، یا دونوں ہی صفتیں منتفی ہوں مفرد بھی نہ ہو اور معرفہ بھی نہ ہو۔ تو کہتے ہیں مَا سِوَی الْمُفْرَدِ الْمَعْرِفَةِ اور مفرد معرفہ کے علاوہ جو ہے إِمَّا مَا لَا يَكُونُ مُفْرَدًا یا تو وہ جو مفرد ہی نہ ہو بِأَنْ يَكُونَ مُضَافًا أَوْ شِبْهَ مُضَافٍ بایں صورت کہ وہ مضاف ہو یا شبہ مضاف ہو، وہ مضاف ہو یا شبہ مضاف ہو۔ دیکھو مضاف یہ قسمِ اول بنے گی اور شبہ مضاف یہ قسمِ ثانی بنے گی۔ وَإِمَّا مَا يَكُونُ مُفْرَدًا وَلٰكِنْ لَا يَكُونُ مَعْرِفَةً یا وہ منادی جو مفرد تو ہو لیکن معرفہ نہ ہو، معرفہ نہ ہو یہ تیسری قسم آجائے گی۔ وَإِمَّا مَا لَا يَكُونُ مُفْرَدًا وَلَا مَعْرِفَةً یا وہ مفرد بھی نہیں ہوگا اور معرفہ بھی نہیں ہوگا، یعنی دونوں صفتوں کی نفی کر دو یہ چوتھی قسم بن جائے گی۔ بات سمجھ میں آگئی؟

فَالْقِسْمُ الْأَوَّلُ تو پہلی قسم جو ہے وَهُوَ مَا لَا يَكُونُ مُفْرَدًا اور وہ منادی ہے جو مفرد نہ ہو لِكَوْنِهِ مُضَافًا مضاف ہونے کی وجہ سے، مِثْلُ يَا عَبْدَ اللّٰهِ دیکھو یَا عَبْدَ اللّٰهِ، یہ عَبْد کی دال پر فتحہ پڑھ رہے ہیں یہ منصوب ہے۔ وَالْقِسْمُ الثَّانِي اور دوسری قسم جو ہے وَهُوَ مَا لَا يَكُونُ مُفْرَدًا جو مفرد نہیں ہے لِكَوْنِهِ شِبْهَ مُضَافٍ اس وجہ سے کہ وہ شبہ مضاف ہے، مِثْلُ يَا طَالِعًا جَبَلًا جیسے یَا طَالِعًا جَبَلًا بھئی۔ دیکھو یَا طَالِعًا جَبَلًا اے پہاڑ پر چڑھنے والے! کوئی آدمی ہے پہاڑ پر چڑھ رہا ہے آپ اس کو ندا دیتے ہیں: یَا طَالِعًا جَبَلًا۔ اب دیکھو یہ متعین آدمی کو آپ ندا دے رہے ہیں، تو معرفہ تو ہے، لیکن مفرد نہیں ہے بلکہ یہ تو شبہ مضاف ہے بھئی۔ اور یہ ترکیب بھی میں نے ذکر کیا تھا یَا طَالِعًا جَبَلًا: یہ طَالِعًا اس پر تو نصب اس لیے آیا کہ منادی ہے اور مشابہ مضاف ہے، مشابہ مضاف جب منادی ہو منصوب ہوتا ہے۔ اور یہ جَبَلًا پر نصب کیوں آیا؟ کیونکہ یہ مفعول بہ ہے طَالِعًا اسمِ فاعل کے لیے۔ آپ کو میں نے بتایا تھا کہ صفت کے صیغے بھی اسی طرح عمل کرتے ہیں جس طرح فعل عمل کرتا ہے، تو فعل جیسے اپنے فاعل کو رفع دیتا ہے اور اپنے مفعول کو نصب، اسی طرح صفت کے صیغے بھی عمل کرتے ہیں۔ تو یہ طَالِع یہ اسمِ فاعل کا صیغہ ہے، اور یہ جَبَلًا اس کے لیے مفعول بہ بن جائے گا، تو طَالِع کے اندر هُوَ ضمیر فاعل ہوگی اور جَبَلًا اس کے لیے مفعول بہ ہے بھئی۔

تو کہتے ہیں مِثْلُ يَا طَالِعًا جَبَلًا، وَالْقِسْمُ الثَّالِثُ اور تیسری قسم جو ہے وَهُوَ مَا يَكُونُ مُفْرَدًا وہ منادی ہے جو مفرد تو ہے وَلٰكِنْ لَا يَكُونُ مَعْرِفَةً لیکن وہ معرفہ نہیں ہے، مِثْلُ يَا رَجُلًا مَقُولًا لِغَيْرِ مُعَيَّنٍ جیسے یَا رَجُلًا مَقُولًا لِغَيْرِ مُعَيَّنٍ اس حال میں

کہ جس وقت یہ غیرِ معین کو کہا جائے، جس وقت یہ غیرِ معین کو کہا جائے۔ مِثْلُ يَا رَجُلًا مَقُولًا لِغَيْرِ مُعَيَّنٍ جیسے يَا رَجُلًا جس وقت کہ یہ کہا جائے لِغَيْرِ مُعَيَّنٍ۔ آگے دیکھیے أَيْ لِرَجُلٍ غَيْرِ مُعَيَّنٍ رجلِ غیرِ معین کو۔ متن میں آیا تھا لِغَيْرِ مُعَيَّنٍ، آگے صاحبِ جامی نے کہا لِرَجُلٍ غَيْرِ مُعَيَّنٍ بتلانا یہ چاہتے ہیں کہ غیرِ معین کا موصوف محذوف ہے، أَيْ لِرَجُلٍ غَيْرِ مُعَيَّنٍ ایسا آدمی جو معین نہیں ہے۔

کہتے ہیں وَهٰذَا تَوْقِيتٌ لِنَصْبِ رَجُلًا لَا تَقْيِيدٌ لَهُ، لِأَنَّهُ مَنْصُوبًا لَا يَحْتَمِلُ الْمُعَيَّنَ۔ بھئی یہ جگہ سمجھ لیں، یہ مشکل مقام ہے بھئی، یہ مشکل مقام ہے۔ یاد رکھو یہ جو یہاں آیا نا مَقُولًا، يَا رَجُلًا مَقُولًا، یہ جو مَقُولًا صاحبِ جامی نے نکالا یہاں پر بتلانا یہ چاہتے ہیں کہ یہ جو لِغَيْرِ مُعَيَّنٍ آیا، توجہ ہے؟ لِغَيْرِ مُعَيَّنٍ أَيْ لِرَجُلٍ غَيْرِ مُعَيَّنٍ، اور یہ جار مجرور ہے لامِ جارہ اس پر داخل ہے، اور جار مجرور جو ہے وہ نکرہ کے بعد آئیں تو وہ اس کے لیے صفت بنتے ہیں اور معرفہ کے بعد آئیں تو وہ اس کے لیے حال بنتے ہیں۔ توجہ ہے؟ جار مجرور نکرہ کے بعد آئیں تو کیا بنتے ہیں؟ صفت، اور معرفہ کے بعد آئیں تو حال، جب وہ کسی سے جڑ نہ رہے ہوں۔ تو یہاں پر يَا رَجُلًا کے بعد لِغَيْرِ مُعَيَّنٍ جار مجرور آیا۔ تو اب آگے مَقُولًا نکالا، تو بعض شارحین نے لکھا کہ یہ جو مَقُولًا کا لفظ صاحبِ جامی نے نکالا وہ بتلانا یہ چاہتے ہیں کہ یہ جار مجرور صفت ہے رَجُلًا کی، یہ جار مجرور صفت ہے رَجُلًا کی، اور موصوف صفت کا اعراب ایک ہوتا ہے رَجُلًا منصوب تھا تو مَقُولًا اس کی صفت بھی منصوب نکالی۔ جبکہ بعض شارحین نے لکھا کہ یہ مَقُولًا حال ہے رَجُل سے، یہ حال ہے رَجُل سے بھئی، اور حال بھی کیا ہوتا ہے؟ منصوب۔

تو بہرحال چاہے اس کو صفت بنائیں چاہے اس کو حال بنائیں: صفت موصوف کے لیے قید ہوتی ہے، اور حال عاملِ ذوالحال کے لیے قید ہوتا ہے۔ حال عاملِ ذوالحال کے لیے قید ہوتا ہے۔ دیکھو توجہ سے سن لو بھئی۔ یاد رکھو یہ جو صفت ہوتی ہے نا یہ موصوف کے لیے قید ہوتی ہے، یہ موصوف کے لیے قید ہوتی ہے۔ مثلاً میں آپ سے کہتا ہوں جَاءَنِي رَجُلٌ عَالِمٌ، میرے پاس عالم آدمی آیا، تو یہ جو عَالِمٌ ہے یہ صفت ہے رَجُلٌ کی، تو رَجُلٌ کے لیے یہ قید ہے کیونکہ صفت موصوف کے لیے قید ہوتی ہے۔ معلوم ہوا یہ جو یہاں رَجُلٌ آیا اس سے عالم رجل مراد ہے ہر رجل مراد نہیں۔ تو یہ صفت قید ہوتی ہے کس کے لیے؟ موصوف کے لیے، یعنی اس رَجُلٌ کے اندر غیرِ عالم کا بھی احتمال تھا تو عَالِمٌ صفت نے آکر اس غیرِ عالم کے احتمال کو ختم کر دیا۔ توجہ ہے؟ صفت قید ہوتی ہے کس کے لیے؟ موصوف کے لیے یعنی موصوف سے غیر کے احتمال کو ختم کر دیتی ہے۔ جَاءَنِي رَجُلٌ عَالِمٌ اس رَجُلٌ کے اندر غیرِ عالم ہونے کا بھی احتمال تھا لیکن عَالِمٌ صفت نے آکر اس احتمال کو ختم کر دیا۔ صفت قید ہوتی ہے، کیا معنی قید ہوتی ہے؟ یعنی غیر کے احتمال کو ختم کر دیتی ہے۔ یہ جملہ میں بار بار دہرا رہا ہوں اس کو یاد کر لو۔ صفت قید ہوتی ہے، کیا معنی قید ہوتی ہے؟ یعنی غیر کے احتمال کو ختم کر دیتی ہے۔

اسی طرح یاد رکھو حال بھی قید ہوتا ہے عاملِ ذوالحال کے لیے، حال بھی قید ہوتا ہے کس کے لیے؟ عاملِ ذوالحال کے لیے، عاملِ ذوالحال کے لیے۔ جیسے میں کہتا ہوں جَاءَنِي زَيْدٌ رَاكِبًا، آیا میرے پاس زید رَاكِبًا اس حال میں کہ وہ سوار تھا، بامحاورہ یوں کہو زید میرے پاس سوار ہو کر آیا۔ توجہ ہے؟ اور آپ نے پڑھا تھا کہ ذوالحال اور حال دونوں میں عامل ایک

ہی چیز ہوتی ہے۔ جَاءَنِي زَيْدٌ رَاكِبًا، یہ زَيْدٌ کو رفع کس نے دیا؟ جَاءَ نے، اور یہ رَاكِبًا کو نصب بھی اسی جَاءَ نے دیا، حال اور ذوالحال دونوں کا عامل ایک ہوتا ہے ہمیشہ یاد رکھنا۔ تو اسی جَاءَ نے زَيْدٌ یعنی ذوالحال کو بھی رفع دیا اور اسی جَاءَ نے رَاكِبًا یعنی حال کو بھی نصب دیا۔ معلوم ہوا رَاكِبًا کے اندر عامل کون ہے؟ جَاءَ۔ تو یہ جو حال ہوتا ہے یہ اپنے عامل کے لیے قید ہوتا ہے، یا یوں کہو یہ حال جو ہے عاملِ ذوالحال کے لیے قید ہوتا ہے، چاہے اس کا عامل کہہ لو چاہے ذوالحال کا عامل کہہ لو ایک ہی بات ہے۔ تو حال اپنے عامل کے لیے قید ہوتا ہے۔ معلوم ہوا یہ زید کا جو آنا تھا یہ رکوب ہی کی حالت میں تھا، غیرِ رکوب کی حالت میں نہیں تھا۔ حال کیا ہوتا ہے؟ عاملِ ذوالحال کے لیے قید، تو یہ بھی قید ہے۔ تو اس آنے کے اندر غیرِ رکوب کا بھی احتمال تھا، رَاكِبًا نے آکر اس غیر کے احتمال کو ختم کر دیا، رَاكِبًا نے آکر اس غیر کے احتمال کو ختم کر دیا۔ بھئی یہ گہری بات ہے توجہ سے سمجھ لو۔ یہ جو صفت ہوتی ہے یہ موصوف کے لیے قید ہوتی ہے یعنی موصوف کے اندر جو غیر کا

احتمال ہوتا ہے اس کو یہ ختم کر دیتی ہے۔ اسی طرح حال جو ہے وہ عاملِ ذوالحال کے لیے قید ہوتا ہے یعنی اس سے وہ غیر کے احتمال کو ختم کر دیتا ہے۔ جَاءَنِي زَيْدٌ رَاكِبًا اس آنے کے اندر یہ جو آنا تھا اس میں احتمال تھا ہو سکتا ہے سوار ہو کر آیا ہو ہو سکتا ہے سوار ہو کر نہ آیا ہو، تو رَاكِبًا نے آکر غیرِ رکوب کے احتمال کو مجیئت سے ختم کر دیا۔ تو صفت بھی قید ہے یعنی وہ غیر کے احتمال کو ختم کرتی ہے، اور حال بھی قید ہے یعنی وہ غیر کے احتمال کو ختم کرتا ہے۔

تو صاحبِ جامی آپ کو بتائیں گے کہ لِغَيْرِ مُعَيَّنٍ، لِغَيْرِ مُعَيَّنٍ یہ قید ہے کس کے لیے؟ رَجُلًا کے لیے۔ توجہ ہے؟ چاہے اس کو حال بناؤ چاہے صفت بناؤ یہ قید ہے بھئی، یہ قید ہے، اور قید کیا فائدہ دیتی ہے؟ غیر کے احتمال کو ختم کر دیتی ہے۔ لیکن یہاں یہ قید اس کو آپ نہیں بنا سکتے کیونکہ یہاں غیر کا احتمال ہی نہیں ہے۔ يَا رَجُلًا توجہ سے سنو: يَا رَجُلًا اس رَجُلًا کے نصب میں، ادھر دیکھیے: يَا رَجُلًا یہ منصوب ہے۔ کیوں منصوب ہے؟ کیونکہ یہ کس کو کہا گیا ہے؟ غیرِ معین کو، کس کو کہا گیا؟ غیرِ معین کو۔ اندھا نابینا کسی غیرِ معین کو ندا دیتے ہوئے کیا کہتا ہے؟ يَا رَجُلًا خُذْ بِيَدِي، اے آدمی میرا ہاتھ تھام لے۔ تو يَا رَجُلًا پر نصب آرہا ہے، اور آگے صفت یا حال کیا آیا؟ لِغَيْرِ مُعَيَّنٍ۔ اور صفت اور حال کیا ہوتے ہیں؟ قید ہوتے ہیں یعنی غیر کے احتمال کو ختم کر دیتے ہیں، لیکن یہاں تو غیر کا احتمال ہی نہیں! یہ رَجُلًا کا نصب، یہ رَجُلًا کا نصب یہ کب ہوگا؟ جب منادی غیرِ معین ہو، جب معین ہو پھر نصب آسکتا ہے؟ يَا رَجُلُ، پھر تو منادی مبنی علی الضم ہو جائے گا، پھر تو معرفہ ہوگا۔ یہی رَجُل ادھر دیکھیے، ایک ہے يَا رَجُلُ ایک ہے يَا رَجُلًا۔ يَا رَجُلُ کس کو کہیں گے؟ معین کو، اور يَا رَجُلًا غیرِ معین کو۔ تو جب يَا رَجُلًا غیرِ معین کے لیے ہے تو یہ جو رَجُلًا پر نصب آرہا ہے یہ معین کے لیے بھی کبھی ہو سکتا ہے؟ نہیں، معین کے لیے تو وہ مبنی علی الضم بن جائے گا يَا رَجُلُ۔ معلوم ہوا يَا رَجُلًا میں جو نصب آرہا ہے وہ ہمیشہ کس کے لیے آئے گا؟ غیرِ معین کے لیے آئے گا، یہ معین کے لیے آ ہی نہیں سکتا بھئی۔

تو اس رَجُل کے نصب میں معین کے لیے ہونے کا احتمال ہے؟ نہیں، معین کے لیے ہونے کا احتمال ہی نہیں ہے۔ توجہ ہے؟ یَا رَجُلًا پر نصب صرف کس وقت ہے؟ جب وہ غیرِ معین ہے، جس وقت وہ غیرِ معین ہے۔ اور اگر وہ معین ہے تو؟ پھر تو مبنی علی الضم ہو جائے گا بھئی۔ معلوم ہوا یہ جو یَا رَجُلًا کا نصب ہے، یہ جو یَا رَجُلًا پر نصب آ رہا ہے کیوں آ رہا ہے؟ یہ معین کے لیے ہے یا غیرِ معین کے لیے ہے؟ یہ غیرِ معین کے لیے ہے۔ معین کے لیے ہو پھر نصب آ سکتا ہے؟ پھر تو مبنی علی الضم بن جائے گا یَا رَجُلُ۔ تو آگے کیا آیا؟ یَا رَجُلًا لِغَیْرِ مُعَیَّنٍ، یَا رَجُلًا جس وقت یہ کس کو کہا جائے؟ غیرِ معین کو کہا جائے۔ یہ صفت یا حال ہے، اور صفت اور حال کیا ہوتے ہیں؟ قید ہوتے ہیں یعنی یہ غیر کے احتمال کو ختم کر دیتے ہیں۔ حالانکہ یہاں یہ جو رَجُلًا کا نصب ہے، توجہ سے سنو رَجُلًا کا جو نصب آیا یہ تو غیرِ معین ہی کے لیے ہو سکتا ہے، یہ نصب معین کے لیے آ ہی نہیں سکتا۔ توجہ ہے؟ یَا رَجُلًا کا نصب کس کے لیے آئے گا ہمیشہ؟ غیرِ معین کی صورت میں نصب آ سکتا ہے، معین کی صورت میں تو نصب آ ہی نہیں سکتا۔ تو یہ لِغَیْرِ مُعَیَّنٍ کو اگر صفت بھی بناؤ، صفت ہوتی ہے قید تو اس کا مطلب ہے یہ غیر کے احتمال کو ختم کر دیتی ہے۔ صفت کیا ہے؟ لِغَیْرِ مُعَیَّنٍ۔ اور صفت کیا کرتی ہے؟ غیر کے احتمال کو ختم کرتی ہے۔ تو کیا یہاں معین ہونے کا احتمال تھا؟ یہ نصب معین کے لیے ہو جائے یہ احتمال ہی نہیں ہے۔

بات سمجھ میں آ گئی؟ تو یہ لِغَیْرِ مُعَیَّنٍ، یا یہ صفت ہے یا یہ حال، بعض نے صفت قرار دیا بعضوں نے حال قرار دیا۔ تو صفت بھی موصوف کے لیے قید ہوتی ہے اور حال بھی عاملِ ذوالحال کے لیے قید ہوتا ہے، اور قید ہونے کا کیا معنی؟ یہ غیر کے احتمال کو ختم کر دیتی ہے۔ تو اس کو قید نہ بناؤ، اس کو قید نہ بناؤ! قید بناؤ گے تو کیا معنی کہ رَجُلًا کا نصب کس کے لیے ہوگا؟ وہ لفظوں پہ نظر رکھو: یَا رَجُلًا لِغَیْرِ مُعَیَّنٍ، یہ رَجُلًا کا نصب کس کے لیے ہے؟ غیرِ معین کے لیے۔ اگر آپ نے اس کو قید بنایا، قید بنانے کا کیا معنی؟ غیر کے احتمال کو ختم کر دے، تو غیرِ معین کا غیر کیا ہوا؟ معین ہوا۔ ایک معین ہے اور ایک غیرِ معین ہے نا! توجہ سے سنو: ایک معین ہے ایک غیرِ معین ہے، غیرِ معین اگر آپ اس کو صفت بھی بناؤ یا حال بھی بناؤ یہ قید ہوتی ہے، اور قید ہونے کا کیا معنی یہ غیر کے احتمال کو ختم کر دیتی ہے، تو غیرِ معین نے کس کے احتمال کو ختم کر دیا؟ معین کے احتمال کو، حالانکہ معین کا تو یہاں کوئی احتمال ہی نہیں ہے، معین کے لیے تو یَا رَجُلًا پر نصب آ ہی نہیں سکتا۔

بات سمجھ میں آ گئی؟ تو لہٰذا یہ غیرِ معین کو قید نہ بناؤ کیونکہ قید تو غیر کے احتمال کو ختم کرتی ہے، اور رَجُلًا کے نصب میں تو معین کے لیے ہونے کا احتمال ہی نہیں ہے، بلکہ اس کو توقیت بناؤ۔ کیا بناؤ؟ توقیت کے لیے بناؤ بھئی۔ وَقَّتَ یُوَقِّتُ تَوْقِیت کا معنی ہے کسی چیز کا وقت بیان کرنا، کسی چیز کا وقت بیان کرنا۔ تو یہ لِغَیْرِ مُعَیَّنٍ کو قید نہ بناؤ کیونکہ قید تو آتی ہے غیر کے احتمال کو ختم کرنے کے لیے اور یہاں معین کا کوئی احتمال نہیں ہے جس کو اس نے ختم کیا ہو، کیونکہ یہ نصب غیرِ معین ہی کے لیے آ سکتا ہے معین کے لیے یہ یَا رَجُلًا پر کبھی نصب نہیں آ سکتا۔ تو پھر اس کو کیا بنائیں؟ صاحبِ جامی فرما رہے ہیں کہ اس کو قید نہ بناؤ بلکہ اس کو توقیت بناؤ، یعنی جس میں وقت بیان کیا جا رہا ہے کہ یَا رَجُلًا پر نصب اس وقت آئے

گا جب یہ غیرِ معین کے لیے ہو، کس کے لیے؟ یعنی یَا رَجُلًا پر نصب اسی وقت آئے گا جب یہ غیرِ معین کے لیے ہو۔ اب عبارت پہ نظر رکھو: یَا رَجُلًا مَقُولًا لِغَیْرِ مُعَیَّنٍ، یہ جو یَا رَجُلًا ہے اس پر یہ جو نصب آئے گا اس وقت ہوگا لِغَیْرِ مُعَیَّنٍ جس وقت یہ غیرِ معین کے لیے ہوگا، اگر معین کے لیے ہوا پھر نصب نہیں آسکتا بھئی۔

معلوم ہوا یہ جو لِغَیْرِ مُعَیَّنٍ اس کو قید نہ بناؤ اس کو تقیید نہ بناؤ، قَیَّدَ یُقَیِّدُ تَقْیِید کا معنی قید بنانا، مقید کرنا۔ لِغَیْرِ مُعَیَّنٍ اس کو تقیید نہ بناؤ بلکہ اس کو توقیت بناؤ جس میں یَا رَجُلًا کے نصب کا وقت بیان کیا جا رہا ہے۔ یہ اس کے لیے قید نہیں ہے کیونکہ قید بناؤ گے تو قید تو غیر کے احتمال کو ختم کرتی ہے اور یہاں تو معین کے لیے نصب کے ہونے کا کوئی احتمال ہی نہیں ہے۔ تو غیرِ معین کو قید نہ بناؤ بھئی، یہ ہے تو حال یا صفت ہی لیکن اس کو قید نہ بناؤ بلکہ اس کو توقیت کے لیے بنا لو۔ کس کے لیے؟ توقیت کے لیے۔ یہ قید نہیں ہے یعنی یہ صرف وقت بیان کر رہا ہے۔ یہ رَجُلًا پر نصب کب آئے گا؟ لِغَیْرِ مُعَیَّنٍ، دیکھو اب وقت والا معنی میں اس کا کروں گا: یَا رَجُلًا مَقُولًا لِغَیْرِ مُعَیَّنٍ یہ یَا رَجُلًا کا لفظ جس وقت غیرِ معین کو کہا جائے۔ دیکھو وقت آگیا! ہے تو حال یا صفت ہی لیکن یہ قید نہیں ہے، یہ صفت یا حال قید نہیں ہے یہ صرف وقت بیان کر رہا ہے۔ کس چیز کا وقت؟ رَجُلًا کے نصب کا۔ رَجُلًا کے نصب کا وقت بیان کر رہا ہے، یہ اس نصب کے لیے قید نہیں کیونکہ قید ہوگی تو پھر اس کا تو معنی یہ ہے اس نے معین کے احتمال کو ختم کر دیا، پھر تو معنی یہ ہو جائے گا یہ نصب کبھی معین کے لیے بھی آتا ہے حالانکہ معین کے لیے تو یہ کبھی نصب آتا ہی نہیں۔ لہذا قید بناؤ گے تو معنی فاسد ہوتا ہے۔ قید بناؤ گے تو معنی فاسد ہوتا ہے۔ لہذا اس کو قید نہ بناؤ بلکہ اس کو کس کے لیے بناؤ؟ وقت کے لیے بناؤ یعنی توقیت، وَقَّتَ یُوَقِّتُ تَوْقِیت کا معنی کسی چیز کا وقت بیان کرنا۔ تو یہ اس کو وقت کے لیے بناؤ کہ یہ صفت یا حال ہے لیکن قید نہیں بلکہ وقت بیان کرنے کے لیے ہے۔ کس چیز کا وقت بیان کر رہا ہے؟ یہ رَجُل کے نصب کا وقت بیان کر رہا ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ کہ رَجُل پر نصب اس وقت آئے گا جب یہ غیرِ معین کے لیے ہو۔ دیکھو اب معنی بہترین ہو گیا یا نہیں؟ بات سمجھ میں آگئی اچھی طرح؟

تو کہتے ہیں مِثْلُ یَا رَجُلًا مَقُولًا لِغَیْرِ مُعَیَّنٍ جیسے کہ یَا رَجُلًا جس وقت یہ غیرِ معین کو کہا جائے، أَيْ لِرَجُلٍ غَیْرِ مُعَیَّنٍ یعنی ایسا رجل جو غیرِ معین ہو، وَهٰذَا تَوْقِیتٌ لِنَصْبِ رَجُلًا لَا تَقْیِیدٌ لَهُ یہ توقیت ہے رَجُلًا کے نصب کی لَا تَقْیِیدٌ لَهُ یہ اس کے لیے تقیید نہیں ہے، یہ اس کے لیے یعنی اس کو قید نہ بناؤ اس کے لیے، لِأَنَّهُ مَنْصُوبًا لَا یَحْتَمِلُ الْمُعَیَّنَ لِأَنَّهُ اس لیے کیونکہ یہ جو منادی ہے یہ جو رَجُل ہے، یہ مَنْصُوبًا حال ہے، اس لیے کیونکہ یہ جو رَجُل جو ہے اس حال میں کہ یہ منصوب ہے یا یوں یہ منادی کہہ لو، یہ جو منادی ہے اس حال میں کہ یہ منصوب ہو لَا یَحْتَمِلُ الْمُعَیَّنَ یہ معین کا احتمال نہیں رکھتا، نصب کی حالت میں یہ معین کا احتمال نہیں رکھتا بھئی۔

وَالْقِسْمُ الرَّابِعُ، اب چوتھی قسم آگئی۔ بھئی بات چل رہی تھی وہ منادی جو مفرد معرفہ اور مستغاث کے علاوہ ہو وہ منصوب ہوتا ہے۔ تو مفرد معرفہ کے علاوہ کیسے ہوگا اس میں چار صورتیں بنتی تھیں۔ کیا صورت؟ کہ مفرد نہ ہو، دوسری

صورت معرفہ نہ ہو، تیسری صورت مفرد بھی نہ ہو اور معرفہ بھی نہ ہو۔ تو تین صورتیں بن گئیں۔ پہلی صورت کیا؟ مفرد نہ ہو، دوسری صورت معرفہ نہ ہو، تیسری صورت مفرد بھی نہ ہو اور معرفہ بھی نہ ہو۔ اور پھر جو مفرد نہیں ہے پہلی قسم اس میں پھر دو صورتیں بن جاتی ہیں: مفرد نہ ہو یعنی مضاف ہو، یا مفرد نہ ہو یعنی مشابہ مضاف ہو، تو اس میں دو صورتیں بن گئیں۔ تو کل کتنی صورتیں بن گئیں؟ چار صورتیں۔ پہلی صورت کیا؟ پہلی قسم جو مفرد نہ ہو یعنی مضاف ہو۔ دوسری قسم مفرد نہ ہو یعنی مشابہ مضاف ہو۔ تیسری صورت جو معرفہ نہ ہو یَا رَجُلًا مفرد تو ہے لیکن معرفہ نہیں ہے۔ اور چوتھی قسم جو نہ مفرد ہو اور نہ معرفہ ہو۔ اس کی مثال صاحبِ کافیہ نے ذکر نہیں کی اب صاحبِ جامی اس کو ذکر کریں گے بھئی۔

تو کہتے ہیں وَالْقِسْمُ الرَّابِعُ وَهُوَ مَا لَا يَكُونُ مُفْرَدًا وَلَا مَعْرِفَةً اور چوتھی قسم جو نہ مفرد ہو اور نہ معرفہ ہو، مِثْلُ يَا حَسَنًا وَجْهُهُ ظَرِيفًا۔ يَا حَسَنًا وَجْهُهُ ظَرِيفًا، حَسَن صفتِ مشبہ ہے اور صفت کے صیغے کے لیے فاعل چاہیے۔ حَسَن کا معنی اچھا، بھئی کیا چیز اچھی ہے؟ چہرہ اچھا ہے یا اخلاق اچھے ہیں یا علم اچھا ہے؟ تو آگے وَجْهُهُ سے بتلا دیا کہ چہرہ اچھا ہے۔ تو یہ وَجْهُهُ یہ مضاف مضاف الیہ مل کر یہ فاعل ہے حَسَن کے لیے۔ حَسَن صفتِ مشبہ ہے نا اور صفتِ مشبہ کے لیے کیا چاہیے؟ فاعل، تو وَجْهُهُ اس کے لیے فاعل ہے۔ تو حَسَنًا وَجْهُهُ وہ شخص جس کا چہرہ اچھا ہے، اور ظَرِيفًا یہ صفت ہے حَسَنًا کی، یہ صفت ہے حَسَنًا کی صفت ہے۔ ظَرِيف خوش طبع بھئی ہنسی مزاح کرنے والا، خوش طبع انسان، خوش مزاج آدمی۔ يَا حَسَنًا وَجْهُهُ ظَرِيفًا، یہ وَجْهُهُ ترکیب میں کیا ہے؟ حَسَنًا کے لیے فاعل ہے۔ بات سمجھ میں آرہی ہے؟

بات کس منادی کی چل رہی ہے؟ جو نہ مفرد ہو اور نہ معرفہ ہو۔ دیکھو یہ مفرد بھی نہیں ہے یعنی یہ مشابہ مضاف ہے، یہ مشابہ مضاف کس طرح؟ مشابہ مضاف کسے کہتے تھے؟ وہ اسم جس کا معنی پورا نہیں ہوتا جب تک اس کے ساتھ کوئی اور لفظ نہ ملائیں۔ یہاں حَسَنًا کا معنی پورا نہیں ہوتا، حَسَنًا کا معنی اچھا ہے، بھئی کس اعتبار سے اچھا ہے؟ چہرے کے اعتبار سے اچھا ہے، اخلاق و عادات کے اعتبار سے اچھا ہے، یا علم کے اعتبار سے اچھا ہے؟ تو معنی ابھی بھی پورا نہیں، تو وَجْهُهُ کو ساتھ ملایا اب اس کا معنی پورا ہو گیا۔ تو یہ حَسَنًا کیا ہے؟ مشابہ مضاف ہے یعنی وہ اسم جس کا معنی بغیر دوسرا لفظ ملائے پورا نہیں ہوتا۔ تو یہ مشابہ مضاف ہوا، معلوم ہوا یہ مفرد نہیں۔

اور نیز معرفہ بھی نہیں ہے، معرفہ بھی نہیں! یاد رکھو يَا حَسَنًا وَجْهُهُ یہ میں کسی متعین کو بھی ندا دے سکتا ہوں غیرِ متعین کو بھی۔ میرے سامنے ایک متعین آدمی ہے میں اس کو کہتا ہوں: يَا حَسَنًا وَجْهُهُ اے اچھے چہرے والے! تو دیکھو یہ متعین کو میں ندا دے رہا ہوں تو یہ معرفہ ہے، معرفہ ہے۔ لیکن اگر میرے سامنے دو چار آدمی بیٹھے ہیں اور میں ان میں سے کسی غیرِ متعین کو ندا دے کر کہتا ہوں: يَا حَسَنًا وَجْهُهُ اے اچھے چہرے والے! اب دیکھو یہ متعین کا میں نے ارادہ نہیں کیا تو اب یہی حَسَنًا وَجْهُهُ نکرہ بن گیا بھئی، یہی نکرہ ہے بھئی۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو منادی جو ہے اگر اس میں متعین کا ارادہ کریں گے تو وہ معرفہ بنے گا، اگر متعین کا ارادہ نہیں کریں گے تو حرفِ ندا اس کو معرفہ نہیں بنائے گا بھئی۔ وہ جیسے

دیکھو یَا رَجُلُ، اس رَجُل کے ذریعے میں کسی معین آدمی کو ندا دیتا ہوں تو یَا حرفِ ندا اس کو معرفہ بنا دے گا اور پھر کیسے کہوں گا؟ یَا رَجُلُ۔ اور اگر میں غیرِ معین کو ندا دیتا ہوں تو پھر یَا حرفِ ندا اس کو معرفہ نہیں بنائے گا وہ جیسے اندھا کسی کو کہتا ہے: یَا رَجُلًا خُذْ بِیَدِي، تو دیکھو یہاں متعین کا ارادہ نہیں کیا۔ معلوم ہوا حرفِ ندا منادی کو معرفہ بنائے گا اگر متعین کا ارادہ کیا ہو، اگر متعین کا ارادہ نہیں کیا تو پھر وہ اس کو معرفہ نہیں بنائے گا۔

تو یَا حَسَنًا وَجْهُهُ یہ اگر کسی متعین کو میں آواز دوں گا تو پھر یہ معرفہ ہے، پڑھنا اسی طرح ہے یَا حَسَنًا وَجْهُهُ، مبنی علی الضم نہیں کیونکہ مبنی علی الضم تو تب ہوگا جب مفرد بھی ہو اور معرفہ بھی ہو۔ یہ معرفہ تو ہے جب میں نے متعین کو آواز دی ہے لیکن مفرد نہیں ہے یہ تو مشابہ مضاف ہے بھئی تو پھر یہ منصوب ہی ہوگا۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو یَا حَسَنًا وَجْهُهُ اس میں متعین کے لیے بھی ہونے کا احتمال، غیرِ متعین کے لیے ہونے کا بھی احتمال ہے۔ آگے ظَرِیفًا اسی کی صفت لے آئے بھئی، اور اس ظَرِیفًا نے آکر بتلا دیا کہ یَا حَسَنًا وَجْهُهُ نکرہ ہے، کیونکہ موصوف نکرہ ہو تو صفت بھی نکرہ لاتے ہیں، موصوف معرفہ ہو تو صفت بھی معرفہ لاتے ہیں، اور ظَرِیفًا دیکھو نکرہ ہے۔ یہ ظَرِیفًا نکرہ نے آکر بتلا دیا کہ حَسَنًا وَجْهُهُ سے غیرِ معین فرد کا ارادہ کیا گیا ہے۔ اگر کسی معین کا ارادہ کیا جاتا تو یہ معرفہ ہوتا، پھر اس کی صفت ظَرِیفًا نہ لائی جاتی، پھر الف لام کے ساتھ لاتے: الظَّرِیفَ، یَا حَسَنًا وَجْهُهُ الظَّرِیفَ۔ فرق سمجھ میں آرہا ہے؟ تو یہ صفت کیوں لائے ہیں صاحبِ جامی؟ یہ بتلانے کے لیے ہی کہ یَا حَسَنًا وَجْهُهُ کسی متعین کو نہیں کہا جا رہا، یہ صفت نے آکر بتلایا۔ تو یَا حَسَنًا وَجْهُهُ ظَرِیفًا یہ مشابہ مضاف ہے لہذا مفرد بھی نہیں، اور نیز نکرہ بھی ہے کہ ظَرِیفًا صفت نے آکر بتلا دیا۔ تو یہ ایسا منادی ہے جو مفرد بھی نہیں ہے اور معرفہ بھی نہیں ہے۔

تو کہتے ہیں وَالْقِسْمُ الرَّابِعُ وَهُوَ مَا لَا یَكُونُ مُفْرَدًا وَلَا مَعْرِفَةً اور چوتھی قسم جو نہ مفرد ہو اور نہ معرفہ ہو، جیسے یَا حَسَنًا وَجْهُهُ ظَرِیفًا۔ ترجمہ کیا ہوگا؟ اے اچھے چہرے والے خوش طبع انسان! اے اچھے چہرے والے خوش مزاج انسان!

وَلَمْ یُورِدِ الْمُصَنِّفُ لِهٰذَا الْقِسْمِ مِثَالًا یہ سوال کا جواب دے رہے ہیں۔ سوال یہ کہ مصنف نے اس قسم کی مثال کیوں نہیں ذکر کی؟ مصنف نے وہ مثال بھی ذکر کی جس میں مفرد ہونا منتفی تھا: یَا عَبْدَ اللّٰهِ یہ مفرد نہیں ہے، اس میں مفرد ہونا منتفی ہے، تو یَا عَبْدَ اللّٰهِ مضاف ہے۔ اور مصنف نے یَا طَالِعًا جَبَلًا بھی مثال ذکر کی جو مشابہ مضاف ہے، مفرد نہیں ہے۔ اور جو معرفہ نہ ہو اس کی بھی مثال ذکر کی یَا رَجُلًا۔ لیکن جس میں یہ دونوں چیزیں منتفی ہوں، یعنی مفرد بھی نہ ہو اور معرفہ بھی نہ ہو، اس کی مثال صاحبِ کافیہ نے کیوں نہیں ذکر کی؟

تو صاحبِ جامی آپ کو بتلائیں گے کہ بھئی وجہ یہ کہ مصنف نے وہ مثالیں ذکر کر دیں جن میں ایک ایک صفت منتفی ہو رہی ہے، کسی میں مفرد ہونا منتفی ہے جیسے یَا عَبْدَ اللّٰهِ اور یَا طَالِعًا جَبَلًا، اور کسی میں معرفہ ہونا منتفی ہے جیسے یَا رَجُلًا۔ تو جب آپ کو پتہ چل گیا کہ صفت کو منتفی کیسے کرتے ہیں تو آپ دونوں کو ملا بھی سکتے ہیں، جیسے ہم نے مثال بنا دی یَا حَسَنًا وَجْهُهُ

ظَرِيفًا۔ جب آپ کو یہ پتہ چل گیا کہ افراد کیسے منتفی ہوگا؟ جب مضاف یا مشابہ مضاف ہو۔ اور جب آپ کو یہ بھی پتہ چل گیا کہ معرفہ ہونا کیسے منتفی ہوگا؟ جب غیرِ معین کا ارادہ کیا جائے۔ تو دونوں کے انتفاع کی مثال بنانا آپ کے لیے آسان ہو گیا بھئی، لہذا اب اس کو ذکر کرنے کی کوئی حاجت نہیں ہے۔

اور نیز اس وجہ سے بھی کہ یہ جو يَا طَالِعًا جَبَلًا آیا اس کے اندر دونوں احتمال ہیں: يَا طَالِعًا جَبَلًا، یہی ندا اگر آپ کسی متعین کو دے رہے ہیں، ایک متعین آدمی پہاڑ پر چڑھ رہا ہے آپ اس کو کہتے ہیں يَا طَالِعًا جَبَلًا، اب یہ مفرد تو نہیں کیونکہ یہ تو مشابہ مضاف ہے لیکن معرفہ تو ہے کیونکہ آپ متعین کو ندا دے رہے ہیں۔ اور اگر پہاڑ پر چڑھنے والے کئی افراد ہیں اور آپ ان میں سے کسی ایک غیرِ متعین کو آواز دیتے ہیں: يَا طَالِعًا جَبَلًا، اب دیکھو یہ مفرد بھی نہیں ہے، یہ مفرد بھی نہیں ہے کیونکہ یہ تو مشابہ مضاف ہے، اور نیز یہ معرفہ بھی نہیں ہے کیونکہ آپ نے کسی متعین کا ارادہ نہیں کیا۔ تو یہی يَا طَالِعًا جَبَلًا یہ دونوں کی مثال بن سکتی ہے، کون دونوں؟ جو مفرد تو نہ ہو لیکن معرفہ ہو اس کی بھی مثال بن سکتا ہے، اور جو مفرد بھی نہ ہو معرفہ بھی نہ ہو اس کی بھی یہ مثال بن سکتا ہے۔

تو کہتے ہیں وَلَمْ يُورِدِ الْمُصَنِّفُ لِهٰذَا الْقِسْمِ مِثَالًا اور مصنف اس قسم کے لیے مثال نہیں لے کر آئے، إِذْ حَيْثُ اتَّضَحَ انْتِفَاءُ كُلٍّ مِنَ الْقَيْدَيْنِ، إِذْ حَيْثُ کیونکہ جب اتَّضَحَ واضح ہو گیا، إِذْ حَيْثُ اتَّضَحَ کہتے ہیں کیونکہ جب واضح ہو گیا، کیا واضح ہو گیا؟ انْتِفَاءُ كُلٍّ مِنَ الْقَيْدَيْنِ دونوں قیدوں میں سے ہر ایک کا منتفی ہونا۔ دونوں قیدوں میں سے ہر ایک کا منتفی ہونا آپ کو مثالوں سے پتہ چل گیا: يَا عَبْدَ اللهِ میں مفرد ہونا منتفی ہے، اور اسی طرح يَا طَالِعًا جَبَلًا میں بھی مفرد ہونا منتفی ہے، اور يَا رَجُلًا میں معرفہ ہونا منتفی ہے۔ تو جب آپ پر واضح ہو گیا دونوں قیدوں میں سے ہر ایک کا منتفی ہونا تو آپ کے لیے آسان ہو گیا دونوں قیدوں کا اکٹھا منتفی کرنا بھی آپ کے لیے آسان ہو گیا۔

تو کہتے ہیں إِذْ حَيْثُ اتَّضَحَ کیونکہ جب واضح ہو گیا انْتِفَاءُ كُلٍّ مِنَ الْقَيْدَيْنِ دونوں قیدوں میں سے ہر ایک کا منتفی ہونا بِمِثَالٍ مثال کے ذریعے، تو سَهُلَ تَصَوُّرُ انْتِفَائِهِمَا مَعًا تو آسان ہو گیا دونوں کے منتفی ہونے کا تصور کرنا۔ جب دونوں کا علیحدہ علیحدہ انتفاع آپ کے لیے واضح ہو گیا تو دونوں کے اکٹھا منتفی ہونے کو تصور کرنا بھی آپ کے لیے آسان ہو گیا بھئی۔ دیکھو یہاں پھر آیا: اتَّضَحَ انْتِفَاءُ كُلٍّ مِنَ الْقَيْدَيْنِ، یہ كُلّ آیا اور اس پر تنوین آ رہی ہے، اور لفظِ كُلّ پر جو تنوین آئے وہ عوض ہوتی ہے مضافٌ الیہ کے، أَيْ حَيْثُ اتَّضَحَ انْتِفَاءُ كُلِّ وَاحِدٍ مِنَ الْقَيْدَيْنِ۔

تو کہتے ہیں فَلَا حَاجَةَ إِلَى إِيرَادِ مِثَالٍ لَهُ عَلَى انْفِرَادِهِ تو کوئی حاجت نہیں ہے کہ لائی جائے اس کی مثال علیحدہ طور پر۔ فَلَا حَاجَةَ إِلَى إِيرَادِ مِثَالٍ لَهُ عَلَى انْفِرَادِهِ تو کوئی حاجت نہیں ہے کہ اس کے لیے علیحدہ مثال لائی جائے، مَعَ أَنَّ الْمِثَالَ الثَّانِيَ يَحْتَمِلُهُ باوجود اس کے، ساتھ اس کے کہ مثالِ ثانی اس کا احتمال بھی رکھتی ہے، يَا طَالِعًا جَبَلًا یہ اس قسم کے لیے مثال بننے کا بھی احتمال رکھتی ہے۔

فَيُمْكِنُ أَنْ يُرَادَ بِقَوْلِهِ يَا طَالِعًا جَبَلًا هٰذِهِ الْعِبَارَةَ، اسی طرح ہے آپ کی کتاب میں عبارت؟ يَا طَالِعًا جَبَلًا هٰذِهِ الْعِبَارَةَ، اسی طرح ہے؟ جی یاد رکھو یہ کتابت کی غلطی ہے بھئی، کتابت کی غلطی ہے، یہاں ایک دو لفظ رہ گئے ہیں بھئی۔ عبارت اصل میں یوں ہے، توجہ سے سنو: أَنْ يُرَادَ بِقَوْلِهِ يَا طَالِعًا جَبَلًا غَيْرُ مُعَيَّنٍ۔ یہ عبارت یہاں لکھ لیں بھئی، شروحات وغیرہ میں بھی کسی نے بیان نہیں کیا بھئی: يَا طَالِعًا جَبَلًا غَيْرُ مُعَيَّنٍ، تو غَيْرُ مُعَيَّنٍ کا لفظ یہاں رہ گیا ہے، اور آگے لِأَنَّ هٰذِهِ الْعِبَارَةَ، لِأَنَّ بھی ہے۔ لِأَنَّ بھی ہے۔ لکھ لیا؟ تو پوری عبارت یوں بن گئی: فَيُمْكِنُ أَنْ يُرَادَ بِقَوْلِهِ يَا طَالِعًا جَبَلًا غَيْرُ مُعَيَّنٍ لِأَنَّ هٰذِهِ الْعِبَارَةَ أَعَمُّ مِنْ أَنْ يُرَادَ بِهَا مُعَيَّنٌ أَوْ غَيْرُ مُعَيَّنٍ۔ عبارت ٹھیک کر لی؟

کہتے ہیں فَيُمْكِنُ أَنْ يُرَادَ بِقَوْلِهِ يَا طَالِعًا جَبَلًا غَيْرُ مُعَيَّنٍ تو ممکن ہے، دیکھو انہوں نے کہا نا مَعَ أَنَّ الْمِثَالَ الثَّانِيَ يَحْتَمِلُهُ ساتھ اس کے کہ یہ جو دوسری مثال ہے یعنی يَا طَالِعًا جَبَلًا یہ دوسری مثال يَحْتَمِلُهُ وہ اس چوتھی قسم کے لیے مثال بننے کا بھی احتمال رکھتی ہے، فَيُمْكِنُ أَنْ يُرَادَ بِقَوْلِهِ يَا طَالِعًا جَبَلًا غَيْرُ مُعَيَّنٍ تو یہ بھی ممکن ہے کہ ماتن کے قول جو ہے يَا طَالِعًا جَبَلًا اس کے ذریعے ارادہ کیا جائے غَيْرُ مُعَيَّنٍ، کس کا ارادہ کیا جائے؟ غیرِ معین کا ارادہ کیا جائے، لِأَنَّ هٰذِهِ الْعِبَارَةَ أَعَمُّ اس لیے کیونکہ یہ والی جو عبارت ہے، کون سی عبارت؟ یہ جو يَا طَالِعًا جَبَلًا کہا مصنف نے، یہ يَا طَالِعًا جَبَلًا والی عبارت جو ہے أَعَمُّ یہ زیادہ عام ہے مِنْ أَنْ يُرَادَ بِهَا مُعَيَّنٌ أَوْ غَيْرُ مُعَيَّنٍ اس سے کہ اس سے معین یا غیرِ معین کا ارادہ کیا جائے۔ یہ اعم ہے اس سے کہ اس کے ذریعے ارادہ کیا جائے کس کا؟ معین کا یا غیرِ معین کا، یعنی اس سے معین کا بھی ارادہ ہو سکتا ہے اور غیرِ معین کا بھی ارادہ ہو سکتا ہے دونوں احتمال ہیں اس کے اندر بھئی۔ ایک صورت یہ ہے دیکھو يَا طَالِعًا جَبَلًا اس سے کس کا ارادہ کیا جائے؟ معین کا، ایک صورت یہ ہے کہ يَا طَالِعًا جَبَلًا سے کس کا ارادہ کیا جائے؟ غیرِ معین کا۔ تو یہ جو عبارت ہے نا يَا طَالِعًا جَبَلًا یعنی یہ جو لفظ ہیں یہ عام ہیں کہ اس سے صرف معین کا ارادہ کیا جائے یا صرف غیرِ معین کا ارادہ کیا جائے، اس کے مقابلے میں یہ زیادہ عام ہیں، یعنی یہاں ان دونوں میں سے ایک کا ارادہ ہو ایسا نہیں ہے، یہ عبارت عام ہے بھئی۔

تو کہتے ہیں لِأَنَّ هٰذِهِ الْعِبَارَةَ أَعَمُّ اس لیے کیونکہ یہ عبارت زیادہ عام ہے اس کے مقابلے میں کہ مِنْ أَنْ يُرَادَ بِهَا مُعَيَّنٌ أَوْ غَيْرُ مُعَيَّنٍ کہ اس سے معین یا غیرِ معین کا ارادہ کیا جائے۔ اور میں نے آپ کو یہ عبارت کی اصلاح کروائی، یاد رکھنا پاکستانی تمام نسخوں میں یہ غلطی اسی طرح موجود ہے: يَا طَالِعًا جَبَلًا هٰذِهِ الْعِبَارَةَ یہ ہے تمام پاکستانی نسخوں میں، البتہ اس کی شرح ہے بھئی یہ جامی کی شرح ہے محرم افندی عربی شرح ہے اس کے اندر یہ لفظ ذکر ہیں بھئی، غَيْرُ مُعَيَّنٍ کا لفظ، اور اسی طرح ایران سے چھپنے والے جامی کے بعض نسخوں کے اندر یہ عبارت موجود ہے کہ يَا طَالِعًا جَبَلًا غَيْرُ مُعَيَّنٍ لِأَنَّ هٰذِهِ الْعِبَارَةَ۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو یہاں پاکستانی تمام نسخوں میں یہ غلطی موجود ہے بھئی، تو اس کو یاد رکھنا ورنہ انسان پریشان ہوتا ہے کہ یہ کیا کہنا چاہ رہے ہیں بھئی، بات ہی واضح نہیں ہوتی بھئی۔

آگے دیکھیے، تو کہتے ہیں فَأَمْثِلَةُ الْأَقْسَامِ بِأَسْرِهَا مَذْكُورَةٌ تو ان تمام قسموں کی جو مثالیں ہیں بِأَسْرِهَا أَيْ بِجَمِيعِهَا، بِجَمِيعِهَا

بِأَسْرِهِ کا معنی ہوتا ہے پوری چیز۔ فَأَمْثِلَةُ الْأَقْسَامِ بِأَسْرِهَا مَذْكُورَةٌ اس لیے کیونکہ ان تمام اقسام کی جو مثالیں ہیں وہ مذکور ہیں، تمام اقسام کی مثالیں مذکور ہو گئیں۔ کتنی قسمیں تھیں؟ چار، چار قسمیں تھیں: يَا عَبْدَ اللهِ پہلی قسم کی مثال، يَا طَالِعًا جَبَلًا یہ دوسری اور چوتھی قسم کی مثال، اور يَا رَجُلًا یہ تیسری قسم کی مثال بن گئی بھئی۔

تو کہتے ہیں وَهٰذِهِ الْأَمْثِلَةُ كُلُّهَا، اب یہاں سے یہ بیان کر رہے ہیں: ماتن نے کیا کہا تھا؟ ماتن نے کہا تھا وَيُنْصَبُ مَا سِوَاهُمَا ان دونوں کے علاوہ منادی منصوب ہوگا۔ کن دونوں کے علاوہ؟ مفرد معرفہ اور مستغاث کے علاوہ۔ مفرد معرفہ کے علاوہ وہ تو ہمیں سمجھ میں آ گیا، مثالیں بھی ذکر کر دیں يَا عَبْدَ اللهِ، يَا طَالِعًا جَبَلًا، يَا رَجُلًا وغیرہ۔ اور مستغاث کے علاوہ اس کی مثالیں تو صاحبِ کافیہ نے ذکر نہیں کیں، مستغاث کے علاوہ، تو صاحبِ جامی بتائیں گے بھئی یہ ساری مثالیں مستغاث کے علاوہ کی ہیں کیونکہ ان میں سے کسی پر نہ لام داخل ہے اور نہ کسی کے آخر میں الف ہے۔

تو کہتے ہیں وَهٰذِهِ الْأَمْثِلَةُ كُلُّهَا اور یہ ساری کی ساری مثالیں جو ہیں مِثَالٌ لِمَا سِوَى الْمُسْتَغَاثِ أَيْضًا یہ مستغاث کے علاوہ کی بھی مثالیں ہیں، فَلَا حَاجَةَ إِلَى إِيرَادِ مِثَالٍ لَهُ عَلَى حِدَةٍ لہٰذا اس کے لیے علیحدہ مثال لانے کی کوئی حاجت نہیں، مستغاث کے علاوہ کے لیے علیحدہ مثال لانے کی کوئی حاجت نہیں بھئی۔

بات سمجھ میں آ گئی؟ چلیے بس بھئی، هٰذَا هُوَ الْمَرَامُ وَاللهُ أَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْكَلَامِ۔

سبق نمبر ۱۲۲: المنادیٰ (۴): «یَا أَبَتِ» اور «یَا أُمَّتِ» اور «اِبْنَ أُمَّ» کے اعراب کی تفصیل

شرحِ ملا جامی صفحہ: ۹۳ — بتاریخ: ۱۸ دسمبر ۲۰۲۱ء

▪ متنِ کافیہ و شرحِ ملا جامی کی قراءت

نَحْمَدُهُ وَنُصَلِّي عَلَى رَسُولِهِ الْكَرِيمِ، أَمَّا بَعْدُ۔

▪ عبارت کی نحوی توضیح، ترکیب اور قواعدِ کافیہ

مُنَادیٰ کے بارے میں تفصیل چل رہی تھی، آج پڑھیں گے مُنَادیٰ کے تَوَابِع کے بارے میں۔ مَتن ذرا پہلے دیکھ لیجئے۔

وَتَوَابِعُ الْمُنَادَى الْمَبْنِيِّ الْمُفْرَدَةُ مِنَ التَّأْكِيدِ وَالصِّفَةِ وَعَطْفِ الْبَيَانِ وَالْمَعْطُوفِ بِحَرْفٍ الْمُمْتَنِعِ دُخُولُ يَا عَلَيْهِ تُرْفَعُ عَلَى لَفْظِهِ وَتُنْصَبُ عَلَى مَحَلِّهِ مِثْلُ يَا زَيْدُ الْعَاقِلُ وَالْعَاقِلَ۔

مُنَادیٰ کی بَحث آپ نے پچھلے اسباق میں پڑھ لی کہ مُنَادیٰ مَفْعُولٌ بِهِ کی ایک قسم ہے اور مُنَادیٰ کی پانچ قسمیں آپ نے پڑھیں: مُنَادیٰ مُفْرَد مَعْرِفَہ، نَكِرَہ مُعَيَّنَہ، نَكِرَہ غَيْر مُعَيَّنَہ، مُضَاف اور مُشَابِہ مُضَاف۔ پہلی دو قسمیں یعنی مُفْرَد مَعْرِفَہ اور نَكِرَہ مُعَيَّنَہ، ان کا حُکم آپ نے پڑھا کہ یہ دونوں مَبْنِي ہوتے ہیں عَلَامَتِ رَفع پر۔ یعنی جو ان میں حالتِ رَفْعِی میں علامتِ رَفع ہوتی ہے وہی اس میں بِنا کی علامت ہوگی۔ مثلاً مُفْرَد مُنْصَرِف میں حالتِ رَفْعِی میں ضَمَّہ ہوتا ہے تو مُنَادیٰ ہونے کی صورت میں مَبْنِي عَلَى الضَّمّ ہوگا: يَا زَيْدُ، يَا رَجُلُ۔ تَثْنِيَہ اور مُلْحَق بِتَثْنِيَہ میں علامتِ رَفع أَلِف ہوتی ہے تو وہ مَبْنِي عَلَى الْأَلِف ہوں گے: يَا زَيْدَانِ، يَا رَجُلَانِ۔ جَمْع مُذَكَّر سَالِم اور مُلْحَق بِجَمْع مُذَكَّر سَالِم میں علامتِ رَفع وَاو ہوتی ہے تو مُنَادیٰ ہونے کی صورت میں یہ مَبْنِي عَلَى الْوَاو ہوں گے: يَا زَيْدُونَ، يَا رَجُلُونَ۔ جَمْع مُكَسَّر اور جَمْع مُؤَنَّث سَالِم میں علامتِ رَفع ضَمَّہ ہوتی ہے تو یہ بھی مَبْنِي عَلَى الضَّمّ ہوں گے: يَا رِجَالُ، يَا مُسْلِمَاتُ۔ ہاں، اس کے علاوہ جو تین قسمیں ہیں یعنی نَكِرَہ غَيْر مُعَيَّنَہ، مُضَاف اور مُشَابِہ مُضَاف، یہ مَنْصُوب ہوتے ہیں: يَا رَجُلًا خُذْ بِيَدِي، يَا عَبْدَ اللهِ، يَا طَالِعًا جَبَلًا۔

اس کے بعد اب صاحبِ کَافِیَہ مُنَادَیٰ مَبْنِي کے تَوَابِع کا حُکم ذکر فرما رہے ہیں۔ تَوَابِع، تَابِع کی جَمْع ہے۔ تَابِع کسے کہتے ہیں؟ یہ آپ نے نَحْو میں پڑھا ہے کہ تَابِع کہتے ہیں وہ کلمہ کہ جس کا اِعْرَاب وہی ہو جو اس کے مَا قَبْل کا ہو۔ یعنی مَا قَبْل پر رَفْع تو اس پر بھی رَفْع، مَا قَبْل پر نَصْب تو اس پر بھی نَصْب، مَا قَبْل پر جَرّ تو اس پر بھی جَرّ، اور دونوں میں عمل ایک ہی جِہَت سے ہو، یا یوں کہئے کہ تَابِع میں عامل براہِ راست عمل نہیں کرتا بلکہ وہ اپنے مَتْبُوع یعنی مَا قَبْل کے تَابِع ہو کر وہی اِعْرَاب پاتا ہے جو اس کے مَا قَبْل پر ہوتا ہے۔

تَوَابِع کی پانچ قسمیں ہیں: نمبر ایک صِفَت، نمبر دو تَأْکِید، نمبر تین مَعْطُوف بِحَرْف، نمبر چار بَدَل، اور نمبر پانچ عَطْفِ بَیَان۔ یہ پانچ تَوَابِع ہیں۔

نمبر ایک صِفَت: صِفَت کہتے ہیں وہ تَابِع جو اپنے مَتْبُوع کے کسی مَعْنَی پر دَلَالَت کرے یا اس سے مُتَعَلِّق کسی چیز کے مَعْنَی پر دَلَالَت کرے۔ جیسے: جَاءَنِي زَيْدٌ الْعَالِمُ۔ اس میں زَيْدٌ مَوْصُوف ہے اور الْعَالِمُ اس کی صِفَت ہے، کیونکہ یہ زَيْد کی صِفَت یعنی عِلْم پر دَلَالَت کر رہا ہے۔ اگر زَيْدٌ مَرْفُوع ہو تو الْعَالِمُ بھی مَرْفُوع ہوگا، اگر رَأَيْتُ زَيْدًا الْعَالِمَ کہیں تو مَنْصُوب ہوگا، اور اگر مَرَرْتُ بِزَيْدٍ الْعَالِمِ کہیں تو مَجْرُور ہوگا۔

نمبر دو تَأْکِید: تَأْکِید کہتے ہیں وہ تَابِع جو مَتْبُوع کی نِسْبَت کو یا اس کے شُمُول کو مُقَرَّر اور پختہ کرے۔ تَأْکِید دو قسم پر ہے: تَأْکِید لَفْظِي اور تَأْکِید مَعْنَوِي۔ تَأْکِید لَفْظِي یہ ہے کہ پہلے لَفْظ کو دوبارہ لَفْظًا دُہرا دیا جائے، جیسے: جَاءَنِي زَيْدٌ زَيْدٌ۔ اور تَأْکِید مَعْنَوِي یہ ہے کہ مَتْبُوع کے بعد تَأْکِید کے مخصوص الفاظ لائے جائیں، جیسے نَفْسُهُ، عَيْنُهُ، كُلُّهُ، أَجْمَعُ وغیرہ۔ مثلاً: جَاءَنِي زَيْدٌ نَفْسُهُ، جَاءَنِي الْقَوْمُ كُلُّهُمْ۔ اس میں بھی جو اِعْرَاب مَتْبُوع یعنی مُؤَکَّد کا ہوگا وہی تَأْکِید کا ہوگا۔

نمبر تین مَعْطُوف بِحَرْف: یہ وہ تَابِع ہے جو اپنے مَتْبُوع کے بعد حَرْفِ عَطْف کے واسطے سے آتا ہے، جیسے وَاو، فَاء، ثُمَّ وغیرہ۔ مثلاً: جَاءَنِي زَيْدٌ وَعَمْرٌو۔ اس میں زَيْدٌ مَعْطُوفٌ عَلَيْهِ ہے، وَاو حَرْفِ عَطْف ہے، اور عَمْرٌو مَعْطُوف بِحَرْف ہے۔ زَيْدٌ مَرْفُوع ہے تو عَمْرٌو بھی مَرْفُوع ہوگا، رَأَيْتُ زَيْدًا وَعَمْرًا میں مَنْصُوب، اور مَرَرْتُ بِزَيْدٍ وَعَمْرٍو میں مَجْرُور ہوگا۔

نمبر چار بَدَل: بَدَل وہ تَابِع ہے جو مَتْبُوع کے بعد بغیر کسی حَرْفِ عَطْف کے آئے اور حُکم میں وہی مَقْصُود ہو، مَتْبُوع نہیں۔ جیسے: جَاءَنِي زَيْدٌ أَخُوكَ۔ اس میں زَيْدٌ مُبْدَلٌ مِنْهُ ہے اور أَخُوكَ بَدَل ہے۔ یہاں اصل مَقْصُود أَخُوكَ ہے، زَيْدٌ کو بطورِ تَمْہِید ذکر کیا گیا ہے۔ اور بَدَل کا اِعْرَاب بھی اپنے مُبْدَلٌ مِنْهُ کے مُطَابِق ہوتا ہے۔

نمبر پانچ عَطْفِ بَیَان: عَطْفِ بَیَان وہ تَابِع ہے جو صِفَت کے علاوہ ہو اور اپنے مَتْبُوع کی وَضَاحَت اور بَیَان کے لیے آئے، اور اس کے درمیان کوئی حَرْفِ عَطْف بھی نہ ہو۔ جیسے: جَاءَنِي أَبُو الْخَيْرِ زَيْدٌ، یا أَقْسَمَ بِاللهِ أَبُو حَفْصٍ عُمَرُ۔ یہاں أَبُو الْخَيْرِ کُنْیَت ہے، اس سے مُتَعَلِّق ذِہن میں یہ اشکال آسکتا تھا کہ أَبُو الْخَيْرِ سے کون مُرَاد ہے، زَيْد مُرَاد ہے یا عَمْر؟ تو زَيْدٌ لا کر أَبُو الْخَيْرِ کی وَضَاحَت کر دی گئی۔ اس میں زَيْدٌ عَطْفِ بَيَان ہے اور أَبُو الْخَيْرِ مَعْطُوفٌ عَلَيْهِ ہے، اور درمیان میں کوئی حَرْفِ عَطْف بھی نہیں، اور نیز یہ مَعْطُوفٌ عَلَيْهِ کا بَیَان کر رہا ہے کہ أَبُو الْخَيْرِ سے کون مُرَاد ہے؟ زَيْد مُرَاد ہے، وہ عَمْر مُرَاد نہیں۔

تو اس کو کیا کہتے ہیں؟ عَطْفِ بَیَان۔

بات سمجھ میں آگئی؟ تَوَابِع کتنے ہیں؟ پانچ۔ تَوَابِع پانچ ہیں: نمبر ایک صِفَت، نمبر دو تَأْکِید ہے اور یہ دو قسم پر ہے کبھی لَفْظِي ہوگی اور کبھی مَعْنَوِي، نمبر تین مَعْطُوف بِحَرْف ہے، نمبر چار بَدَل ہے یہ تَوَابِع میں سے، اور نمبر پانچ عَطْفِ بَیَان۔ یہ جو تَوَابِع ہیں ان میں عامل براہِ راست عمل نہیں کرتا، یہ اپنے مَا قَبْل کے تَابِع ہوتے ہیں۔ مَا قَبْل پر رَفْع تو ان پر بھی رَفْع، مَا قَبْل پر نَصْب تو ان پر بھی نَصْب، مَا قَبْل پر جَرّ تو ان پر بھی جَرّ آئے گا۔ یہاں تک بات سمجھ میں آگئی۔ تو اب ان تَوَابِع کا بَیَان کرنے لگے ہیں۔

یاد رکھو یہ جو تَوَابِع ہیں نا تَوَابِع، اس وقت دیکھو یہ بَحْث مَنْصُوبَات کی بَحْث ہم پڑھ رہے ہیں۔ پہلے مَرْفُوعَات کی بَحْث ہم نے پڑھی، اب مَنْصُوبَات پڑھ رہے ہیں، آگے مَجْرُورَات کی بَحْث آئے گی اور پھر اس کے بعد باقاعدہ تَوَابِع کو تفصیل کے ساتھ صاحبِ کَافِیَہ ذکر کریں گے اور ان پانچوں میں سے ہر ایک کی خوب تفصیل بیان کریں گے۔ تو سوال پیدا ہوتا ہے جب تَوَابِع کی وہاں آخر میں جا کر تفصیل بیان کر رہے ہیں تو پھر یہاں پر مُنَادیٰ کے تَوَابِع کو ذکر کرنے کی کیا ضرورت؟ تَوَابِع کا تو آگے بَیَان آرہا ہے۔ تو وجہ یہ کہ یہ جو مُنَادیٰ کے تَوَابِع ہیں یہ باقی تَوَابِع سے تھوڑے سے مُخْتَلِف ہیں، اس لیے ان کو یہیں پر بیان کر دیا۔ باقی وہاں وہ عَام جتنے تَوَابِع ہیں سب کو وہاں بیان کریں گے۔ لیکن مُنَادیٰ کے تَوَابِع جو ہیں وہ تھوڑے سے مُخْتَلِف ہیں۔ مَثَلًا آپ کو بتائیں گے: یَا زَیْدُ، یہ دیکھو مُنَادیٰ ہے، مُفْرَد مَعْرِفَہ ہے اور مَبْنِي ہے عَلَامَتِ رَفْع پر، یَا زَیْدُ۔ اب اس زَیْد کی میں صِفَت لانا چاہتا ہوں الْعَاقِل، تو اس کی صِفَت دو طرح آپ لا سکتے ہیں: یَا زَیْدُ الْعَاقِلُ، دیکھو صِفَت پر بھی رَفْع پڑھا: یَا زَیْدُ الْعَاقِلُ، اور اس پر نَصْب بھی پڑھ سکتا ہوں میں: یَا زَیْدُ الْعَاقِلَ۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو دیکھو مُنَادیٰ کے اندر صِفَت پر دو طرح کے اِعْرَاب آرہے ہیں: یَا زَیْدُ الْعَاقِلُ بھی پڑھ سکتے ہیں اور یَا زَیْدُ الْعَاقِلَ بھی پڑھ سکتے ہیں۔ تو باقی تَوَابِع میں اس طرح نہیں ہے بھئی۔ لہٰذا اس لیے چونکہ یہ مُنَادیٰ کے تَوَابِع کا حُکْم تھوڑا سا مُخْتَلِف تھا، کچھ چیزیں ان کے ساتھ خَاص تھیں، تو مُنَادیٰ کی جب بَحْث آئی تو یہیں پر صاحبِ کَافِیَہ نے ان کو ذکر بھی کر دیا۔ بات سمجھ میں آگئی۔

اب ذرا پہلے مَتْن مَتْن صرف دیکھ لو۔ کہتے ہیں:

وَتَوَابِعُ الْمُنَادَى الْمَبْنِيِّ الْمُفْرَدَةُ مِنَ التَّأْكِيدِ وَالصِّفَةِ وَعَطْفِ الْبَيَانِ وَالْمَعْطُوفِ بِحَرْفٍ الْمُمْتَنِعِ دُخُولُ يَا عَلَيْهِ تُرْفَعُ عَلَى لَفْظِهِ وَتُنْصَبُ عَلَى مَحَلِّهِ مِثْلُ يَا زَيْدُ الْعَاقِلُ وَالْعَاقِلَ۔

جی، مَتْن مل گیا سارا؟ دیکھو وَتَوَابِعُ الْمُنَادَى الْمَبْنِيِّ۔ الْمَبْنِيِّ یاد رکھو یہ صِفَت ہے مُنَادیٰ کی۔ ان کو پڑھنا کیسے ہے سمجھ لو اس کو اچھی طرح۔ الْمَبْنِيِّ صِفَت ہے مُنَادیٰ کی اور مُنَادیٰ مُضَافٌ إِلَيْهِ ہے تَوَابِعُ کے لیے اور مُضَافٌ إِلَيْهِ کیا ہوتا ہے؟ مَجْرُور۔ تو اس لیے الْمَبْنِيِّ اس کو مَجْرُور پڑھیں گے کیونکہ صِفَت پر وہی اِعْرَاب آتا ہے جو مَوْصُوف پر آئے۔ آگے آرہا ہے

الْمُفْرَدَةُ، یہ الْمُفْرَدَةُ صِفَت ہے تَوَابِعُ کی۔ کس کی؟ تَوَابِعُ کی۔ اور تَوَابِعُ الْمُنَادَیٰ دیکھو تَوَابِعُ مَرْفُوع ہے۔ تَوَابِعُ مَرْفُوع ہے اور تَوَابِعُ اس کی اِضَافَت ہو رہی ہے الْمُنَادَیٰ یعنی مَعْرِفَہ کی طرف اور نَکِرَہ کی اِضَافَت جب مَعْرِفَہ کی طرف ہو جائے تو وہ بھی کیا بن جاتا ہے؟ مَعْرِفَہ۔ تو تَوَابِعُ مَعْرِفَہ بن گیا ہے اِضَافَت کی وجہ سے، اسی لیے اس کی صِفَت الْمُفْرَدَةُ مَعْرِفَہ لے کر آئے۔ اور تَوَابِعُ مَرْفُوع تھا تو الْمُفْرَدَةُ بھی مَرْفُوع پڑھیں گے۔ تو کیسے پڑھیں گے؟ وَتَوَابِعُ الْمُنَادَی الْمَبْنِيِّ الْمُفْرَدَةُ. بات سمجھ میں آگئی؟ تَرْجَمَہ کیسے کریں گے؟ مُنَادَیٰ مَبْنِي کے وہ تَوَابِع جو مُفْرَد ہوتے ہیں۔ تَرْجَمَہ سمجھ میں آرہا ہے؟ مُنَادَیٰ مَبْنِي کے وہ تَوَابِع جو مُفْرَد ہوتے ہیں، مِنَ التَّأْكِيدِ یعنی کہ تَأْكِيد۔ یہ مِنْ بَيَان کے لیے ہے، وہ تَوَابِع کا بَيَان آگیا، یعنی کہ تَأْكِيد۔

بھئی دیکھیے یہ جو حُرُوفِ نِدَاء ہیں یہ آلَہِ تَعْرِيف ہیں۔ یہ جس لَفْظ پر داخل ہوتے ہیں اس کو مَعْرِفَہ بنا دیتے ہیں۔ جیسے یَا رَجُلُ، دیکھو رَجُل نَکِرَہ تھا۔ نہ اس پر أَلِف لَام ہے، نہ اس کی اِضَافَت ہو رہی ہے، لیکن یَا حَرْفِ نِدَاء اس پر آیا، اس نے اس کو مَعْرِفَہ بنا دیا: یَا رَجُلُ۔ اور اسی طرح أَلِف لَام جو ہے وہ بھی آلَہِ تَعْرِيف ہے۔ جس لَفْظ پر أَلِف لَام داخل ہو جائے یہ اس کو مَعْرِفَہ بنا دیتا ہے۔ اسی طرح یہ جو حُرُوفِ نِدَاء ہیں یہ بھی آلَہِ تَعْرِيف ہیں، یہ جس لَفْظ پر داخل ہوتے ہیں اس کو مَعْرِفَہ بنا دیتے ہیں، بِشَرْطِیکہ مُعَيَّن کا اِرادہ ہو۔ کسی مُعَيَّن آدمی کو نِدَاء دے رہے ہیں آپ تو پھر کہیں گے یَا رَجُلُ، اور اگر وہ مُتَعَيَّن ہی نہیں ہے جس کو آپ نِدَاء دے رہے ہیں تو پھر وہ نَکِرَہ کا نَکِرَہ ہی رہے گا، جیسے یَا رَجُلًا، اندھا کہتا ہے: یَا رَجُلًا خُذْ بِيَدِي۔

تو معلوم ہوا أَلِف لَام بھی کیا ہے؟ آلَہِ تَعْرِيف، اور یہ حُرُوفِ نِدَاء بھی کیا ہیں؟ آلَہِ تَعْرِيف۔ تو یاد رکھنا یہ جو تَعْرِيف کے دو آلَے ہیں یہ اکٹھے نہیں ہوتے۔ جس لَفْظ پر أَلِف لَام داخل ہو اس پر حَرْفِ نِدَاء داخل نہیں ہو سکتا۔ جیسے الرَّجُلُ۔ الرَّجُلُ پر أَلِف لَام داخل ہے، اب آپ اس کو نِدَاء دینا چاہتے ہیں اور اس پر یَا کو یا کوئی اور حَرْفِ نِدَاء داخل کرنا چاہتے ہیں، نہیں داخل کر سکتے۔ کیوں؟ کیونکہ اس پر ایک آلَہِ تَعْرِيف أَلِف لَام پہلے ہی داخل ہے۔ لہٰذا اب دوسرا آلَہِ تَعْرِيف اس پر یعنی یَا وغیرہ داخل نہیں کر سکتے۔ تو پھر کیسے نِدَاء دیں گے بھئی مُعَرَّف بِاللَّام کو؟ کہتے ہیں پھر اس کے لیے درمیان میں مُذَكَّر کے لیے أَيُّهَا اور مُؤَنَّث کے لیے أَيَّتُهَا لے آتے ہیں۔ الرَّجُلُ کو میں نِدَاء دینا چاہتا ہوں تو درمیان میں أَيُّهَا لے آؤں گا: يَا أَيُّهَا الرَّجُلُ۔ اسی طرح عورت ہے تو اب میں أَيَّتُهَا درمیان میں لے آؤں گا: يَا أَيَّتُهَا الْمَرْأَةُ۔ بات سمجھ میں آرہی ہے؟ تو مُعَرَّف بِاللَّام جو مُنَادَیٰ ہو اس پر حُرُوفِ نِدَاء داخل نہیں ہو سکتے۔ کیوں نہیں داخل ہو سکتے؟ کیونکہ حُرُوفِ نِدَاء بھی آلَہِ تَعْرِيف ہیں، یہ لَفْظ کو مَعْرِفَہ بنا دیتے ہیں، اور أَلِف لَام بھی آلَہِ تَعْرِيف ہے وہ لَفْظ کو مَعْرِفَہ بنا دیتا ہے، تو ایک ہی لَفْظ پر دو آلَتَيْنِ تَعْرِيف جمع ہو جائیں یہ دُرُسْت نہیں۔ ہاں صرف لَفْظِ اللہ کی خُصُوصِيَّت ہے: يَا اللّٰهُ۔ یہاں پر أَلِف لَام بھی ہے، پھر بھی اس پر حَرْفِ نِدَاء يَا داخل ہو جاتا ہے۔ یہ پورے كَلَامِ عَرَب میں یہ صرف لَفْظِ اللہ کی خُصُوصِيَّت ہے۔

بھئی دیکھیے تَوَابِع پانچ ہیں، لیکن ان کو تَقْسِيم کر کے صاحبِ كَافِيَہ ان کی چھ سورتیں بنا دیں گے۔ ویسے تَوَابِع کتنے؟ پانچ۔ چھ قسمیں ان کی بنا دیں گے، چھ قسمیں۔ تو اب صاحبِ كَافِيَہ اس کی چھ قسمیں کس طرح بنائیں گے؟ ادھر دیکھیے

بھئی چھ قسمیں۔ یہ جو مَعْطُوف بِحَرْف ہے اس کی دو قسمیں بنا دیں گے۔ مَعْطُوف بِحَرْف، جیسے جَاءَنِي زَيْدٌ وَعَمْرٌو، یہ عَمْرٌو کا عَطْف کس پر ہے؟ زَیْد پر ہے اور کس کے ذریعے ہے؟ حَرْف کے ذریعے ہے۔ اس کی وہ دو قسمیں بنائیں گے۔ ایک وہ مَعْطُوف ہوگا جس پر أَلِف لَام داخل ہوگا، ایک وہ مَعْطُوف ہے جس پر أَلِف لَام نہیں ہوگا۔ جیسے یَا زَیْدُ، اس پر میں عَطْف کرتا ہوں عَمْر کا: یَا زَیْدُ وَعَمْرُو۔ تَوَجُّہ ہے؟ یَا زَیْدُ وَعَمْرُو، اور عَمْر پر أَلِف لَام ہے؟ نہیں۔ اور ایک صورت ہے کہ یہ مَعْطُوف بِحَرْف جو ہے اس پر أَلِف لَام بھی ہو، جیسے: یَا زَیْدُ وَالْحَارِثُ، یَا زَیْدُ وَالْحَارِثُ، یا یوں کہو یَا زَیْدُ وَالْحَسَنُ۔ تو دیکھو اب مَعْطُوف پر أَلِف لَام داخل ہے۔

تو یہ جو مَعْطُوف بِحَرْف ہے یہ دو قسم پر ہے: ایک وہ مَعْطُوف بِحَرْف ہے جس پر حَرْفِ نِدَاء داخل نہیں ہو سکتا، اور ایک وہ ہے جس پر حَرْفِ نِدَاء داخل ہو سکتا ہے۔ تَوَجُّہ ہے؟ ابھی میں نے آپ کو بتایا جس لَفْظ پر أَلِف لَام داخل ہو اس پر حَرْفِ نِدَاء داخل نہیں ہو سکتا۔ تو آگے مَعْطُوفٌ عَلَيْهِ کی بات میں نہیں کر رہا، یَا زَیْدُ یہ زَیْد کیا ہے؟ مَعْطُوفٌ عَلَيْهِ۔ آگے میں کیا لانا چاہتا ہوں؟ مَعْطُوف حَرْف کے ذریعے۔ وہ جو مَعْطُوف ہے اس پر أَلِف لَام ہوگا یا أَلِف لَام نہیں؟ اگر أَلِف لَام نہیں ہے، معلوم ہوا اس پر یَا کا داخل کرنا جَائِز ہے۔ یَا کا داخل کرنا جَائِز ہے، یعنی براہِ راست اس پر یَا کو داخل کر سکتے ہیں آپ۔ اور اگر اس پر أَلِف لَام ہے، معلوم ہوا اس پر براہِ راست یَا کا داخل کرنا جَائِز نہیں۔ یَا زَیْدُ وَعَمْرُو، یہ عَمْر پر یَا داخل ہو سکتی ہے یا نہیں؟ عَمْر کو میں نِدَاء دینا چاہوں: یَا عَمْرُو، میں یَا داخل کر سکتا ہوں کیونکہ اس پر أَلِف لَام نہیں ہے۔ اور دوسری صورت ہے یَا زَیْدُ وَالْحَارِثُ یا یوں کہیں یَا زَیْدُ وَالْحَسَنُ، اب الْحَسَن پر میں یَا داخل کرنا چاہتا ہوں۔ الْحَسَن پر براہِ راست یَا داخل ہو سکتی ہے؟ نہیں، کیونکہ الْحَسَن پر أَلِف لَام ہے، تو مجھے یَا أَيُّهَا الْحَسَنُ کہنا پڑے گا۔ معلوم ہوا مَعْطُوف بِحَرْف دو قسم کے ہو گئے: کچھ پر أَلِف لَام ہوگا، کچھ پر أَلِف لَام نہیں۔ جن پر أَلِف لَام نہیں ان پر یَا کا براہِ راست داخل کرنا جَائِز، اور جن پر أَلِف لَام ہے ان پر حَرْفِ نِدَاء کا براہِ راست داخل کرنا جَائِز نہیں ہے۔ مَعْطُوف بِحَرْف دو قسم پر ہو گئے: کچھ وہ ہیں جن پر یَا کا داخل کرنا مُمْتَنِع ہے، اور کچھ یہ ہیں جن پر یَا کا داخل کرنا مُمْتَنِع نہیں ہے۔ تو یہ دو قسم کے ہو گئے۔

تو کُل اب چھ قسمیں بن گئیں تَوَابِع کی۔ کون کون سے؟ نمبر ایک صِفَت ہے، نمبر دو عَطْفِ بَيَان (کوئی بھی بنا لو: نمبر ایک صِفَت ہے، نمبر دو عَطْفِ بَيَان، نمبر تین بَدَل ہے، نمبر چار تَأْكِيد ہے، اور نمبر پانچ مَعْطُوف بِحَرْف اس کی دو قسمیں بن گئیں: ایک وہ جس پر یَا کا داخل کرنا جَائِز ہے، ایک وہ جس پر یَا کا داخل کرنا جَائِز نہیں)۔ تو وہ دو قسمیں اور چار یہ، کُل کتنی قسمیں ہو گئیں؟ چھ قسمیں بن گئیں بھئی۔ بات سمجھ میں آ گئی؟

اور پھر مزید یاد رکھنا کہ ان چھ کے پھر صاحبِ کَافِیَہ دو حِصّے کر دیں گے۔ چھ میں سے چار کا حُکْم الگ ہے اور دو کا حُکْم الگ ہے۔ کون سے دو ہیں جن کا حُکْم الگ ہے؟ یاد رکھو وہ ایک بَدَل ہے اور ایک وہ مَعْطُوف بِحَرْف جس پر یَا کا داخل کرنا مُمْتَنِع نہیں ہے یعنی جَائِز ہے۔ اس کا حُکْم الگ ہوگا۔

یادرکھو یہ جو بَدَل اور مَعْطُوف بِحَرْف ہوتے ہیں نا یہ تَکْرَارِ عَامِل کے درجے میں ہوتے ہیں۔ تَوَجُّہ ہے؟ بَدَل اور مَعْطُوف بِحَرْف، چاہے کوئی بھی مَعْطُوف بِحَرْف ہو، چاہے اس پر أَلِف لَام ہو یا نہ ہو، جو بھی مَعْطُوف بِحَرْف ہو۔ تو مَعْطُوف بِحَرْف اور بَدَل یہ تَکْرَارِ عَامِل کے درجے میں ہوتے ہیں۔ گویا ان پر عامل دوبارہ داخل ہو رہا ہے۔ کیوں؟ کیونکہ دَرْاَصْل یہ مَقْصُود ہوتے ہیں۔ یہ دو تَوَابِع مَقْصُود ہوتے ہیں، جبکہ باقی تَوَابِع غَیْر مَقْصُود ہوتے ہیں۔ کیسے؟ دیکھو میں نے کہا: جَاءَنِي زَيْدٌ الْعَالِمُ۔ زَيْدٌ مَوْصُوف، الْعَالِمُ اس کی صِفَت۔ مجھے بتائیے کَلَام کے اندر اَصْل مَقْصُود مَوْصُوف ہوتا ہے یا اس کی صِفَت مَقْصُود ہوتی ہے؟ مَوْصُوف مَقْصُود ہوتا ہے، صِفَت مَقْصُود نہیں۔ یہ ایک تَابِع۔ دوسرا تَابِع: مُؤَكَّد اور تَأْكِيد۔ جَاءَنِي الْقَوْمُ كُلُّهُمْ، وہ سب لوگ میرے پاس آئے۔ مجھے بتائیے مُؤَكَّد مَقْصُود ہے یا تَأْكِيد مَقْصُود ہے؟ مُؤَكَّد جو ہوتا ہے وہ مَقْصُود ہوتا ہے۔ اس کے بعد عَطْفِ بَيَان آیا: جَاءَنِي أَبُو الْخَيْرِ زَيْدٌ۔ اس میں بھی یاد رکھو یہ جو مَعْطُوفٌ عَلَيْهِ ہے یہ مَقْصُود ہوتا ہے۔ یہ عَطْفِ بَيَان صرف آکر اس کو بَيَان کرتا ہے، اس کی وَضَاحَت کرتا ہے بھئی۔ مَوْصُوف صِفَت میں سے مَقْصُود کون؟ مَوْصُوف۔ مُؤَكَّد تَأْكِيد میں سے مَقْصُود کون؟ مُؤَكَّد۔ اور مَعْطُوفٌ عَلَيْهِ اور عَطْفِ بَيَان میں سے مَقْصُود کون؟ مَعْطُوفٌ عَلَيْهِ۔ تو یہ جو تین قسمیں ہیں تَوَابِع کی، کون کون سی؟ صِفَت، تَأْكِيد اور عَطْفِ بَيَان، یہ مَقْصُود نہیں ہوتے بلکہ مَتْبُوع جو ہوتا ہے وہ مَقْصُود ہوتا ہے۔

جبکہ بَدَل اور مَعْطُوف بِحَرْف، یہ دونوں مَقْصُود ہوتے ہیں۔ بَدَل کی مثال میں نے کیا ذکر کی؟ جَاءَنِي زَيْدٌ أَخُوكَ۔ زَيْدٌ مُبْدَلٌ مِنْهُ اور أَخُوكَ بَدَل۔ یادرکھو بَدَل اور مُبْدَلٌ مِنْهُ دونوں کا مَدْلُول ایک ہوتا ہے۔ بَدَل کی اور بھی قسمیں ہیں لیکن یہاں صرف بَدَلُ الْكُلّ سمجھ لیں۔ بَدَلُ الْكُلّ اسے کہتے ہیں: بَدَل اور مُبْدَلٌ مِنْهُ دونوں کا مَدْلُول ایک ہوتا ہے۔ دونوں ایک ہی چیز پر دَلَالَت کرتے ہیں۔ جَاءَنِي زَيْدٌ أَخُوكَ۔ زَيْدٌ سے جو ذَات مُرَاد ہے، أَخُوكَ اس سے بھی وہی ذَات مُرَاد ہے۔ بھئی آپ کا بھائی ہے اس کا نام زَيْد ہے، تو أَخُوكَ کہہ لوں تو بھی آپ کے ذِہْن میں وہی اسی کا تَصَوُّر آئے گا، اور زَيْدٌ کہہ دوں تو بھی اسی کا تَصَوُّر آپ کے ذِہْن میں آئے گا۔ تو دیکھو زَيْد کا مَدْلُول بھی وہی ذَات، أَخُوكَ کا مَدْلُول بھی وہی ذَات۔ تو یہ جو بَدَل اور مُبْدَلٌ مِنْهُ ہوتے ہیں یعنی بَدَلُ الْكُلّ میں ان دونوں کا مَدْلُول ایک ہی ذَات ہوتی ہے۔ اور ان میں سے یادرکھو یہ جو پہلے مُبْدَلٌ مِنْهُ ہے یہ مَقْصُود نہیں ہوتا، بَدَل مَقْصُود ہوتا ہے۔ مُبْدَلٌ مِنْهُ کو ویسے ہی بطورِ تَمْهِيد کے ذکر کر دیا جاتا ہے۔ مُبْدَلٌ مِنْهُ کو ویسے ہی تَمْهِيد کے طور پر ذکر کر دیا جاتا ہے، اَصْل مَقْصُود کون ہوتا ہے؟ بَدَل۔ جَاءَنِي زَيْدٌ أَخُوكَ، زَيْدٌ ہے مُبْدَلٌ مِنْهُ اور أَخُوكَ یہ ہے بَدَل، اور دونوں میں سے مَقْصُود کون؟ بَدَل یعنی أَخُوكَ، یہ مَقْصُود ہے۔ میں آپ کو کہنا چاہتا تھا جَاءَنِي أَخُوكَ، یہ مَقْصُود تھا، زَيْد کو ویسے ہی میں تَمْهِيد کے طور پر ساتھ لے آیا۔ جَاءَنِي زَيْدٌ أَخُوكَ۔ تو بَدَل اور مُبْدَلٌ مِنْهُ میں سے مَقْصُود کون؟ بَدَل مَقْصُود ہوتا ہے، مُبْدَلٌ مِنْهُ مَقْصُود نہیں۔ یعنی یہاں مَتْبُوع نہیں مَقْصُود بلکہ تَابِع مَقْصُود ہے۔ صِفَت میں مَتْبُوع مَقْصُود تھا، تَأْكِيد میں مَتْبُوع مَقْصُود تھا، عَطْفِ بَيَان میں مَتْبُوع مَقْصُود تھا، لیکن بَدَل میں تَابِع جو بَدَل خود ہے وہ مَقْصُود ہے۔

اور پانچویں قسم ہے مَعْطُوف بِحَرْف: جَاءَنِي زَيْدٌ وَعَمْرٌو۔ یہاں پر دونوں مَقْصُود ہوتے ہیں، مَعْطُوفٌ عَلَيْهِ بھی مَقْصُود

ہوتا ہے اور مَعْطُوف بھی مَقْصُود ہوتا ہے۔ جَاءَنِي زَيْدٌ وَعَمْرٌو، زَيْدٌ ہے مَعْطُوفٌ عَلَيْهِ وہ بھی مَقْصُود ہے، میں آپ کو یہ بھی بتانا چاہتا ہوں کہ زَيْد بھی آیا تھا، وَعَمْرٌو اور میں آپ کو یہ بھی بتانا چاہتا ہوں کہ عَمْر بھی آیا تھا۔ تو مَعْطُوف بِحَرْف میں دونوں مَقْصُود ہوتے ہیں۔ بات سمجھ میں آگئی؟ پھر دُہراؤ جلدی جلدی بھئی: صِفَت اور مَوْصُوف میں سے مَوْصُوف مَقْصُود ہوتا ہے، اور تَأْكِيد اور مُؤَكَّد میں سے مُؤَكَّد مَقْصُود ہوتا ہے، اور مَعْطُوفٌ عَلَيْهِ اور عَطْفِ بَيَان میں سے مَعْطُوفٌ عَلَيْهِ مَقْصُود ہوتا ہے، اور بَدَل اور مُبْدَلٌ مِنْهُ میں بَدَل مَقْصُود ہوتا ہے یعنی تَابِع مَقْصُود ہوتا ہے، اور مَعْطُوف بِحَرْف میں دونوں مَقْصُود ہوتے ہیں، دونوں مَقْصُود ہوتے ہیں۔

معلوم ہوا کہ یہ جو بَدَل اور مَعْطُوف بِحَرْف ہے یہ دونوں مَقْصُود ہیں، جبکہ صِفَت، عَطْفِ بَيَان اور تَأْكِيد مَقْصُود نہیں۔ تو یہ جو بَدَل ہے اور مَعْطُوف بِحَرْف ہے، یاد رکھو یہ دونوں مَقْصُود ہیں۔ جب یہ مَقْصُود ہیں تو یہ تَكْرَارِ عَامِل کے درجے میں ہیں۔ یہ کس کے درجے میں ہیں؟ تَكْرَارِ عَامِل کے درجے میں ہیں، گویا ان پر عامل دوبارہ داخل ہو رہا ہے، کیونکہ یہ تو مَقْصُود ہیں بھئی۔ مَثَلًا جَاءَنِي زَيْدٌ أَخُوكَ، تو اس کے اندر دیکھو یہ أَخُوكَ کیا ہے؟ بَدَل۔ اور بَدَل تَكْرَارِ عَامِل کے درجے میں ہوتا ہے گویا اس پر عامل دوبارہ داخل ہو رہا ہے اور عامل کیا ہے، پیچھے کس نے عمل کیا ہے؟ جَاءَ نے۔ جَاءَ زَيْدٌ أَخُوكَ، یہ جَاءَ عامل ہے اور زَيْدٌ مُبْدَلٌ مِنْهُ اور أَخُوكَ بَدَل، اور یہ بَدَل تَكْرَارِ عَامِل کے درجے میں ہے کیونکہ یہ مَقْصُود ہے، گویا اس پر عامل دوبارہ داخل ہو رہا ہے۔ گویا تَقْدِيرِ كَلَام یوں ہے: جَاءَ زَيْدٌ جَاءَ أَخُوكَ۔ تَكْرَارِ عَامِل کا مَعْنَى سمجھ میں آیا؟ بھئی لَفْظوں میں تو تَكْرَارِ عَامِل نہیں ہے، لیکن چونکہ وہ مَقْصُود ہے تو گویا اس پر پھر دوبارہ عامل داخل ہو رہا ہے۔ تو جَاءَ زَيْدٌ أَخُوكَ، یہ کس مَعْنَى میں ہوا، تَقْدِيرِ كَلَام کیا ہوئی؟ جَاءَ زَيْدٌ جَاءَ أَخُوكَ۔ دوبارہ اس کے لیے جَاءَ یعنی عامل کو دوبارہ لے آئیں گے۔ یہ طریقہ سمجھ میں آگیا۔

اسی طرح مَعْطُوف بِحَرْف جو ہے وہ بھی تَكْرَارِ عَامِل کے درجے میں ہوتا ہے۔ جَاءَ زَيْدٌ وَعَمْرٌو، تو یہ بھی تَكْرَارِ عَامِل کے درجے میں ہے۔ اس میں یہ جو حَرْفِ عَطْف ہوتا ہے یہ اس عامل کا نَائِب ہوتا ہے۔ تَوَجُّہ سے سنو! جَاءَ زَيْدٌ وَعَمْرٌو، یہ عَمْرٌو کا عَطْف کس پر ہے؟ زَيْد پر ہے اور یہ عَمْر خود بھی مَقْصُود ہے، یہ بھی مَقْصُود ہے، زَيْد بھی مَقْصُود، مَعْطُوفٌ عَلَيْهِ بھی مَقْصُود اور عَمْر بھی مَقْصُود۔ اور جب یہ مَقْصُود ہے تو یہ تَكْرَارِ عَامِل کے درجے میں، گویا عامل اس پر دوبارہ داخل ہو رہا ہے اور یہ جو بیچ میں حَرْف آیا وَاو، یہ اس عامل کا نَائِب ہے۔ یہ کیا ہے؟ یہ اس عامل کا نَائِب ہے۔ جَاءَ زَيْدٌ وَعَمْرٌو، زَيْدٌ میں عامل کون؟ جَاءَ۔ تو یہ وَاو اسی جَاءَ کا نَائِب ہے۔ پھر سنو: جَاءَ زَيْدٌ وَعَمْرٌو، دیکھو یہ زَيْد ہے مَعْطُوفٌ عَلَيْهِ اور عَمْر کیا ہے مَعْطُوف، اور مَعْطُوف بھی مَقْصُود ہوتا ہے، تو یہ بھی تَكْرَارِ عَامِل کے درجے میں ہے، گویا اس پر عامل دوبارہ داخل ہو رہا ہے اور یہاں عامل کیا ہے، کس نے رَفْع دیا تھا زَيْد کو؟ جَاءَ نے۔ کس نے؟ جَاءَ نے۔ تو یاد رکھو یہ جو حَرْفِ عَطْف ہوتا ہے یہ اسی عامل کا نَائِب ہوتا ہے۔ یہ کس کا نَائِب ہے؟ جَاءَ زَيْدٌ وَعَمْرٌو۔ یہ ذرا اپنے سامنے کاپی پر لکھیں بھئی: جَاءَ زَيْدٌ وَعَمْرٌو۔ اب اس جُملے پہ ذرا نظر رکھیں بھئی: جَاءَ زَيْدٌ وَعَمْرٌو۔ دیکھو یہ عَمْرٌو کیا ہے؟ مَعْطُوف بِحَرْف ہے اور زَيْد کیا ہے؟ مَعْطُوفٌ عَلَيْهِ۔ اور مَعْطُوفٌ عَلَيْهِ پر جو اِعْرَاب آئے وہی مَعْطُوف پر بھی اِعْرَاب آتا ہے۔ اور یہاں مَعْطُوفٌ عَلَيْهِ مَرْفُوع ہے، اس کو

رَفْع کس نے دیا؟ جَاءَ فِعْل نے دیا۔ تو یاد رکھو یہ جو مَعْطُوف بِحَرْف ہے یہ تَکْرَارِ عَامِل کے درجے میں ہے، گویا اس پر عامل دوبارہ داخل ہو رہا ہے اور یہ جو حَرْفِ عَطْف ہے بیچ میں یہ جو وَاو آ رہا ہے، یہ اس عامل کا نَائِب ہے، یہ اس عامل کا نَائِب ہے، گویا اَصْل کَلَام کیسے ہے؟ جَاءَ زَیْدٌ جَاءَ عَمْرٌو۔ یہ وَاو کو ہٹائیں اس کی جگہ کیا لے آئیں؟ اس عامل کو دوبارہ لے آئیں، یہ وَاو اس کا نَائِب تھا۔ جَاءَ زَیْدٌ جَاءَ عَمْرٌو، تو دیکھو تَکْرَارِ عَامِل ہے۔ بات سمجھ میں آ گئی کہ بَدَل اور مَعْطُوف بِحَرْف یہ دونوں چونکہ مَقْصُود ہوتے ہیں لہٰذا یہ تَکْرَارِ عَامِل کے درجے میں ہیں، یعنی گویا ان پر عامل دوبارہ داخل ہو رہا ہے۔ یہاں تک بات سمجھ میں آ گئی۔

اب دیکھو بات چل رہی تھی کہ تَوَابِع پانچ ہیں، ان پانچ میں سے پھر جو مَعْطُوف بِحَرْف تھا اس کی دو قسمیں بنا لیں۔ کتنی قسمیں؟ ایک وہ جس پر یَا کا داخل کرنا جَائِز ہے، ایک وہ جس پر یَا کا داخل کرنا جَائِز نہیں۔ یہ مِثَال ذرا اپنے سامنے لکھیں بھئی: یَا زَیْدُ وَعَمْرُو۔ اب دیکھو یہ عَمْر کا عَطْف ہے کس پر؟ زَیْد پر، اور زَیْد مَبْنِي عَلَى الضَّمّ ہے، اور اسی طرح یہ عَمْر جو ہے یہ بھی مَبْنِي عَلَى الضَّمّ ہے، اس لیے کیونکہ یہ عَمْر مَعْطُوف بِحَرْف ہے اور اس پر یَا کا داخل کرنا جَائِز ہے کیونکہ اس پر أَلِف لَام نہیں۔ أَلِف لَام ہوتا تو پھر تو یَا کا داخل کرنا جَائِز نہ ہوتا۔ تَوَجُّہ ہے؟ تو یہ وَاو کس کا قَائِم مَقَام ہے؟ یَا کا۔ تو گویا کَلَام یوں ہے: یَا زَیْدُ یَا عَمْرُو۔ تَوَجُّہ ہے؟ اور عَمْر پر یَا داخل ہو سکتی ہے یا نہیں؟ یَا داخل ہو سکتی ہے۔ تو لہٰذا جیسے زَیْد مَبْنِي عَلَى الضَّمّ تھا، یہ جو مَعْطُوف بِحَرْف ہے یہ بھی مَبْنِي عَلَى الضَّمّ ہوگا، یعنی گویا اس پر وہ یَا دوبارہ داخل ہو رہی ہے۔ دوسری مثال لکھیں: یَا زَیْدُ وَالْحَسَنُ۔ لکھ لیا بھئی؟ یَا زَیْدُ وَالْحَسَنُ۔ اب دیکھو یہ الْحَسَن کا عَطْف ہے کس پر؟ زَیْد پر۔ اور یہ مَعْطُوف بِحَرْف ہے اور مَعْطُوف بِحَرْف تَکْرَارِ عَامِل کے درجے میں ہوتا ہے گویا اس پر عامل دوبارہ داخل ہو رہا ہے، لیکن یہاں پر یَا الْحَسَنُ کہنا تو جَائِز ہی نہیں، کیونکہ الْحَسَن مُعَرَّف بِاللَّام ہے اس پر أَلِف لَام ہے، اور مُعَرَّف بِاللَّام پر تو حَرْفِ نِدَاء داخل نہیں ہو سکتا بھئی۔ تو لہٰذا صاحبِ کَافِیَہ نے یہ جو مَعْطُوف بِحَرْف ہے اس کی دو قسمیں بنا دیں: ایک وہ مَعْطُوف بِحَرْف ہے جس پر یَا کا داخل کرنا جَائِز تھا، ایک وہ مَعْطُوف بِحَرْف ہے جس پر یَا کا داخل کرنا جَائِز نہیں۔

تو کُل تَوَابِع کتنی قسمیں بنا دیں صاحبِ کَافِیَہ نے؟ چھ قسمیں۔ ان چھ میں سے چار کا حُکْم وہ پہلے بیان کریں گے اور دو کا حُکْم بعد میں۔ کن دو کا حُکْم بعد میں بیان کریں گے؟ وہ جو بَدَل ہے اور وہ مَعْطُوف بِحَرْف جس پر یَا کا داخل کرنا جَائِز ہے، یعنی ایک بَدَل اور ایک وہ مَعْطُوف جس پر یَا کا داخل کرنا جَائِز ہے جیسے یہاں آیا یَا زَیْدُ وَعَمْرُو، تو یہ جو مَعْطُوف بِحَرْف ہے جس پر یَا کا داخل کرنا جَائِز ہے اور اسی طرح یہ جو بَدَل ہے، ان کا حُکْم بعد میں بیان کریں گے۔ اور باقی چار جو تَوَابِع ہیں ان کا حُکْم پہلے بیان کریں گے۔ کون کون سے؟ تَأْکِید، صِفَت، عَطْفِ بَیَان اور وہ مَعْطُوف بِحَرْف جس پر یَا کا داخل کرنا مُمْتَنِع ہے، ان چار کا حُکْم پہلے بیان کریں گے۔ بات سمجھ میں آ گئی؟

دیکھیے بھئی دوبارہ مَتْن، کہتے ہیں: وَتَوَابِعُ الْمُنَادَى الْمَبْنِيِّ الْمُفْرَدَةُ، اور مُنَادَىٰ مَبْنِي کے وہ تَوَابِع جو مُفْرَد ہوں (مُفْرَد یہاں

مُضَاف اور مُشَابِه مُضَاف کے مُقَابِلے میں آیا ہے)۔ تو مُنَادیٰ مَبْنِي کے وہ تَوَابِع جو مُفْرَد ہوں، مِنَ التَّأْكِيدِ یعنی کہ تَأْكِيد ہے، وَالصِّفَةِ اور اسی طرح صِفَت ہے، وَعَطْفِ الْبَيَانِ اور عَطْف بَيَان جو ہے، وَالْمَعْطُوفِ بِحَرْفٍ الْمُمْتَنِعِ دُخُولُ يَا عَلَيْهِ اور وہ مَعْطُوف بِحَرْف کہ مُمْتَنِع ہو اس پر یَا کا داخل ہونا، تُرْفَعُ، یاد رکھو یہ جو چار قسمیں ہیں تَوَابِع کی ان میں ادھر دیکھیے ان میں جو تَابِع ہے اس پر رَفْع پڑھنا بھی جَائِز اور نَصْب پڑھنا بھی جَائِز۔ جیسے يَا زَيْدُ، یہ مُنَادیٰ مُفْرَد مَعْرِفَہ ہے، اس کی صِفَت الْعَاقِل میں لاتا ہوں تو اس الْعَاقِل پر رَفْع بھی جَائِز اور نَصْب بھی جَائِز ہے: يَا زَيْدُ الْعَاقِلُ، یا یوں پڑھیں: يَا زَيْدُ الْعَاقِلَ، دونوں طرح جَائِز ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟

تو یہ جو چار تَوَابِع ہیں تُرْفَعُ عَلَى لَفْظِهِ وَتُنْصَبُ عَلَى مَحَلِّهِ، یہ مَرْفُوع ہوں گے مُنَادیٰ کے لَفْظ پر حَمْل کرتے ہوئے، اور یہ مَنْصُوب ہوں گے مُنَادیٰ کے مَحَلّ پر حَمْل کرتے ہوئے۔ ان پر رَفْع بھی جَائِز، نَصْب بھی۔

بھئی رَفْع کیوں جَائِز اور نَصْب کیوں جَائِز؟ اس کی وجہ بھی آپ کو بتلائیں گے۔ کہتے ہیں نَصْب تو اس لیے جَائِز ہے، کہتے ہیں کیونکہ اس کے مَحَلّ پر حَمْل کیا۔ کس کی بات چل رہی ہے؟ وہ مُنَادیٰ جو مَبْنِي ہوتا ہے، اور مَبْنِي کا جو تَابِع ہوتا ہے وہ اس کے مَحَلّ کے تَابِع ہوتا ہے، کس کے؟ مَحَلّ کے تَابِع ہوتا ہے۔ جیسے دیکھیے بھئی: هٰذَا الْكِتَابُ لِزَيْدٍ، یہ کتاب زَيْد کی ہے۔ یہ تَرْكِيب کس طرح ہے؟ هٰذَا الْكِتَابُ یہ مَوْصُوف صِفَت ہیں اور یہ مل کر مُبْتَدَا، اور لِزَيْدٍ یہ جَارّ مَجْرُور یہ اس کی خَبَر ہے، یہ مُتَعَلِّق ہوگی کس سے؟ ثَابِتٌ سے، جَارّ مَجْرُور ہے نا اس کے لیے ہمیشہ کوئی نہ کوئی مُتَعَلِّق چاہیے اور مُتَعَلِّق عِبَارَت میں ذِکر نہ ہو تو مَحْذُوف نکالتے ہیں، تو یہ مُتَعَلِّق ہوگا ثَابِتٌ سے، أَيْ هٰذَا الْكِتَابُ ثَابِتٌ لِزَيْدٍ۔ جی، اب دیکھو هٰذَا الْكِتَابُ، هٰذَا ہے مَوْصُوف اور الْكِتَابُ ہے اس کی صِفَت۔ اور آپ نے پڑھا مَوْصُوف صِفَت کا اِعْرَاب ایک ہوتا ہے۔ تو اب هٰذَا، اس پر تو کوئی اِعْرَاب ہمیں نظر نہیں آرہا، اور الْكِتَابُ اس پر ہم رَفْع پڑھ رہے ہیں۔ کیوں؟ وجہ یہ کہ یہ الْكِتَابُ تَابِع ہے هٰذَا کا۔ هٰذَا مَوْصُوف ہے اور یہ تَابِع، اور تَابِع پر وہی اِعْرَاب آتا ہے جو مَتْبُوع پر ہو، اور یہاں پر هٰذَا مَرْفُوع ہے کیونکہ مُبْتَدَا ہے، اور اِعْرَاب کبھی لَفْظًا آتا ہے کبھی تَقْدِيرًا اور کبھی مَحَلًّا۔ لَفْظًا اور تَقْدِيرًا اِعْرَاب کس میں آئے گا؟ مُعْرَب میں۔ اور مَحَلًّا اِعْرَاب کس میں آئے گا؟ مَبْنِي میں۔ تو یہ هٰذَا مَحَلًّا مَرْفُوع ہے، اور الْكِتَابُ اس کی صِفَت، اور صِفَت پر وہی اِعْرَاب آتا ہے جو مَوْصُوف پر، اور مَوْصُوف تو مَبْنِي ہے تو اس کے مَحَلّ کے تَابِع ہے یہ صِفَت بھئی، اور مَحَلًّا هٰذَا مَرْفُوع ہے تو الْكِتَابُ بھی مَرْفُوع۔ بات سمجھ میں آگئی؟ معلوم ہوا مَبْنِي کا جو تَابِع ہوتا ہے وہ اس کے مَحَلّ کے تَابِع ہوتا ہے، مَحَلّ یعنی جگہ کے اعتبار سے جو اِعْرَاب ہوتا ہے وہی اِعْرَاب آگے تَابِع پر بھی آتا ہے۔ تَوَجُّہ ہے؟ کیا بات ہوئی؟ هٰذَا الْكِتَابُ، یہ الْكِتَابُ پر رَفْع کیوں آیا؟ کیونکہ یہ صِفَت ہے هٰذَا کی، اور هٰذَا پر تو ہمیں کوئی اِعْرَاب نظر نہیں آرہا کیونکہ وہ تو مَبْنِي ہے، مَبْنِي پر تو اِعْرَاب ظاہِر نہیں ہوتا، تو آپ کیا کہیں گے؟ کہ وہ مَحَلًّا مَرْفُوع ہے کیونکہ مُبْتَدَا ہے، تو یہ جو صِفَت ہے یہ اس کے مَحَلّ کے تَابِع ہے، لَفْظوں کے تَابِع نہیں (لَفْظوں میں تو وہ مَبْنِي ہے تو پھر تو صِفَت کو بھی مَبْنِي ہونا چاہیے)، لیکن یہ لَفْظوں کے تَابِع نہیں بلکہ

مَحَلّ کے تَابِع ہے، اور مَحَلّ کے اعتبار سے وہ مَرْفُوع ہے کیونکہ مُبْتَدَا ہے، تو صِفَت بھی مَرْفُوع۔ تو حَاصِلِ کَلَام کیا؟ کہ مَبْنِي کا جو تَابِع ہوتا ہے وہ اس کے مَحَلّ کے تَابِع ہوتا ہے، مَحَلّ کے مُطَابِق اس پر اِعْرَاب آتا ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟

تو یہاں پر بھی، یہاں پر بھی یَا زَیْدُ، یہ زَیْد مَبْنِي ہے، اور اس کی صِفَت میں آگے الْعَاقِل لانا چاہتا ہوں۔ یہ زَیْد مَبْنِي عَلَى الضَّمّ ہے، ہے تو مَبْنِي، اور مَبْنِي کے لیے کوئی نہ کوئی مَحَلِّ اِعْرَاب ہوتا ہے، اور یہ یَا زَیْدُ کس مَعْنَی میں ہے؟ أَدْعُو زَیْدًا کے مَعْنَی میں ہے، یعنی یہ مَحَلًّا مَنْصُوب ہے، مَفْعُولٌ بِهِ ہے۔ تَوَجُّہ ہے؟ تو یَا زَیْدُ، یہ زَیْد کے لیے مَحَلِّ اِعْرَاب کیا ہے؟ یہ مَنْصُوب ہے، مَفْعُولٌ بِهِ ہے، لہٰذا اس کا جو تَابِع لائیں گے وہ بھی مَنْصُوب لائیں گے: یَا زَیْدُ الْعَاقِلَ۔ دیکھا نَصْب اس لیے پڑھا۔ وجہ سمجھ میں آئی؟ مُنَادَیٰ مُفْرَد مَعْرِفَہ، یا یوں کہو وہ مُنَادَیٰ جو مَبْنِي ہو عَلَامَتِ رَفْع پر، اس کے تَابِع پر رَفْع پڑھنا بھی جَائِز اور نَصْب پڑھنا بھی جَائِز: یَا زَیْدُ الْعَاقِلُ اور یَا زَیْدُ الْعَاقِلَ۔ اب الْعَاقِلَ کیوں پڑھا وہ وجہ میں نے ذکر کر دی: یَا زَیْدُ الْعَاقِلَ، یہ نَصْب کیوں پڑھا صِفَت پر؟ کیونکہ یہ صِفَت ہے اور صِفَت مَبْنِي کے مَحَلّ کے تَابِع ہوتی ہے، اور زَیْد بیشک مَبْنِي ہے لیکن مَحَلّ کے اعتبار سے مَنْصُوب ہے، مَفْعُولٌ بِهِ ہے أَدْعُو فِعْل کے لیے۔ تو یہاں تَابِع پر نَصْب کیوں جَائِز؟ مَبْنِي کے مَحَلّ پر حَمْل کرتے ہوئے۔

اور نیز اسی صِفَت پر رَفْع پڑھنا بھی جَائِز: یَا زَیْدُ الْعَاقِلُ، رَفْع پڑھنا بھی جَائِز۔ کس پر حَمْل کرتے ہوئے؟ اس کے لَفْظوں پر حَمْل کرتے ہوئے۔ کس پر؟ لَفْظوں پر۔ یَا زَیْدُ الْعَاقِلُ، یہ الْعَاقِلُ پر رَفْع کیوں ہے؟ کہتے ہیں ہم نے زَیْد کے لَفْظوں پر حَمْل کیا۔ بھئی لَفْظوں پر کیسے حَمْل کر لیا؟ زَیْد تو مَبْنِي ہے۔ میں نے آپ کو بتایا تین قسم کے نام ہیں: ضَمٌّ، فَتْحٌ، کَسْرٌ، اور ایک صورت ہے گول تَا بھی ساتھ ملا دیں: ضَمَّةٌ، فَتْحَةٌ، کَسْرَةٌ، اور ایک ہے رَفْعٌ، نَصْبٌ، جَرٌّ۔ تو ضَمٌّ، فَتْحٌ، کَسْرٌ بغیر تَا کے ہوں تو یہ مَبْنِي کے ساتھ خَاص، اور گول تَا ساتھ جوڑ دیں ضَمَّةٌ، فَتْحَةٌ، کَسْرَةٌ تو یہ مُعْرَب اور مَبْنِي دونوں کے لیے اِسْتِعْمَال ہوتے ہیں، اور رَفْعٌ، نَصْبٌ، جَرٌّ یہ مُعْرَب کے لیے اِسْتِعْمَال ہوتے ہیں۔ تو یَا زَیْدُ، زَیْد تو مَبْنِي ہے اور مَبْنِي ہے کس پر؟ مَبْنِي عَلَى الضَّمّ، تو زَیْد پر تو ضَمَّہ ہے، وہ تو مَبْنِي ہے۔ اور آگے الْعَاقِلُ صِفَت آرہی ہے، اور الْعَاقِلُ صِفَت پر یہ تو رَفْع ہے بھئی! زَیْد پر ضَمَّہ ہے وہ مَبْنِي ہے اور الْعَاقِلُ پر رَفْع ہے، فرق سمجھ میں آرہا ہے؟ تو آپ نے کیا کہا کہ الْعَاقِلُ پر ہم نے رَفْع کیوں پڑھا؟ ہم نے زَیْد کے لَفْظوں کے تَابِع کر دیا۔ بھئی لَفْظوں کے تَابِع کیسے کر دیا، زَیْد پر تو رَفْع ہے ہی نہیں، زَیْد پر تو ضَمَّہ ہے، وہ تو مَبْنِي ہے بھئی! تَوَجُّہ ہے کہ نہیں بات سمجھ میں آئی؟ زَیْد پر تو ضَمَّہ ہے، اس پر تو رَفْع ہے ہی نہیں، پھر آپ کیسے کہہ رہے ہیں کہ آپ نے اس کے لَفْظوں کے تَابِع کر دیا؟ لَفْظوں کے تَابِع تو آپ تب کہتے زَیْد پر بھی رَفْع ہوتا، زَیْدٌ تَنْوِین آرہی ہوتی، آگے الْعَاقِلُ پر بھی آپ اس کے مُطَابِق رَفْع پڑھ دیتے بھئی۔ تو اِعْتِرَاض سمجھ میں آیا؟

یہ آپ کو بتلائیں گے کہ بھئی یہ جو یَا زَیْدُ الْعَاقِلُ وَالْعَاقِلَ، یہ جو نَصْب پڑھا ہے یہ نَصْب کس پر حَمْل کرتے ہوئے؟ مَبْنِي کے مَحَلّ پر حَمْل کرتے ہوئے اور مَحَلّ کے اعتبار سے زَیْد مَنْصُوب ہے، اور یہ جو یَا زَیْدُ الْعَاقِلُ، یہ جو الْعَاقِلُ صِفَت پر تَابِع

پر جو رَفْع پڑھا، وہ زَیْد کے لَفْظوں پر حَمْل کرتے ہوئے۔ اس پر اِشْکَال ہوتا ہے کہ لَفْظوں کے اعتبار سے تو زَیْد مَبْنِي ہے اس پر تو رَفْع ہے ہی نہیں، تو پھر تَابِع پر رَفْع کہاں سے آگیا؟ اِشْکَال سمجھ میں آیا؟ تو اس کا جَوَاب دیں گے صاحبِ جَامِي کہ بھئی زَیْد پر یہ جو ضَمَّہ آیا ہے، یہ جو زَیْد مَبْنِي عَلَى الضَّمّ ہوا یَا زَیْدُ، تو یہ زَیْد ہمیشہ ہی مَبْنِي ہوتا ہے یا یہاں پر عامل کی وجہ سے مَبْنِي بن گیا؟ یہاں عامل کی وجہ سے مَبْنِي بن گیا بھئی! زَیْد کا لَفْظ ہمیشہ تو مَبْنِي نہیں ہوتا: جَاءَنِي زَیْدٌ، رَأَیْتُ زَیْدًا، مَرَرْتُ بِزَیْدٍ، زَیْد تو مُعْرَب ہے۔ ہاں یہاں پر یہ جو مَبْنِي بنا ہے اور اس پر جو ضَمَّہ آیا ہے وہ کس کی وجہ سے آیا ہے؟ عامل کی وجہ سے آیا ہے۔ تو گویا یہ ضَمَّہ بھی رَفْع کی طرح ہی ہوا۔ جیسے رَفْع عامل کی وجہ سے آتا ہے، یہ ضَمَّہ بھی یہاں عامل کی وجہ سے آیا ہے۔ ویسے تو مَبْنِي جس حَرَکَت پر بھی مَبْنِي ہو، چاہے ضَمَّہ ہو، چاہے فَتْحَہ ہو، چاہے کَسْرَہ ہو، وہ عامل کی وجہ سے نہیں ہوتا، لیکن یہاں پر جو زَیْد پر بِنا آئی ہے وہ مُسْتَقِل بِنا نہیں، وہ عامل کی وجہ سے بِنا آئی ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو یہاں پر یہ جو بِنا ہے یہ عَارِضِي بِنا ہے، مُسْتَقِل بِنا نہیں۔ تَوَجُّہ ہے؟ تو کہتے ہیں کہ بھئی یہ جو زَیْد مَبْنِي ہوا ہے یہ ہمیشہ مَبْنِي نہیں ہوتا، یہ بِنا اس کو عَارِض ہوئی ہے۔ یا یوں کہو یہ جو زَیْد مَبْنِي عَلَى الضَّمّ ہوا ہے، تو یہ ضَمَّہ اس پر عَارِضِي ہے، زَیْد ہمیشہ مَبْنِي نہیں ہوتا، تو یہ بِنا اور یہ ضَمَّہ عَارِضِي ہے، تو یہ بھی اِعْرَاب کی طرح ہے، جیسے اِعْرَاب عامل کی وجہ سے کبھی رَفْع آتا ہے، کبھی نَصْب اور کبھی جَرّ، تو یہ جو بِنا عَارِض ہوئی ہے مُنَادیٰ مُفْرَد مَعْرِفَہ کو، یہ بِنا بھی عَارِضِي ہے بھئی، تو یہ بھی اِعْرَاب کی طرح ہوئی، یا یوں کہو یہ جو ضَمَّہ ہے یہ رَفْع جیسا ہی ہے بھئی۔ یہ بِنا عَارِضِي ہے یعنی مَبْنِي عَلَى الضَّمّ ہونا عَارِضِي ہے، جیسے مُعْرَب پر عَارِضِي طور پر کبھی رَفْع آتا ہے کبھی نَصْب اور کبھی جَرّ، تو یہاں پر یہ مَبْنِي عَلَى الضَّمّ ہونا یہ بھی عَارِضِي ہے، تو یوں کہو کہ یہ ضَمَّہ کس کی طرح ہوا؟ رَفْع کی طرح ہوا۔ تو لہٰذا اس کے لَفْظوں پر حَمْل کرتے ہوئے اس کے تَابِع پر بھی رَفْع پڑھ دیا گیا۔ یہ تو مُنَادیٰ خود تو مَبْنِي عَلَى الضَّمّ، لیکن یہ ضَمَّہ کس کی طرح؟ رَفْع کی طرح، لہٰذا اس کے تَابِع کو لَفْظوں کے تَابِع کرتے ہوئے اس پر رَفْع پڑھا جاتا ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟

دیکھیے بھئی کتاب پر، تو کہتے ہیں یہ جو چار قسم کے تَوَابِع ہیں تُرْفَعُ عَلَى لَفْظِہِ ان پر رَفْع پڑھا جائے گا مُنَادیٰ کے لَفْظوں پر حَمْل کرتے ہوئے، یعنی اس پر جو ضَمَّہ آیا ہے وہ بھی رَفْع ہی کی طرح ہے بھئی، وَتُنْصَبُ عَلَى مَحَلِّہِ اور یہ جو تَوَابِع ہیں ان پر نَصْب پڑھا جائے گا عَلَى مَحَلِّہِ مُنَادیٰ کے مَحَلّ پر حَمْل کرتے ہوئے، مِثْلُ مِثَال کے طور پر: یَا زَیْدُ الْعَاقِلُ وَالْعَاقِلَ۔ تو یہاں پر مُنَادیٰ جو مَبْنِي عَلَى الضَّمّ ہے اس کے تَوَابِع پر رَفْع پڑھنا بھی جَائِز اور نَصْب پڑھنا بھی جَائِز، کون سے تَوَابِع؟ یہ جو چار ذکر ہوئے: تَأْکِید، صِفَت، عَطْفِ بَیَان اور وہ مَعْطُوف بِحَرْف جس پر یَا کا داخل ہونا مُمْتَنِع ہے بھئی۔ بات سمجھ میں آگئی۔

تو حَاصِلِ کَلَام کیا؟ کہ آج ہم نے مُنَادیٰ مَبْنِي کے وہ تَوَابِع جو ہیں جو مُفْرَد ہیں ان کے بارے میں پڑھنا شروع کیا، اور آپ نے پڑھا کہ تَوَابِع جو ہیں وہ پانچ ہیں: ایک صِفَت ہے، تَأْکِید ہے، مَعْطُوف بِحَرْف ہے، بَدَل ہے اور عَطْفِ بَیَان۔ پھر

ان میں سے مَعْطُوف بِحَرْف جو ہے وہ دو قسم پر ہے: وہ یا تو مُعَرَّف بِاللَّام ہوگا یا مُعَرَّف بِاللَّام نہیں۔ مُعَرَّف بِاللَّام ہے تو اس پر یَا کا داخل کرنا مُمْتَنِع ہے، اور اگر مُعَرَّف بِاللَّام نہیں تو اس پر یَا کا داخل کرنا جَائِز ہے۔ تو کُل گویا یہ تَوَابِع کی چھ قسمیں بنا دیں۔ ان چھ قسموں میں سے پھر تَقْسِیم کیا اور ان میں سے چار کا حُکْم الگ بیان کیا اور پھر دو کا حُکْم بعد میں بیان کریں گے۔ پہلے چار جو ہیں کون کون سے؟ تَأْکِید جو ہے اور اسی طرح صِفَت ہے اور عَطْفِ بَیَان ہے اور وہ مَعْطُوف جس پر یَا کا داخل کرنا مُمْتَنِع ہے، یہ جو چار تَوَابِع ہیں مُنَادیٰ مَبْنِي کے ان پر رَفْع پڑھنا بھی جَائِز لَفْظوں پر حَمْل کرتے ہوئے مُنَادیٰ کے لَفْظوں پر حَمْل کرتے ہوئے (اس لیے کیونکہ مُنَادیٰ پر جو ضَمَّہ آیا ہے وہ عَارِضِي ہے، جیسے عامل کی وجہ سے رَفْع، نَصْب اور جَرّ آتے ہیں اسی طرح یہاں پر بھی عامل کی وجہ سے ضَمَّہ آیا ہے تو یہ ضَمَّہ عَارِضِي ہے تو یہ ضَمَّہ بھی رَفْع کے مِثْل ہوا، جیسے رَفْع کس کی وجہ سے آتا ہے عامل کی وجہ سے اسی طرح یہ ضَمَّہ بھی عامل کی وجہ سے آیا ہے تو یہ ضَمَّہ بھی رَفْع کی طرح ہی ہوا، تو اس مُنَادیٰ کے لَفْظوں پر حَمْل کرتے ہوئے اس کے جو یہ چار تَوَابِع ہیں ان پر رَفْع پڑھنا بھی جَائِز) اور نیز اس مُنَادیٰ کے مَحَلّ پر حَمْل کرتے ہوئے اس کے جو تَوَابِع ہیں ان پر نَصْب بھی جَائِز ہے۔ تو یَا زَیْدُ الْعَاقِلُ اور اسی طرح یَا زَیْدُ الْعَاقِلَ دونوں پڑھنا جَائِز ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ چلیے بس بھئی، هٰذَا هُوَ الْمَرَامُ، وَاللّٰهُ أَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْكَلَامِ۔

سبق نمبر ۱۲۳: المنادیٰ (۵): منادیٰ مبنی کے توابع (نعت، تاکید، عطفِ بیان، بدل، معطوف) کا اعراب

شرحِ ملا جامی صفحہ: ۹۳ — بتاریخ: ۲۰ دسمبر ۲۰۲۱ء

▪ تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث

دیکھیے بھائی آگے سبق:

وَتَوَابِعُ الْمُنَادَى الْمَبْنِيِّ عَلَى مَا يُرْفَعُ بِهِ الْمُفْرَدَةُ حَقِيقَةً أَوْ حُكْمًا، إِنَّمَا قَيَّدَ الْمُنَادَى بِكَوْنِهِ مَبْنِيًّا لِأَنَّ تَوَابِعَ الْمُنَادَى الْمُعْرَبِ تَابِعَةٌ لِلَفْظِهِ فَقَطْ، وَقَيَّدْنَا الْمَبْنِيَّ بِكَوْنِهِ عَلَى مَا يُرْفَعُ بِهِ لِأَنَّ تَوَابِعَ الْمُسْتَغَاثِ بِالْأَلِفِ لَا يَجُوزُ فِيهَا الرَّفْعُ، نَحْوُ يَا زَيْدَا وَعَمْرًا لَا وَعَمْرٌو؛ لِأَنَّ الْمَتْبُوعَ مَبْنِيٌّ عَلَى الْفَتْحِ.

بھائی گذشتہ سبق میں ہم نے منادیٰ کے توابع کے بارے میں پڑھنا شروع کیا تھا۔ میں نے آپ کو بتلایا تھا کہ تَوَابِع جمع ہے تَابِع کی۔ اور اب تک جتنے مرفوعات، منصوبات وغیرہ آپ نے پڑھے ان میں عامل براہِ راست عمل کرتا تھا اور ان کو رفع، نصب یا جر دیتا تھا۔ مثلاً جَاءَنِي زَيْدٌ، دیکھو یہ زَيْدٌ مرفوع ہے، جَاءَ نے اس کے اندر براہِ راست عمل کیا اور اس کو رفع دیا۔ رَأَيْتُ زَيْدًا، یہ زَيْدًا منصوب ہے، رَأَيْتُ نے براہِ راست اس میں عمل کیا اور اس کو نصب دیا۔ اور مَرَرْتُ بِزَيْدٍ، یہ زَيْدٍ مجرور ہے، با جارہ نے اس میں براہِ راست عمل کیا اور اس کو جر دیا۔ جب کہ کچھ توابع ہیں بھائی توابع۔ توابع وہ ہیں کہ جن میں عامل براہِ راست عمل نہیں کرتا بلکہ وہ اپنے سے ماقبل کے تابع ہوتے ہیں۔ جیسے صفت ہے۔ صفت موصوف کے تابع ہوتی ہے، موصوف پر رفع آئے تو صفت پر بھی رفع، موصوف پر نصب آئے تو صفت پر بھی نصب، موصوف پر جر آئے تو صفت پر بھی جر۔ تو دیکھو یہ جو صفت ہے اس میں عامل براہِ راست عمل نہیں کر رہا بلکہ یہ اپنے سے ماقبل کے تابع ہے۔ تو صفت کہلائے گی تَابِع اور جو ماقبل میں ہے وہ کہلائے گا مَتْبُوع۔ متبوع میں تو عامل براہِ راست عمل کر رہا ہے لیکن تابع میں براہِ راست عمل نہیں کر رہا۔

تو اب یہ جو منادیٰ کے توابع ہیں ان کا بیان یہ کرنے لگے ہیں۔ اور گذشتہ سبق میں ہم نے یہ متن کچھ حل کر لیا تھا بھائی۔ اور میں نے آپ کو بتلایا تھا کہ توابع جو ہیں وہ پانچ ہیں بھائی۔ اور یہ جو توابع ہیں ان کا آگے مستقل بیان بھی آ رہا ہے۔ یہ

مرفوعات، منصوبات اور مجرورات کے بیان کے بعد صاحبِ کافیہ توابع کا مستقل بیان کریں گے۔ لیکن یہ جو منادیٰ کے توابع ہیں ان کا حکم باقی توابع سے کچھ مختلف تھا، اس لیے اس منادیٰ کے توابع کو صاحبِ کافیہ نے منادیٰ کی بحث میں ذکر فرمایا ہے۔

تو توابع یاد رکھنا پانچ ہیں بھائی، ایک صفت ہے، ایک تاکید ہے، اسی طرح ایک معطوف بحرف ہے، ایک بدل ہے اور ایک عطفِ بیان ہے۔ صفت پر وہی اعراب آتا ہے جو موصوف پر آئے۔ تاکید پر وہی اعراب آتا ہے جو مؤکد پر آئے۔ اور اسی طرح معطوف بحرف پر وہی اعراب آتا ہے جو معطوفٌ علیہ پر آئے۔ اور بدل پر وہی اعراب آتا ہے جو مبدل منہ پر آئے۔ اور اسی طرح عطفِ بیان پر وہی اعراب آتا ہے جو معطوفٌ علیہ پر آئے۔ تو یہ توابع پانچ ہیں بھائی پانچ۔ اور میں نے آپ کو بتلایا تھا کہ یہ جو پانچ توابع ہیں، ان میں سے بدل اور معطوف بحرف یہ مقصود ہوتے ہیں۔ جب کہ صفت، عطفِ بیان اور تاکید جو ہے، ان کے اندر تابع مقصود نہیں ہوتا بلکہ متبوع مقصود ہوتا ہے۔ مثلاً میں آپ سے کہتا ہوں جَاءَنِي زَيْدُنِ الْعَالِمُ، تو زَيْدٌ موصوف ہے اور الْعَالِمُ صفت ہے بھائی۔ تو یاد رکھو ان کے اندر یہ موصوف اور صفت میں سے موصوف مقصود ہوتا ہے، اور صفت صرف اپنے متبوع یعنی موصوف کی وضاحت کرتی ہے بھائی۔ اسی طرح مؤکد اور تاکید میں سے مؤکد مقصود ہوتا ہے، تاکید اپنے مؤکد کو پختہ کرتی ہے یا اس میں شمول کا فائدہ دیتی ہے۔ اسی طرح عطفِ بیان میں بھی ہے۔

مثلاً آپ کے دو ساتھی ہیں زید اور عمرو، دونوں کی کنیت ابوالخیر ہے۔ تو مثلاً اب میں کہتا ہوں جَاءَنِي أَبُو الْخَيْرِ، تو اب آپ کو پتہ نہیں چلا کہ کون سا والا ابوالخیر مراد ہے، ابوالخیر تو زید کی بھی کنیت ہے اور عمرو کی بھی کنیت ہے۔ تو آگے پھر ساتھ میں زید بھی ذکر کر دیتا ہوں۔ تو اب میں کہتا ہوں جَاءَنِي أَبُو الْخَيْرِ زَيْدٌ، اب آپ سمجھ گئے کہ کون سا والا ابوالخیر مراد ہے، وہ جو زید ہے بھائی۔ تو یہ ہے عطفِ بیان بھائی، یہ کیا ہے؟ عطفِ بیان ہے۔ عطفِ بیان نام سے ہی پتہ چل رہا ہے کہ یہ ماقبل کا بیان کرتا ہے، اس کی وضاحت کرتا ہے۔ ابوالخیر کہا تو آپ کو پتہ نہیں چلا کون سا ابوالخیر مراد ہے، اور آگے زید کہا تو اس نے وضاحت کر دی کہ وہ والا ابوالخیر مراد ہے جس کا نام زید ہے بھائی۔ تو یہ ہے عطفِ بیان۔ تو یاد رکھو یہ عطفِ بیان کے اندر جو پہلے آئے اس کو معطوفٌ علیہ کہتے ہیں اور جو بعد میں آئے اس کو عطفِ بیان کہتے ہیں۔ ان میں سے جو متبوع ہے وہ مقصود ہوتا ہے، اور عطفِ بیان کو صرف اس کی وضاحت کے لیے لایا جاتا ہے بھائی۔

تو موصوف صفت میں سے مقصود موصوف ہوتا ہے، مؤکد تاکید میں سے جو ہے مؤکد مقصود ہوتا ہے، اور معطوفٌ علیہ اور عطفِ بیان میں سے معطوفٌ علیہ مقصود ہوتا ہے، اور عطفِ بیان صرف اس کے بیان اور وضاحت کے لیے لایا جاتا ہے۔ جب کہ بدل اور معطوف بحرف یاد رکھو یہ دونوں مقصود ہوتے ہیں۔ مثلاً جَاءَنِي زَيْدٌ أَخُوكَ، آپ کا ایک بھائی ہے اس کا نام زید ہے، تو میں آپ سے کیا کہتا ہوں جَاءَنِي زَيْدٌ أَخُوكَ۔ زید سے جو ذات مراد ہے أَخُوكَ سے بھی وہی ذات مراد ہے۔ تو یہ أَخُوكَ بدل ہے زید سے۔ أَخُوكَ بدل ہے زید سے، اور یاد رکھنا جو پہلے آئے اس کو مبدل منہ کہتے ہیں اور جو بعد میں آئے اس کو بدل کہتے ہیں، اور مبدل منہ اور بدل میں سے بدل مقصود ہوتا ہے، یعنی تابع مقصود ہوتا ہے، اور وہ جو مبدل منہ

ہے جس کو پہلے ذکر کیا گیا وہ مقصود نہیں ہے، اس کو صرف تمہید کے طور پر ذکر کیا جاتا ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ جَاءَنِي زَيْدٌ أَخُوكَ، اصل میرا مقصود أَخُوكَ کہنا تھا، زید کو ویسے میں نے تمہید کے طور پر ذکر کر دیا بھائی۔ تو مبدل منہ اور بدل میں سے بدل مقصود ہوتا ہے۔

اسی طرح معطوف بحرف ہے جَاءَنِي زَيْدٌ وَعَمْرٌو۔ زَيْدٌ یہ ہے معطوفٌ علیہ اور عَمْرٌو یہ ہے معطوف، یہ ہے تابع۔ تو یاد رکھو معطوف بحرف میں دونوں مقصود ہوتے ہیں، معطوفٌ علیہ بھی مقصود ہوتا ہے اور معطوف بھی مقصود ہوتا ہے۔ جَاءَنِي زَيْدٌ وَعَمْرٌو، میں آپ کو دونوں کے بارے میں بتلانا چاہتا ہوں کہ مجیئت زید کے لیے بھی ثابت ہے اور مجیئت عمرو کے لیے بھی ثابت ہے بھائی۔

تو صفت، تاکید اور عطفِ بیان، ان میں متبوع مقصود ہوتا ہے، تابع مقصود نہیں۔ بدل کے اندر تابع مقصود ہوتا ہے، مبدل منہ مقصود نہیں۔ اور معطوف بحرف میں دونوں مقصود ہوتے ہیں۔ تو حاصلِ کلام یہ ہوا کہ بدل اور معطوف بحرف میں تابع مقصود ہوتا ہے۔ بدل اور معطوف بحرف میں تابع مقصود ہوتا ہے۔ اور میں نے قیمتی بات بھی آپ کو بتلائی تھی کہ یہ جو بدل اور معطوف بحرف ہیں، یہ تکرارِ عامل کے درجے میں ہیں، کیوں کہ یہ خود مقصود ہیں تو گویا ان پر عامل دوبارہ داخل ہو رہا ہے۔ توجہ ہے؟ مثلاً میں نے آپ سے کہا جَاءَنِي زَيْدٌ وَعَمْرٌو۔ یہ عَمْرٌو کیا ہے؟ معطوف بحرف ہے، اور معطوف بحرف بھی مقصود ہوتا ہے، اور معطوف بحرف اور بدل تکرارِ عامل کے درجے میں ہوتے ہیں۔ تو گویا کہ معطوف پر عامل دوبارہ داخل ہو رہا ہے۔ جَاءَنِي زَيْدٌ وَعَمْرٌو، یہ زَيْدٌ کو رفع کس نے دیا؟ جَاءَ نے، تو گویا یہی جَاءَ دوبارہ معطوف پر بھی داخل ہو رہا ہے۔ تو گویا کلام یوں ہے جَاءَ زَيْدٌ، جَاءَ عَمْرٌو۔ آپ نے تو مختصر کر کے عطف کر دیا کیا کہا جَاءَ زَيْدٌ وَعَمْرٌو، لیکن یہ کلام کس درجے میں ہے؟ گویا آپ نے یوں کہا ہو جَاءَ زَيْدٌ، جَاءَ عَمْرٌو، دونوں کے لیے باقاعدہ عامل الگ الگ موجود ہے۔ اسی طرح بدل بھی مقصود ہوتا ہے تو وہ بھی تکرارِ عامل کے درجے میں ہے۔ جَاءَنِي زَيْدٌ أَخُوكَ، یہ أَخُوكَ بدل ہے اور یہ مقصود بالنسبت ہے تو یہ تکرارِ عامل کے درجے میں ہے، گویا عامل اس پر دوبارہ داخل ہو رہا ہے، تو جَاءَ زَيْدٌ أَخُوكَ یہ کس درجے میں ہوا؟ دونوں کے لیے جَاءَ لے آئیں، جَاءَ زَيْدٌ، جَاءَ أَخُوكَ۔ بات سمجھ میں آگئی؟

اور پھر میں نے آپ کو یہ بھی بتلایا تھا کہ یہ جو حروفِ ندا ہیں یہ آلۂ تعریف ہیں۔ یہ جس لفظ پر داخل ہوتے ہیں یہ اس کو معرفہ بنا دیتے ہیں، بشرطیکہ معین کا ارادہ کیا جائے۔ اگر معین کا ارادہ نہیں کیا پھر تو معرفہ نہیں بنے گا لیکن اگر آپ اس کے ذریعے معین کا ارادہ کریں گے تو یہ نکرہ کو بھی معرفہ بنا دے گا۔ جیسے رَجُلٌ نکرہ ہے، اور اس پر حرفِ ندا داخل کریں یَا، اور پھر کسی معین آدمی کو آپ ندا دیں تو یہ یَا رَجُل کو معرفہ بنا دے گا، تو یَا رَجُلُ، دیکھا اب یہ معرفہ ہے کیوں کہ معین آدمی کو آپ ندا دے رہے ہیں۔ اور اگر یہ منادیٰ جو ہے غیرِ معین ہوا، مثلاً اندھا کسی شخص کو آواز دیتا ہے، اندھا تو کسی معین کو آواز نہیں دے گا وہ تو کوئی بھی شخص آکر اس کا ہاتھ تھام لے اور اس کی مدد کر لے، تو اندھا کہتا ہے یَا رَجُلًا۔ اب یہ یَا حرفِ ندا رَجُل پر داخل ہے لیکن چونکہ معین کا ارادہ نہیں کیا گیا اس لیے یہ رَجُل کا لفظ ابھی بھی نکرہ کا نکرہ ہی ہے۔ تو حاصلِ کلام

کیا؟ کہ یہ حروفِ ندا جو ہیں آلہِ تعریف ہیں۔ اور اسی طرح الف لام جو ہے وہ بھی آلہِ تعریف ہے، کسی لفظ کو معرفہ بنانے کے لیے الف لام لے کر آتے ہیں۔ جیسے رَجُل پر الف لام لے آئیں اَلرَّجُلُ تو یہ کیا بن گیا؟ معرفہ۔ تو جب حروفِ ندا بھی آلہِ تعریف اور الف لام بھی آلہِ تعریف، تو ایک ہی لفظ میں یہ دونوں اکٹھے نہیں ہوں گے۔ یعنی وہ لفظ جو معرف باللام ہو اس پر حرفِ ندا داخل نہیں کر سکتے۔ مثلاً اَلرَّجُلُ ہے تو اب میں اس کو ندا دینا چاہتا ہوں تو یَا الرَّجُلُ میں نہیں کہہ سکتا، بلکہ پھر درمیان میں مذکر کے لیے أَیُّھَا لے آتے ہیں اور مؤنث کے لیے أَیَّتُھَا لے آتے ہیں۔ تو مذکر کے لیے کیسے کہیں گے؟ یَا أَیُّھَا الرَّجُلُ، اور مؤنث میں کہیں گے یَا أَیَّتُھَا الْمَرْأَۃُ۔

اور اس کے بعد پھر آپ نے پڑھا تھا کہ صاحبِ کافیہ نے یہ جو توابع ہیں، یہ پانچ ہیں، لیکن وہ جو معطوف بحرف ہے اس کی دو قسمیں بنا دیں۔ ایک وہ معطوف بحرف ہے جس پر حرفِ ندا کا داخل ہونا جائز، اور ایک وہ معطوف بحرف ہے جس پر حرفِ ندا کا داخل ہونا جائز نہیں بھائی۔ یعنی آسان لفظوں میں یوں کہو کہ معطوف بحرف جو ہے یا وہ معرف باللام ہو گا یا معرف باللام نہیں۔ مثلاً یَا زَیْدُ وَعَمْرُو، دیکھو یہ عَمْرُو کیا ہے؟ معطوف بحرف ہے، اور اس پر الف لام داخل نہیں۔ تو یہ ایک قسم کا معطوف بحرف ہوا۔ اور ایک ہے جس پر الف لام داخل ہو جیسے یَا زَیْدُ وَالْحَسَنُ۔ تو اب یہ عمرو کا عطف بھی زید پر، الحسن کا عطف بھی زید پر، لیکن فرق کیا ہے کہ عمرو معرف باللام نہیں اور الحسن کیا ہے؟ معرف باللام ہے۔ تو جو معرف باللام نہیں اس پر تو حرفِ ندا داخل ہو سکتا ہے، اور جو معرف باللام ہے اس پر یَا کا داخل ہونا ممتنع ہے، اس پر حرفِ ندا داخل نہیں ہو سکتا۔ تو معلوم ہوا معطوف بحرف جو ہیں وہ دو قسم کے ہو گئے، کچھ وہ معطوف بحرف ہیں جن پر حرفِ ندا کا داخل کرنا جائز ہے یعنی وہ معرف باللام نہیں ہیں، اور کچھ وہ معطوف بحرف ہیں جن پر حرفِ ندا کا داخل کرنا جائز نہیں کیوں کہ وہ معرف باللام ہیں۔

تو لہٰذا کل چھ قسمیں ہو گئیں بھائی۔ ان چھ میں سے بدل اور وہ معطوف بحرف جس پر یَا کا داخل کرنا ممتنع نہیں ہے، کیا معنی؟ کون سا والا معطوف؟ جو معرف باللام نہیں ہے، یَا زَیْدُ وَعَمْرُو، دیکھو وَعَمْرُو یہ عمرو پر الف لام نہیں ہے۔ تو بدل اور یہ والا معطوف بحرف جو معرف باللام نہیں ہے، ان کا حکم صاحبِ کافیہ الگ بیان کریں گے اور بتلائیں گے کہ ان کا حکم مستقل منادیٰ والا ہے۔ تو بدل اور وہ منادیٰ جو معرف باللام نہیں ہے، ان کا حکم مستقل منادیٰ والا ہے، یعنی اگر وہ مفرد معرفہ ہوئے تو مبنی علی الضم ہوں گے، اور اگر وہ مضاف یا مشابہِ مضاف یا نکرہِ غیرِ معین ہوئے تو پھر وہ منصوب ہوں گے۔ جب کہ اس کے علاوہ اب جو باقی توابع رہ گئے، باقی کتنے توابع رہ گئے؟ چار رہ گئے۔ نمبر ایک تاکید، نمبر دو صفت، نمبر تین عطفِ بیان، اور نمبر چار وہ معطوف جس پر الف لام داخل ہے، یعنی جس پر یَا کا داخل کرنا یا حرفِ ندا کا داخل کرنا جائز نہیں ہے بھائی۔ توجہ ہے؟ یہ چار جو توابع ہیں ان کے اندر رفع بھی جائز ہے اور نصب بھی جائز ہے۔ رفع پڑھا جائے

گا لفظوں پر حمل کرتے ہوئے، یعنی متبوع کے لفظوں پر۔ تابع کی بات چل رہی ہے نا، تو یہاں پہلے متبوع آئے گا پھر تابع آئے گا۔ وہ تابع چاہے تاکید ہو، چاہے صفت ہو، چاہے عطفِ بیان ہو، یا ایسا معطوف ہو جس پر حرفِ ندا کا داخل کرنا جائز نہیں۔ تو یہ جو توابع ہیں چار، ان پر رفع پڑھنا بھی جائز اور نصب پڑھنا بھی جائز۔ رفع ان پر پڑھیں گے متبوع کے لفظوں پر حمل

کرتے ہوئے، اور نصب ان پر پڑھیں گے متبوع کے محل پر حمل کرتے ہوئے۔

بھائی لفظوں پر حمل کیسے ہو گا؟ دیکھو، میں زید کو ندا دیتا ہوں اور اس کی صفت الْعَالِم لے کر آتا ہوں۔ تو کیسے کہوں گا؟ يَا زَيْدُ الْعَالِمُ، اور اسی طرح يَا زَيْدُ الْعَالِمَ۔ تو یہ صفت پر رفع بھی پڑھنا جائز اور نصب پڑھنا بھی جائز۔ رفع کیوں پڑھیں گے؟ متبوع کے لفظوں پر حمل کرتے ہوئے۔ آپ جانتے ہیں بھائی صفت پر وہی اعراب آتا ہے جو موصوف پر آتا ہے۔ تو یہاں زَيْدُ اس پر ضمہ ہے، اس پر ضمہ، اور الْعَالِمُ جو صفت لائے ہم نے اس پر کیا پڑھا؟ رفع۔ تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ متبوع پر تو یہاں ضمہ ہے رفع تو نہیں ہے، پھر آپ کیسے کہہ رہے ہیں کہ ہم نے لفظوں پر حمل کیا؟ اعتراض سمجھ میں آیا؟ صفت پر وہی اعراب آتا ہے جو موصوف پر۔ آپ نے ہمیں کیا کہا؟ کہ یہ جو منادیٰ کے توابع ہیں، اگر وہ تاکید ہو یا صفت ہو، عطفِ بیان ہو، یا وہ معطوف بحرف ہو جس پر یَا کا داخل کرنا ممتنع، ان پر رفع پڑھنا بھی جائز اور نصب پڑھنا بھی جائز۔ رفع کیوں جائز؟ آپ نے کہا متبوع کے لفظوں پر حمل کرتے ہوئے، متبوع کے، بھائی لفظوں پر حمل کرتے تو پھر تو اگر متبوع پر رفع ہوتا تو پھر آپ تابع پر بھی رفع پڑھتے۔ يَا زَيْدُ الْعَالِمُ، عالم پر کیا پڑھ رہے ہیں؟ رفع، اور زید وہ تو مبنی علی الضم ہے، وہ تو مبنی ہے اس پر تو رفع نہیں ہے بھائی۔ تو پھر آپ کیسے کہہ رہے ہیں یہ لفظوں پر ہم نے حمل کیا ہے؟

تو اس کا جواب دیا تھا صاحبِ جامی نے، کہ یہ جو ضمہ آیا ہے زید پر یہ ضمہ عارضی ہے۔ یہ ضمہ عارضی ہے۔ بھائی زید ہر جگہ پر مبنی ہوتا ہے یا صرف منادیٰ ہونے کی وجہ سے مبنی ہو گیا؟ منادیٰ ہونے کی وجہ سے يَا زَيْدُ، دیکھو یہ تنوین نہیں آ رہی معلوم ہوا یہ مبنی بن چکا ہے، ورنہ تو مانعِ تنوین یہاں کوئی چیز نہیں، الف لام بھی نہیں اور اضافت بھی نہیں۔ الف لام کی وجہ سے بھی تنوین گر جاتی ہے اور اضافت کی وجہ سے بھی مضاف سے تنوین گر جاتی، اور زید نہ تو اس پر الف لام داخل ہے نہ آگے کوئی مضافٌ الیہ آ رہا ہے، پھر بھی زید پر تنوین نہیں آ رہی معلوم ہوا یہ کیا ہے؟ مبنی ہے۔ توجہ ہے؟ تو زید باقی ہر جگہ تو مبنی نہیں ہوتا لیکن منادیٰ جب بنا تو تب یہ مبنی بن گیا۔ باقی جگہ تو زید معرب ہے، جَاءَنِي زَيْدٌ دیکھو رفع آیا، رَأَيْتُ زَيْدًا دیکھو نصب آیا، مَرَرْتُ بِزَيْدٍ دیکھو جر آیا۔ تو ہر جگہ زید تو مبنی نہیں ہوتا، باقی جگہ تو زید معرب ہے لیکن جب منادیٰ بنا تو زید کیا ہوا؟ مبنی علی الضم۔ تو صاحبِ جامی جواب دے رہے تھے کہ یہ جو زید مبنی ہوا ہے یہ عارضی ہوا ہے کوئی مستقل مبنی نہیں۔ یا یوں کہیں یہ جو زید پر ضمہ آیا ہے یہ عارضی ضمہ ہے کوئی مستقل ضمہ نہیں۔ تو یہ ضمہ بھی رفع کی طرح ہوا۔ جیسے معرب پر کبھی رفع آتا ہے کبھی نصب اور کبھی جر، رفع بھی عارضی ہوتا ہے، نصب بھی عارضی ہوتا ہے، جر بھی عارضی، یعنی کسی

جگہ رفع آتا ہے کسی جگہ نصب کسی جگہ جر، یہ نہیں کہ ہر جگہ ہی اس پر رفع آئے گا یا ہر جگہ ہی نصب آئے گا یا ہر جگہ ہی جر آئے گا۔ تو جیسے معرب پر اعراب عارضی طور پر آتا ہے، اسی طرح یہاں پر جو زید پر ضمہ آیا، بنا والا ضمہ، وہ بھی عارضی ہے۔ تو یہ ضمہ بھی رفع جیسا ہی ہے۔ جیسے رفع عارضی آتا ہے یہ ضمہ بھی عارضی ہے۔

تو منادیٰ مبنی علی الضم کے لفظوں پر حمل کرتے ہوئے اس کے تابع پر رفع پڑھا جائے گا۔ یَا زَیْدُ الْعَاقِلُ، یہ الْعَاقِلُ پر کیا پڑھا گیا؟ رفع۔ کس پر حمل کرتے ہوئے؟ منادیٰ کے لفظوں پر حمل کرتے ہوئے۔ بھائی منادیٰ تو مبنی ہے، تو جواب کیا؟ کہ یہ ضمہ عارضی ہے تو یہ ضمہ بھی کس کی طرح ہے؟ یہ ضمہ بھی رفع کی طرح ہی ہے، یوں سمجھو رفع ہی ہے بھائی، لہٰذا اس کے لفظوں پر حمل کرتے ہوئے تابع پر بھی کیا لے آئے؟ رفع لے آئے، یَا زَیْدُ الْعَالِمُ۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ اور محل پر حمل کرتے ہوئے نصب بھی جائز ہے یَا زَیْدُ الْعَالِمَ۔ محل پر کیا معنی؟ بھائی دیکھیے مبنی کا جو تابع ہوتا ہے وہ اس کے محل کے تابع ہوتا ہے۔ یہ زید مبنی ہے لیکن محل کے اعتبار سے یہ منصوب ہے، یہ منادیٰ ہے یَا زَیْدُ، تقدیرِ کلام کیا ہے؟ أَدْعُو زَیْدًا، أَدْعُو زَیْدًا، تو زید مبنی ہے اور محلاً یہ منصوب ہے مفعول بہ ہے بھائی، اور مبنی کا جو تابع ہوتا ہے وہ اس کے محل کے تابع ہوتا ہے۔ مثلاً میں آپ سے کہتا ہوں جَاءَ هَذَا وَعَمْرٌو، جَاءَ هَذَا وَعَمْرٌو، یہ هَذَا کیا ہے؟ فاعل ہے کس کے لیے؟ جَاءَ کے لیے، اور عَمْرٌو کا عطف ہے اسی هَذَا پر، توجہ ہے؟ اور هَذَا تو مبنی ہے، تو هَذَا کا اعراب کیا؟ جَاءَ هَذَا، هَذَا کا اعراب بولیے، مرفوع محلاً ہے، اسی لیے اس کے محل پر حمل کرتے ہوئے وَعَمْرٌو آگے عمرو کو بھی مرفوع لے کر آئے۔ تو مبنی کا جو تابع ہوتا ہے وہ اس کے محل کے تابع ہوتا ہے۔ تو یہاں پر بھی یَا زَیْدُ، یہ زَیْدُ مبنی ہے لیکن محلاً منصوب ہے، یہ مفعول بہ ہے أَيِ أَدْعُو زَیْدًا، تو اس کے محل پر حمل کرتے ہوئے اس کے تابع پر نصب پڑھ سکتے ہیں بھائی۔ تو یَا زَیْدُ الْعَالِمَ یوں جائز ہے بھائی۔ تو یَا زَیْدُ الْعَالِمُ یہ الْعَالِمُ صفت ہے، تابع ہے زید کا اور اس پر رفع ہے کس پر حمل کرتے ہوئے؟ منادیٰ کے لفظوں پر حمل کرتے ہوئے۔ اور یَا زَیْدُ الْعَالِمَ اس الْعَالِمَ پر نصب ہے کس پر حمل کرتے ہوئے؟ منادیٰ کے محل پر حمل کرتے ہوئے۔ بات سمجھ میں آگئی؟

تو دیکھا آپ نے یہ جو منادیٰ کے توابع ہیں ان میں سے بعض کے اندر ان توابع پر رفع بھی جائز ہوتا ہے اور نصب بھی جائز ہوتا ہے۔ تو بایں اعتبار یہ منادیٰ کے توابع باقی توابع سے مختلف ہیں، اس لیے ان کو یہاں پر بالخصوص ذکر کیا منادیٰ کے ساتھ، ورنہ توابع کا بیان تو آگے مستقل بھی آرہا ہے، لیکن چونکہ یہ منادیٰ کے توابع کا حکم باقی توابع سے ذرا مختلف تھا اس لیے صاحبِ کافیہ نے اس کو یہاں ذکر کر دیا۔ بات سمجھ میں آگئی؟

اب آئیے بھائی آج کے سبق پر بھائی۔ کہتے ہیں: وَتَوَابِعُ الْمُنَادَى الْمَبْنِيِّ عَلَى مَا يُرْفَعُ بِهِ الْمُفْرَدَةُ حَقِيقَةً أَوْ حُكْمًا۔ بھائی گذشتہ سبق میں میں نے آپ کو بتلایا تھا کہ یہ الْمَبْنِيِّ صفت ہے مُنَادَى کی اور مُنَادَى مضافٌ الیہ ہے تَوَابِعُ کے لیے، تو مُنَادَى ہے مجرور بھائی، اور مجرور ہے تقدیراً کیوں کہ یہ اسمِ مقصور ہے، تو اس کی صفت الْمَبْنِيِّ وہ بھی مجرور ہو گی بھائی،

الْمُنَادَى الْمَبْنِيِّ۔ اور یہ جو الْمُفْرَدَةُ یہ صفت ہے تَوَابِعُ کی اور تَوَابِعُ مبتدا ہے مرفوع ہے تو الْمُفْرَدَةُ اس صفت پر بھی رفع پڑھیں گے۔ اور نیز الْمُفْرَد نہیں کہا الْمُفْرَدَةُ کہا بھائی تائے تانیث ساتھ ملائی۔ وجہ یہ کہ یہ صفت ہے تَوَابِعُ کی اور تَوَابِعُ جمع ہے اور جمع بتاویلِ جَمَاعَةٌ واحد مؤنث کے حکم میں ہوتا ہے، اس لیے اس کی صفت الْمُفْرَدَةُ مؤنث لے کر آئے۔ تو عبارت کیا بن گئی؟ وَتَوَابِعُ الْمُنَادَى الْمَبْنِيِّ عَلَى مَا يُرْفَعُ بِهِ الْمُفْرَدَةُ حَقِيقَةً أَوْ حُكْمًا۔ یعنی وہ منادیٰ جو مبنی ہے علامتِ رفع پر، اس کے وہ توابع الْمُفْرَدَةُ جو مفرد ہوں حَقِيقَةً أَوْ حُكْمًا حقیقتاً یا حکماً بھائی۔

الْمُفْرَدَةُ میں نے آپ کو بتلایا تھا کہ یہ الْمُفْرَد یہاں مضاف اور مشابہِ مضاف کے مقابلے میں آیا ہے۔ آپ نے پڑھا تھا کہ مفرد کا لفظ علمِ نحو کے اندر کبھی مرکب کے مقابلے میں آتا ہے، کبھی جملے کے مقابلے میں آتا ہے، کبھی مضاف اور مشابہِ مضاف کے مقابلے میں آتا ہے اور کبھی تثنیہ اور جمع کے مقابلے میں آتا ہے۔ تو یہاں پر یہ جو مفرد کا لفظ آیا ہے یہ مضاف اور مشابہِ مضاف کے مقابلے میں آیا ہے بھائی۔

بھائی تفصیل یاد رکھو، آپ نے پڑھا منادیٰ کے اندر چار صورتیں پڑھیں آپ نے منادیٰ میں۔ منادیٰ اگر مفرد معرفہ ہو تو وہ مبنی ہو گا علامتِ رفع پر، يَا زَيْدُ یہ زید کیا ہے؟ مبنی ہے علامتِ رفع پر۔ اور کبھی منادیٰ پر لامِ استغاثہ داخل ہوتا ہے تو وہ مجرور ہوتا ہے، يَا لَزَيْدٍ۔ دیکھو اس صورت میں یہ مبنی نہیں ہے یہ معرب ہے اور مجرور ہے۔ اور کبھی منادیٰ کے آخر میں الفِ استغاثہ آجاتا ہے تو اس صورت میں بھی وہ مبنی علی الفتح ہوتا ہے، يَا زَيْدَا۔ دیکھو یہ الف آخر میں آیا اور اس سے ماقبل دال پر فتحہ ہے بھائی، تو یہ مبنی علی الفتح ہے۔ تو دیکھو دو قسم کے منادیٰ مبنی ہو گئے۔ ایک منادیٰ مفرد معرفہ ہو جیسے يَا زَيْدُ تو وہ مبنی علی الضم ہوتا ہے، اور ایک منادیٰ کے آخر میں الفِ استغاثہ آئے تو وہ مبنی علی الفتح ہوتا ہے جیسے يَا زَيْدَا۔ اور چوتھی صورت تھی منادیٰ کے اندر کہ منادیٰ منصوب ہوتا ہے اگر وہ مضاف ہو، یا مشابہِ مضاف ہو، یا نکرہِ غیرِ معین ہو۔ نکرہِ غیرِ معین۔ معلوم ہوا منادیٰ دو صورتوں میں معرب ہے اور دو صورتوں میں مبنی ہے۔ دو کون سی صورتوں میں مبنی ہے؟ جب مفرد معرفہ ہو تو مبنی علی الضم ہو گا، اور جب آخر میں الفِ استغاثہ ہو تو مبنی علی الفتح، تو ان دو صورتوں میں منادیٰ مبنی ہے۔ اور باقی دو صورتوں میں منادیٰ معرب ہے، ایک جب اس پر لامِ استغاثہ داخل ہو جائے تو پھر یہ معرب ہے مجرور ہے يَا لَزَيْدٍ، اور اس کے علاوہ باقی صورتوں میں منادیٰ منصوب ہے چاہے مضاف ہو جیسے يَا عَبْدَ اللَّهِ، یا مشابہِ مضاف ہو يَا طَالِعًا جَبَلًا، یا نکرہِ غیرِ معینہ ہو يَا رَجُلًا خُذْ بِيَدِي جیسے اندھا کسی کو ندا دیتا ہے۔ تو منادیٰ کے اندر دو صورتیں بنا والی ہیں اور دو صورتیں اعراب والی ہیں۔ توجہ ہے؟ دو صورتوں میں وہ مبنی ہے اور دو صورتوں میں وہ معرب ہے۔

تو اب یہاں بیان کرنے لگے ہیں دیکھیے: وَتَوَابِعُ الْمُنَادَى الْمَبْنِيِّ عَلَى مَا يُرْفَعُ بِهِ الْمُفْرَدَةُ حَقِيقَةً أَوْ حُكْمًا۔ تو منادیٰ جو ہے، وَتَوَابِعُ الْمُنَادَى الْمَبْنِيِّ، مبنی کی قید لگا دی۔ یہ صاحبِ جامی بھی آگے تمام قیود کے فائدے ذکر کریں گے۔ انہوں نے کیا

کہا؟ وَتَوَابِعُ الْمُنَادَى الْمَبْنِيِّ، منادیٰ مبنی کے توابع۔ بھائی منادیٰ دو صورتوں میں تو منادیٰ معرب تھا اور دو صورتوں میں مبنی تھا، تو بتلا دیا کہ وہ منادیٰ جو مبنی ہے اس کے توابع ہم بیان کرنے لگے ہیں، وہ منادیٰ جو معرب ہے وہ یہاں مراد نہیں۔ پھر مبنی کے بعد دیکھو آگے صاحبِ جامی نے بتلایا عَلَى مَا يُرْفَعُ بِهِ، وہ منادیٰ جو مبنی ہو علامتِ رفع پر، کیوں کہ مبنی بھی تو دو تھے، ایک وہ جو مبنی علی الفتح تھا جس کے آخر میں الفِ استغاثہ آجائے، اور دوسرا مبنی علی الضم تھا، بتلا دیا کہ کون سے منادیٰ مبنی کے توابع ذکر کریں گے؟ جو مبنی ہے علامتِ رفع پر جیسے يَا زَيْدُ۔ بات سمجھ میں آگئی؟ اور پھر آگے قید لگا دی الْمُفْرَدَةُ۔ بھائی یہ جو توابع جن کا بیان کرنے لگے ہیں وہ والے توابع ذکر کریں گے جو مفرد ہوں گے۔ اور مفرد یہاں مضاف اور مشابہِ مضاف کے مقابلے میں ہے۔ کس کے مقابلے میں؟ مضاف اور مشابہِ مضاف کے مقابلے میں ہے یہ۔ تو یہاں ان توابع کا بیان آئے گا جو مفرد ہوں اور کس کے تابع ہوں؟ وہ منادیٰ جو مبنی ہے علامتِ رفع پر، اس کے جو مفرد توابع ہیں ان کا بیان کرنے لگے ہیں۔ اور پھر الْمُفْرَد کے بعد صاحبِ جامی نے آگے فرمایا حَقِيقَةً أَوْ حُكْمًا کہ چاہے وہ مفرد حقیقتاً ہوں اور چاہے حکماً ہوں بھائی۔

بات سمجھ میں آگئی؟ تو چار قیدیں ذکر ہو گئیں بھائی۔ چار قیدیں، دو قیدیں صاحبِ کافیہ نے ذکر کیں اور دو قیدیں صاحبِ جامی نے ذکر کیں۔ دیکھیے عبارت: وَتَوَابِعُ الْمُنَادَى الْمَبْنِيِّ، یہ الْمَبْنِيِّ کی قید صاحبِ کافیہ نے ذکر کی، معرب کو نکال دیا۔ اور عَلَى مَا يُرْفَعُ بِهِ، یہ قید صاحبِ جامی نے ذکر کی، اور اس مبنی منادیٰ کو نکال دیا جو مفتوح ہوتا ہے۔ اور پھر الْمُفْرَدَةُ کی قید صاحبِ کافیہ نے لگائی، آگے حَقِيقَةً أَوْ حُكْمًا یہ قید کس نے لگائی؟ یہ صاحبِ جامی نے، یعنی اس مفرد کے اندر تعمیم پیدا کر دی کہ مفرد ہونا عام ہے چاہے وہ حقیقتاً مفرد ہو چاہے حکماً مفرد ہو۔ تو گویا یہاں چار قیدیں ذکر ہیں، دو قیدیں صاحبِ کافیہ نے لگائیں اور دو قیدیں شرح کے اندر صاحبِ جامی نے لگائیں۔ بھائی یاد رکھو یہ حَقِيقَةً أَوْ حُكْمًا سمجھنے سے پہلے بھائی اضافت کی قسمیں سمجھ لیں۔

یاد رکھو اضافت دو قسم پر ہے: ایک کو اضافتِ لفظی کہتے ہیں اور ایک کو اضافتِ معنوی کہتے ہیں۔ اضافتِ لفظی نام سے ہی پتہ چل رہا ہے، یہ اضافت صرف لفظوں میں فائدہ دیتی ہے، لفظوں میں تخفیف آجاتی ہے۔ کیوں کہ آپ جانتے ہیں مضاف سے تنوین بھی گر جاتی ہے اور قائم مقامِ تنوین بھی گر جاتا ہے۔ جیسے غُلَامٌ، اب میں اس کی اضافت زید کی طرف کرتا ہوں، تو غُلَامُ زَيْدٍ، دیکھو غلام پر سے تنوین گر گئی۔ اور اسی طرح اگر تثنیہ ہو غُلَامَانِ، اس کی میں اضافت زید کی طرف کرتا ہوں، تو اب غُلَامَانِ کے آخر میں تنوین تو نہیں ہے لیکن یہ نونِ تثنیہ ہے اور یہ بھی قائم مقام تنوین کے ہے، یہ بھی گر جائے گا، غُلَامَا زَيْدٍ۔ توجہ ہے؟ تو اضافت کی وجہ سے تنوین بھی گر جاتی ہے اور قائم مقامِ تنوین یعنی نونِ تثنیہ اور نونِ جمع بھی

گر جاتا ہے۔ نونِ جمع کی مثال: جیسے مُسْلِمُو مِصْرٍ، کسی شہر کے مسلمان۔ تو مُسْلِمُونَ، اس کے آخر میں نونِ جمع ہے،

اس کی اضافت کر دیں مِصْر کی طرف، مِصْر کا بمعنی شہر کے، کوئی بھی شہر ہو۔ تو مُسْلِمُو مِصْرٍ دیکھو وہ نونِ جمع گر گیا۔ تو اضافت کی وجہ سے لفظوں میں تخفیف آتی ہے کہ مضاف پر سے تنوین یا قائم مقامِ تنوین گر جاتے ہیں۔ قائم مقامِ تنوین سے کیا مراد ہے؟ نونِ تثنیہ یا نونِ جمع مراد ہے۔

تو میں بیان کر رہا تھا اضافتِ لفظی اور معنوی کا۔ اضافتِ لفظی نام سے ہی پتہ چل رہا ہے یہ صرف لفظوں میں فائدہ دیتی ہے، معنیٰ میں کوئی فائدہ نہیں دیتی۔ اور اضافتِ معنوی وہ ہے جو معنیٰ کے اندر فائدہ دیتی ہے۔ اضافتِ لفظی لفظوں میں یہ فائدہ دیتی ہے کہ مضاف پر سے تنوین یا قائم مقامِ تنوین گر جائے گا۔ باقی اور کوئی فائدہ نہیں معنیٰ کے اندر۔ اور یہ کہاں ہوگی؟ یاد رکھو اضافتِ لفظی اسے کہتے ہیں کہ صیغہ صفت کا ہو اور مضاف ہو اپنے معمول کی طرف۔ کس کی طرف؟ صیغہ صفت کا ہو اور مضاف ہو اپنے معمول کی طرف۔ آپ نے پڑھا ہے کہ صفت کے صیغے بھی اپنے فعل جیسا عمل کرتے ہیں۔ اگر یہ فعلِ معروف سے بنے ہیں تو فعلِ معروف فاعل کو رفع دیتا ہے تو یہ بھی فاعل کو رفع دیں گے۔ اور اگر یہ فعلِ مجہول سے بنے ہیں، جیسے اسمِ مفعول ہے، اسمِ مفعول، وہ فعلِ مجہول سے بنا ہے، اور فعلِ مجہول تو نائب الفاعل کو رفع دیتا ہے تو اسمِ مفعول بھی نائب الفاعل کو رفع دیتا ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو صفت کے صیغے اپنے فعل جیسا عمل کرتے ہیں۔ اگر یہ فعلِ لازم سے بنے ہیں، تو فعلِ لازم تو صرف فاعل کو رفع دیتا ہے مفعول کو نصب نہیں دیتا، تو یہ جو صفت کے صیغے ہیں یہ بھی صرف اپنے فاعل کو رفع دیں گے۔ اور اگر یہ فعلِ متعدی سے بنے ہیں، تو فعلِ متعدی تو فاعل کو رفع دینے کے ساتھ ساتھ مفعول کو نصب بھی دیتا ہے، تو یہ صفت کے صیغے بھی اپنے فاعل کو رفع دینے کے ساتھ ساتھ مفعول کو نصب بھی دیں گے۔ مثلاً دیکھو، ضَرَبَ زَيْدٌ عَمْرًا، ضَرَبَ فعل ہے، اس نے زَيْدٌ کو رفع دیا کیوں کہ یہ اس کا فاعل ہے، اور عَمْرًا کو اس نے نصب دیا کیوں کہ یہ اس کا مفعول ہے۔ تو اس ضَرَبَ سے ضَارِبٌ اسمِ فاعل کا صیغہ بنا لیں۔ یہ ضَارِبٌ بھی ضَرَبَ جیسا عمل کرے گا، یعنی اپنے فاعل کو رفع دے گا اور مفعول کو نصب دے گا۔ مثلاً میں آپ سے کہتا ہوں زَيْدٌ ضَارِبٌ عَمْرًا، زَيْدٌ ضَارِبٌ عَمْرًا۔ زَيْدٌ مرفوع لفظاً بتدا، ضَارِبٌ مرفوع لفظاً صیغہ اسمِ فاعل، اس کے اندر هُوَ ضمیر مرفوع محلاً اس کا فاعل جو کس کو راجع ہے؟ زید کو۔ تو دیکھو ضَارِبٌ نے اپنے اندر چھپی ہوئی ضمیر کو رفع دیا، اپنے فاعل کو رفع دیا۔ اور آگے عَمْرًا یہ منصوب ہے، اور اس کو نصب اسی ضَارِبٌ نے دیا ہے۔ تو عَمْرًا منصوب لفظاً یہ مفعول بہ ہے کس کے لیے؟ ضَارِبٌ اسمِ فاعل کے لیے۔ اسمِ فاعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر شبہ جملہ ہو کر یہ خبر ہوئی بتدا کے لیے۔ بتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔ بات سمجھ میں آرہی ہے؟

تو معلوم ہوا یہ جو صفت کے صیغے ہیں یہ بھی اپنے فعل کی طرح عمل کرتے ہیں، اپنے فاعل کو رفع دیتے ہیں، اور اگر یہ فعلِ متعدی سے بنے ہوں تو یہ اپنے مفعول کو نصب دیتے ہیں۔ تو اضافتِ لفظی اسے کہتے ہیں کہ صیغہ صفت کا ہو اور مضاف ہو رہا ہو اپنے معمول کی طرف، اپنے یعنی اپنے فاعل یا مفعول کی طرف مضاف ہو رہا ہو۔ اور صفت کے صیغوں

سے صفت کے سارے صیغے نہیں مراد، بلکہ یہاں صرف اسمِ فاعل، اسمِ مفعول اور صفتِ مشبہ مراد ہیں، اسمِ تفضیل مراد نہیں۔ تو صفت کے کون کون سے صیغے مراد ہیں؟ اسمِ فاعل جیسے ضَارِبٌ، مَانِعٌ، فَاتِحٌ، مُكْرِمٌ، مُسْتَخْرِجٌ جو آپ نے گردانوں میں اسمِ فاعل کے صیغے پڑھے ہیں۔ تو اسمِ فاعل مراد ہے، اور اسی طرح اسمِ مفعول مراد ہے وہ جو گردانوں میں آپ نے پڑھے مخصوص صیغے، مَنْصُورٌ، مَفْتُوحٌ، مَضْرُوبٌ، مُكْرَمٌ، مُسْتَخْرَجٌ، یہ اسمِ مفعول مراد ہے۔ اور اسی طرح صفتِ مشبہ مراد ہے، جیسے حَسَنٌ یہ صفتِ مشبہ ہے، شَرِيفٌ یہ صفتِ مشبہ ہے، عَلِيمٌ یہ صفتِ مشبہ ہے۔ تو صیغہ ہو صفت کا، یعنی اسمِ فاعل، اسمِ مفعول یا صفتِ مشبہ ہو، اور مضاف ہو اپنے معمول کی طرف، یعنی اپنے فاعل یا مفعول کی طرف۔ جیسے میں نے ابھی مثال ذکر کی زَيْدٌ ضَارِبٌ عَمْرًا، یہ عَمْرًا کیوں منصوب ہے؟ کیوں کہ ضَارِبٌ کے لیے یہ مفعول بہ ہے، اس کو ضَارِبٌ نے نصب دیا، معلوم ہوا یہ ضَارِبٌ کا معمول ہے، اور ضَارِبٌ صفت کا صیغہ ہے، تو اب اس صفت کے صیغے کی اپنے معمول کی طرف اضافت کر دو، ضَارِبُ عَمْرٍو۔ پہلے کیا تھا؟ ضَارِبٌ عَمْرًا۔ اب اضافت کر دو، زَيْدٌ ضَارِبُ عَمْرٍو، زَيْدٌ ضَارِبُ عَمْرٍو۔ تو دیکھو ضَارِب صفت کا صیغہ ہے جو مضاف ہو رہا ہے اپنے معمول کی طرف، اس کو کہتے ہیں اضافتِ لفظی۔ اس اضافت نے صرف ضَارِبٌ سے تنوین گرا دی، ضَارِبٌ پر پہلے تنوین موجود تھی ضَارِبٌ عَمْرًا، اب ضَارِبٌ سے تنوین گر گئی ضَارِبُ عَمْرٍو۔ تو یہ ہے اضافتِ لفظی۔ اضافتِ لفظی صرف لفظوں میں تخفیف کا فائدہ دیتی ہے کہ مضاف یعنی صفت کے صیغے سے تنوین یا قائم مقامِ تنوین گر جاتا ہے بھائی۔ اس کے علاوہ اور کوئی فائدہ نہیں اس کا۔

جب کہ اس کے مقابلے میں اضافتِ معنوی ہے بھائی، اضافتِ معنوی۔ اضافتِ معنوی جس میں ایسا نہ ہو، یعنی جس میں صفت کا صیغہ اپنے معمول کی طرف مضاف نہ ہو، وہ اضافتِ معنوی ہے۔ یعنی اضافتِ لفظی کے علاوہ باقی تمام اضافتیں وہ اضافتِ معنوی ہیں۔ توجہ ہے؟ اضافتِ معنوی ہیں، چاہے وہ جو مضاف ہے وہ صفت کا صیغہ ہی نہ ہو سرے سے۔ جیسے غُلَامُ زَيْدٍ، اب غُلَام دیکھو یہ نہ اسمِ فاعل ہے نہ اسمِ مفعول ہے نہ صفتِ مشبہ ہے۔ تو یہ اضافتِ معنوی ہے۔ توجہ ہے؟ اضافتِ لفظی کسے کہتے تھے؟ صیغہ صفت کا ہونا چاہیے وہ جو مضاف ہے اور مضاف ہو کس کی طرف؟ اپنے معمول کی طرف۔ تو اس کے علاوہ باقی تمام صورتیں کس کی ہیں؟ اضافتِ معنوی کی۔ اس میں ایک صورت کیا؟ کہ مضاف سرے سے صفت کا صیغہ ہی نہ ہو جیسے غُلَامُ زَيْدٍ، تو یہ اضافتِ معنوی ہے۔ یا مضاف صیغہ تو صفت کا ہو لیکن اپنے معمول یعنی اپنے فاعل یا مفعول کی طرف مضاف نہ ہو، جیسے كَرِيمُ الْبَلَدِ۔ كَرِيمٌ صفتِ مشبہ ہے، صفت کا صیغہ ہے، لیکن اس کی اضافت اپنے فاعل کی طرف یہاں نہیں ہو رہی بلکہ یہ تو شہر کی طرف اضافت ہو رہی ہے، كَرِيمُ الْبَلَدِ، شہر کا سخی آدمی بھائی۔ توجہ ہے؟ تو كَرِيمُ الْبَلَدِ یہ بھی کون سی اضافت ہے؟ اضافتِ معنوی ہے۔ توجہ ہے؟ پھر سمجھ لو اضافتِ لفظی کسے کہتے ہیں؟ صیغہ صفت کا ہو اور مضاف ہو اپنے معمول کی طرف، یہ ہے اضافتِ لفظی۔ اس کے علاوہ باقی تمام صورتیں کس کی ہیں؟ اضافتِ معنوی کی۔ اضافتِ معنوی میں چاہے جو مضاف ہے وہ سرے سے صفت کا صیغہ ہی نہ ہو جیسے غُلَامُ زَيْدٍ تو یہ بھی اضافتِ معنوی، یا مضاف صیغہ تو صفت کا ہے لیکن اپنے معمول کی طرف نہیں مضاف ہو رہا یعنی اپنے فاعل

یا مفعول کی طرف مضاف نہیں ہے جیسے کَرِیمُ الْبَلَدِ، تو کَرِیم یہاں اپنے فاعل یا مفعول کی طرف مضاف نہیں، تو یہ بھی اضافتِ معنوی ہے۔ توجہ ہے؟

اور یاد رکھو اضافتِ معنوی کو اضافتِ معنوی اس لیے کہتے ہیں کیوں کہ یہ معنیٰ کے اندر فائدہ دیتی ہے، یعنی اگر اس میں کسی لفظ کو معرفہ کی طرف مضاف کریں گے تو یہ جو مضاف ہے یہ بھی معرفہ بن جائے گا۔ جیسے غُلَامُ زَیْدٍ، غُلَام نکرہ ہے اور اس کی اضافت زید معرفہ کی طرف کر دی تو غُلَام کا لفظ بھی کیا بن گیا؟ معرفہ بن گیا۔ توجہ ہے؟ تو اضافتِ معنوی دیکھو معنیٰ کے اندر فائدہ دے رہی ہے، وہ لفظِ غُلَام جو پہلے نکرہ تھا اب اضافت کے بعد کیا بن گیا ہے؟ معرفہ بن گیا ہے، اب یہ متعین پر دلالت کر رہا ہے غُلَامُ زَیْدٍ دیکھو ایک متعین غُلَام مراد ہے بھائی۔ تو یہ تو وہ صورت ہے جب اضافت ہو معرفہ کی طرف، اور اگر اضافت ہو نکرہ کی طرف تو پھر یہ تخصیص کا فائدہ دیتی ہے۔ جیسے غُلَامُ رَجُلٍ، غُلَام بھی نکرہ اور اس کی اضافت ہم نے رَجُل کی طرف کی وہ بھی نکرہ۔ تو اب اس نے تعریف کا فائدہ تو نہیں دیا غُلَام کا لفظ معرفہ تو نہیں بنا، لیکن اس میں تخصیص آگئی، اس سے عورتوں کے غُلَام نکل گئے۔ غُلَامُ رَجُلٍ سے عورتوں کے غُلَام نکل گئے، عورت کے غُلَام کو غُلَامُ رَجُلٍ نہیں کہہ سکتے بھائی، تو اس میں تخصیص آگئی۔ تخصیص کسے کہتے ہیں؟ دیگر احتمالات کو کم کرنا یا ختم کرنا۔ تو یہاں پر بھی دیکھو دیگر احتمالات کم ہو گئے، فرض کرو دنیا میں دس لاکھ غُلَام تھے، دس لاکھ میں سے پانچ لاکھ مردوں کے غُلَام تھے اور پانچ لاکھ عورتوں کے۔ تو مطلقاً غُلَام کہو تو وہ سب پر بولا جائے گا چاہے عورت کا غُلَام ہو چاہے مرد کا غُلَام ہو سب کو غُلَام کہہ سکتے ہیں۔ لیکن جب آپ نے رَجُل کی طرف اضافت کر دی غُلَامُ رَجُلٍ، اب یہ صرف جو مردوں کے غُلَام ہیں ان پر یہ لفظ صادق آئے گا، جو عورتوں کے غُلَام ہیں ان پر صادق نہیں آئے گا۔ تو دیکھو احتمالات کم ہو گئے، پہلے غُلَام میں دس لاکھ احتمال تھے، اب اضافت کے بعد صرف پانچ لاکھ احتمال اس کے اندر رہ گئے۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ اس کو کیا کہتے ہیں؟ تخصیص بھائی، دیگر احتمالات کو کم کرنا یا ختم کرنا۔ بات سمجھ میں آگئی؟ معلوم ہوا اضافتِ معنوی وہ تعریف یا تخصیص کا فائدہ دیتی ہے، اضافتِ معنوی تعریف یا تخصیص کا فائدہ دیتی ہے۔ اگر اضافت معرفہ کی طرف کرو گے تو وہ تعریف کا فائدہ دے گی، نکرہ کی طرف کرو گے تو وہ تخصیص کا فائدہ دے گی۔

تو اضافتِ لفظی کسے کہتے ہیں؟ کہ صیغہ صفت کا ہو اور مضاف ہو اپنے معمول کی طرف، جیسے ضَارِبُ عَمْرٍو، ضَارِبُ عَمْرٍو یہ اضافتِ لفظی ہے، ضَارِب صیغہ صفت کا ہے اور مضاف ہو رہا ہے اپنے معمول عَمْرٍو کی طرف جو کہ اس کا مفعول بہ تھا۔ اور میں نے بتایا یہ جو اضافتِ لفظی ہے یہ صرف لفظوں میں تخفیف کا فائدہ دے رہی ہے، یعنی ضَارِب سے تنوین گر گئی، تنوین یا قائم مقامِ تنوین جو ہے وہ گر جاتا ہے، باقی ضَارِب کے اندر نہ تعریف آئی نہ تخصیص آئی۔ ضَارِبُ عَمْرٍو اضافت کر دی اور کس کی طرف اضافت کی ہے؟ معرفہ کی طرف، اور معرفہ کی طرف جب کسی لفظ کی اضافت کریں تو وہ بھی کیا بن جاتا ہے؟ معرفہ۔ لیکن یہ اضافتِ لفظی ہے، صیغہ صفت کا ہے اور اپنے معمول کی طرف مضاف ہو رہا ہے، تو یہاں

ضَارِب کے لفظ میں نہ تعریف آئی نہ تخصیص آئی، یعنی ضَارِب کا لفظ پہلے جیسے نکرہ تھا ابھی بھی نکرہ کا نکرہ ہی ہے۔ پہلے کیا تھا؟ زَيْدٌ ضَارِبٌ عَمْرًا، زَيْدٌ ضَارِبٌ عَمْرًا، یہ ضَارِبٌ کیا تھا؟ نکرہ ہے بھائی، نہ اس پر الف لام ہے نہ اس کی اضافت ہو رہی ہے، تو یہ نکرہ ہے اور اس میں کوئی تخصیص وغیرہ بھی نہیں ہے۔ تو اب آپ نے اضافت کر دی اس کی اپنے معمول کی طرف زَيْدٌ ضَارِبُ عَمْرٍو، تو یہ ابھی بھی اسی طرح نکرہ کا نکرہ ہی ہے۔ اگرچہ عَمْرٍو معرفہ کی طرف اس کی اضافت ہو گئی ہے لیکن یہ اضافت کون سی ہے؟ اضافتِ لفظی، اور اضافتِ لفظی صرف لفظوں میں تخفیف کا فائدہ دیتی ہے معنیٰ میں کوئی فائدہ نہیں دیتی، تو ضَارِب کا لفظ جیسے پہلے نکرہ تھا ابھی بھی نکرہ، نہ اس کے اندر تعریف آئی نہ اس کے اندر تخصیص آئی۔ تو یوں کہیں، اس کو علمائے نحویوں کہتے ہیں کہ یہ ابھی بھی تقدیرِ انفصال میں ہے، کس تقدیر میں ہے؟ تقدیرِ انفصال، یعنی جیسے یہ علیحدہ تھا اور اس وقت جیسے یہ نکرہ تھا ابھی بھی یہ اسی طرح کا نکرہ ہے بھائی۔ تو یہ اسی طرح ہے گویا الگ ہی ہے، گویا الگ ہی ہے، صرف لفظوں میں تخفیف آ گئی ضَارِبُ عَمْرٍو، ضَارِب سے تنوین گر گئی، باقی نہ اس کے اندر تعریف آئی نہ تخصیص آئی، تو یہ تقدیرِ انفصال میں ہے، انفصال کا کیا معنیٰ؟ جدا ہونا، جیسے یہ ابھی بھی جدا ہی ہے بھائی، اس کے اندر نہ تعریف ہے اور نہ تخصیص۔ بات سمجھ میں آ گئی؟ تو اضافت کتنی قسم کی؟ ایک اضافتِ معنوی ہے اور ایک اضافتِ لفظی۔ اضافتِ لفظی کسے کہتے ہیں؟ کہ صیغہ صفت کا ہو اور مضاف ہو اپنے معمول کی طرف، اور اس کو اضافتِ لفظی اس لیے کہتے ہیں کیوں کہ یہ صرف لفظوں میں تخفیف کا فائدہ دیتی ہے معنیٰ میں کوئی فائدہ نہیں دیتی، اور یہ تقدیرِ انفصال میں ہے، یعنی مضاف جیسے پہلے نکرہ تھا ابھی بھی نکرہ ہی ہے۔ بات سمجھ میں آ گئی؟ اور دوسری قسم اضافتِ معنوی ہے، جس میں ایسا نہ ہو، یعنی جس میں صیغہ صفت کا اپنے معمول کی طرف مضاف نہ ہو، چاہے مضاف سرے سے صفت کا صیغہ ہی نہ ہو غُلَامُ زَيْدٍ، یا مضاف صفت کا صیغہ تو ہے لیکن اپنے معمول کی طرف نہیں مضاف ہو رہا جیسے كَرِيمُ الْبَلَدِ، تو یہ پھر اضافتِ معنوی ہے۔ تو كَرِيمُ الْبَلَدِ یہ كَرِيم کا لفظ اپنے معمول کی طرف نہیں مضاف ہو رہا یہ تو شہر کی طرف مضاف ہو رہا ہے، اپنے فاعل یا مفعول کی طرف مضاف ہوتا تو صیغہ صفت کا ہوتا اور اپنے فاعل کی طرف مضاف ہوتا تو یہ اضافتِ لفظی ہوتی، لیکن یہ كَرِيم صفت کا صیغہ تو ہے، صفتِ مشبہ تو ہے، لیکن اپنے معمول کی طرف مضاف نہیں ہے بلکہ شہر کی طرف مضاف ہے، لہٰذا یہ اضافتِ لفظی نہیں ہے یہ اضافتِ معنوی ہے۔ توجہ ہے؟ اور یاد رکھو یہ جو اضافتِ معنوی ہے اسی کو اضافتِ حقیقی بھی کہتے ہیں، کیوں کہ حقیقت میں یہی اضافت ہے، وہ جو اضافتِ لفظی ہے وہ لا اضافت کی طرح ہے، وہ بھی لا اضافت کی طرح ہے کیوں کہ وہ تقدیرِ انفصال میں ہے، مضاف کے اندر نہ تعریف آئی نہ تخصیص آئی وہ اسی طرح ہے جیسے اضافت سے پہلے تھا بھائی۔ تو دیکھو یہاں مفرد کا لفظ آیا، مفرد کا لفظ، منادیٰ مبنی کے وہ توابع جو مفرد ہوں، جو مفرد، اور میں نے آپ کو بتلایا کہ یہاں مفرد کا لفظ مضاف اور مشابہِ مضاف کے مقابلے میں ہے۔ مفرد کا لفظ مضاف اور مشابہِ مضاف کے مقابلے میں ہے، اور مضاف پھر دو قسم پر ہے: ایک مضافِ معنوی اور ایک مضافِ لفظی، اور ایک

ہو گیا مشابہِ مضاف۔ یہ مفرد کس کے مقابلے میں؟ مضاف اور مشابہِ مضاف، دو چیزیں۔ اور پھر جو مضاف ہے وہ خود دو قسم پر، یا مضافِ معنوی ہو گا یا مضافِ لفظی ہو گا۔ تو گویا کل تین چیزوں کے مقابلے میں ہو گیا مفرد، کون کون؟ مضافِ معنوی، مضافِ لفظی اور مشابہِ مضاف۔ تین چیزوں کے مقابلے میں یہاں مفرد کا لفظ آ رہا ہے۔ لیکن یہاں صاحبِ کافیہ تینوں کو نہیں نکالنا چاہتے۔ ویسے تو مفرد کا لفظ بولا جائے تو تینوں نکل جاتے ہیں، مضافِ معنوی بھی نکل جاتا ہے کیوں کہ وہ بھی مفرد نہیں، مضافِ لفظی بھی نکل جاتا ہے کیوں کہ وہ بھی مفرد نہیں، اور اسی طرح مشابہِ مضاف بھی نکل جاتا ہے کیوں کہ وہ بھی مفرد نہیں۔ لیکن صاحبِ کافیہ تینوں کو نہیں نکالنا چاہتے، صرف مضافِ معنوی کو نکالنا چاہتے ہیں۔ مضافِ معنوی کو نکالنا چاہتے ہیں، مضافِ معنوی کا حکم الگ ہے جب وہ تابع بنے گا، توجہ ہے؟ جب مضافِ معنوی تابع بنے گا کس کا؟ اس منادیٰ کا جو مبنی ہے علامتِ رفع پر، اس کا تابع اگر مضافِ معنوی بنے گا تو اس پر نصب ہی پڑھیں گے ہمیشہ، اس پر ہمیشہ نصب پڑھیں گے، جب کہ یہ جو باقی توابع جو مفرد ہیں، یہ جو تاکید ہے، صفت ہے، عطفِ بیان ہے اور مخصوص معطوف بحرف ہے، یہ تو آگے چل کر بتا رہے ہیں کہ اس میں رفع بھی جائز اور نصب بھی جائز۔ منادیٰ کے لفظوں پر حمل کرتے ہوئے رفع جائز اور منادیٰ کے محل پر حمل کرتے ہوئے نصب بھی جائز ہے۔ توجہ ہے؟

تو مفرد کا لفظ آیا کس کے مقابلے میں؟ مضاف اور مشابہِ مضاف، اور مضاف کتنی قسم کا ہے؟ دو، ایک مضافِ لفظی اور ایک مضافِ معنوی، تو گویا کل تین چیزوں کے مقابلے میں مفرد آگیا، مضافِ معنوی، مضافِ لفظی اور مشابہِ مضاف۔ لیکن صاحبِ کافیہ ان میں سے صرف مضافِ معنوی کو نکالنا چاہتے ہیں، اس کا حکم الگ ہے، باقی جو مضافِ لفظی ہے اور جو مشابہِ مضاف ہے اس کا حکم بھی یہی ہے، اس پر بھی جب وہ تابع بنے گا منادیٰ مبنی کا تو اس پر رفع بھی جائز اور نصب بھی جائز۔ توجہ ہے؟ تو مفرد کا لفظ اگر ویسے ذکر کیا جائے تو اس سے تو تینوں نکل جاتے ہیں، کون کون تینوں نکل جاتے ہیں؟ مضافِ لفظی بھی نکل جائے گا، مضافِ معنوی بھی نکل جائے گا اور مشابہِ مضاف بھی، لیکن صاحبِ کافیہ صرف کس کو نکالنا چاہتے ہیں؟ مضافِ معنوی کو صرف نکالنا چاہتے ہیں، مضافِ لفظی کو بھی داخل رکھنا چاہتے ہیں اس کے لیے بھی یہی حکم ہے اس پر رفع بھی جائز نصب بھی جائز، اور مشابہِ مضاف کو بھی داخل رکھنا چاہتے ہیں اس پر رفع بھی جائز اور نصب بھی جائز ہے۔ چنانچہ اسی لیے پھر صاحبِ جامی نے آگے اس میں تعمیم پیدا کر دی کہ الْمُفْرَدَةُ حَقِيقَةً أَوْ حُكْمًا کہ وہ مفرد ہو چاہے حقیقتاً چاہے حکماً۔ کہ مفرد ہونا عام ہے، چاہے حقیقتاً مفرد ہو چاہے حکماً مفرد ہو۔ حقیقتاً مفرد جیسے رَجُلٌ، رَجُلٌ یہ حقیقتاً مفرد ہے، نہ مضاف ہے اور نہ مشابہِ مضاف ہے۔ اور حکماً مفرد جو ہے یہ جیسے ضَارِبُ عَمْرٍو۔ ضَارِبُ عَمْرٍو میں کون سی اضافت ہے؟ اضافتِ لفظی ہے، اور میں نے آپ کو بتایا اضافتِ لفظی بھی لا اضافت کی طرح ہے، یہ صرف لفظوں میں تخفیف کا فائدہ دیتی ہے اور اس کا کوئی فائدہ نہیں، یہ ابھی بھی تقدیرِ انفصال میں ہے، یعنی ضَارِبٌ جیسے اضافت سے پہلے نکرہ تھا ابھی بھی اسی طرح نکرہ کا نکرہ ہی ہے بھائی۔ تو یہ حقیقتاً تو مفرد نہیں لیکن یہ حکماً مفرد ہی ہے بھائی، یعنی اس کا حکم

بھی مفرد والا ہی ہے، جب یہ تابع بنے گا منادیٰ مبنی علی الضم کا تو اس پر رفع بھی جائز اور نصب بھی جائز، کس پر؟ ضَارِبُ عَمْرٍو پر یعنی مضافِ لفظی پر۔ اور اسی طرح مشابہِ مضاف کا بھی یہی حکم ہے، جب وہ تابع بنے گا منادیٰ مبنی علی الضم کا تو اس پر بھی رفع بھی جائز اور نصب بھی جائز۔ توجہ ہے؟

صاحبِ کافیہ نے مفرد کی قید لگائی۔ مفرد کی قید سے مضافِ معنوی بھی نکل رہا تھا، مضافِ لفظی بھی نکل رہا تھا اور مشابہِ مضاف بھی نکل رہا تھا۔ لیکن سب کو نکالنا مقصود نہیں، مقصود صرف کس کو نکالنا ہے؟ مضافِ معنوی کو نکالنا مقصود ہے، باقی دو کو داخل رکھنا چاہتے ہیں کیوں کہ ان کا بھی یہی حکم ہے جو آگے بیان ہو رہا ہے ان سب کا کہ ان پر رفع بھی جائز اور نصب۔ تو لہٰذا اسی لیے صاحبِ جامی نے اس میں تعمیم کر دی کہ مفرد ہونا چاہے حقیقتاً ہو چاہے حکماً۔ جب یہ تعمیم پیدا کر دی اب وہ دونوں بھی اندر داخل ہو گئے اس مفرد کے اندر آ گئے۔ کیوں کہ جو مضافِ لفظی ہے وہ حقیقتاً تو مفرد نہیں لیکن حکماً مفرد ہی ہے، اس کا حکم بھی مفرد والا ہی ہے۔ اور جو مشابہِ مضاف ہے وہ بھی اس کا حکم بھی مفرد والا ہی ہے۔ کس طرح حکم مفرد والا حکم کیوں ہے؟ کیوں کہ اضافتِ لفظی لا اضافت کی طرح ہے، گویا ابھی بھی وہ الگ ہی ہے۔ اور مشابہِ مضاف اس کے اندر تو اضافت سرے سے ہے ہی نہیں، تو اس کا حکم بھی کس کی طرح ہے؟ مفرد کی طرح ہی ہے۔ تو حاصلِ کلام یہ، حاصلِ کلام یہ کہ ایک ہے مفرد حقیقتاً اور ایک مفرد ہے حکماً۔ مفرد حقیقتاً جیسے رَجُلٌ۔ دیکھو رَجُلٌ حقیقتاً مفرد ہے نہ مضاف ہے اور نہ مشابہِ مضاف ہے۔ اور ایک ہے حکماً مفرد جیسے مضافِ لفظی یہ بھی حکماً مفرد ہے، اور دوسرا مشابہِ مضاف یہ بھی حکماً مفرد ہے۔ تو جب صاحبِ جامی نے کہہ دیا کہ مفرد ہونا عام ہے، چاہے حقیقتاً مفرد ہو چاہے حکماً مفرد ہو۔ تو حقیقتاً مفرد جو رَجُلٌ ہے وہ بھی اس کے اندر آ گیا۔ حقیقتاً جو مفرد ہو یعنی نہ مضاف اور نہ مشابہِ مضاف وہ بھی اندر آ گیا، اس کا بھی یہی حکم ہے کہ اس پر رفع بھی جائز اور نصب بھی جائز۔ اور جو حکماً مفرد ہے یعنی مضافِ لفظی اور مشابہِ مضاف وہ بھی اس کے اندر آ گئے یعنی ان کا بھی یہی حکم ہے کہ جب وہ تابع بنیں گے منادیٰ مبنی کے تو ان پر رفع بھی جائز اور نصب بھی جائز۔ تقریر سمجھ میں آ گئی؟

جی دیکھیے بھائی اب کتاب پر۔ کہتے ہیں: وَتَوَابِعُ الْمُنَادَى الْمَبْنِيِّ عَلَى مَا يُرْفَعُ بِهِ الْمُفْرَدَةُ حَقِيقَةً أَوْ حُكْمًا۔ اور توابع اس منادیٰ کے جو مبنی ہوتا ہے علامتِ رفع پر، اس منادیٰ کے وہ توابع جو مفرد ہوں، چاہے حقیقتاً مفرد ہوں اور چاہے حکماً مفرد ہوں۔ بھائی میں نے چاروں قیودات کا فائدہ ذکر کر دیا۔ چار قیدیں کون سی؟ الْمَبْنِيِّ یہ پہلی قید، عَلَى مَا يُرْفَعُ بِهِ یہ دوسری قید، الْمُفْرَدَةُ یہ تیسری قید، اور حَقِيقَةً أَوْ حُكْمًا یہ چوتھی قید ہے۔ ان میں سے دو قیدیں جو ہیں وہ صاحبِ کافیہ نے ذکر کی ہیں اور دو قیدیں صاحبِ جامی نے ان کا اضافہ فرمایا ہے۔ اور پھر ان میں سے ہر قید کا فائدہ بھی ذکر ہو گیا کہ مبنی کی قید لگائی معرب کو نکالنے کے لیے، عَلَى مَا يُرْفَعُ بِهِ کی قید لگائی اس منادیٰ کو نکالنے کے لیے جو مبنی علی الفتح ہوتا ہے، مفرد کی قید لگائی کس کو

نکالنے کے لیے؟ مضافِ معنوی کو نکالنے کے لیے قید لگائی، اور حَقِيقَةً أَوْ حُكْمًا کی قید لگائی صاحبِ جامی نے تاکہ مضافِ لفظی بھی داخل ہو جائے اور مشابہِ مضاف بھی اس میں داخل ہو جائے کیوں کہ ان سب کا حکم یہ ہے کہ ان پر رفع بھی جائز اور نصب بھی جائز ہے۔ اب یہی فوائدِ قیود صاحبِ جامی بھی ذکر کریں گے۔ ایک ایک کا فائدہ ذکر کریں گے کہ یہ مبنی کس لیے آیا ہے، عَلَى مَا يُرْفَعُ بِهِ کس لیے آیا، الْمُفْرَدَةُ کس لیے آیا اور حَقِيقَةً أَوْ حُكْمًا کس لیے آیا۔

دیکھیے بھائی، کہتے ہیں: إِنَّمَا قَيَّدَ الْمُنَادَى بِكَوْنِهِ مَبْنِيًّا کہ ماتن نے قید لگائی منادیٰ کے مبنی ہونے کی، لِأَنَّ تَوَابِعَ الْمُنَادَى الْمُعْرَبِ تَابِعَةٌ لِلَفْظِهِ فَقَطْ اس لیے کیوں کہ منادیٰ معرب کے جو توابع ہوتے ہیں وہ صرف اس کے لفظوں کے تابع ہوتے ہیں، وہ صرف اس کے لفظوں کے تابع۔ منادیٰ معرب کون سا ہے؟ ایک وہ جس پر لامِ استغاثہ داخل ہو، يَا لَزَيْدٍ یہ بھی معرب ہے، اس کا جو تابع ہو گا وہ اس کے لفظوں کے تابع ہو گا، يَا لَزَيْدٍ وَعَمْرٍو وَبَكْرٍ وَخَالِدٍ، توجہ ہے؟ زید مجرور ہے تو جو تابع ہوں گے ان پر بھی جر ہی آئے گا۔ اور دوسرا معرب کون سا ہے منادیٰ؟ جو مضاف ہو، یا مشابہِ مضاف ہو، یا نکرہِ غیرِ معینہ، یہ سب منصوب ہیں، يَا عَبْدَ اللَّهِ منصوب ہے، يَا طَالِعًا جَبَلًا منصوب ہے، يَا رَجُلًا یہ منصوب ہے۔ تو یہ جو معرب ہیں منادیٰ، ان کے توابع پر بھی نصب ہی آئے گا۔ توجہ ہے؟ جو منادیٰ مجرور تھا لامِ استغاثہ کی وجہ سے اس کے توابع پر بھی جر آئے گا، اور جو منادیٰ معرب ہیں منصوب ہیں ان کے توابع پر بھی نصب ہی آئے گا، وہ ان کے لفظوں ہی کے تابع ہوں گے۔

یاد رکھنا باقی جو معرب ہیں باقی معرب، ان میں بعض اوقات جو تابع ہوتا ہے وہ محل کے تابع بھی ہو جاتا ہے۔ جیسے إِنَّ کا اسم ہے، اس پر میں عطف کرتا ہوں۔ إِنَّ زَيْدًا قَائِمٌ، إِنَّ حرف از حروفِ مشبہ بالفعل، زَيْدًا اس کا اسم، اور قَائِمٌ کیا ہے اس کی خبر ہے، اس کے اندر هُوَ ضمیر جو لوٹ رہی ہے زید کی طرف۔ اب میں اس زید پر عطف کرنا چاہتا ہوں عمرو کا، تو دو صورتیں ہیں: میں آگے وَعَمْرًا بھی کہہ سکتا ہوں کیوں کہ زَيْدًا منصوب تھا تو عَمْرًا کا عطف بھی کس طرح کروں گا؟ نصب کے ساتھ۔ یوں کہوں گا إِنَّ زَيْدًا قَائِمٌ وَعَمْرًا، تو عَمْرًا کا حمل کیا میں نے کس پر؟ زَيْدًا کے لفظوں پر۔ اور کبھی کبھار اس کے محل پر حمل کر لیتے ہیں، اور محل کے اعتبار سے تو زَيْدًا مبتدا ہے کیوں کہ یہ إِنَّ کس میں سے ہے؟ حروفِ مشبہ بالفعل میں سے، اور حروفِ مشبہ بالفعل کس پر داخل ہوتے ہیں؟ مبتدا اور خبر پر داخل ہوتے ہیں، تو إِنَّ کے داخل ہونے سے پہلے زید مبتدا تھا اور قَائِمٌ اس کی خبر تھی، پھر إِنَّ آیا اس نے زید کو اپنا اسم بنا لیا اور قَائِمٌ کو اپنی خبر بنا لیا۔ تو زَيْدًا بے شک لفظوں کے اعتبار سے منصوب ہے لیکن محلاً یہ مرفوع ہے کیوں کہ یہ مبتدا تھا۔ تو اب آگے میں عمرو کا حمل کرتا ہوں اس کے محل پر اور میں یوں کہتا ہوں إِنَّ زَيْدًا قَائِمٌ وَعَمْرٌو۔ توجہ ہے؟ تو ایسی عبارت کسی جگہ آئے تو آپ پریشان نہ ہوں بھائی کہ عمرو کا عطف تو زید پر ہے اور وہ تو منصوب ہے تو اس کو بھی منصوب ہونا چاہیے، تو جواب یہ کہ یہ اس کے محل پر حمل ہے بھائی۔ تو دیکھو زید معرب ہے، اور اس کے لفظوں پر بھی حمل کرنا جائز اور اس کے محل پر حمل کرنا بھی جائز۔ تو باقی جو معرب ہیں ان میں بعض اوقات لفظوں پر بھی حمل جائز ہوتا ہے اور بعض اوقات محل پر بھی حمل جائز ہوتا ہے،

لیکن یہ جو منادیٰ معرب ہے منادیٰ معرب، اس کے ہمیشہ لفظوں پر ہی حمل کر سکتے ہیں، محل پر حمل نہیں کر سکتے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ یہ معنیٰ ہے لِأَنَّ تَوَابِعَ الْمُنَادَى الْمُعْرَبِ اس لیے کیوں کہ وہ منادیٰ جو معرب ہے اس کے جو توابع ہیں تَابِعَةٌ لِلَفْظِهِ فَقَطْ وہ صرف اس کے لفظوں کے تابع ہوتے ہیں، محل کے تابع نہیں۔

وَقَيَّدْنَا الْمَبْنِيَّ بِكَوْنِهِ عَلَى مَا يُرْفَعُ بِهِ۔ دوسری قید کا فائدہ بتلا رہے ہیں کہ مبنی کے ساتھ ہم نے عَلَى مَا يُرْفَعُ بِهِ کی قید کیوں لگائی؟ میں نے وجہ ذکر کر دی تھی کہ عَلَى مَا يُرْفَعُ بِهِ کی قید لگا کر اس منادیٰ مبنی کو نکالنا چاہتے ہیں جو مبنی علی الفتح ہوتا ہے، جس کے آخر میں الفِ استغاثہ آتا ہے، اس کے جو توابع ہیں وہ بھی مبنی علی الفتح ہی ہوں گے، جیسے يَا زَيْدَا وَعَمْرَا۔ تو کہتے ہیں وَقَيَّدْنَا الْمَبْنِيَّ بِكَوْنِهِ عَلَى مَا يُرْفَعُ بِهِ اور ہم نے مقید کیا مبنی کو علامتِ رفع پر مبنی ہونے کے ساتھ لِأَنَّ تَوَابِعَ الْمُسْتَغَاثِ بِالْأَلِفِ اس لیے کیوں کہ مستغاث بالالف کے جو توابع ہیں لَا يَجُوزُ فِيهَا الرَّفْعُ ان کے اندر رفع جائز نہیں، نَحْوُ يَا زَيْدَا وَعَمْرَا۔ دیکھا يَا زَيْدَا، یہ زَيْدَا مبنی علی الفتح ہے تو اس کا معطوف جو ہے وَعَمْرَا جو تابع ہے وہ بھی مبنی علی الفتح ہے۔ تو کہتے ہیں نَحْوُ يَا زَيْدَا وَعَمْرَا لَا وَعَمْرٌو، یہاں وَعَمْرٌو کہنا جائز نہیں۔ کیوں نہیں جائز؟ کہتے ہیں لِأَنَّ الْمَتْبُوعَ مَبْنِيٌّ عَلَى الْفَتْحِ اس لیے کیوں کہ اس کا جو متبوع ہے وہ مبنی علی الفتح ہے، تو تابع بھی مبنی علی الفتح ہو گا۔

وَقَيَّدَ التَّوَابِعَ بِكَوْنِهَا مُفْرَدَةً اور ماتن نے مقید کیا توابع کو مفرد ہونے کے ساتھ۔ مفرد ہونے کی قید کیوں لگائی؟ اس لیے کیوں کہ وہ مضافِ معنوی کو نکالنا چاہتے ہیں۔ تو کہتے ہیں وَقَيَّدَ التَّوَابِعَ بِكَوْنِهَا مُفْرَدَةً اور ماتن نے توابع کو مقید کیا مفرد ہونے کے ساتھ لِأَنَّهَا لَوْ لَمْ تَكُنْ مُفْرَدَةً لَا حَقِيقَةً وَلَا حُكْمًا اس لیے کیوں کہ اگر وہ توابع مفرد نہ ہوئے، نہ تو حقیقتاً مفرد ہوئے اور نہ حکماً مفرد ہوئے، كَانَتْ مُضَافَةً بِالْإِضَافَةِ الْمَعْنَوِيَّةِ تو پھر وہ مضاف ہو گا اضافتِ معنویہ کے ساتھ، وَحِينَئِذٍ لَا يَجُوزُ فِيهَا إِلَّا النَّصْبُ اور اس وقت اس میں نصب ہی جائز ہے اور کچھ جائز نہیں ہے۔ تو الْمُفْرَدَةُ کی قید کے ذریعے کس کو نکالنا چاہتے تھے؟ مضافِ معنوی کو کیوں کہ وہ جب تابع بنے گا، ایسا تابع جو تاکید ہے، یا صفت ہے، یا عطفِ بیان ہے، تو جہ ہے؟ اور وہ اور اس میں اضافتِ معنوی پائی جا رہی ہے، تو پھر وہ ہمیشہ منصوب ہو گا، جب کہ باقیوں میں رفع بھی جائز اور نصب بھی جائز ہے۔

تو کہتے ہیں آگے دیکھیے، کہتے ہیں: وَإِنَّمَا جَعَلْنَا الْمُفْرَدَةَ أَعَمَّ مِنْ أَنْ تَكُونَ مُفْرَدَةً حَقِيقَةً۔ آگے صاحبِ جامی اب وہ جو مفرد کے اندر تعمیم پیدا کی اور حَقِيقَةً أَوْ حُكْمًا کی قید لگا دی، کہ مفرد ہونا عام ہے، چاہے حقیقتاً ہو چاہے حکماً۔ حقیقتاً مفرد کون سا ہو گا؟ حقیقتاً مفرد وہ ہے جو نہ مضاف ہو اور نہ مشابہِ مضاف ہو۔ اور مضاف تو دو قسم پر ہے: مضافِ معنوی ہو گا یا مضافِ لفظی۔ یعنی حقیقتاً مفرد وہ ہے جو نہ مضافِ معنوی ہو، نہ مضافِ لفظی ہو، اور نہ مشابہِ مضاف ہو، تو یہ حقیقتاً مفرد ہے۔ اور حکماً مفرد کیا ہے؟ جو مضافِ لفظی ہے اور جو مشابہِ مضاف، یہ حکماً مفرد ہیں۔ تو ہم نے تعمیم کر دی کہ مفرد ہونا عام ہے، چاہے حقیقتاً مفرد ہو جیسے رَجُلٌ، نہ یہ مضاف ہے اور نہ مشابہِ مضاف، یا حکماً مفرد ہو یعنی چاہے مضافِ لفظی ہو

یا مشابہِ مضاف ہو۔ تو یہ ہم نے تعمیم پیدا کر دی تاکہ مضافِ لفظی اور مشابہِ مضاف بھی اس حکم کے اندر داخل ہو جائیں کیوں کہ ان پر بھی رفع بھی جائز ہے اور نصب بھی جائز ہے۔

تو کہتے ہیں: وَإِنَّمَا جَعَلْنَا الْمُفْرَدَةَ أَعَمَّ مِنْ أَنْ تَكُونَ مُفْرَدَةً حَقِيقَةً اور ہم نے مفرد کو عام بنایا اس کے اس سے کہ وہ مفرد حقیقتاً ہو۔ مفرد حقیقتاً ہونے کا کیا معنیٰ؟ خود بتلا رہے ہیں، با تصویریہ ہے صورت بتلا رہے ہیں، بِأَنْ لَا تَكُونَ مُضَافَةً مَعْنَوِيَّةً وَلَا لَفْظِيَّةً وَلَا شِبْهَ مُضَافٍ بایں صورت کہ وہ نہ مضافِ معنوی ہو، نہ مضافِ لفظی ہو، اور نہ شبہِ مضاف ہو۔ أَوْ حُكْمًا یا وہ مفرد حکماً ہو بِأَنْ تَكُونَ مُضَافَةً لَفْظِيَّةً أَوْ مُشَبَّهَةً بِالْمُضَافِ بایں صورت کہ وہ مضافِ لفظی ہو یا مشابہِ مضاف ہو۔ فَإِنَّهُمَا لَمَّا انْتَفَتْ فِيهِمَا الْإِضَافَةُ الْمَعْنَوِيَّةُ۔ بھائی کیوں؟ یہ حکماً مفرد کیوں ہیں؟ توجہ ہے؟ مضافِ لفظی کو بھی آپ نے مفرد کا حکم دے دیا، اور مشابہِ مضاف کو بھی آپ نے مفرد کا حکم دے دیا، کیوں دیا آخر وجہ کیا ہے؟ کہتے ہیں چونکہ ان کے اندر اضافتِ معنوی نہیں، جب اضافتِ معنوی ہے ہی نہیں تو یہ کس کی طرح ہو گئے؟ مفرد کی طرح ہی ہو گئے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو کہتے ہیں: فَإِنَّهُمَا لَمَّا انْتَفَتْ فِيهِمَا الْإِضَافَةُ الْمَعْنَوِيَّةُ اس لیے کیوں کہ جب ان دونوں کے اندر اضافتِ معنوی منتفی ہو گئی، كَانَتَا فِي حُكْمِ الْمُفْرَدَةِ تو یہ دونوں مفرد کے حکم میں ہو گئے، لِتَدْخُلَ فِيهَا الْمُضَافَةُ، جی، یہ لِتَدْخُلَ کا تعلق پیچھے ہے، وَإِنَّمَا جَعَلْنَا الْمُفْرَدَةَ أَعَمَّ مِنْ أَنْ تَكُونَ مُفْرَدَةً حَقِيقَةً، کہ ہم نے مفرد کو عام قرار دیا کس سے؟ مفرد حقیقتاً اور حکماً ہونے سے عام قرار دیا کیوں؟ تاکہ لِتَدْخُلَ فِيهَا الْمُضَافَةُ بِالْإِضَافَةِ اللَّفْظِيَّةِ وَالْمُشَبَّهَةُ بِالْمُضَافِ تاکہ اس کے اندر داخل ہو جائے وہ جو مضاف ہے اضافتِ لفظی کے ساتھ وہ بھی داخل ہو جائے، وَالْمُشَبَّهَةُ بِالْمُضَافِ اور مشابہِ مضاف بھی داخل ہو جائے۔

بھائی کیوں؟ آپ ان کو کیوں داخل کرنا چاہتے ہیں؟ کہتے ہیں لِأَنَّهُمَا كَالتَّوَابِعِ الْمُفْرَدَةِ اس لیے کیوں کہ یہ دونوں بھی توابع مفردہ کی طرح ہیں فِي جَوَازِ الرَّفْعِ وَالنَّصْبِ رفع اور نصب کے جائز ہونے میں، یعنی ان پر بھی رفع اور نصب دونوں چیزیں جائز ہیں، جب دونوں چیزیں جائز ہیں ان میں تو یہ بھی اسی حکم کے اندر آگئے، جب یہ حکم ان پر بھی جاری ہو رہا ہے تو ان کو اس حکم میں داخل کرنا چاہیے، اور داخل کرنے کی یہی صورت ہے کہ مفرد کو عام قرار دیا جائے کہ مفرد ہونا عام ہے چاہے حقیقتاً مفرد ہو اور چاہے حکماً مفرد ہو۔ تو یہ حکماً مفرد ہیں تو ان پر بھی رفع اور نصب جائز ہے۔ نَحْوُ مثال کے طور پر يَا زَيْدُ الْحَسَنُ الْوَجْهِ وَالْحَسَنَ الْوَجْهِ۔ یاد رکھو یہ الْحَسَنُ الْوَجْهِ، دیکھو یہ يَا زَيْدُ، زید منادیٰ ہے مبنی علی الضم، توجہ ہے؟ اور الْحَسَنُ الْوَجْهِ یہ اس کا تابع آگیا۔ اور یہ اضافتِ لفظی ہے، الْحَسَنُ ہے مضاف اور الْوَجْهِ ہے مضافٌ الیہ، اور یہ اضافتِ لفظی ہے۔ اضافتِ لفظی کسے کہتے ہیں؟ کہ صیغہ صفت کا ہو اور مضاف ہو اپنے معمول یعنی اپنے فاعل یا مفعول کی طرف، اور صفت کے صیغوں سے کون سے صیغے مراد ہیں؟ اسمِ فاعل، اسمِ مفعول اور صفتِ مشبہ، تو یہ الْحَسَنُ صفتِ مشبہ ہے، اور الْوَجْهُ یہ اس کا فاعل ہے بھائی۔ اچھا ہے، کیا اچھا ہے؟ چہرہ اچھا ہے، یا اخلاق و عادات اچھے ہیں، یا علم اچھا ہے، تو الْوَجْهُ فاعل ہے اس نے بتلا دیا کہ کیا اچھا ہے؟ چہرہ اچھا ہے۔ تو الْحَسَنُ کے لیے الْوَجْهُ کیا ہے؟ فاعل، تو اصل میں

عبارت یوں ہونی چاہیے الْحَسَنُ الْوَجْهُ فاعل مرفوع ہوتا ہے۔ تو الْحَسَنُ صفت کا صیغہ ہے اور الْوَجْهُ اس کا معمول ہے، پھر اس کی طرف اضافت کر دی گئی تو کیا بن گیا؟ الْحَسَنُ الْوَجْهِ۔ تو صیغہ صفت کا ہے اور مضاف ہے اپنے معمول کی طرف، اور یہ تابع بن رہا ہے، یعنی مضافِ لفظی تابع بنا، اور مضافِ لفظی بھی کس کے حکم میں؟ مفرد کے حکم میں، اور مفرد کا حکم کیا تھا؟ کہ اس پر رفع بھی جائز اور نصب بھی جائز۔ تو یہاں پر بھی يَا زَيْدُ الْحَسَنُ الْوَجْهِ۔ اضافت کو اسی طرح رکھنا ہے، الْوَجْهِ پر تو جر ہی پڑھیں گے، البتہ الْحَسَنُ پر رفع بھی جائز اور نصب بھی۔ رفع کیسے پڑھیں گے؟ يَا زَيْدُ الْحَسَنُ الْوَجْهِ۔ اب الْحَسَنُ پر نصب پڑھیں، يَا زَيْدُ الْحَسَنَ الْوَجْهِ۔ طریقہ سمجھ میں آگیا؟

اور آپ اس پر حیران نہ ہوں کہ بھائی الْحَسَنُ مضاف ہے تو مضاف پر تو الف لام نہیں آتا تو اس پر الف لام کیسے آیا؟ تو یاد رکھنا اضافتِ لفظی کے اندر جائز ہے۔ اضافتِ لفظی میں مضاف میں کوئی تعریف یا تخصیص آتی ہے؟ الْحَسَنُ الْوَجْهِ، یہ جو مضاف ہے جو پہلے آیا، کیا یہ ما بعد سے تعریف یا تخصیص اخذ کرتا ہے اضافتِ لفظی میں؟ نہیں کرتا، جب اخذ نہیں کرتا تو لہٰذا اس پر الف لام کا لانا جائز ہے بھائی۔ اضافت سے تو معرفہ نہیں بن رہا تھا حَسَنُ الْوَجْهِ، تو الف لام لا کر اس کو کیا بنا دیا؟ معرفہ بنا دیا۔ تو اضافتِ لفظی میں مضاف پر الف لام کا لانا جائز ہے بھائی۔ نَحْوُ يَا زَيْدُ الْحَسَنُ الْوَجْهِ وَالْحَسَنَ الْوَجْهِ۔

اگلی مثال دیکھیے: وَيَا زَيْدُ الْحَسَنُ وَجْهُهُ، یہ وَجْهُهُ یہ فاعل ہے الْحَسَنُ کے لیے، یہ فاعل ہے الْحَسَنُ کے لیے، اور یہاں پر یہ الْحَسَنُ اس میں اضافت نہیں ہو رہی۔ پچھلی مثال میں اضافت تھی اور اضافتِ لفظی تھی، تو وہ تابع بیان ہوا تھا جو مضافِ لفظی تھا، اس میں رفع بھی جائز نصب بھی جائز۔ اور یہ مثال ہے يَا زَيْدُ الْحَسَنُ وَجْهُهُ یہ مثال ہے مشابہِ مضاف کی۔ مشابہِ مضاف کسے کہتے ہیں؟ وہ اسم، جب تک اس کے ساتھ کوئی دوسرا لفظ نہ ملائیں اس کا معنیٰ پورا نہیں ہوتا۔ تو الْحَسَنُ اگر اکیلا آجائے تو پھر اس کا معنیٰ پورا نہیں کہ اچھا ہے بھائی کیا اچھا ہے؟ چہرہ اچھا ہے، اخلاق و عادات اچھے ہیں، یا علم اچھا ہے، تو آگے ایک اور لفظ چاہیے اس کا فاعل چاہیے جو اس کی وضاحت کرے۔ تو الْحَسَنُ وَجْهُهُ، یہ جو وَجْهُهُ فاعل آیا اس نے وضاحت کر دی، اس سے الْحَسَنُ کا معنیٰ پورا ہو گیا، اس کے بغیر الْحَسَنُ کا معنیٰ پورا نہیں تھا بھائی۔ اور نیز یہاں وَجْهُهُ پر رفع پڑھنا ہے میں نے آپ کو بتلایا یہ فاعل ہے بھائی۔ تو یہ الْحَسَنُ وَجْهُهُ یہ کس کی مثال ہے؟ مشابہِ مضاف، مشابہِ مضاف۔ اور جو مشابہِ مضاف ہے اس پر بھی رفع پڑھنا بھی جائز اور نصب پڑھنا بھی جائز۔ تو یہی بیان کر رہے ہیں کہتے ہیں: وَيَا زَيْدُ الْحَسَنُ وَجْهُهُ وَالْحَسَنَ وَجْهُهُ۔ وَجْهُهُ پر دونوں صورتوں میں رفع ہی پڑھنا، ہاں الْحَسَنُ جو ہے نا اس پر رفع بھی پڑھ سکتے ہیں اور نصب۔ توجہ ہے؟ یہ زید کا تابع ہے، زید کی صفت ہے الْحَسَنُ۔ يَا زَيْدُ الْحَسَنُ وَجْهُهُ، یہ الْحَسَنُ زید کی صفت ہے، اور صفت جب آئے منادیٰ مفرد معرفہ کی تو اس پر رفع بھی جائز اور نصب بھی۔ تو الْحَسَنَ اور الْحَسَنُ یہ دونوں طرح پڑھ سکتے ہیں، لیکن جو وَجْهُهُ ہے اس پر رفع ہی پڑھنا ہے دونوں جگہ کیوں کہ وہ فاعل بن رہا ہے اور فاعل مرفوع ہوتا ہے۔ تو يَا زَيْدُ الْحَسَنُ وَجْهُهُ وَالْحَسَنَ وَجْهُهُ۔

وَلَمَّا لَمْ يَجْرِ الْحُكْمُ الْآتِي فِي التَّوَابِعِ كُلِّهَا بَلْ فِي بَعْضِهَا۔ بھائی دیکھیے اب منادیٰ مبنی کے وہ توابع جو مفرد ہیں چاہے حقیقتاً مفرد ہیں چاہے حکماً مفرد ہیں، اور جن پر رفع بھی پڑھنا جائز ہے اور نصب بھی پڑھنا جائز ہے، اب وہ بیان کرنے لگے ہیں صاحبِ کافیہ۔ آپ کو میں نے بتلایا تھا کہ یہ رفع اور نصب پڑھنا جائز ہے تمام توابع میں یا بعض کے اندر بھائی؟ بعض کے اندر۔ تو صاحبِ کافیہ اب وہ جو بعض ہیں ان کو بیان کریں گے جن میں آنے والا حکم جاری ہوتا ہے۔ اور پھر یہ جو بعض ہیں ان میں سے وہ جو معطوف تھا، معطوف بحرف، اس میں مطلقاً رفع اور نصب جائز نہیں ہے، بلکہ اگر وہ معطوف بحرف ایسا ہو کہ اس پر الف لام داخل ہو یعنی اس پر یَا کا داخل کرنا ممتنع ہو، یَا زَيْدُ وَالْحَارِثُ، یَا زَيْدُ وَالْحَارِثُ یہ الْحَارِثُ کیا ہے؟ معطوف بحرف ہے کس پر؟ منادیٰ مبنی علی الضم پر، اور الْحَارِثُ پر الف لام داخل ہے۔ تو اس کے اندر رفع بھی جائز ہے اور نصب بھی، يَا زَيْدُ وَالْحَارِثُ وَالْحَارِثَ۔ تو معلوم ہوا کہ یہ جو آگے آنے والا حکم ہے کہ رفع اور نصب آئے گا تابع کے اندر، یہ تمام توابع میں نہیں ہے بعض میں ہے، تو صاحبِ کافیہ وہ بعض بھی بیان کریں گے۔ اور پھر وہ جو بعض ہیں ان کے اندر بھی یہ حکم مطلقاً جاری نہیں ہوتا جیسے معطوف بحرف میں یہ حکم مطلقاً جاری نہیں ہوتا، بلکہ معطوف بحرف وہ والا جس پر یَا کا داخل کرنا ممتنع ہو یعنی وہ معرف باللام ہو۔ تو معلوم ہوا معطوف بحرف میں ایک قید کا لحاظ کرنا پڑے گا، پھر یہ رفع اور نصب والا حکم اس میں جاری ہوگا۔ توجہ ہے؟ تو اس قید کو بھی اب صاحبِ کافیہ بیان کریں گے۔ تو آگے اب وہ توابع بھی بیان کریں گے جن میں یہ رفع اور نصب والا حکم جاری ہوتا ہے، اور بعض کے اندر مطلقاً یہ حکم جاری نہیں ہوتا جیسے معطوف بحرف ہے بلکہ اس میں قید کا لحاظ کرنا پڑتا ہے تو وہ قید بھی آگے صاحبِ کافیہ ذکر کریں گے۔

تو کہتے ہیں: وَلَمَّا لَمْ يَجْرِ الْحُكْمُ الْآتِي فِي التَّوَابِعِ كُلِّهَا اور جب جاری نہیں ہوتا آنے والا حکم تمام توابع میں، آنے والا حکم کون سا آنے والا حکم؟ کہ رفع اور نصب دونوں پڑھ سکتے ہیں، یہ جو حکم آنے والا ہے یہ جب جاری نہیں ہوتا تمام توابع میں، بَلْ فِي بَعْضِهَا بلکہ بعض میں جاری ہوتا ہے، اور نیز وَلَمْ يَجْرِ فِيمَا هُوَ جَارٍ فِيهِ مُطْلَقًا، اس لَمْ يَجْرِ کا عطف وہ جو پیچھے آیا نا لَمْ يَجْرِ اسی پر عطف ہے، اور اس پر لَمَّا داخل تھا تو اس پر بھی لَمَّا داخل ہے۔ ترجمہ غور سے سنو: وَلَمْ يَجْرِ فِيمَا هُوَ جَارٍ فِيهِ مُطْلَقًا اور جب یہ حکم مطلقاً جاری نہیں ہوتا، مُطْلَقًا کو ترجمے میں شروع میں لے آئیں اس کا لَمْ يَجْرِ سے تعلق ہے، اور جب یہ حکم یہ جو آنے والا حکم ہے یہ مطلقاً جاری نہیں ہوتا فِيمَا هُوَ جَارٍ فِيهِ جن کے اندر یہ جاری ہے، جن توابع میں یہ حکم جاری ہے ان میں بھی بعض کے اندر یہ حکم مطلقاً جاری نہیں ہوتا، بَلْ لَا بُدَّ فِي بَعْضِهَا مِنْ قَيْدٍ بلکہ ان میں سے بعض کے اندر قید ضروری ہے، تو فَصَّلَ التَّوَابِعَ الْجَارِيَةَ هَذَا الْحُكْمُ فِيهَا تو مصنف نے تفصیل بیان کی ان توابع کی جن کے اندر یہ حکم جاری ہوتا ہے، کہ کون کون سے توابع ہیں؟ تاکید ہے، صفت ہے، عطفِ بیان ہے اور معطوف بحرف، ان چار میں جاری ہوتا ہے، وَصَرَّحَ بِالْقَيْدِ فِيمَا هُوَ مُحْتَاجٌ إِلَيْهِ اور تصریح بھی کی قید کی ان توابع کے اندر جو اس کے محتاج تھے، یعنی

معطوف بحرف میں مطلقاً حکم جاری نہیں ہوتا بلکہ اس وقت جب اس پر یَا کا داخل کرنا ممتنع ہو بھائی۔

تو فَقَالَ تو پس ماتن نے فرمایا: مِنَ التَّأْكِيدِ یعنی کہ تاکید۔ متن کو متن سے ذرا جوڑیں: وَتَوَابِعُ الْمُنَادَى الْمَبْنِيِّ الْمُفْرَدَةُ مِنَ التَّأْكِيدِ، اور منادیٰ مبنی کے وہ توابع جو مفرد ہوں مِنَ التَّأْكِيدِ، یہ مِن کے ساتھ ان توابع کا بیان ہے اس کا ترجمہ یعنی کے ساتھ کریں گے، یعنی کہ تاکید، أَيِ الْمَعْنَوِيِّ۔ بھائی میں نے آپ کو بتلایا تھا کہ تاکید دو قسم پر ہے: ایک تاکیدِ لفظی ہے ایک تاکیدِ معنوی۔ تاکیدِ لفظی یہ ہے کہ بعینہ پہلے لفظ کو دوبارہ لایا جائے، جیسے جَاءَنِي زَيْدٌ زَيْدٌ، یہ زیدِ ثانی کیا ہے؟ اول کے لیے تاکید ہے، دوبارہ اسی لفظ کو لے آئے۔ اور ایک تاکیدِ معنوی ہے کہ جس میں وہی لفظ نہیں لایا جاتا دوسرا کوئی لفظ لاتے ہیں لیکن اس سے اس میں تاکید پیدا ہو جاتی ہے، جیسے جَاءَنِي زَيْدٌ نَفْسُهُ، یہ نَفْسُهُ دیکھو زید کی تاکید ہے، میرے پاس زید خود آیا تھا، توجہ ہے؟ اور اسی طرح جَاءَنِي الْقَوْمُ كُلُّهُمْ، یہ كُلُّ بھی کس لیے آتا ہے؟ تاکید کے لیے کہ میرے پاس وہ تمام لوگ آئے تھے، اسی طرح أَجْمَعُ أَكْتَعُ أَبْصَعُ وغیرہ یہ بھی تاکید کے لیے آتے ہیں بھائی۔ تو تاکید گویا دو قسم پر ہوئی: ایک تاکیدِ معنوی اور ایک تاکیدِ لفظی۔

شارحین بھائی فرماتے ہیں کہ صاحبِ کافیہ نے تو مطلقاً کہا کہ تاکید اور صفت وغیرہ کا یہ حکم ہے، لیکن ہر تاکید کا یہ حکم نہیں ہے، ہر تاکید کیوں کہ تاکید تو دو قسم پر ہے: ایک تاکیدِ لفظی ایک تاکیدِ معنوی۔ تاکیدِ معنوی کا یہ حکم ہے، تاکیدِ معنوی کا یہ حکم ہے کہ اس میں رفع اور نصب دونوں جائز ہیں، اس میں رفع اور نصب، جب کہ تاکیدِ لفظی وہ تو پہلے ہی لفظ کو دوبارہ لایا جاتا ہے تو کہتے ہیں وہ پہلے لفظ کے تابع ہو گی، یعنی اگر پہلا لفظ معرب ہو گا تو دوسرا بھی معرب، پہلا مبنی ہے تو دوسرا بھی مبنی۔ جیسے مثلاً يَا زَيْدُ اسی کی تاکید میں دوبارہ زید لے کر آتا ہوں، تو پہلا زید مبنی ہے تو دوسرا بھی مبنی ہو گا، يَا زَيْدُ زَيْدُ۔ یہاں زید کے اندر رفع اور نصب یہ جو زیدِ ثانی ہے، يَا زَيْدُ زَيْدُ، پہلا زید تو منادیٰ ہے، دوسرا زید اس کی تاکید ہے اور کون سی تاکید ہے؟ تاکیدِ لفظی ہے، توجہ ہے؟ اور تاکیدِ لفظی جو ہے جمہور کیا فرماتے ہیں؟ جمہور علمائے نحو یعنی اکثر علمائے نحو کیا فرماتے ہیں؟ کہ یہ اپنے سے ماقبل کے تابع ہے اعراب اور بنا میں، يَا زَيْدُ یہ زید مبنی علی الضم ہے تو اسی کی تاکیدِ لفظی لاؤ گے وہ بھی مبنی علی الضم ہو گی، يَا زَيْدُ زَيْدُ، یہاں یوں نہیں کہہ سکتے يَا زَيْدُ زَيْدًا يا زَيْدٌ۔ بات چل رہی ہے ان توابع کی جن پر رفع بھی جائز اور نصب بھی، لیکن اگر تاکیدِ لفظی ہو تو اس میں رفع اور نصب جائز نہیں ہے بلکہ وہ ماقبل کے تابع ہو گی، ماقبل اگر معرب ہے تو یہ بھی معرب وہ مبنی ہے تو یہ بھی مبنی۔ تو معلوم ہوا یہ جو تاکید کا لفظ آیا مطلقاً ہر تاکید میں یہ رفع اور نصب جاری نہیں ہوتا، کون سی تاکید میں یہ حکم جاری ہوتا ہے؟ جو تاکیدِ معنوی ہے، جو۔ چنانچہ اسی لیے صاحبِ جامی نے مِنَ التَّأْكِيدِ أَيِ الْمَعْنَوِيِّ معنوی کی قید لگا دی کہ تاکیدِ معنوی کا یہ حکم ہے کہ اس میں رفع اور نصب آسکتا ہے، تاکیدِ لفظی کا یہ حکم نہیں ہے۔

تو کہتے ہیں مِنَ التَّأْكِيدِ أَيِ الْمَعْنَوِيِّ لِأَنَّ التَّأْكِيدَ اللَّفْظِيَّ حُكْمُهُ فِي الْأَغْلَبِ حُكْمُ الْأَوَّلِ إِعْرَابًا وَبِنَاءً اس لیے کیوں کہ تاکیدِ

لفظی جو ہے اس کا حکم ہے فِي الْأَغْلَبِ اکثر مذاہب میں، اکثر نحویوں کے مذہب کے مطابق، حُكْمُ الْأَوَّلِ اس کا وہی پہلے والے لفظ کا ہی حکم ہے إِعْرَابًا وَبِنَاءً معرب اور مبنی ہونے کے اعتبار سے، نَحْوُ يَا زَيْدُ زَيْدُ۔ توجہ ہے؟ تاکیدِ لفظی میں اکثر نحویوں کا مذہب کیا؟ تاکیدِ لفظی جب ہو تو اس میں ثانی کا وہی حکم ہوتا ہے جو اول کا ہو، اول اگر معرب تو ثانی بھی معرب، اول اگر مبنی تو ثانی بھی مبنی ہو گا، بات سمجھ میں آگئی؟ پھر ترجمہ دیکھیے، کہتے ہیں: لِأَنَّ التَّأْكِيدَ اللَّفْظِيَّ حُكْمُهُ فِي الْأَغْلَبِ اس لیے کیوں کہ تاکیدِ لفظی جو ہے اس کا حکم فِي الْأَغْلَبِ أَيْ فِي أَغْلَبِ الْمَذَاهِبِ اکثر نحویوں کے مذاہب میں، حُكْمُ الْأَوَّلِ اس کا حکم اسی پہلے لفظ کی طرح ہے إِعْرَابًا وَبِنَاءً معرب اور مبنی ہونے کے اعتبار سے نَحْوُ يَا زَيْدُ زَيْدُ۔ وَقَدْ يُجَوَّزُ إِعْرَابُهُ رَفْعًا وَنَصْبًا اور کبھی کبھار جائز قرار دیا جاتا ہے اس کا اعراب رفع اور نصب کے اعتبار سے، یعنی بعض نحوی جائز قرار دیتے ہیں۔ ویسے تو جمہور کیا فرماتے ہیں کہ تاکیدِ لفظی اپنے سے ماقبل کے تابع ہے، اگر اول یعنی متبوع مبنی تو یہ بھی مبنی، اگر متبوع معرب تو یہ بھی معرب۔ لیکن بعض نحوی علما فرماتے ہیں کہ نہیں تاکیدِ لفظی بھی اسی طرح ہے، اس میں بھی رفع اور نصب دونوں جائز ہیں، یعنی يَا زَيْدُ زَيْدًا یا يَا زَيْدُ زَيْدٌ دونوں طرح کہہ سکتے ہیں، یہ بعض نحویوں کا مذہب ہے۔ اور صاحبِ جامی آپ کو بتلائیں گے کہ معلوم ہوتا ہے صاحبِ کافیہ کا بھی شاید یہی مذہب ہے، صاحبِ کافیہ کا بھی شاید یہی مذہب ہے، اسی لیے انہوں نے متن میں تاکید کے ساتھ معنوی کی قید نہیں لگائی۔ اگر ان کا مذہب جمہور کے مطابق ہوتا، جمہور تو کیا کہتے ہیں؟ تاکیدِ معنوی کے اندر رفع اور نصب دونوں جائز ہیں تاکیدِ لفظی میں دونوں جائز نہیں، لیکن صاحبِ کافیہ نے متن کے اندر تاکید کے ساتھ معنوی کی قید نہیں لگائی، تاکید کو مطلق رکھا۔ معلوم ہوا ہر تاکید کا یہی حکم ہے ان کے نزدیک چاہے تاکیدِ لفظی ہو چاہے معنوی، تو شاید ان کا بھی یہی مذہب ہے بھائی۔

جی دیکھیے بھائی، کہتے ہیں: وَقَدْ يُجَوَّزُ إِعْرَابُهُ رَفْعًا وَنَصْبًا اور کبھی کبھار جائز قرار دیا جاتا ہے تاکیدِ لفظی کے اعراب کو رَفْعًا وَنَصْبًا رفع اور نصب کے اعتبار سے یعنی اس میں دونوں چیزیں جائز قرار دی جاتی ہیں، وَكَأَنَّ الْمُخْتَارَ عِنْدَ الْمُصَنِّفِ رَحِمَهُ اللَّهُ ذَلِكَ اور گویا کہ مصنف کے نزدیک بھی پسندیدہ یہی مذہب ہے، وَلِذَلِكَ لَمْ يُقَيِّدِ التَّأْكِيدَ بِالْمَعْنَوِيِّ اور اسی لیے انہوں نے تاکید کو معنوی کے ساتھ قید نہیں کیا۔

وَالصِّفَةِ مُطْلَقًا وَعَطْفِ الْبَيَانِ كَذَلِكَ۔ اور صفت جو ہے مطلقاً اس کا بھی یہی حکم ہے، توابع میں سے جو صفت ہے اس کا بھی یہی حکم ہے، یعنی اس پر رفع بھی پڑھ سکتے ہیں اور نصب بھی۔ لیکن کیا کہا ساتھ؟ مُطْلَقًا، یعنی صفت کا مطلقاً یہی حکم ہے، چاہے صفت معرف باللام ہو چاہے معرف باللام نہ ہو بھائی۔ صفت پر بھی تو کبھی الف لام آتا ہے اور کبھی الف لام نہیں۔ تو جو بھی صفت آئے چاہے معرف باللام ہو چاہے معرف باللام نہ ہو، جب وہ منادیٰ مبنی کی صفت آئے گی تو اس پر رفع بھی جائز اور نصب بھی۔ تو کہتے ہیں: وَالصِّفَةِ مُطْلَقًا وَعَطْفِ الْبَيَانِ كَذَلِكَ۔ اور صفت جو ہے مطلقاً اس کا بھی

یہی حکم ہے، و عطفِ بیان بھی اسی طرح ہے۔ یعنی صفت کا بھی مطلقاً یہی حکم کہ اس پر رفع بھی جائز، نصب بھی جائز۔ اور عطفِ بیان بھی اسی طرح ہے یعنی اس کا بھی مطلقاً یہی حکم ہے، اس پر رفع بھی جائز اور نصب بھی جائز ہے۔

وَالْمَعْطُوفِ بِحَرْفٍ الْمُمْتَنِعِ دُخُولُ يَا عَلَيْهِ۔ اور وہ معطوف بحرف کہ ممتنع ہے اس پر یَا کا داخل ہونا۔ دیکھو الْمُمْتَنِعِ یہ مجرور ہے، یہ صفت ہے الْمَعْطُوفِ کی، اور الْمَعْطُوفِ مجرور ہے کیوں کہ اس کا عطف ہے التَّأْكِيدِ پر، اور التَّأْكِيدِ پر مِنْ جارہ داخل ہے، توجہ ہے؟ تو الْمَعْطُوفِ مجرور اور الْمُمْتَنِعِ دُخُولُ يَا عَلَيْهِ یہ اس کی صفت۔ لیکن یہ صفت بحالِ متعلقہ ہے۔ وہ معطوف بحرف نہیں ممتنع، بلکہ ممتنع ہے اس پر یَا کا داخل ہونا۔ آپ جانتے ہیں صفت دو قسم پر ہے: ایک صفت بحالہ اور ایک صفت بحالِ متعلقہ۔ صفت بحالہ کسے کہتے ہیں؟ جو ایسے معنیٰ پر دلالت کرتی ہے جو اس کے متبوع میں پایا جائے، مثلاً جَاءَنِي رَجُلٌ عَالِمٌ، میرے پاس عالم آدمی آیا، یہ عَالِمٌ یہ رَجُلٌ کی صفت ہے اور یہ عالم ہونے کا معنیٰ رَجُلٌ ہی میں پایا جا رہا ہے، عالم وہ رَجُلٌ ہی ہے۔ اور دوسری صورت ہے میں یوں کہتا ہوں جَاءَنِي رَجُلٌ عَالِمٌ أَبُوهُ، میرے پاس ایسا آدمی آیا عَالِمٌ أَبُوهُ کہ اس کا باپ عالم ہے، اب دیکھو رَجُلٌ موصوف ہے اور عَالِمٌ أَبُوهُ یہ اس کی صفت ہے، لیکن یہ عالم ہونے کی صفت رَجُلٌ میں نہیں ہے بلکہ رَجُلٌ کے متعلق یعنی اس کے باپ میں ہے، توجہ ہے؟ تو اس کو کیا کہتے ہیں؟ صفت بحالِ متعلقہ کہتے ہیں۔ یہاں پر بھی یہ الْمُمْتَنِعِ لفظوں کے اندر صفت ہے مَعْطُوف کی، لیکن معنیٰ کے اعتبار سے یہ صفت ہے اس کے متعلق کی، ممتنع یہ مَعْطُوف نہیں ہے بلکہ اس پر یَا کا داخل ہونا ممتنع ہے بھائی۔ تو کہتے ہیں وَالْمَعْطُوفِ بِحَرْفٍ الْمُمْتَنِعِ دُخُولُ يَا عَلَيْهِ اور وہ معطوف بحرف کہ جس پر یَا کا داخل ہونا ممتنع ہو، يَعْنِي الْمُعَرَّفَ بِاللَّامِ یعنی کہ معرف باللام، بِخِلَافِ الْبَدَلِ وَالْمَعْطُوفِ غَيْرِ الْمُمْتَنِعِ دُخُولُ يَا عَلَيْهِ۔ اب دیکھو وہ جو رہ گئے ہیں ان کو بیان کرنے لگے ہیں۔ ان چار کا تو یہ حکم ہے ان میں رفع بھی جائز اور نصب بھی، اور باقی جو دو توابع رہ گئے ان کو بیان کر رہے ہیں۔ کہتے ہیں بِخِلَافِ الْبَدَلِ وَالْمَعْطُوفِ غَيْرِ الْمُمْتَنِعِ دُخُولُ يَا عَلَيْهِ بخلاف بدل کے اور وہ معطوف کہ اس پر یَا کا داخل ہونا ممتنع نہ ہو، فَإِنَّ حُكْمَهُمَا غَيْرُ حُكْمِهَا ان دونوں کا حکم ان کے حکم کے علاوہ ہے كَمَا سَيَجِيءُ جیسے کہ عنقریب آجائے گا۔ تو بدل اور وہ جو معطوف جس پر یَا کا داخل ہونا ممتنع نہیں ہے، ان کا حکم جو ہے باقی توابع کے حکم سے الگ ہے كَمَا سَيَجِيءُ جیسے کہ عنقریب آجائے گا۔

تُرْفَعُ حَمْلًا عَلَى لَفْظِهِ الظَّاهِرِ أَوِ الْمُقَدَّرِ۔ یہ جو توابع ہیں یعنی تاکیدِ معنوی ہے، صفت ہے، عطفِ بیان ہے اور وہ جو معطوف بحرف ہے جس پر یَا کا داخل ہونا ممتنع ہے، ان کا حکم کیا ہے؟ کہ تُرْفَعُ حَمْلًا عَلَى لَفْظِهِ کہ ان پر رفع پڑھا جائے گا منادیٰ کے لفظوں پر حمل کرتے ہوئے، منادیٰ کے بھائی۔ منادیٰ کیا ہے؟ مبنی ہے علامتِ ضمہ پر یَا زَيْدُ، یَا زَيْدُ اس کی میں صفت لانا چاہتا ہوں الْعَاقِلُ، تو یَا زَيْدُ الْعَاقِلُ اور یَا زَيْدُ الْعَاقِلَ دونوں پڑھ سکتے ہیں۔ یَا زَيْدُ الْعَاقِلُ رفع پڑھیں گے صفت پر کیوں؟ کہتے ہیں زید کے لفظوں پر حمل کرتے ہوئے، کس پر؟ بھائی زید تو مبنی ہے اور الْعَاقِلُ پر آپ رفع پڑھ رہے ہیں، توجہ ہے؟ ایک میں ضمہ ہے ضمہ مبنی پر آتا ہے اور دوسرے میں آپ رفع پڑھ رہے ہیں، تو لفظوں پر کیسے حمل کر رہے

ہیں؟ لفظوں پر حمل کرنے کا تو مطلب یہ ہے جیسے زید مبنی ہے الْعَاقِلُ کو بھی کیا ہونا چاہیے؟ مبنی ہونا چاہیے، لیکن آپ کہہ رہے ہیں کہ نہیں الْعَاقِلُ پر رفع پڑھیں گے زید کے لفظوں پر حمل کرتے ہوئے۔ تو یاد رکھنا کہ یہ جو زید پر ضمہ آیا یعنی یہ زید جو مبنی علی الضمہ ہوا، یہ ہمیشہ اور ہر جگہ زید کلامِ عرب میں مبنی ہی ہوتا ہے یا صرف منادیٰ ہونے کی وجہ سے مبنی بنا ہے؟ منادیٰ ہونے کی وجہ سے، ورنہ تو زید معرب ہے، جَاءَنِي زَيْدٌ، رَأَيْتُ زَيْدًا، مَرَرْتُ بِزَيْدٍ، زید پر تو تینوں طرح کے اعراب آتے ہیں، تو صرف منادیٰ ہوتے وقت یہ مبنی علی الضم ہوا، تو گویا یہ ضمہ بھی رفع جیسا ہی ہے۔ تو جیسے معرب پر رفع، نصب اور جر عارضی طور پر آتے ہیں، اسی طرح یہاں جو زید مبنی ہوا اور مبنی ہونے کی وجہ سے اس پر ضمہ آیا، یہ ضمہ بھی رفع کی طرح ہی ہے، عامل کی وجہ سے آیا ہے۔ جیسے رفع عامل کی وجہ سے آتا ہے یہاں ضمہ بھی عامل کی وجہ سے آیا، تو یہ ضمہ کس کی طرح ہوا؟ رفع جیسا ہوا، توجہ ہے؟ یہ ضمہ رفع جیسا ہوا لہٰذا اس کے تابع کو رفع دیا گیا اس کے لفظوں پر حمل کرتے ہوئے کیوں کہ اس کا ضمہ بھی رفع ہی کی طرح ہے، کیوں کہ یہ عارضی طور پر آیا ہے جیسے رفع عارضی طور پر آتا ہے۔

تو کہتے ہیں: تُرْفَعُ حَمْلًا عَلَى لَفْظِهِ کہ یہ جو توابع ہیں یہ مرفوع ہوں گے منادیٰ کے لفظ پر حمل کرتے ہوئے، الظَّاهِرِ أَوِ الْمُقَدَّرِ ظاہرِ لفظ پر یا مقدرِ لفظ پر، ظاہرِ لفظ پر یا۔ بھائی دیکھیے آپ نے پڑھا ہے کہ معرب پر کبھی اعراب لفظوں میں آتا ہے اور کبھی تقدیراً، جَاءَنِي زَيْدٌ، رَأَيْتُ زَيْدًا، مَرَرْتُ بِزَيْدٍ دیکھو تینوں اعراب لفظی ہیں رفع، نصب اور جر یعنی ہم ان پر باقاعدہ تلفظ کر رہے ہیں، اور بعض اوقات اعراب تقدیراً ہوتا ہے جیسے جَاءَنِي مُوسَى، رَأَيْتُ مُوسَى، مَرَرْتُ بِمُوسَى۔ تو انہوں نے کیا کہا تھا کہ منادیٰ مبنی ہو علامتِ رفع پر، منادیٰ مبنی ہو علامتِ رفع پر۔ تو اگر رفع لفظوں میں آتا تھا تو اسی پر مبنی بن جائے گا، اور اگر رفع تقدیراً آتا تھا تو اسی پر مبنی بن جائے گا۔ جیسے يَا زَيْدُ، زید پر رفع لفظوں میں آتا تھا تو یہ اسی رفع پر مبنی بن گیا يَا زَيْدُ، اور يَا قَاضِي، قاضی پر رفع تقدیراً آتا تھا تو اسی رفعِ تقدیری پر یہ کیا بن گیا؟ مبنی۔ تو یہاں ضمہ تقدیری ہے، توجہ ہے؟ يَا قَاضِي کے اندر ضمہ تقدیری ہے کیوں کہ اس پر رفع تقدیری آتا تھا تو ضمہ بھی تقدیری۔ اسی طرح يَا فَتَى، یہاں پر بھی يَا فَتَى اس فَتَى پر فَتًى اسمِ مقصور ہے نا اسمِ مقصور جوان کو کہتے ہیں، تو یہ فَتًى پر رفع تقدیراً آتا تھا تو ضمہ بھی تقدیری آئے گا بھائی، بات سمجھ میں آگئی؟ اسی طرح يَا هَذَا، هَذَا اسمِ اشارہ ہے اور یہ تو پہلے سے ہی مبنی ہے، اور منادیٰ مفرد معرفہ ہو تو وہ مبنی علی الضم ہوتا ہے، توجہ ہے؟ تو یہ هَذَا یہ تو پہلے سے ہی مبنی تھا، تو یوں کہیں گے يَا هَذَا، یہ هَذَا تقدیراً مبنی علی الضم ہے کیوں کہ اس پر اعراب ظاہر نہیں ہو سکتا، توجہ ہے؟ تو منادیٰ مبنی ہو گا علامتِ رفع پر، اگر وہ علامتِ رفع اس میں لفظوں میں آتی تھی تو یہ مبنی ہو جائے گا ضمہِ لفظی پر، اور اگر اس پر رفع تقدیراً آتا تھا یا محلاً آتا تھا تو پھر یہ ضمہِ تقدیری پر مبنی ہو جائے گا۔ تو ہم کیا کہیں گے؟ يَا زَيْدُ یہ کیا ہے؟ مبنی علی الضم، اور ضمہ کون سا ہے؟ لفظی۔ اور يَا قَاضِي یہ بھی منادیٰ مفرد معرفہ ہے، یہ بھی مبنی علی الضم ہے لیکن ضمہِ تقدیری۔ اور يَا هَذَا یہ بھی کیا ہے؟ منادیٰ مفرد معرفہ ہے، یہ بھی مبنی علی الضم ہے لیکن ضمہِ تقدیری ہے بھائی۔ تو لہٰذا کہتے ہیں: تُرْفَعُ حَمْلًا عَلَى لَفْظِهِ الظَّاهِرِ أَوِ الْمُقَدَّرِ کہ یہ جو توابع ہیں ان پر رفع پڑھا جائے

گا منادیٰ کے ظاہری یا مقدر لفظوں پر حمل کرتے ہوئے، لِأَنَّ بِنَاءَ الْمُنَادَى عَارِضِيٌّ اس لیے کیوں کہ یہ جو منادیٰ ہے اس کا مبنی ہونا عارضی طور پر ہے جو اس کو پیش آیا ہے، فَيُشْبِهُ الْمُعْرَبَ تو یہ معرب کے مشابہ ہوا، فَيَجُوزُ أَنْ يَكُونَ تَابِعُهُ تَابِعًا لِلَفْظِهِ تو جائز ہے کہ جو اس کا تابع ہو وہ اس کے لفظوں کے تابع ہو۔ یہ ضمہ عارضی طور پر آیا ہے منادیٰ مفرد معرفہ پر، تو یہ ضمہ رفع کی طرح ہے لہٰذا اس کے لفظوں پر حمل کرتے ہوئے اس کے تابع پر رفع پڑھنا جائز ہے بھائی۔

وَتُنْصَبُ حَمْلًا عَلَى مَحَلِّهِ۔ اور یہ جو توابع ہیں ان پر نصب پڑھا جائے گا منادیٰ کے محل پر حمل کرتے ہوئے، لِأَنَّ حَقَّ تَابِعِ الْمُنَادَى الْمَبْنِيِّ اس لیے کیوں کہ منادیٰ مبنی کے تابع کا حق یہ ہے کہ أَنْ يَكُونَ تَابِعًا لِمَحَلِّهِ کہ یہ منادیٰ مبنی کے محل کے تابع ہو، وَهُوَ هَاهُنَا۔ بھائی دیکھیے جو مبنی کا جو تابع ہوتا ہے نا وہ اس کے محل کے تابع ہوتا ہے، مثلاً میں آپ سے کہتا ہوں جَاءَ هَذَا، یہ آدمی آیا تھا بھائی، تو جَاءَ فعل، هَذَا یہ اسمِ اشارہ ہے اور یہ فاعل بن رہا ہے جَاءَ کے لیے، اور فاعل کیا ہوتا ہے؟ مرفوع، تو هَذَا تو مبنی ہے اسمِ اشارہ مبنیات میں سے ہے، تو ہم یوں کہیں گے کہ یہ هَذَا مرفوع محلاً ہے۔ هَذَا مرفوع محلاً ہے، اب اسی هَذَا پر میں عمرو کا عطف کرنا چاہتا ہوں تو کیسے کہوں گا؟ جَاءَ هَذَا وَعَمْرٌو، جَاءَ هَذَا وَعَمْرٌو، یہ عمرو کا عطف کس پر؟ هَذَا پر، اور هَذَا کیا ہے؟ مبنی، تو مبنی پر جب عطف کیا جاتا ہے تو اس کے محل پر حمل کیا جاتا ہے، اور محل کے اعتبار سے هَذَا مرفوع ہے فاعل ہے تو عمرو بھی مرفوع ہوگا، بات سمجھ میں آگئی؟ تو کہتے ہیں: لِأَنَّ حَقَّ تَابِعِ الْمُنَادَى الْمَبْنِيِّ اس لیے کیوں کہ منادیٰ مبنی کے تابع کا حق یہ ہے کہ أَنْ يَكُونَ تَابِعًا لِمَحَلِّهِ کہ یہ اس کے محل کے تابع ہو، وَهُوَ هَاهُنَا مَنْصُوبُ الْمَحَلِّ بِالْمَفْعُولِيَّةِ اور یہاں پر منادیٰ جو ہے وہ منصوب المحل ہے مفعول ہونے کی بنا پر۔ منادیٰ کیا ہوتا ہے؟ مفعول ہے نا، يَا زَيْدُ تقدیرِ کلام کیا؟ أَدْعُو زَيْدًا، أَدْعُو فعل أَنَا ضمیر فاعل اور زَيْدًا مفعول بہ، تو یہ حقیقت میں مفعول بہ ہے بھائی۔ تو کہتے ہیں: وَهُوَ هَاهُنَا مَنْصُوبُ الْمَحَلِّ بِالْمَفْعُولِيَّةِ اور یہاں پر منادیٰ جو ہے وہ منصوب المحل ہے مفعول ہونے کی بنا پر۔

مِثْلُ يَا تَيْمُ أَجْمَعُونَ وَأَجْمَعِينَ فِي التَّأْكِيدِ۔ اب صاحبِ جامی سب کی مثالیں ذکر کریں گے۔ صاحبِ کافیہ نے ان توابع میں سے صرف صفت کی مثال ذکر کی ہے، دیکھو آگے متن میں آرہا ہے يَا زَيْدُ الْعَاقِلُ وَالْعَاقِلَ، باقیوں کی مثالیں ذکر نہیں کیں۔ صاحبِ جامی سب کی مثالیں ساتھ ذکر کرتے جائیں گے۔ کہتے ہیں: مِثْلُ يَا تَيْمُ أَجْمَعُونَ وَأَجْمَعِينَ فِي التَّأْكِيدِ۔ تاکید میں یوں کہیں گے بھائی، یاد رکھو یہ تَیْم یہ قبیلے کا نام ہے، يَا تَيْمُ اے قبیلہ تیم والو، أَجْمَعُونَ یہ أَجْمَعُ تاکید کے لیے آتا ہے، تاکید کے لیے اور یہ تاکیدِ معنوی ہے، دیکھو وہی لفظ دوبارہ نہیں لائے الگ لفظ ہے، يَا تَيْمُ أَجْمَعُونَ اے قبیلہ تیم والو سب کے سب بھائی۔ تو اس میں رفع بھی جائز ہے أَجْمَعُونَ اور أَجْمَعِينَ نصب بھی جائز ہے، آپ یوں بھی کہہ سکتے ہیں يَا تَيْمُ أَجْمَعُونَ اور یوں بھی کہہ سکتے ہیں يَا تَيْمُ أَجْمَعِينَ۔

آگے دیکھیے: وَيَا زَيْدُ الْعَاقِلُ وَالْعَاقِلَ، صفت کے اندر بھی الْعَاقِلُ بھی کہہ سکتے ہیں اور الْعَاقِلَ بھی کہہ سکتے ہیں، فِي الصِّفَةِ یہ صفت میں ہے۔ وَاقْتَصَرَ عَلَى مِثَالِهَا۔ بھائی سوال پیدا ہوتا ہے کہ صاحبِ کافیہ نے صرف صفت کی مثال ذکر کی،

باقیوں کی مثال انہوں نے ذکر نہیں کی اس کی کیا وجہ ہے؟ تو صاحبِ جامی آپ کو بتلائیں گے کہ چونکہ یہ کثیر الاستعمال ہے اور چونکہ یہ زیادہ مشہور ہے، نحوی حضرات مثال کے طور پر اس صفت کی مثال ذکر کرتے ہیں، اس لیے صاحبِ کافیہ نے بھی اسی پر اکتفا کیا کہ یہ کثیر الاستعمال ہے اور یہ زیادہ مشہور ہے۔ تو کہتے ہیں: وَاقْتَصَرَ عَلَى مِثَالِهَا اور صاحبِ کافیہ نے اکتفا کیا اس صفت کی مثال پر، لِأَنَّهَا أَكْثَرُ وَأَشْهَرُ اس لیے کیوں کہ یہ جو صفت ہے یہ زیادہ کثیر ہے یعنی زیادہ استعمال ہوتی ہے صفت، وَأَشْهَرُ اور یہ زیادہ مشہور ہے نحویوں میں بھائی۔ بعض علما نے اور جواب دیا بھائی، وہ فرماتے ہیں کہ صاحبِ کافیہ نے صرف صفت کی مثال اس لیے دی کیوں کہ صفت کے اندر بعض علمائے نحو کا اختلاف ہے، چنانچہ امام اصمعی فرماتے ہیں کہ منادیٰ کی صفت لانا جائز ہی نہیں، منادیٰ کی صفت لانا جائز ہی نہیں ہے، اور اگر کہیں لفظوں میں صفت نظر بھی آئے تو وہ اس میں تاویل کرتے ہیں، جیسے يَا زَيْدُ الْعَاقِلُ، الْعَاقِلُ پر رفع پڑھا ہے، تو امام اصمعی فرماتے ہیں کہ یہ الْعَاقِلُ صفت نہیں ہے، یہ کلام اصل میں یوں ہے: يَا زَيْدُ أَنْتَ الْعَاقِلُ، تو یہ خبر ہے أَنْتَ کے لیے، اے زید تم ہی عقلمند ہو بھائی، یا تم عقلمند ہو، بات سمجھ میں آگئی؟ اور نصب جب آئے يَا زَيْدُ الْعَاقِلَ، جب رفع آیا تھا تب کیا بنایا تھا اس الْعَاقِلُ کو؟ خبر بنایا تھا اور خبر مرفوع ہوتی ہے تو أَنْتَ مبتدا محذوف تھا، اور جب يَا زَيْدُ الْعَاقِلَ نصب آئے گا تو کہتے ہیں یہ أَعْنِي فعل کے لیے مفعول بہ ہے، يَا زَيْدُ أَعْنِي الْعَاقِلَ، أَعْنِي فعل أَنَا ضمیر اس کے اندر فاعل اور الْعَاقِلَ اس کے لیے مفعول بہ، تو وہ اس کے اندر تاویل کرتے ہیں، لیکن عام علما جمہور کے نزدیک منادیٰ کی صفت آسکتی ہے بھائی، وہ تو فرماتے ہیں منادیٰ کی صفت آ ہی نہیں سکتی، اسی لیے انہوں نے تاویل کی بھائی۔ بھائی کیا وجہ ہے وہ کیوں فرماتے ہیں کہ منادیٰ کی صفت نہیں آسکتی؟ کہتے ہیں وجہ یہ کہ یہ منادیٰ جو ہے کاف ضمیر کی جگہ آیا ہے۔ يَا زَيْدُ کس درجے میں ہے؟ أَدْعُوكَ، أَدْعُوكَ میں آپ کو پکار رہا ہوں۔ میں نے آپ کو بتلایا تھا کہ متکلم اپنے لیے بھی ضمیر استعمال کرتا ہے، اپنا نام بار بار نہیں لیتا۔ مخاطب سے بھی جب بات کرتا ہے تو اس کا نام نہیں لیتا اس کے لیے بھی ضمیر استعمال کرتا ہے کہ آپ کا کیا حال ہے، آپ کہاں گئے تھے، آپ آج کل کیا پڑھ رہے ہیں، دیکھو نام کہیں نہیں لیتا وہ۔ تو یہاں پر يَا زَيْدُ یہ کس درجے میں ہے؟ أَدْعُوكَ کے درجے میں ہے۔ تو معلوم ہوا یہاں خطاب کیا جا رہا ہے، جس کو آواز دی جا رہی ہے اس سے خطاب ہو رہا ہے، اور خطاب کے لیے تو ضمیر استعمال کی جاتی ہے اور زید تو اسمِ ظاہر ہے، اسمِ ظاہر استعمال نہیں کیا جاتا۔ تو یہاں پر یہ جو منادیٰ ہے تو امام اصمعی فرماتے ہیں یہ منادیٰ کس کی جگہ آیا ہے؟ کاف ضمیر کی جگہ آیا ہے، اور یاد رکھنا ضابطہ ہے: الضَّمِيرُ لَا يُوصَفُ وَلَا يُوصَفُ بِهِ ضمیر نہ تو موصوف بنتی ہے اور نہ صفت بنتی ہے۔ یہ ہمیشہ یاد رکھنا یہ آپ کو ہر جگہ ترکیب میں کام آئے گا۔ ضمیر کو کبھی موصوف نہ بنانا اور ضمیر کو کبھی صفت نہ بنانا، تو الضَّمِيرُ لَا يُوصَفُ وَلَا يُوصَفُ بِهِ۔ معلوم ہوا ضمیر نہ موصوف بنتی ہے اور نہ اس کی صفت آسکتی ہے، تو جب منادیٰ ضمیر کی جگہ آگیا تو اب اس کی صفت لانا جائز نہیں۔ لیکن جمہور نحوی حضرات فرماتے ہیں کہ نہیں، منادیٰ کی صفت آسکتی ہے اور اسی لیے صاحبِ جامی نے يَا زَيْدُ الْعَاقِلُ وَالْعَاقِلَ خاص طور پر صفت

ہی کی مثال ذکر کی یہ بتلانے کے لیے کہ منادیٰ کی صفت لانا جائز ہے اور اس میں یہ دونوں اعراب پڑھ سکتے ہیں رفع بھی اور نصب بھی بھائی۔

آگے دیکھیے: وَيَا غُلَامُ بِشْرٌ وَبِشْرًا فِي عَطْفِ الْبَيَانِ۔ دیکھو یَا غُلَامُ آپ ایک غلام کو ندا دیتے ہیں، غُلَامُ، تو یہ غلام دیکھو متعین غلام ہے لیکن یَا غُلَامُ کہنے سے کچھ پتہ چلا کون سا غلام ہے؟ نہیں، تو آگے اس کی وضاحت کے لیے توضیح کے لیے اس کا نام بھی لے آتے ہیں: یَا غُلَامُ بِشْرٌ۔ اب یہ بِشْر یہ عطفِ بیان ہے۔ عطفِ بیان کسے کہتے ہیں؟ عطفِ بیان جو اپنے متبوع کی وضاحت کرتا ہے، عطفِ بیان جو اپنے متبوع کی وضاحت کرتا ہے، تو یَا غُلَامُ بِشْرٌ تو یہ بِشْر عطفِ بیان ہے، اور عطفِ بیان کے اندر بھی دونوں اعراب جائز ہیں رفع بھی اور نصب بھی، تو یَا غُلَامُ بِشْرٌ اور یَا غُلَامُ بِشْرًا دونوں طرح آپ ندا دے سکتے ہیں۔ تو کہتے ہیں: وَيَا غُلَامُ بِشْرٌ وَبِشْرًا فِي عَطْفِ الْبَيَانِ عطفِ بیان کے اندر۔

وَيَا زَيْدُ وَالْحَارِثُ وَالْحَارِثَ فِي الْمَعْطُوفِ بِحَرْفِ الْمُمْتَنِعِ دُخُولُ يَا عَلَيْهِ۔ جی، يَا زَيْدُ اب اس پر عطف کیا گیا الْحَارِث کا، اور الْحَارِث پر الف لام داخل ہے، الْحَارِث پر الف لام داخل ہے۔ اور معطوف تکرارِ عامل کے درجے میں ہوتا ہے، معطوف جو ہے تکرارِ عامل کے درجے میں ہوتا ہے، گویا اس پر عامل دوبارہ داخل ہو رہا ہے، لیکن یہاں الْحَارِث پر الف لام ہے، یہ معرف باللام ہے اور اس معرف باللام پر تو یَا کو دوبارہ داخل نہیں کیا جا سکتا، يَا الْحَارِثُ ہم نہیں کہہ سکتے بلکہ درمیان میں پھر کیا لاتے ہیں؟ مذکر کے لیے أَيُّهَا اور مؤنث کے لیے أَيَّتُهَا لاتے ہیں۔ تو یہ يَا زَيْدُ یہ ہے منادیٰ مبنی علی الضم، اور اس پر عطف کیا گیا الْحَارِث کا تو یہ الْحَارِث معطوف بحرف ہے یہ اس کا تابع ہے یہ منادیٰ کا، لیکن ایسا معطوف بحرف ہے جس پر يَا کا داخل کرنا ممتنع ہے، جائز نہیں ہے، تو لہٰذا یہاں اس قسم کے معطوف بحرف پر بھی رفع بھی جائز اور نصب بھی: يَا زَيْدُ وَالْحَارِثُ اور يَا زَيْدُ وَالْحَارِثَ دونوں طرح آپ ندا دے سکتے ہیں۔ اس کی جگہ اگر عمرو ہوتا: يَا زَيْدُ وَعَمْرُو پھر اس نے بھی مبنی ہونا تھا وہ مستقل منادیٰ کی طرح ہوتا، آگے صاحبِ جامی اور صاحبِ کافیہ بھی بتلائیں گے۔ تو کہتے ہیں: يَا زَيْدُ وَالْحَارِثُ وَالْحَارِثَ فِي الْمَعْطُوفِ بِحَرْفِ الْمُمْتَنِعِ دُخُولُ يَا عَلَيْهِ اس معطوف بحرف میں جس پر يَا کا داخل ہونا ممتنع ہے، یعنی اس میں بھی رفع بھی جائز اور نصب بھی جائز ہے بھائی۔ بات سمجھ میں آگئی؟ حل ہو گیا سارا اچھی طرح؟ چلیے بس بھائی، ہٰذَا هُوَ الْمَرَامُ وَاللّٰهُ أَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْكَلَامِ۔

سبق نمبر ۱۲۴: المنادیٰ (٦): معطوف بالالف واللام میں امام خلیل، سیبویہ اور یونس کا اختلاف

شرحِ ملا جامی صفحہ: ۹۴ — بتاریخ: ۲٦ دسمبر ۲۰۲۱ء

▪ تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث

آگے سبق دیکھیے بھائی:

وَالْخَلِيلُ بْنُ أَحْمَدَ وَهُوَ أُسْتَاذُ سِيبَوَيْهِ فِي الْمَعْطُوفِ بِحَرْفِ الْمُمْتَنِعِ دُخُولُ يَا عَلَيْهِ يَخْتَارُ الرَّفْعَ مَعَ تَجْوِيزِهِ النَّصْبَ لِأَنَّ الْمَعْطُوفَ بِحَرْفٍ فِي الْحَقِيقَةِ مُنَادًى مُسْتَقِلٌّ فَيَنْبَغِي أَنْ يَكُونَ عَلَى حَالَةٍ جَارِيَةٍ عَلَيْهِ عَلَى تَقْدِيرِ مُبَاشَرَةِ حَرْفِ النِّدَاءِ إِلَهُ وَهِيَ الضَّمَّةُ أَوْ مَا يَقُومُ مَقَامَهَا لَكِنْ لَمَّا لَمْ يُبَاشِرْهُ حَرْفُ النِّدَاءِ جُعِلَتْ تِلْكَ الْحَالَةُ إِعْرَابًا فَصَارَتْ رَفْعًا

بھائی گزشتہ سبق میں وہ منادیٰ جو مبنی ہو علامتِ رفع پر، اس کے توابع کے بارے میں ہم نے پڑھنا شروع کیا تھا، اور صاحبِ جامی نے آپ کو بتلایا کہ یہ جو مُنَادَىٰ مَبْنِيٌّ عَلَى الضَّمِّ ہے، اس کے توابع جب مفرد ہوں تو ان میں رفع پڑھنا بھی جائز اور نصب پڑھنا بھی جائز۔ رفع پڑھیں گے لفظوں پر حمل کرتے ہوئے منادیٰ کے، اور نصب پڑھیں گے منادیٰ کے محل پر حمل کرتے ہوئے۔ اور یہ جو الْمُفْرَدَةِ کی قید آئی، اس کے ذریعے دراصل صاحبِ کافیہ صرف مضاف باضافتِ حقیقی یا باضافتِ معنوی کو نکالنا چاہتے ہیں۔ اس لیے اس الْمُفْرَدَةِ کے اندر صاحبِ جامی نے تعمیم پیدا کی اور کہا کہ مفرد ہونا عام ہے، چاہے حقیقتاً مفرد ہو اور چاہے حکماً مفرد ہو۔

میں نے یہاں آپ کو اضافت کی قسمیں بتلائی تھیں کہ ایک ہے اضافتِ لفظی اور ایک ہے اضافتِ معنوی۔ اضافتِ لفظی اسے کہتے ہیں کہ صیغہ صفت کا ہو، یعنی اسمِ فاعل ہو، اسمِ مفعول ہو یا صفتِ مشبہ ہو، اور یہ مضاف ہو رہا ہو اپنے معمول کی طرف، یعنی اپنے فاعل یا اپنے مفعول کی طرف۔ تو صیغہ صفت کا ہو اور مضاف ہو اپنے معمول کی طرف تو یہ اضافتِ لفظی کہلاتی ہے، اور یہ اضافت صرف لفظوں میں تخفیف کا فائدہ دیتی ہے اسی لیے اس کا نام اضافتِ لفظی ہے۔

یعنی یہ مضاف سے تنوین یا قائم مقامِ تنوین یعنی کہ نونِ تثنیہ اور نونِ جمع کو گرا دیتی ہے۔ جیسے زَيْدٌ ضَارِبٌ عَمْرًا، یہ عَمْرًا کو ضَارِبٌ نے نصب دیا تو یہ عَمْرًا منصوب ہے، مفعول بہ ہے ضَارِبٌ کے لیے، تو یہ معمول ہوا ضَارِبٌ کے لیے۔ اسی معمول کی طرف ضَارِبٌ کی اضافت کر دیں: زَيْدٌ ضَارِبُ عَمْرٍو، تو یہ جو ضَارِبُ عَمْرٍو کی اضافت ہو رہی ہے یہ ہے اضافتِ لفظی، اسمِ فاعل کا صیغہ اپنے مفعول کی طرف مضاف ہو رہا ہے۔ اور اس نے صرف ضَارِبٌ سے تنوین گرائی اور کوئی فائدہ نہیں دیا، یعنی نہ ضَارِب کے اندر تعریف آئی اور نہ تخصیص آئی۔

جبکہ اس کے مقابلے میں اضافتِ معنوی ہے، اضافتِ معنوی وہ ہے جو تعریف یا تخصیص کا فائدہ دیتی ہے۔ اگر نکرہ کی اضافت معرفہ کی طرف کریں گے تو وہ تعریف کا فائدہ دے گی، اور اگر نکرہ کی اضافت نکرہ کی طرف کریں گے تو وہ تخصیص کا فائدہ دے گی۔ اور اضافتِ لفظی کے علاوہ باقی جتنی اضافتیں ہیں وہ تمام وہ اضافتِ معنوی ہیں بھائی۔ تو اضافتِ لفظی کو نکال دیں جس میں صفت کا صیغہ مضاف ہو اپنے معمول کی طرف، باقی تمام اضافتیں اضافتِ معنوی ہیں۔ چاہے مضاف سرے سے صفت کا صیغہ ہی نہ ہو جیسے غُلَامُ زَيْدٍ، یا مضاف صفت کا صیغہ تو ہے لیکن اپنے معمول کی طرف مضاف نہیں ہے، تو یہ بھی اضافتِ معنوی ہی ہے۔ تو اضافتِ معنوی تعریف یا تخصیص کا فائدہ دیتی ہے، یعنی معنیٰ کے اندر یہ چونکہ فائدہ دیتی ہے اس لیے اس کو اضافتِ معنوی کہتے ہیں۔ جبکہ اضافتِ لفظی نہ وہ تعریف کا فائدہ دیتی ہے اور نہ تخصیص کا، وہ تقدیرِ انفصال میں ہی ہے: زَيْدٌ ضَارِبُ عَمْرٍو۔ یہ ضَارِب کی آپ نے بے شک اضافت عمرو کی طرف کر دی لیکن ضَارِب کا لفظ ابھی بھی اسی طرح ہے جیسے الگ تھا۔ جیسے الگ ہونے کی حالت میں، یعنی جب جس وقت اس پر تنوین موجود تھی زَيْدٌ ضَارِبٌ عَمْرًا، جیسے یہ ضَارِبٌ الگ تھا، نہ اس میں تعریف تھی نہ تخصیص تھی، اسی طرح ابھی بھی اضافت کے بعد بھی یہ اسی طرح ہے۔ تو اس کو کیا کہتے ہیں؟ اضافتِ لفظی۔

تو یہ ہمیشہ یاد رکھنا، بعض اوقات کسی جگہ کوئی نکرہ آتا ہے اور پھر اس کے بعد مضاف مضاف الیہ اس کی صفت بنتے ہیں، تو طالب علم پریشان ہوتے ہیں کہ یہ تو مضاف مضاف الیہ تو معرفہ بن جائیں گے حالانکہ وہ اضافتِ لفظی ہوتی ہے بھائی۔ جیسے قرآن میں اللہ فرماتے ہیں: ﴿ هٰذَا عَارِضٌ مُّمْطِرُنَا ﴾، یہ مُمْطِرُنَا مضاف مضاف الیہ مل کر یہ صفت ہے عَارِضٌ کی، اور عَارِضٌ تو نکرہ ہے۔ تو یاد رکھنا یہ مُمْطِرُنَا یہ اضافتِ لفظی ہے بھائی، یہ اضافتِ لفظی ہے بھائی، مُمْطِر اسمِ فاعل ہے اور نَا ضمیر مفعول کی طرف اس کی اضافت ہو گئی۔

تو لہٰذا یہ جو یہاں مفرد کا لفظ آیا یہ مفرد مضاف اور مشابہِ مضاف کے مقابلے میں ہے۔ تو اس مفرد سے مضاف بھی نکل رہا تھا اور مشابہِ مضاف بھی، اور پھر مضاف دو قسم پر ہے یا اضافتِ معنوی ہو گی یا اضافتِ لفظی، اور ان میں سے صرف مضاف باضافتِ معنوی کو نکالنا مقصود ہے۔ مضافِ لفظی اور مشابہِ مضاف ان کا بھی یہی حکم ہے جو آگے آ رہا ہے کہ ان پر بھی رفع بھی جائز ہے اور نصب بھی۔ تو لہٰذا اس لیے صاحبِ جامی نے الْمُفْرَدَةِ میں تعمیم کر دی کہ مفرد ہونا عام ہے،

چاہے حقیقتاً ہو چاہے حکماً۔ حقیقتاً کہا تو زَیْدٌ اور رَجُلٌ جیسے لفظ داخل ہو گئے جو نہ مضاف ہیں اور نہ مشابہِ مضاف۔ اور حکماً مفرد کہا تو مضافِ لفظی اور مشابہِ مضاف یہ دونوں بھی داخل ہو گئے، کیونکہ جب ان کے اندر اضافتِ معنوی نہیں ہے تو یوں سمجھو یہ مفرد ہی ہیں بھائی۔

بات سمجھ میں آگئی؟ اور پھر بتلایا تھا کہ کون سے وہ توابع ہیں جن کے اندر یہ حکم جاری ہوتا ہے؟ بتلایا تھا کہ ایک تاکیدِ معنوی کے اندر یہ حکم جاری ہوتا ہے، اس میں رفع بھی جائز اور نصب بھی۔ اسی طرح صفت میں بھی، اور عطفِ بیان میں بھی، اور وہ معطوف جس پر حرفِ ندا کا داخل کرنا ممتنع ہو یعنی معرّف باللام ہو، تو ان پر رفع پڑھنا بھی جائز اور نصب پڑھنا بھی جائز۔ اور پھر صاحبِ جامی نے سب کی مثالیں بھی ذکر کر دی تھیں۔

اب آئیے بھائی آج کے سبق پر۔ کہتے ہیں: «وَالْخَلِيلُ بْنُ أَحْمَدَ وَهُوَ أُسْتَاذُ سِيبَوَيْهِ فِي الْمَعْطُوفِ بِحَرْفِ الْمُمْتَنِعِ دُخُولُ يَا عَلَيْهِ يَخْتَارُ الرَّفْعَ مَعَ تَجْوِيزِهِ النَّصْبَ»۔ یہاں سے اب اختلاف ذکر کریں گے امام خلیل ابن احمد اور قاری ابو عمرو کے درمیان۔ بھائی امام خلیل ابن احمد یاد رکھنا یہ استاذ ہیں امام سیبویہ کے اور یہ علومِ عربیت کے بہت بڑے ماہر اور بہت بڑے نحوی گزرے ہیں۔ تو یہ استاذ ہیں امام سیبویہ کے۔ اور اسی طرح قاری ابو عمرو بھائی، یہ بھی بہت بڑے نحوی اور علومِ عربیت کے ماہر گزرے ہیں، اور یہ قرّاءِ سبعہ میں سے ہیں، یعنی وہ سات قراءتیں قرآن کی جو روایت کی جاتی ہیں ان میں سے ایک قراءت کو نقل کرنے والے اور روایت کرنے والے قاری ابو عمرو ہیں بھائی۔ اور یہ جو قاری ابو عمرو ہیں یہ امام خلیل ابن احمد پر مقدّم ہیں بھائی۔ امام خلیل ابن احمد جو ہیں ان کی وفات ہوئی ہے سن ۱۷۵ ہجری میں۔ ۱۷۵ ہجری میں امام خلیل ابن احمد رحمہ اللہ کی وفات ہوئی ہے، اور اس وقت ان کی عمر تھی تقریباً ۷۴، ۷۵ سال تھی بھائی۔ جبکہ قاری ابو عمرو جو ہیں وہ مقدّم ہیں، ان کا انتقال ہوا ہے ۱۵۴ ہجری میں اور اس وقت ان کی عمر تھی ۸۴ سال بھائی۔ تو قاری ابو عمرو جو ہیں یہ مقدّم ہیں امام خلیل ابن احمد پر۔ تو یہاں اب امام خلیل ابن احمد اور قاری ابو عمرو کے درمیان ایک اختلاف جو ہے اسی معاملے کے اندر اس کو صاحبِ کافیہ ذکر فرمائیں گے۔

مسئلہ پیچھے کیا ذکر ہوا؟ کہ وہ منادیٰ جو مبنی ہو علامتِ رفع پر، اس کے وہ توابع جو مفرد ہوں، چاہے حقیقتاً مفرد ہوں اور چاہے حکماً مفرد ہوں، ان کے اندر رفع پڑھنا بھی جائز اور نصب پڑھنا بھی جائز۔ اور وہ کون کون سے توابع تھے؟ ایک تاکیدِ معنوی ہے، اسی طرح صفت ہے، اسی طرح عطفِ بیان ہے، اور وہ معطوف جس پر حرفِ ندا کا داخل ہونا ممتنع ہو یعنی وہ معرّف باللام ہو، وہ معطوف جو معرّف باللام ہو جس پر یَا حرفِ ندا کا داخل ہونا ممتنع ہے۔ میں نے آپ کو بتلایا تھا کہ یہ جو حروفِ ندا ہیں یہ بھی آلہِ تعریف ہیں، یہ جس لفظ پر داخل ہوتے ہیں اس کو معرفہ بنا دیتے ہیں، اور اسی طرح الف لام بھی آلہِ تعریف ہے، تو یہ دونوں آلتینِ تعریف ہیں لیکن ان دونوں کو جمع نہیں کیا جاتا بھائی۔ یعنی ایک ہی لفظ پر الف لام بھی داخل ہو اور اس پر یَا حرفِ ندا کو بھی داخل کر دیا جائے یہ جائز نہیں ہے بھائی۔ تو جیسے الْحَارِثُ یا الْحَسَنُ ہے، یہ معرّف

باللام ہے، تو اس کو اگر آپ ندا دینا چاہتے ہیں تو اس پر تو الف لام داخل ہے تو اس پر یَا حرفِ ندا براہِ راست داخل نہیں کریں گے، بلکہ درمیان میں أَیُّھَا یا أَیَّتُھَا جیسا لفظ لے آئیں گے۔ أَیُّھَا مذکر کے لیے اور أَیَّتُھَا مؤنث کے لیے۔ تو اب میں الْحَسَنُ کو ندا دینا چاہتا ہوں، الْحَسَنُ پر الف لام داخل ہے تو میں کیسے ندا دوں گا؟ یَا أَیُّھَا الْحَسَنُ۔ تو حرفِ ندا اور الف لام کو جمع نہیں کیا جاتا بھائی۔

تو یہ جو توابع ذکر ہوئے ان کے اندر رفع بھی پڑھنا جائز تھا اور نصب بھی پڑھنا جائز۔ انہی میں سے ایک وہ معطوف بھی ہے جس پر حرفِ ندا کا داخل کرنا ممتنع ہے یعنی وہ معرّف باللام ہے، جیسے یَا زَیْدُ وَالْحَسَنُ۔ یہ الْحَسَنُ کیا ہے؟ تابع ہے کس کا؟ زید کا۔ زید ہے معطوف علیہ، وَاو حرفِ عطف، اور الْحَسَنُ ہے معطوف، اور یہ ایسا معطوف ہے جس پر حرفِ ندا کا داخل کرنا ممتنع ہے کیونکہ اس پر الف لام داخل ہے۔ تو اس قسم کا جو معطوف ہے اس میں آپ کو صاحبِ کافیہ نے بتلا دیا، رفع پڑھنا بھی جائز اور نصب پڑھنا بھی جائز: یَا زَیْدُ وَالْحَسَنُ رفع کے ساتھ بھی اور یَا زَیْدُ وَالْحَسَنَ نصب کے ساتھ بھی، دونوں طرح پڑھنا جائز ہے۔

بات سمجھ میں آگئی؟ البتہ اس کے اندر پھر اختلاف کیا ہے امام خلیل اور قاری ابو عمرو نے۔ امام خلیل ابن احمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ جو معطوف بہ حرف ہے، یہ جو معرّف باللام ہے الْحَسَنُ جو آرہا ہے، اس میں جائز تو دونوں ہیں، نصب پڑھنا بھی جائز اور رفع پڑھنا بھی جائز، لیکن پسندیدہ اس کے اندر جو ہے رفع پڑھنا ہے بھائی، اس پر رفع پڑھنا اولیٰ ہے۔ اس پر رفع پڑھنا اولیٰ ہے، پسندیدہ ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو یہ کس کا مذہب ہے؟ امام خلیل ابن احمد کا، وہ کیا فرماتے ہیں: یَا زَیْدُ وَالْحَسَنُ اور وَالْحَسَنَ، کیا پڑھنا پسندیدہ ہے؟ وَالْحَسَنُ پڑھنا پسندیدہ ہے۔ توجہ ہے؟ جبکہ قاری ابو عمرو فرماتے ہیں کہ وہ معطوف جو معرّف باللام ہے اس پر نصب پڑھنا پسندیدہ ہے، یعنی یَا زَیْدُ وَالْحَسَنَ پڑھنا اس کے اندر پسندیدہ ہے۔ تو یہ اختلاف ہے دونوں ائمہ کے درمیان بھائی۔

اب دلیل کیا ہے؟ تو امام خلیل ابن احمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ جو معطوف بہ حرف ہوتا ہے یہ مستقل منادیٰ ہوتا ہے۔ یہ جو معطوف بہ حرف ہوتا ہے یہ مستقل منادیٰ ہوتا ہے۔ میں نے آپ کو بتلایا تھا کہ یہ جو توابع ہیں یہ پانچ ہیں: تاکید ہے، صفت ہے، عطفِ بیان ہے، بدل ہے اور معطوف بہ حرف ہے۔ اور ان میں سے بدل اور معطوف بہ حرف یہ تکرارِ عامل کے درجے میں ہوتے ہیں کیونکہ یہ خود مقصود ہیں، مبدل منہ اور بدل میں سے بدل مقصود ہوتا ہے، مبدل منہ کو بطورِ تمہید کے پہلے ذکر کیا جاتا ہے لیکن مقصود کون ہوتا ہے؟ بدل۔ توجہ ہے؟ بھائی بات چل رہی ہے توابع کی، توابع کسے کہتے ہیں؟ جو اپنے ماقبل کے تابع ہوتے ہیں اعراب کے اندر۔ کچھ لفظ وہ ہیں جن پہ عامل براہِ راست داخل ہوتا ہے اور ان کو رفع دیتا ہے، نصب دیتا ہے اور جر، جبکہ کچھ توابع ہیں، توابع میں عامل براہِ راست عمل نہیں کرتا بلکہ وہ اپنے سے ماقبل کے تابع ہوتے ہیں۔ ماقبل پر رفع آئے تو ان پر بھی رفع آتا ہے، ماقبل پر نصب آئے تو ان پر بھی نصب آتا ہے، ماقبل پر جر آئے تو ان پر بھی جر آتا ہے۔ یہ ہیں توابع بھائی۔ تو انہی کا بیان چل رہا ہے کہ منادیٰ کے جو توابع ہیں ان کو کیسے پڑھا جائے گا وہ

تفصیل بیان کر رہے ہیں صاحبِ جامی اور صاحبِ کافیہ بھائی۔

تو یہ جو توابع ہیں، پہلے جو آئے اس کو کہتے ہیں متبوع، اور جو بعد میں آئے اس کو کہتے ہیں تابع۔ تو بعض کے اندر متبوع مقصود ہوتا ہے، تابع مقصود نہیں۔ اور بعض جو ہیں وہ ایسے ہیں کہ ان کے اندر تابع مقصود ہوتا ہے، متبوع مقصود نہیں۔ اور بعض ایسے ہیں جن میں دونوں مقصود ہوتے ہیں، متبوع بھی مقصود ہوتا ہے اور تابع بھی۔ میں کئی دفعہ یہ بیان کر چکا ہوں، پھر بھائی خوب ذہن نشین کر لیں یہ باتیں: موصوف اور صفت، دیکھو صفت پر وہی اعراب آتا ہے جو موصوف پر آئے؛ تاکید پر وہی اعراب آتا ہے جو مؤکّد پر آئے؛ عطفِ بیان پر وہی اعراب آتا ہے جو معطوف علیہ پر آئے؛ بدل پر وہی اعراب آتا ہے جو مبدل منہ پر آئے؛ معطوف پر وہی اعراب آتا ہے جو معطوف علیہ پر آئے۔ لیکن ان میں سے جو صفت ہے، صفت اور موصوف، ان میں سے موصوف مقصود ہوتا ہے، صفت کو صرف وضاحت وغیرہ کے لیے لایا جاتا ہے۔ اسی طرح جو معطوف علیہ اور عطفِ بیان ہوتا ہے، ان میں سے معطوف علیہ جو ہے وہ مقصود ہوتا ہے اور عطفِ بیان صرف اس کی وضاحت کے لیے لایا جاتا ہے۔ مؤکّد اور تاکید میں سے جو مؤکّد ہے جو پہلے آیا ہے وہ ہے مقصود بھائی اور تاکید کو صرف اس کی تاکید کے لیے لایا گیا ہے بھائی۔ بات سمجھ میں آگئی؟ جبکہ مبدل منہ اور بدل، ان میں سے جو پہلے ہے یعنی متبوع یعنی مبدل منہ، اس کو صرف تمہید کے طور پر ذکر کیا گیا ہے، وہ مقصود نہیں ہے بلکہ بدل مقصود ہے یعنی تابع مقصود ہے۔ توجہ ہے؟ تابع مقصود ہے۔ اسی طرح معطوف بہ حرف جو ہے، معطوف بہ حرف میں متبوع اور تابع دونوں مقصود ہوتے ہیں: جَاءَنِي زَيْدٌ وَعَمْرٌو، زید بھی مقصود وَعَمْرٌو اور عمرو بھی مقصود ہے۔ متکلم دونوں کے بارے میں بتلانا چاہتا ہے کہ دونوں کے لیے مجیئت ثابت ہے: جَاءَنِي زَيْدٌ وَعَمْرٌو، دونوں کے لیے مجیئت ثابت ہے۔

حاصلِ کلام یہ ہوا کہ بدل بھی مقصود ہوتا ہے اور معطوف بہ حرف بھی مقصود ہوتا ہے۔ جب یہ دونوں مقصود ہیں تو یہ دونوں تکرارِ عامل کے درجے میں ہیں۔ کس کے درجے میں؟ گویا ان پر عامل دوبارہ داخل ہو رہا ہے۔ تو جب یہی بدل اور معطوف بہ حرف جب یہ منادیٰ کے تابع بن کر آئیں، پہلے ایک منادیٰ آیا اور اس کے بعد بدل آیا، تو بدل تو مقصود ہے، تو یہ تکرارِ عامل کے درجے میں ہے، اور منادیٰ پر کون سا عامل داخل ہوا تھا؟ یَا حرفِ ندا، تو گویا اس بدل پر بھی یَا حرفِ ندا دوبارہ داخل ہے تقدیراً بھائی۔ اسی طرح معطوف بہ حرف ہے، یہ بھی تکرارِ عامل کے درجے میں ہے، گویا اس پر عامل یعنی حرفِ ندا دوبارہ داخل ہو رہا ہے۔ مثلاً میں نے کہا: يَا زَيْدُ وَعَمْرُو، یہ وَعَمْرُو کیا ہے؟ معطوف بہ حرف ہے اور یہ تکرارِ عامل کے درجے میں ہے، گویا اس پر یَا حرفِ ندا دوبارہ داخل ہو رہا ہے، اور جب اس پر یَا حرفِ ندا دوبارہ داخل ہے تو یہ مبنی علی الضم ہو گا جیسے عام منادیٰ مبنی علی الضم ہوتا ہے۔ يَا زَيْدُ، دیکھو زید منادیٰ مفرد معرفہ ہے تو مبنی علی الضم، تو آگے عمرو بھی کیا ہو گا؟ وہ بھی گویا مستقل منادیٰ ہے، وہ بھی مبنی علی الضم ہو گا: يَا زَيْدُ وَعَمْرُو۔ بات سمجھ میں آگئی؟

تو حاصلِ کلام یہ ہوا کہ بدل بھی تکرارِ عامل کے درجے میں اور معطوف بہ حرف بھی تکرارِ عامل کے درجے میں۔ لیکن یہاں بات چل رہی ہے اس معطوف بہ حرف کی جس پر الف لام داخل ہے، جس پر الف لام داخل ہے: يَا زَيْدُ وَالْحَارِثُ۔

تو اس میں امام خلیل ابن احمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ وَالْحَارِثُ پڑھنا پسندیدہ ہے، اور قاری ابو عمرو فرماتے ہیں وَالْحَارِثَ پڑھنا پسندیدہ ہے بھائی۔ وجہ کیا؟ وہ دلیل میں ذکر کر رہا تھا۔ امام خلیل ابن احمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں یہ جو معطوف بہ حرف ہے وَالْحَارِثُ، وہ فرماتے ہیں کہ یہ اصل میں تو اس کا حکم مستقل منادیٰ والا ہے، تو اس کو بھی کیا ہونا چاہیے؟ مبنی علی الضم ہونا چاہیے، لیکن اس پر تو حرفِ ندا داخل نہیں ہو سکتا کیونکہ اس پر اس وقت الف لام داخل ہے، تو اس کو منادیٰ مبنی علی الضم نہیں بنا سکتے، یا یوں کہو آسان لفظوں میں کہ آپ جب اس کو ضمہ نہیں دے سکتے تو پھر اس کو ضمے جیسا اعراب ہی کم از کم دے دو۔ ضمے جیسا اعراب ہی کم از کم اس کو دے دو۔ ہونا تو کیا چاہیے تھا؟ یہ جو وَالْحَارِثُ آیا ہے یہ معطوف بہ حرف ہے اور معطوف بہ حرف کیا ہوتا ہے؟ مستقل منادیٰ۔ جب مستقل منادیٰ ہے تو اس کو بھی کیا ہونا چاہیے؟ مبنی علی الضم، لیکن یہ مستقل منادیٰ بن نہیں سکتا، کیوں نہیں بن سکتا؟ کیونکہ اس پر الف لام داخل ہے، تو جب یہ مبنی علی الضم نہیں ہو سکتا تو اسی ضمے جیسا اعراب اس کو دے دو تاکہ پتا چلے کہ یہ مستقل منادیٰ تو ہے، تو یَا زَیْدُ وَالْحَارِثُ پڑھنا پسندیدہ ہے۔ اگرچہ وہ فرماتے ہیں وَالْحَارِثَ بھی آپ پڑھ سکتے ہیں، یَا زَیْدُ وَالْحَارِثَ بھی آپ پڑھ سکتے ہیں، لیکن پسندیدہ کیا کہ یَا زَیْدُ وَالْحَارِثُ پڑھا جائے اس پر رفع پڑھا جائے۔ کیوں رفع پڑھا جائے؟ وجہ یہ کہ یہ معطوف بہ حرف ہے اور معطوف بہ حرف مستقل منادیٰ ہوتا ہے، جب یہ مستقل منادیٰ ہے تو اس کو تو مبنی علی الضم ہونا چاہیے، لیکن اس کو مبنی علی الضم ہم نہیں بنا سکتے کیونکہ یَا حرفِ ندا اس پر دوبارہ داخل نہیں ہو۔ کیوں نہیں ہو سکتا داخل؟ کیونکہ اس پر الف لام داخل ہے۔ تو جب یہ مبنی علی الضم نہیں ہو سکتا تو کم از کم اسی جیسا اعراب دے دو تاکہ پتا چلے کہ یہ مستقل منادیٰ ہے۔ تو یَا زَیْدُ وَالْحَارِثُ پڑھنا پسندیدہ ہے، اگرچہ وَالْحَارِثَ بھی جائز ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟

جبکہ قاری ابو عمرو فرماتے ہیں کہ یَا زَیْدُ وَالْحَارِثَ پڑھنا پسندیدہ ہے۔ وجہ یہ کہ وہ فرماتے ہیں کہ ہم اس کو مستقل منادیٰ بنا ہی نہیں سکتے کیونکہ اس کے اوپر تو الف لام داخل ہے اور الف لام جب موجود ہو تو اس پر حرفِ ندا داخل نہیں۔ جب اس کو مستقل منادیٰ بنانا ممکن نہیں تو پھر اس کو تابع ہی رکھو بھائی۔ پھر اس کو، اس کو مستقل منادیٰ جب بنانا ممکن نہیں تو اس کو تابع ہی رکھنا اولیٰ ہے۔ اور یہ تابع ہے کس کا؟ زید کا: یَا زَیْدُ وَالْحَارِثَ۔ یہ اس کے اندر نصب پسندیدہ ہے، کیوں؟ کیونکہ یہ تابع ہے، اس کو مستقل منادیٰ بنانا ممکن نہیں۔ جب مستقل منادیٰ بنانا ممکن نہیں تو اس کو تابع ہی رکھو، یہ تابع ہے اور تابع ہی رکھو۔ اور یہ تابع ہے کس کا؟ یَا زَیْدُ کا یعنی مبنی کا، اور مبنی کا جو تابع ہوتا ہے وہ اس کے محل کے تابع ہوتا ہے، اور یَا زَیْدُ بھی کیا ہے؟ محلاً منصوب ہے یہ مفعول بہ ہے۔ یَا زَیْدُ تقدیرِ کلام کیا ہے؟ أَدْعُو زَیْدًا۔ یَا زَیْدُ میں تقدیرِ کلام کیا ہے؟ أَدْعُو زَیْدًا۔ تو یَا زَیْدُ بے شک اس وقت مبنی علی الضم ہے لیکن محلاً یہ منصوب ہے، مفعول بہ ہے، اور آگے وَالْحَارِثُ اس کا تابع ہے، اور مبنی کا جو تابع ہوتا ہے وہ اس کے محل کے تابع ہوتا ہے، لہٰذا اس پر نصب پڑھنا پسندیدہ ہے کیونکہ محلاً یَا زَیْدُ

منصوب ہے بھائی۔ کیونکہ وہ محلاً منصوب۔ دلیل سمجھ میں آئی؟

کیا دلیل ہوئی امام خلیل کی؟ امام خلیل کیا فرماتے ہیں: يَا زَيْدُ وَالْحَارِثُ میں رفع پڑھنا پسندیدہ، کیوں پسندیدہ؟ کیونکہ یہ مستقل منادیٰ ہے، جب مستقل منادیٰ ہے تو اس کو تو مبنی علی الضم ہونا چاہیے تھا، لیکن مبنی علی الضم نہیں ہو سکتا، کیوں نہیں ہو سکتا؟ کیونکہ اس پر یَا حرفِ ندا دوبارہ داخل نہیں ہو سکتا، کیوں نہیں داخل ہو سکتا؟ کیونکہ اس پر الف لام ہے، یہ معرّف باللام ہے۔ تو جب یہ مستقل منادیٰ نہیں ہو سکتا یعنی مبنی علی الضم نہیں ہو سکتا تو اسی جیسی کم از کم اعرابی حرکت دے دو تاکہ پتا چلتا رہے کہ یہ مستقل منادیٰ ہے، تو رفع بتلائے گا کہ یہ مستقل منادیٰ ہے، نصب تو کیا بتلائے گا؟ یہ تابع ہے۔ نصب تو کیا بتلائے گا؟ یہ تابع ہے، اور رفع کیا بتلائے گا؟ یہ مستقل منادیٰ ہے۔ تو لہٰذا ضمہ نہیں دے سکتے تو اسی جیسا اعراب رفع دے دو تاکہ پتا چلے کہ یہ مستقل منادیٰ ہے۔ اگرچہ نصب بھی جائز ہے، لیکن پسندیدہ کیا امام خلیل ابن احمد رحمہ اللہ کے نزدیک؟ رفع پسندیدہ ہے۔

جبکہ قاری ابو عمرو کیا فرماتے ہیں؟ نصب پسندیدہ، کیوں پسندیدہ؟ فرماتے ہیں اس لیے کیونکہ ہاں حق تو یہی تھا اس کو بھی کیا ہونا چاہیے؟ یہ معطوف بہ حرف ہے اور معطوف بہ حرف مستقل منادیٰ ہوتا ہے لہٰذا اس کو بھی مستقل منادیٰ ہونا چاہیے تھا، لیکن یہ مستقل منادیٰ نہیں بن سکتا۔ کیوں نہیں بن سکتا؟ کیونکہ اس پر یَا حرفِ ندا داخل نہیں ہو سکتا کیونکہ اس پر الف لام ہے۔ جب اس کو مستقل منادیٰ نہیں بنا سکتے تو اب دوسری صورت کیا رہ گئی؟ اس کو تابع بناؤ بھائی، کیا بناؤ؟ اور یہ ہے بھی تابع اور بنا بھی تابع دو۔ اور یہ کس کا تابع ہے؟ يَا زَيْدُ کا، یعنی منادیٰ مبنی علی الضم کا تابع ہے۔ تو یہ مبنی کا تابع ہے اور مبنی کا تابع اس کے محل کے تابع ہوتا ہے اور محل کے اعتبار سے يَا زَيْدُ یہ کیا ہے؟ منصوب ہے محلاً کیونکہ مفعول بہ ہے بھائی۔ یہ، لہٰذا اس کو تابع ہی بناؤ کیونکہ اس کو مستقل منادیٰ بنانا ممکن نہیں ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ دلائل سمجھ میں آگئے؟ دیکھیے بھائی کتاب پر:

تو کہتے ہیں: «وَالْخَلِيلُ بْنُ أَحْمَدَ وَهُوَ أُسْتَاذُ سِيبَوَيْهِ» اور امام خلیل ابن احمد اور وہ استاذ ہیں امام سیبویہ کے۔ سِيبَوَيْهِ یہ دو جزوں سے مرکب ہے، سِيبَ یہ با کو مبنی علی الفتح پڑھنا ہے اور وَيْهِ یہ ہا کو مبنی علی الکسرہ پڑھنا ہے، تو اس کے دونوں جز مبنی ہیں بھائی۔ تو کہتے ہیں: «وَهُوَ أُسْتَاذُ سِيبَوَيْهِ» اور وہ استاذ ہیں امام سیبویہ کے۔ تو امام خلیل ابن احمد جو ہیں «فِي الْمَعْطُوفِ بِحَرْفٍ الْمُمْتَنِعِ دُخُولُ يَا عَلَيْهِ» وہ اس معطوف بہ حرف کے بارے میں جس پر یَا کا داخل ہونا ممتنع ہو یعنی معرّف باللام ہے وہ، «يَخْتَارُ الرَّفْعَ» وہ اس میں رفع کو پسند کرتے ہیں «مَعَ تَجْوِيزِهِ النَّصْبَ» ساتھ جائز قرار دینے نصب کے، ساتھ اس کے کہ وہ اس میں نصب کو بھی جائز قرار دیتے ہیں کہ نصب بھی جائز ہے لیکن پسندیدہ کیا ہے؟ رفع ہے۔ بھائی کیوں؟ کہتے ہیں: «لِأَنَّ الْمَعْطُوفَ بِحَرْفٍ فِي الْحَقِيقَةِ مُنَادًى مُسْتَقِلٌّ» کیونکہ معطوف بہ حرف جو ہے حقیقت کے اعتبار سے مستقل منادیٰ ہے بھائی، کیونکہ معطوف بہ حرف تکرارِ عامل کے درجے میں ہوتا ہے گویا اس پر حرفِ ندا دوبارہ داخل ہو رہا ہے،

جب حرفِ ندا دوبارہ داخل ہو رہا ہے تو وہ مستقل منادیٰ کے حکم میں ہوتا ہے۔ تو کہتے ہیں: «لِأَنَّ الْمَعْطُوفَ بِحَرْفِ فِي الْحَقِيقَةِ مُنَادًى مُسْتَقِلٌّ» اس لیے کیونکہ معطوف بہ حرف جو ہے وہ حقیقت کے اندر مستقل منادیٰ ہوتا ہے، «فَيَنْبَغِي أَنْ يَكُونَ عَلَى حَالَةٍ جَارِيَةٍ عَلَيْهِ عَلَى تَقْدِيرِ مُبَاشَرَةِ حَرْفِ النِّدَاءِ إِلَهُ»، «فَيَنْبَغِي» پس مناسب یہ ہے «أَنْ يَكُونَ عَلَى حَالَةٍ» کہ یہ ہونا چاہیے ایسی حالت پر۔ پس یہ جو معطوف بہ حرف ہے جو معرّف باللام ہے يَا زَيْدُ وَالْحَارِثُ، یہ جو الْحَارِثُ ہے، اس کو، اس میں مناسب یہ ہے کہ یہ ایسی حالت پر ہونا چاہیے «جَارِيَةٍ عَلَيْهِ عَلَى تَقْدِيرِ مُبَاشَرَةِ حَرْفِ النِّدَاءِ إِلَهُ» جو جاری ہو اس کے اوپر حرفِ ندا کے اس پر داخل ہونے کی تقدیر پر۔ اس پر حرفِ ندا، بَاشَرَ يُبَاشِرُ مُبَاشَرَةً کا معنیٰ ہے ساتھ ملنا، جڑنا، داخل ہونا، تو «فَيَنْبَغِي» مناسب یہ ہے «أَنْ يَكُونَ عَلَى حَالَةٍ» کہ یہ جو، یہ وہ جو مثال ہے اس کو ذہن میں رکھیں پھر اس ترجمہ اس پر منطبق کریں، يَا زَيْدُ وَالْحَارِثُ یہ جو الْحَارِثُ ہے یہ مستقل منادیٰ ہے، تو اس کو تو مبنی علی الضم ہونا چاہیے تھا۔ کیا ہونا چاہیے؟ مبنی علی الضم ہونا چاہیے، لیکن یہ ہو نہیں سکتا تو اس لیے اس کو اعراب وہی دیں گے۔ دیکھو بھائی! کہتے ہیں اس لیے کہ معطوف بہ حرف جو ہے حقیقت میں مستقل منادیٰ ہے، «فَيَنْبَغِي أَنْ يَكُونَ عَلَى حَالَةٍ» تو مناسب یہ ہے کہ یہ ایسی حالت پر ہو، «جَارِيَةٍ عَلَيْهِ» کہ وہ حالت اس پر جاری ہو، کب جاری ہو؟ «عَلَى تَقْدِيرِ مُبَاشَرَةِ حَرْفِ النِّدَاءِ إِلَهُ» حرفِ ندا کے اس پر داخل ہونے کی تقدیر پر۔ حرفِ ندا کے داخل ہونے کی، بھائی دیکھیے نا يَا زَيْدُ وَالْحَارِثُ، یہ الْحَارِثُ کیا ہے؟ معطوف بہ حرف ہے، یہ، اور معطوف بہ حرف منادیٰ مستقل ہوتا ہے، لہٰذا اس کو بھی اسی حالت پر ہونا چاہیے جس حالت میں اس پر يَا براہِ راست داخل ہو، اور منادیٰ مفرد معرفہ پر جب يَا براہِ راست داخل ہو تو وہ کیا بنا دیتی ہے؟ مبنی، تو اس کو بھی تو مبنی ہی ہونا چاہیے لیکن مبنی ہو نہیں سکتا، کیوں نہیں ہو سکتا؟ کیونکہ اس پر الف لام داخل ہے۔ تو کہتے ہیں: «فَيَنْبَغِي أَنْ يَكُونَ عَلَى حَالَةٍ» تو مناسب یہ ہے کہ یہ جو معطوف بہ حرف ہے اس کو ہونا چاہیے ایسی حالت پر، «جَارِيَةٍ عَلَيْهِ» کہ وہ حالت اس پر جاری ہوتی ہو، کب جاری ہوتی ہو؟ «عَلَى تَقْدِيرِ مُبَاشَرَةِ حَرْفِ النِّدَاءِ إِلَهُ» حرفِ ندا کے اس کے ساتھ ملنے کی تقدیر پر۔ ترجمہ سمجھ میں آ رہا ہے؟ حرفِ ندا کے اس کے ساتھ جڑنے کی تقدیر پر جس حالت پر یہ جاری ہوتا ہے۔ حرفِ ندا جب اس پر براہِ راست داخل ہوتا، یہ معطوف بہ حرف ہے، تو یہ کیا ہوتا؟ مبنی علی الضم ہوتا، تو اس کو بھی مبنی علی الضم ہونا چاہیے، لیکن ہو نہیں سکتا یہاں کیونکہ یہاں اس پر معطوف بہ حرف پر کیا داخل ہے؟ الف لام داخل ہے۔ جی، تو کہتے ہیں: «فَيَنْبَغِي أَنْ يَكُونَ عَلَى حَالَةٍ جَارِيَةٍ عَلَيْهِ عَلَى تَقْدِيرِ مُبَاشَرَةِ حَرْفِ النِّدَاءِ إِلَهُ» تو مناسب یہ ہے کہ اس کو اسی حالت پر ہونا چاہیے، وہ حالت جو اس پر جاری ہوتی ہو حرفِ ندا کے داخل ہونے کی تقدیر پر، اس حالت پر اس کو ہونا چاہیے، اور وہ کون سی حالت ہے؟ کہتے ہیں: «وَهِيَ الضَّمَّةُ أَوْ مَا يَقُومُ مَقَامَهَا» اور وہ ضمہ ہے یا وہ جو ضمہ کے قائم مقام ہے۔ معطوف بہ حرف

مستقل منادیٰ، لہٰذا اس کو بھی، اس کو بھی اسی حالت پر ہونا چاہیے جیسے اس پر حرفِ ندا براہِ راست دوبارہ داخل ہوا ہو۔ بات سمجھ میں آ گئی؟ اور جب حرفِ ندا اس پر براہِ راست داخل ہو تو یہ کیا ہو گا؟ مبنی ہو گا علامتِ رفع پر، کس پر؟

علامتِ رفع، اور علامتِ رفع کیا ہے؟ ضمہ ہے، الف ہے تثنیہ کے اندر، اور واو ہے جمع کے اندر۔ يَا رَجُلُ دیکھا یہ مبنی علی الضمہ ہے۔ يَا زَيْدَانِ یہ تثنیہ ہے، یہ مبنی علی الالف ہے۔ يَا زَيْدُونَ یہ مبنی علی الواو ہے۔ تو جو بھی علامتِ رفع ہو اسی پر اسم کو مبنی بنا دو۔ رَجُلٌ پر رفع کس کے ساتھ آتا تھا؟ ضمہ کے ساتھ: جَاءَنِي رَجُلٌ، رَأَيْتُ رَجُلًا، مَرَرْتُ بِرَجُلٍ۔ تو جس چیز کے ساتھ اس پر رفع آتا تھا اسی پر اس کو مبنی بنا دو۔ تو يَا رَجُلُ دیکھو اس کو مبنی علی الضمہ بنایا۔ تثنیہ میں رفع کس کے ساتھ آتا ہے؟ الف کے ساتھ، تو اسی پر اس کو مبنی بنا دو: يَا زَيْدَانِ، یہ مبنی علی الالف ہے اس وقت۔ يَا زَيْدُونَ، جمع کے اندر رفع واو کے ساتھ آتا ہے تو اسی پر مبنی بنا دو۔

بات سمجھ میں آگئی؟ تو کیا بات ہوئی؟ کہ جو معطوف بہ حرف ہے وہ مستقل منادیٰ، لہٰذا اس کو بھی کیا ہونا چاہیے؟ اس کے ساتھ مستقل منادیٰ والا معاملہ کرتے ہوئے اس کو بھی مبنی علی الضم یا جو ضمہ کے قائم مقام ہے الف یا واو، ان پر مبنی ہونا چاہیے۔ جی، تو کہتے ہیں: «وَهِيَ الضَّمَّةُ أَوْ مَا يَقُومُ مَقَامَهَا» اور یہ ضمہ ہے یا جو اس کے قائم مقام ہو۔ «وَلٰكِنْ لَمَّا لَمْ يُبَاشِرْهُ حَرْفُ النِّدَاءِ» لیکن جب اس پر حرفِ ندا داخل نہیں ہو سکتا۔ معطوف بہ حرف جو ہے اس کو بھی مبنی علی الضم ہونا چاہیے لیکن اس پر حرفِ ندا داخل... کون سا معطوف کی بات ہو رہی ہے؟ جس پر الف لام داخل ہے۔

«وَلٰكِنْ لَمَّا لَمْ يُبَاشِرْهُ حَرْفُ النِّدَاءِ» لیکن جب اس پر حرفِ ندا داخل نہیں ہو سکتا، کیوں نہیں داخل ہو سکتا؟ کیونکہ اس پر کیا داخل ہے؟ الف لام داخل ہے۔ تو «جُعِلَتْ تِلْكَ الْحَالَةُ إِعْرَابًا» تو اسی حالت کو اعراب بنا دیا گیا، «فَصَارَتْ رَفْعًا» تو وہ رفع ہو گیا۔ توجہ ہے؟ پھر سنو! امام خلیل ابن احمد رحمہ اللہ کیا فرماتے ہیں کہ وہ معطوف بہ حرف جو معرّف باللام ہے اس میں رفع پسندیدہ۔ کیوں پسندیدہ؟ کہتے ہیں اس لیے کیونکہ یہ مستقل منادیٰ ہے۔ کیا ہے؟ جب یہ مستقل منادیٰ ہے تو اس کو بھی مبنی علی الضم ہونا چاہیے تھا، لیکن چونکہ اس پر حرفِ ندا دوبارہ داخل نہیں ہو سکتا تو اس کو مبنی علی الضم نہیں بنا سکتے، تو کم از کم ضمے جیسا اعراب ہی دے دو، اسی لیے اس پر رفع پڑھنا پسندیدہ ہے۔ اس پر رفع پڑھا جائے گا۔ تو کہتے ہیں: «وَلٰكِنْ لَمَّا لَمْ يُبَاشِرْهُ حَرْفُ النِّدَاءِ» لیکن جب یہ معطوف جو معرّف باللام ہے جب اس پر حرفِ ندا داخل نہیں ہو سکتا، تو «جُعِلَتْ تِلْكَ الْحَالَةُ إِعْرَابًا» تو اسی حالت کو اعراب بنا دیا گیا، یعنی ضمے جیسا ہی اعراب اس کو دے دیا گیا، «فَصَارَتْ رَفْعًا» تو وہ رفع ہو گیا بھائی۔

«وَأَبُو عَمْرٍو ابْنُ الْعَلَاءِ النَّحْوِيُّ الْقَارِئُ الْمُقَدَّمُ عَلَى الْخَلِيلِ يَخْتَارُ فِيهِ النَّصْبَ» اور قاری ابو عمرو ابن علاء جو ہیں جو النَّحْوِيُّ وہ جو نحوی ہیں، الْقَارِئُ جو قاری ہیں یعنی قرّاءِ سبعہ میں سے ہیں، الْمُقَدَّمُ عَلَى الْخَلِيلِ اور وہ جو مقدّم ہیں امام خلیل پر یعنی زمانے کے اعتبار سے، «يَخْتَارُ فِيهِ النَّصْبَ» وہ اس کے اندر، یہ جو معطوف بہ حرف ہے معرّف باللام اس کے اندر وہ نصب پسند کرتے ہیں «مَعَ تَجْوِيزِهِ الرَّفْعَ» ساتھ رفع بھی اس میں جائز قرار دینے کے، یعنی وہ اس کے اندر رفع بھی جائز قرار دیتے ہیں۔ رفع بھی جائز، نصب بھی جائز، لیکن پسندیدہ کیا ہے؟ نصب، کس کے نزدیک؟ قاری ابو عمرو کے نزدیک۔

«فَإِنَّهُ لَمَّا امْتَنَعَ فِيهِ تَقْدِيرُ حَرْفِ النِّدَاءِ بِوَاسِطَةِ اللَّامِ» کہتے ہیں اس لیے کیونکہ جب یہ جو معطوف بہ حرف ہے اس کے اندر ممتنع ہو گئی، کیا ممتنع ہوا؟ تَقْدِيرُ حَرْفِ النِّدَاءِ، حرفِ ندا کی تقدیر۔ کس کی بات ہو رہی ہے؟ يَا زَيْدُ وَالْحَارِثُ۔ یہ الْحَارِثُ کیا ہے؟ معطوف بہ حرف ہے اور یہ مستقل منادیٰ ہوتا ہے، لیکن اس پر تو الف لام داخل ہے، لہٰذا اس پر یَا کی تقدیر ممتنع ہو گئی، اس پر یَا داخل نہیں ہو سکتی۔ تو کہتے ہیں: «فَإِنَّهُ لَمَّا امْتَنَعَ فِيهِ تَقْدِيرُ حَرْفِ النِّدَاءِ بِوَاسِطَةِ اللَّامِ» لیکن جب اس معطوف بہ حرف کے اندر حرفِ ندا کی تقدیر ممتنع ہو گئی، «بِوَاسِطَةِ اللَّامِ» کس کے واسطے سے ممتنع ہوئی؟ لام کے واسطے سے حرفِ ندا کی تقدیر ممتنع ہو گئی، تو «لَا يَكُونُ مُنَادًى مُسْتَقِلًّا» تو یہ مستقل منادیٰ نہیں ہو سکتا، «فَلَهُ حُكْمُ التَّبَعِيَّةِ» تو اس کے لیے تابع ہونے والا حکم ہو گا، یعنی اس کو تابع ہی بنائیں گے۔ «وَتَابِعُ الْمَبْنِيِّ تَابِعٌ لِمَحَلِّهِ» اور مبنی کا جو تابع ہوتا ہے وہ اس کے محل کے تابع ہوتا ہے۔

میں نے پہلے بھی مثال ذکر کی: جَاءَ هٰذَا، جَاءَ فعل ہے، هٰذَا مرفوع محلاً اس کا فاعل۔ هٰذَا کا اعراب کیا؟ مرفوع ہے محلاً، محلاً کیوں؟ کیونکہ مبنی ہے بھائی۔ اور میں اب اسی هٰذَا پر عطف کرنا چاہتا ہوں عمرو کا تو کیسے کہوں گا؟ جَاءَ هٰذَا وَعَمْرٌو۔ یہ عمرو پر میں نے رفع کیوں پڑھا؟ کیونکہ یہ معطوف ہے هٰذَا پر، اور هٰذَا ہے مبنی، اور مبنی پر جو عطف کیا جاتا ہے وہ اس کے محل پر حمل کیا جاتا ہے، لفظوں پر حمل نہیں۔ اور محل کے اعتبار سے تو هٰذَا مرفوع ہے فاعل ہے، تو عَمْرٌو بھی کیا ہو گا؟ مرفوع۔ تو مبنی پر جب بھی عطف کیا جاتا ہے وہ اس کے محل پر حمل کیا جاتا ہے، لفظوں پر حمل نہیں کیا جاتا۔ بات سمجھ میں آگئی؟ یا دوسری مثال لے لو: جَاءَ هٰؤُلَاءِ۔ هٰؤُلَاءِ اسمِ اشارہ ہے قریب کے لیے: جَاءَ هٰؤُلَاءِ، یہ سب لوگ میرے پاس آئے۔ اور یہ هٰؤُلَاءِ یہ مبنی علی الکسر ہے، یہ مبنی ہے، لیکن یہ فاعل ہے جَاءَ کے لیے، تو مرفوع ہے محلاً۔ توجہ ہے؟ جَاءَ هٰؤُلَاءِ، یہ هٰؤُلَاءِ کیا بن رہا ہے ترکیب میں؟ فاعل ہے، اور فاعل کیا ہوتا ہے؟ مرفوع، تو یہ هٰؤُلَاءِ محلاً مرفوع ہے، لفظوں میں اگرچہ یہ مبنی علی الکسرہ ہے، آخر میں کسرہ آرہا ہے جَاءَ هٰؤُلَاءِ، لیکن یہ تو مبنی ہے، مبنی پر اعراب ظاہر نہیں ہوتا تو محلاً یہ مرفوع ہی ہے۔ اب اسی پر میں عطف کرنا چاہتا ہوں عمرو کا، تو عمرو کا عطف جو ہے یہ هٰؤُلَاءِ جو مبنی ہے اس کے محل پر حمل کریں گے، لفظوں پر حمل نہیں۔ لفظوں کے اعتبار سے تو اس پر کسرہ ہے لیکن محل کے اعتبار سے یہ مرفوع۔ تو مبنی پر جو عطف کیا جاتا ہے وہ اس کے محل پر حمل کیا جاتا ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو يَا زَيْدُ وَالْحَارِثَ، تو یہاں پر بھی جب الْحَارِثُ کا حمل کریں گے زید پر تو کس پر حمل کریں گے؟ اس کے محل پر۔ یہ کس کی دلیل چل رہی ہے؟ قاری ابو عمرو۔ وہ فرماتے ہیں رفع بھی جائز اس کے اندر يَا زَيْدُ وَالْحَارِثُ میں، اور نصب بھی جائز، لیکن پسندیدہ کیا؟ نصب۔ وجہ یہ کہ الْحَارِثُ کو مستقل منادیٰ بنانا ممکن نہیں، جب مستقل منادیٰ نہیں بنا سکتے تو اس کو تابع ہی بناؤ، اور مبنی کا تابع اس کے محل کے تابع ہوتا ہے، اور محل کے اعتبار سے يَا زَيْدُ منصوب ہے مفعول بہ ہے بھائی۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو کہتے ہیں: «وَتَابِعُ الْمَبْنِيِّ تَابِعٌ لِمَحَلِّهِ وَمَحَلُّهُ النَّصْبُ» اور مبنی کا جو تابع ہوتا ہے وہ اس کے محل کے تابع ہوتا ہے، اور یہ جو منادیٰ مبنی ہے اس کا محل کیا ہے؟

نصب ہے یہ مفعول بہ ہے۔

«وَأَبُو الْعَبَّاسِ الْمُبَرِّدُ إِنْ كَانَ...» جی۔ امام ابو العباس مبرد جو ہیں رحمہ اللہ وہ دونوں ائمہ کے درمیان محاکمہ فرماتے ہیں، محاکمہ یعنی فیصلہ۔ وہ محاکمہ فرماتے ہیں، بھائی امام خلیل ابن احمد رحمہ اللہ کیا فرماتے ہیں کہ وہ معطوف بہ حرف جو معرّف باللام ہو يَا زَيْدُ وَالْحَارِثُ اس میں رفع پسندیدہ مطلقاً ہر جگہ، اور قاری ابو عمرو کیا فرماتے ہیں يَا زَيْدُ وَالْحَارِثَ اس کے اندر ہر جگہ نصب پسندیدہ ہے۔ جبکہ امام مبرد فرماتے ہیں کہ نہیں، یہ جو معطوف بہ حرف ہے، یہ جس پر الف لام داخل ہے وَالْحَارِثُ، اس کے لفظوں پر غور کیا جائے گا: اگر یہ ایسا معرّف باللام ہے جس سے الف لام کو جدا کرنا ممکن ہے تو پھر اس میں رفع پسندیدہ، اور اگر یہ ایسا معرّف باللام ہے جس سے الف لام کو جدا نہیں کر سکتے تو پھر اس کے اندر نصب پسندیدہ۔

توجہ ہے؟ بھائی یاد رکھنا میں نے آپ کو بتلایا تھا کہ الف لام دو قسم پر ہے: ایک الف لام اسمی اور ایک الف لام حرفی۔ الف لام اسمی وہ ہے جو اسمِ فاعل اور اسمِ مفعول کے صیغوں پر داخل ہوتا ہے۔ الضَّارِبُ یہ ضَارِب اسمِ فاعل کا صیغہ ہے، اس پر جو الف لام آیا یہ الف لام اسمی ہے اور یہ دراصل اسمِ موصول ہے بمعنی الَّذِي کے، تو الضَّارِبُ کس معنیٰ میں ہوا؟ الَّذِي يَضْرِبُ۔ اور الْمَضْرُوبُ یہ مَضْرُوب اسمِ مفعول ہے، اس پر الف لام آیا تو یہ بھی الف لام اسمی ہے یعنی اسمِ موصول ہے بمعنی الَّذِي کے، تو الْمَضْرُوبُ کس معنیٰ میں ہوا؟ الَّذِي يُضْرَبُ۔ تو اسمِ فاعل اور اسمِ مفعول کے صیغوں پر جو الف لام آئے وہ الف لام اسمی کہلاتا ہے، وہ دراصل اسم ہے اور وہ اسمِ موصول ہے بھائی۔ جبکہ باقی لفظوں پر جو بھی الف لام آئے وہ الف لام حرفی کہلاتا ہے، وہ الف لام... اور وہ الف لام حرفی پھر یاد رکھنا دو قسم پر ہے: کبھی وہ زائد ہو گا کبھی غیرِ زائد ہو گا۔

یہ جو الف لام حرفی ہوتا ہے نا، الف لام حرفی، یہ جس لفظ پر داخل ہوتا ہے اس کو معرفہ بنا دیتا ہے۔ جیسے رَجُلٌ نکرہ تھا، الف لام اس پر لے آؤ: الرَّجُلُ اب یہ کیا بن گیا؟ معرفہ۔ غُلَامٌ نکرہ ہے، اس پر الف لام لے آؤ: الْغُلَامُ تو یہ کیا بن گیا؟ معرفہ۔ تو یاد رکھو یہ جو الف لام حرفی ہے، الف لام حرفی یہ کسی لفظ کو معرفہ بنانے کے لیے لاتے ہیں، معرفہ بنانے کے لیے۔ تو اگر وہ لفظ پہلے سے ہی معرفہ تھا تو پھر تو یہ اس لفظ کو معرفہ نہیں بنائے گا، وہ تو پہلے سے ہی معرفہ ہے۔ جیسے حَسَنٌ، حَسَن کسی کا نام ہے، جب نام ہے علم ہے، علم تو معرفہ ہوتا ہے، تو اس پر عربی زبان میں الف لام لے آتے ہیں: الْحَسَنُ۔ تو اب دیکھو یہ الف لام حرفی ہے، الف لام حرفی، لیکن اس نے حَسَن کو معرفہ نہیں بنایا کیونکہ حَسَن کا لفظ تو پہلے ہی معرفہ تھا وہ تو علم تھا بھائی۔ تو اس الف لام کو کہیں گے الف لام حرفی زائد بھائی، یہ الف لام حرفی زائد ہے بھائی۔ اور اگر الف لام تعریف کا لفظوں میں فائدہ دے تو پھر اس کو غیرِ زائد کہیں گے۔ جیسے رَجُلٌ پر الف لام لے آئیں کیا بن گیا؟ الرَّجُلُ، اس الف لام نے کیا کیا؟ رَجُل کے لفظ کو معرفہ بنا دیا، معلوم ہوا یہ زائد نہیں ہے۔ تو الْحَسَنُ پر جو الف لام آیا

وہ زائد، وہ صرف لفظ کو حسین بنانے کے لیے لایا جاتا ہے۔ بعض اوقات عربی زبان میں نام پر الف لام لے آتے ہیں، یاد رکھو یہ الف لام حرفی ہے اور زائد ہے، یہ صرف تحسینِ لفظ کا فائدہ دیتا ہے یعنی لفظ کو خوبصورت بنا دیتا ہے۔ جیسے الْحَسَنُ، الْخَلِيلُ، الْعَلِيُّ یہ سب نام ہیں، ان پر جو الف لام آیا یہ حرفی ہے لیکن زائد ہے، یعنی صرف لفظ کو حسین بنا رہا ہے، باقی اپنے معنیٰ کا فائدہ نہیں دے رہا۔ الف لام حرفی جو ہے اس کو لفظ کو حسین بنانے کے لیے تو وضع نہیں کیا گیا، اس کو تو کسی لفظ کو معرفہ بنانے کے لیے وضع کیا گیا ہے۔ کس لیے؟ لیکن یہ معرفہ نہیں بنا رہا الْحَسَنُ، الْخَلِيلُ، الْعَلِيُّ، یہ معرفہ نہیں بنا رہا ان کو، کیوں؟ کیونکہ یہ پہلے سے ہی معرفہ ہیں کیونکہ یہ نام ہیں بھائی۔ تو یہ الف لام حرفی ہے اور زائد ہے بھائی، یہ صرف تحسینِ لفظ کا فائدہ دے رہا ہے، لفظ کو حسین بنا رہا ہے، خوبصورت بنا رہا ہے۔

جبکہ ویسے الف لام جو غیرِ زائد ہے وہ آپ نے پڑھا ہے پھر وہ چار قسم پر ہے: کبھی اس کے ذریعے جنس اور ماہیت کی طرف اشارہ ہو گا تو وہ الف لام جنسی کہلاتا ہے؛ کبھی اس کے ذریعے تمام افراد کی طرف اشارہ ہو گا تو وہ الف لام استغراقی کہلاتا ہے؛ کبھی اس کے ذریعے بعضِ معیّن کی طرف اشارہ ہو گا تو وہ الف لام عہدِ خارجی کہلاتا ہے؛ اور کبھی اس کے ذریعے بعضِ غیرِ معیّن کی طرف اشارہ ہو گا تو وہ الف لام عہدِ ذہنی کہلاتا ہے۔ توجہ ہے؟ تو معلوم ہوا الف لام بنیادی طور پر دو قسمیں ہیں: الف لام اسمی اور الف لام حرفی۔ الف لام اسمی اسم ہے اور الف لام حرفی حرف ہے۔ پھر الف لام حرفی یہ لفظ کو معرفہ بنانے کے لیے آتا ہے، تو اگر یہ تعریف کا فائدہ دے رہا ہے تو یہ غیرِ زائد ہے اور اگر یہ تعریف کا فائدہ نہیں دے رہا تو یہ زائد ہے۔ توجہ ہے؟ اور یہ جو زائد ہوتا ہے یہ صرف تحسینِ لفظ کا فائدہ دیتا ہے۔ اور وہ جو غیرِ زائد ہے وہ لفظ کو معرفہ بناتا ہے، اور اس کے ذریعے پھر یا تو اشارہ ہوتا ہے جنس کی طرف یا افراد کی طرف، پھر تمام افراد کی طرف یا بعض کی طرف، پھر وہ بعض متعین ہوتے ہیں یا غیرِ متعین ہوتے ہیں۔ بات سمجھ میں آ گئی؟

تو بہرحال یہ جو الف لام ہے الف لام حرفی، یہ الف لام حرفی یہ لفظ پر کبھی داخل ہوتا ہے، کبھی اس کو لفظ سے الگ کر دیتے ہیں۔ لفظ سے... چاہے زائد ہو چاہے غیرِ زائد ہو۔ جیسے رَجُلٌ دیکھو الف لام نہیں ہے، اس پر الف لام لے آؤ الرَّجُلُ، تو رَجُل پر کبھی الف لام آئے گا اور کبھی نہیں آئے گا، اس سے جدا ہو جاتا ہے۔ الْحَسَنُ نام ہے، اس پر چاہے تو الف لام لے آؤ چاہے تو نہ لاؤ۔ عَلِيٌّ نام ہے، تو چاہے تو اس پر الف لام لے آؤ چاہے تو نہ لاؤ۔ خَلِيلٌ نام ہے، چاہے تو اس پر الف لام لے آؤ چاہے تو نہ لاؤ۔ تو یہ جو الف لام حرفی جو ہے یہ لفظ سے جدا ہو جاتا ہے، یہ لفظ سے... جبکہ بعض اوقات یہ الف لام لفظ سے جدا نہیں ہوتا، یہ اس وقت جب کسی کا نام ہی الف لام کے ساتھ رکھ دیا جائے، یعنی وضع کے وقت ہی الف لام کو جزبنا دیا جائے۔ توجہ ہے؟ وضع کے ساتھ ہی۔ جیسے دیکھو نَجْمٌ، نَجْم عربی زبان میں ستارے کو کہتے ہیں، ستارے کو۔ اسی طرح اس پر الف لام داخل کر کے النَّجْمُ بنایا گیا، اور ستاروں کا ایک مجموعہ ہے بھائی جس کو اردو

زبان میں ثریا اور پروین کہتے ہیں، اس مجموعے کا نام ہی النَّجْمُ رکھ دیا گیا۔ تو صرف نَجْمٌ کہیں تو ستارہ مراد ہے، اور النَّجْمُ کہیں تو یہ اس ثریا یا اس پروین وہ جو ستاروں کا مجموعہ ہے یہ اس کے لیے علم ہے نام ہے بھائی۔ تو یہ نام الف لام کو ملا کر رکھا گیا ہے، لہٰذا اس النَّجْمُ سے الف لام کو آپ جدا نہیں کر سکتے کیونکہ الف لام ہے تو اس کی اس ستاروں کے مجموعے پر پھر اس کی دلالت بھی ہے، اگر الف لام جدا کر دیں گے تو اس کی دلالت اس ستاروں کے مجموعے پر نہیں رہے گی۔ معلوم ہوا اب یہ اس نام کا جزبن چکا ہے یہ الف لام۔ بات سمجھ میں آگئی؟

اسی طرح، اسی طرح آگے ایک لفظ آئے گا صَعِقٌ بھائی، صَعِقٌ، صاد عین اور قاف۔ صَعِقٌ یاد رکھو صفتِ مشبہ ہے بھائی، یہ صَاعِقَةٌ سے ہے، صَاعِقَةٌ۔ صَاعِقَةٌ کہتے ہیں آسمانی بجلی کو بھائی۔ تو جس شخص پر آسمانی بجلی گری اور مثلاً وہ بے ہوش ہو گیا، یا ویسے کوئی بے ہوش ہو جائے اس کو عربی میں صَعِقٌ کہتے ہیں، صاد عین اور قاف ہے دو نقطوں والا۔ صَعِقٌ صفتِ مشبہ ہے بھائی۔ تو صَعِقٌ ہر بے ہوش کو کہیں گے۔ توجہ ہے؟ اور پھر اس پر الف لام داخل کر کے عرب کے ایک شخص کا نام ہی یہ پڑ گیا: الصَّعِقُ بھائی، الصَّعِقُ۔ یاد رکھو یہ عرب کے اندر ایک مشہور شہسوار تھا بھائی، مشہور گھڑ سوار تھا بھائی، پورے عرب کے اندر جس کی گھڑ سواری کی شہرت تھی، اور اس کا نام تھا خویلد ابن نفیل الکلابی، خویلد ابن نفیل الکلابی۔ یہ عرب کا ایک مشہور گھڑ سوار تھا، کہتے ہیں اس کے اوپر آسمانی بجلی گری اور پھر یہ بے ہوش ہو گیا، مرا نہیں بچ گیا، یا بعض کہتے ہیں کہ بنو تمیم والوں نے اس کے سر پر ضرب لگائی تھی اور اس سے یہ بے ہوش ہو گیا، اور پھر بعد میں اس کی یہ حالت ہو گئی وہ آسمانی بجلی گرنے کی وجہ سے یا وہ بنو تمیم کے مارنے کی وجہ سے، اس شخص کی یہ حالت ہو گئی کہ بعد میں زندگی بھر جب بھی یہ کوئی خوفناک آواز سنتا تھا جیسے بجلی کے کڑکنے کی آواز ہے یا اس طرح کی کوئی آواز، خوفناک آواز سنتا تو اس کے ہوش اڑ جاتے تھے اور یہ بے ہوش ہو جاتا تھا بھائی، حواس باختہ ہو جاتا تھا بھائی۔ تو اس کا نام ہی الصَّعِقُ پڑ گیا بھائی۔ تو یہ دیکھو اب اس آدمی کا نام الصَّعِقُ پڑ گیا الف لام کے ساتھ بھائی۔ بغیر الف لام کے صَعِقٌ کہیں تو کوئی بھی بے ہوش، لیکن الف لام کے ساتھ الصَّعِقُ یہ اس آدمی کا نام پڑ گیا بھائی۔ تو اب دیکھو وضع کے وقت ہی الف لام ساتھ ہے بھائی۔ تو جیسے النَّجْمُ وہ ستاروں کے مجموعے کا نام پڑ گیا الف لام کے ساتھ، اور جیسے الصَّعِقُ اس آدمی کا نام پڑ گیا الف لام کے ساتھ، تو یہ جو الف لام ہے اب نام کا جز ہے، یہ نام سے الگ نہیں ہو سکتا بھائی۔ توجہ ہے؟ یہ اس نام سے الگ نہیں ہو سکتا، جبکہ ویسے الف لام وہ تو لفظ سے الگ ہو جاتا ہے: الرَّجُلُ کہہ لیں یا رَجُلٌ کہہ لیں، الْحَسَنُ کہہ لیں یا حَسَنٌ کہہ لیں بھائی۔

بات سمجھ میں آگئی؟ تو بات چل رہی تھی امام مبرد کی، مذہب بیان ہو رہا تھا امام مبرد کا بھائی۔ امام مبرد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ وہ معطوف بہ حرف جو معرّف باللام ہے اس کے لفظوں پر غور کیا جائے گا: اگر تو اس سے الف لام کا جدا کرنا ممکن

ہے، معلوم ہوا وہ الرَّجُلُ جیسا لفظ ہے یا الْحَسَنُ جیسا ہے یا الْخَلِيلُ جیسا لفظ ہے، تو پھر جب اس سے الف لام کا جدا کرنا ممکن ہے تو اس پر رفع پڑھنا پسندیدہ؛ اور اگر اس سے الف لام کا جدا کرنا ممکن نہیں وہ جو معطوف بہ حرف ہے، معلوم ہوا وہ النَّجْمُ یا الضَّعِقُ جیسا لفظ ہے، تو پھر اس کے اندر نصب پسندیدہ ہے، تو اس کے اندر نصب پسندیدہ ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟

تو امام مبرد کیا فرماتے ہیں کہ وہ معطوف بہ حرف جو معرّف باللام ہے اس معطوف میں غور کیا جائے گا: اگر اس سے الف لام کا جدا کرنا ممکن ہے یعنی اس سے الف لام جدا بھی ہو جاتا ہے، کبھی جڑا ہوتا ہے اس کے ساتھ الف لام اور کبھی جدا ہو جاتا ہے، تو اس سے الف لام کو جدا کر کے اس کو مستقل منادیٰ بنانا ممکن ہے، اس پر یَا کا داخل کرنا ممکن ہے۔ الرَّجُلُ پر یَا کا داخل کرنا ممکن ہے، کیسے؟ الف لام ہٹا دو: یَا رَجُلُ۔ الْحَسَنُ پر یَا کا داخل کرنا ممکن ہے، کیسے؟ الف لام کو ہٹا دو: یَا حَسَنُ۔ تو اس وقت تو یہ معرّف باللام ہے: یَا زَيْدُ وَالْحَسَنُ، لیکن اس سے الف لام کا جدا کرنا ممکن، تو اس سے الف لام کو جدا کر کے اس کو مستقل منادیٰ بنانا چونکہ ممکن ہے، لہٰذا اس پر رفع پڑھو تاکہ یہ رفع بتلائے کہ یہ مستقل منادیٰ ہے، تو یَا زَيْدُ وَالْحَسَنُ پڑھنا پسندیدہ۔ اور اگر وہ معرّف باللام جو ہے اگر وہ النَّجْمُ اور الضَّعِقُ کی طرح ہے، اور النَّجْمُ اور الضَّعِقُ سے تو الف لام کا جدا کرنا ممکن نہیں، جب الف لام کا جدا کرنا ممکن نہیں معلوم ہوا اس کو مستقل منادیٰ بنانا ممکن نہیں، جب مستقل منادیٰ بنانا ممکن نہیں ہے تو پھر اس پر نصب ہی پڑھنا پسندیدہ ہے جی۔ بات سمجھ میں آگئی؟

دیکھیے بھائی اب کتاب پر۔ پہلے متن متن دیکھ لیجیے، کہتے ہیں: «وَأَبُو الْعَبَّاسِ إِنْ كَانَ كَالْحَسَنِ فَكَالْخَلِيلِ وَإِلَّا فَكَأَبِي عَمْرٍو» اور ابو العباس مبرد جو ہیں: إِنْ كَانَ كَالْحَسَنِ اگر وہ معطوف جو ہے کس کی طرح ہو؟ الْحَسَنُ کی طرح ہو یعنی اس سے الف لام کا جدا کرنا ممکن ہو، فَكَالْخَلِيلِ تو ابو العباس کس کی طرح ہیں؟ امام خلیل کی طرح ہیں یعنی اس میں وہ رفع پسند کرتے ہیں، تو یَا زَيْدُ وَالْحَسَنُ وہ کہتے ہیں اس طرح پڑھنا پسندیدہ۔ وَإِلَّا اور اگر ایسا نہ ہو، یعنی اگر وہ جو معطوف ہے جو معرّف باللام ہے اگر اس سے الف لام کا جدا کرنا ممکن نہ ہو یعنی وہ الْحَسَنُ کی طرح نہ ہو، فَكَأَبِي عَمْرٍو تو ابو العباس کس کی طرح ہیں؟ قاری ابو عمرو کی طرح ہیں یعنی وہ فرماتے ہیں اس میں نصب پسندیدہ ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ دیکھیے بھائی اب شرح کے ساتھ۔ کہتے ہیں: «وَأَبُو الْعَبَّاسِ الْمُبَرِّدُ إِنْ كَانَ الْمَعْطُوفُ الْمَذْكُورُ كَالْحَسَنِ» اور ابو العباس مبرد جو ہیں، کہتے ہیں إِنْ كَانَ الْمَعْطُوفُ الْمَذْكُورُ كَالْحَسَنِ اگر وہ جو معطوف جس کو ذکر کر دیا گیا، کون سا معطوف ذکر کیا گیا؟ جو معرّف باللام ہے، کہتے ہیں وہ معطوف جو ہے كَالْحَسَنِ اگر وہ کس کی طرح ہوا؟ الْحَسَنُ کی طرح ہوا، «أَيْ كَاسْمِ الْحَسَنِ فِي جَوَازِ نَزْعِ اللَّامِ عَنْهُ» یعنی اسمِ حسن کی طرح ہوا اس سے لام کے اتارنے کے جواز میں۔ نَزْعٌ کا معنیٰ ہے کھینچ لینا، اتار دینا۔ الْحَسَنُ سے کیا کیا جا سکتا ہے؟

الف لام کو ختم کیا جا سکتا ہے، اتارا جا سکتا ہے۔ تو کہتے ہیں: «كَاسْمِ الْحَسَنِ فِي جَوَازِ نَزْعِ اللَّامِ عَنْهُ» کہ اگر وہ معطوف الْحَسَنُ کی طرح ہو ایعنی اس سے لام کا جدا کرنا جائز ہوا، «فَكَالْخَلِيلِ» تو وہ کس کی طرح ہیں؟ امام خلیل کی طرح ہیں، «أَيْ فَأَبُو الْعَبَّاسِ مِثْلُ الْخَلِيلِ فِي اخْتِيَارِ رَفْعِهِ» تو امام ابو العباس مبرد جو ہیں وہ امام خلیل کی طرح ہیں اس کے رفع کو پسند کرنے میں۔

ہے اس کے اندر رفع کے اختیار کرنے میں، کہ وہ کیا فرماتے ہیں؟ اس کے اندر رفع پسندیدہ ہے۔ «لِإِمْكَانِ جَعْلِهِ مُنَادًى مُسْتَقِلًّا» اس لیے کیونکہ ممکن ہے کہ اس کو مستقل منادیٰ بنا دیا جائے «بِنَزْعِ اللَّامِ عَنْهُ» اس سے لام کو ہٹا کر۔ جی، کہتے ہیں اس لیے کیونکہ یہ الْحَسَنُ جیسا معطوف جو ہے اس سے لام کو ہٹا کر اس کو مستقل منادیٰ بنانا ممکن ہے۔ جب مستقل منادیٰ بنانا ممکن ہے تو اس پر رفع پڑھو، یہ رفع بتلائے گا کہ یہ کس کے درجے میں ہے؟ مستقل منادیٰ کے درجے میں ہے۔

«وَإِلَّا أَيْ وَإِنْ لَمْ يَكُنِ الْمَعْطُوفُ الْمَذْكُورُ كَاسْمِ الْحَسَنِ» اور اگر وہ معطوفِ مذکور جو ہے اگر وہ اسمِ حسن کی طرح نہ ہوا «فِي جَوَازِ نَزْعِ اللَّامِ عَنْهُ» اس سے لام کے ہٹانے کے جواز کے اندر، کہ اس سے لام کا ہٹانا جائز نہ ہو، «مِثْلُ النَّجْمِ وَالصَّعِقِ» جیسے النَّجْمُ اور الصَّعِقُ جو ہیں، تو «فَكَأَبِي عَمْرٍو» تو ابو العباس جو ہیں ابو عمرو کی طرح ہیں۔ «أَيْ فَأَبُو الْعَبَّاسِ مِثْلُ أَبِي عَمْرٍو» تو ابو العباس جو ہیں وہ ابو عمرو کی طرح ہیں «فِي اخْتِيَارِ النَّصْبِ» نصب کو اختیار کرنے میں، کہ وہ فرماتے ہیں ایسے موقع پر پھر نصب پسندیدہ ہے، «لِامْتِنَاعِ جَعْلِهِ مُنَادًى مُسْتَقِلًّا» اس لیے کیونکہ اس کو مستقل منادیٰ بنانا ممتنع ہے۔ جی، اس کو مستقل منادیٰ بنانا ممتنع ہے بھائی۔

بحث سمجھ میں آئی؟ حاصلِ کلام کیا ہوا؟ بات چل رہی ہے اس معطوف کی جو معرّف باللام ہے۔ امام خلیل فرماتے ہیں کہ یہ جو معطوف ہے اس میں رفع بھی جائز، نصب بھی جائز، لیکن پسندیدہ رفع ہے امام خلیل کے نزدیک۔ اور قاری ابو عمرو کے نزدیک اس میں نصب پسندیدہ ہے۔ اور امام مبرد کیا فرماتے ہیں؟ کہ اگر یہ معطوف جو معرّف باللام ہے یہ اگر الْحَسَنُ کی طرح ہو ایعنی اس سے الف لام کا جدا کرنا ممکن ہے تو پھر اس میں رفع پسندیدہ، اور اگر یہ الْحَسَنُ کی طرح نہیں ہے بلکہ یہ النَّجْمُ کی طرح ہے جس سے الف لام کو جدا نہیں کیا جا سکتا تو پھر اس معطوف بہ حرف میں نصب پسندیدہ ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟

تو حاصل یہ ہوا کہ امام خلیل نے معنیٰ کی طرف نظر کی اور قاری ابو عمرو نے لفظوں کی طرف نظر کی۔ توجہ ہے؟ کس طرح؟ دیکھو بھائی! امام خلیل ابن احمد نے معنیٰ کی طرف نظر کی: يَا زَيْدُ وَالْحَارِثُ وہ فرماتے ہیں کہ یہ وَالْحَارِثُ جو ہے یہ معطوف بہ حرف ہے، اور معطوف بہ حرف کیا ہوتا ہے؟ مستقل منادیٰ۔ تو معنیٰ کی طرف نظر کی کہ معنیٰ کے اعتبار سے یہ مستقل منادیٰ ہے، جب مستقل منادیٰ ہے تو اس کو تو مبنی علی الضم ہونا چاہیے لیکن مبنی علی الضم ہم نہیں بنا سکتے، تو پھر کم از کم اسی جیسا اعراب دے دو۔ جی، تو امام خلیل نے کس کی طرف نظر کی؟ معنیٰ کی طرف، کہ معنیٰ کے اعتبار سے یہ

مستقل منادیٰ ہے، معنیٰ کے اعتبار سے مستقل منادیٰ ہے، لہٰذا اس کو اگر مبنی علی الضم نہیں بنا سکتے تو کم از کم اسی جیسا اعراب اس پر پڑھ دو یعنی اس پر رفع پڑھو بھائی۔ تو امام خلیل نے معنیٰ کی طرف نظر کی کہ معنیٰ کے اعتبار سے یہ مستقل منادیٰ ہے۔

جبکہ قاری ابو عمرو نے لفظوں کی طرف نظر کی۔ کس کی طرف؟ لفظوں کی طرف نظر کی، کس طرح لفظوں کی طرف نظر کی؟ يَا زَيْدُ وَالْحَارِثَ۔ وَالْحَارِثُ لفظوں کے اندر یہ تابع ہے مستقل منادیٰ تو نہیں۔ لفظوں میں تابع ہے مستقل منادیٰ تو نہیں، اور لفظوں میں تو اس پر یَا حرفِ ندا دوبارہ داخل ہی نہیں ہو سکتا، جب داخل نہیں ہو سکتا تو اس کو مستقل منادیٰ بناؤ ہی نہ بلکہ تابع ہے تابع ہی رہنے دو اس کو۔ تو انہوں نے اس کے معنیٰ کی طرف نظر نہیں کی، معنیٰ کی طرف دیکھا جائے پھر تو یہ مستقل منادیٰ ہے، بلکہ کس کی طرف نظر کی؟ لفظوں کی طرف۔ اور لفظوں میں یہ وَالْحَارِثُ کیا ہے؟ تابع ہے، اور اس کو تابع ہی رکھو، کیونکہ یہ معرّف باللام ہے اس پر حرفِ ندا کا داخل کرنا ممکن نہیں تو اس کو تابع ہی رکھو۔

تو امام خلیل نے کس کی طرف نظر کی؟ معنیٰ کی طرف، کہ معنیٰ کے اعتبار سے مستقل منادیٰ ہے لہٰذا رفع پڑھو تاکہ یہ رفع بتلائے کہ یہ مستقل منادیٰ ہے۔ اور قاری ابو عمرو نے کس کی طرف نظر کی؟ لفظوں کی طرف نظر کی، کہ لفظوں کے اعتبار سے یہ تابع ہے اور اس کو مستقل منادیٰ بنانا ممکن نہیں ہے کیونکہ اس پر الف لام ہے، تو اس کو تابع ہی رکھو، اور تابع جو ہوتا ہے وہ مبنی کے محل کے تابع ہوتا ہے، لہٰذا اس پر نصب پسندیدہ ہے۔

جبکہ امام مبرد نے دونوں کے درمیان محاکمہ یعنی فیصلہ فرمایا۔ توجہ ہے؟ بھائی امام خلیل فرماتے ہیں کہ اس طرح کا جو معطوف آئے اس میں ہر جگہ رفع پسندیدہ، اور قاری ابو عمرو فرماتے ہیں اس طرح کا جو معطوف آئے اس میں ہر جگہ نصب پسندیدہ۔ جبکہ امام مبرد نے ان میں گویا محاکمہ فرمایا، کہ اس طرح کا معطوف جو معرّف باللام ہے نہ تو اس میں ہر جگہ رفع پسندیدہ، نہ اس میں ہر جگہ نصب پسندیدہ، بلکہ اس معطوف میں غور کرنا پڑے گا: اگر وہ الْحَسَنُ کی طرح ہے یعنی اس سے الف لام جدا کرنا ممکن ہے تو پھر اس پر رفع پڑھو کیونکہ اس کو مستقل منادیٰ بنانا ممکن ہے، الف لام کو ہٹا کر مستقل منادیٰ بنانا ممکن ہے، لہٰذا اس پر رفع پڑھو یہ رفع بتلائے گا کہ یہ مستقل منادیٰ ہے۔ اور اگر اس معطوف بہ حرف سے الف لام کا جدا کرنا ممکن نہیں تو پھر وہاں پر نصب پسندیدہ ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو معلوم ہوا نہ مطلقاً رفع ہر جگہ پسندیدہ نہ مطلقاً نصب ہر جگہ پسندیدہ، بلکہ اس معطوف بہ حرف میں غور کیا جائے گا جو معرّف باللام ہے کہ اس سے الف لام جدا ہو سکتا ہے یا جدا نہیں ہو سکتا۔ بات سمجھ میں آگئی؟

جی، آگے دیکھیے! کہتے ہیں: «وَالْمُضَافَةُ» عطف علی الْمُفْرَدَةِ «أَيْ وَتَوَابِعُ الْمُنَادَى الْمَبْنِيِّ عَلَى مَا يُرْفَعُ بِهِ الْمُضَافَةُ بِالْإِضَافَةِ الْحَقِيقِيَّةِ تُنْصَبُ». جی، اب مضاف کا بیان آیا۔ بھائی «وَالْمُضَافَةُ» اس کا عطف ہے وہ جو توابع کی بحث شروع ہوئی تھی۔ وہ پیچھے عبارت نکالیں بھائی: «وَتَوَابِعُ الْمُنَادَى الْمَبْنِيِّ عَلَى مَا يُرْفَعُ بِهِ الْمُفْرَدَةُ» یہ الْمُفْرَدَةُ پر عطف ہے الْمُضَافَةُ

کا۔ اس الْمُفْرَدَةُ پر عطف ہے الْمُضَافَةُ کا۔ الْمُفْرَدَةُ کے ذریعے کس کو نکالا تھا؟ مضاف بہ اضافتِ معنوی کو نکالا تھا۔ مضاف بہ اضافتِ معنوی کو نکالا تھا، اس پر کیا پڑھیں گے وہ رہ گیا تھا اب وہ بیان کرنے لگے ہیں۔ لہٰذا یہ الْمُفْرَدَةُ کا لفظ اٹھائیں اور اس کی جگہ الْمُضَافَةُ رکھ دیں۔ تو عبارت کیا بن گئی؟ «وَتَوَابِعُ الْمُنَادَى الْمَبْنِيِّ عَلَى مَا يُرْفَعُ بِهِ الْمُضَافَةُ» بھائی، وہ منادیٰ جو مبنی ہے علامتِ رفع پر، توجہ ہے؟ وہ منادیٰ جو مبنی ہے علامتِ رفع پر اس کے وہ توابع «الْمُضَافَةُ» جو مضاف ہوں یعنی مضافِ معنوی ہوں «تُنْصَبُ» ان پر نصب پڑھا جائے گا۔

توجہ ہے؟ بھائی ادھر دیکھیے! منادیٰ مبنی کے توابع کی بات چل رہی ہے۔ منادیٰ مبنی کے وہ توابع جو مفرد ہوں، وہ توابع جو مفرد ہوں، اس میں انہوں نے آپ کو بتلایا ان پر رفع پڑھنا بھی جائز نصب بھی جائز: يَا زَيْدُ الْعَاقِلُ اور يَا زَيْدُ الْعَاقِلَ دونوں طرح پڑھنا جائز ہے۔ یہ کب؟ اگر وہ توابع مفرد ہوں، یعنی مضاف بہ اضافتِ معنوی نہ ہوں۔ مضاف بہ... اگر وہ توابع جو ہیں اگر وہ مضاف ہیں بہ اضافتِ معنوی تو پھر ان میں نصب ہی پڑھا جائے گا۔ توجہ ہے؟

پھر سنو! انہوں نے کیا کہا؟ منادیٰ مبنی کے وہ توابع جو مفرد ہوں ان پر رفع بھی جائز نصب بھی جائز، کون سے توابع؟ تاکید ہے، صفت ہے، عطفِ بیان ہے، اور وہ معطوف جو معرّف باللام ہو۔ ان چاروں میں رفع بھی جائز اور نصب بھی۔ یہ کب؟ جب یہ مفرد ہوں، یہ والے توابع مفرد ہوں۔ اگر یہی توابع ہوں لیکن ہوں مضاف، یعنی اضافتِ معنوی کے ساتھ مضاف ہو رہے ہوں، پھر یاد رکھنا اس میں دونوں چیزیں نہیں جائز، پھر نصب ہی پڑھیں گے۔ پھر اس میں...

جیسے دیکھو يَا عَبْدَ اللَّهِ۔ يَا عَبْدَ اللَّهِ دیکھو یہ عَبْدَ اللَّهِ منادیٰ ہے، اور منادیٰ جب مضاف ہوتا ہے تو وہ منصوب ہوتا ہے۔ منادیٰ جب مضاف ہو تو وہ منصوب، يَا عَبْدَ اللَّهِ۔ تو جب خود منادیٰ جب مضاف ہو تو منصوب ہوتا ہے، تو اس کے جو توابع جب مضاف ہوں گے ان پر بھی کیا پڑھیں گے؟ نصب ہی پڑھیں گے۔

مثلاً يَا زَيْدُ یہ منادیٰ ہے، مبنی ہے علامتِ رفع پر، يَا زَيْدُ۔ میں اس کا تابع لانا چاہتا ہوں، میں اس کی صفت لاتا ہوں لیکن وہ صفت جو وہ جو تابع ہے وہ مضاف ہے، مثلاً يَا زَيْدُ ذَا الْمَالِ۔ ذُو الْمَالِ کا کیا معنیٰ؟ مال والا۔ تو یہ زید کی صفت میں ذُو الْمَالِ لاتا ہوں۔ تو يَا زَيْدُ یہ تو ہے مبنی علی الضم، منادیٰ مفرد معرفہ ہو تو کیا ہوتا ہے؟ مبنی علی الضم۔ اس کا تابع یعنی اس کی صفت میں لے آتا ہوں، اور صفت اگر مفرد ہو تو پھر کیا پڑھتے ہیں؟ توجہ نہیں، توجہ نہیں! منادیٰ مبنی علی الضم ہو اس کی اگر صفت لے آؤ اور وہ صفت اگر مفرد ہو تو اس پر رفع بھی پڑھ سکتے ہیں نصب بھی پڑھ سکتے ہیں: يَا زَيْدُ الْعَاقِلَ اور يَا زَيْدُ الْعَاقِلُ دونوں طرح پڑھ سکتے ہیں۔ لیکن اگر یہ صفت مضاف ہو پھر اس پر نصب ہی پڑھیں گے۔ جیسے میں ذُو الْمَالِ کو صفت بناتا ہوں زید کی تو کیسے کہوں گا؟ يَا زَيْدُ ذَا الْمَالِ! نہیں توجہ، پھر مجھے بار بار دہرانا پڑتا ہے، پھر دہرانا پڑتا ہے۔ بھائی منادیٰ مفرد معرفہ ہو اس کے توابع جو ہیں یعنی تاکید، صفت، عطفِ بیان اور وہ معطوف بہ حرف جو معرّف باللام ہو، اس میں رفع بھی پڑھ سکتے ہیں اور نصب بھی: يَا زَيْدُ الْعَاقِلُ بھی پڑھ سکتے ہیں اور يَا زَيْدُ الْعَاقِلَ۔ توجہ ہے؟ تو یہ کون سے تابع ہیں؟ جو مفرد ہوں۔ يَا زَيْدُ یہ ہے منادیٰ مبنی علی الضم اور اس کی صفت کیا لایا؟ الْعَاقِلُ، یہ تابع ہے اس کا، یہ کیا ہے اس کا؟

اور تابع یہ مفرد ہے یا مضاف ہے؟ الْعَاقِلُ یہ مضاف ہے؟ الْعَاقِلُ یہ تو مضاف نہیں ہے۔ ہاں اگر میں ایسی صفت لاؤں جو مضاف اور مضاف الیہ سے مل کر بن رہی ہو، یعنی صفت مضاف ہو، تو پھر اس میں نصب پڑھیں گے بھائی۔ اگر صفت مفرد ہو تو اس میں رفع بھی جائز اور نصب بھی، اور اگر صفت مضاف ہو تو اس میں نصب ہی پڑھیں گے، جیسے منادیٰ خود جب مضاف ہوتا ہے تو اس میں نصب پڑھتے ہیں۔ یَا عَبْدَ اللّٰهِ، یَا عَبْدَ اللّٰهِ پڑھیں گے یا یَا عَبْدُ اللّٰهِ پڑھیں گے؟ یَا عَبْدَ اللّٰهِ۔ یَا عَبْدَ اللّٰهِ یہ نصب کیوں پڑھا؟ کیونکہ یہ منادیٰ مضاف ہے۔ تو جب منادیٰ مضاف ہوتا ہے تو وہ منصوب ہوتا ہے، تو اگر اس کا تابع مضاف ہو تو وہ بھی بطریقِ اولیٰ منصوب ہو گا۔ تو یَا زَیْدُ اس کی صفت میں ذُو الْمَالِ لاتا ہوں، کیسے پڑھیں گے؟ یَا زَیْدُ ذَا الْمَالِ، شاباش! یَا زَیْدُ ذَا الْمَالِ پڑھیں گے۔ یہ ذَا الْمَالِ یہ تابع ہے منادیٰ مبنی علی الضم کا، اور یہ مضاف ہے تو اس کو کیسے پڑھیں گے؟ نصب، تو کیسے پڑھیں گے؟ یَا زَیْدُ ذَا الْمَالِ۔ بات سمجھ میں آگئی۔

دیکھیے بھائی کتاب پر! کہتے ہیں: «وَالْمُضَافَةُ» عطف علی الْمُفْرَدَةِ، یہ الْمُضَافَةُ جو ہے یہ عطف ہے الْمُفْرَدَةِ پر، أَيْ وَتَوَا... دیکھو وہ ساری عبارت صاحبِ جامی نکال کر بتلائیں گے۔ وہ جو پیچھے متن میں آیا تھا نا الْمُفْرَدَةُ اس کی جگہ الْمُضَافَةُ رکھ دیں اور پھر ساری عبارت پڑھیں تو وہی صاحبِ جامی یہاں دوبارہ ذکر کر رہے ہیں۔ کہتے ہیں: «وَتَوَابِعُ الْمُنَادَى الْمَبْنِيِّ عَلَى مَا يُرْفَعُ بِهِ الْمُضَافَةُ» اور وہ منادیٰ جو مبنی ہوتا ہے علامتِ رفع پر اس کے وہ توابع «الْمُضَافَةُ بِالْإِضَافَةِ الْحَقِيقِيَّةِ» جو مضاف ہو رہے ہوں اضافتِ حقیقیہ کے ساتھ یعنی اضافتِ معنوی جن میں پائی جائے، «تُنْصَبُ» ان میں نصب پڑھا جائے گا۔ بھائی کیوں؟ وجہ میں نے بتا دی کہ منادیٰ جب خود مضاف ہوتا ہے تب وہ منصوب ہوتا ہے تو جب اس کے توابع مضاف ہوں تو وہ بطریقِ اولیٰ منصوب ہوں گے۔ کہتے ہیں: «لِأَنَّهَا إِذَا وَقَعَتْ مُنَادًى» اس لیے کیونکہ مضاف جب منادیٰ ہو کر واقع ہو، مضاف جب خود منادیٰ ہو کر واقع ہو «تُنْصَبُ» تو اس پر نصب پڑھا جاتا ہے، «فَنَصْبُهَا إِذَا وَقَعَتْ تَوَابِعَ أَوْلَى» تو اس کا منصوب ہونا جس وقت یہ تابع ہو کر واقع ہو «أَوْلَى» یہ بطریقِ اولیٰ ہو گا۔ اس کا منصوب ہونا جب یہ تابع ہو کر واقع ہو تو اس کا منصوب ہونا بطریقِ اولیٰ ہو گا۔ «لِأَنَّ حَرْفَ النِّدَاءِ لَا يُبَاشِرُهَا» اس لیے کیونکہ حرفِ ندا اس کے ساتھ ملا ہوا نہیں ہے۔

ادھر دیکھیے! یَا عَبْدَ اللّٰهِ۔ یہ عَبْدَ اللّٰهِ کو میں نے منصوب کیوں پڑھا؟ کیونکہ یہ منادیٰ ہے اور مضاف ہے۔ جب یہ منادیٰ ہے اور مضاف ہے اس پر حرفِ ندا داخل ہے تو اس وقت اس پر نصب پڑھتے ہیں، تو جب یہ تابع ہے اور جب اس پر حرفِ ندا خود داخل نہیں تو اس وقت بطریقِ اولیٰ اس پر نصب پڑھیں گے۔ یہ معنیٰ ہے۔ کہتے ہیں دوبارہ ترجمہ دیکھیے! کہتے ہیں: «لِأَنَّهَا إِذَا وَقَعَتْ مُنَادًى» اس لیے کیونکہ مضاف جب منادیٰ ہو کر واقع ہو «تُنْصَبُ» تو اس کو نصب دیا جاتا ہے، «فَنَصْبُهَا إِذَا وَقَعَتْ تَوَابِعَ أَوْلَى» تو اس کا نصب جس وقت یہ تابع ہو کر واقع ہو، یہ مضاف، مضاف کا منصوب ہونا جب یہ تابع ہو کر واقع ہو «أَوْلَى» یہ بطریقِ اولیٰ ہو گا، «لِأَنَّ حَرْفَ النِّدَاءِ لَا يُبَاشِرُهَا» اس لیے کیونکہ حرفِ ندا اس کے ساتھ جڑا ہوا نہیں ہے تو بطریقِ اولیٰ یہ منصوب ہو گا۔

«مِثْلُ يَا تَيْمُ كُلِّهِمْ» يَا تَيْمُ، یہ تَيْم قبیلے کا نام ہے اور یہ منادیٰ مفرد معرفہ ہے يَا تَيْمُ تو یہ مبنی علی الضم ہے، اور اس کا جو تابع آیا تاکید آگئی كُلِّهِمْ بھائی۔ تاکید کیا آئی؟ كُلِّهِمْ، اور كُلّ مضاف هُمْ ضمیر مضاف الیہ، تو یہ ایسی تاکید آئی جو مضاف ہے۔ تو یہ ایسا تابع، منادیٰ مبنی علی الضم کا ایسا تابع آگیا جو مضاف۔ ویسے تاکید آتی تھی منادیٰ مبنی علی الضم کی تو اس تاکید میں رفع بھی جائز تھا نصب بھی۔ توجہ ہے؟ يَا تَيْمُ أَجْمَعُونَ أَجْمَعِينَ پیچھے مثال گزر چکی ہے، أَجْمَعُونَ یہ مضاف ہے؟ نہیں۔ تو منادیٰ مبنی علی الضم کی جب تاکید لاتے ہیں اگر وہ تاکید مفرد ہو تو اس پر رفع بھی جائز نصب بھی جائز، لیکن اگر وہ تاکید مضاف ہو تو پھر اس پر نصب ہی پڑھیں گے۔ وہ تو دیکھیے یوں پڑھیں گے: «يَا تَيْمُ كُلَّهُمْ» يَا تَيْمُ كُلَّهُمْ «فِي التَّأْكِيدِ» تاکید کے اندر۔ «وَيَا زَيْدُ ذَا الْمَالِ فِي الصِّفَةِ» اور يَا زَيْدُ ذَا الْمَالِ دیکھو ذَا الْمَالِ اس کی صفت ہے یہ منصوب ہے بھائی۔ «وَيَا رَجُلُ أَبَا عَبْدِ اللَّهِ فِي عَطْفِ الْبَيَانِ» عطفِ بیان میں یوں کہیں گے: يَا رَجُلُ یہ منادیٰ ہے مبنی علی الضم، اور اس سے آگے عطفِ بیان کیا آیا؟ أَبَا عَبْدِ اللَّهِ، اور یہ أَبَا مضاف اور عَبْدِ اللَّهِ مضاف الیہ، تو اس لیے اس پر نصب پڑھیں گے بھائی۔ تو يَا رَجُلُ أَبَا عَبْدِ اللَّهِ فِي عَطْفِ الْبَيَانِ۔

«وَلَا يَجِيءُ الْمَعْطُوفُ بِحَرْفِ الْمُمْتَنِعُ دُخُولُ يَا عَلَيْهِ مُضَافًا» بھائی ادھر دیکھیے! منادیٰ مبنی علی الضم ہو، توجہ ہے؟ منادیٰ مبنی علی الضم جیسے يَا زَيْدُ ہے یا يَا تَيْمُ ہے یہ سب مبنی علی الضم ہیں۔ ان کے جب توابع لائیں گے اور توابع اگر مفرد ہوں، توابع اگر مفرد ہوں تو اس پر رفع بھی جائز اور نصب بھی: يَا زَيْدُ الْعَاقِلُ بھی اور الْعَاقِلَ بھی۔ توجہ ہے؟ کون کون سے توابع تھے جن میں رفع اور نصب دونوں جائز؟ ایک تاکید، ایک عطفِ بیان، ایک صفت اور ایک وہ معطوف بہ حرف جس پر يَا کا داخل کرنا ممتنع یعنی وہ جو معرّف باللام ہے۔ توجہ ہے؟ ان میں سے تین کی مثالیں صاحبِ جامی نے یہاں دے دیں: يَا تَيْمُ كُلَّهُمْ یہ کس کی مثال ہے؟ تاکید کی۔ وَيَا زَيْدُ ذَا الْمَالِ یہ کس کی مثال ہے؟ صفت کی۔ اور يَا رَجُلُ أَبَا عَبْدِ اللَّهِ یہ کس کی مثال ہے؟ عطفِ بیان کی۔ اور یہ سب دیکھو یہ جتنے بھی تابع ہیں یہ مضاف ہو رہے ہیں۔ ایک تابع رہ گیا، وہ کون سا تابع تھا؟ وہ معطوف بہ حرف، جو ابھی پیچھے چار ذکر ہوئے نا چار میں سے یہاں تین کی مثالیں ہیں۔ پھر دہراؤ! پیچھے چار کون سے ذکر تھے؟ تاکید، صفت، عطفِ بیان اور وہ معطوف جو معرّف باللام ہو۔ تو تین کی مثالیں دے دیں اضافت کے ساتھ: تاکید کی مثال كُلِّهِمْ، صفت کی مثال ذَا الْمَالِ اور عطفِ بیان کی مثال أَبَا عَبْدِ اللَّهِ۔ لیکن ایک چوتھا تابع بھی تو پیچھے گزرا تھا جس میں رفع اور نصب دونوں جائز تھے، اس کی بھی تو مثال دینی چاہیے اضافت کے ساتھ، اور وہ کون سا تابع تھا؟ وہ معطوف بہ حرف جو معرّف باللام ہو۔ اس کی مثال اضافت کے ساتھ نہیں دی، تو اس کا بھی اب صاحبِ جامی بتائیں گے کہ معطوف بہ حرف جب معرّف باللام ہو تو پھر اس کی اضافت نہیں ہو سکتی۔ معرّف باللام جو ہے اس کی اضافت نہیں ہو سکتی اضافتِ حقیقیہ یعنی اضافتِ معنویہ۔

بھائی پیچھے ذرا آئیے! پیچھے گزشتہ سبق میں آیا تھا: يَا زَيْدُ الْحَسَنُ الْوَجْهِ اور يَا زَيْدُ الْحَسَنَ الْوَجْهِ۔ میں نے آپ کو بتلایا

تھا کہ یہ الْحَسَنُ الْوَجْهِ یہ آپس میں مضاف اور مضاف الیہ ہیں اور یہ اضافتِ لفظی ہے، یہ اضافتِ... اور پھر یہاں آپ کے ذہنوں میں اشکال آئے گا کہ الْحَسَنُ تو مضاف ہے اور مضاف پر تو الف لام نہیں آسکتا، تو اس پر الف لام کیسے داخل ہے؟ میں نے بتایا تھا اضافتِ لفظی کے اندر مضاف پر بھی الف لام آسکتا ہے، تو الْحَسَنُ ہے مضاف الْوَجْهِ ہے مضاف الیہ۔ توجہ ہے؟ معلوم ہوا اضافتِ لفظی میں مضاف پر الف لام آسکتا ہے، لیکن اضافتِ معنوی کے اندر مضاف پر الف لام نہیں آسکتا۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو لہٰذا صاحبِ جامی اب آپ کو یہی بتلا رہے ہیں، کہتے ہیں: «وَلَا يَجِيءُ الْمَعْطُوفُ بِحَرْفِ الْمُمْتَنِعُ دُخُولُ يَا عَلَيْهِ مُضَافًا» اور وہ معطوف بہ حرف جس پر یَا کا داخل ہونا ممتنع ہو وہ نہیں آتا، «لَا يَجِيءُ» وہ نہیں آتا، «مُضَافًا» مضاف ہو کر۔ وہ معطوف جس پر حرفِ یَا کا داخل ہونا ممتنع ہو یعنی وہ معرّف باللام ہے، وہ معطوف جو معرّف باللام ہے وہ مضاف ہو کر نہیں آتا یعنی وہ مضاف نہیں بنتا، «لِأَنَّ اللَّامَ يَمْتَنِعُ دُخُولُهَا عَلَى الْمُضَافِ بِالْإِضَافَةِ الْحَقِيقِيَّةِ» اس لیے کیونکہ الف لام کا داخل ہونا ممتنع ہے اس مضاف پر جو اضافتِ حقیقیہ کے ساتھ ہو۔ وہ مضاف جو اضافتِ حقیقیہ کے ساتھ ہو اس پر الف لام داخل نہیں ہو سکتا، تو لہٰذا اسی لیے اس کی مثال انہوں نے ذکر نہیں کی۔ بات سمجھ میں آ گئی؟

دیکھو یہاں پر آیا «يَا تَيْمُ كُلَّهُمْ» بھائی، توجہ ہے؟ يَا تَيْمُ كُلَّهُمْ۔ یاد رکھو اس کے اندر «يَا تَيْمُ كُلَّكُمْ» کہنا بھی جائز ہے، يَا تَيْمُ كُلَّكُمْ، اس لیے کیونکہ یہ منادیٰ ہے بھائی اور منادیٰ وہ ہوتا ہے جس سے خطاب کیا جا رہا ہے، جس سے بات کی جا رہی ہے، جس کو ندا دی جا رہی ہے۔ جب ندا دی جا رہی ہے تو وہ آپ کا مخاطب ہوا، اور مخاطب کے لیے مخاطب کی ضمیر استعمال کرتے ہیں، غائب کی ضمیر استعمال نہیں کرتے۔ تو لہٰذا اس میں یوں بھی جائز ہے: يَا تَيْمُ كُلَّكُمْ۔ كُلَّكُمْ یعنی تم سارے۔ يَا تَيْمُ اے قبیلہ تیم والو! كُلَّكُمْ تم سب کے سب۔ اے قبیلہ تیم والو! تم سب کے سب، یعنی ان سب کو خطاب کیا جا رہا ہے۔ تو یہاں كُلَّكُمْ کہنا بھی جائز اور كُلَّهُمْ کہنا بھی جائز۔ توجہ ہے؟ كُلَّكُمْ کہنا کیوں جائز؟ کیونکہ قبیلہ تیم والے آپ کے مخاطب ہیں۔ توجہ ہے؟ اور كُلَّهُمْ کہنا بھی جائز ہے یہاں پر، اس لیے کیونکہ پورا قبیلہ تیم تو آپ کے سامنے حاضر نہیں ہے بھائی، تو ان کے لیے غائب کی ضمیر استعمال کرنا بھی ٹھیک۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو يَا تَيْمُ كُلَّكُمْ کہنا بھی جائز اور يَا تَيْمُ كُلَّهُمْ کہنا بھی جائز ہے بھائی۔

جی، آگے دیکھیے بھائی! کہتے ہیں: «وَالْبَدَلُ وَالْمَعْطُوفُ غَيْرُ مَا ذُكِرَ أَيْ غَيْرُ الْمَعْطُوفِ الَّذِي ذُكِرَ مِنْ قَبْلُ وَهُوَ الْمُمْتَنِعُ دُخُولُ يَا عَلَيْهِ فَغَيْرُهُ الْمَعْطُوفُ الَّذِي لَا يَمْتَنِعُ دُخُولُ يَا عَلَيْهِ». جی پہلے متن متن دیکھ لیں! کہتے ہیں: «وَالْبَدَلُ وَالْمَعْطُوفُ غَيْرُ مَا ذُكِرَ» اس کو غَيْرُ مَا ذُكِرَ بھی پڑھ سکتے ہیں اور غَيْرَ مَا ذُكِرَ بھی پڑھ سکتے ہیں۔ اگر غَيْرُ پڑھیں تو اس کو وَالْمَعْطُوفُ یہ الْمَعْطُوفُ کی صفت بنا دیں، اور موصوف صفت کا اعراب ایک ہوتا ہے؛ یا اس کو اس سے بدل بنا دیں: الْمَعْطُوفُ مبدل منہ اور غَيْرُ مَا ذُكِرَ بدل، اور مبدل منہ اور بدل کا اعراب ایک ہوتا ہے؛ یا آپ چاہیں تو غَيْرَ مَا ذُكِرَ اس کو حال بنا دیں

معطوف سے، معطوف سے؛ یا چاہیں تو اس کو أَعْنِي کے لیے مفعول بہ بنا لیں: وَالْمَعْطُوفُ اور وہ جو معطوف ہے، أَعْنِي غَيْرَ مَا ذُكِرَ یعنی جو مذکورہ کے علاوہ ہے بھائی۔ تو کہتے ہیں: «وَالْبَدَلُ وَالْمَعْطُوفُ غَيْرُ مَا ذُكِرَ حُكْمُهُ حُكْمُ الْمُسْتَقِلِّ» صرف متن متن دیکھیں! کہتے ہیں بدل جو ہے، وَالْمَعْطُوفُ غَيْرُ مَا ذُكِرَ بدل اور وہ جو معطوف ہے غَيْرُ مَا ذُكِرَ علاوہ اس کے جس کو ذکر کر دیا گیا۔

بھائی دیکھیے! توابع میں سے کچھ کا بیان گزر گیا، کون کون سے؟ تاکید اور صفت اور عطفِ بیان اور وہ معطوف جس پر یَا کا داخل کرنا ممتنع۔ یہ چار جو توابع ہیں چاہے یہ مفرد ہوں چاہے یہ مضاف ہوں دونوں صورتیں بیان ہو گئیں۔ مفرد ہوں تو ان پر رفع بھی جائز نصب بھی جائز، اور مضاف ہوں یہی توابع تو پھر ان پر نصب ہی پڑھا جائے گا۔ باقی دو توابع رہ گئے: ایک بدل، اور ایک وہ معطوف جو معرّف باللام نہیں ہے یعنی جس پر یَا کا داخل ہونا ممتنع نہیں ہے۔ وہ دو رہ گئے اب ان کا حکم بیان کرنے لگے ہیں۔ توجہ ہے؟ کون کون رہ گئے؟ بدل اور وہ معطوف جس پر یَا کا داخل کرنا ممتنع نہیں ہے۔ ان کے بارے میں آپ کو بتلائیں گے کہ یاد رکھو ان کا حکم مستقل منادیٰ والا ہے۔ یہ جو بدل ہے اور وہ معطوف جو معرّف باللام نہیں ہے یہ ان کا حکم مستقل منادیٰ والا ہے۔

منادیٰ کا کیا حکم تھا؟ منادیٰ اگر مفرد معرفہ ہو تو وہ مبنی ہوتا ہے علامتِ رفع پر، توجہ ہے؟ اور اگر وہ مضاف ہو یا مشابہ مضاف ہو یا نکرہ غیرِ معیّن ہو تو پھر وہ منصوب ہوتا ہے۔ توجہ ہے؟ منادیٰ کا کیا حکم تھا؟ منادیٰ مفرد معرفہ ہو تو مبنی علی الضم: يَا زَيْدُ، يَا رَجُلُ، يَا زَيْدَانِ، يَا زَيْدُونَ یہ سب مبنی ہیں۔ اور اگر منادیٰ مضاف ہو يَا عَبْدَ اللَّهِ، یا مشابہ مضاف ہو يَا طَالِعًا جَبَلًا، یا نکرہ غیرِ معیّن ہو يَا رَجُلًا خُذْ بِيَدِي تو ان تینوں صورتوں میں وہ منصوب ہو گا۔ توجہ ہے؟ وہی احکام بدل اور اس معطوف جو غیرِ معرّف باللام ہے اس میں بھی یہی حکم ہے۔ یعنی آپ ایک تابع لائے، آپ اس کو بدل بنانا چاہتے ہیں تو اس مستقل منادیٰ والا معاملہ اس کے ساتھ کریں گے: اگر وہ مفرد معرفہ ہے تو مبنی ہو گا علامتِ رفع پر، مبنی ہو گا علامتِ رفع... مثلاً دیکھو يَا زَيْدُ یہ تو منادیٰ ہے، بات اس کے توابع کی چل رہی ہے، اور اس کا تابع میں بدل یا معطوف بہ حرف لاتا ہوں لیکن وہ معطوف بہ حرف کیسا ہے؟ معرّف باللام نہیں ہے۔ مثلاً میں يَا زَيْدُ اس پر عَمْرو کا عطف کرنا چاہتا ہوں۔ کس کا؟ اور عَمْرو معرّف باللام ہے؟ میں اس کا عطف کرنا چاہتا ہوں زید پر تو معلوم ہوا یہ بنے گا معطوف بہ حرف، اور کون سا معطوف بہ حرف ہے؟ عَمْرو پر الف لام ہے کہ نہیں ہے؟ نہیں ہے۔ تو یہ بدل اور یہ والا جو معطوف ہے ان کا حکم مستقل منادیٰ والا ہے، گویا یوں سمجھو عَمْرو مستقل منادیٰ ہے۔ اور جب عَمْرو مستقل منادیٰ ہو ذرا عَمْرو پر یَا داخل کریں کیسے ندا دیں گے؟ يَا عَمْرُو! دیکھا عَمْرو کیا ہو جائے گا؟ مبنی علی الضم۔ تو لہٰذا زید پر میں عَمْرو کا عطف کرتا ہوں تو اسی طرح پڑھوں گا: يَا زَيْدُ وَعَمْرُو، يَا زَيْدُ وَعَمْرُو۔ یہ زید کیوں مبنی ہے؟ کیونکہ یہ منادیٰ مفرد معرفہ ہے، یہ... اور منادیٰ مفرد معرفہ

کیا ہوتا ہے؟ مبنی ہوتا ہے علامتِ رفع پر، مختصراً کہو مبنی علی الضم ہوتا ہے۔ مبنی... اور اسی پر میں نے عطف کیا کس کا؟ وَعَمْرو کا۔ اور عَمْرو کون سا معطوف ہے؟ جو معرّف باللام نہیں، اور جو معرّف باللام نہیں وہ کس کے حکم میں؟ مستقل منادیٰ۔ جب وہ مستقل منادیٰ ہے تو یہ بھی دیکھ لو یہ مضاف یا مشابہ مضاف ہے عَمْرو؟ نہیں، تو یہ بھی کیا ہو جائے گا؟ مبنی علی الضم، تو کیسے کہیں گے؟ یَا زَیْدُ وَعَمْرُو، یَا زَیْدُ وَعَمْرُو۔ توجہ ہے؟ یہ وہ معطوف ہے جو مفرد ہے یعنی مضاف بھی نہیں اور مشابہ مضاف...

اب میں معطوف کس کو لاتا ہوں؟ عَبْدُ اللّٰهِ جو ہے اس کو میں معطوف بنانا چاہتا ہوں، عَبْدُ اللّٰهِ۔ میں زید کو بھی ندا دینا چاہتا ہوں اور عَبْدُ اللّٰهِ کو بھی اور درمیان میں حرفِ واو لاتا ہوں۔ یَا زَیْدُ یہ تو منادیٰ ہے یہ تو مبنی علی الضم ہے، اس کی بات نہیں چل رہی اس کے توابع کی بات چل رہی ہے۔ آگے معطوف میں لانا چاہتا ہوں، اور کون سا معطوف ہے؟ عَبْدُ اللّٰهِ۔ یہ معرّف باللام ہے؟ نہیں یہ معرّف باللام نہیں۔ تو وہ معطوف بہ حرف جو معرّف باللام نہیں اس کا حکم کیا ہے؟ مستقل منادیٰ والا ہے۔ تو عَبْدُ اللّٰهِ کو ذرا مستقل منادیٰ بناؤ، عَبْدُ اللّٰهِ کو مستقل منادیٰ بناؤ ذرا اس عَبْدُ اللّٰهِ پر براہِ راست حرفِ ندا داخل کرو: یَا عَبْدَ اللّٰهِ! تو معطوف بناؤ گے تب بھی اسی طرح پڑھنا ہے: یَا زَیْدُ وَ...

...عَبْدَ اللّٰهِ! اب میں طَالِعًا جَبَلًا کا عطف کرنا چاہتا ہوں یَا زَیْدُ پر۔ تو یا طَالِعًا جَبَلًا کو ذرا منادیٰ بناؤ، اس پر براہِ راست حرفِ ندا داخل کرو: یَا طَالِعًا جَبَلًا۔ تو معطوف بہ حرف بناؤ تب بھی اسی طرح پڑھنا: یَا زَیْدُ وَطَالِعًا جَبَلًا۔ توجہ ہے؟ میں رجلِ غیرِ معیّن کو ندا دینا چاہتا ہوں، یَا رَجُلًا کہوں گا۔ تو اس کو معطوف بہ حرف بناؤ تب بھی ایسے ہی پڑھیں گے۔ کیسے پڑھیں گے؟ یَا زَیْدُ وَرَجُلًا۔ بات سمجھ میں آگئی؟

تو بدل اور وہ معطوف جو معرّف باللام نہیں ہے اس کا حکم مستقل منادیٰ والا ہے۔ اب دیکھیے ذرا پہلے متن متن! کہتے ہیں: «وَالْبَدَلُ وَالْمَعْطُوفُ غَيْرُ مَا ذُكِرَ» بدل اور وہ معطوف جو علاوہ ہو اس کے جس کو ذکر کر دیا گیا۔ کون سا معطوف پیچھے ذکر ہوا تھا؟ جس پر یَا کا داخل کرنا ممتنع تھا، یعنی وہ معرّف باللام تھا۔ معلوم ہوا اب اس معطوف کی بات ہو رہی ہے جس کو ذکر نہیں کیا گیا، یعنی جو معرّف باللام نہیں ہے۔ تو کہتے ہیں: «وَالْبَدَلُ وَالْمَعْطُوفُ غَيْرُ مَا ذُكِرَ» بدل اور وہ معطوف جو اس مذکورہ معطوف کے علاوہ ہو «حُكْمُهُ» ان میں سے ہر ایک کا جو حکم ہے «حُكْمُ الْمُسْتَقِلِّ» وہ مستقل منادیٰ والا حکم ہے، «مُطْلَقًا» یعنی تمام احوال میں۔

توجہ ہے؟ بدل اور وہ معطوف جو معرّف باللام نہیں ہے، توجہ ہے پھر دہراؤ، بدل اور وہ معطوف جو معرّف باللام نہیں ہے ان کا حکم مستقل منادیٰ والا ہے مطلقاً یعنی تمام احوال کے اندر۔ منادیٰ میں کتنی صورتیں تھیں؟ چار صورتیں: منادیٰ یا مفرد معرفہ ہوگا تو مبنی علی الضم؛ منادیٰ اگر مضاف ہو تو منصوب؛ مشابہ مضاف ہو تو بھی منصوب؛ اور نکرہ غیرِ معیّن ہو تو بھی منصوب۔ تو یہ چاروں صورتوں کے اندر چاہے بدل کو لے آؤ چاہے معطوف بہ حرف کو لے آؤ اس کا حکم مستقل

منادیٰ والا ہے۔ اگر وہ مفرد معرفہ ہوا تو مبنی علی الضم، اگر وہ مضاف یا مشابہ مضاف یا نکرہ غیرِ معیّن ہوا تو وہ منصوب ہو گا۔

تو کہتے ہیں: «وَالْبَدَلُ وَالْمَعْطُوفُ غَيْرُ مَا ذُكِرَ» بدل اور وہ معطوف جو علاوہ ہو اس کے جس کو ذکر کر دیا گیا «حُكْمُهُ حُكْمُ الْمُسْتَقِلِّ مُطْلَقًا» ان میں سے ہر ایک کا حکم جو ہے وہ مستقل منادیٰ والا حکم ہے مطلقاً یعنی تمام احوال میں۔ یعنی کسی خاص حالت میں مستقل منادیٰ ہوں اور باقیوں میں نہ ہوں ایسا نہیں ہے، یہ چاہے مفرد معرفہ ہوں، یہ چاہے مضاف ہوں، یہ چاہے مشابہ مضاف ہوں، چاہے یہ نکرہ غیرِ معیّنہ ہوں، جس حال میں بھی ہوں گے ان کا حکم مستقل منادیٰ والا ہے۔

اب دیکھیے اسی کو شرح کے ساتھ ! کہتے ہیں: «وَالْبَدَلُ وَالْمَعْطُوفُ غَيْرُ مَا ذُكِرَ» بدل اور وہ معطوف جو علاوہ ہو اس کے جس کو ذکر کر دیا گیا، علاوہ اس کے جس کو ذکر کر دیا گیا۔ توجہ سے دیکھو بھائی ! غَيْرُ مَا ذُكِرَ علاوہ اس معطوف کے جس کو ذکر کر دیا گیا۔ اسی کی شرح اب علامہ جامی کر رہے ہیں، مَا سے کیا مراد ہے؟ مَا ذُكِرَ وہ جو معطوف پیچھے ذکر کیا گیا تھا، تو اس مَا کو ہٹائیں گے اور اس کی جگہ الْمَعْطُوفُ الَّذِي لے آئیں گے، وہ معطوف جس کو ذکر کیا گیا۔ «أَيْ غَيْرُ الْمَعْطُوفِ الَّذِي ذُكِرَ مِنْ قَبْلُ» یعنی اس معطوف کے علاوہ ہو جس کو ماقبل میں ذکر کر دیا گیا۔ اور ماقبل میں کون سے معطوف کو ذکر کیا گیا تھا؟ جس پر یَا کا داخل کرنا ممتنع تھا، تو وہی بتلا رہے ہیں: «وَهُوَ الْمُمْتَنِعُ دُخُولُ يَا عَلَيْهِ» اور وہ وہ والا معطوف تھا جس پر یَا کا داخل ہونا ممتنع ہے بھائی۔ اب متن کی عبارت پر آئیں ! «وَالْبَدَلُ وَالْمَعْطُوفُ غَيْرُ مَا ذُكِرَ» وہ علاوہ ہو اس معطوف کے جس کو ذکر کر دیا گیا، اس کے علاوہ پھر کون سا معطوف بنے گا؟ وہ جو معطوف ذکر ہوا وہ کون سا تھا؟ جس پر یَا کا داخل کرنا ممتنع تھا، تو اس کے علاوہ کون سا معطوف بنے گا؟ جس پر یَا کا داخل کرنا ممتنع نہ ہو بھائی۔ تو یہی بیان کر رہے ہیں: «فَغَيْرُهُ الْمَعْطُوفُ الَّذِي لَا يَمْتَنِعُ دُخُولُ يَا عَلَيْهِ» تو اس معطوف کا غیر جو ہے وہ معطوف ہے جس پر یَا کا داخل ہونا ممتنع نہ ہو بھائی۔

«حُكْمُهُ أَيْ حُكْمُ كُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا» یعنی ان میں سے ہر ایک کا حکم جو ہے... بھائی یہاں اشکال ہوتا ہے۔ اشکال یہ کہ پیچھے دو چیزیں ذکر ہوئیں: الْبَدَلُ اور مَعْطُوف۔ دونوں کا حکم یہ ہے، تو یوں کہنا چاہیے تھا: حُكْمُهُمَا۔ تثنیہ کی ضمیر لوٹانی چاہیے تھی کیونکہ دو چیزوں کا حکم ذکر کر رہے ہیں آگے، تو تثنیہ کی ضمیر راجع کرنی چاہیے تھی۔ تو صاحبِ جامی جواب دے رہے ہیں کہ حُكْمُهُ، أَيْ حُكْمُ كُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا، کہ دو کی طرف مفرد کی ضمیر راجع کی كُلِّ وَاحِدٍ کی تاویل میں۔ حُكْمُهُ اس کا حکم یعنی ان میں سے ہر ایک کا حکم، اب چاہے دو ہوں یا دس ہوں سب کی طرف آپ مفرد کی ضمیر كُلِّ وَاحِدٍ کی تاویل میں راجع کر سکتے ہیں۔ «حُكْمُهُ أَيْ حُكْمُ كُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا» ان میں سے ہر ایک کا حکم یہ ہے کہ وہ مستقل منادیٰ ہے بھائی۔ تو کہتے ہیں: «حُكْمُهُ أَيْ حُكْمُ كُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا» یعنی ان دونوں میں سے ہر ایک کا حکم جو ہے «حُكْمُ الْمُنَادَى الْمُسْتَقِلِّ» وہ مستقل منادیٰ والا حکم ہے۔

کس کا حکم ہے؟ بھائی مستقل منادیٰ کیا معنیٰ؟ کہتے ہیں: «الَّذِي بَاشَرَهُ حَرْفُ النِّدَاءِ» وہ جس پر حرفِ ندا داخل ہوا ہو بھائی۔ مستقل منادیٰ کسے کہتے ہیں؟ جس پر... بھائی دیکھو نا یہ بدل اس پر تو مستقل حرفِ ندا داخل نہیں، یہ تو تابع ہے۔ اسی طرح وہ جو معطوف ہے جو معرّف باللام نہیں ہے یہ بھی تابع ہے اس پر بھی حرفِ ندا داخل نہیں، لیکن ان کا معاملہ مستقل منادیٰ والا ہے یعنی اسی طرح ہے جیسے ان پر مستقل حرفِ ندا داخل ہو رہا ہو۔ تو یہ معنیٰ ہے کہ حُكْمُ الْمُنَادَى الْمُسْتَقِلِّ ان کا حکم مستقل منادیٰ والا ہے «الَّذِي بَاشَرَهُ حَرْفُ النِّدَاءِ» جس پر حرفِ ندا داخل ہوا ہو۔

«وَذَلِكَ لِأَنَّ الْبَدَلَ هُوَ الْمَقْصُودُ بِالذِّكْرِ» بھائی ان کا حکم مستقل منادیٰ والا کیوں ہے؟ وجہ میں نے پہلے ذکر کر دی تھی بھائی کہ بدل یہ مقصود ہے، اسی طرح معطوف بہ حرف وہ بھی کیا ہوتا ہے؟ مقصود ہوتا ہے، باقی توابع مقصود نہیں لیکن یہ دونوں مقصود ہیں۔ جب یہ دونوں مقصود ہیں تو ان پر گویا عامل دوبارہ داخل ہو رہا ہے یہ تکرارِ عامل کے درجے میں ہیں، اور یہاں پر عامل کیا ہے؟ حرفِ ندا ہے، تو لہٰذا گویا ان پر حرفِ ندا دوبارہ داخل ہو رہا ہے۔ توجہ ہے؟ کہتے ہیں: «لِأَنَّ الْبَدَلَ هُوَ الْمَقْصُودُ بِالذِّكْرِ» اس لیے کیونکہ بدل جو ہے وہ مقصود بالذکر ہے، وہ یہاں ذکر کے ذریعے مقصود بدل ہی ہے، «وَالْأَوَّلُ كَالتَّوْطِئَةِ لِذِكْرِهِ» اور جو پہلے ذکر کیا گیا یعنی مبدل منہ «كَالتَّوْطِئَةِ» توطئہ کہتے ہیں تمہید کو، وہ تمہید کی طرح ہے «لِذِكْرِهِ» اس کے ذکر کے لیے۔ بھائی دیکھیے، جیسے آپ کسی ساتھی کے پاس جاتے ہیں کوئی کام ہوتا ہے آپ کو اس سے، تو جاتے ہی فوراً جو مقصد کی بات ہے وہ آپ نہیں کرتے، پہلے تمہید باندھتے ہیں اِدھر اُدھر کی ایک دو چار باتیں کرتے ہیں اور پھر اس کے بعد جو آپ کا مقصد ہوتا ہے اس کو آپ بیان کرتے ہیں۔ تو یہاں پر بھی اسی طرح پہلے مبدل منہ آئے گا اور پھر اس کے بعد بدل، اور مقصود کون ہے؟ بدل، تو جو پہلے ذکر کیا جو مبدل منہ ہے وہ اس کے لیے تمہید کے طور پر ہے، کس لیے ہے؟ مثلاً میں آپ سے کہتا ہوں: جَاءَنِي زَيْدٌ أَخُوكَ۔ یہ زَيْدٌ مبدل منہ ہے اور أَخُوكَ اس سے بدل ہے۔ آپ کا بھائی ہے اور اس کا نام کیا ہے؟ زید۔ آپ کے بھائی کا کیا نام؟ زید۔ تو میں کہوں جَاءَنِي زَيْدٌ یا میں کہوں جَاءَنِي أَخُوكَ دیکھو دونوں میں بات ایک ہی ہے، زید بھی وہی ذات ہے اور أَخُوكَ وہ بھی وہی ذات ہے۔ تو میں دونوں کو ملاتا ہوں: جَاءَنِي زَيْدٌ أَخُوكَ۔ زَيْدٌ ہے مبدل منہ اور أَخُوكَ ہے بدل۔ ان دونوں میں سے اصل مقصود کون ہے؟ اصل میں مَیں أَخُوكَ کہنا چاہتا تھا جو بعد میں آرہا ہے، زید کو میں نے ویسے تمہید کے طور پر ساتھ ذکر کر دیا۔ اصل میں میں آپ کو یہ کہنا چاہتا تھا جَاءَنِي أَخُوكَ، آپ کا بھائی میرے پاس آیا تھا، لیکن اس بھائی کا نام کیا؟ زید، تو اس کو بھی میں نے ساتھ ویسے ہی ملا دیا۔ تو جَاءَنِي زَيْدٌ أَخُوكَ، زَيْدٌ ہے مبدل منہ اور أَخُوكَ اس سے بدل، اور مبدل منہ کیا ہوتا ہے؟ اس کو بطورِ تمہید کے ذکر کیا جاتا ہے، اصل مقصود کیا ہوتا ہے؟ بدل مقصود ہوتا ہے۔ کہتے ہیں: «وَذَلِكَ لِأَنَّ الْبَدَلَ هُوَ الْمَقْصُودُ بِالذِّكْرِ» اور یہ اس لیے کیونکہ بدل جو ہوتا ہے وہ مقصود بالذکر ہوتا ہے یعنی اسی کو ذکر کرنا مقصود ہوتا ہے، «وَالْأَوَّلُ كَالتَّوْطِئَةِ لِذِكْرِهِ» اور پہلا جو ہے یعنی مبدل منہ جو ہے وہ اس بدل کے ذکر کے لیے تمہید کی طرح ہوتا ہے۔

یہ تو تھا بدل میں، دیکھو بدل مقصود ہے۔ اسی طرح «وَالْمَعْطُوفُ الْمَخْصُوصُ مُنَادًى مُسْتَقِلٌّ فِي الْحَقِيقَةِ» وہ جو معطوفِ مخصوص ہے، کون سا معطوفِ مخصوص؟ جو معرّف باللام نہیں ہے، یعنی جس پر یَا کا داخل کرنا ممتنع نہیں ہے، وہ جو معطوفِ مخصوص ہے «مُنَادًى مُسْتَقِلٌّ فِي الْحَقِيقَةِ» وہ بھی حقیقت کے اندر مستقل منادیٰ ہے، وہ حقیقت میں مستقل منادیٰ ہے، «وَلَا مَانِعَ مِنْ دُخُولِ حَرْفِ النِّدَاءِ عَلَيْهِ» اور کوئی مانع بھی نہیں ہے اس پر حرفِ ندا کے داخل ہونے سے۔ بھائی يَا زَيْدُ وَالْحَارِثُ، الْحَارِثُ پر تو مانع تھا الف لام موجود تھا، اور يَا زَيْدُ وَعَمْرُو، عَمْرو پر تو الف لام موجود نہیں ہے، تو یہ مستقل منادیٰ ہے «وَلَا مَانِعَ مِنْ دُخُولِ حَرْفِ النِّدَاءِ عَلَيْهِ» اور کوئی مانع بھی نہیں ہے اس پر حرفِ ندا کے داخل ہونے سے، «فَيَكُونُ حَرْفُ النِّدَاءِ مُقَدَّرًا فِيهِ» تو اس میں حرفِ ندا جو ہے وہ مقدر ہو گا۔

«مُطْلَقًا» مطلقاً یعنی تمام احوال میں، کسی حالت کی کوئی قید نہیں۔ «أَيْ حَالَ كَوْنِ كُلٍّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا مُطْلَقًا فِي هَذَا الْحُكْمِ» یعنی اس حال میں کہ ان دونوں میں سے ہر ایک مطلق ہے اس حکم میں۔ یہ بدل اور یہ والا جو معطوف ہے یہ اس حکم میں مطلق ہیں کوئی قید نہیں ہے، تو کہتے ہیں ان دونوں میں سے ہر ایک مطلق ہے اس حکم میں، «غَيْرَ مُقَيَّدٍ بِحَالٍ مِنَ الْأَحْوَالِ» اور احوال میں سے کسی حالت کے ساتھ یہ مقید نہیں۔ یعنی بعض صورتوں میں تو یہ مستقل منادیٰ ہوں اور بعض میں نہ ہوں ایسا نہیں ہے بلکہ تمام احوال میں یہ مستقل منادیٰ ہیں۔ بھائی تمام احوال سے کیا مراد ہے؟ کون کون سے احوال ہو سکتے ہیں؟ کہتے ہیں: «أَيْ سَوَاءٌ كَانَا مُفْرَدَيْنِ أَوْ مُضَافَيْنِ» برابر ہے کہ یہ دونوں چاہے مفرد ہوں، یعنی بدل اور یہ والا معطوف جو غیرِ معرّف باللام ہے یہ چاہے دونوں مفرد معرفہ ہوں، «أَوْ مُضَافَيْنِ» یا دونوں کیا ہوں؟ مضاف ہوں، «أَوْ مُضَارِعَيْنِ لِلْمُضَافِ» یا دونوں مشابہ مضاف ہوں، «أَوْ نَكِرَتَيْنِ» یا دونوں نکرہ ہوں۔ تمام احوال میں ان کا حکم مستقل منادیٰ والا ہے۔

«مِثْلُ يَا زَيْدُ عَمْرُو» یہ عَمْرو دیکھو یہ بدل ہے زید سے، یہ بدل ہے زید سے۔ اور پھر اس میں یا تو اس کو بدل الغلط بنائیں گے، مثلاً میں ندا دینا چاہتا تھا عَمْرو کو، میں ندا کس کو دینا چاہتا تھا؟ عَمْرو کو، لیکن بے خیالی میں میری زبان پر زید کا نام آ گیا۔ میں نے کہا يَا زَيْدُ، لیکن ندا تو میں کس کو دینا چاہتا ہوں؟ عَمْرو کو، تو میں فوراً ہی پھر عَمْرو بھی ساتھ لے آتا ہوں اور غلطی کی اصلاح کر دیتا ہوں: يَا زَيْدُ عَمْرُو۔ يَا زَيْدُ عَمْرُو، یہ زید میں نے کیوں ذکر کیا؟ غلطی کی وجہ سے ذکر کیا، تو یہ زید ہوا مبدل منہ اور یہ جو عَمْرو ہے یہ ہے بدل، اور اس کو کہتے ہیں بدل الغلط۔ یہ بدل الغلط ہے یعنی غلطی سبب بنی اس کے لانے کا۔ اصل میں تو میں یا عَمْرُو کہنا چاہتا تھا لیکن غلطی سے زبان پر کیا آیا؟ زید۔ تو یہ غلطی کی وجہ سے پھر دوبارہ مجھے فوراً جو عَمْرو ہے اس کو پھر میں دوبارہ لے کر آیا بھائی، تو اس کو کیا کہتے ہیں؟ بدل الغلط، اس کا سبب کیا بنتی ہے؟ غلطی۔ تو زید ہوا مبدل منہ اور عَمْرو ہوا بدل۔ تو يَا زَيْدُ عَمْرُو، اب دیکھو یہ جو عَمْرو ہے یہ بدل ہے اور بدل کا حکم مستقل منادیٰ والا، اور عَمْرو مستقل منادیٰ ہوتا تو اس نے مبنی علی الضم ہونا تھا يَا عَمْرُو، لہٰذا جب بدل بنے گا اب بھی یہ مبنی علی الضم ہو گا: يَا زَيْدُ عَمْرُو بھائی۔ بات سمجھ میں آ گئی؟

تو یہ مثال بنا لیں بدل الغلط کی۔ اور آپ چاہیں تو اس کو بدل الکل کی بھی مثال بنا سکتے ہیں۔ بدل الکل اسے کہتے ہیں کہ دونوں کا مدلول ایک ہی ہو یعنی دونوں ایک ہی ذات پر دلالت کر رہے ہوں۔ یعنی ایک ہی شخص ہے اس کا نام زید بھی ہے اور عَمْرو بھی ہے۔ ایک ہی شخص ہے اس کا نام زید بھی ہے اور عَمْرو بھی ہے، تو میں اس کو ندا دینا چاہتا ہوں عَمْرو کے ساتھ لیکن ساتھ ہی زید کا، اسی کا نام زید بھی ہے تو زید کو بھی میں ساتھ ذکر کر دیتا ہوں: یَا زَیْدُ عَمْرُو۔ اب یہ عَمْرو ابھی بھی بدل ہے، لیکن پہلے کیا تھا؟ بدل الغلط، اب یہ بدل الکل ہے۔ بدل الکل کسے کہتے ہیں؟ کہ بدل اور مبدل منہ دونوں کا مدلول ایک ہو، دونوں ایک ہی چیز پر دلالت کر رہے ہوں: زید سے بھی وہی ذات مراد اور عَمْرو سے بھی وہی ذات مراد۔ آپ حیران ہوں گے ایک ہی آدمی کے دو نام کیسے ہو سکتے ہیں؟ بھائی آپ دیکھتے بھی ہیں عام لوگوں میں بھی دیکھتے ہیں، ایک آدمی کا نام کچھ اور ہوتا ہے دوستوں اور ساتھیوں میں اس کا نام کچھ اور مشہور ہو جاتا ہے۔ توجہ ہے؟ عرفی نام۔ تو لہٰذا ہو سکتا ہے ایک ہی آدمی ہو اس کا اصل نام کیا ہو؟ زید، یا یوں کہو زید اور عَمْرو میں سے ایک اس کا اصل نام ہے اور ایک جو ویسے دوستوں کے اندر اس کا نام مشہور ہو گیا ہے، تو دونوں ایک ہی ذات کے بھی نام ہو سکتے ہیں۔ تو یَا زَیْدُ عَمْرُو، یہ عَمْرو کیا ہے؟ بدل ہے بھائی۔ توجہ ہے؟ اور بدل کیا ہوتا ہے؟ مستقل منادیٰ کے حکم میں ہوتا ہے، اس لیے یہ عَمْرو بھی مبنی علی الضم ہے۔

اچھا «یَا زَیْدُ عَمْرُو» یہ تو عَمْرو بدل ہے اور مفرد معرفہ ہے۔ مفرد... اور منادیٰ میں کیا کیا صورتیں تھیں؟ مضاف ہو، یا مشابہ مضاف ہو، یا نکرہ غیرِ معیّن ہو، اس کی بھی مثالیں آگے صاحبِ جامی دے رہے ہیں۔ کہتے ہیں: «مِثْلُ یَا زَیْدُ عَمْرُو، وَیَا زَیْدُ أَخَا عَمْرٍو» یَا زَیْدُ أَخَا عَمْرٍو، یہ أَخَا عَمْرٍو یہ بدل ہے، بدل ہے کس سے؟ زید سے۔ توجہ ہے ذرا عبارت پہ نظر رکھو! یَا زَیْدُ یہ تو ہے منادیٰ، کون سا منادیٰ ہے؟ جو مبنی علی الضم ہے، یہ تو سب مثالوں میں اسی طرح رہے گا یَا زَیْدُ۔ آگے جو بدل ہے اور آگے یا جو معطوف بہ حرف ہے وہ بدلتے جائیں گے۔ توجہ ہے؟ وہ کبھی کیا ہوں گے وہ بدل اور معطوف بہ حرف؟ کبھی مفرد معرفہ ہوں گے، کبھی مضاف ہوں گے، کبھی مشابہ مضاف ہوں گے، اور کبھی نکرہ غیرِ معیّن۔ توجہ ہے؟

تو یَا زَیْدُ أَخَا عَمْرٍو، یہ زید یہ ہے منادیٰ مبنی علی الضم، اور أَخَا عَمْرٍو، عَمْرو کا بھائی، یہ اس سے بدل ہے۔ وہی زید جو ہے وہ عَمْرو کا بھائی ہے، تو میں کہہ لوں یَا زَیْدُ یا میں کہہ دوں یَا أَخَا عَمْرٍو بات ایک ہی ہے۔ زید کہہ لو یا عَمْرو کا بھائی کہہ لو ایک ہی بات ہے، دیکھا دونوں کا مدلول ایک ہے، بدل اور مبدل منہ اس میں مدلول دونوں کا ایک ہوتا ہے بدل الکل کے اندر، تو زید جس ذات پہ دلالت کر رہا ہے أَخُو عَمْرٍو بھی اسی ذات پہ دلالت کر رہا ہے۔ تو یَا زَیْدُ یہ منادیٰ ہے اور أَخَا عَمْرٍو اس سے بدل ہے۔ اور بدل کس کے حکم میں؟ مستقل منادیٰ۔ اور یہ بدل مضاف ہے: أَخَا مضاف عَمْرٍو مضاف الیہ۔ یہ مضاف ہے، جب مضاف منادیٰ بنتا ہے تو وہ کیا ہوتا ہے؟ منصوب ہوتا ہے، اسی لیے أَخَا عَمْرٍو یہ بدل بھی منصوب ہے۔

«وَيَا زَيْدُ طَالِعًا جَبَلًا» یہ طَالِعًا جَبَلًا کیا ہے زید سے؟ بدل ہے، بدل ہے، اور بدل کا حکم مستقل منادیٰ والا۔ طَالِعًا جَبَلًا جب مستقل منادیٰ ہو تو تب بھی اسی طرح رہتا ہے: يَا طَالِعًا جَبَلًا، تو بدل ہو گا تو بھی اسی طرح رہے گا: يَا زَيْدُ طَالِعًا جَبَلًا۔

«وَيَا زَيْدُ رَجُلًا صَالِحًا» يَا زَيْدُ یہ ہے منادیٰ تو یہ زید کیا ہوا؟ مبدل منہ۔ اور رَجُلًا صَالِحًا یہ نکرہ اس سے بدل ہے۔ تو يَا زَيْدُ رَجُلًا صَالِحًا، یہ رَجُلًا یہ ہے بدل زید سے، اور صَالِحًا اس رَجُلًا کی صفت ہے، صَالِحًا اس کی صفت ہے۔ بھائی دیکھیے! بھائی بدل اور مبدل منہ میں سے مقصود کون ہوتا ہے؟ بدل مقصود ہوتا ہے، یعنی جو متبوع ہے یعنی جو مبدل منہ ہے وہ مقصود نہیں ہوتا۔ تو جب بدل مقصود ہے تو بدل کا درجہ مبدل منہ کے مقابلے میں اعلیٰ ہونا چاہیے، اگر اعلیٰ نہیں ہے تو کم از کم اس کے برابر ہونا چاہیے۔ توجہ ہے؟ بھائی پہلے کون آتا ہے؟ مبدل منہ، پھر کون آئے گا؟ بدل، اور مقصود کون ہے؟ بدل۔ جب بدل مقصود ہے تو بدل کو مبدل منہ سے اعلیٰ ہونا چاہیے، اگر اعلیٰ نہیں ہے تو کم از کم اس کے برابر ہونا چاہیے۔ لہٰذا مبدل منہ اگر معرفہ ہو اور بدل بھی کیا آجائے؟ معرفہ، تو دونوں برابر ہیں بھائی، لہٰذا اس صورت میں بھی کوئی خرابی نہیں۔ اگر مبدل منہ نکرہ ہے اور بدل بھی کیا آگیا؟ نکرہ، تو اس صورت میں بھی دونوں برابر ہیں، لہٰذا کوئی خرابی نہیں۔ اور اگر مبدل منہ ہو نکرہ اور بدل ہو معرفہ، بدل کیا ہو؟ معرفہ، تو بدل تو مقصود ہے وہ اعلیٰ ہو گیا کیونکہ وہ معرفہ ہوا، لہٰذا یہ صورت یہ بھی صورت ٹھیک ہے اس میں بھی کوئی اشکال نہیں۔ لیکن اگر مبدل منہ معرفہ ہو اور بدل نکرہ ہو، تو اس صورت میں خرابی لازم آتی ہے۔ کیا؟ مبدل منہ جو غیرِ مقصود ہے وہ ہوا اعلیٰ کیونکہ وہ معرفہ ہے اور جو بدل ہے وہ ہوا نکرہ۔ تو پھر اس صورت میں بدل کی صفت لائی جاتی ہے۔ کب؟ جب مبدل منہ ہو معرفہ ہو اور بدل کیا ہو؟ نکرہ۔ وجہ یہ کہ جب بدل کی صفت لائیں گے نکرہ ہے بدل، اس کی صفت لائیں گے تو صفت سے بدل میں تخصیص آجائے گی۔ کیا آجائے گی؟ تخصیص آجائے گی یعنی دیگر احتمالات کم ہو جائیں گے، اور تخصیص کی وجہ سے بدل معرفہ تو نہیں بنا لیکن معرفہ کے قریب ہو گیا، اور قریبِ الی الشے فی حکمِ شے ہے تو کچھ نہ کچھ کمی کی تلافی ہو جائے گی۔ لہٰذا جب مبدل منہ ہو معرفہ اور بدل کیا ہو؟ نکرہ، تو اس کی صفت لانا واجب ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ جیسے قرآن میں اللہ فرماتے ہیں: ﴿ لَنَسْفَعًا بِالنَّاصِيَةِ ۝ نَاصِيَةٍ كَاذِبَةٍ ﴾ ۔ تو بِالنَّاصِيَةِ دیکھو الف لام کے ساتھ ہے معرفہ ہے، اور اس سے بدل پھر نَاصِيَةٍ بدل آرہا ہے اور وہ نکرہ ہے، لہٰذا اس کی صفت كَاذِبَةٍ لائی گئی۔ ﴿ لَنَسْفَعًا بِالنَّاصِيَةِ ۝ نَاصِيَةٍ كَاذِبَةٍ ﴾ یہ نَاصِيَةٍ کی صفت كَاذِبَةٍ کیوں لائی گئی؟ کیونکہ یہ بدل ہے اور مبدل منہ ہے معرفہ اور بدل ہے نکرہ، اور جب مبدل منہ معرفہ ہو اور بدل نکرہ ہو تو بدل کی صفت لانا واجب ہے۔ اسی لیے یہاں پر بھی دیکھو: يَا زَيْدُ رَجُلًا صَالِحًا۔ زید یہ ہے معرفہ، اور رَجُلًا جو اس سے بدل بن رہا ہے وہ ہے نکرہ، لہٰذا اس لیے اس کی صفت صَالِحًا لائی گئی۔ بات سمجھ میں آگئی؟

یہ تو مثالیں تھیں بدل کی۔ توجہ ہے؟ ان مثالوں پہ ذرا پھر نظر ڈالیں! يَا زَيْدُ عَمْرُو، یہ عَمْرو بدل ہے اور کون سا بدل

ہے؟ مفرد معرفہ۔ يَا زَيْدُ أَخَا عَمْرٍو، یہ أَخَا عَمْرٍو بدل ہے اور کون سا بدل ہے؟ مضاف ہے۔ اور يَا زَيْدُ طَالِعًا جَبَلًا، یہ طَالِعًا جَبَلًا بدل ہے اور یہ مشابہ مضاف ہے۔ وَيَا زَيْدُ رَجُلًا صَالِحًا، یہ رَجُلًا صَالِحًا بدل ہے اور کون سا بدل ہے؟ نکرہ ہے۔ اب انہی کے درمیان وَاو لے آئیں ان سب میں، تو یہی مثالیں معطوف بہ حرف کی بھی بن جائیں گی۔ دیکھو کہتے ہیں: «وَالْمَعْطُوفُ مِثْلُ يَا زَيْدُ وَعَمْرُو» اور معطوف جیسے کہ يَا زَيْدُ وَعَمْرُو۔ دیکھو عَمْرُو یہ معطوف بہ حرف ہے اور اس پر الف لام داخل نہیں، تو یہ مستقل منادیٰ کی طرح ہوا، اور مستقل منادیٰ عَمْرو ہوتا تو کیا ہوتا؟ مبنی علی الضم، تو یہاں بھی یہ مبنی علی الضم ہے: يَا زَيْدُ وَعَمْرُو۔ «وَيَا زَيْدُ وَأَخَا عَمْرٍو» یہ معطوف بہ حرف جو مضاف ہے، تو یہ منصوب ہے۔ «وَيَا زَيْدُ وَطَالِعًا جَبَلًا» یہ معطوف بہ حرف ہے جو مشابہ مضاف ہے، تو یہ منصوب ہے۔ «وَيَا زَيْدُ وَرَجُلًا صَالِحًا» یہ معطوف بہ حرف جو ہے نکرہ غیرِ معیّن ہے۔ توجہ ہے؟ اور یہاں جو وَرَجُلًا صَالِحًا یہ صَالِحًا صفت لائی گئی صرف یہ اوپر چونکہ رَجُلًا کی صفت صَالِحًا لائی گئی تھی اس لیے یہاں بھی صفت لائی گئی، ورنہ یہاں صفت لانے کی کوئی ضرورت نہیں، یوں بھی کہا جا سکتا ہے: يَا زَيْدُ وَرَجُلًا۔ يَا زَيْدُ کیا ہے؟ منادیٰ مبنی علی الضم۔ اور وَرَجُلًا کیا ہے؟ یہ معطوف بہ حرف ہے، اور کون سا معطوف بہ حرف ہے؟ جو معرّف باللام نہیں، تو یہ مستقل منادیٰ کے حکم میں۔ جب مستقل منادیٰ ہے، مستقل منادیٰ نکرہ غیرِ معیّن ہو تو منصوب ہوتا ہے اس لیے وَرَجُلًا بھی منصوب ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ حل ہو گیا سارا؟ چلیے بس بھائی، هَذَا هُوَ الْمَرَامُ، وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْكَلَامِ۔

سبق نمبر ۱۲۵: المنادیٰ (۷): «یَا زَیْدُ بْنَ عَمْرٍو» میں علمِ موصوف بابن کے فتحہ کا حکم

شرحِ ملا جامی صفحہ: ۹۶ — بتاریخ: ۵ جنوری ۲۰۲۲ء

▪ تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث

دیکھیے بھائی آگے سبق:

وَالْعَلَمُ أَيِ الْعَلَمُ الْمُنَادَى الْمَبْنِيُّ عَلَى الضَّمِّ، أَمَّا كَوْنُهُ مُنَادًى فَلِأَنَّ الْكَلَامَ فِيهِ، وَأَمَّا كَوْنُهُ مَبْنِيًّا عَلَى الضَّمِّ فَلِمَا يُفْهَمُ مِن اخْتِيَارِ فَتْحِهِ الْمُنْبِئِ عَنْ جَوَازِ ضَمِّهِ، فَإِنَّ جَوَازَ الضَّمَّةِ لَا يَكُونُ إِلَّا فِي الْمَبْنِيِّ عَلَى الضَّمِّ۔

بھائی منادیٰ کی بحث چل رہی ہے۔ صاحبِ کافیہ نے آپ کو بتلایا کہ منادیٰ مفرد معرفہ ہو تو مبنی ہوگا علامتِ رفع پر۔ «یَا زَیْدُ»، «یَا زَیْدَانِ»، «یَا زَیْدُونَ» یہ سب مبنی ہیں جب یہ منادیٰ مفرد معرفہ ہو۔ مفرد ہونے کا کیا معنی؟ یعنی مضاف یا مشابہ مضاف نہ ہو بھائی، اور معرفہ ہو، چاہے قبل النداء معرفہ ہو چاہے بعد النداء معرفہ ہو۔ اور اگر منادیٰ مضاف ہو یا مشابہ مضاف ہو یا نکرہ غیر معین ہو تو اس صورت میں وہ منصوب ہوگا۔ «یَا عَبْدَ اللّٰهِ» دیکھو مضاف ہے تو منصوب ہے۔ «یَا طَالِعًا جَبَلًا» مشابہ مضاف ہے تو بھی منصوب ہے۔ «یَا رَجُلًا خُذْ بِیَدِي» اندھا کسی غیر معین شخص کو ندا دیتا ہے، تو یہ بھی منصوب ہے بھائی۔

اس کے بعد منادیٰ کے توابع کا بیان شروع کیا تھا صاحبِ کافیہ نے۔ میں نے آپ کو بتلایا تھا کہ توابع کا آگے مستقل بیان بھی آرہا ہے، لیکن منادیٰ کے توابع کا حکم باقی توابع سے تھوڑا سا مختلف تھا، اس لیے صاحبِ کافیہ منادیٰ کی بحث میں ہی اس کے توابع کو بھی ذکر فرما رہے ہیں بھائی۔ تو سب سے پہلے آپ کو یہ بتلایا کہ وہ منادیٰ جو مبنی ہو علامتِ رفع پر، اس کے جو توابع ہیں اگر وہ مفرد ہوں، کیا معنی؟ یعنی مضاف نہ ہوں باضافتِ معنوی، تو پھر ان میں رفع بھی جائز ہے اور نصب بھی جائز ہے۔ لیکن تمام توابع میں نہیں بلکہ چار توابع ہیں بھائی: ایک ہے تاکیدِ معنوی، ایک ہے صفت، ایک ہے

عطفِ بیان، اور ایک وہ معطوف جس پر حرفِ ندا کا داخل کرنا ممتنع ہے یعنی وہ معطوف بحرف جو معرف باللام ہے۔ تو اس میں رفع پڑھنا بھی جائز منادیٰ کے لفظوں پر حمل کرتے ہوئے، اور نصب بھی جائز ہے منادیٰ کے محل پر حمل کرتے ہوئے۔ تو «یَا زَیْدُ الْعَاقِلُ» اور «یَا زَیْدُ الْعَاقِلَ» دونوں طرح پڑھنا جائز ہے۔

اور اگر یہی منادیٰ جو مبنی ہے علامتِ رفع پر، اس کے توابع اگر مفرد نہ ہوں بلکہ مضاف ہوں باضافتِ معنوی، تو پھر ان میں نصب ہی پڑھیں گے۔ پھر ان میں دو وجہیں پڑھنا جائز نہیں بلکہ پھر اس میں نصب ہی پڑھیں گے۔ جیسے «یَا تَیْمَ کُلِّهِمْ»، «یَا زَیْدُ ذَا الْمَالِ»۔ صورت سمجھ میں آگئی؟

جبکہ توابع میں سے بدل اور وہ معطوف جس پر یا کا داخل کرنا ممتنع نہیں ہے، یعنی وہ معرف باللام نہیں ہے، ان کا حکم مستقل منادیٰ والا ہے۔ یعنی جیسے مستقل منادیٰ مفرد معرفہ ہو تو مبنی علی الضم ہوتا ہے، اسی طرح اگر یہ بدل یا ایسا معطوف جو معرف باللام نہیں، وہ بھی اگر مفرد معرفہ ہوا تو مبنی ہوگا علامتِ رفع پر۔ اور اگر وہ مضاف یا مشابہ مضاف یا نکرہ غیر معین ہوا تو وہ منصوب ہوگا جیسے منادیٰ منصوب ہوتا ہے۔

پھر اس کے بعد اختلاف ذکر ہوا تھا امام خلیل ابن احمد رحمہ اللہ اور قاری ابو عمرو کے درمیان۔ وہ فرماتے ہیں وہ معطوف بحرف جس پر یا کا داخل کرنا ممتنع ہے، یعنی وہ جو معرف باللام ہے، جیسے «یَا زَیْدُ وَالْحَارِثُ»۔ اس کے اندر امام خلیل رحمہ اللہ فرماتے ہیں رفع پسندیدہ ہے، جبکہ قاری ابو عمرو فرماتے ہیں اس کے اندر نصب پسندیدہ ہے۔ جبکہ امام مبرد رحمہ اللہ ان دونوں کے درمیان محاکمہ فرماتے ہیں کہ وہ معطوف بحرف جو معرف باللام ہے، اس کے لفظ میں غور کیا جائے گا۔ اگر اس سے الف لام کا جدا کرنا ممکن ہے تو پھر اس میں رفع پسندیدہ ہے، یعنی وہ امام خلیل رحمہ اللہ کے مذہب کو وہاں ترجیح دیتے ہیں۔ اور اگر وہ معرف باللام ایسا ہے جس سے الف لام کو جدا نہیں کیا جا سکتا جیسے «النَّجْمُ» ہے یا «الصَّعْقُ» ہے، تو پھر اس میں وہ قاری ابو عمرو کے مذہب کو ترجیح دیتے ہیں کہ پھر اس صورت میں نصب پڑھنا پسندیدہ۔ بات سمجھ میں آگئی؟

تو کس معطوف کی بات ہو رہی ہے؟ جو معرف باللام ہے۔ امام خلیل رحمہ اللہ کیا فرماتے ہیں؟ اس میں رفع پسندیدہ۔ وجہ یہ کہ امام خلیل فرماتے ہیں کہ یہ جو معطوف بحرف ہوتا ہے یہ مستقل منادیٰ ہے۔ لہٰذا اس کو بھی مبنی علی الضم ہونا چاہیے، لیکن اس پر حرفِ ندا داخل نہیں ہو سکتا کیونکہ اس پر الف لام موجود ہے۔ تو جب آپ اس کو مبنی علی الضم نہیں بنا سکتے تو کم از کم پھر اس جیسا اعراب ہی دے دو تاکہ پتا چلے کہ یہ مستقل منادیٰ ہے۔ تو «یَا زَیْدُ وَالْحَارِثُ» اس طرح پڑھیں گے اور یہ پسندیدہ ہے، اگرچہ نصب بھی وہ جائز کہتے ہیں۔

جبکہ قاری ابو عمرو فرماتے ہیں کہ معطوف بحرف مستقل منادیٰ ہوتا ہے، لیکن یہاں پر یہ جو معطوف بحرف ہے اس پر الف لام داخل ہے، تو لہٰذا اس کو مستقل منادیٰ بنا ہی نہیں سکتے۔ جب مستقل منادیٰ بنا ہی نہیں سکتے تو پھر تابع والا حکم

ہی اس کو دینا پڑے گا، اور مبنی کا جو تابع ہوتا ہے وہ اس کے محل کے تابع ہوتا ہے۔ لہٰذا اس پر نصب پڑھیں گے کیونکہ منادیٰ محلاً منصوب ہوتا ہے۔ «یَا زَیْدُ» تقدیرِ عبارت کیا ہے؟ «أَدْعُو زَیْدًا»۔ تو لہٰذا اس کا جو تابع ہوگا اس پر بھی نصب پڑھیں گے، تو «یَا زَیْدُ وَالْحَارِثَ» پڑھیں گے منادیٰ کے محل پر حمل کرتے ہوئے، کیونکہ اس کو مستقل منادیٰ بنانا ممکن نہیں۔

تو امام خلیل ابن احمد نے معنیٰ کی طرف نظر کی کہ معنیٰ کے اعتبار سے معطوف بحرف مستقل منادیٰ ہے، لہٰذا اس کی صورت بھی مستقل منادیٰ جیسی ہونی چاہیے، لہٰذا «وَالْحَارِثُ» پڑھا جائے۔ جبکہ قاری ابو عمرو جو ہیں انہوں نے اس کے لفظوں کی طرف نظر کی کہ لفظوں کے اعتبار سے تو اس کو مستقل منادیٰ بنانا ممکن نہیں کیونکہ اس پر الف لام ہے، تو اس کو تابع والا ہی اعراب دیا جائے گا۔ اگرچہ رفع بھی وہ جائز کہتے ہیں لیکن پسندیدہ کہتے ہیں نصب ہے بھائی۔

اب آئیے آج کے سبق پر بھائی۔ کہتے ہیں: «وَالْعَلَمُ» أَيِ الْعَلَمُ الْمُنَادَى الْمَبْنِيُّ عَلَى الضَّمِّ، أَمَّا كَوْنُهُ مُنَادًى فَلِأَنَّ الْكَلَامَ فِيهِ۔ پہلے متن متن دیکھ لیں جی۔ کہتے ہیں: «وَالْعَلَمُ الْمَوْصُوفُ بِابْنٍ مُضَافًا إِلَى عَلَمٍ آخَرَ يُخْتَارُ فَتْحُهُ»۔

یاد رکھو عربی زبان میں بیٹے کے نام کے ساتھ باپ کے نام کو اکثر ذکر کیا جاتا ہے۔ تو زید ہے مثلاً وہ عمرو کا بیٹا ہے تو «زَیْدُ بْنُ عَمْرٍو»۔ تو بیٹے کے نام کے ساتھ باپ کے نام کو کثرت سے استعمال کیا جاتا ہے۔ اور یہ جو «ابْنٌ» کا لفظ آتا ہے یاد رکھو یہ ماقبل کے لیے صفت بنتا ہے۔ ماقبل پر اگر رفع ہو تو اس «ابْنٌ» کے لفظ پر بھی رفع آئے گا، اگر ماقبل پر نصب یا جر ہے تو اس «ابْنٌ» پر بھی نصب یا جر آئے گا۔ تو «ابْنٌ» کا لفظ ماقبل کے لیے صفت بنتا ہے، اور مابعد کے لیے یہ «ابْنٌ» کا لفظ مضاف بنتا ہے۔ تو «ابْنٌ» کے مابعد جو لفظ آئے گا وہ مجرور ہوگا مضاف الیہ ہونے کی وجہ سے۔ تو کیسے پڑھیں گے؟ «زَیْدُ بْنُ عَمْرٍو»۔ «زَیْدُ بْنُ» دیکھو زید مرفوع ہے تو «ابْنٌ» یہ بھی مرفوع میں نے پڑھا یہ اس کی صفت ہے، اور «عَمْرٍو» مجرور ہے مضاف الیہ ہے۔ تو کیسے پڑھیں گے؟ «زَیْدُ بْنُ عَمْرٍو»۔ اور اگر زید پر نصب ہو تو کیسے پڑھیں گے؟ «زَیْدَ بْنَ عَمْرٍو»۔ اور اگر زید پر جر ہو تو کیسے پڑھیں گے؟ «زَیْدِ بْنِ عَمْرٍو»۔ صورت سمجھ میں آگئی؟

تو یاد رکھو اگر منادیٰ ایسا علم ہو جس کی صفت «ابْنٌ» کا لفظ آرہا ہو اور «ابْنٌ» آگے دوسرے علم کی طرف مضاف ہو رہا ہو، تو اس کے اندر فتحہ پسندیدہ ہے۔ اس قسم کے منادیٰ میں فتحہ۔ مثلاً «زَیْدُ بْنُ عَمْرٍو»، اب اس زید کو میں ندا دینا چاہتا ہوں اور اس کی صفت میں «ابْنٌ» کو لانا چاہتا ہوں، اور «ابْنٌ» کے بعد ایک اور علم ہے اس کی طرف اس کی اضافت ہو رہی ہے۔ توجہ ہے؟

تو دیکھو اصل میں تو «یَا زَیْدُ» منادیٰ مفرد ہے اور معرفہ ہے، مفرد ہے یعنی مضاف یا مشابہ مضاف نہیں، تو یہ مبنی ہوگا علامتِ رفع پر «یَا زَیْدُ»، اور آگے «ابْنَ عَمْرٍو» یہ «ابْنَ عَمْرٍو» مضاف مضاف الیہ مل کر صفت بن رہے ہیں کس کے لیے؟ زید کے لیے۔ توجہ ہے؟ اور آپ نے پڑھا کہ منادیٰ مفرد معرفہ کے توابع اگر مضاف ہوں تو ان پر کیا پڑھا جاتا ہے؟

نصب۔ ابھی بتایا پچھلے سبق میں: «وَالْمُضَافَةُ تُنْصَبُ» کہ اگر تابع مضاف ہو تو اس پر نصب۔ تو کیسے پڑھنا چاہیے؟ «یَا زَیْدُ ابْنَ عَمْرٍو»۔ «ابْنَ عَمْرٍو» یہ اس پر «ابْن» پر نصب پڑھیں گے، تو کیسے پڑھیں گے؟ «یَا زَیْدُ ابْنَ عَمْرٍو»۔ «یَا زَیْدُ» کیوں پڑھا؟ کیونکہ یہ منادیٰ مفرد معرفہ ہے، یہ مبنی ہے علامتِ رفع پر۔ اور «ابْنَ عَمْرٍو» کیوں پڑھا؟ کیونکہ یہ اس کا تابع ہے، یہ اس کی صفت ہے، اور جب صفت مضاف ہو تو اس میں کیا پڑھتے ہیں؟ نصب۔ ویسے صفت آئے تو اس میں تو رفع بھی جائز نصب بھی جائز دونوں پڑھتے ہیں «یَا زَیْدُ الْعَاقِلُ» اور «یَا زَیْدُ الْعَاقِلَ»۔ لیکن اگر مضاف ہو تو پھر نصب ہی پڑھنا ہے، تو «یَا زَیْدُ بْنَ عَمْرٍو»۔ توجہ ہے؟

تو دیکھو یہ منادیٰ کون ہے؟ منادیٰ زید علم ہے اور اس کی صفت «ابْن» آ رہی ہے اور «ابْن» آگے مضاف ہو رہا ہے ایک اور علم کی طرف۔ تو اس صورت میں یاد رکھو یہ جو منادیٰ ہے «یَا زَیْدُ» اس پر فتحہ پڑھنا پسندیدہ ہے۔ اس پر بھی زبر پڑھیں، فتحہ پڑھیں: «یَا زَیْدَ بْنَ عَمْرٍو»۔ تو یوں بھی آپ پڑھ سکتے ہیں «یَا زَیْدُ بْنَ عَمْرٍو» زید کو مبنی علی الضم پڑھیں، لیکن فتحہ پڑھنا اس پر پسندیدہ ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو کیسے پڑھیں گے؟ «یَا زَیْدَ بْنَ عَمْرٍو»، اور دوسری صورت کیا ہے؟ «یَا زَیْدُ بْنَ عَمْرٍو»۔ صورت سمجھ میں آگئی؟

تو یاد رکھو اس قسم کا جو منادیٰ ہوگا اس میں فتحہ پسندیدہ ہے۔ اور اس میں چار شرطیں ہیں بھائی، چار شرطیں: کہ وہ منادیٰ علم ہونا چاہیے۔ «یَا زَیْدُ» یہ زید کیا ہے؟ علم ہے۔ دوسری شرط: اس کی صفت «ابْن» آنی چاہیے۔ «ابْن» آنی چاہیے۔ تیسری شرط: یہ زید اور «ابْن» کے درمیان کوئی واسطہ نہیں ہونا چاہیے۔ بھائی بعض اوقات منادیٰ کی صفت لے آتے ہیں یا نہیں؟ «یَا زَیْدُ الْعَاقِلُ» اور آگے پھر «ابْنَ عَمْرٍو»۔ «یَا زَیْدُ الْعَاقِلُ» پہلے زید کی صفت لے آئے پھر آگے «ابْنَ عَمْرٍو» دوسری صفت لے آئے، توجہ ہے؟ لیکن درمیان میں واسطہ نہیں ہونا چاہیے۔ اور چوتھی شرط یہ ہے کہ «ابْن» کے بعد ایک اور علم ہو جو مضاف الیہ بن رہا ہو، یوں کہیں، اور «ابْن» کے بعد ایک اور علم ہونا چاہیے جس کی طرف وہ مضاف ہو رہا ہے۔

تو کتنی شرطیں ہیں؟ چار۔ چار شرطیں ہیں۔ پہلی شرط کیا؟ کہ منادیٰ علم ہو۔ دوسری شرط؟ صفت اس کی «ابْن» آئے۔ تیسری شرط کیا؟ کہ اس علم اور «ابْن» کے درمیان کوئی واسطہ، کوئی فصل نہ ہو، کوئی جدائی نہ ہو، اتصال ہو دونوں میں۔ اور چوتھی شرط کیا؟ کہ «ابْن» کے بعد ایک اور علم آنا چاہیے۔ «یَا زَیْدَ بْنَ عَمْرٍو» دیکھو زید علم ہے، اور اس کے بعد اس کی صفت کیا آ رہی ہے؟ «ابْن» دوسری شرط بھی پوری، درمیان میں کوئی صفت وغیرہ کوئی واسطہ بھی نہیں تیسری شرط بھی پوری، اور چوتھی شرط بھی پوری ہے کہ «ابْن» کے بعد ایک اور علم ہے۔

تو کتنی شرطیں؟ چار شرطیں۔ پھر دہرا لو۔ پہلی شرط کیا؟ کہ منادیٰ علم ہو۔ دوسری شرط: اس کی صفت «ابْن» ہو۔ تیسری شرط: درمیان میں کوئی واسطہ کوئی صفت وغیرہ کوئی فصل نہ ہو۔ اور چوتھی شرط کیا کہ «ابْن» مضاف ہو ایک اور علم کی طرف۔ تو اس قسم کے نام عربی زبان میں کثیر الاستعمال ہیں، اور کثرت خفت کا تقاضا کرتی ہے کہ لفظ کو کیا ہونا چاہیے؟

خفیف ہونا چاہیے، زبان پر جلدی سے ادا ہو جائے۔ اور آپ خود بتائیے «یَا زَیْدُ بْنَ عَمْرٍو» پڑھنا آسان ہے یا «یَا زَیْدَ بْنَ عَمْرٍو» پڑھنا آسان ہے؟ «یَا زَیْدَ بْنَ عَمْرٍو» دیکھو بالکل صاف تلفظ سے ہی پتا چل رہا ہے، تو چونکہ فتحہ اخف الحرکات ہے، سب سے ہلکی حرکت ہے جو آسانی سے زبان سے ادا ہو جاتی ہے، لہٰذا اس قسم کے منادیٰ پر فتحہ پڑھنا پسندیدہ ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو لفظوں کے اندر بھی تخفیف کی، تلفظ کے اندر بھی تخفیف کی، ضمہ کی جگہ کیا پسندیدہ؟ فتحہ پسندیدہ۔

اور یاد رکھو کتابت کے اندر بھی تخفیف ہے یہاں پر کہ یہ جو «ابْن» کا ہمزہ ہے یہ نہیں لکھیں گے۔ یہ «ابْن» کا جو ہمزہ ہے ہمزہ وصلی ہے، اور آپ جانتے ہیں ہمزہ وصل درمیانِ عبارت میں گر جاتا ہے اس کو پڑھا نہیں جاتا۔ جیسے «اِضْرِبْ» دیکھو «اِضْرِبْ» اس کا ہمزہ وصلی ہے، درمیانِ عبارت میں یہ گر جائے گا۔ مثلاً میں کہتا ہوں «قُلْتُ لَهُ اضْرِبْ زَیْدًا»، «قُلْتُ لَهُ اضْرِبْ زَیْدًا» دیکھو «اِضْرِبْ» کا ہمزہ گر گیا۔ تو ہمزہ وصلی درمیانِ عبارت میں گر جاتا ہے، لیکن تلفظ سے گرتا ہے لکھنے سے نہیں گرتا، لکھنا پڑے گا آپ کو کتابت میں۔ لیکن یہاں پر یہ جو «ابْن» کا ہمزہ ہے یہ «ابْن» کا ہمزہ کتابت سے بھی گرا دیں گے لکھیں گے بھی نہیں۔ تو کیسے پڑھیں گے؟ «یَا زَیْدَ بْنَ عَمْرٍو» یہ اس طرح پڑھنا پسندیدہ ہے بھائی۔ اور یاد رکھو صرف یہ یہیں پر نہیں ہے اس منادیٰ کے اندر اس طرح ہو، بلکہ عربی زبان میں جہاں بھی اس طرح «ابْن» کا لفظ دو علمین کے درمیان آ جائے، علمین دو علمین کے درمیان، تو وہاں پر ماقبل والے لفظ سے تنوین بھی گر جاتی ہے اور «ابْن» کا ہمزہ بھی وہاں گر جاتا ہے۔ مثلاً «زَیْدُ بْنُ عَمْرٍو»۔ «زَیْدُ بْنُ عَمْرٍو» مثلاً میں آپ سے کہتا ہوں «جَاءَنِي» میرے پاس آیا تھا «زَیْدُ بْنُ عَمْرٍو»۔ کون آیا؟ زید ابن عمرو آیا۔

اب دیکھو ذرا اعراب پہ غور کرو: «جَاءَ» فعل، نون وقایہ، یا ضمیر منصوب محلاً مفعول بہ، «زَیْدٌ» مرفوع لفظاً موصوف کیونکہ آگے «ابْن» کا لفظ صفت آ رہی ہے۔ تو «زَیْدٌ» مرفوع لفظاً موصوف، «ابْنُ» مرفوع لفظاً مضاف، مرفوع کیوں؟ کیونکہ یہ صفت ہے اور صفت کا وہی اعراب ہوتا ہے جو موصوف کا، اور «عَمْرٍو» مجرور لفظاً مضاف الیہ۔ توجہ ہے؟ اب دیکھو «زَیْدٌ» پر کیا اعراب پڑھا آپ نے؟ «زَیْدٌ» پر رفع ہے، رفع پڑھ کے دکھاؤ ذرا «زَیْدٌ» پر۔ «زَیْدٌ»، دیکھا آخر میں تنوین بھی آ رہی ہے اور تنوین کس چیز کا نام ہے؟ نونِ ساکن کا نام ہے۔ آگے «ابْن» کا لفظ ہے اور «ابْن» کا ہمزہ وصلی تو گر گیا، اب با بھی ساکن اور ماقبل میں «زَیْدٌ» کا نون بھی ساکن۔ تو اجتماعِ ساکنین آیا، اور اگر اول حرفِ مدہ ہو اس کو گراتے ہیں، لیکن یہاں تو اول کیا ہے؟ نونِ تنوین ہے، تو پھر اس صورت میں حرکت دیں گے اول والے کو اور «اَلسَّاكِنُ إِذَا حُرِّكَ حُرِّكَ بِالْكَسْرِ»۔ تو کیسے پڑھنا چاہیے؟ «زَیْدُنِ بْنُ»، نون کے نیچے زیر پڑھ دیں، «زَیْدُنِ بْنُ عَمْرٍو»، «جَاءَنِي زَیْدُنِ بْنُ عَمْرٍو»۔ لیکن یاد رکھو یہ عربی میں یہ «ابْن» اس طرح کثیر الاستعمال ہے دو علمین کے درمیان استعمال ہوتا ہے، اور کثرت خفت کا تقاضا کرتی ہے، لہٰذا اس صورت میں پہلے والے علم سے تنوین گرا دیتے ہیں۔ تو «زَیْدٌ» سے تنوین گر گئی، کیا گر گئی؟ تنوین گر گئی صرف «زَیْدُ» رہ گیا اور آگے «ابْنُ» آیا۔ اب ملائیں ذرا تنوین کے بغیر ملائیں: «زَیْدُ بْنُ عَمْرٍو»۔ ویسے ضابطے کے مطابق

کیا تھا؟ «زَیْدُنِ بْنُ عَمْرٍو»۔ لیکن اب تنوین گر گئی، اب کیسے پڑھیں گے؟ «زَیْدُ بْنُ عَمْرٍو»۔ تو یہ تخفیف کے طور پر ماقبل والے علم سے تنوین گرا دیتے ہیں جب بھی «ابْن» آئے دو علمین کے درمیان۔ وہاں بھی یہی چار شرطیں ہیں: «ابْن» کا لفظ کس میں آنا چاہیے؟ دو علمین میں، یا یوں کہیں «ابْن» سے ماقبل کیا ہو؟ علم ہو، اور اس کی صفت کیا آئے؟ «ابْن» آئے، اور درمیان میں کوئی واسطہ نہ ہو، اور «ابْن» کے بعد ایک اور علم آنا چاہیے، اور وہ متناسلین ہوں یعنی باپ بیٹے ہوں آپس میں، ماقبل اور مابعد والے کا تعلق کیا ہو؟ باپ بیٹے کا ہو۔ کبھی دادا پردادا کی طرف بھی نسبت کر دیتے ہیں عربی زبان میں مثلاً عمرو جو ہے زید کے باپ کا نام نہیں ہے، زید کے دادا یا پردادا کا نام ہے، اور دادا پردادا مشہور زیادہ ہے تو بعض اوقات دادا پردادا کی طرف نسبت کر دیتے ہیں۔ اب «زَیْدُ بْنُ عَمْرٍو» توجہ ہے؟ لیکن اگر دادا پردادا ہو پھر؟ پھر تنوین نہیں گرے گی، پھر تنوین نہیں گرے گی۔ بات سمجھ میں آگئی؟ یہ تنوین کب گرے گی؟ جب تعلق کیا ہو دونوں کا آپس میں؟ باپ بیٹے والا ہو، دادا پردادا والا نہ ہو بھائی۔ تو اس صورت میں تنوین بھی گراتے ہیں اور «ابْن» کا ہمزہ بھی گرا دیتے ہیں وہ بھی نہیں لکھتے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ یہ چار شرطیں۔

تو منادیٰ کے اندر بھی جب منادیٰ اگر علم ہو اور اس کی صفت «ابْن» آئے اور درمیان میں کوئی واسطہ نہ ہو اور آگے ایک اور علم آئے، تو پھر اس صورت میں اس قسم کے منادیٰ میں کیا پڑھنا پسندیدہ؟ فتحہ پڑھنا پسندیدہ ہے، البتہ ضمہ بھی پڑھ سکتے ہیں۔ بات سمجھ میں آگئی؟ اب دیکھیے بھائی کتاب پر متن متن دیکھیے۔

کہتے ہیں: «وَالْعَلَمُ الْمَوْصُوفُ بِابْنٍ مُضَافًا إِلَى عَلَمٍ آخَرَ یُخْتَارُ فَتْحُهُ»۔

بھائی متن میں آیا: «وَالْعَلَمُ» اور وہ علم جو موصوف ہو «ابْن» کے ساتھ۔ آگے شارحِ جامی فرما رہے ہیں کہ علم سے ہر علم نہیں مراد: «أَيِ الْعَلَمُ الْمُنَادَى الْمَبْنِيُّ عَلَى الضَّمِّ»۔ وہ علم مراد ہے جو منادیٰ ہو اور مبنی ہو ضمہ پر، توجہ ہے؟ وہ علم مراد ہے! تو متن میں آیا تھا «الْعَلَمُ»، اور صاحبِ جامی نے دو شرطیں ساتھ، دو صفتیں بڑھا دیں کہ وہ علم کیا ہونا چاہیے؟ منادیٰ، اور مبنی ہو ضمہ پر۔ تو سوال پیدا ہوا کہ اے صاحبِ جامی آپ نے یہ منادیٰ کی قید کیوں ساتھ بڑھا دی اور آپ نے مبنی علی الضم کی قید کیوں ساتھ بڑھا دی؟ تو صاحبِ جامی آپ کو بتلائیں گے کہ علم سے ہر علم نہیں مراد منادیٰ مراد ہے۔ بھائی کیوں؟ وجہ یہ کہ کہتے ہیں بحث منادیٰ کے بارے میں چل رہی ہے، بات کس کی چل رہی ہے؟ منادیٰ کی چل رہی ہے تو ہر علم کی بات نہیں ہو رہی بلکہ اس علم کی بات ہو رہی ہے جو کیا واقع ہو؟ منادیٰ واقع ہو۔ اور کہا کہ وہ مبنی ہو ضمہ پر، وہ علم کیا ہو؟ مبنی ہو ضمہ پر۔ یہ مبنی ہو ضمہ پر یہ قید آپ نے کیوں بڑھا دی؟ یہ آپ کو بتلائیں گے صاحبِ جامی کہ دیکھو آگے آیا متن میں صاحبِ کافیہ کیا فرما رہے ہیں: «یُخْتَارُ فَتْحُهُ» کہ اس قسم کے علم میں فتحہ پسندیدہ ہے۔ معلوم ہوا فتحہ واجب نہیں ہے، فتحہ واجب نہیں فتحہ پسندیدہ ہے۔ جب فتحہ پسندیدہ ہے معلوم ہوا اس میں ضمہ بھی جائز ہے۔ اس میں ضمہ بھی جائز ہے۔ اگر

فتحہ واجب ہوتا تو پھر «یُخْتَارُ» نہ فرماتے بلکہ واجب کا لفظ لے کر آتے کہ اس کے اندر فتحہ واجب ہے۔ تو فتحہ کا پسندیدہ ہونا بتلا رہا ہے کہ اس کے اندر ضمہ بھی جائز ہے بھائی۔ دیکھیے بھائی۔

کہتے ہیں: «وَالْعَلَمُ» أَيِ الْعَلَمُ الْمُنَادَى الْمَبْنِيُّ عَلَى الضَّمِّ۔ وہ علم جو منادیٰ ہو مبنی ہو ضمہ پر۔ کہتے ہیں: «أَمَّا كَوْنُهُ مُنَادًى» باقی اس علم کا منادیٰ ہونا، کہتے ہیں: «فَلِأَنَّ الْكَلَامَ فِيهِ» اس لیے کیونکہ کلام جو ہے منادیٰ کے بارے میں ہے بھائی، یہ کلام کس کے بارے میں چل رہا ہے؟ منادیٰ کے بارے میں، تو یہ ہر علم کی بات نہیں ہو رہی۔ کہتے ہیں: «وَأَمَّا» اور باقی آپ نے کیا کہا کہ مبنی علی الضم کی قید ہم نے کیوں بڑھائی؟ کہتے ہیں: «وَأَمَّا كَوْنُهُ مَبْنِيًّا عَلَى الضَّمِّ» اور باقی اس علم کا مبنی علی الضم ہونا، کہتے ہیں: «فَلِمَا يُفْهَمُ» پس اس وجہ سے جو سمجھ میں آرہا ہے «مِنِ اخْتِيَارِ فَتْحِهِ»۔ «فَتْحِهِ» کی ہا ضمیر اس علم کو راجع کریں وہ جو منادیٰ ہے۔ پس اس وجہ سے جو سمجھ میں آتا ہے «مِنِ اخْتِيَارِ فَتْحِهِ» اس علمِ منادیٰ کے فتحہ کا مختار ہونا، اس علمِ منادیٰ کے فتحہ کے مختار ہونے سے جو سمجھ میں آرہا ہے، آگے «الْمُنْبِئِ» یہ صفت ہے «اخْتِيَارِ فَتْحِهِ» کی، کہ فتحہ کا مختار ہونا «الْمُنْبِئِ» — «أَنْبَأَ يُنْبِئُ» کا معنی خبر دینا، اطلاع دینا — اس علم کے فتحہ کا مختار ہونا «الْمُنْبِئِ عَنْ جَوَازِ ضَمِّهِ» جو خبر دے رہا ہے ضمہ کے جواز کا۔ جب فتحہ مختار ہے معلوم ہوا فتحہ واجب نہیں، یہ کس چیز کی خبر دے رہا ہے؟ ضمہ کے جواز، معلوم ہوا ضمہ بھی جائز ہے۔ معلوم ہوا ضمہ بھی جائز ہے۔ اس پر آپ کے ذہنوں میں اشکال آئے گا کہ بھائی فتحہ کا مختار ہونا ضمہ کے جواز کی خبر تو نہیں دیتا! بھائی میں نے کہا اس علم کے اندر فتحہ مختار ہے، اس علم کے اندر... اس سے تو یہ پتا چلا کہ فتحہ کے علاوہ کوئی اور حرکت پڑھنا بھی جائز ہے، صرف ضمے کا تو پتا نہیں ضمے کے جواز کا تو نہیں پتا چلا یہاں سے، صرف کیا پتا چلا؟ فتحہ مختار ہے معلوم ہوا اور کوئی حرکت بھی اس میں جائز ہے، لیکن آپ نے کیا کہا؟ یہ نہیں کہا کہ کوئی اور حرکت بھی جائز ہے بلکہ آپ نے سیدھا سیدھا کیا کہا؟ ضمہ بھی جائز ہے، بھائی ضمے کے جائز ہونے کا تو پتا نہیں چل رہا۔ بات سمجھ بھی آرہی ہے کہ نہیں؟ کیا؟ انہوں نے کہا فتحہ مختار ہے، تو فتحہ کے مختار ہونے سے پتا چلا کوئی اور حرکت بھی جائز ہے، لیکن آپ نے یہ نہیں کہا کوئی اور حرکت بھی جائز ہے آپ نے سیدھا سیدھا کیا کہہ دیا؟ ضمہ بھی جائز ہے۔ تو یاد رکھنا وجہ اس کی یہ کہ میں نے آپ کو بتلایا تھا کہ تین طرح کے نام ہیں: «ضَمٌّ»، «فَتْحٌ»، «كَسْرٌ» یہ خاص ہے مبنی کے ساتھ بغیر گول تا کے: «ضَمٌّ»، «فَتْحٌ»، «كَسْرٌ»۔ اور «رَفْعٌ»، «نَصْبٌ»، «جَرٌّ» یہ خاص ہے معرب کے ساتھ۔ اور «ضَمَّةٌ»، «فَتْحَةٌ»، «كَسْرَةٌ» یہ گول تا بھی ساتھ جوڑ دیں تو یہ معرب اور مبنی دونوں کے لیے استعمال ہوتے ہیں۔ تو یہاں کیا آیا؟ «يُخْتَارُ فَتْحُهُ» اس کے اندر فتحہ مختار ہے۔ فتحہ بتلا رہا ہے کہ منادیٰ مبنی ہے، فتحہ کس میں بولتے ہیں؟ مبنی میں، معلوم ہوا منادیٰ مبنی ہے، اور منادیٰ کے اندر آپ نے کیا پڑھا ہے؟ منادیٰ جب مفرد معرفہ ہو تب وہ مبنی ہوتا ہے، اور جب مضاف یا مشابہ مضاف یا نکرہ غیر معین ہو تو باقی تمام صورتوں میں وہ منصوب ہوتا ہے معرب ہوتا ہے۔ تو «فَتْحُهُ» سے اتنا تو پتا چل گیا کہ منادیٰ مبنی ہی ہے، منادیٰ کیا ہے؟ ہاں اس میں فتحہ پسندیدہ ہے اور ہے مبنی۔ تو باقی مبنی والی اور کون سی صورت رہ گئی منادیٰ میں؟ مبنی

علی الضم کے علاوہ تو اور کوئی صورت ہے ہی نہیں منادیٰ کے اندر جس میں وہ مبنی ہو، بات سمجھ میں آگئی؟ توجہ ہے؟ تو لہٰذا فتحہ کا مختار ہونے سے کس کیا پتا چلا؟ کہ منادیٰ مبنی ہے البتہ اس میں فتحہ پسندیدہ ہے، تو دوسری حرکت اس منادائے مبنی میں پھر کون سی ہے؟ صرف ضمہ ہی آتا ہے اور کوئی حرکت نہیں آتی بھائی۔

تو کہتے ہیں: «وَأَمَّا كَوْنُهُ مَبْنِيًّا عَلَى الضَّمِّ» اور باقی اس علم کا مبنی علی الضم ہونا، «فَلِمَا يُفْهَمُ مِنِ اخْتِيَارِ فَتْحِهِ» پس اس وجہ سے جو مفہوم ہوتا ہے جو بات سمجھ میں آتی ہے، «مِنِ اخْتِيَارِ فَتْحِهِ» اس علمِ منادیٰ کے فتحہ کے مختار ہونے سے، اس علمِ منادیٰ کے فتحہ کے مختار ہونے سے «الْمُنْبِئِ عَنْ جَوَازِ ضَمِّهِ» جو اس کے ضمہ کے جواز کی خبر دے رہا ہے، اس کے فتحہ کا مختار ہونا جو کہ خبر دے رہا ہے ضمہ کے جواز کی، اس سے یہ مفہوم ہوتا ہے۔ اچھا معلوم ہوا فتحہ پسندیدہ ہے تو ضمہ جائز ہے، اور ضمہ کس منادیٰ میں جائز ہے؟ وہی جو مبنی علی الضم ہے اور تو کسی منادیٰ میں ضمہ جائز ہی نہیں ہے۔ تو اس لیے کہتے ہیں: «فَإِنَّ جَوَازَ الضَّمَّةِ لَا يَكُونُ إِلَّا فِي الْمَبْنِيِّ عَلَى الضَّمِّ» تو ضمہ کا جائز ہونا یہ نہیں ہے مگر اس منادیٰ کے اندر جو مبنی ہو ضمہ پر، اس لیے ہم نے بھی کیا قید لگا دی کہ وہ علم جو منادیٰ ہو اور مبنی ہو ضمہ پر۔

«الْمَوْصُوفُ بِابْنٍ» وہ علم جو موصوف ہو رہا ہو «ابْن» کے لفظ کے ساتھ۔ یاد رکھو «ابْن» کا بھی یہی حکم ہے اور «ابْنَةٌ» یعنی مؤنث کا بھی یہی حکم ہے، «ابْنٌ» اور «ابْنَةٌ»، «بِنْتٌ» کا یہ حکم نہیں ہے۔ توجہ ہے؟ «ابْنٌ» اور «ابْنَةٌ» دونوں کا یہ حکم ہے۔ تو کہتے ہیں: «الْمَوْصُوفُ بِابْنٍ» وہ علم جو موصوف ہو «ابْن» کے ساتھ، «مُجَرَّدٍ عَنِ التَّاءِ» وہ «ابْن» کا لفظ کیا ہو؟ تا سے خالی ہو یعنی مذکر ہو، «أَوْ مَلْحُوقٍ بِهَا» یا اس کے ساتھ تا ملائی گئی ہو، «أَعْنِي ابْنَةً» یعنی کون سا لفظ ہو؟ «ابْنَةً» ہو، یعنی «ابْن» یا «ابْنَةٌ» کے ساتھ وہ علم موصوف ہو رہا ہو۔ بات سمجھ میں آگئی؟ اور «بِلَا تَخَلُّلِ وَاسِطَةٍ بَيْنَ الِابْنِ وَمَوْصُوفِهِ» اور بغیر تخللِ واسطہ کے، تخلل کا معنی بیچ میں آنا، بغیر کسی واسطہ کے بیچ میں آنے کے یعنی کوئی واسطہ بیچ میں نہ آئے «بَيْنَ الِابْنِ وَمَوْصُوفِهِ» لفظِ «ابْن» اور اس کے موصوف کے درمیان۔ توجہ ہے؟ لفظِ «ابْن» اور اس کے موصوف کے درمیان کوئی واسطہ بیچ میں نہ آئے، «كَمَا هُوَ الْمُتَبَادِرُ إِلَى الْفَهْمِ» جیسے کہ یہ بات متبادر ہوتی ہے فہم کی طرف۔ متبادر کا معنی ایک چیز کا سبقت کرنا۔ ایک بات ایک لفظ آپ بولیں تو جو معنیٰ فوری ذہن میں آتا ہے اس کو کہتے ہیں کہ یہ متبادر بھائی، ذہن کی طرف ایک بات سبقت کرتی ہے۔ توجہ ہے؟ بھائی بات یہ چل رہی ہے کہ منادیٰ اگر ایسا علم ہے جو موصوف ہو رہا ہے «ابْن» کے ساتھ کس کے ساتھ؟ اور درمیان میں کوئی واسطہ نہ ہو...

یہ درمیان میں واسطہ نہ ہو، یہ تو صاحبِ کافیہ نے کہیں نہیں ذکر کیا۔

میں نے کتنی شرطیں گنوائی تھیں؟ چار۔ پہلی شرط کیا؟ کہ منادیٰ علم ہو۔ دوسری شرط کیا؟ صفت اس کی «ابْن» آئے۔ تیسری شرط کیا؟ درمیان میں کوئی واسطہ نہ ہو۔ بھائی یہ واسطہ درمیان میں نہ ہو یہ تو صاحبِ کافیہ نے ذکر نہیں کیا۔ یہ آپ نے

کہاں سے ذکر کر دیا؟ تو صاحبِ جامی بتلا رہے ہیں کہ بھائی جب کہہ دیا کہ وہ علم موصوف ہو رہا ہو «ابْن» کے ساتھ، اس سے فوراً ذہن میں یہی سمجھ میں آتا ہے کہ درمیان میں کوئی واسطہ نہیں ہوگا، بغیر واسطے کے موصوف ہو رہا ہوگا۔ توجہ ہے؟

جیسے دیکھو مثلاً ایک مریض ہے بیمار ہے، وہ چل پھر نہیں سکتا۔ آپ سے کسی نے پوچھا کہ ہاں بھائی اب زید چل سکتا ہے یا نہیں؟ وہ بیمار تھا۔ آپ اس کو کہتے ہیں ہاں اب وہ چند قدم چل لیتا ہے۔ معلوم ہوا یہ قیام زید کی صفت ہے۔ اور کیا معنیٰ سمجھے آپ؟ زید کوئی لاٹھی پکڑ کے چل لیتا ہے یا دیوار کے سہارے تین چار قدم چل لیتا ہے؟ آپ کیا سمجھتے ہیں اس سے؟ بھائی جب میں کہوں گا ایک مریض اب کچھ قدم چل لیتا ہے، کیا معنیٰ ہوتا ہے؟ معلوم ہوا کہ وہ بغیر کسی سہارے کے، بغیر کسی واسطے کے خود دو چار قدم چل لیتا ہے۔ بھائی سہارا لے کر تو بڑا بیمار آدمی بھی سہارے کے ساتھ کچھ نہ کچھ چل لیتا ہے۔ لیکن جب ذکر کیا جاتا ہے کہ وہ اب بہتر ہے اب چند قدم وہ چل لیتا ہے، معنیٰ کیا ہوتا ہے؟ کہ بغیر کسی سہارے اور بغیر کسی واسطے کے چل لیتا ہے۔ اگر سہارا ہو پھر وہ باقاعدہ آپ ذکر بھی کرتے ہیں کہ مثلاً آپ سے کوئی پوچھا زید چل سکتا ہے یا نہیں؟ تو آپ اس کو کہتے ہیں ہاں کچھ سہارا لے کے دو تین قدم چل لیتا ہے۔ دیکھا؟ جب سہارا ہوگا تو آپ اس کو ذکر بھی کریں گے باقاعدہ۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو لہٰذا یہاں پر جب یہ کہا کہ وہ علم موصوف ہو «ابْن» کے ساتھ، معلوم ہوا درمیان میں کوئی واسطہ وغیرہ نہیں، جیسے وہ زید کے لیے چلنا زید کی صفت تھی بغیر کسی واسطے کے، درمیان میں کوئی واسطہ اور سہارا نہیں تھا۔ تو یہاں پر بھی جب کیا کہا وہ علم موصوف ہو کس کے ساتھ؟ «ابْن» کے ساتھ، تو کیا بات سمجھ میں آئی؟ کہ بغیر واسطے کے وہ موصوف ہو رہا ہو «ابْن» کے ساتھ، درمیان میں کوئی واسطہ اور فصل نہ ہو بھائی۔

تو کہتے ہیں: «بِلَا تَخَلُّلِ وَاسِطَةٍ بَيْنَ الِابْنِ وَمَوْصُوفِهِ» بغیر اس کے کہ کوئی واسطہ درمیان میں آئے اس «ابْن» اور اس کے موصوف کے درمیان، «كَمَا هُوَ الْمُتَبَادِرُ إِلَى الْفَهْمِ» جیسے کہ یہ بات متبادر ہوتی ہے فہم کی طرف یعنی یہ بات سبقت کرتی ہے ذہن کی طرف، ذہن میں فوراً یہی بات آتی ہے۔

«فَيَخْرُجُ عَنْهُ مِثْلُ يَا زَيْدُ الظَّرِيفُ بْنَ عَمْرٍو» لہٰذا اس سے اس طرح کی مثالیں نکل گئیں۔ اس مثال پہ نظر رکھو: «يَا زَيْدُ» یہ منادیٰ مفرد معرفہ ہے، مبنی ہے علامتِ رفع پر۔ اور «الظَّرِيفُ» اس کی صفت ہے، اور آپ نے پڑھا کہ وہ منادیٰ جو مبنی ہو علامتِ رفع پر، اس کی صفت اگر مفرد آئے تو اس میں رفع بھی جائز اور نصب بھی: «يَا زَيْدُ الْعَاقِلُ» اور «يَا زَيْدُ الْعَاقِلَ» دونوں جائز۔ تو یہاں بھی اسی طرح ہے: «يَا زَيْدُ الظَّرِيفُ» اور «يَا زَيْدُ الظَّرِيفَ» دونوں طرح پڑھ سکتے ہیں۔ اور آگے «ابْنَ عَمْرٍو» یہ دوسری صفت آگئی۔ «ابْن» ماقبل کے لیے کیا بنتا ہے؟ صفت۔ تو یہ زید کی دوسری صفت آگئی، اور یہ «ابْن» مضاف ہے عمرو کی طرف۔ اور انہوں نے بتایا تھا: «وَالْمُضَافَةُ تُنْصَبُ» اگر توابع مضاف ہو رہے ہوں تو ان میں کیا پڑھیں گے؟ نصب۔ معلوم ہوا «الظَّرِيفُ» «الظَّرِيفَ» اس کو دونوں طرح پڑھ سکتے ہیں لیکن «ابْنَ عَمْرٍو» اس پر نصب

ہی پڑھیں گے۔ تو کیسے پڑھیں گے؟ «یَا زَیْدُ الظَّرِیفُ بْنَ عَمْرٍو»، اور چاہیں تو ظریف پر نصب پڑھیں: «یَا زَیْدُ الظَّرِیفَ بْنَ عَمْرٍو»۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ ہاں، تو یہ مثال نکل گئی۔ اس زید کے اندر فتحہ نہیں پڑھ سکتے بھائی، کیوں؟ کیونکہ زید اور «ابْن» کے درمیان «الظَّرِیف» کا واسطہ آگیا بھائی۔ توجہ ہے؟

اچھا، اب یہاں یاد رکھو بھائی اوپر عبارت آئی: «الْمَوْصُوفُ بِابْنٍ مُجَرَّدٍ عَنِ التَّاءِ أَوْ مَلْحُوقٍ بِهَا»۔ بھائی آپ کی کتابوں میں «مُجَرَّدٍ» کے نیچے تنوین ہے اور «مَلْحُوقٍ» کے نیچے بھی تنوین ہے، یاد رکھو یہ کتابت کی غلطی ہے بھائی۔ یہ «ابْنٍ» کو موصوف بنایا گیا اور «مُجَرَّدٍ» اور «مَلْحُوقٍ» کو اس کی صفت، اور موصوف صفت کا اعراب ایک ہوتا ہے، لیکن یہ دونوں صفت نہیں بن سکتے بھائی۔ اس لیے کیونکہ «ابْن» بول کر «ابْن» کا لفظ مراد ہے، جب لفظ بول کر لفظ مراد ہو تو وہ معرفہ ہوتا ہے بھائی۔ اور موصوف معرفہ ہو تو صفت بھی کیا ہوتی ہے؟ معرفہ ہوتی ہے، لیکن یہاں «ابْنٍ» یہ موصوف تو معرفہ ہے، یہ «هٰذَا اللَّفْظُ» کی تاویل میں ہے یا یہ علم کے درجے میں ہے، اور «مُجَرَّدٍ عَنِ التَّاءِ» دیکھو یہ تو نکرہ ہے، «مُجَرَّدٍ» دیکھو اس پر کوئی الف لام ہے؟ نہیں۔ اور اسی طرح «مَلْحُوقٍ بِهَا» اس پر بھی کوئی الف لام نہیں، تو یہ صفت تو بن ہی نہیں سکتے بھائی۔

تو میں نے جامی کے کئی نسخوں میں دیکھا بھائی، سب میں اسی طرح ہے۔ ہاں دو نسخے مجھے ملے بھائی جن میں صحیح عبارت تھی۔ ایک جامی کی شرح ہے محرم آفندی، عربی شرح ہے مختصر، اس کے اندر یہاں ہے «مُجَرَّدًا عَنِ التَّاءِ أَوْ مَلْحُوقًا بِهَا» یعنی «مُجَرَّدًا» منصوب ہے اور «مَلْحُوقًا بِهَا» بھی کیا ہے؟ منصوب۔ اس کو حال بنایا گیا ہے «ابْن» سے، اس کو حال بنانا ٹھیک ہے، صفت تو نہیں بن سکتی کیونکہ موصوف صفت میں مطابقت نہیں ہے، موصوف معرفہ ہے اور صفت نکرہ، تو حال بن سکتا ہے۔ تو محرم آفندی کے اندر یہاں یہ منصوب ہیں اور ان کو حال بنایا گیا ہے۔ اسی طرح جامی کا ایک اور نسخہ مجھے ملا بھائی جو حواشی شوکت آفندی، حواشی شوکت آفندی علیٰ شرحِ جامی کے نام سے ہے، اور اس کے اندر بھی یہی عبارت اس میں بھی «مُجَرَّدًا عَنِ التَّاءِ أَوْ مَلْحُوقًا بِهَا» ہے یعنی اس میں بھی حال بنایا گیا ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ کہ وہ علم موصوف ہو «ابْن» کے ساتھ «مُجَرَّدًا عَنِ التَّاءِ» اس حال میں کہ «ابْن» کا لفظ تا سے خالی ہو، «أَوْ مَلْحُوقًا بِهَا» یا اس حال میں کہ «ابْن» کے لفظ کے ساتھ تا ملائی گئی ہو، «أَعْنِي ابْنَةً» یعنی «ابْنَةٌ» کا لفظ ہو۔ بات سمجھ میں آگئی؟

آگے دیکھیے بھائی، کہتے ہیں: «مُضَافًا» أَيْ حَالَ كَوْنِ ذٰلِكَ الِابْنِ مُضَافًا۔ «مُضَافًا» کی ترکیب بتلا رہے ہیں کہ یہ منصوب کیوں ہے؟ کہتے ہیں: «أَيْ حَالَ كَوْنِ ذٰلِكَ الِابْنِ مُضَافًا» کیا بتلانا چاہتے ہیں؟ کہ یہ «مُضَافًا» حال واقع ہو رہا ہے لفظِ «ابْن» سے، اس حال میں کہ وہ «ابْن» کیا ہو؟ مضاف ہو۔ «أَيْ حَالَ كَوْنِ ذٰلِكَ الِابْنِ مُضَافًا» اس حال میں کہ وہ «ابْن» جو ہے مضاف ہو۔ دیکھو یہ جتنی جگہ «ابْن» کا لفظ آرہا ہے، لفظ بول کر لفظ مراد ہے، لہٰذا یہ ہمزہ گرانا نہیں ہے بھائی اس کو پڑھنا ہے۔ اس حال میں کہ وہ «ابْن» کا لفظ مضاف ہو «إِلَى عَلَمٍ آخَرَ» ایک دوسرے علم کی طرف، «فَكُلُّ عَلَمٍ يَكُونُ كَذٰلِكَ»

پس ہر وہ علم جو اس طرح ہو «یَجُوزُ فِیهِ الضَّمُّ» تو اس کے اندر ضمہ جائز ہے، اس کے اندر ضمہ جائز ہے، «کَمَا عَرَفْتَ مِنْ قَاعِدَةِ بِنَاءِ الْمُفْرَدِ عَلَى مَا یُرْفَعُ بِهِ» جیسے کہ آپ نے جان لیا وہ جو قاعدہ ہے «بِنَاءِ الْمُفْرَدِ» کہ منادیٰ مفرد معرفہ جو ہے وہ مبنی ہوتا ہے «عَلَى مَا یُرْفَعُ بِهِ» اس علامت پر جس پر اس کو رفع دیا جاتا ہے۔ وہ جو آپ نے پڑھا تھا کہ منادیٰ مفرد معرفہ ہو تو مبنی ہوتا ہے علامتِ رفع پر۔ تو «یَا زَیْدُ بْنَ عَمْرٍو» یہ زید بھی کیا ہے؟ منادیٰ ہے، مفرد ہے، معرفہ ہے، تو یہ بھی کیا ہے؟ مبنی علی الضم، تو اس میں ضمہ بھی جائز ہے بھائی۔

تو کہتے ہیں: «فَکُلُّ عَلَمٍ یَکُونُ کَذٰلِكَ» پس ہر وہ علم جو اس طرح ہو «یَجُوزُ فِیهِ الضَّمُّ» تو اس کے اندر ضمہ جائز ہے، «کَمَا عَرَفْتَ مِنْ قَاعِدَةِ بِنَاءِ الْمُفْرَدِ عَلَى مَا یُرْفَعُ بِهِ» جیسے کہ آپ نے جان لیا اس ضابطے سے، اس قاعدے سے، اس قانون سے کہ منادیٰ مفرد جو ہوتا ہے وہ علامتِ رفع پر مبنی ہوتا ہے، اس سے آپ نے جان لیا کہ اس میں ضمہ جائز ہے۔ «لٰکِنْ یُخْتَارُ فَتْحُهُ» لیکن اس کے اندر فتحہ پسندیدہ ہے، «لِکَثْرَةِ وُقُوعِ الْمُنَادَى الْجَامِعِ لِهٰذِهِ الصِّفَاتِ» اس لیے کیونکہ کثرت کے ساتھ واقع ہوتا ہے اس طرح کا منادیٰ «الْجَامِعِ لِهٰذِهِ الصِّفَاتِ» جو ان صفات کو جامع ہو، جس میں یہ ساری صفتیں کیا ہوں؟ جمع ہوں۔ کون سی صفتیں؟ وہی چار صفتیں جو میں نے ذکر کر دیں: کہ وہ علم کیا ہو؟ منادیٰ ہو۔ دوسری: اس کی صفت «ابْن» آئے۔ تیسری شرط: درمیان میں کوئی «ابْن» اور موصوف کے درمیان کوئی واسطہ نہ ہو۔ اور چوتھی شرط کیا؟ کہ وہ «ابْن» آگے مضاف ہو ایک اور علم کی طرف۔ تو کہتے ہیں: «لِکَثْرَةِ وُقُوعِ الْمُنَادَى الْجَامِعِ لِهٰذِهِ الصِّفَاتِ» اس لیے کیونکہ اس قسم کی صفات کا جامع منادیٰ عربی زبان میں کثرت سے واقع ہوتا ہے، «وَالْکَثْرَةُ مُنَاسِبَةٌ لِلتَّخْفِیفِ» اور کثرت جو ہے وہ تخفیف کے مناسب ہے بھائی، جو چیز کثیر الاستعمال ہو اس میں تخفیف ہونی چاہیے۔ «فَخَفَّفُوهُ بِالْفَتْحَةِ» لہٰذا عربوں نے اس کو خفیف بنایا «بِالْفَتْحَةِ» کس کے ذریعے؟ فتحہ کے ذریعے، «الَّتِي هِيَ حَرَکَتُهُ الْأَصْلِیَّةُ» وہ فتحہ جو اس کی اصلی حرکت ہے۔ لہٰذا عربوں نے اس کو خفیف بنایا، توجہ ہے؟ بھائی ادھر دیکھیے، انہوں نے کیا کہا؟ اس قسم کے منادیٰ میں کیا پسندیدہ؟ فتحہ پسندیدہ۔ بھائی فتحہ کیوں پسندیدہ؟ اب اس کی وجہ ذکر کر رہے ہیں: کیونکہ فتحہ اخف الحرکات ہے، اور نیز یہ منادیٰ جو ہے منادیٰ کی اصل حرکت بھی کیا ہے؟ فتحہ ہے کیونکہ وہ منصوب ہے، بات سمجھ میں آگئی؟ «یَا زَیْدُ» اصل میں کیا ہے؟ «أَدْعُو زَیْدًا»۔ تو چونکہ اس کی اصل حرکت بھی فتحہ تھی اور فتحہ خفیف بھی ہے، تو اس لیے اس کو مبنی علی الفتح بنایا گیا۔ تو کہتے ہیں: «فَخَفَّفُوهُ بِالْفَتْحَةِ» تو اس کو خفیف بنایا فتحہ کے ذریعے «الَّتِي هِيَ حَرَکَتُهُ الْأَصْلِیَّةُ» وہ فتحہ جو اس کی اصلی حرکت ہے، «لِکَوْنِهِ مَفْعُولًا بِهِ» اس وجہ سے کہ یہ مفعول بہ ہے «أَدْعُو» فعل کے لیے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ لیکن یاد رکھنا دونوں فتحوں میں فرق ہے: «یَا زَیْدُ» اصل میں کیا ہے؟ «أَدْعُو زَیْدًا» یہ فتحہ جو ہے یہ اعراب والا فتحہ ہے، یہ اعراب ہے یہ نصب ہے، اور «یَا زَیْدَ بْنَ عَمْرٍو» یہ جو فتحہ ہے یہ بناء والا ہے بھائی، توجہ ہے؟ تو صورت دونوں کی ایک جیسی ہے لیکن دونوں میں فرق ہے: ایک فتحہ اعراب والا اور ایک فتحہ بناء والا ہے بھائی۔

آگے دیکھیے کہتے ہیں: «وَإِذَا نُودِيَ الْمُعَرَّفُ بِاللَّامِ» أَيْ إِذَا أُرِيدَ نِدَاؤُهُ قِيلَ مَثَلًا يَا أَيُّهَا الرَّجُلُ۔

جی پہلے متن متن دیکھ لیں، کہتے ہیں: «وَإِذَا نُودِيَ الْمُعَرَّفُ بِاللَّامِ قِيلَ يَا أَيُّهَا الرَّجُلُ وَيَا هٰذَا الرَّجُلُ وَيَا أَيُّهٰذَا الرَّجُلُ»۔

بھائی میں نے پہلے بیان کیا تھا کہ حروفِ ندا یہ آلۂ تعریف ہیں۔ یہ جب کسی لفظ پر داخل ہوتے ہیں تو اس کو وہ معرفہ بنا دیتے ہیں۔ «رَجُلٌ» کا لفظ نکرہ ہے لیکن میں کسی معین آدمی کو جب ندا دیتا ہوں «يَا رَجُلُ» اب یہ معرفہ بن گیا کیونکہ معین آدمی کو ندا ہے۔ اسی طرح الف لام بھی آلۂ تعریف ہے۔ تو یہ دونوں آلۂ تعریف ہیں، الف لام بھی اور حرفِ ندا بھی، لہٰذا یہ دونوں جمع نہیں ہوتے۔ توجہ ہے؟ تو اگر کسی معرف باللام کو ندا دینی ہو پھر کیسے ندا دیں گے؟ مثلاً میں «الْحَسَنُ» کو ندا دینا چاہتا ہوں جس پر الف لام ہے، تو آپ کو صاحبِ کافیہ بتلائیں گے کہ پھر درمیان میں «أَيُّهَا» لے آتے ہیں یا «هٰذَا» لے آتے ہیں یا «أَيُّهٰذَا» لے آتے ہیں۔ توجہ ہے؟ مذکر کے لیے کیا لائیں گے؟ «أَيُّهَا»، اور مؤنث کے لیے «أَيَّتُهَا» لائیں گے۔ تو «الْحَسَنُ» کو میں ندا دوں گا کیسے کہوں گا؟ «يَا أَيُّهَا الْحَسَنُ»، یا «يَا هٰذَا الْحَسَنُ»، یا دونوں کو لے آئیں گے «يَا أَيُّهٰذَا الْحَسَنُ»۔ توجہ ہے؟ تو درمیان میں کیا لائیں گے؟ «أَيُّهَا» یا «هٰذَا» لے آئیں گے، یا دونوں کو ملا کر لے آئیں گے «أَيُّهٰذَا»۔ توجہ ہے؟

تو کہتے ہیں: «وَإِذَا نُودِيَ الْمُعَرَّفُ بِاللَّامِ» اور جب ندا دی جائے کسی معرف باللام کو «قِيلَ» تو یوں کہا جائے گا مثلاً مثال کے طور پر «يَا أَيُّهَا الرَّجُلُ» دیکھو درمیان میں «أَيُّهَا» لے آئے، یا «يَا هٰذَا الرَّجُلُ» درمیان میں «هٰذَا» لے آئے، «وَيَا أَيُّهٰذَا الرَّجُلُ» دیکھو «أَيٌّ» بھی لے آئے درمیان میں اور «هٰذَا» بھی لے آئے بھائی۔

«وَالْتَزَمُوا رَفْعَ الرَّجُلِ لِأَنَّهُ الْمَقْصُودُ بِالنِّدَاءِ» ترکیب سنو بھائی، یہ ذرا متن پہ نظر رکھو: «يَا أَيُّهَا الرَّجُلُ»، یا حرفِ ندا قائم مقام «أَدْعُو» فعل کے، «أَيٌّ» منادیٰ مفرد معرفہ بنی علی الضم، جیسے «يَا زَيْدُ» منادیٰ مفرد معرفہ تھا تو بنی علی الضم تھا، اب درمیان میں «أَيٌّ» آگیا اب یہ «أَيٌّ» منادیٰ ہے، تو «أَيٌّ» یہ منادیٰ ہے بنی علی الضم ہے اور منصوب محلاً ہے کیونکہ مفعول بہ ہے، اور درمیان میں یہ جو «هَا» ہے یہ حرفِ تنبیہ ہے، یہ حرفِ تنبیہ کسی کو متنبہ کرنے کے لیے بیدار کرنے کے لیے متوجہ کرنے کے لیے، کسی کی ایک چیز کی طرف توجہ نہیں ہے «هَا» دیکھو ایک دم وہ ایک شخص متوجہ ہو جائے گا، تو یہ «هَا» کیا ہے؟ متنبہ کرنے کے لیے ہے کسی کو بیدار کرنے کے لیے کہیں وہ غافل نہ ہو بھائی، اور «الرَّجُلُ» یہ صفت ہے «أَيٌّ» کی۔ پھر سنو یا حرفِ ندا قائم مقام «أَدْعُو» فعل، «أَيٌّ» منادیٰ مفرد معرفہ بنی علی الضم منصوب محلاً موصوف، «هَا» حرفِ تنبیہ بھائی، «الرَّجُلُ» مرفوع لفظاً صفت ہے «أَيٌّ» کی، وہ موصوف اور یہ صفت۔ اور یہ اس کے لفظوں پر محمول ہے۔ آپ نے پڑھا تھا: «يَا زَيْدُ الْعَاقِلُ» اور «يَا زَيْدُ الْعَاقِلَ» دونوں طرح پڑھنا جائز تھا۔ اور وہاں «الْعَاقِلُ» کیوں پڑھتے تھے؟ «يَا زَيْدُ الْعَاقِلُ»... بھائی «يَا زَيْدُ الْعَاقِلَ»، «الْعَاقِلَ» کیوں پڑھتے تھے؟ منادیٰ کے محل پر حمل کرتے ہوئے۔ اور «يَا زَيْدُ الْعَاقِلُ» رفع کیوں پڑھتے تھے؟ منادیٰ کے لفظوں پر حمل کرتے ہوئے، بات سمجھ میں آگئی؟ کیونکہ وہ ضمہ بھی کس کی طرح ہے؟ رفع کی طرح ہے کیونکہ عامل کی وجہ سے ضمہ آیا ہے، ہر وقت تو زید پر ضمہ نہیں ہوتا، تو وہ ضمہ بھی رفع جیسا ہوا لہٰذا اس کے

لفظوں پر حمل کرتے ہوئے صفت پر رفع۔ تو یہاں پر بھی «الرَّجُلُ» پر کیا پڑھتے ہیں؟ رفع، کس پر حمل کرتے ہوئے؟ «أَيُّ» کے لفظوں پر حمل کرتے ہوئے، کیونکہ «أَيُّ» پر جو ضمہ آیا وہ ہمیشہ ضمہ آتا ہے یا منادیٰ ہونے کی وجہ سے ضمہ آیا؟ منادیٰ۔ تو گویا یہ ضمہ عامل کی وجہ سے آیا کس کی وجہ سے؟ عامل، تو یہ ضمہ بھی کس کی طرح ہوا؟ رفع جیسا ہوا لہٰذا اس کے تابع پر بھی کیا پڑھیں گے؟ رفع۔ بات سمجھ میں آگئی؟

تو یہ «أَيُّ» ہوا موصوف اور «الرَّجُلُ» ہوئی اس کی صفت۔ بات سمجھ میں آگئی؟ بھائی پیچھے جو ذکر ہوا تھا: «يَا زَيْدُ الْعَاقِلُ» اور «يَا زَيْدُ الْعَاقِلَ»، وہاں صفت میں دونوں اعراب پڑھنے جائز تھے۔ صفت میں، وہ منادیٰ جو مبنی ہو کس پر؟ ضمہ پر، اس کی صفت میں دونوں اعراب پڑھنا جائز۔ تو «يَا أَيُّهَا الرَّجُلُ» اور «يَا أَيُّهَا الرَّجُلَ» یہاں بھی دونوں جائز ہونے چاہئیں، کیونکہ «أَيُّ» کیا ہے؟ منادیٰ مبنی علی الضم، اور اس کی صفت میں دونوں اعراب جائز ہوتے ہیں۔ کہتے ہیں نہیں، یہاں «الرَّجُلُ» پر رفع ہی پڑھ سکتے ہیں نصب نہیں پڑھ سکتے۔ بھائی کیوں نہیں پڑھ سکتے نصب؟ کہتے ہیں کہ چونکہ اصل منادیٰ یہی ہے۔ آپ تو درمیان میں «أَيُّهَا» لے آئے، منادیٰ کس کو بنا دیا؟ «أَيُّ» کو، لیکن اصل منادیٰ «أَيُّ» ہے یا «الرَّجُلُ» ہے؟ آپ نے تو ابھی «أَيُّ» کو منادیٰ بنا دیا لیکن حقیقت میں آپ ندا کس کو دینا چاہتے تھے؟ «الرَّجُلُ»، تو مقصود بالنداء «الرَّجُلُ» ہے بھائی۔ تو اس میں اگر دونوں اعراب پڑھیں گے تو آپ نے تو گویا اس کو صفت والا درجہ ہی دے دیا، صفت میں دونوں اعراب جائز تھے: «يَا زَيْدُ الْعَاقِلُ» اور «يَا زَيْدُ الْعَاقِلَ»۔ لیکن یہاں پر یہ «الرَّجُلُ» اس صفت سے مختلف ہے۔ صفت اور موصوف میں سے موصوف مقصود ہوتا ہے، صفت مقصود نہیں، جبکہ یہاں پر مقصود بالنداء کون ہے؟ «أَيُّ» مقصود ہے یا «الرَّجُلُ» مقصود ہے؟ «الرَّجُلُ» مقصود ہے، «أَيُّ» تو ویسے ہی درمیان میں فصل کرنے کے لیے آپ لائے تاکہ یا اور الف لام کے درمیان کیا ہو جائے؟ فصل ہو جائے۔ بات سمجھ میں آ رہی ہے؟ تو لہٰذا اس «الرَّجُلُ» میں، یہ بے شک «أَيُّ» کی صفت ہے، اور منادیٰ مفرد معرفہ کی صفت میں رفع بھی جائز اور نصب بھی، لیکن اس میں رفع ہی پڑھتے ہیں عرب کیونکہ یہ کیا ہے؟ مقصود بالنداء۔ اگر اس میں دونوں چیزیں جائز ہو جائیں پھر تو یہ بالکل تابع بنا دیا آپ نے، حالانکہ یہ تابع ہے یا یہ مقصود بالنداء ہے؟ یہ تو مقصود بالنداء ہے، تو تابع سے فرق کرنے کے لیے پتا چلے کہ یہ تابع نہیں ہے یہ ہے اصل میں مقصود بالنداء، «أَيُّ» تو ہم ویسے درمیان میں فصل کے لیے لے کر آئے ہیں، تو اس «الرَّجُلُ» پر رفع ہی پڑھتے ہیں، اس پر رفع ہی پڑھتے ہیں، بات سمجھ میں آگئی؟

تو کہتے ہیں: «وَالْتَزَمُوا رَفْعَ الرَّجُلِ» اور عربوں نے لازم پکڑا ہے «الرَّجُلُ» کے رفع کو، یعنی اس پر رفع ہی پڑھتے ہیں نصب نہیں پڑھتے، «لِأَنَّهُ الْمَقْصُودُ بِالنِّدَاءِ» اس لیے کیونکہ یہ «الرَّجُلُ» کیا ہے؟ مقصود بالنداء ہے کیونکہ اسی کو تو ندا دینا مقصود ہے بھائی۔ آگے دیکھیے: «وَتَوَابِعِهِ» اس کا عطف ہے «الرَّجُلِ» پر: «وَالْتَزَمُوا رَفْعَ الرَّجُلِ وَتَوَابِعِهِ» اور عربوں نے لازم پکڑا ہے «الرَّجُلُ» کے رفع کو بھی اور اس «الرَّجُلُ» کے جو توابع ہیں ان کے رفع کو بھی لازم پکڑا ہے کہ اس پر رفع ہی

پڑھنا ہے، توجہ ہے؟

بھائی دیکھیے: «الرَّجُلُ» یہ مرفوع ہے، اور یہ اصل میں مقصود بالنداء ہے، تو آگے جو اس کی صفتیں آئیں گی، آگے اس کی صفتیں آئیں گی یا یوں کہو جو بھی توابع اس کے آئیں گے ان پر بھی رفع ہی پڑھنا ہے۔ مثلاً «الرَّجُلُ» کی صفت میں «الشَّرِیفُ» لاتا ہوں تو کیسے پڑھوں گا؟ «یَا أَیُّهَا الرَّجُلُ الشَّرِیفُ»، «یَا أَیُّهَا الرَّجُلُ الشَّرِیفُ»۔ اچھا یہ «الشَّرِیفُ» مضاف ہے؟ نہیں یہ مفرد ہے۔ مضاف لے آؤ اس کو بھی مرفوع پڑھنا ہے: «یَا أَیُّهَا الرَّجُلُ ذُو الْمَالِ»۔ کیونکہ «الرَّجُلُ» مرفوع ہے یہ موصوف ہے، «الرَّجُلُ» مرفوع ہے، اور «الشَّرِیفُ» مثلاً پہلے اس کی صفت ہم لائے تھے، تو «الشَّرِیفُ» صفت ہے اس کی، اور موصوف معرب ہے یا مبنی ہے؟ «الرَّجُلُ» اب دیکھو «أَیُّ» ہے موصوف اور «الرَّجُلُ» ہے اس کی صفت، اور «الرَّجُلُ» کے بعد جو چیزیں آئیں گی اب وہ «الرَّجُلُ» موصوف ہے اور آگے اس کی صفتیں آئیں گی، اور «الرَّجُلُ» مرفوع ہے یا مبنی علی الضم ہے؟ یہ تو مرفوع ہے، «الرَّجُلُ» معلوم ہوا یہ معرب ہے، یہ مبنی نہیں، «أَیُّ» تو مبنی تھا لیکن یہ «الرَّجُلُ» معرب ہے۔ اور منادیٰ معرب کے جو تابع ہوتے ہیں اس کے لفظوں کے تابع ہوتے ہیں۔ تو «الرَّجُلُ» مرفوع ہے تو اس کی صفتیں بھی اس کے توابع بھی مرفوع ہوں گے چاہے وہ مضاف ہوں چاہے مفرد ہوں بھائی۔ توجہ ہے؟ تو «الْعَاقِلُ» کو صفت بنائیں «الرَّجُلُ» کی ذرا، کیسے کہیں گے؟ «یَا أَیُّهَا الرَّجُلُ الْعَاقِلُ»، «الْعَاقِلُ» کو بناؤ نا «الرَّجُلُ» کی صفت، کیسے کہیں گے؟ ہاں «یَا أَیُّهَا الرَّجُلُ الْعَاقِلُ»۔ یہاں نصب نہیں جائز، «الْعَاقِلَ» نہیں پڑھ سکتے۔ بھائی کیوں «الْعَاقِلَ» کیوں نہیں پڑھ سکتے؟ کہتے ہیں وجہ یہ کیونکہ یہ منادیٰ مبنی کی صفت نہیں ہے، یہ «الْعَاقِلُ» صفت «أَیُّ» کی ہے یا «الرَّجُلُ» کی ہے؟ «الرَّجُلُ» کی صفت ہے۔ «الْعَاقِلُ» کس کی صفت ہے اب؟ «الرَّجُلُ» کی۔ اگر یہ منادیٰ مبنی علی الضم کی صفت ہوتی تو اس میں تو دو اعراب جائز، لیکن یہ تو «الرَّجُلُ» جو مرفوع ہے اس کی صفت ہے، بات سمجھ میں آگئی؟ دیکھیے بھائی۔

دوبارہ دیکھیے، کہتے ہیں: «وَالْتَزَمُوا رَفْعَ الرَّجُلِ» اور عربوں نے لازم پکڑا ہے «الرَّجُلُ» کے رفع کو، یعنی اس پر وہ رفع ہی پڑھتے ہیں، رفع ہی اس پر پڑھیں گے اور کوئی حرکت نہیں، «لِأَنَّهُ الْمَقْصُودُ بِالنِّدَاءِ» اس لیے کیونکہ وہ مقصود بالنداء ہے، «وَتَوَابِعِهِ» اور اسی طرح اس «الرَّجُلُ» کے جو توابع ہیں اس پر بھی رفع کو عربوں نے لازم پکڑا ہے کہ اس پر رفع ہی پڑھنا ہے، بھائی کیوں رفع کیوں پڑھنا ہے؟ کہتے ہیں: «لِأَنَّهَا تَوَابِعُ مُعْرَبٍ» اس لیے کیونکہ یہ معرب کے تابع ہیں منادیٰ مبنی کے تابع نہیں ہیں، اور معرب جب مرفوع ہے تو صفت اور توابع بھی کیا ہوں گے؟ مرفوع ہوں گے۔

اب آئیے شرح کے ساتھ اس کو دیکھیں۔ کہتے ہیں: «وَإِذَا نُودِيَ الْمُعَرَّفُ بِاللَّامِ» اور جب ندا دی جائے معرف باللام کو، «أَيْ إِذَا أُرِيدَ نِدَاؤُهُ» یعنی جب اس کی ندا کا ارادہ کیا جائے، جب کیا کیا جائے؟ اس کی ندا کا ارادہ کیا جائے۔ متن میں کیا آیا؟ «وَإِذَا نُودِيَ الْمُعَرَّفُ بِاللَّامِ» جب معرف باللام کو ندا دی جائے، اور صاحبِ جامی کیا فرما رہے ہیں؟ «إِذَا أُرِيدَ نِدَاؤُهُ» جب ندا کا ارادہ کیا جائے۔ توجہ ہے؟ بھائی دیکھیے نا ذرا متن کو متن سے جوڑیں: «وَإِذَا نُودِيَ الْمُعَرَّفُ بِاللَّامِ» جب معرف

باللام کو ندا دی جائے، «قِيلَ» تو کیا کہا جائے؟ «يَا أَيُّهَا الرَّجُلُ»۔ جب معرف باللام کو ندا دی جائے، مثلاً ادھر دیکھو، ادھر دیکھو: میں آپ سے کہتا ہوں «إِذَا جَاءَكَ زَيْدٌ فَأَكْرِمْهُ»۔ «إِذَا جَاءَكَ زَيْدٌ» جب آپ کے پاس زید آئے، «فَأَكْرِمْهُ» تو پھر اس کا اکرام کرنا۔ معلوم ہوا زید پہلے آئے گا اور اکرام اس کے بعد، توجہ ہے؟ معلوم ہوا زید پہلے آئے گا اور اکرام اس کے بعد ہوگا۔ یہاں پر اب ذرا عبارت پہ غور کرو: «وَإِذَا نُودِيَ الْمُعَرَّفُ بِاللَّامِ» جب معرف باللام کو ندا دی جائے، «قِيلَ يَا أَيُّهَا الرَّجُلُ» تو کیا کہا جائے؟ «يَا أَيُّهَا الرَّجُلُ»۔ معلوم ہوا معرف باللام کو ندا پہلے دیں گے اور «يَا أَيُّهَا الرَّجُلُ» بعد میں کہیں گے! «إِذَا جَاءَكَ زَيْدٌ» جب آپ کے پاس کون آئے؟ زید آئے، «فَأَكْرِمْهُ» تو اس کا اکرام کرنا۔ مجھے بتائیے زید کا آنا اور اکرام اکٹھے ہیں یا زید پہلے آئے گا اور اکرام بعد میں ہوگا؟ زید پہلے آئے گا، یعنی شرط پہلے ہوتی ہے مشروط بعد میں۔ یہاں پر بھی اسی طرح «إِذَا نُودِيَ» جب معرف باللام کو ندا دی جائے، معلوم ہوا ندا پہلے دی جائے گی اور اس کے بعد کیا کہا جائے گا؟ «يَا أَيُّهَا الرَّجُلُ» کہا جائے گا، حالانکہ یہ تو بات ہی نہیں بنتی! جب ندا دینے کا ارادہ ہو تب ہی درمیان میں کیا لے آؤ؟ «أَيُّهَا» وغیرہ لے آؤ۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو یاد رکھنا متن میں آیا تھا «إِذَا نُودِيَ»، شارحِ جامی نے بتلا دیا: «أَيْ إِذَا أُرِيدَ نِدَاؤُهُ» جب معرف باللام کو ندا دینے کا ارادہ کیا جائے، بتلانا یہ چاہتے ہیں کہ یہاں «نُودِيَ» فعل بول کر ارادۂ نداء مراد ہے یعنی فعل بول کر ارادۂ فعل مراد ہے۔ فعل بول کر ارادۂ فعل مراد ہے، یاد رکھنا ایک قیمتی نکتہ، عربی زبان میں بعض اوقات فعل بول کر ارادۂ فعل مراد ہوتا ہے، فعل بول کر ارادۂ فعل مراد ہوتا ہے۔ جیسے قرآن میں اللہ فرماتے ہیں: «يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا قُمْتُمْ إِلَى الصَّلَاةِ» جب تم نماز کے لیے کھڑے ہو «فَاغْسِلُوا وُجُوهَكُمْ» تو پھر وضو کرو۔ مجھے بتائیے آپ جب نماز کے لیے مصلے پر کھڑے ہو جاتے ہیں، اس کے بعد جا کر پھر وضو کرتے ہیں؟ یا جب نماز کے لیے اٹھنے کا ارادہ ہو تو وضو کرتے ہیں؟ ارادہ، دیکھا؟ تو یہاں «إِذَا قُمْتُمْ» بول کر ارادۂ قیام مراد ہے کہ اے مومنو جب تم نماز کے لیے کھڑے ہونے کا ارادہ کرو تو جا کر کیا کر لو پہلے؟ وضو کر لو۔ تو دیکھا قیام بول کر کیا مراد ہے؟ ارادۂ قیام مراد ہے، ایسا تو نہیں ہے نا کہ کوئی شخص آئے پہلے آکر صف میں کھڑا ہو جائے، مسجد میں مصلے پر کھڑا ہو جائے، اب کیا ہوا «إِذَا قُمْتُمْ» جب تم نماز کے لیے کیا ہو جاؤ؟ کھڑے ہو جاؤ، پھر جا کر کیا کر لو؟ وضو کر لو۔ تو معلوم ہوا یہاں قیام بول کر ارادۂ قیام مراد ہے: جب تمہارا نماز کے لیے کھڑے ہونے کا ارادہ ہو تو جا کر کیا کر لو؟ وضو کر لو۔

اسی طرح احادیثِ مبارکہ میں آتا ہے کہ «أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ إِذَا دَخَلَ الْخَلَاءَ قَالَ اللّٰهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنَ الْخُبُثِ وَالْخَبَائِثِ» کہ حضور علیہ السلام «كَانَ إِذَا دَخَلَ الْخَلَاءَ» جب بیت الخلاء میں داخل ہونے کا ارادہ فرماتے تھے، بھائی بیت الخلاء...

کے اندر جا کے دعا پڑھتے ہیں یا جب داخل ہونے کا ارادہ ہو تب دعا پڑھتے ہیں؟ داخل ہونے کے... تو حدیث میں تو کیا آرہا ہے؟ «إِذَا دَخَلَ الْخَلَاءَ»۔ یہاں بھی کیا مراد ہے؟ ارادۂ دخول مراد ہے، «أَيْ إِذَا أَرَادَ أَنْ يَدْخُلَ الْخَلَاءَ» جب حضور علیہ السلام بیت الخلاء میں داخل ہونے کا ارادہ فرماتے تھے تو دعا پڑھ لیتے تھے۔

اسی طرح قرآن میں اللہ فرماتے ہیں: «إِذَا قَرَأْتَ الْقُرْآنَ فَاسْتَعِذْ بِاللهِ» جب آپ قرآن پڑھیں تو اعوذ باللہ پڑھیں۔ کیا معنیٰ؟ پہلے قرآن پڑھیں پھر اس کے بعد اعوذ باللہ پڑھیں؟ یا قرآن پڑھنے کا جب ارادہ ہو؟ جب قرآن پڑھنے کا ارادہ ہو۔ دیکھا؟ تو یہاں بھی «إِذَا قَرَأْتَ» قراءت بول کر ارادۂ قراءت مراد ہے۔ تو یہاں پر بھی «إِذَا نُودِيَ» بول کر ارادۂ نداء مراد ہے یعنی فعل بول کر ارادۂ فعل مراد ہے۔

تو کہتے ہیں: «وَإِذَا نُودِيَ الْمُعَرَّفُ بِاللَّامِ» اور جب ندا دی جائے معرف باللام کو، «أَيْ إِذَا أُرِيدَ نِدَاؤُهُ» یعنی جب اس کی ندا کا ارادہ کیا جائے، «قِيلَ» تو کہا جائے گا «مَثَلًا» مثال کے طور پر «يَا أَيُّهَا الرَّجُلُ»۔ کیا کہا جائے گا؟ «يَا أَيُّهَا الرَّجُلُ»۔ «قِيلَ» کے بعد صاحبِ جامی نے کہا «مَثَلًا» مثال کے طور پر یوں کہا جائے گا۔ یہ مثال کے طور پر۔

بھائی وجہ یہ کہ ورنہ تو شرط اور جزا میں مناسبت نہیں ہے بھائی۔ شرط اور جزا میں مناسبت نہیں۔ دیکھو شرط ہے عام اور جزا ہے خاص۔ ذرا صرف متن متن کو دیکھو: «وَإِذَا نُودِيَ الْمُعَرَّفُ بِاللَّامِ» اور جب معرف باللام کو ندا دینے کا ارادہ کیا جائے۔ توجہ ہے؟ جب معرف باللام کو ندا دینے کا ارادہ کیا جائے۔ «الْحَسَنُ» معرف باللام ہے یا نہیں؟ میں اس کو ندا دینا چاہتا ہوں۔ کہتے ہیں جب معرف باللام کو ندا دینے کا ارادہ ہو تو «قِيلَ يَا أَيُّهَا الرَّجُلُ» تو کیا کہا جائے گا؟ «يَا أَيُّهَا الرَّجُلُ»۔ میں ندا دینا چاہتا ہوں «الْحَسَنُ» کو، اور صاحبِ کافیہ کیا فرما رہے ہیں کہ «الْحَسَنُ» یعنی معرف باللام کو جب ندا دینے کا آپ کا ارادہ ہو تو کیا کہہ دیا کرو؟ «يَا أَيُّهَا الرَّجُلُ» کہہ دیا کرو۔ «الْحَارِثُ» کو میں ندا دینا چاہتا ہوں، «الْحَارِثُ» بھی کیا ہے؟ معرف باللام۔ صاحبِ کافیہ کیا فرما رہے ہیں؟ کہ جب «الْحَارِثُ» کو ندا دینے کا ارادہ ہو تو کیا کہہ دیا کرو؟ «يَا أَيُّهَا الرَّجُلُ» کہہ دیا کرو۔ تو شرط ہے عام جس معرف باللام کو بھی آپ کو ندا دینے کا ارادہ ہو، اور جزا ہے خاص تو کیا کہہ دیا کرو؟ «يَا أَيُّهَا الرَّجُلُ» کہہ دیا کرو۔ حالانکہ یہ تو بات نہیں بنتی۔ تو اب یہ صاحبِ جامی نے بتلا دیا: «قِيلَ مَثَلًا» کہ یہ صاحبِ کافیہ مثال ذکر فرما رہے ہیں، کہ یہی «يَا أَيُّهَا الرَّجُلُ» کہنا مراد نہیں ہے، یعنی اس کے مثل کہیں گے، یعنی حرفِ ندا اور معرف باللام کے درمیان «أَيُّهَا» یا «هٰذَا» یا «أَيُّهٰذَا» وغیرہ کو لے آئیں گے بھائی۔ بات سمجھ میں آئی؟ تو یہ مثال ذکر کر رہے ہیں۔

تو کہتے ہیں: «قِيلَ مَثَلًا يَا أَيُّهَا الرَّجُلُ بِتَوَسُّطِ أَيٍّ مَعَ هَاءِ التَّنْبِيهِ بَيْنَ حَرْفِ النِّدَاءِ» درمیان میں لاتے ہوئے «أَيٍّ» کو، درمیان میں کس کو لائیں گے؟ «أَيٍّ» کو لائیں گے، «مَعَ هَاءِ التَّنْبِيهِ» ہائے تنبیہ کے ساتھ، «بَيْنَ حَرْفِ النِّدَاءِ وَالْمُنَادَى الْمُعَرَّفِ بِاللَّامِ» حرفِ ندا اور منادیٰ معرف باللام کے درمیان۔ بھائی کیوں درمیان میں یہ «أَيٍّ» مع ہائے تنبیہ کے کیوں لائیں گے؟ کہتے ہیں: «تَحَرُّزًا عَنِ اجْتِمَاعِ آلَتَيِ التَّعْرِيفِ بِلَا فَاصِلَةٍ»۔ «تَحَرُّز» کا معنیٰ ہے بچنا، یہ مفعول لہ واقع ہو رہا ہے ماقبل کی علت بیان کر رہا ہے۔ کہ بچنے کے لیے «عَنِ اجْتِمَاعِ آلَتَيِ التَّعْرِيفِ» یہ اصل میں کیا تھا؟ «آلَتَيْنِ» دو آلۂ تعریف ہیں، ایک «يَا» اور ایک الف لام۔ تو کہتے ہیں: «تَحَرُّزًا عَنِ اجْتِمَاعِ آلَتَيِ التَّعْرِيفِ بِلَا فَاصِلَةٍ» بچنے کے لیے اس بات سے کہ دو آلۂ تعریف جمع ہو جائیں «بِلَا فَاصِلَةٍ» بغیر کسی فاصلے کے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ فاصلے کے ساتھ تو ابھی بھی جمع ہیں «يَا

أَيُّهَا الرَّجُلُ» «يَا» بھی ہے اور الف لام بھی ہے، لیکن درمیان میں فاصلہ ہے۔ تو فاصلہ کے ساتھ جمع ہونا ان کا جائز ہے، بغیر فاصلہ کے جائز نہیں۔ تو یہ معنیٰ ہے «تَحَرُّزًا عَنِ اجْتِمَاعِ آلَتَيِ التَّعْرِيفِ بِلَا فَاصِلَةٍ» دو آلۂ تعریف کے بغیر فاصلے کے جمع ہونے سے بچنے کے لیے۔

«وَيَا هٰذَا الرَّجُلُ بِتَوَسُّطِ هٰذَا» اسی طرح «يَا هٰذَا الرَّجُلُ» کہیں گے «بِتَوَسُّطِ هٰذَا» «هٰذَا» کو بیچ میں لاتے ہوئے۔ یہاں بھی اسی طرح ترکیب ہوگی: «يَا» حرفِ ندا قائم مقام «أَدْعُو»، «هَا» حرفِ تنبیہ، «ذَا» اسمِ اشارہ۔ یاد رکھو یہ جو اسماءِ اشارہ کے ساتھ «هَا» جڑی ہوتی ہے «هٰذَا» اور «هٰذِهِ»، اس میں یہ «هَا» تنبیہ کے لیے ہوتی ہے، اور «ذَا» یہ ہے اسمِ اشارہ۔ «هٰذَا» میں «ذَا» اسمِ اشارہ ہے اور «هَا» متنبہ کرنے کے لیے ہے، تنبیہ کے لیے ہے۔ اسی طرح «هٰذِهِ» اس کے اندر بھی یہ «هَا» کیا ہے؟ تنبیہ کے لیے ہے اور «ذِهِ» یہ کیا ہے؟ اسمِ اشارہ۔ اسی طرح «هٰؤُلَاءِ» یہ «هَا» کیا ہے؟ تنبیہ کے لیے اور «أُولَاءِ» یہ ہے اسمِ اشارہ۔ جی ترکیب سنیں: «يَا» حرفِ ندا قائم مقام «أَدْعُو» فعل کے، «هَا» حرفِ تنبیہ، «ذَا» اسمِ اشارہ، اور یہ منادیٰ ہے مفرد معرفہ ہے مضاف نہیں ہے، تو یہ مبنی ہے، مبنی علی الضم ہے تقدیراً۔ مبنی علی الضم ہے... منادیٰ مفرد معرفہ ہے نا، اور منادیٰ مفرد معرفہ کیا ہوتا ہے؟ مبنی ہوتا ہے علامتِ رفع پر۔ تو یہ بھی، یہ تو پہلے سے ہی مبنی ہے، تو ہم یوں کہیں گے یہ مبنی علی الضم ہے تقدیراً بھائی، مبنی علی الضم ہے تقدیراً۔ اور «الرَّجُلُ» اس کی صفت ہے بھائی۔

«وَيَا أَيُّهٰذَا الرَّجُلُ» اور اسی طرح «يَا أَيُّهٰذَا الرَّجُلُ» کہیں گے «بِتَوَسُّطِ الْأَمْرَيْنِ مَعًا» یعنی اکٹھے دونوں امروں کو بیچ میں لائیں گے، دونوں چیزیں اکٹھی درمیان میں لاتے ہوئے، «أَيُّ» کو بھی لے آئے اور «هٰذَا» کو بھی لے آئے۔ اس میں بھی وہی ترکیب: «يَا» قائم مقام «أَدْعُو» فعل کے، اور «أَيُّ» منادیٰ مبنی علی الضم اور منصوب محلاً، اور «ذَا» یہ اس کی صفت، صفتِ اول، اور «الرَّجُلُ» اس کی صفتِ ثانی ہے بھائی۔

آگے دیکھیے: «وَالْتَزَمُوا يَعْنِي الْعَرَبَ» اور لازم پکڑا ہے «يَعْنِي الْعَرَبَ» یعنی کہ عرب نے۔ بھائی «يَعْنِي الْعَرَبَ» میں نے عرب کو نصب پڑھا، کیوں نصب پڑھا؟ کیونکہ یہ «يَعْنِي» کے لیے مفعول ہے، کس کے لیے؟ «يَعْنِي» کے لیے۔ یہ تفسیر کر رہے ہیں نا «وَالْتَزَمُوا» کے اندر یہ واو ضمیر کس کو راجع ہے؟ انہوں نے لازم پکڑا، بھائی کنہوں نے لازم پکڑا؟ تو ایک صورت کیا تھی تفسیر «أَيُّ» کے ساتھ کرتے یوں کہتے: «أَيِ الْعَرَبُ»۔ «أَيِ الْعَرَبُ» رفع پڑھتے، کیوں رفع پڑھتے؟ کیونکہ «أَيُّ» کے بعد جو آتا ہے وہ ماقبل سے بدل بنتا ہے۔ اور «الْتَزَمُوا» میں واو کیا ہے؟ فاعل ہے، اور فاعل کیا ہوتا ہے؟ مرفوع، تو آگے «أَيِ الْعَرَبُ» یہ جو بدل «الْعَرَبُ» آئے گا وہ بھی کیا بنے گا؟ مرفوع۔ لیکن یہاں وہ «يَعْنِي» لے کر آئے، «يَعْنِي» کے اندر ضمیر راجع ہے صاحبِ کافیہ کو۔ «عَنٰى يَعْنِي» کا معنیٰ ہوتا ہے ارادہ کرنا، «يَعْنِي» کہ صاحبِ کافیہ نے ارادہ کیا ہے «الْعَرَبَ» کس کا؟ عرب کا، تو یہ مفعول بہ بن رہا ہے۔ تو کہتے ہیں: «وَالْتَزَمُوا يَعْنِي الْعَرَبَ» اور انہوں نے لازم پکڑا ہے یعنی کہ عرب نے،

«رَفْعَ الرَّجُلِ» «الرَّجُلُ» کے رفع کو، «مَثَلًا» مثال کے طور پر۔ یہ بھی مثال کے طور پر ہے، کیونکہ «الرَّجُلُ» سے «الرَّجُلُ» ہر جگہ تو «الرَّجُلُ» نہیں آئے گا، کہیں «الْحَسَنُ» آئے گا کہیں «الْحَارِثُ» آئے گا، تو یہ بھی مثال کے طور پر ہے کہ اس یعنی اس منادیٰ کے اندر رفع کو لازم پکڑا ہے کہ اس میں رفع ہی پڑھیں گے اور کچھ نہیں پڑھ سکتے۔

«وَإِنْ كَانَ صِفَةً» اگرچہ یہ کیا ہے؟ صفت ہے۔ «يَا أَيُّهَا الرَّجُلُ» «أَيٌّ» کیا ہے؟ موصوف، اور «الرَّجُلُ» اس کی صفت۔ اور صفت میں، منادیٰ مبنی علی الضم ہو اس کی صفت میں کتنی وجہیں جائز تھیں؟ دو وجہیں: «يَا زَيْدُ الْعَاقِلُ» اور «يَا زَيْدُ الْعَاقِلَ»۔ لیکن اس کے اندر نصب نہیں پڑھنا بلکہ رفع پڑھنا ہے کیونکہ یہ مقصود بالنداء ہے۔

تو کہتے ہیں: «وَإِنْ كَانَ صِفَةً» اگرچہ یہ صفت ہے، «وَحَقُّهَا جَوَازُ الْوَجْهَيْنِ» اور اس کا حق جو ہے دونوں وجہوں کا جائز ہونا ہے، اگرچہ یہ منادیٰ مبنی کی صفت ہے اور اس کا حق تو کیا ہے کہ اس میں دونوں وجہیں جائز ہونی چاہئیں رفع بھی اور نصب بھی، لیکن عربوں نے اس میں رفع لازم پکڑا ہے وہ اس میں نصب نہیں پڑھتے۔ تو کہتے ہیں: «وَإِنْ كَانَ صِفَةً» اگرچہ یہ صفت ہے، «وَحَقُّهَا جَوَازُ الْوَجْهَيْنِ» اور حق اس کا جو ہے وہ دونوں وجہوں کا جائز ہونا ہے، «الرَّفْعُ وَالنَّصْبُ» رفع بھی اور نصب بھی، حق اس کا یہ ہے کہ اس میں دونوں وجہیں جائز ہوں رفع بھی اور نصب بھی، «كَمَا مَرَّ» جیسے کہ یہ بات پیچھے گزر گئی۔

بھائی میں پہلے بھی کئی دفعہ بیان کر چکا، پھر سن لیں: «الْوَجْهَيْنِ» یہ اجمالاً بیان کر دیا کہ اس منادیٰ مبنی کے صفت میں کتنی صورتیں... کتنی وجہیں جائز تھیں؟ دو، «يَا زَيْدُ الْعَاقِلُ» بھی اور «يَا زَيْدُ الْعَاقِلَ» بھی، دو وجہیں جائز تھیں۔ اجمالاً ذکر کر دیا «جَوَازُ الْوَجْهَيْنِ» دو وجہیں اس میں جائز ہیں۔ اور آگے «الرَّفْعُ وَالنَّصْبُ» یہ اسی «وَجْهَيْنِ» کی تفصیل کر دی۔ توجہ ہے؟ ایک ہوتا ہے اجمال، ایک ہے تفصیل۔ یاد رکھو یہ جگہ جگہ عبارتیں آتی ہیں، میں اس لیے بار بار ذکر کرتا ہوں تاکہ آپ کے ذہن میں بات بیٹھ جائے بھائی۔ ایک ہوتا ہے اجمال، اجمال یہ ہے جس میں ایک ایک فرد کی، ایک ایک چیز کی تفصیل نہیں ہوتی۔ مثلاً میں آپ سے کہتا ہوں میرے تین دوست ہیں۔ بھائی کون کون ہیں وہ میں نے ذکر نہیں کیا، بس اجمالاً بتا دیا میرے تین دوست ہیں۔ اور ایک صورت یہ ہے کہ میں تفصیل سے ہر ایک کا نام لوں: زید، عمر اور بکر میرے دوست ہیں۔ اس کو کہتے ہیں تفصیل۔ توجہ ہے؟ تو اجمال کے بعد جب بھی تفصیل آئے وہاں تین طرح، تین اعراب جائز ہوتے ہیں: رفع، نصب اور بدل۔ اجمال کے بعد جب بھی تفصیل آئے کتنے اعراب؟ تین، کون کون سے؟ رفع، نصب اور بدل۔ بدل، اور بدل پر وہی اعراب آتا ہے جو ماقبل پر ہو۔ لہٰذا یہ «الرَّفْعُ وَالنَّصْبُ» یہ کس کا بیان ہے؟ یہ کس کی تفصیل ہے؟ یہ «الْوَجْهَيْنِ» کی تفصیل ہے۔ توجہ ہے؟ تو اس پر رفع بھی پڑھ سکتے ہیں: «الرَّفْعُ وَالنَّصْبُ» رفع اور نصب، اس پر رفع بھی پڑھ سکتے ہیں۔ رفع کیوں پڑھیں گے؟ اس کو خبر بنائیں گے مبتدا محذوف کے لیے: دو وجہیں جائز ہیں، کون سی دو وجہیں؟ «هُمَا» موصوف محذوف نکال لو... وہ دو وجہیں جو ہیں «الرَّفْعُ وَالنَّصْبُ» رفع اور نصب ہیں۔ تو ایک ہی مبتدا نکال لو چاہے دونوں

کے لیے «هُمَا» اور یہ «هُمَا» ضمیر کس کو راجع؟ «الْوَجْهَيْنِ» بھائی جس کا بیان آیا ابھی پیچھے، جس کی تفصیل بیان ہو رہی ہے۔ تو وہ دو وجہیں۔ یا دونوں کے لیے الگ الگ بتدا نکال لو: «أَحَدُهُمَا الرَّفْعُ وَثَانِيهِمَا النَّصْبُ»۔ تو اس صورت میں یہ خبر بنیں گے۔ بتدا محذوف نکالا چاہے ایک نکال لو دونوں کے لیے بتدا چاہے دونوں کے لیے الگ الگ بتدا نکال لو، یہ خبر بنیں گے اور خبر کیا ہوتی ہے؟ مرفوع، اس لیے «الرَّفْعُ وَالنَّصْبُ» پڑھیں گے۔ اور ایک صورت ہے کہ اس پر نصب پڑھیں، اس صورت میں «أَعْنِي» فعل کے لیے اس کو مفعول بنائیں۔ «أَعْنِي» فعل، «أَنَا» ضمیر اس کے اندر فاعل، «عَنٰى يَعْنِي» کا معنیٰ ابھی میں نے بیان کیا ارادہ کرنا۔ «أَعْنِي» میری مراد یہ ہے، میرا ارادہ اس کا ہے، کس کا؟ «الرَّفْعَ وَالنَّصْبَ»۔ اس میں دو وجہیں جائز ہیں، کون سی دو وجہیں؟ «أَعْنِي الرَّفْعَ وَالنَّصْبَ» میری مراد ہے رفع اور نصب۔ اب یہ منصوب کیوں ہیں؟ یہ «أَعْنِي» کے لیے مفعول بہ بن رہے ہیں اور مفعول بہ کیا ہوتا ہے؟ منصوب۔ پہلی ترکیب کے مطابق یہ دونوں خبر تھے، خبر مرفوع ہوتی ہے۔ دوسری ترکیب کے مطابق یہ دونوں منصوب ہیں مفعول بہ ہیں «أَعْنِي» فعل کے لیے۔ اور تیسری صورت یہ ہے کہ ماقبل سے بدل بناؤ، کیا بناؤ؟ بدل۔ «الْوَجْهَيْنِ» یہ ہے مبدل منہ اور «الرَّفْعِ وَالنَّصْبِ» اس سے کیا ہے؟ بدل۔ وہ دو وجہیں کیا ہیں؟ رفع اور نصب ہیں۔ اور بدل اور مبدل منہ کا اعراب ایک ہوتا ہے، اور «الْوَجْهَيْنِ» کا اعراب کیا ہے یہاں پر؟ مضاف الیہ ہے جواز کے لیے، مجرور ہے، تو «الرَّفْعِ وَالنَّصْبِ» یوں پڑھیں گے۔ معلوم ہوا یہ «الرَّفْعُ وَالنَّصْبُ» ان جو لفظ آئے ان پر تینوں اعراب آپ پڑھ سکتے ہیں: «الرَّفْعُ وَالنَّصْبُ» یوں بھی پڑھ سکتے ہیں، «الرَّفْعَ وَالنَّصْبَ» یوں بھی پڑھ سکتے ہیں، اور «الرَّفْعِ وَالنَّصْبِ» یوں بھی پڑھ سکتے ہیں۔ تو جہاں بھی اجمال کے بعد تفصیل بیان ہو وہاں کتنے اعراب جائز؟ تین: پہلا رفع کس وجہ سے؟ خبر ہونے کی بنا پر، دوسرا نصب کیوں؟ مفعول بہ ہونے کی وجہ سے، اور تیسرا بدل بنا سکتے ہیں۔ بات سمجھ میں آگئی؟ بدل پھر ماقبل کے مطابق اس پر اعراب آئے گا۔

آگے دیکھیے بھائی، کہتے ہیں: «لِأَنَّهُ» أَيِ الرَّ... جی «لِأَنَّهُ أَيِ الرَّجُلُ أَيِ الرَّجُلَ أَيِ الرَّجُلِ» کس طرح پڑھیں گے بھائی؟ ابھی میں نے ضابطے ذکر کر دیے۔ «أَيِ الرَّجُلَ»۔ کیسے پڑھیں گے؟ شاباش! «أَيِ الرَّجُلَ»۔ کیوں؟ کیونکہ میں نے بتایا یہ «أَيْ» کے بعد جو ہوتا ہے وہ ماقبل سے بدل بنتا ہے، اور یہ «الرَّجُلُ» کس کی تفسیر ہے؟ یہ ماقبل میں «هُ» ضمیر جو ہے اس کی تفسیر کر رہے ہیں، اور «هُ» ضمیر «أَنَّ» کا اسم ہے، اور «أَنَّ» کا اسم کیا ہوتا ہے؟ منصوب، تو اس لیے بدل بھی کیا ہوگا؟ منصوب۔ کہتے ہیں: «لِأَنَّهُ أَيِ الرَّجُلَ مَثَلًا هُوَ الْمَقْصُودُ بِالنِّدَاءِ» اس لیے کیونکہ رجل جو ہے مثال کے طور پر وہی مقصود بالنداء ہے، «فَالْتُزِمَ رَفْعُهُ» لہٰذا اس کے رفع کو لازم پکڑا گیا «لِتَكُونَ حَرَكَتُهُ الْإِعْرَابِيَّةُ مُوَافِقَةً لِلْحَرَكَةِ الْبِنَائِيَّةِ» تاکہ اس کی اعرابی حرکت، اس «الرَّجُلُ» کی... اس پر اعراب ہے نا، اس کی اعرابی حرکت موافق ہو جائے «لِلْحَرَكَةِ الْبِنَائِيَّةِ الَّتِي» اس بنا والی حرکت کے «الَّتِي هِيَ عَلَامَةُ الْمُنَادَى» جو کہ منادیٰ کی علامت ہے، «فَتَدُلَّ» تو یہ دلالت کرے گی «عَلَى أَنَّهُ هُوَ الْمَقْصُودُ بِالنِّدَاءِ» کہ وہی مقصود بالنداء ہے۔

بھائی ادھر دیکھیے: منادیٰ مفرد معرفہ ہو تو وہ مبنی ہوتا ہے ضمہ پر: «یَا زَیْدُ»۔ توجہ ہے؟ اب «یَا أَیُّهَا الرَّجُلُ» یہ «الرَّجُلُ» پر رفع عربوں نے لازم پکڑا، کیوں؟ کہتے ہیں وجہ یہ کیونکہ یہ مقصود بالنداء ہے، یہ مقصود بالنداء ہے، اور جب مقصود بالنداء ہے تو اس کو تو مبنی علی الضم ہونا چاہیے تھا۔ کیا ہونا چاہیے تھا؟ مبنی علی الضم۔ لیکن یہ تو اس وقت صفت بن گیا، منادیٰ تو کون ہے؟ «أَیُّ» ہے، لیکن مقصود بالنداء «الرَّجُلُ» ہے۔ تو اس کو اگر مبنی علی الضم نہیں کر سکتے تو کم از کم اسی جیسا اعراب دے دو، رفع دے دو۔ کیا دے دو؟ رفع۔ اب اس کا یہ رفع بتلائے گا کہ یہ مقصود بالنداء ہے۔ بھائی «یَا أَیُّهَا الرَّجُلُ» مقصود بالنداء کون؟ «الرَّجُلُ»۔ «الرَّجُلُ» جب یہ مقصود بالنداء ہے تو اس کو کیا ہونا چاہیے؟ مبنی علی الضم ہونا چاہیے، لیکن مبنی علی الضم تو ہو نہیں سکتا کیونکہ یہ تو صفت بن رہا ہے «أَیُّ» کی، تو پھر کم از کم اسی جیسا اعراب دے دو، اور ضمے جیسا اعراب کیا ہے؟ رفع۔ یہ رفع بتلائے گا کہ یہ کیا ہے؟ مقصود بالنداء ہے، یہ تابع نہیں ہے بھائی۔ یہ معنیٰ ہے۔

کہتے ہیں پھر ترجمہ دیکھیے، کہتے ہیں: «فَالْتُزِمَ رَفْعُهُ» اس کے رفع کو لازم پکڑا گیا، «لِتَكُونَ حَرَكَتُهُ الْإِعْرَابِيَّةُ مُوَافِقَةً لِلْحَرَكَةِ الْبِنَائِيَّةِ» تاکہ اس کی اعرابی حرکت وہ موافق ہو جائے اس بنا والی حرکت کے، «الَّتِي هِيَ عَلَامَةُ الْمُنَادَى» جو منادیٰ کی علامت ہے، منادیٰ کی علامت ضمہ ہے نا، تاکہ اس کا رفع اس منادیٰ کی حرکت یعنی ضمہ کے موافق ہو جائے اس جیسا ہو جائے، «فَتَدُلَّ» پس یہ دلالت کرے گا «عَلَى أَنَّهُ هُوَ الْمَقْصُودُ بِالنِّدَاءِ» کہ یہی مقصود بالنداء ہے۔

«وَهٰذَا بِمَنْزِلَةِ الْمُسْتَثْنَى عَنْ قَاعِدَةِ جَوَازِ الْوَجْهَيْنِ فِي صِفَةِ الْمُنَادَى» اور کہتے ہیں یہ مستثنیٰ کے درجے میں ہے، وہ جو دو وجہوں کے جائز ہونے کا قاعدہ تھا منادیٰ کی صفت میں، کس میں؟ منادیٰ کی صفت میں۔ بھائی دیکھیے: منادیٰ کی صفت میں تو دو اعراب جائز تھے: «یَا زَیْدُ الْعَاقِلُ» اور «یَا زَیْدُ الْعَاقِلَ»۔ کہتے ہیں یہ جو ہے نا یہ، یہ اس سے استثناء کے درجے میں ہے، یہ اس سے استثناء۔ استثناء اسے کہتے ہیں کہ «إِلَّا» وغیرہ جیسے لفظوں کے ذریعے ایک چیز جو پہلے ایک حکم میں داخل تھی اس کو اس حکم سے نکال دیا جائے۔ مثلاً «الْقَوْمُ» مردوں کی جماعت کو کہتے ہیں تین سے دس تک، طبعاً عورتیں بھی داخل ہو جاتی ہیں لیکن اصل میں یہ کس کو کہتے ہیں؟ مردوں کی جماعت کو۔ تو مثلاً پانچ افراد ہیں، ان پانچ میں سے ایک زید بھی ہے۔ پانچ افراد ہیں، ان میں سے ایک زید بھی ہے۔ میں نے آپ سے کہا: «جَاءَنِي الْقَوْمُ» میرے پاس وہ لوگ آئے تھے۔ کتنے افراد ہیں وہ؟ پانچ، اور ان میں سے ایک کون ہے؟ زید۔ تو جب میں نے کہا «جَاءَنِي الْقَوْمُ» وہ لوگ میرے پاس آئے تھے، آپ کیا سمجھے؟ زید بھی آیا کہ نہیں؟ معلوم ہوا زید بھی آیا کیونکہ زید بھی انہی میں سے تھا۔ لیکن آگے میں زید کو اس حکم سے نکال دیتا ہوں: «إِلَّا زَیْدًا» سوائے کس کے؟ زید کے۔ «جَاءَنِي الْقَوْمُ» وہ لوگ میرے پاس آئے تھے «إِلَّا زَیْدًا» سوائے زید کے یعنی زید کے علاوہ باقی آئے تھے۔ توجہ ہے؟ تو جب میں نے صرف یہ کہا «جَاءَنِي الْقَوْمُ» وہ لوگ آئے تھے، تو اس میں زید بھی داخل تھا۔ پھر میں نے «إِلَّا» کے ذریعے زید کو کیا کر دیا؟ نکال دیا، اس کو کہتے ہیں استثناء۔

ایک چیز جو پہلے حکم میں داخل تھی، پھر اس کو اس حکم سے نکال دیا جائے «إِلَّا» وغیرہ جو ایسے الفاظ کے ذریعے، اس کو کہتے ہیں استثناء۔ «جَاءَنِي الْقَوْمُ» میں زید داخل تھا اور «إِلَّا زَيْدًا» کے ذریعے پھر اس کو کیا کر دیا؟ نکال دیا، استثناء۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو کہتے ہیں یہ جو ضابطہ ذکر ہوا کہ یہ «الرَّجُلُ» کے اندر رفع ہی پڑھنا ہے اس میں نصب نہیں، حالانکہ یہ «أَيُّ» کی صفت ہے یا نہیں؟ اور «أَيُّ» کیا ہے؟ منادیٰ مبنی علی الضم۔ اور پیچھے آپ کو کیا بتایا تھا انہوں نے؟ کہ وہ منادیٰ جو مبنی علی الضم ہو اس کی صفت میں رفع بھی جائز اور نصب بھی۔ پیچھے جب کہا تھا کہ وہ منادیٰ جو مبنی علی الضم ہو اس کی صفت میں رفع بھی جائز اور نصب بھی، تو «أَيُّ» بھی اندر اس میں داخل ہو گیا یا نہیں؟ کیونکہ سب کی بات ہو گئی، جو بھی منادیٰ مبنی علی الضم ہوگا۔ جو بھی منادیٰ مبنی علی الضم ہوگا۔ تو «أَيُّ» بھی اس میں داخل ہوا کیونکہ یہ بھی مبنی علی الضم ہے۔ اور سب کا حکم کیا بیان کر دیا؟ ان کی صفت میں رفع بھی جائز اور نصب بھی۔ اور پھر اس کو اس سے نکال کر اب بتایا کہ نہیں اس والے میں رفع ہی پڑھنا ہے نصب نہیں، تو یہ گویا استثناء کے درجے میں ہے۔ پہلے داخل تھا، اب اس کو کیا کر دیا اس سے؟ نکال دیا۔ بات سمجھ میں آگئی؟

تو کہتے ہیں: «وَهٰذَا بِمَنْزِلَةِ الْمُسْتَثْنَى عَنْ قَاعِدَةِ جَوَازِ الْوَجْهَيْنِ فِي صِفَةِ الْمُنَادَى» اور یہ جو ضابطہ بیان ہوا یہ مستثنیٰ کے درجے میں ہے، «عَنْ قَاعِدَةِ جَوَازِ الْوَجْهَيْنِ» وہ جو قاعدہ ذکر ہوا تھا دو وجہوں کا جائز ہونا یعنی دو اعراب کا جائز ہونا «فِي صِفَةِ الْمُنَادَى» کس کے اندر؟ منادیٰ کی صفت کے اندر وہ جو دو وجہوں کے جائز ہونے کا قاعدہ بیان ہوا تھا یہ اس سے استثناء کے درجے میں ہے، کہ یہاں «الرَّجُلُ» «أَيُّ» کی صفت تو بن رہا ہے لیکن اس کے اندر دو وجہیں نہیں جائز بلکہ ایک، تو گویا یہ اس سے استثناء کے درجے میں ہے۔ پہلے داخل تھا اب اس کو کیا کر دیا؟ نکال دیا۔

«وَلِهٰذَا لَمْ يَذْكُرْ هُنَاكَ مَا يُخْرِجُ صِفَةَ الِاسْمِ الْمُبْهَمِ عَنْ تِلْكَ الْقَاعِدَةِ» اور اسی لیے اس کو وہاں ذکر نہیں کیا۔ بھائی دیکھیے: پیچھے کیا ذکر کیا تھا؟ کہ وہ منادیٰ جو مبنی ہو علامتِ رفع پر اس کے جو مفرد توابع ہیں، اس کے مفرد توابع ان میں رفع بھی جائز اور نصب بھی جائز۔ وہاں اس «أَيُّ» کا استثناء نہیں کیا۔ وہاں اس «أَيُّ» کا... مثلاً میں نے کہا «جَاءَنِي الْقَوْمُ» وہ لوگ میرے پاس آئے تھے «إِلَّا زَيْدًا» سوائے کس کے؟ زید، تو زید کو میں نے یہیں استثناء کر لیا یعنی نکال دیا اس سے۔ لیکن وہاں جب یہ ضابطہ ذکر ہوا تھا کہ وہ منادیٰ جو مبنی علی الضم ہو اس کے وہ توابع جو مفرد ہوں ان میں دو اعراب جائز ہیں، اور آگے کوئی یہ ذکر تھا سوائے «أَيُّ» وغیرہ کے؟ وہ منادیٰ جو مبنی علی الضم ہو اس کے توابع میں رفع بھی جائز اور نصب بھی جائز سوائے «أَيُّ» کے، وہاں کوئی استثناء کیا تھا؟ نہیں۔ دیکھا وہاں... اگر وہاں استثناء کر دیتے تو پھر یہاں اس کو ہم استثناء کے درجے میں نہیں بنا سکتے تھے۔ چونکہ وہاں ذکر نہیں کیا، اب یہاں ذکر کر رہے ہیں، تو یہ استثناء تو نہیں ہے لیکن استثناء کے درجے میں ہی ہے، استثناء بھی کس کو کہتے ہیں؟ ایک چیز پہلے حکم میں داخل ہو پھر اس کو «إِلَّا» کے ذریعے کیا کر لیا جائے؟ نکال دیا جائے۔ تو یہ «أَيُّ» کی صفت بھی اس کے اندر داخل تھی جب یہ کہہ دیا کہ صفت کے اندر دونوں اعراب

جائز، تو «أَيٌّ» کی صفت میں بھی کیا ہو گئے؟ دونوں اعراب جائز، لیکن پھر آگے آکر بتلا دیا کہ نہیں یہاں پر صرف رفع پڑھنا ہے، تو گویا یہ اس سے استثناء کے درجے میں ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟

پھر یاد رکھنا یہ جو «أَيٌّ» ہے نا یہ اسمِ مبہم ہے، یہ کیا ہے؟ اسمِ مبہم۔ یہ کل میں سے بعض کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔ ایک مجموعہ ہے، ان میں سے بعض کے لیے یہ «أَيٌّ» کا لفظ بولتے ہیں۔ کبھی یہ استفہام کے لیے آتا ہے، کبھی یہ اسمِ موصول کے طور پر ہوتا ہے، تو اس کا ترجمہ اردو میں کرتے ہیں کون، یا کون سا، یا جون سا۔ کیا ترجمہ کرتے ہیں؟ کون، یا کون سا، یا جون سا۔ اردو میں مثال دیکھ لیں: مثلاً میں کہتا ہوں میں اس طالبِ علم کو انعام دوں گا جون سا طالبِ علم محنت کرے گا۔ دیکھو جون سا طالبِ علم محنت کرے گا۔ اب مجھے بتائیے جون سا طالبِ علم، یہ کوئی متعین طالبِ علم ہے یا مبہم ہے؟ مبہم ہے، جو بھی محنت کرے گا وہ، اس کو میں انعام دوں گا۔ تو اسی طرح یہ جو «أَيٌّ» ہے نا «أَيٌّ»، یہ بھی اسی طرح آتا ہے جون سا اور کون سا وغیرہ کے معنیٰ میں، تو یہ اسمِ مبہم ہے، یہ کیا ہے؟ اسمِ مبہم، اور یہ کل میں سے، ایک مجموعے میں سے بعض کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ توجہ ہے؟ تو معلوم ہوا پیچھے جب یہ ذکر کیا تھا کہ وہ منادیٰ جو مبنی علی الضم ہو اس کے توابع میں رفع بھی جائز اور نصب بھی جائز، اور وہاں کسی اسمِ مبہم کا استثناء کیا تھا پیچھے؟ وہاں کسی اسمِ مبہم، یہ «أَيٌّ» وغیرہ کا استثناء نہیں کیا، لہٰذا یہ کس کے درجے میں ہے؟ مستثنیٰ کے درجے میں ہے۔

کہتے ہیں: «وَلِهٰذَا لَمْ يَذْكُرْ هُنَاكَ» اور اسی لیے مصنف نے ذکر نہیں فرمایا وہاں پر «مَا» ایسی کوئی چیز یا ایسی کوئی قید «يُخْرِجُ صِفَةَ الِاسْمِ الْمُبْهَمِ» کس کو نکال دے؟ اسمِ مبہم کی صفت کو نکال دے «عَنْ تِلْكَ الْقَاعِدَةِ» اس ضابطے سے۔ «يَا أَيُّهَا الرَّجُلُ» «يَا أَيُّهَا الرَّجُلُ»۔ بھائی منادیٰ مبنی علی الضم ہو تو اس کی صفت میں کتنی صورتیں جائز؟ دو: نصب بھی اور رفع بھی۔ اور «يَا أَيُّهَا الرَّجُلُ» یہ «أَيٌّ» بھی مبنی علی الضم ہے یا نہیں؟ یہ بھی مبنی علی الضم ہے، لیکن اس کی صفت میں دونوں وجہیں جائز ہیں، «الرَّجُلُ» میں دونوں وجہیں جائز ہیں یا صرف رفع جائز ہے؟ صرف رفع جائز ہے۔ تو وہاں کوئی ایسی چیز ذکر نہیں کی تھی کہ جس سے یہ والا اسمِ مبہم کو کیا کر دیا جاتا؟ اس ضابطے سے خارج۔ اگر وہاں ذکر کر دیتے تو وہاں استثناء ہو جاتا، وہاں ذکر نہیں کیا تو یہ استثناء تو نہیں ہے لیکن استثناء کے درجے میں ہے یہ والا جو کلام انہوں نے کیا۔ بات سمجھ میں آگئی؟

تو کہتے ہیں: «وَلِهٰذَا لَمْ يَذْكُرْ هُنَاكَ» اسی لیے مصنف نے وہاں پر ذکر نہیں فرمایا «مَا يُخْرِجُ صِفَةَ الِاسْمِ الْمُبْهَمِ عَنْ تِلْكَ الْقَاعِدَةِ» کوئی ایسی قید جو نکال دے اسمِ مبہم کی صفت کو، یہ «أَيٌّ» کیا ہے؟ اسمِ مبہم ہے اور «الرَّجُلُ» کیا ہے؟ اس کی صفت ہے، اور اس صفت کو کیا کیا گیا؟ اس ضابطے سے نکال دیا گیا۔ تو ذکر نہیں کیا جو نکال دے اس اسمِ مبہم کی صفت کو «عَنْ تِلْكَ الْقَاعِدَةِ» اس ضابطے سے۔

«وَتَوَابِعِهِ» کہتے ہیں: «بِالْجَرِّ» یہ جر کے ساتھ ہے، «عَطْفٌ عَلَى الرَّجُلِ» یہ کس پر عطف ہے؟ «الرَّجُلِ» پر عطف ہے، «أَيْ وَالْتَزَمُوا رَفْعَ تَوَابِعِ الرَّجُلِ» اور عربوں نے لازم پکڑا ہے «الرَّجُلُ» کے توابع کے رفع کو، یعنی اس میں بھی رفع لازم پڑھتے ہیں، رفع «مُضَافَةً أَوْ مُفْرَدَةً» چاہے وہ توابع مضاف ہوں یا مفرد ہوں۔ بھائی ادھر دیکھیے: منادیٰ مبنی علی الضم ہو، اس کے توابع ہیں... اس کے توابع اگر مفرد ہوں تو اس میں رفع اور نصب دونوں جائز، اور اگر مضاف ہوتے تو پھر صرف نصب جائز، توجہ ہے؟ لیکن یہاں یہ جو «الرَّجُلُ» کے توابع ہیں چاہے وہ مفرد ہوں چاہے مضاف ہوں سب کے اندر رفع ہی پڑھنا پڑے گا۔ بھائی کیوں رفع کیوں پڑھیں گے؟ کہتے ہیں اس لیے کیونکہ یہ منادیٰ مبنی کے توابع نہیں ہیں، یہ «الرَّجُلُ» تو معرب ہے یہ تو معرب کے توابع ہیں۔ یہ معرب... «يَا زَيْدُ الْعَاقِلُ» اور «يَا زَيْدُ الْعَاقِلَ»، یہ «الْعَاقِلُ» اور «الْعَاقِلَ» دونوں اعراب جائز، کیوں؟ کیونکہ یہ «يَا زَيْدُ» کے تابع ہیں جو مبنی ہے کس پر؟ مبنی علی الضم ہے۔ اور «الرَّجُلُ» کے جو تابع، «الرَّجُلُ» کی جو صفت آئے گی، تو «الرَّجُلُ» تو مبنی نہیں، «الرَّجُلُ» تو... یہ تو مرفوع ہے، تو جب یہ معرب کے تابع ہیں تو معرب پر جو اعراب آتا ہے توابع پر بھی وہی اعراب آتا ہے۔

تو کہتے ہیں: «وَالْتَزَمُوا رَفْعَ تَوَابِعِ الرَّجُلِ» اور عربوں نے لازم پکڑا ہے «الرَّجُلُ» کے توابع کے رفع کو، «مُضَافَةً أَوْ مُفْرَدَةً» چاہے وہ توابع مضاف ہوں یا مفرد ہوں، «نَحْوُ» مثال کے طور پر «يَا أَيُّهَا الرَّجُلُ الظَّرِيفُ» «يَا أَيُّهَا الرَّجُلُ الظَّرِيفُ» دیکھو یہ «الرَّجُلُ» پھر موصوف بنے گا اور «الظَّرِيفُ» اس کی صفت، اور «الرَّجُلُ» کیا ہے؟ مرفوع ہے، تو «الظَّرِيفُ» پر بھی کیا پڑھیں گے؟ رفع، یہاں نصب نہیں پڑھ سکتے۔ «يَا أَيُّهَا الرَّجُلُ الظَّرِيفُ» اور «الظَّرِيفُ» مضاف ہے یا مفرد ہے؟ مفرد ہے، دیکھا؟ اور «وَيَا أَيُّهَا الرَّجُلُ ذُو الْمَالِ» دیکھا یہ «ذُو الْمَالِ» «الرَّجُلُ» کی صفت ہے، اور یہ «ذُو الْمَالِ» «ذُو» مضاف «الْمَالِ» مضاف الیہ، تو اس کے اندر بھی رفع ہی پڑھنا ہے، جبکہ پیچھے کیا بتایا تھا؟ «وَالْمُضَافَةُ تُنْصَبُ» لیکن یہ یہاں پر رفع ہی پڑھیں گے چاہے مفرد ہو چاہے مضاف ہو۔ تو کہتے ہیں: «يَا أَيُّهَا الرَّجُلُ الظَّرِيفُ وَيَا أَيُّهَا الرَّجُلُ ذُو الْمَالِ» تو «الرَّجُلُ» کے توابع میں رفع ہی پڑھیں گے، «لِأَنَّهَا تَوَابِعُ مُنَادًى مُعْرَبٍ» اس لیے کیونکہ یہ منادیٰ معرب کے توابع ہیں بھائی، کیونکہ یہ «الرَّجُلُ» جو مقصود بالنداء ہے یہ اس کے توابع ہیں، اور وہ مبنی ہے «الرَّجُلُ» یا معرب ہے؟ معرب ہے، جب معرب ہے تو اس کے توابع پر بھی وہی اعراب آئے گا وہ بھی مرفوع ہوں گے۔ تو کہتے ہیں: «لِأَنَّهَا تَوَابِعُ مُنَادًى مُعْرَبٍ» اس لیے کیونکہ یہ منادیٰ معرب کے توابع ہیں، «وَجَوَازُ الْوَجْهَيْنِ إِنَّمَا يَكُونُ فِي تَوَابِعِ الْمُنَادَى الْمَبْنِيِّ» اور وہ جو دو وجہوں کا جائز ہونا تھا وہ تو منادیٰ مبنی کے توابع میں تھا، کس میں؟ منادیٰ مبنی۔ اور «الرَّجُلُ» تو مبنی نہیں ہے یہ تو معرب ہے...

معرب ہے تو اس کے توابع میں رفع ہی پڑھیں گے بھئی۔ بات سمجھ میں آگئی؟

«وَقَالُوا بِنَاءً عَلَى قَاعِدَةِ تَجْوِيزِ اجْتِمَاعِ حَرْفِ النِّدَاءِ مَعَ اللَّامِ وَهِيَ اجْتِمَاعُ أَمْرَيْنِ»۔ جی پہلے متن متن دیکھیے:

▪ متنِ کتاب و تحقیقِ مسائلِ نحویہ

وَقَالُوا يَا اللّٰهُ خَاصَّةً۔

«وَقَالُوا» اور عربوں نے کہا ہے «يَا اللّٰهُ» «خَاصَّةً» خاص طور پر۔ اور عربوں نے کہا ہے یا اللہ خاص طور پر۔ یہ بھی دراصل استثناء کے درجے میں ہے جو پیچھے ضابطہ ذکر ہوا۔ ابھی آپ کو بتایا کہ جب منادیٰ معرف باللام ہو تو اس پر حرفِ ندا داخل نہیں ہوتا براہِ راست بلکہ درمیان میں «أَيُّهَا» وغیرہ لے کر آتے ہیں۔ لیکن لفظِ اللہ کی یہ خصوصیت ہے کہ یہ معرف باللام ہے، اس پر الف لام داخل ہے، پھر بھی اس پر حرفِ ندا داخل کرتے ہیں اور کیا کہتے ہیں؟ «يَا اللّٰهُ» کہتے ہیں، «يَا أَيُّهَا اللّٰهُ» نہیں کہتے بھئی۔ تو یہ لفظِ اللہ کی خصوصیت ہے۔

یاد رکھنا حروفِ ندا میں سے یہ جو «يَا» ہے نا «يَا»، یہ اصل ہے۔ حروفِ ندا پانچ ہیں: ہمزہ، أَيْ، أَيَا، هَيَا، اور يَا۔ ان میں سے «يَا» اصل ہے، اور اسی وجہ سے «يَا» کثیر الاستعمال ہے، سب سے زیادہ «يَا» استعمال ہوتی ہے۔ اور لفظِ اللہ پر صرف حرفِ «يَا» داخل ہو سکتا ہے باقی اور کوئی حرفِ ندا کا داخل کرنا جائز نہیں بھئی۔ اسی طرح «أَيُّهَا» وغیرہ کے ساتھ بھی ان کے ساتھ بھی صرف «يَا» ہی استعمال ہو سکتا ہے، ان کے ساتھ کوئی اور حرفِ ندا استعمال نہیں «أَيُّهَا» وغیرہ کے ساتھ۔ اور اسی طرح یاد رکھو حروفِ ندا میں سے صرف «يَا» کا حذف جائز ہے اور کسی حرفِ ندا کا حذف جائز نہیں ہے۔ جیسے قرآن میں اللہ فرماتے ہیں: «يُوسُفُ أَعْرِضْ عَنْ هٰذَا»۔ علماء فرماتے ہیں کہ یہاں حرفِ ندا محذوف ہے، تو جیسے ہی کہا کہ حرفِ ندا محذوف ہے آپ سمجھ گئے کہ «يَا» محذوف ہے، کوئی اور حرفِ ندا محذوف نہیں ہو سکتا۔ اور نیز مستغاث کے ساتھ بھی صرف «يَا» ہی استعمال ہو سکتی ہے: «يَا لَزَيْدٍ» «يَا زَيْدَا»۔ اسی طرح مندوب بھئی جس پر رویا جاتا ہے اور اظہارِ غم کیا جاتا ہے، اس پر بھی حروفِ ندا میں سے صرف «يَا» استعمال کرتے ہیں۔ عربوں میں جب کوئی مرتا تھا ماتم کرتے تھے روتے تھے اس پر تو کیسے پکارتے تھے؟ مثلاً زید مر گیا تو کہتے «يَا زَيْدُ» اس کو مندوب کہتے ہیں جس پر رویا جائے اظہارِ غم کیا جائے۔ اور اس کے لیے «وَا» بھی استعمال کرتے تھے: «وَازَيْدُ»۔ تو «وَا» خاص ہے مندوب کے ساتھ، جبکہ «يَا» مندوب کے لیے بھی استعمال، مستغاث کے لیے بھی استعمال، منادیٰ کے لیے بھی استعمال۔ بات سمجھ میں آگئی؟

تو لفظِ اللہ خاص ہے، یہ معرف باللام ہے لیکن پھر بھی اس پر «يَا» داخل کرتے ہیں۔ تو یہ پچھلے ضابطے سے گویا مستثنیٰ کے درجے میں ہے۔ پیچھے تو کیا کہا تھا؟ کہ جب بھی معرف باللام کو ندا دیں گے تو درمیان میں کیا لائیں گے؟ «أَيُّهَا» یا «هٰذَا» یا «أَيُّهٰذَا» لے کر آئیں گے۔ تو اس میں تو لفظِ اللہ بھی آگیا تھا لیکن پھر اس کا استثناء کر دیا کہ نہیں، لفظِ اللہ میں «أَيُّهَا» وغیرہ نہیں لائیں گے خاص طور پر۔

اور پھر یہ بھی یاد رکھنا کہ یہ لفظِ اللہ کے ساتھ خاص ہے، وجہ یہ کہتے ہیں ضابطہ ہے، ضابطہ ہے۔ ضابطہ یہ ہے کہ الف

لام، الف لام، وہ ایک تو عوض ہو کسی محذوف کا، الف لام عوض ہو کسی محذوف کا، اور نیز کلمے کے ساتھ لازم ہو جائے۔ جہاں یہ دو شرطیں پائی جائیں گی وہاں حرفِ ندا اور الف لام کا جمع جائز ہو جائے گا۔ ضابطہ ہے، ضابطہ ہے۔ جس لفظ میں الف لام عوض بن جائے کسی محذوف کا، یعنی کسی حرف کو ختم کر کے الف لام کو اس کا عوض بنا دیا جائے، اور پھر وہ الف لام اس کلمے کے ساتھ لازم ہو جائے یعنی اس سے جدا ہو ہی نہیں سکتا، تو جہاں یہ دو چیزیں ہوں گی وہاں حرفِ ندا اور الف لام کا جمع جائز ہے۔ کون سی دو چیزیں؟ کہ الف لام عوض ہو جائے کسی حرف کا اور نیز کلمے کے ساتھ لازم ہو جائے، اس سے اب جدا نہیں ہوتا۔ تو چنانچہ کہتے ہیں لفظِ اللہ اصل میں تھا «إِلٰهٌ»۔ «إِلٰهٌ» کا کیا معنیٰ؟ معبود۔ پھر اس پر الف لام لائے، کیا بن گیا؟ «الْإِلٰهُ»۔ توجہ ہے؟ پھر ہمزہ کو حذف کیا «إِلٰه» کا جو ہمزہ تھا، اور الف لام کو اس کا عوض بنا دیا۔ اب یہ الف لام عوض بن گیا کس کا؟ ہمزہ کا، اور لام کا لام میں ادغام کیا، کیا بن گیا؟ «اللّٰهُ»۔ توجہ ہے؟ یہ الف لام کس کا عوض ہے؟ «إِلٰه» کے ہمزہ کا عوض بن گیا، ہمزہ حذف ہو گیا۔ اور نیز یہ الف لام اب کلمے سے جدا نہیں ہوتا۔ عام کلامِ عرب میں کبھی بھی «إِلٰهٌ» سے ذرا ہمزہ ہٹاؤ، «لَاهٌ»۔ عربی زبان میں کہیں پر بھی «لَاهٌ» استعمال نہیں ہوتا عام کلام میں۔ عام عربی کلام میں... بھئی دیکھو نا اصل میں کیا تھا؟ «إِلٰهٌ» پھر کیا آیا؟ الف لام، پھر ہمزہ کو حذف کیا اور الف لام کو اس کا عوض بنا دیا، اور یہ الف لام کلمے کے ساتھ کیا ہو گیا؟ لازم ہو گیا، کبھی کلمے سے جدا نہیں ہوتا، بغیر الف لام کے صرف «لَاهٌ» استعمال کر لیں اللہ تعالیٰ کی ذات کے لیے عام کلامِ عرب میں نثر کے اندر اس طرح استعمال نہیں ہوتا۔ معلوم ہوا یہ الف لام ہمزہ کا عوض بھی ہے اور کلمے کے ساتھ لازم ہو گیا ہے، عرب اب اس کو کبھی جدا نہیں کرتے۔ تو جہاں یہ دو چیزیں ہوں گی وہاں حرفِ ندا اور الف لام کا جمع جائز ہے۔ بات سمجھ میں آ گئی؟ دیکھیے بھئی کتاب پر۔

اب شرح کے ساتھ دیکھیے بھئی۔ کہتے ہیں: «وَقَالُوا» اور عربوں نے کہا ہے «بِنَاءً عَلَى قَاعِدَةِ تَجْوِيزِ اجْتِمَاعِ حَرْفِ النِّدَاءِ مَعَ اللَّامِ» بنا بر اس قاعدے کے جو جائز قرار دیتا ہے حرفِ ندا کا جمع ہونا لام کے ساتھ۔ حرفِ ندا کا لام کے ساتھ جمع ہونے کا قاعدہ، کیا قاعدہ ہے، کیا قانون ہے؟ کب جائز ہے حرفِ ندا اور الف لام کا جمع ہونا؟ جب کتنی چیزیں ہوں؟ دو چیزیں۔ کتنی چیزیں؟ وہی بیان کرنے لگے ہیں۔ تو کہتے ہیں: «بِنَاءً عَلَى قَاعِدَةِ تَجْوِيزِ اجْتِمَاعِ حَرْفِ النِّدَاءِ مَعَ اللَّامِ» عربوں نے کہا ہے بنا بر اس ضابطے کے جو حرفِ ندا کا لام کے ساتھ جمع ہونے کو جائز قرار دیتا ہے، اس ضابطے کی بنا پر عربوں نے کہا ہے۔ او بھئی وہ ضابطہ کیا ہے؟ وہ بھی اب بیان کر رہے ہیں، کہتے ہیں: «وَهِيَ اجْتِمَاعُ أَمْرَيْنِ» اور یہ دو چیزوں کا جمع ہونا ہے: «أَحَدُهُمَا كَوْنُ اللَّامِ عِوَضًا عَنْ مَحْذُوفٍ» ایک تو یہ کہ وہ لام عوض ہو محذوف سے، «وَثَانِيهِمَا لُزُومُهَا لِلْكَلِمَةِ» اور دوسری چیز یہ ہے کہ وہ لام کلمے کے ساتھ لازم ہو۔ تو اسی بنا پر عربوں نے کہا ہے «يَا اللّٰهُ» یعنی «يَا» کو جمع کیا الف لام کے ساتھ۔ «لِأَنَّ أَصْلَهُ الْإِلٰهُ» اس لیے کیونکہ لفظِ اللہ کی اصل کیا تھی؟ «الْإِلٰهُ» تھی، کیا تھی؟ «الْإِلٰهُ»۔ «فَحُذِفَتِ الْهَمْزَةُ»

پھر اس ہمزہ کو حذف کر لیا گیا، «وَعُوِّضَتِ اللَّامُ عَنْهَا» اور لام کو اس کا عوض بنا دیا گیا، «وَلَزِمَتِ الْكَلِمَةَ» اور یہ الف لام کیا ہوا؟ کلمہ کے ساتھ لازم ہو گیا۔ «فَلَا يُقَالُ فِي سَعَةِ الْكَلَامِ لَاهُ» لہٰذا عام کلامِ عرب کے اندر «لَاهُ» نہیں کہا جاتا، اب اس سے جدا نہیں ہوتا یہ کلمہ کے ساتھ لازم ہو گیا۔ توجہ ہے؟

«سَعَةُ الْكَلَامِ» سین کے فتحہ کے ساتھ، «وَسِعَ يَسَعُ سَعَةً»۔ «وَسِعَ يَسَعُ سَعَةً»۔ تو یہ وسعت سے ہے «وَسِعَ يَسَعُ سَعَةً» یہ وسعت سے ہے، گنجائش ہونا۔ اور یہ عام کلام کو کہتے ہیں، یاد رکھو ایک ہوتے ہیں اشعار، اشعار، اور ایک عام کلام ہے، یہ جو میں تقریر کر رہا ہوں یا یہ جو جامی میں آپ کے سامنے لکھا ہوا ہے یہ عام کلام ہے۔ اور ایک ہوتے ہیں اشعار، اشعار کا اپنا ایک مخصوص وزن ہوتا ہے۔ اس وزن سے ایک حرف ادھر ادھر ہو جائے تو سارا شعر کا وزن خراب ہو جاتا ہے۔ تو وہاں کلام میں گنجائش تنگ ہوتی ہے۔ اشعار میں گنجائش کم ہوتی ہے یعنی آپ کو خاص طریقے پہ کلام لانا پڑے گا۔ اور عام کلام میں تو آپ جس طرح مرضی جملہ بول دیں جو مرضی کہتے رہیں۔ تو وہ ہے یعنی اس میں تضیقِ کلام ہے، کیا ہے؟ یعنی اس میں کلام میں تنگی ہوتی ہے وہاں پر، وہاں شعر کو... دیکھو ہر ایک آدمی شعر نہیں کہہ سکتا بھئی کیونکہ خاص وزن پر کہنا پڑتا ہے۔ تو وہ تضیقِ کلام ہے یعنی کلام میں وہاں تنگی ہوتی ہے۔ اور عام جو نثر ہے اس کو «سَعَةُ الْكَلَامِ» کہتے ہیں، یہاں کلام میں گنجائش ہوتی ہے فراخی ہوتی ہے۔ بات سمجھ میں آ گئی؟ تو «سَعَةُ الْكَلَامِ» میں یعنی عام عرب کلام کے اندر «لَاهُ» نہیں کہتے، اشعار میں کبھی استعمال کر لیتے ہیں بھئی۔ کیونکہ وہاں ضرورت ہوتی ہے مجبوری ہوتی ہے، بہت سی ایسی چیزیں جو عام کلام میں جائز نہیں ہوتیں اشعار میں جائز ہوتی ہیں۔ بات سمجھ میں آ گئی؟ تو «سَعَةُ الْكَلَامِ» کسے کہتے ہیں؟ عام عرب کلام جو نثر ہو۔ تو کہتے ہیں: «فَلَا يُقَالُ فِي سَعَةِ الْكَلَامِ لَاهُ» لہٰذا عام کلام کے اندر یعنی نثر کے اندر «لَاهُ» نہیں کہتے۔

«وَلَمَّا لَمْ يَجْتَمِعْ هٰذَانِ الْأَمْرَانِ فِي مَوْضِعٍ آخَرَ» بھئی سوال پیدا ہوتا ہے: آپ نے ہمیں ضابطہ بتایا کہ حرفِ ندا الف لام کے ساتھ جمع ہو سکتا ہے، کتنی چیزیں ہونی چاہئیں؟ دو۔ ایک تو الف لام عوض ہونا چاہیے محذوف کا، اور دوسرا، دوسرا وہ الف لام کلمے کے ساتھ لازم ہو جائے۔ یہ آپ نے ہمیں قانون بتایا، اور قانون تو کلی ہوتا ہے، جہاں بھی ایسا ہوگا وہاں «يَا» اور الف لام جمع ہو سکتے ہیں۔ تو پھر یہ آپ نے آگے یہ کیوں کہا کہ عربوں نے «يَا اللّٰهُ» کہا ہے «خَاصَّةً» خاص طور پر؟ یہ تو کلی قانون آپ نے ہمیں بتا دیا نا، جب کلی قانون ہے تو جہاں کہیں بھی یہ دو شرطیں پوری ہوں گی وہاں «يَا» اور الف لام جمع ہو سکتے ہیں۔ تو پھر یہ کہنے کا کیا معنیٰ کہ عربوں نے «يَا اللّٰهُ» کہا ہے خاص طور پر؟ خاص طور پر کیا معنیٰ؟ آپ مثلاً کہتے ہیں «الْفَاعِلُ مَرْفُوعٌ» فاعل کیا ہے؟ تو جہاں دنیا میں فاعل آئے گا آپ اس پر رفع پڑھیں گے، کلی قانون ہے، تو قانون تو کلی ہوتا ہے جہاں جہاں بھی ویسا ہوگا وہاں اسی طرح پڑھیں گے۔ تو جب آپ نے ایک قانون بنا دیا تو پھر «خَاصَّةً» کہنے کا کیا معنیٰ کہ لفظِ اللہ کے ساتھ یہ خاص ہے؟ تو آپ کو بتائیں گے کہ قانون تو یہی ہے، لیکن لفظِ اللہ کے علاوہ اور کہیں پر یہ دو

چیزیں پائی ہی نہیں جاتیں بھئی، کہ وہ الف لام محذوف کا عوض بھی ہو اور کلمے کے ساتھ لازم بھی ہو۔ قانون تو ہمارا کلی ہے، لیکن اور کہیں یہ چیز پائی ہی نہیں جاتی تو اس لیے معلوم ہوا صرف لفظِ اللہ ہی کی یہ خصوصیت ہے کہ اس میں حرفِ ندا الف لام کے ساتھ جمع ہو سکتا ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟

تو کہتے ہیں: «وَلَمَّا لَمْ يَجْتَمِعْ هٰذَانِ الْأَمْرَانِ فِي مَوْضِعٍ آخَرَ» اور جب یہ دونوں چیزیں جمع نہیں ہوتیں کسی دوسری جگہ پر، «اخْتُصَّ هٰذَا الِاسْمُ بِذٰلِكَ الْجَوَازِ» تو خاص ہوا یہ والا اسم یعنی یہ اسم لفظِ اللہ جو ہے یہ خاص ہو گیا «بِذٰلِكَ الْجَوَازِ» اس جواز کے ساتھ، یعنی یہ صرف کس میں جائز ہے؟ لفظِ اللہ میں۔ «وَلِهٰذَا قَالَ خَاصَّةً» اسی لیے مصنف نے کیا فرمایا؟ «خَاصَّةً» فرمایا کہ «يَا اللّٰهُ» عربوں نے کہا ہے خاص طور پر۔ یاد رکھنا یہ «خَاصَّةً» مفعولِ مطلق ہے: «أَيْ خُصَّ خَاصَّةً» «خُصَّ» فعل اور «خَاصَّةً» یہ مصدر ہے، تو یہ مفعولِ مطلق ہے اس کو خاص کیا گیا ہے اس لفظ کو بھئی۔ تو یہ «خَاصَّةً» مصدر ہے بھئی۔ تو «خُصَّ خَاصَّةً» تو یہ مفعولِ مطلق ہے فعلِ محذوف کے لیے۔

آگے دیکھیے کہتے ہیں: «وَأَمَّا مِثْلُ النَّجْمِ وَالصَّعِقِ وَإِنْ كَانَتْ...» جی میں نے آپ کو گزشتہ سبق میں بتلایا تھا کہ «نَجْمٌ» عربی زبان میں ستارے کو کہتے ہیں، لیکن «النَّجْمُ» الف لام کے ساتھ یہ نام رکھا گیا ستاروں کے ایک مجموعے کا جس کو اردو میں ثریا اور پروین کہتے ہیں بھئی۔ تو اب یہ الف لام کے ساتھ نام بن گیا، تو یہ اب الف لام اس سے جدا نہیں ہو سکتا، معلوم ہوا یہ الف لام کلمے کے ساتھ لازم ہے۔ اسی طرح «الصَّعِقُ» «صَعِقٌ» صفتِ مشبہ ہے اس کا معنیٰ بے ہوش، لیکن عرب میں ایک شخص تھا خویلد بن نفیل الکلابی اور اس پر آسمانی بجلی گری تھی یا بنو تمیم والوں نے کوئی ضرب وغیرہ لگائی تھی، اس کے بعد جب کوئی خوفناک آواز آتی تو وہ حواس باختہ ہو جاتا اور بے ہوش ہو جاتا، تو اس کا نام ہی کیا پڑ گیا؟ «الصَّعِقُ» الف لام کے ساتھ، الف لام کے ساتھ۔ تو اب دیکھو «النَّجْمُ» کے ساتھ بھی اب الف لام لازم ہے جدا نہیں ہوتا، «الصَّعِقُ» کے ساتھ بھی الف لام لازم ہے اس سے جدا نہیں ہوتا۔ تو صاحبِ جامی آپ کو بتائیں گے کہ ہاں، ایک بات تو اس میں پوری ہے: ضابطے میں دو چیزیں تھیں کہ الف لام عوض بھی ہونا چاہیے اور دوسرا کلمے کے ساتھ لازم، یہ کلمے کے ساتھ لازم تو ہے «النَّجْمُ» اور «الصَّعِقُ» میں الف لام، لیکن یہ کسی کا عوض نہیں، لہٰذا ان میں بھی الف لام پر «يَا» حرفِ ندا کو براہِ راست داخل نہیں کر سکتے۔

تو کہتے ہیں: «وَأَمَّا مِثْلُ النَّجْمِ وَالصَّعِقِ» تو کہتے ہیں باقی «النَّجْمُ» اور «الصَّعِقُ» جو ہیں «وَإِنْ كَانَتِ اللَّامُ لَازِمَةً فِيهِ» اگرچہ ان کے اندر لام لازم ہے، «لٰكِنْ لَيْسَتْ عِوَضًا عَنْ مَحْذُوفٍ» لیکن یہ لام محذوف کا عوض نہیں ہے۔

«وَأَمَّا النَّاسُ» جی «النَّاسُ» یاد رکھو، یاد رکھو «النَّاسُ» اصل میں تھا «أُنَاسٌ» «أُنَاسٌ» عام لوگوں کو کہتے ہیں لوگ بھئی لوگ۔ «أُنَاسٌ» پھر الف لام اس پر داخل کیا: «الْأُنَاسُ» پھر ہمزہ کو حذف کیا اور الف لام کو اس کا عوض بنا دیا، تو کیا بن

گیا؟ «النَّاسُ» «النَّاسُ»۔ تو یہ الف لام ہمزہ کا عوض ہے۔ لیکن یاد رکھو یہ الف لام کلمے کے ساتھ لازم نہیں ہے، عام نثر کلام کے اندر بھی کبھی الف لام کے بغیر صرف «نَاسٌ» کہہ دیتے ہیں، توجہ ہے؟ تو الف لام عوض تو ہوا لیکن کلمے کے ساتھ لازم نہیں، لہٰذا اس کے اندر بھی حرفِ ندا کو «النَّاسُ» پر داخل نہیں کر سکتے کیونکہ دونوں شرطیں پوری نہیں ہیں۔

تو کہتے ہیں: «وَأَمَّا النَّاسُ» اور باقی «النَّاسُ» جو ہے «وَإِنْ كَانَتِ اللَّامُ فِيهِ عِوَضًا عَنِ الْهَمْزَةِ» اگرچہ اس کے اندر لام جو ہے وہ ہمزہ کا عوض ہے، «لِأَنَّ أَصْلَهُ الْأُنَاسُ» اس لیے کیونکہ اس کی اصل کیا ہے؟ «الْأُنَاسُ» ہے، «لٰكِنْ لَيْسَتْ لَازِمَةً لِلْكَلِمَةِ» لیکن یہ الف لام کلمہ کے ساتھ لازم نہیں ہے، «لِأَنَّهُ يُقَالُ نَاسٌ فِي سَعَةِ الْكَلَامِ» اس لیے کیونکہ «نَاسٌ» بھی کہا جاتا ہے «فِي سَعَةِ الْكَلَامِ» عام کلام کے اندر۔ معلوم ہوا الف لام عوض تو ہے لیکن لازم نہیں جدا ہو جاتا ہے بھئی، «نَاسٌ» کہتے ہیں عام کلام میں، «فَلَا يَجُوزُ أَنْ يُقَالَ» لہٰذا یہ جائز نہیں ہے کہ یوں کہا جائے: «يَا النَّجْمُ وَيَا النَّاسُ» اس پر «يَا» کو الف لام کے ساتھ جمع کرنا جائز نہیں کیونکہ دونوں شرطیں پوری نہیں، ضابطے کی دونوں شرطیں ان میں پوری نہیں۔

«وَلِعَدَمِ جَرَيَانِ هٰذِهِ الْقَاعِدَةِ فِي الَّتِي» جی، آگے ذرا شعر سمجھ لیں:

▪ متنِ کتاب و تحقیقِ مسائلِ نحویہ

مِنْ أَجْلِكِ يَا الَّتِي تَيَّمْتِ قَلْبِي وَأَنْتِ بَخِيلَةٌ بِالْوَصْلِ عَنِّي

«مِنْ أَجْلِكِ» یہ شاعر ہے اپنی عاشقہ سے خطاب کر رہا ہے شعر کے اندر: «مِنْ أَجْلِكِ» تیری وجہ سے، «يَا الَّتِي تَيَّمْتَ قَلْبِي» «تَيَّمَ» «تَيَّمَ يُتَيِّمُ» کا معنیٰ ہے کسی کو غلام بنانا، کسی کو اپنا دیوانہ بنانا۔ ترجمہ سنیں: «مِنْ أَجْلِكِ» تیری وجہ سے، یعنی تیری وجہ سے میں یہ تکلیفوں اور مصیبتوں میں گرفتار ہوں اور مشکلات برداشت کر رہا ہوں۔ «يَا الَّتِي» اے وہ جو کہ، یہ «الَّتِي» اسمِ موصول ہے، توجہ ہے؟ اے وہ جو کہ، «تَيَّمَتْ قَلْبِي» جس نے دیوانہ بنا دیا ہے میرے دل کو، اے عاشقہ جس نے میرے دل کو اپنا دیوانہ بنا دیا ہے، توجہ ہے؟ «وَأَنْتِ بَخِيلَةٌ» اور حال یہ ہے کہ تو بخل کرنے والی ہے «بِالْوَصْلِ عَنِّي» میرے ساتھ وصل سے، میرے ساتھ ملنے سے۔ اے عاشقہ تیری وجہ سے میں اتنی تکلیفیں اٹھا رہا ہوں، وجہ یہ ہے کہ تو نے مجھے اپنا غلام بنا لیا ہے تو نے مجھے اپنا دیوانہ بنا لیا ہے، تو تو نے مجھے اپنا دیوانہ بنا لیا ہے، اب تو نے مجھے اپنا غلام بنا لیا ہے، اور تیری وجہ سے میں یہ ساری تکلیفیں اور آزمائشیں جو مجھ پر آ رہی ہیں وہ میں برداشت کر رہا ہوں، حالانکہ تو میرے ساتھ ملاقات میں بخل کرتی ہے تو مجھ سے ملتی نہیں ہے۔ بات سمجھ میں آ گئی؟ ساری تکلیفیں تیری وجہ سے ہیں اور تیرا حال یہ ہے کہ مجھ سے ملتی ہی نہیں ہے۔ ترجمہ سمجھ میں آیا؟ پھر سنو: «مِنْ أَجْلِكِ» تیری وجہ سے، یہ محذوف کے ساتھ متعلق ہو جائے گا یعنی تیری وجہ سے مجھ پر یہ مصیبتیں ہیں، «يَا الَّتِي» اے میری وہ عاشقہ، «تَيَّمَتْ قَلْبِي» جس نے دیوانہ کر دیا ہے

میرے دل کو، «وَأَنْتِ بَخِيلَةٌ بِالْوَصْلِ عَنِّي» اور حال یہ ہے کہ تو بخل کرنے والی ہے «بِالْوَصْلِ عَنِّي» میرے ساتھ وصل اور ملاقات میں۔ ترجمہ سمجھ میں آگیا؟

اب دیکھو یاد رکھو یہاں یہ «الَّتِي» اسمِ موصول ہے، توجہ ہے؟ «الَّتِي» اسمِ موصول، اور «تَيَّمَتْ قَلْبِي» یہ اس کا صلہ۔ «تَيَّمَتْ قَلْبِي» اس کا صلہ ہے، اور موصول صلے میں ربط ہوتا ہے، لہٰذا «تَيَّمَتْ» پڑھیں، «تَيَّمَتْ» یہ مؤنث کا صیغہ ہوا مؤنث غائب کا اور اس کے اندر «هِيَ» ضمیر اور یہ «الَّتِي» کو راجع ہے، یہ ربط دے رہا ہے، توجہ ہے؟ جبکہ عام کتابوں میں لکھا ہے «الَّتِي تَيَّمْتِ»۔ اس کو کس طرح پڑھا جائے؟ «تَيَّمْتِ» بھی پڑھیں بالکل ٹھیک ہے معنیٰ کے اعتبار سے: «يَا الَّتِي» اے میری وہ عاشقہ «تَيَّمْتِ» تو نے غلام بنایا ہے «قَلْبِي» کس کو؟ میرے دل کو۔ توجہ ہے؟ اور پھر بھئی «الَّتِي» اسمِ موصول ہے مؤنث کا، اور ربط بھی تو چاہیے، اور میں نے آپ کو بتایا تھا مرجع صرف غائب کی ضمیر کا ہوتا ہے، مخاطب اور متکلم کی ضمیر کا مرجع نہیں ہوتا۔ تو یہ «الَّتِي» اسمِ موصول ہے اور «تَيَّمْتِ قَلْبِي» اس کا صلہ ہے، اور اس کے اندر تو جب «تَيَّمْتِ» پڑھیں، «تَيَّمْتِ» کے اندر یہ تاء ضمیر واحد مؤنث مخاطبہ کی ہے، یہ اسم... یہ تو مخاطب کی ضمیر ہے اور مرجع تو مخاطب کی ضمیر کا نہیں ہوتا۔ تو پھر ربط کیا ہے؟ تو یاد رکھو ربط یہی تاء ہے «تَيَّمْتِ» کی تاء۔ بھئی کس طرح؟ کہتے ہیں اس لیے کیونکہ «يَا الَّتِي» اسمِ موصول ہے، اور اسمِ موصول غائب کے درجے میں ہوتا ہے، لیکن یہاں وہ اس کو خطاب کر رہا ہے، کیا کر رہا ہے؟ خطاب کر رہا ہے اپنی عاشقہ کو، تو «الَّتِي» سے وہی مخاطبہ عاشقہ مراد ہے، اور «تَيَّمْتِ» کی تاء سے بھی کون مراد ہے؟ وہی عاشقہ مراد ہے، تو ربط آگیا بھئی۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو یہ معنیٰ کے اعتبار سے ربط آگیا۔ بات سمجھ میں آگئی؟

اب بھئی بحث چل رہی تھی کہ یہاں «يَا الَّتِي» آیا۔ «الَّتِي» اسمِ موصول ہے اس پر الف لام ہے، اور اس پر «يَا» داخل ہے حرفِ ندا، حالانکہ «يَا» اور الف لام تو جمع نہیں ہو سکتے۔ توجہ ہے؟ تو آپ کو صاحبِ جامی بتلائیں گے کہ اس شعر کے اندر «يَا» حرفِ ندا الف لام کے ساتھ جمع ہے، ہاں یہ الف لام «الَّتِي» کے ساتھ لازم ہے اس سے جدا نہیں ہوتا، لیکن یہ کسی کا عوض نہیں ہے، تو لہٰذا ایک شرط تو پوری ہے دوسری شرط پوری نہیں، لہٰذا یہ جو «يَا» کو «الَّتِي» پر داخل کیا گیا بغیر شرطوں کے پورا کیے ہوئے، یہ شاذ ہے۔ یہ کیا ہے؟ شاذ ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟

اب دیکھیے ترجمہ، کہتے ہیں: «وَلِعَدَمِ جَرَيَانِ هٰذِهِ الْقَاعِدَةِ فِي الَّتِي» اور اس وجہ سے کہ یہ قاعدہ اور یہ قانون جاری نہیں ہوتا «فِي الَّتِي» کس کے اندر؟ «الَّتِي»۔ یہاں پر بھی «الَّتِي» کا ہمزہ قطعی بن چکا ہے کیونکہ «الَّتِي» سے لفظِ «الَّتِي» مراد ہے۔ ویسے «الَّتِي» کا ہمزہ وصلی ہے درمیانِ عبارت میں گر جاتا ہے یوں پڑھنا چاہیے «فِي الَّتِي» (فِلَّتِي)، لیکن یہاں نہیں گرے گا بلکہ کیسے پڑھیں گے؟ «فِي الَّتِي»۔ کہتے ہیں: «وَلِعَدَمِ جَرَيَانِ هٰذِهِ الْقَاعِدَةِ فِي الَّتِي» اور «الَّتِي» کے اندر اس قاعدے کے جاری نہ ہونے کی وجہ سے «فِي قَوْلِهِ» شاعر کے اس قول میں:

مِنْ أَجْلِكِ يَا الَّتِي تَيَّمْتِ قَلْبِي ... وَأَنْتِ بَخِيلَةٌ بِالْوَصْلِ عَنِّي

یہ قاعدہ اس «الَّتِي» میں جاری نہیں ہوتا۔ کیوں؟ «لِأَنَّ لَامَهَا لَيْسَتْ عِوَضًا عَنْ مَحْذُوفٍ» کیونکہ اس کا لام جو ہے وہ محذوف کا عوض نہیں ہے «وَإِنْ كَانَتْ لَازِمَةً لِلْكَلِمَةِ» اگرچہ وہ کلمہ کے ساتھ لازم ہے، ایک شرط پوری ہے دوسری شرط پوری نہیں، تو اس وجہ سے «حَكَمُوا عَلَيْهِ بِالشُّذُوذِ» علمائے نحو نے حکم لگایا ہے اس پر شاذ ہونے کا، اس پر شاذ ہونے کا حکم لگایا ہے۔

«وَفِي الْغُلَامَانِ فِي قَوْلِهِمْ» آگے ایک اور مصرع دیکھیے: «فَيَا الْغُلَامَانِ اللَّذَانِ فَرَّا»۔ «الْغُلَامَانِ» یہ غلام کی تثنیہ ہے اور اس پر الف لام آیا، اور پھر اس پر «یَا» بھی داخل کی گئی۔ شاعر کیا کہتا ہے؟ شاعر کے کوئی غلام بھاگ گئے تھے، دو غلام یا ایک غلام اور ایک باندی بھاگ گئے تھے۔ تو شاعر اب ان کو کہتا ہے: «فَيَا الْغُلَامَانِ اللَّذَانِ فَرَّا» پس اے وہ دو غلامو جو بھاگ گئے ہو، «فَرَّ يَفِرُّ» کا کیا معنیٰ ہے؟ بھاگنا، یہ تثنیہ کا صیغہ ہے «فَرَّا»۔ «فَيَا الْغُلَامَانِ اللَّذَانِ فَرَّا» پس اے وہ دو غلامو جو بھاگ گئے ہو، دوسرا مصرع بعضوں نے ذکر کیا: «إِيَّاكُمَا أَنْ تَكْسِبَا شَرًّا» تم اپنے آپ کو اس بات سے بچاؤ کہ شر کماؤ، کہ شر کماؤ۔ «فَيَا الْغُلَامَانِ» تو اس میں دیکھو «الْغُلَامَانِ» پر الف لام داخل ہے، اور یہ الف لام کلمے کے ساتھ لازم بھی نہیں، یہ اس سے جدا ہو جاتا ہے «غُلَامَانِ» عام استعمال ہوتا ہے، اور نیز یہ کسی کا عوض بھی نہیں ہے، تو اس میں تو دونوں شرطوں میں سے ایک بھی پوری نہیں ہے پھر بھی اس پر «یَا» داخل کیا گیا۔ تو صاحبِ جامی آپ کو بتلائیں گے کہ یہ تو پہلے والے شاذ سے بھی بڑھ کر شاذ ہے کیونکہ پہلے والے میں «يَا الَّتِي» میں ایک شرط تو پوری تھی کہ الف لام کلمے کے ساتھ لازم تھا اگرچہ عوض نہیں تھا، اور یہاں نہ تو عوض ہے اور نہ لازم ہے تو یہ تو اس سے بھی بڑھ کر شاذ ہے بھئی۔

تو کہتے ہیں: «وَفِي الْغُلَامَانِ فِي قَوْلِهِمْ» اور «الْغُلَامَانِ» کے اندر اس قول کے اندر عربوں کے: «فَيَا الْغُلَامَانِ اللَّذَانِ فَرَّا» پس اے وہ دو غلامو جو بھاگ گئے ہو، اس کے اندر «لِانْتِفَاءِ الْأَمْرَيْنِ كِلَيْهِمَا» اس وجہ سے کہ دونوں امر منتفی ہیں، «حَكَمُوا» انہوں نے حکم لگایا ہے اس پر «بِأَنَّهُ أَشَذُّ شُذُوذًا» کہ یہ زیادہ شاذ ہے اس پہلے والے کے بھی مقابلے میں۔ توجہ ہے؟ «بِأَنَّهُ أَشَذُّ شُذُوذًا» یہ اس سے بھی زیادہ شاذ ہے کہ اس میں ایک شرط تو پوری تھی اس میں تو دونوں ہی شرطیں پوری نہیں پھر بھی «یَا» کو اس پر داخل کر دیا گیا۔ جبکہ بعض علماء نے لکھا کہ یہ «أَشَذُّ» نہیں ہے یہ «أَشَدُّ» ہے، یہ کیا ہے؟ «أَشَدُّ شُذُوذًا»۔ یاد رکھو یہ اسمِ تفضیل جو ہے نا یہ اسمِ تفضیل، یہ ثلاثی مجرد سے صرف آتا ہے، اور ثلاثی مجرد میں بھی جس میں عیب اور رنگ والا معنیٰ ہو اس سے نہیں آتا۔ ثلاثی مجرد جس میں عیب اور رنگ والا معنیٰ ہو اس سے افعل التفضیل نہیں آتا۔ توجہ ہے؟ مثلاً «أَحْمَقُ» اب «أَحْمَقُ» دیکھو یہ عیب ہے نا عیب والا، یا اسی طرح «أَعْوَرُ» کیونکہ یہ جس میں رنگ یا عیب والا معنیٰ ہو اس سے «أَفْعَلُ» وزن صفتِ مشبہ آتی ہے جس کو افعلُ صفتی کہتے ہیں، اس کو کیا کہتے ہیں؟ افعلُ صفتی۔ دیکھو «أَعْوَرُ» «أَعْوَرُ» کا معنیٰ کانا جس کی ایک آنکھ نہ ہو۔ اب یہ وزن وہی «أَفْعَلُ» ہے لیکن یہ افعل التفضیل نہیں ہے بلکہ یہ

صفتِ مشبہ۔ اسی طرح رنگ ہو «أَبْيَضُ» دیکھو یہ بھی «أَفْعَلُ» وزن ہے لیکن یہ... یہ افعلُ صفتی ہے صفتِ مشبہ ہے اسمِ تفضیل نہیں۔ تو افعل التفضیل صرف ثلاثی مجرد سے آتا ہے، اور ثلاثی مجرد میں بھی صرف ان بابوں سے آتا ہے جن میں رنگ اور عیب والا معنیٰ نہ ہو۔ توجہ ہے؟ اور اگر ان سے پھر اسمِ تفضیل بنانا ہو یا ثلاثی مزید سے اسمِ تفضیل بنانا ہو، تو پھر «أَشَدُّ» «أَكْثَرُ» «أَقْوَى» وغیرہ جیسے الفاظ استعمال کرتے ہیں اور آگے اسی کا مصدر لے آتے ہیں اس باب کا۔ مثلاً میں کہنا چاہتا ہوں: زید عمرو سے بڑھ کر اکرام کرنے والا ہے۔ زید عمرو سے بڑھ کر اکرام کرنے والا ہے، تو «أَكْرَمَ يُكْرِمُ إِكْرَامًا» یہ تو ثلاثی مزید فیہ میں سے ہے، اور ثلاثی مزید فیہ میں تو افعل التفضیل نہیں آتا، لیکن میں افعل التفضیل لانا چاہتا ہوں استعمال کرنا چاہتا ہوں، تو پھر میں کیا کہوں گا؟ میں «أَشَدُّ» «أَكْثَرُ» «أَقْوَى» جیسا لفظ لاؤں گا: «زَيْدٌ أَكْثَرُ إِكْرَامًا» آگے وہی مصدر لے آؤں گا منصوب، «زَيْدٌ أَكْثَرُ إِكْرَامًا مِنْ عَمْرٍو» زید زیادہ ہے باعتبار اکرام کرنے کے عمرو کے مقابلے میں۔ توجہ ہے؟ تو لہٰذا یہاں پر بھی کہتے ہیں یہ اصل میں ہے «أَشَدُّ شُذُوذًا» کیونکہ شاذ ہونا عیب ہے، شاذ ہونا عیب ہے، اور جب عیب ہے تو اس سے افعل التفضیل نہیں آتا اس سے افعلُ صفتی آتا ہے، تو پھر لہٰذا «أَشَدُّ» لے آئے۔ کہ یہ جو «يَا الْغُلَامَانِ» میں «الْغُلَامَانِ» پر «يَا» کو داخل کیا گیا، «أَشَدُّ» یہ زیادہ شدید ہے «شُذُوذًا» باعتبار شاذ ہونے کے، مصدر لے آئے۔ یہ زیادہ شدید ہے باعتبار شاذ ہونے کے «يَا الَّتِي» کے مقابلے میں۔ بات سمجھ میں آگئی؟ حل ہو گیا؟

چلیے بس بھئی، هٰذَا هُوَ الْمَرَامُ وَاللّٰهُ أَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْكَلَامِ۔

سبق نمبر ۱۲۶: المنادیٰ (۸): «یَا تَیْمُ تَیْمَ عَدِیٍّ» میں تکرارِ منادیٰ کے دونوں اعراب

شرحِ ملا جامی صفحہ: ۹۷ — بتاریخ: ۶ جنوری ۲۰۲۲ء

▪ تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث

دیکھیے بھئی آگے سبق:

وَلَكَ أَيْ وَجَازَ لَكَ فِي مِثْلِ يَا تَيْمُ تَيْمَ عَدِيٍّ أَيْ فِي تَرْكِيبٍ تَكَرَّرَ فِيهِ الْمُنَادَى الْمُفْرَدُ الْمَعْرِفَةُ صُورَةً وَوَلِيَ الثَّانِيَ اسْمٌ مَجْرُورٌ بِالْإِضَافَةِ، فِي الْأَوَّلِ الضَّمُّ وَالنَّصْبُ وَفِي الثَّانِي النَّصْبُ فَحَسْبُ.

گذشتہ سبق میں صاحبِ کافیہ نے آپ کو بتلایا تھا کہ وہ عَلَم جو منادیٰ ہے اور مبنی علی الضم ہے، جب اس کی صفت اِبْن آجائے اور وہ اِبْن کا لفظ مضاف ہو کسی دوسرے عَلَم کی طرف، تو اس میں فتحہ پڑھنا پسندیدہ ہے۔ اور میں نے تفصیل بیان کی تھی کہ چار شرطیں ہیں یہاں پر۔ پہلی شرط یہ کہ وہ جو منادیٰ ہے، وہ عَلَم ہونا چاہیے۔ دوسری شرط یہ کہ اس کی صفت اِبْن آنی چاہیے۔ اور تیسری شرط یہ کہ اس عَلَم اور اِبْن کے درمیان کوئی فصل، کوئی واسطہ، کوئی صفت وغیرہ نہ ہو۔ اور چوتھی شرط یہ کہ وہ اِبْن کا لفظ آگے کسی اور عَلَم کی طرف مضاف ہو رہا ہو۔ تو جب یہ چار شرطیں پوری ہوں گی تو اس منادیٰ کے اندر فتحہ پڑھنا پسندیدہ ہے، اور ضمہ بھی جائز ہے، اور ضمہ بھی جائز ہے۔

اور پھر آپ کو بتلایا تھا کہ صاحبِ جامی نے ذکر کیا کہ فتحہ کا مختار ہونا یہ بتلاتا ہے کہ اس کے اندر ضمہ بھی جائز ہے۔ فتحہ مختار ہے واجب نہیں، پسندیدہ ہے، معلوم ہوا ضمہ بھی جائز۔ تو اس پر اشکال ہوا کہ فتحہ کا مختار ہونا تو صرف یہ بتاتا ہے کہ کوئی اور حرکت بھی جائز ہے، ضمہ ہی جائز ہے، یہ تو نہیں بتلاتا وہ۔ جب کہا اس میں فتحہ مختار ہے، معلوم ہوا کوئی اور حرکت بھی جائز ہے، ضمہ کا تو نہیں پتہ چلا۔ لیکن جواب میں نے دیا تھا کہ بھئی فتحہ، فتحہ بنی کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ جب کہا اس میں فتحہ مختار ہے، تو پتہ چل گیا کہ بنی ہے۔ کیا ہے؟ بنی ہے۔ اور جب بنی ہے تو بنی منادیٰ تو ایک ہی آتا ہے جو بنی علی الضم ہوتا ہے، اور وہ جب منادیٰ مفرد معرفہ ہو، اس کے علاوہ تو اور کوئی منادیٰ بنی نہیں ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو

لہٰذا یَخْتَارُ سے پتہ چل گیا کہ کوئی اور حرکت بھی جائز ہے، اور فتحہ نے بتلا دیا کہ مبنی ہے، اور مبنی تو ایک ہی ہوتا ہے جو مبنی علی الضم ہوتا ہے، لہٰذا معلوم ہوا فتحہ کے علاوہ اس میں ضمہ بھی جائز۔ لہٰذا یَا زَیْدُ ابْنَ عَمْرٍو، یَا زَیْدُ ابْنَ عَمْرٍو، اور ملا کر کیسے پڑھیں گے؟ یَا زَیْدُ بْنَ عَمْرٍو۔ اس زید پر ضمہ بھی جائز اور فتحہ پسندیدہ ہے یَا زَیْدَ بْنَ عَمْرٍو۔ فتحہ پڑھنا پسندیدہ ہے بھئی۔

اور پھر اس کے بعد صاحبِ کافیہ نے آپ کو بتلایا تھا کہ معرف باللام کو جب ندا دی جائے تو پھر اس وقت درمیان میں أَیُّھَا یا ھَذَا یا أَیُّھَذَا لے آتے ہیں بھئی۔ تو مثلاً میں اَلْحَارِثُ کو ندا دینا چاہتا ہوں جو معرف باللام ہے تو کیسے ندا دوں گا؟ یَا أَیُّھَا الْحَارِثُ، یا یوں کہوں گا یَا ھَذَا الْحَارِثُ، یا یوں کہوں گا یَا أَیُّھَذَا الْحَارِثُ۔ اور پھر میں نے ترکیب بھی بتلائی تھی کہ اس ترکیب کے اندر یہ جو أَیُّ ہے یہ منادیٰ ہے، اور یہ مبنی علی الضم ہے کیونکہ منادیٰ مفرد معرفہ ہو تو وہ مبنی علی الضم ہوتا ہے، تو یہ بھی مبنی علی الضم ہے۔ اور اَلرَّجُلُ اس کی صفت ہے، اور وہ منادیٰ جو مبنی علی الضم ہو اس کی صفت میں دو وجہیں جائز تھیں: رفع بھی اور نصب بھی۔ یَا زَیْدُ الْعَاقِلُ اور یَا زَیْدُ الْعَاقِلَ دونوں جائز تھیں۔ لیکن یہاں پر، یہاں پر أَیُّ کی صفت اَلرَّجُلُ آ رہی ہے، لیکن اس اَلرَّجُلُ میں نصب اور رفع دونوں نہیں جائز بلکہ اس میں رفع ہی لازم ہے بھئی۔ یعنی یَا أَیُّھَا الرَّجُلُ ہی پڑھیں گے، یَا أَیُّھَا الرَّجُلَ یوں نہیں کہہ سکتے۔

بھئی کیوں؟ کیا وجہ ہے؟ أَیُّ منادیٰ مبنی علی الضم ہے اور اَلرَّجُلُ اس کی صفت ہے، اور وہ منادیٰ جو مبنی علی الضم ہو اس کی صفت میں تو دو وجہیں جائز ہوتی ہیں، تو پھر اس میں ایک وجہ کیوں جائز؟ تو وجہ بتلائی تھی صاحبِ کافیہ نے کیونکہ اَلرَّجُلُ مقصود بالندا ہے۔ ایک عام صفت ہوتی ہے یَا زَیْدُ الْعَاقِلَ اور یَا زَیْدُ الْعَاقِلُ، یہ عام صفت ہے۔ لیکن یہاں تو اَلرَّجُلُ ہی منادیٰ ہے حقیقت کے اندر۔ میں اَلرَّجُلُ کو ہی ندا دینا چاہتا تھا، لیکن اَلرَّجُلُ پر الف لام تھا اس لیے میں درمیان میں أَیُّ لے آیا۔ تو أَیُّ بن گیا منادیٰ اور اَلرَّجُلُ بن گئی اس کی صفت، لیکن بہرحال اَلرَّجُلُ مقصود بالندا تو ہے۔ اور جب یہ منادیٰ ہے تو اس کو ہونا تو مبنی علی الضم چاہیے کیونکہ منادیٰ کیا ہوتا ہے؟ مبنی علی الضم۔ لیکن اس کو مبنی علی الضم ہم بنا نہیں سکتے، تو پھر کم از کم اسی جیسا اعراب اس کو دینا پڑے گا، اور ضمہ جیسا اعراب کیا ہے؟ رفع۔ تو اس لیے یَا أَیُّھَا الرَّجُلُ اسی طرح پڑھیں گے۔ بات سمجھ میں آ گئی؟

اور یاد رکھو، اَلرَّجُلُ صفت ہے أَیُّ کی، لیکن اَلرَّجُلُ کے آگے صفتیں وغیرہ توابع آ سکتے ہیں، اب اَلرَّجُلُ متبوع بنے گا یعنی موصوف بنے گا اور آگے اَلرَّجُلُ کی پھر صفت آ سکتی ہے۔ مثلاً یَا أَیُّھَا الرَّجُلُ الْعَاقِلُ۔ أَیُّ کیا ہے؟ موصوف۔ اَلرَّجُلُ اس کی صفت۔ اور پھر یہ اَلرَّجُلُ خود موصوف بھی ہے، اور اَلْعَاقِلُ اس کی صفت۔ اور پھر یہ موصوف صفت مل کر یہ صفت بنیں گے کس کی؟ أَیُّ کی۔ اور پھر یہ جو اَلرَّجُلُ ہے، یہ مرفوع ہے یعنی معرب ہے۔ یہ مقصود بالندا ہے، منادیٰ ہے حقیقت کے اندر لیکن یہ مرفوع ہے، لہٰذا اس کی صفت بھی لفظوں میں اس کے تابع ہو گی یعنی ان سب پر بھی رفع پڑھیں گے۔

عام منادیٰ کے اندر تو انہوں نے آپ کو بتایا تھا کہ عام منادیٰ مفرد معرفہ ہو تو اس کی صفت اگر مفرد ہو تو اس میں رفع اور نصب دونوں جائز، اور اگر وہ مضاف ہو تو اس میں نصب ہی پڑھیں گے۔ لیکن یہ جو اَلرَّجُلُ ہے اس کی آگے جو توابع آئیں گے صفت وغیرہ، ان سب پر رفع پڑھیں گے کیونکہ اَلرَّجُلُ معرب ہے، مبنی... وہ منادیٰ جو مبنی ہوتا تھا اس کے توابع کے اندر تو تفصیل تھی، لیکن اس کے توابع میں ایک ہی حکم ہے کہ اَلرَّجُلُ کے جو بھی توابع آئیں گے وہ اَلرَّجُلُ کی طرح مرفوع ہوں گے، چاہے وہ مفرد ہوں چاہے وہ مضاف ہوں۔ تو یَا أَیُّهَا الرَّجُلُ الْعَاقِلُ دیکھو اَلْعَاقِلُ پر بھی رفع ہی پڑھیں گے کیونکہ موصوف مرفوع ہے تو صفت بھی مرفوع۔ اور چاہے مضاف ہو پھر بھی رفع ہی پڑھیں گے: یَا أَیُّهَا الرَّجُلُ ذُو الْمَالِ۔ یہ ذُو الْمَالِ کس کی صفت ہے؟ اَلرَّجُلُ کی صفت ہے بھئی۔

اور پھر صاحبِ جامی نے آپ کو بتلایا تھا کہ یہ جو یَا أَیُّهَا الرَّجُلُ، یَا أَیُّهَا الرَّجُلُ، اس کے رَجُلُ میں صرف رفع پڑھنا جائز، اور أَیٌّ منادیٰ مبنی علی الضم ہے حالانکہ منادیٰ مبنی علی الضم کی صفت میں تو رفع بھی جائز ہوتا ہے اور نصب بھی، لیکن اس اَلرَّجُلُ میں رفع ہی جائز ہے۔ تو کہتے ہیں یہ گویا وہ جو پیچھے ضابطہ ذکر ہوا تھا اس سے استثناء کے درجے میں ہے۔ وہاں کیا بتایا تھا؟ کہ منادیٰ مبنی علی الضم ہو تو اس کی صفت پر رفع بھی جائز، نصب... تو تمام ایسے منادیٰ اس کے اندر داخل ہو گئے تھے، أَیٌّ بھی اس کے اندر داخل ہو گیا تھا، لیکن پھر أَیٌّ کا حکم علیحدہ بیان کر دیا، معلوم ہوا یہ اس سے کس کے درجے میں ہے؟ استثناء کے، پہلے اس حکم میں داخل تھا پھر اس کو کیا کر لیا گیا؟ نکال کر اس کے اندر تفصیل بیان کر دی کہ یہ ان سے الگ ہے بھئی۔

اور پھر انہوں نے آپ کو بتلایا تھا کہ عربی زبان میں یَا اللّٰهُ خاص طور پر کہا جاتا ہے، جس میں یَا حرفِ ندا اور الف لام دونوں جمع ہیں۔ میں نے بتایا تھا یہ حروفِ ندا بھی آلۂ تعریف ہیں، یہ جس لفظ پر داخل ہوتے ہیں اس کو معرفہ بنا دیتے ہیں، یَا رَجُلُ یہ رَجُلُ کیا بن گیا؟ معرفہ بن گیا جب متعین ہو۔ اور اسی طرح الف لام بھی آلۂ تعریف ہے۔ تو یہ دونوں آلتینِ تعریف جو ہیں یہ جمع نہیں ہو سکتے، لیکن صرف کس میں جمع ہیں؟ لفظِ اللّٰه کے اندر بھئی۔ صرف لفظِ اللّٰه کے اندر یہ جمع ہیں، اور یہ ضابطہ ہے، ضابطہ ہے، اور ضابطے کے اندر دو شرطیں ہیں کہ الف لام کسی حرف کا، کسی محذوف کا عوض ہونا چاہیے، اور نیز وہ کلمے کے ساتھ لازم ہونا چاہیے، جدا نہ ہو بھئی۔ اور لفظِ اللّٰه کے اندر اسی طرح ہے۔ اصل میں کیا تھا؟ اَلْإِلٰهُ، اَلْإِلٰهُ، إِلٰهٌ پر الف لام لائے تھے، پھر اَلْإِلٰهُ میں إِلٰهٌ کا ہمزہ حذف کیا اور الف لام کو اس کا عوض قرار دے دیا، تو دیکھو یہ الف لام عوض ہوا محذوف کا۔ اور نیز یہ الف لام اب اس کے ساتھ لازم ہے، لہٰذا الف لام کے بغیر عام کلامِ عرب میں لَاهٌ نہیں کہتے بلکہ ہمیشہ اللّٰه ہی کہتے ہیں۔ تو جہاں یہ دو شرطیں پوری ہوں گی کہ الف لام محذوف کا عوض ہو اور نیز الف لام کلمے کے ساتھ لازم ہو، وہاں حرفِ ندا اور الف لام کو جمع کرنا جائز ہے۔ کتنی شرطیں ہوں؟ دو شرطیں: الف لام عوض ہو محذوف کا اور نیز الف لام کلمے کے ساتھ لازم ہو، تو وہاں یَا حرفِ ندا اور الف لام کا جمع کرنا جائز۔ تو یہ قانون ہے، کلی قانون ہے

لیکن پورے کلامِ عرب میں صرف لفظِ اللّٰہ کے اندر ہی یہ دو شرطیں پائی جاتی ہیں اور کسی لفظ میں نہیں، اس لیے کہا کہ یَا اللّٰہُ خاص طور پر، یعنی اسی کے اندر یہ حکم ہے اور کسی لفظ میں یہ حکم نہیں کیونکہ باقی جگہ یہ دونوں شرطیں کہیں پوری ہی نہیں ہوتیں۔

اَلصَّعِقُ اور اَلنَّجْمُ بھئی، اس کے اندر الف لام کلمے کے ساتھ لازم تو ہے، ایک شرط تو پوری ہے، لیکن یہ محذوف کا عوض نہیں ہے بھئی، اس میں دونوں شرطیں پوری نہیں۔ اسی طرح اَلنَّاسُ اصل میں کیا تھا؟ أُنَاسٌ، پھر اس پر کیا لے آئے؟ الف لام، کیا بن گیا؟ اَلْأُنَاسُ، پھر ہمزہ کو حذف کیا اور الف لام کو اس کا عوض بنا دیا تو اَلنَّاسُ ہوا۔ تو یہ الف لام، الف لام محذوف کا عوض تو ہے لیکن کلمے کے ساتھ لازم نہیں، یہ کبھی جدا بھی ہو جاتا ہے، عام کلامِ عرب میں نَاسٌ کہہ دیتے ہیں بغیر الف لام کے۔ تو یہاں بھی دونوں شرطیں پوری نہیں۔ لہٰذا ان میں، اَلنَّجْمُ اور اَلصَّعِقُ اس پر یَا داخل نہیں کر سکتے کیونکہ شرطیں پوری نہیں۔ اور اسی طرح اَلنَّاسُ پر بھی یَا داخل نہیں کر سکتے کیونکہ دونوں شرطیں پوری نہیں، صرف لفظِ اللّٰہ میں دونوں شرطیں پوری ہیں تو وہاں پر یَا اللّٰہُ کہتے ہیں۔

اور پھر ایک شعر ذکر کیا تھا: مِنْ أَجْلِكِ يَا الَّتِي تَيَّمْتِ قَلْبِي۔ يَا الَّتِي دیکھو، اَلَّتِي اسمِ موصول ہے اس پر یَا حرفِ ندا داخل کیا تھا شعر کے اندر شاعر نے۔ اور یَا حرفِ ندا ہے اور اَلَّتِي پر الف لام ہے، تو سوال پیدا ہوا یہاں تو یَا حرفِ ندا الف لام پر داخل ہو گیا ہے اور یہاں تو دونوں شرطیں پوری نہیں، الف لام اَلَّتِي سے جدا تو نہیں ہوتا، لازم تو ہے، ایک شرط تو پوری ہے لیکن یہ کسی محذوف کا عوض نہیں ہے بھئی۔ تو اس کو انہوں نے شاذ قرار دیا تھا۔ کیا؟ شاذ، یعنی یہ نہایت قلیل، ضابطے کے خلاف ہے اور نہایت قلیل عربی زبان میں آیا ہے، اور ضابطے جو ہیں وہ عام استعمال پر مرتب ہوتے ہیں، وہ جو انتہائی قلیل اور نادر استعمال ہو اس پر ضابطے مرتب نہیں ہوتے بھئی۔ لہٰذا اس کو شاذ قرار دیا تھا۔

اور اسی طرح يَا الْغُلَامَانِ۔ اَلْغُلَامَانِ پر الف لام داخل ہے اور اس پر شاعر نے یَا حرفِ ندا کو داخل کیا ہے۔ اور حالانکہ اس میں ایک بھی شرط پوری نہیں، یہ الف لام غُلَامَانِ کے ساتھ لازم نہیں ہے اس سے جدا بھی ہو جاتا ہے بھئی، غُلَامَانِ تثنیہ ہے نا، اسے الف لام، اس پر چاہے لاؤ چاہے نہ لاؤ۔ تو یہ اس کے ساتھ لازم بھی نہیں ہے اور نیز یہ کسی محذوف کا عوض بھی نہیں ہے، تو اس میں ایک بھی شرط پوری نہیں پھر بھی شاعر نے اس پر کیا داخل کر دیا؟ یَا، اور کیا کہا؟ يَا الْغُلَامَانِ۔ تو بتلایا تھا کہ یہ تو اس پہلے والے سے بھی بڑھ کر شاذ ہے کیونکہ يَا الَّتِي کے اندر ایک شرط تو پوری تھی کہ الف لام کلمے کے ساتھ لازم تھا، اور یہاں تو الف لام کلمے کے ساتھ لازم بھی نہیں ہے اور محذوف کا عوض بھی نہیں ہے پھر بھی یَا اس پر داخل کی گئی، تو یہ اس پہلے والے سے بھی بڑھ کر شاذ ہے بھئی۔

تو لفظِ اللّٰہ کی یہ خصوصیت ہے بھئی کہ اس پر، کہ اس پر الف لام بھی ہے پھر بھی اس پر یَا حرفِ ندا داخل کیا جاتا ہے۔ یاد رکھو، لفظِ اللّٰہ کی بہت خصوصیات ہیں بھئی۔ والد صاحب رحمہ اللہ کی اس پر باقاعدہ ایک کتاب ہے جس کا نام

ہے فَتْحُ اللّٰہِ بھئی، فَتْحُ اللّٰہِ بِخَصَائِصِ اسْمِ اللّٰہِ بھئی، جس میں لفظِ اللّٰہ کی خصوصیات ذکر ہیں۔ صرف اس ایک لفظ کی ساڑھے آٹھ سو سے زیادہ، ساڑھے آٹھ سو سے زیادہ صرفی، نحوی، ادبی اور دیگر خصوصیات اس کے اندر انہوں نے جمع کی ہیں۔ انسان حیران رہ جاتا ہے کہ ایک لفظ کی ساڑھے آٹھ سو خصوصیات بھئی۔ اور دو جلدوں کے اندر، بڑی موٹی موٹی جلدیں دو جلدوں کے اندر صرف اس لفظِ اللّٰہ کی خصوصیات کو جمع فرمایا ہے۔ اور وہ کتاب انسان پڑھتا ہے تو حیران رہ جاتا ہے، پتہ چلتا ہے کہ وہ ذات جو خالق و مالک ہے تمام کائنات کی اور جیسے وہ ذات بڑی عظیم ہے، اسی طرح اس کا نام بھی بڑا عظیم ہے، اور اس نام کی ایسی ایسی خصوصیات ہیں کہ پورے کلامِ عرب میں کسی اور لفظ کی ایسی خصوصیات نہیں۔ انہی خصوصیات میں سے ایک یہ خصوصیت بھی ذکر کی گئی ہے کہ لفظِ اللّٰہ پر الف لام ہے پھر بھی اس پر حرفِ ندا کا داخل کرنا جائز ہے اور یَا اللّٰہُ کہتے ہیں، اور کسی جگہ ایسا جائز نہیں۔

لفظِ اللّٰہ عجیب لفظ ہے بھئی، عجیب لفظ ہے کہ اس سے جتنے بھی حروف اڑاتے جائیں یہ پھر بھی ذاتِ باری تعالیٰ پر دلالت کرتا ہے۔ اَللّٰہُ بھئی، اس سے الف کو ذرا اڑا دیں، شروع سے ہمزہ کو ختم کر دیں تو لِلّٰہِ رہ گیا، لِلّٰہِ ابھی بھی یہ ذاتِ باری تعالیٰ پر دلالت کر رہا ہے۔ پھر ایک اور لام اڑا دیں بھئی، ایک اور لام اڑا دیں تو کیا رہ گیا؟ لَہُ، ابھی بھی ذاتِ باری تعالیٰ پر دلالت ہے یہ ھَا ضمیر ہے بھئی۔ پھر لام کو بھی اڑا دیں ھَا ضمیر رہ جاتی ہے پھر بھی کیا ہے؟ ذاتِ باری تعالیٰ پر اس کی دلالت موجود ہے۔ تو یہ عجیب نام ہے پورے کلامِ

عرب میں ایسا نام نہیں کہ جتنے حروف اڑاتے جائیں یہ اس ذات پر پھر بھی دلالت کرتا چلا جاتا ہے بھئی۔ بات سمجھ میں آگئی؟ اور پھر میں نے یہ بھی بتایا تھا کہ لفظِ اللّٰہ پر حروفِ ندا میں سے صرف یَا کو داخل کر سکتے ہیں اور کوئی حرفِ ندا لفظِ اللّٰہ پر داخل کرنا جائز نہیں ہے بھئی۔ نیز لفظِ اللّٰہ کا رسم الخط بھی خاص ہے بھئی، لفظِ اللّٰہ کا رسم الخط بھی خاص ہے بھئی، یہ عام عربی رسم الخط کے مطابق نہیں ہے۔ عربی رسم الخط کے مطابق اَللّٰہُ دیکھو کتنے لام آئے؟ اَللّٰہُ ایک ہی لام مشدد ہے۔ اَللّٰہُ، تو اس عربی ضابطوں کے مطابق کیسے لکھنا چاہیے؟ ایک ہی لام ڈال کر اس پر شد ڈالنا چاہیے، ایک ہی لام، لیکن یہاں لکھنے میں بھی دو لام لکھے جاتے ہیں بھئی، تحریر کے اندر بھی دو لام لکھے جاتے ہیں یہ ضابطے کے برخلاف ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ یہ اس لفظ کی خصوصیت ہے بھئی۔ اور نیز لفظِ اللّٰہ کے شروع میں ہمزۂ وصل ہے اور ہمزۂ وصل درمیانِ عبارت میں گر جاتا ہے، لیکن لفظِ اللّٰہ کا ہمزہ جو ہے اس پر یَا حرفِ ندا داخل کر دیا، اب ہمزہ درمیانِ عبارت میں آگیا اس کو گرنا چاہیے، لیکن یہ نہیں گرتا یہ قطعی بن جاتا ہے، تو یَلِلّٰہُ نہیں کہتے بلکہ کیا کہتے ہیں؟ یَا اللّٰہُ کہتے ہیں، وہی ہمزہ قطعی بن گیا۔

تو یہ مذہب ذکر کیا صاحبِ جامی نے کہ لفظِ اللّٰہ اصل میں کیا تھا؟ اَلْإِلٰہُ تھا بھئی، اَلْإِلٰہُ تھا، اور پھر ہمزہ کو حذف کر کے الف لام کو اس کا عوض بنایا اور لام کا لام میں ادغام کیا تو کیا بن گیا؟ اَللّٰہُ بن گیا۔ تو یہ عام نحوی علماء کا مذہب ہے، جبکہ امامِ اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا مذہب سب سے الگ ہے۔ وہ فرماتے ہیں: لفظِ اللّٰہ یہ ذاتِ باری تعالیٰ کے لیے عَلَم ہے،

جیسے کسی آدمی کا نام زید ہوتا ہے، کسی کا بکر، کسی کا خالد، اسی طرح لفظِ اللّٰہ جو ہے یہ ذاتِ باری تعالیٰ کے لیے عَلَم ہے اور اس میں کوئی تبدیلی نہیں کی گئی۔ یہ اَلْإِلٰهُ نہیں تھا، یہ ہے ہی شروع سے اسی طرح لفظِ اللّٰہ بھئی۔ اس میں کوئی تغیر و تبدل نہیں ہوا، جیسے وہ ذات تغیر و تبدل سے محفوظ ہے اسی طرح اس کا یہ نام بھی تغیر و تبدل سے محفوظ ہے، یہ جیسے تھا اسی طرح ہے بھئی۔

اور اسی طرح امام سیبویہ رحمہ اللہ، وہ فرماتے ہیں کہ أَعْرَفُ الْمَعَارِفِ لفظِ اللّٰہ ہے۔ بھئی آپ نے پڑھا ہے معرفہ کی چھ سات قسمیں ہیں: ضمیریں ہیں، اسمائے اشارہ، اسمائے موصولہ ہے، عَلَم ہے، معرف باللام ہے، ان میں سے کسی کی طرف جو مضاف ہو یا وہ جو معرفہ بندا ہو۔ اور ان میں سب سے زیادہ تعریف کہتے ہیں ضمیروں کے اندر ہے، اور ضمیروں میں بھی سب سے زیادہ تعریف جو ہے متکلم کی ضمیر میں ہے کیونکہ انسان سب سے زیادہ اپنے آپ کو پہچانتا ہے۔ لیکن امام سیبویہ فرماتے ہیں: عَلَى الْإِطْلَاقِ أَعْرَفُ الْمَعَارِفِ لفظِ اللّٰہ ہے۔ یعنی سب سے زیادہ تعریف متکلم کی ضمیر سے بھی زیادہ تعریف لفظِ اللّٰہ کے اندر ہے بھئی۔ یعنی انسان سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ کی ذات کو جانتا ہے جو شب و روز اس پر نعمتیں برسانے والا ہے۔ تو انسان اپنے آپ سے بھی بڑھ کر کس کو جانتا ہے؟ اللہ کو جانتا ہے اس کی نشانیوں کے ذریعے، اس کی علامتوں کے ذریعے اور اس کی نعمتوں کے ذریعے بھئی۔ تو وہ فرماتے ہیں کہ عَلَى الْإِطْلَاقِ سب سے زیادہ تعریف لفظِ اللّٰہ میں ہے۔ چنانچہ وفات کے بعد خواب میں کسی نے امام سیبویہ کو دیکھا تو پوچھا اللہ تعالیٰ نے آپ سے کیا معاملہ فرمایا؟ کہا اللہ تعالیٰ نے میری مغفرت فرما دی۔ پوچھا کس بات پر اللہ نے مغفرت فرمائی؟ کہا اس بات پر کہ میں اس بات کا قائل تھا کہ لفظِ اللّٰہ أَعْرَفُ الْمَعَارِفِ ہے، تو اس پر اللہ نے میری مغفرت فرما دی۔ اور یاد رکھنا، أَنْكَرُ النَّكِرَاتِ شَيْءٌ ہے، تمام نکرہ لفظوں میں سب سے زیادہ تنکیر لفظِ شَيْءٌ میں ہے، شَيْءٌ میں دنیا کی ہر چیز آجاتی ہے، ہر چیز کیا ہے؟ شے ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو أَعْرَفُ الْمَعَارِفِ لفظِ اللّٰہ ہے اور أَنْكَرُ النَّكِرَاتِ لفظِ شَيْءٌ ہے بھئی۔ بات سمجھ میں آگئی؟

جی اب آئیے آج کے سبق پر بھئی۔

وَلَكَ أَيْ وَجَازَ لَكَ فِي مِثْلِ يَا تَيْمُ تَيْمَ عَدِيٍّ أَيْ فِي تَرْكِيبٍ تَكَرَّرَ فِيهِ الْمُنَادَى الْمُفْرَدُ الْمَعْرِفَةُ صُورَةً وَوَلِيَ الثَّانِيَ اسْمٌ مَجْرُورٌ بِالْإِضَافَةِ، فِي الْأَوَّلِ الضَّمُّ وَالنَّصْبُ وَفِي الثَّانِي النَّصْبُ فَحَسْبُ.

کہتے ہیں وَلَكَ أَيْ وَجَازَ لَكَ اور جائز ہے آپ کے لیے فِي مِثْلِ يَا تَيْمُ تَيْمَ عَدِيٍّ یعنی اس جیسی ترکیب میں آپ کے لیے جائز ہے، اَلضَّمُّ وَالنَّصْبُ ضمہ بھی جائز ہے اور نصب بھی جائز ہے۔ پہلے یہ ذرا ترکیب اچھی طرح سمجھ لیں ساری بحث اسی کے گرد گھومتی ہے بھئی۔ يَا تَيْمُ تَيْمَ عَدِيٍّ توجہ ہے؟ یہ جو پہلا تَيْمُ ہے یہ مبنی علی الضم ہے کیونکہ منادیٰ مفرد معرفہ ہے، منادیٰ مفرد تو کیسے پڑھیں گے؟ يَا تَيْمُ۔ اور ثانی تَيْمَ جو ہے یہ مضاف ہے عَدِيٍّ کی طرف، اور یہ، یہ تاکید ہے پہلے تَيْمُ کی،

یہ تاکید ہے، اور آپ نے پڑھا تھا، آپ نے پڑھا تھا کہ منادیٰ مبنی علی الضم جو ہے اس کے توابع جب مضاف ہوں تو ان میں نصب پڑھتے ہیں: وَالْمُضَافَةُ تُنْصَبُ اور جو مضاف ہو وہ منصوب۔ تو یہ تابع ہے تَیْمَ عَدِيٍّ پہلے تَیْمُ کا اور یہ مضاف ہے لہٰذا اس پر نصب ہی پڑھیں گے۔ تو کیسے پڑھیں گے؟ یَا تَیْمُ تَیْمَ عَدِيٍّ، یَا تَیْمُ تَیْمَ عَدِيٍّ۔ تَیْمُ پر ضمہ کیوں ہے؟ کیونکہ منادیٰ مفرد معرفہ ہے تو یہ مبنی علی الضم ہے۔ اور تَیْمَ عَدِيٍّ تَیْمَ پر نصب کیوں ہے؟ کیونکہ یہ مضاف ہے اور عَدِيٍّ مضاف الیہ ہے بھئی۔ یہ ایک ترکیب ہے۔ تو یَا تَیْمُ تَیْمَ عَدِيٍّ تو تَیْمُ پر ضمہ پڑھ سکتے ہیں۔

دوسری ترکیب یہ ہے کہ پہلے تَیْمَ پر بھی نصب پڑھیں: یَا تَیْمَ تَیْمَ عَدِيٍّ، یَا تَیْمَ تَیْمَ عَدِيٍّ۔ بھئی یہ نصب کیوں آیا؟ تو اس کی وجہ یاد رکھو۔ امام سیبویہ فرماتے ہیں کہ یہ جو پہلا تَیْمَ ہے یہ مضاف ہے عَدِيٍّ کی طرف، دوسرا تَیْمَ نہیں مضاف بلکہ پہلا تَیْمَ مضاف ہے کس کی طرف؟ عَدِيٍّ کی طرف۔ تو اس پر سوال پیدا ہوتا ہے کہ مضاف اور مضاف الیہ کے درمیان تو ایک اور تَیْمَ آرہا ہے حالانکہ مضاف اور مضاف الیہ کے درمیان تو فصل نہیں کیا جاتا۔ تو جواب یہ کہ یہ فصل بھی لافصل کی طرح ہے کیونکہ اسی تَیْمَ لفظ کو دوبارہ لائے ہیں، کوئی نیا لفظ نہیں لائے، یہ اسی کی تاکید ہے تو گویا یہ وہ خود ہی ہے۔ تو یہ ثانی تَیْمَ تاکید ہے پہلے کی لیکن پہلا مضاف ہو رہا ہے، پہلا مضاف، اور یہ اس کی تاکید ہے۔ توجہ ہے؟ جب یہ تاکید ہے اور اسی لفظ کی تاکید ہے تو اس لیے اس کو اسی کی طرح رکھا۔ پہلے تَیْمَ پر نصب تھا بغیر تنوین کے، پہلے تَیْمَ پر نصب تھا بغیر۔ کیوں بغیر تنوین کے کیوں تھا؟ کیونکہ وہ مضاف ہو رہا تھا اور مضاف پر تو تنوین نہیں آتی۔ تو لہٰذا اس کی تاکید پر بھی بغیر تنوین کے نصب لے آئے بھئی۔ کیونکہ یہ تاکیدِ لفظی ہے، کیا ہے؟ اور آپ نے پڑھا ہے تاکیدِ لفظی جو یعنی اسی لفظ کو جب دوبارہ لایا جائے تو وہ اپنے پہلے لفظ کے مطابق ہوتی ہے: اگر پہلا مبنی تھا تو یہ بھی مبنی، اگر وہ معرب تھا تو یہ بھی معرب۔ تو پہلا تَیْمَ مضاف ہے، معرب ہے، مضاف ہے تو دوسرا بھی، تو دوسرا بھی منصوب ہے اور اس پہلے پر تنوین نہیں تھی لہٰذا دوسرے پر بھی تنوین نہیں لائے، لیکن مضاف پہلا ہی تَیْمَ ہے بھئی۔ یہ کس کے نزدیک؟ امام سیبویہ۔ تو یَا تَیْمُ تَیْمَ عَدِيٍّ ضمہ کے ساتھ بھی جائز اور یَا تَیْمَ تَیْمَ عَدِيٍّ نصب کے ساتھ بھی جائز ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟

اسی لیے کہا دیکھو عبارت دیکھو: وَلَكَ أَيْ وَجَازَ لَكَ اور آپ کے لیے جائز ہے فِي مِثْلِ یَا تَیْمُ تَیْمَ عَدِيٍّ اس جیسی مثالوں میں، اَلضَّمُّ وَالنَّصْبُ ضمہ بھی جائز ہے اور نصب بھی جائز ہے۔ یہ مذہب تھا امام سیبویہ کا۔ اور آگے ایک مذہب بیان کریں گے امام مبرد کا بھی بھئی۔ امام مبرد فرماتے ہیں نصب کی وجہ بیان کرتے ہیں، ضمہ کی وجہ تو میں نے بیان کر دی، ضمہ کیوں آئے گا؟ کیونکہ منادیٰ مفرد معرفہ ہے مبنی علی الضم۔ نصب کیوں آئے گا؟ امام سیبویہ کیا فرماتے ہیں؟ یہ پہلا تَیْمَ مضاف ہے اور ثانی اس کی تاکید ہے۔ جبکہ امام مبرد فرماتے ہیں کہ یہ پہلا تَیْمَ مضاف ہے محذوف کی طرف، یہاں ایک عَدِيٍّ محذوف ہے بھئی۔ اور پوری عبارت، تقدیرِ عبارت یوں ہے: یَا تَیْمَ عَدِيٍّ تَیْمَ عَدِيٍّ۔ توجہ ہے؟ یَا تَیْمَ عَدِيٍّ تَیْمَ عَدِيٍّ۔ تو درمیان والے عَدِيٍّ کو حذف کر دیا گیا، درمیان والے عَدِيٍّ کو، تو پہلا تَیْمَ اس محذوف کی طرف مضاف تھا اور جو منادیٰ مضاف ہو وہ کیا ہوتا ہے؟ منصوب، اسی لیے پہلا تَیْمَ منصوب ہے۔ توجہ ہے؟ تو اس پہلے عَدِيٍّ کو حذف کر دیا، کیوں؟

کیونکہ کہتے ہیں اس پر قرینہ موجود ہے، یہ ثانی عَدِيٍّ، ثانی کے اندر پھر تَيْمَ عَدِيٍّ تَيْمَ کی اضافت ہو رہی ہے عَدِيٍّ کی طرف، یہ قرینہ بتلا رہا ہے کہ پہلا تَيْمَ بھی عَدِيٍّ کی طرف مضاف ہے اور وہ عَدِيٍّ لفظ محذوف ہے۔

تو يَا تَيْمُ تَيْمَ عَدِيٍّ یہ ضمہ کیوں جائز؟ کیونکہ منادیٰ مفرد معرفہ ہے۔ اور نصب کیوں جائز؟ کیونکہ یہ امام سیبویہ کیا فرماتے ہیں یہ اسی عَدِيٍّ کی طرف مضاف ہے، توجہ ہے؟ اسی عَدِيٍّ کی طرف مضاف ہے، اور امام مبرد کیا فرماتے ہیں؟ کہ محذوف عَدِيٍّ کی طرف یہ پہلا تَيْمَ مضاف ہے اور ثانی والا عَدِيٍّ اس پر قرینہ ہے، اس سے ہمیں پتہ چل رہا ہے کہ یہ پہلا تَيْمَ بھی کیا ہے؟ مضاف ہے عَدِيٍّ محذوف کی طرف۔ بات سمجھ میں آگئی؟ جبکہ آگے آپ کو بتلائیں گے کہ امام سیرافی جو ہیں، امام سیرافی وہ فرماتے ہیں کہ اس پہلے تَيْمَ کے اندر فتحہ بھی جائز ہے۔ کیا؟ فتحہ بھی۔ انہوں نے تو کیا بتایا کیا کیا جائز ہے پہلے تَيْمَ میں؟ ضمہ اور نصب۔ ضمہ کیوں؟ کیونکہ منادیٰ مفرد معرفہ ہے۔ نصب کیوں؟ کیونکہ مضاف ہے اور مضاف کس کی طرف ہے؟ امام سیبویہ کے نزدیک اسی مذکور عَدِيٍّ کی طرف مضاف ہے اور امام مبرد کے نزدیک محذوف عَدِيٍّ کی طرف مضاف ہو رہا ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ جبکہ امام سیرافی فرماتے ہیں کہ یہ بھی يَا زَيْدَ بْنَ عَمْرٍو کی طرح ہے، کس کی طرح؟ يَا زَيْدَ بْنَ عَمْرٍو، اصل میں کیا تھا؟ يَا زَيْدُ ابْنَ عَمْرٍو، تو زَيْدُ مبنی علی الضم تھا لیکن اس میں فتحہ پسندیدہ کس وجہ سے؟ کیونکہ آگے اِبْنَ عَمْرٍو اس میں اِبْنَ پر فتحہ آرہا تھا، تو اس پر فتحہ تھا تو زید پر بھی فتحہ۔ تو امام سیرافی فرماتے ہیں جیسے وہاں پر منادیٰ مبنی علی الضم تھا لیکن اس میں فتحہ پڑھا گیا کس کا اتباع کرتے ہوئے؟ ثانی کا اتباع کرتے ہوئے، کہتے ہیں یہاں بھی اسی طرح تھا، کلام یوں ہے: يَا تَيْمُ تَيْمَ عَدِيٍّ، تو ثانی پر کیا ہے؟ يَا تَيْمُ تَيْمَ عَدِيٍّ ثانی تَيْمَ پر کیا ہے؟ فتحہ، تو اس کی موافقت کرتے ہوئے پہلے پر بھی کیا پڑھ دیا گیا؟ فتحہ، يَا تَيْمَ تَيْمَ عَدِيٍّ۔ يا تَيْمَ۔ فرق سمجھ میں آرہا ہے؟ امام مبرد اور امام سیبویہ کے نزدیک پہلے تَيْمَ پر جو فتحہ ہے وہ دراصل نصب ہے، وہ نصب کیوں آیا؟ اضافت کی وجہ سے آیا۔ جبکہ امام سیرافی کیا فرماتے ہیں کہ نصب کے ساتھ ساتھ یہاں فتحہ بھی جائز ہے یعنی یہ مبنی ہے، یہ، توجہ فرق سمجھ میں آرہا ہے؟ يَا تَيْمُ اصل میں کیا تھا؟ يَا تَيْمُ تَيْمَ عَدِيٍّ۔ تو يَا تَيْمُ دیکھو مبنی علی الضم ہے لیکن اس میں فتحہ بھی جائز ہے یعنی ابھی بھی مبنی ہے لیکن اس پر فتحہ بھی جائز ہے کیونکہ اگلے تَيْمَ پر نصب آرہا ہے۔ بات سمجھ میں آگئی اچھی طرح؟ جی اب دیکھیے کتاب پر بھئی۔

تو کہتے ہیں وَلَكَ أَيْ وَجَازَ لَكَ۔ جی متن میں آیا تھا وَلَكَ، صاحبِ جامی فرما رہے ہیں أَيْ وَجَازَ لَكَ، کیا بتلانا چاہتے ہیں؟ کہ لَكَ جار مجرور ہے اور جار مجرور کے لیے کوئی نہ کوئی متعلق چاہیے تو وہ کیا متعلق ہے یہاں پر؟ جَازَ ہے۔ کہتے ہیں وَلَكَ أَيْ وَجَازَ لَكَ اور آپ کے لیے جائز ہے فِي مِثْلِ يَا تَيْمُ تَيْمَ عَدِيٍّ اس جیسی مثالوں میں، أَيْ فِي تَرْكِيبٍ تَكَرَّرَ فِيهِ الْمُنَادَى الْمُفْرَدُ الْمَعْرِفَةُ صُورَةً یعنی ایسی ترکیب، يَا تَيْمُ تَيْمَ عَدِيٍّ سے کیا مراد ہے؟ توجہ ہے؟ کہتے ہیں ایسی ترکیب، ادھر دیکھیے، اس سے ایسی ترکیب مراد ہے جس میں منادیٰ مفرد معرفہ ہو يَا تَيْمُ، تَيْمُ کیا ہے؟ مفرد معرفہ، اور اسی کا پھر تکرار آجائے دیکھو ایک اور تَيْمُ بھی آگے آگیا۔ توجہ ہے؟ تو اس طرح کی مثالوں میں یہ جو پہلا منادیٰ ہے اس پر ضمہ بھی جائز ہوتا ہے کیونکہ وہ مفرد

معرفہ ہے اور نصب بھی جائز ہوتا ہے کیونکہ وہ مضاف ہوتا ہے، دونوں صورتیں جائز ہیں۔

تو کہتے ہیں أَيْ فِي تَرْكِيبِ تَكَرَّرَ فِيهِ، یہ عبارت غور سے سمجھ لیں ذرا دیکھو اب اس میں میں کچھ اور تفصیل بھی بیان کروں گا توجہ سے۔ کہتے ہیں أَيْ فِي تَرْكِيبٍ یعنی ایسی ترکیب میں تَكَرَّرَ فِيهِ الْمُنَادَى الْمُفْرَدُ الْمَعْرِفَةُ جس میں تکرار ہو منادیٰ مفرد معرفہ کا، ایسی ترکیب جس میں تکرار ہو کس کا؟ منادیٰ مفرد معرفہ کا، دیکھو یَا تَیْمُ منادیٰ مفرد معرفہ ہے اور اس کا تکرار آیا آگے ایک اور تَیْمُ بھی آگیا۔ صُورَةً اور یہ تکرار کیسے ہو؟ صُورَةً تکرار ہو، حقیقۃً تکرار نہیں۔ یہ کیا معنی؟ صُورَةً تکرار ہو؟ صُورَةً تکرار ہو۔ تو یاد رکھو، صُورَةً اس کا تعلق ہے تَكَرَّرَ فِيهِ الْمُنَادَى سے یعنی یوں کہو تَكَرَّرَ سے تعلق ہے۔ یعنی تکرار ہو منادیٰ کا صُورَةً۔ توجہ ہے؟ ادھر دیکھیے: تکرار ہے منادیٰ کا صُورَةً۔ حقیقۃً نہیں، حقیقۃً نہیں صُورَةً صرف تکرار ہے۔ بھئی کیا معنی؟ حقیقۃً تکرار آرہا ہے یَا تَیْمُ تَیْمَ عَدِيٍّ دو دفعہ آرہا ہے؟ کہتے ہیں بھئی منادیٰ کون ہے ان میں سے؟ تَیْمُ، پہلا تَیْمُ منادیٰ ہے،

ثانی تو اس کی تاکید ہے، وہ تو منادیٰ نہیں ہے۔ تو اس کو جو کہا نا یہ منادیٰ کا تکرار ہے، یہ صورت کے اعتبار سے منادیٰ کا تکرار ہے، حقیقت میں تو منادیٰ ایک ہی ہے، اگلا تو اس کا تابع ہے بھئی، اس کی تاکید ہے، اس کو تو منادیٰ کوئی نہیں کہتا۔ پہلا تَیْمُ کیا ہے؟ منادیٰ۔ ثانی تو اس کی تاکید ہے، اور جو تاکید ہوتی ہے وہ تو منادیٰ نہیں، وہ تو تابع ہے، تاکید پر وہی اعراب آتا ہے جو کس پر آئے؟ مؤکد پر آئے۔ تو لہٰذا یہ جو کہا نا کہ اس میں تکرار ہے منادیٰ کا، یہ صورت کے اعتبار سے تکرار ہے، حقیقت میں منادیٰ کا تکرار نہیں، منادیٰ تو ایک ہی ہے، منادیٰ تو ایک ہی ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟

یا اس صُورَةً کا تعلق ہے منادیٰ مفرد معرفہ سے۔ پہلے صُورَةً کا تعلق کس سے تھا؟ تکرار سے، تَكَرَّرَ فِيهِ۔ توجہ ہے عبارت پہ نظر رکھو؟ پہلے صُورَةً صورت کے اعتبار سے تکرار ہے، کس کا تکرار ہے؟ منادیٰ کا۔ تو یہ تکرار کے ساتھ گویا تعلق ہے۔ دوسری صورت: یہ جو منادیٰ مفرد معرفہ ہے، صُورَةً کو اس کے ساتھ جوڑ دیں، کہ منادیٰ مفرد معرفہ ہے صُورَةً۔ یَا تَیْمُ، یہ منادیٰ مفرد معرفہ ہے، صورت کے اعتبار سے منادیٰ مفرد معرفہ ہے، حقیقت میں تو یہ مضاف ہو رہا ہے عَدِيٍّ کی طرف بھئی۔ حقیقتاً تو یہ مضاف... امام سیبویہ نے کیا فرمایا نصب کیوں پڑھتے ہیں؟ کیونکہ یہ عَدِيٍّ کی طرف مضاف ہے، اور امام مبرد بھی کیا فرماتے ہیں کہ یہ عَدِيٍّ محذوف کی طرف مضاف ہے۔ تو صُورَةً یہ مفرد معرفہ ہے، حقیقت میں تو یہ مفرد معرفہ ہے ہی نہیں، یہ تو مضاف ہے۔ تو منادیٰ مفرد معرفہ کسے کہتے تھے؟ جو مفرد ہو یعنی مضاف نہ ہو، اور یہ مفرد ہے یا یہ مضاف ہے؟ یہ مضاف ہے بھئی، عَدِيٍّ مذکور کی طرف یا عَدِيٍّ محذوف کی طرف۔ تو اس کا منادیٰ مفرد معرفہ اس کو جو کہا نا یہ صورت کے اعتبار سے کہا بھئی کہ صورت کے اعتبار سے یہ کیا لگتا ہے؟ مفرد معرفہ لگتا ہے، لیکن حقیقت میں یہ مضاف ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟

تو یہ صُورَةً یا تو تکرار کے اعتبار سے کہا کہ تکرار اس میں صورت کے اعتبار سے ہے، حقیقت میں تو منادیٰ کا تکرار نہیں

ہے۔ اور یا منادیٰ مفرد معرفہ کے اعتبار سے صُورَةً کہا کہ منادیٰ مفرد معرفہ صُورَةً ہے، حقیقت میں تو یہ مفرد ہے ہی نہیں یہ تو مضاف ہے بھئی۔ تو کہتے ہیں أَيْ فِي تَرْكِيبٍ تَكَرَّرَ فِيهِ الْمُنَادَى الْمُفْرَدُ الْمَعْرِفَةُ صُورَةً یعنی ایسی ترکیب۔ جی دیکھو تَرْكِيبٍ نکرہ ہے اور تَكَرَّرَ فعل اس کے بعد آیا، اور نکرہ کے بعد فعل آئے تو اس کے لیے کیا بنتا ہے؟ صفت، اور موصوف سے پہلے کیا لاتے ہیں؟ ایسا یا ایسی۔ أَيْ فِي تَرْكِيبٍ یعنی ایسی ترکیب میں تَكَرَّرَ فِيهِ الْمُنَادَى جس میں تکرار آئے اس منادیٰ کا اَلْمُفْرَدُ الْمَعْرِفَةُ صُورَةً جو مفرد معرفہ ہو صورت کے اعتبار سے۔ وَوَلِيَ الثَّانِيَ اسْمٌ مَجْرُورٌ، وَلِيَ فعل ہے، وَلِيَ یہ ایک فاعل چاہتا ہے اور ایک مفعول چاہتا ہے۔ وَلِيَ کا معنی ملنا، جڑنا، جڑنا۔ تو ایک فاعل چاہیے اور ایک مفعول چاہیے۔ تو اَلثَّانِيَ جو ثانی تَيْمَ ہے دیکھو، ثانی تَيْمَ، اس کے ساتھ عَدِيٍّ ایک مجرور اسم جڑا ہوا ہے یا نہیں؟ يَا تَيْمَ تَيْمَ عَدِيٍّ، یہ جو تَيْمَ ثانی ہے اس کے بعد ایک لفظ ہے جو مجرور ہے اور کیوں مجرور ہے؟ اضافت کی وجہ سے، یہی بیان کر رہے ہیں۔ وَوَلِيَ الثَّانِيَ، یہ اَلثَّانِيَ یہ مفعول بہ ہے وَلِيَ کے لیے، اور اِسْمٌ مَجْرُورٌ یہ فاعل ہے وَلِيَ کا، جڑا ہوا ہو ایک مجرور اسم کس کے ساتھ؟ اَلثَّانِيَ دوسرے تَيْمَ کے ساتھ یعنی دوسرے منادیٰ جو مفرد معرفہ ہے صُورَةً اس کے ساتھ یعنی اس کی تاکید جو ہے اس کے ساتھ جڑا ہوا ہو۔ کہتے ہیں وَوَلِيَ الثَّانِيَ اسْمٌ مَجْرُورٌ بِالْإِضَافَةِ اور جڑا ہوا ہو دوسرے کے ساتھ اِسْمٌ مَجْرُورٌ بِالْإِضَافَةِ ایک ایسا اسم جو مجرور ہو اضافت کی وجہ سے۔ فِي الْأَوَّلِ الضَّمُّ وَالنَّصْبُ پہلے کے اندر ضمہ اور نصب ہے، وَفِي الثَّانِي النَّصْبُ اور دوسرے کے اندر نصب ہے، فَحَسْبُ اور بس، فَحَسْبُ اور بس۔ حَسْبُ اسمِ فعل ہے بمعنی اِنْتَهِ، رک جاؤ، باز آجاؤ، یعنی معنی یہ ہے بس، اردو میں کیا کہتے ہیں؟ بس۔ دیکھو يَا تَيْمَ تَيْمَ عَدِيٍّ، پہلے تَيْمَ میں کیا کیا پڑھ سکتے ہو؟ ضمہ بھی اور نصب بھی۔ اور دوسرے میں؟ صرف نصب پڑھ سکتے ہو اور کچھ نہیں۔ بات سمجھ میں آگئی؟ یہی بیان کر رہے ہیں، کہتے ہیں فِي الْأَوَّلِ الضَّمُّ وَالنَّصْبُ پہلے جو منادیٰ جو ہے اس کے اندر ضمہ اور نصب دونوں جائز ہیں، وَفِي الثَّانِي النَّصْبُ اور دوسرے میں نصب ہے، فَحَسْبُ اور بس۔

أَمَّا الضَّمُّ اب وجہ بیان کریں گے، أَمَّا الضَّمُّ فِي الْأَوَّلِ تو ضمہ جو ہے پہلے کے اندر فَلِأَنَّهُ مُنَادًى مُفْرَدٌ مَعْرِفَةٌ كَمَا هُوَ ظَاهِرٌ اس لیے کیونکہ وہ منادیٰ مفرد معرفہ ہے كَمَا هُوَ ظَاهِرٌ جیسے کہ یہ ظاہر ہے۔ وَالنَّصْبُ اور نصب بھئی، پہلے پر نصب کیوں پڑھتے تھے؟ کہ مضاف ہے۔ اور امام سیبویہ فرماتے ہیں کس کی طرف مضاف ہے؟ اسی، اسی مذکور عَدِيٍّ کی طرف مضاف ہے اور درمیان میں عَدِيٍّ تاکید ہے، اور یہ تاکید ہے تو یہ گویا لافصل ہے، اس کو شمار ہی نہ کریں کیونکہ یہ پہلے کی تاکید ہے گویا یہ وہی ہے۔ اور امام مبرد کیا فرماتے ہیں؟ کہ یہ عَدِيٍّ محذوف کی طرف مضاف ہے اور دوسرا عَدِيٍّ اس پر قرینہ موجود ہے، وہ بتلا رہا ہے کہ پہلا تَيْمَ بھی مضاف ہے۔ تو کہتے ہیں وَالنَّصْبُ عَلَى أَنَّهُ مُضَافٌ إِلَى عَدِيٍّ الْمَذْكُورِ اور نصب جو ہے اس بنا پر ہے کہ یہ پہلا تَيْمَ مضاف ہو رہا ہے اس مذکورہ عَدِيٍّ کی طرف، وَتَيْمُ الثَّانِي تَأْكِيدٌ لَفْظِيٌّ اور تَيْمَ ثانی جو ہے وہ تاکیدِ لفظی ہے، تاکیدِ لفظی کسے کہتے ہیں؟ کہ اسی لفظ کو دوبارہ لایا جائے، تو ثانی تَيْمَ جو ہے وہ تاکیدِ لفظی ہے، فَاصِلٌ بَيْنَ الْمُضَافِ وَالْمُضَافِ إِلَيْهِ جو فصل کر رہا ہے، جدائی کر رہا ہے مضاف اور مضاف الیہ کے درمیان، وَذَلِكَ مَذْهَبُ سِيبَوَيْهِ اور یہ مذہب ہے امام

سیبویہ کا۔ أَوْ مُضَافٌ إِلَى عَدِيٍّ الْمَحْذُوفِ اور یا یہ پہلا تَیْمَ مضاف ہو رہا ہے عَدِيٍّ محذوف کی طرف بِقَرِينَةِ الْمَذْكُورِ کس قرینے سے؟ مذکورہ عَدِيٍّ کے قرینے سے، یعنی مذکورہ عَدِيٍّ کا قرینہ بتلا رہا ہے کہ پہلا تَیْمَ مضاف ہے عَدِيٍّ محذوف کی طرف، وَذَلِكَ مَذْهَبُ الْمُبَرِّدِ اور یہ مذہب ہے امام مبرد کا۔

وَالسِّيرَافِيُّ أَجَازَ الْفَتْحَ اور امام سیرافی نے جائز قرار دیا ہے فتحہ کو بھی مَكَانَ النَّصْبِ کس کی جگہ؟ نصب، نصب کی جگہ فتحہ یعنی وہ ایک تیسری صورت بھی جائز قرار دیتے ہیں عَلَى أَنْ يَكُونَ فِي الْأَصْلِ بنا بر اس کے کہ یہ کہتے ہیں اصل میں تھا، اصل میں کیا تھا؟ یَا تَیْمُ بِالضَّمِّ، یَا تَیْمُ پہلا کیا تھا؟ ضمہ کے ساتھ تھا، تَیْمَ عَدِيٍّیوں تھا۔ یَا تَیْمُ بِالضَّمِّ تَیْمَ عَدِيٍّ، بات سمجھ میں آئی؟ تو پہلا تَیْمُ کس کے ساتھ تھا؟ ضمہ کے ساتھ تھا، اور دوسرا تو تَیْمَ عَدِيٍّ مضاف ہے۔ فَفُتِحَ اتِّبَاعًا لِنَصْبِ الثَّانِي پھر اس پہلے تَیْمُ کو فتحہ دیا گیا ثانی کے نصب کا اتباع کرتے ہوئے، ثانی کے، ثانی تَیْمَ مضاف ہو رہا تھا وہ منصوب تھا، تو پہلے تَیْمُ کو بھی کیا دے دیا؟ فتحہ دے دیا، کیا دے دیا؟ یعنی ابھی بھی وہ مبنی ہے، اصل میں تو وہ مبنی علی الضم تھا لیکن پھر اس پر فتحہ بھی جائز ہے۔ تو کہتے ہیں فِي الْأَصْلِ اصل میں یہ جو تھا یَا تَیْمُ بِالضَّمِّ تَیْمَ عَدِيٍّیوں تھا بھئی، پھر فَفُتِحَ اتِّبَاعًا لِنَصْبِ الثَّانِي پھر اس کو پہلے تَیْمُ کو فتحہ دیا گیا ثانی کے نصب کا اتباع کرتے ہوئے، كَمَا فِي يَا زَيْدَ بْنَ عَمْرٍو جیسے کس کے اندر تھا؟ يَا زَيْدَ بْنَ عَمْرٍو، اصل میں کیا تھا؟ يَا زَيْدُ ابْنَ عَمْرٍو، پھر یہ جو زید مبنی علی الضم تھا اس پر فتحہ پڑھا گیا ثانی کے نصب کا اتباع کرتے ہوئے۔ بات سمجھ میں آگئی؟

تو کہتے ہیں وَتَعَيَّنَ النَّصْبُ فِي الثَّانِي۔ یہ تو پہلے کے اندر تفصیل تھی، پہلے کے اندر ضمہ بھی جائز، نصب یَا تَیْمُ اس میں ضمہ بھی جائز، یَا تَیْمَ نصب بھی جائز، اور امام سیرافی کے نزدیک فتحہ بھی جائز ہے۔ اب دوسرے تَیْمَ، دوسرے پر تو نصب ہی پڑھنا ہے ہر حال میں۔ پیچھے بتایا تھا وَفِي الثَّانِي النَّصْبُ فَحَسْبُ ثانی کے اندر نصب ہی ہے اور بس۔ اب اس کی وجہ بیان کر رہے ہیں۔ کہتے ہیں وَتَعَيَّنَ النَّصْبُ فِي الثَّانِي اور ثانی کے اندر نصب متعین ہے، لِأَنَّهُ إِمَّا تَابِعٌ مُضَافٌ یا تو اس لیے کیونکہ یہ ایسا تابع ہے جو مضاف ہے۔ یا تو، بھئی دیکھو نا یَا تَیْمُ تَیْمَ عَدِيٍّ، تَیْمُ مبنی علی الضم ہے، اور تَیْمَ جو ہے اگلا تَیْمَ وہ مضاف ہو رہا ہے تو یہ تابع ہے، اور جب منادیٰ خود مضاف ہو تو منصوب ہوتا ہے تو اس کا تابع جب مضاف ہو وہ بھی منصوب ہوگا، تو یہ ایسا تابع ہے جو مضاف، یہ تَیْمَ ثانی ایسا تابع ہے جو مضاف ہے اس لیے یہ منصوب ہے، یہ معنی ہے۔ تو کہتے ہیں لِأَنَّهُ اس لیے کیونکہ یہ جو ثانی تَیْمَ ہے إِمَّا تَابِعٌ مُضَافٌ یا تو ایسا تابع ہے جو مضاف ہو رہا ہے، أَوْ تَابِعُ مُضَافٍ دیکھو إِمَّا تَابِعٌ مُضَافٌ یا تو ایسا تابع ہے جو مضاف ہے، أَوْ تَابِعُ مُضَافٍ یا... یہاں عبارت پہ نظر رکھو، ایک میں تَابِعٌ کو موصوف بنانا ہے اور مُضَافٌ کو اس کی صفت، إِمَّا تَابِعٌ مُضَافٌ، اور ایک میں اضافت کرنی ہے أَوْ تَابِعُ مُضَافٍ۔ تو چاہے پہلے میں اضافت لے آؤ چاہے دوسرے میں لے آؤ، ایک میں موصوف صفت بناؤ اور ایک میں مضاف مضاف الیہ بناؤ چاہے پہلے میں کر دو۔ بات سمجھ میں آ رہی؟ تو اگر یوں کرو پہلے میں اضافت ہم لے آتے ہیں چلو۔ کیا؟ لِأَنَّهُ إِمَّا تَابِعُ مُضَافٍ یا تو یہ تابع ہے کس کا؟ پہلا تَیْمَ مضاف ہے یَا تَیْمَ تَیْمَ عَدِيٍّ، اور پہلا جب مضاف ہے تو منصوب ہے، تو جب اس کا تابع ہوگا

وہ بھی کیا ہو گا؟ منصوب۔ اس لیے، تو چونکہ یہ تابع ہے کس کا؟ پہلے کا اور پہلا کیا ہے؟ مضاف، گویا یہ مضاف کا تابع ہے اور مضاف منصوب تھا تو تابع بھی کیا ہو گا؟ منصوب۔ اسی لیے یہ معنی: لِأَنَّهُ إِمَّا تَابِعُ مُضَافٍ یا تو یہ مضاف کا تابع ہے، مضاف کا تابع ہے، أَوْ تَابِعٌ مُضَافٌ یا یہ خود ایسا تابع ہے جو مضاف، یعنی پہلے پر ضمہ پڑھا اور ثانی کی اضافت خود کر دی تَیْمَ عَدِيٍّ تو مضاف ہے اس لیے۔ تو یہ مضاف کا تابع ہے یا یہ خود مضاف ہے بھئی۔ یہ معنی ہے لِأَنَّهُ إِمَّا تَابِعُ مُضَافٍ أَوْ تَابِعٌ مُضَافٌ اس لیے کیونکہ یا تو یہ مضاف کا تابع ہے یا ایسا تابع ہے جو مضاف ہے۔

وَتَمَامُ الْبَيْتِ اور پورا شعر جو ہے: يَا تَيْمُ تَيْمَ عَدِيٍّ لَا أَبَا لَكُمُو / لَا يُلْقِيَنَّكُمُ فِي سَوْأَةٍ عُمَرُ. يَا تَيْمُ تَيْمَ عَدِيٍّ تَيْم قبیلے کا نام ہے، اور عَدِيّ، عَدِيّ اوپر کوئی اور ان کا باپ دادا گزرا اس کی طرف بھی نسبت کر دی۔ توجہ ہے؟ ایک سے زیادہ تَیْم ہوں گے تو تعیین کرنے کے لیے کس کی طرف نسبت کر دی؟ پردادا جو اوپر کوئی گزرا تھا تاکہ پتہ چل جائے فلاں تَیْم قبیلہ مراد ہے، دوسرا تَیْم مراد نہیں ہے۔ تو يَا تَيْمُ تَيْمَ عَدِيٍّ اے قبیلہ، اے تَیْم والو، عَدِيّ کے تَیْم والو، لَا أَبَا لَكُمْ تمہارا باپ نہ ہو۔ بھئی یہ ڈانٹ کے طور پر ایک کلمہ ہے، یہ یوں کہیں، یہ ڈانٹ کے لیے بھی بن سکتا ہے اور تعریف کے لیے بھی بن سکتا ہے۔ لَا أَبَا لَكُمُو یہاں میم پر اشباع بھی ہے بھئی، وزن، شعر کے وزن کی رعایت رکھنے کے لیے۔ کیسے کہیں گے؟ يَا تَيْمُ، پہلے تَیْم پر ضمہ بھی جائز نصب بھی جائز، دونوں طرح روایات میں آیا ہے: يَا تَيْمُ تَيْمَ عَدِيٍّ لَا أَبَا لَكُمُو۔ لَا أَبَا لَكُمُو تمہارا باپ نہ ہو، لَا أَبَا لَكُمْ تمہارا باپ نہ ہو۔ تو یہ کلمہ تعریف کے لیے بھی ہو سکتا ہے اور یہ کلمہ ڈانٹ کے طور پر بھی ہو سکتا ہے۔ تعریف کے طور پر ہو تو معنی یہ ہے لَا أَبَا لَكُمْ تمہارا باپ نہ ہو، یعنی تم تو، تم تو اتنے اعلیٰ درجے کے ہو انسانوں میں سے ہو ہی نہیں، تمہارا باپ ہی نہیں ہے یعنی تم ایک الگ ہی جنس ہو اتنے اعلیٰ ہو کوئی انسان تمہارے مقابلے کا نہیں ہے بھئی۔ تمہارا باپ نہیں ہے، کیا معنی؟ یعنی تم الگ ہی جنس کے ہو، اتنے اعلیٰ ہو، تو یہ تعریف کے لیے بھی ہو سکتا ہے۔ اور یہ ڈانٹ کے طور پر بھی ہو سکتا ہے لَا أَبَا لَكُمْ کہ تمہارا باپ نہ ہو، یعنی تمہاری کسی نے تربیت ہی نہیں کی ہے تمہیں کچھ، کسی چیز کا پتہ ہی نہیں ہے بھئی، باپ ہو گا تو تربیت کرے گا بھئی۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو یہ ڈانٹ کے طور پر بھی کلمہ ہو سکتا ہے اور تعریف کے طور پر بھی ہو سکتا ہے، دونوں معانی ہیں بھئی۔ بات سمجھ میں آگئی؟ ہر زبان کا اپنا انداز ہوتا ہے بھئی، ہر زبان کا۔ مثلاً پشتو میں ہے بھئی، پشتو میں، پشتو میں بعض اوقات شفقت یا ڈانٹ کے طور پر دوسرے کو کہتے ہیں: کورِ دِ ورک شہ، کورِ دِ ورک شہ، کہ تمہارا گھر گم ہو جائے۔ بھئی اب یہ کیسی بددعا ہے یا کیسا ڈانٹ ہے تمہارا گھر گم ہو جائے؟ لیکن یہ ہر زبان کا اپنا ایک طریقہ ہوتا ہے۔ اب یہ ڈانٹ کے طور پر بھی کسی کو کہا جا سکتا ہے اور شفقت کے طور پر بھی یہ کہا جا سکتا ہے، شفقت سے کوئی ہلکی سی ڈانٹ اور شفقت کے ساتھ کسی کو بات کرتے ہوئے یوں کہا جاتا ہے بھئی۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو اسی طرح یہ لَا أَبَا لَكُمْ بھی ہے بھئی۔

يَا تَيْمُ تَيْمَ عَدِيٍّ لَا أَبَا لَكُمُو اے قبیلہ تَیْم والو تمہارا باپ نہ ہو، لَا يُلْقِيَنَّكُمُ فِي سَوْأَةٍ عُمَرُ کہیں تمہیں ہرگز ڈال نہ دے، أَلْقَى يُلْقِي کا معنی ڈال دینا یعنی تمہیں مبتلا نہ کر دے، فِي سَوْأَةٍ تکلیف میں، برائی میں، عُمَرُ عمر۔ بھئی یہ ایک شاعر تھا قبیلہ

تَیم کا اس کا نام عمر تھا، اس نے ارادہ کیا ایک اور بڑا شاعر تھا جریر بھئی، جریر۔ جریر عرب، عربی زبان کے چوٹی کے شاعروں میں سے تھا بھئی۔ تو وہ جو عمر شاعر تھا اس نے ارادہ کیا اس جریر شاعر کے خلاف کچھ اشعار تیار کرے۔ اور عرب جو ہیں ان کا حافظہ بڑا قوی تھا اور اشعار کو بڑا پسند کرتے تھے کیونکہ اشعار میں ایک خاص ترنم ہوتا ہے، خاص روانی ہوتی ہے، تو کسی کے خلاف یا کسی کی تعریف میں کوئی شعر کہہ دیا جاتا وہ آنً فانً پورے عرب میں بچے بچے کی زبان پر ہوتا تھا، لوگ ہنسی مذاق اڑاتے کہ دیکھو بھئی فلاں کے بارے میں اس طرح کا شعر کہا ہے اس کی مذمت بیان کی ہے، یا فلاں کے بارے میں ایسا شعر کہا ہے اس کی اس طرح تعریف کی ہے بھئی۔ تو پورے عرب میں وہ اشعار پھیل جاتے تھے۔ لہٰذا یہ قبائل اپنے شعراء کا بڑا اکرام کرتے تھے بھئی، اور اس کو قبیلے کے سردار کی طرح حیثیت حاصل ہوتی تھی، پورا قبیلہ اس کا خیال رکھتا تھا کیونکہ وہ اشعار کہتا تھا اپنے قبیلے کی تعریف میں اور پورے عرب میں مشہور ہو جاتے کہ ہمارا قبیلہ اس طرح اس طرح کا بہادر اور جرأت والا ہے بھئی۔ تو یہ جو عمر شاعر تھا اس نے ارادہ کیا جریر کی مذمت بیان کرنے کا، اور جریر، جریر تو بہت چوٹی کا شاعر تھا۔ بات سمجھ میں آگئی؟ میں نے بتایا عرب کے چوٹی کے شعراء میں سے تھا۔ اس کو کسی طرح خبر مل گئی کہ عمر میرے بارے میں اشعار تیار کر رہا ہے۔ ظاہر سی بات ہے شعراء اشعار تیار کرتے تھے، پھر آپس میں ایک دوسرے کو سنا رہے ہیں کہ میں ابھی تیار کر رہا، اشعار، پھر اس کی نوک پلک سنوارتے کچھ تبدیلیاں کرتے کرتے بالآخر جب ایک پورے اشعار تیار

ہو جاتے، پھر وہ کسی جگہ پڑھے جاتے تھے بھئی۔ تو اس جریر کو اطلاع مل گئی کہ قبیلہ تَیم کا جو عمر شاعر ہے وہ میرے خلاف اشعار کہہ رہا ہے۔ تو اس نے اس موقع پر ڈانٹ کے طور پر ان کو کہا کہ اے قبیلہ تَیم والو اپنے اس شاعر عمر کو روکو، میرے خلاف اشعار نہ کہے بھئی اس کو منع کرو۔ اگر اس نے میرے بارے میں اشعار کہے، تم نے اس کو منع نہ کیا، تو یاد رکھنا تم بڑی تکلیف اور بڑی مصیبت میں پھنس جاؤ گے، میں تمہارے خلاف اشعار کہوں گا بھئی۔ میں کیا کہوں گا؟ میں تمہاری مذمت بیان کروں گا اور ظاہر سی بات ہے جریر، جریر کی زبان سے تو جو شعر نکلتا تھا وہ تو پورے عرب میں ایسے پھیل جاتا تھا بھئی۔ تو اگر اس نے میرے بارے میں شعر کہے تو یاد رکھنا میری طرف سے بھی تمہیں تکلیف اور ناپسندیدہ بات پیش آئے گی، میں تمہارے بارے میں اشعار کہوں گا، تمہاری مذمت بیان کروں گا، تمہاری ہجو بیان کروں گا اور پورے عرب میں وہ بات مشہور ہو جائے گی، لہٰذا اس کو منع کرو بھئی۔ تو یہ جریر ان کو منع کرنے کے بارے میں کہہ رہا ہے۔

تو کہتا ہے: یَا تَیْمُ تَیْمَ عَدِيٍّ لَا أَبَا لَكُمُو اے قبیلہ تَیم والو، اے عَدِيّ کے تَیم والو، لَا أَبَا لَكُمُو تمہارا باپ نہ ہو۔ لَا يُلْقِيَنَّكُمُ فِي سَوْأَةٍ کہیں تمہیں ڈال نہ دے، فِي سَوْأَةٍ، سَوْأَةٍ کہتے ہیں ناپسندیدہ چیز، برائی بھئی، تمہیں برائی میں، ناپسندیدہ چیز میں نہ مبتلا کر دے، عُمَرُ کون؟ عمر۔ عمر شاعر تمہیں کہیں ناپسندیدہ چیز میں مبتلا نہ کر دے۔ تو کہتے ہیں وَالْبَيْتُ لِجَرِيرٍ اور یہ بیت، یہ شعر کس کا ہے؟ جریر کا ہے، حِينَ أَرَادَ جس وقت ارادہ کیا تھا عُمَرُ التَّيْمِيُّ الشَّاعِرُ قبیلہ تَیم کے عمر شاعر جو ہے اس نے

جب ارادہ کیا تھا أَنْ يَهْجُوَهُ، هَجْوٌ، هَجْوٌ کہتے ہیں برائی بیان کرنا، مذمت کسی کی کرنا اشعار کے اندر۔ جب عمر تَيْمِي شاعر نے ارادہ کیا تھا أَنْ يَهْجُوَهُ کہ وہ جریر کی ہجو بیان کرے، اس کی مذمت بیان کرے، فَقَالَ جَرِيرٌ تو جریر نے کہا، خِطَابًا لِبَنِي تَيْمٍ بنی تَیْم کو خطاب کرتے ہوئے، بنو تَیْم کو، تَیْم کی اولاد یعنی قبیلہ تَیْم والوں کو خطاب کرتے ہوئے جریر نے کہا: لَا تَتْرُكُوا عُمَرًا کہ تم لوگ عمر کو نہ چھوڑو أَنْ يَهْجُوَنِي کہ وہ میری مذمت بیان کرے، یعنی اس کو منع کرو، اس کو میری مذمت نہ بیان کرنے دو، فَيُلْقِيَنَّكُمْ فِي سَوْأَةٍ تو وہ تمہیں ضرور ڈال دے گا فِي سَوْأَةٍ أَيْ مَكْرُوهٍ ایک ناپسندیدہ چیز میں، ناپسندیدہ چیز میں، برائی میں بتلا کر دے گا مِنْ قِبَلِي میری جانب سے۔ میری جانب سے ناپسندیدہ بات تمہیں پہنچے گی کہ میں تمہاری مذمت میں کیا کروں گا؟ اشعار کہوں گا بھئی۔

أَيْ مَكْرُوهٍ مِنْ قِبَلِي یعنی ایک ناپسندیدہ چیز میری جانب سے۔ بھئی میری جانب سے ناپسندیدہ چیز اس سے کیا مراد ہے اس کی؟ کہتے ہیں يَعْنِي، عَنَى يَعْنِي کا معنی ہے ارادہ کرنا، اور یہ ضمیر راجع ہے جریر کو، یعنی جریر نے یہ ارادہ کیا تھا: کیا تکلیف پہنچے گی؟ کیا ناپسندیدہ چیز پیش آئے گی؟ يَعْنِي جریر کی جو مراد تھی مُهَاجَاتَهُ إِيَّاهُمْ۔ مُهَاجَاة یہ بابِ مفاعلہ کا مصدر ہے۔ اور مُهَاجَاتَهُ یہ هَا ضمیر راجع ہے جریر کو: جریر کا مذمت بیان کرنا إِيَّاهُمْ اس قبیلہ تَیْم والوں کی۔ یعنی جریر نے کیا ارادہ کیا تھا میری طرف سے تمہیں تکلیف پہنچے گی، یعنی کہ جریر کیا کرے گا؟ ان کی ہجو اور مذمت بیان کرے گا۔ معنی سمجھ میں آ گیا؟ تو يَعْنِي مُهَاجَاتَهُ إِيَّاهُمْ یعنی کہ جریر کا مذمت کرنا إِيَّاهُمْ اس قبیلے والوں کی۔ معنی اچھی طرح سمجھ میں آگیا؟

آگے دیکھیے۔ کہتے ہیں: وَالْمُنَادَى الْمُضَافُ إِلَى يَاءِ الْمُتَكَلِّمِ يَجُوزُ فِيهِ... اچھا بھئی، بھئی صرف متن متن دیکھیں۔ کہتے ہیں: وَالْمُضَافُ إِلَى يَاءِ الْمُتَكَلِّمِ يَجُوزُ فِيهِ يَا غُلَامِيَ، وَيَا غُلَامِي، وَيَا غُلَامِ، وَيَا غُلَامَا. اب منادیٰ کے کچھ اور خاص احکام ذکر کر رہے ہیں صاحبِ کافیہ۔ صاحبِ کافیہ آپ کو بتلائیں گے جب منادیٰ مضاف ہو یائے متکلم کی طرف، جب یائے متکلم کی طرف، تو اس میں چار صورتیں پڑھنا جائز ہیں۔ مثلاً غلام ہے اور اس کی نسبت میں اپنی طرف کرتا ہوں، کیا کہتا ہوں؟ يَا غُلَامِي، غُلَامِي کا کیا معنی؟ میرا غلام۔ يَا غُلَامِي اے میرے غلام۔ تو اس موقع پر دیکھو اب منادیٰ کون ہے؟ غلام، اور مضاف ہے کس کی طرف؟ یائے متکلم کی طرف۔ تو جب منادیٰ مضاف ہو یائے متکلم کی طرف تو یاد رکھنا اس میں چار طرح اس کو پڑھنا جائز ہے۔ کتنی طرح؟ چار طرح اس کو پڑھنا جائز ہے۔

پہلی صورت کیا؟ يَا غُلَامِي یا کو ساکن پڑھیں۔ يَا غُلَامِي دیکھو یا کو میں نے ساکن پڑھا۔ اور یا پر فتحہ بھی پڑھ سکتے ہیں: يَا غُلَامِيَ، توجہ ہے؟ يَا غُلَامِيَ۔ اور نیز یا کو حذف کر دیں جب کہ ماقبل پر کسرہ ہو۔ اب یہ کسرہ بتلائے گا کہ یہاں سے یا حذف ہوئی ہے، جیسے يَا غُلَامِ، دیکھا یا میں نے گرا دی۔ يَا غُلَامِ، میم کے نیچے کسرہ بتلا رہا ہے کہ یہاں سے یا حذف ہوئی ہے، کیونکہ اگر یہاں یا نہ ہوتی تو پھر تو کیسے پڑھنا چاہیے تھا؟ يَا غُلَامُ پڑھنا چاہیے تھا، مبنی علی الضم ہونا چاہیے تھا کیونکہ یہ مفرد ہے، لیکن میم کے نیچے میں کسرہ پڑھ رہا ہوں يَا غُلَامِ، یہ کسرہ کیا بتلا رہا ہے؟ کہ یہاں سے یا حذف ہوئی ہے۔ اور چوتھی صورت یہ ہے

کہ اس یا کو الف سے بدل دیا جائے: یَا غُلَامَا۔

کتنی صورتیں جائز بھئی؟ یَا غُلَامِي میں کتنی صورتیں جائز؟ چار صورتیں۔ پہلی صورت کیا؟ یا کو ساکن پڑھیں یَا غُلَامِي۔ دوسری صورت کیا؟ یا پر فتحہ پڑھیں یَا غُلَامِيَ۔ تیسری صورت کیا؟ یا کو حذف کر دیں جب کہ ماقبل پر کسرہ ہو، یہ ضروری ہے یاد رکھنا، اگر ماقبل پر کسرہ نہیں ہے پھر یا کو نہیں گرا سکتے، جیسے فَتًی، فَتًی کس کو کہتے ہیں؟ جوان کو۔ اور اس کی یا کی طرف اضافت کریں تو کیا بن گیا؟ فَتَايَ۔ اب میں اس کو آواز دیتا ہوں: یَا فَتَايَ۔ اب یہاں سے یا کو گرانا جائز نہیں ہے، کیوں؟ کیونکہ اگر آپ یا کو گرا دیں گے تو کیا رہ جائے گا؟ یَا فَتَا۔ اب یہاں تو کسرہ ہے ہی نہیں جو یا پر دلالت کرے۔ تو کیا ضروری ہے؟ یا کو گرانا کب جائز ہے جب ماقبل پر کسرہ ہو۔ تو لہٰذا پہلی صورت کیا؟ یَا غُلَامِي۔ دوسری صورت یَا غُلَامِيَ۔ تیسری صورت یَا غُلَامِ۔ چوتھی صورت یا کو الف سے بدل دیں یَا غُلَامَا۔

پھر دہرائیں بھئی، پھر دہرائیں ساری بحث اسی کے بارے میں چلے گی۔ پہلی صورت: یَا غُلَامِي۔ دوسری صورت: یَا غُلَامِيَ۔ تیسری صورت: یَا غُلَامِ۔ چوتھی صورت: یَا غُلَامَا۔ بات سمجھ میں آگئی؟ اور یاد رکھنا، یہ جو یا کو ساکن پڑھتے ہیں اور فتحہ پڑھتے ہیں، یہ صرف منادیٰ میں نہیں ہے یہ ہر جگہ جائز ہے۔ آپ جس لفظ کی بھی اضافت کریں یا کی طرف، تو اس میں یا کو ساکن بھی پڑھ سکتے ہو اور یا پر فتحہ بھی پڑھ سکتے ہو۔ آپ کی عبارت میں کہیں لفظ آئے کِتَابِي، یا کی طرف مضاف ہے، تو یا کو ساکن بھی پڑھ سکتے ہو کِتَابِي اور یا پر فتحہ بھی پڑھ سکتے ہو کِتَابِيَ۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو یہ بات یاد رکھنا بھئی قرآن میں جگہ جگہ اس طرح آتا ہے کہ یا کے اوپر فتحہ ہوتا ہے، تو انسان حیران ہوتا ہے پریشان ہوتا ہے کہ یا پر فتحہ کیوں ہے؟ کِتَابِي نہیں ہے بلکہ مثلاً کِتَابِي نہیں ہے بلکہ کیا ہے؟ کِتَابِيَ ہے، تو یہ فتحہ کیوں آیا؟ تو میں نے بتلایا کہ دونوں جائز ہیں، جب بھی کوئی اسم مضاف ہو جائے یا کی طرف اس یا کو ساکن پڑھنا بھی جائز اور اس پر فتحہ پڑھنا بھی جائز۔ تو بہرحال یہ جو منادیٰ ہے اس کے اندر چار صورتیں جائز ہیں۔

دیکھیے بھئی اب متن متن۔ کہتے ہیں: وَالْمُضَافُ إِلَى يَاءِ الْمُتَكَلِّمِ اور وہ منادیٰ جو مضاف ہو یائے متکلم کی طرف، يَجُوزُ فِيهِ جائز ہے اس کے اندر یَا غُلَامِيَ دیکھو یا کے فتحہ کے ساتھ، وَيَا غُلَامِي یا کے سکون کے ساتھ، وَيَا غُلَامِ دیکھا یا کے اسقاط کے ساتھ، یا کو گرا دیا، وَيَا غُلَامَا کہ یا کو کس سے بدل دیا؟ الف سے بدل دیا۔ آگے دیکھیے متن متن، کہتے ہیں: وَبِالْهَاءِ وَقْفًا اور ہا کے ساتھ کہیں گے وقف کی حالت میں، ہا کے ساتھ کہیں گے، یعنی انہی پر جب وقف کریں گے تو ہا ساتھ جوڑ دیں گے۔ تو کیسے پڑھیں گے؟ ہا جوڑیں ذرا۔ پہلی صورت کیا تھی؟ یَا غُلَامِي، اسی کے ساتھ ہا جوڑ دیں: یَا غُلَامِيهْ، یَا غُلَامِيهْ۔ اور دوسری صورت کیا تھی؟ یَا غُلَامِيَ، اس کے ساتھ بھی ہا جوڑ دو: یَا غُلَامِيَهْ، یَا غُلَامِيَهْ۔ تیسری صورت کیا تھی؟ یا کو گرا دیا تھا، اب یَا غُلَامِ، اب اس کے ساتھ ہا بھی جوڑ دو: یَا غُلَامِهْ، یَا غُلَامِهْ۔ اور چوتھی صورت کیا تھی؟ یَا غُلَامَا، اب اس کے ساتھ بھی ہا جوڑ دو: یَا غُلَامَاهْ۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تاکہ فرق ہو جائے وصل اور وقف کے درمیان۔ تو وقف کی صورت

میں کیا جوڑ دیتے ہیں؟ ہا بھی جوڑ دیتے ہیں بھئی، وہ بھی جائز ہے۔ تو کہتے ہیں: وَبِالْهَاءِ وَقْفًا اور ہا کے ساتھ کہیں گے ان تمام صورتوں میں وَقْفًا وقف کی حالت میں۔ جی یہاں تک پہلے دیکھ لیں پھر آگے چلتے ہیں۔

اب دیکھیے اسی کو شرح کے ساتھ۔ کہتے ہیں: وَالْمُنَادَى الْمُضَافُ إِلَى يَاءِ الْمُتَكَلِّمِ يَجُوزُ فِيهِ وُجُوهٌ أَرْبَعَةٌ اور وہ منادیٰ جو مضاف ہو یائے متکلم کی طرف اس کے اندر چار وجہیں جائز ہیں: فَتْحُ الْيَاءِ پہلی صورت کیا ہے؟ یا کا فتحہ، مِثْلُ يَا غُلَامِيَ پہلی صورت یہ۔ وَسُكُونُهَا اور اس کا سکون، یا کا سکون، مِثْلُ يَا غُلَامِي صورت سمجھ میں آگئی؟ وَإِسْقَاطُ الْيَاءِ اكْتِفَاءً بِالْكَسْرَةِ اور تیسری صورت ہے یا کو ساقط کرنا کسرہ پر اکتفا کرتے ہوئے إِذَا كَانَ قَبْلَهَا كَسْرَةٌ جب کہ اس یا سے پہلے کیا ہو؟ کسرہ ہو، اِحْتِرَازًا عَنْ نَحْوِ يَا فَتَايَ احتراز کرتے ہوئے يَا فَتَايَ جیسی مثالوں سے، یعنی اس میں یا کو حذف نہیں کر سکتے۔ کیوں نہیں حذف کر سکتے؟ کیونکہ یا سے ماقبل کسرہ نہیں ہے تو کوئی چیز رہے گی ہی نہیں جو دلالت کرے کہ یہاں یا حذف ہوئی ہے۔ تو کہتے ہیں اِحْتِرَازًا عَنْ نَحْوِ يَا فَتَايَ احتراز کرتے ہوئے يَا فَتَايَ جیسی مثالوں سے، مِثْلُ يَا غُلَامِ. وَقَلْبُهَا أَلِفًا اور چوتھی صورت کیا ہے؟ کہ اس یا کو الف سے بدلتے ہوئے، نَحْوُ يَا غُلَامَا. بات سمجھ میں آگئی؟

آگے دیکھیے۔ کہتے ہیں: وَهَذَانِ الْوَجْهَانِ، کہتے ہیں یہ دو جو وجہیں ہیں، یہ جو آخری دو وجہیں ہیں، کون سی؟ يَا غُلَامِ یا کو گرا دیا، اور دوسری صورت کیا؟ يَا غُلَامَا یا کو کس سے بدلا؟ الف سے۔ کہتے ہیں منادیٰ کے اندر ان چار میں سے یہ دو صورتیں زیادہ استعمال ہوتی ہیں۔ آپ بھی پڑھتے ہیں جگہ جگہ دعا پڑھتے ہیں يَا رَبِّ، اصل میں کیا تھا؟ يَا رَبِّي، دیکھو آج آپ کو پتہ چل گیا، ورنہ تو يَا رَبُّ ہونا چاہیے تھا اگر یا یہاں نہ ہوتی بھئی۔ تو يَا رَبِّ، با کا کسرہ کیا بتلا رہا ہے؟ کہ یہاں یا حذف ہوئی ہے۔ یا اسی طرح يَا قَوْمِ، یہ میم کا کسرہ کیا بتلا رہا ہے؟ کہ یہاں یا محذوف ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو کہتے ہیں وَهَذَانِ الْوَجْهَانِ يَقَعَانِ غَالِبًا فِي النِّدَاءِ اور یہ دو وجہیں جو ہیں یہ زیادہ تر واقع ہوتی ہیں ندا کے اندر، لِأَنَّ النِّدَاءَ مَوْضِعُ تَخْفِيفٍ اس لیے کیونکہ ندا موضعِ تخفیف ہے۔ بھئی ادھر دیکھیے، ندا کے اندر کبھی یا کو بالکل گرا دیتے ہیں جب ماقبل پر کسرہ ہو: يَا غُلَامِ، یا کبھی یا کو الف سے بدل دیتے ہیں: يَا غُلَامَا. وجہ یہ کہتے ہیں کہ ندا مقامِ تخفیف ہے، ندا تخفیف چاہتی ہے۔ ندا، بھئی دیکھیے میرے سامنے زید کھڑا ہے میں نے اس کو آواز دی: اے زید میرے لیے پانی لے آؤ۔ توجہ ہے؟ يَا زَيْدُ ائْتِ بِالْمَاءِ زید پانی لے آؤ۔ اب مجھے بتائیے میرا مقصد کیا تھا؟ يَا زَيْدُ کہنا میرا مقصد تھا یا ائْتِ بِالْمَاءِ کہنا مقصد تھا؟ ائْتِ بِالْمَاءِ یعنی ندا کے بعد جو بات کی جائے وہ مقصود ہوتی ہے، خود ندا نہیں مقصود ہوتی، ندا میں تو صرف اس کو متوجہ کرنا ہے بھئی، آگے جو بات ہے اس بات کے لیے آپ متوجہ کرنا چاہتے ہیں۔ تو ندا مقصود نہیں بلکہ آگے جو جوابِ ندا ہوتا ہے وہ مقصود۔ تو لہٰذا ندا ہوئی غیرِ مقصود، تو انسان چاہتا ہے کہ یہ ندا جلدی سے جلدی گزرے اور میں اپنے مقصود کو بیان کروں۔ یہ ندا جلدی سے گزرے اور میں کس کو بیان کروں؟ اپنے مقصد کو بیان کروں۔ تو لہٰذا اسی لیے اس میں پھر تخفیف کرتے ہیں۔ چنانچہ يَا غُلَامِي یا کو ساتھ ملائیں گے

بات تو لمبی ہو گئی لہٰذا یا کو گرا دیتے ہیں: یَا غُلَامِ، دیکھو یا گر گئی، تخفیف آ گئی یا نہیں؟ یا کبھی اس یا کو الف سے بدلتے ہیں: یَا غُلَامَا۔ دیکھو پہلے کیا تھا؟ یَا غُلَامِي، یا تھی اور یا سے ماقبل کسرہ تھا۔ اور اب جب یا کو الف سے بدلا تو ماقبل فتحہ آ گیا: یَا غُلَامَا۔ تو فتحہ اور الف وہ کسرہ اور یا کے مقابلے میں خفیف ہیں بھئی، فتحہ اور الف کیا ہیں؟ خفیف ہیں، اور کسرہ اور یا ثقیل ہیں، اس لیے۔ تو خفت کی ایک صورت یہ ہے کہ یا کو گرا دو، دوسری صورت یہ ہے کہ یا کو الف سے بدل دو اس طرح بھی تخفیف آ جائے گی۔ بات سمجھ میں آ گئی؟

تو کہتے ہیں وَهَذَانِ الْوَجْهَانِ يَقَعَانِ غَالِبًا فِي النِّدَاءِ یہ دو وجہیں جو ہیں آخری یہ زیادہ تر واقع ہوتی ہیں ندا کے اندر، لِأَنَّ النِّدَاءَ مَوْضِعُ تَخْفِيفٍ اس لیے کیونکہ ندا جو ہے وہ تخفیف کا محل ہے، تخفیف کا مقام ہے، لِأَنَّ الْمَقْصُودَ غَيْرُهُ اس لیے کیونکہ مقصود غیرِ ندا ہے، ندا مقصود نہیں ہے،

فَيُقْصَدُ الْفَرَاغُ مِنَ النِّدَاءِ بِسُرْعَةٍ تو ارادہ کیا جاتا ہے کہ ندا سے جو ہے جلدی سے فراغت ہو جائے۔ ترجمہ سمجھ میں آ رہا ہے؟ فَيُقْصَدُ الْفَرَاغُ مِنَ النِّدَاءِ بِسُرْعَةٍ تو ارادہ کیا جاتا ہے ندا سے فارغ ہونے کا بِسُرْعَةٍ جلدی سے، لِيُتَخَلَّصَ إِلَى الْمَقْصُودِ مِنَ الْكَلَامِ تاکہ چھٹکارا پا لیا جائے إِلَى الْمَقْصُودِ مِنَ الْكَلَامِ اس چیز کی طرف جو کلام سے مقصود ہے، یعنی اس ندا سے تاکہ چھٹکارا پا لیا جائے اور انسان جلدی سے وہ جو کلام سے جو مقصود ہے اس تک پہنچ جائے بھئی۔ لِيُتَخَلَّصَ تاکہ اس ندا سے چھٹکارا پا لیا جائے إِلَى الْمَقْصُودِ مِنَ الْكَلَامِ کس چیز کی طرف؟ وہ جو کلام سے مقصود ہے یعنی جوابِ ندا اس کی طرف۔ فَخُفِّفَ يَا غُلَامِي بِوَجْهَيْنِ تو تخفیف کی گئی يَا غُلَامِي کے اندر بِوَجْهَيْنِ کتنے طریقوں سے؟ دو طریقے۔ کون سے دو طریقے؟ ایک طریقہ کیا؟ کہ یا کو گرا دو اور وہ جو کسرہ ہے وہ یا پر دلالت کر رہا ہے۔ اور دوسری صورت کیا؟ کہ یا کو کس سے بدل دیا؟ الف سے، تو کسرہ کی جگہ فتحہ آ گیا اور یا کی جگہ الف آ گیا، اور فتحہ اور الف دونوں ان میں تخفیف ہے کس کے مقابلے میں؟ کسرہ اور یا کے مقابلے میں۔ تو کہتے ہیں فَخُفِّفَ يَا غُلَامِي بِوَجْهَيْنِ تو تخفیف کی گئی يَا غُلَامِي کے اندر دو طرح سے: حَذْفُ الْيَاءِ وَإِبْقَاءُ الْكَسْرَةِ دَلِيلًا عَلَيْهِ یا کو حذف کرتے ہوئے اور کسرہ کو باقی رکھتے ہوئے دَلِيلًا عَلَيْهِ تاکہ یہ اس پر دلیل ہو، یہ کسرہ اس یا پر دلیل ہو، ایک صورت یہ۔ دوسری صورت: وَقَلْبُ الْيَاءِ أَلِفًا اور یا کو الف سے بدل کر، لِأَنَّ الْأَلِفَ وَالْفَتْحَةَ أَخَفُّ مِنَ الْيَاءِ وَالْكَسْرَةِ اس لیے کیونکہ الف اور فتحہ جو ہیں وہ زیادہ خفیف ہیں یا اور کسرہ کے مقابلے میں۔

وَهُمَا أَيْ هَذَانِ الْوَجْهَانِ وَإِنْ كَانَا وَاقِعَيْنِ فِي الْمُنَادَى الْمُضَافِ۔ یہاں سے آپ کو یہ بتلائیں گے کہ جو بھی منادیٰ مضاف ہو یائے متکلم کی طرف، توجہ ہے؟ متن سے تو یہی معلوم ہو رہا ہے کہ جو بھی منادیٰ مضاف ہو یائے متکلم کی طرف اس میں چاروں وجہیں جائز ہیں، چاروں وجہیں، لیکن آپ کو صاحبِ جامی بتلائیں گے کہ نہیں، ہر منادیٰ جو مضاف ہو یائے متکلم کی طرف ہر ایسے منادیٰ میں یہ چار صورتیں نہیں جائز، بلکہ یہ ضروری ہے کہ وہ منادیٰ ایسا ہو کہ یا کی طرف اس کی اضافت کثرت سے کی جاتی ہو، یا کی طرف اس کی اضافت کثرت سے کی جاتی ہو اور مشہور ہو سب کو پتہ ہو، تاکہ آپ حذف بھی

کر لیں تو سننے والے کو فوراً پتہ چل جائے بھئی۔ اب غلام ہے دیکھو غلام آپ کا ہے تو اس کو تو کثرت سے لوگ ندا دیتے ہیں: یَا غُلَامِي، یَا غُلَامَا، دیکھو غلام کی نسبت یا کی طرف کثرت سے ہوتی ہے میرے غلام۔ تو لہٰذا سننے والے کو فوراً پتہ چل جائے گا، چاہے میم کے نیچے کسرہ ہو تب بھی سمجھ جائے گا اور آگے آخر میں الف ہو تب بھی سمجھ جائے گا کہ یَا غُلَامَا سے کیا مراد ہے؟ یَا غُلَامِي مراد ہے۔ یا اپنے بھائی کو آپ آواز دیتے ہیں بھائی کو بھی کثرت سے آواز دی جاتی ہے یَا أَخِي اس میں بھی چاروں صورتیں جائز ہیں۔ بیٹے کو بھی آواز دی جاتی ہے یَا بُنَيَّ اس میں بھی یہ چاروں صورتیں جائز ہیں۔ تو وہ کثیر الاستعمال ہونا چاہیے۔ اور اگر وہ کثیر الاستعمال اور مشہور نہیں ہے یا کی طرف اضافت میں پھر یہ چار صورتیں جائز نہیں، مثلاً کوئی شخص اپنے دشمن کو ندا دیتا ہے یَا عَدُوِّي اے میرے دشمن، اور یہ عَدُوِّي دشمن کی یا کی طرف اضافت یہ تو بہت کم ہی کوئی استعمال کرتا ہوگا، لہٰذا اس میں یہ چار صورتیں جائز نہیں ہیں بھئی۔ بات سمجھ میں آگئی؟ لہٰذا یَا عَدُوِّ، یا کو حذف کر دیں یہ جائز نہیں ہے، یا یا کو الف سے بدل دیں یَا عَدُوَّا یہ جائز نہیں کیونکہ یہ کثیر الاستعمال اور مشہور نہیں ہے۔

تو کہتے ہیں وَهُمَا أَيْ هَذَانِ الْوَجْهَانِ اور یہ دونوں وجہیں جو ہیں، کون سی دو وجہیں؟ آخری دو وجہیں جس میں یا کو گراتے ہیں یا الف سے بدلتے ہیں، تو کہتے ہیں یہ دو وجہیں جو ہیں وَإِنْ كَانَا وَاقِعَيْنِ فِي الْمُنَادَى الْمُضَافِ إِلَى يَاءِ الْمُتَكَلِّمِ اگرچہ یہ دونوں وجہیں واقع ہوتی ہیں اس منادیٰ کے اندر جو مضاف ہو یائے متکلم کی طرف، لَكِنْ لَا يَقَعَانِ فِي كُلِّ مُنَادًى كَذَلِكَ لیکن یہ دو وجہیں واقع نہیں ہوتیں ہر ایسے منادیٰ میں كَذَلِكَ جو ایسا ہو، یعنی جو یا کی طرف مضاف ہو، ہر ایسے منادیٰ میں یہ واقع نہیں ہوتیں، بَلْ فِيمَا غَلَبَ عَلَيْهِ الْإِضَافَةُ إِلَى يَاءِ الْمُتَكَلِّمِ بلکہ یہ اس منادیٰ میں کہ جس کے اندر غالب ہو یعنی وہ کثیر ہو، جس کے اندر کثیر ہو اضافت إِلَى يَاءِ الْمُتَكَلِّمِ کس کی طرف؟ یائے متکلم کی طرف، وَاشْتَهَرَ بِهَا اور وہ اس اضافت کے ساتھ مشہور ہو، سب کو پتہ ہے کہ اس کی اضافت یائے متکلم کی طرف کی جاتی ہے۔ لِتَدُلَّ الشُّهْرَةُ عَلَى الْيَاءِ الْمُغَيَّرَةِ تاکہ اس کی یہ مشہور ہونا وہ دلالت کرے اس یائے مغیرہ پر، یا کو بدل دیا وہ یا مغیرہ ہے اس کو بدل دیا گیا، کتنی صورتیں تھیں بدلنے کی؟ ایک... آخری دو، آخری دو کی بات چل رہی ہے، یا کو بدلا گیا ہے کس طرح؟ ایک میں یا کو حذف کیا اور ایک میں یا کو الف سے بدلا گیا ہے وہی بیان کر رہے ہیں: بِالْحَذْفِ أَوِ الْقَلْبِ وہ یا جس کو بدلا گیا ہے حذف کے ذریعے أَوِ الْقَلْبِ یا اس کو بدل دیا گیا ہے، پلٹ دیا گیا ہے یعنی الف کے ساتھ۔ ترجمہ سمجھ میں آرہا ہے؟ تو کہتے ہیں لِتَدُلَّ الشُّهْرَةُ عَلَى الْيَاءِ الْمُغَيَّرَةِ بِالْحَذْفِ أَوِ الْقَلْبِ تاکہ اس کی یہ جو شہرت ہے یہ دلالت کرے اس یا پر جس کو بدلا گیا ہے حذف کے ذریعے یا قلب کے ذریعے، فَلَا يُقَالُ يَا عَدُوَّ لہٰذا یوں نہیں کہا جائے گا یَا عَدُوِّ، اور وَيَا عَدُوَّا یوں بھی نہیں کہا جائے گا۔ بات سمجھ میں آگئی؟ کیونکہ عَدُوّ کی اضافت یا کی طرف مشہور نہیں اور کثیر الاستعمال نہیں۔

وَقَدْ جَاءَ شَاذًّا اور تحقیق شاذ طور پر آیا ہے فِي الْمُنَادَى منادیٰ کے اندر يَا غُلَامَ۔ جی ایک شاذ صورت بھی بتلا رہے ہیں، انہوں نے بتلایا بھئی جو اسم بھی مضاف ہو یائے متکلم کی طرف اس میں کتنی صورتیں جائز؟ چار۔ پہلی صورت کیا؟

یَا غُلَامِي۔ دوسری صورت؟ یَا غُلَامِيَ۔ تیسری صورت؟ یَا غُلَامِ، یا کو حذف کر لیا۔ چوتھی صورت؟ یَا غُلَامَا، دیکھو یا کو الف سے بدلا۔ ایک پانچویں صورت بھی ہے کہ یہ جو الف ہے اس کو حذف کر دیتے ہیں اور میم پر صرف فتحہ پڑھتے ہیں: یَا غُلَامَ۔ یہ پانچویں صورت ہے لیکن یہ شاذ ہے، یہ کیا ہے؟ شاذ ہے، یعنی یہ نہایت قلیل استعمال ہوئی ہے عربی زبان میں لہٰذا اس پر قانون مرتب نہیں کیا جا سکتا۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو کہتے ہیں وَقَدْ جَاءَ شَاذًّا فِي الْمُنَادَى يَا غُلَامَ بِالْفَتْحِ اور تحقیق شاذ طور پر آیا ہے منادیٰ کے اندر یَا غُلَامَ بھی آیا ہے بِالْفَتْحِ کس کے ساتھ؟ فتحہ کے ساتھ، اِكْتِفَاءً بِالْفَتْحَةِ عَنِ الْأَلِفِ اکتفا کرتے ہوئے فتحہ پر عَنِ الْأَلِفِ الف سے، یعنی الف کو گرا کر فتحہ پر اکتفا کیا گیا ہے یہ بھی آیا ہے لیکن یہ شاذ ہے۔

جی آگے دیکھیے۔ کہتے ہیں: وَيَكُونُ الْمُنَادَى الْمُضَافُ إِلَى يَاءِ الْمُتَكَلِّمِ اور وہ منادیٰ جو مضاف ہو یائے متکلم کی طرف بِالْهَاءِ وہ کس کے ساتھ ہو گا؟ ہا کے ساتھ ہو گا فِي هَذِهِ الْوُجُوهِ كُلِّهَا ان تمام صورتوں میں، یہ جو چار صورتیں بیان ہوئیں، وَقْفًا أَيْ فِي حَالَةِ الْوَقْفِ وقف کی حالت میں۔ تَقُولُ آپ کہتے ہیں: يَا غُلَامِيَهْ، وَيَا غُلَامِيهْ، وَيَا غُلَامِهْ، وَيَا غُلَامَاهْ۔ تو ان سب میں وقف کی حالت میں ہا کے ساتھ کہیں گے فَرْقًا بَيْنَ الْوَقْفِ وَالْوَصْلِ وقف اور وصل میں فرق کرنے کے لیے، تا کہ پتہ چلے کہ وقف ہے یا وصل ہے بھئی۔

وَقَالُوا، جی اب پھر متن متن دیکھیے۔ کہتے ہیں: وَقَالُوا يَا أَبِي وَيَا أُمِّي وَيَا أَبَتِ وَيَا أُمَّتِ فَتْحًا وَكَسْرًا وَبِالْأَلِفِ دُونَ الْيَاءِ۔ يَا أَبِي اور يَا أُمِّي ادھر دیکھیے بھئی۔ دیکھو أُمّ کی اضافت بھی یائے متکلم کی طرف ہے اور أَب کی اضافت بھی یائے متکلم کی طرف ہے: يَا أُمِّي، يَا أَبِي۔ تو اس میں یاد رکھو اس میں بھی وہ چاروں وجہیں جائز ہیں۔ کون کون سی؟ پہلی صورت: يَا أُمِّيَ، يَا أَبِيَ۔ جی دوسری صورت: یا کو ساکن پڑھیں يَا أُمِّي، يَا أَبِي۔ تیسری صورت: یا کو حذف کریں يَا أُمَّ، يَا أَبِ۔ چوتھی صورت: یا کو الف سے بدلیں يَا أُمَّا، يَا أَبَا۔ یہ چار صورتیں جائز۔ اور نیز اس کے اندر تین صورتیں اور بھی جائز ہیں بھئی۔ پہلے کیا تھا؟ یا کو بدلا تھا الف سے، لیکن اس میں یا کو تا سے بدلنا بھی جائز ہے، توجہ ہے؟ اور پھر اس تا کے نیچے کسرہ بھی جائز اور فتحہ بھی اس پر جائز: يَا أُمَّتِ، يَا أَبَتِ، اور اسی تا پر فتحہ بھی جائز: يَا أُمَّتَ، يَا أَبَتَ، توجہ ہے؟ تو پہلے یا کو کس سے بدلا تھا؟ الف سے، اور ان میں یا کو کس سے بدلا ہے؟ تا سے بدلا ہے اور اس تا پر فتحہ بھی جائز اور کسرہ بھی جائز۔ بلکہ تا اور الف دونوں کو بھی لانا جائز ہے، کبھی یا کو کس سے بدلتے تھے؟ الف سے، کبھی کس سے بدلتے ہیں؟ تا سے، تو یہ دونوں عوض ہیں یا کے، یہ دونوں یا کا عوض کبھی کیا لاتے ہیں؟ الف، اور کبھی یا کا عوض کیا لاتے ہیں؟ تا، تو کبھی دونوں عوضوں کو جمع بھی کر دیتے ہیں، اب دونوں کو جمع کرو تا بھی لے آؤ اور ساتھ الف بھی لے آؤ: يَا أُمَّتَا، يَا أَبَتَا۔ بات سمجھ میں آگئی؟ دونوں کو بھی جمع کر دیتے ہیں۔ لیکن تا اور یا کو جمع نہیں کرتے، يَا أُمَّتِي یوں نہیں کہہ سکتے، يَا أَبَتِي نہیں کہہ سکتے۔ بھئی کیوں؟ تا اور الف کو آپ جب جمع کرتے ہیں تو تا اور یا کو بھی جمع کرنا چاہیے؟ کہتے ہیں نہیں بھئی وہ تا اور الف دونوں عوض ہیں کس کے؟ یا کے، لیکن اگر آپ تا کے ساتھ یا کو جمع کر دیں گے تو یہ تا کہاں سے آئی؟ یہ تو یا کا عوض تھی، بھئی یا تو خود موجود ہے، تو پھر

تو عوض اور معوض عنہ کا جمع ہونا لازم آئے گا، اور عوض اور معوض عنہ میں سے ایک آسکتا ہے دونوں۔ بات سمجھ میں آرہی ہے؟ تا اور الف دونوں کا جمع کرنا جائز، کیوں جائز؟ کیونکہ یہ دونوں عوض ہیں کس کا؟ یا کا۔ لیکن تا اور یا کو آپ ساتھ لے آئے تو پھر تو کیا خرابی لازم آئے گی؟ عوض اور معوض عنہ کا جمع ہونا لازم آئے گا، لہٰذا یا کے ساتھ نہیں کہہ سکتے۔

اب دیکھیے ذرا عبارت۔ کہتے ہیں: وَقَالُوا يَا أَبِي وَيَا أُمِّي اور عرب کہتے ہیں يَا أَبِي اور يَا أُمِّي کہتے ہیں، اس میں بھی وہی چار صورتیں۔ وَيَا أَبَتِ وَيَا أُمَّتِ فَتْحًا وَكَسْرًا اس حال میں کہ یہ تا مفتوح اور مکسور ہوتی ہے۔ توجہ ہے؟ یاد رکھو، یہ فَتْحًا وَكَسْرًا یہ حال ہے یہ تا سے، يَا أَبَتِ وَيَا أُمَّتِ میں تا آئی ہے اس تا سے یہ حال ہے فَتْحًا وَكَسْرًا، یہ تا کیا ہوتی ہے؟ کبھی مفتوح اور کبھی مکسور۔ تو یہ فَتْحًا وَكَسْرًا حال ہے۔ توجہ سے سنو، اور یاد رکھو حال کا حمل ہوتا ہے ذوالحال پر، حال کے ذریعے آپ خبر دے رہے ہیں نا ذوالحال کی۔ جَاءَنِي زَيْدٌ رَاكِبًا آیا میرے پاس زید اس حال میں کہ وہ سوار تھا، یہ رَاكِبًا حال ہے کس سے؟ زید سے، کس سے؟ اور یہ حال کا حمل ہوتا ہے، دیکھو اس ذوالحال کو بناؤ مبتدا اور حال کو بنا دو اس کی خبر۔ جَاءَنِي زَيْدٌ رَاكِبًا، ذوالحال کون؟ زید، اس کو بنائیں گے ہم مبتدا، اور رَاكِبًا کیا ہے؟ حال، اس کو ہم بنائیں گے خبر۔ جی بنائیے ملائیے: زَيْدٌ رَاكِبٌ، جی جڑ رہا ہے یا نہیں جڑ رہا؟ زید سوار ہے۔ دیکھا یہ رَاكِب جو حال تھا اس کا حمل ہے کس پر؟ ذوالحال پر۔ اور یہاں پر میں نے بتایا یہ فَتْحًا وَكَسْرًا یہ حال ہیں کس سے؟ یہ جو تا ہے يَا أَبَتِ اور يَا أُمَّتِ اس تا سے یہ حال ہے، اور تو تا ہوئی ذوالحال اور فَتْحًا وَكَسْرًا کیا ہیں؟ حال، اور حال کا حمل ہوتا ہے ذوالحال پر، لہٰذا لے آؤ ذوالحال کو لے آؤ: اَلتَّاءُ، اَلتَّاءُ، اور حال کو لے آؤ: فَتْحًا، اس کو مرفوع کر دو خبر بنا دو: اَلتَّاءُ فَتْحٌ، اَلتَّاءُ كَسْرٌ، کلام نہیں بن رہا بھئی، حمل صحیح نہیں ہو رہا کیونکہ فَتْحٌ اور كَسْرٌ مصدر ہیں، اور آپ جانتے ہیں کہ مصدر وصف ہے اور وصف کا حمل ذات پر صحیح نہیں۔ تو پھر اس کو کبھی اسمِ فاعل کے معنی میں لے لیتے ہیں اور کبھی اسمِ مفعول۔ لہٰذا یہاں، یہاں اس فَتْحًا کو مَفْتُوحٌ کے معنی میں لے لیں گے، اور كَسْرًا کو مَكْسُورٌ یعنی یہ مصدر اسمِ مفعول کے معنی میں ہو جائے گا، کس معنی میں؟ اب جوڑو: اَلتَّاءُ مَفْتُوحٌ اور اَلتَّاءُ مَكْسُورٌ، اب بات ٹھیک بن گئی۔ لیکن یہ تا حرف ہے اور حرف عربی زبان میں زیادہ تر مؤنث استعمال ہوتے ہیں، مذکر بھی استعمال ہوتے ہیں لیکن زیادہ تر مؤنث، لہٰذا وہ جو اسمِ مفعول آپ نے نکالا اس کو مؤنث بنا دو: اَلتَّاءُ مَفْتُوحَةٌ، اَلتَّاءُ مَكْسُورَةٌ۔ معلوم ہوا یہ جو فَتْحًا وَكَسْرًا آیا یہ بمعنی مَفْتُوحَةٌ اور مَكْسُورَةٌ کے ہے۔ تو کہتے ہیں وَيَا أَبَتِ وَيَا أُمَّتِ فَتْحًا وَكَسْرًا اس حال میں کہ یہ تا مفتوح ہوتی ہے وَكَسْرًا اور مکسور ہوتی ہے۔ آگے دیکھیے: وَبِالْأَلِفِ اور نیز الف کے ساتھ بھی کہتے ہیں، یعنی الف بھی ساتھ ملا دیتے ہیں: يَا أَبَتَا، يَا أُمَّتَا۔ دُونَ الْيَاءِ نہ کہ یا بھئی۔

یا کو ساتھ نہیں ملاتے، يَا أَبَتِي یوں نہیں کہتے، کیونکہ پھر کیا خرابی لازم آئے گی؟ عوض اور معوض عنہ کا جمع ہونا لازم آئے گا اور یہ جائز نہیں ہے۔

اب شرح کے ساتھ سارے کو دیکھیے۔ کہتے ہیں: وَقَالُوا أَيِ الْعَرَبُ فِي مُحَاوَرَاتِهِمْ اور عرب کہتے ہیں فِي مُحَاوَرَاتِهِمْ اپنے محاورات میں، اپنی گفتگو میں کہتے ہیں: يَا أَبِي وَيَا أُمِّي، عَلَى الْوُجُوهِ الْأَرْبَعَةِ انہی چار وجہوں پر جو پیچھے ذکر ہوئیں۔ توجہ ہے؟ اس میں یہ کہ عرب کہتے ہیں عَلَى الْوُجُوهِ الْأَرْبَعَةِ انہی چار وجہوں پر، كَسَائِرِ مَا أُضِيفَ إِلَى يَاءِ الْمُتَكَلِّمِ جیسے کہ باقی وہ لفظ جو مضاف ہوں کس کی طرف؟ یائے متکلم کی طرف، جیسے ان میں چار وجہیں تھیں ان میں بھی وہی چار وجہیں ہیں۔ مَعَ وُجُوهٍ أُخَرَ زَائِدَةٍ عَلَيْهَا اور ساتھ کچھ اور وجہیں بھی ہیں جو ان وجہوں پر زائد ہیں، یعنی يَا أَبِي يَا أُمِّي میں وہ چار وجہیں بھی ہیں اور کچھ وجہیں زائد۔ بھئی اس میں کیوں زائد ہیں؟ کہتے ہیں اس لیے کیونکہ یہ تو اور بھی زیادہ کثرت سے استعمال ہوتے ہیں، ماں باپ کو بار بار انسان ندا دیتا ہے بات کرتے ہوئے يَا أَبِي يَا أُمِّي کہتا ہے۔ تو چونکہ یہ سب سے زیادہ کثیر الاستعمال ہیں لہٰذا ان میں اور بھی صورتیں ہیں بھئی۔ تو کہتے ہیں مَعَ وُجُوهٍ أُخَرَ زَائِدَةٍ عَلَيْهَا اور کچھ اور ایسی وجہیں جو ان وجہوں پر زائد ہیں لِكَثْرَةِ اسْتِعْمَالِ نِدَائِهِمَا فِي كَلَامِهِمْ اس وجہ سے کہ عربوں کے کلام میں ان کی ندا کثیر الاستعمال ہے۔ كَمَا أَشَارَ إِلَيْهَا بِقَوْلِهِ جیسے کہ اس کی طرف اشارہ کیا مصنف صاحبِ کافیہ نے اپنے اس قول کے ذریعے: کہتے ہیں وَيَا أَبَتِ وَيَا أُمَّتِ أَيْ قَالُوا یعنی عرب کہتے ہیں يَا أَبَتِ وَيَا أُمَّتِ أَيْضًا یہ بھی کہتے ہیں بِإِبْدَالِ الْيَاءِ بِالتَّاءِ یا کو تا سے بدلتے ہوئے، فَتْحًا وَكَسْرًا، میں نے کیا بتلایا؟ یہ فَتْحًا کس معنی میں ہے یہاں؟ مَفْتُوحَةً، اور كَسْرًا کس معنی میں ہے؟ مَكْسُورَةً، وہی آگے بیان کر رہے ہیں: أَيْ حَالَ كَوْنِ التَّاءِ مَفْتُوحَةً اس حال میں کہ یہ تا کیا ہو؟ مفتوح ہو عَلَى وَفْقِ حَرَكَةِ الْيَاءِ یا کی حرکت کے موافق۔ بھئی يَا أَبَتَ، یہ تا پر فتحہ کیوں پڑھتے ہیں؟ تو وجہ بتا رہے ہیں کہ چونکہ يَا أُمِّيَ دیکھو یا پر فتحہ پڑھتے تھے یا نہیں؟ تو لہٰذا اس تا پر بھی کیا پڑھتے ہیں؟ فتحہ، تاکہ اس کی حرکت یا کی حرکت کے موافق ہو جائے، تاکہ اس تا کی حرکت یا کی حرکت کے موافق ہو جائے۔ اور يَا أَبَتِ یہ کسرہ کیوں پڑھتے ہیں؟ کہتے ہیں اس لیے کیونکہ یہ تا کس کی جگہ آئی ہے؟ یا کی جگہ، اور کسرہ کی یا کے ساتھ مناسبت ہے۔ تو کہتے ہیں أَيْ حَالَ كَوْنِ التَّاءِ مَفْتُوحَةً اس حال میں کہ وہ تا مفتوح ہو عَلَى وَفْقِ حَرَكَةِ الْيَاءِ یا کی حرکت کے موافق، أَوْ مَكْسُورَةً یا وہ تا مکسور ہو لِمُنَاسَبَةِ الْيَاءِ یا کے ساتھ مناسبت کی وجہ سے۔

وَقَدْ جَاءَ الضَّمُّ أَيْضًا اور اس کے اندر ضمہ بھی آیا ہے، نَحْوُ يَا أَبَتُ وَيَا أُمَّتُ۔ تو بھئی اس میں ضمہ بھی آیا ہے تو صاحبِ کافیہ نے تو صرف فتحہ اور کسرہ ذکر کیا، ضمہ ذکر نہیں کیا، تو صاحبِ جامی بتائیں گے کہ ضمہ شاذ ہے، قلیل آیا ہے۔ تو يَا أَبَتُ يَا أُمَّتُ بھی کہتے ہیں لیکن یہ شاذ ہے، قلیل ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ بھئی یہ ضمہ اس پر کیوں پڑھتے ہیں؟ کہتے ہیں اس سارے کو منادیٰ مفرد معرفہ کے درجے میں اتار لیا۔ يَا أَبَتُ اس کو کس کے درجے میں اتار لیا؟ منادیٰ مفرد معرفہ، اور منادیٰ مفرد معرفہ کیا ہوتا ہے؟ مبنی علی الضم، تو اس لیے اس پر ضمہ بھی پڑھ دیتے ہیں۔ تو یہ اس کے درجے میں اتار لیا۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو کہتے ہیں يَا أَبَتُ وَيَا أُمَّتُ لِإِجْرَائِهِ مَجْرَى الْمُفْرَدِ الْمَعْرِفَةِ اس کو قائم مقام کرتے ہوئے مفرد معرفہ کے، وَلَمْ يَذْكُرْهُ لِلْقِلَّةِ اور اس ضمہ کو صاحبِ کافیہ نے ذکر نہیں فرمایا اس کے قلیل ہونے کی وجہ سے۔ وَقَالُوا يَا أَبَتَا وَيَا أُمَّتَا بِالْأَلِفِ بَعْدَ التَّاءِ

اور عرب یَا أَبَتَا اور یَا أُمَّتَا بھی کہتے ہیں تا کے بعد الف کے ساتھ جَمْعًا بَيْنَ الْعِوَضَيْنِ جمع کرتے ہوئے دونوں عوضین کو۔ یا کا عوض کبھی تا اور کبھی الف، تو دونوں عوضین کو جمع بھی کر دیتے ہیں: یَا أَبَتَا اور یَا أُمَّتَا۔ دُونَ الْيَاءِ نہ کہ یا کے ساتھ۔ فَمَا قَالُوا پس وہ یوں نہیں کہتے یَا أَبَتِي وَيَا أُمَّتِي۔ بھئی یہ کیوں نہیں کہتے؟ کہتے ہیں اِحْتِرَازًا عَنِ الْجَمْعِ بَيْنَ الْعِوَضِ وَالْمُعَوَّضِ عَنْهُ احتراز کرنے کے لیے اس بات سے کہ جمع کیا جائے عوض اور معوض عنہ کو، اس سے بچنے کے لیے، فَإِنَّهُ غَيْرُ جَائِزٍ اس لیے کیونکہ یہ جائز نہیں ہے کہ عوض اور معوض عنہ کو جمع کیا جائے۔

وَقَالُوا يَا ابْنَ أُمِّي وَيَا ابْنَ عَمِّي خَاصَّةً۔ جی متن متن دیکھیے۔ وَقَالُوا اور عرب کہتے ہیں يَا ابْنَ أُمِّي وَيَا ابْنَ عَمِّي خَاصَّةً خاص طور پر یہ کہتے ہیں مِثْلُ بَابِ غُلَامِي کس کی طرح؟ بابِ غلامی کی طرح۔ بابِ غلامی میں کتنی صورتیں جائز تھیں؟ چار: يَا غُلَامِي، يَا غُلَامِيَ، يَا غُلَامِ، يَا غُلَامَا۔ یہ چار صورتیں يَا ابْنَ أُمِّي اور يَا ابْنَ عَمِّي کے اندر بھی جائز ہیں۔ کس کے اندر؟ بھئی يَا ابْنَ أُمِّي اور يَا ابْنَ عَمِّي یہ مختلف ہے يَا غُلَامِي سے۔ يَا غُلَامِي کے اندر منادیٰ کون تھا؟ غلام، اور وہ منادیٰ مضاف تھا کس کی طرف؟ یا کی طرف۔ اور یہاں دیکھو يَا ابْنَ أُمِّي اس میں منادیٰ کون؟ اِبْن، کون ہے؟ اِبْن، اور اِبْن یا کی طرف مضاف نہیں ہے بلکہ اِبْن، أُمّ کی طرف مضاف ہے جو آگے پھر یا کی طرف مضاف ہے۔ وہاں منادیٰ يَا غُلَامِي میں غلام براہِ راست یا کی طرف مضاف تھا، اور یہاں اِبْن منادیٰ ہے لیکن وہ یا کی طرف مضاف نہیں بلکہ وہ آگے ایک اور اسم کی طرف مضاف ہے اور وہ اسم آگے پھر یا کی طرف مضاف ہے۔ تو فرق سمجھ میں آیا؟ تو لہٰذا اس میں تو چار وجہیں جائز نہیں ہونی چاہئیں، چار وجہیں تو صرف اس منادیٰ میں جائز تھیں جو خود براہِ راست کس کی طرف مضاف ہو؟ یا کی طرف۔ لیکن کہتے ہیں يَا ابْنَ أُمِّي اور يَا ابْنَ عَمِّي میں بھی وہی چاروں وجہیں جائز ہیں۔ بھئی کیوں چار وجہیں کیوں جائز؟ کہتے ہیں چونکہ یہ کثیر الاستعمال ہیں، یہ عربی زبان میں کثرت سے استعمال کرتے ہیں۔ يَا ابْنَ أُمِّي کیا معنی؟ اے میری ماں کے بیٹے، یعنی اے میرے بھائی۔ تو عرب ہر ایک سے بات کرتے ہوئے کہتے ہیں يَا ابْنَ أُمِّي اے میرے بھائی، اے میری ماں کے بیٹے۔ تو یہ کثیر الاستعمال ہے۔ اسی طرح يَا ابْنَ عَمِّي اے میرے چچا کے بیٹے، اے میرے چچا زاد۔ کوئی چچا زاد ہو یا نہ ہو ہر ایک سے بات کرتے ہوئے عرب یہ لفظ بولتے ہیں۔ کسی سے بھی بات کر رہے ہوں محبت کے طور پر کہتے ہیں يَا ابْنَ أُمِّي اے میری ماں کے بیٹے یعنی میرے بھائی۔ بھائی تو نہیں ہوتا حقیقت میں لیکن ہر ایک کے لیے عرب یہ استعمال کرتے ہیں، اور يَا ابْنَ عَمِّي بھی ہر ایک کے لیے استعمال کرتے ہیں۔ تو چونکہ یہ کثیر الاستعمال ہیں لہٰذا خاص طور پر ان میں بھی وہی چاروں وجہیں جائز ہیں۔ تو کیسے پڑھیں گے؟ يَا ابْنَ أُمِّي ایک صورت۔ دوسری صورت: يَا ابْنَ أُمِّيَ۔ تیسری صورت: يَا ابْنَ أُمِّ، یا کو گرا دیں۔ اور چوتھی صورت: يَا ابْنَ أُمَّا، یا کو الف سے بدل دیں۔ بات سمجھ میں آگئی؟

پہلے متن متن دیکھیے۔ تو کہتے ہیں وَقَالُوا اور عرب کہتے ہیں يَا ابْنَ أُمِّي وَيَا ابْنَ عَمِّي خَاصَّةً اور عرب جو ہیں يَا ابْنَ أُمِّي اور يَا ابْنَ عَمِّي کہتے ہیں خاص طور پر، مِثْلُ بَابِ يَا غُلَامِي کس کی طرح؟ بابِ يَا غُلَامِي کی طرح، یعنی اس میں بھی چاروں

وجہیں جائز ہیں۔ وَقَالُوا يَا ابْنَ أُمَّ وَيَا ابْنَ عَمَّ اور نیز عرب يَا ابْنَ أُمَّ اور يَا ابْنَ عَمَّ بھی کہتے ہیں۔ یہ کون سی صورت ہے؟ یا کو بدلا الف سے، اور پھر اس الف کو بھی حذف کر لیا، تو کیا کہتے ہیں؟ يَا ابْنَ أُمَّ اور يَا ابْنَ عَمَّ۔ صرف فتحہ پر اکتفا کر لیا، آخر سے وہ الف بھی اڑا دیا۔ يَا غُلَامِي کے اندر بھی دیکھو انہوں نے بتایا تھا يَا غُلَامَا کبھی الف کو بھی حذف کرتے ہیں اور کیا کہتے ہیں؟ يَا غُلَامَ، لیکن وہاں کہا تھا وہ شاذ ہے، وہ شاذ، اور یہاں یہ شاذ نہیں ہے یہاں یہ عام استعمال ہوتا ہے۔ بھئی کیا وجہ ہے وہاں شاذ ہے اور یہاں عام استعمال ہوتا ہے؟ تو آپ کو بتائیں کہ وجہ یہ کہ یہاں دو تین لفظ آ گئے ہیں تو بات بڑی لمبی ہو گئی ہے، تو اس لیے تخفیف کے طور پر یہاں الف کو بھی پھر حذف کر لیتے ہیں۔ وہاں تو صرف يَا غُلَامَا غلام اور الف تھا، اور یہاں، یہاں تو اِبْن ہے آگے أُمّ یا عَمّ کا لفظ ہے اور آگے پھر الف بھی ہے تو پھر آخر سے الف کو حذف کر لیتے ہیں۔ بات سمجھ میں آ گئی؟

دیکھیے بھئی۔ تو کہتے ہیں وَقَالُوا اور عرب کہتے ہیں يَا ابْنَ أُمِّي وَيَا ابْنَ عَمِّي خَاصَّةً خاص طور پر۔ هَذَا الِاخْتِصَاصُ بِالنَّظَرِ إِلَى الْأُمِّ وَالْعَمِّ۔ آپ کو بتلائیں گے انہوں نے کیا کہا عرب يَا ابْنَ أُمِّي اور يَا ابْنَ عَمِّي کہتے ہیں خاص طور پر۔ بھئی خاص طور پر صاحبِ جامی آپ کو بتلائیں گے یہ خاص طور کا تعلق، یہ لفظوں پہ نظر رکھو: يَا ابْنَ أُمِّي اور يَا ابْنَ عَمِّي۔ یہ جو کہا نا خاص طور پر یہ أُمّ اور عَمّ کی نسبت سے کہا ہے، توجہ ہے؟ منادیٰ کون؟ اِبْن، اور وہ مضاف ہے، آگے أُمّ کا لفظ وہ مضاف الیہ ہے اِبْن کے لیے، اور آگے پھر یہ أُمّ کا لفظ مضاف بن رہا ہے کس کے لیے؟ یا کے لیے، توجہ ہے؟ تو یہ جو کہا نا خاص طور پر یہ أُمّ اور عَمّ یعنی مضاف الیہ کی نسبت سے یہ خاص ہے، یعنی کیا معنی؟ یعنی یہ أُمّ کی جگہ یا عَمّ کی جگہ کوئی اور لفظ آ جائے تو پھر جائز نہیں ہیں یہ چار وجہیں۔ مثلاً میں أُمّ کی جگہ أَخ لے آتا ہوں: يَا ابْنَ أَخِي اے میرے بھائی کے بیٹے۔ يَا ابْنَ أَخِي۔ تو میں نے أُمّ کو کس سے بدل دیا؟ أَخ کے ساتھ، کس کے ساتھ؟ تو اس میں چار صورتیں جائز نہیں ہیں۔ بات سمجھ میں آ گئی؟ اسی طرح عَمّ کی جگہ میں خَال لے آتا ہوں، عَمّ کہتے ہیں چچا کو اور خَال عربی زبان میں ماموں کو کہتے ہیں خَا اَلِف لَام خال۔ تو میں کیا کہنا چاہتا ہوں؟ يَا ابْنَ خَالِي اے میرے ماموں کے بیٹے۔ اس میں بھی یہ چار وجہیں جائز نہیں کیونکہ میں نے عَمّ کو بدل دیا کس سے؟ خَال سے۔ تو یہ جو کہا نا خاص طور پر چار وجہیں جائز ہیں یہ کس کے اعتبار سے ہیں؟ أُمّ اور عَمّ کے اعتبار سے ہیں، یعنی مضاف جو اِبْن ہے اس کے اعتبار سے نہیں۔ بھئی کیوں؟ اس کے اعتبار سے کیوں نہیں؟ کہتے ہیں اس لیے کیونکہ اِبْن کی جگہ اگر آپ بِنْت لے آئیں تو اس میں بھی یہ چار وجہیں جائز ہیں: يَا بِنْتَ أُمِّي، يَا بِنْتَ أُمِّيَ، يَا بِنْتَ أُمِّ، يَا بِنْتَ أُمَّا۔ توجہ ہے؟ تو بِنْت لے آئیں تو بھی یہ چاروں، یہ ساری وجہیں جائز ہیں۔ معلوم ہوا یہ جو اختصاص ذکر کیا ہے یہ مضاف کے اعتبار سے نہیں ہے بلکہ مضاف الیہ یعنی أُمّ اور عَمّ کے اعتبار سے ہے کہ یہ ہونے چاہئیں، ان کا ہونا ضروری ہے، اِبْن کی جگہ چاہے بِنْت بھی آ جائے۔ جب کہ بعض علماء نے کہا ہے یہ دونوں کے اعتبار سے ہے: اِبْن اور اس کے ساتھ بِنْت کو بھی ملا دیں، باقی کوئی اور لفظ لے آئیں پھر جائز نہیں ہے مثلاً غُلَام کا لفظ لے آتا ہوں: يَا غُلَامَ أُمِّي اے میری ماں کے غلام،

یَا غُلَامَ عَمِّي اے میرے چچا کے غلام۔ اس میں دیکھو میں نے غلام کو، مضاف کو بدل دیا، لیکن اس میں بھی یہ چار وجہیں جائز نہیں صرف کس میں جائز ہیں؟ اِبْن میں اور بِنْت میں ہے بھئی۔ تو گویا دونوں کی طرف نظر کرتے ہوئے اختصاص ہے، جب کہ صاحبِ جامی کیا فرما رہے ہیں؟ صرف أُمّ اور عَمّ کی طرف نظر کرتے ہوئے اختصاص ہے بھئی۔

تو کہتے ہیں وَقَالُوا يَا ابْنَ أُمِّي وَيَا ابْنَ عَمِّي خَاصَّةً، هَذَا الِاخْتِصَاصُ بِالنَّظَرِ إِلَى الْأُمِّ وَالْعَمِّ یہ جو اختصاص ہے أُمّ اور عَمّ کی طرف نظر کرتے ہوئے ہے، أَيْ لَا يُقَالُ يَا ابْنَ أَخِ وَيَا ابْنَ خَالِ یعنی یوں نہیں کہا جاتا يَا ابْنَ أَخِ، یا کو حذف کر دیں اور يَا ابْنَ أَخِ کہیں، نہیں کہہ سکتے، وَيَا ابْنَ خَالِ، یا کو حذف کر دیں اور يَا ابْنَ خَالِ کہیں، یہ بھی نہیں کہہ سکتے، بَلْ يُقَالُ بلکہ یوں کہا جائے گا: يَا ابْنَ أَخِي یا کے ساتھ، وَيَا ابْنَ خَالِي اس میں بھی یا ہے بھئی۔ لَا بِالنَّظَرِ إِلَى الِابْنِ أَيْضًا اِبْن کی طرف نظر کرتے ہوئے نہیں ہے، فَإِنَّهُمْ يَقُولُونَ اس لیے کیونکہ عرب کہتے ہیں: يَا بِنْتَ أُمِّي وَيَا بِنْتَ عَمِّي دیکھو اِبْن کی جگہ بِنْت بھی لے آتے ہیں پھر بھی اس میں یا کو گرا دیتے ہیں۔ تو اسی طرح عرب کہتے ہیں عَلَى الْوُجُوهِ الْأَرْبَعَةِ چاروں صورتوں پر، چاروں طرح کہتے ہیں۔ تو يَا ابْنَ أُمِّي اور يَا ابْنَ عَمِّي خاص ہیں مِثْلُ بَابِ يَا غُلَامِي کس کی طرح؟ يَا غُلَامِي کے باب کی طرح۔ فَقَالُوا پس عرب کہتے ہیں يَا ابْنَ أُمِّي وَيَا ابْنَ عَمِّي دیکھو یا ساکن ہے، اور آپ چاہیں تو یا پر فتحہ بھی یہیں پڑھ دیں يَا ابْنَ أُمِّيَ وَيَا ابْنَ عَمِّيَ بِفَتْحِ الْيَاءِ وَسُكُونِهَا، یہ یا کے فتحہ اور سکون دونوں کے ساتھ کہتے ہیں۔ وَيَا ابْنَ أُمِّ وَيَا ابْنَ عَمِّ بِحَذْفِ الْيَاءِ اور اسی طرح يَا ابْنَ أُمِّ اور يَا ابْنَ عَمِّ بھی کہتے ہیں یا کو حذف کرتے ہوئے وَلِلِاكْتِفَاءِ بِالْكَسْرَةِ اور کسرہ پر اکتفا کرتے ہوئے، وَيَا ابْنَ أُمَّا وَيَا ابْنَ عَمَّا اور یوں بھی کہتے ہیں بِإِبْدَالِ الْيَاءِ أَلِفًا یا کو الف سے بدل کر۔ وَقَالُوا اور عرب کہتے ہیں بِزِيَادَةِ وَجْهٍ آخَرَ ایک اور وجہ کی زیادتی کے ساتھ، یعنی اس يَا ابْنَ أُمِّي اور يَا ابْنَ عَمِّي میں ایک اور وجہ کے ساتھ بھی کہتے ہیں شَذَّ فِي الْمُضَافِ إِلَى يَاءِ الْمُتَكَلِّمِ وہ وجہ جو شاذ تھی یائے متکلم کی طرف مضاف میں، یعنی يَا غُلَامِي اس میں ایک وجہ کیا تھی؟ يَا غُلَامَ، کہ الف کو حذف کر دیں، وہ وہاں شاذ تھی لیکن اس میں عرب وہ بھی کہتے ہیں۔ تو کہتے ہیں وَقَالُوا بِزِيَادَةِ وَجْهٍ آخَرَ شَذَّ فِي الْمُضَافِ إِلَى يَاءِ الْمُتَكَلِّمِ اور عرب جو ہے اس کے اندر ان

سبق نمبر ۱۲۷: الترخیم (۱): ترخیمِ منادیٰ کی تعریف اور شرائطِ جواز

شرحِ ملا جامی صفحہ: ۹۹ — بتاریخ: ۸ جنوری ۲۰۲۲ء

▪ تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث

آگے دیکھیے بھئی سبق: وَ لَمَّا كَانَ مِنْ خَصَائِصِ النِّدَاءِ التَّرْخِيْمُ شَرَعَ فِيْ بَيَانِهٖ فَقَالَ: وَ تَرْخِيْمُ الْمُنَادٰى جَائِزٌ، أَيْ وَاقِعٌ فِيْ سَعَةِ الْكَلَامِ مِنْ غَيْرِ ضَرُوْرَةٍ شِعْرِيَّةٍ دَعَتْ إِلَيْهِ، فَإِنْ دَعَتْ إِلَيْهِ ضَرُوْرَةٌ فَبِالطَّرِيْقِ الْأَوْلٰى، وَ هُوَ فِيْ غَيْرِهٖ أَيْ غَيْرِ الْمُنَادٰى وَاقِعٌ ضَرُوْرَةً أَيْ لِضَرُوْرَةٍ شِعْرِيَّةٍ دَاعِيَةٍ إِلَيْهِ لَا فِيْ سَعَةِ الْكَلَامِ۔[1]

گزشتہ سبق میں کچھ خاص قسم کے جو منادیٰ تھے ان کے احکام ذکر فرما رہے تھے صاحبِ کافیہ۔ صاحبِ کافیہ نے آپ کو بتلایا کہ يَا تَيْمُ تَيْمَ عَدِيٍّ جیسی ترکیبوں کے اندر یہ جو پہلا تَيْم ہے اس پر ضمہ بھی جائز ہے اور نصب بھی جائز ہے۔ جبکہ دوسرا تَيْم جو ہے اس پر صرف نصب پڑھیں گے۔ تو کیسے پڑھ سکتے ہیں؟ يَا تَيْمُ تَيْمَ عَدِيٍّ۔ یا پہلے پر بھی فتحہ پڑھو: يَا تَيْمَ تَيْمَ عَدِيٍّ۔ اور اس جیسی مثالوں سے مراد ایسی ترکیبیں ہیں جن کے اندر منادیٰ مفرد معرفہ صورتاً مکرر واقع ہو بھئی۔ اور جو دوسرا ہے یعنی جو تاکید ہے اس کے بعد ایک اسم واقع ہو جو مجرور ہو اضافت کی وجہ سے۔ تو اس قسم کے منادیٰ میں پہلے لفظ پر ضمہ اور نصب دونوں جائز ہیں۔ ضمہ اس لیے کیونکہ وہ منادیٰ مفرد معرفہ ہے اور منادیٰ مفرد معرفہ ہو تو وہ مبنی علی الضم ہوتا ہے۔ اور دوسرا جو ہے وہ منصوب ہوگا کیونکہ وہ مضاف ہے عَدِيٍّ کی طرف۔ اور منادیٰ جب مضاف ہو تو وہ منصوب ہوتا ہے، تو اس کی جو تاکید آجائے جو اس کا تابع آجائے وہ بطریقِ اولیٰ منصوب ہوگا۔ اور پہلے تَيْم پر نصب اس لیے جائز ہے

[1]

جدول — ترخیمِ منادیٰ کی شرائط اور دونوں لغات:

مبحث	ضابطہ	مثال
شرائطِ جواز	منادیٰ علم ہو یا مؤنث بالتاء، غیر مضاف و غیر مستغاث ہو، ۳ حروف سے زائد ہو	يَا حَارِثُ سے يَا حَارِ، يَا عَائِشَةُ سے يَا عَائِشَ
دو لغات	لغتِ من ينتظر (حرکتِ اصلی باقی) اور لغتِ من لا ينتظر (ضمہ)	يَا جَعْفَ (من ينتظر) / يَا جَعْفُ (من لا ينتظر)

کیونکہ یہ پہلا تَیْم مضاف ہے اسی عَدِیٌّ مذکور کی طرف، امام سیبویہ کے نزدیک۔ تو پہلا تَیْم مضاف ہے اور منادیٰ مضاف ہو تو منصوب ہوتا ہے، اور اسی طرح اس کی جو تاکید ہے وہ بھی منصوب ہو گی۔ اور امام مبرد فرماتے ہیں کہ یہ جو پہلا تَیْم ہے وہ عَدِیٌّ محذوف کی طرف مضاف ہے، اور یہ ثانی عَدِیّ اس پر قرینہ ہے، یہ ثانی عَدِیّ بتلا رہا ہے کہ پہلے تَیْم کا مضاف محذوف ہے۔ تو پہلے تَیْم پر ضمہ اور نصب دونوں جائز جبکہ ثانی پر نصب ہی پڑھیں گے بھئی۔

اور پھر یہ بھی آپ کو بتلایا تھا کہ وہ منادیٰ جو مضاف ہو یائے متکلم کی طرف، اس کے اندر چار وجہیں پڑھنا جائز ہیں۔ یا کے سکون کے ساتھ: یَا غُلَامِیْ، دیکھو غُلَام منادیٰ ہے جو مضاف ہے یائے متکلم کی طرف، تو اس یا کو ساکن پڑھنا بھی جائز: یَا غُلَامِیْ۔ اور اس یا پر فتحہ پڑھنا بھی جائز: یَا غُلَامِیَ۔ اور اس یا کو حذف کرنا اور ماقبل والے کسرہ پر اکتفا کرنا بھی جائز ہے، لیکن یہ اسی وقت ہو گا جب یا سے ماقبل کسرہ ہو۔ جیسے یَا غُلَامِ، دیکھو یا کو گرا دیا اور میم کا کسرہ بتلا رہا ہے کہ یہاں یا حذف ہوئی ہے۔ اس لیے کیونکہ اگر یا نہ ہوتی تو یَا غُلَامُ، پھر تو اس کو مبنی علی الضم ہونا چاہیے تھا، کیونکہ منادیٰ مفرد معرفہ ہو تو مبنی علی الضم ہوتا ہے۔ تو یہاں پر یہ میم کا کسرہ بتلائے گا کہ یہاں سے یا حذف ہوئی ہے۔ اور اگر یا سے ماقبل پر کسرہ نہ ہو پھر یا کو گرانا جائز نہیں، جیسے یَا فَتَایَ۔ فَتًی جوان کو کہتے ہیں، یہ اسمِ مقصور ہے بھئی۔ تو یَا فَتَایَ، اب یہاں سے اگر یا کو حذف کر دیں گے تو یَا فَتَا یہ باقی رہ جائے گا اور پھر پتہ نہیں چلے گا کہ یہاں سے یا حذف ہوئی ہے۔ اور اسی طرح چوتھی صورت یہ ہے کہ اس یا کو الف سے بدل دیا جائے: یَا غُلَامَا۔ اور صاحبِ جامی نے آپ کو بتلایا تھا کہ بعض اوقات اس الف کو بھی حذف کر لیا جاتا ہے اور صرف فتحہ پر اکتفا کر لیا جاتا ہے: یَا غُلَامَ، لیکن یہ شاذ ہے۔ یہ شاذ ہے۔ اور یہ بھی آپ کو بتلایا تھا کہ یہ چار وجہیں جو ہیں اس منادیٰ کے اندر جائز ہیں جس کی اکثر اضافت کی جاتی ہو یائے متکلم کی طرف، اور وہ اس اضافت کے ساتھ مشہور بھی ہو بھئی۔ اگر اکثر اس کی اضافت یا کی طرف نہیں کی جاتی پھر اس میں اس طرح پڑھنا جائز نہیں ہے، جیسے یَا عَدُوِّ آپ یا کو حذف کر دیں یا یَا عَدُوَّا آپ یا کو الف سے بدل دیں، یہ جائز نہیں ہے بلکہ یہاں یَا عَدُوِّیْ ہی کہنا پڑے گا۔ اور صاحبِ کافیہ نے آپ کو بتلایا تھا کہ یہ جو چار وجہیں ہیں ان میں سے آخری دو وجہیں منادیٰ کے اندر کثیر ہیں، یعنی یا کو حذف کر لینا اور ماقبل کے کسرہ پر اکتفا کرنا اور یا کو الف سے بدل دینا یہ کثیر ہیں۔

اور میں نے آپ کو ایک اور فائدہ بھی بتلایا تھا کہ جو بھی اسم یائے متکلم کی طرف مضاف ہو جائے تو وہاں پر بھی یا کو دونوں طرح پڑھ سکتے ہیں: یا کو ساکن بھی پڑھ سکتے ہیں اور یا پر فتحہ بھی۔ کِتَاب کی اضافت آپ یا کی طرف کرتے ہیں تو کِتَابِیْ یا کو ساکن پڑھیں، یا یا پر فتحہ پڑھیں کِتَابِیَ، دونوں طرح پڑھ سکتے ہیں۔ تو جہاں کہیں بھی کوئی اسم مضاف ہو جائے یائے متکلم کی طرف وہاں دونوں طرح یا کو پڑھ سکتے ہیں، ساکن بھی اور اس پر فتحہ بھی۔ پھر اس کے بعد بتلایا تھا کہ انہی کے ساتھ وقف کی حالت میں ہا کو بھی جوڑ دیتے ہیں: یَا غُلَامِیَهْ، یَا غُلَامِیَهْ، یَا غُلَامِهْ، یَا غُلَامَاهْ، تاکہ فرق ہو جائے وقف اور وصل کے درمیان۔ تو وقف کی حالت میں ہا بھی جوڑ سکتے ہیں بھئی۔

اور پھر آگے بتلایا تھا کہ یَا أَبِیْ و یَا أُمِّیْ یہ تو سب سے زیادہ کثیر الاستعمال ہیں، لہٰذا ان میں بھی یہ چار وجہیں بھی جائز اور تین وجہیں ان کے اندر اور بھی جائز ہیں۔ پہلی چار وجہیں کون سی؟ یَا أَبِیْ، یَا أُمِّیْ یا کو ساکن پڑھا۔ یا پھر یا پر فتحہ پڑھیں: یَا أَبِیَ، یَا أُمِّیَ۔ جی، یا یا کو حذف کر دیں: یَا أَبِ، یَا أُمِّ۔ یا یا کو الف سے بدل دیں: یَا أَبَا، یَا أُمَّا۔ اس کے علاوہ اس یا کو تا سے بدلنا بھی جائز ہے: یَا أَبَتِ، یَا أُمَّتِ۔ اور اس تا پر فتحہ اور کسرہ دونوں جائز ہیں۔ کسرہ بھی: یَا أَبَتِ، یَا أُمَّتِ۔ اور فتحہ بھی: یَا أَبَتَ، یَا أُمَّتَ۔ تو یا کو کبھی کبھار تا سے بدلتے ہیں اور کبھی الف سے، تو دونوں کو بھی یہاں جمع کرنا جائز ہے، دونوں عوض جو ہیں یا کے ان کو بھی جمع کرنا جائز ہے: یَا أَبَتَا دیکھو تا اور الف دونوں لے آئے، یَا أُمَّتَا۔ لیکن تا اور یا کو جمع کرنا جائز نہیں۔ آپ یوں نہیں کہہ سکتے یَا أَبَتِیْ، یَا أُمَّتِیْ۔ بھئی کیوں نہیں کہہ سکتے؟ وجہ یہ کہ یہ تا عوض ہے یا کا، اور حالانکہ یا تو خود موجود ہے، اور عوض اور معوض عنہ دونوں کا جمع کرنا جائز نہیں، دونوں میں سے ایک آسکتا ہے۔ تو لہٰذا تا اور یا، تا عوض ہے اور یا معوض عنہ ہے، دونوں کو جمع کرنا جائز نہیں۔ لہٰذا آپ یوں نہیں کہہ سکتے یَا أَبَتِیْ اور یَا أُمَّتِیْ۔ اور ایک اور وجہ بھی انہوں نے آپ کو بتلائی تھی کہ اس تا کے اندر ضمہ بھی جائز ہے: یَا أَبَتُ، یَا أُمَّتُ، لیکن اس کو صاحبِ کافیہ نے ذکر نہیں کیا کیونکہ وہ نہایت قلیل ہے بھئی، اور قلیل کا کوئی اعتبار نہیں بھئی، اس کو معدوم شمار کیا جاتا ہے۔

اور پھر آپ کو بتلایا تھا یَا ابْنَ أُمِّیْ اور یَا ابْنَ عَمِّیْ۔ یہ اس میں خاص طور پر ان میں بھی بابِ غُلَامِیْ کی طرح چار وجہیں جائز ہیں۔ حالانکہ اس میں پہلے یَا غُلَامِیْ اس کے اندر تو منادیٰ مضاف تھا یائے متکلم کی طرف، لیکن یہاں یَا ابْنَ أُمِّیْ منادیٰ تو ابْن ہے اور وہ تو یا کی طرف مضاف نہیں ہے، وہ تو أُمّ کی طرف مضاف ہے اور پھر أُمّ جو ہے وہ یا کی طرف مضاف ہے، تو یہ یَا غُلَامِیْ کی طرح نہیں۔ اور یَا غُلَامِیْ میں تو چار وجہیں جائز تھیں، اس میں چار وجہیں جائز نہیں ہونی چاہئیں، لیکن چونکہ یہ کثیر الاستعمال ہیں، عرب ہر ایک سے بات کرتے ہوئے کہہ دیتے ہیں یَا ابْنَ أُمِّیْ یعنی اے میری ماں کے بیٹے یعنی اے میرے بھائی بھئی، جس سے بھی بات کر رہے ہوں چاہے بھائی ہے چاہے نہیں ہے، بطورِ محبت کے یَا ابْنَ أُمِّیْ کہتے ہیں، یا یَا ابْنَ عَمِّیْ اے میرے چچا کے بیٹے۔ تو چونکہ یہ بھی کثیر الاستعمال ہیں اس لیے ان کے اندر بھی وہ چار وجہیں پڑھنا جائز ہیں۔ تو کیسے پڑھیں گے؟ یَا ابْنَ أُمِّیْ اور اسی طرح یَا ابْنَ عَمِّیْ یا کو ساکن پڑھا۔ یا یا پر فتحہ پڑھیں: یَا ابْنَ أُمِّیَ، یَا ابْنَ عَمِّیَ۔ یا یا کو گرا دیں: یَا ابْنَ أُمِّ، یَا ابْنَ عَمِّ۔ یا یا کو الف سے بدل دیں: یَا ابْنَ أُمَّا، یَا ابْنَ عَمَّا۔ اور ان کے اندر ایک پانچویں وجہ بھی جائز ہے کہ الف کو گرا کر صرف فتحہ پر اکتفا کر لیا جائے، وہ وجہ جو یَا غُلَامِیْ کے اندر جو وجہ شاذ تھی یعنی یَا غُلَامَ، یوں پڑھنا شاذ تھا لیکن وہ یہاں شاذ نہیں، وہ یہاں پر جائز ہے۔ وجہ یہ کہ لفظ بڑا لمبا ہو گیا، پہلے مضاف آیا پھر آگے ایک اور مضاف آیا اور پھر آخر میں یا مضاف الیہ آئی، تو تین لفظ آگئے تو لفظ لمبا ہو گیا تھا، اور نیز کثرتِ استعمال کی وجہ سے، اور نیز یہاں پر تضعیف بھی ہے میم مشدد ہے، أُمّ کے اندر بھی میم مشدد اور عَمّ کے اندر بھی میم مشدد، اور تضعیف بھی ثقل پیدا کرتی ہے۔ تو ان تین وجہوں کی وجہ سے یہاں پر الف کو حذف کرنا اور صرف فتحہ پر اکتفا کرنا جائز ہے۔ اور صاحبِ کافیہ نے آپ کو یہ بھی بتلایا تھا کہ یہ جو اختصاص ہے یَا ابْنَ أُمِّیْ اور یَا ابْنَ عَمِّیْ کے اندر وہ یہ مضاف یعنی أُمّ

اور عَمّ کی نسبت سے کہا کہ یہ خاص طور پر اس میں یوں کہیں گے۔ یعنی أُمّ یا عَمّ کی جگہ کوئی اور لفظ لے آؤ، مثلاً أَخ لے آؤ یَا ابْنَ أَخِیْ، یا خَال لے آؤ، خَال ماموں کو کہتے ہیں، یَا ابْنَ خَالِیْ، ان کے اندر یہ چار وجہیں پڑھنا جائز نہیں۔ حالانکہ دیکھو ابْن وہی لفظ ہے، لیکن صرف مضاف الیہ یعنی أُمّ اور عَمّ کو بدلا تو اب چار وجہیں جائز نہیں۔ البتہ ابْن کے اعتبار سے اختصاص نہیں ہے کیونکہ ابْن کی جگہ بِنْت بھی لے آئیں پھر بھی وہی چار وجہیں جائز ہیں: یَا بِنْتَ أُمِّیْ، یَا بِنْتَ أُمِّیَ، یَا بِنْتَ أُمِّ، یَا بِنْتَ أُمَّا۔ صورت سمجھ میں آگئی۔ جی، اب آگے دیکھیے بھئی۔

کہتے ہیں: وَ لَمَّا کَانَ مِنْ خَصَائِصِ النِّدَاءِ التَّرْخِیْمُ شَرَعَ فِیْ بَیَانِہٖ فَقَالَ: وَ تَرْخِیْمُ الْمُنَادٰی جَائِزٌ۔ بھئی اب ترخیم کا بیان کرنے لگے ہیں۔ ترخیم، رَخَّمَ یُرَخِّمُ تَرْخِیْماً عربی زبان میں اس کا معنی ہے نرم کرنا، نرم کرنا، کسی چیز کو نرم بنا دینا۔ اور علمائے نحو کی اصطلاح میں ترخیم اسے کہتے ہیں کہ منادیٰ یا اسی طرح کسی اسم کے آخر سے ایک دو حرف کو ختم کر دینا، گرا دینا۔ مثلاً مَالِک، مَالِک جو ہے ایک شخص کا نام ہے، آپ اس کو ندا دینا چاہتے ہیں تو آپ آخر سے کاف کو اڑا دیتے ہیں: یَا مَالِ۔ یا آپ کے ایک ساتھی کا نام مَنْصُوْر ہے، آپ آخر سے واو اور را دونوں ختم کر دیتے ہیں: یَا مَنْصُ، دیکھو واو اور را کو گرا دیا، ختم کر دیا۔ یا آپ کے ساتھی کا نام حَارِث ہے بھئی، آخر سے آپ نے ثا کو اڑا دیا، ختم کر دیا: یَا حَارِ۔ اس کو ترخیم کہتے ہیں۔ کسی اسم کے آخر سے کوئی حرف ختم کر دینا، گرا دینا، اس کو کیا کہتے ہیں؟ ترخیم بھئی۔ اور یاد رکھنا یہ جو ترخیم ہے یہ منادیٰ میں بھی ہوتی ہے، غیرِ منادیٰ کے اندر بھی۔ لیکن غیرِ منادیٰ کے اندر صرف ضرورتِ شعری کی وجہ سے ہو گی، یعنی صرف اشعار میں جائز ہے۔ منادیٰ کے اندر عام کلام، منادیٰ جب کسی کو آپ ندا دیتے ہیں دیکھو یہ اشعار تو نہیں ہیں یہ تو عام کلام ہے آپ کسی کو ندا دے رہے ہیں، تو منادیٰ کے اندر عام کلام کے اندر بھی ترخیم جائز ہے جبکہ عام کلام میں کسی اور اسم کے اندر ترخیم جائز نہیں۔ اور ضرورتِ شعری کی بنا پر باقی اسماء کے اندر بھی ترخیم جائز ہے۔ منادیٰ کے اندر بھی کیونکہ منادیٰ کے اندر جب عام کلام میں ترخیم جائز ہے تو اشعار میں بطریقِ اولیٰ جائز ہو گی بھئی۔

بات سمجھ میں آگئی؟ تو ترخیم منادیٰ میں عام کلام میں بھی جائز اور اشعار میں بھی جائز، جبکہ باقی اسماء میں صرف اشعار میں جائز ہے ضرورتِ شعری کی وجہ سے، ویسے جائز نہیں بھئی۔

تو ترخیم کسے کہتے ہیں؟ کسی اسم یا منادیٰ کے آخر سے ایک دو حرف یا ایک کلمہ وغیرہ گرا دینا، اس کو کہتے ہیں ترخیم۔ دیکھو رَخَّمَ یُرَخِّمُ تَرْخِیْماً کا معنی ہے نرم کرنا۔ اور لفظ کے اندر آپ جانتے ہیں جتنے حروف کم ہوں گے زبان پر وہ آسانی سے ادا ہو گا، اور جتنے حروف بڑھتے جائیں گے اس کی ادائیگی زبان پر دشوار ہوتی چلی جائے گی۔ توجہ ہے؟ تو جب آپ ایک دو حروف اڑا دیں گے، گرا دیں گے، یا ایک پورا کلمہ گرا دیں گے آخر سے، تو دیکھو اس کی زبان پر ادائیگی آسان ہو گئی، اس کو آپ نے نرم بنا دیا، تو اس کو کہتے ہیں ترخیم بھئی۔

جی پہلے ذرا متن دیکھیے۔ کہتے ہیں: وَ تَرْخِيْمُ الْمُنَادٰى جَائِزٌ، منادیٰ کی ترخیم جائز ہے بھئی۔ وَ هُوَ فِيْ غَيْرِهٖ ضَرُوْرَةً، اور یہ جو ترخیم ہے غیرِ منادیٰ کے اندر ضَرُوْرَةً ضرورت کی وجہ سے ہوتی ہے۔ کس کی وجہ سے؟ ضَرُوْرَةً یہ مفعول لہ ہے، مفعول لہ ماقبل کی علت بیان کرتا ہے۔ ضَرَبْتُهٗ تَأْدِيْباً میں نے اس کی پٹائی کی، کس لیے؟ تَأْدِيْباً ادب سکھانے کے لیے۔ تو یہاں پر جو ضَرُوْرَةً منصوب ہے کیوں منصوب ہے؟ یہ مفعول لہ ہے۔ وَ هُوَ فِيْ غَيْرِهٖ اور یہ ترخیم جو ہے غیرِ منادیٰ میں ہوتی ہے ضَرُوْرَةً کس وجہ سے؟ ضرورت کی وجہ سے یعنی ضرورتِ شعری کی وجہ سے۔ اب ترخیم کہتے کسے ہیں وہ آگے پھر تعریف کر رہے ہیں، کہتے ہیں: وَ هُوَ حَذْفٌ فِيْ آخِرِهٖ تَخْفِيْفاً، ترخیم جو ہے وہ منادیٰ کے آخر سے حذف کرنا تَخْفِيْفاً کس لیے؟ تخفیف کے طور پر۔ تَرْخِيْمُ الْمُنَادٰى بھئی منادیٰ کے آخر سے حذف کر لینا، تَخْفِيْفاً کس لیے؟ تخفیف کے طور پر، یعنی تاکہ اس کی ادائیگی زبان پر ہلکی ہو جائے۔

بھئی دیکھو یاد رکھو، میں نے پہلے بھی ذکر کیا تھا کہ ایک ہے ندا اور ایک ہے جوابِ ندا۔ میں زید کو آواز دیتا ہوں: اے زید، میرے لیے پانی لے آؤ۔ اب مجھے بتائیے میرا مقصد کیا تھا؟ اے زید، یہ کہنا میرا مقصد تھا یا پانی لے آؤ یہ میرا مقصد تھا؟ پانی لے آؤ۔ اے زید یہ تو ندا ہے، یہ تو میں نے صرف اس کو اپنی طرف متوجہ کرنے کے لیے کہا ہے، آگے جو جوابِ ندا ہوتا ہے آگے جو بات کی جاتی ہے وہ ہے مقصود بھئی۔ تو معلوم ہوا ندا ہے غیرِ مقصود۔ لہٰذا انسان چاہتا ہے کہ جلد سے جلد یہ غیرِ مقصود گزرے اور میں آگے اپنا مقصد بیان کروں۔ لہٰذا اس لیے منادیٰ میں ترخیم کی جاتی ہے، کبھی اس سے ایک حرف کو ختم کر دیتے ہیں آخر سے، کبھی دو حروف ختم کر دیتے ہیں، کبھی اگر وہ مرکب ہو تو پورا کلمہ اس کے آخر سے اڑا دیتے ہیں تاکہ جلدی سے جلدی منادیٰ گزر جائے اور ہم پھر اپنا مقصد بیان کریں۔ اور یہ کس لیے کیا جاتا ہے؟ تخفیف کے لیے تاکہ منادیٰ کیا ہو جائے، خفیف ہو جائے، جلدی سے گزرے، جلدی سے آسانی سے ادا ہو اور ہم فوراً اپنا مقصد بیان کریں۔ تو کہتے ہیں: وَ هُوَ حَذْفٌ فِيْ آخِرِهٖ ترخیمِ منادیٰ جو ہے وہ منادیٰ کے آخر سے حذف کرنا ہے تَخْفِيْفاً کس لیے؟ تخفیف کے لیے بھئی، تخفیف کے لیے۔

آگے دیکھیے۔ کہتے ہیں: وَ شَرْطُهٗ، جی اب شرطیں ذکر کرنے لگے ہیں کہ ترخیم کی شرائط کیا ہیں۔ کہاں آپ ترخیم کر سکتے ہیں اور کہاں ترخیم نہیں کر سکتے۔ آپ کو بتلائیں گے، ترخیمِ منادیٰ کی چار شرطیں ہیں۔ ترخیمِ منادیٰ کی چار شرطیں ہیں۔ تین شرطیں عدمی ہیں یعنی تین چیزوں کا نہ ہونا ضروری، اور ایک چیز وجودی ہے یعنی اس کا ہونا ضروری۔ تو چار شرطوں میں سے تین عدمی ہیں اور ایک وجودی ہے۔ عدمی شرطیں تین کہ تین چیزیں نہیں ہونی چاہئیں: پہلی چیز کہ وہ منادیٰ مضاف نہ ہو، يَا عَبْدَ اللهِ اب آپ اس میں ترخیم کرنا چاہتے ہیں، نہیں بھئی یہ منادیٰ تو مضاف ہے آپ اس میں ترخیم نہیں کر سکتے۔ دوسرا منادیٰ مستغاث نہیں ہونا چاہیے: يَا لَزَيْدٍ، يَا لَزَيْدٍ اس میں آپ ترخیم نہیں کر سکتے بھئی۔ یا مستغاث کے آخر میں کبھی الف

بڑھاتے ہیں یَا زَیْدَا، اب آپ اس میں ترخیم کرنا چاہتے ہیں، نہیں بھئی مستغاث کے اندر آپ ترخیم نہیں کر سکتے۔ تیسری شرط عدمی جو ہے وہ یہ کہ وہ جملہ نہیں ہونا چاہیے۔ وہ جملہ نہیں ہونا چاہیے۔ مثلاً کسی آدمی کا نام پڑ گیا تھا تَأَبَّطَ شَرًّا، یہ بات پہلے بھی گزر چکی ہے، تَأَبَّطَ شَرًّا، إبْط سے ہے ہمزہ با اور طا بھئی طا ظا۔ تو تَأَبَّطَ شَرًّا، کوئی آدمی جنگل سے لکڑیاں اکٹھی اٹھا کر بغل میں جمع کر کے لے آیا، گھر پہنچائیں، بیوی نے لکڑیوں کا گٹھا کھولا تو اس کے اندر سے سانپ نکل آیا تو بیوی نے کہا: تَأَبَّطَ شَرًّا۔ تَأَبَّطَ کا معنی ہے بغل میں کوئی چیز اٹھانا، ہاتھ کے نیچے کوئی چیز اٹھا کر پہلو پر لے کر آنا اس کو تَأَبَّطَ، تو تَأَبَّطَ شَرًّا کہ اس نے تو بغل میں شر اٹھایا تھا بھئی۔ بات سمجھ میں آئی؟ تو اس سے اس آدمی کا نام ہی کیا پڑ گیا؟ تَأَبَّطَ شَرًّا۔ اب دیکھو یہ پورا جملہ ہے، تَأَبَّطَ فعل اس کے اندر ہُوَ ضمیر اس آدمی کو راجع فاعل ہے اور شَرًّا مفعول بہ ہے کہ اس آدمی نے شر کو اٹھایا۔ تو اب یہاں اب اس کے اندر ترخیم نہیں کریں گے بھئی۔ اس لیے کیونکہ جب جملہ کسی کا نام پڑ جائے تو پھر اس میں تبدیلی نہیں کی جاتی، کیونکہ وہ جملہ اس پورے واقعے پر دلالت کر رہا ہے۔ اگر آپ اس میں سے کچھ لفظوں کو اڑا دیں گے تو پھر اس واقعے پر اس کی دلالت باقی نہیں رہے گی۔ یا جیسے ایک عورت تھی بھئی، اس کے بال جو ہیں سفید ہو گئے بھئی۔ تو بعض عورتوں کی نظر پڑی ہو گی، اس نے چوٹیاں، دو چوٹیاں بنائی تھیں، دو مینڈھیاں بنائی ہوئی تھیں اور دونوں سفید ہو چکی تھیں۔ تو کسی عورت نے کہہ دیا شَابَ قَرْنَاہَا۔ قَرْن مینڈھی کو کہتے ہیں مینڈھی جو بالوں کی بنائی جاتی ہے، رسی کی طرح بال بناتی ہیں عورتیں۔ تو دو چوٹیاں بنائی تھیں تو عورت نے کسی نے کیا کہا: شَابَ قَرْنَاہَا۔ شَابَ یَشِیْبُ کا معنی ہے سفید ہونا بالوں کا، اور قَرْنَاہَا قَرْنَا دیکھو تثنیہ ہے قَرْنَانِ۔ اور شَابَ قَرْنَاہَا اس کی دونوں چوٹیاں سفید ہو گئی ہیں، اب یہ اس کا نام ہی پڑ گیا بھئی: شَابَ قَرْنَاہَا۔ اب دیکھو شَابَ فعل ہے قَرْنَاہَا اس کا فاعل ہے، اور یہ پورا جملہ ہے یہ نام ہے، اب اگر اس جملے میں سے کچھ لفظ ہم اڑائیں گے تو اس کی اس واقعے پر دلالت ختم ہو جائے گی کہ اس کا یہ نام کیسے پڑا بھئی۔ بات سمجھ میں آ گئی؟ تو لہٰذا منادیٰ جو ہے اس کے اندر ترخیم کی جاتی ہے، اس میں چار شرطیں ہیں: تین شرطیں عدمی ہیں، ایک وجودی ہے۔ عدمی شرطیں کون کون سی ہیں؟ کہ وہ مضاف نہیں ہونا چاہیے، اور نیز مستغاث نہیں ہونا چاہیے، اور نیز وہ جملہ نہیں ہونا چاہیے۔

اور وجودی شرط آ گئی بھئی، وجودی شرط بھئی۔ وجودی شرط یاد رکھو دو چیزوں میں سے ایک چیز ہونی چاہیے، دو چیزوں میں سے ایک چیز ضرور ہونی چاہیے: یا تو وہ منادیٰ علم ہو اور علم بھی ایسا ہو جو تین حروف سے زائد ہو۔ علم ہو اور تین حروف سے زائد ہو۔ یعنی کم از کم چار حروف ہوں، تاکہ آخر سے ہم ایک حرف اڑا بھی دیں تو بعد میں بھی کم از کم تین حروف رہ جائیں۔ کیونکہ معرب کے اندر قیاساً یہ ہے کہ کم سے کم اس میں تین حروف ہونے چاہئیں بھئی۔ معرب کے اندر قیاساً کم از کم کتنے حروف ہونے چاہئیں؟ تین۔ تو علم بھی ہو اور تین حروف سے زائد ہوں، تاکہ آخر سے ہم جب حروف

اڑا دیں چاہے ایک اڑائیں یا ایک سے زیادہ، تو باقی کتنے بچ جائیں؟ تین حروف کم از کم باقی بچ جائیں بھئی۔ تو وجودی شرط کیا؟ کہ وہ علم ہو اور علم بھی ایسا ہو جو تین حروف سے زائد ہو۔ اور اگر ایسا نہیں ہے تو پھر کم از کم اس کے آخر میں تائے تانیث جڑی ہونی چاہیے، تائے تانیث جڑی ہونی چاہیے۔ تو ترخیم کی کتنی شرائط ہیں؟ چار۔ چار شرائط ہیں: تین شرطیں عدمی اور ایک وجودی ہے بھئی۔ پہلی عدمی شرط کیا کہ وہ منادیٰ مضاف نہ ہو، دوسری شرط کہ وہ مستغاث نہ ہو، تیسری شرط کہ وہ جملہ نہ ہو۔ اور وجودی شرط دو چیزوں میں سے ایک چیز ہونی چاہیے یعنی أحد الأمرین ہونا چاہیے: یا تو وہ منادیٰ ایسا علم ہو جو تین حروف سے زائد پر مشتمل ہو، اور اگر ایسا نہ ہو تو کم از کم اس کے آخر میں تائے تانیث جڑی ہوئی ہو۔

تو کہتے ہیں: وَ هُوَ إِمَّا عَلَماً زَائِداً عَلٰى ثَلَاثَةِ أَحْرُفٍ، اور وہ منادیٰ جو ہے یا تو وہ ایسا علم ہونا چاہیے جو زائد ہو تین حروف پر، وَ إِمَّا بِتَاءِ التَّأْنِيْثِ، یا اس کو تائے تانیث کے ساتھ ہونا چاہیے، اس کو تائے تانیث کے ساتھ ہونا چاہیے۔ بات سمجھ میں آگئی؟

اب آئیے بھئی شرح کے ساتھ اس سارے کو دیکھیں بھئی۔ دیکھیے بھئی شروع سے، کہتے ہیں: وَ لَمَّا كَانَ مِنْ خَصَائِصِ النِّدَاءِ التَّرْخِيْمُ، اور جب ندا کی خصوصیات میں سے ترخیم ہے، ندا کی خصوصیات میں سے ترخیم ہے، میں نے بتایا ترخیم اور اسماء میں بھی ہوتی ہے لیکن عام کلام میں نہیں بلکہ صرف ضرورتِ شعری کی بنا پر، جبکہ عام کلام میں صرف منادیٰ کے اندر ترخیم ہوتی ہے۔ اسی لیے کہا: وَ لَمَّا كَانَ مِنْ خَصَائِصِ النِّدَاءِ التَّرْخِيْمُ، اور جب ندا کی خصوصیات میں سے ترخیم ہے، شَرَعَ فِيْ بَيَانِهٖ تو صاحبِ کافیہ اس ترخیم کے بیان میں شروع ہوئے فَقَالَ پس فرمایا: وَ تَرْخِيْمُ الْمُنَادٰى جَائِزٌ، اور منادیٰ کی ترخیم جائز ہے۔ جائز ہے کیا معنی؟ أَيْ وَاقِعٌ فِيْ سَعَةِ الْكَلَامِ یعنی یہ واقع ہے عام کلام کے اندر مِنْ غَيْرِ ضَرُوْرَةٍ شِعْرِيَّةٍ دَعَتْ إِلَيْهِ بغیر کسی ایسی ضرورتِ شعریہ کے جو اس کی طرف دعوت دے، بغیر کسی ضرورتِ شعریہ کے بھی عام کلام میں یہ جائز ہے۔ فَإِنْ دَعَتْ إِلَيْهِ ضَرُوْرَةٌ اگر کوئی ضرورتِ شعریہ اس کی طرف دعوت دے فَبِالطَّرِيْقِ الْأَوْلٰى تو پھر یہ بطریقِ اولیٰ جائز ہے۔ بھئی منادیٰ کے اندر عام کلام کے اندر بغیر کسی ضرورت کے جب ترخیم جائز ہے، تو ضرورتِ شعری کی وجہ سے بطریقِ اولیٰ جائز ہو گی۔

ترجمہ سمجھ میں آگیا؟ پھر ترجمہ دیکھ لیں: وَ تَرْخِيْمُ الْمُنَادٰى جَائِزٌ اور منادیٰ کی ترخیم جائز ہے، أَيْ وَاقِعٌ فِيْ سَعَةِ الْكَلَامِ یعنی عام کلام کے اندر واقع ہے مِنْ غَيْرِ ضَرُوْرَةٍ شِعْرِيَّةٍ دَعَتْ إِلَيْهِ بغیر کسی ایسی ضرورتِ شعریہ کے جو اس کی طرف دعوت دے، عام کلام میں بھی جائز ہے بغیر کسی ایسی ضرورتِ شعریہ کے جو اس کی طرف دعوت دے۔ فَإِنْ دَعَتْ إِلَيْهِ ضَرُوْرَةٌ اگر ضرورت اس کی طرف دعوت دے یعنی ترخیم کی طرف دعوت دے، فَبِالطَّرِيْقِ الْأَوْلٰى تو پھر تو منادیٰ کے اندر بطریقِ اولیٰ جائز ہے۔ وَ هُوَ فِيْ غَيْرِهٖ أَيْ غَيْرِ الْمُنَادٰى وَاقِعٌ ضَرُوْرَةً، اور یہ ترخیم جو ہے فِيْ غَيْرِهٖ أَيْ غَيْرِ الْمُنَادٰى غیرِ منادیٰ کے

اندر بھی واقع ہوتی ہے ضَرُوْرَةً، أَیْ لِضَرُوْرَةٍ شِعْرِیَّةٍ دَاعِیَةٍ إِلَیْہِ یعنی ایسی ضرورتِ شعریہ کی وجہ سے جو اس کی طرف دعوت دینے والی ہے، یعنی باقی جگہ بغیر ضرورت کے جائز نہیں، تو ایسی ضرورتِ شعریہ کی وجہ سے جو اس کی طرف دعوت دینے والی ہو، لَا فِیْ سَعَةِ الْکَلَامِ یعنی اور باقیوں میں عام کلام کے اندر جائز نہیں بھئی۔

وَ ہُوَ أَیْ تَرْخِیْمُ الْمُنَادٰی حَذْفٌ فِیْ آخِرِہٖ أَیْ آخِرِ الْمُنَادٰی تَخْفِیْفاً۔ بھئی آپ کو صاحبِ جامی بتلائیں گے، یہ جو تعریف کر رہے ہیں توجہ سے سنو، صرف متن متن کو دیکھو: وَ ہُوَ حَذْفٌ فِیْ آخِرِہٖ تَخْفِیْفاً۔ یہ تعریف ہے ترخیم کی۔ یہ تعریف ترخیمِ منادیٰ کی بھی ہو سکتی ہے اور یہ تعریف مطلقِ ترخیم کی بھی ہو سکتی ہے۔ ایک وہ ترخیم ہے جو خاص طور پر کس میں کی جائے؟ منادیٰ میں۔ اور ایک جو مطلقِ ترخیم ہے چاہے منادیٰ میں ہو چاہے غیرِ منادیٰ میں ہو، دونوں کی تعریف یہ بن سکتی ہے، یہ ترخیمِ منادیٰ کی بھی تعریف بن سکتی ہے اور مطلقِ ترخیم کی بھی یہ تعریف بن سکتی ہے۔ تو سب سے پہلے اس کو ترخیمِ منادیٰ کی تعریف بنائیں گے صاحبِ جامی، اس لیے کیونکہ کلام منادیٰ کے بارے میں چل رہا ہے تو زیادہ مناسب یہی ہے کہ یہ تعریف مطلقِ ترخیم کی نہیں ہو گی بلکہ کس کی ہو گی؟ ترخیمِ منادیٰ کی ہو گی، لیکن مطلقِ ترخیم کی بھی تعریف بن سکتی ہے یہ احتمال بھی اس کے اندر ہے، وہ پھر آخر میں یہ ذکر کریں گے۔ اگر آپ اس کو ترخیمِ منادیٰ کی تعریف بنانا چاہتے ہیں، تو دیکھو اس کے اندر دو ضمیریں آ رہی ہیں ذرا عبارت پہ نظر رکھو: وَ ہُوَ ایک تو یہ ضمیرِ مرفوع ہے، ضمیرِ مرفوع ہے بتدا ہے، اور ایک ہے حَذْفٌ فِیْ آخِرِہٖ، یہ آخِرِہٖ کے آخر میں ہا ضمیر ہے مضاف الیہ ہے مجرور۔ تو ایک ضمیرِ مرفوع ہے یہاں پر، ایک ضمیرِ مجرور ہے، تو ان ضمیروں کا مرجع بدلیں گے تو تعریف بدل جائے گی۔ پہلی صورت کیا؟ ہُوَ ضمیر کو لوٹائیں تَرْخِیْمُ الْمُنَادٰی کی طرف۔ کس کی طرف؟ تَرْخِیْمُ الْمُنَادٰی، مطلق ترخیم کو نہ لوٹائیں بلکہ تَرْخِیْمُ الْمُنَادٰی۔ اور آخِرِہٖ کی ہا ضمیر مُنَادٰی کو لوٹا دیں۔ اب عبارت سنو، ترجمہ سنو: وَ ہُوَ أَیْ تَرْخِیْمُ الْمُنَادٰی، دیکھو تَرْخِیْمُ الْمُنَادٰی کو ضمیر راجع کی، یعنی ترخیمِ منادیٰ جو ہے حَذْفٌ فِیْ آخِرِہٖ وہ حذف کرنا ہے اس کے آخر میں، بھئی کس کے آخر میں؟ أَیْ آخِرِ الْمُنَادٰی یعنی منادیٰ، منادیٰ کے آخر سے حذف کرنا، یہ ہے ترخیم المنادیٰ، تَخْفِیْفاً اور یہ کس لیے کیا جاتا ہے؟ تخفیف کے لیے، یہ مفعول لہ ہے جو ماقبل کی علت بیان کرتا ہے۔ تو ترخیم المنادیٰ کس چیز کا نام؟ منادیٰ کے آخر سے حذف کرنا کس لیے؟ تخفیف کے لیے۔ تو دیکھو ہُوَ ضمیر لوٹائی تَرْخِیْمُ الْمُنَادٰی کو، اور ضمیرِ مجرور لوٹائی کس کو؟ منادیٰ کو۔ ہُوَ ضمیر کس کو لوٹائی؟ تَرْخِیْمُ الْمُنَادٰی کو جس کی تعریف کر رہے ہیں، اور آخِرِہٖ کی ہا ضمیر کس کو لوٹائی؟ منادیٰ کو لوٹائی کہ منادیٰ کے آخر سے حذف کرنا۔

دوسری صورت یہ ہے کہ ہُوَ ضمیر مطلقِ ترخیم کو لوٹائیں، تَرْخِیْمُ الْمُنَادٰی کو نہ لوٹائیں بلکہ مطلقِ ترخیم کو لوٹائیں کہ ترخیم کسے کہتے ہیں، اور حَذْفٌ فِیْ آخِرِہٖ آخِرِہٖ کی ہا ضمیر منادیٰ کو نہ لوٹائیں بلکہ مطلقِ اسم کو لوٹائیں۔ کس کو؟ یعنی اسم کو لوٹائیں، اسم کو۔ اب سنو: وَ ہُوَ اور وہ جو ترخیم ہے حَذْفٌ فِیْ آخِرِہٖ وہ اسم کے آخر سے حذف کرنا ہے، تَخْفِیْفاً کس لیے؟ تخفیف

کے لیے۔ کسی بھی اسم کے آخر سے حذف کرنا یہ کیا ہے؟ یہ کیا ہے؟ ترخیم ہے اور یہ کس لیے کیا جاتا ہے؟ تخفیف کے لیے، کسی اور علت کی وجہ سے نہیں کیا جاتا بھئی۔ فرق سمجھ میں آیا؟

دیکھیے بھئی۔ کہتے ہیں: وَ هُوَ أَيْ تَرْخِيْمُ الْمُنَادٰى حَذْفٌ فِيْ آخِرِهٖ، اور ترخیمِ منادیٰ جو ہے وہ حذف کرنا ہے فِيْ آخِرِهٖ أَيْ آخِرِ الْمُنَادٰى منادیٰ کے آخر سے تَخْفِيْفاً کس لیے؟ یہ حذف کس لیے ہوتا ہے؟ تخفیف کے لیے ہوتا ہے، أَيْ لِمُجَرَّدِ التَّخْفِيْفِ یعنی صرف تخفیف کے لیے یہ حذف کیا جاتا ہے، لَا لِعِلَّةٍ أُخْرٰى نہ کسی اور دوسری ایسی علت کی وجہ سے مُفْضِيَةٍ إِلَى الْحَذْفِ کہ وہ علت پہنچانے والی ہو اس حذف تک، الْمُسْتَلْزِمِ لِلتَّخْفِيْفِ کہ جو مستلزم ہے تخفیف کو۔ بھئی یاد رکھو جہاں بھی حذف ہو گا وہاں تخفیف ضرور آئے گی۔ جہاں بھی حذف ہو گا، ظاہر سی بات ہے وہاں تخفیف آئے گی کیونکہ لفظ یا حروف کم ہو جائیں گے، جب حروف کم ہوں گے تو زبان پر ادائیگی آسان ہو گی۔ تو جہاں بھی حذف ہو گا وہاں تخفیف ضرور ہو گی۔ لیکن یہ حذف کیوں کیا گیا؟ کبھی کبھار یہ حذف صرف تخفیف کے لیے ہو گا اور کوئی مقصد نہیں ہو گا۔ اور کبھی کبھار یہ جو حذف ہو گا یہ کسی علت کی وجہ سے ہو گا۔ اور کس کی وجہ سے ہو گا؟ کسی اور علت کی وجہ سے حذف ہوا، تو چاہے جس علت کی وجہ سے بھی حذف ہوا ہو، تخفیف آئے گی یا نہیں؟ تخفیف تو دونوں جگہ آئے گی لیکن فرق سمجھ میں آرہا ہے؟ بعض اوقات حذف ہو گا ہی صرف تخفیف کے لیے، اور بعض اوقات حذف ہو گا تو کسی اور علت کی وجہ سے لیکن اس حذف کی وجہ سے کیا آجائے گی؟ تخفیف آجائے گی۔ جیسے قَاضٍ۔ قَاضٍ اصل میں کیا تھا؟ قَاضِيٌ۔ پھر یا پر ضمہ ثقیل تھا گرا دیا۔ تو یا ساکن ہوئی، آگے نونِ تنوین بھی ساکن۔ کیا بن گیا؟ قَاضِيْنْ۔ اب یہاں یا کو گرا دیا۔ کیوں گرایا؟ اجتماعِ ساکنین کی وجہ سے گرایا، تخفیف کے لیے نہیں گرایا، کس کی وجہ سے گرایا؟ تو اس علت کی وجہ سے یا گری تو کیا بن گیا؟ قَاضٍ۔ تو اس علت کی وجہ سے یا گری اور تخفیف آئی یا نہیں آئی؟ تخفیف تو پھر بھی آگئی۔ یا جیسے عَصاً بھئی۔ عَصَا لاٹھی کو کہتے ہیں۔ یہ اصل میں تھا عَصَوٌ۔ عَصَوٌ، واو متحرک ماقبل فتحہ اس کو کس سے بدلا؟ الف سے۔ تو الف بھی ساکن، آگے نونِ تنوین بھی ہے وہ بھی ساکن۔ تو عَصَانْ ہو گیا۔ پھر الف بھی ساکن نون بھی ساکن اجتماعِ ساکنین آیا، اول مدہ ہو تو اس کو گراتے ہیں، تو الف گر گیا کیا بن گیا؟ عَصاً۔ تو یہاں جو الف کو گرایا تخفیف کے لیے گرایا یا کسی اور علت کی وجہ سے؟ کسی اور علت کی وجہ سے، اور تخفیف پھر بھی آگئی۔ تو جہاں بھی حذف ہو گا تخفیف تو ضرور آئے گی، لیکن یہاں جو حذف کیا جا رہا ہے وہاں کوئی اور علت نہیں بلکہ صرف تخفیف ہی مقصود ہے۔ فرق سمجھ میں آگیا؟ اور یاد رکھو کبھی کبھار حذف ویسے بھی کیا جاتا ہے، جیسے یَدٌ اور دَمٌ۔ یَدٌ اصل میں کیا تھا؟ یَدَوٌ۔ دَمٌ اصل میں کیا تھا؟ دَمَوٌ۔ تو ان کے آخر سے واو کو حذف کیا گیا اور خلاف القیاس حذف کیا گیا۔ تو بعض اوقات خلاف القیاس بھی کسی لفظ کے آخر سے کسی حرف کو حذف کر لیا جاتا ہے۔ تو وہاں کوئی علت بھی نہیں ہے، وہاں بھی کوئی علت نہیں، اور اس کی وجہ سے بھی تخفیف آئی، لیکن ان کا اعتبار نہیں کیونکہ وہ نہایت

قلیل ہیں، وہ شاذ ہیں بھئی، اور شاذ کا کوئی اعتبار نہیں، قوانین جو ہیں وہ شاذ چیزوں پر مرتب نہیں ہوتے بلکہ کثیر الاستعمال چیزوں پر قوانین مرتب ہوتے ہیں۔

تو کہتے ہیں: تَخْفِيْفاً أَيْ لِمُجَرَّدِ التَّخْفِيْفِ یعنی صرف تخفیف کے لیے یہ حذف کیا جاتا ہے، لَا لِعِلَّةٍ أُخْرٰى نہ کہ کسی دوسری ایسی علت کی وجہ سے مُفْضِيَةٍ إِلَى الْحَذْفِ جو پہنچانے والی ہو اس حذف تک الْمُسْتَلْزِمِ لِلتَّخْفِيْفِ وہ حذف جو مستلزم ہے تخفیف کو یعنی جس کے ساتھ تخفیف لازم ہے بھئی۔

فَعَلٰى هٰذَا يَكُوْنُ ذٰلِكَ التَّعْرِيْفُ مَخْصُوْصاً بِتَرْخِيْمِ الْمُنَادٰى۔ میں نے آپ کو بتایا بھئی یہ تعریف ترخیمِ منادیٰ کی بھی ہو سکتی ہے اور مطلقِ ترخیم کی بھی ہو سکتی ہے، تو اب بیان کر رہے ہیں۔ کہتے ہیں: فَعَلٰى هٰذَا تو بنا بر اس کے یعنی بنا بر اس کے کہ هُوَ ضمیر کس کو لوٹائیں؟ تَرْخِيْمُ الْمُنَادٰى کو لوٹائیں، توجہ ہے، اور آخِرِهٖ کی ہا ضمیر کس کو لوٹائیں؟ مُنَادٰى کو لوٹائیں، فَعَلٰى هٰذَا اس بنا پر اس تقدیر پر يَكُوْنُ ذٰلِكَ التَّعْرِيْفُ مَخْصُوْصاً بِتَرْخِيْمِ الْمُنَادٰى تو یہ جو تعریف ذکر کی اوپر یہ خاص ہے کس کے ساتھ؟ ترخیمِ منادیٰ کے ساتھ یعنی یہ اس کی تعریف ہے۔ وَ يُعْلَمُ مِنْهُ تَرْخِيْمُ غَيْرِ الْمُنَادٰى بِالْمُقَايَسَةِ، اور اس سے معلوم ہو جاتی ہے غیرِ منادیٰ کی ترخیم بھی بِالْمُقَايَسَةِ قیاس کرتے ہوئے۔ غیرِ منادیٰ میں بھی ترخیم کی جاتی ہے تو اسی پر قیاس کر کے غیرِ منادیٰ کی ترخیم کو بھی جانا جا سکتا ہے کہ غیرِ منادیٰ میں بھی کیا کیا جاتا ہے؟ تخفیف کے لیے ضرورت کی وجہ سے کیا کر لیا جاتا ہے؟ حذف کر لیا جاتا ہے۔ وَ يُمْكِنُ حَمْلُهٗ عَلٰى تَعْرِيْفِ التَّرْخِيْمِ مُطْلَقاً، اور یہ جو تعریف کی اس کو محمول کیا جا سکتا ہے عَلٰى تَعْرِيْفِ التَّرْخِيْمِ مُطْلَقاً مطلقاً ترخیم کی تعریف پر بھی۔ اس عبارت کو محمول کیا جا سکتا ہے مطلقِ ترخیم کی تعریف پر بھی، بِإِرْجَاعِ الضَّمِيْرِ الْمَرْفُوْعِ إِلَى التَّرْخِيْمِ مُطْلَقاً بایں صورت کہ لوٹایا جائے وہ جو ضمیرِ مرفوع ہے یعنی وہ جو هُوَ ضمیر تھی، وہ جو ضمیرِ مرفوع ہے اس کو لوٹایا جائے إِلَى التَّرْخِيْمِ مُطْلَقاً کس کی طرف؟ مطلقِ ترخیم کی طرف مُطْلَقاً اس حال میں کہ وہ ترخیم کیا ہو مطلق ہو یعنی منادیٰ کی قید اس میں نہ ہو، وَ الضَّمِيْرِ الْمَجْرُوْرِ إِلَى الْإِسْمِ اور ضمیرِ مجرور کو لوٹایا جائے إِلَى الْإِسْمِ کس کی طرف؟ اسم کی طرف۔ توجہ ہے؟ پہلے صاحبِ جامی نے هُوَ ضمیر کس کو لوٹائی؟ تَرْخِيْمُ الْمُنَادٰى کو اور آخِرِهٖ کی ہا ضمیر کس کو لوٹائی؟ مُنَادٰى کو۔ دوسری صورت یہ ہے کہ یہ تعریف کس کی بنا لیں؟ مطلقِ ترخیم کی۔ هُوَ ضمیر کس کو لوٹائیں؟ مطلقِ ترخیم کو اور آخِرِهٖ کی ہا ضمیر کس کو لوٹائیں؟ اسم کو لوٹائیں۔ بات سمجھ میں آگئی؟ یہی دوبارہ دیکھیں، کہتے ہیں: بِإِرْجَاعِ الضَّمِيْرِ الْمَرْفُوْعِ إِلَى التَّرْخِيْمِ مُطْلَقاً بایں صورت کہ لوٹایا جائے ضمیرِ مرفوع کو ترخیم کی طرف، وہ ترخیم جو مطلق ہو، وَ الضَّمِيْرِ الْمَجْرُوْرِ إِلَى الْإِسْمِ اور ضمیرِ مجرور کو لوٹایا جائے اسم کی طرف۔

وَ شَرْطُهٗ اور اس کی شرط یہ ہے۔ اب ترخیم کی شرطیں بیان ہونے لگی ہیں۔ معلوم ہوا یہ شَرْطُهٗ کی ہا ضمیر، اس میں بھی دو احتمال آ گئے۔ اگر پیچھے ترخیمِ منادیٰ کی تعریف کی تھی کس کی؟ ترخیمِ منادیٰ کی، تو اس ترخیمِ منادیٰ کی شرط یہ، یہ آگے اس کی شرطیں ہیں۔ تو پھر تو کوئی تقدیرِ عبارت نکالنے کی ضرورت نہیں، تعریف بھی کس کی کی؟ ترخیمِ منادیٰ کی، اور شرطیں

بھی کس کی ہیں؟ ترخیمِ منادیٰ کی۔ لیکن اگر پیچھے تعریف کو مطلقِ ترخیم کی تعریف قرار دیا جائے، تعریف کس کی کی مثلاً؟ مطلقِ ترخیم کی، اور آگے شرطیں کس کی ہیں؟ ترخیمِ منادیٰ کی، تو پھر تو مناسبت نہیں بن رہی۔ تو پھر درمیان میں ایک اور قید بڑھا دینا، کیا؟ وَ شَرْطُہٗ اور ترخیم کی شرط یہ ہے جب یہ منادیٰ کے اندر واقع ہو۔ ترخیم کی شرط یہ ہے کب؟ جب منادیٰ کے اندر ترخیم ہو تو پھر اس کی یہ شرطیں ہیں۔ دیکھا، منادیٰ کے اندر جب ترخیم ہو یہ لفظ یہ قید اس میں بڑھا دینا۔ عبارت سمجھ میں آگئی؟ تو کہتے ہیں: وَ شَرْطُہٗ أَیْ شَرْطُ تَرْخِیْمِ الْمُنَادٰی عَلَی التَّقْدِیْرِ الْأَوَّلِ، ترخیمِ منادیٰ کی شرط پہلی تقدیر پر۔ پہلی تقدیر کون سی تھی؟ کہ یہ تعریف کس کی بناؤ؟ ترخیمِ منادیٰ کی تعریف بناؤ، تو پھر شَرْطُہٗ کی ہا ضمیر بھی کس کو راجع کرو؟ تَرْخِیْمُ الْمُنَادٰی کو۔ أَوْ شَرْطُ التَّرْخِیْمِ اور اگر یہ تعریف کس کی تھی؟ مطلقِ ترخیم کی، تو یہ شَرْطُہٗ کی ہا ضمیر بھی کس کو لوٹانی پڑے گی؟ مطلقِ ترخیم کو، اور شرطیں تو کس کی ہیں؟ ترخیمِ منادیٰ کی، تو پھر کیا کہیں گے؟ مطلقِ ترخیم کی شرط یہ ہے جب یہ کس میں واقع ہو؟ منادیٰ میں ہو تو پھر اس کی یہ شرطیں ہیں۔ شَرْطُہٗ مطلقِ ترخیم کی شرط، اور آگے تو شرطیں کس کی ہیں؟ ترخیمِ منادیٰ کی، تو مطلقِ ترخیم کی شرط جب یہ کہاں پر یہ مطلقِ ترخیم ہو؟ منادیٰ کے اندر ہو، تو پھر اس کی یہ شرطیں ہیں۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو کہتے ہیں: أَوْ شَرْطُ التَّرْخِیْمِ اور یا ترخیم کی شرط، دیکھو اب ضمیر صرف ترخیم کو لوٹائی، أَوْ شَرْطُ التَّرْخِیْمِ یا ترخیم کی شرط، دیکھو یہ قید بڑھانے لگے ہیں: إِذَا کَانَ وَاقِعاً فِی الْمُنَادٰی جب یہ ترخیم کس میں واقع ہو؟ منادیٰ میں ہو تو اس وقت اس کی یہ شرطیں ہیں بھئی۔ عبارت بھی سمجھ میں آئی یا نہیں؟ جی۔ پھر دیکھو: وَ شَرْطُہٗ أَیْ شَرْطُ تَرْخِیْمِ الْمُنَادٰی عَلَی التَّقْدِیْرِ الْأَوَّلِ ترخیمِ منادیٰ کی شرط پہلی تقدیر پر، أَوْ شَرْطُ التَّرْخِیْمِ إِذَا کَانَ وَاقِعاً فِی الْمُنَادٰی عَلَی التَّقْدِیْرِ الثَّانِیْ، یا ترخیم کی شرط جب یہ منادیٰ کے اندر واقع ہو دوسری تقدیر پر، یعنی جب اس کو کس کی تعریف بنایا تھا؟ مطلقِ ترخیم کی۔ تو أُمُوْرٌ أَرْبَعَۃٌ وہ شرط کیا ہے؟ أُمُوْرٌ أَرْبَعَۃٌ چار چیزیں ہیں بھئی۔ ثَلَاثَۃٌ مِنْہَا عَدَمِیَّۃٌ، تین چیزیں ان میں سے عدمی ہیں، وَ بِیَ اور وہ یہ، وہ عدمی چیزیں اب بیان کرنے لگے ہیں۔ وَ بِیَ اور وہ یہ: أَنْ لَّا یَکُوْنَ مُضَافاً کہ وہ جو منادیٰ ہے وہ مضاف نہ ہو۔ منادیٰ مضاف نہ ہو، حَقِیْقَۃً أَوْ حُکْماً یعنی حقیقتاً بھی مضاف نہ ہو اور حکماً بھی مضاف نہ ہو۔ آپ کو میں نے بتلایا تھا کہ اضافت دو قسم پر ہے: ایک اضافتِ معنوی اور ایک اضافتِ لفظی۔ اضافتِ لفظی کسے کہتے ہیں؟ کہ صیغہ صفت کا ہو اور مضاف ہو اپنے معمول کی طرف۔ اور صفت کے صیغے سے ہر صفت کا صیغہ نہیں مراد: اسمِ فاعل، اسمِ مفعول اور صفتِ مشبہ۔ یہ تین صیغے، ان میں سے کوئی صیغہ ہو اور پھر اپنے معمول کی طرف مضاف ہو جائے تو اس کو اضافتِ لفظی کہتے ہیں۔ اور میں نے مثال ذکر کی تھی جیسے زَیْدٌ ضَارِبٌ عَمْراً۔ زَیْدٌ ضَارِبٌ عَمْراً، زَیْدٌ مرفوع لفظاً مبتدا، ضَارِبٌ مرفوع لفظاً صیغۂ اسمِ فاعل، اس کے اندر ہُوَ ضمیر مرفوع محلاً اس کا فاعل جو کس کو راجع؟ زید کو، کیونکہ خبر کو کس سے جوڑتے ہیں؟ مبتدا سے۔ اور عَمْراً کیوں منصوب ہے؟ یہ مفعول بہ ہے کس کے لیے؟ ضَارِبٌ کے لیے۔ تو معلوم ہوا یہ عَمْراً معمول ہے ضَارِبٌ اسمِ فاعل کا۔ اب اس ضَارِب کی اضافت کر دو عمرو کی طرف: زَیْدٌ ضَارِبُ عَمْرٍو۔ تو یہ جو صفت کا صیغہ ہے یہ مضاف ہو گیا اپنے معمول کی

طرف، اس کو کہتے ہیں اضافتِ لفظی۔ اور یاد رکھو اضافتِ لفظی صرف لفظوں میں تخفیف کا فائدہ دیتی ہے اور اس کا کوئی فائدہ نہیں۔ اس اضافت کی وجہ سے ضَارِبٌ سے تنوین گر گئی بس، ضَارِبُ عَمْرٍو ہو گیا تنوین گر گئی، باقی لفظوں میں کوئی فائدہ نہیں دیا۔ آپ نے پڑھا ہے کہ کوئی لفظ جب معرفہ کی طرف مضاف ہو تو وہ کیا بن جاتا ہے؟ معرفہ۔ لیکن ضَارِبُ عَمْرٍو، تو ضَارِب مضاف ہے عَمْرٍو آگے علم کی طرف لیکن پھر بھی یہ اسی طرح نکرہ کا نکرہ ہے۔ تو یہ جو اضافتِ لفظی ہوتی ہے یہ تقدیرِ انفصال میں ہوتی ہے، یعنی یہ اسی طرح ہے جیسے الگ تھی، جیسے ضَارِبٌ عَمْراً تھا، ضَارِبٌ الگ تھا، ابھی بھی یہ

کا نکرہ ہی ہے، جیسے عَارِضٌ نکرہ مُمْطِرُنَا بھی نکرہ ہے، اس نے صرف تنوین گرائی ہے اور اس میں نہ تعریف آئی نہ تخصیص آئی۔ تو بہرحال چاہے اضافتِ لفظی ہو چاہے اضافتِ معنوی ہو، دونوں میں اضافت تو ہے۔ دونوں میں اضافت تو ہے۔ تو ان میں حقیقتاً اضافت ہے۔ انہوں نے کیا کہا کتاب پر دیکھیں: أَنْ لَّا يَكُوْنَ مُضَافاً کہ وہ منادیٰ مضاف نہ ہو، حَقِيْقَةً أَوْ حُكْماً صاحبِ جامی اس کے اندر تعمیم کر رہے ہیں، کہ نہ حقیقتاً مضاف ہو نہ حکماً۔ حقیقتاً مضاف میں کون کون آ گئے؟ مضافِ معنوی بھی آ گیا اور مضافِ لفظی بھی آ گیا، اضافت تو ہے دونوں کے اندر بھئی۔ اور حکماً مضاف کے اندر مشابہِ مضاف داخل ہو گیا، يَا طَالِعاً جَبَلاً، یہ طَالِعاً کیا ہے؟ مشابہِ مضاف ہے، یہ مضاف تو نہیں لیکن مشابہ۔ تو جب کہا أَنْ لَّا يَكُوْنَ مُضَافاً وہ منادیٰ مضاف نہ ہو، چاہے مضاف حقیقتاً ہو چاہے حکماً، تو مضافِ معنوی بھی نکل گیا وہ بھی نہیں ہونا چاہیے، مضافِ لفظی بھی نکل گیا وہ بھی نہیں ہونا چاہیے، اور چاہے حکماً مضاف ہو یعنی مشابہِ مضاف ہو وہ بھی نہیں ہونا چاہیے۔ سب نکل گئے، بات سمجھ میں آ گئی؟

تو کہتے ہیں: أَنْ لَّا يَكُوْنَ مُضَافاً کہ وہ منادیٰ مضاف نہ ہو حَقِيْقَةً أَوْ حُكْماً چاہے حقیقتاً ہو چاہے حکماً دونوں نہیں ہونا چاہیے۔ فَدَخَلَ فِيْهِ الْمُشَبَّهُ بِالْمُضَافِ أَيْضاً، تو اس کے اندر مشبہ بالمضاف بھی داخل ہو گیا یعنی مشابہِ مضاف بھی داخل ہو گیا یعنی وہ بھی نہیں ہونا چاہیے بھئی منادیٰ۔ إِذْ لَا يُمْكِنُ الْحَذْفُ مِنَ الْأَوَّلِ۔ اچھا بھئی یہ شرط کیوں لگائی کہ منادیٰ میں جب آپ ترخیم کرنے لگے ہیں تو اس کو مضاف نہیں ہونا چاہیے؟ وجہ یہ، وجہ یہ، مثلاً يَا عَبْدَ اللهِ، اب ترخیم کی دو ہی صورتیں ہیں: یا تو ترخیم کریں گے آپ عَبْد کے آخر سے، یا لفظِ اللہ کے آخر سے۔ انہوں نے کیا کہا؟ آپ ترخیم کرنا چاہتے ہیں تو منادیٰ کو مضاف نہیں ہونا چاہیے۔ کیوں نہیں ہونا چاہیے؟ وجہ میں بیان کر رہا ہوں، وجہ آپ کو یہ بتلائیں گے۔ وجہ یہ کہ آپ ترخیم کرنا چاہتے ہیں، دو ہی جگہیں ہیں نا مضاف مضاف الیہ ہیں، تو یا تو مضاف میں سے ترخیم کریں گے یا مضاف الیہ۔ اگر آپ مضاف سے ترخیم کرنا چاہتے ہیں، بھئی مضاف تو کلمے کا آخر نہیں ہے، آخر تو مضاف الیہ ہے۔ آخر تو مضاف الیہ ہے۔ دیکھو یاد رکھو یہ جو مضاف ہے نا اس کا معنی مضاف الیہ کو ملائے بغیر پورا ہی نہیں ہوتا۔ مثلاً میں کہتا ہوں غُلَام، دنیا کے ہر غلام پر یہ لفظ صادق آ رہا ہے۔ لیکن جب میں کہتا ہوں غُلَامُ زَيْدٍ، اس سے خاص زید کا غلام مراد ہے۔ اس سے خاص زید کا غلام مراد ہے کوئی اور غلام مراد نہیں۔ لہٰذا اب میں اس سے زید کو ختم کرتا ہوں، کس کو ختم کرتا ہوں؟ یعنی مضاف

الیہ کو میں ختم کرتا ہوں، صرف غُلَام رہ گیا۔ اب یہ غُلَام اس خاص غلام پہ دلالت کر رہا ہے؟ نہیں۔ تو یہ معنی کے اعتبار سے مضاف کے لیے مضاف الیہ ضروری ہوتا ہے، اس کے بغیر اس کی دلالت ہی صحیح نہیں ہے۔ صرف غُلَام کہوں گا وہ تو عام غلاموں پر صادق آئے گا، حالانکہ میں ہر غلام کا ارادہ نہیں کر رہا بلکہ کس کا کر رہا ہوں؟ زید کے غلام کا۔ تو جب زید کے غلام کا ارادہ کر رہا ہوں تو زید کو بھی ساتھ جوڑنا پڑے گا اس کے بغیر یہ دلالت ہو ہی نہیں سکتی۔ توجہ ہے؟ تو مضاف الیہ کا اتصال ہوتا ہے کس کے ساتھ؟ مضاف کے ساتھ، اس کے بغیر اس کا معنی پورا نہیں۔ تو یہاں دیکھو ایک مضاف ہوا ایک مضاف الیہ۔ اگر آپ مضاف سے کیا کرنا چاہتے ہیں؟ مضاف میں ترخیم کرنا چاہتے ہیں، تو مضاف تو ابھی پورا ہی نہیں ہوا، آگے مضاف الیہ بھی اس کے ساتھ ضروری ہے، معنی کے اعتبار سے یہ ابھی پورا ہی نہیں ہوا جب تک مضاف الیہ ساتھ نہیں ملے گا۔ تو ترخیم تو آخرِ کلمہ سے کی جاتی ہے، درمیانِ کلمہ میں تو نہیں کی جاتی۔ تو مضاف کا آخر تو درمیان میں آچکا ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو معنی کے اعتبار سے مضاف سے ترخیم ہم نہیں کر سکتے کیونکہ اس کا معنی ابھی پورا ہی نہیں ہوا۔ اور اگر آپ مضاف الیہ سے ترخیم کرنا چاہتے ہیں، تو بھئی مضاف الیہ تو منادیٰ ہی نہیں ہے، منادیٰ تو مضاف ہے۔ تو معلوم ہوا نہ مضاف سے ترخیم کر سکتے ہیں نہ مضاف الیہ سے۔ مضاف سے کیوں نہیں کر سکتے؟ کیونکہ یہ آخرِ کلمہ ہی نہیں ہے کیونکہ اس کا معنی مضاف الیہ کے بغیر پورا ہی نہیں ہے بھئی۔ اور اگر آپ مضاف الیہ سے ترخیم کرنا چاہتے ہیں بھئی، تو مضاف الیہ تو منادیٰ ہی نہیں ہے، منادیٰ تو مضاف ہے بھئی۔ تو معلوم ہوا نہ مضاف سے ترخیم ہو سکتی ہے اور نہ مضاف الیہ سے۔ کیوں؟ مضاف سے کرتے ہو تو رکاوٹ معنی بنے گا، کیونکہ معنی اس کا پورا نہیں۔ اور مضاف الیہ سے کرو گے تو رکاوٹ لفظ بنے گا کیونکہ لفظوں میں تو یہ منادیٰ ہی نہیں ہے، منادیٰ تو مضاف ہے بھئی۔ بات سمجھ میں آگئی؟

دیکھیے بھئی۔ تو کہتے ہیں: إِذْ لَا يُمْكِنُ الْحَذْفُ مِنَ الْأَوَّلِ اس لیے کیونکہ ممکن نہیں ہے پہلے سے حذف کرنا یعنی مضاف سے حذف ممکن نہیں ہے، لِأَنَّهُ لَيْسَ آخِرَ أَجْزَاءِ الْمُنَادٰى اس لیے کیونکہ یہ منادیٰ کے اجزاء کا آخر نہیں ہے نَظَراً إِلَى الْمَعْنٰى کس کی طرف نظر کرتے ہوئے؟ معنی کی طرف نظر کرتے ہوئے، معنی کے اعتبار سے تو مضاف الیہ ملے گا پھر اس مضاف کا معنی پورا ہو گا۔ وَ لَا مِنَ الثَّانِيْ اور ثانی یعنی مضاف الیہ سے بھی آپ ترخیم نہیں کر سکتے، لِأَنَّهُ لَيْسَ آخِرَ أَجْزَائِهٖ اس لیے کیونکہ یہ منادیٰ کا آخری جز نہیں، نَظَراً إِلَى اللَّفْظِ کس کی طرف نظر کرتے ہوئے؟ لفظوں کی طرف نظر کرتے ہوئے، بلکہ یہ تو مضاف الیہ ہے یہ تو مضاف الیہ ہے اور منادیٰ تو مضاف ہے بھئی۔ فَامْتَنَعَ التَّرْخِيْمُ فِيْهِمَا بِالْكُلِّيَّةِ، تو ممتنع ہو گئی ترخیم ان دونوں کے اندر بِالْكُلِّيَّةِ پورے طور پر۔ یعنی کسی سے بھی ترخیم نہیں کر سکتے، نہ مضاف سے اور نہ مضاف الیہ سے۔

آگے دیکھیے: وَ أَنْ لَّا يَكُوْنَ مُسْتَغَاثاً، اور دوسری عدمی شرط یہ ہے کہ وہ منادیٰ مستغاث نہیں ہونا چاہیے جس سے آپ ترخیم کرنا چاہتے ہیں۔ بھئی کیا وجہ ہے؟ مستغاث کیوں نہیں ہونا چاہیے؟ تو آپ کو بتلائیں گے کہ بھئی ندا کے دو اثر ہیں۔

ندا سے کلمے میں جو منادیٰ ہے اس کے اندر دو چیزوں میں سے ایک ضرور آئے گی: یا تو اس کے اندر نصب آئے گا یا اس کے اندر بنا آئے گی۔ آپ نے پڑھا منادیٰ مفرد معرفہ تو وہ مبنی ہوتا ہے ضمہ پر۔ دیکھا، یا تو لفظ مبنی بن جاتا ہے ندا کی وجہ سے یا اس میں نصب آتا ہے اگر مضاف یا مشابہِ مضاف یا نکرہ غیر معینہ ہو۔ یَا عَبْدَ اللہِ دیکھو نصب آیا، یَا طَالِعاً جَبَلاً دیکھو نصب آیا، اور یَا رَجُلاً خُذْ بِیَدِیْ جب اندھا کسی غیر معین کو کہے، تو دیکھو نصب آیا۔ تو ندا کی دو علامتیں ہیں، دو اثر ہیں، ندا کے دو اثر ہیں: یا تو منادیٰ میں کیا آئے گی؟ بنا یعنی وہ مبنی بنے گا مبنی علی الضم، یا اس کے اندر کیا آئے گا؟ نصب آئے گا۔ مبنی کیوں بنتا ہے؟ کیونکہ وہ کاف ضمیر کی جگہ آیا ہے، مخاطب ہے نا، اور مخاطب کے لیے تو ضمیر استعمال کرتے ہیں نام نہیں استعمال کرتے۔ اور نصب کیوں آتا ہے منادیٰ پر؟ کیونکہ وہ دراصل مفعول بہ ہے أَدْعُوْ کے لیے بھئی۔ تو ندا کے کتنے اثر؟ دو۔ کون کون سے؟ یا تو بنا ہے مبنی ہونا، مبنی ہونا، اور دوسرا کیا؟ نصب ہے۔ اور مستغاث میں دونوں میں سے ایک بھی نہیں ہے۔ اس میں جب ندا کا اثر نہیں آیا، اور ترخیم تو کس کی خصوصیت ہے؟ منادیٰ کی۔ عام کلام میں ترخیم صرف کس میں جائز ہے؟ منادیٰ میں جائز ہے، کسی اور اسم میں ترخیم جائز نہیں عام کلام کے اندر۔ تو جب مستغاث میں ندا کا اثر ظاہر ہی نہیں ہوا تو پھر اس میں ترخیم آپ کیسے کریں گے؟ وہ تو منادیٰ کے ساتھ خاص ہے۔ ترخیم کس کے ساتھ خاص؟ عام کلام میں منادیٰ کے ساتھ خاص ہے۔ اور مستغاث میں ندا کا اثر ہی نہیں آیا، جب ندا کا اثر ہی نہیں آیا تو منادیٰ کے ساتھ جو ایک چیز خاص تھی وہ یہاں آپ لاگو نہیں کر سکتے بھئی۔ کس طرح اس میں ندا کا اثر نہیں ہے؟ دیکھو مستغاث، مستغاث میں آپ نے پڑھا ایک تو اس پر لام کبھی لے آتے ہیں: یَا لَزَیْدٍ۔ جب یَا لَزَیْدٍ، یہ زید کون ہے؟ مستغاث۔ یہ مبنی ہے؟ یہ تو معرب ہے، لام جارہ اس پر داخل ہے جر دے رہا ہے۔ اور کیا اس پر نصب ہے؟ نہیں۔ یَا لَزَیْدٍ یہ زید پر نہ نصب ہے نہ یہ مبنی ہے، بھئی ندا کے تو دو ہی اثر تھے: یا منادیٰ کو کیا بناتا ہے؟ مبنی، یا اس پر کیا لاتا ہے؟ نصب۔ اور یہ جو یَا لَزَیْدٍ یہاں نہ نصب آیا اور نہ یہ مبنی ہے۔ دوسرا مستغاث کون تھا جس کے آخر میں الف آتا تھا: یَا زَیْدَا۔ یہ کیا ہے؟ یہ مبنی علی الفتح ہے۔ یہ مبنی علی الفتح ہے۔ بھئی اس میں تو ندا کا اثر ہے یہ بھی تو مبنی ہے نا؟ تو جواب یہ کہ بھئی یہ جو مبنی علی الفتح ہوا یہ ندا کی وجہ سے نہیں ہوا، بلکہ اس کے آخر میں الف آگیا اور الف اپنے سے ماقبل کیا چاہتا ہے؟ فتحہ چاہتا ہے، تو یہ الف کی وجہ سے مبنی ہوا ہے۔ اور نیز دوسری وجہ ذکر کریں گے، مستغاث باالف میں یہ دوسری وجہ ذکر کریں گے کہ مستغاث باالف میں تو الف کو ساتھ ملاتے ہیں تاکہ آواز لمبی ہو جائے۔ بھئی ایک شخص تکلیف میں ہے، دکھ میں ہے، غم میں ہے، آپ اس کی مدد کے لیے کسی دوسرے کو آواز دینا چاہتے ہیں۔ توجہ ہے؟ عمرو تکلیف میں ہے، کون؟ عمرو۔ میں اس کے لیے زید کو ندا دیتا ہوں: یَا زَیْدَا۔ تو دیکھو اس میں تو مستغاث کے ساتھ الف کو ملایا جاتا ہے تاکہ آواز لمبی ہو جائے، کیونکہ اظہارِ دکھ کرنا ہے، فریاد کرنی ہے۔ بلکہ اس کے ساتھ آپ نے پڑھا ہے کبھی ہا بھی ملاتے ہیں: یَا زَیْدَاہْ۔ کیوں ملاتے ہیں؟ آواز تاکہ اور لمبی ہو جائے بھئی۔ تو اس میں تو آواز کو لمبا کرنا مقصود ہے، اور ترخیم تو اس کی ضد ہے، ترخیم میں تو حذف کیا جاتا ہے۔ تو لہٰذا وہ

مستغاث جس پر لام داخل ہے اس میں ندا کا اثر نہیں آیا، نہ وہ مبنی ہوا اور نہ اس پر فتحہ، لہٰذا وہ چیز جو خاص تھی منادیٰ کے اندر وہ اس پر لاگو نہیں ہو سکتی۔ اور نیز وہ مستغاث جو الف کے ساتھ ہے، تو اس میں تو الف کو ساتھ اس لیے بڑھایا تاکہ آواز لمبی ہو جائے بھئی، آواز لمبی ہو جائے، تو اگر حذف کریں گے تو یہ تو اس کی ضد بن جائے گا بھئی، ایک طرف مقصد ہے آواز کو لمبا کرنا اور دوسری طرف آپ حذف بھی کر رہے ہیں بھئی۔ بات سمجھ میں آگئی؟

دیکھیے بھئی کتاب پر۔ کہتے ہیں: وَ أَنْ لَّا يَكُوْنَ مُسْتَغَاثاً اور وہ منادیٰ مستغاث نہیں ہونا چاہیے، لَا مَجْرُوْراً بِاللَّامِ، مستغاث دو تھے نا: ایک مجرور باللام ہے اور ایک جس کے آخر میں الف ہے یعنی وہ مبنی علی الفتح ہے، تو دونوں کو الگ الگ ذکر کریں گے۔ کہتے ہیں کہ وہ منادیٰ کو مستغاث نہیں ہونا چاہیے، لَا مَجْرُوْراً بِاللَّامِ نہ تو وہ مستغاث ہو جو مجرور باللام ہے لِعَدَمِ ظُهُوْرِ أَثَرِ النِّدَاءِ فِيْهِ اس لیے کیونکہ اس کے اندر ندا کا اثر ظاہر نہیں، ظاہر نہیں۔ بھئی ندا کا اثر کیا ہے؟ مِنَ النَّصْبِ أَوِ الْبِنَاءِ یعنی نصب یا مبنی ہونا۔ فَلَمْ يَرِدْ عَلَيْهِ التَّرْخِيْمُ الَّذِيْ هُوَ مِنْ خَصَائِصِ الْمُنَادٰى، لہٰذا اس پر وارد نہیں ہو گی اس پر داخل نہیں ہو گی وہ ترخیم جو منادیٰ کے خصوصیات میں سے ہے۔ جب اس پر ندا کا اثر نہیں ظاہر ہوا تو منادیٰ کی خصوصیات میں سے ترخیم بھی اس پر نہیں آئے گی کیونکہ اس میں ندا کا اثر ہی نہیں۔ وَ لَا مَفْتُوْحاً اور نیز وہ مستغاث مفتوح بھی نہیں ہونا چاہیے بِزِيَادَةِ الْأَلِفِ کس کے ساتھ؟ الف کی زیادتی کے ساتھ، لِأَنَّ الزِّيَادَةَ تُنَافِي الْحَذْفَ اس لیے کیونکہ زیادتی وہ تو منافی ہے حذف کے۔ مستغاث کے آخر میں تو الف کو زیادہ کیا گیا ہے اور آپ حذف کریں گے یہ تو اس زیادتی کے منافی ہو جائے گا، دونوں ایک دوسرے کی ضد ہیں بھئی۔ بات سمجھ میں آگئی؟ یہ معنی ہے لِأَنَّ الزِّيَادَةَ تُنَافِي الْحَذْفَ اس لیے کیونکہ زیادتی جو ہے وہ حذف کے منافی ہے۔

وَ لَمْ يَذْكُرِ الْمَنْدُوْبَ۔ جی بھئی، صاحبِ کافیہ نے کیا کہا؟ کہ وہ منادیٰ جس میں آپ ترخیم کرنا چاہتے ہیں، وہ مضاف بھی نہیں ہونا چاہیے، مستغاث بھی نہیں ہونا چاہیے اور جملہ بھی نہیں ہونا چاہیے۔ بھئی مندوب کو ذکر نہیں کیا، حالانکہ اور علماء نے مندوب کو بھی ذکر کیا ہے کہ جس منادیٰ میں آپ ترخیم کرنا چاہتے ہیں وہ مندوب نہیں ہونا چاہیے۔ میں نے آپ کو بتلایا تھا کہ مندوب وہ ہے جس پر رویا جائے، اظہارِ غم کیا جائے۔ عرب کے ہاں کوئی مر جاتا اس پر روتے ماتم کرتے، مثلاً زید مر گیا ہے، زید مر گیا ہے تو ماتم کرتے اور اس کو پکارتے: يَا زَيْدُ، اور کبھی وَا بھی ساتھ جوڑ دیتے: وَا زَيْدُ۔ تو جس پر رویا جائے اور اظہارِ غم کیا جائے اس کو کیا کہتے ہیں؟ مندوب۔ تو مندوب کو بھی ذکر کرنا چاہیے تھا صاحبِ کافیہ کو کہ وہ منادیٰ جس میں آپ ترخیم کرنا چاہتے ہیں وہ مضاف بھی نہ ہو، مستغاث بھی نہ ہو، جملہ بھی نہ ہو اور مندوب بھی نہ ہو۔ تو صاحبِ کافیہ نے مندوب کی شرط کیوں نہیں لگائی بھئی کہ وہ بھی نہیں ہونا چاہیے؟ تو یہ بات پہلے گزر چکی ہے، جہاں منادیٰ کی بحث شروع ہوئی تھی وہاں بتلایا تھا کہ صاحبِ کافیہ کے نزدیک مندوب منادیٰ ہے ہی نہیں۔ کیونکہ منادیٰ اس کو کہتے ہیں جس کی توجہ مطلوب ہوتی ہے، جس کو ندا کس لیے دی جاتی ہے؟ اس کی توجہ مطلوب ہے، اور مندوب تو مر چکا ہے اس کی کوئی توجہ

مطلوب نہیں ہے، صرف اظہارِ غم کے طور پر یَا زَیْدُ کہا جا رہا ہے اس کی توجہ مطلوب نہیں، جب توجہ مطلوب نہیں تو وہ منادیٰ نہیں۔ تو منادیٰ میں داخل ہی نہیں ہے تو اس کو خارج کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ چنانچہ آخر میں منادیٰ کی بحث کے بعد مندوب کو الگ ذکر کرتے ہیں صاحبِ کافیہ۔ جبکہ عام علمائے نحو کے نزدیک مندوب وہ منادیٰ میں داخل ہے، چنانچہ وہ پھر قید لگاتے ہیں کہ مندوب بھی نہیں ہونا چاہیے۔ تو کہتے ہیں: وَ لَمْ یَذْکُرِ الْمَنْدُوْبَ اور صاحبِ کافیہ نے مندوب کو ذکر نہیں کیا، لِأَنَّہٗ لَیْسَ بِمُنَادًی عِنْدَہٗ اس لیے کیونکہ مندوب ان کے نزدیک منادیٰ ہے ہی نہیں۔

وَ أَنْ لَّا یَکُوْنَ جُمْلَۃً، اور تیسری عدمی شرط یہ کہ وہ منادیٰ جملہ نہیں ہونا چاہیے۔ مثلاً تَأَبَّطَ شَرًّا اور شَابَ قَرْنَاہَا۔ جی بھئی اس میں کیوں ترخیم نہیں کر سکتے؟ کہتے ہیں: لِأَنَّہٗ مَحْکِیٌّ کَمَا مَرَّ، اس لیے کیونکہ وہ محکی ہے جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے۔ تَأَبَّطَ شَرًّا یہ جملہ ہے جب اس کو کسی کا علم بنایا، نام بنایا تو اس پر کوئی اعراب نہیں آئے گا بلکہ وہ جملہ جس طرح پہلے تھا اسی طرح حکایت کر کے نقل کر دیا جائے گا، تو تَأَبَّطَ شَرًّا یہ مبنی رہے گا، شَابَ قَرْنَاہَا یہ مبنی رہے گا۔ تو جب اس کو حکایت کیا جاتا ہے اور اس میں کوئی تبدیلی جائز نہیں، فَلَا یَتَغَیَّرُ بِالْحَذْفِ وَ غَیْرِہٖ، لہٰذا اس میں حذف یا اس کے علاوہ کسی اور ذریعے سے بھی تبدیلی نہیں کی جائے گی۔ بھئی جب وہ محکی ہے تو جوں کا توں نقل کرتے ہیں، کوئی تبدیلی نہیں کی جاتی، نہ تو حذف کر سکتے ہیں اور نہ ہی اس میں کوئی اور تبدیلی کی جاتی ہے، چنانچہ وہ نہایت قلیل ہے اس لیے صرف اتنا ہی کہہ کر بات ختم کر دیں۔

آگے چوتھی شرط جو وجودی شرط ہے، کہتے ہیں: وَ وَاحِدَۃٌ وُّجُوْدِیَّۃٌ، اور ایک شرط ان میں سے وجودی ہے، وَ ہِیَ أَحَدُ الْأَمْرَیْنِ اور وہ دو چیزوں میں سے ایک چیز ہے: إِمَّا کَوْنُہٗ عَلَماً زَائِداً عَلٰی ثَلَاثَۃِ أَحْرُفٍ، یا تو اس کا ایسا علم ہونا جو تین حروف سے زائد ہو۔ یعنی کم از کم چار حروف ہوں تاکہ حذف کرنے کے بعد کم از کم تین حروف باقی رہ جائیں۔ مِثْلُ یَا مَالِ فِیْ یَا مَالِکُ، جیسے یَا مَالِ، یَا مَالِکُ کے اندر۔ دیکھو مَالِک چار حروف پر ہے، آخر سے کاف کو اڑا دیا تو یَا مَالِ باقی رہ گیا، تین حروف بچ گئے۔ تو علم ہو اور تین حروف سے زائد ہو۔ إِذِ الْعَلَمُ یُعْرَفُ بِمُجَرَّدِ الْإِطْلَاقِ فَلَا یُخِلُّ بِفَہْمِہِ الْحَذْفُ، بھئی یہ شرط کیوں لگائی کہ وہ علم ہو اور تین حروف سے زائد ہو؟ علم کی شرط کیوں لگائی؟ بھئی دیکھو علم جو ہے وہ تو معروف ہوتا ہے، وہ نام کسی شخص کا ہوتا ہے اور سننے والے کو پتہ ہوتا ہے کہ کس کو بلایا جا رہا ہے، تو اگر آپ اس کے آخر سے ایک حرف گرا بھی دیں گے تب بھی سمجھنے والے کے لیے اس کے سمجھنے میں کوئی خلل واقع نہیں ہوگا، وہ سمجھ جائے گا کہ مَالِک کو بلا رہا ہے، مَنْصُوْر کو بلا رہا ہے، حَارِث کو بلا رہا ہے، جَعْفَر کو بلا رہا ہے۔ لیکن اگر وہ علم نہ ہو، مثلاً کوئی نکرہ مقصودہ ہے یَا رَجُلُ، اب آپ اس کے آخر سے لام گرا کر کہیں یَا رَجُ، تو بھئی رَجُل کے آخر سے لام گرایا تو مخاطب کو سمجھنے میں التباس ہوگا کہ کس کو بلایا جا رہا ہے۔ تو کہتے ہیں: إِذِ الْعَلَمُ یُعْرَفُ بِمُجَرَّدِ الْإِطْلَاقِ اس لیے کیونکہ علم تو پہچانا جاتا ہے محض اطلاق سے ہی، فَلَا یُخِلُّ بِفَہْمِہِ الْحَذْفُ تو حذف کرنا اس کے سمجھنے میں کوئی خلل پیدا نہیں کرتا۔ وَ کَثْرَۃُ اسْتِعْمَالِہٖ تَدْعُوْ إِلَی التَّخْفِیْفِ، اور نیز علم کا کثرتِ استعمال بھی تخفیف کی طرف بلاتا ہے کیونکہ آدمی کا نام بار بار پکارا جاتا ہے تو کثرتِ استعمال کی وجہ سے

تخفیف ہونی چاہیے۔ وَ كَوْنُهٗ زَائِداً عَلٰى ثَلَاثَةٍ لِيَبْقٰى عَلٰى أَقَلِّ أُصُوْلِ الْمُعْرَبِ، اور اس کا تین حروف سے زائد ہونا اس لیے ہے تاکہ باقی رہے وہ اسم کم از کم اصولِ معرب پر، یعنی معرب کے جو کم سے کم اصول تین حروف ہیں اس پر باقی رہے، یعنی تین حروف باقی رہ جائیں۔

وَ إِمَّا كَوْنُهٗ بِتَاءِ التَّأْنِيثِ، اور یا اس کا تائے تانیث کے ساتھ ہونا، یعنی علم نہ ہو بلکہ تائے تانیث اس کے آخر میں جڑی ہو چاہے علم ہو یا غیرِ علم، چاہے تین حروف سے زائد ہو یا تین حروف پر ہو۔ مثلاً شَاةٌ بکری کو کہتے ہیں، شَاةٌ کے اندر تین حروف ہیں: شین، الف اور تا، تو اس کی ترخیم کر سکتے ہیں: يَا شَا۔ يَا ثُبَةُ، ثُبَة کہتے ہیں جماعت کو، ثا، با اور تا تین حروف ہیں، اس کی ترخیم کر سکتے ہیں: يَا ثُبَ، دیکھو تا گرا دی تو دو حروف رہ گئے، حالانکہ علم بھی نہیں ہے اور تین حروف سے زائد بھی نہیں ہے، لیکن چونکہ آخر میں تائے تانیث ہے اس لیے تا کو گرانا جائز ہے، چاہے نکرہ مقصودہ ہی کیوں نہ ہو جیسے يَا جَارِيَةُ میں يَا جَارِيَ، يَا جَارِيَ۔ کہتے ہیں: سَوَاءٌ كَانَ عَلَماً أَوْ لَا، برابر ہے کہ وہ علم ہو یا نہ ہو، زَائِداً عَلَى الثَّلَاثَةِ أَوْ لَا، تین حروف سے زائد ہو یا نہ ہو، مِثْلُ يَا شَا فِيْ يَا شَاةُ، جیسے يَا شَا، يَا شَاةُ کے اندر، وَ يَا طَلْحَ فِيْ يَا طَلْحَةُ، اور يَا طَلْحَ، يَا طَلْحَةُ کے اندر، وَ يَا عَائِشَ فِيْ يَا عَائِشَةُ، اور يَا عَائِشَ، يَا عَائِشَةُ کے اندر، وَ يَا جَارِيَ فِيْ يَا جَارِيَةُ، اور يَا جَارِيَ، يَا جَارِيَةُ کے اندر۔

بھئی یہ تائے تانیث کے اندر کیوں ترخیم جائز ہے چاہے علم نہ بھی ہو اور چاہے تین حروف سے زائد نہ بھی ہو؟ اس لیے کیونکہ تائے تانیث جو ہے یہ کلمے کا اصل حرف نہیں ہے، یہ زائد ہے اور کلمے کے آخر میں گویا ایک مستقل کلمے کے حکم میں ہے، تو اس کو گرا دینے سے کلمے کے اصول میں کوئی نقصان نہیں آتا، بلکہ عربی میں تائے تانیث کو کلمے کا جز ہی نہیں مانا جاتا اس کو ایک الگ اسم کے حکم میں سمجھا جاتا ہے جیسے مرکبِ مزجی میں بَعْلَبَكُّ کے دو حصے ہیں، ایسے ہی طَلْحَةُ میں طَلْحَ اور تائے تانیث گویا دو الگ الگ چیزیں ہیں۔

جی، یہ ہمارا آج کا سبق مکمل ہو گیا۔ وَ اللهُ أَعْلَمُ بِالصَّوَابِ۔

سبق نمبر ۱۲۸: الترخیم (۲): ترخیم میں محذوف ہونے والے حروف کی مقدار اور دو لغات

شرحِ ملا جامی صفحہ: ۱۰۱ — بتاریخ: ۹ جنوری ۲۰۲۲ء

▪ تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث

آگے سبق دیکھیے بھئی۔

وَلَمَّا فَرَغَ مِنْ بَيَانِ شَرَائِطِ التَّرْخِيمِ شَرَعَ فِي بَيَانِ كَمِّيَّةِ الْمَحْذُوفِ بِسَبَبِهِ، فَقَالَ: فَإِنْ كَانَ فِي آخِرِهِ — أَيْ آخِرِ الْمُنَادَى — زِيَادَتَانِ كَائِنَتَانِ فِي حُكْمِ الزِّيَادَةِ الْوَاحِدَةِ فِي أَنَّهُمَا زِيدَتَا مَعًا، وَاحْتَرَزَ بِهِ عَنْ نَحْوِ ثَمَانِيَةٍ وَمَرْجَانَةَ، فَإِنَّ الْيَاءَ وَالنُّونَ فِيهِمَا زِيدَتَا أَوَّلًا ثُمَّ زِيدَتْ تَاءُ التَّأْنِيثِ، فَلَمْ يُحْذَفْ مِنْهُمَا إِلَّا الْأَخِيرُ.

بھئی گزشتہ سبق میں ترخیمِ منادیٰ کی بحث ہم نے شروع کی تھی بھئی، اور صاحبِ کافیہ نے آپ کو بتلایا کہ منادیٰ کے اندر ترخیم جائز ہے۔ میں نے بتلایا تھا کہ ترخیم اسے کہتے ہیں کہ منادیٰ کے آخر سے کچھ حروف اڑا دیے جائیں یا اس کے آخر سے کوئی کلمہ گرا دیا جائے، اس کو کیا کہتے ہیں؟ ترخیم۔ تو رَخَّمَ يُرَخِّمُ تَرْخِيمٌ کا معنیٰ عربی زبان میں ہے نرم کرنا، کسی چیز کو نرم بنانا۔ تو اس میں بھی دیکھو منادیٰ جو کہ غیر مقصود ہے، اس کو نرم کیا گیا یعنی ہلکا کر دیا گیا۔ جب حروف کم ہو گئے تو زبان پر ادائیگی آسان ہو گئی، تو لفظ کو کیا بنا دیا؟ ہلکا بنا دیا اور نرم بنا دیا۔ اور میں نے آپ کو یہ بھی بتلایا تھا کہ یہ جو ترخیم المنادیٰ ہے، عام عربی کلام کے اندر بھی جائز ہے۔ تو جب عام عربی کلام میں جائز ہے تو اشعار میں ضرورتِ شعری کی وجہ سے یہ بطریقِ اولیٰ جائز ہے۔ اور منادیٰ کے علاوہ باقی جو اسماء ہیں ان میں بھی ترخیم کی جاتی ہے، لیکن عام کلام میں نہیں بلکہ صرف ضرورتِ شعری کی وجہ سے بھئی۔

اور پھر اس کی تعریف کی تھی کہ ترخیم المنادیٰ وہ منادیٰ کے آخر سے حذف کرنا ہے تَخْفِيفًا، کس لیے؟ تخفیف کرنے کے لیے بھئی۔ تخفیف کرنے کے لیے، یعنی یہاں پر جو حذف کیا جاتا ہے اس میں مقصد صرف تخفیف ہوتا ہے، کوئی اور علت جو ہے یہاں نہیں ہوتی بھئی۔ اور پھر صاحبِ جامی نے آپ کو بتلایا تھا کہ آپ چاہیں تو اس کو ترخیم المنادیٰ کی تعریف بنا لیں، اور آپ چاہیں تو اس کو مطلقِ ترخیم کی تعریف بنا لیں۔ اگر ترخیم المنادیٰ کی تعریف بناتے ہیں تو هُوَ، تو هُوَ ضمیرِ مرفوع

جو ہے اس کو ترخیم المنادیٰ کی طرف راجع کریں، اور اسی طرح حَذْفٌ فِي آخِرِهِ، آخِرِهِ کی هَا ضمیر جو ہے وہ بھی منادیٰ کو راجع کریں۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو ترخیم المنادیٰ کیا ہے؟ منادیٰ کے آخر سے حذف کرنا تخفیف کرنے کے لیے۔ اور آپ چاہیں تو اس کو مطلقِ ترخیم کی تعریف بھی بنا سکتے ہیں، کہ مطلقِ ترخیم جو ہے وہ حذف کرنا ہے فِي آخِرِهِ أَيْ فِي آخِرِ الْاِسْمِ بھئی، تو هَا ضمیر جو ہے اسم کو لوٹائیں، هُوَ ضمیر مطلقِ ترخیم کو لوٹائیں اور هَا ضمیر اسم کو لوٹائیں کہ مطلقِ ترخیم جو ہے وہ اسم کے آخر سے حذف کرنا ہے تَخْفِيفًا کس مقصد کے لیے؟ تخفیف کے لیے۔

تو اس کے بعد پھر آگے شَرْطُهُ آیا تھا، تو شَرْطُهُ کی هَا ضمیر، تو شَرْطُهُ اس میں هَا ضمیر اگر پیچھے ترخیم المنادیٰ کی تعریف کی تھی تو پھر یہ شَرْطُهُ جو ہے یہ بھی اسی کو راجع کریں گے کہ ترخیم المنادیٰ کی شرط یہ ہے۔ اور اگر پچھلی تعریف جو ہے اس کو اگر مطلقِ ترخیم کی تعریف بنائیں، تو پھر شَرْطُهُ کی هَا ضمیر بھی اسی کو راجع ہوگی کہ مطلقِ ترخیم کی شرط یہ ہے۔ لیکن اس صورت میں پھر آگے جو شرطیں ذکر ہیں وہ تو ترخیم المنادیٰ کی ہیں۔ اگر شَرْطُهُ کی هَا ضمیر مطلقِ ترخیم کو لوٹائیں تو آگے شرطیں تو کس کی ہیں؟ مطلقِ ترخیم کی نہیں ہیں بلکہ ترخیم المنادیٰ کی ہیں، تو پھر اس صورت میں یہاں ایک قید کا اضافہ کرنا پڑے گا، وَشَرْطُهُ کہ مطلقِ ترخیم کی شرط، جب یہ منادیٰ میں واقع ہو۔ جب یہ مطلقِ ترخیم کہاں واقع ہو؟ منادیٰ میں واقع ہو، یہ شرط بڑھا دیں تو اب بات ٹھیک بن گئی، کہ مطلقِ ترخیم جب منادیٰ میں واقع ہو تو اس کی یہ یہ شرطیں ہیں بھئی۔

پھر اس کے بعد شرطیں ذکر کی تھیں، اور چار شرطیں ذکر کیں، تین شرطیں عدمی ہیں اور ایک شرط وجودی۔ عدمی شرط یہ ہے کہ وہ منادیٰ جس میں آپ ترخیم کرنا چاہتے ہیں، وہ مضاف نہیں ہونا چاہیے۔ اور نیز مستغاث بھی نہیں ہونا چاہیے۔ اور نیز جملہ بھی نہیں ہونا چاہیے۔ اور ایک شرط وجودی تھی، کہ وہ ایسا علم ہو جو تین حروف سے زائد پر مشتمل ہو۔ یا وہ ایسا اسم ہو جس کے ساتھ تائے تانیث جڑی ہوئی ہو۔ تو ان دو وجودی شرطوں میں سے کسی ایک کا پایا جانا ضروری ہے۔ تو ترخیم کے لیے ضروری ہے کہ منادیٰ مضاف نہ ہو۔ وجہ یہ کہ ترخیم یا تو آپ مضاف میں کریں گے یا مضاف الیہ میں کریں گے۔ اگر مضاف میں کریں تو مضاف تو ابھی پورا ہی نہیں ہوا، معنیٰ کے اعتبار سے مضاف الیہ ساتھ ملے گا تو یہ پورا ہوگا۔ لہٰذا مضاف میں سے ترخیم نہیں کر سکتے کیونکہ مضاف تو درمیانِ کلمہ بن چکا ہے بھئی۔ اور مضاف الیہ سے آپ ترخیم کرنا چاہتے ہیں تو وہ بھی جائز نہیں، اس لیے کیونکہ مضاف الیہ تو منادیٰ ہے ہی نہیں، منادیٰ تو مضاف ہے بھئی۔ تو لفظوں کے اعتبار سے مضاف جو ہے وہ ہے منادیٰ، مضاف الیہ منادیٰ نہیں ہے، لہٰذا یہاں پر نہ مضاف سے ترخیم کر سکتے ہیں اور نہ مضاف الیہ سے۔

اور نیز مستغاث سے بھی ترخیم نہیں کر سکتے، اس لیے کیونکہ مستغاث تو دو ہی ہیں، ایک وہ جس پر لامِ استغاثہ داخل ہو اور ایک وہ جس کے آخر میں الف آئے۔ جس کے آخر میں الف آئے تو وہاں بھی ترخیم نہیں کر سکتے، کیونکہ الف کو تو

بڑھایا ہے آواز کو لمبا کرنے کے لیے، اور ترخیم میں تو حذف کیا جاتا ہے، تو یہ تو دونوں ایک دوسرے کے ضد ہو گئے، ایک دوسرے کے منافی ہوئے۔ اور وہ مستغاث جس کے شروع میں لام ہے، اس کے اندر بھی ترخیم نہیں کر سکتے، وجہ یہ کہ اس کے اندر ندا کا اثر ہی نہیں ظاہر ہوا۔ اور ترخیم وہ تو منادیٰ کی خصوصیات میں سے ہے۔ عام کلام میں منادیٰ کے علاوہ اور کسی چیز میں ترخیم نہیں کی جاتی۔ تو جب یہ منادیٰ کی خصوصیات میں سے ہے تو اسی لفظ میں ترخیم جائز ہوگی، اسی منادیٰ میں ترخیم جائز ہوگی جس میں ندا کا اثر بھی نظر آئے، اور ندا کے دو ہی اثر ہیں۔ یا تو وہ منادیٰ اگر مفرد معرفہ ہو تو اس کو مبنی بنا دیتی ہے ندا، یا اس پر نصب لے آتے ہیں اگر وہ مضاف یا مشابہ مضاف یا نکرہ غیر معین ہو۔ تو یہ جو مستغاث ہے جس پر لام داخل ہوا، جیسے یَا لَزَیْدٍ، یہ تو مجرور ہے بھئی، یہ تو معرب ہے۔ تو لہٰذا نہ تو اس میں بناء آئی ہے اور نہ ہی اس پر نصب آیا ہے، تو اس میں ندا کا اثر ظاہر نہیں ہوا۔ جب ندا کا اثر ظاہر نہیں ہوا تو وہ چیز جو منادیٰ کی خصوصیات میں سے ہے، وہ بھی اس میں نہیں آئے گی کیونکہ اس میں ندا کا اثر نہیں ہے۔

اور نیز بتلایا تھا کہ مندوب کی بھی شرط لگانی چاہیے تھی صاحبِ کافیہ کو، لیکن صاحبِ جامی نے جواب دیا کہ بھئی صاحبِ کافیہ کے نزدیک مندوب وہ، یعنی جس پر رویا جائے اور اظہارِ غم کیا جائے، وہ منادیٰ کے اندر داخل ہی نہیں ہے، کیونکہ منادیٰ کی تعریف کیا کی تھی؟ جس کی توجہ مطلوب ہو۔ اور جو مندوب ہے وہ تو مر چکا ہے، اس کی توجہ مطلوب نہیں، صرف اس پر اظہارِ غم کیا جا رہا ہے۔ اور کہتے ہیں بعض کافیہ کے نسخوں میں وَلَا مَنْدُوبًا کا لفظ بھی موجود ہے، لیکن کہتے ہیں وہ لکھنے والوں کا تصرف ہے، کیونکہ صاحبِ کافیہ کے نزدیک تو مندوب منادیٰ میں داخل ہی نہیں۔ اور جملہ بھی نہیں ہونا چاہیے، بھئی اس منادیٰ کو جس میں آپ ترخیم کرنا چاہتے ہیں۔ وجہ یہ کہ جملہ جو ہے وہ کسی واقعے کی طرف اشارہ کرتا ہے جس کی وجہ سے وہ جملہ اس شخص کا نام پڑ گیا۔ تو لہٰذا جملے میں اگر آپ تبدیلی کر دیں گے تو پھر تو یہ اس واقعے پر دلالت ہی نہیں رہے گی اس کی۔ تو اس لیے اس میں بھی ترخیم نہیں کر سکتے۔

اور وجودی شرط یہ تھی کہ یا تو وہ ایسا علم ہو جو تین حروف پر زائد ہو، یا اس کے آخر میں تا ملی ہوئی ہو، تائے تانیث بھئی۔ تو علم ہو اور تین حروف سے زائد ہو، وجہ یہ کہ علم کے اندر ندا کثیر ہے۔ لہٰذا اس میں سے اگر آپ کچھ حذف بھی کر لیں گے تو جو باقی بچ گیا ہے وہ اس محذوف پر دلالت کر دے گا بھئی۔ اور نیز تین حروف سے زائد ہونا چاہیے، تاکہ ترخیم میں حذف کے بعد بھی جو کلمہ ہے، وہ کم از کم تین حروف پر باقی رہ جائے بھئی۔ اور یا اس کے ساتھ تائے تانیث جڑی ہوئی ہو اس منادیٰ کے آخر میں۔ جب تائے تانیث ساتھ جڑی ہوئی ہو تو پھر اس کی بھی پرواہ نہیں کی جائے گی کہ تا کو حذف کر دیں ترخیم کی وجہ سے تو باقی تین سے کم حروف بچ جائیں گے۔ وجہ یہ کہ یہ جو تا ہے اس کو علیحدہ کلمہ شمار کیا جاتا ہے جو صرف تانیث پر دلالت کرتی ہے۔ تو جب اگر ترخیم کی وجہ سے تا کو گرائیں اور تین سے کم حروف بچ جائیں، تو یہ تو بھئی منادیٰ بننے

سے پہلے ہی اس کی جو ہیں حروف جو ہیں تین سے کم تھے، تا تو الگ کلمہ تھی، جیسے ثُبَۃٌ اور جیسے شَاۃٌ۔ تو یہاں شَاۃٌ کے اندر اس وقت بے شک تین حروف ہیں، لیکن یہ تا تو الگ کلمہ ہے، تو گویا ترخیم سے پہلے یہ دو حروف پر مشتمل ہے۔ اور ثُبَۃٌ بھئی جماعت کو کہتے ہیں اور اس میں بھی دیکھو تا کے بغیر یہ دو حروف پر مشتمل ہے ترخیم سے پہلے ہی۔

اس کے بعد اگلا متن ہم نے کچھ حل کیا تھا کہ ترخیم کی مقدار کتنی کی ہے بھئی، کتنی ترخیم کی جائے گی، کتنے حروف حذف کیے جائیں گے؟ تو میں نے بتلایا تھا کہ ترخیم کی مقدار کے اعتبار سے منادیٰ تین قسم پر ہے۔ بعض اوقات صرف ایک حرف کو حذف کیا جائے گا منادیٰ کے آخر سے، بعض اوقات دو حروف کو حذف کیا جائے گا، اور بعض اوقات پورا ایک کلمہ آخر سے حذف کر لیں گے اگر منادیٰ مرکب ہو۔ اور پھر اس کی تفصیل بیان کی تھی صاحبِ کافیہ نے کہ اگر منادیٰ کے آخر میں، توجہ ہے، یہ متن دیکھیں بھئی یہ، کہ فَإِنْ كَانَ فِي آخِرِهِ زِيَادَتَانِ فِي حُكْمِ الْوَاحِدَةِ اگر اس منادیٰ کے آخر میں دو ایسی زیادتیاں ہیں، یعنی دو ایسے حروف زائد ہیں فِي حُكْمِ الْوَاحِدَةِ جو ایک ہی کے حکم میں ہیں یعنی دونوں کو اکٹھا بڑھایا جاتا ہے۔ جیسے الفِ ممدودہ ہے تانیث والا، یہ دراصل دو الف ہیں بھئی۔ جیسے أَسْمَاءَ، یہ الف اور یہ ہمزہ، یہ دونوں کو اکٹھا بڑھایا جاتا ہے۔ یہ جو ہمزہ ہے یہ بھی اصل میں الف تھا بھئی۔ تو یہ جو تانیث کا الفِ ممدودہ ہے یہ دراصل کتنے الف ہوتے ہیں؟ دو۔ ان میں سے یہ جو دوسرا ہے یہ ہے تانیث والا، پہلا تانیث والا نہیں، لیکن دونوں کو اکٹھا ہی بڑھاتے ہیں اور پھر دوسرے کو ہمزہ سے بدل دیتے ہیں کیونکہ الفِ زائدہ کے بعد حرفِ علت آئے تو اس کو ہمزہ سے بدلتے ہیں۔ جیسے قَالَ يَقُولُ قَوْلًا فَهُوَ قَائِلٌ، یہ اصل میں کیا تھا؟ قَاوِلٌ، تو الف کے بعد واو حرفِ علت آیا الفِ زائدہ کے بعد تو اس کو ہمزہ سے بدل دیا گیا تو کیا بن گیا؟ قَائِلٌ۔ تو یہاں بھی اسی طرح ہے۔

اسی طرح الف نون مزیدتان ہیں، ان کو بھی اکٹھا بڑھایا جاتا ہے۔ اسی طرح نسبت کے لیے جو یائے مشدد آخر میں بڑھائی جاتی ہے، لَاهُورِيٌّ، یہ بھی دو حروف ہیں دراصل تو یہ بھی اکٹھے بڑھائے جاتے ہیں۔ اسی طرح تثنیہ کے لیے الف اور نون بڑھاتے ہیں، رَجُلَانِ، یہ الف اور نون اکٹھے ہی بڑھاتے ہیں۔ اور جمع کے لیے واو اور نون اکٹھے بڑھاتے ہیں، مُسْلِمُونَ۔ تو وہ دو زیادتیاں جن کو اکٹھا بڑھایا جاتا ہے، وہ ایک ہی زیادتی کے حکم میں ہیں۔ لہٰذا کلمے کے آخر میں اگر یہ دو زیادتیاں ہوں تو ترخیم کے وقت ان دونوں کو گرا دیں گے، کیونکہ جب ان کا اضافہ اکٹھا کیا جاتا ہے تو حذف میں بھی دونوں کو اکٹھا حذف کیا جائے گا۔ یا وہ جو منادیٰ ہے اس کے آخر میں ایسا حرفِ صحیح ہو جس سے ماقبل حرفِ مدہ ہو، جیسے مَنْصُورٌ۔ مَنْصُورٌ کے آخر میں را دیکھو حرفِ صحیح ہے اصلی ہے اور ماقبل میں واو مدہ زائدہ ہے۔ تو یا جیسے عَمَّارٌ، اس کے آخر میں بھی الف ہے اور پھر را ہے بھئی، تو را حرفِ صحیح ہے اور ماقبل الف حرفِ مدہ زائدہ ہے، تو دونوں کو اکٹھا ہی ختم کریں گے۔ تو لہٰذا اگر منادیٰ ایسا کلمہ ہے کہ اس کے آخر میں دو ایسے حروف زائد ہیں جو ایک ہی کے حکم میں ہیں یعنی جن کو اکٹھا ہی بڑھایا

جاتا ہے، یا منادیٰ ایسا اسم ہے کہ اس کے آخر میں ایسا حرفِ صحیح اصلی ہے کہ جس سے ماقبل کیا ہے؟ حرفِ مدہ زائدہ، اور یہ والا جس کے آخر میں حرفِ صحیح ہے اور اس حرفِ صحیح سے ماقبل کیا ہے حرفِ مدہ زائدہ، اس میں ضروری ہے کہ یہ چار حروف سے زائد پر مشتمل ہو۔ کتنے حروف؟ چار حروف سے زائد پر مشتمل ہو، جیسے مَنْصُورٌ۔ وجہ یہ کہ یہ آخری دونوں کو ہم نے اکٹھا حذف کرنا ہے ترخیم کے اندر، حرفِ صحیح کو بھی اور ماقبل میں جو حرفِ مدہ ہے اس کو بھی۔ تو دونوں کو حذف کرنے کے بعد اسم جو ہے کم از کم اس میں تین حروف رہنے چاہئیں، کیونکہ معرب جو ہے اس کی بناوٹ جو ہے اس میں کم سے کم مقدار کتنی ہے قیاساً کتنے حروف ہونے چاہئیں؟ تین حروف ہونے چاہئیں۔ تو یَا مَنْصُورُ اس سے واو اور را گرا بھی دیں گے تو بھی یَا مَنْصُ دیکھو میم، نون اور صاد تین حروف باقی رہ گئے، تو ان کو اکٹھا حذف کریں گے۔

جی اب دیکھیے ذرا متن دوبارہ بھئی۔ کہتے ہیں فَإِنْ كَانَ فِي آخِرِهِ زِيَادَتَانِ فِي حُكْمِ الْوَاحِدَةِ اگر اس منادیٰ کے آخر میں دو ایسی زیادتیاں ہوں جو ایک ہی زیادتی کے حکم میں ہیں، كَأَسْمَاءَ وَمَرْوَانَ جیسے کہ أَسْمَاءُ ہے اور مَرْوَانُ ہے۔ میں نے بتایا أَسْمَاءُ یہ بھی غیر منصرف ہے کیونکہ اس کے آخر میں الفِ ممدودہ ہے تانیث والا اور تانیث والے الف جو ہوتے ہیں، وہ دو سببوں کے قائم مقام۔ اور مَرْوَانُ یہ بھی غیر منصرف ہے، ایک تو یہ علم ہے اور نیز الف نون مزیدتان ہیں۔ أَوْ حَرْفٌ صَحِيحٌ، یہ حَرْفٌ صَحِيحٌ کا عطف ہے زِيَادَتَانِ پر، کس پر؟ زِيَادَتَانِ پر۔ لہٰذا اس کو اٹھائیں اور یہ حَرْفٌ صَحِيحٌ رکھ دیں، تو عبارت کیا بن گئی؟ فَإِنْ كَانَ فِي آخِرِهِ حَرْفٌ صَحِيحٌ اگر اس منادیٰ کے آخر میں ایسا حرفِ صحیح ہو قَبْلَهُ مَدَّةٌ۔ یہ قَبْلَهُ مَدَّةٌ یہ جملہ ہے اور یہ صفت ہے حَرْفٌ کی۔ حَرْفٌ صَحِيحٌ قَبْلَهُ مَدَّةٌ۔ حَرْفٌ موصوف، صَحِيحٌ اس کی ایک صفت، اور قَبْلَهُ مَدَّةٌ اس کی دوسری صفت۔ توجہ ہے؟ قَبْلَهُ مَدَّةٌ یہ پورا جملہ اس کی صفت ہے۔ کیسے بنے گا صفت بھئی؟ کیسے بنے گا؟ قَبْلَهُ مَدَّةٌ یہ پورا جملہ ہے، ترکیب کیجیے۔

قَبْلَ منصوب لفظًا مضاف۔ منصوب کیوں؟ کیونکہ قَبْلُ اور بَعْدُ جو ہیں یہ مفعول فیہ واقع ہوتے ہیں اور مفعول فیہ کیا ہوتا ہے؟ منصوب۔ تو قَبْلَ منصوب لفظًا مضاف، هَا ضمیر مجرور محلًا مضاف الیہ۔ یہ هَا ضمیر راجع ہے کس کو؟ وہ حرفِ صحیح جو پیچھے یہ موصوف کی طرف راجع ہے، یہ ربط دے رہی ہے۔ اور مضاف مضاف الیہ مل کر یہ مفعول فیہ بنائیں گے ثَبَتَ یا ثَابِتٌ کے لیے۔ ثَبَتَ فعل، اور اس کے اندر هُوَ ضمیر فاعل جو کس کو راجع؟ مَدَّةٌ آگے بتدا مؤخر ہے نا، یہ قَبْلَهُ خبرِ مقدم ہے اور مَدَّةٌ بتدا مؤخر ہے۔ تو ثَابِتٌ کے اندر هُوَ ضمیر جو راجع ہے کس کو؟ مَدَّةٌ کو۔ بھئی مَدَّةٌ تو مؤنث ہے، لہٰذا ہمیں ضمیر کون سی چاہیے؟ مؤنث کی، لہٰذا ثَابِتٌ نہ نکالو بلکہ کیا نکالو؟ ثَابِتَةٌ نکالیں۔ تو ثَابِتَةٌ صیغہ اسمِ فاعل، اس کے اندر هِيَ ضمیر مرفوع محلًا اس کا فاعل جو کس کو راجع؟ مَدَّةٌ کو۔ اسمِ فاعل اپنے فاعل اور مفعول فیہ سے مل کر شبہِ جملہ ہو کر خبرِ مقدم، اور مَدَّةٌ یہ ہے بتدا مؤخر۔ اور بتدا اپنی خبر سے مل کر یہ صفتِ ثانی ہوئی حَرْفٌ کے لیے۔ ترکیب سمجھ میں آئی؟

اور نیز میں نے آپ کو بتلایا تھا کہ یہ جو ثَابِتْ یا ثَبَتَتْ نکالتے ہیں، یہ طلباء کو سمجھانے کے لیے، ورنہ یہاں کوئی ثَابِتْ اور ثَبَتَتْ نہیں، وہ جا چکا، اس کی جگہ قَبْلَهُ نے پکڑ لی۔ تو یہ قَبْلَهُ ظرفِ مستقر ہے، جس نے اپنے عامل کی جگہ قرار پکڑا ہے۔ اور وہ جو هِيَ ضمیر جس کو ثَابِتَةٌ رفع دے رہا تھا، اب وہ اس کے اندر چھپ گئی۔ تو کیسے کریں گے ترکیب؟ قَبْلَ منصوب لفظًا مضاف، هَا ضمیر مجرور محلًا مضاف الیہ، مضاف اپنے مضاف الیہ سے مل کر ظرفِ مستقر ہوا۔ اس کے اندر هِيَ ضمیر جو اس کے اندر چھپ گئی، وہ کس کو راجع؟ بتدا کو راجع، مَدَّةٌ کو۔ توجہ ہے؟ ایک ترکیب یہ کہ قَبْلَهُ کو خبرِ مقدم بنائیں اور یہ مَدَّةٌ کیا ہے؟ یہ بتدا مؤخر ہے۔ تو هِيَ ضمیر جو مَدَّةٌ کو راجع اور مَدَّةٌ بتدا مؤخر، بتدا اپنی خبر سے مل کر جملہ اسمیہ ہو کر یہ صفت ہوئی حَرْفٌ کے لیے۔ یا اس کو آپ جملہ ظرفیہ بھی بنا سکتے ہیں۔ جملہ ظرفیہ کیسے؟ یہ قَبْلَهُ یہ ظرفِ مستقر ہے اور اس کے لیے فاعل چاہیے یا نہیں؟ ابھی جو ہم نے هِيَ ضمیر اس کے اندر نکالی تھی، تو اب یوں کریں اس کے اندر کوئی ضمیر نہ نکالیں۔ قَبْلَهُ ظرفِ مستقر ہے، اس کے لیے فاعل چاہیے، مَدَّةٌ اس کا فاعل ہے بھئی۔ اس مَدَّةٌ کو رفع کس نے دیا؟ قَبْلَهُ اس ظرفِ مستقر نے۔ تب بات سمجھ میں آگئی؟ تو ظرفِ مستقر اپنے فاعل سے مل کر جملہ ظرفیہ ہو کر یہ صفت ہوئی حَرْفٌ کے لیے۔ ترکیب سمجھ میں آگئی؟

تو کہتے ہیں أَوْ حَرْفٌ صَحِيحٌ قَبْلَهُ مَدَّةٌ یا اس منادیٰ کے آخر میں ایسا حرفِ صحیح ہو قَبْلَهُ مَدَّةٌ جس سے پہلے حرفِ مدہ ہو، وَهُوَ أَكْثَرُ مِنْ أَرْبَعَةٍ اس حال میں، یہ واو حالیہ ہے، اس حال میں کہ یہ والا جو منادیٰ ہے جس کے آخر میں کیا ہے حرفِ صحیح، یہ والا جو منادیٰ ہے أَكْثَرُ مِنْ أَرْبَعَةٍ یہ چار حروف سے زائد پر مشتمل ہو، چار حروف سے زائد ہوں۔ تو ایسا منادیٰ جس کے آخر میں دو ایسی زیادتیاں ہوں جو ایک کے حکم میں ہوں، یا ایسا منادیٰ جس کے آخر میں ایسا حرفِ صحیح ہو جس سے ماقبل حرفِ مدہ ہو، اس حال میں کہ یہ منادیٰ چار حروف سے زائد پر مشتمل ہو، تو حُذِفَتَا تو ان میں دونوں میں سے آخری دونوں حرف حذف کر دیں گے۔ وہ جو دو زیادتیاں تھیں جن کو اکٹھا بڑھاتے ہیں، جب ان کو بڑھاتے اکٹھا ہیں تو حذف بھی اکٹھا کریں گے۔ اور یہاں پر یہ جو حرفِ صحیح اور اس سے ماقبل حرفِ مدہ ہے، تو ان دونوں کو ختم کریں گے، گرا دیں گے، اس لیے کیونکہ حرفِ صحیح کو گرا دیں اور حرفِ مدہ کو چھوڑ دیں یہ تو مناسب نہیں ہے، حرفِ صحیح تو قوی ہوتا ہے بھئی اور حرفِ مدہ ضعیف ہوتا ہے، تو قوی کو آپ گرا دیں اور ضعیف کو چھوڑ دیں یہ مناسب نہیں ہے، لہٰذا اس صورت میں ان دونوں کو حذف کریں گے ترخیم کے اندر۔

آگے دیکھیے بھئی متن متن۔ وَإِنْ كَانَ مُرَكَّبًا اور اگر وہ منادیٰ جو ہے مرکب ہو، تو حُذِفَ الْاِسْمُ الْأَخِيرُ تو آخری اسم کو حذف کر دیں گے، آخری اسم کو حذف کر دیں گے۔ جیسے کسی شخص کا نام ہے خَمْسَةَ عَشَرَ۔ تو اب اس کو ندا دیتے ہیں اور آپ ترخیم کرنا چاہتے ہیں، تو آخر سے عَشَرَ کا کلمہ پورا اڑا دیں گے۔ اور پھر کیسے ندا دیں گے؟ يَا خَمْسَةَ۔ یاد رکھو جب ترخیم کے بعد جو باقی کلمہ بچ جاتا ہے، اس کے اندر اس آخری کلمے پر وہی حرکت پڑھنا بھی جائز جو پہلے تھی، اور خَمْسَةَ عَشَرَ اس

میں تا پر کیا ہے؟ فتحہ۔ لہٰذا ندا کے وقت بھی یہی باقی رکھیں: يَا خَمْسَةَ۔ یا اس کو مستقل منادیٰ کا درجہ دے کر اس پر ضمہ پڑھنا بھی جائز ہے: يَا خَمْسَةُ۔ يَا خَمْسَةَ اور يَا خَمْسَةُ دونوں طرح کہہ سکتے ہیں، یہ ابھی آگے صاحبِ کافیہ بھی آپ کو بتلائیں گے بھئی۔ اسی طرح ایک شخص ہے اس کا نام ہے بَعْلَبَكَّ۔ اس کو آپ ندا دیتے ہیں اور ترخیم کرنا چاہتے ہیں، تو آخر سے بَكَّ کا کلمہ پورا ختم کر دیں گے کیونکہ یہ دو کلمے تھے نا بَعْلٌ اور بَكٌّ، تو بَكٌّ کو ختم کیا۔ تو کیسے ترخیم کے ساتھ ندا دیں گے؟ يَا بَعْلَ۔ دیکھو یہ پہلے مبنی علی الفتح تھا، ابھی بھی مبنی علی الفتح ہے۔ اور آپ چاہیں تو اس کو مستقل منادیٰ والا حکم دے کر مبنی علی الضم بھی کر سکتے ہیں: يَا بَعْلُ۔ تو يَا بَعْلَ بھی کہہ سکتے ہیں اور يَا بَعْلُ بھی کہہ سکتے ہیں۔ تو کہتے ہیں وَإِنْ كَانَ مُرَكَّبًا حُذِفَ الْاِسْمُ الْأَخِيرُ اور اگر وہ منادیٰ مرکب ہو تو آخری اسم کو حذف کیا جائے گا۔ اور یہ آپ کو پہلے بتا چکے ہیں کہ وہ مرکب اضافت کے ساتھ نہیں ہونا چاہیے، کیونکہ ابھی بتایا کہ وہ منادیٰ جس میں آپ ترخیم کرنا چاہتے ہیں، نہ وہ مضاف ہو اور نہ جملہ ہو۔ لہٰذا جملہ اور مضاف یہ نکل گئے بھئی، ان میں ترخیم آپ نہیں کر سکتے۔ اس کے علاوہ کوئی اور مرکب ہو جیسے خَمْسَةَ عَشَرَ یا جیسے بَعْلَبَكَّ ہے ان میں آپ ترخیم کر سکتے ہیں، لیکن جملہ اور مضاف مضاف الیہ ہو تو ان میں ترخیم نہیں کر سکتے، انہوں نے پہلے بتا دیا۔

آگے دیکھیے، وَإِنْ كَانَ غَيْرَ ذٰلِكَ اور اگر اس کے علاوہ ہو، یعنی یہ جو قسمیں ذکر کر دی گئیں، کون سی قسمیں؟ تین قسمیں ذکر ہوئیں بھئی، توجہ ہے؟ ایک وہ منادیٰ جس کے آخر میں ایسی دو زیادتیاں ہیں جو حکمِ واحدہ میں ہیں۔ یا ایسا منادیٰ ہے کہ اس کے آخر میں ایسا حرفِ صحیح ہے جس سے ماقبل حرفِ مدہ ہے اور یہ پانچ حروف سے زائد پر مشتمل ہے۔ یا وہ مرکب ہے، یہ جو تین قسمیں ذکر ہو گئیں۔ ان کے اگر علاوہ ہو تو کہتے ہیں وَإِنْ كَانَ غَيْرَ ذٰلِكَ اور یہ تینوں مذکورہ جو ہیں ان کے اگر علاوہ ہو منادیٰ، فَحَرْفٌ وَاحِدٌ أَيْ فَيُحْذَفُ حَرْفٌ وَاحِدٌ تو کیا کیا جائے گا؟ ایک حرف کو حذف کر لیا جائے گا۔ جیسے يَا حَارِثُ، يَا حَارِثُ دیکھو اس کے آخر میں نہ تو دو زیادتیاں ہیں جو حکمِ واحدہ میں ہوں، اور نہ اس کے آخر میں ایسا حرفِ صحیح ہے جس کے ماقبل حرفِ مدہ ہو، اور نہ یہ مرکب ہے۔ تو پھر اس میں صرف ایک ہی حرف گرائیں گے ترخیم کے وقت۔ تو يَا حَارِثُ میں کیسے ندا دیں گے ترخیم کے ساتھ؟ يَا حَارِ، دیکھو را پر وہی حرکت پڑھیں جو پہلے تھی، اور آپ چاہیں تو اس پر ضمہ بھی پڑھ سکتے ہیں يَا حَارُ۔ یا اسی طرح مَالِكٌ ہے آپ کا کوئی دوست، مَالِكٌ میم الف لام اور چھوٹا کاف مَالِكٌ، اس کو آپ ندا دیتے ہیں يَا مَالِكُ۔ اب آپ اس میں ترخیم کرنا چاہتے ہیں تو کیسے کہیں گے؟ يَا مَالِ، یا اس کو مبنی علی الضم بنا دیں يَا مَالُ۔ طریقہ سمجھ میں آگیا؟ البتہ وہ وجودی شرطیں ضروری ہیں کہ اگر علم ہے اور اس میں آپ ترخیم کرنا چاہتے ہیں تو تین حروف سے زائد ہونا چاہیے۔ حَارِثٌ بھی اسی طرح ہے، علم ہے اور تین حروف سے زائد ہے، مَالِكٌ بھی اسی طرح ہے علم ہے اور تین حروف سے زائد ہے۔ یا اس کے آخر میں کیا ہونی چاہیے؟ تائے تانیث ہونی چاہیے، تو وہ شرطیں بھی ضروری ہیں۔

جی اب دیکھیے اس سارے کو بھئی شرح کے ساتھ۔ کہتے ہیں وَلَمَّا فَرَغَ مِنْ بَيَانِ شَرَائِطِ التَّرْخِيمِ جب مصنف رحمہ اللہ ترخیم کی شرائط بیان کرنے سے فارغ ہوئے، شَرَعَ فِي بَيَانِ كَمِّيَّةِ الْمَحْذُوفِ تو شروع ہوئے محذوف کی مقداربیان کرنے کے بارے میں بِسَبَبِهِ اس ترخیم کی وجہ سے۔ اس ترخیم کی وجہ سے وہ جو حذف کیا جاتا ہے اس کی مقداربیان کرنا شروع کی انہوں نے۔ كَمِّيَّةٌ یاد رکھو یہ میم بھی مشدد ہے اور یا بھی مشدد ہے، كَمِّيَّةٌ بھئی، اور اس کا معنیٰ ہے مقدار۔ تو شَرَعَ فِي بَيَانِ كَمِّيَّةِ الْمَحْذُوفِ بِسَبَبِهِ تو مصنف شروع ہوئے وہ جس کو حذف کیا جاتا ہے ترخیم کی وجہ سے اس کی مقداربیان کرنے میں۔ ترجمہ سمجھ میں آیا؟ فَقَالَ پس مصنف نے فرمایا: فَإِنْ كَانَ فِي آخِرِهِ أَيْ آخِرِ الْمُنَادَى زِيَادَتَانِ اگر اس منادیٰ کے آخر میں دو زیادتیاں ہوں كَائِنَتَانِ فِي حُكْمِ الزِّيَادَةِ الْوَاحِدَةِ۔ جی عبارت حل کریں ذرا۔ زِيَادَتَانِ كَائِنَتَانِ فِي حُكْمِ الزِّيَادَةِ الْوَاحِدَةِ۔ متن پہ نظر رکھیں، متن کیا ہے؟ زِيَادَتَانِ فِي حُكْمِ الْوَاحِدَةِ۔ زِيَادَتَانِ فِي حُكْمِ... زِيَادَتَانِ کے بعد صاحبِ جامی نے كَائِنَتَانِ نکالا، کیا بتلانا چاہتے ہیں؟ ہاں شاباش، بتلانا یہ چاہتے ہیں کہ یہ جو آگے فِي حُكْمِ الزِّيَادَةِ جار مجرور آرہا ہے یہ زِيَادَتَانِ کی صفت ہے۔ میں نے آپ کو بتلایا تھا نکرہ کے بعد جار مجرور آئے اور کسی سے جڑنہ رہا ہو تو وہ عموماً اس کی صفت بنتا ہے۔ تو زِيَادَتَانِ نکرہ ہے، تثنیہ ہے اور یہ فِي حُكْمِ الْوَاحِدَةِ اس کی صفت ہے، اور جار مجرور براہِ راست صفت نہیں بنتی بلکہ اس کے لیے متعلق نکالنا پڑتا ہے۔ تو یہاں متعلق جو ہے موصوف چونکہ تثنیہ تھا لہٰذا متعلق بھی کیا نکالا؟ كَائِنَتَانِ تثنیہ نکالا۔ انہوں نے كَائِنَتَانِ نکالا، آپ چاہیں تو ثَابِتَتَانِ نکال لیں۔ زِيَادَتَانِ مؤنث ہے نا، تو ثَابِتَتَانِ تو ثَابِتَةٌ مؤنث نکالیں گے اور پھر تثنیہ بنا لیں گے ثَابِتَتَانِ۔ اور نیز موصوف صفت کا اعراب بھی ایک ہوتا ہے، زِيَادَتَانِ مرفوع ہے، تثنیہ کا رفع کس کے ساتھ آتا ہے؟ الف کے ساتھ، تو كَائِنَتَانِ یہ بھی مرفوع نکالا۔ اور آگے دیکھو فِي حُكْمِ الزِّيَادَةِ الْوَاحِدَةِ، متن میں تو تھا فِي حُكْمِ الْوَاحِدَةِ، لیکن صاحبِ جامی نے درمیان میں الزِّيَادَةِ کا لفظ نکالا، فِي حُكْمِ الزِّيَادَةِ الْوَاحِدَةِ، کیا بتلانا چاہتے ہیں؟ ہاں کہ الْوَاحِدَةِ صفت ہے اور اس کا موصوف الزِّيَادَةِ محذوف ہے بھئی۔

تو کہتے ہیں فَإِنْ كَانَ فِي آخِرِهِ أَيْ آخِرِ الْمُنَادَى اگر منادیٰ کے آخر میں ہو زِيَادَتَانِ كَائِنَتَانِ فِي حُكْمِ الزِّيَادَةِ الْوَاحِدَةِ ایسی دو زیادتیاں جو ایک ہی زیادتی کے حکم میں ہوں۔ بھئی ایک ہی زیادتی کے حکم میں ہونے کا کیا معنیٰ؟ میں نے بتلایا تھا کہ معنیٰ یہ ہے کہ دونوں کو اکٹھا بڑھایا جاتا ہو۔ وہی بیان کر رہے ہیں کہ فِي أَنَّهُمَا زِيدَتَا مَعًا اس بات کے اندر یہ ایک کے حکم میں ہیں کہ فِي أَنَّهُمَا زِيدَتَا مَعًا کہ ان دونوں کو اکٹھا بڑھایا جاتا ہے۔ وَاحْتَرَزَ بِهِ عَنْ نَحْوِ ثَمَانِيَةٍ وَمَرْجَانَةَ اور اس کے ذریعے احتراز کیا مصنف نے ثَمَانِيَةٌ اور مَرْجَانَةٌ جیسے لفظوں سے۔ ثَمَانِيَةٌ میں دیکھو یہ یا بھی زائد ہے اور یہ تائے تانیث بھی زائد ہے۔ اور مَرْجَانَةٌ کے اندر یہ نون بھی زائد ہے اور یہ تائے تانیث بھی آخر میں زائد ہے۔ لیکن ان کو اکٹھا نہیں بڑھاتے، ثَمَانِيَةٌ اس میں پہلے یا کا اضافہ کیا گیا اور بعد میں اس کے ساتھ تائے تانیث کو جوڑا گیا، تو یا بھی زائد تا بھی زائد لیکن دونوں کا اضافہ اکٹھا نہیں ہے، بات سمجھ میں آگئی۔ اسی طرح مَرْجَانَةٌ کے اندر یہ نون بھی زائد اور تا بھی زائد لیکن دونوں کا اضافہ

اکٹھا نہیں، پہلے نون کا اضافہ کیا گیا اور پھر اس کے بعد تائے تانیث کا۔ اور یاد رکھنا یہ مَرْجَانَةٌ یہ غیر منصرف ہے کیونکہ ایک تو علم ہے اور دوسرا تائے تانیث بھی آگئی، تو دو سبب آگئے علمیت اور تانیث۔ اسی طرح ثَمَانِيَةٌ بھئی، ثَمَانِيَةٌ بول کر لفظِ ثَمَانِيَةٌ مراد ہے۔ یہاں جو س...

ثَمَانِيَةٌ آیا، اس سے لفظِ ثَمَانِيَةٌ مراد ہے۔ اور میں نے بتلایا تھا کہ لفظ بول کر جب لفظ کا ارادہ کیا جائے، تو وہ علم کے درجے میں ہوتا ہے۔ کس کے؟ علم کے درجے میں۔ تو ثَمَانِيَةٌ یہ معرفہ بھی ہے، علم ہے اور نیز اس کے ساتھ تائے تانیث بھی جڑی ہوئی ہے۔ تو یہ بھی غیر منصرف ہے۔ یہ بھی کیا ہے؟ لہٰذا یوں پڑھ سکتے ہیں وَاحْتَرَزَ بِهِ عَنْ نَحْوِ ثَمَانِيَةَ وَمَرْجَانَةَ، دونوں کو غیر منصرف پڑھیں۔ لیکن زیادہ بہتر یہ ہے کہ یہ ثَمَانِيَةٌ جو ہے اس کو منصرف ہی پڑھیں۔ بھئی ثَمَانِيَةٌ کا لفظ عام عربی عبارتوں میں آئے، ثَمَانِيَةٌ کا معنیٰ آٹھ، تو جہاں بھی عبارتوں میں آئے گا وہ منصرف ہوگا کیونکہ وہاں یہ علم نہیں ہوتا۔ یہاں تو ثَمَانِيَةٌ بول کر ثَمَانِيَةٌ کا لفظ مراد ہے یہ علم ہے۔ تو وہاں تائے تانیث بے شک ساتھ جڑی ہوئی ہے، لیکن علم تو نہیں۔ تو ایک سبب کی وجہ سے کوئی کلمہ غیر منصرف تو نہیں بنتا، تو عام عربی عبارتوں میں جو ثَمَانِيَةٌ کا لفظ آتا ہے وہ منصرف ہوتا ہے۔ توجہ ہے؟ منصرف ہوتا ہے۔

تو یہ جو ثَمَانِيَةٌ آیا، یہ اس ثَمَانِيَةٌ کا ہم شکل ہے۔ یہ ثَمَانِيَةٌ اس ثَمَانِيَةٌ کا ہم شکل ہے۔ تو یہاں یہ بنتا تو غیر منصرف ہے، لیکن یہ اس ثَمَانِيَةٌ کے ہم شکل ہے اور وہ ثَمَانِيَةٌ تو کیا ہوتا ہے؟ منصرف ہوتا ہے۔ لہٰذا اس مشاکلت کی وجہ سے اس کو بھی منصرف ہی پڑھنا پسندیدہ ہے۔ کیسے پڑھیں گے؟ عَنْ نَحْوِ ثَمَانِيَةٍ وَمَرْجَانَةَ۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو بہرحال آپ دونوں طرح پڑھ سکتے ہیں لیکن زیادہ پسندیدہ یہ ہے کہ دوسری عام عبارتوں میں جب یہ منصرف ہے تو یہاں بھی اس مشاکلت کی وجہ سے، توجہ ہے، اس کی اس کے ساتھ مشاکلت ہے، تو لہٰذا منصرف ہی پڑھنا پسندیدہ ہے۔ تو کہتے ہیں وَاحْتَرَزَ بِهِ عَنْ نَحْوِ ثَمَانِيَةٍ وَمَرْجَانَةَ تو اس قید کے ذریعے مصنف نے احتراز کیا ثَمَانِيَةٌ اور مَرْجَانَةٌ جیسی مثالوں سے، فَإِنَّ الْيَاءَ وَالنُّونَ فِيهِمَا زِيدَتَا أَوَّلًا اس لیے کیونکہ ان میں یا اور نون جو ہیں ان کو پہلے بڑھایا گیا، ثُمَّ زِيدَتْ تَاءُ التَّأْنِيثِ پھر اس کے بعد تائے تانیث بڑھائی گئی۔ ان میں یا اور نون کو پہلے بڑھایا گیا۔ کس میں؟ ثَمَانِيَةٌ اور مَرْجَانَةٌ میں۔ ثَمَانِيَةٌ میں یا اور مَرْجَانَةٌ میں نون، ان کو پہلے بڑھایا گیا۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو یہ یا اور نون، یا کس کے اندر بڑھائی گئی؟ ثَمَانِيَةٌ میں، اور نون کس میں؟ مَرْجَانَةٌ میں۔ تو کہتے ہیں فَإِنَّ الْيَاءَ وَالنُّونَ فِيهِمَا زِيدَتَا أَوَّلًا اس لیے کیونکہ یا اور نون جو ہے ان دونوں میں پہلے بڑھائی گئیں، ثُمَّ زِيدَتْ تَاءُ التَّأْنِيثِ پھر تائے تانیث بڑھائی گئی، فَلَمْ يُحْذَفْ مِنْهُمَا إِلَّا الْأَخِيرُ لہٰذا حذف نہیں کیا جائے گا ان دونوں سے مگر آخری حرف ہی۔ بھئی ان کے آخر میں دو زیادتیاں تو موجود ہیں، لیکن وہ حکمِ واحدہ میں نہیں۔ جب حکمِ واحدہ میں نہیں، تو اب ان میں آپ ترخیم کرنا چاہتے ہیں، تو صرف آخری ایک حرف کو اڑائیں گے۔ اگر ایسی دو زیادتیاں ہوتیں جن کو اکٹھا بڑھایا جاتا ہے، تو پھر دونوں کو حذف کرنا پڑتا۔ لیکن اس میں ایسا نہیں، لہٰذا دونوں کو اکٹھا حذف نہیں کریں گے صرف آخر سے

تائے تانیث کو حذف کر دیں گے۔

آگے دیکھیے: كَأَسْمَاءَ إِذَا جَعَلْتَهَا فَعْلَاءَ مِنَ الْوَسَامَةِ أَيِ الْحُسْنِ كَمَا هُوَ مَذْهَبُ سِيبَوَيْهِ لَا أَفْعَالًا جَمْعُ اسْمٍ عَلَى مَا هُوَ مَذْهَبُ غَيْرِهِ. بھئی دیکھیے أَسْمَاءُ، اس کے اندر دو احتمال ہیں۔ أَسْمَاءُ میں احتمال ہے ہو سکتا ہے یہ جمع ہو اِسْمٌ کی۔ اِسْمٌ کی، جیسے فِعْلٌ کی جمع أَفْعَالٌ، تو اِسْمٌ کی جمع أَسْمَاءُ۔ بھئی اِسْمٌ اصل میں سِمْوٌ ہے نا، اِسْمٌ اصل میں کیا تھا؟ سِمْوٌ۔ تو أَفْعَالٌ وزن بناؤ ذرا: أَسْمَاوٌ۔ کیا بنا؟ أَسْمَاوٌ، آخر میں واو ہے۔ اور الفِ زائدہ کے بعد حرفِ علت آجائے تو اس کو کس سے بدلتے ہیں؟ ہمزہ سے تو کیا بن گیا؟ أَسْمَاءُ۔ تو یہ اِسْمٌ کی جمع بھی ہو سکتی ہے۔ اِسْمٌ کی جمع، اور اِسْمٌ کی جمع ہو پھر یہ منصرف ہے۔ جی پھر تو الفِ تانیث نہیں ہے آخر میں نا، آخر میں تو یہ جو ہمزہ ہے یہ تو حرفِ اصلی واو سے بدل کر آئی ہے۔ تو لہٰذا اس صورت میں یہ منصرف ہوگا۔

تو ایک احتمال کیا أَسْمَاءُ میں؟ کہ یہ جمع ہے اِسْمٌ کی۔ جبکہ دوسرا احتمال یہ ہے کہ اس کے آخر میں یہ الف جو ہے تانیث والا ہے الفِ ممدودہ ہے۔ اور یہ وَسَامَةٌ سے ہے۔ کس سے ہے؟ وَسَامَةٌ سے۔ وَسُمَ يَوْسُمُ وَسَامَةً جس کا معنیٰ ہے حسین ہونا۔ جس کا معنیٰ ہے حسین ہونا۔ اور آپ جانتے ہیں کہ صفت کے اندر مؤنث جو ہے وہ فَعْلَاءُ وزن پر آتی ہے۔ جیسے أَحْمَرُ کی مؤنث کیا؟ حَمْرَاءُ، أَبْيَضُ کی مؤنث کیا؟ بَيْضَاءُ۔ دیکھا آخر میں الف ہے اور ہمزہ ہے، یہ الفِ ممدودہ ہے۔ توجہ ہے؟ تو اگر أَسْمَاءُ کو وَسَامَةٌ سے مانا جائے، تو پھر یہ اصل میں کیا تھا؟ وَسْمَاءُ۔ پھر واو کو کس سے بدل دیا گیا؟ ہمزہ سے۔ اور یہ مؤنث ہے اور آخر میں تانیث والا الفِ ممدودہ ہے بھئی۔ وَسْمَاءُ واو، سین، میم آرہا ہے یا نہیں؟ یہ وَسَامَةٌ سے ہے۔ توجہ ہے؟ تو أَسْمَاءُ میں کتنے احتمال؟ دو۔ ایک احتمال کیا کہ یہ جمع ہو اِسْمٌ کی، اس صورت میں یہ ہمزہ اصلی ہے، یہ تانیث والا نہیں، لہٰذا یہ منصرف ہوگا۔ اور دوسری صورت یہ ہے کہ یہ وَسَامَةٌ سے ہو اور یہ مؤنث کا صیغہ ہو صفت کا وَسْمَاءُ، اس صورت میں یہ الفِ ممدودہ ہے تانیث والا اور یہ دو سببوں کے قائم مقام ہے، یہ غیر منصرف ہے۔

تو امام سیبویہ فرماتے ہیں، امام سیبویہ، کہ یہ أَسْمَاءُ یہ وَسَامَةٌ سے ہے۔ جبکہ دیگر نحوی فرماتے ہیں یہ اِسْمٌ کی جمع ہے۔ امام سیبویہ کیا فرماتے ہیں؟ یہ وَسَامَةٌ سے ہے بھئی، وَسَامَةٌ سے ہے، معلوم ہوا اس کے آخر میں الفِ ممدودہ ہے تانیث والا، یعنی یہ ہمزہ اور الف دونوں کو اکٹھا بڑھایا گیا ہے۔ تو امام سیبویہ کے مذہب کو لیں، تو یہ اس زِيَادَتَانِ کی مثال بن جائے گی۔ دو ایسی زیادتیاں جو ایک ہی حکم میں ہیں یعنی جن کو اکٹھا بڑھایا جاتا ہے۔ تو امام سیبویہ کے مذہب کو لیں، تو یہ أَسْمَاءُ اسی کی مثال ہے، لہٰذا اس میں جب ندا دیں گے، تو پھر کیسے کہیں گے؟ الف اور ہمزہ دونوں کو گرا دو: يَا أَسْمَ، یا ضمہ پڑھ دو: يَا أَسْمُ۔ صورت سمجھ میں آرہی ہے؟ تو یہ نام ہے، یہ مؤنث کا نام ہے، تو امام سیبویہ فرماتے ہیں کہ نام جو ہیں صفتوں میں اکثر رکھے جاتے ہیں، جمع کے نام کم۔ کہ جمع کا صیغہ اٹھا کر کسی کا نام رکھ دیا جائے ایسا قلیل ہے، اور صفت کو اٹھا کر کسی کا نام رکھ دیا جائے یہ کثیر ہے، لہٰذا اس کو صفت کا صیغہ بناؤ بھئی۔ اس وقت تو علم ہے لیکن اصل میں کیا تھا؟ صفت کا صیغہ۔

تو کہتے ہیں كَأَسْمَاءَ إِذَا جَعَلْتَهَا فَعْلَاءَ جب آپ اس کو فَعْلَاءَ قرار دیں، جب آپ اس کو فَعْلَاءَ بنائیں یا فَعْلَاءَ قرار دیں مِنَ الْوَسَامَةِ کس سے؟ وَسَامَةٌ سے أَيِ الْحُسْنِ یعنی حسن سے، میں نے بتایا وَسُمَ يَوْسُمُ وَسَامَةً کا کیا معنیٰ؟ حسین ہونا، خوبصورت ہونا۔ كَمَا هُوَ مَذْهَبُ سِيبَوَيْهِ جیسے کہ مذہب ہے امام سیبویہ کا، لَا أَفْعَالًا جَمْعُ اسْمٍ نہ کہ یہ أَفْعَالٌ ہے اِسْمٌ کی جمع عَلَى مَا هُوَ مَذْهَبُ غَيْرِهِ بنا بر اس کے جو امام سیبویہ کے علاوہ کا مذہب ہے۔ یہ أَفْعَالٌ جو جمع ہے اِسْمٌ کی یعنی یہ اِسْمٌ کی جمع أَسْمَاءٌ بر وزنِ أَفْعَالٌ ہے، فِعْلٌ کی جمع أَفْعَالٌ اِسْمٌ کی جمع أَسْمَاءٌ، تو یہ أَفْعَالٌ کے اندر دیکھو أَسْمَاءٌ یہ آخر میں ہمزہ کیا ہے؟ اصلی ہے۔ یہ کیا ہے؟ أَفْعَالٌ، ذرا أَسْمَاءٌ اور أَفْعَالٌ دیکھو وزن دیکھو: شروع میں ہمزہ زائد ہے، پھر فا ہے یعنی سین، پھر عین ہے جو میم ہے، اور آخر میں ہمزہ جو لام ہے اور ہمزہ اصل میں کیا تھا؟ واو تھا کیونکہ سِمْوٌ ہے اس کی اصل، بات سمجھ میں آگئی۔ تو اس صورت میں پھر یہ میں نے بتایا منصرف ہوگا۔ کیا ہوگا؟ منصرف ہوگا، لیکن جب یہ جمع ہو جمع۔ ہاں اگر اس کو نام رکھ دیں گے پھر یہ بھی غیر منصرف بن جائے گا۔ بھئی اِسْمٌ کی جمع أَسْمَاءٌ یہ منصرف ہے، لیکن اگر یہ کسی کا نام رکھ دیں گے اب یہ غیر منصرف ہوا، کسی مؤنث کا، کیونکہ ایک سبب کیا آیا؟ تانیث، اور ایک علمیت، دو سبب آگئے تو اب اس لیے غیر منصرف ہوگا۔ بات سمجھ میں آگئی۔

اور یاد رکھو، امام سیبویہ کا مذہب لیں تو اس أَسْمَاءٌ میں ترخیم کیسے کریں گے؟ آخر سے دونوں حروف اڑا دیں گے، الف بھی اور ہمزہ بھی۔ توجہ ہے؟ اور اگر دوسرے نحویوں کا مذہب لیں، دوسرے نحویوں کا مذہب لیں، تو أَسْمَاءٌ کس وزن پر ہے؟ أَفْعَالٌ۔ معلوم ہوا آخر میں حرفِ صحیح ہے، أَسْمَاءٌ کے آخر میں حرفِ صحیح ہے تو یہ ہمزہ کیا تھا اصل میں؟ واو، تو آخر میں حرفِ صحیح ہے اور ماقبل الفِ مدہ ہے یا نہیں؟ تو لہٰذا پھر یہ وہ مَنْصُورٌ کی جنس میں سے ہو جائے گا۔ کس قبیل سے؟ مَنْصُورٌ کی قبیل سے، یعنی وہ اسم جس کے آخر میں حرفِ صحیح ہے، ماقبل حرفِ مدہ ہے اور وہ چار حروف سے زائد پر مشتمل ہے، تو پھر اس حرفِ صحیح اور مدہ دونوں کو ختم کریں گے ترخیم کے اندر۔ بات سمجھ میں آگئی؟ لہٰذا دوسرے نحویوں کے نزدیک بھی اس میں ترخیم اسی طرح ہوگی، الف اور ہمزہ دونوں کو گرائیں گے، لیکن فرق کیا کہ یہ پھر اس مَنْصُورٌ کی قبیل سے ہو گئے یہ زِيَادَتَانِ کی قبیل سے نہیں ہیں۔ وجہ بھی سمجھ میں آرہی ہے کہ نہیں، اچھی طرح؟

تو کہتے ہیں لَا أَفْعَالًا جَمْعُ اسْمٍ یہ اِسْمٌ کی جمع أَفْعَالٌ نہیں ہے عَلَى مَا هُوَ مَذْهَبُ غَيْرِهِ بنا بر اس کے جو امام سیبویہ کے علاوہ کا مذہب ہے، لِأَنَّهُ يَكُونُ حِينَئِذٍ مِنْ بَابِ عَمَّارٍ اس لیے کیونکہ اس وقت پھر یہ باب عَمَّارٌ سے ہوگا۔ کس سے ہوگا؟ بابِ عَمَّارٌ وہی بابِ مَنْصُورٌ ہے بھئی۔ بابِ مَنْصُورٌ کون سا باب ہے؟ کہ آخر میں حرفِ صحیح ہے اور ماقبل حرفِ مدہ زائدہ ہے اور یہ چار حروف سے زائد پر مشتمل ہے۔ عَمَّارٌ میں بھی اسی طرح ہے، عَمَّارٌ کے آخر میں را حرفِ صحیح ہے اور ماقبل الف حرفِ مدہ زائدہ ہے اور یہ چار حروف سے زائد پر مشتمل ہے کیونکہ عَمَّارٌ میم مشدد ہے اور میم مشدد کتنے حروف ہیں؟ دو

حروف ہیں، تو پھر یہ بابِ مَنْصُورٌ یا بابِ عَمَّارٌ سے بن جائے گا۔ تو کہتے ہیں لِأَنَّهُ يَكُونُ حِينَئِذٍ مِنْ بَابِ عَمَّارٍ اس لیے کیونکہ اس وقت یہ بابِ عَمَّارٌ سے ہوگا، کس وقت؟ اگر یہ اِسْمٌ کی جمع أَسْمَاءٌ ہو۔ وَمَرْوَانَ اور جیسے مَرْوَانُ ہے۔

أَوْ كَانَ فِي آخِرِهِ حَرْفٌ صَحِيحٌ یا اس منادیٰ کے آخر میں ایسا حرفِ صحیح ہے، أَيْ صَحِيحٌ أَصْلِيٌّ، صحیح کے ساتھ صاحبِ جامی نے اصلی کی بھی قید لگا دی۔ اس منادیٰ کے آخر میں ایسا حرفِ صحیح اصلی ہو قَبْلَهُ مَدَّةٌ جس سے قبل حرفِ مدہ ہو۔ توجہ ہے؟ بھئی ایک ہے صحیح، حرفِ صحیح کسے کہتے ہیں؟ جو حرفِ علت نہ ہو۔ حرفِ علت واو، الف اور یا کو کہتے ہیں۔ تو واو، الف اور یا کے علاوہ جو حروف ہیں وہ کیا ہیں؟ حرفِ صحیح ہیں۔ اور حرفِ صحیح زائد بھی ہو سکتا ہے اور اصلی بھی ہو سکتا ہے۔ جیسے اِفْتِعَالٌ، اِفْتَعَلَ، یہ ہمزہ شروع میں ہے، ہمزہ ہے شروع میں، یہ حرفِ علت ہے؟ یہ تو واو بھی نہیں ہے، الف بھی نہیں ہے، یا بھی نہیں ہے، تو یہ بھی حرفِ صحیح ہے لیکن زائد ہے۔ اِفْتَعَلَ، اور فا صحیح ہے اور اصلی ہے۔ اور آگے تا، تا کیا ہے؟ صحیح ہے اور زائد ہے۔ بات سمجھ میں آ رہی ہے؟ تو حرفِ صحیح وہ ہے جو کس کے مقابلے میں آتا ہے؟ حرفِ علت کے مقابلے میں آتا ہے یعنی حرفِ علت نہ ہو۔ تو صاحبِ کافیہ نے کیا فرمایا؟ کہ وہ جو منادیٰ ہے اس کے آخر میں ایسا حرفِ صحیح ہو جس کا ماقبل حرفِ مدہ ہو۔ صاحبِ جامی نے حرفِ صحیح کے ساتھ اصلی کی بھی قید لگا دی کہ اس منادیٰ کے آخر میں ایسا حرفِ صحیح اصلی ہو جس سے ماقبل حرفِ مدہ ہو۔ تو صحیح کے ساتھ اصلی کی قید لگا دی حالانکہ صحیح میں تو اصلی ہونا ضروری نہیں۔ تو سوال پیدا ہوتا ہے صاحبِ جامی، آپ نے اصلی کی قید کیوں بڑھا دی؟ حرفِ صحیح تو اصلی بھی ہو سکتا ہے اور زائد بھی ہو سکتا ہے۔ تو اس کا جواب دیں گے کہ بھئی جب حرفِ صحیح کہا جائے تو ذہن میں اولًا یہی بات آتی ہے کہ یہ کون سا ہوگا؟ اصلی ہوگا، کیا ہوگا؟ اصلی ہوگا، کیونکہ حرفِ صحیح کا اطلاق عام طور پر کس پر کیا جاتا ہے؟ اصلی پر کیا جاتا ہے، باقی کو زائد کہتے ہیں۔

تو کہتے ہیں حَرْفٌ صَحِيحٌ أَيْ صَحِيحٌ أَصْلِيٌّ لِتَبَادُرِهِ إِلَى الذِّهْنِ بوجہ اس کے سبقت کرنے ذہن کی طرف، کہ صحیح کے ساتھ ہی ذہن کی طرف کیا بات سبقت کرتی ہے کہ وہ صحیح اصلی ہوگا، لِأَنَّ الْغَالِبَ فِي الْحَرْفِ الصَّحِيحِ الْأَصَالَةُ اس لیے کیونکہ غالب جو ہے یعنی اکثر جو ہے حرفِ صحیح کے اندر الْأَصَالَةُ اصلی ہونا ہے۔ حرفِ صحیح کے اندر غالب کیا ہے؟ اصلی ہونا کہ وہ اصلی ہوتا ہے، زائد نہیں ہوتا، غالب یہی ہے۔ تو کہتے ہیں فَيَخْرُجُ مِنْهُ نَحْوُ سِعْلَاةٍ تو اس سے سِعْلَاةٌ جیسے لفظ نکل گئے، لِأَنَّهُ لَا يُحْذَفُ مِنْهُ إِلَّا التَّاءُ اس لیے کیونکہ اس میں سے حذف نہیں کیا جاتا مگر صرف تا کو۔ بھئی بات چل رہی ہے وہ منادیٰ جس میں ترخیم کرتے ہیں تو دو حروف کو اڑا دیتے ہیں، دو حروف کو گرا دیتے ہیں۔ یا تو اس کے آخر میں ایسی دو زیادتیاں ہیں جو ایک زیادتی کے حکم میں ہیں، یا اس کے آخر میں ایسا حرفِ صحیح ہے جس کے ماقبل حرفِ مدہ ہے اور وہ چار حروف سے زائد۔ اب سِعْلَاةٌ میں ذرا دیکھو: سین، عین، لام، الف اور گول تا، دیکھو چار حروف سے زائد ہے۔ اور نیز اس کے آخر میں حرفِ صحیح ہے، تا جو ہے یہ گول تا تانیث والی یہ حرفِ صحیح ہے یا حرفِ علت ہے؟ یہ تو واو، الف، یا

نہیں ہے تو یہ حرفِ صحیح بھی ہے۔ اور اس تا سے ماقبل الفِ مدہ بھی ہے۔ الف، تو اس میں ساری شرطیں پوری ہیں۔ لیکن صاحبِ جامی نے جب قید لگا دی کہ وہ حرفِ صحیح کیا ہو؟ اصلی بھی ہو، تو اب یہ تا یہ تو اصلی نہیں ہے یہ تو تانیث کے لیے ساتھ ملائی گئی ہے، یہ تو زائد ہے، الگ کلمہ ہے، تو یہ سِعْلَاۃٌ اس سے نکل گیا۔ اب آپ سِعْلَاۃٌ کا اعتراض نہیں کر سکتے، کیونکہ سِعْلَاۃٌ میں جب ترخیم کی جاتی ہے تو صرف تا کو گراتے ہیں۔ تو آپ کو کوئی اشکال کرے کہ بھئی صرف تا کو کیوں گرایا؟ حرفِ صحیح ہے تا اور اس سے ماقبل حرفِ مدہ بھی ہے، تو دونوں کو گرانا چاہیے، تو آپ کیا جواب دیں گے؟ کہ حرفِ صحیح اصلی ہونا چاہیے، اور یہ تا تو حرفِ صحیح تو ہے لیکن اصلی نہیں ہے بھئی۔ سِعْلَاۃٌ یہ مؤنث ہے سِعْلَاءٌ کی، سِعْلَاءٌ اور سِعْلَاءٌ جو ہے یہ جن بھوت وغیرہ کو کہتے ہیں۔ جن بھوت وغیرہ جو ہیں ان کو سِعْلَاءٌ کہتے ہیں، تو اس کی مؤنث کیا ہے؟ سِعْلَاۃٌ بھئی، یعنی جنیا کہہ لو جنیا، یا چڑیل کہہ لو بھئی۔ نَحْوُ سِعْلَاۃٍ جیسے کہ سِعْلَاۃٌ۔ یاد رکھو یہاں یہ جو سِعْلَاۃٍ کا لفظ آیا تو لفظ بول کر لفظ کا ارادہ ہے، لہٰذا علم بھی ہے اور تائے تانیث بھی ہے تو یہ غیر منصرف ہے۔ یہ غیر منصرف ہے، لیکن عام عربی عبارتوں میں جو سِعْلَاۃٌ استعمال ہوتا ہے وہ منصرف، تو اس کی اس کے ساتھ مشاکلت ہے لہٰذا اس کو سِعْلَاۃٍ کسرہ اور تنوین کے ساتھ پڑھنا یہاں بہتر ہے۔ اگرچہ غیر منصرف بھی آپ اس کو پڑھ سکتے ہیں۔ نَحْوُ سِعْلَاۃَ غیر منصرف پڑھیں یوں بھی صحیح، اور نَحْوُ سِعْلَاۃٍ یوں پڑھنا بھی صحیح ہے بھئی۔

تو کہتے ہیں فَيَخْرُجُ مِنْهُ نَحْوُ سِعْلَاۃٍ تو اس سے سِعْلَاۃٌ جیسے لفظ نکل گئے، لِأَنَّهُ لَا يُحْذَفُ مِنْهُ إِلَّا التَّاءُ اس لیے کیونکہ اس سے حذف نہیں کیا جاتا مگر صرف تا کو۔ وَهُوَ أَعَمُّ مِنْ أَنْ يَكُونَ حَقِيقَةً أَوْ حُكْمًا اور وہ جو حرفِ صحیح ہے، وہ عام ہے اس سے کہ وہ حقیقتًا ہو یا حکمًا۔ حرفِ صحیح حقیقتًا ہو یا حکمًا۔ بھئی انہوں نے کیا کہا؟ یا منادیٰ ایسا اسم ہو جس کے آخر میں حرفِ صحیح ہو۔ کہتے ہیں صحیح سے ہم نے بتلا دیا کون سا صحیح مراد ہے؟ اصلی، اور وہ حرفِ صحیح عام ہے چاہے حقیقتًا حرفِ صحیح ہو چاہے حکمًا۔ چاہے حکمًا۔ بھئی حکمًا کون سا حرفِ صحیح ہے؟ بھئی وہ آپ نے پڑھا تھا جہاں اعراب کے اعتبار سے اسم کی قسمیں بیان کی تھیں، آپ نے پڑھا ہے کہ ایک ہوتا ہے صحیح اور ایک ہے جاری مجرائے صحیح۔ جاری مجرائے صحیح کسے کہتے ہیں؟ کہ جس کے آخر میں واو یا یا آئے اور ماقبل ساکن ہو۔ دَلْوٌ اور ظَبْيٌ۔ تو یہ جاری مجرائے صحیح ہے کیونکہ آخر میں اگرچہ واو یا یا ہے، صحیح تو نہیں ہے، ناقص ہے، لیکن چونکہ ماقبل میں ساکن آگیا لہٰذا اس پر اعراب کا پڑھنا اب آسان ہو گیا اس واو اور یا پر: جَاءَنِي ظَبْيٌ وَدَلْوٌ، رَأَيْتُ ظَبْيًا وَدَلْوًا، مَرَرْتُ بِظَبْيٍ وَدَلْوٍ۔ تو یہ جاری مجرائے صحیح ہے یعنی قائم مقام صحیح ہے۔ اسی طرح یاد رکھنا یہ جتنے اسمِ منسوب ہیں جن کے آخر میں یائے مشدد لگاتے ہیں، لَاهُورِيٌّ، یہ بھی جاری مجرائے صحیح ہے۔ جاری مجرائے صحیح کسے کہتے ہیں؟ کہ جس کے آخر میں یا ہو اور ماقبل ساکن ہو۔ لَاهُورِيٌّ، اس کے آخر میں یائے مشدد ہے اور یائے مشدد دراصل کتنی یا ہیں؟ دو یا ہیں، جن میں سے آخری والی متحرک ہے اور ماقبل والی

ساکن ہے، تو یہ بھی کیا ہے؟ جاری مجرائے صحیح کہ آخر میں واو یا یا ہو اور ماقبل ساکن۔ اسی طرح اگر کسی لفظ کے آخر میں واوِ مشدد آجائے تو وہ بھی جاری مجرائے صحیح ہے، جیسے مَدْعُوٌّ، یہ واوِ مشدد ہے، آخری واو متحرک اور ماقبل والا واو ساکن، تو یہ بھی جاری مجرائے صحیح ہے۔ تو کہتے ہیں صحیح ہونا عام ہے چاہے حقیقتًا ہو چاہے حکمًا۔ حقیقتًا صحیح وہ ہے جو واو اور یا نہ ہو، حقیقت میں نہ ہو۔ اور حکمًا صحیح وہ ہے کہ واو اور یا ہے تو، لیکن وہ کیا ہے؟ جاری مجرائے صحیح ہے۔

تو کہتے ہیں وَهُوَ أَعَمُّ مِنْ أَنْ يَكُونَ حَقِيقَةً أَوْ حُكْمًا اور وہ صحیح جو ہے عام ہے کہ وہ حقیقتًا صحیح ہو یا حکمًا، فَيَشْمَلُ مِثْلَ مَرْمِيٍّ وَمَدْعُوٍّ تو یہ شامل ہوا مَرْمِيٌّ اور مَدْعُوٌّ جیسے لفظوں کو بھی۔ فَإِنَّ الْحَرْفَ الْأَخِيرَ مِنْهُمَا فِي حُكْمِ الصَّحِيحِ فِي الْأَصَالَةِ اس لیے کیونکہ ان کے اندر جو آخری حرف ہے وہ صحیح کے حکم میں ہے فِي الْأَصَالَةِ اصلی ہونے میں۔ آخری واو جو ہے وہ اصلی ہے، مَرْمِيٌّ کے اندر بھی آخری یا مَرْمِيٌّ اصل میں کیا تھا؟ مَرْمُويٌ، یہ واو تو زائد ہے اسمِ مفعول میں واو بڑھاتے ہیں، اور آخری یا اصلی ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ اور اسی طرح مَدْعُوٌّ اصل میں کیا تھا؟ مَدْعُووٌ، مَفْعُولٌ، تو درمیان والا واو تو زائد ہے اور آخری واو اصلی ہے۔ تو یہ بھی حقیقتًا تو صحیح نہیں، لیکن حکمًا صحیح ہیں کہ یہ اصلی ہیں یہ کیا ہیں؟ اصلی ہیں۔ یہ معنیٰ ہے فَإِنَّ الْحَرْفَ الْأَخِيرَ مِنْهُمَا فِي حُكْمِ الصَّحِيحِ اس لیے کیونکہ ان کے اندر جو آخری حرف ہے وہ صحیح کے حکم میں ہے فِي الْأَصَالَةِ اصلی ہونے میں۔ اصلی ہونے میں وہ بھی صحیح کے حکم میں ہے۔ اور اس کو أَصَالَة پڑھنا بھئی، إِصَالَة نہیں۔ ہمزہ اصلی ہے، توجہ ہے؟ أَصُلَ يَأْصُلُ أَصَالَةً اصل ہونا، أَصُلَ يَأْصُلُ أَصَالَةً۔ اور اگر آپ إِصَالَة پڑھیں یہ تو آپ بابِ افعال میں لے گئے أَقَامَ يُقِيمُ إِقَامَةً، إِصَالَةً، حالانکہ یہ بابِ افعال سے نہیں کیونکہ بابِ افعال میں تو ہمزہ زائد ہوتی ہے۔ إِقَامَة میں ہمزہ کیا ہے شروع کا؟ زائد ہے، بابِ افعال ہے، اور أَصَالَة کے اندر شروع میں جو ہمزہ ہے وہ اصلی ہے وہ جزو ہے کلمے کا بھئی۔

آگے دیکھیے: قَبْلَهُ مَدَّةٌ، کہ اس حرفِ صحیح اصلی سے ماقبل میں حرفِ مدہ ہو۔ بھئی حرفِ مدہ کسے کہتے ہیں؟ میں نے آپ کو بتلایا تھا واو، الف اور یا یہ حروفِ علت ہیں۔ جب یہ ساکن ہوں اور ماقبل کی حرکت ان کے موافق ہو، یعنی واو سے ماقبل ضمہ ہو، الف سے ماقبل فتحہ ہو، یا سے ماقبل کسرہ ہو، تو ان کو حروفِ مدہ کہتے ہیں۔ اور آپ جانتے ہیں کہ الف سے پہلے تو ہمیشہ ہی فتحہ آتا ہے۔ البتہ واو اور یا اگر ساکن ہوں، تو واو سے ماقبل فتحہ اور ضمہ دونوں آسکتے ہیں، اور یا سے ماقبل کسرہ اور فتحہ دونوں آسکتے ہیں۔ تو واو، الف اور یا ساکن ہوں اور ماقبل حرکت ان کے موافق ہو، تو یہ حروفِ مدہ ہیں۔ اور اگر واو اور یا ساکن ہیں اور ماقبل فتحہ ہے، پھر یہ حرفِ مدہ نہیں جیسے مَيْتٌ۔ مَيْتٌ یا ساکن ہے لیکن ماقبل میم پر فتحہ ہے تو یہ حرفِ مدہ نہیں، بلکہ اس کو پھر حرفِ لین کہتے ہیں، لام، یا، نون حرفِ لین۔ اور اسی طرح مَوْتٌ، دیکھو واو ہے لیکن ماقبل ضمہ نہیں ہے بلکہ فتحہ ہے تو یہ حرفِ لین کہلائے گا، حرفِ مدہ نہیں۔ حرفِ مدہ کب کہلائے گا؟ جب واو سے ماقبل ضمہ ہو اور یا سے ماقبل کسرہ ہو۔ تو یہی بیان کر رہے ہیں دیکھیے بھئی۔ تو کہتے ہیں قَبْلَهُ مَدَّةٌ أَيْ أَلِفٌ أَوْ وَاوٌ أَوْ يَاءٌ سَاكِنَةٌ یعنی الف

یا واو یا یا سَاكِنَةٌ جو کہ ساکن ہوں، وَحَرَكَةُ مَا قَبْلَهَا مِنْ جِنْسِهَا اور ماقبل کی حرکت ان کی جنس میں سے ہو بھئی۔ ان سے ماقبل کی حرکت ان کی جنس میں سے ہو، تو یہ ہیں حروفِ مدہ بھئی۔

بھئی دیکھیے حَرَكَةُ مَا قَبْلَهَا مِنْ جِنْسِهَا، حَرَكَةُ مَا قَبْلَهَا یہ مبتدا ہے اور مِنْ جِنْسِهَا یہ اس کی خبر ہے۔ اس کے ماقبل کی حرکت مِنْ جِنْسِهَا اسی کی جنس میں سے ہو۔ توجہ ہے؟ اب ذرا ترکیب مجھے بتائیے، ترکیب کیسے ہوگی؟ مَا قَبْلَهَا، مَا یہ جگہ جگہ اس طرح عبارتیں آتی ہیں مَا قَبْلَهَا، مَا بَعْدَهَا، یاد رکھو یہاں پھر ثَبَتَ نکالیں گے، کیونکہ مَا موصولہ ہے اور مَا موصولہ کے لیے کیا چاہیے آگے؟ جملہ چاہیے۔ تو یہ قَبْلَهَا مفعول فیہ بنے گا یعنی مَا ثَبَتَ قَبْلَهَا یا مَا ثَبَتَ بَعْدَهَا، اور یہ مفعول فیہ بنیں گے اور پھر یہ ثَبَتَ قَبْلَهَا یہ پورا جملہ صلہ بنے گا مَا موصولہ کے لیے۔ موصول صلہ مل کر پھر یہ مضاف الیہ ہوا حَرَكَةُ کے لیے، حَرَكَةُ مضاف کے لیے۔ تو أَلِفٌ أَوْ وَاوٌ أَوْ يَاءٌ یہ ہیں موصوف، اور سَاكِنَةٌ یہ ہے صفتِ اول، اور حَرَكَةُ مَا قَبْلَهَا مِنْ جِنْسِهَا پورا جملہ یہ ہے صفتِ ثانی۔ تو کہتے ہیں یعنی ایسا الف یا واو یا یا کہ جو ساکن ہو اور اس کے ماقبل کی حرکت اس کے موافق ہو۔ وَالْمُرَادُ بِهَا الْمَدَّةُ الزَّائِدَةُ اور یہاں متن میں تو آیا کہ اس حرفِ صحیح سے ماقبل حرفِ مدہ ہو، صاحبِ جامی بتائیں گے کہ مدہ سے مراد مدہ زائدہ ہے۔ یعنی وہ حرفِ مدہ حرفِ اصلی نہیں ہونا چاہیے بلکہ کیا ہونا چاہیے؟ زائد۔ بھئی کبھی حرفِ مدہ اصلی بھی تو ہوتا ہے۔ قَالَ اصل میں کیا تھا؟ قَوَلَ، واو کس سے بدلا؟ الف سے۔ تو یہ الف دیکھو اصلی ہے، الف کیا ہے؟ اصلی ہے۔ رَمَى اصل میں کیا تھا؟ رَمَيَ، تو یا الف سے بدل گئی تو یہ اصلی ہے، تو حرفِ مدہ بھی ہے اور اصلی۔ تو صاحبِ جامی بتا رہے ہیں کہ یہاں جو حرفِ مدہ آیا اس سے مدہ زائدہ مراد ہے، وہ حرفِ اصلی مراد نہیں۔ بھئی کیوں مدہ زائدہ کیوں مراد ہے؟ کہتے ہیں اس لیے کیونکہ مدہ کا زیادہ تر استعمال کس کے لیے ہوتا ہے؟ زائدہ کے لیے ہوتا ہے، وہ مدہ جو حرفِ زائد ہو اصلی نہ ہو بھئی۔

تو کہتے ہیں وَالْمُرَادُ بِهَا الْمَدَّةُ الزَّائِدَةُ اور اس مدہ سے مراد مدہ زائدہ ہے لِتَبَادُرِهَا إِلَى الذِّهْنِ اس وجہ سے کہ یہ سبقت کرتا ہے ذہن کی طرف۔ جب مدہ کہا جائے تو ذہن میں یہی بات فوراً آتی ہے کہ یہ کیا ہوگا؟ زائد ہوگا۔ تو یہ معنیٰ ہے لِتَبَادُرِهَا إِلَى الذِّهْنِ ذہن کی طرف اس کے سبقت کرنے کے، لِغَلَبَتِهَا وَكَثْرَتِهَا اس لیے کیونکہ یہ جو مدہ کا استعمال ہے، یہ زائدہ کے لیے غالب ہے، کثیر ہے۔ اس کا استعمال جب بھی مدہ کا لفظ بولا جائے زیادہ تر کس کے لیے بولتے ہیں؟ زائد کے لیے بولتے ہیں۔ اور نیز وَكَثْرَتِهَا نیز یہ جو مدہ اکثر کیا ہوتا ہے؟ ہوتا بھی زائد ہی ہے بھئی۔ استعمال بھی اس میں زیادہ اور ہوتا بھی کیا ہے یہ؟ زائد، بات سمجھ میں؟ تو لِغَلَبَتِهَا کیا معنیٰ؟ یعنی استعمال غالب ہے اس کے اندر، اسی کے لیے زیادہ بولتے ہیں، اور كَثْرَتِهَا یعنی یہ مدہ اکثر کیا ہوتا ہے؟ زائد۔ یا اس کو آپ عطفِ تفسیری بنا لیں، لِغَلَبَتِهَا وَكَثْرَتِهَا کا ایک ہی معنیٰ ہے کہ مدہ اکثر زائدہ ہوتا ہے بھئی۔

تو کہتے ہیں فَيَخْرُجُ مِنْهُ نَحْوُ مُخْتَارٍ تو اس سے کہتے ہیں مُخْتَارٌ جیسی مثالیں نکل گئیں۔ مُخْتَارٌ بھئی گردان پڑھیے: اِخْتَارَ يَخْتَارُ اخْتِيَارًا فَهُوَ مُخْتَارٌ وَاخْتِيرَ يُخْتَارُ اخْتِيَارًا فَذَاكَ مُخْتَارٌ۔ اسمِ فاعل بھی مُخْتَارٌ، اسمِ مفعول بھی مُخْتَارٌ، لیکن دونوں

کی اصل مختلف ہے۔ اسمِ فاعل مُخْتَارٌ اصل میں کیا تھا؟ مُخْتَيِرٌ، یا کے نیچے کسرہ تھا، پھر یا متحرک ماقبل فتحہ اس کو کس سے بدلا؟ الف سے تو مُخْتَارٌ ہوا۔ اور اسمِ مفعول مُخْتَارٌ اصل میں کیا تھا؟ مُخْتَيَرٌ تھا۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو معلوم ہوا کہ مُخْتَارٌ کے اندر یہ جو الف ہے یہ اصلی ہے۔ یہ جو مدہ ہے الف ہے، مادہ کیا ہے مُخْتَارٌ کا؟ خ، ی، ر۔ ہاں ابھی بتایا اِخْتَيَرَ، خ، ی، ر۔ تو مُخْتَارٌ میں دیکھو ایک تو خا آگئی، اور وہ جو یا تھی وہ الف سے بدل گئی، اور را ہے۔ تو معلوم ہوا یہ الف جو مدہ ہے یہ زائد نہیں ہے بلکہ اصلی ہے، لہٰذا یہ نکل گیا کیونکہ ہم نے بتا دیا مدہ سے مراد مدہ زائدہ ہے، اصلی نہیں۔ لہٰذا مُخْتَارٌ میں جب ترخیم کریں گے، تو را اور الف دونوں کو نہیں گرائیں گے بلکہ صرف کس کو گرائیں گے؟ را کو گرائیں گے۔ تو کہتے ہیں فَيَخْرُجُ مِنْهُ نَحْوُ مُخْتَارٍ تو اس سے مُخْتَارٌ جیسے لفظ نکل گئے فَإِنَّهُ لَا يُحْذَفُ مِنْهُ إِلَّا الْحَرْفُ الْأَخِيرُ اس لیے کیونکہ حذف نہیں کیا جاتا اس میں سے مگر آخری حرف کو۔

وَهُوَ أَيْ وَالْحَالُ، أَيْ وَالْحَالُ بتلا دیا کہ وَهُوَ کے اندر یہ جو واو ہے یہ واو حالیہ ہے بھئی، یہ اگلا جملہ کیا بن رہا ہے؟ حال بن رہا ہے بھئی۔ جو پیچھے آیا تھا نا فَإِنْ كَانَ فِي آخِرِهِ، یہ آخِرِهِ کی ہا ضمیر سے حال ہے، اس حال میں کہ وہ چار حروف سے زائد ہو بھئی۔ تو کہتے ہیں وَهُوَ أَيْ وَالْحَالُ أَنَّ مَا فِي آخِرِهِ حَرْفٌ صَحِيحٌ قَبْلَهُ مَدَّةٌ، کہ اور حال یہ ہے کہ وہ منادیٰ کہ جس کے آخر میں ایسا حرفِ صحیح ہو جس سے ماقبل مدہ ہو، أَكْثَرُ مِنْ أَرْبَعَةٍ مِنَ الْحُرُوفِ وہ چار حروف سے زائد ہو، كَمَنْصُورٍ وَعَمَّارٍ وَمِسْكِينٍ جیسے مَنْصُورٌ، عَمَّارٌ اور مِسْكِينٌ بھئی۔ مَنْصُورٌ دیکھو اس میں آخر میں حرفِ صحیح...

اور ماقبل حرفِ مدہ زائدہ۔ عَمَّارٌ، اس کے آخر میں بھی را حرفِ صحیح ہے اور ماقبل حرفِ مدہ زائدہ۔ اور مِسْكِينٌ، اس کے آخر میں بھی نون حرفِ صحیح ہے اور ماقبل میں حرفِ مدہ زائدہ ہے۔ اور نیز مَنْصُورٌ میں واو مدہ ہے، عَمَّارٌ میں الف مدہ ہے، اور مِسْكِينٌ میں یا مدہ ہے، تینوں کی مثال ذکر کر دی صاحبِ جامی نے بھئی۔ تو ان میں جب ترخیم کریں گے، تو آخری دونوں حروف گرائیں گے بھئی۔ كَمَنْصُورٍ وَعَمَّارٍ وَمِسْكِينٍ۔ بھئی کیوں، یہ چار حروف سے زائد کی شرط کیوں لگائی؟ کہتے ہیں تاکہ آخری دو حروف کو جب ہم گرا دیں ترخیم کی وجہ سے، تو کلمہ معرب کی بناوٹ کی جو کم سے کم مقدار ہے، یعنی تین حروف، ان پر باقی رہ جائے۔ جب چار سے زائد ہوگا، مثلاً پانچ ہے، تو دو گرائیں گے تو تین حروف باقی رہ جائیں گے۔

تو کہتے ہیں لِئَلَّا يَلْزَمَ مِنْ حَذْفِ حَرْفَيْنِ مِنْهُ تاکہ لازم نہ آجائے اس میں سے دو حروف کے حذف کر لینے سے، کیا لازم نہ آئے؟ عَدَمُ بَقَائِهِ عَلَى أَقَلِّ أَبْنِيَةِ الْمُعْرَبِ اس کا باقی نہ رہنا معرب کی بنا کے کم سے کم مقدار پر۔ تاکہ کہیں معرب کی بنا کی جو کم سے کم مقدار ہے، اس پر عدمِ بقا لازم نہ آئے۔ کم سے کم بنا کتنی ہے؟ تین حروف۔ تاکہ کہیں تین پر عدمِ بقا لازم نہ آئے۔ بھئی اگر چار سے زیادہ نہیں ہوگا، تو پھر جب باقی بچیں گے وہ تین بچیں گے یا تین سے کم رہیں گے؟ تین سے کم رہیں گے تو وہ تو عدمِ بقا ہوگئی، کم سے کم مقدار پر بقا ہوئی یا عدمِ بقا ہوگئی؟ عدمِ بقا یعنی کم سے کم مقدار پر وہ باقی نہ رہا بھئی۔ پھر ترجمہ

دیکھیں، کہتے ہیں لِئَلَّا يَلْزَمَ مِنْ حَذْفِ حَرْفَيْنِ مِنْهُ تاکہ کہیں لازم نہ آئے اس میں سے دو حرف حذف کرنے سے، کیا لازم نہ آئے؟ عَدَمُ بَقَائِهِ اس منادیٰ کا باقی نہ رہنا عَلَى أَقَلِّ أَبْنِيَةِ الْمُعْرَبِ معرب کی بنا کی کم سے کم مقدار پر۔ بات سمجھ میں آئی کہ نہیں؟ ذرا با محاورہ ترجمہ بس دیکھ لیں، اس عبارت پہ نظر رکھیں: لِئَلَّا يَلْزَمَ مِنْ حَذْفِ حَرْفَيْنِ مِنْهُ عَدَمُ بَقَائِهِ عَلَى أَقَلِّ أَبْنِيَةِ الْمُعْرَبِ تاکہ اس منادیٰ سے دو حرف حذف کر لینے سے، اس منادیٰ کا معرب کی بناوٹ کی جو کم سے کم مقدار ہے اس پر باقی نہ رہنا کہیں لازم نہ آئے بھئی۔

وَإِنَّمَا لَمْ يَأْخُذْ هَذَا الْقَيْدَ فِي قَوْلِهِ زِيَادَتَانِ، سوال پیدا ہوتا ہے کہ انہوں نے کہا کہ وہ منادیٰ جس کے آخر میں حرفِ صحیح ہے اور ماقبل حرفِ مدہ ہے وہ چار حروف سے زائد ہونا چاہیے۔ بھئی یہ قید اس کے اندر کیوں نہیں لگائی جس کے اندر تھا کہ جس کے آخر میں دو زیادتیاں ہوں؟ اس میں بھی یہ قید لگاتے، کیونکہ ان دو زیادتیوں کو اکٹھا حذف کرنا ہے، تو اس میں بھی کیا ہونا چاہیے تھا؟ اس کو بھی چار حروف سے زائد پر ہونا چاہیے۔ تو اس میں یہ قید کیوں نہیں لگائی؟ تو اب آگے اس کا جواب دینے لگے ہیں، دیکھیے بھئی۔ کہتے ہیں وَإِنَّمَا لَمْ يَأْخُذْ هَذَا الْقَيْدَ فِي قَوْلِهِ زِيَادَتَانِ فِي حُكْمِ الْوَاحِدَةِ اور ماتن نے اس قید کو نہیں لیا اپنے اس قول کے اندر وہ جو انہوں نے ذکر کیا تھا زِيَادَتَانِ فِي حُكْمِ الْوَاحِدَةِ، اس کے اندر اس قید کو اخذ نہیں کیا اس کو نہیں لیا، لِأَنَّ نَحْوَ ثُبُونَ وَقُلُونَ يُرَخَّمُ بِحَذْفِ زِيَادَتَيْهِ اس لیے کیونکہ ثُبُونَ اور قُلُونَ جیسے جو لفظ ہیں، ان میں ترخیم کی جاتی ہے بِحَذْفِ زِيَادَتَيْهِ اس کی دونوں زیادتیاں حذف کرتے ہوئے۔

قُلُونَ اور ثُبُونَ۔ ثُبُونَ یہ لفظ پہلے بھی گزرا، وہی ثُبَةٌ جماعت کو کہتے ہیں۔ اور اس کی جمع مذکر سالم کیا ہے واو نون کے ساتھ؟ کیا بن گئی؟ ثُبُونَ۔ ثُبُونَ۔ تو اس میں جب ترخیم کرتے ہیں، تو واو اور نون دونوں کو گرا دیتے ہیں۔ واو اور نون دونوں کو گرا دیتے ہیں، تو صرف ثا اور با رہ گئے۔ تو معرب کی کم سے کم بنا کتنی ہونی چاہیے، قیاس کیا تقاضا کرتا ہے؟ تین حروف ہونے چاہیے، یہ تو یہ تو تین سے کم رہ جائیں گے۔ اسی طرح قُلُونَ، قُلُونَ اس کے اندر بھی دیکھو ترخیم کرتے ہیں تو واو اور نون کو گرا دیتے ہیں، صرف قاف اور لام باقی رہ جاتا ہے۔ تو اس کا جواب دیں گے، کہتے ہیں اس لیے کیونکہ اس کے اندر جو کلمہ تین حروف سے کم پر باقی رہ گیا، وہ ترخیم کی وجہ سے نہیں ہے۔ ترخیم سے پہلے ہی یہ تین حروف سے کم پر مشتمل تھا۔ یہ واو اور نون تو جمع کی وجہ سے اس میں زیادہ کیے ہیں، یہ پہلے ہی صرف دو حروف تھے بھئی۔ قُلُونَ میں قاف اور لام تھے بھئی، یہ واو اور نون تو جمع بنانے کے لیے زائد کیے ہیں، تو ان کی بنا پہلے سے ہی تین سے کم پر ہے، ترخیم کی وجہ سے یہ تین سے کم نہیں ہوئے بھئی، پہلے سے ہی یہ تین حروف سے کم پر مشتمل ہیں۔

جی، تو ثُبُونَ بھی پڑھ سکتے ہیں جبکہ بعض لغت والوں نے ثِبُونَ لکھا ہے ثا کے کسرہ کے ساتھ بھی۔ اور اسی طرح قُلُونَ بھی ہے، اور بعض لغت والوں نے قاف کے کسرہ کے ساتھ بھی لکھا ہے قِلُونَ بھئی۔ تو یہ ثُبُونَ جمع ہے ثُبَةٌ کی، میں نے

بتایا جماعت کو کہتے ہیں، خصوصاً گھڑ سواروں کی جو جماعت ہے۔ اور اسی طرح قُلُونَ جمع ہے قُلَةٌ کی۔ قُلَةٌ بھئی وہ گلی ڈنڈا جانتے ہیں آپ؟ گلی ڈنڈا بچوں کا کھیل ہے، جس میں ایک وہ چھوٹی لکڑی ہوتی ہے جس کو ایک بڑے ڈنڈے سے مارا جاتا ہے، اور وہ جو چھوٹی لکڑی ہے اس کے دونوں کنارے باریک ہوتے ہیں اور درمیان سے موٹی ہوتی ہے۔ اس کو کہتے ہیں قُلَةٌ یعنی گلی۔ وہ جو گلی ہے اس کو قُلَةٌ کہتے ہیں، اس کی جمع قُلُونَ آتی ہے بھئی۔

تو کہتے ہیں لِأَنَّ نَحْوَ ثُبُونَ وَقُلُونَ يُرَخَّمُ بِحَذْفِ زِيَادَتَيْهِ اس لیے کیونکہ ثُبُونَ اور قُلُونَ جیسے لفظوں کے اندر ترخیم کی جاتی ہے اس کے دونوں زیادتیوں کو حذف کرتے ہوئے، لِأَنَّ بَقَاءَ الْكَلِمَةِ فِيهِ عَلَى حَرْفَيْنِ لَيْسَ لِلتَّرْخِيمِ اس لیے کیونکہ اس میں کلمے کا باقی رہنا دو حرفوں پر لَيْسَ لِلتَّرْخِيمِ یہ ترخیم کی وجہ سے نہیں ہے، بلکہ یہ ترخیم سے پہلے ہی دو حروف پر مشتمل تھے بھئی۔

حُذِفَتَا أَيِ الْحَرْفَانِ الْأَخِيرَانِ فِي كِلَا الْقِسْمَيْنِ حذف کر لیا جائے گا ان دونوں کو، کن دونوں کو؟ ضمیر کا مرجع بتلا رہے ہیں: أَيِ الْحَرْفَانِ الْأَخِيرَانِ آخری دونوں حرفوں کو فِي كِلَا الْقِسْمَيْنِ دونوں قسموں میں۔ ایک وہ قسم جس میں دو حرف ایک زیادتی کے حکم میں ہیں، اور دوسری وہ جس کے آخر میں حرفِ صحیح ہے اور ماقبل حرفِ مدہ ہے، دونوں کے اندر۔ بھئی دونوں میں دو حرف کیوں حذف کیے جاتے ہیں؟ بھئی وجہ یہ: وہ دو زیادتیاں جو ایک ہی زیادتی کے حکم میں تھیں، جب ان کو بڑھایا اکٹھا جاتا ہے، تو حذف بھی اکٹھا ہی کیا جائے گا۔ اور اسی طرح وہ منادیٰ جس کے آخر میں حرفِ صحیح ہے اور ماقبل حرفِ مدہ ہے، تو جب آخر سے حرفِ صحیح کو گرا رہے ہیں، تو ماقبل میں حرفِ مدہ ضعیف ہے اس کو بھی تو گرانا چاہیے بھئی۔ آخر میں جب حرفِ صحیح کو گرا دیا، تو ماقبل میں جو حرفِ علت ہے اس کو بھی گرانا چاہیے۔ اگر آپ آخر سے حرفِ صحیح کو تو گراتے ہیں، اور ماقبل میں حرفِ علت کو نہیں گراتے، یہ تو ایسے ہی ہے کہ طاقتور کو دیکھا تو اس سے لڑنے لگ پڑے، اور کمزور کو دیکھا تو ڈر کر کانپنے لگ پڑے۔ حرفِ صحیح طاقتور تھا، وہاں مقابلے کے لیے آپ آئے، آپ نے اس کو گرا دیا۔ اور حرفِ علت وہ تو کمزور ہوتا ہے، وہ جب آیا تو آپ نے اس کو گرایا ہی نہیں بلکہ خود خوف کی وجہ سے پیچھے ہٹ گئے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ لہٰذا یہاں جب حرفِ صحیح کو گرایا ہے، تو حرفِ علت کو بھی اکٹھا ہی اس کے ساتھ گرائیں گے۔

تو کہتے ہیں أَمَّا فِي الْأَوَّلِ تو پہلی قسم جو ہے اس کے اندر، فَلِمَا كَانَتَا فِي حُكْمِ الْوَاحِدَةِ تو اس وجہ سے کہ وہ دونوں زیادتیاں جو ہیں ایک ہی زیادتی کے حکم میں ہیں، فَكَمَا زِيدَتَا مَعًا حُذِفَتَا مَعًا تو جیسے ان کو اکٹھا بڑھایا گیا تھا، اسی طرح ان کو اکٹھا حذف کیا جائے گا۔ وَأَمَّا فِي الثَّانِي اور باقی دوسری قسم جو ہے، فَلِأَنَّهُ لَمَّا حُذِفَ الْأَخِيرُ اس لیے کیونکہ جب آخری حرف کو حذف کر لیا گیا، یعنی وہ جو صحیح حرف تھا اس کو حذف کر لیا گیا مَعَ صِحَّتِهِ باوجود اس کے صحیح ہونے کے وَأَصَالَتِهِ اور اس کے اصلی ہونے کے، حُذِفَتِ الْمَدَّةُ الزَّائِدَةُ تو مدہ زائدہ کو بھی حذف کیا جائے گا، لِئَلَّا يَرِدَ الْمَثَلُ السَّائِرُ تاکہ وہ مشہور

ضرب المثل کہیں صادق نہ آئے۔ تاکہ وہ مشہور ضرب المثل کہیں صادق نہ آئے۔ کون سی ضرب المثل؟ صُلْتَ عَلَى الْأَسَدِ وَبُلْتَ عَنِ النَّقَدِ۔ صُلْتَ، صَالَ يَصُولُ کا معنیٰ حملہ کرنا۔ صُلْتَ عَلَى الْأَسَدِ شیر پر تو حملہ کر دیا، وَبُلْتَ عَنِ النَّقَدِ، نَقَدٌ کہتے ہیں، نَقَدٌ یہ بھیڑ بکریوں کی کوئی خاص قسم ہے جو جن کے پاؤں چھوٹے چھوٹے ہوتے ہیں اور بڑی بد شکل سی ہوتی ہیں۔ تو عام بکری بھی نہیں بلکہ بڑی چھوٹی اور بد شکل سی بھیڑ بکریاں ہیں۔ تو یہ اسی طرح ہے، صُلْتَ عَلَى الْأَسَدِ کہ آپ نے شیر پر تو حملہ کر دیا، وَبُلْتَ عَنِ النَّقَدِ اور بکری کے خوف کی وجہ سے پیشاب کر دیا۔ بَالَ يَبُولُ بَوْلًا کا معنیٰ پیشاب کرنا۔ الْمَثَلُ السَّائِرُ مشہور ضرب المثل بھئی، مشہور یعنی وہ جو عربوں کی زبان پر جاری ہے مشہور ہے۔ تو کہتے ہیں لِئَلَّا يَرِدَ الْمَثَلُ السَّائِرُ تاکہ کہیں وہ مشہور ضرب المثل جو ہے وہ وارد نہ ہو، وہ صادق نہ آئے، کہ صُلْتَ عَلَى الْأَسَدِ وَبُلْتَ عَنِ النَّقَدِ کہ آپ نے شیر پر تو حملہ کر دیا، اور چھوٹی بکری کو دیکھ کر آپ کا پیشاب نکل گیا۔

وَإِنْ كَانَ مُرَكَّبًا اور اگر وہ منادیٰ مرکب ہو۔ بھئی انہوں نے آپ کو بتلایا تھا، اگر منادیٰ مرکب ہو تو ترخیم کیسے کریں گے؟ آخری کلمے کو گرا دیں گے۔ آخری کلمے کو گرا دیں گے۔ لیکن میں نے بتایا تھا کہ وہ جو مرکب ہے، مرکبِ اضافی نہیں ہونا چاہیے، مضاف مضاف الیہ سے مرکب نہ ہو، اور نیز وہ جملہ بھی نہ ہو بھئی۔ تو کہتے ہیں وَإِنْ كَانَ مُرَكَّبًا اور اگر وہ منادیٰ مرکب ہو، وَيُعْلَمُ مِنْ بَيَانِ شَرْطِ التَّرْخِيمِ اور کہتے ہیں یہ بات معلوم ہوگئی ترخیم کی شرط کے بیان سے، أَنَّهُ لَا يَكُونُ مُضَافًا وَلَا جُمْلَةً کہ وہ منادیٰ مضاف بھی نہیں ہونا چاہیے اور جملہ بھی نہیں، یعنی یہ والے مرکب نہیں ہونے چاہئیں، مرکبِ اضافی اور مرکبِ اسنادی یعنی جملہ نہیں ہونا چاہیے۔ مِثْلُ بَعْلَبَكَّ جیسے کہ بَعْلَبَكَّ ہے، دیکھو یہ مرکبِ منعِ صرف ہے۔ وَخَمْسَةَ عَشَرَ یہ مرکبِ بنائی ہے۔ عَلَمَيْنِ اس حال میں کہ یہ دونوں کیا ہوں؟ علم ہیں کسی کے بھئی۔ علم کی قید کیوں لگا رہے ہیں؟ بھئی انہوں نے بتایا تھا، وجودی قید کیا تھی؟ وہ علم ہو تین حروف سے زائد، یا اس کے آخر میں کیا ہو؟ تائے تانیث، اس کا خیال رکھنا ہے۔ یہاں آخر میں بَعْلَبَكَّ کے آخر میں بھی تائے تانیث نہیں ہے، تو پھر اس کو علم ہونا چاہیے۔ اسی طرح خَمْسَةَ عَشَرَ کے آخر میں بھی تا نہیں ہے، تو یہ بھی کیا ہونا چاہیے؟ علم ہونا چاہیے۔

یہاں تک بات سمجھ میں آگئی۔ تو کہتے ہیں اگر وہ مرکب ہو منادیٰ، تو حُذِفَ الِاسْمُ الْأَخِيرُ تو آخری اسم کو حذف کر لیا جائے گا، فَيُقَالُ فِي بَعْلَبَكَّ تو بَعْلَبَكَّ میں کہا جائے گا يَا بَعْلُ یوں بھی کہہ سکتے ہیں اور يَا بَعْلَ یوں بھی کہہ سکتے ہیں۔ وَفِي خَمْسَةَ عَشَرَ يَا خَمْسَةُ اور خَمْسَةَ عَشَرَ میں کیسے کہیں گے؟ يَا خَمْسَةُ بھی کہہ سکتے ہیں، اور يَا خَمْسَةَ جو اصل حرکت ہے وہ بھی پڑھ سکتے ہیں۔ لِنُزُولِهِ مَنْزِلَةَ تَاءِ التَّأْنِيثِ اس کو تائے تانیث کے درجے میں اتارنے کی وجہ سے۔ جیسے تائے تانیث الگ کلمہ ہوتا ہے، توجہ ہے، تو یہاں پر بھی بَعْلٌ اور بَكٌّ الگ الگ کلمے تھے، تو بَكٌّ الگ کلمہ تھا اس کو ساتھ جوڑا گیا تھا۔ اسی طرح خَمْسَةَ عَشَرَ میں بھی عَشَرَ الگ کلمہ تھا اس کو ساتھ جوڑا گیا، جیسے تائے تانیث کو جوڑا جاتا ہے۔ تو کہتے ہیں لِنُزُولِهِ مَنْزِلَةَ تَاءِ التَّأْنِيثِ اس کو تائے تانیث کے درجے میں اتارنے کی وجہ سے۔ بھئی کس اعتبار سے تائے تانیث کے درجے میں آخری کلمے

کو اتارا ہے؟ آخری کلمے کو کس کے درجے میں اتارا؟ تائے تانیث۔ بھئی کس اعتبار سے؟ کہتے ہیں فِي كَوْنِ كُلٍّ مِنْهُمَا كَلِمَةً عَلَى حِدَةٍ اس بات کے اندر کہ ان دونوں میں سے ہر ایک علیحدہ کلمہ ہے، صَارَتْ بِمَنْزِلَةِ الْجُزْءِ جو جزو کے درجے میں ہو گیا۔ تائے تانیث بھی علیحدہ کلمہ تھا، اور پھر یہ کس کے درجے میں ہو گیا؟ جزو کے درجے میں، ضَارِبَةٌ اب یہ تا ضَارِبَةٌ کے لیے جزو کے درجے میں ہو گئی۔ اور اسی طرح بَعْلَبَكَّ اس کے اندر بھی بَكٌّ الگ کلمہ تھا اور پھر یہ جزو کے درجے میں ہو گیا۔ خَمْسَةَ عَشَرَ میں بھی عَشَرَ جو آخری کلمہ ہے الگ تھا، اور یہ پھر یہ جزو کے درجے میں ہو گیا۔ تو اس بات کے اعتبار سے یہ بھی کس کی طرح ہے؟ تائے تانیث کی طرح ہے بھئی۔ تو یہ معنیٰ ہے فِي كَوْنِ كُلٍّ مِنْهُمَا كَلِمَةً عَلَى حِدَةٍ اس بات کے اندر کہ ان میں دونوں میں سے ہر ایک علیحدہ کلمہ ہے، صَارَتْ بِمَنْزِلَةِ الْجُزْءِ جو جزو کے درجے میں ہو گیا۔

وَإِنْ كَانَ غَيْرَ ذَلِكَ اور اگر اس کے علاوہ ہو الْمَذْكُورِ مِنَ الْأَقْسَامِ الثَّلَاثَةِ یعنی ان تین قسموں کے علاوہ ہو، فَحَرْفٌ وَاحِدٌ أَيْ فَيُحْذَفُ حَرْفٌ وَاحِدٌ تو پھر ایک ہی حرف حذف کیا جائے گا۔ وَإِنْ كَانَ غَيْرَ ذَلِكَ اگر اس کے علاوہ ہو، آگے صاحبِ جامی فرما رہے ہیں: الْمَذْكُورِ ہی پڑھیں اس کو بھئی، کیونکہ یہ مشارٌ الیہ ہے، مشارٌ الیہ ہے یعنی یہ صفت ہے، اسمِ اشارہ موصوف ہے اور الْمَذْكُورِ اس کی صفت، مشارٌ الیہ صفت ہوتی ہے نا اگر وہ معرفہ ہو، تو یہ ذَلِكَ موصوف اور الْمَذْكُورِ اس کی صفت، اور موصوف صفت کا اعراب ایک ہوتا ہے، اور ذَلِكَ مضاف الیہ ہے مجرور ہے غَيْرَ کے لیے تو اس کی صفت بھی کیا ہوگی؟ مجرور۔ وَإِنْ كَانَ غَيْرَ ذَلِكَ الْمَذْكُورِ مِنَ الْأَقْسَامِ الثَّلَاثَةِ۔ بھئی ذَلِكَ کے بعد الْمَذْكُورِ مِنَ الْأَقْسَامِ الثَّلَاثَةِ نکالا صاحبِ جامی نے۔ وجہ یہ کہ وَإِنْ كَانَ غَيْرَ ذَلِكَ اگر اس کے علاوہ ہو۔ کس کے علاوہ؟ کس کے علاوہ؟ پیچھے تین قسمیں ذکر ہوئی ہیں: ایک وہ منادیٰ جس کے آخر میں دو ایسی زیادتیاں ہوں جو ایک کے قائم مقام، دوسرا وہ منادیٰ جس کے آخر میں ایسا حرفِ اصلی صحیح ہو کہ جس سے ماقبل حرفِ مدہ زائدہ ہو اور وہ چار حروف سے زائد پر مشتمل ہو، اور تیسرا وہ منادیٰ جو مرکب ہو بھئی۔ تو یہ تین قسمیں پیچھے ذکر ہوئیں، ان کے علاوہ ہو تو پھر ایک حرف حذف کیا جائے گا، توجہ ہے؟ تو پیچھے کتنی قسمیں ذکر ہوئیں؟ تین، اور صاحبِ کافیہ کیا فرما رہے ہیں: وَإِنْ كَانَ غَيْرَ ذَلِكَ اور اگر اس کے...

علاوہ ہو۔ ذَلِكَ اسمِ اشارہ یہ تو مفرد کے لیے آتا ہے، اور قسمیں تو پیچھے کتنی گزری ہیں؟ تو مشارٌ الیہ ہیں تین، اور ذَلِكَ اسمِ اشارہ کس کا؟ مفرد کا، تو بات نہیں بنتی۔ تو صاحبِ جامی نے بتلا دیا کہ یہ ان تین قسموں کی طرف اشارہ ہے، لیکن کس تاویل میں؟ مَذْكُورٌ کی تاویل میں۔ وہ جو ذکر کیا گیا، اب چاہے سو قسمیں ذکر ہوں سب اس میں آگئیں۔ تو یہ ذَلِكَ اشارہ کس کی طرف؟ مَذْكُورٌ کی طرف۔ کس کی طرف؟ مَذْكُورٌ، اور مَذْكُورٌ مفرد ہے، تثنیہ ہے، جمع ہے؟ مفرد ہے، مَذْكُورٌ کیا ہے؟ ہاں البتہ پیچھے چاہے دس ذکر ہوں بیس چیزیں ذکر ہوں سب اس کے اندر داخل ہو گئیں، بات سمجھ میں آگئی؟ تو ذَلِكَ مفرد کا اسمِ اشارہ ہوا اور تین قسموں کی طرف کس تاویل میں؟ مَذْكُورٌ کی تاویل میں بھئی۔

وَإِنْ كَانَ غَيْرَ ذَلِكَ الْمَذْكُورِ مِنَ الْأَقْسَامِ الثَّلَاثَةِ اور یہ جو مذکورہ تین قسمیں ہیں ان کے علاوہ اگر ہو منادیٰ، تو فَحَرْفٌ

وَاحِدٌ أَيْ فَيُحْذَفُ حَرْفٌ وَاحِدٌ تو حذف کیا جائے گا ایک ہی حرف کو، لِحُصُولِ الْفَائِدَةِ الْمَقْصُودَةِ فائدہ مقصودہ کے حاصل ہونے کی وجہ سے۔ بھئی جب ایک حرف گرا دیں گے، تو مقصود کیا تھا؟ تخفیف مقصود تھی، تخفیف آجائے گی یا نہیں؟ تو اس لیے کہا لِحُصُولِ الْفَائِدَةِ الْمَقْصُودَةِ فائدہ مقصودہ کے حاصل ہونے کی وجہ سے یعنی ایک حرف بھی گرا دیں گے تو تخفیف حاصل ہو جائے گی۔ اور نیز وَعَدَمِ مُوجِبِ حَذْفِ الْأَكْثَرِ اکثر کے حذف کے موجب نہ ہونے کی وجہ سے۔ ایک سے زیادہ کے حذف کا کوئی موجب نہیں، کوئی جو چیز ایک سے زیادہ کے حذف کو واجب کرنے والی ہو۔ تو کہتے ہیں وَعَدَمِ مُوجِبِ حَذْفِ الْأَكْثَرِ اور ایک سے زیادہ کے حذف کے موجب کے نہ ہونے کی وجہ سے، نَحْوُ يَا حَارِ وَيَا مَالِ فِي يَا حَارِثُ وَيَا مَالِكُ۔ دیکھا يَا حَارِثُ میں کیا کہیں گے ترخیم کے وقت؟ يَا حَارِ بھی کہہ سکتے ہیں اور يَا حَارُ بھی۔ اور اسی طرح يَا مَالِكُ جو ہے اس کے اندر ترخیم میں کیسے کہیں گے؟ يَا مَالِ بھی کہہ سکتے ہیں اور يَا مَالُ بھی۔

وَهُوَ أَيِ الْمُنَادَى الْمُرَخَّمُ، جی، اب متن متن ذرا دیکھیں۔ کہتے ہیں وَهُوَ فِي حُكْمِ الثَّابِتِ بھئی وہ جو محذوف ہے، وہ ثابت کے حکم میں ہے۔ کس کے حکم میں ہے؟ ثابت کے حکم میں ہے۔ ابھی میں نے بتلایا کہ جب حرف حذف کر دیں يَا مَالِكُ، کاف کو حذف کر دیں، تو کیسے پڑھ سکتے ہیں؟ تو اسی طرح پڑھیں يَا مَالِ، گویا کاف ابھی بھی ثابت ہے، کاف ابھی بھی موجود ہے، يَا مَالِ، وہی پہلے والی حرکت پڑھیں۔ اور آپ چاہیں تو اس پر ضمہ بھی پڑھ سکتے ہیں، اس کو مستقل منادیٰ بنا لیں، گویا یہ تھا ہی اسی طرح، اس سے کوئی کاف گرا ہی نہیں ہے، تو يَا مَالُ۔ توجہ ہے؟ يَا مَالِكُ، پھر دہرائیں بھئی: يَا مَالِكُ، ترخیم کے وقت کیسے پڑھیں گے؟ يَا مَالِ لام کو اسی طرح مکسور پڑھیں جیسے کاف کی موجودگی میں تھا، تو گویا کاف ابھی بھی ثابت ہے۔ اور آپ چاہیں تو اس کو مستقل منادیٰ بنا لیں گویا کاف تھا ہی نہیں، اور مستقل منادیٰ مفرد معرفہ ہو تو وہ مبنی علی الضم ہوتا ہے، تو کیسے پڑھیں گے؟ يَا مَالُ، بات سمجھ میں آگئی۔

تو کہتے ہیں وَهُوَ فِي حُكْمِ الثَّابِتِ اور وہ جو حذف کیا گیا ہے، وہ ثابت کے حکم میں ہے عَلَى الْأَكْثَرِ اکثر استعمالات پر، فَيُقَالُ پس کہا جائے گا يَا حَارِ وَيَا ثَمُو، اصل میں کیا تھا؟ ثَمُودُ بھئی، قومِ ثمود جو گزری ہے، تو اس میں دال گرا دیں گے تو کیسے کہیں گے؟ يَا ثَمُو۔ اسی طرح كَرَوَانٌ ایک پرندے کا نام ہے، كَرَوَانٌ را پر بھی فتحہ ہے اور واو پر بھی، يَا كَرَوَانُ، تو اس میں ندا دیں گے تو آخر سے الف نون کو گرا دیں گے تو کیسے کہیں گے؟ يَا كَرَوَ، توجہ ہے؟ تو کہتے ہیں يَا حَارِ وَيَا ثَمُو وَيَا كَرَوَ۔

بھئی دیکھیے يَا ثَمُو، يَا ثَمُو اس کو اسی طرح رکھا جیسے دال ابھی بھی موجود ہے، دال ابھی بھی موجود ہے۔ ورنہ یاد رکھو، اگر دال کو اس طرح کر دیں گویا یہاں دال تھا ہی نہیں، تو ثَمُو رہ گیا، اور ثَمُو اسم ہے اور اس کے آخر میں واو ہے اور ماقبل ضمہ ہے۔ ثَمُو ایسا اسم ہے جس کے آخر میں واو ہے اور ماقبل ضمہ، اور کلامِ عرب کے اندر کوئی ایسا اسم آجائے جس کے آخر میں واو ہو اور ماقبل ضمہ ہو تو اس واو کو لازماً واجباً یا سے بدلتے ہیں، اور پھر ماقبل ضمہ کو بھی کسرہ سے بدلتے

ہیں۔ تو اس قانون کے مطابق یَا ثَمِي کہنا چاہیے۔ ثَمُو ہے نا، واو ماقبل ضمہ ہے، اور اس کو واو کو پھر کس سے بدلتے ہیں؟ یا سے اور ماقبل کسرہ دے دیتے ہیں، تو کیسے پڑھنا چاہیے؟ یَا ثَمِي۔ اسی طرح کَرَوَانٌ کے آخر سے الف نون گرا دیا تو کیسے ندا دی؟ یَا کَرَوَ، تو یَا کَرَوَ حالانکہ کَرَوَ کے آخر میں واو متحرک ہے اور ماقبل فتحہ ہے، اور واو متحرک ماقبل فتحہ ہو اس کو کس سے بدلتے ہیں؟ الف سے، تو الف اور نون گویا ابھی بھی موجود ہے۔ اگر الف اور نون موجود نہیں ہے پھر تو اس کو کیسے پڑھنا چاہیے؟ یَا کَرَا، واو متحرک ماقبل فتحہ اس کو کس سے بدلنا چاہیے؟ الف سے۔

تو کہتے ہیں وَقَدْ يُجْعَلُ اسْمًا بِرَأْسِهِ اور کبھی یہ جو منادیٰ مرخم ہے، اس کو مستقل اسم بنا لیا جاتا ہے، اسْمًا بِرَأْسِهِ، بِرَأْسِهِ أَيْ مُسْتَقِلًّا بھئی۔ وَقَدْ يُجْعَلُ اسْمًا بِرَأْسِهِ اور کبھی اس کو مستقل اسم بنا لیا جاتا ہے، فَيُقَالُ يَا حَارُ تو کیسے کہا جائے گا؟ يَا حَارُ کہا جائے گا، اب کسرہ نہیں پڑھیں گے گویا یہ مستقل منادیٰ ہے اور مبنی علی الضم ہے۔ وَيَا ثَمِي اور کیسے کہا جائے گا؟ يَا ثَمِي کہا جائے گا، اور يَا كَرَا کبھی يَا كَرَا کہا جائے گا، یعنی مستقل اسم والا معاملہ کریں گے، گویا اس کے آخر سے کوئی حرف گرا ہی نہیں یہ تھا ہی اسی طرح، جب تھا ہی اسی طرح تو جو جو اعلال ضروری ہیں وہ کر دیے جائیں گے۔

دوبارہ دیکھیے شرح کے ساتھ۔ کہتے ہیں وَهُوَ أَيِ الْمُنَادَى الْمُرَخَّمُ فِي حُكْمِ الْمُنَادَى الثَّابِتِ وہ منادیٰ جو مرخم ہے یعنی جس میں ترخیم کر لی گئی، فِي حُكْمِ الْمُنَادَى الثَّابِتِ وہ اس منادیٰ کے حکم میں ہے جو ثابت ہے بِجَمِيعِ أَجْزَائِهِ اپنے تمام۔ وہ منادیٰ جو مرخم ہے یعنی جس میں ترخیم کر کے ایک حرف کو اڑا دیا گیا یا زیادہ حروف کو اڑا دیا گیا، یہ اسی منادیٰ کی طرح ہے جس میں تمام اجزا ثابت ہیں یعنی کوئی گرایا نہیں گیا۔ جب گرایا نہیں گیا تو وہی حرکت پڑھیں گے جو پہلے تھی بھئی۔ فَيَبْقَى الْحَرْفُ الَّذِي صَارَ آخِرَ الْكَلِمَةِ بَعْدَ التَّرْخِيمِ عَلَى مَا كَانَ عَلَيْهِ قَبْلَهُ تو پس باقی رہے گا وہ حرف الَّذِي صَارَ آخِرَ الْكَلِمَةِ وہ حرف جو کلمے کا آخر بن گیا بَعْدَ التَّرْخِيمِ کس کے بعد؟ ترخیم۔ پھر ترجمہ سنیں: فَيَبْقَى الْحَرْفُ الَّذِي صَارَ آخِرَ الْكَلِمَةِ بَعْدَ التَّرْخِيمِ پس باقی رہے گا وہ حرف جو کلمے کا آخر بن گیا ترخیم کے بعد، وہ حرف باقی رہے گا عَلَى مَا كَانَ عَلَيْهِ قَبْلَهُ اسی حالت پر جس پر وہ ترخیم سے پہلے تھا، عَلَى الْاِسْتِعْمَالِ الْأَكْثَرِيِّ یہ اکثر استعمال پر ہے، یعنی اکثر استعمال اسی طرح ہے کہ ترخیم کے بعد جو آخری حرف رہ جائے اس پر وہی حرکت برقرار رکھتے ہیں، اکثر استعمال اسی طرح ہے۔

فَيُقَالُ فِي يَا حَارِثُ تو يَا حَارِثُ میں کہا جائے گا يَا حَارِ بِكَسْرِ الرَّاءِ را کے کسرہ کے ساتھ، عَلَى مَا كَانَ قَبْلَ التَّرْخِيمِ اسی حالت پر جس پر وہ ترخیم سے پہلے تھا۔ وَفِي يَا ثَمُودُ يَا ثَمُو اور يَا ثَمُودُ کے اندر يَا ثَمُو کہا جائے گا بِوَاوٍ مُتَطَرِّفَةٍ بَعْدَ ضَمَّةٍ ایسے واو کے ساتھ جو طرف میں ہے ضمہ کے بعد۔ ثَمُو، واو طرف میں ہے اور کس کے بعد ہے؟ ضمہ کے بعد، حالانکہ عام اسم کے اندر اس واو کو ہمیشہ کس سے بدلتے ہیں؟ یا سے، لیکن یہاں نہیں بدلیں گے، گویا وہ دال ابھی بھی ثابت ہے موجود ہے۔ وَفِي يَا كَرَوَانُ اور يَا كَرَوَانُ کے اندر يَا كَرَوَ، الف اور نون گرا دیا تو واو کو اسی طرح رکھیں گے، بِوَاوٍ مُتَحَرِّكَةٍ

بَعْدَ فَتْحَةٍ ایسے واوِ متحرکہ کے ساتھ جو کس کے بعد ہے؟ فتحہ کے بعد ہے۔

وَقَدْ يُجْعَلُ قَدْ لِلتَّقْلِيلِ اور کبھی کبھار کر دیا جاتا ہے، کہتے ہیں قَدْ یہاں تقلیل کے لیے ہے، أَيْ وَيُجْعَلُ الْمُنَادَى الْمُرَخَّمُ عَلَى الْاِسْتِعْمَالِ الْأَقَلِّ اور کبھی کبھار وہ منادیٰ جس میں ترخیم کر دی گئی ہے، اس کو کر دیا جاتا ہے استعمالِ اقل پر اسْمًا بِرَأْسِهِ ایک مستقل اسم، یعنی یہ استعمال قلیل ہے اس طرح۔ كَأَنَّهُ لَمْ يُحْذَفْ مِنْهُ شَيْءٌ گویا کہ اس سے کوئی چیز حذف نہیں کی گئی، فَيَكُونُ لَهُ فِي بِنَائِهِ وَإِعْلَالِهِ وَتَصْحِيحِهِ حُكْمُ نَفْسِهِ لَا حُكْمُ الْأَصْلِ تو یہ جو منادیٰ باقی رہ گیا ترخیم کے بعد، فِي بِنَائِهِ اس کے مبنی ہونے میں، وَإِعْلَالِهِ اور اس میں اعلال کرنے میں، وَتَصْحِيحِهِ اور اس کو اسی طرح صحیح رکھنے میں، حُكْمُ نَفْسِهِ اس کا اپنا حکم ہوگا اپنی ذات کا حکم ہوگا، لَا حُكْمُ الْأَصْلِ اصل والا حکم نہیں۔ اصل والا حکم نہیں۔ يَا حَارِثُ، ثا گرا دی اور حَارِ کو الگ اپنی ذات والا الگ حکم دے کر اس کو مبنی بنا دیا گیا: يَا حَارُ، اور یا پھر جو اعلال وغیرہ کرنا ہو الگ جو ضرورت ہے وہ کر لیا جاتا ہے۔ ترجمہ سمجھ میں آیا؟

پھر ترجمہ دیکھیں: كَأَنَّهُ لَمْ يُحْذَفْ مِنْهُ شَيْءٌ گویا کہ اس سے کوئی چیز حذف نہیں کی گئی، فَيَكُونُ لَهُ فِي بِنَائِهِ وَإِعْلَالِهِ وَتَصْحِيحِهِ حُكْمُ نَفْسِهِ تو اس منادیٰ مرخم کے لیے اس کے مبنی ہونے میں اور اس میں اعلال کرنے میں اور اس کو صحیح رکھنے میں، اس کی اپنی ہی ذات کا حکم ہوگا لَا حُكْمُ الْأَصْلِ اصل کا حکم نہیں ہوگا۔ فَيُقَالُ يَا حَارُ بِالضَّمِّ تو يَا حَارُ ضمہ کے ساتھ کہا جائے گا، كَأَنَّهُ اسْمٌ مُفْرَدٌ مَعْرِفَةٌ بِرَأْسِهِ گویا کہ یہ اسمِ مفرد معرفہ ہے بِرَأْسِهِ مُسْتَقِلًّا بھی، فَيُضَمُّ تو اس کو ضمہ دیا جائے گا۔ وَيَا ثَمِي یہ کہا جائے گا، لِأَنَّهُ لَمَّا جُعِلَ ثَمُو اسْمًا بِرَأْسِهِ اس لیے کیونکہ جب ثَمُو کو ایک مستقل اسم بنا دیا گیا، صَارَتِ الْوَاوُ طَرَفًا بَعْدَ ضَمَّةٍ تو واو جو ہے وہ طرف میں ہو گیا یعنی کنارے پر آ گیا بَعْدَ ضَمَّةٍ کس کے بعد ہے؟ ضمہ کے بعد ہے، فَلَا جَرَمَ قُلِبَتِ الْوَاوُ يَاءً تو یقینی طور پر، فَلَا جَرَمَ یقین، تو یقینی طور پر جو واو ہے وہ پلٹ جائے گا بدل جائے گا یا ہو کر۔ وہ واو کس میں بدل جائے گا؟ میں نے بتایا، جو بھی اسم ہو جس کے آخر میں واو اور ماقبل ضمہ ہو، اس واو کو کس سے بدلتے ہیں؟ یا سے بدل دیتے ہیں اور ماقبل ضمے کو بھی کسرہ سے۔ جیسے دَلْوٌ ڈول کو کہتے ہیں، دَلْوٌ، اس کی جمع آتی ہے أَدْلٍ، کیا آتی ہے؟ أَدْلٍ۔ أَدْلٍ اصل میں تھا أَدْلُوٌ، توجہ ہے؟ أَفْعُلٌ، أَدْلُوٌ، تو دیکھو واو طرف میں آیا اور واو سے ماقبل لام پر ضمہ ہے، تو اس واو کو کس سے بدلا؟ یا سے اور ماقبل لام کو کسرہ دیا، تو کیا بن گیا؟ أَدْلِيٌ، پھر یا ساکن کر دی کیونکہ یا پر کسرہ ثقیل ہے، تو کیا بن گیا؟ أَدْلِيْ، پھر یا اور نون میں اجتماعِ ساکنین آیا تو یا گر گئی، تو کیا بن گیا؟ أَدْلٍ۔ فَلَا جَرَمَ قُلِبَتِ الْوَاوُ يَاءً تو یقینی طور پر واو بدل جائے گا یا ہو کر، وَكُسِرَ مَا قَبْلَهَا اور کسرہ دے دیا جائے گا اس یا کے ماقبل کو، كَأَدْلٍ فِي أَدْلُوٍ جیسے کہ أَدْلٍ کہتے ہیں فِي أَدْلُوٍ کس کے اندر؟ أَدْلُوٍ کے اندر، اصل میں تو أَدْلُوٌ تھا بھئی۔

وَيَا كَرَا اور یا كَرَا کہیں گے، لِأَنَّهُ لَمَّا جُعِلَ كَرَوَ اسْمًا بِرَأْسِهِ اس لیے کیونکہ جب كَرَوَ کو الف نون گرانے کے بعد كَرَوَ

کو اسم بنا دیا گیا بِرَأْسِهِ مُسْتَقِلًّا، ارْتَفَعَ مَانِعُ الْإِعْلَالِ تو وہ مانعِ اعلال چلا گیا۔ بھئی یَا كَرَوَانُ، كَرَوَانُ میں واو متحرک ماقبل فتحہ ہے، لیکن اس واو کو الف سے نہیں بدلتے، کیوں؟ کیونکہ اس قانون کی شرط ہے کہ اس واو یا یا کے بعد حرفِ ساکن نہیں ہونا چاہیے، اور یَا كَرَوَانُ میں تو واو کے بعد الف ہے۔ لہٰذا اس واو کو الف سے نہیں بدلیں گے۔ جیسے رَمَى رَمَيَا تثنیہ کا صیغہ۔ رَمَى میں یا کو الف سے بدل دیا، لیکن رَمَيَا یہاں بھی یا متحرک ماقبل میم پر فتحہ ہے، کیوں نہیں بدلا یا کو الف سے؟ کیونکہ اس کے ما بعد الفِ ساکن پہلے سے ہی آ رہا ہے۔ توجہ ہے؟ تو یہاں پر بھی كَرَوَانُ میں الف اور نون گرا دیے، تو واو کے بعد جو ساکن تھا وہ گر گیا ختم ہو گیا، تو وہ مانع چلا گیا، اب اس واو کو کس سے بدل دیں گے؟ الف سے۔ جب اس کو مستقل اسم بنا دیا، الف اور نون گویا تھے ہی نہیں، تو اب وہ مانع چلا گیا، واو کے بعد جو ساکن الف تھا وہ چلا گیا، تو اب واو متحرک ماقبل فتحہ اس کو کس سے بدل دیں گے؟ الف سے، تو کیا بن گیا؟ یَا كَرَا، بات سمجھ میں آ گئی؟

وَيَا كَرَا، لِأَنَّهُ لَمَّا جُعِلَ كَرَوَ اسْمًا بِرَأْسِهِ اس لیے کیونکہ جب كَرَوَ کو ایک مستقل اسم بنا دیا گیا، ارْتَفَعَ مَانِعُ الْإِعْلَالِ تو وہ مانعِ اعلال جو ہے وہ ختم ہو گیا وہ اٹھ گیا۔ بھئی وہ مانعِ اعلال کیا تھا؟ کہتے ہیں وَهُوَ وُقُوعُ السَّاكِنِ بَعْدَ الْوَاوِ اور وہ واو کے بعد ساکن کا واقع ہونا تھا۔ فَانْقَلَبَتِ الْوَاوُ أَلِفًا تو وہ واو الف ہو گیا، لِتَحَرُّكِهَا وَانْفِتَاحِ مَا قَبْلَهَا بوجہ اس واو کے متحرک ہونے کے اور ماقبل کے مفتوح ہونے کے۔ وہ واو متحرک تھا، كَرَوَ واو متحرک تھا، ماقبل فتحہ تھا، تو وہ واو کس سے بدل گیا؟ الف سے بدل گیا۔ بات سمجھ میں آ گئی؟ اچھی طرح؟

تو حاصلِ کلام کیا؟ کہ منادیٰ مرخم کے اندر، اس کے ساتھ کبھی ایسے ہی معاملہ کرتے ہیں کہ ترخیم کے بعد جو آخری حرف رہ گیا، اس پر وہی حرکت جو پہلے تھی وہی برقرار رکھتے ہیں، وہی صورت برقرار رکھتے ہیں، کوئی اعلال وغیرہ نہیں کرتے۔ اور کبھی کبھار اس کو مستقل اسم کا درجہ دے کر اس کو مبنی بنا دیتے ہیں، یا اس میں اعلال وغیرہ جو کرنا ہو وہ بھی کر دیتے ہیں۔ بات سمجھ میں آ گئی؟ حل ہو گیا؟ چلیے بس بھئی، هَذَا هُوَ الْمَرَامُ، وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْكَلَامِ.

سبق نمبر ۱۲۹: المندوب (۱): مندوب کی تعریف، صیغۂ ندبہ اور آخر میں الف وہا کے الحاق کا بیان

شرحِ ملا جامی صفحہ: ۱۰۳ — بتاریخ: ۱۰ جنوری ۲۰۲۲ء

▪ تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث

دیکھیے بھئی آگے سبق: وَقَدِ اسْتَعْمَلُوا يَعْنِي الْعَرَبَ صِيْغَةَ النِّدَاءِ يَعْنِي يَا خَاصَّةً فِي الْمَنْدُوْبِ، لِأَنَّهُ لَا يَدْخُلُ عَلَيْهِ سِوَاهَا لِكَوْنِهَا أَشْهَرَ صِيَغِهَا، فَكَانَتْ أَوْلٰى بِأَنْ يُتَوَسَّعَ فِيْهَا بِاسْتِعْمَالِهَا فِيْ غَيْرِ الْمُنَادٰى. وَالْمَنْدُوْبُ فِي اللُّغَةِ مَيِّتٌ يَّبْكِيْ عَلَيْهِ أَحَدٌ وَّيَعُدُّ مَحَاسِنَهُ لِيَعْلَمَ النَّاسُ أَنَّ مَوْتَهُ أَمْرٌ عَظِيْمٌ، لِيُعْذِرُوْهُ فِي الْبُكَاءِ وَيُشَارِكُوْهُ فِي التَّفَجُّعِ.

گزشتہ سبق میں ترخیم منادیٰ کی بحث چل رہی تھی اور صاحبِ کافیہ نے آپ کو بتلایا کہ منادیٰ جو ہے ترخیم کی مقدار کے اعتبار سے تین قسم پر ہے۔ بعض اوقات منادیٰ کے آخر سے ترخیم کرتے ہوئے صرف ایک حرف اڑایا جاتا ہے، ایک حرف گرایا جاتا ہے، اور بعض اوقات دو حرف گرائے جاتے ہیں، اور بعض اوقات جب منادیٰ مرکب ہو تو اس کے آخر سے پورا ایک کلمہ ختم کر دیا جاتا ہے۔ تو یہ تین قسم پر ہوا منادیٰ ترخیم کی مقدار کے اعتبار سے۔

اور پھر تفصیل بیان کی تھی کہ ایک کلمہ کہاں گرائیں گے، ایک حرف کہاں گرائیں گے اور دو حرف کہاں گرائیں گے۔ تو آپ کو بتلایا تھا کہ جب منادیٰ کے آخر میں دو ایسی زیادتیاں ہوں جو حکمِ واحدہ میں ہوں بھئی، یعنی ان دونوں کو اکٹھا بڑھایا جاتا ہو، تو ترخیم کے وقت ان دونوں کو اکٹھا ہی گرا دیں گے۔ اور یا پھر منادیٰ جو ہے اس کے آخر میں ایسا حرفِ صحیح اصلی ہے کہ جس سے ماقبل میں حرفِ مدہ زائدہ ہے اور وہ منادیٰ چار حروف سے زائد پر مشتمل ہے، تو پھر اس منادیٰ کے آخر سے بھی حرفِ صحیح اور اس کے ماقبل جو حرفِ مدہ زائدہ ہے دونوں کو اکٹھا ہی گرائیں گے بھئی۔

اور اگر منادیٰ مرکب ہو، یعنی مرکبِ اضافی اور مرکبِ اسنادی کے علاوہ ہو، یعنی مضاف مضاف الیہ بھی نہ ہو وہ اور جملہ بھی نہ ہو، تو پھر اس صورت میں وہ جو مرکب ہے اس کا آخری جز جو ہے اس کو ختم کر دیں گے، گرا دیں گے۔ جیسے يَا بَعْلَبَكُّ، اس میں ترخیم کرتے ہوئے ندا کیسے دیں گے؟ يَا بَعْلَ، اصل حرکت جو ہے وہ بھی پڑھنا جائز اور ضمہ پڑھنا بھی جائز،

تو یَا بَعْلَ اور یَا بَعْلُ۔ اور اسی طرح کسی کا نام خَمْسَةَ عَشَرَ ہے تو پھر اس کے اندر بھی یَا خَمْسَةُ اور یَا خَمْسَةَ، جو اصلی حرکت ہے وہ پڑھنا بھی جائز اور ضمہ بھی جائز ہے بھئی۔

اور اس کے علاوہ ان تین کے علاوہ کوئی اور منادیٰ ہو تو پھر ترخیم کے وقت اس سے صرف ایک حرف گرائیں گے بھئی، ایک حرف۔ اور البتہ میں نے بتایا وہ پچھلی شرائط کا بھی لحاظ رکھنا ہے، ترخیم کی چار شرائط تھیں، تین عدمی تھیں اور ایک وجودی۔ عدمی شرط کیا تھی کہ منادیٰ جو ہے وہ مضاف بھی نہ ہو، مستغاث بھی نہ ہو اور جملہ بھی نہ ہو۔ اور وجودی شرط جو ہے احد الامرین تھی، دو چیزوں میں سے ایک ہونی چاہیے، یا تو وہ منادیٰ ایسا علم ہو جو تین حروف سے زائد ہو تاکہ حروف گرانے کے بعد بھی وہ کم از کم تین حروف پر باقی رہ جائے، یا اس منادیٰ کے آخر میں تائے تانیث ہو بھئی تو پھر اس تا کو گرا دیں گے۔ صورت سمجھ میں آگئی۔

اور پھر صاحبِ کافیہ نے آپ کو یہ بھی بتلایا تھا کہ منادیٰ مرخم جو ہے یہ اسی منادیٰ کے حکم میں ہے جس کے تمام اجزاء ثابت ہوں۔ لہٰذا وہی پہلی اصلی حرکت پڑھنا بھی جائز اور اس کے ساتھ مستقل اسم والا معاملہ کرنا بھی صحیح ہے بھئی۔ لہٰذا یَا حَارِثُ، یہاں پر اگر آپ ترخیم کرنا چاہتے ہیں تو آخر سے ثا کو گرایا تو را پر وہی حرکت باقی رکھنا بھی صحیح ہے جو پہلے تھی، اور یَا حَارِثُ میں را کے نیچے کسرہ ہے تو ابھی بھی کسرہ پڑھ سکتے ہیں یَا حَارِ، اور ضمہ بھی پڑھ سکتے ہیں یَا حَارُ۔

اسی طرح ثَمُوْدُ کو ندا دینا چاہتے ہیں تو ترخیم کرتے ہوئے دال گرا دیں گے اور باقی کلمے کے ساتھ وہی معاملہ کریں گے جیسے کہ دال موجود ہے، تو کیسے ندا دیں گے؟ یَا ثَمُوْ۔ اور اس کے ساتھ مستقل اسم والا معاملہ کرتے ہوئے اس میں اعلال بھی جائز ہے، اس لیے کیونکہ دال کو جب گرا دیا اور ثَمُوْ کو مستقل اسم کے درجے میں اتار لیا تو اس کے آخر میں واو آیا اور ماقبل واو کے ضمہ ہے، اور جس اسم کے آخر میں بھی واو آئے اور ماقبل ضمہ ہو تو اس واو کو ہمیشہ یا سے بدلتے ہیں اور ماقبل کو پھر کسرہ دے دیتے ہیں، تو یَا ثَمِيْ کہنا بھی صحیح بھئی۔ جیسے دَلْوٌ، دَلْوٌ عربی زبان میں ڈول کو کہتے ہیں اور اس کی جمع أَدْلٍ آتی ہے۔ کیا آتی ہے؟ أَدْلٍ۔ أَدْلٍ اصل میں تھا أَدْلُوٌ، أَفْعُلٌ، دَلْوٌ ہے نا دال لام واو، تو کس وزن پر جمع ہے؟ أَفْعُلٌ وزن پر أَدْلُوٌ۔ تو دیکھو اسم کے آخر میں واو آیا اور واو کا ماقبل مضموم ہے، اور جب بھی ایسا مقام آئے تو اس واو کو کس سے بدلتے ہیں؟ یا سے، اور پھر یا اپنے سے ماقبل کسرہ چاہتی ہے تو اس ضمہ کو کسرہ سے بدل دیتے ہیں، تو کیا بن گیا؟ أَدْلِيٌ۔ پھر یا پر کسرہ ثقیل تھا اس کو گرا دیا، یا ساکن ہو گئی، آگے نونِ تنوین بھی ساکن ہے تو اجتماعِ ساکنین عَلٰی غَيْرِ حَدِّهٖ آیا، تو اول حرفِ مدہ جو یا تھی اس کو گرا دیا تو کیا بن گیا؟ أَدْلٍ۔ بات سمجھ میں آگئی؟ أَدْلٍ ہو گیا۔

اور اسی طرح یَا كَرَوَانُ، كَرَوَانٌ ایک پرندے کا نام ہے بھئی جسے اردو میں سرخاب کہتے ہیں بھئی۔ تو اس کے آخر سے الف اور نون کو گرا دیا تو یَا كَرَوَ اسی طرح پڑھیں گے جیسے الف اور نون ابھی بھی موجود ہیں۔ اور آپ چاہیں تو اس کے

ساتھ مستقل اسم کا معاملہ کریں گویا اس کے ساتھ الف نون تھے ہی نہیں، تو لہٰذا جب الف اور نون تھے ہی نہیں تو واو کے اندر اب اعلال کرنا پڑے گا کیونکہ واو متحرک ماقبل فتحہ ہے تو اس کو کس سے بدلیں گے؟ الف سے، تو کیسے ندا دیں گے؟ یَا کَرَوٰی۔ پہلے واو کے بعد الف تھا نا تو واو آپ نے قانون پڑھا ہے واو اور یا متحرک ہوں اور ماقبل فتحہ ہو تو اس کو الف سے بدلتے ہیں، لیکن اس قانون کی کئی شرائط ہیں، ان شرطوں میں سے ایک شرط یہ ہے کہ اس واو اور یا کے بعد کوئی حرفِ ساکن نہ ہو۔ جی۔ اس واو اور یا کے بعد کوئی حرفِ ساکن نہ ہو۔ چنانچہ کَرَوَانٌ اس میں واو متحرک ہے ماقبل فتحہ بھی ہے لیکن اس کو الف سے نہیں بدل رہے کیونکہ واو کے بعد الف ساکن موجود ہے۔ یا جیسے دوسری مثال لے لو رَمٰی رَمَیَا۔ جی۔ اب رَمٰی کے اندر یا کو الف سے بدلا کیونکہ ماقبل میم پر فتحہ تھا، جی، لیکن رَمَیَا اس کے اندر بھی یا متحرک ہے اور ماقبل میم پر فتحہ ہے لیکن اس یا کو الف سے نہیں بدل رہے، کیوں نہیں بدل رہے؟ کیونکہ اس یا کے بعد الف ساکن آرہا ہے بھئی۔ تو یہاں پر بھی یَا کَرَوَانُ کے اندر واو نہیں بدلیں گے کیونکہ آخر میں الف نون ہے، لیکن جب الف نون کو گرا دیا تو اب آپ چاہیں اسی طرح پڑھیں یَا کَرَوَ جیسے الف نون ابھی بھی موجود ہے، یا آپ چاہیں تو اس کو مستقل اسم بنا دیں تو اب آخر سے الفِ ساکن ختم ہوا، مانعِ اعلال ختم ہو گیا، تو اب اعلال کر دیں گے اور واو کو الف سے بدل دیں گے اور کیسے ندا دیں گے؟ یَا کَرَوٰی۔ صورت سمجھ میں آگئی؟

جی اب آگے دیکھیے آج کا سبق بھئی: وَقَدِ اسْتَعْمَلُوا يَعْنِي الْعَرَبَ صِيْغَةَ النِّدَاءِ يَعْنِي يَا خَاصَّةً فِي الْمَنْدُوْبِ، لِأَنَّهُ لَا يَدْخُلُ عَلَيْهِ سِوَاهَا لِكَوْنِهَا أَشْهَرَ صِيَغِهَا۔ جی آج ہم مندوب کے بارے میں پڑھیں گے بھئی۔ پہلے متن متن صرف دیکھ لیجیے۔ کہتے ہیں وَقَدِ اسْتَعْمَلُوا صِيْغَةَ النِّدَاءِ اور تحقیق عرب استعمال کرتے ہیں، یہ واو ضمیر کس کو راجع ہے؟ عرب کو، اور تحقیق عرب جو ہیں وہ استعمال کرتے ہیں ندا کا صیغہ فِي الْمَنْدُوْبِ، کس کے اندر؟ مندوب کے اندر۔ بھئی مندوب کا ذکر پہلے بھی کئی دفعہ ہو چکا، مندوب وہ میت جس پر رویا جائے۔ عرب میں جب کسی کا انتقال ہو جاتا تو اس پر رویا جاتا، نوحہ کیا جاتا اور اس کو پکارتے یا مثلاً زید کا انتقال ہوا ہے تو یَا زَیْدُ، یا کبھی وَا لے آتے وَا زَیْدُ، اور کبھی اسی کے آخر میں الف بھی ملا دیتے یَا زَیْدَا، وَا زَیْدَا، اور کبھی وقف کی صورت میں ہا بھی ساتھ ملا دیتے یَا زَیْدَاہْ، وَا زَیْدَاہْ۔ تو دیکھو یَا جو ہے وہ منادیٰ کے لیے بھی استعمال ہوتی ہے اور مندوب کے لیے بھی، جب کہ وَا جو ہے وَا، یہ خاص ہے مندوب کے ساتھ، یہ وَا صرف مندوب کے لیے استعمال ہوتا ہے، ندا کے اندر یہ استعمال نہیں ہوتا۔

تو کہتے ہیں وَقَدِ اسْتَعْمَلُوا صِيْغَةَ النِّدَاءِ فِي الْمَنْدُوْبِ اور تحقیق عرب استعمال کرتے ہیں ندا کا صیغہ فِي الْمَنْدُوْبِ مندوب میں، ندا کے صیغے سے مراد ہے یعنی حروفِ ندا، لیکن ان میں سے صرف یَا مراد ہے یہاں پر۔ آپ نے پڑھا ہے حروفِ ندا پانچ ہیں: یَا، أَیَا، هَیَا، أَيْ اور ہمزہ۔ ان میں سے جو یَا ہے وہ ہے اصل، لہٰذا وہ سب سے زیادہ استعمال ہوتی ہے یَا ندا کے لیے۔ اور نیز حذف بھی صرف یَا کو کیا جاتا ہے۔ جہاں کہیں آپ کو یہ کہہ دیا جائے کہ یہاں پر حرفِ ندا محذوف

ہے تو فوراً سمجھ جائیں کہ یہاں یَا محذوف ہے، کیونکہ باقی حروفِ ندا محذوف نہیں ہوتے بھئی۔ اور نیز مندوب کے لیے بھی صرف یَا استعمال ہوتی ہے، باقی حروفِ ندا استعمال نہیں ہوتے، کیونکہ یہ اصل ہے اور سب سے مشہور ہے ندا کے اندر بھئی۔

تو کہتے ہیں وَقَدِ اسْتَعْمَلُوا صِيْغَةَ النِّدَاءِ فِي الْمَنْدُوْبِ اور تحقیق عرب استعمال کرتے ہیں ندا کا صیغہ مندوب میں یعنی یَا کو خاص طور پر۔ آگے دیکھیے متن بھئی: وَهُوَ الْمُتَفَجَّعُ عَلَيْهِ بِيَا أَوْ وَا، یہ تعریف کر رہے ہیں۔ میں نے آپ کو بتلا دیا عربی زبان میں مندوب کسے کہتے ہیں؟ وہ میت جس پر رویا جائے۔ کسی شخص کا انتقال ہو گیا، اس پر رویا جا رہا ہے تو وہ کیا ہے؟ مندوب ہے، اس پر رویا جاتا ہے اور اس کی خوبیاں گنوائی جاتی ہیں، خوبیاں شمار کی جاتی ہیں تاکہ لوگوں کو بھی پتہ چلے کہ یہ واقعی اس لائق تھا کہ اس پر رویا جائے، اس کے دنیا سے چلے جانے سے بڑا نقصان ہوا ہے، یہ اس لائق تھا کہ اس پر رویا جائے بھئی۔ تو اس پر رویا جاتا اور اس کی خوبیاں شمار کرواتے تھے، اس کو مندوب کہتے ہیں عربی زبان میں، تو ندبت جو ہے ندبت یہ میت پر رونا، میت پر رونا۔ لیکن اصطلاحِ نحو کے اندر نحو میں مندوب کسے کہتے ہیں؟ اب وہ تعریف کرنے لگے ہیں۔ کہتے ہیں وَهُوَ الْمُتَفَجَّعُ عَلَيْهِ بِيَا أَوْ وَا، مندوب جو ہے وہ مُتَفَجَّع عَلَيْه ہے یَا یا وَا کے ساتھ، یعنی وہ جس پر رویا جائے، جس پر دکھی ہوا جائے، جس پر درد مند ہوا جائے، تَفَجُّع کا معنی ہے دکھی ہونا، درد مند ہونا یا یوں کہو اظہارِ غم کرنا بھئی۔ تو اصطلاح کے اندر کسے کہتے ہیں وَهُوَ الْمُتَفَجَّعُ عَلَيْهِ، مندوب جو ہے وہ مُتَفَجَّع عَلَيْه ہے یعنی جس پر دکھی ہوا جائے، درد مند ہوا جائے، اظہارِ غم کیا جائے بِيَا أَوْ وَا، یَا یا وَا کے ساتھ۔ یَا یا وَا کے ساتھ اس پر دکھی ہوا جائے، اظہارِ غم کیا جائے۔

تو معلوم ہوا مندوب میں یَا اور وَا ضرور استعمال ہوں گے بھئی اور اس پر اظہارِ غم کیا جا رہا ہوگا دکھی اور درد مند۔ پھر یاد رکھنا یہ جو مُتَفَجَّع عَلَيْه ہے یہ دو قسم پر ہو سکتا ہے۔ کبھی ایک چیز کے نہ ہونے پر اظہارِ غم کیا جاتا ہے اور انسان درد مند ہوتا ہے، جیسے وہ میت ہے اس کا انتقال ہو گیا وہ دنیا سے چلا گیا وہ معدوم ہو گیا تو اس کے نہ ہونے پر کیا کیا جا رہا ہے؟ اظہارِ غم کیا جا رہا ہے بھئی، اس پر رو رہے ہیں اس کے نہ ہونے پر۔ اور بعض اوقات کسی چیز کے ہونے پر جو ہے اظہارِ غم کیا جاتا ہے اور رویا جاتا ہے، جیسے کوئی کہتا ہے وَا مُصِيْبَتَاهْ، دیکھو مصیبت کے ہونے پر اظہارِ غم کیا جا رہا ہے۔ یا وَا حَسْرَتَا، حسرت اور افسوس کے ہونے پر اظہارِ غم کیا جا رہا ہے۔ وَا وَيْلَاهْ ہائے ہلاکت، دیکھو ہلاکت اور بربادی کے ہونے پر رویا جا رہا ہے۔ تو مُتَفَجَّع عَلَيْه جو ہے وہ عدماً بھی ہو سکتا ہے اور وجوداً بھی، کبھی کسی چیز کے ہونے کی وجہ سے رویا جاتا ہے اور کبھی کسی چیز کے نہ ہونے کی وجہ سے رویا جاتا ہے۔ تو کہتے ہیں وَهُوَ الْمُتَفَجَّعُ عَلَيْهِ بِيَا أَوْ وَا، مندوب جو ہے وہ مُتَفَجَّع عَلَيْه ہے وہ ہے جس پر اظہارِ غم کیا جا رہا ہے بِيَا أَوْ وَا، یَا یا وَا کے ساتھ۔

جی آگے دیکھیے: وَاخْتُصَّ بِوَا، اور مندوب خاص ہے وَا کے ساتھ، مندوب خاص ہے، یعنی وَا جو ہے وہ صرف مندوب کے ساتھ استعمال ہوتا ہے، یَا تو عام ہے منادیٰ کے لیے بھی استعمال اور مندوب کے لیے بھی، لیکن وَا جو ہے وہ خاص ہے مندوب کے ساتھ، وہ صرف مندوب کے لیے استعمال ہوتی ہے۔ تو کہتے ہیں وَاخْتُصَّ بِوَا اور مندوب جو ہے وہ خاص ہے وَا کے ساتھ۔ وَحُكْمُهُ فِي الْإِعْرَابِ وَالْبِنَاءِ حُكْمُ الْمُنَادٰى، اور مندوب کا حکم جو ہے معرب ہونے اور مبنی ہونے میں منادیٰ کے حکم کی طرح ہے۔ مندوب کا حکم معرب اور مبنی ہونے میں منادیٰ کی طرح ہے، جیسے آپ نے پڑھا تھا منادیٰ مفرد معرفہ ہو تو مبنی علی الضم، تو مندوب بھی اگر مفرد معرفہ ہوا تو وہ مبنی ہوگا علامتِ ضم پر۔ جی۔ یَا زَیْدُ زید مر گیا ہے، یا وَا زَیْدُ۔

صورت سمجھ میں آرہی ہے۔ اور منادیٰ اگر مضاف ہو یا مشابہِ مضاف ہو یا نکرہ غیر معین ہو تو وہ منصوب ہوتا ہے، تو اسی طرح مندوب کے اندر بھی ہوگا، مندوب اگر کیا ہو؟ مضاف ہو یا مشابہِ مضاف ہو تو وہ منصوب ہوگا۔ ہاں نکرہ غیر معین وہ مندوب نہیں ہو سکتا کیونکہ رویا جا رہا ہے تو کوئی معلوم آدمی ہوگا نا جس پر رویا جا رہا ہے، اگر معلوم ہی نہیں ہے تو پھر اظہارِ غم کا کیا معنی بھئی۔ تو لہٰذا نکرہ غیر معین وہ مندوب نہیں ہوتا، باقی مضاف بھی ہو سکتا ہے اور مشابہِ مضاف بھی۔ تو جس طرح منادیٰ مفرد معرفہ ہو تو مبنی ہوتا ہے مندوب بھی مبنی علی الضم ہوگا، اور جس طرح منادیٰ مضاف یا مشابہِ مضاف ہو تو منصوب ہوتا ہے تو مندوب بھی منصوب ہوگا۔ تو کہتے ہیں وَحُكْمُهُ فِي الْإِعْرَابِ وَالْبِنَاءِ حُكْمُ الْمُنَادٰى اور مندوب کا حکم معرب اور مبنی ہونے میں حُكْمُ الْمُنَادٰى منادیٰ کا حکم ہے، یعنی اسی کی طرح اس کا بھی حکم ہے۔

وَلَكَ زِيَادَةُ الْأَلِفِ فِيْ آخِرِهِ، اور آپ کے لیے یہ بھی جائز ہے کہ آپ الف کی زیادتی کریں فِيْ آخِرِهِ مندوب کے آخر میں۔ بھئی مندوب پر اظہارِ غم کیا جا رہا ہے رویا جا رہا ہے لہٰذا انسان چاہتا ہے کہ اس کی آواز ذرا لمبی ہو بھئی، تو اس کے لیے اس کے آخر میں الف کا ملانا بھی جائز ہے۔ لہٰذا یَا زَیْدَا اور وَا زَیْدَا، اور ساتھ وقف کی صورت میں ہا بھی ملا سکتے ہیں یَا زَیْدَاہْ، وَا زَیْدَاہْ۔ تو کہتے ہیں وَلَكَ زِيَادَةُ الْأَلِفِ فِيْ آخِرِهِ اور آپ کے لیے الف کا بڑھانا جائز ہے مندوب کے آخر میں۔

فَإِنْ خِفْتَ اللَّبْسَ قُلْتَ وَا غُلَامَكِيْهْ وَا غُلَامَكُمُوْهْ۔ بھئی دیکھیے انہوں نے آپ کو بتلایا کہ مندوب کے آخر میں آپ الف کو بڑھا سکتے ہیں، لیکن بعض اوقات اگر الف کو بڑھایا جائے تو التباس کا خطرہ ہے بھئی، التباس یعنی مندوب کا التباس لازم آئے گا غیرِ مندوب کے ساتھ، تو اس موقع پر الف کے بجائے موقع کے مطابق واو یا یا کو بھی آپ بڑھا سکتے ہیں۔ مثلاً ایک عورت ہے ایک مخاطبہ ہے اس کا غلام مر گیا، اب اس پر کوئی ندبت کرتا ہے اور کیسے کہے گا؟ وَا غُلَامَكِ، دیکھو کاف مؤنث مخاطبہ کی ضمیر ہے، اے مؤنث مخاطبہ تیرا غلام۔ بات سمجھ میں آرہی ہے؟ تو وَا غُلَامَكِ اور غُلَامَ میں نے منصوب پڑھا کیونکہ یہ مضاف ہے بھئی اور منادیٰ مضاف ہو تو وہ منصوب ہوتا ہے تو مندوب بھی جب مضاف ہو تو وہ منصوب

ہوگا۔ اب وَا غُلَامَكِ اس پر ندبت کی جا رہی ہے مؤنث مخاطبہ کے غلام پر۔ اب آپ اس کے ساتھ اگر آپ الف بڑھا دیں تو وَا غُلَامَكَا، تو اب تو پتہ نہیں چلے گا کہ یہ کاف ضمیر مؤنث کی ہے یا مذکر کی کیونکہ کاف پر فتحہ آگیا، الف اپنے سے ماقبل فتحہ چاہتا ہے، تو بظاہر یہی لگے گا کہ شاید یہ کسی مذکر مخاطب کے غلام پر ندبت کی جا رہی ہے، تو لہٰذا ایسے موقع پر الف کے بجائے اس لفظ کی حرکت کے موافق حرفِ علت کو بڑھانا بھی جائز، اور غُلَامَكِ کاف کے نیچے کیا ہے؟ کسرہ، اور کسرہ کے مناسب کیا ہے؟ یا، لہٰذا یا بڑھائی جائے گی یہاں پر وَا غُلَامَكِيْهْ۔

اسی طرح کوئی شخص وہ ندبت کر رہا ہے رو رہا ہے جمع مذکر کے غلام پر وَا غُلَامَكُمْ، وَا غُلَامَكُمْ یعنی تم مذکر مخاطب جو ہو تمہارا جو غلام ہے اس پر ندبت کی جا رہی ہے اس پر رویا جا رہا ہے۔ اب اس کے آخر میں اگر ہم الف بڑھا دیں تو کیا ہو جائے گا؟ وَا غُلَامَكُمَا۔ دیکھا كُمَا یہ تو تثنیہ کی ضمیر بظاہر معلوم ہوگی تو التباس لازم آئے گا کس کا؟ مندوب کا غیرِ مندوب کے ساتھ، رویا تو کس پر جا رہا ہے؟ جمع مذکر کے غلام پر، اور بظاہر یوں لگ رہا ہے کہ تثنیہ مذکر کے غلام پر رویا جا رہا ہے۔ تو ایسے موقع پر پھر یہ غُلَامَكُمْ جو ہے یہاں پر پھر واو بڑھائیں گے، کیا بڑھائیں گے؟ واو بڑھائیں گے۔ توجہ ہے؟ جی۔ تو کیسے کہیں گے؟ وَا غُلَامَكُمُوْهْ۔ تو سوال پیدا ہوتا ہے واو کیوں بڑھایا آپ نے؟ آپ نے تو کیا کہا تھا کہ ماقبل کی حرکت کو دیکھیں گے اس کے مطابق حرفِ علت لائیں گے، اور یہاں تو كُمْ کے آخر میں میم ساکن ہے۔ تو یاد رکھنا یہ میم یہ میم جو ہے فی الحال ساکن ہے لیکن اصل میں اس پر ضمہ تھا بھئی۔ اس میم پر اصل میں کیا تھا؟ ضمہ تھا، چنانچہ بعض قرأتوں کے اندر بھی أَنْتُمْ اور كُمْ کی ضمیروں پر أَنْتُمُوْ كُمُوْ اس طرح پڑھتے ہیں، بعض قرأتوں میں اس طرح ہے۔ تو معلوم ہوا یہ جو جمع مذکر کی ضمیر ہے اس کا میم اصل میں ساکن نہیں تھا بلکہ اس پر ضمہ تھا اور ضمے کے مناسب کیا ہے؟ واو، تو یہاں واو بڑھا دیں گے اور کیسے کہیں گے؟ وَا غُلَامَكُمُوْهْ۔ صورت سمجھ میں آگئی؟

دیکھیے بھئی کتاب پر، کہتے ہیں فَإِنْ خِفْتَ اللَّبْسَ اگر آپ کو التباس یعنی اشتباہ کا خطرہ ہو اشتباہ کا خوف ہو قُلْتَ تو آپ یوں کہیں گے وَا غُلَامَكِيْهْ وَا غُلَامَكُمُوْهْ۔ بھئی آپ کی کتابوں میں غُلَامُ تو نہیں ہے میم پر ضمہ تو نہیں ہے؟ جی؟ میم پر ضمہ ہے؟ بھئی میم پر ضمہ نہیں ہونا چاہیے بھئی، وجہ یہ کہ یہ مضاف ہے بھئی غُلَامَ مضاف ہے اور كُمْ مضاف الیہ، اور منادیٰ جب مضاف ہو تو منصوب ہوتا ہے تو مندوب بھی منصوب ہوگا تو وَا غُلَامَكُمُوْهْ۔ وَلَكَ الْهَاءُ فِي الْوَقْفِ اور آپ کے لیے ہا کا ملانا بھی جائز ہے وقف کی حالت میں، وقف کی حالت میں بھئی۔

وَلَا يُنْدَبُ إِلَّا الْمَعْرُوْفُ اور ندبت نہیں کی جائے گی مگر معروف پر یعنی ایسے شخص پر جو معروف ہو جس کو لوگ جانتے ہوں بھئی، جانتے ہوں۔ وجہ یہ کہ جب وہ معلوم آدمی ہوگا اس پر وہ رو رہا ہے تو لوگ بھی معذور سمجھیں گے کہ ہاں واقعی ایک بڑے آدمی کا انتقال ہوا ہے یہ جو آدمی رو رہا ہے یہ معذور ہے بھئی، یہ اس معاملے میں معذور ہے کہ دیکھو اتنا بڑا آدمی

دنیا سے چلا گیا ہے تو یہ رونے ہی کا مقام ہے بھئی۔ تو کہتے ہیں وَلَا يُنْدَبُ إِلَّا الْمَعْرُوْفُ اور ندبت نہیں کی جائے گی مگر معروف پر، فَلَا يُقَالُ وَا رَجُلَاهُ لہٰذا وَا رَجُلَاهُ نہیں کہیں گے، یعنی ایسا شخص جو معروف نہیں ہے جس کو لوگ جانتے ہی نہیں ہیں اس پر ندبت نہیں کی جائے گی لہٰذا وَا رَجُلَاهُ کہنا صحیح نہیں۔ میں نے بھی آپ کو بتلایا کہ نکرہ غیر معین جو ہے وہ مندوب نہیں بن سکتا بھئی۔

یہاں تک بات سمجھ میں آگئی۔ جی اب شرح کے ساتھ دیکھیے بھئی۔ شروع سے پھر دیکھیے: وَقَدِ اسْتَعْمَلُوا اور تحقیق عربوں نے استعمال کیا ہے يَعْنِي الْعَرَبَ، بھئی قَدِ اسْتَعْمَلُوا کے آخر میں واو ضمیر آرہی ہے جمع مذکر غائب کی، تو یہ ضمیر کس کو راجع ہے؟ صاحبِ جامی بتلا رہے ہیں يَعْنِي الْعَرَبَ، عَلٰى يَعْنِيْ کا معنی ہے مراد ہونا ارادہ کرنا۔ يَعْنِيْ یعنی صاحبِ کافیہ کی مراد جو ہے الْعَرَبَ وہ عرب ہیں بھئی، تو یہ الْعَرَبَ مفعول بہ بنے گا يَعْنِيْ کے لیے۔ يَعْنِي الْعَرَبَ یعنی صاحبِ کافیہ نے عرب کا ارادہ کیا۔ صِيْغَةَ النِّدَاءِ تو استعمال کرتے ہیں عرب ندا کا صیغہ يَعْنِي يَا خَاصَّةً یعنی خاص طور پر يَا، بھئی ندا کے تو پانچ صیغے ہیں يَا، أَيَا، هَيَا، أَيْ اور ہمزہ، لیکن ان میں سے صیغہ ندا صرف يَا جو ہے وہ استعمال ہوتا ہے مندوب میں، اسی لیے کہا يَعْنِي يَا خَاصَّةً یعنی خاص طور پر يَا کو، فِي الْمَنْدُوْبِ کس کے اندر؟ مندوب میں۔

اچھا، بھئی دیکھیے بحث چل رہی ہے منادیٰ کی، منادیٰ کی، اور درمیان میں صاحبِ کافیہ اب مندوب کا ذکر فرما رہے ہیں حالانکہ صاحبِ کافیہ کے نزدیک مندوب منادیٰ میں داخل نہیں، کیونکہ منادیٰ کسے کہتے ہیں جس کی توجہ مطلوب ہوتی ہے اور مندوب پر تو رویا جا رہا ہے اس کا انتقال ہو چکا ہے وہاں اس کی توجہ مطلوب نہیں ہے بھئی۔ تو صاحبِ کافیہ کے نزدیک مندوب منادیٰ کے اندر داخل نہیں، باقی نحویوں کے نزدیک مندوب بھی کیا ہے؟ منادیٰ کے اندر داخل ہے، حقیقتاً تو اس کی توجہ نہیں مطلوب لیکن حکماً اس کی توجہ جو ہے وہ مطلوب ہے، تو باقیوں کے نزدیک مندوب بھی منادیٰ ہے لیکن صاحبِ کافیہ کے نزدیک مندوب منادیٰ نہیں۔ تو اب منادیٰ کی بحث چل رہی ہے ختم ہونے والی ہے اور آخر میں صاحبِ کافیہ نے منادیٰ کی بحث کے اندر ہی مندوب کو بھی ذکر کر دیا، تو اشکال ہوتا ہے کہ اے صاحبِ کافیہ آپ کے نزدیک تو مندوب منادیٰ میں داخل ہی نہیں تو اس کی بحث میں اس کو کیوں ذکر فرما رہے ہیں؟ تو وجہ یہ، وجہ یہ کہ چونکہ مندوب بہت سے احکام کے اندر منادیٰ کی طرح ہے، مندوب بہت سے احکام میں منادیٰ کی طرح ہے، اس وجہ سے صاحبِ کافیہ نے یہاں پر اس کو ذکر کر دیا اگرچہ یہ منادیٰ کے اندر داخل نہیں۔ یا یوں کہیں اس وجہ سے کہ مندوب کے اندر چونکہ يَا استعمال ہوتی ہے جو ندا کا صیغہ ہے، جو ندا کا صیغہ ہے تو جب منادیٰ کی بحث آئی تو صاحبِ کافیہ کو یہ بھی بتانا پڑا کہ مندوب کے لیے بھی یہ يَا استعمال ہوتی ہے اور جب یہ بتانا پڑا تو جب مندوب کی بات آگئی تو انہوں نے پھر اس کی تفصیل بھی یہیں بیان کر دی بھئی۔ بات سمجھ میں آگئی؟ گویا ان کا مقصد یہاں مندوب کو لانا نہیں تھا لیکن چونکہ مندوب کا ذکر آگیا تو ساتھ ہی پھر اس کی تفصیل بھی انہوں نے بیان کر دی۔ بات سمجھ میں آگئی۔

تو کہتے ہیں لِأَنَّهُ لَا يَدْخُلُ عَلَيْهِ سِوَاهَا اس لیے کیونکہ مندوب پر داخل نہیں ہوتا سِوَاهَا اس یَا کے علاوہ، یَا کے علاوہ اور کوئی صیغہ ندا مندوب پر داخل نہیں ہوتا۔ بھئی کیوں نہیں باقی صیغے کیوں نہیں داخل ہوتے اور صرف یہی صیغہ کیوں داخل ہوتا ہے؟ کہتے ہیں لِكَوْنِهَا أَشْهَرَ صِيَغِهَا اس لیے کیونکہ یہ جو یَا ہے یہ ندا کے صیغوں میں سب سے مشہور یہی صیغہ ہے۔ فَكَانَتْ أَوْلٰى لہٰذا یہ زیادہ لائق ہے بِأَنْ يُتَوَسَّعَ فِيْهَا کہ اس کے اندر وسعت کی جائے، ندا کے صیغوں میں سب سے مشہور یَا ہے لہٰذا یہی اس لائق تھا کہ اس میں وسعت کی جائے اور غیرِ منادیٰ یعنی مندوب کے لیے بھی اس کو استعمال کر لیا جائے۔ تو فَكَانَتْ أَوْلٰى بِأَنْ يُتَوَسَّعَ فِيْهَا تو یہ زیادہ لائق تھا کہ اس کے اندر وسعت کی جائے بِاسْتِعْمَالِهَا فِيْ غَيْرِ الْمُنَادٰى بایں صورت کہ اس کو استعمال کیا جائے غیرِ منادیٰ میں۔ بات سمجھ میں آگئی؟ وسعت کی صورت بیان کر رہے ہیں نا کہ اس میں وسعت کی جائے بایں صورت کہ اس کو غیرِ منادیٰ کے لیے بھی استعمال کیا جائے۔

وَالْمَنْدُوْبُ فِي اللُّغَةِ اور مندوب جو ہے عربی زبان کے اندر مَيِّتٌ يُّبْكِيْ عَلَيْهِ أَحَدٌ وہ میت ہے جس پر کوئی روئے، وَيَعُدُّ مَحَاسِنَهُ اور اس کی خوبیاں شمار کرے لِيَعْلَمَ النَّاسُ تاکہ لوگ جان لیں أَنَّ مَوْتَهُ أَمْرٌ عَظِيْمٌ کہ اس کی موت جو ہے وہ ایک بڑا عظیم امر ہے، ایک بڑی عظیم بات ہے، لِيُعْذِرُوْهُ فِي الْبُكَاءِ تاکہ وہ اس کو معذور سمجھیں رونے میں، ورنہ تو لوگ کہیں گے بھئی یہ کیوں رو رہا ہے بھئی، لیکن جب وہ اس کی خوبیاں شمار کرواتا ہے پتہ چلتا ہے کوئی بڑا آدمی مرا ہے لہٰذا لوگ سمجھتے ہیں کہ یہ رونے کے اندر معذور ہے واقعی یہ شخص اس لائق تھا کہ اس پر رویا جائے بھئی۔ تو کہتے ہیں لِيُعْذِرُوْهُ، أَعْذَرَ يُعْذِرُ بھئی بابِ افعال سے پڑھیں اس کو، لِيُعْذِرُوْهُ فِي الْبُكَاءِ تاکہ لوگ اس کو معذور سمجھیں رونے میں، وَيُشَارِكُوْهُ فِي التَّفَجُّعِ اور اس کے ساتھ لوگ شریک ہو جائیں درد مند ہونے میں غمزدہ ہونے میں۔

وَفِي الْاِصْطِلَاحِ اور اصطلاح کے اندر هُوَ الْمُتَفَجَّعُ عَلَيْهِ مندوب جو ہے وہ مُتَفَجَّع عَلَيْه ہے یعنی جس پر درد مند ہوا جا رہا ہے، بھئی ندبت کا معنی ہے رونا تَفَجُّع کا معنی ہے دکھی ہونا درد مند ہونا، تو کہتے ہیں اصطلاح کے اندر هُوَ الْمُتَفَجَّعُ عَلَيْهِ مندوب وہ ہے کہ جس کی وجہ سے درد مند ہوا جائے، جس کی وجہ سے درد مند اور دکھی ہوا جائے، وُجُوْدًا أَوْ عَدَمًا باعتبار وجود کے یعنی اس کے ہونے کے، أَوْ عَدَمًا یا اس کے نہ ہونے کے، بِيَا أَوْ وَا، يَا یا وَا کے ساتھ۔ یہ تعریف کا حصہ ہے بِيَا أَوْ وَا۔ کسی پر ویسے کوئی اظہارِ غم کرے یَا اور وَا کے بغیر اس کو مندوب نہیں کہیں گے بھئی۔ مندوب کسے کہتے ہیں؟ جس پر یَا اور وَا کے ساتھ اظہارِ غم کیا، يَا زَيْدُ یہ زید مندوب ہے، ویسے آپ کہتے ہیں بھئی زید کے مرنے پہ مجھے بڑا افسوس ہو رہا ہے، نہیں اس کو مندوب نہیں کہیں گے بھئی۔ تو مندوب وہ ہے کہ جس پر دکھی ہوا جائے یَا یا وَا کے ساتھ۔

بھئی دیکھو متن میں آیا تھا هُوَ الْمُتَفَجَّعُ عَلَيْهِ، صاحبِ جامی نے آگے فرمایا وُجُوْدًا أَوْ عَدَمًا۔ یہ دراصل ایک اعتراض کا جواب دینا چاہتے ہیں، میں نے بتایا تھا کہ کافیہ کی ایک اور بڑی عظیم شرح بھی ہے جس کے مصنف رضی ہیں بھئی، تو شرحِ کافیہ للرضی کے نام سے وہ مشہور ہے بھئی، تو علامہ رضی نے یہاں پر اشکال کیا ہے اشکال، کہ بھئی جس پر انسان روتا ہے

جس پر دکھی ہوتا ہے وہ دو قسم کے ہیں، بعض اوقات ایک چیز کے نہ ہونے پر انسان دکھی ہوتا ہے اور بعض اوقات ایک چیز کے ہونے پر دکھی ہوتا ہے۔ لیکن یہ جو تعریف کی صاحبِ کافیہ نے، اعتراض کر رہے ہیں علامہ رضی، یہ تعریف جو ہے مُتَفَجَّع عَلَيْه عدماً کو تو شامل ہے وجوداً کو شامل نہیں۔ یہ تعریف مُتَفَجَّع عَلَيْه عدماً یعنی جس کے نہ ہونے پر دکھی ہے انسان جو مر چکا ہے اس کو تو یہ تعریف شامل ہے لیکن مُتَفَجَّع عَلَيْه وجوداً کو یہ تعریف شامل نہیں، جس چیز کے ہونے پر انسان دکھی اور غمزدہ ہو اس کو شامل نہیں جیسے يَا مُصِيْبَتَاهْ مصیبت کے ہونے پر انسان دکھی ہے تو یہ تعریف اس کو شامل نہیں۔ کیوں بھئی اس کو کیوں نہیں شامل اور صرف عدماً کو کیوں شامل ہے؟ تو یاد رکھنا، میں نے آپ کو بتایا تھا کہ یہ جو فعل کے ساتھ جو حروفِ جارہ استعمال ہوتے ہیں وہ ان کا صلہ کہلاتے ہیں۔ کیا کہلاتے ہیں؟ صلہ، صاد کے ساتھ ہے۔ تو یہاں پر دیکھو مُتَفَجَّع کے ساتھ عَلٰی استعمال ہو رہا ہے، عَلَيْهِ، عَلٰی۔ عَلٰی حرفِ جر ہے تو اس کے ساتھ عَلٰی استعمال ہوا۔ تو یاد رکھو جب کسی چیز کے نہ ہونے پر، نہ ہونے پر رویا جائے دکھی ہو کوئی انسان، تو اس کے لیے عربی میں مُتَفَجَّع کے ساتھ عَلٰی کا صلہ استعمال کرتے ہیں، تو وہ مُتَفَجَّع عَلَيْه ہے۔ وہ کیا ہے؟ مُتَفَجَّع عَلَيْه کون ہے؟ جس کے نہ ہونے پر دکھی ہو انسان۔ اور جس کے ہونے پر دکھی ہو اس کے لیے عربی میں مِنْ کا صلہ استعمال کرتے ہیں، تو مصیبت وہ مُتَفَجَّع عَلَيْه نہیں ہے وہ مُتَفَجَّع مِنْهُ ہے بھئی۔ مِنْ سببیہ ہے، اَلْمُتَفَجَّعُ مِنْهُ أَيْ مِنْ سَبَبِهِ۔ یعنی اس کے سبب سے کیا ہے؟ درد مند ہے دکھی ہے۔

تو لہٰذا جو کسی کے نہ ہونے پر کوئی دکھی ہو تو اس کے لیے عربی میں کیا لفظ بولتے ہیں؟ مُتَفَجَّع عَلَيْه۔ اور کسی چیز کے ہونے پر دکھی ہو تو اس کے لیے کیا لفظ بولتے ہیں؟ مُتَفَجَّع مِنْهُ بولتے ہیں۔ تو یہاں تو مُتَفَجَّع عَلَيْهِ آیا، معلوم ہوا کسی چیز کے نہ ہونے پر کوئی دکھی ہے، کسی کے مرنے پر کوئی دکھی ہے، اور کسی کے ہونے پر بھی تو دکھی ہوتا ہے انسان جیسے مصیبت کے ہونے پر دکھی ہے، تو یہ تعریف تو اس کو شامل نہیں۔

صاحبِ جامی نے اس کا جواب دے دیا کہ مُتَفَجَّع عَلَيْه عام ہے چاہے وُجُوْدًا ہو یا عَدَمًا ہو۔ کس طرح جواب ہے؟ صاحبِ جامی دراصل بتلانا یہ چاہتے ہیں کہ یہ جو مُتَفَجَّع کے ساتھ عَلَيْهِ آیا، کیا آیا؟ یہ عَلَيْهِ جو آیا ہے یہ اس کا صلہ نہیں ہے۔ اگر اس عَلَيْهِ کو صلہ بنا دو کس کا؟ مُتَفَجَّع کا، تو پھر اس صورت میں واقعی مُتَفَجَّع عَلَيْه عَدَمًا کو تو شامل ہوگا وُجُوْدًا کو شامل نہیں۔ لیکن یہ اس کا صلہ نہیں ہے، بلکہ یہاں عَلٰی بمعنی لام کے ہے، وہ لام جو اجلیہ ہوتا ہے کوئی سبب بیان کرنے کے لیے آتا ہے۔ تو یہ عَلٰی کس معنی میں ہوا؟ لام کے معنی میں، لامِ اجلیہ کے معنی میں ہوا۔ تو دیکھو معنی کیا بن گیا: وَهُوَ الْمُتَفَجَّعُ عَلَيْهِ أَيْ لَهُ، عَلٰی کی جگہ کیا لے آؤ؟ لام لے آؤ، مندوب وہ ہے کہ درد مند ہوا جائے لَهُ أَيْ لِأَجْلِهِ اس کی وجہ سے۔ درد مند ہوا جائے اس کی وجہ سے، اب سارا اشکال ختم ہوا۔ دیکھو کسی کے ہونے کی وجہ سے درد مند ہوتا ہے اور کسی کے نہ ہونے کی وجہ سے درد مند ہوتا ہے، یا سبب کا لفظ لے آؤ، کسی چیز کے ہونے کے سبب سے درد مند ہوتا ہے اور کسی چیز کے نہ

ہونے کے سبب سے، تو یہ لام جو ہے اجلیہ ہے یعنی سبب اور علت کا معنی بیان کر رہا ہے۔ تو یہ عَلٰی صلہ نہیں ہے مُتَفَجَّع کا، بلکہ یہ لام کے معنی میں ہے کہ مندوب کسے کہتے ہیں؟ بات سمجھ بھی آئی کہ نہیں؟ مندوب کسے کہتے ہیں؟ وَهُوَ الْمُتَفَجَّعُ عَلَيْهِ بِيَا أَوْ وَا مندوب وہ ہے کہ درد مند ہوا جائے عَلَيْهِ أَيْ لَهُ اس کی وجہ سے، درد مند ہوا جائے اس کی وجہ سے یَا اور وَا کے ساتھ۔

تو معلوم ہوا جب یہ عَلٰی یہ اس کا صلہ ہی نہیں ہے، اگر یہ اس کا صلہ ہوتا تو پھر اشکال ہونا تھا کہ یہ مُتَفَجَّع عَلَيْه کو شامل ہے مُتَفَجَّع مِنْهُ کو شامل نہیں، لیکن بتلا دیا کہ یہ اس کا صلہ ہے ہی نہیں یہ عَلٰی لام کے معنی میں ہے، یہ سبب بیان کرنے کے لیے یہاں ذکر کیا گیا ہے، اور سبب کے اعتبار سے تو پھر وہ وُجُوْدًا والے مُتَفَجَّع عَلَيْه بھی اس میں داخل اور عَدَمًا والے بھی اس میں داخل ہیں۔ تقریر سمجھ میں آگئی؟

یا دوسرا جواب یہ دیا جا سکتا ہے کہ اس کے اندر مُتَفَجَّع عَلَيْه عَدَمًا بھی داخل ہے، عَدَمًا تو داخل ہے ہی یہ بات تو واضح ہے، وُجُوْدًا بھی داخل ہے لیکن وہ مجازاً داخل ہے۔ ایک ہوتی ہے ایک حقیقت اور ایک ہے مجاز بھئی۔ تو مُتَفَجَّع عَلَيْه جو بھی ہو چاہے حقیقتاً ہو چاہے مجازاً ہو بھئی۔ مُتَفَجَّع عَلَيْه حقیقتاً کون سا ہے؟ جس کے نہ ہونے کی وجہ سے دکھی ہے یعنی میت ہے، مر چکا ہے۔ اور مُتَفَجَّع عَلَيْه وُجُوْدًا کیا ہے؟ جس کے ہونے کے سبب سے غمزدہ ہے۔ تو مُتَفَجَّع عَلَيْه عَدَمًا وہ حقیقتاً مُتَفَجَّع عَلَيْه ہے، اور مُتَفَجَّع عَلَيْه وُجُوْدًا وہ مجازاً مُتَفَجَّع عَلَيْه ہے حقیقتاً تو وہ نہیں ہے۔ تو دو جواب ہو گئے بھئی۔ ایک جواب کیا کہ یہ عَلٰی کو صلہ نہ بنائیں مُتَفَجَّع کا بلکہ یہ عَلٰی بمعنی لام کے ہے اور لام کس معنی میں ہے؟ لام کون سا ہے؟ اجلیہ ہے بھئی جو سبب بیان کرتا ہے۔ یا مُتَفَجَّع عَلَيْه وُجُوْدًا اس کے اندر داخل ہے کیونکہ وہ بھی مجازاً مُتَفَجَّع عَلَيْه ہے حقیقتاً تو نہیں لیکن مجازاً ہے بھئی۔

تو کہتے ہیں وَفِي الْاِصْطِلَاحِ اور اصطلاح کے اندر یعنی علمائے نحو کی اصطلاح میں هُوَ الْمُتَفَجَّعُ عَلَيْهِ وُجُوْدًا أَوْ عَدَمًا مندوب جو ہے وہ ہے جس کی وجہ سے درد مند ہوا جائے وُجُوْدًا باعتبار اس کے ہونے کے، أَوْ عَدَمًا یا اس کے نہ ہونے کے، بِيَا أَوْ وَا، یَا یا وَا کے ساتھ۔ فَالْمُتَفَجَّعُ عَلَيْهِ عَدَمًا پس مُتَفَجَّع عَلَيْه عَدَمًا جو ہے مَا يُتَفَجَّعُ عَلٰى عَدَمِهِ وہ ہے کہ درد مند ہوا جائے دکھی ہوا جائے عَلٰى عَدَمِهِ اس کے نہ ہونے پر، كَالْمَيِّتِ الَّذِيْ يَبْكِيْ عَلَيْهِ النَّادِبُ جیسے کہ وہ میت ہے جس کے اوپر ندبت کرنے والا رو رہا ہے، جس پر ندبت کرنے والا روتا ہے۔ وَالْمُتَفَجَّعُ عَلَيْهِ وُجُوْدًا اور مُتَفَجَّع عَلَيْه وُجُوْدًا جو ہے مَا يُتَفَجَّعُ عَلٰى وُجُوْدِهِ وہ ہے کہ جس پر دکھی ہوا جائے عَلٰى وُجُوْدِهِ اس کے وجود پر، دکھی ہوا جائے اس کے وجود پر یعنی اس کے ہونے پر۔

بھئی دیکھیے بھئی ادھر دیکھیے، یہ دونوں چیزیں ہوں گی اکٹھی ہی بھئی۔ دیکھو میت کے نہ ہونے پر دکھی ہے اور مصیبت کے ہونے پر دکھی ہے لیکن دونوں چیزیں اکٹھی ہیں۔ یہ مصیبت کیوں ہے؟ میت کے نہ ہونے کی وجہ سے ہی تو ہے۔ بات

سمجھ میں آگئی؟ اور یہ حسرت کیوں ہے؟ میت کے نہ ہونے کی وجہ سے ہی تو حسرت اور افسوس ہے۔ یا وَا وَيْلَاهْ یہ ہلاکت اور بربادی کیوں ہے؟ میت کے نہ ہونے کی وجہ سے ہی تو یہ بربادی ہے۔ تو اسی وقت میت کا نہ ہونا یعنی مُتَفَجَّع عَلَيْه عَدَمًا بھی وہیں ہوگا اور مُتَفَجَّع عَلَيْه وُجُوْدًا بھی وہیں ہوگا۔ تو کہتے ہیں وَالْمُتَفَجَّعُ عَلَيْهِ وُجُوْدًا اور مُتَفَجَّع عَلَيْه وُجُوْدًا جو ہے مَا يُتَفَجَّعُ عَلٰى وُجُوْدِهٖ کہ دکھی ہوا جائے اس کے وجود پر عِنْدَ فَقْدِ الْمُتَفَجَّعِ عَلَيْهِ، فَقْد، فَقْد کا معنی ہے نہ ہونا، مَفْقُوْد کسے کہتے ہیں؟ مفقود وہ چیز جو نہ پائی جائے گی ہوئی ہے مفقود ہے۔ تو عِنْدَ فَقْدِ الْمُتَفَجَّعِ عَلَيْهِ عَدَمًا جس وقت مُتَفَجَّع عَلَيْه عَدَمًا نہ ہو بھئی۔ ترجمہ سمجھ میں آیا؟ پھر سنو، کہتے ہیں وَالْمُتَفَجَّعُ عَلَيْهِ وُجُوْدًا، مُتَفَجَّع عَلَيْه وُجُوْدًا کسے کہتے ہیں اب اس کی تفصیل بیان کر رہے ہیں یعنی جس کے ہونے کی وجہ سے درد مند ہیں وہ کیا چیز ہے؟ کہتے ہیں مَا وہ چیز يُتَفَجَّعُ عَلٰى وُجُوْدِهٖ کہ جس کے ہونے پر جو ہے غمزدہ ہیں عِنْدَ فَقْدِ الْمُتَفَجَّعِ عَلَيْهِ عَدَمًا جس وقت مُتَفَجَّع عَلَيْه عَدَمًا نہ ہو بھئی۔ میت کیا ہے؟ مُتَفَجَّع عَلَيْه عَدَمًا ہے، اس کے نہ ہونے کی وجہ سے جو مصیبت، حسرت اور افسوس موجود ہے وہ ہے مُتَفَجَّع عَلَيْه وُجُوْدًا بھئی۔ كَالْمُصِيْبَةِ جیسے کہ مصیبت ہے وَالْحَسْرَةِ اور افسوس ہے وَالْوَيْلِ اور ہلاکت اور سختی ہے، ویل یہاں سختی کے معنی میں کر لیں مشکل اور سختی ہے، وَالْوَيْلِ اللَّاحِقَةِ لِلنَّادِبِ جیسے کہ وہ مصیبت، حسرت اور وہ سختی اللَّاحِقَةِ لِلنَّادِبِ جو ملی ہوئی ہے کس کے ساتھ؟ ندبت کرنے والے کے ساتھ۔ ایک شخص کا انتقال ہو گیا تو اس شخص کے نہ ہونے کی وجہ سے اب مصیبت اور حسرت اور افسوس اور سختی ملی ہوئی ہے کس کے ساتھ؟ نَادِب یعنی ندبت کرنے والے کے ساتھ۔ یہ معنی ہے كَالْمُصِيْبَةِ وَالْحَسْرَةِ وَالْوَيْلِ اللَّاحِقَةِ لِلنَّادِبِ جیسے کہ وہ مصیبت، حسرت اور سختی جو مل گئی ہے جڑ گئی ہے ندبت کرنے والے کے ساتھ لِفَقْدِ الْمَيِّتِ میت کے نہ ہونے کی وجہ سے۔ فَالْحَدُّ شَامِلٌ لِقِسْمَيِ الْمَنْدُوْبِ تو یہ تعریف شامل ہے مندوب کی دونوں قسموں کو، مِثْلُ يَا زَيْدَاهْ وَيَا عَمْرَاهْ دیکھا یہ مُتَفَجَّع عَلَيْه عَدَمًا ہیں، يَا زَيْدَاهْ اور يَا عَمْرَاهْ، وَمِثْلُ يَا حَسْرَتَاهْ وَيَا مُصِيْبَتَاهْ وَيَا وَيْلَاهْ یہ مُتَفَجَّع عَلَيْه وُجُوْدًا ہیں بھئی۔

آگے دیکھیے: وَاخْتُصَّ الْمَنْدُوْبُ بِوَا اور مندوب خاص ہے وَا کے ساتھ۔ وَاخْتُصَّ الْمَنْدُوْبُ بِوَا اور مندوب خاص ہے وَا کے ساتھ، کس کے ساتھ؟ مُمتَازًا بِهٖ عَنِ الْمُنَادٰى اس حال میں کہ اس وَا کی وجہ سے وہ ممتاز ہے منادیٰ سے۔ وہ خاص ہے منادیٰ کے ساتھ، بھئی وَا صرف مندوب کے ساتھ خاص ہے، اور اسی کے ساتھ مندوب ممتاز ہے کس سے؟ منادیٰ سے کیونکہ يَا جو مندوب کے ساتھ استعمال ہو رہی ہے وہ تو منادیٰ کے ساتھ بھی استعمال ہو رہی ہے لیکن وہ جو وَا مندوب کے ساتھ استعمال ہو رہا ہے وہ منادیٰ کے ساتھ استعمال نہیں ہوتا، تو مندوب خاص ہے ممتاز ہے کس سے؟ منادیٰ سے، کس کے ساتھ؟ وَا کے ساتھ۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو کہتے ہیں وَاخْتُصَّ الْمَنْدُوْبُ بِوَا مُمتَازًا بِهٖ عَنِ الْمُنَادٰى اور مندوب خاص ہے وَا کے ساتھ مُمتَازًا بِهٖ عَنِ الْمُنَادٰى اس حال میں کہ مندوب جو ہے وہ ممتاز ہے اس وَا کی وجہ سے عَنِ الْمُنَادٰى کس سے؟ منادیٰ سے ممتاز ہے لِعَدَمِ دُخُوْلِهٖ عَلَيْهِ اس لیے کیونکہ یہ وَا منادیٰ پر داخل نہیں ہوتا، بِخِلَافِ يَا بخلاف يَا کے فَإِنَّهٗ مُشْتَرِكٌ بَيْنَهُمَا اس لیے کیونکہ يَا تو دونوں میں مشترک ہے بھئی، وہ مندوب کے لیے بھی استعمال ہوتی ہے اور منادیٰ

کے لیے بھی۔

بات سمجھ میں آگئی؟ اب ذرا یہ عبارت سمجھ لیں: وَاخْتُصَّ الْمَنْدُوْبُ بِوَا۔ اِخْتَصَّ یَخْتَصُّ یہ فعل میں پہلے بھی بتلا چکا ہوں یہ فعلِ لازم بھی استعمال ہوتا ہے اور فعلِ متعدی بھی۔ تو اِخْتَصَّ الْمَنْدُوْبُ بھی آپ پڑھ سکتے ہیں فعلِ معروف پڑھ لیں اور مندوب کو فاعل بنا دیں، اور آپ چاہیں تو اس کو فعلِ متعدی بنا دیں اور اس صورت میں پھر مجہول پڑھیں اور مندوب کو نائب فاعل بنائیں وَاخْتُصَّ الْمَنْدُوْبُ بِوَا۔

یاد رکھو یہ جو آگے وَا کے ساتھ صاحبِ جامی نے مُمْتَازًا بِهٖ نکالا یہ حال ہے۔ یہ دراصل بتلانا یہ چاہتے ہیں، توجہ سے سنو، بتلانا یہ چاہتے ہیں کہ یہ جو اُخْتُصَّ فعل آیا یہاں پر تضمین ہے، تضمین ہے فعلِ امتیاز کی، یعنی اس کے اندر امتیاز والا فعل بھی ملحوظ ہے اس کے اندر۔ یہ جو اختصاص والا فعل یہاں آیا اس کے اندر امتیاز کا فعل بھی ملحوظ ہے اس کے اندر۔ بھئی عربی زبان میں یوں کرتے ہیں بعض اوقات ایک فعل کے اندر دوسرے فعل کا معنی ملحوظ ہوتا ہے، ایک فعل کے اندر دوسرے فعل کا معنی ملحوظ ہوتا ہے اس کو کہتے ہیں تضمین یعنی ایک فعل کے ضمن میں دوسرا فعل کو لایا گیا ہے۔ تو یہاں اُخْتُصَّ کے ضمن میں کس کو لایا گیا؟ اِمْتَازَ اِمْتَازَ یَمْتَازُ اِمْتِیَازًا، تو اس کے اندر اِمْتَازَ والا فعل بھی ملحوظ ہے، اور اس پر آگے آنے والا صلہ دلالت کرتا ہے جیسے یہاں یہ با ہے با حرفِ جر، یہ با حرفِ جر بتلا رہی ہے کہ یہاں پر اِمْتَازَ کا فعل اس کا معنی بھی ملحوظ ہے، اس کا معنی بھی ملحوظ ہے۔

یاد رکھو جب ایک فعل کے اندر دوسرے فعل کا معنی ملحوظ ہو تو یہ معنی نہیں کہ پہلے فعل کا معنی بالکل چھوڑ ہی دیا۔ پہلے فعل کا معنی چھوڑ ہی دیا اور اس کو دوسرے فعل کے معنی میں استعمال کر لیا، پھر تو یہ مجاز بن جائے گا بھئی۔ جیسے شیر جنگلی درندے کے لیے وضع ہے لیکن جنگلی درندے کو چھوڑ کر میں شیر کا لفظ کس کے لیے استعمال کر لوں؟ بہادر آدمی کے لیے، یہ تو پھر مجاز بن جائے گا۔ تضمین میں ایسا نہیں ہوتا مجاز نہیں ہے، فعل کا اپنا معنی بھی ملحوظ ہوتا ہے، اختصاص کا اپنا معنی بھی یہاں ملحوظ ہے اور امتیاز والا معنی بھی یہاں ملحوظ ہے اور اس پر آگے آنے والا یہ جو صلہ ہے با یہ دلالت کر رہا ہے، کیونکہ یہ صلہ کس کے ساتھ آتا ہے؟ امتیاز کے ساتھ آتا ہے، امتیاز کے ساتھ یہ با استعمال ہوتا ہے۔ تو جہاں پر اس طرح کی عبارت آئے یاد رکھنا آپ کو یہ کام آئے گا بہت جگہ بھئی، جہاں تضمین ہوتی ہے تو تضمین کی جب شارحین تفسیر کرتے ہیں تو دوسرے فعل کو آگے حال بنا کر لے آتے ہیں، جیسے یہاں دیکھو مُمْتَازًا بِهٖ دیکھو اس کو حال بنا کر لے آئے، کیا لے آئے؟ حال بنا کر لے آئے، اس سے پتہ چلا کہ اُخْتُصَّ کے اندر امتیاز والا معنی بھی ملحوظ ہے آگے اسی سے حال بنا کر لے آئے اسمِ فاعل یا اسمِ مفعول کو لے آتے ہیں۔ یا پھر کبھی کبھار عطف کے ساتھ اس کو بیان کرتے ہیں، صاحبِ جامی نے تو کیسے کہا وَاخْتُصَّ الْمَنْدُوْبُ بِوَا مُمْتَازًا بِهٖ اس حال میں کہ مندوب ممتاز ہے کس کے ساتھ؟ وَا کے ساتھ، مندوب ممتاز ہے یعنی جدا ہے کس سے؟ منادیٰ سے، منادیٰ میں وَا نہیں لیکن مندوب میں وَا ہے تو مندوب ممتاز ہے کس سے؟ منادیٰ سے

کس کے ساتھ؟ اس وَا کے ساتھ۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو یہ جو مُمْتَازًا بِهٖ یہ جو حال آیا اس نے آپ کو کیا بتلایا کہ اُخْتُصَّ کے اندر تضمین ہے، اُخْتُصَّ میں تضمین ہے۔ تو ایک طریقہ یہ ہے کہ دوسرے فعل کو آگے حال بنا کر لے آتے ہیں، دوسرا طریقہ یہ ہے جب تضمین بیان کرنی ہو کہ عطف کے ساتھ بیان کرتے ہیں وہ دوسرے فعل کو بھی عطف کے ساتھ لے آتے ہیں، یوں کہیں گے وَاخْتُصَّ وَامْتَازَ الْمَنْدُوْبُ بِوَا۔ وَاخْتُصَّ وَامْتَازَ الْمَنْدُوْبُ بِوَا، دیکھا طریقہ سمجھ میں آیا؟ وَاخْتُصَّ وَامْتَازَ بِوَا۔ تو اس طرح عبارت لے آتے ہیں تو اس طرح پتہ چل جاتا ہے کہ یہاں تضمین ہے۔

اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہاں تضمین کی کیا ضرورت ہے؟ اِخْتَصَّ کے ساتھ بھی با استعمال ہوتا ہے۔ آپ نے ہمیں کیا کہا تضمین کا پتہ کس سے چلتا ہے؟ صلے سے، یہ بات بتلایا کہ اُخْتُصَّ کے اندر کون سا معنی ملحوظ ہے؟ اِمْتَازَ، امتیاز کا معنی بھی اس کے اندر ملحوظ ہے۔ بھئی اُخْتُصَّ کے ساتھ تو خود بھی با استعمال ہوتی ہے، اُخْتُصَّ کے ساتھ خود بھی با استعمال ہوتی ہے، پھر کیا ضرورت ہے یہ کہنے کی کہ اس کے اندر تضمین ہے اور امتیاز کا معنی ملحوظ ہے اور آگے آنے والی با اس پر دلالت کر رہی ہے؟ تو یاد رکھنا وجہ یہ کہ اُخْتُصَّ کے ساتھ جب با آتی ہے تو وہ با مقصورٌ علیہ پر داخل ہوتی ہے مقصور پر نہیں داخل ہوتی، اور یہاں یہ مقصور پر داخل ہے۔ ادھر دیکھیے ایک ہے مندوب ایک ہے وَا۔ مندوب خاص ہے وَا کے ساتھ یا وَا خاص ہے مندوب کے ساتھ؟ وَا خاص ہے مندوب کے ساتھ وہ منادیٰ میں استعمال نہیں ہوتی، مندوب وَا کے ساتھ خاص نہیں ہے مندوب کے اندر تو یَا بھی استعمال ہوتی ہے۔ تو کون کس کے ساتھ خاص ہے؟ وَا خاص ہے مندوب کے ساتھ۔ معلوم ہوا بند کس کو کیا گیا؟ وَا کو کس کے اندر؟ مندوب کے اندر۔ معلوم ہوا وَا ہے مقصور اس کو بند کیا گیا ہے، قصر صاد کے ساتھ ہے مقصور، اور مندوب ہے مقصورٌ علیہ۔ کس کو بند کیا؟ وَا کو کس میں؟ مندوب میں، تو وَا کیا ہوئی؟ مقصور، اور مندوب کیا ہوا؟ مقصورٌ علیہ۔ اور یہ با کس پر داخل ہوتی ہے؟ مقصورٌ علیہ پر، کس پر؟ مقصورٌ علیہ پر، لیکن یہاں تو یہ وَا پر داخل ہے اور وَا تو مقصور ہے۔ وَا تو مقصور ہے، عبارت اگر یوں ہوتی نا وَاخْتُصَّ وَا بِالْمَنْدُوْبِ، وَاخْتُصَّ وَا بِالْمَنْدُوْبِ، وَا خاص ہے مندوب کے ساتھ، پھر تو عبارت پر کوئی اشکال ہی نہیں تھا پھر تضمین کی ضرورت ہی نہیں تھی، لیکن یہاں پر با کو کس پر داخل کیا گیا؟ مقصور پر داخل کر دیا گیا حالانکہ جب اِخْتَصَّ کے ساتھ با آئے تو وہ ہمیشہ کس پر داخل ہوتی ہے؟ مقصورٌ علیہ پر داخل ہوتی ہے۔ لہٰذا اس وجہ سے اب یہاں پر یہ تاویل کرنا پڑی کہ یہاں تضمین ہے بھئی۔

یا یہ جواب بھی دیا جا سکتا ہے کہ یہاں قلب ہوا ہے، کیا ہوا ہے؟ قلب۔ عربی زبان میں کبھی قلب کیا جاتا ہے فاعل کو اٹھا کر مفعول کی جگہ لے جاتے ہیں اور مفعول کو اٹھا کر فاعل کی جگہ پر لے آتے ہیں وہاں کوئی نکتہ ملحوظ ہوتا ہے اس کی وجہ سے قلب کیا جاتا ہے۔ تو مقصورٌ علیہ کو اٹھا کر مقصور کی جگہ لے گئے اور مقصور کو اٹھا کر مقصورٌ علیہ کی جگہ لے گئے تو جس میں کوئی نکتہ ہو بھئی۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو قلب کی صورت میں بھی ایسا کیا جاتا ہے بھئی۔ تو بہرحال یہاں تضمین ہے بھئی۔

تو کہتے ہیں وَاخْتُصَّ الْمَنْدُوْبُ بِوَا اور خاص ہے مندوب وَا کے ساتھ مُمْتَازًا بِهِ عَنِ الْمُنَادٰی اس حال میں کہ مندوب جو ہے وہ ممتاز ہے اس وَا کی وجہ سے عَنِ الْمُنَادٰی کس سے؟ منادیٰ سے ممتاز ہے لِعَدَمِ دُخُوْلِهِ عَلَيْهِ اس لیے کیونکہ یہ وَا منادیٰ پر داخل نہیں ہوتا، بِخِلَافِ يَا بخلاف يَا کے فَإِنَّهُ مُشْتَرِكٌ بَيْنَهُمَا کیونکہ يَا تو دونوں کے درمیان مشترک ہے یعنی مندوب اور منادیٰ میں۔

وَحُكْمُهُ أَيْ حُكْمُ الْمَنْدُوْبِ فِي الْإِعْرَابِ وَالْبِنَاءِ حُكْمُ الْمُنَادٰی۔ وَحُكْمُهُ أَيْ حُكْمُ الْمَنْدُوْبِ، شارحِ جامی کیا بتلانا چاہتے ہیں؟ ضمیر کا مرجع بتلانا چاہتے ہیں کہ حُكْمُهُ کی ہا ضمیر کس کو راجع؟ مندوب کو۔ کہتے ہیں وَحُكْمُهُ أَيْ حُكْمُ الْمَنْدُوْبِ مندوب کا حکم جو ہے فِي الْإِعْرَابِ وَالْبِنَاءِ معرب اور مبنی ہونے میں حُكْمُ الْمُنَادٰی وہ منادیٰ کا حکم ہے۔ آگے صاحبِ جامی فرما رہے ہیں أَيْ مِثْلُ حُكْمِهِ، متن میں تو آیا تھا حُكْمُ الْمُنَادٰی اور شرح میں کیا فرمایا؟ أَيْ مِثْلُ حُكْمِهِ، ہا ضمیر کی جگہ ذرا منادیٰ لے آؤ: مِثْلُ حُكْمِ الْمُنَادٰی۔ متن میں کیا تھا؟ حُكْمُ الْمُنَادٰی، اور شرح میں کیا ہے؟ مِثْلُ حُكْمِ الْمُنَادٰی۔ تو یہ مِثْل کا لفظ درمیان میں شارحِ جامی نے بڑھا دیا، بتلانا یہ چاہتے ہیں کہ یہاں تشبیہِ بلیغ ہے۔ یہاں تشبیہِ بلیغ ہے۔ یاد رکھو بعض اوقات ایک چیز کو دوسری چیز کے ساتھ تشبیہ دی جاتی ہے، جیسے مثلاً میں کہتا ہوں زَيْدٌ كَالْأَسَدِ زید شیر جیسا ہے، تو زید ہوا مشبہ اور کاف ہوا حرفِ تشبیہ اور اسد ہوا مشبہ بہ جس کے ساتھ تشبیہ دی گئی۔ تو یہ عام تشبیہ ہے جس کے اندر کوئی نہ کوئی اداتِ تشبیہ استعمال ہوتے ہیں، کوئی ایسا لفظ جو تشبیہ پر دلالت کر رہا ہوتا ہے، جیسے زَيْدٌ كَالْأَسَدِ یہاں میں کاف لے کر آیا۔ لیکن کبھی کبھار ایسا کیا جاتا ہے کہ یہ اداتِ تشبیہ جو ہے یعنی حرفِ تشبیہ وغیرہ ہے اس کو ختم کر دیتے ہیں عبارت سے اور سیدھا مشبہ بہ کا حمل کر دیتے ہیں مشبہ پر اور یوں کہتے ہیں زَيْدٌ أَسَدٌ۔ زَيْدٌ أَسَدٌ زید شیر ہے، بھئی دیکھو ایک تھا زید شیر جیسا ہے، اس سے بھی پتہ چلا زید بڑا بہادر ہے، اور ایک یہ کہا زید شیر ہے دیکھو اس میں مبالغہ آگیا معلوم ہوا شیر جیسا نہیں خود ہی کیا ہے؟ شیر ہے بھئی۔ تو اس کو تشبیہِ بلیغ کہتے ہیں جس میں حرفِ تشبیہ اداتِ تشبیہ جو ہے اس کو حذف کر لیا جاتا ہے۔

تو یہاں پر بھی، یہاں پر بھی کیا کہا کہ مندوب کا حکم منادیٰ کا حکم ہے، صاحبِ جامی نے بتلایا کہ یہ تشبیہِ بلیغ ہے مندوب کا حکم منادیٰ کے حکم جیسا ہے بھئی، یہاں مِثْل کا لفظ محذوف ہے۔ وجہ یہ کہ ایک چیز کا حکم اسی کے ساتھ خاص ہوتا ہے دوسرے میں نہیں ہو سکتا۔ بھئی جو مندوب کا حکم ہے وہ تو مندوب کے ساتھ رہے گا، جو منادیٰ کا حکم ہے وہ منادیٰ کے ساتھ خاص رہے گا کیونکہ حکم اس کی صفت ہے، صفت تو موصوف سے جدا نہیں ہوتی۔ زید سخی آدمی ہے یہ سخاوت زید سے جدا نہیں ہو سکتی یہ سخاوت زید کی صفت ہے، بکر بھی اگر سخی ہے تو وہ اس کی اپنی الگ صفت ہے بھئی۔ تو صفت موصوف سے جدا نہیں ہو سکتی۔ تو لہٰذا جب کہا کہ جو مندوب کا حکم ہے وہ منادیٰ کا حکم ہے بھئی یہ کیسے ہو سکتا ہے مندوب کا حکم منادیٰ کا حکم؟ دونوں الگ الگ چیزیں ہیں تو بتلا دیا یہاں تشبیہ مقصود ہے کہ مندوب کا حکم منادیٰ کے حکم جیسا ہے بھئی۔

أَيْ مِثْلُ حُكْمِهِ يَعْنِيْ إِذَا وَقَعَ الْمَنْدُوْبُ عَلٰى صُوْرَةِ قِسْمٍ مِّنْ أَقْسَامِ الْمُنَادٰى، یعنی جب مندوب واقع ہو عَلٰى صُوْرَةِ قِسْمٍ مِّنْ أَقْسَامِ الْمُنَادٰى منادیٰ کی اقسام میں سے کسی قسم کی صورت پر جب مندوب واقع ہو۔ منادیٰ کی جو اقسام ہیں ان اقسام میں سے کسی قسم کی صورت پر کون واقع ہو جائے؟ مندوب، تو اس کا بھی وہی منادیٰ جیسا حکم ہوگا، منادیٰ والا حکم نہیں ہوگا منادیٰ کا تو اپنا حکم اس کے ساتھ ہے ہاں منادیٰ جیسا حکم ہوگا۔ تو کہتے ہیں يَعْنِيْ إِذَا وَقَعَ الْمَنْدُوْبُ عَلٰى صُوْرَةِ قِسْمٍ مِّنْ أَقْسَامِ الْمُنَادٰى ترجمہ سنو بھئی غور سے مشکل ہے، إِذَا وَقَعَ الْمَنْدُوْبُ جب مندوب واقع ہو عَلٰى صُوْرَةِ قِسْمٍ مِّنْ أَقْسَامِ الْمُنَادٰى ترجمہ آخر سے ہوگا: منادیٰ کی اقسام میں سے کسی قسم کی صورت پر جب مندوب واقع ہو، منادیٰ کی اقسام میں سے کسی قسم کی صورت پر جب مندوب واقع ہو، فَحُكْمُهُ فِي الْإِعْرَابِ وَالْبِنَاءِ مِثْلُ حُكْمِ ذٰلِكَ الْقِسْمِ مِنَ الْمُنَادٰى تو اس مندوب کا حکم معرب اور مبنی ہونے میں وہ مثل ہے اسی قسم، وہی جو قسم ہے منادیٰ کی اسی کے مثل اس کا حکم بھی ہوگا۔ كَمَا إِذَا كَانَ مُفْرَدًا مَّعْرِفَةً يُضَمُّ جیسے کہ مندوب جب مفرد معرفہ ہو تو يُضَمُّ تو وہ مضموم ہوگا، وَإِذَا كَانَ مُضَافًا أَوْ مُشَبَّهًا بِهِ يُنْصَبُ اور جیسے مندوب جو ہے اگر وہ مضاف یا مشابہِ مضاف ہوا تو يُنْصَبُ تو وہ منصوب ہوگا۔

وَلَا يَلْزَمُ مِنْ ذٰلِكَ، ادھر دیکھیے میں نے بتایا کہ نکرہ غیر معین بھی منادیٰ بنتا ہے، نکرہ غیر معین، لیکن نکرہ جو ہے وہ مندوب نہیں بنتا کیونکہ اس پر اظہارِ غم کیا جا رہا ہے رویا جا رہا ہے تو کوئی معلوم ہونا چاہیے غیر معلوم نہیں ہونا چاہیے، تو معلوم ہوا نکرہ غیر معینہ مندوب نہیں بنتا۔ صاحبِ جامی آپ کو آگے بتلائیں گے کہ صاحبِ کافیہ نے کیا کہا: مندوب کا حکم منادیٰ کی طرح ہے، اس سے اتنا تو پتہ چل گیا کہ مندوب کا بھی وہی حکم جو منادیٰ کا، لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ جتنی قسمیں منادیٰ کی ہوں گی وہ ساری قسمیں مندوب میں بھی پائی جائیں گی، کیونکہ ہم کیا کہا صاحبِ کافیہ نے کہ مندوب کا حکم منادیٰ جیسا ہے، مندوب کی قسمیں منادیٰ جیسی ہیں یہ تو صاحبِ کافیہ نے نہیں کہا۔ بات سمجھ میں آگئی؟

تو کہتے ہیں وَلَا يَلْزَمُ مِنْ ذٰلِكَ جَوَازُ وُقُوْعِهِ عَلٰى صُوْرَةِ جَمِيْعِ أَقْسَامِ الْمُنَادٰى اور اس سے یہ بات لازم نہیں آتی کہ جائز ہے مندوب کا واقع ہونا عَلٰى صُوْرَةِ جَمِيْعِ أَقْسَامِ الْمُنَادٰى منادیٰ کی تمام اقسام کی صورتوں پر۔ اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ مندوب جو ہے منادیٰ کی تمام اقسام کی صورتوں پر واقع ہوتا ہے، تمام اقسام کی صورتوں پر مندوب نہیں آتا بلکہ نکرہ غیر معینہ والی صورت اس سے خارج ہے بھئی، مندوب اس صورت پر نہیں آتا۔ تو کہتے ہیں وَلَا يَلْزَمُ مِنْ ذٰلِكَ جَوَازُ وُقُوْعِهِ اور اس سے لازم نہیں آتا کہ مندوب کا واقع ہونا جائز ہے عَلٰى صُوْرَةِ جَمِيْعِ أَقْسَامِ الْمُنَادٰى منادیٰ کی تمام اقسام کی صورتوں پر، لِيَرِدَ عَلَيْهِ تاکہ اس پر یہ اعتراض وارد ہو أَنَّهُ لَا يَقَعُ نَكِرَةً کہ مندوب تو نکرہ واقع نہیں ہوتا لِأَنَّهُ لَا يُنْدَبُ إِلَّا الْمَعْرِفَةُ اس لیے کیونکہ مندوب نہیں ہوتا مگر معرفہ ہی۔ کہتے ہیں یہ جو ماتن نے صاحبِ کافیہ نے کہا نا کہ مندوب کا وہی حکم ہے جو منادیٰ کا ہے، اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ مندوب کی وہ تمام صورتیں ہوں گی جو کس کے اندر تھیں؟ منادیٰ کے اندر، بلکہ مندوب منادیٰ

کی جس شکل پر بھی آئے گا، پہلے یہ دیکھیں گے کیا ایک چیز مندوب بن بھی سکتی ہے یا نہیں؟ جب ایک چیز مندوب بن سکتی ہے تو پھر اس کا حکم وہی ہوگا جو منادیٰ کا حکم تھا، لیکن اگر ایک نکرہ غیر معین ہے وہ تو مندوب بن ہی نہیں سکتا بھئی، تو وہ اشکال یہاں آپ نہیں کر سکتے بھئی۔ بات سمجھ میں آگئی؟ کہ آپ نے ہمیں کیا کہا؟ کہ مندوب کا وہی حکم ہے جو منادیٰ کا ہے، حالانکہ مندوب تو نکرہ غیر معین نہیں ہوتا اور منادیٰ تو نکرہ غیر معین ہوتا ہے، کہتے ہیں نہیں یہ اعتراض نہیں۔ حکم مندوب کا منادیٰ جیسا ہے، قسمیں منادیٰ جیسی ہونا ضروری نہیں۔ ہاں مندوب جب بھی جس شکل میں بھی آئے اس کا حکم منادیٰ کی وہی صورت دیکھ لی جائے اور اس کے مطابق وہ حکم اس پر لگا دیا جائے۔ عبارت بھی سمجھ میں آئی کہ نہیں؟ پھر دیکھیں: لِيُعْذَرَ عَلَيْهِ نہیں لِيَرِدَ عَلَيْهِ، تاکہ اس پر اعتراض ہو۔ اس کو جوڑیں وَلَا يَلْزَمُ جو پیچھے آیا، کہ یہ چیز لازم نہیں آتی کہ تاکہ پھر یہ اعتراض بھی ہو جائے۔ کون سی چیز لازم نہیں آتی؟ کہ مندوب منادیٰ کی تمام صورتوں پر آتا ہو یہ لازم نہیں آتا کہ لِيَرِدَ عَلَيْهِ کہ تاکہ اس پر پھر یہ اعتراض وارد ہو کہ أَنَّهُ لَا يَقَعُ نَكِرَةً کہ مندوب تو نکرہ واقع نہیں ہوتا۔ عبارت سمجھ میں آ گئی۔

آگے دیکھیے کہتے ہیں وَجَازَ لَكَ زِيَادَةُ الْأَلِفِ فِيْ آخِرِهِ أَيْ آخِرِ الْمَنْدُوْبِ اور آپ کے لیے جائز ہے الف کو زیادہ کرنا فِيْ آخِرِهِ أَيْ آخِرِ الْمَنْدُوْبِ مندوب کے آخر میں لِمَدِّ الصَّوْتِ الْمَطْلُوْبِ فِي النُّدْبَةِ، لِمَدِّ الصَّوْتِ مَدُّ کا معنی ہے لمبا کرنا کھینچنا، صَوْتٌ آواز کو کہتے ہیں، لِمَدِّ الصَّوْتِ الْمَطْلُوْبِ فِي النُّدْبَةِ تاکہ آواز لمبی ہو جائے جو کہ مطلوب ہوتی ہے ندبت میں۔ تاکہ آواز کیا ہو جائے؟ لمبی ہو جائے جو مطلوب ہوتی ہے ندبت میں کیونکہ ندبت کے اندر اظہارِ غم کیا جا رہا ہے تو لہٰذا انسان چاہتا ہے کہ آواز ذرا لمبی ہو جائے تو لہٰذا الف کا ملانا بھی جائز ہے۔ تو کہتے ہیں لِمَدِّ الصَّوْتِ الْمَطْلُوْبِ فِي النُّدْبَةِ تاکہ آواز لمبی ہو جائے جو کہ مطلوب ہے ندبت کے اندر۔

فَإِنْ خِفْتَ اللَّبْسَ اگر آپ کو التباس کا خوف ہے، أَيِ الْتِبَاسَ ذٰلِكَ اللَّفْظِ عِنْدَ زِيَادَةِ الْأَلِفِ بِغَيْرِهِ یعنی اس لفظ کا التباس عِنْدَ زِيَادَةِ الْأَلِفِ الف کی زیادتی کے وقت بِغَيْرِهِ أَيْ بِغَيْرِ الْمَنْدُوْبِ۔ اگر آپ کو یہ خوف ہے کہ اس لفظ کا التباس لازم آئے گا جب ہم الف کو بڑھا دیں گے بِغَيْرِهِ أَيْ بِغَيْرِ الْمَنْدُوْبِ کس کے ساتھ التباس لازم آئے گا؟ غیرِ مندوب کے ساتھ۔ تو کہتے ہیں فَإِنْ خِفْتَ اللَّبْسَ أَيِ الْتِبَاسَ ذٰلِكَ اللَّفْظِ عِنْدَ زِيَادَةِ الْأَلِفِ بِغَيْرِهِ یعنی اگر آپ کو خوف ہو التباس کا اس لفظ کے کہ اس لفظ کا اشتباہ لازم آئے گا عِنْدَ زِيَادَةِ الْأَلِفِ الف کے زیادہ کرتے وقت بِغَيْرِهِ غیرِ مندوب کے ساتھ، عَدَلْتَ إِلٰى حَرْفِ مَدٍّ مُّجَانِسٍ لِّحَرَكَةِ آخِرِ الْمَنْدُوْبِ مِنْ كَسْرَةٍ أَوْ ضَمَّةٍ تو عَدَلْتَ تو آپ عدول کریں گے رجوع کریں گے إِلٰى حَرْفِ مَدٍّ ایسے حرفِ مدہ کی طرف مُجَانِسٍ لِّحَرَكَةِ آخِرِ الْمَنْدُوْبِ جو ہم جنس ہوگی مندوب کی آخر کی حرکت کے۔ مندوب کے آخر میں جو حرکت آرہی ہے اس کے ہم جنس جو حرفِ مد ہوگا اس کی طرف آپ پلٹ جائیں گے، مِنْ كَسْرَةٍ أَوْ ضَمَّةٍ یعنی کسرہ یا

ضمہ کی طرف۔ كَمَا إِذَا أَرَدْتَ نُدْبَةَ غُلَامِ مُخَاطَبَةٍ جیسے آپ نے ارادہ کیا مخاطبہ کے غلام کی ندبت کا یعنی مؤنث ہے اس کا غلام ہے اس پر ندبت کرنا چاہتے ہیں، قُلْتَ تو آپ کہیں گے وَا غُلَامَكِيْهْ، لَا وَا غُلَامَكَاهْ یوں نہیں کہیں گے الف نہیں لائیں گے۔ کیوں؟ لِالْتِبَاسِهِ بِنُدْبَةِ غُلَامِ مُخَاطَبٍ اس لیے کیونکہ اس صورت میں اس کا التباس لازم آئے گا مخاطب کے غلام کی ندبت کے ساتھ۔ حالانکہ یہ تو مخاطب کے غلام پر ندبت نہیں ہے بلکہ مخاطبہ کے غلام پر ندبت مقصود ہے۔

وَإِذَا أَرَدْتَ نُدْبَةَ غُلَامِ جَمَاعَةِ مُخَاطَبِيْنَ قُلْتَ اور جب آپ کا ارادہ ہو کہ ایک ایسی جماعت کے غلام پر ندبت کریں مُخَاطَبِيْنَ جو مخاطبین کی ہے، مخاطبین کی ایک جماعت کے غلام پر اگر آپ کا ندبت کا ارادہ ہے، ترجمہ سمجھ میں آیا؟ وَإِذَا أَرَدْتَ نُدْبَةَ غُلَامِ جَمَاعَةِ مُخَاطَبِيْنَ اور جب آپ کا یہ ارادہ ہو کہ آپ ایک جماعتِ مخاطبین کے غلام کی ندبت کریں، قُلْتَ تو آپ کہیں گے وَا غُلَامَكُمُوْهْ۔ یہاں میم پر فتحہ پڑھنا نہیں وَا غُلَامَكُمُوْهْ (غلامَ میں میم پر فتحہ پڑھنا) کیونکہ یہ مضاف ہے بھئی تو یہ منصوب ہوگا، وَا غُلَامَكُمُوْهْ۔ تو یہاں دیکھو واو بڑھایا، تو سوال پیدا ہوا جو میں پہلے بھی ذکر کر چکا ہوں کہ واو کیوں بڑھایا غُلَامَكُمْ اس کے اندر تو میم ساکن تھا؟ میں نے بتلایا کہ یہ میم اصل میں مضموم تھا۔ تو کہتے ہیں إِذِ الْمِيْمُ أَصْلُهُ الضَّمُّ اس لیے کیونکہ یہ جو میم ہے اس کی اصل ضمہ ہے یعنی یہ ساکن نہیں ہے اصل میں اس پر ضمہ ہے اور ضمے کے مناسب واو تھا تو واو یہاں بڑھا دیا۔ لَا وَا غُلَامَكُمَاهْ الف نہیں بڑھائیں گے یہاں پر یوں نہیں کہیں گے، لِالْتِبَاسِهِ بِنُدْبَةِ غُلَامِ مُخَاطَبَيْنِ اثْنَيْنِ اس لیے کیونکہ اس کا التباس لازم آتا ہے دو مخاطبوں کے غلام کی ندبت کے ساتھ۔ غُلَامَكُمُوْهْ کہا تو پتہ چلا جمع مخاطب کا غلام ہے، اور اگر الف بڑھائیں گے تو پھر تو وَا غُلَامَكُمَاهْ یوں معلوم ہوگا گویا دو مخاطب ہیں ان کے غلام پر ندبت کی جا رہی ہے۔

اور یہاں ایک قیمتی نکتہ یاد رکھنا بھئی۔ یہ جو مثال ہے نا وَا غُلَامَكِيْهْ اور وَا غُلَامَكُمُوْهْ اس قسم کی مثالوں سے صاحبِ کافیہ کے مذہب کی تائید ہوتی ہے۔ توجہ ہے؟ قیمتی نکتہ بھئی یاد رکھنا۔ اس قسم کی مثالوں سے صاحبِ کافیہ کے مذہب کی تائید ہوتی ہے۔ صاحبِ کافیہ نے کیا کہا تھا؟ کہ مندوب منادیٰ میں داخل نہیں، کیونکہ منادیٰ اس کو کہتے ہیں جس کی توجہ مطلوب ہوتی ہے اور مندوب وہ تو مر چکا ہے اس کی توجہ مطلوب نہیں بلکہ صرف اس پر اظہارِ غم کیا جا رہا ہے يَا زَيْدُ يا وَا زَيْدُ صرف اس پر اظہارِ غم کیا جا رہا ہے اس کی توجہ مطلوب نہیں ہے بھئی۔ اور یہ جو مثالیں ہیں وَا غُلَامَكِيْهْ اور وَا غُلَامَكُمُوْهْ اس قسم کی مثالوں سے صاحبِ کافیہ کے مذہب کی تائید ہوتی ہے۔ بھئی کس طرح تائید ہوتی ہے؟ بھئی دیکھیے وَا غُلَامَكِيْهْ اس میں غُلَام جو ہے اس کی اضافت ہو رہی ہے مخاطبہ کی ضمیر کی طرف، کس کی طرف؟ مخاطبہ کی ضمیر کی طرف۔ معلوم ہوا مندوب کی اضافت مخاطب کی ضمیر کی طرف جائز ہے۔ وَا غُلَامَكِ، وَا غُلَامَكَ، وَا غُلَامَكُمَا، وَا غُلَامَكُمْ یہ سب جائز ہیں، یعنی مندوب کی اضافت کی جائے کس کی طرف؟ مخاطب کی ضمیر کی طرف کی جائے چاہے مذکر کی ضمیر ہو چاہے مؤنث کی ہو چاہے مفرد ہو چاہے تثنیہ ہو چاہے جمع، اس کی طرف مندوب کی اضافت جائز ہے، جب کہ منادیٰ کی اضافت اس طرح

جائز نہیں ہے۔

آپ کسی غلام کو آواز دینا چاہتے ہیں اور یوں کہتے ہیں یَا غُلَامَكَ یا یَا غُلَامَكِ نہیں کہہ سکتے بھئی۔ وجہ یہ کہ اگر آپ یوں کہیں یَا غُلَامَكِ تو غُلَام کیا ہے؟ منادیٰ، توجہ ہے؟ یہ منادیٰ ہے اور منادیٰ مخاطب ہوتا ہے۔ تو یَا غُلَامَكِ یَا نے بتلایا کہ غُلَام مخاطب ہے، اور آگے غُلَام کی اضافت کاف ضمیر کی طرف ہو رہی ہے جو کہ مضاف الیہ ہے، اور کاف ضمیر مخاطب والی ہے تو اس سے تو پتہ چل رہا ہے کہ یہ جو مضاف الیہ ہے یہ مخاطب ہے بھئی۔ اس سے کیا پتہ چلا؟ مضاف الیہ مخاطب ہے، اور یہ نہیں ہو سکتا کہ مضاف اور مضاف الیہ دونوں مخاطب ہو جائیں بھئی۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ مضاف اور مضاف الیہ دونوں مخاطب ہو جائیں یہ نہیں ہو سکتا، مخاطب صرف ایک ہوگا ایک وقت کے اندر۔ تو جب ندا میں آپ یَا غُلَامَكِ کہیں تو غُلَام بھی گویا مخاطب بن گیا جو مضاف ہے اور کاف ضمیر بھی خطاب والی ہے معلوم ہوا مضاف الیہ بھی مخاطب ہے حالانکہ یہ جائز نہیں۔

اگر آپ دو یا زیادہ کو ندا دینا چاہتے ہیں تو پھر مضاف مضاف الیہ کی صورت میں آپ نہیں لا سکتے۔ مثلاً آپ زید کے غلام کو بھی ندا دینا چاہتے ہیں اور زید کو بھی ندا دینا چاہتے ہیں تو پھر آپ کو یا تو تثنیہ کا کوئی صیغہ لانا پڑے گا اگر دونوں کے لیے ایک ہی لفظ ہو مثلاً یَا رَجُلَانِ دیکھا تثنیہ کا صیغہ لانا پڑے گا، اور اگر دو سے زیادہ ہیں تو جمع لانا پڑے گا یَا رِجَالُ، یا عطف کے ذریعے لانا پڑے گا یَا غُلَامَ زَيْدٍ وَزَيْدُ، یَا غُلَامَ زَيْدٍ وَزَيْدُ دیکھو زید کو الگ جو ہے ذکر کرنا پڑے گا عطف کی صورت میں۔ تو منادیٰ اگر مضاف اور مضاف الیہ دونوں کو آپ بنانا چاہتے ہیں یہ جائز نہیں ہے بھئی، یا تو پھر تثنیہ یا جمع وغیرہ کا کوئی صیغہ لاؤ یا عطف کی صورت میں الگ الگ ذکر کرو۔ معلوم ہوا ندا کی صورت میں یَا غُلَامَكَ کہنا جائز نہیں ہے کیونکہ دونوں مخاطب ہیں، دونوں مخاطب ہیں، جب کہ مندوب جو ہے اس میں آپ کہہ سکتے ہیں یَا غُلَامَكَ یا یَا غُلَامَكِ یہ کہہ سکتے ہیں۔

اور یہ دلیل ہے اس بات کی کہ یہ غُلَام اس کی توجہ مطلوب نہیں۔ یہ جو غُلَام ہے اس کی توجہ مطلوب نہیں، اگر اس کی توجہ بھی مطلوب ہوتی تو معلوم ہوا وہ بھی مخاطب ہے اور آگے کاف ضمیر بھی کیا ہے؟ مخاطب ہے، وہ تو جائز ہی نہیں تھا بھئی۔ تو جب مندوب کے اندر یَا غُلَامَكِ کہہ سکتے ہیں اس سے پتہ چلا کہ مضاف جو ہے اس پر صرف اظہارِ غم کیا جا رہا ہے اس کی توجہ مطلوب نہیں، اسی لیے اس کے ساتھ مخاطب کی ضمیر جوڑنا جائز ہے کیونکہ وہ مخاطب ہی نہیں ہے۔ غُلَام، یَا غُلَامَكِ اگر منادیٰ ہوتا تو معلوم ہوا غُلَام بھی مخاطب ہے اور آگے مضاف الیہ بھی مخاطب ہے کیونکہ وہ مخاطب کی ضمیر ہے، لیکن مندوب کے اندر یہ جائز ہے اس سے کیا پتہ چلا؟ معلوم ہوا جو مندوب مضاف ہے اس کی توجہ نہیں مطلوب، اگر اس کی توجہ مطلوب ہوتی پھر تو یہ جائز ہی نہ ہوتا، اس پر صرف اظہارِ غم کیا جا رہا ہے۔ یَا غُلَامَكِ، بات سمجھ میں آگئی؟ معلوم ہوا مخاطبہ وہ جو مؤنث مخاطبہ عورت وہ مخاطبہ ہے، غُلَام مخاطب نہیں ہے اس پر صرف اظہارِ غم کیا جا رہا ہے۔ بات سمجھ بھی آئی کہ نہیں؟ تو منادیٰ کے اندر یہ مخاطب کی ضمیر کی طرف اضافت جائز نہیں، جبکہ مندوب کے اندر جائز ہے۔

اس سے پتہ چلا کہ جو مضاف ہوتا ہے مندوب کے اندر اس کی توجہ مطلوب نہیں ہوتی، معلوم ہوا وہ منادیٰ نہیں، اسی لیے صاحبِ کافیہ نے اس کو منادیٰ ہونے سے نکال دیا تھا اور فرمایا تھا کہ یہ منادیٰ ہے ہی نہیں نہ حقیقتاً منادیٰ ہے اور نہ حکماً منادیٰ ہے، یہ جو یَا زَیْدُ اس پر کہا جا رہا ہے یہ صرف اظہارِ غم کیا جا رہا ہے۔ بات سمجھ میں آگئی۔

وَجَازَ لَكَ الْهَاءُ اور آپ کے لیے ہا بھی جائز ہے، أَيْ إِلْحَاقُهَا بِهٰذِهِ الْمَدَّاتِ یعنی ہا کا ملانا یہ جو مد ہیں، یہ جو مد آئے الف، واو اوریا ان کے ساتھ ہا کا ملانا بھی آپ کے لیے جائز ہے، جیسے انہوں نے ملایا بھی وَا غُلَامَكِيْهْ دیکھو ہا ملائی وَا غُلَامَكُمُوْهْ یہاں بھی ہا ملائی۔ تو کہتے ہیں وَجَازَ لَكَ الْهَاءُ أَيْ إِلْحَاقُهَا بِهٰذِهِ الْمَدَّاتِ اور آپ کے لیے ہا کا ملانا بھی جائز ہے ان مدوں کے ساتھ فِيْ حَالِ الْوَقْفِ وقف کی حالت میں لِبَيَانِهَا ان مدوں کو بیان کرنے کے لیے، ان مدوں کو بیان کرنے کے لیے۔ بھئی جب ہا ساتھ ملے گی نا تو مد خوب واضح ہو جائے گا، کامل طور پر واضح ہو جائے گا۔ توجہ ہے؟ اگر ہا ساتھ نہیں جوڑیں گے تو مد وہ تو آواز تھوڑی لمبی کرتا ہے یا زیادہ لمبی کرے گا انسان، تھوڑی لمبی کرے گا تو کسی کو زیادہ پتہ نہیں چلے گا، ہاں زیادہ لمبی مد کرے گا پھر تو لوگوں کو پتہ چل جائے گا۔ توجہ ہے؟ زیادہ آواز کو لمبا کریں گے پھر تو لوگوں کو مد کا پتہ چلے گا، اور اگر زیادہ لمبا نہ کیا پھر تو پتہ نہیں چلے گا، لیکن جب ہا ساتھ جوڑ دیں گے اب مد خوب واضح ہو جائے گا۔ تو یہ معنی ہے لِبَيَانِهَا ہا ضمیر راجع ہے یہ جو مَدَّات پیچھے آئے، ان مدوں کو بیان کرنے کے لیے تاکہ وہ کامل طور پر بیان ان کا ہو جائے وہ واضح ہو جائیں۔

وَلَا يُنْدَبُ مِنَ الْقِسْمِ الْمَنْدُوْبِ الْمُتَفَجَّعِ عَلَيْهِ عَدَمًا إِلَّا الْاِسْمُ الْمَعْرُوْفُ اور ندبت نہیں کی جاتی، اور ندبت نہیں کی جاتی مِنَ الْقِسْمِ الْمَنْدُوْبِ، بتلانا چاہتے ہیں یہاں ندبت سے مراد اس قسم پر ندبت ہے جو مُتَفَجَّع عَلَيْه عَدَمًا ہے، مُتَفَجَّع عَلَيْه عَدَمًا ہے جس کے نہ ہونے پر غمزدہ ہو رہے ہیں وہ معروف ہونا چاہیے، وہ معروف ہونا چاہیے غیرِ معین نہیں ہونا چاہیے۔ تو کہتے ہیں وَلَا يُنْدَبُ مِنَ الْقِسْمِ الْمَنْدُوْبِ الْمُتَفَجَّعِ عَلَيْهِ عَدَمًا اور ندبت نہیں کی جائے گی مندوب کی اس قسم کے اندر جو مُتَفَجَّع عَلَيْه عَدَمًا ہے اس میں ندبت نہیں کی جائے گی إِلَّا الْاِسْمُ الْمَعْرُوْفُ مگر وہ اسم جو معروف ہو جس کو یعنی لوگوں کو پتہ ہو، اَلَّذِي اشْتَهَرَ الْمَنْدُوْبُ بِهِ جس کے ساتھ مندوب مشہور ہے۔ مندوب مثلاً ایک آدمی پر ندبت کی جا رہی ہے تو یا تو اس کا نام ہوگا یَا زَيْدَاهْ اس سے بھی لوگوں کو پتہ چل جائے گا، یا ایسا اسم جس کے ساتھ وہ معروف ہے لوگوں کو اس کا پتہ ہے مثلاً یَا طَالِعًا جَبَلًا اب لوگوں کو پتہ ہے کہ یہ شخص جو ہے سب سے بڑھ کر پہاڑوں پر چڑھتا تھا۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو یا تو نام ہو نام سے بھی لوگ جانتے ہیں اوریا ایسی صفت ہو جس کے ساتھ وہ مندوب مشہور ہو بھئی۔

تو کہتے ہیں إِلَّا الْاِسْمُ الْمَعْرُوْفُ مگر ایسے اسم کے ساتھ جو معروف ہو اَلَّذِي اشْتَهَرَ الْمَنْدُوْبُ بِهِ یعنی جس کے ساتھ مندوب مشہور ہے لِيُعْذَرَ النَّادِبُ بِمَعْرِفَتِهِ تاکہ ندبت کرنے والے کو معذور سمجھا جائے اس مندوب کو جاننے کی وجہ سے۔ اس مندوب کو جب لوگ جان لیں گے، بھئی جب ایسے نام کے ساتھ ذکر کرے گا جس سے مشہور ہے اور لوگ اس کو جانتے ہیں تو اب لوگ اس رونے والے کو معذور سمجھیں گے کہ واقعی یہ آدمی رونے کے اندر معذور ہے اتنا بڑا آدمی گیا ہے تو اس

کو رونا ہی چاہیے بھئی اس کا رونا بنتا ہے بھئی۔ لِيُعْذَرَ النَّادِبُ بِمَعْرِفَتِهِ تاکہ معذور سمجھا جائے ندبت کرنے والے کو بِمَعْرِفَتِهِ اس مندوب کو جاننے کی وجہ سے۔ لوگ اس مندوب کو جاننے کی وجہ سے اس نادب کو معذور سمجھیں، تو مَعْرِفَة سے کس کی معرفت مراد ہے؟ لوگوں کی، لوگوں کی۔ لِيُعْذَرَ النَّادِبُ بِمَعْرِفَتِهِ تاکہ اس ندبت کرنے والے کو معذور سمجھا جائے بِمَعْرِفَتِهِ اس مندوب کو جاننے کی وجہ سے، تو اس نادب کو معذور سمجھا جائے کس چیز میں؟ فِيْ نُدْبَتِهِ وَالتَّفَجُّعِ عَلَيْهِ اس کے ندبت میں یعنی اس کے رونے میں وَالتَّفَجُّعِ عَلَيْهِ اور اس کے دکھی ہونے میں بھئی، اس کو معذور سمجھا جائے بھئی۔ فَلَا يُقَالُ وَا رَجُلَاهُ لہٰذا وَا رَجُلَاهُ نہیں کہا جائے گا، کیونکہ وَا رَجُلَاهُ، رَجُل کے ساتھ تو کوئی خاص آدمی ذہن میں نہیں آتا بھئی۔ إِذْ مَا اشْتَهَرَ بِهٰذَا اللَّفْظِ مَنْدُوْبٌ خَاصٌّ اس لیے کیونکہ اس لفظ کے ساتھ مشہور نہیں ہے کوئی ایسا خاص مندوب يَنْتَقِلُ الذِّهْنُ إِلَيْهِ وَيُعْرَفُ بِهِ کہ جس کی طرف ذہن منتقل ہو جائے اور اس کو جان لیا جائے۔ رَجُل کے ساتھ کوئی خاص مندوب مشہور نہیں ہے کہ ذہن اس کی طرف منتقل ہو جائے اور انسان پہچان لے کہ یہ کس پر رو رہا ہے، لِيُعْذَرَ النَّادِبُ بِالنُّدْبَةِ عَلَيْهِ تاکہ ندبت کرنے والے کو معذور سمجھا جائے اس پر ندبت سے۔ ترجمہ بھی سمجھ میں آرہا ہے یا نہیں؟

وَامْتَنَعَ إِلْحَاقُ الْأَلِفِ، دیکھیے بھئی آگے ذرا متن متن دیکھیے کہتے ہیں وَامْتَنَعَ مِثْلُ وَا زَيْدُ الطَّوِيْلَاهْ خِلَافًا لِيُوْنُسَ۔ جی یہاں سے یہ بتلا رہے ہیں کہ ابھی ہم نے آپ کو بتلایا مندوب کے ساتھ الف بڑھا سکتے ہیں۔ اگر مندوب کے ساتھ آپ صفت لے آئے ہیں تو پھر وہ جو الف آپ بڑھانا چاہتے ہیں وہ صفت کے آخر میں نہیں بڑھائیں گے بلکہ مندوب کے آخر میں بڑھائیں گے۔ لہٰذا زید ہے مندوب اور اَلطَّوِيْلُ اس کی صفت ہے تو کیسے کہیں گے؟ يَا زَيْدَاهُ الطَّوِيْلُ۔ بات سمجھ میں آگئی؟ يَا زَيْدَاهُ الطَّوِيْلُ۔ دیکھو الف کہاں بڑھایا؟ مندوب کے ساتھ، صفت کے ساتھ نہیں بڑھا سکتے، یوں نہیں کہہ سکتے آپ يَا زَيْدُ الطَّوِيْلَاهْ، صفت کے آخر میں الف بڑھا دیں۔ تو جمہور نحویوں کے نزدیک مندوب کی اگر صفت لائی جائے اور آپ الف بڑھانا چاہتے ہیں تو مندوب کے ساتھ الف بڑھائیں گے، صفت کے ساتھ الف نہیں بڑھائیں گے۔ جب کہ اس کے برعکس اگر مندوب مضاف ہے، مندوب مضاف ہے، اور آپ الف بڑھانا چاہتے ہیں تو پھر مضاف کے ساتھ الف نہیں بڑھائیں گے بلکہ مضاف الیہ کے ساتھ الف بڑھائیں گے۔ جیسے أَمِيْرُ الْمُؤْمِنِيْنَ، أَمِيْر مضاف اَلْمُؤْمِنِيْنَ مضاف الیہ، اب آپ اس پر ندبت کرتے ہیں: يَا أَمِيْرَ الْمُؤْمِنِيْنَاهْ۔ دیکھو مضاف الیہ کے آخر میں الف بڑھایا۔ صفت اگر ہوتی تو صفت سے پہلے الف بڑھانا تھا، اور مضاف الیہ آگیا ہے تو مضاف الیہ کے آخر میں الف بڑھائیں گے۔ وجہ یہ کہ مضاف کا اتصال بڑا شدید ہوتا ہے مضاف الیہ کے ساتھ، حتی کہ مضاف کا معنی ہی پورا نہیں ہوتا جب تک اس کے ساتھ مضاف الیہ نہیں ملائیں گے۔

میں نے کہا غلام، کیا آپ کے ذہن میں زید کا غلام آیا؟ میں نے کہا غلام، صرف کیا کہا؟ کیا آپ کے ذہن میں زید کا غلام آیا؟ نہیں، مطلق غلام آپ کے ذہن میں آیا۔ جب تک غلام مضاف کے ساتھ میں مضاف الیہ نہیں جوڑوں گا وہ خاص غلام آپ کے ذہن میں نہیں آئے گا۔ تو جب میں کہوں گا غُلَامُ زَيْدٍ اب آپ کے ذہن میں زید کا غلام آیا۔ تو مضاف کے

ساتھ جب تک مضاف الیہ نہیں جوڑیں گے یہ دلالت نہیں کرے گا اس چیز پر۔ تو مضاف کے ساتھ مضاف الیہ کا بڑا شدید اتصال، اور مضاف الیہ کے بغیر مضاف کا معنی پورا نہیں ہوتا، لہٰذا ندبت میں اگر آپ الف بڑھانا چاہتے ہیں تو مضاف الیہ کے بعد بڑھائیں گے۔ جب کہ صفت کا موصوف کے ساتھ اتصال اتنا شدید نہیں ہوتا۔ صفت کا؟ بھئی مضاف کا تو معنی ہی پورا نہیں ہو رہا تھا مضاف الیہ کے بغیر، لیکن صفت، صفت میں موصوف کا معنی پہلے ہی پورا ہے، صفت آکر صرف اس میں تخصیص پیدا کرتی ہے یا اس کی توضیح کرتی ہے۔ بھئی آپ نے پڑھا ہے نکرہ کے اندر اگر صفت آئے تو یاد رکھو وہ تخصیص کا فائدہ دیتی ہے۔ کس میں؟ غُلَامٌ یہ نکرہ ہے، میں اس کی صفت لے آتا ہوں غُلَامٌ مُؤْمِنٌ، تو اس سے دیکھو اس میں تخصیص آگئی، کافر غلام اس سے نکل گئے بھئی، غیرِ مومن غلام اس سے نکل گئے۔ تخصیص آئی، تو نکرہ کی صفت جو لائی جاتی ہے وہ تخصیص کے لیے، وہ اس میں احتمالات کم کر دیتی ہے۔ جب کہ معرفہ میں صفت توضیح کے لیے لائی جاتی ہے مثلاً زَيْدٌ التَّاجِرُ، وہ زید جو تاجر ہے، زَيْدٌ موصوف اَلتَّاجِرُ اس کی صفت، اور زید معرفہ ہے اور یہ صفت توضیح کے لیے ہے کیونکہ معرفہ کی صفت ہے۔ توضیح کا کیا معنی؟ یعنی غیر کے احتمال کو ختم کر دیتی ہے، زید کے اندر تاجر ہونے کا بھی احتمال تھا اور تاجر نہ ہونے کا بھی احتمال تھا، تو جب میں نے اَلتَّاجِرُ صفت ذکر کر دی تو تاجر نہ ہونے کا احتمال ختم ہو گیا۔ تو توضیح کا کیا معنی؟ غیر کے احتمال کو ختم کرنا۔ تو صفت نکرہ میں لائی جاتی ہے تخصیص کے لیے اور معرفہ میں لائی جاتی ہے توضیح کے لیے، توضیح کا کیا معنی؟ اس سے غیر کے احتمال کو ختم کر دیتی ہے۔ تو موصوف کا معنی پہلے ہی پورا ہوتا ہے توجہ ہے؟ صفت آکر صرف اس میں تخصیص پیدا کرتی ہے یا توضیح کرتی ہے، جب کہ مضاف کا معنی ہی پورا نہیں ہوتا جب تک مضاف الیہ نہ آجائے۔ تو معلوم ہوا کس میں اتصال شدید ہے؟ مضاف اور مضاف الیہ میں یا موصوف صفت میں؟ مضاف مضاف الیہ میں، کیونکہ مضاف کا معنی ہی پورا نہیں جب تک مضاف الیہ نہیں جڑے گا، اور صفت موصوف میں اس درجے کا اتصال نہیں ہے کیونکہ موصوف کا معنی پہلے ہی پورا ہو چکا ہے صفت آکر صرف اس میں تخصیص پیدا کرے گی یا توضیح کرے گی۔ لہٰذا جب الف کو بڑھانا ہو تو کہاں بڑھائیں گے؟ اگر موصوف صفت ہوں تو موصوف کے آخر میں الفِ ندبت بڑھائیں گے، اور اگر مضاف مضاف الیہ ہوں تو مضاف الیہ کے آخر میں بڑھائیں گے۔ بات سمجھ میں آگئی۔

تو کیا کہتے ہیں؟ وَامْتَنَعَ مِثْلُ وَا زَيْدُ الطَّوِيْلَاهْ لہٰذا وَا زَيْدُ الطَّوِيْلَاهْ کہنا ممتنع ہے، خِلَافًا لِيُوْنُسَ بخلاف یونس نحوی کے، یہ بہت بڑے نحوی گزرے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں نہیں صفت کے آخر میں بھی الف بڑھا سکتے ہو، وہ کہتے ہیں يَا زَيْدُ الطَّوِيْلَاهْ کہہ سکتے ہو۔ جمہور تو کہتے ہیں نہیں کہہ سکتے، وہ کیا فرماتے ہیں؟ کہہ سکتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں دیکھو جب مضاف الیہ کے آخر میں الف بڑھا دیتے ہیں، ان کی دلیل سنو، ان علماء پر اللہ کروڑہا رحمتیں نازل فرمائے بھئی، عجیب عجیب دلیلیں ہیں بھئی انسان حیران رہتا ہے۔ تو وہ فرماتے ہیں کہ بھئی مضاف اور مضاف الیہ تو ایک دوسرے سے غیر ہوتے ہیں، غُلَامُ زَيْدٍ غلام اور ذات ہے زید اور ذات ہے، مضاف مضاف الیہ ایک دوسرے کے مغایر ہیں پھر بھی الفِ ندبت کو کہاں بڑھاتے ہیں؟

مضاف الیہ کے آخر میں بڑھا دیتے ہیں حالانکہ دونوں کی ذات الگ الگ ہے بھئی، اور موصوف صفت دونوں وہ تو ایک ہی چیز ہیں، زَيْدٌ التَّاجِرُ موصوف کون؟ زید، تاجر بھی کون؟ وہی زید ہے کوئی اور تو ہے ہی نہیں۔ تو مضاف مضاف الیہ کی تو ذات الگ ہے پھر بھی آپ کہتے ہیں مضاف الیہ کے آخر میں الف بڑھا سکتے ہیں، تو موصوف صفت کی تو ذات ہی ایک ہے وہ تو ایک ہی ذات پہ دلالت کر رہے ہیں تو وہاں بطریقِ اولیٰ کیا ہے الف کو صفت کے آخر میں بڑھا سکتے ہیں۔ بات سمجھ میں آگئی؟ دیکھیے بھئی۔

کہتے ہیں وَامْتَنَعَ إِلْحَاقُ الْأَلِفِ بِصِفَةِ الْمَنْدُوْبِ اور ممتنع ہے الف کو ملانا مندوب کی صفت کے ساتھ، بَلْ يَجِبُ أَنْ يُّلْحَقَ بِالْمَوْصُوْفِ بلکہ واجب ہے کہ الف کو ملایا جائے موصوف کے ساتھ، مِثْلُ وَا زَيْدَاهُ الطَّوِيْلُ، تو دیکھو اس میں زید کے ساتھ الف کو بڑھایا گیا ہے صفت کے ساتھ نہیں۔ لِأَنَّ اتِّصَالَهُ بِالصِّفَةِ لَيْسَ كَاتِّصَالِ الْمُضَافِ بِالْمُضَافِ إِلَيْهِ اس لیے کیونکہ صفت کا اتصال موصوف کے ساتھ ایسا نہیں ہے جیسا کہ مضاف کا اتصال ہوتا ہے مضاف الیہ کے ساتھ، لِأَنَّهُ جِيْءَ بِهِ لِتَمَامِ الْمُضَافِ اس لیے کیونکہ مضاف الیہ کو لایا جاتا ہے مضاف کو پورا کرنے کے لیے، مضاف الیہ کے بغیر تو مضاف کا معنی پورا ہی نہیں ہے، لِأَنَّهُ جِيْءَ بِهِ لِتَمَامِ الْمُضَافِ اس لیے کیونکہ مضاف الیہ کو لایا جاتا ہے مضاف کو تام کرنے کے لیے فَهُوَ كَالْجُزْءِ تو مضاف الیہ جو ہے وہ جز کی طرح ہوتا ہے۔ بِخِلَافِ الصِّفَةِ بخلاف صفت کے فَإِنَّهُ جِيْءَ بِهَا بَعْدَ تَمَامِ الْمَوْصُوْفِ اس صفت کو لایا جاتا ہے موصوف کے پورا ہو جانے کے بعد یعنی موصوف کا معنی پورا ہو چکا ہے اس کے بعد صفت کو لایا جاتا ہے لِلتَّخْصِيْصِ أَوِ التَّوْضِيْحِ تخصیص کے لیے یا توضیح کے لیے۔ فَلِهٰذَا جَازَ مِثْلُ يَا أَمِيْرَ الْمُؤْمِنِيْنَاهْ اسی وجہ سے جائز ہے مثل يَا أَمِيْرَ الْمُؤْمِنِيْنَاهْ یوں کہنا جائز ہے، وَلَمْ يَجُزْ مِثْلُ وَا زَيْدُ الطَّوِيْلَاهْ اور جائز نہیں ہے مثل وَا زَيْدُ الطَّوِيْلَاهْ یہ کہنا جائز نہیں۔ خِلَافًا لِيُوْنُسَ بخلاف یونس نحوی کے، فَإِنَّهُ يُجَوِّزُ إِلْحَاقَ الْأَلِفِ بِآخِرِ الصِّفَةِ اس لیے کیونکہ وہ جائز قرار دیتے ہیں الف کے ملانے کو بِآخِرِ الصِّفَةِ صفت کے آخر میں، فَإِنَّ اتِّصَالَ الْمَوْصُوْفِ بِالصِّفَةِ وَإِنْ كَانَ فِي اللَّفْظِ أَنْقَصَ مِنَ الْاِتِّصَالِ بَيْنَ الْمُضَافِ وَالْمُضَافِ إِلَيْهِ اس لیے کیونکہ موصوف کا جو اتصال ہے صفت کے ساتھ وَإِنْ كَانَ فِي اللَّفْظِ أَنْقَصَ اگرچہ لفظوں کے اعتبار سے یہ ناقص ہے یعنی کم درجے کا ہے مِنَ الْاِتِّصَالِ بَيْنَ الْمُضَافِ وَالْمُضَافِ إِلَيْهِ مضاف اور مضاف الیہ کے درمیان اتصال سے، موصوف کا جو اتصال ہے صفت کے ساتھ وہ کم درجے کا ہے اس اتصال سے جو مضاف اور مضاف الیہ کے درمیان ہے، إِلَّا أَنَّهُ أَتَمُّ مِنْهُ مِنْ جِهَةِ الْمَعْنٰى مگر یہ کہ جو موصوف کا اتصال ہے صفت کے ساتھ یہ زیادہ تام ہے یہ زیادہ کامل ہے مِنْ جِهَةِ الْمَعْنٰى کس کے اعتبار سے؟ معنی کے اعتبار سے کس کے درمیان؟ موصوف اور صفت کے درمیان، لِاتِّحَادِهِمَا بِالذَّاتِ بوجہ ان دونوں کے متحد ہونے ذات کے اعتبار سے۔ موصوف اور صفت ذات کے اعتبار سے متحد ہوتے ہیں، فَإِنَّ الطَّوِيْلَ اس لیے کیونکہ طویل جو ہے هُوَ زَيْدٌ لَا غَيْرُ وہ زید ہی ہے کوئی اور نہیں ہے۔ بِخِلَافِ الْمُضَافِ وَالْمُضَافِ إِلَيْهِ بخلاف مضاف اور مضاف الیہ کے، فَإِنَّهُمَا مُتَغَايِرَانِ کیونکہ یہ دونوں ایک دوسرے سے متغایر ہیں، مضاف کی ذات الگ ہوتی ہے اور مضاف الیہ کی ذات الگ۔ وَحَكَى يُوْنُسُ اور حکایت کیا ہے یونس نحوی

نے أَنَّ رَجُلًا ضَاعَ لَهُ قَدَحَانِ کہ ایک شخص تھا اس کے دوپیالے جو ہیں وہ ضائع ہو گئے، ایک شخص تھا اس کے دوپیالے ضائع ہو گئے کہیں ٹوٹ گئے ہوں گے، فَقَالَ تو اس نے کہا وَا جُمْجُمَتَيَّ الشَّامِيَّتَيْنَاهْ، وَا جُمْجُمَتَيَّ الشَّامِيَّتَيْنَاهْ۔

اور جُمْجُمَة یاد رکھو جُمْجُمَة، جُمْجُمَةٌ یہ انسانی کھوپڑی کو بھی کہتے ہیں سر کی جو ہڈی ہے انسانی کھوپڑی، اور اسی طرح جُمْجُمَة پیالے کو بھی کہتے ہیں اور یہاں پیالہ مراد ہے۔ اور دیکھو یہاں یہ تثنیہ ہے جُمْجُمَةٌ کی تثنیہ بناؤ، جُمْجُمَتَانِ، جُمْجُمَتَانِ، اور پھر اس کی اضافت کرو یا کی طرف، جُمْجُمَتَانِ دوپیالے، اب آگے یا بھی لے آؤ میرے دوپیالے، ہاں جُمْجُمَتَايَ، نون گر جائے گا جُمْجُمَتَايَ، پھر اس کو مندوب بناؤ، اور مندوب جب مضاف ہو تو وہ منصوب ہوتا ہے، تو جُمْجُمَتَيَّ ہو جائے گا، کیا ہو جائے گا؟ جُمْجُمَتَيَّ میرے دوپیالے، اور آگے صفت ہے اَلشَّامِيَّتَيْنِ، شَامِيَّةٌ شام والا، جیسے لَاهُوْرِيٌّ کا کیا معنی؟ لاہور والا، اور لَاهُوْرِيَّةٌ لاہور والی، تو شَامِيَّةٌ شام والی، اس کی تثنیہ بناؤ شَامِيَّتَيْنِ، اور آخر میں الف بڑھا دیا اَلشَّامِيَّتَيْنَاهْ، وَا جُمْجُمَتَيَّ الشَّامِيَّتَيْنَاهْ ہائے میرے دو شامی پیالے، ہائے میرے دو شامی پیالے، تو کہیں ملکِ شام سے وہ لایا ہوگا تو وہ پیالے ٹوٹ گئے تو اس نے کہا وَا جُمْجُمَتَيَّ الشَّامِيَّتَيْنَاهْ ہائے میرے دو شامی پیالے۔ وَالْجُمْجُمَةُ الْقَدَحُ اور جُمْجُمَة جو ہے قَدَح یعنی پیالے کو کہتے ہیں۔

تو دیکھو یونس نحوی جو ہیں انہوں نے ایک عقلی دلیل بھی دی اور عربوں سے سماع کو بھی ذکر فرمایا۔ عقلی دلیل کیا دی؟ کہ موصوف صفت میں اتصال شدید ہے معنیٰ کے اعتبار سے کیونکہ دونوں کی ذات ایک ہے، اور مضاف مضاف الیہ کے اندر وہ اتصال نہیں کیونکہ دونوں کی ذات الگ ہے، اور سماع بھی بتلایا کہ انہوں نے ایک فصیح عربی کو یہ کہتے ہوئے سنا تھا وَا جُمْجُمَتَيَّ الشَّامِيَّتَيْنَاهْ اور دیکھو جُمْجُمَتَيَّ موصوف ہے اور اَلشَّامِيَّتَيْنِ اس کی صفت ہے اور صفت کے آخر میں اس شخص نے الف بڑھایا بھئی اس فصیح عربی نے۔ لیکن بہرحال جمہور کہتے ہیں کہ نہیں یہ شاذ ہے بھئی۔ قوانین شاذ چیزوں پر مرتب نہیں ہوتے، اگر ایک فصیح کو کہتے ہوئے سن لیا تو اس سے ضابطہ ثابت نہیں ہوگا کیونکہ کسی اور سے ہم نے، کسی اور فصیح عرب سے ایسا ہم نے نہیں سنا کہ انہوں نے یہ جو الف ہے اس کو صفت کے آخر میں بڑھایا ہو بھئی۔ بات سمجھ میں آگئی۔

آگے دیکھیے وَيَجُوْزُ لِقِيَامِ قَرِيْنَةٍ حَذْفُ حَرْفِ النِّدَاءِ مَعَ اسْمِ الْجِنْسِ، پہلے متن متن دیکھ لیں، وَيَجُوْزُ حَذْفُ حَرْفِ النِّدَاءِ اور حرفِ ندا کو حذف کرنا جائز ہے، حرفِ ندا کو حذف کرنا جائز ہے اور صرف کس حرفِ ندا کا حذف جائز ہے؟ یا کا، اور کسی کا حذف جائز نہیں۔ اور یہ یا بھی کب حذف کریں گے؟ جب قرینہ ہو، یہ بات پہلے گزر چکی ہے جہاں بھی حذف ہو وہاں کیا چاہیے؟ قرینہ چاہیے کہ سننے والے کو پتہ چلے کہ یہاں کوئی لفظ محذوف ہے۔ تو کہتے ہیں وَيَجُوْزُ حَذْفُ حَرْفِ النِّدَاءِ اور جائز ہے حرفِ ندا کو حذف کرنا إِلَّا مَعَ اسْمِ الْجِنْسِ مگر کس کے ساتھ؟ اسمِ جنس کے ساتھ، وَالْإِشَارَةِ اور اسمِ اشارہ کے ساتھ،

وَالْمُسْتَغَاثِ وَالْمَنْدُوْبِ اور مستغاث اور مندوب ان کے ساتھ جائز نہیں۔

اسمِ جنس سے مراد وہ نکرہ ہے جس پر یا داخل کرتے ہیں کبھی معرفہ بنتا ہے کبھی نہیں بنتا، جیسے یَا رَجُلُ اگر معین آدمی کا ارادہ کریں تو یہ معرفہ بن گیا تو پہلے رَجُل نکرہ تھا، اور کبھی کبھار جب معین کا ارادہ نہ ہو تو پھر یہ معرفہ بھی نہیں بنتا یَا رَجُلًا خُذْ بِيَدِيْ اے آدمی میرا ہاتھ تھام لو جب اندھا کسی کو کہے۔ تو یہاں اسمِ جنس سے کیا مراد ہے؟ وہ جو ندا سے پہلے نکرہ تھا، اس سے کیا مراد ہے؟ وہ اسم جو ندا سے پہلے نکرہ تھا پھر یہ اس پر یا داخل ہوئی پھر چاہے وہ معرفہ بنے یا نہ بنے۔ معرفہ کب بنے گا؟ جب معین کا ارادہ کیا جائے، اور نکرہ کب رہے گا؟ جب معین کا ارادہ نہ ہو۔ تو اسمِ جنس سے کیا مراد ہے؟ دہرائیں بھئی زبان سے، وہ جو ندا سے پہلے نکرہ تھا وہ مراد ہے۔ تو یہ جو نکرہ ہے اس سے حرفِ ندا کا حذف جائز نہیں۔

وَيَجُوْزُ حَذْفُ حَرْفِ النِّدَاءِ إِلَّا مَعَ اسْمِ الْجِنْسِ مگر یہ کہ وہ حرفِ ندا کس کے ساتھ آئے؟ اسمِ جنس کے ساتھ یعنی وہ جو نکرہ ہے، پھر حذف جائز نہیں۔ مثلاً یَا رَجُلُ آپ یا کو حذف کرتے ہیں، رَجُلُ کہہ دیتے ہیں رَجُلُ، تو سننے والوں کو پتہ نہیں چلے گا بھئی کہ یہ یہاں یا حرفِ ندا محذوف ہے۔ علم وغیرہ ہو وہاں تو پتہ چل جاتا ہے کیونکہ علم کو ندا کثرت سے دی جاتی ہے، لیکن عام نکرہ ہے اس کے تو منادیٰ ہونے کا پتہ ہی تب چلتا ہے جب اس کے ساتھ کوئی حرفِ ندا آجائے، یَا رَجُلُ یا یَا رَجُلًا اس یا نے بتایا کہ یہ منادیٰ ہے، اگر کوئی حرفِ ندا ہی ساتھ نہیں ہوگا آپ رَجُلُ یا رَجُلًا کہہ بھی دیں گے سننے والوں کو پتہ نہیں چلے گا کہ یہاں حرفِ ندا محذوف ہے لہٰذا ان سے حرفِ ندا کا حذف جائز نہیں۔

اور اسی طرح اسمِ اشارہ جو ہے یَا هٰذَا اب اس سے آپ یا کو حذف کرنا چاہتے ہیں؟ نہیں بھئی، اس سے بھی حذف نہیں کر سکتے اس لیے کیونکہ اس کے اندر بھی پتہ نہیں چلے گا کہ یہ منادیٰ ہے۔ یَا هٰذَا بھئی میں یا کو گرا دیتا ہوں هٰذَا، کچھ آپ کو پتہ چلا یہ منادیٰ ہے؟ نہیں پتہ چلے گا بھئی، تو اسمِ اشارہ بھی نہ ہو۔ نیز مستغاث اور مندوب بھی نہ ہو، جس سے آپ حرفِ ندا حذف کرنا چاہتے ہیں وہ اسمِ جنس بھی نہیں ہونا چاہیے، وہ اسمِ اشارہ بھی نہیں ہونا چاہیے اور مستغاث اور مندوب بھی نہیں ہونا چاہیے۔ بھئی کیوں؟ وجہ یہ کہ مستغاث اور مندوب میں تو اکثر آواز کو لمبا کرنا مقصود ہوتا ہے، آخر میں الف ملایا جاتا ہے اور حذف تو اس کے خلاف ہو جائے گا بھئی، حذف سے تو لفظ اور مختصر ہو جائے گا بھئی۔

تو کہتے ہیں، پھر دیکھیے ترجمہ، تو کہتے ہیں وَيَجُوْزُ حَذْفُ حَرْفِ النِّدَاءِ إِلَّا مَعَ اسْمِ الْجِنْسِ اور جائز ہے حرفِ ندا کو حذف کرنا مگر اسمِ جنس کے ساتھ یعنی اس میں جائز نہیں، وَالْإِشَارَةِ اور اسمِ اشارہ میں بھی جائز نہیں، وَالْمُسْتَغَاثِ وَالْمَنْدُوْبِ اور مستغاث اور مندوب میں بھی جائز نہیں۔ نَحْوُ يُوْسُفُ أَعْرِضْ عَنْ هٰذَا، أَيْ يَا يُوْسُفُ أَعْرِضْ عَنْ هٰذَا اے یوسف اس سے اعراض کرو، اے یوسف اس سے اعراض کرو، اب یہاں پر یا حرفِ ندا محذوف ہے اور اس کے لیے قرینہ بھی چاہیے، قرینہ کیا ہے؟ کہتے ہیں قرینہ کہ یہ مقامِ خطاب ہے، خطاب کیا جا رہا ہے دیکھو آگے امر آرہا ہے أَعْرِضْ عَنْ هٰذَا اس سے

اعراض کرو، دیکھو خطاب کیا جا رہا ہے معلوم ہوا یُوْسُفُ بھی کیا ہے؟ منادیٰ ہی ہے اس سے خطاب کیا جا رہا ہے تو یہ مقامِ خطاب ہے۔ توجہ ہے؟ مقامِ خطاب کا پتہ کس سے چلا؟ یہ جو آگے أَعْرِضْ عَنْ هٰذَا حکم دیا جا رہا ہے ان کو۔

آگے دیکھیے وَأَيُّهَا الرَّجُلُ اور أَيُّهَا الرَّجُلُ اس سے بھی یا کا حذف جائز ہے۔ بھئی اس میں کیسے پتہ چلے گا قرینہ بھی چاہیے؟ کہتے ہیں بھئی اس لیے کہ أَيُّهَا اور أَيَّتُهَا بغیر ندا کے اس طرح نہیں آتے بھئی، أَيُّهَا الرَّجُلُ بغیر ندا کے نہیں آتا بھئی، تو یہاں یہ أَيُّهَا الرَّجُلُ یہ أَيُّهَا کے بعد معرف باللام وغیرہ آ رہے ہیں اسی سے پتہ چل جائے گا کہ یہ منادیٰ ہے۔ تو کہتے ہیں أَيُّهَا الرَّجُلُ، أَوْ أَيُّهٰذَا الرَّجُلُ یا أَيُّهٰذَا الرَّجُلُ۔ اس میں یاد رکھو أَيُّهَا الرَّجُلُ سے حرفِ ندا کا حذف جائز ہے اور میں نے آپ کو ترکیب بتلائی تھی يَا أَيُّهَا الرَّجُلُ کیا ترکیب تھی؟ يَا حرفِ ندا قائم مقام أَدْعُوْ فعل کے، أَيُّ مبنی علی الضم یہ ہے موصوف اور هَا حرفِ تنبیہ اور اَلرَّجُلُ اس کی صفت۔ تو أَيُّهَا اور أَيَّتُهَا سے حرفِ ندا کا حذف تب جائز ہے جب اس کی صفت معرف باللام آئے۔ توجہ ہے؟ أَيُّهَا اور أَيَّتُهَا سے حرفِ ندا کا حذف کب جائز ہے؟ جب اس کی صفت آگے معرف باللام آئے، يَا أَيُّهَا الرَّجُلُ، أَيُّ موصوف اور آگے اَلرَّجُلُ معرف باللام اس کی صفت آ رہی ہے لہٰذا آپ یہاں سے یا حذف کر سکتے ہیں يَا أَيُّ، یا گرا دیں أَيُّهَا الرَّجُلُ۔ اور اگر اس کی صفت معرف باللام نہیں ہے تو پھر کم از کم اس کی آگے جو صفت آئے اس صفت کی صفت معرف باللام آنی چاہیے، جیسے يَا أَيُّهٰذَا الرَّجُلُ۔ توجہ سے سنو، ترکیب سنو يَا أَيُّهٰذَا الرَّجُلُ: يَا حرفِ ندا قائم مقام أَدْعُوْ فعل کے، أَيُّ مبنی علی الضم ہے یہ منصوب محلاً ہے منادیٰ ہے، أَيُّ موصوف، آگے ذَا پھر موصوف ہے اور اَلرَّجُلُ اس ذَا کی صفت ہے اور پھر وہ ذَا جو ہے اپنی صفت کے ساتھ مل کر پھر یہ صفت بنے گا أَيُّ کی۔ توجہ ہے؟ أَيُّ موصوف پھر آگے ذَا اس کی صفت ہے، أَيُّ ہے موصوف آگے ذَا اس کی صفت ہے لیکن اس ذَا کی پھر آگے صفت کیا ہے؟ اَلرَّجُلُ ہے، کیا ہے؟ اَلرَّجُلُ ہے۔

یہ ذرا کتاب پہ نظر رکھیں، أَيُّهٰذَا الرَّجُلُ عبارت مل گئی متن متن؟ اس میں أَيُّ کیا ہے؟ موصوف اور آگے ذَا اس کی صفت ہے لیکن ذَا خود بھی موصوف ہے اور اَلرَّجُلُ اس کی صفت ہے۔ تو أَيُّ موصوف، ذَا اس کی صفت ہے لیکن ذَا خود بھی موصوف ہے اور اَلرَّجُلُ اس کی صفت ہے۔ توجہ ہے؟ تو ادھر دیکھیے میں نے بتایا أَيُّ کو جب ندا کے لیے استعمال کرتے ہیں تو اس سے حرفِ ندا کا حذف تب جائز ہے جب اس أَيُّ کی صفت آگے معرف باللام آئے أَيُّهَا الرَّجُلُ دیکھو أَيُّ کی صفت کیا آ گئی اَلرَّجُلُ معرف باللام، یا اس کی صفت اگر معرف باللام نہیں ہے تو پھر کم از کم اس کی ایسی صفت آئے جو خود آگے پھر موصوف ہو رہی ہو کس کے ساتھ؟ معرف باللام، جیسے أَيُّهٰذَا الرَّجُلُ۔ أَيُّ کی صفت تو ذَا ہے اور ذَا تو معرف باللام نہیں لیکن ذَا آگے خود موصوف ہے کس کے لیے؟ معرف باللام کے لیے۔ بات سمجھ میں آ گئی۔ لہٰذا أَيُّهَا الرَّجُلُ بھی کہہ سکتے ہیں یا کو حذف کر لیں، أَيُّهٰذَا الرَّجُلُ بھی کہہ سکتے ہیں یا کو حذف کر لیں۔ لیکن آپ کہتے ہیں يَا أَيُّهٰذَا اب اس میں سے آپ

یا حذف کرنا چاہتے ہیں، نہیں کر سکتے، کیوں؟ کیونکہ أَيُّ کی صفت نہ آگے معرف باللام ہے اور نہ کوئی ایسی صفت ہے جو خود موصوف ہو رہی ہو کس کے ساتھ؟ معرف باللام، یعنی آگے کوئی معرف باللام نہیں۔ معرف باللام آگے ہوگا تو پھر حرفِ ندا کا حذف جائز ہے ویسے جائز نہیں بھئی۔ بات بھی سمجھ میں آئی کہ نہیں؟ تو حاصلِ کلام کیا؟ کہ أَيُّ سے حرفِ ندا حذف کر سکتے ہیں بشرطیکہ أَيُّ کی صفت معرف باللام ہو یا أَيُّ خود موصوف ہو رہا ہو ایسی صفت کے ساتھ کہ وہ صفت موصوف ہو رہی ہے معرف باللام کے ساتھ بھئی۔ تو کہتے ہیں نَحْوُ يُوْسُفُ أَعْرِضْ عَنْ هٰذَا وَأَيُّهَا الرَّجُلُ أَوْ أَيُّهٰذَا الرَّجُلُ۔

جی اب دیکھیے اس سارے کو شرح کے ساتھ، کہتے ہیں وَيَجُوْزُ لِقِيَامِ قَرِيْنَةٍ اور جائز ہے لِقِيَامِ قَرِيْنَةٍ أَيْ وَقْتَ قِيَامِ قَرِيْنَةٍ یہ لام کس معنی میں ہے؟ وقت کے معنی میں ہے یہ بات پہلے گزر چکی ہے بھئی، اور جائز ہے قرینہ قائم ہوتے وقت حَذْفُ حَرْفِ النِّدَاءِ حرفِ ندا کو حذف کرنا إِلَّا إِذَا كَانَ مُقَارِنًا مَّعَ اسْمِ الْجِنْسِ مگر یہ کہ وہ حرفِ ندا ملا ہوا ہو اسمِ جنس کے ساتھ، بھئی اسمِ جنس سے کیا مراد ہے؟ کہتے ہیں وَيَعْنِيْ بِهِ مَا كَانَ نَكِرَةً قَبْلَ النِّدَاءِ اور ارادہ کیا اس کے ذریعے صاحبِ کافیہ نے وہ جو نکرہ ہو ندا سے پہلے، سَوَاءٌ تَعَرَّفَ بِالنِّدَاءِ برابر ہے کہ وہ معرفہ بن جائے ندا کی وجہ سے كَيَا رَجُلُ، أَوْ لَمْ يَتَعَرَّفْ یا وہ معرفہ نہ بنے مِثْلُ يَا رَجُلًا۔ لِأَنَّ نِدَاءَهُ لَمْ يَكْثُرْ بھئی یہ جو اسمِ جنس ہے اس سے حرفِ ندا کو کیوں نہیں حذف کر سکتے؟ اب وہ وجہ ذکر کر رہے ہیں، لِأَنَّ نِدَاءَهُ لَمْ يَكْثُرْ كَثْرَةَ نِدَاءِ الْعَلَمِ اس لیے کیونکہ یہ جو اسمِ جنس ہے اس کی ندا اتنی کثیر نہیں ہے جتنی کہ علم کی ندا کثیر ہوتی ہے، فَلَوْ حُذِفَ مِنْهُ حَرْفُ النِّدَاءِ اگر اس سے حرفِ ندا کو حذف کر لیا جائے یعنی اسمِ جنس سے، تو لَمْ يَسْبِقِ الذِّهْنُ إِلٰى أَنَّهُ مُنَادًى تو ذہن اس بات کی طرف سبقت نہیں کرے گا کہ یہ منادیٰ ہے، ذہن اس بات کی طرف نہیں جائے گا کہ یہ منادیٰ ہے۔

وَالْإِشَارَةِ اور وہ حرفِ ندا اسمِ اشارہ کے ساتھ بھی ملا ہوا نہ ہو۔ دیکھو وَالْإِشَارَةِ اس کا عطف کس پر ہے؟ اس کا عطف ہے اَلْجِنْسِ پر بھئی، تو اَلْجِنْسِ کو اٹھائیں اور اَلْإِشَارَةِ وہاں رکھیں تو عبارت کیا بن گئی؟ إِلَّا مَعَ اسْمِ الْإِشَارَةِ تو صاحبِ جامی یہی بتلا رہے ہیں آگے أَيْ وَإِلَّا مَعَ اسْمِ الْإِشَارَةِ اور نہ یہ کہ وہ حرفِ ندا اسمِ اشارہ کے ساتھ ہو یعنی اس وقت بھی پھر حذف نہیں کر سکتے، لِأَنَّهُ كَاسْمِ الْجِنْسِ اس لیے کیونکہ اسمِ اشارہ بھی اسمِ جنس کی طرح ہے فِي الْإِبْهَامِ کس کے اندر؟ ابہام میں، مبہم ہونے میں۔ بھئی اسمِ اشارہ جب تک مشار الیہ ساتھ نہیں آئے گا پتہ نہیں چلے گا کہ اسمِ اشارہ سے کیا مراد ہے۔ مثلاً هٰذَا ہے، هٰذَا اس کے ذریعے تو میں کتاب کی طرف بھی اشارہ کر سکتا ہوں، میں اس کے ذریعے قلم کی طرف بھی اشارہ کر سکتا ہوں۔ مثلاً میں کتاب کی طرف اشارہ کرتا ہوں هٰذَا، آپ سمجھ گئے هٰذَا سے کیا مراد ہے؟ کتاب۔ اب میں قلم کی طرف اشارہ کرتا ہوں هٰذَا، آپ سمجھ گئے کیا مراد ہے؟ قلم۔ تو هٰذَا جو ہے یہ جو اسمِ اشارہ ہے اس کے لیے آگے مشار الیہ چاہیے، اور وہ مشار الیہ کبھی ہاتھ وغیرہ کے ساتھ اشارہ کیا جائے گا اور کبھی لفظوں میں ذکر کرتے ہیں هٰذَا الْكِتَابُ، هٰذَا الْقَلَمُ، تو

لفظوں کے اندر مشار الیہ ہونا چاہیے یا اس کی طرف کوئی اشارہ حسیہ ہونا چاہیے ورنہ تو اسمِ اشارہ کا پتہ نہیں چلے گا کہ اس سے کیا مراد ہے تو اسمِ اشارہ کے اندر ابہام ہے۔ تو اسمِ اشارہ کے اندر ابہام ہے جیسے اسمِ جنس میں ابہام تھا، رَجُلٌ میں نے کہا رَجُلٌ کیا معنی؟ کوئی ایک آدمی، کوئی آپ کو پتہ چلا کون سا والا آدمی؟ نہیں، تو جیسے اسمِ جنس میں ابہام تھا اسی طرح اسمِ اشارہ میں بھی ابہام ہے اس کے لیے مشار الیہ ضرور چاہیے۔ اور اسمِ جنس سے تو یا حرفِ ندا حذف نہیں کر سکتے تھے تو اسمِ اشارہ جب اس کی طرح ہے تو اس سے بھی حرفِ ندا کو حذف نہیں کر سکتے۔ یہ معنی ہے لِأَنَّهُ كَاسْمِ الْجِنْسِ فِي الْإِبْهَامِ اس لیے کیونکہ اسمِ اشارہ جو ہے اسمِ جنس کی طرح ہے ابہام کے اندر۔

وَالْمُسْتَغَاثِ وَالْمَنْدُوْبِ اور اسی طرح مستغاث اور مندوب بھی نہ ہو یعنی اس کے ساتھ بھی وہ حرفِ ندا نہ ملا ہوا ہو ورنہ اس کا حذف جائز نہیں ہوگا، لِأَنَّ الْمَطْلُوْبَ فِيْهِمَا مَدُّ الصَّوْتِ وَتَطْوِيْلُ الْكَلَامِ اس لیے کیونکہ مستغاث اور مندوب جو ہیں ان کے اندر جو مطلوب ہوتا ہے وہ مَدُّ الصَّوْتِ وَتَطْوِيْلُ الْكَلَامِ وہ آواز کو لمبا کرنا اور کلام کو لمبا کرنا، وَالْحَذْفُ يُنَافِيْهِ اور حذف تو اس کے منافی ہے۔

فَبَقِيَ عَلٰى هٰذَا مِنَ الْمَعَارِفِ تو باقی رہ گئے بنا بر اس کے معرفہ میں سے، باقی رہ گئے بنا بر اس کے... بھئی دیکھیے بات چل رہی ہے حرفِ ندا کو کبھی کبھار حذف کر لیا جاتا ہے، لیکن آپ کو انہوں نے بتایا کہ وہ اسمِ جنس بھی نہیں ہونا چاہیے جس سے آپ یا حذف کرنا چاہتے ہیں، اور اسمِ اشارہ بھی نہیں ہونا چاہیے، اور مندوب اور مستغاث بھی نہیں ہونا چاہیے۔ اب باقی جو معرفہ رہ گئے ان سے یا کا حذف جائز ہے اب صاحبِ جامی آپ کو بتائیں گے۔ باقی جو معرفہ رہ گئے آپ نے پڑھا ہے معرفہ کی سات قسمیں ہیں، کون کون سی؟ تمام ضمیریں ہیں، اسماءِ اشارہ، اسماءِ موصولہ ہیں، علم ہے، معرف باللام ہے، ان پانچ میں سے کسی ایک کی طرف کوئی مضاف ہو جائے اور ایک معرفہ بنداء، معرفہ بنداء۔ معرفہ بنداء تو نکل گیا کیونکہ ابھی بتایا یَا رَجُلُ وغیرہ نکل گئے ان سے یا کو حذف نہیں کر سکتے۔ باقی کتنے معرفہ رہ گئے؟ چھ، ان میں سے اسمِ اشارہ کو بھی نکال دیا باقی کتنے رہ گئے؟ پانچ، ان سے آپ حرفِ ندا کو حذف کر سکتے ہیں اب وہ ذکر کریں گے سارے۔

تو کہتے ہیں فَبَقِيَ عَلٰى هٰذَا مِنَ الْمَعَارِفِ الَّتِيْ يَجُوْزُ فِيْهَا حَذْفُ حَرْفِ النِّدَاءِ تو باقی رہ گئے بنا بر اس کے وہ جو معرفہ جن کے اندر حرفِ ندا کا حذف جائز ہے ان میں باقی رہ گئے، کیا باقی رہے؟ اَلْعَلَمُ علم باقی رہ گیا، آگے ایک ایک کو گنوائیں گے اور مثالیں بھی دیں گے۔ سَوَاءٌ كَانَ مَعَ بَدَلٍ عَنْ حَرْفِ النِّدَاءِ كَلَفْظَةِ اللهِ فَإِنَّهُ لَا يُحْذَفُ مِنْهُ إِلَّا مَعَ إِبْدَالِ الْمِيْمِ الْمُشَدَّدَةِ مِنْهُ یہ ایک اعتراض کا جواب دینا چاہتے ہیں صاحبِ جامی، اعتراض یہ ہوتا ہے آپ نے ہمیں کیا کہا کہ حرفِ ندا کو اسمِ جنس سے بھی حذف نہیں کر سکتے، اسمِ اشارہ سے بھی حذف نہیں کر سکتے، مستغاث اور مندوب سے بھی حذف نہیں کر سکتے، حالانکہ لفظِ اللہ سے بھی حرفِ ندا کو حذف نہیں کر سکتے آپ نے لفظِ اللہ کو ذکر نہیں فرمایا۔ تو صاحبِ جامی بتلائیں گے

کہ باقی عام اسم جو ہیں، باقی عام علم جو ہیں ان سے حرفِ ندا کو ویسے ہی حذف کر لیتے ہیں کوئی عوض نہیں لاتے، يَا زَيْدُ اس کے بجائے آپ کیا کہہ دیتے ہیں زَيْدُ، وہ جو یا حذف کی اس کا کوئی عوض نہیں لائے، لیکن لفظِ اللہ کے اندر حرفِ ندا کو حذف تو کرتے ہیں لیکن اس کا عوض بھی پھر لے کر آتے ہیں، چنانچہ لفظِ اللہ کے آخر میں پھر میمِ مشدد لے آتے ہیں، تو پہلے کیا تھا؟ يَا اَللهُ، اب یا کو گرایا اور آخر میں میمِ مشدد لے آئے اَللّٰهُمَّ، اَللّٰهُمَّ، بات سمجھ میں آ رہی ہے؟ تو یہ میمِ مشدد کس کا عوض ہے؟ وہ جو یا حذف ہوئی ہے۔ تو صاحبِ جامی بتلانا یہ چاہتے ہیں کہ بھئی لفظِ اللہ سے بھی حرفِ ندا گر جاتا ہے لیکن فرق صرف اتنا ہے کہ عام اسم میں بدل نہیں لاتے اور اس میں بدل لے آتے ہیں، بات سمجھ بھی آئی کہ نہیں؟ انہوں نے کہا تھا نا کہ لفظِ اللہ سے بھی حرفِ ندا کو حذف نہیں کر سکتے اس کو آپ نے شمار نہیں کیا، تو بتلایا کہ نہیں بھئی اس سے بھی گرتا ہے بس فرق یہ ہے کہ وہاں پھر عوض لے آتے ہیں بھئی۔

تو کہتے ہیں فَبَقِيَ عَلٰى هٰذَا مِنَ الْمَعَارِفِ الَّتِيْ يَجُوْزُ فِيْهَا حَذْفُ حَرْفِ النِّدَاءِ تو باقی رہ گئے بنا بر اس کے وہ جو معرفہ جن کے اندر حرفِ ندا کا حذف جائز ہے ان میں باقی رہ گئے، کیا باقی رہے؟ اَلْعَلَمُ علم باقی رہا، سَوَاءٌ كَانَ مَعَ بَدَلٍ عَنْ حَرْفِ النِّدَاءِ برابر ہے کہ وہ بدل کے ساتھ آئے حرفِ ندا سے یعنی برابر ہے کہ اس کے ساتھ بدل ہو حرفِ ندا سے، حرفِ ندا سے کوئی بدل آئے كَلَفْظَةِ اللهِ جیسے کہ لفظِ اللہ، فَإِنَّهُ لَا يُحْذَفُ مِنْهُ إِلَّا مَعَ إِبْدَالِ الْمِيْمِ الْمُشَدَّدَةِ مِنْهُ اس لیے کیونکہ اس سے حرفِ ندا کو حذف نہیں کیا جاتا مگر ساتھ اس کے کہ اس کو میمِ مشدہ کے ساتھ بدل دیا جاتا ہے، نَحْوُ اللّٰهُمَّ جیسے اَللّٰهُمَّ، أَوْ بِغَيْرِ بَدَلٍ یا وہ علم بغیر بدل کے آئے یعنی عام علم میں تو بدل نہیں لاتے لیکن لفظِ اللہ میں بدل لاتے ہیں لیکن حذف اس سے بھی حرفِ ندا ہو جاتا ہے، نَحْوُ يُوْسُفُ أَعْرِضْ عَنْ هٰذَا أَيْ يَا يُوْسُفُ دیکھو یہاں یا حرفِ ندا محذوف ہے۔

وَلَفْظَةُ أَيٍّ اور أَيٌّ کا لفظ بھی رہ گیا، ابھی بتایا أَيُّهَا الرَّجُلُ یہاں یا کیا ہے؟ محذوف ہے۔ تو کہتے ہیں وَلَفْظَةُ أَيٍّ اور أَيٌّ کا لفظ بھی باقی رہ گیا أَيْ إِذَا وُصِفَ بِذِي اللَّامِ جب اس أَيٌّ کو موصوف کیا جائے کس کے ساتھ؟ ذو اللام کے ساتھ یعنی معرف باللام کے ساتھ، نَحْوُ أَيُّهَا الرَّجُلُ أَيْ يَا أَيُّهَا الرَّجُلُ دیکھو بتلایا یہاں یا محذوف ہے، أَوْ بِالْمَوْصُوْفِ بِذِي اللَّامِ یا وہ أَيٌّ اس کو موصوف کیا جائے، اوپر عبارت کو جوڑیں بھئی إِذَا وُصِفَ بِذِي اللَّامِ تو بِذِي اللَّامِ کو ہٹائیں إِذَا وُصِفَ جب أَيٌّ کو موصوف کیا جائے بِالْمَوْصُوْفِ بِذِي اللَّامِ کس کے ساتھ؟ موصوف بذی اللام کے ساتھ یعنی أَيٌّ کی جو صفت آ رہی ہے وہ خود موصوف ہے ذو اللام کے ساتھ بھئی، نَحْوُ أَيُّهٰذَا الرَّجُلُ أَيْ يَا أَيُّهٰذَا الرَّجُلُ یعنی یہاں بھی یا حرفِ ندا محذوف ہے۔ فَلَا يَجُوْزُ الْحَذْفُ مِنْ أَيُّهٰذَا لہٰذا أَيُّهٰذَا سے حذف جائز نہیں مِنْ غَيْرِ أَنْ يُتَّصَفَ هٰذَا بِذِي اللَّامِ بغیر اس کے کہ موصوف ہو یہ والا هٰذَا ذو اللام کے ساتھ، اس هٰذَا کی صفت معرف باللام آئے گا یہ أَيُّهٰذَا اس کے آگے کوئی معرف باللام آئے گا تو پھر ہی اس سے یا حرفِ ندا کا حذف جائز ہے ویسے جائز نہیں۔

جی اسی طرح وَالْمُضَافُ إِلٰى أَيٍّ مَعْرِفَةٍ كَانَتْ، دیکھو وہ معرفہ گنواتے جا رہے ہیں، علم کو بھی گنوا دیا، أَيٌّ جو تھا وہ اس کو

بھی گنوا دیا، اور آگے وَالْمُضَافُ إِلٰى أَيٍّ مَعْرِفَةٍ كَانَتْ یا وہ منادیٰ جو مضاف ہو کسی بھی معرفہ کی طرف نَحْوُ غُلَامَ زَيْدٍ افْعَلْ كَذَا، أَيْ يَا غُلَامَ زَيْدٍ افْعَلْ كَذَا دیکھو یہاں بھی یا حذف ہے، اے زید کے غلام ایسا کرو، تو معرفہ کی طرف جو مضاف ہو منادیٰ اس سے بھی یا حرفِ ندا کا حذف جائز ہے۔

وَالْمَوْصُوْلَاتُ اور اسماءِ موصولہ بھی باقی رہ گئے ان سے بھی جائز ہے، نَحْوُ مَنْ لَّا يَزَالُ مُحْسِنًا أَحْسِنْ إِلَيَّ ایک آدمی دوسرے کو کہتا ہے مَنْ لَّا يَزَالُ مُحْسِنًا وہ جو ہمیشہ احسان کرنے والا ہے أَحْسِنْ إِلَيَّ میرے ساتھ بھی احسان کرو، اصل میں کیا تھا يَا مَنْ، يَا مَنْ لَّا يَزَالُ مُحْسِنًا اے وہ آدمی جو ہمیشہ احسان کرتے ہو أَحْسِنْ إِلَيَّ میرے ساتھ بھی احسان کرو تو یہاں سے یا کو حذف کر لیا یہ مَنْ اسمِ موصول سے۔

وَأَمَّا الْمُضْمَرَاتُ اور باقی جو ضمیریں ہیں فَشَذَّ نِدَاؤُهَا تو ان کی ندا شاذ ہے نَحْوُ يَا أَنْتَ وَيَا إِيَّاكَ۔ بات سمجھ میں آگئی۔ تو کہتے ہیں وَأَمَّا الْمُضْمَرَاتُ فَشَذَّ نِدَاؤُهَا تو باقی ضمیریں جو ہیں ان کی ندا شاذ ہے نَحْوُ يَا أَنْتَ وَيَا إِيَّاكَ۔ توجہ ہے؟ يَا أَنْتَ یہ ضمیرِ مرفوع لے آئے وَيَا إِيَّاكَ ضمیرِ منصوب لے آئے کیونکہ منادیٰ منصوب ہوتا ہے تو دونوں طرح ندا آئی ہے کلامِ عرب میں لیکن شاذ ہے بھئی۔

متن متن آگے دیکھیے: وَشَذَّ فِي أَصْبِحْ لَيْلُ وَافْتَدِ مَخْنُوْقُ وَأَطْرِقْ كَرَا، اور شاذ ہے أَصْبِحْ لَيْلُ، اِفْتَدِ مَخْنُوْقُ اور أَطْرِقْ كَرَا۔ ان کے اندر دیکھو اسمِ جنس ہے اور اس سے حرفِ ندا کو حذف کیا گیا۔ انہوں نے حالانکہ بتایا تھا کہ اسمِ جنس سے حرفِ ندا کا حذف جائز نہیں اور اسمِ جنس کسے کہتے ہیں؟ وہ جو ندا سے پہلے نکرہ ہو۔ تو أَصْبِحْ لَيْلُ اصل میں ہے أَصْبِحْ يَا لَيْلُ، یا کو یہاں حذف کر لیا گیا اور لَيْل معرفہ ہے نکرہ ہے؟ لَيْل نکرہ ہے بھئی لَيْل نکرہ ہے تو دیکھو یہ اسمِ جنس ہے بھئی لیکن اس سے حرفِ ندا کو حذف کر لیا گیا۔ اِفْتَدِ مَخْنُوْقُ اصل میں ہے اِفْتَدِ يَا مَخْنُوْقُ، خَنَقَ يَخْنُقُ کا معنی ہے کسی کا گلا دبانا تو مَخْنُوْق جس کا گلا گھونٹا گیا ہے گلا دبایا گیا ہے، تو اِفْتَدِ يَا مَخْنُوْقُ فدیہ دے کر جان چھڑاؤ يَا مَخْنُوْقُ اے گلا گھونٹے ہوئے، تو دیکھو یہ مَخْنُوْق یہ نکرہ ہے اور اس سے یا حرفِ ندا کو کیا کر لیا گیا؟ حذف، تو اسمِ جنس سے یا کا حذف لازم آیا۔ اسی طرح أَطْرِقْ كَرَا، أَطْرَقَ يُطْرِقُ کا معنی ہے سر جھکانا، أَطْرِقْ كَرَا، كَرَا یہ كَرَوَان تھا اصل میں، كَرَوَان ایک خوبصورت پرندہ ہے اس کو اردو میں سرخاب کہتے ہیں، سرخاب کہتے ہیں، اور اس کو ندا دی جاتی ہے أَطْرِقْ كَرَا اصل میں کیا تھا؟ أَطْرِقْ يَا كَرَا پھر یا کو حذف کر لیا گیا اور كَرَا وہی كَرَوَان ہے بھئی اور یہ اسمِ جنس ہے كَرَوَان سے کوئی خاص پرندہ مراد ہے؟ نہیں یہ نکرہ ہے بھئی۔ تو یہ مثالیں جو ہیں ان کے اندر نکرہ سے یعنی اسمِ جنس سے حرفِ ندا کو حذف کر لیا گیا اور یہ سب شاذ ہیں، یہ کیا ہیں؟ شاذ ہیں۔ دیکھیے بھئی متن متن کہتے ہیں وَشَذَّ أَصْبِحْ لَيْلُ وَافْتَدِ مَخْنُوْقُ وَأَطْرِقْ كَرَا اور شاذ ہیں أَصْبِحْ لَيْلُ یہ بھی شاذ ہے، وَافْتَدِ مَخْنُوْقُ یہ بھی شاذ ہے، وَأَطْرِقْ كَرَا اور أَطْرِقْ كَرَا یہ بھی شاذ ہیں بھئی۔

اب شرح کے ساتھ اس کو دیکھیے، کہتے ہیں وَشَذَّ حَذْفُ حَرْفِ النِّدَاءِ مِنَ اسْمِ الْجِنْسِ اور شاذ ہے حرفِ ندا کا حذف

کرنا اسمِ جنس سے فِيْ أَصْبِحْ لَيْلُ اس کے اندر، أَصْبِحْ لَيْلُ کے اندر، أَيْ صِرْ صُبْحًا يَا لَيْلُ یعنی صبح ہو جا یَا لَيْلُ اے رات، اے رات صبح ہو جا، حُذِفَ حَرْفُ النِّدَاءِ مِنَ اللَّيْلِ حرفِ ندا کو لَيْل سے حذف کر لیا گیا مَعَ أَنَّهُ اسْمُ جِنْسٍ شُذُوْذًا باوجود کہ یہ اسمِ جنس ہے شُذُوْذًا یعنی ایسا حذف ہے جو شاذ ہے بھئی۔ ترجمہ سمجھ میں آیا؟

بھئی یہ دراصل یہ سب ضرب المثل ہیں، ضرب المثل۔ أَصْبِحْ لَيْلُ یہ امرؤ القیس کی بیوی نے کہا تھا، امرؤ القیس عرب کا بہت بڑا شاعر گزرا ہے تو یہ اس کی بیوی نے کہا تھا، کہیں رات کا وقت تھا اور کسی امرؤ القیس کی عادتوں باتوں یا کسی وجہ سے وہ اس سے تنگ آ گئی کہ یہ کیسا آدمی ہے اور رات کا وقت ہے اب اس سے جان چھڑانے کی بھی کوئی صورت نہیں ہے کسی طرح صبح ہو جائے اور میں اس سے طلاق لوں اور اس سے اپنی جان ہمیشہ کے لیے چھڑا لوں۔ تو اب وہ تکلیف میں تھی غم میں مبتلا تھی بھئی اور تو اس وقت اس نے کہا تھا أَصْبِحْ لَيْلُ اے رات صبح ہو جا، تو یہ ضرب المثل بن گیا جب کوئی شخص کسی چیز کو شدت سے طلب کر رہا ہو اور غم کے اندر مبتلا ہو تو اس وقت کہتے ہیں أَصْبِحْ لَيْلُ۔ بھئی کوئی بھی آدمی کسی تکلیف میں مبتلا ہے غم میں مصیبت میں اور ایک چیز کو طلب کر رہا ہے اور وہ اسے مل نہیں رہی تو اس وقت وہ کیا کہتا ہے؟ أَصْبِحْ لَيْلُ صبح ہو جا اے رات صبح ہو جا تاکہ کسی طرح میری مطلوبہ چیز مجھے مل جائے، تو یہ ضرب المثل بن گیا عربی زبان کے اندر۔

اسی طرح اِفْتَدِ مَخْنُوْقٌ یہ بھئی کوئی شخص سویا ہوا تھا اور تو رات کو کوئی چور آیا اور آ کر اس کے سینے پر چڑھ کر بیٹھ گیا اور اس کا گلا دبا دیا اور گلا دبا کر اس کو کہنے لگا اِفْتَدِ مَخْنُوْقٌ، گلا گھونٹے ہوئے فدیہ دے کر اپنی جان چھڑاؤ یعنی کوئی مال وغیرہ مجھے دو تو پھر میں تمہیں چھوڑوں گا ورنہ تو میں تمہیں نہیں چھوڑوں گا بھئی۔ تو یہ ضرب المثل بن گئی اِفْتَدِ مَخْنُوْقٌ، جب بھی کوئی شخص کسی مصیبت میں گرفتار ہو اور مال وغیرہ نہیں خرچ کر رہا تو اس وقت لوگ کہتے ہیں اِفْتَدِ مَخْنُوْقٌ اے گلا گھونٹے ہوئے فدیہ دے کر اپنی جان چھڑاؤ بھئی کچھ مال خرچ کرو بھئی۔

اسی طرح أَطْرِقْ كَرَا، أَطْرِقْ كَرَا جو ہے یہ کہتے ہیں یہ منتر کی طرح اثر کرتا تھا، یہ لوگ سرخاب کو شکار کرنے جاتے تھے خوبصورت پرندہ تھا اس کو شکار کرتے تھے تو وہاں کہتے تھے أَطْرِقْ كَرَا أَطْرِقْ كَرَا إِنَّ النَّعَامَةَ فِي الْقُرٰى کہ گردن جھکا دے اے سرخاب، گردن جھکا دے اے سرخاب إِنَّ النَّعَامَةَ فِي الْقُرٰى بیشک شترمرغ بھی بستی میں ہے، شترمرغ بھی بستی میں ہے، کہتے ہیں یہ جو كَرَوَان ہے سرخاب یہ شترمرغ سے بڑا ڈرتا ہے، اس کو دیکھتے ہی سر جھکا دیتا ہے زمین کے ساتھ لگا دیتا ہے۔ تو لوگوں نے بس اپنے سے جیسے دیہات کے لوگ ہوتے ہیں انہوں نے ایک بات بنا لی کہ وہاں جا کر یہ کہتے تھے، کہتے ہیں ہم یوں کہتے ہیں أَطْرِقْ كَرَا أَطْرِقْ كَرَا إِنَّ النَّعَامَةَ فِي الْقُرٰى، سرخاب گردن جھکا دے سرخاب گردن جھکا دے کیونکہ شتر مرغ بھی شہر میں ہے، یعنی شترمرغ جو اتنا بڑا ہے جس سے تو ڈرتا ہے اس کو ہم نے شکار کر لیا ہے اور شہر پہنچا دیا ہے، تو تو چھوٹی سی چیز ہے اب تو بھی شکار ہو جا اور ہمارے ہاتھ آ جا۔ اس کے شکار کے لیے جاتے تھے نا رات کے وقت، یہ

رات کو سوتا نہیں ہے۔ تو کہتے ہیں یہ آواز سن کر یہ اپنا سر جھکا دیتا ہے تو آرام سے جا کر اس پر چادر وغیرہ ڈالتے ہیں اور اس کو شکار کر لیتے ہیں۔ ویسے دیہات والوں کی باتیں ہیں، ہو سکتا ہے کچھ اثر بھی پڑتا ہو، أَطْرِقْ كَرَا أَطْرِقْ كَرَا دیکھو لفظوں میں کچھ روانی ہے، تو الفاظ کی روانی سے شاید کچھ اثر بھی پڑتا ہو أَطْرِقْ كَرَا أَطْرِقْ كَرَا إِنَّ النَّعَامَةَ فِي الْقُرٰى۔ اب اس کو کیا پتہ ہے کہ عربی زبان میں ان لفظوں کا کیا معنیٰ ہے؟ تو بہر حال وہ کہتے تھے جی ہم یہ منتر پڑھتے ہیں تو یہ سر جھکا دیتا ہے ہم آرام سے اس کو پکڑ لیتے ہیں۔ بات سمجھ میں آگئی۔

جی پھر دیکھیے بھئی: فِيْ أَصْبِحْ لَيْلُ، أَصْبِحْ لَيْلُ کے اندر، أَيْ صِرْ صُبْحًا يَا لَيْلُ یعنی صبح ہو جا اے رات، حُذِفَ حَرْفُ النِّدَاءِ مِنَ اللَّيْلِ مَعَ أَنَّهُ اسْمُ جِنْسٍ شُذُوْذًا حرفِ ندا کو حذف کر لیا گیا لَیل سے باوجود اس کے کہ یہ اسمِ جنس ہے، شُذُوْذًا أَيْ حَذْفًا، حَذْفًا شَاذًّا۔ تو حَذْفًا شَاذًّا کو درمیان میں لے آئیں حُذِفَ حَرْفُ النِّدَاءِ حرفِ ندا کو شاذ طور پر حذف کر لیا گیا لَیل سے باوجود اس کے کہ یہ اسمِ جنس ہے۔ قَالَتْهُ امْرَأَةُ امْرِئِ الْقَيْسِ یہ امرؤ القیس کی بیوی نے کہا تھا حِيْنَ كَرِهَتْهُ جب اس نے اس کو ناپسند کیا تھا۔

وَفِي افْتَدِ مَخْنُوْقُ، بھئی اِفْتَدِ یہ ہمزہ وصلی ہے لیکن یہاں لفظ بول کر لفظ مراد ہیں اس لیے یہاں یہ نہیں گرے گا۔ کہتے ہیں وَفِي افْتَدِ مَخْنُوْقُ اور اسی طرح یہ شاذ ہے حرفِ ندا کا حذف کرنا اِفْتَدِ مَخْنُوْقُ کے اندر، أَيْ يَا مَخْنُوْقُ دیکھا یہاں یا حرفِ ندا محذوف ہے، قَالَهُ شَخْصٌ یہ کہا تھا ایک ایسے شخص نے وَقَعَ فِي اللَّيْلِ جو واقع ہوا تھا رات کے وقت عَلٰى نَائِمٍ مُسْتَلْقٍ ایک ایسے سونے والے پر مُسْتَلْقٍ جو چت لیٹا ہوا تھا۔ بھئی لیٹنا، کبھی انسان ایک پہلو پر لیٹتا ہے کبھی دوسرے پر اور کبھی سیدھا لیٹتا ہے، یہ جو سیدھا کمر لگا کر انسان لیٹتا ہے نا اس کو اردو میں کہتے ہیں چت لیٹنا، چت لیٹنا، یعنی کمر زمین پر لگی ہوئی ہے اور عربی میں اس کو کہتے ہیں اِسْتِلْقَاء بھئی۔ تو کوئی سیدھا چت لیٹا ہوا تھا تو چور آیا اس کے سینے پر چڑھ کر بیٹھ گیا اور گلا دبا دیا اور کہا کہ فدیہ دے کر اپنی جان چھڑاؤ ورنہ میں تمہیں نہیں چھوڑوں گا۔ تو کہتے ہیں قَالَهُ شَخْصٌ وَقَعَ فِي اللَّيْلِ عَلٰى نَائِمٍ مُسْتَلْقٍ، وَقَعَ کے کئی معانی آتے ہیں، وَقَعَ کا ایک معنیٰ ہے بیٹھنا، تو یہاں وَقَعَ کا معنیٰ بیٹھنا کے کریں گے۔ تو کہتے ہیں قَالَهُ شَخْصٌ وَقَعَ فِي اللَّيْلِ عَلٰى نَائِمٍ مُسْتَلْقٍ یہ کہا تھا اس شخص نے جو بیٹھ گیا تھا رات کے وقت عَلٰى نَائِمٍ مُسْتَلْقٍ چت سوئے ہوئے شخص پر یعنی اس کے سینے پر چڑھ کر بیٹھ گیا تھا، فَخَنَقَهُ تو اس نے اس کا گلا دبا دیا، وَقَالَ اور کہا اِفْتَدِ مَخْنُوْقُ کہ فدیہ دے کر جان چھڑاؤ اے گلا گھونٹے ہوئے، حُذِفَ حَرْفُ النِّدَاءِ عَنِ الْمَخْنُوْقِ مَعَ أَنَّهُ اسْمُ جِنْسٍ شُذُوْذًا تو حرفِ ندا کو شاذ طور پر حذف کر لیا گیا مَخْنُوْق سے باوجود اس کے کہ یہ اسمِ جنس ہے۔

وَفِيْ أَطْرِقْ كَرَا اور اسی طرح أَطْرِقْ كَرَا کے اندر حرفِ ندا کو شاذ طور پر حذف کر لیا گیا، أَيْ يَا كَرَوَانُ اصل میں کیا تھا؟ يَا كَرَوَانُ، پھر ترخیم کی گئی الف نون کو گرایا اور پھر واو کو کس سے بدلا؟ الف سے۔ تو کہتے ہیں وَفِيْهِ شُذُوْذَانِ صاحبِ جامی

فرماتے ہیں اس أَطْرِقْ كَرَا کے اندر دو شاذ ہیں، اصل میں کیا تھا أَطْرِقْ يَا كَرَا تو اس میں دو شاذ ہیں: حَذْفُ حَرْفِ النِّدَاءِ مِنَ اسْمِ الْجِنْسِ ایک تو حرفِ ندا کو حذف کیا گیا ہے اسمِ جنس سے، وَتَرْخِيْمُ غَيْرِ الْعَلَمِ اور نیز ترخیم کی گئی ہے غیرِ علم میں، الف نون بھی گرایا گیا حالانکہ ترخیم کی وجودی شرط کیا تھی؟ کہ وہ ایسا علم ہو جو تین حروف سے زائد ہو یا اس کے آخر میں تائے تانیث ہو، اور كَرَوَان یہ علم بھی نہیں اور اس کے آخر میں تائے تانیث بھی نہیں پھر بھی اس کے آخر میں ترخیم کی گئی تو یہ اس اعتبار سے بھی شاذ ہے، تو کہتے ہیں وَتَرْخِيْمُ غَيْرِ الْعَلَمِ اور ترخیم کی گئی غیرِ علم کی۔ قِيْلَ کہا گیا ہے هِيَ رُقْيَةٌ يَّصِيْدُوْنَ بِهَا الْكَرَوَانَ کہ یہ ایک منتر ہے، رُقْيَةٌ دم وغیرہ کرنا اور یا منتر وغیرہ، منتر جادو وغیرہ، تو کہتے ہیں هِيَ رُقْيَةٌ يَّصِيْدُوْنَ بِهَا الْكَرَوَانَ یہ ایسا منتر ہے جس کے ذریعے عرب جو ہیں وہ سرخاب کو شکار کرتے ہیں، وَيَقُوْلُوْنَ اور وہ کہتے ہیں أَطْرِقْ كَرَا أَطْرِقْ كَرَا اے سرخاب گردن جھکا دے اے سرخاب گردن جھکا دے إِنَّ النَّعَامَةَ فِي الْقُرٰى بیشک شترمرغ جو ہے وہ بھی بستی میں ہے، فَيَسْكُنُ تو وہ ساکن ہو جاتا ہے وَيُطْرِقُ اور گردن جھکا دیتا ہے حَتّٰى يُصَادَ یہاں تک کہ اس کو شکار کر لیا جاتا ہے۔ معنیٰ سمجھ میں آ رہا ہے؟

آگے دیکھیے: وَالْمَعْنٰى أَنَّ النَّعَامَةَ الَّذِيْ هُوَ أَكْبَرُ مِنْكَ قَدِ اصْطِيْدَ وَحُمِلَ إِلَى الْقُرٰى فَلَا تُخَلّٰى أَيْضًا، وَالْمَعْنٰى اور معنیٰ اس کا یہ ہے کہ أَنَّ النَّعَامَةَ الَّذِيْ هُوَ أَكْبَرُ مِنْكَ کہ وہ شترمرغ جو تجھ سے بڑا ہے قَدِ اصْطِيْدَ تحقیق اس کو شکار کر لیا گیا ہے، اُصْطِيْدَ فعلِ مجہول ہے تو کہتے ہیں قَدِ اصْطِيْدَ تحقیق اس کو شکار کر لیا گیا ہے وَحُمِلَ إِلَى الْقُرٰى اور اس کو بستی لے جایا گیا ہے فَلَا تُخَلّٰى أَيْضًا تو تجھ کو بھی خالی نہیں چھوڑا جائے گا یعنی تجھے بھی ویسے ہی نہیں چھوڑا جائے گا تجھے بھی شکار کیا جائے گا۔ چنانچہ وہ سر جھکا دیتا ہے کہتے ہیں اور شکار ہو جاتا ہے۔ تو یہ بھی ضرب المثل ہے، یہ بھی ضرب المثل ہے أَطْرِقْ كَرَا، یہ اس موقع پر بولتے ہیں جب کوئی بڑا آدمی تو ایک بات مان لے، بڑا آدمی ایک بات مان لیتا ہے اور اس سے ادنیٰ والا ہے وہ ضد پر اڑا ہوا ہے بات ہی نہیں مان رہا، تو اس کو کہتے ہیں کہ أَطْرِقْ كَرَا کہ تم کیا کرو؟ اپنی گردن جھکا دو، تم سے اعلیٰ والا جھک گیا ہے بات مان گیا ہے تو تم بھی کیا کرو؟ یہ بات مان جاؤ بھئی۔

آگے دیکھیے بھئی کہتے ہیں وَقَدْ يُحْذَفُ الْمُنَادٰى لِقِيَامِ قَرِيْنَةٍ جَوَازًا اور کبھی کبھار منادیٰ کو حذف کر لیا جاتا ہے لِقِيَامِ قَرِيْنَةٍ قرینہ قائم ہوتے وقت جَوَازًا اور یہ حذف جوازاً ہوتا ہے۔ بھئی پہلے کیا بتایا؟ کبھی حرفِ ندا کو حذف کر لیتے ہیں، اب آپ کو بتا رہے ہیں کبھی کبھار منادیٰ کو بھی حذف کر لیتے ہیں، بات سمجھ میں آ گئی؟ حرفِ ندا باقی رہتا ہے اور منادیٰ کو حذف کر لیتے ہیں۔ تو کہتے ہیں وَقَدْ يُحْذَفُ الْمُنَادٰى لِقِيَامِ قَرِيْنَةٍ جَوَازًا اور کبھی کبھار منادیٰ کو جوازاً حذف کر لیا جاتا ہے جس وقت قرینہ موجود ہو، نَحْوُ أَلَا يَسْجُدُوْا، أَلَا يَسْجُدُوْا اصل میں ہے أَلَا يَا قَوْمِ اسْجُدُوْا، سنو أَلَا سنو، يَا قَوْمِ اے میری قوم والو، اُسْجُدُوْا تم کیا کرو؟ سجدہ۔ تو أَلَا يَسْجُدُوْا، أَيْ أَلَا يَا قَوْمِ اسْجُدُوْا تو یہاں قوم جو منادیٰ تھا اس کو حذف کر لیا گیا اور قرینہ موجود ہے جس سے پتہ چل رہا ہے، قرینہ کیا؟ کہ يَا حرفِ ندا اُسْجُدُوْا فعل پر داخل ہو رہا ہے حالانکہ حرفِ ندا وہ تو

فعل پر داخل نہیں ہوتا، تو یہی قرینہ بتلا رہا ہے کہ یہاں منادیٰ محذوف ہے۔

تو کہتے ہیں بِتَخْفِيْفِ أَلَا یہ أَلَا کی تخفیف کے ساتھ ہے، أَلَا پڑھنا بھئی اَلَّا نہیں پڑھنا بھئی، أَلَا عَلٰى أَنَّهُ حَرْفُ تَنْبِيْهٍ بنا بر اس کے کہ یہ حرفِ تنبیہ ہے، وَيَا حَرْفُ النِّدَاءِ اور یَا حرفِ ندا ہے، أَيْ يَا قَوْمِ اسْجُدُوْا اے میری قوم والو سجدہ کرو۔ وَالْقَرِيْنَةُ امْتِنَاعُ دُخُوْلِ يَا عَلَى الْفِعْلِ اور قرینہ جو ہے وہ ممتنع ہونا ہے یَا کے دخول کا عَلَى الْفِعْلِ فعل پر، قرینہ یہاں کیا ہے؟ کہ یَا فعل پر داخل نہیں ہوتی لیکن یہاں داخل ہے اس سے پتہ چل گیا کہ یہاں منادیٰ محذوف ہے۔ بِخِلَافِ قِرَاءَةِ، جی یہ تو ایک قراءت ہے بھئی أَلَا يَسْجُدُوْا، جبکہ عام قراءت کے اندر کیا ہے؟ أَلَّا يَسْجُدُوْا، أَلَّا يَسْجُدُوْا، یعنی يَا حرفِ ندا نہیں ہے بلکہ يَسْجُدُوْا فعلِ مضارع ہے اور آخر میں نون بھی تھا يَسْجُدُوْنَ، توجہ ہے؟ لَا يَسْجُدُوْنَ اور اس پر أَنْ آیا، أَنْ آیا اور أَنْ کیا کرتا ہے؟ فعلِ مضارع کے آخر سے نون کو گرا دیتا ہے تو أَنْ لَّا يَسْجُدُوْا، اور پھر أَنْ لَّا نونِ ساکن آیا اور اس کے بعد لام ہے تو يَرْمِلُوْنَ والا ضابطہ لگا یہاں پر۔ يَرْمِلُوْنَ کا ضابطہ کیا ہے؟ کہ نونِ ساکن کے بعد يَرْمِلُوْنَ یعنی یا، را، میم، لام، واو، نون میں سے کوئی حرف آجائے تو نون کو بھی اسی حرف کی جنس سے بدل کر اس میں ادغام کرتے ہیں، تو أَنْ لَّا نونِ ساکن اور آگے لام آیا اور لام کس میں سے ہے؟ يَرْمِلُوْنَ کے حروف میں سے ہے تو نون کو بھی لام کر کے لام میں ادغام کیا تو کیا بن گیا؟ أَلَّا، تو أَلَّا يَسْجُدُوْا۔ تو دیکھیے کہتے ہیں بِخِلَافِ قِرَاءَةِ أَلَّا يَسْجُدُوْا بِتَشْدِيْدِ اللَّامِ بخلاف أَلَّا يَسْجُدُوْا والی قراءت کے لام کی تشدید کے ساتھ لِأَنَّهُ لَيْسَ مِنْ هٰذَا الْبَابِ اس لیے کیونکہ وہ اس باب سے نہیں ہے، یہاں تو ہم منادیٰ کی بات کر رہے ہیں جس کو حذف کیا گیا ہو اور أَلَّا يَسْجُدُوْا کے اندر تو يَا حرفِ ندا ہے ہی نہیں وہ تو فعل کا جز ہے بھئی، فعلِ مضارع ہے يَسْجُدُوْا ہے بھئی۔ فَإِنَّ أَنْ حِيْنَئِذٍ نَاصِبَةٌ لِّلْمُضَارِعِ اس لیے کیونکہ اس وقت پھر یہ جو أَنْ ہے یہ نصب دینے والا ہے فعلِ مضارع کو، أُدْغِمَتْ نُوْنُهَا فِيْ لَامِ لَا کہ ادغام کیا گیا اس أَنْ کے نون کا لَا کے لام میں تو أَلَّا ہوا، وَيَسْجُدُوْا فِعْلٌ مُّضَارِعٌ اور يَسْجُدُوْا فعلِ مضارع ہے سَقَطَ نُوْنُهُ بِالنَّصْبِ جس کا نون گر گیا نصب کی وجہ سے، أَنْ نے نصب دیا اور يَسْجُدُوْا کا نون گر گیا بھئی۔ بات سمجھ میں آگئی، سارا حل ہو گیا، چلیے بس بھئی هٰذَا هُوَ الْمَرَامُ وَاللهُ أَعْلَمُ بِحَقِيْقَةِ الْكَلَامِ۔

سبق نمبر ۱۳۰: الاشتغال (۱): «مَا أُضْمِرَ عَامِلُهُ عَلَى شَرِيطَةِ التَّفْسِيرِ» کا تعارف

شرحِ ملا جامی صفحہ: ۱۰۶ — بتاریخ: ۱۱ جنوری ۲۰۲۲ء

▪ تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث

دیکھیے بھائی آگے سبق:[1]

«اَلثَّالِثُ مِنْ تِلْكَ الْمَوَاضِعِ الْأَرْبَعَةِ الَّتِي وَجَبَ حَذْفُ نَاصِبِ الْمَفْعُولِ بِهِ فِيهَا مَا أَيْ مَفْعُولٌ بِهِ أُضْمِرَ أَيْ قُدِّرَ عَامِلُهُ النَّاصِبُ لَهُ عَلَى شَرِيطَةِ التَّفْسِيرِ اَلشَّرِيطَةُ وَالشَّرْطُ وَاحِدٌ وَإِضَافَتُهَا إِلَى التَّفْسِيرِ بَيَانِيَّةٌ».

بھائی گزشتہ سبق میں ہم نے مندوب کے بارے میں پڑھا تھا۔ صاحبِ کافیہ نے آپ کو بتلایا تھا کہ عرب جو ہیں مندوب کے بارے میں بھی، مندوب کے لیے بھی صیغۂ ندا استعمال کرتے ہیں۔ اور مندوب کے لیے ندا کے صیغوں میں سے صرف «یَا» کو استعمال کیا جاتا ہے۔ اور آپ کو انہوں نے بتلایا تھا کہ عربی زبان کے اندر مندوب اس میت کو کہتے ہیں جس پر رویا جائے اور اس کی خوبیوں کو شمار کیا جائے، تاکہ لوگ بھی جان لیں کہ اس کی موت جو ہے وہ ایک امرِ عظیم ہے، تاکہ وہ رونے والوں کو معذور سمجھیں اس رونے کے اندر اور اس گریہ و فغاں کے اندر بھائی۔ اور اصطلاحِ نحو کے اندر مندوب جو ہے وہ «مُتَفَجَّعٌ عَلَيْهِ بِيَا أَوْ وَا» ہے۔ وہ جس پر دردمند ہوا جائے «یَا» یا «وَا» کے ساتھ بھائی، «یَا» یا «وَا» کے ساتھ۔

اور میں نے آپ کو بتلایا تھا کہ وہ جس پر دردمند ہوا جائے اور اظہارِ غم کیا جائے، وہ دو طرح ہو سکتا ہے۔ کبھی ایک

[1]

جدول — بابِ اشتغال (ما أضمر عاملہ علی شریطۃ التفسیر) کے احکام:

حالت	حکمِ اسمِ متقدم	مثال
وجوبِ نصب	جب حرفِ تحضیض یا شرط کے بعد آئے	هَلَّا زَيْدًا ضَرَبْتَهُ
وجوبِ رفع	جب حرفِ ابتدا یا إذا الفجائیہ کے بعد آئے	خَرَجْتُ فَإِذَا زَيْدٌ يَضْرِبُهُ عَمْرٌو
راجحیتِ نصب	فعلِ طلبی یا عطف بر جملہ فعلیہ کے بعد	زَيْدًا اِضْرِبْهُ، قَامَ زَيْدٌ وَعَمْرًا أَكْرَمْتُهُ
استواء	جب جملہ اسمیہ کے بعد عطفِ جملہ ہو	زَيْدٌ قَامَ وَعَمْرٌو / عَمْرًا أَكْرَمْتُهُ

چیز کے وجود پر دردمند ہوا جاتا ہے اور اظہارِ غم کیا جاتا ہے، اور کبھی ایک چیز کے عدم پر جو ہے اظہارِ غم کیا جاتا ہے۔ تو یہاں پر پھر اشکال ہوتا تھا کہ بھائی وہ جو «مُتَفَجَّعٌ عَلَيْهِ» ہے عدماً، یعنی جس کے نہ ہونے پر اظہارِ غم کیا جا رہا ہے، وہ تو اس تعریف میں داخل ہے، اور وہ «مُتَفَجَّعٌ عَلَيْهِ» جو وجوداً ہے، یعنی جس کے ہونے پر اظہارِ غم کیا جائے، وہ تو اس تعریف کے اندر داخل نہیں بھائی۔ وجہ یہ کہ «مُتَفَجَّعٌ عَلَيْهِ» عدماً جو ہے اس کے لیے عرب جو ہیں «مُتَفَجَّعٌ عَلَيْهِ» کا لفظ بولتے ہیں، یعنی «تَفَجُّعٌ» کے ساتھ «عَلٰی» صلہ استعمال کرتے ہیں۔ اور وہ جو «مُتَفَجَّعٌ عَلَيْهِ» وجوداً ہے، اس کے لیے «عَلٰی» صلہ نہیں استعمال کرتے بلکہ «مِنْ» استعمال کرتے ہیں، تو وہ تو «مُتَفَجَّعٌ مِنْهُ» ہوا بھائی۔ وہ تو «مُتَفَجَّعٌ عَلَيْهِ» وجوداً جو ہے وہ تو «مُتَفَجَّعٌ مِنْهُ» ہے۔ اور یہاں تعریف کس کی کی؟ «مُتَفَجَّعٌ عَلَيْهِ» کی تعریف کی، تو اس میں «مُتَفَجَّعٌ عَلَيْهِ» وجوداً شامل نہیں، وہ اس کے اندر داخل نہیں۔

تو صاحبِ جامی نے جواب دیا تھا کہ بھائی یہ تعریف دونوں قسموں کو شامل ہے، اور یہ «عَلٰی» جو ہے یہ بمعنیٰ لام کے ہے بھائی۔ یہ «تَفَجُّعٌ» کا صلہ نہیں ہے، بلکہ یہ بمعنیٰ لام کے ہے بھائی، اور وہ لام جو أجلیہ ہوتا ہے، جو علت اور سبب بیان کرنے کے لیے آتا ہے۔ تو «مُتَفَجَّعٌ عَلَيْهِ» کس معنیٰ میں ہوا؟ «مُتَفَجَّعٌ لَهُ» کے معنیٰ میں ہوا۔ یعنی وہ جس کی وجہ سے دردمند ہوا جائے۔ اب یہ دونوں کو شامل ہوا، کیونکہ دونوں کی وجہ سے انسان دردمند ہوتا ہے اور دکھی ہوتا ہے۔ کبھی ایک چیز کے ہونے پر اس کی وجہ سے دکھی ہوتا ہے، اور کبھی ایک چیز کے نہ ہونے کی وجہ سے دکھی ہوتا ہے۔

اور پھر اس میں بتلایا تھا کہ مندوب جو ہے وہ خاص ہے «وَا» کے ساتھ، یعنی «وَا» کے ذریعے مندوب ممتاز ہوتا ہے منادیٰ سے۔ کیونکہ منادیٰ کے لیے «وَا» کا لفظ استعمال نہیں ہوتا، لیکن مندوب کے لیے «وَا» کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔ تو یہاں عبارت آئی تھی: «وَاخْتُصَّ بِوَا»، اور مندوب خاص ہے کس کے ساتھ؟ «وَا» کے ساتھ۔ تو اس پر اشکال ہوتا تھا کہ «اِخْتُصَّ» کا صلہ جب باء آئے تو وہ تو مقصورٌ علیہ پر داخل ہوتی ہے۔ تو لہٰذا «وَاخْتُصَّ بِالْمَنْدُوبِ» ہونا چاہیے تھا۔ کیونکہ «وَا» کو بند کیا گیا ہے، «وَا» خاص ہے کس کے ساتھ؟ مندوب کے ساتھ۔ مندوب نہیں خاص «وَا» کے ساتھ، کیونکہ مندوب کے لیے تو «یَا» بھی استعمال ہوتی ہے۔ ہاں «وَا» خاص ہے کس کے ساتھ؟ مندوب کے ساتھ۔ تو «وَا» ہے مقصور بھائی، جس کو بند کیا گیا ہے۔ اور کس کے ساتھ خاص ہے؟ مندوب کے ساتھ، تو مندوب ہوا مقصورٌ علیہ، جس پر اس کو بند کیا گیا ہے، جس کے ساتھ اس کو خاص کیا گیا ہے۔ تو «وَا» ہے مقصور اور مندوب ہے مقصورٌ علیہ۔ اور یہ «اِخْتُصَّ» کا صلہ جب باء آئے تو یہ کس پر داخل ہوتی ہے؟ مقصورٌ علیہ پر، اور یہاں پر تو یہ مقصور پر داخل ہو رہی ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟

تو میں نے بتلایا تھا کہ یہاں پر «اِخْتُصَّ» فعل آیا، اس کے اندر تضمین ہے۔ تضمین اسے کہتے ہیں کہ ایک فعل کے اندر دوسرے فعل کا معنیٰ ملحوظ ہو بھائی، اور جس پر آگے آنے والا صلہ جو ہے یعنی حرفِ جر جو ہے وہ دلالت کرتا ہے بھائی۔

اور «اِمْتَازَ يَمْتَازُ اِمْتِيَازًا»، اس کا صلہ باء آتا ہے۔ اور میں نے بتلایا تھا کہ اس کی پھر شرح کرنے کا طریقہ کیا ہے؟ شارحین جہاں تضمین ہو اس کی شرح وہ کس طرح کرتے ہیں؟ یا تو عطف کے ساتھ کرتے ہیں: «أَيْ أُخْتُصَّ وَامْتَازَ بِوَا»، «وَاخْتُصَّ وَامْتَازَ بِوَا»۔ تو خاص ہے مندوب اور ممتاز ہے «وَا» کی وجہ سے۔ دیکھو اب عبارت بہترین بن گئی۔ تو ایک صورت یہ ہے کہ تضمین کی تشریح جو ہے عطف کے ساتھ کی جائے۔ اور دوسری صورت یہ ہے کہ جو تضمین ہے اس کی شرح کرتے ہوئے وہ جو دوسرا فعل ہے، اس کو حال بنا کر آگے ذکر کر دیا جائے۔ جیسے یہاں پر انہوں نے اس کو حال بنایا: «وَاخْتُصَّ الْمَنْدُوبُ بِوَا مُمْتَازًا بِهِ»۔ دیکھا یہ وہ دوسرا فعل ہے، اور حال جو ہے اس کا حمل ہوتا ہے ذوالحال پر۔ تو لہٰذا اس لیے اسمِ فاعل یا اسمِ مفعول اس سے بنا لیا جاتا ہے اور پھر حال بنا لیتے ہیں۔

اور پھر انہوں نے بتایا تھا کہ مندوب کا حکم جو ہے معرب اور مبنی ہونے میں منادیٰ کے حکم کی طرح ہے۔ یعنی جس طرح منادیٰ مفرد معرفہ ہو تو وہ مبنی ہوتا ہے، اسی طرح مندوب بھی ایسا ہو تو وہ مبنی ہو گا۔ اور جس طرح منادیٰ جو ہے وہ مضاف یا مشابہِ مضاف ہو تو وہ منصوب ہوتا ہے، تو مندوب بھی اگر ایسا ہو تو وہ منصوب ہو گا۔ اور جو نکرۂ غیر معینہ ہے وہ منادیٰ تو بنتا ہے لیکن وہ مندوب نہیں بنتا، اس لیے کیونکہ جس پر رویا جائے اور اظہارِ غم کیا جائے وہ کوئی معلوم ہونا چاہیے، غیر معلوم نہیں ہونا چاہیے، یعنی وہ معروف ہونا چاہیے، جس کی معرفت ہو، جس کو جانتے ہوں لوگ بھائی۔

اور پھر انہوں نے آپ کو یہ بھی بتلایا تھا کہ مندوب کے آخر میں الف کو بھی بڑھا سکتے ہیں۔ اور اگر التباس کا خطرہ ہو تو پھر مندوب کے آخر میں جو حرکت ہے، مندوب کے آخر میں جو حرکت ہے، اس کے موافق حرفِ مدہ کو بڑھانا بھی جائز ہے۔ جیسے «وَا غُلَامَكِ»، یہاں پر یاء بڑھائیں گے: «وَا غُلَامَكِيهْ»۔ اور «وَا غُلَامَكُمْ»، اس کے اندر واو بڑھائیں گے: «وَا غُلَامَكُمُوهْ»۔ کیونکہ اگر واو یا یاء یہاں نہیں بڑھائیں گے تو پھر مندوب کا التباس لازم آئے گا غیرِ مندوب کے ساتھ۔

اور پھر انہوں نے آپ کو یہ بھی بتلایا تھا کہ اس مندوب کے آخر میں وقف کی حالت میں ہاء کا بڑھانا بھی جائز ہے۔ اور پھر یہ بھی بتلایا تھا کہ مندوب جو ہے وہ صرف وہی اسم ہو گا، وہی شخص ہو گا جو معروف ہو بھائی۔ مندوب وہی اسم ہو سکتا ہے جو معروف ہو، لہٰذا «وَا رَجُلَاهْ» نہیں کہہ سکتے، یعنی نکرۂ غیر معین مندوب نہیں ہو سکتا بھائی۔ اور پھر اس کے بعد اختلاف ذکر کیا تھا جمہور کا یونس نحوی رحمہ اللہ کے ساتھ۔ وہ فرماتے ہیں کہ مندوب کی صفت کے آخر میں بھی الف کو بڑھانا جائز ہے۔ جبکہ جمہور کہتے ہیں نہیں، مندوب کے آخر میں تو الف بڑھا سکتے ہیں، اس کی صفت کے آخر میں نہیں بڑھا سکتے۔ ہاں اگر مندوب مضاف ہے، تو پھر جو مضاف الیہ ہے اس کے آخر میں الف بڑھا سکتے ہیں، کیونکہ مضاف اور مضاف الیہ کے درمیان بڑا شدید اتصال ہوتا ہے۔ مضاف کا معنیٰ ہی پورا نہیں ہوتا جب تک اس کے ساتھ مضاف الیہ کو نہیں ملائیں گے، تو یہ مضاف الیہ اس کے لیے جزو کی طرح ہوا، لہٰذا آخر میں الف بڑھا سکتے ہیں۔ تو «يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَاهْ» یوں کہہ سکتے ہیں بھائی، اس پر اس طرح ندبت کر سکتے ہیں۔ جبکہ صفت، صفت کا اتصال موصوف کے ساتھ اتنا شدید نہیں

ہوتا۔ صفت یعنی موصوف کے معنیٰ کو پورا نہیں کرتی، موصوف کا معنیٰ تو پہلے ہی پورا ہو چکا ہے۔ آگے صفت آکر اس میں تخصیص پیدا کرتی ہے یا اس کی توضیح کرتی ہے۔ جبکہ یونس نحوی کہتے ہیں کہ اگرچہ موصوف صفت میں لفظوں کے اعتبار سے، لفظوں کے اعتبار سے اتصال اتنا شدید نہیں، لیکن معنیٰ کے اعتبار سے اتصال شدید ہے، اس لیے کیونکہ موصوف اور صفت دونوں کی ذات ایک ہی ہوتی ہے۔ «زَيْدُنِ التَّاجِرُ»، جو زید ہے وہی تاجر ہے، تو ان دونوں میں معنیٰ کے اعتبار سے اتصال شدید ہے۔ جبکہ مضاف اور مضاف الیہ، ان میں معنیٰ کے اعتبار سے اتصال اس طرح نہیں ہے، اس لیے کیونکہ مضاف کی ذات الگ ہوتی ہے اور مضاف الیہ کی ذات الگ ہوتی ہے۔ اور نیز وہ عربوں سے سماع کو بھی ذکر کرتے تھے کہ انہوں نے ایک فصیح عرب کو یہ کہتے ہوئے سنا: «وَا جُمْجُمَتَيَّ الشَّامِيَّتَيْنَاهْ»۔ تو اس کے اندر دیکھو جو الف بڑھایا گیا وہ مندوب کی صفت کے آخر میں بڑھایا گیا۔ پیالے ٹوٹ گئے ہیں نا، اب وہ پیالوں کو پکار تو نہیں رہا، ان پر اظہارِ غم کر رہا ہے ان کے ٹوٹنے پر بھائی، ان کے نہ ہونے پر بھائی۔

اور پھر اس کے بعد صاحبِ کافیہ نے آپ کو بتلایا تھا کہ حرفِ ندا کا حذف بھی جائز ہے۔ «يَا زَيْدُ» سے آپ «يَا» کو حذف بھی کر سکتے ہیں اور صرف «زَيْدُ» بھی کہہ سکتے ہیں، لیکن یہ اس وقت ہو گا جس وقت قرینہ موجود ہو۔ اور البتہ وہ اسم جس سے آپ، جس کے ساتھ حرفِ ندا ملا ہوا ہے اور آپ اسے حذف کرنا چاہتے ہیں، وہ اسمِ جنس نہیں ہونا چاہیے۔ یعنی وہ جو ندا سے پہلے نکرہ تھا وہ نہیں ہونا چاہیے، اور نیز اسمِ اشارہ بھی نہیں ہونا چاہیے، اور نیز مندوب اور مستغاث بھی نہیں ہونا چاہیے بھائی۔ اور اس کے علاوہ باقی جو معرفہ ہیں ان سے حرفِ ندا کا حذف کرنا جائز ہے۔ جیسے عَلَم ہو گیا، جیسے قرآن میں ہے: «يُوسُفُ أَعْرِضْ عَنْ هٰذَا»، حضرت یوسف علیہ السلام کو ندا دی گئی اور «يَا» حرفِ ندا کو حذف کر لیا گیا۔ اور اسی طرح «أَيُّ» ہے، اس سے بھی حرفِ ندا کو حذف کر سکتے ہیں، لیکن شرط یہ ہے کہ «أَيُّ» کی صفت آگے کوئی معرف باللام آئے۔ جیسے «يَا أَيُّهَا الرَّجُلُ»، دیکھو «أَيُّ» کی صفت کیا آئی؟ «اَلرَّجُلُ» آئی، تو لہٰذا «يَا» کا حذف کرنا جائز ہے اور آپ یوں کہہ سکتے ہیں: «أَيُّهَا الرَّجُلُ»۔ یا اگر «أَيُّ» کی صفت معرف باللام نہیں ہے، تو پھر «أَيُّ» کی صفت کوئی ایسا لفظ ہو کہ پھر اس کی صفت آگے کیا ہو؟ معرف باللام ہو۔ جیسے «يَا أَيُّهٰذَا الرَّجُلُ»، «أَيُّ» ہے موصوف اور یہ «ذَا» اس کی صفت ہے، اور یہ «ذَا» خود موصوف ہو رہا ہے کس کے ساتھ؟ معرف باللام کے ساتھ، تو اس صورت میں بھی حرفِ ندا حذف کر سکتے ہیں اور «أَيُّهٰذَا الرَّجُلُ» کہہ سکتے ہیں۔ تو حاصلِ کلام کیا کہ «أَيُّ» سے حرفِ ندا حذف کر سکتے ہیں بشرطیکہ «أَيُّ» کی صفت معرف باللام ہو، یا «أَيُّ» خود موصوف ہو رہا ہو ایسی صفت کے ساتھ کہ وہ صفت موصوف ہو رہی ہے معرف باللام کے ساتھ بھائی۔ اور اسی طرح اگر کوئی اسم معرفہ کی طرف مضاف ہو تو اس سے بھی حرفِ ندا حذف کر سکتے ہیں۔ اسماءِ موصولہ جو ہیں ان سے بھی حرفِ ندا کو حذف کر سکتے ہیں۔ جبکہ ضمیریں، ضمیریں، ضمیریں ان کو تو ندا شاذ ہے بھائی۔ تو جب ضمیروں کو ندا شاذ ہے تو ان سے حرفِ ندا کو حذف کرنا تو بطریقِ اولیٰ شاذ ہو گا۔

اور اس کے بعد بتلایا تھا کہ بعض جگہوں کے اندر حرفِ ندا کو اسمِ جنس سے حذف کیا گیا ہے، جیسے «أَصْبِحْ لَيْلُ»، اصل میں کیا تھا؟ «أَصْبِحْ يَا لَيْلُ»۔ اور اسی طرح «اِفْتَدِ مَخْنُوقُ»، اصل میں کیا ہے؟ «اِفْتَدِ يَا مَخْنُوقُ»۔ اور «أَطْرِقْ كَرَا»، اصل میں کیا ہے؟ «أَطْرِقْ يَا كَرَا»۔ تو یہاں اسمِ جنس سے «يَا» کو حذف کیا گیا ہے اور یہ سب شاذ ہیں بھائی، یہ سب شاذ ہیں بھائی۔

اور پھر یہ بھی بتلایا تھا کہ کبھی کبھار منادیٰ کو بھی حذف کر لیا جاتا ہے جس وقت کوئی قرینہ موجود ہو، جیسے «أَلَا يَسْجُدُوا» بھائی، ایک قراءت میں اس طرح ہے: «أَلَا يَا اسْجُدُوا»، یہ «يَا» حرفِ ندا ہے اور منادیٰ «قَوْمِي» یہاں پر محذوف ہے: «أَلَا يَا قَوْمِ اسْجُدُوا»، اے میری قوم والو سجدہ کرو۔ تو «يَا قَوْمِ»، یہ «قَوْمِ» منادیٰ جو ہے اس کو حذف کر لیا گیا بھائی۔ بات سمجھ میں آگئی۔

آگے آئیے بھائی آج کے سبق پر۔ کہتے ہیں: «اَلثَّالِثُ مِنْ تِلْكَ الْمَوَاضِعِ الْأَرْبَعَةِ الَّتِي وَجَبَ حَذْفُ نَاصِبِ الْمَفْعُولِ بِهِ فِيهَا مَا أَيْ مَفْعُولٌ بِهِ أُضْمِرَ أَيْ قُدِّرَ عَامِلُهُ النَّاصِبُ لَهُ عَلَى شَرِيطَةِ التَّفْسِيرِ»۔ بھائی اب یہ تیسرا مقام بیان کرنے لگے ہیں جہاں مفعول بہ کے عامل کو حذف کرنا واجب ہے۔ یہ بحث بھول گئے ہوں گے آپ بھائی۔ بحث چل رہی تھی منصوبات کی، اور منصوبات میں مفعول بہ کے بارے میں ہم نے پڑھنا شروع کیا تھا۔ اور صاحبِ کافیہ نے آپ کو بتلایا تھا کہ وہ عامل جو مفعول بہ کو نصب دینے والا ہے اس کو کبھی کبھار حذف کر لیا جاتا ہے، اور یہ حذف کبھی جوازاً ہوتا ہے اور کبھی وجوباً۔ جوازاً مفعول بہ کے فعل کو حذف کریں گے جہاں قرینہ موجود ہو، جس جگہ قرینہ موجود ہو وہاں حذف جائز ہے۔ اور یہ جو مفعول بہ کے عامل کو حذف کرنا واجب جو ہے صاحبِ کافیہ نے بتلایا تھا وہ چار جگہیں ہیں۔ اور صاحبِ جامی نے پھر بتلایا تھا کہ چار جگہیں ہی نہیں ہیں، یہ چار کا عدد حصر کے لیے نہیں ہے، بلکہ جگہیں اور بھی ہیں، لیکن ان چار کے اندر چونکہ بحثیں زیادہ ہیں اس لیے ان چار کو بالخصوص ذکر کیا صاحبِ کافیہ نے۔ اور وہ چار جگہیں جہاں مفعول بہ کے فعل کو حذف کرنا واجب ہے۔ توجہ ہے؟ مفعول بہ کو نصب دینے والے فعل کو حذف کرنا واجب ہے وہ چار جگہیں ہیں۔ پہلی جگہ سماعی ہے۔ تو پہلی جگہ سماعی تھی اور تین جگہیں قیاسی تھیں۔ سماعی کی مثالیں ذکر کی تھیں: «اِمْرَأً وَنَفْسَهُ» أَيْ «أُتْرُكْ اِمْرَأً وَنَفْسَهُ»۔ «وَانْتَهُوا خَيْرًا لَكُمْ» أَيْ «اِنْتَهُوا عَنِ التَّثْلِيثِ وَاقْصِدُوا خَيْرًا لَكُمْ»، یہ «خَيْرًا» منصوب ہے اور اس کے فعل کو حذف کرنا واجب ہے بھائی۔ اور اسی طرح «أَهْلًا وَسَهْلًا»، تو ان کے فعل کو حذف کرنا واجب ہے، اور قانون کیا ہے؟ بتلایا تھا کہ نہیں، کوئی قانون نہیں ہے۔ یہ سماع پر موقوف ہے، یہ عربوں سے ہم نے اسی طرح سنا ہے۔ تو جب یہ سماعی ہے، قیاسی ہے ہی نہیں، تو آپ اس پر قیاس کرتے ہوئے مزید مثالیں نہیں تیار کر سکتے کہ جن کے اندر فعل کا حذف واجب ہو۔ اس لیے کیونکہ قانون ہی نہیں، ہم نے بہت غور کیا لیکن کوئی قانون سمجھ میں نہیں آیا، تو یہ سماعی ہیں۔ اور تین جگہیں ہیں جہاں مفعول بہ کے عامل فعل کو حذف کرنا واجب ہے، جو واجب ہے اور قیاسی ہے۔ ایک، واجب چار جگہیں ہیں نا،

ایک سماعی ہے اور تین قیاسی۔ تو دوسری جگہ جو ذکر کی تھی جہاں فعل کو حذف کرنا واجب ہے وہ منادیٰ تھا: «يَا زَيْدُ»۔ یہ اصل میں کیا ہے؟ تقدیرِ عبارت کیا ہے؟ «أَدْعُو زَيْدًا»، تو یہ «أَدْعُو» کو حذف کرنا واجب ہے کیونکہ «يَا» حرفِ ندا اس کا قائم مقام آگیا۔ تو مفعول بہ کے عامل فعل کو حذف کرنا واجب کتنی جگہیں؟ چار۔ پہلی جگہ سماعی، دوسری منادیٰ۔ اب یہ تیسری جگہ آگئی بھائی۔

تو کہتے ہیں: «اَلثَّالِثُ مِنْ تِلْكَ الْمَوَاضِعِ الْأَرْبَعَةِ الَّتِي وَجَبَ حَذْفُ نَاصِبِ الْمَفْعُولِ بِهِ فِيهَا» تیسری جگہ ان چار جگہوں میں سے کہ جن کے اندر واجب ہے حذف کرنا وہ جو نصب دینے والا ہے مفعول بہ کو۔ تو تیسری جگہ ان جگہوں میں سے جو ہے «مَا أَيْ مَفْعُولٌ بِهِ» وہ مفعول بہ ہے «أُضْمِرَ عَامِلُهُ عَلَى شَرِيطَةِ التَّفْسِيرِ»، کہ مقدر کیا جائے اس کے عامل کو «عَلَى شَرِيطَةِ التَّفْسِيرِ» تفسیر کی شرط پر بھائی۔ تو یہ تیسری جگہ آگئی۔ بات سمجھ میں آگئی؟ پہلے ذرا متن، متن دیکھیے۔ کہتے ہیں: «اَلثَّالِثُ مَا أُضْمِرَ عَامِلُهُ عَلَى شَرِيطَةِ التَّفْسِيرِ»۔ تیسری جگہ جو ہے وہ مفعول بہ ہے کہ مقدر کیا جائے اس کے عامل کو، اس کے عامل کو وہ جو اس کو نصب دینے والا ہے، اس عامل کو مقدر کر لیا جائے «عَلَى شَرِيطَةِ التَّفْسِيرِ» کس شرط پر؟ تفسیر کی شرط پر۔ یعنی اس شرط پر کہ آگے اس کی تفسیر آرہی ہو۔

آگے دیکھیے: «وَهُوَ كُلُّ اسْمٍ بَعْدَهُ فِعْلٌ أَوْ شِبْهُهُ مُشْتَغِلٌ عَنْهُ بِضَمِيرِهِ أَوْ مُتَعَلِّقِهِ لَوْ سُلِّطَ عَلَيْهِ هُوَ أَوْ مُنَاسِبُهُ لَنَصَبَهُ»۔ جی، یہ ایک دو مثالیں ذرا اپنے سامنے لکھیے بھائی، پھر آپ کو بات سمجھ میں آجائے گی کہ «مَا أُضْمِرَ عَامِلُهُ عَلَى شَرِيطَةِ التَّفْسِيرِ» کسے کہتے ہیں بھائی۔ مشکل بحث ہے، مثالوں کو سمجھ لوگے تو پھر عبارت کا سمجھنا آسان ہے بھائی۔

لکھیے بھائی، پہلی مثال بھائی: «زَيْدًا ضَرَبْتُهُ»، «زَيْدًا ضَرَبْتُهُ»۔

دوسری مثال لکھیے الگ سطر میں: «زَيْدًا ضَرَبْتُ غُلَامَهُ»، «زَيْدًا ضَرَبْتُ غُلَامَهُ»۔

لکھ لیا بھائی؟ یہ دیکھیے دونوں مثالوں کے شروع میں «زَيْدًا» منصوب آرہا ہے، یہ ہے «مَا أُضْمِرَ عَامِلُهُ عَلَى شَرِيطَةِ التَّفْسِيرِ»۔ یعنی وہ مفعول بہ جس کے عامل کو مقدر کر لیا گیا، یعنی جس کا عامل محذوف ہے «عَلَى شَرِيطَةِ التَّفْسِيرِ» کس شرط پر؟ تفسیر کی شرط پر کہ آگے اس کی تفسیر آرہی ہے۔ توجہ ہے؟ تو یہ دونوں مثالوں کے اندر یہ جو «زَيْدًا» منصوب ہے یہ ہے «مَا أُضْمِرَ عَامِلُهُ عَلَى شَرِيطَةِ التَّفْسِيرِ» بھائی۔

بھائی دیکھیے اس کو سمجھ لیں، پہلی مثال پر نظر رکھیں: «زَيْدًا ضَرَبْتُهُ»۔ یہ «زَيْدًا» کیوں منصوب ہے؟ جی، یاد رکھو یہ مفعول بہ ہے، ہم بحث بھی کس کی پڑھ رہے ہیں؟ مفعول بہ کی۔ لیکن اس کے اندر عامل کیا ہے؟ اس کے بعد جو فعل آ رہا ہے «ضَرَبْتُهُ»، وہ اس کو نصب نہیں دے سکتا۔ وہ اس کو نصب نہیں دے سکتا، وجہ یہ کہ «ضَرَبَ» جو ہے وہ صرف ایک مفعول چاہتا ہے۔ ایک مفعول چاہتا ہے، اور «ضَرَبْتُهُ» دیکھو اس کے ساتھ ہاء ضمیر مفعول بہ کی جڑی ہوئی ہے، اور

یہ ہاء ضمیر راجع ہے زید کو، کس کو راجع؟ زید کو۔ تو «ضَرَبْتُ» کتنے مفعول بہ چاہتا ہے؟ ایک ہی مفعول بہ چاہتا ہے، اور وہ ایک مفعول بہ ہاء ضمیر کی صورت میں اس کے ساتھ جڑا ہوا ہے۔ تو یہ ہاء ضمیر کو «ضَرَبْتُ» نصب دے رہا ہے، یہ ہاء ضمیر مفعول بہ ہے۔ تو جب «ضَرَبْتُ» ایک مفعول بہ چاہتا ہے اور وہ ہاء ضمیر کی صورت میں موجود ہے، تو یہ «ضَرَبْتُ» «زَيْدًا» کو نصب نہیں دے سکتا۔ کیونکہ یہ «ضَرَبْتُ» اس کی ضمیر میں مشغول ہے۔ اسی زید کی ضمیر میں مشغول ہے، یعنی اس کو یہ نصب دے رہا ہے، لہٰذا یہ «زَيْدًا» کو نصب نہیں دے سکتا۔ تو لہٰذا «زَيْدًا» کے لیے عامل مقدر ہے بھائی۔ تو دیکھو «زَيْدًا» منصوب ہے، مفعول بہ ہے اور اس کا عامل محذوف ہے، اور اس کے بعد ایک فعل آرہا ہے اور وہ فعل اس کے اندر عمل نہیں کر سکتا کیونکہ وہ اسی کی ضمیر کے اندر عمل کر رہا ہے اور اس کو نصب دے رہا ہے۔ اس طور پر کہ اگر اسی فعل یا اس کے مناسب کو اس اسم پر مسلط کیا جائے تو وہ اس کو نصب دے سکے۔ اسی فعل کو یا اس کے مناسب کو اس پر مسلط کیا جائے تو وہ اس کو نصب دے سکے۔ تو یہاں پر اسی «ضَرَبْتُ» کو اگر زید پر مسلط کریں، تو یہ «ضَرَبْتُ» زید کو نصب دے سکتا ہے، گویا تقدیرِ عبارت یوں ہے: «ضَرَبْتُ زَيْدًا ضَرَبْتُهُ»۔ دیکھو وہ جو «زَيْدًا ضَرَبْتُهُ» کے اندر وہ جو «ضَرَبْتُهُ» تھا، وہ تو مشغول تھا۔ ہم نے اسی فعل کو کیا کیا؟ مسلط کیا کس پر؟ زید پر، تو وہ اس کو نصب دے سکتا ہے۔ نصب دے سکتا ہے، «ضَرَبْتُ زَيْدًا»، دیکھو «ضَرَبْتُ»، وہ ضمیر وہ ختم کر دی جس کو وہ نصب دے رہا تھا۔ یعنی وہ جو ضمیر جس کے اندر یہ مشغول تھا اس ضمیر کو ختم کر دیا اور اس کو ختم کر کے اس اسم پر اس کو مسلط کیا تو اس نے اس کو نصب دے دیا بھائی۔ اور دیکھو معنیٰ میں بھی غور کرنا ہے، معنیٰ کے اندر کوئی خرابی نہیں آنی چاہیے۔ «زَيْدًا ضَرَبْتُهُ»، اس کا کیا معنیٰ تھا؟ «زَيْدًا ضَرَبْتُهُ» کیا پتہ چل رہا تھا، کس کی پٹائی کی گئی ہے؟ زید کی، «ضَرَبْتُهُ» ہاء ضمیر کس کو راجع ہے؟ زید کو، معلوم ہوا میں نے زید کی پٹائی کی ہے۔ اور شروع میں جب آپ «ضَرَبْتُ» لے آئے تو «ضَرَبْتُ زَيْدًا»، اس کا بھی کیا معنیٰ؟ کہ میں نے زید کی پٹائی کی ہے۔ معلوم ہوا اسی فعل کو مسلط کریں تو بات ٹھیک رہتی ہے۔ بعض اوقات اسی فعل کو مسلط نہیں کر سکتے، اس کے مناسب کو مسلط کرنا پڑتا ہے۔ توجہ ہے؟ تو «زَيْدًا» یہ «مَا أُضْمِرَ عَامِلُهُ عَلَى شَرِيطَةِ التَّفْسِيرِ» ہے، اور «مَا أُضْمِرَ عَامِلُهُ عَلَى شَرِيطَةِ التَّفْسِيرِ» کسے کہتے ہیں؟ ہر ایسا اسم جس کے بعد فعل یا شبہِ فعل آئے، دیکھو «زَيْدًا» کے بعد آگے فعل آیا۔ تو ہر ایسا اسم جس کے بعد فعل یا شبہِ فعل آئے، اور وہ فعل یا شبہِ فعل اس اسم کی ضمیر میں یا اس کے متعلق میں مشغول ہو۔ توجہ ہے؟

بھائی اس مثال پہ نظر رکھو پھر بات سمجھ میں آئے گی۔ یہ «زَيْدًا» «مَا أُضْمِرَ عَامِلُهُ عَلَى شَرِيطَةِ التَّفْسِيرِ» ہے، «مَا أُضْمِرَ عَامِلُهُ عَلَى شَرِيطَةِ التَّفْسِيرِ» کسے کہتے ہیں؟ اسی مثال پہ بھی نظر رکھو اور سمجھتے جاؤ۔ کہتے ہیں: «مَا أُضْمِرَ عَامِلُهُ عَلَى شَرِيطَةِ التَّفْسِيرِ» ہر وہ اسم ہے «بَعْدَهُ فِعْلٌ أَوْ شِبْهُهُ» جس کے بعد فعل آئے یا شبہِ فعل آئے۔ دیکھو «زَيْدًا» کے بعد ایک فعل موجود ہے، اور وہ فعل جو ہے وہ اس «زَيْدًا» میں عمل نہیں کر سکتا۔ کیوں نہیں کر سکتا؟ کیونکہ وہ اس کی ضمیر میں عمل

کر رہا ہے، اس کو نصب دے رہا ہے۔ اور کبھی اس کی ضمیر میں نہیں عمل کرے گا، بلکہ اس کے متعلق میں عمل کرے گا۔ جو بعد میں آنے والا فعل ہے وہ اس اسم کی ضمیر میں عمل کرے گا یا اس کے متعلق میں عمل کرے گا، اس طور پر کہ اگر اسی فعل کو اس اسم پر مسلط کریں یا اس کے مناسب کو اس پر مسلط کریں تو وہ نصب دے سکے۔ اور یہاں دیکھو اسی فعل کو ہم نے زید پر مسلط کیا تو وہ «زَيْدًا» کو نصب دے سکتا ہے۔

جی دوسری مثال دیکھیے اور وضاحت ہو جائے گی: «زَيْدًا ضَرَبْتُ غُلَامَهُ»۔ زید کے، «ضَرَبْتُ غُلَامَهُ» میں نے پٹائی کی اس کے غلام کی۔ تو یہاں دیکھو «زَيْدًا» «مَا أُضْمِرَ عَامِلُهُ عَلَى شَرِيطَةِ التَّفْسِيرِ» ہے، اور وہ کسے کہتے ہیں؟ ہر وہ اسم جس کے بعد کیا آئے؟ فعل یا شبہِ فعل، تو «زَيْدًا» کے بعد کیا آ رہا ہے؟ «ضَرَبْتُ»۔ اور وہ «ضَرَبْتُ» «زَيْدًا» کو نصب نہیں دے سکتا، کیوں نہیں دے سکتا؟ کیونکہ وہ اس کی ضمیر میں یا متعلق میں مشغول ہوتا ہے۔ اور «ضَرَبْتُ غُلَامَهُ»، یہ «ضَرَبْتُ» کس کو نصب دے رہا ہے؟ «غُلَامَهُ» کو، «غُلَامَهُ» کی ہاء ضمیر بھی زید کو راجع، زید کے غلام کو۔ کس کو؟ تو یہاں دیکھو «ضَرَبْتُ» مشغول ہے زید کی ضمیر میں مشغول ہے یا زید کے متعلق میں مشغول ہے؟ زید کے متعلق یعنی زید کا جو غلام ہے اس میں مشغول ہے، اس کو وہ نصب دے رہا ہے۔ اس طور پر کہ اگر اسی فعل کو اس اسم پر مسلط کریں یا اس کے مناسب کو اس پر مسلط کریں تو یہ اس کو نصب دے سکے بھائی۔ پھر دیکھیے اس مثال کو: «زَيْدًا ضَرَبْتُ غُلَامَهُ»۔ اب اسی «ضَرَبْتُ» کو ذرا زید پر مسلط کریں: «ضَرَبْتُ زَيْدًا»۔ نصب دے سکتا ہے یا نہیں؟ نصب دے سکتا ہے، لیکن معنیٰ خراب ہو گیا۔ معنیٰ خراب ہو گیا، کیوں خراب ہوا؟ پہلے کیا تھا؟ جی کیا مثال کیا تھی؟ «زَيْدًا ضَرَبْتُ غُلَامَهُ»، اس سے کیا پتہ چلا؟ میں نے زید کی پٹائی کی ہے یا زید کے غلام کی؟ «زَيْدًا ضَرَبْتُ غُلَامَهُ»، اس سے تو پتہ چلا ہے کہ میں نے زید کے غلام کی پٹائی کی ہے۔ اور اگر آپ اسی «ضَرَبْتُ» کو زید پر مسلط کر دیں: «ضَرَبْتُ زَيْدًا»، اس سے تو کیا پتہ چلا؟ میں نے زید کی پٹائی کی ہے، تو دیکھو یہاں تو معنیٰ ٹھیک نہیں رہتا۔ تو بعض اوقات اسی فعل کو ہم مسلط نہیں کر سکتے، اس کے کسی مناسب کو کیا کرنا پڑتا ہے؟ مسلط کرنا پڑتا ہے اور پھر وہ نصب دے دیتا ہے۔ تو دیکھو یہاں ہم فعل نکالیں گے «أَهَنْتُ»، «أَهَنْتُ»۔ «أَهَنْتُ زَيْدًا»، میں نے زید کی اہانت کی، اس کی بے عزتی کی، «ضَرَبْتُ غُلَامَهُ» میں نے اس کے غلام کی پٹائی کی۔ بھائی دیکھو کسی کے غلام کی پٹائی کرنے کا مطلب یہ ہے کہ آپ اس شخص کی بے عزتی کر رہے ہیں۔ اگر آپ کے نزدیک اس شخص کی عزت ہوتی، اس شخص کا کوئی مقام ہوتا، اس شخص کا کوئی خوف آپ کے دل میں ہوتا، تو آپ کی کبھی جرات اور ہمت نہ ہوتی کہ اس کے غلام کی پٹائی کریں۔ بات سمجھ میں آ گئی؟ اگر آپ کو غلام سے کوئی شکایت ہوتی تو آپ مالک کے پاس جا کر کہتے کہ اس نے اس طرح کیا ہے، لیکن آپ کی اپنی ہمت اور جرات نہ ہوتی کہ کیا کرتے، غلام کی پٹائی کرتے۔ طاقتور آدمی کا کوئی ملازم بھی ہو، اس ملازم سے بھی لوگ ڈرتے ہیں بھائی۔ تو لہٰذا یہاں پر زید کے غلام کی پٹائی کرنے کے ساتھ کیا لازم ہے؟ زید کی

اہانت۔ زید کے غلام کی جب آپ نے پٹائی کی تو اس سے کیا لازم آئی؟ زید کی اہانت لازم آئی، تو یہاں «أَهَنْتُ» فعل نکالیں گے، وہ اس «ضَرَبْتُ غُلَامَهُ» کے مناسب ہے۔ «ضَرَبْتُ غُلَامَهُ» میں نے زید کے غلام کی پٹائی کی، اس کے ساتھ کیا لازم ہے؟ زید کی اہانت لازم ہے، اس سے زید کی اہانت لازم ہے۔ تو یہاں «ضَرَبْتُ» فعل مقدر نہیں نکالیں گے ورنہ تو معنیٰ خراب ہو جائے گا، کیونکہ «زَيْدًا ضَرَبْتُ غُلَامَهُ» سے پتہ چل رہا ہے کہ زید کے غلام کی پٹائی ہوئی ہے، اور اسی «ضَرَبْتُ» کو آپ زید پر مسلط کریں گے «ضَرَبْتُ زَيْدًا» تو اس سے تو پتہ چلے گا کہ زید کی پٹائی ہوئی ہے حالانکہ زید کی پٹائی تو نہیں ہوئی۔ تو پھر جب اسی فعل کو مسلط نہیں کر سکتے تو اس کے کسی مناسب فعل کو وہاں مسلط کیا جاتا ہے، اور یہاں «ضَرَبْتُ غُلَامَهُ» کے مناسب کیا ہے؟ «أَهَنْتُ»۔ بات سمجھ میں آگئی؟ «أَهَانَ يُهِينُ إِهَانَةً» سے۔ تو «أَهَنْتُ زَيْدًا»، زید کی میں نے اہانت کی، «ضَرَبْتُ غُلَامَهُ» کہ میں نے اس کے غلام کی پٹائی کی۔ اب بات ٹھیک بن گئی۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ تو «مَا أُضْمِرَ عَامِلُهُ عَلَى شَرِيطَةِ التَّفْسِيرِ» کسے کہتے ہیں؟ دیکھو ان مثالوں میں یہ جو «زَيْدًا» ہے اس پہ نظر رکھو، یہ ہے «مَا أُضْمِرَ عَامِلُهُ عَلَى شَرِيطَةِ التَّفْسِيرِ»۔ ہر وہ ایسا اسم جس کے بعد فعل یا شبہِ فعل آئے، اور وہ فعل یا شبہِ فعل اس اسم کی ضمیر میں مشغول ہو یا اس کے متعلق میں مشغول ہو، اس وجہ سے وہ اس اسم میں عمل نہیں کر سکتا۔ اس طور پر کہ اسی فعل کو یا اس کے مناسب کو اس اسم پر مسلط کیا جائے تو وہ اس کو نصب دے سکے۔ بات سمجھ میں آگئی؟

اب دیکھیے کتاب پر، متن، متن دیکھیے۔ کہتے ہیں: «اَلثَّالِثُ مَا أُضْمِرَ عَامِلُهُ عَلَى شَرِيطَةِ التَّفْسِيرِ»۔ تیسری جگہ جہاں پر مفعول بہ کے عامل کو حذف کرنا واجب ہے، وہ «مَا أُضْمِرَ عَامِلُهُ عَلَى شَرِيطَةِ التَّفْسِيرِ» ہے۔ «وَهُوَ كُلُّ اسْمٍ»، دیکھیے اب وہ تعریف شروع ہو گئی۔ اب وہ دو مثالیں بھی سامنے رکھنا اور یہ تعریف بھی اس پر لاگو کرتے جائیں۔ «وَهُوَ كُلُّ اسْمٍ»، اور «مَا أُضْمِرَ عَامِلُهُ عَلَى شَرِيطَةِ التَّفْسِيرِ» جو ہے ہر ایسا اسم ہے «بَعْدَهُ فِعْلٌ أَوْ شِبْهُهُ» جس کے بعد فعل یا شبہِ فعل آئے۔ آپ جانتے ہیں کہ کچھ چیزیں جو ہیں ان کو شبہِ فعل کہتے ہیں کیونکہ وہ بھی فعل جیسا عمل کرتی ہیں۔ جیسے اسمِ فاعل ہے، اسمِ مفعول ہے، صفتِ مشبہ ہے، اسمِ تفضیل ہے، مصدر وغیرہ۔ لیکن یاد رکھیں، یہاں جو شبہِ فعل آیا، اس سے مراد صرف اسمِ فاعل اور اسمِ مفعول ہیں۔ یہاں جو شبہِ فعل آیا اس سے صرف اسمِ فاعل اور اسمِ مفعول مراد ہیں، باقی شبہِ فعل مراد نہیں ہے بھائی۔

تو کہتے ہیں: «كُلُّ اسْمٍ بَعْدَهُ فِعْلٌ أَوْ شِبْهُهُ» کہ «مَا أُضْمِرَ عَامِلُهُ عَلَى شَرِيطَةِ التَّفْسِيرِ» ہر ایسا اسم ہے جس کے بعد فعل یا شبہِ فعل آئے۔ «مُشْتَغِلٌ عَنْهُ»، جی، «اِشْتَغَلَ» کے بعد «عَنْهُ» آرہا ہے، تو یہ «مُعْرِضٌ» کے معنیٰ میں ہے، اعراض کرنے والا۔ اس کے بعد ایسا فعل یا شبہِ فعل آئے جو اعراض کرنے والا ہو اس اسم سے۔ بھائی دونوں مثالوں میں «زَيْدًا» کے بعد «ضَرَبْتُ» آیا یا نہیں؟ اور یہ «ضَرَبْتُ» «زَيْدًا» سے اعراض کر رہا ہے۔ کیوں؟ کیونکہ یہ اس کی ضمیر یا اس کے متعلق میں مشغول ہے۔ توجہ ہے؟ یہ دونوں مثالوں میں «زَيْدًا» کے بعد «ضَرَبْتُ» جو ہے یہ «زَيْدًا» کو نصب نہیں دے سکتا کیونکہ

«ضَرَبْتُ» ایک مثال میں «ضَرَبْتُ» اس کی ضمیر میں مشغول ہے اور دوسری مثال میں اس کے متعلق میں مشغول ہے۔ یہ معنیٰ ہے «مُشْتَغِلٌ عَنْهُ»، اور وہ فعل یا شبہِ فعل اعراض کرنے والا ہو اس اسم کے اندر عمل کرنے سے۔ «بِضَمِيرِهِ أَوْ مُتَعَلِّقِهِ»، اس اسم کی ضمیر کی وجہ سے اعراض کرنے والا ہے کس وجہ سے؟ یہ «ضَرَبْتُ» «زَيْدًا» میں کیوں نہیں عمل کر رہا، کس وجہ سے؟ کیونکہ وہ عمل کر رہا ہے اس کی ضمیر میں یا اس کے متعلق میں۔ کہتے ہیں: «بِضَمِيرِهِ» اس کی ضمیر کے اندر عمل کرنے کی وجہ سے «أَوْ مُتَعَلِّقِهِ» یا اس اسم کے متعلق کے اندر عمل کرنے کی وجہ سے۔

جی آگے دیکھیے: «لَوْ سُلِّطَ عَلَيْهِ»، اس طور پر «لَوْ سُلِّطَ عَلَيْهِ» اگر مسلط کر دیا جائے اس اسم پر «هُوَ» اسی فعل یا شبہِ فعل کو، مسلط کر دیا جائے اسی فعل یا شبہِ فعل کو، «أَوْ مُنَاسِبُهُ» یا اس فعل یا شبہِ فعل کے کسی مناسب کو اس پر مسلط کر دیا جائے، «لَنَصَبَهُ» تو وہ اس کو نصب دے دے۔ دیکھو ایک مثال میں اسی فعل کو مسلط کیا پہلی مثال میں، اور دوسری میں اس کے مناسب کو مسلط کیا تو اس نے اس کو نصب دیا۔

تعریف سمجھ میں آگئی؟ اچھی طرح؟ جی آگے دیکھیے متن، متن: «نَحْوُ زَيْدًا ضَرَبْتُهُ»، یہ وہ پہلی مثال آگئی جو میں نے لکھوائی تھی بھائی۔ «زَيْدًا ضَرَبْتُهُ»، یہ «زَيْدًا» جو ہے «مَا أُضْمِرَ عَامِلُهُ عَلَى شَرِيطَةِ التَّفْسِيرِ» ہے، جس کے بعد فعل آرہا ہے، اور وہ فعل اس «زَيْدًا» کو نصب نہیں دے سکتا کیونکہ وہ اس کی ضمیر میں مشغول ہے۔ لیکن اس طور پر کہ اگر اسی «ضَرَبْتُ» کو، توجہ ہے، اس مثال پہ نظر ہے؟ اس طور پر کہ اس «ضَرَبْتُ» کو اگر اس «زَيْدًا» پر مسلط کیا جائے تو یہ اس کو نصب دے سکتا ہے۔

اگلی مثال دیکھیے: «وَزَيْدًا مَرَرْتُ بِهِ»، زید کہ میں اس کے پاس سے گزرا۔ «مَرَرْتُ» کا معنیٰ ہے گزرنا، اور یہ براہِ راست مفعول بہ کو نصب نہیں دے سکتا۔ کیونکہ یہ فعلِ لازم ہے، یہ فعلِ لازم کے لیے مفعول نہیں آتا۔ تو پھر فعل کو متعدی بنانے کے لیے بعض اوقات باء کا سہارا لیا جاتا ہے۔ اسی لیے کہا «مَرَرْتُ بِهِ» أَيْ «مَرَرْتُ بِزَيْدٍ»۔ یہ ہاء ضمیر کس کو راجع؟ زید کو۔ تو یہ جار مجرور مل کر متعلق ہیں «مَرَرْتُ» سے۔ اور میں نے آپ کو بتلایا تھا کہ جو مجرور ہوتا ہے حرفِ جر کے ذریعے، یہ بھی دراصل مفعول بہ ہے لیکن یہ غیرِ صریح ہے، یہ غیرِ صریح ہے۔ پھر سنو بھائی، میں بار بار چیزیں دہراتا ہوں تاکہ آپ کے ذہن میں جم جائیں، یہ بنیادی باتیں ہیں نحو کی بھائی۔ یاد رکھو فعلِ متعدی جو ہے وہ مفعول کو نصب دیتا ہے جبکہ فعلِ لازم مفعول بہ کو نصب نہیں دیتا۔ تو بعض اوقات ہمیں ایک مفعول بہ لانے کی ضرورت پیش آجاتی ہے۔ فعلِ لازم میں ہی مفعول بہ لانے کی ضرورت پیش آگئی، یا فعلِ متعدی جو ہے اس کے اندر ایک اور مفعول بہ آپ لانا چاہتے ہیں۔ ایک کو وہ نصب دیتا تھا، مثلاً دیکھو: «ضَرَبْتُ زَيْدًا» میں نے زید کی پٹائی کی۔ اب میں بتلانا یہ چاہتا ہوں کہ میں نے لاٹھی کے ساتھ زید کی پٹائی کی۔ تو اب میں «اَلْعَصَا» کو بھی ساتھ جوڑنا چاہتا ہوں: «ضَرَبْتُ زَيْدًا الْعَصَا» کہنا چاہتا ہوں۔ لیکن «اَلْعَصَا» جو ہے اس کو میں «ضَرَبْتُ» کے ساتھ نہیں جوڑ سکتا، یعنی اس کے لیے میں اس کو مفعول بہ نہیں بنا سکتا۔ کیونکہ «ضَرَبْتُ» ایک مفعول بہ چاہتا

ہے اور وہ «زَيْدًا» جو ہے وہ آچکا ہے۔ اب «اَلْعَصَا» کو وہ نصب نہیں دے سکتا، لیکن میں جوڑنا چاہتا ہوں۔ تو جب ایسا موقع آجائے کہ فعل براہِ راست ایک چیز میں عمل نہیں کر سکتا تو وہاں پھر حروفِ جارہ کا سہارا لیا جاتا ہے۔ تو پھر اب میں باء کا سہارا لیتا ہوں اور یوں کہتا ہوں: «ضَرَبْتُ زَيْدًا بِالْعَصَا»، اب بات صحیح ہو گئی۔ تو اس کے اندر دیکھو «زَيْدًا» یہ بھی مفعول بہ ہے «ضَرَبْتُ» کے لیے، اور یہ جو «بِالْعَصَا»، یہ جو «اَلْعَصَا» کو ہم نے باء کے ذریعے «ضَرَبْتُ» سے جوڑا ہے، تو یہ «اَلْعَصَا» بھی مفعول بہ ہے «ضَرَبْتُ» کے لیے۔ لیکن فرق دونوں میں یہ ہے کہ «زَيْدًا» جو ہے مفعول بہ صریح ہے۔ صریح کا معنیٰ صاف لفظوں میں یعنی واضح طور پر، کیونکہ فعل اس کو نصب دے رہا ہے۔ جبکہ «ضَرَبْتُ زَيْدًا بِالْعَصَا»، یہ جو «اَلْعَصَا» ہے یہ تو باء کی وجہ سے مجرور ہے۔ تو یہ مفعول بہ صریح تو نہیں، یہ تو مجرور ہے۔ البتہ یہ ہے مفعول بہ ہی، تو اس کو مفعول بہ غیرِ صریح کہتے ہیں۔ بات سمجھ میں آگئی؟

تو اسی طرح «مَرَرْتُ بِهِ»، یہ «مَرَرْتُ» فعلِ لازم ہے۔ «مَرَرْتُ» کا معنیٰ میں گزرا، لیکن میں اب زید کو بھی ساتھ جوڑنا چاہتا ہوں، میں بتلانا یہ چاہتا ہوں کہ میں زید کے پاس سے گزرا۔ تو اب «مَرَرْتُ» تو «زَيْدًا» کو نصب نہیں دے سکتا، تو پھر میں باء حرفِ جر کا سہارا لیتا ہوں: «مَرَرْتُ بِزَيْدٍ»۔ تو اب بات ٹھیک بن گئی، اور یہ «مَرَرْتُ» نے عمل کیا زید کے اندر لیکن کس کے واسطے سے؟ باء کے واسطے سے۔ تو یہ «بِزَيْدٍ» میں جو زید ہے، یہ مفعول بہ غیرِ صریح ہے کس کے لیے؟ «مَرَرْتُ» کے لیے۔

تو اب دیکھیے: «زَيْدًا مَرَرْتُ بِهِ»، زید کہ میں اس کے پاس سے گزرا۔ یہاں «زَيْدًا» یہ ہے «مَا أُضْمِرَ عَامِلُهُ عَلَى شَرِيطَةِ التَّفْسِيرِ»۔ اس کے بعد ایک فعل آرہا ہے «مَرَرْتُ»، اور وہ فعل اس زید کی ضمیر میں مشغول ہے: «مَرَرْتُ بِهِ»۔ آپ کہیں گے بھائی فعل تو نہیں مشغول، وہ تو باء مشغول ہے۔ بھائی فعل مشغول ہے بواسطہ باء کے۔ فعل مشغول ہے بواسطہ باء کے، باء کے واسطے سے فعل اس کے اندر عمل کر رہا ہے۔ تو «مَرَرْتُ» فعل وہ مشغول ہے اس زید کی ضمیر کے اندر، اس طور پر کہ اسی فعل کو یا اس کے مناسب کو اس زید پر مسلط کیا جائے تو وہ اس کو نصب دے سکے۔ وہ اس کو، اب اسی «مَرَرْتُ» کو ہم مسلط کریں زید پر تو «مَرَرْتُ» تو نصب نہیں دے سکتا کیونکہ «مَرَرْتُ» تو فعلِ لازم ہے، اس کے لیے تو مفعول بہ آتا ہی نہیں۔ ہاں «مَرَرْتُ» جب باء کے ذریعے متعدی ہو گیا، تو اب یہ «جَاوَزْتُ» کے معنیٰ میں ہوا۔ «جَاوَزْتُ» کا معنیٰ بھی ہے کسی کے پاس سے گزرنا، اور «جَاوَزْتُ» فعلِ متعدی ہے وہ مفعول بہ چاہتا ہے۔ تو اب یہاں «مَرَرْتُ» تو «زَيْدًا» کو نصب نہیں دے سکتا، لیکن «مَرَرْتُ» کا ایک مناسب جو ہے «جَاوَزْتُ» وہ زید کو نصب دے سکتا ہے۔ تو یہاں «جَاوَزْتُ» مقدر نکالیں گے: «جَاوَزْتُ زَيْدًا»، میں زید کے پاس سے گزرا، «مَرَرْتُ بِهِ» میں اس کے پاس سے گزرا۔ تو «مَرَرْتُ» فعلِ لازم ہے، لیکن جب یہ باء کے ذریعے متعدی ہو گیا تو یہ کس کے معنیٰ میں ہو گیا؟ «جَاوَزْتُ» کے معنیٰ میں ہو گیا۔ اور «مَرَرْتُ» تو اب زید کو نصب نہیں دے سکتا، لیکن «مَرَرْتُ» کا ایک مناسب جو ہے یعنی «جَاوَزْتُ» اس کو نصب دے سکتا ہے۔ اور دیکھو معنیٰ ابھی بھی ٹھیک ہے، «جَاوَزْتُ زَيْدًا» کا بھی کیا معنیٰ؟ میں زید کے پاس سے گزرا، اور «مَرَرْتُ بِهِ» کا بھی کیا

معنیٰ؟ کہ میں زید کے پاس سے گزرا۔

اگلی مثال دیکھیے: «وَزَيْدًا ضَرَبْتُ غُلَامَهُ»۔ دیکھو یہ «زَيْدًا» یہ «مَا أُضْمِرَ عَامِلُهُ عَلَى شَرِيطَةِ التَّفْسِيرِ» ہے، جس کے بعد ایک فعل آ رہا ہے یعنی «ضَرَبْتُ»، اور وہ «ضَرَبْتُ» جو ہے وہ اس اسم کے متعلق میں مشغول ہے: «ضَرَبْتُ غُلَامَهُ»۔ ضمیر میں نہیں مشغول بلکہ «ضَرَبْتُ غُلَامَهُ»، اس زید کے متعلق یعنی اس کے غلام میں مشغول ہے، اس کو نصب دے رہا ہے۔ اس طور پر کہ اگر اسی «ضَرَبْتُ» یا اس کے کسی مناسب کو زید پر مسلط کیا جائے تو وہ نصب دے سکے، اور وہ یہاں پر کیا ہے؟ «أَهَنْتُ»، «أَهَنْتُ زَيْدًا ضَرَبْتُ غُلَامَهُ»۔ تو اس «أَهَنْتُ» کو حذف کر لیا اور یہ «ضَرَبْتُ غُلَامَهُ» یہ اسی کی تفسیر ہے، یہ اسی کی، «ضَرَبْتُ غُلَامَهُ» یہ اسی کی تفسیر ہے۔ جب اس کے غلام کی پٹائی کی ہے تو اس کے ساتھ کیا لازم ہے؟ زید کی اہانت۔ بات سمجھ میں آ گئی؟ تو ان تمام مثالوں میں دیکھیے یہ ما بعد جو ہے یہ ما قبل کی تفسیر ہے۔ پہلی مثال میں دیکھو: «ضَرَبْتُ زَيْدًا ضَرَبْتُهُ»، «ضَرَبْتُ زَيْدًا ضَرَبْتُهُ» تو پہلے «ضَرَبْتُ» کو حذف کر لیا کیونکہ آگے ایک اور «ضَرَبْتُ» کیا کر رہا ہے؟ اس کی تفسیر کر رہا ہے۔ دوسری مثال کیا تھی؟ «جَاوَزْتُ زَيْدًا مَرَرْتُ بِهِ»، یہاں پر «جَاوَزْتُ» کو حذف کر لیا کیونکہ «مَرَرْتُ بِهِ» اس کی تفسیر کر رہا ہے۔ اگلی مثال کیا ہے؟ «أَهَنْتُ زَيْدًا ضَرَبْتُ غُلَامَهُ»، یہاں «أَهَنْتُ» کو کیا کر لیا؟ حذف کر لیا کیونکہ «ضَرَبْتُ غُلَامَهُ» اس کی تفسیر کر رہا ہے۔

اگلی مثال دیکھیے: «وَزَيْدًا حُبِسْتُ عَلَيْهِ»۔ اور زید کہ «حُبِسْتُ عَلَيْهِ» مجھے اس پر روکا گیا، مجھے اس پر، یعنی مجھے زید کے پاس روکا گیا۔ اب یہاں دیکھو «زَيْدًا» یہ «مَا أُضْمِرَ عَامِلُهُ عَلَى شَرِيطَةِ التَّفْسِيرِ» ہے، اور وہ کسے کہتے ہیں؟ وہ اسم جس کے بعد فعل یا شبہِ فعل آئے، تو «زَيْدًا» کے بعد دیکھو «حُبِسْتُ عَلَيْهِ» فعل آ رہا ہے۔ اور وہ فعل یا شبہِ فعل اس کی ضمیر یا اس کے متعلق میں مشغول ہو۔ یہاں «حُبِسْتُ عَلَيْهِ» یہ «عَلَيْهِ» کی ہاء ضمیر زید کو راجع ہے، تو «حُبِسْتُ» اس زید کی ضمیر میں مشغول ہے کس کے واسطے سے؟ «عَلَى» کے واسطے سے، کس کے؟ «عَلَى» کے واسطے سے، تو اس کی ضمیر میں مشغول ہے۔ اس طور پر کہ اسی فعل کو یا اس کے مناسب کو زید پر مسلط کیا جائے تو وہ اس کو نصب دے سکے۔ اور یہاں پر اس کے مناسب کیا ہے؟ «لَابَسْتُ» ہے، «لَابَسْتُ زَيْدًا حُبِسْتُ عَلَيْهِ»۔ «لَابَسَ» کا معنیٰ ہوتا ہے کسی چیز سے تعلق ہونا، کسی چیز سے تعلق ہونا۔ تو دیکھو جب ایک چیز کو دوسری چیز پر بند کیا جائے، ایک چیز کو دوسری چیز کے پاس روک دیا جائے تو اس کا اس چیز سے تعلق آ جاتا ہے بھائی۔ تو گویا تقدیرِ عبارت یوں ہے: «لَابَسْتُ زَيْدًا حُبِسْتُ عَلَيْهِ»۔ پھر اس «لَابَسْتُ» کو حذف کر لیا گیا کیونکہ آگے «حُبِسْتُ عَلَيْهِ» وہ اس کی تفسیر کر رہا تھا۔ بات سمجھ میں آ گئی؟

آگے متن دیکھیے: «يُنْصَبُ بِفِعْلٍ مُضْمَرٍ يُفَسِّرُهُ مَا بَعْدَهُ أَيْ ضَرَبْتُ»۔ کہتے ہیں: «يُنْصَبُ» منصوب ہے یعنی یہ جو زید ہے ان مثالوں کے اندر منصوب ہے، «بِفِعْلٍ» ایک ایسے فعل کی وجہ سے «مُضْمَرٍ» جو مقدر ہے، «يُفَسِّرُهُ مَا بَعْدَهُ» جس کی تفسیر اس کا ما بعد کر رہا ہے، «أَيْ ضَرَبْتُ»۔ عبارت سمجھ میں آ رہی ہے؟ پھر دیکھو۔ کہتے ہیں: «يُنْصَبُ» ان مثالوں

کے اندر یہ زید کا لفظ منصوب ہے «بِفِعْلٍ مُضْمَرٍ يُفَسِّرُهُ مَا بَعْدَهُ»، ایک ایسے فعل کی وجہ سے جو مقدر ہے اور جس کی تفسیر اس کے ما بعد والا فعل کر رہا ہے۔ «أَيْ» یعنی کہ وہ فعلِ مضمر کیا ہے؟ یعنی پہلی مثال میں ہے «ضَرَبْتُ»، دوسری میں ہے «جَاوَزْتُ»، تیسری میں ہے «أَهَنْتُ»، اور چوتھی میں ہے «لَابَسْتُ»۔ تو ترتیب سے وہ سارے نکال کر صاحبِ کافیہ نے بتلا دیے: «أَيْ ضَرَبْتُ وَجَاوَزْتُ وَأَهَنْتُ وَلَابَسْتُ»۔ «آهَنْتُ» تو نہیں آپ کی کتابوں میں؟ الف پر مدہ تو نہیں؟ ہمزہ ہونا چاہیے، ٹھیک ہے بھائی، «أَهَنْتُ»، «أَهَانَ يُهِينُ إِهَانَةً» سے بھائی۔ یہاں تک بات سمجھ میں آگئی؟

جی اب آئیے اس سارے کو شرح کے ساتھ دیکھیں بھائی۔ کہتے ہیں: «اَلثَّالِثُ مِنْ تِلْكَ الْمَوَاضِعِ الْأَرْبَعَةِ» تیسری جگہ ان چار جگہوں میں سے «اَلَّتِي وَجَبَ حَذْفُ نَاصِبِ الْمَفْعُولِ بِهِ فِيهَا» یعنی وہ جگہیں جن کے اندر مفعول بہ کو نصب دینے والے کو حذف کرنا واجب ہے ان جگہوں میں، «مَا أَيْ مَفْعُولٌ بِهِ» وہ مفعول بہ ہے۔ بھائی آپ کی کتابوں میں «مَفْعُولٌ بِهِ» ہے، یہ «بِهِ» کا لفظ ہے؟ ہاں، یاد رکھو یہ کتابت کی غلطی ہے، یہ کسی لکھنے والے نے اس کا اضافہ کر دیا، یہاں «بِهِ» نہیں ہونا چاہیے۔ شارحین نے اور محشی حضرات نے اس کی تصریح کی ہے کہ یہاں «بِهِ» کا لفظ نہیں۔ بھائی کیوں؟ ادھر دیکھیے عبارت یوں ہے: «مَا أَيْ مَفْعُولٌ أُضْمِرَ عَامِلُهُ»۔ تیسرا وہ مفعول ہے «أُضْمِرَ عَامِلُهُ» جس کا عامل مقدر ہے «عَلَى شَرِيطَةِ التَّفْسِيرِ» کس شرط پر؟ تفسیر کی۔ مفعول بہ نہیں بلکہ مفعول کہا، کیا کہا؟ مفعول کہا۔ وجہ یہ، وجہ یہ کہ یاد رکھو کہ یہ «مَا أُضْمِرَ عَامِلُهُ عَلَى شَرِيطَةِ التَّفْسِيرِ» یہ صرف مفعول بہ نہیں بنتا، یہ جو مثالیں گزریں ان میں تو «زَيْدًا» آیا تھا اور وہ مفعول بہ تھا، لیکن صرف مفعول بہ نہیں واقع ہوتا بلکہ مفعول فیہ بھی اسی طرح آتا ہے۔ مفعول فیہ بھی اسی طرح آتا ہے، جیسے لکھو ایک اور مثال اپنے سامنے لکھیے، جلدی جلدی لکھیے بھائی: «يَوْمَ الْجُمُعَةِ صُمْتُ فِيهِ»، «صُمْتُ» صاد میم اور لمبی تاء، «صَامَ يَصُومُ» کا معنیٰ روزہ رکھنا۔ «يَوْمَ الْجُمُعَةِ صُمْتُ فِيهِ»، جمعہ کا دن، «صُمْتُ فِيهِ» کہ میں نے اس میں روزہ رکھا۔ اب دیکھو یہ «يَوْمَ الْجُمُعَةِ» یہ «مَا أُضْمِرَ عَامِلُهُ عَلَى شَرِيطَةِ التَّفْسِيرِ» ہے۔ اور وہ کسے کہتے ہیں؟ وہ اسم کہ جس کے بعد ایک فعل یا شبہِ فعل آئے، اور یہاں پر بھی اس کے بعد «صُمْتُ» فعل آرہا ہے، اور وہ فعل یا شبہِ فعل اسی کی ضمیر میں مشغول ہے بھائی، «فِيهِ» کی ہاء ضمیر کس کو راجع؟ اسی «يَوْمَ الْجُمُعَةِ» کو۔ تو وہ فعل یا شبہِ فعل اسی کی ضمیر میں مشغول ہے، اس طور پر کہ اسی فعل کو اگر اس پر مسلط کیا جائے تو وہ اس کو نصب دے سکے، اور یہاں «صُمْتُ» نکال لیں تو وہ نصب دے سکتا ہے: «صُمْتُ يَوْمَ الْجُمُعَةِ»، میں نے جمعہ کے دن روزہ رکھا۔ چاہے «فِي» کے ساتھ کہیں چاہے بغیر «فِي» کے کہیں ایک ہی بات ہے۔ «صُمْتُ يَوْمَ الْجُمُعَةِ» میں نے جمعہ کے دن میں روزہ رکھا، یا «صُمْتُ فِيهِ» میں نے اس جمعہ کے دن میں روزہ رکھا۔ تو دیکھو جب آپ نے «صُمْتُ» نکال لیا تو تقدیرِ عبارت کیا ہوئی؟ «صُمْتُ يَوْمَ الْجُمُعَةِ صُمْتُ فِيهِ»، معنیٰ میں کوئی خرابی آئی؟ معنیٰ میں خرابی نہیں آئی، دیکھا اسی فعل کو مسلط کر سکتے ہیں۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو معلوم ہوا «مَا أُضْمِرَ عَامِلُهُ عَلَى شَرِيطَةِ التَّفْسِيرِ» صرف مفعول بہ میں نہیں آتا بلکہ مفعول فیہ میں بھی آتا ہے۔ تو اسی لیے صاحبِ جامی نے «مَا» کی تفسیر مفعول کے ساتھ کی کہ تیسرا مقام وہ مفعول ہے، وہ مفعول کہا، اب اس میں مفعول بہ بھی داخل اور مفعول فیہ بھی

داخل ہے۔ ہاں مراد یہاں پر مفعول بہ ہی ہے۔ مراد، بھائی دیکھو نا آگے تعریف کرنے لگے ہیں کس کی؟ «مَا أُضْمِرَ عَامِلُهُ عَلَى شَرِيطَةِ التَّفْسِيرِ» کی تعریف کرنے لگے ہیں۔ تو تعریف وہ ایسی کرنا چاہتے ہیں جو دونوں کو شامل ہو جائے، مفعول بہ کو بھی اور مفعول فیہ کو بھی۔ تو لہٰذا اسی لیے «مَا» سے مفعول بہ مراد نہ لیں ورنہ تو یہ پھر صرف مفعول بہ والے «مَا أُضْمِرَ» کی تفسیر ہو جائے گی، حالانکہ یہ تعریف دونوں کی کرنا چاہتے ہیں۔ لہٰذا «مَا» کی تفسیر انہوں نے مفعول بہ کے ساتھ نہیں کی بلکہ کس کے ساتھ کی؟ مفعول کے ساتھ کی، لیکن مراد مفعول بہ ہی ہے۔ توجہ ہے؟ کیونکہ بحث کس کی چل رہی ہے؟ مفعول بہ کی، تو مراد مفعول بہ ہے لیکن تفسیر کے اندر عام لفظ لے کر آئے تاکہ وہ مفعول فیہ کو بھی شامل ہو جائے۔ تو تعریف کی عام اور مراد ہے خاص۔ تعریف کی عام یعنی ہر وہ مفعول جس کے عامل کو کیا کر لیا جائے؟ مقدر کر لیا جائے تفسیر کی شرط پر، ہر وہ مفعول چاہے وہ مفعول بہ ہو چاہے مفعول فیہ۔ تو تعریف کی عام اور مراد ہے خاص بھائی، اور عام بول کر خاص مراد لے سکتے ہیں، جیسے انسان عام ہے اور زید خاص ہے، اور انسان بول کر آپ زید کا ارادہ کر سکتے ہیں بھائی۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو یہاں پر بھی تعریف کی عام اور مراد ہے خاص بھائی، اور یہ عام بول کر خاص کا ارادہ صحیح ہے۔

تو کہتے ہیں تیسری جگہ ان میں سے «مَا أَيْ مَفْعُولٌ أُضْمِرَ» وہ مفعول ہے «أُضْمِرَ أَيْ قُدِّرَ عَامِلُهُ» جس کے عامل کو مقدر کیا جائے، وہ عامل «اَلنَّاصِبُ لَهُ» جو اس کو نصب دینے والا ہے «عَلَى شَرِيطَةِ التَّفْسِيرِ» کس شرط پر؟ تفسیر کی شرط پر۔ «اَلشَّرِيطَةُ وَالشَّرْطُ وَاحِدٌ»۔ صاحبِ جامی بتلا رہے ہیں کہ شریطہ اور شرط کا ایک ہی معنیٰ ہے، تو آپ «اَلشَّرِيطَةُ» کا لفظ پڑھ کر پریشان نہ ہوں۔ «شَرِيطَةُ التَّفْسِيرِ» کہہ دیں یا «شَرْطُ التَّفْسِيرِ» کہہ لیں ایک ہی بات ہے۔ «عَلَى شَرِيطَةِ التَّفْسِيرِ: اَلشَّرِيطَةُ وَالشَّرْطُ وَاحِدٌ» شریطہ اور شرط ایک ہی چیز ہیں، یعنی ایک ہی معنیٰ ہے دونوں کا۔ «وَإِضَافَتُهَا إِلَى التَّفْسِيرِ بَيَانِيَّةٌ»۔ اور یہ جو شریطہ کی اضافت ہو رہی ہے تفسیر کی طرف، یہ بیانیہ ہے۔ یہ اضافتِ بیانی ہے۔ میں نے آپ کو بتلایا تھا کہ مضاف اور مضاف الیہ دونوں ایک دوسرے کے مغایر ہوتے ہیں۔ «غُلَامُ زَيْدٍ»، غلام کی ذات اور ہے اور زید کی ذات اور۔ لیکن ایک اضافتِ بیانی ہے جس میں مضاف اور مضاف الیہ ایک ہی ہوتے ہیں۔ توجہ ہے؟ پہلے آتا ہے مضاف، اور آگے جو مضاف الیہ آتا ہے وہ اسی مضاف کی وضاحت کرتا ہے، اس کا بیان کرتا ہے۔ پہلے کون آتا ہے؟ مضاف، پھر آگے مضاف الیہ۔ تو جو مضاف الیہ ہوتا ہے وہ کوئی الگ چیز نہیں ہوتی، وہ اسی مضاف کی وضاحت کر رہا ہوتا ہے کہ اس مضاف سے یہ مراد ہے۔

جیسے یہاں پر «شَرِيطَةِ التَّفْسِيرِ» بھائی۔ دیکھو «شَرِيطَةِ» مضاف، «اَلتَّفْسِيرِ» مضاف الیہ۔ کہ «مَا أُضْمِرَ عَامِلُهُ»، دیکھو ترجمے پہ غور کرنا: «مَا» وہ مفعول «أُضْمِرَ عَامِلُهُ» جس کے عامل کو مقدر کر لیا گیا «عَلَى شَرِيطَةِ التَّفْسِيرِ»۔ ذرا دونوں کو الگ کر دو: «عَلَى شَرِيطَةٍ» ایک شرط پر۔ وہ مفعول جس کے عامل کو مقدر کر لیا گیا «عَلَى شَرِيطَةٍ»، کس پر؟ ایک شرط پر۔ ایک شرط پر اس کے عامل کو مقدر کیا گیا ہے۔ بھائی وہ کون سی شرط ہے؟ کہتے ہیں: «اَلتَّفْسِيرُ»، کہ اس کی آگے تفسیر آنی چاہیے۔ وہ شرط کیا ہے؟ وہ یہی شرط یہی تفسیر تو ہے کہ آگے اس کی تفسیر آنی چاہیے۔ دیکھو پہلی مثال کیا تھی؟ «زَيْدًا

ضَرَبْتُهُ»، یہ پہلے «ضَرَبْتُ» کو کیوں حذف کیا گیا؟ اس شرط پر کہ آگے اس کی تفسیر آ رہی ہے۔ تو وہ شرط وہ تفسیر ہی ہے بھائی، وہ شرط تفسیر ہی ہے۔ اگر تفسیر ساتھ نہ لاتے، کہتے کہ بھائی جس کے عامل کو مقدر کر لیا جائے ایک شرط پر، بھائی وہ شرط کیا ہے؟ شرط بھی چاہیے یا نہیں، تفصیل چاہیے یا نہیں اس کی؟ تو اسی کو اضافت کے ساتھ بیان کر دیا مضاف الیہ بنا کر لے آئے، کہ وہ شرط اس کی تفسیر ہے کہ آگے اس کی تفسیر آنی چاہیے بھائی۔ تفسیر آئے گی تو پھر پہلے کو حذف کریں گے ورنہ تو پتہ ہی نہیں چلے گا کہ کس کو حذف کیا گیا ہے، لیکن آگے جو تفسیر آئے گی اس سے محذوف کے بارے میں پتہ چل جائے گا۔ بات سمجھ میں آ گئی؟

اور یاد رکھو یہ جو اضافتِ بیانی ہے، اس کو پہچاننے کا طریقہ یہ ہے کہ مضاف کو بنا لو مبتدا اور مضاف الیہ کو بنا لو خبر۔ تو اگر کلام ٹھیک بن جائے تو سمجھ جاؤ اضافتِ بیانی ہے، اور اگر کلام ٹھیک نہ بنے تو سمجھ جاؤ اضافتِ بیانی نہیں۔ «غُلَامُ زَيْدٍ»، غلام مضاف، زید مضاف الیہ۔ یوں کرو مضاف کو بناؤ مبتدا اور مضاف الیہ کو بناؤ خبر: «اَلْغُلَامُ زَيْدٌ»۔ مبتدا معرفہ ہوتا ہے نا، اور خبر نکرہ، لیکن یہاں تو علم ہے اس کو اسی طرح لانا پڑے گا۔ «اَلْغُلَامُ زَيْدٌ»، وہ غلام زید ہے۔ بھائی زید غلام ہے یا غلام کا مالک ہے؟ مالک ہے، لہٰذا یہ کلام درست نہ بنا «اَلْغُلَامُ زَيْدٌ» کہ وہ غلام زید ہے۔ نہیں توجہ؟ «غُلَامُ زَيْدٍ» سے کیا پتہ چلا، زید غلام ہے یا زید کا غلام ہے؟ زید کا غلام ہے۔ اب اسی کو ذرا مبتدا خبر بناؤ: «اَلْغُلَامُ زَيْدٌ»، مضاف کو مبتدا بنایا اور مضاف الیہ کو خبر، وہ غلام زید ہے۔ کلام صحیح ہوا؟ معنیٰ کے اعتبار سے صحیح نہیں ہوا کلام، معلوم ہوا یہ اضافتِ بیانی نہیں ہے۔

اب اس کو لے آؤ: «شَرِيطَةُ التَّفْسِيرِ»۔ شریطہ کو بناؤ مبتدا، معرفہ بنا دو: «اَلشَّرِيطَةُ»۔ اور «اَلتَّفْسِيرِ» کو بنا دو خبر، اور خبر نکرہ ہوتی ہے: «اَلشَّرِيطَةُ تَفْسِيرٌ»۔ «اَلشَّرِيطَةُ تَفْسِيرٌ»، یا یوں کہیں: «اَلتَّفْسِيرُ» کے اندر، تفسیر کے اندر یہ الف لام کو عوض بنا لیں مضاف الیہ سے: «تَفْسِيرُ الْعَامِلِ»۔ وہ جو «ضَرَبْتُ» عامل تھا اس کی آگے کیا آنی چاہیے؟ تفسیر آنی چاہیے، تو «اَلتَّفْسِيرُ» سے کیا مراد ہے؟ «تَفْسِيرُ الْعَامِلِ»۔ اس کو خبر بنا لو: «اَلشَّرِيطَةُ تَفْسِيرُ الْعَامِلِ»۔ وہ شرط جو ہے، «تَفْسِيرُ الْعَامِلِ» عامل کی تفسیر ہے۔ وہ شرط عامل کی تفسیر ہے۔ کلام صحیح ہو گیا یا نہیں؟ دیکھا، تو یہ ہے اضافتِ بیانی بھائی، اضافتِ بیانی۔

یا دوسری مثال دیکھ لیں جیسے شرحِ تہذیب کے خطبے میں آتا ہے: «بِدَلِيلِ أُهَيْلٍ»۔ کہ آل کی اصل اہل ہے «بِدَلِيلِ أُهَيْلٍ»، اہیل کی دلیل کی وجہ سے۔ تو یہاں «دَلِيلِ أُهَيْلٍ» یہ مضاف مضاف الیہ ہیں، اور یہ اضافتِ بیانی ہے۔ وہ دلیل کیا ہے؟ اہیل ہے، کیونکہ آپ نے پڑھا ہے: «اَلتَّصْغِيرُ وَالتَّكْسِيرُ يَرُدَّانِ الْأَشْيَاءَ إِلَى أُصُولِهَا»۔ کسی لفظ کی اصل کا پتہ چلانا ہو، اس کے مادے کا پتہ چلانا ہو، تو اس کی تصغیر بنا لیں یا اس کی جمعِ تکسیر دیکھ لیں، آپ کو اس سے اس کا پتہ چل جائے گا۔ اور آل کی تصغیر کیا آتی ہے؟ «أُهَيْلٌ»۔ دیکھو «أُهَيْلٌ» کے اندر ہاء موجود ہے، معلوم ہوا آل بھی اصل میں کیا تھا؟ اہل تھا بھائی۔ تو «بِدَلِيلِ أُهَيْلٍ»، دلیل مضاف، «أُهَيْلٍ» مضاف الیہ، اور یہ اضافتِ بیانی ہے۔ اور اس کو بنائیں مبتدا خبر بنائیں

ذرا، آل کی اصل اہل ہے «بِدَلِيلِ أُهَيْلٍ»۔ دلیل کو بناؤ مبتدا، اس کو معرفہ بنا دو: «اَلدَّلِيلُ»۔ اور اہیل کو خبر بنا دو: «اَلدَّلِيلُ أُهَيْلٌ»۔ وہ دلیل جو ہے اہیل ہے۔ بات صحیح بن گئی، بات سمجھ میں آگئی؟ دیکھیے بھائی کتاب پر۔

تو کہتے ہیں: «وَإِضَافَتُهَا إِلَى التَّفْسِيرِ بَيَانِيَّةٌ» اور یہ جو شریطہ کی اضافت ہو رہی ہے تفسیر کی طرف، یہ اضافتِ بیانیہ ہے۔ «أَيْ مَا أُضْمِرَ عَامِلُهُ بِنَاءً عَلَى شَرْطٍ» یعنی وہ مفعول کہ جس کے عامل کو مقدر کر لیا جائے بنا بر ایک شرط کے، جس کے عامل کو مقدر کر لیا جائے بنا بر ایک شرط کے۔ آگے دیکھو: «هُوَ تَفْسِيرُهُ» اور وہ شرط جو ہے اس کی، اس عامل کی تفسیر ہے۔ «أَيْ تَفْسِيرُ الْعَامِلِ» اس عامل کی تفسیر ہے۔ «بِمَا بَعْدَهُ» کس کے ذریعے؟ اس کے ما بعد کے ذریعے یعنی اس کی تفسیر کی جائے۔ کیا بتایا تھا؟ یہ اضافتِ بیانی ہے، جس میں مضاف الیہ بیان کرتا ہے کس کا؟ مضاف کا، مضاف کا۔ تو یہاں پر بھی اسی طرح کیا: «بِنَاءً عَلَى شَرْطٍ» کہ وہ «مَا أُضْمِرَ عَامِلُهُ بِنَاءً عَلَى شَرْطٍ» کہ جس کے عامل کو مقدر کر لیا گیا بنا بر ایک شرط کے۔ کس کے؟ ایک شرط کے۔ آگے پھر اسی کے، دیکھو اب وہ شرط کیا ہے؟ وہ مضاف الیہ اسی کی وضاحت کر رہا ہے کہ وہ شرط کیا ہے: «هُوَ تَفْسِيرُهُ» وہ اس عامل کی تفسیر ہے۔ «أَيْ تَفْسِيرُ الْعَامِلِ بِمَا بَعْدَهُ» اس عامل کی تفسیر اس کے ما بعد کے ذریعے۔

«وَإِنَّمَا وَجَبَ حَذْفُهُ حِينَئِذٍ» اور اس وقت اس کا حذف واجب ہے، جب ما بعد اس کی تفسیر کر رہا ہو تو اس وقت اس کا حذف واجب ہے۔ «اِحْتِرَازًا عَنِ الْجَمْعِ بَيْنَ الْمُفَسَّرِ وَالْمُفَسِّرِ» بچنے کے لیے مفسر اور مفسر کے درمیان جمع سے، اس بات سے بچنے کے لیے کہ مفسر اور مفسر کے درمیان جمع لازم آتی ہے۔ بھائی دیکھیے پہلی مثال کیا تھی؟ «زَيْدًا ضَرَبْتُهُ»، اور تقدیرِ عبارت کیا ہے؟ «ضَرَبْتُ زَيْدًا ضَرَبْتُهُ»، اور یہ پہلے «ضَرَبْتُ» کو کیوں حذف کیا گیا؟ کیونکہ آگے اس کی تفسیر آ رہی ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ اور اگر پہلے «ضَرَبْتُ» کو بھی ذکر کریں گے تو مفسر اور مفسر کا جمع ہونا لازم آئے گا۔ توجہ ہے؟ اور مفسر اور مفسر جمع نہیں ہو سکتے۔ مفسر جس کی تفسیر کی جائے، جو پہلے آئے وہ ہے مفسر، اور جو بعد میں آئے وہ ہے مفسر یعنی تفسیر کرنے والا۔ تو «ضَرَبْتُ زَيْدًا ضَرَبْتُهُ»، تو پہلے «ضَرَبْتُ» کو حذف کر دیا اور اگلا «ضَرَبْتُ» اس کی تفسیر ہے، تو پہلا «ضَرَبْتُ» ہوا مفسر اور دوسرا «ضَرَبْتُ» ہوا مفسر۔ تو پہلے کو کیوں حذف کیا؟ تاکہ کہیں مفسر اور مفسر کا اجتماع لازم نہ آئے کیونکہ یہ جائز نہیں۔

اس پر اشکال ہوتا ہے کہ ہم تو عبارتوں میں جگہ جگہ پڑھتے ہیں، مفسر اور مفسر دونوں موجود ہوتے ہیں۔ کسی لفظ کی تفسیر «أَيْ» کے ساتھ کی جاتی ہے، اور جگہ جگہ یہ عبارتیں آ رہی ہیں۔ دیکھو یہاں آگے بھی آ رہا ہے: «وَهُوَ أَيْ مَا أُضْمِرَ»، متن دیکھیں: «وَهُوَ أَيْ مَا أُضْمِرَ»۔ یہ «هُوَ» کیا ہے؟ مفسر، اور «أَيْ» حرفِ تفسیر، اور «هُوَ» سے کیا مراد ہے؟ «مَا أُضْمِرَ عَامِلُهُ عَلَى شَرِيطَةِ التَّفْسِيرِ»، یہ اس کی تفسیر آگئی۔ تو یہ دیکھو اس کے اندر تو مفسر بھی ہے اور مفسر بھی ہے۔ تو آپ نے تو ہمیں کیا کہا؟ مفسر اور مفسر کا اجتماع جائز نہیں۔ تو یاد رکھنا یہ اس مقام پر ہے، یہ اس مقام پر ہے جہاں پر تفسیر لائی ہی اس لیے گئی کیونکہ مفسر کو حذف کر لیا گیا تھا۔ پہلے «ضَرَبْتُ» کو حذف کر لیا گیا۔ جب پہلے «ضَرَبْتُ» کو حذف کر لیا تو اس کے حذف

کی وجہ سے ابہام لازم آئے گا، پتہ ہی نہیں چلے گا کہ کون سا فعل یہاں پر محذوف ہے، تو آگے پھر کیا کی گئی؟ اس کی تفسیر لائی گئی۔ تو عام تفسیر میں اور اس تفسیر میں فرق ہے۔ عام تفسیر میں مفسر اور مفسر الگ الگ ہوتے ہیں، اور ایک لفظ کا معنیٰ واضح نہیں ہوتا یا مرجع وغیرہ یا کسی چیز کا پتہ نہیں چل رہا ہوتا تو «أَيْ» کے ساتھ اس کی تفسیر کی جاتی ہے۔ لیکن یہاں پر تفسیر کیوں لائی گئی؟ وہ جو فعل محذوف تھا، جو فعلِ محذوف ہے اس فعل کے معنیٰ میں کوئی ابہام نہیں تھا۔ پہلی مثال میں کیا فعل محذوف ہے؟ «ضَرَبْتُ»۔ «ضَرَبْتُ» کے معنیٰ میں کوئی ابہام ہے؟ نہیں۔ پھر آگے دوسرا «ضَرَبْتُ» کیوں لائے؟ وجہ یہ کہ پہلے کو حذف کر لیا۔ جب پہلے کو حذف کر لیا اب سننے والے کو پتہ نہیں چلے گا کہ کون سا فعل حذف ہے۔ تو اس لیے یہ آگے اس کی تفسیر لائی گئی۔ تو یہ تفسیر لانے کا سبب ہی کیا بنا ہے؟ حذف بنا ہے، کیا بنا ہے؟ حذف۔ اگر حذف نہ ہوتا تو تفسیر لانے کی کوئی حاجت نہیں تھی۔ تو یہاں پر جو ابہام آیا وہ کس کی وجہ سے آیا؟ حذف ہی کی وجہ، تو یہاں پر حذف کی وجہ سے ہی تو آگے تفسیر لانا پڑی۔ اگر آپ اس کو حذف نہیں کرتے، ذکر کر دیتے ہیں، تو پھر جب مفسر خود موجود ہے تو آگے کسی تفسیر کی ضرورت ہی نہیں ہے کیونکہ اس کا اپنا معنیٰ تو واضح ہے۔ ابہام کیوں آیا تھا؟ حذف کی وجہ سے ابہام آیا تھا۔ باقی جگہوں پر ابہام ہوتا ہے لیکن خود اس لفظ میں یا اس کے مرجع وغیرہ میں ابہام ہوتا ہے، آگے تفسیر لے آتے ہیں۔ لیکن یہاں لفظ میں کوئی ابہام نہیں تھا۔ وہ جو «ضَرَبْتُ» محذوف ہے اس کے لفظوں میں کوئی، اس کے معنیٰ میں کوئی ابہام نہیں۔ یہاں ابہام آیا ہی کس وجہ سے؟ حذف کی وجہ سے۔ تو حذف کی وجہ سے ابہام آیا اس لیے آگے پھر کیا لے آئے؟ تفسیر لے آئے۔ تو اگر اس کو حذف ہی نہ کرتے تو کوئی ابہام آتا؟ نہیں۔ جب ابہام نہ آتا تو پھر مفسر کا لانا لغو اور بیکار ہو جاتا۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو اس لیے یہاں پر مفسر اور مفسر کا اجتماع جائز نہیں، باقی جگہ جائز ہے کیونکہ یہاں ابہام آیا ہی حذف کی وجہ سے ہے اور اسی کی وجہ سے آگے تفسیر لانا پڑی بھائی۔

تو کہتے ہیں: «وَإِنَّمَا وَجَبَ حَذْفُهُ حِينَئِذٍ» اور اس وقت یعنی جب اس کا ما بعد اس کی تفسیر کر رہا ہو تو اس وقت اس کا حذف واجب ہے، «اِحْتِرَازًا عَنِ الْجَمْعِ بَيْنَ الْمُفَسَّرِ وَالْمُفَسِّرِ» بچتے ہوئے مفسر اور مفسر کے درمیان جمع سے۔

«وَهُوَ أَيْ مَا أُضْمِرَ عَامِلُهُ عَلَى شَرِيطَةِ التَّفْسِيرِ»، یہ ضمیر کا مرجع بتلا رہے ہیں کہ «مَا أُضْمِرَ عَامِلُهُ عَلَى شَرِيطَةِ التَّفْسِيرِ» جو ہے «كُلُّ اسْمٍ» ہر ایسا اسم ہے «بَعْدَهُ فِعْلٌ» جس کے بعد فعل آئے «أَوْ شِبْهُهُ» یا شبہِ فعل آئے۔ شبہِ فعل سے یہاں کیا مراد ہے؟ اسمِ فاعل اور اسمِ مفعول مراد ہیں، اور کوئی دوسرا شبہِ فعل یہاں مراد نہیں ہے بھائی۔ تو کہتے ہیں ہر ایسا اسم جس کے بعد فعل یا شبہِ فعل آئے۔

«اِحْتَرَزَ بِهِ عَنْ نَحْوِ زَيْدٌ أَبُوكَ»۔ کہتے ہیں اس قید کے ذریعے احتراز کیا ماتن نے «زَيْدٌ أَبُوكَ» جیسی مثالوں سے۔ عبارت پہ نظر ہے؟ ترکیب سنیں: «زَيْدٌ» مرفوع لفظاً مبتدا۔ «أَبُوكَ»، «أَبُو» مرفوع لفظاً مضاف، کاف ضمیر مجرور محلاً مضاف الیہ،

مضاف مضاف الیہ مل کر خبر، مبتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔ «زَيْدٌ أَبُوكَ»، زید تمہارا باپ ہے۔ تو یہ جو قید لگائی نا، ہر ایسا اسم جس کے بعد فعل یا شبہِ فعل ہو، اس کے ذریعے احتراز کیا اس جیسی مثالوں سے «زَيْدٌ أَبُوكَ»۔ اس مثال کے اندر یہ جو «زَيْدٌ» ہے یہ «مَا أُضْمِرَ عَامِلُهُ عَلَى شَرِيطَةِ التَّفْسِيرِ» نہیں ہے، کیوں؟ کیونکہ اس کے بعد کوئی آگے فعل یا شبہِ فعل موجود نہیں، بلکہ آگے تو اس کی خبر آ رہی ہے۔

«وَلَا يُرِيدُ بِهِ»، جی آگے ایک اور فائدہ بتلا رہے ہیں کہ انہوں نے کیا کہا: «مَا أُضْمِرَ عَامِلُهُ عَلَى شَرِيطَةِ التَّفْسِيرِ» کسے کہتے ہیں؟ ہر ایسا اسم جس کے بعد فعل یا شبہِ فعل آئے۔ کہتے ہیں اس کا یہ معنیٰ نہیں ہے کہ اس اسم کے ساتھ فوراً ہی اس کے آگے فعل یا شبہِ فعل آجائے، یعنی فعل یا شبہِ فعل اس اسم کے ساتھ جڑا ہوا ہو، ملا ہوا ہو، یہ ضروری نہیں ہے۔ ہاں، اسی جملے کے اندر آگے فعل یا شبہِ فعل آنا چاہیے۔ «مَا أُضْمِرَ عَامِلُهُ عَلَى شَرِيطَةِ التَّفْسِيرِ» آیا، اور وہ کسے کہتے ہیں؟ ہر ایسا اسم جس کے بعد فعل یا شبہِ فعل آئے، تو آگے فعل یا شبہِ فعل کا آنا ضروری ہے اسی کلام کے اندر، اس کے ساتھ متصل آنا ضروری نہیں ہے۔ تو کہتے ہیں: «وَلَا يُرِيدُ بِهِ» اور اس کے ذریعے ماتن کا یہ ارادہ نہیں ہے کہ «أَنْ يَلِيَهُ الْفِعْلُ أَوْ شِبْهُهُ» کہ ملا ہوا ہو فعل یا شبہِ فعل اس اسم کے ساتھ «مُتَّصِلًا بِهِ» متصل ہو کر، اس اسم کے ساتھ فعل یا شبہِ فعل ملا ہوا ہو متصل ہو کر، یہ ارادہ نہیں کیا۔ «بَلْ أَنْ يَكُونَ الْفِعْلُ أَوْ شِبْهُهُ جُزْءَ الْكَلَامِ الَّذِي بَعْدَهُ» بلکہ وہ فعل یا شبہِ فعل اس کلام کا جز ہونا چاہیے جو اس اسم کے بعد آ رہا ہو۔

«نَحْوُ» مثال کے طور پر: «زَيْدًا عَمْرٌو ضَرَبَهُ»۔ «زَيْدًا عَمْرٌو ضَرَبَهُ»، دیکھو یہ «زَيْدًا» جو ہے «مَا أُضْمِرَ عَامِلُهُ عَلَى شَرِيطَةِ التَّفْسِيرِ» ہے، اور اس کے بعد ایک فعل آ رہا ہے۔ اگرچہ وہ فعل اس کے ساتھ متصل نہیں ہے لیکن اسی کے آگے جو کلام ہے اسی کا وہ جز ہے بھائی۔ تو «عَمْرٌو» یہ ہے مبتدا اور یہ «ضَرَبَهُ» یہ ہے اس کی خبر۔ اور یہ «ضَرَبَهُ» فعل ہے، اور یہ ہاء ضمیر زید کو راجع ہے۔ تو یہ «زَيْدًا» جو ہے «مَا أُضْمِرَ عَامِلُهُ عَلَى شَرِيطَةِ التَّفْسِيرِ» ہے کیونکہ اس کے بعد ایک فعل یا شبہِ فعل آ رہا ہے جو اس کی ضمیر میں مشغول ہونے کی وجہ سے اس کے اندر عمل نہیں کر سکتا۔ تو دیکھو یہاں پر «زَيْدًا» اور «ضَرَبَهُ» کے درمیان فصل آیا، لیکن اس سے کوئی حرج لازم نہیں آتا۔ اسی طرح «وَزَيْدًا أَنْتَ ضَارِبُهُ»، یہ شبہِ فعل کی مثال ہے۔ «زَيْدًا» یہ «مَا أُضْمِرَ عَامِلُهُ عَلَى شَرِيطَةِ التَّفْسِيرِ» ہے، یہ «أَنْتَ» مبتدا ہے اور «ضَارِبُهُ» اس کی خبر ہے۔ اور یہ «ضَارِبُهُ» کے ساتھ جو ہاء ضمیر ہے یہ مفعول بہ ہے بھائی، یہ اس کا مفعول بہ ہے اور یہ ضمیر راجع ہے زید کو، اور «ضَارِبٌ» جو ہے وہ اس ضمیر میں مشغول ہونے کی وجہ سے زید کو نصب نہیں دے سکتا۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو «زَيْدًا» یہ جو ہے «مَا أُضْمِرَ عَامِلُهُ عَلَى شَرِيطَةِ التَّفْسِيرِ» ہے جس کے بعد ایسا شبہِ فعل آ رہا ہے جو اس کی ضمیر میں مشغول ہونے کی وجہ سے اس میں عمل نہیں کر سکتا، لیکن اس طور پر ہے کہ اگر اس کو اسی پر مسلط کریں تو وہ اس کو نصب دے سکتا ہے۔

«مُشْتَغِلٌ ذٰلِكَ الْفِعْلُ أَوْ شِبْهُهُ»۔ «مُشْتَغِلٌ» یہ صفت ہے «فِعْلٌ أَوْ شِبْهُهُ» کی، وہ فعل یا شبہِ فعل «مُشْتَغِلٌ» مشغول

ہو۔ توجہ ہے؟ اس پر آپ کے ذہنوں میں اشکال آئے گا کہ فعل یا شبہِ فعل وہ تو دو چیزیں ہو گئیں، اور «مُشْتَغِلٌ» یہ تو مفرد کا صیغہ ہے، اگر یہ ان دونوں کی صفت ہے تو اس کو تو تثنیہ ہونا چاہیے تھا۔ اشکال سمجھ میں آ رہا ہے؟ تو جواب یہ کہ «فِعْلٌ أَوْ شِبْهُهُ» ان دونوں کے درمیان لفظِ «أَوْ» ہے بھائی، فعل یا شبہِ فعل، معلوم ہوا ایک وقت میں ایک ہو گا، تو یہ «أَحَدُ الْأَمْرَيْنِ» کی تاویل میں ہے۔ جب بھی دو چیزوں کے درمیان «أَوْ» آ جائے تو وہ کس تاویل میں ہوتے ہیں؟ «أَحَدُ الْأَمْرَيْنِ» دو چیزوں میں سے ایک۔ اور «أَحَدُ الْأَمْرَيْنِ»، دیکھو یہ مفرد ہے، «أَحَدٌ» مفرد ہے یا نہیں؟ مضاف کا اعتبار ہے مضاف الیہ نہیں بھائی۔ تو معلوم ہوا یہ «فِعْلٌ أَوْ شِبْهُهُ» یہ «أَحَدُ الْأَمْرَيْنِ» کی تاویل میں ہے اور وہ تو مفرد ہے اس لیے اس کی صفت مفرد لے کر آئے بھائی۔ تو کہتے ہیں: «مُشْتَغِلٌ ذٰلِكَ الْفِعْلُ أَوْ شِبْهُهُ»، یہ «ذٰلِكَ الْفِعْلُ أَوْ شِبْهُهُ» نکال کر بتلانا چاہتے ہیں کہ «مُشْتَغِلٌ» کے اندر جو «هُوَ» ضمیر ہے وہ اس فعل یا شبہِ فعل کو راجع ہے کس تاویل پر؟ «أَحَدُ الْأَمْرَيْنِ» کی تاویل پر۔ وہ فعل یا شبہِ فعل مشغول ہو «عَنْهُ» اس اسم سے، یعنی اس میں عمل نہیں کر رہا، «أَيْ عَنِ الْعَمَلِ فِي ذٰلِكَ الِاسْمِ» یعنی اس اسم کے اندر عمل کرنے سے وہ مشغول ہے یعنی اس میں عمل نہیں کر رہا۔

چلیے باقی پھر اگلے سبق میں، چلیے بس بھائی۔ «هٰذَا هُوَ الْمَرَامُ وَاللّٰهُ أَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْكَلَامِ».

سبق نمبر ۱۳۱: الاشتغال (۲): فعل یا شبہِ فعل کے ضمیر میں مشغول ہونے کی صورتیں

شرحِ ملا جامی صفحہ: ۱۰۶ — بتاریخ: ۱۲ جنوری ۲۰۲۲ء

▪ تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث

جی، آگے سبق دیکھیے:

مُشْتَغِلٌ ذٰلِكَ الْفِعْلُ أَوْ شِبْهُهُ عَنْهُ أَيْ عَنِ الْعَمَلِ فِي ذٰلِكَ الْاِسْمِ، بِضَمِيرِهِ أَيْ بِالْعَمَلِ فِي ضَمِيرِهِ، أَوْ فِي مُتَعَلِّقِهِ أَيْ مُتَعَلِّقِ ذٰلِكَ الْاِسْمِ أَوْ مُتَعَلِّقِ ضَمِيرِهِ.

بھئی، گزشتہ سبق میں ہم وہ تیسرا مقام پڑھ رہے تھے جہاں پر مفعول بہ کے عامل کو حذف کرنا واجب ہے۔ صاحبِ کافیہ نے بتلایا تھا کہ چار جگہیں ہیں جہاں پر مفعول بہ کے عامل کو حذف کرنا واجب ہے۔ اور ان میں سے ایک سماعی ہے، یعنی سماع پر موقوف ہے، اس کا کوئی ضابطہ نہیں؛ جبکہ تین جگہیں جو ہیں وہ قیاسی ہیں، یعنی قانون کے مطابق ہیں، اور آپ کے لیے بھی اس جیسا کوئی مقام آئے تو وہاں آپ کے لیے بھی مفعول بہ کے عامل کو حذف کرنا واجب ہوگا۔

تو وہ جو واجب جگہیں ہیں، ان میں سے پہلی جگہ سماعی تھی، دوسری جگہ منادیٰ ہے، کیونکہ منادیٰ کو فعلِ محذوف «أَدْعُو» نصب دے رہا ہے اور اس کو حذف کرنا واجب ہے۔ اور تیسرا مقام جو ہے «مَا أُضْمِرَ عَامِلُهُ عَلَى شَرِيطَةِ التَّفْسِيرِ» ہے۔ «مَا أُضْمِرَ عَامِلُهُ عَلَى شَرِيطَةِ التَّفْسِيرِ» دیکھو اس کے معنیٰ پر غور کرو: «مَا» وہ مفعول، «أُضْمِرَ عَامِلُهُ» جس کے عامل کو مقدر کر لیا جائے، «عَلَى شَرِيطَةِ التَّفْسِيرِ» تفسیر کی شرط پر، کہ آگے اس کی تفسیر آرہی ہو۔

تو اس عاملِ ناصب کو حذف کرنا واجب ہے۔ اس لیے کیونکہ اگر اس کو ذکر کریں گے تو مفسر اور مفسِّر کا اجتماع لازم آئے گا۔ «زَيْداً ضَرَبْتُهُ»، تقدیرِ عبارت کیا ہے؟ «ضَرَبْتُ زَيْداً ضَرَبْتُهُ»۔ تو پہلے «ضَرَبْتُ» کو حذف کر لیا گیا اور دوسرا «ضَرَبْتُ» اس محذوف کی تفسیر کر رہا ہے، اور بتلا رہا ہے کہ ماقبل میں «ضَرَبْتُ» محذوف ہے۔ تو اگر ماقبل والے «ضَرَبْتُ»

کو بھی ذکر کر دیا جائے تو وہ ہے مفسر اور آگے «ضَرَبْتُ» ہے اس کی تفسیر، تو مفسر اور تفسیر کا اجتماع لازم آئے گا اور یہ جائز نہیں۔

اس پر اشکال ہوتا ہے کہ ہم تو عام کلامِ عرب میں دیکھتے ہیں مفسر بھی مذکور ہوتا ہے اور مفسِّر بھی۔ تو میں نے تفصیل بیان کی تھی کہ مفسر اور مفسِّر دونوں کلام میں مذکور ہوتے ہیں اس مقام پر جہاں مفسر کے معنیٰ وغیرہ میں کوئی ابہام ہو۔ مفسر کے معنیٰ میں ابہام ہو تو مفسر کے ذکر کرنے کے بعد آگے اس کی تفسیر، یعنی اس کا مفسِّر ذکر کیا جاتا ہے جو اس کی تفسیر بیان کرتا ہے۔ اور یہاں پر جو ہے، یہاں پر وہ جو فعل محذوف ہے اس کے معنیٰ میں کوئی ابہام نہیں، یہاں ابہام آیا ہی اس کے حذف کی وجہ سے ہے۔ اس کے حذف کی وجہ سے ابہام آیا اور پھر آگے تفسیر لانا پڑی۔ اگر اس کو حذف نہ کرتے تو تفسیر لانے کی حاجت ہی نہیں تھی۔ تو تفسیر لائے ہی کس لیے ہیں؟ کیونکہ ابہام آیا، اور وہ ابہام کیوں آیا؟ حذف کی وجہ سے۔ اگر حذف نہ کرتے تو ابہام نہ ہوتا، ابہام نہ ہوتا تو تفسیر بھی نہ لانا پڑتی۔ تو لہٰذا اگر یہاں پر اس مفسر کو ذکر کر دیں گے پھر تو کوئی ابہام ہی نہ رہے گا۔ جب ابہام نہ رہے گا تو پھر تو آگے جو تفسیر ہے وہ بے کار ہو جائے گی بھئی۔ تو یہ عام مفسر اور مفسِّر سے مختلف ہیں۔ یہاں پر جو ابہام آیا ہے وہ حذف کی وجہ سے آیا ہے، لہٰذا اب دونوں کو ذکر نہیں کر سکتے، ورنہ مفسِّر کا بے کار ہونا لازم آئے گا بھئی۔

اس کے بعد پھر ہم نے «مَا أُضْمِرَ عَامِلُهُ عَلَى شَرِيطَةِ التَّفْسِيرِ» کی تعریف پڑھی تھی بھئی۔ اور صاحبِ کافیہ نے آپ کو بتلایا تھا: «وَهُوَ كُلُّ اسْمٍ بَعْدَهُ فِعْلٌ أَوْ شِبْهُهُ مُشْتَغِلٌ عَنْهُ بِضَمِيرِهِ أَوْ مُتَعَلِّقِهِ، لَوْ سُلِّطَ عَلَيْهِ هُوَ أَوْ مُنَاسِبُهُ لَنَصَبَهُ»۔ کہ «مَا أُضْمِرَ عَامِلُهُ عَلَى شَرِيطَةِ التَّفْسِيرِ» کسے کہتے ہیں؟ ہر ایسا اسم جس کے بعد فعل یا شبہِ فعل آئے، اور شبہِ فعل سے یہاں کیا مراد ہے؟ اسمِ فاعل اور اسمِ مفعول، باقی شبہِ فعل یہاں مراد نہیں ہیں۔ تو ہر ایسا اسم جس کے بعد فعل یا شبہِ فعل آئے اور وہ فعل یا شبہِ فعل اس اسم سے اعراض کر رہا ہے، اس کے اندر وہ عمل نہیں کر رہا کیونکہ وہ اس کی ضمیر میں یا اس کے متعلق کے اندر مشغول ہے۔ لیکن اس طور پر ہے کہ اگر اسی فعل کو یا اس کے کسی مناسب کو اس اسم پر مسلط کیا جائے تو وہ اس کو نصب دے سکے۔ یہ ضروری ہے کہ یہی فعل یا اس کا کوئی مناسب اس اسم کو نصب دے سکے بھئی۔ تو اس کو «مَا أُضْمِرَ عَامِلُهُ عَلَى شَرِيطَةِ التَّفْسِيرِ» کہتے ہیں۔

اور پھر اس کی چار مثالیں بھی صاحبِ کافیہ نے ذکر کی تھیں۔ پہلی مثال دیکھیے متن کے اندر: نحو «زَيْداً ضَرَبْتُهُ»۔ تو یہ «زَيْداً ضَرَبْتُهُ» کے اندر یہ «زَيْداً» «مَا أُضْمِرَ عَامِلُهُ عَلَى شَرِيطَةِ التَّفْسِيرِ» ہے۔ دیکھو یہ ایک ایسا اسم ہے جس کے بعد ایک فعل آرہا ہے اور وہ فعل اس کی ضمیر میں مشغول ہے۔ اس وجہ سے وہ اس اسم کو نصب نہیں دے سکتا کیونکہ وہ اس کی ضمیر میں عمل کر رہا ہے۔ لیکن اس طور پر کہ اسی فعل «ضَرَبْتُ» کو اگر زید پر مسلط کریں تو وہ اس کو نصب دے سکتا ہے۔ اور کبھی اس فعل کے مناسب کو مسلط کیا جاتا ہے، اور وہ مناسب جو ہے وہ فعلِ مذکور کا مترادف بھی ہو سکتا ہے

اور اس کے ساتھ کوئی لازم ہو وہ بھی ہو سکتا ہے۔

جیسے دوسری مثال میں نے آپ کو لکھوائی تھی: «زَيْداً ضَرَبْتُ غُلَامَهُ»، زید کہ میں نے اس کے غلام کی پٹائی کی۔ تو اس مثال کے اندر دیکھو «زَيْداً» جو ہے یہ «مَا أُضْمِرَ عَامِلُهُ عَلَى شَرِيطَةِ التَّفْسِيرِ» ہے۔ اس کے بعد ایک فعل آرہا ہے «ضَرَبْتُ غُلَامَهُ» اور وہ فعل اس اسم کے متعلق میں مشغول ہے، اس کو نصب دے رہا ہے۔ اس وجہ سے وہ اس «زَيْداً» کو نصب نہیں دے سکتا، لیکن اس طور پر کہ اسی فعل کو یا اس کے کسی مناسب کو زید پر مسلط کیا جائے تو وہ اس کو نصب دے سکتا ہے۔ اور یہاں پر میں نے بتایا تھا کہ «أَهَنْتُ» نکالیں گے، کیا نکالیں گے؟ «أَهَنْتُ»۔ وجہ یہ کہ اسی «ضَرَبْتُ» کو اگر آپ مسلط کریں تو پھر تو معنیٰ خراب ہو جائے گا۔ «ضَرَبْتُ غُلَامَهُ» سے پتا چل رہا ہے کہ زید کے غلام کی پٹائی ہوئی ہے، اور اگر آپ «ضَرَبْتُ» نکال لیں گے تو «ضَرَبْتُ زَيْداً» سے تو پتا چلے گا زید کی پٹائی ہوئی ہے، تو معنیٰ خراب ہو جائے گا۔ معنیٰ تو کیا چاہیے یہاں پر؟ کہ زید کے غلام کی پٹائی ہوئی ہے بھئی۔ تو معنیٰ تو یہاں کیا ہے کہ زید کے غلام کی پٹائی ہوئی ہے، تو پھر اس کا کوئی مناسب نکالیں گے۔ اور یاد رکھو مناسب کے اندر پھر دو صورتیں ہیں: کہ اسی فعل کا کوئی مترادف نکال لیا جائے، یا اس فعل کا کوئی ایسا مناسب جو اس مذکورہ فعل کے ساتھ لازم ہو، لازم ہو۔ اور یہاں زید کے غلام کی پٹائی اس کے ساتھ لازم ہے زید کی اہانت۔ زید کے غلام کی جب میں نے پٹائی کی تو اس سے کیا لازم آیا؟ کہ میں نے زید کی اہانت کی ہے۔ تو لہٰذا یہاں پر «أَهَنْتُ» فعل نکالیں گے: «أَهَنْتُ زَيْداً ضَرَبْتُ غُلَامَهُ»۔ تو یہ «أَهَنْتُ» جو فعل نکالا، یہ «ضَرَبْتُ غُلَامَهُ» وہ جو فعل ذکر تھا اس کے ساتھ لازم ہے، کیا ہے؟ لازم ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ معلوم ہوا کبھی اسی فعل کو مسلط کیا جائے گا، کبھی اس فعل کے مناسب کو، اور مناسب کبھی کیا ہوگا کہ اسی کا مترادف ہو یا اس کے ساتھ لازم ہو۔ تو زید کے غلام کی پٹائی اس کے ساتھ لازم ہے زید کی اہانت، تو یہاں مناسب باللزوم جو ہے وہ مقدر ہوگا بھئی۔ تو تقدیرِ کلام کیا ہو جائے گا؟ «أَهَنْتُ زَيْداً ضَرَبْتُ غُلَامَهُ»۔

اور پھر ایک اور مثال صاحبِ کافیہ نے ذکر کی: «زَيْداً مَرَرْتُ بِهِ»۔ یہاں پر دیکھو «زَيْداً» یہ «مَا أُضْمِرَ عَامِلُهُ عَلَى شَرِيطَةِ التَّفْسِيرِ» ہے۔ اس کے بعد ایک فعل آرہا ہے اور وہ فعل اس کی ضمیر کے اندر مشغول ہے بواسطہ حرفِ جر کے۔ اس طور پر کہ اسی فعل کو یا اس کے مناسب کو زید پر مسلط کریں تو وہ اس کو نصب دے سکتا ہے۔ تو یہاں پر «مَرَرْتُ» فعلِ لازم ہے، اس کو زید پر مسلط نہیں کر سکتے کیونکہ وہ تو نصب دیتا ہی نہیں، کیونکہ وہ تو فعلِ لازم ہے، اس کے لیے مفعول آتا ہی نہیں ہے۔ البتہ یہ با کی وجہ سے «مَرَرْتُ» کا فعل متعدی ہو گیا تو یہ «جَاوَزْتُ» کے معنیٰ میں ہو گیا، کس میں؟ «جَاوَزْتُ»۔ تو لہٰذا یہ جو بعد میں فعل ہے «مَرَرْتُ بِهِ»، اس کا مناسب یعنی «جَاوَزْتُ» یہاں زید کو نصب دے سکتا ہے۔ تو تقدیرِ عبارت کیا ہے؟ «جَاوَزْتُ زَيْداً مَرَرْتُ بِهِ»۔ «جَاوَزْتُ زَيْداً» کا بھی یہی معنیٰ کہ میں زید کے پاس سے گزرا اور «مَرَرْتُ بِزَيْدٍ» کا بھی یہی معنیٰ کہ میں زید کے پاس سے گزرا۔ تو یہاں دیکھو «زَيْداً» پر اسی «مَرَرْتُ» فعل کو مسلط کیا یا اس کے مناسب کو

مسلط کیا؟ اس کے مناسب کو۔ اور کون سا مناسب تھا؟ جو «مَرَرْتُ» کے ساتھ لازم ہے یا جو «مَرَرْتُ» کا مترادف ہے؟ جو «مَرَرْتُ» کا مترادف ہے، اس کو مسلط کیا بھئی تو اس نے نصب دے دیا۔ تو بعض اوقات مناسب بالترادف کو مسلط کرتے ہیں اور بعض اوقات مناسب باللزوم کو مسلط کرتے ہیں۔ پھر دہرائیے زبان سے کس کو؟ کبھی مناسب بالترادف کو مسلط کرتے ہیں، یعنی اس فعل کا بھی وہی معنیٰ ہو جو مذکورہ فعل کا ہے، اور کبھی مناسب باللزوم کو مسلط کرتے ہیں جو مذکورہ فعل کے ساتھ لازم ہوتا ہے۔

اگلی مثال دیکھیے: «زَيْداً حُبِسْتُ عَلَيْهِ»، زید کہ میں اس پر روکا گیا، میں اس پر بند کیا گیا۔ تو جب ایک چیز کو دوسری چیز کے پاس روک دیا جائے، ایک چیز کو دوسری چیز پر بند کر دیا جائے، تو اس کا اس چیز کے ساتھ تعلق آجاتا ہے۔ تو یہاں پر یہ «حُبِسْتُ» کو زید پر مسلط نہیں کر سکتے، اس لیے کیونکہ «حُبِسْتُ» یہ تو فعلِ مجہول ہے بھئی۔ فعلِ مجہول ہے اور یہ زید کو نصب نہیں دے سکتا کیونکہ یہ مفعول کو نصب نہیں دے سکتا۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو پھر اس کے مناسب باللزوم کو زید پر مسلط کیا جائے گا۔ جب کسی چیز کو دوسری چیز پر روکا جائے تو اس کے ساتھ لازم ہے کہ اس چیز کا دوسری چیز کے ساتھ تعلق آگیا۔ تو یہاں یہ «حُبِسْتُ عَلَيْهِ» کا مناسب باللزوم جو ہے وہ «لَابَسْتُ» ہے۔ «لَابَسَ يُلَابِسُ مُلَابَسَةً» کا معنیٰ ہے تعلق ہونا۔ تو یہاں «لَابَسْتُ» فعل ہے: «لَابَسْتُ زَيْداً» میرا زید کے ساتھ تعلق آیا، «حُبِسْتُ عَلَيْهِ» میں اس پر روکا گیا۔ تو یہاں پر «حُبِسْتُ» کے مناسب کو مسلط کیا جائے زید پر تو وہ اس کو نصب دے سکتا ہے۔ اور کون سا مناسب؟ مناسب باللزوم یا مناسب بالترادف بھئی؟ مناسب باللزوم۔ «حُبِسْتُ عَلَيْهِ» کے ساتھ لازم ہے «لَابَسْتُ» بھئی۔ جب ایک چیز کو دوسری چیز پر روکا جائے تو اس کے ساتھ لازم ہے، دیکھو «حُبِسْتُ» کا معنیٰ ہے روکنا اور «لَابَسْتُ» کا معنیٰ ہے تعلق آنا، دونوں مترادف نہیں ہیں، دونوں کا معنیٰ الگ الگ ہے۔ ہاں «حُبِسْتُ عَلَيْهِ» کے ساتھ لازم ہے «لَابَسْتُ» بھئی۔ بات سمجھ میں آگئی؟ ایک چیز کو دوسری چیز پر روکا جائے تو اس کے ساتھ لازم ہے کیا کہ اس کا اس کے ساتھ تعلق آجاتا ہے۔ تو معلوم ہوا یہاں کس کو مسلط کیا گیا؟ مناسب باللزوم کو۔

اور آگے پھر متن میں صاحبِ کافیہ نے کہا تھا کہ «يُنْصَبُ بِفِعْلٍ مُضْمَرٍ يُفَسِّرُهُ مَا بَعْدَهُ»، کہ زید کو نصب دیا گیا ہے ان مثالوں میں—یہ جتنی مثالیں گزریں ان سب میں دیکھو «زَيْداً» منصوب تھا—تو «يُنْصَبُ» زید کو نصب دیا گیا ہے «بِفِعْلٍ مُضْمَرٍ» ایک ایسے فعل کے ذریعے جو مضمر ہے، جو مقدر ہے، اور وہ فعل جو ہے «يُفَسِّرُهُ مَا بَعْدَهُ» اس فعلِ مضمر کی تفسیر کر رہا ہے وہ فعل جو اس کے بعد ہے بھئی۔ اور وہ کیا ہے وہ فعلِ مضمر جس نے نصب دیا ہے؟ «أَيْ ضَرَبْتُ، وَجَاوَزْتُ، وَأَهَنْتُ، وَلَابَسْتُ»۔ یہ چار فعل ہیں جو علیٰ الترتیب ان مثالوں کے اندر مقدر ہیں۔ بات سمجھ میں آگئی؟

اور پھر یہ شروع میں جو ذکر کیا صاحبِ کافیہ نے: «الثَّالِثُ مَا أُضْمِرَ عَامِلُهُ عَلَى شَرِيطَةِ التَّفْسِيرِ»۔ یہاں پر صاحبِ جامی

نے «مَا» کی تفسیر مفعول کے ساتھ کی، مفعول بہ کے ساتھ نہیں کی۔ یہ یہاں آپ کے نسخوں میں تو مفعول بہ لکھا ہوا ہے لیکن میں نے آپ کو بتلایا تھا کہ یہ «بِهِ» جو ہے یہ کتابت کی غلطی ہے، یہ کسی بعد میں لکھنے والے نے اس کا اضافہ کر دیا، کیونکہ بحث مفعول بہ کی چل رہی ہے۔ بحث کس کی ہے؟ یہ تیسرا مقام ہے جہاں مفعول بہ کے عامل کو حذف کرنا واجب ہے، تو چونکہ مفعول بہ کی بحث چل رہی ہے اس لیے کسی لکھنے والے نے یہ مفعول کے ساتھ «بِهِ» کی قید بڑھا دی، لیکن میں نے بتایا یہ کتابت کی غلطی ہے، جامی کے اصل نسخوں کے اندر یہ «بِهِ» کا لفظ موجود نہیں۔

بھئی کیوں، کیا وجہ ہے؟ صاحبِ جامی نے «مَا» کی تفسیر مفعول کے ساتھ کیوں کی؟ مفعول بہ کے ساتھ کیوں نہیں کی؟ یہ بحث تو مفعول بہ کی چل رہی ہے۔ تو میں نے آپ کو بتلایا تھا کہ «مَا أُضْمِرَ عَامِلُهُ عَلَى شَرِيطَةِ التَّفْسِيرِ» یہ صرف مفعول بہ نہیں واقع ہوتا، مفعول فیہ بھی واقع ہوتا ہے۔ جیسے ابھی مثالیں آپ نے دیکھیں: «زَيْداً ضَرَبْتُهُ»، یہ «زَيْداً» مفعول بہ ہے، کیا ہے؟ مفعول بہ۔ تو یہ جو مثالیں ذکر ہوئیں یہ تو مفعول بہ کی مثالیں تھیں، زید کوئی زمانے کا نام تو نہیں ہے، وہ مفعول فیہ تو نہیں ہے، وہ تو مفعول بہ ہے۔ لیکن مفعول فیہ بھی اسی طرح آتا ہے جیسے میں نے مثال لکھوائی تھی: «يَوْمَ الْجُمُعَةِ صُمْتُ فِيهِ»، جمعہ کا دن کہ روزہ رکھا میں نے اس میں۔ «فِيهِ» کی ہا ضمیر «يَوْمَ الْجُمُعَةِ» کو راجع۔ توجہ ہے؟ تو یہ «صُمْتُ» «صَامَ يَصُومُ» کا معنیٰ روزہ رکھنا، «صُمْتُ فِيهِ» میں نے جمعہ کے دن میں روزہ رکھا۔ دیکھو «يَوْمَ الْجُمُعَةِ» یہ «مَا أُضْمِرَ عَامِلُهُ عَلَى شَرِيطَةِ التَّفْسِيرِ» ہے، اس کے بعد ایک فعل «صُمْتُ» آرہا ہے اور وہ «صُمْتُ» جو ہے اس اسم یعنی «يَوْمَ الْجُمُعَةِ» کی ضمیر میں مشغول ہے «صُمْتُ فِيهِ»۔ تو «صُمْتُ» مشغول ہے «يَوْمَ الْجُمُعَةِ» کی ضمیر میں بواسطہ

حرفِ جر «فِي» کے بھئی۔ تو «مَا أُضْمِرَ عَامِلُهُ عَلَى شَرِيطَةِ التَّفْسِيرِ» مفعول بہ بھی واقع ہوتا ہے اور مفعول فیہ بھی واقع ہوتا ہے۔ تو یہ جو تعریف کی گئی، یہ تعریف عام ہے، تو یہ دونوں قسم کے «مَا أُضْمِرَ عَامِلُهُ عَلَى شَرِيطَةِ التَّفْسِيرِ» کو شامل ہے۔ کس کو؟ مفعول بہ کو بھی اور مفعول فیہ کو بھی۔ لہٰذا اس لیے صاحبِ جامی بھی اس تعریف کو عام رکھنا چاہتے ہیں، تو «مَا» کی تفسیر انھوں نے «أَيْ مَفْعُولٌ» کے ساتھ کی۔ کہ وہ تیسرا مقام وہ مفعول ہے، اب چاہے جو بھی مفعول ہو، چاہے مفعول بہ ہو، چاہے مفعول لہ ہو، چاہے مفعول فیہ ہو، چاہے مفعول معہ ہو، چاہے مفعولِ مطلق ہو، یعنی سب کو شامل ہے۔ لیکن واقع ان میں سے دو ہی ہوتے ہیں، کون سے؟ مفعول بہ اور مفعول فیہ۔ تو اس لیے مفعول کا لفظ مطلق لائے تاکہ دونوں قسم کے مفعول اس میں داخل ہو جائیں جو ما اضمر واقع ہوتے ہیں۔ بات سمجھ میں آئی؟ تو تفسیر کی «مَا» کی «مَفْعُولٌ» کے ساتھ، لیکن یاد رکھو مراد مفعول بہ ہے۔ تفسیر «مَا» کی کس کے ساتھ کی؟ مفعول کے ساتھ تاکہ دونوں قسمیں اس میں داخل ہو جائیں، یہ تعریف دونوں قسموں کی ہو جائے، لیکن مراد جو ہے مفعول بہ ہے، کیونکہ بحث اس وقت کس کی چل رہی ہے یہاں؟ مفعول بہ کی۔ تو تعریف کی عام اور مراد ہے خاص۔ تعریف کی عام، یعنی ہر وہ مفعول جس کے عامل کو کیا کر لیا جائے؟ مقدر کر لیا جائے تفسیر کی شرط پر، ہر وہ مفعول چاہے وہ مفعول بہ ہو، چاہے مفعول فیہ۔ تو تعریف کی عام

اور مراد ہے خاص بھئی۔ اور عام بول کر خاص مراد لے سکتے ہیں، جیسے انسان عام ہے اور زید خاص ہے، اور انسان بول کر آپ زید کا ارادہ کر سکتے ہیں بھئی۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو یہاں پر بھی تعریف کی عام اور مراد ہے خاص بھئی، اور یہ عام بول کر خاص کا ارادہ صحیح ہے۔

جی، اب آئیے آگے دیکھیے سبق بھئی:

«مُشْتَغِلٌ ذٰلِكَ الْفِعْلُ أَوْ شِبْهُهُ عَنْهُ»، مشغول ہو وہ فعل یا شبہِ فعل «عَنْهُ» یعنی اس اسم سے اعراض کر رہا ہو۔ توجہ ہے؟ پھر یہ تعریف کو ذرا متن کو متن سے جوڑیں: «وَهُوَ كُلُّ اسْمٍ بَعْدَهُ فِعْلٌ أَوْ شِبْهُهُ مُشْتَغِلٌ عَنْهُ»، اور «مَا أُضْمِرَ عَامِلُهُ عَلَى شَرِيطَةِ التَّفْسِيرِ» ہر ایسا اسم ہے جس کے بعد فعل یا شبہِ فعل آئے، «مُشْتَغِلٌ عَنْهُ» اور وہ فعل جو ہے وہ اعراض کرنے والا ہو اس اسم سے، «بِضَمِيرِهِ» بوجہ مشغول ہونے اس کی ضمیر کے اندر، «أَوْ مُتَعَلِّقِهِ» یا اس ضمیر کے متعلق میں۔ توجہ ہے؟ بھئی پہلے یہ پھر دوبارہ دیکھیے یہ متن متن دیکھیے، یہ حل ہو جائے گا تو ساتھ شرح بھی آپ کو سمجھ میں آجائے گی۔ کہتے ہیں: «وَهُوَ كُلُّ اسْمٍ بَعْدَهُ فِعْلٌ أَوْ شِبْهُهُ»، کہ «مَا أُضْمِرَ عَامِلُهُ عَلَى شَرِيطَةِ التَّفْسِيرِ» ہر ایسا اسم ہے جس کے بعد ایسا فعل یا ایسا شبہِ فعل آئے، «مُشْتَغِلٌ عَنْهُ»۔ «اِشْتَغَلَ» کا صلہ جب «عَنْ» آئے تو اس کا معنیٰ ہوتے ہیں اعراض کرنے کے: «مُشْتَغِلٌ أَيْ مُعْرِضٌ» اعراض کرنے والا ہو، یعنی منہ موڑنے والا ہو اس سے۔ تو ہر ایسا اسم جس کے بعد فعل یا شبہِ فعل آئے، «مُشْتَغِلٌ عَنْهُ» اور وہ فعل یا شبہِ فعل اعراض کر رہا ہو «عَنْهُ» اس اسم سے—«هَا» ضمیر کس کو راجع ہے؟ اسم کو—وہ فعل یا شبہِ فعل اس اسم سے اعراض کر رہا ہے، اس کے اندر عمل نہیں کر رہا۔ توجہ ہے؟ بھئی وہ مثالیں ذہن میں رکھو پھر آپ کو سوچنا بھی نہیں پڑے گا: «زَيْداً ضَرَبْتُهُ»، یہ «ضَرَبْتُهُ» «زَيْداً» میں عمل نہیں کر رہا، اس سے اعراض کر رہا ہے، کیوں؟ کیونکہ وہ اس کی ضمیر میں مشغول ہے۔ تو «مُشْتَغِلٌ عَنْهُ»، تو یہ «مُشْتَغِلٌ» کس معنیٰ میں ہے؟ «مُعْرِضٌ» کے معنیٰ میں۔ تو وہ فعل یا شبہِ فعل اعراض کر رہا ہو «عَنْهُ»—«هَا» ضمیر اس اسم کو راجع ہے—اس اسم سے اعراض کر رہا ہو «بِضَمِيرِهِ» اس وجہ سے کہ وہ مشغول ہے «بِضَمِيرِهِ» اس اسم کی ضمیر میں «أَوْ فِي مُتَعَلِّقِهِ» یا اس اسم کے متعلق میں مشغول ہے۔ «زَيْداً ضَرَبْتُهُ»، یہ «ضَرَبْتُ» «زَيْداً» کی ضمیر میں مشغول ہے۔ اور «زَيْداً ضَرَبْتُ غُلَامَهُ»، یہ جو «ضَرَبْتُ» ہے یہ «زَيْداً» کے متعلق میں مشغول ہے، اس کی ضمیر میں مشغول نہیں ہے بھئی۔

اب یہ عبارت ذرا سمجھ لیں بھئی۔ یہ «مُشْتَغِلٌ» کے بعد «عَنْهُ» آیا، اور پھر آگے «بِضَمِيرِهِ أَوْ مُتَعَلِّقِهِ» آیا۔ تو یہاں دو حروفِ جارہ آگئے، ایک «عَنْهُ» اور ایک «بِضَمِيرِهِ» یہ با جارہ آگیا، تو «عَنْ» بھی آیا اور با بھی آئی۔ یاد رکھو یہ جو «اِشْتَغَلَ» ہے اس کا صلہ «عَنْ» نہیں آتا، اس کا صلہ با آتا ہے۔ یہ جو «بِضَمِيرِهِ» میں با ہے، یہ با صلہ آتی ہے «اِشْتَغَلَ» فعل کا۔ اور یہ جو «عَنْ» ہے یہ اس «اِشْتَغَلَ» کا صلہ نہیں آتا۔ مگر یہاں تو «عَنْهُ» ہے۔ تو علماء پھر اس کا جواب دیتے ہیں، شارحین جواب دیتے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ یہ جو «مُشْتَغِلٌ» یہاں آیا، اس کے اندر تضمین ہے، کیا ہے؟ تضمین۔ اور تضمین اسے کہتے ہیں کہ

ایک فعل کے اندر دوسرے فعل کا معنیٰ ملحوظ ہو اور آگے آنے والا صلہ اس پر دلالت کرے۔ ایک فعل کے اندر دوسرے فعل کا معنیٰ ملحوظ ہو اور آگے آنے والا صلہ یعنی وہ جو آگے آنے والا حرفِ جر ہے وہ اس پر دلالت کرے۔ تو یہاں پر بھی «مُشْتَغِلٌ» کا صلہ تو «عَنْ» نہیں آتا، ہاں یہ «عَنْ» دلالت کر رہا ہے کہ «مُشْتَغِلٌ» کے اندر «فَارِغٌ» کا معنیٰ ملحوظ ہے۔ «مُشْتَغِلٌ» بھی اسمِ فاعل اور «فَارِغٌ» بھی کیا ہے؟ اسمِ فاعل ہے، دیکھو «فَاعِلٌ» کے وزن پر۔ تو یہ «مُشْتَغِلٌ» متضمن ہے کس کے معنیٰ کو؟ «فَارِغٌ» کے معنیٰ کو، اور «فَرَغَ يَفْرُغُ فَرَاغاً» کا صلہ تو «عَنْ» آتا ہے۔ توجہ ہے؟ اور میں نے ابھی آپ کو گزشتہ سبق میں بتایا تھا کہ تضمین کے اندر جس دوسرے فعل کا معنیٰ ملحوظ ہوتا ہے اس کو ذکر کیا جاتا ہے یا تو حال بنا کر یا عطف کے ذریعے۔ یا حال بنا کر یا عطف کے ذریعے ذکر کیا جاتا ہے۔ تو یہاں پر بھی «مُشْتَغِلٌ وَفَارِغٌ عَنْهُ»، عطف کر دیں: «مُشْتَغِلٌ وَفَارِغٌ عَنْهُ»، اور تو یہ «عَنْهُ» کس سے جڑے گا؟ «فَارِغٌ» سے۔ اور آگے «بِضَمِيرِهِ» جو ہے وہ با جارہ وہ «مُشْتَغِلٌ» سے جڑے گی، وہ کس سے جڑے گی؟ «مُشْتَغِلٌ» سے، کیونکہ «مُشْتَغِلٌ» کا صلہ با آتا ہے۔ «اِشْتَغَلَ بِالشَّيْءِ» کا کیا معنیٰ؟ ایک شے میں مشغول ہونا، ایک شے میں مشغول ہونا۔ تو «مُشْتَغِلٌ» ذرا یہ «عَنْهُ» کو چھوڑ دیں: «مُشْتَغِلٌ بِضَمِيرِهِ» وہ فعل یا شبہِ فعل مشغول ہے اس اسم کی ضمیر میں، «أَوْ مُتَعَلِّقِهِ» یا اس کے متعلق میں۔ تو یہ با صلہ کس کا؟ «مُشْتَغِلٌ» کا۔ میں نے بتایا تھا کہ یہ حروفِ جارہ جس سے متعلق ہوتے ہیں یہ اسی کا صلہ کہلاتے ہیں۔ تو یہ با جارہ کس کے ساتھ متعلق؟ «مُشْتَغِلٌ» کے ساتھ، تو یہ صلہ ہے «مُشْتَغِلٌ» کا۔ اور «عَنْهُ» یہ کس کا صلہ ہے؟ یہ «فَارِغٌ» کا صلہ ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو ایک صورت یہ کہ «فَارِغٌ» کو عطف کے ساتھ ذکر کیا جائے، اور یوں کریں اس کو آخر میں ذرا لے جائیں: «مُشْتَغِلٌ بِضَمِيرِهِ أَوْ مُتَعَلِّقِهِ وَفَارِغٌ عَنْهُ»۔ کہ وہ فعل یا شبہِ فعل مشغول ہو اس اسم کی ضمیر یا اس کے متعلق میں، «وَفَارِغٌ عَنْهُ» اور اس اسم سے فارغ ہو یعنی اس کے اندر عمل نہیں کر سکتا کیونکہ وہ اس کی ضمیر یا متعلق میں مشغول ہے۔ عبارت سمجھ میں آرہی ہے؟ یا دوسرا طریقہ یہ ہے کہ وہ جو دوسرا فعل جس کا معنیٰ ملحوظ ہوتا ہے تضمین کے اندر، اس کو حال بنا کر لے آتے ہیں: «مُشْتَغِلٌ فَارِغاً عَنْهُ»۔ عطف نہ کریں، پہلے تو ہم نے عطف کیا تھا اب کیا کریں اس کو؟ حال بنائیں: «مُشْتَغِلٌ فَارِغاً عَنْهُ»۔ توجہ ہے؟ اور یہ «فَارِغاً عَنْهُ» کو ذرا آخر میں لے جائیں کیونکہ «بِضَمِيرِهِ أَوْ مُتَعَلِّقِهِ» نے جڑنا ہے «مُشْتَغِلٌ» سے۔ تو کیسے عبارت بن گئی؟ «مُشْتَغِلٌ بِضَمِيرِهِ أَوْ مُتَعَلِّقِهِ فَارِغاً عَنْهُ»۔ وہ فعل یا شبہِ فعل اس اسم کی ضمیر یا اس کے متعلق میں مشغول ہو اس حال میں کہ وہ فعل یا شبہِ فعل «فَارِغاً عَنْهُ» اس اسم سے فارغ ہو، یعنی اس کے اندر عمل نہ کر رہا ہو۔ کیوں نہیں عمل کر رہا؟ کیونکہ وہ اس کی ضمیر یا اس کے متعلق میں مشغول ہے۔ عبارت سمجھ میں آگئی؟ تو یہ «عَنْهُ» صلہ کس کا ہے؟ «فَارِغٌ» کا، کیونکہ «فَرَغَ يَفْرُغُ فَرَاغاً» کا صلہ «عَنْ» آتا ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟

جبکہ بعض شارحین نے اور جواب دیا۔ وہ فرماتے ہیں کہ یہاں «مُشْتَغِلٌ» کا صلہ «عَنْ» آرہا ہے، معلوم ہوا یہاں «مُشْتَغِلٌ» اپنے معنیٰ میں ہے ہی نہیں، بلکہ یہاں یہ «مُعْرِضٌ» کے معنیٰ میں ہے۔ «أَعْرَضَ يُعْرِضُ إِعْرَاضاً» کا صلہ بھی «عَنْ» آتا

ہے۔ تو یہ «مُشْتَغِلٌ» کس معنیٰ میں ہے؟ «مُعْرِضٌ»۔ دونوں جوابوں میں فرق سمجھ میں آرہا ہے؟ پہلے جواب کے مطابق «مُشْتَغِلٌ» کا اپنا معنیٰ بھی ملحوظ تھا اور «فَارِغٌ» کا معنیٰ بھی ملحوظ تھا۔ «مُشْتَغِلٌ» کا اپنا معنیٰ ملحوظ تھا اسی لیے «بِضَمِيرِهِ» اس «مُشْتَغِلٌ» سے جڑ گیا۔ «بِضَمِيرِهِ أَوْ مُتَعَلِّقِهِ» «مُشْتَغِلٌ» سے جڑ گیا، اور اس کے اندر «فَارِغٌ» کا معنیٰ بھی ملحوظ تھا یہ «عَنْهُ» اس «فَارِغٌ» سے جڑ گیا۔ لیکن دوسری صورت میں یہاں تضمین نہیں ہے، «مُشْتَغِلٌ» کے اندر «مُعْرِضٌ» والا معنیٰ نہیں ملحوظ، بلکہ یہ «مُشْتَغِلٌ» «مُعْرِضٌ» کے معنیٰ میں کر لیں، کیا کر لیں؟ «مُعْرِضٌ» کے معنیٰ میں۔ یعنی «مُشْتَغِلٌ» کا یہاں اپنا معنیٰ ہے ہی نہیں، یعنی یہ مجازی معنیٰ میں ہے۔ جیسے شیر جنگلی درندے کو کہتے ہیں، لیکن کبھی ہم شیر کا لفظ بول کر بہادر آدمی مراد لے لیتے ہیں۔ تو جب شیر بول کر بہادر آدمی مراد لیا تو دیکھو یہ تو اس کا حقیقی معنیٰ نہیں، یہ مجازی معنیٰ ہے۔ تو یہاں پر بھی «مُشْتَغِلٌ» کس معنیٰ میں لے لیں؟ «مُعْرِضٌ» کے معنیٰ میں۔ کس معنیٰ میں؟ «مُعْرِضٌ» کے معنیٰ میں لے لیں، تو «مُشْتَغِلٌ» کو ہٹا دو، یہاں «مُعْرِضٌ» کو ہی لے آؤ۔ کہ وہ فعل یا شبہِ فعل «مُعْرِضٌ عَنْهُ» وہ اس اسم سے اعراض کرنے والا ہے۔ بھئی ایک اسم آیا «زَيْداً ضَرَبْتُهُ»، یہ «زَيْداً» ایک اسم آیا اور اس کے بعد «ضَرَبْتُهُ» فعل آیا، اور یہ فعل اس «زَيْداً» سے اعراض کر رہا ہے۔ کیوں اعراض کر رہا ہے؟ کیونکہ وہ اس کی ضمیر یا متعلق میں عمل کر رہا ہے۔ تو لہٰذا یہ «مُشْتَغِلٌ» «مُعْرِضٌ» کے معنیٰ میں ہوا، توجہ ہے؟ اور پھر آگے «بِضَمِيرِهِ أَوْ مُتَعَلِّقِهِ»، اس کو ہم نے کس کے ساتھ جوڑا تھا؟ «مُشْتَغِلٌ» سے۔ لیکن «مُشْتَغِلٌ» تو اب اپنے معنیٰ میں ہے ہی نہیں۔ تو اب یہ «بِضَمِيرِهِ» اس سے نہیں جڑ سکتا کیونکہ یہاں تو «مُشْتَغِلٌ» «مُعْرِضٌ» کے معنیٰ میں ہے۔ تو پھر اس صورت میں یہ با کو سببیہ بنا لیں گے۔ کہ وہ فعل یا شبہِ فعل «مُعْرِضٌ عَنْهُ» اس اسم سے اعراض کر رہا ہو «بِضَمِيرِهِ أَيْ بِسَبَبِ ضَمِيرِهِ أَوْ مُتَعَلِّقِهِ» اس اسم کی ضمیر یا اس کے متعلق کی وجہ سے، یعنی اس کے اندر عمل کرنے کی وجہ سے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ یا یوں کریں، یوں کریں کہ «مُشْتَغِلٌ» کو «مُعْرِضٌ» کے معنیٰ میں نہ لیں، بلکہ یوں کہیں کہ «مُشْتَغِلٌ» کے اندر «مُعْرِضٌ» کا معنیٰ بھی ملحوظ ہے یعنی تضمین ہے، یعنی تضمین کی دونوں صورتیں بھی آپ بنا سکتے ہیں کہ «مُشْتَغِلٌ» کے اندر «فَارِغٌ» والا معنیٰ ملحوظ ہے اور یہ «عَنْهُ» «فَارِغٌ» کا صلہ ہے، یا «مُشْتَغِلٌ» کے اندر «مُعْرِضٌ» کا معنیٰ بھی ملحوظ ہے اور «عَنْهُ» «مُعْرِضٌ» کا صلہ ہے۔ توجہ ہے؟ یا تو دونوں کے لیے ہی تضمین بنا لو: «مُشْتَغِلٌ» میں اپنا معنیٰ بھی ملحوظ اور «فَارِغٌ» کا معنیٰ بھی ملحوظ، یا «مُشْتَغِلٌ» میں اپنا معنیٰ بھی ملحوظ اور «مُعْرِضٌ» کا معنیٰ بھی ملحوظ ہے۔ یعنی دونوں صورتوں میں تضمین ہی بنا لو، اور دونوں صورتوں میں جب تضمین بنائیں گے تو «بِضَمِيرِهِ أَوْ مُتَعَلِّقِهِ» کو «مُشْتَغِلٌ» سے جوڑیں گے، اور یہ «عَنْهُ» کو وہ جو دوسرا فعل ہے اس کے ساتھ جوڑ دیں گے۔ توجہ ہے؟ اور آپ چاہیں تو یوں کہیں کہ «مُشْتَغِلٌ» مجازی معنیٰ میں ہے اور یہ، یہاں تضمین نہیں ہے بلکہ «مُشْتَغِلٌ» کس معنیٰ میں ہے؟ «مُعْرِضٌ» کے معنیٰ میں ہے، اور اس صورت میں پھر یہ با سببیہ بنا دیں گے۔

جی، تو کہتے ہیں «مُشْتَغِلٌ»—جی متن متن دیکھیے—«مُشْتَغِلٌ عَنْهُ» وہ فعل یا شبہِ فعل اعراض کرنے والا ہو «عَنْهُ» اس اسم

سے–یہ ہا ضمیر کس کو راجع؟ اسم کو–اس اسم سے اعراض کر رہا ہو «بِضَمِيرِهِ» اس وجہ سے کہ وہ مشغول ہے «بِضَمِيرِهِ» اس اسم کی ضمیر میں «أَوْ مُتَعَلِّقِهِ» یا اس اسم کے متعلق کی وجہ سے، بات سمجھ میں آگئی؟ پھر سنیں، پھر سنیں: یہ «عَنْهُ» کو صلہ بنائیں کس کا؟ «فَارِغٌ» کا یا «مُعْرِضٌ» کا۔ تضمین ہے، اور «مُشْتَغِلٌ» کے اندر کس کا معنیٰ ملحوظ ہے؟ «فَارِغٌ» کا یا «مُعْرِضٌ» کا، اور یہ «عَنْهُ» اس کا صلہ ہے۔ اور یہ «بِضَمِيرِهِ أَوْ مُتَعَلِّقِهِ»، یہ جو با ہے، یہ صلہ ہے کس کا؟ «مُشْتَغِلٌ» کا، توجہ ہے؟ یا دوسری تقریر کیا تھی کہ «مُشْتَغِلٌ» مجازی معنیٰ میں ہے اور یہ، یہاں تضمین نہیں ہے بلکہ «مُشْتَغِلٌ» کس معنیٰ میں ہے؟ «مُعْرِضٌ» کے معنیٰ میں ہے، اور یہ «عَنْهُ» اس کا صلہ ہے، اور

اور یہ «بِضَمِيرِهِ» کی با کو سببیہ بنائیں، اس کو «مُشْتَغِلٌ» کا صلہ نہ بنائیں۔ اور «عَنْهُ» کی ہا ضمیر کس کو راجع؟ اس اسم کو، اور «بِضَمِيرِهِ» اور «مُتَعَلِّقِهِ» کی ہا ضمیر بھی کس کو راجع؟ اس اسم کو۔ کہ وہ فعل یا شبہِ فعل اس اسم سے اعراض کر رہا ہو، اور وہ فعل یا شبہِ فعل اس اسم کی ضمیر یا اس کے متعلق کی ضمیر میں مشغول ہو۔

اب دیکھیے بھئی شرح کے ساتھ، کہتے ہیں: «مُشْتَغِلٌ ذٰلِكَ الْفِعْلُ أَوْ شِبْهُهُ»، اور وہ فعل یا شبہِ فعل جو ہے اعراض کرنے والا ہو، «عَنْهُ» کس سے؟ اس اسم سے۔ لیکن صاحبِ جامی آگے فرما رہے ہیں: «أَيْ عَنِ الْعَمَلِ فِي ذٰلِكَ الْاِسْمِ»۔ متن میں تو کیا آیا؟ وہ فعل یا شبہِ فعل اس اسم سے اعراض کر رہا ہو۔ توجہ ہے؟ صاحبِ جامی بتلائیں گے بھئی وہ فعل یا شبہِ فعل اس اسم سے اعراض کر رہا ہو، مطلب یہ ہے کہ وہ اس کے اندر عمل کرنے سے اعراض کر رہا ہو۔ اس کے اندر عمل کرنے سے اعراض کر رہا ہو، یہ معنیٰ ہے «أَيْ عَنِ الْعَمَلِ فِي ذٰلِكَ الْاِسْمِ»، یعنی اس اسم کے اندر عمل کرنے سے وہ فعل یا شبہِ فعل اعراض کر رہے ہوں۔ «بِضَمِيرِهِ»، اس کی ضمیر کی وجہ سے، اس کی یعنی اس کی ضمیر کے اندر عمل کرنے کی وجہ سے۔ تو یہاں بھی عمل کا معنیٰ ملحوظ ہوگا: «بِضَمِيرِهِ أَيْ بِالْعَمَلِ فِي ضَمِيرِهِ أَوْ فِي مُتَعَلِّقِهِ»، اس کی ضمیر یا اس کے متعلق میں عمل کرنے کی وجہ سے۔ «أَيْ مُتَعَلِّقِ ذٰلِكَ الْاِسْمِ أَوْ مُتَعَلِّقِ ضَمِيرِهِ»، بھئی متن میں کیا آیا؟ «أَوْ مُتَعَلِّقِهِ»۔ اور صاحبِ جامی کیا فرما رہے ہیں؟ «مُتَعَلِّقِهِ» کی تفسیر کر رہے ہیں: «أَيْ مُتَعَلِّقِ ذٰلِكَ الْاِسْمِ أَوْ مُتَعَلِّقِ ضَمِيرِهِ»۔

بتلانا یہ چاہتے ہیں–میں نے ابھی آپ کو بتلایا کہ «مُتَعَلِّقِهِ» کی ہا ضمیر کس کو راجع؟ اسی اسم کو۔ صاحبِ جامی ایک اور احتمال بھی بتائیں گے کہ یہ ہا ضمیر یا تو اسی اسم کو راجع ہے، یا یہ جو «ضَمِيرِ» کا لفظ پیچھے آیا اس کو راجع ہے۔ کہ وہ فعل یا–ادھر دیکھیے–وہ فعل یا شبہِ فعل مشغول ہوگا اس اسم کی ضمیر میں، یا اس اسم کے متعلق میں، یا اس کی ضمیر کے متعلق میں یوں کہیں۔ ذرا اس مثال پر نظر رکھیں: «زَيْداً ضَرَبْتُ غُلَامَهُ»، «زَيْداً ضَرَبْتُ غُلَامَهُ»۔ یہ «زَيْداً» یہ «مَا أُضْمِرَ عَامِلُهُ عَلَى شَرِيطَةِ التَّفْسِيرِ» ہے، اور «ضَرَبْتُ» فعل اس کے بعد آیا اور یہ فعل مشغول ہے کس کے اندر؟ «غُلَامَهُ» کے اندر۔ اور یہ «غُلَامَهُ» کے اندر ہا ضمیر کس کو راجع؟ وہ جو ماقبل میں اسم تھا یعنی زید، یہ اس کو راجع ہے۔ تو یہ فعل اس اسم کے

متعلق میں مشغول ہے۔ یہ فعل وہ غلام کس کا ہے؟ زید کا ہے، تو یہ اس اسم کے متعلق میں مشغول ہے۔ یا آپ یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ یہ فعل اس ضمیر کے متعلق میں مشغول ہے۔ دیکھو «غُلَامَهُ»، «غُلَامُ» مضاف ہے اور ہا ضمیر مضاف الیہ ہے، تو یہ غلام ضمیر کا بھی تو متعلق ہوگیا۔ آپ یوں بھی کہیں بات ایک ہی ہے، ضمیر بھی تو زید کو راجع ہے، تو یوں کہو یہ «غُلَامَهُ» جو ہے یہ زید کا متعلق ہے یعنی زید کا غلام ہے، یا آپ یوں کہہ سکتے ہیں کہ یہ «غُلَامَهُ» جو ہے یہ اس ضمیر کا متعلق ہے کیونکہ ضمیر کی طرف یہ مضاف ہو رہا ہے۔ تو بات ایک ہی ہے لیکن دو طریقوں سے ذکر کی جا سکتی ہے۔ تو وہ فعل یا شبہِ فعل مشغول ہے اس اسم کے متعلق میں یا اس کی ضمیر کے متعلق میں، بات ایک ہی ہے۔ لیکن بہرحال یہاں جو آیا نا «أَوْ فِي مُتَعَلِّقِهِ»، یہاں بتلانا چاہتے ہیں کہ «مُتَعَلِّقِهِ» کی ہا ضمیر یہ یا تو اس اسم کو راجع کریں کہ وہ فعل یا شبہِ فعل اس کے متعلق میں مشغول ہے اس اسم کے متعلق میں، یا یہ ہا ضمیر یہ جو پیچھے «ضَمِيرٍ» کا لفظ آیا اس ضمیر کو راجع کریں کہ وہ فعل یا شبہِ فعل اس ضمیر کے متعلق میں مشغول ہے، دونوں معنیٰ آپ کر سکتے ہیں۔ تو یہی بیان کر رہے ہیں: «أَوْ فِي مُتَعَلِّقِهِ أَيْ مُتَعَلِّقِ ذٰلِكَ الْاِسْمِ» یعنی اس اسم کے متعلق میں «أَوْ مُتَعَلِّقِ ضَمِيرِهِ» یا اس اسم کی ضمیر کے متعلق کے اندر وہ مشغول ہے۔

«وَحَاصِلُهُ» اور حاصل یہ ہے، حاصل یہ ہے۔ اب حاصلِ معنیٰ بیان کرنے لگے ہیں، حاصل یہ جو اوپر متن گزرا اور اس کی شرح کی، حاصلِ معنیٰ بیان کر رہے ہیں: «وَحَاصِلُهُ» اور اس کلام کا حاصل یہ ہے کہ «أَنْ يَكُونَ الْفِعْلُ أَوْ شِبْهُهُ مُشْتَغِلاً بِالْعَمَلِ فِي ضَمِيرِ ذٰلِكَ الْاِسْمِ أَوْ مُتَعَلِّقِهِ»، کہ وہ فعل یا شبہِ فعل مشغول ہوں عمل کرنے میں اس اسم کی ضمیر میں یا اس کے متعلق میں۔ بھئی عبارت پر غور کرو! میں نے آپ کو کیا بتایا کہ یہ جو «بِضَمِيرِهِ» میں با ہے یہ کس کے ساتھ متعلق ہے؟ «مُشْتَغِلٌ»۔ یہی بیان کر رہے ہیں، دیکھو متن میں کیا آیا تھا؟ «مُشْتَغِلٌ عَنْهُ بِضَمِيرِهِ»، درمیان میں «عَنْهُ» تھا۔ صاحبِ جامی اس «عَنْهُ» کو آخر میں لے جائیں گے اور یہ جو «بِضَمِيرِهِ» ہے اس کو «مُشْتَغِلٌ» کے ساتھ جوڑیں گے۔ اور «بِضَمِيرِهِ» کا کیا معنیٰ کیا تھا صاحبِ جامی نے؟ «بِضَمِيرِهِ أَيْ بِالْعَمَلِ فِي ضَمِيرِهِ»۔ ضمیر میں مشغول ہونے سے مطلب یہ ہے کہ ضمیر کے اندر عمل کے اندر مشغول ہے۔ توجہ ہے؟ کہ وہ فعل یا شبہِ فعل «مُشْتَغِلٌ بِضَمِيرِهِ» وہ فعل یا شبہِ فعل اس ضمیر میں مشغول ہے، کیا معنیٰ اس ضمیر میں مشغول ہے؟ یعنی اس کے اندر عمل کرنے میں مشغول ہے۔ توجہ ہے؟ متن میں کیا آیا تھا؟ پھر دیکھو متن: «مُشْتَغِلٌ بِضَمِيرِهِ»، «بِضَمِيرِهِ» کے بعد کیا نکالا تھا؟ «أَيْ بِالْعَمَلِ فِي ضَمِيرِهِ» کہ وہ اس ضمیر کے اندر عمل کرنے میں مشغول ہوں۔ اب یہ حاصلِ کلام میں بھی یہی عبارت ہے: «مُشْتَغِلاً بِالْعَمَلِ فِي ضَمِيرِ ذٰلِكَ الْاِسْمِ»، «مُشْتَغِلاً بِالْعَمَلِ»۔ معلوم ہوا یہ با صلہ ہے، اس کو دیکھو «مُشْتَغِلاً» کے ساتھ لا کر جوڑ دیا۔ پھر سنو: «وَحَاصِلُهُ» اور حاصل یہ ہے کہ «أَنْ يَكُونَ الْفِعْلُ أَوْ شِبْهُهُ مُشْتَغِلاً بِالْعَمَلِ»، یہ «بِالْعَمَلِ» کو «مُشْتَغِلاً» کے ساتھ لا کر کیا بتلانا چاہتے ہیں صاحبِ جامی؟ کہ یہ «بِالْعَمَلِ» صلہ ہے کس کا؟ «مُشْتَغِلاً» کا۔ تو حاصل یہ ہے کہ «أَنْ يَكُونَ الْفِعْلُ أَوْ شِبْهُهُ مُشْتَغِلاً» کہ وہ فعل یا شبہِ فعل مشغول ہو «بِالْعَمَلِ» عمل کرنے میں، وہ فعل یا شبہِ فعل عمل کرنے میں مشغول ہو۔ بھئی کس چیز میں عمل کرنے میں مشغول ہو؟

«فِي ضَمِيرِ ذٰلِكَ الْاِسْمِ أَوْ مُتَعَلِّقِهِ» اس اسم کی ضمیر میں یا اس کے متعلق میں عمل کرنے میں مشغول ہو۔ «فَارِغاً عَنِ الْعَمَلِ» دیکھو اب وہ جو تضمین تھی، تضمین کی شرح کیسے کرتے ہیں؟ جہاں تضمین ہو وہاں شرح کیسے کرتے ہیں؟ میں نے بتایا تھا یا تو عطف کرتے ہیں «مُشْتَغِلٌ وَفَارِغٌ عَنْهُ»، یا کیا کرتے ہیں؟ حال بنا کر لے آتے ہیں «مُشْتَغِلٌ فَارِغاً عَنْهُ»۔ تو یہاں یہ حال بنا کر اسی لیے لائے، یہ اشارہ کر رہے ہیں تضمین کی طرف: «فَارِغاً عَنِ الْعَمَلِ فِيهِ»۔ متن میں کیا تھا؟ «عَنْهُ»۔ پھر آؤ متن پر ذرا: «عَنْهُ» فارغ ہو اس اسم سے—ہا ضمیر کس کو راجع؟ اسم کو—لیکن اس کی تفسیر کیا کی شارحِ جامی نے؟ اس اسم سے فارغ ہو یعنی اس سے عمل کرنے سے فارغ ہو «أَيْ عَنِ الْعَمَلِ فِي ذٰلِكَ الْاِسْمِ»، اس اسم میں عمل کرنے سے فارغ ہو۔ یہاں بھی وہی فرما رہے ہیں: «فَارِغاً عَنِ الْعَمَلِ فِيهِ» کہ اس اسم کے اندر عمل کرنے سے وہ فعل یا شبہِ فعل فارغ ہیں یعنی اس میں عمل نہیں کر رہے۔ کیوں نہیں عمل کر رہے؟ «بِسَبَبِ ذٰلِكَ الْاِشْتِغَالِ»، اس مشغولیت کی وجہ سے۔ وہ جو اس اسم کی ضمیر یا متعلق میں مشغول ہیں، اس مشغولیت کی وجہ سے وہ اس اسم کے اندر عمل نہیں کر رہے۔ توجہ ہے؟ «زَيْداً ضَرَبْتُهُ»، یہ «ضَرَبْتُهُ» «زَيْداً» میں کیوں نہیں عمل کر رہا؟ کیونکہ وہ اس کی ضمیر میں مشغول ہے، اس وجہ سے۔ اور «زَيْداً ضَرَبْتُ غُلَامَهُ»، یہ «ضَرَبْتُ» کیوں زید میں عمل نہیں کر رہا؟ کیونکہ یہ اس کے متعلق میں مشغول ہے، کوئی اور مانع نہیں ہے، صرف ایک ہی مانع ہے کہ وہ اس کی ضمیر میں مشغول ہے، وہ ایک کو نصب دے سکتا ہے دو کو نصب نہیں دے سکتا۔ تو کہتے ہیں: «فَارِغاً عَنِ الْعَمَلِ فِيهِ» اس حال میں کہ وہ فعل یا شبہِ فعل فارغ ہو اس اسم کے اندر عمل کرنے سے، بھئی کیوں فارغ ہو؟ کہتے ہیں: «بِسَبَبِ ذٰلِكَ الْاِشْتِغَالِ» اس اشتغال کی وجہ سے، «لَا بِسَبَبٍ آخَرَ» کسی دوسری وجہ سے نہیں۔ کوئی اور مانع نہیں ہونا چاہیے، مانع صرف کیا ہے؟ وہ اس اسم کی ضمیر یا متعلق کے اندر جو اشتغال ہے وہ ہے۔

مسئلہ اچھی طرح سمجھ میں آگیا؟ اب ایک قیمتی بات یاد رکھنا، قیمتی بات یاد رکھنا۔ ذرا پیچھے متن پر آئیے، متن پر آئیے: «مُشْتَغِلٌ عَنْهُ بِضَمِيرِهِ أَوْ مُتَعَلِّقِهِ»۔ یہ «مُشْتَغِلٌ» کے بعد ایک تو «عَنْهُ» جار مجرور آرہا ہے اور ایک «بِضَمِيرِهِ» جار مجرور آرہا ہے۔ اور میں نے آپ کو کیا بتلایا؟ کہ یہ «بِضَمِيرِهِ» کو جوڑیں گے «مُشْتَغِلٌ» سے کیونکہ «اِشْتَغَلَ» کا صلہ با آتا ہے، اور «عَنْهُ» کو جوڑیں گے کس سے؟ «فَارِغٌ» یا «مُعْرِضٌ» سے جوڑیں گے کیونکہ ان کا صلہ «عَنْ» آتا ہے، «مُشْتَغِلٌ» کا صلہ «عَنْ» نہیں آتا۔ تو یاد رکھو یہ آپ کو سمجھانے کے لیے میں نے اس طرح ذکر کیا کہ یہ «عَنْهُ» اس «فَارِغٌ» یا «مُعْرِضٌ» سے متعلق ہے۔ ورنہ حقیقت میں یہ «عَنْهُ» اور «بِضَمِيرِهِ» دونوں اسی «مُشْتَغِلٌ» سے متعلق ہیں۔ بات سمجھ میں آگئی؟ یہ نکتہ ہمیشہ یاد رکھنا۔ وہ سمجھانے کے لیے میں نے کہا تھا کہ یہ «عَنْهُ» کس سے متعلق ہے؟ «مُعْرِضٌ» سے یا «فَارِغٌ» سے کیونکہ یہ «مُشْتَغِلٌ» کا صلہ نہیں آتا، وہ صرف سمجھانے کے لیے کہا تھا۔ حقیقت میں یہ دونوں اسی «مُشْتَغِلٌ» سے متعلق ہیں بھئی۔ «بِضَمِيرِهِ» یہ تو اس لیے «مُشْتَغِلٌ» سے متعلق ہے کیونکہ «مُشْتَغِلٌ» کا اپنا صلہ با آتا ہے، تو یہ با متعلق ہے «مُشْتَغِلٌ» سے اس کی اپنی ذات کے اعتبار سے کیونکہ اس کا اپنا صلہ کیا آتا ہے؟ با۔ اور یہ «عَنْهُ» بھی اسی «مُشْتَغِلٌ» سے متعلق ہے، لیکن بایں اعتبار کہ اس میں تضمین ہے۔ یہ «عَنْهُ» یہ بھی اسی «مُشْتَغِلٌ» سے متعلق ہے باعتبار تضمین کے کہ اس کے اندر «فَارِغٌ» یا «مُعْرِضٌ» کا

معنیٰ ملحوظ ہے۔ تو جب اس کے اندر «مُعْرِضٌ» یا «فَارِغٌ» کا معنیٰ ملحوظ ہے تو «عَنْهُ» اسی سے پھر جڑ جائے گا۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو یہ دونوں اسی سے جڑیں گے، «بِضَمِيرِهِ» بھی اور «عَنْهُ» بھی۔ «بِضَمِيرِهِ» «مُشْتَغِلٌ» سے جڑے گا «مُشْتَغِلٌ» کی اپنی ذات کے اعتبار سے کیونکہ اس کا اپنا صلہ با آتا ہے، اور «عَنْهُ» جڑے گا «مُشْتَغِلٌ» سے تضمین کے اعتبار سے کہ اس کے اندر «فَارِغٌ» یا «مُعْرِضٌ» کا معنیٰ ملحوظ ہے اور ان کا صلہ تو «عَنْ» آتا ہے، تو وہی «عَنْ» اب «مُشْتَغِلٌ» سے جڑے گا کیونکہ «مُشْتَغِلٌ» میں ان کا معنیٰ ملحوظ ہے۔ تو ایک ہی فعل سے دو مختلف صلے جڑ سکتے ہیں مختلف اعتبار سے: ایک مثلاً یہاں جڑ رہا ہے اس کی اپنی ذات کے اعتبار سے اور ایک تضمین کے اعتبار سے۔ بات سمجھ میں آگئی؟

آگے دیکھیے: «بِحَيْثُ» اس طور پر «لَوْ سُلِّطَ»—جی پہلے متن متن دیکھو—اس طور پر «لَوْ سُلِّطَ عَلَيْهِ هُوَ»، اگر مسلط کر دیا جائے اس اسم پر، مسلط کر دیا جائے اس اسم پر «هُوَ» اسی فعل یا شبہِ فعل کو، اسی فعل یا شبہِ فعل کو۔ تو «هُوَ» ضمیر فعل یا شبہِ فعل کو راجع ہے، اور وہ تو دو ہیں اور ضمیر تو مفرد کی ہے، تو میں نے جواب کل کے سبق میں ذکر کیا تھا کہ وہ «أَحَدُ الْأَمْرَيْنِ» کی تاویل میں ہے کیونکہ ان کے درمیان کیا ہے؟ «أَوْ» ہے، ایک وقت میں ایک آئے گا بھئی۔ «بِحَيْثُ لَوْ سُلِّطَ عَلَيْهِ هُوَ»، اس طور پر کہ اگر اس اسم پر اسی فعل یا شبہِ فعل کو مسلط کر دیا جائے، «أَوْ مُنَاسِبُهُ» یا اس کے کسی مناسب کو مسلط کر دیا جائے، «لَنَصَبَهُ» تو وہ اس کو نصب دے سکے۔

اب شرح کے ساتھ دیکھیے: «بِحَيْثُ» اس طور پر «لَوْ سُلِّطَ» اگر مسلط کر دیا جائے اسی فعل یا شبہِ فعل کو—اور اسی فعل یا شبہِ فعل کو اسی طرح مسلط کرنا ہے ضمیر وغیرہ کے ساتھ یا ضمیر وغیرہ سے خالی کر کے؟ خالی کر کے۔ «زَيْداً ضَرَبْتُهُ»، یہ «ضَرَبْتُهُ» «زَيْداً» میں عمل کیوں نہیں کر سکتا؟ کیونکہ اس کے ضمیر میں مشغول ہے۔ تو اسی «ضَرَبْتُ» کو اگر زید پر مسلط کریں، اور مسلط کس طرح کریں گے؟ ضمیر سمیت مسلط کریں گے؟ «ضَرَبْتُهُ زَيْداً» کہیں گے؟ بھئی «ضَرَبْتُهُ» لائیں گے تو وہ تو ابھی بھی ضمیر میں مشغول ہے۔ لہٰذا کیا ضروری ہے؟ اس اشتغال سے اس کو خالی کر لیا جائے، وہ جو ضمیر وغیرہ ہے اس کو ختم کر کے پھر اس کو مسلط کیا جائے۔ تو یہی کہہ رہے ہیں: «لَوْ سُلِّطَ» اگر اس کو مسلط کر دیا جائے «بِمُجَرَّدِ رَفْعِ ذٰلِكَ الْاِشْتِغَالِ» محض اس اشتغال کو اٹھاتے ہوئے، اس کو ختم کرتے ہوئے، «عَلَيْهِ أَيْ عَلَى ذٰلِكَ الْاِسْمِ» اس اسم کے اوپر۔ مسلط کر دیا جائے اس اشتغال کو اٹھا کر اسی اسم پر۔ پھر ذرا ترجمہ دیکھو: «لَوْ سُلِّطَ» اگر مسلط کر دیا جائے اس اشتغال کو اٹھا کر اس اسم پر، کس کو مسلط کر دیا جائے؟ «هُوَ» اسی فعل یا شبہِ فعل کو۔ تو کہتے ہیں: «هُوَ أَيْ أَحَدُ الْأَمْرَيْنِ» ان دو چیزوں میں سے ایک، اس کو مسلط کر دیا جائے۔ بھئی وہ «أَحَدُ الْأَمْرَيْنِ» کیا ہے؟ کہتے ہیں: «الْفِعْلُ أَوْ شِبْهُهُ بِعَيْنِهِ»، «بِعَيْنِهِ» وہی فعل یا شبہِ فعل، «بِعَيْنِهِ» وہی فعل یا شبہِ فعل، اسی کو مسلط کر دیا جائے، «أَوْ مُنَاسِبُهُ» یا اس کے مناسب کو مسلط کر دیا جائے۔ اور میں نے بتایا تھا مناسب کے اندر پھر دو صورتیں ہیں: ایک مناسب بالترادف ہے اور ایک مناسب باللزوم ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو اس کے مناسب کو مسلط کر دیا جائے: «أَيْ مَا يُنَاسِبُهُ بِالتَّرَادُفِ»، یعنی وہ فعل جو فعلِ مذکور

کے مناسب ہو «بِالتَّرَادُفِ» کس کی وجہ سے؟ ترادف کی وجہ سے—یہ با سببیہ ہے—ترادف کی وجہ سے، «أَوِ اللُّزُومِ» یا لزوم کی وجہ سے۔ یعنی ایسا فعل یا شبہِ فعل جو اس فعلِ مذکور کے مناسب ہو، جو اس فعلِ مذکور کے مناسب ہو «بِالتَّرَادُفِ» کس کی وجہ سے؟ ترادف کی وجہ سے، «أَوِ اللُّزُومِ» یا لزوم کی وجہ سے۔ تو معلوم ہوا مناسب دو ہو سکتے ہیں: ایک مناسب بالترادف اور ایک مناسب باللزوم۔ یہ بار بار میں لفظ ذکر کر رہا ہوں، یہ آگے صاحبِ

جامی ذکر کریں گے اور بڑے مشکل الفاظ لے کر آئیں گے۔ تو بار بار میں اس لیے ذکر کر رہا ہوں تاکہ آپ کے ذہن میں یہ بات جم جائے کہ مناسب کتنی قسم کے ہیں؟ دو: ایک مناسب بالترادف اور ایک مناسب باللزوم۔ اور کس کے مناسب ہیں؟ وہ فعلِ مذکور کے۔ وہ جو فعل ذکر ہے اس کا کوئی مناسب ہونا چاہیے نا، اور اس کا کوئی مناسب جو ہوگا وہ یا تو مناسب بالترادف ہوگا یا مناسب باللزوم ہوگا۔

تو کہتے ہیں: «أَوْ مُنَاسِبُهُ أَيْ مَا يُنَاسِبُهُ بِالتَّرَادُفِ أَوِ اللُّزُومِ»، یعنی ایسا فعل جو مناسب ہو فعلِ مذکور کے ترادف کی وجہ سے یا لزوم کی وجہ سے، «لَنَصَبَهُ» تو وہ فعل یا شبہِ فعل اس کو نصب دے سکے، وہ فعل یا شبہِ فعل اس کو نصب دے سکے۔ تو «لَنَصَبَ» واحد مذکر کا صیغہ آیا، اور پیچھے ضمیر کس کو راجع؟ فعل یا شبہِ فعل کو، اور فعل یا شبہِ فعل تو دو ہیں، تو وہ کس تاویل میں ہیں؟ «أَحَدُ الْأَمْرَيْنِ»۔ وہی بیان کر رہے ہیں: «لَنَصَبَهُ أَيْ لَنَصَبَ أَحَدُ هٰذَيْنِ الْأَمْرَيْنِ»، تو البتہ نصب دے سکے ان دو امروں میں سے کوئی ایک چیز یعنی فعل یا شبہِ فعل، وہ نصب دے سکے «الِاسْمَ» اس اسم کو «بِالْمَفْعُولِيَّةِ» کس کی وجہ سے؟ مفعول ہونے کی وجہ سے، کس وجہ سے؟ مفعول ہونے کی وجہ سے اس کو نصب دے سکے بھئی۔ وہ فعل یا شبہِ فعل اس اسم کو نصب دے سکے مفعول ہونے کی وجہ سے۔

تو اس کے ذریعے وہ «مَا أُضْمِرَ» نکل گئے جو مفعول ہونے کی وجہ سے منصوب نہیں ہوتے۔ جو مفعول ہونے کی وجہ سے، بھئی «كَانَ» کی خبر بھی کبھی کبھار اس طرح آجاتی ہے، جیسے آگے صاحبِ جامی ذکر کریں گے، آگے صاحبِ جامی ذکر کریں گے، یہ دو چار سطروں کے بعد آرہا ہے ذرا دیکھیے بھئی: «زَيْداً كُنْتُ إِيَّاهُ»، «زَيْداً كُنْتُ إِيَّاهُ»۔ یہ تقدیرِ عبارت یوں ہے: «كُنْتُ زَيْداً كُنْتُ إِيَّاهُ»، «كُنْتُ زَيْداً كُنْتُ إِيَّاهُ»۔ تو «زَيْداً» دیکھو ایک اسم ہے اور اس کے بعد «كُنْتُ» فعل آرہا ہے، اور آپ جانتے ہیں کہ «كَانَ» ایک اسم چاہتا ہے اور ایک خبر۔ تو «كُنْتُ» یہ جو تا ضمیر ہے «كَانَ» کے ساتھ جڑی ہوئی، یہ «كَانَ» کا اسم ہے، مرفوع ہے محلاً۔ اور «إِيَّاهُ» یہ «كَانَ» کی خبر ہے اور یہ «إِيَّاهُ» ضمیرِ منصوب منفصل ہے۔

اور یہ راجع ہے «زَيْداً» کو۔ تو «كَانَ» کا اسم کیا؟ تا ضمیر۔ «كَانَ» کی خبر کیا؟ «إِيَّاهُ»۔ تو یہ «كَانَ» مشغول ہے «إِيَّاهُ» کے اندر یعنی زید کی ضمیر میں، اس طور پر کہ اس «كَانَ» کو مسلط کریں «زَيْداً» پر تو یہ «كَانَ» اس کو نصب دے سکتا ہے: «كُنْتُ زَيْداً»۔ دیکھو «زَيْداً» کو نصب دے سکتا ہے خبر ہونے کی بنا پر۔ تو لہٰذا یہ بھی اس کے اندر داخل ہو رہا تھا، لیکن صاحبِ

جامی نے بتلایا کہ یہ جو فعل یا شبہِ فعل اس اسم کو نصب دے یہ نصب کس وجہ سے ہونا چاہیے؟ مفعول ہونے کی وجہ سے ہونا چاہیے۔ کس وجہ سے؟ مفعول ہونے کی وجہ سے نصب ہونا چاہیے، تاکہ «كَانَ» وغیرہ کی خبر اس سے نکل جائے بھئی۔ «كَانَ» وغیرہ کی خبر اس سے نکل جائے کیونکہ یہ مفاعیل کی بحث چل رہی ہے، «كَانَ» کی خبر کی بحث نہیں ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟

تو کہتے ہیں، پھر دیکھیے: «لَنَصَبَهُ أَيْ لَنَصَبَ أَحَدُ هٰذَيْنِ الْأَمْرَيْنِ»، تو البتہ نصب دے دیں ان دو میں سے ایک یعنی وہ فعل یا شبہِ فعل میں سے جو بھی ہے وہ نصب دے دے «الِاسْمَ» اس اسم کو وہ نصب دے سکے «بِالْمَفْعُولِيَّةِ»، کس وجہ سے نصب دے سکے؟ مفعول ہونے کی وجہ سے، «كَانَ» کی خبر وغیرہ کی وجہ سے نصب مراد نہیں لہٰذا وہ نکل گئے اس تعریف سے۔ «كَمَا هُوَ الظَّاهِرُ الْمُتَبَادِرُ»، جیسے کہ یہی بات ظاہر بھی ہے اور متبادر بھی ہے یعنی ذہن کی طرف سبقت کرتی ہے۔ یہی بات ذہن میں آتی ہے کہ یہاں یہ جو «مَا أُضْمِرَ عَامِلُهُ عَلَى شَرِيطَةِ التَّفْسِيرِ» یہ مفعول کے بارے میں کہا جا رہا ہے، «كَانَ» کی خبر وغیرہ کی بات یہاں پر نہیں ہے بھئی۔

تو دیکھو «كَمَا هُوَ الظَّاهِرُ الْمُتَبَادِرُ» کو ہم نے «بِالْمَفْعُولِيَّةِ» سے متعلق کیا، کہ اس بات کا تعلق مفعولیت سے ہے، اس اسم کا نصب مفعول ہونے کی بنا پر ہونا چاہیے اور یہی بات ظاہر ہے اور متبادر ہے۔ جبکہ بعض شارحین فرماتے ہیں کہ «كَمَا هُوَ الظَّاهِرُ الْمُتَبَادِرُ» وہ اس «بِالْمَفْعُولِيَّةِ» کے ساتھ متعلق نہیں ہے بلکہ اس کو اس ساری شرح کے ساتھ جوڑیں جو صاحبِ جامی نے کی اس مسئلے کی۔ بعض قیدیں اور تفصیلیں شارحِ جامی نے بیان کیں، وہ ساروں کے ساتھ اس کا تعلق ہے۔ مثلاً صاحبِ کافیہ نے فرمایا تھا کہ وہ فعل یا شبہِ فعل اس اسم کے بعد میں آنا چاہیے۔ صاحبِ جامی نے اس کی تشریح کی کہ بعد میں ہونے کا یہ معنیٰ نہیں ہے کہ اس کے ساتھ متصل ہو، بلکہ اسی کلام میں ہونا چاہیے چاہے متصل ہو یا نہ ہو، یعنی یوں کہیں اس اسم کے بعد فعل یا شبہِ فعل ہونا چاہیے چاہے متصل ہو یا متصل نہ ہو لیکن ہونا اسی کلام کا جز چاہیے۔

اسی طرح صاحبِ جامی نے مزید تفسیر کرتے ہوئے بتلایا کہ یہ «مُشْتَغِلٌ عَنْهُ بِضَمِيرِهِ» کہ یہ «عَنْهُ» یہ بھی «مُشْتَغِلٌ» سے متعلق ہے کیونکہ اس کے اندر «فَارِغٌ» کا معنیٰ ملحوظ ہے۔ چنانچہ «حَاصِلُهُ» کے اندر ذکر کیا تھا: «فَارِغاً عَنِ الْعَمَلِ فِيهِ»۔ دیکھا یہ «فَارِغاً» کو حال لے کر آئے تھے یہ بتلانے کے لیے کہ یہ «مُشْتَغِلٌ» کے اندر تضمین ہے۔ تو یہ جو انھوں نے تفسیر کی، اور اسی طرح آگے انھوں نے پھر کہا تھا کہ مناسب سے مراد مناسب بالترادف بھی ہو سکتا ہے اور مناسب باللزوم بھی ہو سکتا ہے، اور اسی طرح صاحبِ جامی نے آگے فرمایا کہ وہ فعل یا شبہِ فعل اس اسم کو نصب دے سکے «بِالْمَفْعُولِيَّةِ»، کس وجہ سے؟ مفعول ہونے کی وجہ سے۔ تو یہ باتیں اگرچہ صاحبِ کافیہ نے متن میں تو ذکر نہیں کیں لیکن ظاہر اور متبادر یہی ہے کہ یہ سب چیزیں ملحوظ ہیں، صاحبِ کافیہ یہی بیان کرنا چاہتے ہیں۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو یہ چیزیں اگرچہ صاحبِ کافیہ نے متن میں ذکر نہیں کیں لیکن ظاہر اور متبادر یہی ہے کہ یہ سب چیزیں ملحوظ ہیں بھئی: بعد میں ہونے کا یہ معنیٰ نہیں کہ اس کے

ساتھ متصل بعد میں ہو وہ فعل یا شبہِ فعل؛ اور اسی طرح «مُشْتَغِلٌ عَنْهُ بِضَمِيرِهِ» یہاں پر بھی تضمین ہے؛ اور اسی طرح مناسب سے مراد مناسب بالترادف یا مناسب باللزوم ہے؛ اور اسی طرح «لَنَصَبَهُ» سے کون سا نصب مراد ہے؟ مفعول ہونے کی بنا پر جو نصب ہے۔ تو یہ جتنی چیزیں ہم نے ذکر کر دیں اور جس طریقے سے ہم نے شرح کر دی، ظاہر اور متبادر یہی ہے کہ یہ سب چیزیں اس میں ملحوظ ہیں، کس کے اندر؟ یہاں پر جو صاحبِ کافیہ تعریف کر رہے ہیں «مَا أُضْمِرَ عَامِلُهُ عَلَى شَرِيطَةِ التَّفْسِيرِ» کی بھئی۔ بات سمجھ میں آگئی؟

جی، اب فوائدِ قیود ذکر کر رہے ہیں۔ کہتے ہیں: «فَبِقَيْدِ الْاِشْتِغَالِ بِضَمِيرِهِ أَوْ مُتَعَلِّقِهِ خَرَجَ نَحْوُ: زَيْداً ضَرَبْتُ»۔ انھوں نے کیا قید لگائی متن میں؟ کہ وہ فعل یا شبہِ فعل اس اسم کی ضمیر یا متعلق میں مشغول ہو۔ یہ قید کیوں لگائی؟ اس قید کا فائدہ کیا ہے؟ کہتے ہیں یہ قید اس لیے لگائی تاکہ «زَيْداً ضَرَبْتُ» جیسی مثالیں نکل جائیں، کس جیسی؟ یہ آگے اسی سطر میں آرہا ہے: «زَيْداً ضَرَبْتُ»۔ دیکھو «زَيْداً» منصوب لفظاً مفعول بہ ہے، «ضَرَبْتُ» فعل با فاعل، اس کے اندر تا ضمیر مرفوع محلاً اس کا فاعل، تو فعل اپنے فاعل اور یہ جو «زَيْداً» مقدم ہے یہ اسی کا مفعول ہے، تو فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ ہوا۔ «زَيْداً ضَرَبْتُ» میں نے زید ہی کی پٹائی کی۔ یہ دیکھو یہ ہونا تو یوں چاہیے تھا «ضَرَبْتُ زَيْداً»، لیکن زید کو مقدم کر دیا گیا، اور «تَقْدِيمُ مَا حَقُّهُ التَّأْخِيرُ يُفِيدُ الْحَصْرَ وَالْقَصْرَ وَالتَّخْصِيصَ»۔ اب ترجمہ کیا ہوگا؟ کہ میں نے زید ہی کی پٹائی کی ہے، معلوم ہوا کسی اور کی پٹائی نہیں کی، تو یہ تقدیم کی وجہ سے تخصیص آگئی۔ اب دیکھو اس کے اندر یہ «زَيْداً» یہ «مَا أُضْمِرَ عَامِلُهُ عَلَى شَرِيطَةِ التَّفْسِيرِ» نہیں ہے، یہ اس تعریف سے نکل گیا۔ کیوں نکل گیا؟ کیونکہ انھوں نے کیا قید لگائی تھی کہ وہ فعل یا شبہِ فعل اس اسم کی ضمیر یا متعلق میں مشغول ہو۔ یہاں پر بھی دیکھو «زَيْداً» ایک اسم ہے اور اس کے بعد «ضَرَبْتُ» فعل آرہا ہے، لیکن وہ فعل اس «زَيْداً» کی ضمیر یا اس کے متعلق میں مشغول نہیں ہے، بلکہ وہ «ضَرَبْتُ» تو خود نصب دے رہا ہے «زَيْداً» کو۔ تو اس جیسی مثالیں بھی «مَا أُضْمِرَ عَامِلُهُ عَلَى شَرِيطَةِ التَّفْسِيرِ» سے کیا ہو گئیں؟ خارج ہو گئیں، کیونکہ تعریف کے اندر کیا قید لگائی تھی؟ کہ وہ فعل یا شبہِ فعل اس اسم کی ضمیر یا متعلق میں مشغول ہو، اور یہاں پر ایسا نہیں ہے بلکہ یہاں تو فعل براہِ راست خود اس کو نصب دے رہا ہے بھئی اس اسم کو۔

تو کہتے ہیں: «فَبِقَيْدِ الْاِشْتِغَالِ بِضَمِيرِهِ أَوْ مُتَعَلِّقِهِ»، تو یہ جو ضمیر یا متعلق کے اندر اشتغال کی قید لگائی گئی اس کے ذریعے «خَرَجَ نَحْوُ: زَيْداً ضَرَبْتُ» اس جیسی مثالیں نکل گئیں۔

«وَبِقَيْدِ الْفَرَاغِ عَنِ الْعَمَلِ فِيهِ بِمُجَرَّدِ ذٰلِكَ الْاِشْتِغَالِ خَرَجَ نَحْوُ: زَيْدٌ ضَرَبْتُهُ»۔ اور دوسری قید کیا لگائی تھی؟ کہ وہ فعل یا شبہِ فعل اس اسم کے اندر عمل کرنے سے فارغ ہو یعنی اس کے اندر عمل نہ کر رہا ہو، اور کیوں نہیں کر رہا؟ اس وجہ سے کہ وہ اس کی ضمیر یا متعلق میں مشغول ہے۔ معلوم ہوا کہ اس فعل کا اس اسم میں عمل نہ کرنا وہ صرف اس اسم کی ضمیر یا متعلق میں مشغولیت کی وجہ سے ہے، کوئی اور مانع نہیں۔ توجہ ہے؟ بھئی وہ فعل یا شبہِ فعل اس اسم میں عمل نہیں کر رہا،

کیوں نہیں عمل کر رہا؟ مانع کیا ہے؟ کہ وہ اس کی ضمیر یا متعلق میں مشغول ہے، کوئی اور مانع نہیں۔ تو کہتے ہیں یہ جو قید لگائی نا کہ کوئی اور مانع نہیں ہے صرف اس مشغولیت کی وجہ سے اس میں عمل نہیں کر سکتا، اس سے «زَيْدٌ ضَرَبْتُهُ» جیسی مثالیں نکل گئیں۔ اس سے «زَيْدٌ ضَرَبْتُهُ» جیسی مثالیں نکل گئیں، کیونکہ اس کے اندر ایک اور مانع بھی ہے۔ وہ کیا ہے؟ ذرا دیکھو یہ جو مثال آرہی ہے ذرا اس پر نظر رکھیں: «زَيْدٌ ضَرَبْتُهُ»۔ «زَيْدٌ» مرفوع لفظاً مبتدا، «ضَرَبْتُهُ» یہ «ضَرَبْتُ» فعل با فاعل، تا ضمیر مرفوع محلاً اس کا فاعل اور ہا ضمیر منصوب محلاً مفعول بہ، اور یہ کس کو راجع؟ زید کو۔ تو فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر یہ خبر ہوئی زید مبتدا کے لیے۔ تو یہ «ضَرَبْتُهُ» پورا جملہ خبر ہے کس کی؟ زید کی۔ اور آپ نے پڑھا ہے جملے کو جب بھی کسی چیز سے جوڑنا ہو تو درمیان میں ربط ضروری ہے، تو یہ «ضَرَبْتُهُ» کی ہا ضمیر زید کو لوٹ رہی ہے، اس نے ربط دے دیا۔ تو «زَيْدٌ ضَرَبْتُهُ» زید کہ میں نے اس کی پٹائی کی۔ تو یہ زید مبتدا ہے اور «ضَرَبْتُهُ» اس کی خبر ہے۔ اور مبتدا اور خبر میں عامل کون ہوتے ہیں؟ ابتدا، ابتدا۔ تو «زَيْدٌ» مرفوع ہے کیونکہ اس کے اندر ابتدا عامل ہے، وہ اس کو رفع دے رہی ہے۔

اب دیکھو ذرا «مَا أُضْمِرَ عَامِلُهُ عَلَى شَرِيطَةِ التَّفْسِيرِ» کی تعریف اس پر لاگو کرو۔ «مَا أُضْمِرَ عَامِلُهُ عَلَى شَرِيطَةِ التَّفْسِيرِ» کسے کہتے تھے؟ ہر ایسا اسم جس کے بعد فعل یا شبہِ فعل آئے۔ یہاں پر بھی دیکھو «زَيْدٌ» ایک اسم ہے اور «ضَرَبْتُهُ» اس کے بعد فعل یا شبہِ فعل آرہا ہے، اور وہ فعل یا شبہِ فعل اس کی ضمیر کے اندر مشغول ہے، اس وجہ سے وہ زید کے اندر عمل نہیں کر سکتا۔ لیکن صاحبِ جامی نے کیا کہا تھا؟ کہ صرف اس کی ضمیر میں مشغولیت کی وجہ سے اس اسم میں عمل نہیں کر سکتا، کوئی اور مانع وہاں نہیں ہونا چاہیے۔ اور یہاں ایک اور مانع بھی ہے: ایک تو اس کی ضمیر میں مشغول ہے، اور دوسرا مانع زید کا مبتدا ہونا ہے، زید کا مبتدا ہونا۔ زید چونکہ مبتدا ہے اور وہ ابتدا اس کو رفع دے رہی ہے، ابتدا کی وجہ سے یہ مرفوع ہے، تو یہ مبتدا ہونا بھی مانع ہے بھئی۔ اس کا مبتدا ہونا بھی مانع ہے: ایک تو «ضَرَبْتُ» اس کی ضمیر میں مشغول ہے اور دوسرا «زَيْدٌ» پر رفع پڑھ رہے ہیں وہ مبتدا ہے بھئی، اور اس کا مبتدا ہونا بھی مانع ہے آپ اس «ضَرَبْتُ» کو اس پر مسلط نہیں کر سکتے، اگر آپ اس کو «ضَرَبْتُ» کو اس پر مسلط کریں گے تو پھر یہ مبتدا رہے گا؟ پھر تو یہ مبتدا نہیں، پھر تو یہ «زَيْداً» مفعول بہ بن جائے گا۔ بات سمجھ میں آرہی ہے؟ تو لہٰذا جب زید پر رفع پڑھ دیا گیا تو اب یہ رفع یہ مبتدا ہونے کی بنا پر ہے، معلوم ہوا اس کے اندر ابتدا عامل ہے اور وہ رفع دے رہی ہے، تو یہ چیز بھی اب مانع بن گئی کہ اس پر اب اس فعل کو مسلط نہیں کر سکتے کیونکہ اس کو مسلط کریں گے پھر تو وہ اس کو نصب دے گا رفع نہیں دے سکتا، حالانکہ اس پر تو متکلم نے کیا پڑھا ہے؟ رفع پڑھا ہے۔ بات سمجھ میں آئی؟ «زَيْدٌ ضَرَبْتُهُ»، توجہ ہے؟ ویسے تو اس میں دونوں احتمال ہیں، «زَيْدٌ ضَرَبْتُهُ» بھی پڑھ سکتے ہیں اور «زَيْداً ضَرَبْتُهُ» بھی، لیکن جب متکلم نے «زَيْدٌ ضَرَبْتُهُ» پڑھ دیا، اس پر رفع پڑھ دیا، اس کلام کو رفع کے ساتھ ذکر کیا تو اب اس کو «مَا أُضْمِرَ عَامِلُهُ عَلَى شَرِيطَةِ التَّفْسِيرِ» کی قبیل سے نہیں بنا سکتے کیونکہ یہاں اب دو مانع آگئے: ایک تو یہ وجہ کہ وہ فعل اس کی ضمیر میں مشغول ہے، اور دوسری وجہ یہ کہ متکلم نے اس پر رفع پڑھا ہے معلوم ہوا اس کے

اندر ابتدا عامل ہے، تو جب ابتدا عامل ہے تو اب اس فعل کو عامل اس پر نہیں بنا سکتے کیونکہ اگر اس کو عامل بنائیں گے پھر تو اس پر رفع نہیں رہے گا بلکہ کیا آجائے گا؟ نصب، حالانکہ متکلم نے اس پر رفع پڑھا ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟

تو کہتے ہیں: «وَبِقَيْدِ الْفَرَاغِ عَنِ الْعَمَلِ فِيهِ بِمُجَرَّدِ ذٰلِكَ الْاِشْتِغَالِ»، اور یہ جو قید لگائی کہ وہ فعل یا شبہِ فعل اس اسم کے اندر عمل کرنے سے فارغ ہو محض اس اشتغال کی وجہ سے، اس قید کی وجہ سے «خَرَجَ نَحْوُ: زَيْدٌ ضَرَبْتُهُ» اس جیسی مثالیں نکل گئیں۔ دیکھیے آگے خود تفصیل بیان کر رہے ہیں، میں نے بتایا کہ یہ «ضَرَبْتُهُ» زید کے اندر عمل نہیں کر سکتا اور مانع صرف اس کی ضمیر میں مشغولیت مانع نہیں ہے، بلکہ زید کا مبتدا ہونا بھی مانع ہے بھئی۔ تو کہتے ہیں: «فَإِنَّ الْمَانِعَ عَنْ عَمَلِ ضَرَبْتُهُ فِي زَيْدٌ»، اس لیے کیونکہ وہ چیز جو مانع ہے «ضَرَبْتُ» کے عمل کرنے سے «فِي زَيْدٌ» کس کے اندر؟ زید کے اندر۔ زید کے اندر وہ چیز جو مانع بن رہی ہے «ضَرَبْتُ» کے عمل کرنے سے، «لَيْسَ مُجَرَّدَ اشْتِغَالِهِ بِضَمِيرِهِ» وہ صرف اس کا ضمیر کے اندر مشغول ہونا نہیں ہے، «فَإِنَّ عَمَلَ مَعْنَى الْاِبْتِدَاءِ فِيهِ وَرَفْعَهُ إِيَّاهُ أَيْضاً مَانِعٌ عَنْ ذٰلِكَ»۔ «فَإِنَّ عَمَلَ مَعْنَى الْاِبْتِدَاءِ فِيهِ» اس لیے کیونکہ ابتدا کے معنیٰ کا عمل کرنا «فِيهِ» اس زید کے اندر—ابتدا کیا ہے اس زید کے اندر؟ عامل ہے—«فَإِنَّ عَمَلَ مَعْنَى الْاِبْتِدَاءِ فِيهِ» اس لیے کیونکہ ابتدا کے معنیٰ کا عمل کرنا اس زید کے اندر، «وَرَفْعَهُ إِيَّاهُ» اور ابتدا کا رفع دینا «إِيَّاهُ» اس زید کو، اس لفظِ «زَيْدٌ ضَرَبْتُهُ»—یہ «زَيْدٌ» کو رفع کس نے دیا؟ ابتدا نے، توجہ ہے؟ «وَرَفْعَهُ»، یہ ہا ضمیر راجع ہے ابتدا کو، ابتدا کا رفع دینا «إِيَّاهُ» کس کو؟ زید کو—تو ابتدا کا زید کو رفع دینا «أَيْضاً مَانِعٌ عَنْ ذٰلِكَ» یہ بھی اس سے مانع ہے، یہ بھی اس سے مانع ہے کہ اس فعل کو اس پر مسلط کیا جا سکے۔ مسلط نہیں کیا جا سکتا کیونکہ زید کے اندر ابتدا عامل ہے، ایک وقت میں ایک عامل ہو سکتا ہے دو عامل نہیں ہو سکتے۔

پھر ترجمہ دیکھیے، کہتے ہیں: «فَإِنَّ الْمَانِعَ عَنْ عَمَلِ ضَرَبْتُهُ فِي زَيْدٌ»۔ بھئی دیکھیے «فِي زَيْدٌ» میں پڑھ رہا ہوں، «فِي» جارہ ہے لیکن پھر بھی میں «زَيْدٌ» پڑھ رہا ہوں، کیا وجہ؟ شاباش! یہ اعرابِ حکائی ہے، کیونکہ وہ جو مثال گزری ہے «زَيْدٌ ضَرَبْتُهُ» اسی کی تفسیر کی جا رہی ہے، اسی کی وضاحت کی جا رہی ہے، اور اس مثال کے اندر «زَيْدٌ» مرفوع تھا تو اسی طرح اس کو یہاں ذکر کر دیا۔ یعنی حکایت میں زید مرفوع تھا تو یہاں پر بھی مرفوع ذکر کیا، ہاں محل کے اعتبار سے یہ زید یہاں مجرور ہے کیونکہ «فِي» جارہ اس پر داخل ہے۔ تو کہتے ہیں: «فَإِنَّ الْمَانِعَ عَنْ عَمَلِ ضَرَبْتُهُ فِي زَيْدٌ»، اس لیے کیونکہ وہ چیز جو مانع ہے «ضَرَبْتُ» کے عمل کرنے سے «فِي زَيْدٌ» زید کے اندر، وہ چیز جو زید کے اندر «ضَرَبْتُ» کے عمل کرنے سے مانع ہے «لَيْسَ مُجَرَّدَ اشْتِغَالِهِ بِضَمِيرِهِ» وہ صرف اس فعل کا

اس کی ضمیر کے اندر مشغول ہونا نہیں ہے، «فَإِنَّ عَمَلَ مَعْنَى الْاِبْتِدَاءِ فِيهِ وَرَفْعَهُ إِيَّاهُ أَيْضاً مَانِعٌ عَنْ ذٰلِكَ»، اس لیے کیونکہ ابتدا کے معنیٰ کا اس «زَيْدٌ» کے اندر عمل کرنا «وَرَفْعَهُ إِيَّاهُ» اور ابتدا کا اس زید کو رفع دینا «أَيْضاً مَانِعٌ عَنْ ذٰلِكَ» وہ بھی اس سے مانع ہے بھئی۔

«وَبِقَيْدِ النَّصْبِ بِالْمَفْعُولِيَّةِ خَرَجَ خَبَرُ كَانَ فِي نَحْوِ: زَيْداً كُنْتُ إِيَّاهُ»۔ اور کہتے ہیں بھئی پیچھے متن میں کیا آیا تھا؟ «لَنَصَبَهُ»،

تو وہ فعل یا شبہِ فعل اس اسم کو نصب دے سکے۔ صاحبِ جامی نے قید لگائی تھی «بِالْمَفْعُولِيَّةِ»، کہ وہ فعل یا شبہِ فعل اس اسم کو نصب دے سکے مفعول ہونے کی بنا پر۔ تو کہتے ہیں یہ جو مفعولیت کی ہم نے قید لگائی، اس کے ذریعے «كَانَ» وغیرہ کی خبر نکل گئی۔ کہتے ہیں: «وَبِقَيْدِ النَّصْبِ بِالْمَفْعُولِيَّةِ» اور اس نصب کے مفعول ہونے کی جو قید لگائی گئی، «خَرَجَ خَبَرُ كَانَ» اس سے «كَانَ» کی خبر نکل گئی «فِي نَحْوِ» اس جیسی مثالوں میں: «زَيْداً كُنْتُ إِيَّاهُ»۔ «زَيْداً كُنْتُ إِيَّاهُ»، زید کہ میں وہی تھا یعنی میں زید ہی تھا۔ «زَيْداً» زید کہ میں وہی تھا، کوئی متکلم بتلا رہا ہے کسی سے بات کرتے ہوئے۔ مثلاً فرض کرو زید بڑا بہادر ہے، زید بڑا بہادر ہے، تو کسی مقام پر لڑائی کا موقع آیا، جنگ کا موقع آیا، تو وہ جو متکلم ہے اس نے بھی وہاں بڑی بہادری دکھائی۔ اب بعد میں لوگوں کو بتلا رہا ہے کہ میں اس جگہ اسی طرح لڑا کہ «زَيْداً كُنْتُ إِيَّاهُ» کہ میں زید ہی تھا، میں زید ہی تھا یعنی اسی کی طرح میں بہادری سے لڑا بھئی۔ زید کی بہادری تو مشہور ہے، لیکن میں نے بھی وہاں پر بڑی بہادری دکھائی یوں سمجھو میں زید ہی تھا وہاں پر، ایسی بہادری میں نے دکھائی۔ بات سمجھ میں آگئی؟ «زَيْداً كُنْتُ إِيَّاهُ» کہ میں زید ہی تھا بھئی۔

کہتے ہیں: «وَبِقَيْدِ النَّصْبِ بِالْمَفْعُولِيَّةِ»، اور اس نصب کا مفعولیت کی وجہ سے ہونا، اس قید کی وجہ سے «خَرَجَ خَبَرُ كَانَ» «كَانَ» کی خبر نکل گئی «فِي نَحْوِ: زَيْداً كُنْتُ إِيَّاهُ» اس جیسی مثالوں کے اندر۔ یہ «زَيْداً» کیا ہے؟ یہ تو «كَانَ» کی خبر ہے، «مَا أُضْمِرَ عَامِلُهُ عَلَى شَرِيطَةِ التَّفْسِيرِ» تو ہے لیکن مفعول نہیں ہے، اس پر نصب مفعول ہونے کی بنا پر نہیں ہے بلکہ «كَانَ» کی خبر ہونے کی بنا پر نصب ہے۔ تقدیرِ عبارت کیا ہے؟ «كُنْتُ زَيْداً كُنْتُ إِيَّاهُ»۔ تو یہ «زَيْداً» منصوب کیوں ہے؟ مفعول ہونے کی وجہ سے یا «كَانَ» کی خبر ہونے کی وجہ سے؟ «كَانَ» کی خبر، «كَانَ» محذوف کی یہ خبر ہے۔ اور انھوں نے تو بتا دیا کہ وہ فعل یا شبہِ فعل جو نصب دے وہ کس وجہ سے ہونا چاہیے؟ وہ مفعول ہونے کی وجہ سے ہونا چاہیے، تو اس قید کے ذریعے یہ «كَانَ» کی خبر بھی نکل گئی۔

آگے دیکھیے: «وَهٰهُنَا صُوَرٌ أَرْبَعٌ، إِحْدَاهَا اشْتِغَالُ الْفِعْلِ بِالضَّمِيرِ مَعَ تَقْدِيرِ تَسْلِيطِهِ بِعَيْنِهِ»۔ بھئی دیکھیے آگے صاحبِ کافیہ نے چار مثالیں ذکر کی تھیں، چار مثالیں۔ ذرا ان مثالوں پر آئیے بھئی، مثالوں پر:

«زَيْداً ضَرَبْتُهُ»، توجہ سے دیکھیے: «زَيْداً ضَرَبْتُهُ»، «زَيْداً» کے بعد جو «ضَرَبْتُ» فعل آرہا ہے وہ کس کے اندر مشغول ہے؟ اس زید کی ضمیر میں، کس میں؟ توجہ سے سنو بھئی! یہ مثالیں آپ کو اچھی طرح سمجھ میں آگئیں تو پھر عبارت سمجھ میں آجائے گی۔ «زَيْداً ضَرَبْتُهُ» پہلی مثال، یہ «ضَرَبْتُهُ» کس کے اندر مشغول ہے؟ اس اسم کی ضمیر میں، اس اسم کی ضمیر میں۔ «زَيْداً مَرَرْتُ بِهِ»، یہ «مَرَرْتُ» کس کے اندر مشغول ہے؟ اسی اسم کی ضمیر میں مشغول ہے۔ «زَيْداً ضَرَبْتُ غُلَامَهُ»، یہ «ضَرَبْتُ» کس کے اندر مشغول ہے؟ اس اسم کے متعلق میں مشغول ہے۔ اور «زَيْداً حُبِسْتُ عَلَيْهِ»، یہ «حُبِسْتُ» کس کے اندر مشغول ہے؟ یہ اس اسم کی ضمیر میں مشغول ہے۔ توجہ ہے؟ یہ اس اسم کی ضمیر میں۔ تو دیکھو «زَيْداً ضَرَبْتُهُ» اس

کے اندر بھی وہ فعل اس اسم کی ضمیر میں مشغول ہے، «زَیْداً مَرَرْتُ بِهِ» اس کے اندر بھی یہ فعل «مَرَرْتُ» جو ہے اسی اسم کی ضمیر میں مشغول ہے، اور «زَیْداً ضَرَبْتُ غُلَامَهُ» اس کے اندر یہ فعل اس اسم کے متعلق میں مشغول ہے، اور «زَیْداً حُبِسْتُ عَلَیْهِ» اس مثال کے اندر بھی یہ فعل اس اسم کی ضمیر میں مشغول ہے۔ معلوم ہوا تین مثالیں وہ ہیں جن میں فعل اس اسم کی ضمیر میں مشغول ہے، اور ایک مثال وہ ہے جس کے اندر وہ فعل اس اسم کے متعلق میں مشغول ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟

اب پھر مزید دیکھو۔ بھئی دیکھیے: «زَیْداً ضَرَبْتُهُ» اس کے اندر «زَیْداً» کو کس نے نصب دیا؟ تقدیرِ عبارت کیا ہے؟ پہلی مثال «زَیْداً ضَرَبْتُهُ»، اس کے اندر اسی «ضَرَبْتُ» کو مسلط کیا۔ انھوں نے بھی کیا کہا تھا؟ کبھی اسی فعل کو مسلط کرنا پڑے گا، کبھی اس کے مناسب کو۔ توجہ ہے؟ بھئی دیکھو یہاں تین صورتیں بنتی ہیں، ادھر دیکھیے: کبھی اسی فعل یا شبہِ فعل کو مسلط کرتے ہیں اور کبھی اس کے مناسب کو، پھر مناسب کے اندر دو صورتیں ہیں: کبھی مناسب بالترادف کو مسلط کرتے ہیں اور کبھی مناسب باللزوم کو۔ معلوم ہوا کل تین صورتیں بن گئیں: کبھی اسی فعل یا شبہِ فعل کو مسلط کریں گے، کبھی اس کے مناسب باللزوم کو مسلط کریں گے، اور کبھی اس کے مناسب بالترادف کو مسلط کریں گے۔ کتنی صورتیں؟ پھر دہراؤ۔ تین صورتیں، کون کون سی؟ کبھی اسی فعل کو مسلط کرتے ہیں، کبھی اس کے مناسب بالترادف کو، اور کبھی اس کے مناسب باللزوم کو۔

اب دیکھو یہاں پہلی مثال «زَیْداً ضَرَبْتُهُ»، اس کے اندر تقدیرِ عبارت کیا ہے؟ «ضَرَبْتُ زَیْداً ضَرَبْتُهُ»، دیکھو اسی فعل کو مسلط کیا گیا۔ توجہ ہے؟ کتنی صورتیں ہیں؟ تین۔ یہاں «زَیْداً ضَرَبْتُهُ» اس کے اندر «زَیْداً» پر کس کو مسلط کیا آپ نے؟ اسی فعل کو مسلط کیا، ایک صورت۔ «وَزَیْداً مَرَرْتُ بِهِ»، تقدیرِ عبارت کیا ہے؟ «جَاوَزْتُ زَیْداً مَرَرْتُ بِهِ»، یہاں کس کو مسلط کیا؟ «مَرَرْتُ» کے مناسب بالترادف کو۔ «مَرَرْتُ» کے جب «مَرَرْتُ» کو آپ نے با کے ذریعے متعدی کر دیا تو اس کا معنیٰ کیا بن گیا؟ وہی «جَاوَزْتُ» کا معنیٰ ہوگیا، دونوں کا معنیٰ ایک ہے بھئی۔ تو یہاں کس کو مسلط کیا؟ مناسب بالترادف کو مسلط کیا۔ اور «زَیْداً ضَرَبْتُ غُلَامَهُ»، اس کے اندر کس کو مسلط کیا؟ یہاں تقدیرِ عبارت کیا ہے؟ «أَهَنْتُ زَیْداً ضَرَبْتُ غُلَامَهُ»۔ تو یہاں «ضَرَبْتُ» کے کون سے مناسب کو مسلط کیا؟ یہاں اس فعل کے مناسب باللزوم کو اس اسم پر مسلط کیا۔ «وَزَیْداً حُبِسْتُ عَلَیْهِ»، یہاں پر تقدیرِ عبارت کیا ہے؟ «لَابَسْتُ زَیْداً حُبِسْتُ عَلَیْهِ»، تو یہاں پر کس کو مسلط کیا؟ مناسب باللزوم کو، مناسب باللزوم کو۔ دیکھا، معلوم ہوا آخری دو مثالوں میں مناسب باللزوم کو مسلط کیا گیا ہے، پہلی مثال میں اسی فعل کو مسلط کیا گیا، دوسری میں اس کے مناسب بالترادف کو مسلط کیا گیا۔ توجہ ہے؟ بات سمجھ میں آگئی؟ پھر دہرائیں ذرا: «زَیْداً ضَرَبْتُهُ» کس کو مسلط کیا؟ اسی فعل کو؛ «زَیْداً مَرَرْتُ بِهِ» کس کو مسلط کیا؟ مناسب بالترادف

کو؛ «زَیْداً ضَرَبْتُ غُلَامَهُ» کس کو مسلط کیا؟ مناسب بالللزوم کو؛ «زَیْداً حُبِسْتُ عَلَیْهِ» کس کو مسلط کیا؟ مناسب باللزوم کو۔ بات سمجھ میں آگئی؟

اب پھر ذرا غور کریں: «زَیْداً ضَرَبْتُهُ» یہ فعل کس کے اندر مشغول ہے؟ «زَیْداً ضَرَبْتُهُ»، یہ «ضَرَبْتُ» فعل کس کے اندر مشغول ہے؟ اسی اسم کی ضمیر میں مشغول ہے، اور کس کو مسلط کیا؟ اسی فعل کو۔ معلوم ہوا جب ضمیر میں مشغول ہو تو اسی فعل کو بھی مسلط کیا جا سکتا ہے۔ دوسری مثال پر آئیے: «زَیْداً مَرَرْتُ بِهِ»، یہ «مَرَرْتُ» کس میں مشغول ہے؟ اسی اسم کی ضمیر میں مشغول ہے، اور اس میں کس کو مسلط کیا؟ مناسب بالترادف۔ معلوم ہوا جب وہ فعل اسی اسم کی ضمیر میں مشغول ہو تو مناسب بالترادف کو بھی کبھی مسلط کر سکتے ہیں۔ پہلی مثال میں بھی فعل کس میں مشغول تھا؟ ضمیر میں، دوسری مثال میں بھی کس میں مشغول ہے؟ ضمیر میں، اور ایک میں اسی فعل کو مسلط کیا اور دوسرے میں اس کے مناسب بالترادف۔ توجہ ہے؟ پھر ادھر دیکھیے بھئی: اگر فعل جو ہے وہ اسی اسم کی ضمیر میں مشغول ہو، تو اسی فعل یا شبہِ فعل کو بھی کبھی مسلط کیا جاتا ہے اور کبھی اس کے مناسب بالترادف کو مسلط کیا جاتا ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ اگلی مثال پر آئیے: «زَیْداً ضَرَبْتُ غُلَامَهُ»، یہ «ضَرَبْتُ» کس کے اندر مشغول ہے؟ اس اسم کے متعلق میں، اور اس صورت میں کس کو مسلط کیا؟ مناسب باللزوم۔ معلوم ہوا جب فعل اس اسم کے متعلق میں مشغول ہو تو صرف مناسب باللزوم کو مسلط کر سکتے ہیں، صرف نہ تو اسی فعل کو مسلط کر سکتے ہیں اور نہ اس کے مناسب بالترادف کو مسلط کر سکتے ہیں۔ اگلی مثال پر آئیے: «زَیْداً حُبِسْتُ عَلَیْهِ»، یہ «حُبِسْتُ» کس میں مشغول ہے؟ اسی اسم کی ضمیر میں، اور کس کو مسلط کیا؟ مناسب باللزوم کو۔ توجہ ہے؟

حاصلِ کلام یہ: جب فعل مشغول ہو اسی اسم کی ضمیر میں، تو اسی فعل یا شبہِ فعل کو بھی مسلط کر سکتے ہیں، اس کے مناسب بالترادف کو بھی مسلط کر سکتے ہیں، اور اس کے مناسب باللزوم کو بھی مسلط کر سکتے ہیں۔ اور جب فعل مشغول ہو اس اسم کے متعلق میں، تو اس وقت صرف مناسب باللزوم کو مسلط کر سکتے ہیں۔ پھر دہراؤ: اگر فعل مشغول ہو اسی اسم کی ضمیر میں تو وہاں اسی فعل کو بھی مسلط کر سکتے ہیں، اس فعل کے مناسب بالترادف کو بھی مسلط کر سکتے ہیں، اور مناسب باللزوم کو بھی۔ معلوم ہوا اس میں تین صورتیں بن گئیں، جب فعل اسی ضمیر میں مشغول ہو تو کتنی صورتیں ہیں؟ تین صورتیں۔ اور جب فعل مشغول ہو اس اسم کے متعلق میں، تو پھر صرف کس کو مسلط کر سکتے ہیں؟ مناسب باللزوم کو، تو وہاں صرف ایک صورت ہے۔ تو کل کتنی صورتیں بن گئیں؟ چار صورتیں بن گئیں۔

اب وہی بیان کریں گے صاحبِ جامی بھئی، دیکھیے بھئی کتاب پر۔ کہتے ہیں: «وَهٰهُنَا صُوَرٌ أَرْبَعٌ»، اور یہاں پر چار صورتیں

ہیں۔ «صُوَرٌ» جمع ہے «صُورَةٌ» کی بھئی صاد کے ساتھ۔ کہتے ہیں: «وَهٰهُنَا صُوَرٌ أَرْبَعٌ» اور یہاں پر چار صورتیں ہیں، «إِحْدَاهَا اشْتِغَالُ الْفِعْلِ بِالضَّمِيرِ مَعَ تَقْدِيرِ تَسْلِيطِهِ بِعَيْنِهِ»، ان میں سے ایک صورت جو ہے فعل کا مشغول ہونا اس اسم کی ضمیر میں، «مَعَ تَقْدِيرِ تَسْلِيطِهِ بِعَيْنِهِ» ساتھ اس تقدیر کے کہ بعینہٖ اسی فعلِ مذکور کو مسلط کر دیا جائے۔ ترجمہ سمجھ میں آرہا ہے؟ ایک صورت کیا؟ «اشْتِغَالُ الْفِعْلِ بِالضَّمِيرِ» کہ فعل مشغول ہو ضمیر کے اندر، «مَعَ تَقْدِيرِ تَسْلِيطِهِ بِعَيْنِهِ» ساتھ اس تقدیر کے کہ بعینہٖ اسی فعل کو مسلط کر دیا جائے۔

«وَالثَّانِيَةُ اشْتِغَالُهُ بِالضَّمِيرِ مَعَ تَقْدِيرِ تَسْلِيطِ مَا يُنَاسِبُ الْفِعْلَ بِالتَّرَادُفِ»، اور دوسری صورت جو ہے «اشْتِغَالُهُ بِالضَّمِيرِ» کہ وہ فعل مشغول ہو اس اسم کی ضمیر میں، «مَعَ تَقْدِيرِ تَسْلِيطِ»—عبارت پر نظر ہے—«مَعَ تَقْدِيرِ تَسْلِيطِ» ساتھ اس تقدیر کے کہ مسلط کیا جائے «مَا يُنَاسِبُ الْفِعْلَ بِالتَّرَادُفِ» وہ جو مناسب ہو اس فعل کے «بِالتَّرَادُفِ» کس کی وجہ سے؟ ترادف کی وجہ سے، یعنی فعل کے مناسب بالترادف کو مسلط کرنے کی تقدیر پر۔ بھئی پھر دیکھیے: «وَالثَّانِيَةُ» دوسری صورت جو ہے «اشْتِغَالُهُ بِالضَّمِيرِ» کہ وہ فعل مشغول ہو اس اسم کی ضمیر میں، «مَعَ تَقْدِيرِ تَسْلِيطِ مَا يُنَاسِبُ الْفِعْلَ بِالتَّرَادُفِ»۔ اس کا ترجمہ ذرا لکھ لیں، لکھ لیں اپنے سامنے بھئی۔ ترجمہ ذرا مشکل ہے تو آپ کے ذہن میں بات پھر بیٹھ جائے گی۔ لکھیں بھئی: فعلِ مذکور کے—«الْفِعْلَ» سے کون سا فعل مراد ہے؟ فعلِ مذکور—تو ترجمہ لکھیں: فعلِ مذکور کے مناسب بالترادف کو، مناسب بالترادف کو مسلط کرنے کی تقدیر پر، مسلط کرنے کی تقدیر پر۔ لکھ لیا؟ فعلِ مذکور کے مناسب بالترادف کو مسلط کرنے کی تقدیر پر۔ فعلِ مذکور کے جو مناسب بالترادف ہے اس کو مسلط کرنے کی تقدیر پر۔ بات سمجھ میں آگئی؟ اب یہ ترجمہ یہاں کرنا بھئی۔ پھر دیکھو، کہتے ہیں: «وَالثَّانِيَةُ» اور دوسری صورت جو ہے «اشْتِغَالُهُ بِالضَّمِيرِ» وہ اس فعل کا مشغول ہونا ہے ضمیر کے اندر، «مَعَ تَقْدِيرِ تَسْلِيطِ مَا يُنَاسِبُ الْفِعْلَ بِالتَّرَادُفِ» ساتھ اس تقدیر کے کہ فعلِ مذکور کے مناسب بالترادف کو مسلط کیا جائے، فعلِ مذکور کے مناسب بالترادف کو مسلط کرنے کی تقدیر پر یا تقدیر کے ساتھ۔ یہ دوسری صورت آگئی۔

«وَالثَّالِثَةُ اشْتِغَالُ الْفِعْلِ بِالضَّمِيرِ مَعَ تَقْدِيرِ تَسْلِيطِ مَا يُنَاسِبُ الْفِعْلَ بِاللُّزُومِ»، اور تیسری صورت جو ہے «اشْتِغَالُ الْفِعْلِ بِالضَّمِيرِ» اس فعل کا مشغول ہونا اس ضمیر کے اندر اس اسم کی ضمیر کے اندر، «مَعَ تَقْدِيرِ تَسْلِيطِ مَا يُنَاسِبُ الْفِعْلَ بِاللُّزُومِ» ساتھ اس تقدیر کے کہ اس پر مسلط کر دیا جائے فعلِ مذکور کے مناسب باللزوم کو، کہ اس پر مسلط کر دیا جائے فعلِ مذکور کے مناسب باللزوم کو۔

«وَالرَّابِعَةُ اشْتِغَالُ الْفِعْلِ بِالْمُتَعَلِّقِ» اور چوتھی صورت جو ہے «اشْتِغَالُ الْفِعْلِ بِالْمُتَعَلِّقِ» اس فعل کا مشغول ہونا متعلق کے ساتھ، ضمیر میں نہیں مشغول بلکہ اس اسم کے متعلق میں مشغول ہے، «وَلَا يُتَصَوَّرُ حِينَئِذٍ» اور اس وقت تصور نہیں کیا جا سکتا «إِلَّا تَقْدِيرُ تَسْلِيطِ الْفِعْلِ الْمُنَاسِبِ بِاللُّزُومِ» مگر یہ کہ فعلِ مذکور کے مناسب باللزوم کو مسلط کرنے کی تقدیر۔

فعلِ مذکور کے—جب فعل مشغول ہو کس کے اندر؟ اس اسم کے متعلق میں—تو اس وقت صرف ایک ہی تصور کیا

جا سکتا ہے کہ کیا تقدیر ہے؟ فعلِ مذکور کے مناسب بالتزوم کو مسلط کرنے کی تقدیر پر بھئی۔ بات سمجھ میں آگئی؟ یہاں اور صورتیں نہیں ہو سکتیں۔ اسی فعل کو مسلط نہیں کر سکتے ورنہ تو معنیٰ خراب ہو جائے گا۔ توجہ ہے؟ اور اس کے مناسب بالترادف کو بھی مسلط نہیں کر سکتے۔ بھئی دیکھیے نا، پھر دیکھو: «زَيْداً ضَرَبْتُ غُلَامَهُ»، «زَيْداً»—یہاں «ضَرَبْتُ» کو زید پر مسلط نہیں کر سکتے ورنہ تو معنیٰ خراب ہو جائے گا۔ «ضَرَبْتُ غُلَامَهُ» سے پتا چل رہا ہے زید کے غلام کی پٹائی ہوئی ہے، اور آپ «ضَرَبْتُ» کو زید پر مسلط کر دیں گے تو «ضَرَبْتُ زَيْداً» تو کیا بتلائے گا؟ کہ زید کی پٹائی ہوئی ہے، حالانکہ وہ تو یہ کہنا تو مقصد نہیں ہے۔ تو لہٰذا معلوم ہوا اسی فعل کو بھی مسلط نہیں کر سکتے، اور نیز اس کے مترادف کو بھی مسلط نہیں کر سکتے کیونکہ «ضَرَبْتُ» کا کوئی مترادف بھی مسلط کریں گے تو اس سے بھی یہی پتا چلے گا کہ زید کی پٹائی ہوئی ہے، حالانکہ زید کی تو پٹائی نہیں ہوئی۔ تو معلوم ہوا یہاں صرف کس کو مسلط کر سکتے ہیں؟ مناسب بالتزوم کو۔ دیکھیے بھئی:

کہتے ہیں: «وَالرَّابِعَةُ اشْتِغَالُ الْفِعْلِ بِالْمُتَعَلِّقِ»، اور چوتھی صورت جو ہے فعل کا مشغول ہونا اس اسم کے متعلق میں، «وَلَا يُتَصَوَّرُ حِينَئِذٍ» اور اس وقت تصور نہیں کیا جا سکتا—اس وقت یعنی جس وقت فعل اس کے متعلق میں مشغول ہو، اس وقت تصور نہیں کیا جا سکتا—«إِلَّا تَقْدِيرُ تَسْلِيطِ الْفِعْلِ الْمُنَاسِبِ بِاللُّزُومِ» مگر یہ تقدیر کہ فعلِ مذکور کے مناسب بالتزوم کو مسلط کیا جائے۔ بات سمجھ میں آگئی؟

«وَلِهٰذَا أَوْرَدَ الْمُصَنِّفُ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالَى أَرْبَعَةَ أَمْثِلَةٍ»، اور اسی لیے مصنف جو ہیں وہ چار مثالیں لے کر آئے: «ثَلَاثَةٌ مِنْهَا لِلْمُشْتَغِلِ بِالضَّمِيرِ بِأَقْسَامِهِ الثَّلَاثَةِ»، تین مثالیں جو ہیں ان میں سے وہ اس فعل کی ہیں جو مشتغل بالضمیر ہے «بِأَقْسَامِهِ الثَّلَاثَةِ» اپنی تین قسموں کے ساتھ—یعنی بعضوں میں اسی فعل کو مسلط کیا، بعضوں میں مناسب بالترادف کو مسلط کیا جائے گا، اور بعضوں میں مناسب بالتزوم کو مسلط کیا جائے گا—«وَوَاحِدٌ لِلْمُشْتَغِلِ بِالْمُتَعَلِّقِ» اور ایک مثال لائے وہ فعل جو مشتغل بالمتعلق ہے یعنی اس اسم کے متعلق میں مشغول ہے۔ «وَالْأَحْسَنُ فِي تَرْتِيبِهَا»۔

بھئی ذرا مثالوں پر آئیے: «زَيْداً ضَرَبْتُهُ»، یہ «ضَرَبْتُ» کس میں مشغول؟ اس اسم کی ضمیر میں۔ «وَزَيْداً مَرَرْتُ بِهِ»، یہاں «مَرَرْتُ» کس میں مشغول؟ اس اسم کی ضمیر میں۔ اور «زَيْداً ضَرَبْتُ غُلَامَهُ»، یہاں «ضَرَبْتُ» اس اسم کے متعلق میں مشغول ہے۔ اور «زَيْداً حُبِسْتُ عَلَيْهِ»، اس کے اندر بھی «حُبِسْتُ» اس اسم کی ضمیر میں مشغول ہے۔ صاحبِ جامی بتلائیں گے کہ زیادہ اچھا یہ تھا کہ یہ جو متعلق والی مثال ہے یہ سب سے آخر میں ذکر کرتے، پہلی تینوں مثالیں اکٹھی ہو جاتیں جن میں فعل اس اسم کی ضمیر میں مشغول ہوتا، اور چوتھی کے اندر وہ فعل جو ہے اس اسم کے متعلق میں مشغول ہوتا۔ اگر اس طرح صاحبِ کافیہ ذکر فرماتے مثالوں کو تو زیادہ اچھا تھا۔ اگرچہ ابھی بھی اچھا ہے، لیکن اس صورت میں زیادہ اچھا ہوتا۔ تو صاحبِ کافیہ نے—کہتے ہیں—نکتہ یہ ہے کہ جو پہلی تین مثالیں ہیں ان سب میں فعلِ معروف ہے: «زَيْداً ضَرَبْتُهُ»، یہ

«ضَرَبْتُ» فعلِ معروف ہے، مجہول نہیں ہے؛ «زَيْداً مَرَرْتُ بِهِ»، یہ «مَرَرْتُ» بھی فعلِ معروف ہے، مجہول نہیں؛ اور «زَيْداً ضَرَبْتُ غُلَامَهُ»، یہ «ضَرَبْتُ» بھی فعلِ معروف ہے، مجہول نہیں ہے؛ اور «زَيْداً حُبِسْتُ عَلَيْهِ»، یہ «حُبِسْتُ» فعلِ مجہول ہے اس لیے اس کو سب سے آخر میں ذکر کیا۔ تو صاحبِ جامی فرماتے ہیں یہ ترتیب بھی اچھی ہے، لیکن اگر یہ متعلق والی مثال کو سب سے آخر میں ذکر کر دیتے تو زیادہ اچھا تھا بھئی۔

تو کہتے ہیں: «وَالْأَحْسَنُ فِي تَرْتِيبِهَا حِينَئِذٍ»، اور زیادہ اچھا جو ہے ان مثالوں کی ترتیب میں اس وقت—اس وقت، بھئی کیا معنیٰ اس وقت؟ یعنی جب ان میں سے تین مثالیں وہ ہیں جن میں فعل یا شبہِ فعل اس اسم کی ضمیر میں مشغول ہے اور ایک مثال وہ ہے جس میں وہ فعل یا شبہِ فعل اس اسم کے متعلق میں مشغول ہے، تو اس وقت ان کی ترتیب میں زیادہ اچھا جو ہے—«تَأْخِيرُ مِثَالِ الْمُشْتَغِلِ بِالْمُتَعَلِّقِ»، وہ مؤخر کرنا تھا وہ جو مثال ہے مشتغل بالمتعلق کی، اس کو مؤخر کرنا زیادہ اچھا تھا، «كَمَا لَا يَخْفَى وَجْهُهُ»، جیسے کہ اس کی وجہ پوشیدہ نہیں، یعنی اس کو مؤخر کرنے کی وجہ پوشیدہ نہیں کہ وہ زیادہ اچھا تھا کہ وہ متعلق والی مثال سب سے آخر میں آجاتی، اور باقی تینوں مثالیں جن میں فعل ضمیر میں مشغول ہے وہ مثالیں اکٹھی ہو جاتیں۔

آگے دیکھیے: «نَحْوُ: زَيْداً ضَرَبْتُهُ، مِثَالُ الْفِعْلِ الْمُشْتَغِلِ بِالضَّمِيرِ مَعَ تَقْدِيرِ تَسْلِيطِهِ بِعَيْنِهِ»، یہ مثال ہے اس فعل کی جو مشغول ہے اس اسم کی ضمیر میں، «مَعَ تَقْدِيرِ تَسْلِيطِهِ بِعَيْنِهِ» ساتھ اس تقدیر کے کہ بعینہٖ اسی فعل کو مسلط کیا جائے گا۔ «مَعَ تَقْدِيرِ تَسْلِيطِهِ بِعَيْنِهِ»، ساتھ بعینہٖ اسی فعل کو مسلط کرنے کی تقدیر کے۔ ترجمہ سمجھ میں آرہا ہے؟

«وَزَيْداً مَرَرْتُ بِهِ، مِثَالُ الْفِعْلِ الْمُشْتَغِلِ بِالضَّمِيرِ مَعَ تَقْدِيرِ تَسْلِيطِ مَا يُنَاسِبُهُ بِالتَّرَادُفِ»، یہ مثال ہے اس فعل کی جو مشغول ہے اس اسم کی ضمیر میں، کہ فعلِ مذکور کے مناسب بالترادف کو مسلط کرنے کی تقدیر پر، «فَإِنَّ مَرَرْتُ بَعْدَ تَعْدِيَتِهِ بِالْبَاءِ مُرَادِفٌ لِجَاوَزْتُ»، اس لیے کیونکہ «مَرَرْتُ» بعد اس کے کہ جب اس کو متعدی کر دیا گیا با کے ذریعے، «مُرَادِفٌ لِجَاوَزْتُ» یہ مترادف ہوا، یہ مترادف ہے «جَاوَزْتُ» کا۔

«وَزَيْداً ضَرَبْتُ غُلَامَهُ، مِثَالُ الْفِعْلِ الْمُشْتَغِلِ بِالْمُتَعَلِّقِ مَعَ تَقْدِيرِ تَسْلِيطِ الْفِعْلِ الْمُنَاسِبِ بِاللُّزُومِ»، یہ مثال ہے اس فعل کی جو مشغول ہے متعلق میں، ساتھ اس تقدیر کے کہ فعلِ مذکور کے مناسب باللزوم کو مسلط کرنا، مسلط کرنے کی تقدیر پر۔

«وَزَيْداً حُبِسْتُ عَلَيْهِ، مِثَالُ الْفِعْلِ الْمُشْتَغِلِ بِالضَّمِيرِ مَعَ تَقْدِيرِ تَسْلِيطِ مَا يُنَاسِبُهُ بِاللُّزُومِ»، یہ مثال ہے اس فعل کی جو مشغول ہے ضمیر میں، ساتھ اس تقدیر کے کہ مسلط کرنا ہے فعلِ مذکور کے مناسب باللزوم کو، «فَإِنَّ حَبْسَ الشَّيْءِ عَلَى الشَّيْءِ تَلْزَمُهُ مُلَابَسَتُهُ لِلْمَحْبُوسِ عَلَيْهِ»، اس لیے کیونکہ بند کرنا ایک چیز کو دوسری چیز پر، یعنی ایک چیز کو دوسری چیز پر روکنا، «تَلْزَمُهُ» اس کے ساتھ لازم ہے—کیا لازم ہے؟—«مُلَابَسَتُهُ لِلْمَحْبُوسِ عَلَيْهِ» کہ اس کی ملابست ہو جائے محبوس علیہ کے ساتھ، یعنی جس پر اس کو بند کیا گیا ہے اس کے ساتھ اس کی ملابست ہو جائے، یعنی اس کا اس کے ساتھ تعلق آجائے۔

«يُنْصَبُ زَيْدٌ فِي هٰذِهِ الْأَمْثِلَةِ بِفِعْلٍ مُضْمَرٍ يُفَسِّرُهُ مَا بَعْدَهُ»، نصب دیا گیا ہے زید کو ان مثالوں میں ایک ایسے فعلِ مقدر کے ذریعے جس کی تفسیر اس کا ما بعد کر رہا ہے۔ اور وہ فعلِ مضمر کیا ہے؟ متن متن دیکھیے: «أَيْ ضَرَبْتُ وَجَاوَزْتُ وَأَهَنْتُ وَلَابَسْتُ»، اور وہ «ضَرَبْتُ»، «جَاوَزْتُ»، «أَهَنْتُ» اور «لَابَسْتُ» ہیں۔

اب ہر ایک کی وجہ بیان کریں گے کہ پہلے میں «ضَرَبْتُ» کیسے آیا، دوسرے کے اندر «جَاوَزْتُ» کیسے آیا، اور تیسرے میں «أَهَنْتُ» کیسے آیا، اور چوتھے میں «لَابَسْتُ» کیسے آیا، اور کس طرح وہ مترادف ہیں یا مناسب باللزوم وغیرہ ہیں، وہ اب بیان کرنے لگے ہیں۔ دیکھیے: «أَيْ ضَرَبْتُ، يَعْنِي أَنَّ الْفِعْلَ الْمُفَسَّرَ النَّاصِبَ لِزَيْداً فِي:زَيْداً ضَرَبْتُهُ»، توجہ سے سنو! پہلے میں کیا نکالا؟ «ضَرَبْتُ»۔ کیوں؟ یعنی مراد یہ ہے کہ «أَنَّ الْفِعْلَ الْمُفَسَّرَ النَّاصِبَ»—بھئی ادھر دیکھیے: «زَيْداً ضَرَبْتُهُ»، تقدیرِ عبارت کیا ہے؟ «ضَرَبْتُ زَيْداً ضَرَبْتُهُ»۔ معلوم ہوا یہاں فعلِ مقدر «ضَرَبْتُ» ہے۔ تو جو فعلِ مقدر ہے وہ ہے مفسَّر، اور آگے جو «ضَرَبْتُ» آرہا ہے وہ ہے مفسِّر اور اس کی تفسیر بھئی۔ تو «زَيْداً» کو نصب کون دے رہا ہے؟ وہ جو «ضَرَبْتُ» مقدر ہے بھئی۔ دیکھیے: «يَعْنِي أَنَّ الْفِعْلَ الْمُفَسَّرَ النَّاصِبَ لِزَيْداً»، یعنی وہ فعل جس کی تفسیر کی گئی ہے اور جو نصب دینے والا ہے «لِزَيْداً» کس کو؟ «زَيْداً» کو نصب دینے والا ہے، «فِي:زَيْداً ضَرَبْتُهُ» اس مثال کے اندر، وہ کیا ہے؟ «ضَرَبْتُ الْمُقَدَّرُ»، وہ «ضَرَبْتُ» مقدر ہے۔ توجہ ہے؟ عبارت سمجھ میں آرہی ہے؟ وہ فعلِ مفسَّر جو «زَيْداً» کو نصب دینے والا ہے «زَيْداً ضَرَبْتُهُ» کے اندر وہ «ضَرَبْتُ الْمُقَدَّرُ» ہے، وہ والا «ضَرَبْتُ» ہے جو مقدر ہے۔ تو «ضَرَبْتُ» ہوا موصوف، «الْمُقَدَّرُ» ہوئی اس کی صفت، توجہ ہے؟ اور یہ «أَنَّ» کی خبر ہے بھئی۔

تو آپ کے ذہن میں آئے گا کہ «ضَرَبْتُ» موصوف کیسے بن سکتا ہے؟ یہ تو فعل ہے! جواب یہ کہ یہاں «ضَرَبْتُ» بول کر «ضَرَبْتُ» کا لفظ مراد ہے، اور جب لفظ بول کر لفظ کا ارادہ کیا جائے تو وہ کس کے درجے میں ہوتا ہے؟ عَلَم کے درجے میں۔ چنانچہ اس کا ترجمہ بھی نہیں کیا جاتا، یہاں پر بھی ترجمہ ہم نہیں کر رہے کہ وہ فعل جو نصب دینے والا ہے زید کو وہ «ضَرَبْتُ» مقدر ہے، دیکھا «ضَرَبْتُ» مقدر ہے! دیکھو اسی فعل کے لفظ کو ہم ذکر کر رہے ہیں اس کا معنیٰ نہیں کر رہے۔ تو یہ لفظ کی تاویل میں ہوا اور یہ عَلَم کے درجے میں ہوا، اور عَلَم کیا ہوتا ہے؟ معرفہ، تو اس کی صفت «الْمُقَدَّرُ» بھی معرفہ لے کر آئے۔

پھر دیکھو: «يَعْنِي أَنَّ الْفِعْلَ الْمُفَسَّرَ النَّاصِبَ لِزَيْداً فِي:زَيْداً ضَرَبْتُهُ، ضَرَبْتُ الْمُقَدَّرُ»، یعنی وہ فعلِ مفسَّر جو نصب دینے والا ہے «زَيْداً» کو «زَيْداً ضَرَبْتُهُ» کے اندر، وہ جو ہے وہ «ضَرَبْتُ» ہے جو مقدر ہے۔ «فَإِنَّ الْأَصْلَ فِيهِ:ضَرَبْتُ زَيْداً ضَرَبْتُهُ»، اس لیے کیونکہ اصل جو ہے اس کے اندر «ضَرَبْتُ زَيْداً ضَرَبْتُهُ»—تقدیرِ عبارت کیا ہے؟ «ضَرَبْتُ زَيْداً ضَرَبْتُهُ»۔ تو کہتے ہیں اس لیے کیونکہ اصل جو ہے اس کے اندر وہ «ضَرَبْتُ زَيْداً ضَرَبْتُهُ» ہے۔ «أُضْمِرَ ضَرَبْتُ الْأَوَّلُ»، مقدر کر لیا گیا «ضَرَبْتُ الْأَوَّلُ» کو، پہلے «ضَرَبْتُ» کو۔ یہ «الْأَوَّلُ» پھر صفت ہے «ضَرَبْتُ» کی، اور یہ «ضَرَبْتُ» مرفوع ہے محلاً کیونکہ یہ نائب الفاعل ہے «أُضْمِرَ» کا، «أُضْمِرَ ضَرَبْتُ»، «ضَرَبْتُ» کو کیا کر لیا گیا؟ مقدر، تو یہ نائب الفاعل ہے یہ لفظِ «ضَرَبْتُ»،

اور «الْأَوَّلُ» اس کی صفت۔ تو «أُضْمِرَ ضَرَبْتُ الْأَوَّلُ»، تو پہلے «ضَرَبْتُ» کو مقدر کر لیا گیا «لِوُجُودِ مُفَسِّرِهِ» اس کے مفسِّر کے ہونے کی وجہ سے، «أَعْنِي ضَرَبْتُ الثَّانِيَ» یعنی جو دوسرا «ضَرَبْتُ» ہے۔ یہاں جو آیا نا «ضَرَبْتُ»، یہ پھر موصوف ہے اور «الثَّانِي» اس کی صفت ہے، اور موصوف صفت کا اعراب ایک ہوتا ہے، تو «ضَرَبْتُ» کا اعراب بتائیے: «أَعْنِي ضَرَبْتُ»، یہ «أَعْنِي» فعل، «أَنَا» ضمیر اس کے اندر فاعل، اور یہ «ضَرَبْتُ» اس کے لیے مفعول ہے، اور مفعول کیا ہوتا ہے؟ منصوب، تو یہ «ضَرَبْتُ» محلاً منصوب ہے، اور «الثَّانِيَ» اس کی صفت بھی پھر منصوب آئے گی۔ تو کہتے ہیں: «أَعْنِي ضَرَبْتُ الثَّانِيَ»، یعنی کہ دوسرا «ضَرَبْتُ»۔

عبارت سمجھ میں آئی؟ پھر دیکھو: «أُضْمِرَ ضَرَبْتُ الْأَوَّلُ لِوُجُودِ مُفَسِّرِهِ أَعْنِي ضَرَبْتُ الثَّانِيَ»، پہلے «ضَرَبْتُ» کو مقدر کر لیا گیا اس کے تفسیر کے پائے جانے کی وجہ سے، میری مراد دوسرا «ضَرَبْتُ» ہے یعنی وہ اس کی تفسیر موجود ہے۔ «وَعَلَى هٰذَا الْقِيَاسِ جَاوَزْتُ»، اور اسی قیاس پر «جَاوَزْتُ» بھی ہے۔ «فَإِنَّهُ مُفَسَّرٌ بِمَا يُرَادِفُهُ»، اس لیے کیونکہ اس کی تفسیر کی گئی ہے «بِمَا يُرَادِفُهُ» ایسے فعل کے ساتھ جو اس کے مترادف ہے، «أَعْنِي مَرَرْتُ بِهِ» یعنی کہ «مَرَرْتُ بِهِ»۔ «جَاوَزْتُ» کو حذف کر لیا گیا کیونکہ آگے اس کی تفسیر آرہی تھی «مَرَرْتُ بِهِ»۔

«وَأَهَنْتُ»، یہ تیسری مثال میں «أَهَنْتُ» جو ہے یہ مقدر ہے، بھئی یہ کیوں مقدر؟ وجہ ذکر کر رہے ہیں: کہتے ہیں: «فَإِنَّهُ مُفَسَّرٌ بِمَا يَسْتَلْزِمُهُ»، اس لیے کیونکہ اس کی تفسیر کی گئی ہے۔ بھئی ادھر دیکھیے: تیسری مثال کیا تھی؟ «أَهَنْتُ زَيْداً ضَرَبْتُ غُلَامَهُ»، یہ «أَهَنْتُ» کو کیوں حذف کیا گیا؟ کیونکہ اس کی تفسیر آرہی ہے، کیا؟ «ضَرَبْتُ غُلَامَهُ»۔ زید کی بے عزتی کی، کیا بے عزتی کی؟ اس کے غلام کی پٹائی کی! تو غلام کی پٹائی کے ساتھ لازم ہے زید کی بے عزتی بھئی۔ تو لہٰذا چونکہ اس «أَهَنْتُ» کے آگے تفسیر آرہی تھی، کون سی تفسیر؟ «ضَرَبْتُ»۔ لہٰذا اس لیے «أَهَنْتُ» کو کیا کر دیا؟ حذف کر لیا، کیونکہ زید کے غلام کی پٹائی یہ مستلزم ہے زید کی اہانت کو، یعنی زید کے غلام کی پٹائی کے ساتھ لازم ہے زید کی اہانت بھئی۔ تو کہتے ہیں: «وَأَهَنْتُ، فَإِنَّهُ مُفَسَّرٌ بِمَا يَسْتَلْزِمُهُ»، اس لیے کیونکہ اس کی تفسیر کی گئی ہے «بِمَا» ایسے فعل کے ساتھ «يَسْتَلْزِمُهُ» کہ وہ فعل مستلزم ہے «أَهَنْتُ» کو۔ «يَسْتَلْزِمُهُ» کی ہا ضمیر کس کو راجع؟ «أَهَنْتُ» کو۔ یاد رکھو ادھر دیکھیے: «زَيْداً ضَرَبْتُ غُلَامَهُ»، تقدیرِ عبارت کیا ہے؟ «أَهَنْتُ زَيْداً ضَرَبْتُ غُلَامَهُ»۔ یوں کہیں کہ یہ «ضَرَبْتُ غُلَامَهُ» یہ والا فعل جو ہے مستلزم ہے اہانتِ زید کو۔ یہ والا فعل، کون سا فعل؟ «ضَرَبْتُ غُلَامَهُ»، لفظوں پہ غور کریں، کہ یہ والا فعل جو ہے «ضَرَبْتُ غُلَامَهُ» یہ جو تفسیر ہے یہ مستلزم ہے کس کو؟ اہانتِ زید کو، یعنی اس کے ساتھ اہانتِ زید لازم ہے۔ تو «ضَرَبْتُ غُلَامَهُ» ہوا مستلزِم اور اہانتِ زید ہوئی مستلزَم۔

مستلزَم، یعنی وہ اس کے ساتھ لازم ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟

تو کہتے ہیں: «وَأَهَنْتُ» اور «أَهَنْتُ» جو ہے، «فَإِنَّهُ مُفَسَّرٌ» اس لیے کیونکہ اس کی تفسیر کی گئی ہے «بِمَا»—«مَا» سے مراد فعل ہے وہ جو آگے «ضَرَبْتُ غُلَامَهُ» آرہا ہے، وہ اس کی تفسیر ہے—«وَأَهَنْتُ، فَإِنَّهُ مُفَسَّرٌ بِمَا يَسْتَلْزِمُهُ»، کیونکہ اس کی تفسیر

کی گئی ہے ایسے فعل کے ساتھ «یَسْتَلْزِمُهُ» کہ وہ فعل اس «أَهَنْتُ» کو مستلزم ہے، یعنی اس فعل کے ساتھ یہ «أَهَنْتُ» لازم ہے۔ تو اس کی تفسیر کی گئی ہے اس فعل کے ساتھ کہ وہ فعل اس «أَهَنْتُ» کو مستلزم ہے، «أَعْنِي ضَرَبْتُ غُلَامَهُ»، یعنی وہ کون سا فعل ہے؟ «ضَرَبْتُ غُلَامَهُ» ہے جو مستلزم ہے «أَهَنْتُ» کو، «فَإِنَّ ضَرْبَ الْغُلَامِ يَسْتَلْزِمُ إِهَانَةَ سَيِّدِهِ»، اس لیے کیونکہ کسی معین غلام کی پٹائی کرنا یہ مستلزم ہے اس کے آقا کی اہانت کو، کسی معین غلام کی پٹائی کرنا یہ مستلزم ہے اس غلام کے آقا کی اہانت کو، یعنی اس کے ساتھ اس آقا کی اہانت لازم ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟

«وَلَابَسْتُ» اور «لَابَسْتُ»، «فَإِنَّهُ مُفَسَّرٌ بِمَا يَسْتَلْزِمُهُ»، کیونکہ اس کی تفسیر کی گئی ہے «بِمَا يَسْتَلْزِمُهُ» ایسے فعل کے ساتھ «يَسْتَلْزِمُهُ» جو مستلزم ہے اس «لَابَسْتُ» کو، جو—دیکھو «لَابَسْتُ» تو حذف ہے نا، محذوف ہے، آگے کیا تھا؟ «حُبِسْتُ عَلَيْهِ»، اور «حُبِسْتُ عَلَيْهِ» مستلزم ہے «لَابَسْتُ» کو، یعنی «حُبِسْتُ عَلَيْهِ» اس کے ساتھ لازم ہے «لَابَسْتُ»۔ جب ایک چیز کو دوسری چیز پر بند کیا جائے تو اس کے ساتھ لازم ہے کہ اس چیز کا اس کے ساتھ تعلق آجائے۔ تو «فَإِنَّهُ مُفَسَّرٌ بِمَا يَسْتَلْزِمُهُ» اس لیے کیونکہ یہ «لَابَسْتُ» جو ہے اس کی تفسیر کی گئی ہے «بِمَا» ایسے فعل کے ساتھ «يَسْتَلْزِمُهُ» کہ وہ فعل مستلزم ہے اس «لَابَسْتُ» کو، وہ فعل اس «لَابَسْتُ» کو مستلزم ہے۔ بھئی وہ کون سا فعل ہے؟ کہتے ہیں: «أَعْنِي حُبِسْتُ عَلَيْهِ»، یعنی کہ «حُبِسْتُ عَلَيْهِ» یہ مستلزم ہے اور اس کے ساتھ لازم ہے کیا؟ «لَابَسْتُ»، یعنی «لَابَسْتُ» اس کا مستلزَم ہے بھئی۔

بات سمجھ میں آگئی؟ حل ہوگیا؟ چلیے بس بھئی، «هٰذَا هُوَ الْمَرَامُ وَاللّٰهُ أَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْكَلَامِ»۔

سبق نمبر ۱۳۲: الاشتغال (۳): اشتغال میں وجوبِ نصب اور وجوبِ رفع کے مواضع

شرحِ ملا جامی صفحہ: ۱۰۸ — بتاریخ: ۱۳ جنوری ۲۰۲۲ء

▪ تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث

دیکھیے بھئی آگے سبق:

ثُمَّ إِنَّ الِاسْمَ الْوَاقِعَ فِي مَظَانِّ الْإِضْمَارِ عَلَى شَرِيطَةِ التَّفْسِيرِ إِمَّا الْمُخْتَارُ أَوِ الْوَاجِبُ فِيهِ الرَّفْعُ أَوِ النَّصْبُ أَوْ يَسْتَوِي فِيهِ الْأَمْرَانِ، وَإِلَى هَذِهِ الصُّوَرِ الْخَمْسِ أَشَارَ الْمُصَنِّفُ رَحِمَهُ اللَّهُ تَعَالَى فَقَالَ: وَيُخْتَارُ فِي الِاسْمِ الْمَذْكُورِ الرَّفْعُ بِالِابْتِدَاءِ أَيْ بِكَوْنِهِ مُبْتَدَأً لِأَنَّ تَجَرُّدَهُ عَنِ الْعَوَامِلِ اللَّفْظِيَّةِ يُصَحِّحُ رَفْعَهُ بِالِابْتِدَاءِ، وَيُرَجَّحُ عِنْدَ عَدَمِ قَرِينَةِ خِلَافِهِ.

گزشتہ سبق میں ہم مَا أُضْمِرَ عَامِلُهُ عَلَى شَرِيطَةِ التَّفْسِيرِ کے بارے میں پڑھ رہے تھے۔ اور صاحبِ کافیہ نے آپ کو بتلایا کہ مَا أُضْمِرَ عَامِلُهُ عَلَى شَرِيطَةِ التَّفْسِيرِ ہر ایسا اسم ہے جس کے بعد فعل یا شبہِ فعل آئے، اور وہ فعل یا شبہِ فعل اس اسم کی ضمیر میں یا اس کے متعلق میں مشغول ہونے کی وجہ سے اس اسم سے اعراض کر رہا ہو، اس طور پر کہ اگر اس فعل یا شبہِ فعل کو اس اسم پر مسلط کیا جائے تو وہ اس کو نصب دے سکے۔ اور صاحبِ جامی نے آپ کو بتلایا تھا کہ اسم کا فعل یا شبہِ فعل کے بعد ہونا، اس کا معنی یہ نہیں ہے کہ وہ فعل یا شبہِ فعل اس اسم کے فوراً بعد آئے یعنی اس کے ساتھ متصل ہو، بلکہ اس کے بعد آنا چاہیے چاہے اس کے ساتھ متصل ہو یا نہ ہو، اور اسی کلام کے اندر آنا چاہیے بھئی۔ اور نیز وہ فعل یا شبہِ فعل جو ہے، وہ اس اسم کی ضمیر میں یا اس کے متعلق میں مشغول ہونے کی وجہ سے اس اسم کے اندر عمل نہیں کر سکتا بھئی۔

اور میں نے آپ کو بتلایا تھا کہ یہ مُشْتَغِلٌ عَنْهُ بِضَمِيرِهِ أَوْ مُتَعَلِّقِهِ، یہ اِشْتَغَلَ کا صلہ با آتا ہے۔ تو یہ بِضَمِيرِهِ أَوْ مُتَعَلِّقِهِ یہ متعلق ہو جائے گا مُشْتَغِلٌ سے۔ اور یہ عَنْهُ یہ تو اِشْتَغَلَ کا صلہ نہیں آتا، تو بتلایا تھا کہ یہاں پر تضمین ہے۔ تضمین اسے کہتے ہیں کہ ایک فعل کے اندر دوسرے فعل کا معنی ملحوظ ہو جس پر آگے آنے والا صلہ دلالت کرتا ہے۔ تو یہاں پر بھی مُشْتَغِلٌ جو

ہے فَارِغٌ یا مُعْرِضٌ کے معنی کو متضمن ہے۔ اور یہ عَنْهُ جو ہے فَارِغٌ یا مُعْرِضٌ کا صلہ آتا ہے۔ تو یہ عَنْهُ اور بِضَمِيرِهِ دونوں متعلق ہیں مُشْتَغِلٌ سے۔ یہ دونوں متعلق ہیں مُشْتَغِلٌ سے۔ البتہ ان میں سے ایک جو ہے، یعنی یہ جو بِضَمِيرِهِ أَوْ مُتَعَلِّقِهِ ہے، یعنی یہ جو با جارہ ہے، یہ متعلق ہے مُشْتَغِلٌ سے اس کی اپنی ذات کے اعتبار سے کیونکہ اس کا اپنا صلہ با آتا ہے۔ اور یہ عَنْهُ بھی اسی مُشْتَغِلٌ سے متعلق ہے لیکن تضمین کے اعتبار سے۔ کس اعتبار سے؟ تضمین کے اعتبار سے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو متعلق دونوں مُشْتَغِلٌ سے ہی ہیں، البتہ ایک اس کی اپنی ذات کے اعتبار سے متعلق ہے کیونکہ اس کا صلہ با آتا ہے تو وہ اس سے ویسے ہی متعلق ہے، اور عَنْهُ بھی اسی مُشْتَغِلٌ سے متعلق ہے لیکن کس اعتبار سے؟ تضمین کے اعتبار سے کہ اس کے اندر فَارِغٌ یا مُعْرِضٌ کا معنی ملحوظ ہے، تو اس اعتبار سے یہ اس کے ساتھ متعلق ہے۔

تو صاحبِ جامی نے پھر بتلایا تھا کہ وہ جو فعل یا شبہِ فعل اس اسم کے اندر عمل نہیں کر سکتا، اس کی وجہ صرف اور صرف یہ ہونی چاہیے کہ وہ اس کی ضمیر یا متعلق میں مشغول ہو۔ کوئی اور مانع وہاں پر نہیں ہونا چاہیے۔ کوئی اور مانع وہاں پر نہیں ہونا چاہیے۔ تو چنانچہ اس قید کے ذریعے زَيْدٌ ضَرَبْتُهُ جیسی مثالیں مَا أُضْمِرَ عَامِلُهُ عَلَى شَرِيطَةِ التَّفْسِيرِ سے نکل گئیں۔ کیونکہ زَيْدٌ ضَرَبْتُهُ یہاں زید پر رفع پڑھا متکلم نے۔ تو یہاں پر زَيْدٌ کے بعد ایک فعل ہے اور وہ فعل اس کی، زید کی ضمیر میں مشغول ہے۔ تو ایک مانع تو یہ ہے کہ یہ ضَرَبْتُ عمل نہیں کر سکتا زید میں۔ کیوں نہیں کر سکتا؟ کیونکہ یہ اس کی ضمیر میں مشغول ہے۔ اور یہاں ایک اور مانع بھی آگیا اور وہ مانع کیا؟ کہ متکلم نے پہلے زَيْدٌ پر رفع پڑھ دیا۔ اور جب اس پر رفع پڑھ دیا تو معلوم ہوا اس کو بتدا بنا دیا۔ اور بتدا کے اندر ابتدا عامل ہوتی ہے۔ تو ابتدا کا زَيْدٌ کے اندر عامل ہونا، یہ بھی مانع بن گیا کہ اب ضَرَبْتُ اس کے اندر عامل نہیں ہو سکتا، ضَرَبْتُ کو اس پر مسلط نہیں کر سکتے، کیونکہ زید تو مرفوع ہے اور مَا أُضْمِرَ عَامِلُهُ عَلَى شَرِيطَةِ التَّفْسِيرِ تو منصوب ہوتا ہے بھئی۔ تو زَيْدٌ ضَرَبْتُهُ جیسی مثالیں بھی اس سے نکل گئیں۔

اور پھر یہ بھی بتلایا تھا کہ اگر اس اسم پر اسی فعل یا شبہِ فعل کو مسلط کیا جائے یا اس کے کسی مناسب کو مسلط کیا جائے تو وہ اس کو نصب دے سکے۔ اور مناسب عام ہے، صاحبِ جامی نے بتلایا کہ وہ مناسب بالترادف بھی ہو سکتا ہے اور مناسب باللزوم بھی ہو سکتا ہے۔ تو اسی فعل یا شبہِ فعل کو اس پر مسلط کریں تو وہ اس کو نصب دے سکے، اور یہ نصب مفعولیت کی بنا پر ہونا چاہیے۔ کس بنا پر؟ مفعولیت کی بنا پر ہونا چاہیے، کسی اور وجہ سے یہ نصب نہیں ہونا چاہیے۔ چنانچہ جب یہ بالمفعولیت کی قید لگا دی اس نصب کے ساتھ، تو اس سے كَانَ کی خبر وغیرہ نکل گئی، جیسے زَيْدًا كُنْتُ إِيَّاهُ۔ یہ تقدیرِ عبارت کیا ہے؟ كُنْتُ زَيْدًا كُنْتُ إِيَّاهُ۔ یہ إِيَّاهُ ضمیر زید ہی کو راجع ہے، كُنْتُ زَيْدًا كُنْتُ إِيَّاهُ۔ اب یاد رکھو یہ زَيْدًا یہ بھی مَا أُضْمِرَ عَامِلُهُ عَلَى شَرِيطَةِ التَّفْسِيرِ کی قبیل سے ہے۔ توجہ ہے؟ کیونکہ اس کے بعد كُنْتُ فعل آرہا ہے اور وہ اس کی ضمیر میں مشغول ہونے کی وجہ سے اس میں عمل نہیں کر سکتا۔ لیکن اس کو صاحبِ جامی نے اس تعریف سے نکال دیا، کیونکہ یہاں پر مفعول کی بحث چل رہی ہے، كَانَ کی خبر کی بحث نہیں ہے بھئی۔ تو اگرچہ یہ بھی مَا أُضْمِرَ عَامِلُهُ عَلَى شَرِيطَةِ التَّفْسِيرِ کی

قبیل سے ہے بھئی۔

اور پھر بتلایا تھا کہ یہاں پر چار صورتیں بنتی ہیں اور صاحبِ کافیہ نے ان چاروں کی مثالیں بھی ذکر کیں بھئی۔ اور ان چاروں مثالوں میں سے آپ نے دیکھا کہ تین مثالوں کے اندر وہ فعل اس اسم کی ضمیر میں مشغول ہے، اور ایک صورت میں وہ فعل جو ہے اس اسم کے متعلق میں مشغول ہے۔ تو جب متعلق کے اندر فعل مشغول ہو، تو اس وقت صرف اس فعل کے مناسب بالللزوم کو مسلط کر سکتے ہیں۔ اسی فعل کو بھی مسلط نہیں کر سکتے اور اس کے مناسب بالترادف کو بھی مسلط نہیں کر سکتے، ورنہ تو معنی خراب ہو جائے گا۔ تو فعل جب مشغول ہو اس اسم کے متعلق میں تو صرف اس کے مناسب بالللزوم کو اس پر مسلط کر سکتے ہیں۔ البتہ جب فعل مشغول ہو اسی اسم کی ضمیر میں، تو پھر اسی فعل کو بھی مسلط کر سکتے ہیں، اس کے مناسب بالترادف کو بھی اور اس کے مناسب بالللزوم کو بھی مسلط کر سکتے ہیں۔ چنانچہ سب کی مثالیں صاحبِ کافیہ نے ذکر کیں۔ زَيْدًا ضَرَبْتُهُ، یہاں دیکھو یہ زَيْدًا مَا أُضْمِرَ عَامِلُهُ عَلَى شَرِيطَةِ التَّفْسِيرِ ہے، اور اس کے بعد فعل آرہا ہے اور وہ فعل اس کی ضمیر میں مشغول ہے۔ اور یہاں پر اسی فعل کو مسلط کریں گے زید پر تو وہ اس کو نصب دے سکتا ہے۔ دوسری مثال دی تھی زَيْدًا مَرَرْتُ بِهِ، یہاں یہ زَيْدًا یہ مَا أُضْمِرَ عَامِلُهُ عَلَى شَرِيطَةِ التَّفْسِيرِ ہے، اور اس کے بعد ایک فعل آرہا ہے اور وہ فعل اس کی ضمیر میں مشغول ہے۔ اور یہاں پر اس مَرَرْتُ بِهِ کے مترادف یعنی جَاوَزْتُ کو کیا کریں گے؟ اس پر مسلط کریں تو وہ اس کو نصب دے سکتا ہے۔ اور اگلی مثال زَيْدًا ضَرَبْتُ غُلَامَهُ، یہ تقدیرِ عبارت ہے أَهَنْتُ زَيْدًا ضَرَبْتُ غُلَامَهُ۔ یہاں، یہاں ضَرَبْتُ غُلَامَهُ کے مناسب بالللزوم یعنی أَهَنْتُ کو مسلط کیا تو اس نے زَيْدًا کو نصب دے دیا۔ اور چوتھی مثال ذکر کی زَيْدًا حُبِسْتُ عَلَيْهِ، یہاں پر زَيْدًا کے بعد جو فعل ہے وہ اسی زید کی ضمیر میں مشغول ہے، اس طور پر کہ اس کے مناسب بالللزوم کو زید پر مسلط کریں تو وہ اس کو نصب دے سکتا ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو چار صورتیں بنتی تھیں اور چاروں کی مثالیں صاحبِ کافیہ نے ذکر کر دیں بھئی۔ اور صاحبِ جامی نے بتلایا کہ بہتر یہ تھا کہ صاحبِ کافیہ وہ فعل جو اس اسم کے متعلق میں مشغول ہے اس کو سب سے آخر میں ذکر کرتے کیونکہ اس کی ایک ہی صورت ہے، اور وہ صورتیں جن میں فعل اس اسم کی ضمیر میں مشغول ہے اس میں تین صورتیں تھیں تو ان تینوں کو پہلے اکٹھا ہی ذکر کر دیتے بھئی۔ تو یہ زیادہ اچھا تھا۔ اگرچہ صاحبِ کافیہ نے بھی جو ترتیب ذکر کی ہے وہ بھی اچھی ہے، لیکن اس صورت میں پھر زیادہ اچھا ہوتا۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو ان مثالوں کے اندر کہتے ہیں زَيْدًا کو نصب دیا ہے ایک ایسے فعل نے جو مقدر ہے اور جس کی تفسیر اس کا مابعد کر رہا ہے۔

جی اب آئیے آج کے سبق پر۔ ثُمَّ إِنَّ الِاسْمَ الْوَاقِعَ فِي مَظَانِّ الْإِضْمَارِ عَلَى شَرِيطَةِ التَّفْسِيرِ إِمَّا الْمُخْتَارُ أَوِ الْوَاجِبُ فِيهِ الرَّفْعُ أَوِ النَّصْبُ أَوْ يَسْتَوِي فِيهِ الْأَمْرَانِ، وَإِلَى هَذِهِ الصُّوَرِ الْخَمْسِ أَشَارَ الْمُصَنِّفُ رَحِمَهُ اللَّهُ فَقَالَ: وَيُخْتَارُ فِي الِاسْمِ الْمَذْكُورِ الرَّفْعُ بِالِابْتِدَاءِ۔

اچھا بھئی دیکھیے۔ آگے صاحبِ کافیہ جو ہے اس مَا أُضْمِرَ عَامِلُهُ عَلَى شَرِيطَةِ التَّفْسِيرِ کے مواقع اور جہاں اس کے

ہونے کا احتمال ہو سکتا ہے ظاہری طور پر، اس کے اندر جو پانچ صورتیں بنتی ہیں اس کو بیان کریں گے بھئی۔ بھئی ذرا اس مثال پہ نظر رکھیں: زَيْدًا ضَرَبْتُهُ۔ زَيْدًا ضَرَبْتُهُ۔ توجہ ہے؟ جی یہ زَيْدًا پر اس وقت نصب ہے۔ لیکن یاد رکھو اس میں نصب لازمی نہیں ہے، اس پر رفع بھی پڑھا جا سکتا ہے۔ بات سمجھ میں آ گئی؟ زَيْدٌ ضَرَبْتُهُ یوں بھی آپ پڑھ سکتے ہیں، اور زَيْدًا ضَرَبْتُهُ بھی پڑھ سکتے ہیں۔ اگر اس کو آپ پڑھیں زَيْدًا ضَرَبْتُهُ تو گویا آپ نے اس کو کیا بنا دیا؟ مَا أُضْمِرَ عَامِلُهُ عَلَى شَرِيطَةِ... یعنی یہ جو زَيْدًا ہے اس کو آپ نے مَا أُضْمِرَ عَامِلُهُ عَلَى شَرِيطَةِ التَّفْسِيرِ کی قبیل سے بنا دیا کہ جس کے فعل کو حذف کر لیا گیا کیونکہ آگے اس کی تفسیر آ رہی ہے۔ اور آپ چاہیں تو یوں بھی پڑھ سکتے ہیں: زَيْدٌ ضَرَبْتُهُ۔ اس صورت میں یہ زَيْدٌ مبتدا بنے گا اور ضَرَبْتُهُ یہ پورا جملہ فعلیہ اس کی خبر بنے گا۔ اور جملے کو جب بھی کسی چیز سے جوڑتے ہیں درمیان میں ربط ضروری ہے۔ تو یہاں پر بھی ضَرَبْتُهُ کے اندر یہ جو ہا ضمیر ہے یہ کس کو راجع ہے؟ زید کو۔ تو ترکیب کیسے ہو گی؟ زَيْدٌ مرفوع لفظاً مبتدا، ضَرَبْتُهُ ضَرَبْتُ فعل با فاعل، تا ضمیر مرفوع محلاً فاعل، ہا ضمیر منصوب محلاً مفعول بہ ہے ضَرَبْتُ کے لیے، فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر یہ خبر ہوئی زید کے لیے، اور ربط ہم دے چکے ہیں۔ تو مبتدا اپنی خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔ تو دیکھو یہ جو زَيْدٌ تھا اس کے اندر رفع بھی جائز ہے اور نصب بھی جائز ہے۔ زَيْدًا پڑھو گے تو کیا بنے گا؟ مَا أُضْمِرَ عَامِلُهُ عَلَى شَرِيطَةِ التَّفْسِيرِ۔ اور زَيْدٌ پڑھو گے تو مبتدا بنے گا۔ تو اس اعتبار سے یہاں پانچ صورتیں بنتی ہیں یہ جو رفع اور نصب پڑھنے کے اعتبار سے۔ یاد رکھو بعض جگہیں وہ ہوں گی جہاں رفع کا پڑھنا واجب ہو گا، آپ نصب پڑھ ہی نہیں سکتے، یعنی آپ اس کو مَا أُضْمِرَ عَامِلُهُ عَلَى شَرِيطَةِ التَّفْسِيرِ بنا ہی نہیں سکتے۔ اور بعض جگہیں وہ ہوں گی جہاں پر نصب کا پڑھنا واجب ہو گا، یعنی وہاں اس کو مَا أُضْمِرَ عَامِلُهُ عَلَى شَرِيطَةِ التَّفْسِيرِ ہی بنانا پڑے گا، آپ وہاں رفع پڑھ ہی نہیں سکتے، مبتدا اس کو بنا ہی نہیں سکتے۔ اور بعض جگہیں وہ ہوں گی جہاں رفع کا پڑھنا پسندیدہ ہو گا۔ آپ نصب بھی پڑھ سکتے ہیں، رفع بھی پڑھ سکتے ہیں، لیکن رفع کا پڑھنا پسندیدہ اور مختار ہو گا۔ اور بعض جگہ نصب مختار ہو گا، یعنی آپ نصب بھی پڑھ سکتے ہیں، رفع بھی پڑھ سکتے ہیں، دونوں وہاں جائز ہیں، لیکن مختار کیا ہو گا؟ نصب مختار ہو گا۔ اور بعض جگہیں وہ ہوں گی کہ جہاں پر رفع اور نصب دونوں برابر ہیں، یعنی ایک بھی مختار نہیں ہے، چاہے آپ رفع پڑھیں چاہے آپ نصب پڑھیں، دونوں برابر ہیں بھئی۔ تو اس اعتبار سے دیکھو پانچ صورتیں بن گئیں۔ ایک وہ جگہ جہاں رفع کا پڑھنا واجب، دوسری جگہ جہاں نصب کا پڑھنا واجب، تیسری جگہ جہاں رفع کا پڑھنا مختار، اگرچہ نصب بھی جائز ہے، اور چوتھی جگہ وہ جہاں نصب کا پڑھنا مختار، اگرچہ رفع بھی پڑھ سکتے ہیں، اور پانچویں جگہ وہ ہے جہاں رفع اور نصب دونوں برابر ہوں گے۔ بات سمجھ میں آ گئی؟ تو یہ پانچ صورتیں بنتی ہیں یہاں پر رفع اور نصب کے اعتبار سے، تو ان کو اب صاحبِ کافیہ ذکر فرمائیں گے۔

جی دیکھیے بھئی، کہتے ہیں: ثُمَّ إِنَّ الِاسْمَ الْوَاقِعَ فِي مَظَانِّ الْإِضْمَارِ عَلَى شَرِيطَةِ التَّفْسِيرِ۔ مَظَانّ جمع ہے مَظِنَّةٌ کی، یہ ظرف کا صیغہ ہے۔ مَظَانّ نون مشدد ہے، مَظَانٌّ یہ کیا ہے؟ جمع ہے کس کی؟ مَظِنَّةٌ کی، تو یہ ظرف کا صیغہ ہے اور جمع ہے

بھئی۔ اور مَظِنَّةٌ کہتے ہیں جائے گمان، یعنی وہ جگہ جہاں کسی چیز کے ہونے کا گمان ہو اس کو کیا کہتے ہیں؟ مَظِنَّةٌ، اور جمع کیا ہے؟ مَظَانٌّ۔ اب دیکھیے صاحبِ جامی فرما رہے ہیں: ثُمَّ إِنَّ الِاسْمَ الْوَاقِعَ، پھر وہ اسم جو واقع ہوتا ہے فِي مَظَانِّ الْإِضْمَارِ عَلَى شَرِيطَةِ التَّفْسِيرِ، یعنی إِضْمَارٌ عَلَى شَرِيطَةِ التَّفْسِيرِ کے جائے گمان میں۔ وہ اسم جو واقع ہوتا ہے... دیکھو لفظوں پہ غور کرو، جو واقع ہوتا ہے کہاں پر؟ فِي مَظَانِّ الْإِضْمَارِ عَلَى شَرِيطَةِ التَّفْسِيرِ، إِضْمَارٌ عَلَى شَرِيطَةِ التَّفْسِيرِ کے جائے گمان میں۔ بھئی دیکھو پانچ جگہیں ذکر کریں گے، ان پانچ جگہوں میں سے کچھ جگہیں تو وہ ہیں جہاں رفع کا پڑھنا واجب ہے،

توجہ ہے؟ جب رفع کا پڑھنا واجب ہے معلوم ہوا اس کو آپ مَا أُضْمِرَ عَامِلُهُ عَلَى شَرِيطَةِ التَّفْسِيرِ بنا ہی نہیں سکتے۔ جب بنا ہی نہیں سکتے تو پھر اس کو تو یہاں ذکر ہی نہیں کرنا چاہیے، باقی چار جگہیں ذکر کرنی چاہئیں۔ لیکن اس کو بھی ذکر کریں گے۔ یعنی یہ جو پانچ صورتیں ہیں، ان میں کبھی رفع مختار ہوتا ہے، کبھی رفع واجب ہوتا ہے، لیکن سرسری نظر ڈالنے سے یوں معلوم ہوتا ہے شاید یہ ما اضمر نہ ہو بھئی، شاید یہ ما اضمر نہ ہو، لیکن پھر جب آپ غور کرتے ہیں تو دیکھتے ہیں کہ نہیں بھئی یہاں اس کو ما اضمر تو بنا ہی نہیں سکتے یہاں تو رفع پڑھنا واجب ہے بھئی۔ تو یہ پانچ جگہیں ہیں جہاں ما اضمر کے ہونے کا گمان ہوتا ہے۔ چاہے ہو یا نہ ہو۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو اس لیے مَظَانّ کا لفظ لے کر آئے کہ وہاں پر ما اضمر کے ہونے کا گمان ہوتا ہے چاہے حقیقت میں ہو یا نہ ہو بھئی۔

تو کہتے ہیں: ثُمَّ إِنَّ الِاسْمَ الْوَاقِعَ پھر وہ اسم جو واقع ہوتا ہے فِي مَظَانِّ الْإِضْمَارِ عَلَى شَرِيطَةِ التَّفْسِيرِ، إِضْمَارٌ عَلَى شَرِيطَةِ التَّفْسِيرِ کے گمان کی جگہوں میں، إِمَّا الْمُخْتَارُ أَوِ الْوَاجِبُ فِيهِ الرَّفْعُ أَوِ النَّصْبُ، تو اس کے اندر وہ اسم جو واقع ہوا ہے ان جگہوں پر، تو یا تو اس کے اندر مختار ہوگا یا واجب ہوگا، کیا؟ الرَّفْعُ أَوِ النَّصْبُ، رفع یا نصب۔ تو اس کا تعلق دونوں سے ہے۔ پہلے مختار سے جوڑیں کہ یا تو وہاں پر مختار ہوگا رفع، أَوِ النَّصْبُ یا وہاں کیا مختار ہوگا؟ نصب مختار ہوگا۔ دو صورتیں۔ اب واجب کے ساتھ جوڑیں: أَوِ الْوَاجِبُ یا اس اسم کے اندر واجب ہوگا، یا تو رفع واجب ہوگا، أَوِ النَّصْبُ یا نصب واجب ہوگا۔ تو کتنی جگہیں ہو گئیں؟ چار۔ أَوْ يَسْتَوِي فِيهِ الْأَمْرَانِ، یا اس میں دونوں امر برابر ہوں گے۔ تو کتنی جگہیں ہو گئیں؟ پانچ۔

تو کہتے ہیں کہ وہ اسم جو إِضْمَارٌ عَلَى شَرِيطَةِ التَّفْسِيرِ کے گمان کی جگہوں میں واقع ہو، إِمَّا الْمُخْتَارُ أَوِ الْوَاجِبُ فِيهِ الرَّفْعُ أَوِ النَّصْبُ، یا تو مختار یا واجب ہوگا اس کے اندر رفع یا نصب، أَوْ يَسْتَوِي فِيهِ الْأَمْرَانِ، یا اس کے اندر دونوں چیزیں برابر ہوں گی۔ وَإِلَى هَذِهِ الصُّوَرِ الْخَمْسِ أَشَارَ الْمُصَنِّفُ رَحِمَهُ اللَّهُ، اور انہی پانچ صورتوں کی طرف اشارہ فرمایا مصنف رحمہ اللہ نے، فَقَالَ: پس فرمایا: وَيُخْتَارُ فِي الِاسْمِ الْمَذْكُورِ الرَّفْعُ بِالِابْتِدَاءِ۔

بھئی پہلے متن متن دیکھیے بھئی۔ کہتے ہیں: وَيُخْتَارُ الرَّفْعُ بِالِابْتِدَاءِ عِنْدَ عَدَمِ قَرِينَةِ خِلَافِهِ، أَوْ عِنْدَ وُجُودِ أَقْوَى مِنْهَا، كَأَمَّا مَعَ غَيْرِ الطَّلَبِ وَإِذَا لِلْمُفَاجَأَةِ۔ متن مل گیا سارا؟ کہتے ہیں: وَيُخْتَارُ الرَّفْعُ، اور اس اسم کے اندر رفع مختار ہوگا، بِالِابْتِدَاءِ کس

وجہ سے؟ یہ رفع کیوں آئے گا اس پر؟ ابتدا کی وجہ سے یعنی مبتدا ہونے کی وجہ سے، عِنْدَ عَدَمِ قَرِينَةِ خِلَافِهِ، جب اس کے خلاف کا قرینہ نہ ہو۔ توجہ ہے؟ بھئی دو ہی صورتیں پڑھ سکتے ہیں نا، یا رفع یا نصب۔ تو رفع مختار ہو گا مبتدا ہونے کی وجہ سے عِنْدَ عَدَمِ قَرِينَةِ خِلَافِهِ، خِلَافِهِ کی ہا ضمیر راجع ہے رفع کو۔ أَيْ خِلَافِ الرَّفْعِ، جب خلافِ رفع کا قرینہ نہ ہو۔ جب خلافِ رفع کا قرینہ نہ ہو۔ اور خلافِ رفع سے کیا مراد ہے؟ یہاں پر رفع کے خلاف اور کیا چیز ہے؟ نصب ہے، تو خِلَافِهِ سے کیا مراد ہے؟ نصب۔ تو خِلَافِهِ کی ہا ضمیر کس کو راجع؟ رفع کو، اور خِلَافِهِ سے مراد کیا ہے؟ نصب ہے۔ لہٰذا خِلَافِهِ کو ذرا ہٹا دیں اور نصب کو لے آئیں یہاں پر تاکہ عبارت اور واضح ہو جائے۔

تو کہتے ہیں: وَيُخْتَارُ الرَّفْعُ بِالِابْتِدَاءِ، اور اس اسم میں رفع مختار ہو گا مبتدا ہونے کی وجہ سے، عِنْدَ عَدَمِ قَرِينَةِ النَّصْبِ، جب کہ نصب کا قرینہ نہ ہو۔ جب نصب کا قرینہ نہ ہو۔ بھئی یاد رکھو، یاد رکھو رفع تبھی پڑھ سکتے ہیں جب رفع کا کوئی قرینہ موجود ہو، اور نصب تبھی پڑھ سکتے ہیں جب نصب کا کوئی قرینہ موجود ہو۔ اگر ایک چیز کا قرینہ ہی نہیں موجود تو اس کو وہ پڑھ بھی نہیں سکتے آپ۔ توجہ ہے؟ ایک مقام ایسا آیا کہ وہاں رفع کا کوئی قرینہ ہی نہیں ہے تو رفع پڑھنا جائز ہی نہیں ہے وہاں پر۔ اور ایک مقام وہ ہے کہ جہاں پر نصب کا کوئی قرینہ ہی نہیں ہے تو وہاں نصب پڑھ ہی نہیں سکتے۔ اور کون سی جگہ چل رہی ہے؟ جہاں رفع کا پڑھنا مختار ہے یا واجب ہے؟ وَيُخْتَارُ کہا، جہاں رفع کا پڑھنا مختار ہے۔ جب رفع کا پڑھنا مختار ہے، معلوم ہوا وہاں نصب کا قرینہ بھی ہو گا، رفع کا بھی ہو گا۔ لیکن رفع کا قرینہ قوی ہو گا، اس کو ترجیح ہو گی۔ توجہ ہے؟ رفع کے لیے کیا چاہیے؟ قرینہ چاہیے۔ نصب کے لیے بھی کیا چاہیے؟ قرینہ۔ بغیر قرینے کے نہ رفع پڑھ سکتے ہیں اور نہ نصب پڑھ سکتے ہیں۔ تو جب کہا کہ رفع مختار ہو گا مبتدا ہونے کی وجہ سے، مختار ہو گا، واجب نہیں کہا، مختار ہو گا۔ اس سے کیا پتہ چلا؟ معلوم ہوا نصب کا بھی قرینہ ہے، نصب بھی پڑھ سکتے ہیں، نصب بھی جائز ہے، لیکن رفع مختار ہے کہ اس کا قرینہ قوی ہے بھئی، یا اس کا قرینہ راجح ہے۔

توجہ ہے؟ وَيُخْتَارُ الرَّفْعُ بِالِابْتِدَاءِ اس سے کیا پتہ چلا؟ کہ نصب پڑھنا بھی جائز ہے۔ اور آگے کیا فرما رہے ہیں؟ کہ یہ رفع ابتدا کی وجہ سے کب مختار ہو گا؟ عِنْدَ عَدَمِ قَرِينَةِ النَّصْبِ، جب نصب کا قرینہ نہ ہو۔ بھئی جب نصب کا قرینہ ہی نہیں ہے پھر تو رفع واجب ہونا چاہیے، اور آپ تو کہہ رہے ہیں رفع مختار ہو گا۔ اشکال سمجھ میں آ رہا ہے؟ تو یاد رکھنا یہاں پر یہ عِنْدَ عَدَمِ قَرِينَةِ خِلَافِهِ، یہ خِلَافِهِ سے پہلے ایک مضاف محذوف نکال لیں تو ساری عبارت ٹھیک ہو جائے گی، أَيْ عِنْدَ عَدَمِ قَرِينَةِ تَرَجُّحِ خِلَافِهِ۔ یہ خِلَافِهِ سے پہلے مضاف محذوف نکال لیں تَرَجُّح۔ بھئی آگے صاحبِ جامی بھی بتلا رہے ہیں، أَيْ قَرِينَةُ تَرَجُّحِ خِلَافِ الرَّفْعِ۔ بات سمجھ میں آ گئی؟ تو خِلَافِهِ سے پہلے کون سا لفظ مضاف محذوف نکال لیں؟ تَرَجُّح۔ اب دیکھو: عِنْدَ عَدَمِ قَرِينَةِ تَرَجُّحِ خِلَافِهِ۔ تَرَجُّح کا معنی راجح ہونا۔ جس وقت قرینہ نہ پایا جائے، کس چیز کا قرینہ؟ تَرَجُّحِ خِلَافِهِ، اور خِلَافِهِ سے کیا مراد ہے؟ نصب۔ تَرَجُّحِ النَّصْبِ، جب نصب کے راجح ہونے کا قرینہ نہ ہو۔ نصب کا قرینہ ہے، ہاں نصب کے راجح ہونے کا قرینہ نہیں ہے۔ بات سمجھ میں آ گئی؟ نصب کا قرینہ ہے۔ ایک ہے قرینہ جس سے ایک چیز کے جواز کا پتہ چلے گا،

اور ایک قرینہ وہ ہوگا جس سے ایک چیز کے راجح ہونے کا پتہ چلے گا کہ یہاں راجح یہ پڑھنا ہے۔

بھئی ایک مثال ہے زَيْدٌ ضَرَبْتُهُ۔ توجہ ہے؟ زَيْدٌ ضَرَبْتُهُ۔ یہ جو زید ہے اس کے اندر رفع بھی جائز اور نصب بھی۔ معلوم ہوا رفع کا بھی قرینہ ہے اور نصب کا بھی، لیکن رفع کا قرینہ راجح ہے۔ بات سمجھ میں آئی؟ میرا خیال بات نہیں سمجھ میں آئی۔ انہوں نے کیا کہا؟ کہ رفع مختار ہوگا، اس سے کیا پتہ چلا؟ نصب بھی جائز ہے۔ اور آگے تو کیا کہا؟ کہ جب نصب کا قرینہ نہ ہو۔ نصب کا قرینہ نہ ہو، بھئی پھر تو رفع واجب ہونا چاہیے اور آپ کہہ رہے ہیں رفع مختار ہے۔ تو میں نے بتلا دیا کہ یہاں تَرَجُّح مضاف محذوف نکال لیں کہ جب نصب کے راجح ہونے کا قرینہ نہ ہو۔ رفع کے راجح ہونے کا قرینہ ہو، اور نصب کے راجح ہونے کا قرینہ نہیں۔ نفسِ قرینہ دونوں کے لیے موجود ہے، نصب بھی صحیح، رفع بھی صحیح، لیکن نصب کے راجح ہونے کا قرینہ نہیں ہے جبکہ رفع کے راجح ہونے کا بھی قرینہ ہے، اس کے صحیح ہونے کا بھی قرینہ اور اس کے راجح ہونے کا بھی قرینہ ہے تو وہاں پر پھر رفع راجح ہے یعنی مختار ہے۔ تو کہتے ہیں: وَيُخْتَارُ الرَّفْعُ بِالِابْتِدَاءِ، اور رفع مختار ہے بتدا ہونے کی وجہ سے عِنْدَ عَدَمِ قَرِينَةِ خِلَافِهِ، جس وقت رفع کے خلاف یعنی نصب کے راجح ہونے کا قرینہ نہ ہو۔

ادھر دیکھیے جیسے مثال میں نے لکھوائی تھی زَيْدٌ ضَرَبْتُهُ۔ زَيْدٌ ضَرَبْتُهُ۔ تو یہاں پر اس زید کا بتدا ہونا بھی صحیح ہے، اس کا بھی قرینہ موجود ہے، اور اس پر نصب بھی صحیح ہے، نصب کا بھی قرینہ موجود ہے۔ ذرا یہ لکھیں اپنے سامنے کاپی پر لکھیں۔ لکھیے بھئی جلدی جلدی: زَيْدٌ ضَرَبْتُهُ۔ زَيْدٌ ضَرَبْتُهُ۔ توجہ ہے؟ اب دیکھو اس زید کے اندر رفع بھی صحیح اور نصب بھی صحیح۔ رفع کے صحیح ہونے کا قرینہ یہ ہے، سنو توجہ سے سنو، اس زید کے اندر رفع کے صحیح ہونے کا قرینہ یہ ہے کہ اس پر کوئی عاملِ لفظی موجود نہیں۔ اس زید پر کوئی عاملِ لفظی موجود نہیں، لہٰذا معلوم ہوا اس کو بتدا بنا سکتے ہو، یہ اس کے رفع کے صحیح ہونے کا قرینہ ہے۔ اگر کوئی عاملِ لفظی موجود ہوتا تو اس کو بتدا بنا سکتے تھے؟ نہیں۔ تو اس پر کوئی عاملِ لفظی نہیں ہے، جب کوئی عاملِ لفظی نہیں ہے معلوم ہوا یہ اس کے رفع کے صحیح ہونے کا قرینہ ہے۔ توجہ ہے؟ رفع کے صحیح ہونے کا قرینہ کیا؟ بار بار دہرائیں بھئی، یہ ساری بحث اسی سے متعلق ہے۔ رفع کے صحیح ہونے کا قرینہ کیا ہے؟ عاملِ لفظی کا نہ ہونا۔ کوئی عاملِ لفظی زید پر نہیں ہے، یہ بتلا رہا ہے کہ اس کے اندر رفع صحیح ہے، مختار نہیں، رفع صحیح ہے، یہ رفع کے صحیح ہونے کا قرینہ ہے، رفع پڑھ سکتے ہیں۔ اور نیز اس کے اندر نصب بھی پڑھ سکتے ہیں، نصب کے صحیح ہونے کا بھی قرینہ ہے، اور وہ کیا؟ کہ اس زید کے بعد ایک فعل آرہا ہے، اور وہ فعل جو ہے، وہ فعل اس کی ضمیر میں مشغول ہے، اور وہ فعلِ محذوف کے لیے تفسیر بن سکتا ہے بھئی، وہ فعلِ محذوف کے لیے تفسیر بن سکتا ہے۔ مثلاً آپ زَيْدًا پڑھتے ہیں، کیا پڑھتے ہیں؟ تو زَيْدًا میں کس نے عمل کیا؟ ضَرَبْتُ مقدر نے، اور آگے ضَرَبْتُهُ اس کے لیے کیا بن جائے گا؟ تفسیر۔ توجہ ہے؟ ابھی آپ نے نصب پڑھا نہیں، صرف زید ضَرَبْتُهُ ہے، لیکن اگر آپ اس پر نصب پڑھیں اور اس کے لیے فعل مقدر نکالیں، تو آگے ایک فعل آرہا ہے جس میں یہ صلاحیت ہے کہ وہ تفسیر بن سکے۔ وہ تفسیر بن سکتا ہے، بھئی مَا أُضْمِرَ عَامِلُهُ عَلَى شَرِيطَةِ التَّفْسِيرِ

اس میں آگے تفسیر چاہیے کہ نہیں؟ اس میں تو تفسیر لازم ہے، تو یہاں پر بھی آگے ایک فعل آرہا ہے جو تفسیر بن سکتا ہے۔ یہ نصب کے صحیح ہونے کا قرینہ ہے۔ رفع کے صحیح ہونے کا قرینہ کیا؟ کہ اس کے اندر کوئی عاملِ لفظی نہیں لہٰذا رفع پڑھ سکتے ہو۔ اور نصب کے صحیح ہونے کا قرینہ کیا؟ کہ آگے ایک فعل آرہا ہے جس میں صلاحیت ہے کہ وہ فعلِ محذوف کے لیے تفسیر بن جائے۔ تو دونوں کے صحیح ہونے کا قرینہ ہے، رفع کے بھی اور نصب کے۔ لیکن رفع کا قرینہ راجح ہے۔ رفع کا قرینہ راجح اس طرح ہے ادھر دیکھیے: جب آپ رفع پڑھیں گے تو پھر اس صورت میں کلام حذف سے سلامت رہے گا۔ اگر آپ نصب پڑھیں گے پھر تو آپ کو ضَرَبْتُ مقدر اور محذوف نکالنا پڑے گا۔ اور اگر آپ رفع پڑھیں گے تو کوئی محذوف نکالنا پڑے گا؟ نہیں نکالنا پڑے گا۔ تو اس صورت میں کلام حذف سے سلامت رہے گا۔ اور یاد رکھو ایک ہے ذکر، ایک ہے حذف۔ ذکر اصل ہے، جب بھی کوئی چیز ہو اس کو ذکر کرنا چاہیے، حذف خلاف الاصل ہے۔ حذف خلاف الاصل ہے، اسی لیے حذف کے لیے ہمیشہ قرینہ چاہیے ہوتا ہے۔ آپ جب بھی کسی لفظ کو حذف کریں ہمیشہ کیا چاہیے؟ قرینہ چاہیے جس سے سننے والے کو پتہ چلے کہ یہاں کیا حذف کیا ہے، ورنہ تو اس کو بات کا پتہ ہی نہیں چلے گا کہ یہ کیا کہنا چاہ رہا ہے۔ تو حذف کے لیے ہمیشہ کیا چاہیے؟ قرینہ۔ اور ذکر کے لیے تو کوئی قرینہ نہیں چاہیے۔ معلوم ہوا ذکر ہے اصل اور حذف ہے خلاف الاصل کیونکہ قرینہ خلاف الاصل کے لیے چاہیے ہوتا ہے، اصل کے لیے کسی قرینے کی ضرورت نہیں ہوتی۔ تو دیکھو زَيْدٌ ضَرَبْتُهُ، یہاں پر رفع کے صحیح ہونے کا قرینہ بھی موجود ہے کہ اس کے اندر کوئی عاملِ لفظی نہیں، اور یہاں نصب کے صحیح ہونے کا قرینہ بھی موجود ہے کہ آگے ایک فعل آرہا ہے جو تفسیر بننے کی صلاحیت رکھتا ہے اس فعلِ محذوف کے لیے۔ البتہ رفع کا قرینہ راجح ہے کیونکہ اس صورت میں کلام حذف سے سلامت رہے گا اور اصل یہ ہے کہ حذف نہیں ہونا چاہیے بھئی۔ تو کون سا قرینہ راجح ہے؟ رفع والا، تو لہٰذا یہاں کیا پڑھنا مختار؟ زَيْدٌ ضَرَبْتُهُ پڑھنا مختار ہے، اگرچہ زَيْدًا ضَرَبْتُهُ بھی آپ پڑھ سکتے ہیں۔ بات سمجھ میں آگئی؟ یہ معنی ہے وَيُخْتَارُ الرَّفْعُ بِالِابْتِدَاءِ، اور رفع مختار ہوگا بتدا ہونے کی وجہ سے عِنْدَ عَدَمِ قَرِينَةِ خِلَافِهِ، جس وقت رفع کے خلاف یعنی نصب کے راجح ہونے کا کوئی قرینہ نہ ہو۔

أَوْ عِنْدَ وُجُودِ أَقْوَى مِنْهَا، یا جس وقت نصب کے قرینے سے زیادہ قوی قرینہ رفع والا پایا جائے۔ عِنْدَ وُجُودِ أَقْوَى مِنْهَا، جس وقت زیادہ قوی قرینہ پایا جائے مِنْهَا کس قرینے کے مقابلے میں؟ نصب کے۔ نصب کے قرینے کے مقابلے میں زیادہ قوی قرینہ کس کا ہو؟ رفع کا۔ بھئی یہ دوسرا مقام ہے جہاں رفع کا پڑھنا مختار، توجہ سے سنو، جہاں رفع کے صحیح ہونے کا بھی قرینہ ہو اور نصب کے... تبھی مختار ہوگا نا، جائز تو دونوں ہونے چاہئیں، رفع کے صحیح ہونے کا بھی قرینہ ہو کہ کوئی عاملِ لفظی نہیں، اور نصب کے صحیح ہونے کا قرینہ بھی ہو کہ آگے ایک فعل آرہا ہو جس میں صلاحیت ہے وہ تفسیر بن سکتا ہے۔ پھر وہاں پر، توجہ سے سنو، پھر وہاں ایک اور قرینہ موجود ہے جو نصب کو ترجیح دے رہا ہے، اور ایک قرینہ ایسا ہے جو رفع کو ترجیح دے رہا ہے۔ دو قرینے موجود ہیں۔ پچھلی مثال میں رفع کو ترجیح دینے والا قرینہ تو تھا، نصب کو ترجیح دینے والا قرینہ نہیں تھا، لیکن یہاں پر دوسری صورت میں رفع کو ترجیح دینے...

قرینہ بھی ہو گا، نصب کو ترجیح دینے والا قرینہ بھی ہو گا، لیکن رفع کا قرینہ زیادہ قوی ہو گا۔ توجہ ہے؟ دوسری جگہ کون سی ہے؟ جہاں نصب اور رفع دونوں کے صحیح ہونے کے بھی قرینے ہوں، اور ساتھ دونوں کے ترجیح کے بھی قرینے موجود ہوں، البتہ رفع کی ترجیح کا قرینہ زیادہ قوی ہو کس کے مقابلے میں؟ نصب کی ترجیح کے قرینے کے مقابلے میں۔

دیکھیے بھئی کتاب پر: أَوْ عِنْدَ وُجُودِ أَقْوَى مِنْهَا، یا جس وقت کہ پایا جائے زیادہ قوی قرینہ مِنْهَا اس قرینے کے مقابلے میں جو نصب کو ترجیح دے رہا ہے، یعنی رفع کا زیادہ قوی قرینہ پایا جائے۔ أَوْ عِنْدَ وُجُودِ أَقْوَى مِنْهَا، یا جس وقت رفع کا قرینہ جو ہے وہ زیادہ قوی ہو مِنْهَا نصب کے قرینے کے مقابلے میں۔ كَأَمَّا مَعَ غَيْرِ الطَّلَبِ، جیسے کہ أَمَّا ہے غیرِ طلب کے ساتھ۔ جیسے کہ أَمَّا ہے غیرِ طلب کے ساتھ۔ یاد رکھو یہ جو أَمَّا ہے یہ متضمن ہوتا ہے معنیِ شرط کو۔ اور یہ اکثر اکثر جو ہے جملہ اسمیہ پر داخل ہوتا ہے، یعنی اس کے بعد اسم آتا ہے۔ اس کے بعد اسم آتا ہے، اور آگے پھر اس کی خبر پر فا داخل کی جاتی ہے۔ جیسے أَمَّا زَيْدٌ فَمُنْطَلِقٌ۔ أَمَّا زَيْدٌ فَمُنْطَلِقٌ، تو دیکھو أَمَّا متضمن ہے معنیِ شرط کو اور اسی لیے اس کی خبر پر فا لائی گئی۔ اور یہ أَمَّا اکثر کس پر داخل ہوتا ہے؟ جملہ اسمیہ پر۔ معلوم ہوا أَمَّا کے بعد اکثر ابتدا آتا ہے کیونکہ ابتدا آئے گا تبھی جملہ اسمیہ بنے گا نا۔ تو أَمَّا زَيْدٌ فَمُنْطَلِقٌ، تو یہ زَيْدٌ مرفوع ہے کس وجہ سے؟ ابتدا ہونے کی بنا پر۔ تو أَمَّا کس پر داخل ہوتا ہے اکثر؟ جملہ اسمیہ پر، اور یہ متضمن ہوتا ہے معنیِ شرط کو، لہٰذا اس کی خبر پر فا کو داخل کرتے ہیں، کیونکہ شرط کی جزا پر فا داخل کی جاتی ہے۔ بات سمجھ میں آ گئی؟

اچھا اب ایک اور تفصیل یاد رکھنا۔ یاد رکھو ایک ہے فصل اور ایک ہے وصل۔ فصل اسے کہتے ہیں کہ دو جملے آپ ذکر کریں اور آپ درمیان میں عطف نہ کریں۔ مثلاً میں کہتا ہوں: ضَرَبْتُ زَيْدًا ایک جملہ، اور أَكْرَمْتُ عَمْرًا یہ دوسرا جملہ۔ توجہ ہے؟ پہلا جملہ کیا؟ ضَرَبْتُ زَيْدًا، دوسرا ہے أَكْرَمْتُ عَمْرًا۔ اور درمیان میں میں حرفِ عطف ذکر نہیں کرتا اور یوں کہتا ہوں: ضَرَبْتُ زَيْدًا أَكْرَمْتُ عَمْرًا۔ درمیان میں میں نے حرفِ عطف کو ذکر نہیں کیا۔ اس کو کہتے ہیں فصل۔ فصل کا معنی جدائی، جدا کرنا۔ دونوں جملوں کو میں نے ایک دوسرے سے جدا کیا ہے، بھئی عطف کے ذریعے تو ان کا آپس میں ربط آ جاتا ہے، ایک معطوف علیہ بن جاتا ہے اور دوسرا معطوف بن جاتا ہے، لیکن درمیان میں حرفِ عطف ذکر نہ کیا جائے تو اس کو کہتے ہیں فصل، ص کے ساتھ ہے، فصل کا کیا معنی؟ جدائی، یعنی دونوں میں ربط نہیں دیا دونوں کو جدا رکھا۔ اور اس کے مقابلے میں دوسرا لفظ ہے وصل، و ص ل، وصل۔ اور وہ اس صورت میں ہے جب درمیان میں حرفِ عطف لائیں۔ تو درمیان میں جب میں حرفِ عطف لاؤں گا تو اس کو کہیں گے وصل: ضَرَبْتُ زَيْدًا وَأَكْرَمْتُ عَمْرًا۔ اب میں درمیان میں حرفِ عطف لایا تو یہ میں نے وصل کیا۔ تو فصل کسے کہتے ہیں؟ حرفِ عطف درمیان میں جملوں کے ذکر نہ کیا جائے۔ اور وصل کسے کہتے ہیں؟ کہ جملوں کے درمیان میں حرفِ عطف کو ذکر کیا جائے۔

اور پھر یاد رکھنا وصل کے اندر، جب آپ وصل کریں ایک جملے کا عطف کریں دوسرے جملے پر، تو یاد رکھیے جملہ خبریہ کا عطف کیا جائے گا جملہ خبریہ پر، اور جملہ انشائیہ کا عطف کیا جائے گا جملہ انشائیہ پر۔ ایسا نہیں کیا جائے گا کہ جملہ خبریہ

کا عطف آپ انشائیہ پر کر دیں یا انشائیہ کا عطف خبریہ پر کر دیں، ایسا بہت قلیل ہوتا ہے اور وہاں بھی پھر تاویل کی جاتی ہے۔ تو خبریہ کا عطف خبریہ پر ہو گا اور انشائیہ کا عطف انشائیہ پر ہو گا۔ اور پھر اس میں یاد رکھنا جب خبریہ کا عطف خبریہ پر کر رہے ہیں تو جملہ خبریہ جو ہے وہ اسمیہ بھی ہو سکتا ہے اور فعلیہ بھی۔ جملہ خبریہ اسمیہ بھی ہو سکتا ہے جو بتدا اور خبر سے مل کر بنے، اور جملہ فعلیہ بھی ہو سکتا ہے جو فعل اور فاعل یا نائب فاعل سے مل کر بنے۔ تو اس کے اندر یاد رکھو، دونوں جملے میں مناسبت جو ہے وہ پسندیدہ ہے۔ اگر پہلا جملہ خبریہ جو تھا، اگر وہ اسمیہ تھا تو آگے جو معطوف ہو جملہ وہ بھی کیا ہونا چاہیے؟ اسمیہ ہونا چاہیے۔ اور اگر پہلا جملہ فعلیہ ہے تو آگے جو معطوف جملہ ہے وہ بھی فعلیہ ہونا پسندیدہ ہے۔ توجہ ہے؟ دو جملے ہیں ان کا آپس میں آپ ایک دوسرے پر عطف کرتے ہیں، دونوں جملہ خبریہ ہیں، تو اگر پہلا جملہ خبریہ وہ اسمیہ ہے بتدا خبر سے مل کر بنا ہے تو پسندیدہ کیا ہے؟ کہ معطوف بھی کیا ہونا چاہیے؟ جملہ اسمیہ ہونا چاہیے۔ اور اگر پہلا جملہ فعلیہ ہے تو دوسرا جملہ بھی فعلیہ ہونا چاہیے جس کا اس پر عطف کیا جا رہا ہے۔ اگرچہ یہ ضروری نہیں ہے، ضروری نہیں ہے، کبھی جملہ فعلیہ پر جملہ اسمیہ کا بھی عطف کر دیتے ہیں اور کبھی جملہ اسمیہ پر جملہ فعلیہ کا بھی عطف کر دیتے ہیں، لیکن پسندیدہ کیا ہے؟ کہ دونوں جملوں میں مناسبت ہونی چاہیے، جب آپ ان میں حرفِ عطف لا رہے ہیں ان دونوں کے درمیان ربط دے رہے ہیں تو کیا مناسب ہے کہ یہ دونوں ایک جیسے ہونے چاہئیں، ایک فعلیہ ہے تو دوسرا بھی فعلیہ ہو، ایک اسمیہ ہے تو دوسرا بھی اسمیہ ہو بھئی۔

اب دیکھیے یہ مثال کتاب پر دیکھیے: كَأَمَّا مَعَ غَيْرِ الطَّلَبِ، جیسے کہ أَمَّا ہے غیرِ طلب کے ساتھ۔ اسی سطر میں یا اس سے نچلی سطر میں دیکھیں: لَقِيتُ الْقَوْمَ وَأَمَّا زَيْدٌ فَأَكْرَمْتُهُ۔ مثال مل گئی؟ اسی سطر میں مَعَ غَيْرِ الطَّلَبِ والی سطر میں ہو گا یا اس سے نچلی سطر میں ہو گا۔ لَقِيتُ الْقَوْمَ، میں نے ملاقات کی ان لوگوں سے، وَأَمَّا زَيْدٌ اور تو زید جو ہے فَأَكْرَمْتُهُ تو میں نے اس کا اکرام کیا۔ تو میں نے اس کا اکرام کیا۔ اب دیکھو یہاں أَمَّا آیا، اور أَمَّا کے بعد میں نے بتایا کیا آتا ہے؟ اکثر اکثر بتدا آتا ہے، اور آگے پھر اس کی خبر آتی ہے اور خبر پر کیا داخل کرتے ہیں؟ فا۔ اور خبر آپ نے پڑھا ہے کبھی جملہ ہوتی ہے، کبھی مفرد ہوتی ہے اور کبھی جملہ۔ تو یہاں ہم کس کی بات کر رہے ہیں؟ کہ آگے فعل یا شبہِ فعل آنا چاہیے۔ کیا آنا چاہیے؟ بھئی مَا أُضْمِرَ عَامِلُهُ عَلَى شَرِيطَةِ التَّفْسِيرِ کسے کہتے ہیں؟ کہ ایک اسم ہو اور اس کے بعد کیا آنا چاہیے؟ فعل یا شبہِ فعل۔ تو یہاں پر بھی اسی لیے أَمَّا زَيْدٌ فَأَكْرَمْتُهُ یہ خبر جو ہے فعل لے کر آ گئے تاکہ یہاں مَا أُضْمِرَ عَامِلُهُ عَلَى شَرِيطَةِ التَّفْسِيرِ بھی بن سکے بھئی۔ تو وَأَمَّا زَيْدٌ فَأَكْرَمْتُهُ، یہ زَيْدٌ کیا ہے؟ بتدا، اور فَأَكْرَمْتُهُ اس کی خبر ہے۔ تو یہ جو خبر ہے أَمَّا کی فَأَكْرَمْتُهُ اس میں دو صورتیں ہیں۔ یہ خبریہ طلب والی بھی ہو سکتی ہے اور غیرِ طلب والی بھی۔ یہ خبر طلب والی بھی ہو سکتی ہے اور غیرِ طلب والی بھی۔ طلب جیسے امر ہے، امر میں دیکھو ایک چیز کو طلب کیا جاتا ہے۔ میں آپ سے کہتا ہوں: اِضْرِبْ عَمْرًا، کہ تو زید کی پٹائی کر، معلوم ہوا میں آپ سے ضرب کو طلب کر رہا ہوں کہ آپ زید کی پٹائی کریں۔ یا نہی ہے: لَا تَضْرِبْ زَيْدًا، دیکھو میں

اس میں ترکِ ضرب کو طلب کر رہا ہوں کہ زید کی پٹائی نہ کریں بھئی، تو ترکِ ضرب کو میں طلب کر رہا ہوں۔ اسی طرح دعا ہے، دعا کے اندر بھی اللہ سے مانگا جاتا ہے، دیکھو اس میں بھی طلب ہے۔ تو آگے جو أَمَّا کی خبر آئے گی وہ طلب والا فعل بھی ہو سکتا ہے یعنی امر، نہی اور دعا، اور غیرِ طلب والا فعل بھی ہو سکتا ہے۔ تو یہاں دیکھو: وَأَمَّا زَيْدٌ فَأَكْرَمْتُهُ۔ أَكْرَمْتُ یہ امر ہے؟ نہیں، یہ تو فعلِ ماضی ہے۔ تو نہ یہ امر ہے، نہ نہی ہے اور نہ دعا ہے، تو یہ غیرِ طلب ہے۔ امر، نہی یا دعا ہوتی تو یہ خبر طلب والی ہوتی، اور حالانکہ یہ والی خبر تو طلب والی نہیں۔ تو کہتے ہیں: كَأَمَّا مَعَ غَيْرِ الطَّلَبِ، جب أَمَّا کس کے ساتھ آئے؟ غیرِ طلب کے ساتھ، تو یہاں پر بھی أَمَّا فَأَكْرَمْتُهُ کے ساتھ آرہا ہے اور یہ غیرِ طلب ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟

اب دیکھیے بھئی توجہ سے سنو۔ لَقِيتُ الْقَوْمَ وَأَمَّا زَيْدٌ فَأَكْرَمْتُهُ۔ یہ جو زَيْدٌ ہے، یہ ہے مقامِ استشہاد بھئی۔ أَمَّا کے بعد جو لفظِ زید آرہا ہے، اور اس کے بعد ایک فعل آرہا ہے فَأَكْرَمْتُهُ اور وہ فعل اس کی ضمیر میں مشغول ہے۔ تو یہ زید جو ہے،

اس کے اندر رفع بھی صحیح اور نصب بھی صحیح۔ رفع کیوں صحیح؟ رفع کے صحیح ہونے کا قرینہ موجود ہے، کیا؟ کہ اس میں کوئی عاملِ لفظی نہیں۔ اور اس کے اندر نصب بھی صحیح۔ نصب کیوں صحیح؟ کیونکہ اس کے بعد ایک ایسا فعل آرہا ہے جو اس فعلِ محذوف کے لیے تفسیر بننے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ تو دیکھو رفع اور نصب کے صحیح ہونے کے دونوں کے قرینے موجود ہیں۔ اور پھر یہاں ایک نصب کے راجح ہونے کا بھی قرینہ ہے اور رفع کے بھی راجح ہونے کا قرینہ ہے۔ نصب کے راجح ہونے کا قرینہ کیا؟ دیکھو، سنو سنو، کہ اگر اس کو زَيْدًا پڑھیں، کیا پڑھیں؟ زَيْدًا پڑھیں، تو تقدیرِ عبارت کیا بن جائے گی؟ جی؟ وَأَمَّا زَيْدًا فَأَكْرَمْتُهُ، تقدیرِ عبارت کیا بنے گی؟ وہی فعل زید سے پہلے بھی لے آؤ: وَأَمَّا أَكْرَمْتُ زَيْدًا فَأَكْرَمْتُهُ۔ توجہ ہے؟ تو اگر آپ زَيْدًا پر نصب پڑھیں تو اس سے پہلے أَكْرَمْتُ فعل کو محذوف نکالنا پڑے گا۔ ادھر دیکھیے جب آپ أَكْرَمْتُ فعل کو محذوف نکال لیں، تو أَكْرَمْتُ زَيْدًا، تو یہ جملہ اسمیہ ہے یا جملہ فعلیہ ہے؟ أَكْرَمْتُ زَيْدًا یہ کیا بن گیا؟ جملہ فعلیہ۔ تو زَيْدًا پر جب نصب پڑھیں تو یہ جملہ فعلیہ بنے گا، اور زَيْدٌ پر جب رفع پڑھیں تو یہ جملہ اسمیہ بنے گا۔ اور ماقبل میں لَقِيتُ الْقَوْمَ، میں نے ان لوگوں سے ملاقات کی، یہ بھی جملہ فعلیہ ہے۔ اور اس کے بعد واؤ حرفِ عطف آرہا ہے۔ اور یہاں پر مناسب کیا ہے کہ جملہ فعلیہ پر جب عطف کیا جائے تو اگلا جملہ خبریہ بھی کون سا ہونا چاہیے؟ فعلیہ ہونا چاہیے۔ اور فعلیہ کس صورت میں ہوگا؟ جب آپ زَيْدٌ پڑھیں یا زَيْدًا پڑھیں؟ جب زَيْدًا پڑھیں۔ تو یہ قرینہ ترجیح دے رہا ہے زَيْدًا کو، کہ اس صورت میں کیا لازم آئے گا؟ معطوف علیہ اور معطوف کے درمیان مناسبت آجائے گی۔ بات سمجھ میں آگئی؟ یہ قرینہ نصب کو ترجیح دے رہا ہے کہ یہاں زَيْدًا پڑھنا چاہیے تاکہ وہ جملہ جو معطوف علیہ ہے اور یہ جملہ جو معطوف ہے دونوں میں مناسبت آجائے کہ دونوں فعلیہ ہوں گے بھئی۔

یہ تو تھا نصب کی ترجیح کا قرینہ، یہاں رفع کی ترجیح کا بھی قرینہ موجود ہے بھئی۔ رفع کی ترجیح کا قرینہ یہ ہے کہ یہاں أَمَّا آیا، اور میں نے آپ کو بتایا کہ أَمَّا اکثر اکثر جملہ اسمیہ پر داخل ہوتا ہے، اور جملہ اسمیہ کا کیا معنی ہے کہ أَمَّا کے فوراً بعد کون آئے گا؟ اسم یعنی مبتدا آئے گا۔ کیا آئے گا؟ معلوم ہوا أَمَّا جب آگیا تو یہ أَمَّا کا آنا یہ ترجیح دے رہا ہے کہ یہاں زَيْدٌ پڑھو زَيْدًا نہ

پڑھو۔ اور یہ قرینہ زیادہ قوی ہے۔ یہ قرینہ زیادہ قوی ہے کیونکہ أَمَّا کے بعد اکثر کیا آتا ہے؟ جملہ اسمیہ آتا ہے، جملہ فعلیہ بھی آ سکتا ہے لیکن نہایت قلیل ہے۔ تو یہ قرینہ ہے کہ یہاں پر أَمَّا کے بعد زَيْدٌ پڑھنا راجح ہے۔ اور یہ قرینہ قوی ہے۔ یہ قرینہ کس کو ترجیح دے رہا ہے؟ رفع کو، اور یہ قرینہ قوی ہے۔ تو یہ قرینہ رفع کو ترجیح دے رہا ہے کیونکہ یہ زیادہ قوی ہے۔ ایک قرینہ ترجیح دے رہا تھا کس کو؟ نصب کو، اور ایک قرینہ ترجیح دے رہا ہے کس کو؟ رفع کو، اور رفع کو ترجیح دینے والا قرینہ زیادہ قوی ہے، کیونکہ نصب کو جو قرینہ ترجیح دے رہا تھا وہاں صرف مناسبت کی بات چل رہی تھی کہ پہلا جملہ فعلیہ ہے تو دوسرا بھی کیا ہونا چاہیے؟ فعلیہ ہونا چاہیے، لیکن جملہ فعلیہ خبریہ پر اگر جملہ اسمیہ خبریہ کا عطف کر دیا جائے تو یہ بھی کثیر ہے بھئی کلامِ عرب کے اندر بھئی، جبکہ أَمَّا کے بعد فعل کا آنا نہایت قلیل ہے۔ تو لہٰذا یہ قرینہ جو رفع کو ترجیح دے رہا ہے یہ زیادہ قوی ہے نصب کو ترجیح دینے والے قرینے کے مقابلے میں۔ بلکہ یہ جو رفع کو ترجیح دینے کا قرینہ ہے، اس کی تائید ایک اور چیز سے بھی ہو جاتی ہے اور وہ یہ کہ اس صورت میں کلام حذف سے سلامت رہے گا، اس صورت میں کوئی محذوف فعل نکالنے کی ضرورت پیش نہیں آئے گی۔ تو اس سے اور زیادہ قوت حاصل ہو گئی رفع کو ترجیح دینے کے قرینے کو۔ بات سمجھ میں آ گئی؟

تو یہاں پر، توجہ ہے، پھر سنو۔ لَقِيتُ الْقَوْمَ وَأَمَّا زَيْدٌ فَأَكْرَمْتُهُ۔ یہ جو زَيْدٌ یہ ہے مقامِ استشہاد، اس کے اندر زَيْدٌ پڑھنا بھی صحیح اور زَيْدًا پڑھنا بھی صحیح۔ زَيْدٌ پڑھنا کیوں صحیح؟ کیونکہ رفع کا قرینہ موجود ہے کہ اس کے اندر کوئی عاملِ لفظی نہیں۔ اور نصب پڑھنا بھی صحیح، زَيْدًا پڑھنا بھی صحیح، کیوں؟ کیونکہ آگے ایک فعل ہے جو تفسیر بننے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ اور پھر ایک قرینہ ہے جو نصب کو ترجیح دے رہا ہے کہ زَيْدًا پڑھو گے تو پھر جملہ فعلیہ کا عطف ہو جائے گا جملہ فعلیہ پر، دونوں جملوں میں مناسبت آ جائے گی۔ اور ایک قرینہ جو ہے وہ رفع کو ترجیح دے رہا ہے کہ یہاں زید سے پہلے أَمَّا آ رہا ہے اور أَمَّا اکثر اکثر کس پر داخل ہوتا ہے؟ جملہ اسمیہ پر داخل ہوتا ہے، اس کے بعد مبتدا آتا ہے، اور یہ قرینہ قوی ہے بھئی، یہ قرینہ جو رفع کو ترجیح دے رہا ہے۔ اور اس رفع کو ترجیح دینے والے قرینے کی تائید ایک اور چیز سے بھی ہوتی ہے کہ جب رفع پڑھیں گے تو اس صورت میں کلام حذف سے سلامت رہے گا۔ بات سمجھ میں آ گئی؟

وَإِذَا لِلْمُفَاجَأَةِ، اور اسی طرح إِذَا جو مفاجات کے لیے آئے بھئی۔ وہ إِذَا جو مفاجات کے لیے آئے۔ ادھر دیکھیے بھئی إِذَا ظرف ہے بھئی، اور یہ زمانے کے لیے آتا ہے: إِذَا جَاءَكَ زَيْدٌ فَأَكْرِمْهُ، جب آپ کے پاس زید آ جائے تو آپ اس کا اکرام کیجیے۔ إِذَا جَاءَكَ جب زید آ جائے یعنی جس زمانے میں زید آ جائے تو إِذَا کیا ہے؟ ظرفِ زمان ہے۔ اور کبھی یہ اچانک کے معنی کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے، اس کو إِذَا مفاجاتیہ کہتے ہیں۔ مثلاً میں کہتا ہوں خَرَجْتُ میں نکلا، خَرَجْتُ مِنَ الدَّارِ میں گھر سے نکلا فَإِذَا السَّبُعُ تو اچانک ایک درندہ موجود تھا۔ تو یہ إِذَا، اس کو مفاجاتیہ کہتے ہیں اور اس کا معنی اچانک کے ساتھ کرتے ہیں۔ اب یاد رکھو یہ جو إِذَا مفاجاتیہ ہے اس کے بعد بھی اکثر جملہ اسمیہ آتا ہے۔ خَرَجْتُ فَإِذَا السَّبُعُ وَاقِفٌ، میں گھر سے نکلا تو اچانک ایک درندہ کھڑا تھا۔ تو إِذَا کے بعد بھی اکثر کیا آتا ہے؟ جملہ اسمیہ آتا ہے۔ اب دیکھیے اسی کے آگے ایک

مثال دی ہوئی ہے ذرا اس پر نظر رکھیں: وَإِذَا لِلْمُفَاجَأَةِ اسی سطر میں ہے، خَرَجْتُ فَإِذَا زَيْدٌ يَضْرِبُهُ عَمْرٌو۔ توجہ ہے؟ تو دیکھو خَرَجْتُ میں نکلا، فَإِذَا تو اچانک جو ہے، زَيْدٌ يَضْرِبُهُ عَمْرٌو، زید کہ اس زید کی پٹائی کر رہا تھا عمرو بھئی۔ تو یہ إِذَا کے بعد زید آیا، اس کے اندر بھی وہی تقریر ہے ساری جو ابھی میں نے پیچھے کی بھئی۔ اس زید کے اندر رفع بھی صحیح اور نصب بھی صحیح۔ رفع کے صحیح ہونے کا قرینہ کیا؟ کہ یہ عاملِ لفظی سے خالی ہے لہٰذا رفع پڑھ سکتے ہو۔ اور نصب کے صحیح ہونے کا قرینہ کیا؟ کہ اس کے بعد آگے يَضْرِبُهُ عَمْرٌو ایک فعل آرہا ہے جو فعلِ محذوف کے لیے تفسیر بن سکتا ہے۔ تو رفع اور نصب دونوں کے صحیح ہونے کا قرینہ یہاں موجود ہے۔ اور نیز یہاں ایک قرینہ ہے جو نصب کو ترجیح دے رہا ہے، اور وہ کیا؟ کہ ماقبل میں خَرَجْتُ جملہ فعلیہ ہے، تو فَإِذَا زَيْدًا يَضْرِبُهُ، زَيْدًا پڑھیں گے تو یہ بھی کیا بنے گا؟ جملہ فعلیہ۔ تو جملہ فعلیہ کا عطف ہو جائے گا جملہ فعلیہ پر، تو یہ مناسبت آجائے گی دونوں جملوں کے درمیان۔ تو یہ، یہ قرینہ ترجیح دے رہا ہے کہ کیا پڑھنا چاہیے؟ فَإِذَا زَيْدًا پڑھنا چاہیے۔ اور ایک قرینہ جو ہے وہ رفع کو ترجیح دے رہا ہے، اور وہ قرینہ کیا؟ کہ إِذَا مفاجاتیہ کے بعد اکثر کیا آتا ہے؟ جملہ اسمیہ آتا ہے یعنی مبتدا آتا ہے، اور یہ قرینہ زیادہ قوی ہے، یہ قرینہ زیادہ قوی ہے جو رفع کو ترجیح دے رہا ہے، اور اس کی تائید ہوتی ہے ایک اور چیز سے بھی اور وہ کیا؟ کہ اس صورت میں کلام حذف سے سلامت رہے گا۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو بعینہ ایک ہی تقریر ہے دونوں جگہ پر۔

اب دیکھیے بھئی سارے کو شرح کے ساتھ۔ دیکھیے بھئی شروع سے: فَقَالَ پس مصنف نے فرمایا: وَيُخْتَارُ فِي الِاسْمِ الْمَذْكُورِ الرَّفْعُ، اور اس اسمِ مذکور کے اندر رفع پسندیدہ ہے، کون سا اسمِ مذکور؟ بھئی وہی مَا أُضْمِرَ عَامِلُهُ عَلَى شَرِيطَةِ التَّفْسِيرِ، یعنی وہ اسم جس کے بعد کیا آرہا ہو؟ فعل یا شبہِ فعل اس طور پر کہ اس فعل یا شبہِ فعل کو اس اسم پر مسلط کریں تو وہ اس کو نصب دے سکے، اور اس وقت وہ نصب نہیں دے سکتا کیونکہ وہ اس کی ضمیر یا متعلق میں مشغول ہے، تو وہ اسمِ مذکور جو ہے۔ تو کہتے ہیں: وَيُخْتَارُ فِي الِاسْمِ الْمَذْكُورِ الرَّفْعُ بِالِابْتِدَاءِ، اور اس اسمِ مذکور کے اندر رفع مختار ہے بِالِابْتِدَاءِ ابتدا ہونے کی وجہ سے، أَيْ بِكَوْنِهِ مُبْتَدَأً، یعنی اس کا ابتدا ہونا، لِأَنَّ تَجَرُّدَهُ عَنِ الْعَوَامِلِ اللَّفْظِيَّةِ، اس لیے کیونکہ اس اسم کا عواملِ لفظیہ سے خالی ہونا يُصَحِّحُ رَفْعَهُ بِالِابْتِدَاءِ، یہ صحیح قرار دیتا ہے اس کے رفع کو ابتدا کی وجہ سے۔ بھئی رفع کے صحیح ہونے کا قرینہ کیا تھا؟ کہ وہ عواملِ لفظیہ سے خالی ہو، وہی بیان کر رہے ہیں: لِأَنَّ تَجَرُّدَهُ عَنِ الْعَوَامِلِ اللَّفْظِيَّةِ، اس لیے کیونکہ اس اسم کا خالی ہونا عواملِ لفظیہ سے يُصَحِّحُ یہ صحیح قرار دیتا ہے رَفْعَهُ بِالِابْتِدَاءِ، کس چیز کو صحیح قرار دیتا ہے؟ اس کے رفع کو ابتدا کی وجہ سے، کہ اس پر رفع پڑھنا صحیح ہے۔ وَيُرَجَّحُ عِنْدَ عَدَمِ قَرِينَةِ خِلَافِهِ، اور یہ ترجیح پا جائے گا، یہ جو رفع ہے یہ ترجیح پا جائے گا عِنْدَ عَدَمِ قَرِينَةِ خِلَافِهِ، أَيْ قَرِينَةِ تَرَجُّحِ خِلَافِ الرَّفْعِ، یعنی جس وقت رفع کے خلاف کی ترجیح کا کوئی قرینہ نہ ہو بھئی، يَعْنِي النَّصْبَ، خلافِ رفع سے کیا مراد ہے؟ بھئی متن میں آیا تھا خِلَافِهِ، شارحِ جامی نے آگے بتلا دیا أَيْ قَرِينَةِ تَرَجُّحِ خِلَافِ الرَّفْعِ، ہا ضمیر کی جگہ کیا لے آئے؟ الرَّفْع لے آئے کہ خلافِ رفع کا قرینہ جو ہے، اور تَرَجُّح مضاف محذوف بھی

نکال لیا۔ اور خلافِ رفع سے کیا مراد ہے؟ نصب، وہی بیان کر رہے ہیں يَعْنِي النَّصْبَ یعنی کہ نصب۔ تو کہتے ہیں: أَيْ قَرِينَةِ تَرَجُّحِ خِلَافِ الرَّفْعِ يَعْنِي النَّصْبَ، یعنی وہ قرینہ جو ترجیح دے رفع کے خلاف کو یعنی نصب کو۔ لِأَنَّ قَرِينَتَيِ الصِّحَّةِ فِيهِمَا مُتَسَاوِيَتَانِ، لِأَنَّ قَرِينَتَيِ الصِّحَّةِ، اصل میں تھا لِأَنَّ قَرِينَتَيْنِ، دو قرینے، اور اس کی اضافت کر دی الصِّحَّة کی طرف، لِأَنَّ قَرِينَتَيِ الصِّحَّةِ، نون اضافت سے گر گیا، اس لیے کیونکہ صحیح ہونے کے جو دو قرینے ہیں فِيهِمَا کس میں؟ رفع اور نصب، رفع کے بھی صحیح ہونے کا قرینہ اور نصب کے بھی صحیح... تو اس لیے کیونکہ یہ جو صحیح ہونے کے دو قرینے ہیں فِيهِمَا اس رفع اور نصب میں، مُتَسَاوِيَتَانِ یہ دونوں برابر ہیں، دونوں برابر ہیں بھئی، ایک سے پتہ چل رہا ہے رفع صحیح اور دوسرے سے پتہ چل رہا ہے نصب صحیح ہے، تو اس اعتبار سے دونوں قرینے ایک دوسرے کے برابر ہیں، ایک کو بھی ترجیح نہیں، لیکن ترجیح کا پھر الگ قرینہ ہو گا بھئی۔ لِأَنَّ قَرِينَتَيِ الصِّحَّةِ فِيهِمَا مُتَسَاوِيَتَانِ، اس لیے کیونکہ ان دونوں کے اندر صحیح ہونے کے جو دو قرینے ہیں مُتَسَاوِيَتَانِ وہ آپس میں برابر ہیں، دونوں ایک جیسے ہیں کسی ایک کو بھی ترجیح نہیں ہے بھئی۔

یاد رکھو یہ جو لِأَنَّ ہے نا، اس لیے کیونکہ، یہ وجہ ذکر کی جا رہی ہے۔ یہ کس چیز کی وجہ ہے یہ؟ یہ وہ جو پیچھے آیا تھا يُخْتَارُ الرَّفْعُ، رفع پسندیدہ ہے۔ بھئی کیوں پسندیدہ ہے؟ تو بتلا رہے ہیں کہ بھئی صحیح ہونے کے تو دونوں کے قرینے ہیں اور وہ آپس میں برابر ہیں، ایک کے صحیح ہونے کا قرینہ بھی موجود ہے اور دوسرے کے صحیح ہونے کا قرینہ بھی موجود ہے، اس سے ترجیح نہیں ہو رہی بلکہ ترجیح کے لیے الگ قرینہ ہو گا بھئی۔ آگے کہتے ہیں: لِأَنَّ وُجُودَ مَا لَهُ صَلَاحِيَّةُ التَّفْسِيرِ قَرِينَةٌ مُصَحِّحَةٌ لِلنَّصْبِ، اس لیے کیونکہ... لِأَنَّ، بھئی ادھر دیکھیے رفع کے صحیح ہونے کا قرینہ کیا تھا؟ کہ وہ عوامل لفظیہ سے خالی ہے اور یہ پیچھے ذکر کر چکے ہیں لِأَنَّ تَجَرُّدَهُ عَنِ الْعَوَامِلِ اللَّفْظِيَّةِ۔ اور نصب کے صحیح ہونے کا قرینہ کیا ہے؟ کہ آگے ایک فعل آ رہا ہے جو تفسیر بننے کی صلاحیت رکھتا ہے، وہ ابھی تک ذکر نہیں کیا تھا اب وہ ذکر کرنے لگے ہیں کہ نصب کے صحیح ہونے کا قرینہ کیا ہے۔ کہتے ہیں: لِأَنَّ وُجُودَ مَا لَهُ صَلَاحِيَّةُ التَّفْسِيرِ، اس لیے کیونکہ وجود ایسی چیز کا جس میں تفسیر بننے کی صلاحیت ہے، وجود اس فعل کا جس میں تفسیر بننے کی صلاحیت ہے، قَرِينَةٌ مُصَحِّحَةٌ لِلنَّصْبِ، یہ ایسا قرینہ ہے جو صحیح قرار دیتا ہے نصب کو۔ عبارت سمجھ میں آئی؟ دوبارہ دیکھیے: لِأَنَّ وُجُودَ مَا لَهُ صَلَاحِيَّةُ التَّفْسِيرِ، اس لیے کیونکہ ہونا ایسے فعل کا، ما سے مراد فعل ہے، اس لیے کیونکہ ہونا ایسے فعل کا کہ جس کے اندر تفسیر ہونے کی صلاحیت ہے، قَرِينَةٌ مُصَحِّحَةٌ لِلنَّصْبِ، یہ ایسا قرینہ ہے جو صحیح قرار دیتا ہے نصب کو۔ فَمَتَى لَمْ تُرَجِّحِ النَّصْبَ قَرِينَةٌ أُخْرَى، فَمَتَى لَمْ تُرَجِّحِ النَّصْبَ، تو جب نصب کو ترجیح نہیں دی قَرِينَةٌ أُخْرَى کسی دوسرے قرینے نے۔ نصب کے صحیح ہونے کا تو قرینہ ہے، لیکن نصب کو ترجیح دینے کا یہاں کوئی قرینہ نہیں ہے۔ متن میں یہی آیا تھا نا عِنْدَ عَدَمِ قَرِينَةِ تَرَجُّحِ خِلَافِهِ، وہی اب ذکر کر رہے ہیں فَمَتَى لَمْ تُرَجِّحِ النَّصْبَ، پس جب نصب کو ترجیح نہیں دی کس نے ترجیح نہیں دی؟ قَرِينَةٌ أُخْرَى کسی دوسرے قرینے نے، جب نصب کو کسی دوسرے قرینے نے ترجیح نہیں دی تو يُرَجَّحُ الرَّفْعُ تو رفع کو ترجیح دی جائے گی بِسَلَامَتِهِ عَنِ الْحَذْفِ بوجہ اس کے سلامت رہنے کے

دینے والا قرینہ بھی ہو گا، نصب کو ترجیح دینے والا قرینہ بھی ہو گا، لیکن رفع کا قرینہ زیادہ قوی ہو گا۔ توجہ ہے؟ دوسری جگہ کون سی ہے؟ جہاں نصب اور رفع دونوں کے صحیح ہونے کے بھی قرینے ہوں، اور ساتھ دونوں کے ترجیح کے بھی قرینے موجود ہوں، البتہ رفع کی ترجیح کا قرینہ زیادہ قوی ہو کس کے مقابلے میں؟ نصب کی ترجیح کے قرینے کے مقابلے میں۔

دیکھیے بھئی کتاب پر: أَوْ عِنْدَ وُجُودِ أَقْوَى مِنْهَا، یا جس وقت کہ پایا جائے زیادہ قوی قرینہ مِنْهَا اس قرینے کے مقابلے میں جو نصب کو ترجیح دے رہا ہے، یعنی رفع کا زیادہ قوی قرینہ پایا جائے۔ أَوْ عِنْدَ وُجُودِ أَقْوَى مِنْهَا، یا جس وقت رفع کا قرینہ جو ہے وہ زیادہ قوی ہو مِنْهَا نصب کے قرینے کے مقابلے میں۔ كَأَمَّا مَعَ غَيْرِ الطَّلَبِ، جیسے کہ أَمَّا ہے غیرِ طلب کے ساتھ۔ جیسے کہ أَمَّا ہے غیرِ طلب کے ساتھ۔ یاد رکھو یہ جو أَمَّا ہے یہ متضمن ہوتا ہے معنیِ شرط کو۔ اور یہ اکثر اکثر جو ہے جملہ اسمیہ پر داخل ہوتا ہے، یعنی اس کے بعد اسم آتا ہے۔ اس کے بعد اسم آتا ہے، اور آگے پھر اس کی خبر پر فا داخل کی جاتی ہے۔ جیسے أَمَّا زَيْدٌ فَمُنْطَلِقٌ۔ أَمَّا زَيْدٌ فَمُنْطَلِقٌ، تو دیکھو أَمَّا متضمن ہے معنیِ شرط کو اور اسی لیے اس کی خبر پر فا لائی گئی۔ اور یہ أَمَّا اکثر کس پر داخل ہوتا ہے؟ جملہ اسمیہ پر۔ معلوم ہوا أَمَّا کے بعد اکثر ابتدا آتا ہے کیونکہ ابتدا آئے گا تبھی جملہ اسمیہ بنے گا نا۔ تو أَمَّا زَيْدٌ فَمُنْطَلِقٌ، تو یہ زَيْدٌ مرفوع ہے کس وجہ سے؟ ابتدا ہونے کی بنا پر۔ تو أَمَّا کس پر داخل ہوتا ہے اکثر؟ جملہ اسمیہ پر، اور یہ متضمن ہوتا ہے معنیِ شرط کو، لہٰذا اس کی خبر پر فا کو داخل کرتے ہیں، کیونکہ شرط کی جزا پر فا داخل کی جاتی ہے۔ بات سمجھ میں آ گئی؟

اچھا اب ایک اور تفصیل یاد رکھنا۔ یاد رکھو ایک ہے فصل اور ایک ہے وصل۔ فصل اسے کہتے ہیں کہ دو جملے آپ ذکر کریں اور آپ درمیان میں عطف نہ کریں۔ مثلاً میں کہتا ہوں: ضَرَبْتُ زَيْدًا ایک جملہ، اور أَكْرَمْتُ عَمْرًا یہ دوسرا جملہ۔ توجہ ہے؟ پہلا جملہ کیا؟ ضَرَبْتُ زَيْدًا، دوسرا ہے أَكْرَمْتُ عَمْرًا۔ اور درمیان میں میں حرفِ عطف ذکر نہیں کرتا اور یوں کہتا ہوں: ضَرَبْتُ زَيْدًا أَكْرَمْتُ عَمْرًا۔ درمیان میں میں نے حرفِ عطف کو ذکر نہیں کیا۔ اس کو کہتے ہیں فصل۔ فصل کا معنی جدائی، جدا کرنا۔ دونوں جملوں کو میں نے ایک دوسرے سے جدا کیا ہے، بھئی عطف کے ذریعے تو ان کا آپس میں ربط آ جاتا ہے، ایک معطوف علیہ بن جاتا ہے اور دوسرا معطوف بن جاتا ہے، لیکن درمیان میں حرفِ عطف ذکر نہ کیا جائے تو اس کو کہتے ہیں فصل، ص کے ساتھ ہے، فصل کا کیا معنی؟ جدائی، یعنی دونوں میں ربط نہیں دیا دونوں کو جدا رکھا۔ اور اس کے مقابلے میں دوسرا لفظ ہے وصل، و ص ل، وصل۔ اور وہ اس صورت میں ہے جب درمیان میں حرفِ عطف لائیں۔ تو درمیان میں جب میں حرفِ عطف لاؤں گا تو اس کو کہیں گے وصل: ضَرَبْتُ زَيْدًا وَأَكْرَمْتُ عَمْرًا۔ اب میں درمیان میں حرفِ عطف لایا تو یہ میں نے وصل کیا۔ تو فصل کسے کہتے ہیں؟ حرفِ عطف درمیان میں جملوں کے ذکر نہ کیا جائے۔ اور وصل کسے کہتے ہیں؟ کہ جملوں کے درمیان میں حرفِ عطف کو ذکر کیا جائے۔

اور پھر یاد رکھنا وصل کے اندر، جب آپ وصل کریں ایک جملے کا عطف کریں دوسرے جملے پر، تو یاد رکھیے جملہ خبریہ کا عطف کیا جائے گا جملہ خبریہ پر، اور جملہ انشائیہ کا عطف کیا جائے گا جملہ انشائیہ پر۔ ایسا نہیں کیا جائے گا کہ جملہ خبریہ

کا عطف آپ انشائیہ پر کر دیں یا انشائیہ کا عطف خبریہ پر کر دیں، ایسا بہت قلیل ہوتا ہے اور وہاں بھی پھر تاویل کی جاتی ہے۔ تو خبریہ کا عطف خبریہ پر ہو گا اور انشائیہ کا عطف انشائیہ پر ہو گا۔ اور پھر اس میں یاد رکھنا جب خبریہ کا عطف خبریہ پر کر رہے ہیں تو جملہ خبریہ جو ہے وہ اسمیہ بھی ہو سکتا ہے اور فعلیہ بھی۔ جملہ خبریہ اسمیہ بھی ہو سکتا ہے جو بتدا اور خبر سے مل کر بنے، اور جملہ فعلیہ بھی ہو سکتا ہے جو فعل اور فاعل یا نائب فاعل سے مل کر بنے۔ تو اس کے اندر یاد رکھو، دونوں جملے میں مناسبت جو ہے وہ پسندیدہ ہے۔ اگر پہلا جملہ خبریہ جو تھا، اگر وہ اسمیہ تھا تو آگے جو معطوف ہو جملہ وہ بھی کیا ہونا چاہیے؟ اسمیہ ہونا چاہیے۔ اور اگر پہلا جملہ فعلیہ ہے تو آگے جو معطوف جملہ ہے وہ بھی فعلیہ ہونا پسندیدہ ہے۔ توجہ ہے؟ دو جملے ہیں ان کا آپس میں آپ ایک دوسرے پر عطف کرتے ہیں، دونوں جملہ خبریہ ہیں، تو اگر پہلا جملہ خبریہ وہ اسمیہ ہے بتدا خبر سے مل کر بنا ہے تو پسندیدہ کیا ہے؟ کہ معطوف بھی کیا ہونا چاہیے؟ جملہ اسمیہ ہونا چاہیے۔ اور اگر پہلا جملہ فعلیہ ہے تو دوسرا جملہ بھی فعلیہ ہونا چاہیے جس کا اس پر عطف کیا جا رہا ہے۔ اگرچہ یہ ضروری نہیں ہے، ضروری نہیں ہے، کبھی جملہ فعلیہ پر جملہ اسمیہ کا بھی عطف کر دیتے ہیں اور کبھی جملہ اسمیہ پر جملہ فعلیہ کا بھی عطف کر دیتے ہیں، لیکن پسندیدہ کیا ہے؟ کہ دونوں جملوں میں مناسبت ہونی چاہیے، جب آپ ان میں حرفِ عطف لا رہے ہیں ان دونوں کے درمیان ربط دے رہے ہیں تو کیا مناسب ہے کہ یہ دونوں ایک جیسے ہونے چاہئیں، ایک فعلیہ ہے تو دوسرا بھی فعلیہ ہو، ایک اسمیہ ہے تو دوسرا بھی اسمیہ ہو بھئی۔

اب دیکھیے یہ مثال کتاب پر دیکھیے: كَأَمَّا مَعَ غَيْرِ الطَّلَبِ، جیسے کہ أَمَّا ہے غیرِ طلب کے ساتھ۔ اسی سطر میں یا اس سے نچلی سطر میں دیکھیں: لَقِيتُ الْقَوْمَ وَأَمَّا زَيْدٌ فَأَكْرَمْتُهُ۔ مثال مل گئی؟ اسی سطر میں مَعَ غَيْرِ الطَّلَبِ والی سطر میں ہو گا یا اس سے نچلی سطر میں ہو گا۔ لَقِيتُ الْقَوْمَ، میں نے ملاقات کی ان لوگوں سے، وَأَمَّا زَيْدٌ اور تو زید جو ہے فَأَكْرَمْتُهُ تو میں نے اس کا اکرام کیا۔ تو میں نے اس کا اکرام کیا۔ اب دیکھو یہاں أَمَّا آیا، اور أَمَّا کے بعد میں نے بتایا کیا آتا ہے؟ اکثر اکثر بتدا آتا ہے، اور آگے پھر اس کی خبر آتی ہے اور خبر پر کیا داخل کرتے ہیں؟ فا۔ اور خبر آپ نے پڑھا ہے کبھی جملہ ہوتی ہے، کبھی مفرد ہوتی ہے اور کبھی جملہ۔ تو یہاں ہم کس کی بات کر رہے ہیں؟ کہ آگے فعل یا شبہِ فعل آنا چاہیے۔ کیا آنا چاہیے؟ بھئی مَا أُضْمِرَ عَامِلُهُ عَلَى شَرِيطَةِ التَّفْسِيرِ کسے کہتے ہیں؟ کہ ایک اسم ہو اور اس کے بعد کیا آنا چاہیے؟ فعل یا شبہِ فعل۔ تو یہاں پر بھی اسی لیے أَمَّا زَيْدٌ فَأَكْرَمْتُهُ یہ خبر جو ہے فعل لے کر آ گئے تاکہ یہاں مَا أُضْمِرَ عَامِلُهُ عَلَى شَرِيطَةِ التَّفْسِيرِ بھی بن سکے بھئی۔ تو وَأَمَّا زَيْدٌ فَأَكْرَمْتُهُ، یہ زَيْدٌ کیا ہے؟ بتدا، اور فَأَكْرَمْتُهُ اس کی خبر ہے۔ تو یہ جو خبر ہے أَمَّا کی فَأَكْرَمْتُهُ اس میں دو صورتیں ہیں۔ یہ خبریہ طلب والی بھی ہو سکتی ہے اور غیرِ طلب والی بھی۔ یہ خبر طلب والی بھی ہو سکتی ہے اور غیرِ طلب والی بھی۔ طلب جیسے امر ہے، امر میں دیکھو ایک چیز کو طلب کیا جاتا ہے۔ میں آپ سے کہتا ہوں: اِضْرِبْ عَمْرًا، کہ تو زید کی پٹائی کر، معلوم ہوا میں آپ سے ضرب کو طلب کر رہا ہوں کہ آپ زید کی پٹائی کریں۔ یا نہی ہے: لَا تَضْرِبْ زَيْدًا، دیکھو میں

اس میں ترکِ ضرب کو طلب کر رہا ہوں کہ زید کی پٹائی نہ کریں بھئی، تو ترکِ ضرب کو میں طلب کر رہا ہوں۔ اسی طرح دعا ہے، دعا کے اندر بھی اللہ سے مانگا جاتا ہے، دیکھو اس میں بھی طلب ہے۔ تو آگے جو أَمَّا کی خبر آئے گی وہ طلب والا فعل بھی ہو سکتا ہے یعنی امر، نہی اور دعا، اور غیرِ طلب والا فعل بھی ہو سکتا ہے۔ تو یہاں دیکھو: وَأَمَّا زَيْدٌ فَأَكْرَمْتُهُ. أَكْرَمْتُ یہ امر ہے؟ نہیں، یہ تو فعلِ ماضی ہے۔ تو نہ یہ امر ہے، نہ نہی ہے اور نہ دعا ہے، تو یہ غیرِ طلب ہے۔ امر، نہی یا دعا ہوتی تو یہ خبر طلب والی ہوتی، اور حالانکہ یہ والی خبر تو طلب والی نہیں۔ تو کہتے ہیں: كَأَمَّا مَعَ غَيْرِ الطَّلَبِ، جب أَمَّا کس کے ساتھ آئے؟ غیرِ طلب کے ساتھ، تو یہاں پر بھی أَمَّا فَأَكْرَمْتُهُ کے ساتھ آرہا ہے اور یہ غیرِ طلب ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟

اب دیکھیے بھئی توجہ سے سنو۔ لَقِيتُ الْقَوْمَ وَأَمَّا زَيْدٌ فَأَكْرَمْتُهُ. یہ جو زَيْدٌ ہے، یہ ہے مقامِ استشہاد بھئی۔ أَمَّا کے بعد جو لفظِ زید آرہا ہے، اور اس کے بعد ایک فعل آرہا ہے فَأَكْرَمْتُهُ اور وہ فعل اس کی ضمیر میں مشغول ہے۔ تو یہ زید جو ہے،

عَنِ الْحَذْفِ، حذف سے کیونکہ اس صورت میں یہ حذف سے سلامت رہے گا۔ نَحْوُ مثال کے طور پر زَيْدٌ ضَرَبْتُهُ، تو اس کے اندر زَيْدٌ پڑھنا مختار ہے بھئی۔ بات سمجھ میں آگئی؟

أَوْ عِنْدَ وُجُودِ... دیکھیے آگے شرح کر رہے ہیں۔ بھئی متن میں آیا تھا أَوْ عِنْدَ وُجُودِ أَقْوَى مِنْهَا، جس وقت اس نصب کی ترجیح کے قرینے سے زیادہ قوی پایا جائے۔ بھئی زیادہ قوی کیا پایا جائے؟ رفع کو ترجیح دینے کا قرینہ۔ وہ اب ذکر کر رہے ہیں شرح میں: أَوْ عِنْدَ وُجُودِ الْقَرِينَةِ الْمُرَجِّحَةِ مِنَ الْجَانِبَيْنِ، یا اس وقت کہ جس وقت پایا جائے وہ قرینہ جو ترجیح دے رہا ہے مِنَ الْجَانِبَيْنِ دونوں طرف سے، یعنی جس وقت دونوں جانب سے ترجیح کے قرینے پائے جائیں، وَلَكِنْ تَكُونُ الْقَرِينَةُ الْمُرَجِّحَةُ لِلرَّفْعِ أَقْوَى، لیکن وہ قرینہ جو رفع کو ترجیح دے رہا ہے وہ زیادہ قوی ہے۔ عبارت سمجھ میں آرہی ہے؟ أَوْ عِنْدَ وُجُودِ الْقَرِينَةِ الْمُرَجِّحَةِ مِنَ الْجَانِبَيْنِ، یا جس وقت کہ وہ قرینہ جو ترجیح دینے والا ہے مِنَ الْجَانِبَيْنِ وہ دونوں جانب سے ہو، یعنی رفع کی جانب سے بھی ترجیح والا قرینہ ہو اور نصب کی جانب سے بھی ترجیح والا قرینہ ہو، وَلَكِنْ تَكُونُ الْقَرِينَةُ الْمُرَجِّحَةُ لِلرَّفْعِ أَقْوَى مِنْهَا، لیکن وہ قرینہ جو ترجیح دے رہا ہے رفع کو وہ زیادہ قوی ہے مِنْهَا اس قرینے کے مقابلے میں۔ بھئی کون سا قرینہ؟ أَيْ مِنْ تِلْكَ الْقَرِينَةِ الْمُرَجِّحَةِ لِلنَّصْبِ، یعنی وہ قرینہ جو نصب کو ترجیح دے رہا ہے۔ رفع کو ترجیح دینے والا قرینہ زیادہ قوی ہے اس قرینے سے جو نصب کو ترجیح دے رہا ہے۔

كَأَمَّا الدَّاخِلَةِ عَلَى ذَلِكَ الِاسْمِ، جیسے کہ وہ أَمَّا جو داخل ہو اس اسم پر مَعَ غَيْرِ الطَّلَبِ، ساتھ کس کے؟ غیرِ طلب کے۔ أَمَّا داخل ہو اس اسم پر اور أَمَّا کس کے ساتھ آرہا ہو؟ غیرِ طلب، یعنی أَمَّا کی جو خبر ہے وہ طلبی نہیں ہونی چاہیے یعنی امر، نہی یا دعا نہیں ہونی چاہیے بلکہ غیرِ طلبی ہونی چاہیے۔ یہ معنی ہے كَأَمَّا الدَّاخِلَةِ عَلَى ذَلِكَ الِاسْمِ مَعَ غَيْرِ الطَّلَبِ، جیسے کہ وہ أَمَّا جو داخل ہو اس اسم پر ساتھ غیرِ طلب کے۔ أَيْ بِشَرْطِ أَنْ لَا يَكُونَ الْفِعْلُ الْمُشْتَغِلُ عَنْهُ طَلَبًا، ادھر بھئی وہ مثال پہ نظر رکھیں جو اگلی سطر میں ہے: لَقِيتُ الْقَوْمَ وَأَمَّا زَيْدٌ فَأَكْرَمْتُهُ. انہوں نے کیا کہا؟ أَمَّا کے بعد جو فعل آئے وہ غیرِ طلب والا ہو، یعنی وہ فعل جو اس اسم سے اعراض کر رہا ہے وہ کون سا فعل ہونا چاہیے؟ طلب والا نہیں ہونا چاہیے بلکہ غیرِ طلب والا

ہونا چاہیے۔ بھئی دیکھیے نا: وَأَمَّا زَيْدٌ فَأَكْرَمْتُهُ۔ زَيْدٌ ایک اسم ہے اور اس کے بعد فعل آرہا ہے أَكْرَمْتُهُ، اور یہ فعل اس اسم سے اعراض کر رہا ہے کیونکہ وہ اس کی ضمیر میں مشغول ہے۔ تو یہ جو فعل اعراض کرنے والا ہے، یہ طلب والا بھی ہو سکتا ہے اور غیرِ طلب والا بھی ہو سکتا ہے، لیکن یہاں رفع کے مختار ہونے کی صورت میں یہ کون سا فعل ہونا چاہیے؟ غیرِ طلب والا ہونا چاہیے، طلب والا فعل نہیں ہونا چاہیے۔ آگے چل کر آپ کو بتائیں گے کہ اگر یہ فعل طلب والا ہوا پھر نصب مختار ہے، پھر نصب مختار ہے پھر رفع نہیں مختار۔

أَيْ بِشَرْطِ أَنْ لَا يَكُونَ الْفِعْلُ الْمُشْتَغِلُ عَنْهُ طَلَبًا، یعنی اس شرط کے ساتھ کہ وہ فعل جو اس اسم سے اعراض کر رہا ہے وہ طلب نہ ہو، طلب والا فعل نہ ہو۔ كَالْأَمْرِ وَالنَّهْيِ وَالدُّعَاءِ، جیسے امر ہے اور نہی ہے اور دعا، یہ طلب والے فعل ہیں یہ نہیں ہونے چاہئیں بھئی۔ نَحْوُ مثال کے طور پر لَقِيتُ الْقَوْمَ وَأَمَّا زَيْدٌ فَأَكْرَمْتُهُ، میں نے ان لوگوں سے ملاقات کی اور زید جو ہے تو میں نے اس کا اکرام کیا۔ فَالْعَطْفُ عَلَى الْفِعْلِيَّةِ قَرِينَةُ النَّصْبِ، پس عطف ہونا کس پر؟ عَلَى الْفِعْلِيَّةِ، جملہ فعلیہ پر، قَرِينَةُ النَّصْبِ یہ کس کا قرینہ ہے؟ توجہ ہے؟ یہاں پر ماقبل میں معطوف علیہ لَقِيتُ الْقَوْمَ یہ کون سا جملہ ہے؟ جملہ فعلیہ۔ تو اس پر عطف ہونا یہ کس کا قرینہ ہے؟ نصب کا۔ ادھر دیکھیے: نصب کا قرینہ کیا تھا؟ ایسا فعل موجود ہے جو تفسیر بن سکتا ہے، اور یہ کیا کہہ رہے ہیں؟ فعلیہ پر عطف ہونا یہ نصب کا قرینہ ہے۔ بھئی فعلیہ پر عطف ہونا یہ تو نصب کی ترجیح کا قرینہ ہے۔ یہ تو نصب کا قرینہ یہ نہیں ہے، نصب کا قرینہ تو کیا ہے؟ کہ ایک ایسا فعل آگے موجود ہے جو تفسیر بننے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ تو لہٰذا یہاں پر بھی مضاف محذوف نکال لیں پھر عبارت صحیح بنے گی: فَالْعَطْفُ عَلَى الْفِعْلِيَّةِ قَرِينَةُ تَرَجُّحِ النَّصْبِ، تو فعلیہ پر عطف ہونا یہ نصب کے راجح ہونے کا قرینہ ہے۔

وَكَلِمَةُ أَمَّا قَرِينَةُ الرَّفْعِ، اور أَمَّا جو ہے وہ رفع کا قرینہ ہے۔ پھر وہی عبارت۔ بھئی رفع کا قرینہ کیا تھا؟ عوامل لفظیہ سے خالی ہو۔ اور یہ جو أَمَّا کا آنا ہے یہ تو رفع کی ترجیح کا قرینہ ہے بھئی۔ لہٰذا یہاں پر بھی مضاف محذوف نکال لیں گے: وَكَلِمَةُ أَمَّا قَرِينَةُ تَرَجُّحِ الرَّفْعِ، اور کلمہ أَمَّا جو ہے وہ رفع کے راجح ہونے کا قرینہ ہے۔ وَهِيَ أَقْوَى، اور یہ رفع کے راجح ہونے کا قرینہ زیادہ قوی ہے، لِأَنَّهَا لَا يَقَعُ بَعْدَهَا غَالِبًا إِلَّا الْمُبْتَدَأُ، اس لیے کیونکہ یہ جو أَمَّا ہے اس کے بعد واقع نہیں ہوتا غالباً یعنی اکثر إِلَّا الْمُبْتَدَأُ مگر مبتدا۔ یہ جو أَمَّا ہے اس کے بعد اکثر مبتدا ہی واقع ہوتا ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ بِخِلَافِ عَطْفِ الِاسْمِيَّةِ عَلَى الْفِعْلِيَّةِ، بخلاف جملہ اسمیہ کا عطف کس پر؟ جملہ فعلیہ پر۔ بھئی میں نے کیا بتایا تھا؟ جملہ فعلیہ پر جملہ فعلیہ کا عطف ضروری ہے یا بہتر ہے؟ بہتر ہے، ورنہ تو جملہ اسمیہ کا عطف بھی ہو سکتا ہے جملہ فعلیہ پر اور یہ کثیر ہے کلامِ عرب کے اندر۔ تو کہتے ہیں: بِخِلَافِ عَطْفِ الِاسْمِيَّةِ عَلَى الْفِعْلِيَّةِ، بخلاف جملہ اسمیہ کا عطف جملہ فعلیہ پر، فَإِنَّهُ كَثِيرُ الْوُقُوعِ فِي كَلَامِهِمْ، یہ تو کثیر الوقوع ہے عربوں کے کلام میں۔ مَعَ أَنَّهَا تَأَيَّدَتْ بِالسَّلَامَةِ عَنِ الْحَذْفِ أَيْضًا، اور ساتھ اس کے کہ یہ جو رفع کی ترجیح کا قرینہ تھا، وہ کیا تھا؟ أَمَّا۔ تو اس کی تائید ہو جاتی ہے ایک اور چیز کے ساتھ بھی اور وہ کیا ہے؟ کلام کا حذف سے سلامت رہنا۔ تو کہتے ہیں: مَعَ أَنَّهَا تَأَيَّدَتْ بِالسَّلَامَةِ عَنِ الْحَذْفِ أَيْضًا، اور ساتھ اس کے کہ وہ رفع کی ترجیح کا جو قرینہ ہے اس کی تائید ہوتی ہے حذف

سے سلامتی کے ساتھ بھی۔

وَإِنَّمَا قَالَ مَعَ غَيْرِ الطَّلَبِ احْتِرَازًا... جی بھئی دیکھیے اسی سطر میں آگے مثال آ رہی ہے: أَمَّا زَيْدًا فَاضْرِبْهُ۔ مثال مل گئی؟ توجہ ہے؟ یہاں دیکھو أَمَّا کے بعد زَيْدًا پڑھا، کیوں؟ کیونکہ فَاضْرِبْهُ آگے جو خبر آ رہی ہے وہ طلب والا فعل ہے، اِضْرِبْ فعلِ امر ہے۔ تو اس صورت میں نصب پسندیدہ۔ بھئی کیوں، نصب کیوں پسندیدہ؟ نصب کیوں پسندیدہ؟ ادھر دیکھیے: یاد رکھو جملہ انشائیہ خبر نہیں بن سکتا۔ جملہ انشائیہ خبر نہیں بن سکتا۔ مثلاً میں آپ سے کہتا ہوں: زَيْدٌ يَضْرِبُ عَمْرًا، تو زَيْدٌ ہے مبتدا اور يَضْرِبُ عَمْرًا ہے اس کی خبر، اور یہ پورا جملہ فعلیہ ہے لیکن یہ امر نہی وغیرہ نہیں ہے۔ تو عام جملہ خبریہ جو ہے وہ تو خبر بن سکتا ہے مبتدا کی لیکن جملہ انشائیہ نہیں بن سکتا۔ مثلاً میں یوں کہتا ہوں: زَيْدٌ اِضْرِبْهُ۔ زَيْدٌ اِضْرِبْهُ، یہ زَيْدٌ ہے مبتدا اور اِضْرِبْهُ یہ ہے اس کی خبر، اور یہ تو جملہ انشائیہ ہے، یہ تو امر ہے اور جملہ انشائیہ تو خبر نہیں بن سکتا، تو یاد رکھیے اس صورت میں پھر وہاں تاویل کی جاتی ہے مَقُولٌ فِيهِ یا أَقُولُ فِيهِ کی۔ مَقُولٌ فِيهِ یا أَقُولُ فِيهِ۔ توجہ ہے؟ بھئی یاد رکھو یہ جو قَالَ ہے نا، قَالَ، اس کے آگے مقولہ آتا ہے۔ قُلْتُ لِزَيْدٍ، ادھر دیکھیے: قُلْتُ لِزَيْدٍ، میں نے زید سے کہا۔ قُلْتُ فعل با فاعل، تا ضمیر کیا ہے؟ فاعل۔ لِزَيْدٍ جار مجرور ہے یہ کس سے متعلق ہے؟ قُلْتُ سے۔ میں نے زید سے کہا۔ کیا کہا؟ عَمْرٌو عَالِمٌ، کہ عمرو عالم ہے۔ تو یہ جو آگے میں نے بات کہی ہے نا عَمْرٌو عَالِمٌ، یہ پورا جملہ ہے، یہ اور یہ مفعول بہ ہے قَالَ کے لیے۔ قُلْتُ لِزَيْدٍ، توجہ سے سنو، قُلْتُ لِزَيْدٍ عَمْرٌو عَالِمٌ۔ قُلْتُ فعل با فاعل، لِزَيْدٍ جار مجرور کس سے متعلق؟ قُلْتُ سے۔ اور عَمْرٌو عَالِمٌ، عَمْرٌو کیا ہے؟ بتدا، اور عَالِمٌ ہے اس کی خبر، بتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا، اور یہ پورا جملہ یہ مفعول بہ ہے قُلْتُ کے لیے۔ میں نے کہا، کیا کہا؟ عَمْرٌو عَالِمٌ، یہ میرا مقولہ ہے، یہ میرا مقولہ ہے، میرا کہا ہوا ہے تو یہ مفعول بہ ہے۔ توجہ ہے؟ تو قَالَ کے بعد جو آگے بات آتی ہے وہ اس قَالَ کے لیے کیا بنتی ہے؟ مفعول بہ بنتی ہے، وہ اس کا مقولہ ہے۔ ترکیب سمجھ میں آگئی؟ تو ترکیب کیا ہوئی؟ قُلْتُ فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ ہوا۔ توجہ ہے؟ قُلْتُ فعل، تا ضمیر فاعل اور لِزَيْدٍ متعلق کے ساتھ اور زَيْدٌ عَالِمٌ جو اس کا مفعول بہ ہے ان سے مل کر جملہ فعلیہ ہوا۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو یہ معلوم ہوا آگے جو جملہ آتا ہے وہ اس کا مقولہ ہوتا ہے مفعول بہ ہوتا ہے۔

اور پھر اسی کو جب فعلِ مجہول بناتے ہیں، قِيلَ، تو وہ جو مقولہ ہوتا ہے وہ پھر نائب فاعل بن جاتا ہے۔ جب فعلِ مجہول بنائیں تو کیا کرتے ہیں؟ وہ جو مفعول ہوتا ہے اس کو کیا بناتے ہیں؟ نائب فاعل۔ ضَرَبْتُ زَيْدًا، فعلِ مجہول بنائیں: ضُرِبَ زَيْدٌ، دیکھو وہ زید کیا بن گیا؟ نائب الفاعل۔ تو یہاں پر بھی قُلْتُ لِزَيْدٍ، آگے کیا تھا؟ عَمْرٌو عَالِمٌ، یہ پورا جملہ کیا بن رہا تھا؟ مفعول بہ۔ اب جب میں قِيلَ کہوں گا تو یہی مفعول بہ کیا بن جائے گا؟ نائب الفاعل۔ قِيلَ کہا گیا، کیا کہا گیا؟ عَمْرٌو عَالِمٌ۔ یہ پورا جملہ نائب الفاعل ہے تو یہ محلاً مرفوع ہے کیونکہ جملہ مبنیات میں سے ہے۔ تو جیسے فعلِ مجہول کے لیے نائب فاعل چاہیے، اسی طرح اسمِ مفعول کے لیے بھی کیا چاہیے؟ نائب فاعل چاہیے۔ بات سمجھ میں آگئی؟

بھئی میں ترکیب کروا رہا تھا زَيْدٌ اِضْرِبْهُ۔ زَيْدٌ، زید مبتدا ہے اور اِضْرِبْهُ اس کی خبر ہے اور یہ تو جملہ انشائیہ ہے۔ تو پھر اس کے اندر تاویل کی جاتی ہے، یہاں پھر مَقُولٌ فِيهِ محذوف نکال لیتے ہیں: زَيْدٌ مَقُولٌ فِيهِ اِضْرِبْهُ۔ پہلے کیا تھا؟ زَيْدٌ اِضْرِبْهُ۔ زَيْدٌ... اب کیا بن گیا؟ زَيْدٌ مَقُولٌ فِيهِ اِضْرِبْهُ۔ اب خبر اِضْرِبْ کو نہیں بنایا، میں نے مَقُولٌ فِيهِ کو خبر بنا دیا۔ زید، کہ مَقُولٌ فِيهِ، کہ کہا گیا ہے اس زید کے بارے میں، اِضْرِبْهُ، کیا کہا گیا ہے؟ اِضْرِبْهُ کہا گیا ہے۔ توجہ ہے؟ ترکیب کیسے ہو گی اب؟ زَيْدٌ مرفوع بتدا، مَقُولٌ مرفوع لفظاً اسمِ مفعول، اور اسمِ مفعول کے لیے کیا چاہیے؟ نائب فاعل، تو آگے وہ جو اِضْرِبْهُ وہ پورا جملہ انشائیہ ہے۔ وہ اِضْرِبْ فعلِ امر، أَنْتَ ضمیر اس کے اندر فاعل، اور ہا ضمیر مفعول بہ۔ فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر جملہ انشائیہ ہو کر یہ مقولہ ہوا، یہ نائب الفاعل ہوا کس کے لیے؟ مَقُولٌ کے لیے۔ اور فِيهِ جار مجرور یہ متعلق کس سے؟ یہ اسی مَقُولٌ سے، جار مجرور آپ نے پڑھا ہے نا آٹھ چیزوں سے متعلق ہوتے ہیں، تو یہ اسمِ مفعول سے متعلق۔ اور یہ فِيهِ کی ہا ضمیر کس کو راجع؟ زید کو، زید کو یہ ربط دے رہی ہے، توجہ ہے؟ تو مَقُولٌ اسمِ مفعول اپنے نائب فاعل اور متعلق سے مل کر شبہِ جملہ ہو کر یہ ہوئی زید کی خبر۔ تو پہلے خبر کیا تھی؟ اِضْرِبْهُ۔ زَيْدٌ اِضْرِبْهُ، لیکن اِضْرِبْ تو جملہ انشائیہ ہے اور جملہ انشائیہ تو خبر نہیں بن سکتا تو پھر ہم نے مَقُولٌ فِيهِ کی تاویل کر لی، اب خبر مَقُولٌ فِيهِ ہے، اِضْرِبْ نہیں، اِضْرِبْ اس مَقُولٌ کے لیے مقولہ ہے، اس کے لیے نائب الفاعل ہے۔ بات سمجھ میں آ گئی؟ تو جملہ انشائیہ جب بھی خبر بنے اس کے اندر تاویل کی جاتی ہے ویسے وہ خبر نہیں بن سکتا۔ بات سمجھ میں آ گئی؟

تو أَمَّا کے بعد اگر آگے جو خبر آ رہی ہے وہ طلب والی ہے، طلب والی ہے جیسے دیکھو کتاب پر: أَمَّا زَيْدًا فَاضْرِبْهُ۔ یہاں پر جب خبر طلب والی ہے تو اب زَيْدًا پڑھنا پسندیدہ ہے۔ زَيْدًا پڑھنا پسندیدہ ہے، کیوں؟ کیونکہ اس صورت میں پھر یہ جملہ فعلیہ بنے گا۔ تو اس صورت میں دیکھو أَمَّا زَيْدًا فَاضْرِبْهُ، تقدیرِ عبارت کیا بن گئی؟ أَمَّا اِضْرِبْ زَيْدًا فَاضْرِبْهُ۔ تو اب یہ جو آگے فَاضْرِبْهُ آیا یہ تفسیر بن گئی اس اِضْرِبْ محذوف کے لیے، اب یہ خبر نہیں بنی۔ جب خبر نہیں بنی تو کوئی تاویل کرنے کی ضرورت ہی نہیں۔ اور اگر آپ زَيْدٌ پڑھیں گے تو پھر تو یہ فَاضْرِبْهُ کیا بنے گی؟ خبر۔ اور جب خبر بنے گی تو پھر اس کے اندر کیا تاویل کرنا پڑے گی؟ مَقُولٌ فِيهِ کی تاویل کرنا پڑے گی۔ لہٰذا اس لیے کہ پھر اس صورت میں یہاں نصب پسندیدہ ہے۔ کیونکہ یہاں خبر کے مقام میں انشاء آ رہا ہے اور انشاء کا تو خبر بننا صحیح نہیں، لہٰذا اس کو خبر نہ بناؤ بلکہ اس کو تفسیر بنا دو اور ماقبل میں منصوب پڑھو اس اسم کو۔

جی دیکھیے اب، کہتے ہیں: وَإِنَّمَا قَالَ مَعَ غَيْرِ الطَّلَبِ، اور ماتن نے کہا مَعَ غَيْرِ الطَّلَبِ، احْتِرَازًا عَمَّا إِذَا كَانَتْ مَعَ الطَّلَبِ، یہ احتراز ہے اس صورت سے جب أَمَّا طلب کے ساتھ آئے۔ نَحْوُ أَمَّا زَيْدًا فَاضْرِبْهُ، فَإِنَّ الْمُخْتَارَ حِينَئِذٍ هُوَ النَّصْبُ، تو مختار جو ہے اس وقت نصب ہے، جب یہ طلب کے ساتھ آئے یہ أَمَّا تو پھر اس وقت مختار نصب ہے۔ فَإِنَّ الرَّفْعَ يَقْتَضِي وُقُوعَ الطَّلَبِ خَبَرًا، اس لیے کیونکہ رفع وہ تو تقاضا کرتا ہے کہ وہ طلب خبر ہو کر واقع ہو، اگر آپ زَيْدٌ پڑھیں گے، رفع پڑھیں گے، تو

یہ کیا تقاضا کر رہا ہے؟ کہ آگے جو انشاء ہے وہ خبر ہو کر واقع ہو، وَهُوَ لَا يَجُوزُ إِلَّا بِالتَّأْوِيلِ، اور وہ طلب تو بغیر تاویل کے خبر نہیں بن سکتی۔

وَمِثْلُ أَمَّا مَعَ غَيْرِ الطَّلَبِ، اور وہ أَمَّا جو غیرِ طلب کے ساتھ ہو اسی کی طرح ہے، اسی کی طرح ہے بھئی کیا چیز اس کی طرح ہے؟ إِذَا الْوَاقِعَةُ عَلَى الِاسْمِ الْمَذْكُورِ لِلْمُفَاجَأَةِ، وہ إِذَا جو واقع ہو اس اسمِ مذکور پر مفاجات کے لیے۔ وہ أَمَّا جو غیرِ طلب کے لیے ہو اسی کی طرح وہ إِذَا بھی ہے جو مفاجات کے لیے آئے اور اس اسم پر داخل ہو جس میں مَا أُضْمِرَ عَامِلُهُ ہونے کا احتمال ہے بھئی۔ تو کہتے ہیں: وَمِثْلُ أَمَّا مَعَ غَيْرِ الطَّلَبِ، اور وہ أَمَّا جو غیرِ طلب کے ساتھ ہو اسی کی طرح ہے إِذَا الْوَاقِعَةُ عَلَى الِاسْمِ الْمَذْكُورِ لِلْمُفَاجَأَةِ، وہ إِذَا جو اس اسمِ مذکور پر واقع ہو یعنی اس پر داخل ہو لِلْمُفَاجَأَةِ کس لیے؟ مفاجات کے لیے۔ تو یہ إِذَا بھی اس أَمَّا کی طرح ہے۔ بھئی کس اعتبار سے یہ اس کی طرح ہے؟ کہتے ہیں: فِي كَوْنِهَا مِنْ أَقْوَى الْقَرَائِنِ، اس بات کے اندر کہ یہ زیادہ قوی قرینوں میں سے ہے۔ جیسے وہ أَمَّا غیرِ طلب کے ساتھ تھا وہ زیادہ قوی قرینہ تھا کس کے لیے؟ رفع کے لیے۔ اسی طرح یہاں پر بھی یہ جو إِذَا مفاجات کے لیے آیا یہ بھی رفع کے لیے زیادہ قوی قرینہ ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ کہتے ہیں: فِي كَوْنِهَا مِنْ أَقْوَى الْقَرَائِنِ، اس بات کے اندر کہ یہ زیادہ قوی قرینوں میں سے ہے۔ مِثْلُ خَرَجْتُ فَإِذَا زَيْدٌ يَضْرِبُهُ عَمْرٌو، میں نکلا تو اچانک زید کہ اس کی پٹائی کر رہا تھا عمرو۔ فَإِنَّ الْمُخْتَارَ فِيهِ الرَّفْعُ، تو اس کے اندر رفع مختار ہے۔ فَإِنَّ إِذَا لِلْمُفَاجَأَةِ لَا تَدْخُلُ إِلَّا عَلَى الْجُمْلَةِ الِاسْمِيَّةِ غَالِبًا، اس لیے کیونکہ إِذَا مفاجات کے لیے جو ہے وہ داخل نہیں ہوتا مگر جملہ اسمیہ پر غالباً، یعنی اکثر کس پر داخل ہوتا ہے؟ جملہ اسمیہ پر۔ وہ إِذَا جو مفاجات کے لیے ہوتا ہے وہ اکثر اوقات کس پر داخل ہوتا ہے؟ جملہ اسمیہ پر، یعنی اس کے بعد مبتدا آتا ہے۔ توجہ ہے؟ تو لہٰذا إِذَا مفاجات یہ زیادہ قوی قرینہ ہے رفع کو ترجیح دینے کا، لہٰذا اس کے بعد رفع پڑھیں گے کیونکہ یہ زیادہ تر کس پر داخل ہوتا ہے؟ جملہ اسمیہ پر۔

اس پر اشکال ہوتا ہے کہ یہاں آپ نے ہمیں کیا بتایا؟ إِذَا کے بعد رفع مختار ہے، معلوم ہوا نصب بھی پڑھ سکتے ہیں اور نصب پڑھیں گے تو جملہ فعلیہ آئے گا آگے۔ حالانکہ آگے إِذَا مفاجاتیہ کی جہاں بات آتی ہے وہاں، وہاں صاحبِ کافیہ ذکر فرماتے ہیں کہ إِذَا مفاجاتیہ کے بعد اسم کا آنا لازم ہے۔ معلوم ہوا وہاں سے کیا پتہ چلا؟ کہ إِذَا مفاجاتیہ جو ہے وہ جملہ اسمیہ پر ہی داخل ہوتا ہے، فعلیہ پر داخل ہی نہیں ہوتا، اور یہاں آپ کہہ رہے ہیں کہ غالباً جملہ اسمیہ پر داخل ہوتا ہے، معلوم ہوا کبھی کبھار جملہ فعلیہ پر بھی داخل ہو جاتا ہے، حالانکہ آگے والی عبارت سے تو پتہ چل رہا تھا کہ جملہ فعلیہ پر داخل ہی نہیں ہوتا۔ تو اس کا بھی جواب دے رہے ہیں شارحِ جامی کہ بھئی وہاں پر بھی جو لزوم ذکر ہے وہاں لزوم سے بھی غالب واقع ہونا ہی مراد ہے۔ تو کہتے ہیں: وَمَا وَقَعَ فِي بَحْثِ الظُّرُوفِ، اور وہ بات جو واقع ہوئی ہے ظروف کی بحث میں، مِنْ کے ساتھ بیان ہے کہ کیا بات آئی ہے وہاں پر، کہتے ہیں وہ بات جو ظروف کی بحث میں آئی ہے مِنْ أَنَّ إِذَا لِلْمُفَاجَأَةِ تَلْزَمُ بَعْدَهَا الِاسْمِيَّةُ، یعنی وہ إِذَا جو مفاجات کے لیے ہو اس کے بعد جملہ اسمیہ لازم ہے، یہ بات جو وہاں پر آئی ہے، تو فَالْمُرَادُ بِلُزُومِ الِاسْمِيَّةِ،

تو وہاں پر جملہ اسمیہ کے لزوم سے مراد غَلَبَةُ وُقُوعِهَا بَعْدَهَا، وہ اس کے بعد غلبہِ وقوع ہے جملہ اسمیہ کا، کہ إِذَا مفاجاتیہ کے بعد غالب یہ ہے کہ جملہ اسمیہ واقع ہوتا ہے۔ تو یہاں بھی ہم نے غالباً کہا اور وہاں بھی لزوم سے کیا مراد ہے؟ غالباً ہی مراد ہے، تو دونوں میں کوئی تناقض نہیں ہے بھئی۔ تناقض کا معنی ٹکراؤ بھئی یعنی دونوں کلاموں میں کوئی ٹکراؤ نہیں ہے۔ تو کہتے ہیں: فَالْمُرَادُ بِلُزُومِ الِاسْمِيَّةِ، تو جملہ اسمیہ کے لزوم سے وہاں پر مراد جو ہے غَلَبَةُ وُقُوعِهَا، وہ جملہ اسمیہ کے واقع ہونے کا غلبہ ہے کہ غالب یہی ہے کہ وہ جملہ اسمیہ واقع ہوتا ہے بَعْدَهَا اس إِذَا مفاجاتیہ کے بعد، فَلَا تَنَاقُضَ، تو ان دونوں باتوں میں کوئی تناقض نہیں۔ یہاں تو کیا کہا؟ کہ إِذَا مفاجات کے بعد رفع مختار ہے، معلوم ہوا نصب بھی جائز ہے، اور وہاں کیا کہا تھا؟ کہ إِذَا مفاجاتیہ کے بعد رفع ہی آتا ہے جملہ اسمیہ لازم ہے معلوم ہوا رفع ہی پڑھنا پڑے گا، تو بتایا نہیں کہ دونوں باتوں میں کوئی تناقض نہیں ہے۔ وہاں بھی لزوم سے کیا مراد ہے؟ غلبہِ وقوع ہے کہ غالباً کیا واقع ہوتا ہے إِذَا مفاجاتیہ کے بعد؟ جملہ اسمیہ واقع ہوتا ہے، ہمیشہ لازم نہیں، اور یہاں پر بھی یہی کہا کہ رفع مختار ہے لازم نہیں إِذَا مفاجاتیہ کے بعد۔ بات سمجھ میں آگئی؟ حل ہو گیا؟ چلیے بس بھئی، هَذَا هُوَ الْمَرَامُ وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْكَلَامِ۔

سبق نمبر ۱۳۳: الاشتغال (۴): عطفِ جملہ کی وجہ سے نصب کے راجح ہونے کی صورتیں

شرحِ ملا جامی صفحہ: ۱۰۹ — بتاریخ: ۱۵ جنوری ۲۰۲۲ء

▪ تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث

آگے سبق دیکھیے بھئی:

وَيُخْتَارُ النَّصْبُ فِي الِاسْمِ الْمَذْكُورِ بِالْعَطْفِ أَيْ بِسَبَبِ عَطْفِ جُمْلَةٍ هُوَ فِيهَا عَلَى جُمْلَةٍ فِعْلِيَّةٍ مُتَقَدِّمَةٍ لِلتَّنَاسُبِ، أَيْ لِرِعَايَةِ التَّنَاسُبِ بَيْنَ الْجُمْلَةِ الْمَعْطُوفَةِ وَالْجُمْلَةِ الْمَعْطُوفِ عَلَيْهَا فِي كَوْنِهِمَا فِعْلِيَّتَيْنِ، نَحْوُ خَرَجْتُ فَزَيْدًا لَقِيتُهُ.

بھئی آپ نے گزشتہ سبق میں پڑھا تھا کہ مَا أُضْمِرَ عَامِلُهُ عَلَى شَرِيطَةِ التَّفْسِيرِ جو ہے، بعض اوقات وہاں پر رفع پڑھنا بھی جائز ہوتا ہے بھئی۔ مثلاً زَيْدًا ضَرَبْتُهُ، یہ زَيْدًا منصوب ہے، اس کو فعلِ مقدر نصب دے رہا ہے اور تقدیرِ عبارت کیا ہے؟ ضَرَبْتُ زَيْدًا ضَرَبْتُهُ۔ تو یہ زَيْدًا ضَرَبْتُهُ، یہ زَيْدًا مَا أُضْمِرَ عَامِلُهُ عَلَى شَرِيطَةِ التَّفْسِيرِ ہے، اس کے بعد ایک فعل آرہا ہے اور وہ فعل جو ہے وہ اس کی ضمیر کے اندر مشغول ہونے کی وجہ سے اس زَيْدًا کو نصب نہیں دے سکتا۔ اور میں نے بتلایا تھا کہ اس قسم کے مواقع میں بعض اوقات رفع کا پڑھنا بھی جائز ہوتا ہے۔ تو زَيْدًا ضَرَبْتُهُ بھی آپ اس کو پڑھ سکتے ہیں اور زَيْدٌ ضَرَبْتُهُ بھی پڑھ سکتے ہیں۔ زَيْدًا نصب پڑھیں گے تو یہ مَا أُضْمِرَ عَامِلُهُ عَلَى شَرِيطَةِ التَّفْسِيرِ ہے جس کو فعلِ مقدر نصب دے رہا ہے، اور زَيْدٌ پڑھو گے تو اس صورت میں یہ پھر مبتدا بنے گا بھئی۔ زَيْدٌ مبتدا اور ضَرَبْتُهُ پورا جملہ فعلیہ اس کی خبر۔ اور جملے کو جب بھی کسی چیز سے جوڑتے ہیں درمیان میں ربط ضروری، تو یہ ضَرَبْتُهُ پورا جملہ خبر بن رہا ہے زید کے لیے، تو اس کے اندر بھی ربط ضروری ہے، اور وہ ربط اس کے اندر عموماً ضمیر ہوتی ہے جو ربط دیتی ہے۔ تو یہاں ضَرَبْتُهُ کے اندر جو ہا ضمیر ہے وہ زید کو راجع ہے اور وہ ربط دے رہی ہے، وہ عائد ہے۔ معلوم ہوا وہ مقامات جہاں مَا أُضْمِرَ عَامِلُهُ عَلَى شَرِيطَةِ التَّفْسِيرِ واقع ہوتا ہے، وہاں پر بعض اوقات رفع بھی پڑھا جاتا ہے۔ تو رفع ہوتا ہے مبتدا ہونے کی وجہ سے اور نصب ہوتا ہے مَا أُضْمِرَ عَامِلُهُ عَلَى شَرِيطَةِ التَّفْسِيرِ ہونے کی وجہ سے۔

تو گزشتہ سبق میں صاحبِ کافیہ نے ان مقامات کا تذکرہ شروع کیا تھا کہ جہاں پر مَا أُضْمِرَ عَامِلُهُ عَلَى شَرِيطَةِ التَّفْسِيرِ

کے ہونے کا گمان ہوتا ہے، اور بتلایا تھا کہ وہ پانچ جگہیں ہیں بھئی۔ بعض جگہ کے اندر رفع کا پڑھنا واجب ہو گا یعنی اس پر نصب پڑھ ہی نہیں سکتے یعنی اس کو مَا أُضْمِرَ عَامِلُهُ عَلَى شَرِيطَةِ التَّفْسِيرِ بنا ہی نہیں سکتے، تو بعض جگہ رفع کا پڑھنا واجب۔ اسی طرح بعض جگہ نصب کا پڑھنا واجب ہو گا یعنی اس کو مَا أُضْمِرَ عَامِلُهُ عَلَى شَرِيطَةِ التَّفْسِيرِ ہی بنانا پڑے گا، وہاں آپ رفع نہیں پڑھ سکتے اس کو آپ بتدا نہیں بنا سکتے۔ اور بعض جگہیں وہ ہوں گی جہاں رفع کا پڑھنا مختار ہو گا پسندیدہ ہو گا، اگرچہ نصب بھی پڑھ سکتے ہیں آپ لیکن رفع مختار ہے۔ اور بعض جگہیں وہ ہوں گی جہاں پر نصب کا پڑھنا مختار ہو گا، آپ رفع بھی پڑھ سکتے ہیں لیکن نصب پڑھنا مختار ہو گا۔ اور بعض جگہیں وہ ہیں جہاں پر رفع اور نصب دونوں برابر درجے کے ہیں، یعنی آپ چاہیں رفع پڑھ لیں اور آپ چاہیں تو نصب پڑھ لیں، دونوں کا درجہ برابر ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو رفع پڑھیں گے کس وجہ سے؟ بتدا ہونے کی وجہ سے، اور نصب پڑھیں گے مَا أُضْمِرَ عَامِلُهُ عَلَى شَرِيطَةِ التَّفْسِيرِ ہونے کی وجہ سے۔ اور کل کتنی جگہیں ہیں؟ پانچ جگہیں۔ ایک جگہ وہ جہاں رفع کا پڑھنا واجب، ایک جگہ وہ جہاں نصب کا پڑھنا واجب، ایک جگہ وہ جہاں رفع کا پڑھنا مختار، ایک وہ جگہ جہاں نصب کا پڑھنا مختار، اور پانچویں جگہ جہاں دونوں کا پڑھنا برابر ہو بھئی۔

اور پھر سب سے پہلے ان جگہوں کا بیان شروع فرمایا صاحبِ کافیہ نے جہاں پر رفع کا پڑھنا مختار ہو، جہاں رفع کا پڑھنا مختار ہو۔ اور میں نے بتلایا تھا کہ رفع کا پڑھنا مختار وہاں ہو گا جہاں رفع کے صحیح ہونے کا بھی قرینہ ہو، نصب کے صحیح ہونے کا بھی قرینہ ہو، اور پھر کوئی چیز جو ہے وہ رفع کو ترجیح دے رہی ہو، جبکہ نصب کو ترجیح دینے والی کوئی چیز نہ ہو۔ جیسے زَيْدٌ ضَرَبْتُهُ۔ زَيْدٌ ضَرَبْتُهُ۔ اس طرح کے مواقع کے اندر رفع مختار ہے۔ آپ زَيْدًا ضَرَبْتُهُ بھی پڑھ سکتے ہیں یہاں لیکن زَيْدٌ ضَرَبْتُهُ پڑھنا مختار ہے۔ تو یہاں رفع کے صحیح ہونے کا قرینہ بھی ہے اور نصب کے صحیح ہونے کا بھی قرینہ ہے۔ رفع کے صحیح ہونے کا قرینہ کیا؟ کہ یہ جو زَيْدٌ ہے اس میں کوئی عاملِ لفظی نہیں، جب عاملِ لفظی نہیں تو اس کو بتدا بنانا صحیح، اگر عاملِ لفظی ہوتا پھر تو بتدا نہیں بنا سکتے تھے بھئی۔ تو عاملِ لفظی سے اس اسم کا خالی ہونا یہ رفع کے صحیح ہونے کا قرینہ ہے۔ رفع صحیح ہے یہاں پر۔ اور نصب کے صحیح ہونے کا قرینہ یہ ہے کہ زَيْدًا ضَرَبْتُهُ، اس کے بعد ایک فعل آرہا ہے اور وہ فعل تفسیر بننے کی صلاحیت رکھتا ہے، کس کے لیے؟ فعلِ محذوف کے لیے۔ زَيْدًا ضَرَبْتُهُ، اس زید کے بعد ایک فعل آرہا ہے اور وہ فعل تفسیر بننے کی صلاحیت رکھتا ہے کس کے لیے؟ فعلِ محذوف کے لیے۔ یہ نہیں کہا کہ وہ تفسیر بن رہا ہے، بھئی تفسیر بن رہا ہے پھر تو نصب واجب ہو گا بھئی۔ جب آگے آنے والا فعل تفسیر ہی بن رہا ہے تو پھر معلوم ہوا نصب ہی پڑھنا پڑے گا، فعلِ محذوف نکالنا پڑے گا اور یہ آگے آنے والا فعل اس کے لیے تفسیر بن رہا ہے۔ بلکہ صرف کیا کہا؟ آگے آنے والے فعل میں تفسیر بننے کی صلاحیت ہو بھئی، چاہے بنائیں یا نہ بنائیں وہ الگ بات ہے لیکن آگے آنے والے فعل میں تفسیر بننے کی صلاحیت ہو تو یہ نصب کے صحیح ہونے کا قرینہ ہے۔ تو رفع کے صحیح ہونے کا قرینہ کیا؟ عاملِ لفظی سے خالی ہونا، اور نصب کے صحیح ہونے کا قرینہ کیا؟ کہ آگے ایک فعل آرہا ہے جو تفسیر بننے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ اور پھر یہاں پر یہ زَيْدٌ ضَرَبْتُهُ،

یہاں رفع کے صحیح ہونے کا قرینہ بھی ہے، کوئی عاملِ لفظی نہیں زید کے اندر، اور نصب کے صحیح ہونے کا قرینہ بھی ہے کہ آگے ایک فعل آرہا ہے جو فعلِ محذوف کے لیے تفسیر بننے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ لیکن رفع کے قرینے کو ایک ترجیح دینے والی چیز یہاں موجود ہے کہ اس صورت میں کلام حذف سے سلامت رہے گا۔ اگر آپ فعلِ محذوف نکالیں گے تو آپ کو حذف کا ارتکاب کرنا پڑے گا، اور اگر آپ زَيْدٌ پڑھیں گے تو کوئی محذوف نکالنے کی ضرورت نہیں۔ تو لہٰذا کلام کا حذف سے سلامت رہنا یہ ترجیح دے رہا ہے رفع کو کہ یہاں کیا پسندیدہ؟ رفع پسندیدہ ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو ایک یہ مقام جہاں نصب کو ترجیح دینے والا کوئی قرینہ نہ ہو، رفع کو ترجیح دینے والا قرینہ ہے اور نصب کو ترجیح دینے والا کوئی قرینہ نہیں، تو وہاں رفع کا پڑھنا مختار۔

دوسرا مقام جہاں رفع کا پڑھنا مختار ہے کہ جہاں نصب کے صحیح ہونے کا بھی قرینہ ہو اور رفع کے صحیح ہونے کا بھی قرینہ ہو، پھر ایک قرینہ رفع کو ترجیح دے رہا ہو، ایک قرینہ نصب کو ترجیح دے رہا ہو، لیکن رفع کو ترجیح دینے والا قرینہ زیادہ قوی ہو کس کے مقابلے میں؟ نصب کو ترجیح دینے والے قرینے کے مقابلے میں۔ پھر دہرائیں: وہ مقام جہاں رفع کے صحیح ہونے کا بھی قرینہ ہو یعنی اس اسم میں کوئی عاملِ لفظی نہ ہو، نصب کے صحیح ہونے کا بھی قرینہ ہو کہ آگے ایک فعل آرہا ہے جو تفسیر بننے کی صلاحیت رکھتا ہے، پھر ایک اور قرینہ موجود ہے جو رفع کو ترجیح دے رہا ہے، اور ایک اور قرینہ موجود ہے وہ نصب کو ترجیح دے رہا ہے، لیکن رفع کو ترجیح دینے والا قرینہ زیادہ قوی ہو۔ اور وہ کس جگہ پر ہو گا؟ بتلایا تھا کہ جب أَمَّا غیرِ طلب کے ساتھ آئے، کس کے ساتھ؟ أَمَّا غیرِ طلب کے ساتھ آئے، یا جہاں پر إِذَا مفاجاتیہ آئے بھئی۔ أَمَّا میں نے بتلایا تھا کہ یہ متضمن ہوتا ہے معنیِ شرط کو اور یہ اکثر اکثریہ جملہ اسمیہ پر داخل ہوتا ہے یعنی اس کے بعد بتدا آتا ہے اکثر۔ أَمَّا زَيْدٌ فَمُنْطَلِقٌ۔ أَمَّا زَيْدٌ فَمُنْطَلِقٌ۔ تو أَمَّا جو ہے یہ متضمن ہے معنیِ شرط کو، زَيْدٌ مرفوع لفظاً بتدا، فا جزائیہ ہے اور مُنْطَلِقٌ اس کی، زید کی خبر ہے۔ ترکیب سمجھ میں آرہی ہے؟ اور مُنْطَلِقٌ شبہِ جملہ ہے لہٰذا اس کے اندر ہُوَ ضمیر جو کس کو راجع ہے؟ زید کو، وہ فاعل ہے مُنْطَلِقٌ کے لیے۔ ترکیب سمجھ میں آرہی ہے؟ تو أَمَّا اکثر کس پر داخل ہوتا ہے؟ جملہ اسمیہ پر۔ کبھی فعلیہ پر بھی داخل ہوتا ہے لیکن نہایت قلیل ہے۔ تو أَمَّا کے بعد اکثر جملہ اسمیہ آتا ہے۔ تو آگے اس کی جو خبر آنی چاہیے وہ طلب والی نہیں ہونی چاہیے یعنی امر، نہی یا دعا نہ ہو۔ امر، نہی یا دعا نہ ہو بھئی۔ امر بھی طلب کے لیے آتا ہے: اِضْرِبْ زَيْدًا، معلوم ہوا میں زید کی ضرب کو طلب کر رہا ہوں مخاطب سے۔ لَا تَضْرِبْ زَيْدًا، یہ نہی بھی طلب کے لیے آتی ہے، معلوم ہوا میں ترکِ ضرب کو کیا کر رہا ہوں؟ طلب کر رہا ہوں۔ اور دعا بھی کس لیے آتی ہے؟ طلب کے لیے آتی ہے کہ انسان جو ہے اللہ تعالیٰ کی ذات سے مانگتا ہے دعا کرتا ہے۔ تو أَمَّا جب غیرِ طلب کے ساتھ آئے تو پھر اس وقت رفع پسندیدہ ہے۔

جیسے اس کی مثال انہوں نے ذکر کی تھی: لَقِيتُ الْقَوْمَ وَأَمَّا زَيْدٌ فَأَكْرَمْتُهُ۔ یہ لَقِيتُ الْقَوْمَ یہ ماقبل میں جملہ فعلیہ آیا۔ وَأَمَّا زَيْدٌ فَأَكْرَمْتُهُ، پھر أَمَّا آیا، اور أَمَّا اکثر کس پر داخل ہوتا ہے؟ جملہ اسمیہ پر، تو زَيْدٌ أَكْرَمْتُهُ یہاں پسندیدہ ہے۔ دیکھو اس زَيْدٌ

کے اندر زَیْدًا بھی آپ پڑھ سکتے ہیں اور زَیْدٌ بھی پڑھ سکتے ہیں۔ توجہ ہے؟ تو یہاں زَیْدٌ عاملِ لفظی سے خالی ہے، یہ رفع کے صحیح ہونے کا قرینہ۔ اور زَیْدًا نصب پڑھیں تو فَأَکْرَمْتُهُ آگے ایک فعل آرہا ہے وہ تفسیر بننے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ رفع کے صحیح ہونے کا قرینہ بھی ہے یہاں، نصب کے صحیح ہونے کا بھی قرینہ ہے۔ اور پھر اس کے بعد ایک قرینہ ترجیح دے رہا ہے نصب کو، کہ نصب کی صورت میں جب آپ یوں پڑھیں گے: أَمَّا زَیْدًا فَأَکْرَمْتُهُ، تو زَیْدًا کے لیے فعلِ محذوف نکالنا پڑے گا: أَکْرَمْتُ زَیْدًا فَأَکْرَمْتُهُ۔ تو یہ جملہ فعلیہ بنے گا، پہلا مفسر اور دوسرا جملہ اس کی تفسیر، تو یہ جملہ فعلیہ بنے گا۔ اور ماقبل میں لَقِیتُ الْقَوْمَ وہ بھی کون سا جملہ ہے؟ جملہ فعلیہ ہے۔ تو اس صورت میں جب بعد والا جملہ، جملہ فعلیہ بنے گا تو دو جملے جو ہیں ایک ماقبل والا معطوف علیہ جملہ ہے لَقِیتُ الْقَوْمَ، اور درمیان میں واؤ حرفِ عطف ہے اور آگے بھی جملہ فعلیہ آجائے گا، تو دونوں جملہ فعلیہ ہو گئے تو دونوں جملوں میں مناسبت آگئی۔ اور یہ مناسبت پسندیدہ ہے۔ لہٰذا یہ قرینہ نصب کو ترجیح دے رہا ہے کہ یہاں کیا پڑھو؟ نصب پڑھو تاکہ دونوں جملوں میں مناسبت آجائے۔ اور ایک قرینہ جو ہے رفع کو ترجیح دے رہا ہے، اور وہ یہ کہ أَمَّا کے بعد اکثر جملہ اسمیہ آتا ہے یعنی مبتدا آتا ہے۔ تو یہ أَمَّا کا آنا یہ ترجیح دے رہا ہے کہ یہاں زَیْدٌ پڑھو۔ تو یہاں نصب کے صحیح ہونے کا بھی قرینہ، رفع کے صحیح ہونے کا بھی قرینہ، پھر ایک قرینہ نصب کو ترجیح دے رہا ہے کہ دونوں جملے میں مناسبت آجائے گی، اور ایک قرینہ رفع کو ترجیح دے رہا ہے کہ أَمَّا آیا ہے اور أَمَّا کے بعد تو اکثر کیا آتا ہے؟ مبتدا آتا ہے، اور یہ قرینہ زیادہ قوی ہے۔ یہ قرینہ زیادہ قوی ہے، زیادہ قوی اس لیے کیونکہ أَمَّا کے بعد اکثر مبتدا آتا ہے جبکہ عطف کے اعتبار سے جو مناسبت ہے وہ مناسبت اتنی ضروری نہیں ہے، جملہ فعلیہ کا جملہ فعلیہ پر عطف ہو جائے گا تو یہ زیادہ اچھا ہے، لیکن اگر جملہ فعلیہ پر جملہ اسمیہ کا بھی عطف ہو جائے گا تو کوئی حرج نہیں، یہ بھی کثیر الوقوع ہے کلامِ عرب کے اندر۔ تو کون سا قرینہ قوی ہوا؟ رفع کو ترجیح دینے والا قرینہ قوی ہوا۔ اور نیز اس رفع کو جو قرینہ ترجیح دے رہا ہے، اس کی تائید ایک اور چیز سے بھی ہوتی ہے کہ آپ جب رفع پڑھیں گے تو کلام حذف سے سلامت رہے گا۔ کلام حذف سے سلامت رہے گا، اور حذف تو خلاف الاصل ہے، اصل تو ذکر ہے، تو لہٰذا خلاف الاصل سے ہم بچ جائیں گے۔ تو یہ ترجیح دے رہا ہے رفع کے قرینے کو، لہٰذا یہاں رفع پڑھنا مختار ہے۔

اور پھر انہوں نے یہ کہا تھا کہ یہ وہ جگہ ہے جہاں أَمَّا غیرِ طلب کے ساتھ آئے یعنی أَمَّا کے بعد جو خبر آرہی ہے وہ غیرِ طلب والی ہونی چاہیے، امر، نہی یا دعا نہیں ہونی چاہیے۔ وجہ کیا؟ اس کی بھی وجہ صاحبِ جامی نے ذکر کی تھی۔ وجہ یہ کہ اگر آگے جو خبر آرہی ہے وہ طلب والی ہے: أَمَّا زَیْدًا فَأَکْرِمْهُ، فَأَکْرِمْهُ، تو پھر اس صورت میں اس کے اندر تاویل کرنا پڑے گی۔ وجہ یہ کہ انشاء جو ہے وہ خبر واقع نہیں ہو سکتا۔ انشاء خبر واقع نہیں ہو سکتا: زَیْدٌ أَکْرِمْهُ، زَیْدٌ مبتدا اور أَکْرِمْهُ اس کی خبر، اور أَکْرِمْ تو فعلِ امر ہے، اور امر سے کیا بنتا ہے؟ جملہ انشائیہ، تو جملہ انشائیہ خبر بنے گا، اور انشاء کا خبر بننا صحیح نہیں۔ تو جہاں بھی جملہ انشائیہ خبر بنے وہاں پھر تاویل کرنا پڑتی ہے مَقُولٌ فِیهِ یا أَقُولُ فِیهِ۔ مَقُولٌ فِیهِ، تو خبر مَقُولٌ فِیهِ کو بنا لیتے ہیں یا أَقُولُ فِیهِ کو بنا لیتے ہیں تاویل کر کے۔ اور وہ جو آگے مقولہ آرہا ہوتا ہے وہ اس کے لیے مقولہ بن جاتا ہے۔ مَقُولٌ فِیهِ، مَقُولٌ

کون سا صیغہ؟ اسمِ مفعول۔ اسمِ مفعول کے لیے کیا چاہیے؟ نائب فاعل۔ تو آگے وہ جو اِضْرِبْهُ پورا جملہ آرہا ہے جو قَالَ کا مقولہ تھا وہ اس کے لیے کیا بن جائے گا؟ نائب فاعل۔ توجہ ہے؟ دیکھو یہ قَالَ کے بعد جو بھی بات آئے نا قَالَ کے فعل کے بعد، وہ اس کے لیے مفعول بہ بنتی ہے۔ قُلْتُ میں نے کہا، معلوم ہوا میں ہوں کہنے والا، میں ہوں فاعل، اور جو آگے بات کہوں گا وہی میرا مقولہ، وہ اس قَالَ کا مفعول بہ ہے۔ قُلْتُ میں نے کہا: زَيْدٌ عَالِمٌ، زید عالم ہے۔ تو یہ زَيْدٌ عَالِمٌ یہ مقولہ ہوا قَالَ کے لیے یعنی یہ مفعول بہ ہوا۔ تو قَالَ کے بعد جو جملہ آئے وہ کیا بنتا ہے؟ مفعول بہ۔ اور جب فعلِ مجہول بنائیں تو وہ مفعول بہ کو کیا بنا دیتے ہیں؟ نائب الفاعل بنا دیتے ہیں۔ توجہ ہے؟

تو مَقُولٌ اسمِ مفعول کا صیغہ ہے، اس کے لیے نائب الفاعل چاہیے، وہی مقولہ جو ہے وہ اس کے لیے نائب فاعل بن جاتا ہے۔ زَيْدٌ مَقُولٌ فِيهِ اِضْرِبْهُ۔ زید کہ اس کے بارے میں کہا گیا ہے اِضْرِبْهُ کہ اس کی پٹائی کر۔ تو خبر کیا ہوئی؟ مَقُولٌ فِيهِ، اور زَيْدٌ عَالِمٌ کیا ہوا؟ اس کے لیے نائب الفاعل۔ تو مَقُولٌ صیغہ اسمِ مفعول، اور آگے جو اِضْرِبْهُ آیا وہ اس مَقُولٌ کے لیے نائب فاعل، اور فِيهِ جار مجرور متعلق کس سے؟ مَقُولٌ سے، مَقُولٌ فِيهِ۔ توجہ ہے؟ اور یہ ہا ضمیر کس کو راجع فِيهِ کی؟ یہ ماقبل مبتدا کے ساتھ ربط بھی تو چاہیے، تو یہ ربط دے رہی ہے۔ تو مَقُولٌ اسمِ مفعول اپنے نائب فاعل اور متعلق سے مل کر شبہِ جملہ ہو کر یہ زید کے لیے کیا بن جائے گی؟ خبر۔ یا آپ أَقُولُ نکال لیں۔ مَقُولٌ فِيهِ نکالا تھا تو وہ شبہِ جملہ بنا تھا کیونکہ اسمِ مفعول کا صیغہ ہے۔ اور اگر آپ أَقُولُ فِيهِ نکالیں گے، تو أَقُولُ فعل، أَنَا ضمیر فاعل، یہ تو فعلِ معروف ہے اس کے لیے أَنَا ضمیر اس کے اندر فاعل، اور آگے جو اِضْرِبْهُ آرہا ہے وہ، وہ اس کے لیے مقولہ ہے مفعول بہ ہے، وہ منصوب المحل ہے۔ اور فِيهِ اسی سے متعلق ہے۔ تو أَقُولُ فعل اپنے فاعل اور متعلق اور مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر یہ خبر۔ تو أَقُولُ فِيهِ نکالیں گے تو جملہ فعلیہ خبر بنے گا، اور مَقُولٌ فِيهِ نکالیں گے تو شبہِ جملہ خبر بنے گا۔ تو جملہ انشائیہ جب بھی خبر بنے اس میں کیا تاویل کی جاتی ہے؟ مَقُولٌ فِيهِ یا أَقُولُ فِيهِ۔ اور اس جملہ انشائیہ کو اس مَقُولٌ کے لیے نائب الفاعل بناتے ہیں یا اس أَقُولُ کے لیے اس کو مفعول بہ بناتے ہیں۔

تو انہوں نے کیا کہا تھا؟ کہ أَمَّا جب غیرِ طلب کے ساتھ ہو تو اس وقت رفع پسندیدہ ہے یعنی أَمَّا کی خبر طلب والا فعل نہیں ہونا چاہیے۔ اگر أَمَّا کی خبر طلب والا فعل ہوا تو پھر نصب کا پڑھنا پسندیدہ ہے۔ پھر نصب کا پڑھنا پسندیدہ ہے۔ کیوں؟ أَمَّا زَيْدًا فَاضْرِبْهُ۔ أَمَّا زَيْدًا فَاضْرِبْهُ، تو یہاں زَيْدًا پڑھنا پسندیدہ۔ کیوں؟ وجہ یہ کہ اگر آپ زَيْدٌ پڑھیں گے تو پھر فَاضْرِبْهُ کو کیا بنانا پڑے گا؟ خبر۔ اور یہ تو انشاء ہے اور انشاء تو بغیر تاویل کے خبر نہیں بن سکتا تو اس میں تو تاویل کرنا پڑے گی۔ لیکن اگر آپ زَيْدًا پڑھیں گے أَمَّا زَيْدًا فَاضْرِبْهُ تو پھر کیا کرنا پڑے گا؟ زَيْدًا کے لیے اِضْرِبْ وہی فعلِ محذوف نکالیں گے، دیکھا یہاں اب خبر بنانے کی ضرورت ہی نہیں ہے۔ پہلا اِضْرِبْ زَيْدًا مفسر اور اگلا فَاضْرِبْهُ اس کی تفسیر، تو یہاں خبر بنانے کی ضرورت ہی نہیں، کوئی تاویل کی ضرورت ہی نہیں۔ بات سمجھ میں آگئی اچھی طرح؟ تو جب أَمَّا غیرِ طلب کے ساتھ ہو تو پھر وہاں رفع پسندیدہ، اور أَمَّا طلب کے ساتھ ہو تو وہاں نصب پسندیدہ ہے۔

اور اسی طرح وہ إِذَا جو مفاجات کے لیے آئے۔ إِذَا میں نے بتایا یہ ظرفِ زمان ہے، لیکن کبھی یہ مفاجات کے لیے یعنی اچانک کے معنی میں آتا ہے بھئی، اچانک کے معنی میں۔ تو اس وقت بعض کہتے ہیں یہ حرف ہے، یہ وہ ظرف والا إِذَا ہے ہی نہیں، اس کی شکل اس جیسی ہے لیکن یہ حرف ہے۔ جبکہ بعض کہتے ہیں نہیں یہ وہی ظرف ہے، یہ وہی ظرف ہے لیکن یہ اچانک کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے اور ابھی بھی اس کے اندر زمانے والا معنی ہے۔ تو إِذَا کے بعد بھی جملہ اسمیہ آتا ہے اکثر۔ خَرَجْتُ میں نکلا، فَإِذَا السَّبُعُ وَاقِفٌ تو اچانک درندہ کھڑا تھا۔ اس کے اندر خبر کو بھی اکثر حذف ہی رکھتے ہیں۔ خَرَجْتُ میں نکلا، فَإِذَا السَّبُعُ تو اچانک درندہ موجود تھا۔ آگے مَوْجُودٌ یا وَاقِفٌ خبر کو حذف کر لیا۔ تو إِذَا اکثر کس پر داخل ہوتا ہے؟ جملہ اسمیہ پر یعنی بتدا پر۔ توجہ ہے؟ لہٰذا یہاں پر بھی وہی صورت ہے: خَرَجْتُ، ادھر دیکھیے: خَرَجْتُ فَإِذَا... دیکھو بلکہ یہ مثال جو انہوں نے دی تھی: خَرَجْتُ میں نکلا فَإِذَا زَيْدٌ يَضْرِبُهُ عَمْرٌو تو اچانک زید کہ اس زید کی پٹائی کر رہا تھا عمرو۔ تو یہاں إِذَا کے بعد یہ اسم آیا اور اس کے اندر رفع کے صحیح ہونے کا بھی قرینہ ہے کہ یہ عاملِ لفظی سے خالی ہے، اور اس کے اندر نصب کا قرینہ بھی ہے کہ اس کے بعد ایک فعل آرہا ہے جو اس فعلِ محذوف کے لیے تفسیر بننے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ اور یہاں پر ایک قرینہ نصب کو ترجیح دے رہا ہے کہ فَإِذَا زَيْدًا جب آپ نصب پڑھیں گے تو یہ جملہ فعلیہ بنے گا کیونکہ فعل نکالنا پڑے گا، اور ماقبل میں خَرَجْتُ بھی جملہ فعلیہ ہے تو ماقبل والا جملہ جو معطوف علیہ ہے اور مابعد والا جملہ جو معطوف ہے دونوں میں کیا آجائے گی؟ مناسبت، یہ نصب کو ترجیح دے رہا ہے۔ اور اگر آپ زَيْدٌ پڑھیں گے تو اس کو بھی ترجیح دینے والا ایک قرینہ موجود ہے کہ ماقبل میں إِذَا موجود ہے اور إِذَا کے بعد اکثر کیا آتا ہے؟ بتدا آتا ہے، اور یہ قرینہ زیادہ قوی ہے۔ تو یہ رفع کو ترجیح دینے والا قرینہ زیادہ قوی ہے نصب کو ترجیح دینے والے قرینے کے مقابلے میں۔ اور اس رفع کے قرینے کی تائید ایک اور چیز سے بھی ہوتی ہے کہ اس صورت میں کلام حذف سے سلامت رہے گا۔ تو دونوں جگہ بعینہ ایک ہی تقریر ہے بھئی۔ أَمَّا کے اندر بھی یہی تقریر تھی اور إِذَا کے اندر بھی وہی تقریر، دونوں جگہ صحیح ہونے والا بھی قرینہ ہوگا رفع اور نصب دونوں کا، دونوں جگہ ترجیح والا قرینہ بھی ہوگا دونوں کا رفع کا بھی اور نصب کا، اور پھر رفع کا قرینہ زیادہ قوی ہے کیونکہ إِذَا اور أَمَّا کے بعد کیا آتے ہیں؟ جملہ اسمیہ، اور پھر اس کی ترجیح ہوتی ہے ایک اور چیز سے بھی کہ کلام اس صورت میں حذف سے سلامت رہے گا۔ بات سمجھ میں آگئی؟

جی آگے دیکھیے بھئی آج کا سبق بھئی: وَيُخْتَارُ النَّصْبُ فِي الِاسْمِ الْمَذْكُورِ بِالْعَطْفِ أَيْ بِسَبَبِ عَطْفِ جُمْلَةٍ هُوَ فِيهَا عَلَى جُمْلَةٍ فِعْلِيَّةٍ مُتَقَدِّمَةٍ لِلتَّنَاسُبِ. بھئی پہلے متن متن دیکھیے۔ اب وہ جگہیں بیان کریں گے جہاں نصب کا پڑھنا پسندیدہ ہے۔ کہتے ہیں: وَيُخْتَارُ النَّصْبُ بِالْعَطْفِ، اور اس اسم کے اندر نصب مختار ہوگا بِالْعَطْفِ عَلَى جُمْلَةٍ فِعْلِيَّةٍ جملہ فعلیہ پر عطف کرنے کی وجہ سے لِلتَّنَاسُبِ، کس لیے؟ تناسب یعنی رعایتِ تناسب کے لیے۔ میں نے بتایا کہ جب ایک جملے کا دوسرے جملے پر عطف کیا جائے تو پسندیدہ یہ ہے، بہتر یہ ہے کہ جملہ فعلیہ پر جملہ فعلیہ کا عطف ہونا چاہیے اور جملہ اسمیہ پر جملہ اسمیہ کا عطف

ہونا چاہیے، یہ پسندیدہ ہے۔ اگرچہ جملہ فعلیہ پر جملہ اسمیہ کا عطف بھی ٹھیک، اور یہ بھی کثیر الوقوع ہے، اور اسی طرح جملہ اسمیہ پر جملہ فعلیہ کا عطف بھی ٹھیک ہے اور یہ بھی کلامِ عرب میں کثیر الوقوع ہے، لیکن پسندیدہ کیا؟ کہ دونوں جملے ایک جیسے ہونے چاہئیں، یہ پسندیدہ ہے ان میں مناسبت ہونی چاہیے۔ پہلا فعلیہ ہو تو دوسرا بھی فعلیہ ہونا چاہیے، پہلا اسمیہ ہو تو دوسرا بھی اسمیہ ہونا چاہیے۔ تو کہتے ہیں: وَيُخْتَارُ النَّصْبُ بِالْعَطْفِ عَلَى جُمْلَةٍ فِعْلِيَّةٍ لِلتَّنَاسُبِ، اور نصب پسندیدہ ہے اس اسم کے اندر جملہ فعلیہ پر عطف کرنے کی وجہ سے لِلتَّنَاسُبِ، یہ نصب کیوں مختار ہے؟ لِلتَّنَاسُبِ، تناسب کی وجہ سے کہ ان دونوں جملوں میں کیا آجائے گی؟ مناسبت آجائے گی۔ جیسے دیکھو یہ مثال انہوں نے ذکر کی ہے اگلی سطر میں: خَرَجْتُ فَزَيْدًا لَقِيتُهُ۔ خَرَجْتُ فَزَيْدًا لَقِيتُهُ۔ خَرَجْتُ یہ جملہ فعلیہ ہے فعل با فاعل، اور یہ فا عاطفہ ہے۔ توجہ ہے؟ اور آگے یہ زَيْدٌ یہ ہے وہ اسم جس میں مَا أُضْمِرَ عَامِلُهُ عَلَى شَرِيطَةِ التَّفْسِيرِ ہونے کا گمان ہوتا ہے، اور یہاں یہ، یہ اس کو مَا أُضْمِرَ عَامِلُهُ عَلَى شَرِيطَةِ التَّفْسِيرِ پڑھنا یعنی نصب پڑھنا وہ مختار ہے۔ تو کیسے پڑھیں گے؟ فَزَيْدًا لَقِيتُهُ۔ تقدیرِ عبارت کیا ہے؟ وہی مابعد میں جو فعل آ رہا ہے اس کو اس پر مسلط کر دیں: فَلَقِيتُ زَيْدًا لَقِيتُهُ۔ تو لَقِيتُ زَيْدًا یہ کون سا جملہ ہوا؟ جملہ فعلیہ، اور ماقبل میں خَرَجْتُ بھی کون سا جملہ تھا؟ فعلیہ۔ تو دونوں جملوں میں مناسبت آگئی، پہلا جملہ بھی فعلیہ اور دوسرا بھی فعلیہ۔ بات سمجھ میں آگئی؟

آگے دیکھیے: وَبَعْدَ حَرْفِ النَّفْيِ، اسی طرح حرفِ نفی کے بعد بھی نصب پسندیدہ ہے، نفی کے بعد بھی نصب پسندیدہ ہے۔ وجہ یہ کہ نفی عموماً فعل کی کی جاتی ہے، حروفِ نفی اکثر فعل پر داخل ہوتے ہیں۔ توجہ ہے؟ جب فعل پر داخل ہوتے ہیں، تو مثلاً جیسے مثال آ رہی ہے آگے ایک سطر کے بعد مثال ہے: مَا زَيْدًا ضَرَبْتُهُ۔ مل گئی مثال؟ مَا زَيْدًا ضَرَبْتُهُ۔ یہ مَا حرفِ نفی ہے، اور اس کے بعد یہ زید اسم آیا، تو اس زید اسم میں رفع بھی جائز، نصب بھی جائز، لیکن پسندیدہ کیا ہے؟ نصب۔ مَا زَيْدًا ضَرَبْتُهُ۔ تو تقدیرِ عبارت کیا ہوئی؟ مَا ضَرَبْتُ زَيْدًا ضَرَبْتُهُ۔ توجہ ہے؟ تقدیرِ عبارت کیا ہوئی؟ مَا ضَرَبْتُ زَيْدًا ضَرَبْتُهُ۔ تو مَا کے بعد فعل آگیا۔ اور یہ حروفِ نفی داخل بھی کس پر ہوتے ہیں اکثر؟ فعل پر۔ اور فعل کس صورت میں ہوگا؟ جب اس کو زَيْدًا پڑھیں، اگر زَيْدٌ پڑھیں گے پھر تو مبتدا بنے گا بھئی۔ تو کہتے ہیں متن میں دیکھیے: وَبَعْدَ حَرْفِ النَّفْيِ، اور حرفِ نفی کے بعد بھی نصب پسندیدہ ہے اگرچہ رفع بھی جائز ہے۔

آگے دیکھیے: وَبَعْدَ حَرْفِ الِاسْتِفْهَامِ، اور اسی طرح حرفِ استفہام کے بعد جو ہے وہاں بھی نصب پسندیدہ ہے۔ جیسے ساتھ ہی مثال دی ہوئی ہے: أَزَيْدًا ضَرَبْتَهُ؟ أَزَيْدًا ضَرَبْتَهُ؟ یعنی کیا آپ نے زید کی پٹائی کی ہے؟ تو دیکھو أَزَيْدًا، تقدیرِ عبارت کیا ہے؟ أَضَرَبْتَ زَيْدًا ضَرَبْتَهُ؟ تو حرفِ استفہام کے بعد بھی زَيْدًا یعنی نصب پسندیدہ ہے۔ وجہ یہ کہ استفہام عموماً فعل کے بارے میں کیا جاتا ہے، کس کے بارے میں؟ کسی کے ذات کے بارے میں استفہام نہیں ہوتا، فعل کے بارے میں استفہام کیا جاتا ہے کہ اس نے یہ کام کیا ہے یا یہ کام نہیں کیا بھئی۔ تو یہاں بھی نصب پسندیدہ ہے۔

آگے دیکھیے: وَإِذَا الشَّرْطِيَّةِ، اور إِذَا شرطیہ کے بعد بھی، إِذَا شرطیہ کے بعد بھی نصب پسندیدہ ہے۔ بات وہی کہ إِذَا شرطیہ

اکثر فعل پر داخل ہوتا ہے۔ کس پر؟ فعل پر داخل ہوتا ہے۔ بھئی دیکھیے نا یہ إذَا ہے یہ شرط کے لیے آیا، کس کے لیے آیا؟ اور شرط میں کیا کرتے ہیں؟ ایک چیز کو دوسری چیز کے ساتھ معلق کرتے ہیں۔ إنْ جِئْتَنِي أَكْرَمْتُكَ، إنْ جِئْتَنِي أَكْرَمْتُكَ، اگر آپ میرے پاس آئیں گے تو میں آپ کا اکرام کروں گا۔ دیکھو آپ مخاطب کے اکرام کو معلق کر رہے ہیں اس کے آنے پر، اگر آپ آئیں گے تو میں آپ کا اکرام کروں گا۔ تو شرط میں کیا ہوتی ہے؟ تعلیق ہوتی ہے، ایک چیز کو دوسری چیز کے ساتھ معلق کر دیا جاتا ہے، شرط پائی جائے گی تو جزا ہو گی، شرط نہیں تو جزا بھی نہیں۔ تو لہٰذا إذَا شرطیہ جب شرط کے لیے ہو تو یہ اکثر کس پر داخل ہوتا ہے؟ فعل پر داخل ہوتا ہے کیونکہ تعلیق کس میں ہوتی ہے؟ فعل میں، اگرچہ اسم پر بھی یہ داخل ہوتا ہے لیکن فعل پر زیادہ داخل ہوتا ہے۔ تو إذَا شرطیہ کے بعد بھی کیا پسندیدہ؟ نصب۔ جیسے مثال انہوں نے دی آگے بھئی، اسی سطر میں مثال ہے: إذَا عَبْدَ اللّٰهِ تَلْقَاهُ فَأَكْرِمْهُ۔ کتاب پر نظر ہے؟ إذَا عَبْدَ اللّٰهِ تَلْقَاهُ فَأَكْرِمْهُ، یہ إذَا شرطیہ ہے، اور اس کے بعد یہ عبد اللہ اسم آیا، اور اس اسم پر رفع بھی پڑھ سکتے ہیں آپ اور نصب بھی۔ لیکن نصب یہاں پسندیدہ ہے۔ کیوں؟ کیونکہ یہ إذَا شرطیہ ہے اور إذَا شرطیہ اکثر کس پر داخل ہوتا ہے؟ فعل پر۔ اور فعل کب ہو گا؟ جب یہاں آپ عَبْدَ اللّٰهِ منصوب پڑھیں، جب منصوب پڑھیں گے تو معلوم ہوا کوئی فعل مقدر ہے جو اس کو نصب دے رہا ہے۔ تو تقدیرِ عبارت کیا ہوئی؟ إذَا تَلْقَى عَبْدَ اللّٰهِ تَلْقَاهُ۔ یاد رکھو یہ تَلْقَهُ یہ کتابت کی غلطی ہے بھئی، تَلْقَى یہ شرط ہے نا، تَلْقَى لَقِيَ يَلْقَى کا معنی ہے کسی سے ملاقات کرنا، باب سمع ہے۔ توجہ ہے؟ اور یاد رکھو انہوں نے کیا لکھا؟ تَلْقَهُ۔ تَلْقَهُ اصل میں کیا تھا؟ تَلْقَاهُ آخر میں الف بھی موجود ہے، لَقِيَ يَلْقَى آخر میں الف موجود ہے، اور یہ جو إذَا شرطیہ ہے یہ جزم نہیں دیتا، اگر یہ جزم دیتا پھر تو الف گر جاتا۔ توجہ ہے؟ بھئی آپ جانتے ہیں وہ افعال جن کے آخر میں کیا آ رہا ہو؟ حرفِ علت ہو، تو جزم کی حالت میں وہ حرفِ علت گر جاتا ہے۔ رَمَى يَرْمِي، اس پر ذرا لَمْ لے کر آئیں: لَمْ يَرْمِ، دیکھا وہ یا گر گئی۔ اسی طرح اور کیا مثال ہے؟ دَعَا يَدْعُو، اس پر لَمْ لے آئیں: لَمْ يَدْعُ، دیکھو واؤ گر گیا آخر سے۔ اور الف والی کیا مثال ہے؟ اسی سے فعلِ مجہول بنا لو: يُرْمَى، رُمِيَ يُرْمَى، دیکھو فعلِ مجہول ہے اس کے آخر میں الف ہے اس پر لَمْ لے آؤ: لَمْ يُرْمَ، دیکھو الف گر گیا۔ تو جزم کی حالت میں آخر سے حرفِ علت گر جاتا ہے فعلِ مضارع کے۔ تو یہاں پر بھی انہوں نے کیا کہا؟ تَلْقَهُ، اصل میں کیا تھا؟ تَلْقَاهُ، تَلْقَاهُ۔ لیکن یہ کتابت کی غلطی ہے، الف نہیں گرنا چاہیے۔ وجہ یہ کہ جو باقی اداتِ شرط ہیں جیسے إنْ ہے، حَيْثُ وغیرہ، وہ جزم دے دیتے ہیں، وہ جزم دیتے ہیں لیکن یہ إذَا جزم نہیں دیتا، جب جزم نہیں دیتا تو یہاں الف ہونا چاہیے بھئی۔ تو صحیح عبارت کیا ہے؟ إذَا عَبْدَ اللّٰهِ تَلْقَاهُ فَأَكْرِمْهُ۔ اور جامی کے دیگر نسخوں میں یہاں الف موجود ہے بھئی۔ بات سمجھ میں آ گئی؟ بعض نسخوں میں الف کو گرایا گیا ہے لیکن بعض نسخوں میں الف یہاں موجود ہے اور اس کو موجود ہونا چاہیے بھئی۔

توجہ سے سنو بھئی: إذَا عَبْدَ اللّٰهِ تَلْقَاهُ، تقدیرِ عبارت کیا ہے؟ إذَا تَلْقَى عَبْدَ اللّٰهِ تَلْقَاهُ فَأَكْرِمْهُ، یہ ہے جزا، یہ ہے جزا فعلِ امر ہے بھئی۔ کلام کا معنی کیا ہوا؟ إذَا تَلْقَى عَبْدَ اللّٰهِ، جب تو عبد اللہ سے ملاقات کرے فَأَكْرِمْهُ تو تو اس کا اکرام کر۔ تو إذَا

کے بعد بھی کیا پسندیدہ ہے إِذَا شرطیہ کے بعد؟ نصب پسندیدہ

پسندیدہ ہے کیونکہ إِذَا شرطیہ اکثر فعل پر داخل ہوتا ہے۔

اور اسی طرح وَحَيْثُ، اور حَيْثُ کے بعد بھی، وہ حَيْثُ جو شرط کے لیے آئے۔ حَيْثُ ہمیشہ شرط کے لیے نہیں آتا لیکن کبھی شرط کے لیے آتا ہے تو اس وقت بھی وہاں نصب پسندیدہ ہے، جیسے آگے مثال دی ہے: حَيْثُ زَيْدًا تَجِدْهُ فَأَكْرِمْهُ۔ حَيْثُ یہاں حَيْثُ زَيْدًا پڑھنا پسندیدہ ہے، زَيْدٌ پڑھنا پسندیدہ نہیں۔ تو تقدیرِ عبارت کیا ہے؟ حَيْثُ تَجِدْ زَيْدًا تَجِدْهُ۔ اور یہ حَيْثُ جو ہے یہ جزم دیتا ہے جب شرط کے لیے آئے۔ وَجَدَ يَجِدُ دیکھو دال پر ضمہ ہے، لیکن حَيْثُ جب آیا: حَيْثُ تَجِدْ زَيْدًا تَجِدْهُ، اب دال پر جزم آگیا کیونکہ حَيْثُ جب شرط کے لیے ہو تو یہ جزم دیتا ہے بھئی۔ اور یہ مکان کے معنی میں ہوتا ہے۔ إِذَا جو ہے وہ زمانے کے معنی میں ہوتا ہے جبکہ حَيْثُ مکان کے معنی میں۔ حَيْثُ زَيْدًا تَجِدْهُ، جس جگہ زید کو تو پالے فَأَكْرِمْهُ تو تو اس کا اکرام کر۔ جہاں زید تجھے ملے تو تو اس کا اکرام کر، دیکھو جہاں ملے جگہ کے معنی میں ہے یعنی جس جگہ تجھے زید ملے تو اس کا اکرام کر۔ اور إِذَا جو ہے اس میں زمانے والا معنی ہے: إِذَا عَبْدَ اللَّهِ تَلْقَاهُ، جب تو عبد اللہ سے ملاقات کرے تو اس کا اکرام کر۔ تو یہ جب، یہ زمانے کے لیے آتا ہے۔ جب تو عبد اللہ سے ملاقات کرے یعنی جس زمانے میں تو عبد اللہ سے ملاقات کرے تو تو اس کا اکرام کر۔ تو إِذَا کا کیا ترجمہ کریں گے؟ جب، اور یہ زمانے کے لیے ہے۔ اور حَيْثُ اس یہاں کیا ترجمہ کریں گے؟ جہاں، اور یہ جگہ کے لیے ہے۔

اسی طرح وَفِي الْأَمْرِ وَالنَّهْيِ، امر اور نہی کے اندر بھی بھئی۔ امر اور نہی کے اندر، یعنی ادھر دیکھیے اس اسم کے بعد امر یا نہی آرہے ہوں۔ پہلے جو چیزیں گزریں: بَعْدَ حَرْفِ النَّفْيِ، حرفِ نفی کے بعد۔ وہ اسم کہاں آئے گا؟ حرفِ نفی کے بعد، جس میں نصب پسندیدہ ہے۔ بَعْدَ حَرْفِ الِاسْتِفْهَامِ، وہ اسم کہاں آئے گا؟ حرفِ استفہام کے بعد میں آئے گا۔ وَبَعْدَ إِذَا الشَّرْطِيَّةِ وَحَيْثُ، اور وہ اسم کہاں آئے گا؟ إِذَا شرطیہ اور حَيْثُ کے بعد آئے گا جو مَا أُضْمِرَ عَامِلُهُ عَلَى شَرِيطَةِ التَّفْسِيرِ ہے۔ توجہ ہے؟ کس کے بعد آئے گا؟ یہ جو پیچھے چیزیں ذکر ہوئیں ان کے بعد وہ اسم آئے گا، جبکہ امر اور نہی کے اندر ان امر اور نہی سے پہلے آئے بھئی۔ امر اور نہی سے پہلے آئے گا تو اس میں نصب پسندیدہ ہے۔ اور وجہ میں نے ابھی ذکر کر دی، ابھی ذکر کر دی، جیسے دیکھو: زَيْدًا اِضْرِبْهُ۔ زَيْدًا اِضْرِبْهُ۔ یہاں پر زَيْدًا آیا اور آگے اِضْرِبْ امر آگیا، تو اس زَيْدًا میں نصب پسندیدہ ہے۔ کیوں نصب پسندیدہ؟ کیونکہ اگر آپ زَيْدٌ پڑھیں گے پھر تو زَيْدٌ مبتدا بن جائے گا، اور آگے جو امر یا نہی ہے وہ تو جملہ انشائیہ ہے، وہ خبر بنے گا، اور جملہ انشائیہ تو بغیر تاویل کے خبر نہیں بن سکتا پھر تاویل کرنا پڑے گی، لہٰذا کیا پڑھو؟ نصب پڑھو۔ تو اصل میں کیا ہے؟ زَيْدًا اِضْرِبْهُ، تقدیرِ عبارت کیا؟ اِضْرِبْ زَيْدًا اِضْرِبْهُ۔ تو پہلا بھی جملہ فعلیہ دوسرا بھی جملہ فعلیہ، پہلا ہے مفسر دوسرا ہے تفسیر، لہٰذا یہاں کوئی تاویل کرنے کی ضرورت نہیں کیونکہ یہاں خبر ہے ہی نہیں۔ بات سمجھ میں آگئی اچھی طرح؟ تو امر اور نہی سے پہلے جو اسم آئے اس میں بھی نصب پسندیدہ ہے۔

آگے خود فرما رہے ہیں: إِذْ هِيَ مَوَاقِعُ الْفِعْلِ، اس لیے کیونکہ یہ فعل کے مواقع ہیں۔ یہ حرفِ نفی کے بعد یا حرفِ استفہام کے بعد یا إِذَا شرطیہ اور حَيْثُ کے بعد، یہ فعل کے مواقع ہیں لہٰذا یہاں پر نصب پڑھو۔ نصب پڑھو گے پھر ہی فعل وہاں مقدر ہو گا۔ اور امر اور نہی سے ماقبل یہ فعل کا موقع ہے، نصب پڑھو گے تو فعل ہو گا، نصب نہیں پڑھو گے تو فعل نہیں پھر تو جملہ انشائیہ کا خبر بننا لازم آئے گا اور جملہ انشائیہ تو خبر نہیں بن سکتا بھئی، اس کا خبر بننا جائز نہیں الا یہ کہ اس میں کوئی تاویل کی جائے بھئی۔ تو کہتے ہیں إِذْ هِيَ مَوَاقِعُ الْفِعْلِ، اس لیے کیونکہ یہ جو ہیں فعل کے مواقع ہیں۔ بات سمجھ میں آگئی؟

جی اب آئیے اس سارے کو شرح کے ساتھ دیکھیں بھئی۔ کہتے ہیں: وَيُخْتَارُ النَّصْبُ فِي الِاسْمِ الْمَذْكُورِ، اور نصب پسندیدہ ہے فِي الِاسْمِ الْمَذْكُورِ اس مذکورہ اسم کے اندر، وہ اسم جو جس میں مَا أُضْمِرَ عَامِلُهُ عَلَى شَرِيطَةِ التَّفْسِيرِ بننے کا گمان ہوتا ہے اور اس کا احتمال ہے، اس کے اندر نصب پسندیدہ ہے، بِالْعَطْفِ أَيْ بِسَبَبِ عَطْفِ جُمْلَةٍ هُوَ فِيهَا، یعنی اس سبب سے کہ عطف ہو رہا ہو اس جملے کا هُوَ فِيهَا جس جملے کے اندر وہ اسم ہو۔ توجہ ہے؟ جُمْلَةٍ ہے نکرہ، اور اس کے بعد هُوَ فِيهَا ایک جملہ اسمیہ آرہا ہے، هُوَ ہے مبتدا اور فِيهَا ہے اس کی خبر۔ اور یہ پورا جملہ اسمیہ یہ صفت بن رہا ہے جُمْلَةٍ کی بھئی۔ میں نے بتایا تھا نکرہ کے بعد فعل آئے تو اس کے لیے کیا بنتا ہے؟ صفت، کیونکہ فعل اپنے فاعل یا نائب فاعل سے مل کر جملہ بنے گا۔ اس سے آپ کو ایک ضابطہ پتہ چل گیا کہ جملہ کس کے حکم میں ہوتا ہے؟ نکرہ کے حکم میں۔ جملے کے اندر چاہے دس معرفہ آجائیں لیکن جب پورا جملہ بن جائے گا اب وہ کس کے حکم میں؟ نکرہ کے حکم میں۔ معلوم ہوا نکرہ کے بعد جملہ فعلیہ آجائے وہ بھی اس کے لیے کیا بنے گا؟ صفت، یا نکرہ کے بعد جملہ اسمیہ آجائے وہ بھی اس کے لیے کیا بنے گا؟ صفت۔ تو یہاں جُمْلَةٍ دیکھو نکرہ ہے اور هُوَ فِيهَا یہ آگے مبتدا خبر پورا جملہ اسمیہ آرہا ہے تو یہ خبر بنے گا کس کے لیے؟ جملہ کے لیے، اور موصوف صفت کا ترجمہ کیسے کرتے ہیں؟ موصوف سے پہلے ایسا یا ایسی کا لفظ لے آتے ہیں۔

تو کہتے ہیں: أَيْ بِسَبَبِ عَطْفِ جُمْلَةٍ، بوجہ عطف کے اس جملے کے هُوَ فِيهَا جس کے اندر وہ مذکورہ اسم ہے، عَلَى جُمْلَةٍ فِعْلِيَّةٍ اس کا عطف ہو رہا ہے کس پر؟ اس کا عطف ہو رہا ہے عَلَى جُمْلَةٍ فِعْلِيَّةٍ مُتَقَدِّمَةٍ، ایسے جملے پر جو فعلیہ ہے مُتَقَدِّمَةٍ اور متقدم ہے یعنی پہلے ہے، لِلتَّنَاسُبِ، تو اس میں نصب مختار ہے لِلتَّنَاسُبِ، تو اس اسمِ مذکور میں نصب مختار ہے لِلتَّنَاسُبِ کس لیے؟ مناسبت کی وجہ سے۔ أَيْ لِرِعَايَةِ التَّنَاسُبِ بَيْنَ الْجُمْلَةِ الْمَعْطُوفَةِ وَالْجُمْلَةِ الْمَعْطُوفِ عَلَيْهَا، بوجہ رعایتِ تناسب کے وہ جملہ جو معطوف ہے اور وہ جملہ جو معطوف علیہا ہے ان دونوں میں رعایتِ تناسب کے لیے نصب پسندیدہ ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ پھر ذرا ترجمہ دیکھیں: أَيْ لِرِعَايَةِ التَّنَاسُبِ بَيْنَ الْجُمْلَةِ الْمَعْطُوفَةِ وَالْجُمْلَةِ الْمَعْطُوفِ عَلَيْهَا، رعایتِ تناسب کے لیے وہ جملہ جو معطوف ہے اور وہ جملہ جو معطوف علیہا ہے، ان میں رعایتِ تناسب کے لیے نصب مختار ہے۔ بھئی ان میں رعایتِ تناسب ہے کس اعتبار سے؟ آگے بتا رہے ہیں: فِي كَوْنِهِمَا فِعْلِيَّتَيْنِ، اس بات کے اندر کہ وہ دونوں فعلیہ ہوں گے بھئی۔ نَحْوُ مثال کے طور پر خَرَجْتُ فَزَيْدًا لَقِيتُهُ، میں نکلا تو زید جو ہے کہ اس سے میری ملاقات ہوئی،

تو یہاں خَرَجْتُ ماقبل میں جملہ فعلیہ آیا تو لہٰذا زَيْدًا لَقِيتُهُ پڑھنا پسندیدہ ہے۔ تقدیرِ عبارت کیا ہو گئی؟ خَرَجْتُ فَلَقِيتُ زَيْدًا لَقِيتُهُ۔ تو جملہ فعلیہ کا عطف ہو گیا کس پر؟ جملہ فعلیہ پر اور یہ پسندیدہ ہے۔

وَبَعْدَ حَرْفِ النَّفْيِ، اور حرفِ نفی کے بعد بھی نصب پسندیدہ ہے، کیونکہ نفی عموماً کس کی کی جاتی ہے؟ فعل کی کی جاتی ہے۔ اور حروفِ نفی میں سے کون کون سے حروف مراد ہیں؟ صاحبِ جامی بتائیں گے تمام حروفِ نفی نہیں مراد، بلکہ مَا، لَا اور إِنْ مراد ہیں۔ مَا بھی نفی کے لیے آتا ہے، لَا بھی نفی کے لیے آتا ہے اور إِنْ بھی نفی کے لیے آتا ہے۔ کہتے ہیں: وَبَعْدَ حَرْفِ النَّفْيِ، اور حرفِ نفی کے بعد، يَعْنِي مَا وَلَا وَإِنْ، یعنی مَا، لَا اور إِنْ، بھئی یہ جو تین حروف ہیں۔ وَلَيْسَ لَمْ وَلَمَّا وَلَنْ، یہ تین حروف جو ہیں یہ مراد نہیں، حروفِ نفی سے مَا، لَا اور إِنْ مراد ہیں، لَمْ، لَمَّا اور لَنْ مراد نہیں ہیں۔ وجہ کیا؟ بھئی یہ تین کیوں نہیں مراد؟ کہتے ہیں وجہ یہ کہ یہ جو لَمْ، لَمَّا اور لَنْ ہیں یہ فعلِ مضارع پر داخل ہوتے ہیں اور یہ عاملِ ضعیف ہیں، کیا؟ یہ عاملِ ضعیف ہیں لہٰذا ان کو باقی رکھیں اور ان کے معمول کو حذف کر لیں یعنی اس فعلِ مضارع کو، یہ جائز نہیں۔ بھئی دیکھیے نا کیا کہا؟ حرفِ نفی کے بعد کیا پڑھنا پسندیدہ؟ نصب پسندیدہ ہے، جیسے آگے مثال آ رہی ہے اگلی سطر میں: مَا زَيْدًا ضَرَبْتُهُ۔ توجہ ہے؟ مَا زَيْدًا ضَرَبْتُهُ، تقدیرِ عبارت کیا ہے؟ مَا ضَرَبْتُ زَيْدًا ضَرَبْتُهُ۔ تو یہ مَا کے بعد ضَرَبْتُ فعل محذوف ہے، کیونکہ یہ حروفِ نفی اکثر کس پر داخل ہوتے ہیں؟ فعل پر داخل ہوتے ہیں۔ جبکہ وہ جو باقی تین حروف ہیں لَمْ، لَمَّا اور لَنْ، یہ فعلِ مضارع میں عمل کرتے ہیں۔ یہ مَا، إِنْ اور لَا یہ تو عمل نہیں کرتے، لہٰذا ان کے بعد اگر فعل محذوف بھی ہو تو کوئی حرج نہیں کیونکہ انہوں نے عمل تو کرنا نہیں، جبکہ وہ باقی تین جو ہیں وہ فعلِ مضارع میں عمل کرتے ہیں، وہ فعلِ مضارع میں عمل کرتے ہیں یا وہ جزم دیتے ہیں یا نصب دیتے ہیں۔ تو جب وہ عمل کر رہے ہیں تو فعلِ مضارع ہوا ان کا معمول۔ تو اگر ان کے بعد نصب پڑھا جائے گا، تو آپ نے گویا ان کے معمول کو حذف کر دیا اور حالانکہ یہ تو عمل کے اندر ضعیف ہیں، ان کے معمول کو حذف کرنا جائز نہیں۔ بات سمجھ میں آ گئی؟

تو کہتے ہیں: يَعْنِي مَا وَلَا وَإِنْ وَلَيْسَ لَمْ وَلَمَّا وَلَنْ مِنْ هَذِهِ الْجُمْلَةِ، کہتے ہیں یہ اس مجموعے میں سے نہیں ہیں، إِذْ هِيَ عَامِلَةٌ فِي الْمُضَارِعِ، اس لیے کیونکہ یہ تین جو ہیں یہ فعلِ مضارع میں عمل کرتے ہیں، مَا، لَا اور إِنْ تو عمل نہیں کرتے اور یہ تین فعلِ مضارع میں عمل کرتے ہیں، وَلَا يُقَدَّرُ مَعْمُولُهَا، اور ان کے معمول یعنی فعلِ مضارع کو مقدر نہیں کیا جا سکتا لِضَعْفِهَا فِي الْعَمَلِ، بوجہ ان کے ضعیف ہونے کے عمل کے اندر، اس وجہ سے کہ یہ عمل میں ضعیف ہیں۔ لیکن محشی حضرات فرماتے ہیں کہ یہ جو صاحبِ جامی نے فرمایا کہ لَمْ، لَمَّا اور لَنْ کے معمول کو حذف نہیں کیا جا سکتا، کہتے ہیں باقی دو کے بارے میں تو بات ٹھیک ہے لیکن لَمَّا کے اندر اس کے معمول کو حذف کرنا جائز ہے، لَمَّا کے اندر اس کے معمول کو حذف کرنا جائز ہے بھئی۔

آگے دیکھیے مثالیں دیکھیے: مَا زَيْدًا ضَرَبْتُهُ، تقدیرِ عبارت کیا ہے؟ مَا ضَرَبْتُ زَيْدًا ضَرَبْتُهُ۔ وَلَا زَيْدًا ضَرَبْتُهُ وَلَا عَمْرًا، توجہ

ہے؟ لَا زَيْدًا ضَرَبْتُهُ وَلَا عَمْرًا، تقدیرِ عبارت کیا ہے؟ لَا ضَرَبْتُ زَيْدًا، لَا ضَرَبْتُ زَيْدًا ضَرَبْتُهُ وَلَا عَمْرًا۔ اور نیز لَا کو دو دفعہ لائے، بتلانا یہ چاہتے ہیں کہ یہ لَا جو نفی کے لیے ہے جب یہ معرفہ پر داخل ہو تو تکرارِ لَا ضروری ہے، اسی لیے دو دفعہ لائے۔ دیکھو نا فعل تو مقدر ہو گیا تو لَا کس پر داخل ہو گیا؟ زَيْدًا جو معرفہ ہے۔ تو وَلَا زَيْدًا ضَرَبْتُهُ وَلَا عَمْرًا۔ وَإِنْ زَيْدًا ضَرَبْتُهُ إِلَّا تَأْدِيبًا، وَإِنْ زَيْدًا، یہ إِنْ بھی حرفِ نفی ہے بھئی، اور دیکھو آگے إِلَّا، دیکھو مَا اور إِلَّا اکٹھے استعمال ہوتے ہیں، مَا کس لیے ہوتا ہے؟ نفی کے لیے، اور إِلَّا استثناء کے لیے۔ یہاں مَا کی جگہ کیا لے آئے؟ إِنْ لے آئے، تو یہ بھی نفی کے لیے ہے۔ اور اس إِنْ کے بعد کیا پسندیدہ؟ نصب پسندیدہ ہے اس لیے إِنْ زَيْدًا ضَرَبْتُهُ إِلَّا تَأْدِيبًا کہا، اگرچہ رفع بھی پڑھ سکتے ہیں۔ إِنْ زَيْدًا ضَرَبْتُهُ، تو تقدیرِ عبارت کیا ہے؟ إِنْ ضَرَبْتُ زَيْدًا ضَرَبْتُهُ إِلَّا تَأْدِيبًا، کہ میں نے پٹائی نہیں کی زید کی إِلَّا تَأْدِيبًا مگر ادب سکھانے کے لیے۔

وَبَعْدَ حَرْفِ الِاسْتِفْهَامِ، اور اسی طرح حرفِ استفہام کے بعد، نَحْوُ مثال کے طور پر أَزَيْدًا ضَرَبْتَهُ؟ أَزَيْدًا ضَرَبْتَهُ؟ دیکھو ہمزہ حرفِ استفہام ہے لہٰذا اس کے بعد نصب پسندیدہ ہے۔ کیا وجہ؟ کیونکہ استفہام عموماً فعل کے بارے میں کیا جاتا ہے، ذات کے بارے میں استفہام نہیں کیا جاتا۔ تو نَحْوُ أَزَيْدًا ضَرَبْتَهُ؟ تقدیرِ عبارت کیا ہے؟ جی؟ بھئی وہی اسم سے قبل وہی فعل نکال لیا کریں، کیا سوچ میں ڈوب جاتے ہیں؟ جی أَضَرَبْتَ زَيْدًا ضَرَبْتَهُ؟ تو پہلا جو ضَرَبْتَ زَيْدًا آیا یہ ہے مفسر، اور ضَرَبْتَهُ اگلا جملہ فعلیہ اس کی تفسیر، اور یہ جملہ انشائیہ ہے کیونکہ استفہام ہے۔

وَإِنَّمَا قَالَ حَرْفَ الِاسْتِفْهَامِ، بھئی ماتن نے حرفِ استفہام کہا صاحبِ کافیہ نے، اسمِ استفہام نہیں کہا۔ کہتے ہیں اس لیے کیونکہ اسمِ استفہام کے اندر رفع مختار ہے۔ اسمِ استفہام کے اندر رفع مختار ہے، دیکھو میں آگے تفصیل بیان کرتا ہوں۔ کہتے ہیں: وَإِنَّمَا قَالَ حَرْفَ الِاسْتِفْهَامِ، ماتن نے حرفِ استفہام کہا، لِأَنَّهُ يُخْتَارُ الرَّفْعُ فِي اسْمِ الِاسْتِفْهَامِ، کیسے پڑھیں گے؟ فِي اسْمِ الِاسْتِفْهَامِ، فِسْمِ الِاسْتِفْهَامِ۔ دیکھو استفہام تھا، استفہام کا ہمزہ وصلی ہے، اس پر الف لام لے آئے تو استفہام کا ہمزہ وصلی گر گیا، کیا بن گیا؟ الِاسْتِفْهَام، لام کے نیچے زیر پڑھیں: الِاسْتِفْهَام۔ جی، اب پیچھے کیا آیا؟ اسم، اس کا ہمزہ بھی گر گیا، اور ماقبل میں فِي آیا، فِي کے اندر یا ساکن، آگے اسم کا سین بھی ساکن، تو اجتماعِ ساکنین آیا اور اول حرفِ مدہ ہے یا، اس یا کو گرا دیا، تو کیسے پڑھیں گے؟ فِسْمِ الِاسْتِفْهَامِ، فِسْمِ الِاسْتِفْهَامِ۔

لِأَنَّهُ يُخْتَارُ الرَّفْعُ فِي اسْمِ الِاسْتِفْهَامِ مِثْلُ مَنْ أَكْرَمْتَهُ۔ بھئی اسمِ استفہام کے اندر رفع مختار ہے۔ ادھر دیکھیے: حرفِ استفہام وہ تو حرف ہے، معلوم ہوا وہ اسم اس کے بعد آئے گا، کیا آئے گا؟ جس کے اندر نصب مختار ہے: أَزَيْدًا ضَرَبْتَهُ؟ دیکھو ہمزہ کے بعد کیا آیا؟ یہ زَيْدًا آیا، اس کے اندر نصب مختار ہے۔ اور جو اسمِ استفہام ہوتا ہے، اسمِ استفہام جو ہے وہ اسم پر داخل نہیں ہوتا وہ فعل پر داخل ہوتا ہے۔ معلوم ہوا مَنْ جیسے مَنْ اسمِ استفہام ہے سوال پوچھنے کے لیے، تو اس

کے بعد آگے اسم نہیں آئے گا آگے فعل آئے گا بھئی: مَنْ ضَرَبْتَهُ؟ تو نے کس کی پٹائی کی؟ بات کس کی چل رہی ہے؟ مَا أُضْمِرَ عَامِلُهُ عَلَى شَرِيطَةِ التَّفْسِيرِ کی، اور وہ کسے کہتے ہیں؟ وہ اسم جس کے بعد کیا آئے؟ فعل آئے، تو مَنْ ضَرَبْتَهُ، مَنْ کے بعد تو کوئی اسم نہیں آرہا، مَنْ کے بعد تو کون آرہا ہے؟ فعل، معلوم ہوا یہ مَنْ جو ہے یہی مَا أُضْمِرَ عَامِلُهُ عَلَى شَرِيطَةِ التَّفْسِيرِ ہونے کا گمان اس پر ہوتا ہے۔ اس کے بعد ایک فعل ہے جو مشغول ہے اس کی ضمیر میں: مَنْ ضَرَبْتَهُ، یہ ہا ضمیر کس کو راجع ہے؟ مَنْ کو راجع ہے۔ تو یہ جو اسمِ استفہام ہے یہ تو بتدا بنتا ہے بھئی، یہ بتدا بنتا ہے۔ اس لیے کیونکہ اگر اس سے پہلے فعل نکالیں گے تو پھر تو اس کی صدارت فوت ہو جائے گی، حالانکہ یہ تو صدارتِ کلام کو چاہتا ہے کہ کلام کے شروع میں آئے۔ اگر ماقبل میں بھی ضَرَبْتَ نکال لیں گے تو ضَرَبْتَ مَنْ، تو صدارت تو ضَرَبْتَ کی ہو گئی، مَنْ کی صدارت تو فوت ہو گئی۔ لہٰذا یہ صدارت کو چاہتا ہے اور صدارت اسی صورت میں ہے کہ اس کے لیے فعل نہ نکالو بلکہ اس کو بتدا بناؤ اور آگے فعل کو اس کے لیے خبر بناؤ بھئی۔

تو اسی لیے کہا: وَإِنَّمَا قَالَ حَرْفَ الِاسْتِفْهَامِ، ماتن نے حرفِ استفہام کہا لِأَنَّهُ يُخْتَارُ الرَّفْعُ فِي اسْمِ الِاسْتِفْهَامِ، اس لیے کیونکہ اسمِ استفہام کے اندر تو رفع مختار ہے، مِثْلُ مثال کے طور پر مَنْ أَكْرَمْتَهُ۔ ترکیب کیا ہو گی؟ مَنْ، مَنْ مرفوع محلاً بتدا، أَكْرَمْتَ فعل با فاعل، ہا ضمیر منصوب محلاً مفعول بہ جو کس کو راجع؟ مَنْ کو۔ أَكْرَمْتَ فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر یہ خبر، بتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ انشائیہ ہوا بھئی کیونکہ استفہام ہے بھئی۔ تو یہ مَنْ بتدا ہے مرفوع ہے محلاً۔

وَلَمْ يَقُلْ هَمْزَةَ الِاسْتِفْهَامِ، بھئی ماتن نے کیا کہا؟ وَبَعْدَ حَرْفِ الِاسْتِفْهَامِ، هَمْزَةَ الِاسْتِفْهَامِ کیوں نہیں کہا؟ کہتے ہیں دراصل هَلْ کو بھی اس میں داخل کرنا چاہتے ہیں۔ اگر ہمزہ کہہ دیتے پھر تو هَلْ نکل جاتا، حالانکہ استفہام کے لیے هَلْ بھی آتا ہے۔ اور هَلْ کے بارے میں یاد رکھنا بھئی، هَلْ جو ہے، کہتے ہیں هَلْ کے بارے میں علمائے نحو فرماتے ہیں کہ هَلْ اصل میں قَدْ تھا، اصل میں کیا تھا؟ قَدْ تھا، پھر اس سے کیا بنا لیا گیا؟ هَلْ بنا لیا گیا۔ اور آپ کو بتائیں گے صاحبِ کافیہ بھئی، جہاں فعل کی بحث شروع ہوتی ہے، آگے چل کر کافیہ میں جہاں فعل کی بحث شروع ہوتی ہے، وہاں فعل کے خاصے ذکر فرماتے ہیں کہ جس کے ذریعے فعل کو پہچانیں گے، ان خاصوں میں سے ایک خاصہ یہ ہے کہ جس لفظ پر قَدْ داخل ہو جائے سمجھ جاؤ وہ فعل ہے۔ قَدْ ضَرَبَ، یہ قَدْ نے کیا بتلایا؟ کہ ضَرَبَ فعل ہے۔ بھئی تو جیسے اسم کے خاصے، کچھ خاصے شروع میں ذکر کر دیے تھے، اسی طرح فعل کے جو خاصے ہیں ان میں سے ایک خاصہ قَدْ ہے۔ تو معلوم ہوا هَلْ اصل میں کیا تھا؟ قَدْ، اور قَدْ تو ہمیشہ کس پر داخل ہوتا ہے؟ فعل پر۔ لہٰذا هَلْ جب آپ استعمال کریں اور اس جملے کے اندر فعل بھی لے کر آئیں، تو اس فعل کو هَلْ کے ساتھ جوڑنا پڑے گا۔ فعل کو هَلْ کے ساتھ جوڑنا پڑے گا، لہٰذا آپ یوں کہتے ہیں: یوں کہتے ہیں: هَلْ زَيْدٌ ضَرَبْتَهُ؟ توجہ ہے؟ هَلْ زَيْدٌ ضَرَبْتَهُ؟

تو زَيْدٌ کو کیا بنایا؟ بتدا۔ اور ضَرَبْتُهُ کو کیا بنایا؟ اس کی خبر۔ اور هَلْ کو کس پر داخل کیا؟ زید بتدا پر داخل کیا، حالانکہ جملے

میں فعل موجود ہے یا نہیں؟ جب جملے میں فعل موجود ہو تو پھر هَلْ کو فعل پر ہی داخل کریں گے۔ کس پر؟ فعل پر ہی داخل کریں گے۔ یوں کہو هَلْ اصل میں کیا تھا؟ قَدْ۔ اور قَدْ ہمیشہ کس پر داخل ہوتا ہے؟ فعل۔ یعنی قَدْ ہمیشہ فعل کے ساتھ رہتا ہے، یعنی یوں گویا قَدْ کو محبت ہے فعل کے ساتھ، یہ ہر وقت اس کے ساتھ رہنا چاہتا ہے۔ پھر اس قَدْ کو بدل کر کیا بنا دیا؟ هَلْ۔ هَلْ بنا دیا۔ اب هَلْ اسم پر بھی داخل ہوتا ہے فعل پر بھی۔ توجہ ہے؟ هَلْ اسم پر بھی داخل ہوتا ہے اور فعل پر بھی، لیکن جب جملے کے اندر فعل موجود ہو، تو پھر هَلْ کیا چاہتا ہے؟ کہ میں فعل پر ہی داخل ہوں۔ اس کو اپنا وہ گزشتہ زمانہ یاد آ جاتا ہے کہ پہلے میں کیا تھا؟ قَدْ تھا، تو میں کس کے ساتھ رہتا تھا؟ فعل کے ساتھ۔ تو جب فعل موجود ہے تو اب مجھے اس کے ساتھ رکھو۔ تو جب جملے کے اندر فعل موجود ہو تو هَلْ چاہتا ہے کہ میں اسی پر داخل ہوں۔ ہاں اگر فعل ہو ہی نا، پھر کوئی حرج نہیں ہے۔ هَلْ زَيْدٌ قَائِمٌ؟ هَلْ زَيْدٌ قَائِمٌ؟ زَيْدٌ مبتدا، قَائِمٌ خبر ہے، اور هَلْ اس پر داخل کیا اور جملے میں کوئی فعل ہے ہی نہیں، جب فعل ہے ہی نہیں پھر تو کوئی حرج نہیں۔ یہ اپنی وہ عشق و محبت بھول چکا ہے، اس کو یاد ہی نہیں بھئی۔ لہٰذا اب یہ اسم پر بھی داخل ہو جائے گا۔ لیکن جب جملے کے اندر فعل آ جائے تو اس کو اپنی پہلی محبت یاد آ جاتی ہے اور یہ کہتا ہے کہ مجھے فعل... بات سمجھ میں آ گئی؟ لہٰذا جب هَلْ جملے میں آئے، اور هَلْ کے بعد ایک اسم آئے، اور اسم کے بعد ایک فعل آ رہا ہے، اور وہ فعل اسی اسم کی ضمیر میں مشغول ہے، تو اس اسم پر نصب پڑھو۔ کیا پڑھو؟ جب نصب پڑھو گے تو یہاں فعل مقدر ہو گیا۔ جب فعل مقدر ہو گیا تو گویا هَلْ فعل پر داخل ہو رہا ہے۔ هَلْ بھی کس پر داخل ہونا چاہتا تھا؟ فعل پر جب فعل موجود ہے۔ اور جب زَيْدًا پڑھو گے هَلْ زَيْدًا ضَرَبْتَهُ، تو پھر اس صورت میں فعل مقدر ہے تو گویا هَلْ اس پر داخل ہو رہا ہے۔ اور اگرچہ اس کو بھی قبیح قرار دیا ہے علمائے نحو نے، اگرچہ یہ بھی قبیح ہے، پسندیدہ نہیں، کیونکہ جب فعل خود موجود ہے تو براہِ راست داخل کرنا پسندیدہ ہے بھئی۔ فعلِ مقدر پر لے آؤ گے تو بہرحال کلام ٹھیک ہو جائے گا لیکن پسندیدہ نہیں، پسندیدہ یہی ہے کہ وہ فعل پر ہی اس کو داخل کرو بھئی۔

دیکھیے بھئی آگے کتاب پر۔ کہتے ہیں: وَلَمْ يَقُلْ هَمْزَةَ الِاسْتِفْهَامِ، ماتن نے ہمزہ استفہام نہیں کہا لِيَشْمَلَ مِثْلَ هَلْ زَيْدًا ضَرَبْتَهُ، تاکہ یہ کلام شامل ہو جائے هَلْ زَيْدًا ضَرَبْتَهُ جیسی مثالوں کو بھی، فَإِنَّهُ يَجُوزُ اس لیے کیونکہ یہ جائز ہے۔ کیوں جائز ہے؟ کیونکہ هَلْ کے بعد زَيْدًا پڑھا، جب زَيْدًا پڑھا معلوم ہوا فعل مقدر ہے، جب فعل مقدر ہے تو هَلْ گویا فعل پر ہی داخل ہو رہا ہے۔ تو کہتے ہیں: فَإِنَّهُ يَجُوزُ کیونکہ یہ جائز ہے، وَإِنِ اسْتَقْبَحَهُ النُّحَاةُ اگرچہ اس کو نحویوں نے قبیح سمجھا ہے ناپسندیدہ سمجھا ہے لِاقْتِضَاءِ هَلْ لَفْظَ الْفِعْلِ، اس لیے کیونکہ هَلْ لفظِ فعل کا تقاضا کرتا ہے، کہ لفظِ فعل پر یہ داخل ہو، فعلِ مقدر بھی نہیں ہونا چاہیے بلکہ لفظوں میں ہونا چاہیے۔ لِاقْتِضَاءِ هَلْ لَفْظَ الْفِعْلِ اس وجہ سے کہ هَلْ جو ہے لفظِ فعل کا تقاضا کرتا ہے، لِأَنَّهُ بِمَعْنَى قَدْ فِي الْأَصْلِ اس لیے کیونکہ یہ هَلْ اصل میں بمعنی قَدْ کے تھا، فَلَا يَكْفِي فِيهِ تَقْدِيرُ الْفِعْلِ، لہٰذا اس کے اندر تقدیرِ فعل کافی نہیں۔ هَلْ زَيْدًا ضَرَبْتَهُ تقدیرِ فعل ہے لیکن یہ بھی اس کے لیے کافی نہیں۔ تو جائز تو ہے لیکن یہ ناپسندیدہ ہے بھئی۔

آگے دیکھیے: وَبَعْدَ إِذَا الشَّرْطِيَّةِ، اور إِذَا شرطیہ کے بعد بھی نصب مختار ہے۔ وہ إِذَا شرطیہ الدَّالَّةِ عَلَى الْمُجَازَاةِ فِي الزَّمَانِ۔ مجازات کا معنی ہے شرط اور جزا۔ شرط اور جزا۔ مجازات اصل میں کہتے ہیں ایک چیز کو سبب یا مسبب بنانا۔ ایک چیز کو سبب یا مسبب بنانا۔ دیکھو مثلاً میں آپ سے کہتا ہوں: إِنْ جِئْتَنِي أَكْرَمْتُكَ، اگر آپ میرے پاس آئیں گے تو میں آپ کا اکرام کروں گا۔ اگر آپ میرے پاس آئیں گے تو میں آپ کا اکرام کروں گا۔ دیکھو میں نے مجیئت کو، آپ کے آنے کو سبب بنا دیا کس چیز کے لیے؟ اکرام کے لیے، تو اکرام ہوا مسبب۔ تو جب بھی شرط اور جزا لائے جاتے ہیں تو ایک چیز کو سبب بنایا جاتا ہے، دوسری چیز کو مسبب۔ جیسے میں نے ابھی کیا کہا؟ کہ آپ آئیں گے تو میں اکرام کروں گا، معلوم ہوا آپ کا آنا ہے سبب، اور میرا اکرام ہو گا اس کا مسبب۔ تو دیکھو ایک چیز کو میں نے سبب بنایا اور ایک چیز کو میں نے مسبب بنایا، اس کو کیا کہتے ہیں؟ مجازات بھئی۔ تو بہرحال یہاں آسان لفظوں میں یوں کہو کہ یہ شرط اور جزا کے معنی میں ہے۔ تو کہتے ہیں: وَبَعْدَ إِذَا الشَّرْطِيَّةِ، اور إِذَا شرطیہ کے بعد بھی نصب پسندیدہ ہے، وہ إِذَا شرطیہ الدَّالَّةِ عَلَى الْمُجَازَاةِ فِي الزَّمَانِ، جو دلالت کرتا ہے عَلَى الْمُجَازَاةِ کس پر؟ مجازات پر فِي الزَّمَانِ کس میں؟ زمانے میں۔ میں نے بتایا إِذَا زمانے کے لیے آتا ہے اور حَيْثُ جگہ کے لیے آتا ہے۔ تو کہتے ہیں وہ إِذَا شرطیہ جو الدَّالَّةِ عَلَى الْمُجَازَاةِ فِي الزَّمَانِ، جو مجازات فی الزمان پر دلالت کرتا ہے، نَحْوُ إِذَا عَبْدَ اللَّهِ تَلْقَاهُ فَأَكْرِمْهُ۔ میں نے بتایا تَلْقَا اس کو پڑھیں بھئی یہاں الف ہونا چاہیے۔ إِذَا عَبْدَ اللَّهِ تَلْقَاهُ فَأَكْرِمْهُ، کہ جب عبد اللہ سے آپ کی ملاقات ہو تو آپ اس کا اکرام کریں۔

وَبَعْدَ حَيْثُ الدَّالَّةِ عَلَى الْمُجَازَاةِ فِي الْمَكَانِ، اور اسی طرح نصب پسندیدہ ہے اس حَيْثُ کے بعد الدَّالَّةِ عَلَى الْمُجَازَاةِ، وہ حَيْثُ جو مجازات پر دلالت کرتا ہے فِي الْمَكَانِ کس میں؟ جگہ کے اندر۔ نَحْوُ حَيْثُ زَيْدًا تَجِدْهُ فَأَكْرِمْهُ، تقدیرِ عبارت کیا؟ حَيْثُ تَجِدْ زَيْدًا تَجِدْهُ فَأَكْرِمْهُ، کہ جس جگہ تو زید کو پائے فَأَكْرِمْهُ تو تو اس کا اکرام کر۔

وَفِي مَا قَبْلَ الْأَمْرِ وَالنَّهْيِ، وَفِي مَا، مَا سے مراد ہے جگہ، جگہ۔ کہتے ہیں: وَفِي مَا قَبْلَ الْأَمْرِ وَالنَّهْيِ، اور اس جگہ میں جو امر اور نہی سے پہلے ہو۔ وہ جگہ جو امر اور نہی سے پہلے ہو۔ میں نے کیا بتلایا مَا سے کیا مراد ہے؟ جگہ، جگہ۔ بھئی دیکھیے نا ماقبل والی چیزوں کے بعد وہ اسم واقع ہوتا تھا: بَعْدَ حَرْفِ النَّفْيِ، بَعْدَ حَرْفِ الِاسْتِفْهَامِ، بَعْدَ إِذَا الشَّرْطِيَّةِ، اور بَعْدَ حَيْثُ۔ تو ان کے بعد وہ اسم آتا تھا، جبکہ امر اور نہی جو ہیں ان سے پہلے آئے گا۔ اسی لیے کیا کہا؟ وَفِي مَا قَبْلَ الْأَمْرِ وَالنَّهْيِ، ان سے پہلے آئے گا۔ اور نیز متن میں کیا تھا؟ وَفِي الْأَمْرِ وَالنَّهْيِ۔ عبارت دیکھو: يُخْتَارُ النَّصْبُ فِي الْأَمْرِ وَالنَّهْيِ، اور نصب پسندیدہ ہے کس میں؟ امر اور نہی میں۔ بھئی کیا معنی امر اور نہی میں نصب پسندیدہ ہے؟ یعنی امر اور نہی سے ماقبل میں نصب پسندیدہ ہے۔ امر اور نہی تو مجزوم ہیں بھئی ان میں نصب کا کیا معنی؟ بات سمجھ میں آ... اسی لیے صاحبِ جامی نے امر اور نہی سے پہلے مَا قَبْلَ کا لفظ نکالا۔ تو کہتے ہیں: وَفِي مَا قَبْلَ الْأَمْرِ وَالنَّهْيِ، یعنی وہ جگہ جو امر اور نہی سے پہلے ہو وہاں پر نصب پسندیدہ ہے۔ میں نے مَا کا کیا معنی کیا؟ جگہ، مَوْضِع، وہی صاحبِ جامی بھی بیان کر رہے ہیں: يَعْنِي مَوْضِعَ وُقُوعِ الِاسْمِ الْمَذْكُورِ قَبْلَ الْأَمْرِ

وَالنَّهْيِ، یعنی اسمِ مذکور کے واقع ہونے کا وہ مقام قَبْلَ الْأَمْرِ وَالنَّهْيِ جو امر اور نہی سے پہلے ہو، مِثْلُ مثال کے طور پر زَيْدًا اضْرِبْهُ، زَيْدًا نِضْرِبْهُ۔ زَيْدًا تھا، زَيْدًا کے آخر میں کیا ہے؟ تنوین ہے نونِ ساکن، آگے اِضْرِبْ آیا، تو اِضْرِبْ کا ہمزہ وصلی ہے وہ گر جائے گا، تو ضاد بھی ساکن اور ماقبل میں زَيْدًا کے آخر میں نونِ تنوین بھی ساکن۔ تو اول حرفِ مدہ ہو تو اس کو گراتے ہیں لیکن یہاں تو اول نون ہے، تو پھر اَلسَّاكِنُ إِذَا حُرِّكَ حُرِّكَ بِالْكَسْرِ، تو زَيْدًا نِضْرِبْهُ۔ تو زَيْدًا نِضْرِبْهُ، اس کے اندر زَيْدًا پڑھنا پسندیدہ۔ وَزَيْدًا لَا تَضْرِبْهُ، اس کے اندر بھی نصب پسندیدہ۔ کیا خرابی لازم آتی ہے اگر آپ زَيْدٌ پڑھیں؟ تو پھر اِضْرِبْ یا لَا تَضْرِبْ کو خبر بنانا پڑے گا اور انشاء تو خبر واقع نہیں ہو سکتا پھر تاویل کرنا پڑتی ہے۔

تو کہتے ہیں: وَإِنَّمَا اخْتِيرَ فِي هَذِهِ الْمَوَاضِعِ، اور اختیار کیا گیا ہے ان جگہوں کے اندر، کون سی جگہیں؟ اب وہ ساری جگہیں صاحبِ جامی گنوائیں گے: أَيْ مَا بَعْدَ حَرْفِ الِاسْتِفْهَامِ، یعنی حرفِ استفہام کے بعد، وَالنَّفْيِ اور حرفِ نفی کے بعد، وَإِذَا الشَّرْطِيَّةِ اور إِذَا شرطیہ کے بعد، وَحَيْثُ اور حَيْثُ کے بعد، ان سب کے بعد، وَمَا قَبْلَ الْأَمْرِ وَالنَّهْيِ اور امر اور نہی سے ماقبل میں، ان سب جگہوں میں اختیار کیا گیا ہے کس کو؟ النَّصْبُ، نصب کو، یہ نائب الفاعل آگیا اخْتِيرَ کا۔ وَإِنَّمَا اخْتِيرَ فِي هَذِهِ الْمَوَاضِعِ النَّصْبُ، عبارت پہ نظر ہے؟ درمیان والی عبارت ساری نکال دیں: وَإِنَّمَا اخْتِيرَ فِي هَذِهِ الْمَوَاضِعِ النَّصْبُ، ان تمام جگہوں کے اندر نصب مختار ہے فِي الِاسْمِ الْمَذْكُورِ اس مذکورہ اسم کے اندر۔ بھئی کیوں، نصب کیوں مختار؟ کہتے ہیں: إِذْ هِيَ أَيْ هَذِهِ الْمَوَاضِعُ، ضمیر کا مرجع بتلا دیا کہ هِيَ ضمیر کس کو راجع ہے؟ ان جگہوں کو راجع ہے یہ جو پیچھے ذکر ہوئیں۔ إِذْ هِيَ أَيْ هَذِهِ الْمَوَاضِعُ مَوَاقِعُ الْفِعْلِ، اس لیے کیونکہ یہ جگہیں جو ہیں یہ فعل کی جگہیں ہیں یعنی ان میں اکثر فعل واقع ہوتا ہے۔ أَيْ مَوَاضِعُ وُقُوعِ الْفِعْلِ فِيهَا أَكْثَرُ، یعنی یہ وہ جگہیں ہیں جن کے اندر فعل کا واقع ہونا اکثر ہوتا ہے۔ فَإِذَا نُصِبَ الِاسْمُ الْمَذْكُورُ، پس جب نصب دیا جائے گا اس مذکورہ اسم کو، تو وَقَعَ فِيهَا الْفِعْلُ تَقْدِيرًا، تو تقدیراً وہاں فعل واقع ہو گا۔ وَإِلَّا فَلَا، اور اگر ایسا نہیں تو پھر نہیں ہو گا۔ اگر ان جگہوں میں آپ نصب پڑھیں گے، یہ جگہیں بھی کس کی ہیں؟ فعل کی، تو جب آپ نصب پڑھیں گے تو فعل وہاں تقدیراً موجود ہے، فعل واقع ہے، وَإِلَّا اور اگر ایسا نہ ہو یعنی اگر آپ نصب نہیں پڑھیں گے فَلَا پھر تو فعل وہاں نہیں ہو گا حالانکہ یہ جگہیں تو فعل والی ہیں۔

تو وَإِلَّا، جی یہ إِلَّا کس کے استثناء کے لیے آیا؟ وَإِلَّا فَلَا۔ یاد رکھنا، یاد رکھنا یہ إِلَّا سے پہلے واؤ آجائے تو پھر یہ حرفِ استثناء نہیں ہوتا، دراصل یہ إِنْ اور لَا سے مرکب ہوتا ہے، وَإِنْ لَا اور اگر ایسا نہ ہو، أَيْ وَإِنْ لَمْ يَكُنْ كَذَلِكَ۔ انہوں نے کیا کہا؟ اگر نصب پڑھیں گے تو فعل مقدر ہو گا، وَإِلَّا أَيْ وَإِنْ لَمْ يَكُنْ كَذَلِكَ، اور اگر ایسا نہ ہو یعنی اگر آپ نصب نہیں پڑھیں گے فَلَا تو پھر وہاں پر فعل مقدر نہیں ہو گا۔ تو یہ ہمیشہ یاد رکھنا کہ إِلَّا سے پہلے واؤ آجائے تو یہ کس سے مرکب ہوتا ہے؟ إِنْ اور لَا سے، اور تقدیرِ عبارت کیا ہوتی ہے؟ وَإِنْ لَمْ يَكُنْ كَذَلِكَ، اگر ایسا نہ ہو۔ ماقبل میں جو بھی بات ہو گی یہ سب سے جڑ جائے گا: اگر ایسا نہ ہو یعنی جو ہم نے پیچھے ذکر کیا، یعنی اگر آپ نصب نہیں پڑھیں گے فَلَا تو پھر فعل مقدر نہیں ہو گا۔

وَكَذَلِكَ يُخْتَارُ النَّصْبُ فِي الِاسْمِ الْمَذْكُورِ عِنْدَ خَوْفِ لَبْسِ الْمُفَسِّرِ۔ جی اب دیکھیے بھئی، متن متن دیکھیے: وَعِنْدَ خَوْفِ لَبْسِ الْمُفَسِّرِ بِالصِّفَةِ مِثْلُ إِنَّا كُلَّ شَيْءٍ خَلَقْنَاهُ بِقَدَرٍ۔ دیکھو بھئی انسان حیران رہتا ہے علمائے نحو کی محنت اور کوشش پر بھئی۔ کہتے ہیں: وَعِنْدَ خَوْفِ لَبْسِ الْمُفَسِّرِ، اور جس وقت التباس کا خوف ہو الْمُفَسِّرِ مفسر کے، مفسر کے التباس کا خوف ہو بِالصِّفَةِ کس کے ساتھ؟ صفت کے ساتھ، تو وہاں بھی نصب پسندیدہ ہے۔ مِثْلُ مثال کے طور پر إِنَّا كُلَّ شَيْءٍ خَلَقْنَاهُ بِقَدَرٍ۔ ذرا یہ ترکیب سمجھ لیں بھئی، اچھی طرح سمجھ لیں۔ إِنَّا، إِنَّ حرف از حروفِ مشبہ بالفعل، یہ اسم کو نصب دیتا ہے اور خبر کو رفع۔ تو إِنَّ حرف از حروفِ مشبہ بالفعل، اور نَا جو ہے یہ ضمیرِ متکلم یہ منصوب محلاً إِنَّ کا اسم۔ یہ نَا ضمیر متکلم کی یہ منصوب ہے محلاً کیونکہ ضمیر ہے اور ضمیر مبنیات میں سے ہے، تو منصوب ہے محلاً، یہ إِنَّ کا اسم بھئی۔ بھئی ادھر دیکھیے: إِنَّ یہ حرفِ مشبہ بالفعل ہے، اس کے ساتھ نَا کو جوڑیں، إِنَّنَا، إِنَّنَا، إِنَّ میں دو نون پہلے ہی ہیں ایک اور نون بھی آگیا: إِنَّنَا، تو یوں پڑھنا بھی جائز، إِنَّنَا پڑھنا بھی جائز۔ اور کبھی کبھار پھر ایسا کرتے ہیں کہ چونکہ تین نون جمع ہو گئے، ایک نون پہلا مشدد وہ بھی دو نون اور آگے بھی ایک نون تو تین نون جمع ہو گئے، تو پھر إِنَّ میں سے ایک نون کو تخفیفاً حذف کر لیتے ہیں۔ تو اب کیا بن گیا؟ إِنَّا۔ بات سمجھ میں آگئی؟ إِنَّا۔

آگے دیکھیے: كُلَّ شَيْءٍ، كُلَّ شَيْءٍ منصوب ہو گا۔ اور تقدیرِ عبارت کیا ہے؟ خَلَقْنَا كُلَّ شَيْءٍ۔ خَلَقْنَا... اور یہ خَلَقْنَا کو حذف کر دیا گیا، آگے ایک اور خَلَقْنَا جو ہے وہ اس کی تفسیر کر رہا ہے، تو یہ مَا أُضْمِرَ عَامِلُهُ عَلَى شَرِيطَةِ التَّفْسِيرِ کی قبیل سے ہے یہ كُلَّ شَيْءٍ۔ تو كُلَّ منصوب لفظاً مضاف، شَيْءٍ مجرور لفظاً مضاف الیہ، مضاف مضاف الیہ مل کر یہ مفعول بہ ہوا فعلِ مقدر خَلَقْنَا کے لیے۔ خوب اچھی طرح ترکیب سمجھ لو ساری بات یہاں ترکیب کی ہے، آپ کو لطف آجائے گا عجیب مثال ہے بھئی۔ تو كُلَّ منصوب لفظاً مضاف، شَيْءٍ مجرور لفظاً مضاف الیہ، مضاف اپنے مضاف الیہ سے مل کر یہ مفعول بہ ہوا فعلِ مقدر خَلَقْنَا کے لیے۔ خَلَقْنَا فعلِ

مقدر، فعلِ مقدر، اور نَا ضمیر اس کے اندر مرفوع محلاً فاعل۔ فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر مفسر۔ جملہ فعلیہ ہو کر مفسر، اور آگے خَلَقْنَاهُ بِقَدَرٍ یہ ہے اس کی تفسیر۔ تو اس میں پھر دیکھو: خَلَقْنَا فعل با فاعل، نَا ضمیر مرفوع محلاً اس کا فاعل، اور ہا ضمیر منصوب محلاً اور یہ کس کو راجع؟ یہ جو پیچھے شَيْءٍ آیا تھا۔ شَيْءٍ کہہ لیں یا كُلَّ شَيْءٍ کہہ لیں، بات سمجھ میں آگئی؟ بھئی اصل میں شَيْءٌ ہے یہ اس کی طرف ضمیر راجع ہے، اور یا یوں بھی کہہ سکتے ہیں كُلَّ شَيْءٍ کو راجع ہے، اس لیے کیونکہ كُلُّ جو ہے وہ افراد کے احاطے کے لیے ہے اسی شے کے افراد کا احاطہ کر رہا ہے کہ شے سے، شے کے تمام افراد مراد ہیں۔ تو ہا ضمیر منصوب محلاً یہ کس کو راجع؟ شَيْءٌ کو راجع ہے بھئی۔ اور یاد رکھو یہ ذوالحال ہے، آگے بِقَدَرٍ جار مجرور آرہا ہے اور معرفہ کے بعد جار مجرور آئے تو وہ عموماً اس کے لیے کیا بنتا ہے؟ ہاں، نکرہ کے بعد جار مجرور آئے تو وہ اس کے لیے صفت بنتا ہے، معرفہ کے بعد جار مجرور آئے تو وہ عموماً اس کے لیے حال بنتا ہے۔ اور براہِ راست حال بنے گا یا

متعلق بھی نکالنا پڑے گا؟ متعلق بھی، تو خَلَقْنَاهُ ثَابِتًا بِقَدَرٍ۔ بات سمجھ میں آ... تو ہا ضمیر ذوالحال، اور یہ ہا ضمیر کس کو راجع؟ كُلَّ شَيْءٍ کو راجع۔ اچھا تو یہ ذوالحال، بِقَدَرٍ با جارہ، قَدَرٍ مجرور، جار مجرور مل کر متعلق ہوا ثَابِتًا سے۔ ثَابِتًا صیغہ اسمِ فاعل، یہ منصوب کیوں ہے؟ کیونکہ یہ حال ہے اور حال منصوب ہوتا ہے۔ تو ثَابِتًا منصوب لفظاً صیغہ اسمِ فاعل، اس کے اندر ہُوَ ضمیر مرفوع محلاً اس کا فاعل، جو کس کو راجع؟ یہ ہا ضمیر۔ یاد رکھو ضمیر کبھی بھی حرف کی طرف راجع نہیں ہوتی، ضمیر کبھی بھی فعل کی طرف راجع نہیں ہوتی، اور یہ حال ہے اور حال کو کس سے جوڑتے ہیں؟ ذوالحال سے، تو ہا ضمیر ذوالحال تھی تو یہ ثَابِتًا کے اندر ہُوَ ضمیر اس ذوالحال کو راجع ہے۔ تو ثَابِتًا اسمِ فاعل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر شبہِ جملہ ہو کر یہ حال۔ ذوالحال اپنے حال سے مل کر یہ مفعول بہ ہوا خَلَقْنَا کے لیے۔ خَلَقْنَا فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر یہ تفسیر ہوئی، یہ کیا ہوئی؟ تفسیر ہوئی ماقبل میں جو مفسر آیا تھا یہ اس کی تفسیر ہے۔ اور مفسر اپنی تفسیر سے مل کر یہ خبر ہوئی إِنَّ کی۔ ترکیب سمجھ میں آگئی؟

اب دیکھو یہ كُلَّ شَيْءٍ اس کو جب منصوب پڑھیں، تو آگے یہ جو خَلَقْنَاهُ آرہا ہے یہ تفسیر ہے کس کی؟ فعلِ محذوف کی۔ بار بار دہرائیں بھئی آگے ساری بحث اسی ترکیب کی ہے۔ تو یہ جو كُلَّ شَيْءٍ کو جب ہم نے منصوب پڑھا، تو یہ کیا بنا؟ مَا أُضْمِرَ عَامِلُهُ عَلَى شَرِيطَةِ التَّفْسِيرِ، اور اس صورت میں خَلَقْنَا محذوف ہے اور آگے یہ جو خَلَقْنَاهُ آرہا ہے یہ اس کی تفسیر ہے۔ اور معنی کیا ہوگا؟ اب معنی سمجھو: إِنَّا بے شک ہم، خَلَقْنَا كُلَّ شَيْءٍ خَلَقْنَاهُ بِقَدَرٍ، کہ ہم نے پیدا کیا ہے ہر چیز کو، خَلَقْنَاهُ بِقَدَرٍ ہم نے اس کو پیدا کیا، ہر چیز کو پیدا کیا ہے بِقَدَرٍ ایک خاص اندازے کے ساتھ۔ ہر چیز کو ہم نے ایک اندازے کے ساتھ پیدا کیا ہے۔ یعنی جیسا مناسب تھا ویسا پیدا کیا، اور جتنا مناسب تھا اسی قدر اس کو پیدا کیا، یعنی ہر چیز جتنی مناسب تھی ویسی ہی ہم نے پیدا کی ہے، یہ چیزیں ویسے ہی ہم نے نہیں پیدا کیں بلکہ ایک خاص اندازے کے ساتھ کائنات، یہ دیکھو دنیا کے اندر جتنی چیزیں ہیں اللہ نے، وہ جتنا مناسب تھا اللہ نے ان کو اتنا ہی پیدا فرمایا بھئی۔ تو إِنَّا كُلَّ شَيْءٍ خَلَقْنَاهُ بِقَدَرٍ، ہر چیز کو ہم نے ایک اندازے کے ساتھ پیدا فرمایا ہے۔ معنی سمجھ میں آگیا؟ کیا معنی ہوا؟ ہم نے ہر چیز کو ایک اندازے کے ساتھ پیدا فرمایا ہے، یعنی جتنا مناسب تھا، یعنی جو مصلحت کے مناسب تھا اسی قدر ہم نے اس کو پیدا فرمایا۔

لیکن یہاں ایک اور ترکیب بھی ہو سکتی ہے کہ آپ اس کو كُلُّ شَيْءٍ پڑھیں۔ پھر کیا ترکیب ہوگی؟ بھئی پہلے جب نصب پڑھا تھا خَلَقْنَا كُلَّ شَيْءٍ خَلَقْنَاهُ بِقَدَرٍ، یہ جملہ فعلیہ یہ خبر تھی إِنَّ کی، یہ مفسر اور مفسر بنے نا اور جملہ فعلیہ ہے، خَلَقْنَا فعلِ محذوف نکالا تو جملہ فعلیہ یہ خبر بنی کس کی؟ إِنَّ کی۔ اور اگر آپ كُلُّ شَيْءٍ پڑھیں گے تو پھر مبتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ بنے گا اور پھر پورا جملہ اسمیہ خبر بنے گا کس کی؟ إِنَّ کی۔ توجہ ہے؟ اب وہ ترکیب سنو: إِنَّ حرف از حروفِ مشبہ بالفعل، نَا ضمیر منصوب محلاً اس کا اسم۔ كُلُّ شَيْءٍ، كُلُّ مضاف شَيْءٍ مضاف الیہ، مضاف مضاف الیہ مل کر مبتدا۔ خَلَقْنَاهُ، باقی ترکیب وہی، خَلَقْنَاهُ بِقَدَرٍ: خَلَقْنَا فعل با فاعل، نَا ضمیر مرفوع محلاً فاعل، ہا ضمیر ذوالحال، بِقَدَرٍ جار مجرور مل کر متعلق کس سے؟ ثَابِتًا، ثَابِتًا صیغہ

اسمِ فاعل، اس کے اندر ہُوَ ضمیر کس کو راجع؟ یہ ذوالحال کو، اسمِ فاعل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر شبہِ جملہ ہو کر حال، ذوالحال اپنے حال سے مل کر یہ مفعول بہ ہوا کس کے لیے؟ خَلَقْنَا کے لیے، اور خَلَقْنَا فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر یہ خبر ہوئی بتدا کُلُّ شَيْءٍ کے لیے۔ کُلُّ شَيْءٍ کو بتدا بنایا ہے نا، تو خَلَقْنَاهُ بِقَدَرٍ کیا ہوئی؟ اس کی خبر۔ بتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا، اور یہ خبر ہوئی کس کی؟ إِنَّ کی۔ اور ربط کس سے آیا؟ إِنَّ کی خبر کو کس سے جوڑتے ہیں؟ إِنَّ کے اسم سے، تو إِنَّ کا اسم نَا ضمیر تھی جمع متکلم والی، اور وہی ضمیر خَلَقْنَا یہاں پر بھی جمع متکلم والی ضمیر آگئی، تو دونوں میں ربط آگیا۔ بات سمجھ میں آگئی؟ یہ نہ کہنا کہ یہ خَلَقْنَا کی نَا ضمیر اس نَا کو راجع ہے، نہیں، مرجع صرف غائب کی ضمیر کا ہوتا ہے، متکلم یا مخاطب کی ضمیر کا مرجع نہیں ہوتا۔ تو پھر کیسے کہیں گے؟ یوں کہیں گے کہ جس چیز سے ہم اس کو جوڑ رہے تھے نَا ضمیر سے ہم جوڑ رہے تھے کس کو؟ کُلُّ شَيْءٍ خَلَقْنَاهُ بِقَدَرٍ، تو اس جملے کے اندر وہی چیز خود آگئی جس کے ساتھ ہم اس کو جوڑ رہے تھے، وہی ضمیر اس کے اندر بھی آگئی۔ اب دیکھو اس صورت میں معنی کیا ہوگا، سنو: إِنَّا بے شک ہم، کُلُّ شَيْءٍ ہر چیز جو ہے خَلَقْنَاهُ بِقَدَرٍ ہم نے اس کو اندازے سے پیدا کیا ہے۔ اب بھی معنی ٹھیک۔ پہلے بھی معنی کیا تھا؟ پہلے بھی معنی تھا ہر چیز کو ہم نے ایک اندازے سے پیدا کیا ہے، اور اب بھی کیا معنی ہے؟ إِنَّا كُلُّ شَيْءٍ خَلَقْنَاهُ بِقَدَرٍ، کہ بے شک ہم کہ ہر چیز جو ہے ہم نے اس کو پیدا کیا ہے بِقَدَرٍ ایک اندازے کے ساتھ۔ تو اس صورت میں بھی معنی ٹھیک۔

پھر سنو، بار بار میں ذکر کر رہا ہوں، پہلی ترکیب میں كُلَّ شَيْءٍ کو کیا بنایا تھا؟ مَا أُضْمِرَ عَامِلُهُ عَلَى شَرِيطَةِ التَّفْسِيرِ، اور اس کے لیے خَلَقْنَا فعلِ محذوف تھا اور آگے خَلَقْنَاهُ بِقَدَرٍ یہ کیا تھی اس کی؟ تفسیر تھی۔ دوسری ترکیب کے مطابق كُلُّ شَيْءٍ کو کیا بنایا؟ بتدا، اور خَلَقْنَاهُ بِقَدَرٍ یہ کیا ہے اس کی؟ خبر، یہ اس کی خبر ہے۔ لیکن جب آپ كُلُّ شَيْءٍ پڑھیں، سنیں بھئی، جب كُلُّ شَيْءٍ پڑھیں اور خَلَقْنَاهُ بِقَدَرٍ کو اس کی خبر بنائیں، تو اس وقت اس خبر کا التباس لازم آتا ہے صفت کے ساتھ۔ توجہ ہے؟ كُلُّ شَيْءٍ پڑھا، بتدا بنایا، تو خَلَقْنَا کو کیا بنایا اس کی؟ خبر بنایا، تو یہ جو خبر ہے اس کا التباس لازم آتا ہے صفت کے ساتھ، اس کا التباس لازم آتا ہے صفت کے ساتھ، کیونکہ میں نے آپ کو ضابطہ بتایا ہے کہ نکرہ کے بعد فعل آئے تو وہ عموماً اس کے لیے کیا بنتا ہے؟ صفت بنتا ہے، تو یہاں بھی شبہ پڑتا ہے کہ كُلُّ شَيْءٍ یہ ہے موصوف، اور خَلَقْنَاهُ نکرہ کے بعد فعل آیا وہ اس کے لیے کیا بنے گا؟ صفت، موصوف صفت مل کر بتدا، اور بِقَدَرٍ یہ ہے اس کی خبر۔ بات سمجھ میں؟ تو رفع کی حالت میں خَلَقْنَا کو بنائیں خبر تو معنی ٹھیک رہتا ہے، لیکن اسی رفع کی حالت میں یہ جو خبر ہے اس کا التباس لازم آتا ہے صفت کے ساتھ، شبہ پڑتا ہے کہ شاید یہ خَلَقْنَاهُ یہ صفت ہے كُلُّ شَيْءٍ کی، اور پھر یہ موصوف صفت مل کر بتدا بن رہے ہیں اور بِقَدَرٍ یہ ہے خبر۔ پھر اس صورت میں معنی کیا ہوگا؟ بھئی یاد رکھو اس صورت میں معنی خراب ہو جاتا ہے۔ کیسے؟ إِنَّا كُلُّ شَيْءٍ خَلَقْنَاهُ بِقَدَرٍ، اگر آپ خَلَقْنَا کو صفت بنائیں کس کے لیے؟ كُلُّ شَيْءٍ کے لیے، میں نے بتایا موصوف صفت کا ترجمہ کیسے کرتے ہیں؟ ایسا یا ایسی کا لفظ لے آتے ہیں موصوف سے پہلے، تو اب سنو ترجمہ: إِنَّا بے شک ہم، کہ كُلُّ شَيْءٍ

خَلَقْنَاهُ ہر ایسی چیز جس کو ہم نے پیدا کیا ہے بِقَدَرٍ وہ ایک اندازے سے ہے۔ ہر ایسی چیز جس کو ہم نے پیدا کیا ہے وہ ایک اندازے سے ہے۔ اس سے شبہ پڑتا ہے کہ شاید کچھ چیزیں ایسی بھی ہیں جن کو اللہ نے پیدا نہیں فرمایا اور وہ اندازے سے نہیں ہیں۔ ہر وہ چیز جو اللہ نے پیدا فرمائی ہے وہ تو ایک اندازے سے ہے، معلوم ہوا کچھ اور چیزیں بھی ہیں جن کو اللہ نے پیدا نہیں فرمایا اور وہ اندازے سے نہیں ہیں۔ پھر غور کرو ذرا: إِنَّا كُلَّ شَيْءٍ خَلَقْنَاهُ بِقَدَرٍ، ہر ایسی چیز، دیکھو موصوف سے پہلے میں ایسی کا لفظ لا رہا ہوں، ہر ایسی چیز کہ خَلَقْنَاهُ جس کو ہم نے پیدا کیا ہے بِقَدَرٍ وہ ایک اندازے سے ہے۔ کیا شبہ پڑا؟ کہ شاید کچھ چیزیں ایسی بھی ہیں جن کو اللہ نے پیدا نہیں فرمایا اور معلوم ہوا وہ چیزیں اندازے سے نہیں ہیں، حالانکہ یہ تو معنی غلط ہو گیا بھئی، ہر چیز کے خالق اللہ تعالیٰ ہیں بھئی، کوئی چیز ایسی نہیں ہے جس کو کسی اور نے پیدا کیا ہو۔ معنی کی خرابی سمجھ میں آ گئی؟

پھر سنو حاصلِ کلام کیا ہوا کہ اگر آپ نصب پڑھیں گے تو خَلَقْنَا فعلِ محذوف ہے اور آگے آنے والا خَلَقْنَا اس کی تفسیر کر رہا ہے، اس صورت میں معنی میں کوئی خرابی نہیں۔ لیکن جب آپ كُلُّ شَيْءٍ اس کو ابتدا بناؤ گے اور آگے خَلَقْنَا کو اس کی خبر بناؤ گے تو اسی خبر کا التباس کس سے لازم آئے گا؟ صفت کے ساتھ، کہ شاید یہ خبر نہیں ہے بلکہ یہ صفت ہے اور آگے بِقَدَرٍ وہ خبر ہے، توجہ ہے؟ تو التباس کس کا کس سے آیا؟ خبر کا، کس سے؟ صفت سے۔ پھر دہراؤ: جب كُلُّ شَيْءٍ پڑھیں خَلَقْنَا کیا ہے؟ خبر ہے، لیکن شبہ پڑتا ہے شاید یہ خبر نہیں، خبر بِقَدَرٍ ہے اور یہ خَلَقْنَا اس کی صفت ہے۔ بات سمجھ میں آ گئی؟

اب دیکھیے بھئی اس سارے کو شرح کے ساتھ۔ کہتے ہیں: وَكَذَلِكَ يُخْتَارُ النَّصْبُ فِي الِاسْمِ الْمَذْكُورِ، اور اسی طرح نصب پسندیدہ ہے اس اسمِ مذکورہ کے اندر، کب؟ عِنْدَ خَوْفِ لَبْسِ الْمُفَسِّرِ، جس وقت مفسر کے التباس کا خوف ہو۔ مفسر کے التباس کا خوف ہو۔ بھئی صاحبِ کافیہ نے کہا مفسر کے التباس کا خوف ہو، یہ نہیں کہا کہ جب اس کا التباس آ رہا ہو۔ اس لیے کیونکہ اگر التباس لازم آ رہا ہو تو التباس سے تو بچنا واجب ہے، پھر نصب واجب ہو گا۔ بھئی یہ وہ جگہ بیان کر رہے ہیں جہاں نصب پسندیدہ ہے، نصب کب پسندیدہ؟ جب مفسر کے التباس کا خوف ہے، مفسر کے التباس کا خطرہ ہے کس کے ساتھ؟ صفت کے ساتھ۔ اگر واقعی التباس آ رہا ہو پھر تو نصب مختار نہیں ہو گا بلکہ نصب واجب ہو گا کیونکہ التباس سے بچنا واجب ہے لازم ہے۔ اسی لیے کہا کہ نصب مختار ہو گا اس اسمِ مذکور میں عِنْدَ خَوْفِ لَبْسِ الْمُفَسِّرِ جس وقت کہ مفسر کے التباس کا خوف ہو۔ آگے ذرا متن دیکھیے: بِالصِّفَةِ کس کے ساتھ؟ صفت کے ساتھ، مفسر کے التباس کا خوف ہے صفت کے ساتھ۔ بھئی مفسر کے التباس آ رہا تھا صفت کے ساتھ یا خبر کا التباس آ رہا تھا صفت کے ساتھ؟ خبر کا، دیکھو جب آپ نے رفع پڑھا: إِنَّا كُلُّ شَيْءٍ خَلَقْنَاهُ بِقَدَرٍ، تو اس وقت یہ خَلَقْنَاهُ خبر تھی، لیکن شبہ پڑتا تھا کہ شاید یہ خبر نہیں ہے بلکہ یہ صفت ہے اور بِقَدَرٍ یہ ہے خبر۔ تو خبر کے التباس کا خوف ہے صفت کے ساتھ۔ لیکن صاحبِ کافیہ تو کیا فرما رہے ہیں؟

عِنْدَ خَوْفِ لَبْسِ الْمُفَسِّرِ بِالصِّفَةِ، مفسر کے التباس کا خوف ہے صفت کے ساتھ۔ بھئی کیا معنی؟ بھئی معنی یہ ہے وہ چیز جو نصب والی صورت میں مفسر بنتی تھی، جب آپ نے پڑھا تھا كُلَّ شَيْءٍ خَلَقْنَاهُ تو یہ خَلَقْنَاهُ کیا بنا تھا؟ مفسر، یہ کیا بنا تھا؟ تو نصب کی ترکیب میں جو مفسر بن رہا تھا، اور اس وقت تو وہ خبر بنے گا، جب آپ كُلُّ شَيْءٍ پڑھیں گے تو یہی مفسر کیا بنے گا؟ خبر بنے گا۔ توجہ ہے؟ تو وہ چیز جو نصب کی صورت میں مفسر بن رہی تھی، اگرچہ اس وقت وہ مفسر نہیں، التباس کب آ رہا ہے؟ پھر سنو، التباس کس کا کس کے ساتھ؟ خبر کا صفت کے ساتھ۔ خبر کیا؟ خَلَقْنَاهُ، لیکن شبہ پڑتا ہے شاید یہ خبر نہیں یہ تو صفت ہے اور خبر کیا ہے؟ بِقَدَرٍ۔ تو یہ خَلَقْنَاہ جو خبر ہے اس کا التباس آیا کس سے؟ صفت کے ساتھ، توجہ ہے؟ لیکن صاحبِ کافیہ کیا فرما رہے ہیں؟ جب مفسر کے التباس کا خوف ہو صفت کے ساتھ، کیا معنی؟ مفسر تو نصب والی ترکیب میں ہے اور اس وقت تو التباس نہیں ہے، تو بتانا یہ چاہتے ہیں کہ وہ فعل جو مفسر بنتا ہے، یہی خَلَقْنَاهُ کیا بنتا ہے؟ مفسر، اسی فعل کا التباس لازم آیا صفت کے ساتھ لیکن کس وقت؟ جب یہ مفسر نہ ہو بلکہ خبر ہو۔ یہی مفسر تھا کیا تھا؟ اسی کا التباس آیا کس کے ساتھ؟

صفت کے ساتھ، لیکن مفسر ہونے کی حالت میں التباس نہیں آیا بلکہ خبر ہونے کی حالت میں اس کا التباس لازم آیا۔ خبر بھی تو یہی ہے نا، یہی مفسر ہے یہی خبر، لیکن مفسر ہے اور ترکیب میں اور خبر ہے اور ترکیب میں۔ تو وہ فعل جو مفسر ہے اسی کا التباس لازم آ رہا ہے کس کے ساتھ؟ صفت کے ساتھ، لیکن مفسر ہونے کی حالت میں نہیں بلکہ خبر ہونے کی حالت میں۔ بات سمجھ میں آ گئی؟ تو یہ معنی ہے: عِنْدَ خَوْفِ لَبْسِ الْمُفَسِّرِ، جس وقت مفسر کے التباس کا خوف ہو، أَيِ الْتِبَاسِ مَا هُوَ مُفَسِّرٌ فِي حَالِ النَّصْبِ، یعنی التباس اس فعل کا جو کہ مفسر ہے نصب کی حالت میں۔ ترجمہ اچھی طرح سمجھ لو یہاں مشکل ہے ترجمہ۔ مَا سے مراد ہے فعل۔ التباس اس فعل کا جو مفسر ہے نصب کی حالت میں۔ نصب کی حالت میں مفسر کون ہے؟ خَلَقْنَاهُ ہے۔ تو نصب کی حالت میں جو مفسر ہے اس کا التباس لازم آ رہا ہے، لیکن نصب ہی کی حالت میں یا خبر ہونے کی حالت میں؟ اسی خَلَقْنَاهُ کا التباس صفت کے ساتھ لازم آ رہا ہے لیکن مفسر ہونے کی حالت میں نہیں بلکہ خبر ہونے کی حالت میں۔

تو کہتے ہیں التباس لازم آتا ہے مَا اس فعل کا هُوَ مُفَسِّرٌ فِي حَالِ النَّصْبِ وہ جو مفسر ہے نصب کی حالت میں، اس کا التباس لازم آتا ہے۔ لَكِنْ لَا مِنْ حَيْثُ هُوَ مُفَسِّرٌ فِي هَذِهِ الْحَالَةِ، لیکن اس حیثیت سے نہیں کہ وہ مفسر ہو فِي هَذِهِ الْحَالَةِ اس التباس کی حالت میں۔ التباس کی حالت میں وہ مفسر ہو اس حیثیت سے التباس نہیں ہے، بَلْ مِنْ حَيْثُ هُوَ خَبَرٌ فِي حَالِ الرَّفْعِ، بلکہ اس حیثیت سے کہ وہ، وہی مفسر خبر ہو فِي حَالِ الرَّفْعِ کس حالت میں؟ رفع کی حالت میں، اس کا التباس لازم آتا ہے بِالصِّفَةِ کس کے ساتھ؟ صفت کے ساتھ۔ فَلَا يُعْلَمُ، تو یہ معلوم نہیں ہو سکے گا، جب التباس لازم آئے گا تو یہ معلوم نہیں ہو سکے گا کہ أَنَّهُ خَبَرٌ عَنِ الِاسْمِ الْمَذْكُورِ کہ وہ خبر ہے اس اسمِ مذکور سے، آگے آ رہا ہے چند لفظوں کے بعد، أَوْ

صِفَةٌ لَهُ یا یہ صفت۔ جب آپ كُلُّ شَيْءٍ رفع کے ساتھ پڑھیں گے، تو یہ خَلَقْنَاهُ کے بارے میں پتہ نہیں چلے گا کہ یہ كُلُّ شَيْءٍ کے لیے خبر ہے یا یہ اس کے لیے صفت ہے، یہ التباس آئے گا۔ بات سمجھ میں آگئی؟

تو فَلَا يُعْلَمُ تو یہ معلوم نہیں ہو گا کہ أَنَّهُ خَبَرٌ عَنِ الِاسْمِ الْمَذْكُورِ کہ یہ خبر ہے اس اسمِ مذکور سے فِي حَالِ الرَّفْعِ رفع کی حالت میں، أَوْ صِفَةٌ لَهُ چند لفظوں بعد آرہا ہے یا یہ اس کے لیے صفت ہے، یہ معلوم نہیں ہو سکے گا۔ اور ساتھ درمیان میں یہ بتلا رہے ہیں صاحبِ جامی: جب آپ كُلُّ شَيْءٍ پر رفع پڑھیں، تو خَلَقْنَاهُ کو خبر بنائیں تو پھر تو معنی ٹھیک رہتا ہے، اور اگر آپ خَلَقْنَاهُ کو صفت بنائیں تو پھر معنی ٹھیک نہیں رہتا، وہ بھی ساتھ ذکر کر دیں گے۔ پھر دیکھیے ترجمہ: فَلَا يُعْلَمُ أَنَّهُ خَبَرٌ عَنِ الِاسْمِ الْمَذْكُورِ فِي حَالِ الرَّفْعِ، تو یہ معلوم نہیں ہو گا کہ یہ خبر ہے اس اسمِ مذکور سے رفع کی حالت میں، مَعَ مُوَافَقَتِهِ لِلْمَعْنَى الْمَقْصُودِ، ساتھ اس کے کہ یہ معنیِ مقصود کے موافق ہے۔ وہ جو معنیِ مقصود ہے کیا اللہ بتلانا چاہتے ہیں؟ کہ ہر چیز جو ہم نے پیدا کی ہے وہ ایک اندازے سے ہے، یہ بتلانا مقصود نہیں ہے کہ جو چیزیں ہم نے پیدا کی ہیں ورنہ تو شبہ پڑتا ہے شاید کچھ چیزیں کسی اور نے بھی پیدا کی ہیں۔ تو کہتے ہیں کہ مَعَ مُوَافَقَتِهِ لِلْمَعْنَى الْمَقْصُودِ، ساتھ اس کے کہ یہ معنیِ مقصود کے بھی موافق ہے، یعنی خبر ہو تو پھر معنیِ مقصود کے موافق ہے، أَوْ صِفَةٌ لَهُ یا یہ اس سے صفت ہے، مَعَ مُخَالَفَتِهِ لِلْمَعْنَى الْمَقْصُودِ، ساتھ اس کے کہ یہ مخالف ہے معنیِ مقصود کے۔ پھر ترجمہ دیکھیں: فَلَا يُعْلَمُ أَنَّهُ خَبَرٌ عَنِ الِاسْمِ الْمَذْكُورِ فِي حَالِ الرَّفْعِ، تو یہ معلوم نہیں ہو گا کہ یہ خبر ہے اس اسمِ مذکور سے رفع کی حالت میں، مَعَ مُوَافَقَتِهِ لِلْمَعْنَى الْمَقْصُودِ ساتھ اس کے کہ یہ معنیِ مقصود کے موافق ہے، أَوْ صِفَةٌ لَهُ یا یہ اس سے صفت ہے، مَعَ مُخَالَفَتِهِ لِلْمَعْنَى الْمَقْصُودِ ساتھ اس کے کہ یہ معنیِ مقصود کے مخالف ہے، اس صورت میں معنیِ مقصود کے مخالف ہونا لازم آتا ہے۔

فَالِالْتِبَاسُ إِنَّمَا هُوَ بَيْنَ خَبَرِيَّةِ ذَاتِ مَا هُوَ مُفَسِّرٌ عَلَى تَقْدِيرِ النَّصْبِ وَوَصْفِيَّتِهِ۔ جی ترجمہ غور سے سنیں یہ اور زیادہ مشکل ہے یہاں ترجمہ۔ فَالِالْتِبَاسُ تو التباس جو ہے، إِنَّمَا هُوَ بَيْنَ خَبَرِيَّةِ ذَاتِ مَا، ذَاتِ مَا، مَا سے مراد ہے فعل، اس فعل کی ذات کے خبر ہونے میں ہے۔ التباس ذَاتِ مَا اس فعل کی ذات خَبَرِيَّةِ ذَاتِ مَا اس فعل کی ذات کے خبر ہونے میں۔ بھئی وہی خَلَقْنَاهُ، اس ذرا مثال پہ نظر رکھیں: یہ جو خَلَقْنَا کا فعل ہے، اسی خَلَقْنَا فعل کی ذات کا خبر ہونا، خبر ہونے میں اور اسی کے صفت ہونے کے اندر التباس لازم آتا ہے۔ یہی خَلَقْنَا جو ہے، یہ فعل جو ہے، اسی کے خبر ہونے اور اس کے صفت ہونے کے اندر التباس لازم آتا ہے۔ تو کہتے ہیں: فَالِالْتِبَاسُ إِنَّمَا هُوَ بَيْنَ خَبَرِيَّةِ ذَاتِ مَا هُوَ مُفَسِّرٌ عَلَى تَقْدِيرِ النَّصْبِ۔ مَا هُوَ مُفَسِّرٌ، مَا سے کیا مراد؟ فعل۔ مَا هُوَ مُفَسِّرٌ وہ فعل جو مفسر ہے، عَلَى تَقْدِيرِ النَّصْبِ کس تقدیر پر؟ نصب۔ تو وہ فعل جو مفسر ہے نصب کی تقدیر پر، اس کی ذات کے خبر ہونے کے درمیان، خَبَرِيَّةِ ذَاتِ کا ترجمہ اب کرنا ہے، آخر میں کرنا ہے۔ پھر سنیں: فَالِالْتِبَاسُ إِنَّمَا هُوَ بَيْنَ خَبَرِيَّةِ ذَاتِ مَا هُوَ مُفَسِّرٌ عَلَى تَقْدِيرِ النَّصْبِ، پہلے میں ترجمہ کروں گا مَا هُوَ مُفَسِّرٌ عَلَى تَقْدِيرِ النَّصْبِ کا، پھر ذَاتِ خَبَرِيَّةِ کا ترجمہ کروں گا۔ بات سمجھ میں آرہی ہے؟ اور آخر میں پھر آئے گا وَوَصْفِيَّتِهِ۔

دیکھیے بھئی، کہتے ہیں: فَالِالْتِبَاسُ إِنَّمَا هُوَ بَيْنَ خَبَرِيَّةِ ذَاتِ مَا هُوَ مُفَسِّرٌ عَلَى تَقْدِيرِ النَّصْبِ، تو التباس جو ہے، مَا هُوَ

مُفَسِّرٌ عَلَى تَقْدِيرِ النَّصْبِ وہ فعل جو مفسر ہے نصب کی تقدیر پر، اس کی ذات کے خبر ہونے میں وَوَصْفِيَّتِهِ اور اس کی ذات کے وصف ہونے کے درمیان التباس ہے۔ ترجمہ سمجھ میں آگیا؟ لَا بَيْنَهُ بِوَصْفِ التَّفْسِيرِ وَبَيْنَ الصِّفَةِ، یہ بَيْنَهُ کی ہا ضمیر راجع ہے مَا هُوَ مُفَسِّرٌ کو، اور مَا هُوَ مُفَسِّرٌ سے وہ فعل مراد ہے جو مفسر بن رہا ہے۔ تو لَا التباس لازم نہیں آتا بَيْنَهُ وہ جو مفسر فعل ہے اس کے درمیان بِوَصْفِ التَّفْسِيرِ جب یہ مفسر وصفِ تفسیر کے ساتھ ہو یعنی مفسر بن رہا ہو، اس کے درمیان وَبَيْنَ الصِّفَةِ اور صفت کے درمیان، ان میں التباس نہیں ہے۔ مفسر جب مفسر بن رہا ہو، اس وقت اس کا التباس صفت سے آرہا ہو ایسا نہیں ہے۔ کیوں؟ فَإِنَّ التَّرْكِيبَ لَا يَحْتَمِلُهُمَا مَعًا، اس لیے کیونکہ ترکیب دونوں کا اکٹھا احتمال نہیں رکھتی۔ جب مفسر بن رہا ہے اس وقت وہ صفت بن ہی نہیں سکتا تو صفت سے التباس کیسے؟ اور جس وقت مفسر نہیں بن رہا خبر بن رہا ہے تو اس خبر کا صفت کے ساتھ التباس لازم آتا ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟

آگے دیکھیے: مِثْلُ قَوْلِهِ تَعَالَى، جیسے کہ اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے: إِنَّا كُلَّ شَيْءٍ خَلَقْنَاهُ بِقَدَرٍ۔ بِنَصْبِ كُلٍّ، كُلُّ کے نصب کے ساتھ عَلَى الْإِضْمَارِ بِشَرِيطَةِ التَّفْسِيرِ، بنابر اضمار بشریطتِ تفسیر کے۔ كُلُّ نصب کے ساتھ ہے بنابر کس کے؟ کہ اس میں إِضْمَارٌ عَلَى شَرِيطَةِ التَّفْسِيرِ ہے۔ تو کہتے ہیں: بِنَصْبِ كُلٍّ، كُلُّ کے نصب کے ساتھ عَلَى الْإِضْمَارِ بِشَرِيطَةِ التَّفْسِيرِ بنابر اضمار بشریطتِ تفسیر کے۔ وَلَوْ رُفِعَ بِالِابْتِدَاءِ، اور اگر اس كُلُّ کو رفع دیا جائے بتدا ہونے کی وجہ سے وَجُعِلَ خَلَقْنَاهُ خَبَرًا لَهُ، اور خَلَقْنَاهُ کو اس کے لیے خبر بنا دیا جائے، كَانَ مُوَافِقًا لِلنَّصْبِ، تو اس صورت میں یہ ترکیب موافق ہے نصب کے، اس صورت میں یہ موافق ہے نصب کے۔ بھئی کس چیز میں یہ نصب کے موافق ہے؟ کہتے ہیں: فِي أَدَاءِ الْمَقْصُودِ، معنیِ مقصود کی ادائیگی میں، جب خبر بنائیں گے پھر بھی معنی ٹھیک ہے۔ لَكِنْ خِيفَ لَبْسُهُ بِالصِّفَةِ، لیکن خوف ہے اس کے التباس کا صفت کے ساتھ، یعنی اس خبر کے التباس کا خوف ہے صفت کے ساتھ، لِاحْتِمَالِ كَوْنِ قَوْلِهِ تَعَالَى خَلَقْنَاهُ صِفَةً لِشَيْءٍ، اس احتمال کی وجہ سے کہ اللہ تعالیٰ کا قول خَلَقْنَاهُ وہ صفت ہے شَيْءٍ کے لیے، خبر نہیں ہے بلکہ صفت ہے، وَقَوْلِهِ بِقَدَرٍ خَبَرًا لَهُ، اور اللہ کا قول جو بِقَدَرٍ ہے وہ خبر ہے اس کے لیے۔ دیکھو پھر عبارت کو دیکھیں بھئی: لِاحْتِمَالِ كَوْنِ قَوْلِهِ تَعَالَى خَلَقْنَاهُ صِفَةً لِشَيْءٍ وَقَوْلِهِ بِقَدَرٍ خَبَرًا لَهُ۔ اس خبر کے التباس کا خوف ہے صفت کے ساتھ لِاحْتِمَالِ اس احتمال کی وجہ سے کہ خَلَقْنَاهُ یہ شَيْءٍ کے لیے صفت ہے اور اللہ کا قول بِقَدَرٍ وہ خبر ہے بھئی۔ تو کہتے ہیں: لِاحْتِمَالِ كَوْنِ قَوْلِهِ تَعَالَى خَلَقْنَاهُ صِفَةً لِشَيْءٍ، اس احتمال کی وجہ سے کہ اللہ تعالیٰ کا قول خَلَقْنَاهُ وہ شَيْءٍ کے لیے صفت ہے، وَقَوْلِهِ بِقَدَرٍ خَبَرًا لَهُ اور اللہ کا قول بِقَدَرٍ جو ہے وہ اس کے لیے خبر ہے، وَهُوَ خِلَافُ الْمَقْصُودِ اور یہ تو خلافِ مقصود ہے۔

فَإِنَّ الْمَقْصُودَ الْحُكْمُ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ بِأَنَّهُ مَخْلُوقٌ لَنَا بِقَدَرٍ۔ اب سنیں بھئی صاحبِ جامی بیان کریں گے اسی معنی کی خرابی کو۔ کہتے ہیں: فَإِنَّ الْمَقْصُودَ اس لیے کیونکہ مقصود جو ہے اس آیت کے ذریعے الْحُكْمُ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ یہ حکم لگانا ہے ہر چیز پر بِأَنَّهُ مَخْلُوقٌ لَنَا بِقَدَرٍ کہ وہ ہماری پیدا کی ہوئی ہے بِقَدَرٍ ایک اندازے کے ساتھ۔ اس آیت کے ذریعے مقصود یہ حکم

لگانا ہے ہر چیز پر کہ وہ ہماری پیدا کی ہوئی ہے بِقَدَرٍ ایک اندازے کے ساتھ۔ ترجمہ سمجھ میں آیا؟ لَا الْحُكْمُ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ مَخْلُوقٍ لَنَا، یہ حکم لگانا مقصود نہیں ہے کہ ہر ایسی چیز جو ہماری پیدا کی ہوئی ہے أَنَّهُ بِقَدَرٍ وہ ایک اندازے سے ہے، فَإِنَّهُ يُوهِمُ اس لیے کیونکہ یہ بات وہم ڈالتی ہے كَوْنَ بَعْضِ الْأَشْيَاءِ الْمَوْجُودَةِ غَيْرَ مَخْلُوقَةٍ لِلَّهِ تَعَالَى، کہ وہ بعض اشیاء جو موجود ہیں وہ اللہ کی پیدا کی ہوئی نہیں ہیں، كَمَا هُوَ مَذْهَبُ الْمُعْتَزِلَةِ، جیسا کہ معتزلہ کا مذہب ہے فِي الْأَفْعَالِ الِاخْتِيَارِيَّةِ لِلْعِبَادِ بندوں کے اختیاری افعال میں۔ جیسا کہ معتزلہ کا مذہب ہے بندوں کے اختیاری افعال میں۔

یاد رکھو معتزلہ ایک گمراہ فرقہ گزرا ہے بھئی، گمراہ فرقہ۔ اور یہ منطق اور فلسفے کے بہت بڑے ماہر تھے بھئی، علمائے اسلام تھے لیکن منطق اور فلسفے میں بہت ماہر تھے بھئی۔ انہوں نے منطق اور فلسفے کو ہی اصل ٹھہرا لیا۔ چنانچہ قرآن اور حدیث میں اگر کوئی ایسی بات آتی جو منطق اور فلسفے کے اصولوں کے خلاف ہوتی، تو پھر چاہیے تو یہ تھا کہ وہ منطق اور فلسفے کے اصولوں کو رد کرتے اور قرآن اور حدیث کی بات کو اصل ٹھہراتے، لیکن انہوں نے منطق اور فلسفے کے اصولوں کو اصل ٹھہرا لیا اور قرآن و حدیث میں اگر کوئی بات منطق اور فلسفے کے خلاف آتی تو اس میں تاویل کرتے، تو اس میں تاویل کرتے تھے بھئی۔ مثلاً اہلِ سنت والجماعت کا عقیدہ یہ ہے کہ حضور علیہ السلام اپنے جسمِ مبارک کے ساتھ معراج پر تشریف لے گئے تھے۔ اہلِ سنت والجماعت کا یہ عقیدہ ہے۔ لیکن یہ معتزلہ کہتے تھے نہیں، کہ جو معراج تھی وہ روحانی تھی جسمانی نہیں۔ وجہ اس کی یہ کہ منطق اور فلسفے میں بتلایا جاتا ہے کہ یہ جو دنیا ہے، اس دنیا کے گرد آگ کا ایک کرہ ہے بھئی، آگ کا ایک گولہ ہے جس نے ہر طرف سے زمین کو گھیرے میں لیا ہوا ہے۔ اس آگ کے گولے میں سے کوئی گزر ہی نہیں سکتا کیونکہ جو بھی گزرے گا آگ میں سے گزرے گا تو وہ جل جائے گا ختم ہو جائے گا۔ تو انہوں نے منطق اور فلسفے کے اصول کو تو اصل ٹھہرا لیا کہ واقعی آگ کا ایک کرہ موجود ہے، اور معراجِ جسمانی کہ جس کا ذکر آیا تھا قرآن و حدیث میں اس کو اس میں تاویل کی کہ اس آگ میں سے تو کوئی گزر ہی نہیں سکتا وہ تو جل جائے گا لہٰذا معلوم ہوا معراج جسمانی نہیں تھی بلکہ روحانی تھی۔ اور آج سائنس نے ان کی یہ بات غلط ثابت کر دی۔ آج خلائی جہاز کے اندر انسان خلا میں جاتے بھی ہیں اور آتے بھی ہیں، کوئی کرہِ نار موجود نہیں بھئی۔

اسی طرح یہ منطق اور فلسفے میں مذکور ہے کہ یہ جو دنیا ہے یہ جو کائنات ہے، اس کائنات سے باہر نہ خلا ہے نہ ملا، یعنی نہ خالی جگہ ہے نہ بھری ہوئی جگہ ہے۔ تو وہ کہتے تھے کہ یہ جو جنت اور جہنم ہیں یہ اس وقت اللہ نے پیدا ہی نہیں فرمائیں۔ وجہ یہ کہ اللہ کے پاس جگہ ہی نہیں ہے کیونکہ اس کائنات سے باہر نہ خلا ہے اور نہ ملا، نہ خالی جگہ ہے نہ بھری ہوئی جگہ ہے، تو جنت اور جہنم کہاں پیدا فرماتے اللہ تعالیٰ؟ ہاں قیامت کے دن جب اس سارے نظام کو اللہ لپیٹ دیں گے اس کائنات کو ختم کر دیں گے، تو اب اس کی جگہ پر جنت اور جہنم کو پیدا فرمائیں گے بھئی۔ تو دیکھو منطق اور فلسفے کے اصول کو اصل بنا لیا اور قرآن و حدیث میں تاویل کر لی بھئی، تاویل کر لی۔ جبکہ اہلِ سنت والجماعت کا عقیدہ یہ ہے کہ اس وقت بھی جنت اور جہنم موجود ہیں، اللہ جنت اور جہنم کو پیدا فرما چکے ہیں، جبکہ معتزلہ کا عقیدہ یہ تھا کہ اس وقت جنت اور جہنم موجود ہی نہیں

ہیں کیونکہ اللہ

کے پاس جگہ ہی نہیں ہے۔ جب قیامت کے دن اس کائنات کو اللہ ختم فرمائیں گے تو اس جگہ پر جنت اور جہنم کو پیدا فرمائیں گے۔ اور علماء فرماتے ہیں کہ ان کو ان کے کثرتِ علم نے گمراہ کر دیا۔ چونکہ منطق اور فلسفے کے بہت بڑے ماہر تھے تو کثرتِ علم نے ان کو گمراہ کر دیا۔ معلوم ہوا کہ علم کی کثرت بھی کبھی کبھار گمراہی کی طرف انسان کو لے جاتی ہے بھئی۔

تو یہ جو معتزلہ تھے، ان کا عقیدہ یہ تھا کہ یہ جو بندے کے اختیاری افعال ہیں، جو اپنے اختیار سے بندہ کرتا ہے، یہ تمام اختیاری افعال، کھانا ہے، پینا، سونا، جاگنا، چلنا، پھرنا، جتنے اختیاری افعال ہیں ان تمام کا خالق بندہ خود ہے۔ اہلِ سنت والجماعت کا عقیدہ تو یہ ہے کہ بندے کے تمام افعال کے خالق بھی اللہ تعالیٰ ہیں، بندے کے تمام افعال کے خالق بھی اللہ تعالیٰ ہیں۔ لیکن معتزلہ کہتے ہیں نہیں، یہ جو بندے کے افعالِ اختیاریہ ہیں جو وہ اپنے اختیار سے کرتا ہے اس کے خالق اللہ تعالیٰ نہیں ہیں، یہ بندہ خود اس کا خالق ہے۔ وجہ یہ، کہتے ہیں بھئی اس لیے کیونکہ بندے کے افعال میں تو بہت سے گناہ کے افعال بھی ہوتے ہیں، چوری ہے، زنا ہے، ڈاکہ وغیرہ، یہ گناہ کے افعال ہیں۔ تو اگر آپ یہ کہیں گے کہ تمام افعال کے خالق اللہ تعالیٰ ہیں، تو یہ جو چوری، ڈاکہ، زنا ہے ان کی نسبت بھی اللہ کی طرف کرنا پڑے گی کہ ان کے خالق بھی اللہ تعالیٰ ہیں، اور یہ تو مناسب نہیں ہے کہ ان ناپسندیدہ چیزوں کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کی جائے۔ چنانچہ وہ قائل ہوئے اس بات کے کہ بندوں کے اختیاری افعال کا خالق بندہ خود ہے۔

لیکن ان کے اس قول کی وجہ سے بہت بڑی خرابی لازم آتی ہے۔ خرابی یہ لازم آتی ہے، معتزلہ کے قول کو لے لیا جائے تو خالق تو بے انتہا ہو گئے، ہر بندہ ہی کیا ہو گیا؟ خالق ہو گیا بھئی اپنے افعالِ اختیاریہ کا بھئی۔ تو اس صورت میں تعددِ خالقین لازم آتا ہے بھئی۔ تو اہلِ سنت والجماعت کے نزدیک خالق جو ہیں ہر چیز کے خالق اللہ تعالیٰ ہیں۔ تو دیکھو ان کے اس قول کی وجہ سے کتنی بڑی خرابی لازم آئی، تعددِ خالقین کا قائل ہونا پڑا ان کو۔ تو یہ اسی طرح ہے جیسے عربی میں کہتے ہیں: فَرَّ مِنَ الْمَطَرِ وَقَامَ تَحْتَ الْمِيزَابِ، کہ بارش سے بچنے کے لیے ایک آدمی بھاگا اور پرنالے کے نیچے جا کر کھڑا ہو گیا۔ بھئی وہ بارش کی وجہ سے تو اتنا نہیں بھیگ سکتا تھا جتنا پرنالے میں اب بھیگ جائے گا۔ بات سمجھ میں آ گئی؟ تو ایک چیز سے بچنے کے لیے اس سے بڑی خرابی کی طرف وہ چلے گئے۔ جبکہ اہلِ سنت والجماعت کہتے ہیں کہ تمام چیزوں کے خالق اللہ تعالیٰ ہیں اور بندے کے افعال کے خالق بھی اللہ تعالیٰ ہیں بھئی۔ اور آپ نے کیا کہا؟ کہ اس صورت میں اللہ کی طرف ایک نامناسب چیز کی نسبت کرنا لازم آتا ہے۔ تو اس کا جواب دیتے ہیں اہلِ سنت والجماعت کہ خلقِ قبیح جو ہے یہ برا نہیں ہے، یہ نامناسب نہیں ہے، کسبِ قبیح جو ہے وہ برا ہے بھئی۔ اللہ تعالیٰ نے نیک افعال کے ساتھ برے افعال کو بھی پیدا فرمایا یہ تو عینِ کمال ہے بھئی، اللہ نے ہر طرح کے افعال پیدا فرما دیے اچھے بھی اور برے بھی۔ تو خلقِ افعال قبیح نہیں

ہے، ہاں کسبِ افعال قبیح ہے، یعنی ان کو کرنا برا ہے۔ ان برے افعال کا پیدا کرنا برا نہیں، وہ تو عینِ کمال ہے، ہاں ان برے افعال کو کرنا جو ہے وہ برا ہے بھئی۔ تو بندہ کسبِ قبیح کرتا ہے یہ برا ہے بھئی۔ بات سمجھ میں آگئی؟

جی تو یہی بات ذکر کر رہے ہیں دیکھیے بھئی کتاب پر: فَإِنَّهُ يُوهِمُ كَوْنَ بَعْضِ الْأَشْيَاءِ الْمَوْجُودَةِ غَيْرَ مَخْلُوقَةٍ لِلَّهِ تَعَالَى، اس لیے کیونکہ یہ بات وہم ڈالتی ہے، یہ والا احتمال وہم ڈالتا ہے کہ بعض اشیائے موجودہ جو ہیں، یعنی بعض وہ چیزیں جو موجود ہیں وہ اللہ کی پیدا کی ہوئی نہیں ہیں، كَمَا هُوَ مَذْهَبُ الْمُعْتَزِلَةِ، جیسا کہ معتزلہ کا مذہب ہے فِي الْأَفْعَالِ الِاخْتِيَارِيَّةِ لِلْعِبَادِ، ان افعال کے اندر جو بندے کے اختیاری ہیں، جیسا کہ معتزلہ کا مذہب ہے بندے کے اختیاری افعال میں۔ بات سمجھ میں آگئی؟ حل ہو گیا؟ چلیے بس بھئی، هَذَا هُوَ الْمَرَامُ وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْكَلَامِ۔

سبق نمبر ۱۳۴: الاشتغال (۵): اشتغال میں رفع اور نصب کے برابر ہونے کے مواضع

شرحِ ملا جامی صفحہ: ۱۱۰ — بتاریخ: ۱۶ جنوری ۲۰۲۲ء

▪ تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث

دیکھیے بھئی آگے سبق:

وَيَسْتَوِي الْأَمْرَانِ أَيِ الرَّفْعُ وَالنَّصْبُ فَلِلْمُتَكَلِّمِ أَنْ يَخْتَارَ كُلَّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا بِلَا تَفَاوُتٍ فِي مِثْلِ زَيْدٌ قَامَ وَعَمْرًا أَكْرَمْتُهُ۔

بھئی مَا أُضْمِرَ عَامِلُهُ عَلَى شَرِيطَةِ التَّفْسِيرِ کی بحث چل رہی ہے۔ صاحبِ کافیہ نے آپ کو بتلایا کہ وہ جگہیں جہاں پر مَا أُضْمِرَ عَامِلُهُ عَلَى شَرِيطَةِ التَّفْسِيرِ کے ہونے کا گمان ہوتا ہے، وہ پانچ جگہیں ہیں بھئی۔ اور ان پانچ میں سے بعض جگہ رفع واجب ہو گا، بعض جگہ نصب واجب ہو گا، بعض جگہ رفع مختار ہو گا، بعض جگہ نصب مختار ہو گا، اور بعض جگہ دونوں چیزیں برابر ہوں گی یعنی رفع اور نصب بھئی۔ تو سب سے پہلے وہ جگہیں ذکر کیں جہاں پر رفع مختار ہوتا ہے۔ اس کے بعد گزشتہ سبق میں وہ جگہیں ذکر کیں جہاں نصب مختار ہو گا اس اسم کے اندر۔ اور بتلایا تھا کہ نصب مختار ہو گا اس اسم میں جب جملہ فعلیہ پر عطف کیا جائے اس جملے کا جس کے اندر یہ اسم موجود ہے۔ تو اس صورت میں نصب مختار ہو گا تاکہ دونوں جملوں میں مناسبت آجائے، پہلا جملہ فعلیہ ہے تو یہ بھی جملہ فعلیہ بنے گا بھئی۔ اور اسی طرح حرفِ نفی کے بعد اگر وہ اسم آئے یا حرفِ استفہام کے بعد آئے، یا اسی طرح إِذَا شرطیہ یا حَيْثُ کے بعد آئے وہ حَيْثُ جو شرط کے لیے ہو، تو ان کے بعد اگر وہ اسم آئے، یا اسی طرح امر اور نہی سے ماقبل کے اندر وہ اسم آجائے، تو ان تمام جگہوں کے اندر نصب پسندیدہ ہے، اس لیے کیونکہ یہ وہ مقامات ہیں جہاں اکثر اکثر جو ہے فعل واقع ہوتا ہے۔

اسی طرح وہ مقام جہاں پر مفسر کے التباس کا خوف ہو صفت کے ساتھ، تو وہاں پر بھی نصب پسندیدہ ہے۔ جیسے یہ مثال ذکر کی تھی قرآن سے: إِنَّا كُلَّ شَيْءٍ خَلَقْنَاهُ بِقَدَرٍ۔ تو اس قسم کے مقامات میں كُلُّ شَيْءٍ بھی پڑھ سکتے ہیں اور كُلَّ شَيْءٍ

بھی، لیکن نصب مختار ہے۔ کیونکہ اگر رفع پڑھا جائے گا تو خبر کا التباس لازم آئے گا صفت کے ساتھ۔ میں نے ترکیب ذکر کی تھی: دیکھیے اگر نصب پڑھیں، إِنَّا كُلَّ شَيْءٍ خَلَقْنَاهُ بِقَدَرٍ، تو كُلَّ شَيْءٍ منصوب پڑھا، تو اس صورت میں معلوم ہوا یہ مَا أُضْمِرَ عَامِلُهُ عَلَى شَرِيطَةِ التَّفْسِيرِ کی قبیل سے ہے، تو وہی جو مابعد میں فعل آرہا ہے اسی کو یا اس کے مناسب کو مسلط کرتے ہیں۔ تو البتہ یہاں اکثر مثالیں جو وہ ذکر کر رہے ہیں وہاں اسی فعل کو مسلط کریں تو وہ نصب دیتا ہے۔ تو یہ كُلَّ شَيْءٍ کے بعد خَلَقْنَا فعل آرہا ہے اسی کو اس پر مسلط کر دو۔ تو تقدیرِ کلام کیا ہوا؟ إِنَّا خَلَقْنَا كُلَّ شَيْءٍ خَلَقْنَاهُ بِقَدَرٍ۔ تو معنی یہ ہو گیا کہ خَلَقْنَا كُلَّ شَيْءٍ بِقَدَرٍ کہ ہم نے ہر چیز کو ایک اندازے سے پیدا کیا ہے۔ تو یہ اس وقت ہے جب نصب پڑھیں كُلَّ شَيْءٍ پر۔ اور اگر رفع پڑھا جائے تو پھر كُلُّ شَيْءٍ یہ بنے گا مبتدا، اور خَلَقْنَاهُ بِقَدَرٍ یہ ساری کیا ہے؟ اس کی خبر۔ خَلَقْنَاهُ کیا ہے؟ خبر۔ یہی خَلَقْنَا اگر نصب پڑھیں تو یہ مفسر بنتا تھا، لیکن رفع پڑھیں تو یہی خَلَقْنَا کیا بنتا ہے؟ خبر بنتا ہے۔ لیکن رفع کی صورت میں جب یہ خَلَقْنَا خبر بن رہا ہو، اس کے التباس کا خوف ہوتا ہے صفت کے ساتھ۔ شبہ پڑتا ہے کہ شاید خَلَقْنَاهُ یہ خبر نہیں ہے بلکہ یہ صفت ہے كُلُّ شَيْءٍ کی، کیونکہ نکرہ کے بعد فعل آئے تو اس کے لیے صفت بنتا ہے۔ اور خبر جو ہے وہ آگے بِقَدَرٍ آ رہی ہے۔ اور اس صورت میں جو ہے معنی خراب ہو جائے گا، کیونکہ معنی کیا بن گیا؟ کہ كُلُّ شَيْءٍ خَلَقْنَاهُ، ہر ایسی چیز جس کو ہم نے پیدا کیا ہے بِقَدَرٍ وہ ایک اندازے سے ہے۔ اس سے تو یہ وہم پڑتا ہے کہ شاید کچھ چیزیں ایسی بھی ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے پیدا نہیں فرمایا اور معلوم ہوا وہ اندازے کے ساتھ نہیں ہیں بھئی، حالانکہ یہ معنی صحیح نہیں۔ توجہ ہے؟ تو التباس کب آتا ہے؟ جب كُلُّ شَيْءٍ یعنی رفع پڑھیں۔ اس وقت یہ خَلَقْنَا خبر بنتا ہے لیکن اس کا التباس کس سے آرہا ہے؟ صفت کے ساتھ۔ تو لہٰذا اس صورت میں نصب پسندیدہ ہے، لہٰذا یہاں پر کیا پڑھیں گے؟ نصب پڑھیں گے بھئی۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو یہی خَلَقْنَا نصب والی صورت میں تفسیر بنتا ہے اور یہی خَلَقْنَا رفع والی صورت میں خبر بنتا ہے۔ لیکن اس خبر کا التباس کس سے؟ صفت سے آتا ہے کہ شاید یہ خبر نہیں ہے بلکہ یہ صفت ہے كُلُّ شَيْءٍ کی اور خبر جو ہے آگے بِقَدَرٍ ہے، اور اس صورت میں معنی خراب ہو جاتا ہے۔

آگے دیکھیے بھئی۔ کہتے ہیں: وَيَسْتَوِي الْأَمْرَانِ أَيِ الرَّفْعُ وَالنَّصْبُ فَلِلْمُتَكَلِّمِ أَنْ يَخْتَارَ كُلَّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا بِلَا تَفَاوُتٍ فِي مِثْلِ زَيْدٌ قَامَ وَعَمْرًا أَكْرَمْتُهُ۔ اب وہ جگہیں ذکر کرنے لگے ہیں جہاں پر نصب اور رفع دونوں برابر ہیں۔ آپ چاہیں رفع پڑھیں، آپ چاہیں نصب پڑھیں، دونوں برابر ہیں یعنی کسی ایک کو بھی ترجیح نہیں ہے بھئی۔ جی، اس مثال سے پہلے دو تین ترکیبیں ذرا لکھ لیجیے کاپی پر بھئی۔ جی لکھیے بھئی۔ بھئی آپ جانتے ہیں کہ مبتدا کے لیے خبر کبھی مفرد آتی ہے اور کبھی جملہ آتی ہے۔ لکھیے بھئی مثال: زَيْدٌ قَائِمٌ۔ زَيْدٌ قَائِمٌ۔ تو دیکھو ترکیب کیا ہو گی؟ زَيْدٌ مرفوع لفظاً مبتدا، قَائِمٌ مرفوع لفظاً صیغہ اسمِ فاعل، اس کے اندر ہُوَ ضمیر مرفوع محلاً اس کا فاعل جو کس کو راجع ہے؟ زید یعنی مبتدا کو، تو یہ ربط آگیا۔ تو اسمِ فاعل اپنے فاعل سے مل کر شبہِ جملہ ہو کر یہ خبر ہوئی زید کے لیے، مبتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔ بھئی میں نے آپ کو بتلایا تھا کہ جملے کو جب بھی

کسی چیز سے جوڑنا ہو تو درمیان میں ربط ضروری ہے، اور یہ اسی طرح شبہِ جملہ کا بھی حکم ہے، اس کو بھی کسی چیز سے جوڑنا ہو تو درمیان میں ربط ضروری ہے۔ تو یہاں قَائِمٌ جو ہے وہ شبہِ جملہ ہے اور اس کا ربط چاہیے زید کے ساتھ، تو اس کے اندر ہُوَ ضمیر ہے وہ عائد ہے رابط ہے۔ تو جب بھی جملے کو کسی چیز سے جوڑنا ہو تو بھی ربط ضروری اور شبہِ جملہ کو جوڑنا ہو تو بھی ربط ضروری ہے۔ تو دیکھو یہ جملہ اسمیہ ہے زَيْدٌ قَائِمٌ، اور اس کے اندر یہ جو خبر ہے یعنی قَائِمٌ دیکھو یہ مفرد ہے یعنی جملہ نہیں ہے، مفرد ہے۔

اور کبھی کبھار یہ جو خبر ہوتی ہے وہ جملہ ہوتی ہے، جیسے اگلی مثال لکھیے بھئی: زَيْدٌ قَامَ۔ زَيْدٌ قَامَ۔ ترکیب سنو: زَيْدٌ مرفوع لفظاً بتدا، قَامَ فعل، اس کے اندر ہُوَ ضمیر مرفوع محلاً اس کا فاعل جو کس کو راجع ہے؟ زید کو۔ یہ ربط آگیا خبر کا بتدا کے ساتھ۔ تو فعل اپنے فاعل سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر یہ خبر ہوئی بتدا کے لیے۔ تو یہ قَامَ جملہ فعلیہ جو ہے پورا، یہ خبر ہے زَيْدٌ کے لیے، بتدا اپنی خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔ تو یہ دیکھو یہ ایسا جملہ اسمیہ ہے جس کی خبر جملہ فعلیہ ہے، جملہ فعلیہ ہے۔ تو یاد رکھو اس صورت میں یہ اس قسم کا جملہ اسمیہ جس کی خبر پورا جملہ ہو اس کو کہتے ہیں کبریٰ۔ تو یہ زَيْدٌ قَامَ یہ پورا جملہ ہے یہ کبریٰ کہلائے گا، یعنی یہ بڑا جملہ ہے کس کے مقابلے میں؟ وہ جو اس کے اندر قَامَ جملہ فعلیہ آرہا ہے، وہ اس کے مقابلے میں چھوٹا جملہ ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو ایسا، توجہ ہے؟ تو ایسا جملہ اسمیہ جس کی خبر پورا جملہ ہو تو اس جملہ اسمیہ کو کبریٰ کہتے ہیں، اور وہ جو اس کی خبر آرہی ہے وہ جو چھوٹا جملہ ہے اس کو صغریٰ کہتے ہیں۔ تو زَيْدٌ قَامَ یہ سارا کیا ہے؟ کبریٰ، اور اس کے اندر جو خبر ہے قَامَ وہ ہے صغریٰ۔ تو یہاں تو قَامَ یہ جو صغریٰ ہے یہ جملہ فعلیہ ہے، اور کبھی کبھار صغریٰ وہ جملہ اسمیہ بھی آتا ہے، یعنی بتدا کی خبر آگے پھر ایک اور جملہ اسمیہ آتا ہے۔ جیسے مثال لکھیے بھئی: زَيْدٌ أَبُوهُ قَائِمٌ۔ زَيْدٌ أَبُوهُ قَائِمٌ۔ زَيْدٌ مرفوع لفظاً بتدا، یہ ہے بتدا، اور أَبُوهُ قَائِمٌ یہ پورا جملہ ہے یہ اس کی خبر بنے گا، اور یہ أَبُوهُ قَائِمٌ یہ پھر جملہ اسمیہ ہے۔ تو لہٰذا یہ أَبُوهُ دوبارہ پھر یہ بتدا آرہا ہے اور قَائِمٌ اس کی خبر۔ تو یہاں دو بتدا آگئے لہٰذا فرق کرنے کے لیے پہلے کو کہہ دیتے ہیں بتدائے اول اور دوسرے کو کہتے ہیں بتدائے ثانی۔ تو زَيْدٌ مرفوع لفظاً بتدائے اول، اور أَبُو مرفوع لفظاً مضاف۔ مرفوع کیوں أَبُو؟ کیونکہ یہ بتدائے ثانی ہے۔ اور ہا ضمیر مجرور محلاً مضاف الیہ۔ اور یہ ہا ضمیر کس کو راجع؟ زید کو۔ یہ ربط دے رہی ہے اس أَبُوهُ قَائِمٌ کو بتدائے اول کے ساتھ۔ توجہ ہے؟ تو أَبُوهُ مضاف مضاف الیہ مل کر یہ ہے بتدائے ثانی، اور یہ قَائِمٌ خبر ہے کس کی؟ بتدائے ثانی کی۔ تو قَائِمٌ مرفوع لفظاً صیغہ اسمِ فاعل، اس کے اندر ہُوَ ضمیر مرفوع محلاً اس کا فاعل جو کس کو راجع؟ قَائِمٌ کس کی خبر ہے؟ أَبُوهُ کی، تو اس کو أَبُوهُ سے جوڑنا ہے تو اس کے اندر ہُوَ ضمیر کس کو راجع؟ أَبُوهُ کو۔ تو أَبُوهُ بتدا اپنی خبر قَائِمٌ سے مل کر جملہ اسمیہ ہو کر یہ خبر ہوئی کس کے لیے؟ زَيْدٌ کے لیے یعنی بتدائے اول کے لیے۔ بتدائے اول اپنی خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔ تو دیکھو یہاں ایک بڑا جملہ ہے زَيْدٌ أَبُوهُ قَائِمٌ، یہ سارا، یہ بڑا جملہ اسمیہ ہے، اور اس کے اندر اس کی جو خبر ہے أَبُوهُ قَائِمٌ وہ ایک چھوٹا جملہ ہے۔ تو یہ جو خبر ہے أَبُوهُ قَائِمٌ اس کو کہیں گے صغریٰ کیونکہ یہ چھوٹا جملہ

ہے، اور یہ جو بڑا جملہ ہے زَيْدٌ أَبُوهُ قَائِمٌ یہ پورا جملہ جو ہے اس کو کیا کہیں گے؟ کبریٰ۔ تو حاصلِ کلام کیا ہوا؟ وہ جملہ اسمیہ جس کی خبر کیا ہو؟ جملہ ہو، تو اس جملہ اسمیہ کو کہتے ہیں کبریٰ، اور وہ جو خبر ہے جو جملہ ہے اس کے اندر اس کو کیا کہتے ہیں؟ صغریٰ کہتے ہیں۔

اب آئیے بھئی کتاب پر دیکھیے، متن متن دیکھیے۔ کہتے ہیں: وَيَسْتَوِي الْأَمْرَانِ، اور دونوں امر برابر ہیں، دونوں چیزیں برابر ہیں، یعنی متکلم کو اختیار ہے چاہے رفع پڑھے اور چاہے نصب پڑھے، فِي مِثْلِ اس جیسی مثالوں میں: زَيْدٌ قَامَ وَعَمْرًا أَكْرَمْتُهُ۔ یہ زَيْدٌ قَامَ یہ ہے ایک جملہ، وَعَمْرًا أَكْرَمْتُهُ یہ ہے دوسرا جملہ۔ زَيْدٌ قَامَ، یہ زَيْدٌ قَامَ یہ ہے کبریٰ، اور یہ قَامَ کیا ہے؟ کتاب پہ نظر ہے؟ زَيْدٌ قَامَ، یہ زَيْدٌ کیا ہے؟ مبتدا ہے اور قَامَ یہ خبر ہے، تو یہ زَيْدٌ قَامَ یہ ہوا کبریٰ اور یہ قَامَ کیا ہے؟ صغریٰ۔ وَعَمْرًا أَكْرَمْتُهُ یہ ہے دوسرا جملہ، اور اس کے اندر یہ عَمْرًا جو ہے یہ ہے وہ اسم جس پر رفع پڑھنا بھی جائز ہے اور نصب پڑھنا بھی جائز، دونوں برابر ہیں۔ اگر آپ اس کو پڑھیں عَمْرٌو أَكْرَمْتُهُ، توجہ ہے؟ اگر عَمْرٌو پڑھیں گے تو عَمْرٌو بنے گا مبتدا، اور أَكْرَمْتُهُ بنے گی اس کی خبر، اور مبتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ ہوا، جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔ اور پسندیدہ کیا ہے کہ جملہ اسمیہ کا عطف کس پر کیا جائے؟ جملہ اسمیہ پر، اور جملہ فعلیہ کا عطف کس پر کیا جائے؟ جملہ فعلیہ پر، یہ پسندیدہ ہے۔ تو اس صورت میں جب آپ عَمْرٌو پڑھیں گے تو عَمْرٌو أَكْرَمْتُهُ یہ پورا جملہ اسمیہ ہوا، اور اس کا عطف ہو جائے گا ماقبل میں زَيْدٌ قَامَ پر جو کبریٰ ہے، جو کبریٰ ہے، کیونکہ وہ بھی جملہ اسمیہ ہے، تو جملہ اسمیہ کا عطف ہو جائے گا جملہ اسمیہ پر اور یہ پسندیدہ ہے۔ اور اگر آپ عَمْرًا پڑھیں گے تو پھر تقدیرِ عبارت کیا ہوگی؟ عَمْرًا کو نصب کس نے دیا؟ وہی مابعد میں جو فعل آرہا ہے اس کو اس پر مسلط کر دیں: أَكْرَمْتُ عَمْرًا أَكْرَمْتُهُ۔ تو أَكْرَمْتُ عَمْرًا یہ ہوا مفسر اور أَكْرَمْتُهُ یہ ہوئی اس کی تفسیر، تو یہ جملہ فعلیہ ہے بھئی۔ تو عَمْرًا أَيْ أَكْرَمْتُ عَمْرًا دیکھو یہ جملہ فعلیہ ہو گیا، اور جملہ فعلیہ کا عطف کس پر پسندیدہ ہے؟ جملہ فعلیہ پر، تو اس صورت میں اس جملہ فعلیہ کا عطف ہو جائے گا قَامَ پر یعنی صغریٰ پر۔ کس پر عطف ہو جائے گا؟ صغریٰ پر۔ تو معطوف علیہ بھی جملہ فعلیہ یعنی قَامَ، اور معطوف بھی یعنی أَكْرَمْتُ عَمْرًا وہ بھی جملہ فعلیہ، تو جملہ فعلیہ کا عطف ہو جائے گا جملہ فعلیہ پر اور یہ پسندیدہ ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو لہٰذا آپ چاہیں عَمْرًا پڑھیں چاہیں عَمْرٌو پڑھیں۔ عَمْرٌو پڑھیں گے تو جملہ اسمیہ کا جملہ اسمیہ پر عطف ہو جائے گا یعنی کبریٰ پر عطف کر دیں گے، اور اگر آپ عَمْرًا پڑھیں گے تو پھر فعلیہ کا فعلیہ پر عطف کریں گے یعنی صغریٰ پر عطف کر دیں گے۔ تو دونوں صورتوں میں معطوف کی مناسبت ہوگی معطوف علیہا کے ساتھ۔

ہاں البتہ ایک قیمتی بات یاد رکھنا، جب آپ عَمْرًا أَكْرَمْتُهُ پڑھیں گے، کتاب پر نظر ہے؟ عَمْرًا أَكْرَمْتُهُ پڑھیں گے، جب نصب پڑھا معلوم ہوا اس کا عطف کس پر ہے؟ قَامَ پر، اس کا عطف کس پر ہے؟ قَامَ پر۔ قَامَ ہوا معطوف علیہ اور عَمْرًا أَكْرَمْتُهُ یہ ہوا معطوف۔ اور آپ نے پڑھا ہے معطوف کا وہی حکم ہوتا ہے جو معطوف علیہ کا، یعنی اگر معطوف علیہ فاعل ہے تو معطوف بھی فاعل، معطوف علیہ مفعول ہے تو معطوف بھی

مفعول، اور یہاں پر معطوف علیہ قَامَ جو ہے وہ خبر ہے زید کے لیے، تو عَمْرًا أَكْرَمْتُهُ بھی کیا بنے گی؟ خبر بنے گی زید کے لیے۔ اور خبر جب جملہ ہو تو اس کا ربط ضروری ہوتا ہے مبتدا کے ساتھ۔ تو جب عَمْرًا أَكْرَمْتُهُ پڑھیں گے یہ بھی خبر ہوئی زید کے لیے اور قَامَ بھی خبر ہوئی زید کے لیے۔ اور قَامَ کے اندر ایک ضمیر ہے جو لوٹ رہی ہے زید کو، تو قَامَ کا ربط تو آگیا زید کے ساتھ۔ لیکن عَمْرًا أَكْرَمْتُهُ یہاں تو کوئی ایسی ضمیر نہیں ہے جو زید کو لوٹے، أَكْرَمْتُهُ کی ہا ضمیر تو عمرو کو لوٹ رہی ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو اس صورت میں پھر یہاں عائد محذوف نکالنا پڑے گا۔ وَعَمْرًا أَكْرَمْتُهُ، آگے صاحبِ جامی فرما رہے ہیں: أَيْ عِنْدَهُ. أَكْرَمْتُهُ میں نے اس عمرو کا اکرام کیا عِنْدَهُ کس کے پاس؟ زید کے پاس۔ یہ اب ربط آگیا۔ یا أَوْ فِي دَارِهِ اس کو جوڑ دیں: وَعَمْرًا أَكْرَمْتُهُ فِي دَارِهِ، میں نے عمرو کا اکرام کیا فِي دَارِهِ أَيْ فِي دَارِ زَيْدٍ، کس کے گھر میں؟ زید کے، تو دیکھو اس سے ربط آجائے گا۔ تو لہٰذا صاحبِ جامی آپ کو بتلائیں گے کہ آپ عَمْرٌو بھی پڑھ سکتے ہیں اور عَمْرًا بھی۔ لیکن جب عَمْرًا پڑھیں گے تو یہ صغریٰ پر عطف ہو جائے گا، اور صغریٰ تو خبر ہے زید کے لیے، تو یہ معطوف بھی کیا ہو گا؟ خبر، اور خبر کا ربط ضروری ہوتا ہے مبتدا کے ساتھ، تو قَامَ کے اندر ضمیر لوٹ رہی ہے زید کی طرف، تو عَمْرًا أَكْرَمْتُهُ میں بھی ایک ضمیر چاہیے جو کس کو لوٹے؟ زید کو لوٹے۔ اور وہ تو یہاں لفظوں میں ذکر نہیں، تو وہ محذوف ہے أَيْ عِنْدَهُ أَوْ فِي دَارِهِ وہاں محذوف نکال لیں گے۔ بات سمجھ میں آگئی؟

دیکھیے بھئی اب شرح کے ساتھ۔ کہتے ہیں: وَيَسْتَوِي الْأَمْرَانِ أَيِ الرَّفْعُ وَالنَّصْبُ، دونوں چیزیں برابر ہیں یعنی رفع اور نصب۔ فَلِلْمُتَكَلِّمِ أَنْ يَخْتَارَ كُلَّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا، تو متکلم کے لیے جائز ہے کہ وہ اختیار کرے دونوں میں سے ہر ایک کو بِلَا تَفَاوُتٍ، بغیر کسی فرق کے، یعنی چاہے رفع پڑھے چاہے نصب دونوں میں کوئی فرق نہیں، برابر ہیں، کسی ایک کو بھی ترجیح نہیں ہے۔ فِي مِثْلِ زَيْدٌ قَامَ وَعَمْرًا أَكْرَمْتُهُ اس جیسی مثالوں میں، أَيْ عِنْدَهُ أَوْ فِي دَارِهِ، دیکھا؟ یہ عِنْدَهُ أَوْ فِي دَارِهِ کس لیے نکالا؟ جب اس پر نصب پڑھیں۔ اور یہ عِنْدَهُ یہ مضاف مضاف الیہ مل کر مفعول فیہ بنے گا أَكْرَمْتُ کے لیے، کیونکہ عِنْدَ ظرف ہے۔ اور فِي دَارِهِ جار مجرور یہ جڑ جائے گا أَكْرَمْتُ سے، میں نے اکرام کیا فِي دَارِهِ زید کے گھر میں عمرو کا بھئی۔ وَنَحْوِ ذَلِكَ، اور اس جیسا کوئی عائد نکالنا پڑے گا۔ عبارت سمجھ میں آرہی ہے؟ وَعَمْرًا أَكْرَمْتُهُ أَيْ عِنْدَهُ أَوْ فِي دَارِهِ وَنَحْوِ ذَلِكَ، یا اس جیسا کوئی محذوف نکالنا پڑے گا ربط دینے کے لیے، وَإِلَّا لَا يَصِحُّ الْعَطْفُ عَلَى الصُّغْرَى، ورنہ تو صغریٰ پر عطف صحیح نہیں ہو گا لِعَدَمِ الضَّمِيرِ، ضمیر کے نہ ہونے کی وجہ سے۔ أَيْ يَسْتَوِي الْأَمْرَانِ، یعنی دونوں امر برابر ہیں فِيمَا إِذَا عَطَفْتَ الْجُمْلَةَ، اس ترکیب کے اندر جس کے اندر آپ عطف کریں، عطف کریں اس جملے پر... ہاں، اس صورت میں إِذَا عَطَفْتَ الْجُمْلَةَ الَّتِي وَقَعَ فِيهَا الِاسْمُ الْمَذْكُورُ، جب آپ عطف کریں اس جملے کا جس کے اندر وہ اسمِ مذکور ہے، اس کا عطف کریں عَلَى جُمْلَةٍ ذَاتِ وَجْهَيْنِ، ایسے جملے پر جو دو وجہوں والا ہے، ذَاتِ وَجْهَيْنِ ہے، یعنی دو... ذُو مَالٍ کا کیا معنی؟ مال والا، مذکر کے لیے ذُو کہتے ہیں، اور مؤنث عورت ہو تو کہتے ہیں ذَاتُ مَالٍ، مال والی۔ تو یہاں پر بھی جُمْلَة مؤنث ہے، اس کے ساتھ گول تا

جڑی ہوئی ہے، تو اس کی صفت کیا لے آئے؟ ذَاتِ وَجْهَيْنِ لے آئے، دو وجہوں والا، یعنی جس کے دو چہرے ہیں، دو رخ ہیں، اس جملے کے دو رخ ہیں۔ پھر دیکھیے ترجمہ۔ کہتے ہیں: أَيْ يَسْتَوِي الْأَمْرَانِ فِيمَا إِذَا عَطَفْتَ الْجُمْلَةَ الَّتِي وَقَعَ فِيهَا الِاسْمُ الْمَذْكُورُ، اور برابر ہیں دونوں امر اس ترکیب کے اندر جب آپ عطف کریں اس جملے کا جس کے اندر وہ اسمِ مذکور واقع ہے، عَلَى جُمْلَةٍ ذَاتِ وَجْهَيْنِ، ایسے جملے پر جو دو رخ والا ہے، بھئی کیا معنی دو رخ والا ہے؟ أَيْ جُمْلَةٍ اسْمِيَّةٍ خَبَرُهَا جُمْلَةٌ فِعْلِيَّةٌ، یعنی ایسا جملہ اسمیہ جس کی خبر جملہ فعلیہ ہے۔ فَيَصِحُّ رَفْعُهُ بِالِابْتِدَاءِ، تو اس اسم پر رفع بھی صحیح ہے بِالِابْتِدَاءِ مبتدا ہونے کی وجہ سے، وَنَصْبُهُ بِتَقْدِيرِ الْفِعْلِ، اور نصب بھی صحیح ہے تقدیرِ فعل کی وجہ سے۔ وَالْوَجْهَانِ مُسْتَوِيَانِ، اور دونوں وجہیں برابر ہیں، یعنی رفع اور نصب دونوں برابر ہیں کسی ایک کو بھی ترجیح نہیں۔ تو کہتے ہیں: وَالْوَجْهَانِ مُسْتَوِيَانِ، اور دونوں وجہیں برابر ہیں لِحُصُولِ التَّنَاسُبِ فِيهِمَا، اس لیے کیونکہ مناسبت حاصل ہے دونوں میں، دونوں صورتوں میں مناسبت حاصل ہے۔ کس طرح مناسبت ہے اب وہ بتا رہے ہیں۔ کہتے ہیں: فَفِي الرَّفْعِ تَكُونُ اسْمِيَّةً، تو رفع کی صورت میں وہ جملہ اسمیہ ہو گا فَتُعْطَفُ عَلَى الْجُمْلَةِ الْكُبْرَى، تو اس کا عطف ہو جائے گا جملہ کبریٰ پر وَهِيَ اسْمِيَّةٌ، اور کبریٰ بھی کیا ہے؟ اسمیہ ہے۔ وَفِي النَّصْبِ تَكُونُ فِعْلِيَّةً، اور نصب کی صورت میں یہ جملہ جو ہے فعلیہ ہو جائے گا فَتُعْطَفُ عَلَى الصُّغْرَى، تو اس کا عطف کیا جائے گا کس پر؟ صغریٰ پر وَهِيَ فِعْلِيَّةٌ، اور وہ بھی، اور وہ فعلیہ ہے۔

فَإِنْ قُلْتَ، اگر آپ یہ کہیں... ہاں یہاں پہ ایک اعتراض ہوتا ہے۔ اعتراض یہ ہوتا ہے: آپ نے ہمیں بتلایا تھا زَيْدٌ ضَرَبْتُهُ، زَيْدٌ... زَيْدٌ ضَرَبْتُهُ اس کے اندر زَيْدًا ضَرَبْتُهُ بھی پڑھ سکتے ہیں اور زَيْدٌ بھی لیکن زَيْدٌ پسندیدہ ہے، کیوں پسندیدہ؟ کیونکہ اس صورت میں کلام حذف سے سلامت رہتا ہے۔ تو یہاں پر بھی اگر آپ زَيْدًا پڑھیں گے تو پھر تو حذف ماننا پڑے گا، اور زَيْدٌ پڑھیں گے تو کلام حذف سے سلامت رہے گا، لہٰذا یہاں رفع پسندیدہ ہونا چاہیے تاکہ ہم حذف سے بچ جائیں۔ تو اس کا جواب بھی صاحبِ جامی آگے دیں گے، کہ یہاں پر رفع پڑھنا اس صورت میں اگر حذف سے سلامتی ہوتی ہے، تو نصب پڑھنے کی صورت میں معطوف علیہ قریب ہے، یہ اس کے معارض اور مقابل ہے۔ بھئی دیکھیے نا اس جملے پر آئیے ذرا وہ جملہ دیکھیے: زَيْدٌ قَامَ وَعَمْرًا أَكْرَمْتُهُ۔ اگر ہم پڑھیں عَمْرٌو أَكْرَمْتُهُ، رفع پڑھیں، تو اس سارے کا عطف کس پر ہو گا؟ زَيْدٌ قَامَ پر، پورے جملہ اسمیہ پر عطف ہو جائے گا۔ اور اگر ہم عَمْرًا پڑھیں تو پھر اس کا عطف کس پر ہو جائے گا؟ قَامَ پر، اور قَامَ اس کے قریب ہے۔ قَامَ اس کے قریب ہے۔ تو اگر رفع پڑھتے ہو تو کلام حذف سے سلامت رہتا ہے، لیکن اگر نصب پڑھتے ہو تو معطوف علیہ اس کے قریب واقع ہے، وہ اس کو ترجیح دے رہا ہے۔ تو اس لیے یہاں حذف سے سلامتی کو ترجیح حاصل نہیں۔

تو کہتے ہیں: فَإِنْ قُلْتَ، اگر آپ یہ کہیں السَّلَامَةُ مِنَ الْحَذْفِ مُرَجِّحَةٌ لِلرَّفْعِ، کہ حذف سے سلامتی جو ہے وہ ترجیح دے رہی ہے رفع کو، قُلْنَا تو ہم کہتے ہیں: هِيَ مُعَارَضَةٌ بِقُرْبِ الْمَعْطُوفِ عَلَيْهِ، کہ یہ معارض ہے معطوف علیہ کے قرب سے۔ یہ جو حذف

سے سلامتی ہے، هِيَ ضمیر راجع ہے السَّلَامَةُ مِنَ الْحَذْفِ کو، یہ جو حذف سے سلامتی ہے، یہ معارض ہے کس کے ساتھ؟ ترجمے پہ نظر رکھو: هِيَ مُعَارَضَةٌ، را پر فتحہ پڑھیں، یہ جو حذف سے سلامتی ہے، یہ معارض ہے کس کے لیے؟ معطوف علیہ کے قرب کے۔ ادھر دیکھیے: یعنی معطوف علیہ کا قرب یہ معارض ہے، کس کے؟ اس حذف سے سلامتی کے۔ تو قربِ معطوف علیہ یہ، یہ معارض ہے کس کے معارض ہے؟ حذف سے سلامتی کے، تو حذف کی سلامتی وہ معارض ہوئی، حذف کی سلامتی معارض ہوئی۔ تو کہتے ہیں: قُلْنَا ہم کہتے ہیں هِيَ مُعَارَضَةٌ، کہ یہ حذف سے سلامتی جو ہے یہ معارض ہے بِقُرْبِ الْمَعْطُوفِ عَلَيْهِ، معطوف علیہ کے قرب سے۔

فَإِنْ قُلْتَ، پھر اعتراض ہوتا ہے، ذرا پھر اس مثال پر آئیے۔ آپ نے ہمیں کیا کہا؟ کہ معطوف علیہ قریب ہو جائے گا۔ کہتے ہیں دونوں قریب ہیں بھئی۔ کبریٰ کیا ہے؟ کبریٰ بولو ذرا: زَيْدٌ قَامَ، یہ ہے کبریٰ پورا۔ تو زَيْدٌ قَامَ وَعَمْرٌو أَكْرَمْتُهُ، دونوں میں کوئی فصل آیا؟ معطوف علیہ کے فوراً بعد کون آیا؟... نہیں توجہ؟ کبریٰ پھر بولیں، کبریٰ کیا ہے؟ زَيْدٌ قَامَ۔ زَيْدٌ قَامَ ہے کبریٰ، اور عَمْرًا أَكْرَمْتُهُ پڑھیں یا عَمْرٌو أَكْرَمْتُهُ، درمیان میں کوئی فصل نہیں۔ اور صرف قَامَ یہ صغریٰ لیں، تو بھی درمیان میں کوئی فصل نہیں۔ تو بھئی آپ نے کہا معطوف علیہ زیادہ قریب بنے گا جب قَامَ ہو گا۔ بھئی قریب کیسے؟ دونوں قریب ہیں بھئی۔ قَامَ اگر صغریٰ ہے ساتھ جڑا ہوا، تو کبریٰ بھی تو زَيْدٌ قَامَ ہے وہ بھی ساتھ جڑا ہوا ہے، درمیان میں تو کوئی فصل نہیں۔ تو اس کا بھی جواب دیں گے، کہ بھئی یہ منتہیٰ کے اعتبار سے، انتہا دیکھی جائے تو صغریٰ کی بھی انتہا قَامَ پر، کبریٰ کی بھی انتہا قَامَ، تو انتہا کے اعتبار سے دونوں ساتھ جڑے ہوئے ہیں، قریب ہیں معطوف کے۔ لیکن ہم ابتدا کے اعتبار سے بات کر رہے ہیں۔ کبریٰ کی ابتدا کہاں سے؟ زَيْدٌ سے، اور صغریٰ کی ابتدا کہاں سے؟ قَامَ سے، تو ابتدا کے اعتبار سے کون قریب ہے؟ صغریٰ قریب ہے۔ انتہا کے اعتبار سے دونوں ساتھ ملے ہوئے ہیں، لیکن ابتدا کے اعتبار سے صغریٰ زیادہ قریب ہے، صغریٰ کی ابتدا اس کے قریب ہے اور کبریٰ کی ابتدا دور ہے بھئی۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو کہتے ہیں: فَإِنْ قُلْتَ، اگر آپ یہ کہیں لَا تَفَاوُتَ فِي الْقُرْبِ وَالْبُعْدِ بَيْنَهُمَا، کہ کوئی فرق نہیں ہے قرب اور بعد میں ان دونوں کے درمیان، إِذِ الْكُبْرَى أَيْضًا قَرِيبَةٌ غَيْرُ مَفْصُولَةٍ عَنْهَا، اس لیے کیونکہ کبریٰ بھی اس معطوف کے قریب ہے، اس سے جدا نہیں ہے، قُلْنَا تو ہم کہتے ہیں جواب میں: هَذَا بِاعْتِبَارِ الْمُنْتَهَى، یہ منتہیٰ کے اعتبار سے ہے، کبریٰ بھی قریب اور صغریٰ بھی قریب، منتہیٰ کے اعتبار سے۔ وَأَمَّا بِاعْتِبَارِ الْمَبْدَأِ، باقی ابتدا کے اعتبار سے یعنی آغاز کے اعتبار سے فَالصُّغْرَى أَقْرَبُ، تو صغریٰ زیادہ قریب ہے۔ لہٰذا حذف سے سلامتی کے معارض کون ہے؟ معطوف علیہ کا قرب ہونا، لہٰذا دونوں پڑھنا برابر ہیں بھئی۔ ایک میں حذف سے سلامتی ہے تو دوسرے میں معطوف علیہ قریب ہے۔

آگے دیکھیے بھئی۔ کہتے ہیں: وَيَجِبُ النَّصْبُ، متن متن دیکھیے، کہتے ہیں: وَيَجِبُ النَّصْبُ بَعْدَ حَرْفِ الشَّرْطِ وَحَرْفِ التَّحْضِيضِ، اور نصب واجب ہے حرفِ شرط کے بعد اور حرفِ تحضیض کے بعد۔ بھئی اب وہ مقامات بیان کرنے لگے ہیں جہاں نصب کا پڑھنا واجب ہے یعنی جہاں آپ رفع پڑھ ہی نہیں سکتے بھئی۔ تو دو جگہیں ذکر کریں گے جہاں نصب کا پڑھنا واجب

ہے: ایک حروفِ شرط کے بعد، اور ایک حروفِ تحضیض کے بعد۔ حروفِ شرط یہ آپ کو بتلائیں گے کہ تین ہیں: إنْ، لَوْ اور أَمَّا۔ إنْ، لَوْ اور أَمَّا۔ ان میں سے أَمَّا جو ہے اس کے بارے میں پیچھے تفصیل بیان ہو چکی ہے کہ أَمَّا اگر غیرِ طلب کے ساتھ آئے تو أَمَّا کے بعد رفع پڑھنا پسندیدہ ہے، اور اگر أَمَّا طلب والے فعل کے ساتھ آئے تو وہاں نصب پڑھنا پسندیدہ ہے، مثلاً: أَمَّا زَيْدٌ فَأَكْرَمْتُهُ، تو دیکھو یہ أَمَّا کے بعد یہ زید اسم آیا، اس کے اندر رفع پسندیدہ ہے کیونکہ آگے جو أَمَّا کی خبر آ رہی ہے فَأَكْرَمْتُهُ وہ طلب والا فعل نہیں ہے یعنی امر، نہی یا دعا نہیں ہے یہ تو أَكْرَمْتُ فعلِ ماضی ہے بھئی۔ تو اس صورت میں یہ زید کے اندر رفع پڑھنا پسندیدہ ہے، أَمَّا زَيْدٌ فَأَكْرَمْتُهُ۔ تو أَمَّا جب غیرِ طلب کے ساتھ آئے تو وہاں رفع پسندیدہ ہے۔ اور اگر أَمَّا کے بعد جو فعل آ رہا ہے وہ طلب والا ہے یعنی امر، نہی وغیرہ ہیں تو پھر أَمَّا کے بعد نصب پسندیدہ ہے، مثلاً: أَمَّا زَيْدًا فَأَكْرِمْهُ، أَمَّا زَيْدًا فَأَكْرِمْهُ، یہاں زَيْدًا جو ہے اس کے اندر نصب پسندیدہ ہے، اس لیے کیونکہ اگر آپ اس میں رفع پڑھیں گے تو پھر أَكْرِمْ جو آگے فعلِ امر ہے اس کو خبر بنانا پڑے گا اور وہ تو امر ہے، انشاء ہے، اور انشاء تو خبر واقع نہیں ہوتی الا یہ کہ اس میں کوئی تاویل کی جائے۔ لہٰذا ایسی صورت میں کیا پڑھیں گے؟ نصب پڑھیں گے اس اسم کے اندر: أَمَّا زَيْدًا فَأَكْرِمْهُ۔

تو تقدیرِ عبارت کیا ہے؟ بھئی یاد رکھنا یہ تقدیرِ عبارت میں بار بار ذکر کرتا ہوں، اس میں آپ نے پریشان نہیں ہونا کہ تقدیرِ عبارت کیا ہے، یہاں پر وہی فعل جو بعد میں آ رہا ہے اسی کو مسلط کر دیا کریں۔ آپ نے پڑھا تھا مَا أُضْمِرَ عَامِلُهُ عَلَى شَرِيطَةِ التَّفْسِيرِ جو ہے وہ اسم ہے جس کے بعد ایسا فعل یا شبہِ فعل آئے جو اس کی ضمیر یا متعلق میں مشغول ہوتا ہے اور اس کے اندر عمل نہیں کر سکتا اس مشغولیت کی وجہ سے، لیکن اس طور پر ہوتا ہے کہ اگر اس فعل یا شبہِ فعل کو یا اس کے مناسب کو اس پر مسلط کر دیا جائے تو نصب دے سکے۔ تو جب بھی یہاں یاد رکھو، جب بھی ان جگہوں پر ہم رفع پڑھتے ہیں تو پھر وہ ابتدا ہوتا ہے، وہاں کوئی اور عامل نکالنے کی حاجت نہیں۔ لیکن جب آپ نصب پڑھتے ہیں تب یہ مَا أُضْمِرَ عَامِلُهُ کی قبیل سے ہوتا ہے، نصب، تو پھر اس کے لیے عامل چاہیے۔ تو جب میں کہوں کہ تقدیرِ عبارت کیا ہے تو آپ نے پریشان نہیں ہونا، وہ جو آگے اس کے فعل آ رہا ہو اسی کو اس پر مسلط کر دیں۔ کبھی اسی فعل کو مسلط کرتے ہیں، کبھی اس کے مناسب کو، لیکن یہاں جو وہ مثالیں ذکر کر رہے ہیں اکثر ایسی مثالیں ہیں جن میں اسی فعل کو مسلط کریں تو وہ نصب دے دیتا ہے۔ بات سمجھ میں آ گئی؟ تو جب نصب ہم پڑھیں تو سمجھ جائیں یہاں فعل محذوف ہے، اور میں کہوں تقدیرِ عبارت کیا ہے تو اسی آگے آنے والے فعل کو آپ اس اسمِ منصوب پر مسلط کر دیا کریں، جیسے دیکھو آگے متن میں مثال آ رہی ہے: إنْ زَيْدًا ضَرَبْتَهُ ضَرَبَكَ۔ مثال مل گئی؟ إنْ زَيْدًا ضَرَبْتَهُ ضَرَبَكَ۔

اب دیکھو یہ زَيْدًا کے اندر نصب پڑھا گیا ہے۔ اب جب میں آپ سے کہوں تقدیرِ عبارت کیا ہے تو آپ نے کیا کہنا ہے؟ إنْ ضَرَبْتَ زَيْدًا، دیکھو وہی جو ضَرَبْتَ آگے آ رہا ہے اس کو اس زید پر بھی مسلط کر دیں: إنْ ضَرَبْتَ زَيْدًا ضَرَبْتَهُ ضَرَبَكَ۔ تو ضَرَبْتَ زَيْدًا ہو جائے گا مفسر، اور ضَرَبْتَهُ ہو جائے گا اس کی تفسیر بھئی۔ تو ضَرَبْتَ زَيْدًا جب نصب پڑھیں گے

اس صورت میں پھر یہ جملہ فعلیہ بنتا ہے۔

بات چل رہی تھی حروفِ شرط کی۔ حروفِ شرط تین ہیں: إِنْ، لَوْ اور أَمَّا۔ أَمَّا کے بارے میں یہ پہلے بتا چکے ہیں کہ أَمَّا جو ہے اگر غیرِ طلب کے ساتھ آئے تو أَمَّا کے بعد جو اسم آرہا ہے اس میں رفع پسندیدہ ہے، اور اگر أَمَّا طلب والے فعل کے ساتھ آئے تو أَمَّا کے بعد نصب پسندیدہ ہے، کیونکہ اگر نصب نہیں پڑھیں گے آپ رفع پڑھیں گے تو آگے جو انشاء آرہا ہے اس کو خبر بنانا لازم آئے گا اور انشاء تو خبر واقع نہیں ہوتی، اس میں مَقُولٌ فِيهِ یا أَقُولُ فِيهِ کی تاویل کرنا پڑتی ہے۔ تو أَمَّا کی تفصیل گزر چکی، تو إِنْ اور لَوْ رہ گئے۔ اور إِنْ اور لَوْ یاد رکھو یہ ہمیشہ فعل پر داخل ہوتے ہیں، یہ حروفِ شرط ہیں اور ہمیشہ کس پر داخل ہوتے ہیں؟ فعل پر داخل ہوتے ہیں، اس لیے کیونکہ یہ حروفِ شرط ہیں اور شرط تعلیق کے لیے آتی ہے۔ عَلَّقَ يُعَلِّقُ تَعْلِيق کا معنی ہے ایک چیز کو دوسری چیز کے ساتھ معلق کر دینا۔ إِنْ جِئْتَنِي أَكْرَمْتُكَ، إِنْ جِئْتَنِي اگر آپ میرے پاس آئیں گے أَكْرَمْتُكَ تو میں آپ کا اکرام کروں گا۔ دیکھا میں نے اکرام کو معلق کر دیا آپ کی مجیئت کے ساتھ۔ آئیں گے تو اکرام کروں گا، معلوم ہوا نہیں آئیں گے تو اکرام بھی نہیں۔ تو دیکھو اکرام کو معلق کر دیا گیا مجیئت کے ساتھ، یہ کس نے کیا؟ حرفِ شرط نے۔ تو شرط کس لیے آتی ہے؟ تعلیق کے لیے۔ اور تعلیق یاد رکھو زمانے میں ہوتی ہے۔ کس میں؟ زمانے میں۔ اگر آپ آئیں گے یعنی مستقبل والے زمانے میں تو أَكْرَمْتُكَ میں آپ کا اکرام کروں گا۔ تو یہ جو شرط ہے یہ تعلیق کے لیے آتی ہے اور تعلیق زمانے میں ہوتی ہے، اور زمانہ فعل کے اندر ہوتا ہے، زمانہ فعل کے مفہوم کا جز ہے، اس لیے حروفِ شرط ہمیشہ فعل پر داخل ہوتے ہیں۔ تو إِنْ اور لَوْ جو ہیں یہ ان کے بعد ہمیشہ فعل آئے گا۔ اور اگر فعل نہ ہو کوئی اسم ہو تو اس اسم پر نصب پڑھنا تاکہ فعل کو مقدر نکالنا پڑے۔ جب فعل مقدر نکالیں گے تو إِنْ کس پر داخل ہو گا؟ فعل پر اس جو فعلِ مقدر ہے بھئی۔ بات سمجھ میں آگئی؟

جیسے یہ مثال انہوں نے دی ہے: إِنْ زَيْدًا ضَرَبْتَهُ ضَرَبَكَ۔ إِنْ زَيْدًا، دیکھو إِنْ حرفِ شرط ہے اور یہ زَيْدًا اسم پر داخل ہو رہا ہے حالانکہ حروفِ شرط إِنْ اور لَوْ ہمیشہ کس پر داخل ہوتے ہیں؟ فعل پر۔ تو یہاں فعل کو مقدر نکالیں گے۔ تقدیرِ عبارت کیا ہے؟ بتائیے بھئی: إِنْ ضَرَبْتَ زَيْدًا ضَرَبْتَهُ ضَرَبَكَ۔ دیکھو اب إِنْ ضَرَبْتَ زَيْدًا، إِنْ کس پر داخل ہو گیا؟ فعل پر داخل ہو گیا بھئی۔ إِنْ ضَرَبْتَ زَيْدًا اگر آپ نے زید کی پٹائی کی ضَرَبَكَ تو وہ بھی آپ کی پٹائی کرے گا۔ یہ تو حروفِ شرط تھے۔

اور حروفِ تحضیض بھئی۔ حَضَّضَ يُحَضِّضُ تَحْضِيض کا معنی ہے ابھارنا، کسی کو کسی بات پر برانگیختہ کرنا۔ اور یہ چار حروف ہیں بھئی، آگے دیے ہوئے ہیں، حرفِ تحضیض کے بعد ہے: هَلَّا، أَلَّا، لَوْلَا اور لَوْمَا۔ یہ چار حروفِ تحضیض ہیں۔ یہ کسی کو کسی کام پر ابھارنے کے لیے لائے جاتے ہیں۔ مثلاً آپ اپنے ساتھی سے کہتے ہیں: هَلَّا تَضْرِبُ زَيْدًا؟ هَلَّا تَضْرِبُ زَيْدًا؟ آپ زید کی پٹائی کیوں نہیں کرتے؟ تو دیکھو آپ اس کو ابھار رہے ہیں کہ آپ کو زید کی پٹائی کرنی چاہیے بھئی۔ تو یہ چاروں یہ تحضیض کے لیے آتے ہیں۔ اور یاد رکھو یہ ہمیشہ فعل پر داخل ہوتے ہیں۔ تو جب فعلِ مضارع پر یہ داخل ہوں

گے تو یہ تحضیض کے لیے ہوں گے یعنی ابھارنے کے لیے، جیسے ابھی میں نے مثال ذکر کی: هَلَّا تَضْرِبُ زَيْدًا؟ تَضْرِبُ فعلِ مضارع ہے، آپ اس پر حرفِ تحضیض لے آئے: هَلَّا تَضْرِبُ زَيْدًا؟ آپ زید کی پٹائی کیوں نہیں کرتے؟ یعنی آپ کو زید کی پٹائی کرنی چاہیے، یہ آپ اس کو ابھار رہے ہیں۔ لیکن یہی حروف ماضی پر بھی داخل ہوتے ہیں: هَلَّا ضَرَبْتَ زَيْدًا؟ تو نے زید کی پٹائی کیوں نہیں کی؟ اب یاد رکھو جب ماضی پر داخل ہو، تو ماضی تو گزشتہ زمانے کو کہتے ہیں بھئی، اور گزشتہ زمانے میں تو کسی کو نہیں ابھارا جا سکتا، ابھارا تو مستقبل والے زمانے میں جاتا ہے۔ تو جب ماضی پر یہ داخل ہوں تو پھر یہ تحضیض کے لیے نہیں ہوتے، یہ ملامت کرنے کے لیے آتے ہیں۔ دوسرے کو آپ ملامت کر رہے ہیں: هَلَّا ضَرَبْتَ زَيْدًا؟ آپ نے زید کی پٹائی کیوں نہیں کی؟ آپ کو زید کی پٹائی کرنی چاہیے تھی۔ دیکھو ابھی نہیں ابھار رہے کہ اب کرو، بلکہ ماضی کی بات پر اس کو ملامت کر رہے ہیں۔ تو حروفِ تحضیض اگر فعلِ مضارع پر داخل ہوں تو یہ ابھارنے کے لیے ہیں یہ تحضیض کے لیے ہیں، اور اگر یہ ماضی پر داخل ہوں تو یہ ملامت کرنے کے لیے ہوتے ہیں، اور یہ ہمیشہ فعل پر داخل ہوتے ہیں، اس لیے کیونکہ ابھارا کسی فعل پر جاتا ہے ذات پر نہیں بلکہ فعل پر ابھارا جاتا ہے کہ یہ فعل آپ کو کرنا چاہیے بھئی۔

دیکھیے بھئی متن متن۔ کہتے ہیں: وَيَجِبُ النَّصْبُ بَعْدَ حَرْفِ الشَّرْطِ وَحَرْفِ التَّحْضِيضِ، اور نصب واجب ہے حرفِ شرط کے بعد بھی اور حرفِ تحضیض کے بعد بھی۔ نَحْوُ إِنْ زَيْدًا ضَرَبْتَهُ ضَرَبَكَ۔ تو إِنْ زَيْدًا یہاں زید کے اندر نصب پڑھنا واجب ہے، کیونکہ اگر آپ زَيْدٌ پڑھیں گے پھر تو یہ مبتدا بنے گا اور إِنْ تو کبھی بھی مبتدا پر داخل نہیں ہوتا وہ ہمیشہ فعل پر داخل ہوتا ہے۔ تو کہتے ہیں: إِنْ زَيْدًا ضَرَبْتَهُ ضَرَبَكَ، وَأَلَّا زَيْدًا ضَرَبْتَهُ۔ دیکھو أَلَّا حرفِ تحضیض آیا، اور یہ تو ہمیشہ فعل پر داخل ہوتا ہے حالانکہ یہاں اس کے بعد اسم آ رہا ہے، تو پھر اس اسم میں نصب پڑھو۔ جب نصب پڑھو گے تو اس کے لیے فعلِ مقدر نکالنا پڑے گا۔ کتاب پر نظر ہے؟ ذرا تقدیرِ عبارت بتائیے: أَلَّا زَيْدًا ضَرَبْتَهُ، أَلَّا ضَرَبْتَ زَيْدًا ضَرَبْتَهُ۔ تو دیکھو اب یہ أَلَّا فعل پر داخل ہے تقدیراً بھئی۔ وَأَلَّا زَيْدًا ضَرَبْتَهُ، تو نے کیوں زید کی پٹائی نہیں کی؟

جی اب شرح کے ساتھ دیکھیے۔ کہتے ہیں: وَيَجِبُ النَّصْبُ أَيْ نَصْبُ الِاسْمِ الْمَذْكُورِ، اور نصب واجب ہے یعنی اس اسمِ مذکور کا نصب واجب ہے بَعْدَ حَرْفِ الشَّرْطِ حرفِ شرط کے بعد۔ وَالْمُرَادُ بِهِ هَاهُنَا إِنْ وَلَوْ، اور یہاں پر حروفِ شرط سے مراد صرف إِنْ اور لَوْ ہیں۔ فَإِنَّ أَمَّا وَإِنْ كَانَتْ مِنْ حُرُوفِ الشَّرْطِ اس لیے کیونکہ أَمَّا جو ہے اگرچہ وہ بھی حروفِ شرط میں سے ہے، فَحُكْمُهَا مَا سَبَقَ تو اس کا حکم جو ہے مقدم گزر چکا ہے، اس کا حکم مقدم گزر چکا ہے لہٰذا وہ یہاں مراد نہیں۔ تو فَحُكْمُهَا مَا سَبَقَ، جو أَمَّا ہے اس کا حکم ماقبل میں گزر چکا ہے۔ بھئی کیا حکم گزرا ہے؟ مِنْ کے ساتھ بیان کر رہے ہیں: مِنِ اخْتِيَارِ الرَّفْعِ مَعَ غَيْرِ الطَّلَبِ، یعنی رفع کا مختار ہونا غیرِ طلب کے ساتھ، جب أَمَّا غیرِ طلب کے ساتھ ہو تو رفع مختار ہے، وَاخْتِيَارِ النَّصْبِ مَعَ الطَّلَبِ، اور نصب کا مختار ہونا طلب کے ساتھ، یعنی جب أَمَّا، جب أَمَّا طلب کے ساتھ آئے تو نصب مختار ہے أَمَّا کے بعد والے اسم میں۔

وَكَذَا يَجِبُ النَّصْبُ بَعْدَ حَرْفِ التَّحْضِيضِ، اور اسی طرح اس اسم کے اندر نصب واجب ہے حرفِ تحضیض کے بعد۔ وَهُوَ هَلَّا وَأَلَّا وَلَوْلَا وَلَوْمَا، اور حرفِ تحضیض جو ہے وہ هَلَّا، أَلَّا، لَوْلَا اور لَوْمَا ہیں۔ وَإِنَّمَا وَجَبَ النَّصْبُ بَعْدَهُمَا، اور ان کے بعد جو ہے یہ حرفِ شرط اور حرفِ تحضیض کے بعد نصب ہی واجب ہے، تو کہتے ہیں: إِنَّمَا وَجَبَ النَّصْبُ بَعْدَهُمَا ان دونوں کے بعد نصب ہی واجب ہے لِوُجُوبِ دُخُولِهِمَا عَلَى الْفِعْلِ لَفْظًا أَوْ تَقْدِيرًا، اس لیے کیونکہ واجب ہے ان کا داخل ہونا فعل پر لفظاً یا تقدیراً۔ وہ فعل لفظاً ہو یا تقدیراً ہونا چاہیے، اس پر ان کا داخل ہونا واجب ہے۔ جی، نَحْوُ إِنْ زَيْدًا ضَرَبْتَهُ ضَرَبَكَ مِثَالٌ لِحَرْفِ الشَّرْطِ، یہ مثال ہے حرفِ شرط کی۔ وَأَلَّا زَيْدًا ضَرَبْتَهُ مِثَالٌ لِحَرْفِ التَّحْضِيضِ، یہ حرفِ تحضیض کی مثال ہے۔

وَلَيْسَ مِثْلُ أَزَيْدٌ ذُهِبَ بِهِ مِنْهُ۔ اور أَزَيْدٌ ذُهِبَ بِهِ یہ اس باب سے نہیں ہے، یعنی بَابُ الْإِضْمَارِ عَلَى شَرِيطَةِ التَّفْسِيرِ سے یہ نہیں ہے۔ کون سی مثال؟ أَزَيْدٌ ذُهِبَ بِهِ۔ جب یہ مَا أُضْمِرَ عَامِلُهُ عَلَى شَرِيطَةِ التَّفْسِيرِ کے باب سے نہیں، معلوم ہوا اس میں پھر نصب پڑھ ہی نہیں سکتے، اس زَيْدٌ میں رفع ہی پڑھنا پڑے گا، اس زَيْدٌ میں رفع ہی پڑھنا پڑے گا۔ توجہ ہے؟ بھئی ہم نصب پڑھتے تھے ان گزشتہ مثالوں میں، نصب کیوں پڑھتے تھے؟ بتدا ہونے کی وجہ سے نصب پڑھتے تھے یا مَا أُضْمِرَ عَامِلُهُ عَلَى شَرِيطَةِ التَّفْسِيرِ کی وجہ سے؟ بتدا تو مرفوع ہوتا ہے، نصب پڑھتے تھے مَا أُضْمِرَ عَامِلُهُ عَلَى شَرِيطَةِ التَّفْسِيرِ ہونے کی وجہ سے۔ تو لیکن یہاں پر کہتے ہیں أَزَيْدٌ ذُهِبَ بِهِ اس جیسی مثالوں میں زید پر رفع پڑھنا واجب ہے، جب رفع پڑھنا واجب ہے معلوم ہوا یہ مَا أُضْمِرَ عَامِلُهُ عَلَى شَرِيطَةِ التَّفْسِيرِ کے باب سے نہیں ہے، نہیں ہے اس میں رفع واجب۔ تو اب وہ جگہیں بیان کرنے لگے ہیں صاحبِ کافیہ جن میں رفع واجب ہے۔ ابھی دو تین سطریں قبل کیا ذکر کیا؟ وَيَجِبُ النَّصْبُ، بعض جگہ نصب واجب ہے۔ اب یہ جو آگے مثالیں ذکر کریں گے ان سب میں آپ کو بتائیں گے کہ یہ مَا أُضْمِرَ عَامِلُهُ عَلَى شَرِيطَةِ التَّفْسِيرِ کی قبیل سے نہیں ہے، یہ مثال بھی نہیں ہے، یہ مثال بھی نہیں، معلوم ہوا ان سب کے اندر رفع پڑھنا واجب ہے، تو یہ وہ پانچویں جگہ آگئی جہاں بظاہر گمان ہوتا ہے کہ شاید یہ کس میں سے ہیں؟ مَا أُضْمِرَ عَامِلُهُ عَلَى شَرِيطَةِ التَّفْسِيرِ کی قبیل سے، لیکن جب گہری نظر ڈالی جائے تو پتہ چلتا ہے نہیں، یہ اس باب سے نہیں ہے بلکہ یہاں تو رفع پڑھنا واجب ہے۔

تو کہتے ہیں: وَلَيْسَ مِثْلُ أَزَيْدٌ ذُهِبَ بِهِ مِنْهُ، اور نہیں ہے أَزَيْدٌ ذُهِبَ بِهِ جیسی مثالیں مِنْهُ اس باب سے، أَيْ مِنْ بَابِ الْإِضْمَارِ عَلَى شَرِيطَةِ التَّفْسِيرِ، یعنی إِضْمَارٌ عَلَى شَرِيطَةِ التَّفْسِيرِ کے باب سے یہ نہیں ہے۔ فَإِنَّ زَيْدًا... دیکھیے بھئی ذرا اس مثال پہ نظر رکھیں: أَزَيْدٌ ذُهِبَ بِهِ۔ ترکیب دیکھیے بھئی: ہمزہ استفہام، زَيْدٌ مرفوع لفظاً بتدا، ذُهِبَ فعلِ مجہول۔ توجہ ہے؟ اچھا، بھئی دیکھیے پہلے دوسری ترکیب سمجھ لیں۔ ذَهَبَ فعلِ لازم ہے، یہ صرف فاعل کو چاہتا ہے یہ مفعول کو نصب نہیں دیتا۔ ذَهَبْتُ میں گیا۔ تو یہ دیکھو ذَهَبَ فعل، تا ضمیر فاعل۔ تو یہ مفعول کو نصب نہیں دیتا۔ لیکن میں کہنا چاہتا ہوں کہ میں زید کو لے

گیا۔ تو ذَهَبْتُ تو زید کو نصب نہیں دے سکتا، تو پھر حروفِ جارہ کا سہارا لیا جاتا ہے۔ تو با حرفِ جر لے آئیں گے: ذَهَبْتُ بِزَيْدٍ، میں زید کو لے گیا۔ ذَهَبْتُ کیا تھا؟ فعلِ لازم، اور فعلِ لازم کو متعدی، کبھی اس کو بابِ افعال وغیرہ میں لے جاتے ہیں اور کبھی اس کو با کے ذریعے متعدی کرتے ہیں حرفِ جر کے ذریعے، تو یہاں با کے ذریعے ہم نے متعدی کر دیا۔ تو ذَهَبْتُ بِزَيْدٍ کیا معنی؟ میں زید کو لے گیا۔ تو یہ زید مجرور ہے با کی وجہ سے اور اس کے اندر ذَهَبْتُ فعل عمل کر رہا ہے بواسطہ حرفِ جر۔ اور میں نے بتایا تھا کہ جس پر حرفِ جر داخل ہو یہ بھی دراصل مفعول بہ ہوتا ہے، البتہ یہ مفعول بہ غیرِ صریح ہے۔ ایک مفعول بہ صریح ہوتا ہے یعنی صاف لفظوں میں مفعول بہ ہے کیونکہ فعل یا شبہِ فعل اس کو نصب دے رہا ہوتا ہے، اور یہاں تو حرفِ جر داخل ہوتا ہے تو یہ مجرور ہوتا ہے تو یہ ہے تو یہ بھی مفعول بہ لیکن پھر اس کو کیا کہتے ہیں؟ مفعول بہ غیرِ صریح۔ تو ذَهَبْتُ بِزَيْدٍ یہ زید بھی کیا ہے؟ مفعول بہ غیرِ صریح ہے۔

تو ذَهَبْتُ فعلِ معروف ہے، اور پھر جب اس سے ہم فعلِ مجہول بنائیں گے، تو فعلِ مجہول جب کسی فعل سے بنایا جاتا ہے تو کیا کرتے ہیں؟ فاعل کو حذف کر دیتے ہیں، اور آگے جو مفعول آرہا ہو اس کو کیا بنا دیتے ہیں؟ نائب الفاعل۔ تو ذَهَبْتُ سے تا حذف کریں اور فعلِ مجہول بنا دیں، کیا بن گیا؟ ذُهِبَ، اور بِزَيْدٍ کو اسی طرح جوڑ دیں: ذُهِبَ بِزَيْدٍ۔ اب کیا ترکیب ہو گی؟ جی ذُهِبَ فعلِ مجہول ہے، اس کے لیے کیا چاہیے؟ نائب فاعل۔ یہی زید جو ہے یہ اس کا اب نائب فاعل بن جائے گا کیونکہ یہ پہلے مفعول بہ تھا البتہ غیرِ صریح تھا۔ تو جب فعل کو مجہول بنایا جائے تو وہی مفعول بہ کیا بن جاتا ہے؟ نائب فاعل۔ البتہ اس کو تعبیر یوں کرتے ہیں کہ ذُهِبَ فعلِ مجہول اور بِزَيْدٍ یہ جار مجرور اس کا نائب فاعل۔ یہ جگہ جگہ کتابوں میں یہ عبارت آتی ہے اس طرح کی، میں پہلے بھی ذکر کر چکا ہوں ہمیشہ یاد رکھیں کہ یوں ذکر ہوتا ہے کہ یہ جار مجرور نائب الفاعل ہے، تو طالبِ علم پریشان ہوتا ہے کہ جار مجرور نائب الفاعل ہے یہ کیا معنی؟ بھئی یہ اصل میں وسعت سے کام لیتے ہوئے یوں کہہ دیا جاتا ہے، حقیقت میں یہ جار مجرور سارا نائب الفاعل نہیں ہے، نائب الفاعل وہ جو مجرور ہے: بِزَيْدٍ، یہ جو زید ہے یہ ہے نائب الفاعل، یہ ہے نائب الفاعل بھئی۔ تو یہاں پر بھی أَزَيْدٌ ذُهِبَ بِهِ، یہ ذُهِبَ فعلِ مجہول ہے تو بِهِ یہ جار مجرور اس کے لیے کیا بنے گا؟ نائب الفاعل بنے گا۔

اب دیکھیے پھر ترکیب: أَزَيْدٌ ذُهِبَ بِهِ۔ ہمزہ استفہام، زَيْدٌ مرفوع لفظاً بتدا، ذُهِبَ فعلِ مجہول، بِهِ با جارہ، ہا ضمیر مجرور محلاً۔ ہا ضمیر ہے نا مبنیات میں سے ہے اور مبنی کا اعراب کیسے بتاتے ہیں؟ محلاً، تو ہا ضمیر مجرور محلاً

ہے کس کی وجہ سے؟ با جارہ کی وجہ سے کیونکہ با جر دیتی ہے۔ تو یہ اس کا محلِ قریب ہے، محلِ بعید اس کا یہ ہے کہ یہ مرفوع ہے نائب الفاعل ہے ذُهِبَ کے لیے۔ نائب الفاعل کیا ہوتا ہے؟ مرفوع، تو ہا کے اندر دو محل ہو گئے اعراب والے: ایک محلِ قریب کہ با کی وجہ سے یہ مجرور ہے محلاً، اور ایک محلِ بعید کہ یہ کہ یہ مرفوع

ہو ہے، نائب الفاعل ہے ذُهِبَ کے لیے۔ تو دیکھیے ترکیب: زَيْدٌ مرفوع لفظاً بتدا، ذُهِبَ فعلِ مجہول، بِهِ جار مجرور مل کر

متعلق ہوئے ذُهِبَ سے اور یہ جار مجرور نائب الفاعل ہے کس کے لیے؟ ذُهِبَ فعل کے لیے۔ ذُهِبَ فعل اپنے، اپنے نائب الفاعل سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر یہ خبر ہوئی بتدا کے لیے۔ پورا جملہ خبر بنا ہے زید کے لیے، تو ربط بھی ضروری ہے۔ اور میں نے بتلایا کہ یہ بِهِ کی ہا ضمیر کس کو راجع ہے؟ زید کو، یہ ربط آگیا۔ تو ذُهِبَ فعلِ مجہول اپنے نائب الفاعل سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر یہ خبر ہوئی زید کے لیے، بتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ انشائیہ ہوا کیونکہ استفہام ہے۔ تو أَزَيْدٌ ذُهِبَ بِهِ؟ کیا زید ذُهِبَ بِهِ کہ اس کو لے جایا گیا ہے؟ کیا زید کہ اس کو لے جایا گیا ہے؟ معنی سمجھ میں آگیا؟

اب دیکھو آپ کو بتلائیں گے کہ یہ جو اس مثال کے اندر لفظِ زید آرہا ہے، بظاہر شبہ یہ پڑتا ہے سرسری نظر ڈالیں تو یوں لگتا ہے کہ یہ زید مَا أُضْمِرَ عَامِلُهُ عَلَى شَرِيطَةِ التَّفْسِيرِ کی قبیل سے ہے، اور بظاہر یوں لگتا ہے کہ اس کے اندر نصب مختار ہے، رفع بھی پڑھ سکتے ہیں اور نصب بھی، لیکن نصب مختار ہے۔ نصب کیوں مختار ہے؟ کیونکہ ابھی گزشتہ سبق میں آیا تھا: وَبَعْدَ حَرْفِ الِاسْتِفْهَامِ، کہ وہ اسم کس کے بعد آئے؟ حرفِ استفہام کے بعد آئے، تو اس کے اندر نصب مختار ہے، معلوم ہوا رفع بھی جائز لیکن نصب مختار ہے۔ تو بظاہر لگتا ہے کہ یہ زَيْدٌ مَا أُضْمِرَ عَامِلُهُ عَلَى شَرِيطَةِ التَّفْسِيرِ کی قبیل سے ہے اور اس کے اندر نصب مختار ہے، لیکن صاحبِ کافیہ بتلا رہے ہیں کہ نہیں، یہ بَابُ الْإِضْمَارِ عَلَى شَرِيطَةِ التَّفْسِيرِ سے ہے ہی نہیں، اس کے اندر نصب جائز ہی نہیں ہے چہ جائیکے کہ نصب مختار ہو بھئی۔

تو کہتے ہیں: وَلَيْسَ مِثْلُ أَزَيْدٌ ذُهِبَ بِهِ مِنْهُ، یہ اس باب سے نہیں ہے، أَيْ مِنْ بَابِ الْإِضْمَارِ عَلَى شَرِيطَةِ التَّفْسِيرِ، یعنی بَابُ الْإِضْمَارِ عَلَى شَرِيطَةِ التَّفْسِيرِ سے یہ نہیں ہے۔ فَإِنَّ زَيْدًا فِيهِ، دیکھو وہی باتیں جو میں نے ذکر کیں اب یہ بیان کریں گے: فَإِنَّ زَيْدًا فِيهِ اس لیے کیونکہ زَيْدًا جو ہے اس کے اندر، وَإِنْ كَانَ يُظَنُّ فِي بَادِي النَّظَرِ اگرچہ اس کے بارے میں گمان ہوتا ہے فِي بَادِي النَّظَرِ سرسری نظر سے یعنی ظاہری نظر میں۔ بَدَا يَبْدُو بُدُوًّا کا معنی ہے ظاہر ہونا، تو بَادِي کس کو کہیں گے؟ ظاہر بھئی۔ آخر میں یا ہے تو فِي بَادِي النَّظَرِ یا گر جائے گی پھر اجتماعِ ساکنین سے۔ تو کہتے ہیں: فَإِنَّ زَيْدًا فِيهِ اس لیے کیونکہ اس مثال کے اندر جو زَيْدًا ہے، وَإِنْ كَانَ يُظَنُّ فِي بَادِي النَّظَرِ اگرچہ گمان ہوتا ہے ظاہری نظر میں کہ أَنَّهُ مِمَّا أُضْمِرَ عَامِلُهُ عَلَى شَرِيطَةِ التَّفْسِيرِ، کہ یہ بھی ان چیزوں میں سے ہے کہ جن کے عامل کو مقدر کر لیا جاتا ہے شریطتِ تفسیر پر، وَالْمُخْتَارُ فِيهِ النَّصْبُ، اور یہ گمان ہوتا ہے کہ اس کے اندر مختار جو ہے وہ نصب ہے لِوُقُوعِ الِاسْمِ الْمَذْكُورِ فِيهِ بَعْدَ حَرْفِ الِاسْتِفْهَامِ، اس لیے کیونکہ وہ جو اسمِ مذکور ہے اس میں وہ واقع ہو رہا ہے حرفِ استفہام کے بعد، لَكِنْ يَظْهَرُ بَعْدَ تَعَمُّقِ النَّظَرِ، لیکن یہ بات ظاہر ہوتی ہے گہری نظر ڈالنے کے بعد۔ تَعَمَّقَ کا معنی ہے گہری نظر ڈالنا، غور و فکر کرنا۔ لَكِنْ يَظْهَرُ بَعْدَ تَعَمُّقِ النَّظَرِ، لیکن گہری نظر ڈالنے کے بعد یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ أَنَّهُ لَيْسَ مِنْهُ، کہ یہ بَابُ الْإِضْمَارِ عَلَى شَرِيطَةِ التَّفْسِيرِ سے نہیں ہے۔ فَإِنَّهُ وَإِنْ صَدَقَ عَلَيْهِ اس لیے کیونکہ یہ جو لفظِ زید ہے، فَإِنَّهُ ہا ضمیر کس کو راجع؟ یہ لفظِ زید۔ اس لیے کیونکہ یہ جو لفظِ زید ہے وَإِنْ صَدَقَ عَلَيْهِ اس لیے کیونکہ اگرچہ اس پر یہ بات تو صادق آرہی ہے کہ أَنَّهُ اسْمٌ بَعْدَهُ فِعْلٌ کہ ایک ایسا اسم ہے جس کے

بعد فعل آرہا ہے مُشْتَغِلٌ عَنْهُ بِضَمِيرِهِ اور وہ فعل اس اسم سے اعراض کرنے والا ہے اس کی ضمیر میں مشغول ہونے کی وجہ سے۔ دیکھو زید کے بعد ذُهِبَ بِهِ فعل آرہا ہے اور ذُهِبَ بِهِ وہ زید کی ضمیر میں مشغول ہونے کی وجہ سے زید میں عمل نہیں کر سکتا۔ تو کہتے ہیں: وَإِنْ صَدَقَ عَلَيْهِ أَنَّهُ اسْمٌ بَعْدَهُ فِعْلٌ مُشْتَغِلٌ عَنْهُ بِضَمِيرِهِ، اگرچہ اس زید پر یہ بات صادق آرہی ہے کہ ایک ایسا اسم ہے جس کے بعد ایسا فعل آرہا ہے جو اس کی ضمیر میں مشغول ہونے کی وجہ سے اس سے اعراض کر رہا ہے۔

لیکن ایک اور قید بھی تھی: مَا أُضْمِرَ عَامِلُهُ عَلَى شَرِيطَةِ التَّفْسِيرِ کسے کہتے تھے؟ جس کے بعد فعل یا شبہِ فعل آئے اور وہ فعل یا شبہِ فعل اس کی ضمیر میں مشغول ہونے کی وجہ سے اس اسم میں عمل نہ کر سکے، لیکن اس طور پر کہ اگر اس فعل کو اس پر مسلط کر دیا جائے تو وہ نصب دے سکے۔ لیکن ذُهِبَ بِهِ ایسا نہیں ہے، اگر اس کو زید پر ہم مسلط بھی کر دیں یا اس کے مناسب کو بھی مسلط کر دیں تو وہ نصب نہیں دے سکتا۔ حالانکہ مَا أُضْمِرَ عَامِلُهُ عَلَى شَرِيطَةِ التَّفْسِيرِ پر تو پڑھنا ہی کیا ہے؟ نصب، تو فعل ایسا ہونا چاہیے کہ اس کو مسلط کریں یا اس کے مناسب کو مسلط کریں وہ نصب دے سکے، لیکن یہاں یہ والا ذُهِبَ بِهِ کا فعل یا اس کا مناسب نصب نہیں دے سکتا۔

تو کہتے ہیں: لَكِنَّهُ لَيْسَ بِحَيْثُ لیکن یہ جو فعل ہے یہ نہیں ہے اس طور پر کہ لَوْ سُلِّطَ عَلَيْهِ هُوَ أَوْ مُنَاسِبُهُ لَنَصَبَهُ، کہ اگر اس فعل کو یا اس کے مناسب کو مسلط کر دیا جائے اس زید پر لَنَصَبَهُ تو وہ اس کو نصب دے سکے، یہاں ایسا نہیں ہے۔ بھئی کیوں نصب نہیں دے سکتا؟ کہتے ہیں: لِأَنَّ ذُهِبَ بِهِ لَا يَعْمَلُ النَّصْبَ، اس لیے کیونکہ ذُهِبَ بِهِ تو نصب کا عمل کرتا ہی نہیں۔ یہ تو فعلِ مجہول ہے، اور آگے بِهِ بھی وہ اس کا نائب فاعل بن رہا ہے وہ اس کا کوئی مفعول بہ غیرِ صریح نہیں ہے۔ پہلے تھا، جب فعلِ معروف تھا تب یہ بِهِ کیا تھا؟ مفعول بہ غیرِ صریح تھا، لیکن اب تو یہ بھی کیا بن چکا ہے؟ نائب فاعل، تو ذُهِبَ جو ہے وہ نصب والا عمل کرتا ہی نہیں، یہ تو صرف رفع دیتا ہے۔ تو کہتے ہیں: لِأَنَّ ذُهِبَ بِهِ لَا يَعْمَلُ النَّصْبَ، اس لیے کیونکہ ذُهِبَ بِهِ جو ہے وہ نصب والا عمل نہیں کرتا، وَكَذَا مُنَاسِبُهُ أَعْنِي أُذْهِبَ، اور اسی طرح اس کا جو مناسب ہے یعنی أُذْهِبَ۔ اسی جیسا فعل اگر نکال لو، بھئی ذَهَبَ با کے ذریعے متعدی ہوا ذَهَبَ بِهِ، پھر اسی سے کیا بنا لیا گیا؟ ذُهِبَ بِهِ۔ تو ذَهَبَ جب با کے ذریعے متعدی ہوا تو یہ بمعنی أَذْهَبَ کے ہوا۔ ذَهَبَ بِهِ کا معنی بھی لے جانا اور أَذْهَبَ کا معنی بھی لے جانا۔ پھر جب ذُهِبَ بِهِ فعلِ مجہول بنایا تو اس کا مناسب کیا ہو گا؟ أُذْهِبَ۔ یہ ذُهِبَ بِهِ کس معنی میں ہے؟ أُذْهِبَ، أُذْهِبَ کا معنی بھی لے جانا، لیکن وہ أُذْهِبَ بھی نصب والا عمل نہیں کرتا، اس کے لیے بھی نائب الفاعل چاہیے۔ أَذْهَبْتُ زَيْدًا، میں کس کو لے گیا؟ زید کو، تو أَذْهَبْتُ فعلِ معروف ہے۔ جب اس سے میں فعلِ مجہول بناؤں گا تو کیا کہوں گا؟ أُذْهِبَ زَيْدٌ، فاعل کو حذف کر لیں گے: زید کو لے جایا گیا۔ تو دیکھو أُذْهِبَ بھی نصب والا عمل نہیں کرتا یہ بھی آگے رفع ہی دیتا ہے نائب الفاعل کو۔ تو کہتے ہیں: لِأَنَّ ذُهِبَ بِهِ لَا يَعْمَلُ النَّصْبَ، اس لیے کیونکہ ذُهِبَ بِهِ نصب والا عمل نہیں کرتا وَكَذَا مُنَاسِبُهُ أَعْنِي أُذْهِبَ، اور اسی طرح اس کا مناسب بھی ہے یعنی أُذْهِبَ کہ وہ بھی نصب والا عمل نہیں کرتا۔

فَإِنْ قُلْتَ، یہاں سے اب ایک اعتراض کریں گے کہ آپ نے، آپ نے اس کا مناسب أُذْهِبَ نکالا، توجہ ہے؟ آپ نے ذُهِبَ بِهِ کا مناسب کیا نکالا؟ أُذْهِبَ نکالا، اور أُذْهِبَ بھی نصب نہیں دے سکتا۔ بھئی کوئی ایسا مناسب کیوں نہیں نکالتے جو نصب دے سکے؟ آپ نے وہ مناسب نکالا جو خود بھی نصب نہیں دے سکتا، تو اس کا مناسب أَذْهَبَ نکال لو، أَذْهَبَ زَيْدًا وہ زید کو لے گیا، تو أَذْهَبَ تو مفعول کو نصب دیتا ہے۔ اور یا يُلَابِسُ نکال لو، لَابَسَ يُلَابِسُ کا کیا معنی؟ تعلق ہونا، تو يُلَابِسُ بھی مفعول کو نصب دیتا ہے۔ تو آپ أَذْهَبَ اور يُلَابِسُ کا ذکر ہی نہیں کرتے صرف أُذْهِبَ کا ذکر کر رہے ہیں؟ تو اس کا بھی جواب دیں گے کہ نہیں بھئی ان کو بھی ہم مسلط نہیں کر سکتے۔ کیوں نہیں مسلط کر سکتے؟ کہتے ہیں وجہ یہ ہے کہ جو فعل آپ مسلط کریں، اس کا مسند الیہ اور جو فعلِ مذکور ہے دونوں کا مسند الیہ ایک ہی ہونا چاہیے، دونوں کا... ذُهِبَ بِهِ یہ فعلِ مذکور ہے، اور فعلِ محذوف آپ کیا نکالنا چاہتے ہیں؟ أَذْهَبَ، أَذْهَبَ نکالنا چاہتے ہیں، تو أَذْهَبَ کا تو مسند الیہ یعنی فاعل کوئی اور ہو گا، اور ذُهِبَ بِهِ اس کا مسند الیہ کون؟ بِهِ یہ ہا ضمیر جو زید کو راجع ہے، تو اس کا مسند الیہ یعنی نائب الفاعل، نائب الفاعل بھی تو مسند الیہ ہوتا ہے نا؟ تو اس کا مسند الیہ ہے زید اور اس أَذْهَبَ کا مسند الیہ آپ کو کسی اور کو بنانا پڑے گا۔ تو جب آپ أَذْهَبَ زَيْدًا کہیں گے: أَزَيْدٌ ذُهِبَ بِهِ، اس زید پر ہم کیا چاہتے ہیں؟ نصب، نصب چاہتے ہیں تو أَذْهَبَ لاؤ گے نا ایک صورت یہ ہے، تو أَذْهَبَ زَيْدًا کہو گے زَيْدًا تو مفعول بہ ہو گیا لیکن أَذْهَبَ کا فاعل یعنی مسند الیہ تو کوئی اور ہوا، حالانکہ دونوں فعلوں کا مسند الیہ ایک ہونا چاہیے۔ ایک وہ جو فعلِ مقدر ہے اور ایک وہ جو فعلِ مذکور ہے دونوں کا مسند الیہ ایک ہونا چاہیے۔ اور اگر آپ يُلَابِسُ نکال لیتے ہیں: يُلَابِسُ زَيْدًا، تو اس صورت میں بھی يُلَابِسُ کا فاعل کوئی اور ہے اور زَيْدًا تو مفعول ہے، تو معلوم ہوا زَيْدًا اس کا مسند الیہ نہیں ہے اور آگے ذُهِبَ بِهِ میں تو زید مسند الیہ تھا بھئی۔ فرق سمجھ میں آ رہا ہے؟ تو دونوں کے مسند الیہ میں اتحاد نہیں رہے گا اس لیے أَذْهَبَ یا يُلَابِسُ کو مسلط نہیں کر سکتے۔

جی دیکھیے کتاب پر۔ کہتے ہیں: فَإِنْ قُلْتَ، اگر آپ یہ کہیں لَا يَنْحَصِرُ الْمُنَاسِبُ فِي أُذْهِبَ، کہ مناسب جو ہے وہ تو بند نہیں ہے أُذْهِبَ میں۔ آپ نے أُذْهِبَ مناسب ذکر کیا، مناسب ہونا تو صرف أُذْهِبَ میں بند نہیں ہے کوئی اور مناسب بھی تو آپ نکال سکتے ہیں۔ تو کہتے ہیں: لَا يَنْحَصِرُ الْمُنَاسِبُ فِي أُذْهِبَ، مناسب تو أُذْهِبَ میں بند نہیں ہے، فَلْيُقَدَّرْ مُنَاسِبٌ آخَرُ يَنْصِبُهُ، تو کوئی اور مناسب جو ہے وہ مقدر نکالنا چاہیے يَنْصِبُهُ جو اس کو نصب دے سکے، مِثْلُ مثال کے طور پر يُلَابِسُ أَوْ أَذْهَبَ، جیسے يُلَابِسُ یا أَذْهَبَ ہے عَلَى صِيغَةِ الْمَعْلُومِ، یہ جو أَذْهَبَ ہے یہ معلوم کے صیغے پر ہے یہ نکال لیں۔ فَيَكُونُ تَقْدِيرُهُ، تو تقدیرِ کلام یہ ہو جائے گی: زَيْدًا يُلَابِسُهُ الذَّهَابُ بِهِ، أَوْ يُلَابِسُهُ أَحَدٌ بِالذَّهَابِ بِهِ، أَوْ أَذْهَبَهُ أَحَدٌ۔ یہ ذرا مشکل ترکیبیں ہیں، ذرا کاپی پر لکھیے بھئی۔ جلدی جلدی لکھیے بھئی۔

پہلے وہ مثال لکھ لیجیے: أَزَيْدٌ ذُهِبَ بِهِ، أَزَيْدٌ ذُهِبَ بِهِ۔ جی اب اس کے ذرا معنی پہ غور کرو۔ لکھ لیا أَزَيْدٌ ذُهِبَ بِهِ؟ اب اس کے معنی کو دیکھو: کیا زید جو ہے اس کو لے جایا گیا ہے؟ بلکہ یہ ہمزہ کو بھی ذرا ہٹا دیں، ہمزہ کی ضرورت نہیں یہاں۔

زَیْدٌ ذُھِبَ بِهِ، زید کو لے جایا گیا ہے۔ زید کو لے جایا گیا ہے۔ تو جب زید کو لے، ادھر دیکھیے، جب زید کو لے جایا گیا تو لے جایا جانا یہ زید کی صفت ہو گئی۔ کس کو لے جایا گیا ہے؟ زید کو، تو لے جایا جانا کس کی صفت ہو گئی؟ زید کی۔ زید وہ ذات ہے کہ لے جایا جانا اس کی صفت ہے کیونکہ اس کو لے جایا گیا ہے۔ تو جب یہ اس کی صفت ہو گئی، تو معلوم ہوا لے جایا جانا یہ ملابس ہو گیا زید کے ساتھ، اس کا تعلق آ گیا زید کے ساتھ۔ صفت کا تعلق ہوتا ہے نا موصوف کے ساتھ؟ مثلاً میں کہتا ہوں زید سخی آدمی ہے، معلوم ہوا سخاوت کی ملابست ہے زید کے ساتھ، سخاوت جڑی ہوئی ہے، سخاوت ملی ہوئی ہے کس کے ساتھ؟ زید کے ساتھ۔ تو یہاں پر بھی جب کیا کہا گیا؟ زَیْدٌ ذُھِبَ بِهِ، زید کو لے جایا گیا، تو معلوم ہوا لے جایا جانا وہ زید کی صفت ہو گیا، معلوم ہوا لے جایا جانا یہ ملابس ہو گیا کس کے ساتھ؟ زید کے ساتھ۔ بات سمجھ میں آ گئی؟ تو یوں کہیں گے: یُلَابِسُ زَیْدًا، زید کا ملابس ہو گیا۔ کون ملابس ہوا؟ الذَّھَابُ بِهِ، اس کو لے جانا۔ توجہ ہے؟ یُلَابِسُ زَیْدًا، زید کے ملابس ہو گیا۔ کیا چیز ملابس ہو گئی؟ الذَّھَابُ بِهِ، اس کو لے جانا، یہ متعلق ہو گیا زید کے ساتھ۔ اب دیکھو یُلَابِسُ زَیْدًا، زَیْدًا مفعول بہ بن گیا یا نہیں؟ یُلَابِسُ نے نصب دے دیا، یُلَابِسُ نے زید کو... اور کیا چیز ملابس ہوئی ہے زید کے ساتھ؟ یُلَابِسُ کا فاعل کون ہے؟ وہ الذَّھَابُ بِهِ، وہ جو مصدر تھا لے جایا جانا، لے جایا جانا وہ مصدر اس کی صفت ہو گیا۔ تو گویا تقدیرِ عبارت یہ ہو گئی، لکھیے بھئی تقدیرِ عبارت: زَیْدًا یُلَابِسُهُ الذَّھَابُ بِهِ، زَیْدًا یُلَابِسُهُ الذَّھَابُ بِهِ۔ توجہ ہے؟ دیکھو یہ زَیْدًا وہ اسم ہے جس کے بعد ایک فعل آ رہا ہے یُلَابِسُ، اور وہ یُلَابِسُ اس زید کی ضمیر میں مشغول ہے یُلَابِسُهُ جو یہ ہا ضمیر ہے کس کو راجع ہے؟ زید۔ تو زید ایک اسم ہے جس کے بعد ایک فعل آ رہا ہے اور وہ فعل اس زید کو نصب نہیں دے سکتا کیونکہ وہ اس زید کی ضمیر میں مشغول ہے، اس طور پر کہ اس فعل کو زید پر مسلط کریں تو نصب دے سکتا ہے: یُلَابِسُ زَیْدًا یُلَابِسُهُ الذَّھَابُ بِهِ۔ بات سمجھ میں آ گئی؟ اور یہ الذَّھَابُ بِهِ اس کو ہم نے کیا بنا دیا؟ یُلَابِسُ کے لیے فاعل بنا دیا کہ یُلَابِسُهُ، مل گیا ہے زید کے ساتھ۔ کیا چیز مل گئی ہے؟ الذَّھَابُ بِهِ، اس کو لے جایا جانا۔ یہ مصدرِ مجہول ہے، یہ مصدرِ... میں نے آپ کو بتلایا تھا کہ

عربی زبان میں مصدرِ معروف اور مصدرِ مجہول کے لیے ایک ہی صیغہ استعمال ہوتا ہے۔ اور اسی لیے گردانوں کے اندر یہ مصدر دو دفعہ ذکر ہوتا ہے: ضَرَبَ یَضْرِبُ ضَرْبًا، یہ ضَرْبًا مصدرِ معروف ہے کیونکہ فعلِ معروف کے بعد ہے۔ اور ضُرِبَ یُضْرَبُ ضَرْبًا، یہ دوبارہ ضَرْبًا جو لایا گیا یہ بتلانے کے لیے کہ یہ مصدرِ مجہول ہے۔ تو یہاں پر بھی یہ الذَّھَابُ بِهِ یہ کون سا مصدر ہے؟ وہ جو ذُھِبَ بِهِ کے اندر تھا۔ ہر فعل کے اندر اس کا مصدر بھی ہوتا ہے۔ فعل کا مفہوم مرکب ہوتا ہے کتنی چیزوں سے؟ تین چیزوں سے: ایک اس کے اندر مصدر ہوتا ہے، ایک اس کے اندر زمانہ ہوتا ہے، اور ایک نسبت الی الفاعل۔ تو ذُھِبَ بِهِ فعلِ مجہول ہے تو اس کے اندر ذَھَاب مصدر بھی موجود ہے، اور کون سا مصدر ہے معروف یا مجہول؟ مجہول ہے کیونکہ ذُھِبَ فعلِ مجہول ہے۔ تو تقدیرِ کلام کیا ہو گیا؟ زَیْدًا یُلَابِسُهُ الذَّھَابُ بِهِ، زید کہ اس کے ساتھ ملا ہوا ہے الذَّھَابُ بِهِ اس کو لے جایا جانا یعنی یہ اس کی صفت ہے۔ یہ پہلی تقدیرِ عبارت ہم نے نکالی، دیکھو اس میں یُلَابِسُ نکالا اور اس نے زید کو

نصب دیا۔

دوسری تقدیرِ عبارت لکھیے۔ دوسری، اگلی سطر میں لکھیے: زَيْدًا يُلَابِسُهُ أَحَدٌ بِالذَّهَابِ بِهِ۔ زَيْدًا يُلَابِسُهُ أَحَدٌ بِالذَّهَابِ بِهِ۔ عبارت لکھ لی؟ زَيْدًا يُلَابِسُهُ أَحَدٌ بِالذَّهَابِ بِهِ۔ اب یہ بھی اسی طرح ہے، دیکھو اس میں فرق صرف اتنا کریں گے: جو پچھلی تقدیرِ عبارت تھی اس میں يُلَابِسُ کا فاعل کس کو بنایا تھا؟ الذَّهَابُ بِهِ، کہ زید کے ساتھ ملابس ہو گئی ہے، کیا چیز ملابس ہوئی ہے؟ اس کو لے جایا جانا۔ اب يُلَابِسُ کا فاعل وہ لے جانے والے کو بنا دیں گے۔ بھئی جب زید کو لے جایا گیا ہے معلوم ہوا کوئی اس کو لے کر گیا ہے، کوئی فاعل بھی ہے، اگرچہ ذکر نہیں عبارت میں لیکن جب زید کو لے جایا گیا معلوم ہوا کوئی لے جانے والا بھی ہے، تو اس کو اب یہاں ذکر کر دیا اور وہ ہے أَحَدٌ کوئی شخص بھئی کوئی ایک آدمی جو اس کو لے جانے والا تھا۔ اس اب أَحَدٌ کو فاعل بنا دیا يُلَابِسُ۔ تو اب عبارت پہ ذرا غور کرو: زَيْدًا، یہ زید ایک اسم ہے، اس کے بعد فعل آرہا ہے اور وہ فعل اس کی ضمیر کے اندر مشغول ہونے کی وجہ سے زَيْدًا کو نصب نہیں دے سکتا، لیکن اس طور پر کہ اس يُلَابِسُ کو زید پر مسلط کریں تو وہ نصب دے سکتا ہے۔ تو معنی کیا ہوا؟ زَيْدًا زید کہ يُلَابِسُهُ أَحَدٌ کوئی ایک شخص اس کے ساتھ ملا ہوا ہے، کوئی ایک شخص زید کے ساتھ ملا ہوا ہے بِالذَّهَابِ بِهِ اس کو لے جانے کے ذریعے، زید کو لے جانے کے ذریعے کسی شخص کا تعلق ہے زید کے ساتھ، کوئی شخص جڑا ہوا ہے زید کے ساتھ۔ معنی سمجھ میں آگیا؟ تو پہلی تقدیر میں فاعل کس کو بنایا؟ زید کی صفت کو۔ اور دوسری مثال کے اندر وہ جو لے جانے والا ہے جو ذُهِبَ بِهِ کے ساتھ لازم ہے، جب زید کو لے جایا گیا تو معلوم ہوا کوئی لے جانے والا ہے۔

تیسری تقدیر یہ ہے، تیسری تقدیر اس سے نچلی سطر میں لکھیے بھئی، لکھیے: زَيْدًا أَذْهَبَهُ أَحَدٌ بِالذَّهَابِ بِهِ۔ زَيْدًا أَذْهَبَهُ أَحَدٌ بِالذَّهَابِ بِهِ۔ لکھ لیا؟ یہ دیکھو یہ تیسری تقدیر ہے، یہ بالکل وہ دوسری تقدیر جیسی ہے، دوسری تقدیر میں يُلَابِسُهُ تھا اس کی جگہ أَذْهَبَهُ لے آئے، کیا لے آئے؟ أَذْهَبَهُ لے آئے۔ تو زَيْدًا زید کہ أَذْهَبَهُ أَحَدٌ کوئی شخص اس کو لے گیا بِالذَّهَابِ بِهِ ساتھ اس کے لے جانے کے، اس کے لے جانے کے واسطے سے کوئی شخص اس کو لے گیا، اس کو لے جانے کے واسطے سے۔

تو ان مثالوں میں کہتے ہیں دیکھو ذُهِبَ بِهِ کے مناسب کو مسلط کیا جائے تو وہ نصب دے سکتا ہے، جیسے یہاں يُلَابِسُ کو مسلط کیا جائے تو وہ زَيْدًا کو نصب دے سکتا ہے۔ تو صاحبِ جامی کہیں گے نہیں، یہ تقدیرِ عبارت صحیح نہیں ہے، اس لیے کیونکہ وہ فعل جو مذکور ہو اور وہ فعل جو مقدر نکالیں دونوں کا مسند الیہ ایک ہونا چاہیے۔ ذُهِبَ بِهِ اس کا مسند الیہ کون تھا؟ بِهِ یعنی زید تھا، یہ نائب الفاعل ہے۔ اور جبکہ يُلَابِسُ یا أَذْهَبَ آپ نکالیں گے تو وہاں تو زید مفعول بہ بنے گا، وہ زید کو نصب دے گا، تو زید تو مسند الیہ نہ رہے گا۔ تو فعلِ مذکور اور فعلِ مقدر دونوں کا مسند الیہ متحد ہونا چاہیے، اور آپ نے جو تقدیرِ کلام نکالی ہے اس میں دونوں کا مسند الیہ متحد نہیں، لہٰذا یہ تقدیرِ کلام یہاں صحیح نہیں۔ بات سمجھ میں آگئی؟

دیکھیے بھئی: کہتے ہیں: فَيَكُونُ تَقْدِيرُهُ زَيْدًا يُلَابِسُهُ الذَّهَابُ بِهِ، تو تقدیرِ کلام جو ہے وہ یوں ہو جائے گی: زید کہ ملا ہوا ہے

اس کے ساتھ الذَّهَابُ بِهِ لے جایا جانا، أَوْ يُلَابِسُهُ أَحَدٌ بِالذَّهَابِ بِهِ۔ أَوْ يُلَابِسُهُ، اس يُلَابِسُ کا عطف ہے پیچھے جو زَيْدًا يُلَابِسُ آیا نا، یہ يُلَابِسُهُ پر عطف ہے، اور اس يُلَابِسُهُ سے پہلے زَيْدًا ہے تو اس سے پہلے بھی زَيْدًا ہے۔ أَوْ يُلَابِسُهُ أَحَدٌ بِالذَّهَابِ بِهِ، یا زید کہ ملا ہوا ہے اس کے ساتھ کوئی شخص اس کو لے جانے کے ذریعے، أَوْ أَذْهَبَهُ أَحَدٌ یا زید کو کوئی لے گیا، یہ وہ تیسری تقدیر ہے جو میں نے پوری عبارت لکھوا دی۔ قُلْنَا ہم کہتے ہیں، اب جواب دیں گے اس کو رد کریں گے۔ قُلْنَا ہم کہتے ہیں: الْمُرَادُ بِالْمُنَاسِبِ مَا يُرَادِفُ الْفِعْلَ الْمَذْكُورَ أَوْ يُلَازِمُهُ، کہ مناسب سے ہماری مراد جو ہے وہ فعل ہے جو فعلِ مذکور کے مترادف ہو۔ ہم نے کیا کہا تھا؟ اسی فعل کو مسلط کریں یا اس کے مناسب کو مسلط کریں، اور مناسب سے کیا مراد تھا؟ بتایا تھا مناسب یا مناسب بالترادف ہوگا یا مناسب باللزوم۔ تو مناسب بالترادف یا مناسب باللزوم ہماری مراد تھی، لیکن وہ ایسے ہونے چاہئیں کہ فعلِ مذکور اور فعلِ مقدر دونوں کا مسند الیہ متحد ہونا چاہیے۔

تو کہتے ہیں: قُلْنَا ہم کہتے ہیں الْمُرَادُ بِالْمُنَاسِبِ کہ مناسب سے مراد جو ہے مَا يُرَادِفُ الْفِعْلَ الْمَذْكُورَ أَوْ يُلَازِمُهُ، ایسا فعل ہے جو فعلِ مذکور کا مترادف ہو أَوْ يُلَازِمُهُ یا اس فعلِ مذکور کے ساتھ لازم ہو، مَعَ اتِّحَادِ مَا أُسْنِدَ إِلَيْهِ، ساتھ اتحاد اس چیز کے جس کی طرف اس فعل کا اسناد کیا گیا ہو، ان دونوں فعلوں کا اسناد کیا گیا ہو ان میں اتحاد کے ساتھ، یعنی دونوں کا مسند الیہ متحد ہونا چاہیے۔ فَالِاتِّحَادُ فِيمَا ذَكَرْتَهُ مَفْقُودٌ، تو اتحاد اس، اس مناسب کے اندر جو آپ نے ذکر کیا مَفْقُودٌ وہ موجود نہیں ہے۔ مفقود کا معنی جو نہ ہو، موجود نہ ہو۔ تو کہتے ہیں: فَالِاتِّحَادُ فِيمَا ذَكَرْتَهُ مَفْقُودٌ، تو اتحاد اس مناسب کے اندر جو آپ نے ذکر کیا ہے وہ مفقود ہے۔ وَإِذَا كَانَ الْأَمْرُ كَذَلِكَ، اور جب معاملہ ایسا ہی ہے، فَالرَّفْعُ، تو رفع، آگے دو لفظوں کے بعد آرہا ہے وَاجِبٌ، تو فَالرَّفْعُ وَاجِبٌ، تو رفع اس کے اندر واجب ہے۔ أَزَيْدٌ ذُهِبَ بِهِ میں زید کے اندر رفع واجب ہے کیونکہ یہ مَا أُضْمِرَ عَامِلُهُ عَلَى شَرِيطَةِ التَّفْسِيرِ کی قبیل سے نہیں ہو سکتا بھئی۔

بھئی متن کیا تھا؟ متن ہے صرف فَالرَّفْعُ۔ وَلَيْسَ مِثْلُ أَزَيْدٌ ذُهِبَ بِهِ مِنْهُ، فَالرَّفْعُ۔ تقدیرِ عبارت کیا ہے؟ فَالرَّفْعُ وَاجِبٌ، رفع واجب ہے، خبر محذوف ہے۔ اور یاد رکھو یہ جو فا ہے اس فا کو کہتے ہیں فائے فصیحہ، ص کے ساتھ۔ فَالرَّفْعُ پر جو فا آئی ہے اس کو کیا کہتے ہیں؟ فائے فصیحہ۔ فائے فصیحہ یاد رکھنا قرآن میں جگہ جگہ ذکر آتا ہے۔ فائے فصیحہ اسے کہتے ہیں جو کلامِ محذوف پر دلالت کرے، کہ یہاں کچھ کلام محذوف ہے، یہاں کچھ کلام محذوف ہے اس پر جو دلالت کرے فا اس کو فائے فصیحہ کہتے ہیں۔ تو یہاں پر بھی دیکھو: فَالرَّفْعُ وَاجِبٌ، تو رفع واجب ہے، اس سے پیچھے صاحبِ جامی نے کیا کہا؟ وَإِذَا كَانَ الْأَمْرُ كَذَلِكَ فَالرَّفْعُ وَاجِبٌ، جب معاملہ ایسا ہی ہے جیسے ہم نے ذکر کر دیا فَالرَّفْعُ وَاجِبٌ تو رفع واجب ہے۔ دیکھا یہ عبارت یہاں محذوف ہے: وَإِذَا كَانَ الْأَمْرُ كَذَلِكَ یہ محذوف ہے۔

تو کہتے ہیں: فَالرَّفْعُ أَيْ رَفْعُ زَيْدٍ فِي الْمِثَالِ وَاجِبٌ، تو زید کا رفع جو ہے اس مثال کے اندر واجب ہے بِالِابْتِدَاءِ، کس وجہ سے ہے یہ رفع؟ ابتدا کی۔ تو زید کا رفع اس مثال میں واجب ہے ابتدا کی وجہ سے، وَنَصْبُهُ غَيْرُ جَائِزٍ بِالْمَفْعُولِيَّةِ، اور اس کا نصب مفعول ہونے کی وجہ سے جائز نہیں ہے۔ فَلَيْسَ مِنْ بَابِ الْإِضْمَارِ عَلَى شَرِيطَةِ التَّفْسِيرِ، تو یہ جو زید ہے یہ بَابُ

الْإِضْمَارِ عَلَى شَرِيطَةِ التَّفْسِيرِ سے نہیں ہے۔ فَكَيْفَ مِمَّا يُخْتَارُ فِيهِ النَّصْبُ؟ تو یہ کیسے ان چیزوں میں سے ہو سکتا ہے جن کے اندر نصب مختار ہو؟ بھئی اس کو وہ پیچھے جو میں نے بات ذکر کی تھی، ذرا اس متن پر آئیے: کہتے ہیں وَلَيْسَ مِثْلُ أَزَيْدٌ ذُهِبَ بِهِ مِنْهُ۔ یہ أَزَيْدٌ ذُهِبَ بِهِ یہ بَابُ الْإِضْمَارِ عَلَى شَرِيطَةِ التَّفْسِيرِ سے نہیں ہے۔ سرسری نظر ڈالو تو یوں لگتا ہے کہ زید کے اندر نصب مختار ہے، کیونکہ یہ زید کس کے بعد آرہا ہے؟ ہمزہ استفہام کے بعد آرہا ہے، اور انہوں نے کہا تھا حرفِ استفہام کے بعد نصب پسندیدہ ہے۔ تو بظاہر لگتا ہے شاید اس زید کے اندر بھی نصب پسندیدہ ہے۔ صاحبِ جامی آخر میں آکر فرما رہے ہیں کہ یہ بَابُ الْإِضْمَارِ عَلَى شَرِيطَةِ التَّفْسِيرِ سے ہے ہی نہیں، تو اس کے اندر تو نصب جائز ہی نہیں ہے چہ جائیکہ کہ اس کے اندر نصب مختار ہو بھئی، چہ جائیکہ کہ اس کے اندر نصب مختار ہو، اس کے اندر تو نصب جائز ہی نہیں ہے بھئی۔ یہ معنی ہے کہ فَلَيْسَ مِنْ بَابِ الْإِضْمَارِ عَلَى شَرِيطَةِ التَّفْسِيرِ، کہ یہ بَابُ الْإِضْمَارِ عَلَى شَرِيطَةِ التَّفْسِيرِ سے ہے ہی نہیں، فَكَيْفَ مِمَّا يُخْتَارُ فِيهِ النَّصْبُ، تو اس کے اندر نصب کیسے مختار ہو سکتا ہے؟

آگے دیکھیے۔ کہتے ہیں: وَكَذَا أَيْ مِثْلُ أَزَيْدٌ ذُهِبَ بِهِ قَوْلُهُ تَعَالَى: كُلُّ شَيْءٍ فَعَلُوهُ فِي الزُّبُرِ۔ اور اسی طرح ہے اللہ تعالیٰ کا یہ قول بھی: كُلُّ شَيْءٍ فَعَلُوهُ فِي الزُّبُرِ۔ یاد رکھو زُبُر جمع ہے زَبُور کی، زَبُور کی، اور زَبُور کہتے ہیں صحیفے کو، اور یہاں مراد ہیں نامہ اعمال، نامہ اعمال جن میں انسان کے اعمال کو درج کیا جاتا ہے۔ تو دیکھیے پہلے اس کی ترکیب سمجھ لیجیے: كُلُّ شَيْءٍ فَعَلُوهُ فِي الزُّبُرِ۔ یہ كُلُّ شَيْءٍ، كُلُّ مرفوع لفظاً مضاف، شَيْءٍ مجرور لفظاً مضاف الیہ۔ اور یاد رکھو یہ ہے موصوف بھئی، موصوف، کیونکہ شَيْءٍ نکرہ ہے اور اس کے بعد فَعَلُوهُ فعل آرہا ہے، اور نکرہ کے بعد فعل آئے تو وہ اس کے لیے عموماً صفت بنتا ہے۔ تو شَيْءٍ موصوف، فَعَلُوا فعل، واؤ ضمیر مرفوع محلاً اس کا فاعل، اور ہا ضمیر منصوب محلاً مفعول بہ، اور یہ راجع ہے شَيْءٍ کو کیونکہ صفت کو کس سے جوڑتے ہیں؟ موصوف سے۔ تو فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر یہ صفت ہوئی شَيْءٍ کے لیے۔ موصوف صفت مل کر یہ مضاف الیہ ہوئے كُلُّ کے لیے۔ مضاف اپنے مضاف الیہ سے مل کر یہ بتدا ہوا، بتدا ہوا۔ فِي الزُّبُرِ، فِي جارہ، الزُّبُرِ مجرور، جار مجرور مل کر متعلق کس سے؟ ثَابِتٌ سے، ثَابِتٌ سے۔ بھئی یہ بتدا آیا نا پیچھے، تو آگے یہ اب خبر آئے گی۔ تو فِي الزُّبُرِ جار مجرور مل کر متعلق کس سے؟ ثَابِتٌ سے۔ ثَابِتٌ مرفوع لفظاً، مرفوع کیوں؟ کیونکہ خبر ہے، اس کے اندر ہُوَ ضمیر مرفوع محلاً اس کا فاعل جو کس کو راجع؟ بتدا کو راجع، خبر کو کس سے جوڑتے ہیں؟ بتدا سے، تو یہ شَيْءٍ کو ضمیر راجع ہے بتدا کو۔ تو اسمِ فاعل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر شبہِ جملہ ہو کر یہ خبر۔ تو كُلُّ شَيْءٍ ہے بتدا اور فَعَلُوهُ ہے اس کی صفت اور فِي الزُّبُرِ ہے اس کی خبر۔ تو اللہ تعالیٰ کیا فرما رہے ہیں؟ كُلُّ شَيْءٍ فَعَلُوهُ فِي الزُّبُرِ، کہ انہوں نے جو بھی اعمال کیے ہوں گے فِي الزُّبُرِ وہ ان کے صحیفوں میں درج ہوں گے، وہ ان کے صحیفوں میں ثابت ہوں گے۔

تو یہاں پر كُلُّ شَيْءٍ اس پر رفع ہی پڑھیں گے، یہ مَا أُضْمِرَ عَامِلُهُ عَلَى شَرِيطَةِ التَّفْسِيرِ کی قبیل سے ہے ہی نہیں۔ اگر آپ اس پر نصب پڑھیں گے تو پھر اس صورت میں کہتے ہیں معنی خراب ہو جاتا ہے۔ مثلاً اگر كُلَّ شَيْءٍ پڑھیں تو تقدیر

عبارت کیا ہو گی؟ اسی فعل کو اس پر مسلط کریں ذرا: فَعَلُوا كُلَّ شَيْءٍ فَعَلُوهُ فِي الزُّبُرِ۔ تو فَعَلُوا كُلَّ شَيْءٍ یہ ہے مفسر اور فَعَلُوهُ یہ کیا ہے اس کی؟ تفسیر۔ ذرا تفسیر کو ہٹا دیں: فَعَلُوا كُلَّ شَيْءٍ فِي الزُّبُرِ۔ گویا تقدیرِ عبارت یہ ہے، تقدیرِ عبارت یہ ہے فَعَلُوا كُلَّ شَيْءٍ فِي الزُّبُرِ، یہ فَعَلُوهُ کو ہم نے ہٹا دیا۔ کیوں ہٹایا؟ کیونکہ مفسر کو جب لفظوں میں نکال لیا اب مفسر کی کوئی حاجت نہیں۔ تو تقدیرِ عبارت یہ ہو گئی گویا کہ فَعَلُوا كُلَّ شَيْءٍ فِي الزُّبُرِ۔ اب اس صورت میں معنی خراب ہو گیا، کیونکہ پہلے فِي الزُّبُرِ کو کیا بنایا تھا؟ خبر۔ کیا بنایا تھا؟ خبر۔ اب، اب تو مبتدا ہے ہی نہیں اب تو فَعَلُوا كُلَّ شَيْءٍ ہے، تو اب اس میں دو احتمال آ گئے: یا تو فِي الزُّبُرِ جو ہے اس کو فَعَلُوا فعل سے جوڑیں گے: فَعَلُوا كُلَّ شَيْءٍ فِي الزُّبُرِ، فَعَلُوا كُلَّ شَيْءٍ فِي الزُّبُرِ۔ پیچھے کوئی مبتدا ہے ہی نہیں جس کے لیے فِي الزُّبُرِ خبر بنے، تو ظاہر سی بات ہے پھر فِي الزُّبُرِ کو کس سے جوڑیں گے؟ فَعَلُوا فعل سے جوڑیں گے، یا فَعَلُوا كُلَّ شَيْءٍ یہ كُلَّ شَيْءٍ کے لیے فِي الزُّبُرِ کو صفت بنا دیں گے، کیونکہ كُلَّ شَيْءٍ كُلَّ مضاف شَيْءٍ مضاف الیہ اور شَيْءٍ نکرہ ہے اور اس کے بعد فِي الزُّبُرِ جار مجرور آیا، اور نکرہ کے بعد جار مجرور آئے تو وہ اس کے لیے عموماً کیا بنتا ہے؟ صفت، تو صفت بھی بنا سکتے ہیں صفت، اگرچہ وہ احتمال بعید ہے۔ لیکن بہرحال اگر آپ نصب پڑھیں گے تو پھر اب فِي الزُّبُرِ خبر

نہیں بن سکتا، بلکہ اس کو اس فعلِ مذکور سے جوڑنا پڑے گا یا اس کو كُلَّ شَيْءٍ کے لیے صفت بنائیں گے۔ توجہ ہے؟ اور دونوں صورتوں میں معنی خراب ہو جاتا ہے۔ کس طرح معنی خراب ہوتا ہے؟ دیکھیے بھئی! وہ تقدیرِ عبارت ایک سطر کے بعد صاحبِ جامی ذکر فرما رہے ہیں۔ کہتے ہیں: اَلتَّقْدِيْرُ فَعَلُوْا كُلَّ شَيْءٍ فِي الزُّبُرِ، یہ عبارت مل گئی؟ فَعَلُوْا كُلَّ شَيْءٍ فِي الزُّبُرِ، تو اب اس صورت میں معنی خراب ہو گیا، کیونکہ آپ نے فِي الزُّبُرِ کو کس سے جوڑا؟ فَعَلُوْا سے۔ پہلی تقدیر، فِي الزُّبُرِ کو کس سے جوڑیں گے؟ فَعَلُوْا سے جوڑیں گے۔ بھئی دیکھیے! مثلاً میں کہتا ہوں: ضَرَبْتُ زَيْدًا، میں نے زید کی پٹائی کی، فِيْ دَارِهٖ، زید کے گھر میں۔ ضَرَبْتُ زَيْدًا فِيْ دَارِهٖ، یہ فِيْ دَارِهٖ کس سے متعلق ہے؟ پھر غور کرو، ضَرَبْتُ زَيْدًا فِيْ دَارِهٖ، میں نے زید کی پٹائی کی، فِيْ دَارِهٖ کہاں پر؟ اس کے گھر میں، تو یہ فِيْ دَارِهٖ کس سے متعلق؟ اسی ضَرَبْتُ سے متعلق ہے۔ یہ جیسے یہاں پر فِي الزُّبُرِ کو کس سے جوڑ رہے ہیں آپ؟ فَعَلُوْا سے جوڑ رہے ہیں، تو یہاں پر بھی ضَرَبْتُ زَيْدًا فِيْ دَارِهٖ، میں نے زید کی پٹائی کی اس کے گھر میں۔ اب بتائیے مجھے ضَرَبْتُ زَيْدًا فِيْ دَارِهٖ، یہ پٹائی کس جگہ پر ہوئی؟ اس کے گھر میں۔ پٹائی ہوئی تو زید کی ہے، لیکن کس جگہ پر جا کر ہوئی ہے؟ اس کے گھر میں۔ یہاں پر بھی دیکھو: فَعَلُوْا كُلَّ شَيْءٍ فِي الزُّبُرِ، جب فِي الزُّبُرِ کو آپ فَعَلُوْا سے جوڑیں گے، تو معنی بن جائے گا: ان لوگوں نے فَعَلُوْا كُلَّ شَيْءٍ، تمام چیزیں ان لوگوں نے کیں، فِي الزُّبُرِ کہاں جا کر؟ صحیفوں کے اندر۔ معلوم ہوا صحیفے ان کے اعمال کرنے کی جگہیں ہیں، وہاں جا کر انہوں نے یہ عمل کیے ہیں۔ جیسے ضَرَبْتُ زَيْدًا فِي الدَّارِ، میں نے زید کی پٹائی کی کس جگہ میں؟ اس کے گھر میں، معلوم ہوا یہ پٹائی کرنے کا فعل کہاں ہوا ہے؟ ان کے گھر میں۔ تو یہاں پر بھی فَعَلُوْا كُلَّ شَيْءٍ، انہوں نے سب کچھ کیا، اور یہ سب کچھ کرنے کا فعل کہاں ہوا جا کر؟ فِي

الزُّبُرِ، ان صحیفوں میں جا کر ہوا، حالانکہ صحیفوں میں جا کر تو انہوں نے وہ فعل نہیں کیے، بلکہ وہ فعل تو انہوں نے دنیا کے اندر کیے تھے بھئی۔ تو معنی کی خرابی سمجھ میں آئی کہ اس صورت میں صحیفے ان کے عمل کی جگہ بن جاتے ہیں، حالانکہ صحیفے تو ان کے عمل کی جگہ نہیں ہیں۔ صحیفوں میں تو صرف فرشتے جو ہیں، كِرَامًا كَاتِبِيْنَ جو ہیں، وہ ان کے اعمال کو درج کرتے ہیں بھئی، اور خود جو وہ عمل کرتے ہیں وہ کہاں کرتے ہیں؟ دنیا کے اندر کرتے ہیں۔ تو معنی کی خرابی سمجھ میں آئی؟ تو جب آپ كُلَّ شَيْءٍ پڑھیں، تو فِي الزُّبُرِ کو یا تو کس سے جوڑنا پڑے گا؟ فَعَلُوْا سے، اور اس صورت میں کیا خرابی لازم آتی ہے؟ کہ صحیفے ان کے عمل کرنے کی جگہ بن جاتے ہیں، حالانکہ صحیفے تو ان کے عمل کرنے کی جگہ نہیں ہیں بھئی۔

دوسری صورت یہ ہے کہ فِي الزُّبُرِ کو شَيْءٍ کی صفت بنا دو، فَعَلُوْا كُلَّ شَيْءٍ ثَابِتٍ فِي الزُّبُرِ۔ فَعَلُوْا، انہوں نے کیا، كُلَّ شَيْءٍ، ہر ایسی چیز کو۔ شَيْءٍ موصوف ہے نا، اور موصوف سے پہلے کیا لفظ لاتے ہیں؟ ایسا یا ایسی۔ فَعَلُوْا، انہوں نے کیا، كُلَّ شَيْءٍ، ہر ایسی چیز کو، فِي الزُّبُرِ، جو کس کے اندر تھی؟ صحیفوں میں۔ جو صحیفوں میں تھا وہ انہوں نے کیا ہے۔ توجہ ہے؟ جو صحیفوں میں تھا وہ انہوں نے کیا ہے۔ تو اس صورت میں ایک تو یہ وہم پڑتا ہے کہ معلوم ہوا وہ مجبور ہو گئے، جو کچھ اللہ نے لکھا ہے صحیفوں میں وہی ان کو کرنا پڑا، حالانکہ جو لکھا ہوا ہے وہ کرنا پڑا ان کو، یا جو یہ کرتے ہیں وہ لکھا جاتا ہے؟ جو کرتے ہیں وہ لکھا جاتا ہے۔ تو ایک تو یہ وہم بھی پڑتا ہے۔ اور نیز جس خرابی کو یہ ذکر کریں گے یہاں پر، کہتے ہیں اس سے پھر یہ معلوم نہیں ہوتا کہ ان کے تمام اعمال صحیفوں میں درج ہیں۔ اس سے یہ معلوم نہیں ہوتا۔ پہلے كُلُّ شَيْءٍ پڑھیں تو کیا معنی تھا؟ فِي الزُّبُرِ کو جب ہم نے خبر بنایا تھا، كُلُّ شَيْءٍ فَعَلُوْهُ، ہر ایسی چیز جو انہوں نے کی ہے، فِي الزُّبُرِ، کس کے اندر ہے؟ صحیفوں کے اندر ہے۔ معلوم ہوا ان کے تمام افعال کس کے اندر درج ہوں گے؟ صحیفوں کے اندر درج ہوں گے۔ اور یہی بتلانا یہاں مقصد ہے کہ کوئی ان کا چھوٹا بڑا گناہ بھی باقی نہیں بچے گا، سب اس میں درج ہوگا۔ لیکن اگر ہم کیا کریں؟ فِي الزُّبُرِ کو صفت بنا دیں شَيْءٍ کے لیے: فَعَلُوْا كُلَّ شَيْءٍ فِي الزُّبُرِ، انہوں نے کیا ہر اس چیز کو جو ان کے صحیفوں میں ہے۔ معلوم ہوا جو صحیفوں میں ہے وہ کیا ہے۔ تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ جو کچھ بھی انہوں نے کیا ہے وہ سب صحیفوں میں ہے۔ فرض کرو ان کے اعمال سو ہیں، کتنے ہیں؟ سو قسم کے گناہ انہوں نے کیے ہیں۔ اور یہاں کیا لکھا ہے؟ جو صحیفوں میں ہے وہ کیا ہے۔ اس سے تو یہ لازم نہیں آتا کہ صحیفے میں وہ سو کے سو ہیں۔ ہو سکتا ہے سو ہوں، لیکن ہو سکتا ہے صحیفوں میں کتنے درج ہوں؟ پچاس، اور کیے تو کتنے ہیں؟ سو۔ تو معنی کیا ہوا؟ جو صحیفوں میں درج ہے وہ انہوں نے کیا ہے، تو صحیفے میں جو پچاس درج ہیں وہ پچاس انہوں نے کیے ہیں یا نہیں کیے؟ وہ پچاس تو کیے ہیں، لیکن اس سے یہ تو لازم نہیں آیا کہ ان کے سارے اعمال درج ہیں صحیفوں میں۔ فرق سمجھ میں آرہا ہے؟ بڑا باریک سا فرق ہے کہ جو کچھ صحیفوں میں درج ہے وہ انہوں نے کیا ہے۔ اب یہ پتہ نہیں ساری چیزیں درج ہیں یا نہیں، بس اتنا ہے جو درج ہے وہ انہوں نے کیا ہے بھئی۔ فرق سمجھ میں آگیا؟ تو معلوم ہوا یہاں كُلَّ شَيْءٍ نہیں پڑھیں گے بلکہ کیا پڑھیں گے؟ كُلُّ شَيْءٍ پڑھنا واجب ہے۔

اگر کُلَّ شَيْءٍ پڑھیں گے تو پھر فِي الزُّبُرِ کو یا تو فَعَلُوْا سے متعلق کرنا پڑے گا، یا فِي الزُّبُرِ کو کُلَّ شَيْءٍ کی صفت بنانا پڑے گا۔ اگر اس کو فِي الزُّبُرِ کو فَعَلُوْا سے جوڑیں تو بھی معنی صحیح نہیں، اور اگر اس کو فِي الزُّبُرِ کو کُلَّ شَيْءٍ کی صفت بنائیں تو بھی معنی صحیح نہیں۔

دیکھیے بھئی اب شرح کے ساتھ۔ کہتے ہیں: وَكَذَا أَيْ مِثْلُ أَزَيْدٌ ذُهِبَ بِهِ قَوْلُهُ تَعَالَىٰ، کہتے ہیں اسی کے مثل یعنی أَزَيْدٌ ذُهِبَ بِهِ اسی کے مثل ہے اللہ تعالیٰ کا یہ قول بھی: كُلُّ شَيْءٍ فَعَلُوْهُ فِي الزُّبُرِ۔ یہ بھی اسی کی طرح ہے، یعنی یہ مَا أُضْمِرَ عَامِلُهُ عَلَى شَرِيْطَةِ التَّفْسِيْرِ کے قبیل سے نہیں ہے، اس میں نصب پڑھنا جائز ہی نہیں ہے بلکہ رفع پڑھنا واجب ہے۔ تو کہتے ہیں: أَيْ فِيْ صَحَائِفِ أَعْمَالِهِمْ، فِي الزُّبُرِ کا معنی بیان کر رہے ہیں، فِي الزُّبُرِ أَيْ فِيْ صَحَائِفِ أَعْمَالِهِمْ، ان کے جو اعمال کے صحیفے ہیں یعنی ان کے جو نامۂ اعمال ہیں، ان کے اندر سب کچھ درج ہوگا۔ فَهُوَ لَيْسَ مِنْ بَابِ الْإِضْمَارِ عَلَى شَرِيْطَةِ التَّفْسِيْرِ، تو یہ بَابُ الْإِضْمَارِ عَلَى شَرِيْطَةِ التَّفْسِيْرِ سے نہیں ہے، لِأَنَّهُ لَوْ جُعِلَ مِنْهُ، اس لیے کیونکہ اگر اس کو بَابُ الْإِضْمَارِ سے بنا لیں، لَصَارَ التَّقْدِيْرُ، تو تقدیرِ کلام یوں ہو جائے گی: فَعَلُوْا كُلَّ شَيْءٍ فِي الزُّبُرِ۔ بات سمجھ میں آگئی؟ یہ کیا ہے تقدیرِ کلام۔ فَقَوْلُهُ فِي الزُّبُرِ، تو اللہ تعالیٰ کا قول فِي الزُّبُرِ جو ہے، إِنْ كَانَ مُتَعَلِّقًا بِفَعَلُوْا، تو پھر اس صورت میں اگر یہ متعلق ہوا فَعَلُوْا کے ساتھ، فَسَدَ الْمَعْنَى، تو معنی فاسد ہو جائے گا، لِأَنَّ صَحَائِفَ أَعْمَالِهِمْ لَيْسَتْ مَحَلًّا لِفِعْلِهِمْ، اس لیے کیونکہ ان کے جو نامۂ اعمال ہیں، لَيْسَتْ مَحَلًّا لِفِعْلِهِمْ، وہ ان کے افعال کے محل نہیں ہیں، وہاں جا کر انہوں نے فعل نہیں کیے، لِأَنَّهُمْ لَمْ يُوْقِعُوْهَا فِعْلًا، اس لیے کیونکہ انہوں نے ان نامۂ اعمال کے اندر کوئی فعل واقع نہیں کیا، بَلِ الْكِرَامُ الْكَاتِبُوْنَ أَوْقَعُوْا فِيْهَا كِتَابَةَ أَفْعَالِهِمْ، بلکہ کراماً کاتبین جو فرشتے ہیں، أَوْقَعُوْا فِيْهَا، انہوں نے واقع کیا ہے ان نامۂ اعمال کے اندر، کیا واقع کیا ہے؟ كِتَابَةَ أَفْعَالِهِمْ، ان کے افعال کی کتابت واقع کی ہے یعنی ان کے افعال کو اس میں درج کیا ہے۔ تو کراماً کاتبین وہ فرشتے جو انسان کے دونوں کندھوں پر بیٹھے ہیں، ایک دائیں کندھے پر اور ایک بائیں کندھے پر، اور انسان کے تمام اعمال لکھتے ہیں بھئی۔ اور پھر شام کے وقت یہ دو فرشتے چلے جاتے ہیں اور دو اور فرشتے آجاتے ہیں، پھر وہ صبح تک رہتے ہیں اور جو کچھ انسان کرتا ہے ان کو لکھتے رہتے ہیں، اور پھر صبح کے وقت یہ دو چلے جاتے ہیں اور دو آجاتے ہیں۔ تو یہ کراماً کاتبین ہیں بھئی، اور یہ كِرَامٌ جمع ہے كَرِيْمٌ کی۔ تو الْكِرَامُ وہ معزز فرشتے، الْكَاتِبُوْنَ جو لکھنے والے ہیں۔

آگے دیکھیے: وَإِنْ كَانَ صِفَةً لِشَيْءٍ، پہلے کیا کہا تھا؟ کہ فِي الزُّبُرِ اگر فَعَلُوْا کے ساتھ متعلق کریں گے، نصب پڑھا نا كُلَّ شَيْءٍ، تو پھر اس کو اگر فَعَلُوْا سے متعلق کریں گے تو معنی خراب ہو جائے گا۔ وَإِنْ كَانَ صِفَةً لِشَيْءٍ، اور اگر فِي الزُّبُرِ جو ہے وہ صفت ہو شَيْءٍ کے لیے، مَعَ أَنَّهُ خِلَافُ ظَاهِرِ الْآيَةِ، باوجود اس کے کہ یہ ظاہرِ آیت کے خلاف ہے، ظاہرِ آیت کے خلاف ہے، اس کے باوجود اگر یہ صفت ہو جائے شَيْءٍ کے لیے، فَاتَ الْمَعْنَى الْمَقْصُوْدُ، تو معنیِ مقصود فوت ہو جائے گا۔ معنیِ مقصود فوت ہو جائے گا۔ معنیِ مقصود تو کیا ہے؟ کہ ان کے تمام اعمال درج ہیں۔ اور اگر فِي الزُّبُرِ کو صفت بنا دیا

جائے تو معنی کیا ہوگا؟ جو کچھ صحیفوں میں درج ہے انہوں نے یہ کیا ہے۔ اس سے یہ تو نہیں لازم آتا کہ ان کا ہر فعل درج ہے، ہو سکتا ہے سارے درج ہوں، ہو سکتا ہے سارے درج نہ ہوں بھئی۔ اور انہوں نے کیا کہا؟ کہ فِي الزُّبُرِ کو اگر صفت بنائیں شَيْءٍ کے لیے، اگرچہ یہ ظاہرِ آیت کے خلاف ہے، صفت بنانا۔ بھئی کیوں؟ ظاہرِ آیت کے خلاف کیوں ہے؟ وجہ یہ کہ ذرا وہ متن پہ آئیے: كُلُّ شَيْءٍ فَعَلُوْهُ فِي الزُّبُرِ۔ اس فِي الزُّبُرِ کو آپ صفت بنانا چاہتے ہیں کس کے لیے؟ شَيْءٍ کے لیے، اور درمیان میں تو ایک اور فَعَلُوْا آ رہا ہے، حالانکہ موصوف اور صفت کے درمیان فصل جائز نہیں۔ تو درمیان میں فصل کی وجہ سے یہ صفت بن نہیں رہی، لیکن اگر آپ پھر بھی صفت بنا لیں، تو بھی معنی خراب ہوتا ہے، معنیِ مقصود فوت ہو جاتا ہے۔

تو کہتے ہیں دیکھیے اب دوبارہ ترجمہ۔ کہتے ہیں: وَإِنْ كَانَ صِفَةً لِشَيْءٍ، اور اگر یہ فِي الزُّبُرِ صفت ہو شَيْءٍ کے لیے، مَعَ أَنَّهُ خِلَافُ ظَاهِرِ الْآيَةِ، باوجود اس کے کہ یہ ظاہرِ آیت کے خلاف ہے، فَاتَ الْمَعْنَى الْمَقْصُوْدُ، تو معنیِ مقصود فوت ہو جاتا ہے، إِذِ الْمَقْصُوْدُ، اس لیے کیونکہ مقصود تو یہ ہے کہ أَنَّ كُلَّ شَيْءٍ هُوَ مَفْعُوْلٌ لَهُمْ، کہ ہر وہ چیز جو ان کی کی ہوئی ہے، أَنَّ كُلَّ شَيْءٍ هُوَ مَفْعُوْلٌ لَهُمْ، ہر ایسی چیز جو ان کی کی ہوئی ہے، كَائِنٌ فِي الزُّبُرِ أَيْ ثَابِتٌ فِي الزُّبُرِ، وہ صحیفوں میں ثابت ہے، مَكْتُوْبٌ فِيْهَا، ان کے اندر لکھی ہوئی ہے، مُوَافِقًا لِقَوْلِهِ تَعَالَىٰ، اس حال میں کہ یہ معنی جو ہے موافق ہے اللہ تعالیٰ کے اس قول کے: وَكُلُّ صَغِيْرٍ وَكَبِيْرٍ مُسْتَطَرٌ، اور ہر چھوٹا بڑا گناہ جو ہے وہ لکھا ہوا ہوگا۔ سَطَرَ يَسْطُرُ کے معنی ہیں لکھنا، اسی طرح اِسْتَطَرَ يَسْتَطِرُ بابِ افتعال میں لے جائیں تو اس کا معنی بھی ہے لکھنا، اور مُسْتَطَرٌ اسمِ مفعول ہے، لکھا ہوا۔ وَكُلُّ صَغِيْرٍ وَكَبِيْرٍ مُسْتَطَرٌ، ہر چھوٹا بڑا گناہ لکھا ہوا ہوگا۔ لَا أَنَّ كُلَّ شَيْءٍ كَائِنٍ فِيْ صَحَائِفِ أَعْمَالِهِمْ مَفْعُوْلٌ لَهُمْ، معنیِ مقصود یہ نہیں ہے، پیچھے بتایا نا، معنیِ مقصود یہ ہے کہ جو کچھ انہوں نے کیا ہوگا وہ صحیفوں میں مکتوب ہوگا۔ لَا أَنَّ كُلَّ شَيْءٍ كَائِنٍ فِيْ صَحَائِفِ أَعْمَالِهِمْ، شَيْءٍ كَائِنٍ پڑھیں بھئی یہ اب ہم فِي الزُّبُرِ کو صفت بنا رہے ہیں شَيْءٍ کے لیے، اور شَيْءٍ مجرور ہے مضاف الیہ ہے، تو كَائِنٍ اس کی صفت بھی مجرور۔ لَا، یہ مقصود نہیں ہے کہ أَنَّ كُلَّ شَيْءٍ كَائِنٍ فِيْ صَحَائِفِ أَعْمَالِهِمْ، کہ ہر ایسی چیز جو ان کے نامۂ اعمال میں ثابت ہے، مَفْعُوْلٌ لَهُمْ، وہ ان کی کی ہوئی ہے۔ تو پھر تو معنیِ مقصود فوت ہو جاتا ہے۔ کیا معنی ہوا؟ اگر اس کو صفت بنائیں تو معنی کیا ہوگا؟ کہ جو کچھ نامۂ اعمال میں لکھا ہوا ہے وہ انہوں نے کیا ہے، لیکن اس سے یہ تو لازم نہیں آتا کہ جو کچھ کیا ہے وہ سارا ہی لکھا ہوا ہے یا سارا نہیں لکھا ہوا۔ تو یہ معنی ہے: لَا أَنَّ كُلَّ شَيْءٍ كَائِنٍ فِيْ صَحَائِفِ أَعْمَالِهِمْ، یہ معنیِ مقصود نہیں ہے کہ ہر ایسی چیز جو ان کے نامۂ اعمال کے اندر ثابت ہے، مَفْعُوْلٌ لَهُمْ، وہ ان کی کی ہوئی ہے، یہ معنیِ مقصود نہیں ہے۔

فَالرَّفْعُ لَازِمٌ، تو لہٰذا رفع لازم ہے۔ جب یہ مَا أُضْمِرَ کے قبیل سے نہیں ہے تو رفع لازم ہے، عَلَى أَنْ يَكُوْنَ كُلُّ شَيْءٍ مُبْتَدَأً، بنا بر اس کے کہ كُلُّ شَيْءٍ مبتدا، فَالرَّفْعُ لَازِمٌ تو پھر رفع لازم ہے، اور رفع کیوں پڑھا جائے گا اس پر؟ مبتدا ہونے کی وجہ

سے۔ تو کہتے ہیں: فَالرَّفْعُ لَازِمٌ عَلَى أَنْ يَكُوْنَ كُلُّ شَيْءٍ مُبْتَدَأً، تو رفع لازم ہے بنا بر اس کے کہ كُلُّ شَيْءٍ مبتدا ہے، وَالْجُمْلَةُ الْفِعْلِيَّةُ صِفَةٌ لِشَيْءٍ، اور جملہ فعلیہ جو ہے شَيْءٍ کی صفت ہے، وَالْجَارُّ وَالْمَجْرُوْرُ فِيْ مَحَلِّ الرَّفْعِ، اور جار مجرور فِي الزُّبُرِ جو ہے وہ محلِ رفع میں ہیں، عَلَى أَنَّهُ خَبَرُ الْمُبْتَدَأِ، بنا بر اس کے کہ وہ مبتدا کی خبر ہیں۔ تَقْدِيْرُهُ، تقدیرِ کلام جو ہے: كُلُّ شَيْءٍ هُوَ مَفْعُوْلٌ لَهُمْ، ہر ایسی چیز جو ان کی کی ہوئی ہے، ثَابِتٌ فِي الزُّبُرِ، وہ صحیفوں میں ثابت ہے، بِحَيْثُ لَا يُغَادِرُ صَغِيْرَةً وَلَا كَبِيْرَةً، اس طور پر، غَادَرَ يُغَادِرُ کا معنی چھوڑنا، اس طور پر کہ لَا يُغَادِرُ صَغِيْرَةً وَلَا كَبِيْرَةً، کہ اس نے نہیں چھوڑا نہ کسی چھوٹے گناہ کو اور نہ کسی بڑے گناہ کو۔ یہ قرآن کی آیت سے اقتباس ہے بھئی، اس دن اپنے نامۂ اعمال کو دیکھ کر مجرم پریشان ہوں گے کہ یہ نامۂ اعمال کو کیا ہو گیا ہے، اس میں تو ہمارا ہر چھوٹا بڑا گناہ درج ہے، ایک کو بھی اس نے باقی نہیں چھوڑا بھئی۔ تو یہ وہ قرآن کی آیت سے اقتباس کیا۔ پھر دیکھیے: تَقْدِيْرُهُ، تقدیر جو ہے اس کلام کی: كُلُّ شَيْءٍ هُوَ مَفْعُوْلٌ لَهُمْ ثَابِتٌ فِي الزُّبُرِ، ہر ایسی چیز جو ان کی کی ہوئی ہے وہ ثَابِتٌ فِي الزُّبُرِ، وہ

صحیفوں میں ثابت ہے، بِحَيْثُ، اس طور پر، لَا يُغَادِرُ صَغِيْرَةً وَلَا كَبِيْرَةً، کہ اس نے نہیں چھوڑا نہ کسی چھوٹے گناہ کو اور نہ کسی بڑے گناہ کو بھئی۔ چلیے بس کریں بھئی، بات سمجھ میں آ گئی؟ چلیے بس بھئی، هٰذَا هُوَ الْمَرَامُ، وَاللّٰهُ أَعْلَمُ بِحَقِيْقَةِ الْكَلَامِ۔

سبق نمبر ۱۳۵: الاشتغال (٦): اشتغال کی مزید تفصیلات اور تنبیہات

شرحِ ملا جامی صفحہ: ۱۱۲ — بتاریخ: ۱۷ جنوری ۲۰۲۲ء

▪ تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث

آگے سبق دیکھیے بھئی: وَاعْلَمْ أَنَّهُ قَدْ سَبَقَ أَنَّ الِاسْمَ الْمَذْكُوْرَ إِذَا كَانَ الْفِعْلُ الْمُشْتَغِلُ عَنْهُ بِضَمِيْرِهِ أَوْ مُتَعَلِّقِهِ أَمْرًا أَوْ نَهْيًا فَالْمُخْتَارُ فِيْهِ النَّصْبُ، وَالظَّاهِرُ أَنَّ قَوْلَهُ تَعَالَىٰ ﴿ الزَّانِيَةُ وَالزَّانِيْ فَاجْلِدُوْا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ ﴾ دَاخِلٌ تَحْتَ هٰذِهِ الْقَاعِدَةِ، مَعَ أَنَّ الْقُرَّاءَ اتَّفَقُوْا فِيْهِ عَلَى الرَّفْعِ إِلَّا فِيْ رِوَايَةٍ شَاذَّةٍ عَنْ بَعْضِهِمْ، فَاضْطَرَّ النُّحَاةُ إِلَى أَنْ تَمَحَّلُوْا لِإِخْرَاجِهِ عَنِ الْقَاعِدَةِ الْمَذْكُوْرَةِ لِئَلَّا يَلْزَمَ اتِّفَاقُ الْقُرَّاءِ عَلَى غَيْرِ الْمُخْتَارِ۔

بھئی گزشتہ سبق میں مَا أُضْمِرَ عَامِلُهُ عَلَى شَرِيْطَةِ التَّفْسِيْرِ کے واقع ہونے کی جگہوں میں سے وہ جگہ پڑھ رہے تھے ہم جہاں پر رفع اور نصب دونوں برابر ہیں بھئی۔ اور رفع اور نصب وہاں برابر ہوں گے جب وہ اسم جس جملے میں ہے اس جملے کا عطف کیا جائے ماقبل والے ایسے جملہ اسمیہ پر جس کی خبر جملہ فعلیہ ہو، یعنی وہ جملہ اسمیہ کبریٰ ہو اور اس کے اندر جو جملہ فعلیہ جو اس کی خبر بن رہا ہے وہ صغریٰ ہو۔ تو اس قسم کے جملے پر جب عطف کیا جائے اس جملے کا جس کے اندر یہ اسم موجود ہے، جس کے بارے میں کیا گمان ہوتا ہے مَا أُضْمِرَ عَامِلُهُ عَلَى شَرِيْطَةِ التَّفْسِيْرِ ہونے کا، تو اس اسم کے اندر جو ہے رفع اور نصب دونوں جائز ہیں۔ اگر رفع پڑھیں گے تو اس صورت میں یہ مبتدا بنے گا اور آگے خبر آئے گی اور یہ جملہ اسمیہ بنے گا، مبتدا اپنی خبر سے مل کر جملہ اسمیہ بنے گا، اور اس صورت میں اس کا عطف ہو جائے گا ماقبل میں کبریٰ پر۔ تو دیکھو دونوں جملوں میں مناسبت ہے کہ دونوں جملہ اسمیہ ہیں۔ اور اگر آپ نصب پڑھیں گے تو پھر وہی فعل اس پر مسلط کریں گے تو یہ جملہ فعلیہ بنے گا یہ جو معطوف ہے، اور اس صورت میں اس کا عطف ماقبل کے اندر جو صغریٰ تھا جو جملہ فعلیہ تھا اس پر عطف ہو جائے گا، تو اس صورت میں بھی معطوف علیہ اور معطوف کے درمیان مناسبت موجود ہے بھئی۔

البتہ اس صورت کے اندر پھر عائد الگ محذوف نکالنا پڑے گا، یا تو عائد وہاں ہونا چاہیے یا عائد آپ کو محذوف نکالنا پڑے گا، اس لیے کیونکہ اس جملے کا عطف ہوا ہے صغریٰ پر، اور صغریٰ جو ہے وہ خبر ہے مبتدا کے لیے اور اس کے اندر ایک ضمیر ہے جو مبتدا کو لوٹ رہی ہے، تو جب معطوف علیہ کے اندر ایک ضمیر مبتدا کو لوٹ رہی ہے تو معطوف کے اندر بھی ایک ضمیر چاہیے جو مبتدا کی طرف لوٹے۔ چنانچہ صاحبِ کافیہ نے اس کی مثال جب ذکر کی تھی کہ زَيْدٌ قَامَ، زَيْدٌ قَامَ وَعَمْرًا

أَكْرَمْتُهُ، تو آگے بتلایا تھا کہ یہاں عِنْدَهُ یا فِيْ دَارِهِ وغیرہ جیسا لفظ نکالنا پڑے گا، کہ عَمْرًا أَكْرَمْتُهُ کہ میں نے عمرو کا اکرام کیا عِنْدَهُ کس کے پاس؟ زید کے پاس۔ اب یہ ہا ضمیر لوٹ رہی ہے زید کو، تو اب یہ پورا جملہ زید کے لیے خبر بن سکتا ہے کیونکہ ربط آگیا۔ یا فِيْ دَارِهِ کو جوڑ دیں ساتھ، کہ عمرو کہ میں نے اس کا اکرام کیا فِيْ دَارِهِ زید کے گھر میں۔ تو اب اس صورت میں بھی یہ ضمیر زید کو لوٹ رہی ہے، تو یہ جملہ زید کے لیے خبر بن سکتا ہے کیونکہ درمیان میں ربط آگیا بھئی۔

تو پھر اس پر اشکال ہوا تھا کہ بھئی آپ نے کہا دونوں کا پڑھنا برابر ہے، حالانکہ یہاں پر بھی حذف سے جو سلامتی ہے وہ رفع کو ترجیح دے رہی ہے کہ اس صورت میں کلام حذف سے سلامت رہے گا۔ تو صاحبِ جامی نے بتلایا تھا کہ اگر حذف سے سلامتی رفع کو ترجیح دے رہی ہے، تو معطوف علیہ کا قریب ہونا یہ نصب کو ترجیح دے رہا ہے، کیونکہ آپ نصب پڑھیں گے تو صغریٰ پر عطف ہوگا جو قریب ہے، اور اگر آپ رفع پڑھیں گے تو پھر کبریٰ پر عطف ہوگا اور وہ بعید ہے۔ اس پر پھر معترض اشکال کرتا ہے کہ بھئی دونوں قریب ہیں، صغریٰ کے فوراً بعد بھی آگے وہ دوسرا جملہ ہے معطوف، اور اسی طرح کبریٰ کے بھی فوراً بعد کیا ہے؟ وہ دوسرا جملہ ہے، درمیان میں فصل ہے ہی نہیں۔ صغریٰ کا اختتام کس پر؟ قَامَ پر، اور کبریٰ کا اختتام بھی کس پر؟ قَامَ پر، وہ بھی زَيْدٌ قَامَ ہے۔ تو اور درمیان میں کوئی فصل بھی نہیں ہے، تو یہاں پر جب فصل ہے ہی نہیں تو دونوں قریب ہیں، تو آپ کا یہ کہنا کہ صغریٰ زیادہ قریب ہے یہ صحیح نہیں۔ تو اس کا بھی جواب دیا تھا کہ بھئی آپ انتہا کے اعتبار سے بات کر رہے ہیں، انتہا کے اعتبار سے دونوں قریب ہیں، لیکن ہم ابتدا کے اعتبار سے بات کر رہے ہیں، ابتدا کے اعتبار سے کبریٰ دور ہے اور صغریٰ قریب ہے۔ تو جب نصب پڑھیں گے تو قریب والے پر عطف ہو جائے گا، اور یہ نصب کو ترجیح دے رہا ہے۔ تو دونوں کی ترجیح کے قرینے موجود ہیں، رفع کی ترجیح کا قرینہ کیا ہے کہ کلام حذف سے سلامت رہے گا، اور نصب کی ترجیح کا قرینہ کیا ہے کہ اس صورت میں قریب والے پر عطف ہو جائے گا یعنی معطوف علیہ قریب ہو جائے گا۔ تو لہٰذا جب دونوں کی ترجیح کے قرینے موجود ہیں اور کسی ایک کو بھی ان میں سے دوسرے پر ترجیح نہیں ہے، تو پھر دونوں پڑھنا برابر ہوں گے۔

اس کے بعد بتلایا تھا بعض جگہیں وہ ہیں جہاں پر نصب کا پڑھنا واجب ہے، اور وہ دو جگہیں ہیں: ایک تو حروفِ شرط کے بعد یعنی إِنْ اور لَوْ، کیونکہ أَمَّا کے بارے میں بات پہلے گزر چکی ہے، اور ایک حروفِ تحضیض کے بعد یعنی أَلَّا، هَلَّا، لَوْلَا اور لَوْمَا، یہ کسی کو ابھارنے کے لیے آتے ہیں کسی کام پر۔ تو یہ حروفِ شرط إِنْ اور لَوْ اور اسی طرح حروفِ تحضیض، یہ صرف اور صرف فعل پر داخل ہوتے ہیں، لہٰذا ان کے بعد اگر اسم آئے تو نصب پڑھنا واجب ہے، کیونکہ اگر آپ رفع پڑھیں گے پھر تو وہ مبتدا بن جائے گا، حالانکہ یہ حروف تو مبتدا پر داخل نہیں ہوتے، تو پھر جب آپ نصب پڑھیں گے تو وہاں معلوم ہوا فعل مقدر ہے، تو گویا یہ فعل پر ہی داخل ہو رہے ہیں۔ تو ان جگہوں میں نصب واجب ہے۔

اس کے بعد کچھ چیزیں آگے صاحبِ کافیہ نے وہ ذکر کرنا شروع کیں کہ جہاں پر رفع واجب ہے۔ تو یہ پانچویں جگہ آگئی،

پانچویں جگہ، لیکن اس کو کس انداز میں ذکر کیا؟ اس انداز میں ذکر کیا کہ یہ جو مثال ہے یہ بَابُ الْإِضْمَارِ عَلَى شَرِيْطَةِ التَّفْسِيْرِ سے نہیں ہے، جب اس باب سے نہیں ہے تو اس میں رفع واجب، تو یہ پانچویں جگہ آگئی جہاں رفع واجب ہے بھئی۔ جیسے اس کی مثال ذکر کی تھی: أَزَيْدٌ ذُهِبَ بِهٖ، یہاں بظاہر شبہ ہوتا ہے کہ یہاں تو ہمزۂ استفہام آیا، اور انہوں نے بتایا تھا حرفِ استفہام کے بعد نصب راجح ہے، نصب کو ترجیح ہے، تو شبہ پڑتا ہے شاید یہ أَزَيْدٌ ذُهِبَ بِهٖ یہ بھی اسی طرح ہے کہ یہاں بھی ہمزۂ استفہام آرہا ہے اور اس کے بعد ایک اسم۔ تو جواب دیا کہ نہیں، یہاں رفع پڑھنا واجب ہے۔ رفع پڑھنا، وجہ یہ کہ اس کے بعد جو فعل آرہا ہے اس کو یا اس کے کسی مناسب کو اس پر مسلط کیا جائے اور وہ اس کو نصب دے دے، ایسا نہیں ہے۔ وہ نصب دے ہی نہیں سکتے، چاہے ذُهِبَ بِهٖ کو مسلط کریں چاہے أُذْهِبَ کو مسلط کریں، دونوں رفع دیتے ہیں، نصب دیتے ہی نہیں۔ تو پھر اس پر اشکال ہوا تھا کہ آپ أُذْهِبَ ہی کو کیوں مسلط کرتے ہیں؟ آپ اس کے کسی اور مناسب کو مسلط کر دیں جو نصب دے سکے، جیسے أَذْهَبَ ہے، أَذْهَبَ فعلِ متعدی ہے یہ مفعول کو نصب دیتا ہے، اسی طرح یا يُلَابِسُ، يُلَابِسُ بھی فعلِ متعدی ہے یہ بھی مفعول کو نصب دیتا ہے، اس کو جوڑ دیں اور تقدیرِ عبارت یوں بنا لیں۔ تقدیرِ عبارت یوں بنا لیں۔ پہلے کیا تھا؟ أَزَيْدٌ ذُهِبَ بِهٖ، میں نے بتایا ہمزۂ استفہام کو چھوڑ دیں، یہ ضروری نہیں ہے یہاں پر، صرف دیکھو: زَيْدٌ ذُهِبَ بِهٖ، زید کہ اس کو لے جایا گیا، یعنی بامحاورہ ترجمہ یوں کر لیں: زید کو لے جایا گیا۔ زید کو لے جایا گیا۔ جب زید کو لے جایا گیا ہے، تو لے جایا جانا زید کی صفت ہو گئی۔ جیسے زید کی پٹائی کی جائے تو مضروب ہونا زید کی صفت ہو گئی، یا زید کسی کی پٹائی کرے تو ضارب ہونا زید کی صفت ہو گئی۔ تو یہاں پر بھی جب زید کو لے جایا گیا ہے تو لے جایا جانا زید کی صفت ہو گئی۔ تو لہٰذا اس لے جائے جانے کو فاعل بنا دو يُلَابِسُ کے لیے اور زَيْدًا کو مفعول بنا دو: زَيْدًا يُلَابِسُهُ الذَّهَابُ بِهٖ، أَيْ يُلَابِسُ زَيْدًا۔ اسی فعل کو مسلط کریں جو آگے آرہا ہے۔ تقدیرِ عبارت کیا نکالی؟ عبارت کیا ہو گئی؟ زَيْدًا يُلَابِسُهُ الذَّهَابُ بِهٖ، تو اسی يُلَابِسُ کو زید پر مسلط کریں تو یہ نصب دے سکتا ہے۔ تو گویا تقدیرِ عبارت کیا ہے؟ يُلَابِسُ زَيْدًا يُلَابِسُهُ الذَّهَابُ بِهٖ۔ تو یہاں جو يُلَابِسُ آیا اس کے لیے زید مفعول بہ ہے، يُلَابِسُهُ ہا ضمیر ہے، یہ زید کو راجع، تو یہ نصب دے رہا ہے، اور الذَّهَابُ بِهٖ یہ ہے فاعل۔ يُلَابِسُهُ الذَّهَابُ بِهٖ، یعنی ملابِس ہے، ملا ہوا ہے زید کے ساتھ، کیا ملا ہوا ہے؟ الذَّهَابُ بِهٖ، اس کو لے جایا جانا۔ یعنی لے جایا جانا زید کے ساتھ ملا ہوا ہے، یعنی یہ اس کی صفت ہے۔ اب دیکھو کلام صحیح ہو گیا۔ زَيْدٌ ذُهِبَ بِهٖ سے بھی کیا پتہ چل رہا تھا؟ کہ زید کو لے جایا گیا ہے یعنی لے جایا جانا زید کی صفت ہے، اور یہاں سے بھی یہی پتہ چل رہا ہے کہ لے جایا جانا زید کی صفت ہے، لے جایا جانا مل گیا ہے زید کے ساتھ یعنی یہ اس کی صفت ہے، اور زید پر نصب بھی آگیا۔

یا يُلَابِسُ کا فاعل أَحَدٌ کو بنا دو، اس لیے کیونکہ جب زید کو لے جایا گیا ہے، معلوم ہوا کوئی شخص ہے اس کو لے جانے والا، تو اس کو فاعل بنا دو يُلَابِسُ کے لیے: زَيْدًا يُلَابِسُهُ أَحَدٌ بِذَهَابِهٖ۔ زید کہ يُلَابِسُهُ أَحَدٌ زید کے ساتھ کوئی شخص ملابِس ہے، کوئی شخص متعلق ہے بِذَهَابِهٖ اس کو لے جانے کے ذریعے۔ ایک شخص متعلق ہے زید کے ساتھ کس کے ذریعے؟ لے جانے کے ذریعے، یعنی وہ اس کو لے کر گیا ہے، اس اعتبار سے وہ متعلق ہے زید کا۔ تو دیکھو یہاں پر بھی زَيْدًا يُلَابِسُهُ

أَحَدٌ، یہ یُلَابِسُهُ میں ہا ضمیر کس کو ہے؟ زید کو، اور یہ مفعول ہے، اور أَحَدٌ آگے کیا ہے؟ فاعل ہے، تو معلوم ہوا اس تقدیر پر بھی زید کو نصب دیا جا سکتا ہے۔ یا یُلَابِسُهُ أَحَدٌ کے بجائے أَذْهَبَهُ أَحَدٌ لے آئیں: زَيْدًا أَذْهَبَهُ أَحَدٌ بِذَهَابِهِ، زید کہ اس کو کوئی شخص لے گیا بِذَهَابِهِ اس کو لے جانے کے واسطے سے۔ تو اس صورت میں بھی دیکھو یہ أَذْهَبَ کیا کرے گا؟ زید کو نصب دے سکتا ہے۔

تو صاحبِ جامی نے اس کو رد کیا کہ نہیں بھئی، کہ وہ جو مناسب ہے جس کو آپ اس اسم پر مسلط کریں، وہ ایسا ہونا چاہیے، ایک تو فعلِ مذکور ہے نا زَيْدٌ ذُهِبَ بِهِ، یہ ذُهِبَ بِهِ کیا ہے؟ فعلِ مذکور، اور ایک آپ مناسب جو مسلط کریں گے، تو فعلِ مذکور اور وہ جو مناسب ہے، دونوں کا مسند الیہ ایک ہی ذات ہونی چاہیے۔ پیچھے جتنی مثالیں آئیں آپ ان میں غور کر لیں، دونوں کا مسند الیہ ایک ہی ہوتا ہے۔ تو یہاں پر ذُهِبَ بِهِ یہ ہا ضمیر کس کو راجع؟ زید کو، معلوم ہوا ذُهِبَ کا مسند الیہ کون؟ زید۔ اور جب تقدیرِ عبارت آپ نے یُلَابِسُ یا أَذْهَبَ نکالی، تو وہاں پر یُلَابِسُ کا فاعل الذَّهَابُ بِهِ کو بنایا یا أَحَدٌ کو بنایا اور زَيْدًا کو تو مفعول بہ بنایا بھئی۔ تو فعلِ مذکور اور فعلِ مقدر دونوں کا مسند الیہ اس صورت میں متحد نہیں رہتا، حالانکہ مسند الیہ کا اتحاد ضروری ہے، لہٰذا ان کو مسلط نہیں کر سکتے۔ تو لہٰذا اس قسم کی مثالوں میں رفع واجب ہے۔

اور اسی طرح اللہ تعالیٰ کا یہ قول بھی ہے: كُلُّ شَيْءٍ فَعَلُوْهُ فِي الزُّبُرِ۔ یعنی یہاں پر بھی كُلُّ شَيْءٍ مبتدا پڑھنا واجب ہے، رفع پڑھنا واجب ہے۔ تو ترکیب میں نے بتلائی تھی: كُلُّ شَيْءٍ یہ مضاف مضاف الیہ مل کر مبتدا ہے، اور اس میں جو شَيْءٍ نکرہ کے بعد فَعَلُوْا فعل آرہا ہے تو نکرہ کے بعد فعل آئے تو اس کے لیے کیا بنتا ہے؟ صفت۔ اور موصوف صفت کا ترجمہ کیسے کرتے ہیں؟ ایسا یا ایسی کا لفظ لے آتے ہیں موصوف سے پہلے۔ تو ہر ایسی چیز فَعَلُوْهُ جو ان لوگوں نے کی ہے، فِي الزُّبُرِ أَيْ ثَابِتٌ فِي الزُّبُرِ وہ صحیفوں میں ثابت ہے، وہ صحیفوں میں درج ہے، یہ خبر آگئی۔ تو فِي الزُّبُرِ کو کیا بنائیں گے؟ خبر۔ تو یہاں كُلُّ شَيْءٍ پڑھنا واجب ہے، اس صورت میں معنی صحیح ہوتا ہے اور فِي الزُّبُرِ خبر بنتی ہے۔ اور اگر آپ كُلَّ شَيْءٍ پڑھیں، منصوب پڑھیں، تو پھر تو مبتدا یہاں ہے ہی نہیں، خبر تو کس کے لیے آتی ہے؟ مبتدا کے لیے، اور فِي الزُّبُرِ کو ہم نے پہلے کیا بنایا تھا؟ خبر۔ اب جب مبتدا ہی نہیں ہے تو یہ تو خبر نہیں بنے گی، بلکہ یہ اس فَعَلُوْا فعل سے جڑے گی، یا كُلَّ شَيْءٍ یہ شَيْءٍ نکرہ ہے اور اس کے بعد آگے فِي الزُّبُرِ جار مجرور آرہا ہے، اور نکرہ کے بعد جار مجرور آئے تو اس کے لیے کیا بنتا ہے؟ صفت۔ تو اس صورت میں فِي الزُّبُرِ یا تو فَعَلُوْا فعل سے متعلق ہوگا، یا یہ شَيْءٍ کے لیے صفت ہوگا، اور دونوں تقدیروں پر معنی صحیح نہیں رہتا۔ اگر آپ فِي الزُّبُرِ کو جوڑیں فَعَلُوْا سے، تو تقدیرِ عبارت کیا ہوئی؟ فَعَلُوْا كُلَّ شَيْءٍ، تفسیر کو ختم کر دیں، مختصر کلام بنا لیں: فَعَلُوْا كُلَّ شَيْءٍ فِي الزُّبُرِ، اور یہ فِي الزُّبُرِ کو کس سے جوڑا؟ فَعَلُوْا سے جوڑا۔ انہوں نے کیا ہے كُلَّ شَيْءٍ ہر چیز کو، فِي الزُّبُرِ کہاں جا کر؟ صحیفوں میں جا کر انہوں نے اپنے سارے افعال سر انجام دیے ہیں۔ یعنی صحیفے ان کے افعال کو سر انجام دینے کے محل بن گئے، جیسے میں کہتا ہوں ضَرَبْتُ زَيْدًا فِي الدَّارِ، میں نے زید کی پٹائی کی اس گھر میں، معلوم ہوا اس گھر کے اندر یہ پٹائی کرنے والا فعل ہوا ہے، وہ دار اس کے لیے ظرف ہے، بات سمجھ میں آئی؟ تو یہاں بھی اسی طرح جب

فِي الزُّبُرِ کو آپ فَعَلُوْا سے جوڑیں گے، تو فَعَلُوْا کُلَّ شَيْءٍ فِي الزُّبُرِ، انہوں نے ہر چیز کی ہے فِي الزُّبُرِ کہاں جا کر؟ زبر میں، صحیفوں میں جا کر انہوں نے ہر فعل کیا ہے، حالانکہ صحیفے تو ان کے اعمال کی جگہ نہیں، اعمال تو انہوں نے دنیا میں کیے ہیں، صحیفوں میں تو صرف ان کے اعمال درج ہیں جو کس نے درج کیے ہیں؟ کراماً کاتبین نے درج کیے ہیں بھئی۔ تو لہٰذا اگر فِي الزُّبُرِ کو فَعَلُوْا سے جوڑیں تو معنی خراب ہوتا ہے۔

اور دوسری صورت یہ ہے کہ فِي الزُّبُرِ کو کُلَّ شَيْءٍ کی صفت بنا دو، اگرچہ یہ احتمال بعید ہے اس لیے کیونکہ آیت کے اندر کُلَّ شَيْءٍ اور فِي الزُّبُرِ کے درمیان فَعَلُوْا آ رہا ہے، حالانکہ موصوف صفت کے درمیان تو فصل جائز نہیں بھئی۔ تو یہ احتمال اگرچہ بعید ہے، لیکن اگر یہ احتمال بھی نکال لیں کہ فِي الزُّبُرِ صفت ہے کُلَّ شَيْءٍ کی، تو معنی کیا ہو گیا؟ فَعَلُوْا کُلَّ شَيْءٍ فِي الزُّبُرِ، انہوں نے کیا کُلَّ شَيْءٍ فِي الزُّبُرِ ہر ایسی چیز کو فِي الزُّبُرِ جو کس کے اندر تھی؟ صحیفوں میں۔ یعنی انہوں نے ہر ایسی چیز کو کیا جو صحیفوں میں تھی۔ اس سے تو یہ پتہ چلا کہ جو کچھ صحیفوں میں تھا وہ انہوں نے کیا ہے، یہ تو پتہ نہیں چلا کہ جو جو کچھ کیا تھا انہوں نے وہ سارا صحیفوں میں ہے یا نہیں، کیونکہ ہو سکتا ہے اس میں دونوں احتمال ہیں: ہو سکتا ہے صحیفوں میں سارا کچھ موجود ہو تو جو کچھ انہوں نے کیا گویا وہ سارا ہے، تو صحیفوں میں جو کچھ درج تھا انہوں نے وہ کیا؛ اور یہ بھی احتمال ہے ساری چیزیں نہ ہوں، لیکن بہرحال جو درج ہے وہ انہوں نے کیا ہے۔ تو اس صورت میں یہ لازم نہیں آتا کہ ان کا ہر عمل صحیفوں میں درج ہے، حالانکہ مقصود یہی بتلانا ہے کہ کُلُّ صَغِيْرٍ وَكَبِيْرٍ مُسْتَطَرٌ، ہر چھوٹا بڑا گناہ جو ہے مُسْتَطَرٌ لکھا ہوا ہے، یعنی اس قیامت کے دن وہ ہر چھوٹے بڑے گناہ کو نامۂ اعمال میں لکھا ہوا پائیں گے۔ تو لہٰذا اس قسم کے مقام پر اگر آپ نصب پڑھتے ہیں تو معنی صحیح نہیں رہتا، لہٰذا معلوم ہوا یہاں پر بھی كُلُّ شَيْءٍ رفع واجب ہے، معلوم ہوا یہ بَابُ الْإِضْمَارِ عَلَى شَرِيْطَةِ التَّفْسِيْرِ سے نہیں ہے۔ بات سمجھ میں آ گئی؟

اب آئیے آج کے سبق پر۔ کہتے ہیں: وَاعْلَمْ، تو جان لے أَنَّهُ قَدْ سَبَقَ، کہ تحقیق یہ بات ماقبل میں گزر چکی ہے کہ أَنَّ الِاسْمَ الْمَذْكُوْرَ، اور جان لے کہ یہ بات گزر چکی ہے کہ وہ اسمِ مذکور إِذَا كَانَ الْفِعْلُ الْمُشْتَغِلُ عَنْهُ، جب وہ فعل جو اس سے مشغول ہے یعنی اس سے اعراض کر رہا ہے بِضَمِيْرِهٖ أَوْ مُتَعَلِّقِهٖ، اس کی ضمیر یا متعلق میں عمل کرنے کی وجہ سے، وہ فعل اگر أَمْرًا أَوْ نَهْيًا، امر یا نہی ہو، فَالْمُخْتَارُ فِيْهِ النَّصْبُ، تو اس کے اندر مختار نصب ہے۔ وَالظَّاهِرُ، اور ظاہر یہ ہے کہ أَنَّ قَوْلَهُ تَعَالٰى، کہ اللہ تعالیٰ کا یہ جو قول ہے: ﴿ الزَّانِيَةُ وَالزَّانِيْ فَاجْلِدُوْا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ ﴾ دَاخِلٌ تَحْتَ هٰذِهِ الْقَاعِدَةِ، ظاہر یہ ہے کہ یہ بھی اسی ضابطے کے تحت داخل ہے، مَعَ أَنَّ الْقُرَّاءَ اتَّفَقُوْا فِيْهِ عَلَى الرَّفْعِ، باوجود اس کے کہ قرائے سبعہ نے اس میں اتفاق کیا ہے عَلَى الرَّفْعِ کس پر؟ رفع پر، سب نے اس میں رفع روایت کیا ہے، إِلَّا فِيْ رِوَايَةٍ شَاذَّةٍ عَنْ بَعْضِهِمْ، مگر ایک روایتِ شاذہ ہے بعض قراء سے بھئی، اور آپ جانتے ہیں شاذ کا کوئی اعتبار نہیں، تو باقی قراء نے رفع روایت کیا ہے۔ فَاضْطَرَّ النُّحَاةُ، تو نحوی علماء مجبور ہوئے إِلَى أَنْ تَمَحَّلُوْا، تَمَحُّل، تَمَحُّل کا معنی ہے تدبیر کرنا، حیلہ کرنا، اس کا مادہ م ح ل

ہے بھئی، تو مجبور ہوئے نحوی حضرات إِلَى أَنْ تَمَحَّلُوْا کہ وہ کوئی تدبیر کریں لِإِخْرَاجِهٖ عَنِ الْقَاعِدَةِ الْمَذْكُوْرَةِ، اس کو اس مذکورہ ضابطے سے نکالنے کے لیے، لِئَلَّا

يَلْزَمَ اتِّفَاقُ الْقُرَّاءِ عَلَى غَيْرِ الْمُخْتَارِ، تاکہ کہیں لازم نہ آئے کہ قراء کا اتفاق ہے غیرِ مختار پر۔ فَأَشَارَ الْمُصَنِّفُ رَحِمَهُ اللّٰهُ إِلَى مَا تَمَحَّلُوْا لِإِخْرَاجِهٖ عَنْهَا، تو اشارہ کیا مصنف نے اس چیز کی طرف وہ جو تدبیر کی ہے نحوی حضرات نے لِإِخْرَاجِهٖ اس کو نکالنے کے لیے عَنْهَا اس ضابطے سے، فَقَالَ پس فرمایا: وَنَحْوُ ﴿ الزَّانِيَةُ وَالزَّانِيْ فَاجْلِدُوْا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ ﴾، کہ یہ جو مثال ہے، یہاں پر یاد رکھو وَنَحْوُ کے بعد اَلزَّانِيَةُ پڑھنا، یہ ہمزہ گرے گا نہیں کیونکہ یہاں لفظ بول کر لفظ مراد ہیں، یہ والی جو مثال ہے، تو جب لفظ بول کر لفظ مراد ہو تو پھر اس میں کوئی تبدیلی نہیں کی جاتی، تو اس وقت یہ ہمزہ قطعی بن چکا ہے۔ تو کہتے ہیں: وَنَحْوُ ﴿ الزَّانِيَةُ وَالزَّانِيْ فَاجْلِدُوْا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ ﴾، تو اس جیسی جو آیت ہے، اَلْفَاءُ فِيْهِ مُرْتَبِطَةٌ بِمَعْنَى الشَّرْطِ، تو فا اس کے اندر مربوط ہے بمعنیِ شرط کے۔ اِرْتَبَطَ يَرْتَبِطُ کے معنی ہیں مربوط ہونا، متعلق ہونا، جڑنا۔ تو فا اس کے اندر، دیکھو فَاجْلِدُوْا فا آئی، یہ فا جو ہے مُرْتَبِطَةٌ بِمَعْنَى الشَّرْطِ، یہ مربوط ہے معنیِ شرط کے ساتھ۔ کس کے ساتھ؟ یعنی مُرْتَبِطَةٌ یہ فا جڑی ہوئی ہے اپنے مدخول کے ساتھ یعنی اِجْلِدُوْا کے ساتھ بِمَعْنَى الشَّرْطِ، شرط کے معنی میں، شرط کے معنی میں جڑی ہوئی ہے یعنی یہ مابعد جزا کے درجے میں ہے اور جزا کو شرط کے ساتھ ربط کس چیز کے ذریعے عموماً دیتے ہیں؟ فا کے ذریعے۔ تو یہ فا جو ہے یہ خبر جو جزا کے درجے میں ہے، اس کو شرط کے ساتھ جوڑ رہی ہے، یعنی وہ جو مبتدا ہے جو متضمن ہے معنیِ شرط کو۔ تو کہتے ہیں اَلْفَاءُ فِيْهِ مُرْتَبِطَةٌ، فا جو ہے اس کے اندر وہ متعلق ہے یعنی جڑی ہوئی ہے، کس کے ساتھ جڑی ہوئی ہے؟ اپنے مدخول کے ساتھ جڑی ہوئی ہے یعنی اِجْلِدُوْا کے ساتھ بِمَعْنَى الشَّرْطِ کس معنی میں؟ شرط کے معنی میں عِنْدَ الْمُبَرِّدِ کس کے نزدیک؟ امام مبرد کے نزدیک۔ بھئی میں پہلے بھی شاید ذکر کر چکا ہوں گا، یاد رکھو مشہور نام جو ہے مُبَرَّد ہے، امام مبرد کہتے ہیں، ہاں البتہ مجھے مُبَرِّد پسند ہے اس لیے میں مُبَرِّد کہتا ہوں۔ اور یہ روایات میں بھی آتا ہے کہ یہ امام مبرد جو تھے بڑے ذہین تھے اور بڑے حاضر جواب تھے، کسی سے بات ہوتی تو اسے لمحوں میں اس کو خاموش کروا دیتے تھے بھئی، ایسی بات کرتے کہ دوسرے کے پاس کوئی جواب ہی نہیں ہوتا تھا۔ تو کسی موقع پر خوش ہو کر ان کے استاد نے ان کو کہا کہ تم تو مُبَرِّد ہو بھئی، بَرَّدَ يُبَرِّدُ تَبْرِيْد کا معنی ٹھنڈا کرنا، تم تو مُبَرِّد ہو یعنی مخالفین کو ٹھنڈا کر دیتے ہو بھئی، ان کو شکست دے دیتے ہو فوراً ہی بھئی۔ تو بعد میں مخالفین نے اس مُبَرِّد کو کس سے بدل دیا؟ مُبَرَّد سے بدل دیا اور پھر یہ مُبَرَّد جو ہے یہ مشہور ہو گیا۔ تو بہرحال مجھے مُبَرِّد پسند ہے میں مُبَرِّد کہتا ہوں، آپ البتہ مُبَرَّد ہی کہیں کیونکہ یہی نام مشہور ہے بھئی۔ تو کہتے ہیں بِمَعْنَى الشَّرْطِ عِنْدَ الْمُبَرِّدِ، یہ کس کے نزدیک ہے؟ امام مبرد کے نزدیک۔

لِكَوْنِ الْأَلِفِ وَاللَّامِ، اب وہی تقریر کریں گے جو میں بیان کر چکا۔ کہتے ہیں: لِكَوْنِ الْأَلِفِ وَاللَّامِ فِي الزَّانِيَةِ وَالزَّانِيْ مُبْتَدَأً مَوْصُوْلًا فِيْهِ مَعْنَى الشَّرْطِ۔ دیکھو یہ مُبْتَدَأ یہ كَوْن کی خبر ہے، پیچھے جو كَوْن آیا نا لِكَوْنِ الْأَلِفِ، یہ اس کی خبر ہے اور کانہ کی خبر

منصوب ہوتی ہے۔ اور مُبْتَدَأٌ یہ ہے موصوف اور مَوْصُوْلًا یہ کیا ہے؟ یہ اس کی صفت۔ دیکھو الف لام جو ہے الزَّانِيَةُ وَالزَّانِيْ کے اندر جو الف لام آیا ہے یہ اسمِ موصول ہے اور یہ بتدا ہے، اور اس کے اندر شرط والا معنی ہے۔ تو مُبْتَدَأٌ یہ ہے موصوف، مَوْصُوْلًا ایسا بتدا جو اسمِ موصول ہے یہ ہے اس کی صفت، اور فِيْهِ مَعْنَى الشَّرْطِ یہ دوسری صفت آگئی بتدا کی، کیونکہ بتدا نکرہ ہے اور نکرہ کے بعد پورا جملہ آئے تو وہ اس کے لیے عموماً صفت بنتا ہے۔ تو فِيْهِ یہ ہے خبرِ مقدم اور مَعْنَى الشَّرْطِ یہ ہے بتدا مؤخر، فِيْهِ مَعْنَى الشَّرْطِ اس بتدا میں شرط والا معنی ہے، تو یہ بتدا خبر مل کر یہ پھر صفت ہوئی بتدا کے لیے۔ توجہ ہے؟ فِيْهِ کیا ہے؟ خبرِ مقدم اور مَعْنَى الشَّرْطِ بتدا مؤخر، بتدا خبر مل کر یہ جملہ اسمیہ ہو کر یہ صفت ہوئی کس کے لیے؟ بتدا کے لیے۔ تو بتدا کی دو صفتیں آگئیں: ایک مَوْصُوْلًا اور ایک فِيْهِ مَعْنَى الشَّرْطِ۔ اب ترجمہ سنیے۔ کہتے ہیں: لِكَوْنِ الْأَلِفِ وَاللَّامِ فِي الزَّانِيَةِ وَالزَّانِيْ، اس لیے کیونکہ الف اور لام جو ہے زَانِيَة اور زَانِي کے اندر مُبْتَدَأٌ مَوْصُوْلًا وہ ایسا بتدا ہے جو اسمِ موصول ہے، فِيْهِ مَعْنَى الشَّرْطِ اور اس میں شرط والا معنی ہے، وَاسْمِ الْفَاعِلِ، یہ اِسْمِ الْفَاعِلِ کا عطف کریں پیچھے جو لِكَوْنِ الْأَلِفِ وَاللَّامِ آیا تھا، تو الف اور لام پر عطف کریں، اور یہ الف لام ادھر دیکھیے، الف لام کس پر داخل ہے یہاں پر؟ اسمِ فاعل پر، اور یہ اسمِ فاعل یہ صلہ ہے اور یہ کس کے درجے میں ہے؟ شرط کے درجے میں ہے۔ تو کہتے ہیں: وَاسْمِ الْفَاعِلِ، اور اس وجہ سے کہ وہ اسمِ فاعل الَّذِيْ هُوَ صِلَتُهُ جو اس اسمِ موصول کا صلہ ہے یعنی الف لام کا، كَالشَّرْطِ وہ شرط کی طرح ہے، فَخَبَرُ الْمُبْتَدَأِ كَالْجَزَاءِ، تو جب یہ صلہ شرط کے درجے میں ہے تو فَخَبَرُ الْمُبْتَدَأِ كَالْجَزَاءِ تو اس بتدا کی جو خبر ہے كَالْجَزَاءِ وہ کس کی طرح ہے؟ جزا کی طرح ہے، وَالْفَاءُ الدَّاخِلَةُ عَلَيْهِ مُرْتَبِطَةٌ بِالشَّرْطِ، اور وہ فا جو اس خبر پر داخل ہوئی ہے، مُرْتَبِطَةٌ بِالشَّرْطِ وہ مربوط ہے کس کے ساتھ؟ شرط کے ساتھ، لِدَلَالَتِهَا عَلَى سَبَبِيَّتِهِ لِلْجَزَاءِ، اس لیے کیونکہ یہ فا دلالت کرتی ہے عَلَى سَبَبِيَّتِهِ اس بات پر کہ یہ شرط سبب ہے لِلْجَزَاءِ کس کے لیے؟ جزا کے لیے۔ یاد رکھو یہ جو شرط اور جزا کے درمیان فا لائی جاتی ہے، یہ فا جزائیہ یا اس کو فا سببیہ کہتے ہیں، یا فا جوابیہ بھی کہتے ہیں کہ جو شرط کے جواب پر یعنی اس کی جزا پر آتی ہے۔ یہ جو فا سببیہ ہے یہ بتلاتی ہے کہ ماقبل سبب ہے اور مابعد مسبب ہے۔ مثلاً میں آپ سے کہتا ہوں: إِنْ تَضْرِبْ فَأَضْرِبْ، إِنْ تَضْرِبْ اگر آپ پٹائی کریں گے، فَأَضْرِبْ تو میں بھی پٹائی کروں گا۔ تو دیکھو آپ کا پٹائی کرنا وہ ہے سبب، اور میرا پٹائی کرنا وہ اس کا مسبب ہے، اگر آپ پٹائی کریں گے تو میں پٹائی کروں گا اگر آپ نہیں کریں گے تو میں بھی نہیں کروں گا۔ تو آپ کا پٹائی کرنا وہ ہوا سبب اور میرا پٹائی کرنا وہ ہوا مسبب، تو درمیان میں یہ فا آئی جو کیا بتلا رہی ہے؟ کہ یہ شرط جو ہے وہ سبب ہے کس کے لیے؟ جزا کے لیے۔ تو یہاں پر بھی یہ فا یہی بتلا رہی ہے۔ کہتے ہیں: لِدَلَالَتِهَا عَلَى سَبَبِيَّتِهِ لِلْجَزَاءِ، اس وجہ سے کہ یہ فا دلالت کر رہی ہے اس بات پر کہ شرط جو ہے وہ سبب ہے لِلْجَزَاءِ جزا کے لیے۔

وَمِثْلُ هٰذِهِ الْفَاءِ لَا يَعْمَلُ مَا فِيْ حَيِّزِهَا فِيْمَا قَبْلَهَا۔ وَمِثْلُ هٰذِهِ الْفَاءِ، اور اس جیسی فا جو ہے لَا يَعْمَلُ عمل نہیں کرتا مَا فِيْ حَيِّزِهَا وہ چیز جو اس فا کے حیز میں ہو، حَيِّزِهَا ہا ضمیر راجع ہے فا کو، اور فا حرف ہے اور حروف عربی میں زیادہ تر

مؤنث استعمال ہوتے ہیں اس لیے مؤنث کی ضمیر راجع کی، اور حَیِّزیہ لفظ پہلے بھی گزر چکا ہے، حَیِّز کا معنی جگہ، مکان۔ وہ چیز جو فا کے حیز میں ہو یعنی فا کے تحت ہو، فا ان پر داخل ہو۔ تو جن لفظوں پر فا داخل ہو رہی ہے کیا کہیں گے؟ یہ فا کے حیز میں ہے، فا کی جگہ میں ہے یعنی ان پر فا داخل ہوئی ہے۔ یاد رکھو یہ جو فا کے جو حیز میں ہو یعنی فا کا جو مدخول ہو جن پر فا داخل ہوئی ہے، وہ فا سے ماقبل میں عمل نہیں کرتے۔ توجہ ہے؟ فا کے جو حیز میں ہو وہ فا سے ماقبل میں عمل نہیں کرتے۔ تو کہتے ہیں: وَمِثْلُ هٰذِهِ الْفَاءِ، اور اس جیسی فا جو ہے لَا يَعْمَلُ مَا فِيْ حَيِّزِهَا عمل نہیں کرتا وہ لفظ جو اس فا کے حیز میں ہو یعنی جو اس کے ماتحت ہو، وہ عمل نہیں کرتا فِيْمَا قَبْلَهَا اس فا کے ماقبل میں وہ عمل نہیں کرتا۔ تو یہاں پر دیکھو الزَّانِيَةُ وَالزَّانِيْ فَاجْلِدُوْا آیا، تو کیا آگئی؟ فا، اور اس فا کے حیز میں اِجْلِدُوْا ہے، اور اس فا کا جو مدخول ہے وہ اپنے سے ماقبل میں عمل نہیں کرتا۔ معلوم ہوا یہ اِجْلِدُوْا جو ہے الزَّانِيَةُ وَالزَّانِيْ میں عمل نہیں کر سکتا، معلوم ہوا اس کو اس پر مسلط نہیں کر سکتے۔ توجہ ہے؟ اس وقت تو اِجْلِدُوْا مشغول ہے کس کو نصب دے رہا ہے؟ كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا کو نصب دے رہا ہے، لیکن اگر اس مشغولیت سے اس کو فارغ بھی کر دیا جائے، تو بھی یہ والا فَاجْلِدُوْا جو ہے یہ الزَّانِيَةُ وَالزَّانِيْ میں عمل نہیں کر سکتا کیونکہ درمیان میں کیا آرہی ہے؟ فا، اور اس طرح کی جو فا ہے وہ اپنے مابعد کو ماقبل میں عمل کرنے نہیں دیتی، مانع بنتی ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ ذرا وہ وہاں آئیے بھئی، وہ تعریف نکالیے مَا أُضْمِرَ عَامِلُهُ عَلَى شَرِيْطَةِ التَّفْسِيْرِ کی تعریف نکالیے۔

جی تعریف نکال لی؟ تین چار پانچ صفحے قبل ہے بھئی۔ وہاں تعریف کیا تھی؟ دیکھیے متن متن، کہ مَا أُضْمِرَ عَامِلُهُ عَلَى شَرِيْطَةِ التَّفْسِيْرِ هُوَ كُلُّ اسْمٍ بَعْدَهُ فِعْلٌ أَوْ شِبْهُهُ وہ ہر ایسا فعل یا شبہِ فعل ہو، مُشْتَغِلٌ عَنْهُ کہ وہ اعراض کر رہا ہو اس اسم سے بِضَمِيْرِهِ أَوْ مُتَعَلِّقِهِ اس اسم کی ضمیر یا متعلق میں عمل کرنے کی وجہ سے، آگے متن تھا لَوْ سُلِّطَ اگر اس فعل کو یا شبہِ فعل کو مسلط کر دیا جائے عَلَيْهِ اس اسم پر۔ عبارت مل گئی؟ اس سُلِّطَ کے بعد ذرا دیکھیں صاحبِ جامی فرما رہے ہیں: بِمُجَرَّدِ رَفْعِ ذٰلِكَ الِاشْتِغَالِ، صرف اس اشتغال کو اٹھانے سے، صرف اس اشتغال کو کیا کر دیں؟ اٹھا دیں۔ جیسے مثال تھی زَيْدًا ضَرَبْتُهُ۔ زَيْدًا، یہ زَيْدًا کیا ہے؟ مَا أُضْمِرَ عَامِلُهُ عَلَى شَرِيْطَةِ التَّفْسِيْرِ ہے، اس کے بعد ایک فعل آرہا ہے اور وہ فعل اس کی ضمیر میں مشغول ہے۔ اگر اس آپ اشتغال کو اٹھا دیں یعنی ضَرَبْتُهُ کی ہا ضمیر ختم کر دیں، اس کے اشتغال کو ختم کر دیں، تو یہی ضَرَبْتُ اس کو نصب دے سکتا ہے، یہی۔ تو یہ معنی ہے لَوْ سُلِّطَ کہ اگر اس پر مسلط کر دیا جائے۔ مسلط کرنے کا کیا معنی؟ صاحبِ جامی نے بتایا بِمُجَرَّدِ رَفْعِ ذٰلِكَ الِاشْتِغَالِ، کہ صرف اس اشتغال کو ختم کر دیا جائے تو وہ نصب دے سکے۔ اور یہاں پر اب آئیے فَاجْلِدُوْا یہ فَاجْلِدُوْا کس کو نصب دے رہا ہے؟ كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا کو۔ اگر اس اشتغال کو ہٹا بھی دیں اور پھر اس فَاجْلِدُوْا کو مسلط کرنے کی کوشش کریں کس پر؟ الزَّانِيَةُ وَالزَّانِيْ پر، تو مسلط نہیں کر سکتے، وہ نصب نہیں دے سکتا کیونکہ درمیان میں فا موجود ہے جو مانع ہے۔ تو کہتے ہیں: فَامْتَنَعَ تَسْلِيْطُ الْفِعْلِ الْمَذْكُوْرِ بَعْدَهَا، لہٰذا ممتنع ہو گیا کہ مسلط کر دیا جائے وہ فعل جو مذکور ہے بَعْدَهَا اس فا کے بعد، وہ فعل جو اس فا کے بعد مذکور ہے اس کو مسلط کرنا ممتنع ہو گیا عَلَى

مَا قَبْلَهَا اس فا کے ماقبل پر یعنی اس پر اس کو مسلط نہیں کر سکتے، فَتَعَيَّنَ فِيْهِ الرَّفْعُ تو اس کے اندر رفع متعین ہو گیا۔ اس کے اندر رفع متعین ہو گیا، لہٰذا یہاں الزَّانِيَةُ وَالزَّانِيْ رفع کے ساتھ ہی پڑھیں گے۔

یہاں ایک قیمتی بات یاد رکھنا، یہ جو فا ہے نا فا، فا کا مابعد ماقبل میں عمل نہیں کرتا۔ ہاں، دو صورتوں میں عمل کرے گا، فا کا مابعد بھی فا کے ماقبل میں عمل کرے گا دو صورتوں میں: یا تو وہ فا زائدہ ہو، یا وہ اپنے محل پہ نہ ہو وہ فا، جہاں ہونا چاہیے وہاں نہ ہو۔ تو بعض اوقات فا کو زائد لاتے ہیں کلام میں۔ آپ نے پڑھا ہے کہ بعض اوقات کسی حرف کو کلام میں زائد لایا جاتا ہے، یعنی وہاں وہ اپنے معنی کا فائدہ نہیں دیتا، یہ معنی نہیں کہ وہ بالکل بے کار ہوتا ہے، یعنی وہ اپنے معنی کا فائدہ نہیں دیتا، وہ کلام میں حسن پیدا کرتا ہے اور نیز کلام میں تاکید یعنی زور پیدا کرتا ہے۔ جیسے اس کی مثال محشی حضرات ذکر کرتے ہیں کہ جیسے وہ سورت ہے إِذَا جَاءَ نَصْرُ اللهِ وَالْفَتْحُ، إِذَا جَاءَ نَصْرُ اللهِ وَالْفَتْحُ، اسی میں آتا ہے فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ، یہ فَسَبِّحْ پر کہتے ہیں جو فا ہے یہ زائدہ

ہے، یہ فا۔ یوں کہو یہ فا صلہ ہے، یہ فا۔ کیا معنی صلہ؟ میں نے بتایا تھا کہ قرآن میں جب زائد کوئی حرف ہو تو اس کے لیے کیا لفظ بولتے ہیں؟ صلہ کا لفظ بولتے ہیں بطور ادب کے، کیونکہ زائد کہا جائے تو شبہ پڑتا ہے شاید یہ بالکل ہی زائد اور بے کار ہے، حالانکہ یہ بالکل بے کار نہیں بلکہ یہ کلام میں حسن بھی پیدا کر رہی ہے اور کلام میں تاکید بھی پیدا کر رہی ہے۔ تو یہ فا زائدہ ہے، تو جب فا زائدہ ہو تو اس وقت بھی مابعد ماقبل میں عمل کرتا ہے کیونکہ وہ فا زائدہ ہے بھئی۔

اسی طرح اگر فا اپنے محل پر نہ آئے تو بھی مابعد ماقبل میں عمل کرتا ہے، جیسے قرآن میں اللہ فرماتے ہیں: ﴿ وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ ﴾ ۔ وَرَبَّكَ یہ رَبَّ منصوب ہے مفعول بہ ہے، وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ یہ كَبِّرْ فعل کے لیے مفعول بہ ہے۔ توجہ ہے؟ كَبِّرْ فعلِ امر آ رہا ہے اور رَبَّكَ اس کے لیے مفعول بہ مقدم ہے، اور فَكَبِّرْ پر کیا داخل کی گئی؟ فا۔ تو وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ، تو مفعول بہ اور فعل کے درمیان فا لائی گئی حالانکہ مفعول بہ اور فعل میں تو فا نہیں لائی جاتی۔ تو یہ فا یہ دیکھو یہ اپنے محل پر نہیں ہے، اور یہ کسی خاص نکتے کی طرف اشارہ کرنے کے لیے، کسی خاص مقصد کے لیے پھر لائی جاتی ہے، محل نہیں ہوتا لیکن اس کو لایا جاتا ہے تو بلاغت کا نکتہ یہ ہے کہ وہاں کوئی غرض مقصود ہوتی ہے۔ تو وہ فا کسی غرض کے لیے اپنے محل کے علاوہ دوسری جگہ لائی جاتی ہے، تو یہاں پر جیسے یہ وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ یہ فا لائی گئی مفعول بہ اور فعل کے درمیان حالانکہ مفعول بہ اور فعل کے درمیان تو فا نہیں لائی جاتی۔ اسی طرح وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ، یہاں پر بھی فا لائی گئی ثِيَابَكَ مفعول بہ مقدم ہے طَهِّرْ فعل کے لیے، اور درمیان میں فا لائی گئی تو یہ فا اپنے محل پر نہیں ہے۔ اسی طرح فَأَمَّا الْيَتِيْمَ فَلَا تَقْهَرْ، یہاں پر بھی فَأَمَّا الْيَتِيْمَ یہ منصوب ہے مفعول بہ مقدم ہے فَلَا تَقْهَرْ لَا تَقْهَرْ فعل کے لیے بھئی، اور درمیان میں فا لائی گئی۔ تو یہ کسی غرض کے لیے ایسا کیا جاتا ہے، جیسے یہاں پر یہ غرض کیا ہے؟ فَأَمَّا الْيَتِيْمَ فَلَا تَقْهَرْ، تو جو یتیم ہے اس کو نہ جھڑکو، یتیم جو ہے اس کو نہ جھڑکو، یعنی مناسب یہ ہے کہ یتیم کو نہ جھڑکنا لازم ہونا چاہیے۔ عدمِ قہر کیا ہے؟ یتیم پر لازم ہونا چاہیے، اس کے ساتھ لازم ہونا چاہیے،

تو یہاں لزوم بتلانے کے لیے۔ اسی طرح رب کی تعظیم لازم ہونی چاہیے، کپڑوں کا صاف ہونا لازم ہونا چاہیے بھئی۔ تو یہ جو فا ہے دو فا، اگر فا زائدہ ہو یا فا اپنے محل پہ نہ ہو، تو اس کا مابعد ماقبل میں عمل کرتا ہے، جیسے وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ یہ دیکھو کَبِّرْ نے فا سے ماقبل میں عمل کیا اور نصب دیا، فَأَمَّا الْيَتِيْمَ فَلَا تَقْهَرْ لَا تَقْهَرْ نے فا سے ماقبل الْيَتِيْمَ کو نصب دیا، اس میں عمل کیا۔ تو فا کا مابعد دو صورتوں میں ماقبل میں عمل کرتا ہے: جب وہ فا زائدہ ہو یا وہ اپنے محل پر نہ ہو۔ تو اسی لیے صاحبِ جامی نے کیا فرمایا: وَمِثْلُ هٰذِهِ الْفَاءِ، عبارت پہ نظر ہے؟ یہ جو آخر میں پڑھا: وَمِثْلُ هٰذِهِ الْفَاءِ۔ یہ نہیں کہا کہ فا کا، ادھر دیکھیے، فا کا مابعد ماقبل میں عمل نہیں کرتا یہ نہیں کہا، کیونکہ مابعد کبھی کبھی عمل کرتا ہے میں نے مثالیں ذکر کر دیں۔ ہاں اس قسم کی فا جو ہے، کون سی فا؟ جو اپنے محل پر آ رہی ہے، یہاں پر بھی فا کیا ہے؟ اپنے محل پر ہے کیونکہ ابتدا شرط کے معنی کو متضمن ہے اور آگے خبر جزا کے معنی میں ہے اور شرط اور جزا کے درمیان کیا لاتے ہیں؟ فا، تو یہ فا اپنے محل پر ہے۔ تو اس قسم کی جو فا ہوتی ہے جو اپنے محل پر ہو، اس کا مابعد ماقبل میں عمل نہیں کرتا۔ اسی لیے کہا: وَمِثْلُ هٰذِهِ الْفَاءِ، اس طرح کی جو فا ہے لَا يَعْمَلُ مَا فِيْ حَيِّزِهَا فِيْمَا قَبْلَهَا، وہ چیز جو اس کے حیز میں ہو وہ اس کے ماقبل میں عمل نہیں کرتی۔ بات سمجھ میں آ گئی؟

یہ تو تھی پہلی تقریر جو امام مبرد نے کی اس آیت کو اس ضابطے سے نکالنے کے لیے۔ جبکہ امام سیبویہ دوسری تقریر کرتے ہیں۔ امام سیبویہ کیا تقریر کرتے ہیں؟ دیکھیے بھئی! کہتے ہیں: وَالْآيَةُ جُمْلَتَانِ مُسْتَقِلَّتَانِ عِنْدَ سِيْبَوَيْهِ، اور یہ آیت دو مستقل جملے ہیں امام سیبویہ کے نزدیک، الزَّانِيَةُ وَالزَّانِيْ الگ جملہ اور فَاجْلِدُوْا الگ جملہ۔ یہ الگ جملہ کس طرح ہے؟ دیکھیے اس سے اگلی سطر میں آ رہا ہے کہ یہ جملہ، پہلا جملہ یوں ہے: أَيْ حُكْمُ الزَّانِيَةِ وَالزَّانِيْ فِيْمَا يُتْلَى عَلَيْكُمْ بَعْدُ۔ عبارت مل گئی؟ دیکھو امام سیبویہ فرماتے ہیں کہ الزَّانِيَةُ وَالزَّانِيْ سے قبل ایک مضاف محذوف ہے: أَيْ حُكْمُ الزَّانِيَةِ وَالزَّانِيْ۔ یہ مضاف محذوف ہے اور یہ سارا ہے ابتدا، اور آگے خبر اس کی محذوف ہے: فِيْمَا يُتْلَى عَلَيْكُمْ بَعْدُ، فِيْمَا اس آیت کے اندر ہے، مَا سے مراد آیت ہے، کہ زانیہ اور زانی کا حکم فِيْمَا اس آیت کے اندر ہے يُتْلَى عَلَيْكُمْ بَعْدُ جو اس کے بعد تم پر تلاوت کی جائے گی۔ ادھر دیکھیے: الزَّانِيَةُ وَالزَّانِيْ فَاجْلِدُوْا، ذرا فَاجْلِدُوْا کو الگ کر دیں۔ الزَّانِيَةُ وَالزَّانِيْ یہ الگ جملہ ہے، اس میں یہ بتلایا جا رہا ہے کہ حُكْمُ الزَّانِيَةِ وَالزَّانِيْ فِيْمَا يُتْلَى عَلَيْكُمْ بَعْدُ، کہ زانی اور زانیہ کا حکم اس آیت میں ہے جو تم پر اس کے بعد تلاوت کی جائے گی، اور پھر ساتھ ہی حکم شروع ہو گیا: فَاجْلِدُوْا۔ تو یہ الگ جملہ اور فَاجْلِدُوْا الگ جملہ۔ تو دیکھو الزَّانِيَةُ وَالزَّانِيْ یہ الگ جملہ، اس میں ایک وعدہ کیا جا رہا ہے، کیا وعدہ؟ کہ زانی اور زانیہ کا حکم اگلی آیت میں آئے گا، اور پھر آگے فوراً ہی فَاجْلِدُوْا میں اس وعدے کی تکمیل کر دی گئی۔ تو امام سیبویہ کے نزدیک یہ دونوں کیا ہیں؟ مستقل جملے ہیں بھئی۔

تو کہتے ہیں: وَالْآيَةُ جُمْلَتَانِ، اور یہ آیت جو ہے دو جملے ہیں، مُسْتَقِلَّتَانِ دو مستقل جملے ہیں بھئی۔ یہ مُسْتَقِلَّتَانِ صاحبِ جامی نے نکالا، وجہ یہ کہ جب آپ مَا أُضْمِرَ عَامِلُهُ عَلَى شَرِيْطَةِ التَّفْسِيْرِ بناتے تھے تب بھی تو دو ہی جملے بنتے تھے، ایک

مفسَّر دوسرا مفسِّر، زَيْدًا ضَرَبْتُهُ أَيْ ضَرَبْتُ زَيْدًا ضَرَبْتُهُ، تو دو جملے بن گئے یا نہیں؟ تو دو جملے تو اس صورت میں بھی بنتے ہیں جب نصب پڑھا جائے۔ تو صاحبِ جامی بتا رہے ہیں کہ یہ آیت وَالْآيَةُ جُمْلَتَانِ مُسْتَقِلَّتَانِ دو مستقل جملے ہیں۔ وہاں تو ایک جملے کو ذکر کیا جاتا تھا دوسرے جملے کو حذف کرتے ہوئے، مفسَّر اور مفسِّر میں پہلے جملے کو حذف کیا جاتا تھا اور دوسرے جملے کو ذکر کیا جاتا تھا اس کے حذف کی وجہ سے، لیکن یہاں پر دونوں مستقل جملے ہیں، ایک کے حذف یا وغیرہ کا دوسرے سے یہاں تعلق نہیں ہے بھئی۔ تو کہتے ہیں: وَالْآيَةُ جُمْلَتَانِ مُسْتَقِلَّتَانِ، اور یہ آیت جو ہے دو مستقل جملے ہیں عِنْدَ سِيْبَوَيْهِ کس کے نزدیک؟ امام سیبویہ کے نزدیک۔ یہاں ترکیب کا ایک اور نکتہ یاد رکھنا۔ متن یہ تھا: وَجُمْلَتَانِ عِنْدَ سِيْبَوَيْهِ، عبارت پہ نظر رکھو: وَجُمْلَتَانِ عِنْدَ سِيْبَوَيْهِ۔ اور جُمْلَتَانِ سے پہلے الْآيَةُ کا لفظ صاحبِ جامی نے نکال کر بتلا دیا کہ یہاں مبتدا محذوف ہے اور جُمْلَتَانِ اس کی خبر ہے: وَالْآيَةُ جُمْلَتَانِ، اور یہ جو آیت ہے جُمْلَتَانِ یہ دو جملے ہیں۔ دیکھو بات پوری ہو گئی، مبتدا خبر بن گئے، الْآيَةُ ہے مبتدا اور جُمْلَتَانِ ہے خبر۔ اور آگے آرہا ہے عِنْدَ سِيْبَوَيْهِ، کس کے نزدیک؟ امام سیبویہ کے نزدیک۔ بھئی عِنْدَ تو ظرف ہے اور ظرف منصوب ہوتا ہے، تو اس کے اندر عامل کیا ہے؟ گہری بات ہے، یاد رکھنا جگہ جگہ آپ کو کام آئے گا کہ اس کے اندر عامل کیا ہے؟ عامل چاہیے یا نہیں؟ دیکھو یہاں تو عامل کوئی ہے ہی نہیں، ان آٹھ چیزوں میں سے کوئی بھی نہیں ہے، نہ یہاں فعل ہے، نہ مصدر ہے، نہ اسمِ فاعل، نہ اسمِ مفعول، نہ صفتِ مشبہ، نہ اسمِ تفضیل، نہ مبالغہ کے صیغے وغیرہ، کوئی چیز یہاں نہیں ہے۔ بات سمجھ میں آرہی ہے؟ الْآيَةُ جُمْلَتَانِ، آیت ہے مبتدا جُمْلَتَانِ ہے خبر، یہاں کوئی فعل یا شبہِ فعل نہیں ہے، تو یہ عِنْدَ سِيْبَوَيْهِ یہ ظرف ہے کس چیز کے لیے؟ ظرف تو منصوب ہوتا ہے اس کے لیے تو عامل چاہیے۔ تو یاد رکھنا یہ ظرف ہے نسبت سے، یہ ظرف ہے نسبت سے۔ بھئی مبتدا اور خبر دونوں میں ربط اور جوڑ ہوتا ہے یا نہیں؟ دونوں کے درمیان نسبت ہوتی ہے، دونوں کے درمیان ربط اور جوڑ ہوتا ہے، خبر کا حمل ہو رہا ہے کس پر؟ مبتدا پر، تو دونوں کے درمیان جوڑ ہے، نسبت ہے، تو وہ جو نسبت ہے، وہ جو جوڑ ہے دونوں کے درمیان، یہ اس نسبت سے ظرف واقع ہو رہا ہے، وہ نسبت اس کو نصب دے رہی ہے۔ اسی کی دوسری مثال: قرآن میں اللہ فرماتے ہیں ﴿ إِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللهِ الْإِسْلَامُ ﴾ ۔ یقیناً دین جو ہے اللہ کے نزدیک وہ اسلام ہے۔ تو إِنَّ حرف از حروفِ مشبہ بالفعل، الدِّيْنَ یہ اس کا اسم ہے، اور الْإِسْلَامُ اس کی خبر ہے، اور عِنْدَ اللهِ یہ درمیان میں مضاف مضاف الیہ مل کر یہ ظرف ہے۔ تو سوال پیدا ہوتا ہے یہ ظرف کس چیز سے ہے؟ کیا چیز اس کے اندر عامل ہے؟ کس نے اس کو نصب دیا؟ تو جواب یہ کہ یہ جو إِنَّ کی خبر کی نسبت ہو رہی ہے یعنی الْإِسْلَامُ کی الدِّيْنَ کی طرف، یہ اس نسبت سے ظرف ہے، وہ نسبت اس کے اندر عامل ہے وہ اس کو نصب دے رہی ہے۔

تو کہتے ہیں: وَالْآيَةُ جُمْلَتَانِ مُسْتَقِلَّتَانِ عِنْدَ سِيْبَوَيْهِ، اور یہ آیت جو ہے دو مستقل جملے ہیں امام سیبویہ کے نزدیک۔ إِذِ الزَّانِيَةُ مُبْتَدَأٌ مَحْذُوْفُ الْمُضَافِ، اس لیے کیونکہ زانیہ جو ہے وہ ایسا مبتدا ہے مَحْذُوْفُ الْمُضَافِ جس کا مضاف محذوف ہے۔ بھئی دیکھیے مُبْتَدَأٌ ہے موصوف اور مَحْذُوْفُ الْمُضَافِ ہے اس کی صفت۔ ترجمے پہ غور کرو: إِذِ الزَّانِيَةُ اس لیے کیونکہ

الزَّانِيَةُ جو ہے مُبْتَدَأٌ مَحْذُوْفُ الْمُضَافِ ایسا بتدا ہے کہ اس کا مضاف محذوف ہے بھئی۔ تو بتدا موصوف اور مَحْذُوْفُ الْمُضَافِ یہ تو مضاف مضاف الیہ مل کر معرفہ بن گئے، تو بتدا ہے نکرہ یعنی موصوف، یہ بتدا ہے موصوف اور مَحْذُوْفُ الْمُضَافِ ہے اس کی صفت، تو موصوف ہوا نکرہ اور مَحْذُوْفُ الْمُضَافِ یہ صفت کیا ہوئی؟ معرفہ، حالانکہ موصوف صفت تو ایک جیسے ہوتے ہیں، اگر موصوف نکرہ ہو تو صفت بھی نکرہ، موصوف معرفہ ہو تو صفت بھی معرفہ۔ تو جواب یاد رکھنا کہ یہ جو مَحْذُوْفُ کی اضافت ہو رہی ہے مضاف کی طرف، یہ اضافتِ لفظی ہے۔ مَحْذُوْفُ ہے بھئی، مَحْذُوْفُ کیا چیز ہے؟ وہ مضاف ہی تو محذوف ہے، وہ مضاف ہی تو محذوف ہے، تو یہی مضاف نائب الفاعل تھا مَحْذُوْفُ کا، مَحْذُوْفُ حذف کیا گیا ہے، کس کو حذف کیا گیا ہے؟ الْمُضَافُ، یہ نائب فاعل تھا، پھر اسی نائب الفاعل کی طرف مَحْذُوْفُ اسمِ مفعول کی اضافت کر دی گئی، تو یہ اضافتِ لفظی ہے۔ اضافتِ لفظی کسے کہتے ہیں؟ کہ صیغہ صفت کا ہو اور مضاف ہو اپنے معمول کی طرف، اور صفت کے صیغہ کون سا مراد ہے؟ اسمِ فاعل، اسمِ مفعول اور صفتِ مشبہ، صرف یہ تین مراد ہیں، باقی صفت کے صیغے مراد نہیں۔ تو یہ مَحْذُوْفُ بھی اسمِ مفعول ہے اور مضاف ہو رہا ہے اپنے نائب الفاعل یعنی مضاف کی طرف، تو یہ نکرہ ہی ہے لہٰذا یہ بتدا کی صفت بن سکتا ہے۔ تو کہتے ہیں: إِذِ الزَّانِيَةُ مُبْتَدَأٌ مَحْذُوْفُ الْمُضَافِ، اس لیے کیونکہ زانیہ ایسا بتدا ہے کہ جس کا مضاف محذوف ہے، وَالزَّانِي عَطْفٌ عَلَيْهِ، اور زانی جو ہے وہ اسی پر معطوف ہے، وَالْخَبَرُ مَحْذُوْفٌ، اور اس کی خبر جو ہے وہ محذوف ہے: أَيْ حُكْمُ الزَّانِيَةِ وَالزَّانِي فِيْمَا يُتْلَىٰ عَلَيْكُمْ بَعْدُ، کہ زانیہ اور زانی کا حکم اس آیت کے اندر ہے جو تم پر تلاوت کی جائے گی بَعْدُ أَيْ بَعْدَ هٰذِهِ الْآيَةِ اس آیت کے بعد بھئی۔ تو بَعْدُ اصل میں کیا ہے؟ بَعْدَ هٰذِهِ الْآيَةِ، اس آیت کے بعد، تو بَعْدَ مضاف اور هٰذِهِ الْآيَةِ مضاف الیہ، اور مضاف الیہ کو حذف کر لیا گیا لیکن وہ نیت میں ہے، تو اس صورت میں قَبْلُ اور بَعْدُ کیا ہو جاتے ہیں؟ مبنی علی الضم۔ لہٰذا ترجمہ کیجیے: أَيْ حُكْمُ الزَّانِيَةِ وَالزَّانِي، زانیہ اور زانی کا حکم جو ہے فِيْمَا اس آیت کے اندر ہے يُتْلَىٰ عَلَيْكُمْ بَعْدُ، جو تم پر تلاوت کی جائے گی، وہ جو مضاف محذوف ہے اس کو بھی ذکر کریں کیونکہ وہ نیت میں ہے، وہ آیت تم پر تلاوت کی جائے گی بَعْدُ أَيْ بَعْدَ هٰذِهِ اس آیت کے بعد۔ بات سمجھ میں آ گئی؟ کیونکہ وہ نیت میں ہے تو ترجمے میں اس کو لے کر آئیں گے۔ وَقَوْلُهُ، اور اللہ تعالیٰ کا قول جو ہے فَاجْلِدُوْا جُمْلَةٌ ثَانِيَةٌ، یہ فَاجْلِدُوْا جو ہے یہ دوسرا جملہ ہے لِبَيَانِ الْحُكْمِ الْمَوْعُوْدِ، اس حکمِ موعود کو بیان کرنے کے لیے، وہ حکم جس کا وعدہ کیا گیا تھا اس کو بیان کرنے کے لیے۔

وَالْفَاءُ عِنْدَهُ أَيْضًا لِلسَّبَبِيَّةِ، اور یہ فا امام سیبویہ کے نزدیک بھی سببیت کے لیے ہے۔ یہ فا جو آئی یہ بھی سببیت کے لیے ہے یعنی شرط محذوف ہے اور یہ فا جزائیہ ہے، یہ فا جزائیہ بھی کیا ہے؟ فا میں نے بتایا یہ فا جزائیہ کیا ہے؟ فا سببیہ ہی ہے جو بتلاتی ہے کہ یہ جو شرط ہے یہ سبب ہے اور جزا جو ہے مسبب ہے۔ تو کہتے ہیں: وَالْفَاءُ عِنْدَهُ أَيْضًا لِلسَّبَبِيَّةِ، اور فا امام سیبویہ کے نزدیک بھی سببیت کے لیے ہے: أَيْ إِنْ ثَبَتَ زِنَاهُمَا فَاجْلِدُوْا، دیکھا شرط محذوف ہے: إِنْ ثَبَتَ زِنَاهُمَا اگر ان دونوں

کا زنا ثابت ہو جائے فَاجْلِدُوْا تو ان کو کوڑے لگاؤ، تو دیکھو یہ شرط محذوف ہے یہاں۔ وَقِيْلَ زَائِدَةٌ، اور کہا گیا ہے کہ یہ فا زائد ہے، بعض علماء نے یہ کہا کہ یہ فا زائد ہے جو صرف تحسینِ کلام کے لیے لائی جاتی ہے اور تاکید پیدا کرنے کے لیے، أَوْ لِلتَّفْسِيْرِ، یا یہ فا تفسیر کے لیے ہے یعنی ماقبل میں جس بات

کا وعدہ کیا گیا تھا اس کی آگے تفصیل آگئی۔ وَجُزْءُ الْجُمْلَةِ لَا يَعْمَلُ فِيْ جُزْءِ جُمْلَةٍ أُخْرَىٰ، وَجُزْءُ الْجُمْلَةِ اور ایک جملے کا جز جو ہے لَا يَعْمَلُ فِيْ جُزْءِ جُمْلَةٍ أُخْرَىٰ، وہ دوسرے جملے کے جز میں عمل نہیں کرتا۔ بات یہ چل رہی تھی نا کہ بظاہر لگتا ہے یہاں الزَّانِيَةُ وَالزَّانِيْ میں نصب مختار ہونا چاہیے، لیکن امام سیبویہ نے بتا دیا نہیں یہ دو جملے ہیں، دو مستقل الگ الگ جملے ہیں، اور جب دو الگ الگ جملے ہیں تو ایک جملے کا جز دوسرے جملے کے جز میں عمل نہیں کرتا۔ تو یہ جو فَاجْلِدُوْا ہے یہ تو دوسرے جملے میں ہے، تو یہ پہلے جملے کے جز کے اندر عمل نہیں کر سکتا۔ یہ معنی ہے وَجُزْءُ الْجُمْلَةِ لَا يَعْمَلُ فِيْ جُزْءِ جُمْلَةٍ أُخْرَىٰ، اور ایک جملے کا جز جو ہے وہ دوسرے جملے کے جز میں عمل نہیں کرتا، فَيَمْتَنِعُ التَّسْلِيْطُ تو اس فعل کو یعنی فَاجْلِدُوْا کو مسلط کرنا کس پر؟ الزَّانِيَةُ وَالزَّانِيْ پر، وہ ممتنع ہو گیا۔ فَيَمْتَنِعُ التَّسْلِيْطُ تو اس فعل کو مسلط کرنا ممتنع ہو گیا، فَلَا تَدْخُلُ فِي الضَّابِطَةِ تو لہٰذا یہ اس ضابطے میں داخل نہیں، یعنی یہ بَابُ الْإِضْمَارِ عَلَى شَرِيْطَةِ التَّفْسِيْرِ کے ضابطے میں داخل نہیں، فَتَعَيَّنَ الرَّفْعُ تو اس کے اندر رفع متعین ہوا۔ بات سمجھ میں آگئی؟

آگے صرف متن متن ذرا دیکھیے: وَإِلَّا، یہ وَإِلَّا، إِلَّا سے پہلے وَاؤ آجائے تو یہ حرفِ استثناء نہیں ہوتا بلکہ إِنْ اور لَا سے مرکب ہوتا ہے، نونِ ساکن کو بھی لام کر کے لام میں ادغام کیا گیا تو إِلَّا ہوا۔ وَإِلَّا اور اگر ایسا نہ ہو، اگر ایسا نہ ہو، یعنی یہ فا بمعنیِ شرط کے نہ ہو جیسا امام مبرد نے فرمایا، یا یہ دو جملے نہ ہوں جیسا کہ امام سیبویہ نے فرمایا، فَالْمُخْتَارُ النَّصْبُ تو پھر نصب ہی مختار ہوگا۔ اگر ایسا نہ ہو تو پھر نصب ہی مختار ہوگا۔ لیکن نصب کا مختار ہونا تو یہاں باطل ہے کیونکہ تمام قراء کا اس کے اندر رفع پر اتفاق ہے، سب نے اس میں رفع روایت کیا ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ اب دیکھیے شرح کے ساتھ: وَإِلَّا أَيْ وَإِنْ لَّمْ تَكُنِ الْفَاءُ بِمَعْنَى الشَّرْطِ، اور اگر ایسا نہ ہو یعنی وَإِنْ لَّمْ تَكُنِ الْفَاءُ بِمَعْنَى الشَّرْطِ یعنی وہ فا جو ہے شرط کے معنی میں نہ ہو، وَلَمْ تَكُنِ الْآيَةُ جُمْلَتَيْنِ أَيْضًا، اور یہ آیت دو جملے بھی نہ ہوں، فَهِيَ تَكُوْنُ دَاخِلَةً تَحْتَ الضَّابِطَةِ، تو اس صورت میں یہ آیت داخل ہو جائے گی اس ضابطے کے، فَالْمُخْتَارُ حِيْنَئِذٍ فِيْهَا النَّصْبُ، تو اس وقت اس کے اندر مختار جو ہے وہ نصب ہوگا۔ وَاخْتِيَارُ النَّصْبِ بَاطِلٌ، لیکن اختیارِ نصب تو یہاں، اگر ایسا نہ ہوتا تو نصب مختار ہوتا، لیکن یہاں تو اختیارِ نصب باطل ہے۔ تو کہتے ہیں: وَاخْتِيَارُ النَّصْبِ بَاطِلٌ، اور اختیارِ نصب تو باطل ہے لِاتِّفَاقِ الْقُرَّاءِ عَلَى الرَّفْعِ، اس لیے کیونکہ تمام قراء کا اتفاق ہے اس میں رفع پر، فَلَا بُدَّ مِنْ جَعْلِ الْفَاءِ بِمَعْنَى الشَّرْطِ، تو ضروری ہے کہ اس فا کو شرط کے معنی میں قرار دیا جائے، أَوْ جَعْلِ الْآيَةِ جُمْلَتَيْنِ، اور یا اس آیت کو دو جملے قرار دیا جائے، لِيَتَعَيَّنَ الرَّفْعُ تاکہ رفع متعین ہو جائے۔

آگے دیکھیے: اَلرَّابِعُ مِنْ تِلْكَ الْمَوَاضِعِ الَّتِيْ وَجَبَ حَذْفُ النَّاصِبِ لِلْمَفْعُوْلِ بِهٖ فِيْهَا التَّحْذِيْرُ۔ یہ چوتھا مقام آگیا بھئی جہاں

مفعول بہ کے عامل کو حذف کرنا واجب ہے۔ صاحبِ کافیہ نے آپ کو بتلایا تھا کہ مفعول بہ کے عامل کو حذف کیا جاتا ہے اور یہ حذف کبھی جوازاً ہوتا ہے اور کبھی وجوباً۔ جوازاً حذف وہاں ہوگا جہاں کوئی قرینہ موجود ہو۔ اور وجوباً حذف جو ہے وہ چار جگہیں ہیں بھئی۔ پہلی جگہ سماعی ہے، جیسے أَهْلًا وَسَهْلًا، یا جیسے اِمْرَأً وَنَفْسَهُ، یا جیسے وَانْتَهُوْا خَيْرًا لَّكُمْ، یہ خَيْرًا لَّكُمْ کے عامل کو حذف کرنا واجب۔ اور تین جگہیں جو تھیں وہ قیاسی تھیں بھئی جہاں پر مفعول بہ کے عامل کو حذف کرنا واجب۔ اور دوسرا مقام جو تھا منادیٰ، منادیٰ کے اندر أَدْعُوْ فعلِ محذوف جو ہے وہ نصب دیتا ہے اور اس کا حذف واجب ہے کیونکہ اس کا قائم مقام حرفِ ندا آجاتا ہے۔ اور تیسرا مقام جو تھا مَا أُضْمِرَ عَامِلُهُ عَلَى شَرِيْطَةِ التَّفْسِيْرِ جو گزر گیا۔ اب چوتھا مقام آگیا جہاں پر مفعول بہ کے عامل کو حذف کرنا واجب ہے بھئی۔

تو چوتھا مقام جو ہے وہ تحذیر ہے بھئی۔ ذرا متن متن پہلے دیکھیے، کہتے ہیں: اَلرَّابِعُ التَّحْذِيْرُ، چوتھا مقام جو ہے وہ تحذیر ہے۔ بھئی تحذیر کسے کہتے ہیں؟ کہتے ہیں: وَهُوَ مَعْمُوْلٌ بِتَقْدِيْرِ اِتَّقِ، تحذیر وہ معمول ہے جو اِتَّقِ کی تقدیر کے ساتھ ہوتا ہے، یعنی وہاں اِتَّقِ یا اس جیسا کوئی فعل محذوف ہوتا ہے، تَحْذِيْرًا مِّمَّا بَعْدَهُ، مابعد سے ڈرانے کے لیے۔ یاد رکھو عربی زبان میں تحذیر کا معنی ہے کسی چیز کو دوسری چیز سے ڈرانا، کسی چیز کو دوسری چیز سے دور کرنا۔ توجہ ہے؟ ایک چیز کو دوسری چیز سے ڈرانا یہ کیا کہلاتا ہے؟ تحذیر کہلاتا ہے۔ یہاں یاد رکھو ایک ہوگا مُحَذِّر، ایک ہوگا مُحَذَّر، اور ایک ہوگا مُحَذَّر مِّنْهُ۔ مُحَذِّر وہ جو متکلم ہے جو ڈرانے والا ہے، خبردار کرنے والا ہے، اور جس کو خبردار کر رہا ہے وہ ہے مُحَذَّر بھئی، اور جس چیز سے ڈرا رہا ہے وہ ہے مُحَذَّر مِّنْهُ۔ تو تحذیر جو ہے، کہتے ہیں: اَلتَّحْذِيْرُ وَهُوَ مَعْمُوْلٌ، تحذیر جو ہے وہ ایسا معمول ہے بِتَقْدِيْرِ اِتَّقِ، جو کس تقدیر کے ساتھ ہو؟ اِتَّقِ کی تقدیر کے ساتھ ہو۔ اِتَّقِ کا معنی ہے بچ جاؤ، بچ جاؤ، یعنی تم بچ جاؤ۔ مثلاً کوئی کسی راستے پر جانے لگا اور وہ راستہ خطرناک ہے، آپ جانتے ہیں، تو آپ اس کو کہتے ہیں: اَلطَّرِيْقَ الطَّرِيْقَ، دیکھو تکرار کے ساتھ لے آئے، تو تقدیرِ عبارت کیا ہے؟ اِتَّقِ الطَّرِيْقَ الطَّرِيْقَ۔ تو اِتَّقِ فعل ہے اور الطَّرِيْقَ یہ اس کے لیے مفعول بہ ہے، یاد رکھو یہ اِتَّقِ مفعول بہ کو نصب دیتا ہے۔ اِتَّقَىٰ يَتَّقِيْ کا معنی ہے بچنا: اِتَّقَيْتُ الْأَسَدَ، میں شیر سے بچ گیا۔ اِتَّقَيْتُ الْأَسَدَ میں شیر سے بچ گیا، تو یہ دیکھو یہ مفعول بہ کو نصب دیتا ہے۔ تو میں نے بتلایا مثلاً کوئی راستہ خطرناک ہے، آپ اپنے ساتھی کو اس پر خبردار کرنا چاہتے ہیں، اس سے بچانا چاہتے ہیں، تو آپ اس کو کہتے ہیں: اَلطَّرِيْقَ الطَّرِيْقَ، أَيْ اِتَّقِ الطَّرِيْقَ الطَّرِيْقَ۔ تو اِتَّقِ نصب دے رہا ہے، اور یہ جو الطَّرِيْقَ ثانی ہے یہ اول کے لیے تاکید ہے، آپ جانتے ہیں ایک ہی لفظ کو جب دو دفعہ ذکر کیا جائے تو ثانی اول کے لیے تاکید ہوتا ہے۔

یا اسی طرح دوسرا طریقہ اس میں یہ ہے کہ آپ کسی شخص کو شیر سے بچانا چاہتے ہیں کہ وہ شیر سے دور ہو جائے، تو آپ اس کو کہتے ہیں: إِيَّاكَ وَالْأَسَدَ۔ إِيَّاكَ وَالْأَسَدَ یعنی شیر سے اپنے آپ کو بچاؤ بھئی، شیر سے اپنے آپ کو دور کرو بھئی، شیر سے اپنے آپ کو دور کرو۔ تو اس کو تحذیر کہتے ہیں، یعنی کسی شخص کو کسی نقصان دینے والی چیز پر خبردار کرتے ہیں اور اس سے

بچنے کا اور دور ہونے کا کہتے ہیں، تو اس کو کہتے ہیں تحذیر بھئی، کیا کہتے ہیں؟ تحذیر بھئی۔ تو اس کی دو صورتیں ذکر کریں گے: ایک صورت یہ کہ مُحَذَّر مِّنْهُ کو مکرر ذکر کیا جائے۔ مُحَذَّر مِّنْهُ جس سے آپ اس کو بچانا چاہتے ہیں، جس سے آپ اس کو دور کرنا چاہتے ہیں، اس چیز کو دو دفعہ ذکر کیا جائے، جیسے اَلطَّرِيْقَ الطَّرِيْقَ، یا آپ کہتے ہیں اَلْأَسَدَ الْأَسَدَ، یعنی شیر سے بچو، شیر سے بچو۔ یا کسی پر دیوار گرنے لگی ہے تو مُحَذَّر مِّنْهُ کیا ہے؟ دیوار: اَلْجِدَارَ الْجِدَارَ۔ یا اسی طرح کسی کو آپ بری عادت سے روکنا چاہتے ہیں: اَلنِّفَاقَ النِّفَاقَ، یعنی نفاق سے بچو، منافقت سے بچو کہ ظاہر میں کچھ ہو اور باطن میں کچھ ہو۔ تو أَوْ ذُكِرَ الْمُحَذَّرُ مِنْهُ مُكَرَّرًا، یا مُحَذَّر مِّنْهُ کو مکرر ذکر کیا جائے، مِثْلُ إِيَّاكَ وَالْأَسَدَ وَإِيَّاكَ وَأَنْ تَحْذِفَ۔ یہ مثالیں ذکر کر دیں۔ یہ پہلی قسم کی تحذیر ہے۔ پہلی قسم کی تحذیر کسے کہتے ہیں؟ کہ جو معمول ہوتا ہے اِتَّقِ کی تقدیر کے ساتھ، ذرا اس مثال پہ نظر رکھو: إِيَّاكَ وَالْأَسَدَ۔ اس کے اندر یہ إِيَّاكَ یہ کیا ہے؟ یہ ہے مُحَذَّر، جس کو ڈرایا جا رہا ہے، جس کو خبردار کیا جا رہا ہے، یہ اِتَّقِ کی تقدیر کے ساتھ ہے، تَحْذِيْرًا مِّمَّا بَعْدَهُ، مابعد سے ڈرانے کے لیے، اس کو مابعد یعنی الْأَسَدَ سے ڈرایا جا رہا ہے۔ اور وَإِيَّاكَ وَأَنْ تَحْذِفَ، بھئی پہلی مثال میں إِيَّاكَ وَالْأَسَدَ، مُحَذَّر اور مُحَذَّر مِّنْهُ کے درمیان واؤ لایا گیا، اور دوسری مثال میں بھی إِيَّاكَ وَأَنْ تَحْذِفَ، وہاں بھی إِيَّاكَ ہے مُحَذَّر اور أَنْ تَحْذِفَ ہے مُحَذَّر مِّنْهُ۔ حَذْف کہتے ہیں کسی چیز کو کوئی چیز پھینک کر مارنا، لاٹھی وغیرہ کسی چیز کو پھینک کر مارنا، تو اس مثال کو ذکر کیا۔ روایات میں آتا ہے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے منع فرمایا کچھ لوگوں کو کہ خرگوش کو لاٹھی پھینک کر نہ مارو۔ ایک تو یہ صورت ہے نا کہ آپ تیر، نیزے وغیرہ کے ذریعے خرگوش کا شکار کریں، اور ایک صورت یہ ہے کہ آپ کے پاس لاٹھی ہے نیزہ وغیرہ ہے ہی نہیں تو آپ لاٹھی مارتے ہیں خرگوش کو، تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس سے منع فرمایا۔ وجہ یہ کہ جب آپ لاٹھی ماریں گے تو یہ لاٹھی جا کر خرگوش کو اگر لگے گی تو وہ تو وہیں مر جائے گا بھئی، اور تیر وغیرہ لگے اور تیر وغیرہ پھینکتے ہوئے اللہ کا نام لیا گیا ہو تو شکار حلال ہوتا ہے، شکار حلال، لیکن لاٹھی وغیرہ لگے گی پھر تو خرگوش ویسے ہی مر جائے گا اور اس صورت میں زخم بھی نہیں لگا اور مر بھی گیا تو وہ تو حرام ہو جائے گا بھئی۔ تو اس سے منع فرمایا۔ تو وہی مثال یہاں ذکر کر دی، تو یہ جو لاٹھی وغیرہ کسی چیز کو پھینک کر مارنا دور سے یہ ہے حَذْف بھئی۔ تو إِيَّاكَ وَأَنْ تَحْذِفَ، تو اپنے آپ کو اس بات سے بچا کہ تو کسی کو لاٹھی پھینک کر مارے، لاٹھی پھینک کر مارنے سے اپنے آپ کو بچا۔

تو دیکھو إِيَّاكَ وَالْأَسَدَ، اس کے اندر جو الْأَسَدَ مُحَذَّر مِّنْهُ ہے وہ اسمِ صریح ہے، وہ اسمِ صریح ہے یعنی صاف لفظوں میں ایک اسم ہے۔ جبکہ إِيَّاكَ وَأَنْ تَحْذِفَ، یہاں پر تَحْذِفَ فعل ہے اور أَنْ اس پر داخل ہوا، اور أَنْ مصدریہ کیا کرتا ہے؟ جملہ فعلیہ کو مصدر کے معنی میں کر دیتا ہے، تو أَنْ تَحْذِفَ، حَذْف کے معنی میں ہوا، گویا یوں کہا گیا: إِيَّاكَ وَالْحَذْفَ۔ إِيَّاكَ وَالْحَذْفَ، لیکن اگر حَذْف کو ذکر کیا جاتا وہ تو تھا اسمِ صریح، اور أَنْ تَحْذِفَ یہ ہے اسمِ مؤول، یعنی تاویل کر کے یہ اسم بنتا ہے، صراحتاً یہ اسم نہیں۔ تو دو مثالیں ذکر کیں، بتلانا یہ چاہتے ہیں کہ جب واؤ کے ساتھ مُحَذَّر اور مُحَذَّر مِّنْهُ کو ذکر کیا جائے، تو مُحَذَّر

مِّنْهُ جو ہے وہ اسمِ صریح بھی ہو سکتا ہے جیسے إِيَّاكَ وَالْأَسَدَ، یہ الْأَسَدَ کیا ہے؟ اسمِ صریح ہے، اور اس صورت میں مُحَذَّر مِّنْهُ جو ہے وہ اسمِ مؤول بھی ہو سکتا ہے جیسے یہاں پر ہے إِيَّاكَ وَأَنْ تَحْذِفَ، یہ أَنْ تَحْذِفَ اسمِ مؤول ہے، اسمِ صریح نہیں ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟

آگے دیکھیے متن: وَالطَّرِيْقَ الطَّرِيْقَ، یہ مثال ہے دوسری قسم کی جس میں مُحَذَّر مِّنْهُ کو

مکرر ذکر کیا گیا۔ تعریف سمجھ میں آگئی؟ تحذیر کسے کہتے ہیں؟ تحذیر وہ معمول ہے جو کس تقدیر کے ساتھ ہوتا ہے؟ اِتَّقِ کی تقدیر کے ساتھ، تَحْذِيْرًا مِّمَّا بَعْدَهُ، مابعد سے ڈرانے کے لیے۔ مابعد سے؟ معلوم ہوا مُحَذَّر مِّنْهُ بھی ساتھ ہوگا۔ یعنی یہ پہلی قسم ہے إِيَّاكَ وَالْأَسَدَ۔ یا دوسری صورت یہ ہے، پھر سنو، دوسری قسم وہ ہے تحذیر کی جو معمول ہوتا ہے اِتَّقِ کی تقدیر کے ساتھ اور اس میں مُحَذَّر مِّنْهُ مکرر ذکر ہوتا ہے۔ اَلطَّرِيْقَ الطَّرِيْقَ، یہ بھی معمول ہے اور یہ بھی اِتَّقِ کی تقدیر کے ساتھ ہے، لیکن اس میں فرق کیا ہے؟ مُحَذَّر مِّنْهُ مکرر ذکر ہے، یہاں واؤ وغیرہ ذکر نہیں ہے، یہاں مابعد سے نہیں ڈرایا جا رہا بلکہ مُحَذَّر مِّنْهُ جس سے ڈرایا جا رہا ہے صرف اسی کو ذکر کر دیا گیا، مُحَذَّر کو ذکر ہی نہیں کیا گیا۔ فرق سمجھ میں آیا؟

جی دیکھیے بھئی اب شرح کے ساتھ۔ کہتے ہیں: اَلرَّابِعُ، چوتھا مقام جو ہے مِن تِلْكَ الْمَوَاضِعِ ان جگہوں میں سے الَّتِيْ وَجَبَ حَذْفُ النَّاصِبِ لِلْمَفْعُوْلِ بِهِ فِيْهَا کہ واجب ہے مفعول بہ کے ناصب کو حذف کرنا فِيْهَا ان جگہوں میں۔ ان جگہوں میں سے چوتھی جگہ جو ہے اَلتَّحْذِيْرُ وہ تحذیر ہے۔ وَإِنَّمَا وَجَبَ حَذْفُ الْفِعْلِ فِيْهِ، اور ان کے اندر فعل کو حذف کرنا واجب ہے لِضِيْقِ الْوَقْتِ عَنْ ذِكْرِهِ، بوجہ وقت کے تنگ ہونے کے عَنْ ذِكْرِهِ اس کے ذکر سے۔ کہ وقت تنگ ہوتا ہے، فعل کو ذکر کیا جائے گا تو بات لمبی ہو جائے گی، کہیں وہ چیز اس کو نقصان نہ پہنچا دے بھئی۔ تو لِضِيْقِ الْوَقْتِ عَنْ ذِكْرِهِ اس لیے کیونکہ وقت تنگ ہوتا ہے فعل کے ذکر کرنے سے، یعنی اس کے ذکر کا موقع نہیں ہوتا۔ وَهُوَ فِي اللُّغَةِ تَخْوِيْفُ شَيْءٍ عَنْ شَيْءٍ، اور تحذیر جو ہے عربی زبان کے اندر تَخْوِيْفُ شَيْءٍ وہ ڈرانا ہے ایک چیز کو عَنْ شَيْءٍ دوسری چیز سے، وہ ڈرانا ہے ایک شے کو دوسری شے سے۔ تو جو پہلی شے ہے وہ ہے مُحَذَّر اور دوسری چیز جس سے ڈرایا جا رہا ہے وہ ہے مُحَذَّر مِّنْهُ۔ معلوم ہوا یہ جو کہا نا چوتھی جگہ وہ تحذیر ہے، توجہ سے سنو، چوتھی جگہ تحذیر ہے جہاں مفعول بہ کے عامل کو حذف کرنا واجب، تو یہ تحذیر مصدر ذکر کیا اور مصدر بول کر مفعول مراد ہے، مصدر بول کر مفعول مراد ہے۔ آپ نے پڑھا ہے کبھی مصدر اسمِ فاعل کے معنی میں ہوتا ہے اور کبھی اسمِ مفعول کے معنی میں۔ تو چوتھی جگہ جہاں پر مفعول بہ کے عامل کو حذف کرنا واجب ہے، جیسے إِيَّاكَ وَالْأَسَدَ۔ مجھے بتائیے إِيَّاكَ یہ تحذیر ہے یا یہ مُحَذَّر ہے؟ یہ إِيَّاكَ یہ تحذیر نہیں ہے، یہ تو کیا ہے؟ مُحَذَّر ہے بھئی جس کو ڈرایا گیا ہے، اور اَلطَّرِيْقَ الطَّرِيْقَ یہ تحذیر ہے یعنی مصدر ہے یا یہ مُحَذَّر مِّنْهُ ہے؟ بھئی تحذیر تو مصدر ہے اور آگے جو إِيَّاكَ آیا یہ إِيَّاكَ مصدر ہے؟ نہیں، تو یہ تو مُحَذَّر ہے۔ اور اَلطَّرِيْقَ الطَّرِيْقَ اس کے اندر بھی اَلطَّرِيْقَ یہ تو مصدر نہیں ہے یہ تو کیا ہے؟ مُحَذَّر مِّنْهُ ہے۔ تو معلوم ہوا تعریف کے اندر جو تحذیر کا لفظ آرہا ہے وہ مفعول کے معنی میں ہے، یعنی یہ تحذیر

بمعنیِ مُحَذَّر اور مُحَذَّر مِّنْهُ کے معنی میں ہے، اور مُحَذَّر اور مُحَذَّر مِّنْهُ دونوں کیا ہیں؟ اسمِ مفعول ہیں۔ توجہ ہے؟ نہیں بات سمجھ میں آئی؟ دیکھو نا آگے کہہ رہے ہیں تحذیر کس چیز کا نام ہے؟ تحذیر اس معمول کا نام ہے: وَهُوَ مَعْمُوْلٌ بِتَقْدِيْرِ اِتَّقِ، وہ اس معمول کا نام ہے، اور یہ جو إِيَّاكَ وَالْأَسَدَ یہ إِيَّاكَ یہ معمول ہے، تو یہ جو معمول ہے یہ تحذیر ہے یا یہ مُحَذَّر ہے؟ یہ تو مُحَذَّر ہے۔ اسی طرح اَلطَّرِيْقَ الطَّرِيْقَ یہ اَلطَّرِيْقَ کیا ہے؟ یہ تو مُحَذَّر مِّنْهُ ہے، تو یہ ہے معمول، اور یہ جو معمول ہیں یہ تو تحذیر نہیں ہیں بلکہ یہ تو مُحَذَّر ہیں۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو لہٰذا معلوم ہوا یہاں تحذیر بول کر کیا مراد ہے؟ مُحَذَّر، کیونکہ کہا هُوَ مَعْمُوْلٌ وہ معمول ہوتا ہے، معمول جو ہے وہ تو مُحَذَّر ہے بھئی وہ تو تحذیر نہیں ہے بھئی۔ تو کہتے ہیں: وَهُوَ فِي اللُّغَةِ، اور تحذیر جو ہے عربی زبان کے اندر تَخْوِيْفُ شَيْءٍ عَنْ شَيْءٍ وہ ڈرانا ہے ایک چیز کو دوسری چیز سے، وَتَبْعِيْدُهُ مِنْهُ، اور ایک چیز کو دور کرنا دوسری چیز سے۔ یہ تو تھا عربی زبان میں، وَفِي اصْطِلَاحِ النُّحَاةِ، اور نحویوں کی اصطلاح میں مَعْمُوْلٌ، تحذیر جو ہے وہ معمول ہے، أَيِ اسْمٌ عُمِلَ فِيْهِ النَّصْبُ بِالْمَفْعُوْلِيَّةِ، یعنی وہ ایسا اسم ہے کہ جس کے اندر نصب کو عمل دیا جائے مفعول ہونے کی وجہ سے۔ تحذیر وہ معمول ہے جس میں نصب کو عمل دیا جائے مفعول بہ ہونے کی وجہ سے، یعنی اس پر نصب لایا جائے نصب پڑھا جائے۔ تو کہتے ہیں: أَيِ اسْمٌ عُمِلَ فِيْهِ النَّصْبُ بِالْمَفْعُوْلِيَّةِ، یعنی ایسا اسم کہ جس کے اندر نصب کو عمل دیا جائے بِالْمَفْعُوْلِيَّةِ مفعول ہونے کی وجہ سے، بِتَقْدِيْرِ اِتَّقِ کس تقدیر کے ساتھ؟ اِتَّقِ کی تقدیر کے ساتھ۔ توجہ ہے؟ یاد رکھنا مَعْمُوْلٌ یہ ہے موصوف اور بِتَقْدِيْرِ اِتَّقِ یہ ہے اس کی صفت۔ وَهُوَ مَعْمُوْلٌ وہ جو تحذیر ہے وہ ایسا معمول ہے بِتَقْدِيْرِ اِتَّقِ جو کس تقدیر کے ساتھ ہوتا ہے؟ اِتَّقِ کی تقدیر کے ساتھ ہوتا ہے، اور آگے چل کر صاحبِ جامی بتائیں گے کہ اِتَّقِ یا اِتَّقِ جیسے لفظ یوں کہنا چاہیے بھئی، اِتَّقِ یا اِتَّقِ جیسے لفظ جو ہے اس کی تقدیر کے ساتھ ہوتا ہے، اور کیوں ہوتا ہے؟ تَحْذِيْرًا مِّمَّا بَعْدَهُ، مابعد سے ڈرانے کے لیے۔

صاحبِ جامی اب آپ کو ترکیب بتائیں گے۔ میں نے کیا بتایا یہ تَحْذِيْرًا کیا بن رہا ہے؟ مفعول لہ جو ماقبل فعل کی علت بیان کرتا ہے، کہ وہ معمول اِتَّقِ کی تقدیر کے ساتھ کیوں ہوتا ہے؟ تَحْذِيْرًا مِّمَّا بَعْدَهُ مابعد سے ڈرانے کے لیے۔ صاحبِ جامی بتائیں گے کہ یہ جو تَحْذِيْرًا ہے یہ مصدر ہے منصوب ہے، آپ اس کو مفعولِ مطلق بھی بنا سکتے ہیں اور مفعول لہ بھی۔ مفعولِ مطلق بنائیں تو مفعولِ مطلق کسے کہتے ہیں؟ جو ماقبل فعل کے معنی میں ہو، لہٰذا یہاں حُذِّرَ فعلِ محذوف نکال لیں گے: أَيْ حُذِّرَ تَحْذِيْرًا۔ اور اگر آپ اس کو مفعول لہ بنائیں، تو مفعول لہ ماقبل فعل کی علت بیان کرتا ہے اس کے معنی میں نہیں ہوتا، تو پھر یہاں ذُكِرَ فعلِ محذوف نکال لیں گے: أَيْ ذُكِرَ اس معمول کو ذکر کیا جاتا ہے تَحْذِيْرًا مِّمَّا بَعْدَهُ مابعد سے ڈرانے کے لیے۔ ترکیب سمجھ میں آگئی؟ تو ایک صورت میں یہ مفعولِ مطلق دوسری صورت میں مفعول لہ بن رہا ہے۔ تو کہتے ہیں: أَيْ حُذِّرَ ذٰلِكَ الْمَعْمُوْلُ تَحْذِيْرًا۔ دیکھا حُذِّرَ ڈرایا جاتا ہے ذٰلِكَ الْمَعْمُوْلُ اس معمول کو، تَحْذِيْرًا یہ مفعولِ مطلق بنا دیا۔ اور میں نے بتایا مفعولِ مطلق کا الگ ترجمہ نہیں کرتے، یہ کلام میں صرف تاکید پیدا کرتا ہے یا بعض اوقات عدد یا نوع وغیرہ بتلاتا ہے۔ تو أَيْ حُذِّرَ ذٰلِكَ الْمَعْمُوْلُ تَحْذِيْرًا یعنی اس معمول کو ڈرایا جاتا ہے مِمَّا بَعْدَهُ کس چیز سے ڈرایا جاتا ہے؟

حُذِّرَ تَحْذِيْرًا مِّمَّا بَعْدَهُ، حُذِّرَ اس معمول کو، وہ معمول ایسا ہوتا ہے کہ حُذِّرَ تَحْذِيْرًا مِّمَّا بَعْدَهُ اس کو ڈرایا جاتا ہے مابعد سے۔ ترجمہ بہترین ہو گیا۔ تو یہ معنی ہے أَيْ حُذِّرَ ذٰلِكَ الْمَعْمُوْلُ۔ یاد رکھنا یاد رکھنا کہ حُذِّرَ جو فعل نکالا، یہ پھر صفتِ ثانی بنے گی معمول کے لیے، یہ جو متن میں آ رہا ہے مَعْمُوْلٌ بِتَقْدِيْرِ اِتَّقِ یہ اس کی صفتِ اول، اور حُذِّرَ تَحْذِيْرًا یہ صفتِ ثانی بنے گی معمول کے لیے۔ توجہ ہے؟ دیکھو مَعْمُوْلٌ نکرہ ہے اور اس کے بعد بِتَقْدِيْرِ اِتَّقِ جار مجرور آیا، اور نکرہ کے بعد جار مجرور آئے تو اس کے لیے صفت بنتا ہے، تو یہ صفتِ اول ہے معمول کے لیے۔ اور حُذِّرَ تَحْذِيْرًا اگر آپ یہاں حُذِّرَ فعلِ محذوف نکالتے ہیں تو یہ اب نکرہ کے بعد فعل بھی آ گیا، اور نکرہ کے بعد فعل آئے تو اس کے لیے کیا بنتا ہے؟ صفت بنتا ہے، تو لہٰذا یہ صفتِ ثانی ہو جائے گی معمول کے لیے۔ تو یہ دونوں صفتیں ہوئیں، تو ترجمہ کیا ہوگا؟ کہ تحذیر وہ ایسا معمول ہے بِتَقْدِيْرِ اِتَّقِ جو اِتَّقِ کی تقدیر کے ساتھ ہوتا ہے، حُذِّرَ تَحْذِيْرًا مِّمَّا بَعْدَهُ وہ ایسا معمول ہے جس کو ڈرایا جاتا ہے مابعد سے، جس کو ڈرایا جاتا ہے مابعد سے۔ اور یا پھر یہ تَحْذِيْرًا کو مفعول لہ بنائیں أَيْ ذُكِرَ تَحْذِيْرًا مِّمَّا بَعْدَهُ، اس صورت میں بھی یہ صفت ہی بنے گا۔ پھر سنو ترجمہ اب ذُكِرَ کے ساتھ، اب ہم اس کو مفعول لہ بنائیں گے، کہ تحذیر ایسا معمول ہوتا ہے جو اِتَّقِ کی تقدیر کے ساتھ ہوتا ہے، ذُكِرَ تَحْذِيْرًا مِّمَّا بَعْدَهُ اس معمول کو ذکر کیا جاتا ہے مابعد سے ڈرانے کے لیے۔ یہ ایسا معمول ہے جس کو ذکر کیا جاتا ہے مابعد سے ڈرانے کے لیے۔ ترکیب سمجھ میں آ گئی؟ تو کہتے ہیں: أَيْ حُذِّرَ ذٰلِكَ الْمَعْمُوْلُ تَحْذِيْرًا، اس معمول کو ڈرایا جاتا ہے، فَيَكُوْنُ مَفْعُوْلًا مُطْلَقًا تو اس صورت میں یہ تَحْذِيْرًا مفعولِ مطلق ہوگا، أَوْ ذُكِرَ تَحْذِيْرًا، یا ذُكِرَ تَحْذِيْرًا یہ ہے تقدیرِ عبارت، فَيَكُوْنُ مَفْعُوْلًا لَّهُ تو یہ تَحْذِيْرًا جو ہے مفعول لہ ہوگا مِمَّا بَعْدَهُ، کس سے؟ مِمَّا بَعْدَهُ، ہا ضمیر معمول کو راجع ہے، اس معمول کے مابعد سے۔ جیسے دیکھو نا إِيَّاكَ وَالْأَسَدَ، یہ إِيَّاكَ یہ کیا ہے؟ یہ وہ معمول ہے جو اِتَّقِ کی تقدیر کے ساتھ ہے، اور اس کو ڈرایا جا رہا ہے کس سے؟ مِمَّا بَعْدَهُ جو اس إِيَّاكَ جو اس معمول کے بعد ہے یعنی الْأَسَدَ بھئی اس سے۔ مِمَّا بَعْدَهُ أَيْ مِمَّا بَعْدَ ذٰلِكَ الْمَعْمُوْلِ، یعنی وہ جو اس معمول کے بعد ہو اس سے ڈرایا جاتا ہے۔

أَوْ ذُكِرَ الْمُحَذَّرُ مِنْهُ مُكَرَّرًا، یا ذکر کیا جاتا ہے مُحَذَّر مِّنْهُ کو مکرر یعنی جس سے ڈرایا جا رہا ہے اس کو مکرر ذکر کیا جاتا ہے۔ دونوں قسمیں سمجھ میں آ گئیں؟ عَلَى صِيْغَةِ الْمَجْهُوْلِ، یہ جو ذُكِرَ آیا نا یہ مجہول کے صیغے پر ہے۔ یہ عَلَى صِيْغَةِ الْمَجْهُوْلِ کا تعلق کس سے ہے؟ ذُكِرَ سے ہے۔ توجہ ہے؟ کیونکہ بعض نے اس کو پڑھا ہے ذِكْرُ الْمُحَذَّرِ مِنْهُ، ذِكْرُ کو مصدر بنا لیا، وہ مضاف اور الْمُحَذَّرِ مِنْهُ مضاف الیہ، لیکن صاحبِ جامی فرما رہے ہیں کہ نہیں، ذُكِرَ الْمُحَذَّرُ یہ ذُكِرَ فعلِ مجہول پڑھو اس کو۔ أَوْ ذُكِرَ الْمُحَذَّرُ مِنْهُ مُكَرَّرًا عَلَى صِيْغَةِ الْمَجْهُوْلِ، یہ مجہول کے صیغے کے ساتھ ہے جو ذُكِرَ کا لفظ ہے، عَطْفٌ عَلَى حُذِّرَ أَوْ ذُكِرَ الْمُقَدَّرِ، اور اس کا عطف ہے حُذِّرَ یا ذُكِرَ مقدر پر۔ وہ جو تَحْذِيْرًا سے پہلے ہم نے حُذِّرَ یا ذُكِرَ فعل نکالا تھا وہ بھی فعل تھا اور یہ أَوْ ذُكِرَ یہ بھی فعل، تو اس کا اس پر عطف ہو گیا بھئی۔ تو کہتے ہیں: عَطْفٌ عَلَى حُذِّرَ أَوْ ذُكِرَ الْمُقَدَّرِ، اس کا عطف جو ہے وہ جو حُذِّرَ یا وہ جو ذُكِرَ جو مقدر تھے ان پر ہے۔

فَإِنْ قُلْتَ، اگر آپ یہ کہیں، اب اعتراض ذکر کریں گے۔ توجہ سے سنو، کیا بتایا انہوں نے؟ ترکیب کی باتیں ہیں، دیکھو

ترکیب آئے گی تو آپ کو باتیں سمجھ میں آئیں گی بھئی اور کتاب کا لطف بڑھ جاتا ہے۔ کیا بتایا؟ ذُکِرَ پڑھو، اس صورت میں اس کا عطف کس پر ہوگا؟ وہ جو حُذِّرَ یا ذُکِرَ محذوف تھا، اور وہ حُذِّرَ یا ذُکِرَ اس کو کیا بنایا؟ ابھی میں نے بتایا، وہ صفت تھی معمول کے لیے۔ اور صفت کا ربط چاہیے موصوف کے ساتھ، تو اس ذُکِرَ کے اندر ھُوَ ضمیر نائب الفاعل تھی جو کس کو راجع؟ معمول کو۔ وہ معمول جو ہے ذُکِرَ اس کو ذکر کیا جاتا ہے، یا حُذِّرَ کے اندر بھی ضمیر ہے جو کس کو راجع؟ اسی معمول کو: حُذِّرَ تَحْذِیْرًا اس معمول کو ڈرایا جاتا ہے مِمَّا بَعْدَهُ کس سے؟ اس کے مابعد سے۔ تو دونوں فعل جو محذوف نکالے وہ صفت بن رہے ہیں معمول کی اور ان کے اندر ضمیر ہے نائب الفاعل جو اس معمول کو یعنی موصوف کو راجع ہے۔ تو اس پر اشکال ہوتا ہے: آپ نے ہمیں کیا کہا ہے صاحبِ جامی؟ کہ اس ذُکِرَ کا عطف بھی اسی ذُکِرَ یا حُذِّرَ پر ہے، اور آپ نے پڑھا ہے معطوف کا وہی حکم ہوتا ہے جو معطوف علیہ کا، اور وہ تو صفت تھے کس کے؟ معمول کے، تو یہ ذُکِرَ الْمُحَذَّرُ مِنْهُ مُکَرَّرًا یہ بھی صفت بنے گا اس معمول کے لیے، اور صفت کا موصوف سے اتصال چاہیے، اور وہاں پر تو نائب الفاعل کی ضمیر تھی وہ ربط دے رہی تھی، لیکن ذُکِرَ الْمُحَذَّرُ مِنْهُ مُکَرَّرًا یہاں تو کوئی ضمیر نہیں ہے، ذُکِرَ فعلِ مجہول ہے اور الْمُحَذَّرُ مِنْهُ یہ اس کا نائب الفاعل ہے۔ وہاں تو ذُکِرَ اور حُذِّرَ میں ضمیر تھی جو معمول یعنی موصوف کو لوٹ رہی تھی، لیکن یہاں تو کوئی ضمیر ہی نہیں ہے، خود الْمُحَذَّرُ مِنْهُ اسمِ ظاہر آگے جو ہے وہ

نائب الفاعل بن رہا ہے۔ تو صاحبِ جامی آپ کو بتلائیں گے کہ بھئی آپ کی بات ٹھیک ہے کہ یہاں ضمیر ہونی چاہیے تھی، لیکن کبھی کبھار لیکن کبھی کبھار اسمِ ظاہر کو ضمیر کے مقام پر رکھ دیا جاتا ہے، تو یہاں پر بھی ایسا کیا گیا۔ ذُکِرَ اس کے اندر ضمیر ہونی چاہیے تھی لیکن ضمیر کے بجائے اسمِ ظاہر مُحَذَّر مِّنْهُ کو ذکر کر دیا گیا۔ توجہ ہے؟ بھئی کبھی کبھار ضمیر کے مقام پر اسمِ ظاہر کو رکھ دیا جاتا ہے کسی نکتے کی بنا پر، جیسے قرآن میں اللہ فرماتے ہیں ﴿ الْحَاقَّةُ مَا الْحَاقَّةُ ﴾، تو الْحَاقَّةُ یہ ہے مبتدا اور مَا الْحَاقَّةُ یہ پورا جملہ اسمیہ ہے، اور یہ پورا جملہ اسمیہ خبر بن رہا ہے کس کی؟ الْحَاقَّةُ کی، اور جب چیز ایک دفعہ ذکر ہو جائے تو پھر دوبارہ اس کو ضمیر کے ساتھ ذکر کرتے ہیں تو ہونا یوں چاہیے الْحَاقَّةُ مَا هِيَ، یہ هِيَ ضمیر کس کو راجع؟ الْحَاقَّةُ، لیکن ضمیر کی جگہ پھر کس کو رکھ دیا گیا؟ اسمِ ظاہر کو، تو اس کو کہتے ہیں وَضْعُ الظَّاهِرِ مَوْضِعَ الْمُضْمَرِ یا یوں کہتے ہیں وَضْعُ الْمُظْهَرِ مَوْضِعَ الْمُضْمَرِ، ضمیر کے مقام پر اسمِ ظاہر کو رکھ دینا۔ تو یہاں نکتہ کیا ہے؟ کہ قیامت کی جو ہے عظمت بیان کرنا مقصود ہے بھئی کہ قیامت کو معمولی نہ سمجھو، بڑی عظیم چیز ہے وہ بھئی۔ تو یہاں پر بھی صاحبِ جامی فرماتے ہیں کہ ذُکِرَ کے اندر ضمیر ہونی چاہیے تھی، لیکن یہاں ضمیر کے بجائے کیا لے آئے؟ اسمِ ظاہر کو لے آئے اور اس کو نائب الفاعل بنا دیا۔ اس میں دراصل اس نکتے کی طرف اشارہ کرنا چاہتے ہیں کہ یہ جو معمول ہے یہ مُحَذَّر مِّنْهُ ہے۔ توجہ سے سنو، توجہ سے سنو بھئی! بھئی دیکھیے معمول دو ہی ہیں: إِيَّاكَ وَالْأَسَدَ، یہ إِيَّاكَ یہ مُحَذَّر ہے جس کو ڈرایا گیا ہے، اے مخاطب! تو بچا اپنے آپ کو شیر سے، اپنے آپ کو شیر سے دور کر، تو إِيَّاكَ یہ کیا ہے؟ مُحَذَّر۔ اور اَلطَّرِيْقَ الطَّرِيْقَ یہ کیا ہے؟ یہ مُحَذَّر مِّنْهُ ہے، فرق سمجھ میں آ رہا

ہے؟ تو یہ مُحَذَّر مِّنْهُ ہے۔ تو لہٰذا جو پہلی قسم تھی إِيَّاكَ وَالْأَسَدَ، اس کے اندر تحذیر کیا چیز تھی؟ یہ إِيَّاكَ ہے، اور یہ مُحَذَّر ہے یا مُحَذَّر مِّنْهُ؟ یہ مُحَذَّر ہے۔ اور دوسری قسم کے اندر اَلطَّرِيْقَ الطَّرِيْقَ یہ اَلطَّرِيْقَ مُحَذَّر ہے یا مُحَذَّر مِّنْهُ ہے؟ یہ مُحَذَّر مِّنْهُ ہے، تو وہ إِيَّاكَ وہ بھی معمول اِتَّقِ وغیرہ کے لیے، اور یہ اَلطَّرِيْقَ الطَّرِيْقَ یہ بھی معمول کس کے لیے؟ تو ہیں تو دونوں معمول، لیکن ایک قسم کے اندر وہ جو معمول ہے وہ ہے مُحَذَّر، دوسری قسم میں وہ جو معمول ہے وہ ہے مُحَذَّر مِّنْهُ، لیکن ہیں دونوں معمول۔ اَلطَّرِيْقَ الطَّرِيْقَ یہ بھی معمول ہے یا نہیں؟ اِتَّقِ وغیرہ اس کو نصب دے رہے ہیں کہ نہیں دے رہے؟ اور وہاں پر بھی إِيَّاكَ وَالْأَسَدَ إِيَّاكَ ضمیر کون سی ہے؟ منصوب ہے، اور ضمیرِ منصوب خود ہوتی ہے یا کوئی عامل چاہیے؟ تو وہ بھی معلوم ہوا معمول اور یہ بھی معمول۔ تو جب کہا کہ وہ معمول ہو اِتَّقِ کی تقدیر کے ساتھ مابعد سے ڈرانے کے لیے، کس سے؟ مابعد سے ڈرانے کے لیے، تو یہ وہ پہلی قسم بنی إِيَّاكَ وَالْأَسَدَ، یہاں إِيَّاكَ کو کس سے ڈرایا جا رہا ہے؟ الْأَسَدَ جو مابعد میں ہے، اور یہ جو إِيَّاكَ ہے یہ کیا ہے؟ یہ معمول ہے لیکن مُحَذَّر ہے، یہ مُحَذَّر ہے۔ دوسری صورت کہ اس معمول کو دو دفعہ ذکر کیا جائے، تو عبارت یوں ہونی چاہیے أَوْ ذُكِرَ مُكَرَّرًا، أَوْ ذُكِرَ الْمَعْمُوْلُ مُكَرَّرًا۔ نہیں توجہ؟ گہری بات ہے، توجہ سے سنو ان شاء اللہ، اللہ بالکل آسان فرما دیں گے۔ وہاں بھی کیا تھا کہ ذُكِرَ تَحْذِيْرًا مِّمَّا بَعْدَهُ، ذُكِرَ کے اندر ضمیر کس کو راجع؟ معمول کو، اور کون سا معمول ہے؟ إِيَّاكَ وَالْأَسَدَ یہ پہلی قسم ہے، یہ پہلی قسم، اور پہلی قسم میں إِيَّاكَ وَالْأَسَدَ یہ إِيَّاكَ مُحَذَّر ہے یا مُحَذَّر مِّنْهُ؟ یہ مُحَذَّر ہے، اور دوسری قسم میں جو معمول ہے وہ بھی معمول ہے لیکن وہ مُحَذَّر مِّنْهُ ہے، تو دو قسمیں بن گئیں۔ ادھر دیکھیے، ایک قسم کیا کہ ذُكِرَ تَحْذِيْرًا مِّمَّا بَعْدَهُ، ایک وہ معمول ہے ذُكِرَ تَحْذِيْرًا مِّمَّا بَعْدَهُ جس کو مابعد سے ڈرانے کے لیے ذکر کیا جاتا ہے، یہ کون سا معمول ہے؟ یہ مُحَذَّر ہے۔ اور دوسرا معمول ہے ذُكِرَ مُكَرَّرًا جس کو مکرر ذکر کیا جاتا ہے، یہ بھی معمول ہے لیکن یہ کیا ہے؟ مُحَذَّر مِّنْهُ ہے۔ تو یہاں پر بھی ہونا یوں چاہیے تھا ذُكِرَ مُكَرَّرًا، یا اس معمول کو مکرر ذکر کیا جائے۔ لیکن اگر یہ صرف یہ کہہ دیتے کہ اس معمول کو مکرر ذکر کیا جائے، تو یہ پتہ نہ چلتا کہ یہ وہی مُحَذَّر ہے یا مُحَذَّر مِّنْهُ، مُحَذَّر بھی معمول اور مُحَذَّر مِّنْهُ بھی معمول لیکن پتہ نہیں چلنا تھا۔ تو پھر اس صورت میں ضمیر کے بجائے کیا لے آئے؟ اسمِ ظاہر مُحَذَّر مِّنْهُ لے آئے تاکہ پتہ چل جائے کہ یہ بھی معمول ہی ہے لیکن یہ وہ معمول ہے جو مُحَذَّر نہیں ہے بلکہ مُحَذَّر مِّنْهُ ہے۔ عبارت سمجھ میں آگئی؟ اچھی طرح؟

دیکھیے بھئی کتاب پر۔ کہتے ہیں: فَإِنْ قُلْتَ، اگر آپ یہ کہیں فَعَلَىٰ هٰذَا لَا بُدَّ مِنْ ضَمِيْرٍ فِي الْمَعْطُوْفِ، کہ اس صورت میں ضروری ہے ضمیر کا ہونا معطوف کے اندر كَمَا فِي الْمَعْطُوْفِ عَلَيْهِ، جیسے کس کے اندر تھی؟ وہ جو معطوف علیہ ذُكِرَ یا حُذِّرَ گزرا تھا اس میں ضمیر تھی اور وہ کس کو راجع تھی؟ اسی معمول کو۔ تو قُلْنَا ہم کہتے ہیں نَعَمْ، کہ ہاں بات ایسی ہی ہے، لٰكِنَّهُ وُضِعَ فِي الْمَعْطُوْفِ الْمُظْهَرُ مَوْضِعَ الْمُضْمَرِ، لیکن رکھا گیا معطوف کے اندر اَلْمُظْهَرُ کس کو رکھا گیا؟ اسمِ ظاہر کو رکھا گیا مَوْضِعَ الْمُضْمَرِ کس کی جگہ پر؟ ضمیر کے مقام پر، إِذْ تَقْدِيْرُ الْكَلَامِ، اس لیے کیونکہ تقدیرِ کلام یوں ہے، اب دیکھو وہ جو متن میں کیا آیا

تھا؟ أَوْ ذُكِرَ الْمُحَذَّرُ مِنْهُ مُكَرَّرًا، توجہ ہے؟ اب اس میں سے یہ مُحَذَّر مِّنْهُ کو ہٹا دیں گے اور ذُكِرَ کے اندر هُوَ ضمیر کس کو لوٹا دیں گے؟ معمول کو۔ تو یہ دوسری قسم کی اب تعریف کرنے لگے ہیں، ادھر دیکھیے، پہلی قسم کی تعریف کیا تھی؟ وَهُوَ مَعْمُوْلٌ بِتَقْدِيْرِ اِتَّقِ تَحْذِيْرًا مِّمَّا بَعْدَهُ، یہ پہلی قسم۔ دوسری قسم: هُوَ مَعْمُوْلٌ بِتَقْدِيْرِ اِتَّقِ ذُكِرَ مُكَرَّرًا، وہ جس میں معمول کو مکرر ذکر کیا جائے، وہی بیان کر رہے ہیں۔ تو کہتے ہیں: إِذْ تَقْدِيْرُ الْكَلَامِ، اس لیے کیونکہ تقدیرِ کلام جو ہے أَوْ مَعْمُوْلٌ بِتَقْدِيْرِ اِتَّقِ ذُكِرَ مُكَرَّرًا، یعنی تحذیر وہ ایسا معمول ہے جو اِتَّقِ کی تقدیر کے ساتھ ہوتا ہے، ذُكِرَ مُكَرَّرًا جیسے مکرر ذکر کیا جاتا ہے، تو یہاں بھی ذُكِرَ مُكَرَّرًا ہونا چاہیے تھا، بات سمجھ میں آگئی؟ اور اس ذُكِرَ کے اندر هُوَ ضمیر جو اسی معمول کو راجع ہے، إِلَّا أَنَّهُ وُضِعَ الْمُحَذَّرُ مِنْهُ مَوْضِعَ الضَّمِيْرِ الْعَائِدِ إِلَى الْمَعْمُوْلِ، لیکن مُحَذَّر مِّنْهُ کو رکھ دیا گیا اس ضمیر کے مقام میں الْعَائِدِ إِلَى الْمَعْمُوْلِ جو کس کی طرف لوٹ رہی تھی؟ معمول کی طرف، إِشْعَارًا، أَشْعَرَ يُشْعِرُ إِشْعَار کا معنی ہے کوئی بات بتلانا، اطلاع دینا، إِشْعَارًا یہ بتلانے کے لیے بِأَنَّهُ مُحَذَّرٌ مِّنْهُ لَا مُحَذَّرٌ، کہ وہ معمول جو ہے اس مثال کے اندر، اس دوسری قسم کے اندر وہ مُحَذَّر مِّنْهُ ہے لَا مُحَذَّرٌ مُحَذَّر نہیں ہے۔ تو مُحَذَّر مِّنْهُ بھی معمول اور مُحَذَّر بھی معمول، تو یہ دو قسمیں ہیں۔ لیکن پہلی قسم میں مُحَذَّر وہ جو ہے وہ معمول ہوتا ہے، اور دوسری میں مُحَذَّر مِّنْهُ معمول ہوتا ہے، تو ہیں دونوں ہی معمول، تو لہٰذا دوسری تعریف کے اندر معمول کی طرف ضمیر لوٹانے کے بجائے اسمِ ظاہر یعنی مُحَذَّر مِّنْهُ کو لے آئے، یہ بتلانے کے لیے کہ یہاں جو معمول ہوگا وہ مُحَذَّر نہیں ہوگا بلکہ مُحَذَّر مِّنْهُ ہوگا۔ بات سمجھ میں آگئی؟

آگے دیکھیے: مِثْلُ إِيَّاكَ وَالْأَسَدَ وَإِيَّاكَ وَأَنْ تَحْذِفَ، هٰذَانِ مِثَالَانِ لِأَوَّلِ نَوْعَيِ التَّحْذِيْرِ، یہ دو مثالیں ہیں تحذیر کی دو قسموں میں سے پہلی کی۔ لِأَوَّلِ نَوْعَيِ التَّحْذِيْرِ، اصل میں تھا نَوْعَيْنِ، دو انواع جو ہیں تحذیر کی، پھر اضافت کی وجہ سے نون گر گیا: نَوْعَيِ التَّحْذِيْرِ تحذیر کی دو نوعیں، اس کی طرف اول کی اضافت کر دی کہ تحذیر کی دو نوعوں میں سے جو پہلی نوع ہے یہ دو اس کی مثالیں ہیں۔ عبارت سمجھ میں آگئی؟ تو کہتے ہیں: هٰذَانِ مِثَالَانِ لِأَوَّلِ نَوْعَيِ التَّحْذِيْرِ، یہ دو مثالیں ہیں تحذیر کی دو انواع میں سے پہلی قسم کی۔ وَمَعْنَاهُمَا، اب معنی کیا ہے؟ اصل میں عبارت یہ تھی بھئی: إِيَّاكَ وَالْأَسَدَ، اصل میں کیا تھا؟ بَاعِدْ نَفْسَكَ مِنَ الْأَسَدِ وَالْأَسَدَ مِنْ نَفْسِكَ۔ بَاعِدْ نَفْسَكَ اے مخاطب! تو اپنی ذات کو دور کر لے مِنَ الْأَسَدِ اسد سے، وَالْأَسَدَ اور تو دور کر دے شیر کو مِنْ نَفْسِكَ اپنی ذات سے۔ اے مخاطب! تو اپنی ذات کو شیر سے دور کر دے اور شیر کو اپنی ذات سے دور کر دے، لیکن چونکہ یہاں وقت تنگ ہوتا ہے، مخاطب کو فوری طور پر خبردار کرنا مقصود ہے، تو پھر کچھ چیزوں کو حذف کر لیا جاتا ہے۔ تو واؤ سے ماقبل جو ہے مِنَ الْأَسَدِ یہ جار مجرور کو حذف کر دیا گیا کیونکہ واؤ کے بعد الْأَسَدَ کا ذکر خود آرہا تھا۔ تو یہاں سے جب جار مجرور حذف کیا، تو اگلے واؤ کے مابعد سے مِنْ نَفْسِكَ یہ جار مجرور حذف کر لیا کیونکہ ماقبل میں نفس کا ذکر موجود تھا۔ تو عبارت کیا بن گئی؟ بَاعِدْ نَفْسَكَ وَالْأَسَدَ۔ توجہ ہے؟ بَاعِدْ نَفْسَكَ وَالْأَسَدَ۔ پھر چونکہ وقت تنگ ہے تو بَاعِدْ فعل کو بھی حذف کر دیا گیا۔ جب بَاعِدْ فعل کو حذف کیا تو ساتھ ہی نَفْس کے لفظ کو بھی حذف کر دیا گیا، نَفْس کے لفظ کو بھی، اور پھر

کاف ضمیر رہ گئی، لیکن یہ کاف ضمیر تو متصل ہے یہ تو منفصل آتی ہی نہیں، تو اسی کو منصوب منفصل سے بدل دیا گیا جس کو یہ بَاعِدْ مقدر کیا کر رہا ہے؟ نصب۔ تو کلام کیا بن گیا؟ إِيَّاكَ وَالْأَسَدَ۔

اب دیکھو یہ نَفْس کے لفظ کو کیوں حذف کیا گیا یہ اچھی طرح سمجھ لو۔ یاد رکھو جب فاعل اور مفعول کی ضمیر ایک ہی ذات کی ہوں تو یہ پسندیدہ نہیں، پسندیدہ نہیں، تو پھر اس صورت میں درمیان میں نَفْس کا لفظ لے کر آتے ہیں۔ مثلاً میں کہنا چاہتا ہوں میں نے اپنی پٹائی کی، تو کیا کہوں گا؟ ضَرَبْتُنِيْ، تو ضَرَبْتُ کے اندر تا ضمیرِ متکلم کی یہ فاعل ہے اور یا ضمیرِ متکلم کی ہے یہ مفعول بہ ہے، اور یہ پسندیدہ نہیں۔ افعالِ قلوب میں تو جائز ہے کہ فاعل اور مفعول کی ضمیر ایک ہی ذات مراد ہو، لیکن عام افعال میں یہ پسندیدہ نہیں کہ فاعل بھی مَتکلم اور مفعول بھی متکلم، تو پھر درمیان میں مفعول سے پہلے نَفْس کا لفظ لے آتے ہیں، تو یوں کہیں گے: ضَرَبْتُ نَفْسِيْ، میں نے اپنے نفس کی اپنی ذات کی پٹائی کی۔ معنی ابھی بھی وہی ہے، لیکن اب مفعول متکلم کی ضمیر نہیں ہے بلکہ نَفْس کا لفظ جو ہے مفعول بن رہا ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو یہ نَفْس کا لفظ ہم کیوں لاتے ہیں درمیان میں؟ تاکہ کہیں فاعل اور مفعول دونوں ایک ہی ضمیر نہ ہوں بھئی۔ تو یہاں پر بھی کیا تھا: بَاعِدْكَ، اے مخاطب! بَاعِدْ تو دور کر كَ اپنے آپ کو۔ اور یہ پسندیدہ نہیں تو لہٰذا پھر کیا لے آئے تھے؟ نَفْس کا لفظ، تو کیا بن گیا؟ بَاعِدْ نَفْسَكَ۔ تو جب بَاعِدْ کو حذف کر دیا، تو بَاعِدْ کے ساتھ تو فاعل بھی حذف ہو گیا، لہٰذا اب نَفْس کے لفظ کی کوئی حاجت نہ رہی، لہٰذا اس کو بھی کیا کر دیا؟ حذف کر دیا۔ بات سمجھ میں آگئی؟ جی۔

اور نیز دیکھیے اس ترکیب کے اندر بَاعِدْ نَفْسَكَ مِنَ الْأَسَدِ، بَاعِدْ نَفْسَكَ معلوم ہوا یہ جو مخاطب ہے یہ ہے مُحَذَّر، اور کس سے ڈرایا جا رہا ہے؟ مِنَ الْأَسَدِ، معلوم ہوا اسد کیا ہے؟ مُحَذَّر مِّنْهُ ہے بھئی۔ تو کہتے ہیں: وَمَعْنَاهُمَا، اور ان دونوں مثالوں کا معنی جو ہے وہ یہ ہے: بَاعِدْ نَفْسَكَ مِنَ الْأَسَدِ وَالْأَسَدَ مِنْ نَفْسِكَ۔ دوسری مثال جو ہے اس کا معنی جو ہے: بَاعِدْ نَفْسَكَ عَنْ حَذْفِ الْأَزْنَبِ، تو دور کر اپنی ذات کو عَنْ حَذْفِ الْأَزْنَبِ خرگوش کو لاٹھی پھینک کر مارنے سے۔ خود آگے معنی بھی کر رہے ہیں حَذْفِ الْأَزْنَبِ کا کیا معنی؟ کہتے ہیں: وَهُوَ ضَرْبُهُ بِالْعَصَا، وہ اس کو لاٹھی سے مارنا یعنی دور سے لاٹھی سے مارنا۔ وَبَاعِدْ حَذْفَ الْأَزْنَبِ عَنْ نَفْسِكَ، اور تو دور کر خرگوش کو لاٹھی پھینک کر مارنے کو عَنْ نَفْسِكَ اپنی ذات سے۔ تو اس کے اندر بھی اسی طرح کیا گیا: پہلے جار مجرور دونوں طرف سے حذف ہو گئے، اور پھر اس کے بعد بَاعِدْ اور نَفْس کے لفظ کو کیا کر لیا گیا؟ حذف کر لیا گیا۔ تو کہتے ہیں: وَعَلَى التَّقْدِيْرَيْنِ، اور دونوں تقدیروں پر اَلْمُحَذَّرُ مِنْهُ هُوَ الْأَسَدُ وَالْحَذْفُ، مُحَذَّر مِّنْهُ جو ہے اسد ہے اور حذف ہے۔ فَإِنَّ الْمُرَادَ مِنْ تَبْعِيْدِ الْأَسَدِ، اچھا بھئی دیکھیے، دراصل شبہ پڑتا ہے شاید دونوں مُحَذَّر ہیں۔ پہلے کیا کہا؟ بَاعِدْ نَفْسَكَ، تو اپنی ذات کو دور کر، معلوم ہوا مخاطب ہے مُحَذَّر، اور مِنَ الْأَسَدِ، اسد کیا ہے؟ مُحَذَّر مِّنْهُ۔ لیکن آگے آ رہا ہے وَالْأَسَدَ، بَاعِدِ الْأَسَدَ، اس سے تو پتہ چل رہا ہے کہ شیر جو ہے وہ ہے مُحَذَّر، اس کو دور کر مِنْ نَفْسِكَ کس سے؟ اپنی ذات سے، معلوم ہوا اے مخاطب! آپ ہوئے مُحَذَّر مِّنْهُ۔ تو صاحبِ جامی بتائیں گے کہ نہیں، مُحَذَّر جو ہے وہ مخاطب ہی ہے،

وہ مخاطب ہی ہے، اور مُحَذَّر مِّنْهُ الْأَسَدُ ہے، اور جو آگے ذکر کیا گیا کہ شیر کو اپنے ذات سے دور کر، یہ بطورِ مبالغہ کے ہے، یعنی تکرار نہیں کیا گیا بلکہ اس مبالغہ کرتے ہوئے کہا گیا یعنی اپنے آپ کو شیر سے دور کرو اور شیر کو اپنے آپ سے دور کرو، تو یہاں یہ معنی نہیں کہ وہ شیر مُحَذَّر ہے، شیر مُحَذَّر ہے۔ تو صرف بطورِ مبالغہ کے کلام یوں کیا گیا کہ یعنی خود بھی شیر سے دور ہو جاؤ اور شیر کو بھی اپنے آپ سے دور کر دو، لیکن مراد وہی ہے۔ ماقبل سے بھی مراد یہی ہے کہ اپنی ذات کو شیر سے دور کرو، اور واؤ کے جو مابعد ہے جس میں کہا گیا کہ شیر کو اپنے سے دور کرو، وہاں بھی مراد یہی ہے اپنی ذات کو شیر سے دور کرو۔ بھئی کیسے؟ اپنی ذات کو شیر سے دور کرو، کیا معنی؟ کہتے ہیں اس لیے کیونکہ شیر کو دور کرنا یہ تو اس کی طاقت میں ہی

نہیں ہے، ہاں یہ کر سکتا ہے اپنی ذات کو کیا کر لے؟ اس سے دور کر لے۔ تو اس کو صرف بطورِ مبالغہ کے ذکر کیا گیا ہے تاکہ کلام میں زور آجائے، تاکید آجائے، واؤ سے ماقبل بھی گویا یہی بات ہے اپنے آپ کو شیر سے دور کرو، اور مابعد میں بھی یہی مراد ہے کہ اپنے آپ کو شیر سے دور کرو، تو گویا ایک ہی چیز دو دفعہ آگئی تو تکرار آگیا، تاکید آگئی، کلام میں زور پیدا ہو گیا۔ تو کہتے ہیں: وَعَلَى التَّقْدِيْرَيْنِ، اور دونوں تقدیروں پر اَلْمُحَذَّرُ مِنْهُ هُوَ الْأَسَدُ وَالْحَذْفُ، مُحَذَّر مِّنْهُ جو ہے اسد ہے اور حذف ہے۔ فَإِنَّ الْمُرَادَ مِنْ تَبْعِيْدِ الْأَسَدِ أَوِ الْحَذْفِ مِنْ نَفْسِكَ، اس لیے کیونکہ مراد جو ہے شیر کو دور کرنا یا حذف کو دور کرنا اپنی ذات سے، اس سے مراد جو ہے تَحْذِيْرُهَا، وہ اس مخاطب کی ذات کو، ہا ضمیر نَفْسَكَ کو راجع، وہ مخاطب کی ذات کو ڈرانا ہے مِنْهُمَا ان دونوں چیزوں سے، لَا تَحْذِيْرَهُمَا مِنْهَا، نہ یہ کہ ان دونوں چیزوں کو ڈرانا ہے مخاطب کی ذات سے۔ بات سمجھ میں آگئی؟

تو حاصلِ کلام یہ کہ دو قسمیں ذکر کر دیں تحذیر کی: ایک کی تعریف کیا کی؟ هُوَ مَعْمُوْلٌ بِتَقْدِيْرِ اِتَّقِ، وہ معمول ہوتا ہے اِتَّقِ کی تقدیر کے ساتھ، ذُكِرَ تَحْذِيْرًا مِّمَّا بَعْدَهُ، اس کو ذکر کیا جاتا ہے مابعد سے ڈرانے کے لیے۔ إِيَّاكَ وَالْأَسَدَ، یہ إِيَّاكَ کو ذکر کیا گیا مابعد اسد سے ڈرانے کے لیے۔ اور دوسرے کی تعریف کیا ہوئی؟ هُوَ مَعْمُوْلٌ بِتَقْدِيْرِ اِتَّقِ، وہ بھی معمول ہوتا ہے اِتَّقِ کی تقدیر کے ساتھ، ذُكِرَ مُكَرَّرًا، اور اس کو مکرر ذکر کیا جاتا ہے اس معمول کو، لیکن وہ کون سا معمول ہوتا ہے؟ مُحَذَّر مِّنْهُ، لہٰذا یہاں پر پھر ضمیر راجع کرنے کے بجائے کیا لے آئے؟ مُحَذَّر مِّنْهُ لے آئے، بتلانا یہ چاہتے ہیں کہ یہ جو دوسری قسم ہے جس میں معمول کو مکرر ذکر کیا جا رہا ہے، یہ وہ معمول نہیں ہے جو پہلی قسم میں تھا، وہ تھا مُحَذَّر اور یہ ہے مُحَذَّر مِّنْهُ۔ یہاں تک بات سمجھ میں آئی؟ ہاں یہاں ایک اشکال ہوتا ہے، اشکال، عبارت پر اشکال یہ: إِيَّاكَ وَالْأَسَدَ، إِيَّاكَ وَالْأَسَدَ، إِيَّاكَ کیا ہے؟ مُحَذَّر، اور الْأَسَدَ کیا ہے؟ مُحَذَّر مِّنْهُ، تو اس پر اشکال ہوتا ہے کہ مُحَذَّر پر مُحَذَّر مِّنْهُ کا عطف کیسے کر دیا گیا؟ عطف تو ایک جیسی چیزوں کا ایک دوسرے پر کیا جاتا ہے، اور یہاں تو إِيَّاكَ وَالْأَسَدَ إِيَّاكَ معطوف علیہ ہے وہ ہے مُحَذَّر، اور وَالْأَسَدَ وہ ہے مُحَذَّر مِّنْهُ، تو ایک جیسی چیزوں کو دوسرے پر عطف کیا جاتا ہے، تو دو الگ چیزوں کو ایک دوسرے پر ان کا عطف کیسے کر دیا گیا؟ اشکال سمجھ میں آرہا ہے؟ تو جواب یہ کہ بھئی ان کے نام الگ الگ ہیں، یہ چیزیں کوئی الگ نہیں ہیں۔ وہ بھی

منصوب ہے کس کی وجہ سے؟ اِتَّقِ کی وجہ سے، یہ ماقبل والا بھی اِتَّقِ کی وجہ سے یا بَاعِدْ کی وجہ سے منصوب ہے اور مابعد والا بھی اِتَّقِ یا بَاعِدْ کی وجہ سے منصوب ہے، تو دونوں میں عمل کر رہا ہے، دونوں ایک جیسے ہیں، ہاں صرف نام الگ الگ ہیں، ایک مُحَذَّر ہے تو دوسرا مُحَذَّر مِّنْهُ ہے، حالانکہ ہیں دونوں ہی معمول اس اِتَّقِ یا بَاعِدْ کے معمول ہیں، صرف نام الگ الگ ہیں بھئی۔

آگے دیکھیے: وَالطَّرِيْقَ الطَّرِيْقَ مِثَالٌ لِّثَانِيْ نَوْعَيْهِ، یہ مثال ہے تحذیر کی دو انواع میں سے ثانی قسم کی۔ أَيِ اتَّقِ الطَّرِيْقَ الطَّرِيْقَ، یعنی راستے سے بچو، اور یہ اَلطَّرِيْقَ ثانی تاکید ہے اول کے لیے۔ وَلَا يَخْفَىٰ عَلَيْكَ، تو یہاں سے یہ بیان کر رہے ہیں صاحبِ جامی کہ یہ جو پہلی مثال ہے اس کے اندر اِتَّقِ کی تقدیر صحیح نہیں، جو پہلی نوع ہے بھئی تحذیر کی، اور دوسری نوع کے اندر کبھی اِتَّقِ کی تقدیر صحیح ہوگی اور کبھی بَاعِدْ وغیرہ نکالنا پڑے گا۔ توجہ ہے؟ پہلی نوع جو ہے تحذیر کی اس کے اندر اِتَّقِ کی تقدیر صحیح نہیں، جبکہ دوسری نوع کے اندر کبھی اِتَّقِ محذوف ہوگا اور کبھی اِتَّقِ جیسا کوئی اور لفظ یعنی بَاعِدْ وغیرہ محذوف ہوگا۔ جبکہ صاحبِ کافیہ نے تو کیا کہا تھا؟ بِتَقْدِيْرِ اِتَّقِ، کہ اِتَّقِ کی تقدیر کے ساتھ ہو، تو بتائیں گے کہ صحیح یہ ہے کہ یوں کہا جائے کہ اِتَّقِ یا اِتَّقِ جیسے کسی لفظ کی تقدیر ہو یعنی بَاعِدْ وغیرہ بھئی۔ تو کہتے ہیں: وَلَا يَخْفَىٰ عَلَيْكَ، اور یہ بات آپ پر مخفی نہیں ہے کہ أَنَّ تَقْدِيْرَ اِتَّقِ فِيْ أَوَّلِ النَّوْعَيْنِ غَيْرُ صَحِيْحٍ، کہ دو نوعوں میں سے جو پہلی نوع ہے اس کے اندر اِتَّقِ کی تقدیر صحیح نہیں ہے، لِأَنَّهُ لَا يُقَالُ اس لیے کیونکہ یوں نہیں کہا جاتا: اِتَّقَيْتُ زَيْدًا مِّنَ الْأَسَدِ۔ یوں نہیں کہتے عربی زبان میں۔ یوں نہیں کہتے اس لیے کیونکہ اِتَّقَىٰ کا معنی بچنا ہے، بچانا نہیں، تو اِتَّقَيْتُ زَيْدًا مِّنَ الْأَسَدِ یہ تو تب کہتے نا اگر معنی کیا ہوتا؟ بچانا کہ میں نے زید کو شیر سے بچایا، لیکن اس کا معنی بچانا نہیں ہے بلکہ بچنا ہے، تو لہٰذا یوں نہیں کہتے۔ لِأَنَّهُ لَا يُقَالُ اِتَّقَيْتُ زَيْدًا مِّنَ الْأَسَدِ، کہ میں نے زید کو شیر سے بچایا یوں نہیں کہتے۔ فَيَنْبَغِيْ تو مناسب یہ ہے کہ أَنْ يُقَدَّرَ فِيْهِ مِثْلُ بَاعِدْ وَنَحِّ، تو مناسب یہ ہے کہ اس پہلی نوع کے اندر مقدر کیا جائے کس کو؟ بَاعِدْ اور نَحِّ جیسے لفظوں کو۔ بَاعِدْ کا معنی ہے دور کرو، اے مخاطب تو اپنی ذات کو شیر سے دور کر۔ اور اسی طرح نَحِّ، نَحِّ یہ نَحْوٌ سے ہے، ن ح و اس کا مادہ ہے، اور نَحِّ کا معنی ہے دور کرنا بھئی، ہٹانا بھئی، تو یعنی وہی بَاعِدْ کے معنی میں ہے۔ تو کہتے ہیں اس میں بَاعِدْ اور نَحِّ جیسی تقدیر ہونی چاہیے پہلی قسم میں۔ وَتَقْدِيْرُ بَاعِدْ فِيْ مِثَالِ النَّوْعِ الثَّانِيْ غَيْرُ مُنَاسِبٍ، اور دوسری مثال کیا ذکر کی متن میں؟ اَلطَّرِيْقَ الطَّرِيْقَ، کہتے ہیں اس کے اندر بَاعِدْ کی تقدیر صحیح نہیں، کیونکہ یہاں راستے سے دور کرنا مقصد نہیں ہے کہ راستے سے اپنے آپ کو دور کرو، بلکہ مقصد ہے راستے سے بچو یعنی اس پر نہ چلو بھئی۔ یہ نہیں کہ اپنے آپ کو اس راستے سے دور لے جاؤ، نہیں معنی کیا ہے؟ اس راستے سے بچو یعنی اس پر نہ چلو بھئی۔ تو یہ جو مثال ذکر کی اس کے اندر بَاعِدْ کی تقدیر نہیں صحیح بلکہ اِتَّقِ کی تقدیر صحیح ہے۔ تو کہتے ہیں: وَتَقْدِيْرُ بَاعِدْ فِيْ مِثَالِ النَّوْعِ الثَّانِيْ غَيْرُ مُنَاسِبٍ، اور بَاعِدْ کی تقدیر جو ہے نوعِ ثانی کی جو مثال ذکر کی گئی متن میں اس کے مناسب نہیں ہے، لِأَنَّ الْمَعْنَى عَلَى الِاتِّقَاءِ عَنِ الطَّرِيْقِ، اس لیے کیونکہ معنی جو ہے راستے سے بچنے کے ہیں، لَا عَلَىٰ تَبْعِيْدِهِ اس سے دور

کرنے کے نہیں ہیں۔

فَالصَّوَابُ، تو درست یوں ہے أَنْ يُقَالَ یوں کہا جائے: بِتَقْدِيْرِ بَاعِدْ أَوِ اتَّقِ وَنَحْوِهِمَا، متن میں یوں ہونا چاہیے کہ وہ تحذیر جو ہے معمول ہو بِتَقْدِيْرِ بَاعِدْ، بَاعِدْ کی تقدیر کے ساتھ، أَوِ اتَّقِ یا اِتَّقِ کی تقدیر کے ساتھ، وَنَحْوِهِمَا یا ان جیسے کسی اور لفظ کے ساتھ، فَيُقَدَّرُ مِثْلُ بَاعِدْ فِيْ جَمِيْعِ أَفْرَادِ النَّوْعِ الْأَوَّلِ۔ تو پہلی نوع جو ہے، ادھر دیکھیے، جو پہلی نوع ہے تحذیر کی اس میں تمام افراد میں بَاعِدْ کو مقدر نکالا جائے گا یعنی اس سے معنی صحیح بنے گا، جبکہ دوسری نوع میں آپ کو بتلائیں گے کہ بعض جگہ اِتَّقِ مقدر نکالا جائے گا اور بعض جگہ بَاعِدْ نکالا جائے گا۔ تو کہتے ہیں: فَيُقَدَّرُ مِثْلُ بَاعِدْ تو بَاعِدْ جیسا لفظ جو ہے مقدر نکالا جائے گا فِيْ جَمِيْعِ أَفْرَادِ النَّوْعِ الْأَوَّلِ، نوعِ اول کے تمام افراد میں، وَفِيْ بَعْضِ أَفْرَادِ النَّوْعِ الثَّانِيْ، اور اسی طرح نوعِ ثانی کے بعض افراد میں بھی بَاعِدْ کا لفظ مقدر کیا جائے گا، مِثْلُ نَفْسَكَ نَفْسَكَ، یہ دوسری مثال ذکر کر دی نوعِ ثانی کی جس میں تکرار ہے بھئی، جس میں تکرار ہے اس معمول کا: مِثْلُ نَفْسَكَ نَفْسَكَ، فَإِنَّ الْمَعْنَى، اس لیے کیونکہ معنی جو ہے عَلَىٰ بَاعِدْ نَفْسَكَ مِمَّا يُؤْذِيْكَ، یعنی دور کر تو اپنی ذات کو مِمَّا يُؤْذِيْكَ اس چیز سے جو تجھے اذیت دے۔ معلوم ہوا یہ ذات جو ہے اس کو دور کر، معلوم ہوا یہ ہے مُحَذَّر، اور کس چیز سے دور کرے؟ مِمَّا يُؤْذِيْكَ یعنی وہ موذی چیز جو ہے وہ ہے مُحَذَّر مِّنْهُ۔ بات سمجھ میں آگئی؟ فَإِنَّ الْمَعْنَى عَلَىٰ بَاعِدْ نَفْسَكَ مِمَّا يُؤْذِيْكَ اس لیے کیونکہ اس کا معنی جو ہے وہ اس طرح ہوگا کہ بَاعِدْ نَفْسَكَ مِمَّا يُؤْذِيْكَ، تو اپنی ذات کو دور کر اس چیز سے جو تجھے اذیت دے، كَالْأَسَدِ وَنَحْوُهُ جیسے کہ شیر ہے اور اس جیسی کوئی چیز ہے، یعنی اس سے اپنے آپ کو دور کر۔ بات سمجھ میں آگئی؟ كَالْأَسَدِ وَنَحْوُهُ پڑھنا، اس لیے کیونکہ کاف کا بھی کیا معنی؟ مثل، اور نَحْو کا بھی کیا معنی؟ مثل، تو نَحْوُهُ کا عطف الْأَسَدِ پر نہ کریں ورنہ تو عبارت کیا بن جائے گی كَنَحْوِهِ، تو مثل مثلہ بن جائے گا اور یہ صحیح نہیں۔ تو کہتے ہیں: وَيُقَدَّرُ مِثْلُ اِتَّقِ فِيْ بَعْضِهَا، اور اِتَّقِ کے مثل لفظ مقدر ہوگا فِيْ بَعْضِهَا اس قسمِ ثانی کے بعض افراد میں كَالْمِثَالِ الْمَذْكُوْرِ، جیسے کہ یہ جو مثال ذکر کی گئی متن میں اس کے اندر بھی اِتَّقِ مقدر ہوگا۔

قِيْلَ، جی کہا گیا ہے، یہاں سے ایک اعتراض اور اس کا جواب ذکر کریں گے۔ ادھر دیکھیے: إِيَّاكَ وَالْأَسَدَ، یہاں اعتراض ہوتا ہے، اعتراض یہ کہ تحذیر جو ہے، تحذیر کسے کہتے ہیں؟ کہ جو معمول ہوتا ہے اِتَّقِ کی تقدیر کے ساتھ مابعد سے ڈرانے کے لیے، یا مُحَذَّر مِّنْهُ کو مکرر ذکر کیا جائے۔ تو یہ جو إِيَّاكَ وَالْأَسَدَ اس میں یہ جو وَالْأَسَدَ آ رہا ہے یہ نہ قسمِ اول میں داخل ہے نہ قسمِ ثانی میں، تو یہ تحذیر سے خارج ہو رہا ہے، حالانکہ یہ بھی تحذیر ہے۔ یہ بھی؟ بھئی خارج کس طرح ہے؟ بھئی اس لیے کیونکہ ایک نوع تو وہ ہے جس میں مُحَذَّر مِّنْهُ مکرر ہوتا ہے، اور إِيَّاكَ وَالْأَسَدَ یہاں الْأَسَدَ مکرر ہے؟ نہیں، معلوم ہوا یہ قسمِ ثانی تو نہیں۔ اور قسمِ اول کی کیا تعریف کی تھی؟ کہ جس کے اندر اس معمول کو ذکر کیا جاتا ہے مابعد سے ڈرانے کے لیے، اور الْأَسَدَ کے مابعد کوئی چیز ہے جس سے اسد کو ڈرایا جا رہا ہے؟ تو یہ تو تعریف سے خارج ہو رہا ہے، بات سمجھ میں آگئی؟ تو کہیں گے نہیں، یہ بھی تحذیر ہے، تحذیر تو ہے لیکن اگر خارج بھی ہو جائے تو کوئی حرج نہیں اس لیے کیونکہ یہ معطوف ہے

یعنی یہ تابع ہے، اور توابع کا آگے مستقل بیان آرہا ہے، تو یہ جو تعریفیں کی جا رہی ہیں یہ توابع اس میں داخل ہی نہیں ہیں یہ بات پہلے بھی ذکر ہو چکی۔ یہ إِيَّاكَ وَالْأَسَدَ یہ اسد کیا ہے؟ تابع ہے یعنی یہ معطوف ہے، اور معطوف کا وہی حکم ہوتا ہے جو کس کا ہو؟ معطوف علیہ کا، تو یہاں پر جو اصل ہیں جو تعریفات کی جا رہی ہیں ان میں جو اصل ہیں صرف یہ تعریفات ان کو شامل ہیں، جو توابع ہیں ان کو شامل نہیں، تو اگر الْأَسَدَ نکل جاتا ہے تو کوئی حرج نہیں ہے، اگرچہ ہے یہ بھی تحذیر ہی بھئی۔

قِيْلَ کہا گیا ہے: لَفْظُ الْأَسَدِ فِيْ إِيَّاكَ وَالْأَسَدَ خَارِجٌ عَنِ النَّوْعَيْنِ، کہ اسد کا لفظ جو ہے اس مثال میں إِيَّاكَ وَالْأَسَدَ یہ خارج ہے عَنِ النَّوْعَيْنِ تحذیر کی دونوں قسموں سے، فَيَنْبَغِيْ أَلَّا يَكُوْنَ تَحْذِيْرًا، تو مناسب یہ ہے کہ اس کو تحذیر نہیں ہونا چاہیے، وَلَيْسَ كَذٰلِكَ اور حالانکہ ایسا نہیں ہے، فَإِنَّهُ أَيْضًا تَحْذِيْرٌ، اس لیے کیونکہ یہ اسد بھی کیا ہے؟ تحذیر ہے۔ وَأُجِيْبَ، اور اس کا جواب دیا گیا بِأَنَّهُ تَابِعٌ لِّلتَّحْذِيْرِ، کہ یہ تحذیر کے تابع ہے، وَالتَّوَابِعُ خَارِجَةٌ عَنِ الْمَحْدُوْدِ، اور جو توابع ہیں وہ محدود سے یعنی جس کی تعریف کی گئی ان سے خارج ہیں، بِدَلِيْلِ ذِكْرِهَا فِيْمَا بَعْدُ، اس دلیل سے کہ ان کا ذکر بعد میں آرہا ہے، ان کا ذکر بعد میں مستقل آرہا ہے۔

تو تحذیر کی دو قسمیں ہو گئیں: ایک وہ جس میں درمیان میں واؤ لاتے ہیں جیسے إِيَّاكَ وَالْأَسَدَ، اور ایک وہ جس میں مُحَذَّر مِّنْهُ کو مکرر ذکر کیا جاتا ہے۔ تو یہ جو پہلی قسم ہے جس کے درمیان واؤ لائے ہیں، توجہ ہے؟ اس میں یہاں پر مِنْ کا لانا بھی جائز ہے: إِيَّاكَ مِنَ الْأَسَدِ یوں کہنا بھی صحیح۔ آپ کسی شخص کو شیر سے ڈرانا چاہتے ہیں تو آپ اس کو کہہ سکتے ہیں إِيَّاكَ وَالْأَسَدَ، یا آپ کہہ سکتے ہیں إِيَّاكَ مِنَ الْأَسَدِ۔ تو یہ تو تھا اسمِ صریح، اور اسمِ مؤول میں بھی یوں کہہ سکتے ہیں مِنْ کے ساتھ: إِيَّاكَ مِنْ أَنْ تَحْذِفَ، إِيَّاكَ مِنْ أَنْ تَحْذِفَ۔ اور پھر کبھی مِنْ کو بھی حذف کر لیا جاتا ہے، لیکن وہ صرف اسمِ مؤول میں حذف جائز ہے، اسمِ صریح میں جائز نہیں۔ یعنی إِيَّاكَ مِنْ أَنْ تَحْذِفَ یہاں سے مِنْ کا حذف جائز ہے: إِيَّاكَ أَنْ تَحْذِفَ، مِنْ کا حذف جائز ہے۔ اور إِيَّاكَ مِنَ الْأَسَدِ یہاں سے مِنْ کو حذف کر دیں یعنی اسمِ صریح سے یہ جائز نہیں، کیونکہ اسمِ صریح سے حرفِ جر کا حذف شاذ ہے۔ اسمِ صریح سے حرفِ جر کا حذف شاذ ہے، لیکن أَنْ اور أَنَّ جو یہ حروفِ مصدر ہیں، آپ نے پڑھا ہے أَنْ جملہ فعلیہ پر داخل ہوتا ہے اور اس کو مصدر کے معنی میں کر دیتا ہے، اور أَنَّ جو حروفِ مشبہ بالفعل میں سے ہے، یہ جملہ اسمیہ پر داخل ہوتا ہے اور اس کو مصدر کے معنی میں کر دیتا ہے۔ تو أَنْ جو حرفِ مصدر ہے، تو أَنْ اور أَنَّ دونوں سے حرفِ جر کا حذف کرنا یہ قیاسی ہے، یہ قیاسی ہے، وجہ یہ کہ یہ اپنے مابعد سے مل کر اسم بنتے ہیں، تو بات پہلے ہی بڑی لمبی ہو چکی ہے۔ أَنْ تَحْذِفَ کس معنی میں ہے؟ اَلْحَذْفِ کے معنی میں ہے، تو أَنْ تَحْذِفَ میں بات دیکھو أَنْ تَحْذِفَ پورا جملہ ہے پھر اس پر أَنْ داخل ہوا تو لفظ طویل ہو چکے ہیں، پھر اس پر مِنْ بھی آگیا تو بات اور زیادہ طویل ہو گئی، لہٰذا ایسے موقع پر مِنْ کا حذف قیاساً جائز ہے تاکہ کلام میں تخفیف آجائے۔ لیکن اسمِ صریح سے حروفِ جارہ کا حذف شاذ ہے بھئی۔ تو دیکھیے متن متن پہلے دیکھیے بھئی۔ کہتے ہیں: وَتَقُوْلُ إِيَّاكَ مِنَ الْأَسَدِ، اور آپ إِيَّاكَ مِنَ الْأَسَدِ بھی کہہ سکتے ہیں یعنی واؤ کی جگہ مِنْ لے آئیں، وَمِنْ أَنْ تَحْذِفَ أَيْ

إِيَّاكَ مِنْ أَنْ تَحْذِفَ یہ بھی کہہ سکتے ہیں یعنی اسمِ مؤول کے اندر بھی، اور وَإِيَّاكَ أَنْ تَحْذِفَ اور آپ إِيَّاكَ أَنْ تَحْذِفَ بھی کہہ سکتے ہیں بِتَقْدِيْرِ مِنْ مِنْ کی تقدیر کے ساتھ۔ وَلَا تَقُوْلُ لیکن آپ یہ نہیں کہہ سکتے: إِيَّاكَ الْأَسَدَ لِامْتِنَاعِ تَقْدِيْرِ مِنْ، اس لیے کیونکہ اس کے اندر مِنْ کی تقدیر ممتنع ہے بھئی۔ بات سمجھ میں آگئی؟ اب دیکھیے شرح کے ساتھ۔ کہتے ہیں: وَتَقُوْلُ فِيْ قِسْمَيِ النَّوْعِ الْأَوَّلِ، اور آپ نوعِ اول کی دونوں قسموں میں کہہ سکتے ہیں:

دو قسمیں تھیں نا نوعِ اول کی، کیا؟ ایک میں إِيَّاكَ وَالْأَسَدَ اسمِ صریح تھا، اور ایک تھا إِيَّاكَ وَأَنْ تَحْذِفَ اسمِ مؤول تھا، تو ان دونوں قسموں میں آپ واؤ کی جگہ کیا لا سکتے ہیں؟ مِنْ لا سکتے ہیں۔ تو کہتے ہیں: وَتَقُوْلُ، اور آپ کہہ سکتے ہیں فِيْ قِسْمَيِ النَّوْعِ الْأَوَّلِ نوعِ اول کی دونوں قسموں میں کیا کہہ سکتے ہیں؟ إِيَّاكَ مِنَ الْأَسَدِ، إِيَّاكَ مِنَ الْأَسَدِ بھی کہہ سکتے ہیں كَمَا كُنْتَ تَقُوْلُ إِيَّاكَ وَالْأَسَدَ جیسے آپ إِيَّاكَ وَالْأَسَدَ کہتے تھے۔ وَمِنْ أَنْ تَحْذِفَ، اور آپ یوں بھی کہہ سکتے ہیں كَمَا كُنْتَ تَقُوْلُ إِيَّاكَ وَأَنْ تَحْذِفَ، جیسے کہ آپ إِيَّاكَ وَأَنْ تَحْذِفَ کہتے تھے اسی طرح آپ إِيَّاكَ مِنْ أَنْ تَحْذِفَ بھی کہہ سکتے ہیں۔ وَتَقُوْلُ فِي الْمِثَالِ الْأَخِيْرِ، اور آپ آخری مثال میں یوں بھی کہہ سکتے ہیں۔ دیکھا اب دونوں کی بات نہیں کی: وَتَقُوْلُ فِي الْمِثَالِ الْأَخِيْرِ، یعنی ان دو مثالوں میں سے جو آخر والی مثال تھی إِيَّاكَ مِنْ أَنْ تَحْذِفَ اس میں آپ یوں بھی کہہ سکتے ہیں، تو کہتے ہیں وَتَقُوْلُ فِي الْمِثَالِ الْأَخِيْرِ: إِيَّاكَ أَنْ تَحْذِفَ بھی کہہ سکتے ہیں بِتَقْدِيْرِ مِنْ مِنْ کی تقدیر کے ساتھ، أَيْ إِيَّاكَ مِنْ أَنْ تَحْذِفَ، دیکھا یہاں مِنْ مقدر ہے، لِأَنَّ حَذْفَ حَرْفِ الْجَرِّ عَنْ أَنْ وَأَنَّ قِيَاسٌ اس لیے کیونکہ حرفِ جر کو حذف کرنا أَنْ اور أَنَّ سے یہ قیاسی ہے۔ وَلَا تَقُوْلُ، اور آپ یہ نہیں کہہ سکتے فِي الْمِثَالِ الْأَوَّلِ پہلی مثال میں: إِيَّاكَ الْأَسَدَ، لِامْتِنَاعِ تَقْدِيْرِ مِنْ، اس لیے کیونکہ مِنْ کی تقدیر اسمِ صریح سے ممتنع ہے، وَشُذُوْذِهِ مَعَ غَيْرِ أَنْ وَأَنَّ، یہ شُذُوْذِهِ کا عطف ہے اِمْتِنَاع پر، اور اِمْتِنَاع پر لام جارہ داخل ہے تو شُذُوْذِهِ یہ بھی مجرور پڑھیں گے۔ عبارت کیا بن گئی؟ آپ إِيَّاكَ الْأَسَدَ نہیں کہہ سکتے لِامْتِنَاعِ تَقْدِيْرِ مِنْ وَشُذُوْذِهِ مِنْ کی تقدیر کا ممتنع ہونے کی وجہ سے، وَشُذُوْذِهِ مَعَ غَيْرِ أَنْ وَأَنَّ اور نیز تقدیرِ مِنْ کا شاذ ہونا أَنْ اور أَنَّ کے علاوہ کے ساتھ۔ أَنْ اور أَنَّ کے علاوہ کے ساتھ مِنْ کا حذف شاذ ہے۔

فَإِنْ قُلْتَ، یہاں اب ایک اعتراض اور اس کا جواب دیں گے۔ اعتراض یہ کہ آپ نے ہمیں کیا کہا؟ إِيَّاكَ الْأَسَدَ نہیں کہہ سکتے۔ کیوں نہیں کہہ سکتے؟ کیونکہ مِنْ کی تقدیر اسمِ صریح میں شاذ ہے۔ چلو آپ مِنْ مقدر نہیں مان سکتے، تو یہاں واؤ کو مقدر مان لو۔ یوں کہو پہلے کیا تھا؟ إِيَّاكَ وَالْأَسَدَ، پھر اس واؤ حرفِ عطف کو کیا کر لیا گیا؟ حذف کر لیا گیا، تو واؤ مقدر ہے، مِنْ مقدر کرنا شاذ ہے تو واؤ کو مقدر مان لو، کیونکہ بعض صورتوں میں واؤ بھی تو پڑھتے تھے۔ تو اس کا جواب دیں گے کہ بھئی حرفِ عطف کا حذف تو اس شاذ سے بھی بڑھ کر شاذ ہے، وہ تو نہایت ہی نادر ہے پورے کلامِ عرب کے اندر، تو وہ تو اس سے بھی بڑھ کر شاذ ہے یعنی اس کو مقدر ماننا بھی صحیح نہیں ہے۔ تو کہتے ہیں: فَإِنْ قُلْتَ، اگر آپ یہ کہیں کہ فَلْيَكُنْ بِتَقْدِيْرِ الْعَاطِفِ کہ پھر اس کو تقدیرِ عاطف کے ساتھ ہونا چاہیے کہ وہ حرفِ عطف کیا ہو؟ وہ مقدر ہو اس کے ساتھ کر لیا جائے۔ قُلْنَا تو ہم کہتے

ہیں: حَذْفُ الْعَاطِفِ أَشَذُّ شُذُوْذًا، کہ حرفِ عطف کو تو حذف کرنا وہ تو اس سے بھی بڑھ کر شاذ ہے، لِأَنَّ حَذْفَ حَرْفِ الْجَرِّ قِيَاسٌ مَعَ أَنْ وَأَنَّ، اس لیے کیونکہ حرفِ جر کا حذف کرنا تو أَنْ اور أَنَّ کے ساتھ قیاس ہے، وَشَاذٌّ كَثِيْرٌ فِيْ غَيْرِهِمَا، اور شاذِ کثیر ہے ان کے علاوہ میں۔ أَنْ اور أَنَّ کے علاوہ بھی مِنْ کو حذف کرتے ہیں، وہ شاذ ہے لیکن شاذِ کثیر ہے یعنی کافی آیا ہے عربی زبان میں، شاذِ ایک شاذِ کثیر ہے یعنی کچھ نہ کچھ مقدار میں وہ آیا ہے، جبکہ یہ واؤ کا حذف یعنی حرفِ عطف کا حذف یہ تو نادر ہے پورے کلامِ عرب میں، کوئی اکا دکا چند ایک مثالیں ہی ہمیں ملتی ہیں بھئی۔ تو ہیں دونوں ہی شاذ لیکن ایک ذرا کثیر ہے اور دوسرا نادر ہے۔ تو کہتے ہیں اس لیے کیونکہ حرفِ جر کا حذف جو ہے قِيَاسٌ مَعَ أَنْ وَأَنَّ یہ أَنْ اور أَنَّ کے ساتھ قیاس ہے، وَشَاذٌّ كَثِيْرٌ فِيْ غَيْرِهِمَا اور شاذِ کثیر ہے ان کے أَنْ اور أَنَّ کے علاوہ میں یہ مِنْ کا حذف یعنی حرفِ جر کا حذف۔ وَأَمَّا حَذْفُ الْعَاطِفِ، عاطف وہی حرفِ عطف جو عطف کرنے والا، وَأَمَّا حَذْفُ الْعَاطِفِ اور باقی عاطف کا حذف جو ہے فَلَمْ يَثْبُتْ وہ تو ثابت ہی نہیں ہے کلامِ عرب میں إِلَّا نَادِرًا مگر نہایت ہی نادر بھئی، وَالنَّادِرُ كَالْمَعْدُوْمِ نادر تو کیا ہے؟ معدوم شمار ہوتا ہے، گویا ہے ہی نہیں بھئی۔ بات سمجھ میں آگئی؟ حل ہو گیا۔

بھئی یہ تحذیر کا ذکر تھا، بحث مکمل ہوئی، اور جہاں پر جہاں پر صاحبِ کافیہ نے آپ کو بتلایا تھا کہ مفعول بہ کے عامل کو حذف کرنا واجب ہے کتنی جگہ میں؟ چار جگہ میں، وہاں ایک اِغْرَاء کا لفظ بھی آیا تھا، کیا لفظ آیا تھا؟ اِغْرَاء۔ وہ بھی سن لیں مختصراً بھئی، وہ میں پہلے بیان کر چکا ہوں لیکن دوبارہ سن لیں گے ذہن میں تازہ ہو جائے گی بحث اور اس کو ہمیشہ یاد رکھیں۔ تو یاد رکھو ایک ہے تحذیر اور ایک ہے اغراء۔ اغراء کا معنی ہے ابھارنا، ابھارا جاتا ہے کسی اچھی چیز پر، اچھی عادت پر۔ اور ایک ہے تحذیر، تحذیر جو ہے اس میں ڈرایا جاتا ہے کسی نقصان دہ چیز سے، کسی ناپسندیدہ چیز سے۔ تو اغراء اور تحذیر ایک دوسرے کے مقابل ہیں، اور یہ ان میں طریقہ بھی تقریباً ایک جیسا ہے۔ تو اغراء کا معنی ہے ابھارنا، اور اغراء جس چیز پر ابھارا جا رہا ہے اس کو کہتے ہیں مُغْرًى بِهٖ۔ ایک ہے مُغْرِيْ جو ابھارنے والا ہے یعنی وہ جو متکلم جو ابھار رہا ہے، اور جس شخص کو ابھار رہا ہے وہ ہے مُغْرًى، اور جس بات پر ابھار رہا ہے جس عادت پر جس اچھی چیز پر اس کو ابھار رہا ہے وہ ہے مُغْرًى بِهٖ۔ مثلاً میں ایک شخص کو نماز پر ابھارنا چاہتا ہوں تو میں ہوا مُغْرِيْ اور وہ شخص کیا ہوا؟ مُغْرًى، اور کس چیز پر ابھار رہا ہوں؟ نماز پر، تو وہ نماز ہوئی مُغْرًى بِهٖ۔

تو اغراء کے اندر یاد رکھو اس کے تین طریقے ہیں: ایک طریقہ یہ ہے کہ مُغْرًى بِهٖ کو اکیلا ذکر کیا جائے: اَلصَّلَاةَ، دیکھو میں نے مفرد ذکر کیا، اَلْقُرْآنَ۔ یاد رکھو یہاں تقدیرِ عبارت ہوگی اِلْزَمْ، تو لازم پکڑ لے: اے مخاطب! تو نماز کو لازم پکڑ لے، اِلْزَمِ الصَّلَاةَ، اِلْزَمِ الْقُرْآنَ۔ تو مُغْرًى بِهٖ کو کبھی ذکر کیا جاتا ہے مفرد بھئی، کبھی اس کو مکرر ذکر کیا جاتا ہے: اَلصَّلَاةَ الصَّلَاةَ، اَلْقُرْآنَ الْقُرْآنَ، اَلصِّدْقَ الصِّدْقَ، اَلدِّيَانَةَ الدِّيَانَةَ۔ اور کبھی کبھار عطف کے ساتھ دو چیزیں ذکر کی جاتی ہیں: اَلْقُرْآنَ وَالصَّلَاةَ، اَلْقُرْآنَ وَالْإِخْلَاصَ، اَلدِّيَانَةَ وَالصِّدْقَ۔ تو تین صورتیں ہیں اغراء کے اندر: ایک یہ کہ مُغْرًى بِهٖ کو مفرد ذکر کیا جائے، ایک صورت یہ

کہ اس کا تکرار کیا جائے، اور ایک صورت یہ ہے کہ عطف کے ساتھ دو چیزوں کو ذکر کیا جائے۔ یاد رکھو جب مُغْرًی بِہٖ کو مفرد ذکر کیا جائے تو فعل کا ذکر بھی جائز، حذف بھی جائز۔ آپ کسی کو ابھارنا چاہتے ہیں قرآن کے پڑھنے پر تو آپ یوں بھی کہہ سکتے ہیں: اِلْزَمِ الْقُرْآنَ، اے مخاطب! تو قرآن کو لازم پکڑ، اور آپ فعل کو حذف بھی کر سکتے ہیں: اَلْقُرْآنَ۔ لیکن باقی جو دو صورتیں ہیں کہ جس میں مُغْرًی بِہٖ کو مکرر ذکر کیا جائے یا عطف کے ساتھ ذکر کیا جائے، وہاں فعل کا حذف واجب ہے۔ اَلصَّلَاةَ الصَّلَاةَ،یہاں اِلْزَمْ کو آپ ذکر نہیں کر سکتے۔ یا اَلصَّلَاةَ وَالْقُرْآنَ عطف کے ساتھ ہو تب بھی آپ اِلْزَمْ فعل کو ذکر نہیں کر سکتے، تو ان میں حذف واجب ہے۔ یہ ہے اغراء بھئی۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو اغراء کی بھی بعض صورتوں میں حذفِ فعل واجب ہوتا ہے۔

اور جبکہ دوسرا اس کے مقابلے میں تحذیر ہے جو ابھی ہم نے پڑھا۔ تحذیر کسے کہتے ہیں؟ کسی ناپسندیدہ چیز یا خطرناک چیز سے دوسرے کو ڈرانا اور اس پر متنبہ کرنا بھئی۔ تو یاد رکھو اس کے اندر پھر کل چار صورتیں ہیں: ایک صورت یہ کہ مُحَذَّر مِّنْہُ یعنی وہ جس سے ڈرایا جا رہا ہے اس کو مفرد ذکر کیا جائے، جیسے اَلنِّفَاقَ یعنی اِتَّقِ النِّفَاقَ تم اپنے آپ کو منافقت سے بچاؤ۔ تو یہاں بھی فعل کو چاہے ذکر کریں چاہے حذف کریں جب مُحَذَّر مِّنْہُ اکیلا ذکر ہو بھئی۔ اور اگر مُحَذَّر مِّنْہُ مکرر ذکر ہو: اَلطَّرِيْقَ الطَّرِيْقَ، اَلْأَسَدَ الْأَسَدَ، اَلْجِدَارَ الْجِدَارَ، اَلصَّبِيَّ الصَّبِيَّ، اَلْكَذِبَ الْكَذِبَ، تو اس صورت میں فعل کو حذف کرنا واجب ہے: أَيِ اتَّقِ الْكَذِبَ الْكَذِبَ کہ جھوٹ سے اپنے آپ کو بچاؤ بھئی۔ تو ایک صورت کیا ہے تحذیر میں؟ کہ مُحَذَّر مِّنْہُ مفرد ذکر ہو، وہاں فعل کا ذکر بھی جائز اور حذف بھی جائز۔ دوسری صورت کیا ہے؟ کہ مُحَذَّر مِّنْہُ کو مکرر ذکر کریں، یہاں فعل کا حذف واجب ہے۔ یا مُحَذَّر مِّنْہُ کو واوٴ کے ساتھ ذکر کریں اور دو چیزیں ہوں الگ الگ بھئی واوٴ کے ساتھ، جیسے اَلْكَذِبَ وَالنِّفَاقَ، اَلْكَذِبَ وَالنِّفَاقَ یعنی جھوٹ اور منافقت دونوں سے اپنے آپ کو بچاؤ بھئی۔ یہ تیسری صورت ہے، اس کے اندر بھی حذف واجب ہے، یا جیسے آپ اسی طرح کہتے ہیں اَلْكَذِبَ وَالسَّرِقَةَ کہ جھوٹ اور چوری سے اپنے آپ کو بچاؤ۔ تو بات سمجھ میں آگئی؟ تو اس صورت میں بھی فعل کا حذف واجب ہے۔ اور چوتھی صورت تحذیر کے اندر یہ ہے کہ اس کو إِيَّا کے ساتھ ذکر کیا جائے، کس کے ساتھ؟ إِيَّا۔ إِيَّا وہی ضمیر، وہ جو ضمیر ہے إِيَّاكَ، إِيَّاكُمَا، یہ حرفِ خطاب بھی ساتھ جڑ گیا، یہ جو منصوب ضمیر ہے إِيَّاكَ، إِيَّاكُمَا، إِيَّاكُمْ، إِيَّاكِ، إِيَّاكُمَا، إِيَّاكُنَّ، یہ موقع کے مطابق آئے گی، اگر مخاطب ایک ہے تو إِيَّاكَ، اگر دو ہیں تو إِيَّاكُمَا، جمع ہے تو إِيَّاكُمْ، مذکر ہیں تو مذکر، مؤنث ہیں تو مؤنث۔ تو اس کے اندر پھر تین صورتیں ہیں یہ إِيَّاكَ کے اندر جو یہاں آج ہم نے پڑھیں: ایک إِيَّاكَ وَالْأَسَدَ، اس کے اندر فعل کا حذف واجب ہے۔ إِيَّاكَ وَالْأَسَدَ یا إِيَّاكَ وَأَنْ تَحْذِفَ، یا إِيَّاكَ وَأَنْ تَكْذِبَ، تو جھوٹ سے اپنے آپ کو بچا۔ یا اسی طرح جیسے إِيَّاكَ وَالسَّرِقَةَ، تو اپنے آپ کو چوری سے بچا، یا اسی کو أَنْ کے ساتھ لے آئیں درمیان میں واوٴ ہو: إِيَّاكَ وَأَنْ تَسْرِقَ۔ یا انہی دونوں کو مِنْ کے ساتھ بھی لا سکتے ہیں: إِيَّاكَ مِنَ السَّرِقَةِ، کہ تو اپنے آپ کو چوری سے بچا، یا إِيَّاكَ مِنْ أَنْ تَسْرِقَ، أَنْ کے ساتھ بھی مِنْ لا سکتے ہیں۔ اور بعض اوقات مِنْ کو حذف کر لیا جاتا ہے اور اس میں صرف اسمِ مؤول سے تو مِنْ کو حذف کرنا جائز ہے، اسمِ صریح سے مِنْ کا حذف جائز نہیں۔ لہٰذا آپ کہہ سکتے ہیں: إِيَّاكَ

أَنْ تَحْذِفَ، إِيَّاكَ أَنْ تَكْذِبَ، إِيَّاكَ أَنْ تَسْرِقَ، لیکن یہاں آپ إِيَّاكَ الْكَذِبَ اسمِ صریح لے آئیں اور درمیان میں مِنْ حذف ہو، یہ آپ نہیں کہہ سکتے۔

بات سمجھ میں آگئی؟ تو حاصلِ کلام کیا؟ کہ اغراء کے اندر کسی کام پر ابھارا جاتا ہے اور تحذیر میں کسی کام سے ڈرایا جاتا ہے۔ اور اغراء کے اندر تین صورتیں ہیں: یا وہ مُغْرًى بِهٖ مفرد ہوگا، یا مکرر ہوگا، یا عطف کے ساتھ ہوگا۔ اگر مفرد ہو تو حذفِ فعل بھی جائز اور ذکرِ فعل بھی جائز، لیکن اگر مُغْرًى بِهٖ مکرر ہو یا درمیان میں حرفِ عطف ہو تو فعل کا حذف واجب۔ اور تحذیر کے اندر چار صورتیں ہیں: یا تو مُحَذَّر مِّنْهُ مفرد ہوگا، یا مکرر ہوگا، یا عطف کے ساتھ ہوگا، یا إِيَّا کے ساتھ ہوگا۔ اگر مُحَذَّر مِّنْهُ مفرد ہو تو وہاں پر بھی فعل کا ذکر بھی جائز اور حذف بھی جائز، اور اگر مُحَذَّر مِّنْهُ جو ہے وہ مکرر ہو یا عطف کے ساتھ ہو یا إِيَّا کے ساتھ ہو تو ان سب میں حذف واجب ہے بھئی۔ اور پھر إِيَّا کے اندر تفصیل بتائی کہ إِيَّا کے اندر کبھی واؤ لاتے ہیں درمیان میں، کبھی مِنْ لاتے ہیں، اور کبھی مِنْ کو حذف کرتے ہیں۔ اگر درمیان میں واؤ لائیں تو مابعد میں اسمِ صریح بھی آسکتا ہے اور اسمِ مؤول بھی: إِيَّاكَ وَالْأَسَدَ، وَإِيَّاكَ وَأَنْ تَحْذِفَ۔ مِنْ لائیں تب بھی دونوں صورتیں جائز ہیں: إِيَّاكَ مِنَ الْأَسَدِ یا إِيَّاكَ مِنْ أَنْ تَحْذِفَ۔ لیکن اگر آپ مِنْ کو حذف کرتے ہیں تو پھر اسمِ مؤول کو تو لا سکتے ہیں: إِيَّاكَ أَنْ تَحْذِفَ، لیکن اسمِ صریح کو نہیں لا سکتے: إِيَّاكَ الْأَسَدَ نہیں کہہ سکتے۔ جبکہ بعض نحوی کہتے ہیں کہ اسمِ صریح کو بھی مِنْ کے حذف کے ساتھ ذکر کرنا جائز ہے: إِيَّاكَ الْأَسَدَ، إِيَّاكَ الْكَذِبَ، إِيَّاكَ النِّفَاقَ وغیرہ آپ کہہ سکتے ہیں۔ لیکن صاحبِ کافیہ وغیرہ کا مذہب یہی ہے، جمہور کا مذہب یہی ہے کہ اسمِ صریح سے مِنْ کا حذف جو ہے وہ جائز نہیں ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ حل ہو گیا سارا؟ چلیے بس بھئی، هٰذَا هُوَ الْمَرَامُ، وَاللّٰهُ أَعْلَمُ بِحَقِيْقَةِ الْكَلَامِ۔

سبق نمبر ۱۳۶: المفعول فیہ (۱): مفعولِ فیہ (ظرفِ زمان و مکان، مبہم و محدود) کا بیان

شرحِ ملا جامی صفحہ: ۱۱۵ — بتاریخ: ۱۸ جنوری ۲۰۲۲ء

▪ تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث

آگے سبق دیکھیے بھائی: اَلْمَفْعُوْلُ فِيْهِ هُوَ مَا فُعِلَ فِيْهِ فِعْلٌ أَيْ حَدَثٌ مَذْكُوْرٌ تَضَمُّنًا فِيْ ضِمْنِ الْفِعْلِ الْمَلْفُوْظِ أَوِ الْمُقَدَّرِ أَوْ شِبْهِهِ كَذٰلِكَ أَوْ مُطَابَقَةً إِذَا كَانَ الْعَامِلُ مَصْدَرًا۔[1]

بھائی گزشتہ سبق میں «مَا أُضْمِرَ عَامِلُهُ عَلٰى شَرِيْطَةِ التَّفْسِيْرِ» کے اندر جو آخری مثال ذکر کی تھی صاحبِ کافیہ نے، ہم نے اس کے بارے میں پڑھا بھائی۔ اور وہ مثال اللہ تعالیٰ کا قول ﴿ اَلزَّانِيَةُ وَالزَّانِيْ فَاجْلِدُوْا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ ﴾۔ تو صاحبِ جامی نے بتلایا آپ کو کہ بظاہر اس آیت کو دیکھیں تو یوں معلوم ہوتا ہے کہ یہ اَلزَّانِيَةُ وَالزَّانِيْ جو ہے، اس کے اندر نصب پسندیدہ ہے، اس لیے کیونکہ اس کے بعد فَاجْلِدُوْا امر آ رہا ہے۔ اور آپ نے پڑھا کہ امر اور نہی سے ماقبل کے اندر نصب مختار ہے۔ تو بظاہر یوں معلوم ہوتا ہے کہ یہاں بھی نصب مختار ہوگا۔ لیکن تمام کے تمام قراءِ سبعہ نے اس کو رفع کے ساتھ روایت کیا ہے کہ اَلزَّانِيَةُ وَالزَّانِيْ، اس پر رفع نقل کیا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہاں پر رفع مختار ہے، اس لیے کیونکہ قراءِ سبعہ جو ہیں وہ سب کے سب غیرِ مختار پر اکٹھے نہیں ہو سکتے۔ بظاہر تو لگتا ہے کہ یہ اس ضابطے کے اندر داخل ہے بھائی اور یہاں نصب مختار ہونا چاہیے۔ تو نحوی حضرات محتاج ہوئے، ان کو کوئی تدبیر کرنا پڑی، کوئی حیلہ کرنا پڑا کہ اس کو اس ضابطے سے نکال دیں۔

[1]

جدول — مفعولِ فیہ (ظرفِ زمان و مکان، مبہم و محدود):

قسمِ ظرف	حکمِ نصب	مثال
ظرفِ زمان (مبہم و محدود)	دونوں منصوب بلا «فِيْ»	صُمْتُ دَهْرًا / يَوْمَ الْجُمُعَةِ
ظرفِ مکانِ مبہم	بلا «فِيْ» منصوب (جہاتِ ستہ وغیرہ)	جَلَسْتُ خَلْفَكَ / يَمِيْنَكَ
ظرفِ مکانِ محدود	«فِيْ» لانا ضروری (سوائے دخل/سکن)	صَلَّيْتُ فِي الْمَسْجِدِ

تو اس میں پھر امام مبرد کا مذہب بھی ذکر کیا اور امام سیبویہ کا بھی۔ امام مبرد فرماتے ہیں کہ یہ مَا أُضْمِرَ عَامِلُهُ عَلٰى شَرِيْطَةِ التَّفْسِيْرِ کی قبیل سے ہے ہی نہیں، بلکہ اَلزَّانِيَةُ وَالزَّانِيْ یہ ہے مبتدا اور فَاجْلِدُوْا یہ ہے اس کی خبر۔ اور آپ نے پڑھا ہے کہ کبھی کبھار مبتدا کی خبر پر بھی فا کو لے کر آتے ہیں، یعنی فا کا داخل کرنا وہاں جائز ہوتا ہے جب مبتدا متضمن ہو معنیٰ شرط کو۔ اور وہ دو مبتدا ہیں جو متضمن ہوتے ہیں معنیٰ شرط کو: ایک تو وہ اسمِ موصول ہے جس کا صلہ فعل یا ظرف آئے، اور دوسرا وہ نکرہ جس کی صفت فعل یا ظرف آئے۔ ﴿ اَلَّذِيْ يَأْتِيْنِيْ فَلَهُ دِرْهَمٌ ﴾ تو دیکھو اَلَّذِيْ اسمِ موصول ہے اور يَأْتِيْنِيْ یہ فعل اس کا صلہ آیا ہے تو یہ متضمن ہوا معنیٰ شرط کو، تو اس کی خبر جو ہے فَلَهُ دِرْهَمٌ اس پر فا کا داخل کرنا جائز۔ اسی طرح اگر اسمِ موصول کا صلہ ظرف آجائے تو وہاں بھی فا کا لانا جائز ہے: اَلَّذِيْ فِي الدَّارِ، وہ جو اس گھر میں ہے، فَلَهُ دِرْهَمٌ تو اس کے لیے ایک درہم ہے، تو یہاں بھی دیکھو فا کا داخل کرنا جائز۔ اسی طرح ایسا نکرہ جس کی صفت فعل یا ظرف آئے اور وہ مبتدا بن رہا ہو تو اس کی خبر پر بھی فا کا داخل کرنا جائز ہے: كُلُّ رَجُلٍ يَأْتِيْنِيْ فَلَهُ دِرْهَمٌ۔ اور اسی طرح كُلُّ رَجُلٍ فِي الدَّارِ فَلَهُ دِرْهَمٌ۔ اور یہ بھی یاد رکھنا یہ كُلُّ جو ہے یہ صرف افراد کے احاطے کے لیے آتا ہے۔ تو كُلُّ رَجُلٍ يَأْتِيْنِيْ یہ يَأْتِيْنِيْ اس کو صفت بنائیں گے لیکن یہ كُلُّ کے لیے صفت نہیں ہے، رَجُلٍ جو مضاف الیہ ہے اس کے لیے صفت ہے۔ کیونکہ کل تو اسی رجل کے افراد کے احاطے کے لیے آیا ہے، یہ کوئی الگ چیز نہیں۔ تو یہ آگے جو جار مجرور آئے گا یا ظرف آئے گا وہ اس رجل کی صفت بنے گا۔ تو یہاں پر بھی اسی طرح ہے اَلزَّانِيَةُ وَالزَّانِيْ۔ یہ اَلزَّانِيَةُ وَالزَّانِيْ جو ہیں یہ اسمِ فاعل ہیں اور آپ نے پڑھا ہے کہ اسمِ فاعل پر جو الف لام داخل ہو وہ دراصل اسمِ موصول ہوتا ہے، وہ الف لام اسمی ہے۔ تو اَلزَّانِيَةُ کس معنی میں ہوا؟ اَلَّتِيْ زَنَتْ۔ اور اَلزَّانِيْ کس معنی میں ہوا؟ اَلَّذِيْ زَنٰى۔ تو یہ ایسا اسمِ موصول ہے جس کا صلہ فعل آرہا ہے تو یہ متضمن ہوا معنیٰ شرط کو، تو اس کی خبر پر فا کا داخل کرنا جائز ہے بھائی۔ تو یہ امام مبرد کا مذہب ہے بھائی۔ اور صاحبِ کافیہ نے امام مبرد کے مذہب کو پہلے ذکر کیا کیونکہ اس میں کلام حذف سے سلامت رہتا ہے، کوئی چیز محذوف نکالنے کی ضرورت نہیں ہے، اس لیے اس کو مقدم کیا۔ جبکہ امام سیبویہ کے مذہب میں جو ہے کلام کو مقدر نکالنا پڑتا ہے، وہاں کچھ کلام کا حصہ محذوف نکالنا پڑتا ہے۔ تو اس لیے امام مبرد کی ترکیب کو ترجیح دی اور اس کو پہلے ذکر کیا۔ ہاں البتہ امام مبرد کے مذہب پر یہ لازم آتا ہے کہ فَاجْلِدُوْا امر ہے اور امر انشاء ہے تو انشاء کو خبر بنانا لازم آتا ہے، اور انشاء تو بغیر تاویل کے خبر نہیں بنتا، تو اس میں پھر تاویل کرنا پڑے گی۔

جبکہ امام سیبویہ فرماتے ہیں کہ یہ جو آیت ہے دراصل دو جملے ہیں الگ الگ بھائی۔ اَلزَّانِيَةُ وَالزَّانِيْ الگ جملہ ہے اور اس کا مضاف محذوف ہے، أَيْ حُكْمُ الزَّانِيَةِ وَالزَّانِيْ، اور خبر محذوف ہے فِيْمَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ بَعْدُ، کہ زانی اور زانیہ کا حکم جو ہے اس آیت میں ہے جو آگے تم پر تلاوت کی جائے گی۔ اور پھر ساتھ ہی یہ جو وعدہ کیا گیا تھا اس کو پورا کرتے ہوئے حکم بیان کر دیا گیا کہ فَاجْلِدُوْا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ کہ ان میں سے ہر ایک کو سو کوڑے لگاؤ۔ تو لہٰذا جب یہ آیت جو ہے اس

کے اندر جو فا آرہی ہے وہ فا سببیہ ہے جیسا کہ امام مبرد کا مذہب ہے، یا اسی طرح جیسے کہ امام سیبویہ کا مذہب ہے کہ یہ دو جملے ہیں، تو اس صورت میں پھر یہ مَا أُضْمِرَ عَامِلُهُ عَلٰى شَرِيْطَةِ التَّفْسِيْرِ کے ضابطے میں داخل نہیں۔ اور اگر ایسا نہ ہوتا تو پھر تو اس میں نصب ہی مختار ہونا تھا، لیکن نصب کا مختار ہونا تو باطل ہے بھائی کیونکہ تمام قراء نے اس کو کس طرح نقل کیا ہے؟ رفع کے ساتھ بھائی۔

اس کے بعد ہم نے وہ چوتھا مقام پڑھا تھا جہاں پر مفعول بہ کے عامل کو حذف کرنا واجب ہے، اور وہ ہے تحذیر بھائی، تحذیر۔ اور تحذیر جو ہے اس کی دو قسمیں ہیں اور ان دونوں کی تعریف کی صاحبِ کافیہ نے، کہ تحذیر کی ایک قسم کیا ہے؟ کہ وہ معمول ہوتا ہے اِتَّقِ کی تقدیر کے ساتھ، تَحْذِيْرًا مِمَّا بَعْدَهُ، مابعد سے ڈرانے کے لیے۔ کہ وہ اِتَّقِ کی تقدیر کے ساتھ ہوتا ہے وہ معمول، اور اس معمول کو ذکر کیا جاتا ہے کس لیے؟ مابعد سے ڈرانے کے لیے، جیسے إِيَّاكَ وَالْأَسَدَ۔ یہ إِيَّاكَ کیا ہے؟ یہ ہے تحذیر، یہ ہے محذر بھائی۔ یہ معمول ہے، اِتَّقِ کی تقدیر کے ساتھ منصوب ہے بھائی۔ اور اس معمول کو ذکر کیا گیا ہے کس لیے؟ مابعد سے ڈرانے کے لیے یعنی الْأَسَدَ سے ڈرانے کے لیے بھائی، بات سمجھ میں آگئی۔ جبکہ دوسری قسم جو تھی تحذیر کی وہ معمول ہے جو اِتَّقِ کی تقدیر کے ساتھ ہو اور معمول کو مکرر ذکر کیا جائے، جیسے اَلطَّرِيْقَ الطَّرِيْقَ۔ تو دیکھو یہ اَلطَّرِيْقَ یہ ایسا معمول ہے جو اِتَّقِ کی تقدیر کے ساتھ ہے اور اس کو مکرر ذکر کیا گیا ہے۔ لیکن یہاں پر، جہاں پر عبارت کے اندر صاحبِ کافیہ نے ذُكِرَ الْمُحَذَّرُ مِنْهُ کہا۔ کہنا کیا چاہیے تھا؟ کہ ذُكِرَ کے اندر هُوَ ضمیر راجع کرنی چاہیے تھی کس کی طرف؟ معمول کی طرف، کیونکہ یہ صفت ہے نا معمول کی۔ تو یہاں ضمیر کو ذکر کرنا چاہیے تھا لیکن ضمیر کے بجائے کیا لے آئے؟ اسمِ ظاہر لے آئے بھائی۔ کیا لے آئے؟ اسمِ ظاہر لے آئے۔ اس کو کہتے ہیں وَضْعُ الْمُظْهَرِ مَوْضِعَ الْمُضْمَرِ، کہ ضمیر کے مقام پر اسمِ ظاہر کو رکھنا، اور یہ کسی نکتے کی وجہ سے کیا جاتا ہے۔ اور یہاں پر نکتہ یہ ہے کہ اگر یہاں بھی ضمیر ہی کو ذکر کر دیتے اور وہ ضمیر معمول کی طرف لوٹتی تو پھر پتا نہیں چلنا تھا کہ یہ معمول محذر ہے یا محذر منہ۔ پہلی قسم میں جو معمول تھا وہ تو محذر تھا، لیکن یہ دوسرا معمول ہے جس کو مکرر ذکر کیا جاتا ہے یہ تو محذر منہ ہے، تو لہٰذا ضمیر کے بجائے کیا لے آئے؟ اسمِ ظاہر لے آئے کہ ذُكِرَ الْمُحَذَّرُ مِنْهُ مُكَرَّرًا، کہ وہ معمول جو محذر منہ ہے اس کو ذکر کیا جائے مُكَرَّرًا مکرر کرتے ہوئے۔

اور پھر اس کی مثالیں بھی ذکر کیں اور بتلایا تھا کہ یہ جو پہلی قسم ہے اس میں وہ جو محذر منہ ہے وہ اسمِ صریح بھی ہو سکتا ہے اور اسمِ مؤول بھی ہو سکتا ہے۔ اسمِ صریح جیسے إِيَّاكَ وَالْأَسَدَ، یہ الْأَسَدَ کیا ہے؟ اسمِ صریح ہے۔ اور یہ اسمِ مؤول بھی ہو سکتا ہے جیسے إِيَّاكَ وَأَنْ تَحْذِفَ، إِيَّاكَ وَأَنْ تَكْذِبَ، إِيَّاكَ وَأَنْ تَسْرِقَ۔ اور پھر اس کے اندر واؤ کی جگہ پر مِنْ لانا بھی جائز ہے دونوں مثالوں میں۔ تو إِيَّاكَ مِنَ الْأَسَدِ کہنا بھی صحیح اور إِيَّاكَ مِنْ أَنْ تَحْذِفَ یہ کہنا بھی صحیح ہے۔ اور پھر بعض اوقات یہ مِنْ کا حذف بھی جائز ہوتا ہے لیکن یہ اس وقت جب محذر منہ اسمِ مؤول ہو، اسمِ صریح نہ ہو۔ لہٰذا إِيَّاكَ مِنْ أَنْ تَحْذِفَ اس کے اندر مِنْ کو حذف کر کے یوں کہنا إِيَّاكَ أَنْ تَحْذِفَ یہ بھی جائز ہے۔ لیکن إِيَّاكَ مِنَ الْأَسَدِ کے اندر إِيَّاكَ الْأَسَدَ کہنا جائز نہیں

ہے، اس لیے کیونکہ اسمِ صریح سے حروفِ جارہ کا حذف شاذ ہے بھائی، حروفِ جارہ کا حذف شاذ ہے بھائی۔

اب آئیے آج کے سبق پر بھائی۔ کہتے ہیں: اَلْمَفْعُوْلُ فِيْهِ هُوَ مَا فُعِلَ فِيْهِ فِعْلٌ أَيْ حَدَثٌ مَذْكُوْرٌ تَضَمُّنًا فِيْ ضِمْنِ الْفِعْلِ الْمَلْفُوْظِ أَوِ الْمُقَدَّرِ أَوْ شِبْهِهِ كَذٰلِكَ أَوْ مُطَابَقَةً إِذَا كَانَ الْعَامِلُ مَصْدَرًا۔ منصوبات کا بیان چل رہا ہے بھائی۔ آج ہم مفعول فیہ کے بارے میں پڑھیں گے۔ سب سے پہلے صاحبِ کافیہ نے آپ کو مفعولِ مطلق کے بارے میں بتلایا، اس کے بعد مفعول بہ کے بارے میں بتایا، اور آج ہم مفعول فیہ کے بارے میں پڑھیں گے۔ اسی مفعول بہ کے اندر پھر بڑی طویل بحث کی تھی اور اس میں منادیٰ کی بحث بھی کر دی، پھر اسی کے اندر منادیٰ کے توابع بھی ذکر کر دیے، پھر اسی کے اندر جو ہے مَا أُضْمِرَ عَامِلُهُ عَلٰى شَرِيْطَةِ التَّفْسِيْرِ کی بھی خوب تفصیل بیان کر دی، اور اسی کے اندر پھر تحذیر کو بھی ذکر کر دیا کہ یہ سب کیا تھے؟ مفعول بہ تھے۔ اب ہم منصوبات میں سے تیسرا مفعول جو ہے یعنی مفعول فیہ، اس کے بارے میں ہم پڑھیں گے بھائی۔

یہاں یاد رکھنا اَلْمَفْعُوْلُ فِيْهِ یہ مبتدا مؤخر ہے اور اس کی خبر مقدم محذوف ہے، أَيْ مِنْهُ الْمَفْعُوْلُ فِيْهِ۔ مِنْهُ کی هَا ضمیر راجع ہے منصوب کو بھائی، یعنی جنسِ منصوب میں سے مفعول فیہ ہے۔ میں نے بتلایا تھا کہ صاحبِ کافیہ کا طریقہ کیا ہے؟ کہ وہ چیزوں کے درمیان فصل کرتے ہیں مِنْهُ کے ذریعے، مِنْهُ کے ذریعے۔ تو منصوبات کا ذکر چل رہا ہے تو وہ درمیان میں فصل کس کے ذریعے کرتے ہیں؟ مِنْهُ کے ذریعے کہ ان منصوبات میں سے یہ بھی ہے، پھر جب دوسرا آتا ہے پھر بتلاتے ہیں مِنْهُ اس میں سے یہ بھی ہے۔ پھر اس کے اندر اور اختصار کرتے ہیں صاحبِ کافیہ، صاحبِ کافیہ کے پاس الفاظ کم ہیں، انہوں نے کم سے کم لفظوں میں لمبی بات کرنی ہے، تو وہ یہ مِنْهُ کو بھی ہر جگہ ذکر نہیں کرتے۔ شروع میں ایک دفعہ ذکر کر دیا کہ اس میں وَمِنْهُ الْمَفْعُوْلُ الْمُطْلَقُ، اس میں سے منصوبات میں سے ایک مفعولِ مطلق ہے، پھر آگے اس کو بھی حذف کر دیتے ہیں کہ آپ اسی پر قیاس کر کے سمجھتے جائیے کہ ہر جگہ مِنْهُ محذوف ہے۔ تو یہاں پر تقدیرِ عبارت کیا ہے؟ أَيْ مِنْهُ الْمَفْعُوْلُ فِيْهِ، جنسِ منصوب میں سے مفعول فیہ بھی ہے، جنسِ منصوب۔ بھائی جنس کا لفظ میں کس لیے لایا؟ کیونکہ مِنْهُ، منصوب میں سے، منصوب میں سے مفعول فیہ ہے، تو شبہ پڑتا ہے کہ منصوب یہ تو مفرد ہے۔ تو میں نے بتلایا کہ یہاں منصوب سے جنسِ منصوب مراد ہے، اور جنس تو عام ہوتی ہے وہ تو قلیل اور کثیر سب کو شامل ہوتی ہے، تو جنسِ منصوب میں سے ایک مفعول فیہ بھی ہے۔

دیکھیے بھائی کتاب پر متن متن پہلے دیکھیے، کہتے ہیں: اَلْمَفْعُوْلُ فِيْهِ هُوَ مَا فُعِلَ فِيْهِ فِعْلٌ مَذْكُوْرٌ مِنْ زَمَانٍ أَوْ مَكَانٍ۔ متن مل گیا سارا؟ کہتے ہیں مفعول فیہ جو ہے هُوَ مَا، مَا سے مراد ہے زمانہ یا مکان۔ توجہ ہے؟ یاد رکھو یہ مَا موصوفہ یا موصولہ ہے۔ میں نے آپ کو بتلایا تھا کہ ایک مَا موصولہ ہوتا ہے اور ایک مَا موصوفہ۔ مَا موصولہ وہ اسمِ موصول ہے، معرفہ ہے اور آگے جو جملہ آتا ہے وہ اس کا صلہ بنتا ہے۔ تو اگر یہ مَا موصولہ بنائیں تو فُعِلَ فِيْهِ فِعْلٌ مَذْكُوْرٌ یہ اس کا صلہ بنے گا، اور یہ مَا معرفہ ہے، اسمِ موصول ہے۔ اور ایک مَا موصوفہ ہوتا ہے بمعنی شَيْءٌ کے، اور وہ نکرہ ہوتا ہے اور آگے جو جملہ آتا ہے وہ اس کی

صفت بنتا ہے۔ اور آپ جانتے ہیں کہ جملہ جو ہے وہ نکرہ کے حکم میں ہوتا ہے، ایک جملے کے اندر چاہے دس معرفہ آجائیں لیکن جب وہ مل جل کر پورا جملہ بن جائے گا تو اب وہ نکرہ کے حکم میں ہے۔ تو یہ جب مَا موصوفہ ہے تو یہ نکرہ ہے شَيْءٌ کے معنی میں اور آگے آنے والا پورا جملہ وہ بھی نکرہ ہے تو وہ اس کے لیے صفت بن جائے گا۔ تو بعض اوقات یہ مَا کو ذکر کیا جاتا ہے عبارت کے اندر، توجہ ہے؟ مَا کو ذکر کیا جاتا ہے عبارت میں اور آگے اس کا صلہ یا صفت آتی ہے، اور پھر بھی ابہام پوری طرح دور نہیں ہوتا، بات پوری طرح واضح نہیں ہوتی، تو پھر آگے مِنْ کے ساتھ اس مَا کو بیان کیا جاتا ہے۔ تو یہاں پر بھی کیا کہا؟ کہ مفعول فیہ هُوَ مَا مفعول فیہ وہ چیز ہے فُعِلَ فِيْهِ فِعْلٌ مَذْكُوْرٌ جس کے اندر فعلِ مذکور کو کیا جائے۔ مفعول فیہ وہ چیز ہے جس کے اندر فعلِ مذکور کو کیا جائے۔ بات ابھی بھی واضح نہیں ہوئی بھائی، بھئی وہ کیا چیز ہے جس کے اندر فعلِ مذکور کو کیا جائے؟ تو ابھی بھی بات واضح نہیں تو آگے مِنْ کے ساتھ پھر اس کو بیان کیا جاتا ہے، یہ جگہ جگہ عبارتوں میں اس طرح استعمال کیا جاتا ہے۔ تو یہ مِنْ زَمَانٍ أَوْ مَكَانٍ یہ بیان ہے مَا کا۔ یہ کس کا بیان ہے؟ کیونکہ مَا کا مفہوم ابھی بھی پوری طرح واضح نہیں، کیا کہا مَا کسے کہتے ہیں؟ مَا وہ چیز جس کے اندر فعلِ مذکور کو کیا جائے۔ بات کچھ پوری طرح سمجھ میں آئی؟ نہیں، ابھی بھی پوری طرح پتا نہیں چلا، تو آگے مِنْ کے ساتھ بیان کر دیا۔ پھر اس کے ترجمہ کرنے کا طریقہ یاد رکھو۔ ایک طریقہ یہ ہے کہ مِنْ کا ترجمہ یعنی کے ساتھ کریں۔ تو دیکھو ترجمہ یوں ہوگا: مفعول فیہ هُوَ مَا وہ چیز ہے فُعِلَ فِيْهِ فِعْلٌ مَذْكُوْرٌ جس کے اندر فعلِ مذکور کو کیا جائے، مِنْ زَمَانٍ أَوْ مَكَانٍ یعنی زمانہ یا مکان۔ وہ چیز جس کے اندر فعلِ مذکور کو کیا جائے یعنی زمانہ یا مکان۔ تو وہ چیز سے مراد زمانہ یا مکان ہے۔ دوسرا بہتر طریقہ یہ ہے کہ یہ مِنْ زَمَانٍ أَوْ مَكَانٍ یہ کس کا بیان ہے؟ مَا کا بیان ہے، تو ترجمہ کرتے ہوئے اس مَا کی جگہ اس زَمَانٍ یا مَكَانٍ کو لے آئیں بھائی۔ وہ جو بیان ہے اس کو کہاں لے آئیں؟ اس مَا کی جگہ۔ اب دیکھنا میں ترجمہ کروں گا اور مَا کی جگہ میں زَمَانٌ یا مَكَانٌ کہوں گا، پھر بہترین ترجمہ ہو جائے گا۔ تو کہتے ہیں: اَلْمَفْعُوْلُ فِيْهِ، مفعول فیہ جو ہے، هُوَ مَا وہ زمانہ یا مکان ہے فُعِلَ فِيْهِ فِعْلٌ مَذْكُوْرٌ جس کے اندر فعلِ مذکور کو کیا جائے۔ مفعول فیہ وہ زمانہ یا مکان ہے جس میں فعلِ مذکور کو کیا جائے۔ اب دیکھو بہترین ترجمہ ہو گیا۔ طریقہ سمجھ میں آیا؟ تو یہ جگہ جگہ اس طرح عبارتوں میں آتا ہے، آپ اسی طرح ترجمہ کریں گے تو بہترین ترجمہ ہو جائے گا۔ تو کہتے ہیں اَلْمَفْعُوْلُ فِيْهِ هُوَ مَا فُعِلَ فِيْهِ فِعْلٌ مَذْكُوْرٌ، مفعول فیہ جو ہے وہ چیز ہے فُعِلَ فِيْهِ فِعْلٌ مَذْكُوْرٌ جس کے اندر فعلِ مذکور کو کیا جائے، مِنْ زَمَانٍ أَوْ مَكَانٍ یعنی زمانہ یا مکان۔ تو مفعول فیہ اس زمانے یا مکان کا نام ہے جس کے اندر فعلِ مذکور کو کیا جائے۔ بات سمجھ میں آگئی۔

اب دیکھیے شرح کے ساتھ۔ کہتے ہیں: اَلْمَفْعُوْلُ فِيْهِ هُوَ مَا فُعِلَ فِيْهِ فِعْلٌ أَيْ حَدَثٌ مَذْكُوْرٌ. صاحبِ جامی نے فِعْلٌ کی تفسیر أَيْ حَدَثٌ کے ساتھ کی۔ یعنی فعل سے مراد فعلِ اصطلاحی نہیں ہے جو نحو کے اندر آپ نے پڑھا ہے۔ فعل کسے کہتے ہیں؟ وہ کلمہ جو اپنے معنی پر خود بخود دلالت کرے اور اس کے ساتھ تین زمانوں میں سے کوئی زمانہ بھی ملا ہوا ہو۔ بھئی وہ تو

لفظ کا نام ہے۔ یہ ضَرَبَ یا ضَرَبْتُ یہ لفظ کیا کہلاتے ہیں؟ فعل کہلاتے ہیں۔ تو وہ جو فعلِ اصطلاحی ہے وہ لفظ کا نام ہے۔ اور یہاں پر جو فعل آیا اس سے مراد حدث ہے۔ حدث ہے، اور حدث مراد مصدر ہے مصدر۔ میں نے آپ کو بتلایا تھا کہ مصدر کا خارج میں کوئی وجود نہیں، یہ کسی کی صفت بنتا ہے۔ جیسے دیکھو ضَرَبَ زَیْدٌ زید نے پٹائی کی، تو ضرب زید کی صفت ہو گئی۔ ضارب ہونا، دیکھو مصدری ترجمہ کر رہا ہوں، ضارب ہونا یہ زید کی صفت ہو گئی۔ اور عمرو کی پٹائی کی گئی تو دیکھو مضروب ہونا یہ عمرو کی صفت ہو گئی۔ تو مصدر کا خارج میں اپنا کوئی الگ وجود نہیں، یہ کسی کی صفت بنتا ہے۔ وہ چیز ہے تو یہ مصدر اس کی صفت بھی ہے، اگر وہ چیز نہیں تو اس کا وجود بھی نہیں۔ زید ہے تو زید کی ضرب کا بھی وجود ہو سکتا ہے، زید نہیں تو زید کی ضرب کا وجود بھی نہیں ہو سکتا۔ تو خارج میں ہمیں مصدر دکھائی نہیں دیتا، ہاں البتہ مصدر سے جو ہیئت اور صورت حاصل ہوتی ہے وہ ہمیں دکھائی دیتی ہے۔ تو خارج میں ہمیں ہنسنا یہ مصدر ہے، یہ دکھائی نہیں دیتا، ہاں اس مصدر کی وجہ سے جو ہیئت اور جو صورت حاصل ہوئی یعنی ہنسی، وہ ہمیں دکھائی دیتی ہے۔ تو خارج میں ہمیں ہنسنا دکھائی نہیں دیتا بلکہ ہنسی دکھائی دیتی ہے۔ اسی طرح خارج میں ہمیں چلنا دکھائی نہیں دیتا بلکہ چال دکھائی دیتی ہے۔ اسی طرح خارج کے اندر ہمیں دوڑنا دکھائی نہیں دیتا کیونکہ دوڑنا مصدر ہے، مصدر کا خارج میں وجود ہی نہیں ہے۔ تو دوڑنا ہمیں دکھائی نہیں دیتا لیکن اس دوڑنے سے جو صورت اور ہیئت حاصل ہوئی وہ ہمیں دکھائی دیتی ہے، یعنی دوڑ ہمیں دکھائی دیتی ہے۔ تو یہ جو مصدر سے ہیئت اور صورت حاصل ہوئی یہ ہمیں خارج میں دکھائی دیتی ہے اور اس کو حاصل بالمصدر کہتے ہیں، یعنی وہ صورت جو کس سے حاصل ہوئی ہے؟ مصدر سے حاصل ہوئی ہے، تو اس کو حاصل بالمصدر کہتے ہیں۔ تو لہٰذا یہاں پر فعل بول کر حدث یعنی مصدر مراد ہے۔ حدث وہ معنی جو غیر کی صفت ہوتی ہے یعنی وہ مصدر جو ہے۔ یاد رکھو عربی زبان میں مصدر کو فعل کہتے ہیں۔ یہ تو نحو کے اندر ضَرَبْتُ اور ضَرَبَ کو فعل کہتے ہیں، عربی زبان میں ان کو فعل نہیں کہتے، عربی زبان میں فعل مصدر کو کہتے ہیں۔ بلکہ اردو کے اندر بھی مصدر کو فعل کہتے ہیں، فعل کہتے ہیں۔ مثلاً میں کسی طالب علم سے پوچھتا ہوں کہ کل آپ کیوں نہیں آئے؟ تو وہ جواب میں کہتا ہے مجھے کئی کام کرنے تھے اس لیے میں نہیں آسکا، یعنی میں مصروف تھا۔ کئی کام، یا یوں کہو، مجھے کئی افعال کرنے تھے اس لیے میں نہیں آسکا۔ میں نے پوچھا کیا افعال کرنے تھے؟ تو مثلاً وہ ذکر کرتا ہے: کھانا، پینا، سونا، کھیلنا، گھومنا۔ دیکھو یہ کئی کام اس نے ذکر کروا دیے، مجھے یہ افعال کرنا پڑے اس لیے میں آنہیں سکا مدرسے کے اندر۔ اب آپ غور کریں دیکھو، آپ نے اس سے پوچھا کہ کیا افعال کرنے پڑے اور وہ جواب میں کیا کہہ رہا ہے؟ وہ جواب میں کیا گنوا رہا ہے؟ وہ مصادر گنوا رہا ہے۔ بات افعال کی چل رہی ہے اور وہ مصادر گنوا رہا ہے: کھانا، پینا، سونا، کھیلنا، گھومنا۔ دیکھو یہ سارے مصادر ہیں۔ تو معلوم ہوا کہ عربی زبان میں مصدر کو فعل کہتے ہیں، بلکہ اردو زبان میں بھی مصدر کو فعل کہتے ہیں۔

اچھا تو دیکھیے یہاں انہوں نے کیا کہا کہ فعل سے مراد حدث ہے، فعل سے مراد حدث ہے۔ مفعول فیہ هُوَ مَا وہ زمانہ یا

مکان ہے فُعِلَ فِيْهِ فِعْلٌ مَذْكُوْرٌ جس کے اندر فعلِ مذکور کو کیا جائے، اور فعل سے کیا مراد ہے؟ حدث مراد ہے یعنی مصدر مراد ہے۔ یہ فعلِ اصطلاحی نہیں، یہ جو ضَرَبَ یا ضَرَبْتُ وغیرہ جو آپ نے پڑھے ہیں فعلِ اصطلاحی وہ مراد نہیں۔ میں نے بتایا آپ کو کہ عربی زبان میں مصدر کو فعل کہتے ہیں، تو یہاں فعل سے فعلِ لغوی مراد ہے یعنی جس کو عربی زبان میں فعل کہتے ہیں۔ ایک فعل وہ ہے جو نحو کے اندر آپ نے پڑھا ہے جو اسم اور حرف کے مقابلے میں آتا ہے۔ اور وہ یاد رکھو وہ لفظ کا نام ہے۔ کس کا نام؟ لفظ کا۔ فعل کی تعریف جو ہے، کیا فعل کی تعریف ہے؟ فعل وہ کلمہ ہے، فعل وہ کلمہ ہے جو اپنے معنی پر مستقلاً دلالت کرے اور تین زمانوں میں سے کوئی زمانہ بھی اس کے ساتھ ملا ہوا ہو۔ تو فعل کس کا نام اصطلاحِ نحو کے اندر؟ کلمے کا نام یعنی لفظ کا نام۔ کس کا نام؟ لفظ کا۔ تو یہ جو عبارتوں میں یہ جو ضَرَبَ، ضَرَبْتُ، أَضْرِبُ، نَضْرِبُ وغیرہ یہ جو لفظ ہیں یہ ہیں فعل۔ ان کو عربی زبان میں فعل نہیں کہتے بھائی، عربی زبان میں فعل مصدر کو کہتے ہیں۔ تو انہوں نے کیا کہا یہاں جو فعل کا لفظ آیا اس سے مصدر مراد ہے یعنی فعلِ لغوی مراد ہے، فعلِ اصطلاحی مراد نہیں۔ آپ حیران ہوں گے کیا معنی فعلِ لغوی مراد ہے، فعلِ اصطلاحی نہیں مراد؟ بھئی دیکھو مثال سے وضاحت ہوگی بات آپ کو سمجھ میں آئے گی۔ مثلاً جمعہ کے دن میں نے زید کی پٹائی کی، اب ہفتے والے دن جا کر میں کسی کو بتلاتا ہوں: ضَرَبْتُ زَيْدًا يَوْمَ الْجُمُعَةِ، میں نے زید کی پٹائی کی جمعہ کے دن میں۔ میں نے زید کی پٹائی کی جمعہ کے دن میں۔ اب مجھے بتائیے، مجھے بتائیے، ایک ہے فعلِ لغوی، ایک ہے فعلِ اصطلاحی۔ فعلِ لغوی کسے کہتے ہیں؟ مصدر کو، وہ معنی جو غیر کی صفت ہوتا ہے۔ اور فعلِ اصطلاحی کسے کہتے ہیں؟ لفظ کو۔ کس کو؟ یہ جو ضَرَبْتُ لفظ میں نے ابھی ذکر کیا، یہ وہ لفظ ہے جو اپنے معنی پر مستقلاً دلالت کر رہا ہے اور تین زمانوں میں سے ایک زمانہ بھی اس کے ساتھ ملا ہوا ہے۔ یہ جو لفظِ ضَرَبْتُ ہے یہ ہے فعلِ اصطلاحی۔ تو میں نے پٹائی کس دن کی؟ جمعہ کے دن۔ اور ہفتے والے دن میں کسی کو بتلا رہا ہوں، کیا کہتا ہوں؟ ضَرَبْتُ زَيْدًا يَوْمَ الْجُمُعَةِ۔ تو یہ يَوْمَ الْجُمُعَةِ مفعول فیہ ہے کس کے لیے؟ ضَرَبْتُ کے لیے۔ تو انہوں نے تعریف کیا کی؟ مفعول فیہ وہ زمانہ یا مکان ہے جس کے اندر فعلِ مذکور کو کیا جائے۔ اگر آپ فعل سے فعلِ اصطلاحی مراد لے لیں، کیا مراد لے لیں؟ فعلِ اصطلاحی۔ تو مجھے بتائیے ضَرَبْتُ زَيْدًا يَوْمَ الْجُمُعَةِ، فعلِ اصطلاحی سے تو یہ لفظ مراد ہے۔ مجھے بتائیے یہ ضَرَبْتُ کا یہ جو لفظ میں نے جو ابھی بولا ہے یہ جمعہ کے دن میں واقع ہو رہا ہے یا یہ ہفتے کو واقع ہو رہا ہے؟ ہفتے کو۔ یہ تو میں ہفتے کو کہہ رہا ہوں۔ تو پھر جمعہ کے دن کیا ہوا تھا؟ جمعہ کے دن وہ ضرب والا فعل ہوا تھا، وہ جو مصدر تھا، وہ مصدر جمعہ کے دن ہوا تھا اور یہ ضَرَبْتُ کا لفظ جو ہے یہ تو ہفتے کے دن ہے بھائی۔ بات سمجھ میں آئی کہ نہیں؟ تو انہوں نے جو کہا کہ مفعول فیہ اس زمانے یا مکان کا نام ہے جس کے اندر فعلِ مذکور کو کیا جائے، وہ فعلِ مذکور سے کون سا فعل مراد ہے؟ مصدر مراد ہے، وہ اس زمانے کے اندر ہوتا ہے، یہ لفظ نہیں بھائی، لفظ تو کسی اور زمانے میں بھی آسکتا ہے بھائی۔ بات سمجھ میں آئی؟ کہ فعل سے کیا مراد ہے؟ مصدر۔ مصدر جو ہوتا ہے وہ اس زمانے میں ہوتا ہے جبکہ بعد میں آپ وہ لفظ لے کر آئیں، وہ فعل لے کر آئیں، وہ تو اس زمانے میں بھی ہو سکتا ہے اس زمانے کے بعد بھی ہو سکتا۔ تو یہاں فعل بول کر وہ مصدر مراد ہے۔ تو کہتے ہیں: اَلْمَفْعُوْلُ فِيْهِ هُوَ مَا فُعِلَ فِيْهِ فِعْلٌ أَيْ حَدَثٌ

مَذْكُوْرٌ، مفعول فیہ وہ زمانہ یا مکان ہے جس کے اندر فعلِ مذکور کو کیا جائے یعنی حدثِ مذکور کو کیا جائے، تَضَمُّنًا فِيْ ضِمْنِ الْفِعْلِ الْمَلْفُوْظِ أَوِ الْمُقَدَّرِ أَوْ شِبْهِهِ كَذٰلِكَ أَوْ مُطَابَقَةً۔

بھئی دیکھیے یہاں تضمن کا لفظ آیا اور مطابقت کا لفظ آیا۔ آپ نے منطق میں پڑھا ہے کہ دلالت کی تین قسمیں ہیں: ایک دلالتِ مطابقی ہے، ایک تضمنی ہے اور ایک التزامی ہے۔ دلالتِ مطابقی اسے کہتے ہیں کہ لفظ اپنے پورے معنیٰ موضوع لہ پر دلالت کرے، یعنی جس کے لیے وضع کیا گیا ہے اس سارے پر دلالت جو ہے یہ ہے دلالتِ مطابقی۔ جیسے انسان کا لفظ وضع کیا گیا ہے حیوانِ ناطق کے لیے، تو انسان کے لفظ کی جو دلالت ہے پورے حیوانِ ناطق پر یہ ہے دلالتِ مطابقی۔ اور دلالتِ تضمنی یہ ہے کہ لفظ جو ہے اپنے معنیٰ موضوع لہ کے جز پر دلالت کرے۔ تو انسان کی دلالت پورے حیوانِ ناطق پر یہ تو تھی مطابقی، اور انسان کی دلالت صرف حیوان پر یا صرف ناطق پر یہ ہے دلالتِ تضمنی۔ انسان کا پورا معنی کیا؟ حیوانِ ناطق۔ تو اس کی دلالت پورے معنی پر، حیوانِ ناطق یعنی دونوں جز پر، یہ کیا ہے؟ مطابقی۔ اور انسان کی دلالت صرف حیوان پر یعنی ایک جز پر، یا صرف ناطق پر یعنی دوسرے جز پر، یہ کون سی دلالت ہے؟ دلالتِ تضمنی ہے۔ اور دلالتِ التزامی اسے کہتے ہیں کہ لفظ جو ہے اپنے معنیٰ موضوع لہ کے لازم پر دلالت کرے، یعنی نہ کل پر نہ جز پر بلکہ اس کے کسی لازم پر، جیسے انسان کے اندر اللہ نے قابلیتِ علم رکھی ہے کہ وہ علم حاصل کر سکتا ہے، تو لہٰذا انسان کی دلالت اس قابلیتِ علم پر جو حیوانِ ناطق کے ساتھ لازم ہے، اس پر یہ جو دلالت ہے یہ ہے دلالتِ التزامی۔

اور یہ دلالتیں آپ بھی عام استعمال کرتے ہیں اپنے کلام کے اندر لیکن کبھی آپ نے توجہ نہیں کی بھائی، البتہ مناطقہ نے ان پر غور کیا اور ان کے باقاعدہ نام رکھ دیے۔ مثلاً دیکھیں سائیکل ہے، سائیکل کے دیکھو کتنے ہی اجزاء ہیں، سائیکل کے دو پہیے ہوتے ہیں، اس کی ایک گدی ہوتی ہے، ایک ہینڈل وغیرہ اجزاء ہوتے ہیں، تو کبھی آپ سائیکل بول کر پوری سائیکل مراد لیتے ہیں، کبھی اس کا کوئی جز مراد لے لیتے ہیں۔ مثلاً آپ کہتے ہیں کہ میری سائیکل گم ہو گئی، کیا معنی؟ یعنی پوری سائیکل مراد ہے یہاں، پوری سائیکل کیا ہو گئی ہے؟ گم ہو گئی ہے۔ اور کبھی آپ کہتے ہیں میری سائیکل پنکچر ہو گئی ہے، اب پوری سائیکل پنکچر ہے یا اس کا ٹائر پنکچر ہے؟ ٹائر پنکچر، اس کا ایک جز پنکچر ہے، تو لہٰذا یہاں کل بول کر جز مراد ہے۔ یا اسی طرح آپ کہتے ہیں مثلاً آپ ہر روز تین چار سپارے تلاوت کرتے ہیں تو آپ اپنے ساتھی کو بتلاتے ہیں کہ میں ہر روز قرآن کی تلاوت کرتا ہوں۔ اب دیکھو یہاں قرآن بول کر کل نہیں مراد بلکہ اس کا جز یعنی تین چار سپارے مراد ہیں۔ تو یہ دلالتیں آپ بھی استعمال کرتے ہیں۔

اور پھر ایک اور قیمتی بات یاد رکھنا: مثلاً میں نے کہا سائیکل، کون سی دلالت ہوئی؟ جی؟ ہاں، طلبہ سمجھتے ہیں شاید یہ لفظ بولا جائے تو صرف ایک دلالت ہوتی ہے۔ نہیں! جب لفظ بولا جائے تو اس کا جو کل ہے اس پر بھی دلالت ہوتی ہے،

اور جب کل ذہن میں آتا ہے تو سارے جز بھی آ گئے یا نہیں آ گئے؟ میں نے کہا سائیکل، تو سائیکل پوری آپ کے ذہن میں آ گئی۔ تو پوری سائیکل کے اندر اس کی گدی بھی آ گئی یا نہیں ذہن میں؟ اس کے پہیے بھی آ گئے، اس کا ہینڈل بھی آ گیا، تو دیکھو جز بھی آ گئے، تو جز پر بھی دلالت ہو گئی۔ تو مطابقی بھی ہوئی اور تضمنی اکٹھی ہو گئی۔ ہاں، ارادہ آپ ایک کا کرتے ہیں، ارادہ اور چیز ہے، دلالت ہونا اور چیز ہے۔ دلالت کسے کہتے ہیں؟ ایک چیز سے دوسری چیز سمجھ میں آ جائے۔ دھواں دیکھا، کیا سمجھ میں آیا؟ کہ نیچے آگ ہے، تو ایک چیز سے دوسری چیز کا پتا چلا، اس کو کہتے ہیں دلالت بھائی، اس کو کہتے ہیں دلالت۔ تو یہاں پر بھی جب میں نے سائیکل کہا تو پوری سائیکل بھی ذہن میں آئی اور اس کے اجزاء بھی آ گئے، تو دلالتِ مطابقی بھی ہوئی اور تضمنی بھی ہوئی، اور اگر کوئی لازم ہوگا تو وہ بھی ذہن میں آ جائے گا۔ جیسے میں کہوں انسان، اب آپ سے میں پوچھتا ہوں کون سی دلالت ہوئی؟ تینوں۔ ہاں، تینوں دلالتیں ہو گئیں، تینوں دلالتیں ہو گئیں۔ انسان کا کل یعنی حیوانِ ناطق بھی ذہن میں آیا، اور جب حیوانِ ناطق دونوں جز ذہن میں آئے تو حیوان اور ناطق بھی یہ بھی ساتھ آ گئے یا نہیں؟ ان دو جزوں کے بغیر کل ہو سکتا تھا؟ نہیں، تو حیوانِ ناطق دونوں جز آپ کے ذہن میں آ گئے، کون سے دو جز؟ حیوان بھی اور ناطق بھی، تو کل بھی ہوا اور جز بھی ہو گئے بھائی۔ اور ساتھ ہی ذہن میں اس کا لازم بھی آ گیا۔ لازم کہتے ہی اس کو ہیں جو ساتھ ہی ذہن میں آ جائے، اگر ساتھ ہی ذہن میں نہیں آتا تو پھر وہ لازم کیسا ہے؟ تو انسان بولتے ہی قابلیتِ علم بھی ساتھ ہی ذہن میں آ جاتی ہے کہ انسان میں اللہ نے علم کی صلاحیت رکھی ہے۔ جیسے سورج کے نکلنے کے ساتھ دن کا ہونا لازم ہے تو سورج کا بولتے ہی دن کا تصور بھی ذہن میں آ جاتا ہے کیونکہ دن کا ہونا اس کے ساتھ لازم ہے۔ تو لازم کہتے ہی کسے ہیں؟ کہ ملزوم کو ذکر کریں تو لازم بھی ساتھ ہی ذہن میں آ گیا کیونکہ وہ اس کے ساتھ لازم ہے، جدا ہوتا ہی نہیں۔ تو جب میں نے انسان کہا تو تینوں دلالتیں ہو گئیں۔ تو جب لفظ کو وضع کیا جائے ایک ایسی چیز کے لیے جس کا جز بھی ہے اور اس کا لازم بھی ہے تو جب وہ لفظ بولیں گے تو تینوں دلالتیں ہو جائیں گی، مطابقی بھی وہ کل چیز بھی ذہن میں آئے گی اور کل آئے گی تو اس کے اجزاء بھی آ جائیں گے۔ دیکھو سائیکل پوری ذہن میں آئی تو اس کے اجزاء بھی ساتھ ہی ہیں، بغیر اجزاء کے تو ذہن میں نہیں آئی۔ پوری سائیکل ہوگی تب جب سارے اجزاء ہوں بھائی، تو سارے اجزاء کے ساتھ سائیکل ذہن میں آئی۔ ہاں، البتہ پھر اس میں سے مراد کوئی ایک ہوتی ہے، مراد؟ ہاں، انسان بول کر یا تو میں پورے حیوانِ ناطق کا ارادہ کروں گا، یا انسان بول کر میں صرف حیوان یا صرف ناطق کا ارادہ کروں گا، یا انسان بول کر میں قابلیتِ علم کا ارادہ کروں گا۔ تو ارادہ اور چیز، دلالت اور چیز ہے۔ اور یاد رکھو ارادہ وہیں ہوگا جہاں دلالت بھی ہو۔ انسان بول کر میں حیوان کا ارادہ کر سکتا ہوں کیونکہ انسان حیوان پر دلالت کر رہا ہے، کیونکہ انسان کا معنی کیا؟ حیوانِ ناطق، اور حیوانِ ناطق میں حیوان ہے یا نہیں؟ جہاں دلالت ہوگی وہاں ارادہ ہوگا، دلالت نہیں تو ارادہ کیسے؟ میں بکری بول کر ہاتھی کا ارادہ کر سکتا ہوں؟ کیوں؟ کیونکہ بکری کہو تو ہاتھی ذہن میں آتا ہی نہیں ہے، اگر دلالت ہوتی تو میں اس کا ارادہ بھی کرتا۔ بکری بولنے سے ہاتھی ذہن میں

ہی نہیں آتا، ایک چیز ذہن میں تو آئے اس پر دلالت تو ہو، پھر اس کے بعد ہی آپ اس کا ارادہ کر سکتے ہیں۔ تو ارادہ کبھی مطابقی کا ہوتا ہے، کبھی تضمنی کا، کبھی التزامی کا، البتہ اگر ایک چیز کا جز بھی ہے اور لازم بھی ہے تو دلالت سب پہ اکٹھی ہو جائے گی، پورے معنی پر بھی ہوگی، جز پر بھی ہو جائے گی اور کل پر بھی ہو جائے گی، البتہ آپ اس میں سے ایک کا ارادہ کرتے ہیں ایک وقت میں۔

تو یہاں پر لفظ آیا تَضَمُّنًا۔ تو تعریف کر رہے ہیں مفعول فیہ کی اور کیا فرماتے ہیں؟ اَلْمَفْعُوْلُ فِيْهِ هُوَ مَا فُعِلَ فِيْهِ فِعْلٌ أَيْ حَدَثٌ مَذْكُوْرٌ تَضَمُّنًا۔ مفعول فیہ کسے کہتے ہیں؟ مَا، مَا سے مراد کیا ہے؟ زمانہ یا مکان، تو اس کی جگہ زمانہ یا مکان لے آئیں۔ مفعول فیہ وہ زمانہ یا مکان ہے فُعِلَ فِيْهِ فِعْلٌ مَذْكُوْرٌ جس کے اندر اس فعل کو کیا جائے جو مذکور ہے، جس کو ذکر کیا گیا ہے۔ توجہ ہے؟ مفعول فیہ اس زمانے یا مکان کا نام ہے جس کے اندر مذکورہ فعل کو کیا جائے۔ اور فعل سے کیا مراد لیا؟ حدث یعنی مصدر مراد لیا، معلوم ہوا وہاں مصدر مذکور ہوگا، کیا ہوگا؟ مصدر مذکور ہوگا، حالانکہ مفعول فیہ کے ساتھ ہر جگہ تو مصدر مذکور نہیں ہوتا۔ مفعول فیہ فعل کے لیے بھی آتا ہے: ضَرَبْتُ زَيْدًا يَوْمَ الْجُمُعَةِ، میں نے زید کی پٹائی کی يَوْمَ الْجُمُعَةِ کس دن کے اندر؟ يَوْمَ الْجُمُعَةِ۔ تو دیکھو يَوْمَ الْجُمُعَةِ آیا اور اس کے ساتھ کوئی فعلِ مذکور ہے؟ فعلِ مذکور، فعل سے کیا مراد ہے؟ یہ والا فعل نہیں ہے جو ضَرَبْتُ ہے بلکہ مصدر ہے۔ کوئی مصدر یہاں ذکر کیا گیا ہے؟ ضَرَبْتُ زَيْدًا يَوْمَ الْجُمُعَةِ۔ یہاں تو کوئی مصدر ذکر نہیں، حالانکہ مفعول فیہ آ رہا ہے۔ اور آپ نے ہمیں کیا کہا؟ مفعول فیہ کسے کہتے ہیں؟ وہ زمانہ یا مکان، دیکھو يَوْمَ الْجُمُعَةِ بھی زمانہ یا مکان ہے، تو وہ زمانہ یا مکان جس کے اندر فعلِ مذکور یعنی مصدرِ مذکور کو کیا گیا ہو، اور یہاں تو کوئی مصدر مذکور ہے ہی نہیں، یہاں تو ضَرَبْتُ فعل ذکر ہے۔ تو فعل کے لیے بھی مفعول فیہ آتا ہے، اسی طرح شبہِ فعل جو ہیں یعنی اسمِ فاعل، اسمِ مفعول وغیرہ ان کے لیے بھی، ان کے لیے بھی مفعول فیہ آتا ہے، اور اسی طرح مصدر کے لیے بھی مفعول فیہ آتا ہے۔ توجہ ہے؟ ضَرَبْتُ زَيْدًا يَوْمَ الْجُمُعَةِ یہ مفعول فیہ آیا کس کے لیے؟ ضَرَبْتُ فعل کے لیے۔ زَيْدٌ ضَارِبٌ يَوْمَ الْجُمُعَةِ یہ يَوْمَ الْجُمُعَةِ مفعول فیہ ہے کس کے لیے؟ ضَارِبٌ یعنی اسمِ فاعل کے لیے۔ تو معلوم ہوا فعل کے لیے بھی مفعول فیہ آتا ہے یعنی ضَرَبْتُ وغیرہ کے لیے، اور اسمِ فاعل جو ہے اس کے لیے بھی مفعول فیہ آ سکتا ہے یعنی شبہِ فعل کے لیے۔ اور اسی طرح مصدر جو ہے اس کے لیے بھی مفعول فیہ آ سکتا ہے جیسے أَعْجَبَنِيْ جُلُوْسُكَ عِنْدَ زَيْدٍ۔ أَعْجَبَنِيْ مجھے تعجب میں ڈالا جُلُوْسُكَ یہ فاعل ہے، آپ کا بیٹھنا عِنْدَ زَيْدٍ کس کے پاس؟ زید کے پاس، تو مجھے تعجب میں ڈالا آپ کے زید کے پاس بیٹھنے نے۔ تو دیکھو عِنْدَ زَيْدٍ یہ مفعول فیہ ہے اور یہ کس کے لیے مفعول فیہ ہے؟ یاد رکھو یہ جُلُوْسُكَ، یہ جو جلوس مصدر آیا، جَلَسَ يَجْلِسُ جُلُوْسًا، یہ جو مصدر آیا اور آپ جانتے ہیں مصدر بھی اپنے فعل جیسا عمل کرتا ہے، تو جیسے فعل کے لیے مفعول فیہ آتا ہے مصدر کے لیے بھی مفعول فیہ آتا ہے۔ توجہ ہے؟ تو ضَرَبْتُ زَيْدًا يَوْمَ الْجُمُعَةِ یہ مفعول فیہ کس کے لیے آیا؟ فعل کے لیے۔ زَيْدٌ ضَارِبٌ يَوْمَ الْجُمُعَةِ یہ يَوْمَ الْجُمُعَةِ مفعول فیہ کس کے لیے آیا؟ ضَارِبٌ شبہِ فعل کے لیے آیا

ہے، اسمِ فاعل کے لیے آیا ہے۔ اور أَعْجَبَنِيْ جُلُوْسُكَ عِنْدَ زَيْدٍ یہ عِنْدَ زَيْدٍ مفعول فیہ کس کے لیے آیا؟ جلوس مصدر کے لیے آیا۔ تو دیکھو مفعول فیہ جہاں پر بھی آئے وہاں مصدر کا ذکر ہونا ضروری نہیں۔ لیکن یہ تو کیا کہہ رہے ہیں؟ کہ مفعول فیہ وہ زمانہ یا مکان ہے فُعِلَ فِيْهِ فِعْلٌ مَذْكُوْرٌ جس کے اندر مصدرِ مذکور کو کیا جائے۔ اور مصدرِ مذکور تو ہر جگہ نہیں ہے۔ تو اس کا جواب دیتے ہیں آگے صاحبِ جامی کہ تَضَمُّنًا، کہ وہ مصدر کبھی مذکور ہوگا تَضَمُّنًا، یعنی دلالتِ تضمنی کے اعتبار سے، کس اعتبار سے؟ دلالتِ تضمنی کے اعتبار سے کہ کوئی لفظ جو ہے اس کے ضمن میں وہ آرہا ہوگا۔ دلالتِ تضمنی کسے کہتے ہیں؟ کہ لفظ اپنے معنیٰ موضوع لہ کے جزپر دلالت کرے۔ آپ کو میں نے بتایا تھا کہ ہر فعل کا معنی مرکب ہے تین چیزوں سے: مصدر، زمانہ اور نسبت الی الفاعل۔ ضَرَبَ اس کے اندر ضرب کا مصدر بھی ہے، یہ بتلا رہا ہے کہ ضرب والا فعل ہوا ہے، اور زمانہ بھی ہے کہ یہ فعل زمانۂ ماضی میں ہوا ہے، اور نسبت الی الفاعل بھی ہے کہ کوئی ہے جس نے یہ ضرب لگائی ہے، خود بخود یہ ضرب نہیں ہوئی بھائی۔ تو ہر فعل جو ہے اس کا معنی مرکب ہوتا ہے کتنی چیزوں سے؟ مصدر، زمانہ اور نسبت الی الفاعل۔ تو جہاں بھی فعل آئے گا وہاں دیکھو ضمناً مصدر بھی آگیا۔ تو ضَرَبْتُ زَيْدًا يَوْمَ الْجُمُعَةِ تو یہ يَوْمَ الْجُمُعَةِ کو نصب کون دے رہا ہے؟ ضَرَبْتُ فعل، اور ضَرَبْتُ فعل جب مذکور ہے تو ضمناً مصدر بھی مذکور ہے کیونکہ اس کے ضمن میں مصدر بھی ہے۔ تو مصدر بھی مذکور ہے لیکن تَضَمُّنًا مذکور ہے یعنی ضَرَبْتُ کے ضمن میں مذکور ہے۔ اسی طرح زَيْدٌ ضَارِبٌ يَوْمَ الْجُمُعَةِ، یہ ضَارِبٌ اسمِ فاعل ہے اور ضَارِبٌ کا کیا معنی؟ وہ ذات جو ضرب لگا رہی ہے، تو دیکھو ضرب لگا رہی ہے، دیکھو ضرب کا معنی اس کے اندر بھی آگیا یا نہیں؟ اسی طرح شَارِبٌ کیا معنی؟ وہ ذات جو شرب کر رہی ہے، تو دیکھو اسمِ فاعل جو ہے، جو صفت کے صیغے ہیں ان میں بھی مصدر آجاتا ہے۔ تو فعل کے اندر بھی ضمناً مصدر آجاتا ہے اور شبہِ فعل کے اندر بھی ضمناً مصدر آجاتا ہے۔ تو جب میں نے کہا زَيْدٌ ضَارِبٌ يَوْمَ الْجُمُعَةِ تو یہ يَوْمَ الْجُمُعَةِ جو ہے یہ وہ زمانہ ہے جس کے اندر فعلِ مذکور یعنی مصدرِ مذکور کو کیا گیا ہے، اور یہاں تو ضَارِبٌ ذکر ہے، مصدر تو ذکر نہیں، تو جواب گزر چکا۔ کیا جواب؟ کہ یہاں پر مصدر ضمناً مذکور ہے، ضَارِبٌ کے اندر مصدر موجود ہے۔ اور اسی طرح کبھی مصدر خود موجود ہوتا ہے: أَعْجَبَنِيْ جُلُوْسُكَ عِنْدَ زَيْدٍ۔ تو یہ جو جلوس مصدر ہے یہ عِنْدَ زَيْدٍ کو نصب دے رہا ہے، اور یہاں مصدر جو مذکور ہے وہ کسی کے ضمن میں ہے یا خود مصدر ہی کا لفظ موجود ہے؟ خود مصدر ہی کا لفظ موجود ہے جو نصب دے رہا ہے۔ تو یوں کہیں گے کہ یہاں مصدر مُطَابَقَةً مذکور ہے، یعنی جب جلوس مصدر موجود ہے تو وہ اپنے پورے معنی پر دلالت کر رہا ہے، تو دلالتِ مطابقی کے اعتبار سے یہاں کیا ہے؟ مصدر موجود ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ فعل یا شبہِ فعل ہوں تو وہاں مصدر تَضَمُّنًا مذکور ہے کہ وہ ان کا جز ہے، اور جب مصدر خود ذکر ہے تو مصدر مُطَابَقَةً مذکور ہے۔ معلوم ہوا جہاں بھی، جہاں بھی مفعول فیہ آئے گا وہاں مصدر ہمیشہ مذکور ہوگا، کبھی تَضَمُّنًا مذکور ہوگا اور کبھی مُطَابَقَةً مذکور ہوگا۔ بات سمجھ میں آگئی؟

تو کہتے ہیں: اَلْمَفْعُوْلُ فِيْهِ هُوَ مَا فُعِلَ فِيْهِ فِعْلٌ أَيْ حَدَثٌ مَذْكُوْرٌ، مفعول فیہ وہ زمانہ یا مکان ہے جس کے اندر کیا جائے

اس فعل کو یعنی اس مصدر کو، مَذْكُوْرٌ جس کو ذکر کیا گیا ہو تَضَمُّنًا، یا تو ذکر کیا گیا ہوگا تَضَمُّنًا بھائی فِيْ ضِمْنِ الْفِعْلِ، اور آگے ایک دو لفظوں کے بعد آرہا ہے أَوْ شِبْهِهِ، وہ مصدر تَضَمُّنًا مذکور ہوگا فعل کے ضمن میں أَوْ شِبْهِهِ یا شبہِ فعل کے ضمن میں وہ مذکور ہوگا۔ اور پھر آپ جانتے ہیں کہ فعل اور شبہِ فعل کبھی ان کو عبارت میں ذکر کرتے ہیں اور کبھی ان کو مقدر کر لیا جاتا ہے، جیسے ابھی بحث گزری ہے مَا أُضْمِرَ عَامِلُهُ عَلٰى شَرِيْطَةِ التَّفْسِيْرِ، وہاں دیکھو فعل کو مقدر کر لیا جاتا تھا آگے اس کی پھر تفسیر آتی تھی۔ تو لہٰذا معلوم ہوا کہ جہاں بھی مفعول فیہ آئے گا وہاں مصدر ضرور مذکور ہوگا، کبھی وہ مُطَابَقَةً مذکور ہوگا اور کبھی فعل یا شبہِ فعل کے ضمن میں تَضَمُّنًا مذکور ہوگا۔ اور پھر وہ فعل یا شبہِ فعل کبھی لفظوں میں موجود ہوں گے اور کبھی وہاں مقدر ہوں گے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو یہی بیان کر رہے ہیں کہ فِيْ ضِمْنِ الْفِعْلِ الْمَلْفُوْظِ أَوِ الْمُقَدَّرِ، کہ وہ مصدر مذکور ہوگا تَضَمُّنًا اس فعل کے ضمن میں جو ملفوظ ہوگا أَوِ الْمُقَدَّرِ یا مقدر ہوگا، أَوْ شِبْهِهِ یا وہ مصدر تَضَمُّنًا مذکور ہوگا کس کے ضمن میں؟ شِبْهِهِ أَيْ شِبْهِ الْفِعْلِ، شبہِ فعل کے ضمن میں كَذٰلِكَ اسی طرح، شبہِ فعل کے ضمن میں كَذٰلِكَ۔ كَذٰلِكَ کے ذریعے اشارہ ہے جو پیچھے فعل کی صفتیں ذکر کی تھیں کہ وہ فعل جو ہے کبھی ملفوظ ہوگا اور کبھی مقدر، اور اسی طرح وہ شبہِ فعل بھی اسی طرح ہوگا یعنی کبھی وہ ملفوظ ہوگا اور کبھی مقدر ہوگا۔ عبارت سمجھ میں آگئی؟ تو کہتے ہیں وہ مصدر مذکور ہوگا تَضَمُّنًا فِيْ ضِمْنِ الْفِعْلِ الْمَلْفُوْظِ أَوِ الْمُقَدَّرِ فعلِ ملفوظ یا فعلِ مقدر کے ضمن میں، أَوْ شِبْهِهِ كَذٰلِكَ یا ایسے شبہِ فعل کے ضمن میں جو ایسا ہی ہو یعنی ملفوظ ہو یا مقدر ہو، أَوْ مُطَابَقَةً یا وہ مصدر مذکور ہوگا مُطَابَقَةً إِذَا كَانَ الْعَامِلُ مَصْدَرًا جب عامل مصدر، جب مفعول فیہ کے اندر عامل خود مصدر ہو، جیسے أَعْجَبَنِيْ جُلُوْسُكَ عِنْدَ زَيْدٍ۔ تو یہاں عِنْدَ زَيْدٍ کے اندر عامل جلوس مصدر ہے، تو اب دیکھو یہ مصدر مذکور ہے مُطَابَقَةً یعنی یہ اپنے پورے معنی پر دلالت کر رہا ہے۔ تو مصدر ہمیشہ مذکور ہوگا جہاں بھی مفعول فیہ آئے گا، لیکن وہ مصدر کبھی تَضَمُّنًا مذکور ہوگا فعل یا شبہِ فعل کے ضمن میں، اور کبھی وہ مُطَابَقَةً مذکور ہوگا جب عامل خود کون ہو؟ مصدر ہو۔ تو کہتے ہیں أَوْ مُطَابَقَةً یا وہ حدث جو ہے مُطَابَقَةً مذکور ہوگا إِذَا كَانَ الْعَامِلُ مَصْدَرًا جب کہ عامل جو ہے وہ مصدر ہو یعنی اس کے اندر عمل کرنے والا، وہ مفعول فیہ میں عمل کرنے والا خود مصدر ہو۔

آگے دیکھیے بھائی: فَقَوْلُهُ مَا فُعِلَ فِيْهِ فِعْلٌ شَامِلٌ لِأَسْمَاءِ الزَّمَانِ وَالْمَكَانِ كُلِّهَا۔ بھئی آپ جانتے ہیں تعریف جو ہے جنس اور فصل سے مرکب ہوتی ہے۔ پہلے جنس کو ذکر کیا جاتا ہے جس میں معرّف بھی شامل ہوتا ہے اور غیرِ معرّف بھی، اور پھر اس کے بعد فصل کے ذریعے باقی چیزوں کو نکال دیا جاتا ہے۔ جیسے انسان کی ہم تعریف کیا کرتے ہیں؟ حَيَوَانٌ نَاطِقٌ۔ تو یہ حَيَوَانٌ جنس ہے، جب حَيَوَانٌ کہا تو اس میں انسان آیا اور انسان کے ساتھ اور بھی تمام حیوانات آگئے، تو یہ ہے جنس۔ کس کی تعریف کر رہے ہیں؟ انسان کی، وَهُوَ مُعَرَّفٌ، اور یہ حَيَوَانٌ نَاطِقٌ یہ کیا ہے اس کی تعریف ہے یعنی معرّف ہے۔ تو پہلے جنس لاتے ہیں اس میں معرّف بھی شامل ہوتا ہے اور غیرِ معرّف بھی، اور پھر آگے فصل کے ذریعے غیرِ معرّف کو نکال دیا جاتا ہے۔ تو انسان کی تعریف کرتے ہوئے جب حَيَوَانٌ کہا تو اس میں انسان کے ساتھ ساتھ اور حیوانات بھی داخل

ہو گئے تو یہ جنس ہے، اور پھر آگے جب نَاطِقٌ کہا تو یہ فصل ہے، اس نے انسان کو باقی حیوانات سے جدا کر دیا، باقی سب خارج ہو گئے کیونکہ ایسا حیوان جو ناطق ہو وہ تو صرف انسان ہے اور کوئی حیوان نہیں ہے۔ تو تعریف مرکب ہوتی ہے کس سے؟ جنس اور فصل سے۔ تو یہاں بھی آپ کو بتلائیں گے کہ یہاں پر بھی یہ جو تعریف کی ہے مفعول فیہ کی، یہ جنس اور فصل سے مرکب ہے۔ اس کے اندر دیکھو، تعریف پہ نظر رکھو، مَا فُعِلَ فِيْهِ فِعْلٌ یہ ہے جنس۔ مَا فُعِلَ فِيْهِ فِعْلٌ یہ کیا ہے؟ جنس۔ اور آگے جو مَذْكُوْرٌ کا لفظ آئے گا وہ ہے فصل۔ جب کہا دیکھو مَا فُعِلَ فِيْهِ فِعْلٌ، مفعول فیہ وہ زمانہ یا مکان ہے فُعِلَ فِيْهِ فِعْلٌ جس کے اندر کوئی فعل کیا جائے۔ مفعول فیہ وہ زمانہ یا مکان ہے جس میں کوئی فعل کیا جائے، تو اس میں سارے زمانے بھی داخل ہو گئے اور سارے مکان بھی داخل ہو گئے کیونکہ ہر زمانے کے اندر کوئی نہ کوئی فعل ضرور ہے اور اسی طرح ہر مکان کے اندر کوئی نہ کوئی فعل ضرور ہے، چاہے آپ ذکر کریں یا نہ کریں۔ مثلاً میں آپ سے کہتا ہوں: يَوْمُ الْجُمُعَةِ يَوْمٌ طَيِّبٌ، جمعہ کا دن اچھا دن ہے۔ اب دیکھو يَوْمُ الْجُمُعَةِ یہ ہے مبتدا اور يَوْمٌ طَيِّبٌ یہ ہے اس کی خبر۔ ان میں سے کوئی ایک بھی مفعول فیہ نہیں ہے، مفعول فیہ تو منصوب ہوتا ہے۔ تو میں نے کیا کہا؟ يَوْمُ الْجُمُعَةِ يَوْمٌ طَيِّبٌ، جمعہ کا دن اچھا دن ہے، میں نے جمعہ کے دن کو ذکر کیا اور جمعہ کا دن دیکھو زمانہ ہے، زمانہ ہے، اور اس زمانے کے اندر کوئی فعل ہوا کہ نہیں ہوا؟ ظاہر سی بات ہے اس کے اندر کروڑوں اربوں فعل ہوئے ہیں بھئی اس جمعہ کے دن میں، اگرچہ وہ فعل یہاں پر مذکور نہیں ہے، تو یہ جمعہ بھی تعریف کے اندر داخل ہو گیا۔ مثلاً یا اسی طرح میں يَوْمٌ کا لفظ کہتا ہوں، دن، صبح سے شام تک، یہ بھی اس کے اندر داخل کیونکہ سارے دن میں بھی ہر ایک اپنے اپنے افعال میں مصروف ہے، کروڑوں اربوں افعال ہو رہے ہیں بھئی۔ تو جب کہا نا مفعول فیہ وہ زمانہ یا مکان ہے جس کے اندر کوئی فعل کیا جائے تو ہر زمانے میں کوئی نہ کوئی فعل ہے وہ بھی اس میں آگیا، ہر زمانہ آگیا۔ اور ہر مکان میں کوئی نہ کوئی فعل ہے لہٰذا ہر مکان بھی اس کے اندر داخل ہو گیا۔ مثلاً مسجد ہے، مسجد جیسے مکان ہے تو یہ بھی فعل سے خالی نہیں، تو مسجد کے اندر دیکھو کوئی نوافل پڑھ رہا ہوگا، کوئی تلاوت کر رہا ہوگا، کوئی سبق پڑھ رہا ہوگا، تو دیکھو وہ بھی فعل سے خالی نہیں۔ مدرسہ ہے، مدرسہ جو ہے یہ بھی جگہ کا نام ہے، مکان ہے، اور یہ بھی فعل سے خالی نہیں، اس میں کوئی سبق یاد کر رہا ہے، کوئی مطالعہ کر رہا ہے، کوئی پڑھا رہا ہے وغیرہ افعال سے یہ خالی نہیں۔ تو کوئی بھی جگہ افعال سے خالی نہیں، نہ کوئی زمانہ افعال سے خالی ہے اور نہ کوئی مکان جو ہے وہ افعال سے خالی ہے۔ تو جب کیا کہا؟ کہ مفعول فیہ وہ زمانہ یا مکان ہے جس کے اندر کوئی فعل کیا جائے، تو ہر زمانے میں کوئی نہ کوئی فعل ہے وہ بھی اس میں آگیا، ہر زمانہ آگیا، اور ہر مکان میں کوئی نہ کوئی فعل ہے لہٰذا ہر مکان بھی اس کے اندر داخل ہو گیا۔ تو اس کے اندر يَوْمُ الْجُمُعَةِ يَوْمٌ طَيِّبٌ یہ يَوْمُ الْجُمُعَةِ بھی اس کے اندر داخل ہو گیا کیونکہ یہ بھی کس کا نام ہے؟ زمانے کا نام ہے، ہر زمانہ داخل ہو گیا، اگرچہ ترکیب کے اندر يَوْمُ الْجُمُعَةِ وہ تو مفعول فیہ نہیں بن رہا، وہ تو مبتدا بن رہا ہے۔ لیکن ہر زمانہ اور ہر مکان اس کے اندر داخل ہو گئے۔ پھر آگے جب کہا نا مَذْكُوْرٌ، تو اس قید کے ذریعے وہ زمانے اور مکان نکل گئے جن کا حدث مذکور نہ ہو۔ وہ زمانے یا مکان نکل گئے جن کا حدث مذکور نہ ہو۔ اب يَوْمُ الْجُمُعَةِ يَوْمٌ طَيِّبٌ جمعہ کا دن اچھا دن ہے، يَوْمُ الْجُمُعَةِ

بے شک زمانہ ہے اور وہ تعریف کے اندر داخل ہو رہا تھا، لیکن آگے تعریف میں کیا قید لگا دی؟ کہ اس کے اندر فعلِ مذکور کو کیا جائے۔ اور یہاں تو جمعہ کے ساتھ کوئی فعل مذکور نہیں ہے، تو یہ تعریف سے خارج ہو گیا۔ تو ہر وہ زمانہ اور مکان پھر خارج ہو جائے گا جس کے ساتھ اس کا فعل ذکر نہ ہو۔

دیکھیے بھائی کتاب پر۔ کہتے ہیں: فَقَوْلُهُ مَا فُعِلَ فِيْهِ فِعْلٌ، کہ ماتن کا قول جو ہے مَا فُعِلَ فِيْهِ فِعْلٌ، شَامِلٌ لِأَسْمَاءِ الزَّمَانِ وَالْمَكَانِ كُلِّهَا، یہ تمام اسمائے زمان کو اور تمام اسمائے مکان کو شامل ہے۔ یعنی اس میں ہر اسمِ زمان بھی داخل ہو گیا اور ہر اسمِ مکان بھی داخل ہو گیا۔ فَإِنَّهُ لَا يَخْلُوْ زَمَانٌ أَوْ مَكَانٌ عَنْ أَنْ يُّفْعَلَ فِيْهِمَا فِعْلٌ، اس لیے کیونکہ کوئی بھی زمانہ یا مکان اس بات سے خالی نہیں ہے کہ ان کے اندر کوئی فعل کیا جائے، یعنی ہر ایک میں کوئی نہ کوئی فعل ضرور کیا جاتا ہے، سَوَاءٌ ذُكِرَ الْفِعْلُ الَّذِيْ فُعِلَ فِيْهِمَا أَوْ لَا، برابر ہے کہ وہ فعل جو ان کے اندر کیا گیا ہے اس کو ذکر کیا جائے یا ذکر نہ کیا جائے۔ يَوْمُ الْجُمُعَةِ يَوْمٌ طَيِّبٌ، يَوْمُ الْجُمُعَةِ مبتدا ہے، مفعول فیہ نہیں، زمانہ ہے، لیکن اس کے اندر بھی کروڑہا افعال، ارب ہا افعال کیے جا رہے ہیں، اگرچہ وہ یہاں پر مذکور نہیں ہیں۔ تو کہتے ہیں سَوَاءٌ ذُكِرَ الْفِعْلُ الَّذِيْ فُعِلَ فِيْهِمَا أَوْ لَا، برابر ہے کہ وہ فعل جو اس زمانے یا مکان میں کیا گیا ہے اس کو ذکر کیا جائے یا ذکر نہ کیا جائے۔

وَقَوْلُهُ مَذْكُوْرٌ، اور آگے یہ دیکھو مَذْكُوْرٌ قید کا فائدہ بتلا رہے ہیں کہ یہ فصل کے درجے میں ہے۔ پہلے تو ہر زمانہ یا مکان مفعول فیہ کے اندر داخل ہو رہا تھا، پھر جب کیا کہا؟ کہ ان کا فعل مذکور ہو، تو اب باقی وہ تمام زمانے اور مکان نکل گئے جن کا فعل مذکور نہ ہو۔ تو کہتے ہیں: وَقَوْلُهُ مَذْكُوْرٌ اور ماتن کا قول مَذْكُوْرٌ جو ہے، خَرَجَ بِهِ مَا لَا يُذْكَرُ فِعْلٌ، کہ اس کے ذریعے نکل گئے وہ زمانہ اور مکان کہ جس میں ذکر نہ کیا جائے فِعْلٌ فُعِلَ فِيْهِ اس فعل کو جو ان کے اندر کیا گیا ہے۔ اس کے ذریعے وہ زمانہ اور مکان نکل گئے جن کے اندر، جس کے اندر ذکر نہ کیا جائے اس فعل کو جو اس زمانے میں کیا گیا ہے۔ تو پھر ترجمہ دیکھیے: خَرَجَ بِهِ مَا اس کے ذریعے، اس مَذْكُوْرٌ کی قید کے ذریعے نکل گئے مَا وہ زمانہ اور مکان لَا يُذْكَرُ فِعْلٌ فُعِلَ فِيْهِ کہ جس کے اندر ذکر نہ کیا جائے اس فعل کو جو اس زمانے یا مکان میں کیا گیا ہے، نَحْوُ مثال کے طور پر يَوْمُ الْجُمُعَةِ يَوْمٌ طَيِّبٌ، جمعہ کا دن اچھا دن ہے۔ اب یہ يَوْمُ الْجُمُعَةِ زمانے کا نام ہے، اس میں بھی اتنے ہی افعال ہو رہے ہیں لیکن ان افعال کو یہاں ذکر نہیں کیا گیا تو یہ مفعول فیہ کی تعریف سے خارج ہو گیا۔ تو کہتے ہیں نَحْوُ جیسے کہ يَوْمُ الْجُمُعَةِ يَوْمٌ طَيِّبٌ، فَإِنَّهُ وَإِنْ كَانَ فُعِلَ فِيْهِ فِعْلٌ لَا مَحَالَةَ، اس لیے کیونکہ اگرچہ اس کے اندر بھی کوئی نہ کوئی فعل کیا گیا ہے لَا مَحَالَةَ یقینی طور پر، لٰكِنَّهُ لَيْسَ بِمَذْكُوْرٍ لیکن وہ فعل مذکور نہیں ہے، لیکن وہ فعل یہاں اس کے ساتھ مذکور نہیں ہے۔

لٰكِنْ بَقِيَ مِثْلُ شَهِدْتُ يَوْمَ الْجُمُعَةِ، لیکن باقی رہ گئے مِثْلُ شَهِدْتُ يَوْمَ الْجُمُعَةِ، شَهِدْتُ يَوْمَ الْجُمُعَةِ جیسی مثالیں باقی رہ گئیں، وہ ابھی بھی تعریف کے اندر داخل ہیں۔ شَهِدْتُ، شَهِدَ يَشْهَدُ کے معنی ہیں کسی چیز کو پا لینا، کسی چیز کا مل جانا۔ جیسے آپ کہتے ہیں: شَهِدْتُ صَلَاةَ الْجُمُعَةِ، مجھے جمعہ کی نماز مل گئی، میں نے جمعہ کی نماز کو پا لیا۔ شَهِدَ کا کیا معنی ہے؟ پا لینا،

مل جانا۔ شَهِدْتُ میں نے پا لیا صَلَاةَ الْجُمُعَةِ جمعہ کی نماز کو۔ تو اس کے بعد جو منصوب آتا ہے وہ مفعول بہ ہے بھائی۔ تو شَهِدْتُ صَلَاةَ الْجُمُعَةِ، تو دیکھو یہاں جو صَلَاةَ الْجُمُعَةِ آیا یہ منصوب ہے اور یہ مفعول بہ ہے۔ صَلَاةُ الْجُمُعَةِ جمعہ کی نماز، کیا یہ کسی زمانے کا نام ہے؟ نہیں۔ کیا یہ کسی جگہ کا نام ہے؟ نہیں۔ تو یہ نہ زمانہ ہے نہ جگہ ہے اور یہ ہے منصوب، تو معلوم ہوا یہ پھر مفعول بہ ہے، مفعول فیہ تو یہ ہو نہیں سکتا۔ تو شَهِدَ کے بعد کیا آتا ہے؟ مفعول بہ بھائی۔ شَهِدْتُ صَلَاةَ الْجُمُعَةِ، مجھے جمعہ کی نماز مل گئی، میں نے جمعہ کی نماز کو پا لیا۔ اسی طرح قرآن میں اللہ فرماتے ہیں: ﴿ فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ ﴾۔ فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ پس تم میں سے جو کوئی پا لے اَلشَّهْرَ اس مہینے کو، یعنی وہ رمضان کے مہینے کو جو شخص پا لے، جس کو رمضان کا مہینہ مل جائے، فَلْيَصُمْهُ تو اس کو اس مہینے میں روزے رکھنے چاہئیں۔ تو یہاں پر بھی یہ اَلشَّهْرَ کیا واقع ہو رہا ہے؟ یہ مفعول بہ واقع ہو رہا ہے۔ تو اسی طرح مثلاً میں کہتا ہوں: شَهِدْتُ يَوْمَ الْجُمُعَةِ، میں نے جمعہ کے دن کو پا لیا، تو یہ يَوْمَ الْجُمُعَةِ شَهِدْتُ کے لیے کیا واقع ہو رہا ہے؟ مفعول بہ۔ توجہ ہے؟ تو شَهِدْتُ يَوْمَ الْجُمُعَةِ اس کے اندر یہ يَوْمَ الْجُمُعَةِ کیا ہے؟ مفعول بہ ہے، لیکن یہ مفعول فیہ کی تعریف میں داخل ہو رہا ہے۔ یہ مفعول فیہ کی تعریف میں داخل ہو رہا ہے۔ بھائی کس طرح اس تعریف کے اندر داخل ہو رہا ہے؟ کہتے ہیں اس لیے کیونکہ جمعہ کے دن کا پانا، جمعہ کے دن کا مل جانا وہ جمعہ کے دن میں ہی ہوگا۔ میں کب کہوں گا مجھے جمعہ کا دن مل گیا؟ جب جمعہ کا دن آجائے گا تب ہی میں کہوں گا نا کہ شَهِدْتُ يَوْمَ الْجُمُعَةِ میں نے جمعہ کے دن کو پا لیا، اس سے پہلے تو میں نہیں کہہ سکتا۔ اسی طرح قرآن میں اللہ کیا فرماتے ہیں؟ فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ جس کو وہ مہینہ یعنی رمضان کا مہینہ مل جائے، اور رمضان کا مہینہ ملنا کب کہیں گے؟ جب رمضان شروع ہو جائے تو اب ہم کہیں گے اس کو رمضان کا مہینہ مل گیا۔ رمضان کا مہینہ اگر ابھی شروع ہی نہیں ہوا تو ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ اس کو رمضان کا مہینہ مل گیا ہے۔ تو معلوم ہوا جمعہ کے دن کا ملنا جمعہ کے دن میں ہوگا، جمعہ کے دن میں ہوگا۔ معلوم ہوا وہ شہود کا فعل جمعہ کے دن میں ہی ہے۔ تو جب شہود کا فعل جمعہ کے دن میں ہے تو یہ يَوْمَ الْجُمُعَةِ یہ مفعول فیہ بھی بن گیا۔ پھر دیکھو ذرا یہ کتاب پر دیکھو۔ شَهِدْتُ يَوْمَ الْجُمُعَةِ، یہ يَوْمَ الْجُمُعَةِ کیا ہے؟ مفعول بہ، لیکن یہ مفعول فیہ کی تعریف میں داخل ہو رہا ہے۔ کیسے داخل ہو رہا ہے؟ دیکھو يَوْمَ الْجُمُعَةِ یہ زمانہ ہے، اور انہوں نے بھی کیا کہا مفعول فیہ وہ زمانہ یا مکان ہے جس کے اندر فعلِ مذکور کو کیا جائے، اور اس کے ساتھ کون سا فعل مذکور ہے؟ یہ شَهِدْتُ یعنی شہود ذکر ہے اس کے ساتھ۔ اور مجھے بتائیے وہ شُهُوْدُ يَوْمِ الْجُمُعَةِ، جمعہ کے دن کا ملنا وہ کب ہوا ہے؟ جمعہ کے دن میں ہوا ہے، تو معلوم ہوا یہ يَوْمَ الْجُمُعَةِ یہ مفعول فیہ بھی بن گیا۔ یہ ہے تو مفعول بہ لیکن مفعول فیہ کی تعریف اس پر صادق آرہی ہے۔ نہیں بات سمجھ میں آئی؟ نہیں سمجھ میں آئی؟ شَهِدْتُ يَوْمَ الْجُمُعَةِ، میں نے پا لیا جمعہ کے دن کو۔ یہ مفعول بہ ہے لیکن مفعول فیہ کی تعریف بھی اس پر صادق آرہی ہے، اس لیے کیونکہ جمعہ کے دن کا ملنا یعنی یہ جو شہود کا فعل یہاں ذکر ہے، جمعہ کے دن کا ملنا، جمعہ کے دن کا شہود وہ جمعہ کے دن میں ہی ہوگا اس سے باہر نہیں ہو سکتا۔ تو معلوم ہوا يَوْمَ الْجُمُعَةِ یہ وہ زمانہ ہے جس کے اندر یہ شہود والا فعل ہوا ہے، اور وہ زمانہ جس کے اندر وہ فعلِ مذکور کیا جائے اس کو کیا کہتے ہیں؟ مفعول فیہ، تو یہ يَوْمَ الْجُمُعَةِ اس

پر مفعول فیہ کی تعریف بھی صادق آرہی ہے۔ بات سمجھ میں آگئی۔

تو کہتے ہیں: لٰكِنْ بَقِيَ مِثْلُ شَهِدْتُ يَوْمَ الْجُمُعَةِ دَاخِلًا فِيْهِ۔ اس کو ماقبل سے جوڑیں، کیا کہا تھا؟ کہ مَذْكُوْرٌ کی قید کے ذریعے يَوْمُ الْجُمُعَةِ يَوْمٌ طَيِّبٌ اس جیسی مثالیں تو خارج ہو گئیں، لٰكِنْ بَقِيَ مِثْلُ شَهِدْتُ يَوْمَ الْجُمُعَةِ دَاخِلًا فِيْهِ، لیکن شَهِدْتُ يَوْمَ الْجُمُعَةِ جیسی مثالیں جو ہیں وہ اس کے اندر داخل ہو کر باقی رہیں۔ وہ ترجمہ سمجھ میں آرہا ہے؟ يَوْمُ الْجُمُعَةِ جیسی مثالیں اس میں باقی رہیں دَاخِلًا فِيْهِ اس کے اندر داخل ہو کر، یعنی وہ ابھی بھی اس کے اندر داخل ہیں۔ تعریف تو ایسی ہونی چاہیے نا جو جامع مانع ہو، جس میں کوئی غیر داخل نہ ہو، اور تعریف کس کی کر رہے ہیں؟ مفعول فیہ کی، لہٰذا اس کے اندر غیرِ مفعول فیہ کو داخل نہیں ہونا چاہیے۔ لیکن آپ کی تعریف سے کیا خرابی لازم آئی؟ کہ مفعول بہ، جو یہاں پر يَوْمَ الْجُمُعَةِ مفعول بہ ہے، وہ آپ کی تعریف کے مطابق مفعول فیہ بن رہا ہے۔ بات سمجھ میں آگئی، تو معلوم ہوا آپ کی تعریف دخولِ غیر سے مانع نہیں۔ تو کہتے ہیں: فَإِنَّ يَوْمَ الْجُمُعَةِ يَصْدُقُ عَلَيْهِ اس لیے کیونکہ جمعہ کا دن جو ہے اس پر یہ بات صادق آرہی ہے، أَنَّهُ فُعِلَ فِيْهِ فِعْلٌ مَذْكُوْرٌ کہ اس کے اندر فعلِ مذکور یعنی شہود کو کیا گیا ہے، فَإِنَّ شُهُوْدَ يَوْمِ الْجُمُعَةِ لَا يَكُوْنُ إِلَّا فِيْ يَوْمِ الْجُمُعَةِ اس لیے کیونکہ یومِ جمعہ کا ملنا یہ نہیں ہوگا مگر جمعہ کے دن میں ہی۔

فَلَوِ اعْتُبِرَ فِي التَّعْرِيْفِ قَيْدُ الْحَيْثِيَّةِ،یہاں سے اب بتلائیں گے کہ یہاں اگر حیثیت کی قید کا اعتبار کر لیا جائے تو پھر اس جیسی مثالیں بھی خارج ہو جاتی ہیں۔ شَهِدْتُ يَوْمَ الْجُمُعَةِ یہ يَوْمَ الْجُمُعَةِ تعریف کے اندر داخل ہو رہا ہے لیکن اگر آپ حیثیت کی قید کا اعتبار کر لیں تو پھر یہ بھی مفعول فیہ سے خارج ہو جائے گا، اور اس کو خارج ہی ہونا چاہیے۔ کس طرح؟ حیثیت کی قید کا کس طرح اعتبار کریں گے؟ دیکھیے بھائی کتاب پر۔ کہتے ہیں: فَلَوِ اعْتُبِرَ فِي التَّعْرِيْفِ قَيْدُ الْحَيْثِيَّةِ، اور اگر اعتبار کر لیا جائے اس تعریف کے اندر حیثیت کی قید کا، یعنی یوں تعریف کی جائے، دیکھو اب وہی تعریف ذکر کریں گے اور ساتھ حیثیت کی قید بھی ذکر کر دیں گے: أَيِ الْمَفْعُوْلُ فِيْهِ مَا، مَا سے مراد ہے زمانہ یا مکان، کہ مفعول فیہ جو ہے مَا وہ زمانہ یا مکان ہے فُعِلَ فِيْهِ فِعْلٌ مَذْكُوْرٌ جس کے اندر فعلِ مذکور کو کیا جائے، مِنْ حَيْثُ اس حیثیت سے کہ إِنَّهُ فُعِلَ فِيْهِ فِعْلٌ مَذْكُوْرٌ کہ اس کے اندر فعلِ مذکور کو کیا گیا ہے۔ میں نے بتلایا تھا حَيْثُ کے بعد إِنَّ پڑھنا ہے إِنَّ، اس حیثیت سے کہ اس میں فعلِ مذکور کو کیا گیا ہے۔ تو کہتے ہیں اس صورت میں لَخَرَجَ مِثْلُ هٰذَا الْمِثَالِ مِنْهُ اس جیسی مثال جو ہے اس تعریف سے نکل جائے گی۔ یہ حیثیت کی قید کا اگر آپ اعتبار کریں تو شَهِدْتُ يَوْمَ الْجُمُعَةِ جیسی مثال اس سے نکل جائے گی بھائی۔ پھر دیکھو بھائی کس طرح نکلتی ہے، کیسے یہ نکلتی ہے؟ پھر دیکھیں۔ کہتے ہیں اَلْمَفْعُوْلُ فِيْهِ مَا فُعِلَ فِيْهِ فِعْلٌ مَذْكُوْرٌ مفعول فیہ وہ زمانہ یا مکان ہے جس کے اندر اس حدثِ مذکور کو کیا جائے مِنْ حَيْثُ اس حیثیت سے کہ إِنَّهُ فُعِلَ فِيْهِ فِعْلٌ مَذْكُوْرٌ کہ اس کے اندر فعلِ مذکور کو کیا گیا ہے۔ مفعول فیہ وہ زمانہ یا مکان ہے جس کے اندر فعلِ مذکور کو کیا جائے اس حیثیت سے کہ اس کے اندر فعلِ مذکور کو کیا گیا ہے۔ بات ابھی بھی پوری طرح واضح نہیں ہوئی بھائی۔ یوں کریں یہاں ایک لفظ کا اضافہ کر دیں، پھر

بات واضح ہو جائے گی۔ یہ جو مِنْ حَيْثُ آیا نا، اس سے ماقبل وَذُكِرَ، وَذُكِرَ یہاں چھوٹا سا لکھ لیں۔ مِنْ حَيْثُ سے پہلے وَذُكِرَ، وَذُكِرَ اور اس کو ذکر کیا جائے، ذُكِرَ کی ضمیر راجع کر دیں مَا کو، اور مَا سے مراد ہے زمانہ یا مکان۔ وَذُكِرَ اور وہ زمانہ یا مکان ذکر کیا جائے مِنْ حَيْثُ إِنَّهُ فُعِلَ فِيْهِ فِعْلٌ مَذْكُوْرٌ اس حیثیت سے کہ اس کے اندر فعلِ مذکور کو کیا گیا ہے۔ پھر سمجھو، پھر دیکھو اب وَذُكِرَ کو بھی ہم درمیان میں لے آئیں گے، اب دیکھو بات واضح ہو جائے گی: کہ مفعول فیہ مَا مفعول فیہ وہ زمانہ یا مکان ہے فُعِلَ فِيْهِ فِعْلٌ مَذْكُوْرٌ جس کے اندر حدثِ مذکور کو کیا گیا ہے، وَذُكِرَ اور یہ زمانہ یا مکان جو ہے اس کو ذکر کیا گیا ہے مِنْ حَيْثُ اس حیثیت سے کہ إِنَّهُ فُعِلَ فِيْهِ فِعْلٌ مَذْكُوْرٌ کہ اس کے اندر فعلِ مذکور کو کیا گیا ہے۔ یہ زمانہ یا مکان اس حیثیت سے ذکر ہے کہ اس کے اندر فعلِ مذکور کو کیا گیا ہے۔ اب حیثیت کی قید کی وجہ سے وہ شَهِدْتُ يَوْمَ الْجُمُعَةِ بھی اس سے نکل گیا، کیونکہ شَهِدْتُ يَوْمَ الْجُمُعَةِ اس کے اندر يَوْمَ الْجُمُعَةِ اس حیثیت سے نہیں ذکر کیا گیا کہ یہ شَهِدْتُ والا فعل اس کے اندر ہوا ہے، بلکہ یہ يَوْمَ الْجُمُعَةِ اس حیثیت سے ذکر کیا گیا ہے کہ شَهِدْتُ والا فعل اس پر واقع ہوا ہے، یہ مفعول بہ ہے۔ شَهِدْتُ يَوْمَ الْجُمُعَةِ میں نے پا لیا ہے يَوْمَ الْجُمُعَةِ کس کو؟ جمعہ والے دن کو۔ تو یہ جمعہ والے دن کو جو ذکر کیا گیا ہے یہ مفعول بہ ہونے کی حیثیت سے ہے کہ میں نے اس کو پا لیا ہے، یہ يَوْمَ الْجُمُعَةِ کو اس حیثیت سے ذکر نہیں کیا گیا کہ اس کے اندر یہ شَهِدْتُ والا فعل ہوا ہے۔ بات سمجھ میں آ گئی؟ پھر ایک دفعہ دیکھ لیجیے: کہتے ہیں اَلْمَفْعُوْلُ فِيْهِ مَا فُعِلَ فِيْهِ فِعْلٌ مَذْكُوْرٌ مفعول فیہ وہ زمانہ یا مکان ہے جس کے اندر فعلِ مذکور کو کیا جائے وَذُكِرَ مِنْ حَيْثُ إِنَّهُ فُعِلَ فِيْهِ فِعْلٌ مَذْكُوْرٌ اور وہ زمانہ یا مکان اس حیثیت سے ذکر کیا گیا ہو کہ اس کے اندر فعلِ مذکور کو کیا گیا ہو۔ اور شَهِدْتُ يَوْمَ الْجُمُعَةِ، يَوْمَ الْجُمُعَةِ اس حیثیت سے ذکر نہیں کہ اس کے اندر یہ شہود والا فعل ہے بلکہ یہ اس حیثیت سے ذکر ہے کہ شہود والا فعل اس پر واقع ہوا ہے یعنی یہ مفعول بہ ہے بھائی، اب یہ تعریف سے خارج ہو گیا۔ اب یہ تعریف سے خارج ہو گیا۔ جی تو کہتے ہیں: لَخَرَجَ مِثْلُ هٰذَا الْمِثَالِ مِنْهُ تو البتہ نکل جائے گی اس جیسی مثال اس سے۔ اس کو وہ پیچھے سے جوڑیں بھائی پیچھے جو آیا تھا فَلَوِ اعْتُبِرَ فِي التَّعْرِيْفِ قَيْدُ الْحَيْثِيَّةِ اگر اعتبار کیا جائے اس تعریف کے اندر حیثیت کی قید کا، تو لَخَرَجَ مِثْلُ هٰذَا الْمِثَالِ مِنْهُ تو البتہ اس جیسی مثال اس سے نکل جائے گی بھائی۔ فَإِنَّ ذِكْرَ يَوْمِ الْجُمُعَةِ فِيْهِ لَيْسَ مِنْ حَيْثُ إِنَّهُ فُعِلَ فِيْهِ فِعْلٌ مَذْكُوْرٌ اس لیے کیونکہ جمعہ کے دن کا ذکر اس مثال کے اندر لَيْسَ مِنْ حَيْثُ وہ اس حیثیت سے نہیں ہے کہ إِنَّهُ فُعِلَ فِيْهِ فِعْلٌ مَذْكُوْرٌ کہ اس کے اندر فعلِ مذکور کو کیا گیا ہے، بَلْ مِنْ حَيْثُ إِنَّهُ وَقَعَ عَلَيْهِ فِعْلٌ مَذْكُوْرٌ بلکہ جمعہ کا ذکر اس حیثیت سے ہے کہ اس پر فعلِ مذکور واقع ہوا ہے۔

وَلَا يَخْفٰى أَنَّهُ عَلٰى تَقْدِيْرِ اعْتِبَارِ قَيْدِ الْحَيْثِيَّةِ لَا حَاجَةَ إِلٰى قَوْلِهِ مَذْكُوْرٌ إِلَّا لِزِيَادَةِ تَصْوِيْرِ الْمُعَرَّفِ۔ تو صاحبِ جامی آگے فرما رہے ہیں کہ اگر آپ حیثیت کی قید کا اعتبار کر لیتے ہیں پھر مَذْكُوْرٌ کی قید بڑھانے کی ضرورت ہی نہیں، مَذْكُوْرٌ کی قید بڑھانے کی ضرورت ہی نہیں اگر آپ حیثیت کی قید کا اعتبار کر لیں، تو پھر مَذْكُوْرٌ لانے کی ضرورت ہی نہیں۔ ذرا دیکھو یہاں جو ابھی انہوں نے کہا تھا، یہ جو ابھی تعریف ایک سطر پیچھے ہم نے حیثیت کی قید کا اضافہ انہوں نے کیا تھا: أَيِ الْمَفْعُوْلُ فِيْهِ مَا فُعِلَ فِيْهِ فِعْلٌ مَذْكُوْرٌ مِنْ حَيْثُ إِنَّهُ فُعِلَ فِيْهِ فِعْلٌ مَذْكُوْرٌ، عبارت مل گئی؟ اب اس میں دیکھو یہ مَذْكُوْرٌ کا لفظ دو جگہ آ رہا ہے، اس کو ذرا ختم کر دیں، اس کے بغیر بھی بات بن جائے گی۔ اب دیکھو مَذْكُوْرٌ کے بغیر ہم ترجمہ کریں گے: اَلْمَفْعُوْلُ

فِيْهِ مفعول فیہ جو ہے مَا وہ زمانہ یا مکان ہے فُعِلَ فِيْهِ فِعْلٌ جس کے اندر کوئی فعل کیا گیا ہو، وہ زمانہ یا مکان جس کے اندر کوئی فعل کیا گیا ہو، وَذُكِرَ مِنْ حَيْثُ إِنَّهُ فُعِلَ فِيْهِ فِعْلٌ اور یہ زمانہ یا مکان اس حیثیت سے ذکر ہے کہ اس کے اندر کوئی فعل کیا گیا ہے۔ یہ زمانہ یا مکان اس حیثیت سے ذکر ہے کہ اس کے اندر کوئی فعل کیا گیا ہے۔ جب زمانہ یا مکان اس حیثیت سے ذکر ہے کہ اس کے اندر کوئی فعل کیا گیا ہے تو ظاہر سی بات ہے وہ فعل بھی ساتھ ذکر ہوگا۔ وہ فعل بھی: ضَرَبْتُ زَيْدًا يَوْمَ الْجُمُعَةِ، توجہ ہے؟ ضَرَبْتُ زَيْدًا يَوْمَ الْجُمُعَةِ، یہ يَوْمَ الْجُمُعَةِ یہ وہ زمانہ ہے جس کے اندر کوئی فعل کیا گیا ہے۔ اس جملے پہ نظر رکھو، بات سمجھ میں آجائے گی: ضَرَبْتُ زَيْدًا يَوْمَ الْجُمُعَةِ، یہ يَوْمَ الْجُمُعَةِ یہ وہ زمانہ ہے جس کے اندر کوئی فعل کیا گیا ہے اور یہ يَوْمَ الْجُمُعَةِ اس حیثیت سے ذکر ہے یہاں پر کہ اس کے اندر کوئی فعل کیا گیا ہے۔ جب اس حیثیت سے ذکر ہے تو ظاہر سی بات ہے کوئی فعل بھی ساتھ ذکر ہوگا نا، اس فعل کے بغیر یہ تو اس حیثیت سے ذکر ہی نہیں ہو سکتا، تو وہ فعل ضَرَبْتُ دیکھو ساتھ ذکر ہے۔ تو مَذْكُوْرٌ کی قید کی ضرورت ہی پھر نہیں رہے گی جب آپ یہ کہہ دیں کہ یہ اس حیثیت سے ذکر کیا جاتا ہے کہ اس کے اندر کوئی فعل کیا گیا ہے، تو ظاہر سی بات ہے کوئی نہ کوئی فعل ساتھ ذکر ہوگا۔ تو معلوم ہوا پھر مَذْكُوْرٌ کی قید لگانے کی کوئی حاجت نہیں جب حیثیت کی قید کا اعتبار کر لیں۔ تو پھر یہ مَذْكُوْرٌ تو بالکل بیکار ہو جائے گا؟ تو صاحبِ جامی بتائیں گے نہیں بیکار پھر بھی نہیں، اس سے معرّف کی اور زیادہ پہچان ہو جاتی ہے یعنی بات اور واضح ہوتی ہے۔ بھئی مَذْكُوْرٌ کو نہ لائیں صرف حیثیت کی قید بڑھا دیں، اس سے بھی سمجھ میں آجاتا ہے کہ فعل ساتھ ذکر ہوگا۔ فعل ساتھ ذکر ہوگا، یہ اسی سے سمجھ میں آگیا جب وہ اس حیثیت سے ذکر کیا جا رہا ہے کہ کوئی فعل اس کے اندر کیا گیا ہے تو ظاہر سی بات ہے کوئی نہ کوئی فعل ساتھ ذکر ہوگا۔ تو حیثیت کی قید لگا دیں تو اس سے خود ہی سمجھ میں آگیا کہ ساتھ کوئی فعل ذکر ہوگا۔ لیکن مَذْكُوْرٌ کو پھر بھی ذکر کر دیا گیا تاکہ بات خوب واضح ہو جائے۔ ایک بات وہ تھی جو ضمناً سمجھ میں آرہی تھی، جب مفعول فیہ کو اس حیثیت سے ذکر کیا گیا ہے کہ اس کے اندر کوئی فعل ہوا ہے تو معلوم ہوا وہ فعل بھی ساتھ مذکور ہوگا اگرچہ مَذْكُوْرٌ ہم نے کہا نہیں لیکن بات خود ہی سمجھ میں آگئی کہ وہ فعل بھی مذکور ہوگا، تو ضمناً سمجھ میں آرہا ہے کہ کوئی نہ کوئی فعل ساتھ مذکور ہوگا۔ لیکن خود لفظوں میں بھی جب مَذْكُوْرٌ کا لفظ لے آئے تو بات خوب واضح ہو گئی۔ ایک چیز جو پہلے ضمناً معلوم ہو رہی تھی اب صراحتاً آگئی، تو طالب علم کو خوب اچھی طرح پہچان ہو جائے گی مفعول فیہ کی کہ معلوم ہوا مفعول فیہ کے اندر ساتھ فعل ذکر ہوتا ہے۔ تو کہتے ہیں: وَلَا يَخْفٰى أَنَّهُ عَلٰى تَقْدِيْرِ اعْتِبَارِ قَيْدِ الْحَيْثِيَّةِ اور یہ بات مخفی نہیں ہے، یہ بات پوشیدہ نہیں ہے کہ حیثیت کی قید کا اعتبار کرنے کی تقدیر پر لَا حَاجَةَ إِلٰى قَوْلِهِ مَذْكُوْرٌ کوئی حاجت نہیں ہے ماتن کے قول مَذْكُوْرٌ کی، إِلَّا لِزِيَادَةِ تَصْوِيْرِ الْمُعَرَّفِ مگر معرّف کی زیادہ پہچان کروانے کے لیے۔ صَوَّرَ يُصَوِّرُ تَصْوِيْرٌ کا معنی ہے صورت بنانا، یعنی یہاں مراد ہے پہچان کروانا۔ دیکھو کسی چیز کی جب تعریف کی جاتی ہے تو اس کی پہچان کروائی جاتی ہے۔ مثلاً طالب علم کو اَلْكَلِمَةُ کا علم نہیں تھا تو پھر آگے اس کی تعریف کی گئی کہ کلمہ کسے کہتے ہیں؟ لَفْظٌ وُضِعَ لِمَعْنًى مُّفْرَدٍ، وہ ایسا لفظ ہے جس کو کسی معنی کے لیے وضع کیا گیا ہو اور وہ معنی یا وہ لفظ کیا ہو؟ مفرد ہونا چاہیے۔ اب طالب علم کو پوری پہچان ہو گئی یعنی اس کے ذہن

میں، ذہن میں کلمہ کی تصویر بن گئی۔ تو تصویر سے مراد وہ تصویر نہیں ہے جو کسی کی شکل اور صورت ہوتی ہے، بلکہ مراد کیا ہے یہاں اس کی پہچان مراد ہے، تعریف سے معرّف کی پہچان ہو جاتی ہے۔ تو کہتے ہیں إِلَّا لِزِيَادَةِ تَصْوِيْرِ الْمُعَرَّفِ مگر معرّف کی زیادہ پہچان کروانے کے لیے یہ مَذْكُوْرٌ کا لفظ، اس کی حاجت نہیں مگر کس لیے ذکر کیا گیا ہے؟ معرّف کی زیادہ پہچان کروانے کے لیے کہ تاکہ خوب اچھی طرح اس کی پہچان ہو جائے۔

وَقَوْلُهُ مِنْ زَمَانٍ أَوْ مَكَانٍ بَيَانٌ لِمَا الْمَوْصُوْلَةِ أَوِ الْمَوْصُوْفَةِ۔ کہتے ہیں مِنْ زَمَانٍ أَوْ مَكَانٍ یہ بیان ہے مائے موصولہ کا یا مائے موصوفہ کا، إِشَارَةً إِلٰى قِسْمَيِ الْمَفْعُوْلِ فِيْهِ وَتَمْهِيْدًا لِبَيَانِ حُكْمِ كُلٍّ مِّنْهُمَا۔ یہ إِشَارَةً منصوب آیا، اسی طرح اسی پر آگے عطف ہے تَمْهِيْدًا کا وہ بھی منصوب ہے۔ یاد رکھو یہ دونوں مفعول لہ ہیں، مفعول لہ ہیں۔ مفعول لہ کسے کہتے ہیں؟ جو ماقبل فعل کی علت بیان کرتا ہے۔ تو یہاں پر بھی کہا کہ یہ مِنْ زَمَانٍ أَوْ مَكَانٍ یہ جو بیان لے کر آئے صاحبِ کافیہ کیوں لے کر آئے؟ إِشَارَةً إِلٰى قِسْمَيِ الْمَفْعُوْلِ فِيْهِ اشارہ کرنے کے لیے مفعول فیہ کی دو قسموں کی طرف، مفعول فیہ کی دو قسمیں ہیں نا زمانہ اور مکان۔ تو پیچھے تو ذکر نہیں تھا کہ مفعول فیہ زمانہ یا مکان ہوتا ہے، تو یہ مِنْ زَمَانٍ أَوْ مَكَانٍ یہ بیان لے کر آئے کس کے لیے؟ مَا فُعِلَ فِيْهِ فِعْلٌ کا یہ بیان ہے، اور یہ کس لیے لے کر آئے؟ ایک تو اشارہ کرنا چاہتے تھے کہ مفعول فیہ کی دو قسمیں ہیں، یا وہ زمانہ ہوگا یا مکان ہوگا۔ اور نیز آگے ان کا حکم بیان کرنے والے ہیں: زمانے کا کیا حکم ہے، مکان کا کیا حکم ہے، کس کے اندر فِيْ مقدر ہوگا، کس کے اندر فِيْ مقدر نہیں ہوگا، آگے حکم بیان کرنے والے تھے تو یہ اس حکم کے لیے تمہید کے طور پر لائے ہیں۔ تو إِشَارَةً یہ بھی مفعول لہ اور تَمْهِيْدًا یہ بھی مفعول لہ۔ اب پھر ترجمہ دیکھیے: تو کہتے ہیں بَيَانٌ لِمَا الْمَوْصُوْلَةِ وَالْمَوْصُوْفَةِ یہ بیان ہے مائے موصولہ یا موصوفہ کا إِشَارَةً إِلٰى قِسْمَيِ الْمَفْعُوْلِ فِيْهِ اشارہ کرنے کے لیے مفعول فیہ کی دو قسموں کی طرف وَتَمْهِيْدًا لِبَيَانِ حُكْمِ كُلٍّ مِّنْهُمَا اور ان دونوں میں سے ہر ایک کے حکم کو بیان کرنے کے لیے بطورِ تمہید کے، بطورِ تمہید کے یہ لے کر آئے ہیں۔

وَهُوَ أَيِ الْمَفْعُوْلُ فِيْهِ ضَرْبَانِ، کہتے ہیں مفعول فیہ جو ہے وہ دو قسم پر ہے۔ بھئی ادھر دیکھیے، مفعول فیہ صاحبِ کافیہ کے نزدیک، مفعول فیہ دو قسم پر ہے۔ ایک وہ مفعول فیہ جو منصوب ہوتا ہے جہاں فِيْ مقدر ہوتا ہے، جہاں فِيْ مقدر۔ ضَرَبْتُ زَيْدًا يَوْمَ الْجُمُعَةِ، دیکھو یہ يَوْمَ منصوب ہے یہاں فِيْ مقدر ہے۔ اور یاد رکھنا فِيْ کے مقدر ہونے کا یہ معنی نہیں کہ یہاں فِيْ کا لفظ مقدر ہے، بلکہ مراد یہ ہے کہ فِيْ کا معنی یہاں مقدر ہے، فِيْ کا معنی مقدر ہے لفظ مقدر نہیں ہے۔ کیونکہ جب تقدیرِ عبارت بیان کرتے ہیں کہ تقدیرِ عبارت یہ ہے، تو اگر فِيْ لفظ مقدر ہو پھر تو اس کو نکالتے ہیں وہاں، لیکن آپ جہاں بھی تقدیرِ عبارت آتی ہے تو مفعول فیہ کے لیے وہ فِيْ کا لفظ نہیں نکالتے۔ ویسے شرح کرتے ہوئے تو کبھی کبھار بیان کر دیتے ہیں لیکن تقدیرِ عبارت کے اندر فِيْ نہیں نکالتے کیونکہ وہاں فِيْ کا لفظ مقدر نہیں ہوتا صرف فِيْ کا معنی مقدر ہوتا ہے۔ تو صاحبِ کافیہ کے نزدیک مفعول فیہ کی دو قسمیں ہیں: ایک وہ مفعول فیہ جس میں لفظوں کے اندر فِيْ آئے، اور ایک وہ مفعول

فیہ جو منصوب ہو۔ دو قسمیں: منصوب ہو وہ بھی ان کے نزدیک مفعول فیہ، اور جس میں لفظوں کے اندر فِيْ موجود ہے اور مفعول فیہ منصوب نہیں ہے بلکہ فِيْ کی وجہ سے مجرور ہے اس کو بھی وہ کیا کہتے ہیں؟ مفعول فیہ کہتے ہیں۔ اگرچہ یہ جمہور نحویوں کی اصطلاح کے خلاف ہے۔ جمہور نحویوں کے نزدیک مفعول فیہ صرف منصوب ہوتا ہے، اور جس پر فِيْ داخل ہو جائے وہ مفعول بہ غیرِ صریح ہے، وہ مفعول فیہ نہیں۔ میں نے آپ کو بتلایا تھا کہ حروفِ جارہ کا سہارا لیا جاتا ہے جب فعل براہِ راست ایک چیز میں عمل نہ کر سکے تو کس کا سہارا لیتے ہیں؟ حروفِ جارہ کا، اور جس پر یہ حروفِ جارہ داخل ہوں وہ اس فعل کے لیے مفعول بہ ہے، البتہ وہ مفعول بہ صریح نہیں، صاف لفظوں میں مفعول بہ نہیں ہے۔ صاف لفظوں میں تو مفعول بہ وہ ہے جس پر نصب آئے، لیکن یہ جس پر حرفِ جر داخل ہوا ہے یہ بھی مفعول بہ ہے، البتہ یہ مفعول بہ غیرِ صریح ہے۔ تو معلوم ہوا ضَرَبْتُ زَيْدًا يَوْمَ الْجُمُعَةِ یہاں فِيْ نہیں ہے، تو یہ يَوْمَ الْجُمُعَةِ صاحبِ کافیہ کے نزدیک بھی مفعول فیہ اور جمہور کے نزدیک بھی مفعول فیہ۔ اور جب کہا میں نے ضَرَبْتُ زَيْدًا فِيْ يَوْمِ الْجُمُعَةِ فِيْ کا لفظ بھی لے آیا، تو اب بھی یہ يَوْمِ الْجُمُعَةِ صاحبِ کافیہ کے نزدیک مفعول فیہ ہی ہے، جبکہ جمہور کے نزدیک یہ يَوْمِ الْجُمُعَةِ جس پر حرفِ جر داخل ہو چکا ہے اب یہ مفعول فیہ نہیں ہے بلکہ مفعول بہ ہے اور مفعول بہ غیرِ صریح ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو صاحبِ کافیہ نے جمہور نحویوں سے اختلاف کیا، لیکن لَا مُشَاحَّةَ فِي الْاِصْطِلَاحِ، اصطلاح میں کوئی بخل نہیں، صاحبِ کافیہ بہت بڑے علامہ ہیں، ان کی اپنی اصطلاح ہے جمہور کی اپنی اصطلاح، تو صرف نام کا فرق ہے، کس کا فرق ہے؟ نام کا۔ ضَرَبْتُ زَيْدًا فِيْ يَوْمِ الْجُمُعَةِ یہ يَوْمِ الْجُمُعَةِ جو ہے صاحبِ کافیہ کے نزدیک مفعول فیہ ہے تو جمہور کے نزدیک مفعول بہ ہے بھائی، تو اپنی اپنی اصطلاح ہے ہر ایک کی بھائی، تو یہ صرف یوں کہو لفظی اختلاف ہے بھائی۔

تو کہتے ہیں: وَهُوَ أَيِ الْمَفْعُوْلُ فِيْهِ ضَرْبَانِ مفعول فیہ جو ہے وہ دو قسم پر ہے: مَا يَظْهَرُ فِيْهِ فِيْ۔ یہ جو فِيْ آرہا ہے نا مَا يَظْهَرُ فِيْهِ فِيْ، یہ فِيْ سے لفظِ فِيْ مراد ہے، کیا مراد ہے؟ لفظ۔ تو کہتے ہیں مفعول فیہ دو قسم پر ہے: مَا ایک وہ مفعول فیہ يَظْهَرُ فِيْهِ فِيْ جس کے اندر لفظِ فِيْ ظاہر ہو، وَهُوَ مَجْرُوْرٌ بِهَا اور یہ مفعول فیہ اس فِيْ کی وجہ سے مجرور ہوتا ہے، وَمَا يُقَدَّرُ فِيْهِ فِيْ اور ایک وہ مفعول فیہ ہے کہ جس کے اندر لفظِ فِيْ مقدر ہوتا ہے، وَهُوَ مَنْصُوْبٌ بِتَقْدِيْرِهَا اور یہ والا مفعول فیہ جو ہے تقدیرِ فِيْ کی وجہ سے منصوب ہوتا ہے۔ وَهٰذَا خِلَافُ اصْطِلَاحِ الْقَوْمِ اور یہ جو ہے ان لوگوں کی، قوم کا کیا ترجمہ؟ لوگ، اَلْقَوْمُ یہ لوگ، کون مراد ہیں؟ نحوی مراد ہیں بھائی۔ کہتے ہیں وَهٰذَا خِلَافُ اصْطِلَاحِ الْقَوْمِ اور یہ ان لوگوں کی یعنی ان نحویوں کی اصطلاح کے خلاف ہے، فَإِنَّهُمْ لَا يُطْلِقُوْنَ الْمَفْعُوْلَ فِيْهِ إِلَّا عَلَى الْمَنْصُوْبِ اس لیے کیونکہ یہ جو نحوی ہیں یہ اطلاق نہیں کرتے مفعول فیہ کا إِلَّا عَلَى الْمَنْصُوْبِ بِتَقْدِيْرِ فِيْ مگر وہ جو منصوب ہوتا ہے تقدیرِ فِيْ کی وجہ سے۔ وہ جو تقدیرِ فِيْ کے ساتھ منصوب ہوتا ہے صرف اس کو نحوی مفعول فیہ کہتے ہیں۔ وَأَمَّا الْمَجْرُوْرُ بِهَا اور باقی وہ جو فِيْ کی وجہ سے مجرور ہوتا ہے فَهُوَ مَفْعُوْلٌ بِهِ بِوَاسِطَةِ حَرْفِ الْجَرِّ تو وہ مفعول بہ ہے بواسطہ حرفِ جر کے، لَا مَفْعُوْلٌ فِيْهِ وہ مفعول فیہ نہیں ہے بھائی۔ وَخَالَفَهُمُ الْمُصَنِّفُ رَحِمَهُ اللهُ اور مصنف یعنی صاحبِ کافیہ نے ان نحویوں کی مخالفت کی، حَيْثُ جَعَلَ الْمَجْرُوْرَ أَيْضًا مَفْعُوْلًا فِيْهِ اس حیثیت سے

کہ انہوں نے مجرور کو بھی مفعول فیہ قرار دیا۔ جَعَلَ کا ترجمہ کیا کریں گے یہاں؟ قرار، حَيْثُ جَعَلَ الْمَجْرُوْرَ أَيْضًا مَفْعُوْلًا فِيْهِ اس حیثیت سے کہ صاحبِ کافیہ نے مجرور کو بھی مفعول فیہ قرار دیا ہے۔ وَلِذٰلِكَ قَالَ اور اسی لیے صاحبِ کافیہ نے فرمایا ہے: وَشَرْطُ نَصْبِهِ أَيْ شَرْطُ نَصْبِ الْمَفْعُوْلِ فِيْهِ یعنی مفعول فیہ کے نصب کی یہ شرط ہے، کیا شرط ہے؟ تَقْدِيْرُ فِيْ کہ فِيْ مقدر ہونا چاہیے۔ بھئی صاحبِ جامی نے کیا بتلایا کہ صاحبِ کافیہ کے نزدیک مفعول فیہ منصوب بھی ہو سکتا ہے اور فِيْ کے ذریعے مجرور بھی ہو سکتا ہے۔ بھائی کہاں کہا صاحبِ کافیہ نے کہ دونوں مفعول فیہ ہوتے ہیں؟ کہتے ہیں دیکھو صاحبِ کافیہ کے الفاظ پر ذرا غور کریں، وہ کیا فرما رہے ہیں: شَرْطُ نَصْبِهِ تَقْدِيْرُ فِيْ کہ مفعول فیہ کے منصوب ہونے کی شرط جو ہے تقدیرِ فِيْ ہے، مفعول فیہ کے منصوب ہونے کی شرط تقدیرِ فِيْ ہے۔ معلوم ہوا منصوب نہ بھی ہو تو بھی وہ مفعول فیہ ہے لیکن اگر منصوب لانا چاہتے ہیں تو پھر تقدیرِ فِيْ شرط ہے، بات سمجھ میں آگئی۔ تو کہتے ہیں وَشَرْطُ نَصْبِهِ أَيْ شَرْطُ نَصْبِ الْمَفْعُوْلِ فِيْهِ تَقْدِيْرُ فِيْ اور مفعول فیہ کے منصوب ہونے کی شرط جو ہے وہ تقدیرِ فِيْ ہے، إِذِ التَّلَفُّظُ بِهَا يُوْجِبُ الْجَرَّ اس لیے کیونکہ فِيْ پر تلفظ کرنا یعنی اس کا لفظوں میں ہونا يُوْجِبُ الْجَرَّ یہ تو جر کو واجب کرتا ہے یا جر کو ثابت کرتا ہے۔ بات سمجھ میں آ گئی؟ کیونکہ جب فِيْ لفظوں میں ہوگا وہ تو پھر جر دے گا، لہٰذا مفعول فیہ کے منصوب ہونے کی شرط کیا ہے؟ کہ فِيْ لفظوں میں نہیں ہونا چاہیے بلکہ مقدر ہو، اور میں نے بتایا مقدر ہونے سے کیا مراد ہے؟ کہ اس کا معنی مقدر ہو لفظ مقدر مراد نہیں ہے بھائی۔

آگے دیکھیے: وَظُرُوْفُ الزَّمَانِ كُلُّهَا مُبْهَمًا كَانَ الزَّمَانُ أَوْ مَحْدُوْدًا تَقْبَلُ ذٰلِكَ أَيْ تَقْدِيْرَ فِيْ۔ بھئی دیکھیے، اب آگے تقسیم کریں گے اور آپ کو بتلائیں گے کہ ظرفِ زمان بھی دو قسم پر ہے اور ظرفِ مکان بھی دو قسم پر ہے۔ یاد رکھو ظرفِ زمان دو قسم پر ہے: ایک ظرفِ زمان مبہم اور ایک ظرفِ زمان محدود۔ ظرفِ زمان مبہم اس کو کہتے ہیں جس کی کوئی حد نہ ہو، ہو زمانے کا نام لیکن اس کی کوئی حد نہ ہو، جیسے وَقْتٌ بھائی۔ اب وقت دیکھو زمانے کا نام ہے لیکن اس کی کوئی حد نہیں، تھوڑا ہو وہ بھی وقت ہے زیادہ ہو وہ بھی وقت ہے بھائی۔ اسی طرح حِيْنٌ، حاء یا نون، حِيْنٌ۔ حِيْنٌ کا معنی بھی وقت ہے، اس میں بھی کوئی حد نہیں کتنا وقت، تھوڑا یا زیادہ۔ اسی طرح دَهْرٌ، دَهْرٌ کا معنی زمانہ، اس میں بھی کوئی تحدید نہیں کہ کتنا زمانہ مراد ہے۔ اسی طرح زَمَانٌ کا لفظ ہے، زَمَانٌ دیکھو یہ بھی زمانے کو کہتے ہیں اور اس میں بھی کوئی حد نہیں۔ تو یہ سب ظرفِ زمان مبہم ہیں جن کی کوئی حد نہیں کہ کتنا زمانہ یا کتنا وقت ان سے مراد ہے۔ تو کون کون سے ہیں ظرفِ زمان مبہم؟ جیسے وقت ہے، حین ہے، دہر ہے اور زمان وغیرہ۔ اور کچھ ظرفِ زمان وہ ہیں جو محدود ہیں یعنی جن کی کوئی حد ہے، جیسے يَوْمٌ۔ يَوْمٌ کا کیا معنی؟ دن، اور وہ دن کی حد متعین ہے، صبح سے لے کر شام تک اس کو کہتے ہیں يَوْمٌ۔ اور اسی طرح لَيْلٌ، لیل رات کو کہتے ہیں، دیکھو رات کی بھی ایک حد ہے، شام سے لے کر صبح تک یہ وقت کیا کہلاتا ہے؟ لیل کہلاتا ہے۔ أُسْبُوْعٌ، اسبوع ہفتے کو کہتے ہیں عربی زبان میں، دیکھو ہفتے کی بھی ایک حد ہے، یہ سات دنوں پر مشتمل ہوتا ہے۔ اسی طرح شَهْرٌ، شہر مہینے کو کہتے ہیں، اس کی بھی ایک حد ہے یہ تیس دنوں پر مشتمل ہوتا ہے۔ سَنَةٌ، سنۃ سال کو کہتے ہیں، اس کی بھی حد ہے یہ بارہ

مہینوں پر مشتمل ہوتا ہے۔ تو یہ ہیں ظرفِ زمان محدود بھائی۔ تو ظرفِ زمان کتنی قسم پر؟ ایک مبہم جس کی کوئی حد نہ ہو، اور ایک ظرفِ زمان محدود جس کی کوئی حد ہو بھائی۔ اسی طرح یاد رکھو ظرفِ مکان جو ہے وہ بھی دو قسم پر ہے: ایک ظرفِ مکان مبہم ہے اور ایک محدود ہے۔ ظرفِ مکان محدود وہ ہے جس کی کوئی حد متعین ہو، جیسے مسجد۔ دیکھو مسجد ایک خاص جگہ کا نام ہوتا ہے اور اس کی ایک حد ہوتی ہے۔ یا جیسے گھر ہے، گھر خاص جگہ کا نام اور اس کی کوئی حد ہوتی ہے۔ یا جیسے کمرہ ہے، کمرے کی ایک خاص حد ہوتی ہے۔ یا جیسے مدرسہ ہے، مدرسے کی ایک خاص حد ہوتی ہے۔ یا جیسے شہر ہے، شہر کی ایک خاص حد ہوتی ہے۔ اسی طرح ملک ہے، ملک کی ایک خاص حد ہوتی ہے۔ تو یہ سب کیا ہیں؟ ظرفِ مکان محدود ہیں۔ اور ایک ظرفِ مکان مبہم ہے، ظرفِ مکان مبہم وہ ہے جس کی کوئی حد نہ ہو اور اس کی تفصیل آگے آپ کو بتلائیں گے کہ جہاتِ ستہ وغیرہ کے ساتھ کی گئی ہے۔ جہاتِ ستہ یا جو اس کے ہم معنی ہو، جہاتِ ستہ کیا ہیں؟ آگے، پیچھے، دائیں، بائیں، اوپر، نیچے، یہ چھ جہتیں ہیں: أَمَامٌ سامنے، خَلْفٌ پیچھے، يَمِيْنٌ دائیں جانب، شِمَالٌ بائیں جانب، فَوْقٌ اوپر والی جانب، تَحْتٌ نیچے والی جانب، یہ سب ظرفِ مکان مبہم ہیں۔ آپ کہیں گے بھئی یہ ظرفِ مکان مبہم کیسے؟ یہ تو محدود ہیں، سامنے ہونے کا یہ معنی ہے کہ کوئی چیز آپ کے سامنے ہو، معلوم ہوا نہ دائیں ہے نہ بائیں ہے نہ پیچھے ہے، تو اس کو کیا کہتے ہیں؟ سامنے، تو یہ تو محدود ہے۔ کہتے ہیں نہیں یہ محدود نہیں، یہ مبہم ہے۔ وجہ یہ کہ آپ کے سامنے کوئی پانچ فٹ کے فاصلے پر چیز پڑی ہو پھر بھی آپ کہیں گے یہ چیز میرے سامنے ہے، کوئی سو فٹ کے فاصلے پر اگر وہی چیز ہو پھر بھی کیا کہیں گے؟ جب آپ کا رخ اس طرف ہے تو کہیں گے یہ میرے سامنے ہے، کوئی ایک میل کے فاصلے پر بھی ہو لیکن آپ کا رخ اس جانب ہو تو کیا کہیں گے یہ چیز آپ کے سامنے ہے، سو میل کے فاصلے پر بھی ہو اور فرض کرو کوئی بڑی چیز ہے دکھائی دے رہی ہے تو بھی کیا کہیں گے یہ چیز میرے سامنے ہے۔ دیکھا معلوم ہوا سامنے ہونے کی کوئی حد نہیں، اسی طرح دائیں بائیں اوپر نیچے آگے پیچھے سب میں اسی طرح ہیں۔ تو یہ سب کیا ہیں؟ ظرفِ مکان مبہم ہیں۔ تو حاصلِ کلام کیا؟ کہ ظرفِ زمان وہ بھی دو قسم پر، یا مبہم ہوگا یا محدود، اسی طرح ظرفِ مکان بھی دو قسم پر یا مبہم ہوگا یا محدود ہوگا۔ یاد رکھنا یہ جو چار قسمیں ذکر ہو گئیں ان چار میں سے صرف ظرفِ مکان محدود، کون سا؟ ظرفِ مکان محدود، یہ تقدیرِ فِيْ کو قبول نہیں کرتے، یہاں پر فِيْ لفظوں میں ذکر کرنا ضروری ہے، جبکہ باقی تینوں جو ہیں، ظرفِ زمان مبہم بھی، ظرفِ زمان محدود بھی، اور ظرفِ مکان مبہم بھی، یہ تینوں جو ہیں تقدیرِ فِيْ کو قبول کر لیتے ہیں یعنی ان کے بعد فِيْ مقدر ہو جاتا ہے، بات سمجھ میں آگئی یعنی اس کا معنی مقدر ہوتا ہے یعنی یہ منصوب ہوتے ہیں۔ تو تقدیرِ فِيْ کو کون قبول نہیں کرتا؟ مکانِ محدود جو ہے وہ تقدیرِ فِيْ کو قبول نہیں کرتا۔ مثلاً میں کہتا ہوں جَلَسْتُ فِي الْمَسْجِدِ، یہ اب مسجد کیا ہے؟ ظرفِ مکان محدود ہے تو یہاں مجھے فِيْ کو لفظوں میں لانا پڑے گا، جَلَسْتُ فِي الْمَسْجِدِ میں مسجد میں بیٹھا۔ آپ فِيْ کو ختم کر کے اَلْمَسْجِدَ کو منصوب لانا چاہتے ہیں جَلَسْتُ الْمَسْجِدَ، نہیں یوں آپ نہیں کہہ سکتے کیونکہ مسجد کیا ہے؟ ظرفِ مکان محدود ہے، یہ تقدیرِ فِيْ کو قبول نہیں کرتا۔ جی، اب پھر اس میں مزید تفصیل یاد

رکھنا کہ وجہ کیا ہے کہ ظرفِ مکان محدودیہ تقدیرِ فِيْ کو قبول نہیں کرتا اور باقی تینوں تقدیرِ فِيْ کو قبول کر لیتے ہیں، اس کی وجہ کیا ہے؟ تو صاحبِ جامی آپ کو ان کی وجہ بتائیں گے۔ تو بتلائیں گے کہ ان میں جو ظرفِ زمان مبہم ہے، توجہ سے سننا بھائی، ظرفِ زمان مبہم جو ہے وہ فعل کا جز ہوتا ہے لہٰذا فعل اس کو نصب دے سکتا ہے، وہاں فعل کو کسی واسطے کی ضرورت نہیں، کسی حرفِ جر کے بیچ میں لانے کی ضرورت نہیں۔ بھئی میں نے آپ کو بتلایا تھا کہ بعض اوقات کوئی لفظ ہوتا ہے فعل براہِ راست اس میں عمل نہیں کر سکتا تو پھر حرفِ جر کا سہارا لیا جاتا ہے۔ ضَرَبْتُ زَيْدًا میں نے زید کی پٹائی کی، اب میں الْعَصَا کو بھی ساتھ جوڑنا چاہتا ہوں کہ میں نے لاٹھی کے ساتھ پٹائی کی ہے، تو اب میں الْعَصَا لانا چاہتا ہوں اس کو ضَرَبْتُ سے جوڑنا چاہتا ہوں، لیکن ضَرَبْتُ الْعَصَا میں عمل نہیں کر سکتا کیونکہ ضَرَبْتُ ایک مفعول بہ چاہتا ہے اور وہ زَيْدًا آ چکا ہے، اب آگے الْعَصَا کو بھی میں ساتھ جوڑنا چاہتا ہوں، مفعول بہ بنانا چاہتا ہوں، نہیں بھئی ضَرَبْتُ ایک مفعول کو نصب دے سکتا ہے ایک سے زیادہ کو وہ نصب دے ہی نہیں سکتا، لیکن میں تو جوڑنا چاہتا ہوں۔ تو پھر حروفِ جارہ کا سہارا لیا جاتا ہے، اب میں با حرفِ جر لے آتا ہوں: ضَرَبْتُ زَيْدًا بِالْعَصَا، اب بات ٹھیک ہو گئی۔ اب ضَرَبْتُ نے عمل کر دیا عصا کے اندر لیکن کس کے واسطے سے؟ با حرفِ جر کے واسطے سے۔ تو کبھی کبھار فعل براہِ راست عمل کرتا ہے اور کبھی جب عمل براہِ راست نہیں کر سکتا تو کس کا سہارا لیا جاتا ہے؟ حروفِ جارہ کا سہارا لیا جاتا ہے۔ تو یہ جو ظرفِ زمان مبہم ہوتا ہے یہ فعل کا جز ہے، یہاں کسی واسطے کی ضرورت نہیں، کسی حرفِ جر کے سہارا لینے کی ضرورت نہیں، فعل براہِ راست اس کو نصب دے سکتا ہے۔ جیسے صُمْتُ دَهْرًا، صَامَ يَصُوْمُ صَوْمًا کا معنی ہے روزہ رکھنا، صُمْتُ دَهْرًا میں نے ایک زمانہ روزے رکھے، یعنی میں نے کافی لمبے عرصے تک روزے رکھے۔ تو یہ دَهْرًا ظرفِ زمان مبہم ہے اور اس کو صُمْتُ فعل نے نصب دیا، کیونکہ یہ ظرفِ زمان مبہم ہے اور ظرفِ زمان مبہم فعل کا جز ہوتا ہے۔ آپ کہیں گے بھئی کیسے جز ہے؟ بھئی میں نے آپ کو بتلایا تھا کہ فعل کا مفہوم تین چیزوں سے مرکب ہوتا ہے: ایک اس کے اندر مصدر ہوتا ہے، ایک زمانہ ہوتا ہے اور ایک نسبت الی الفاعل، تو دیکھو زمانہ فعل کا جز ہے۔ آپ کہیں گے بھئی وہ زمانہ جو فعل کا جز ہے وہ تو مبہم نہیں ہے کیونکہ فعلِ ماضی ہو تو اس کے اندر ماضی والا زمانہ آئے گا، اس میں تو کوئی ابہام نہیں کون سا زمانہ ہے، ضَرَبَ کے اندر ماضی والا زمانہ ہے، اور يَضْرِبُ فعلِ مضارع کے اندر حال یا استقبال والا زمانہ ہے، اس میں بھی کوئی ابہام نہیں، اور اِضْرِبْ فعلِ امر کے اندر مستقبل والا زمانہ ہے، اس میں بھی کوئی ابہام نہیں۔ آپ نے تو ہمیں کیا کہا؟ کہ مبہم زمانہ جو ہے وہ فعل کا جز ہوتا ہے، حالانکہ مبہم زمانہ تو فعل کا جز نہیں بلکہ وہ تو معلوم ہے متعین ہے بھائی۔ تو جواب یاد رکھنا کہ نہیں بھئی یہ زمانہ مبہم ہے، ضَرَبَ کا جو جز ہے، ضَرَبَ کے اندر کیا کیا؟ ایک مصدر ہے، ایک زمانہ ہے اور ایک نسبت الی الفاعل، تو یہ جو زمانہ ہے یہ مبہم ہے۔ آپ کہیں گے مبہم کیسے اس میں تو ماضی والا زمانہ ہے؟ بھئی ماضی، ابھی پانچ منٹ پہلے جو بات گزر گئی وہ بھی کیا ہے؟ ماضی۔ جو دو دن پہلے گزری وہ بھی کیا ہے؟ ماضی۔ جو سال پہلے گزری وہ بھی کیا ہے؟ ماضی۔ جو دس سال پہلے

گزری وہ بھی کیا ہے؟ ماضی۔ دیکھا ماضی کی کوئی حد نہیں، معلوم ہوا یہ کیا ہے؟ ظرفِ زمان مبہم ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو یہ جو ظرفِ زمان مبہم ہوتا ہے یہ فعل کا جز ہے، اور جو چیز فعل کا جز ہو فعل کو اس میں عمل کرنے اور اس کو نصب دینے کے لیے کسی واسطے کی ضرورت نہیں۔ صُمْتُ دَهْرًا یہ دَهْرًا کیا ہے؟ زمانِ مبہم ہے، جب زمانِ مبہم ہے، یہ تو فعل کا جز ہوتا ہے زمانِ مبہم، لہٰذا زمانِ مبہم میں فعل براہِ راست عمل کرتا ہے اور اس کو نصب دیتا ہے کیونکہ یہ فعل کا جز ہوتا ہے، بات سمجھ میں آگئی۔ یہ اسی طرح ہے جیسے مفعولِ مطلق ضَرَبْتُ ضَرْبًا، یہ ضَرْبًا کیا ہے؟ مفعولِ مطلق ہے جو، وہ مصدر جو ماقبل فعل کے معنی میں ہو، اور یہ مصدر جو ہوتا ہے فعل کا جز ہوتا ہے تو لہٰذا یہاں کسی واسطے کی ضرورت نہیں کہ آپ کسی حرفِ جر وغیرہ کو لے کر آئیں، یہ فعل کا جز ہے فعل اس میں براہِ راست عمل کر کے اس کو نصب دے سکتا ہے۔ تو جب مصدر جب فعل کا جز ہوتا ہے تو فعل اس کو نصب دیتا ہے تو زمانہ بھی اس فعل کا جز ہے، تو لہٰذا وہ زمانِ مبہم کو بھی فعل نصب دے سکتا ہے بغیر کسی واسطۂ حرفِ جر کے۔ معلوم ہوا زمانِ مبہم اس کو فعل نصب دے سکتا ہے، کیوں دے سکتا ہے؟ کیونکہ وہ فعل کا جز ہے۔ تو جب زمانِ مبہم کو فعل نصب دے سکتا ہے تو زمانِ محدود کو بھی اسی پر محمول کر لیا گیا کہ وہ زمانِ محدود کو بھی کیا کر سکتا ہے؟ نصب دے سکتا ہے کیونکہ دونوں زمانے ہیں، زمانِ مبہم بھی کس کا نام؟ زمانے کا، اور زمانِ محدود بھی کس کا نام؟ وہ زمانے کا نام ہے تو دونوں زمانے ہیں، صرف صفت الگ الگ ہے، ایک زمانہ مبہم ہے تو دوسرا محدود ہے اس کی کوئی حد ہے، لیکن ہیں تو دونوں زمانے۔ تو جب مبہم زمانے کو فعل نصب دے سکتا ہے تو اسی مبہم پر حمل کرتے ہوئے زمانِ محدود کو بھی وہ نصب دے سکتا ہے۔ تو زمان چاہے مبہم ہو چاہے محدود فعل اس کو نصب دے سکتا ہے۔ اور مکان جو ہے، مکانِ مبہم کو فعل نصب دے سکتا ہے، مکانِ مبہم، لیکن مکانِ محدود کو نہیں۔ تو یہ مکانِ مبہم کو کیوں نصب دے سکتا ہے اس کی کیا وجہ؟ کہتے ہیں یہ بھی اس زمانِ مبہم پر محمول ہے، کون؟ مکانِ مبہم، توجہ سے۔ وہ جو مبہم مکان ہے وہ بھی کس پر محمول؟ زمانِ مبہم پر محمول ہے اور زمانِ مبہم کو تو فعل نصب دیتا تھا تو مکانِ مبہم کو بھی فعل نصب دے گا۔ بھئی اس کا حمل اس پر کیسے کیا گیا؟ وہ زمانہ ہے یہ مکان ہے۔ کہتے ہیں ہاں دونوں کی ذات تو الگ الگ ہے، وہ زمانہ ہے اور یہ مکان ہے، لیکن صفت تو دونوں کی ایک ہے: وہ بھی مبہم یہ بھی مبہم۔ تو صفت کے اعتبار سے یہ اسی جیسا ہے تو جب اس کو فعل نصب دیتا تھا تو اس کو بھی فعل نصب دے سکتا ہے۔ معلوم ہوا مکانِ مبہم اس کو بھی فعل نصب دے سکتا ہے اور کس پر محمول کرتے ہوئے؟ زمانِ مبہم پر محمول کرتے ہوئے۔ ہاں، مکانِ محدود کو، مکانِ محدود کو فعل نصب نہیں دے سکتا۔ کیوں نہیں دے سکتا؟ کہتے ہیں وجہ یہ کہ اس کو ہم زمانِ مبہم پر محمول نہیں کر سکتے۔ بھئی دیکھو نا، زمانِ محدود اس کا حمل کس پر تھا؟ زمانِ مبہم پر۔ مکانِ مبہم اس کا حمل بھی کس پر ہے؟ زمانِ مبہم پر، توجہ ہے؟ لیکن یہ مکانِ محدود جو ہے اس کا حمل زمانِ مبہم پر نہیں کر سکتے، کیونکہ دونوں کی ذات بھی الگ ہے وہ زمانہ

ہے اور یہ مکان ہے، اور دونوں کی صفت بھی الگ ہے وہ مبہم ہے اور یہ محدود ہے بھائی۔ تو نہ ذات کے اندر اتحاد ہے اور نہ صفت کے اندر اتحاد ہے، لہٰذا اس کا حمل اس پر نہیں کر سکتے۔ بات سمجھ میں آگئی۔ دیکھیے بھائی اب کتاب پر۔ کہتے ہیں: وَظُرُوْفُ الزَّمَانِ كُلُّهَا مُبْهَمًا كَانَ الزَّمَانُ أَوْ مَحْدُوْدًا، اور ظرفِ زمان سارے کے سارے چاہے وہ زمانِ مبہم ہو یا محدود ہو تَقْبَلُ ذٰلِكَ یہ اس کو قبول کر لیتے ہیں، یہ اس کو، تو یہ ذٰلِكَ کا اشارہ کس کی طرف ہے؟ آگے صاحبِ جامی بتلا رہے ہیں أَيْ تَقْدِيْرَ فِيْ یعنی تقدیر فِيْ کو قبول کر لیتے ہیں۔ توجہ ہے؟ اور میں نے کیا پڑھا؟ أَيْ تَقْدِيْرَ فِيْ، یہ را پر میں نے زبر پڑھی، کیا وجہ ہے؟ کیا وجہ ہے؟ یاد رکھو اسمِ اشارہ کے بعد اگر کوئی معرفہ آئے تو وہ عموماً اس کی صفت بنتا ہے کیونکہ اسمِ اشارہ بھی معرفہ اور آگے وہ جو مشارٌ الیہ آرہا ہے وہ بھی معرفہ، تو دونوں آپس میں موصوف صفت بنتے ہیں اور موصوف صفت کا اعراب ایک ہوتا ہے۔ یہاں پر بھی ذٰلِكَ اسمِ اشارہ ہے اور تَقْدِيْرَ فِيْ یہ بھی معرفہ ہے کیونکہ فِيْ سے کیا مراد ہے؟ فِيْ کا لفظ، اور لفظ بول کر جب لفظ کا ارادہ کیا جائے تو وہ علم کے درجے میں ہے وہ معرفہ ہے، تو یہ فِيْ ہوا معرفہ اور اس کی طرف تقدیر کے لفظ کی اضافت کر دی اور جب کسی لفظ کی اضافت معرفت کی طرف کی جائے تو وہ بھی کیا بن جاتا ہے؟ معرفہ، تو تَقْدِيْرَ فِيْ یہ لفظ بھی معرفہ ہے، تو ذٰلِكَ بھی معرفہ اور تَقْدِيْرَ فِيْ بھی معرفہ، تو یہ جو اگر أَيْ نہ ہوتا نا أَيْ تو پھر تو انہوں نے موصوف صفت بننا تھا، کیا بننا تھا؟ اور موصوف صفت کا اعراب ایک ہوتا ہے۔ لیکن یہاں پر تو أَيْ یہ تفسیر ہے اور میں نے آپ کو بتلایا تھا کہ یہ جو مفسّر اور مفسِّر ہیں یہ آپس میں بدل اور مبدل منہ بنتے ہیں، تو ذٰلِكَ ہوا مبدل منہ اور تَقْدِيْرَ فِيْ ہے اس سے بدل ہے، اور بدل اور مبدل منہ کا اعراب ایک ہوتا ہے۔ اور یہ ذٰلِكَ منصوب ہے کیونکہ تَقْبَلُ ذٰلِكَ، تَقْبَلُ فعل اس کے اندر هِيَ ضمیر جو پیچھے ظُرُوْفُ الزَّمَانِ کو راجع ہے، وہ ظروفِ زمان قبول کر لیتے ہیں ذٰلِكَ اس تقدیر فِيْ کو، تو یہ مفعول بہ ہے۔ تو کہتے ہیں تَقْبَلُ ذٰلِكَ أَيْ تَقْدِيْرَ فِيْ یہ ظرفِ زمان سارے کے سارے تقدیرِ فِيْ کو قبول کر لیتے ہیں۔ لِأَنَّ الْمُبْهَمَ مِنْهَا، بھئی اب وہی ساری تقریر کریں گے جو میں نے بیان کر دی۔ کہتے ہیں لِأَنَّ الْمُبْهَمَ مِنْهَا اس لیے کیونکہ ظروفِ زمان میں سے جو مبہم ہے، جُزْءُ مَفْهُوْمِ الْفِعْلِ وہ فعل کے مفہوم کا جز ہے، فَيَصِحُّ انْتِصَابُهُ بِلَا وَاسِطَةٍ تو صحیح ہے اس کا منصوب ہونا بغیر کسی واسطے کے، یعنی بغیر کسی حرفِ جر کے اس کا منصوب ہونا اور فعل کا اس کے اندر عمل کرنا صحیح ہے۔ تو کہتے ہیں فَيَصِحُّ انْتِصَابُهُ بِلَا وَاسِطَةٍ تو صحیح ہے اس ظرفِ زمان مبہم کا منصوب ہونا بغیر کسی واسطے کے، كَالْمَصْدَرِ جیسے کہ مصدر ہے، جیسے وہ مفعولِ مطلق جو مصدر ہوتا ہے اس کو فعل بغیر کسی واسطے کے نصب دیتا ہے کیونکہ وہ فعل کا جز ہے، تو یہ زمانِ مبہم بھی کیا ہے؟ فعل کا جز ہے، فعل اس کو بغیر واسطے کے نصب دے سکتا ہے۔ تو کہتے ہیں كَالْمَصْدَرِ جیسے کہ مصدر ہے، وَالْمَحْدُوْدُ مِنْهَا مَحْمُوْلٌ عَلَيْهِ أَيْ عَلَى الْمُبْهَمِ، اور وہ جو محدود ہے ظرفِ زمان میں سے، وہ محمول ہے اس مبہم پر لِاشْتِرَاكِهِمَا فِي الزَّمَانِيَّةِ بوجہ دونوں کے اشتراک کے زمانہ ہونے میں۔ دونوں کیا ہیں؟ ذات کے اعتبار سے متحد ہیں، دونوں زمانے ہیں، البتہ صفت الگ ہے، ایک مبہم ہے تو دوسرا محدود، تو ذات تو ایک ہی ہے، لہٰذا جب زمانِ مبہم کو

فعل نصب دے سکتا ہے تو زمانِ محدود کو بھی اسی پر حمل کرتے ہوئے نصب دے سکتا ہے۔ تو کہتے ہیں لِاشْتِرَاكِهِمَا فِي الزَّمَانِيَّةِ اس وجہ سے کہ دونوں کا اشتراک ہے زمانہ ہونے میں، نَحْوُ صُمْتُ دَهْرًا میں نے روزہ رکھا ایک زمانہ، وَأَفْطَرْتُ الْيَوْمَ اور افطار کیا میں نے آج کے دن۔ جی، افطار کیا؟ نہیں بھئی یہ معنی صحیح نہیں، یہ معنی صحیح نہیں۔ یاد رکھو یہ فِطْر سے ہے، فاء طاء را فِطْر، اور فطر ضد ہے صوم کی۔ صوم روزہ، اور اس کی ضد کیا؟ فِطْرٌ، فِطْرٌ ہے۔ تو صوم کو اردو میں کیا کہتے ہیں؟ روزہ، اور فطر، فطر کا کوئی مترادف اردو زبان میں نہیں۔ ہاں سرائیکی وغیرہ بعض زبانوں کے اندر، سرائیکی یا پنجابی وغیرہ ان زبانوں میں اس کا مترادف موجود ہے۔ فطر کو وہ کھوجا کہتے ہیں، مثلاً آپ کہتے ہیں آج میرا روزہ ہے، اور جب روزہ نہ ہو تو کیسے کہیں گے؟ آج میرا کھوجا ہے یعنی روزہ نہیں ہے، تو أَفْطَرْتُ الْيَوْمَ، ترجمہ پھر کیسے کریں گے؟ أَفْطَرْتُ الْيَوْمَ آج میں نے افطار کیا؟ یہ معنی تو صحیح نہیں، اس کا تو معنی بظاہر لگتا ہے کہ شاید روزہ تھا اور پھر شام کو کیا کیا ہے؟ افطار کیا ہے، حالانکہ یہ مراد نہیں۔ تو پھر کیسے ترجمہ کریں گے؟ أَفْطَرْتُ الْيَوْمَ آج میرا فطر ہے، آج میرا فطر ہے یعنی آج میرا کھوجا ہے میں نے روزہ نہیں رکھا۔

آگے دیکھیے: وَظُرُوْفُ الْمَكَانِ إِنْ كَانَ الْمَكَانُ مُبْهَمًا قَبِلَ ذٰلِكَ أَيْ تَقْدِيْرَ فِيْ، اور ظرفِ مکان اگر وہ مکان مبہم ہو، قَبِلَ ذٰلِكَ أَيْ تَقْدِيْرَ فِيْ تو وہ بھی اس کو یعنی تقدیرِ فِيْ کو قبول کر لیتے ہیں حَمْلًا عَلَى الزَّمَانِ الْمُبْهَمِ حمل کرتے ہوئے زمانِ مبہم پر۔ بھائی میں نے آپ کو بتایا ظرفِ مکان مبہم جو ہے وہ تقدیرِ فِيْ کو قبول کرتا ہے اور ظرفِ مکان محدود جو ہے وہ تقدیرِ فِيْ کو قبول نہیں کرتا، اب وہی بیان کر رہے ہیں۔ تو دیکھیے عبارت ذرا، کہتے ہیں: وَظُرُوْفُ الْمَكَانِ إِنْ كَانَ الْمَكَانُ مُبْهَمًا۔ بھائی سب سے پہلے تو یہ دیکھ لیں متن میں کیا آیا؟ وَظُرُوْفُ الْمَكَانِ إِنْ كَانَ مُبْهَمًا۔ توجہ ہے؟ یہ إِنْ كَانَ آیا، یہاں اشکال ہوتا ہے کہ ظُرُوْفُ الْمَكَانِ یہ ہے مبتدا اور إِنْ كَانَ مُبْهَمًا قَبِلَ ذٰلِكَ یہ ہے اس کی خبر۔ تو إِنْ كَانَ یہ جو كَانَ کے اندر ضمیر ہے وہ ظُرُوْفُ الْمَكَانِ کو راجع، اور ظُرُوْفُ الْمَكَانِ وہ تو جمع ہے اور جمع کی طرف جمع کی ضمیر لوٹائی جاتی ہے یا جمع بتاویلِ جماعت کے واحد مؤنث کے حکم میں ہوتی ہے تو هِيَ کی ضمیر بھی لوٹائی جا سکتی ہے، تو یہاں یوں ہونا چاہیے تھا إِنْ كَانَتْ مُبْهَمًا اگر وہ ظروفِ زمان اگر وہ مبہم ہوں، لیکن صاحبِ کافیہ کیا لائے؟ إِنْ كَانَ۔ تو صاحبِ جامی اس اعتراض کا جواب دے رہے ہیں کہ كَانَ کے اندر ضمیر ظروفِ مکان کو راجع نہ کریں بلکہ صرف مکان کو راجع کر لیں، کہ إِنْ كَانَ الْمَكَانُ مُبْهَمًا اگر وہ مکان مبہم ہو، اور مکان اسمِ جنس ہے اس کا اطلاق قلیل اور کثیر سب پر ہوتا ہے۔ اور صرف مکان کی طرف ضمیر راجع کر لیں تو بھی کوئی حرج نہیں کیونکہ ظُرُوْفُ الْمَكَانِ: ظُرُوْفُ مضاف اور الْمَكَانِ مضاف الیہ، اور یہ یاد رکھو یہ اضافت بیانی ہے، ظروف سے کیا مراد ہے؟ یہاں پر وہ مکان ہی مراد ہیں بھائی، کوئی اور چیز مراد نہیں یعنی زمانہ مراد نہیں، تو لہٰذا مکان کی طرف بھی ضمیر کو لوٹا دیا جائے تو کوئی حرج نہیں۔

تو کہتے ہیں: وَظُرُوْفُ الْمَكَانِ إِنْ كَانَ الْمَكَانُ مُبْهَمًا ظروفِ مکان جو ہیں اگر وہ مکان مبہم ہو قَبِلَ ذٰلِكَ أَيْ تَقْدِيْرَ فِيْ تو وہ

اس تقدیرِ فِيْ کو قبول کر لیتے ہیں حَمْلًا عَلَى الزَّمَانِ الْمُبْهَمِ حمل کرتے ہوئے زمانِ مبہم پر، مکانِ مبہم کو بھی کس پر محمول کیا؟ زمانِ مبہم پر، ذات الگ الگ ہے لیکن صفت تو دونوں کی ایک ہے دونوں مبہم ہیں بھائی۔ حَمْلًا عَلَى الزَّمَانِ الْمُبْهَمِ مبہم زمانے پر حمل کرتے ہوئے لِاشْتِرَاكِهِمَا فِي الْإِبْهَامِ اس وجہ سے کہ دونوں کا اشتراک ہے ابہام کے اندر، نَحْوُ جَلَسْتُ خَلْفَكَ میں بیٹھا خَلْفَكَ آپ کے پیچھے۔ تو دیکھو جَلَسْتُ فعل ہے اور اس نے خَلْفَكَ یہ ظرفِ مکان مبہم ہے اس کو نصب دیا۔ جیسے پیچھے آیا تھا صُمْتُ دَهْرًا وَأَفْطَرْتُ الْيَوْمَ، دَهْرًا کیا تھا؟ ظرفِ زمان مبہم تھا اس کو صُمْتُ نے نصب دیا، اور أَفْطَرْتُ الْيَوْمَ، الْيَوْمَ کا معنی آج، اور یہ آج یہ تو صبح سے شام تک اس کا وقت تو محدود ہے تو یہ ظرفِ زمان محدود ہے، تو یہ دو مثالیں ذکر کیں صُمْتُ دَهْرًا وَأَفْطَرْتُ الْيَوْمَ، ایک جس میں فعل ظرفِ زمان مبہم کو نصب دے رہا ہے اور ایک وہ مثال ہے جس کے اندر فعل ظرفِ زمان محدود کو نصب دے رہا ہے، دونوں یعنی دونوں تقدیرِ فِيْ کو قبول کر رہے ہیں۔ اور یہاں جَلَسْتُ خَلْفَكَ دیکھو یہ خَلْفُ کیا ہے؟ ظرفِ مکان مبہم ہے اور اس نے تقدیرِ فِيْ کو قبول کر لیا اور فعل نے اس کو نصب دے دیا۔

وَإِلَّا أَيْ وَإِنْ لَّمْ يَكُنْ مُبْهَمًا، میں نے بتایا تھا بھائی وَإِلَّا کہ إِلَّا سے پہلے واؤ آجائے تو یہ حرفِ استثنا نہیں یہ دراصل إِنْ اور لَا سے مرکب ہے۔ وَإِلَّا فَلَا، متن پہ نظر ہے؟ وَإِلَّا فَلَا، اور اگر وہ ظرفِ مکان مبہم نہ ہو بلکہ محدود ہو فَلَا أَيْ فَلَا تَقْبَلُ ذٰلِكَ تو پھر وہ تقدیرِ فِيْ کو قبول نہیں کرتا بھائی۔ تو کہتے ہیں وَإِلَّا أَيْ وَإِنْ لَّمْ يَكُنْ مُبْهَمًا اور اگر وہ ظرفِ مکان جو ہے وہ مبہم نہ ہو بَلْ يَكُوْنُ مَحْدُوْدًا بلکہ محدود ہو فَلَا يَقْبَلُ تَقْدِيْرَ فِيْ تو پھر وہ تقدیرِ فِيْ کو قبول نہیں کرتا۔ تو کہتے ہیں فَلَا يَقْبَلُ تَقْدِيْرَ فِيْ تو پھر وہ تقدیرِ فِيْ کو قبول نہیں کرتا، إِذْ لَمْ يُمْكِنْ حَمْلُهُ عَلَى الزَّمَانِ الْمُبْهَمِ اس لیے کیونکہ ممکن نہیں ہے اس کو محمول کرنا زمانِ مبہم پر۔ بھائی ادھر دیکھیے، یہ جو ظرفِ مکان محدود آیا یہ تقدیرِ فِيْ کو قبول نہیں کرتا، کیوں نہیں کرتا؟ بھئی اس کو کیوں نہیں محمول کرتے زمانِ مبہم پر؟ باقی سب کو تو آپ محمول کر رہے تھے زمانِ مبہم پر، تو مکانِ محدود کو بھی کس پر محمول کر لو؟ زمانِ مبہم پر۔ کہتے ہیں اس کا حمل اس پر نہیں ہو سکتا کیونکہ وہ زمانے کا نام ہے اور یہ مکان کا نام، تو یہ ذات کے اعتبار سے بھی الگ الگ ہیں اور صفت بھی الگ الگ ہے، وہ مبہم ہے تو یہ محدود ہے، تو صفت بھی الگ الگ ہے۔ تو کہتے ہیں إِذْ لَمْ يُمْكِنْ حَمْلُهُ عَلَى الزَّمَانِ الْمُبْهَمِ اس لیے کیونکہ اس کو زمانِ مبہم پر محمول کرنا ممکن نہیں ہے لِاخْتِلَافِهِمَا ذَاتًا وَصِفَةً بوجہ ان دونوں کے مختلف ہونے کے ذات کے اعتبار سے اور صفت کے اعتبار سے، نَحْوُ جَلَسْتُ فِي الْمَسْجِدِ جیسے جَلَسْتُ فِي الْمَسْجِدِ۔ دیکھو مسجد مکانِ محدود ہے تو یہ تقدیرِ فِيْ کو قبول نہیں کرتا، یہاں فِيْ کا لفظ عبارت میں لانا پڑے گا۔

آگے دیکھیے: وَفُسِّرَ الْمُبْهَمُ مِنَ الْمَكَانِ بِالْجِهَاتِ السِّتِّ، اور تفسیر کی گئی ہے مکانِ مبہم کی بِالْجِهَاتِ السِّتِّ چھ جہتوں کے ساتھ۔ ظرفِ مکان مبہم کون کون سی؟ میں نے بتلایا تھا چھ جہتیں ہیں بھائی: امام، خلف، یمین، شمال، فوق اور تحت، وہی ذکر کر رہے ہیں۔ تو کہتے ہیں وَفُسِّرَ الْمُبْهَمُ مِنَ الْمَكَانِ اور وہ جو مبہم ہے مکان میں سے اس کی تفسیر کی گئی ہے بِالْجِهَاتِ

السِّتُّ چھ جہتوں کے ساتھ، وَهِيَ أَمَامُ وَخَلْفُ وَيَمِيْنُ وَشِمَالُ وَفَوْقُ وَتَحْتُ وَمَا فِيْ مَعْنَاهَا اور اسی طرح جو ان کے معنی میں ہو۔ ادھر دیکھیے، ظرفِ مکان مبہم کی تفسیر کس کے ساتھ کی گئی ہے؟ جہاتِ ستہ، اور آگے فرما رہے ہیں وَمَا فِيْ مَعْنَاهَا اور جو ان کے معنی میں ہو وہ بھی اسی کے اندر داخل ہیں۔ فَإِنَّ أَمَامَ زَيْدٍ، اب بتلا رہے ہیں کہ یہ چھ جہات جو ہیں یہ مبہم کیسے ہیں؟ میں نے بیان کر دیا، مثلاً ایک چیز میرے سامنے ہے تو میرے رخ کے سامنے چاہے وہ میرے قریب ہو یا میرے سے جتنی بھی دور ہو لیکن میرے چہرے کے مقابل ہو تو کیا کہیں گے؟ کہ وہ چیز میرے سامنے ہے، دیکھو سامنے کی کوئی حد نہیں ہے۔ تو کہتے ہیں فَإِنَّ أَمَامَ زَيْدٍ اس لیے کیونکہ زید کے سامنے مَثَلًا مثال کے طور پر زید کے سامنے جو ہے يَتَنَاوَلُ جَمِيْعَ مَا يُقَابِلُ وَجْهَهُ یہ اس سارے کو شامل ہے جو اس کے چہرے کے مقابل میں ہے، جو بھی اس کے چہرے کے مقابل یعنی اس کے چہرے کے سامنے ہے اس سب کو کیا کہیں گے؟ أَمَامَ زَيْدٍ یہ زید کے سامنے ہے، إِلَى انْقِطَاعِ الْأَرْضِ زمین کے انقطاع تک یعنی جہاں تک زمین ہے جو کچھ زید کے چہرے کے سامنے ہے سب کے بارے میں کیا کہیں گے؟ أَمَامَ زَيْدٍ کہ یہ زید کے سامنے ہے۔ تو کہتے ہیں فَإِنَّ أَمَامَ زَيْدٍ مَثَلًا کہتے ہیں اس لیے کیونکہ امامِ زید جو ہے مثال کے طور پر يَتَنَاوَلُ جَمِيْعَ مَا يُقَابِلُ وَجْهَهُ إِلَى انْقِطَاعِ الْأَرْضِ یہ اس سارے کو شامل ہے جو اس کے چہرے کے مقابل ہے زمین کے انقطاع یعنی اختتام تک، یہ سارا امامِ زید اس کو شامل ہے، فَيَكُوْنُ مُبْهَمًا تو یہ مبہم ہے بھائی، یہ امام مبہم ہے اور باقی بھی اسی طرح ہیں۔

وَلَمَّا لَمْ يَتَنَاوَلْ هٰذَا التَّفْسِيْرُ بَعْضَ الظُّرُوْفِ الْمَكَانِيَّةِ الْجَائِزِ نَصْبُهَا قَالَ وَحُمِلَ عَلَيْهِ۔ بھئی دیکھیے ظرفِ مکان مبہم کی کیا تفسیر کی؟ جہاتِ ستہ کے ساتھ۔ معلوم ہوا یہ ہیں جو تقدیرِ فِيْ کو قبول کرتے ہیں۔ حالانکہ کچھ اور بھی ظرفِ مکان ہیں وہ بھی تقدیرِ فِيْ کو قبول کر لیتے ہیں۔ تو یہ تفسیر ان کو شامل نہیں تھی۔ توجہ ہے؟ بھئی یہ امام، خلف، یمین وغیرہ یہ کیا کرتے ہیں؟ تقدیرِ فِيْ کو قبول کر لیتے ہیں۔ کچھ اور بھی ظرفِ مکان ہیں جو کیا کرتے ہیں؟ تقدیرِ فِيْ کو قبول کرتے ہیں، ان کو تو یہ عبارت شامل نہیں کیونکہ کیا کہا؟ وَفُسِّرَ الْمُبْهَمُ بِالْجِهَاتِ السِّتِّ مبہم مکان کی تفسیر کس کے ساتھ کی گئی ہے؟ جہاتِ ستہ کے ساتھ، حالانکہ عِنْدَ، لَدٰى وغیرہ کچھ اور ہیں وہ بھی منصوب ہوتے ہیں، وہ بھی تقدیرِ فِيْ کو قبول کر لیتے ہیں، تو چونکہ وہ شامل نہیں ہو رہے تھے اس میں لہٰذا آگے صاحبِ کافیہ ان کو اب الگ ذکر کریں گے باقاعدہ۔ تو کہتے ہیں وَلَمَّا لَمْ يَتَنَاوَلْ هٰذَا التَّفْسِيْرُ جب یہ تفسیر جو ہے شامل نہ ہوئی، کس کو شامل نہ ہوئی؟ بَعْضَ الظُّرُوْفِ الْمَكَانِيَّةِ بعض ایسے ظروفِ مکانیہ کو الْجَائِزِ نَصْبُهَا کہ جن کا نصب جائز ہے، ان کا بھی نصب جائز ہے تو یہ تفسیر تو ان کو شامل نہیں ہوئی، تو قَالَ تو ماتن نے کہا: وَحُمِلَ عَلَيْهِ أَيْ عَلَى الْمُبْهَمِ الْمُفَسَّرِ بِالْجِهَاتِ السِّتِّ عِنْدَ وَلَدٰى وَشِبْهُهُمَا۔ بھئی پہلے ذرا متن متن دیکھ لو: وَحُمِلَ عَلَيْهِ، اور یہی جو ظرفِ مکان مبہم ہے یعنی جس کی تفسیر کس کے ساتھ کی گئی؟ جہاتِ ستہ کے ساتھ، اسی پر محمول ہے عِنْدَ وَلَدٰى وَشِبْهُهُمَا عِنْدَ اور لَدٰى بھی اور جو ان دونوں کے مشابہ ہیں وہ بھی انہی پر محمول ہیں یعنی یہ بھی کیا کر لیتے ہیں؟ تقدیرِ فِيْ کو قبول کر لیتے ہیں۔

بھئی کیوں؟ یہ عِنْدَ اور لَدٰی اور جو اس کے مشابہ ہیں یہ کیوں محمول ہیں بھائی ظرفِ مکان مبہم پر؟ کہتے ہیں لِإِبْهَامِهِمَا بوجہ ان دونوں کے مبہم ہونے کے، اس وجہ سے کہ یہ دونوں مبہم ہیں، کون دونوں؟ عِنْدَ اور لَدٰی۔ تو بھئی عِنْدَ اور لَدٰی کی تو وجہ بیان کر دی۔ توجہ ہے؟ تین چیزیں بیان کیں کہ وہ سب اس ظرفِ مکان مبہم پر محمول ہیں، کون سی تین چیزیں؟ عِنْدَ، لَدٰی اور تیسری چیز شِبْهُهُمَا جو ان کے مشابہ۔ آگے جب وجہ ذکر کرنے لگے ہیں کہ یہ کیوں اس پر محمول ہیں تو وجہ صرف دو کی ذکر کی: لِإِبْهَامِهِمَا ان دونوں کے مبہم ہونے کی وجہ سے۔ معلوم ہوا عِنْدَ اور لَدٰی کی وجہ ذکر کر دی، یہ ظرفِ مکان مبہم پر کیوں محمول؟ کیونکہ وہ بھی مبہم یہ بھی مبہم۔ عِنْدَ کا کیا معنی؟ پاس۔ میں کہتا ہوں زَيْدٌ عِنْدِيْ زید میرے پاس ہے۔ یہ پاس ہونا مبہم ہے، میرے سامنے ہو، دائیں ہو، بائیں ہو، آگے، پیچھے، اوپر، نیچے جس جگہ بھی ہو سب کے لیے میں عِنْدَ کہہ سکتا ہوں، معلوم ہوا یہ محدود نہیں ہے بلکہ مبہم ہے۔ تو عِنْدَ اور لَدٰی جو ہیں ان کی وجہ تو ذکر کر دی کہ ان کو کیوں محمول کیا گیا مکانِ مبہم پر؟ ابہام کی وجہ سے۔ اور شِبْهُهُمَا جو ان دونوں کے مشابہ ہیں وہ کیوں محمول ہیں ان پر؟ اس کی وجہ نہیں ذکر کی۔ کہتے ہیں اس لیے کیونکہ وجہ ظاہر تھی کہ عِنْدَ اور لَدٰی جب محمول ہیں کس پر؟ مکانِ مبہم پر، تو جو عِنْدَ اور لَدٰی کا جو مشابہ ہے ان کا بھی یہی حکم ہوگا جو عِنْدَ اور لَدٰی والا ہے۔ یہ کس کے مشابہ ہیں؟ عِنْدَ اور لَدٰی کے، تو ان کا بھی وہی حکم ہوگا جو عِنْدَ اور لَدٰی کا ہے، اور عِنْدَ اور لَدٰی وہ محمول ہیں ان پر تو یہ بھی انہی پر محمول ہیں۔ بات سمجھ میں آگئی۔ لیکن پھر آپ کو بتائیں گے کہ کافیہ کے بعض نسخوں میں لِإِبْهَامِهِمَا تثنیہ کی ضمیر نہیں ہے بلکہ لِإِبْهَامِهَا واحد مؤنث کی ضمیر ہے یہاں، لِإِبْهَامِهَا، بات سمجھ میں آگئی۔ اور اگر یہ واحد مؤنث کی ضمیر یہاں مان لی جائے پھر تو کوئی اشکال ہی نہیں کیونکہ پیچھے کتنی چیزیں ذکر ہیں؟ تین، تو تین تو یہ جمع بن گئی اور جمع بتاویلِ جماعت کس کے حکم میں؟ واحد مؤنث، لہٰذا اس کی طرف هَا ضمیر ہی راجع ہونی چاہیے بھائی، بات سمجھ میں آگئی۔ تو پھر تو لِإِبْهَامِهَا عبارت یوں بن گئی، تو اب تو تینوں کی وجہ ذکر ہو گئی عِنْدَ، لَدٰی اور شِبْهُهُمَا کہ تینوں کے حمل کی وجہ یہ ہے کہ ظرفِ مکان مبہم کی طرح یہ تینوں بھی مبہم ہیں بھائی۔

آگے دیکھیے: وَلَفْظُ مَكَانٍ، اور اسی طرح یہ ظرفِ مکان مبہم پر محمول کیا گیا ہے لفظِ مکان کو بھی لِكَثْرَتِهِ یعنی اس کے کثرتِ استعمال کی وجہ سے۔ تو یہ لفظِ مکان بھی کس پر محمول ہے؟ مکانِ مبہم پر، کس پر؟ مکانِ مبہم پر، اور مکانِ مبہم تقدیرِ فِيْ کو قبول کر لیتا تھا تو یہ مکان جو ہے یہ بھی تقدیرِ فِيْ کو قبول کر لیتا ہے اور یہ بھی انہی پر محمول ہے۔ بھئی کیوں؟ یہ انہی پر کیوں محمول ہے؟ عِنْدَ اور لَدٰی کیوں محمول تھے؟ ابہام کی وجہ سے۔ اور یہ کیوں محمول ہے؟ کہتے ہیں نہیں بھائی یہ ابہام کی وجہ سے نہیں محمول ان پر، یہ کثرتِ استعمال کی وجہ سے ان پر محمول ہے۔ جیسے وہ جہاتِ ستہ جو ہیں عربی میں کثیر الاستعمال ہیں، تو جیسے وہ کثیر الاستعمال ہیں تو مکان بھی کیا ہے؟ کثیر الاستعمال ہے، تو مکان چاہے معین ہی کیوں نہ ہو یعنی محدود ہی کیوں نہ ہو پھر بھی وہ تقدیرِ فِيْ کو قبول کر لیتا ہے اور وہ منصوب ہوگا، تو یہ کثرتِ استعمال کی وجہ سے ان پر محمول

ہے۔

آگے دیکھیے: وَمَا بَعْدَ دَخَلْتُ عَلَى الْأَصَحِّ، اور اسی طرح دَخَلْتُ کا مابعد جو ہے وہ بھی انہی پر محمول ہے عَلَى الْأَصَحِّ أَيْ عَلَى الْمَذْهَبِ الْأَصَحِّ وہ جو زیادہ صحیح مذہب ہے اس کے مطابق۔ یاد رکھو توجہ سے سنو: دَخَلْتُ، سَكَنْتُ، نَزَلْتُ۔ دَخَلْتُ، نَزَلْتُ، سَكَنْتُ یہ تینوں کا ایک ہی حکم ہے۔ صاحبِ کافیہ نے دَخَلْتُ کو ذکر کر دیا دَخَلْتُ کو، لیکن یاد رکھو دَخَلْتُ، نَزَلْتُ اور سَكَنْتُ تینوں کا ایک ہی حکم ہے۔ ان تینوں کے بعد جب جگہ کا ذکر آئے تو اس میں علمائے نحو کا اختلاف ہے۔ بعض کہتے ہیں وہ مفعول بہ ہے، بعض کہتے ہیں وہ مفعول فیہ ہے۔ دَخَلْتُ الدَّارَ، یہ الدَّارَ آیا دَخَلْتُ کے بعد، تو بعض نحوی حضرات فرماتے ہیں یہ مفعول بہ ہے، دَخَلْتُ الدَّارَ کیونکہ دخول اس دار پر واقع ہوا ہے۔ لیکن صاحبِ کافیہ فرما رہے ہیں کہ زیادہ صحیح مذہب کے مطابق یہ بھی ظرفِ مکان مبہم پر محمول ہیں یعنی یہ بھی مفعول فیہ ہیں، تو یہ دَخَلْتُ الدَّارَ یہ مفعول فیہ ہے۔ تو کہتے ہیں وَمَا بَعْدَ دَخَلْتُ عَلَى الْأَصَحِّ اور وہ جو دَخَلْتُ کا مابعد ہے عَلَى الْأَصَحِّ زیادہ صحیح مذہب کے مطابق وہ بھی مفعول فیہ ہے۔ بات سمجھ میں آ گئی۔ دیکھو دَخَلْتُ الدَّارَ، الدار کیا ہے؟ محدود ہے یا غیرِ محدود؟ محدود ہے۔ دَخَلْتُ کا، نَزَلْتُ اور سَكَنْتُ کا مابعد اگرچہ محدود ہی کیوں نہ ہو پھر بھی وہ زیادہ صحیح مذہب کے مطابق کس پر محمول ہے؟ مکانِ مبہم پر۔ اور کیوں محمول ہے؟ کہتے ہیں کثرتِ استعمال کی وجہ سے، اصل میں یہاں بھی فِيْ تھا پھر تخفیف کرتے ہوئے اس کو حذف کر لیا گیا، کیونکہ کثرتِ استعمال کس کا تقاضا کرتی ہے؟ خفت کا۔ تو جیسے مکان کثیر الاستعمال تھا تو وہاں اصل میں فِيْ لفظوں میں تھا لیکن پھر اس فِيْ کو کثرتِ استعمال کی وجہ سے حذف کر لیا گیا، اسی طرح مابعدِ دَخَلْتُ جو ہے وہاں پر بھی فِيْ کا لفظ تھا لیکن کثرتِ استعمال کی وجہ سے اس کو حذف کر لیا گیا کیونکہ کثرتِ استعمال خفت کا تقاضا کرتی ہے بھائی۔ تو دَخَلْتُ الدَّارَ، بعض نحوی کیا فرماتے ہیں یہ الدار مفعول بہ ہے، لیکن صاحبِ کافیہ نے کیا فرمایا کہ زیادہ صحیح مذہب کے مطابق یہ مفعول بہ نہیں بلکہ مفعول فیہ ہے، اور اس کے بعد اگرچہ ظرفِ مکان محدود ہی کیوں نہ ہو تو بھی وہ منصوب ہوگا کثرتِ استعمال کی وجہ سے۔ اسی طرح میں نے بتایا نَزَلْتُ کا بھی یہی حکم ہے، نَزَلْتُ، نَزَلَ يَنْزِلُ نُزُوْلًا کا معنی ہے کسی جگہ اترنا یعنی کسی جگہ پڑاؤ ڈالنا۔ یہاں اترنے سے مراد ہے پڑاؤ ڈالنا، کسی جگہ قیام کرنا، آپ سفر پر جا رہے ہیں اور کسی جگہ پر آپ قیام کرتے ہیں، پڑاؤ ڈالتے ہیں، رات گزارتے ہیں تو وہاں کہتے ہیں نَزَلْتُ، میں اس جگہ اترا یعنی وہاں پر میں نے قیام کیا بھائی۔ اسی طرح سَكَنْتُ بھی ہے بھائی، سَكَنَ يَسْكُنُ سَكَنًا وَسُكْنًا اس کا معنی ہے کسی جگہ پر رہنا، رہائش اختیار کرنا، تو اس کا مابعد بھی منصوب ہوتا ہے۔

دیکھیے بھائی اب اس کو شرح کے ساتھ، صاحبِ جامی اور وضاحت فرما دیں گے۔ تو کہتے ہیں: وَحُمِلَ عَلَيْهِ أَيْ عَلَى الْمُبْهَمِ الْمُفَسَّرِ بِالْجِهَاتِ السِّتِّ، یعنی حمل کیا گیا ہے اسی مبہم پر جس کی تفسیر کی گئی جہاتِ ستہ کے ساتھ، وہ مکانِ مبہم جس کی تفسیر جہاتِ ستہ کے ساتھ کی گئی اسی پر محمول ہے عِنْدَ وَلَدَى وَشِبْهُهُمَا اور جو ان دونوں کے مشابہ ہیں، بھئی کیا

معنی ان دونوں کے مشابہ؟ کہتے ہیں نَحْوُ دُوْنَ وَسِوٰی جیسے کہ دُوْنَ اور سِوٰی ہیں وہ بھی انہی پر محمول ہیں، لِإِبْهَامِهِمَا ان دونوں کے ابہام کی وجہ سے، أَيْ لِإِبْهَامِ عِنْدَ وَلَدٰی، یہ دیکھو ضمیر کا مرجع بتلا دیا کہ إِبْهَامِهِمَا میں جو تثنیہ کی ضمیر آرہی ہے وہ کس کو راجع ہے؟ عِنْدَ اور لَدٰی۔ أَيْ لِإِبْهَامِ عِنْدَ وَلَدٰی بوجہ عِنْدَ اور لَدٰی کے ابہام کے، أَيْ وَلَمْ يَذْكُرْ وَجْهَ حَمْلِ شِبْهِهِمَا عَلَيْهِ۔ میں نے بتلایا تھا کہ چیزیں تو تین ذکر ہیں: عِنْدَ، لَدٰی اور شِبْهُهُمَا، تو وہ جو شِبْهُهُمَا ہے اس کے حمل کی وجہ ذکر نہیں کی۔ کیوں نہیں ذکر کی؟ کیونکہ وجہ ظاہر تھی کہ عِنْدَ اور لَدٰی جب محمول ہیں کس پر؟ مکانِ مبہم پر، تو جو عِنْدَ اور لَدٰی کا جو مشابہ ہے ان کا بھی یہی حکم ہوگا جو عِنْدَ اور لَدٰی والا ہے۔ تو کہتے ہیں وَلَمْ يَذْكُرْ وَجْهَ حَمْلِ شِبْهِهِمَا عَلَيْهِ اور ذکر نہیں کیا صاحبِ کافیہ نے شِبْهُهُمَا کے اس پر حمل کرنے کی وجہ کو، لِأَنَّ حُكْمَهُ حُكْمُهُمَا اس لیے کیونکہ شِبْهُهُمَا کا جو حکم ہے حُكْمُهُمَا وہ عِنْدَ اور لَدٰی والا حکم ہے یعنی انہی جیسا حکم۔ انہی جیسا حکم کیوں؟ کیونکہ یہ اس کے مشابہ ہیں، جب مشابہ ہیں تو ظاہر سی بات ہے ان کا بھی وہی حکم ہوگا۔ وَفِيْ بَعْضِ النُّسَخِ لِإِبْهَامِهَا، اور کافیہ کے بعض نسخوں میں لِإِبْهَامِهِمَا کی عبارت ہے یعنی هُمَا ضمیر کے بجائے واحد مؤنث غائب کی ضمیر لائی گئی ہے، كَمَا هُوَ ظَاهِرٌ جیسے کہ یہی ظاہر ہے، یہی ظاہر ہے کہ ہونی بھی کون سی ضمیر چاہیے؟ هَا ضمیر واحد مؤنث کی ہونی چاہیے کیونکہ پیچھے تین چیزیں ذکر ہیں بھائی، تو یہ سب کی علت ہو جائے گی۔

آگے دیکھیے: وَكَذَا حُمِلَ عَلَى الْمُبْهَمِ مِنَ الْمَكَانِ، اور اسی طرح حمل کیا گیا وہ جو مبہم ہے مکان میں سے اس پر حمل کیا گیا لَفْظُ مَكَانٍ لفظِ مکان کا، وَإِنْ كَانَ مُعَيَّنًا اگرچہ وہ مکان معین ہی کیوں نہ ہو، نَحْوُ جَلَسْتُ مَكَانَكَ میں بیٹھا آپ کی جگہ پر۔ دیکھو جَلَسْتُ مَكَانَكَ میں آپ کی جگہ پر بیٹھا، مَكَانَكَ آپ کی جگہ، معلوم ہوا آپ کی کوئی متعین جگہ ہے جہاں پر آپ بیٹھتے ہیں، جب وہ متعین جگہ ہے تو محدود ہوئی، کیا ہوئی؟ محدود ہوئی، تو یہاں پر دیکھو مَكَانَكَ یہ ظرفِ مکان محدود ہے لیکن پھر بھی اس پر نصب پڑھا جا رہا ہے اور یہ کس پر محمول ہے؟ وہی مکانِ مبہم پر محمول ہے، وہ مکانِ مبہم پر محمول ہے۔ اور کیوں محمول ہے؟ ابہام کی وجہ سے نہیں، آپ کی جگہ وہ تو متعین جگہ ہے معلوم جگہ ہے، ابہام کی وجہ سے اس پر نہیں محمول بلکہ کثرتِ استعمال کی وجہ سے اس پر محمول ہے، جیسے وہ جہاتِ ستہ عربی میں کثیر الاستعمال ہیں اسی طرح یہ مکان کا لفظ بھی کثیر الاستعمال ہے اور کثرت کس کا تقاضا کرتی ہے؟ خفت کا، لہٰذا فِيْ کو کیا کرنا چاہیے؟ حذف، اس لیے فِيْ کو یہاں ذکر نہیں کیا جاتا۔ تو کہتے ہیں وَإِنْ كَانَ مُعَيَّنًا اگرچہ وہ مکان معین ہو، نَحْوُ جَلَسْتُ مَكَانَكَ میں بیٹھا آپ کی جگہ پر، لِكَثْرَتِهِ یہ لفظِ مکان کو کیوں محمول کیا گیا؟ اس کے کثرت کی وجہ سے، لِكَثْرَتِهِ فِي الِاسْتِعْمَالِ مِثْلَ الْجِهَاتِ السِّتِّ اس کی کثرتِ استعمال کی وجہ سے جہاتِ ستہ کے مثل، یعنی یہ بھی کثیر الاستعمال ہے جہاتِ ستہ کے مثل، لَا لِإِبْهَامِهِ اس کو ابہام کی وجہ سے محمول نہیں کیا گیا۔

وَكَذَا حُمِلَ عَلَيْهِ مَا بَعْدَ دَخَلْتُ، اور اسی طرح محمول کیا گیا ہے مکانِ مبہم پر وہ جو دَخَلْتُ کے بعد ہے، وَإِنْ كَانَ مُعَيَّنًا

اگرچہ وہ معین ہی کیوں نہ ہو، نَحْوُ دَخَلْتُ الدَّارَ جیسے کہ دَخَلْتُ الدَّارَ۔ دیکھو یہ الدَّارَ یہ تو محدود ہے لیکن یہاں پر فِيْ کو ذکر نہیں کیا گیا، تو اس کو بھی مکانِ مبہم پر محمول کیا گیا لِكَثْرَتِهِ فِي الِاسْتِعْمَالِ اس کے کثرتِ استعمال کی وجہ سے، لَا لِإِبْهَامِهِ اس کے ابہام کی وجہ سے نہیں، دَخَلْتُ الدَّارَ الدار دیکھو یہ تو محدود ہے یہ تو مبہم نہیں ہے، تو مبہم ہونے کی وجہ سے محمول نہیں کیا گیا بلکہ کثرتِ استعمال کی وجہ سے۔ عَلَى الْأَصَحِّ أَيْ عَلَى الْمَذْهَبِ الْأَصَحِّ یعنی زیادہ صحیح مذہب کے مطابق مابعدِ دَخَلْتُ بھی ظرفِ مکان۔ توجہ ہے؟ بھئی دیکھیے نا یہ مابعدِ دَخَلْتُ جو ہے میں نے بتایا اس کے اندر علماء کا اختلاف ہے۔ دَخَلْتُ الدَّارَ بعض علماء فرماتے ہیں کہ یہ الدار مفعول بہ ہے اور صاحبِ کافیہ وغیرہ کا مذہب یہ ہے کہ الدار یہ مفعول فیہ ہے بھائی مفعول فیہ، اور مفعول فیہ ہے تو یہ تو محدود ہے، تو یہ الدار یہ تو مکانِ محدود ہے اور مکانِ محدود تو تقدیرِ فِيْ کو قبول نہیں کرتا، تو صاحبِ کافیہ اس کی وجہ بیان کر رہے ہیں کہ مابعدِ دَخَلْتُ وہ اگرچہ معین ہی کیوں نہ ہو پھر بھی وہ تقدیرِ فِيْ کو قبول کر لیتا ہے کس پر حمل کرتے ہوئے؟ مکانِ مبہم پر حمل کرتے ہوئے، وہ جو جہاتِ ستہ جو مکانِ مبہم تھیں ان پر حمل کرتے ہوئے، کثرتِ استعمال کی وجہ سے، کیونکہ دَخَلْتُ، نَزَلْتُ، سَكَنْتُ یہ الفاظ کثیر الاستعمال ہیں۔ عَلَى الْأَصَحِّ أَيْ عَلَى الْمَذْهَبِ الْأَصَحِّ یعنی زیادہ صحیح مذہب کے مطابق۔ اصح کہا، زیادہ صحیح مذہب کے مطابق، یعنی جو دوسرے، جو نحوی اس کو مفعول بہ کہتے ہیں ان کا مذہب بھی صحیح ہے لیکن یہ مذہب زیادہ صحیح ہے کہ یہ مفعول فیہ ہے بھائی۔ تو کہتے ہیں أَيْ عَلَى الْمَذْهَبِ الْأَصَحِّ زیادہ صحیح مذہب کے مطابق، فَإِنَّهُ ذَهَبَ بَعْضُ النُّحَاةِ إِلَى أَنَّهُ مَفْعُوْلٌ بِهِ اس لیے کیونکہ بعض نحوی اس بات کی طرف گئے ہیں کہ یہ مابعدِ دَخَلْتُ جو ہے وہ مفعول بہ ہے، لٰكِنَّ الْأَصَحَّ أَنَّهُ مَفْعُوْلٌ فِيْهِ لیکن زیادہ صحیح مذہب یہ ہے کہ یہ مفعول فیہ ہے، وَالْأَصْلُ اسْتِعْمَالُهُ بِحَرْفِ الْجَرِّ اور اصل میں تو اس کا استعمال حرفِ جر کے ساتھ ہے یعنی اصل میں تو یہاں فِيْ تھا دَخَلْتُ فِي الدَّارِ، بات سمجھ میں آگئی، تو کہتے ہیں وَالْأَصْلُ اسْتِعْمَالُهُ بِحَرْفِ الْجَرِّ اور اصل میں تو اس کا استعمال حرفِ جر کے ساتھ ہے لٰكِنَّهُ حُذِفَ لِكَثْرَةِ اسْتِعْمَالِهِ لیکن اس فِيْ کو حذف کر لیا گیا کثرتِ استعمال کی وجہ سے۔

وَهٰذَا مَحَلُّ تَأَمُّلٍ، اور یہ محلِ تأمل ہے۔ یہاں سے اب صاحبِ جامی صاحبِ کافیہ کی رائے کو رد کریں گے۔ تأمل کا معنی ہے غور و فکر، یہ محلِ تأمل ہے یعنی یہ غور و فکر کا مقام ہے، اس میں غور و فکر کرنا چاہیے۔ آپ کی رائے یہ ہے کہ یہ مفعول فیہ ہے لیکن ہماری رائے کیا ہے؟ یہ مفعول بہ ہے، یہ محلِ تأمل ہے یہاں غور و فکر کرنا چاہیے۔ تو کہتے ہیں وَهٰذَا مَحَلُّ تَأَمُّلٍ اور یہ محلِ تأمل ہے، فَإِنَّ الْفِعْلَ لَا يَطْلُبُ الْمَفْعُوْلَ فِيْهِ، اب صاحبِ جامی بتلائیں گے کہ یہ مفعول فیہ نہیں ہے بلکہ یہ مفعول بہ ہے۔ دیکھیے بھائی، کہتے ہیں فَإِنَّ الْفِعْلَ لَا يَطْلُبُ الْمَفْعُوْلَ فِيْهِ إِلَّا بَعْدَ تَمَامِ مَعْنَاهُ، کہتے ہیں اس لیے کیونکہ فعل جو ہے وہ مفعول فیہ کو طلب نہیں کرتا إِلَّا بَعْدَ تَمَامِ مَعْنَاهُ مگر یہ کہ فعل کا معنی پورا ہو جائے۔ توجہ ہے؟ یاد رکھو فعل مفعول فیہ کو تب طلب کرتا ہے جب اس کا معنی پورا ہو جائے، اور فعل کا معنی مفعول بہ سے پورا ہوتا ہے۔ آپ کہتے ہیں ضَرَبْتُ زَيْدًا میں نے زید کی پٹائی کی، جب مفعول بہ آگیا اب معنی پورا ہو گیا، معلوم ہوا پٹائی آپ نے کی ہے اور کس کی کی ہے؟ زید کی

کی ہے بھائی۔ زید مفعول بہ نہ ہو تو اس کے بغیر تو فعل ہو نہیں سکتا بھائی، تو فعل کا معنی مفعول بہ کے ساتھ پورا ہوتا ہے اور اس کے بعد وہ مفعول فیہ کا تقاضا کرتا ہے اس سے پہلے نہیں۔ پہلے اس کا معنی تو پورا ہو جائے پھر اس کے بعد وہ کس کا تقاضا کرے گا؟ مفعول فیہ کا۔ اور دَخَلْتُ، دَخَلْتُ کے ساتھ تو جب تک الدَّارَ وغیرہ لفظ نہیں ملائیں گے دَخَلْتُ کا معنی ہی پورا نہیں۔ معلوم ہوا الدَّارَ وہ مفعول فیہ نہیں بلکہ مفعول بہ ہے۔ فعل کا معنی کس سے پورا ہوتا ہے؟ مفعول بہ سے پورا ہوتا ہے، اس کے بعد وہ کس کا تقاضا کرتا ہے؟ مفعول فیہ کا۔ اور دَخَلْتُ کا معنی الدَّارَ کے بغیر پورا نہیں، معلوم ہوا الدَّارَ مفعول فیہ نہیں ہے، پہلے فعل کا معنی پورا ہونا چاہیے پھر مفعول فیہ آئے گا، اور ابھی تو فعل کا معنی ہی پورا نہیں، معلوم ہوا الدَّارَ ملے گا تو معنی پورا ہوگا، معلوم ہوا یہ الدَّارَ مفعول فیہ نہیں ہے بلکہ مفعول بہ ہے، اس سے دخول کا معنی پورا ہو رہا ہے۔ پھر جب آپ نے کہہ دیا دَخَلْتُ الدَّارَ اب معنی پورا ہو گیا، اب آگے آپ مفعول فیہ لا سکتے ہیں۔ کہتے ہیں فَإِنَّ الْفِعْلَ لَا يَطْلُبُ الْمَفْعُوْلَ فِيْهِ إِلَّا بَعْدَ تَمَامِ مَعْنَاهُ اس لیے کیونکہ فعل مفعول فیہ کو طلب نہیں کرتا مگر بعد اس کے کہ اس کا معنی پورا ہو جائے، وَلَا شَكَّ أَنَّ مَعْنَى الدُّخُوْلِ لَا يَتِمُّ بِدُوْنِ الدَّارِ اور اس بات میں کوئی شک نہیں ہے کہ دخول کا معنی پورا نہیں ہوتا بغیر دار کے، وَبَعْدَ تَمَامِ مَعْنَاهُ بِهَا اور پھر جب اس دخول کا معنی پورا ہو جائے بِهَا اس دار کے ذریعے تو يَطْلُبُ الْمَفْعُوْلَ فِيْهِ پھر وہ مفعول فیہ کو طلب کرتا ہے، كَمَا إِذَا قُلْتَ جیسے کہ آپ کہیں بھائی دَخَلْتُ الدَّارَ فِي الْبَلَدِ الْفُلَانِيِّ میں اس گھر میں داخل ہوا فِي الْبَلَدِ الْفُلَانِيِّ فلاں شہر میں، فلاں شہر میں۔ اب دیکھو دَخَلْتُ الدَّارَ، دَخَلْتُ کے بعد الدَّارَ لائے تو دَخَلْتُ کا معنی پورا ہوا، اس کے بعد اب یہ مفعول فیہ بھی آپ لا سکتے ہیں فِي الْبَلَدِ الْفُلَانِيِّ فلاں شہر میں۔ تو معلوم ہوا یہ جو دار ہے اس کے بغیر دخول کا معنی پورا نہیں، جب اس کے بغیر دخول کا معنی پورا نہیں معلوم ہوا دار مفعول فیہ نہیں ہے بلکہ مفعول بہ ہے، دلیل سمجھ میں آ گئی؟ تو کہتے ہیں كَمَا إِذَا قُلْتَ جیسے کہ آپ کہیں دَخَلْتُ الدَّارَ فِي الْبَلَدِ الْفُلَانِيِّ میں اس گھر میں داخل ہوا فلاں شہر میں، فَالظَّاهِرُ أَنَّهُ مَفْعُوْلٌ بِهِ تو ظاہر یہی ہے کہ یہ دار جو ہے مفعول بہ ہے لَا مَفْعُوْلٌ فِيْهِ یہ مفعول فیہ نہیں ہے۔

وَمِمَّا يُؤَيِّدُ ذٰلِكَ، اور وہ چیزیں جن سے اس کی تائید ہوتی ہے۔ بھئی اب ایک اور دلیل ذکر کریں گے، کہتے ہیں ایک اور بات سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے کہ دَخَلْتُ کا مابعد وہ مفعول بہ ہوتا ہے مفعول فیہ نہیں۔ توجہ ہے؟ صاحبِ جامی کیا بتلانا چاہتے ہیں کہ دَخَلْتُ کا مابعد مفعول بہ ہوتا ہے، کہتے ہیں ایک اور بات سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے، وہ یہ کہ جب فعل کی نسبت کی جائے کسی خاص جگہ کی طرف کہ اس میں فعل واقع ہوا ہے، توجہ سے سمجھ لو۔ مثلاً آپ ایک گھر کے اندر کسی کی پٹائی کرتے ہیں، آپ کہتے ہیں ضَرَبْتُ زَيْدًا فِي الدَّارِ میں نے زید کی پٹائی کی اس گھر میں، کسی خاص متعین گھر کی طرف اشارہ کیا۔ تو جب فعل کی نسبت کی جائے کسی خاص جگہ کی طرف کہ اس کے اندر یہ فعل ہوا ہے، تو اسی فعل کی نسبت ایسی عام جگہ کی طرف بھی صحیح ہوگی جو اس خاص جگہ کو شامل ہو۔ مثلاً یہ گھر ہے لاہور کے اندر، تو آپ کہتے ہیں جی ضَرَبْتُ زَيْدًا فِي الدَّارِ میں نے زید کی پٹائی کی اس گھر میں، آپ نے یہ ضرب کے فعل کے ہونے کی نسبت کر دی کہ یہ ضرب کا فعل

کہاں ہوا ہے؟ اس گھر میں۔ اور دیکھو تو الدَّارِ ایک خاص جگہ ہے اس کے اندر فعل کے ہونے کی نسبت کی گئی ہے۔ اب اس خاص جگہ کے ساتھ آپ اور جگہ کو بھی شامل کریں کہ یہ خاص اس کے اندر آجائے یعنی عام جگہ لے آئیں، عام جگہ لے آئیں، اور یہ گھر کس میں ہے؟ لاہور میں، تو آپ اس خاص کی جگہ لاہور کا لفظ لے آئیں ذرا، اب لاہور عام جگہ ہے، اس کے اندر وہ خاص جگہ تھی جس کے اندر فعل ہوا تھا۔ تو جب خاص جگہ کی طرف فعل کی نسبت صحیح تھی تو ایسی عام جگہ جو اس خاص جگہ کو شامل ہو اس عام کی طرف بھی فعل کی نسبت صحیح ہے، آپ یوں بھی کہہ سکتے ہیں ضَرَبْتُ زَيْدًا فِيْ لَاهُوْرَ، ضَرَبْتُ زَيْدًا فِيْ لَاهُوْرَ کیونکہ وہ دار کس میں تھا جس میں ضرب والا فعل ہوا تھا؟ لاہور میں، تو اب وہ جو عام لاہور جو جگہ ہے جو اس دار کو بھی شامل ہے لاہور کی طرف بھی نسبت کرنا صحیح ہے، ضَرَبْتُ زَيْدًا فِيْ لَاهُوْرَ میں نے زید کی لاہور میں پٹائی کی۔ معنی صحیح ہے یا غلط؟ بات صحیح ہے۔ اور اسی طرح یہ مکان جو ہے یہ پاکستان کے اندر ہے، تو پاکستان عام ہوا جس کے اندر وہ خاص جگہ بھی شامل ہے، تو آپ یوں بھی کہہ سکتے ہیں ضَرَبْتُ زَيْدًا فِيْ بَاكِسْتَانَ میں نے پاکستان میں زید کی پٹائی کی۔ تو جب فعل کی نسبت، توجہ ہے؟ جب فعل کی نسبت کسی خاص جگہ کی طرف کی جائے کہ اس کے اندر یہ فعل ہوا ہے تو اسی فعل کی نسبت ایسی عام جگہ کی طرف بھی ٹھیک ہوتی ہے جو اس خاص جگہ کو شامل ہو، بات سمجھ میں آگئی۔ لیکن دخول میں ایسا نہیں ہے، دخول میں ایسا نہیں۔ مثلاً میں کہتا ہوں دَخَلْتُ الدَّارَ میں اس گھر میں داخل ہوا، توجہ ہے؟ مثلاً میں لاہور کے اندر ہوں اور لاہور کے اندر اب میں اس گھر کے اندر داخل ہوا تو میں نے کہا دَخَلْتُ الدَّارَ میں اس گھر میں داخل ہوا بھائی، اور یہ گھر کہاں پر ہے؟ لاہور میں، تو اب یہاں اس خاص جگہ کی جگہ یہ ذرا عام جگہ لے آؤ: دَخَلْتُ لَاهُوْرَ۔ نہیں بھئی یہ آپ کا کہنا صحیح نہیں، بھئی لاہور کے اندر تو آپ پہلے ہی داخل تھے، آپ تو صرف مکان میں داخل ہوئے ہیں لاہور میں تو نہیں داخل ہوئے۔ تو یہاں پر دَخَلْتُ الدَّارَ کہنا تو صحیح ہے لیکن وہ خاص جگہ اس کے ساتھ وہ عام جگہ کو لے آؤ جو، جس کے اندر یہ خاص جگہ ہو، تو اب دخول کا فعل بولنا صحیح نہیں۔ تو مفعول فیہ جس کی طرف کسی فعل کی نسبت کی جائے تو وہاں اس خاص کی جگہ عام جگہ کا لانا بھی صحیح ہوتا ہے، لیکن دخول کے بعد الدار کے اندر اس خاص جگہ کو بدل کر عام جگہ لے آئیں وہاں پر یہ صحیح نہیں، اس سے بھی پتا چلا کہ دخول کے بعد جو الدار آرہا ہے وہ مفعول بہ ہے، مفعول فیہ نہیں ہے۔ مفعول فیہ میں تو خاص کو عام سے بدلنا جائز ہوتا ہے لیکن یہاں خاص کو عام کے ساتھ بدلنا جائز نہیں، کلام صحیح نہیں رہتا، یہ دلیل ہے کس چیز کی؟ کہ دَخَلْتُ کا مابعد مفعول بہ ہے مفعول فیہ نہیں ہے، بات سمجھ میں آگئی۔ دیکھیے بھائی کتاب پر: کہتے ہیں وَمِمَّا يُؤَيِّدُ ذٰلِكَ اور وہ چیزیں جن سے اس بات کی تائید ہوتی ہے، کس بات کی؟ کہ دَخَلْتُ کا مابعد مفعول بہ ہے مفعول فیہ نہیں ہے جیسے کہ صاحبِ کافیہ نے فرمایا۔ تو کہتے ہیں وَمِمَّا يُؤَيِّدُ ذٰلِكَ اور وہ چیزیں جن سے اس بات کی تائید ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ أَنَّ كُلَّ فِعْلٍ نُسِبَ إِلٰى مَكَانٍ خَاصٍّ کہ ہر وہ فعل جس کی نسبت کی جائے کسی خاص جگہ کی طرف، اس

خاص جگہ کی طرف نسبت کی جائے بِوُقُوْعِهِ فِيْهِ کہ وہ فعل اس کے اندر واقع ہوا ہے، ترجمے پہ نظر ہے؟ پھر ترجمہ دیکھو: أَنَّ كُلَّ فِعْلٍ نُسِبَ إِلٰى مَكَانٍ خَاصٍّ بِوُقُوْعِهِ فِيْهِ کہ جب بھی فعل کی نسبت کی جائے کسی خاص مکان کی طرف کہ یہ فعل اس خاص مکان کے اندر واقع ہوا ہے، تو يَصِحُّ أَنْ يُنْسَبَ إِلٰى مَكَانٍ شَامِلٍ لَهُ وَلِغَيْرِهِ تو یہ بھی صحیح ہے کہ نسبت کی جائے اس فعل کی إِلٰى مَكَانٍ اس مکان، اس جگہ کی طرف جو شَامِلٍ لَهُ جو اس خاص مکان کو بھی شامل ہو وَلِغَيْرِهِ اور اس کے غیر کو بھی شامل ہو، یعنی عام مکان کی طرف بھی اس کی نسبت کرنا صحیح ہوتا ہے۔ فَإِنَّهُ إِذَا قُلْتَ اس لیے کیونکہ جب آپ یہ کہیں ضَرَبْتُ زَيْدًا فِي الدَّارِ الَّتِيْ هِيَ جُزْءٌ مِّنَ الْبَلَدِ کہ میں نے زید کی پٹائی کی فِي الدَّارِ اس گھر میں الَّتِيْ هِيَ جُزْءٌ مِّنَ الْبَلَدِ جو کہ جز ہے اس شہر کا، میں نے زید کی پٹائی کی اس گھر میں جو کہ اس شہر کا جز ہے، تو فَكَمَا يَصِحُّ أَنْ تَقُوْلَ تو جیسے یہ صحیح ہے کہ آپ یوں کہیں ضَرَبْتُ زَيْدًا فِي الدَّارِ، تو جیسے آپ کا ضَرَبْتُ زَيْدًا فِي الدَّارِ کہنا صحیح ہوگا ایسے موقع پر، كَذٰلِكَ يَصِحُّ اسی طرح یہ بھی صحیح ہے أَنْ تَقُوْلَ کہ آپ یوں کہیں ضَرَبْتُهُ فِي الْبَلَدِ کہ میں نے اس کی اس شہر میں پٹائی کی ہے، یہ بھی صحیح ہوگا۔ وَفِعْلُ الدُّخُوْلِ بِالنِّسْبَةِ إِلَى الدَّارِ لَيْسَ كَذٰلِكَ جبکہ دخول کا فعل جو ہے دار کی طرف نسبت کرتے ہوئے وہ ایسا نہیں ہے، فَإِنَّهُ إِذَا قَالَ الدَّاخِلُ فِي الْبَلَدِ اس لیے کیونکہ جب وہ شخص جو دَاخِلٌ فِي الْبَلَدِ ہے یعنی جو شہر کے اندر پہلے سے ہی داخل ہے، وہ شخص یوں کہے، معنی سمجھ میں آرہا ہے؟ فَإِنَّهُ إِذَا قَالَ الدَّاخِلُ فِي الْبَلَدِ اس لیے کیونکہ جب وہ شخص جو شہر کے اندر پہلے سے داخل ہے اس نے جب یہ کہا دَخَلْتُ الدَّارَ کہ میں اس گھر میں داخل ہوا، تو لَا يَصِحُّ أَنْ يَقُوْلَ دَخَلْتُ الْبَلَدَ تو یہ صحیح نہیں ہے کہ وہ یوں کہے دَخَلْتُ الْبَلَدَ کہ میں اس شہر میں داخل ہوا۔ شہر میں تو وہ پہلے سے داخل ہے، شہر میں تو اس وقت نہیں داخل ہوا اس وقت تو صرف اس گھر میں داخل ہوا ہے۔ فَنِسْبَةُ الدُّخُوْلِ إِلَى الدَّارِ لَيْسَتْ كَنِسْبَةِ الْأَفْعَالِ إِلٰى أَمْكِنَتِهَا الَّتِيْ فُعِلَتْ فِيْهَا۔ تو کہتے ہیں فَنِسْبَةُ الدُّخُوْلِ إِلَى الدَّارِ تو دخول کی جو نسبت ہے الدار کی طرف لَيْسَتْ وہ ایسی نہیں ہے كَنِسْبَةِ الْأَفْعَالِ إِلٰى أَمْكِنَتِهَا جیسے کہ اور افعال کی نسبت ہوتی ہے إِلٰى أَمْكِنَتِهَا، أَمْكِنَةٌ جمع ہے مکان کی، إِلٰى أَمْكِنَتِهَا اپنی ان جگہوں کی طرف الَّتِيْ فُعِلَتْ فِيْهَا جن میں ان افعال کو کیا گیا ہو۔ دخول کی نسبت دار کی طرف ایسی نہیں ہے جیسے کہ اور افعال کی نسبت ہوتی ہے ان جگہوں کی طرف جن کے اندر ان افعال کو کیا گیا ہو۔ اور افعال کی نسبت ان جگہوں کی طرف جن میں ان کو کیا گیا ہے وہ ایسی ہے کہ اس خاص کے ساتھ اگر عام کو ملا لیا جائے تو بھی کہنا صحیح ہوتا ہے، لیکن دار میں عام کو ملا لیں تو کہنا صحیح نہیں بھائی۔ تو کہتے ہیں فَنِسْبَةُ الدُّخُوْلِ إِلَى الدَّارِ تو دخول کی نسبت دار کی طرف لَيْسَتْ وہ ایسی نہیں ہے كَنِسْبَةِ الْأَفْعَالِ إِلٰى أَمْكِنَتِهَا جیسے کہ اور افعال کی نسبت ہوتی ہے اپنی ان جگہوں کی طرف الَّتِيْ فُعِلَتْ فِيْهَا جن کے اندر ان افعال کو کیا گیا ہو، فَلَا تَكُوْنُ الدَّارُ مَفْعُوْلًا فِيْهِ بَلْ مَفْعُوْلًا بِهِ تو الدار جو ہے وہ مفعول فیہ نہیں ہوگا بلکہ مفعول بہ ہوگا بھائی، بات سمجھ میں آگئی۔

آگے دیکھیے، کہتے ہیں: وَقِيْلَ مَعْنَاهُ عَلَى الِاسْتِعْمَالِ الْأَصَحِّ فَيَكُوْنُ إِشَارَةً إِلٰى أَنَّ اسْتِعْمَالَ دَخَلْتُ مَعَ فِيْ نَحْوُ دَخَلْتُ

فِي الدَّارِ صَحِيْحٌ لٰكِنَّ الْأَصَحَّ اسْتِعْمَالُهُ بِدُوْنِ فِيْ۔ بھئی اوپر ایک تفسیر گزر گئی عَلَى الْأَصَحِّ بھائی۔ صاحبِ جامی نے عَلَى الْأَصَحِّ کی کیا تفسیر کی؟ کہ اَصَحّ سے کیا مراد ہے؟ مذہبِ اصح مراد ہے کہ زیادہ صحیح مذہب کے مطابق مابعدِ دَخَلْتُ وہ مفعول فیہ ہے مفعول بہ نہیں۔ اور صاحبِ جامی نے اس کو رد کیا، تو علماء کی اپنی اپنی رائے ہے بھائی، صاحبِ کافیہ کے پاس بھی اور دلائل موجود ہیں، تو ان کی اپنے دلائل ہیں ان کے اپنے دلائل ہیں بھائی۔ تو صاحبِ جامی نے اصح کی تفسیر مذہبِ اصح کے ساتھ کی، بعض شارحین نے اور تفسیر کی ہے، انہوں نے اصح کی تفسیر استعمالِ اصح کے ساتھ کی ہے، کس کے ساتھ؟ یعنی صاحبِ کافیہ یہ نہیں کہنا چاہتے کہ مابعدِ دَخَلْتُ مفعول فیہ ہے، بلکہ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ مابعدِ دَخَلْتُ کے اندر زیادہ صحیح استعمال یہ ہے کہ فِيْ کے بغیر ہو۔ یعنی کہنا وہ یہ چاہتے ہیں کہ دَخَلْتُ کا استعمال فِيْ کے ساتھ بھی صحیح ہے مثلاً آپ کہیں دَخَلْتُ فِي الدَّارِ یہ بھی صحیح ہے، لیکن فِيْ کے بغیر یوں کہیں دَخَلْتُ الدَّارَ یہ زیادہ صحیح ہے، یہ زیادہ صحیح ہے، یہ بعض شارحین نے یہ تفسیر کی اس مقام کی۔ صاحبِ جامی بتلانا یہ چاہتے ہیں کہ میری تفسیر جو ہے وہ قوی ہے اور ان شارحین نے جو تفسیر کی وہ کمزور ہے۔ میں نے کیا تفسیر کی اصح کی؟ مذہبِ اصح۔ اور انہوں نے کیا تفسیر کی اصح کی؟ استعمالِ اصح۔ تو میری تفسیر بہتر ہے ان کی تفسیر کے مقابلے میں، چنانچہ اسی لیے وَقِيْلَ مَعْنَاهُ، قِيْلَ کے ساتھ ان کے قول کو ذکر کیا۔ تو کہتے ہیں وَقِيْلَ مَعْنَاهُ عَلَى الِاسْتِعْمَالِ الْأَصَحِّ اور کہا گیا ہے کہ اس کا معنی جو ہے، معنی یہ جو عَلَى الْأَصَحِّ آیا اس کا معنی جو ہے عَلَى الِاسْتِعْمَالِ الْأَصَحِّ ہے، فَيَكُوْنُ إِشَارَةً إِلٰى أَنَّ اسْتِعْمَالَ دَخَلْتُ مَعَ فِيْ تو یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ دَخَلْتُ کا استعمال لفظِ فِيْ کے ساتھ نَحْوُ دَخَلْتُ فِي الدَّارِ جیسے کہ دَخَلْتُ فِي الدَّارِ دیکھو اس میں دَخَلْتُ کا استعمال لفظِ فِيْ کے ساتھ ہے تو یہ جو استعمال ہے صَحِيْحٌ یہ بھی صحیح ہے، لٰكِنَّ الْأَصَحَّ اسْتِعْمَالُهُ بِدُوْنِ فِيْ لیکن زیادہ صحیح جو ہے یہ دَخَلْتُ کا استعمال بِدُوْنِ فِيْ بغیر لفظِ فِيْ کے ہے۔ اور آگے صاحبِ جامی فرما رہے ہیں: وَنُقِلَ عَنْ سِيْبَوَيْهِ أَنَّ اسْتِعْمَالَهُ بِفِيْ شَاذٌّ۔ صاحبِ جامی اپنی تفسیر کی ترجیح کے لیے امام سیبویہ سے نقل کی ہوئی بات بھی ذکر فرما رہے ہیں۔ صاحبِ جامی نے کہا امام سیبویہ سے جو بات نقل کی گئی ہے اس سے بھی میری تفسیر کے قوی ہونے کا پتا چلتا ہے کہ یہاں اصح سے مذہبِ اصح مراد ہے استعمالِ اصح نہیں۔ کیوں؟ کیونکہ وَنُقِلَ عَنْ سِيْبَوَيْهِ امام سیبویہ سے یہ بات نقل کی گئی ہے کہ أَنَّ اسْتِعْمَالَهُ بِفِيْ شَاذٌّ کہ دَخَلْتُ کا استعمال لفظِ فِيْ کے ساتھ شَاذٌّ وہ شاذ ہے۔ تو امام سیبویہ نے تو کہا کہ دَخَلْتُ کا استعمال فِيْ کے ساتھ شاذ ہے، لیکن یہ دوسرے شارحین کا قول لیا جائے تو پھر اس صورت میں تو کیا کہنا پڑے گا؟ کہ دَخَلْتُ کا استعمال فِيْ کے ساتھ صحیح ہے البتہ فِيْ کے بغیر زیادہ صحیح ہے۔ تو جس کو وہ صحیح کہہ رہے ہیں اس کو تو امام سیبویہ نے شاذ کہا ہے، لہٰذا فِيْ کے بغیر کو پھر زیادہ اصح کہنا پھر مناسب نہیں بنتا بھائی، بات سمجھ میں آگئی؟ تو جب امام سیبویہ نے فِيْ کے ساتھ دَخَلْتُ کے استعمال کو شاذ قرار دیا ہے تو پھر فِيْ کے بغیر استعمال کو اصح کہنا مناسب نہیں بنتا بلکہ پھر تو اس کو صحیح کہنا چاہیے۔ تو اس سے بھی معلوم ہوا کہ میں نے جو تفسیر کی ہے اصح کی کہ اس سے مذہبِ اصح مراد ہے وہ راجح ہے بھائی۔

آگے دیکھیے: وَيُنْصَبُ الْمَفْعُوْلُ فِيْهِ بِعَامِلٍ مُضْمَرٍ، متن متن دیکھیے: وَيُنْصَبُ بِعَامِلٍ مُضْمَرٍ وَعَلٰى شَرِيْطَةِ التَّفْسِيْرِ۔ اب یہاں سے آپ کو یہ بتلا رہے ہیں کہ مفعول فیہ جو ہے اس کے عامل کو کبھی کبھار حذف کر لیا جاتا ہے اور یہ حذف عَلٰى شَرِيْطَةِ التَّفْسِيْرِ بھی ہو سکتا ہے کہ آگے تفسیر آرہی ہو، اور اس کے بغیر بھی ہو سکتا ہے، اور اس کے بغیر وہاں ہوگا جہاں کوئی قرینہ موجود ہو، جہاں کوئی قرینہ موجود ہو۔ مثلاً مجھ سے کوئی پوچھتا ہے مَتٰى تُسَافِرُ؟ آپ کب سفر کریں گے؟ تو میں کہتا ہوں يَوْمَ الْجُمُعَةِ، حالانکہ مجھے کیا کہنا چاہیے تھا؟ أُسَافِرُ يَوْمَ الْجُمُعَةِ۔ اور يَوْمَ الْجُمُعَةِ مفعول فیہ ہے اور أُسَافِرُ فعل ہے، لیکن میں نے فعل کو حذف کر دیا جو نصب دے رہا تھا يَوْمَ الْجُمُعَةِ کو۔ کیوں حذف کیا؟ کیونکہ قرینہ موجود ہے، سوال بھی آپ نے سفر کے بارے میں کیا ہے تو اس کو میں نے جواب میں حذف کر دیا۔

دیکھیے بھائی، کہتے ہیں: وَيُنْصَبُ أَيِ الْمَفْعُوْلُ فِيْهِ اور نصب دیا جاتا ہے مفعول فیہ کو بِعَامِلٍ مُضْمَرٍ ایسے عامل کی وجہ سے جو مضمر یعنی مقدر ہوتا ہے، بِلَا شَرِيْطَةِ التَّفْسِيْرِ بغیر شریطۃ التفسیر کے، نَحْوُ مثال کے طور پر يَوْمَ الْجُمُعَةِ فِيْ جَوَابِ مَنْ قَالَ جیسے کہ يَوْمَ الْجُمُعَةِ اس حال میں کہ یہ واقع ہو فِيْ جَوَابِ مَنْ قَالَ یہ اس شخص کے جواب میں واقع ہو جس نے کہا تھا مَتٰى سِرْتَ؟ جس نے، مَتٰى سِرْتَ، سَارَ يَسِيْرُ کے معنی چلنا، مَتٰى سِرْتَ؟ آپ کب چلے؟ أَيْ سِرْتُ يَوْمَ الْجُمُعَةِ میں جمعہ کے دن چلا۔ تو سِرْتُ کو میں نے حذف کر لیا اور صرف کیا کہہ دیا؟ يَوْمَ الْجُمُعَةِ، کیونکہ سوال کے اندر سَارَ يَسِيْرُ کا فعل موجود تھا بھائی۔ وَبِعَامِلٍ مُضْمَرٍ عَلٰى شَرِيْطَةِ التَّفْسِيْرِ، اور مفعول فیہ کو کبھی نصب دیا جاتا ہے بِعَامِلٍ مُضْمَرٍ ایسے عامل کی وجہ سے جو مقدر ہوتا ہے عَلٰى شَرِيْطَةِ التَّفْسِيْرِ بھائی، کہ آگے اس کی تفسیر آرہی ہوتی ہے۔ اور مفعول بہ کے اندر آپ نے مَا أُضْمِرَ عَامِلُهُ عَلٰى شَرِيْطَةِ التَّفْسِيْرِ کی تفصیل پڑھی، کہتے ہیں یہاں بھی وہی ساری تفصیل ہے، کہ مَا أُضْمِرَ عَامِلُهُ عَلٰى شَرِيْطَةِ التَّفْسِيْرِ کسے کہتے ہیں؟ کہ کوئی اسم ہے اور اس کے مابعد فعل آرہا ہے اور وہ فعل اس کی ضمیر یا متعلق میں مشغول ہونے کی وجہ سے اس اسم کو نصب نہیں دے سکتا، اس طور پر کہ اس فعل یا اس کے مناسب کو اس پر مسلط کیا جائے تو وہ نصب دے سکے۔ تو اسی طرح وہ اسم اگر زمانہ یا مکان ہو، زمانہ یا مکان ہو تو وہ مفعول فیہ ہوگا، جیسے يَوْمَ الْجُمُعَةِ صُمْتُ فِيْهِ۔ يَوْمَ الْجُمُعَةِ صُمْتُ فِيْهِ میں نے اس کے اندر روزہ رکھا۔ اب یہ صُمْتُ یہ مشغول ہے فِيْهِ، یہ هَا ضمیر جمع کو راجع ہے، تو صُمْتُ فِيْهِ کا کیا معنی؟ میں نے جمعہ کے دن میں روزہ رکھا، اور ماقبل میں بھی يَوْمَ الْجُمُعَةِ آرہا ہے، يَوْمَ الْجُمُعَةِ صُمْتُ فِيْهِ۔ یہ صُمْتُ يَوْمَ الْجُمُعَةِ کو نصب نہیں دے سکتا، کیوں نہیں دے سکتا؟ کیونکہ وہ اس کی ضمیر جو ہے فِيْهِ کے آخر میں جو ضمیر ہے اس ضمیر میں مشغول ہے بواسطہ فِيْ کے، لیکن اس طور پر کہ اسی صُمْتُ کو اگر کیا کریں؟ يَوْمَ الْجُمُعَةِ پر مسلط کریں تو وہ نصب دے سکتا ہے: صُمْتُ يَوْمَ الْجُمُعَةِ صُمْتُ فِيْهِ، تو اس ماقبل والے صُمْتُ کو حذف کر لیا گیا عَلٰى شَرِيْطَةِ التَّفْسِيْرِ کہ آگے اس کی تفسیر آرہی تھی۔ تو یہاں پر بھی وہی ساری تفصیل ہے جو وہاں پر مَا أُضْمِرَ عَامِلُهُ عَلٰى شَرِيْطَةِ التَّفْسِيْرِ کے اندر گزر چکی ہے، اور جیسے وہاں پر، جیسے وہاں پر کبھی نصب مختار ہوتا تھا، کبھی رفع مختار ہوتا تھا، کبھی نصب واجب ہوتا

تھا، کبھی رفع واجب ہوتا تھا، اور کبھی رفع اور نصب دونوں برابر ہوتے تھے، تو یہاں بھی ساری وہی تفصیل ہے، بات سمجھ میں آگئی۔ تو کہتے ہیں: وَبِعَامِلٍ مُضْمَرٍ عَلٰى شَرِيْطَةِ التَّفْسِيْرِ اور یہ مفعول فیہ کو نصب دیا جاتا ہے کسی ایسے عامل کی وجہ سے جو مضمر ہوتا ہے، مقدر ہوتا ہے عَلٰى شَرِيْطَةِ التَّفْسِيْرِ، نَحْوُ مثال کے طور پر يَوْمَ الْجُمُعَةِ صُمْتُ فِيْهِ، وَالتَّفْصِيْلُ فِيْهِ بِعَيْنِهِ كَمَا مَرَّ اور اس کے اندر تفصیل جو ہے بِعَيْنِهِ ویسی ہی ہے كَمَا مَرَّ جیسے کہ گزر گئی فِي الْمَفْعُوْلِ بِهِ مفعول بہ میں۔ بات سمجھ میں آگئی؟ اچھی طرح حل ہو گیا سارا؟ چلیے بس بھائی هٰذَا هُوَ الْمَرَامُ وَاللهُ أَعْلَمُ بِحَقِيْقَةِ الْكَلَامِ.

سبق نمبر ۱۳۷: المفعول لہ (۱): مفعولِ لہ کی تعریف اور شرائط

شرحِ ملا جامی صفحہ: ۱۱۸ — بتاریخ: ۲۱ جنوری ۲۰۲۲ء

▪ تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث

آگے سبق دیکھیے بھائی: اَلْمَفْعُوْلُ لَهُ هُوَ مَا فُعِلَ لِأَجْلِهِ أَيْ لِقَصْدِ تَحْصِيْلِهِ أَوْ بِسَبَبِ وُجُوْدِهِ، وَخَرَجَ بِهِ سَائِرُ الْمَفَاعِيْلِ مِمَّا فُعِلَ مُطْلَقًا أَوْ بِهِ أَوْ فِيْهِ أَوْ مَعَهُ، فِعْلٌ أَيْ حَدَثٌ مَذْكُوْرٌ أَيْ مَلْفُوْظٌ حَقِيْقَةً أَوْ حُكْمًا۔

بھائی گزشتہ سبق میں ہم نے مفعول فیہ کے بارے میں پڑھا تھا اور صاحبِ کافیہ نے آپ کو بتلایا تھا کہ مفعول فیہ اس زمانے یا مکان کا نام ہے جس کے اندر فعلِ مذکور کو کیا جائے بھائی۔ اور پھر صاحبِ جامی نے آپ کو بتلایا کہ فعل سے یہاں مراد حدث ہے بھائی حدث، یعنی وہ معنی جو غیر کے ساتھ قائم ہوتا ہے، غیر کی صفت بنتا ہے، اس کا اپنا الگ کوئی وجود نہیں ہوتا یعنی مصدر مراد ہے، یعنی مصدر۔ مصدر کا اپنا خارج میں کوئی وجود نہیں ہوتا، یہ غیر کی صفت بنتا ہے۔ تو مفعول فیہ اس زمانے یا مکان کا نام ہے جس کے اندر فعلِ مذکور یعنی حدثِ مذکور کو کیا جائے، تو اس سے مصدر مراد ہے۔ اور مفعول فیہ، اس کے ساتھ تو ہر جگہ مصدر نہیں مذکور ہوتا، کبھی وہ اس کے ساتھ فعل ذکر ہوتا ہے: ضَرَبْتُ زَيْدًا يَوْمَ الْجُمُعَةِ یہاں ضَرَبْتُ مذکور ہے، زَيْدٌ ضَارِبٌ يَوْمَ الْجُمُعَةِ یہاں ضَارِبٌ نصب دے رہا ہے، اور کبھی کبھار مصدر بھی نصب دیتا ہے: أَعْجَبَنِيْ جُلُوْسُكَ عِنْدَ زَيْدٍ۔ تو انہوں نے تو کیا کہا کہ مفعول فیہ اس زمانے یا مکان کا نام ہے جس کے اندر فعلِ مذکور کو کیا جائے، تو حدث تو ہر جگہ مذکور نہیں ہوتا۔ تو صاحبِ جامی نے جواب دیا تھا کہ حدث کا مذکور ہونا عام ہے، کبھی وہ تَضَمُّنًا مذکور ہوگا یعنی فعل یا شبہِ فعل کے ضمن میں، اور کبھی وہ مُطَابَقَةً وہ حدث مذکور ہوگا جہاں پر مصدر خود عامل ہو۔

اور پھر میں نے وجہ بھی ذکر کی تھی کہ یہاں فعل سے فعلِ لغوی یعنی مصدر کیوں مراد ہے؟ میں نے بتایا تھا کہ یہ مصدر جو ہے اس کو عربی زبان میں فعل کہتے ہیں، تو فعل بول کر یہاں فعلِ لغوی یعنی مصدر مراد ہے، فعلِ اصطلاحی مراد نہیں ہے۔ وجہ یہ کہ یہ جو فعلِ اصطلاحی ہے یہ تو لفظ کا نام ہے، فعلِ اصطلاحی تو لفظ کا نام ہے، اور یہاں مراد ہے حدث۔ حدث وہ فاعل کی صفت ہوتی ہے۔ زید نے ضرب لگائی کسی کو تو یہ ضرب زید کی صفت ہے بھائی۔ تو یہ جو فعلِ اصطلاحی ہے یہ تو

لفظ کا نام ہے، اس کی تعریف کیا کی؟ فعل وہ کلمہ ہے جو اپنے معنی پر مستقلاً دلالت کرے اور تین زمانوں میں سے کوئی زمانہ اس کے ساتھ ملا ہوا ہو۔ دیکھا؟ معلوم ہوا فعلِ اصطلاحی لفظ کا نام ہے۔ تو ضَرَبْتُهُ تَأْدِيْبًا یہ ضَرَبْتُ کا جو لفظ ہے یہ ہے فعلِ اصطلاحی، اور انہوں نے کیا کہا کہ مفعول لہ وہ ہے جس کی وجہ سے فعلِ مذکور کیا جائے۔ تو اس فعل سے فعلِ اصطلاحی مراد نہیں ہو سکتا کیونکہ فعلِ اصطلاحی تو کلمے کا نام ہے، لفظ کا نام ہے، اور لفظ کو کیا نہیں جاتا لفظ کو کہا جاتا ہے، لفظ کو کہا جاتا ہے۔ اور مثلاً میں نے اس کی مثال ذکر کی تھی کہ میں نے جمعہ کے دن کسی کی پٹائی کی اور اگلے دن یعنی ہفتے والے دن میں کسی کو بتلاتا ہوں کہ ضَرَبْتُ زَيْدًا يَوْمَ الْجُمُعَةِ میں نے زید کی پٹائی کی جمعہ والے دن۔ تو اب دیکھو یہ تعریف اس پر منطبق کرو: مفعول فیہ وہ زمانہ یا مکان ہے کہ جس کے اندر فعلِ مذکور کو کیا جائے۔ اب یہاں فعلِ مذکور سے مراد وہ حدث ہے، وہ حدث جو ہے وہ جمعہ والے دن ہوا تھا، جمعہ والے دن میں نے ضرب لگائی تھی، اور اس سے فعلِ اصطلاحی مراد نہیں ہو سکتا کیونکہ فعلِ اصطلاحی ضَرَبْتُ زَيْدًا يَوْمَ الْجُمُعَةِ پھر تو یہ ضَرَبْتُ کا لفظ مراد ہوگا۔ مفعول فیہ کسے کہتے ہیں؟ وہ زمانہ یا مکان جس میں فعلِ مذکور کیا جائے، تو یہاں يَوْمَ الْجُمُعَةِ جو ہے یہ ہے مفعول فیہ، اس کے اندر یہ ضَرَبْتُ والا کلمہ واقع نہیں ہوا، اس کے اندر یہ ضَرَبْتُ والا لفظ واقع نہیں ہوا، ضَرَبْتُ والا لفظ تو میں نے ہفتے والے دن ذکر کیا۔ وہ فعل کب ہوا تھا؟ جمعہ والے دن، اور یہ ضَرَبْتُ زَيْدًا يَوْمَ الْجُمُعَةِ یہ ضَرَبْتُ کا لفظ یہ کلمہ یہ جو فعلِ اصطلاحی ہے یہ میں نے کب ذکر کیا؟ یہ ہفتے والے دن۔ تو انہوں نے کیا تعریف کی کہ مفعول فیہ وہ زمانہ یا مکان ہے کہ جس کے اندر فعلِ مذکور کیا جائے، اور ضَرَبْتُ زَيْدًا يَوْمَ الْجُمُعَةِ یہ يَوْمَ الْجُمُعَةِ مفعول فیہ ہے اور اس کے اندر تو یہ ضَرَبْتُ جو، یہ لفظِ ضَرَبْتُ ہے یہ تو جمعہ والے دن واقع نہیں ہوا، یہ تو ہفتے والے دن میں ذکر کر رہا ہوں۔ معلوم ہوا اس سے فعلِ اصطلاحی مراد نہیں کیونکہ وہ تو لفظ کا نام ہے، بلکہ اس سے فعلِ لغوی مراد ہے۔

اور پھر انہوں نے بتلایا تھا کہ جب فعلِ مذکور کی قید لگائی تو اس کے ذریعے وہ تمام زمانے اور مکان خارج ہو گئے جن کے ساتھ ان کا فعل مذکور نہیں ہوتا۔ لہٰذا يَوْمُ الْجُمُعَةِ يَوْمٌ طَيِّبٌ جمعہ کا دن اچھا دن ہے، اب جمعہ کے دن بھی یقینی طور پر بہت سے افعال ہوئے ہیں لیکن یہ اس تعریف سے خارج کیونکہ اس کے ساتھ وہ فعل ذکر نہیں کیا گیا، ہوئے تو ہوں گے فعل لیکن اس کے ساتھ ذکر نہیں اور انہوں نے تو کیا کہا؟ فعلِ مذکور یعنی وہ فعل وہاں مذکور ہونا چاہیے۔ البتہ شَهِدْتُ يَوْمَ الْجُمُعَةِ جیسی مثالوں کا اعتراض ہوتا ہے، وہ اس تعریف میں داخل ہو رہے ہیں۔ شَهِدْتُ کا معنی میں نے بتلایا تھا پا لینا، کسی چیز کا مل جانا۔ شَهِدْتُ يَوْمَ الْجُمُعَةِ مجھے جمعہ کا دن مل گیا، تو یہ يَوْمَ الْجُمُعَةِ اس ترکیب میں مفعول بہ ہے لیکن اس پر مفعول فیہ کی تعریف بھی صادق آ رہی ہے، اس لیے کیونکہ یہ يَوْمَ الْجُمُعَةِ کے ساتھ شَهِدْتُ کا فعل ذکر ہے اور معنی کیا؟ مجھے جمعہ کا دن مل گیا، اور یہ جمعہ کے دن کا ملنا یعنی یہ شہود کا فعل کب ہوا؟ جمعہ والے دن ہی، جب جمعہ آئے گا تب ہی آپ کو ملے گا نا تو اس سے پہلے تو نہیں۔ تو شَهِدْتُ يَوْمَ الْجُمُعَةِ کے اندر يَوْمَ الْجُمُعَةِ مفعول بہ ہے، اس پر شہود کا فعل واقع ہوا ہے، لیکن مفعول فیہ بھی یہ بن رہا ہے کیونکہ اسی کے اندر یہ شہود والا فعل ہوا ہے، تو اس کو بھی کیا کہنا پڑے گا؟ مفعول فیہ،

حالانکہ یہ تو مفعول فیہ نہیں ہے یہ تو مفعول بہ ہے بھائی۔ تو اس کا جواب دیا تھا کہ اگر تعریف کے اندر حیثیت کی قید کا اعتبار کر لیا جائے تو پھر یہ اعتراض بھی ختم ہو جائے گا، اور تعریف یوں کریں کہ مفعول فیہ اس زمانے یا مکان کا نام ہے جس کے اندر فعلِ مذکور کو کیا جائے، اور اس مفعول فیہ کو اس حیثیت سے ذکر کیا جائے کہ اس کے اندر وہ فعلِ مذکور کیا گیا ہے۔ تو اب یہ شَهِدْتُ يَوْمَ الْجُمُعَةِ یہ مثال اس سے نکل گئی کیونکہ اس کے اندر يَوْمَ الْجُمُعَةِ جو ہے یہ اس حیثیت سے ذکر نہیں ہے کہ اس کے اندر شہود والا فعل ہوا ہے، بلکہ یہ یہاں مفعول بہ ہونے کی حیثیت سے ذکر ہے کہ اس پر فعل واقع ہوا ہے بھائی۔ اور پھر بتلایا تھا کہ یہ اگر حیثیت کی قید کا اعتبار کریں تو پھر مَذْكُوْرٌ کی قید لگانے کی بھی کوئی حاجت نہیں کہ فعلِ مذکور جس کے اندر کیا جائے، نہیں بھائی، جس کے اندر کوئی فعل کیا جائے لیکن وہ جو مفعول فیہ ہے اس کو اس حیثیت سے ذکر کریں کہ اس کے اندر کوئی فعل ہوا ہے۔ جب اس حیثیت سے ذکر کریں گے کہ اس کے اندر کوئی فعل ہوا ہے تو وہ فعل ظاہر سی بات ہے ساتھ ذکر کرنا پڑے گا، پھر ہی اس حیثیت سے یہ ذکر ہو سکتا ہے، تو فعل خود ہی مذکور ہوگا ساتھ لہٰذا وہ ضمناً سمجھ میں آرہا ہے۔ لیکن پھر آگے مَذْكُوْرٌ کا لفظ لا کر اس کی صراحت بھی کر دی تاکہ خوب بات واضح ہو جائے، طالب علم کے ذہن میں خوب اچھی طرح پہچان ہو جائے مفعول فیہ کی بھائی۔

اور پھر بتلایا تھا کہ صاحبِ کافیہ جو ہیں انہوں نے جمہور نحوی حضرات کی مخالفت کی ہے۔ جمہور نحوی حضرات کے نزدیک مفعول فیہ ہمیشہ منصوب ہوتا ہے اور جہاں فِيْ لفظوں میں آجائے وہ پھر مفعول فیہ نہیں کہلاتا بلکہ وہ مفعول بہ غیرِ صریح کہلاتا ہے۔ لیکن صاحبِ کافیہ کے نزدیک دونوں مفعول فیہ ہیں، چاہے فِيْ ذکر ہو چاہے فِيْ مقدر ہو وہاں پر یعنی اس کا معنی مقدر ہو۔ چنانچہ وہ فرماتے ہیں کہ مفعول فیہ کے نصب کی شرط یہ ہے، معلوم ہوا نصب نہ ہو پھر بھی مفعول فیہ ہوگا، لیکن اگر نصب چاہیے تو اس کی شرط یہ ہے کہ وہاں تقدیرِ فِيْ ہو بھائی۔ اور انہوں نے آپ کو بتلایا تھا کہ مفعول فیہ وہ زمانہ بھی ہو سکتا ہے اور مکان بھی ہو سکتا ہے، اور پھر وہ زمانہ کبھی مبہم ہوگا اور کبھی محدود ہوگا، اسی طرح مکان بھی کبھی مبہم ہوگا اور کبھی محدود ہوگا۔ ظرفِ زمان مبہم وہ ہے جس کی کوئی حد نہ ہو جیسے وَقْتٌ، حِيْنٌ، دَهْرٌ، زَمَانٌ، ان کی کوئی حد نہیں ہے۔ اور جبکہ بعض اوقات زمانے کی حد ہوتی ہے جیسے يَوْمٌ ہے صبح سے شام تک، لَيْلٌ ہے شام سے لے کر صبح تک، اسی طرح أُسْبُوْعٌ ہفتہ سات دن ہیں، مہینہ جو ہے شَهْرٌ مہینہ ہے اس میں تیس دن ہیں، اور سَنَةٌ یہ سال ہے اس کے اندر بارہ مہینے ہیں، تو یہ ایسا زمانہ ہے جو محدود ہے جس کی حد ہے بھائی۔ اور اسی طرح ظرفِ مکان بھی دو قسم پر: کبھی وہ محدود ہوگا اور کبھی مبہم ہوگا۔ ظرفِ مکان محدود جو ہے جس کی کوئی حد ہو جیسے کمرہ دیکھو کمرے کی ایک حد ہے، گھر، گھر کی ایک حد ہوتی ہے، مسجد، مسجد کی ایک حد ہوتی ہے، اسی طرح مدرسہ، مدرسے کی ایک حد ہوتی ہے، سکول جو ہے سکول کی ایک حد ہوتی ہے، یونیورسٹی ہے یونیورسٹی کی ایک حد ہوتی ہے، شہر وغیرہ یہ سب کیا ہیں؟ یہ ظرفِ مکان محدود ہیں۔ اور ظرفِ مکان مبہم جو ہے کہتے ہیں اس کی تفسیر جہاتِ ستہ کے ساتھ کی گئی ہے: أَمَامٌ، خَلْفٌ، يَمِيْنٌ، شِمَالٌ، فَوْقٌ، تَحْتٌ بھائی، یہ ہیں چھ جہتیں

بھائی۔ تو یہ جو ظرفِ زمان مبہم اور محدود، اور اسی طرح ظرفِ مکان مبہم اور محدود، ان چار قسموں میں سے ظرفِ مکان محدود جو ہے وہ تقدیرِ فِيْ کو قبول نہیں کرتا، وہاں ہمیشہ فِيْ کو لفظوں میں ذکر کرنا پڑے گا، جَلَسْتُ فِي الْمَسْجِدِ کہنا پڑے گا، جَلَسْتُ الْمَسْجِدَ آپ نہیں کہہ سکتے۔ تو ظرفِ مکان محدود جو ہوتا ہے وہ تقدیرِ فِيْ کو قبول نہیں کرتا، باقی تینوں تقدیرِ فِيْ کو قبول کر لیتے ہیں۔ اور اس کی پھر وجہ بھی ذکر کی تھی صاحبِ جامی نے کہ اس کی کیا وجہ ہے؟ بتلایا تھا کہ ظرفِ زمان مبہم اس کو فعل نصب دے دیتا ہے، اس میں درمیان میں کسی حرفِ جر کا واسطہ لانے کی ضرورت نہیں، فعل براہِ راست اس میں عمل کر سکتا ہے، وجہ یہ کہ ظرفِ زمان مبہم جو ہے یہ فعل کا جز ہوتا ہے، فعل کا جز کیونکہ فعل کے اندر یا تو زمانہ ماضی ہوگا یا حال یا استقبال ہوگا، اور ماضی، ماضی تو گزشتہ زمانے کو کہتے ہیں چاہے ایک دن گزرا ہو چاہے سو سال گزرے ہوں اس کی دیکھو کوئی حد نہیں ہے۔ تو ظرفِ زمان مبہم جو ہے وہ فعل کا جز ہوتا ہے تو فعل اس کے اندر براہِ راست عمل کر کے اس کو نصب دے سکتا ہے۔ تو صُمْتُ دَهْرًا، صُمْتُ میں نے ایک زمانہ روزے رکھے، دیکھو یہ دَهْرًا ظرفِ زمان مبہم ہے، اس کو فعل نے نصب دے دیا براہِ راست کیونکہ یہ فعل کا جز ہے، جیسے مفعولِ مطلق جو ہے وہ فعل کا جز ہوتا ہے تو فعل اس کو براہِ راست نصب دیتا ہے، درمیان میں کسی حرفِ جر کا واسطہ لانے کی حاجت نہیں۔ کیونکہ فعل کا مفہوم مرکب ہوتا ہے مصدر سے، زمانے سے اور نسبت الی الفاعل، تو اس میں دیکھو مصدر بھی آگیا وہی جو مفعولِ مطلق ہے، اور اس کے اندر زمانہ بھی آگیا یعنی مبہم زمانہ، اور نسبت الی الفاعل بھی آگئی۔ تو ظرفِ زمان مبہم کو اس لیے فعل نصب دیتا ہے کیونکہ یہ فعل کا جز ہے۔ اور ظرفِ زمان محدود جو ہے وہ اسی ظرفِ زمان مبہم پر محمول ہے، کیونکہ جب ظرفِ زمان مبہم کو فعل نصب دیتا ہے تو ظرفِ زمان محدود کو بھی فعل نصب دے گا اسی پر حمل کرتے ہوئے، کیونکہ دونوں کی ذات ایک ہے، دونوں زمانے کا نام ہیں، ہاں صرف صفت الگ ہے، ایک زمانہ مبہم ہے تو دوسرا محدود ہے۔ تو جب ظرفِ زمان مبہم کو فعل نصب دیتا ہے تو ظرفِ زمان محدود کو بھی فعل نصب دے گا اسی پر حمل کرتے ہوئے۔ اسی طرح ظرفِ مکان مبہم کو بھی فعل نصب دے گا اسی ظرفِ زمان مبہم پر حمل کرتے ہوئے، کیونکہ دونوں کی ذات اگرچہ الگ الگ ہے ایک زمانِ مبہم ہے تو دوسرا مکانِ مبہم ہے، ذات تو الگ الگ ہے لیکن صفت دونوں کی ایک ہے دونوں مبہم ہیں، تو اس وجہ سے اس کو بھی اس پر محمول کر لیا جاتا ہے۔ جبکہ ظرفِ مکان محدود اس کو ظرفِ زمان مبہم پر حمل نہیں کر سکتے، اس لیے کیونکہ یہ مکانِ محدود ہے اور وہ زمانِ مبہم ہے، تو ذات بھی الگ وہ زمانہ ہے تو یہ مکان ہے، اور دونوں کی صفت بھی الگ ہے وہ مبہم ہے تو یہ محدود ہے، لہٰذا اس کو اس پر محمول نہیں کر سکتے، یہاں فِيْ کو ذکر کرنا پڑے گا۔

اسی طرح ظرفِ مکان مبہم پر لفظِ مکان بھی اسی پر محمول ہے، اور ابہام کی وجہ سے نہیں محمول بلکہ کثرتِ استعمال کی وجہ سے محمول ہے، جیسے ظرفِ مکان مبہم یعنی وہ جو جہاتِ ستہ ہیں وہ کثیر الاستعمال ہیں، اسی طرح لفظِ مکان جو ہے یہ بھی کثیر الاستعمال ہے، تو یہ اگرچہ متعین ہی کیوں نہ ہو پھر بھی فعل اس کو نصب دے گا اور یہ تقدیرِ فِيْ کو قبول کر لے

گا، کیا؟ لفظِ مکان، کس پر حمل کرتے ہوئے؟ ظرفِ مکان مبہم پر، بات سمجھ میں آگئی۔ اور اسی طرح مابعدِ دَخَلْتُ جو ہے وہ بھی ظرفِ مکان مبہم پر محمول ہے کثرتِ استعمال کی وجہ سے۔ میں نے بتایا تھا کہ دَخَلْتُ، نَزَلْتُ اور سَکَنْتُ تینوں کا ایک ہی حکم ہے بھائی۔ تو بعض نحوی جو ہیں وہ ان کو مفعول فیہ قرار دیتے ہیں ان کے مابعد کو جیسے کہ صاحبِ کافیہ کا مذہب ہے، اور بعض نحوی جو ہیں ان کے مابعد کو مفعول بہ قرار دیتے ہیں۔ تو چنانچہ صاحبِ کافیہ فرماتے ہیں کہ مابعدِ دَخَلْتُ بھی اسی پر محمول ہے عَلَى الْأَصَحِّ زیادہ صحیح مذہب کے مطابق بھائی۔ لیکن پھر صاحبِ جامی نے رد کیا کہ نہیں یہ محلِ تأمل ہے، آپ کی رائے یہ ہے کہ مابعدِ دَخَلْتُ وغیرہ جو ہیں وہ مفعول فیہ ہیں، لیکن ہماری رائے یہ ہے کہ ان کے مابعد وہ مفعول بہ ہے بھائی، مابعد مفعول بہ ہے۔ اور پھر دلیل بھی ذکر کی تھی کہ فعل کا معنی جب پورا ہو جاتا ہے اس کے بعد وہ مفعول فیہ کا تقاضا کرتا ہے، اور فعل کا معنی مفعول بہ کے ساتھ پورا ہوتا ہے۔ اور دَخَلْتُ جو ہے اس کے ساتھ جب تک آگے الدَّارَ ذکر نہیں کریں گے تو دَخَلْتُ کا معنی پورا نہیں، تو معلوم ہوا یہ اس کے لیے مفعول فیہ نہیں ہے بلکہ مفعول بہ ہے، اس کے ساتھ اس کا معنی پورا ہو جائے گا اور اس کے بعد پھر یہ مفعول فیہ کا بھی تقاضا کرتا ہے، تو مثلاً آپ کہتے ہیں دَخَلْتُ الدَّارَ فِي الْبَلَدِ الْفُلَانِيِّ، تو دیکھا مفعول بہ کے ساتھ معنی پورا ہوا تو اس کے بعد آگے پھر اس نے مفعول فیہ کا تقاضا کیا۔ اور نیز کہتے ہیں اس کی تائید اس بات سے بھی ہوتی ہے کہ مفعول فیہ جو ہوتا ہے، مفعول فیہ جس کی طرف فعل کی نسبت کی گئی ہے کہ اس کے اندر فعل واقع ہوا ہے، اس مفعول فیہ کے ساتھ اگر عام کو لے آئیں یعنی ایسی جگہ کو جو اس کو بھی شامل ہے اور اس کے علاوہ کو بھی، تو بھی فعل کی اس کی طرف نسبت کرنا صحیح ہوتی ہے، جیسے مثلاً میں کہتا ہوں ضَرَبْتُ زَيْدًا فِي الدَّارِ، ضَرَبْتُ زَيْدًا فِي الدَّارِ اب یہ دار کے اندر زید کی پٹائی ہوئی ہے اور یہ دار مثلاً کسی شہر میں ہے تو اس شہر کی طرف بھی نسبت کر کے میں کہہ سکتا ہوں ضَرَبْتُ زَيْدًا فِي الْبَلَدِ الْفُلَانِيِّ کہ فلاں شہر میں میں نے زید کی پٹائی کی۔ جبکہ مفعول بہ میں ایسا صحیح نہیں ہوتا، اور دَخَلْتُ کے مابعد میں ایسا صحیح نہیں معلوم ہوا وہ مفعول فیہ نہیں ہے بلکہ مفعول بہ ہے۔ مثلاً دَخَلْتُ الدَّارَ آپ نے کہا اور وہ دار شہر کے اندر ہے تو دَخَلْتُ الدَّارَ کہنا تو صحیح ہے لیکن دَخَلْتُ الْبَلَدَ الْفُلَانِيَّ یہ کہنا صحیح نہیں ہے، معلوم ہوا کہ مابعدِ دَخَلْتُ مفعول فیہ نہیں، اگر وہ مفعول فیہ ہوتا تو دَخَلْتُ الْبَلَدَ الْفُلَانِيَّ کہنا بھی صحیح ہوتا۔

تو صاحبِ جامی نے تو عَلَى الْأَصَحِّ کی تفسیر کیا کی؟ بھئی متن میں آیا تھا وَمَا بَعْدَ دَخَلْتُ عَلَى الْأَصَحِّ، صاحبِ جامی نے اصح کی تفسیر کی مذہبِ اصح کے ساتھ، کہ اصح سے کیا مراد ہے؟ مذہبِ اصح مراد ہے، یعنی صاحبِ کافیہ یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ مابعدِ دَخَلْتُ اس کو بعض نحوی مفعول بہ بناتے ہیں لیکن زیادہ صحیح مذہب کے مطابق وہ مفعول فیہ ہے بھائی، تو یہ صاحبِ جامی نے تفسیر کی۔ بعض شارحین نے اور تفسیر کی تھی، انہوں نے عَلَى الْأَصَحِّ کی تفسیر کی تھی عَلَى الِاسْتِعْمَالِ الْأَصَحِّ کہ زیادہ صحیح استعمال کے مطابق۔ گویا وہ یہ کہنا چاہتے تھے کہ صاحبِ کافیہ یہاں پر یہ نہیں بتلانا چاہتے کہ یہ مابعدِ دَخَلْتُ مفعول بہ نہیں ہے بلکہ مفعول فیہ ہے زیادہ صحیح مذہب کے مطابق یہ نہیں کہنا چاہتے، بلکہ بتلانا یہ چاہتے ہیں کہ دَخَلْتُ کے ساتھ فِيْ بھی

استعمال ہوتا ہے اور فِيْ کے بغیر بھی، لیکن مابعدِ دَخَلْتُ زیادہ صحیح استعمال کے مطابق وہ اسی ظرفِ مکان مبہم پر محمول ہے یعنی جیسے وہ تقدیرِ فِيْ کو قبول کر لیتا ہے یہ بھی تقدیرِ فِيْ کو قبول کر لیتا ہے، یعنی مختصر لفظوں میں یوں کہو کہ صاحبِ کافیہ یہاں یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ دَخَلْتُ کا مابعد پر فِيْ کا لانا بھی صحیح لیکن زیادہ صحیح یہ ہے کہ بغیر فِيْ کے ہو یعنی منصوب لایا جائے۔ لیکن صاحبِ جامی نے اس تفسیر کو کمزور قرار دیا اور قِيْلَ کے لفظ کے ساتھ ذکر کیا، بتلانا یہ چاہتے ہیں کہ میری تفسیر قوی ہے، میں نے اصح سے مذہبِ اصح مراد لیا اور یہ بعض شارحین نے اصح سے مراد استعمالِ اصح قرار دیا، لیکن میری تقریر بہتر ہے چنانچہ ان کے قول کو قِيْلَ کے ساتھ ذکر کیا۔ اور پھر اپنی تائید میں کہ میری تفسیر قوی ہے اور یہ تفسیر کمزور ہے اس کی تائید کے لیے امام سیبویہ کے قول کو بھی نقل کیا کہ امام سیبویہ سے نقل کیا گیا ہے کہ دَخَلْتُ وغیرہ کا استعمال فِيْ کے ساتھ شاذ ہے۔ صاحبِ جامی نے تو کیا تفسیر کی؟ مذہبِ اصح، اور یہ دوسرے شارح نے کیا تفسیر کی؟ استعمالِ اصح۔ اس سے کیا پتا چلا؟ کہ فِيْ کے ساتھ بھی صحیح ہے استعمال لیکن فِيْ کے بغیر زیادہ صحیح ہے۔ کہتے ہیں نہیں بھائی، امام سیبویہ فرماتے ہیں کہ دَخَلْتُ کا استعمال فِيْ کے ساتھ شاذ ہے، فِيْ کے ساتھ استعمال شاذ ہے معلوم ہوا فِيْ کے بغیر صحیح ہے زیادہ صحیح نہیں بلکہ صحیح ہے، بات سمجھ میں آئی کہ نہیں؟ کیا؟ امام سیبویہ نے فرمایا ہے کہ مابعدِ دَخَلْتُ کا استعمال فِيْ کے ساتھ شاذ ہے اور آپ کا قول لیا جائے تو معلوم ہوا فِيْ کے ساتھ استعمال صحیح ہے البتہ فِيْ کے بغیر زیادہ صحیح ہے، تو فِيْ کے بغیر کو زیادہ صحیح کہنا مناسب نہیں اس کو تو پھر صحیح کہنا چاہیے کیونکہ فِيْ کے ساتھ تو استعمال شاذ ہے بھائی اور شاذ پر تو قوانین مرتب نہیں ہوتے آپ پھر شاذ پر حمل کرتے ہوئے اپنے کلام کے اندر فِيْ کو لے آئیں، نہیں بھائی شاذ پر قیاس نہیں کیا جاتا بھائی۔ اور پھر انہوں نے آپ کو یہ بھی بتلایا کہ مفعول فیہ کے عامل کو کبھی حذف کر لیا جاتا ہے اور وہ کبھی عَلٰى شَرِيْطَةِ التَّفْسِيْرِ اس کے عامل کو حذف کرتے ہیں اور کبھی بِلَا شَرِيْطَةِ التَّفْسِيْرِ اس کے عامل کو حذف کر لیتے ہیں۔ بات سمجھ میں آگئی۔

جی اب آگے دیکھیے آج کا سبق۔ کہتے ہیں: اَلْمَفْعُوْلُ لَهُ هُوَ مَا فُعِلَ لِأَجْلِهِ أَيْ لِقَصْدِ تَحْصِيْلِهِ أَوْ بِسَبَبِ وُجُوْدِهِ، وَخَرَجَ بِهِ سَائِرُ الْمَفَاعِيْلِ مِمَّا فُعِلَ مُطْلَقًا أَوْ بِهِ أَوْ فِيْهِ أَوْ مَعَهُ، فِعْلٌ أَيْ حَدَثٌ مَذْكُوْرٌ أَيْ مَلْفُوْظٌ حَقِيْقَةً أَوْ حُكْمًا۔

آج ہم مفعول لہ کے بارے میں پڑھیں گے بھائی۔ آپ پڑھ چکے ہیں مفعول لہ وہ مصدر ہے جو ماقبل کے فعل کی علت بیان کرتا ہے: ضَرَبْتُ زَيْدًا تَأْدِيْبًا میں نے زید کی پٹائی کی تَأْدِيْبًا ادب سکھانے کے لیے۔ تو یہ تَأْدِيْب مصدر جو ہے ماقبل میں جو ضَرَبْتُ کا فعل مذکور ہوا اس کی علت بیان کر رہا ہے کہ یہ ضرب کیوں لگائی گئی؟ ادب سکھانے کے لیے لگائی گئی، تو اس کو کہتے ہیں مفعول لہ بھائی۔

دیکھیے بھائی کتاب پر، پہلے متن متن دیکھ لیجیے۔ کہتے ہیں: اَلْمَفْعُوْلُ لَهُ هُوَ مَا فُعِلَ لِأَجْلِهِ فِعْلٌ مَذْكُوْرٌ، مفعول لہ جو ہے هُوَ مَا وہ چیز ہے فُعِلَ لِأَجْلِهِ کہ کیا گیا ہو اس کی وجہ سے فِعْلٌ مَذْكُوْرٌ فعلِ مذکور کو۔ مفعول لہ جو ہے هُوَ مَا فُعِلَ لِأَجْلِهِ فِعْلٌ مَذْكُوْرٌ، وہ چیز ہے جس کی وجہ سے فعلِ مذکور کو کیا گیا ہو۔ اور یہاں یاد رکھیے مَا سے پہلے اِسْمٌ کا لفظ مضاف محذوف نکال

لیں: مفعول لہ هُوَ اسْمُ مَا فُعِلَ لِأَجْلِهِ فِعْلٌ مَذْكُوْرٌ، مفعول لہ اس چیز کا نام ہے جس کی وجہ سے فعلِ مذکور کو کیا گیا ہو۔ ضَرَبْتُهُ تَأْدِيْبًا یہ تَأْدِيْبًا اس کا اسم کیا ہے، اس کا نام کیا ہے؟ مفعول لہ ہے۔ تو مفعول لہ کسے کہتے ہیں؟ وہ اس چیز کا نام ہے جس کی وجہ سے فعلِ مذکور کو کیا گیا ہو۔ تو یہاں مَا سے پہلے ہم نے اسم کا لفظ مضاف محذوف نکالا۔ اسی طرح یاد رکھنا وہ جو پیچھے مفعول فیہ کی تعریف آئی تھی وہاں پر بھی مَا سے پہلے اِسْمٌ کا لفظ مضاف محذوف ہے بھائی، کہ مفعول فیہ هُوَ مَا أَيْ هُوَ اسْمُ مَا فُعِلَ فِيْهِ فِعْلٌ مَذْكُوْرٌ مفعول فیہ اس زمانے یا مکان کا نام ہے جس کے اندر فعلِ مذکور کو کیا جائے بھائی۔ تو یہاں دونوں جگہ اسم کا لفظ مضاف محذوف ہے۔ تو کہتے ہیں اَلْمَفْعُوْلُ لَهُ هُوَ مَا فُعِلَ لِأَجْلِهِ فِعْلٌ مَذْكُوْرٌ مفعول لہ اس چیز کا نام ہے جس کی وجہ سے فعلِ مذکور کو کیا جائے، مِثْلُ ضَرَبْتُهُ تَأْدِيْبًا وَقَعَدْتُ عَنِ الْحَرْبِ جُبْنًا۔ متن پر نظر ہے بھائی؟ آگے دو مثالیں ذکر کر دیں صاحبِ کافیہ نے: ایک مثال کیا؟ ضَرَبْتُهُ تَأْدِيْبًا میں نے اس کی پٹائی کی ادب سکھانے کے لیے، دوسری مثال کیا؟ وَقَعَدْتُ عَنِ الْحَرْبِ جُبْنًا۔ قَعَدَ يَقْعُدُ قُعُوْدًا کے معنی ہیں بیٹھنا، قَعَدْتُ عَنِ الْحَرْبِ میں جنگ سے بیٹھ گیا، مراد ویسے بیٹھنا نہیں ہے معنی ہے جنگ میں شرکت نہ کرنا، میں جنگ سے بیٹھ گیا یعنی میں نے جنگ میں شرکت نہیں کی، میں جنگ کے لیے نہیں گیا بھائی۔ اور جُبْنٌ، جُبْنٌ بزدلی کو کہتے ہیں: قَعَدْتُ عَنِ الْحَرْبِ جُبْنًا میں جنگ سے بیٹھ گیا جُبْنًا بزدلی کی وجہ سے۔ تو دو مثالیں ذکر کر دیں بھائی اور دونوں کے اندر مفعول لہ ذکر ہے۔ یہ دراصل صاحبِ کافیہ جو ہیں مفعول لہ کی دو قسمیں بتلانا چاہتے ہیں۔ یاد رکھیے کبھی کبھار ماقبل والا فعل جو ہے وہ سبب ہوتا ہے مفعول لہ کے لیے یعنی فعل پہلے ہے اور مفعول لہ بعد میں: ضَرَبْتُهُ تَأْدِيْبًا میں نے اس کی پٹائی کی ادب سکھانے کے لیے۔ دیکھو ضرب پہلے ہے اور تادیب بعد میں ہے، ضرب لگے گی تو وہ ادب سیکھتا چلا جائے گا، تو دیکھو ضرب سبب ہے اور تادیب اس کا مسبّب ہے بھائی۔ تو کبھی کبھار ماقبل والا فعل جو ہے وہ سبب ہوتا ہے مفعول لہ کے لیے۔ اور کبھی کبھار اس کے برعکس ہوتا ہے کہ مفعول لہ وہ سبب ہوتا ہے ماقبل والے فعل کے لیے، جیسے قَعَدْتُ عَنِ الْحَرْبِ جُبْنًا میں جنگ سے بیٹھا بزدلی کی وجہ سے یعنی یوں کہو میں نے جنگ میں شرکت نہیں کی بزدلی کی وجہ سے۔ اب دیکھو یہاں بزدلی پہلے سے موجود ہے، وہ شخص پہلے سے بزدل ہے اور یہ بزدلی سبب بنی ہے کس چیز کا؟ جنگ سے بیٹھنے کا۔ تو یہاں اب دیکھو مفعول لہ سبب ہے کس کا؟ ماقبل والے فعل کا یعنی مفعول لہ پہلے ہے اور وہ فعل بعد میں ہے، فرق سمجھ میں آرہا ہے؟ ضَرَبْتُهُ تَأْدِيْبًا یہاں ضرب سبب ہے کس چیز کا؟ تادیب کا، ضرب لگے گی تو اصلاح حاصل ہو جائے گی، اس کی اصلاح ہو جائے گی وہ ادب سیکھ جائے گا، تو ضرب پہلے اور تادیب بعد میں۔ اور یہاں پر قَعَدْتُ عَنِ الْحَرْبِ جُبْنًا میں جنگ سے بیٹھا بزدلی کی وجہ سے، یہاں بزدلی پہلے ہے اور جنگ سے بیٹھنا اس کے بعد ہے، بات سمجھ میں آگئی۔ معلوم ہوا مفعول لہ دو قسم پر ہے: کبھی فعل سبب ہوتا ہے مفعول لہ کے لیے، وہ فعل ہوگا تو مفعول لہ حاصل ہو جائے گا، ضرب ہوگی تو تادیب حاصل ہو جائے گی۔ اور کبھی کبھار وہ مفعول لہ سبب ہوتا ہے فعل کے لیے یعنی وہ مفعول لہ سبب بنتا ہے اس کی وجہ سے وہ فعل کیا جاتا ہے، جیسے قَعَدْتُ عَنِ الْحَرْبِ جُبْنًا یہ بزدلی ہے تو اس

سبب سے وہ جنگ سے بیٹھ گیا وہ جنگ میں نہیں گیا۔ تو حاصلِ کلام کیا؟ کہ کبھی کبھار فعل سبب ہوتا ہے مفعول لہ کے لیے یعنی اس کو حاصل کرنے کے لیے، اور کبھی کبھار مفعول لہ سبب ہوتا ہے فعل کے لیے یعنی وہ مفعول لہ سبب بنتا ہے اس کی وجہ سے فعل کو کیا جاتا ہے۔

چلیے یہاں تک پہلے شرح کے ساتھ دیکھ لیں سارے کو۔ کہتے ہیں: اَلْمَفْعُوْلُ لَهُ هُوَ مَا فُعِلَ لِأَجْلِهِ، مفعول لہ اس چیز کا نام ہے کہ کیا جائے لِأَجْلِهِ اس کی وجہ سے، اس کی وجہ سے۔ میں نے بتایا مفعول لہ کی کتنی قسمیں ہیں؟ دو قسمیں، وہی دونوں اب آگے صاحبِ جامی بھی بتلائیں گے۔ لِأَجْلِهِ اس کی وجہ سے فعل کیا جائے بھائی کیا معنی اس کی وجہ سے؟ کہتے ہیں أَيْ لِقَصْدِ تَحْصِيْلِهِ یعنی اس مفعول لہ کو حاصل کرنے کے لیے، ضَرَبْتُهُ تَأْدِيْبًا یہ ضرب کس لیے ہے؟ تادیب کو حاصل کرنے کے لیے کہ ادب حاصل ہو جائے بھائی، تو أَيْ لِقَصْدِ تَحْصِيْلِهِ یعنی اس مفعول لہ کو حاصل کرنے کے لیے، أَوْ بِسَبَبِ وُجُوْدِهِ یا اس مفعول لہ کے وجود کے سبب سے وہ فعل کیا جاتا ہے۔ پھر ذرا جوڑیں متن کو متن سے پہلے جوڑیں: مفعول لہ اس چیز کا نام ہے فُعِلَ لِأَجْلِهِ فِعْلٌ مَذْكُوْرٌ جس کی وجہ سے فعلِ مذکور کو کیا جائے۔ بھائی اس کی وجہ سے کیا جائے اس کا کیا معنی؟ کہتے ہیں اس کی وجہ سے فعل کرنے کا معنی یہ ہے کہ یا تو یہ وہ فعل اس لیے کیا گیا ہے تاکہ یہ مفعول لہ یعنی تادیب حاصل ہو جائے، اور کبھی کبھار وہ فعل اس کی وجہ سے کیا جاتا ہے معنی یہ ہے کہ مفعول لہ سبب بنا ہے اس فعل کا، اس کی وجہ سے فعل کرنے کا کیا معنی؟ مفعول لہ سبب بنا ہے، بزدلی ہے تو وہ جنگ سے بیٹھا ہے، مفعول لہ نہ ہوتا تو وہ جنگ سے نہ بیٹھتا۔ تو کبھی کبھار وہ سبب بنتا ہے فعل کے لیے اور کبھی کبھار فعل کے ذریعے اس کو حاصل کیا جاتا ہے یعنی فعل اس کے لیے سبب بنتا ہے، دونوں قسموں کی طرف اشارہ کر دیا۔ کہتے ہیں أَيْ لِقَصْدِ تَحْصِيْلِهِ یعنی اس مفعول لہ کو حاصل کرنے کے لیے أَوْ بِسَبَبِ وُجُوْدِهِ یا اس مفعول لہ کے پائے جانے کے سبب سے۔

وَخَرَجَ بِهِ سَائِرُ الْمَفَاعِيْلِ، اور اس قید کی وجہ سے باقی مفعول خارج ہو گئے۔ بھائی تعریف ایسی ہونی چاہیے جو جامع مانع ہو تو یہ بھی ایسی تعریف ہے جو جامع مانع ہے۔ یہ لِأَجْلِهِ کی جو قید آئی، مفعول لہ اس چیز کا نام ہے جس کی وجہ سے فعل کیا جائے، تو مفعولِ مطلق بھی نکل گیا اس کی وجہ سے تو فعل نہیں کیا جاتا، مفعول بہ بھی نکل گیا اس کی وجہ سے تو فعل نہیں کیا جاتا اس پر تو فعل واقع ہوتا ہے، مفعول فیہ بھی نکل گیا اس کی وجہ سے تو فعل نہیں کیا جاتا وہ تو اس زمانے یا مکان کا نام ہے جس میں فعل ہوا ہے، اور مفعول معہ بھی نکل گیا کہ اس کے ساتھ فعل کیا جاتا ہے اس کی وجہ سے فعل نہیں کیا جاتا۔ تو کہتے ہیں وَخَرَجَ بِهِ اور اس قید کی وجہ سے، یہ جو لِأَجْلِهِ کی قید آئی اس کی وجہ سے نکل گئے سَائِرُ الْمَفَاعِيْلِ باقی مفاعیل، مِمَّا فُعِلَ یہ بیان ہے وہ باقی مفاعیل کون سے ہیں؟ مِمَّا فُعِلَ یعنی مَا فُعِلَ وہ جس کو کیا گیا یعنی مفعول۔ یہ مَا فُعِلَ دیکھو صاحبِ جامی بطورِ تفنن کے الگ انداز کی عبارت لائے، پہلے ایک دفعہ الْمَفَاعِيْلِ کہہ دیا تھا تو ایک لفظ جب ایک دفعہ ذکر ہو جائے بار بار اس کو ذکر کرنا پسندیدہ نہیں تو پھر دوبارہ مفعول کا لفظ لانے کے بجائے کیا لے آئے؟ مَا فُعِلَ لے آئے، مَا فُعِلَ کہہ لو یا

مفعول کہہ لو ایک ہی بات ہے، مفعول کا کیا معنی؟ جس کو کیا گیا، اور مَا فُعِلَ کا بھی کیا معنی؟ جس کو کیا گیا بھائی۔ تو کہتے ہیں اس کے ذریعے باقی مفاعیل نکل گئے، مِمَّا فُعِلَ یعنی وہ مفعول مُطْلَقًا چاہے مُطْلَقًا ہو أَوْ بِهِ یا مفعول بہ ہو أَوْ فِيْهِ، یہ سب کو مَا فُعِلَ سے جوڑتے جائیں یعنی کہ مَا فُعِلَ مُطْلَقًا وہ بھی نکل گیا، اور مَا فُعِلَ بِهِ بھی نکل گیا، أَوْ مَا فُعِلَ فِيْهِ بھی نکل گیا، أَوْ مَا فُعِلَ مَعَهُ بھی نکل گیا، بات سمجھ میں آگئی۔

فِعْلٌ أَيْ حَدَثٌ مَذْكُوْرٌ، تعریف کے اندر فِعْلٌ کا لفظ آیا تھا، صاحبِ جامی نے بتلایا کہ یہاں پر بھی فعل سے مراد حدث ہے یعنی وہ معنی جو غیر کے ساتھ قائم ہو یعنی مصدر مراد ہے، فعلِ اصطلاحی مراد نہیں ہے۔ وجہ یہ کہ فعلِ اصطلاحی لفظ کا نام ہے، کلمہ کا نام ہے جو اسم اور حرف کے مقابلے میں آتا ہے: اسم یہ بھی لفظ کا نام ہے، حرف یہ بھی لفظ یعنی کلمے کا نام ہے، اور فعلِ اصطلاحی بھی کلمے کا نام ہے۔ فعلِ اصطلاحی کی تعریف کیا کرتے ہیں؟ فعلِ اصطلاحی وہ کلمہ ہے جو اپنے معنی پر خود بخود دلالت کرتا ہے اور تین زمانوں میں سے کوئی زمانہ اس کے ساتھ ملا ہوا ہوتا ہے۔ دیکھا؟ معلوم ہوا فعلِ اصطلاحی لفظ کا نام ہے، تو ضَرَبْتُهُ تَأْدِيْبًا یہ ضَرَبْتُ کا جو لفظ ہے یہ ہے فعلِ اصطلاحی اور انہوں نے کیا کہا؟ کہ مفعول لہ وہ ہے جس کی وجہ سے فعلِ مذکور کیا جائے، تو اس فعل سے فعلِ اصطلاحی مراد نہیں ہو سکتا کیونکہ فعلِ اصطلاحی تو کلمے کا نام ہے لفظ کا نام ہے، اور لفظ کو کیا نہیں جاتا لفظ کو کہا جاتا ہے، لفظ کو کہا جاتا ہے۔ پھر تو ضَرَبْتُهُ تَأْدِيْبًا کا معنی یہ بن جائے گا اگر آپ اس سے فعلِ اصطلاحی مراد لے لیں، تو معنی یہ ہوا کہ مفعول لہ اس چیز کا نام ہے جس کی وجہ سے اس فعل کو کیا جائے یعنی اس کو کہا جائے، اس فعل کو کہا جائے کہ ضَرَبْتُهُ کہ یہ والا جو فعل میں نے کہا تَأْدِيْبًا کس لیے کہا؟ ادب سکھانے کے لیے، حالانکہ یہ ضَرَبْتُهُ یہ لفظ میں نے اس کو ادب سکھانے کے لیے کہا یا وہ ضرب والا جو فعل میں نے کیا تھا وہ ادب سکھانے کے لیے تھا؟ تو وہ ضرب والا جو حدث تھا وہ ادب سکھانے کے لیے تھا، یہ ضَرَبْتُهُ کا لفظ جو کہا گیا ہے یہ تادیب کے لیے نہیں ہے، ضرب کا لفظ کہنے سے کسی کی اصلاح نہیں ہوتی بلکہ ضرب کا فعل کرنے سے کسی کی اصلاح ہوتی ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو لہٰذا مفعول لہ اس چیز کا نام ہے جس کی وجہ سے فعلِ مذکور یعنی حدثِ مذکور کو کیا جائے، تو یہاں فعل سے فعلِ لغوی یعنی حدث اور مصدر مراد ہے، فعلِ اصطلاحی اس سے مراد نہیں ہے بھائی۔

آگے دیکھیے: أَيْ مَذْكُوْرٌ، اور وہ فعل کیا ہونا چاہیے؟ مذکور ہونا چاہیے۔ تو اس پر اشکال ہوتا ہے کہ بعض اوقات تو فعل لفظوں میں مذکور نہیں ہوتا، مثلاً میرے سے کسی نے پوچھا لِمَ ضَرَبْتَ زَيْدًا؟ آپ نے زید کی پٹائی کیوں کی؟ تو میں نے کہا تَأْدِيْبًا۔ میں نے تو فعل کو حذف کر لیا، کہنا کیا چاہیے تھا؟ ضَرَبْتُهُ تَأْدِيْبًا، لیکن میں نے ضَرَبْتُهُ کو حذف کر لیا کیونکہ ضَرَبْتُ فعل سوال کے اندر موجود تھا، قرینہ موجود ہے، تو میں نے صرف تَأْدِيْبًا یعنی مفعول لہ کو ذکر کر دیا اور اس کا فعل محذوف ہے بھائی۔ تو انہوں نے تو کیا کہا؟ متن میں کیا آیا؟ فِعْلٌ مَذْكُوْرٌ کہ وہ فعل مذکور ہو، اور میں نے تو صرف تَأْدِيْبًا کہا یہاں تو فعل مذکور نہیں۔ تو اس کا بھی جواب دیں گے صاحبِ جامی کہ بھائی مذکور ہونا عام ہے، چاہے حقیقتاً مذکور ہو چاہے حکماً مذکور

ہو۔ یہ جو تَأْدِيْبًا جواب میں میں نے کہا اگرچہ اس کے ساتھ حقیقتاً تو فعل مذکور نہیں لیکن حکماً مذکور ہے کیونکہ فعل مقدر ہے، اور کیوں مقدر ہے؟ کیونکہ سوال اس پر دلالت کر رہا ہے۔ تو کہتے ہیں: مَذْكُوْرٌ أَيْ مَلْفُوْظٌ حَقِيْقَةً أَوْ حُكْمًا، مذکور بمعنی ملفوظ کے ہے یعنی اس پر تلفظ کیا جائے وہ لفظوں میں موجود ہو حَقِيْقَةً أَوْ حُكْمًا، لیکن یہ ملفوظ ہونا حقیقتاً بھی ہو سکتا ہے اور حکماً بھی، تو وہ ملفوظ ہوگا حقیقتاً یا حکماً، فَلَا يَخْرُجُ عَنْهُ تو لہٰذا اس تعریف سے نہیں نکلتا مَا وہ والا مفعول لہ كَانَ فِعْلُهُ مُقَدَّرًا جس کا فعل مقدر ہو، كَمَا إِذَا قُلْتَ تَأْدِيْبًا جیسے کہ آپ تَأْدِيْبًا کہیں فِيْ جَوَابِ مَنْ قَالَ لِمَ ضَرَبْتَ زَيْدًا اس شخص کے جواب میں جس نے کہا تھا لِمَ ضَرَبْتَ زَيْدًا آپ نے زید کی پٹائی کیوں کی؟ تو آپ صرف تَأْدِيْبًا کہیں تو یہاں فعل مقدر ہے بھائی، تو یعنی حقیقتاً تو نہیں ملفوظ لیکن حکماً ملفوظ ہے۔

آگے دیکھیے: فَقَوْلُهُ مَذْكُوْرٌ احْتِرَازٌ عَنْ مِثْلِ أَعْجَبَنِي التَّأْدِيْبُ۔ کہتے ہیں ماتن کا قول جو مَذْكُوْرٌ آیا اس کے ذریعے أَعْجَبَنِي التَّأْدِيْبُ جیسی مثالیں نکل گئیں۔ جی یہ کاپی پر اپنے سامنے ذرا لکھیے بھائی، لکھیے بھائی یہی مثال لکھیں جو کتاب میں تھی: أَعْجَبَنِي التَّأْدِيْبُ، أَعْجَبَنِي التَّأْدِيْبُ۔ معنی سمجھ میں آ رہا ہے؟ أَعْجَبَنِيْ مجھے تعجب میں ڈالا التَّأْدِيْبُ اس تادیب نے۔ بھئی مثلاً دیکھو آپ نے زید کی پٹائی کی تھی ادب سکھانے کے لیے، توجہ ہے؟ آپ نے زید کی پٹائی کی تھی ادب سکھانے کے لیے، تو بعد میں میں آپ سے کہتا ہوں أَعْجَبَنِي التَّأْدِيْبُ مجھے تعجب میں ڈالا آپ کی اس تادیب نے یعنی مجھے پسند آئی، مجھے اچھی لگی آپ کی وہ تادیب۔ تو یہاں دیکھو أَعْجَبَنِيْ فعل ہے اور التَّأْدِيْبُ اس کے لیے فاعل ہے، تو یہ مفعول لہ نہیں کیونکہ یہ تو فاعل ہے، مفعول لہ تو منصوب ہوتا ہے اور یہ التَّأْدِيْبُ یہاں تو فاعل ہے أَعْجَبَنِيْ کے لیے، توجہ ہے؟ تو کہتے ہیں اس جیسی مثالوں سے احتراز کیا۔ اچھا اب اسی کے نیچے لکھیے بھائی، دو تین سطریں چھوڑ کر نیچے لکھیے، دو تین سطریں چھوڑ کر نیچے لکھیے: ضَرَبْتُ زَيْدًا، ضَرَبْتُ زَيْدًا۔ اس سے نچلی سطر میں لکھیے: ضَرَبْتُ زَيْدًا تَأْدِيْبًا، ضَرَبْتُ زَيْدًا تَأْدِيْبًا۔ لکھ لیا؟ اب دیکھیے بھائی، صاحبِ جامی یہی باتیں سمجھائیں گے پہلے آپ یہاں سمجھ لیجیے، کہتے ہیں دیکھو یہ جو انہوں نے کہا نا کہ مفعول لہ اس چیز کا نام ہے جس کی وجہ سے فعلِ مذکور کیا جائے، تو فعلِ مذکور کی قید جو لگا دی کہ وہ فعل وہاں مذکور ہونا چاہیے، اس قید سے أَعْجَبَنِي التَّأْدِيْبُ جیسی مثال نکل گئی کیونکہ اس کے اندر بھی اگرچہ تادیب ذکر ہے لیکن اس کے ساتھ اس کا فعل ذکر نہیں۔ توجہ ہے؟ دیکھو بھائی صورت یہ ہے آپ نے زید کی پٹائی کی اور کس لیے پٹائی کی تھی؟ ادب سکھانے کے لیے تادیب کے لیے، اب میں بعد میں آپ سے کہتا ہوں أَعْجَبَنِي التَّأْدِيْبُ مجھے آپ کی وہ تادیب پسند آئی۔ تو صاحبِ جامی آپ کو بتلائیں گے کہ یہ جو تعریف کے اندر مَذْكُوْرٌ کی قید آئی، اس کے ذریعے یہ والی تادیب یہ مفعول لہ ہونے سے خارج ہو گئی، مفعول لہ ہونے سے خارج۔ کیوں؟ کیونکہ تعریف کیا کی تھی؟ مفعول لہ وہ اس چیز کا نام ہے جس کی وجہ سے فعلِ مذکور کو کیا جائے، اور یہاں أَعْجَبَنِي التَّأْدِيْبُ اس تادیب کے ساتھ اس کا وہ فعل یعنی وہ ضرب ذکر نہیں، وہ فعل جس کی وجہ سے یہ تادیب کی گئی تھی وہ فعل یہاں پر ذکر نہیں۔ تو معترض کہتا ہے کہ بھئی یہ کیسے اس تعریف سے نکل سکتا ہے؟ یہ ابھی بھی

تعریف کے اندر داخل ہے، اس کا فعل مذکور ہے۔ بھئی کہاں مذکور ہے؟ کہتے ہیں یہاں تو نہیں مذکور أَعْجَبَنِي التَّأْدِيْبُ کے اندر، لیکن کہیں نہ کہیں تو مذکور ہوگا یا نہیں؟ جیسے نچلی دو سطریں نیچے دیکھو کیا میں نے لکھوایا تھا: ضَرَبْتُ زَيْدًا، وہ ضرب مذکور ہے یا نہیں؟ تعریف کیا کی؟ مفعول لہ اس چیز کا نام ہے جس کی وجہ سے فعلِ مذکور کو کیا جائے۔ تو انہوں نے کیا کہا أَعْجَبَنِي التَّأْدِيْبُ یہ تادیب تعریف سے نکل گیا کیونکہ اس کے ساتھ اس کا فعل ذکر نہیں ہے۔ کہتے ہیں نہیں بھئی یہ تعریف کے اندر ابھی بھی داخل ہے کیونکہ اس کا فعل ذکر ہے۔ بھئی کہاں ذکر ہے أَعْجَبَنِي التَّأْدِيْبُ؟ یہاں تو کوئی ضرب والا فعل ذکر نہیں۔ کہتے ہیں یہاں تو نہیں ذکر لیکن کہیں نہ کہیں کتابوں میں یا عربوں کی زبان پر ذکر ہوگا یا نہیں؟ جیسے نچلی دو سطر نیچے دیکھو ہم نے کیا لکھوایا ہے: ضَرَبْتُ زَيْدًا، دیکھو یہاں وہ ضَرَبْتُ ذکر ہے یا نہیں جس کی وجہ سے یہ تادیب کی گئی؟ تو کہیں نہ کہیں تو وہ ضرب فعل ذکر ہوگا، انہوں نے یہ تو نہیں کہا کہ اس کے ساتھ ذکر ہونا چاہیے، انہوں نے تو صرف کیا کہا؟ مفعول لہ اس چیز کا نام ہے جس کی وجہ سے فعلِ مذکور کو کیا جائے، جو جہاں مرضی ذکر ہو، ہے تو مذکور، أَعْجَبَنِي التَّأْدِيْبُ یہاں تو وہ ضرب ذکر نہیں لیکن کہیں نہ کہیں تو ذکر ہوگی، نحو کی کتابوں میں ذکر ہوگی یا کسی عرب کی زبان پر ہوگی یا کسی جگہ تو ذکر ہوگی یا جیسے ابھی ہم نے نیچے لکھوا دیا یہاں ذکر ہے، تو أَعْجَبَنِي التَّأْدِيْبُ میں بے شک ضرب نہیں ذکر لیکن فی الجملہ کہیں نہ کہیں ذکر ہے، تو یہ بھی تعریف کے اندر داخل ہے۔

تو جواب دیں گے بھئی ہماری مَذْكُوْرٌ سے یہ مراد نہیں ہے کہیں پر بھی ذکر ہو، مراد یہ ہے اس کے ساتھ ذکر ہو، اس تادیب کے ساتھ ذکر ہونا چاہیے۔ کہتے ہیں تادیب کے ساتھ بھی ذکر ہے، اس سے نچلی مثال دیکھ لیں: ضَرَبْتُ زَيْدًا تَأْدِيْبًا، وہاں دیکھو تَأْدِيْبًا کے ساتھ ہی ضَرَبْتُ ذکر ہے یا نہیں؟ بات سمجھ میں آگئی؟ توجہ ہے؟ اس جو أَعْجَبَنِي التَّأْدِيْبُ میں تو بے شک ذکر نہیں ہے لیکن کسی نہ کسی جگہ تو وہ ضرب ذکر ہے۔ کہتے ہیں نہیں بھئی اس کے ساتھ ذکر ہونا چاہیے، دونوں کو اکٹھا ہونا چاہیے۔ کہتے ہیں کسی جگہ دونوں اکٹھے بھی تو ہوں گے جیسے نچلی مثال میں ہے ضَرَبْتُهُ تَأْدِيْبًا کے اندر دیکھو ضرب بھی ہے اور تادیب بھی ہے۔ تو پھر جواب دیں گے کہ بھئی اسی ترکیب میں مذکور ہونا چاہیے، اسی ترکیب میں، یہی أَعْجَبَنِي التَّأْدِيْبُ کی ترکیب میں مذکور ہونا چاہیے، کسی اور جگہ اس کے ساتھ مذکور ہو وہ مراد نہیں ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ دیکھیے بھائی کتاب پر۔

کہتے ہیں: فَقَوْلُهُ مَذْكُوْرٌ کہ ماتن کا قول مَذْكُوْرٌ جو ہے، احْتِرَازٌ یہ احتراز ہے عَنْ مِثْلِ أَعْجَبَنِي التَّأْدِيْبُ اس جیسی مثالوں سے۔ فَإِنْ قُلْتَ اگر آپ یہ کہیں كَيْفَ يَصِحُّ الِاحْتِرَازُ بِهِ عَنْهُ کہ کیسے صحیح ہے احتراز کرنا اس مَذْكُوْرٌ کی قید کے ذریعے عَنْهُ اس جیسی مثال سے؟ ترجمہ سمجھ میں آرہا ہے؟ فَإِنْ قُلْتَ اگر آپ یہ کہیں كَيْفَ يَصِحُّ الِاحْتِرَازُ بِهِ عَنْهُ کہ کیسے صحیح ہے احتراز کرنا بِهِ اس مَذْكُوْرٌ کے قول کے ذریعے عَنْهُ کس سے؟ أَعْجَبَنِي التَّأْدِيْبُ جیسی مثالوں سے احتراز کرنا کیسے صحیح ہو سکتا ہے، وَهُوَ أَيِ الْفِعْلُ الَّذِيْ فُعِلَ لِأَجْلِهِ اور وہ فعل کہ جس کو کیا گیا ہے اس کی وجہ سے مَذْكُوْرٌ فِي الْجُمْلَةِ وہ مذکور ہے فی الجملہ، آپ

نے بھی تعریف میں کیا کہا؟ مفعول لہ وہ ہے جس کی وجہ سے فعلِ مذکور کو کیا جائے، آپ نے یہ تو نہیں کہا کہ اس کے ساتھ ذکر ہونا چاہیے، کہیں نہ کہیں ذکر ہونا چاہیے، تو کہیں نہ کہیں تو ضَرَبْتُ زَيْدًا کے اندر ضرب کا فعل ذکر ہو گیا یا نہیں؟ تو فی الجملہ وہ مذکور ہے۔ دوبارہ دیکھیں: فَإِنْ قُلْتَ اگر آپ یہ کہیں كَيْفَ يَصِحُّ الِاحْتِرَازُ بِهِ عَنْهُ کہ اس مَذْكُوْرٌ کی قید کے ذریعے اس جیسی مثالوں سے کیسے احتراز کرنا صحیح ہو سکتا ہے، وَهُوَ أَيِ الْفِعْلُ الَّذِيْ فُعِلَ لِأَجْلِهِ مَذْكُوْرٌ فِي الْجُمْلَةِ اور وہ فعل کہ جس کو کیا گیا ہے اس مفعول لہ کی وجہ سے مَذْكُوْرٌ فِي الْجُمْلَةِ وہ مذکور ہے فی الجملہ یعنی مجموعی اعتبار سے کہیں نہ کہیں تو مذکور ہے، كَمَا فِيْ ضَرَبْتُ زَيْدًا جیسے کہ اس جملے کے اندر یہ مذکور ہے۔ قُلْنَا تو ہم کہتے ہیں: اَلْمُرَادُ مَذْكُوْرٌ مَعَهُ، متن میں تو آیا صرف مَذْكُوْرٌ لیکن مراد ہے مَذْكُوْرٌ مَعَهُ کہ وہ فعل مفعول لہ کے ساتھ ذکر ہونا چاہیے۔ تو قُلْنَا ہم کہتے ہیں اَلْمُرَادُ مَذْكُوْرٌ مَعَهُ کہ مراد یہ ہے کہ اس کے ساتھ مذکور ہو۔ توجہ ہے؟ متن میں صرف کیا آیا مَذْكُوْرٌ، لیکن مراد کیا ہے ہم جواب میں کہتے ہیں؟ کہ اس کے ساتھ مذکور ہو۔ تو فَإِنْ قُلْتَ پھر اگر آپ یہ کہیں: هُوَ مَذْكُوْرٌ مَعَهُ كَمَا فِيْ ضَرَبْتُهُ تَأْدِيْبًا کہ فعل اس کے ساتھ بھی مذکور ہے جیسے کہ اس مثال میں ہے ضَرَبْتُهُ تَأْدِيْبًا، اس کے اندر دیکھو تَأْدِيْبًا کے ساتھ ضَرَبْتُ فعل مذکور ہے تو کہیں نہ کہیں تو دونوں اکٹھے ذکر ہو گئے، لہٰذا أَعْجَبَنِي التَّأْدِيْبُ یہ تادیب بھی تعریف میں داخل۔ بات ساری وہ أَعْجَبَنِي التَّأْدِيْبُ کے گرد گھوم رہی ہے، پہلے کیا کہا یہ تادیب تعریف میں داخل نہیں کیونکہ اس کے ساتھ فعل مذکور نہیں، انہوں نے کہا بھئی فی الجملہ کہیں نہ کہیں تو فعل مذکور ہے ضَرَبْتُ زَيْدًا میں، انہوں نے کہا نہیں یہ معنی نہیں کہ فعل علیحدہ مذکور ہو بلکہ دونوں اکٹھے مذکور ہونے چاہئیں، کہتے ہیں بعض مثالیں ایسی بھی ہوں گی جہاں دونوں کیا ہوں گے اکٹھے مذکور ہوں گے۔ فَإِنْ قُلْتَ هُوَ مَذْكُوْرٌ مَعَهُ كَمَا فِيْ ضَرَبْتُهُ تَأْدِيْبًا اگر آپ یہ کہیں کہ وہ اس کے ساتھ مذکور ہے جیسے ضَرَبْتُهُ تَأْدِيْبًا کے اندر ہے، قُلْنَا اَلْمُرَادُ مَذْكُوْرٌ مَعَهُ فِي التَّرْكِيْبِ الَّذِيْ هُوَ فِيْهِ کہ مراد یہ ہے کہ وہ فعل اس مفعول لہ کے ساتھ مذکور ہو فِي التَّرْكِيْبِ الَّذِيْ هُوَ فِيْهِ اسی ترکیب میں جس کے اندر وہ مفعول لہ ہے۔ یعنی أَعْجَبَنِي التَّأْدِيْبُ، اسی ترکیب کے اندر ضَرَبْتُ ہونا چاہیے کسی اور ترکیب میں نہیں، آپ نے تو دوسری مثال سامنے رکھ دی کہ وہاں دیکھو اکٹھے ذکر ہیں، اور أَعْجَبَنِي التَّأْدِيْبُ اس ترکیب کے اندر تادیب تو ہے لیکن اس کا فعل مذکور نہیں، لہٰذا یہ تعریف سے نکل گیا۔

آگے دیکھیے، کہتے ہیں: وَيَرِدُ حِيْنَئِذٍ اور اعتراض وارد ہوتا ہے اس وقت، نَحْوُ أَعْجَبَنِي التَّأْدِيْبُ الَّذِيْ ضَرَبْتَ لِأَجْلِهِ اس جیسی مثالوں کا اعتراض ہوتا ہے۔ أَعْجَبَنِي التَّأْدِيْبُ جیسی مثال تو اب نکل گئی، لیکن بعض اور مثالوں کا پھر اعتراض ہو سکتا ہے وہ اس جیسی مثالیں: أَعْجَبَنِي التَّأْدِيْبُ الَّذِيْ ضَرَبْتَ لِأَجْلِهِ۔ دیکھو ترکیب سنو: أَعْجَبَنِي مجھے تعجب میں ڈالا اَلتَّأْدِيْبُ یہ فاعل ہے، یہ فاعل ہے، اور اَلَّذِيْ یہ اس کی صفت ہے تادیب کی، تادیب معرفہ ہے نا اور معرفہ کے بعد اَلَّذِيْ اسمِ موصول آیا تو اس کے لیے کیا بنے گا؟ صفت بنے گا، اور اَلَّذِيْ اسمِ موصول ہے موصول کے لیے کیا چاہیے؟ صلہ چاہیے، تو ضَرَبْتَ

لِأَجْلِهِ یہ ہے اس کا صلہ۔ تو ترجمہ سنو: أَعْجَبَنِيْ مجھے تعجب میں ڈالا یعنی مجھے اچھا لگا اَلتَّأْدِيْبُ وہ تادیب اَلَّذِيْ ضَرَبْتَ لِأَجْلِهِ کہ آپ نے پٹائی کی تھی اس کی وجہ سے، مجھے وہ تادیب پسند آئی جس کی وجہ سے آپ نے پٹائی کی تھی۔ پھر غور کرو ترجمے پہ: أَعْجَبَنِي التَّأْدِيْبُ مجھے وہ تادیب پسند آئی اَلَّذِيْ ضَرَبْتَ وہ تادیب کہ آپ نے ضرب لگائی تھی لِأَجْلِهِ اس تادیب کی وجہ سے، آپ نے ضرب لگائی تھی اس تادیب کی وجہ سے یعنی جس تادیب کی وجہ سے آپ نے ضرب لگائی تھی وہ تادیب مجھے پسند آئی۔ اب دیکھو اس مثال کے اندر التَّأْدِيْبُ یہ مرفوع ہے، فاعل ہے، لیکن یہ مفعول لہ کی تعریف میں داخل ہو رہا ہے۔ کیوں؟ کیونکہ اس تادیب کی وجہ سے جو ضرب کا فعل ہے وہ کیا گیا ہے اور تادیب کے ساتھ ضرب والا فعل بھی ذکر ہے، لہٰذا اس کو کیا کہنا چاہیے؟ مفعول لہ کہنا چاہیے، پوری تعریف صادق آئی یا نہیں؟ تعریف کیا کی تھی؟ مفعول لہ وہ چیز ہے کہ جس کی وجہ سے فعلِ مذکور کو کیا گیا ہو، تو یہاں پر بھی یہ جو اَلَّذِيْ ضَرَبْتَ لِأَجْلِهِ یہ ضَرَبْتَ فعل ذکر ہے اور یہ فعل کس کی وجہ سے کیا گیا تھا؟ تادیب کے، وہ بھی مذکور ہے، تو لہٰذا اس تادیب کو کیا کہنا چاہیے؟ مفعول لہ، حالانکہ مفعول لہ نہیں ہے یہ تو فاعل ہے، مرفوع ہے، مفعول لہ تو منصوب ہوتا ہے۔ تو اب آگے اس کا جواب دے رہے ہیں۔

تو کہتے ہیں: وَيَرِدُ حِيْنَئِذٍ اور اس وقت اعتراض وارد ہوتا ہے، اس وقت کیا معنی؟ جب یہ مراد لیا جائے کہ مذکور ہونے کا معنی یہ ہے کہ وہ فعل اسی ترکیب کے اندر اس کے ساتھ مذکور ہو: أَعْجَبَنِي التَّأْدِيْبُ الَّذِيْ ضَرَبْتَ لِأَجْلِهِ، تو یہاں پر بھی یہ فعل اس کے ساتھ اسی ترکیب کے اندر مذکور ہے۔ تو کہتے ہیں وَيَرِدُ حِيْنَئِذٍ نَحْوُ أَعْجَبَنِي التَّأْدِيْبُ الَّذِيْ ضَرَبْتَ لِأَجْلِهِ اور اس وقت اعتراض وارد ہوتا ہے اس جیسی مثالوں کا، اَللّٰهُمَّ إِلَّا أَنْ يُرَادَ بِذِكْرِهِ مَعَهُ إِيْرَادُهُ مَعَهُ لِلْعَمَلِ فِيْهِ۔ اب اَللّٰهُمَّ کے ساتھ جواب دے رہے ہیں اس اعتراض کا۔ اور یاد رکھو اَللّٰهُمَّ کے ذریعے نہایت کمزور جواب ذکر کیا جاتا ہے۔ اور اَللّٰهُمَّ، دیکھو عبارت پہ نظر رکھو، اَللّٰهُمَّ إِلَّا أَنْ يُرَادَ۔ تقدیرِ عبارت یوں ہے گویا یوں کہا جا رہا ہے: اَللّٰهُمَّ لَا مَخْلَصَ لِيْ عَنْ هٰذَا الِاعْتِرَاضِ، اے اللہ میرے لیے تو اس اعتراض سے چھٹکارا پانے کی کوئی صورت نہیں ہے إِلَّا أَنْ يُرَادَ بِذِكْرِهِ مَعَهُ مگر اس فعل کے اس مفعول کے ساتھ ذکر کرنے سے مراد یہ لیا جائے، کیا مراد لیا جائے؟ إِيْرَادُهُ مَعَهُ لِلْعَمَلِ فِيْهِ کہ وہ فعل لایا جائے مَعَهُ کس کے ساتھ؟ اس مفعول لہ کے ساتھ لایا جائے لِلْعَمَلِ فِيْهِ اس میں عمل کرنے کے لیے۔ بھئی ادھر دیکھیے، تعریف میں صرف مَذْكُوْرٌ آیا تھا کہ مفعول لہ اس چیز کا نام ہے جس کی وجہ سے فعلِ مذکور کو کیا جائے۔ اب مَذْكُوْرٌ سے کیا مراد لیا؟ کہتے ہیں اس کے ساتھ مذکور ہونے کا معنی یہ ہے اسی ترکیب میں ہو۔ انہوں نے مثال دے دی أَعْجَبَنِي التَّأْدِيْبُ الَّذِيْ ضَرَبْتَ لِأَجْلِهِ اسی ترکیب میں ہے لیکن یہ تادیب مفعول لہ نہیں ہے بلکہ یہ تو کیا بن رہا ہے؟ فاعل بن رہا ہے۔ تو جواب دے رہے ہیں کہ اس اعتراض سے چھٹکارا پانے کی اور کوئی صورت نہیں ہے، یہی ہم کہہ سکتے ہیں زیادہ سے زیادہ، ادھر دیکھیے، کہ مَذْكُوْرٌ سے مراد یہ ہے کہ وہ فعل اس مفعول لہ کے ساتھ لایا جائے اسی ترکیب میں ہو تاکہ اس کے اندر عمل بھی کرے۔ اور یہاں أَعْجَبَنِي التَّأْدِيْبُ الَّذِيْ ضَرَبْتَ لِأَجْلِهِ یہ ضَرَبْتَ التَّأْدِيْبُ میں کوئی عمل کر رہا ہے؟ أَعْجَبَنِي التَّأْدِيْبُ الَّذِيْ ضَرَبْتَ لِأَجْلِهِ یہاں جو تادیب آیا اس کے اندر یہ جو آگے ضَرَبْتَ آ رہا ہے یہ تو عمل نہیں کر رہا، التَّأْدِيْبُ تو فاعل بن رہا ہے أَعْجَبَنِيْ کے لیے وہ

عامل ہے اس کے اندر۔ تو کہتے ہیں اس اعتراض سے چھٹکارا پانے کی اور کوئی صورت نہیں کہ یوں کہا جائے کہ مراد یہ ہے کہ فعل کو اس کے ساتھ ذکر کیا جائے اسی ترکیب کے اندر جس میں وہ ہے، اور اس طور پر ذکر ہو کہ فعل اس کے اندر عمل کر کے اس کو نصب دے رہا ہو۔ دیکھو اتنی لمبی باتیں کیں لیکن تعریف میں تو یہ ذکر نہیں، تعریف میں تو صرف یہ ذکر ہے وہ فعل مذکور ہونا چاہیے۔ انہوں نے بتایا مذکور ہونے سے کیا مراد ہے؟ اس کے ساتھ مذکور ہو، اسی ترکیب میں مذکور ہو، اور نیز اس کے اندر کیا کر رہا ہو؟ عمل کر رہا ہو، دیکھو کتنی ہی چیزوں کا زائد اضافہ کرنا پڑے گا، بات سمجھ میں آگئی۔ تو یہ اَللّٰهُمَّ کے ساتھ جو جواب دیا جاتا ہے وہ کمزور جواب ہوتا ہے، اور تقدیرِ عبارت کیا ہے؟ اَللّٰهُمَّ لَا مَخْلَصَ لِيْ عَنْ هٰذَا الِاعْتِرَاضِ، اے اللہ لَا مَخْلَصَ لِيْ میرے لیے کوئی چھٹکارا نہیں ہے عَنْ هٰذَا الِاعْتِرَاضِ اس اعتراض سے إِلَّا أَنْ يُقَالَ مگر یہ کہ یوں کہا جائے، إِلَّا أَنْ يُقَالَ مگر یہ کہ یوں کہا جائے، بات سمجھ میں آگئی۔ تو یہاں إِلَّا أَنْ يُقَالَ کے بجائے إِلَّا أَنْ يُرَادَ لے آئیں گے۔ کہتے ہیں اَللّٰهُمَّ إِلَّا أَنْ يُرَادَ اس اعتراض سے چھٹکارے کی کوئی صورت نہیں إِلَّا أَنْ يُرَادَ بِذِكْرِهِ مَعَهُ مگر یہ کہ ارادہ کیا جائے بِذِكْرِهِ مَعَهُ اس فعل کو اس کے ساتھ ذکر کرنے سے، متن میں تو صرف کیا آیا تھا؟ مَذْكُوْرٌ، اور مَذْكُوْرٌ سے کیا مراد ہے انہوں نے بتایا؟ کہ وہ فعل اس کے ساتھ مذکور ہو۔ تو کہتے ہیں اس کے ساتھ مذکور ہونے سے یہ ارادہ کیا جائے کہ إِيْرَادُهُ مَعَهُ لِلْعَمَلِ فِيْهِ کہ اس فعل کو اس کے ساتھ لایا جائے لِلْعَمَلِ فِيْهِ اس میں عمل کرنے کے لیے، ویسے نہ ساتھ ذکر ہو بلکہ اس میں عمل کرنے کے لیے اس کے ساتھ لایا جائے۔ اب بات سمجھ میں آگئی؟

آگے دیکھیے: مِثْلُ ضَرَبْتُهُ تَأْدِيْبًا جیسے ضَرَبْتُهُ تَأْدِيْبًا، مِثَالٌ لِمَا فُعِلَ لِقَصْدِ تَحْصِيْلِهِ فِعْلٌ یہ مثال ہے اس مفعول لہ کی کہ جس کو حاصل کرنے کے ارادے سے فعل کو کیا گیا، دیکھو ضرب لگے گی تو کیا حاصل ہو جائے گی؟ تادیب۔ تو یہ مثال ہے اس مفعول لہ کی کہ جس کو حاصل کرنے کے ارادے سے فعل کو کیا گیا، وَهُوَ الضَّرْبُ اور وہ فعل کون سا ہے؟ ضرب ہے۔ کہتے ہیں فَإِنَّ التَّأْدِيْبَ إِنَّمَا يَحْصُلُ بِالضَّرْبِ اس لیے کیونکہ یہ تادیب جو ہے وہ ضرب کی وجہ سے حاصل ہو رہی ہے وَيَتَرَتَّبُ عَلَيْهِ اور اس پر مرتب ہو رہی ہے۔ وَقَعَدْتُ عَنِ الْحَرْبِ جُبْنًا میں جنگ سے بیٹھا بزدلی کی وجہ سے، مِثَالٌ لِمَا فُعِلَ بِسَبَبِ وُجُوْدِهِ فِعْلٌ یہ مثال ہے اس مفعول لہ کی کہ اس کے پائے جانے کی وجہ سے فعلِ مذکور کو کیا گیا، یعنی بزدلی کی وجہ سے قُعُوْدٌ عَنِ الْحَرْبِ کیا گیا، وَهُوَ الْقُعُوْدُ اور وہ فعل کون سا ہے جو بزدلی کی وجہ سے کیا گیا؟ وَالْقُعُوْدُ وہ قعود ہے، فَإِنَّ الْقُعُوْدَ إِنَّمَا وَقَعَ بِسَبَبِ الْجُبْنِ اس لیے کیونکہ یہ قعود جو ہے یہ بزدلی کی وجہ سے واقع ہوا ہے۔

وَالْقَائِلُ بِكَوْنِ الْمَفْعُوْلِ لَهُ، جی پہلے متن متن دیکھیے: خِلَافًا لِلزَّجَّاجِ فَإِنَّهُ عِنْدَهُ مَصْدَرٌ۔ بھئی جمہور نحویوں کے نزدیک تو وہ مصدر جو ماقبل فعل کی علت بیان کرے اس کو مفعول لہ کہتے ہیں لیکن امام زجاج اس سے اختلاف فرماتے ہیں۔ امام زجاج یہ بہت بڑے نحوی، بہت بڑے ادیب گزرے ہیں اور ۳۱۱ ہجری میں ان کا انتقال ہوا ہے بھائی، ۳۱۱ ہجری میں ان کا انتقال ہوا ہے اور ان کا نام جو ہے ابو اسحاق ابراہیم ہے بھائی۔ اور ان کو امام زجاج اس لیے کہتے ہیں کیونکہ یہ شیشہ

بنانے یا شیشہ بیچنے کا کام کرتے تھے بھائی۔ زُجَاجٌ عربی زبان میں شیشے کو کہتے ہیں، زُجَاجٌ، اسی سے زَجَّاجٌ ہے فَعَّالٌ وزن پر بھائی۔ زَجَّاجٌ کسے کہتے ہیں؟ جو شیشہ بنانے والا ہو اس کو بھی زجاج کہتے ہیں، جو شیشہ بیچنے والا ہو اسے بھی زجاج کہتے ہیں۔ تو چونکہ یہ شیشہ بنانے یا بیچنے کا کام کرتے تھے اس لیے ان کو امام زجاج کہتے ہیں، اور یہ شاگرد ہیں امام مبرد کے بھائی۔ تو کہتے ہیں امام زجاج جو ہیں اس کی مخالفت کرتے ہیں، وہ مفعول لہ کو مفعولِ مطلق ہی کہتے ہیں۔ ضَرَبْتُهُ تَأْدِيْبًا جمہور نحوی تَأْدِيْبًا کو مفعول لہ کہتے ہیں لیکن امام زجاج فرماتے ہیں یہ مفعولِ مطلق ہی ہے۔ اسی طرح قَعَدْتُ عَنِ الْحَرْبِ جُبْنًا جمہور نحوی جُبْنًا کو مفعول لہ کہتے ہیں لیکن امام زجاج فرماتے ہیں یہ مفعولِ مطلق ہی ہے۔ اور مفعولِ مطلق کسے کہتے تھے؟ وہ مصدر جو ماقبل فعل کے معنی میں ہو۔ اور آپ نے پڑھا ہے کبھی اسی فعل کے مصدر کو لاتے ہیں: ضَرَبْتُ زَيْدًا ضَرْبًا، اسی ضَرَبْتُ کا مصدر ضَرْبًا مفعولِ مطلق لے آئے۔ اور کبھی آپ نے پڑھا ہے کہ مفعولِ مطلق اور فعل کا باب الگ الگ ہوگا لیکن معنی ایک ہونا چاہیے: أَنْبَتَ اللهُ نَبَاتًا۔ أَنْبَتَ بابِ افعال ہے اور نَبَاتًا یہ ثلاثی مجرد ہے، تو دیکھو فعل اور مفعولِ مطلق کا باب الگ الگ ہے لیکن معنی ایک ہی ہے بھائی۔ اور کبھی کبھار لفظ بالکل ہی الگ ہوتے ہیں، مادہ ہی الگ ہوتا ہے لیکن معنی ایک ہونا ضروری ہے جیسے قَعَدْتُ جُلُوْسًا، قَعَدْتُ جُلُوْسًا، قَعَدَ دیکھو اس کا مادہ اور ہے اور جُلُوْسٌ کا مادہ اور ہے لیکن معنی دونوں کا ایک ہی ہے۔ تو مفعولِ مطلق کسے کہتے ہیں؟ وہ مصدر جو ماقبل فعل کے معنی میں ہو۔ تو امام زجاج فرماتے ہیں کہ یہ جو مفعول لہ ہے یہ بھی دراصل مفعولِ مطلق ہی ہے، البتہ لفظ الگ ہے۔ جیسے قَعَدْتُ جُلُوْسًا، قَعَدَ کا مادہ اور جُلُوْسٌ کا مادہ اور لیکن جلوس اسی کے لیے مفعولِ مطلق ہے کیونکہ دونوں کا معنی ایک۔ کہتے ہیں یہاں پر بھی یہ جو آگے مفعول لہ آیا ہے یہ مفعولِ مطلق ہی ہے، البتہ صرف اس کا لفظ اور ہے، لفظ اور ہے کس طرح؟ کہتے ہیں دیکھو ضَرَبْتُهُ تَأْدِيْبًا میں نے اس کی پٹائی کی ادب سکھانے کے لیے، کہتے ہیں دونوں ایک ہی چیز ہیں۔ دیکھو ضرب اور تادیب دونوں یہاں ایک ہی چیز ہیں، وہی ضرب جو آپ زید کو لگا رہے ہیں بایں اعتبار کہ اس سے زید کو تکلیف ہو رہی ہے اس کو ضرب کہیں گے، اور اسی ضرب کو بایں اعتبار کہ اس سے زید ادب سیکھتا جا رہا ہے اسی کو تادیب کہیں گے۔ تادیب الگ فعل نہیں ہے، میں نے اس کی پٹائی کی ادب سکھانے کے لیے، کیا مجھے پٹائی کے بعد ادب سکھانے کے لیے کوئی اور الگ فعل کرنا پڑا؟ نہیں، اسی پٹائی سے ہی اس نے ادب سیکھ لیا۔ تو وہی ضرب بایں لحاظ کہ اس سے دوسرے کو تکلیف ہو رہی ہے، آپ جوں جوں ضربیں لگا رہے ہیں اس کو تکلیف ہوتی جا رہی ہے لیکن ساتھ ساتھ وہ ادب بھی سیکھتا چلا جا رہا ہے، تو وہی ضرب بایں لحاظ کہ دوسرے کو تکلیف ہو رہی ہے وہ ضرب کا فعل کہلاتی ہے، اور وہی ضرب بایں لحاظ کہ اس سے اس کی اصلاح ہو رہی ہے اور وہ اچھے اخلاق سیکھتا جا رہا ہے اسی کو تادیب کہتے ہیں۔ تو دونوں کوئی الگ چیز ہیں ہی نہیں، ایک ہی چیز ہے۔ ایک اعتبار سے ضرب ہے تو دوسرے اعتبار سے یہی کیا ہے؟ تادیب بھی ہے۔ تو وہ فرماتے ہیں یہ مفعولِ مطلق ہی ہے البتہ اس کا لفظ الگ ہے۔ ضَرَبْتُهُ تَأْدِيْبًا ماقبل میں ضَرَبْتُ اس کا لفظ الگ اور تَأْدِيْبًا اس کا لفظ الگ ہے، دونوں کا

مادہ الگ ہے، معنی ایک، چیز ایک ہی ہے دونوں بھائی۔ وہ فرماتے ہیں کہ یہ ادب سکھانا، ادب سکھانے کی کئی صورتیں ہو سکتی تھیں۔ ایک صورت تھی کہ ادب آپ سکھائیں پٹائی کرنے کے ذریعے، ایک صورت یہ ہے ادب سکھائیں آپ اس کو ڈانٹ کر، صرف ڈانٹیں پٹائی نہ کریں اس سے بھی ادب وہ سیکھ سکتا ہے، اور ایک صورت ہے پٹائی بھی نہ کریں ڈانٹیں بھی نہ صرف وعظ و نصیحت کریں اس سے بھی وہ ادب سیکھ سکتا ہے۔ تو یہ تادیب کی کئی صورتیں تھیں، تادیب کے اندر کئی احتمال تھے، تو یہ جو ماقبل میں فعل ہوتا ہے یہ اسی کا بیان کرتا ہے، یہ کیا کرتا ہے؟ یہ اسی کا بیان کرتا ہے، یعنی یوں کہو تادیب کے اندر اجمال تھا کہ کس طریقے سے تادیب ہوئی ہے؟ ماقبل والا فعل جو ساتھ ذکر ہوتا ہے وہ اس کو بیان کر دیتا ہے کہ تادیب کس طریقے سے ہے یہاں پر؟ پٹائی کرنے کے ذریعے ہے، ڈانٹ کے ذریعے یا نصیحت کے ذریعے نہیں سکھائی گئی۔ معلوم ہوا کہ یہ جس کو جمہور مفعول لہ کہتے ہیں یہ دراصل مفعولِ مطلق ہی ہے، البتہ اس میں اجمال تھا تفصیل پوری نہیں تھی تو اس کے ساتھ ماقبل میں فعل ذکر کر کے اس کو بیان کر دیا گیا، تو ہیں دونوں ایک ہی چیز، بات سمجھ میں آگئی۔ اسی طرح قَعَدْتُ عَنِ الْحَرْبِ جُبْنًا میں جنگ سے بیٹھا بزدلی کی وجہ سے، اب بزدلی دکھانے کی کئی صورتیں تھیں لیکن یہاں کس طریقے سے بزدلی دکھائی؟ تو ماقبل میں فعل نے بیان کر دیا کہ جنگ سے بیٹھنے کی صورت میں بزدلی دکھائی، بات سمجھ میں آئی؟ بزدلی کی تو کئی صورتیں ہو سکتی تھیں مثلاً دشمن کو دیکھ کر وہ چھپ گیا یہ بھی بزدلی ہے، ذرا کہیں خطرے والی جگہ آئی وہاں سے چھپ گیا یہ بھی بزدلی کی صورت ہے، تو مثلاً مختلف صورتیں ہو سکتی ہیں بزدلی دکھانے کی، تو بزدل ہونا یا بزدلی دکھانے میں اجمال تھا تو قُعُوْدٌ عَنِ الْحَرْبِ نے آکر بیان کر دیا کہ بزدلی کس طرح دکھائی ہے؟ جنگ سے بیٹھ کر۔

تو کہتے ہیں خِلَافًا لِلزَّجَّاجِ بخلاف امام زجاج کے۔ بھئی یہ خِلَافًا لِلزَّجَّاجِ اس جیسی عبارتیں پہلے بھی گزری ہیں، یہ ترکیب سمجھ لو: خِلَافًا لِلزَّجَّاجِ یہ خِلَافًا مصدر اسی طرح منصوب لاتے ہیں عبارت میں اور آگے لام کے ساتھ اس کے فاعل کو بیان کیا جاتا ہے۔ اصل میں تھا یُخَالِفُ الزَّجَّاجُ خِلَافًا، توجہ ہے؟ یُخَالِفُ الزَّجَّاجُ خِلَافًا، یہ آگے لِلزَّجَّاجِ نہیں تھا۔ یُخَالِفُ فعل تھا، اَلزَّجَّاجُ اس کا فاعل اور خِلَافًا یہ آگے مفعولِ مطلق تھا۔ پھر یُخَالِفُ الزَّجَّاجُ فعل کو اپنے فاعل سمیت حذف کر لیا گیا کیونکہ یہ خِلَافًا اسی یُخَالِفُ پر دلالت کر رہا ہے کہ یہاں یُخَالِفُ کا فعل محذوف ہے۔ تو فعل کو جب فاعل کے ساتھ حذف کیا گیا تو اب فاعل کا پتا نہیں چل رہا تھا، تو پھر آگے لام کے ساتھ اس فاعل کو بیان کر دیا گیا خِلَافًا لِلزَّجَّاجِ۔ تو اصل میں کیا تھا؟ یُخَالِفُ الزَّجَّاجُ خِلَافًا، پھر یُخَالِفُ الزَّجَّاجُ کو حذف کیا اور خِلَافًا رہ گیا، اور اب فاعل کا پتا نہیں چل رہا تو آگے لام کے ساتھ اس فاعل کو بیان کر دیا جاتا ہے، تو یہ لام بیانیہ ہے، یہ لام بیانیہ یہ فاعل کو بیان کر رہا ہے، اور یہ جار مجرور لِلزَّجَّاجِ یہ صفت بنتا ہے خِلَافًا کی: خِلَافًا ثَابِتًا لِلزَّجَّاجِ۔ تو تقدیرِ عبارت کیا ہوئی؟ یُخَالِفُ خِلَافًا ثَابِتًا لِلزَّجَّاجِ، مخالفت کی ہے ایسی مخالفت جو ثابت ہے کس کے لیے؟ امام زجاج کے لیے یعنی انہوں نے مخالفت کی ہے، بات سمجھ میں آگئی اچھی طرح؟ تو کہتے ہیں خِلَافًا لِلزَّجَّاجِ تو جمہور کی جو ہے مخالفت کی ہے امام زجاج نے، فَإِنَّهُ عِنْدَهُ مَصْدَرٌ اس لیے کیونکہ مفعول لہ جو

ہے امام زجاج کے نزدیک مَصْدَرٌ وہ مصدر ہوتا ہے یعنی مفعولِ مطلق ہوتا ہے۔

جی اب شرح کے ساتھ اس سارے کو دیکھیے۔ خِلَافًا لِلزَّجَّاجِ سے ایک سطر اوپر دیکھیے بھائی۔ کہتے ہیں: وَالْقَائِلُ بِكَوْنِ الْمَفْعُوْلِ لَهُ مَعْمُوْلًا مُّسْتَقِلًّا، عبارت مل گئی بھائی؟ وَالْقَائِلُ بِكَوْنِ الْمَفْعُوْلِ لَهُ مَعْمُوْلًا مُّسْتَقِلًّا، اور وہ جو قائل ہے کس چیز کا قائل ہے؟ کہ بِكَوْنِ الْمَفْعُوْلِ لَهُ مَعْمُوْلًا مُّسْتَقِلًّا۔ ادھر دیکھیے: امام زجاج تو کیا فرماتے ہیں کہ یہ مفعول لہ بھی دراصل کیا ہے؟ مفعول مطلق ہے، جبکہ باقی جمہور نحوی کیا فرماتے ہیں کہ وہ الگ مستقل معمول ہے، یہ مفعولِ مطلق کے اندر وہ داخل نہیں۔ تو کہتے ہیں وَالْقَائِلُ بِكَوْنِ الْمَفْعُوْلِ لَهُ مَعْمُوْلًا مُّسْتَقِلًّا اور وہ جو قائل ہے اس بات کا کہ مفعول لہ مستقل معمول ہے غَيْرَ دَاخِلٍ فِي الْمَفْعُوْلِ الْمُطْلَقِ وہ مفعولِ مطلق میں داخل نہیں، يُخَالِفُ خِلَافًا ظَاهِرًا لِّلزَّجَّاجِ، یہ جو قائل ہے، کون سا قائل؟ عبارت پہ نظر رکھو، وہ جو قائل ہے اس بات کا کہ مفعول لہ مستقل معمول ہے مفعولِ مطلق میں داخل نہیں، يُخَالِفُ اس قائل نے مخالفت کی ہے خِلَافًا ایسی مخالفت ظَاهِرًا لِّلزَّجَّاجِ ایسی مخالفت جو ظاہر ہے امام زجاج کے لیے۔ عبارت پہ نظر رکھو بھائی، میں نے کیا ترکیب کروائی تھی؟ خِلَافًا ثَابِتًا لِلزَّجَّاجِ، جار مجرور کو کس سے جوڑا تھا؟ ثَابِتًا سے۔ صاحبِ جامی نے کیا نکالا؟ ظَاهِرًا، بتلانا یہ چاہتے ہیں کہ یہ اختلاف ظاہر ہے کھلا ہے کوئی پوشیدہ نہیں ہے، کھلا ہوا ہے سب کو علم ہے، تو یہاں ظَاهِرًا لے آئے بھائی۔ اور نیز میں نے کیا ترکیب کروائی تھی؟ يُخَالِفُ کا فاعل کس کو بنایا تھا؟ امام زجاج کو۔ مخالفت کس نے کی ہے؟ امام زجاج نے کی ہے۔ ایک طرف جمہور کا مذہب ہے اور ایک طرف امام زجاج ہیں، تو یوں کہیں گے امام زجاج نے جمہور کی مخالفت کی ہے، یوں نہیں کہیں گے کہ جمہور نے امام زجاج کی مخالفت کی ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ لیکن صاحبِ جامی کیا فرما رہے ہیں؟ يُخَالِفُ اس کے اندر ضمیر وہی قائل کو راجع ہے جو پیچھے قائل گزرا، کہ وہ جو قائل ہے اس بات کا کہ مفعول لہ مستقل معمول ہے اور مفعولِ مطلق میں داخل نہیں ہے اس نے مخالفت کی ہے خِلَافًا ظَاهِرًا لِّلزَّجَّاجِ، جی ترجمہ آخر سے کریں: امام زجاج کی ظاہری مخالفت، امام زجاج کی۔ خِلَافًا ظَاهِرًا لِّلزَّجَّاجِ آخر سے ترجمہ: ایسی مخالفت جو ظاہر ہے امام زجاج کے لیے، یعنی امام زجاج کی کھلی مخالفت کی ہے۔ اور میں نے بتایا تھا مفعولِ مطلق کا الگ ترجمہ نہیں کرتے اس کو جملے کے اندر ہی لے آتے ہیں۔ ضَرَبْتُ زَيْدًا ضَرْبًا، طلبہ عموماً یہ ترجمہ کرتے ہیں ضَرَبْتُ زَيْدًا میں نے زید کی پٹائی کی ضَرْبًا پٹائی کرنا، دیکھو الگ پٹائی کرنا بھی ذکر کرتے ہیں حالانکہ الگ ذکر نہیں کرتے، اس کو جملے کے اندر ہی لے آتے ہیں۔ تو یہاں پر بھی خِلَافًا ظَاهِرًا لِّلزَّجَّاجِ ایسی مخالفت جو ظاہر ہے کس کے لیے؟ امام زجاج کے لیے، یعنی امام زجاج کی کھلی مخالفت کی ہے، اس کو جملے کے اندر لے آؤ۔ تو وہ جو قائل ہے يُخَالِفُ خِلَافًا ظَاهِرًا لِّلزَّجَّاجِ انہوں نے امام زجاج کی کھلی مخالفت کی ہے، انہوں نے امام زجاج کی کھلی مخالفت کی ہے کیونکہ امام زجاج نے تو اس کو مفعولِ مطلق قرار دیا تھا لیکن باقی قائلین جو ہیں اس کو مفعول لہ کو الگ مستقل معمول قرار دے رہے ہیں، تو انہوں نے امام زجاج کی کھلی مخالفت کی ہے۔ تو یہاں محشی حضرات فرماتے ہیں کہ یہ پسندیدہ نہیں، مخالفت کی نسبت جمہور کی طرف کر دی، بلکہ

مخالفت کی نسبت کس کی طرف کرنی چاہیے؟ امام زجاج کی طرف نسبت کرنی چاہیے، ایک طرف جمہور ہیں تو یوں تو نہیں کہیں گے کہ جمہور نے امام زجاج کی مخالفت کی ہے بلکہ کیا کہنا چاہیے؟ امام زجاج نے جمہور کی مخالفت کی ہے۔ تو لہٰذا یہ پسندیدہ نہیں۔ بعضوں نے پھر بعض شارحین نے جواب دیا کہ اس کو یُخَالِفُ نہ پڑھو، یُخَالَفُ پڑھو، کیا پڑھو؟ یُخَالَفُ۔ کہ وہ جو قائل ہیں اس بات کے کہ مفعول لہ مستقل معمول ہے، یُخَالَفُ ان کی مخالفت کی گئی ہے خِلَافًا ظَاهِرًا لِّلزَّجَّاجِ ایسی مخالفت جو امام زجاج کی طرف سے ظاہر ہے، یعنی امام زجاج نے ان کی ظاہری مخالفت کی ہے۔ پہلے معنی کیا تھا؟ انہوں نے امام زجاج کی ظاہری مخالفت کی ہے، اور اب کیا معنی بن گیا؟ کہ ان کی ظاہری مخالفت کی گئی ہے کس کی طرف سے؟ امام زجاج کی طرف سے یعنی امام زجاج نے جمہور کی کھلی مخالفت کی ہے۔ بات سمجھ میں آگئی اچھی طرح؟

تو کہتے ہیں: خِلَافًا ظَاهِرًا لِّلزَّجَّاجِ کہ ایسی مخالفت جو ظاہر ہے امام زجاج کے لیے، فَإِنَّهُ أَيِ الْمَفْعُوْلَ لَهُ اس لیے کیونکہ مفعول لہ جو ہے عِنْدَهُ أَيْ عِنْدَ الزَّجَّاجِ امام زجاج کے نزدیک مَصْدَرٌ مِّنْ غَيْرِ لَفْظِ فِعْلِهِ وہ ایسا مصدر ہے جو اپنے فعل کے لفظ کے علاوہ ہے، جو اپنے فعل کے لفظ یعنی لفظ اس کے الگ ہیں، ضَرَبْتُهُ تَأْدِيْبًا ماقبل میں ضَرَبْتُ ذکر ہے اور بعد میں تَأْدِيْبًا ہے، تو تَأْدِيْبًا کے لفظ الگ ہیں لیکن معنی دونوں کا ایک ہی ہے۔ تو کہتے ہیں مَصْدَرٌ مِّنْ غَيْرِ لَفْظِ فِعْلِهِ یہ اپنے فعل کے لفظ سے غیر ہے یعنی اس کے علاوہ ہے یعنی لفظ دونوں کے الگ الگ ہیں۔ فَالْمَعْنٰى عِنْدَهُ فِي الْمِثَالَيْنِ الْمَذْكُوْرَيْنِ تو امام زجاج کے نزدیک کلام کا معنی جو ہے دونوں مثالوں میں أَدَّبْتُهُ بِالضَّرْبِ تَأْدِيْبًا، وَجَبُنْتُ فِي الْقُعُوْدِ عَنِ الْحَرْبِ جُبْنًا یہ معنی ہے۔ بھئی اوپر وہ متن میں جو مثالیں آئیں ذرا ان پہ نظر رکھیں: ضَرَبْتُهُ تَأْدِيْبًا۔ امام زجاج کیا فرماتے ہیں کہ یہ ضرب اور تادیب ایک ہی چیز ہیں، ضرب اور تادیب ایک ہی چیز ہیں، چنانچہ آگے صاحبِ جامی اس کی تفسیر کریں گے۔ ایک صورت یہ: ضَرَبْتُهُ تَأْدِيْبًا پر نظر ہے؟ تو اس وقت لفظ تو دونوں کے الگ ہیں، ایک ہے ضَرَبْتُهُ اور دوسرا ہے تَأْدِيْبًا۔ صاحبِ جامی اس میں تاویل کر کے، یا یوں کہو امام زجاج اس میں تاویل کر کے دونوں کو ایک ہی بنا لیتے ہیں۔ پھر اس میں دو صورتیں بنائیں گے: ایک یہ کہ ضَرَبْتُهُ تَأْدِيْبًا، یہ تَأْدِيْبًا کو ہٹا کر یہاں بھی ضَرْبًا لے آئیں گے، کیا لے آئیں گے؟ ضَرَبْتُهُ ضَرْبًا، اس جیسی دیکھو ابھی آگے آئے گی، تفصیل آئے گی، ضَرَبْتُهُ ضَرْبًا جیسی عبارت بنا لیں گے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ ضَرَبْتُ کو ختم کر دیں اور اس کی جگہ بھی تادیب لے آئیں: أَدَّبْتُهُ تَأْدِيْبًا، دونوں صورتیں بنائیں گے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ ایک صورت میں کیا کریں گے؟ آگے تَأْدِيْبًا کی جگہ کیا لے آئیں گے؟ ضَرْبًا لے آئیں گے۔ دوسری صورت میں کیا کریں گے؟ ضَرَبْتُ کی جگہ أَدَّبْتُ لے آئیں گے۔ تو کہتے ہیں فَالْمَعْنٰى عِنْدَهُ فِي الْمِثَالَيْنِ الْمَذْكُوْرَيْنِ تو معنی امام زجاج کے نزدیک دونوں مذکورہ مثالوں میں: أَدَّبْتُهُ بِالضَّرْبِ تَأْدِيْبًا۔ أَدَّبْتُهُ دیکھو ضَرَبْتُهُ کی جگہ کیا لے آئے؟ أَدَّبْتُهُ، اور ساتھ بیان کر دیا کہ ادب سکھایا کس طریقے کے ذریعے؟ بِالضَّرْبِ، أَدَّبْتُهُ بِالضَّرْبِ تَأْدِيْبًا میں نے اس کو ضرب کے ذریعے ادب سکھایا۔ تو کس کو اصل بنا دیا؟ بھئی وہ مثال پہ نظر رکھو ضَرَبْتُهُ تَأْدِيْبًا، یہاں کیا لے آئے أَدَّبْتُ؟ معلوم ہوا ضَرَبْتُ کو ختم کر دیا، تو أَدَّبْتُهُ بِالضَّرْبِ تَأْدِيْبًا میں نے اس کو

ضرب کے ذریعے ادب سکھایا۔ جی، وَجَبُنْتُ، جَبُنَ يَجْبُنُ بابِ كَرُمَ سے بھی آتا ہے اور بابِ نَصَرَ سے بھی، تو جَبَنْتُ پڑھنا بھی صحیح اور جَبُنْتُ پڑھنا بھی صحیح۔ وَجَبَنْتُ فِي الْقُعُوْدِ عَنِ الْحَرْبِ جُبْنًا، وَجَبَنْتُ اور میں نے بزدلی دکھائی فِي الْقُعُوْدِ عَنِ الْحَرْبِ جُبْنًا جنگ سے بیٹھنے میں۔ جی اب دوسری صورت کریں گے۔ پہلے کیا کیا تھا؟ وہ جو مصدر تھا نا آخر میں تَأْدِيْبًا اور جُبْنًا اسی سے فعل بنا لیا تھا، جی اب دیکھو: أَوْ ضَرَبْتُهُ ضَرْبَ تَأْدِيْبٍ، جی دیکھا؟ اب تادیب کی جگہ بھی ضرب لے آئے اور ضرب کی اس کی طرف اضافت کر دی۔ أَوْ ضَرَبْتُهُ ضَرْبَ تَأْدِيْبٍ یا میں نے اس کو تادیب والی ضرب لگائی، وَقَعَدْتُ قُعُوْدَ جُبْنٍ میں نے بزدلی والا قعود کیا۔

آگے دیکھیے: وَرُدَّ قَوْلُ الزَّجَّاجِ، اور امام زجاج کے قول کو رد کیا گیا ہے بِأَنَّ صِحَّةَ تَأْوِيْلِ نَوْعٍ بِنَوْعٍ کہ ایک نوع کی تاویل کا صحیح ہونا دوسری نوع کے ساتھ، یعنی ایک نوع کی تاویل کر کے دوسری نوع میں اگر آپ داخل بھی کر دیں تو اس سے وہ اپنی حقیقت سے خارج نہیں ہوتی۔ جیسے، جیسے کہتے ہیں حال کی تاویل ظرف کے ساتھ اگر کر لی جائے تو اس کا یہ معنی نہیں ہے کہ حال کی کوئی حقیقت ہی نہیں ہے اور وہ ظرف ہی ہے۔ مثلاً جَاءَنِيْ زَيْدٌ رَاكِبًا، جَاءَنِيْ زَيْدٌ رَاكِبًا آیا میرے پاس زید رَاكِبًا اس حال میں کہ وہ سوار تھا۔ یہ جو حال ہے اس کی تاویل ظرف کے ساتھ کی جا سکتی ہے اور یوں کہا جا سکتا ہے: جَاءَنِيْ زَيْدٌ وَقْتَ الرُّكُوْبِ۔ پہلے کیا تھا؟ جَاءَنِيْ زَيْدٌ رَاكِبًا میرے پاس زید آیا رَاكِبًا اس حال میں کہ زید سوار تھا، اور اب ہم نے اس کی تاویل ظرف کے ساتھ کر لی: جَاءَنِيْ زَيْدٌ وَقْتَ الرُّكُوْبِ آیا میرے پاس زید وَقْتَ الرُّكُوْبِ سواری کے وقت میں یعنی جس وقت وہ سوار تھا۔ تو دیکھو حال کی تاویل ظرف کے ساتھ صحیح ہو جاتی ہے لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ حال جو ہے وہ اپنی حقیقت سے نکل گیا اور حال کا کوئی وجود ہی نہیں ہے، بلکہ حال باقاعدہ ایک الگ معمول ہے اور ظرف باقاعدہ ایک الگ معمول ہے، تو ایک نوع کو تاویل کر کے اگر دوسرے نوع کے اندر داخل کر بھی لیا جائے تو یہ تاویل اس کو اس کی حقیقت سے نہیں نکالتی۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو کہتے ہیں: وَرُدَّ قَوْلُ الزَّجَّاجِ اور امام زجاج کے قول کو رد کیا گیا بِأَنَّ صِحَّةَ تَأْوِيْلِ نَوْعٍ بِنَوْعٍ کہ ایک نوع کی تاویل کا صحیح ہونا بِنَوْعٍ دوسری نوع کے ساتھ لَا تُدْخِلُهُ فِيْ حَقِيْقَتِهِ یہ اس پہلی نوع کو اس دوسری نوع کی حقیقت میں داخل نہیں کرتا۔ أَلَا تَرٰى کیا آپ دیکھتے نہیں أَنَّ صِحَّةَ تَأْوِيْلِ الْحَالِ بِالظَّرْفِ کہ حال کی تاویل کا صحیح ہونا بِالظَّرْفِ ظرف کے ساتھ، مِنْ حَيْثُ اس حیثیت سے کہ إِنَّ مَعْنٰى جَاءَ زَيْدٌ رَاكِبًا کہ جَاءَ زَيْدٌ رَاكِبًا کا معنی جو ہے جَاءَ زَيْدٌ وَقْتَ الرُّكُوْبِ کہ آیا زید سواری کے وقت میں۔ حال کی تاویل صحیح ہے ظرف کے ساتھ کہ جَاءَ زَيْدٌ رَاكِبًا کس معنی میں ہے؟ جَاءَ زَيْدٌ وَقْتَ الرُّكُوْبِ کے معنی میں ہے، تو یہ تاویل صحیح ہے مِنْ غَيْرِ أَنْ تُخْرِجَ عَنْ حَقِيْقَتِهَا بغیر اس کے کہ یہ تاویل اس حال کو اپنی حقیقت سے نکال دے۔ اس تاویل کی وجہ سے حال اپنی حقیقت سے نہیں نکلتا بلکہ حال الگ معمول ہے اور ظرف الگ معمول ہے بھائی، بات سمجھ میں آگئی۔ چلیے بس بھائی هٰذَا هُوَ الْمَرَامُ وَاللهُ أَعْلَمُ بِحَقِيْقَةِ الْكَلَامِ۔

سبق نمبر ۱۳۸: المفعول لہ (۲): مفعولِ لہ کے منصوب ہونے کی شرائط (اتحادِ فاعل و زمان)

شرحِ ملا جامی صفحہ: ۱۱۹ — بتاریخ: ۲۳ جنوری ۲۰۲۲ء

▪ تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث

آگے دیکھیے بھائی سبق: وَشَرْطُ نَصْبِهِ أَيْ شَرْطُ انْتِصَابِ الْمَفْعُوْلِ لَهُ لَا شَرْطُ كَوْنِ الْاِسْمِ مَفْعُوْلًا لَهُ، فَالسَّمْنُ وَالْإِكْرَامُ فِيْ قَوْلِكَ جِئْتُكَ لِلسَّمْنِ وَلِإِكْرَامِكَ الزَّائِرَ عِنْدَهُ مَفْعُوْلٌ لَهُ عَلٰى مَا يَدُلُّ عَلَيْهِ حَدُّهُ، وَهٰذَا كَمَا قَالَ فِي الْمَفْعُوْلِ فِيْهِ إِنَّ شَرْطَ نَصْبِهِ تَقْدِيْرُ فِيْ، وَهٰذَا أَيْضًا خِلَافُ اصْطِلَاحِ الْقَوْمِ۔

بھئی گزشتہ سبق میں ہم نے مفعول لہ کے بارے میں پڑھنا شروع کیا تھا بھائی۔ صاحبِ کافیہ نے آپ کو بتلایا کہ مفعول لہ اس چیز کا نام ہے جس کی وجہ سے فعلِ مذکور کو کیا جائے: ضَرَبْتُهُ تَأْدِيْبًا میں نے اس کی پٹائی کی ادب سکھانے کے لیے، تو یہ تَأْدِيْبًا مفعول لہ ہے، یہ جو ماقبل میں فعل ہے یہ اس کی وجہ سے کیا گیا بھائی۔ اور پھر انہوں نے آپ کو بتلایا تھا کہ فعل سے مراد حدث ہے بھائی، فعل سے کیا مراد ہے؟ حدث مراد ہے، فعلِ اصطلاحی مراد نہیں کیونکہ فعلِ اصطلاحی تو کلمے کا نام ہے، لفظ کا نام ہے۔ ضَرَبْتُهُ تَأْدِيْبًا یہ جو ضَرَبْتُ کا لفظ ہے یہ ہے فعلِ اصطلاحی کیونکہ فعلِ اصطلاحی کسے کہتے ہیں؟ وہ کلمہ جو اپنے معنی پر مستقلاً دلالت کرے اور تین زمانوں میں سے کوئی زمانہ بھی اس کے ساتھ ملا ہوا ہو، اس کلمے کو فعل کہتے ہیں۔ تو ضَرَبْتُهُ تَأْدِيْبًا یہ ضَرَبْتُ کا جو لفظ ہے یہ ہے فعلِ اصطلاحی، اور انہوں نے کیا کہا کہ مفعول لہ وہ ہے جس کی وجہ سے فعلِ مذکور کیا جائے۔ تو اس فعل سے فعلِ اصطلاحی مراد نہیں ہو سکتا کیونکہ فعلِ اصطلاحی تو کلمے کا نام ہے، لفظ کا نام ہے، اور لفظ کو کیا نہیں جاتا لفظ کو کہا جاتا ہے، لفظ کو کہا جاتا ہے۔ پھر تو ضَرَبْتُهُ تَأْدِيْبًا کا معنی یہ بن جائے گا اگر آپ اس سے فعلِ اصطلاحی مراد لے لیں کہ ضَرَبْتُهُ کہ یہ والا جو فعل میں نے کہا تَأْدِيْبًا کس لیے کہا؟ ادب سکھانے کے لیے، حالانکہ یہ ضَرَبْتُهُ یہ لفظ میں نے اس کو ادب سکھانے کے لیے کہا یا وہ ضرب والا جو فعل میں نے کیا تھا وہ ادب سکھانے کے لیے تھا؟ تو وہ ضرب والا جو حدث تھا وہ ادب سکھانے کے لیے تھا، یہ ضَرَبْتُهُ کا لفظ جو کہا گیا ہے یہ تادیب کے لیے نہیں ہے، بات سمجھ میں آ گئی۔

اور پھر بتلایا تھا کہ وہ فعل جو ہے مذکور ہونا چاہیے، چاہے حقیقتاً مذکور ہو اور چاہے حکماً مذکور ہو۔ کہتے ہیں یہ مَذْکُوْرٌ کی قید کے ذریعے أَعْجَبَنِي التَّأْدِيْبُ جیسی مثالوں سے احتراز کیا۔ مثلاً صورت یہ ہے آپ نے زید کی پٹائی کی ہے اور ادب سکھانے کے لیے کی ہے، کس لیے پٹائی کی؟ ادب سکھانے کے لیے، تو اب میں آپ سے بعد میں کہتا ہوں أَعْجَبَنِي التَّأْدِيْبُ مجھے آپ کی وہ تادیب پسند آئی، اور وہ تادیب کس طرح کی گئی تھی؟ ضرب کے ساتھ کی گئی تھی۔ تو یہاں دیکھو أَعْجَبَنِي التَّأْدِيْبُ، أَعْجَبَ فعل ہے اور التَّأْدِيْبُ اس کا فاعل ہے، اور اس تادیب کا فعل جو ہے یعنی ضَرَبْتُ وہ یہاں مذکور نہیں۔ تو مَذْکُوْرٌ کی قید کے ذریعے اس طرح کی مثالوں سے احتراز کرنا مقصود ہے جہاں مفعول لہ کے ساتھ اس کا فعل مذکور نہ ہو، أَعْجَبَنِي التَّأْدِيْبُ کے اندر بھی اس کا فعل ضَرَبْتُ مذکور نہیں ہے۔ اس پر معترض کہتا ہے کہ بھئی تعریف میں تو صرف یہ آیا کہ مفعول لہ وہ چیز ہے جس کی وجہ سے فعلِ مذکور کیا جائے، اور یہاں اس کے ساتھ وہ فعل مذکور نہیں لیکن فی الجملہ یعنی مجموعی اعتبار سے کہیں نہ کہیں تو ذکر ہوگا، کہیں نہ کہیں تو ذکر ہوگا جیسے مثلاً دوسری مثال لے لیں ضَرَبْتُ زَيْدًا، دیکھو یہاں وہ ضَرَبْتُ مذکور ہے اگرچہ أَعْجَبَنِي التَّأْدِيْبُ کے اندر مذکور نہیں، لیکن انہوں نے یہ تو نہیں کہا کہ اسی کے ساتھ مذکور ہونا چاہیے، انہوں نے تو کہا مذکور ہونا چاہیے، تو کہیں نہ کہیں تو ضَرَبْتُ مذکور ہے، تو یہ تادیب بھی تعریف کے اندر داخل ہو رہا ہے اگرچہ یہ مفعول لہ نہیں ہے یہاں پر کیا ہے؟ یہاں تو یہ فاعل بن رہا ہے أَعْجَبَنِيْ کے لیے۔ تو پھر اس کا جواب دیا تھا صاحبِ جامی نے کہ بھئی مذکور ہونے کا یہ معنی نہیں ہے کہ فی الجملہ کہیں پر بھی مذکور ہو، بلکہ مذکور ہونے کا معنی یہ ہے کہ اسی مفعول لہ کے ساتھ وہ فعل مذکور ہونا چاہیے۔ اور أَعْجَبَنِي التَّأْدِيْبُ اس تادیب کے ساتھ تو فعل مذکور نہیں۔ تو معترض پھر اعتراض کرتا ہے کہ بھئی تادیب کے ساتھ بھی تو کہیں نہ کہیں مذکور ہوگا مثلاً دوسرا جملہ دیکھ لیں ضَرَبْتُهُ تَأْدِيْبًا، یہاں دیکھو تادیب کے ساتھ ضرب کا فعل مذکور ہے، تو أَعْجَبَنِي التَّأْدِيْبُ یہ مثال ابھی بھی تعریف کے اندر داخل ہو رہی ہے کیونکہ تعریف کیا کی کہ مفعول لہ وہ چیز ہے جس کی وجہ سے فعلِ مذکور کو کیا جائے، تو یہ تادیب بھی داخل ہے، اس کے ساتھ اگرچہ فعل ذکر نہیں لیکن کہیں اور تو اس کے ساتھ فعل ذکر ہے بھائی فی الجملہ کسی نہ کسی جگہ پر۔ تو اس کا جواب دیا تھا کہ بھئی کسی اور جگہ اس کے ساتھ مذکور ہونا مراد نہیں بلکہ اسی ترکیب میں اس کے ساتھ مذکور ہونا چاہیے، اور أَعْجَبَنِي التَّأْدِيْبُ اس ترکیب میں تو یہاں ضَرَبْتُ اس کے ساتھ مذکور نہیں، لہٰذا اس جیسی مثالیں تعریف سے خارج ہو گئیں مَذْکُوْرٌ کی قید کے ذریعے کیونکہ مَذْکُوْرٌ سے کیا مراد ہے؟ کہ اسی کے ساتھ مذکور ہو اور اسی ترکیب کے اندر مذکور ہو بھائی۔ تو البتہ کہتے ہیں اب بھی ایک اشکال پھر بھی رہ جاتا ہے کہ مثلاً اس طرح کی مثالیں جیسے ہیں أَعْجَبَنِي التَّأْدِيْبُ الَّذِيْ ضَرَبْتَ لِأَجْلِهِ مجھے پسند آئی وہ تادیب اَلَّذِيْ ضَرَبْتَ لِأَجْلِهِ کہ جس کی وجہ سے آپ نے پٹائی کی تھی۔ اب یہاں پر تادیب فاعل بن رہا ہے مفعول لہ نہیں ہے لیکن یہ تعریف میں داخل ہو رہا ہے، کیوں؟ کیونکہ یہاں تادیب بھی ذکر ہے اور آگے اَلَّذِيْ ضَرَبْتَهُ موصول صلہ کے اندر ضَرَبْتَ فعل بھی ذکر ہے، تو تادیب کے ساتھ اس کا فعل بھی مذکور ہے اگرچہ اس میں عامل نہیں ہے لیکن ساتھ مذکور تو ہے اسی ترکیب میں تو ہے۔ تو جواب دیا تھا کہ بھئی مراد یہ ہے کہ اس کے ساتھ ذکر ہو، اسی ترکیب میں ہو اور اس مفعول لہ کے اندر

وہ فعل عمل کر رہا ہو، یہاں ضَرَبْتَ ذکر تو ہے لیکن وہ تادیب کے اندر عمل نہیں کر رہا، تادیب کے اندر تو أَعْجَبَنِيْ عمل کر رہا ہے اور تادیب اس کے لیے فاعل ہے۔ تو بہر حال یہ بڑا کمزور جواب ہے کیونکہ تعریف میں تو صرف مَذْکُوْرٌ ذکر ہے کہ وہ فعل کیا ہونا چاہیے؟ مذکور ہونا چاہیے، یہ بھی نہیں ذکر کہ اس کے ساتھ ہو، یہ بھی نہیں ذکر کہ اسی ترکیب میں اس کے ساتھ ہو، اور یہ بھی نہیں ذکر کہ وہ فعل اس کے اندر عمل کر رہا ہو نصب دے رہا ہو، تو ان میں سے کوئی بھی چیز تعریف کے اندر تو مذکور نہیں ہے، لیکن کہتے ہیں بس یہی جواب دیا جا سکتا ہے کہ مراد یہ ہے، مراد مَذْکُوْرٌ ہونے سے کیا مراد؟ اس کے ساتھ ہو، اسی ترکیب میں ہو اور اس کے اندر عمل کر رہا ہو اس کو نصب دے رہا ہو۔

اور پھر بتلایا تھا کہ یہ مفعول لہ دو قسم پر ہے: کبھی ماقبل والا فعل جو ہے وہ سبب بنتا ہے مفعول لہ کے لیے، ضَرَبْتُهُ تَأْدِيْبًا یہ ضرب سبب ہے تادیب کے لیے، ضرب لگے گی تو کیا حاصل ہو جائے گی؟ تادیب حاصل ہوگی۔ اور کبھی مفعول لہ سبب ہوتا ہے فعل کے لیے جیسے قَعَدْتُ عَنِ الْحَرْبِ جُبْنًا میں جنگ سے بیٹھا بزدلی کی وجہ سے، تو دیکھو بزدلی سبب ہے جنگ سے بیٹھنے کا، شخص پہلے سے بزدل ہے تو اس بزدلی کی وجہ سے وہ جنگ سے بھی بیٹھ گیا، تو یہاں مفعول لہ سبب ہے فعلِ مذکور کے لیے۔ اور پھر اس کے بعد امام زجاج کا مذہب ذکر فرمایا تھا صاحبِ کافیہ نے کہ امام زجاج جو ہیں وہ جمہور نحویوں کی مخالفت کرتے ہیں۔ جمہور نحوی تو کہتے ہیں کہ مفعول لہ ایک مستقل معمول ہوتا ہے فعل کا، جبکہ امام زجاج فرماتے ہیں کہ نہیں مفعول لہ کوئی الگ چیز نہیں یہ وہی مفعولِ مطلق ہے، البتہ لفظ اس کے الگ ہیں اور مفعولِ مطلق میں جائز ہے کہ لفظ الگ ہو سکتے ہیں جیسے قَعَدْتُ جُلُوْسًا قعود کا معنی بھی بیٹھنا جلوس کا معنی بھی بیٹھنا، تو دونوں کے لفظ اگرچہ الگ ہیں لیکن معنی ایک ہونا چاہیے، اور یہاں ضَرَبْتُهُ تَأْدِيْبًا اس میں امام زجاج فرماتے ہیں لفظ اگرچہ الگ ہیں ایک ضرب ہے دوسرا تادیب ہے لیکن معنی ایک ہی ہے یعنی ایک ہی فعل دونوں سے مراد ہے، کیونکہ فعل تو ایک ہی ہے وہ ضرب والا۔ تو بایں اعتبار کہ اس فعل کی وجہ سے دوسرے کو تکلیف ہو رہی ہے اس کو ضرب کہیں گے، اور بایں اعتبار کہ اس سے دوسرے کی اصلاح ہو رہی ہے اسی کو کیا کہیں گے؟ تادیب کہیں گے۔ تو امام زجاج فرماتے ہیں کہ یہ مفعول لہ کوئی الگ چیز نہیں یہ مفعولِ مطلق ہے، البتہ لفظ دونوں کے الگ الگ ہیں اور یہ جو ماقبل والا فعل ہوتا ہے اس کے لیے بیان ہوتا ہے یعنی اس مفعول لہ میں اجمال ہوتا ہے، کیونکہ ادب سکھانے کی کئی صورتیں ہو سکتی ہیں: ضرب کے ذریعے بھی، ڈانٹ کے ذریعے بھی اور ویسے وعظ و نصیحت کے ذریعے بھی تادیب ہو سکتی ہے، تو اس تادیب کے اندر اجمال تھا کہ یہ تادیب تو ہے لیکن کس طریقے سے ہے؟ تو ماقبل میں اس کے ساتھ فعل کو ذکر کر کے بیان کر دیا گیا کہ یہ تادیب کس طریقے سے ہے؟ ضرب کے طریقے سے ہے۔ معلوم ہوا امام زجاج کے نزدیک مفعول لہ کوئی الگ معمول نہیں بلکہ یہ مفعولِ مطلق ہی ہے، البتہ اس کا لفظ الگ ہوتا ہے اور ماقبل والا فعل اس کے لیے بیان ہوتا ہے وہ اس کی صورت بیان کرتا ہے۔ لیکن صاحبِ جامی نے امام زجاج کے قول کو رد فرمایا کہ ایک نوع کی تاویل کر کے اس کو دوسری نوع میں داخل کرنا، اس تاویل سے کوئی چیز

اپنی حقیقت سے خارج نہیں ہو جاتی۔ جیسے حال جو ہے اس کی تاویل کی جاتی ہے ظرف کے ساتھ: جَاءَنِيْ زَيْدٌ رَاكِبًا آیا میرے پاس زید اس حال میں کہ وہ سوار تھا، اس کی تاویل ظرف کے ساتھ کی جاتی ہے اوریوں کہا جائے گا جَاءَنِيْ زَيْدٌ وَقْتَ الرُّكُوْبِ میرے پاس زید آیا سواری کے وقت میں یعنی اس وقت وہ سواری کر رہا تھا جب وہ میرے پاس آیا۔ تو دیکھو معنی دونوں کا ایک جیسا ہے تو حال کی تاویل کی جاتی ہے کس کے ساتھ؟ ظرف کے ساتھ، اس تاویل سے یہ نہیں لازم آتا کہ حال کوئی معمول ہی نہیں ہے بلکہ حال الگ معمول ہے اور ظرف الگ معمول ہے، تو تاویل کر کے اگر مفعول لہ کو مفعولِ مطلق بنا لیا جائے تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ مفعول لہ الگ معمول نہیں ہے بلکہ مفعول لہ مستقل الگ معمول ہے، بات سمجھ میں آگئی۔

جی اب آئیے آج کے سبق پر۔ آگے دیکھیے بھائی، کہتے ہیں: وَشَرْطُ نَصْبِهِ أَيْ شَرْطُ انْتِصَابِ الْمَفْعُوْلِ لَهُ لَا شَرْطُ كَوْنِ الْاِسْمِ مَفْعُوْلًا لَهُ، فَالسَّمْنُ وَالْإِكْرَامُ فِيْ قَوْلِكَ جِئْتُكَ لِلسَّمْنِ وَلِإِكْرَامِكَ الزَّائِرَ عِنْدَهُ مَفْعُوْلٌ لَهُ عَلٰى مَا يَدُلُّ عَلَيْهِ حَدُّهُ، وَهٰذَا كَمَا قَالَ فِي الْمَفْعُوْلِ فِيْهِ إِنَّ شَرْطَ نَصْبِهِ تَقْدِيْرُ فِيْ، وَهٰذَا أَيْضًا خِلَافُ اصْطِلَاحِ الْقَوْمِ۔

اچھا بھائی پہلے ذرا متن متن دیکھیے بھائی: وَشَرْطُ نَصْبِهِ تَقْدِيْرُ اللَّامِ، وَإِنَّمَا يَجُوْزُ حَذْفُهَا إِذَا كَانَ فِعْلًا لِّفَاعِلِ الْفِعْلِ الْمُعَلَّلِ بِهِ وَمُقَارِنًا لَّهُ فِي الْوُجُوْدِ۔ اب صاحبِ کافیہ شرط بیان کر رہے ہیں مفعول لہ کے منصوب ہونے کی، تو فرماتے ہیں وَشَرْطُ نَصْبِهِ تَقْدِيْرُ اللَّامِ کہ مفعول لہ کے منصوب ہونے کی شرط جو ہے وہ تقدیرِ لام ہے، کہ وہاں پر لام مقدر ہونا چاہیے یعنی اس کا معنی وہاں مقدر ہو بھائی۔ صاحبِ کافیہ یہاں پر جمہور نحویوں سے اختلاف کرتے ہیں جیسے انہوں نے اختلاف کیا تھا مفعول فیہ کے اندر۔ جمہور نحویوں کے نزدیک مفعول فیہ کا منصوب ہونا ضروری ہے، اگر لفظوں کے اندر فِيْ ذکر ہو جائے تو اس کو مفعول فیہ نہیں کہتے بلکہ اس کو مفعول بہ غیرِ صریح کہتے ہیں، لیکن صاحبِ کافیہ نے وہاں پر بھی ذکر کیا تھا وَشَرْطُ نَصْبِهِ کہ مفعول فیہ کے منصوب ہونے کی یہ شرط ہے، معلوم ہوا ان کے نزدیک جو غیرِ منصوب ہو یعنی فِيْ کے ساتھ ہے وہ بھی مفعول فیہ ہوتا ہے۔ تو مثلاً ضَرَبْتُ زَيْدًا يَوْمَ الْجُمُعَةِ یہ يَوْمَ الْجُمُعَةِ منصوب ہے یہ جمہور کے نزدیک مفعول فیہ ہے بھائی، اور ضَرَبْتُ زَيْدًا فِيْ يَوْمِ الْجُمُعَةِ یہاں فِيْ لفظوں میں موجود ہے تو جمہور کے نزدیک یہ يَوْمِ الْجُمُعَةِ یہاں پر مفعول فیہ نہیں ہے بلکہ یہ مفعول بہ غیرِ صریح ہے، لیکن صاحبِ کافیہ کے نزدیک دونوں مفعول فیہ ہیں۔ تو اسی طرح وہ اختلاف کرتے ہیں مفعول لہ میں بھی: جمہور کے نزدیک مفعول لہ ہمیشہ منصوب ہوگا اور ہمیشہ فعل ہوگا۔ ضَرَبْتُهُ تَأْدِيْبًا دیکھو یہ تَأْدِيْبًا فعل ہے یعنی مصدر ہے اور نیز یہ منصوب ہے، تو جمہور کے نزدیک مفعول لہ کے اندر مفعول لہ کا منصوب ہونا بھی ضروری اور اس کا فعل ہونا بھی ضروری ہے۔ جبکہ صاحبِ کافیہ کے نزدیک مفعول لہ کا منصوب ہونا بھی ضروری نہیں اور مفعول لہ کا فعل ہونا بھی ضروری نہیں۔ چنانچہ اسی لیے وہ فرماتے ہیں وَشَرْطُ نَصْبِهِ مفعول لہ کے منصوب ہونے کی شرط یہ ہے، معلوم ہوا جو منصوب نہیں ہوگا وہ بھی مفعول لہ ہوگا۔ تو دیکھو عربی زبان میں عام طور پر علت بیان کرنے کے لیے لام استعمال کیا جاتا ہے، تو صاحبِ کافیہ کے نزدیک جہاں لفظوں میں لام وغیرہ یا کوئی ایسا حرف جو علت پر دلالت کر رہا ہو تو وہ بھی مفعول

لہ ہے اور اس کے نصب کی شرط جو ہے وہ تقدیرِ لام ہے کہ وہاں لام مقدر ہونا چاہیے۔ تو صاحبِ کافیہ کے نزدیک مفعول لہ کا منصوب ہونا بھی ضروری نہیں بلکہ منصوب ہونے کی شرط وہ بیان کر رہے ہیں: شَرْطُ نَصْبِهِ تَقْدِيْرُ اللّٰامِ کہ مفعول لہ کے منصوب ہونے کی شرط یہ ہے کہ وہاں لام مقدر ہو۔ اور اگر لام لفظوں میں موجود ہے تو اس کو بھی وہ مفعول لہ کہتے ہیں، مثلاً میں کہتا ہوں ضَرَبْتُهُ لِلتَّأْدِيْبِ، اب یہاں لام لفظوں میں موجود ہے، تو جمہور کے نزدیک یہ مفعول لہ نہیں کیونکہ مفعول لہ کا منصوب ہونا ضروری، لیکن صاحبِ کافیہ کے نزدیک یہ جو لِلتَّأْدِيْبِ آیا یہ بھی مفعول لہ ہے کیونکہ یہ ماقبل کے فعل کی علت اور اس کا سبب بیان کر رہا ہے۔ اور نیز کیا تعریف کی؟ مفعول لہ اس چیز کا نام ہے جس کی وجہ سے فعلِ مذکور کیا جائے، تو جِئْتُ لِلسَّمْنِ اس سمن کو بھی کیا کہنا پڑے گا؟ تو اس تعریف کے مطابق یہ لِلسَّمْنِ یہ بھی مفعول لہ ہے۔ جِئْتُكَ لِلسَّمْنِ، سمن گھی کو کہتے ہیں، جِئْتُكَ میں آپ کے پاس آیا لِلسَّمْنِ گھی کے لیے یعنی میں آپ کے پاس گھی لینے کے لیے آیا۔ تو دیکھو یہاں پر یہ لِلسَّمْنِ سے ماقبل کون سا فعل ہے؟ جِئْتُ یعنی یہ مجیئت کا فعل ہے، اور یہ مجیئت کا فعل کس لیے کیا گیا؟ لِلسَّمْنِ گھی کی وجہ سے کیا گیا، تو جِئْتُكَ لِلسَّمْنِ میں آیا آپ کے پاس گھی لینے کے لیے۔ تو صاحبِ کافیہ کی تعریف کے مطابق یہ لِلسَّمْنِ جو آیا ہے یہ بھی مفعول لہ ہے بھائی۔ بات سمجھ میں آگئی؟ کیوں؟ کیونکہ کیا تعریف کی؟ مفعول لہ وہ ہے جس کی وجہ سے فعلِ مذکور کو کیا جائے، تو یہ تعریف لِلسَّمْنِ پر صادق آرہی ہے۔ تو حاصلِ کلام کیا؟ کہ جمہور کے نزدیک مفعول لہ کا منصوب ہونا بھی ضروری اور فعل ہونا بھی ضروری ہے، ضَرَبْتُهُ تَأْدِيْبًا یہ تَأْدِيْبًا منصوب بھی ہے اور فعل بھی ہے یعنی مصدر ہے۔ جبکہ صاحبِ کافیہ کے نزدیک منصوب ہونا بھی ضروری نہیں، لہٰذا ضَرَبْتُهُ لِلتَّأْدِيْبِ یہ لِلتَّأْدِيْبِ بھی ان کے نزدیک مفعول لہ ہے، ہاں نصب کی شرط یہ ہے کہ لام مقدر ہونا چاہیے۔ اور نیز جِئْتُكَ لِلسَّمْنِ یہ بھی تعریف کے اندر داخل ہو رہا ہے کیونکہ اس کی وجہ سے فعلِ مذکور یعنی مجیئت کو کیا گیا، بات سمجھ میں آگئی۔

تو کہتے ہیں دیکھیے متن متن: وَشَرْطُ نَصْبِهِ تَقْدِيْرُ اللّٰامِ اور مفعول لہ کے منصوب ہونے کی شرط جو ہے وہ تقدیرِ لام ہے، کہ لام وہاں کیا ہونا چاہیے؟ مقدر ہونا چاہیے، اس لیے کیونکہ اگر لام لفظوں میں مذکور ہوگا پھر تو جر دے گا بھائی، ضَرَبْتُهُ لِلتَّأْدِيْبِ لام لفظوں میں موجود ہوگا تو وہ جر دے گا۔ یہ بھی مفعول لہ ہے صاحبِ کافیہ کے نزدیک لیکن منصوب ہونے کے لیے کیا ضروری؟ کہ لام لفظوں میں نہیں ہونا چاہیے بلکہ مقدر ہونا چاہیے۔

آگے دیکھیے متن متن: وَإِنَّمَا يَجُوْزُ حَذْفُهَا إِذَا كَانَ فِعْلًا لِّفَاعِلِ الْفِعْلِ الْمُعَلَّلِ بِهِ وَمُقَارِنًا لَّهُ فِي الْوُجُوْدِ۔ اب آگے شرط ذکر کریں گے کہ مفعول لہ کے منصوب ہونے کی شرط کیا ہے؟ دیکھو مفعول لہ صاحبِ کافیہ کے نزدیک ضَرَبْتُهُ لِلتَّأْدِيْبِ یہ بھی مفعول لہ ہے یہ لام کے ساتھ، اور ضَرَبْتُهُ تَأْدِيْبًا یہ بھی مفعول لہ ہے، تو ایک میں لام ذکر ہے ایک میں لام حذف ہے بھائی۔ تو یہ لام کے حذف کی شرائط کیا ہیں؟ وہ اب بیان کرنے لگے ہیں کہ کس جگہ پر لام کو حذف کر کے مفعول لہ کو منصوب پڑھنا جائز۔ میں نے بتایا عربی زبان میں علت بیان کرنے کے لیے اکثر لام استعمال کیا جاتا ہے، تو کس مقام پر لام کو حذف کر کے

مفعول لہ پر نصب پڑھنا جائز ہے اس کی شرط ذکر فرما رہے ہیں صاحبِ کافیہ بھائی۔ تو یاد رکھو مفعول لہ کے منصوب ہونے کی تین شرطیں ہیں بھائی۔ پہلی کیا؟ کہ وہ مصدر ہونا چاہیے، مصدر ہونا چاہیے، ضَرَبْتُهُ تَأْدِيبًا یہ تَأْدِيبًا کیا ہے دیکھو؟ مصدر ہے بھائی۔ دوسری شرط یہ ہے کہ ماقبل والے فعل کا اور اس مفعول لہ دونوں کا فاعل ایک ہی ذات ہونی چاہیے، دونوں کا فاعل ایک ہی ذات ہونی چاہیے۔ اور یہ جو ماقبل میں فعل آیا اس کو کہتے ہیں فعلِ معلل بہ۔ ضَرَبْتُهُ تَأْدِيبًا میں نے اس کی پٹائی کی ادب سکھانے کے لیے، تو یہ جو ضَرَبْتُ فعل آیا یہ ہے فعلِ معلل بہ۔ عَلَّلَ يُعَلِّلُ تَعْلِيلٌ کا معنی ہوتا ہے علت بیان کرنا، تو مُعَلَّلٌ دیکھو یہ اسمِ مفعول کا صیغہ ہے، وہ چیز جس کی علت بیان کی جائے۔ یہاں پر بھی ضَرَبْتُهُ تَأْدِيبًا میں نے اس کی پٹائی کی، کیوں کی؟ آگے اس کی علت بیان کی گئی سبب بیان کیا گیا تَأْدِيبًا ادب سکھانے کے لیے۔ تو یہ ضَرَبْتُ کیا ہوا؟ یہ وہ فعلِ معلل بہ ہے، یہ کیا ہے؟ یعنی یہ وہ فعل ہے جس کی علت بیان کی گئی ہے۔ دیکھو ترجمے پہ غور کرو: فعلِ معلل بہ، وہ فعل جس کی علت بیان کی گئی ہے بِهِ أَيْ بِالْمَفْعُوْلِ لَهُ مفعول لہ کے ذریعے۔ فعلِ معلل بہ کسے کہتے ہیں؟ وہ فعل جس کی علت مفعول لہ کے ذریعے بیان کی جائے۔ ضَرَبْتُهُ تَأْدِيبًا یہ ضَرَبْتُ کیا ہے؟ یہ وہ فعل ہے جس کی علت بیان کی گئی ہے کس کے ذریعے؟ آگے تَأْدِيبًا یعنی مفعول لہ کے ذریعے، تو ضَرَبْتُ کو کیا کہیں گے؟ فعلِ معلل بہ بھائی۔ تو پہلی شرط کیا ہے منصوب ہونے کی؟ کہ وہ مفعول لہ مصدر ہونا چاہیے بھائی۔ اور دوسری شرط کیا ہے؟ کہ وہ فعلِ معلل بہ کے فاعل ہی کا فعل ہونا چاہیے یعنی یوں کہو کہ فعلِ معلل بہ کا فاعل اور یہ مفعول لہ کا فاعل ایک ہی ذات ہونی چاہیے۔ ضَرَبْتُهُ تَأْدِيبًا میں نے اس کی پٹائی کی ادب سکھانے کے لیے، یہ ضَرَبْتُ کا فاعل کون؟ متکلم، اور یہ ادب بھی کس نے سکھایا؟ متکلم نے ہی سکھایا ہے کسی اور نے نہیں، تو دیکھو دونوں کا فاعل ایک ہی ذات ہے، ماقبل کے فعل کا فاعل بھی متکلم اور آگے تادیب، یہ ادب سکھانے والا بھی متکلم۔ تو یہ دوسری شرط آگئی۔ پہلی شرط کیا؟ کہ مفعول لہ کے نصب کی شرط کیا ہے کہ وہ مصدر ہونا چاہیے، اور دوسری شرط یہ کہ فعلِ معلل بہ اور مفعول لہ دونوں کا فاعل ایک ہی ہونا چاہیے۔ اور تیسری شرط یہ ہے کہ دونوں کا زمانہ بھی ایک ہونا چاہیے، دونوں کا زمانہ بھی ایک ہونا چاہیے یعنی وہ جو ماقبل میں فعل ہے اور یہ جو مفعول لہ ہے دونوں کا زمانہ ایک ہو۔ اور یہاں پر دیکھو، یہاں پر تو ایک ہی فعل ہے وہی ضرب والا فعل ہے، تو یہی فعل بایں لحاظ کہ اس سے دوسرے کو تکلیف ہو رہی ہے یہ ضرب کہلاتا ہے، اور یہی فعل بایں لحاظ کہ اس سے دوسرے کی اصلاح ہو رہی ہے اور وہ اچھے اخلاق سیکھتا جا رہا ہے تو یہ تادیب ہے۔ تو معلوم ہوا یہاں تو ایک ہی فعل ہے وہی فعل ضرب بھی ہے اور وہی فعل تادیب بھی ہے، تو دیکھو دونوں کا زمانہ ایک ہی ہے، جوں جوں اس کو ضرب لگ رہی ہے ساتھ ساتھ وہ ادب سیکھتا جا رہا ہے، تو دونوں کا زمانہ ایک۔ تو کتنی شرطیں ہیں مفعول لہ کے منصوب ہونے کی؟ تین شرطیں: پہلی شرط کیا کہ وہ مصدر ہو، دوسری شرط کیا کہ فعلِ معلل بہ اور مفعول لہ دونوں کا فاعل ایک ہونا چاہیے، اور تیسری شرط یہ کہ دونوں کا زمانہ بھی ایک یعنی فعلِ معلل بہ اور مفعول لہ کا زمانہ ایک ہونا چاہیے۔ تو وہی بیان کر رہے ہیں، کہتے ہیں: وَإِنَّمَا يَجُوْزُ حَذْفُهَا، هَا ضمیر لام کو راجع ہے وہ جو پیچھے آیا تھا تَقْدِيْرُ اللَّامِ، اور لام کا حذف جائز ہے إِذَا كَانَ فِعْلًا لِّفَاعِلِ الْفِعْلِ الْمُعَلَّلِ بِهِ۔ دیکھو تین شرطیں میں نے بتایا لیکن صاحبِ

کافیہ ایک ہی شرط بنا دیں گے تینوں کو ملا کر، کیسے؟ دیکھو کہتے ہیں: وَإِنَّمَا يَجُوْزُ حَذْفُهَا کہ لام کا حذف جائز ہے إِذَا كَانَ فِعْلًا لِّفَاعِلِ الْفِعْلِ الْمُعَلَّلِ بِهِ کہ جب وہ مفعول لہ فعل ہو، کیا ہو؟ فعل ہو۔ دیکھا؟ پہلی شرط کیا تھی کہ وہ مصدر ہونا چاہیے، صاحبِ کافیہ نے بھی کیا کہا إِذَا كَانَ فِعْلًا جب وہ فعل ہو، فعل سے کیا مراد ہے؟ حدث مراد ہے یعنی مصدر مراد ہے۔ إِذَا كَانَ فِعْلًا جب وہ مفعول لہ فعل ہو، کس کا فعل ہو؟ لِفَاعِلِ الْفِعْلِ الْمُعَلَّلِ بِهِ فعلِ معلل بہ کے فاعل کا، جب وہ مفعول لہ فعلِ معلل بہ کے فاعل کا فعل ہو۔ تو معلوم ہوا دونوں کا فاعل بھی ایک ہو۔ اور تیسری شرط کیا تھی؟ کہ دونوں کا زمانہ ایک ہو، وہ بھی ذکر کر رہے ہیں: وَمُقَارِنًا لَّهُ فِي الْوُجُوْدِ اور وہ مفعول لہ اس فعل کے ساتھ ملا ہوا ہو فِي الْوُجُوْدِ وجود میں، یعنی دونوں کے وجود کا زمانہ ایک ہو، فعلِ معلل بہ کا وجود اور مفعول لہ کا وجود ایک ہی زمانے میں ہونا چاہیے۔ تو تین شرطیں تھیں صاحبِ کافیہ نے ان کو ایک ہی شرط بنا دیا۔ کیسے کہیں گے؟ مفعول لہ کے منصوب ہونے کی شرط یہ ہے کہ جب وہ فعلِ معلل بہ کے فاعل کا فعل ہو اور دونوں کا زمانہ ایک ہو بھائی۔

اچھا بھائی اس سارے کو اب دیکھیے بھائی شرح کے ساتھ بھائی شروع سے دیکھیے، کہتے ہیں: وَشَرْطُ نَصْبِهِ أَيْ شَرْطُ انْتِصَابِ الْمَفْعُوْلِ لَهُ لَا شَرْطُ كَوْنِ الْاِسْمِ مَفْعُوْلًا لَهُ۔ بھئی دیکھیے یہاں سے صاحبِ کافیہ بیان کر رہے ہیں مفعول لہ کے منصوب ہونے کی شرط، اور کیا کہا؟ کہ مفعول لہ کے منصوب ہونے کی شرط کیا ہے؟ تقدیرِ لام ہے۔ توجہ ہے؟ مفعول لہ کے منصوب ہونے کی شرط یہ ہے کہ وہاں لام مقدر ہونا چاہیے، لفظوں میں نہیں ہونا چاہیے، تو یہ منصوب ہونے کی شرط ہے۔ اور میں نے آپ کو بتایا کہ جمہور کے نزدیک مفعول لہ منصوب ہی ہو سکتا ہے، مجرور نہیں ہو سکتا، جبکہ صاحبِ کافیہ کے نزدیک مفعول لہ کا منصوب ہونا ضروری نہیں۔ تو جو آگے شرط ذکر کر رہے ہیں تقدیرِ لام، شرط ذکر کر رہے ہیں تقدیرِ لام، جمہور کے نزدیک کسی اسم کے مفعول لہ ہونے کے لیے یہ شرط ہے کہ وہاں لام مقدر ہو یعنی لام کا معنی وہاں مقدر ہو۔ تو جمہور کے نزدیک یہ تقدیرِ لام کس چیز کی شرط ہے؟ کسی اسم کے مفعول لہ ہونے کی یہ شرط ہے، یہ شرط پوری ہوگی تو کوئی مفعول لہ بن سکے گا، یہ شرط پوری نہیں تو مفعول لہ نہیں بن سکتا۔ لام کا معنی وہاں مقدر ہونا چاہیے لام لفظوں میں موجود نہیں ہونا چاہیے، تو جمہور کے نزدیک تقدیرِ لام کس چیز کی شرط؟ کسی اسم کے مفعول لہ ہونے کی شرط ہے۔ لیکن صاحبِ کافیہ کے نزدیک یہ تقدیرِ لام مفعول لہ کے منصوب ہونے کی شرط ہے کیونکہ مفعول لہ ان کے نزدیک مجرور بھی آ سکتا ہے۔ تو یہی بیان کر رہے ہیں، کہتے ہیں: وَشَرْطُ نَصْبِهِ أَيْ شَرْطُ انْتِصَابِ الْمَفْعُوْلِ لَهُ یعنی مفعول لہ کے منصوب ہونے کی شرط ہے یہ، لَا شَرْطُ كَوْنِ الْاِسْمِ مَفْعُوْلًا لَهُ یہ کسی اسم کے مفعول لہ ہونے کی شرط نہیں یعنی وہ اختلاف کی طرف اشارہ کر رہے ہیں جو صاحبِ کافیہ اور جمہور کے درمیان ہے۔ جمہور کے نزدیک تقدیرِ لام شرط ہے کس چیز کی؟ کسی اسم کے مفعول لہ ہونے کی، کوئی بھی اسم مفعول لہ بن ہی نہیں سکتا جب تک وہاں لام کا معنی مقدر نہ ہو، فعل بھی ہونا چاہیے وہ یعنی مصدر بھی ہو اور لام کا معنی وہاں مقدر ہو لفظوں میں نہیں ہونا چاہیے، تو جمہور کے نزدیک تقدیرِ لام کس چیز کی شرط؟ کسی اسم کے

مفعول لہ ہونے کی شرط، لیکن بتلایا کہ صاحبِ کافیہ کے نزدیک کسی اسم کے مفعول لہ ہونے کی شرط نہیں ہے تقدیرِ لام، بلکہ مفعول لہ کے منصوب ہونے کی شرط ہے کیونکہ ان کے نزدیک جو مجرور ہوتا ہے لام کی وجہ سے وہ بھی مفعول لہ ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو یہی بیان کر رہے ہیں، کہتے ہیں وَشَرْطُ نَصْبِهِ أَيْ شَرْطُ انْتِصَابِ الْمَفْعُوْلِ لَهُ یعنی مفعول لہ کے منصوب ہونے کی شرط، لَا شَرْطُ كَوْنِ الْاِسْمِ مَفْعُوْلًا لَهُ کسی اسم کے مفعول لہ ہونے کی شرط نہیں بھائی، بات سمجھ میں آگئی۔

فَالسَّمْنُ وَالْإِكْرَامُ فِيْ قَوْلِكَ جِئْتُكَ لِلسَّمْنِ وَلِإِكْرَامِكَ الزَّائِرَ عِنْدَهُ مَفْعُوْلٌ لَهُ عَلٰى مَا يَدُلُّ عَلَيْهِ حَدُّهُ. بھئی دیکھیے یہ دو مثالیں ذکر کر رہے ہیں آگے: جِئْتُكَ لِلسَّمْنِ میں آپ کے پاس آیا گھی کے لیے، سمن گھی کو کہتے ہیں، جِئْتُكَ میں آپ کے پاس آیا لِلسَّمْنِ گھی کے لیے۔ اور دوسری مثال ہے وَلِإِكْرَامِكَ الزَّائِرَ، اس کے ساتھ بھی جِئْتُكَ کو جوڑ دیں: جِئْتُكَ لِإِكْرَامِكَ الزَّائِرَ میں آپ کے پاس آیا اس وجہ سے کہ آپ زیارت کرنے والوں کا اکرام کرتے ہیں، اکرام کرتے ہیں یعنی جو آپ کی زیارت کرنے کے لیے آپ کے پاس آتا ہے یعنی آپ سے ملنے کے لیے آپ کے پاس آتا ہے آپ اس کا اکرام کرتے ہیں۔ تو دیکھو جمہور کے نزدیک یہ لِلسَّمْنِ یہ بھی مفعول لہ نہیں کیونکہ یہ تو عین ہے، یہ تو فعل ہے ہی نہیں، جمہور کے نزدیک تو مفعول لہ کا فعل ہونا ضروری ہے یعنی مصدر ہونا ضروری ہے جبکہ سمن جو ہے یہ تو عین ہے ایک چیز کا نام ہے۔ اور نیز جمہور کے نزدیک مفعول لہ کا منصوب ہونا ضروری ہے جبکہ صاحبِ کافیہ کے نزدیک منصوب ہونا ضروری نہیں بلکہ لام وغیرہ کے ساتھ بھی مفعول لہ آسکتا ہے۔ تو یہ جو آگے دو مثالیں آرہی ہیں جِئْتُكَ لِلسَّمْنِ اور اسی طرح جِئْتُكَ لِإِكْرَامِكَ الزَّائِرَ، یہ دونوں یہ لِلسَّمْنِ اور لِإِكْرَامِكَ صاحبِ کافیہ کے نزدیک یہ دونوں بھی مفعول لہ ہیں، اس لیے کیونکہ صاحبِ کافیہ کے نزدیک نصب بھی شرط نہیں لہٰذا لِإِكْرَامِكَ اس پر لامِ جارہ بے شک داخل ہے لیکن یہ ماقبل کے فعل کی علت بیان کر رہا ہے تو یہ مفعول لہ ہے۔ اور نیز صاحبِ کافیہ نے مفعول لہ کی کیا تعریف کی؟ کہ وہ اس چیز کا نام ہے جس کی وجہ سے فعلِ مذکور کو کیا جائے، تو یہ نہیں بیان کیا کہ وہ اس فعل کا نام ہے، تو لِلسَّمْنِ بھی اس تعریف کے اندر داخل ہو رہا ہے، تو صاحبِ کافیہ کی تعریف لی جائے تو لِلسَّمْنِ اور لِإِكْرَامِكَ جو ان دو مثالوں میں لفظ آرہے ہیں یہ دونوں بھی مفعول لہ ہیں حالانکہ جمہور کے نزدیک یہ دونوں مفعول لہ نہیں، مفعول لہ کے لیے فعل ہونا بھی ضروری اور منصوب ہونا بھی ضروری ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو یہ معنی ہے: فَالسَّمْنُ وَالْإِكْرَامُ فِيْ قَوْلِكَ جِئْتُكَ لِلسَّمْنِ وَلِإِكْرَامِكَ الزَّائِرَ عِنْدَهُ مَفْعُوْلٌ لَهُ عَلٰى مَا يَدُلُّ عَلَيْهِ حَدُّهُ. بھئی میں نے بتایا صاحبِ کافیہ جمہور سے اختلاف کرتے ہیں: جمہور کے نزدیک مفعول لہ کا فعل ہونا بھی ضروری اور منصوب ہونا بھی ضروری ہے لیکن صاحبِ کافیہ نے کیا تعریف کی کہ مفعول لہ وہ چیز ہے جس کی وجہ سے فعلِ مذکور کو کیا جائے؟ تو یہ تو عام ہے یہ تو عین کو بھی شامل ہوا اور فعل کو بھی شامل ہوا، بھئی جس چیز کی وجہ سے بھی فعلِ مذکور کو کیا جائے صاحبِ کافیہ کے نزدیک وہ کیا ہے؟ وہ مفعول لہ ہے، تو جِئْتُكَ لِلسَّمْنِ میں آیا آپ کے پاس گھی کے لیے، یہ مجیئت کا فعل کس کی وجہ سے کیا گیا؟ سمن کی وجہ سے کیا گیا، اب سمن تو حالانکہ فعل نہیں ہے وہ تو عین ہے وہ تو ذات ہے ایک چیز

ہے، لیکن اس کو بھی کیا کہنا پڑے گا صاحبِ کافیہ کی تعریف کے مطابق؟ مفعول لہ۔ تو معلوم ہوا صاحبِ کافیہ کے نزدیک مفعول لہ عین بھی ہو سکتا ہے اور فعل بھی ہو سکتا ہے، جبکہ جمہور کے نزدیک مفعول لہ ہمیشہ فعل ہوگا عین نہیں ہو سکتا۔ تو کہتے ہیں فَالسَّمْنُ وَالْإِكْرَامُ فِيْ قَوْلِكَ تو سمن اور اکرام کا جو لفظ ہے آپ کے اس قول میں جِئْتُكَ لِلسَّمْنِ میں آیا آپ کے پاس گھی کے لیے، وَلِإِكْرَامِكَ الزَّائِرَ اس کے ساتھ بھی جِئْتُكَ کو جوڑ دیں بھائی: وَجِئْتُكَ لِإِكْرَامِكَ الزَّائِرَ، جِئْتُكَ میں آپ کے پاس آیا لِإِكْرَامِكَ بوجہ آپ کے اکرام کرنے کے الزَّائِرَ زیارت کرنے والے کی، زائر اسمِ فاعل ہے زیارت سے۔ مثلاً آپ کسی سے یہ کہتے ہیں جِئْتُكَ لِإِكْرَامِكَ الزَّائِرَ میں آپ کے پاس اس وجہ سے آیا کیونکہ آپ اکرام کرتے ہیں اپنی زیارت کرنے والے کا، جو آپ کی زیارت کرنے کے لیے آپ سے ملنے کے لیے آپ کے پاس آتا ہے آپ اس کا اکرام کرتے ہیں تو اس لیے میں آپ کے پاس آیا۔ جِئْتُكَ لِإِكْرَامِكَ، تو دیکھو اکرام مصدر ہے بھائی اور آپ کو میں نے بتلایا تھا کہ مصدر بھی اپنے فعل جیسا عمل کرتا ہے، اپنے فاعل کو رفع دیتا ہے اور مفعول کو نصب دیتا ہے۔ اور اکرام کرنے والا کون ہے؟ میں آپ کے پاس آیا اس وجہ سے کہ آپ اکرام کرتے ہیں، معلوم ہوا مخاطب ہے اکرام کرنے والا، تو یہ لِإِكْرَامِكَ مصدر کی اضافت ہو رہی ہے کاف ضمیر کی طرف، مخاطب کی ضمیر کی طرف یعنی فاعل کی طرف۔ مخاطب جو ہے نا وہ ہے اکرام کرنے والا تو اکرام مصدر کی اضافت کس کی طرف ہو رہی ہے؟ فاعل کی طرف ہو رہی ہے، اور الزَّائِرَ یہ مفعول بہ ہے اکرام کے لیے، آپ اکرام کرتے ہیں کس کا اکرام کرتے ہیں؟ الزَّائِرَ وہ جو زیارت کرتا ہے یعنی آپ کی جو زیارت کرتا ہے۔ معلوم ہوا یہ اکرام متکلم کا فعل نہیں ہے، یہ مخاطب کا فعل ہے۔ توجہ ہے؟ اکرام کرنے والا کون ہے؟ مخاطب۔ میرا فعل تو مجیئت ہے، جِئْتُكَ میں آپ کے پاس آیا ہوں لِإِكْرَامِكَ کیونکہ آپ اکرام کرتے ہیں الزَّائِرَ کس کی؟ زیارت کرنے والے کی، تو میں بھی اسی لیے آپ کے پاس آیا ہوں پھر آپ میرا بھی کیا کریں گے؟ اکرام کریں گے۔ تو یہ لِإِكْرَامِكَ یہ مصدر کی اضافت ہو رہی ہے اپنے فاعل کی طرف، اور الزَّائِرَ یہ کیا ہے؟ مفعول ہے، آپ اکرام کرتے ہیں کس کا اکرام کرتے ہیں؟ الزَّائِرَ جو آپ کی زیارت کرتا ہے۔ تو بعض محشی حضرات نے لکھا کہ یہ اِكْرَامِكَ یہ مصدر کی اضافت ہے مفعول کی طرف، کس کی طرف؟ مفعول کی طرف، لِإِكْرَامِكَ اس وجہ سے کہ میں نے آپ کا اکرام کیا۔ معلوم ہوا مجیئت بھی کس کی ہے؟ متکلم کی، اور اکرام کرنے والا بھی کون ہے؟ متکلم ہے، یہ بعض محشی حضرات نے تقریر کی ہے لیکن یہ درست نہیں ہے بھائی۔ دراصل وہ محشی دونوں کا فاعل ایک ہی بنانا چاہتے ہیں: ماقبل میں جو مجیئت کا فعل ہے اس کا فاعل تو کون ہے؟ متکلم، آگے اکرام کو بھی اسی متکلم کا فعل بنانا چاہتے ہیں چنانچہ وہ کہتے ہیں کہ یہ اکرام کی اضافت اپنے مفعول کی طرف ہو رہی ہے، حالانکہ میں نے بتایا یہ اپنے مفعول کی طرف اضافت نہیں ہے بلکہ اپنے فاعل کی طرف اضافت ہے۔ شاید شبہ پڑا محشی کو جو آگے شرطیں ذکر تھیں نا کہ فعلِ معلل بہ اور مفعول لہ دونوں کا فاعل ایک ہونا چاہیے، تو اس لیے انہوں نے بھی یہاں پر دونوں کا فاعل ایک ہی بنانے کے لیے کیا کہا؟ کہ اکرام کی اضافت ہے اپنے مفعول کی طرف ہے، حالانکہ مفعول کی طرف

اضافت نہیں ہے بلکہ فاعل کی طرف اضافت ہے۔ وجہ یہ کہ دونوں کا فاعل اس وقت ایک ہونا چاہیے جب آپ اس پر نصب پڑھنا چاہتے ہیں، اور یہاں تو لفظوں میں لام موجود ہے یہاں تو دونوں کا فاعل ایک ہونا کوئی ضروری نہیں ہے بھائی۔ بات سمجھ میں آگئی۔

جی دیکھیے بھائی کتاب پر: کہتے ہیں فَالسَّمْنُ وَالْإِكْرَامُ فِيْ قَوْلِكَ جِئْتُكَ لِلسَّمْنِ وَلِإِكْرَامِكَ الزَّائِرَ عِنْدَهُ مَفْعُوْلٌ لَهُ عَلٰى مَا يَدُلُّ عَلَيْهِ حَدُّهُ۔ تو سمن اور اکرام کا جو لفظ ہے آپ کے اس قول میں جِئْتُكَ لِلسَّمْنِ وَلِإِكْرَامِكَ الزَّائِرَ، یہ دو لفظ جو ہیں عِنْدَهُ یہ صاحبِ کافیہ کے نزدیک مَفْعُوْلٌ لَهُ یہ دونوں کیا ہیں؟ مفعول لہ ہیں اگرچہ ان میں سے ایک عین ہے اور ایک فعل ہے، تو یہ دونوں مفعول لہ ہیں عِنْدَهُ مَفْعُوْلٌ لَهُ تو یہ دونوں لفظ جو ہیں صاحبِ کافیہ کے نزدیک مفعول لہ ہیں عَلٰى مَا يَدُلُّ عَلَيْهِ حَدُّهُ بنا بر اس کے جس پر اس کی تعریف دلالت کر رہی ہے۔ مفعول لہ کی کیا تعریف کی تھی؟ مفعول لہ اس چیز کا نام ہے جس کی وجہ سے فعلِ مذکور کیا جائے، چاہے وہ عین ہو چاہے فعل ہو دونوں اس کے اندر داخل ہو گئے۔ آگے دیکھیے: وَهٰذَا كَمَا قَالَ فِي الْمَفْعُوْلِ فِيْهِ إِنَّ شَرْطَ نَصْبِهِ تَقْدِيْرُ فِيْ، کہتے ہیں یہ اسی طرح ہے جیسے کہ صاحبِ کافیہ نے مفعول فیہ کے بارے میں فرمایا تھا کہ إِنَّ شَرْطَ نَصْبِهِ تَقْدِيْرُ فِيْ کہ مفعول فیہ کے منصوب ہونے کی شرط تقدیرِ فِيْ ہے۔ جمہور کے نزدیک تو مفعول فیہ ہمیشہ منصوب ہوتا ہے لیکن صاحبِ کافیہ نے کیا فرمایا تھا؟ مفعول فیہ کے منصوب ہونے کی شرط تقدیرِ فِيْ ہے، معلوم ہوا کہ منصوب نہ ہو بلکہ فِيْ لفظوں میں ہو پھر بھی وہ کیا ہے صاحبِ کافیہ کے نزدیک؟ مفعول فیہ ہے۔ تو یہاں پر بھی انہوں نے اسی طرح اختلاف کیا جمہور نحویوں سے، تو کہتے ہیں وَهٰذَا أَيْضًا خِلَافُ اصْطِلَاحِ الْقَوْمِ اور یہ بھی ان لوگوں کی اصطلاح کے خلاف ہے یعنی صاحبِ کافیہ کی یہ بات بھی جمہور نحویوں کی اصطلاح کے خلاف ہے بھائی۔

آگے دیکھیے: تَقْدِيْرُ اللَّامِ، مفعول لہ کے منصوب ہونے کی شرط تقدیرِ لام ہے کہ لام وہاں مقدر ہونا چاہیے لفظوں میں نہیں، کیونکہ اگر لفظوں میں آئے گا پھر تو جر پڑھنا واجب ہوگا۔ تو کہتے ہیں تَقْدِيْرُ اللَّامِ کہ مفعول لہ کے منصوب ہونے کی شرط تقدیرِ لام ہے لِأَنَّهَا إِذَا ظَهَرَتْ لَزِمَ الْجَرُّ اس لیے کیونکہ جب لام ظاہر ہوگا یعنی لفظوں میں ہوگا تو لَزِمَ الْجَرُّ پھر تو جر لازم ہوگا بھائی۔

وَخَصَّ اللَّامَ بِالذِّكْرِ لِأَنَّهَا الْغَالِبُ فِيْ تَعْلِيْلَاتِ الْأَفْعَالِ۔ بھئی یاد رکھو علت بیان کرنے کے لیے عربی زبان میں لام کثرت سے استعمال ہوتا ہے، سب سے زیادہ لام استعمال ہوتا ہے لیکن اس کے علاوہ اور بعض حروف جو ہیں وہ بھی علت بیان کرنے کے لیے استعمال ہوتے ہیں جیسے مِنْ ہے، با ہے یا جیسے فِيْ ہے، یہ سب بھی علت بیان کرنے کے لیے استعمال ہوتے ہیں۔ تو صاحبِ کافیہ نے کیا کہا؟ وَشَرْطُ نَصْبِهِ تَقْدِيْرُ اللَّامِ مفعول لہ کے منصوب ہونے کی شرط کیا ہے؟ کہ وہاں لام مقدر ہونا چاہیے۔ بھئی مِنْ مقدر ہونا چاہیے یہ کیوں نہیں آپ نے کہا؟ یا فِيْ مقدر ہونا چاہیے یا با؟ تو باقی حروف جو علت بیان کرنے کے لیے آتے ہیں ان کو صاحبِ کافیہ نے ذکر نہیں فرمایا، صرف یہ کہا کہ مفعول لہ کے منصوب ہونے کی شرط

تقدیرِ لام ہے، صرف لام کو ذکر فرمایا۔ تو اس کی وجہ بتائیں گے کہ بھئی چونکہ لام سب سے زیادہ استعمال ہوتا ہے لہٰذا لام ہی مقدر ہوگا، باقی مقدر نہیں ہوں گے بھائی۔ تو کہتے ہیں وَخَصَّ اللّامَ بِالذِّكْرِ اور صاحبِ کافیہ نے لام کو خاص کیا ذکر کے ساتھ یعنی خاص طور پر لام کا ذکر فرمایا لِأَنَّهَا الْغَالِبُ اس لیے کیونکہ یہ لام جو ہے یہ غالب ہے فِيْ تَعْلِيْلَاتِ الْأَفْعَالِ افعال کی علت بیان کرنے میں، اسی کو زیادہ تر استعمال کیا جاتا ہے، فَلَا يُقَدَّرُ غَيْرُهَا لہٰذا اس کے علاوہ کوئی اور حرف مقدر نہیں ہوگا، مِنْ مِنْ أَوِ الْبَاءِ أَوْ فِيْ۔ مِنْ کے ذریعے بیان ہے: فَلَا يُقَدَّرُ غَيْرُهَا اس لام کے علاوہ کوئی اور لفظ مقدر نہیں ہوگا، بھئی غَيْرُهَا لام کے علاوہ، وہ کیا مراد ہیں اس سے؟ تو آگے بیان چاہیے تو مِنْ کے ذریعے بیان کیا مِنْ مِنْ یعنی کہ لفظِ مِنْ أَوِ الْبَاءِ یا با أَوْ فِيْ یا لفظِ فِيْ یہ مقدر نہیں ہوں گے مَعَ أَنَّهَا مِنْ دَوَاخِلِ الْمَفْعُوْلِ لَهُ باوجود اس کے کہ یہ بھی مفعول لہ میں داخل ہونے والی چیزیں ہیں، كَقَوْلِهِ تَعَالٰى جیسے کہ اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے: ﴿ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْيَةِ اللهِ ﴾۔ یہاں جو یہ مِنْ آیا نا یہ علت بیان کرنے کے لیے ہے، خَاشِعًا خشوع سے ہے خشوع کا معنی ہے جھکنا عاجزی کا اظہار کرنا، مُتَصَدِّعًا تصدّع کا معنی ہے پھٹنا، پھٹنا، اور خَشْيَةِ اللهِ خشیت کہتے ہیں خوف کو۔ اللہ تعالیٰ قرآن میں فرماتے ہیں: ﴿ لَوْ أَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْآنَ عَلٰى جَبَلٍ لَّرَأَيْتَهُ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْيَةِ اللهِ ﴾ اگر ہم نے اس قرآن کو کسی پہاڑ پر نازل کیا ہوتا لَّرَأَيْتَهُ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْيَةِ اللهِ تو البتہ آپ دیکھتے اس پہاڑ کو کہ خَاشِعًا وہ جھکا جا رہا ہے مُتَصَدِّعًا پھٹا جا رہا ہے مِنْ خَشْيَةِ اللهِ اللہ کے خوف سے۔ اگر ہم اس قرآن کو کسی پہاڑ پر نازل فرماتے تو آپ دیکھتے کہ وہ پہاڑ جو ہے اللہ کے خوف کی وجہ سے جھک رہا ہے اور پھٹ رہا ہے بھائی۔ تو دیکھو خَاشِعًا وہ جھکا جا رہا ہے مُتَصَدِّعًا پھٹا جا رہا ہے مِنْ خَشْيَةِ اللهِ اللہ کے خوف کی وجہ سے، تو یہاں مِنْ کس لیے آیا؟ علت بیان کرنے کے لیے آیا، معلوم ہوا عربی زبان میں لام کے علاوہ کبھی مِنْ بھی علت بیان کرنے کے لیے آتا ہے۔ اسی طرح وَقَوْلِهِ تَعَالٰى اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے: ﴿ فَبِظُلْمٍ مِّنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا ﴾، فَبِظُلْمٍ یہ جو با ہے یہ علت بیان کرنے کے لیے ہے، فَبِظُلْمٍ ظلم کرنے کی وجہ سے مِنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا ان لوگوں کی طرف سے جو یہودی ہوئے، اَلَّذِيْنَ هَادُوْا وہ لوگ جو آیا لِلسَّمْنِ گھی کے لیے یعنی میں آپ کے پاس گھی لینے کے لیے آیا، تو دیکھو یہاں پر یہ لِلسَّمْنِ سے ماقبل کون سا فعل ہے؟ جِئْتُ یعنی یہ مجیئت کا فعل ہے، اور یہ مجیئت کا فعل کس لیے کیا گیا؟ لِلسَّمْنِ گھی کی وجہ سے کیا گیا، تو جِئْتُكَ لِلسَّمْنِ میں آیا آپ کے پاس گھی لینے کے لیے۔ تو صاحبِ کافیہ کی تعریف کے مطابق یہ لِلسَّمْنِ جو آیا ہے یہ بھی مفعول لہ ہے بھائی۔ بات سمجھ میں آگئی؟ کیوں؟ کیونکہ کیا تعریف کی؟ مفعول لہ وہ ہے جس کی وجہ سے فعلِ مذکور کو کیا جائے، تو یہ تعریف لِلسَّمْنِ پر صادق آرہی ہے۔ تو حاصلِ کلام کیا؟ کہ جمہور کے نزدیک مفعول لہ کا منصوب ہونا بھی ضروری اور فعل ہونا بھی ضروری ہے، ضَرَبْتُهُ تَأْدِيْبًا یہ تَأْدِيْبًا منصوب بھی ہے اور فعل بھی ہے یعنی مصدر ہے۔ جبکہ صاحبِ کافیہ کے نزدیک منصوب ہونا بھی ضروری نہیں لہٰذا ضَرَبْتُهُ لِلتَّأْدِيْبِ یہ لِلتَّأْدِيْبِ بھی ان کے نزدیک مفعول لہ ہے، ہاں نصب کی شرط یہ ہے کہ لام مقدر ہونا چاہیے۔ اور نیز جِئْتُكَ لِلسَّمْنِ یہ بھی تعریف کے اندر داخل ہو رہا ہے کیونکہ اس کی وجہ سے فعلِ مذکور یعنی مجیئت کو کیا

گیا، بات سمجھ میں آگئی۔

تو کہتے ہیں دیکھیے متن متن: وَشَرْطُ نَصْبِهِ تَقْدِيْرُ اللّامِ اور مفعول لہ کے منصوب ہونے کی شرط جو ہے وہ تقدیرِ لام ہے کہ لام وہاں کیا ہونا چاہیے؟ مقدر ہونا چاہیے، اس لیے کیونکہ اگر لام لفظوں میں مذکور ہوگا پھر تو جر دے گا بھائی، ضَرَبْتُهُ لِلتَّأْدِيْبِ لام لفظوں میں موجود ہوگا تو وہ جر دے گا۔ یہ بھی مفعول لہ ہے صاحبِ کافیہ کے نزدیک لیکن منصوب ہونے کے لیے کیا ضروری؟ کہ لام لفظوں میں نہیں ہونا چاہیے بلکہ مقدر ہونا چاہیے۔

آگے دیکھیے متن متن: وَإِنَّمَا يَجُوْزُ حَذْفُهَا إِذَا كَانَ فِعْلًا لِّفَاعِلِ الْفِعْلِ الْمُعَلَّلِ بِهِ وَمُقَارِنًا لَّهُ فِي الْوُجُوْدِ۔ اب آگے شرط ذکر کریں گے کہ مفعول لہ کے منصوب ہونے کی شرط کیا ہے؟ دیکھو مفعول لہ صاحبِ کافیہ کے نزدیک ضَرَبْتُهُ لِلتَّأْدِيْبِ یہ بھی مفعول لہ ہے یہ لام کے ساتھ، اور ضَرَبْتُهُ تَأْدِيْبًا یہ بھی مفعول لہ ہے، تو ایک میں لام ذکر ہے ایک میں لام حذف ہے بھائی۔ تو یہ لام کے حذف کی شرائط کیا ہیں؟ وہ اب بیان کرنے لگے ہیں کہ کس جگہ پر لام کو حذف کر کے مفعول لہ کو منصوب پڑھنا جائز۔ میں نے بتایا عربی زبان میں علت بیان کرنے کے لیے اکثر لام استعمال کیا جاتا ہے، تو کس مقام پر لام کو حذف کر کے مفعول لہ پر نصب پڑھنا جائز ہے اس کی شرط ذکر فرما رہے ہیں صاحبِ کافیہ بھائی۔ تو یاد رکھو مفعول لہ کے منصوب ہونے کی تین شرطیں ہیں بھائی۔ پہلی کیا؟ کہ وہ مصدر ہونا چاہیے، مصدر ہونا چاہیے، ضَرَبْتُهُ تَأْدِيْبًا یہ تَأْدِيْبًا کیا ہے دیکھو؟ مصدر ہے بھائی۔ دوسری شرط یہ ہے کہ ماقبل والے فعل کا اور اس مفعول لہ دونوں کا فاعل ایک ہی ذات ہونی چاہیے، دونوں کا فاعل ایک ہی ذات ہونی چاہیے۔ اور یہ جو ماقبل میں فعل آیا اس کو کہتے ہیں فعلِ معلل بہ۔ ضَرَبْتُهُ تَأْدِيْبًا میں نے اس کی پٹائی کی ادب سکھانے کے لیے، تو یہ جو ضَرَبْتُ فعل آیا یہ ہے فعلِ معلل بہ۔ عَلَّلَ يُعَلِّلُ تَعْلِيْلٌ کا معنی ہوتا ہے علت بیان کرنا، تو مُعَلَّلٌ دیکھو یہ اسمِ مفعول کا صیغہ ہے، وہ چیز جس کی علت بیان کی جائے۔ یہاں پر بھی ضَرَبْتُهُ تَأْدِيْبًا میں نے اس کی پٹائی کی، کیوں کی؟ آگے اس کی علت بیان کی گئی سبب بیان کیا گیا تَأْدِيْبًا ادب سکھانے کے لیے۔ تو یہ ضَرَبْتُ کیا ہوا؟ یہ وہ فعلِ معلل بہ ہے، یہ کیا ہے؟ یعنی یہ وہ فعل ہے جس کی علت بیان کی گئی ہے۔ دیکھو ترجمے پہ غور کرو: فعلِ معلل بہ، وہ فعل جس کی علت بیان کی گئی ہے بِهِ أَيْ بِالْمَفْعُوْلِ لَهُ مفعول لہ کے ذریعے۔ فعلِ معلل بہ کسے کہتے ہیں؟ وہ فعل جس کی علت مفعول لہ کے ذریعے بیان کی جائے۔ ضَرَبْتُهُ تَأْدِيْبًا یہ ضَرَبْتُ کیا ہے؟ یہ وہ فعل ہے جس کی علت بیان کی گئی ہے کس کے ذریعے؟ آگے تَأْدِيْبًا یعنی مفعول لہ کے ذریعے، تو ضَرَبْتُ کو کیا کہیں گے؟ فعلِ معلل بہ بھائی۔ تو پہلی شرط کیا ہے منصوب ہونے کی؟ کہ وہ مفعول لہ مصدر ہونا چاہیے بھائی۔ اور دوسری شرط کیا ہے؟ کہ وہ فعلِ معلل بہ کے فاعل ہی کا فعل ہونا چاہیے یعنی یوں کہو کہ فعلِ معلل بہ کا فاعل اور یہ مفعول لہ کا فاعل ایک ہی ذات ہونی چاہیے۔ ضَرَبْتُهُ تَأْدِيْبًا میں نے اس کی پٹائی کی ادب سکھانے کے لیے، یہ ضَرَبْتُ کا فاعل کون؟ متکلم، اور یہ ادب بھی کس نے سکھایا؟ متکلم نے ہی سکھایا ہے کسی اور نے نہیں، تو دیکھو دونوں کا فاعل ایک ہی ذات ہے، ماقبل کے فعل کا فاعل بھی متکلم اور آگے تادیب، یہ ادب سکھانے والا

بھی متکلم۔ تو یہ دوسری شرط آگئی۔ پہلی شرط کیا؟ کہ مفعول لہ کے نصب کی شرط کیا ہے کہ وہ مصدر ہونا چاہیے، اور دوسری شرط یہ کہ فعلِ معلل بہ اور مفعول لہ دونوں کا فاعل ایک ہی ہونا چاہیے۔ اور تیسری شرط یہ ہے کہ دونوں کا زمانہ بھی ایک ہونا چاہیے، دونوں کا زمانہ بھی ایک ہونا چاہیے یعنی وہ جو ماقبل میں فعل ہے اور یہ جو مفعول لہ ہے دونوں کا زمانہ ایک ہو۔ اور یہاں پر دیکھو، یہاں پر تو ایک ہی فعل ہے وہی ضرب والا فعل ہے، تو یہی فعل بایں لحاظ کہ اس سے دوسرے کو تکلیف ہو رہی ہے یہ ضرب کہلاتا ہے، اور یہی فعل بایں لحاظ کہ اس سے دوسرے کی اصلاح ہو رہی ہے اور وہ اچھے اخلاق سیکھتا جا رہا ہے تو یہ تادیب ہے۔ تو معلوم ہوا یہاں تو ایک ہی فعل ہے وہی فعل ضرب بھی ہے اور وہی فعل تادیب بھی ہے، تو دیکھو دونوں کا زمانہ ایک ہی ہے، جوں جوں اس کو ضرب لگ رہی ہے ساتھ ساتھ وہ ادب سیکھتا جا رہا ہے، تو دونوں کا زمانہ ایک۔ تو کتنی شرطیں ہیں مفعول لہ کے منصوب ہونے کی؟ تین شرطیں: پہلی شرط کیا کہ وہ مصدر ہو، دوسری شرط کیا کہ فعلِ معلل بہ اور مفعول لہ دونوں کا فاعل ایک ہونا چاہیے، اور تیسری شرط یہ کہ دونوں کا زمانہ بھی ایک یعنی فعلِ معلل بہ اور مفعول لہ کا زمانہ ایک ہونا چاہیے۔ تو وہی بیان کر رہے ہیں، کہتے ہیں: وَإِنَّمَا يَجُوْزُ حَذْفُهَا، هَا ضمیر لام کو راجع ہے وہ جو پیچھے آیا تھا تَقْدِيْرُ اللّٰامِ، اور لام کا حذف جائز ہے إِذَا كَانَ فِعْلًا لِّفَاعِلِ الْفِعْلِ الْمُعَلَّلِ بِهِ۔ دیکھو تین شرطیں میں نے بتایا لیکن صاحبِ کافیہ ایک ہی شرط بنا دیں گے تینوں کو ملا کر، کیسے؟ دیکھو کہتے ہیں: وَإِنَّمَا يَجُوْزُ حَذْفُهَا کہ لام کا حذف جائز ہے إِذَا كَانَ فِعْلًا لِّفَاعِلِ الْفِعْلِ الْمُعَلَّلِ بِهِ کہ جب وہ مفعول لہ فعل ہو، کیا ہو؟ فعل ہو۔ دیکھا؟ پہلی شرط کیا تھی کہ وہ مصدر ہونا چاہیے، صاحبِ کافیہ نے بھی کیا کہا إِذَا كَانَ فِعْلًا جب وہ فعل ہو، فعل سے کیا مراد ہے؟ حدث مراد ہے یعنی مصدر مراد ہے۔ إِذَا كَانَ فِعْلًا جب وہ مفعول لہ فعل ہو، کس کا فعل ہو؟ لِفَاعِلِ الْفِعْلِ الْمُعَلَّلِ بِهِ فعلِ معلل بہ کے فاعل کا، جب وہ مفعول لہ فعلِ معلل بہ کے فاعل کا فعل ہو۔ تو معلوم ہوا دونوں کا فاعل بھی ایک ہو۔ اور تیسری شرط کیا تھی؟ کہ دونوں کا زمانہ ایک ہو، وہ بھی ذکر کر رہے ہیں: وَمُقَارِنًا لَّهُ فِي الْوُجُوْدِ اور وہ مفعول لہ اس فعل کے ساتھ ملا ہوا ہو فِي الْوُجُوْدِ وجود میں، یعنی دونوں کے وجود کا زمانہ ایک ہو، فعلِ معلل بہ کا وجود اور مفعول لہ کا وجود ایک ہی زمانے میں ہونا چاہیے۔ تو تین شرطیں تھیں صاحبِ کافیہ نے ان کو ایک ہی شرط بنا دیا۔ کیسے کہیں گے؟ مفعول لہ کے منصوب ہونے کی شرط یہ ہے کہ جب وہ فعلِ معلل بہ کے فاعل کا فعل ہو اور دونوں کا زمانہ ایک ہو بھائی۔

اچھا بھائی اس سارے کو اب دیکھیے بھائی شرح کے ساتھ بھائی شروع سے دیکھیے، کہتے ہیں: وَشَرْطُ نَصْبِهِ أَيْ شَرْطُ انْتِصَابِ الْمَفْعُوْلِ لَهُ لَا شَرْطُ كَوْنِ الْاِسْمِ مَفْعُوْلًا لَهُ۔ بھئی دیکھیے یہاں سے صاحبِ کافیہ بیان کر رہے ہیں مفعول لہ کے منصوب ہونے کی شرط، اور کیا کہا؟ کہ مفعول لہ کے منصوب ہونے کی شرط کیا ہے؟ تقدیرِ لام ہے۔ توجہ ہے؟ مفعول لہ کے منصوب ہونے کی شرط یہ ہے کہ وہاں لام مقدر ہونا چاہیے، لفظوں میں نہیں ہونا چاہیے، تو یہ منصوب ہونے کی شرط ہے۔ اور میں نے آپ کو بتایا کہ جمہور کے نزدیک مفعول لہ منصوب ہی ہو سکتا ہے، مجرور نہیں ہو سکتا، جبکہ صاحبِ کافیہ کے نزدیک مفعول لہ کا منصوب ہونا ضروری نہیں۔ تو جو آگے شرط ذکر کر رہے ہیں تقدیرِ لام، شرط ذکر کر رہے ہیں تقدیرِ لام،

جمہور کے نزدیک کسی اسم کے مفعول لہ ہونے کے لیے یہ شرط ہے کہ وہاں لام مقدر ہو یعنی لام کا معنی وہاں مقدر ہو۔ تو جمہور کے نزدیک یہ تقدیرِ لام کس چیز کی شرط ہے؟ کسی اسم کے مفعول لہ ہونے کی یہ شرط ہے، یہ شرط پوری ہوگی تو کوئی مفعول لہ بن سکے گا، یہ شرط پوری نہیں تو مفعول لہ نہیں بن سکتا۔ لام کا معنی وہاں مقدر ہونا چاہیے لام لفظوں میں موجود نہیں ہونا چاہیے، تو جمہور کے نزدیک تقدیرِ لام کس چیز کی شرط؟ کسی اسم کے مفعول لہ ہونے کی شرط ہے۔ لیکن صاحبِ کافیہ کے نزدیک یہ تقدیرِ لام مفعول لہ کے منصوب ہونے کی شرط ہے کیونکہ مفعول لہ ان کے نزدیک مجرور بھی آسکتا ہے۔ تو یہی بیان کر رہے ہیں، کہتے ہیں: وَشَرْطُ نَصْبِهِ أَيْ شَرْطُ انْتِصَابِ الْمَفْعُوْلِ لَهُ یعنی مفعول لہ کے منصوب ہونے کی شرط ہے یہ، لَا شَرْطُ كَوْنِ الْاِسْمِ مَفْعُوْلًا لَهُ یہ کسی اسم کے مفعول لہ ہونے کی شرط نہیں یعنی وہ اختلاف کی طرف اشارہ کر رہے ہیں جو صاحبِ کافیہ اور جمہور کے درمیان ہے۔ جمہور کے نزدیک تقدیرِ لام شرط ہے کس چیز کی؟ کسی اسم کے مفعول لہ ہونے کی، کوئی بھی اسم مفعول لہ بن ہی نہیں سکتا جب تک وہاں لام کا معنی مقدر نہ ہو، فعل بھی ہونا چاہیے وہ یعنی مصدر بھی ہو اور لام کا معنی وہاں مقدر ہو لفظوں میں نہیں ہونا چاہیے، تو جمہور کے نزدیک تقدیرِ لام کس چیز کی شرط؟ کسی اسم کے مفعول لہ ہونے کی شرط، لیکن بتلایا کہ صاحبِ کافیہ کے نزدیک کسی اسم کے مفعول لہ ہونے کی شرط نہیں ہے تقدیرِ لام، بلکہ مفعول لہ کے منصوب ہونے کی شرط ہے کیونکہ ان کے نزدیک جو مجرور ہوتا ہے لام کی وجہ سے وہ بھی مفعول لہ ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو یہی بیان کر رہے ہیں، کہتے ہیں وَشَرْطُ نَصْبِهِ أَيْ شَرْطُ انْتِصَابِ الْمَفْعُوْلِ لَهُ یعنی مفعول لہ کے منصوب ہونے کی شرط، لَا شَرْطُ كَوْنِ الْاِسْمِ مَفْعُوْلًا لَهُ کسی اسم کے مفعول لہ ہونے کی شرط نہیں بھائی، بات سمجھ میں آگئی۔

فَالسَّمْنُ وَالْإِكْرَامُ فِيْ قَوْلِكَ جِئْتُكَ لِلسَّمْنِ وَلِإِكْرَامِكَ الزَّائِرَ عِنْدَهُ مَفْعُوْلٌ لَهُ عَلٰى مَا يَدُلُّ عَلَيْهِ حَدُّهُ. بھئی دیکھیے یہ دو مثالیں ذکر کر رہے ہیں آگے: جِئْتُكَ لِلسَّمْنِ میں آپ کے پاس آیا گھی کے لیے، سمن گھی کو کہتے ہیں، جِئْتُكَ میں آپ کے پاس آیا لِلسَّمْنِ گھی کے لیے۔ اور دوسری مثال ہے وَلِإِكْرَامِكَ الزَّائِرَ، اس کے ساتھ بھی جِئْتُكَ کو جوڑ دیں: جِئْتُكَ لِإِكْرَامِكَ الزَّائِرَ میں آپ کے پاس آیا اس وجہ سے کہ آپ زیارت کرنے والوں کا اکرام کرتے ہیں، اکرام کرتے ہیں یعنی جو آپ کی زیارت کرنے کے لیے آپ کے پاس آتا ہے یعنی آپ سے ملنے کے لیے آپ کے پاس آتا ہے آپ اس کا اکرام کرتے ہیں۔ تو دیکھو جمہور کے نزدیک یہ لِلسَّمْنِ یہ بھی مفعول لہ نہیں کیونکہ یہ تو عین ہے، یہ تو فعل ہے ہی نہیں، جمہور کے نزدیک تو مفعول لہ کا فعل ہونا ضروری ہے یعنی مصدر ہونا ضروری ہے جبکہ سمن جو ہے یہ تو عین ہے ایک چیز کا نام ہے۔ اور نیز جمہور کے نزدیک مفعول لہ کا منصوب ہونا ضروری ہے جبکہ صاحبِ کافیہ کے نزدیک منصوب ہونا ضروری نہیں بلکہ لام وغیرہ کے ساتھ بھی مفعول لہ آسکتا ہے۔ تو یہ جو آگے دو مثالیں آرہی ہیں جِئْتُكَ لِلسَّمْنِ اور اسی طرح جِئْتُكَ لِإِكْرَامِكَ الزَّائِرَ، یہ دونوں یہ لِلسَّمْنِ اور لِإِكْرَامِكَ صاحبِ کافیہ کے نزدیک یہ دونوں بھی مفعول لہ ہیں، اس لیے کیونکہ صاحبِ کافیہ کے

نزدیک نصب بھی شرط نہیں لہٰذا لِإِكْرَامِكَ اس پر لامِ جارہ بے شک داخل ہے لیکن یہ ماقبل کے فعل کی علت بیان کر رہا ہے تو یہ مفعول لہ ہے۔ اور نیز صاحبِ کافیہ نے مفعول لہ کی کیا تعریف کی؟ کہ وہ اس چیز کا نام ہے جس کی وجہ سے فعلِ مذکور کو کیا جائے، تو یہ نہیں بیان کیا کہ وہ اس فعل کا نام ہے، تو لِلسَّمْنِ بھی اس تعریف کے اندر داخل ہو رہا ہے، تو صاحبِ کافیہ کی تعریف لی جائے تو لِلسَّمْنِ اور لِإِكْرَامِكَ جو ان دو مثالوں میں لفظ آرہے ہیں یہ دونوں بھی مفعول لہ ہیں حالانکہ جمہور کے نزدیک یہ دونوں مفعول لہ نہیں، مفعول لہ کے لیے فعل ہونا بھی ضروری اور منصوب ہونا بھی ضروری ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو یہ معنی ہے: فَالسَّمْنُ وَالْإِكْرَامُ فِيْ قَوْلِكَ جِئْتُكَ لِلسَّمْنِ وَلِإِكْرَامِكَ الزَّائِرَ عِنْدَهُ مَفْعُوْلٌ لَهُ عَلٰى مَا يَدُلُّ عَلَيْهِ حَدُّهُ۔ بھئی میں نے بتایا صاحبِ کافیہ جمہور سے اختلاف کرتے ہیں: جمہور کے نزدیک مفعول لہ کا فعل ہونا بھی ضروری اور منصوب ہونا بھی ضروری ہے لیکن صاحبِ کافیہ نے کیا تعریف کی کہ مفعول لہ وہ چیز ہے جس کی وجہ سے فعلِ مذکور کو کیا جائے؟ تو یہ تو عام ہے یہ تو عین کو بھی شامل ہوا اور فعل کو بھی شامل ہوا، بھئی جس چیز کی وجہ سے بھی فعلِ مذکور کو کیا جائے صاحبِ کافیہ کے نزدیک وہ کیا ہے؟ وہ مفعول لہ ہے، تو جِئْتُكَ لِلسَّمْنِ میں آیا آپ کے پاس گھی کے لیے، یہ مجیئت کا فعل کس کی وجہ سے کیا گیا؟ سمن کی وجہ سے کیا گیا، اب سمن تو حالانکہ فعل نہیں ہے وہ تو عین ہے وہ تو ذات ہے ایک چیز ہے، لیکن اس کو بھی کیا کہنا پڑے گا صاحبِ کافیہ کی تعریف کے مطابق؟ مفعول لہ۔ تو معلوم ہوا صاحبِ کافیہ کے نزدیک مفعول لہ عین بھی ہو سکتا ہے اور فعل بھی ہو سکتا ہے، جبکہ جمہور کے نزدیک مفعول لہ ہمیشہ فعل ہوگا عین نہیں ہو سکتا۔ تو کہتے ہیں فَالسَّمْنُ وَالْإِكْرَامُ فِيْ قَوْلِكَ تو سمن اور اکرام کا جو لفظ ہے آپ کے اس قول میں جِئْتُكَ لِلسَّمْنِ میں آیا آپ کے پاس گھی کے لیے، وَلِإِكْرَامِكَ الزَّائِرَ اس کے ساتھ بھی جِئْتُكَ کو جوڑ دیں بھائی: وَجِئْتُكَ لِإِكْرَامِكَ الزَّائِرَ، جِئْتُكَ میں آپ کے پاس آیا لِإِكْرَامِكَ بوجہ آپ کے اکرام کرنے کے الزَّائِرَ زیارت کرنے والے کی، زائر اسمِ فاعل ہے زیارت سے۔ مثلاً آپ کسی سے یہ کہتے ہیں جِئْتُكَ لِإِكْرَامِكَ الزَّائِرَ میں آپ کے پاس اس وجہ سے آیا کیونکہ آپ اکرام کرتے ہیں اپنی زیارت کرنے والے کا، جو آپ کی زیارت کرنے کے لیے آپ سے ملنے کے لیے آپ کے پاس آتا ہے آپ اس کا اکرام کرتے ہیں تو اس لیے میں آپ کے پاس آیا۔ جِئْتُكَ لِإِكْرَامِكَ، تو دیکھو اکرام مصدر ہے بھائی اور آپ کو میں نے بتلایا تھا کہ مصدر بھی اپنے فعل جیسا عمل کرتا ہے، اپنے فاعل کو رفع دیتا ہے اور مفعول کو نصب دیتا ہے۔ اور اکرام کرنے والا کون ہے؟ میں آپ کے پاس آیا اس وجہ سے کہ آپ اکرام کرتے ہیں، معلوم ہوا مخاطب ہے اکرام کرنے والا، تو یہ لِإِكْرَامِكَ مصدر کی اضافت ہو رہی ہے کاف ضمیر کی طرف، مخاطب کی ضمیر کی طرف یعنی فاعل کی طرف۔ مخاطب جو ہے نا وہ ہے اکرام کرنے والا تو اکرام مصدر کی اضافت کس کی طرف ہو رہی ہے؟ فاعل کی طرف ہو رہی ہے، اور الزَّائِرَ یہ مفعول بہ ہے اکرام کے لیے، آپ اکرام کرتے ہیں کس کا اکرام کرتے ہیں؟ الزَّائِرَ وہ جو زیارت کرتا ہے یعنی آپ کی جو زیارت کرتا ہے۔ معلوم ہوا یہ اکرام متکلم کا فعل نہیں ہے، یہ مخاطب کا فعل ہے۔ توجہ ہے؟ اکرام کرنے والا کون ہے؟ مخاطب۔ میرا فعل تو مجیئت

ہے، جِئْتُكَ میں آپ کے پاس آیا ہوں لِإِكْرَامِكَ کیونکہ آپ اکرام کرتے ہیں الزَّائِرَ کس کی؟ زیارت کرنے والے کی، تو میں بھی اسی لیے آپ کے پاس آیا ہوں پھر آپ میرا بھی کیا کریں گے؟ اکرام کریں گے۔ تو یہ لِإِكْرَامِكَ یہ مصدر کی اضافت ہو رہی ہے اپنے فاعل کی طرف، اور الزَّائِرَ یہ کیا ہے؟ مفعول ہے، آپ اکرام کرتے ہیں کس کا اکرام کرتے ہیں؟ الزَّائِرَ جو آپ کی زیارت کرتا ہے۔ تو بعض محشی حضرات نے لکھا کہ یہ اِكْرَامِكَ یہ مصدر کی اضافت ہے مفعول کی طرف، کس کی طرف؟ مفعول کی طرف، لِإِكْرَامِكَ اس وجہ سے کہ میں نے آپ کا اکرام کیا۔ معلوم ہوا مجیئت بھی کس کی ہے؟ متکلم کی، اور اکرام کرنے والا بھی کون ہے؟ متکلم ہے، یہ بعض محشی حضرات نے تقریر کی ہے لیکن یہ درست نہیں ہے بھائی۔ دراصل وہ محشی دونوں کا فاعل ایک ہی بنانا چاہتے ہیں: ماقبل میں جو مجیئت کا فعل ہے اس کا فاعل تو کون ہے؟ متکلم، آگے اکرام کو بھی اسی متکلم کا فعل بنانا چاہتے ہیں چنانچہ وہ کہتے ہیں کہ یہ اکرام کی اضافت اپنے مفعول کی طرف ہو رہی ہے، حالانکہ میں نے بتایا یہ اپنے مفعول کی طرف اضافت نہیں ہے بلکہ اپنے فاعل کی طرف اضافت ہے۔ شاید شبہ پڑا محشی کو جو آگے شرطیں ذکر تھیں نا کہ فعلِ معلل بہ اور مفعول لہ دونوں کا فاعل ایک ہونا چاہیے، تو اس لیے انہوں نے بھی یہاں پر دونوں کا فاعل ایک ہی بنانے کے لیے کیا کہا؟ کہ اکرام کی اضافت ہے اپنے مفعول کی طرف ہے، حالانکہ مفعول کی طرف اضافت نہیں ہے بلکہ فاعل کی طرف اضافت ہے۔ وجہ یہ کہ دونوں کا فاعل اس وقت ایک ہونا چاہیے جب آپ اس پر نصب پڑھنا چاہتے ہیں، اور یہاں تو لفظوں میں لام موجود ہے یہاں تو دونوں کا فاعل ایک ہونا کوئی ضروری نہیں ہے بھائی۔ بات سمجھ میں آگئی۔

جی دیکھیے بھائی کتاب پر: کہتے ہیں فَالسَّمْنُ وَالْإِكْرَامُ فِيْ قَوْلِكَ جِئْتُكَ لِلسَّمْنِ وَلِإِكْرَامِكَ الزَّائِرَ عِنْدَهُ مَفْعُوْلٌ لَهُ عَلٰى مَا يَدُلُّ عَلَيْهِ حَدُّهُ۔ تو سمن اور اکرام کا جو لفظ ہے آپ کے اس قول میں جِئْتُكَ لِلسَّمْنِ وَلِإِكْرَامِكَ الزَّائِرَ، یہ دو لفظ جو ہیں عِنْدَهُ یہ صاحبِ کافیہ کے نزدیک مَفْعُوْلٌ لَهُ یہ دونوں کیا ہیں؟ مفعول لہ ہیں اگرچہ ان میں سے ایک عین ہے اور ایک فعل ہے، تو یہ دونوں مفعول لہ ہیں عِنْدَهُ مَفْعُوْلٌ لَهُ تو یہ دونوں لفظ جو ہیں صاحبِ کافیہ کے نزدیک مفعول لہ ہیں عَلٰى مَا يَدُلُّ عَلَيْهِ حَدُّهُ بنا بر اس کے جس پر اس کی تعریف دلالت کر رہی ہے۔ مفعول لہ کی کیا تعریف کی تھی؟ مفعول لہ اس چیز کا نام ہے جس کی وجہ سے فعلِ مذکور کیا جائے، چاہے وہ عین ہو چاہے فعل ہو دونوں اس کے اندر داخل ہو گئے۔ آگے دیکھیے: وَهٰذَا كَمَا قَالَ فِي الْمَفْعُوْلِ فِيْهِ إِنَّ شَرْطَ نَصْبِهِ تَقْدِيْرُ فِيْ، کہتے ہیں یہ اسی طرح ہے جیسے کہ صاحبِ کافیہ نے مفعول فیہ کے بارے میں فرمایا تھا کہ إِنَّ شَرْطَ نَصْبِهِ تَقْدِيْرُ فِيْ کہ مفعول فیہ کے منصوب ہونے کی شرط تقدیرِ فِيْ ہے۔ جمہور کے نزدیک تو مفعول فیہ ہمیشہ منصوب ہوتا ہے لیکن صاحبِ کافیہ نے کیا فرمایا تھا؟ مفعول فیہ کے منصوب ہونے کی شرط تقدیرِ فِيْ ہے، معلوم ہوا کہ منصوب نہ ہو بلکہ فِيْ لفظوں میں ہو پھر بھی وہ کیا ہے صاحبِ کافیہ کے نزدیک؟ مفعول فیہ ہے۔ تو یہاں پر بھی انہوں نے اسی طرح اختلاف کیا جمہور نحویوں سے، تو کہتے ہیں وَهٰذَا أَيْضًا خِلَافُ اصْطِلَاحِ الْقَوْمِ اور یہ بھی ان لوگوں کی اصطلاح

کے خلاف ہے یعنی صاحبِ کافیہ کی یہ بات بھی جمہور نحویوں کی اصطلاح کے خلاف ہے بھائی۔

آگے دیکھیے: تَقْدِيْرُ اللّامِ، مفعول لہ کے منصوب ہونے کی شرط تقدیرِ لام ہے کہ لام وہاں مقدر ہونا چاہیے لفظوں میں نہیں، کیونکہ اگر لفظوں میں آئے گا پھر تو جر پڑھنا واجب ہوگا۔ تو کہتے ہیں تَقْدِيْرُ اللّامِ کہ مفعول لہ کے منصوب ہونے کی شرط تقدیرِ لام ہے لِأَنَّهَا إِذَا ظَهَرَتْ لَزِمَ الْجَرُّ اس لیے کیونکہ جب لام ظاہر ہوگا یعنی لفظوں میں ہوگا تو لَزِمَ الْجَرُّ پھر تو جر لازم ہوگا بھائی۔

وَخَصَّ اللّامَ بِالذِّكْرِ لِأَنَّهَا الْغَالِبُ فِيْ تَعْلِيْلَاتِ الْأَفْعَالِ۔ بھئی یاد رکھو علت بیان کرنے کے لیے عربی زبان میں لام کثرت سے استعمال ہوتا ہے، سب سے زیادہ لام استعمال ہوتا ہے لیکن اس کے علاوہ اور بعض حروف جو ہیں وہ بھی علت بیان کرنے کے لیے استعمال ہوتے ہیں جیسے مِنْ ہے، با ہے یا جیسے فِيْ ہے، یہ سب بھی علت بیان کرنے کے لیے استعمال ہوتے ہیں۔ تو صاحبِ کافیہ نے کیا کہا؟ وَشَرْطُ نَصْبِهِ تَقْدِيْرُ اللّامِ مفعول لہ کے منصوب ہونے کی شرط کیا ہے؟ کہ وہاں لام مقدر ہونا چاہیے۔ بھئی مِنْ مقدر ہونا چاہیے یہ کیوں نہیں آپ نے کہا؟ یا فِيْ مقدر ہونا چاہیے یا با؟ تو باقی حروف جو علت بیان کرنے کے لیے آتے ہیں ان کو صاحبِ کافیہ نے ذکر نہیں فرمایا، صرف یہ کہا کہ مفعول لہ کے منصوب ہونے کی شرط تقدیرِ لام ہے، صرف لام کو ذکر فرمایا۔ تو اس کی وجہ بتائیں گے کہ بھئی چونکہ لام سب سے زیادہ استعمال ہوتا ہے لہٰذا لام ہی مقدر ہوگا، باقی مقدر نہیں ہوں گے بھائی۔ تو کہتے ہیں وَخَصَّ اللّامَ بِالذِّكْرِ اور صاحبِ کافیہ نے لام کو خاص کیا ذکر کے ساتھ یعنی خاص طور پر لام کا ذکر فرمایا لِأَنَّهَا الْغَالِبُ اس لیے کیونکہ یہ لام جو ہے یہ غالب ہے فِيْ تَعْلِيْلَاتِ الْأَفْعَالِ افعال کی علت بیان کرنے میں، اسی کو زیادہ تر استعمال کیا جاتا ہے، فَلَا يُقَدَّرُ غَيْرُهَا لہٰذا اس کے علاوہ کوئی اور حرف مقدر نہیں ہوگا، مِنْ مِنْ أَوِ الْبَاءِ أَوْ فِيْ۔ مِنْ کے ذریعے بیان ہے: فَلَا يُقَدَّرُ غَيْرُهَا اس لام کے علاوہ کوئی اور لفظ مقدر نہیں ہوگا، بھئی غَيْرُهَا لام کے علاوہ، وہ کیا مراد ہیں اس سے؟ تو آگے بیان چاہیے تو مِنْ کے ذریعے بیان کیا مِنْ مِنْ یعنی کہ لفظِ مِنْ أَوِ الْبَاءِ یا با أَوْ فِيْ یا لفظِ فِيْ یہ مقدر نہیں ہوں گے مَعَ أَنَّهَا مِنْ دَوَاخِلِ الْمَفْعُوْلِ لَهُ باوجود اس کے کہ یہ بھی مفعول لہ میں داخل ہونے والی چیزیں ہیں، كَقَوْلِهِ تَعَالٰى جیسے کہ اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے: ﴿ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْيَةِ اللهِ ﴾ ۔ یہاں جو یہ مِنْ آیا نا یہ علت بیان کرنے کے لیے ہے، خَاشِعًا خشوع سے ہے خشوع کا معنی ہے جھکنا عاجزی کا اظہار کرنا، مُتَصَدِّعًا تصدّع کا معنی ہے پھٹنا، پھٹنا، اور خَشْيَةِ اللهِ خشیت کہتے ہیں خوف کو۔ اللہ تعالیٰ قرآن میں فرماتے ہیں: ﴿ لَوْ أَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْآنَ عَلٰى جَبَلٍ لَّرَأَيْتَهُ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْيَةِ اللهِ ﴾ اگر ہم نے اس قرآن کو کسی پہاڑ پر نازل کیا ہوتا لَّرَأَيْتَهُ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْيَةِ اللهِ تو البتہ آپ دیکھتے اس پہاڑ کو کہ خَاشِعًا وہ جھکا جا رہا ہے مُتَصَدِّعًا پھٹا جا رہا ہے مِنْ خَشْيَةِ اللهِ اللہ کے خوف سے۔ اگر ہم اس قرآن کو کسی پہاڑ پر نازل فرماتے تو آپ دیکھتے کہ وہ پہاڑ جو ہے اللہ کے خوف کی وجہ سے جھک رہا ہے اور پھٹ رہا ہے بھائی۔ تو دیکھو خَاشِعًا وہ جھکا جا رہا ہے مُتَصَدِّعًا پھٹا جا رہا ہے مِنْ خَشْيَةِ اللهِ اللہ کے خوف کی وجہ سے، تو یہاں مِنْ کس

لیے آیا؟ علت بیان کرنے کے لیے آیا، معلوم ہوا عربی زبان میں لام کے علاوہ کبھی مِنْ بھی علت بیان کرنے کے لیے آتا ہے۔ اسی طرح وَقَوْلِهِ تَعَالٰی اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے: ﴿ فَبِظُلْمٍ مِّنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا ﴾، فَبِظُلْمٍ یہ جو با ہے یہ علت بیان کرنے کے لیے ہے، فَبِظُلْمٍ ظلم کرنے کی وجہ سے مِنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا ان لوگوں کی طرف سے جو یہودی ہوئے، اَلَّذِيْنَ هَادُوْا وہ لوگ جو یہودی ہوئے حَرَّمْنَا ہم نے حرام کر دیا۔ یاد رکھو بنو اسرائیل پر، یہودیوں پر بہت سی حلال چیزوں کو بھی اللہ تعالیٰ نے حرام فرما دیا ان کے ظلم کرنے کی وجہ سے، وہ حد سے زیادہ ظلم کرنے والے تھے تو بہت سی حلال چیزوں کو بھی ان پر اللہ تعالیٰ نے حرام فرما دیا۔ تو وہی اللہ بیان فرما رہے ہیں: ﴿ فَبِظُلْمٍ مِّنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا ﴾ کہ وہ لوگ جو یہودی ہوئے ان کی جانب سے ظلم کرنے کی وجہ سے حَرَّمْنَا ہم نے حرام قرار دے دیا۔ تو یہ حرام قرار دینے کی علت بیان کی جا رہی ہے، کس کے ذریعے؟ بِظُلْمٍ۔ ہم نے حرام قرار دیا کس وجہ سے؟ بِظُلْمٍ ان کے ظلم کرنے کی وجہ سے۔ تو یہ با یہاں کس لیے آئی؟ علت بیان کرنے کے لیے۔ اسی طرح وَقَوْلِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ اور جیسے کہ حضور علیہ السلام کا قول ہے: «إِنَّ امْرَأَةً دَخَلَتِ النَّارَ فِيْ هِرَّةٍ»۔ إِنَّ امْرَأَةً کہ ایک عورت جو ہے دَخَلَتِ النَّارَ وہ جہنم میں داخل ہو گئی فِيْ هِرَّةٍ أَيْ لِأَجْلِ هِرَّةٍ ایک بلی کی وجہ سے۔ تو یہاں پر فِيْ کس لیے آیا؟ علت بیان کرنے کے لیے کہ ایک عورت جہنم میں داخل ہوئی ایک بلی کی وجہ سے۔ کوئی عورت تھی اس نے کسی بلی کو باندھ دیا تھا حدیث میں آتا ہے، اور پھر نہ اس کو کچھ کھانے پینے کو دیا اور نہ اس کو پھر کھولا تو اسی جگہ بندھے بندھے بھوک اور پیاس کی وجہ سے وہ بلی مر گئی بھائی، تو اس وجہ سے اس عورت کو جہنم میں داخل کیا گیا بھائی۔ تو یہاں دیکھو وہ عورت جہنم میں داخل ہوئی فِيْ هِرَّةٍ ایک بلی میں یعنی ایک بلی کی وجہ سے، تو علت بیان کرنے کے لیے کیا لایا گیا؟ فِيْ کو لایا گیا بھائی۔ تو معلوم ہوا علت بیان کرنے کے لیے غالب استعمال تو لام کا ہے لیکن کبھی مِنْ اور فِيْ اور با کو بھی استعمال کیا جاتا ہے۔

کہتے ہیں: وَلَمَّا كَانَ تَقْدِيْرُ اللَّامِ عِبَارَةً عَنْ حَذْفِهَا، یہ تمہید ہے آگے آنے والے متن کے لیے۔ بھئی دیکھیے ذرا آگے آنے والا متن دیکھیں: وَإِنَّمَا يَجُوْزُ حَذْفُهَا، اور جائز ہے لام کا حذف، جائز ہے لام کا حذف جائز ہے۔ بھئی صاحبِ کافیہ کے پاس الفاظ کم ہوتے ہیں، وہ مختصر سے مختصر لفظوں میں لمبی سے لمبی بات کرنا چاہتے ہیں، تو یہاں ان کو صرف یوں کہنا چاہیے تھا وَإِنَّمَا يَجُوْزُ، حَذْفُهَا کو نہ لاتے، صرف إِنَّمَا يَجُوْزُ کہتے اور يَجُوْزُ کے اندر هُوَ ضمیر راجع کر دیتے پیچھے تقدیرِ لام کا ذکر آیا ہے۔ کیا کہا؟ وَشَرْطُ نَصْبِهِ تَقْدِيْرُ اللَّامِ مفعول لہ کے منصوب ہونے کی شرط تقدیرِ لام ہے وَإِنَّمَا يَجُوْزُ اور تقدیرِ لام جائز ہے، هُوَ ضمیر تقدیرِ لام کی طرف لوٹا دیتے کہ تقدیرِ لام جائز ہے کب؟ إِذَا كَانَ فِعْلًا لِّفَاعِلِ الْفِعْلِ الْمُعَلَّلِ بِهِ وَمُقَارِنًا لَّهُ فِي الْوُجُوْدِ۔ تو صاحبِ کافیہ کو یہ حَذْفُهَا کا لفظ نہیں لانا چاہیے تھا، ضمیر راجع کر دیتے تقدیرِ لام کی طرف، تو یہ حَذْفُهَا کا لفظ وہ کیوں لائے؟ یہ تو عبارت لمبی ہو گئی۔ اور یاد رکھو فصیح و بلیغ آدمی جب ظاہر سے عدول کرے تو اس میں کوئی نکتہ ہوتا ہے۔ ظاہر تو کیا

تھا؟ ضمیر لانی چاہیے تھی، ظاہر تو کیا تھا؟ ضمیر لانی چاہیے تھی بات واضح تھی بالکل، کوئی اشکال ہی نہیں تھا، لیکن ضمیر کے بجائے عدول کیا کس چیز کی طرف؟ حَذْفُهَا کا لفظ لے کر آئے۔ تو صاحبِ کافیہ نے اس ظاہر سے عدول کیا دوسری عبارت کی طرف، اس کی وجہ کیا ہے؟ یقیناً اس میں کوئی نکتہ ہوگا۔ تو یہاں کیا نکتہ ہے اب وہ نکتہ بیان کرنے لگے ہیں صاحبِ جامی بھائی۔

بھئی دیکھیے ایک ہے ذکر اور ایک ہے تقدیر بھائی۔ ایک تو یہ ہے کہ کسی لفظ کو ذکر کیا جائے، اور ایک یہ ہے کہ کسی لفظ کو مقدر کر لیا جائے، دو چیزیں ہیں۔ تو ذکر کے اندر جب مثلاً یہاں پر لام ہے، تو جو ذکرِ لام ہے، لام کا ذکر کرنا یہ ہے اصل۔ یہ کیا ہے؟ اصل ہے کہ ذکر کیا جائے یا حذف کیا جائے؟ ذکر اصل ہے اور حذف خلافُ الاصل ہے، لہٰذا حذف کے لیے ہمیشہ کیا چاہیے ہوتا ہے؟ قرینہ چاہیے ہوتا ہے۔ تو یہاں پر ایک ہے ذکرِ لام، ایک ہے تقدیرِ لام۔ ذکرِ لام اصل ہے اور ذکرِ لام میں کیا کیا ہوگا؟ اس لام کو لفظوں میں بھی باقی رکھا جائے گا، اور نیت میں بھی اس کا ارادہ ہے یعنی اس کے معنی کا بھی ارادہ ہے۔ یہ اپنے سامنے ذرا لکھیں پھر آپ کو بات سمجھ میں آئے گی۔ لکھیے بھائی: ذکرِ لام، ذکرِ لام۔ جی اس سے تھوڑا سا فاصلہ دے کر، ایک لفظ جتنا فاصلہ دیں اور آگے لکھیں: ذکرِ لام میں کتنی چیزیں ہیں بھائی؟ دو چیزیں ہوں گی وہ لکھیں، لکھیں: إِبْقَاءُ فِي اللَّفْظِ وَالنِّيَّةِ، إِبْقَاءُ فِي اللَّفْظِ وَالنِّيَّةِ۔ ذکرِ لام میں کتنی چیزیں ہوں گی؟ دو چیزیں، کون کون سی؟ إِبْقَاءُ فِي اللَّفْظِ یعنی لفظوں کے اندر بھی لام کو آپ لے کر آئیں گے، وَإِبْقَاءُ فِي النِّيَّةِ اور نیت میں بھی ہوگا یعنی اس کا ارادہ بھی ہوگا، یعنی اس کا معنی بھی مراد ہوگا، توجہ ہے؟ تو ذکرِ لام میں کتنی چیزیں؟ دو چیزیں: إِبْقَاءُ فِي اللَّفْظِ لفظوں میں بھی باقی ہو، اور نیت میں بھی باقی ہو یعنی اس کا معنی بھی مراد ہو، اس کا بھی ارادہ کیا جائے۔ اور نیچے لکھیے: تقدیرِ لام، ذکرِ لام کے نیچے لکھیے تقدیرِ لام، تقدیرِ لام۔ اس کے آگے لکھیے تھوڑا سا فاصلہ دے کر: حَذْفٌ عَنِ اللَّفْظِ، حَذْفٌ عَنِ اللَّفْظِ وَإِبْقَاءُ فِي النِّيَّةِ، وَإِبْقَاءُ فِي النِّيَّةِ۔ لکھ لیا؟ جی، تو ذکرِ لام میں کتنی چیزیں؟ دو چیزیں، توجہ ہے؟ ذکرِ لام میں کتنی چیزیں؟ دو چیزیں: ایک تو إِبْقَاءُ فِي اللَّفْظِ وہ لفظوں میں بھی باقی ہو اور وَالنِّيَّةِ اور نیت میں بھی باقی ہو یعنی اس کے معنی کا بھی ارادہ کیا جائے۔ اور تقدیرِ لام کے اندر بھی دو چیزیں ہیں، کیا؟ کہ لفظوں سے حذف کر لیا جائے لیکن وَإِبْقَاءُ فِي النِّيَّةِ نیت میں وہ باقی ہو یعنی اس کا معنی مراد ہو۔ تو ذکرِ لام میں کتنی چیزیں؟ دو، کون کون سی؟ لفظوں میں بھی باقی ہو اور نیت میں بھی باقی ہو، اور تقدیرِ لام میں کتنی چیزیں؟ دو چیزیں، کون کون سی؟ کہ لفظوں سے حذف ہو لیکن نیت میں باقی ہو بھائی۔ تو دیکھو بات سمجھ میں آگئی؟ اب دیکھو اگر صاحبِ کافیہ عبارت یوں لاتے وَإِنَّمَا يَجُوْزُ إِذَا كَانَ یعنی ضمیر لوٹا دیتے تقدیرِ لام کی طرف، اگر وہ ضمیر لوٹا دیتے تقدیرِ لام کی طرف تو یوں معلوم ہوتا کہ یہ تقدیرِ لام کی شرط بیان ہو رہی ہے، تو یوں معلوم ہوتا آگے تقدیرِ لام کی یہ شرط ہے، اور تقدیرِ لام میں تو کتنی چیزیں ہیں؟ دو چیزیں ہیں، کون کون سی؟ لفظوں سے حذف اور نیت میں باقی رکھنا، تو

یوں معلوم ہوتا کہ شاید یہ دونوں کی شرط بیان ہو رہی ہے۔ حالانکہ نیت میں باقی رکھنا یہ تو اصل کے مطابق ہے، ذکر میں کتنی چیزیں تھیں؟ ذکر میں دو چیزیں تھیں، کون کون سی؟ کہ لفظوں میں بھی باقی ہو اور نیت میں بھی باقی ہو، معلوم ہوا نیت میں باقی ہونا یہ تو اصل کے مطابق ہے، اصل بھی ذکر ہے نا؟ توجہ ہے؟ ایک ہے ذکرِ لام، ذکرِ لام میں دو چیزیں ہیں: کہ لفظوں میں بھی ذکر ہو اور نیت میں بھی ہو۔ اور ایک ہے تقدیرِ لام، تقدیرِ لام میں کیا ہے؟ لفظوں سے تو حذف ہے لیکن نیت میں باقی ہو۔ تو یہ جو نیت میں باقی ہے یہ تو ذکر کے اندر بھی تھا، یہ تو ذکر کے اندر بھی تھا، اور ذکر تو اصل تھا، اور اصل کے لیے کسی شرط کی ضرورت نہیں ہوتی۔ اصل کے لیے کسی شرط کی ضرورت نہیں ہوتی، جب خلافُ الاصل ہو پھر اس کے لیے شرط کی ضرورت پڑتی ہے، تو اصل کے لیے کسی دلیل یا شرط وغیرہ کی ضرورت نہیں ہوتی اور جو خلافُ الاصل ہو اس میں شرط یا قرینے وغیرہ کی ضرورت پڑتی ہے بھائی۔ تو یہاں پر تقدیرِ لام کے اندر دو چیزیں ہیں کون کون سی؟ حَذْفٌ عَنِ اللَّفْظِ بھی اور إِبْقَاءٌ فِي النِّيَّةِ بھی۔ اور إِبْقَاءٌ فِي النِّيَّةِ جو ہے اس کے اندر وہ تو اصل کے اندر بھی تھا، معلوم ہوا یہ إِبْقَاءٌ فِي النِّيَّةِ یہ تو اصل کے مطابق ہے اس کے لیے کسی شرط کی ضرورت نہیں، اس کے لیے کسی شرط کی ضرورت نہیں، صرف کیا چیز خلافُ الاصل ہے؟ حَذْفٌ عَنِ اللَّفْظِ جو ہے وہ خلافُ الاصل ہے، اس کے لیے شرط وغیرہ کی ضرورت ہے۔ تو اگر صاحبِ کافیہ يَجُوْزُ کی ضمیر تقدیرِ لام کی طرف لوٹا دیتے تو پھر تو عبارت یہ بن جاتی کہ تقدیرِ لام کی یہ شرط ہے، اور تقدیرِ لام میں تو دو چیزیں ہیں: حَذْفٌ عَنِ اللَّفْظِ بھی ہے اور إِبْقَاءٌ فِي النِّيَّةِ بھی ہے، تو گویا یہ دونوں کی شرط ہو جاتی، حالانکہ یہ دونوں کی شرط نہیں ہے کیونکہ إِبْقَاءٌ فِي النِّيَّةِ وہ تو اصل کے مطابق ہے اس کے لیے تو کسی شرط کی ضرورت نہیں ہے، صرف کیا چیز خلافُ الاصل تھی؟ حذف تھا، تو یہ تو آگے صرف حذف کی شرط ذکر ہو رہی ہے، اسی لیے ضمیر جو ہے تقدیرِ لام کی طرف نہیں لوٹائی بلکہ کیا لے آئے؟ حَذْفُهَا کہ یہ حذفِ لام کی شرط ہے، ابقاء فی النیت کی شرط نہیں کیونکہ وہ تو اصل کے مطابق ہے۔

تو کہتے ہیں: وَلَمَّا كَانَ تَقْدِيْرُ اللَّامِ عِبَارَةً، جب تقدیرِ لام جو ہے وہ عبارت ہے، بھئی ادھر دیکھیے، ادھر دیکھیے، تقدیرِ لام کتنی چیزوں سے عبارت ہے؟ دو چیزوں سے: ایک تو حَذْفٌ عَنِ اللَّفْظِ اور إِبْقَاءٌ فِي النِّيَّةِ۔ تو دیکھو کہتے ہیں وَلَمَّا كَانَ تَقْدِيْرُ اللَّامِ عِبَارَةً جب تقدیرِ لام عبارت ہے عَنْ حَذْفِهَا عَنِ اللَّفْظِ وَإِبْقَائِهَا فِي النِّيَّةِ اس لام کو لفظوں سے حذف کرنا وَإِبْقَائِهَا فِي النِّيَّةِ اور نیت میں باقی رکھنا، اس سے تقدیرِ لام عبارت ہے، وَكَانَ الْأَصْلُ إِبْقَاءَهَا فِي اللَّفْظِ وَالنِّيَّةِ اور اصل جو ہے وہ تو اس کو لفظوں میں بھی باقی رکھنا اور نیت میں بھی باقی رکھنا، فَلَا حَاجَةَ فِيْ إِبْقَائِهَا فِي النِّيَّةِ إِلٰى شَرْطٍ لہٰذا إِبْقَاءُ اللَّامِ فِي النِّيَّةِ جو ہے یہ محتاج نہیں ہے کسی شرط کا، یہ تو کسی شرط کا محتاج نہیں۔ تو کہتے ہیں فَلَا حَاجَةَ فِيْ إِبْقَائِهَا فِي النِّيَّةِ إِلٰى شَرْطٍ پس محتاج نہیں ہے اس لام کو باقی رکھنا نیت میں إِلٰى شَرْطٍ یہ کسی شرط کا، یہ کسی شرط کا محتاج نہیں، بَلِ الْحَاجَةُ إِلَيْهِ إِنَّمَا يَكُوْنُ فِيْ حَذْفِهَا مِنَ اللَّفْظِ بلکہ شرط کی طرف جو حاجت ہے وہ إِنَّمَا يَكُوْنُ فِيْ حَذْفِهَا مِنَ اللَّفْظِ وہ تو صرف اس کو

لفظوں سے حذف کرنے میں ہے، وَلِذٰلِكَ قَالَ اور اسی وجہ سے ماتن نے کہا وَإِنَّمَا يَجُوْزُ حَذْفُهَا اس لیے حَذْفُهَا کا لفظ لے کر آئے، وَلَمْ يَكْتَفِ بِإِرْجَاعِ ضَمِيْرِ الْفَاعِلِ إِلٰى تَقْدِيْرِ اللَّامِ اور اسی وجہ سے اکتفا نہیں فرمایا فاعل کی ضمیر لوٹاتے ہوئے إِلٰى تَقْدِيْرِ اللَّامِ تقدیرِ لام کی طرف، اس پر اکتفا نہیں فرمایا۔

آگے دیکھیے: فَيَجُوْزُ حَذْفُهَا كَمَا يَجُوْزُ ذِكْرُهَا، پس اس لام کا حذف بھی جائز ہے جیسے کہ اس کا ذکر جائز ہے، جیسے کہ اس کا ذکر جائز ہے۔ بھئی دیکھو نا پیچھے متن میں آیا وَإِنَّمَا يَجُوْزُ حَذْفُهَا، لام کا حذف جائز ہے جو آگے شرط ذکر کرنے لگے ہیں، جب یہ شرط پوری ہے تو اس وقت يَجُوْزُ حَذْفُهَا لام کا حذف جائز ہے، واجب نہیں ہے، جب لام کا حذف جائز ہے تو آپ چاہیں حذف کر دیں اور آپ چاہیں ذکر کر دیں، یہی بیان کر رہے ہیں۔ تو کہتے ہیں فَيَجُوْزُ حَذْفُهَا كَمَا يَجُوْزُ ذِكْرُهَا پس لام کا حذف جائز ہے جیسے کہ اس کا ذکر بھی جائز ہے إِذَا كَانَ الْمَفْعُوْلُ لَهُ فِعْلًا جب مفعول لہ فعل ہو، جب مفعول لہ کیا ہو؟ فعل ہو، پہلی شرط آگئی۔ شرط تو ایک ہی بنا دی صاحبِ کافیہ نے لیکن دراصل کتنی شرطیں ہیں یہ؟ تین ہیں، ان تینوں کو دیکھو بیان کریں گے: إِذَا كَانَ الْمَفْعُوْلُ لَهُ فِعْلًا جب مفعول لہ فعل ہو، کہتے ہیں احْتِرَازٌ عَمَّا إِذَا كَانَ عَيْنًا یہ احتراز ہے اس مفعول لہ سے جس وقت وہ کوئی عین ہو، کوئی ذات ہو، نَحْوُ جِئْتُكَ لِلسَّمْنِ میں آپ کے پاس گھی کے لیے آیا۔ اب یہاں پر یہ جو لِلسَّمْنِ ہے یہ، اس سے آپ لام کو حذف نہیں کر سکتے کیونکہ یہ فعل نہیں ہے یہ تو عین ہے، ایک چیز ہے جس کا اپنا الگ وجود ہے۔ کس چیز کی شرط ذکر ہو رہی ہے؟ لام کو حذف کرنے کی، تو جِئْتُكَ لِلسَّمْنِ اس سے لام حذف نہیں کر سکتے۔ کیوں؟ کیونکہ پہلی شرط کیا تھی کہ وہ مصدر ہونا چاہیے اور یہ سمن یہ تو مصدر نہیں ہے یہ تو عین ہے۔ جب یہ، جب وہ مفعول لہ فعل ہو لِفَاعِلِ الْفِعْلِ الْمُعَلَّلِ بِهِ فعلِ معلل بہ کے فاعل کے لیے۔ کیا معنی جب مفعول لہ فعل ہو فعلِ معلل بہ کے فاعل کے لیے؟ یعنی دونوں کا فاعل ایک ہونا چاہیے، یہی بیان کر رہے ہیں: أَيِ اتَّحَدَ فَاعِلُهُ وَفَاعِلُ عَامِلِهِ یعنی اس مفعول لہ کا فاعل اور مفعول لہ کے عامل کا فاعل متحد ہو۔ بھئی مفعول لہ میں عامل کیا ہوتا ہے؟ ضَرَبْتُهُ تَأْدِيْبًا یہ تَأْدِيْبًا کو نصب کس نے دیا؟ ضَرَبْتُ نے۔ تو یوں کہہ لو کہ مفعول لہ اور فعلِ معلل بہ کا فاعل متحد ہو، یا یوں کہہ لو مفعول لہ اور اس کے عامل کا فعل متحد ہو، مفعول لہ اور اس کے عامل کا فعل متحد ہو، بات ایک ہی ہے۔ تو کہتے ہیں أَيِ اتَّحَدَ فَاعِلُهُ وَفَاعِلُ عَامِلِهِ یعنی مفعول لہ کا فاعل اور اس کے عامل کا فاعل متحد ہو، احْتِرَازٌ عَمَّا إِذَا كَانَ فِعْلًا لِّغَيْرِهِ یہ احتراز ہے اس مفعول لہ سے جس وقت وہ کسی دوسرے کا فعل ہو نَحْوُ جِئْتُكَ لِمَجِيْئِكَ إِيَّايَ۔ جِئْتُكَ میں آپ کے پاس آیا لِمَجِيْئِكَ بوجہ آپ کے آنے کے إِيَّايَ میرے پاس، جِئْتُكَ میں آپ کے پاس آیا لِمَجِيْئِكَ إِيَّايَ اس وجہ سے کہ آپ میرے پاس آئے تھے، یعنی آپ میرے پاس آئے تھے اس لیے میں آپ کے پاس آیا ہوں۔ اب دیکھو ماقبل میں فعل کیا ہے؟ جِئْتُكَ، یہ متکلم کا فعل ہے، اور لام کے بعد کیا ہے؟ لِمَجِيْئِكَ، آپ کا آنا یعنی آپ آئے تھے، تو لام کے مابعد جو مجیئت ہے وہ کس کی ہے؟ مخاطب کی ہے، تو دیکھو دونوں کا فاعل الگ الگ ہے۔ میں آپ کے پاس آیا اس لیے کیونکہ آپ میرے پاس آئے تھے، تو میں آپ کے پاس آیا یہ دیکھو متکلم کا آنا ہے

اور کیونکہ آپ میرے پاس آئے تھے یہ دیکھو مخاطب کا آنا ہے، تو دونوں کا فاعل ایک نہیں ہے، لہٰذا یہاں بھی شرط پوری نہیں، لہٰذا یہاں، لہٰذا جِئْتُكَ لِمَجِيْئِكَ إِيَّايَ یہاں لِمَجِيْئِكَ سے لام کو حذف کر کے اس پر نصب پڑھنا جائز نہیں کیونکہ اس کے اندر دوسری شرط پوری نہیں ہے۔

آگے دیکھیے: وَمُقَارِنًا لَّهُ أَيْ لِلْفِعْلِ الْمَذْكُوْرِ، یہ ہُ ضمیر کا مرجع بتلا دیا کہ وہ مفعول لہ ملا ہوا ہو اس کے ساتھ بھائی کس کے ساتھ؟ أَيْ لِلْفِعْلِ الْمَذْكُوْرِ فعلِ مذکور کے ساتھ، تو وہ مفعول لہ ملا ہوا ہو فعلِ مذکور کے ساتھ فِي الْوُجُوْدِ وجود کے اندر یعنی دونوں کے وجود کا، دونوں کے پائے جانے کا زمانہ ایک ہو۔ بِأَنْ يَّتَّحِدَ زَمَانُ وُجُوْدِهِمَا، یہ با تصویریہ ہے، صاحبِ جامی صورت بیان فرما رہے ہیں کہ دونوں کا زمانہ ملا ہوا ہو اس کی کیا صورت ہو سکتی ہے؟ اس کی کیا صورت ہو سکتی ہے؟ آپ کو بتلائیں گے کہ دونوں کا زمانہ اکٹھا پایا جائے اس میں دو صورتیں ہو سکتی ہیں: ایک صورت یہ کہ دونوں کا زمانہ بالکل متحد ہو یعنی جتنا ایک کا زمانہ ہے اتنا ہی دوسرے کا زمانہ ہے اور وہ ایک ہی زمانے کے اندر دونوں ہیں۔ جبکہ ایک صورت یہ ہے کہ دونوں میں سے ایک کا زمانہ یعنی فعل یا مفعول لہ، ان دونوں میں سے ایک کا زمانہ طویل ہو اور دوسرے کا زمانہ اس زمانے کا جز ہو اس کا بعض ہو بھائی۔ جیسے ضَرَبْتُهُ تَأْدِيْبًا دیکھو یہ ضرب اور تادیب کا زمانہ ایک ہے، اس لیے کیونکہ یہاں ایک ہی فعل ہے، آپ کسی کی پٹائی کرتے ہیں وہی فعل بایں لحاظ کہ اس سے دوسرے کو تکلیف ہو رہی ہے اسی کو ضرب کہا، اور وہی فعل بایں لحاظ کہ اس سے دوسرے کی اصلاح ہو رہی ہے اور وہ اچھے اخلاق سیکھتا جا رہا ہے تو اس کو تادیب کہا۔ تو جب ایک ہی فعل ہے صرف فرقِ اعتباری ہے کہ ایک میں آپ نے تکلیف کا اعتبار کیا دوسرے میں اصلاح کا اعتبار کیا، تو صرف اعتباری فرق ہے ورنہ ایک ہی فعل ہے، جب ایک ہی فعل ہے پھر تو ایک ہی زمانہ ہوا دونوں کا زمانہ کیا ہو گیا؟ متحد ہو گیا، کسی ایک کا بھی زمانہ لمبا نہیں دونوں کا بالکل زمانہ متحد ہے کیونکہ فعل ہی ایک ہے۔ اور کبھی کبھار فعل الگ الگ ہوں گے تو پھر ایک کا زمانہ ہو سکتا ہے دوسرے کے زمانے سے طویل ہو، جیسے قَعَدْتُ عَنِ الْحَرْبِ جُبْنًا میں جنگ سے بیٹھا بزدلی کی وجہ سے، تو یہ مفعول لہ جو ہے جُبْنًا بزدلی دیکھو اس کا زمانہ طویل ہے، کوئی شخص بزدل ہوتا ہے تو وہ جنگ سے بیٹھنے سے پہلے بھی بزدل تھا، جنگ سے بیٹھنے کے دوران بھی بزدل تھا اور اس کے بعد بھی بزدل ہے، تو دیکھو جبن اور بزدلی کا زمانہ طویل ہے، اور جنگ سے بیٹھنا یہ اس زمانے کا بعض ہے بھائی۔ البتہ جب جنگ سے بیٹھا تھا بزدلی اس وقت بھی تھی تو دیکھو دونوں کا زمانہ اکٹھا ہے ملا ہوا ہے بھائی، دونوں اکٹھے ایک ہی زمانے میں دیکھو پائے جا رہے ہیں۔ تو دیکھو اس کے اندر جنگ سے بیٹھنا یہ تو کسی ایک وقت میں ہوا ہے لیکن بزدلی کا زمانہ طویل ہے تو قعود عن الحرب کا زمانہ بعض ہے مفعول لہ کے زمانے کا۔ اور کبھی اس کا برعکس ہوگا، فعل کا زمانہ لمبا ہوگا اور مفعول لہ کا زمانہ اس کا بعض ہوگا۔ جیسے، جیسے یہ آگے مثال ذکر کریں گے: شَهِدْتُ الْحَرْبَ إِيْقَاعًا لِّلصُّلْحِ بَيْنَ الْفَرِيْقَيْنِ، یہ ایک دو تین سطروں کے بعد آ رہا ہے، شَهِدْتُ الْحَرْبَ میں اس جنگ میں حاضر ہوا إِيْقَاعًا لِّلصُّلْحِ صلح کروانے کے لیے بَيْنَ الْفَرِيْقَيْنِ ان دو فریقوں میں، میں ان دو فریقوں کے درمیان صلح کروانے کے لیے جنگ میں حاضر ہوا۔ تو یہاں دیکھو جنگ کے اندر حاضر ہونا اس کا زمانہ طویل ہے، اور اسی

جنگ کی حاضری کے دوران کسی ایک وقت میں وہ صلح کروائے گا، تو وہ صلح کروانے کا زمانہ جنگ میں حاضر ہونے کے زمانے کا بعض ہے اس کا جز ہے بھائی، لیکن جس وقت صلح کروا رہا ہے اس وقت بھی جنگ میں حاضر ہونا پایا جا رہا ہے تو دونوں اکٹھے ہو گئے وجود کے اعتبار سے، بات سمجھ میں آگئی۔ تو کتنی صورتیں ہو گئیں زمانہ ملا ہوا ہونے کی؟ دو صورتیں: یا تو دونوں کا زمانہ بالکل متحد ہوگا یا دونوں میں سے ایک کا زمانہ طویل ہوگا اور دوسرے کا زمانہ اس کا بعض ہوگا، وہی بیان کر رہے ہیں دیکھیے بھائی۔

کہتے ہیں: بِأَنْ يَتَّحِدَ، میں نے بتلایا یہ با تصویریہ ہے جس کے ذریعے صورت بیان کر رہے ہیں کہ زمانہ ملا ہوا ہونے کی کیا صورت ہو سکتی ہے؟ کہتے ہیں بِأَنْ يَتَّحِدَ زَمَانُ وُجُوْدِهِمَا بایں صورت کہ دونوں کے وجود کا زمانہ متحد ہو، نَحْوُ ضَرَبْتُهُ تَأْدِيْبًا إِذْ زَمَانُ الضَّرْبِ وَالتَّأْدِيْبِ وَاحِدٌ اس لیے کیونکہ ضرب اور تادیب کا زمانہ ایک ہے، إِذْ لَا مُغَايَرَةَ بَيْنَهُمَا اس لیے کیونکہ ان دو افعال میں کوئی مغایرت ہے ہی نہیں، ایک ہی فعل ہے بس نام الگ الگ ہیں الگ اعتبار سے بھائی، إِذْ لَا مُغَايَرَةَ بَيْنَهُمَا اس لیے کیونکہ ان دونوں افعال میں کوئی مغایرت نہیں ہے إِلَّا بِالِاعْتِبَارِ مگر اعتباری طور پر۔ دونوں میں مغایرت صرف اعتباری ہے، اسی ضرب میں آپ نے یہ اعتبار کیا کہ تکلیف ہو رہی ہے دوسرے کو تو اس کا نام ضرب ہے، اور یہ اعتبار کیا کہ اس کو، اس کی اصلاح ہو رہی ہے تو وہی تادیب ہے، بات سمجھ میں آگئی۔ اعتباری چیز وہ ہوتی ہے جو معتبر کے اعتبار پر موقوف ہو، معتبر اعتبار کرتا ہے تو وہ چیز ہے معتبر اعتبار نہیں کرتا تو وہ چیز نہیں ہے، تو یہاں پر دیکھا جائے تو ایک ہی فعل ہے، اگر آپ یہ چیزوں کا، یہ اعتبار نہیں کرتے دو چیزوں کا تو پھر دو فعل ہیں ہی نہیں فعل تو ہے ہی ایک ضرب والا فعل، لیکن اگر آپ یہ اعتبار کرتے ہیں کہ دوسرے کو تکلیف ہو رہی ہے تو یہ ضرب ہے، اور یہ اعتبار کرتے ہیں کہ اس سے اس کی اصلاح ہو رہی ہے تو یہ تادیب ہے، تو صرف اعتباری فرق ہے تو فعل ایک ہی ہے تو زمانہ متحد ہوا۔ فعل الگ الگ ہیں ہی نہیں کہ ایک زمانہ کسی کا زیادہ ہو جائے یا کم ہو جائے یا الگ الگ ہو جائے۔

أَوْ يَكُوْنَ زَمَانُ وُجُوْدِ أَحَدِهِمَا بَعْضًا مِّنْ زَمَانِ وُجُوْدِ الْآخَرِ، یا دونوں میں سے ایک کے وجود کا جو زمانہ ہے وہ بعض ہوگا دوسرے کے وجود کے زمانے کا، یعنی ایک کا جو زمانہ ہے وہ دوسرے کے زمانے کا بعض ہوگا، نَحْوُ قَعَدْتُ عَنِ الْحَرْبِ جُبْنًا میں جنگ سے بیٹھا بزدلی کی وجہ سے، فَإِنَّ زَمَانَ الْفِعْلِ أَعْنِي الْقُعُوْدَ عَنِ الْحَرْبِ بَعْضُ زَمَانِ الْمَفْعُوْلِ لَهُ أَعْنِي الْجُبْنَ۔ دیکھو ترجمہ سنو: فَإِنَّ زَمَانَ الْفِعْلِ اس لیے کیونکہ فعل کا زمانہ جو ہے، کون سا فعل؟ أَعْنِي الْقُعُوْدَ عَنِ الْحَرْبِ یعنی جنگ سے بیٹھنا، یہ جو جنگ سے بیٹھنا ہے اس فعل کا جو زمانہ ہے بَعْضُ زَمَانِ الْمَفْعُوْلِ لَهُ یہ مفعول لہ کے زمانے کا بعض ہے، مفعول لہ کیا؟ أَعْنِي الْجُبْنَ یعنی جُبْن۔ جُبْن کے زمانہ طویل ہے تو اور قُعُوْد عَنِ الْحَرْب جو ہے یہ اس جُبْن کے زمانے کا بعض ہے۔ وَنَحْوُ شَهِدْتُ الْحَرْبَ إِيْقَاعًا لِّلصُّلْحِ بَيْنَ الْفَرِيْقَيْنِ میں اس جنگ میں حاضر ہوا صلح کروانے کے لیے ان دو فریقوں کے درمیان، فَإِنَّ زَمَانَ الْمَفْعُوْلِ لَهُ أَعْنِي إِيْقَاعَ الصُّلْحِ بَعْضُ زَمَانِ الْفِعْلِ أَعْنِي شُهُوْدَ الْحَرْبِ۔ کہتے ہیں فَإِنَّ زَمَانَ الْمَفْعُوْلِ لَهُ اس لیے کیونکہ مفعول لہ کا جو زمانہ ہے، بھئی مفعول لہ کیا؟ کہتے ہیں أَعْنِي إِيْقَاعَ الصُّلْحِ یعنی صلح کروانا۔ تو کہتے ہیں فَإِنَّ زَمَانَ الْمَفْعُوْلِ

لَهُ أَعْنِي إِيْقَاعَ الصُّلْحِ اس لیے کیونکہ مفعول لہ یعنی صلح کروانے کا جو زمانہ ہے بَعْضُ زَمَانِ الْفِعْلِ أَعْنِي شُهُوْدَ الْحَرْبِ یہ فعل یعنی شہودِ حرب کے زمانے کا بعض ہے۔

وَاحْتَرَزَ بِذٰلِكَ الْقَيْدِ عَمَّا إِذَا لَمْ يَكُنْ مُقَارِنًا لَّهُ فِي الْوُجُوْدِ، کہتے ہیں یہ جو قید لگائی نا متن میں کہ دونوں کا زمانہ مقارن ہونا چاہیے اکٹھا ہونا چاہیے بھائی، اس قید کے ذریعے اس طرح کی مثالوں سے احتراز کیا، آگے دیکھو مثال آرہی ہے: أَكْرَمْتُكَ الْيَوْمَ لِوَعْدِيْ بِذٰلِكَ أَمْسِ۔ أَكْرَمْتُكَ الْيَوْمَ میں نے آج کے دن آپ کا اکرام کیا لِوَعْدِيْ، یہ یا متکلم کی طرف وعد مصدر کی اضافت ہو رہی ہے، لِوَعْدِيْ اس وجہ سے کہ میں نے وعدہ کیا تھا بِذٰلِكَ اس اکرام کا أَمْسِ گزشتہ کل۔ بھئی گزشتہ کل آپ نے کسی سے وعدہ کیا تھا کہ میں آپ کا اکرام کروں گا اور آج پھر آپ اس کا اکرام کرتے ہیں، تو آپ اس کو کیا کہتے ہیں؟ أَكْرَمْتُكَ الْيَوْمَ میں نے آج کے دن آپ کا اکرام کیا، معلوم ہوا یہ اکرام کب کیا ہے؟ آج کے دن، اور آگے مفعول لہ ذکر ہو رہا ہے لِوَعْدِيْ وہ جو میرا وعدہ تھا بِذٰلِكَ اس اکرام کے بارے میں أَمْسِ گزشتہ کل، اور تو وہ وعدہ کب کیا تھا؟ گزشتہ کل۔ اکرام جو فعل ہے اس کا زمانہ ہے آج کا، اور وہ جو مفعول لہ ہے لِوَعْدِيْ اس کا زمانہ ہے گزشتہ کل، تو دیکھو دونوں کا زمانہ ایک نہیں، جب دونوں کا زمانہ ایک نہیں تو لِوَعْدِيْ سے لام کو حذف کر کے اس پر نصب پڑھنا جائز نہیں کیونکہ نصب کے لیے تینوں شرطوں کا پورا ہونا ضروری ہے اور اس میں ایک شرط یہ تھی کہ دونوں کا زمانہ ایک ہی ہو۔

وَإِنَّمَا اشْتُرِطَتْ هٰذِهِ الشَّرَائِطُ لِأَنَّهُ بِهٰذِهِ الشَّرَائِطِ يُشْبِهُ الْمَصْدَرَ فَيَتَعَلَّقُ بِالْفِعْلِ بِلَا وَاسِطَةٍ تَعَلُّقَ الْمَصْدَرِ بِهِ۔ بھئی یہ شرطیں کیوں لگائی گئیں؟ کہ مفعول لہ کے منصوب ہونے کے لیے تین شرطیں ہیں: کہ وہ مصدر ہونا چاہیے، اور فعلِ معلل بہ کا فاعل اور اس کا فاعل متحد ہونا چاہیے، اور دونوں کا زمانہ ایک ہونا چاہیے۔ کہتے ہیں وجہ یہ کہ ان تین شرطوں کی وجہ سے اس کی مشابہت آجائے گی مفعولِ مطلق کے ساتھ، مفعول لہ کی مشابہت آجائے گی کس کے ساتھ؟ مفعولِ مطلق کے ساتھ، اور مفعولِ مطلق وہ تو فعل کا جز ہوتا ہے: ضَرَبْتُ ضَرْبًا یہ ضَرْبًا کیا ہے؟ ضَرَبْتُ کا جز ہے بھئی۔ فعل کے اندر کتنی چیزیں ہوتی ہیں؟ فعل کا معنی کتنی چیزوں سے مرکب ہوتا ہے؟ تین چیزوں سے: مصدر، زمانہ اور نسبت الی الفاعل، تو لہٰذا مفعولِ مطلق کے ساتھ فعل کا تعلق بڑا گہرا ہے حتیٰ کہ وہ فعل کا جز ہے، تو فعل اس کے اندر براہِ راست عمل کرتا ہے اور اس کو نصب دے دیتا ہے کسی حرفِ جر وغیرہ کی ضرورت نہیں۔ توجہ ہے؟ ضَرَبْتُ ضَرْبًا یہ ضَرْبًا مفعولِ مطلق ہے تو یہ فعل کا جز ہے اس لیے فعل اس کو نصب دے دیتا ہے۔ تو مفعول لہ کے اندر اب یہ شرطیں پوری ہوں گی تو اس کی مشابہت کس سے آئے گی؟ مفعولِ مطلق سے، اور مفعولِ مطلق تو فعل کا جز ہے اس کو فعل براہِ راست نصب دے سکتا ہے تو اب مفعول لہ کو بھی دے سکے گا اور وہ منصوب ہو جائے گا، کیونکہ یہ تینوں چیزیں مفعولِ مطلق میں بھی ہیں۔ ضَرَبْتُهُ ضَرْبًا، ضَرَبْتُهُ ضَرْبًا یہ ضَرْبًا مفعولِ مطلق ہے، تو دیکھو یہ مصدر بھی ہے پہلی شرط، دوسرا یہ ضَرْبًا اور ضَرَبْتُ دونوں کا فاعل ایک ہی ہے کیونکہ یہ وہی ضرب تو ہے، اور نیز دونوں کا زمانہ بھی ایک ہی ہے کیونکہ ضَرْبًا کوئی الگ چیز ہی نہیں، وہی ضَرَبْتُ کے اندر

جو ضرب تھا اسی کو نکال کر آگے لے آئے۔ بات سمجھ میں آ رہی ہے کہ نہیں؟ ضَرَبْتُهُ ضَرْبًا یہ ضَرْبًا مفعولِ مطلق ہے، تو یہ مصدر بھی ہے، اس کا فاعل اور ماقبل والے فعل کا فاعل ایک ہی ہے، اور نیز دونوں کا زمانہ بھی ایک ہی ہے کیونکہ یہ کوئی الگ چیز ہی نہیں یہ تو اسی فعل کا جز ہے، تو فاعل بھی دونوں کا ایک ہوگا زمانہ بھی ایک ہوگا اور یہ مصدر بھی ہے۔ تو مفعول لہ کے اندر اب یہ تین چیزیں آگئیں: وہ مصدر بھی ہے، اور فعلِ معلل بہ کا اور اس کا فاعل ایک بھی ہے، اور نیز ان دونوں کا زمانہ بھی ایک ہے، تو اس کی مشابہت آگئی کس کے ساتھ؟ مفعولِ مطلق سے، اور مفعولِ مطلق کو تو فعل براہِ راست نصب دے سکتا ہے تو مفعول لہ کو بھی اب وہ نصب دے دے گا، بات سمجھ میں آگئی۔ ہاں اگر ان چیزوں میں سے کسی میں خلل آگیا، یہ جو تین شرطیں تھیں ان میں خلل آگیا ان میں سے کوئی شرط پوری نہ ہوئی، تو پھر اس صورت میں اس کی مشابہت مفعولِ مطلق سے نہ رہے گی، جب مفعولِ مطلق سے نہ رہے گی پھر اس کو فعل نصب نہیں دے سکتا، پھر لام کو لفظوں میں ہی لانا پڑے گا آپ لام کو حذف کر کے اسے منصوب نہیں پڑھ سکتے۔ کب؟ جب ان چیزوں میں سے کسی کے اندر خلل آجائے۔ تو کہتے ہیں: وَإِنَّمَا اشْتُرِطَتْ هٰذِهِ الشَّرَائِطُ اور یہ شرطیں لگائی گئیں لِأَنَّهُ بِهٰذِهِ الشَّرَائِطِ يُشْبِهُ الْمَصْدَرَ اس لیے کیونکہ ان شرطوں کی وجہ سے مفعول لہ مشابہ ہو جاتا ہے مصدر کے یعنی مفعولِ مطلق کے، اس کے مشابہ ہو جاتا ہے، فَيَتَعَلَّقُ بِالْفِعْلِ بِلَا وَاسِطَةٍ تو پھر یہ متعلق ہو جائے گا فعل کے ساتھ بغیر کسی واسطے کے یعنی درمیان میں کسی حرفِ جر کا واسطہ لانے کی ضرورت نہیں اس کے بغیر ہی فعل کے ساتھ یہ متعلق ہو جائے گا، تَعَلُّقَ الْمَصْدَرِ بِهِ جیسے کہ مصدر فعل سے متعلق ہوتا ہے یعنی مفعولِ مطلق فعل سے متعلق ہوتا ہے بغیر کسی واسطے کے، بِخِلَافِ مَا إِذَا اخْتَلَّ شَيْءٌ مِّنْهَا بخلاف اس کے کہ جب خلل آجائے ان میں سے کسی چیز کے اندر، ان تین شرطوں میں سے کسی کے اندر خلل آجائے کوئی ایک شرط ان میں سے پوری نہ ہو تو پھر اس صورت میں اس کی مشابہت مفعولِ مطلق سے نہ رہے گی تو پھر یہ منصوب بھی نہیں ہو سکتا، بات سمجھ میں آگئی۔

آگے دیکھیے بھائی: اَلْمَفْعُوْلُ مَعَهُ أَيِ الَّذِيْ فُعِلَ لِمُصَاحَبَتِهِ بِأَنْ يَّكُوْنَ الْفَاعِلُ مُصَاحِبًا لَّهُ فِيْ صُدُوْرِ الْفِعْلِ عَنْهُ أَوِ الْمَفْعُوْلُ بِهِ فِيْ وُقُوْعِ الْفِعْلِ عَلَيْهِ۔ اچھا بھائی آگے مفعول معہ کی بحث شروع ہو رہی ہے بھائی۔ یہ مفاعیلِ خمسہ میں سے آخری مفعول ہے۔ سب سے پہلے ہم نے مفعولِ مطلق کے بارے میں پڑھا، پھر مفعول بہ کے بارے میں پڑھا، پھر مفعول فیہ کے بارے میں پڑھا، اور ابھی بحث مکمل ہوئی مفعول لہ کی، اب آخری مفعول ہے مفعول معہ۔ مفعول معہ کسے کہتے ہیں؟ پہلے ذرا متن متن دیکھیے بھائی، کہتے ہیں: اَلْمَفْعُوْلُ مَعَهُ هُوَ مَذْكُوْرٌ بَعْدَ الْوَاوِ لِمُصَاحَبَتِهِ مَعْمُوْلَ فِعْلٍ لَّفْظًا أَوْ مَعْنًى۔ مفعول معہ جو ہے وہ واؤ کے بعد مذکور ہوتا ہے لِمُصَاحَبَتِهِ اس وجہ سے کہ وہ مصاحب ہوتا ہے یعنی ساتھی ہوتا ہے مَعْمُوْلَ فِعْلٍ فعل کے معمول کا، کیونکہ وہ مصاحب ہوتا ہے فعل کے معمول کا لَفْظًا أَوْ مَعْنًى اور وہ فعل کبھی لفظوں میں ہوگا اور کبھی معنی کے اعتبار سے فعل ہوگا۔ تو مفعول معہ کسے کہتے ہیں؟ وہ جو واؤ کے بعد مذکور ہوتا ہے یہ بتلانے کے لیے کہ یہ معمولِ فعل کا

مصاحب ہے یعنی یہ اس کے ساتھ ہے۔ بھئی دیکھیے ایک مثال اپنے سامنے ذرا لکھیے پھر آپ کو بات سمجھ میں آئے گی۔ لکھیے بھائی: جَاءَ زَيْدٌ وَعَمْرٌو، جَاءَ زَيْدٌ وَعَمْرٌو۔ ترکیب کیا ہے؟ جَاءَ فعل، زَيْدٌ مرفوع لفظاً معطوفٌ علیہ بھائی، مرفوع کیوں ہے؟ کیونکہ یہ فاعل ہے جَاءَ کے لیے اور یہ معطوفٌ علیہ ہے کیونکہ آگے معطوف آرہا ہے، واؤ حرفِ عطف، عَمْرٌو مرفوع لفظاً بھائی یہ معطوف ہے بھائی اور معطوفٌ علیہ اور معطوف کا اعراب ایک ہی ہوتا ہے، تو معطوفٌ علیہ اپنے معطوف سے مل کر یہ فاعل ہوا جَاءَ فعل کے لیے، فعل اپنے فاعل سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہوا: جَاءَ زَيْدٌ وَعَمْرٌو آیا زید اور عمرو، زید اور عمرو۔ دیکھو یہاں پر ہم نے عمرو کا عطف کیا زید پر، اور آپ پڑھ چکے ہیں معطوف کا وہی حکم ہوتا ہے جو معطوفٌ علیہ کا ہوتا ہے، اور یہاں پر معطوفٌ علیہ زید وہ فاعل ہے فعل کے لیے تو معطوف یعنی عمرو اس کا بھی یہی حکم ہے وہ بھی فاعل ہے فعل کے لیے، تو یعنی یہ مجیئت یہ آنا جیسے زید کے لیے ثابت ہے اسی طرح عمرو کے لیے بھی ثابت ہے، معلوم ہوا زید بھی آیا ہے اور عمرو بھی آیا ہے۔ تو یہ جو واؤ ہے اس نے عطف کا فائدہ دیا۔ اور یاد رکھو یہ واؤ صرف اتنا بتلاتا ہے کہ یہ جو معطوف ہے یہ شریک ہے معطوفٌ علیہ کے ساتھ اس چیز میں جس کی نسبت اس کی طرف کی جا رہی ہے، یعنی جس چیز کی نسبت معطوفٌ علیہ کی طرف کی جا رہی ہے معطوف بھی اس کے اندر اس کے ساتھ شریک ہے۔ اور یہاں پر معطوفٌ علیہ کون؟ زید، اور اس کی طرف کس چیز کی نسبت کی جا رہی ہے؟ مجیئت کی، معلوم ہوا آیا زید بھی ہے اور آیا عمرو بھی ہے، اس سے زیادہ تفصیل یہ واؤ بیان نہیں کرتا۔ یہ صرف اتنا بتلاتا ہے کہ جو حکم معطوفٌ علیہ کا ہے وہی حکم معطوف کا بھی ہے۔ معلوم ہوا آیا زید بھی ہے اور عمرو بھی ہے، لیکن کیا دونوں اکٹھے آئے یا الگ الگ آئے؟ لفظوں میں تو زید پہلے ہے اور عمرو بعد میں ہے، تو کیا واقعی زید پہلے آیا اور عمرو بعد میں آیا، یا عمرو پہلے آیا تھا اور زید بعد میں آیا؟ نہیں بھائی، وہ کوئی ترتیب کا فائدہ نہیں بیان کر رہا۔ یہ تمام صورتوں کو شامل ہے: اگر دونوں اکٹھے آئے ہوں تب بھی میں کہہ سکتا ہوں جَاءَ زَيْدٌ وَعَمْرٌو، اور اگر دونوں الگ الگ آئے ہوں میں تب بھی کہہ سکتا ہوں جَاءَ زَيْدٌ وَعَمْرٌو۔ زید لفظوں میں پہلے ہے اور واقع میں بھی زید پہلے آیا ہو اور عمرو بعد میں تب بھی میں کہہ سکتا ہوں جَاءَ زَيْدٌ وَعَمْرٌو۔ اگر اس کا برعکس ہو مثلاً عمرو پہلے آیا تھا اور زید بعد میں آیا تھا لیکن میں پھر بھی کہہ سکتا ہوں جَاءَ زَيْدٌ وَعَمْرٌو، کیونکہ یہ واؤ کوئی ترتیب کا فائدہ نہیں دے رہا، یہ واؤ یہ نہیں بتلا رہا کہ زید کا لفظ پہلے ہے تو زید پہلے آیا تھا اور عمرو بعد میں آیا تھا، نہیں نہیں، وہ صرف اتنا بتا رہا ہے کہ جس چیز کی نسبت معطوفٌ علیہ کی طرف ہو رہی ہے اسی چیز کی نسبت معطوف کی طرف بھی ہے، تو یہ تمام صورتوں کو شامل ہے: چاہے دونوں اکٹھے آئے ہوں پھر بھی آپ یوں کہہ سکتے ہیں، چاہے الگ الگ آئے ہوں پھر بھی آپ کہہ سکتے ہیں، زید پہلے ہو عمرو بعد میں ہو آپ پھر بھی کہہ سکتے ہیں، عمرو پہلے ہو اور زید بعد میں ہو آپ پھر بھی کہہ سکتے ہیں، بلکہ زید دس سال پہلے آیا تھا عمرو آج آیا ہے لیکن آپ پھر بھی کہہ سکتے ہیں جَاءَ زَيْدٌ وَعَمْرٌو زید اور عمرو دونوں آئے کیونکہ بے شک زید دس سال پہلے تھا لیکن مجیئت اس کے لیے ہے یا نہیں؟ اور یہ واؤ صرف اتنا ہی بتلا رہا ہے کہ جو نسبت ایک کی طرف ہے وہی نسبت دوسرے کی

طرف بھی ہے، اس سے زیادہ کوئی تفصیل بیان نہیں کر رہا۔ لیکن اگر آپ چاہتے ہیں، آپ چاہتے ہیں یہ بتلانا کہ دونوں اکٹھے آئے ہیں، دونوں اکٹھے آئے ہیں، تو اس کی ایک صورت تو یہ ہے کہ مَعًا کا لفظ ساتھ الگ لے آتے ہیں: جَاءَ زَيْدٌ وَعَمْرٌو مَعًا بھائی زید اور عمرو اکٹھے آئے۔ اور ایک صورت یہ ہے، مختصر صورت یہ ہے کہ مَعًا کا لفظ لانے کی ضرورت بھی نہیں ہے بلکہ آپ وَعَمْرٌو نہ پڑھیں وَعَمْرًا پڑھ دیں: جَاءَ زَيْدٌ وَعَمْرًا، یہ عَمْرًا اس کو آپ نے مفعول معہ بنا دیا، یہ واؤ بمعنی مَعَ کے بعد ہے، یہ واؤ کس معنی میں ہے؟ مَعَ کے معنی میں ہے۔ تو اب دیکھو اس کو پڑھتے ہی یا سنتے ہی سننے والا سمجھ گیا کہ یہ عَمْرًا جو ہے یہ معطوف نہیں ہو سکتا، کیوں؟ یہ لفظوں پہ نظر رکھو جَاءَ زَيْدٌ وَعَمْرًا یہ عَمْرًا پر جیسے ہی آپ نے نصب پڑھا سننے والا سمجھ گیا یہ معطوف نہیں ہے، اگر یہ معطوف ہوتا معطوفٌ علیہ تو مرفوع ہے اس کو بھی کیا ہونا چاہیے تھا؟ مرفوع ہونا چاہیے تھا، لیکن آپ نصب پڑھ رہے ہیں وہ سمجھ جائے گا یہ مفعول معہ ہے، یہ نصب نے اس کے بتلا دیا کہ یہ معطوف نہیں ہے، اور یہ واؤ کس معنی میں ہے؟ مَعَ کے معنی میں ہے، اب کیا معنی ہوا؟ جَاءَ زَيْدٌ وَعَمْرًا أَيْ مَعَ عَمْرٍو زید عمرو کے ساتھ آیا، معلوم ہوا دونوں اکٹھے آئے ہیں۔ تو جب آپ عطف کریں تو اکٹھے ہونے کا فائدہ حاصل نہیں، لیکن اگر آپ مفعول معہ بنائیں گے تو معیت والا، اکٹھے ہونے کا فائدہ بھی حاصل ہو جائے گا۔ تو عطف کی صورت میں صرف مشارکت فی الفعل معلوم ہو رہی تھی، جب آپ نے کیا پڑھا تھا جَاءَ زَيْدٌ وَعَمْرٌو عطف کیا تھا تو صرف مشارکت فی الفعل معلوم ہو رہی تھی یعنی مجیئت کے فعل میں دونوں شریک ہیں صرف یہ پتا چل رہا تھا، اکٹھے آئے یا الگ الگ آئے کوئی تفصیل نہیں پتا چل رہی۔ لیکن جب آپ اس کو مفعول معہ بناتے ہیں جَاءَ زَيْدٌ وَعَمْرًا تو اب یہاں مشارکت فی الفعل بھی معلوم ہوئی اور ساتھ مشارکت فی الزمان بھی معلوم ہوئی کہ دونوں کا آنا اکٹھا ہے، آنے کا فعل دونوں نے کیا ہے اور دونوں کا آنا اکٹھا ہے۔ بات سمجھ میں آ گئی؟ معلوم ہوا عطف کی صورت میں صرف کیا پتا چلتا ہے؟ مشارکت فی الفعل، توجہ ہے؟ پھر دہراؤ عطف کی صورت میں صرف مشارکت فی الفعل کا پتا چلتا ہے کہ دونوں اس فعل کے کرنے میں شریک ہیں، اکٹھے ہیں یا نہیں یہ پتا نہیں چلتا، لیکن اگر آپ مفعول معہ بنائیں تو کیا فائدہ؟ مشارکت فی الفعل کے ساتھ ساتھ مشارکت فی الزمان بھی معلوم ہو جاتی ہے کہ اس فعل کے کرنے میں بھی دونوں شریک ہیں اور دونوں کا اس فعل کے کرنے کا زمانہ بھی ایک ہی ہے یعنی اکٹھے دونوں آئے ہیں، بات سمجھ میں آ گئی۔ تو یہ ہے مفعول معہ بھائی۔

تو یہی بیان کر رہے ہیں، کہتے ہیں: اَلْمَفْعُوْلُ مَعَهُ هُوَ مَذْكُوْرٌ بَعْدَ الْوَاوِ، مفعول معہ وہ ہے جو مذکور ہوتا ہے واؤ کے بعد لِمُصَاحَبَتِهِ اس وجہ سے کہ یہ جو مفعول معہ ہے یہ مصاحب ہوتا ہے یعنی ساتھی ہوتا ہے مَعْمُوْلَ فِعْلٍ کس کا؟ معمولِ فعل کا۔ وہ مثال جو میں نے لکھوائی ہے ذرا اس پہ بھی نظر رکھیں اور یہ تعریف ذرا اس پر منطبق کریں۔ مثال کیا بن گئی؟ ذرا اس کو مفعول معہ بنا کر پڑھیں: جَاءَ زَيْدٌ وَعَمْرًا، جَاءَ زَيْدٌ وَعَمْرًا۔ دیکھو یہ عَمْرًا جو ہے هُوَ مَذْكُوْرٌ بَعْدَ الْوَاوِ کس کے بعد مذکور

ہے؟ واوٗ کے بعد، کیا بتلانے کے لیے؟ لِمُصَاحَبَتِهِ اس وجہ سے کہ یہ مفعول معہ مصاحب ہے، ساتھی ہے یعنی یہ عَمْرًا ساتھی ہے مَعْمُوْلَ فِعْلٍ کس کا ساتھی ہے؟ فعل کا جو معمول ہے، ماقبل میں فعل کا کون سا معمول آیا؟ زید جو معمول ہے جس کو فعل رفع دے رہا ہے۔ تو یہ مفعول معہ کسے کہتے ہیں؟ وہ جو واوٗ کے بعد ہوتا ہے یہ بتلانے کے لیے کہ یہ معمولِ فعل کا مصاحب ہے بھائی یعنی اس کے ساتھ مل کر اس نے یہ فعل کیا ہے، بات سمجھ میں آگئی۔ تو عطف صرف کس چیز کا فائدہ دیتا ہے؟ مشارکت فی الفعل کا، اور مفعول معہ مشارکت فی الفعل اور مشارکت فی الزمان دونوں کا فائدہ دیتا ہے۔

آگے دیکھیے بھائی متن متن ذرا دیکھیے: لَفْظًا أَوْ مَعْنًى، اور وہ فعل کبھی لفظوں کے اعتبار سے ہوگا اور کبھی معنی کے اعتبار سے ہوگا۔ توجہ ہے؟ وہ فعل کبھی لفظوں کے اعتبار سے ہوگا اور کبھی معنی کے اعتبار سے۔ جیسے ابھی میں نے ایک مثال کیا لکھوائی؟ جَاءَ زَيْدٌ وَعَمْرًا، یہ جَاءَ دیکھو لفظوں کے اندر فعل مذکور ہے۔ اور کبھی فعل لفظوں میں نہیں ہوگا بلکہ معنی کے اعتبار سے ہوگا، جیسے آگے مثال آئے گی متن میں: مَا لَكَ وَزَيْدًا، مَا لَكَ وَزَيْدًا دیکھو یہاں لفظوں کے اندر کوئی فعل نہیں ہے اور یہ وَزَيْدًا یہ مفعول معہ ہے بھائی۔ لفظوں میں تو فعل نہیں ہے لیکن معنی کے اعتبار سے یہاں فعل ہے کیونکہ معنی ہے مَا تَصْنَعُ وَزَيْدًا آپ زید کی معیت میں کیا کر رہے ہیں؟ تو دیکھو لفظوں کے اندر فعل نہیں ہے لیکن معنی کے اعتبار سے یہاں فعل موجود ہے۔ تو کہتے ہیں لَفْظًا أَوْ مَعْنًى اور وہ فعل کبھی لفظوں کے اعتبار سے ہوگا أَوْ مَعْنًى یا معنی کے اعتبار سے ہوگا۔ بات سمجھ میں آگئی؟ چلیے بس بھائی هٰذَا هُوَ الْمَرَامُ وَاللهُ أَعْلَمُ بِحَقِيْقَةِ الْكَلَامِ۔

سبق نمبر ۱۳۹: المفعول معہ (۱): مفعولِ معہ کی تعریف اور واوِ مصاحبت کا حکم

شرحِ ملا جامی صفحہ: ۱۲۰ — بتاریخ: ۲۴ جنوری ۲۰۲۲ء

▪ تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث

دیکھیے بھائی آگے سبق، اَلْمَفْعُوْلُ مَعَهُ أَيِ الَّذِيْ فُعِلَ لِمُصَاحَبَتِهِ بِأَنْ تَكُوْنَ الْفَاعِلُ مُصَاحِبًا لَهُ فِيْ صُدُوْرِ الْفِعْلِ عَنْهُ أَوِ الْمَفْعُوْلُ بِهِ فِيْ وُقُوْعِ الْفِعْلِ عَلَيْهِ، فَقَوْلُهُ مَعَهُ مَفْعُوْلُ مَا لَمْ يُسَمَّ فَاعِلُهُ أُسْنِدَ إِلَيْهِ الْمَفْعُوْلُ كَمَا أُسْنِدَ إِلَى الْجَارِّ وَالْمَجْرُوْرِ فِي الْمَفْعُوْلِ بِهِ وَفِيْهِ وَلَهُ۔

گزشتہ سبق میں ہم مفعول لہ کے بارے میں پڑھ رہے تھے اور میں نے آپ کو بتلایا کہ جمہور نحویوں کے نزدیک مفعول لہ کا فعل ہونا یعنی مصدر ہونا بھی ضروری ہے اور اس کا منصوب ہونا بھی ضروری ہے۔ ضَرَبْتُهُ تَأْدِيْبًا جمہور کے نزدیک یہ تَأْدِيْبًا مفعول لہ ہے، یہ مصدر بھی ہے اور منصوب بھی ہے۔ جبکہ صاحبِ کافیہ کے نزدیک مفعول لہ کا منصوب ہونا ضروری نہیں، تو صاحبِ کافیہ کے نزدیک ضَرَبْتُهُ تَأْدِيْبًا یہ بھی مفعول لہ ہے اور ضَرَبْتُهُ لِلتَّأْدِيْبِ یہ بھی مفعول لہ ہے۔ چنانچہ اسی لیے انہوں نے مفعول لہ کے منصوب ہونے کے لیے شرط بیان کی کہ مفعول لہ کے منصوب ہونے کی شرط یہ ہے کہ وہاں لام مقدر ہونا چاہیے۔ معلوم ہوا لام لفظوں میں موجود ہو پھر بھی وہ مفعول لہ ہے اور نیز صاحبِ کافیہ کی تعریف سے معلوم ہوتا ہے کہ مفعول لہ کا فعل ہونا بھی ضروری نہیں بلکہ وہ کوئی عین بھی ہو سکتی ہے، کوئی ذات اور کوئی چیز بھی ہو سکتی ہے۔

کیا تعریف کی انہوں نے مفعول لہ کی؟ مفعول لہ وہ اس چیز کا نام ہے جس کی وجہ سے فعلِ مذکور کو کیا جائے بھائی۔ اب دیکھو جِئْتُ لِلسَّمْنِ، سَمْن میں نے بتایا گھی کو کہتے ہیں، جِئْتُ لِلسَّمْنِ میں گھی کی وجہ سے آیا ہوں یعنی میں آپ کے پاس گھی کے لیے آیا ہوں، گھی لینے کے لیے۔ تو یہاں پر دیکھو ماقبل میں جو مجیئت کا فعل ذکر ہوا یہ سَمْن کی وجہ سے کیا گیا، تو صاحبِ کافیہ کی تعریف اس لِلسَّمْنِ پر بھی صادق آرہی ہے اور اس کو بھی مفعول لہ کہنا پڑے گا ان کی تعریف کے مطابق۔ معلوم ہوا صاحبِ کافیہ کے نزدیک مفعول لہ کا منصوب ہونا بھی ضروری نہیں اور اس کا فعل ہونا بھی ضروری نہیں ہے بھائی۔

تو صاحبِ کافیہ کے نزدیک ضَرَبْتُهُ لِلتَّأْدِيْبِ یہ بھی کیا ہے؟ مفعول لہ ہے اور اسی طرح جِئْتُ لِلسَّمْنِ یہ بھی کیا ہے؟ مفعول لہ ہے بھائی۔

اس کے بعد صاحبِ کافیہ نے مفعول لہ کے منصوب ہونے کی شرط ذکر فرمائی۔ اور میں نے آسان لفظوں میں آپ کو بتلایا تھا کہ مفعول لہ کے منصوب ہونے کی تین شرطیں ہیں۔ پہلی شرط یہ کہ وہ مصدر ہونا چاہیے۔ دوسری شرط یہ کہ وہ فعلِ معلل بہ کے فاعل کا فعل ہونا چاہیے یعنی مفعول لہ اور اس کے ساتھ جو اس کا فعلِ مذکور ہے دونوں کا فاعل ایک ہی ذات ہونی چاہیے۔ جیسے ضَرَبْتُهُ تَأْدِيْبًا میں نے اس کی پٹائی کی ادب سکھانے کے لیے، تو یہ ضرب اور تادیب دونوں کا فاعل ایک ہی ذات ہے۔ اور تیسری شرط یہ ذکر کی کہ دونوں کا زمانہ ایک ہونا چاہیے یعنی جو مفعول لہ کا زمانہ ہے وہی زمانہ فعل کا بھی ہونا چاہیے۔ تو یہاں پر بھی دیکھیں ضَرَبْتُهُ تَأْدِيْبًا ضرب اور تادیب کا زمانہ ایک ہے۔ تو جب یہ شرطیں پوری ہوں گی تو پھر لام کا حذف کرنا اور مفعول لہ پر نصب پڑھنا جائز ہوگا۔ مثلاً آپ کہتے ہیں ضَرَبْتُهُ لِلتَّأْدِيْبِ لام لے کر آئے، عربی زبان میں علت بتلانے کے لیے لام کو وضع کیا گیا ہے، تو یہ بھی صاحبِ کافیہ کے نزدیک مفعول لہ ہے لیکن اس کے منصوب ہونے کی شرطیں وہ پوری ہوں گی تو پھر لام کو حذف کر کے اس پر نصب پڑھ سکتے ہیں۔ تو یہاں تینوں شرطیں پوری ہیں۔ لِلتَّأْدِيْبِ یہ مصدر بھی ہے اور نیز تادیب اور ماقبل میں جو ضرب کا فعل ہے دونوں کا فاعل ایک ہی ذات ہے یعنی متکلم ہے اور نیز دونوں کا زمانہ بھی ایک ہی ہے کیونکہ یہاں تو ایک ہی فعل ہوا ہے۔ وہی فعل بایں لحاظ کہ دوسرے کو اس سے تکلیف ہو رہی ہے اس کو ضرب کہا گیا اور یہی فعل بایں لحاظ کہ اس سے دوسرے کی اصلاح ہو رہی ہے اس کو تادیب کہا گیا۔ تو جب ایک ہی فعل ہے صرف اعتباری فرق ہے، ایک اعتبار سے وہ ضرب ہے دوسرے اعتبار سے وہ تادیب ہے، فعل ایک ہی ہے تو دونوں کا زمانہ ایک ہے، فعل دو ہیں ہی نہیں کہ زمانہ الگ ہونے کا احتمال آجائے۔ تو پھر جب یہ تینوں شرطیں پوری ہوں گی تو اب اس لام کا حذف کرنا اور تادیب کو منصوب پڑھنا جائز ہے، واجب نہیں ہے، آپ چاہیں تو اسی طرح کہیں ضَرَبْتُهُ لِلتَّأْدِيْبِ اور آپ چاہیں تو لام کو حذف کر دیں اور یوں پڑھیں ضَرَبْتُهُ تَأْدِيْبًا۔

اور پھر یہاں پر عبارت آئی تھی، عبارت آئی تھی کہ وَإِنَّمَا يَجُوْزُ حَذْفُهَا، یہاں اشکال ہوا تھا کہ صاحبِ کافیہ کے پاس تو الفاظ تھوڑے ہوتے ہیں، انہوں نے تو کم سے کم لفظوں میں لمبی بات کرنا ہوتی ہے، تو یہاں صرف يَجُوْزُ کہہ دیتے، يَجُوْزُ کی ضمیر لوٹا دیتے پیچھے تقدیر لام کا ذکر آیا تھا کہ إِنَّمَا يَجُوْزُ إِذَا كَانَ فِعْلًا، لیکن یہاں صاحبِ کافیہ نے ضمیر ذکر نہیں کی بلکہ حَذْفُهَا لے کر آگئے کہ لام کا حذف جائز ہے۔ تو یہ صاحبِ کافیہ نے ظاہر کو چھوڑ کر حَذْفُهَا کے لفظ کی طرف کیوں عدول کیا؟ ظاہر تو کیا تھا؟ کیا لانی چاہیے؟ ضمیر لانی چاہیے تو ظاہر کو چھوڑ کر حَذْفُهَا کا لفظ کیوں ذکر کیا؟ اس عدول کی وجہ کیا ہے؟

میں نے بتلایا تھا کہ فصیح و بلیغ آدمی جب ظاہر کو چھوڑ کر کسی دوسری چیز کی طرف عدول کرتا ہے تو اس میں ہمیشہ کوئی نہ کوئی نکتہ ہوتا ہے تو وہ نکتہ یہاں پر کیا ہے؟ تو علماء پھر بیان فرماتے ہیں کہ بھائی دراصل یہاں دو چیزیں ہیں، ایک ہے ذکرِ لام،

ایک ہے تقدیرِ لام۔ ذکرِ لام کے اندر دو چیزیں ہوتی ہیں، ایک تو یہ کہ اس کو لفظوں میں بھی باقی رکھا جائے اور دوسرا نیت میں بھی باقی ہے یعنی اس کا معنی بھی مراد ہوتا ہے۔ لفظ جب ذکر ہے تو اس کا ساتھ معنی بھی مراد ہوتا ہے۔ تو ذکرِ لام میں دو چیزیں آگئیں، اِبْقَاءٌ فِي اللَّفْظِ بھی اور اِبْقَاءٌ فِي النِّيَّةِ بھی۔ جبکہ دوسری چیز اس کے مقابلے میں ہے تقدیرِ لام، تقدیرِ لام کے اندر بھی دو چیزیں ہیں، ایک تو اس لفظ کو حذف کر لیا جاتا ہے البتہ اس کا معنی ابھی بھی نیت میں ہے۔ تو تقدیرِ لام میں حَذْفٌ عَنِ اللَّفْظِ ہوتا ہے اور اِبْقَاءٌ فِي النِّيَّةِ ہوتا ہے۔ تو ذکر میں کتنی چیزیں؟ دو، اِبْقَاءٌ فِي اللَّفْظِ اور اِبْقَاءٌ فِي النِّيَّةِ۔ اور تقدیرِ لام کے اندر بھی دو چیزیں کون سی ہیں؟ حَذْفٌ عَنِ اللَّفْظِ اور اِبْقَاءٌ فِي النِّيَّةِ۔

تو اگر یوں کہہ دیتے کہ وَإِنَّمَا يَجُوْزُ اور هُوَ ضمیر لوٹا دیتے تقدیرِ لام کی طرف، تو پھر اس صورت میں تو آگے شرط جو ہے وہ تقدیرِ لام کی شرط بن جاتی اور تقدیرِ لام میں دو چیزیں ہیں، ایک لفظ کو حذف کیوں کیا اور دوسرا نیت میں کیوں باقی رکھا، دونوں کی شرط بن جاتی، حالانکہ یہ تو دونوں کی شرط نہیں ہے، اس لیے کیونکہ یہ جو دو چیزیں ہیں تقدیرِ لام میں، ایک حَذْفٌ عَنِ اللَّفْظِ یہ ہے خلافُ الاصل، اصل تو کیا ہے؟ حذف نہ کیا جائے بلکہ ذکر کیا جائے۔ اور تقدیرِ لام میں دوسری چیز ہے اِبْقَاءٌ فِي النِّيَّةِ، یہ تو اصل کے مطابق ہے، ذکر میں بھی کیا تھا اِبْقَاءٌ فِي النِّيَّةِ اور تقدیر میں بھی کیا ہے اِبْقَاءٌ فِي النِّيَّةِ، یہ تو اصل کے مطابق ہے اور اصل کے لیے کسی دلیل یا شرط وغیرہ کی ضرورت نہیں ہوتی، شرط یا دلیل کی ضرورت صرف خلافُ الاصل کی صورت میں ہوتی ہے۔ تو لہٰذا تقدیرِ لام میں جو حَذْفٌ عَنِ اللَّفْظِ ہے یہ ہے خلافُ الاصل اور اِبْقَاءٌ فِي النِّيَّةِ وہ تو اصل کے مطابق ہے اس کے لیے کسی شرط کی ضرورت نہیں۔ تو چونکہ آگے جو شرط ذکر ہو رہی تھی وہ صرف حَذْفٌ عَنِ اللَّفْظِ کی ذکر ہو رہی تھی تو اگر تقدیرِ لام کہہ دیتے تو پھر تو یوں لگتا کہ یہ دونوں کی شرط ہے، حَذْفٌ عَنِ اللَّفْظِ کی بھی شرط ہے اور اِبْقَاءٌ فِي النِّيَّةِ کی بھی شرط ہے حالانکہ یہ اِبْقَاءٌ فِي النِّيَّةِ تو اصل کے مطابق ہے، تو لہٰذا یہ صرف حذف کی شرط تھی تو اس لیے حذف کا لفظ لے کر آئے، تقدیر کا لفظ یہاں نہیں لائے یا اس کی طرف ضمیر راجع نہیں کی۔

اور پھر انہوں نے یہ بھی بتایا کہ یہ جو شرطیں لگائیں کہ وہ فعل ہونا چاہیے، مفعول لہ کے منصوب ہونے کی شرط کیا ہے؟ کہ وہ فعل یعنی مصدر ہونا چاہیے، کہتے ہیں اس کے ذریعے احتراز کیا اس جیسی مثالوں سے جِئْتُكَ لِلسَّمْنِ میں آپ کے پاس گھی کی وجہ سے آیا ہوں، اب یہاں پر یہ جو لِلسَّمْنِ ہے یہ اس سے آپ لام کو حذف نہیں کر سکتے کیونکہ یہ فعل نہیں ہے یہ تو عین ہے، ایک چیز ہے جس کا اپنا الگ وجود ہے، کس چیز کی شرط ذکر ہو رہی ہے؟ لام کو حذف کرنے کی، تو جِئْتُكَ لِلسَّمْنِ اس سے لام حذف نہیں کر سکتے، کیوں؟ کیونکہ پہلی شرط کیا تھی کہ وہ مصدر ہونا چاہیے اور یہ سَمْن یہ تو مصدر نہیں ہے یہ تو عین ہے۔ اور پھر دوسری شرط کیا تھی کہ دونوں کا فاعل ایک ہونا چاہیے، اس کے ذریعے احتراز کیا جِئْتُكَ لِمَجِيْئِكَ إِيَّايَ میں آپ کے پاس آیا اس لیے کیونکہ آپ میرے پاس آئے تھے، تو فعل بھی مجیئت کا ذکر ہے اور آگے مفعول لہ بھی کیا ہے مجیئت، لیکن دونوں میں فرق ہے، جو فعل ہے اس کے اندر متکلم کی مجیئت ذکر ہو رہی ہے اور جو مفعول لہ ہے اس کے

اندر مخاطب کی مجیئت ذکر ہو رہی ہے، میں آپ کے پاس آیا اس لیے کیونکہ آپ میرے پاس آئے تھے، تو میں آپ کے پاس آیا یہ دیکھو متکلم کا آنا ہے اور کیونکہ آپ میرے پاس آئے تھے یہ دیکھو مخاطب کا آنا ہے، تو دونوں کا فاعل ایک نہیں ہے لہٰذا یہاں بھی شرط پوری نہیں، لہٰذا یہاں جِئْتُكَ لِمَجِيْئِكَ إِيَّايَ یہاں لِمَجِيْئِكَ سے لام کو حذف کر کے اس پر نصب پڑھنا جائز نہیں کیونکہ اس کے اندر دوسری شرط پوری نہیں ہے۔ بات سمجھ میں آگئی۔

اور پھر کہا تھا تیسری شرط یہ ہے کہ دونوں ملے ہوئے ہوں یعنی دونوں کا زمانہ ایک ہو۔ اور بتلایا تھا کہ زمانہ ایک ہونے کے اندر دو صورتیں ہیں، یا تو دونوں کا زمانہ بالکل متحد ہوگا جیسے ضَرَبْتُهُ تَأْدِيْبًا ضرب اور تادیب کا زمانہ بالکل متحد ہے کیونکہ ایک ہی فعل ہے، ایک اعتبار سے وہ ضرب ہے تو دوسرے اعتبار سے تادیب ہے تو دونوں کا زمانہ بالکل متحد ہے۔ جبکہ بعض اوقات ایک کا زمانہ لمبا ہوتا ہے اور دوسرے کا زمانہ چھوٹا ہوتا ہے یعنی فعل اور مفعول لہ ان میں سے ایک کا زمانہ کم ہوگا اور دوسرے کا زمانہ لمبا ہوگا تو وہ جو کم والا ہے وہ دوسرے کے زمانے کا بعض ہوا، اس کا جز ہوا، لیکن بہرحال ہوں گے دونوں اکٹھے ہی بھائی۔ جیسے قَعَدْتُ عَنِ الْحَرْبِ جُبْنًا میں جنگ سے بیٹھا بزدلی کی وجہ سے، اب دیکھو بزدلی کا زمانہ طویل ہے، بزدلی اس آدمی کی صفت ہے جو پہلے بھی تھی، جنگ سے بیٹھنے کے دوران بھی تھی اور جنگ سے بیٹھنے کے بعد بھی ہے، تو قُعُوْدٌ عَنِ الْحَرْبِ جنگ سے بیٹھنا یہ تو ایک وقت میں ہوا ہے، اس کا زمانہ تھوڑا ہے اور بزدلی کا زمانہ لمبا ہے، تو دیکھو جنگ سے بیٹھنے کا زمانہ یہ جز ہے کس کا بزدلی کے زمانے کا۔ بات سمجھ میں آگئی کیونکہ بزدلی اس سے پہلے بھی ہے اور اس کے بعد بھی ہے، لیکن بہرحال جس وقت جنگ سے بیٹھا اس وقت بزدلی بھی تھی، تو دونوں کا زمانہ ایک ہوا، دونوں اکٹھے پائے گئے۔

اور کبھی اس کا برعکس ہوتا ہے، یہاں تو دیکھو قَعَدْتُ عَنِ الْحَرْبِ جُبْنًا مفعول لہ کا زمانہ لمبا تھا اور قُعُوْدٌ عَنِ الْحَرْبِ وہ جو فعل ذکر ہوا اس کا زمانہ اس کا بعض تھا۔ اور کبھی اس کا برعکس ہوتا ہے، فعل کا زمانہ لمبا ہوتا ہے اور مفعول لہ کا زمانہ اس کا جز اور اس کا بعض ہوتا ہے، جیسے شَهِدْتُ الْحَرْبَ میں اس جنگ میں حاضر ہوا إِيْقَاعًا لِلصُّلْحِ بَيْنَ الْفَرِيْقَيْنِ تاکہ میں صلح کروا دوں ان دو فریقوں میں۔ تو دیکھو جنگ میں حاضر ہونا یہ زمانہ ہے طویل اور صلح کروانا، صلح تو درمیان میں کسی ایک وقت کے اندر ہوگی تو اس کا زمانہ ہے تھوڑا اور جنگ میں حاضر ہونے کا زمانہ زیادہ ہے لیکن بہرحال جس وقت صلح کروائی اس وقت بھی یہ جنگ میں حاضر تھا، دونوں اکٹھے تو ہیں البتہ ایک کا زمانہ طویل ہے بھائی۔

اور پھر انہوں نے آپ کو یہ بھی بتلایا تھا کہ یہ تین شرطیں کیوں لگائی گئیں مفعول لہ کے منصوب ہونے کی؟ تو وجہ ذکر کی تھی صاحبِ جامی نے کہ ان تین شرطوں کی وجہ سے مفعول لہ کی مشابہت آجائے گی مفعولِ مطلق کے ساتھ، اور مفعولِ مطلق وہ تو فعل کا جز ہوتا ہے، ضَرَبْتُهُ ضَرْبًا یہ ضَرْبًا یہ مفعولِ مطلق ہے، وہ مصدر جو ماقبل فعل کے معنی میں ہو اسے کیا کہتے ہیں؟ مفعولِ مطلق، تو یہ جو مصدر ہے یہ تو فعل کا جز ہوتا ہے، میں نے بتایا تھا فعل کا معنی مرکب ہے کتنی چیزوں سے؟ تین

چیزوں سے، مصدر، زمانہ اور نسبت إلی الفاعل، تو دیکھو اس ضَرَبْتُ کے اندر بھی ضرب موجود ہے۔ تو لہٰذا فعل یہ مفعولِ مطلق کو نصب کیوں دیتا ہے؟ کیونکہ اس کا فعل سے بڑا گہرا تعلق ہے وہ فعل کا جز ہے۔ تو جب مفعول لہ کی مشابہت اس مفعولِ مطلق سے آجائے گی تو اس میں بھی فعل عمل کر سکتا ہے اور اس کو نصب دے سکتا ہے۔ اور یہ مشابہت ان تین چیزوں سے آئے گی، کون سی تین چیزیں؟ کہ مفعول لہ مصدر ہو، اور اس کا اور فعل دونوں کا فاعل ایک ہو اور دونوں کا زمانہ متحد ہو۔ تو ان تین چیزوں کی وجہ سے اس کی مشابہت آجائے گی مفعولِ مطلق کے ساتھ کیونکہ مفعولِ مطلق میں بھی یہی تینوں چیزیں ہوتی ہیں، مفعولِ مطلق مصدر بھی ہوتا ہے اور اس کا اور ماقبل والے فعل کا فاعل ایک ہی ذات ہوتی ہے کیونکہ وہ ایک ہی فعل ہے وہاں پر کوئی دوسرا تو فعل ہے ہی نہیں، اور تیسرا دونوں کا زمانہ بھی ایک ہوتا ہے کیونکہ فعل ایک ہے بھائی، جب فعل ایک ہے تو ظاہر سی بات ہے زمانہ کوئی دوسرا فعل ہے ہی نہیں وہاں پر۔ بات سمجھ میں آگئی؟ جی تو اس کی وجہ سے پھر جب مشابہت آجائے گی تو پھر مفعول لہ کو نصب دینا صحیح ہو جائے گا۔

اور اس کے بعد پھر ہم نے مفعول معہ کی بھی تعریف پڑھی تھی گزشتہ سبق میں۔ صاحبِ کافیہ نے آپ کو بتلایا تھا اَلْمَفْعُوْلُ مَعَهُ هُوَ مَذْكُوْرٌ بَعْدَ الْوَاوِ کہ مفعول معہ جو ہے واوٗ کے بعد مذکور ہوتا ہے لِمُصَاحَبَتِهِ مَعْمُوْلَ فِعْلٍ اس وجہ سے کہ وہ مصاحب ہوتا ہے معمولِ فعل کا۔ وہ مفعول معہ مصاحب یعنی ساتھی ہوتا ہے معمولِ فعل کا۔ میں نے مثال سے وضاحت کی تھی مثلاً میں کہتا ہوں جَاءَ زَيْدٌ وَعَمْرٌو میں نے عمرو کا عطف کیا زید پر اور یہ عطف صرف مشارکت فی الفعل بتلاتا ہے کہ یہ دونوں اس فعل کے کرنے میں شریک ہیں، جَاءَ زَيْدٌ وَعَمْرٌو زید نے بھی مجیئت والا فعل کیا ہے اور عمرو نے بھی مجیئت والا فعل کیا ہے، باقی کوئی تفصیل اس جملے کے اندر نہیں کیونکہ یہاں واوٗ آیا ہے، واوٗ صرف جمع کا فائدہ دیتا ہے کہ یہ دونوں اس کام کے کرنے میں جمع ہیں باقی کوئی تفصیل نہیں کہ دونوں نے یہ آنے کا فعل اکٹھا کیا یا دونوں الگ الگ آئے ہیں اور پہلے زید آیا ہے اور بعد میں عمرو آیا ہے یا عمرو پہلے آیا اور زید بعد میں، کوئی تفصیل نہیں۔ آپ تمام صورتوں میں کہہ سکتے ہیں چاہے یہ اکٹھے آئے ہوں چاہے الگ آئے ہوں چاہے زید پہلے ہو چاہے عمرو پہلے ہو تمام صورتوں میں آپ کہہ سکتے ہیں جَاءَ زَيْدٌ وَعَمْرٌو کیونکہ یہ عطف ہے، عطف صرف مشارکت فی الفعل بتلاتا ہے کہ یہ معطوف علیہ اور معطوف دونوں اس فعل میں شریک ہیں، نہ یہ ترتیب کا فائدہ دیتا ہے اور نہ کوئی اور اکٹھے ہونے کا فائدہ دیتا ہے۔ لیکن آپ کا مقصد یہ ہے آپ دوسرے کو بتلانا چاہتے ہیں کہ دونوں اکٹھے آئے ہیں تو اس کی ایک صورت یہ ہے کہ آپ مَعًا کا لفظ ساتھ الگ لے آئیں، جَاءَ زَيْدٌ وَعَمْرٌو مَعًا زید اور عمرو اکٹھے آئے تو اب یہ اکٹھے ہونے کا معنی کس نے ادا کیا؟ مَعًا نے۔ لیکن اس سے مختصر طریقہ یہ ہے کہ آپ جو عَمْرٌو ہے اس کو معطوف نہ بنائیں بلکہ آپ اس کو مفعول معہ بنا دیں اور مفعول معہ تو منصوب ہوتا ہے، اب آپ اس پر نصب پڑھیں جَاءَ زَيْدٌ وَعَمْرًا۔ اب یہ وَعَمْرًا پر جیسے ہی آپ نے نصب پڑھا سننے والا سمجھ گیا کہ یہ معطوف نہیں کیونکہ اگر یہ معطوف ہوتا تو معطوف پر تو وہی اعراب آتا ہے جو معطوف علیہ پر ہوتا ہے اور معطوف علیہ تو یہاں مرفوع ہے

تو اس کو بھی مرفوع ہونا چاہیے تھا لیکن آپ نے رفع نہیں پڑھا بلکہ کیا پڑھا ہے؟ نصب، معلوم ہوا یہ معطوف تو ہے نہیں تو یہ پھر مفعول معہ ہے، تو جَاءَ زَيْدٌ وَعَمْرًا اب اس کا کیا معنی ہے؟ آیا زید عمرو کے ساتھ، معلوم ہوا دونوں اکٹھے آئے ہیں۔ تو اس نے مشارکت فی الفعل کے ساتھ ساتھ مشارکت فی الزمان کا بھی فائدہ دیا کہ فعل میں بھی دونوں شریک ہیں اور زمانے میں بھی دونوں شریک یعنی دونوں کا زمانہ بھی ایک ہی ہے اس فعل کو کرنے کا بھائی۔ اور پھر انہوں نے یہ بھی بتلایا تھا کہ یہ جو فعل ہے یہ لفظوں میں بھی ہو سکتا ہے اور معنی کے اعتبار سے بھی ہو سکتا ہے، جَاءَ زَيْدٌ وَعَمْرًا یہاں جَاءَ کا فعل دیکھو لفظوں میں ہے اور معنی کے اعتبار سے بھی فعل ہو سکتا ہے جیسے مَا لَكَ وَزَيْدًا یہاں لفظوں میں تو فعل نہیں لیکن معنی کے اعتبار سے فعل موجود ہے أَيْ مَا تَصْنَعُ وَعَمْرًا آپ عمرو کی معیت میں کیا کر رہے ہیں، معنی سمجھ میں آگیا۔

جی اب آئیے آج کے سبق پر بھائی۔ کہتے ہیں اَلْمَفْعُوْلُ مَعَهُ أَيِ الَّذِيْ فُعِلَ لِمُصَاحَبَتِهِ بِأَنْ تَكُوْنَ الْفَاعِلُ مُصَاحِبًا لَهُ فِيْ صُدُوْرِ الْفِعْلِ عَنْهُ أَوِ الْمَفْعُوْلُ بِهِ فِيْ وُقُوْعِ الْفِعْلِ عَلَيْهِ۔ بھائی اَلْمَفْعُوْلُ مَعَهُ أَيِ الَّذِيْ فُعِلَ لِمُصَاحَبَتِهِ یہ آپ سب کی کتابوں میں لِمُصَاحَبَتِهِ ہے؟ ہاں یاد رکھو یہ کتابت کی غلطی ہے، یہاں بِمُصَاحَبَتِهِ ہونا چاہیے۔ تو یہاں بِمُصَاحَبَتِهِ ہونا چاہیے، لام نہیں ہونا چاہیے بلکہ با ہونی چاہیے اور جامی کے دیگر نسخوں میں یہاں با موجود ہے۔ اور نیز لام کے ساتھ معنی بھی صحیح نہیں بنتا، معنی بھی صحیح نہیں بنتا کیونکہ یہ لام آگے دیکھو چونکہ آگے متن آرہا ہے نا، هُوَ مَذْكُوْرٌ بَعْدَ الْوَاوِ لِمُصَاحَبَتِهِ مَفْعُوْلَ فِعْلٍ، چونکہ متن کے اندر لام تھا تو کسی لکھنے والے نے یہاں پر بھی بِمُصَاحَبَتِهِ میں با کی جگہ کیا لکھ دیا؟ لام لکھ دیا۔ لیکن وہ لام آگے چل کر صاحبِ جامی آپ کو بتلائیں گے کہ وہ لام تعلیل کے لیے ہے، علت بیان کرنے کے لیے ہے، اور یہاں پر یہ پھر معنی صحیح نہیں بنتا، پھر دیکھو معنی کیا بنتا ہے، اَلَّذِيْ فُعِلَ لِمُصَاحَبَتِهِ کہ مفعول لہ وہ چیز ہے کہ فُعِلَ کہ فعل کو کیا جائے لِمُصَاحَبَتِهِ اس مفعول معہ کی مصاحبت کی وجہ سے۔ مفعول معہ کی مصاحبت کی وجہ سے فعل کو کیا جائے۔ حالانکہ وہ جو فعل کیا جاتا ہے وہ مفعول معہ کی مصاحبت کی وجہ سے فعل کیا جاتا ہے یا مفعول معہ کی مصاحبت کے ساتھ فعل کیا جاتا ہے؟ مفعول معہ کی مصاحبت کے ساتھ فعل کو کیا جاتا ہے، اس کی مصاحبت کی وجہ سے فعل نہیں کیا جاتا بھائی کہ اگر وہ مصاحب نہ ہوتا تو فعل ہی نہ ہوتا، ایسا نہیں ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو یہاں لام کی جگہ کیا ہے؟ با ہے أَيْ بِمُصَاحَبَتِهِ۔ اور چند سطریں آگے چھ سات آٹھ سطروں کے بعد دیکھیں، صاحبِ جامی پھر دوبارہ اسی جیسی عبارت لا رہے ہیں، دیکھیے یہ هُوَ مَذْكُوْرٌ بَعْدَ الْوَاوِ یہ جو متن آرہا ہے آگے هُوَ مَذْكُوْرٌ بَعْدَ الْوَاوِ، اس سے ایک سطر پہلے آرہا ہے اَلَّذِيْ فُعِلَ فِعْلٌ بِمُصَاحَبَتِهِ، دیکھو یہاں پر بھی با موجود ہے، تو جیسے وہاں وہ مفعول معہ کی تفسیر کر رہے تھے یہاں پر بھی یہ مفعول معہ ہی کی تفسیر کر رہے ہیں اَلَّذِيْ فُعِلَ فِعْلٌ بِمُصَاحَبَتِهِ یہاں دیکھو با موجود ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟

تو کہتے ہیں اَلْمَفْعُوْلُ مَعَهُ أَيِ الَّذِيْ فُعِلَ بِمُصَاحَبَتِهِ مفعول معہ جو ہے أَيِ الَّذِيْ یعنی وہ چیز کہ فُعِلَ کہ فعل کو کیا جائے بِمُصَاحَبَتِهِ اس کی مصاحبت کے ساتھ۔ بھائی متن میں آیا اَلْمَفْعُوْلُ مَعَهُ، صاحبِ جامی اس کی تفسیر کر رہے ہیں أَيِ الَّذِيْ

بھائی اَلَّذِيْ لے آئے، بتلانا یہ چاہتے ہیں کہ اَلْمَفْعُوْلُ پر جو الف لام آیا وہ دراصل اسمِ موصول ہے بمعنی اَلَّذِيْ کے ہے۔ میں نے آپ کو بتلایا تھا کہ یہ جو اسمِ فاعل اور اسمِ مفعول کے صیغے ہیں ان پر جو الف لام آتا ہے یہ الف لام اسمی ہے یعنی اسمِ موصول ہے بھائی۔ تو صورت تو الف لام جیسی ہے لیکن حقیقت میں یہ اسمِ موصول ہے اور آگے جو صیغہ اسمِ فاعل یا اسمِ مفعول کا آرہا ہو وہ اس کا صلہ ہوتا ہے کیونکہ موصول کے لیے ہمیشہ کیا چاہیے؟ صلہ چاہیے۔ تو یعنی اَلضَّارِبُ یہ کس معنی میں تھا؟ اَلَّذِيْ يَضْرِبُ، اور اَلْمَضْرُوْبُ کس معنی میں تھا؟ اَلَّذِيْ يُضْرَبُ۔ توجہ ہے؟ تو یوں سمجھو اصل میں تھا یہ اَلضَّارِبُ اصل میں تھا اَلَّذِيْ يَضْرِبُ، پھر اَلَّذِيْ کو الف لام والی صورت دے دی گئی اور الف لام وہ تو اب يَضْرِبُ فعل پر داخل نہیں ہو سکتا کیونکہ الف لام تو صرف اسم پر داخل ہوتا ہے، تو لہٰذا پھر مجبوراً يَضْرِبُ فعل سے بھی اسم بنا لیا گیا یعنی اس، یہ فعلِ معروف ہے تو فعلِ معروف سے اسمِ فاعل بنا لیا گیا تو کیا بن گیا اَلضَّارِبُ، تو یہ کس معنی میں ہے؟ اَلَّذِيْ يَضْرِبُ۔ اور اسی طرح اَلْمَضْرُوْبُ بھائی یہ اصل میں کیا تھا؟ اَلَّذِيْ يُضْرَبُ بھائی۔ تو کہتے ہیں اَلْمَفْعُوْلُ مَعَهُ أَيِ الَّذِيْ فُعِلَ بِمُصَاحَبَتِهِ مفعول معہ جو ہے وہ چیز ہے کہ فعل کو کیا جائے بِمُصَاحَبَتِهِ اس کی مصاحبت کے ساتھ۔

بِأَنْ تَكُوْنَ الْفَاعِلُ یہ با تصویریہ ہے، صورت بیان کر رہے ہیں کہ فعل کو اس کی مصاحبت کے ساتھ کس طرح کیا جائے گا، اس کی صورت کیا ہے؟ اس کی صورت کیا ہے؟ بھائی پہلے تو ایک بات یہ یاد رکھنا کہ یہ مفعول معہ فاعل کے ساتھ بھی آتا ہے اور مفعول بہ کے ساتھ بھی آتا ہے، فاعل کے ساتھ بھی آتا ہے اور مفعول بہ کے ساتھ بھی آتا ہے۔ میں نے جیسے مثال لکھوائی تھی آپ کو جَاءَ زَيْدٌ وَعَمْرًا، جَاءَ زَيْدٌ وَعَمْرًا یہ وَعَمْرًا کیا ہے؟ مفعول معہ ہے، اس کا نصب بتلا رہا ہے یہ معطوف نہیں ہو سکتا اگر یہ معطوف ہوتا تو ماقبل میں معطوف علیہ تو مرفوع ہے پھر تو اس کو بھی مرفوع ہونا چاہیے تھا، تو یہ مفعول معہ ہے اور ماقبل میں جو زید ہے وہ فاعل ہے، وہ فاعل ہے اور فاعل میں فعل عمل کرتا ہے تو فاعل جو ہے وہ معمولِ فعل ہوا، وہ معمولِ فعل ہوا۔ اب دیکھو اس پر وہ تعریف ذرا منطبق کریں، کیا تعریف کی تھی؟ مفعول معہ وہ ہے جس کو واؤ کے بعد ذکر کیا جائے، جَاءَ زَيْدٌ وَعَمْرًا یہ وَعَمْرًا بھی کیا ہے؟ کس کے بعد ذکر ہے؟ واؤ کے بعد ذکر ہے، اور کس لیے ذکر ہے؟ لِمُصَاحَبَتِهِ اس لیے کیونکہ یہ مصاحب ہے ساتھی ہے مَعْمُوْلَ فِعْلٍ کس کا ساتھی ہے؟ معمولِ فعل کا اور وہ معمولِ فعل پیچھے کیا ہے؟ فاعل ہے، کیا ہے؟ فاعل، تو دیکھو یہ فاعل کا مصاحب ہے۔ اور یاد رکھو اسی طرح کبھی یہ مفعول بہ کا مصاحب ہوگا یعنی اس سے ماقبل جو ہے وہ مفعول بہ ہوگا بھائی، فاعل نہیں ہوگا، تو معلوم ہوا مفعول معہ فاعل کا مصاحب بھی ہو سکتا ہے اور مفعول بہ کا بھی مصاحب ہو سکتا ہے۔

پھر ایک اور بات یاد رکھنا یہ جو فاعل ہوتا ہے اس سے فعل کا صدور ہوتا ہے یعنی فعل اس سے صادر ہوتا ہے یعنی یہ فعل کو کرتا ہے۔ جَاءَ زَيْدٌ زید آیا یہ آنے کا فعل کس نے کیا؟ زید نے، یا یوں کہیں یہ آنے کا فعل کس سے صادر ہوا ہے؟ زید سے صادر ہوا ہے یعنی زید نے یہ فعل خود کیا ہے بھائی۔ تو فاعل کے لیے صدور کا لفظ بولتے ہیں کہ فاعل سے فعل کا صدور

ہوتا ہے یعنی وہ فعل کو کرتا ہے بھائی۔ اور مفعول بہ کے لیے کہتے ہیں مفعول بہ پر فعل واقع ہوتا ہے۔ ضَرَبْتُ زَيْدًا یہ زَيْدًا مفعول بہ ہے، تو کیا کہیں گے یہ ضرب کا فعل زید سے صادر ہوا ہے یا زید پر واقع ہوا ہے؟ زید پر یہ واقع ہوا ہے، صادر تو یہ متکلم سے ہوا ہے، متکلم فاعل ہے بھائی۔ تو فاعل کے لیے کیا لفظ بولتے ہیں کہ اس سے فعل کا صدور ہوتا ہے اور مفعول بہ کے لیے کیا کہتے ہیں کہ اس پر فعل کا وقوع ہوتا ہے۔ تو اب آپ کو بتائیں گے کہ مفعول معہ کسے کہتے ہیں؟ جو معمولِ فعل کا مصاحب ہوتا ہے اور معمولِ فعل فاعل بھی ہو سکتا ہے اور مفعول بھی ہو سکتا ہے، اور مصاحب اگر وہ فاعل کا ہو تو کیا معنی ہوگا؟ توجہ ہے؟ مفعول معہ اگر مصاحب ہے کس کا؟ فاعل کا تو معنی یہ ہے کہ جس طرح یہ فعل فاعل سے صادر ہوا ہے اسی طرح مفعول معہ سے بھی صادر ہوا ہے وہ اس کا ساتھی ہے اس فعل کے صدور کے اندر۔ اور جب مفعول معہ مفعول بہ کے ساتھ آئے اس کا مصاحب ہو تو پھر کیا معنی ہوگا؟ کہ جس طرح یہ فعل مفعول بہ پر واقع ہوا ہے اسی طرح یہ مفعول معہ بھی اس مفعول بہ کا مصاحب ہے کہ اس پر بھی یہ فعل واقع ہوا ہے۔ تو مصاحبت کا معنی سمجھ میں آیا؟ فاعل کے ساتھ مصاحبت کا کیا معنی؟ کہ جس طرح فعل فاعل سے صادر ہوا ہے اس سے بھی صادر ہوا ہے۔ اور اگر مفعول معہ مصاحب ہو کس کا؟ مفعول بہ کا تو کیا معنی؟ کہ جس طرح مفعول بہ پر فعل واقع ہوا ہے یہ اس کا مصاحب ہے اس پر بھی فعل واقع ہوا ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟

تو کہتے ہیں بِأَنْ تَكُوْنَ الْفَاعِلُ مُصَاحِبًا لَهُ بایں صورت کہ وہ جو فاعل ہے مُصَاحِبًا لَهُ وہ مصاحب ہے اس لَهُ أَيْ لِلْمَفْعُوْلِ مَعَهُ ہا ضمیر راجع ہے مفعول معہ کو کہ وہ فاعل مصاحب ہے مفعول معہ کا فِيْ صُدُوْرِ الْفِعْلِ عَنْهُ اپنے سے فعل کے صادر ہونے میں۔ یہ عَنْهُ کی ہا ضمیر راجع ہے فاعل کو، یوں کریں، یوں کریں یہ فِيْ صُدُوْرِ الْفِعْلِ عَنْهُ ذرا اس کو فاعل کے پاس لے آئیں اور مُصَاحِبًا کو ذرا آخر میں لے جائیں بِأَنْ تَكُوْنَ الْفَاعِلُ فِيْ صُدُوْرِ الْفِعْلِ عَنْهُ مُصَاحِبًا لَهُ، اب سنو ترجمہ بایں صورت کہ وہ فاعل فِيْ صُدُوْرِ الْفِعْلِ عَنْهُ اپنے سے فعل کے صادر ہونے میں مُصَاحِبًا لَهُ مصاحب ہے کس کا؟ مفعول معہ کا۔ بھائی فعل کس سے صادر ہوا؟ فاعل سے تو فاعل کی اپنی ذات سے فعل صادر ہوا ہے اس نے فعل کیا ہے، تو فاعل اپنے سے فعل کے صادر ہونے میں مصاحب ہے کس کا؟ مفعول معہ کا۔ آپ کہیں گے بھائی آپ نے تو ہمیں کہا تھا مفعول معہ مصاحب ہوتا ہے، بھائی یہ دونوں طرح سے فعل ہے، جب مفعول معہ مصاحب ہے فاعل کا تو فاعل مصاحب ہوا کس کا؟ مفعول معہ کا۔ بات سمجھ میں آرہی ہے؟ تو کہتے ہیں بِأَنْ تَكُوْنَ الْفَاعِلُ بایں صورت کہ وہ فاعل جو ہے وہ مصاحب ہو مفعول معہ کا فِيْ صُدُوْرِ الْفِعْلِ عَنْهُ اپنے سے فعل کے صادر ہونے میں وہ فاعل مصاحب ہو مفعول معہ کا یعنی اس کے ساتھ مل کر اس نے یہ فعل کیا ہے جیسے اس سے فعل صادر ہوا ہے مفعول معہ سے بھی صادر ہوا ہے۔

أَوِ الْمَفْعُوْلُ بِهِ یہ اس کا عطف ہے پیچھے جو الْفَاعِلُ کا لفظ آیا تھا، یا اس کی صورت یہ ہے مصاحبت کی کہ وہ جو مفعول بہ ہے وہ مصاحب ہے مفعول معہ کا فِيْ وُقُوْعِ الْفِعْلِ عَلَيْهِ اپنے اوپر فعل کے واقع ہونے میں۔ یہ عَلَيْهِ کی ہا ضمیر مفعول بہ کو راجع ہے، فعل کس پر واقع ہوتا ہے؟ مفعول بہ پر، کہ وہ مفعول بہ، یہاں مُصَاحِبًا لَهُ کا لفظ یہاں بھی لے آئیں کہ الْمَفْعُوْلُ

بِهِ مُصَاحِبًا لَهُ فِيْ وُقُوْعِ الْفِعْلِ عَلَيْهِ کہ وہ مفعول بہ مصاحب ہوتا ہے مفعول معہ کا۔ بھائی کس چیز میں مصاحب ہوتا ہے؟ کہتے ہیں فِيْ وُقُوْعِ الْفِعْلِ عَلَيْهِ اپنے اوپر فعل کے واقع ہونے میں، مفعول بہ اس کے اپنے اوپر فعل واقع ہوا ہے تو اپنے اوپر فعل کے واقع ہونے میں وہ مصاحب ہے کس کا؟ مفعول معہ کا کہ یعنی اس پر بھی فعل اس کے ساتھ ہی واقع ہوا ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟

فَقَوْلُهُ مَعَهُ مَفْعُوْلُ مَا لَمْ يُسَمَّ فَاعِلُهُ، جی اب آگے ترکیب کی کچھ باتیں آگئیں، کچھ ترکیب حل کر لیں پھر آپ کو یہ باتیں سمجھ میں آئیں گی بھائی۔ بھائی سب سے پہلے تو یاد رکھیے میں نے پہلے بھی آپ کو بتلایا تھا کہ بعض اوقات فعل براہِ راست کسی لفظ میں عمل نہیں کر سکتا تو پھر حروفِ جارہ کا سہارا لیا جاتا ہے۔ مثلاً ذَهَبَ، ذَهَبَ کا معنی ہے جانا اور یہ فعلِ لازم ہے اس کے لیے مفعول نہیں آتا لیکن میں اس کو متعدی بنانا چاہتا ہوں، میں کہنا چاہتا ہوں کہ میں زید کو لے گیا اور ذَهَبَ کا معنی تو ہے جانا اس کے لیے تو مفعول آتا ہی نہیں تو پھر ایک طریقہ یہ ہے کہ اس کو بابِ افعال وغیرہ میں لے جاتے ہیں اور دوسرا طریقہ یہ ہے کہ اس کو با کے ذریعے متعدی کرتے ہیں یعنی کسی حرفِ جر کا سہارا لیا جاتا ہے۔ تو یہاں پر بھی اب میں کہنا چاہتا ہوں کہ میں زید کو لے گیا اور ذَهَبْتُ تو زید کو نصب نہیں دے سکتا تو میں نے با کا سہارا لیا اور با حرفِ جر لے آیا اور کیا کہا؟ ذَهَبْتُ بِزَيْدٍ تو معنی کیا ہے؟ میں زید کو لے گیا۔ تو اب یہ جو زید ہے جس میں ذَهَبَ فعل عمل کر رہا ہے بواسطہ حرفِ جر کے، یہ بھی مفعول بہ ہے، یہ بھی، ایک مفعول بہ صریح ہوتا ہے یعنی جس کو فعل براہِ راست نصب دیتا ہے، صریح کا معنی صاف لفظوں میں یعنی واضح فعل اس کو نصب دے رہا ہے، صاف لفظوں میں وہ مفعول بہ ہے اور یہ جس پر حرفِ جر داخل ہو یہ بھی کیا ہوتا ہے؟ مفعول بہ البتہ اس کو مفعول بہ غیرِ صریح کہتے ہیں۔ معلوم ہوا ذَهَبْتُ بِزَيْدٍ یہ زید کیا ہے؟ مفعول بہ غیرِ صریح ہے۔

پھر آپ جانتے ہیں کہ فعل کو جب مجہول بنایا جاتا ہے، فعل کو جب مجہول بناتے ہیں تو فاعل کو حذف کر لیا جاتا ہے اور وہ جو مفعول بہ ہوتا ہے اس کو مفعول مَا لَمْ يُسَمَّ فَاعِلُهُ یعنی نائب الفاعل بنا دیتے ہیں۔ ضَرَبْتُ زَيْدًا یہ زَيْدًا مفعول بہ ہے میں نے زید کی پٹائی کی، اب میں یہاں اس کو فعلِ مجہول بناتا ہوں تو فاعل تا کو حذف کر دوں گا اور کیسے کہوں گا؟ ضُرِبَ زَيْدٌ وہ جو زَيْدًا مفعول بہ تھا میں نے اس کو نائب الفاعل بنا دیا۔ تو یہ تو آسان ہے جہاں پر مفعول بہ ہو جب فعلِ مجہول لائیں تو اس مفعول بہ کو آپ نائب الفاعل بنا دیں۔ لیکن بعض اوقات فعل کے لیے مفعول بہ ہوتا ہی نہیں جیسے ابھی میں نے مثال ذکر کی ذَهَبْتُ بِزَيْدٍ یہ ذَهَبْتُ کے لیے تو مفعول بہ ہے ہی نہیں البتہ یہ بِزَيْدٍ جو ہے یہ بھی مفعول بہ ہی ہے تو لہٰذا جب میں اس سے فعلِ مجہول بناؤں گا ذُهِبَ بِزَيْدٍ تو یہی اب بِزَيْدٍ کیا بن جائے گا اس کے لیے؟ اس کے لیے نائب الفاعل بن جائے گا۔ یہ زید کیا تھا؟ مفعول بہ غیرِ صریح تھا اور جب فعلِ مجہول لائیں تو مفعول بہ کو کیا بنا دیتے ہیں؟ نائب الفاعل بنا دیتے ہیں تو یہاں پر بھی اب اس کو کیا بنا دیں گے؟ نائب الفاعل، تو ذُهِبَ بِزَيْدٍ، ذُهِبَ بِزَيْدٍ تو اس میں پھر یوں کہتے ہیں کہ یہ جار مجرور جو ہیں یہ نائب الفاعل ہیں، یہ جار مجرور نائب الفاعل ہیں اور میں نے اس کا طریقہ میں پہلے بھی کئی دفعہ ذکر کر چکا ہوں

کہ جار مجرور کے نائب الفاعل ہونے کا معنی یہ ہے کہ حقیقت میں وہ جو مجرور ہے وہ ہے نائب الفاعل کیونکہ با تو حرف ہے بھائی، ذُهِبَ بِزَيْدٍ با تو حرف ہے تو اصل نائب الفاعل کون ہے؟ زید ہے، لیکن چونکہ جار مجرور کا تعلق بڑا مضبوط ہوتا ہے تو یوں ہی کہہ دیا جاتا ہے کہ ذُهِبَ کا اسناد ہو رہا ہے بِزَيْدٍ جار مجرور کی طرف، ذُهِبَ کا اسناد ہے کس کی طرف؟ جار مجرور کی طرف اور یہ ہے نائب الفاعل اس فعلِ مجہول کے لیے۔ بات سمجھ میں آگئی؟

تو لہٰذا اب ترکیب کیجیے اَلْمَفْعُوْلُ بِهِ، اَلْمَفْعُوْلُ بِهِ ابھی اوپر متن میں آیا تھا اَلْمَفْعُوْلُ مَعَهُ، اَلْمَفْعُوْلُ کا ترجمہ صاحبِ جامی نے کیا اَلَّذِيْ فُعِلَ کے ساتھ کیا، تو یہاں پر بھی اَلْمَفْعُوْلُ بِهِ، اَلْمَفْعُوْلُ فِيْهِ، اَلْمَفْعُوْلُ لَهُ ان کی کیا ترکیب ہے وہ ترکیب سمجھ لو۔ اَلْمَفْعُوْلُ بِهِ جو ہے اس کے اندر یہ الف لام اسمی ہے اور یہ مفعول کس معنی میں ہے؟ جیسے اَلضَّارِبُ کس معنی میں تھا؟ اَلَّذِيْ يَضْرِبُ، اَلْمَضْرُوْبُ کس معنی میں تھا؟ اَلَّذِيْ يُضْرَبُ، تو دیکھو اسمِ فاعل کے لیے فعلِ معروف نکالتے ہیں اور اسمِ مفعول کے لیے فعلِ مجہول نکالتے ہیں اور پھر موقع کے مطابق کبھی ماضی لے آتے ہیں اور کبھی مضارع لے آتے ہیں۔ تو اَلْمَفْعُوْلُ بِهِ تو یہ اَلْمَفْعُوْلُ کس معنی میں ہوا؟ اَلَّذِيْ فُعِلَ کے معنی میں ہوا اَلَّذِيْ فُعِلَ اور بِهِ کو اسی طرح ساتھ رکھو تو اَلْمَفْعُوْلُ بِهِ کس معنی میں ہوا؟ اَلَّذِيْ فُعِلَ بِهِ، بات سمجھ میں آگئی؟

جی اور آگے پھر ترکیب کیا ہوگی؟ اَلَّذِيْ اسمِ موصول، فُعِلَ فعلِ مجہول اور فعلِ مجہول کے لیے کیا چاہیے؟ نائب الفاعل چاہیے، تو کہتے ہیں یہ جو بِهِ جار مجرور آگے آرہا ہے اس کی طرف ہے اس فعل کا اسناد اور یہ جار مجرور اس کا نائب الفاعل ہے، حقیقت میں مجرور نائب الفاعل ہے لیکن کہتے کیسے ہیں کہ جار مجرور جو ہے وہ اس کا نائب الفاعل ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ پھر سنو ترکیب اَلْمَفْعُوْلُ بِهِ کس معنی میں ہوا اَلَّذِيْ فُعِلَ بِهِ کے معنی میں، اَلَّذِيْ اسمِ موصول، فُعِلَ فعل، با جارہ، ہا ضمیر مجرور محلاً، مجرور محلاً ہے یہ ہے محلِ قریب کیونکہ با جارہ داخل ہے اور محلِ بعید کیا ہے اس کا؟ یہ مرفوع ہے نائب الفاعل ہے فُعِلَ فعل کے لیے، تو جار مجرور مل کر متعلق ہوئے کس سے فُعِلَ فعل سے اور یہی نائب الفاعل بھی ہیں، تو فعلِ مجہول اپنے نائب الفاعل سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر یہ صلہ ہوا کس کے لیے؟ موصول کے لیے۔ تو یہ آپ پورے جملے کو موصول سے جوڑنا چاہتے ہیں اور میں نے آپ کو بتلایا تھا کہ جملہ اور شبہ جملہ کو جب بھی کسی چیز سے جوڑنا ہو تو درمیان میں ربط ضروری ہے، تو یہاں پر اور تو کوئی ضمیر ہے ہی نہیں، فُعِلَ کے اندر خود کوئی ضمیر نہیں کیونکہ آگے بِهِ جو ہے وہ ہے نائب الفاعل بھائی، تو یہ بِهِ میں ہا ضمیر یہ راجع ہے یہ اَلَّذِيْ کو، اَلَّذِيْ فُعِلَ بِهِ یہ ہا ضمیر کس کو راجع؟ اسمِ موصول اَلَّذِيْ کو، اس سے موصول صلہ میں ربط آگیا، اَلَّذِيْ فُعِلَ بِهِ کہ وہ چیز کہ فعل کو کیا گیا بِهِ اس کے ساتھ یا اس کے ذریعے۔

یاد رکھو یہ جو اَلْمَفْعُوْلُ بِهِ اس کے اندر یہ جو با ہے آپ اس کو الصاق کے لیے بھی بنا سکتے ہیں اور سببیت کے لیے بھی بنا سکتے ہیں۔ توجہ ہے؟ الصاق کا معنی ایک چیز کا دوسری چیز کے ساتھ جوڑنا، متعلق کرنا۔ تو اَلَّذِيْ فُعِلَ بِهِ یہ با الصاق کے

لیے بھی ہو سکتی ہے اور سببیت کے لیے بھی۔ اگر الصاق کے لیے ہو تو پھر کیا ترجمہ کریں گے؟ اَلَّذِيْ فُعِلَ وہ چیز فُعِلَ کہ فعل کو کیا گیا بِهِ اس کے ساتھ، وہ چیز کہ فعل کو اس کے ساتھ کیا گیا۔ اور اگر با کو سببیت کے لیے بنانا چاہیں تو وہ بھی آپ بنا سکتے ہیں، اَلَّذِيْ فُعِلَ بِهِ اَلَّذِيْ وہ چیز فُعِلَ کہ فعل کو کیا گیا بِهِ اس کے ذریعے، اس کے سبب سے۔ بھائی دیکھو ضَرَبْتُ زَيْدًا یہ زَيْدًا کیا ہے؟ مفعول بہ ہے، یہ مفعول بہ ہے، اس کو مفعول بہ کیوں کہتے ہیں؟ اس لیے کیونکہ ماقبل میں یہ جو ضَرَبْتُ کا فعل ہے وہ اس کے ساتھ کیا گیا ہے یعنی فعل اس پر واقع ہوا ہے، اگر یہ زید نہ ہوتا تو یہ ضرب کا فعل ہو ہی نہیں سکتا تھا بھائی، ضرب کے لیے ہمیشہ مضروب چاہیے بغیر مضروب کے ضرب کا فعل ہو ہی نہیں سکتا، شرب کے لیے ہمیشہ مشروب چاہیے شرب کا فعل بغیر مشروب کے ہو ہی نہیں سکتا، اکل کے لیے ہمیشہ ماکول چاہیے بھائی جب تک کوئی کھائی جانے والی چیز نہیں ہوگی اکل یعنی کھانے کا فعل نہیں ہو سکتا بھائی، تو معلوم ہوا ضَرَبْتُ زَيْدًا یہ زَيْدًا کیا ہے؟ مفعول بہ ہے بھائی، مفعول بہ ہے اور ماقبل میں یہ جو فعل ہے یہ اس کے ساتھ کیا گیا ہے یا یوں کہو ماقبل والا فعل اس کے سبب سے کیا گیا ہے، توجہ ہے با سببیہ میں بنا رہا ہوں، پہلے میں نے با کو الصاق کے لیے بنایا کہ اس فعل کو اس کے ساتھ کیا گیا ہے یعنی اس پر واقع ہوا ہے اب میں با کو سببیت والا بناتا ہوں، اس فعل کو کیا گیا ہے اس کے سبب سے، اس کی وجہ سے، یہ زید تھا تو یہ والی ضرب بھی ہوئی، اگر زید نہ ہوتا تو یہ والی ضرب بھی نہیں ہو سکتی تھی، معلوم ہوا ضرب کا فعل اس مفعول بہ یعنی اس زید کی وجہ سے اس کے سبب سے ہوا ہے، یہ نہ ہوتا تو یہ فعل نہیں ہو سکتا تھا۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو اَلْمَفْعُوْلُ بِهِ کس معنی میں ہے؟ اَلَّذِيْ فُعِلَ بِهِ اور اس کا کیا معنی ہے؟ وہ چیز کہ جس کی وجہ سے فعل کیا جائے یا وہ چیز جس کے ساتھ فعل کیا جائے۔ تو اَلَّذِيْ فُعِلَ بِهِ یہ ہا ضمیر کس کو راجع کی؟ اَلَّذِيْ کو، یہ ہم نے کھول لیا تھا اصل میں تھا اَلْمَفْعُوْلُ بِهِ پھر ہم نے کھول کر کیا بنا لیا؟ اَلَّذِيْ فُعِلَ بِهِ بنا لیا، تو اَلَّذِيْ فُعِلَ بِهِ میں ہا ضمیر کس کو راجع؟ اَلَّذِيْ کو راجع۔ اور اَلْمَفْعُوْلُ بِهِ میں اب آجاؤ، اَلْمَفْعُوْلُ بِهِ میں بالکل وہی ترکیب ہے جو اَلَّذِيْ فُعِلَ بِهِ میں کی گئی۔ کیسے ترکیب ہوگی؟ اَلْمَفْعُوْلُ بِهِ الف لام اسمِ موصول، مَفْعُوْلٌ یہ جو اسمِ مفعول کا صیغہ ہے یہ اس کا صلہ اور اسمِ مفعول کے لیے کیا چاہیے؟ نائب فاعل چاہیے، تو آگے بِهِ جو جار مجرور ہے یہ اس کا نائب الفاعل ہے اور بِهِ کی ہا ضمیر کس کو لوٹائیں گے؟ الف لام کو کیونکہ یہ ہے اسمِ موصول۔ بات سمجھ میں آئی کہ نہیں؟ اَلْمَفْعُوْلُ بِهِ یہ وہی اَلَّذِيْ فُعِلَ بِهِ ہے بھائی اور اَلَّذِيْ فُعِلَ بِهِ میں ہا ضمیر کس کو لوٹائی تھی؟ اَلَّذِيْ کو، تو اَلْمَفْعُوْلُ بِهِ میں ہا ضمیر کس کو لوٹاؤ؟ الف لام کو کیونکہ یہ اسمِ موصول ہے اور فُعِلَ کے لیے نائب الفاعل کس کو بنایا تھا؟ بِهِ کو، تو مفعول جو اسمِ مفعول کا صیغہ آیا اس کے لیے بھی نائب الفاعل چاہیے تو کس کو بنائیں گے؟ اسی بِهِ کو بنائیں گے۔ تو اَلْمَفْعُوْلُ بِهِ کیا معنی؟ وہ چیز جس کی وجہ سے فعل کو کیا جائے یا یوں کہیں وہ چیز جس کے ذریعے سے فعل کو کیا جائے، تو یہ بِهِ کیا ہے؟ نائب الفاعل ہے بھائی اس مفعول کے صیغے کے لیے۔

دوسرا لفظ لے آئیں، اَلْمَفْعُوْلُ فِيْهِ، اَلْمَفْعُوْلُ فِيْهِ اس کو ذرا کھولیں اَلْمَفْعُوْلُ کس معنی میں؟ اَلَّذِيْ فُعِلَ کے معنی میں اور

فِيْهِ کو اسی طرح ساتھ لے آؤ اَلَّذِيْ فُعِلَ فِيْهِ، اَلَّذِيْ وہ چیز فُعِلَ کہ فعل کو کیا گیا فِيْهِ اس میں یعنی وہ زمانہ یا مکان جس میں فعل کو کیا گیا بھائی۔ تو اَلْمَفْعُوْلُ فِيْهِ اب اس کی ترکیب کریں، الف لام اسمِ موصول، مَفْعُوْلٌ اسمِ مفعول ہے یہ صلہ ہے کس کا؟ الف لام کا، اور یہ اس کے لیے نائب الفاعل چاہیے وہ کیا ہے؟ فِيْهِ جو آگے جار مجرور آرہا ہے۔ اَلْمَفْعُوْلُ فِيْهِ یہ کس معنی میں ہے؟ اَلَّذِيْ فُعِلَ فِيْهِ اور اَلَّذِيْ فُعِلَ فِيْهِ کے اندر فِيْهِ نائب الفاعل تھا فُعِلَ کے لیے تو مفعول کے لیے بھی یہ فِيْهِ کیا ہے؟ نائب الفاعل ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ ترجمہ کیجیے اَلْمَفْعُوْلُ فِيْهِ وہی اَلَّذِيْ فُعِلَ فِيْهِ کے ساتھ ترجمہ کرو، اَلْمَفْعُوْلُ فِيْهِ وہ چیز کہ فعل کو کیا گیا فِيْهِ اس میں یعنی وہ زمانہ یا مکان جس میں فعل کو کیا گیا۔ معلوم ہوا اس اَلْمَفْعُوْلُ فِيْهِ کے اندر یہ فِيْهِ بھی کیا ہے؟ نائب الفاعل ہے اسمِ مفعول کے لیے اور ہا ضمیر کس کو راجع ہے؟ الف لام کو راجع ہے بھائی۔

اب آئیے اَلْمَفْعُوْلُ لَهُ، یہ اَلْمَفْعُوْلُ لَهُ کس معنی میں ہے؟ اَلَّذِيْ فُعِلَ لَهُ، ترجمہ کیجیے اَلَّذِيْ وہ چیز کہ فُعِلَ فعل کو کیا گیا لَهُ اس کی وجہ سے، اور یہ فُعِلَ کے لیے نائب فاعل یہی لَهُ ہے یہ جار مجرور، اور یہ ہا ضمیر کس کو راجع ہے؟ اَلَّذِيْ کو راجع ہے، بات سمجھ میں آگئی؟ تو اَلْمَفْعُوْلُ لَهُ اب اس کی ترکیب کیجیے، الف لام اسمِ موصول، اور مفعول یہ اسمِ مفعول ہے یہ صلہ بنے گا کس کے لیے؟ اسمِ موصول الف لام کے لیے، اور لَهُ یہ جار مجرور یہ نائب الفاعل ہے اور یہ ہا ضمیر کس کو راجع؟ یہ الف لام کو راجع ہے۔ ترجمہ کیجیے اَلْمَفْعُوْلُ لَهُ وہ چیز جس کی وجہ سے فعل کو کیا گیا۔ بات سمجھ میں آگئی؟ معلوم ہوا اَلْمَفْعُوْلُ بِهِ اس کے اندر یہ بِهِ نائب الفاعل ہے، اَلْمَفْعُوْلُ فِيْهِ اس کے اندر یہ فِيْهِ نائب الفاعل ہے، اَلْمَفْعُوْلُ لَهُ اس کے اندر یہ لَهُ نائب الفاعل ہے اور ان سب کے اندر یہ جو ضمیریں ہیں یہ جو غائب کی ضمیر مجرور ہے یہ لوٹ رہی ہے الف لام کو۔ تو یہ ضمیریں لوٹ رہی ہیں الف لام کو، اب آگے آپ کو صاحبِ جامی بتلائیں گے کہ اَلْمَفْعُوْلُ مَعَهُ کی بھی یہی ترکیب ہے یعنی جیسے اَلْمَفْعُوْلُ بِهِ اور فِيْهِ اور لَهُ کے اندر یہ جو جار مجرور تھے یہ نائب الفاعل بن رہے تھے تو اَلْمَفْعُوْلُ مَعَهُ اس کے اندر یہ مَعَهُ جو ہے یاد رکھو یہ مَعَ ہے مضاف اور ہا ضمیر ہے مضاف الیہ، یہ جار مجرور تو نہیں یہ مضاف مضاف الیہ ہیں لیکن یہ بھی نائب الفاعل بنیں گے جیسے بِهِ، فِيْهِ اور لَهُ نائب الفاعل تھے۔ تو اَلْمَفْعُوْلُ مَعَهُ ذرا اس کو کھول لیں، اَلَّذِيْ فُعِلَ مَعَهُ، اَلَّذِيْ فُعِلَ مَعَهُ وہ چیز فُعِلَ کہ فعل کو کیا گیا مَعَهُ اس کے ساتھ، تو یہ مَعَهُ کیا بنے گا؟ نائب الفاعل کس کے لیے؟ فُعِلَ فعل کے لیے اور ہا ضمیر کس کو راجع ہے؟ اَلَّذِيْ کو، اب پھر اس کو جوڑ لیں، اَلْمَفْعُوْلُ مَعَهُ اس کی کیا ترکیب؟ الف لام اسمِ موصول، مَفْعُوْلٌ صیغہ اسمِ مفعول اور مَعَهُ یہ مضاف مضاف الیہ مل کر اس کے لیے نائب الفاعل اور ہا ضمیر کس کو راجع؟ الف لام کو، تو اسمِ مفعول اپنے نائب الفاعل سے مل کر شبہ جملہ ہو کر یہ صلہ ہوا الف لام کے لیے۔ تو یہی اب بیان کریں گے، کتاب پر دیکھیے۔

تو کہتے ہیں فَقَوْلُهُ مَعَهُ مَفْعُوْلُ مَا لَمْ يُسَمَّ فَاعِلُهُ تو ماتن کا قول جو ہے مَعَهُ، مَفْعُوْلُ مَا لَمْ يُسَمَّ فَاعِلُهُ کہتے ہیں یہ مفعول

مالم یسم فاعلہ ہے یعنی نائب الفاعل ہے، مَعَهُ کیا ہے؟ نائب الفاعل ہے أُسْنِدَ إِلَيْهِ الْمَفْعُوْلُ اس کی طرف مفعول کے صیغے کا اسناد ہوا ہے۔ توجہ ہے؟ اَلْمَفْعُوْلُ مَعَهُ یہ مَعَهُ نائب الفاعل ہے کس کے لیے؟ یہ جو مفعول کا صیغہ ہے۔ تو کہتے ہیں أُسْنِدَ إِلَيْهِ الْمَفْعُوْلُ اس کی طرف جو ہے یہ مفعول کے لفظ کا اسناد کیا گیا ہے كَمَا أُسْنِدَ إِلَى الْجَارِّ وَالْمَجْرُوْرِ فِي الْمَفْعُوْلِ بِهِ وَفِيْهِ وَلَهُ جیسے کہ جار مجرور کی طرف اسناد کیا گیا ہے مفعول بہ، فیہ اور لہ میں۔ وَالضَّمِيْرُ الْمَجْرُوْرُ رَاجِعٌ إِلَى اللَّامِ، بھائی اَلْمَفْعُوْلُ مَعَهُ مَعَ مضاف ہا ضمیر مضاف الیہ مجرور ہے اور یہ ہا ضمیر کس کو راجع؟ الف لام کو، وہی بیان کر رہے ہیں، کہتے ہیں وَالضَّمِيْرُ الْمَجْرُوْرُ رَاجِعٌ إِلَى اللَّامِ اور مَعَهُ کی جو ضمیرِ مجرور ہے وہ لوٹ رہی ہے الف لام کی طرف۔

وَاعْتُذِرَ عَنْ نَصْبِهِ یہاں سے اب اعتراض کا جواب دیں گے۔ اعتراض یہ ہوتا ہے کہ آپ نے ہمیں کیا بتایا؟ کہ یہ مَعَهُ نائب الفاعل ہے اور نائب الفاعل تو مرفوع ہوتا ہے اور مَعَهُ دیکھو مَعَ یہ تو منصوب ہے، نائب الفاعل تو مرفوع ہوتا ہے اور یہ مَعَ تو منصوب ہے، یاد رکھنا یہ جو مَعَ ہے نا مَعَ، یہ معرب ہے، یہ معرب ہے اور یہ کلام کے اندر کبھی ظرف واقع ہوتا ہے اور کبھی حال بنتا ہے، کبھی کلام میں یہ ظرف یعنی مفعول فیہ بنتا ہے اور کبھی یہ حال بنتا ہے اور مفعول فیہ بھی منصوب ہوتا ہے اور حال بھی منصوب ہوتا ہے تو یہ مَعَ اکثر اکثر منصوب ہی استعمال ہوگا کیونکہ یا تو یہ ظرف بنے گا یا حال بنے گا۔ تو یہ معرب ہے بھائی معرب اور پتہ کیسے چلے گا کہ یہ معرب ہے؟ یاد رکھو یہ جو مَعَ ہے یہ اضافت کے ساتھ بھی استعمال ہوتا ہے اور کبھی بغیر اضافت کے بھی استعمال ہوتا ہے، دیکھو مَعَهُ مَعَ مضاف ہا ضمیر مضاف الیہ یہاں اضافت کے ساتھ ہے، آپ ذرا اس کی اضافت ختم کر دیں تو کیا بن جائے گا مَعًا، جَاءَ زَيْدٌ وَعَمْرٌو مَعًا زید اور عمرو اکٹھے آئے، یہ مَعًا یہ یہی مَعَ ہے، دیکھو آپ نے اضافت ختم کی تو اس پر تنوین آگئی، معلوم ہوا یہ معرب ہے، اگر یہ مبنی ہوتا تو مبنی پر تو تنوین نہیں آتی بھائی تو یہ معرب ہے بھائی۔ تو جب یہ معرب ہے اور آپ نے اس کو نائب الفاعل قرار دے دیا ہے تو پھر تو اس پر رفع آنا چاہیے، تو اس کا جواب دیں گے، اس کا جواب دیں گے کہ ایسا لفظ جو اکثر منصوب استعمال ہوتا ہو، اکثر منصوب استعمال ہوتا ہو تو بعض نحوی حضرات نے یہ عذر پیش فرمایا ہے کہ ایسا لفظ جو اکثر منصوب استعمال ہوتا ہو اس کی طرف جب فعل کا اسناد کیا جائے تو اس کو منصوب ہی چھوڑ دیتے ہیں یعنی جس حالت پر وہ اکثر ہوتا ہے اسی حالت پر اس کو برقرار رکھتے ہیں اور یہ مَعَ اکثر کس حال پر ہوتا ہے؟ منصوب ہوتا ہے تو لہٰذا اس کو اسی حال پر چھوڑ دیا جائے گا۔ مَعَ اکثر ظرف استعمال ہوتا ہے یا حال، ظرف بھی منصوب حال بھی منصوب تو جب اس کی طرف فعل کا اسناد کیا گیا تو اس پر رفع آنا چاہیے لیکن اس پر اسی نصب کو چلنے دیا گیا کیونکہ اس پر اکثر کیا آتا ہے؟ نصب آتا ہے تو اسی کو باقی رکھا گیا تو اگرچہ یہ نائب الفاعل ہے لیکن اس کو اسی وجہ سے منصوب چھوڑ دیا گیا کیونکہ یہ اکثر کس طرح استعمال ہوتا ہے؟ نصب کے ساتھ۔

جی اب دیکھیے بھائی کتاب پر، کہتے ہیں وَاعْتُذِرَ عَنْ نَصْبِهِ اور عذر پیش کیا گیا اس مَعَ کے نصب سے بِمَا جَوَّزَهُ بَعْضُ

النُّحَاةِ وہ جو جائز قرار دیا ہے بعض نحویوں نے، مَا سے مراد ہے ضابطہ اور قانون۔ وَاعْتُذِرَ عَنْ نَصْبِهِ اور عذر پیش کیا گیا اس مَعَهُ کے نصب سے بِمَا جَوَّزَهُ بَعْضُ النُّحَاةِ اس ضابطے سے کہ جائز قرار دیا ہے بعض نحویوں نے، بھائی وہ کون سا ضابطہ ہے؟ بات ابھی بھی پوری طرح واضح نہیں تو آگے پھر بیان چاہیے تو مِن کے ساتھ بیان کر رہے ہیں تو یہ مِن بیان ہے مَا کا اور مَا سے کیا مراد ہے؟ قانون اور ضابطہ، کہ اس ضابطے کی وجہ سے وہ جو بعض نحویوں نے جائز قرار دیا ہے وہ ضابطہ کیا ہے؟ کہتے ہیں مِنْ إِسْنَادِ الْفِعْلِ إِلَى لَازِمِ النَّصْبِ یعنی کہ فعل کا اسناد کرنا لازم النصب کی طرف یعنی ایسا اسم جس کے ساتھ نصب لازم ہو، یہ مَعَ بھی جو ہے اکثر اکثر کس طرح استعمال ہوتا ہے؟ نصب کے ساتھ تو گویا اس کے ساتھ نصب لازم ہی ہے بھائی، تو کہتے ہیں کہ مِنْ إِسْنَادِ الْفِعْلِ إِلَى لَازِمِ النَّصْبِ یعنی وہ جو فعل کا اسناد کیا جائے کسی لازم النصب کی طرف وَتَرْكِهِ مَنْصُوْبًا اور اس کو منصوب ہی چھوڑ دیا جائے جَرْيًا عَلَى مَا چلتے ہوئے اسی نصب پر، مَا سے مراد ہے نصب اور هُوَ ضمیر راجع ہے لازم النصب کو، عَلَى مَا اسی نصب پر چلتے ہوئے هُوَ عَلَيْهِ جس پر وہ لازم النصب تھا فِي الأَكْثَرِ اکثر احوال کے اندر بھائی۔ پھر ترجمہ دیکھیے، کہتے ہیں وَاعْتُذِرَ عَنْ نَصْبِهِ بِمَا جَوَّزَهُ بَعْضُ النُّحَاةِ اور عذر پیش کیا گیا ہے اس مَعَهُ کے نصب سے اس قاعدے کے ذریعے اس ضابطے کے ذریعے کہ جائز قرار دیا ہے بعض نحویوں نے مِنْ إِسْنَادِ الْفِعْلِ إِلَى لَازِمِ النَّصْبِ وَتَرْكِهِ مَنْصُوْبًا یعنی فعل کا اسناد کرنا لازم النصب کی طرف اور اس کو منصوب ہی چھوڑ دینا جَرْيًا عَلَى مَا هُوَ عَلَيْهِ فِي الأَكْثَرِ چلتے ہوئے اسی نصب پر جو اس لازم النصب پر اکثر ہوتا ہے، اس پر چلتے ہوئے فعل کا اسناد جب لازم النصب کی طرف کیا جاتا ہے تو اس کو اسی طرح منصوب چھوڑ دیا جاتا ہے اس کے اس حالت پر جس پر وہ اکثر ہوتا ہے۔

وَإِلَيْهِ ذُهِبَ فِي قَوْلِهِ تَعَالَىٰ اور اسی کی طرف جایا گیا ہے اللہ تعالیٰ کے اس قول میں بھی یعنی اسی کی طرف ذہاب کیا گیا ہے اللہ تعالیٰ کے اس قول میں بھی لَقَدْ تَقَطَّعَ بَيْنَكُمْ عَلَى قِرَاءَةِ النَّصْبِ۔ لَقَدْ تَقَطَّعَ بھائی اس کے آگے یہ جو بَيْنَكُمْ ہے یاد رکھو یہ بَيْنَكُمْ مضاف مضاف الیہ مل کر یہ فاعل ہے تَقَطَّعَ کا، یہ فاعل ہے تَقَطَّعَ کا اور بعض قراءتوں میں تو یہ منصوب ہے اور بعض کے اندر باقاعدہ اس پر رفع آیا ہے لَقَدْ تَقَطَّعَ بَيْنُكُمْ بھائی، رفع آیا معلوم ہوا یہ کیا بن رہا ہے؟ فاعل بن رہا ہے لیکن بعض قراءتوں میں تو نصب ہی ہے، تو چاہے رفع والی قراءت ہے چاہے نصب والی قراءت ہے، ہے دونوں کے اندر یہ فاعل۔ تو جنہوں نے رفع پڑھا ان پر تو کوئی اشکال نہیں لیکن جنہوں نے نصب پڑھا ان پر اعتراض ہوتا ہے کہ یہ تو فاعل ہے پھر اس پر نصب کیوں ہے؟ تو وہی جواب جو ابھی ذکر ہو گیا، وہی عذر یہاں بھی پیش کیا جاتا ہے کہ بَيْنَ جو ہے لازم النصب ہے یہ ہمیشہ نصب کے ساتھ استعمال ہوتا ہے تو لہٰذا جب اس کی طرف فعل کا اسناد کیا گیا تو اس کو اسی طرح منصوب چھوڑ دیا گیا اس کے ان احوال پر چلتے ہوئے جو اس میں اکثر ہوتے ہیں یعنی اکثریہ منصوب ہوتا ہے تو اس کو منصوب ہی چھوڑ دیا گیا لیکن ہے یہ فاعل ہی۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو کہتے ہیں لَقَدْ تَقَطَّعَ بَيْنَكُمْ عَلَى قِرَاءَةِ النَّصْبِ بنابر نصب والی قراءت کے، بھائی اس پر اشکال ہوتا ہے نا، بھائی رفع والی قراءت میں تو وہ رفع چاہیے اور رفع اس پر آ رہا ہے اعتراض صرف کس پر ہوتا ہے؟ نصب والی قراءت پر تو اس میں بھی یہی جواب دیا۔ تو لَقَدْ تَقَطَّعَ کا معنی ہے تحقیق قطعِ

تعلق ہو گیا تمہارے درمیان۔ مشرکین سے کہا جائے گا قیامت کے دن، مشرکین آئیں گے اور ساتھ وہ چیزیں جن کو وہ اللہ کا شریک بناتے تھے وہ ان کے ساتھ نہیں ہوں گی تو ان سے کیا کہا جائے گا کہ تمہارے وہ شریک کہاں ہیں؟ لَقَدْ تَقَطَّعَ بَيْنَكُمْ تمہارے درمیان قطعِ تعلق ہو چکا ہے۔ تو کہتے ہیں وَإِلَيْهِ ذُهِبَ فِيْ قَوْلِهِ تَعَالَىٰ اور اسی اعتذار کی طرف جایا گیا ہے یعنی یہی عذر پیش کیا گیا ہے اللہ تعالیٰ کے اس قول میں بھی لَقَدْ تَقَطَّعَ بَيْنَكُمْ عَلَى قِرَاءَةِ النَّصْبِ کس قراءت پر؟ نصب والی قراءت پر کہ یہاں نصب اس لیے چھوڑ دیا گیا۔

وَفِيْ بَعْضِ الْحَوَاشِيْ اور کہتے ہیں بعض حواشی کے اندر یہ بات درج ہے کہ أَنَّ هٰذَا الرَّأْيَ شَرِيْفٌ جِدًّا کہ یہ رائے بڑی شریف یعنی بڑے شرف والی ہے، اردو والا شریف نہیں بھائی اردو میں تو شریف کہتے ہیں جو سیدھا سادھا آدمی ہو، شریف، یہاں شریف شرف سے ہے شرف یعنی اونچے درجے والی، یہ بڑے اونچے درجے والی رائے ہے یعنی بڑی اعلیٰ رائے ہے، کون سی رائے؟ یہ جو مَعَهُ کو نائب الفاعل قرار دیا گیا، اَلْمَفْعُوْلُ مَعَهُ اس کے اندر یہ مَعَهُ کو نائب الفاعل جو قرار دیا گیا ہے یہ بڑی اعلیٰ رائے ہے۔ بھائی اعلیٰ رائے کس طرح ہے؟ کہتے ہیں بھائی ایک تو اس کی موافقت ہو گئی قرآن کے ساتھ، قرآن کے اندر بھی بَيْنَكُمْ فاعل ہے اور اس کو منصوب ہی چھوڑ دیا گیا اور اَلْمَفْعُوْلُ مَعَهُ میں بھی مَعَهُ نائب الفاعل ہے اور اس کو منصوب ہی چھوڑ دیا گیا تو قرآن کے ساتھ بھی اس کی موافقت ہو گئی جب اس کو نائب الفاعل قرار دیں، اور نیز مفعول بہ، مفعول فیہ اور مفعول لہ کے ساتھ بھی اس کی موافقت ہو گئی ان میں بھی یہ جو بِهِ، فِيْهِ اور لَهُ ہیں وہ کیا ہیں؟ نائب الفاعل اور یہاں پر بھی کیا کہا کہ یہ مَعَهُ نائب الفاعل ہے۔ تو کہتے ہیں وَفِيْ بَعْضِ الْحَوَاشِيْ أَنَّ هٰذَا الرَّأْيَ شَرِيْفٌ جِدًّا اور بعض حواشی میں ہے کہ یہ رائے جو ہے بڑی اونچی ہے بڑی اعلیٰ ہے کہ جو اس مَعَهُ کو نائب الفاعل قرار دیا گیا۔

وَقِيْلَ اور کہا گیا ہے، یہ دوسری توجیہ کر رہے ہیں بھائی، وَقِيْلَ الْوَجْهُ اور کہا گیا ہے وجہ یہ ہے یعنی اس کی ترکیب میں کہ أَنْ يُجْعَلَ مِنْ قَبِيْلِ کہ اس کو اس قبیل سے بنا دیا جائے وَقَدْ حِيْلَ بَيْنَ الْعَيْرِ وَالنَّزَوَانِ۔ حِيْلَ، حَالَ يَحُوْلُ حَيْلُوْلَةً کا معنی ہے حائل ہونا، رکاوٹ ڈالنا، اسی سے حِيْلَ فعلِ مجہول لایا گیا، بَيْنَ الْعَيْرِ، عَيْر کہتے ہیں گدھے کو بھائی اور زیادہ تر اس کا اطلاق ہوتا ہے جنگلی گدھے پر بھائی، اور نَزَوَان، نَزَوَان کا معنی ہے پھرتی دکھانا، تیزی دکھانا اور اسی طرح چھلانگ لگانا، تو معنی کیا ہے حِيْلَ بَيْنَ الْعَيْرِ وَالنَّزَوَانِ رکاوٹ ڈال دی گئی جنگلی گدھے اور اس کی پھرتی اور تیزی کے درمیان رکاوٹ ڈال دی گئی۔ یہ ضرب المثل بن چکا ہے بھائی، یہ دراصل مصرع ہے ایک شعر کا ایک شاعر نے کہا تھا، کوئی شاعر تھا کسی جنگ میں وہ زخمی ہو گیا یا کسی نے زخمی کر دیا، شدید زخمی ہو گیا اور بڑے لمبے عرصے تک وہ بستر پر پڑا رہا ایک سال یا اس سے بھی زیادہ عرصے تک، تو گھر والے بھی اتنا طویل بیمار ہو خدمت کر کر کے تھک جاتے ہیں تو ایک دن اس کی بیوی نے اس کے سامنے ہی کسی سے کہہ دیا لَا حَيٌّ فَيُرْجَى وَلَا مَيِّتٌ فَيُلْقَى، لَا حَيٌّ فَيُرْجَى نہ تو یہ زندہ ہے کہ اس سے کسی چیز کی امید کی جائے وَلَا مَيِّتٌ فَيُلْقَى اور نہ یہ مردہ ہے کہ اس کو قبر میں ڈال دیا جائے۔ تو اس کو بیوی کی یہ بات سن کر بڑا غصہ چڑھا اور اس نے ارادہ کیا کہ اٹھوں تلوار اٹھاؤں اور بیوی کو قتل کر دوں لیکن اتنا

کمزور ہو چکا تھا کہ کمزوری کی وجہ سے اپنے اس ارادے پر عمل نہ کر سکا کہ اٹھے تلوار اٹھائے اور بیوی کو کیا کر دے؟ قتل کر دے، وہ اٹھنا ہی اس کے لیے مشکل تھا کہاں تلوار اٹھاتا اور اس کو قتل کرتا، تو لہٰذا وہ اپنے اس ارادے کو پورا نہ کر سکا تو اس موقع پر اس نے شعر کہا اور اس کا ایک مصرع یہ ہے وَقَدْ حِيْلَ بَيْنَ الْعَيْرِ وَالنَّزَوَانِ کہ میں نے تو بیوی کو قتل کرنے کا ارادہ کیا تھا لیکن جنگلی گدھے اور اس کی چھلانگ کے درمیان اس کی پھرتی کے درمیان رکاوٹ ڈال دی گئی۔ تو یہ ضرب المثل بن چکا ہے جب کوئی طاقتور آدمی ہو اور کسی معاملے میں وہ عاجز آجائے اس چیز کو وہ کر نہ سکے تو اس وقت کہتے ہیں کہ وَقَدْ حِيْلَ بَيْنَ الْعَيْرِ وَالنَّزَوَانِ۔

تو اب اس کے اندر دیکھو وَقَدْ حِيْلَ بَيْنَ الْعَيْرِ وَالنَّزَوَانِ یہاں حِيْلَ فعلِ مجہول آیا اور فعلِ مجہول کے لیے کیا چاہیے؟ نائب الفاعل چاہیے، تو یہ نائب الفاعل کیا ہے؟ کس کو بنائیں؟ نائب الفاعل کا پتہ نہیں چل رہا اور پیچھے کیا آیا تھا؟ پہلے جو ہم نے ترکیب کی، اَلْمَفْعُوْلُ بِهِ وَفِيْهِ وَلَهُ ان کو ہم نے کیا بنایا تھا؟ نائب الفاعل، کیوں بنایا تھا؟ کیونکہ وہ جار مجرور تھے اور مجرور بھی دراصل کیا ہوتا ہے؟ مفعول بہ غیرِ صریح ہوتا ہے اور فعلِ مجہول لایا جائے تو مفعول بہ کو کیا بناتے ہیں؟ نائب الفاعل، تو اس لیے وہاں پر وہ جار مجرور کو نائب الفاعل قرار دیا گیا تھا کیونکہ وہ مفعول بہ غیرِ صریح تھا، اور یہاں تو کوئی جار مجرور بھی نہیں ہے، حِيْلَ بَيْنَ الْعَيْرِ وَالنَّزَوَانِ یہ تو آگے ظرف آرہا ہے، تو پھر اس کے اندر بعض علمائے نحو جو ہیں وہ اور تاویل کرتے ہیں، میں پہلے بھی ذکر کر چکا ہوں کہ بعض اوقات کسی فعل کے فاعل یا نائب الفاعل کا پتہ نہ چلے تو پھر اس فعل کے اندر ضمیر اسی کے مصدر کو لوٹا دیتے ہیں، اسی کے مصدر کو لوٹا دیتے ہیں مثلاً فُعِلَ فعل آیا کسی جگہ پر اور اس کے نائب الفاعل کا پتہ نہیں چل رہا تو پھر فُعِلَ کے اندر ہی هُوَ ضمیر اس کے مصدر کو لوٹا دیں گے فُعِلَ هُوَ اور یہ هُوَ ضمیر کس کو راجع؟ اسی کے مصدر کو، اسی فُعِلَ کے مصدر کو اور فُعِلَ کا مصدر کیا؟ فِعْلٌ، فِعْلٌ۔ تو پہلے کیا تھا؟ فُعِلَ هُوَ، هُوَ کی جگہ مصدر کو ہی لے آؤ تاکہ بات واضح ہو جائے فُعِلَ فِعْلٌ، فُعِلَ فِعْلٌ، اور پھر یاد رکھو اس کا ترجمہ کیسے کرتے ہیں؟ ترجمہ یوں کرتے ہیں دیکھو کیا بن گیا، پہلے کیا تھا؟ فُعِلَ پھر اس کے اندر ضمیر نکالی کس کو راجع کی؟ اسی کے مصدر کو، پھر ضمیر کی جگہ اس مصدر ہی کو لے آئے بات سمجھانے کے لیے کہ یہ کیا ہے فُعِلَ فِعْلٌ ہے بھائی اور پھر یہ جو فُعِلَ فعل ہے اس کو بدل دیتے ہیں آگے فِعْلٌ مصدر کو اسی طرح رکھتے ہیں یہ فُعِلَ فعل کو بدلتے ہیں اور اس کی جگہ يَقَعُ یا وَقَعَ یا حَصَلَ وغیرہ کوئی فعل موقع کے مطابق لے آتے ہیں، تو فُعِلَ فِعْلٌ کس معنی میں ہوا؟ وَقَعَ فِعْلٌ فعل ہوا، یا حَصَلَ فِعْلٌ فعل ہوا، یا ثَبَتَ فِعْلٌ فعل ہوا معنی سب کا ایک ہی ہے، تو فُعِلَ فِعْلٌ کا کیا معنی؟ وَقَعَ فِعْلٌ یا حَصَلَ فِعْلٌ فعل حاصل ہوا یعنی فعل ہوا۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو یہاں پر حِيْلَ آیا بھائی اور یہ حِيْلَ فعلِ مجہول ہے اور اس کے نائب فاعل کا پتہ نہیں چل رہا اور آگے کوئی جار مجرور بھی نہیں ہے کہ اس کو اس کا نائب الفاعل بنا دیں، تو پھر کہتے ہیں اسی کے اندر ضمیر نکالو اور اس کے مصدر کو لوٹا دو حِيْلَ هُوَ، حِيْلَ هُوَ بَيْنَ الْعَيْرِ وَالنَّزَوَانِ اور هُوَ ضمیر کس کو راجع؟ اسی کے مصدر کو، تو هُوَ کو ذرا ہٹا دو اسی کے مصدر کو لے آؤ حِيْلَ الْحَيْلُوْلَةُ، اس کا مصدر حَيْلُوْلَة ہے حَالَ يَحُوْلُ حَيْلُوْلَةً تو حِيْلَ الْحَيْلُوْلَةُ بَيْنَ الْعَيْرِ وَالنَّزَوَانِ، اور پھر میں نے ترجمہ کرنے کا طریقہ بھی بتلایا

کہ وہ فعل کو بدل دو وَقَعَ یا ثَبَتَ یا حَصَلَ سے، تو حِيْلَ الْحَيْلُوْلَةُ تو حِيْلَ کو ہٹائیں اور وَقَعَ لے آئیں أَيْ وَقَعَ الْحَيْلُوْلَةُ، حَيْلُوْلَة واقع ہوا، رکاوٹ واقع ہو گئی بَيْنَ الْعَيْرِ وَالنَّزَوَانِ جنگلی گدھے اور اس کی چھلانگ میں یا اس کی پھرتی میں، دیکھو معنی بہترین ہو گیا۔ تو معلوم ہوا بعض نحوی حضرات کیا فرماتے ہیں کہ فعلِ مجہول کے نائب فاعل کا پتہ نہ چلے تو اس کے اندر ضمیر اسی کے مصدر کو لوٹا دو۔ بات سمجھ میں آگئی؟ دیکھیے بھائی۔

کہتے ہیں وَقِيْلَ اور کہا گیا ہے، دیکھو اس دوسرے قول کو قِيْلَ کے ساتھ ذکر کر رہے ہیں اور پہلی رائے جو تھی کہ مَعَهُ اس کو کیا بنا دو نائب الفاعل اس کو اعلیٰ رائے قرار دیا اور دوسرے کو قِيْلَ کے ساتھ ذکر کر رہے ہیں کیونکہ بعض نحوی اس سے اختلاف کرتے ہیں، قِيْلَ صیغہ تمریض ہے اس کے ساتھ کمزور قول کو نقل کیا جاتا ہے۔ تو کہتے ہیں وَقِيْلَ اور کہا گیا ہے اَلْوَجْهُ کہ اس کی ترکیب میں وجہ یہ ہے کہ أَنْ يُجْعَلَ مِنْ قَبِيْلِ کہ اس کو بنا دیا جائے اس قبیل سے وَقَدْ حِيْلَ بَيْنَ الْعَيْرِ وَالنَّزَوَانِ، فَإِنَّ مَفْعُوْلَ مَا لَمْ يُسَمَّ فَاعِلُهُ فِيْهِ الضَّمِيْرُ الرَّاجِعُ إِلَى مَصْدَرِهِ اس لیے کیونکہ مفعول مالم یسم فاعلہ جو ہے فِيْهِ وہ اس حِيْلَ کے اندر جو ہے، یہ جو حِيْلَ کا فعل آیا اس کے اندر جو ہے مفعول مالم یسم فاعلہ جو ہے اَلضَّمِيْرُ الرَّاجِعُ إِلَى مَصْدَرِهِ وہ ضمیر ہے جو لوٹ رہی ہے اس کے مصدر کو أَيْ حِيْلَ الْحَيْلُوْلَةُ دیکھو یہ ہے تقدیرِ عبارت، لِأَنَّ بَيْنَ بھائی سوال کہ حِيْلَ کے اندر ضمیر اسی کے مصدر کو راجع کی یہ بَيْنَ یہ آگے آرہا ہے اس کو نائب الفاعل کیوں نہیں بنایا؟ تو یہ علمائے نحو جنہوں نے ضمیر مصدر کو راجع کی ہے وہ فرماتے ہیں کہ یہ بَيْنَ لازمُ الظرفیت ہے، یہ ہمیشہ ظرف ہی بنتا ہے اس نے مفعول فیہ ہی بننا ہے اس نے ظرف بننا ہے اور اس نے منصوب رہنا ہے یہ لازم النصب ہے اس کے ساتھ نصب لازم ہے، تو لہٰذا اس لیے اس کو نائب الفاعل نہیں بنا سکتے تو حِيْلَ کے اندر ضمیر اسی کے مصدر کو لوٹا کر اس ضمیر کو نائب الفاعل بنائیں گے۔ تو کہتے ہیں لِأَنَّ بَيْنَ لِلْزُوْمِ ظَرْفِيَّتِهِ اس لیے کیونکہ بَيْنَ جو ہے لِلْزُوْمِ ظَرْفِيَّتِهِ اپنی ظرفیت کے لازم ہونے کی وجہ سے لَا يُقَامُ مَقَامَ الْفَاعِلِ یہ فاعل کے قائم مقام نہیں ہو سکتا۔ فَعَلَى هٰذَا تو بنابر اس توجیہ کے يَكُوْنُ مَعْنَاهُ معنی یہ ہو جائے گا اَلَّذِيْ فُعِلَ فِعْلٌ بِمُصَاحَبَتِهِ، دیکھو وہی عبارت لے آئے جو اوپر تھی اَلْمَفْعُوْلُ مَعَهُ أَيِ الَّذِيْ فُعِلَ بِمُصَاحَبَتِهِ، توجہ ہے؟ تو وہاں پر دیکھو صرف فُعِلَ ذکر تھا اب یہاں کیا کہا اَلَّذِيْ فُعِلَ فِعْلٌ بِمُصَاحَبَتِهِ یعنی فُعِلَ کی ضمیر کس کو لوٹا دی؟ اسی کے مصدر کو لوٹا دی تو تقدیرِ عبارت کیا بن گئی؟ اَلَّذِيْ فُعِلَ فِعْلٌ بِمُصَاحَبَتِهِ یعنی مفعول معہ وہ چیز ہے فُعِلَ فِعْلٌ کہ فعل کو کیا جائے بِمُصَاحَبَتِهِ اس کی مصاحبت میں بھائی۔ اور یہ بھی یاد رکھنا بھائی کہ یہ جو حِيْلَ بَيْنَ الْعَيْرِ وَالنَّزَوَانِ اس کے اندر وہ جو پہلی توجیہ ذکر کی وہ بھی جاری ہو سکتی ہے کہ اسی بَيْنَ الْعَيْرِ وَالنَّزَوَانِ کو کیا بنا دیا جائے؟ حِيْلَ کے لیے نائب الفاعل بنا دیا جائے، پھر سوال پیدا ہوتا ہے کہ بَيْنَ پر نصب کیوں ہے؟ تو جواب وہی جو پیچھے گزر گیا کہ چونکہ بَيْنَ جو ہے لازم النصب ہے لہٰذا اس کو نائب الفاعل بنانے کے باوجود اسی نصب پر چھوڑ دیا گیا جس نصب پر یہ اکثر ہوتا ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟

فَعَلَى هٰذَا تو اس توجیہ کی بنا پر یہ جو دوسری توجیہ ہے يَكُوْنُ مَعْنَاهُ مفعول معہ کا معنی کیا ہوگا؟ وہ جو اوپر متن میں آیا تھا

اَلْمَفْعُوْلُ مَعَهُ اس توجیہ کی بنیاد پر اس کا معنی کیا ہوگا؟ اَلَّذِيْ فُعِلَ فِعْلٌ بِمُصَاحَبَتِهِ، اَلَّذِيْ فُعِلَ فِعْلٌ وہ چیز کہ فعل کو کیا گیا یا فُعِلَ کی جگہ وَقَعَ لے آؤ، وہ چیز کہ وَقَعَ فِعْلٌ کہ فعل واقع ہوا بِمُصَاحَبَتِهِ اس کی مصاحبت کے ساتھ۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو یہ معنی ہوگا عَلَى أَنْ يَكُوْنَ مَفْعُوْلُ مَا لَمْ يُسَمَّ فَاعِلُهُ ضَمِيْرًا رَاجِعًا إِلَى مَصْدَرِهِ بنابر اس کے کہ مفعول مالم یسم فاعلہ جو ہے ضَمِيْرًا ایسی ضمیر ہے رَاجِعًا إِلَى مَصْدَرِهِ جو لوٹ رہی ہے اسی کے مصدر کی طرف۔

بھائی دیکھیے اَلْمَفْعُوْلُ مَعَهُ، دوسری توجیہ ذکر کر رہے ہیں، دوسری توجیہ کے مطابق، پہلی توجیہ کیا تھی؟ کہ یہ مَعَهُ اسی کو نائب الفاعل بنا دو۔ دوسری توجیہ کیا ہے کہ مَعَهُ یہ تو لازم النصب ہے لازم الظرفیت ہے لہٰذا یہ نائب الفاعل نہیں بن سکتا تو مفعول کے اندر نائب الفاعل کی ضمیر نکال لو اور وہ مفعول کے اندر جو نائب الفاعل کی ضمیر ہے کس کو لوٹا دو؟ اسی کے مصدر کو، اسی کے مصدر کو لوٹا دو اور یہ مَعَهُ کی ہا ضمیر کس کو لوٹاؤ؟ الف لام کو لوٹاؤ یہ ربط دے رہی ہے۔ ترکیب سمجھ میں آئی؟ تو یہ معنی ہے عَلَى أَنْ يَكُوْنَ بنابر اس کے کہ مَفْعُوْلُ مَا لَمْ يُسَمَّ فَاعِلُهُ کہ اس کا مفعول مالم یسم فاعلہ جو ہے ضَمِيْرًا ایسی ضمیر ہے رَاجِعًا إِلَى مَصْدَرِهِ جو لوٹ رہی ہے اسی کے مصدر کی طرف وَالضَّمِيْرُ الْمَجْرُوْرُ لِلْمَوْصُوْلِ اور وہ ضمیر جو مجرور ہے وہ موصول کے لیے ہے۔ اَلْمَفْعُوْلُ مَعَهُ، اَلْمَفْعُوْلُ کے اندر ضمیر نکال لی هُوَ وہ کیا ہے؟ نائب فاعل، کس کو لوٹ رہی ہے؟ مصدر کو، تو وہ هُوَ ضمیر وہ تو مرفوع ہے اور اَلْمَفْعُوْلُ مَعَهُ یہ ہا ضمیر کیا ہے؟ مجرور ہے، یہ ہا ضمیر یہ الف لام کو لوٹ رہی ہے۔ یہی بیان کر رہے ہیں وَالضَّمِيْرُ الْمَجْرُوْرُ لِلْمَوْصُوْلِ کہ وہ ضمیر جو مجرور ہے وہ اسمِ موصول کے لیے ہے یعنی اس کی طرف لوٹ رہی ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ حل ہو گیا؟ دو ترکیبیں انہوں نے بتا دیں کہ آپ مَعَهُ کو بھی نائب الفاعل بنا سکتے ہیں اور ایک صورت یہ ہے کہ آپ اس کو ظرف ہی رہنے دیں البتہ یہ جو مفعول کے اندر هُوَ ضمیر نکالیں وہ نائب الفاعل ہے جو اسی کے مصدر کو یعنی فِعْلٌ کو لوٹ جائے گی۔ بات سمجھ میں آگئی؟

هُوَ مَذْكُوْرٌ بَعْدَ الْوَاوِ کہ مفعول معہ وہ ہے جو مذکور ہوتا ہے واؤ کے بعد۔ کس کے بعد مذکور ہوتا ہے؟ واؤ کے بعد۔ اِحْتِرَازٌ عَنِ الْمَذْكُوْرِ بَعْدَ غَيْرِهِ تو اس قید کے ذریعے احتراز کیا اس سے جو مذکور ہو واؤ کے علاوہ کے بعد۔ صاحبِ جامی فرما رہے ہیں اِحْتِرَازٌ عَنِ الْمَذْكُوْرِ بَعْدَ غَيْرِهِ کہ یہ جو واؤ کے بعد مذکور ہونے کی قید لگائی اس کے ذریعے دراصل احتراز ہے جو واؤ کے علاوہ کے بعد واقع ہو یعنی واؤ کے علاوہ یعنی فا وغیرہ کے بعد جو واقع ہوگا وہ مفعول معہ نہیں ہو سکتا، مفعول معہ ہمیشہ کس کے بعد آئے گا؟ واؤ کے بعد آئے گا۔ تو کہتے ہیں اِحْتِرَازٌ عَنِ الْمَذْكُوْرِ بَعْدَ غَيْرِهِ كَالْفَاءِ کہتے ہیں اس قید کے ذریعے احتراز کیا اس اسم سے جو مذکور ہو واؤ کے علاوہ کے بعد جیسے کہ فا وغیرہ ہیں۔

لِمُصَاحَبَتِهِ مَفْعُوْلَ فِعْلٍ۔ لِمُصَاحَبَتِهِ یاد رکھنا یہ مصاحبت مصدر ہے اور مصدر بھی اپنے فعل جیسا عمل کرتا ہے اور یہ ہا ضمیر یہ مفعول معہ کو راجع ہے، وہ مصاحبت کون کرتا ہے؟ مفعول معہ کرتا ہے تو یہ ہے فاعل مصاحبت کرنے والا اور کس کی مصاحبت کرتا ہے؟ مَفْعُوْلَ فِعْلٍ یہ منصوب ہے یہ مفعول بہ ہے مصاحبت کے لیے، لِمُصَاحَبَتِهِ مَفْعُوْلَ فِعْلٍ اس وجہ

سے کہ وہ مفعول معہ مصاحب ہوتا ہے معمولِ فعل کا۔ بھائی لِمُصَاحَبَتِهِ میں لام آیا تو یہ لام کس سے متعلق ہے؟ جار مجرور کس سے متعلق ہے؟ تو آپ کو بتلائیں گے کہ یہ جو هُوَ مَذْكُوْرٌ یہ جو اسمِ مفعول کا صیغہ آیا مَذْكُوْرٌ یہ اس کے ساتھ متعلق ہے، لِمُصَاحَبَتِهِ اس کو جوڑیں مَذْكُوْرٌ سے، مفعول معہ مذکور ہوتا ہے واؤ کے، مفعول معہ واؤ کے بعد ذکر کیا جاتا ہے لِمُصَاحَبَتِهِ اس وجہ سے کہ وہ مصاحب ہوتا ہے معمولِ فعل کا۔ تو یہ لام یاد رکھو تعلیل کے لیے ہے، لامِ اجلیہ ہے، علت بیان کرنے کے لیے ہے۔ تو کہتے ہیں اَللَّامُ مُتَعَلِّقٌ بِمَذْكُوْرٍ یہ لام جو ہے مَذْكُوْرٌ سے متعلق ہے، یہاں آپ یوں بھی پڑھ سکتے ہیں بِمَذْكُوْرٍ کیونکہ با جارہ داخل ہے اور آپ چاہیں تو بِمَذْكُوْرٌ پڑھیں یعنی اعرابِ حکائی کیونکہ یہ لفظ کہاں سے لیا؟ وہ اوپر متن سے هُوَ مَذْكُوْرٌ اور متن کے اندر تو اس لفظ پر رفع تھا تو آپ بھی یہاں رفع پڑھ سکتے ہیں، اس کو کہتے ہیں اعرابِ حکائی بھائی۔ تو یہ اعرابِ حکائی ہے لیکن مثلاً کیسے پڑھا؟ اَللَّامُ مُتَعَلِّقٌ بِمَذْكُوْرٌ، تو مَذْكُوْرٌ کیوں پڑھا اعرابِ حکائی کی وجہ سے، البتہ محلاً یہ بھی مجرور ہے کیونکہ با جارہ داخل ہے۔ تو کہتے ہیں اَللَّامُ مُتَعَلِّقٌ بِمَذْكُوْرٍ یہ لام متعلق ہے مَذْكُوْرٌ کے ساتھ أَيْ يَكُوْنُ ذِكْرُهُ بَعْدَ الْوَاوِ یعنی وہ مفعول معہ کو واؤ کے بعد ذکر کرنے کی وجہ جو ہے لِأَجْلِ مُصَاحَبَتِهِ مَعْمُوْلَ فِعْلٍ اس وجہ سے ہوتی ہے کہ وہ مصاحب ہوتا ہے معمولِ فعل کا وَإِفَادَتِهِ إِيَّاهَا اور اس وجہ سے کہ وہ واؤ اس مصاحبت کا فائدہ دیتا ہے۔ اس کو واؤ کے بعد کیوں ذکر کیا جاتا ہے؟ کہ یہ معمولِ فعل کا مصاحب ہوتا ہے اور یہ واؤ اس مصاحبت کا فائدہ دیتا ہے۔ تو کہتے ہیں وَإِفَادَتِهِ یہ إِفَادَتِهِ کی ہا ضمیر لوٹائیں واؤ کو، اور وہ واؤ فائدہ دیتا ہے إِيَّاهَا اس مصاحبت کا۔

سَوَاءٌ كَانَ ذٰلِكَ الْمَعْمُوْلُ فَاعِلًا برابر ہے کہ وہ معمول فاعل ہو۔ میں نے آپ کو بتلایا کہ وہ جو معمولِ فعل ہے جس کی مصاحبت کے لیے مفعول معہ آیا ہے وہ معمولِ فعل فاعل بھی ہو سکتا ہے اور مفعول بہ بھی یعنی مفعول معہ فاعل کی مصاحبت کے لیے بھی آتا ہے اور مفعول بہ کی مصاحبت کے لیے بھی آتا ہے۔ تو کہتے ہیں سَوَاءٌ كَانَ ذٰلِكَ الْمَعْمُوْلُ فَاعِلًا برابر ہے کہ وہ معمول فاعل ہو نَحْوُ مثال کے طور پر اِسْتَوَى الْمَاءُ وَالْخَشَبَةَ یہ وَالْخَشَبَةَ یہ مفعول معہ ہے، اس پر نصب پڑھنا ہے، اِسْتَوَى الْمَاءُ پانی برابر ہو گیا وَالْخَشَبَةَ أَيْ مَعَ الْخَشَبَةِ لکڑی کے ساتھ، پانی برابر ہو گیا لکڑی کے ساتھ۔ یعنی بھائی بعض اوقات کنویں وغیرہ میں لکڑی وغیرہ لگائی جاتی ہے پانی کی مقدار ماپنے کے لیے اس کی پیمائش کرنے کے لیے، تو کسی نے دوسرے سے پوچھا کہ کنویں میں کتنا پانی ہو چکا ہے؟ تو کچھ اونچائی پر لکڑی مثلاً لگی ہوئی تھی دیوار کے اندر تو وہ اس کو بتلاتا ہے اِسْتَوَى الْمَاءُ وَالْخَشَبَةَ کہ پانی اس لکڑی کے برابر ہو گیا ہے یعنی اس تک پہنچ چکا ہے۔ تو اب دیکھو اِسْتَوَى الْمَاءُ یہ الْمَاءُ فاعل ہے اِسْتَوَى کے لیے اور فاعل کے بعد وَالْخَشَبَةَ مفعول معہ آیا، تو مفعول معہ کس کا مصاحب ہوا؟ فاعل کا مصاحب ہوا، فاعل بھی فعل کا معمول ہوتا ہے اور مفعول بہ بھی فعل کا معمول ہوتا ہے۔ تو کہتے ہیں سَوَاءٌ كَانَ ذٰلِكَ الْمَعْمُوْلُ فَاعِلًا برابر ہے کہ وہ معمول جو ہے فعل کا وہ فاعل ہو نَحْوُ اِسْتَوَى الْمَاءُ وَالْخَشَبَةَ پانی برابر ہو گیا لکڑی کے ساتھ، أَوْ مَفْعُوْلًا یا فعل کا وہ جو معمول ہے وہ مفعول ہو نَحْوُ كَفَاكَ وَزَيْدًا دِرْهَمٌ۔

جی یہ ہے محلِ اشکال بھائی، كَفَاكَ وَزَيْدًا دِرْهَمٌ کافی ہے آپ کے لیے وَزَيْدًا أَيْ مَعَ زَيْدٍ زید کے ساتھ دِرْهَمٌ ایک درہم۔ صاحبِ جامی نے كَفَاكَ وَزَيْدًا دِرْهَمٌ اس کو بطورِ مثال کے ذکر فرمایا، کس کی مثال ہے؟ کہ مفعول معہ مصاحب ہے مفعول بہ کا۔ معلوم ہوا یہ وَزَيْدًا یہ مفعول معہ ہے، مفعول معہ ہے، لیکن دیگر نحوی حضرات فرماتے ہیں کہ نہیں یہ وَزَيْدًا مفعول معہ نہیں ہے، یہ معطوف ہے، اس کا عطف كَفَاكَ کی کاف ضمیر پر ہے اور کاف ضمیر مفعول بہ ہے۔ كَفَى فعل ہے آگے دِرْهَمٌ آ رہا ہے یہ فاعل ہے كَفَى کے لیے، کافی ہے کیا چیز کافی ہے؟ درہم بھائی، درہم، ایک درہم کافی ہے اور یہ کاف ضمیر جو ہے یہ مفعول بہ ہے اور اس پر عطف ہوا ہے زَيْدًا کا اور کاف ضمیر جب مفعول بہ ہے تو وہ محلاً منصوب ہے تو اس پر جو معطوف ہوگا وہ بھی کیا ہوگا؟ منصوب، تو اس لیے وَزَيْدًا منصوب ہے، تو یہ زَيْدًا مفعول بہ ہونے کی وجہ سے منصوب ہے، مفعول معہ ہونے کی وجہ سے منصوب نہیں ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟

بھائی یہاں دو تین باتیں یاد رکھیں، دو تین ضابطے یاد رکھیں تو پھر بات آپ کو سمجھ میں آئے گی۔ سب سے پہلے تو ضمیر کے بارے میں سمجھ لیں۔ یاد رکھو ضمیریں تین قسم پر ہیں، کبھی ضمیر مرفوع ہوتی ہے کبھی منصوب کبھی مجرور۔ رفع والا مقام ہو تو ضمیرِ مرفوع لاتے ہیں، نصب والا مقام ہو تو ضمیرِ منصوب لاتے ہیں اور جر والا مقام ہو تو ضمیرِ مجرور لاتے ہیں تو ضمیریں تین قسم پر ہیں۔ پھر ان میں سے جو ضمیرِ مرفوع ہے یہ متصل بھی ہو سکتی ہے اور منفصل بھی۔ متصل جیسے ضَرَبْتُ یہ تا ضمیر متکلم کی ہے اور متصل ہے فعل کے ساتھ جڑی ہوئی ہے اور مرفوع ہے کیونکہ یہ فاعل ہے، ضَرَبْتُ میں یہ تا کیا ہے؟ فاعل تو یہ مرفوع متصل ہے اور تا سے کون مراد ہے؟ واحد متکلم، یہ واحد متکلم کی ضمیر ہے اور اسی طرح واحد متکلم کی ضمیر أَنَا بھی ہے، أَنَا قَائِمٌ یہ أَنَا کیا ہے؟ یہ أَنَا قَائِمٌ یہ أَنَا بتدا ہے اور بتدا کیا ہوتا ہے؟ مرفوع، تو یہ جو أَنَا ہے یہ بھی واحد متکلم کی ضمیر اور ضَرَبْتُ کے اندر جو تا ہے یہ بھی واحد متکلم کی ضمیر، لیکن وہ تا مرفوع متصل ہے اور أَنَا مرفوع منفصل ہے، دیکھو أَنَا کسی کے ساتھ جڑنے کی محتاج نہیں۔ تو ضمیرِ متصل کسی کے ساتھ جڑی ہوگی اور منفصل کسی کے ساتھ جڑنے کی محتاج نہیں۔ اور یاد رکھنا کلام کے اندر اصل یہ ہے کہ ضمیرِ متصل لائی جائے کیونکہ ضمیرِ متصل مختصر ہوتی ہے ضَرَبْتُ دیکھو صرف تا ہے اور أَنَا اس میں الف بھی ہے نون بھی ہے، بات سمجھ میں آگئی؟ تو اس میں حروف زیادہ ہیں اور کلام مختصر ہونا چاہیے تو اصل کیا ہے؟ کس کو استعمال کیا جائے؟ ضمیرِ متصل کو، لیکن اگر کوئی مانع آجائے آپ ضمیرِ متصل استعمال ہی نہیں کر سکتے پھر ضمیرِ منفصل کو استعمال کیا جاتا ہے جیسے أَنَا قَائِمٌ۔ أَنَا، اب یہ دیکھو أَنَا واحد متکلم کی ضمیر ہے اور اصل کیا ہے کس کو استعمال کرنا چاہیے منفصل کو یا متصل کو؟ متصل کو لیکن یہاں متصل ضمیر میں لا ہی نہیں سکتا کیونکہ میں بتدا بنانا چاہتا ہوں اور بتدا تو الگ ہوتا ہے اس کے اندر تو ابتدا عامل ہوتی ہے، ضَرَبْتُ میں تو تا کے اندر یہ ضَرَبَ عامل ہے لیکن بتدا کے اندر تو ابتدا عامل ہوتی ہے تو یہاں اتصال کی کوئی صورت نہیں تھی تو مجبوراً مجھے منفصل لانا پڑی ضمیر۔ تو اصل کیا ہے کس کو استعمال کیا جائے ضمیرِ متصل کو لیکن اگر متصل سے کوئی مانع آجائے تو پھر ضمیرِ منفصل استعمال کرتے ہیں

کیونکہ ضمیرِ متصل مختصر ہوتی ہے اس کے حروف کم ہوتے ہیں۔

تو ضمیرِ مرفوع دو قسم پر ہے متصل بھی اور منفصل بھی۔ اسی طرح یاد رکھو ضمیرِ منصوب جو ہے وہ بھی دو قسم پر ہے متصل بھی اور منفصل بھی۔ ضَرَبْتُهُ یہ ہا ضمیر دیکھو ضَرَبْتُ کے ساتھ متصل ہے اور یہ مفعول ہے، ضَرَبْتُ یہ تا ہے فاعل اور ضَرَبْتُهُ یہ ہا ساتھ جوڑ دی یہ کیا ہے؟ مفعول بہ ہے، یہ محلاً منصوب ہے تو یہ ضمیرِ منصوب ہے، ضَرَبْتُهُ میں یہ تا کون سی ضمیر ہے؟ مرفوع متصل اور یہ ہا کون سی ہے؟ منصوب متصل ہے تو یہ غائب کی ضمیر ہے۔ اور غائب کی ضمیرِ منصوب منفصل کیا ہے؟ إِيَّاهُ۔ إِيَّاكَ، إِيَّاكُمَا، إِيَّاكُمْ، إِيَّاكِ، إِيَّاكُمَا، إِيَّاكُنَّ، إِيَّاهُ، إِيَّاهُمَا، إِيَّاهُمْ دیکھو ضمیریں آپ پڑھ چکے ہیں تو یہ ضمیرِ منصوب منفصل ہے بھائی۔ تو ضمیرِ منصوب بھی دو قسم پر، ایک منصوب متصل اور ایک منصوب منفصل بھائی۔ جبکہ ضمیرِ مجرور جو ہے وہ صرف متصل آتی ہے وہ منفصل نہیں آتی۔ تو ضمیریں گویا پانچ قسم کی ہو گئیں: مرفوع متصل، مرفوع منفصل، منصوب متصل، منصوب منفصل اور مجرور متصل، یہ پانچ قسم کی ضمیریں ہیں بھائی اور جیسا موقع ہوگا اس کے مطابق یہ وہ ضمیر وہاں استعمال کریں گے۔ یہ جو ضمیرِ مجرور ہے یاد رکھو ضمیرِ مجرور یہ صرف متصل ہوتی ہے اور جر کی دو ہی صورتیں آپ جانتے ہیں، مجرور دو ہی چیزیں ہوتی ہیں، ایک جس پر حرفِ جر داخل ہو جائے اور ایک جو مضاف الیہ ہوتا ہے۔ مضاف الیہ وہ بھی مجرور۔ تو یہ ضمیرِ مجرور متصل اس پر بھی کبھی حرفِ جر آئے گا جیسے لَكَ یا لَهُ یہ لام جارہ اور آگے کاف ضمیر مجرور، اور کبھی ضمیرِ مجرور ہوگی مضاف الیہ ہونے کی وجہ سے كِتَابُكَ، کتاب مضاف کاف ضمیر مضاف الیہ۔ تو ضمیرِ مجرور صرف متصل آتی ہے اور اس کے ساتھ کوئی حرف بھی جڑ سکتا ہے یعنی حرفِ جر اور اس کے ساتھ مضاف بھی جڑ سکتا ہے اور یہ دونوں جر دیتے ہیں اس کو۔

یاد رکھو ضابطہ یہ ہے کہ جو ضمیر منفصل ہو آپ اس پر عطف کرنا چاہتے ہیں تو کوئی شرط نہیں۔ کس پر عطف کرنا چاہتے ہیں؟ ضمیرِ منفصل پر عطف کرنا چاہتے ہیں چاہے مرفوع منفصل ہو چاہے منصوب منفصل ہو عطف کر سکتے ہیں۔ أَنَا وَزَيْدٌ أَخَوَانِ، أَنَا وَزَيْدٌ دیکھو میں نے زید کا عطف کس پر کیا؟ أَنَا پر، کوئی شرط نہیں، عطف کر سکتے ہیں۔ اسی طرح منصوب منفصل پر بھی عطف کر سکتے ہیں کوئی شرط نہیں جیسے مَا ضَرَبْتُ إِلَّا إِيَّاكَ وَزَيْدًا، مَا ضَرَبْتُ إِلَّا إِيَّاكَ دیکھو إِيَّاكَ کو میں إِلَّا کے بعد لایا تو اب متصل لانے کی کوئی صورت نہیں تھی تو مجھے اب کیا لانا پڑی؟ ضمیرِ منصوب منفصل لانا پڑی اور آگے میں زید کا اس پر عطف کرنا چاہتا ہوں تو عطف کر سکتے ہیں کوئی شرط نہیں۔ مَا ضَرَبْتُ إِلَّا إِيَّاكَ میں نے پٹائی نہیں کی إِلَّا إِيَّاكَ مگر آپ کی وَزَيْدًا اور زید کی، تو یہ زید کا عطف میں نے إِيَّاكَ پر کر دیا کوئی شرط نہیں۔ اسی طرح یاد رکھو منصوب متصل جو ہے اس پر بھی عطف کرنے میں کوئی شرط نہیں، میں کہنا چاہتا ہوں میں نے اس کی بھی پٹائی کی اور زید کی بھی کی تو ضَرَبْتُهُ اب اس ہا ضمیر پر میں زید کا عطف کرنا چاہتا ہوں اور یہ ہا ضمیر منصوب متصل ہے اور منصوب متصل ضمیر پر عطف کرنے کے لیے کوئی شرط نہیں میں کہہ سکتا ہوں ضَرَبْتُهُ وَزَيْدًا، میں نے اس آدمی کی بھی پٹائی کی اور زید کی بھی پٹائی کی، کوئی شرط نہیں۔

حاصل کیا ہوا ابھی تک جو باتیں ہوئیں؟ کہ ضمیرِ منفصل اس پر عطف کے لیے کوئی شرط نہیں چاہے مرفوع منفصل ہو چاہے منصوب منفصل ہو، اسی طرح اگر ضمیر منصوب متصل ہو تو اس پر بھی عطف کرنے کے لیے کوئی شرط نہیں آپ اس پر عطف کر سکتے ہیں بغیر کسی شرط کے۔

ہاں البتہ ضمیرِ مرفوع متصل اس پر عطف اور اسی طرح ضمیرِ مجرور متصل اس میں تھوڑی تفصیل ہے۔ تفصیل کیا؟ ضمیرِ مرفوع متصل جو ہے یعنی ضَرَبْتُ اس تا پر میں عطف کرنا چاہتا ہوں تو علمائے نحو فرماتے ہیں کہ ضمیرِ مرفوع متصل پر عطف کے لیے ضروری ہے کہ آپ اس ضمیر کی تاکید لے کر آئیں آگے، تاکید لے کر آئیں منفصل کے ساتھ کس کے ساتھ؟ یہ تو ضَرَبْتُ کی تا تو متصل ہے آگے ایک اسی متکلم کی ضمیرِ منفصل لے آؤ تاکہ اس میں تاکید پیدا کر دے پھر آپ اس پر عطف کر سکتے ہیں۔ تو ضَرَبْتُ کے اندر یہ تا ضمیر کون سی؟ متکلم کی، اب میں اس پر عطف کرنا چاہتا ہوں تو اس کے ساتھ ضمیرِ مرفوع منفصل لے آؤ تاکید کے لیے اور متکلم کی مرفوع منفصل کون سی ضمیر ہے؟ أَنَا، تو ضَرَبْتُ أَنَا وَزَيْدٌ، ضَرَبْتُ أَنَا وَزَيْدٌ یہ زَيْدٌ پر میں نے رفع کیوں پڑھا؟ کیونکہ اس کا عطف ہے، کس پر عطف ہے أَنَا پر یا تا پر؟ اس کا عطف تا پر ہے أَنَا صرف اس کی تاکید ہے بھائی، بات سمجھ میں آگئی؟ اور تا تو فاعل تھی مرفوع تھی تو زَيْدٌ پر بھی میں نے کیا پڑھا؟ رفع، ضَرَبْتُ أَنَا وَزَيْدٌ میں نے اور زید نے پٹائی کی۔ تو ایک صورت یہ ہے جب آپ ضمیرِ مرفوع متصل پر عطف کرنا چاہتے ہیں تو اس کی تاکید لے آئیں ضمیرِ مرفوع منفصل کے ساتھ، اور دوسری صورت یہ ہے کہ درمیان میں فصل لے آئیں، ضَرَبْتُ وَزَيْدٌ یوں نہ کہیں ضَرَبْتُ وَزَيْدٌ بلکہ درمیان میں کوئی نہ کوئی لفظ لے آئیں بھائی، کوئی بھی لفظ لے آئیں تو پھر عطف جائز ہو جائے گا، مثلاً اَلْيَوْمَ کا لفظ لے آؤ ضَرَبْتُ الْيَوْمَ وَزَيْدٌ اب بھی زید کا عطف ضَرَبْتُ کی تا پر صحیح ہے۔ تو معلوم ہوا ضمیرِ مرفوع متصل پر عطف کرنے کے لیے دو چیزوں میں سے ایک چیز ہونی چاہیے کیا؟ یا تو اس کی تاکید لائی جائے ضمیرِ مرفوع منفصل کے ساتھ یا درمیان میں فصل لے آئیں۔ فصل ایک حرف کا بھی ہو جائے تو کافی ہے مثلاً میں ضَرَبْتُ کی تا پر عطف کرنا چاہتا ہوں کس کا آگے زید کا تو کوئی صورت فصل کی بنا لو میں مثلاً مفعول لے آتا ہوں ضَرَبْتُهُ وَزَيْدٌ، ضَرَبْتُهُ وَزَيْدٌ یہ زید کا عطف کس پر؟ ضَرَبْتُ کی تا پر، یہ زَيْدٌ کا رفع بتلا رہا ہے اگر میں ہا پر عطف کرتا ہا تو مفعول ہے منصوب ہے پھر تو مجھے یوں کہنا چاہیے تھا ضَرَبْتُهُ وَزَيْدًا کہنا چاہیے تھا لیکن میں کیا کہہ رہا ہوں ضَرَبْتُهُ وَزَيْدٌ یہ زید کا عطف کس پر ہے ضَرَبْتُ کی تا پر ہے اور اس پر عطف کے لیے تو دو شرطیں تھیں یا تو اس کی تاکید لاؤ مرفوع منفصل کے ساتھ یا فصل لاؤ اور یہاں فصل ہے یہ ہا ضمیر بیچ میں آگئی۔ تو حاصلِ کلام کیا؟ کہ ضمیرِ مرفوع متصل پر عطف کرنے کے لیے دو چیزوں میں سے ایک چیز ہونی چاہیے کیا؟ یا تو اس کی تاکید لائیں مرفوع منفصل کے ساتھ یا درمیان میں فصل لے آئیں، بلکہ دونوں کو صاحبِ جامی ملا دیں گے کہ بھائی درمیان میں فصل لے آؤ، کیا لے آؤ؟ جب آپ مرفوع منفصل بیچ میں لاتے ہیں ضَرَبْتُ أَنَا وَزَيْدٌ تو بھی فصل آگیا یا نہیں؟ اور ضَرَبْتُهُ ہا ضمیر لے آئیں پھر بھی کیا آگیا؟ فصل، تو یوں کہو مختصر لفظوں میں کہ بس فصل ضروری ہے چاہے مرفوع منفصل کے ذریعے فصل ہو جائے چاہے کسی اور لفظ کے ذریعے فصل ہو جائے۔

جبکہ ضمیرِ مجرور جو ہے وہ تو صرف متصل ہوتی ہے، اس پر آپ عطف کرنا چاہتے ہیں یاد رکھو اس پر عطف جائز نہیں الا یہ کہ وہ چیز جو اس کو جر دے رہی ہے اس کا اعادہ کریں وہ جو جار ہے جَارٌّ اسمِ فاعل ہے جر دینے والا، وہ جو جار ہے یعنی وہ جو جر دینے والا ہے اس کا آپ اعادہ کر دیں مثلاً لَكَ، یہ لَكَ کی کاف ضمیر پر میں زید کا عطف کرنا چاہتا ہوں تو اس کاف ضمیر کو جر کس نے دیا؟ لام نے، تو اس لام کو بھی میں دوبارہ لاؤں گا لَكَ وَلِزَيْدٍ، بغیر لام کے میں زید کو نہیں لا سکتا، یوں میں نہیں کہہ سکتا لَكَ وَزَيْدٍ بلکہ کیا کہنا پڑے گا لَكَ وَلِزَيْدٍ۔ اور اسی طرح بعض اوقات جو جر دیتا ہے ضمیرِ مجرور متصل کو وہ مضاف ہوتا ہے، كِتَابُكَ اس کاف پر میں زید کا عطف کرنا چاہتا ہوں تو جر دینے والی چیز کو بھی دوبارہ لانا پڑے گا کیسے کہیں گے كِتَابُكَ وَكِتَابُ زَيْدٍ۔ ضابطہ سمجھ میں آیا؟ حاصلِ کلام کیا ہوا؟ پھر دہرا لیں یہ قیمتی ضابطے ہیں یہ آپ کو ہر جگہ عبارتوں میں کام آئیں گے کہ ضمیر اگر منفصل ہو چاہے مرفوع منفصل ہو چاہے منصوب منفصل ہو اس پر عطف بغیر کسی شرط کے جائز ہے، اسی طرح اگر ضمیر منصوب متصل ہو تو اس پر بھی عطف بغیر کسی شرط کے جائز ہے ضَرَبْتُهُ وَزَيْدًا، اور اگر آپ عطف کرنا چاہتے ہیں ضمیرِ مرفوع متصل پر تو پھر یا تو اس کی تاکید لے آؤ ضمیرِ مرفوع منفصل کے ساتھ یا درمیان میں فصل لے آؤ یا یوں کہو مختصر لفظوں میں کہ بس فصل لے آؤ چاہے مرفوع منفصل کے ذریعے فصل لے آؤ چاہے کسی اور لفظ کے ذریعے فصل لے آؤ پھر عطف جائز ہے، اور ضمیرِ مجرور متصل پر عطف تب ہی جائز ہوگا جب آپ اس جار کا اعادہ کر دیں۔

اب آئیے بھائی یہ جو کتاب میں بیان کر رہے ہیں۔ بھائی دیکھیے بات یہ چل رہی تھی كَفَاكَ وَزَيْدًا دِرْهَمٌ، یہ صاحبِ جامی نے وَزَيْدًا کو مفعول معہ قرار دیا لیکن دیگر نحوی حضرات فرماتے ہیں کہ یہ وَزَيْدًا جو ہے یہ مفعول معہ نہیں ہے بلکہ یہ معطوف ہے، بلکہ یہ معطوف ہے۔ بھائی اپنی کاپی پر ذرا ایک جملہ لکھیے بھائی، لکھیے بھائی ضَرَبْتُ زَيْدًا وَعَمْرًا، ضَرَبْتُ زَيْدًا وَعَمْرًا دیکھو ترکیب دیکھیے اس کے اندر، دیکھو اس کے اندر یہ زَيْدًا مفعول بہ ہے منصوب ہے اور آگے عَمْرًا کا اسی پر عطف ہے اور وہ بھی منصوب ہے۔ تو یاد رکھو ضَرَبْتُ زَيْدًا وَعَمْرًا تمام نحوی علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ یہاں جو وَعَمْرًا آیا یہ معطوف ہے، یہ مفعول معہ نہیں ہو سکتا، یہ مفعول معہ نہیں ہو سکتا بھائی کیوں نہیں ہو سکتا؟ کہتے ہیں وجہ یہ کہ یہاں عطف ظاہر ہے، ماقبل میں معطوف علیہ منصوب ہے اور معطوف علیہ پر جو اعراب ہو وہی معطوف پر بھی آتا ہے تو اسی لیے عَمْرًا پر بھی نصب آگیا، تو جو بھی اس جملے کو دیکھے گا سنے گا پڑھے گا وہ دیکھتے ہی فوراً سمجھ جائے گا کہ یہ معطوف ہے، اور اگر آپ اس واؤ کو بمعنی مَعَ کے بنا لیتے ہیں اور آپ کیا کہتے ہیں یہ جو وَعَمْرًا ہے یہ معطوف نہیں ہے بلکہ مفعول معہ ہے تو سننے والے کو تو کبھی بھی پتہ نہیں چلے گا ضَرَبْتُ زَيْدًا وَعَمْرًا سننے والا فوراً یہی سمجھے گا کہ یہ معطوف ہے بھائی۔ یاد رکھو جب ہم مفعول معہ کسی چیز کو بناتے ہیں وہاں اعراب مختلف ہوتا ہے جس سے سننے والا فوراً سمجھ جاتا ہے کہ یہ مفعول معہ ہے، مثلاً میں نے آپ سے کیا کہا تھا جَاءَ زَيْدٌ وَعَمْرٌو، جَاءَ زَيْدٌ وَعَمْرًو یہاں عمر کا میں عطف کر رہا ہوں زید پر تو زید مرفوع تھا تو عمر بھی مرفوع ہے، لیکن میں جَاءَ زَيْدٌ وَعَمْرًو کہنے کے بجائے دوسرے کو یہ بتلانا چاہتا ہوں کہ دونوں اکٹھے آئے ہیں تو پھر میں عَمْرًا

کو مفعول معہ بناؤں گا اور کیسے کہوں گا؟ جَاءَ زَيْدٌ وَعَمْرًا۔ تو یہ وَعَمْرًا کا نصب پڑھتے ہی وہ چونک اٹھے گا کہ بھائی یہ تو معطوف نہیں ہو سکتا کیونکہ معطوف علیہ مرفوع ہے اگر یہ معطوف ہوتا تو یہ بھی وَعَمْرٌو ہوتا لیکن یہ تو وَعَمْرٌو نہیں ہے بلکہ کیا ہے؟ وَعَمْرًا ہے، تو اس کا نصب ماقبل سے الگ ہی ہو رہا ہے عطف کی صورت نہیں بن رہی تو اسی سے وہ سمجھ جائے گا کہ یہ معلوم ہوا مفعول معہ ہے، تو مفعول معہ میں نصب لایا جاتا ہے اس بات کی صراحت کرنے کے لیے کہ یہاں دونوں نے یہ فعل اکٹھے کیا ہے۔ جَاءَ زَيْدٌ وَعَمْرٌو سے یہ پتہ نہیں چلا کہ دونوں اکٹھے آئے ہیں لیکن جَاءَ زَيْدٌ وَعَمْرًا سے پتہ چل رہا ہے کہ دونوں اکٹھے آئے ہیں کیونکہ یہ مفعول معہ ہے معطوف نہیں ہے۔ تو دیکھو مفعول معہ میں اعراب کو باقاعدہ بدل دیا گیا جَاءَ زَيْدٌ وَعَمْرًا دیکھو یہ عَمْرًا کے نصب سے پہچان ہو گئی، لیکن جب آپ نے کہا ضَرَبْتُ زَيْدًا وَعَمْرًا اس کے اندر تو زَيْدًا ماقبل میں معطوف علیہ بھی منصوب ہے اور آگے وَعَمْرًا بھی منصوب ہے، اب تو کسی کو پتہ نہیں چلے گا کہ یہ مفعول معہ ہے وہ تو یہی سمجھے گا کہ یہ معطوف ہے بھائی، تو لہٰذا یہاں جو ضَرَبْتُ زَيْدًا وَعَمْرًا کے اندر جو وَعَمْرًا ہے یہ بالاتفاق معطوف ہے مفعول معہ نہیں ہے۔

اور اسی کے مثل ہے یہ جو کتاب میں آیا كَفَاكَ وَزَيْدًا دِرْهَمٌ، ترکیب سنو كَفَى کیا ہے؟ فعل ہے اور فاعل کون بنے گا اس کا؟ وہ آگے درہم آرہا ہے وہ درہم کافی ہے، اور یہ کاف ضمیر یہ مفعول بہ ہے منصوب محلاً ہے اور واؤ حرفِ عطف اور زَيْدًا یہ بھی منصوب ہے، تو ماقبل میں کاف ضمیر بھی منصوب اور زَيْدًا بھی منصوب تو دیکھتے ہی فوراً ذہن میں اول کیا خیال آتا ہے؟ کہ یہ معطوف ہے، تو یہاں اگر آپ اس کو مفعول معہ بنائیں گے تو پتہ ہی نہیں چلے گا، تو كَفَاكَ وَزَيْدًا دِرْهَمٌ یہ بالکل اسی طرح ہے جیسے ضَرَبْتُ زَيْدًا وَعَمْرًا تھا، وہاں عَمْرًا مفعول معہ نہیں ہو سکتا تو یہاں بھی وَزَيْدًا مفعول معہ نہیں ہو سکتا کیونکہ یہاں عطف ظاہر ہے، یہاں عطف ظاہر ہے، تو علماء لکھتے ہیں کہ یہ كَفَاكَ وَزَيْدًا دِرْهَمٌ میں وَزَيْدًا کو مفعول معہ قرار دینا صحیح نہیں بھائی، اگر اس کو مفعول معہ قرار دیتے ہو تو ضَرَبْتُ زَيْدًا وَعَمْرًا اس میں وَعَمْرًا کو بھی کیا قرار دینا چاہیے؟ مفعول معہ قرار دینا چاہیے۔

تو یہ وجہ کیا ہوئی؟ کہتے ہیں شاید صاحبِ جامی کو وہم ہوا حَسْبُكَ وَزَيْدًا دِرْهَمٌ، یہ لکھیے ذرا اپنے سامنے کاپی پر بھائی، لکھیے بھائی حَسْبُكَ وَزَيْدًا دِرْهَمٌ، حَسْبُكَ وَزَيْدًا دِرْهَمٌ دیکھو یہاں حَسْبُ یہ بتدا ہے مضاف ہے اور کاف ضمیر مضاف الیہ ہے، توجہ ہے؟ اور وَزَيْدًا یہ مفعول معہ ہے، یہ مفعول معہ ہے اور آگے دِرْهَمٌ جو ہے وہ ہے خبر، تو وَزَيْدًا یہ مفعول معہ ہے، اس کو معطوف نہیں قرار دے سکتے کہ اس کا ماقبل میں جو کاف ضمیر ہے اس پر عطف ہو رہا ہے، عطف کیوں نہیں کر سکتے؟ وجہ یہ کہ حَسْبُكَ، حَسْبُ مضاف ہے اور کاف ضمیر مضاف الیہ معلوم ہوا یہ کاف ضمیرِ مجرور متصل ہے اور ضمیرِ مجرور متصل پر عطف جائز نہیں بغیر اعادہ جار کے اور آگے دوبارہ حَسْبُ کا لفظ زید پر ہے؟ نہیں، جب دوبارہ ہے نہیں تو عطف بھی نہیں ہو سکتا۔ معلوم ہوا زَيْدًا کا عطف حَسْبُكَ کی کاف ضمیر پر نہیں ہو سکتا اور نیز اگر عطف ہوتا بھی تو وہ تو کاف ضمیر مجرور ہے

تو زید کو بھی کیا ہونا چاہیے تھا؟ مجرور ہوتا۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو لہٰذا یہاں حَسْبُكَ وَزَيْدًا دِرْهَمٌ یہاں وَزَيْدًا مفعول معہ ہے قطعی طور پر اور معنی کیا ہے؟ حَسْبُكَ آپ کے لیے کافی ہے وَزَيْدًا أَيْ مَعَ زَيْدٍ زید کے ساتھ کافی ہے دِرْهَمٌ ایک درہم یعنی آپ دونوں کے لیے ایک درہم کافی ہے مرادیہ ہے، آپ کے لیے زید کے ساتھ کافی ہے ایک درہم یعنی آپ دونوں کے لیے ایک ہی درہم کافی ہے۔ علماء فرماتے ہیں کہ یہ حَسْبُكَ بمعنی ہے كَفَاكَ، یہ حَسْبُكَ کس معنی میں ہے؟ حَسْبُكَ وَزَيْدًا دِرْهَمٌ کیا معنی تھا؟ کافی ہے آپ دونوں کے لیے ایک درہم، اور كَفَاكَ وَزَيْدًا اس کا بھی کیا معنی ہے؟ آپ دونوں کے لیے کافی ہے، تو حَسْبُكَ بمعنی كَفَاكَ کے ہیں اور كَفَاكَ کے اندر یہ کاف ضمیر کیا بن رہی ہے؟ كَفَى فعل ہے اور کاف ضمیر مفعول بہ ہے، حَسْبُكَ کے اندر تو کاف ضمیر مجرور ہے لیکن كَفَاكَ کے اندر کاف ضمیر مفعول بہ ہے۔ معلوم ہوا ادھر دیکھیے حَسْبُكَ بمعنی كَفَاكَ کے ہے تو حَسْبُكَ کے اندر ضمیر یہ جو کاف ضمیر ہے مجرور ہے لیکن معنی کے اعتبار سے یہ مفعول بہ ہے کیونکہ یہ كَفَاكَ کے معنی میں ہے، لفظوں میں مفعول بہ نہیں ہے لفظوں میں تو مضاف الیہ ہے لیکن معنی کے اعتبار سے یہ کاف ضمیر مفعول بہ ہے کیونکہ یہ حَسْبُكَ کس معنی میں ہے؟ كَفَاكَ کے معنی میں ہے اور اس کے بعد وَزَيْدًا آرہا ہے تو معلوم ہوا کہ یہ مفعول معہ کس کی مصاحبت کے لیے آیا؟ مفعول بہ کی مصاحبت کے لیے آیا ہے، مفعول معہ کس کی مصاحبت کے لیے آیا؟ مفعول بہ کی مصاحبت کے لیے۔ بھائی آپ کو میں نے بتایا تھا کہ مفعول معہ مصاحبت کے لیے آئے گا لیکن کبھی فاعل کی مصاحبت کے لیے ہوگا اور کبھی مفعول بہ کی مصاحبت کے لیے ہوگا تو یہ جو حَسْبُكَ وَزَيْدًا دِرْهَمٌ اس کے اندر یہ جو زَيْدًا مفعول معہ آرہا ہے یہ فاعل کی مصاحبت کے لیے نہیں ہے بلکہ یہ مفعول بہ کی مصاحبت کے لیے ہے کیونکہ یہ کاف ضمیر معنی کے اعتبار سے مفعول بہ ہے بھائی۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو معلوم ہوا حَسْبُكَ کا معنی علماء کیا کرتے ہیں؟ كَفَاكَ، تو شاید اس سے صاحبِ جامی کو وہم ہوا۔ اور زیادہ بہتر ہے کہ یوں کہا جائے کہ صاحبِ جامی یہاں حَسْبُكَ وَزَيْدًا دِرْهَمٌ ہی کہنا چاہتے تھے لیکن بعض اوقات انسان کی توجہ نہیں ہوتی کیونکہ حَسْبُكَ وَزَيْدًا دِرْهَمٌ اس کا کیا معنی ہے؟ كَفَاكَ وَزَيْدًا دِرْهَمٌ ہے اس کا معنی، تو چنانچہ جہاں حَسْبُكَ وَزَيْدًا دِرْهَمٌ ذکر ہوتا ہے ساتھ ہی اس کا معنی بھی ذکر کیا جاتا ہے كَفَاكَ وَزَيْدًا دِرْهَمٌ تو شاید صاحبِ جامی کو وہاں غلطی لگ گئی، تو صاحبِ جامی حَسْبُكَ ہی کہنا چاہتے تھے لیکن بے خیالی میں شاید كَفَاكَ لکھ گئے، بات سمجھ میں آگئی کیونکہ وہ اتنے بڑے علامہ ہیں بھائی کہ انسان حیران ہوتا ہے کیسی شرح انہوں نے لکھی ہے بھائی، اس کی فصیح و بلیغ عبارتیں پڑھتا ہے انسان حیران رہ جاتا ہے، جہاں کہیں مشکل پیش آتی ہے صاحبِ جامی ایسی بہترین تاویل کر کے نکل جاتے ہیں کہ بیان نہیں ہو سکتا، آپ ابھی تک جتنا پڑھ رہے ہیں دیکھو سارے مقامات کافیہ کے حل ہو رہے ہیں، ساری جگہیں کافیہ کی حل ہو رہی ہیں، آپ اور کوئی شرح اٹھا کر دیکھ لیں وہ کبھی ایک جگہ اعتراض کرتے ہیں کہ یہاں بات بن نہیں رہی لہٰذا یوں کرنا چاہیے، یہاں بات بن نہیں رہی یوں کرنا چاہیے، لیکن صاحبِ جامی کمال کی عبارت لائے ہیں

کہ ہر جگہ وہ مشکل کو حل کرتے چلے جا رہے ہیں۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو یہ معلوم ہوا ان سے جیسے سبقتِ لسانی ہوتی ہے انسان کی زبان سے کبھی ایک لفظ بولنا ہو دوسرا لفظ نکل جاتا ہے اسی طرح شاید یہاں وہ حَسْبُكَ ہی کہنا چاہتے تھے كَفَاكَ لکھ گئے وہ بھائی کیونکہ دونوں ایک جیسے جملے ہیں۔ اور یہ بھی ممکن ہے، یہ بھی ممکن ہے کہ شاید صاحبِ جامی کی رائے ہی یہی ہو کہ كَفَاكَ وَزَيْدًا دِرْهَمٌ اس کے اندر وَزَيْدًا مفعول معہ بن سکتا ہے اور نحوی حضرات تو فرماتے ہیں کہ كَفَاكَ وَزَيْدًا دِرْهَمٌ یہ بالکل ضَرَبْتُ زَيْدًا وَعَمْرًا کی طرح ہے، ضَرَبْتُ زَيْدًا وَعَمْرًا اس کے اندر وَعَمْرًا مفعول معہ نہیں ہو سکتا تو كَفَاكَ وَزَيْدًا دِرْهَمٌ اس کے اندر بھی وَزَيْدًا مفعول معہ نہیں ہو سکتا کیونکہ ماقبل میں کاف ضمیر مفعول بہ کی ہے اس پر عطف ہو رہا ہے وہ بھی منصوب ہے اور آگے زَيْدًا بھی منصوب ہے لیکن شاید صاحبِ جامی کی رائے یہ ہو کہ كَفَاكَ وَزَيْدًا دِرْهَمٌ اس کے اندر وَزَيْدًا مفعول معہ بن سکتا ہے تو بھائی اس پھر اشکال ہوتا ہے یہ تو دونوں مثالیں بالکل ایک جیسی ہیں ضَرَبْتُ زَيْدًا وَعَمْرًا وہاں آپ کہتے ہیں کہ وہ مفعول معہ نہیں بن سکتا اور كَفَاكَ وَزَيْدًا دِرْهَمٌ یہاں پر عطف بھی ممکن ہے پھر بھی آپ کہہ رہے ہیں کہ یہ معطوف معہ بن سکتا ہے تو پھر دونوں میں فرق کیا ہے؟ تو پھر یہ جواب دیا جا سکتا ہے کہ وہاں پر ضَرَبْتُ زَيْدًا وَعَمْرًا، ضَرَبْتُ زَيْدًا وَعَمْرًا وہاں ماقبل میں جو معطوف علیہ تھا اس پر لفظوں کے اندر نصب ظاہر تھا، وہاں معطوف علیہ کون؟ زید، ضَرَبْتُ زَيْدًا تو زید پر لفظوں میں نصب ظاہر ہے اسی لیے وَعَمْرًا اس کو بھی معطوف ہی بنائیں گے، جبکہ یہاں پر فرق یہ ہے کہ كَفَاكَ یہاں کاف جو ہے اس پر نصب لفظوں میں ظاہر نہیں کیونکہ کاف ضمیر تو مبنی ہے بھائی تو یہ محلاً منصوب ہے، وہاں وہ جو زید تھا وہ لفظاً منصوب تھا لہٰذا آگے معطوف ہی بنائیں گے اور یہاں لفظاً منصوب نہیں ہے بلکہ محلاً منصوب ہے یعنی نصب ظاہر نہیں ہو رہا، جب نصب ظاہر نہیں ہو رہا تو وَزَيْدًا کو مفعول معہ بنانا یہاں جائز ہے، معطوف بھی بنا سکتے ہیں اور مفعول معہ بنانا بھی جائز ہے شاید یہ رائے ہو شاید یہ رائے ہو صاحبِ جامی کی بھائی۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو میں نے دونوں احتمال ذکر کر دیے کہ ہو سکتا ہے یہاں بے خیالی میں وہ كَفَاكَ لکھ گئے، لکھنا حَسْبُكَ ہی چاہتے تھے بے خیالی میں كَفَاكَ لکھ گئے اور ہو سکتا ہے شاید ان کی رائے یہ ہو کہ یہ كَفَاكَ وَزَيْدًا دِرْهَمٌ ہے اس کے اندر وَزَيْدًا مفعول معہ واقع ہو سکتا ہے کیونکہ یہ اس مثال سے مختلف ہے بھائی۔

آگے دیکھیے بھائی۔ کہتے ہیں وَسَوَاءٌ كَانَ ذٰلِكَ الْفِعْلُ لَفْظًا أَيْ لَفْظِيًّا كَالْمِثَالَيْنِ الْمَذْكُوْرَيْنِ أَوْ مَعْنًى أَيْ مَعْنَوِيًّا۔ بھائی لَفْظًا متن کے اندر آیا، لَفْظًا أَوْ مَعْنًى کہ وہ فعل لفظوں کے اعتبار سے ہوگا یا معنی کے اعتبار سے، یاد رکھو یہاں کئی ترکیبیں ہو سکتی ہیں، ایک صورت یہ ہے کہ لَفْظًا اور مَعْنًى کو تمیز بنا دیں پیچھے جو فعل کا ذکر آیا، فعل کا ذکر آیا لِمَعْمُوْلِ فِعْلٍ کس کے لیے؟ معمولِ فعل کے لیے اور وہ فعل کیا ہوگا؟ لَفْظًا أَوْ مَعْنًى لفظوں کے اعتبار سے ہوگا کبھی اور کبھی معنی کے اعتبار سے ہوگا لفظوں میں موجود نہیں ہوگا، جیسے اس کی مثال بھی میں نے ذکر کی تھی آگے متن میں آرہا ہے مَا لَكَ وَزَيْدًا، مَا لَكَ وَزَيْدًا دیکھو یہاں پر یہ وَزَيْدًا یہ مفعول معہ ہے اور یہاں کوئی فعل نہیں مَا لَكَ، مَا اسم ہے لام جارہ ہے اور کاف ضمیر ہے تو فعل لفظوں

میں تو نہیں ہے لیکن معنی کے اعتبار سے یہاں ہے کیونکہ مَا لَكَ وَزَيْدًا کس معنی میں ہے؟ مَا تَصْنَعُ وَزَيْدًا آپ زید کی معیت میں کیا کر رہے ہیں، بات سمجھ میں آگئی؟ تو یہ لَفْظًا أَوْ مَعْنًى یہ تمیز بھی ہو سکتی ہے اس فعل سے اور نیز یہ حال بھی ہو سکتا ہے فعل سے کہ وہ فعل اس حال میں کہ وہ لفظاً ہوگا یا معناً ہوگا، اور نیز اس کو كَانَ کی خبر بھی بنا سکتے ہیں اور صاحبِ جامی نے اس کو كَانَ کی خبر بنایا ماقبل میں كَانَ کو بھی محذوف نکال لیا اور كَانَ کے اسم کو بھی محذوف نکال لیا، تو عبارت کیا بنائی وَسَوَاءٌ كَانَ ذٰلِكَ الْفِعْلُ لَفْظًا اور برابر ہے کہ وہ فعل لفظوں کے اعتبار سے ہو أَوْ مَعْنًى یا معنی کے اعتبار سے ہو۔ اب دیکھو كَانَ کا اسم کیا؟ ذٰلِكَ الْفِعْلُ وہ فعل، اور لَفْظًا یہ لفظ یہ تو مصدر ہے تو كَانَ کا اسم ہے ذات اور جو مصدر ہے وہ ہے صفت، میں نے بتایا مصدر کا اپنا کوئی خارج میں وجود ہی نہیں اور مصدر کا حمل ذات پر صحیح نہیں جیسے زَيْدٌ عَدْلٌ دیکھو یہ عدل کا حمل زید پر صحیح نہیں، تو پھر اس صورت میں ایک تاویل یہ کی جاتی ہے کہ مصدر کو اسمِ فاعل یا اسمِ مفعول کے معنی میں لے لیتے ہیں، تو یہاں پر بھی یہ لَفْظًا بمعنی مَلْفُوْظًا کے لے لیں سَوَاءٌ كَانَ ذٰلِكَ الْفِعْلُ مَلْفُوْظًا برابر ہے کہ وہ فعل ملفوظ ہو أَوْ مَعْنَوِيًّا یا وہ فعل معنوی ہو بھائی، یا دوسری تاویل یہ ہے جو صاحبِ جامی نے کی لَفْظًا أَيْ لَفْظِيًّا بتلانا یہ چاہتے ہیں کہ یہ لَفْظًا اصل میں لَفْظِيًّا تھا یعنی اس کے آخر میں یا موجود تھی یعنی یہ اسمِ منسوب تھا، اسمِ منسوب جس میں کسی چیز کی طرف نسبت کی جاتی ہے جیسے لاہور سے لَاهُوْرِيٌّ لاہور والا لاہور کی طرف منسوب، تو یہاں پر بھی لفظ کے، یہ اصل میں لَفْظِيًّا تھا اسمِ منسوب تھا اور یاد رکھو اسمِ منسوب کے آخر سے یائے مشدد کو کبھی حذف کر لیتے ہیں قیاسی طور پر یہ قیاسی طور پر عام کلامِ عرب میں اس طرح استعمال ہوتا ہے تو یہ لَفْظًا بھی اصل میں کیا تھا لَفْظِيًّا اور مَعْنًى بھی اصل میں کیا تھا مَعْنَوِيًّا تھا بھائی۔ تو کہتے ہیں سَوَاءٌ كَانَ ذٰلِكَ الْفِعْلُ لَفْظًا أَيْ لَفْظِيًّا برابر ہے کہ وہ فعل لفظی ہو كَالْمِثَالَيْنِ الْمَذْكُوْرَيْنِ جیسے کہ ان دو مذکورہ مثالوں میں ہے أَوْ مَعْنًى أَيْ مَعْنَوِيًّا یا وہ فعل کیا ہو معنوی ہو نَحْوُ مَا لَكَ وَزَيْدًا دیکھو مَا لَكَ وَزَيْدًا اس کے اندر لفظوں کے اندر کوئی فعل ذکر نہیں ہے، تو مَا لَكَ وَزَيْدًا أَيْ مَا تَصْنَعُ یعنی مَا تَصْنَعُ وَزَيْدًا آپ زید کی معیت میں کیا کر رہے ہیں؟

آگے دیکھیے کہتے ہیں وَالْمُرَادُ بِمُصَاحَبَتِهِ لِمَعْمُوْلِ الْفِعْلِ مُشَارَكَتُهُ لَهُ فِيْ ذٰلِكَ الْفِعْلِ فِيْ زَمَانٍ وَاحِدٍ۔ بھائی یہ اب ایک اعتراض کا جواب دے رہے ہیں بھائی۔ اعتراض یہ ہوتا ہے آپ نے ہمیں کیا کہا؟ مفعول معہ وہ ہوتا ہے جو واؤ کے بعد ذکر ہوتا ہے اور کس لیے آتا ہے؟ معمولِ فعل کی مصاحبت کے لیے کہ یہ اس کے ساتھ ہے بھائی۔ کہتے ہیں کہ یہ تعریف تو اس لفظ پر بھی صادق آتی ہے جو واوِ عطف کے بعد آئے، جَاءَنِيْ زَيْدٌ وَعَمْرٌو، جَاءَنِيْ زَيْدٌ وَعَمْرٌو یہ عَمْرٌو کو میں نے مفعول معہ نہیں بنایا یہ معطوف ہے بھائی، تو جَاءَنِيْ زَيْدٌ وَعَمْرٌو آیا میرے پاس زید اور عمرو، دیکھو یہ عمرو جو ہے یہ جو معطوف ہے جو واوِ عاطفہ کے بعد ذکر ہے یہ معطوف بھی معمولِ فعل یعنی زید کا مصاحب ہے اس آنے میں۔ جَاءَ زَيْدٌ وَعَمْرٌو کیا معنی؟ دونوں آئے ہیں زید بھی آیا ہے اور عمرو بھی آیا ہے، اگرچہ اکٹھے آنا یہاں نہیں اکٹھے آنا نہیں لیکن دونوں بایں لحاظ مصاحبت ہے کہ آنے کا فعل زید نے بھی کیا ہے اور آنے کا فعل عمرو نے بھی کیا ہے تو اس فعل کے کرنے کے اعتبار سے یہ دونوں

مصاحب ہیں بھائی، یہ ایک دوسرے کے ساتھی ہیں بھائی اس نے بھی یہ فعل کیا دوسرے نے بھی وہی فعل کیا چاہے اکٹھے کیا چاہے الگ کیا اس میں تو کوئی حرج نہیں۔ تو آپ کو بتلائیں گے کہ نہیں بھائی یہ واوِ عاطفہ کے بعد جو مذکور ہوتا ہے اس کو لے کر آپ اعتراض نہیں کر سکتے، اس لیے کیونکہ متن کے اندر جو مصاحبت کا لفظ آیا اس مصاحبت سے صرف مشارکت فی الفعل مراد نہیں ہے بلکہ مشارکت فی الفعل کے ساتھ ساتھ مشارکت فی الزمان اور مشارکت فی المکان بھی مراد ہے کہ دونوں فعل کے کرنے میں بھی شریک ہوں اور زمانہ اور مکان بھی ایک ہی ہو، اور جَاءَنِيْ زَيْدٌ وَعَمْرٌو جب آپ نے عَمْرٌو کو معطوف بنایا تو اس کے اندر مشارکت فی الفعل تو ہے معلوم ہوا عمرو نے بھی یہ والا فعل کیا ہے تو مشارکت فی الفعل تو ہے لیکن مشارکت فی الزمان اور مکان یہاں سے معلوم نہیں ہو رہی کہ دونوں نے اکٹھا یہ فعل کیا ہے۔ تو مصاحبت کا کیا معنی؟ کہ مشارکت فی الفعل کے ساتھ ساتھ کیا ہو؟ مشارکت فی الزمان بھی ہو اور مشارکت فی المکان بھی ہو اور عطف کے اندر یہ معنی معلوم نہیں ہوتا لہٰذا وہ جو واوِ عاطفہ کے بعد مذکور ہوتا ہے اس کو لے کر آپ اعتراض نہیں کر سکتے بھائی۔

تو کہتے ہیں وَالْمُرَادُ بِمُصَاحَبَتِهِ لِمَعْمُوْلِ الْفِعْلِ اور مفعول معہ کی مصاحبت معمولِ فعل کے لیے اس سے مراد جو ہے مُشَارَكَتُهُ لَهُ فِيْ ذٰلِكَ الْفِعْلِ وہ مفعول معہ کی مشارکت ہے معمولِ فعل کے ساتھ اس فعل کے اندر فِيْ زَمَانٍ وَاحِدٍ ایک ہی زمانے میں، نَحْوُ سِرْتُ وَزَيْدًا، سِرْتُ وَزَيْدًا۔ جی مجھے بتائیے سِرْتُ وَزَيْدٌ یوں پڑھ سکتے ہیں؟ میں زید کا عطف کرنا چاہتا ہوں سِرْتُ کی تا ضمیر پر، کر سکتے ہیں؟ نہیں، کیوں نہیں کر سکتے؟ کیونکہ یہ تا ضمیر مرفوع متصل ہے اور اس پر عطف کے لیے کیا ضروری ہے؟ یا تو اس کی تاکید لائی جائے یا فصل کیا جائے دونوں نہیں، تو لہٰذا یہاں وَزَيْدٌ نہیں پڑھیں گے بلکہ کیا پڑھیں گے وَزَيْدًا۔ یہیں ایک اور بات بھی یاد رکھنا بھائی یہ صاحبِ کافیہ کا مذہب ہے، یہ صاحبِ کافیہ کا مذہب ہے کہ ضمیرِ مرفوع متصل، توجہ ہے؟ ضمیرِ مرفوع متصل پر عطف جائز نہیں جب تک اس کی تاکید نہ لائی جائے یا فصل نہ کیا جائے، یہ صاحبِ کافیہ کا مذہب ہے جبکہ جمہور نحوی علماء فرماتے ہیں کہ عطف جائز ہے اس صورت میں بھی البتہ وہ قبیح ہے ناپسندیدہ ہے، پسندیدہ یہ ہے کہ فصل لایا جائے یا تاکید لائی جائے لیکن اگر بغیر فصل یا بغیر تاکید کے بھی آپ عطف کر دیں تو یہ بھی جائز ہے البتہ قبیح ہے اور ناپسندیدہ ہے۔ تو سِرْتُ وَزَيْدًا یہ زَيْدًا یہاں پر مفعول معہ ہے بھائی، سِرْتُ وَزَيْدًا أَيْ سِرْتُ مَعَ زَيْدٍ میں زید کے ساتھ چلا، تو دیکھو یہاں دونوں کے چلنے کا زمانہ ایک ہی ہے، أَوْ مَكَانٍ وَاحِدٍ یا مشارکت فی الفعل کے ساتھ ساتھ مشارکت فِيْ مَكَانٍ وَاحِدٍ ایک جگہ میں بھی ہو جیسے لَوْ تُرِكَتِ النَّاقَةُ وَفَصِيْلَتَهَا لَرَضَعَتْهَا، وَفَصِيْلَتَهَا اس کو منصوب پڑھنا ہے یہ مفعول معہ ہے بھائی، لَوْ تُرِكَتِ النَّاقَةُ، ناقہ کہتے ہیں اونٹنی کو، فَصِيْلَة فَصِيْلٌ اور فَصِيْلَةٌ یہ گائے اور اونٹنی کا وہ بچہ جس کا دودھ چھڑا دیا گیا ہو یعنی تھوڑا سا بڑا ہو گیا ہے اس کا دودھ چھڑا دیا گیا ہے اس کو فصیل کہتے ہیں، یہ فصل سے ہے فا صاد لام، ف ص ل، فصل کا معنی بھی کیا ہے؟ جدائی، تو یہاں بھی جدائی کر دی گئی اس کے دودھ پینے سے۔ تو کہتے ہیں لَوْ تُرِكَتِ النَّاقَةُ اگر چھوڑ دیا جاتا اونٹنی کو وَفَصِيْلَتَهَا أَيْ مَعَ فَصِيْلَتِهَا ساتھ اس کے بچے کے لَرَضَعَتْهَا تو البتہ وہ اس اونٹنی

کا دودھ پی لیتا، اگر اس اونٹنی کو اس کے بچے کے ساتھ چھوڑ دیا جاتا تو وہ اس کا دودھ پی لیتا یعنی ایک جگہ کے اندر، ایک جگہ میں دونوں کو چھوڑ دیا جاتا تو وہ بچہ اس کا دودھ پی لیتا۔ معلوم ہوا مصاحبت سے کیا مراد ہے؟ مشارکت فی الفعل بھی ہو اور ساتھ ساتھ زمانہ یا مکان بھی ایک ہونا چاہیے۔ فَلَا يَنْتَقِضُ لہٰذا یہ تعریف ٹوٹتی نہیں ہے یعنی اس پر اعتراض نہیں ہو سکتا بِالْمَذْكُوْرِ بَعْدَ الْوَاوِ الْعَاطِفَةِ اس اسم کے ذریعے جو مذکور ہو واوِ عاطفہ کے بعد نَحْوُ جَاءَنِيْ زَيْدٌ وَعَمْرٌو، یہ جو وَعَمْرٌو ہے یہ مشارکت فی الفعل تو اس کا فائدہ تو یہاں ہو رہا ہے لیکن یہاں مصاحبت یعنی زمانہ یا مکان ایک نہیں ہے بھائی۔ تو کہتے ہیں فَلَا يَنْتَقِضُ بِالْمَذْكُوْرِ بَعْدَ الْوَاوِ الْعَاطِفَةِ لہٰذا یہ تعریف ٹوٹتی نہیں یعنی اس پر اعتراض نہیں کیا جا سکتا وہ جو واوِ عاطفہ کے بعد مذکور ہو اس کے ذریعے نَحْوُ جَاءَنِيْ زَيْدٌ وَعَمْرٌو، فَإِنَّهَا لَا تَدُلُّ إِلَّا عَلَى الْمُشَارَكَةِ فِيْ أَصْلِ الْفِعْلِ دُوْنَ الْمُصَاحَبَةِ اس لیے کیونکہ یہ دلالت نہیں کرتا إِلَّا عَلَى الْمُشَارَكَةِ فِيْ أَصْلِ الْفِعْلِ مگر صرف اصلِ فعل میں مشارکت پر، یہ عطف جو ہے یہ جو واوِ عاطفہ کے بعد مذکور ہے یہ صرف کس پر دلالت کرتا ہے؟ مشارکت فی اصلِ فعل یعنی فعل کے اندر یعنی مجیئت کے اندر دونوں میں مشارکت ہے دُوْنَ الْمُصَاحَبَةِ مصاحبت نہیں ہے یعنی زمانہ یا مکان ایک نہیں ہے۔

بھائی یہاں پر صاحبِ جامی نے بتلایا کہ مصاحبت کا معنی یہ ہے کہ زمانہ ایک ہو یا مکان ایک ہو۔ زمانہ ایک ہو یا مکان ایک ہو۔ تو بعض محشی حضرات اعتراض کرتے ہیں کہ صاحبِ جامی صرف زمانہ کہہ دیتے مختصراً وجہ یہ کہ ان میں زمانے کے ساتھ مکان بھی ایک ہونا چاہیے، انہوں نے کیا مثال کی یا تو زمانہ ایک ہوگا جیسے سِرْتُ وَزَيْدًا میں زید کے ساتھ چلا یعنی ایک زمانے میں تو اس میں مکان بھی ایک ہوگا دونوں اکٹھے چلے ہوں گے ایک ہی جگہ پر چلے ہوں گے اگر ایک جگہ نہ چلے ہوں تو پھر یوں نہیں کہتے، مثلاً ایک شخص چلا ہے لاہور کے اندر اور اسی وقت کے اندر ایک شخص کراچی میں چلا ہے تو یوں نہیں کہتے سِرْتُ مَعَهُ میں اس کے ساتھ چلا، بلکہ زمانے کے ساتھ ساتھ جگہ بھی ایک ہونی چاہیے، اور اسی طرح لَوْ تُرِكَتِ النَّاقَةُ وَفَصِيْلَتَهَا لَرَضَعَتْهَا یہاں جگہ ایک ہے لیکن جگہ کے ساتھ زمانہ بھی ایک ہونا یہاں ضروری ہے ورنہ اگر جگہ ایک ہی ہو لیکن زمانہ الگ ہو مثلاً اونٹنی کو اس جگہ میں آج چھوڑا گیا اور بچے کو کل چھوڑا گیا تو دیکھو جگہ وہی ہے لیکن زمانہ الگ ہے اب بھی وہ دودھ نہیں پی سکتا، تو معلوم ہوا یہاں جگہ ایک ہونے کے ساتھ زمانہ بھی ایک ہوگا تب ہی دودھ پی سکے گا، تو جہاں زمانہ ذکر کیا صاحبِ جامی نے وہاں مکان بھی ایک ہوگا تب ہی کہیں گے سِرْتُ مَعَهُ اور جہاں مکان ذکر کیا صاحبِ جامی نے وہاں بھی زمانے کا ایک ہونا ضروری ہے، تو لہٰذا صاحبِ جامی کو دونوں کو الگ نہیں ذکر کرنا چاہیے تھا کیونکہ زمانہ اور مکان دونوں کا ہی متحد ہونا ضروری ہے تو صرف وہ زمانہ ذکر کر دیتے تو بس دونوں چیزیں خود ہی اس میں آجاتی۔ تو پھر بعض دیگر محشی حضرات جواب دیتے ہیں کہ بھائی صاحبِ جامی نے جو دو مثالیں ذکر کیں زمانے اور مکان کی وہ یہ بتلانے کے لیے نہیں ہے کہ دونوں میں تقابل ہے جہاں زمانہ ایک ہوگا وہاں مکان ایک نہیں، جہاں مکان ایک ہوگا وہاں زمانہ ایک نہیں، ایسا نہیں وہ اس لیے دو مثالیں انہوں نے ذکر نہیں کیں بلکہ یہاں وہ مقصود بتلانا چاہتے ہیں، کبھی کبھار مفعول معہ کو جب لایا جاتا ہے تو وہاں کبھی زمانہ ایک بتلانا مقصود ہوتا ہے کبھی مکان ایک بتلانا مقصود ہوتا ہے۔ مثلاً آپ کسی کو بتلاتے ہیں سِرْتُ وَزَيْدًا

میں زید کے ساتھ چلا تو یہ عموماً کب کہا جاتا ہے؟ یہ اس موقع پر بولتے ہیں جہاں ایک جگہ بتلانا مقصد نہیں ہوتا بلکہ ایک زمانہ بتلانا مقصد ہوتا ہے، اس وقت آپ دوسرے کو کیا کہتے ہیں؟ سِرْتُ وَزَيْدًا میں زید کے ساتھ چلا یعنی آپ زمانہ بتلانا چاہتے ہیں کہ ہم اکٹھے چلے، ایک جگہ پر چلے یہ بتلانا مقصد نہیں ہوتا اگرچہ جگہ بھی ایک ہی ہوتی ہے۔ اور اسی طرح بعض اوقات مکان بتلانا مقصود ہوتا ہے مفعول معہ کے ذریعے جیسے لَوْ تُرِكَتِ النَّاقَةُ وَفَصِيلَتَهَا لَرَضَعَتْهَا یہاں یہ جو کہا گیا کہ اگر اونٹنی کو چھوڑ دیا جاتا اس کے بچے کے ساتھ تو وہ اس کا دودھ پی لیتا تو یہاں مقصد کیا ہے؟ یعنی ایک جگہ اگر چھوڑ دیا جاتا اگرچہ زمانہ بھی ایک ہے لیکن وہاں بتلانا کیا مقصد ہوتا ہے؟ مکان کا بتلانا مقصد ہوتا ہے۔ تو یہ جو زمان اور مکان دو قسمیں بنائیں صاحبِ جامی نے یہ مقصود کے اعتبار سے کہ کبھی زمانہ بتلانا مقصود ہوتا ہے کہ زمانہ ایک ہے دونوں کا اور کبھی مکان بتلانا مقصود ہوتا ہے کہ مکان ایک ہے اگرچہ دونوں مستلزم ہیں جہاں زمانہ ایک ہوگا وہاں مکان بھی ایک ہوگا اور جہاں مکان ایک ہوگا وہاں زمانہ بھی ایک ہوگا لیکن یہاں دو قسمیں صرف مقصود کے اعتبار سے بنائیں بھائی یہ بتلانے کے لیے نہیں کہ یہ دونوں ایک دوسرے کے مقابل ہیں۔ بات سمجھ میں آگئی؟

آگے دیکھیے کہتے ہیں وَاعْلَمْ أَنَّ مَذْهَبَ جُمْهُوْرِ النُّحَاةِ أَنَّ الْعَامِلَ فِي الْمَفْعُوْلِ مَعَهُ الْفِعْلُ أَوْ مَعْنَاهُ، یہاں سے عامل بیان کر رہے ہیں کہ مفعول معہ میں عامل کیا ہوتا ہے؟ جیسے ابھی مثال آئی سِرْتُ وَزَيْدًا یہ زَيْدًا میں عامل کون ہے؟ تو آپ کو بتلائیں گے کہ مفعول معہ کے اندر عامل جو ہے وہ فعل یا معنیِ فعل ہوتا ہے۔ جہاں فعل خود لفظوں میں ہوگا تو فعل عامل بنے گا، جہاں فعل لفظوں میں نہیں ہے بلکہ معنی کے اعتبار سے فعل ہے وہاں معنیِ فعل اس کے اندر عامل بنے گا۔ سِرْتُ وَزَيْدًا یہاں سِرْتُ فعل موجود ہے یہ زَيْدًا میں عامل ہے اس کو نصب دے رہا ہے۔ مَا لَكَ وَزَيْدًا یہاں لفظوں میں فعل موجود نہیں تو یہاں معنیِ فعل یعنی معنی کے اعتبار سے تَصْنَعُ فعل موجود ہے وہ اس کو کیا کر رہا ہے؟ نصب دے رہا ہے۔ توجہ ہے؟ اور دیکھیے یہ مفعول معہ کس کے بعد آتا ہے؟ واؤ کے بعد اور یہ واؤ کس معنی میں ہوتا ہے؟ مَعَ کے معنی میں، تو فعل مفعول معہ میں عمل کرتا ہے بواسطہ واؤ کے یعنی بیچ میں کون آتا ہے؟ واؤ، تو فعل یا معنیِ فعل وہ مفعول معہ میں عمل کرتا ہے بواسطہ واؤ کے اور وہ واؤ کس معنی میں ہوتا ہے؟ مَعَ کے معنی میں ہوتا ہے۔ دیکھیے بھائی، کہتے ہیں وَاعْلَمْ تو جان لے أَنَّ مَذْهَبَ جُمْهُوْرِ النُّحَاةِ کہ جمہور نحویوں کا مذہب یہ ہے کہ أَنَّ الْعَامِلَ فِي الْمَفْعُوْلِ مَعَهُ الْفِعْلُ أَوْ مَعْنَاهُ کہ وہ جو عامل ہوتا ہے مفعول معہ میں وہ فعل یا معنیِ فعل ہوتا ہے بِتَوَسُّطِ الْوَاوِ الَّتِيْ بِمَعْنَى مَعَ اس واؤ کے واسطے سے جو مَعَ کے معنی میں ہوتا ہے، اس وہ فعل یا معنیِ فعل عامل ہوتا ہے کس واؤ کے واسطے سے؟ اس واؤ کے واسطے سے جو بمعنی مَعَ کے ہوتا ہے۔

وَإِنَّمَا وَضَعُوا الْوَاوَ مَوْضِعَ مَعَ، یہ مفعول معہ جو ہے وہ واؤ کے بعد آتا ہے اور یہ واؤ کس معنی میں ہے؟ مَعَ کے معنی میں، تو بھائی مَعَ کو کیوں نہیں لائے؟ یہ واؤ کو کیوں عرب استعمال کرتے ہیں مَعَ کی جگہ؟ کہتے ہیں بھائی اس لیے کیونکہ واؤ مختصر ہے، واؤ ایک حرف ہے اور مَعَ میں دو حرف ہیں تو واؤ مختصر ہے اس لیے واؤ کو لے کر آتے ہیں۔ تو کہتے ہیں وَإِنَّمَا وَضَعُوا

الْوَاوَ مَوْضِعَ مَعَ اور عربوں نے واؤ کو رکھا مَعَ کے مقام میں لِكَوْنِهَا أَخْصَرَ اس لیے کیونکہ واؤ جو ہے زیادہ مختصر ہے مَعَ کے مقابلے میں۔ وَأَصْلُهَا، اب بتلا رہے ہیں کہ یہ جو واؤ بمعنی مَعَ کے ہے اس کی اصل واوِ عطف ہے، یہ اصل میں کیا تھا؟ واوِ عطف بھائی تو وہی واوِ عطف ہے اس کو کبھی مَعَ کے معنی میں استعمال کر لیا جاتا ہے اس لیے کیونکہ وہ جو واوِ عطف ہوتا ہے وہ جمع کا فائدہ دیتا ہے اور اس کو استعمال کر لیا مَعَ کے معنی میں اور جمع یہ مناسب ہے مَعَ کے، جمع مناسب ہے مَعَ کے کس طرح؟ دیکھو جَاءَ زَيْدٌ وَعَمْرٌو میں عطف کر رہا ہوں جَاءَ زَيْدٌ وَعَمْرٌو میں نے عَمْرٌو کا عطف کیا کس پر؟ زید پر، اس واؤ نے جمع کا فائدہ دیا کس چیز کا جمع؟ یعنی یہ بتلایا کہ جس چیز کی نسبت زید کی طرف ہے یہ معطوف بھی اس کے ساتھ اس بات میں جمع ہے یعنی اس کی طرف بھی وہی نسبت ہے یعنی زید اور عمرو دونوں آئے ہیں، زید اور عمرو دونوں، تو یہ فائدہ کس نے دیا؟ بھائی دیکھو نا جَاءَ زَيْدٌ فاعل تو زَيْدٌ ہے وَعَمْرٌو یہ تو آگے معطوف ہے لیکن اس واؤ نے کیا فائدہ دیا؟ کہ یہ عمرو بھی زید کے ساتھ جمع ہے کس چیز میں؟ اس نسبت میں جو زید کی طرف کی جا رہی ہے، جو نسبت زید کی طرف ہے وہی نسبت عمرو کی طرف بھی ہے، یہ جمع کا فائدہ کس نے دیا؟ واؤ نے دیا کہ یہ دونوں اس نسبت میں جمع ہیں اکٹھے ہیں اور مفعول معہ میں بھی کیا بتلایا جاتا ہے؟ کہ مفعول معہ اس کی معیت ہے معمولِ فعل کے ساتھ، تو جمع کا معنی مناسب ہے کس کے؟ معیت کے، جمع کے اندر بھی چیزیں اکٹھی ہوتی ہیں جمع ہوتی ہیں اور معیت میں بھی چیزیں جمع ہوتی ہیں، بات سمجھ میں آگئی؟ تو اس لیے واؤ کو استعمال کیا کسی اور حرف کو فا وغیرہ کو استعمال نہیں کیا کیونکہ واؤ جمع کا فائدہ دیتا ہے اور جمع مناسب ہے معیت کے جبکہ فا وغیرہ تو ترتیب کا فائدہ دیتے ہیں اور معیت میں تو کوئی ترتیب وغیرہ نہیں ہوتی۔ تو کہتے ہیں وَأَصْلُهَا وَاوُ الْعَطْفِ اور اس واؤ کی جو اصل ہے وہ واوِ عطف ہے الَّتِيْ فِيْهَا مَعْنَى الْجَمْعِ وہ واوِ عطف جس کے اندر جمع والا معنی ہوتا ہے فَنَاسَبَ مَعْنَى الْمَعِيَّةِ تو یہ واوِ عطف معیت کے معنی کے مناسب ہوا، یہ واوِ عطف معیت کے معنی کے مناسب ہوا لہٰذا اسی کو استعمال کر لیا گیا کسی اور حرف کو استعمال نہیں کیا گیا بھائی۔ بات سمجھ میں آگئی؟ حل ہو گیا؟ چلیے بس بھائی هٰذَا هُوَ الْمَرَامُ وَاللّٰهُ أَعْلَمُ بِحَقِيْقَةِ الْكَلَامِ۔

سبق نمبر ۱۴۰: المفعول معہ (۲): مفعولِ معہ میں نصب و عطف کے جواز و وجوب کے مواضع

شرحِ ملا جامی صفحہ: ۱۲۱ — بتاریخ: ۲۵ جنوری ۲۰۲۲ء

▪ تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث

جی، آگے سبق دیکھیے بھئی: فَإِنْ كَانَ أَيْ وُجِدَ الْفِعْلُ أَيْ مَا يَدُلُّ عَلَى الْحَدَثِ فَيَعُمُّ الْفِعْلَ وَاسْمَيِ الْفَاعِلِ وَالْمَفْعُولِ وَالصِّفَةَ الْمُشَبَّهَةَ وَغَيْرَهَا لَفْظًا، وَجَازَ أَيْ لَمْ يَجِبِ الْعَطْفُ وَلَمْ يَمْتَنِعْ فَلَا يَنْتَقِضُ بِمِثْلِ ضَرَبْتُ زَيْدًا وَعَمْرًا لِوُجُوبِ الْعَطْفِ فِيهِ، فَالْوَجْهَانِ أَيِ الْعَطْفُ وَالنَّصْبُ عَلَى الْمَفْعُولِيَّةِ جَائِزَانِ۔

بھئی، گزشتہ سبق میں ہم مَفْعُولٌ مَعَهُ کے بارے میں پڑھ رہے تھے بھئی۔ اور صاحبِ کافیہ نے آپ کو بتلایا کہ مَفْعُولٌ مَعَهُ وہ ہے جو واو کے بعد مذکور ہوتا ہے اس وجہ سے کہ وہ مُصَاحِب ہوتا ہے معمولِ فعل کا بھئی۔ اور یہ بھی آپ نے پڑھا کہ مَفْعُولٌ مَعَهُ فاعل کے ساتھ بھی آسکتا ہے اور مفعول بہ کے ساتھ بھی آسکتا ہے۔ اور فاعل جو ہے اس سے صُدُورِ فعل ہوتا ہے۔ تو جب فاعل کے ساتھ مَفْعُولٌ مَعَهُ آیا تو یہ بتلانے کے لیے کہ وہ اس فاعل کا مُصَاحِب ہے صُدُورِ فعل کے اندر، یعنی جس طرح اس فاعل سے یہ فعل صادر ہوا ہے اسی طرح مَفْعُولٌ مَعَهُ سے بھی یہ فعل صادر ہوا ہے۔ اور اگر یہ مفعول بہ کے ساتھ آئے تو مفعول بہ پر تو فعل واقع ہوتا ہے، تو مَفْعُولٌ مَعَهُ جب مفعول بہ کے ساتھ آئے تو وہ یہ بتلاتا ہے کہ وہ مفعول بہ کا مُصَاحِب ہے فعل کے واقع ہونے میں، یعنی جس طرح مفعول بہ پر فعل واقع ہوا ہے اسی طرح اس مَفْعُولٌ مَعَهُ پر بھی فعل واقع ہوا ہے۔

اس کے بعد ہم نے ترکیب کی تھی الْمَفْعُولُ مَعَهُ کی بھئی۔ میں نے آپ کو بتلایا تھا کہ الْمَفْعُولُ بِهِ، الْمَفْعُولُ فِيهِ اور الْمَفْعُولُ لَهُ، ان کے اندر یہ جو جار مجرور ہیں یہ نائب الفاعل ہیں بھئی۔ تو الْمَفْعُولُ کس معنی میں ہے؟ الَّذِي فُعِلَ۔ تو الْمَفْعُولُ بِهِ بمعنی الَّذِي فُعِلَ بِهِ کے ہوا۔ یعنی وہ چیز کہ فُعِلَ فعل کو کیا گیا ہے بِهِ اس کے ساتھ یا اس کے سبب سے؛ بھئی مفعول بہ کے بغیر فعل نہیں ہو سکتا تو اس کے سبب سے فعل کو کیا گیا ہے بھئی۔ تو معلوم ہوا یہ بِهِ جو ہے یہ جار مجرور، اس کی طرف اس فعل کا اسناد ہے اور یہ نائب الفاعل ہے۔ الَّذِي فُعِلَ بِهِ۔ تو اسی طرح کس میں ہوا؟ الْمَفْعُولُ بِهِ کے اندر بھی ہوا۔ الف لام اسمی ہے اور یہ مَفْعُول اس کا صلہ ہے، اور یہ اسمِ مفعول ہے تو اس کے لیے نائب الفاعل چاہیے، تو بِهِ جو ہے یہ

جار مجرور یہ نائب الفاعل ہے، اس کی طرف مفعول صیغے کا اسناد ہو رہا ہے۔ اور یہ جو ہا ضمیر ہے یہ الف لام کی طرف راجع ہے بھئی۔

تو صاحبِ جامی نے آپ کو بتلایا کہ اَلْمَفْعُولُ بِهِ، فِيهِ اور لَهُ کے اندر جس طرح یہ جار مجرور جو ہیں یہ نائب الفاعل ہیں اور ان کی طرف مفعول صیغے کا اسناد کیا گیا ہے، اسی طرح اَلْمَفْعُولُ مَعَهُ کے اندر یہ جو مَعَهُ آیا یہ بھی نائب الفاعل ہے۔ یہ بھی نائب الفاعل ہے۔ اور یہ میں نے بتلایا تھا کہ یہ مَعَ جو ہے یہ اکثر ظرف یا حال واقع ہوتا ہے۔ اور یہ کبھی اضافت کے ساتھ استعمال ہوتا ہے اور کبھی بغیر اضافت کے، تو مَعَهُ مَعَ مضاف ہے اور ہا ضمیر مضاف الیہ، اور یہ ضمیر بھی الف لام کی طرف راجع ہے یعنی اسمِ موصول کی طرف۔ اور اس پر پھر اشکال ہوتا ہے کہ اگر یہ نائب الفاعل ہے مَعَهُ، پھر تو یہ تو معرب ہے بھئی! یہ معرب ہے، میں نے بتایا یہ کبھی اضافت کے ساتھ استعمال ہوتا ہے کبھی بغیر اضافت کے، اور جب بغیر اضافت کے ہوگا تو اس وقت اس پر تنوین آجاتی ہے، معلوم ہوا یہ معرب ہے: جَاءَنِي زَيْدٌ وَعَمْرٌو مَعًا، زید اور عمر دونوں اکٹھے آئے، تو دیکھو مَعًا پر تنوین آرہی ہے اور یہ منصوب ہے۔ تو سوال پیدا ہوا کہ اگر آپ نے مَعَهُ کو نائب الفاعل قرار دیا ہے تو یہ تو معرب ہے، تو اس پر تو رفع آنا چاہیے لیکن اس پر نصب ہے! تو اس کے بارے میں کہتے ہیں عذر پیش کیا بعض نحوی حضرات نے کہ جب فعل کا اسناد ایسی چیز کی طرف کر دیا جائے جو لَازِمُ النَّصْب ہو، یعنی جس کے ساتھ نصب لازم ہو، یعنی اکثر استعمالات میں وہ منصوب استعمال ہوتا ہو، تو اس پر نصب ہی کو چھوڑ دیا جاتا ہے۔ چونکہ وہ اکثر منصوب استعمال ہوتا ہے تو اس کی طرف فعل کا اسناد کرتے ہوئے بھی اس کو منصوب ہی چھوڑ دیا جاتا ہے، جیسے کہ قرآن کی اس آیت میں ہے: ﴿ لَقَدْ تَقَطَّعَ بَيْنَكُمْ ﴾ ۔ اس آیت کے اندر جو ہے یہ بَيْنَكُمْ یہ فاعل ہے تَقَطَّعَ کا۔ اور بعض قراءتوں میں اس پر رفع بھی آیا ہے بھئی بَيْنُكُمْ آیا ہے، اور اس سے پتہ چل رہا ہے کہ یہ فاعل ہے۔ تو جن قراءتوں میں نصب آیا تو اشکال ہوا کہ یہ تو فاعل ہے، یہ منصوب کیسے؟ تو وہاں بھی یہی عذر پیش کیا گیا کہ یہ چونکہ لَازِمُ النَّصْب ہے لہٰذا اس کو اسی حالت پر چھوڑ دیا گیا اگرچہ یہ فاعل ہے اس وقت بھئی۔

پھر بتلایا کہ بعض علماء نے اس رائے کی بڑی تعریف فرمائی کہ یہ بڑی اونچی رائے ہے کہ مَعَهُ کو نائب الفاعل قرار دیا جائے کیونکہ اس میں قرآن کی بھی موافقت ہو گئی، قرآن میں بھی ﴿ لَقَدْ تَقَطَّعَ بَيْنَكُمْ ﴾ یہ بَيْنَكُمْ یہ فاعل ہے اور اس کو منصوب چھوڑ دیا گیا، اور نیز اس صورت میں اَلْمَفْعُولُ بِهِ، فِيهِ اور لَهُ کے ساتھ بھی اس کی موافقت آگئی۔ جبکہ دوسری رائے بعض علماء کی ذکر کی کہ دوسرا جواب یہ دیا جا سکتا ہے جو بعض علماء نے وَقَدْ حِيلَ بَيْنَ الْعَيْرِ وَالنَّزَوَانِ کے لیے دیا، کہ یہاں پر حِيلَ فعلِ مجہول آیا اور اس کے نائب الفاعل کا پتہ نہیں چل رہا اور بَيْنَ الْعَيْرِ وَالنَّزَوَانِ یہ بَيْنَ یہ تو لَازِمُ الظَّرْفِيَّة ہے بھئی، یعنی اس کے ساتھ ظرفیّت لازم ہے، یہ ہمیشہ ظرف ہی واقع ہوتا ہے، تو آپ اس کو نائب الفاعل نہیں بنا سکتے کیونکہ یہ لَازِمُ الظَّرْفِيَّة ہے، اس نے ظرف ہی بننا ہے یعنی مَفْعُولٌ فِيهِ بننا ہے۔ تو پھر انہوں نے کہا کہ اس فعل کے اندر

ضمیر نکال لیں گے وہ نائب الفاعل ہے اور وہ اسی کے مصدر کو لوٹ رہی ہے: أَيْ حِيلَ هُوَ، اور یہ هُوَ ضمیر کس کو راجع؟ اسی کے مصدر کو۔ تو یہ هُوَ کو ہٹائیں اور مصدر کو لے آئیں تاکہ بات خوب واضح ہو جائے: أَيْ حِيلَ الْحَيْلُولَةُ بَيْنَ الْعَيْرِ وَالنَّزَوَانِ۔ اور ترجمہ پھر کیسے کرتے ہیں میں نے بتایا تھا کہ یہ جو فعل ہے اس کو ہٹا دیا کریں اور يَقَعُ یا وَقَعَ یا حَصَلَ وغیرہ اس کے ساتھ ترجمہ کر لیں: أَيْ حَصَلَ الْحَيْلُولَةُ بَيْنَ الْعَيْرِ وَالنَّزَوَانِ، کہ حَيْلُولَة یعنی رکاوٹ واقع ہو گئی، رکاوٹ حاصل ہو گئی، جنگلی گدھے اور اس کی چھلانگ کے درمیان بھئی۔ اور یہ بھی یاد رکھنا بھئی کہ یہ جو حِيلَ بَيْنَ الْعَيْرِ وَالنَّزَوَانِ اس کے اندر وہ جو پہلی توجیہ ذکر کی وہ بھی جاری ہو سکتی ہے کہ اسی بَيْنَ الْعَيْرِ وَالنَّزَوَانِ کو کیا بنا دیا جائے؟ حِيلَ کے لیے نائب الفاعل بنا دیا جائے۔ پھر سوال پیدا ہوتا ہے کہ بَيْنَ پر نصب کیوں ہے؟ تو جواب وہی جو پیچھے گزر گیا کہ چونکہ بَيْنَ جو ہے لَازِمُ النَّصْب ہے لہٰذا اس کو نائب الفاعل بنانے کے باوجود اسی نصب پر چھوڑ دیا گیا جس نصب پر یہ اکثر ہوتا ہے۔ بات سمجھ میں آ گئی۔

اور اس کے بعد پھر صاحبِ جامی نے آپ کو بتلایا تھا کہ وہ معمولِ فعل جس کی مصاحبت کے لیے مَفْعُولٌ مَعَهُ آتا ہے، وہ فعل کا فاعل بھی ہو سکتا ہے اور مفعول بہ بھی ہو سکتا ہے۔ فاعل کی مثال ذکر کی تھی: اِسْتَوَى الْمَاءُ وَالْخَشَبَةَ، کہ پانی برابر ہو گیا لکڑی کے ساتھ، یعنی وہ لکڑی جو لگائی گئی ہے پانی کی پیمائش کے لیے، پانی اس کے برابر ہو گیا یعنی اس تک پہنچ گیا بلندی کے اندر۔ یا وہ معمول جو ہے مفعول بہ بھی ہو سکتا ہے اور اس کی مثال ذکر کی صاحبِ جامی نے: كَفَاكَ وَزَيْدًا دِرْهَمٌ۔ اور میں نے بتلایا تھا کہ یہ ہے مَحَلِّ اشکال، اس لیے کیونکہ دو تین ضابطے میں نے بتلائے تھے کہ وہ ضابطے سمجھ لیں پھر آپ کو بات سمجھ میں آئے گی۔ ضابطہ یہ کہ میں نے آپ کو بتلایا تھا کہ ضمیر کبھی مرفوع ہوتی ہے، کبھی منصوب ہوتی ہے اور کبھی مجرور ہوتی ہے۔ اور یہ جو مرفوع ہے کبھی متصل ہوتی ہے کبھی منفصل ہوتی ہے۔ اسی طرح یہ جو منصوب ہے یہ بھی کبھی متصل ہوتی ہے اور کبھی منفصل، جبکہ مجرور صرف متصل ہی آتی ہے۔ تو یہ جو ضمیرِ منفصل ہے چاہے مرفوع ہو چاہے منصوب، اس پر عطف کرنے کے لیے کوئی شرط نہیں؛ آپ اسمِ ظاہر کا اس پر عطف کرنا چاہتے ہیں تو بغیر کسی شرط کے جائز ہے بھئی۔ اور اگر آپ ضمیرِ منصوب متصل جیسے ضَرَبْتُهُ، یہ ہا ضمیر کیا ہے؟ مفعول کی ہے تو یہ منصوب متصل ہے؛ اگر آپ اس پر عطف کرنا چاہتے ہیں تو بھی کوئی شرط نہیں ہے: ضَرَبْتُهُ وَزَيْدًا، یہ زَيْدًا کا عطف کس پر ہے؟ ہا ضمیر پر ہے۔ البتہ اگر آپ عطف کرنا چاہتے ہیں ضمیرِ مرفوع متصل پر تو دو چیزوں میں سے ایک ہونی چاہیے: یا تو اس ضمیرِ مرفوع متصل کی تاکید لائیں گے مرفوع منفصل کے ساتھ پھر عطف کریں گے: ضَرَبْتُ أَنَا وَزَيْدٌ، یہ زَيْدٌ کا عطف کس پر ہے؟ تا ضمیر پر ہے، اس کی تاکید أَنَا لائی گئی اور پھر اس پر عطف کر دیا گیا۔ اور یا پھر درمیان میں فصل لے آئیں گے۔ فصل کوئی بھی لفظ، کوئی ایک، کوئی لفظ بھی درمیان میں آ جائے تو فصل جائز ہو جائے گا۔ تو دو چیزوں میں سے ایک ہونی چاہیے: یا ضمیرِ مرفوع منفصل کے ساتھ تاکید لائیں اس کی یا درمیان میں فصل لائیں۔ یا مختصر لفظوں میں یوں کہو کہ بس فصل لے آئیں، کیا لے آئیں؟ فصل لے آئیں؛ چاہے ضمیرِ منفصل کے ساتھ فصل لے آئیں چاہے کسی اور لفظ کے ساتھ فصل لے

آئیں، بس فصل ہونا چاہیے کیونکہ تاکید لائیں گے آپ اس سے بھی تو فصل آجائے گا نا! تو فصل ہونا چاہیے بس۔ اور میں نے بتلایا یہ صاحبِ کافیہ کا مذہب ہے، توجہ ہے، کہ ضمیرِ مرفوع متصل پر بغیر تاکید کے یا بغیر فصل کے عطف جائز نہیں، لیکن جمہور نحوی فرماتے ہیں کہ عطف جائز ہے ضمیرِ مرفوع متصل پر البتہ بغیر تاکید یا فصل کے یہ قبیح ہے بھئی۔ اور جبکہ ضمیرِ مجرور متصل جو ہے اس پر تو عطف جائز ہی نہیں بغیر اعادۂ جار کے، یعنی جو چیز اس کو جر دے رہی ہے چاہے وہ حرفِ جر ہے یا چاہے وہ مضاف ہے اس کا اعادہ کرنا پڑے گا: آپ لَكَ پر عطف کرنا چاہتے ہیں زید کا تو پھر یہ لام دوبارہ لائیں گے: مَا لَكَ وَلِزَيْدٍ۔ یا كِتَابُكَ اس کاف ضمیر پر آپ عطف کرنا چاہتے ہیں تو یہ تو مجرور متصل ہے تو اسی کتاب کو دوبارہ لائیں گے: كِتَابُكَ وَكِتَابُ زَيْدٍ۔

اور اس کے بعد پھر میں نے بتلایا تھا کہ ایک اور مثال بھی ذہن میں رکھیں: ضَرَبْتُ زَيْدًا وَعَمْرًا۔ ضَرَبْتُ زَيْدًا وَعَمْرًا تو بالاتفاق یہ جو وَعَمْرًا ہے یہ معطوف ہے یہ مَفْعُولٌ مَعَهُ نہیں، کیونکہ ماقبل میں معطوف علیہ منصوب اس لیے اس پر بھی کیا آیا؟ نصب۔ تو ضَرَبْتُ زَيْدًا وَعَمْرًا اس وَعَمْرًا میں اتفاق ہے یہ معطوف ہے۔ اور كَفَاكَ وَزَيْدًا دِرْهَمٌ یہ بھی بالکل ایسی ہی مثال ہے، كَفَى فعل ہے اور کاف کیا ہے؟ مفعول بہ ہے، اور وَزَيْدًا کا اس پر عطف ہے لہٰذا وَزَيْدًا اس کو معطوف ہی بنائیں گے اس کو مَفْعُولٌ مَعَهُ نہیں بنا سکتے۔ تو بہرحال صاحبِ جامی نے تو ذکر کیا ہے، میں نے کہا کہ شاید صاحبِ جامی کو حَسْبُكَ وَزَيْدًا دِرْهَمٌ سے اشتباہ ہوا۔ حَسْبُكَ وَزَيْدًا دِرْهَمٌ اس مثال کے اندر یہ وَزَيْدًا جو ہے مَفْعُولٌ مَعَهُ ہے۔ کیوں؟ حَسْبُكَ وَزَيْدًا، یہ زید کا عطف حَسْبُكَ کی کاف ضمیر پر نہیں ہو سکتا کیونکہ کاف ضمیر مجرور ہے، متصل ہے، مضاف الیہ ہے، اور ضمیرِ مجرور متصل پر جب عطف کرنا ہو تو اعادۂ جار ضروری ہے۔ تو حَسْبُكَ وَحَسْبُ زَيْدٍ تو کہہ سکتے ہیں حَسْبُكَ وَزَيْدٍ نہیں کہہ سکتے۔ تو اس صورت میں یہ جو وَزَيْدًا آیا یہ مَفْعُولٌ مَعَهُ ہے۔ کس کا؟ یہ کاف ضمیر کا یعنی اس کا مُصَاحِب ہے، اور یہ ضمیر معنی کے اعتبار سے مفعول بہ ہے کیونکہ حَسْبُكَ یہ کس معنی میں ہے؟ كَفَاكَ کے معنی میں ہے اور كَفَاكَ کے اندر تو یہ کاف مفعول بہ ہے۔ معلوم ہوا مَفْعُولٌ مَعَهُ مفعول بہ کا مُصَاحِب بھی ہو سکتا ہے جیسے حَسْبُكَ وَزَيْدًا دِرْهَمٌ کے اندر ہے۔ بات سمجھ میں آرہی ہے۔ تو چنانچہ جہاں حَسْبُكَ وَزَيْدًا دِرْهَمٌ ذکر ہوتا ہے ساتھ ہی اس کا معنی بھی ذکر کیا جاتا ہے كَفَاكَ وَزَيْدًا دِرْهَمٌ، تو شاید صاحبِ جامی کو وہاں غلطی لگ گئی؛ لکھنا تو وہ حَسْبُكَ ہی چاہتے تھے تو بے خیالی میں شاید كَفَاكَ وَزَيْدًا دِرْهَمٌ انہوں نے لکھ دیا۔ اور یہ بھی ممکن ہے، یہ بھی ممکن ہے کہ شاید صاحبِ جامی کی رائے ہی یہی ہو کہ كَفَاكَ وَزَيْدًا دِرْهَمٌ اس کے اندر وَزَيْدًا مَفْعُولٌ مَعَهُ بن سکتا ہے۔ اور نحوی حضرات تو فرماتے ہیں کہ كَفَاكَ وَزَيْدًا دِرْهَمٌ یہ بالکل ضَرَبْتُ زَيْدًا وَعَمْرًا کی طرح ہے، ضَرَبْتُ زَيْدًا وَعَمْرًا اس کے اندر وَعَمْرًا مَفْعُولٌ مَعَهُ نہیں ہو سکتا تو كَفَاكَ وَزَيْدًا دِرْهَمٌ اس کے اندر بھی وَزَيْدًا مَفْعُولٌ مَعَهُ نہیں ہو سکتا کیونکہ ماقبل میں کاف ضمیر مفعول بہ کی ہے اس پر عطف ہو رہا ہے، وہ بھی منصوب ہے اور آگے زَيْدًا بھی منصوب ہے، بات سمجھ میں آگئی۔ لیکن شاید صاحبِ جامی کی رائے یہ ہو کہ كَفَاكَ وَزَيْدًا دِرْهَمٌ اس کے اندر وَزَيْدًا مَفْعُولٌ مَعَهُ واقع ہو سکتا ہے۔ تو بھئی پھر اشکال ہوتا ہے یہ تو دونوں مثالیں بالکل ایک جیسی ہیں: ضَرَبْتُ زَيْدًا وَعَمْرًا

وہاں آپ کہتے ہیں کہ وہ مَفْعُولٌ مَعَهُ نہیں بن سکتا، اور كَفَاكَ وَزَيْدًا دِرْهَمٌ یہاں پر بھی عطف بھی ممکن ہے پھر بھی آپ کہہ رہے ہیں کہ یہ معطوف مَعَهُ

بن سکتا ہے، تو پھر دونوں میں فرق کیا ہے؟ تو پھر یہ جواب دیا جا سکتا ہے کہ وہاں پر ضَرَبْتُ زَيْدًا وَعَمْرًا، ضَرَبْتُ زَيْدًا وَعَمْرًا وہاں ماقبل میں جو معطوف علیہ تھا اس پر لفظوں کے اندر نصب ظاہر تھا؛ وہاں معطوف علیہ کون؟ زید۔ ضَرَبْتُ زَيْدًا تو زید پر لفظوں میں نصب ظاہر ہے، اسی لیے وَعَمْرًا اس کو بھی معطوف ہی بنائیں گے۔ جبکہ یہاں پر فرق یہ ہے کہ كَفَاكَ یہاں کاف جو ہے اس پر نصب لفظوں میں ظاہر نہیں کیونکہ کاف ضمیر تو مبنی ہے بھئی، تو یہ محلاً منصوب ہے۔ وہاں وہ جو زید تھا وہ لفظاً منصوب تھا لہٰذا آگے معطوف ہی بنائیں گے، اور یہاں لفظاً منصوب نہیں ہے بلکہ محلاً منصوب ہے یعنی نصب ظاہر نہیں ہو رہا، جب نصب ظاہر نہیں ہو رہا تو وَزَيْدًا کو مَفْعُولٌ مَعَهُ بنانا یہاں جائز ہے، معطوف بھی بنا سکتے ہیں اور مَفْعُولٌ مَعَهُ بنانا بھی جائز ہے، شاید یہ رائے ہو، شاید یہ رائے ہو صاحبِ جامی کی بھئی۔ بات سمجھ میں آ گئی؟ تو میں نے دونوں احتمال ذکر کر دیے کہ ہو سکتا ہے یہاں بے خیالی میں وہ كَفَاكَ لکھ گئے، لکھنا حَسْبُكَ ہی چاہتے تھے بے خیالی میں كَفَاكَ لکھ گئے؛ اور ہو سکتا ہے شاید ان کی رائے یہ ہو کہ یہ كَفَاكَ وَزَيْدًا دِرْهَمٌ ہے اس کے اندر وَزَيْدًا مَفْعُولٌ مَعَهُ واقع ہو سکتا ہے کیونکہ یہ اس مثال سے مختلف ہے بھئی۔

اور پھر صاحبِ جامی نے آپ کو یہ بھی بتلایا تھا کہ مصاحبت سے مراد یہ ہے کہ مشارکت فی الفعل کے ساتھ ساتھ مشارکتِ زمانی یا مشارکتِ مکانی بھی ساتھ ہو بھئی۔ لہٰذا واوِ عاطفہ کے بعد جو ذکر ہو اس کو لے کر اعتراض نہیں کیا جا سکتا: جَاءَنِي زَيْدٌ وَعَمْرٌو، آپ یہ نہیں کہہ سکتے کہ یہ عمریہ بھی کیا ہے، یہ بھی مصاحب ہے۔ کہتے ہیں نہیں بھئی مصاحبت کا معنی صرف مشارکت فی الفعل نہیں ہے بلکہ مشارکتِ زمانی یا مشارکتِ مکانی بھی ہے، اور جَاءَ زَيْدٌ وَعَمْرٌو عطف کے اندر صرف مشارکت فی الفعل ہوتی ہے مشارکتِ زمانی یا مشارکتِ مکانی نہیں ہوتی بھئی۔

اور پھر اس کے بعد انہوں نے عامل بتلایا تھا کہ یہ مَفْعُولٌ مَعَهُ میں عامل کون ہے؟ کون نصب دے رہا ہے؟ تو بتلایا تھا کہ اگر فعل لفظوں میں موجود ہو تو وہ فعل عامل ہوگا بواسطۂ واو کے، کیونکہ درمیان میں واو آ رہا ہے، تو فعل عامل ہے کس کے واسطے سے؟ واو کے واسطے سے، وہ واو جو مَعَ کے معنی میں ہے۔ اور اگر فعل لفظوں میں نہیں ہے معنی کے اعتبار سے موجود ہے تو پھر وہ معنیِ فعل اس کے اندر عامل ہوگا بواسطۂ واو کے بھئی۔

جی، آگے دیکھیے بھئی! کہتے ہیں: فَإِنْ كَانَ أَيْ وُجِدَ الْفِعْلُ أَيْ مَا يَدُلُّ عَلَى الْحَدَثِ فَيَعُمُّ الْفِعْلَ وَاسْمَيِ الْفَاعِلِ وَالْمَفْعُولِ وَالصِّفَةَ الْمُشَبَّهَةَ وَغَيْرَهَا لَفْظًا، وَجَازَ أَيْ لَمْ يَجِبِ الْعَطْفُ وَلَمْ يَمْتَنِعْ فَلَا يَنْتَقِضُ بِمِثْلِ ضَرَبْتُ زَيْدًا وَعَمْرًا لِوُجُوبِ الْعَطْفِ فِيهِ، فَالْوَجْهَانِ أَيِ الْعَطْفُ وَالنَّصْبُ عَلَى الْمَفْعُولِيَّةِ جَائِزَانِ۔

جی پہلے متن متن دیکھیے: فَإِنْ كَانَ الْفِعْلُ لَفْظًا وَجَازَ الْعَطْفُ فَالْوَجْهَانِ۔ بھئی اب آپ کو جگہیں بتائیں گے کہ کہاں پر مَفْعُولٌ مَعَهُ بنانا جائز ہے اور کہاں پر جائز نہیں۔ مَفْعُولٌ مَعَهُ کس کے بعد آتا ہے؟ واو کے بعد، اور واو کے بعد معطوف بھی آتا ہے،

تو کہاں پر واو کے مابعد کو معطوف بنائیں گے اور کہاں پر اس کو مَفْعُولٌ مَعَهُ بنائیں گے اب وہ تفصیل بیان کرنے لگے ہیں۔ یاد رکھو بھئی، یاد رکھو کہ فعل یا تو لفظوں میں موجود ہوگا یا لفظوں میں موجود نہیں ہوگا۔ کبھی فعل لفظوں میں ہوگا: جَاءَنِي زَيْدٌ وَعَمْرًا، دیکھو یہاں جَاءَ فعل لفظوں میں موجود ہے۔ اور کبھی فعل لفظوں میں نہیں ہوگا معنی کے اعتبار سے ہوگا جیسے: مَا لَكَ وَزَيْدًا، یہاں مَا لَكَ وَزَيْدًا کوئی فعل یہاں لفظوں میں موجود نہیں لیکن معنی کے اعتبار سے فعل موجود ہے أَيْ مَا تَصْنَعُ کہ آپ کیا کر رہے ہیں۔ تو کبھی فعل لفظوں میں ہوگا اور کبھی معنی کے اعتبار سے فعل ہوگا۔ تو جب فعل لفظوں میں ہو اور عطف جائز ہو تو پھر دونوں وجہیں جائز ہیں۔ جب فعل لفظوں میں ہو اور عطف جائز ہو تو وہاں دونوں وجہیں پڑھنا جائز ہیں۔ جیسے دیکھو: جَاءَنِي زَيْدٌ وَعَمْرٌو، جَاءَ فعل لفظوں میں موجود ہے، اور زَيْدٌ وَعَمْرٌو تو آپ عطف بھی کر سکتے ہیں، آپ نے عَمْرٌو کا عطف کیا زَيْدٌ پر۔ اور آپ چاہیں تو مَفْعُولٌ مَعَهُ بھی بنا سکتے ہیں: جَاءَ زَيْدٌ وَعَمْرًا بھی پڑھ سکتے ہیں۔ توجہ ہے؟ کیا بات ہوئی؟ جب فعل لفظوں میں موجود ہو اور عطف جائز ہو تو پھر دونوں وجہیں جائز ہیں، مَفْعُولٌ مَعَهُ بنانا بھی جائز اور عطف کرنا بھی جائز ہے؛ جَاءَنِي زَيْدٌ وَعَمْرٌو پڑھنا بھی جائز اور وَعَمْرًا پڑھنا بھی جائز ہے بھئی۔

اور اگر فعل لفظوں میں تو ہے لیکن عطف جائز نہیں ہے تو پھر نصب ہی پڑھیں گے یعنی مَفْعُولٌ مَعَهُ ہی بنائیں گے، جیسے: جِئْتُ وَزَيْدًا۔ جِئْتُ وَزَيْدًا۔ اب جِئْتُ یہ تا ضمیر ہے ماقبل میں، اور آگے واو کے بعد لفظِ زید ہے اور آپ اس زید کا عطف کرنا چاہتے ہیں تا ضمیر پر جو کہ مرفوع متصل ہے، اور ضمیرِ مرفوع متصل پر تو بغیر تاکید کے یا بغیر فصل کے عطف جائز نہیں، تو پھر اس صورت میں نصب ہی پڑھیں گے: جِئْتُ وَزَيْدًا پڑھیں گے، یہاں جِئْتُ وَزَيْدٌ نہیں پڑھ سکتے۔ اور میں نے یہ بھی بتلایا کہ یہ صاحبِ کافیہ کا مذہب ہے، جمہور کہتے ہیں جِئْتُ وَزَيْدٌ بھی آپ پڑھ سکتے ہیں البتہ یہ پسندیدہ نہیں ہے، پسندیدہ یہ ہے جب آپ ضمیرِ مرفوع متصل پر عطف کریں تو یا تو فصل ہونا چاہیے یا تاکید اس کی ہونی چاہیے بھئی۔

تو کیا بات ہوئی؟ اگر فعل لفظوں میں ہو تو عطف جائز ہوگا یا جائز نہیں؛ اگر عطف جائز ہے تو دونوں وجہیں پڑھنا جائز ہیں رفع بھی اور نصب بھی، اور اگر فعل لفظوں میں تو ہے لیکن عطف جائز نہیں تو پھر وہاں نصب ہی پڑھیں گے۔ دوسری صورت: اگر فعل لفظوں میں نہیں ہے بلکہ معنی کے اعتبار سے موجود ہے، معنی کے اعتبار سے، تو پھر وہاں بھی یہی دو صورتیں: یا عطف جائز ہوگا یا عطف جائز نہیں۔ اگر عطف جائز ہے تو پھر وہاں پر عطف ہی کریں گے، وہاں پر عطف ہی کریں گے، جیسے: مَا لِزَيْدٍ وَعَمْرٍو۔ مَا لِزَيْدٍ وَعَمْرٍو، مجھے بتائیے کیا یہاں لفظوں میں کوئی فعل ہے؟ مَا لِزَيْدٍ وَعَمْرٍو، لفظوں میں کوئی فعل نہیں۔ ہاں معلوم ہوا معنی کے اعتبار سے فعل ہے اس لیے کیونکہ معنی یہ ہے کہ مَا يَصْنَعُ وہ کیا کر رہے ہیں، زید اور عمر کیا کر رہے ہیں؟ تو معنی کے اعتبار سے فعل ہے۔ اب دیکھو فعل لفظوں میں موجود نہیں اور عطف جائز ہے: مَا لِزَيْدٍ وَعَمْرٍو، یہ عمر کا عطف کس پر ہے؟ زید پر ہے، اور جائز ہے کہ نہیں جائز؟ جائز ہے کیونکہ ضمیر پر تو نہیں ہم عطف کر رہے، ہم تو اسمِ ظاہر پر عطف کر رہے ہیں۔ تو جب فعل لفظوں میں نہ ہو معنی کے اعتبار سے ہو اور عطف جائز ہو تو پھر عطف

ہی کریں گے مَفْعُولٌ مَعَهُ نہیں بنائیں گے۔ وجہ یہ کہ اگر آپ مَفْعُولٌ مَعَهُ بنائیں گے تو مَفْعُولٌ مَعَهُ کے اندر عامل کون ہوتا ہے؟ فعل یا معنیِ فعل، اور یہاں پر تو فعل لفظوں میں نہیں ہے تو پھر اس کے اندر جو عامل ہے وہ معنیِ فعل ہوا، کیا عامل ہوا؟ معنیِ فعل کیونکہ لفظوں میں تو فعل ہے نہیں، تو بلا ضرورت عاملِ معنوی کی طرف جانے کی کیا ضرورت ہے جب عاملِ لفظی موجود ہے، اس پر حمل کیا جا سکتا ہے، آپ عطف کر دیں تو معطوف کے اندر تو عاملِ لفظی موجود ہے، تو لہٰذا کس پر حمل ہو جائے گا؟ عاملِ لفظی پر حمل ہو جائے گا۔ توجہ ہے؟ دیکھو نا مَا لِزَيْدٍ وَعَمْرٍو، اگر آپ اس کو پڑھیں گے مَا لِزَيْدٍ وَعَمْرًا تو یہ مَفْعُولٌ مَعَهُ آپ نے بنا دیا، اور مَفْعُولٌ مَعَهُ بنائیں گے تو اس کے اندر عامل کس کو ماننا پڑے گا؟ فعل کو، اور فعل لفظوں میں ہے یا معنی کے اعتبار سے ہے؟ معنی کے اعتبار سے ہے، تو بلا وجہ آپ عاملِ معنوی کی طرف چلے گئے حالانکہ یہاں عاملِ لفظی کی طرف بھی آپ جا سکتے ہیں کس طرح؟ کہ عَمْرٍو کا عطف کر دیں زید پر، اور زید کو جر کیا چیز دے رہی ہے؟ لامِ جارہ وہ لفظوں کے اندر موجود ہے، تو جب عاملِ لفظی موجود ہے تو عاملِ معنوی کی طرف بلا ضرورت جانے کی حاجت نہیں ہے لہٰذا اس صورت میں عطف ہی کریں گے اور مَفْعُولٌ مَعَهُ نہیں بنائیں گے۔

اور اگر فعل معنی کے اعتبار سے ہے لیکن عطف جائز نہیں، جب عطف جائز نہیں پھر تو اور کوئی صورت ہی نہیں ہے، پھر عاملِ معنوی کی طرف ہی جانا پڑے گا تو پھر اس پر نصب ہی پڑھیں گے، جیسے: مَا لَكَ وَزَيْدًا۔ مَا لَكَ وَزَيْدًا۔ دیکھو اب یہاں پر لفظوں میں کوئی فعل موجود نہیں، ہاں معنی کے اعتبار سے ہے کہ مَا تَصْنَعُ وَزَيْدًا آپ اور زید کیا کر رہے ہیں۔ اور نیز مَا لَكَ وَزَيْدًا، میں زید کا عطف کرنا چاہتا ہوں لَكَ کی کاف ضمیر پر، ضمیرِ مجرور متصل پر، اور ضمیرِ مجرور متصل پر تو عطف بغیر اعادۂ جار کے جائز نہیں، اور کاف کو جر کون دے رہا ہے؟ لام، اور وہ لام تو زید پر موجود نہیں ہے، لہٰذا معلوم ہوا زید کا عطف کاف ضمیر پر نہیں کر سکتے۔ جب فعل لفظوں میں بھی موجود نہیں اور عطف بھی جائز نہیں ہے تو پھر اس کو مَفْعُولٌ مَعَهُ ہی بنائیں گے۔ بات سمجھ میں آ گئی۔

دیکھیے ذرا متن متن۔ کہتے ہیں: فَإِنْ كَانَ الْفِعْلُ لَفْظًا وَجَازَ الْعَطْفُ، اگر فعل جو ہے وہ لفظوں کے اعتبار سے ہو اور عطف جائز ہو، فَالْوَجْهَانِ تو پھر دو وجہیں ہیں، توجہ ہے، جب فعل لفظوں میں ہو اور عطف جائز ہو تو دو وجہیں ہیں: نَحْوُ جِئْتُ أَنَا وَزَيْدٌ وَزَيْدًا۔ جِئْتُ أَنَا وَزَيْدٌ، توجہ ہے؟ یہ زَيْدٌ کا عطف کس پر ہے؟ جِئْتُ کی تا پر ہے اور اس کے بعد تاکید بھی اس کی آ رہی ہے، لہٰذا اس تا پر عطف جائز ہے، ضمیرِ مرفوع متصل پر عطف جائز ہے جب اس کی تاکید لائی جائے یا فصل۔ تو یہاں پر دیکھو جِئْتُ أَنَا وَزَيْدٌ، اس کے اندر یہ فعل لفظوں میں بھی موجود ہے اور نیز عطف بھی جائز ہے، تو دونوں طرح آپ پڑھ سکتے ہیں: جِئْتُ أَنَا وَزَيْدٌ، یہ رفع پڑھا کس وجہ سے؟ عطف کی وجہ سے۔ اور جِئْتُ أَنَا وَزَيْدًا، منصوب بھی پڑھ سکتے ہیں کس وجہ سے؟ مَفْعُولٌ مَعَهُ ہونے کی وجہ سے۔ تو کہتے ہیں: فَإِنْ كَانَ الْفِعْلُ لَفْظًا وَجَازَ الْعَطْفُ، اگر فعل لفظوں میں ہو اور عطف جائز ہو تو پھر دو وجہیں ہیں نَحْوُ جِئْتُ أَنَا وَزَيْدٌ وَزَيْدًا۔ وَإِلَّا، اور اگر ایسا نہ ہو، وَإِلَّا میں نے آپ کو بتلایا تھا إِلَّا سے پہلے واو آ جائے تو پھر یہ إِلَّا حرفِ استثناء کے لیے نہیں ہے بلکہ إِنْ اور لَا سے مرکب ہے: وَإِنْ لَمْ يَكُنْ كَذٰلِكَ، اور اگر ایسا نہ ہو یعنی عطف

جائز نہ ہو، تَعَيَّنَ النَّصْبُ، پھر نصب متعین ہے، مِثْلُ جِئْتُ وَزَيْدًا۔ جِئْتُ وَزَيْدًا دیکھو فعل لفظوں میں ہے لیکن عطف جائز نہیں۔ کیوں نہیں جائز؟ ہاں کیونکہ جِئْتُ کے بعد اس کی تاکید نہیں آ رہی یا کوئی فصل نہیں آ رہا تو عطف جائز نہیں، تو اس صورت میں نصب ہی پڑھیں گے، تو اس وَزَيْدًا کو مَفْعُولٌ مَعَهُ ہی بنانا پڑے گا، اور فعل لفظوں میں موجود ہے وہ اس کے اندر عامل بن جائے گا۔ اور میں نے بتایا جمہور کے نزدیک عطف بھی یہاں جائز ہے البتہ وہ پسندیدہ نہیں ہے بھئی۔

آگے دیکھیے متن۔ کہتے ہیں: وَإِنْ كَانَ مَعْنًى، اور اگر فعل معنی کے اعتبار سے ہو، وَجَازَ الْعَطْفُ اور عطف جائز ہو، تَعَيَّنَ الْعَطْفُ تو پھر عطف ہی متعین ہے؛ جب فعل معنی کے اعتبار سے ہو اور عطف جائز ہو تو پھر عطف ہی متعین ہے اس لیے کیونکہ اگر آپ اس کو مَفْعُولٌ مَعَهُ بنائیں گے تو پھر تو آپ عاملِ معنوی کی طرف چلے گئے، اور جب عاملِ لفظی موجود ہے عطف کی صورت میں تو عاملِ معنوی کی طرف جانے کی کوئی حاجت نہیں، لہٰذا: مَا لِزَيْدٍ وَعَمْرٍو، دیکھو یہاں پر عطف ہی کریں گے عمر کا زید پر، وَعَمْرًا یہاں نہیں پڑھ سکتے ورنہ تو عاملِ معنوی ماننا پڑے گا۔ عبارت سمجھ میں آ رہی ہے؟ تو کہتے ہیں: وَإِنْ كَانَ مَعْنًى اور اگر فعل معنی کے اعتبار سے ہو وَجَازَ الْعَطْفُ اور عطف جائز ہو تَعَيَّنَ الْعَطْفُ تو عطف متعین ہوگا، نَحْوُ مَا لِزَيْدٍ وَعَمْرٍو، عمر اور زید کو کیا ہوا یعنی وہ کیا کر رہے ہیں؟ وَإِلَّا، اور اگر ایسا نہ ہو یعنی عطف جائز نہ ہو، تَعَيَّنَ النَّصْبُ، تو پھر نصب متعین ہے کیونکہ اب اور کوئی صورت ہی نہیں ہے، نَحْوُ مَا لَكَ وَزَيْدًا، یہاں زید کا عطف کاف ضمیر پر نہیں ہو سکتا کیونکہ وہ مجرور متصل ہے، اسی طرح وَمَا شَأْنُكَ وَعَمْرًا، یہاں بھی عمر کا عطف کاف ضمیر پر نہیں ہو سکتا کیونکہ وہ مجرور متصل ہے بھئی۔ کہتے ہیں: لِأَنَّ الْمَعْنَى مَا تَصْنَعُ، اس لیے کیونکہ معنی جو ہے مَا تَصْنَعُ ہے، ان سب کے اندر مَا تَصْنَعُ یا اس جیسا معنی ہے۔ مَا لِزَيْدٍ وَعَمْرٍو اس کا کیا معنی؟ مَا يَصْنَعُ زَيْدٌ وَعَمْرٌو، زید اور عمر کیا کر رہے ہیں؟ اور مَا لَكَ وَزَيْدًا اس کا کیا معنی؟ مَا تَصْنَعُ وَزَيْدًا، آپ زید کی معیت میں کیا کر رہے ہیں؟ اور آگے وَمَا شَأْنُكَ وَعَمْرًا یہ کس معنی میں ہے؟ یہ بھی اسی معنی میں ہے: مَا تَصْنَعُ وَعَمْرًا، آپ عمر کی معیت میں کیا کر رہے ہیں؟ یہ معنی ہے لِأَنَّ الْمَعْنَى مَا تَصْنَعُ اس لیے کیونکہ معنی کیا ہے؟ مَا تَصْنَعُ ہے بھئی۔ بات سمجھ میں آ گئی۔

جی، اب آئیے اس سارے کو شرح کے ساتھ دیکھیں۔ کہتے ہیں: فَإِنْ كَانَ أَيْ وُجِدَ الْفِعْلُ۔ بھئی كَانَ کے بعد صاحبِ جامی نے وُجِدَ کا لفظ نکالا، یہ میں پہلے بھی بیان کر چکا ہوں کہ كَانَ کے بعد وُجِدَ یا يُوجَدُ لایا جائے تو یہ بتلایا جاتا ہے کہ یہ كَانَ تامہ ہے، یہ كَانَ تامہ ہے۔ میں نے آپ کو بتلایا تھا کہ كَانَ کبھی ناقصہ ہوتا ہے اور کبھی تامہ۔ دیکھو باقی افعال میں فاعل کے ساتھ بات پوری ہو جاتی ہے مفعول کو آپ ذکر کریں یا نہ کریں؛ مثلاً میں کہتا ہوں ضَرَبْتُ میں نے پٹائی کی، دیکھو آپ کو ایک بات پتہ چل گئی کہ میں نے پٹائی کی ہے، ہاں مفعول کا آپ کو پتہ نہیں چلا کوئی حرج نہیں میں بتانا ہی نہیں چاہتا تھا، میں آپ سے چھپانا چاہتا تھا یا ہو سکتا ہے مفعول کا آپ کو پہلے سے پتہ ہو، آپ کو اتنا پتہ ہے زید کی پٹائی ہوئی ہے لیکن کس نے کی ہے یہ پتہ نہیں تھا وہ میں نے آپ کو بتا دیا ضَرَبْتُ میں نے پٹائی کی ہے۔ تو فعل جو ہوتا ہے وہاں فاعل کے ساتھ مل کر بات

پوری ہو جاتی ہے مفعول کو آپ ذکر کریں یا نہ کریں بھئی۔ جبکہ افعالِ ناقصہ میں ایسا نہیں ہے، افعالِ ناقصہ وہ اسم کے ساتھ ساتھ خبر بھی چاہتے ہیں، اسم کے ساتھ ساتھ خبر بھی چاہتے ہیں: كَانَ زَيْدٌ قَائِمًا، زید کھڑا تھا۔ اب یہاں صرف یوں کہو كَانَ زَيْدٌ، زید تھا، آگے صفت ذکر ہی نہیں ہے، خبر ذکر ہی نہیں ہے کہ کس حال پر تھا بھئی، تو اس میں خبر کی بھی ضرورت پڑتی ہے تو اس لیے یہ جو افعالِ ناقصہ ہیں ان کو افعالِ ناقصہ

کہتے ہیں کہ ان میں کمی ہے۔ کیا کمی ہے؟ عام افعال وہاں پر صرف وہ جس کو رفع دیتے ہیں یعنی فاعل اس کے ساتھ بات پوری ہو جاتی ہے، جبکہ كَانَ میں ایسا نہیں ہے؛ كَانَ کے اندر ان کا اسم آجائے اور اسم کیا ہوتا ہے؟ كَانَ کا اسم مرفوع ہوتا ہے یعنی فاعل کی طرح ہی ہوتا ہے، حتیٰ کہ صاحبِ کافیہ تو كَانَ کے اسم کو كَانَ کا فاعل کہتے ہیں! کیا کہتے ہیں؟ دیکھو فاعل ہوتا ہے مرفوع اور مفعول بہ ہوتا ہے منصوب، تو كَانَ زَيْدٌ قَائِمًا، یہ زَيْدٌ کیا ہے؟ كَانَ کا اسم، یہ مرفوع ہے؛ تو صاحبِ کافیہ اس کو كَانَ کا فاعل کہتے ہیں كَانَ کا اسم نہیں کہتے۔ تو معلوم ہوا اس کا اسم فاعل کے درجے میں ہے، اور فاعل جب آجائے تو بات پوری ہو جاتی ہے لیکن افعالِ ناقصہ میں بات پوری نہیں ہوتی، آگے خبر بھی لانا پڑتی ہے؛ اسی لیے ان کو افعالِ ناقصہ کہتے ہیں یعنی ان میں کمی ہے، ان میں صرف فاعل کے ساتھ مل کر بات پوری نہیں ہوتی۔ البتہ کبھی کبھار كَانَ تامہ بھی آ جاتا ہے، وہاں صرف فاعل پر بات پوری ہو جاتی ہے اور وہ كَانَ بمعنی ثَبَتَ کے ہوتا ہے، کس معنی میں؟ ثَبَتَ: كَانَ الشَّيْءُ أَيْ ثَبَتَ الشَّيْءُ وہ چیز ثابت ہوئی یعنی وہ چیز ہے۔ وہ چیز ہے، یہاں کسی خبر کی ضرورت نہیں بس وہ ایک چیز کے ثبوت کے بارے میں آپ بتلانا چاہتے ہیں اس کی کوئی صفت لانا نہیں چاہتے۔ یا جیسے كَانَ الْمَطَرُ أَيْ ثَبَتَ الْمَطَرُ بارش ہوئی۔ تو كَانَ کبھی ناقصہ آتا ہے اور کبھی تامہ؛ جب تامہ ہوگا تو صرف فاعل پر بات پوری ہو جائے گی وہاں خبر لانے کی کوئی حاجت نہیں۔ تو جب كَانَ کی تفسیر وُجِدَ یا يُوجَدُ کے ساتھ کی جائے تو یہ بتلانا مقصد ہوتا ہے کہ یہ كَانَ تامہ ہے، اس کے لیے صرف فاعل چاہیے آگے کسی خبر کی ضرورت نہیں۔

تو کہتے ہیں: فَإِنْ كَانَ أَيْ وُجِدَ الْفِعْلُ، فَإِنْ كَانَ الْفِعْلُ، جی ترجمہ کیجیے۔ كَانَ، وُجِدَ سے کیا پتہ چلا؟ تامہ ہے كَانَ۔ تو كَانَ تامہ کس معنی میں ہوتا ہے؟ ثَبَتَ اور حَصَلَ: أَيْ فَإِنْ ثَبَتَ الْفِعْلُ، فَإِنْ حَصَلَ الْفِعْلُ، معنی سمجھ میں آگیا یعنی فعل پایا جائے۔ کہتے ہیں: فَإِنْ كَانَ أَيْ وُجِدَ الْفِعْلُ۔ یاد رکھو، یاد رکھو آگے ایک اور كَانَ بھی آرہا ہے چار پانچ سطروں کے بعد متن متن دیکھیے: وَإِنْ كَانَ مَعْنًى۔ وَإِنْ كَانَ مَعْنًى، دیکھو یہاں پھر كَانَ آیا، اور یہاں صاحبِ جامی کیا تفسیر کر رہے ہیں ذرا غور سے دیکھو: وَإِنْ كَانَ الْفِعْلُ مَعْنًى۔ وہ جو پیچھے عبارت آئی تھی ذرا اس کو دیکھیں: وہاں تھا فَإِنْ كَانَ الْفِعْلُ لَفْظًا، اور اب آگے ہے وَإِنْ كَانَ مَعْنًى۔ تو وہاں پر صاحبِ کافیہ نے كَانَ کے بعد الْفِعْلُ نکالا، بتلانا چاہتے ہیں کہ یہ كَانَ ناقصہ ہے۔ یہ كَانَ ناقصہ ہے: وَإِنْ كَانَ الْفِعْلُ مَعْنًى، اور یہ مَعْنًى كَانَ کی خبر ہے۔ بات سمجھ میں آرہی ہے؟ اور یہاں پر کیا کہا: فَإِنْ كَانَ الْفِعْلُ لَفْظًا، عبارت پر نظر بھی

ہے یا نہیں عبارت؟ فَإِنْ كَانَ الْفِعْلُ لَفْظًا، یہاں بھی یوں کر سکتے ہیں: یہ كَانَ کو اگر آپ ناقصہ بنا دیں اور الْفِعْلُ کو كَانَ کا اسم بنا دیں اور لَفْظًا کو كَانَ کی خبر بنا دیں؛ اور آگے بھی اسی طرح کی عبارت ہے وَإِنْ كَانَ الْفِعْلُ مَعْنًى، وہاں پر بھی كَانَ کا اسم کس کو بنا دیا؟ الْفِعْلَ کو اور مَعْنًى کو کیا بنایا؟ كَانَ کی خبر۔ تو ایک جگہ ایک ترکیب کی صاحبِ جامی نے، كَانَ کو تامہ بنایا، اور پھر آگے ویسا ہی ایک اور كَانَ آیا تو اس کو ناقصہ بنایا؛ بتلانا یہ چاہتے ہیں کہ یہ دونوں جگہ دونوں ترکیبیں ہو سکتی ہیں: آپ چاہیں تو دونوں جگہ كَانَ کو تامہ بنا دیں اور آپ چاہیں تو دونوں جگہ كَانَ کو ناقصہ بنا دیں۔

تو کہتے ہیں: فَإِنْ كَانَ أَيْ وُجِدَ الْفِعْلُ، اگر فعل پایا جائے، أَيْ مَا يَدُلُّ عَلَى الْحَدَثِ، فعل کی تفسیر کر رہے ہیں أَيْ مَا يَدُلُّ عَلَى الْحَدَثِ۔ بتلانا یہ چاہتے ہیں کہ فعل سے یہاں فعل ہی نہیں مراد بلکہ فعل ہو یا شبہِ فعل ہو، یعنی جس میں بھی حَدَث والا معنی یعنی مصدر والا معنی پایا جائے۔ آپ جانتے ہیں کہ اسمِ فاعل وہ بھی فعل جیسا عمل کرتا ہے، اسمِ مفعول وہ بھی فعل جیسا عمل کرتا ہے، صفتِ مشبہ وغیرہ یہ بھی فعل جیسا عمل کرتے ہیں، تو یہ شبہِ فعل ہیں۔ یہ کیا ہیں؟ شبہِ فعل۔ تو بتلانا یہ چاہتے ہیں کہ ہمیشہ فعل ہونا ضروری نہیں ہے، فعل بھی ہو سکتا ہے اور شبہِ فعل بھی ہو سکتا ہے، لیکن صاحبِ کافیہ تو صرف فعل کا لفظ ذکر کر رہے ہیں، تو بتلایا کہ فعل سے مراد ہے وہ چیز جو حَدَث پر یعنی مصدر پر دلالت کرے، وہ چیز جو حَدَث پر دلالت کرے یعنی جس کے اندر مصدر پایا جائے، اور آپ جانتے ہیں مصدر فعل میں بھی ہوتا ہے، اسمِ فاعل میں بھی ہوتا ہے، اسمِ مفعول میں بھی ہوتا ہے، صفتِ مشبہ وغیرہ سب کے اندر وہی معنی ہوتا ہے۔ تو کہتے ہیں: فَإِنْ كَانَ أَيْ وُجِدَ الْفِعْلُ أَيْ مَا يَدُلُّ عَلَى الْحَدَثِ، اگر فعل یعنی وہ چیز جو حَدَث پر دلالت کر رہی ہے وہ پائی جائے، فعل کا معنی ہم نے کیا کر دیا؟ مَا يَدُلُّ عَلَى الْحَدَثِ کے ساتھ، فَيَعُمُّ الْفِعْلَ وَاسْمَيِ الْفَاعِلِ وَالْمَفْعُولِ وَالصِّفَةَ الْمُشَبَّهَةَ وَغَيْرَهَا، تو یہ عام ہوا یعنی شامل ہوا فعل کو بھی، اسمِ فاعل اور اسمِ مفعول کو بھی، اور صفتِ مشبہ کو بھی اور ان کے علاوہ کو بھی۔ جب ہم نے فعل کی تفسیر کس کے ساتھ کر دی؟ مَا يَدُلُّ عَلَى الْحَدَثِ کے ساتھ کر دی۔ معنی سمجھ میں آ رہا ہے؟ تو کہتے ہیں: فَيَعُمُّ الْفِعْلَ وَاسْمَيِ الْفَاعِلِ وَالْمَفْعُولِ وَالصِّفَةَ الْمُشَبَّهَةَ وَغَيْرَهَا، تو یہ عام ہو گیا فعل کو بھی، اسمِ فاعل اور اسمِ مفعول کو بھی، اور صفتِ مشبہ کو بھی اور ان کے علاوہ کو بھی؛ لَفْظًا فعل پایا جائے لفظوں کے اعتبار سے، وَجَازَ أَيْ لَمْ يَجِبِ الْعَطْفُ وَلَمْ يَمْتَنِعْ۔

جَازَ کے آگے تفسیر کر رہے ہیں صاحبِ جامی: أَيْ لَمْ يَجِبِ الْعَطْفُ وَلَمْ يَمْتَنِعْ۔ یعنی عطف واجب بھی نہ ہو اور ممتنع بھی نہ ہو، یہ کس کی تفسیر کر رہے ہیں؟ جَازَ کی، جَازَ کی۔ توجہ ہے؟ بھئی دراصل یہاں اشکال ہوتا ہے، اشکال یہ کہ یہ اسی سطر میں آگے مثال آ رہی ہے: ضَرَبْتُ زَيْدًا وَعَمْرًا۔ اس مثال، یہ مثال میں نے بھی آپ کو لکھوائی تھی اور میں نے بتلایا تھا کہ اس مثال کے اندر یہ جو وَعَمْرًا آ رہا ہے اس کو معطوف ہی بنا سکتے ہیں اس کو مَفْعُولٌ مَعَهُ نہیں بنا سکتے۔ کیونکہ سننے والے کو پتہ ہی نہیں چلے گا کہ آپ نے مَفْعُولٌ مَعَهُ بنایا ہے کیونکہ عطف کی صورت میں بھی نصب آتا ہے اور مَفْعُولٌ مَعَهُ بنانے کی صورت میں بھی یہاں نصب آتا ہے، تو معلوم ہوا اس مثال کے اندر عطف واجب ہے۔ تو اس مثال کے ذریعے اعتراض

ہوتا ہے صاحبِ کافیہ کے ضابطے پر۔ ادھر دیکھیے، صاحبِ کافیہ کیا ضابطہ بیان کر رہے ہیں؟ اگر فعل لفظوں میں ہو اور عطف بھی جائز ہو، فَالْوَجْهَانِ تو کتنی وجہیں پڑھنا جائز؟ دو؛ رفع پڑھنا بھی جائز اور نصب پڑھنا بھی جائز ہے یعنی یوں کہو وہاں مَفْعُولٌ مَعَهُ بنانا بھی جائز اور معطوف بنانا بھی جائز ہے۔ لیکن یہ ٹوٹ جاتا ہے ضابطہ ضَرَبْتُ زَيْدًا وَعَمْرًا جیسی مثالوں کے ذریعے۔ ضَرَبْتُ زَيْدًا وَعَمْرًا یہاں فعل لفظوں میں موجود ہے اور عطف بھی جائز ہے؛ فعل لفظوں میں بھی ہے اور عطف بھی جائز ہے، تو صاحبِ کافیہ تو کیا فرما رہے ہیں؟ فَالْوَجْهَانِ وہاں دو وجہیں پڑھنا جائز ہیں، معطوف بنانا بھی اور مَفْعُولٌ مَعَهُ بنانا بھی، حالانکہ اس مثال کے اندر عطف واجب ہے مَفْعُولٌ مَعَهُ بنا ہی نہیں سکتے! تو ضابطہ ٹوٹ گیا، آپ نے تو کہا تھا جہاں فعل لفظوں میں ہو اور عطف جائز ہو وہاں دو وجہیں ہیں لیکن یہاں تو ایک ہی وجہ ہے، صرف معطوف بنا سکتے ہیں مَفْعُولٌ مَعَهُ نہیں بنا سکتے۔ اشکال سمجھ میں آیا؟

تو صاحبِ جامی اب اس اشکال کو حل کرنا چاہتے ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں کہ یہ جو جَازَ آیا، عطف جائز ہو، عطف جائز ہو اس سے امکانِ خاص مراد ہے امکانِ عام مراد نہیں ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ یہ امکانِ خاص اور امکانِ عام کی بحث میں پہلے بھی بیان کر چکا ہوں، اور لیکن یہ بہت پہلے گزری تھی آپ بھول چکے ہوں گے، یہ ذرا دوبارہ لکھیں بھئی۔ دوبارہ لکھیے پوری بحث لکھ لیجیے پھر آپ کو بات سمجھ میں آئے گی بھئی۔ لکھیے بھئی جلدی جلدی لکھیے:

امکان دو قسم پر ہے: ایک امکانِ عام اور ایک امکانِ خاص۔

نمبر ۱، امکانِ عام، جی اس کی تعریف لکھیے: اَلْإِمْكَانُ الْعَامُّ هُوَ سَلْبُ الضَّرُورَةِ عَنِ الْجَانِبِ الْمُخَالِفِ۔ ترجمہ سمجھ میں آرہا ہے؟ آسان ترجمہ ہے بھئی لکھنے کی نہیں ضرورت، دیکھو امکانِ عام وہ کہتے ہیں سَلْبُ الضَّرُورَةِ عَنِ الْجَانِبِ الْمُخَالِفِ جانبِ مخالف سے ضرورت کی نفی۔ توجہ ہے؟ جانبِ مخالف سے ضرورت کی نفی یعنی جانبِ مخالف ضروری نہیں، جانبِ مخالف ضروری نہیں۔ دیکھو دو جانبیں ہوتی ہیں: ایک میں ہوگا وجود ایک میں ہوگا عدم، دونوں ایک دوسرے کے مخالف ہیں؛ جب وجود ہے معلوم ہوا عدم نہیں ہے اور جب عدم ہے معلوم ہوا وجود نہیں۔ وجود کا معنی کیا؟ ایک چیز کا ہونا، اور عدم کا کیا معنی؟ نہ ہونا۔ مثلاً میں نے آپ سے کہا: ہو سکتا ہے زید آیا ہو۔ دیکھو میں آنے کو ذکر کر رہا ہوں یا نہ آنے کو؟ ہو سکتا ہے زید آیا ہو۔ آنے کو ذکر کر رہا ہوں، نفی کا لفظ یہاں کوئی نہیں ہے، ہو سکتا ہے زید آیا ہو، اور دیکھو ہو سکتا ہے، ممکن ہے اسی کو آپ ممکن کہتے ہیں: ممکن ہے زید آیا ہو، یہی امکان کی بات چل رہی ہے، اسی کو امکان کہہ لو، ممکن ہے کہہ لو یا ہو سکتا ہے کہہ لو، تو یہ امکان ہے بھئی۔ تو میں نے مثلاً کیا کہا؟ ہو سکتا ہے زید آیا ہو، تو اس میں آنا ذکر ہے، آنا ذکر؛ جانبِ مخالف کیا؟ نہ آنا یعنی عدم ہے، معلوم ہوا عدم ضروری نہیں، معلوم ہوا نہ آنا ضروری نہیں۔ اور کبھی نہ آنا ذکر ہوتا ہے: ہو سکتا ہے زید نہ آیا ہو۔ دیکھو اب یہ کس چیز کا امکان ذکر کیا جا رہا ہے؟ نہ آنے کا یعنی عدم کا امکان، توجہ ہے؟ تو عدم ذکر ہو رہا ہے تو

عدم کی جانبِ مخالف کیا؟ وجود، عدم کی جانبِ مخالف کیا؟ میں نے کیا کہا؟ ہو سکتا ہے نہ آیا ہو، نفی لے آیا، تو یہ عدم ذکر ہو رہا ہے، نہ آنا ذکر ہو رہا ہے، اس کی جانبِ مخالف کیا؟ آنا یعنی آنے کا وجود اس میں ذکر ہوگا۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو امکانِ عام کسے کہتے ہیں؟ جانبِ مخالف سے ضرورت کا سلب، جانبِ مخالف سے ضرورت کا سلب، یعنی اگر ہونے کا ذکر ہے تو اس کی جانبِ مخالف کیا؟ نہ ہونا یعنی عدم ضروری نہیں، اور اگر نہ ہونا ذکر ہو تو نہ ہونے کی جانبِ مخالف کیا؟ ہونا یعنی وجود ضروری نہیں ہے۔ اچھا چلیے ذرا لکھیے میں پھر تفصیل بیان کرتا ہوں۔

جی آگے لکھیے: الْإِمْكَانُ الْخَاصُّ۔ یہ اب امکانِ خاص کی تعریف آگئی: الْإِمْكَانُ الْخَاصُّ هُوَ سَلْبُ الضَّرُورَةِ عَنِ الْجَانِبَيْنِ۔ لکھ لیا؟ الْإِمْكَانُ الْخَاصُّ هُوَ سَلْبُ الضَّرُورَةِ عَنِ الْجَانِبَيْنِ، امکانِ خاص وہ ضرورت کی نفی ہے دونوں جانب سے، یعنی ہونا بھی ضروری نہیں اور نہ ہونا بھی ضروری نہیں، سَلْبُ الضَّرُورَةِ ضرورت کی نفی ہے کہ ضروری نہیں ہے ہونا بھی ضروری نہیں اور نہ ہونا بھی ضروری نہیں، وجود بھی ضروری نہیں اور عدم بھی ضروری نہیں بھئی، اس کو امکانِ خاص کہتے ہیں بھئی۔

آگے لکھیے الگ سطر: امکانِ عام کی دو قسمیں ہیں: نمبر ۱: امکانِ عام مقیّد بجانبِ الوجود، اور اسے لَا يَمْتَنِعُ سے تعبیر کرتے

ہیں، لَا يَمْتَنِعُ، لَا يَمْتَنِعُ سے تعبیر کرتے ہیں۔ لکھ لیا؟ کیا لکھا؟ پہلی قسم امکانِ عام مقیّد بجانبِ الوجود اور اسے لَا يَمْتَنِعُ سے تعبیر کرتے ہیں۔ دوسری قسم لکھیے، نمبر ۲: امکانِ عام مقیّد بجانبِ العدم، اور اسے لَا يَجِبُ سے تعبیر کرتے ہیں، اور اسے لَا يَجِبُ سے تعبیر کرتے ہیں۔ لکھ لیا؟

جی، آگے لکھیے الگ سطر: قضیۂ موجبہ میں امکانِ عام ذکر ہو، امکانِ عام ذکر ہو، تو یہ امکانِ عام مقیّد بجانبِ الوجود ہے، تو یہ امکانِ عام مقیّد بجانبِ الوجود ہے۔ اور قضیۂ سالبہ میں امکانِ عام ذکر ہو، امکانِ عام ذکر ہو، تو یہ امکانِ عام مقیّد بجانبِ العدم ہے، تو یہ امکانِ عام مقیّد بجانبِ العدم ہے۔

آگے الگ سطر لکھیے: امکانِ خاص میں جانبین سے ضرورت کا سلب ہوتا ہے، جانبین سے ضرورت کا سلب ہوتا ہے، یعنی وجود اور عدم دونوں سے، یعنی وجود اور عدم دونوں سے۔ اور اسے لَا يَجِبُ لَا يَمْتَنِعُ سے تعبیر کرتے ہیں، اور اسے لَا يَجِبُ لَا يَمْتَنِعُ سے تعبیر کرتے ہیں۔ یعنی امکانِ خاص مقیّد بجانبِ الوجود بھی ہوتا ہے اور مقیّد بجانبِ العدم بھی، اور مقیّد بجانبِ العدم بھی۔ یہاں تک لکھ لیا؟ اب اس کو تھوڑا سا سمجھ لو۔

بھئی دیکھیے، یہ امکانِ عام اور امکانِ خاص آپ پڑھتے رہتے ہیں کتابوں میں اور منطق کے اندر ذکر ہوتا ہے، بڑا مشکل ہے طلباء کو سمجھ میں ہی نہیں آتا بھئی، ان شاء اللہ اب آپ کو پوری طرح یہ بات سمجھ میں آجائے گی کہ امکانِ عام کسے

کہتے ہیں امکانِ خاص کسے کہتے ہیں۔ میں نے آپ کو بتلایا کہ امکان دو قسم پر ہے، ایک امکانِ عام اور ایک امکانِ خاص۔ امکانِ عام کہتے ہیں: سَلْبُ الضَّرُورَةِ عَنِ الْجَانِبِ الْمُخَالِفِ، جانبِ مخالف سے ضرورت کی نفی یعنی جانبِ مخالف ضروری نہیں، جانبِ مخالف ضروری نہیں۔ مثلاً ایک قضیہ، قضیہ جانتے ہو؟ قضیہ وہ قول جس کے کہنے والے کو سچا یا جھوٹا کہا جا سکے یعنی جملۂ خبریہ۔ جملۂ خبریہ کو منطق میں کیا کہتے ہیں؟ قضیہ: زید عالم ہے، دیکھو اس کے کہنے والے کو سچا یا جھوٹا کہا جا سکتا ہے۔ تو یہ دو قسم پر ہے یہ قضیہ: یا موجبہ ہوگا، زید عالم ہے؛ یا سالبہ ہوگا، زید عالم نہیں ہے۔ تو ایک میں ایجاب ہے، زید کے لیے عالم ہونے کا اثبات ہے، اور دوسرے میں زید سے عالم ہونے کی نفی؛ ایجاب ہو تو اس کو کہیں گے قضیۂ موجبہ، اور سلب ہو تو اس کو کہیں گے قضیۂ سالبہ کہیں گے بھئی۔ سلب کا معنی ہوتا ہے نفی، تو اس کے اندر نفی ہوتی ہے اس لیے اس کو سالبہ کہتے ہیں بھئی۔ تو جو بھی قضیہ ہو اس میں، جو قضیہ ہوگا اس میں یا ایجاب ذکر ہوگا یا سلب ذکر ہوگا، یعنی ایک چیز کا ہونا ذکر ہوگا یا نہ ہونا۔ اور اسی طرح یہ امکان ہے: ہو سکتا ہے، آپ بھی کلام میں عام استعمال کرتے ہیں کسی، کوئی ساتھی سے بات کرتے ہوئے آپ کہتے ہیں ہو سکتا ہے زید امتحان میں پاس ہو جائے یا ہو سکتا ہے وہ امتحان میں فیل ہو جائے یا ہو سکتا ہے زید آگیا ہو، ہو سکتا ہے زید نہ آیا ہو، تو ہو سکتا ہے یا ممکن ہے ایک ہی بات ہے، تو یہ آپ امکان کا لفظ بولتے رہتے ہیں اپنے کلام میں۔ اب اس کا کیا معنی ہوتا ہے اس کو سمجھ لیں۔ دیکھو یہ جو آپ ہو سکتا ہے کہتے ہیں آگے کلام مثبت ہوگا یا منفی ہوگا؟ ہو سکتا ہے زید آگیا ہو، دیکھو اس میں نفی نہیں ہے، ایجاب ہے۔ اور ایک ہے ہو سکتا ہے زید نہ آیا ہو، اس میں نفی ہے۔ تو قضیۂ موجبہ کے اندر وجود کا ذکر ہوتا ہے ہونے کا: ہو سکتا ہے زید آگیا ہو، دیکھو ہونا ہے، زید کا آنا ممکن ہے۔ اور ایک ہے ہو سکتا ہے زید نہ آیا ہو، اس میں نہ ہونا یعنی عدم ذکر ہو رہا ہے۔ تو قضیۂ موجبہ کے اندر، قضیۂ موجبہ میں وجود کا ذکر ہوتا ہے تو قضیۂ موجبہ کے اندر اگر امکانِ عام آجائے تو وہ امکانِ عام مقیّد بجانبِ الوجود ہوگا۔ وہ کیا ہوگا؟ بھئی قضیۂ موجبہ میں وجود، ایک چیز کا ہونا ذکر ہوتا ہے تو وہ اس میں امکانِ عام آئے تو وہ کون سا امکانِ عام ہوگا؟ مقیّد بجانبِ الوجود، اور قضیۂ سالبہ کے اندر اگر امکان آجائے تو وہ کون سا ہوگا؟ امکانِ عام مقیّد بجانبِ العدم، کیونکہ سالبہ میں عدم یعنی نفی ذکر ہوتی ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟

اب دیکھو وجود کی جانبِ مخالف ہے عدم، اور عدم کی جانبِ مخالف ہے وجود۔ تو اگر وجود ذکر ہے مثلاً میں نے کہا: ہو سکتا ہے زید آگیا ہو، ہو سکتا ہے زید آگیا ہو، اس کی جانبِ مخالف کیا؟ عدم، عدم، نہ آنا۔ تو جانبِ مخالف ضروری نہیں کیا معنی؟ عدم ضروری نہیں، عدم ضروری نہیں۔ جب میں کہوں ہو سکتا ہے زید آگیا ہو معلوم ہوا عدم ضروری نہیں، اگر عدم ضروری ہوتا تو میں یہ کہہ ہی نہیں سکتا تھا کہ ہو سکتا ہے زید آگیا ہو۔ اگر عدم ضروری ہو تو پھر یہ نہیں کہہ سکتا میں کہ ہو سکتا ہے زید آگیا ہو۔ مثلاً فرض کرو زید جو ہے مکہ مکرمہ میں ہے اور ابھی آپ کی اس سے ٹیلیفون پر بات ہوئی، آپ کو پکا پتہ ہے

زید اس وقت کہاں ہے؟ مکہ مکرمہ میں ہے؛ تو اب آپ اپنے ساتھی کو یہ کہہ سکتے ہیں ہو سکتا ہے زید ابھی گھر آگیا ہو، اس کا گھر مثلاً لاہور میں ہے؟ آپ کہہ سکتے ہیں اپنے ساتھی کو کہ ہو سکتا ہے زید ابھی گھر آگیا ہو؟ اب آپ ہو سکتا ہے نہیں کہہ سکتے، کیوں؟ کیونکہ اس وقت اس کا نہ آنا ضروری ہے، وہ اس وقت آ ہی نہیں سکتا کیونکہ وہ بہت دور ہے۔ بات سمجھ میں آرہی ہے؟ تو ہو سکتا ہے آپ تبھی کہتے ہیں جب عدم ضروری نہ ہو، جب عدم ضروری نہ ہو؛ اگر عدم ضروری ہوتا، زید کا نہ آنا ضروری ہوتا تو آپ کہہ سکتے تھے ہو سکتا ہے زید اپنے گھر ابھی آگیا ہو؟ یا دوسری مثال لے لو: مثلاً اونٹ ہے اور ایک ہے سوئی کا ناکہ بھئی، سوئی کا سوراخ جو ہے، اب اونٹ کتنا بڑا ہے، سوئی کا سوراخ کتنا چھوٹا سا ہے، اب یہ اونٹ اس سوئی کے ناکے میں سے نہیں گزر سکتا؛ تو معلوم ہوا اونٹ کا سوئی کے ناکے سے نہ گزرنا ضروری ہے، لازم ہے، توجہ ہے؟ تو اب کیا میں کہہ سکتا ہوں ہو سکتا ہے اونٹ سوئی کے ناکے سے گزر جائے؟ نہیں، کیونکہ جانبِ مخالف ضروری ہے، جانبِ مخالف کیا؟ عدم ضروری ہے؛ جب عدم ضروری ہے تو میں نہیں کہہ سکتا ہو سکتا ہے کہ وجود میں امکان لے آؤں میں۔ تو جب امکان ذکر کیا جائے تو اس کا مطلب ہے جانبِ مخالف ضروری نہیں ہے بھئی، حالانکہ یہاں پر تو نہ گزرنا ضروری ہے تو جانبِ مخالف ضروری ہے۔

تو قضیۂ موجبہ میں کیا ذکر ہوتا ہے؟ ایک چیز کا وجود یا یوں کہو ایک چیز کا ثبوت، اور قضیۂ سالبہ میں کیا ذکر ہوتا ہے؟ ایک چیز کا عدم ذکر ہوتا ہے، اور وجود اور عدم ایک دوسرے کے مخالف ہیں، تو قضیۂ موجبہ کے اندر امکانِ عام آجائے تو وہ امکانِ عام مقیّد بجانبِ الوجود ہوگا، اور قضیۂ سالبہ کے اندر نفی ہوتی ہے تو وہ امکانِ عام مقیّد بجانبِ العدم ہوگا۔ اور امکانِ عام جب مقیّد بجانبِ الوجود ہو یعنی آپ کہیں ہو سکتا ہے ایسا ہو، تو جانبِ مخالف کیا؟ معلوم ہوا عدم ضروری نہیں جبھی آپ یہ کہہ رہے ہیں۔ اور جب قضیے کے اندر نفی ذکر ہو: ہو سکتا ہے ایسا نہ ہو، دیکھو نفی ذکر کر رہے ہیں، یہ آپ تبھی کہیں گے جب وجود ضروری نہیں ہوگا۔ جانبِ مخالف سے ضرورت کی نفی: تو میں نے کیا ذکر کیا؟ ہو سکتا ہے زید نہ آیا ہو۔ وجود ذکر کر رہا ہوں یا عدم ذکر کر رہا ہوں؟ عدم ذکر کر رہا ہوں، اور عدم کی جانبِ مخالف کیا؟ وجود، معلوم ہوا وجود ضروری نہیں، میں تبھی یہ کہوں گا جب وجود ضروری نہ ہو بھئی۔ بات سمجھ میں آگئی؟ اگر وجود ضروری ہے پھر میں یہ نہیں کہہ سکتا کہ ہو سکتا ہے زید نہ آیا ہو۔ تو یہ دو قسمیں ہوئیں امکانِ عام کی بھئی۔

تو یہ جو امکانِ عام مقیّد بجانبِ الوجود ہوتا ہے اس کو لَا یَمْتَنِعُ سے تعبیر کرتے ہیں، کس سے؟ لَا یَمْتَنِعُ سے یعنی ناممکن نہیں ہے۔ میں نے کہا ہو سکتا ہے زید آگیا ہو، یہ میں کب کہوں گا؟ جب اس کا آنا ناممکن نہ ہو۔ ہو سکتا ہے دیکھو، ہو سکتا ہے کہہ دو یا ناممکن نہیں ہے کہہ دو ایک ہی بات ہے۔ اگر وہ مکہ میں بیٹھا ہے تو پھر میں نہیں کہہ سکتا کہ ابھی زید گھر آجائے گا۔ بھئی اگر وہ مکہ میں بیٹھا ہے پھر اس وقت اس کا، گھر اس کا آنا ممکن نہیں یعنی عادتاً ممکن نہیں ہے، عادتاً ممکن نہیں ہے کہ وہ گھر ایک دم اس وقت وہ پہنچ جائے، ہاں بطورِ کرامت کے آجائے وہ تو الگ بات ہے لیکن عادتاً یہ ممکن نہیں۔

تو جب میں نے کہا ہو سکتا ہے زید ابھی گھر آگیا ہو کیا معنی؟ لَا یَمْتَنِعُ، یہ امکانِ عام مقیّد بجانبِ الوجود ہے، ہو سکتا ہے آ گیا ہو، یہ کیا ہے امکانِ عام مقیّد بجانبِ الوجود، اس کو کس سے تعبیر کرتے ہیں؟ لَا یَمْتَنِعُ سے تعبیر کرتے ہیں، معلوم ہوا زید کا اس وقت گھر آنا ناممکن نہیں ہے، ممکن ہے؛ بات سمجھ میں آگئی۔ تو امکانِ عام مقیّد بجانبِ الوجود اس کو لَا یَمْتَنِعُ سے تعبیر کرتے ہیں، اور امکانِ عام مقیّد بجانبِ العدم اس کو لَا یَجِبُ سے تعبیر کرتے ہیں یعنی بات ضروری نہیں ہے، ضروری نہیں ہے۔ مثلاً میں نے کیا کہا؟ ہو سکتا ہے زید نہ آیا ہو۔ ہو سکتا ہے زید نہ آیا ہو، نفی ہے اثبات ہے؟ نفی ہے، تو یہ امکانِ عام مقیّد بجانبِ العدم ہوا اور اس کی جانبِ مخالف کیا؟ وجود، معلوم ہوا آنا ضروری نہیں، جانبِ مخالف یعنی وجود یعنی آنا ضروری نہیں ہے۔ تو اس کو کس سے تعبیر کرتے ہیں؟ لَا یَجِبُ سے، کس سے؟ لَا یَجِبُ سے۔

اچھا ہو سکتا ہے ابھی بھی بات پوری طرح واضح نہ ہوئی ہو، یوں کریں ذرا اپنی کاپی پر ایک نقشہ بنائیے بھئی جلدی کیجیے۔ چھوٹا سا ایک، چھوٹی سی ایک صورت ہم بنا لیتے ہیں: یوں کرو صفحے کے درمیان میں ایک نقطہ لگائیں درمیان میں بھئی، اس کے دونوں طرف، اس نقطے کے آس پاس کوئی دو دو انچ جگہ ہونی چاہیے بس ایسی جگہ نقطہ لگاؤ، درمیان میں نقطہ لگا دیں۔ اب اس نقطے سے کوئی ڈیڑھ ڈیڑھ انچ کی تین لکیریں کھینچیں بھئی، ایک پنکھا بنا دیں اس سے۔ ڈیڑھ ڈیڑھ انچ کی، ایک نقطہ لگایا اس نقطے سے دائیں، بائیں، نیچے یہ تین لکیریں کھینچ دیں بھئی، پنکھے جیسی صورت بنا لیں۔ اور زیادہ لمبی لکیریں نہ ہوں لیکن بہرحال ایک ڈیڑھ انچ کی ضرور ہوں کیونکہ ہم نے اس کے ساتھ لکھنا ہے تاکہ تحریر قریب قریب نہ آئے ایک دوسرے سے دور رہے۔ پنکھے کی صورت بنا لی؟ اچھا، یاد رکھو یہ جو چیزیں ہیں نا یہ تین قسم کی ہیں بنیادی طور پر: کچھ وہ جن کا وجود ممکن ہی نہیں ہے، اور کچھ وہ جن کا ہونا واجب ہے، اور کچھ وہ ہیں جن کا ہونا نہ ہونا برابر ہے۔ تو اس ایک لکیر کے کنارے پر لکھ دیں واجب بھئی، کچھ چیزیں ہیں جن کا ہونا واجب ہے جیسے اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ذات جو ہے وہ واجب الوجود ہے، اس کا ہونا ضروری ہے، اگر اللہ کی ذات نہ ہو تو پھر باقی چیزوں کا وجود ممکن ہی نہیں ہے بھئی۔ تو اللہ کی ذات واجب الوجود ہے، تو ایک کنارے پر کیا لکھا ایک لکیر کے؟ ایک لکیر کے کنارے پر کیا لکھا؟ واجب۔ دوسری طرف اوپر لکھ لیں ممتنع بھئی، ممتنع، کچھ چیزیں ہیں ان کا وجود ممتنع ہے وہ ہو ہی نہیں سکتیں، جیسے شریکِ باری تعالیٰ، اللہ تعالیٰ کا شریک۔ اللہ کا شریک ممکن ہی نہیں ہے بھئی۔ یا دوسری مثال لے لو جیسے لاشے، لاوجود؛ لاشے کا وجود ہو ہی نہیں سکتا، لاشے ہو ہی نہیں سکتی بھئی کیونکہ جب بھی کوئی لاشے پائی گئی تو وہ تو لاشے نہ رہے گی وہ تو کیا بن جائے گی؟ شے بن جائے گی۔ اسی طرح لاوجود ممکن ہی نہیں ہے کہ پایا جائے کیونکہ لاوجود اگر پایا جائے گا وہ تو لاوجود نہ رہے گا بلکہ کیا بن جائے گا؟ وجود بن جائے گا۔ تو کچھ چیزیں ہیں واجب، ایک کنارے پر آپ نے کیا لکھا واجب، دوسرے خط کے کنارے پر کیا لکھا؟

ممتنع؛ کچھ چیزیں جو ہیں ممتنع ہیں یعنی وہ ہو ہی نہیں سکتیں۔ اور تیسری قسم ہے ممکن بھئی، تیسرے کنارے پر لکھ لیں

ممکن، کچھ چیزیں ممکن ہیں۔ یعنی ان کا ہونا نہ ہونا برابر ہے، ہوں تب بھی ٹھیک نہ ہوں تب بھی ٹھیک؛ اور یہ جیسے تمام چیزیں آپ کائنات میں دیکھ رہے ہیں یہ سب ممکنات ہیں، ان کا نہ ہونا ضروری اور نہ، نہ ہونا ضروری۔ ہمیں اللہ نے پیدا فرمایا انسانوں کو، اگر اللہ انسانوں کو پیدا نہ فرماتے تو بھی کائنات کا نظام اللہ چلا سکتے تھے، کوئی اور مخلوق پیدا فرما دیتے۔ تو گویا بنیادی طور پر چیزیں کتنی قسم کی ہو گئیں؟ تین: واجب، ممتنع اور ممکن۔ ممکن کس کو کہتے ہیں؟ جس کا ہونا نہ ہونا برابر ہو، ہو تو بھی کوئی حرج نہیں نہ ہو تو بھی کوئی حرج نہیں۔

اچھا، اب اس پہ نظر رکھیں: یہ جو واجب ہے اس کو تعبیر کس سے کریں گے؟ یَجِبُ سے، تو واجب کے ساتھ لکھ لیں یَجِبُ۔ واجب کے ساتھ لکھ لیں چھوٹا سا یَجِبُ، دیکھا اس چیز کا ہونا واجب ہے، یَجِبُ فعل ہے بھئی۔ جب یہ یَجِبُ ہے تو باقی دو چیزیں کیا ہو گئیں؟ لَا یَجِبُ ہو گئیں بھئی، تو ممتنع کے پاس بھی لکھ لو لَا یَجِبُ، لَا یَجِبُ۔ اور ممکن کے نیچے بھی لکھ لو لَا یَجِبُ، ممکن کے نیچے بھی لکھ لو لَا یَجِبُ۔ صورت سمجھ میں آ رہی ہے؟ واجب جو ہے وہ ہے یَجِبُ، جب وہ یَجِبُ ہے تو ظاہر سی بات ہے باقی دونوں چیزیں لَا یَجِبُ، ان کے ساتھ ہم نے لَا یَجِبُ لکھ لیا۔ اچھا ان میں سے ایک قسم ہے ممتنع۔ ممتنع کا کیا معنی؟ أَيْ یَمْتَنِعُ۔ لہٰذا ممتنع کے پاس لکھ لیں یَمْتَنِعُ۔ یَمْتَنِعُ لکھیں، اس کو کس سے تعبیر کرتے ہیں؟ یَمْتَنِعُ سے۔ جب یہ یَمْتَنِعُ ہے تو باقی دونوں کیا ہو گئے؟ لَا یَمْتَنِعُ، تو باقی دونوں کے ساتھ لَا یَمْتَنِعُ لکھو بھئی۔ واجب کے پاس بھی لَا یَمْتَنِعُ لکھو اور ممکن کے پاس بھی لَا یَمْتَنِعُ لکھو۔ لکھ لیا؟

اب ذرا ممکن پہ نظر رکھیں: جو ممکن تھا اس کے پاس دونوں قیدیں آ گئیں: لَا یَجِبُ لَا یَمْتَنِعُ۔ اس کا ہونا بھی ضروری نہیں اور نہ ہونا بھی ضروری نہیں، تو یہ امکان خاص ہے بھئی۔ یہ امکانِ خاص ہے دیکھو، اس کو میں نے لکھوایا تھا آپ کو کس سے تعبیر کرتے ہیں؟ وہ جو ابھی میں نے لکھوایا ذرا اس پہ نظر رکھو وہ جو تعریفیں لکھوائیں: امکانِ خاص میں جانبین سے ضرورت کا سلب ہوتا ہے اور اسے لَا یَجِبُ لَا یَمْتَنِعُ سے تعبیر کرتے ہیں، دیکھو لَا یَجِبُ لَا یَمْتَنِعُ آ گیا بھئی۔ اور امکانِ عام وہ کتنی قسم پر تھا؟ دو قسم پر: ایک کو کس سے تعبیر کرتے ہیں؟ ذرا دیکھو وہ جو میں نے تعریف لکھوائی: ایک امکانِ عام مقیّد بجانبِ الوجود ہے، اس کو کس سے تعبیر کرتے ہیں؟ لَا یَمْتَنِعُ سے۔ اب ذرا اس نقشے پہ نظر رکھو، لَا یَمْتَنِعُ میں کتنی چیزیں آ گئیں؟ دو آ گئیں، واجب بھی آ گیا اور ممکن بھی آ گیا۔ واجب بھی اور ممکن بھی دونوں لَا یَمْتَنِعُ ہیں بھئی۔ اور امکانِ عام مقیّد بجانبِ العدم اس کو کس سے تعبیر کرتے ہیں؟ لَا یَجِبُ سے، اور لَا یَجِبُ میں کتنی چیزیں آئیں؟ لَا یَجِبُ میں بھی دو چیزیں آ گئیں: ممتنع بھی آ گیا لَا یَجِبُ میں اور ممکن بھی آ گیا، توجہ ہے؟ لَا یَجِبُ میں کیا کیا آیا؟ ممتنع اور ممکن، اور لَا یَمْتَنِعُ میں کتنی چیزیں آئی تھیں؟ دو چیزیں: واجب اور ممکن یہ دو چیزیں لَا یَمْتَنِعُ میں آئی تھیں۔

دیکھو اور مزید سمجھ لو، مثلاً میں آپ سے کہتا ہوں ادھر دیکھیے، اب ذرا اس نقشے پہ بھی نظر رکھنا اور تعریف بھی سننا۔

میں کہتا ہوں: ہو سکتا ہے زید آگیا ہو۔ آنے کو ذکر کر رہا ہوں، وجود کو یا عدم کو؟ وجود کو، ہو سکتا ہے زید آگیا ہو، میں نے نفی والا کوئی لفظ استعمال نہیں کیا، تو یہ کیا ہے؟ وجود کا ذکر ہو رہا ہے تو یہ کون سا امکان ہوا؟ امکانِ عام مقیّد بجانبِ الوجود، اور اس کو کس سے تعبیر کرتے ہیں؟ لَا یَمْتَنِعُ سے، کس سے؟ لَا یَمْتَنِعُ سے۔ میں نے کہا ہو سکتا ہے زید آگیا ہو، اس کی جانبِ مخالف نکالو ذرا: عدم بھئی۔ اس میں کیا ذکر؟ وجود ذکر ہے، تو جانبِ مخالف کیا؟ عدم، معلوم ہوا عدم ضروری نہیں یعنی زید کا نہ آنا ضروری نہیں، اگر نہ آنا ضروری ہوتا تو میں یہ نہیں کہہ سکتا تھا کہ ہو سکتا ہے زید آگیا ہو؛ تو نہ آنا ضروری نہیں۔ تو جب میں نے کہا ہو سکتا ہے زید آگیا ہو تو یہ امکانِ عام ہے مقیّد بجانبِ الوجود، اس کو کس سے تعبیر کرتے ہیں؟ لَا یَمْتَنِعُ سے، کس سے؟ لَا یَمْتَنِعُ یعنی ناممکن نہیں ہے اس کا آنا، اس کا آنا ناممکن نہیں ہے۔ تو لَا یَمْتَنِعُ سے تعبیر کرتے ہیں اور اس میں کتنی صورتیں آگئیں؟ دو صورتیں: واجب ہو وہ بھی اس کے اندر آگیا اور ممکنِ خاص وہ بھی اس کے اندر آگیا۔ یہ امکانِ عام مقیّد بجانبِ الوجود ہے نا؟ جب مقیّد بجانبِ الوجود ہے معلوم ہوا جانبِ مخالف ضروری نہیں، اور جانبِ مخالف کیا ہے؟ عدم، معلوم ہوا عدم ضروری نہیں، بس صرف اتنا پتہ چلا۔ توجہ ہے؟ جب میں نے کہا ہو سکتا ہے زید آگیا ہو تو جانبِ مخالف کیا؟ عدم یعنی نہ آنا، یعنی معلوم ہوا عدم ضروری نہیں، نہ آنا ضروری نہیں۔ جب نہ آنا ضروری نہیں تو آنا چاہے ضروری ہو یا نہ ہو دونوں آگئے اس کے اندر۔ یوں کہو اور مختصر لفظوں میں: ہو سکتا ہے زید آگیا ہو، یہ امکانِ عام ہے مقیّد بجانبِ الوجود، وجود ممکن ہے یوں کہو، وجود ممکن ہے، معلوم ہوا عدم ضروری نہیں؛ جب عدم ضروری نہیں تو وجود چاہے ضروری ہو چاہے ضروری نہ ہو دونوں اس کے اندر آگئے، جیسے اس نقشے میں تھا۔

ہاں نیچے ایک دو سطریں اور لکھ لیں پھر آپ کو شاید پھر پوری بات واضح ہو جائے آپ کے لیے۔ لکھیے بھئی: امکانِ عام مقیّد بجانبِ الوجود میں جانبِ عدم سے ضرورت کی نفی ہوتی ہے، جانبِ عدم سے ضرورت کی نفی ہوتی ہے یعنی عدم ضروری نہیں، یعنی عدم ضروری نہیں؛ اور وجود خواہ ضروری ہو یا نہ ہو دونوں اس میں داخل ہیں، اور وجود خواہ ضروری ہو یا نہ ہو دونوں اس میں داخل ہیں۔ اب کچھ بات سمجھ میں آئی؟ امکانِ عام مقیّد بجانبِ الوجود میں کیا ذکر ہوتا ہے کہ عدم ضروری نہیں ہے باقی وجود چاہے ضروری ہو یا نہ ہو دونوں صورتیں آگئیں اس میں۔ اسی طرح دوسرے کو، دوسرا بھی سمجھ لیں: امکانِ عام مقیّد بجانبِ العدم، عدم اس میں عدم ذکر ہوتا ہے، معلوم ہوا وجود ضروری نہیں، وجود ضروری نہیں ہے عدم چاہے ضروری ہو یا نہ ہو دونوں اس میں آگئے، بات سمجھ میں آگئی۔

تو یہ ہے امکانِ عام، بات سمجھ میں آگئی؟ یہ ہم عام کلام میں بھی استعمال کرتے رہتے ہیں، آپ بھی جیسے میں نے مثالیں ذکر کر دیں: آپ کہتے ہیں ہو سکتا ہے زید آگیا ہو، آپ بھی کہتے ہیں ہو سکتا ہے زید نہ آیا ہو؛ یا کوئی شخص ایک بات ذکر کرتا ہے کہ میں زید کے پاس جا رہا ہوں مجھے کچھ قرض کی ضرورت ہے، آپ اس کو کہتے ہیں ہو سکتا ہے زید آپ کی مدد کر

دے، یا کبھی آپ کہتے ہیں ہو سکتا ہے وہ آپ کی مدد نہ کرے۔ تو دیکھا، ہو سکتا ہے وہ آپ کی مدد کر دے معلوم ہوا یہ کون سا امکان ہے؟ امکانِ عام مقیّد بجانبِ الوجود، معلوم ہوا عدم ضروری نہیں، عدم ضروری نہیں، اور وجود وہ چاہے ضروری ہو یا نہ ہو دونوں اس میں داخل ہو گئے۔

اور پھر یہ امکانِ عام کو امکانِ عام کیوں کہتے ہیں اور امکانِ خاص کو امکانِ خاص کیوں کہتے ہیں؟ وجہ یہ کہ امکانِ عام میں ایک وقت میں ایک قید ہوتی ہے: یا صرف لَا یَمْتَنِعُ یا صرف لَا یَجِبُ، توجہ ہے؟ لَا یَجِبُ ہوگا یا صرف لَا یَمْتَنِعُ ہوگا۔ جبکہ امکانِ خاص میں دونوں قیدیں ہوتی ہیں جیسے اس نقشے میں آپ نے دیکھا ممکن کے نیچے کیا آگیا تھا؟ لَا یَجِبُ لَا یَمْتَنِعُ، یعنی اس کا وجود بھی ضروری نہیں ہوتا اور عدم بھی ضروری نہیں، تو اس میں دو قیدیں ہوتی ہیں۔ اور آپ بھی جانتے ہیں جتنی قیدیں بڑھتی جائیں چیز خاص ہوتی چلی جاتی ہے؛ مثلاً میں نے کہا مسلمان، تمام دنیا کے مسلمانوں پر یہ صادق آتا ہے، اب میں ایک قید بڑھاتا ہوں پاکستانی مسلمان، اب دیکھو باقی دنیا کے مسلمان اس سے خارج ہو گئے صرف کن پر صادق آئے گا؟ پاکستانی مسلمان۔ پھر میں ایک اور قید بڑھاتا ہوں پاکستانی لاہوری مسلمان، اب دیکھو پاکستان میں جو لاہور کے علاوہ مسلمان ہیں وہ بھی اس سے نکل گئے؛ دیکھا، تو جتنی قیدیں بڑھاتے جاؤ چیز میں تخصیص آتی جاتی ہے، اس کے افراد کم ہوتے چلے جاتے ہیں۔ تو امکانِ خاص کے اندر کتنی قیدیں؟ دو، تو لہٰذا اس کو کیا کہا؟ امکانِ خاص، اس میں قیدیں زیادہ۔ اور دوسرے امکانِ عام میں ایک وقت میں ایک قید ہوتی ہے اس لیے اس کو کیا کہا؟ امکانِ عام کہا۔ بات سمجھ میں آگئی۔

اب آئیے کتاب پر بھئی۔ بات چلی تھی یہ جو آیا یہاں متن میں آیا: وَجَازَ الْعَطْفُ. جب فعل لفظوں میں ہو اور عطف جائز ہو فَالْوَجْهَانِ تو دو وجہیں ہیں اس کے اندر بھئی، یعنی آپ عطف بھی کر سکتے ہیں اور آپ مَفْعُولٌ مَعَهُ بھی بنا سکتے ہیں۔ اس پر اشکال ہوتا ہے کہ ضَرَبْتُ زَيْدًا وَعَمْرًا، اس مثال کے اندر تو فعل لفظوں میں بھی ہے اور عطف بھی جائز ہے لیکن یہاں تو دو وجہیں نہیں جائز، یہاں تو ایک ہی وجہ ہے کہ عطف ہی کرنا پڑے گا۔ اشکال سمجھ میں آیا؟ تو چونکہ صاحبِ کافیہ کی عبارت پر اشکال ہو رہا تھا اس لیے انہوں نے بتلایا کہ یہ جو جَازَ آیا اس سے، اس سے امکانِ عام مراد نہ لیں اس سے امکانِ خاص مراد لے لیں، سارا مسئلہ حل ہو گیا۔ دیکھو کتنا مشکل مقام تھا صاحبِ جامی نے اس کو بہترین انداز میں حل کر دیا۔ دیکھو اب ذرا سمجھو اس کو: وَجَازَ الْعَطْفُ.

سوال: یہاں جَازَ آیا، یہاں جواز کی بات ہو رہی ہے اور صاحبِ جامی امکان کو لے آئے؟ یہاں کس کی بات ہو رہی ہے؟ یہاں آیا جَازَ الْعَطْفُ عطف جائز ہو، اور صاحبِ جامی کس کو لے آئے؟ امکان کو لے آئے، تو امکان یہاں کہاں سے آگیا؟ تو یاد رکھو بھئی عطف جائز ہو کیا معنی؟ یعنی عطف ممکن ہو، عطف جائز ہو کا کیا معنی؟ عطف ممکن ہو، تو یہاں امکان ہی تو ذکر ہو رہا ہے اور تو کوئی چیز نہیں ذکر ہو رہی۔ اور امکان سے کون سا امکان مراد لیا؟ امکانِ خاص مراد لیا، اور امکانِ خاص کو کس سے تعبیر کرتے ہیں؟ لَا یَجِبُ لَا یَمْتَنِعُ یعنی واجب بھی نہ ہو اور ممتنع بھی نہ ہو۔ اب دیکھو: وَجَازَ أَيْ لَمْ يَجِبِ

الْعَطْفُ وَلَمْ يَمْتَنِعْ، اور وہ عطف جائز ہو یعنی واجب بھی نہ ہو اور ممتنع بھی نہ ہو۔ عطف واجب بھی نہ ہو اور ممتنع بھی نہ ہو۔ اور ضَرَبْتُ زَيْدًا وَعَمْرًا اس کے اندر تو عطف واجب ہے، اس کے اندر تو عطف واجب ہے تو دیکھو یہ اس کو لے کر آپ اعتراض ہی نہیں کر سکتے؛ ہم نے کیا کہا کہ امکان سے کون سا امکان مراد ہے؟ امکانِ خاص یعنی واجب بھی نہ ہو اور ممتنع بھی نہ ہو، اور یہ تو واجب ہے عطف تو لہٰذا اس کو لے کر آپ اعتراض نہیں کر سکتے۔ بات سمجھ میں آگئی۔

تو کہتے ہیں: وَجَازَ أَيْ لَمْ يَجِبِ الْعَطْفُ، یعنی عطف واجب بھی نہ ہو، وَلَمْ يَمْتَنِعْ اور ممتنع بھی نہ ہو، دیکھو لَمْ يَجِبْ یہ وہی لَا يَجِبُ آگیا اور لَمْ يَمْتَنِعْ وہی لَا يَمْتَنِعُ آگیا بھئی۔ تو کہتے ہیں: فَلَا يَنْتَقِضُ بِمِثْلِ ضَرَبْتُ زَيْدًا وَعَمْرًا، تو ضَرَبْتُ زَيْدًا وَعَمْرًا جیسی مثالوں کے ذریعے یہ ضابطہ، یہ بات ٹوٹتی نہیں ہے یعنی اس پر اعتراض نہیں ہو سکتا، لِوُجُوبِ الْعَطْفِ فِيهِ اس وجہ سے کیونکہ اس کے اندر تو عطف واجب ہے اور ہم نے کیا کہا واجب بھی نہ ہو اور ممتنع بھی نہ ہو، اور اس کے اندر تو واجب ہے بھئی۔

فَالْوَجْهَانِ تو دو وجہیں جائز ہیں، أَيِ الْعَطْفُ وَالنَّصْبُ عَلَى الْمَفْعُولِيَّةِ جَائِزَانِ یعنی عطف اور دوسرا نصب مفعول ہونے کی بنا پر جَائِزَانِ یہ دونوں وجہیں جائز ہوں گی، نَحْوُ جِئْتُ أَنَا وَزَيْدٌ۔ جِئْتُ أَنَا وَزَيْدٌ یہ زید کا عطف کس پر ہے؟ جِئْتُ کی تا ضمیر پر یعنی مرفوع متصل پر، اور اس کی تاکید لائی گئی لہٰذا یہ عطف جائز ہے، تو فعل بھی لفظوں میں ہے اور عطف بھی جائز ہے۔ تو کہتے ہیں: نَحْوُ جِئْتُ أَنَا وَزَيْدٌ بِالرَّفْعِ عَلَى الْعَطْفِ رفع کے ساتھ ہے یہ بنا بر عطف کے، جِئْتُ أَنَا وَزَيْدٌ یہ زَيْدٌ رفع کے ساتھ ہے عَلَى الْعَطْفِ بنا بر عطف کے، وَزَيْدًا بِالنَّصْبِ اور یہ زَيْدًا یعنی زَيْدًا کو نصب کے ساتھ بھی آپ پڑھ سکتے ہیں عَلَى الْمَفْعُولِيَّةِ بنا بر مفعول ہونے کے۔

وَإِلَّا أَيْ وَإِنْ لَمْ يَجُزِ الْعَطْفُ، اور اگر عطف جائز نہ ہو، بَلْ يَمْتَنِعُ بلکہ ممتنع ہو۔ یہاں صاحبِ جامی صرف يَمْتَنِعُ لائے، کیوں؟ بھئی وجہ یہ ادھر دیکھیے، پیچھے کہا تھا جَازَ الْعَطْفُ اس سے کیا مراد ہے؟ امکانِ خاص یعنی لَمْ يَجِبْ وَلَمْ يَمْتَنِعْ، توجہ ادھر دیکھو، لَمْ يَجِبْ اور لَمْ يَمْتَنِعْ

یعنی یوں کہو لَا يَجِبُ وَلَا يَمْتَنِعُ، اس کے ذرا جانبِ مخالف لے آؤ: اور اگر ایسا نہ ہو یعنی يَجِبُ اور يَمْتَنِعُ، تو دو چیزیں آ رہی تھیں، لیکن صاحبِ جامی آپ کو بتلائیں گے کہ نہیں یہ جو نفی کی جا رہی ہے یہ نفی وہ جو پیچھے امکانِ خاص ذکر ہوا تھا اسی کے مطابق یہاں اس کی نفی نہیں مراد، یہاں اس کی نفی نہیں مراد بلکہ یہاں صرف ممتنع مراد ہے۔ دیکھو پھر سنو، یہاں بتلانا یہ چاہتے ہیں صاحبِ جامی کہ ماقبل میں، ماقبل میں امکانِ خاص ذکر تھا، اور آگے آیا وَإِلَّا اور اگر ایسا نہ ہو تو اس سے بظاہر لگتا ہے کہ اسی امکانِ خاص کی نفی ہے۔ پیچھے کیا ذکر تھا؟ پیچھے امکانِ خاص تھا، اور اگر ایسا نہ ہو یعنی امکانِ خاص نہ ہو، اور امکانِ خاص کو کس سے تعبیر کرتے تھے؟ لَا يَجِبُ لَا يَمْتَنِعُ سے، تو اس کی نفی کر دو ذرا دونوں کی: لَا يَجِبُ کی نفی کی تو کیا بن گیا؟ يَجِبُ، اور لَا يَمْتَنِعُ کی نفی کی تو کیا بن گیا؟ يَمْتَنِعُ۔ تو گویا وَإِلَّا اور اگر ایسا نہ ہو، بَلْ يَجِبُ وَيَمْتَنِعُ یہ آنا چاہیے نا؟ پیچھے امکانِ خاص ذکر تھا اس میں دو قیدیں تھیں لَا يَجِبُ اور لَا يَمْتَنِعُ، اور آپ إِلَّا کے ذریعے اس میں نفی کر رہے ہیں اگر ایسا نہ ہو، اور لَا

یَجِبُ لَا یَمْتَنِعُ کی نفی کس طرح ہوگی؟ یَجِبُ وَیَمْتَنِعُ واجب ہو اور ممتنع ہو، تو دونوں چیزیں آرہی تھیں۔ لیکن صاحبِ جامی نے بتلایا: وَإِلَّا أَيْ وَإِنْ لَمْ يَجُزِ الْعَطْفُ، اگر عطف جائز نہ ہو، پھر عطف جائز نہ ہونے میں کتنی صورتیں آرہی تھیں کیونکہ پیچھے امکانِ خاص ذکر تھا، دو چیزیں کون کون سی؟ یَجِبُ اور یَمْتَنِعُ دونوں آرہی تھیں، لیکن بتلایا یہاں دونوں مراد نہیں ہیں بَلْ یَمْتَنِعُ یہاں صرف کیا مراد ہے؟ یَمْتَنِعُ مراد ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ بلکہ عطف ممتنع ہو، تَعَيَّنَ النَّصْبُ تو پھر نصب متعین ہے، بات سمجھ میں آگئی۔

اسی لیے کہا: وَإِلَّا أَيْ وَإِنْ لَمْ يَجُزِ الْعَطْفُ بَلْ يَمْتَنِعُ، اور اگر عطف جائز نہ ہو بلکہ ممتنع ہو، تو تَعَيَّنَ النَّصْبُ تو پھر نصب متعین ہے، مِثْلُ جِئْتُ وَزَيْدًا۔ یہ زَيْدًا کا عطف تا ضمیر پر کیوں نہیں ہو سکتا؟ کیونکہ مرفوع متصل پر عطف کے لیے صاحبِ کافیہ کے نزدیک تاکید ضروری ہے یا فصل ضروری ہے۔ لیکن جمہور کے نزدیک عطف ہو سکتا ہے البتہ پسندیدہ نہیں۔ تو کہتے ہیں: تَعَيَّنَ النَّصْبُ تو نصب متعین ہوگا مِثْلُ جِئْتُ وَزَيْدًا، فَإِنَّ الْعَطْفَ فِيهِ مُمْتَنِعٌ اس لیے کیونکہ اس کے اندر عطف ممتنع ہے، لِعَدَمِ الْفَاصِلَةِ اس لیے کیونکہ فاصلہ نہیں ہے یعنی فصل نہیں کیا گیا، لَا بِتَأْكِيدِ الْمُتَّصِلِ بِالْمُنْفَصِلِ وَلَا بِغَيْرِهِ نہ تو متصل کی تاکید منفصل کے ذریعے لاتے ہوئے اور نہ اس کے علاوہ کے لیے، یعنی تاکید کے ذریعے بھی فصل نہیں کیا گیا اور اس کے علاوہ کے لیے بھی فصل نہیں کیا گیا، تو یہاں عطف ممتنع ہے۔

وَإِنْ كَانَ الْفِعْلُ مَعْنًى، اور اگر وہ فعل معنی کے اعتبار سے ہو، أَيْ أَمْرًا مَعْنَوِيًّا مُسْتَنْبَطًا مِنَ اللَّفْظِ، یعنی وہ فعل جو ہے وہ ایسی چیز ہے مَعْنَوِيًّا جو معنوی ہے معنی کے اعتبار سے ہے، مُسْتَنْبَطًا مِنَ اللَّفْظِ لفظوں سے مستنبط کیا ہوا ہے۔ استنباط کہتے ہیں کہ کلام میں غور کر کے نئی بات معلوم کرنا، جیسے قرآن و حدیث میں غور کر کے نئے نئے مسائل نکالے جاتے ہیں اس کو بھی استنباط کہتے ہیں۔ تو دیکھو جہاں فعل لفظوں میں نہ ہو جیسے مَا لَكَ وَزَيْدًا تو وہاں پر کلام کے اندر غور کر کے فعل کا استنباط کیا جاتا ہے کہ یہاں معنی کے اعتبار سے یہ والا فعل موجود ہے۔ تو کہتے ہیں: وَإِنْ كَانَ الْفِعْلُ مَعْنًى اور اگر فعل معنی کے اعتبار سے ہو، بھئی کیا معنی معنی کے اعتبار سے؟ کہتے ہیں: أَيْ أَمْرًا مَعْنَوِيًّا مُسْتَنْبَطًا مِنَ اللَّفْظِ یعنی وہ ایسا امرِ معنوی ہو جس کا استنباط کیا گیا ہو اس لفظ سے، وَجَازَ أَيْ لَمْ يَمْتَنِعِ الْعَطْفُ۔ بھئی متن میں آیا وَجَازَ الْعَطْفُ: فعل معنی کے اعتبار سے ہو اور عطف جائز ہو۔ پھر دوبارہ وہی عبارت آگئی، پیچھے جو جَازَ الْعَطْفُ آیا تھا وہاں جَازَ سے کون سا امکان مراد لیا تھا؟ امکانِ خاص: لَمْ يَجِبْ وَلَمْ يَمْتَنِعْ کے ساتھ۔ اور یہاں کیا کہہ رہے ہیں؟ وَجَازَ أَيْ لَمْ يَمْتَنِعْ۔ یہاں کون سا امکان ہے؟ لَمْ يَمْتَنِعْ أَيْ لَا يَمْتَنِعُ۔ اور لَا يَمْتَنِعُ یہ کون سا امکان تھا؟ امکانِ عام اور وہ بھی کون سا؟ مقیّد بجانبِ الوجود؛ اور جَازَ الْعَطْفُ دیکھو یہاں پر بھی کوئی حرفِ نفی نہیں، حرفِ نفی نہیں تو یہاں پر جو ہے وہ امکانِ عام ہی مراد ہے، وہاں چونکہ اشکال ہوتا تھا اس لیے وہاں ہمیں امکانِ خاص مراد لینا پڑا۔ تو کہتے ہیں: وَجَازَ أَيْ لَمْ يَمْتَنِعِ الْعَطْفُ، اور جائز ہو یعنی ممتنع نہ ہو عطف، تَعَيَّنَ الْعَطْفُ تو پھر عطف متعین ہے، حَيْثُ لَا يُحْمَلُ عَلَى عَمَلِ الْعَامِلِ الْمَعْنَوِيِّ بِلَا حَاجَةٍ۔ بھئی جب فعل معنی میں ہو اور عطف جائز ہو تو تَعَيَّنَ الْعَطْفُ تو عطف متعین ہے حَيْثُ لَا يُحْمَلُ عَلَى عَمَلِ الْعَامِلِ الْمَعْنَوِيِّ بِلَا حَاجَةٍ، اس حیثیت سے

کہ محمول نہیں کیا جائے گا کلام کو عَلَى عَمَلِ الْعَامِلِ الْمَعْنَوِيِّ عاملِ معنوی کے عمل پر بِلَا حَاجَةٍ بغیر کسی حاجت کے۔ بھئی عاملِ معنوی کی طرف تب جاتے ہیں جب کوئی حاجت پیش آجائے، تو جب عطف جائز ہے تو عطف کر دو عاملِ معنوی کی طرف جا کر اس کو مَفْعُولٌ مَعَهُ بنانے کی کوئی حاجت نہیں ہے؛ حَيْثُ لَا يُحْمَلُ عَلَى عَمَلِ الْعَامِلِ الْمَعْنَوِيِّ اس حیثیت سے کہ محمول نہیں کیا جائے گا اس کو عاملِ معنوی کے عمل پر بِلَا حَاجَةٍ بغیر کسی حاجت کے، مَعَ جَوَازِ وَجْهٍ آخَرَ وَهُوَ الْعَطْفُ ساتھ جائز ہونے ایک اور وجہ کے بھی اور وہ عطف ہے۔ جب ایک اور وجہ بھی جائز ہے جو عطف ہے تو پھر عاملِ معنوی پر کلام کو محمول کرنے کی کوئی حاجت نہیں ہے، نَحْوُ مَا لِزَيْدٍ وَعَمْرٍو۔ یاد رکھو یہ مَا استفہامیہ یہ ہے مبتدا اور لِزَيْدٍ وَعَمْرٍو یہ ہے اس کی خبر، اور جار مجرور کے لیے ہمیشہ متعلق چاہیے تو کلام یوں ہے: مَا ثَبَتَ لِزَيْدٍ وَعَمْرٍو۔ تو دیکھو یہاں پر فعل لفظوں میں نہیں ہے صرف معنی کے اعتبار سے ہے اور عطف جائز ہے تو عطف ہی کیا جائے گا، نَحْوُ مَا لِزَيْدٍ وَعَمْرٍو۔

وَإِلَّا، اور اگر ایسا نہ ہو، أَيْ وَإِنْ لَمْ يَجُزِ الْعَطْفُ بَلِ امْتَنَعَ، یعنی عطف جائز نہ ہو بلکہ عطف ممتنع ہو، تَعَيَّنَ النَّصْبُ تو پھر نصب متعین ہے، حَيْثُ لَا وَجْهَ سِوَاهُ اس لیے کیونکہ عطف کے علاوہ اور کوئی صورت نہیں ہے، نَحْوُ مَا لَكَ وَزَيْدًا، آپ زید کی معیت میں کیا کر رہے ہیں یعنی آپ دونوں کیا کر رہے ہیں؟ وَمَا شَأْنُكَ وَعَمْرًا۔ شان کا معنی حالت، آپ کی عمر کے ساتھ کیا حالت ہے یعنی آپ دونوں کیا کر رہے ہیں؟ معنی اس کا بھی وہی ہے جیسے پیچھے آیا تھا مَا لِزَيْدٍ وَعَمْرٍو، زید اور عمر کو کیا ہوا یعنی وہ کیا کر رہے ہیں بھئی۔ تو کہتے ہیں: فَإِنَّهُ امْتَنَعَ الْعَطْفُ فِيهِمَا اس لیے کیونکہ ان دونوں کے اندر عطف ممتنع ہے، کس میں؟ مَا لَكَ وَزَيْدًا اس میں عطف کیوں ممتنع؟ کیونکہ ضمیرِ مجرور پر عطف بغیر اعادۂ جار کے جائز نہیں، اور مَا شَأْنُكَ وَعَمْرًا اس میں کیوں عطف جائز نہیں؟ کیونکہ یہاں بھی کاف ضمیر مجرور متصل ہے۔ تو کہتے ہیں: فَإِنَّهُ امْتَنَعَ الْعَطْفُ فِيهِمَا اس لیے کیونکہ عطف ان دونوں کے اندر ممتنع ہے، لِأَنَّ الْعَطْفَ عَلَى الضَّمِيرِ الْمَجْرُورِ بِلَا إِعَادَةِ الْجَارِّ غَيْرُ جَائِزٍ اس لیے کیونکہ ضمیرِ مجرور پر عطف کرنا بغیر اعادۂ جار کے غَيْرُ جَائِزٍ یہ جائز نہیں۔ جار وہ چیز جو جر دینے والی ہے چاہے حرفِ جر ہو جیسے لَكَ کے اندر حرفِ جر ہے اور چاہے مضاف ہو جیسے شَأْنُكَ کے اندر مضاف ہے بھئی، شان مضاف کاف ضمیر مضاف الیہ۔ تو کہتے ہیں: لِأَنَّ الْعَطْفَ عَلَى الضَّمِيرِ الْمَجْرُورِ بِلَا إِعَادَةِ الْجَارِّ غَيْرُ جَائِزٍ اس لیے کیونکہ ضمیرِ مجرور پر بغیر اعادۂ جار کے عطف جائز نہیں ہے، وَلَمْ يَجُزْ عَطْفُ عَمْرٍو عَلَى الشَّأْنِ إِذِ السُّؤَالُ۔ بھئی یہ ایک اعتراض کا جواب دے رہے ہیں، اعتراض یہ کہ مَا شَأْنُكَ وَعَمْرًا آپ نے کہا عمر کا عطف کاف ضمیر پر نہیں ہو سکتا کیونکہ وہ ضمیرِ مجرور متصل ہے، تو بھئی یوں کرو شان پر کر دو شان تو اسمِ ظاہر ہے تو اس پر تو عطف ہو سکتا ہے تو کلام یوں بن جائے گا: مَا شَأْنُكَ وَعَمْرٌو، کیونکہ شان مرفوع ہے تو عمر بھی کیا ہوگا؟ مرفوع ہوگا۔ تو کہتے ہیں نہیں، اگر ہم اس پر عطف کریں گے پھر تو معنی خراب ہو جائے گا۔ مَا شَأْنُكَ وَعَمْرًا یہاں واو بمعنی مَعَ کے ہے، کلام کا کیا معنی؟ مَا شَأْنُكَ آپ کیا کر رہے ہو مَعَ عَمْرٍو عمر کے ساتھ یعنی عمر کی معیت میں؛ متکلم یہ پوچھ رہا ہے کہ اے مخاطب آپ عمر کے ساتھ یعنی عمر کی معیت میں کیا کر رہے ہو؟ آپ دونوں کیا کر رہے ہو؟ معلوم ہوا دونوں کی شان پوچھ رہا ہے، شان کا معنی حالت، دونوں کی حالت پوچھ رہا ہے۔ اور اگر آپ عمر کا عطف

کر دیں شان پر، شان یہ معطوف علیہ ہے اور معطوف کا وہی حکم ہوتا ہے جو معطوف علیہ کا، تو یہاں شَأْنُكَ کی جگہ ذرا عمر کو لے آؤ: وَمَا عَمْرٌو۔ مَا شَأْنُكَ وَمَا عَمْرٌو، گویا سوال یوں بن گیا: اے مخاطب آپ کی کیا شان ہے آپ کیا کر رہے ہو وَمَا عَمْرٌو اور عمر کیا چیز ہے، عمر کون ہے؟ تو معلوم ہوا مخاطب کی تو شان پوچھی جا رہی ہے اس کی حالت پوچھی جا رہی ہے اور عمر کی ذات کے بارے میں سوال کیا جا رہا ہے، حالانکہ متکلم کا یہ ارادہ تو نہیں ہے وہ تو دونوں کی حالت کے بارے میں سوال کر رہا ہے۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ عمر کا عطف شان پر بھی نہیں کر سکتے ورنہ معنی خراب ہو جائے گا۔ کیا خرابی آئے گی؟ مَا شَأْنُكَ وَعَمْرٌو معنی بن جائے گا اے مخاطب آپ کیا کر رہے ہو اور عمر کون ہے؟ عمر کی ذات کے بارے میں سوال بن جائے گا حالانکہ دونوں کی شان پوچھنا مقصود ہے۔ کہتے ہیں: وَلَمْ يَجُزْ عَطْفُ عَمْرٍو عَلَى الشَّأْنِ اور جائز نہیں ہے عمر کا عطف کرنا شان پر إِذِ السُّؤَالُ عَنْ شَأْنِهِمَا اس لیے کیونکہ سوال دونوں کی شان، دونوں کی حالت کے بارے میں ہے لَا عَنْ شَأْنِ أَحَدِهِمَا وَنَفْسِ الْآخَرِ نہ کہ ایک کی شان اور دوسرے کی ذات کے بارے میں سوال ہو، ایسا نہیں ہے۔ تو کہتے ہیں اس لیے کیونکہ سوال دونوں کی شان یعنی حال کے بارے میں ہے لَا عَنْ شَأْنِ أَحَدِهِمَا وَنَفْسِ الْآخَرِ نہ کہ ایک کی شان اور دوسرے کی ذات کے بارے میں۔

وَإِنَّمَا حَكَمْنَا بِمَعْنَوِيَّةِ الْفِعْلِ فِي هَذِهِ الْأَمْثِلَةِ، کہتے ہیں ہم نے حکم لگایا فعل کے معنوی ہونے کا ان مثالوں میں کہ ان مثالوں میں فعل معنوی طور پر موجود ہے، لِأَنَّ الْمَعْنَى مَا تَصْنَعُ وَمَا يُمَاثِلُهُ اس لیے کیونکہ ان کا معنی جو ہے مَا تَصْنَعُ ہے وَمَا يُمَاثِلُهُ اور جو اس کے مشابہ ہو، یعنی مَا تَصْنَعُ اور اس کے مشابہ ہے ان کا معنی۔ بھئی متن میں تو صرف آیا لِأَنَّ الْمَعْنَى مَا تَصْنَعُ کیونکہ ان کا معنی کیا ہے؟ مَا تَصْنَعُ آپ کیا کر رہے ہو، لیکن صاحبِ جامی آگے فرما رہے ہیں وَمَا يُمَاثِلُهُ کہ ان کا معنی مَا تَصْنَعُ اور اس کے مشابہ ہے، یعنی سب کا معنی مَا تَصْنَعُ نہیں بنتا کیونکہ تین مثالیں ذکر کیں۔ جیسے دیکھو: مَا لَكَ وَزَيْدًا اس میں بھی مخاطب کی ضمیر ہے تو یہاں بھی مَا تَصْنَعُ کا معنی ٹھیک بنتا ہے آپ کیا کر رہے ہو، اور مَا شَأْنُكَ وَعَمْرًا اس میں بھی مخاطب کی ضمیر موجود ہے تو یہاں بھی معنی بنے گا مَا تَصْنَعُ آپ کیا کر رہے ہو، لیکن پیچھے جو مثال آئی تھی مَا لِزَيْدٍ وَعَمْرٍو یہاں تو کوئی مخاطب کا ذکر نہیں ہے تو یہاں کیا معنی ہوگا؟ مَا تَصْنَعُ، تَصْنَعُ تو مخاطب کا صیغہ ہے آپ کیا کر رہے ہو، یا مَا يَصْنَعُ ہوگا معنی؟ مَا يَصْنَعُ زَيْدٌ وَعَمْرٌو زید اور عمر کیا کر رہے ہیں؟ لیکن صاحبِ کافیہ نے تو کیا فرمایا: لِأَنَّ الْمَعْنَى مَا تَصْنَعُ کیونکہ ان کا معنی کیا ہے مَا تَصْنَعُ ہے، تو سب کا معنی تو مَا تَصْنَعُ نہیں بعض کا معنی تو کیا ہے مَا يَصْنَعُ ہے، تو صاحبِ جامی اسی کا جواب دے رہے ہیں: لِأَنَّ الْمَعْنَى مَا تَصْنَعُ وَمَا يُمَاثِلُهُ اس لیے کیونکہ ان کا معنی مَا تَصْنَعُ اور اس مَا تَصْنَعُ کے مثل ہے ان کا معنی۔ تو کہتے ہیں: فَمَعْنَى مَا شَأْنُكَ وَزَيْدًا جو ہے مَا تَصْنَعُ وَزَيْدًا ہے۔ مَا شَأْنُكَ وَزَيْدًا کا کیا معنی؟ مَا تَصْنَعُ وَزَيْدًا یہ واو بمعنی مَعَ کے ہے بھئی۔ وَمَعْنَى مَا لَكَ وَزَيْدًا اس کا معنی جو ہے مَا تَصْنَعُ وَزَيْدًا اس کا یہ معنی ہے، اس میں بھی دیکھو مَا تَصْنَعُ اس کے اندر أَنْتَ ضمیر فاعل ہے اور وَزَيْدًا مَفْعُولٌ مَعَهُ بنایا، بات سمجھ میں آگئی۔ وَمَعْنَى مَا لِزَيْدٍ وَعَمْرٍو، اور مَا لِزَيْدٍ وَعَمْرٍو کا معنی جو ہے مَا يَصْنَعُ زَيْدٌ وَعَمْرٌو، وہاں دیکھو معطوف بنایا کہ زید اور عمر کیا کر رہے ہیں۔ بات

سمجھ میں آگئی؟

چلیے بس بھئی، هَذَا هُوَ الْمَرَامُ وَاللّٰهُ أَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْكَلَامِ۔

الْبَابُ الثَّامِنُ: الْمَنْصُوبَاتُ (الْجُزْءُ الثَّانِي) — الْحَالُ وَالتَّمْيِيزُ

منصوبات (حصہ دوم): حال (تعریف، شرائط، ذوالحال، جملہ حالیہ) اور تمییز (تعریف، تمییز عن ذات و عن نسبۃ، احکام) — اسباق ۱۴۱ تا ۱۵۳

سبق نمبر ۱۴۱: الحال (۱): حال کی تعریف، ذوالحال اور مفاعیل سے ملحق ہونے کی وجہ

شرحِ ملا جامی صفحہ: ۱۲۲ — بتاریخ: ۲۶ جنوری ۲۰۲۲ء

▪ تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث

آگے سبق دیکھیے بھئی: وَالْحَالُ لَمَّا فَرَغَ مِنَ الْمَفَاعِيلِ شَرَعَ فِي الْمُلْحَقَاتِ بِهَا وَهُوَ مَا يُبَيِّنُ هَيْئَةَ الْفَاعِلِ أَوِ الْمَفْعُولِ بِهِ أَيْ مِنْ حَيْثُ هُوَ فَاعِلٌ أَوْ مَفْعُولٌ بِهِ كَمَا هُوَ الظَّاهِرُ، فَبِذِكْرِ الْهَيْئَةِ يَخْرُجُ مَا يُبَيِّنُ الذَّاتَ كَالتَّمْيِيزِ۔[1]

بھئی گزشتہ سبق میں ہم مَفْعُولٌ مَعَهُ کے بارے میں پڑھ رہے تھے۔ اور صاحبِ کافیہ نے آپ کو بتلایا تھا کہ مَفْعُولٌ مَعَهُ وہ اس چیز کا نام ہے جس کو واو کے بعد ذکر کیا جائے اس لیے کیونکہ وہ مُصَاحِب ہوتا ہے معمولِ فعل کا۔ اور وہ معمولِ فعل جو ہے وہ فاعل بھی ہو سکتا ہے اور مفعول بہ بھی ہو سکتا ہے۔ معلوم ہوا مَفْعُولٌ مَعَهُ فاعل کی مصاحبت کے لیے بھی آ سکتا ہے اور مفعول بہ کی مصاحبت کے لیے بھی آ سکتا ہے۔ اور پھر گزشتہ سبق کے اندر صاحبِ کافیہ نے آپ کو بتلایا تھا کہ وہ کون سے مقامات ہیں جہاں پر مَفْعُولٌ مَعَهُ آپ پڑھ سکتے ہیں اور وہ کون سے مقامات ہیں جہاں پر واو کے مابعد کو آپ مَفْعُولٌ مَعَهُ نہیں بنا سکتے بلکہ اسے معطوف ہی بنانا پڑے گا۔ تو بتلایا تھا کہ جو مَفْعُولٌ مَعَهُ ہے اس کے اندر عامل جو ہے وہ فعل یا معنیِ فعل ہوتا ہے۔ یہ قیمتی بات ہے یہ ہمیشہ یاد رکھنا کہ مَفْعُولٌ مَعَهُ کے اندر عامل جو ہوتا ہے وہ فعل ہوتا ہے یا معنیِ فعل ہوتا ہے۔ اور فعل سے صرف فعل ہی نہیں مراد بلکہ وہ سب چیزیں ہیں جو حَدَث پر دلالت کرتی ہیں یعنی اسمِ فاعل،

[1]

جدول — حال کی اقسام (مفرد و جملہ) اور رابط کی شرائط:

قسمِ حال	شرائط و رابط	مثال
مفرد	نکرہ مشتقہ ہو (جامد بتاویلِ مشتق)	جَاءَ زَيْدٌ رَاكِبًا
جملہ اسمیہ	واوِ حالیہ یا ضمیر (یا دونوں) سے ربط	جَاءَ زَيْدٌ وَهُوَ رَاكِبٌ
جملہ فعلیہ ماضیہ مثبتہ	«قَدْ» + واو (یا ضمیر) ضروری	جَاءَ زَيْدٌ وَقَدْ طَلَعَتِ الشَّمْسُ

اسمِ مفعول، صفتِ مشبہ وغیرہ یہ سب اس کے اندر داخل ہیں۔ تو یہ فعل یا تو لفظوں میں ہوگا یا لفظوں میں نہیں ہوگا معنی کے اعتبار سے ہوگا۔ پھر اس کے بعد دونوں صورتوں میں یا عطف جائز ہوگا یا عطف جائز نہیں ہوگا، تو چار صورتیں بن گئیں۔

پہلی صورت: فعل لفظوں کے اندر ہو اور عطف جائز ہو تو پھر دونوں وجہیں جائز ہیں، یعنی رفع پڑھنا بھی جائز ہے بنا بر عطف کے اور اس پر نصب پڑھنا بھی جائز ہے بنا بر مَفْعُولٌ مَعَهُ ہونے کے، جیسے: جِئْتُ أَنَا وَزَيْدٌ، اور اسی طرح جِئْتُ أَنَا وَزَيْدًا۔ تو یہاں وَزَيْدٌ اور وَزَيْدًا دونوں طرح پڑھ سکتے ہیں: آپ وَزَيْدٌ پڑھیں گے تو یہ آپ اس کو معطوف بنا رہے ہیں، اور آپ وَزَيْدًا پڑھیں گے تو یہ آپ اس کو مَفْعُولٌ مَعَهُ بنا رہے ہیں۔ تو دیکھو جِئْتُ أَنَا وَزَيْدٌ اس کے اندر فعل لفظوں میں بھی موجود ہے اور عطف بھی جائز ہے، تو دونوں وجہیں جائز ہیں رفع بھی اور نصب بھی۔

اور اگر فعل لفظوں میں تو ہے لیکن عطف جائز نہیں ہے تو پھر اس کو مَفْعُولٌ مَعَهُ ہی بنائیں گے کیونکہ اس کا عامل موجود ہے، اگر عطف نہیں ہو سکتا تو کوئی حرج نہیں اس کو مَفْعُولٌ مَعَهُ بنا دو اور اس کا عامل لفظوں میں موجود ہے، جیسے: جِئْتُ وَزَيْدًا۔ تو یہاں زَيْدًا کا عطف تا ضمیر پر نہیں ہو سکتا اس لیے کیونکہ ضمیرِ مرفوع متصل پر عطف کے لیے ضروری ہے کہ یا تو اس کی تاکید لائی جائے اس ضمیرِ مرفوع کی، یا درمیان میں فصل لایا جائے۔ اور جِئْتُ وَزَيْدًا یہاں نہ تو تا ضمیر کی تاکید لائی گئی ہے اور نہ ہی یہاں پر فصل ہے، تو یہاں پر عطف جائز ہی نہیں ہے، تو اس وَزَيْدًا کو مَفْعُولٌ مَعَهُ ہی بنانا پڑے گا اور فعل لفظوں میں موجود ہے وہ اس کے اندر عامل بن جائے گا۔ بات سمجھ میں آئی؟ اور میں نے بتلایا تھا کہ یہ صاحبِ کافیہ کا مذہب ہے کہ ضمیرِ مرفوع متصل پر بغیر تاکید کے یا بغیر فصل کے عطف جائز نہیں، جبکہ جمہور نحوی فرماتے ہیں کہ ضمیرِ مرفوع متصل پر بھی بغیر تاکید کے اور بغیر فصل کے عطف جائز ہے البتہ یہ پسندیدہ نہیں، پسندیدہ یہ ہے کہ تاکید اس کی لائی جائے یا فصل کیا جائے پھر اس کے بعد عطف کیا جائے۔

اور اگر فعل لفظوں میں موجود نہیں بلکہ معنی کے اعتبار سے موجود ہے تو وہاں بھی دو صورتیں: یا عطف جائز ہوگا یا عطف جائز نہیں ہوگا۔ تو اگر فعل معنی کے اعتبار سے ہے اور عطف جائز ہے تو پھر عطف ہی کریں گے، اس لیے کیونکہ اگر آپ اس کو مَفْعُولٌ مَعَهُ بنائیں گے تو اس کے اندر عامل جو ہے وہ معنیِ فعل جو ہے اس کو ماننا پڑے گا، تو گویا آپ کو عاملِ معنوی کی طرف جانا پڑے گا اور جب آپ عطف کریں گے تو پھر اس کے اندر عامل جو ہے وہ لفظی ہو جائے گا۔ تو جب عاملِ لفظی موجود ہے تو بغیر کسی وجہ کے عاملِ معنوی کی طرف نہیں جائیں گے لہٰذا اس صورت میں عطف ہی کریں گے، جیسے: مَا لِزَيْدٍ وَعَمْرٍو۔ یہ عمر جو ہے اس کا عطف زید پر جب جائز ہے تو عطف ہی کریں گے کیونکہ فعل لفظوں میں موجود نہیں اس کا عامل لفظوں میں نہیں ہے، اور اگر آپ اس کو مَفْعُولٌ مَعَهُ بنائیں گے پھر تو عاملِ معنوی ماننا پڑے گا اور عاملِ لفظی کے ہوتے ہوئے عاملِ معنوی کی طرف نہیں جائیں گے بھئی۔

اور اگر فعل لفظوں میں نہیں ہے بلکہ معنی کے اعتبار سے ہے تو پھر اگر عطف جائز نہیں ہے، پھر تو مَفْعُولٌ مَعَهُ ہی بنانا پڑے گا پھر تو اور کوئی صورت ہی نہیں ہے، تو پھر اس کے اندر عاملِ معنوی بنا دیں گے یعنی وہ جو فعل مفہوم ہو رہا

ہے کلام سے جو معنی کے اعتبار سے فعل وہاں موجود ہے وہ عامل بن جائے گا بھئی۔

اور پھر اس کے بعد یہاں صاحبِ کافیہ کی جو عبارت آئی تھی اس پر ایک اعتراض ہوتا تھا۔ اعتراض یہ کہ صاحبِ کافیہ نے فرمایا: فَإِنْ كَانَ الْفِعْلُ لَفْظًا وَجَازَ الْعَطْفُ فَالْوَجْهَانِ، اگر فعل لفظوں میں ہو اور عطف جائز ہو تو پھر دو وجہیں جائز ہیں یعنی عطف بھی جائز ہے اور مَفْعُولٌ مَعَهُ بنانا بھی جائز ہے۔ لیکن اس پر اشکال ہوتا ہے ضَرَبْتُ زَيْدًا وَعَمْرًا کا: ضَرَبْتُ زَيْدًا وَعَمْرًا، اس عبارت کے اندر زَيْدًا جو مفعول بہ ہے یہ ہے معطوف علیہ اور وَعَمْرًا ہے اس پر معطوف، اور بالاتفاق تمام نحویوں کے نزدیک یہ جو وَعَمْرًا ہے یہ مَفْعُولٌ مَعَهُ نہیں ہو سکتا بلکہ یہ معطوف ہی ہے، معلوم ہوا یہاں پر عطف واجب ہے۔ حالانکہ یہاں وہ شرطیں پوری ہیں: شرط کیا لگائی تھی کہ اگر فعل لفظوں میں موجود ہو، ضَرَبْتُ زَيْدًا وَعَمْرًا دیکھو ضَرَبْتُ فعل لفظوں میں موجود ہے، اور عطف جائز ہو، اور عطف بھی یہاں جائز ہے۔ اور صاحبِ کافیہ نے کیا فرمایا تھا؟ جب فعل لفظوں میں ہو اور عطف جائز ہو فَالْوَجْهَانِ تو دو وجہیں جائز ہیں: رفع بھی جائز اور نصب بھی جائز، رفع بنا بر عطف کے اور نصب بنا بر مَفْعُولٌ مَعَهُ کے، لیکن یہ ضَرَبْتُ زَيْدًا وَعَمْرًا اس کے اندر تو دو وجہیں نہیں جائز، اس کے اندر تو عطف کرنا واجب ہے بھئی۔

تو اس کا جواب دیا تھا صاحبِ جامی نے اور بتلایا تھا کہ یہ جو جَازَ الْعَطْفُ، عطف جائز ہو یعنی عطف ممکن ہو، یہاں امکان سے امکانِ عام مراد نہیں ہے بلکہ امکانِ خاص مراد ہے۔ اور پھر میں نے تفصیل بیان کی تھی کہ امکانِ عام کسے کہتے ہیں اور امکانِ خاص کسے کہتے ہیں۔ خوب اچھی طرح اس کو ذہن نشین کر لیں بھئی، طلباء پریشان ہوتے ہیں کہ امکانِ عام کیا چیز ہے اور امکانِ خاص کیا چیز ہے؟ امکانِ عام کہتے ہیں جانبِ مخالف سے ضرورت کی نفی۔ دیکھو دو چیزیں ہیں: ایک ہے ہونا اور ایک ہے نہ ہونا؛ زید عالم ہے دیکھو اس میں عالم ہونے کا ذکر، زید عالم نہیں ہے اس میں دیکھو نہ ہونے کا ذکر، تو دو ہی چیزیں ہیں: یا ایک چیز کا ہونا بیان ہوگا یا نہ ہونا بیان ہوگا امکان کے ساتھ کہ یہ چیز ممکن ہے یوں کہا جائے گا یا یہ چیز ممکن نہیں ہے۔ تو دو جانبیں کیا ہو گئیں؟ ایک ہے ہونا اور ایک ہے نہ ہونا۔ اگر ہونا ذکر ہے تو اس کی جانبِ مخالف کیا؟ نہ ہونا؛ اور اگر نہ ہونا ذکر ہو تو اس کی جانبِ مخالف کیا؟ ہونا۔ تو امکانِ عام کسے کہتے ہیں؟ جانبِ مخالف سے ضرورت کی نفی یعنی جانبِ مخالف ضروری نہیں، یعنی جانبِ مخالف لازمی نہیں ہے، جانبِ مخالف لازمی نہیں ہے اور خود یہ جو ذکر ہے یہ چاہے لازمی ہو یا نہ ہو دونوں صورتیں اس میں آگئیں، بس صرف جانبِ مخالف لازمی نہیں۔ ذکر مثلاً کیا ہے؟ ہونا، کیا ذکر ہے؟ ہونا، اور جانبِ مخالف کیا؟ نہ ہونا، معلوم ہوا نہ ہونا لازمی نہیں ہے، اور خود ہونا جو ذکر ہے اس میں دونوں صورتیں ہو سکتی ہیں: ہو سکتا ہے وہ لازمی ہو ہو سکتا ہے نہ ہو، اس کی بات نہیں ہو رہی، بس صرف یہ ہے جانبِ مخالف ضروری نہیں ہونی چاہیے خود یہ چاہے ضروری ہو یا ضروری نہ ہو۔ تو امکانِ عام کسے کہتے ہیں؟ جانبِ مخالف سے ضرورت کی نفی کہ جانبِ مخالف ضروری نہیں۔

اور پھر یاد رکھو یہ امکانِ عام دو قسم پر ہے: کبھی یہ امکانِ عام مقیّد بجانبِ الوجود ہوگا اور کبھی یہ امکانِ عام مقیّد بجانبِ العدم ہوگا۔ وجود کا کیا معنی؟ ہونا؛ عدم کا کیا معنی؟ نہ ہونا۔ تو قضیۂ موجبہ کے اندر، کس کے اندر؟ قضیۂ موجبہ، قضیہ کسے کہتے ہیں؟ وہ جملہ جس کے کہنے والے کو سچا یا جھوٹا کہا جا سکے یعنی جملۂ خبریہ۔ تو قضیہ جو ہے وہ کبھی موجبہ ہوتا ہے کبھی سالبہ: موجبہ جس کے اندر ایک چیز کا دوسری چیز کے لیے اثبات ہو، زَیْدٌ عَالِمٌ دیکھو زید کے لیے عالم ہونے کا اثبات ہے تو یہ قضیۂ موجبہ ہے؛ اور اگر اس میں حرفِ نفی آجائے زَیْدٌ لَیْسَ بِعَالِمٍ زید عالم نہیں ہے، تو یہ قضیۂ سالبہ بن گیا، سلب کا معنی ہے نفی تو اس جملے کے اندر دیکھو نفی موجود ہے زید سے عالم ہونے کی نفی کی جا رہی ہے۔ تو میں بیان کر رہا تھا امکانِ عام مقیّد بجانبِ الوجود اور امکانِ عام مقیّد بجانبِ العدم: وجود کا معنی ہونا، عدم کا معنی نہ ہونا، تو جس قضیے کے اندر ہونے کا ذکر ہوگا وہ امکانِ عام مقیّد بجانبِ الوجود ہے، ممکن ہے زید عالم ہو، دیکھو اس میں عالم ہونے کا ذکر ہے تو یہ امکانِ عام مقیّد بجانبِ الوجود ہے، اور یاد رکھو اس کو لَا یَمْتَنِعُ سے تعبیر کرتے ہیں، کس سے؟ لَا یَمْتَنِعُ سے۔ اور دوسرا ہے امکانِ عام مقیّد بجانبِ العدم جو عدم کے ساتھ نہ ہونے کے ساتھ مقیّد ہو، مثلاً میں کہتا ہوں ممکن ہے زید عالم نہ ہو، دیکھو زید کے عالم نہ ہونے کا ذکر ہے تو یہ کیا ہے؟ امکانِ عام مقیّد بجانبِ العدم، اور اس کو لَا یَجِبُ سے تعبیر کرتے ہیں، کس سے؟ لَا یَجِبُ سے یعنی ضروری نہیں ہے۔ تو امکانِ عام مقیّد بجانبِ الوجود کو کس سے تعبیر کرتے ہیں؟ لَا یَمْتَنِعُ سے، اور امکانِ عام مقیّد بجانبِ العدم کو کس سے تعبیر کرتے ہیں؟ لَا یَجِبُ سے تعبیر کرتے ہیں۔

پھر اس کے بعد میں نے آپ کو بتلایا تھا امکانِ خاص کے بارے میں: امکانِ خاص وہ ہے جس میں دونوں جانب سے ضرورت کی نفی ہو، نہ ہونا ضروری ہو اور نہ، نہ ہونا ضروری ہو، اور اس کو لَا یَجِبُ لَا یَمْتَنِعُ سے تعبیر کرتے ہیں یعنی اس میں لَا یَجِبُ کی بھی قید ہے اور اس میں لَا یَمْتَنِعُ کی بھی قید ہے۔ اور پھر میں نے وجہ بھی بتلائی تھی کہ امکانِ عام کو امکانِ عام کیوں کہتے ہیں اور امکانِ خاص کو امکانِ خاص کیوں کہتے ہیں؟ وجہ یہ کہ جتنی قیدیں بڑھتی جائیں گی چیز خاص ہوتی چلی جائے گی، جیسے میں نے کہا مسلمان تو اس میں کوئی قید نہیں ساری دنیا کے مسلمان اس میں آگئے، اور جب میں نے کہا پاکستانی مسلمان اب میں نے ایک قید بڑھا دی تو اب دیکھو صرف پاکستان کے مسلمان اس میں داخل ہیں باقی دنیا کے مسلمان اس سے نکل گئے ان پر یہ لفظ صادق نہیں آسکتا، تو دیکھو افراد کم ہو گئے جب میں نے قید لگا دی۔ پھر ایک اور قید میں لگا دیتا ہوں پاکستانی لاہوری مسلمان، دیکھو اب وہ مسلمان جو پاکستان میں رہتے ہیں لیکن لاہور میں نہیں رہتے وہ بھی اس سے نکل گئے، تو افراد اور کم ہو گئے؛ معلوم ہوا جتنی قیدیں بڑھاتے جائیں چیز خاص ہوتی چلی جاتی ہے، اس کا عموم کم ہوتا ہے افراد کم ہوتے چلے جاتے ہیں۔ تو امکانِ عام میں صرف ایک قید ہوتی ہے لَا یَجِبُ یا لَا یَمْتَنِعُ، جبکہ امکانِ خاص میں دونوں قیدیں ہیں تو جب دو قیدیں ہیں تو یہ خاص ہوا اس کے افراد کیا ہو گئے؟ کم ہو گئے۔ تو امکانِ عام جو ہے وہ دو قسم پر ہوا: ایک مقیّد

بجانبِ الوجود اس کو لَا یَمْتَنِعُ سے تعبیر کرتے ہیں، اور ایک مقیّد بجانبِ العدم اور اس کو لَا یَجِبُ سے تعبیر کرتے ہیں۔

اور میں نے پھر آپ کو ایک نقشہ بھی بنوایا تھا، نقشہ بنوایا تھا کہ ایک نقطہ لگائیں اور اس سے تین لکیریں کھینچ لیں تو یہ ایک پنکھا نما صورت بن جائے گی: اس کے ایک کونے پر آپ نے کیا لکھا؟ واجب؛ دوسرے کونے پر کیا لکھا؟ ممتنع؛ اور تیسرے کونے پر لکھا ممکن۔ یاد رکھو یہ جتنی چیزیں ہیں یہ تین ہی قسم پر ہو سکتی ہیں: یا واجب ہوں گی یعنی ان کا ہونا ضروری ہوگا؛ یا کچھ چیزیں وہ ہیں جن کا ہونا ممتنع ہے وہ ہو ہی نہیں سکتیں جیسے شریکِ باری تعالیٰ، اللہ تعالیٰ کا شریک ممکن ہی نہیں ہو ہی نہیں سکتا، یا جیسے لا وجود اور لا شے، لا وجود اور لا شے ہو ہی نہیں سکتی کیونکہ اگر یہ پائی گئیں پھر تو لا وجود نہ رہے گا بلکہ وجود بن جائے گا اور لا شے نہ رہے گی بلکہ شے بن جائے گی؛ اور تیسری قسم کی چیزیں ہیں ممکن جن کا ہونا یا نہ ہونا برابر ہے، جیسے یہ جو کچھ آپ کو نظر آرہا ہے یہ سب ممکنات ہیں تو ان کے ہونے نہ ہونے سے کوئی فرق نہیں پڑتا، ان کا ہونا نہ ہونا برابر ہے بھئی۔ انسان کا کوئی ہونا ضروری نہیں ہے بھئی، انسان کو اللہ پیدا نہ فرماتے کوئی اور مخلوق پیدا فرما دیتے۔ تو چیزیں تین قسم کی ہو گئیں: واجب، ممتنع اور ممکن۔ تو واجب کو یَجِبُ سے تعبیر کرتے ہیں، تو باقی دونوں جو ہو گئیں وہ لَا یَجِبُ ہو گئیں: ممتنع بھی لَا یَجِبُ ہے اس کا ہونا ضروری نہیں، اور ممکن بھی کیا ہے لَا یَجِبُ ہے۔ اور جو ممتنع ہے اس کو کس سے تعبیر کرتے ہیں؟ یَمْتَنِعُ سے، تو باقی دونوں قسمیں وہ لَا یَمْتَنِعُ ہو گئیں: اس میں واجب بھی آگیا اور اس کے اندر ممکن بھی آگیا۔ تو دیکھو ممکن کے اندر دو قیدیں آگئیں: لَا یَجِبُ لَا یَمْتَنِعُ، اس کا ہونا بھی ضروری نہیں اور نہ ہونا بھی ضروری نہیں ہے۔ بات سمجھ میں آگئی تو معلوم

ہوا یہ ممکنِ خاص یہاں مراد ہے۔

تو اب دیکھو یہ امکان یہ آپ اپنے کلام میں بھی عام استعمال کرتے ہیں بھئی لیکن آپ نے کبھی غور نہیں کیا، مناطقہ نے غور کر کے ان کے نام رکھ دیے۔ آپ بھی کہتے ہیں ساتھیوں سے بات کرتے ہوئے: ہو سکتا ہے زید آجائے، ہو سکتا ہے زید ابھی آجائے؛ اور کبھی آپ کہتے ہیں بھئی ہو سکتا ہے زید آج نہ آئے۔ تو یہ ہو سکتا ہے یعنی ممکن ہے دیکھو یہ امکان ذکر کر رہے ہیں۔ اور آپ نے کیا کہا؟ ہو سکتا ہے زید آجائے، یہ کون سا قضیہ ہے؟ نفی ہے؟ نہیں، تو کون سا قضیہ ہے؟ موجبہ، اور قضیۂ موجبہ میں امکان ذکر ہو تو کون سا ہوتا ہے؟ امکانِ عام مقیّد بجانبِ الوجود، اور اس کو کس سے تعبیر کرتے ہیں؟ لَا یَمْتَنِعُ سے، کس سے؟ لَا یَمْتَنِعُ۔ لَا یَمْتَنِعُ کا کیا معنی؟ ناممکن نہیں ہے، ناممکن... دیکھو ادھر دیکھو، جب آپ نے کہا ہو سکتا ہے زید آجائے یہ آپ تبھی کہیں گے جب ناممکن نہ ہو، لَا یَمْتَنِعُ ہو، اگر زید کا آنا ناممکن ہے پھر آپ نہیں کہہ سکتے ہو سکتا ہے زید آجائے؛ مثلاً زید مر چکا ہے اب تو زید کا آنا ناممکن ہے، زید کا آنا ناممکن ہے، جب ناممکن ہے تو آپ یہ نہیں

کہہ سکتے کہ ہو سکتا ہے زید آجائے۔ دیکھو ہو سکتا ہے زید آجائے جانبِ مخالف کیا؟ نہ آنا، معلوم ہوا یہ آپ اسی وقت کہیں گے جب زید کا نہ آنا لازمی نہ ہو؛ اور جب وہ مرچکا ہے پھر تو اس کا نہ آنا لازمی ہے یقینی طور پر وہ نہیں آسکتا، تو پھر اس وقت آپ یہ نہیں کہہ سکتے کہ ہو سکتا ہے زید آجائے، یہ آپ تبھی کہیں گے جب زید کا آنا ناممکن نہ ہو۔ زید کا آنا ناممکن نہ ہو یعنی وہ لَا یَمْتَنِعُ ہو، یَمْتَنِعُ کا کیا معنی؟ ناممکن ناممکن، یَمْتَنِعُ ناممکن، اس پر لَا بھی لے آؤ: ناممکن نہ ہو۔ ہو سکتا ہے یہ آپ تبھی کہیں گے جب ناممکن نہ ہو بھئی، اگر ناممکن ہو پھر آپ نہیں کہیں گے۔ اور اسی طرح آپ کہتے ہیں ہو سکتا ہے زید نہ آئے، دیکھو قضیۂ سالبہ ذرا لے آؤ: ہو سکتا ہے زید نہ آئے، یہ آپ اسی وقت کہیں گے جب زید کا آنا لازمی نہ ہو؛ اگر مثلاً زید نے آپ کو ٹیلیفون کر دیا، زید نے مدرسے میں آنا ہے اس نے آپ کو فون کر دیا کہ بھئی میں مدرسے کے قریب پہنچ گیا ہوں راستے میں ہوں دو چار منٹ میں میں پہنچ جاؤں گا، تو اب آپ کسی کو بھی یہ نہیں کہیں گے ہو سکتا ہے زید نہ آئے۔ کیوں؟ کیونکہ اس کا آنا لازمی ہے۔ مثلاً آپ کیا کہنا چاہتے ہیں؟ ہو سکتا ہے زید نہ آئے، یہ آپ اسی وقت کہیں گے جب جانبِ مخالف یعنی آنا لازمی نہ ہو، اور اس وقت تو آنا لازمی ہے وہ قریب پہنچ چکا ہے آنے والا ہے تو اب آپ یہ کبھی نہیں کہیں گے ہو سکتا ہے زید نہ آئے۔ تو ہو سکتا ہے زید نہ آئے یہ آپ اسی وقت کہیں گے جب جانبِ مخالف ضروری نہ ہو، اور جانبِ مخالف یعنی آنا تو ضروری ہے لازمی ہے۔

تو یہاں پر اعتراض کیا ہوا تھا؟ اعتراض یہ ہوا تھا کہ اگر فعل لفظوں میں ہو اور عطف جائز ہو تو اس میں دو وجہیں پڑھنا جائز ہیں۔ تو جب عطف جائز ہو یعنی عطف ممکن ہو، تو صاحبِ جامی نے بتلایا تھا کہ یہاں امکان سے امکانِ عام مراد نہ لیں یہاں امکانِ خاص مراد لے لیں، بس اعتراض سارا ختم ہوا۔ امکانِ خاص کسے کہتے تھے؟ لَا یَجِبُ وَلَا یَمْتَنِعُ، یعنی جس کا ہونا ضروری بھی نہ ہو اور جو ممتنع بھی نہ ہو۔ اور دیکھو ضَرَبْتُ زَیْدًا وَعَمْرًا اس کے اندر وَعَمْرًا کا عطف واجب ہے، اس کے اندر تو... توجہ ہے؟ اس میں وَعَمْرًا کا عطف واجب ہے واجب ہے، تو یہ جب آپ نے امکان سے امکانِ خاص مراد لے لیا تو یہ نکل گیا کیونکہ امکانِ خاص کسے کہتے ہیں؟ لَا یَجِبُ وَلَا یَمْتَنِعُ یعنی اس میں واجب نہیں ہونا چاہیے، اور وَعَمْرًا کے اندر تو عطف واجب ہے بھئی۔ لہٰذا جَازَ الْعَطْفُ کا کیا معنی کیا صاحبِ جامی نے؟ لَمْ یَجِبْ وَلَمْ یَمْتَنِعْ، واجب بھی نہ ہو اور ممتنع بھی نہ ہو۔

اور پھر آگے فرمایا: وَإِلَّا اور اگر ایسا نہ ہو، اگر ایسا نہ ہو، اور پھر اس کی تفسیر کیا کی؟ وَإِنْ لَمْ یَجُزِ الْعَطْفُ بَلْ یَمْتَنِعُ بلکہ ممتنع ہو، ممتنع ہو۔ یہاں بتلانا یہ چاہتے ہیں صاحبِ جامی کہ ماقبل میں، ماقبل میں امکانِ خاص ذکر تھا اور آگے آیا وَإِلَّا اور اگر ایسا نہ ہو تو اس سے بظاہر لگتا ہے کہ اسی امکانِ خاص کی نفی ہے۔ پیچھے کیا ذکر تھا؟ پیچھے امکانِ خاص تھا، اور اگر ایسا نہ ہو یعنی امکانِ خاص نہ ہو، اور امکانِ خاص کو کس سے تعبیر کرتے تھے؟ لَا یَجِبُ لَا یَمْتَنِعُ سے، تو اس کی نفی کر دو ذرا دونوں کی: لَا یَجِبُ کی نفی کی تو کیا بن گیا؟ یَجِبُ؛ اور لَا یَمْتَنِعُ کی نفی کی تو کیا بن گیا؟ یَمْتَنِعُ۔ تو گویا وَإِلَّا اور اگر ایسا نہ ہو بَلْ یَجِبُ وَیَمْتَنِعُ یہ آنا چاہیے نا؟ پیچھے امکانِ خاص ذکر تھا اس میں دو قیدیں تھیں لَا یَجِبُ اور لَا یَمْتَنِعُ، اور آپ إِلَّا کے ذریعے اس میں نفی کر

رہے ہیں اگر ایسا نہ ہو، اور لَا يَجِبُ لَا يَمْتَنِعُ کی نفی کس طرح ہوگی؟ يَجِبُ وَيَمْتَنِعُ واجب ہو اور ممتنع ہو، تو دونوں چیزیں آ رہی تھیں۔ لیکن صاحبِ جامی نے بتلایا: وَإِلَّا أَيْ وَإِنْ لَمْ يَجُزِ الْعَطْفُ، پہلے تو نفی بتلا دی أَيْ وَإِنْ لَمْ يَجُزِ الْعَطْفُ اگر عطف جائز نہ ہو، پھر عطف جائز نہ ہونے میں کتنی صورتیں آ رہی تھیں کیونکہ پیچھے امکانِ خاص ذکر تھا، دو چیزیں کون کون سی؟ يَجِبُ اور يَمْتَنِعُ دونوں آ رہی تھیں، لیکن بتلایا یہاں دونوں مراد نہیں ہیں بَلْ يَمْتَنِعُ یہاں صرف کیا مراد ہے؟ يَمْتَنِعُ مراد ہے۔ بات سمجھ میں آ گئی؟ بلکہ عطف ممتنع ہو تَعَيَّنَ النَّصْبُ تو پھر نصب متعین ہے، بات سمجھ میں آ گئی۔

امکانِ عام کی ایک چھوٹی سی اور بات بھی یاد رکھیں: امکانِ عام مقیّد بجانبِ الوجود اس کو کس سے تعبیر کرتے ہیں؟ لَا يَمْتَنِعُ سے، معلوم ہوا اس میں ضرورت کی نفی ہوتی ہے کس سے؟ جانبِ مخالف سے، جانبِ مخالف ضروری نہیں، جانبِ مخالف ضروری... اور خود یہ جو جانب ہے جو ذکر ہے اس میں دونوں صورتیں ہو سکتی ہیں: یہ چاہے ضروری ہو یا نہ ہو دونوں اس میں ہیں۔ بس جانبِ مخالف ضروری نہیں ہونی چاہیے، جانبِ موافق جو ہے چاہے ضروری ہو یا نہ ہو دونوں اس میں آ گئیں۔ اور امکانِ عام مقیّد بجانبِ العدم میں کیا تھا؟ وہ قضیۂ سالبہ میں آئے گا، اس کو کس سے تعبیر کرتے ہیں؟ لَا يَجِبُ، اس میں بھی ایسا ہی ہے: جانبِ مخالف ضروری نہ ہو مثلاً ذکر کیا ہے؟ نہ ہونا، ہونا ضروری نہیں ہونا چاہیے اور نہ ہونا چاہے ضروری ہو یا نہ ہو دونوں صورتیں اس کے اندر آ گئیں۔ بات سمجھ میں آ گئی؟

جی، اب آئیے آج کے سبق پر بھئی۔ کہتے ہیں: وَالْحَالُ لَمَّا فَرَغَ مِنَ الْمَفَاعِيلِ شَرَعَ فِي الْمُلْحَقَاتِ بِهَا وَهُوَ مَا يُبَيِّنُ هَيْئَةَ الْفَاعِلِ أَوِ الْمَفْعُولِ بِهِ أَيْ مِنْ حَيْثُ هُوَ فَاعِلٌ أَوْ مَفْعُولٌ بِهِ كَمَا هُوَ الظَّاهِرُ، فَبِذِكْرِ الْهَيْئَةِ يَخْرُجُ مَا يُبَيِّنُ الذَّاتَ كَالتَّمْيِيزِ.

اب حال کے بارے میں ہم پڑھیں گے بھئی۔ مفاعیلِ خمسہ کا بیان گزر گیا: مفعولِ مطلق، مفعول بہ، مفعول لہ، مفعول فیہ اور مفعول معہ، سب کا بیان گزر گیا۔ اب جو چیزیں مفاعیل کے ساتھ ملحق ہیں یعنی وہ چیزیں جو مفاعیل کے ساتھ ملائی گئی ہیں یعنی ان پر بھی نصب آتا ہے کیونکہ بیان کس کا چل رہا ہے؟ منصوبات کا۔ تو مفاعیل منصوب ہوتے ہیں اور کچھ اور چیزیں بھی مفاعیل کے ساتھ ملائی گئی ہیں وہ بھی منصوب ہوتی ہیں تو اب ان کا بیان کرنے لگے ہیں۔ تو کہتے ہیں: وَالْحَالُ، اور حال جو ہے لَمَّا فَرَغَ مِنَ الْمَفَاعِيلِ جب مصنف رحمہ اللہ مفاعیل کے بیان سے فارغ ہوئے تو شَرَعَ فِي الْمُلْحَقَاتِ بِهَا تو وہ شروع ہوئے ان چیزوں کے بیان میں جو مفاعیل کے ساتھ ملحق ہیں یعنی ان کے ساتھ ملائی گئی ہیں یعنی ان کے جو متعلقات ہیں، تو وہ جو مفاعیل کے متعلقات ہیں ان کے بیان میں وہ شروع ہوئے۔

وَهُوَ مَا يُبَيِّنُ هَيْئَةَ الْفَاعِلِ أَوِ الْمَفْعُولِ بِهِ، جی پہلے متن متن ہم حل کرتے ہیں: کہتے ہیں مَا يُبَيِّنُ هَيْئَةَ الْفَاعِلِ أَوِ الْمَفْعُولِ بِهِ کہ حال وہ چیز ہے يُبَيِّنُ جو بیان کرتی ہے هَيْئَةَ الْفَاعِلِ أَوِ الْمَفْعُولِ بِهِ فاعل یا مفعول بہ کی حالت بھئی۔ ہیئت کا کیا معنی؟ حالت۔ حال وہ چیز ہے جو فاعل یا مفعول بہ کی حالت بیان کرتی ہے۔ بھئی صاحبِ کافیہ کا مذہب یہ ہے کہ حال صرف فاعل یا مفعول بہ کی حالت بیان کرتا ہے، جبکہ اور بعض بڑے نحوی جیسے ابنِ مالک رحمہ اللہ یہ بھی بہت بڑے نحوی گزرے ہیں،

وہ فرماتے ہیں کہ حال مطلقاً کسی چیز کی حالت بیان کرتا ہے، فاعل یا مفعول کی حالت ضروری نہیں بلکہ مطلقاً کسی چیز کی حالت بیان کرتا ہے؛ لیکن صاحبِ کافیہ کا مذہب یہ ہے کہ حال صرف فاعل یا مفعول بہ کی حالت بیان کرتا ہے اور کسی چیز کی حالت بیان نہیں کرتا۔ جَاءَنِي زَيْدٌ رَاكِبًا، جَاءَنِي زَيْدٌ زید میرے پاس آیا رَاكِبًا اس حال میں کہ وہ سوار تھا۔ زید میرے پاس آیا اس حال میں کہ وہ سوار تھا، تو یہ دیکھو رَاكِبًا حال ہے کس سے؟ زَيْدٌ سے، اور زَيْدٌ فاعل ہے اس جملے کے اندر، تو زَيْدٌ ہوا ذوالحال اور رَاكِبًا ہوا اس سے حال بھئی۔ تو حال کس کی حالت بیان کرتا ہے؟ فاعل کی یا مفعول بہ کی۔ یہ تو تھا فاعل کی حالت اس نے بیان کی رَاكِبًا نے، کبھی حال مفعول کی حالت بیان کرے گا: ضَرَبْتُ زَيْدًا قَائِمًا، میں نے زید کی پٹائی کی قَائِمًا اس حال میں کہ وہ کھڑا تھا، تو یہ قَائِمًا حال ہے کس سے؟ زَيْدًا سے، توجہ ہے؟ تو دیکھو یہ مفعول بہ کی حالت بیان کی قَائِمًا نے۔ تو حال کسے کہتے ہیں؟ جو فاعل یا مفعول بہ کی حالت بیان کرے۔ اور کبھی کبھار یہ دونوں کی حالت بیان کرے گا، جیسے: ضَرَبَ زَيْدٌ عَمْرًا رَاكِبَيْنِ، ضَرَبَ زَيْدٌ زید نے پٹائی کی عَمْرًا عمر کی رَاكِبَيْنِ اس حال میں کہ دونوں سوار تھے؛ پٹائی کرنے والا بھی سوار تھا اور جس کی پٹائی کی وہ بھی سوار تھا، تو یہ رَاكِبَيْنِ حال ہے کس سے؟ فاعل اور مفعول دونوں سے بھئی: ضَرَبَ زَيْدٌ عَمْرًا رَاكِبَيْنِ، پٹائی کی زید نے عمر کی اس حال میں کہ دونوں سوار تھے۔

اور یاد رکھنا یہ جو حال ہے چونکہ یہ فاعل یا مفعول بہ کی حالت بیان کرتا ہے اس لیے اس حال کا ربط چاہیے فاعل یا مفعول بہ کے ساتھ۔ مثلاً دیکھو میں نے کہا جَاءَنِي زَيْدٌ رَاكِبًا، یہ رَاكِبًا کس کی حالت بیان کر رہا ہے؟ زید یعنی فاعل کی حالت بیان کر رہا ہے، تو زید ہوا ذوالحال اور رَاكِبًا ہوا حال۔ اور حال جو ہے یاد رکھو یہ خبر کے درجے میں ہوتا ہے، گویا آپ زید کی ایک خبر بتلا رہے ہیں کہ وہ آیا بھی تھا اور کس حال میں تھا؟ سوار تھا، تو یہ خبر کے درجے میں ہے۔ تو یہ حال کا حمل ہوتا ہے کس پر؟ ذوالحال پر، توجہ ہے؟ جیسے خبر کا حمل ہوتا ہے مبتدا پر: زَيْدٌ قَائِمٌ، یہ قَائِمٌ کیا ہے؟ خبر ہے اور اس کا حمل مبتدا زَيْدٌ پر ہے، تو جیسے خبر کا حمل ہوتا ہے مبتدا پر اسی طرح یہ حال جو ہے یہ ذوالحال کے لیے خبر کے درجے میں ہے، اس کی ایک بات اور اس کی حالت بیان کی جا رہی ہے، تو یہ حال کا حمل ہوتا ہے ذوالحال پر، تو اس کا ربط چاہیے ذوالحال کے ساتھ۔ آپ جانتے ہیں فعل یا شبہِ فعل کو جب بھی کسی چیز سے جوڑا جائے درمیان میں ربط ضروری ہے، تو حال کو بھی جب آپ ذوالحال کے ساتھ جوڑنا چاہتے ہیں تو درمیان میں ربط چاہیے۔ تو میں ترکیب بیان کر رہا تھا: جَاءَنِي زَيْدٌ رَاكِبًا۔ جَاءَ فعل، نونِ وقایہ، یا ضمیر منصوب محلاً مفعول بہ، زَيْدٌ مرفوع لفظاً۔ مرفوع کیوں؟ فاعل ہے، تو فاعل ہے اور یہی ذوالحال بھی بنے گا تو یوں کہیں: زَيْدٌ مرفوع لفظاً ذوالحال... رَاكِبًا منصوب لفظاً صیغۂ اسمِ فاعل، منصوب کیوں؟ کیونکہ حال ہے اور حال منصوب ہوتا ہے؛ اور یہ صیغۂ اسمِ فاعل ہے اور اسمِ فاعل کے لیے ہمیشہ کیا چاہیے؟ فاعل چاہیے، تو اس کے اندر هُوَ ضمیر فاعل ہے اور یہ هُوَ ضمیر کس کو راجع؟ ذوالحال کو راجع ہے، وہ سوار کون ہے؟ وہ زید سوار یعنی ذوالحال سوار ہے، تو هُوَ ضمیر راجع ہے ذوالحال کو، یہ ربط آگیا حال کا ذوالحال کے ساتھ۔ اسمِ فاعل اپنے فاعل سے مل کر شبہِ جملہ ہو کر یہ حال، ذوالحال اپنے حال سے مل کر

یہ فاعل ہوا جَاءَ کے لیے، جَاءَ فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر جملۂ فعلیہ خبریہ ہوا۔

دیکھیے بھئی کتاب پر، کہتے ہیں: وَهُوَ مَا يُبَيِّنُ هَيْئَةَ الْفَاعِلِ أَوِ الْمَفْعُولِ بِهِ، حال وہ چیز ہے کہ جو فاعل یا مفعول بہ کی حالت بیان کرے۔ آگے متن متن دیکھیے: لَفْظًا أَوْ مَعْنًى، یعنی وہ فاعل یا مفعول بہ جن سے حال آرہا ہے وہ لفظاً بھی ہو سکتے ہیں اور معنیً، یعنی وہ فاعل یا مفعول بہ لفظوں کے اعتبار سے بھی ہو سکتا ہے فاعل یا مفعول بہ ہوں، اور کبھی ہو سکتا ہے لفظوں کے اعتبار سے فاعل یا مفعول بہ نہ ہوں بلکہ معنی کے اعتبار سے ہوں، کس کے اعتبار سے؟ معنی کے اعتبار سے۔ جیسے میں نے ابھی مثال ذکر کی: جَاءَنِي زَيْدٌ رَاكِبًا، یہ رَاكِبًا حال ہے کس سے؟ زید سے، اور زید لفظوں کے اندر فاعل ہے: جَاءَ فعل ہے اور زَيْدٌ اس کے لیے فاعل ہے۔ اور کبھی یہ فاعل اور مفعول بہ لفظوں کے اعتبار سے نہیں ہوں گے بلکہ معنی کے اعتبار سے ہوں گے، جیسے آگے مثال ذکر کریں گے صاحبِ کافیہ: هٰذَا زَيْدٌ قَائِمًا۔ هٰذَا زَيْدٌ قَائِمًا، ترکیب کیا؟ هٰذَا مبتدا ہے، زَيْدٌ

خبر ہے، اور یہ قَائِمًا یہ زَيْدٌ سے حال ہے۔ تو اس پر اشکال ہوتا ہے کہ آپ نے تو ہمیں کیا کہا کہ حال فاعل یا مفعول بہ کی حالت بیان کرتا ہے، اور هٰذَا زَيْدٌ قَائِمًا اس جملے کے اندر یہ جو زید ہے اس سے حال آرہا ہے، اور یہ زید یہ نہ تو فاعل ہے نہ مفعول بہ، یہ تو خبر ہے؛ یہ تو خبر ہے، خبر سے حال آگیا اور آپ نے تو ہمیں کیا کہا تھا حال کس سے آتا ہے؟ فاعل یا مفعول بہ سے آتا ہے۔ تو اس کا جواب دیں گے کہ زید لفظوں کے اعتبار سے یہ مفعول بہ نہیں لیکن معنی کے اعتبار سے مفعول بہ ہے۔ کیونکہ هٰذَا زَيْدٌ کا معنی ہے أُشِيرُ زَيْدًا، میں اشارہ کر رہا ہوں زید کی طرف، کیونکہ هٰذَا اسمِ اشارہ آگیا؛ تو یہ کس معنی میں ہوا گویا کلام؟ أُشِيرُ زَيْدًا، میں اشارہ کر رہا ہوں کس کی طرف؟ زید کی طرف، تو زید دیکھو مفعول بہ ہوا أُشِيرُ فعل کے لیے، اور مفعول بہ سے حال آسکتا ہے۔ تو هٰذَا زَيْدٌ قَائِمًا کے اندر یہ جو زید ہے یہ لفظوں کے اعتبار سے تو مفعول بہ نہیں لیکن معنی کے اعتبار سے یہ مفعول بہ ہے۔ معلوم ہوا کہ فاعل یا مفعول بہ لفظوں کے اعتبار سے ہونا ضروری نہیں بلکہ معنی کے اعتبار سے بھی وہ فاعل یا مفعول بہ ہو سکتے ہیں۔

تو کہتے ہیں: لَفْظًا أَوْ مَعْنًى، یعنی وہ فاعل یا مفعول بہ لفظوں کے اعتبار سے ہوں گے أَوْ مَعْنًى یا معنی کے اعتبار سے ہوں گے۔ آگے ذرا دیکھیے متن متن مثالیں بھی دیکھ لیجیے: مِثْلُ ضَرَبْتُ زَيْدًا قَائِمًا، توجہ ہے عبارت مل گئی؟ ضَرَبْتُ زَيْدًا قَائِمًا، میں نے پٹائی کی زید کی اس حال میں کہ وہ کھڑا تھا۔ یہ قَائِمًا یاد رکھو، یہ حال ہے اور یہ فاعل سے بھی حال ہو سکتا ہے یہاں پر اور مفعول بہ سے بھی۔ فاعل کون ہے؟ ضَرَبْتُ کی تا۔ اور مفعول بہ کون ہے؟ زَيْدًا۔ تو یہ فاعل سے بھی حال ہو سکتا ہے اور مفعول بہ سے بھی یہ حال ہو سکتا ہے۔ تو فاعل یا مفعول بہ دونوں سے یہاں حال ہونے کا احتمال ہے۔ یاد رکھو جب آپ حال لانا چاہتے ہیں فاعل یا مفعول بہ سے، تو اگر کوئی قرینہ وغیرہ موجود ہے جس سے سننے والے کو پتہ چل جائے گا کہ یہ کس سے حال ہے، فاعل سے حال ہے یا مفعول... جیسے یہاں دیکھو دونوں سے حال ہونے کا احتمال ہے؛ تو اگر کوئی قرینہ موجود ہے

جس سے سننے والے کو پتہ چل جائے کہ بھئی یہ فاعل سے حال ہے یا یہ مفعول بہ سے حال ہے، پھر تو حال کو بے شک آپ آخر میں لے آئیں؛ لیکن اگر کوئی قرینہ نہ ہو تو پھر حال کو ذوالحال کے ساتھ لے کر آئیں۔ اگر آپ تا سے حال بنانا چاہتے ہیں تو یوں کہیں: ضَرَبْتُ قَائِمًا زَيْدًا، ضَرَبْتُ قَائِمًا زَيْدًا۔ اور اگر آپ زَيْدًا سے حال بنانا چاہتے ہیں تو پھر اسی طرح کہیں: ضَرَبْتُ زَيْدًا قَائِمًا۔ تو اگر کوئی قرینہ موجود ہو تو پھر حال کو جہاں بھی ذکر کر دیں، اور اگر کوئی قرینہ نہیں ہے پھر حال کو کہاں ذکر کرنا چاہیے؟ ذوالحال کے ساتھ تاکہ سننے والے کو پتہ چل جائے۔ تو کہتے ہیں: مِثْلُ ضَرَبْتُ زَيْدًا قَائِمًا، تو اس میں یہ قَائِمًا یہ ضَرَبْتُ کی تا سے بھی حال ہو سکتا ہے اور زَيْدًا سے بھی حال ہو سکتا ہے۔ اور دیکھو فاعل سے اگر حال بناؤ تا ضمیر سے تو تا ضمیر لفظوں کے اعتبار سے فاعل ہے ضَرَبَ فعل کے لیے، اور اگر آپ زَيْدًا سے حال بناؤ تو زَيْدًا بھی مفعول بہ ہے، تو یہ فاعل اور مفعول بہ لفظی ہیں، یہ کیا ہیں؟ یعنی لفظوں کے اعتبار سے فاعل اور مفعول بہ بن رہے ہیں۔

اگلی مثال دیکھیے متن میں: وَزَيْدٌ فِي الدَّارِ قَائِمًا۔ زید جو ہے ثابت ہے اس گھر میں اس حال میں کہ وہ کھڑا ہے، زید اس گھر میں ہے قیام کی حالت میں۔ تو ترکیب کیا ہے؟ زَيْدٌ ہے بتدا، اور فِي جارہ، الدَّارِ مجرور؛ جار مجرور مل کر متعلق کس سے؟ ثَابِتٌ یا ثَبَتَ سے متعلق ہوئے، اور ثَابِتٌ یا ثَبَتَ کے اندر هُوَ ضمیر جو ہے وہ ہے ذوالحال، اور وہ ضمیر لوٹ رہی ہے زید کی طرف؛ اور یہ قَائِمًا اس سے حال ہے۔ تو قَائِمًا حال ہے اور حال کو کس سے جوڑتے ہیں؟ ذوالحال سے، تو اس قَائِمًا کے اندر هُوَ ضمیر ہے جو ذوالحال کو راجع، اور ذوالحال کیا تھا؟ ثَابِتٌ یا ثَبَتَ کے اندر هُوَ ضمیر تھی۔ یہ قَائِمًا اسمِ فاعل اپنے فاعل سے مل کر شبہِ جملہ ہو کر حال، ذوالحال اپنے حال سے مل کر یہ فاعل ہوا ثَبَتَ یا ثَابِتٌ کے لیے، اور ثَبَتَ یا ثَابِتٌ اپنے فاعل اور متعلق جو ہے فِي الدَّارِ اس سے مل کر، اگر ثَبَتَ نکالا ہے تو جملہ ہو کر یہ خبر، اور اگر ثَابِتٌ نکالا ہے تو یہ شبہِ جملہ ہو کر یہ خبر بنے گی۔ بات سمجھ میں آگئی؟ اب دیکھو اس مثال کے اندر یہ قَائِمًا حال ہے ثَابِتٌ کے اندر هُوَ ضمیر سے، اور هُوَ ضمیر اگرچہ ہم اس پر تلفظ نہیں کر رہے لیکن وہ حکماً ملفوظ ہے۔ وہ... بھئی دیکھو مثلاً میں کہتا ہوں، توجہ سے سنو: زَيْدٌ ضَارِبٌ، زَيْدٌ ضَارِبٌ ترکیب کیا ہوگی؟ زَيْدٌ مرفوع لفظاً بتدا، ضَارِبٌ مرفوع لفظاً صیغۂ اسمِ فاعل، اس کے اندر هُوَ ضمیر مرفوع محلاً اس کا فاعل جو کس کو راجع؟ زید کو، اسمِ فاعل اپنے فاعل سے مل کر شبہِ جملہ ہو کر خبر۔ یاد رکھو یہ جو ضمیرِ مستتر ہوتی ہے نا کسی لفظ کے اندر، یہ بھی ملفوظ ہے حکماً؛ حقیقتاً تو ملفوظ نہیں، حقیقتاً تو ہم اس پر تلفظ نہیں کر رہے زَيْدٌ ضَارِبٌ میں نے تو کوئی هُوَ پر تلفظ نہیں کیا، لیکن یہ حکماً ملفوظ ہے کیونکہ یہ هُوَ ضمیر کس کے ضمن میں آگئی؟ ضَارِبٌ اسی صیغے کے ضمن میں آگئی۔ تو یہ ضمیرِ مستتر جو ہوتی ہے کسی لفظ کے اندر یہ بھی حکماً ملفوظ ہوتی ہے یعنی اس پر بھی ملفوظ ہونے کا حکم لگایا جاتا ہے کہ یہ ملفوظ ہی ہے۔ تو ایک ہوتا ہے حقیقتاً ملفوظ، ایک ہے حکماً ملفوظ: حقیقتاً ملفوظ کیا ہے؟ زَيْدٌ ضَارِبٌ یہ لفظِ زید بھی حقیقتاً ملفوظ اور لفظِ ضارب بھی حقیقتاً ملفوظ ہے، ہم ان پر تلفظ کر رہے ہیں؛ اور ایک حکماً ملفوظ ہے جو ضَارِبٌ کے اندر هُوَ ضمیرِ مستتر ہے، معلوم ہوا ملفوظ کتنی قسم پر ہو گیا؟ دو قسم پر: کبھی ملفوظ حقیقتاً ہوگا اور کبھی ملفوظ حکماً ہوگا۔ تو ترکیب کیا ہوئی

زَيْدٌ فِي الدَّارِ قَائِمًا؟ یہ فِي الدَّارِ کو کس سے جوڑا؟ ثَابِتٌ سے، اور میں نے آپ کو بتلایا تھا کہ یہ طلباء کو سمجھانے کے لیے کہتے ہیں کہ یہاں ثَابِتٌ یا ثَبَتَ ہے، وہ ثَابِتٌ یا ثَبَتَ جا چکا، اور اس کی وہ جو ضمیر ہے وہ فِي الدَّارِ کے اندر چھپ گئی ہے اس ظرف کے اندر، اسی لیے اس کو ظرفِ مستقر کہتے ہیں؛ مُسْتَقَرّ کون سا صیغہ ہے؟ اسمِ ظرف ہے قرار پکڑنے کی جگہ، یہ فِي الدَّارِ اس ضمیر کے قرار پکڑنے کی جگہ ہے، اس جگہ میں آکر وہ ضمیر چھپ گئی، ثَابِتٌ تو چلا گیا اور اس کی جگہ کون آگیا؟ فِي الدَّارِ؛ اب وہ سارے عمل جو ثَابِتٌ کر رہا تھا اب وہ فِي الدَّارِ کرے گا، اور ثَابِتٌ کیا عمل کر رہا تھا؟ هُوَ ضمیر کو رفع دے رہا تھا، تو وہ ضمیر اب کس کے اندر چھپ گئی؟ فِي الدَّارِ کے اندر چھپ گئی، اب یہ فِي الدَّارِ اس کو رفع دے رہا ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ معلوم ہوا فِي الدَّارِ کے اندر ضمیرِ مستتر ہے، اور ضمیرِ مستتر جب کسی لفظ میں ہو تو اس کو بھی کیا سمجھا جاتا ہے کہ وہ حکماً ملفوظ ہے، وہ... جب حکماً هُوَ ضمیر ملفوظ ہے تو آگے جو قَائِمًا آیا حال یہ کس سے آیا؟ ایسے فاعل سے جو ملفوظ ہے۔ قَائِمًا کس سے حال؟ هُوَ ضمیر سے اور هُوَ ضمیر ملفوظ ہے، حقیقتاً تو نہیں ملفوظ لیکن حکماً ملفوظ ہے، تو یہ قَائِمًا جو حال آیا یہ بھی ایسے فاعل سے حال آیا ہے جو ملفوظ ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ یہ جو پیچھے متن میں آیا تھا نا کہ لَفْظًا أَوْ مَعْنًى کہ وہ فاعل یا مفعول بہ ملفوظ ہوں گے أَوْ مَعْنًى یا معنی کے اعتبار سے ہوں گے، تو ملفوظ ہونا گویا دو قسم پر ہو گیا: کبھی حقیقتاً ملفوظ ہوگا اور کبھی حکماً ملفوظ ہوگا۔ پہلی مثال جو دی ضَرَبْتُ زَيْدًا قَائِمًا، اس کے اندر فاعل اور مفعول حقیقتاً ملفوظ ہیں، اور زَيْدٌ فِي الدَّارِ قَائِمًا اس کے اندر جو فِي الدَّارِ کے اندر هُوَ ضمیر ہے وہ حکماً ملفوظ ہے؛ بہرحال یہ دونوں مثالیں ملفوظ کی ہیں، وہ فاعل یا مفعول جو ملفوظ ہوتے ہیں جن سے حال آیا ہے، ایک البتہ ملفوظِ حقیقی کی مثال ہے اور دوسری ملفوظِ حکمی کی کہ وہ فاعل جس سے آگے حال آرہا ہے وہ حکماً ملفوظ ہے۔

اگلی مثال دیکھیے: وَهٰذَا زَيْدٌ قَائِمًا۔ اب دیکھو هٰذَا ہے مبتدا، زَيْدٌ ہے خبر، اور اس زَيْدٌ سے آگے قَائِمًا حال آرہا ہے، اور قَائِمًا کی ترکیب کیسے ہوگی؟ قَائِمًا منصوب لفظاً صیغۂ اسمِ فاعل، اور اس کے اندر هُوَ ضمیر مرفوع محلاً اس کا فاعل، اور وہ ضمیر کس کو راجع؟ حال کو کس سے جوڑتے ہیں؟ ذوالحال سے، تو وہ هُوَ ضمیر زید یعنی ذوالحال کو راجع ہے۔ اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ آپ نے تو ہمیں کیا کہا کہ حال کس کی حالت بیان کرتا ہے؟ فاعل یا مفعول بہ کی، اور یہ زید یہ تو خبر ہے، هٰذَا مبتدا زید خبر، یہ تو نہ فاعل ہے اور نہ مفعول ہے۔ تو جواب دیں گے کہ بھئی یہ لفظوں کے اعتبار سے اگرچہ مفعول بہ نہیں لیکن معنی کے اعتبار سے یہ مفعول بہ ہے۔ تو یہ مفعول بہ معنوی کی مثال ہو گئی۔ پہلے جو مثالیں تھیں وہ ملفوظ کی مثالیں تھیں، یعنی وہ فاعل یا مفعول ملفوظ تھے چاہے حقیقتاً تھے یا حکماً؛ اور یہ کس کی مثال ہے؟ معنوی، جو فاعل یا مفعول بہ جو معنوی ہیں یعنی معنی کے اعتبار سے فاعل یا مفعول بہ ہیں، لفظوں کے اعتبار سے فاعل یا مفعول بہ نہیں ہیں۔ بات سمجھ میں آگئی اچھی طرح؟

جی اب آئیے بھئی اس سارے کو شرح کے ساتھ حل کریں، شروع سے دیکھیے بھئی۔ کہتے ہیں: وَهُوَ مَا يُبَيِّنُ هَيْئَةَ الْفَاعِلِ أَوِ الْمَفْعُولِ بِهِ، حال وہ ہے کہ جو بیان کرتا ہے فاعل یا مفعول بہ کی حالت کو، أَيْ مِنْ حَيْثُ هُوَ فَاعِلٌ أَوْ مَفْعُولٌ بِهِ كَمَا هُوَ الظَّاهِرُ، مِنْ حَيْثُ اس حیثیت سے کہ هُوَ فَاعِلٌ أَوْ مَفْعُولٌ بِهِ کہ وہ فاعل یا مفعول بہ ہے، كَمَا هُوَ الظَّاهِرُ جیسے کہ یہی ظاہر ہے۔ بھئی بتلانا یہ چاہتے ہیں کہ یہاں حیثیت کی قید معتبر ہے، توجہ سے سمجھو اس بات کو، کہ یہاں حیثیت کی قید معتبر ہے۔ حال کسے کہتے ہیں؟ جو فاعل یا مفعول بہ کی حالت بیان کرتا ہے، لیکن مطلقاً نہیں، فاعل یا مفعول بہ ہونے کی حیثیت سے اس کی حالت بیان کرتا ہے، توجہ ہے؟ کس حیثیت سے؟ فاعل یا مفعول بہ ہونے کی حیثیت سے اس کی حالت بیان کرتا ہے۔ مثلاً کبھی کبھار فاعل کی صفت آجاتی ہے: جَاءَنِي زَيْدٌ الْعَالِمُ۔ یہ زَيْدٌ مرفوع لفظاً ہے کیونکہ یہ فاعل ہے جَاءَ کے لیے، اور الْعَالِمُ اس کی صفت ہے؛ تو دیکھو یہ الْعَالِمُ حالت بیان کر رہا ہے زید کی جو کہ فاعل ہے۔ تو حال کی تعریف تو اس پر بھی صادق آرہی ہے، حال کسے کہتے تھے؟ وہ چیز جو فاعل یا مفعول بہ کی حالت بیان کرے، اور جَاءَنِي زَيْدٌ الْعَالِمُ یہ الْعَالِمُ کس کی صفت ہے؟ زید کی، تو صفت بھی تو حالت کسی کی بیان کرتی ہے: زید میں احتمال تھا پتہ نہیں عالم ہے یا عالم نہیں، الْعَالِمُ صفت نے آکر اس کی حالت بیان کر دی کہ وہ عالم ہے؛ تو صفت بھی کیا کرتی ہے؟ کسی چیز کی حالت بیان کرتی ہے۔ تو آپ نے حال کی کیا تعریف کی؟ حال وہ ہے جو فاعل یا مفعول بہ کی حالت بیان کرے، تو آپ کی تعریف میں تو صفت بھی داخل ہو گئی: جَاءَنِي زَيْدٌ الْعَالِمُ، الْعَالِمُ کیا ہے؟ وہ زید جو فاعل ہے اس کی حالت بیان کر رہی ہے۔ تو اسی لیے صاحبِ جامی نے قید لگا دی کہ حال وہ ہے جو فاعل یا مفعول بہ کی حالت بیان کرے اس حیثیت سے کہ وہ فاعل یا مفعول بہ ہے؛ اور یہ جو زَيْدٌ فاعل کی صفت آپ الْعَالِمُ لائے یہ الْعَالِمُ زید کی حالت تو بیان کر رہی ہے لیکن فاعل ہونے کی حیثیت سے حالت نہیں بیان کر رہی بلکہ مطلقاً اس کی حالت بیان کر رہی ہے، کس کی؟ فاعل کی، مطلقاً حالت بیان کر رہی ہے۔ دیکھو پھر سنو، حال جو ہے فاعل یا مفعول بہ کی حالت بیان کرتا ہے کس حیثیت سے؟ فاعل یا مفعول بہ ہونے کی حیثیت سے بیان کرتا ہے۔ یعنی ادھر دیکھو، یعنی جس وقت وہ فاعل، فاعل ہے صرف اس وقت کی حالت بیان کرتا ہے؛ جس وقت وہ مفعول بہ ہے صرف اس وقت کی حالت بیان کرتا ہے۔ جَاءَنِي زَيْدٌ رَاكِبًا میرے پاس زید آیا کس حال میں؟ سوار تھا، یہ سوار ہونا یہ زید کی حالت بیان کر رہا ہے، لیکن مطلقاً نہیں، صرف اس کے آنے کی حالت یعنی جس وقت وہ یہ آنے والا فعل کر رہا تھا یعنی جس وقت وہ فاعل تھا اس وقت وہ سوار تھا؛ اس سے پہلے سوار تھا یا نہیں، یا اس کے بعد تھا یا نہیں، اس نے باقی حالتیں بیان نہیں کیں، صرف کس وقت کی حالت بیان کر رہا ہے؟ جب وہ فاعل تھا مجیئت کے فعل کے لیے، جب وہ آ رہا تھا اس وقت وہ کیا تھا؟ سوار تھا۔ تو حال کس کی حالت بیان کرتا ہے؟ فاعل یا مفعول بہ کی، لیکن مطلقاً نہیں بلکہ صرف جس وقت وہ فاعل یا مفعول بہ ہو، تو فاعل یا مفعول بہ ہونے کی حیثیت سے وہ ان کی حالت بیان کرتا ہے۔ اور فاعل کب فاعل ہوتا ہے؟ جب اس کی طرف فعل کا اسناد ہو رہا ہو؛ اور مفعول بہ کب مفعول بہ ہوتا ہے؟ جب اس پر فعل واقع ہو رہا

ہو؛ تو صرف اس وقت کی حالت بیان کرتا ہے، مطلقاً حالت بیان نہیں کرتا۔ تو جَاءَنِي زَيْدٌ رَاكِبًا یہ رَاكِبًا نے زید کی حالت بیان کی، مطلقاً کہ زید سوار تھا یا صرف آنے کی حالت میں جب وہ آنے کا فعل کر رہا تھا جب وہ مجیئت کا فاعل تھا؟ جب وہ مجیئت کا فاعل ہے، جس وقت جَاءَ کا اسناد اس کی طرف ہو رہا ہے صرف اس وقت کی حالت

بیان کی کہ اس وقت وہ سوار تھا؛ اس سے پہلے تھا یا نہیں یہ ذکر نہیں، اس کے بعد تھا یا نہیں یہ ذکر نہیں، صرف کس وقت جب زید فاعل تھا اس وقت کیا تھا؟ سوار۔ یا ضَرَبْتُ زَيْدًا قَائِمًا میں نے زید کی پٹائی کی اس حال میں کہ وہ کھڑا تھا، تو یہ مفعول بہ کی حالت بیان کی: ضَرَبْتُ زَيْدًا یہ زَيْدًا مفعول بہ ہے اس سے آگے میں قَائِمًا حال لے آیا میں نے زید کی پٹائی کی اس حال میں کہ وہ کھڑا تھا، تو یہ حال ہے کس سے؟ مفعول بہ سے، اور حال کسے کہتے ہیں؟ جو فاعل یا مفعول بہ کی حالت بیان کرے، تو یہ قَائِمًا بھی مفعول بہ کی حالت بیان کر رہا ہے لیکن مطلقاً نہیں، صرف اس حیثیت سے کہ یہ مفعول بہ ہے؛ یعنی یہ جو قیام زید کی حالت بیان کر رہا ہے یہ صرف کس حالت میں ہے؟ اس کے مفعول بہ ہونے کی حالت میں ہے، اس وقت یہ قائم تھا اس سے پہلے یا اس کے بعد کو وہ بیان نہیں کر رہا۔ بات سمجھ میں آگئی؟ جبکہ صفت، صفت تو مطلق حالت بیان کرتی ہے: جَاءَنِي زَيْدٌ الْعَالِمُ آیا میرے پاس وہ زید جو عالم ہے، اب یہ الْعَالِمُ بھی زید جو فاعل ہے اس کی حالت بیان کر رہی ہے لیکن صرف فاعل ہونے کی حیثیت سے حالت نہیں بیان کر رہی بلکہ مطلقاً حالت بیان کر رہی ہے۔ آپ ذرا دوسری عبارت لے آؤ: مثلاً دوسری صورت بنا لیں: زَيْدٌ الْعَالِمُ أَخُوكَ، اب زَيْدٌ مبتدا ہے اور الْعَالِمُ اس کی صفت ہے، وہ زید جو عالم ہے أَخُوكَ آپ کا بھائی ہے، تو اس ترکیب میں دیکھو زَيْدٌ ہے مبتدا اور الْعَالِمُ یہ اس کی صفت ہے اور ابھی بھی یہ اس کی حالت بیان کر رہی ہے یعنی زید کی حالانکہ زید تو فاعل نہیں ہے۔ ایک جملہ کیا تھا جس میں الْعَالِمُ فاعل کی صفت تھی: جَاءَنِي زَيْدٌ الْعَالِمُ، میرے پاس وہ زید آیا جو عالم ہے، تو یہ عالم کس کی حالت بیان کر رہی ہے؟ زید کی اور زید کیا ہے؟ فاعل ہے، لیکن یہ عالم زید کی فاعل ہونے کی حیثیت سے حالت نہیں بیان کر رہا بلکہ مطلقاً اس کی حالت بیان کر رہا ہے؛ چنانچہ آپ نے مبتدا خبر بنایا ابھی بھی وہ اس کی حالت بیان کر رہا ہے وہی صفت لے آؤ: زَيْدٌ الْعَالِمُ أَخُوكَ، ابھی بھی الْعَالِمُ کس کی حالت بیان کر رہا ہے؟ زید کی حالانکہ وہ نہ فاعل ہے نہ مفعول بہ ہے وہ تو مبتدا ہے۔ جبکہ حال صرف فاعل یا مفعول بہ کی حالت بیان کرتا ہے، جیسے: جَاءَنِي زَيْدٌ رَاكِبًا آیا میرے پاس زید اس حال میں کہ سوار تھا، اب ذرا زید کو مبتدا بناؤ: زَيْدٌ رَاكِبًا أَخُوكَ، ادھر دیکھو زَيْدٌ رَاكِبًا أَخُوكَ، رَاكِبًا آپ نہیں لا سکتے کیونکہ یہ حال ہے اور حال صرف کس کی حالت بیان کرتا ہے؟ فاعل یا مفعول بہ کی حالت بیان کرتا ہے، اور زید اس وقت نہ فاعل ہے نہ مفعول بہ ہے یہ تو مبتدا ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو صفت مطلقاً ایک چیز کی حالت بیان کرتی ہے، آپ اس کو کسی اور حالت میں بھی لے جائیں وہ فاعل یا مفعول نہ ہو پھر بھی صفت اس کی حالت بیان کرے گی، لیکن آپ حال لانا چاہتے ہیں تو حال صرف فاعل یا مفعول بہ سے لانا پڑے گا، اور جو فاعل یا مفعول بہ نہیں اس سے آپ حال لا ہی نہیں سکتے، معلوم ہوا حال صرف کس کی حالت بیان کرتا ہے؟ فاعل یا

مفعول بہ کی حالت بیان کرتا ہے لیکن مطلقاً نہیں صرف کس حیثیت سے؟ اس حیثیت سے کہ یہ فاعل یا مفعول بہ ہے، یعنی جس وقت فاعل کی طرف فعل کا اسناد ہو رہا ہو صرف اس وقت کی حالت بیان کرتا ہے؛ اور زَيْدٌ رَاكِبًا أَخُوكَ یہاں آپ رَاكِبًا حال لا کر کس کی حالت بیان کرنا چاہتے ہیں؟ زید کی؛ بھئی زید نہ تو یہ فاعل ہے نہ مفعول بہ ہے، اور حال تو صرف کس کی حالت بیان کرتا ہے؟ فاعل یا مفعول بہ کی اور صرف اس وقت جب وہ فاعل یا مفعول بہ بن رہے ہوں اس وقت کی حالت بیان کرتا ہے یعنی فاعل یا مفعول بہ ہونے کی حیثیت سے حالت بیان کرتا ہے مطلقاً حالت بیان نہیں کرتا۔ فرق بھی سمجھ میں آیا یا نہیں؟ صفت بھی کسی چیز کی حالت بیان کرتی ہے لیکن مطلقاً چاہے فاعل ہو یا نہ ہو، لیکن حال جب حالت بیان کرے گا تو صرف جب وہ فاعل یا مفعول ہو اسی حیثیت سے حالت بیان کرے گا، بات سمجھ میں آگئی۔

تو کہتے ہیں: وَهُوَ مَا يُبَيِّنُ هَيْئَةَ الْفَاعِلِ أَوِ الْمَفْعُولِ بِهِ، حال وہ ہے جو فاعل یا مفعول بہ کی حالت بیان کرتا ہے، أَيْ مِنْ حَيْثُ هُوَ فَاعِلٌ أَوْ مَفْعُولٌ بِهِ، یعنی اس حیثیت سے کہ وہ فاعل یا مفعول بہ ہے، كَمَا هُوَ الظَّاهِرُ، جیسے کہ یہی ظاہر ہے؛ تو صرف فاعل یا مفعول بہ ہونے کی حیثیت سے وہ حالت بیان کرے گا، اس سے ماقبل یا مابعد یا کسی دوسری حالت کو بیان نہیں کرے گا بھئی۔

فَبِذِكْرِ الْهَيْئَةِ، اب فوائدِ قیود ذکر کر رہے ہیں کہ یہ ہیئت کا لفظ کیوں لے کر آئے؟ ہیئت کا معنی حالت بھئی حالت، کہتے ہیں ہیئت کی قید لگا کر تمیز کو نکال دیا، ادھر دیکھیے، تمیز کو نکال دیا کیونکہ تمیز بھی بیان کرتی ہے، جیسے حال بیان کرتا ہے تمیز بھی بیان کرتی ہے؛ لیکن حال جو ہے وہ حالت کو بیان کرتا ہے اور تمیز ذات کو بیان کرتی ہے، ذات میں ہی ابہام ہوتا ہے جیسے مثلاً میں کہتا ہوں: عِنْدِي عِشْرُونَ، میرے پاس بیس ہیں، اب بیس کیا ہیں؟ کتابیں ہیں، قلم ہیں یا کوئی اور چیز ہے؟ یہاں ذات میں ہی ابہام ہے، تو آگے میں تمیز لاتا ہوں: عِنْدِي عِشْرُونَ كِتَابًا۔ یہ كِتَابًا کیا ہے؟ یہ تمیز ہے اس نے عِشْرُونَ سے ابہام کو دور کر دیا؛ اور کس سے؟ عِشْرُونَ کی ذات سے ابہام دور کیا یا اس کی حالت سے ابہام دور کیا؟ اس کی ذات سے، عِشْرُونَ کی ذات کا ہی نہیں پتہ چل رہا تھا کہ بیس کیا چیز ہے بھئی، کتابیں ہیں، قلم ہیں، کوئی اور چیز ہیں؛ تو تمیز جو ہے ذات سے ابہام کو دور کرتی ہے ذات کو بیان کرتی ہے، جبکہ حال جو ہے وہ حالت کو بیان کرتا ہے ذات کو بیان نہیں کرتا، بات سمجھ میں آگئی؟ تو ہیئت کی قید جب لگا دی تو اس کے ذریعے تمیز خارج ہو گئی کیونکہ تمیز ہیئت نہیں بیان کرتی بلکہ وہ ذات بیان کرتی ہے۔ تو کہتے ہیں: فَبِذِكْرِ الْهَيْئَةِ يَخْرُجُ مَا يُبَيِّنُ الذَّاتَ، تو ہیئت کا ذکر کرنے سے نکل گئی وہ چیز جو ذات بیان کرتی ہے، كَالتَّمْيِيزِ جیسے کہ تمیز ہے۔ وَبِإِضَافَتِهَا إِلَى الْفَاعِلِ أَوِ الْمَفْعُولِ بِهِ يَخْرُجُ مَا يُبَيِّنُ هَيْئَةَ غَيْرِ الْفَاعِلِ أَوِ الْمَفْعُولِ بِهِ، اور کہتے ہیں یہ جو ہیئت کی اضافت کر دی کس کی طرف؟ فاعل یا مفعول بہ کی طرف: ہیئت مضاف ہے اور الْفَاعِلِ أَوِ الْمَفْعُولِ بِهِ مضاف الیہ؛ وَبِإِضَافَتِهَا إِلَى الْفَاعِلِ أَوِ الْمَفْعُولِ بِهِ اور ہیئت کی فاعل یا مفعول بہ کی طرف اضافت کرنے کی وجہ سے يَخْرُجُ مَا يُبَيِّنُ هَيْئَةَ غَيْرِ الْفَاعِلِ أَوِ الْمَفْعُولِ بِهِ وہ چیز نکل گئی جو فاعل یا مفعول بہ کے علاوہ کی حالت بیان کرے، كَصِفَةِ الْمُبْتَدَأِ

جیسے کہ مبتدا کی صفت ہے، نَحْوُ مثال کے طور پر: زَيْدٌ الْعَالِمُ أَخُوكَ۔ تو زَيْدٌ ہے مبتدا اور الْعَالِمُ اس کی صفت ہے، اور صفت بھی کیا کرتی ہے؟ موصوف کی حالت بیان کرتی ہے، تو یہ جو مبتدا کی صفت ہے یہ اس تعریف سے نکل گئی کیونکہ یہ فاعل یا مفعول بہ کی حالت بیان نہیں کر رہی بلکہ یہ تو مبتدا کی حالت بیان کر رہی ہے، توجہ ہے؟ یہاں کون سی صفت نکالی؟ جو فاعل یا مفعول بہ کے علاوہ کسی چیز کی صفت آئے، انہوں نے تو تعریف میں کیا کہا؟ جو فاعل یا مفعول بہ کی حالت کو بیان کرے، تو فاعل یا مفعول بہ کے علاوہ جیسے مبتدا وغیرہ ہیں یا خبر ہیں، ان کی جو صفت ہے وہ تعریف سے نکل گئی کیونکہ وہ مبتدا یا خبر کی حالت بیان کرتی ہے وہ فاعل یا مفعول بہ کی حالت بیان نہیں کرتی؛ تو فاعل یا مفعول بہ کی صفت ابھی بھی داخل ہے، وہ ابھی بھی داخل ہے کیونکہ فاعل یا مفعول بہ کی جو صفت آئے گی وہ تو فاعل یا مفعول بہ کی حالت ہی بیان کرے گی کسی اور کی نہیں، اس کو پھر حیثیت کی قید کے ذریعے آگے نکالیں گے۔ کیا بات ہوئی؟ تمیز کو نکالا کس قید کے ذریعے؟ ہیئت کی قید لگائی۔ اور پھر فاعل یا مفعول بہ کے علاوہ کسی اور کی صفت ہو وہ بھی نکل گئی کیونکہ انہوں نے ہیئت کی اضافت کس کی طرف کی ہے؟ فاعل یا مفعول بہ کی طرف۔ خود فاعل یا مفعول بہ کی صفت رہ گئی، وہ ابھی بھی داخل ہے کیونکہ وہ تو فاعل یا مفعول بہ کی حالت بیان کر رہی ہے، لیکن کیا کہا کہ حال وہ ہے جو فاعل یا مفعول بہ کی حالت بیان کرتا ہے، مطلقاً یا فاعل یا مفعول بہ ہونے کی حیثیت سے؟ فاعل یا مفعول بہ ہونے کی حیثیت سے وہ اس کی حالت بیان کرے؛ تو فاعل یا مفعول بہ کی صفت بھی نکل گئی کیونکہ صفت وہ فاعل یا مفعول بہ کی مطلقاً ان کی حالت بیان کرتی ہے فاعل یا مفعول بہ ہونے کی حیثیت سے حالت بیان نہیں کرتی، حال جو ہے وہ فاعل یا مفعول بہ ہونے کی حیثیت سے حالت بیان کرتا ہے بھئی۔ آگے دیکھیے۔ تو کہتے ہیں: كَصِفَةِ الْمُبْتَدَأِ جیسے کہ مبتدا کی صفت ہے نَحْوُ زَيْدٌ الْعَالِمُ أَخُوكَ، یہ زید مبتدا ہے اور الْعَالِمُ اس کی صفت ہے تو یہ الْعَالِمُ زید کی حالت بیان کر رہی ہے لیکن زید تو نہ فاعل ہے اور نہ مفعول بہ، لہٰذا یہ والی صفت بھی نکل گئی جو فاعل یا مفعول بہ کی نہ ہو۔ وَبِقَيْدِ الْحَيْثِيَّةِ تَخْرُجُ صِفَةُ الْفَاعِلِ وَالْمَفْعُولِ، اور حیثیت کی قید جو ہم نے کہتے ہیں بڑھا دی تو اس حیثیت کی قید کی وجہ سے تَخْرُجُ صِفَةُ الْفَاعِلِ وَالْمَفْعُولِ فاعل یا مفعول کی صفت نکل گئی، فَإِنَّهَا تَدُلُّ عَلَى هَيْئَةِ الْفَاعِلِ أَوِ الْمَفْعُولِ بِهِ مُطْلَقًا اس لیے کیونکہ وہ فاعل یا مفعول بہ کی حالت پر دلالت کرتی ہے مطلقاً، لَا مِنْ حَيْثُ هُوَ فَاعِلٌ أَوْ مَفْعُولٌ اس حیثیت سے نہیں کہ وہ فاعل یا مفعول ہے۔ بھئی پھر سمجھ لو، حال جو ہے فاعل یا مفعول بہ کی حالت بیان کرتا ہے اس حیثیت سے کہ وہ فاعل یا مفعول بہ ہے، یعنی جب وہ فعل کا اسناد فاعل کی طرف ہے جس وقت وہ اس فعل کے لیے فاعل بن رہا ہے صرف اس وقت کی حالت بیان کرتا ہے، یا جس وقت فعل مفعول بہ پر واقع ہو رہا ہے اور وہ مفعول بہ بن رہا ہے صرف اس وقت کی حالت حال بیان کرے گا، تو اس سے نہ پہلے کی حالت ہے اور نہ بعد کی حالت، مطلقاً حالت نہیں بیان کر رہا صرف اس نسبت کے دوران کی حالت بیان کرتا ہے۔

آگے دیکھیے، کہتے ہیں: وَهٰذَا التَّرْدِيدُ عَلَى سَبِيلِ مَنْعِ الْخُلُوِّ۔ بھئی دیکھیے متن کے اندر آیا کہ مَا يُبَيِّنُ هَيْئَةَ الْفَاعِلِ أَوِ الْمَفْعُولِ بِهِ کہ حال وہ ہے جو فاعل یا مفعول بہ کی حالت بیان کرے، فاعل اور مفعول بہ کے درمیان لفظِ أَوْ ذکر کیا گیا اور أَوْ حرفِ

تردید کہلاتا ہے، یعنی یہ ایک بات کو دو چیزوں کے درمیان دائر کر دیتا ہے۔ ایک ہوتی ہے تعیین، ایک ہوتی ہے تردید: میں نے کہا زَيْدٌ عَالِمٌ دیکھو یہاں میں نے کوئی حرفِ أَوْ ذکر کیا؟ نہیں، تو یہاں تعیین ہے کہ زید کے بارے میں میں نے خبر دی ہے اور کیا خبر دی ہے کہ وہ عالم ہے؛ اور اگر میں أَوْ لے آؤں: زَيْدٌ عَالِمٌ أَوْ تَاجِرٌ، تو یہ تو أَوْ حرفِ تردید میں لے آیا اور اب یہاں تعیین نہیں ہے بلکہ تردید ہے کہ زید یا تو عالم ہے یا تاجر ہے، تعیین نہیں ہوئی کہ وہ کیا ہے عالم ہے یا تاجر ہے، کیا ہے تعیین نہیں ہوئی۔ تو أَوْ کیا ہے؟ حرفِ تردید ہے بھئی، تو یہ جہاں آئے گا وہاں تعیین نہیں ہوتی بلکہ تردید ہوتی ہے۔ اور نیز یہ أَوْ انفصال کے لیے آتا ہے دو چیزوں کے درمیان، دو چیزوں کے درمیان انفصال کے لیے آتا ہے: معلوم ہوا حال وہ ہوگا جو یا تو فاعل کی حالت بیان کرے گا یا مفعول بہ کی حالت بیان کرے گا، معلوم ہوا ایک وقت میں ایک کی حالت بیان کرے گا، حالانکہ حال تو کبھی دونوں سے ہی آجاتا ہے دونوں کی حالت بیان کرتا ہے، جیسے آگے مثال بھی ذکر کر رہے ہیں اسی سطر کے آخر میں ہے: ضَرَبَ زَيْدٌ عَمْرًا رَاكِبَيْنِ، زید نے پٹائی کی عمر کی اس حال میں کہ دونوں سوار تھے؛ تو یہ رَاكِبَيْنِ فاعل اور مفعول بہ دونوں سے حال ہے اور آپ نے تو متن میں کیا کہا؟ فاعل یا مفعول، معلوم ہوا ان دو میں سے ایک کی وہ حالت بیان کرے گا درمیان میں حرفِ أَوْ ہے بھئی، تو یہاں تو یہ دونوں کی حالت بیان کر رہا ہے۔ تو وہ بتلائیں گے آپ کو کہ یہ جو أَوْ ہے یہاں یہ منعِ خلو کے لیے ہے یہاں پر، یہ منعِ خلو کے طریقے پر ہے منعِ جمع کے طریقے پر نہیں ہے۔ یاد رکھو یہ حرفِ أَوْ جو ہے نا یہ انفصال کے لیے آتا ہے، دو چیزوں کے درمیان جدائی بیان کرتا ہے کہ زَيْدٌ عَالِمٌ أَوْ تَاجِرٌ زید عالم ہے یا تاجر ہے، تو معلوم ہوا یا تو وہ صرف عالم ہے یا صرف کیا ہے تاجر ہے۔ تو یہ أَوْ کس لیے آتا ہے؟ دو چیزوں کے درمیان انفصال بتلانے کے لیے۔ پھر یاد رکھنا: کبھی تو یہ انفصال حقیقی ہوتا ہے، اور کبھی یہ انفصال منعِ جمع کے طریقے پر ہوتا ہے، اور کبھی یہ انفصال منعِ خلو کے طریقے پر ہوتا ہے۔ منعِ جمع کا معنی ہے کہ دو چیزوں کا جمع ہونا منع ہو۔ منعِ خلو، خلو کا معنی خالی ہونا، منعِ خلو کا معنی ہے دونوں سے خالی ہونا منع ہے۔ تو یہ أَوْ کس لیے آتا ہے؟ انفصال کے لیے، اور انفصال کتنی قسم پر؟ تین قسم پر: کبھی انفصالِ حقیقی ہوگا، کبھی انفصال منعِ جمع کے طریقے پر ہوگا، اور کبھی انفصال منعِ خلو کے طریقے پر ہوگا۔ جیسے میں کہتا ہوں: هٰذَا الْعَدَدُ إِمَّا زَوْجٌ أَوْ فَرْدٌ، یہ والا عدد یا تو جفت ہے یا طاق ہے؛ جفت جس کے جوڑے بن سکیں: دو، چار، چھ، آٹھ یہ کیا ہیں؟ جفت؛ اور طاق وہ ہیں جس کے جوڑے نہ بن سکیں: ایک، تین، پانچ، سات یہ سب کیا ہیں؟ یہ سب طاق ہیں۔ تو میں کسی عدد کے بارے میں آپ سے کہتا ہوں: هٰذَا الْعَدَدُ إِمَّا زَوْجٌ أَوْ فَرْدٌ، یہ عدد یا تو جفت ہے یا طاق، تو دیکھو جفت اور طاق یہ دونوں ان میں انفصالِ حقیقی ہے۔ انفصالِ حقیقی کا معنی یہ ہے کہ یہ دونوں جمع بھی نہیں ہو سکتے، ایک ہی عدد جفت بھی ہو اور طاق بھی ہو ایسا بھی نہیں ہو سکتا، اور یہ منعِ خلو بھی ہے ان کے اندر کہ کوئی عدد ایسا ہو جو نہ جفت ہو نہ طاق ہو، ایسا بھی نہیں ہو سکتا۔ تو کوئی عدد اس میں یہ دونوں جمع ہو جائیں، یہ بھی نہیں ہو سکتا۔ اور کوئی عدد ایسا ہو جو دونوں سے خالی ہو جائے، نہ وہ جفت ہو اور نہ طاق ہو، ایسا بھی نہیں ہو سکتا۔ تو یہ ہے انفصالِ حقیقی۔ انفصالِ حقیقی

کسے کہتے ہیں؟ جہاں منعِ خلو بھی ہو اور منعِ جمع بھی ہو؛ وہ دو چیزیں جمع بھی نہیں ہو سکتیں اور دونوں ہی اٹھ جائیں، دونوں سے ہی وہ خالی ہو جائے، یہ بھی نہیں ہو سکتا۔ تو اس کو کیا کہتے ہیں؟ انفصالِ حقیقی۔

اور کبھی یہ جو أَوْ آتا ہے وہ آتا ہے منعِ جمع کے طریقے پر کہ دو چیزیں ہیں وہ جمع نہیں ہو سکتیں، ہاں دونوں کا اٹھنا یا دونوں سے خالی ہونا وہاں ممکن ہے۔ مثلاً میں کہتا ہوں کہ یہ چیز یا تو درخت ہے یا پتھر ہے، یہ چیز یا تو درخت ہے یا پتھر ہے، یہ جو درمیان میں أَوْ کا لفظ میں لے کر آیا، یہ کس لیے ہے؟ یہ منعِ جمع کے طریقے پر ہے، یعنی دونوں کا جمع ہونا ممکن نہیں ہے، ایک ہی چیز درخت بھی ہو اور پتھر بھی ہو یہ نہیں ہو سکتا۔ ہاں، یہاں منعِ خلو نہیں ہے، ہو سکتا ہے وہ چیز نہ درخت ہو نہ پتھر ہو کوئی اور چیز ہو مثلاً کتاب ہے۔ کیا ہے؟ کتاب ہے، اب کتاب دیکھو نہ درخت ہے اور نہ پتھر ہے، دونوں سے یہ خالی ہے دونوں ہی اٹھ گئے یہاں سے۔ تو منعِ جمع کا کیا معنی؟ کہ دو چیزوں کا جمع ہونا منع ہو، خالی ہونا منع نہ ہو۔ تو درخت اور پتھر ان کا جمع ہونا منع ہے، ان کا اٹھنا منع نہیں ہے۔

اور کبھی کبھار جو انفصال ہوگا وہ منعِ خلو کے طریقے پر ہوگا کہ دو چیزیں ذکر ہوں گی، ان دونوں سے خالی ہونا منع ہے، جمع ہونا منع نہیں۔ مثلاً میں کہتا ہوں کہ زید یا تو دریا میں ہے یا ڈوب نہیں رہا۔ زید یا تو دریا میں ہے یا ڈوب نہیں رہا۔ اب ان دو میں سے زید خالی نہیں ہو سکتا: یا تو زید دریا میں ہے یا ڈوب نہیں رہا، دونوں ہی چیزیں زید میں نہ پائی جائیں یہ ہو ہی نہیں سکتا۔ ہاں، دونوں جمع ہو سکتی ہیں کہ دریا میں بھی ہو اور ڈوب بھی نہ رہا ہو، کشتی میں سوار ہے یا تیر رہا ہے۔ دو چیزیں میں نے کیا ذکر کیں؟ یا تو زید دریا میں ہے یا زید ڈوب نہیں رہا؛ ان دونوں سے زید خالی نہیں ہو سکتا۔ زید، مجھے کوئی زید کی حالت بتائیں جو ان دونوں سے خالی ہو: ایک ضرور اس پر صادق آئے گی۔ یا تو زید دریا، یا یوں کہو دریا نہ کہو پانی کہو: یا تو زید پانی میں ہے یا ڈوب نہیں رہا، تو دونوں میں سے ایک ضرور اس پر صادق آئے گی، یہ نہیں ہو سکتا کہ دونوں میں سے ایک بھی اس پر صادق نہ آئے۔ زید زمین پر ہے تو دیکھو زید ڈوب نہیں رہا یہ اس پر صادق آ رہا ہے۔ تو زید پانی میں ہے یا ڈوب نہیں رہا یہ منعِ خلو کے طریقے پر ہے، دونوں میں سے ایک ضرور ہوگا تو ان سے خالی ہونا منع ہے، جمع ہونا منع نہیں کہ دونوں جمع ہو جائیں جیسے میں نے مثال ذکر کی کہ ہو سکتا ہے زید کہاں ہو؟ پانی میں ہو، پانی میں بھی ہو اور ڈوب بھی نہ رہا ہو یعنی کشتی میں بیٹھا ہے یا تیر رہا ہے۔

تو معلوم ہوا کہ أَوْ کبھی انفصالِ حقیقی کے لیے آتا ہے، کبھی منعِ جمع کے لیے صرف آتا ہے، اور کبھی صرف منعِ خلو کے طریقے پر آتا ہے؛ اور منعِ خلو کے اندر جمع ہونا جائز ہے، دونوں جمع ہو سکتے ہیں۔ تو یہاں پر بھی متن کے اندر جو أَوْ حرف آیا: مَا يُبَيِّنُ هَيْئَةَ الْفَاعِلِ أَوِ الْمَفْعُولِ بِهِ، یہ أَوْ منعِ خلو کے طریقے پر ہے، یعنی حال دونوں میں سے ایک کی حالت ضرور بیان کرے گا، یہ نہیں ہو سکتا فاعل بھی نہ ہو اور مفعول بہ بھی نہ ہو، اس سے خالی نہیں ہوگا؛ ہاں، دونوں جمع ہو سکتے ہیں، دونوں کی اکٹھی حالت بھی وہ بیان کر سکتا ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ دیکھیے بھئی۔

کہتے ہیں: وَهٰذَا التَّرْدِيدُ عَلَى سَبِيلِ مَنْعِ الْخُلُوِّ، اور یہ جو تردید ہے، یہ أَوْ جو ہے... تردید کا کیا معنی؟ ایک بات کو دائر کرنا دو چیزوں کے درمیان یعنی تعیین نہ کرنا۔ تو کہتے ہیں: وَهٰذَا التَّرْدِيدُ یہ جو تردید ہے حرفِ أَوْ کے ذریعے، عَلَى سَبِيلِ مَنْعِ الْخُلُوِّ یہ منعِ خلو کے طریقے پر ہے لَا الْجَمْعِ، یہ منعِ جمع کے طریقے پر نہیں ہے۔ فَلَا يَخْرُجُ عَنْهُ مِثْلُ ضَرَبَ زَيْدٌ عَمْرًا رَاكِبَيْنِ، لہٰذا اس سے اس جیسی مثالیں نہیں نکلتیں: ضَرَبَ زَيْدٌ عَمْرًا رَاكِبَيْنِ۔ یہ اعتراض آپ نہیں کر سکتے کہ اس مثال پر تو تعریف صادق نہیں آ رہی کیونکہ یہاں تو دونوں کی حالت بیان ہو رہی ہے، ہم نے بتلا دیا کہ یہ أَوْ، یہ جو تردید ہے یہ منعِ خلو کے طریقے پر ہے۔

آگے دیکھیے: لَفْظًا أَيْ سَوَاءٌ كَانَ الْفَاعِلُ أَوِ الْمَفْعُولُ الَّذِي وَقَعَ الْحَالُ عَنْهُ لَفْظًا أَيْ لَفْظِيًّا، برابر ہے کہ وہ فاعل یا وہ مفعول... ترجمے پہ نظر ہے؟ أَيْ سَوَاءٌ كَانَ الْفَاعِلُ أَوِ الْمَفْعُولُ برابر ہے کہ وہ فاعل یا وہ مفعول جو ہے، الَّذِي وَقَعَ الْحَالُ عَنْهُ جس سے حال واقع ہو رہا ہے یعنی جس سے حال آ رہا ہے، لَفْظًا، لَفْظًا ہو أَيْ لَفْظِيًّا یعنی لفظی ہو۔ بھئی لفظی ہو کیا معنی؟ با تصویر یہ ہے صورت بتلا رہے ہیں: بِأَنْ تَكُونَ فَاعِلِيَّةُ الْفَاعِلِ أَوْ مَفْعُولِيَّةُ الْمَفْعُولِ بِاعْتِبَارِ لَفْظِ الْكَلَامِ وَمَنْطُوقِهِ، بایں صورت کہ فاعل کا فاعل ہونا، بِأَنْ تَكُونَ فَاعِلِيَّةُ الْفَاعِلِ بایں صورت کہ فاعل کا فاعل ہونا أَوْ مَفْعُولِيَّةُ الْمَفْعُولِ یا مفعول کا جو مفعول ہونا ہے، بِاعْتِبَارِ لَفْظِ الْكَلَامِ وہ کلام کے لفظ کے اعتبار سے ہو وَمَنْطُوقِهِ اور کلام کے منطوق کے اعتبار سے ہو۔ یاد رکھو یہ عطفِ تفسیری ہے: لفظ اور منطوق کا ایک معنی ہے۔ مَنْطُوق بھئی نون، طاء اور قاف ہے دو نقطوں والا: منطوق نُطق سے ہے، نطق کا کیا معنی ہے؟ بولنا، تو منطوق کا کیا معنی؟ وہ جس کو بولا گیا ہے اور وہ لفظ ہوگا، تو یہ عطفِ تفسیری ہے۔

بھئی دیکھیے ادھر: انہوں نے کیا کہا؟ لَفْظًا أَوْ مَعْنًى۔ صاحبِ جامی آپ کو بتلائیں گے کہ بھئی صاحبِ کافیہ یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ وہ فاعل یا مفعول بہ جس سے آگے حال آ رہا ہے وہ لفظوں کے اعتبار سے بھی فاعل یا مفعول بہ ہو سکتے ہیں اور معنی کے اعتبار سے بھی ہو سکتے ہیں۔ اب لفظوں کے اعتبار سے فاعل یا مفعول بہ ہونے کا کیا معنی اور معنی کے اعتبار سے فاعل یا مفعول بہ ہونے کا کیا معنی؟ اس کی وضاحت کر رہے ہیں۔ ادھر دیکھیے، یہ بات سمجھ لیں، گہری بات ہے ذرا، کہ لفظوں کے اعتبار سے فاعل یا مفعول بہ ہونے کا معنی یہ ہے کہ کلام کے لفظوں سے ہی ان کا فاعل یا مفعول بہ ہونا سمجھ میں آ رہا ہو: ضَرَبْتُ زَيْدًا قَائِمًا، یہ قَائِمًا کو آپ حال کس سے بناتے ہیں؟ ضَرَبْتُ کی تا سے یا زَيْدًا سے، تو تا کیا ہے؟ فاعل، اور زَيْدًا کیا ہے؟ مفعول بہ، اور ان کا فاعل یا مفعول بہ ہونا ہمیں لفظوں سے ہی سمجھ میں آ رہا ہے، ہمیں معنی میں غور کرنے کی ضرورت نہیں، لفظوں سے ہی پتہ چل رہا ہے تا ہے فاعل اور زَيْدًا کیا ہے؟ مفعول بہ ہے۔ تو وہ فاعل یا مفعول بہ کبھی لفظوں کے اعتبار سے ہوں گے اور کبھی معنی کے اعتبار سے جن سے آگے حال آ رہا ہے۔ لفظوں کے اعتبار سے فاعل یا مفعول بہ ہونے کا کیا معنی؟ کہ لفظوں سے ہی سمجھ میں آ رہا ہے کہ یہ فاعل ہے اور یہ مفعول ہے، بات سمجھ میں آ گئی؟ اور کبھی معنی سے سمجھ میں آئے گا، یعنی لفظوں سے پتہ نہیں چلے گا جیسے مثال آگے آئی تھی: هٰذَا زَيْدٌ قَائِمًا۔ هٰذَا زَيْدٌ قَائِمًا، اب یہ زَيْدٌ یہ خبر ہے اور اس سے قَائِمًا حال آ رہا ہے، تو صاحبِ کافیہ پر اشکال ہوتا ہے کہ حال آپ نے تو ہمیں کہا صرف فاعل

یا مفعول بہ کی حالت بیان کرتا ہے، اور یہاں پر یہ جو قَائِمًا ہے یہ تو خبر کی حالت بیان کر رہا ہے۔ تو وہ جواب دیتے ہیں کہ یہ زید معنی کے اعتبار سے مفعول بہ ہے، کس اعتبار سے؟ معنی۔ اور هٰذَا زَيْدٌ قَائِمًا، مجھے بتائیے کیا لفظوں سے زید کا مفعول بہ ہونا سمجھ میں آرہا ہے؟ لفظوں سے تو یہ پتہ چل رہا ہے کہ زید خبر ہے بھئی اور هٰذَا مبتدا ہے، تو لفظوں سے زید کا مفعول بہ یا فاعل ہونے کا پتہ نہیں چل رہا، پھر وہ معنی کے اعتبار سے ہمیں سمجھ میں آئے گا کہ هٰذَا یہاں اسمِ اشارہ آیا، یا یوں کہو هٰذَا، هَا ہے تنبیہ کی: بھئی میں نے آپ کو بتلایا تھا کہ یہ جو هٰذَا اسمِ اشارہ ہے اس کے اندر یہ جو هَا ہے یہ ہے تنبیہ کے لیے، دوسرے کو متنبہ کرنے کے لیے متوجہ کرنے کے لیے، اور ذَا ہے اسمِ اشارہ؛ تو یہ هَا سے تنبیہ والا معنی سمجھ میں آیا اور ذَا سے اشارے والا معنی سمجھ میں آیا، اشارے والا، تو گویا یہاں هَا یا ذَا سے فعل بنا لو، ایک فعل سمجھ میں آگیا یعنی أُنَبِّهُ، جو متکلم ہے اس نے زید کی طرف اشارہ کیا اور کیا کہا هٰذَا زَيْدٌ قَائِمًا، گویا وہ یوں کہہ رہا ہے أُشِيرُ زَيْدًا میں اشارہ کر رہا ہوں زید کی طرف، تو أُشِيرُ فعل، أَنَا ضمیر فاعل متکلم کی، اور زَيْدًا مفعول بہ، تو زید دیکھو معنی کے اعتبار سے مفعول بہ ہے۔ یا یہاں هَا تنبیہ والی بھی موجود ہے تو یا أُنَبِّهُ کا فعل نکال لیں: أُنَبِّهُ میں متنبہ کر رہا ہوں زَيْدًا کس پر؟ زید پر، أُنَبِّهُ میں متنبہ کر رہا ہوں زید پر، تو دیکھو أُشِيرُ یا أُنَبِّهُ کا فعل یہاں معنی سے سمجھ میں آرہا ہے تو اس کے لیے أُشِيرُ یا أُنَبِّهُ کے لیے زید مفعول بہ ہے، اور آگے مفعول بہ سے پھر کیا آگیا؟ حال۔ تو هٰذَا زَيْدٌ قَائِمًا زَيْدٌ سے کیا آیا؟ حال آیا اور زید کا فاعل یا مفعول بہ ہونا لفظوں سے ہمیں سمجھ میں نہیں آیا بلکہ کس کے اعتبار سے سمجھ میں آیا؟ معنی کے اعتبار سے۔ توجہ ہے؟ یہ بحث بار بار وہ کریں گے اچھی طرح سمجھ لو کہ حال وہ ہے جو فاعل یا مفعول بہ کی حالت بیان کرے اس حال میں کہ وہ فاعل یا مفعول بہ لفظوں کے اعتبار سے ہوں گے یا معنی کے اعتبار سے ہوں گے؛ لفظوں کے اعتبار سے فاعل ہونے کا کیا معنی؟ کہ اس کا فاعل یا مفعول بہ ہونا، جس سے آگے کیا آرہا ہے؟ حال، اس فاعل یا مفعول بہ کا فاعل یا مفعول بہ ہونا ہمیں کلام کے لفظوں سے سمجھ میں آجائے؛ اور معنی کے اعتبار سے کیا معنی؟ کہ لفظوں سے ان کے فاعل یا مفعول بہ ہونے کا پتہ نہیں چلتا بلکہ صرف معنی سے پتہ چلتا ہے: هٰذَا زَيْدٌ قَائِمًا لفظوں سے زید کا مفعول بہ ہونے کا پتہ نہیں چلتا۔ بات سمجھ میں آگئی۔ دیکھیے بھئی کتاب پر۔

تو کہتے ہیں: لَفْظًا، پھر ترجمہ دیکھیے: لَفْظًا أَيْ سَوَاءٌ كَانَ الْفَاعِلُ أَوِ الْمَفْعُولُ الَّذِي وَقَعَ الْحَالُ عَنْهُ لَفْظًا أَيْ لَفْظِيًّا، برابر ہے کہ وہ فاعل یا وہ مفعول جس سے حال آرہا ہے وہ لفظی ہو، بِأَنْ تَكُونَ فَاعِلِيَّةُ الْفَاعِلِ أَوْ مَفْعُولِيَّةُ الْمَفْعُولِ بایں صورت کہ فاعل کا فاعل ہونا یا مفعول کا جو مفعول ہونا ہے بِاعْتِبَارِ لَفْظِ الْكَلَامِ وہ کلام کے لفظ کے اعتبار سے ہو وَمَنْطُوقِهِ اور کلام کے منطوق کے اعتبار سے ہو، مِنْ غَيْرِ اعْتِبَارِ مَعْنًى خَارِجٍ عَنْهُ بغیر اعتبار کیے کسی ایسے معنی کا جو اس کلام سے خارج ہو، یعنی فاعل ہونے کا ہمیں لفظوں سے پتہ چلے کسی ایسے معنی سے نہیں جو کلام سے خارج ہو کلام کے اندر جو نہ ہو بھئی۔ تو کہتے ہیں: مِنْ غَيْرِ اعْتِبَارِ مَعْنًى خَارِجٍ عَنْهُ بغیر اعتبار کیے کسی ایسے معنی کا جو اس کلام سے خارج ہو، جو اس کلام سے خارج ہو اور يُفْهَمُ مِنْ فَحْوَى الْكَلَامِ اور سمجھ میں آرہا ہو کلام کے معنی سے؛ فَحْوَى کہتے ہیں کلام کی مراد، کلام کا مطلب یا یوں کہو

کلام کا معنی۔ یعنی کلام کا جو معنی ہے هٰذَا زَيْدٌ قَائِمًا ذرا اس مثال پہ نظر رکھیں پھر آپ کو بات سمجھ میں آئے گی: هٰذَا زَيْدٌ قَائِمًا اس کلام سے ہمیں زید کا مفعول بہ ہونا معلوم نہیں ہوتا، اس سے تو ہمیں زید کا خبر ہونا معلوم ہو رہا ہے۔ تو کہتے ہیں پھر دیکھیے:

بِأَنْ تَكُونَ فَاعِلِيَّةُ الْفَاعِلِ أَوْ مَفْعُولِيَّةُ الْمَفْعُولِ بایں صورت کہ فاعل کا فاعل ہونا یا مفعول کا مفعول ہونا بِاعْتِبَارِ لَفْظِ الْكَلَامِ وَمَنْطُوقِهِ وہ کلام کے لفظ اور کلام کے منطوق کے اعتبار سے ہو، مِنْ غَيْرِ اعْتِبَارِ مَعْنًى خَارِجٍ عَنْهُ بغیر اعتبار کیے کسی ایسے معنی کا جو کلام سے خارج ہو، يُفْهَمُ مِنْ فَحْوَى الْكَلَامِ اور کلام کے معنی سے سمجھ میں آرہا ہو؛ کوئی ایسا معنی جو کلام سے خارج ہو اور کلام کے معنی اور اس کے مطلب سے ہمیں سمجھ میں آرہا ہو، ایسا نہ ہو۔ سَوَاءٌ كَانَا مَلْفُوظَيْنِ حَقِيقَةً أَوْ حُكْمًا، برابر ہے کہ یہ دونوں فاعل یا مفعول جو ہیں وہ حقیقتاً ملفوظ ہوں یا حکماً ملفوظ ہوں۔

بھئی دیکھیے ایک ملفوظ ہوتا ہے حقیقتاً جس پر ہم حقیقتاً تلفظ کرتے ہیں: ضَرَبْتُ زَيْدًا قَائِمًا، یہ ضَرَبْتُ کی تا فاعل ہے اور اس پر ہم حقیقتاً تلفظ کر رہے ہیں، اور زَيْدًا یہ مفعول بہ ہے اور اس پر ہم حقیقتاً تلفظ کر رہے ہیں۔ اور کبھی حقیقتاً تلفظ نہیں ہوگا حکماً تلفظ ہوگا، جیسے میں نے مثال ذکر کی تھی: زَيْدٌ ضَارِبٌ، اس ضَارِبٌ کے اندر هُوَ ضمیر ہے، ضمیرِ مستتر ہے، اور اس پر حقیقت میں تو ہم نے تلفظ نہیں کیا، ہم نے تو صرف زَيْدٌ ضَارِبٌ کہا ہم نے تو هُوَ پر تلفظ نہیں کیا، لیکن حکماً وہ بھی ملفوظ ہے کیونکہ وہ چھپی ہوئی ہے اسی لفظ کے اندر، تو جب اس لفظ کو آپ نے بولا تو گویا اس ضمیر کو بھی آپ نے بول دیا۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو ملفوظ ہونا کتنی قسم پر ہوا؟ کبھی حقیقتاً ہوگا اور کبھی حکماً ہوگا، تو جو ضمیرِ مستتر ہوتی ہے کسی لفظ کے اندر جب آپ اس لفظ پر تلفظ کریں تو ضمیر پر بھی گویا تلفظ ہو گیا؛ حقیقتاً تو نہیں ہوا لیکن حکم لگا دیا جاتا ہے کہ اس پر بھی آپ نے تلفظ کر لیا، تو گویا ملفوظ ہونا کبھی حقیقتاً ہوگا اور کبھی حکماً۔ بات سمجھ میں آگئی۔ اب پھر سنو: انہوں نے کیا کہا؟ لَفْظًا أَوْ مَعْنًى، یعنی وہ فاعل یا مفعول بہ کبھی لفظی ہوں گے اور کبھی معنوی ہوں گے۔ لفظی ہونے میں پھر وہ عام ہے: کبھی حقیقتاً لفظی ہوگا اور کبھی حکماً لفظی ہوگا یعنی ضمیرِ مستتر ہوگی، وہ بھی ملفوظ ہی ہے، بات سمجھ میں آگئی۔

أَوْ مَعْنًى أَيْ مَعْنَوِيًّا، یا وہ فاعل یا مفعول جو ہیں وہ معنوی ہوں گے، بِأَنْ تَكُونَ فَاعِلِيَّةُ الْفَاعِلِ أَوْ مَفْعُولِيَّةُ الْمَفْعُولِ بایں صورت کہ فاعل کا فاعل ہونا یا مفعول کا جو مفعول ہونا ہے بِاعْتِبَارِ مَعْنًى وہ ایک ایسے معنی کے اعتبار سے ہوگا يُفْهَمُ مِنْ فَحْوَى الْكَلَامِ جو سمجھ میں آرہا ہے کلام کے مطلب سے، ایک ایسا معنی جو کلام کے مطلب اور کلام کے معنی سے ہمیں وہ سمجھ میں آرہا ہے، لَا بِاعْتِبَارِ لَفْظِهِ وَمَنْطُوقِهِ کلام کے لفظ یا منطوق کے اعتبار سے ان کا فاعل ہونا نہیں ہے، جیسے هٰذَا زَيْدٌ قَائِمًا۔ یہ زَيْدٌ کا مفعول بہ ہونا کلام کے لفظوں کے اعتبار سے نہیں ہے بلکہ کلام کا جو معنی سمجھ میں آرہا ہے اس کے اعتبار سے ہے کہ یہ هٰذَا یہ هَا تنبیہ والی ہے اور ذَا اسمِ اشارہ ہے، اس سے أُنَبِّهُ اور أُشِيرُ کا فعل ہم نے بنا لیا، یہ ہمیں سمجھ میں آیا

خود لفظوں نے اس پر دلالت نہیں کی بھئی۔

تو کہتے ہیں: وَالْمُرَادُ بِالْفَاعِلِ أَوِ الْمَفْعُولِ بِهِ۔ اب یہاں سے فاعل یا مفعول بہ میں تعمیم کر رہے ہیں صاحبِ جامی۔ کس میں؟ فاعل یا مفعول بہ میں تعمیم کر رہے ہیں؛ متن میں تو صرف اتنا آیا کہ حال وہ ہے جو فاعل یا مفعول بہ کی حالت بیان کرے، توجہ ہے، لیکن یاد رکھو کبھی غیرِ فاعل یا غیرِ مفعول بہ سے بھی حال آجاتا ہے: مثلاً مفعول معہ سے بھی حال آتا ہے، تو کبھی مفعول معہ سے بھی حال آجاتا ہے اور مفعول معہ نہ تو وہ فاعل ہے نہ وہ مفعول بہ ہے وہ تو ایک الگ معمول ہے؛ توجہ ہے؟ انہوں نے متن میں کیا کہا؟ حال کس کی حالت بیان کرتا ہے؟ فاعل یا مفعول بہ کی، اور کبھی کبھار حال کس سے آتا ہے؟ مفعول معہ سے، تو مفعول معہ نہ تو وہ فاعل ہے نہ مفعول بہ ہے پھر اس سے کیسے حال آیا؟ اسی طرح کبھی حال مفعولِ مطلق سے بھی آجاتا ہے: مفعولِ مطلق وہ بھی نہ فاعل ہے نہ مفعول بہ ہے وہ تو ایک الگ ہی معمول ہے، اس سے پھر کیسے حال آیا؟ اسی طرح کبھی کبھار حال مضاف الیہ سے آجاتا ہے، کس سے؟ مضاف الیہ سے؛ بھئی فاعل یا مفعول بہ مضاف ہوتا ہے: جَاءَنِي غُلَامُ زَيْدٍ، جَاءَنِي غُلَامُ زَيْدٍ، غُلَامُ مضاف زَيْدٍ مضاف الیہ، فاعل کون ہے؟ مضاف: جَاءَنِي غُلَامُ زَيْدٍ میرے پاس کون آیا؟ زید کا غلام آیا ہے، زید نہیں آیا، جَاءَنِي غُلَامُ زَيْدٍ تو فاعل کون؟ غلام یعنی مضاف اور زَيْدٍ تو کیا ہے؟ مضاف الیہ ہے، توجہ ہے؟ تو مضاف جب فاعل یا مفعول بن رہا ہو اس سے حال آئے پھر تو بات ٹھیک ہے کوئی حرج نہیں کیونکہ وہ بھی کیا بن رہا ہے؟ فاعل یا مفعول بہ اور حال بھی کس سے آتا ہے؟ فاعل یا مفعول بہ سے؛ تو جَاءَنِي غُلَامُ زَيْدٍ اس غلام سے اگر آگے حال آئے پھر تو کوئی حرج نہیں کیونکہ غلام فاعل ہے، لیکن اگر یہ زَيْدٍ سے حال آگے آجائے پھر اشکال ہوتا ہے کہ یہ زید تو مضاف الیہ ہے یہ تو نہ فاعل ہے نہ مفعول بہ ہے اس سے کیسے آگے حال آیا؟ توجہ ہے؟ تو کبھی کبھار حال مفعول معہ سے آجاتا ہے، کبھی کبھار حال مفعولِ مطلق سے آجاتا ہے، اور کبھی کبھار حال مضاف الیہ سے آجاتا ہے؛ تو ان کو بھی داخل کرنے کے لیے صاحبِ جامی اب فاعل اور مفعول بہ میں تعمیم کریں گے اور بتلائیں گے کہ فاعل یا مفعول بہ کا ہونا عام ہے، چاہے حقیقتاً فاعل یا مفعول بہ ہوں چاہے حکماً ہوں۔ چاہے حقیقتاً فاعل یا مفعول بہ ہوں چاہے حکماً، اور مفعول معہ، مفعولِ مطلق اور وہ جو مضاف الیہ ہیں وہ حقیقتاً تو فاعل یا مفعول بہ نہیں ہوتے لیکن حکماً وہ بھی فاعل یا مفعول بہ ہوتے ہیں جب ان سے حال آئے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو اب ان کو بھی داخل کرنے کے لیے یہاں صاحبِ جامی تعمیم کر رہے ہیں۔

تو کہتے ہیں: وَالْمُرَادُ بِالْفَاعِلِ أَوِ الْمَفْعُولِ بِهِ، فاعل یا مفعول بہ سے مراد جو ہے أَعَمُّ وہ زیادہ عام ہے مِنْ أَنْ يَكُونَ حَقِيقَةً أَوْ حُكْمًا اس بات سے کہ وہ حقیقتاً ہو یا حکماً ہو۔ یعنی فاعل یا مفعول بہ ہونا صرف حقیقتاً ہو ایسا بھی نہیں ہے، فاعل یا مفعول بہ ہونا صرف حکماً ہو ایسا بھی نہیں ہے بلکہ اس سے زیادہ عام ہے یعنی دونوں کو شامل ہے، فاعل یا مفعول بہ ہونا دونوں کو

شامل ہے حقیقتاً ہو چاہے حکماً۔ تو کہتے ہیں: وَالْمُرَادُ بِالْفَاعِلِ أَوِ الْمَفْعُولِ بِهِ تو فاعل یا مفعول بہ سے مراد جو ہے أَعَمُّ وہ جو زیادہ عام ہے مِنْ أَنْ يَكُونَ حَقِيقَةً أَوْ حُكْمًا اس سے کہ وہ حقیقتاً ہو یا حکماً ہو، فَيَدْخُلُ فِيهِ الْحَالُ عَنِ الْمَفْعُولِ مَعَهُ تو اس تعریف کے اندر داخل ہو گیا وہ حال جو مفعول معہ سے آئے، لِكَوْنِهِ فِي مَعْنَى الْفَاعِلِ أَوِ الْمَفْعُولِ بِهِ اس وجہ سے کہ مفعول معہ فاعل یا مفعول بہ کے معنی میں ہوتا ہے۔ بھئی ادھر دیکھیے، مفعول معہ کسے کہتے ہیں؟ ابھی ہم نے پڑھا گزشتہ سبق میں: جو واو بمعنی مَعَ کے بعد آئے اور وہ کس کی مصاحبت کے لیے آتا ہے؟ فاعل یا مفعول بہ کی؛ جب وہ فاعل کی مصاحبت کے لیے ہے تو معلوم ہوا یہ بھی فاعل ہی کے درجے میں ہے، اور جب یہ مفعول بہ کی مصاحبت کے لیے ہے تو معلوم ہوا یہ بھی مفعول بہ کے درجے میں ہے، تو مفعول معہ حقیقتاً تو فاعل نہیں لیکن حکماً فاعل ہے کیونکہ یہ انہی کی مصاحبت کے ساتھ ہوتا ہے: جَاءَنِي زَيْدٌ وَعَمْرًا، جَاءَنِي زَيْدٌ وَعَمْرًا یہ وَعَمْرًا کس کے بعد آیا؟ زید جو فاعل ہے اس کے بعد آیا، تو معلوم ہوا یہ اس فاعل کا مصاحب ہے، معلوم ہوا جو آنے کا فعل فاعل کر رہا ہے وہ فعل یہ بھی کر رہا ہے اور یہ اس کے ساتھ اسی زمانے میں اس فعل کو کر رہا ہے۔ تو کہتے ہیں: فَيَدْخُلُ فِيهِ الْحَالُ عَنِ الْمَفْعُولِ مَعَهُ تو اس کے اندر وہ جو حال ہو مفعول معہ سے وہ بھی داخل ہو گیا لِكَوْنِهِ فِي مَعْنَى الْفَاعِلِ أَوِ الْمَفْعُولِ بِهِ اس وجہ سے کہ یہ فاعل یا مفعول بہ کے معنی میں ہوتا ہے۔

وَكَذَا الْمَفْعُولُ الْمُطْلَقُ، تو کہتے ہیں اسی طرح وہ جو حال مفعولِ مطلق سے آئے وہ بھی اس کے اندر داخل ہو گیا، مِثْلُ ضَرَبْتُ الضَّرْبَ شَدِيدًا، ضَرَبْتُ الضَّرْبَ شَدِيدًا۔ دیکھو ضَرَبْتُ فعل با فاعل ہے، الضَّرْبَ یہ مفعولِ مطلق ہے کیونکہ یہ مصدر ہے اور ماقبل فعل کے معنی میں ہے، اور وہ مصدر جو ماقبل فعل کے معنی میں ہو وہ مفعولِ مطلق ہوتا ہے، اور اس سے آگے حال آیا شَدِيدًا: ضَرَبْتُ الضَّرْبَ میں نے ضرب لگائی اس حال میں کہ وہ شدید تھی، اس حال میں کہ وہ شدید تھی۔ لیکن اس میں دیکھو یہ الضَّرْبَ جو مصدر لے کر آئے توجہ ہے؟ یہ جو مفعولِ مطلق ہے جس سے حال آگے آرہا ہے اس کو معرفہ لے کر آئے۔ اس کو... تو الضَّرْبَ یہ ہے ذوالحال، مفعولِ مطلق جو ہے اسی سے آگے شَدِيدًا حال آرہا ہے، تو شَدِيدًا منصوب لفظاً صفتِ مشبہ، اس کے اندر هُوَ ضمیر اس کا فاعل جو کس کو راجع ہے؟ حال کو کس سے جوڑتے ہیں؟ ذوالحال سے، اور ذوالحال کون ہے یہاں پر؟ الضَّرْبَ ہے، تو شَدِيدًا کے اندر هُوَ ضمیر کس کو راجع؟ الضَّرْبَ کو راجع ہے، بات سمجھ میں آگئی؟ تو الضَّرْبَ ہوا ذوالحال اور اس کو معرفہ لے کر آئے، اس کو... کیونکہ آگے چل کر آپ کو بتلائیں گے کہ ذوالحال اکثر معرفہ ہوتا ہے، حال نکرہ ہوتا ہے اور ذوالحال اکثر معرفہ ہوتا ہے، تو اس لیے یہاں الضَّرْبَ معرفہ ذوالحال لے کر آئے؛ اور حال نکرہ ہوتا ہے تو شَدِيدًا آگے دیکھو نکرہ لے کر آئے، اگر دونوں معرفہ ہوتے پھر تو موصوف صفت بن جاتے، یا دونوں نکرہ ہوتے پھر بھی کیا بنتے؟ موصوف صفت بنتے، بات سمجھ میں آگئی؟ تو یہاں ضَرَبْتُ الضَّرْبَ شَدِيدًا، الضَّرْبَ بھی منصوب ہے شَدِيدًا بھی منصوب ہے لیکن موصوف صفت نہیں بنا سکتے، کیوں نہیں بنا سکتے؟ الضَّرْبَ ہے معرفہ اور شَدِيدًا ہے نکرہ، اور موصوف صفت تو تعریف و تنکیر میں ایک جیسے ہوتے ہیں۔

بھئی سوال: ضَرَبْتُ الضَّرْبَ شَدِيدًا، یہ الضَّرْبَ مفعولِ مطلق ہے اس سے حال کیسے آیا؟ حال تو صرف فاعل یا مفعول بہ کی حالت بیان کرتا ہے! تو آپ کو بتلائیں گے کہ یہ بھی مفعول بہ کے حکم میں ہے۔ بھئی کس طرح مفعول بہ کے حکم میں ہے؟ کہتے ہیں اس لیے کہ ضَرَبْتُ الضَّرْبَ یہ بمعنی ہے أَحْدَثْتُ الضَّرْبَ میں نے ضرب کو وجود دیا، أَحْدَثَ يُحْدِثُ احداث کا معنی ہے وجود دینا۔ بھئی دیکھیے جب میں کسی کی پٹائی کروں گا تو پٹائی کو وجود دوں گا کہ نہیں دوں گا؟ پٹائی کو وجود دوں گا، تو یہاں پر بھی جب میں نے ضَرَبْتُ الضَّرْبَ کہا تو معنی کیا ہے؟ أَحْدَثْتُ الضَّرْبَ میں نے ضرب کو وجود دیا، تو أَحْدَثْتُ فعل با فاعل اور الضَّرْبَ یہ مفعول بہ، تو دیکھو یہ معنی کے اعتبار سے مفعول بہ ہے، بات سمجھ میں آگئی؟ تو یہ ضَرَبْتُ الضَّرْبَ یہ لفظوں کے اعتبار سے تو یہ الضَّرْبَ مفعولِ مطلق ہے لیکن یہ معنی کے اعتبار سے، معنی کے اعتبار سے یہ مفعول بہ ہے یعنی یہ حکماً مفعول بہ ہے، حکماً مفعول بہ ہے۔ تو کہتے ہیں: مِثْلُ ضَرَبْتُ الضَّرْبَ شَدِيدًا فَإِنَّهُ بِمَعْنَى أَحْدَثْتُ الضَّرْبَ شَدِيدًا اس لیے کیونکہ یہ أَحْدَثْتُ الضَّرْبَ شَدِيدًا کے معنی میں ہے، أَحْدَثْتُ الضَّرْبَ شَدِيدًا میں نے وجود دیا ضرب کو اس حال میں کہ یہ شدید تھی، سخت تھی۔

وَكَذَا يَدْخُلُ فِيهِ الْحَالُ عَنِ الْمُضَافِ إِلَيْهِ، اور اسی طرح اس کے اندر داخل ہو گیا وہ جو حال آتا ہے مضاف الیہ سے۔ بھئی جب ہم نے تعمیم پیدا کر دی کہ وہ فاعل یا مفعول بہ ہونا حقیقتاً ہو چاہے حکماً ہو تو اب اس کے اندر داخل ہو گیا وہ جو حال آتا ہے مضاف الیہ سے، كَمَا إِذَا كَانَ الْمُضَافُ فَاعِلًا أَوْ مَفْعُولًا يَصِحُّ حَذْفُهُ وَقِيَامُ الْمُضَافِ إِلَيْهِ مَقَامَهُ۔ بھئی دیکھیے ذرا اگلی مثالوں پر نظر رکھیے اگلی سطر میں: ﴿ بَلْ نَتَّبِعُ مِلَّةَ إِبْرَاهِيمَ حَنِيفًا ﴾، ﴿ بَلْ نَتَّبِعُ مِلَّةَ إِبْرَاهِيمَ حَنِيفًا ﴾۔ بھئی آیت کس طرح ہے؟ ﴿ بَلْ مِلَّةَ إِبْرَاهِيمَ حَنِيفًا ﴾، ﴿ بَلْ مِلَّةَ إِبْرَاهِيمَ حَنِيفًا ﴾، اور مِلَّةَ یہ منصوب ہے تو اس کے لیے عامل چاہیے کس نے اس کو نصب دیا؟ تو صاحبِ جامی نے درمیان میں نَتَّبِعُ کا فعل نکال دیا کہ یہاں فعل محذوف ہے اور مِلَّةَ إِبْرَاهِيمَ اس کے لیے کیا بن رہا ہے؟ مفعول بہ بن رہا ہے۔ نَتَّبِعُ اس کے اندر نَحْنُ ضمیر فاعل ہے اور مِلَّةَ إِبْرَاهِيمَ اس کے لیے مفعول بہ ہے۔ اور یاد رکھو یہ مِلَّةَ مضاف ہے اور إِبْرَاهِيمَ مضاف الیہ ہے، اور یہ إِبْرَاهِيمَ اس پر فتحہ ہے اس کا یہ معنی نہیں کہ یہ منصوب ہے بلکہ یہ مجرور ہے، مضاف الیہ ہے، البتہ یہ غیر منصرف ہے اور غیر منصرف پر جر آتا ہی فتحہ کے ساتھ ہے بھئی، اور دو سبب اس میں کون کون سے ہیں؟ ایک علمیت ہے اور دوسرا عجمہ ہے شاباش، کیونکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام یہ عجمی ہیں کیونکہ اس وقت ابھی عربی زبان بنی ہی نہیں تھی جس وقت حضرت ابراہیم علیہ السلام گزرے ہیں بھئی۔ بات سمجھ میں آگئی؟ جیسے یہ اردو زبان ہے یہ اردو زبان کو تقریباً کوئی تین سو سال ہوئے ہیں یہ بنی ہے، اس سے پہلے اردو زبان نہیں تھی، یہ مغل بادشاہ جو تھے ان کی فوج ہوتی تھی اس کے اندر ہر زبان والے لوگ ہوتے تھے: اس کے اندر فارسی بولنے والے بھی، اس کے اندر، اس کے اندر سندھی بولنے

بولنے والے بھی، اس کے اندر اسی طرح اور زبانیں بولنے والے بھی، تو یہ مختلف زبانوں والے ہوتے، تو وہ پھر ایک

دوسرے سے جب بات کرتے تھے تو ہر ایک اپنی زبان والے لفظ بولتا تھا، تو وہ ساروں سے مل جل کر ایک نئی زبان اردو بنتی چلی گئی۔ تو اسی طرح جس وقت حضرت ابراہیم علیہ السلام تھے اس وقت عربی زبان نہیں تھی، بعد میں آہستہ آہستہ بنتی چلی گئی بھئی۔

اور یہاں پر یہ حَنِيفًا کا لفظ آیا: یاد رکھو حنیف کہتے ہیں وہ شخص جو تمام برائیوں سے الگ تھلگ سیدھے راستے پر ہو، جو تمام برائیوں سے علیحدہ سیدھے راستے پر ہو اس کو کہتے ہیں حنیف؛ یعنی حق کی طرف جھکنے والا، حق پر چلنے والا، اس کو کیا کہتے ہیں؟ حنیف۔ تو آسان لفظوں میں یوں کہو جو ہر باطل سے الگ ہو؛ حنیف کا کیا معنی؟ جو ہر باطل سے الگ ہو، ہر باطل سے جدا ہو۔ تو ترجمہ سنیے: ﴿ بَلْ نَتَّبِعُ مِلَّةَ إِبْرَاهِيمَ حَنِيفًا ﴾ ۔ بھئی مسلمانوں کو یہودی کہتے تھے کہ تم ہمارے مذہب پر آجاؤ تم کامیاب ہو جاؤ گے، تمہیں ہدایت مل جائے گی؛ عیسائی کہتے تھے کہ اے مسلمانوں ہمارے مذہب پر آجاؤ تمہیں ہدایت مل جائے گی، تم سیدھے راستے پر آجاؤ گے۔ تو قرآن میں اللہ فرماتے ہیں: ﴿ قُلْ بَلْ مِلَّةَ إِبْرَاهِيمَ حَنِيفًا ﴾ کہ اے پیغمبر آپ ان سے کہہ دیجیے: ﴿ بَلْ مِلَّةَ إِبْرَاهِيمَ حَنِيفًا ﴾ أَيْ بَلْ نَتَّبِعُ مِلَّةَ إِبْرَاهِيمَ حَنِيفًا، بلکہ ہم تو پیروی کرتے ہیں مِلَّةَ إِبْرَاهِيمَ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دین کی، ملت کہتے ہیں دین کو، حَنِيفًا اس حال میں کہ وہ ابراہیم علیہ السلام جو تھے وہ ہر باطل سے جدا تھے، تمام برائیوں سے الگ تھلگ سیدھے راستے پر تھے؛ یعنی ہم ان کے دین پر ہیں بھئی۔ تو یہاں دیکھو یہ حَنِيفًا یہ حال ہے ابراہیم سے، ابراہیم سے، اور ابراہیم یہ تو مضاف الیہ ہے، مِلَّةَ ہے مضاف، إِبْرَاهِيمَ ہے مضاف الیہ۔ یہ مِلَّةَ یہ تو مفعول بہ بن رہا ہے، مفعول بہ سے تو حال آسکتا ہے لیکن یہاں پر مفعول بہ سے حال نہیں آرہا بلکہ مفعول بہ کا جو مضاف الیہ ہے اس سے حال آرہا ہے۔ تو جب صاحبِ جامی نے فاعل یا مفعول بہ ہونے کے اندر تعمیم پیدا کی کہ فاعل یا مفعول بہ ہونا چاہے حقیقتاً ہو چاہے حکماً ہو، تو یہ مضاف الیہ بھی تعریف کے اندر داخل ہو گیا، اس سے بھی حال آسکتا ہے۔ بھئی کیوں؟ وجہ یہ: یاد رکھو ضابطہ آپ کو بتلائیں گے کہ وہ مضاف الیہ کہ جس کو مضاف کا قائم مقام کرنا صحیح ہو؛ مضاف کو آپ ہٹا دیں اور مضاف الیہ کو اس کا قائم مقام کر دیں اور پھر بھی معنی صحیح رہے، تو اس قسم کا مضاف الیہ یہ مضاف ہی کے درجے میں ہے۔ توجہ ہے؟ آپ نے کس کو ہٹایا؟ مضاف کو؛ وہ مضاف فاعل یا مفعول بہ بن رہا تھا، لیکن آپ اس کو ہٹا دیں اور اس مضاف الیہ کو اس کی جگہ پر رکھ دیں، اگر کلام کا معنی پھر بھی صحیح ہوتا ہے معلوم ہوا یہ مضاف الیہ بھی اسی مضاف کے درجے میں ہے، اس کو اس کی جگہ رکھ دیں معنی میں کوئی خلل نہیں آتا، تو معلوم ہوا ہے تو مضاف الیہ لیکن کس کے درجے میں ہے؟ مضاف کے درجے میں، اور مضاف تو کیا بن رہا ہے؟ فاعل یا مفعول بہ، اور اس سے تو حال آسکتا ہے، لہٰذا اس قسم کے مضاف الیہ سے بھی حال آسکتا ہے۔ تو یہاں پر دیکھو: ﴿ بَلْ نَتَّبِعُ مِلَّةَ إِبْرَاهِيمَ حَنِيفًا ﴾ بلکہ ہم پیروی کرتے ہیں ابراہیم علیہ السلام کے دین کی اس حال میں کہ ابراہیم علیہ السلام ہر باطل سے الگ تھلگ تھے۔ تو

یہاں پر ذرا مِلَّةَ کو ہٹا دیں اور ابراہیم کو اس کی جگہ پر لے آئیں اب وہ مفعول بہ بن جائے گا لفظ، اب یہ لفظِ ابراہیم مفعول بہ بن گیا تو کیا کلام بن گیا؟ ﴿ بَلْ نَتَّبِعُ إِبْرَاهِيمَ حَنِيفًا ﴾ بلکہ ہم تو ابراہیم علیہ السلام کی پیروی کرتے ہیں اس حال میں کہ وہ ہر باطل سے جدا ہیں۔ دیکھو معنی بالکل ٹھیک ہے: پہلے کیا معنی تھا؟ ہم ابراہیم علیہ السلام کے دین کی پیروی کرتے ہیں، اب کیا معنی ہوا؟ ہم ابراہیم علیہ السلام کی پیروی کرتے ہیں؛ دیکھو معنی بالکل ٹھیک ہے، ابراہیم علیہ السلام کی پیروی کرنا انہی کے دین کی تو پیروی کرنا ہے بھئی، بات سمجھ میں آگئی۔ لہٰذا ایسا مضاف الیہ، توجہ سے سنو، ایسا مضاف الیہ کہ جس کا مضاف فاعل یا مفعول بہ بن رہا ہے اور اس مضاف الیہ کو اس کا قائم مقام کرنا صحیح ہو یعنی اس سے معنی میں کوئی خلل نہ آتا ہو، تو اس قسم کے مضاف الیہ سے آگے حال آنا صحیح ہے کیونکہ یہ خود اسی مضاف کے درجے میں ہے، اور وہ تو فاعل یا مفعول بہ ہے تو گویا یہ مضاف الیہ بھی فاعل یا مفعول بہ کے درجے میں ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ اب دیکھیے بھئی۔

کہتے ہیں: كَمَا إِذَا كَانَ الْمُضَافُ فَاعِلًا أَوْ مَفْعُولًا، جیسے کہ مضاف جو ہے وہ ایسا فاعل یا ایسا مفعول ہو کہ يَصِحُّ حَذْفُهُ وَقِيَامُ الْمُضَافِ إِلَيْهِ مَقَامَهُ، اور صحیح ہو اس مضاف کو حذف کرنا اور مضاف الیہ کو اس کا قائم مقام کرنا، فَكَأَنَّهُ الْفَاعِلُ أَوِ الْمَفْعُولُ تو گویا کہ وہ مضاف الیہ ہی فاعل یا مفعول ہے کیونکہ اس کو اس کا قائم مقام کرنا صحیح ہے، نَحْوُ ﴿ بَلْ نَتَّبِعُ مِلَّةَ إِبْرَاهِيمَ حَنِيفًا ﴾ ، ﴿ وَأَنْ يَأْكُلَ لَحْمَ أَخِيهِ مَيْتًا ﴾ ، یہ دوسری مثال آگئی۔ قرآن میں اللہ تعالیٰ غیبت سے منع فرماتے ہیں کہ کیا تم میں سے کوئی اس بات کو پسند کرے گا ﴿ أَنْ يَأْكُلَ لَحْمَ أَخِيهِ مَيْتًا ﴾ کہ وہ کھائے لَحْمَ أَخِيهِ اپنے بھائی کے گوشت کو مَيْتًا اس حال میں کہ وہ بھائی مردہ ہو، یعنی کیا تم میں سے کوئی اس بات کو پسند کرے گا کہ اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھائے؟ تو غیبت کرنا ایسے ہی ہے جیسے اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھانا۔ اور افسوس آج کل ہم سب کی یہ حالت ہے کہ شب و روز غیبتوں میں مصروف ہوتے ہیں، شب و روز۔ والد صاحب رحمہ اللہ کو اللہ نے یہ صفت نصیب فرمائی تھی وہ کبھی کسی کی غیبت نہیں کرتے تھے، عجیب ان کی طبیعت تھی انسان حیران رہ جاتا ہے۔ بعض اوقات طلباء سے سال کے شروع میں فرماتے کہ مولانا الحمد للہ غیبت سے اللہ نے میری حفاظت فرمائی ہے اور آپ کبھی مجھ سے کسی کی غیبت نہیں سنیں گے بھئی۔ طلباء فرماتے ہم سارا سال بڑے غور سے سنتے کہ کہیں تو حضرت کسی کی غیبت کر دیں گے، مگر سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا کہ وہ کسی کی غیبت کر دیں۔ اور صرف درس میں نہیں ان کی تمام زندگی اسی طرح گزری، وہ کبھی غیبت نہیں کرتے تھے۔ تو آپ آج کل کے احوال اگر آپ غور کریں اکثر لوگ شب و روز غیبتوں کے اندر مصروف ہوتے ہیں۔ اور والد صاحب کی عجیب میں نے بتلایا طبیعت تھی کبھی غیبت نہیں کرتے تھے۔ اور ہم نے بعض اوقات دیکھا بھی کہ والد صاحب رحمہ اللہ کے کوئی مہمان وغیرہ یا کوئی جاننے والے بیٹھے ہوئے ہیں، باتوں باتوں میں وہ غیبت کسی کی شروع کر دیتے کہ فلاں آدمی تو جی ایسا ہے ایسا ہے۔ والد صاحب فوراً، ابھی ایک آدھ بات ہی کی ہوتی تھی، والد صاحب فرماتے: نہیں بھئی وہ

تو بڑا اچھا آدمی ہے، اس میں تو یہ یہ خوبی ہے، اس کی دو تین چار خوبیاں ذکر کر دیتے۔ اور والد صاحب کی طبیعت چونکہ بڑی جلالی طبیعت تھی تو جیسے ہی والد صاحب ان کی تعریف کرتے وہ سننے والا فوراً ایک دم خاموش ہو جاتا کہ کہیں ایسا نہ ہو میں کوئی اور بات کروں حضرت کہیں ناراض نہ ہو جائیں مجھ سے۔ تو وہیں پر غیبت بند کروا دیتے تھے بھئی، بات ہی نہیں کرنے دیتے تھے کسی کو بھئی، لیکن ایسے طریقے سے کہ محسوس بھی نہیں ہوتا تھا، بات بدل جاتی بھئی۔ تو یہ بہت بڑی صفت ہے کہ اگر اللہ کسی کو نصیب فرما دے، اللہ ہم سب کو یہ صفت نصیب فرمائے بھئی۔

تو کہتے ہیں: ﴿ وَأَنْ يَأْكُلَ لَحْمَ أَخِيهِ مَيْتًا ﴾ اور کیا تم میں سے کوئی پسند کرتا ہے کہ اپنے مردہ بھائی کے گوشت کو کھائے؟ اب دیکھیے: أَنْ يَأْكُلَ لَحْمَ أَخِيهِ، أَنْ يَأْكُلَ فعل آیا اور لَحْمَ أَخِيهِ یہ لَحْمَ مفعول بہ ہے، یہ لَحْمَ مفعول بہ ہے، اور لَحْمَ ہے مضاف اور أَخِيهِ یہ ہے مضاف الیہ، اور یہ أَخِيهِ سے آگے حال آ رہا ہے مَيْتًا اس حال میں کہ اس کا وہ بھائی مردہ ہو بھئی۔ تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہاں تو مضاف الیہ سے حال آ رہا ہے اور حال تو صرف کس سے آتا ہے؟ فاعل سے یا مفعول بہ سے۔ تو جواب گزر گیا کہ یہاں پر جو مضاف ہے وہ تو مفعول بہ ہے، اور یہ مضاف کو حذف کر کے مضاف الیہ کو اس کا قائم مقام کرنا صحیح ہے اور اس سے کلام کا معنی خراب نہیں ہوتا۔ دیکھو کس طرح: پہلے معنی کیا ہے؟ ﴿ وَأَنْ يَأْكُلَ لَحْمَ أَخِيهِ مَيْتًا ﴾ کہ وہ کھائے اپنے مردہ بھائی کے گوشت کو، اب ذرا لَحْمَ کے لفظ کو ختم کر دیں: وَأَنْ يَأْكُلَ أَخَاهُ مَيْتًا۔ پہلے تو أَخِيهِ تھا نا، مضاف الیہ تھا اور مضاف الیہ کیا ہوتا ہے؟ مجرور ہوتا ہے، اور یہ أَخٌ اسمائے ستہ مکبرہ موحدہ مضافہ الی غیر یاء المتکلم ہے تو اس کا جر کس کے ساتھ تھا؟ یا کے ساتھ، اور اس کی اضافت ہے ہا ضمیر کی طرف۔ اب جب آپ اس لَحْمَ کو ختم کریں اور أَخِيهِ کو اس کی جگہ لائیں گے تو اب یہ منصوب ہوگا اور أَخٌ کا نصب کس کے ساتھ آتا ہے؟ الف کے ساتھ: وَأَنْ يَأْكُلَ أَخَاهُ مَيْتًا، کیا تم میں سے کوئی پسند کرے گا کہ اپنے مردہ بھائی کو کھائے؟ پہلے کیا معنی تھا؟ اپنے مردہ بھائی کے گوشت کو کھائے، اب کیا معنی؟ کیا تم میں سے کوئی پسند کرے گا کہ اپنے مردہ بھائی کو کھائے؟ دیکھو معنی میں کوئی خلل نہیں آیا، مردہ بھائی کا گوشت کھانا یا مردہ بھائی کو کھانا ایک ہی بات ہے بھئی۔ تو لہٰذا یہاں پر یہ أَخِيهِ سے حال آیا اور یہ أَخِي مضاف الیہ ہے لَحْمَ کا اور لَحْمَ مفعول بہ ہے، اور یہ أَخِيهِ کو اس کا قائم مقام کرنا صحیح ہے تو گویا یہ أَخِيهِ بھی مفعول بہ کے درجے میں ہے کیونکہ جو لَحْمَ تھا وہ مفعول بہ تھا، تو جب یہ مفعول بہ کے درجے میں ہے تو اس سے حال کا آنا صحیح ہے۔

دیکھیے آگے، کہتے ہیں: فَإِنَّهُ يَصِحُّ أَنْ تَقُولَ: بَلْ نَتَّبِعُ إِبْرَاهِيمَ، اس لیے کیونکہ صحیح ہے کہ آپ یوں کہیں: بَلْ نَتَّبِعُ إِبْرَاهِيمَ، یہ کہنا بھی آپ کا صحیح ہے مَقَامَ بَلْ نَتَّبِعُ مِلَّةَ إِبْرَاهِيمَ بَلْ نَتَّبِعُ مِلَّةَ إِبْرَاهِيمَ کی جگہ پر؛ وَأَنْ يَأْكُلَ أَخَاهُ، اور آپ کا یہ کہنا بھی صحیح ہے وَأَنْ يَأْكُلَ أَخَاهُ مَقَامَ أَنْ يَأْكُلَ لَحْمَ أَخِيهِ اس أَنْ يَأْكُلَ لَحْمَ أَخِيهِ کی جگہ پر۔ بات سمجھ میں آ گئی؟

أَوْ كَانَ الْمُضَافُ فَاعِلًا أَوْ مَفْعُولًا، اب دوسری صورت بتائیں گے: کبھی کبھار مضاف الیہ ایسا ہوتا ہے کہ مضاف جو

ہے وہ اس کا جز ہوتا ہے، ایک ہے مضاف ایک ہے مضاف الیہ، یہ جو مضاف ہوتا ہے یہ جز ہوتا ہے مضاف الیہ کا، تو اس قسم کے مضاف الیہ سے بھی حال آسکتا ہے، لیکن شرط کیا؟ شرط وہی ہے، شرط وہی ہے کہ وہ جو مضاف ہے وہ فاعل یا مفعول بہ ہونا چاہیے، توجہ ہے؟ دیکھو ادھر پھر سنو: ایک ہے مضاف ایک ہے مضاف الیہ، وہ مضاف وہ جز ہے کس کا؟ مضاف الیہ کا، تو اس مضاف الیہ سے حال آجاتا ہے، اور یہ اس مضاف الیہ سے حال آنا اسی طرح ہے جیسے مضاف سے حال آیا ہو کیونکہ مضاف تو اسی کا جز ہے بھئی، کل سے گویا حال آرہا ہے تو کل کے اندر جز بھی ہوتا ہے تو گویا یہ اسی سے حال ہے، بات سمجھ میں آگئی۔ دیکھو مثال سے اور وضاحت ہوگی۔ کہتے ہیں: أَوْ كَانَ الْمُضَافُ فَاعِلًا أَوْ مَفْعُولًا، یا وہ جو مضاف ہے وہ فاعل یا مفعول ہوتا ہے، وَهُوَ جُزْءُ الْمُضَافِ إِلَيْهِ، اور اس حال میں کہ وہ جو مضاف ہے وہ مضاف الیہ کا جز ہوتا ہے، فَكَأَنَّ الْحَالَ عَنِ الْمُضَافِ إِلَيْهِ هُوَ الْحَالُ عَنِ الْمُضَافِ، تو گویا کہ مضاف الیہ سے جو حال ہے وہ مضاف سے بھی حال ہے... بات سمجھ میں آئی؟ ادھر دیکھیے پھر سمجھ لیں: مضاف جز ہے کس کا؟ مضاف الیہ کا، تو جب مضاف الیہ سے حال آیا تو یہ اسی طرح ہے جیسے مضاف سے حال آیا ہو کیونکہ مضاف الیہ کے اندر مضاف بھی داخل ہے، نہیں سمجھ میں آئی بات؟ بھئی دیکھو پھر سمجھو اس کو: مضاف جز ہے کس کا؟ مضاف الیہ کا، اور اس مضاف الیہ سے حال آیا، جب اس مضاف الیہ سے حال آیا تو یہ اسی طرح ہے گویا مضاف سے حال آیا ہو کیونکہ مضاف اسی کا جز ہے بھئی۔ حال کس سے آیا؟ مضاف الیہ سے، توجہ ہے؟ بھئی حال مضاف سے آئے پھر تو اشکال ہی نہیں کیونکہ مضاف تو فاعل یا مفعول بہ خود بن رہا ہے، بات چل رہی ہے مضاف الیہ سے حال ہونے کی، اور یہ مضاف الیہ سے حال آیا تو یہ اسی طرح سمجھو کہ یہ مضاف سے حال ہے کیونکہ مضاف اس کا جز ہے بھئی، تو کل سے جب حال ہے تو گویا وہ جز سے بھی حال ہے۔ تو دیکھیے اب عبارت، کہتے ہیں: أَوْ كَانَ الْمُضَافُ فَاعِلًا أَوْ مَفْعُولًا یا وہ مضاف فاعل یا مفعول ہو وَهُوَ جُزْءُ الْمُضَافِ إِلَيْهِ اس حال میں کہ وہ مضاف جو فاعل یا مفعول ہے وہ مضاف الیہ کا جز ہے، فَكَأَنَّ الْحَالَ عَنِ الْمُضَافِ إِلَيْهِ هُوَ الْحَالُ عَنِ الْمُضَافِ تو گویا کہ وہ جو حال ہے مضاف الیہ سے وہ حال ہے مضاف سے، وہ... وہی حال ہے مضاف سے، وَإِنْ لَمْ يَصِحَّ قِيَامُهُ مَقَامَهُ اگرچہ اس کو اس کا قائم مقام کرنا صحیح نہ ہو؛ بھئی پچھلی صورت میں تھا کہ مضاف الیہ کو مضاف کا قائم مقام کر سکتے ہیں ہم، اگرچہ اس کے اندر مضاف الیہ کو مضاف کا قائم مقام تو نہیں کر سکتے لیکن مضاف جز ہے کس کا؟ مضاف الیہ کا، تو مضاف الیہ سے جو حال آیا گویا کہ وہ مضاف سے ہی حال ہے۔

كَمَا فِي قَوْلِهِ تَعَالَى، جیسے کہ اللہ تعالیٰ کے اس قول کے اندر ہے: ﴿ أَنَّ دَابِرَ هٰؤُلَاءِ مَقْطُوعٌ مُصْبِحِينَ ﴾ ۔ یہ حضرت لوط علیہ السلام کی قوم کے بارے میں فرمایا جا رہا ہے: ﴿ أَنَّ دَابِرَ هٰؤُلَاءِ مَقْطُوعٌ مُصْبِحِينَ ﴾ ۔ دَابِر کہتے ہیں جڑ کو، دابر اصل میں کہتے ہیں بچ جانے والا حصہ، کسی چیز کا پیچھے رہ جانے والا حصہ، درخت کو بھی جب کاٹتے ہیں دیکھو آخر میں کیا رہ جاتی ہے؟ جڑ، تو اس کو جڑ کو بھی کیا کہتے ہیں؟ دابر۔ اور مَقْطُوعٌ کا معنی ہے وہ جس کو کاٹا گیا ہو۔ مُصْبِحِينَ: أَصْبَحَ يُصْبِحُ کا معنی ہے صبح کرنا، صبح کے وقت میں داخل ہونا، توجہ ہے؟ تو ﴿ أَنَّ دَابِرَ هٰؤُلَاءِ ﴾ دَابِرَ ہے مضاف اور هٰؤُلَاءِ ہے

مضاف الیہ: بے شک ان لوگوں کی جو جڑ ہے مَقْطُوعٌ کاٹ دی جائے گی، ان لوگوں کی جڑ کاٹ دی جائے گی، مُصْبِحِينَ یہ حال ہے هٰؤُلَاءِ سے، دَابِرَ سے حال نہیں کیونکہ دابر تو مفرد ہے اور مُصْبِحِينَ یہ تو جمع ہے، جمع حال ہے تو معلوم ہوا ذوالحال بھی کیا ہونا چاہیے؟ جمع، تو یہ هٰؤُلَاءِ سے حال ہے۔ تو ترجمہ کیا ہوا ﴿ أَنَّ دَابِرَ هٰؤُلَاءِ مَقْطُوعٌ مُصْبِحِينَ ﴾ کہ

ان لوگوں کی جڑ صبح ہوتے کاٹ دی جائے گی، صبح کے وقت میں کاٹ دی جائے گی بھئی۔ معنی سمجھ میں آیا؟ یا یوں کہیں کہ ان لوگوں کی جڑ کاٹ دی جائے گی اس حال میں کہ یہ صبح میں داخل ہو رہے ہوں گے۔ معنی سمجھ میں آیا؟ تو یہ مُصْبِحِينَ حال ہے کس سے؟ هٰؤُلَاءِ سے، اور هٰؤُلَاءِ مضاف الیہ ہے اور دابر ہے مضاف۔ تو پہلا اشکال یہ ہوتا ہے کہ یہ دَابِرَ یہ تو أَنَّ کا اسم ہے اور حال تو صرف کس کی حالت بیان کرتا ہے؟ فاعل یا مفعول بہ کی۔ تو جواب یہ کہ یہ دابر جو ہے یہ نائب الفاعل کے درجے میں ہے۔ بھئی کیوں نائب الفاعل کے درجے میں کیوں؟ کہتے ہیں اس لیے کیونکہ آگے جو خبر آ رہی ہے نا أَنَّ کی، مَقْطُوعٌ، مَقْطُوعٌ اسمِ مفعول ہے اور اسمِ مفعول کے لیے کیا چاہیے؟ نائب الفاعل، تو اس کے اندر هُوَ ضمیر ہے اور یہ خبر ہے أَنَّ کی، اور أَنَّ کی خبر کو کس سے جوڑتے ہیں؟ أَنَّ کے اسم سے، تو اس کے اندر هُوَ ضمیر دابر کو راجع ہے کہ ان لوگوں کی جڑ کاٹ دی جائے گی۔ اور کسی چیز کی ضمیر کی طرف جو اسناد ہے وہ حقیقت میں اسی چیز کی طرف اسناد ہوتا ہے، تو گویا دابر کس کے درجے میں ہو گیا؟ نائب الفاعل، کیونکہ مَقْطُوعٌ کا اسناد ہے کس کی طرف؟ هُوَ ضمیر کی طرف اور وہ ضمیر کس کو راجع ہے؟ دابر کو، اور کسی چیز کی ضمیر کی طرف اسناد حقیقت میں اسی چیز کی طرف اسناد ہے، تو گویا دابر کس کے درجے میں ہوا؟ نائب الفاعل کے درجے میں ہوا۔ اور یہ دابر یہ جز ہے هٰؤُلَاءِ کا، ان لوگوں کی جڑ، اور جڑ بھی کیا ہوتی ہے؟ کسی چیز کا جز ہوتی ہے۔ بات سمجھ میں آ گئی؟ تو جب هٰؤُلَاءِ سے حال آیا تو گویا دابر سے حال آ گیا کیونکہ دابر اس کا، هٰؤُلَاءِ کا جز ہے، اور کل سے جو حال آئے گویا وہ جز سے ہی حال ہے۔ بات سمجھ میں آ گئی؟ تو یہاں پر اگرچہ، اگرچہ دابر کو حذف کر کے هٰؤُلَاءِ کو اس کا قائم مقام تو نہیں کیا جا سکتا؛ پچھلی مثال میں تو مضاف کو حذف کر کے مضاف الیہ کو اس کا قائم مقام کیا جا سکتا تھا، اگرچہ یہاں پر ایسا تو نہیں کیا جا سکتا لیکن بہرحال یہاں دوسری صورت ہے کہ دابر جز ہے مضاف الیہ کا، تو مضاف الیہ سے حال کا آنا گویا وہ مضاف سے ہی حال کا آنا ہے۔

دیکھیے بھئی، کہتے ہیں: فَقَوْلُهُ مُصْبِحِينَ، پس اللہ تعالیٰ کا قول مُصْبِحِينَ جو ہے، حَالٌ عَنْ هٰؤُلَاءِ یہ هٰؤُلَاءِ سے حال ہے، بِاعْتِبَارِ أَنَّ الدَّابِرَ الْمُضَافَ إِلَيْهِ جُزْؤُهُ، بایں اعتبار کہ وہ دابر الْمُضَافَ إِلَيْهِ جو مضاف الیہ ہے... توجہ ہے عبارت سمجھ لیں عبارت مشکل ہے: أَنَّ الدَّابِرَ الْمُضَافَ إِلَيْهِ، دابر ہے موصوف اور الْمُضَافَ إِلَيْهِ یہ ہے اس کی صفت؛ معنی کیا ہوا؟ أَنَّ الدَّابِرَ وہ دابر الْمُضَافَ إِلَيْهِ جو مضاف الیہ ہے، اور عبارت پہ ذرا دیکھو: ﴿ أَنَّ دَابِرَ هٰؤُلَاءِ ﴾ یہ دابر مضاف الیہ ہے یا مضاف ہے؟ ﴿ أَنَّ دَابِرَ هٰؤُلَاءِ ﴾ دابر ہے مضاف اور هٰؤُلَاءِ ہے مضاف الیہ، اور یہ تو کیا کہہ رہے ہیں کہ دابر وہ دابر جو مضاف الیہ ہے! بات سمجھ میں آ گئی؟ یہاں پر ترجمہ سمجھ لو بھئی، پھر ترجمہ سنیں: فَقَوْلُهُ مُصْبِحِينَ حَالٌ عَنْ هٰؤُلَاءِ کہ مُصْبِحِينَ یہ

حال ہے هٰؤُلَاءِ سے، بِاعْتِبَارِ اس اعتبار سے، دیکھو اب بتلا رہے ہیں کہ هٰؤُلَاءِ سے مُصْبِحِينَ حال آیا کس اعتبار سے، کہتے ہیں: بِاعْتِبَارِ اس اعتبار سے کہ أَنَّ الدَّابِرَ الْمُضَافَ إِلَيْهِ کہ وہ دابر جس کی اس کی طرف اضافت کی گئی ہے، وہ دابر جس کی... أَنَّ الدَّابِرَ الْمُضَافَ وہ دابر کہ جس کی اضافت کی گئی ہے إِلَيْهِ کس کی طرف؟ هٰؤُلَاءِ کی طرف، جُزْؤُهُ وہ اس کا جز ہے۔ اب معنی سمجھ میں آگیا؟ تو کہتے ہیں: فَقَوْلُهُ مُصْبِحِينَ حَالٌ عَنْ هٰؤُلَاءِ تو مُصْبِحِينَ جو ہے یہ حال ہے هٰؤُلَاءِ سے، بِاعْتِبَارِ أَنَّ الدَّابِرَ الْمُضَافَ إِلَيْهِ جُزْؤُهُ بایں اعتبار کہ وہ دابر کہ جس کی اس هٰؤُلَاءِ کی طرف اضافت کی گئی ہے جُزْؤُهُ وہ اس کا جز ہے۔ فَإِنَّ دَابِرَ الشَّيْءِ أَصْلُهُ، اس لیے کیونکہ دابرُ شے جو ہے أَصْلُهُ وہ اس کی اصل ہوتی ہے، وَالدَّابِرُ مَفْعُولُ مَا لَمْ يُسَمَّ فَاعِلُهُ، اور یہ جو دابر ہے یہ مفعول مَا لَمْ يُسَمَّ فَاعِلُهُ ہے یعنی نائب الفاعل ہے، بِاعْتِبَارِ الضَّمِيرِ الْمُسْتَكِنِّ فِي الْمَقْطُوعِ باعتبار اس ضمیر کے الْمُسْتَكِنِّ جو چھپی ہوئی ہے فِي الْمَقْطُوعِ کس کے اندر؟ مقطوع کے اندر وہ جو نائب الفاعل کی ضمیر چھپی ہوئی تھی۔ تو مُسْتَكِنٌّ کا معنی ہے چھپی ہوئی، اس کا مادہ ک ن ن ہے کاف، نون، نون۔ تو کہتے ہیں: بِاعْتِبَارِ الضَّمِيرِ الْمُسْتَكِنِّ فِي الْمَقْطُوعِ باعتبار اس ضمیر کے جو چھپی ہوئی ہے مقطوع کے اندر، فَكَأَنَّهُ حَالٌ عَنْ مَفْعُولِ مَا لَمْ يُسَمَّ فَاعِلُهُ تو گویا کہ یہ جو مُصْبِحِينَ ہے یہ حال ہے عَنْ مَفْعُولِ مَا لَمْ يُسَمَّ فَاعِلُهُ سے، یہ نائب الفاعل سے حال ہے۔ کیوں؟ بھئی دیکھیے پھر سنو: کہ یہ مُصْبِحِينَ حال ہے کس سے؟ هٰؤُلَاءِ سے، اور هٰؤُلَاءِ اس کی طرف اضافت کی گئی ہے دابر کی جو اس کا جز ہے؛ وہ مضاف اس کا جز ہے جو نائب الفاعل ہے بھئی، جو... دابر کس کے درجے میں ہے؟ نائب الفاعل کے درجے میں کیونکہ مقطوع کے اندر هُوَ ضمیر اس کو لوٹ رہی ہے، تو وہ مضاف اس کا جز ہے، تو اس مضاف الیہ سے حال گویا ایسے ہی ہے جیسے نائب الفاعل سے حال آرہا ہو، یہ معنی ہے: فَكَأَنَّهُ حَالٌ عَنْ مَفْعُولِ مَا لَمْ يُسَمَّ فَاعِلُهُ تو گویا کہ یہ حال ہے مفعول ما لم یسمّ فاعلہ یعنی دابر سے بھئی۔

آگے دیکھیے: وَلَوْ قُرِئَ تَبَيَّنَ عَلَى صِيغَةِ الْمَاضِي الْمَعْلُومِ مِنْ بَابِ التَّفَعُّلِ، أَوْ تُبَيَّنُ عَلَى صِيغَةِ الْمُضَارِعِ الْمَجْهُولِ مِنْ بَابِ التَّفْعِيلِ۔ جی یہاں سے صاحبِ جامی ایک اور توجیہ کر رہے ہیں بھئی۔ متن میں کیا آیا؟ پھر متن پہ آئیے جہاں حال کی تعریف ہم نے پڑھی تھی: وَالْحَالُ مَا يُبَيِّنُ هَيْئَةَ الْفَاعِلِ أَوِ الْمَفْعُولِ بِهِ۔ الْحَالُ مَا حال وہ چیز ہے يُبَيِّنُ کہ وہ بیان کرتا ہے هَيْئَةَ الْفَاعِلِ یہ ہیئت مفعول ہے، توجہ ہے؟ يُبَيِّنُ کے اندر هُوَ ضمیر ہے اور وہ راجع ہے مَا کو کیونکہ یہ صلہ ہے موصول کا اور صلے کو کس سے جوڑتے ہیں؟ موصول سے، تو يُبَيِّنُ کے اندر هُوَ ضمیر فاعل ہے اور مَا کو راجع ہے۔ ترجمے پہ غور کرو: وَالْحَالُ اور حال جو ہے مَا وہ چیز ہے کہ يُبَيِّنُ کہ وہ چیز بیان کرتی ہے کس چیز کو؟ هَيْئَةَ الْفَاعِلِ أَوِ الْمَفْعُولِ بِهِ، اور یہ هَيْئَةَ مفعول بہ ہے منصوب ہے؛ حال وہ چیز ہے جو بیان کرتی ہے کس کو؟ فاعل یا مفعول بہ کی حالت کو۔ تو دیکھو اس ترکیب کے اندر یہ بِهِ کو مفعول سے جوڑا گیا: کس کی حالت بیان کرتی ہے؟ فاعل یا مفعول بہ کی حالت کو بیان کرتی ہے۔ اور انہوں نے آپ کو بتلایا کہ حال کبھی مفعول معہ سے بھی آتا ہے اور حال کبھی مفعولِ مطلق سے بھی آتا ہے، تو جب انہوں نے کہا کہ حال وہ

چیز ہے جو فاعل یا مفعول بہ کی حالت بیان کرے تو اس کے اندر تو مفعول معہ داخل نہیں، اس کے اندر تو مفعولِ مطلق تو داخل نہیں کیونکہ وہ تو مفعول بہ نہیں ہے وہ تو الگ معمول ہیں، انہوں نے تو صرف کیا کہا کہ حال وہ چیز ہے جو صرف فاعل یا مفعول بہ کی حالت بیان کرے تو مفعول معہ بھی داخل نہیں ہوا حالانکہ اس سے بھی حال آتا ہے اور مفعولِ مطلق بھی داخل نہیں ہوا حالانکہ اس سے بھی حال آتا ہے۔ تو پھر لہٰذا آگے صاحبِ جامی کو تعمیم کرنا پڑی تھی اور بتلایا تھا کہ فاعل یا مفعول بہ ہونا عام ہے، چاہے حقیقتاً فاعل یا مفعول بہ ہوں چاہے حکماً ہوں۔ جب حکماً کے ذریعے تعمیم کر دی اب مفعول معہ بھی داخل ہو گیا کیونکہ وہ حقیقتاً تو فاعل نہیں ہوتا لیکن حکماً فاعل یا مفعول بہ ہوتا ہے جس کا وہ مصاحب ہو؛ اگر وہ فاعل کا مصاحب ہے تو وہ بھی فاعل کے درجے میں ہے اور اگر وہ مفعول بہ کا مصاحب ہے تو پھر وہ مفعول بہ کے درجے میں ہے، تو حقیقتاً تو فاعل یا مفعول بہ نہیں لیکن حکماً فاعل یا مفعول بہ ہے تو وہ بھی تعریف میں داخل ہو گیا۔ اسی طرح مفعولِ مطلق جو ہے وہ بھی نہ فاعل ہے نہ مفعول بہ ہے لیکن حکماً وہ بھی مفعول بہ ہے کیونکہ وہ مفعول بہ کے معنی میں ہے، کیونکہ ضَرَبْتُ الضَّرْبَ کس معنی میں ہے؟ أَحْدَثْتُ الضَّرْبَ کے معنی میں ہے۔ تو لہٰذا یہ جو تعریف پہلے کی تھی بِهِ کو جوڑا جائے مفعول کے ساتھ، حال وہ ہے جو فاعل یا مفعول بہ کی حالت کو بیان کرتا ہے، تو مفعول معہ بھی داخل نہیں اور مفعولِ مطلق بھی داخل نہیں، ان کو داخل کرنے کے لیے تعمیم کرنا پڑی تھی۔

اب صاحبِ جامی اور دو توجیہ کریں گے کہ پھر ان دونوں کو داخل کرنے کے لیے توجیہ کی ضرورت نہیں، یہ ویسے ہی تعریف کے اندر داخل ہو جاتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ یوں کریں کہ یہ جو يُبَيِّنُ آیا اس کو پڑھیں تَبَيَّنَ، کیا پڑھیں؟ تَبَيَّنَ پڑھیں، بابِ تَفَعُّل سے ماضی کا صیغہ پڑھو۔ پہلے کیا تھا؟ مَا يُبَيِّنُ، میں نے ترکیب بتلا دی يُبَيِّنُ کے اندر هُوَ ضمیر ہے جو کس کو راجع ہے؟ مَا کو، اور ہیئت کو کیا بنایا؟ مفعول بہ بنایا اس پر نصب ہے، اور بِهِ کو کس سے جوڑا؟ مفعول سے جوڑا کہ فاعل یا مفعول بہ کی جو حالت بیان کرتا ہے۔ اب یوں کریں کہ اس کو تَبَيَّنَ پڑھیں اور هَيْئَةُ کو اس کا فاعل بنا دیں، اور بِهِ کو مفعول سے نہ جوڑیں کہ وہ مفعول بہ کی حالت بیان کرتا ہے بلکہ بِهِ کو تَبَيَّنَ سے جوڑ دیں، بِهِ کو تَبَيَّنَ سے؛ تو گویا عبارت یوں بن گئی: اَلْحَالُ مَا تَبَيَّنَ بِهِ، بِهِ کو یہیں لے آئیں تاکہ بات واضح ہو جائے: حال وہ چیز ہے تَبَيَّنَ بِهِ کہ اس کے ذریعے سے بیان ہو هَيْئَةُ الْفَاعِلِ أَوِ الْمَفْعُولِ، کس کی حالت؟ فاعل یا مفعول کی حالت؛ یہ نہیں کہا مفعول بہ کی حالت، فاعل یا مفعول کی حالت، بِهِ کو تو تَبَيَّنَ سے جوڑ دیا۔ تو جب کہا فاعل یا مفعول کی حالت بیان کرے، اور مفعول ہونا وہ تو عام ہے، مفاعیل تو خمسہ ہیں، پانچ ہیں، تو وہ پانچوں میں سے جس سے بھی حال آسکتا ہے وہ سب اس کے اندر آ گئے، اور کتنے مفعول ہیں جن سے حال آتا ہے؟ تین ہیں: ایک مفعول بہ، ایک مفعول معہ، ایک مفعولِ مطلق؛ تینوں سے حال آتا ہے تینوں داخل ہو گئے، کیونکہ کیا تعریف کر دی؟ مَا، حال وہ چیز ہے تَبَيَّنَ بِهِ کہ اس کے ذریعے ظاہر ہو، کیا چیز ظاہر ہو؟ هَيْئَةُ الْفَاعِلِ أَوِ الْمَفْعُولِ، فاعل یا مفعول کی حالت، فاعل یا مفعول، اور مفعول ہونا اس میں تو کوئی بِهِ کی قید نہیں، مفعول ہونا تو عام ہے، اس میں مفعول بہ بھی داخل

ہو گیا وہ بھی مفعول ہے، اس میں مفعول معہ بھی داخل ہوا وہ بھی مفعول ہے، اس میں مفعولِ مطلق بھی داخل ہوا وہ بھی مفعول ہے۔ تو دیکھو یہ دونوں بغیر کسی تاویل کے اب داخل ہو جاتے ہیں جب کیا پڑھا جائے؟ تَبَیَّنَ پڑھا جائے، اور هَیْئَةُ کو اس کا فاعل بنایا جائے اور بِهِ کو اسی سے جوڑا جائے مفعول کے ساتھ نہ جوڑا جائے، بات سمجھ میں آگئی۔

یا دوسری صورت یہ ہے کہ اس کو تُبَیَّنُ پڑھا جائے، تُبَیَّنُ، مجہول کا صیغہ بابِ تفعیل سے؛ تُبَیَّنُ پڑھا جائے اور بِهِ کو اسی کے ساتھ جوڑا جائے اور ہیئت کو اس کا نائب الفاعل بنایا جائے۔ گویا عبارت یوں بن گئی: الْحَالُ مَا تُبَیَّنُ بِهِ هَیْئَةُ الْفَاعِلِ أَوِ الْمَفْعُولِ، حال وہ چیز ہے تُبَیَّنُ بِهِ کہ اس کے ذریعے بیان کی جائے هَیْئَةُ الْفَاعِلِ أَوِ الْمَفْعُولِ فاعل یا مفعول کی حالت۔ اس میں بھی بِهِ کو کس سے جوڑا؟ تُبَیَّنُ سے، لہٰذا اس صورت میں بھی مفعول عام ہے، تو اس میں مفعول بہ بھی داخل، مفعول معہ بھی داخل اور مفعولِ مطلق بھی داخل ہو گئے۔ بات سمجھ میں آگئی۔

اور نیز یہ صاحبِ جامی کی توجیہ سے معلوم ہوتا ہے کہ صاحبِ جامی کے پاس جو کافیہ کا نسخہ تھا اس کے اندر یہ جو ہے نا اس وقت متن میں کیا ہے؟ مَا یُبَیِّنُ هَیْئَةَ الْفَاعِلِ، اصل جو متن میں عبارت کیا ہے؟ الْحَالُ مَا یُبَیِّنُ هَیْئَةَ الْفَاعِلِ أَوِ الْمَفْعُولِ بِهِ، اس وقت اس نسخے میں ہے یُبَیِّنُ، لیکن صاحبِ جامی جو توجیہ کر رہے ہیں اس سے معلوم ہوتا ہے صاحبِ جامی کے پاس جو نسخہ تھا وہاں مَا یُبَیِّنُ نہیں تھا بلکہ مَا تُبَیِّنُ تھا۔ اور کافیہ کے بعض نسخوں کے اندر مَا تُبَیِّنُ کا لفظ ہی ملتا ہے: بعض نسخوں میں تو کیا ہے؟ الْحَالُ مَا یُبَیِّنُ هَیْئَةَ الْفَاعِلِ أَوِ الْمَفْعُولِ بِهِ، اور کافیہ کے بعض نسخوں میں مَا یُبَیِّنُ کی جگہ مَا تُبَیِّنُ ہے: الْحَالُ مَا تُبَیِّنُ هَیْئَةَ الْفَاعِلِ أَوِ الْمَفْعُولِ بِهِ۔ تو معلوم ہوا صاحبِ جامی کے پاس جو نسخہ تھا اس میں بھی تُبَیِّنُ ہی تھا۔ کیا تھا؟ مَا تُبَیِّنُ تھا۔ اور یہاں کیا ہے؟ مَا یُبَیِّنُ۔ تو اس صورت میں اگر صاحبِ جامی کی توجیہ لی جائے: یُبَیِّنُ کی جگہ کیا لائیں؟ تَبَیَّنَ یا تُبَیَّنُ، تو دیکھو یا کو تا سے بدلنا پڑے گا، تو پھر تو پورا گویا لفظ ہی آپ نے بدل دیا؛ حالانکہ صاحبِ جامی لفظ کو بدلنے کی بات نہیں کریں گے، صاحبِ جامی صرف یہ کہیں گے اگر اس طرح اس کو پڑھو۔ معلوم ہوا لفظ ان کے پاس جو تھا وہ تُبَیِّنُ تھا، اور تُبَیِّنُ اس میں دیکھو کوئی حرف بدلنے کی ضرورت نہیں: آپ اس کو تُبَیِّنُ بھی پڑھ سکتے ہیں، آپ اس کو تَبَیَّنَ بھی پڑھ سکتے ہیں، اور آپ اس کو تُبَیَّنُ مجہول بھی پڑھ سکتے ہیں؛ تو تُبَیِّنُ، تُبَیَّنُ، تَبَیَّنَ ہر طرح ایک ہی لفظ کو پڑھ سکتے ہیں۔ بات سمجھ میں آگئی، معلوم ہوا صاحبِ جامی کے پاس جو نسخہ تھا اس میں مَا یُبَیِّنُ نہیں تھا بلکہ کیا تھا؟ مَا تُبَیِّنُ تھا۔

ہاں اس پر پھر اشکال ہوتا ہے کہ مَا موصولہ ہے اور مَا موصولہ مذکر ہے، اور اگر یہاں ان کے نسخے میں تُبَیِّنُ تھا، تُبَیِّنُ، تو تُبَیِّنُ کے اندر تو هِيَ ضمیر ہے، یہ تو مؤنث کا صیغہ ہے، اور هِيَ ضمیر کس کو راجع کریں گے؟ مَا کو، حالانکہ مَا کا لفظ تو مذکر ہے، اور ہیئت کا لفظ تو مفعول بہ بن رہا ہے، تو پھر هِيَ ضمیر کیسے مَا کی طرف راجع ہو سکتی ہے؟ مَا تو مذکر ہے! اشکال سمجھ میں آرہا ہے؟ تو یاد رکھنا کہ یہ مَا سے مراد ہے حال، کس کی بات چل رہی ہے؟ حال وہ چیز ہے، اور یاد رکھنا حال عربی میں مذکر بھی استعمال ہوتا ہے مؤنث بھی استعمال ہوتا ہے، اور زیادہ استعمال اس کا مؤنث ہی ہے، چنانچہ آگے آپ دیکھیں

گے کہ مؤنث ہی کی ضمیریں کس کی طرف لوٹائی جا رہی ہیں؟ حال کی طرف مؤنث کی ضمیریں لوٹائی جا رہی ہیں؛ تو یہاں پر مَا تُبَيِّنُ یہاں هِيَ ضمیر

ما کی طرف راجع کر دی۔ کیوں؟ کیونکہ مَا کا لفظ لفظوں کے اعتبار سے یہ مذکر ہے لیکن معنی کے اعتبار سے مَا مؤنث ہے کیونکہ اس سے حال مراد ہے۔ اس طرح کے موقع پر دونوں طرح کی ضمیریں استعمال کی جا سکتی ہیں: لفظ کا لحاظ رکھنا بھی صحیح اور معنی کا لحاظ رکھنا بھی صحیح۔ لفظ کا لحاظ رکھیں تو مذکر ضمیر لوٹانی پڑے گی اور معنی کا لحاظ رکھیں تو مؤنث ضمیر بھی لوٹا سکتے ہیں۔ معلوم ہوا ان کے پاس جو نسخہ تھا اس میں کیا تھا؟ مَا تُبَيِّنُ تھا۔ اور پھر انہوں نے کیا کہا مَا تُبَيِّنُ کے بجائے کیا کرو؟ اس کو مَا تَبَيَّنَ پڑھ لو، یا اس کو مَا تُبَيَّنُ پڑھ لو بھئی۔ بات سمجھ میں آگئی۔

جی، اب دیکھیے کتاب پر۔ کہتے ہیں: وَلَوْ قُرِئَ تَبَيَّنَ عَلَى صِيغَةِ الْمَاضِي الْمَعْلُومِ مِنْ بَابِ التَّفَعُّلِ، اور کہتے ہیں اگر تَبَيَّنَ پڑھا جائے عَلَى صِيغَةِ الْمَاضِي الْمَعْلُومِ بنا بر ماضی معلوم کا صیغہ مِنْ بَابِ التَّفَعُّلِ بابِ تَفَعُّل سے، أَوْ تُبَيَّنُ یا تُبَيَّنُ پڑھا جائے عَلَى صِيغَةِ الْمُضَارِعِ الْمَجْهُولِ بنا بر مضارع مجہول کے صیغے کے مِنْ بَابِ التَّفْعِيلِ بابِ تفعیل سے، وَجُعِلَ الْجَارُّ وَالْمَجْرُورُ مُتَعَلِّقًا بِهِ، اور جار مجرور کو اسی سے متعلق کر دیا جائے، کون سا جار مجرور؟ وہ جو بِهِ آیا تھا اس کو اس تَبَيَّنَ یا تُبَيَّنُ سے متعلق کر دیا جائے لَا بِالْمَفْعُولِ مفعول کے ساتھ متعلق نہ کیا جائے، تو دَخَلَ فِيهِ الْحَالُ مِنَ الْمَفْعُولِ مَعَهُ أَوِ الْمَفْعُولِ الْمُطْلَقِ تو اس کے اندر وہ حال بھی داخل ہو جائے گا جو مفعول معہ یا مفعولِ مطلق سے آئے، مِنْ غَيْرِ حَاجَةٍ إِلَى تَعْمِيمِ الْفَاعِلِ وَالْمَفْعُولِ بغیر اس حاجت کے کہ تعمیم کی جائے فاعل یا مفعول کے درمیان۔ پہلے تو ہم نے تعمیم کی تھی کہ فاعل یا مفعول حقیقتاً ہوں گے یا حکماً ہوں گے تاکہ یہ بھی داخل ہو جائیں لیکن اب تعمیم کی حاجت نہیں، اب یہ ویسے ہی داخل ہو جائیں گے کیونکہ تعریف کیا بن جائے گی؟ حال جو ہے وہ حالت بیان کرتا ہے کس کی؟ فاعل یا مفعول کی حالت بیان کرتا ہے، تو مفعول میں تو یہ سب داخل ہو گئے۔ تو پھر کہتے ہیں: مِنْ غَيْرِ حَاجَةٍ إِلَى تَعْمِيمِ الْفَاعِلِ وَالْمَفْعُولِ بغیر اس حاجت کے کہ تعمیم کی جائے فاعل اور مفعول میں، إِلَّا لِدُخُولِ مَا وَقَعَ حَالًا عَنِ الْمُضَافِ إِلَيْهِ، مگر اس لیے کہ تاکہ داخل ہو جائے وہ جو حال واقع ہو رہا ہے مضاف الیہ سے؛ یعنی وہ جو مضاف الیہ سے حال واقع ہو رہا تھا پھر صرف اس کے لیے تعمیم کرنا پڑے گی، مفعول معہ یا مفعولِ مطلق کو داخل کرنے کے لیے تعمیم کرنے کی پھر حاجت نہیں۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو دیکھو تعریف کتنی اور بہترین ہو گئی: کچھ چیزیں جو پہلے داخل نہیں ہو رہی تھیں اب ایسی توجیہ کی کہ وہ بھی داخل ہو گئیں، اب صرف مضاف الیہ باقی رہ گیا تھا اس کے لیے تعمیم کرنا پڑے گی باقی سب ویسے ہی داخل ہو رہے ہیں۔ تو کہتے ہیں: مِنْ غَيْرِ حَاجَةٍ إِلَى تَعْمِيمِ الْفَاعِلِ وَالْمَفْعُولِ بغیر اس حاجت کے کہ تعمیم کی جائے فاعل اور مفعول میں، إِلَّا لِدُخُولِ مَا وَقَعَ حَالًا مگر تعمیم کرنا پڑے گی کس کے لیے؟ إِلَّا لِدُخُولِ مَا وَقَعَ حَالًا مگر اس چیز کو داخل کرنے کے لیے جو حال واقع ہو رہی ہو عَنِ الْمُضَافِ إِلَيْهِ کس

سے؟ مضاف الیہ سے، اس کے لیے تعمیم کرنا پڑے گی، بات سمجھ میں آگئی۔

جی آگے دیکھیے: مِثْلُ ضَرَبْتُ زَيْدًا قَائِمًا۔ یہ ضَرَبْتُ زَيْدًا قَائِمًا یہ قَائِمًا حال ہے فاعل سے یا مفعول سے اور وہ دونوں ملفوظ ہیں حقیقتاً، توجہ ہے؟ یہ تا ضمیر بھی حقیقتاً ہم اس پر تلفظ کر رہے ہیں اور یہ زَيْدًا پر بھی ہم حقیقتاً تلفظ کر رہے ہیں۔ تو کہتے ہیں: مِثَالٌ لِلَّفْظِيِّ الْمَلْفُوظِ حَقِيقَةً، تو یہ مثال ہے اس لفظی کی جو کہ حقیقتاً ملفوظ ہے، فَإِنَّ فَاعِلِيَّةَ تَاءِ الْمُتَكَلِّمِ وَمَفْعُولِيَّةَ زَيْدًا اس لیے کیونکہ تائے متکلم کا فاعل ہونا اور زَيْدًا کا مفعول ہونا، إِنَّمَا هِيَ بِاعْتِبَارِ لَفْظِ هٰذَا الْكَلَامِ وَمَنْطُوقِهِ وہ اس کلام کے لفظوں اور اس کے منطوق کے اعتبار سے ہی ہے، یعنی کلام کے لفظوں کے اعتبار سے ہی یہ فاعل یا مفعول بہ ہیں، مِنْ غَيْرِ اعْتِبَارِ مَعْنًى خَارِجٍ عَنْهُ بغیر اعتبار کیے کسی ایسے معنی کا جو اس کلام سے خارج ہو، وَهُمَا مَلْفُوظَانِ حَقِيقَةً اور یہ دونوں حقیقتاً ملفوظ ہیں یعنی ان پر حقیقتاً تلفظ ہو رہا ہے۔

وَزَيْدٌ فِي الدَّارِ قَائِمًا، اور زَيْدٌ فِي الدَّارِ قَائِمًا اس کے اندر دیکھو یہ قَائِمًا حال ہے کس سے؟ فِي الدَّارِ کے اندر هُوَ ضمیر ہے، اور فِي الدَّارِ پر جب تلفظ کیا تو حکماً هُوَ پر بھی کیا ہو گیا؟ تلفظ، تو هُوَ ضمیر ملفوظ حقیقتاً تو نہیں لیکن حکماً ملفوظ ہے۔ مِثَالٌ لِلَّفْظِيِّ الْمَلْفُوظِ حُكْمًا، یہ مثال ہے اس لفظی کی جو حکماً ملفوظ ہے، فَإِنَّ فَاعِلِيَّةَ الضَّمِيرِ الْمُسْتَكِنِّ فِي الظَّرْفِ اس لیے کیونکہ وہ ضمیر جو ظرف کے اندر چھپی ہوئی ہے اس کا فاعل ہونا، إِنَّمَا هِيَ بِاعْتِبَارِ لَفْظِ هٰذَا الْكَلَامِ وَمَنْطُوقِهِ وہ اس کلام کے لفظ اور اس کلام کے منطوق کے اعتبار سے ہی ہے۔ بات سمجھ میں آرہی ہے کہ وہ ضمیر جو چھپی ہوئی ہے ظرف کے اندر اس کا فاعل ہونا اس کلام کے لفظوں کے اعتبار سے ہی ہے، کسی اور امرِ خارج کا ہمیں یہاں اعتبار نہیں کرنا پڑا۔ پھر دیکھیے کہتے ہیں: فَإِنَّ فَاعِلِيَّةَ الضَّمِيرِ الْمُسْتَكِنِّ فِي الظَّرْفِ اس لیے کیونکہ وہ ضمیر جو ظرف میں چھپی ہوئی ہے اس کا فاعل ہونا، إِنَّمَا هِيَ بِاعْتِبَارِ لَفْظِ هٰذَا الْكَلَامِ وَمَنْطُوقِهِ وہ اسی کلام اور اس کے منطوق کے لفظ کے اعتبار سے ہے، مِنْ غَيْرِ اعْتِبَارِ مَعْنًى خَارِجٍ عَنْهُ بغیر اعتبار کیے کسی ایسے معنی کا جو اس کلام سے خارج ہو، وَالضَّمِيرُ الْمُسْتَكِنُّ مَلْفُوظٌ حُكْمًا اور یہ ضمیرِ مستکن جو ہے وہ حکماً ملفوظ ہے۔

وَهٰذَا زَيْدٌ قَائِمًا، یہ کس کی مثال تھی؟ جس میں زَيْدًا معنی کے اعتبار سے مفعول بہ ہے، لفظوں کے اعتبار سے مفعول بہ نہیں ہے۔ کہتے ہیں: مِثَالٌ لِلْمَعْنَوِيِّ یہ مثال ہے معنوی کی، لِأَنَّ مَفْعُولِيَّةَ زَيْدٍ لَيْسَ بِاعْتِبَارِ لَفْظِ هٰذَا الْكَلَامِ وَمَنْطُوقِهِ اس لیے کیونکہ زید کا مفعول ہونا وہ اس کلام کے لفظ اور اس کے منطوق کے اعتبار سے نہیں ہے، بَلْ بِاعْتِبَارِ مَعْنَى الْإِشَارَةِ وَالتَّنْبِيهِ الْمَفْهُومَيْنِ مِنْ لَفْظِ هٰذَا بلکہ زید کا مفعول ہونا وہ اس اشارے اور تنبیہ کے معنی کے اعتبار سے ہے الْمَفْهُومَيْنِ مِنْ لَفْظِ هٰذَا جو مفہوم ہو رہے ہیں هٰذَا کے لفظ سے۔ هٰذَا کے اندر هَا کس لیے ہے؟ تنبیہ کے لیے، اور ذَا کیا ہے؟ اشارہ ہے۔ تو زید کا مفعول ہونا وہ اس اشارے اور تنبیہ کے معنی کے اعتبار سے ہے، وہ جو اشارہ اور تنبیہ سمجھ میں آرہی ہے کس سے؟ لفظِ هٰذَا سے۔ وَلَا شَكَّ، اور اس بات میں کوئی شک نہیں کہ أَنَّهُمَا لَيْسَا مِمَّا يَقْصِدُ الْمُتَكَلِّمُ الْإِخْبَارَ بِهِمَا عَنْ نَفْسِهِ،

بھئی یہاں یہ ایک شبہے کا جواب دینا چاہتے ہیں۔ شبہ یہ کہ آپ نے ہمیں کیا کہا؟ هٰذَا زَيْدٌ قَائِمًا یہ کلام کس معنی میں ہے؟ أُشِيرُ زَيْدًا قَائِمًا۔ کس معنی میں ہے؟ أُشِيرُ زَيْدًا قَائِمًا، اور أُشِيرُ کے لیے تو زَيْدًا مفعول بہ بن رہا ہے، کیا بن رہا ہے؟ اور آپ نے ہمیں کیا کہا کہ یہاں زَيْدًا کا مفعول بہ ہونا لفظوں کے اعتبار سے نہیں ہے بلکہ معنی کے اعتبار سے ہے؟ لیکن یہ أُشِيرُ یا أُنَبِّهُ کا فعل کہاں سے معلوم ہوا؟ هٰذَا سے، کس سے؟ هٰذَا سے معلوم ہوا اور هٰذَا تو لفظوں میں موجود ہے لہٰذا اس کو لفظی کی مثال کہنا چاہیے تھا! لفظ دلالت کر رہے ہیں زید کے مفعول بہ ہونے پر، کون سا لفظ؟ هٰذَا کا لفظ دلالت کر رہا ہے۔ تو جواب دیں گے کہ بھئی هٰذَا سے مطلق اشارہ یا تنبیہ معلوم ہو رہی ہے، اس سے أُشِيرُ کا فعل نہیں معلوم ہو رہا۔ هٰذَا زَيْدٌ صرف اتنا پتہ چل رہا ہے کہ اشارہ کیا جا رہا ہے کس کی طرف؟ زید کی طرف، لیکن اس سے أُشِيرُ کا فعل نہیں سمجھ میں آ رہا؛ أُشِيرُ کا فعل ہمیں نکالنا پڑا، اس کے بغیر زید سے آگے قَائِمًا حال نہیں بن سکتا تھا۔ تو أُشِيرُ کا اعتبار ہمیں کیوں کرنا پڑا؟ تاکہ زید کا ذوالحال بننا صحیح ہو جائے، اس کے بغیر زید ذوالحال نہیں بن سکتا تھا بھئی۔ تو أُشِيرُ یا أُنَبِّهُ کا جو فعل سمجھ میں آیا وہ کلام کے لفظ سے سمجھ میں نہیں آیا بلکہ ہمیں اس کا اعتبار کرنا پڑا کس لیے؟ تاکہ زید کا ذوالحال ہونا صحیح ہو جائے اور آگے پھر اس سے حال آ سکے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو یعنی یوں کہو یہ جو کلام... انہوں نے کیا کہا کہ هٰذَا سے اشارہ اور تنبیہ ہمیں سمجھ میں آ رہا ہے؛ کہتے ہیں اشارہ اور تنبیہ تو سمجھ میں آ رہا ہے لیکن ایسا اشارہ جس کی نسبت متکلم کی طرف ہو، أُشِيرُ دیکھو توجہ سے سنو: أُشِيرُ فعل ہے اور اس فعل کی نسبت کس کی طرف ہے؟ متکلم کی طرف، کس کی طرف؟ أُشِيرُ متکلم کہتا ہے میں اشارہ کر رہا ہوں تو یہ اشارے کی نسبت کس کی طرف؟ متکلم کی طرف؛ یا أُنَبِّهُ میں تنبیہ کر رہا ہوں اس کا فاعل بھی کون ہے؟ متکلم ہے۔ تو لہٰذا هٰذَا سے مطلق اشارہ، مطلق تنبیہ تو ہمیں سمجھ میں آتی ہے لیکن ایسا اشارہ یا ایسی تنبیہ جس کی نسبت کس کی طرف ہو؟ متکلم کی طرف ہو یعنی أُشِيرُ یا أُنَبِّهُ سمجھ میں نہیں آتا، بات سمجھ میں آگئی۔

تو کہتے ہیں: وَلَا شَكَّ اور اس بات میں کوئی شک نہیں کہ أَنَّهُمَا لَيْسَا مِمَّا يَقْصِدُ الْمُتَكَلِّمُ الْإِخْبَارَ بِهِمَا عَنْ نَفْسِهِ کہ یہ دونوں جو ہیں یعنی اشارہ اور تنبیہ لَيْسَا مِمَّا یہ ان چیزوں میں سے نہیں ہیں يَقْصِدُ الْمُتَكَلِّمُ الْإِخْبَارَ بِهِمَا عَنْ نَفْسِهِ کہ متکلم ارادہ کرتا ہے ان کے بارے میں خبر دینے کا اپنی ذات سے۔ متکلم جب متکلم کہے هٰذَا زَيْدٌ تو متکلم کا یہ ارادہ نہیں ہوتا کہ یہ اشارے کی نسبت کس کی طرف ہے؟ میری طرف ہے، کس کی طرف ہے؟ ہاں میری طرف ہے یعنی یہاں أُشِيرُ یا أُنَبِّهُ کا فعل ہے یہ اس کا ارادہ نہیں ہوتا۔ دیکھو أُشِيرُ کا فعل لائے اس کے اندر دیکھو متکلم کی طرف نسبت ہے: أُشِيرُ فعل أَنَا ضمیر اس کے اندر فاعل، أُنَبِّهُ اس کے اندر بھی متکلم کی طرف نسبت ہے أُنَبِّهُ فعل أَنَا ضمیر اس کے اندر فاعل؛ تو اس سے مطلق اشارہ یا تنبیہ تو سمجھ میں آ رہے ہیں لیکن ایسا اشارہ یا ایسی تنبیہ جس کی نسبت کس کی طرف ہو؟ متکلم کی طرف ہو رہی ہو اور متکلم اس کی خبر دینا چاہتا ہے، یہاں ایسا نہیں ہے۔ یہاں متکلم صرف مطلق اشارہ یا تنبیہ کرنا چاہتا ہے،

ایسا اشارہ یا ایسی تنبیہ نہیں کرنا چاہتا جس کی نسبت اس کی طرف ہو رہی ہو اور اس کی وجہ سے پھر ہمیں أُشِيرُ یا أُنَبِّهُ نکالنا پڑے، بلکہ یہ أُشِيرُ یا أُنَبِّهُ ہمیں صرف اس لیے نکالنا پڑتا ہے یہاں پر تاکہ یہ زَيْدٌ کا ذوالحال ہونا اور قَائِمًا کا اس سے حال ہونا صحیح ہو جائے، یہ نہیں کہ متکلم نے یہاں ارادہ کیا تھا اور اس کے ارادے کی وجہ سے ہمیں یہاں أُشِيرُ یا أُنَبِّهُ کا فعل مقدر نکالنا پڑا اور اس کی وجہ سے پھر زید کو مفعول بہ لفظی قرار دیا جائے ایسا یہاں نہیں ہے۔ کہتے ہیں: وَلَا شَكَّ أَنَّهُمَا اور اس بات میں کوئی شک نہیں کہ یہ اشارہ اور تنبیہ جو ہیں لَيْسَا مِمَّا یہ ان چیزوں میں سے نہیں ہیں يَقْصِدُ الْمُتَكَلِّمُ الْإِخْبَارَ بِهِمَا عَنْ نَفْسِهِ کہ متکلم ارادہ کرتا ہو ان کے بارے میں خبر دینے کا اپنی ذات سے، متکلم کا یہ ارادہ نہیں ہوتا کہ یہاں یہ اشارہ کس کی طرف نسبت کی جائے اس کی؟ میری طرف کی جائے، یہ اس کا ارادہ نہیں ہوتا حَتَّى يُقَدَّرَ فِي نَظْمِ الْكَلَامِ أُشِيرُ أَوْ أُنَبِّهُ یہاں تک کہ مقدر کیا جائے فِي نَظْمِ الْكَلَامِ کلام کے نظم یعنی لفظوں کے اندر أُشِيرُ یا أُنَبِّهُ، یہ مقدر کیا جائے، وَيَصِيرَ زَيْدٌ مَفْعُولًا بِهِ لَفْظِيًّا اور زید جو ہے مفعول بہ بن جائے لَفْظِيًّا لفظوں کے اعتبار سے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ پھر سنیں، کہتے ہیں وَلَا شَكَّ صرف ترجمہ دیکھیں: اس بات میں کوئی شک نہیں کہ یہ دونوں جو ہیں یعنی اشارہ اور تنبیہ یہ ان چیزوں میں سے نہیں ہیں کہ متکلم ان کے بارے میں خبر دینا چاہتا ہے اپنی ذات سے کہ یہ جو اشارہ یا تنبیہ ہے اس کی نسبت میری طرف ہے، یہ اس کا ارادہ نہیں ہے کہ حَتَّى يُقَدَّرَ یہاں تک کہ پھر مقدر کرنا پڑے فِي نَظْمِ الْكَلَامِ نظمِ کلام کے اندر کیا مقدر کرنا پڑے؟ أُشِيرُ یا أُنَبِّهُ مقدر کرنا پڑے وَيَصِيرَ زَيْدٌ مَفْعُولًا بِهِ لَفْظِيًّا اور اس کی وجہ سے زید کیا ہو جائے؟ مفعول بہ ہو جائے لَفْظِيًّا اور کون سا مفعول بہ؟ لفظی ہو جائے، ایسا متکلم کا ارادہ نہیں ہے۔ بَلْ مَفْعُولِيَّتُهُ إِنَّمَا هِيَ بِاعْتِبَارِ مَعْنَى أُشِيرُ أَوْ أُنَبِّهُ بلکہ یہ زید کا مفعول ہونا یہ اس أُشِيرُ اور أُنَبِّهُ کے معنی کے اعتبار سے ہے الْخَارِجِ عَنْ مَنْطُوقِ الْكَلَامِ جو منطوقِ کلام سے یعنی کلام کے لفظوں سے خارج ہے، کلام کے لفظوں سے أُشِيرُ یا أُنَبِّهُ سمجھ میں نہیں آتا۔ تو کہتے ہیں: بَلْ مَفْعُولِيَّتُهُ بلکہ زید کا مفعول ہونا إِنَّمَا هِيَ بِاعْتِبَارِ مَعْنَى أُشِيرُ أَوْ أُنَبِّهُ یہ اس أُشِيرُ یا أُنَبِّهُ کے معنی کے اعتبار سے ہے الْخَارِجِ عَنْ مَنْطُوقِ الْكَلَامِ کہ وہ أُشِيرُ یا أُنَبِّهُ جو منطوقِ کلام سے خارج ہیں، الْمُعْتَبَرِ اور یہ أُشِيرُ یا أُنَبِّهُ جو ہے الْمُعْتَبَرِ اس کا اعتبار کیا گیا لِصِحَّةِ وُقُوعِ الْقَائِمِ حَالًا تاکہ قائم کا حال واقع ہونا صحیح ہو جائے، اس لیے اعتبار کیا گیا ورنہ منطوقِ کلام سے یہ ہمیں سمجھ میں نہیں آرہا، فَهِيَ مَعْنَوِيَّةٌ لَا لَفْظِيَّةٌ تو یہ جو زید کا مفعول ہونا ہے یہ مفعولیت معنوی ہے لفظی نہیں ہے۔

بات سمجھ میں آگئی؟ عبارت سمجھ میں آگئی؟ حل ہو گیا؟ معلوم ہوا هٰذَا زَيْدٌ قَائِمًا اس کے اندر جو زید کی مفعولیت ہے فَهِيَ مَعْنَوِيَّةٌ لَا لَفْظِيَّةٌ یہ معنوی ہے لفظی نہیں، معنی کے اعتبار سے مفعول ہے لفظوں سے اس کا ہمیں مفعول ہونا سمجھ میں نہیں آتا۔ بات سمجھ میں آگئی، حل ہو گیا۔ چلیے بس بھئی، هٰذَا هُوَ الْمَرَامُ وَاللّٰهُ أَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْكَلَامِ.

سبق نمبر ۱۴۲: الحال (۲): عاملِ حال (فعل، شبہِ فعل، معنیِ فعل) اور ذوالحال کے احکام

شرحِ ملا جامی صفحہ: ۱۲۴ — بتاریخ: ۲۷ جنوری ۲۰۲۲ء

▪ تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث

آگے سبق دیکھیے بھئی: وَعَامِلُهَا أَيْ عَامِلُ الْحَالِ إِمَّا الْفِعْلُ الْمَلْفُوظُ أَوِ الْمُقَدَّرُ نَحْوَ ضَرَبْتُ زَيْدًا قَائِمًا وَزَيْدٌ فِي الدَّارِ قَائِمًا إِنْ كَانَ الظَّرْفُ مُقَدَّرًا بِالْفِعْلِ، أَوْ شِبْهُهُ وَهُوَ مَا يَعْمَلُ عَمَلَ الْفِعْلِ وَهُوَ مِنْ تَرْكِيبِهِ كَاسْمِ الْفَاعِلِ نَحْوُ زَيْدٌ ذَاهِبٌ رَاكِبًا وَزَيْدٌ فِي الدَّارِ قَاعِدًا إِنْ كَانَ الظَّرْفُ مُقَدَّرًا بِاسْمِ الْفَاعِلِ.

بھئی گزشتہ سبق میں ہم نے حال کے بارے میں پڑھنا شروع کیا تھا، اور صاحبِ کافیہ نے آپ کو بتلایا کہ حال وہ چیز ہے جو فاعل یا مفعول بہ کی حالت بیان کرے بھئی۔ اور پھر ساتھ حیثیت کی قید لگائی تھی صاحبِ جامی نے کیونکہ تعریفات میں یہ حیثیت کی قید عموماً ملحوظ ہوتی ہے۔ تو بتلایا تھا کہ حال کسے کہتے ہیں؟ وہ چیز جو فاعل یا مفعول بہ کی حالت بیان کرے فاعل یا مفعول بہ ہونے کی حیثیت سے۔ اور پھر میں نے بتلایا کہ فاعل مفعول بہ ہونے کی حیثیت سے مراد یہ ہے کہ یہ حال حالت بیان کرتا ہے فاعل کی اس حیثیت سے کہ وہ فاعل ہے یعنی اس کی طرف فعل کا اسناد کیا جا رہا ہے، اور حال حالت بیان کرتا ہے مفعول بہ کی اس حیثیت سے کہ وہ مفعول بہ ہے یعنی اس پر فعل واقع ہو رہا ہے۔ تو کہتے ہیں یہ جو ہیئت کی قید لگائی اس کے ذریعے ان چیزوں کو نکال دیا جو ذات کو بیان کرتی ہیں جیسے کہ تمیز ہے؛ تمیز ذات سے ابہام کو دور کرتی ہے جبکہ حال جو ہے وہ ہیئت بیان کرتا ہے ذات بیان نہیں کرتا، حالت بیان کرتا ہے۔ جیسے میں کہتا ہوں مثلاً تمیز کے اندر کہ عِنْدِي عِشْرُونَ میرے پاس بیس ہیں، اب یہ عِشْرُونَ بیس جو ہیں کیا چیزیں ہیں ان کی ذات میں ہی ابہام ہے، تو آگے پھر تمیز آئے گی كِتَابًا اور وہ اس ذات سے ابہام کو دور کرے گی کہ عِشْرُونَ سے کتاب مراد ہے قلم یا کوئی اور چیز مراد نہیں۔ تو تمیز بھی بیان کرتی ہے لیکن ذات کو بیان کرتی ہے ذات سے ابہام کو دور کرتی ہے، جبکہ حال جو ہے وہ حالت کو بیان کرتا ہے۔ اور پھر نیز یہ جو ہیئت کی اضافت کر دی فاعل یا مفعول بہ کی طرف اس سے وہ صفات نکل گئیں جو فاعل یا مفعول بہ کے علاوہ کی حالت بیان کرتی ہیں؛ صفت جو ہوتی ہے وہ بھی اپنے موصوف کی حالت بیان کرتی ہے: جَاءَنِي زَيْدٌ الْعَالِمُ،

زید موصوف ہے اور الْعَالِمُ اس کی صفت، اس الْعَالِمُ نے زید کی حالت بیان کی کہ وہ عالم ہے۔ بات سمجھ میں آگئی۔ تو لہٰذا جب کہا کہ حال وہ ہے جو فاعل یا مفعول بہ کی حالت بیان کرے تو وہ صفات نکل گئیں جو فاعل یا مفعول بہ کے علاوہ کی حالت بیان کرتی ہیں، جیسے مثلاً ابتدا کی آپ صفت لے آتے ہیں: زَيْدٌ الْعَالِمُ أَخُوكَ، وہ زید جو عالم ہے آپ کا بھائی ہے، تو اس تعریف میں زید ہے ابتدا اور الْعَالِمُ اس کی صفت ہے اور یہ صفت جو ہے یہ زید کی حالت بیان کر رہی ہے لیکن زید نہ فاعل ہے اور نہ مفعول بہ ہے بلکہ یہ تو ابتدا ہے، تو لہٰذا یہ صفات بھی نکل گئیں۔ ہاں البتہ فاعل اور مفعول بہ کی صفات ابھی بھی باقی ہیں، ان کی صفات ابھی بھی تعریف کے اندر داخل ہیں۔ کیوں؟ کیونکہ صفت حالت بیان کرتی ہے اور ایک جملے میں فاعل آتا ہے جَاءَنِي زَيْدٌ الْعَالِمُ، اب دیکھو یہ زَيْدٌ فاعل ہے اور الْعَالِمُ اس کی صفت ہے اور یہ صفت دیکھو فاعل کی حالت بیان کر رہی ہے، اور حال بھی کسے کہتے ہیں؟ جو فاعل یا مفعول بہ کی حالت بیان کرے، تو یہ ابھی بھی تعریف کے اندر داخل ہے۔ تو فاعل اور مفعول بہ کی صفات ابھی بھی تعریف میں داخل تھیں، لیکن پھر جب آگے کہتے ہیں حیثیت کی قید لگا دی کہ حال جو ہے فاعل یا مفعول بہ کی حالت بیان کرتا ہے اس حیثیت سے کہ وہ فاعل یا مفعول بہ ہے، تو اب فاعل یا مفعول بہ کی صفت بھی نکل گئی؛ کیونکہ یہ جو فاعل یا مفعول بہ کی صفت ہوتی ہے وہ فاعل یا مفعول بہ ہونے کی حیثیت سے حالت نہیں بیان کرتیں بلکہ وہ مطلقاً حالت بیان کرتیں ہیں، وہ مطلقاً حالت بیان کرتیں ہیں؛ جبکہ حال صرف فاعل یا مفعول بہ ہونے کی حیثیت سے حالت بیان کرتا ہے۔ کیا معنی؟ معنی یہ ہے: مثلاً میں کہتا ہوں جَاءَنِي زَيْدٌ رَاكِبًا، یہ رَاكِبًا کیا ہے؟ حال، اور یہ کس کی حالت بیان کر رہا ہے؟ زید کی جو کہ فاعل ہے، اور یہ اس کی حالت بیان کر رہا ہے فاعل ہونے کی حیثیت سے، یعنی زید سوار ہے کس وقت؟ جب یہ مجیئت کا فاعل ہے، جب مجیئت کا اس کی طرف اسناد ہو رہا ہے اس وقت اس کی حالت کیا ہے کہ وہ راکب ہے؛ یہ مجیئت سے پہلے بھی راکب تھا یا نہیں، مجیئت کے بعد بھی راکب ہوگا یا نہیں، نہیں اس کو نہیں بیان کیا، اس نے صرف اس فاعل ہونے کی حیثیت سے یعنی جس وقت زید کی طرف مجیئت کا اسناد ہو رہا ہے اور زید فاعل ہے مجیئت کے لیے صرف اس وقت کی حالت کو بیان کیا ہے اور اس وقت تو زید فاعل ہے۔ تو دیکھو اس نے زید کی حالت بیان کی کس حیثیت سے؟ صرف فاعل ہونے کی حیثیت سے بیان کی ہے حالت، مطلقاً اس کی حالت بیان نہیں کی۔ یا دوسری مثال لے لیں: ضَرَبْتُ زَيْدًا قَائِمًا، میں نے زید کی پٹائی کی اس حال میں کہ وہ کھڑا تھا؛ یہ قَائِمًا زید کی جو کہ مفعول بہ ہے اس کی حالت بیان کر رہا ہے، لیکن مطلقاً نہیں بلکہ اس کے مفعول بہ ہونے کی حیثیت سے یعنی اس حیثیت سے کہ اس پر فعل واقع ہو رہا ہے، تو اس وقت وہ قائم تھا، ضرب کے اس پر واقع ہونے سے پہلے وہ قائم تھا یا قائم نہیں تھا یا ضرب کے بعد بھی وہ قائم تھا یا قائم نہیں تھا وہ حالت نہیں بیان کر رہا، صرف اس حیثیت سے جب یہ کیا ہے؟ مفعول بہ ہے اور اس پر فعل واقع ہو رہا ہے اس وقت کی حالت بیان کر رہا ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ لہٰذا جَاءَنِي زَيْدٌ رَاكِبًا یہ رَاكِبًا زید کی حالت بیان کر رہا ہے کس حیثیت سے؟ فاعل ہونے کی حیثیت سے۔ چنانچہ ذرا زید کو بتدا بناؤ: زَيْدٌ رَاكِبًا أَخُوكَ،

زَيْدٌ رَاكِبًا أَخُوكَ، میں یہ زَيْدٌ مبتدا سے رَاكِبًا کو حال بنانا چاہتا ہوں لیکن حال تو مطلقاً حالت بیان نہیں کرتا وہ تو صرف فاعل یا مفعول بہ ہونے کی حیثیت سے حالت بیان کرتا ہے، اور زید تو یہاں نہ فاعل ہے نہ مفعول بہ ہے وہ تو مبتدا ہے لہٰذا یہاں حال نہیں لا سکتے، حال اس کی حالت بیان نہیں کر سکتا؛ حال مطلق حالت بیان کرنے کے لیے نہیں آتا۔ جبکہ صفت جو ہوتی ہے وہ مطلق حالت بیان کرنے کے لیے آتی ہے چاہے وہ فاعل ہو یا نہ ہو: جَاءَنِي زَيْدٌ الْعَالِمُ یہ الْعَالِمُ زید کی حالت بیان کر رہی ہے اور زید اس وقت فاعل ہے، لیکن یہ فاعل ہونے کی حیثیت سے حالت نہیں بیان کر رہی یہ مطلقاً حالت بیان کر رہی ہے، آپ زید کو فاعل نہ بنائیں کچھ اور بنائیں یہ پھر بھی اس کی حالت بیان کرے گی: زَيْدٌ الْعَالِمُ أَخُوكَ، زید اب مبتدا ہے لیکن الْعَالِمُ صفت ابھی بھی کیا کر رہی ہے اس کی حالت بیان کر رہی ہے۔ تو فرق سمجھ میں آیا؟ حال صرف فاعل یا مفعول بہ کی حالت بیان کرتا ہے کس حیثیت سے کہ وہ فاعل ہے یا مفعول بہ ہے، مطلقاً حالت بیان نہیں کرتا جبکہ صفت جو ہے وہ مطلقاً حالت بیان کرتی ہے۔ فرق سمجھ میں آگیا۔

اور پھر یہ بھی بتلایا تھا مَا يُبَيِّنُ هَيْئَةَ الْفَاعِلِ أَوِ الْمَفْعُولِ بِهِ کہ یہاں جو أَوْ آیا یہ حرفِ تردید ہے۔ ایک ہوتی ہے تردید اور ایک ہے تعیین۔ میں کہتا ہوں زَيْدٌ عَالِمٌ تو دیکھو تعیین ہے، میں زید کی بات کر رہا ہوں اور کیا بات کر رہا ہوں کہ وہ عالم ہے؛ لیکن اگر أَوْ لے آئیں تو پھر تعیین نہ رہے گی پھر تردید ہو جائے گی، ایک بات دو چیزوں کے درمیان دائر ہو جائے گی، مثلاً میں کہتا ہوں زَيْدٌ عَالِمٌ أَوْ تَاجِرٌ، تو دیکھو تردید آگئی، تعیین نہ ہوئی کہ تاجر ہے یا عالم ہے کیونکہ حرفِ أَوْ آگیا۔ تو یہاں پر بھی حرفِ أَوْ آیا، اور أَوْ آتا ہے انفصال کے لیے اور انفصال کا معنی ہے دو چیزوں میں جدائی بیان کرنا؛ تو اس سے تو یہ معلوم ہوا کہ حال یا تو صرف فاعل کی حالت بیان کرے گا یا صرف مفعول بہ کی حالت بیان کرے گا، حالانکہ کبھی تو حال دونوں کی بھی حالت بیان کرتا ہے وہ تو اس تعریف سے نکل گیا حالانکہ وہ بھی حال ہوتا ہے: ضَرَبَ زَيْدٌ عَمْرًا رَاكِبَيْنِ، زید نے پٹائی کی عمر کی اس حال میں رَاكِبَيْنِ کہ دونوں سوار تھے؛ تو یہ رَاكِبَيْنِ تو دونوں کی حالت بیان کر رہا ہے اور آپ نے تو ہمیں کیا کہا حال دونوں میں سے ایک کی حالت بیان کرے گا کیونکہ أَوْ لے کر آئے ہیں! تو بتلایا تھا کہ یہاں یہ جو حرفِ تردید آیا ہے یہ منعِ خلو کے لیے آیا ہے، منعِ جمع کے لیے نہیں آیا۔ میں نے بتلایا تھا کہ یہ جو انفصال ہے یہ تین قسم پر ہو سکتا ہے: کبھی انفصالِ حقیقی ہوتا ہے دو چیزوں کے درمیان، کبھی انفصال منعِ جمع کے طریقے پر ہوتا ہے، اور کبھی انفصال منعِ خلو کے طریقے پر ہوتا ہے۔ انفصالِ حقیقی یہ ہے کہ دو چیزیں جو ہیں وہ جمع بھی نہ ہو سکیں اور ان سے وہ چیز خالی بھی نہ ہو سکے، مثلاً میں کہتا ہوں: هٰذَا الْعَدَدُ إِمَّا زَوْجٌ أَوْ فَرْدٌ، یہ عدد یا تو جفت ہے یا طاق ہے؛ اب دیکھو یہ جفت اور طاق دونوں جمع نہیں ہو سکتے، کوئی ایک عدد ہو جو جفت بھی ہو طاق بھی ہو ایسا نہیں ہو سکتا، اور یہ دونوں اٹھ بھی نہیں سکتے، دونوں سے کوئی عدد خالی ہو جائے یہ بھی نہیں ہو سکتا، کوئی عدد ایسا ہو جو جفت بھی نہ ہو اور طاق بھی نہ ہو ایسا بھی نہیں ہو سکتا۔ تو دیکھو یہاں أَوْ آیا هٰذَا الْعَدَدُ زَوْجٌ أَوْ فَرْدٌ، أَوْ آیا اور یہ انفصالِ حقیقی کے لیے ہے کیونکہ یہ جو جفت اور زوج ہیں یہ جمع بھی نہیں ہو سکتے اور

ان دونوں سے کوئی عدد خالی بھی نہیں ہو سکتا۔ اور کبھی جو انفصال ہوتا ہے وہ صرف منعِ جمع کے طریقے پر ہوتا ہے کہ دو چیزوں کے درمیان أَوْ لاتے ہیں صرف یہ بتلانے کے لیے کہ یہ دونوں نہیں ہو سکتیں یعنی دونوں کا جمع ہونا منع ہوتا ہے، مثلاً میں کہتا ہوں هٰذَا، یہ چیز جو ہے، هٰذَا حَجَرٌ أَوْ شَجَرٌ، یہ چیز یا تو پتھر ہے یا درخت ہے؛ اب دیکھو پتھر یا درخت یہ دونوں جمع نہیں ہو سکتے، ایک ہی چیز پتھر بھی ہو اور وہی چیز درخت بھی ہو یہ نہیں ہو سکتا، تو یہ منعِ جمع ہے۔ ہاں البتہ خالی ہو سکتا ہے، کوئی چیز ایسی ہو پتھر بھی نہ ہو اور درخت بھی نہ ہو مثلاً کتاب ہے یا قلم ہے یا انسان ہے؛ تو یہ دیکھو نہ یہ پتھر ہیں اور نہ یہ درخت ہیں بھئی، تو ان سے خالی تو ہو سکتی ہے کوئی چیز لیکن یہ دونوں جمع نہیں؛ تو یہاں أَوْ کس لیے آیا؟ منعِ جمع کے لیے آیا ہے۔ اور کبھی کبھار یہ أَوْ جو ہے منعِ خلو کے لیے آتا ہے کہ دو چیزیں ہیں ان دونوں سے کوئی چیز خالی نہیں ہو سکتی، ہاں وہ جمع ہو سکتی ہیں منعِ جمع وہاں نہیں ہوتا، جیسے میں کہتا ہوں کہ زید یا تو پانی میں ہے یا ڈوب نہیں رہا، اب ان دونوں میں سے زید خالی ہو جائے یہ نہیں ہو سکتا، دونوں میں سے ایک بات ہمیشہ ہوگی: یا تو زید پانی میں ہوگا یا ڈوب نہیں رہا، تو یہ منعِ خلو ہے؛ ہاں دونوں جمع ہو سکتے ہیں کہ پانی میں بھی ہو اور ڈوب بھی نہ رہا ہو مثلاً کشتی میں سوار ہے یا پانی میں تیر رہا ہے۔ تو یہاں پر بتلایا کہ یہ جو أَوْ آیا یہ منعِ خلو کے طریقے پر ہے کہ وہ فاعل یا مفعول بہ کی حالت بیان کرے یعنی دونوں میں سے کسی کی حالت ضرور بیان کرے گا تو دونوں سے خالی نہیں ہو سکتا، ہاں دونوں جمع بھی ہو سکتے ہیں تو لہٰذا ضَرَبَ زَيْدٌ عَمْرًا رَاكِبَيْنِ یہ حال بھی تعریف کے اندر داخل ہو گیا۔

اور پھر بتلایا تھا کہ وہ فاعل یا مفعول بہ وہ یا لفظاً ہوں گے یا معنًی ہوں گے یعنی لفظوں کے اعتبار سے ہی وہ فاعل ہوں گے یا کبھی وہ معنی کے اعتبار سے فاعل ہوں گے۔ اور پھر آگے اس کی مثال بھی دی تھی، جیسے: ضَرَبْتُ زَيْدًا قَائِمًا، یہ قَائِمًا یا تو ضَرَبْتُ کی تا ضمیر سے حال ہے یا یہ زَيْدًا سے حال ہے، اور تا ضمیر لفظوں کے اندر فاعل ہے ہم اس پر باقاعدہ تلفظ کر رہے ہیں، تو یہ فاعل کون سا ہوا؟ فاعل یا مفعول بہ لفظی ہیں اور ملفوظ ہیں حقیقتاً، دونوں پر ہم حقیقتاً تلفظ کر رہے ہیں: ضَرَبْتُ زَيْدًا قَائِمًا یہ حال ہے کس سے؟ تا سے یا زَيْدًا سے اور دونوں لفظی ہیں اور ملفوظ ہیں حقیقتاً دونوں پر حقیقتاً تلفظ ہو رہا ہے۔ اور کبھی کبھار فاعل یا مفعول بہ لفظی ہوں گے لیکن حقیقتاً نہیں ملفوظ ہوں گے بلکہ حکماً ملفوظ ہوں گے، جیسے: زَيْدٌ فِي الدَّارِ قَائِمًا، یہ فِي الدَّارِ کے اندر ضمیرِ هُوَ آپ جانتے ہیں ظرفِ، یہ ظرفِ مستقر ہے اس کے اندر هُوَ ضمیر ہے اور وہ فاعل ہے اور اس هُوَ ضمیر سے آگے قَائِمًا حال آ رہا ہے، توجہ ہے؟ اور یہ هُوَ ضمیر پر تو ہم نے تلفظ نہیں کیا، میں نے تو صرف یہ کہا زَيْدٌ فِي الدَّارِ قَائِمًا، دیکھو هُوَ پہ تلفظ نہیں کیا؛ لیکن ضمیرِ مستتر لفظ کے اندر چھپی ہوتی ہے اور جب بھی اس لفظ پر تلفظ کیا جائے جس لفظ کے اندر ضمیرِ مستتر ہو تو یوں کہا جاتا ہے کہ آپ نے اس ضمیر پر بھی تلفظ کیا ہے، اس ضمیر پر کیونکہ جب اس لفظ پر تلفظ کر دیا تو اسی کے اندر تو وہ ضمیر بھی چھپی ہوئی ہے تو اس پر بھی گویا آپ نے تلفظ کر دیا، لیکن

حقیقتاً تلفظ نہیں کیا بلکہ حکم لگا دیا جاتا ہے، حکم لگا دیا جاتا ہے کہ آپ نے ضمیر پر بھی تلفظ کیا ہے؛ تو معلوم ہوا زَيْدٌ فِي الدَّارِ قَائِمًا یہ قَائِمًا حال ہے کس سے؟ فِي الدَّارِ کے اندر هُوَ ضمیر سے، اور هُوَ ضمیر فاعل ہے فِي الدَّارِ کے لیے اور یہ هُوَ ضمیر لفظی ہے، یعنی بتلایا نا فاعل یا مفعول بہ کبھی لفظی ہوں گے کبھی معنوی ہوں گے تو یہ بھی لفظی ہے یہ هُوَ ضمیر، لیکن یہ ملفوظ ہے حکماً۔ ضَرَبْتُ زَيْدًا قَائِمًا اس میں تا اور زید جو تھے وہ ملفوظ تھے حقیقتاً، اور زَيْدٌ فِي الدَّارِ قَائِمًا اس کے اندر هُوَ ضمیر ملفوظ ہے حکماً، لیکن ہیں یہ دونوں لفظی کی مثالیں۔ تو فاعل یا مفعول بہ کبھی لفظی ہوں گے یعنی لفظوں کے اعتبار سے کیا ہوں گے؟ فاعل، اور کبھی کبھار فاعل یا مفعول بہ جن سے حال آرہا ہوگا لفظوں کے اعتبار سے وہ فاعل یا مفعول بہ نہیں ہوں گے البتہ معنی کے اعتبار سے فاعل یا مفعول

بہ ہوں گے؛ یعنی وہاں پر کلام کی مراد اور کلام کے مطلب سے ایک معنی ہمیں سمجھ میں آرہا ہوگا اور اس کے اعتبار سے وہ مفعول بہ ہیں، یعنی خود لفظوں سے وہ فاعل یا مفعول بہ نہیں ہیں لفظوں کے اعتبار سے۔ جیسے: هٰذَا زَيْدٌ قَائِمًا، یہ قَائِمًا حال ہے زَيْدٌ سے، اور زَيْدٌ یہ تو لفظوں میں خبر ہے، هٰذَا ہے مبتدا، زَيْدٌ ہے خبر، اور آگے قَائِمًا حال ہے۔ تو یہ تو حال ہوا خبر سے، تو اشکال ہوا کہ آپ نے تو ہمیں بتایا کہ حال صرف کس سے آتا ہے؟ فاعل یا مفعول بہ سے۔ تو جواب یہ کہ یہ زید معنی کے اعتبار سے مفعول بہ ہے، کیونکہ یہاں هٰذَا کا لفظ آیا اس سے پہلے اور هٰذَا کے اندر یہ هَا جو ہے تنبیہ کے لیے ہوتی ہے اور ذَا اسمِ اشارہ ہے، تو ان سے تنبیہ اور اشارے کا معنی ہمیں سمجھ میں آیا اور اس سے پھر ہم نے ایک فعل بنا لیا أُشِيرُ یا أُنَبِّهُ، کوئی ایک فعل بنا لیں جو بھی آپ بنانا چاہیں، اور اس فعل کے لیے: أُشِيرُ زَيْدًا یا أُنَبِّهُ زَيْدًا میں زید کی طرف اشارہ کر رہا ہوں یا میں زید پر متنبہ کر رہا ہوں، تو دیکھو اس کے اندر یہ جو زید ہے اب مفعول بہ بن گیا اور اب اس سے حال کا آنا صحیح ہے۔ تو یہاں هٰذَا زَيْدٌ قَائِمًا یہ زَيْدًا لفظوں کے اعتبار سے تو یہ قطعاً فاعل یا مفعول بہ نہیں لیکن معنی کے اعتبار سے یہ مفعول بہ ہے، لفظوں میں تو یہ خبر ہے بھئی۔

تو اس پر پھر اشکال ہوا تھا کہ بھئی آپ نے کہا کہ یہاں پر یہ جو آپ نے أُشِيرُ یا أُنَبِّهُ نکالا یہ تو اسی لفظ هٰذَا سے سمجھ میں آرہا ہے، کس سے؟ هٰذَا لفظ نے اس پر أُشِيرُ یا أُنَبِّهُ پر دلالت کی ہے لہٰذا زَيْدًا کو لفظی کی قسم بنانا چاہیے کیونکہ أُشِيرُ یا أُنَبِّهُ کس سے ہمیں سمجھ میں آیا؟ هٰذَا کے لفظ سے سمجھ میں آیا، جیسے فِي الدَّارِ کے اندر هُوَ ضمیر کس سے سمجھ میں آئی تھی؟ فِي الدَّارِ کے لفظ سے هُوَ ضمیر ہمیں سمجھ میں آئی تھی اس کا فاعل ہونا، اور تو یہاں پر بھی هٰذَا کے لفظ سے جو ہے یہ أُشِيرُ یا أُنَبِّهُ سمجھ میں آیا۔ تو اس کا بھی جواب دیا تھا کہ نہیں بھئی هٰذَا سے کوئی أُشِيرُ یا أُنَبِّهُ سمجھ میں نہیں آتا، هٰذَا سے اشارہ اور تنبیہ تو سمجھ میں آتے ہیں لیکن ایسا اشارہ جس کی نسبت کس کی طرف ہو رہی ہو؟ متکلم کی طرف، یا ایسی تنبیہ جس کی نسبت کس کی طرف ہو رہی ہو؟ متکلم کی طرف، وہ ہمیں سمجھ میں نہیں آتا۔ بھئی دیکھو نا جب آپ أُنَبِّهُ فعل کہتے ہیں، میں متنبہ کرتا ہوں، تو یہ نسبت کس کی طرف ہو رہی ہے؟ متکلم کی طرف: أُنَبِّهُ فعل أَنَا ضمیر اس کے اندر فاعل؛ اسی طرح أُشِيرُ فعل أَنَا

ضمیر اس کے اندر فاعل۔ تو یہ أُنَبِّهُ یا أُشِیرُ جس کی نسبت کس کی طرف ہو رہی ہے؟ متکلم کی طرف، هٰذَا سے یہ نہیں سمجھ میں آتا؛ هٰذَا سے هَا سے تنبیہ سمجھ میں آئی ذَا سے اشارہ سمجھ میں آیا، لیکن یہ تنبیہ اور اشارہ متکلم کی طرف ان کی نسبت ہو رہی ہو ایسا یہاں نہیں ہے۔ متکلم یہاں یہ نہیں بتلانا چاہتا کہ یہاں پر یہ جو اشارہ یا تنبیہ ہے یہ میری طرف منسوب ہے، یہ خبر دینے کا اس کا ارادہ نہیں، وہ ویسے ایک چیز کی طرف اشارہ کر رہا ہے۔ تو هٰذَا سے اشارہ اور تنبیہ تو سمجھ میں آئے لیکن ایسا اشارہ یا ایسی تنبیہ جس کی نسبت متکلم کی طرف ہو رہی ہو وہ یہاں سمجھ میں نہیں آرہے؛ جب وہ سمجھ میں نہیں آرہے تو یہ جو أُشِیرُ اور یہ أُنَبِّهُ ہے یہ ہم نے صرف اس لیے نکالا ہے تاکہ زید کا ذوالحال ہونا اور آگے اس سے قَائِمًا کا حال ہونا صحیح ہو جائے بھئی، خود لفظوں سے یہ بات سمجھ میں نہیں آرہی۔ تو لہٰذا یہ معنی کے اعتبار سے جو ہے زید مفعول بہ ہے، لفظوں کے اعتبار سے مفعول بہ نہیں ہے۔

اور پھر صاحبِ جامی نے فاعل یا مفعول بہ میں تعمیم پیدا کر دی تھی کہ فاعل یا مفعول بہ حقیقتاً بھی ہو سکتے ہیں اور حکماً بھی ہو سکتے ہیں۔ وجہ یہ کہ حال صرف فاعل یا مفعول بہ سے نہیں آتا، حال مفعول معہ سے بھی آتا ہے، اسی طرح حال مفعولِ مطلق سے بھی آتا ہے، اسی طرح عبارت میں کبھی مضاف اور مضاف الیہ آتے ہیں تو وہ جو مضاف ہے وہ فاعل یا مفعول بہ بن رہا ہوتا ہے لیکن آگے مضاف الیہ سے حال آجاتا ہے؛ بھئی مضاف اور چیز ہے مضاف الیہ اور چیز ہے، مضاف تو ٹھیک ہے فاعل یا مفعول بہ بن رہا ہے اس سے تو حال آئے کوئی حرج نہیں، لیکن حال کس سے آجاتا ہے؟ مضاف الیہ سے، جیسے میں نے مثال ذکر کی تھی: جَاءَنِي غُلَامُ زَيْدٍ۔ یہ غُلَامُ زَيْدٍ غُلَامُ مضاف ہے زَيْدٍ مضاف الیہ، اور آیا کون ہے؟ غلام آیا ہے یا زید آیا ہے؟ غلام آیا ہے، جَاءَنِي غُلَامُ زَيْدٍ زید کا غلام آیا ہے زید تو نہیں آیا، تو معلوم ہوا فاعل کون ہے؟ غلام ہے، غلام جو مضاف ہے، تو اس غلام سے آگے حال آجائے پھر تو ٹھیک ہے کیونکہ غلام تو فاعل ہے اور فاعل سے حال آسکتا ہے۔ لیکن کبھی کبھار یہ جو مضاف الیہ ہوتا ہے زَيْدٍ اس سے حال آجاتا ہے، تو اس پر اشکال ہوتا ہے کہ بھئی یہ تو نہ فاعل ہے نہ مفعول بہ ہے یہ تو مضاف الیہ ہے اس سے حال کیسے آسکتا ہے؟ تو مفعول معہ اور مفعولِ مطلق اور مضاف الیہ سے کبھی حال آتا ہے، ان کو بھی اس تعریف میں داخل کرنا ہے؛ تو صاحبِ جامی نے کیا فرمایا؟ کہ وہ فاعل یا مفعول بہ حقیقتاً بھی ہو سکتے ہیں اور حکماً بھی، اور یہ جو مفعول معہ ہے یا مفعولِ مطلق ہے یا یہ جو مضاف الیہ ہیں یہ حقیقتاً تو فاعل نہیں لیکن یہ بھی حکماً فاعل یا مفعول بہ ہیں، جب یہ فاعل یا مفعول بہ ہیں حکماً تو ان سے آگے حال کا آنا صحیح ہے۔ کس طرح ہیں یہ سب چیزیں بھی فاعل یا مفعول بہ حکماً؟ تو بتلایا تھا کہ مفعول معہ جو ہے وہ مصاحبت کے لیے آتا ہے، کس کے بعد آتا ہے؟ واو کے بعد اور مصاحبت... کس کی مصاحبت کے لیے؟ فاعل کی یا مفعول بہ کی مصاحبت کے لیے آتا ہے؛ تو جب وہ فاعل کی مصاحبت کے لیے آرہا ہے تو معلوم ہوا یہ فاعل ہی کے درجے میں ہے، جَاءَنِي زَيْدٌ وَعَمْرًا، یہ

وَعَمْرًا کس کی مصاحبت کے لیے آیا؟ فاعل کی، اور مصاحبت کا کیا معنی؟ فعل میں بھی اس کے ساتھ شریک ہے اور زمانے میں بھی شریک ہے، معلوم ہوا آنے کا فعل اس نے بھی کیا ہے تو یہ معنی کے اعتبار سے یہ بھی فاعل ہے۔ اور اسی طرح حَسْبُكَ وَزَيْدًا دِرْهَمٌ، یہاں حَسْبُكَ وَزَيْدًا یہ وَزَيْدًا کس کی مصاحبت کے لیے آیا ہے؟ حَسْبُكَ کے کاف کی مصاحبت کے لیے آیا ہے جو مفعول بہ ہے معنی کے اعتبار سے کیونکہ حَسْبُكَ کس معنی میں ہے؟ كَفَاكَ کے معنی میں ہے، تو لہٰذا جب یہ مفعول معہ جو یہاں آیا یہ مفعول بہ کی مصاحبت کے لیے ہے تو یہ مفعول بہ کے درجے میں ہوا، حقیقتاً تو نہیں لیکن حکماً یہ بھی کیا ہے؟ مفعول بہ ہے تو اس سے حال کا آنا صحیح ہے۔ اور اسی طرح بتلایا تھا کہ مفعولِ مطلق جو ہے اس سے بھی حال کا آنا صحیح ہے اس لیے کیونکہ مفعولِ مطلق جو ہے وہ بھی مفعول بہ کے درجے میں ہے، وہ بھی مفعول بہ کے درجے میں ہے، جیسے مثلاً میں کہتا ہوں: ضَرَبْتُ الضَّرْبَ شَدِيدًا۔ تو یہ الضَّرْبَ یہ مفعولِ مطلق ہے، مفعولِ مطلق کسے کہتے ہیں؟ وہ مصدر جو ماقبل فعل کے معنی میں ہو۔ لیکن میں الضَّرْبَ یہاں معرفہ لے کر آیا، وجہ یہ کہ میں اس سے آگے حال لانا چاہتا ہوں، اور ذوالحال اکثر کیا ہوتا ہے؟ معرفہ، اس لیے مفعولِ مطلق کو معرفہ لایا جائے گا ورنہ اگر دونوں کو نکرہ لاؤ گے پھر تو موصوف صفت بن جائیں گے۔ تو ضَرَبْتُ الضَّرْبَ شَدِيدًا، یہ شَدِيدًا حال ہے کس سے؟ الضَّرْبَ مفعولِ مطلق سے۔ کیوں حال ہے؟ کیونکہ یہ بھی مفعول بہ ہے حکماً۔ مفعول بہ حکماً کیوں ہے؟ کہتے ہیں اس لیے کیونکہ ضَرَبْتُ الضَّرْبَ یہ بمعنی ہے أَحْدَثْتُ الضَّرْبَ میں نے ضرب کو وجود دیا؛ جب آپ کوئی فعل کرتے ہیں تو آپ اس فعل کو وجود دیتے ہیں، تو یہ ضَرَبْتُ الضَّرْبَ شَدِيدًا یہ کس معنی میں ہے؟ أَحْدَثْتُ الضَّرْبَ شَدِيدًا میں نے وجود دیا ضرب کو اس حال میں کہ یہ ضرب شدید تھی۔ تو معلوم ہوا یہ مفعولِ مطلق بھی حکماً مفعول بہ ہے۔ اور اسی طرح جو مضاف الیہ ہے وہ بھی کبھی کبھار حکماً فاعل یا مفعول بہ ہوتا ہے، جیسے مثال آئی تھی: ﴿ بَلْ نَتَّبِعُ مِلَّةَ إِبْرَاهِيمَ حَنِيفًا ﴾، یہ اس مقام پر جہاں پر مضاف کو ہٹا کر اس کی جگہ مضاف الیہ کو رکھنا صحیح ہو اور معنی میں کوئی خلل نہ آئے، تو اس صورت میں معلوم ہوا مضاف کا جو حکم ہے وہی مضاف الیہ کا ہے۔ مضاف تو فاعل یا مفعول بہ بن رہا ہے اس سے تو حال آسکتا ہے، لیکن حال کس سے آگیا؟ مضاف الیہ سے؛ لیکن وہ جگہ ایسی ہے کہ مضاف کو ہٹائیں اور مضاف الیہ کو اس کی جگہ پر رکھ دیں تو معنی میں کوئی خلل نہ آرہا ہو، تو سمجھ جاؤ یہ مضاف الیہ بھی کس کے درجے میں ہے؟ مضاف کے درجے میں ہے، اور مضاف تو فاعل یا مفعول بہ تھا تو لہٰذا یہ مضاف الیہ بھی اسی کے درجے میں ہے تو اس سے بھی حال کا آنا صحیح ہے؛ جیسے ﴿ بَلْ نَتَّبِعُ مِلَّةَ إِبْرَاهِيمَ حَنِيفًا ﴾ بلکہ ہم پیروی کرتے ہیں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دین کی جو کہ ہر باطل سے جدا تھے۔ تو یہاں پر یہ ملت کا لفظ مفعول بہ ہے اس کو ہٹایا جائے اور اس کی جگہ ابراہیم کا لفظ رکھ دیا جائے پھر بھی معنی ٹھیک رہتا ہے کہ ہم تو ابراہیم علیہ السلام کی پیروی کرتے ہیں؛ تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دین کی پیروی کرنا یا حضرت ابراہیم علیہ السلام کی پیروی کرنا ایک ہی بات ہے کیونکہ ان کی پیروی بھی ان کے دین کی پیروی ہے بھئی۔ تو اس قسم کے مقام پر مضاف الیہ سے حال کا آنا صحیح ہے۔ یا اسی

طرح دوسرا وہ مقام جہاں پر مضاف جز ہوتا ہے مضاف الیہ کا، مضاف جز ہوتا ہے مضاف الیہ کا، جیسے: ﴿ أَنَّ دَابِرَ هٰؤُلَاءِ مَقْطُوعٌ مُصْبِحِينَ ﴾ کہ ان لوگوں کی جو جڑ ہے مَقْطُوعٌ کاٹ دی جائے گی مُصْبِحِينَ ان کے صبح کرتے ہوئے یعنی جس وقت یہ صبح کے وقت میں داخل ہو رہے ہوں گے یعنی صبح کے وقت میں۔ تو دیکھو یہاں پر یہ جو دابر آیا یہ مضاف ہے اور هٰؤُلَاءِ مضاف الیہ ہے بھئی، اور دابر کا کیا معنی؟ جڑ، اور جڑ بھی ایک چیز کا حصہ ہوا کرتی ہے، تو دَابِرَ هٰؤُلَاءِ، تو یہ آگے مُصْبِحِينَ جو حال آیا یہ هٰؤُلَاءِ سے آیا اور هٰؤُلَاءِ تو مضاف الیہ ہے؛ لیکن اس کا جو مضاف ہے وہ اس کا جز ہے، تو مضاف اس کا جز ہے اور مضاف الیہ گویا کل ہوا، اور کل سے حال آنا ایسے ہی ہے جیسے جز سے حال آیا ہو، تو گویا هٰؤُلَاءِ سے حال آنا یہ ایسے ہی ہے جیسے مضاف سے حال آرہا ہو کیونکہ مضاف اس کا جز ہے اور وہ مضاف جو ہے وہ نائب الفاعل کے درجے میں ہے اس لیے کیونکہ مَقْطُوعٌ کے اندر هُوَ ضمیر دابر کو راجع ہے اور وہ هُوَ ضمیر نائب الفاعل ہے، اور کسی چیز کی ضمیر کی طرف جب اسناد کیا جائے تو وہ حقیقت میں اس چیز کی طرف ہی اسناد ہوتا ہے۔

اور پھر اس کے بعد صاحبِ جامی نے بتلایا تھا کہ یہاں پر جو متن میں آیا: وَهُوَ مَا يُبَيِّنُ هَيْئَةَ الْفَاعِلِ أَوِ الْمَفْعُولِ بِهِ، یہاں پر دیکھو یہ جو بِهِ ہے اس کو مفعول کے ساتھ جوڑا گیا کہ حال وہ چیز ہے جو فاعل یا مفعول بہ کی حالت بیان کرے، دیکھو بِهِ کو مفعول کے ساتھ ہم جوڑ رہے ہیں: حال کس کی حالت بیان کرتا ہے؟ فاعل یا مفعول بہ کی حالت بیان کرے۔ تو یہاں يُبَيِّنُ پڑھا گیا اور ہیئت کا لفظ مفعول بہ ہے اس کے لیے: حال وہ ہے جو بیان کرتا ہے کس چیز کو بیان کرتا ہے؟ هَيْئَةَ الْفَاعِلِ أَوِ الْمَفْعُولِ بِهِ، تو یہ ہیئت کا لفظ مفعول بہ ہے يُبَيِّنُ کے لیے، اور آگے بِهِ جو ہے وہ مفعول کے ساتھ جڑ رہا ہے۔ اگر آپ یوں کریں، صاحبِ جامی فرماتے ہیں کہ اگر آپ اس کو تَبَيَّنَ پڑھ لیں بابِ تَفَعُّل سے ماضی کا صیغہ، اور پھر هَيْئَةُ کو اس کے لیے فاعل بنا دیں، اور اس صورت میں بِهِ کو تَبَيَّنَ سے جوڑ دیں مفعول سے نہ جوڑیں، تو حال وہ چیز ہے تَبَيَّنَ بِهِ کہ اس کے ذریعے ظاہر ہوتی ہے، کیا چیز ظاہر ہوتی ہے؟ هَيْئَةُ الْفَاعِلِ أَوِ الْمَفْعُولِ فاعل یا مفعول کی حالت۔ پہلے کیا کہا تھا؟ فاعل یا مفعول بہ کی حالت، اب کیا بن گیا؟ فاعل یا مفعول کی حالت، کیونکہ بِهِ کو تو تَبَيَّنَ سے جوڑ دیا۔ تو حال وہ ہے کہ تَبَيَّنَ بِهِ کہ اس کے ذریعے ظاہر ہوتی ہے هَيْئَةُ الْفَاعِلِ أَوِ الْمَفْعُولِ فاعل یا مفعول کی حالت۔ جب یہ تاویل کر لی جائے گی تو اب مفعول معہ بھی اس میں داخل اور مفعولِ مطلق جن سے حال آتا ہے وہ بھی اس کے اندر داخل، کیونکہ پہلے کیا کہا تھا؟ کہ حال وہ ہے جو فاعل یا مفعول بہ کی حالت بیان کرے، اور مفعول معہ تو مفعول بہ نہیں، مفعولِ مطلق بھی مفعول بہ نہیں، تو وہاں ہمیں تعمیم کرنا پڑی تھی کہ فاعل یا مفعول بہ حقیقتاً بھی ہو سکتے ہیں اور حکماً بھی؛ لیکن اب ہم نے کیا کہا؟ تعریف کے اندر جو مفعول لفظ آیا ہے اس کے ساتھ بِهِ کی قید ہے ہی نہیں، بِهِ کی قید کو تَبَيَّنَ سے جوڑ دو کہ حال وہ چیز ہے تَبَيَّنَ بِهِ اس کے ذریعے ظاہر ہوتی ہے کس کی حالت؟ فاعل کی یا مفعول کی، اب وہ جو بھی مفعول جس سے حال آسکتا ہے وہ سب اس کے اندر داخل ہو گئے، وہ چاہے مفعول بہ ہو، وہ چاہے مفعول معہ ہو، چاہے مفعولِ مطلق، اب تعمیم کی کوئی ضرورت نہیں ان دونوں

کو داخل کرنے کے لیے یعنی مفعول معہ اور مفعولِ مطلق کو، ہاں پھر تعمیم کرنا پڑے گی صرف اس مضاف الیہ کو داخل کرنے کے لیے۔ یا اسی طرح اس کو تُبَيَّنُ اگر پڑھ لیا جائے، تُبَيَّنُ بابِ تفعیل سے مجہول کا صیغہ: حال وہ چیز ہے تُبَيَّنُ هَيْئَةُ، اب اس ہیئت کو اس کے لیے نائب الفاعل بنا دیں؛ حال وہ چیز ہے تُبَيَّنُ بِهِ کہ اس کے ذریعے بیان کیا جائے هَيْئَةُ الْفَاعِلِ أَوِ الْمَفْعُولِ فاعل یا مفعول کی حالت، تو ان دونوں صورتوں میں پھر مفعول معہ اور مفعولِ مطلق بھی اس کے اندر داخل ہو جائیں گے۔ بات سمجھ میں آگئی؟

جی اب آئیے آج کے سبق پر بھئی، دیکھیے بھئی۔ کہتے ہیں: وَعَامِلُهَا أَيْ عَامِلُ الْحَالِ إِمَّا الْفِعْلُ الْمَلْفُوظُ أَوِ الْمُقَدَّرُ نَحْوُ ضَرَبْتُ زَيْدًا قَائِمًا وَزَيْدٌ فِي الدَّارِ قَائِمًا إِنْ كَانَ الظَّرْفُ مُقَدَّرًا بِالْفِعْلِ، أَوْ شِبْهُهُ وَهُوَ مَا يَعْمَلُ عَمَلَ الْفِعْلِ وَهُوَ مِنْ تَرْكِيبِهِ كَاسْمِ الْفَاعِلِ نَحْوُ زَيْدٌ ذَاهِبٌ رَاكِبًا وَزَيْدٌ فِي الدَّارِ قَاعِدًا إِنْ كَانَ الظَّرْفُ مُقَدَّرًا بِاسْمِ الْفَاعِلِ۔

جی یہاں سے اب آپ کو عامل کے بارے میں بتلائیں گے کہ حال کو نصب کیا چیز دیتی ہے، حال کا عامل کیا ہے؟ جَاءَنِي زَيْدٌ رَاكِبًا، یہ رَاكِبًا حال ہے منصوب ہے، تو عامل کیا ہے؟ کس نے اس کو نصب دیا؟ تو آپ کو بتلائیں گے کہ حال کے اندر جو عامل ہوتا ہے وہ فعل یا شبہِ فعل ہوتا ہے یا معنیِ فعل ہوتا ہے۔ حال کے اندر عامل کیا ہے؟ فعل یا شبہِ فعل یا معنیِ فعل۔ بات سمجھ میں آرہی ہے؟ تو تفصیل سے پہلے ایک قیمتی بات یاد رکھنا بھئی، قیمتی بات جو پہلے بھی ذکر ہو چکی ہے وہ جو مفعولِ مطلق کی بحث آئی

تھی، وہاں میں نے آپ کو بتلایا تھا کہ حال اور ذوالحال دونوں کا عامل ایک ہی چیز ہوتی ہے۔ حال اور ذوالحال دونوں کا عامل ایک ہی چیز ہوتی ہے، جمہور کے نزدیک حال اور ذوالحال کا عامل متحد ہونا ضروری ہے۔ جَاءَنِي زَيْدٌ رَاكِبًا، یہ زَيْدٌ ہے ذوالحال اور رَاكِبًا ہے حال، تو جو چیز عامل ہوگی ذوالحال میں وہی چیز عامل ہوگی حال کے اندر بھی۔ تو یہ زَيْدٌ کو رفع کس نے دیا؟ جَاءَ فعل نے، یہ زید اس کے لیے فاعل ہے، تو یہی جَاءَ عامل ہے رَاكِبًا حال کے اندر بھی۔ یاد رکھنا یہ بڑا قیمتی ضابطہ ہے آپ کو ہر جگہ کام آئے گا، ذوالحال کے عامل کا تو آسانی سے پتہ چل جاتا ہے لیکن حال کے عامل کے بارے میں انسان پریشان ہوتا ہے کہ کیا چیز عامل ہے؟ اگرچہ انہوں نے یہاں بتا دیا کہ حال کے اندر عامل کیا ہوگا؟

تھی، وہاں میں نے آپ کو بتلایا تھا کہ حال اور ذوالحال دونوں کا عامل ایک ہی چیز ہوتی ہے۔ حال اور ذوالحال دونوں کا عامل ایک ہی چیز ہوتی ہے، جمہور کے نزدیک حال اور ذوالحال کا عامل متحد ہونا ضروری ہے۔ جَاءَنِي زَيْدٌ رَاكِبًا، یہ زَيْدٌ ہے ذوالحال اور رَاكِبًا ہے حال، تو جو چیز عامل ہوگی ذوالحال میں وہی چیز عامل ہوگی حال کے اندر بھی۔ تو یہ زَيْدٌ کو رفع کس نے دیا؟ جَاءَ فعل نے، یہ زید اس کے لیے فاعل ہے، تو یہی جَاءَ عامل ہے رَاكِبًا حال کے اندر بھی۔ یاد رکھنا یہ بڑا قیمتی ضابطہ ہے آپ کو ہر جگہ کام آئے گا، ذوالحال کے عامل کا تو آسانی سے پتہ چل جاتا ہے لیکن حال کے عامل کے بارے میں انسان پریشان ہوتا ہے کہ کیا چیز عامل ہے؟ اگرچہ انہوں نے یہاں بتا دیا کہ حال کے اندر عامل کیا ہوگا؟ فعل یا شبہِ فعل یا معنیِ فعل اس کے اندر عامل ہوگا، لیکن ساتھ ایک قیمتی بات یہ بھی یاد رکھنا کہ ذوالحال اور حال دونوں کا عامل ایک ہی چیز ہوتی ہے،

تو جو چیز ذوالحال میں عامل ہوگی وہی حال کے اندر بھی عامل ہوگی۔ بات سمجھ میں آگئی؟

اچھا، اب دیکھیے بھئی یہ جو پیچھے مثالیں آئی تھیں متن کے اندر ذرا ان پر آئیے: پہلی مثال تھی ضَرَبْتُ زَيْدًا قَائِمًا، دوسری تھی زَيْدٌ فِي الدَّارِ قَائِمًا، تیسری مثال تھی هٰذَا زَيْدٌ قَائِمًا۔ یہاں سے سمجھ لیجیے۔ پہلی مثال ہے: ضَرَبْتُ زَيْدًا قَائِمًا۔ یہ جو قَائِمًا یہ حال ہے یا تو ضَرَبْتُ کی تا ضمیر سے جو فاعل ہے، یا زَيْدًا سے حال ہے جو کہ مفعول بہ ہے بھئی۔ اور یہ تا کو رفع کس نے دیا؟ اس ضَرَبَ فعل نے دیا، اور زَيْدًا کو نصب کس نے دیا؟ اسی ضَرَبَ فعل نے دیا۔ تو یہاں پر دیکھو فعل لفظوں کے اندر موجود ہے اور یہ فعل جو ہے ذوالحال میں عامل ہے تو یہی فعل قَائِمًا کے اندر بھی عامل ہے، یہی فعل قَائِمًا کو بھی نصب دے رہا ہے۔ تو دیکھو اس مثال کے اندر حال کا عامل جو ہے وہ فعل ہے۔

اور کبھی کبھار حال کا عامل شبہِ فعل ہوگا، یعنی وہ چیزیں جو فعل جیسا عمل کرتی ہیں: اسمِ فاعل ہے، اسمِ مفعول ہے، صفتِ مشبہ وغیرہ۔ دوسری مثال پر آئیے: زَيْدٌ فِي الدَّارِ قَائِمًا۔ یہ زَيْدٌ ہے مبتدا اور فِي الدَّارِ یہ جار مجرور ہیں اور جار مجرور مل کر متعلق کس کے ساتھ ہوں گے؟ ثَبَتَ یا ثَابِتٌ سے؛ میں نے آپ کو بتلایا تھا جار مجرور کے لیے ہمیشہ کیا چاہیے؟ متعلق چاہیے، یہ متعلّق ہوتے ہیں اور ان کے لیے متعلَّق چاہیے، اور جو متعلَّق ہے وہ فعل بھی نکال سکتے ہیں اور صفت کا صیغہ بھی نکال سکتے ہیں۔ تو یہ فِي الدَّارِ متعلق ہوگا ثَبَتَ سے یا ثَابِتٌ سے، اور اس کے اندر هُوَ ضمیر جو ہے وہ مرفوع فاعل ہے اور وہ زید کی طرف راجع ہے یعنی مبتدا کی طرف، اس سے خبر کا ربط بھی آگیا مبتدا کے ساتھ؛ اور وہ جو ثَبَتَ یا ثَابِتٌ کے اندر هُوَ ضمیر ہے وہ ہے ذوالحال، اور یہ قَائِمًا اس سے آگے حال آرہا ہے۔ تو لہٰذا یہاں پر یہ قَائِمًا کے اندر کون عامل ہے؟ یاد رکھو، اگر آپ یہ جو جار مجرور ظرف ہے اگر آپ اس کو مقدر بالفعل مانتے ہیں یعنی فعل یہاں مقدر نکالتے ہیں ثَبَتَ، تو کہیں گے کہ یہاں قَائِمًا میں ثَبَتَ فعل عامل ہے۔ اور اگر آپ یہاں شبہِ فعل نکالتے ہیں یعنی ثَابِتٌ نکالتے ہیں تو پھر کہیں گے کہ یہ قَائِمًا کے اندر ثَابِتٌ یعنی شبہِ فعل عامل ہے۔ تو یہ مثال دونوں کی بن سکتی ہے: اگر فعل مقدر نکالیں گے تو اس صورت میں یہ مثال ہو جائے گی اس حال کی جس میں عامل فعل ہے، اور اگر آپ ثَابِتٌ نکالتے ہیں تو پھر یہ قَائِمًا مثال ہو جائے گی اس حال کی جس میں شبہِ فعل عامل ہے۔ تو معلوم ہوا کہ فعل یا شبہِ فعل لفظوں میں بھی ہو سکتا ہے اور مقدر بھی ہو سکتا ہے، تو یہاں پر دیکھو یہ فِي الدَّارِ یہاں پر ثَبَتَ یا ثَابِتٌ لفظوں میں نہیں ہے بلکہ مقدر ہے۔ تو حال کے اندر کبھی کیا ہوگا عامل؟ فعل، کبھی شبہِ فعل؛ اور کبھی وہ لفظوں میں ہوں گے اور کبھی مقدر ہوں گے۔

اور کبھی کبھار عامل جو ہے معنیِ فعل ہوگا اس کے لیے اگلی مثال دیکھیے۔ اگلی مثال متن میں آئی تھی: وَهٰذَا زَيْدٌ قَائِمًا۔ هٰذَا زَيْدٌ قَائِمًا، اور یہ کس معنی میں ہے کلام؟ أُشِيرُ زَيْدًا قَائِمًا، تفصیل پیچھے بیان ہو چکی ہے۔ تو لہٰذا یہ قَائِمًا کو نصب کس نے دیا؟ أُشِيرُ نے، تو تقدیرِ کلام کیا ہے؟ أُشِيرُ زَيْدًا قَائِمًا یا أُنَبِّهُ زَيْدًا قَائِمًا۔ تو یہاں پر عامل جو ہے وہ معنیِ فعل ہے کیونکہ

لفظوں کے اندر تو أُشِيرُ یا أُنَبِّهُ موجود نہیں، تو یہ مثال ہوئی اس حال کی کہ جہاں پر عامل جو ہے وہ معنیِ فعل ہے۔

دیکھیے بھئی آگے سبق متن متن دیکھیے۔ کہتے ہیں: وَعَامِلُهَا الْفِعْلُ۔ یہ عَامِلُهَا کی هَا ضمیر حال کو راجع ہے، عَامِلُهَا أَيْ عَامِلُ الْحَالِ۔ اور یہ حال جو ہے یاد رکھو عربی زبان میں مذکر بھی استعمال ہوتا ہے اور مؤنث بھی استعمال ہوتا ہے لیکن زیادہ استعمال اس کا مؤنث ہے، تو اس کی طرف مؤنث کی ضمیر راجع کرتے ہیں۔ تو کہتے ہیں: وَعَامِلُهَا الْفِعْلُ أَوْ شِبْهُهُ أَوْ مَعْنَاهُ، اور حال کا عامل جو ہے وہ فعل ہوگا، أَوْ شِبْهُهُ یا شبہِ فعل ہوگا، أَوْ مَعْنَاهُ یا معنیِ فعل ہوگا۔ اور میں نے یہ بھی بتایا کہ وہ فعل یا شبہِ فعل ملفوظ بھی ہو سکتا ہے جیسے ضَرَبْتُ زَيْدًا قَائِمًا میں فعل ملفوظ ہے، اور یہ فعل یا شبہِ فعل مقدر بھی ہو سکتا ہے جیسے زَيْدٌ فِي الدَّارِ قَائِمًا کے اندر وہ ثَبَتَ یا ثَابِتٌ مقدر ہے۔

جی اب دیکھیے بھئی اس سارے کو شرح کے ساتھ۔ کہتے ہیں: وَعَامِلُهَا أَيْ عَامِلُ الْحَالِ إِمَّا الْفِعْلُ الْمَلْفُوظُ أَوِ الْمُقَدَّرُ، اور حال کا عامل جو ہے یا تو وہ ایسا فعل ہوگا جو ملفوظ ہوگا یا مقدر ہوگا، نَحْوُ ضَرَبْتُ زَيْدًا قَائِمًا، دیکھو یہاں فعل لفظوں میں موجود ہے۔ وَزَيْدٌ فِي الدَّارِ قَائِمًا، یہ وہی مثال ہے جو پیچھے ذکر ہوئی تھی متن کے اندر، اور میں نے بتایا یہاں ثَبَتَ بھی نکال سکتے ہیں اور ثَابِتٌ بھی: اگر ثَبَتَ نکالیں گے تو پھر اس صورت میں قَائِمًا کے اندر وہ ثَبَتَ جو مقدر ہے وہ عامل ہے یعنی فعل عامل ہے، اور اگر ثَابِتٌ نکالیں گے تو پھر اس قَائِمًا کے اندر وہ شبہِ فعل عامل ہو جائے گا جو مقدر ہے۔ تو صاحبِ جامی یہ مثال دونوں جگہ ذکر کریں گے: ایک ڈیڑھ سطر بعد شبہِ فعل کے اندر بھی اس کو ذکر کریں گے، وہاں کہیں گے اگر یہاں آپ شبہِ فعل مقدر نکالیں، اور یہاں پر بھی ذکر کر رہے ہیں اور کیا فرماتے ہیں دیکھو: کہتے ہیں وَزَيْدٌ فِي الدَّارِ قَائِمًا یعنی یہ قَائِمًا اس حال کی مثال ہے جس میں فعل عامل ہے إِنْ كَانَ الظَّرْفُ مُقَدَّرًا بِالْفِعْلِ اگر یہ ظرف مقدر بالفعل ہو۔

أَوْ شِبْهُهُ، یا حال کے اندر جو عامل ہوگا شبہِ فعل ہوگا۔ بھئی شبہِ فعل کسے کہتے ہیں؟ صاحبِ جامی بتلا رہے ہیں: وَهُوَ مَا يَعْمَلُ عَمَلَ الْفِعْلِ، شبہِ فعل وہ چیز ہے جو فعل والا عمل کرتی ہے، وَهُوَ مِنْ تَرْكِيبِهِ، اور یہ جو ہے فعل کی ہی ترکیب سے ہوتا ہے، یعنی اس کا مادہ وہی ہوتا ہے جو فعل کا مادہ ہو بھئی۔ جی، تو شبہِ فعل کیا کیا چیز ہے؟ اسمِ فاعل ہے، اسمِ مفعول، صفتِ مشبہ، مصدر وغیرہ یہ چیزیں؛ اور دیکھو ان کا مادہ وہی فعل والا مادہ ہوتا ہے۔ تو کہتے ہیں: شبہِ فعل وہ ہے جو فعل والا عمل کرتا ہے، وَهُوَ مِنْ تَرْكِيبِهِ اور وہ فعل کی ترکیب سے ہوتا ہے یعنی فعل والا مادہ ہوتا ہے اس کا، كَاسْمِ الْفَاعِلِ جیسے کہ اسمِ فاعل ہے، نَحْوُ زَيْدٌ ذَاهِبٌ رَاكِبًا۔ دیکھو یہاں پر رَاكِبًا حال آیا اور کس سے حال ہے؟ دیکھو زَيْدٌ ہے مبتدا، ذَاهِبٌ ہے خبر اور ذَاهِبٌ اسمِ فاعل ہے، اور اسمِ فاعل کے اندر هُوَ ضمیر جو ہے اس کا فاعل جو کس کو راجع؟ زید کو، اور اس سے آگے یہ رَاكِبًا حال ہے۔ اب اگر آپ سے کوئی پوچھے یہ رَاكِبًا کو نصب کس نے دیا؟ آپ کیا کہیں گے؟ ذَاهِبٌ نے، کیونکہ اسی کے اندر ذوالحال بھی ہے؛ معلوم ہوا ذوالحال کو رفع ذَاهِبٌ نے دیا ہے تو رَاكِبًا کو نصب بھی ذَاهِبٌ اسمِ فاعل یعنی شبہِ فعل نے دیا ہے۔ زَيْدٌ ذَاهِبٌ رَاكِبًا، زید جا رہا ہے سوار ہو کر۔ وَزَيْدٌ فِي الدَّارِ قَاعِدًا، یہ وہی مثال جو ابھی پیچھے گزری، ابھی ایک ڈیڑھ سطر قبل کیا

گزرا؟ پیچھے تھا زَيْدٌ فِي الدَّارِ قَائِمًا، اور یہاں پر ہے وَزَيْدٌ فِي الدَّارِ قَاعِدًا، تو بعینہٖ وہی مثال ہے صرف قَائِمًا کو قَاعِدًا سے بدل دیا۔ اور میں نے بتایا یہ فِي الدَّارِ کے لیے ثَبَتَ بھی نکال سکتے ہو اور ثَابِتٌ کو بھی، تو یہاں پر اس کو شبہِ فعل کے اندر ذکر کر رہے ہیں کیوں؟ کہتے ہیں آگے دیکھیے: کہتے ہیں إِنْ كَانَ الظَّرْفُ مُقَدَّرًا بِاسْمِ الْفَاعِلِ، اگر یہ ظرف مقدر ہو اسمِ فاعل کے ساتھ یعنی اس میں تقدیراً کیا ہو؟ اسمِ فاعل ہو، تو پھر یہ شبہِ فعل کی مثال بن جائے گا۔

وَكَاسْمِ الْمَفْعُولِ، اور جیسے کہ اسمِ مفعول ہے، نَحْوُ زَيْدٌ مَضْرُوبٌ قَائِمًا۔ تو یہاں قَائِمًا یہ حال ہے کس سے؟ مَضْرُوبٌ کے اندر هُوَ ضمیر جو اس کا نائب الفاعل ہے کیونکہ مَضْرُوبٌ اسمِ مفعول ہے اور اسمِ مفعول کے لیے کیا چاہیے؟ نائب الفاعل چاہیے، اور وہ هُوَ ضمیر وہی ذوالحال ہے اور قَائِمًا اس سے حال ہے۔ حال کی ترکیب تو آتی ہی ہوگی؟ چلو ایک حال کی بھی ترکیب کر لیں، سنو پوری ترکیب: زَيْدٌ مَضْرُوبٌ قَائِمًا۔ زَيْدٌ مرفوع لفظاً بتدا، مَضْرُوبٌ مرفوع لفظاً صیغۂ اسمِ مفعول، یہ مرفوع کیوں ہے؟ کیونکہ یہ خبر ہے بتدا کے لیے، اور اس کے اندر هُوَ ضمیر مرفوع محلاً نائب الفاعل جو راجع ہے زید کو، یہ خبر کا ربط آگیا زید کے ساتھ؛ اور پھر وہ هُوَ ضمیر وہی ذوالحال بھی ہے، اور آگے قَائِمًا حال آیا، اس کی ترکیب کیسے کریں گے؟ قَائِمًا منصوب لفظاً صیغۂ اسمِ فاعل، منصوب کیوں ہے؟ کیونکہ حال ہے اور حال منصوب ہوتا ہے، اور اس کے اندر هُوَ ضمیر ہے جو کس کو راجع؟ ذوالحال کو کیونکہ حال کو کس سے جوڑتے ہیں؟ ذوالحال سے، تو وہ هُوَ ضمیر راجع ہے اس ضمیر کو جو مَضْرُوبٌ کے اندر تھی، اور وہ کون سی تھی؟ هُوَ ضمیر۔ تو یوں نہ کہیں کہ هُوَ ضمیر هُوَ ضمیر کو راجع ہے، بات آپ کی ٹھیک ہے لیکن تعبیر اچھی نہیں، بلکہ یوں کہیں کہ قَائِمًا کے اندر هُوَ ضمیر ذوالحال کو راجع ہے بھئی۔ تو پھر یہ قَائِمًا اسمِ فاعل اپنے فاعل سے مل کر یہ شبہِ جملہ ہو کر یہ حال ہوا ذوالحال کے لیے، ذوالحال جو ہے وہ اپنے حال سے مل کر یہ نائب الفاعل ہوا مَضْرُوبٌ کے لیے، اور مَضْرُوبٌ اپنے نائب الفاعل سے مل کر یہ شبہِ جملہ ہو کر یہ خبر ہوئی زید کے لیے، اور بتدا خبر مل کر جملۂ اسمیہ خبریہ ہوا: زَيْدٌ مَضْرُوبٌ قَائِمًا، زید کی پٹائی کی گئی اس کی، اس کے قیام کی حالت میں۔

وَالصِّفَةِ الْمُشَبَّهَةِ، اور جیسے کہ صفتِ مشبہ ہے یعنی یہ بھی شبہِ فعل میں سے ہے، نَحْوُ زَيْدٌ حَسَنٌ ضَاحِكًا۔ تو یہ حَسَنٌ صفتِ مشبہ ہے، اور صفتِ مشبہ کے لیے بھی فاعل چاہیے تو اس کے اندر هُوَ ضمیر جو ہے وہ اس کا فاعل ہے اور وہ زید کو راجع ہے، اس سے ربط آگیا خبر کا بتدا سے، اور وہی هُوَ ضمیر ذوالحال ہے اور اس سے آگے ضَاحِكًا حال آرہا ہے۔ تو زَيْدٌ حَسَنٌ زید اچھا ہے، زید حسین ہے، ضَاحِكًا ہنستے ہوئے یعنی ہنسنے کی حالت میں وہ اچھا ہے یعنی حسین معلوم ہوتا ہے۔

آگے دیکھیے: أَوْ مَعْنَاهُ، یا حال کے اندر جو عامل ہوگا وہ معنیِ فعل ہوگا بھئی۔ بھئی معنیِ فعل کسے کہتے ہیں؟ معنیِ فعل کسے کہتے ہیں؟ ادھر دیکھیے، آپ کو بتلائیں گے کہ معنیِ فعل وہ ہے جو نہ صراحتاً ذکر ہو وہاں پر اور جو نہ وہاں پر مقدر ہو بلکہ کلام کے اندر غور کر کے اس سے مستنبط کیا جائے۔ استنباط کا معنی ہے کلام کے اندر غور و فکر کر کے نئی بات معلوم کرنا، جیسے قرآن و حدیث میں غور و فکر کر کے نئے نئے مسائل ان سے نکالے جاتے ہیں۔ تو یہاں پر بھی معنیِ فعل کا مطلب یہ ہے کہ

وہ فعل جو ہے نہ لفظوں کے اندر صراحتاً ذکر ہو نہ وہاں پر تقدیراً موجود ہو بلکہ کلام کے معنی میں غور کر کے اس کا استنباط کرنا پڑے۔ کس لیے استنباط کرنا پڑے؟ تاکہ آگے حال کا آنا صحیح ہو جائے، کیونکہ وہ فعل نکالیں گے تو وہ جو ذوالحال ہے وہ فاعل یا مفعول بہ بنے گا، کیونکہ صاحبِ کافیہ نے کیا فرمایا تھا کہ حال صرف فاعل یا مفعول بہ کی حالت بیان کرتا ہے، تو جب، جہاں کہیں حال جو ہے غیرِ فاعل یا مفعول بہ سے آرہا ہو تو وہاں پر ہمیں کلام میں غور کر کے کوئی معنیِ فعل جو ہے وہ نکالنا پڑتا ہے تاکہ ذوالحال سے حال کا آنا صحیح ہو جائے بھئی۔ تو کہتے ہیں: أَوْ مَعْنَاهُ، یا حال کے اندر عامل جو ہوگا وہ معنیِ فعل ہوگا، الْمُسْتَنْبَطُ مِنْ فَحْوَى الْكَلَامِ، فَحْوَى الْكَلَامِ یعنی کلام کا معنی بھئی۔ تو کہتے ہیں: اور وہ معنیِ فعل الْمُسْتَنْبَطُ مِنْ فَحْوَى الْكَلَامِ جس کا استنباط کیا جائے کلام کے معنی سے، مِنْ غَيْرِ تَصْرِيحٍ بِهِ أَوْ تَقْدِيرِهِ بغیر اس کے کہ اس فعل کی تصریح ہو أَوْ تَقْدِيرِهِ یا اس کی تقدیر ہو، یعنی وہاں لفظوں میں صراحتاً بھی وہ فعل نہ ہو اور تقدیراً بھی وہ فعل نہ ہو۔ دوبارہ دیکھیے: أَوْ مَعْنَاهُ الْمُسْتَنْبَطُ مِنْ فَحْوَى الْكَلَامِ مِنْ غَيْرِ تَصْرِيحٍ بِهِ أَوْ تَقْدِيرِهِ، یا حال کا جو عامل ہوگا وہ ایسا معنیِ فعل ہوگا جس کا استنباط کیا جائے گا کلام کے معنی سے مِنْ غَيْرِ تَصْرِيحٍ بِهِ أَوْ تَقْدِيرِهِ بغیر اس کے کہ اس فعل کی وہاں پر تصریح ہو أَوْ تَقْدِيرِهِ یا اس فعل کی تقدیر ہو یعنی مقدر ہو، ایسا نہیں ہوگا۔ كَالْإِشَارَةِ وَالتَّنْبِيهِ فِي نَحْوِ هٰذَا زَيْدٌ قَائِمًا كَمَا مَرَّ، جیسے کہتے ہیں اشارہ اور تنبیہ کا معنی ہے فِي نَحْوِ اس جیسی مثالوں میں: هٰذَا زَيْدٌ قَائِمًا كَمَا مَرَّ، جیسے کہ بات گزر گئی۔ پیچھے تفصیل بیان کی تھی متن میں کیا مثال آئی تھی؟ هٰذَا زَيْدٌ قَائِمًا، یہ جو هٰذَا ہے اس کی هَا سے تنبیہ کا معنی سمجھ میں آیا تھا اور ذَا سے اشارے کا معنی سمجھ میں آیا تھا، اور اس سے پھر ہم نے ایک فعل بنا لیا، کیوں بنایا؟ اس لیے کیونکہ اس کے بغیر تو زید سے حال آنا صحیح نہیں؛ جب وہ فعل نکال لیا تو اس فعل کے لیے زید جو ہے یہ مفعول بہ بن گیا اور حال بھی کس سے آتا ہے؟ فاعل یا مفعول بہ سے، تو اب آگے قَائِمًا کا حال ہونا صحیح ہو گیا۔ تو کہتے ہیں: كَالْإِشَارَةِ وَالتَّنْبِيهِ جیسے کہ اشارہ اور تنبیہ ہے فِي نَحْوِ هٰذَا زَيْدٌ قَائِمًا اس جیسی مثال میں، كَمَا مَرَّ جیسے کہ تفصیل گزر گئی؛ وَكَالنِّدَاءِ وَالتَّمَنِّي وَالتَّرَجِّي وَالتَّشْبِيهِ، اور جیسے کہ ندا ہے، تمنی ہے، ترجی ہے اور تشبیہ ہے، فِي نَحْوِ اس جیسی مثالوں میں: يَا زَيْدُ قَائِمًا۔ يَا زَيْدُ قَائِمًا، یہ قَائِمًا حال آرہا ہے زید سے، اور حال تو صرف کس کی حالت بیان کرتا ہے؟ فاعل یا مفعول بہ کی، اور زید یہاں تو کوئی فعل ہی نہیں ہے تو زید کیسے فاعل یا مفعول بہ؟ تو جواب یہ کہ یہاں معنیِ فعل عامل ہے، اور یہ جو يَا حرفِ ندا ہے اس سے معنیِ فعل ہمیں سمجھ میں آرہا ہے کیونکہ تقدیرِ کلام کیا ہے؟ يَا زَيْدُ أَيْ أَدْعُو زَيْدًا قَائِمًا يا أُنَادِي زَيْدًا قَائِمًا، میں ندا دے رہا ہوں زید کو اس حال میں کہ وہ قائم ہے بھئی۔

وَلَيْتَكَ عِنْدَنَا مُقِيمًا۔ لَيْتَ آپ جانتے ہیں تمنی کے لیے آتا ہے، تو یہاں تمنی کا فعل سمجھ میں آرہا ہے أَتَمَنَّى یا تَمَنَّيْتُ، اور اس کے لیے یہ کاف ضمیر جو ہے یہ کیا بن جائے گی؟ یہ مفعول بہ، تو یہ مُقِيمًا حال ہے کس سے؟ لَيْتَكَ کی کاف ضمیر سے۔ تو یہ سب وہ مثالیں چل رہی ہیں جن کے اندر حال کے اندر عامل معنیِ فعل ہے۔

وَلَعَلَّهُ فِي الدَّارِ قَائِمًا۔ یہاں پر دیکھو یہ قَائِمًا حال ہے لَعَلَّهُ کے آخر میں جو ہا ضمیر آرہی ہے، اور یہ لَعَلَّ ترجی کے لیے آتا

ہے تو اس سے تَرَجَّیْتُ کا فعل سمجھ میں آرہا ہے۔

وَكَأَنَّهُ أَسَدٌ صَائِلًا۔ دیکھو كَأَنَّ یہ تشبیہ کے لیے آتا ہے تو یہاں سے شَبَّهْتُ کا فعل سمجھ میں آرہا ہے، تو وہ عامل بن جائے گا یہ صَائِلًا حال کے اندر بھئی؛ اور یہ كَأَنَّهُ کی جو ہا ضمیر ہے اس سے یہ صَائِلًا حال بن رہا ہے، اور صَائِلًا جو ہے صاد کے ساتھ، صَالَ يَصُولُ صَوْلًا کا معنی ہے حملہ کرنا: كَأَنَّهُ أَسَدٌ گویا کہ وہ شیر ہے صَائِلًا اس حال میں کہ وہ حملہ کر رہا ہو بھئی، اس حال میں کہ وہ حملہ کر رہا ہو؛ کیا معنی؟ کہنا یہ چاہتا ہے متکلم کہ وہ کسی شخص کو تشبیہ دے رہا ہے شیر کے ساتھ لیکن مطلقاً نہیں، حملہ کرنے کی حالت میں؛ وہ شخص حملہ کرنے کی حالت میں ایسے ہی ہوتا ہے جیسے شیر ہوتا ہے، اس کی طرح جرات سے حملہ کرتا ہے۔ تو یہ صَائِلًا اس کے اندر عامل کیا ہے؟ معنیِ فعل۔ اسی طرح یہ جتنی مثالیں گزریں ان سب میں معنیِ فعل عامل ہے۔

یہاں اشکال ہوتا ہے: اشکال یہ کہ يَا زَيْدُ قَائِمًا یہاں تو ٹھیک ہے، یہاں أُنَادِي فعل جو ہے وہ عامل بن جائے گا قَائِمًا کے اندر۔ اور لَيْتَكَ عِنْدَنَا مُقِيمًا یہاں تو أَتَمَنَّى فعل نکالنے کی ضرورت ہی نہیں ہے، اس لیے کیونکہ عِنْدَنَا ظرف موجود ہے، ظرف موجود ہے اور وہ جو ظرف ہے وہ مقدر بالفعل ہوتا ہے یا مقدر بشبہ الفعل ہوتا ہے، تو یہاں عِنْدَنَا کے لیے ثَبَتَ یا ثَابِتٌ نکالنا ہے تو وہ ثَبَتَ یا ثَابِتٌ جو نکالیں گے وہ جو ہے عامل بن جائے گا اس مُقِيمًا کے اندر! اسی طرح لَعَلَّهُ فِي الدَّارِ قَائِمًا اس کے اندر بھی فِي الدَّارِ جار مجرور موجود ہے، تو یہاں بھی تقدیراً فعل یا شبہِ فعل ہوگا اور پھر وہ عامل بن جائے گا قَائِمًا کے اندر۔ تو یہ تو مثال بن گئی اس حال کی جس کے اندر عامل فعل یا شبہِ فعل ہے، جیسے ابھی آپ نے پیچھے مثال ذکر کی تھی: زَيْدٌ فِي الدَّارِ قَائِمًا، فِي الدَّارِ موجود تھا تو اس کے لیے ثَبَتَ یا ثَابِتٌ نکالا اور وہی قَائِمًا کے اندر عامل بن گیا؛ تو یہاں پر بھی لَيْتَكَ عِنْدَنَا مُقِيمًا اسی طرح ہے، لَعَلَّهُ فِي الدَّارِ قَائِمًا یہاں بھی اسی طرح ہے، ظرف یا جار مجرور یہاں پر موجود ہے وہ عامل بن سکتا ہے تو پھر معنیِ فعل کو عامل بنانے کی کیا ضرورت ہے؟

تو یاد رکھیے علماء فرماتے ہیں کہ یہاں پر اگر مثلاً دیکھو پہلی مثال کیا ہے؟ لَيْتَكَ عِنْدَنَا مُقِيمًا، یہاں دیکھو دو چیزیں ہیں: ایک ہے تمنا، ایک ہے متمنّٰی۔ تمنا کیا ہے؟ کہ کاش آپ ہمارے پاس ہوتے، تو آپ کا ہمارے پاس ہونا یہ ہے متمنّٰی یعنی جس کی تمنا کی جا رہی ہے، اور لَيْتَ اس سے کیا سمجھ میں آرہا ہے؟ تمنا کا فعل؛ تو یہ جو مُقِيمًا آگے حال آرہا ہے اس کو تمنا کے لیے قیدبنانا مقصود ہے متمنّٰی کے لیے قیدبنانا مقصود نہیں، کیونکہ اس سے معنی بدل جاتا ہے معنی مختلف ہو جاتا ہے۔ لَيْتَكَ عِنْدَنَا مُقِيمًا اگر یہ مُقِيمًا کو حال بنائیں کس سے؟ ثَبَتَ عِنْدَنَا یا ثَابِتٌ عِنْدَنَا سے، اور یہ ثَابِتٌ عِنْدَنَا یہ تو متمنّٰی ہے جس کی تمنا کی جا رہی ہے کہ اے مخاطب کاش آپ ہمارے پاس ہوتے، ثُبُوتُكَ عِنْدَنَا آپ کا ہمارے پاس ہونا یہ تو متمنّٰی ہے؛ اگر اس کو عامل بنائیں گے مُقِيمًا کے اندر تو پھر تو یہ حال قید بن جائے گا لَيْتَ کی خبر کے لیے قید بن جائے گا یعنی وہ جو متمنّٰی ہے جس چیز کی تمنا کی جا رہی ہے اس کے لیے قید بن جائے گا، حالانکہ اس کو متمنّٰی کے لیے قیدبنانا مقصود نہیں بلکہ تمنا کے لیے قیدبنانا مقصود ہے، یعنی وہ جو تمنا کا فعل مفہوم ہو رہا ہے لَيْتَ سے اس کے لیے یہ مُقِيمًا قید ہے۔ اگر آپ تمنا

فعل کے لیے اس کو قید بنائیں گے تو معنی کچھ اور، اگر آپ متمنّٰی سے اس کو حال بنائیں گے تو پھر معنی کچھ اور۔ مثلاً اس مثال کے اندر تو اتنا واضح نہیں، ایک اور مثال ذرا اپنے سامنے لکھیے، ایک ذرا اپنے سامنے مثال لکھیے اس سے آپ کو فرق سمجھ میں آئے گا۔ لکھیے بھئی جلدی جلدی لکھیے بھئی: لَيْتَ زَيْدًا فَقِيرًا رَاجِعٌ إِلَيْنَا۔ لکھ لیا؟ لَيْتَ زَيْدًا فَقِيرًا رَاجِعٌ إِلَيْنَا۔

دیکھو اس ترکیب کے اندر لَيْتَ حرفِ مشبہ بالفعل ہے، زَيْدًا اس کا اسم ہے، توجہ ہے، اور فَقِيرًا یہ لَيْتَ کی خبر نہیں ہو سکتا کیونکہ یہ تو منصوب ہے اور لَيْتَ کا اسم منصوب ہوتا ہے خبر مرفوع ہوتی ہے، تو یہ فَقِيرًا لَيْتَ کی خبر نہیں ہو سکتی۔ اور نیز یہ فَقِيرًا زید کے لیے صفت بھی نہیں بن سکتا کیونکہ زید تو ہے معرفہ اور فَقِيرًا ہے نکرہ، حالانکہ موصوف صفت میں تعریف و تنکیر میں مطابقت ضروری ہے۔ تو معلوم ہوا یہ فَقِيرًا نہ لَيْتَ کی خبر ہے اور نہ صفت ہے لَيْتَ کے اسم کے لیے۔ معلوم ہوا آگے جو رَاجِعٌ إِلَيْنَا آرہا ہے یہ ہے خبر لَيْتَ کی، یہ ہے خبر لَيْتَ کی؛ اور فَقِيرًا یہ حال ہے، یہ حال ہے۔ اب دیکھو یہاں ہم اس کو متمنّٰی سے بھی حال بنائیں گے معنی کچھ اور ہو جائے گا، اور ہم اس کو لَيْتَ یعنی تمنا کے فعل سے حال بنائیں گے معنی کچھ اور ہو جائے گا۔

مثلاً دیکھو، پہلے ہم اس کو حال بناتے ہیں لَيْتَ سے جو فعل تَمَنَّيْتُ یا أَتَمَنَّى فعل سمجھ میں آرہا ہے اس سے حال بناتے ہیں، اور اس کے لیے زَيْدًا کیا بن جائے گا؟ مفعول بہ: میں تمنا کر رہا ہوں زید کے بارے میں رَاجِعٌ إِلَيْنَا کہ وہ ہمارے پاس لوٹ آئے، ہمارے پاس آجائے۔ لَيْتَ زَيْدًا فَقِيرًا رَاجِعٌ إِلَيْنَا۔ اب دیکھو یہاں پر یاد رکھنا آپ کو صاحبِ جامی ایک آدھ سطر کے بعد بتائیں گے کہ یہ جو حال ہوتا ہے یہ قید ہوتا ہے عاملِ ذوالحال کے لیے، کس کے لیے؟ یہ حال یہ قید ہوتا ہے عاملِ ذوالحال کے لیے؛ تو اگر ہم یہ فَقِيرًا کو زَيْدًا سے حال بنائیں تو زَيْدًا یہ تو لَيْتَ کا اسم ہے تو اس کے اندر پھر أَتَمَنَّى کا فعل عامل ماننا پڑے گا تاکہ یہ مفعول بہ بن جائے اس کے لیے: أَيْ أَتَمَنَّى زَيْدًا متکلم کہتا ہے میں زید کے بارے میں یہ تمنا کرتا ہوں کہ رَاجِعٌ إِلَيْنَا کہ وہ ہمارے پاس آجائے۔ تو أَتَمَنَّى فعل ہوا، زَيْدًا اس کے لیے مفعول بہ ہوا معنی کے اعتبار سے، اور فَقِيرًا کو اس سے کیا بنا دیں گے؟ حال۔ تو اس صورت میں یہ فَقِيرًا حال أَتَمَنَّى کے لیے قید ہو جائے گا کیونکہ میں نے ابھی بتایا حال جو ہوتا ہے وہ قید ہوتا ہے کس کے لیے؟ عاملِ ذوالحال کے لیے، اور زَيْدًا کے اندر تقدیراً کون عامل ہے؟ کس کے لیے یہ مفعول بہ بن رہا ہے؟ أَتَمَنَّى کے لیے، تو أَتَمَنَّى کے لیے یہ فَقِيرًا قید ہو جائے گا۔ تو معنی کیا ہوگا؟ معنی سنو: أَتَمَنَّى زَيْدًا میں زید کے بارے میں تمنا کرتا ہوں فَقِيرًا زید کے فقیر ہونے کی حالت میں، میں تمنا کر رہا ہوں زید کے بارے میں اس حال میں کہ زید فقیر ہے، رَاجِعٌ إِلَيْنَا کیا تمنا کر رہا ہوں؟ کہ وہ کاش ہمارے پاس آجائے، ہمارے پاس لوٹ آئے۔ کیا معنی ہوا؟ میں تمنا کر رہا ہوں زید کے بارے میں، اور یہ تمنا کرنا کس حالت میں ہے؟ حال کو اب جوڑو، وہ حال کو قید بناؤ أَتَمَنَّى کے لیے: میرا یہ تمنا کرنا زید کے بارے میں اس حال میں ہے کہ زید فقیر ہے، یعنی جب میں تمنا کر رہا ہوں اس وقت زید فقیر ہے؛ تو میں تمنا کرتا ہوں زید کے فقیر ہونے کی حالت میں یعنی اس وقت وہ فقیر ہے، اس حالت میں میں تمنا کر رہا ہوں کہ رَاجِعٌ

إِلَيْنَا کاش زید ہمارے پاس لوٹ آئے۔ یہ ہم نے اس کو قید بنایا کس کے لیے؟ أَتَمَنَّى فعل کے لیے۔

اور اگر آپ حال کے اندر رَاجِعٌ إِلَيْنَا کو عامل بناتے ہیں جو کہ لَيْتَ کی خبر ہے اور یہ شبہِ فعل ہے اور یہی متمنّٰی ہے کیونکہ اس زید کے لوٹنے کی تمنا کی جا رہی ہے، تو پھر یاد رکھو اس صورت میں ذوالحال لفظِ زید نہیں ہوگا بلکہ رَاجِعٌ اسمِ فاعل کے اندر هُوَ ضمیر جو ہے وہ ذوالحال بنے گی، کیونکہ رَاجِعٌ اسمِ فاعل ہے اور اسمِ فاعل کے لیے کیا چاہیے؟ فاعل چاہیے، اور وہ اس کے اندر هُوَ ضمیر ہے اور وہ هُوَ ضمیر لَيْتَ کے اسم یعنی زید کی طرف لوٹ رہی ہے کیونکہ لَيْتَ کی خبر کو لَيْتَ کے اسم سے جوڑ رہے ہیں اور اسمِ فاعل اپنے فاعل سے مل کر شبہِ جملہ بنتا ہے اور جملے کی طرح شبہِ جملہ کو بھی جب کسی چیز سے جوڑنا ہو تو درمیان میں ربط ضروری ہے۔ تو پھر اس صورت کے اندر جب آپ رَاجِعٌ کو عامل بنانا چاہتے ہیں فَقِيرًا کے اندر، تو پھر ذوالحال زید کو نہیں بنا سکتے بلکہ رَاجِعٌ کے اندر هُوَ ضمیر ہے وہ ذوالحال بنے گی۔ وجہ یہ کیونکہ میں نے آپ کو ضابطہ بتلا دیا کہ حال اور ذوالحال دونوں کا عامل ایک ہونا واجب ہے عند الجمہور، جمہور کے نزدیک حال اور ذوالحال دونوں کا عامل ایک ہونا چاہیے؛ تو اس کی پھر یہی صورت ہے کہ جب آپ رَاجِعٌ کو عامل بنانا چاہتے ہیں فَقِيرًا کے اندر تو پھر فَقِيرًا کو زید سے حال نہ بناؤ بلکہ رَاجِعٌ کے اندر جو زید کی ضمیر ہے هُوَ اس سے حال بنا دو۔ اب دیکھو حال اور ذوالحال دونوں کا عامل رَاجِعٌ بن گیا: هُوَ ضمیر وہ فاعل ہے رَاجِعٌ کے لیے اس میں بھی رَاجِعٌ عامل، اور فَقِيرًا اس سے حال ہے اس کے اندر بھی رَاجِعٌ عامل بن جائے گا۔ تو اگر آپ هُوَ سے حال بناتے ہوئے فَقِيرًا کے اندر رَاجِعٌ کو عامل بنائیں گے، تو پھر یاد رکھو سارا معنی ہی بدل جائے گا بلکہ سارا معنی خراب ہو جائے گا بھئی۔ توجہ ہے؟ تو رَاجِعٌ کے اندر هُوَ ضمیر ہے، اگر آپ فَقِيرًا کو اس سے حال بناتے ہیں پھر تو معنی بالکل بدل جائے گا، خراب ہو جائے گا۔ دیکھو اب: لَيْتَ زَيْدًا، میں تمنا کر رہا ہوں زید کے بارے میں، کاش کہ وہ لوٹ آئے اس حال میں کہ وہ فقیر ہو؛ اس کا لوٹنا ہمارے پاس، دیکھو رَاجِعٌ إِلَيْنَا اس کے لیے فَقِيرًا کو قید بناؤ: اس کا لوٹنا ہمارے پاس اس حال میں ہو کہ وہ فقیر ہو، تو معنی کیا بن گیا؟ میں زید کے بارے میں تمنا کر رہا ہوں کہ کاش وہ فقیر ہو کر لوٹ آئے! کاش وہ فقیر ہو کر لوٹ آئے! دیکھو معنی بدل گیا یا نہیں؟ پہلے معنی کیا تھا؟ کہ میں تمنا اس کے فقیر ہونے کی حالت میں کر رہا ہوں یعنی ابھی بھی وہ فقیر ہے، میں تمنا کر رہا ہوں فقیر ہے لیکن آجائے ہمارے پاس آ جائے۔ اور پھر معنی کیا بن گیا؟ پھر تو جیسے میں تمنا کر رہا ہوں کہ زید ہمارے پاس آئے فقیر ہو کر، یہ تو بالکل غلط معنی بن گیا! بات سمجھ میں آگئی؟ تو اس لیے یہاں پر لَيْتَكَ عِنْدَنَا مُقِيمًا یہ عِنْدَنَا یہ تو ہے متمنّٰی، اس سے مُقِيمًا کو حال نہیں بنائیں گے بلکہ أَتَمَنَّى فعل جو سمجھ میں آیا اس سے حال بنے گا یعنی یہ جو کاف ضمیر ہے اس کے لیے مفعول بہ ہے، اس سے یہ حال بنے گا اور أَتَمَنَّى فعل اس کے اندر عامل ہوگا۔ اسی طرح لَعَلَّهُ فِي الدَّارِ قَائِمًا اس کے اندر بھی اسی طرح ہے کیونکہ اس کے اندر بھی لَعَلَّ سے ترجی کا فعل سمجھ میں آیا اور ترجی کس چیز کی کی جا رہی ہے؟ اس شخص کے فِي الدَّارِ ہونے کی، اس شخص کے فِي الدَّارِ ہونے کی؛ تو قَائِمًا کو فِي الدَّارِ کے لیے قید نہ بناؤ بلکہ وہ جو فعل سمجھ میں آ رہا ہے اس کے لیے قید بناؤ۔

بات سمجھ میں آگئی اچھی طرح؟

جی اب دیکھیے ذرا ان مثالوں کا معنی کیا بنتا ہے، ہم اس کو قید بنائیں گے معنیِ فعل کے لیے: يَا زَيْدُ قَائِمًا، میں زید کو ندا دے رہا ہوں قَائِمًا اس حال میں کہ زید قیام کی حالت میں ہے، یعنی زید کے قیام کی حالت میں میں اس کو ندا دے رہا ہوں۔ دوسری، دوسرا دیکھیں: لَيْتَكَ عِنْدَنَا مُقِيمًا، میں اے مخاطب میں آپ کے بارے میں تمنا کر رہا ہوں آپ کے مقیم ہونے کی حالت میں کہ کاش آپ ہمارے پاس ہوتے۔ اے مخاطب میں آپ کے بارے میں تمنا کر رہا ہوں اس حال میں کہ آپ کیا ہیں؟ مقیم ہیں، مثلاً کسی جگہ مقیم ہیں: اے مخاطب میں آپ کے بارے میں تمنا کر رہا ہوں اس حال میں کہ آپ مقیم ہیں، تو اس حال میں میں تمنا کر رہا ہوں کہ کاش آپ عِنْدَنَا ہمارے پاس ہوتے۔ اور اگلے مثال دیکھیے: وَلَعَلَّهُ فِي الدَّارِ قَائِمًا، لَعَلَّهُ امید ہے کہ وہ اس حال میں کہ قیام کی حالت میں ہے، یعنی میں امید کرتا ہوں اس کے بارے میں

اس کے قیام کی حالت میں کہ «فِي الدَّارِ» وہ گھر میں ہوگا۔ تو یہ جو میں امید کر رہا ہوں یہ اس کے قیام کی حالت میں ہے، اور کیا امید کر رہا ہوں؟ «فِي الدَّارِ» اس کے گھر میں ہونے کی۔

اسی طرح اگلی مثال دیکھیے: «وَكَأَنَّهُ أَسَدٌ صَائِلًا»۔ «كَأَنَّ» تشبیہ کے لیے آتا ہے۔ میں اس کو تشبیہ دے رہا ہوں اس حال میں کہ وہ حملہ کرنے والا ہے۔ تشبیہ دے رہا ہوں کس حال میں؟ حملہ کرنے کی حالت، اس حال کو اس معنائے فعل کے ساتھ جوڑا کریں۔ میں اس کو تشبیہ دے رہا ہوں اس کے حملہ کرنے کی حالت میں کس کے ساتھ؟ شیر کے ساتھ۔ دیکھا! اس کے حملہ کرنے کی حالت میں میں اس کو شیر کے ساتھ تشبیہ دے رہا ہوں۔ بات سمجھ میں آگئی۔

چلیے بس بھائی، «هٰذَا هُوَ الْمَرَامُ وَاللّٰهُ أَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْكَلَامِ»۔

سبق نمبر ۱۴۳: الحال (۳): حال کا نکرہ اور ذوالحال کا معرفہ ہونا اصل، اور اس کے مستثنیات

شرحِ ملا جامی صفحہ: ۱۲۴ — بتاریخ: ۳۰ جنوری ۲۰۲۲ء

▪ تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث

آگے سبق دیکھیے بھائی: «وَشَرْطُهَا أَيْ شَرْطُ الْحَالِ أَنْ تَكُونَ نَكِرَةً لِأَنَّ النَّكِرَةَ أَصْلٌ وَالْغَرَضُ وَهُوَ تَقْيِيدُ الْحَدَثِ الْمَنْسُوبِ إِلَى صَاحِبِهَا يَحْصُلُ بِهَا وَالتَّعْرِيفُ زَائِدٌ عَلَى الْغَرَضِ وَأَنْ يَكُونَ صَاحِبُهَا مَعْرِفَةً لِأَنَّهُ مَحْكُومٌ عَلَيْهِ فِي الْمَعْنَى فَكَانَ الْأَصْلُ فِيهِ التَّعْرِيفَ غَالِبًا»۔

بھائی، گزشتہ سبق میں حال کے عامل کے بارے میں ہم پڑھ رہے تھے، اور صاحبِ کافیہ نے آپ کو بتلایا کہ حال کے اندر عامل فعل یا شبہِ فعل یا معنائے فعل ہوگا۔ حال کے اندر فعل یا شبہِ فعل یا معنائے فعل جو ہے یہ عامل ہوگا بھائی۔ اور پھر صاحبِ جامی نے آپ کو یہ بھی بتلایا تھا کہ یہ جو پیچھے مثال آئی: «زَيْدٌ فِي الدَّارِ قَائِمًا»، اس کے اندر یہ جو «فِي الدَّارِ» ظرف ہے، یہ جار مجرور جو ہے یا تو یہ مقدر بالفعل ہوگا یا یہ مقدر بشبہ الفعل ہوگا، کیونکہ «فِي الدَّارِ» کے لیے «ثَبَتَ» یا «ثَابِتٌ» چاہیے جس سے یہ متعلق ہو جائے۔ تو اگر اس کو مقدر بالفعل مانیں گے تو یہ فعل کے اندر داخل ہو جائے گا، یعنی اس صورت میں یہ حال کے اندر عامل فعل ہے۔ اور اگر اس کو مقدر بشبہ الفعل مانیں گے یعنی یہاں «ثَابِتٌ» مان لیں گے کہ «ثَابِتٌ فِي الدَّارِ قَائِمًا»، تو پھر اس صورت میں یہ شبہِ فعل جو ہے حال کے اندر عامل ہو جائے گا۔

تو معلوم ہوا فعل یا شبہِ فعل جو ہے وہ عام ہے، چاہے وہ ملفوظ ہو چاہے مقدر ہو بھائی۔ اب «زَيْدٌ فِي الدَّارِ قَائِمًا» یہاں پر یہ «فِي الدَّارِ» «ثَبَتَ» یا «ثَابِتٌ» سے متعلق ہے اور وہ تو مقدر ہے، تو یہ مثال ہوئی کس کی؟ کہ جس کے اندر فعل یا شبہِ فعل عامل ہے لیکن وہ مقدر ہے بھائی۔ اور معنائے فعل انہوں نے بتلایا تھا کہ معنائے فعل کسے کہتے ہیں؟ کہتے ہیں وہ معنیٰ جسے کلام سے مستنبط کیا جائے، غور و فکر کر کے وہاں سے نکالا جائے، اور نہ کلام کے اندر اس کی تصریح ہو اور نہ وہاں مقدر ہو، اور اس کو صرف اس لیے مستنبط کیا جاتا ہے تاکہ آگے حال کا آنا صحیح ہو جائے۔ اس لیے کیونکہ حال صرف فاعل یا مفعول بہ کی حالت بیان کرتا ہے، تو وہ معنائے فعل ہم نکالیں گے تو پھر ہی وہ ذوالحال جو ہے فاعل یا مفعول بہ بنے گا۔

اس کے بغیر تو وہ فاعل یا مفعول بہ بن ہی نہیں رہا، تو اس سے حال کا آنا بھی صحیح نہیں۔ تو پھر جب معنائے فعل نکالیں گے تو وہ جو ذوالحال ہے وہ فاعل یا مفعول بہ بن جائے گا اور پھر اس سے حال کا آنا صحیح ہو جائے گا۔

پھر معنائے فعل کی مختلف مثالیں انہوں نے ذکر کی تھیں کہ مثلاً «يَا زَيْدُ قَائِمًا»، یہاں سے «أُنَادِي» کا فعل سمجھ میں آرہا ہے۔ «وَلَيْتَكَ عِنْدَنَا مُقِيمًا»، یہ «لَيْتَ» سے تمنا کا فعل سمجھ میں آرہا ہے۔ «وَلَعَلَّهُ فِي الدَّارِ قَائِمًا»، یہاں سے ترجی کا فعل سمجھ میں آرہا ہے۔ «وَكَأَنَّهُ أَسَدٌ صَائِلًا»، یہ «كَأَنَّ» سے تشبیہ کا فعل سمجھ میں آرہا ہے۔ اور پھر میں نے بتلایا تھا کہ ان مثالوں میں اگر آپ غور کریں تو «يَا زَيْدُ قَائِمًا» اور «كَأَنَّهُ أَسَدٌ صَائِلًا» یہاں پر تو ٹھیک ہے معنائے فعل کے علاوہ لفظوں میں اور کوئی عامل ہی نہیں ہے، تو وہ معنائے فعل ہی یہاں نکالنا پڑے گا۔ لیکن «وَلَيْتَكَ عِنْدَنَا مُقِيمًا» و «لَعَلَّهُ فِي الدَّارِ قَائِمًا» یہاں تو «لَيْتَ» کی جو خبر ہے «عِنْدَنَا» وہ ظرف ہے، اسی طرح «لَعَلَّهُ فِي الدَّارِ قَائِمًا» یہاں «لَعَلَّ» کی خبر ظرف ہے۔ تو پھر یہاں معنائے فعل نکالنے کی کیا ضرورت ہے؟ وہ جو پیچھے مثال گزری «زَيْدٌ فِي الدَّارِ قَائِمًا» وہاں «فِي الدَّارِ» کو آپ نے عامل بنایا تھا، تو یہاں پر بھی یہ «عِنْدَنَا» یا «فِي الدَّارِ» کو عامل بنا دو تو یہاں معنائے فعل نکالنے کی کیا ضرورت ہے؟

میں نے بتلایا تھا کہ اگر یہ جو ظرف ہے یا جار مجرور ہے اس کو اگر آپ عامل بناتے ہیں تو پھر معنیٰ مختلف ہو جائے گا، معنیٰ بدل جائے گا، بلکہ بعض اوقات تو معنیٰ بالکل ہی خراب ہو جاتا ہے۔ جیسے میں نے مثال لکھوائی تھی: «لَيْتَ زَيْدًا فَقِيرًا رَاجِعٌ إِلَيْنَا»۔ تو دیکھو یہاں پر جو تمنا ہے اس کو مقید کرنا مقصود ہے «فَقِيرًا» حال کے ذریعے، اور اگر آپ یہ جو «رَاجِعٌ إِلَيْنَا» یہ تو متمنّٰی ہے، اگر اس کے لیے «فَقِيرًا» کو قید بنائیں گے پھر معنیٰ خراب ہو جائے گا۔ پہلے کیا معنیٰ ہے؟ «لَيْتَ زَيْدًا فَقِيرًا رَاجِعٌ إِلَيْنَا»، «فَقِيرًا» کو «زَيْدًا» سے حال بنائیں۔ توجہ ہے؟ اور «لَيْتَ» سے «أَتَمَنَّى» کا فعل سمجھ میں آرہا ہے، تو تقدیرِ عبارت گویا یہ ہو گئی: «أَتَمَنَّى زَيْدًا فَقِيرًا رَاجِعًا إِلَيْنَا» کہ میں تمنا کرتا ہوں زید کے بارے میں اس حال میں کہ وہ فقیر ہے، یعنی زید کے فقیر ہونے کی حالت میں میں تمنا کر رہا ہوں «رَاجِعٌ إِلَيْنَا» کہ کاش وہ ہمارے پاس آجائے۔ اور اگر آپ «فَقِيرًا» کو «رَاجِعٌ» کے ساتھ جوڑیں گے اور اس کے اندر جو «هُوَ» ضمیر ہے اس سے حال بنائیں گے، تو پھر اس صورت کے اندر معنیٰ خراب ہو جائے گا۔ معنیٰ کیا ہوگا؟ دیکھو: «أَتَمَنَّى زَيْدًا» میں زید کے بارے میں تمنا کرتا ہوں کہ «رَاجِعًا إِلَيْنَا حَالَ كَوْنِهِ فَقِيرًا» کہ کاش وہ ہمارے پاس فقیر ہو کر آجائے۔ کاش ہمارے پاس وہ فقیر ہو کر آجائے، فقیر ہونے کی حالت میں آجائے! تو دیکھو معنیٰ ہی بالکل بدل گیا، خراب ہو گیا معنیٰ۔ تو لہٰذا یہاں پر معنائے فعل ہی کو عامل بنائیں گے حال کے اندر۔ بات سمجھ میں آگئی۔

جی، اب آئیے آج کے سبق پر دیکھیے بھائی: «وَشَرْطُهَا أَيْ شَرْطُ الْحَالِ أَنْ تَكُونَ نَكِرَةً لِأَنَّ النَّكِرَةَ أَصْلٌ وَالْغَرَضُ وَهُوَ تَقْيِيدُ الْحَدَثِ الْمَنْسُوبِ إِلَى صَاحِبِهَا يَحْصُلُ بِهَا وَالتَّعْرِيفُ زَائِدٌ عَلَى الْغَرَضِ وَأَنْ يَكُونَ صَاحِبُهَا مَعْرِفَةً لِأَنَّهُ مَحْكُومٌ عَلَيْهِ فِي الْمَعْنَى فَكَانَ الْأَصْلُ فِيهِ التَّعْرِيفَ غَالِبًا»۔

اب حال کی شرط بیان کریں گے بھائی، شرط بیان کریں گے۔ بھائی دیکھیے پہلے متن متن دیکھیے: «وَشَرْطُهَا أَنْ تَكُونَ نَكِرَةً»۔ «شَرْطُهَا» کی «هَا» ضمیر راجع ہے حال کو بھائی۔ میں نے آپ کو بتلایا تھا کہ حال عربی زبان میں مذکر بھی استعمال ہوتا ہے اور مؤنث بھی، لیکن زیادہ استعمال اس کا مؤنث ہے۔ چنانچہ صاحبِ کافیہ نے مؤنثاتِ سماعیہ کو اپنے اشعار کے اندر جمع فرمایا ہے، اور عموماً جو کافیہ کے نسخے چھپتے ہیں ان کے آخر میں وہ اشعار آپ کو مل جائیں گے۔ تو اس کے اندر انہوں نے مؤنثاتِ سماعیہ کو جمع فرمایا ہے اور اس کے اندر وہ فرماتے ہیں کہ یہ مؤنثاتِ سماعیہ دو قسم کے ہیں: کچھ وہ ہیں جو ہمیشہ مؤنث ہی عرب استعمال کرتے ہیں، اور کچھ ایسے ہیں جن کے اندر متکلم کو اختیار ہے، وہ مذکر استعمال کرنا چاہے تو مذکر بھی کر سکتا ہے اور مؤنث استعمال کرنا چاہے تو مؤنث بھی استعمال کر سکتا ہے، کیونکہ عرب نے ان کو دونوں طرح استعمال کیا ہے۔ تو حال بھی ان میں سے ہے جن کے بارے میں وہ لکھتے ہیں کہ آپ کو اس میں اختیار ہے، آپ اس کو مذکر کے طور پر بھی استعمال کر سکتے ہیں اور مؤنث کے طور پر بھی۔ لیکن بہرحال اس کا زیادہ استعمال مؤنث کے طور پر ہے، اسی لیے «شَرْطُهَا» «هَا» ضمیر واحد مؤنث کی راجع کی حال کی طرف۔

تو کہتے ہیں: «وَشَرْطُهَا أَنْ تَكُونَ نَكِرَةً»۔ متن متن دیکھیے، حال کی شرط یہ ہے «أَنْ تَكُونَ نَكِرَةً» کہ وہ نکرہ ہو بھائی۔ حال کی شرط کیا ہے؟ کہ وہ نکرہ ہو بھائی، نکرہ ہو۔ وجہ کیا؟ وجہ اس کی آپ کو آگے بتلائیں گے صاحبِ جامی۔ وجہ یہ ہے کہ یہ جو حال ہے اس کو لانے کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ وہ فعل جس کی نسبت ذوالحال کی طرف کی جا رہی ہے اس کو مقید کرنا مقصد ہوتا ہے۔ مثلاً میں نے کہا «جَاءَنِي زَيْدٌ» زید میرے پاس آیا، تو دیکھو میں نے زید کی طرف مجیئت کی نسبت کی ہے، آنے کی نسبت کی ہے۔ لیکن یہ زید کا آنا عام ہے، اس کے ساتھ کوئی قید نہیں۔ اگر وہ گاڑی پر آیا ہو میں تب بھی کہہ سکتا ہوں «جَاءَنِي زَيْدٌ»، اگر وہ گھوڑے پر سوار ہو کر آیا ہو میں تب بھی کہہ سکتا ہوں «جَاءَنِي زَيْدٌ»، اور اگر وہ پیدل آیا ہو میں پھر بھی کہہ سکتا ہوں «جَاءَنِي زَيْدٌ»، کیونکہ میں مجیئت کا اسناد زید کی طرف کر رہا ہوں اور وہ مجیئت مطلق ہے۔ تو حال لانے کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ یہ فعل جس کی نسبت فاعل یا مفعول بہ کی طرف کی جا رہی ہے آپ اس کو مقید کرنا چاہتے ہیں۔ چنانچہ میں یہاں «رَاكِبًا» حال لے کر آتا ہوں: «جَاءَنِي زَيْدٌ رَاكِبًا» آیا میرے پاس زید سوار ہو کر۔ تو یہ حال آیا اور یاد رکھو یہ حال جو ہے یہ قید ہوتا ہے عاملِ ذوالحال کے لیے۔ میں نے آپ کو بتلایا تھا حال اور ذوالحال کا عامل ایک ہوتا ہے۔ «جَاءَنِي زَيْدٌ رَاكِبًا» ذوالحال کون؟ «زَيْدٌ»، اور حال کیا ہے؟ «رَاكِبًا»، اور جو چیز ذوالحال میں عامل وہ کیا ہے؟ «جَاءَ»۔ «جَاءَ» فعل عامل ہے «زَيْدٌ» کے اندر، تو وہی «جَاءَ» عامل ہے «رَاكِبًا» کے اندر بھی۔ تو یہ «رَاكِبًا» اپنے عامل کے لیے یا یوں کہو ذوالحال کے عامل کے لیے قید ہے۔ یوں کہو حال قید ہوتا ہے عاملِ ذوالحال کے لیے۔ اب معنیٰ کیا ہے؟ «جَاءَنِي زَيْدٌ رَاكِبًا» زید میرے پاس سوار ہو کر آیا۔ دیکھو میں نے اس کی مجیئت کو مقید کر دیا سواری کے ساتھ، معلوم ہوا زید کا آنا، زید کی جو مجیئت تھی وہ مطلق نہیں تھی، وہ سواری کی حالت میں تھی۔ کس حالت میں؟ سواری کی حالت میں تھی، یعنی اگر زید پیدل آیا ہے پھر

میں یوں نہیں کہہ سکتا «جَاءَنِي زَيْدٌ رَاكِبًا» کیونکہ اس کے اندر تو مجیئت کو مقید کیا گیا ہے سواری کے ساتھ۔

تو حال لانے کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ آپ اس فعل کو مقید کرنا چاہتے ہیں جس کی نسبت فاعل یا مفعول بہ کی طرف ہو رہی ہے، اور یہ مقصد نکرہ کے ذریعے پورا ہو جاتا ہے۔ کیونکہ نکرہ اصل ہے اور معرفہ اس کی فرع ہے۔ پہلے ایک لفظ نکرہ ہوتا ہے پھر آپ اس کو معرفہ بناتے ہیں۔ جیسے «غُلَامٌ»، «غُلَامٌ» نکرہ ہے پھر آپ اس پر الف لام لاتے ہیں «اَلْغُلَامُ» تو یہ معرفہ بن گیا۔ مثلاً آپ اس کو بتدا بنانا چاہتے ہیں یا کسی معین غلام کا ارادہ کرنا چاہتے ہیں تو پھر آپ اس کو معرفہ بناتے ہیں، الف لام لے آتے ہیں، یا پھر آپ اس کی اضافت کر دیتے ہیں معرفہ کی طرف «غُلَامُ زَيْدٍ»، تو الف لام سے بھی غلام کا لفظ معرفہ بن گیا اور اضافت سے بھی معرفہ بن گیا۔ صورت سمجھ میں آ رہی ہے؟ تو اصل کیا ہے؟ نکرہ، اور معرفہ اس کی فرع ہے۔ معرفہ اس کی فرع ہے تو اصل ہے نکرہ۔ تو یہاں اصل کے ذریعے ضرورت پوری ہو جاتی ہے تو فرع کو لانے کی کوئی حاجت نہیں۔ آپ کیا کرنا چاہتے ہیں؟ اس فعل کو مقید کرنا چاہتے ہیں، تو نکرہ کے ذریعے وہ فعل مقید ہو جائے گا، آپ کی ضرورت پوری ہو جائے گی۔ تو اگر آپ معرفہ لائیں گے تو وہ تعریف تو ضائع چلی جائے گی۔ «جَاءَنِي زَيْدٌ رَاكِبًا» یہ «رَاكِبًا» میں حال کو نکرہ لے کر آیا اور اس سے وہ مجیئت مقید ہو گئی، پتہ چل گیا وہ مجیئت کس حالت میں ہوئی ہے؟ سواری کی حالت میں ہوئی ہے۔ تو اب یہاں پر تعریف لانا یعنی الف لام اگر مثلاً آپ لے آتے ہیں، اب مثلاً آپ یوں کہتے ہیں: «جَاءَنِي زَيْدٌ الرَّاكِبَ» الف لام کے ساتھ لے آتے ہیں، بھائی آپ کا مقصد کیا تھا؟ آپ نے مجیئت کو مقید کرنا تھا، تو مجیئت تو نکرہ کے ساتھ بھی مقید ہو سکتی تھی، تو پھر یہ جو الف لام آپ لے کر آئے یہ ضائع چلا گیا، یہ تو بیکار ہو گیا، اس کے لانے کا کوئی مقصد ہی نہیں ہے۔ تو حال ہمیشہ کیا ہوگا؟ نکرہ ہوگا، کیونکہ اس کے ذریعے مقصود اس فعل کو مقید کرنا ہے جس کی نسبت فاعل یا مفعول بہ کی طرف کی جا رہی ہے، اور وہ مقصد اور وہ غرض نکرہ کے ذریعے پورا ہو جاتا ہے، تو معرفہ لانا بیکار ہو جائے گا، اس لیے معرفہ حال کبھی نہیں آتا بلکہ ہمیشہ نکرہ آئے گا، یہ شرط ہے۔

تو کہتے ہیں: «وَشَرْطُهَا أَنْ تَكُونَ نَكِرَةً» اور حال کی شرط یہ ہے کہ وہ نکرہ ہوگا۔ «وَصَاحِبُهَا مَعْرِفَةً»۔ «صَاحِبُهَا أَيْ صَاحِبُ الْحَالِ» اور صاحبِ حال یعنی ذوالحال جو ہے وہ معرفہ ہوگا۔ یہ دوسری شرط آ گئی۔ پہلی شرط کیا؟ حال کی پہلی شرط یہ ہے کہ وہ نکرہ ہوگا، اور حال کی دوسری شرط یہ ہے کہ اس کا ذوالحال معرفہ ہوگا۔ بھائی کیا وجہ ہے ذوالحال معرفہ کیوں ہونا چاہیے؟ تو یاد رکھیے آپ کو بتلائیں گے کہ یہ جو ذوالحال ہے یہ ہے بتدا کے درجے میں، اور یہ جو آگے حال آتا ہے یہ اس کے لیے خبر کے درجے میں ہوتا ہے۔ «جَاءَنِي زَيْدٌ رَاكِبًا»، تو یہ «زَيْدٌ» یہ جو ذوالحال ہے یہ ہے بتدا کے درجے میں، اور آگے «رَاكِبًا» جو حال آ رہا ہے یہ اس کے لیے خبر کے درجے میں ہے۔ میں زید کے بارے میں خبر دے رہا ہوں کہ اس کی مجیئت کس حالت میں تھی؟ سواری کی حالت میں تھی، تو یہ «رَاكِبًا» جو حال ہے یہ ذوالحال کے لیے خبر کے درجے میں ہے۔ تو ذرا ان کو بتدا خبر بنا دو، زید جو ذوالحال ہے اس کو بنا دو بتدا، اور «رَاكِبًا» جو حال تھا اس کو خبر بنا دو، اور خبر کیا ہوتی ہے؟ مرفوع، تو «زَيْدٌ

رَاكِبٌ»۔ تو یہ جو حال ہوتا ہے یہ ذوالحال کے لیے خبر کے درجے میں ہے، خبر تو نہیں ہے کیونکہ خبر تو مرفوع ہوتی ہے، ہاں یہ خبر ہی کے درجے میں ہے اور ذوالحال مبتدا کے درجے میں ہے، اور آپ نے مبتدا کی بحث میں پڑھا تھا کہ مبتدا کے اندر اصل ہے کہ وہ معرفہ ہونا چاہیے۔ مبتدا میں اصل یہ ہے کہ معرفہ ہونا چاہیے اور کبھی کبھار مبتدا نکرہ بھی آجاتا ہے لیکن اس نکرہ کے اندر پھر تخصیص ہونی چاہیے۔ تو یہاں پر بھی چونکہ یہ ذوالحال جو ہے یہ محکومٌ علیہ یعنی مبتدا کے درجے میں ہے، محکومٌ علیہ جس پر حکم لگایا جائے۔ «زَيْدٌ رَاكِبٌ»، زید جو ہے یہ محکومٌ علیہ ہے، یعنی اس پر حکم لگایا گیا ہے کس چیز کا حکم؟ راکب ہونے کا۔ تو مبتدا کیا ہوتا ہے؟ محکومٌ علیہ، اس پر حکم لگایا جاتا ہے۔ تو ذوالحال بھی مبتدا کے درجے میں ہے اور مبتدا میں اصل کیا ہے؟ وہ کیا ہونا چاہیے؟ معرفہ ہونا چاہیے۔ تو لہٰذا اسی لیے انہوں نے کہا ذوالحال بھی معرفہ ہوگا۔

تو کہتے ہیں: «وَصَاحِبُهَا مَعْرِفَةً»۔ دیکھو یاد رکھو، یہ «صَاحِبُهَا» یہ ہے مرفوع اور «مَعْرِفَةً» یہ ہے منصوب۔ یہ پیچھے جو آیا نا «أَنْ تَكُونَ نَكِرَةً»، ترکیب سمجھ لو بھائی: «أَنْ تَكُونَ نَكِرَةً»۔ «أَنْ تَكُونَ» یہ «تَكُونَ» فعل از افعالِ ناقصہ ہے اور اس کے اندر «هِيَ» ضمیر ہے وہ حال کو راجع، «أَنْ تَكُونَ» کہ وہ حال ہو۔ کیا ہو؟ «نَكِرَةً»، نکرہ ہو۔ یہ «نَكِرَةً» «كَانَ» کی خبر ہے اور «كَانَ» کی خبر منصوب ہوتی ہے۔

تو لہٰذا یہاں پر یہ «صَاحِبُهَا» اس کا عطف ہے «أَنْ تَكُونَ» کے اندر جو «هِيَ» ضمیر ہے، اور وہ ضمیر «كَانَ» کا اسم ہے، مرفوع ہے، تو «صَاحِبُهَا» جو ہے معطوف وہ بھی کیا ہے؟ مرفوع۔ اور «نَكِرَةً» یہ منصوب ہے، یہ «تَكُونُ» کی خبر ہے، تو «مَعْرِفَةً» اس کا عطف بھی اسی پر تو یہ بھی منصوب ہے۔ «صَاحِبُهَا» کا عطف کس پر ہے؟ «أَنْ تَكُونَ» کے اندر «هِيَ» ضمیر پر ہے، اور وہ «هِيَ» ضمیر تو مرفوع متصل ہے، اور ضمیرِ مرفوع متصل پر عطف کے لیے شرط ہے کہ اس کی تاکید لائی جائے مرفوع منفصل کے ساتھ یا فصل ہونا چاہیے وہاں پر، اور یہاں فصل ہے کہ «أَنْ تَكُونَ» کے بعد «نَكِرَةً» آرہا ہے، اس کے بعد «وَصَاحِبُهَا» ہے، تو فصل آگیا لہٰذا یہ عطف جائز۔ تو معلوم ہوا یہ «صَاحِبُهَا مَعْرِفَةً» اس کا عطف «أَنْ تَكُونَ نَكِرَةً» پر ہے، اور «أَنْ تَكُونَ نَكِرَةً» یہ خبر ہے «شَرْطُهَا» کی۔ «شَرْطُهَا» ہے مبتدا، اور «أَنْ تَكُونَ نَكِرَةً» ہے اس کی خبر، اور اسی پر عطف ہے «صَاحِبُهَا مَعْرِفَةً» کا تو یہ بھی شرط ہو گئی۔

یہ بھی شرط، ترکیب توجہ سے سمجھ لیں، یہاں بڑا پیچیدہ اعتراض ہوگا، ترکیب سمجھ میں آئے گی تو پھر اعتراض بھی آپ کو سمجھ میں آئے گا اور اس کا جواب بھی۔ تو معلوم ہوا یہ «صَاحِبُهَا مَعْرِفَةً» اس کا عطف کس پر ہے؟ «أَنْ تَكُونَ نَكِرَةً» جو ہے اس کے اسم اور خبر پر اس کا عطف ہے۔ اور «أَنْ تَكُونَ نَكِرَةً» وہ تو «شَرْطُهَا» کی خبر ہے۔ معلوم ہوا «صَاحِبُهَا مَعْرِفَةً» یہ بھی کیا ہے؟ یہ بھی «شَرْطُهَا» مبتدا کے لیے خبر ہے۔ تو گویا یہاں دو شرطیں ذکر ہو گئیں: ایک شرط کیا؟ «شَرْطُهَا أَنْ تَكُونَ نَكِرَةً»۔ «شَرْطُهَا» حال کی ایک شرط یہ ہے «أَنْ تَكُونَ نَكِرَةً» کہ حال نکرہ ہوگا۔ حال نکرہ ہوگا۔ اور دوسری شرط کیا ہے؟ «وَصَاحِبُهَا مَعْرِفَةً»، حال کی دوسری شرط یہ ہے کہ ذوالحال معرفہ ہوگا۔

جی، اب اس سارے کو شرح کے ساتھ دیکھیے۔ کہتے ہیں: «وَشَرْطُهَا أَيْ شَرْطُ الْحَالِ أَنْ تَكُونَ نَكِرَةً» حال کی شرط یہ ہے کہ وہ نکرہ ہو۔ «لِأَنَّ النَّكِرَةَ أَصْلٌ» اس لیے کیونکہ نکرہ اصل ہے۔ نکرہ اصل ہے اور معرفہ اس کی فرع ہے، اور یہاں اصل کے ذریعے جب ضرورت پوری ہو جاتی ہے، کیونکہ مقصد کیا ہے؟ اس فعل کو مقید کرنا ہے، اور اس فعل کو نکرہ کے ذریعے جب مقید کیا جا سکتا ہے، اس سے ضرورت پوری ہو گئی تو پھر فرع کی طرف جانے کی کوئی حاجت نہیں۔ تو کہتے ہیں: «لِأَنَّ النَّكِرَةَ أَصْلٌ» اس لیے کیونکہ نکرہ اصل ہے، «وَالْغَرَضُ وَهُوَ تَقْيِيدُ الْحَدَثِ الْمَنْسُوبِ إِلَى صَاحِبِهَا» اور غرض جو ہے «وَهُوَ تَقْيِيدُ الْحَدَثِ» وہ مقید کرنا ہے اس حدث کو «الْمَنْسُوبِ إِلَى صَاحِبِهَا» جس کی نسبت کی جا رہی ہے ذوالحال کی طرف، «يَحْصُلُ بِهَا» یہ ہے غرض کی خبر۔ بھائی پیچھے ترکیب دیکھیے: «وَالْغَرَضُ» یہ ہے مبتدا، اور آخر میں آ رہا ہے «يَحْصُلُ بِهَا أَيْ بِالنَّكِرَةِ» اور غرض جو ہے حاصل ہو جاتی ہے «بِالنَّكِرَةِ» نکرہ کے ذریعے۔ نکرہ اصل ہے، اور یہاں پر غرض جو ہے وہ نکرہ کے ذریعے حاصل ہو جاتی ہے، تو کلام کیا بن گیا؟ «وَالْغَرَضُ يَحْصُلُ بِهَا» اور یہ جو غرض اور یہ جو مقصد ہے یہ نکرہ کے ذریعے حاصل ہو جاتا ہے۔ درمیان میں ذکر کر دیا کہ وہ غرض ہے کیا، کیونکہ پیچھے تو نہیں بیان کیا تھا۔ تو درمیان میں ذکر کیا غرض کیا ہے؟ «وَهُوَ تَقْيِيدُ الْحَدَثِ الْمَنْسُوبِ إِلَى صَاحِبِهَا» اور وہ مقید کرنا ہے اس حدث کو جس کی نسبت کی جا رہی ہے «إِلَى صَاحِبِهَا» اس ذوالحال کی طرف، اس ذوالحال کی طرف۔ یاد رکھو، یہ ہے جملہ معترضہ۔

جملہ معترضہ تو آپ جانتے ہوں گے لیکن پھر بھی میں ذکر کر دیتا ہوں۔ یاد رکھو جملہ معترضہ اسے کہتے ہیں جو دو متلازمین کے درمیان واقع ہو۔ جیسے مبتدا اور خبر دونوں ایک دوسرے کے ساتھ لازم ہیں، مبتدا کے لیے خبر چاہیے اور خبر کے لیے مبتدا چاہیے، تو یہاں دیکھو «وَالْغَرَضُ» یہ ہے مبتدا اور «يَحْصُلُ بِهَا» یہ ہے خبر، ان دونوں کے درمیان کوئی جملہ لایا جائے اس کو کیا کہتے ہیں؟ جملہ معترضہ، یعنی یہ جو بیچ میں آ گیا ان دونوں کے۔ اور یاد رکھو جملہ معترضہ ایسا ہوتا ہے کہ اگر اس کو نکال بھی دیں تو کلام پر کوئی اثر نہیں پڑتا، اگر کلام صرف یوں ہوتا: «وَالْغَرَضُ يَحْصُلُ بِهَا» اور غرض اس نکرہ کے ذریعے حاصل ہو جاتی ہے۔ تو درمیان میں ایک جملہ لایا جاتا ہے کلام کی مزید وضاحت کے لیے، اس کو کیا کہتے ہیں؟ جملہ معترضہ۔ کس کے درمیان لاتے ہیں؟ دو متلازم چیزوں کے درمیان، جیسے مبتدا خبر ایک دوسرے کے ساتھ لازم ہیں، تو ان کے درمیان اگر کوئی جملہ لے آئیں تو وہ ہے جملہ معترضہ۔ جیسے آپ کہتے ہیں: «عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالَى عَنْهُ كَانَ خَلِيفَةَ الْمُسْلِمِينَ» حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو تھے وہ خلیفۃ المسلمین تھے۔ اب دیکھو یہاں «عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ» یہ ہے مبتدا، اور «كَانَ خَلِيفَةَ الْمُسْلِمِينَ» یہ خبر ہے، اور درمیان میں «رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ» ان کے لیے دعا آ گئی۔ تو اس کو کیا کہیں گے؟ جملہ معترضہ کہیں گے۔ تو مبتدا خبر کے درمیان کوئی جملہ آ جائے، کسی بھی قسم کا جملہ وہ جملہ معترضہ ہے۔ موصوف صفت ایک دوسرے کے ساتھ لازم ہیں، ان کے درمیان آ جائے تو یہ بھی جملہ معترضہ ہے۔ قسم جوابِ قسم ایک دوسرے کے لیے لازم ہیں، ان کے درمیان کوئی جملہ آ جائے تو وہ بھی جملہ معترضہ ہے۔ تو بہرحال دو ایسی چیزیں جو ایک دوسرے کے ساتھ باہم لازم

ہوں ان کے درمیان کوئی بھی جملہ آ جائے چاہے دعا ہو یا کلام کی وضاحت کے وغیرہ کے لیے ہو اس کو جملہ معترضہ کہتے ہیں، اور اس کو نکال بھی دیا جائے تو کلام کے معنیٰ پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ تو یہاں پر بھی «وَهُوَ تَقْيِيدُ الْحَدَثِ الْمَنْسُوبِ إِلَى صَاحِبِهَا» یہ جملہ معترضہ ہے جو مبتدا خبر کے درمیان آیا۔

اچھا، تو غرض کیا ہے؟ کہتے ہیں: «وَالْغَرَضُ وَهُوَ تَقْيِيدُ الْحَدَثِ» وہ اس حدث کو یعنی اس فعل کو مقید کرنا ہے «الْمَنْسُوبِ إِلَى صَاحِبِهَا» جس کی نسبت کی جا رہی ہے «إِلَى صَاحِبِهَا أَيْ إِلَى صَاحِبِ الْحَالِ» یعنی ذوالحال کی طرف۔ بھائی یہاں حدث کا لفظ آیا، یہ لفظ پہلے بھی گزر چکا ہے، یہ تفصیل پہلے بھی میں بیان کر چکا ہوں مفعول لہ وغیرہ کے اندر بھائی، تو پھر بھی بہرحال پھر سمجھ لیں۔ حدث کہتے ہیں وہ معنیٰ جو غیر کی صفت ہو۔ حدث ایک معنیٰ کا نام ہے، اس کا خارج میں کوئی وجود نہیں، یہ کسی کی صفت ہوتا ہے، یعنی جس کو ہم مصدر کہتے ہیں۔ مصدر کا خارج میں کوئی وجود نہیں، یہ کسی کی صفت ہوتا ہے۔ مثلاً میں نے کسی کو ضرب لگائی، تو یہ ضرب میری صفت ہو گئی۔ تو کیا کہیں گے؟ یہ حدث میری صفت ہے۔ ہاں، اس حدث کو ہم کہتے پھر مصدر ہیں یعنی اس کا نام مصدر ہے۔ آپ نے پانی پیا تو شرب آپ کی صفت ہو گئی۔ کیا شرب؟ یہ جو لفظِ شرب میں بول رہا ہوں یہ آپ کی صفت ہے یا وہ معنائے شرب آپ کی صفت ہے؟ معنائے شرب آپ کی صفت ہے، یہ لفظِ شرب آپ کی صفت نہیں، یہ تو میں نے زبان سے بولا ہے یہ تو میری صفت ہے۔ اسی طرح آپ نے ضرب لگائی، تو ضرب آپ کی صفت ہو گئی۔ کون سی ضرب؟ یہ جو میں زبان سے ضرب بول رہا ہوں یا وہ جو معنیٰ جو آپ کی صفت بنا ہے وہ مراد ہے؟ وہ جو معنیٰ آپ کی صفت بنا وہ ہے حدث بھائی، اور اس کو کہتے مصدر ہیں یعنی اس کا نام مصدر ہے۔ جیسے ایک اسم ہوتا ہے ایک مسمّٰی: زید اسم ہے، اور وہ جو شخص جس کا نام زید ہے وہ ہے مسمّٰی، تو زید بول کر وہ مسمّٰی مراد لیا جاتا ہے۔ تو یہاں پر بھی ایک ہے مصدر اور ایک ہے حدث: مصدر تو اس لفظ کا نام ہے، اور حدث اس آدمی کی صفت ہے، تو اس حدث کا نام مصدر ہے، اس کو ہم کیا کہتے ہیں؟ مصدر کہتے ہیں۔ آپ نے ضرب لگائی، تو ضرب وہ آپ کی صفت ہے اور ضرب کیا ہے؟ معنیٰ۔ تو وہ معنیٰ آپ کی صفت ہے لیکن ہم اس کو تعبیر کس سے کرتے ہیں؟ ضرب کے لفظ سے، اور یہ ضرب کا لفظ کیا ہے؟ مصدر ہے۔ تو جب فعل کی کسی کی طرف نسبت کی جاتی ہے تو بتلانا یہ مقصد ہوتا ہے کہ یہ حدث اس کی صفت ہے، یعنی وہ مصدر اس کی صفت ہے۔ بات سمجھ میں آ گئی؟ تو حقیقت میں مصدر نہیں صفت، مصدر تو یہ ہے جو میں زبان سے بول رہا ہوں، تو مصدر سے یعنی اسم بول کر مسمّٰی مراد ہے، مصدر بول کر وہ حدث مراد ہے۔

تو یہی ذکر کر رہے ہیں، کہتے ہیں: «وَالْغَرَضُ وَهُوَ تَقْيِيدُ الْحَدَثِ الْمَنْسُوبِ إِلَى صَاحِبِهَا» اور غرض جو ہے اور وہ مقید کرنا ہے اس حدث کو جس کی نسبت کی جا رہی ہے ذوالحال کی طرف، تو وہ غرض جو ہے «يَحْصُلُ بِهَا» وہ اس نکرہ کے ذریعے حاصل ہو جاتی ہے۔ «وَالتَّعْرِيفُ زَائِدٌ عَلَى الْغَرَضِ» اور تعریف جو ہے وہ تو غرض پر زائد ہے، تو اگر آپ حال کو معرفہ لے آئیں گے تو پھر وہ تعریف ضائع چلی جائے گی، بیکار ہو جائے گی، تو لہٰذا حال ہمیشہ نکرہ ہوگا۔

آگے دیکھیے: «وَأَنْ يَكُونَ صَاحِبُهَا مَعْرِفَةً»۔ دیکھو متن میں تھا «وَصَاحِبُهَا مَعْرِفَةً»، صاحبِ جامی نے درمیان میں «أَنْ يَكُونَ» نکالا: «وَأَنْ يَكُونَ صَاحِبُهَا مَعْرِفَةً»۔ بتلانا یہ چاہتے ہیں کہ یہ «صَاحِبُهَا مَعْرِفَةً» کا عطف «أَنْ تَكُونَ نَكِرَةً» پر ہے اور جیسے وہ خبر ہے «شَرْطُهَا» مبتدا کی، یہ بھی خبر ہے اسی مبتدا «شَرْطُهَا» کی۔ تو یہ دوسری شرط آگئی: ایک شرط کیا؟ حال کی ایک شرط یہ ہے کہ وہ نکرہ ہو۔ دوسری شرط کیا؟ کہ ذوالحال معرفہ ہو، ذوالحال معرفہ ہو۔ تو کہتے ہیں: «وَأَنْ يَكُونَ صَاحِبُهَا مَعْرِفَةً» اور حال کی ایک شرط یہ ہے کہ ذوالحال معرفہ ہو۔ بھائی کیوں؟ معرفہ کیوں ہونا چاہیے؟ کہتے ہیں: «لِأَنَّهُ مَحْكُومٌ عَلَيْهِ فِي الْمَعْنَى» اس لیے کیونکہ ذوالحال جو ہے معنٰی کے اندر محکومٌ علیہ ہے، یعنی اس پر حال کا حکم لگایا جا رہا ہے۔ تو ذوالحال محکومٌ علیہ ہے، «فَكَانَ الْأَصْلُ فِيهِ التَّعْرِيفَ» تو اصل جو ہے اس کے اندر تعریف ہے یعنی معرفہ ہونا ہے، اس کو معرفہ ہونا چاہیے کیونکہ محکومٌ علیہ یہ وہ ہے جس پر آپ حکم لگا رہے ہیں، یعنی اس کے بارے میں آپ کوئی بات کر رہے ہیں۔ «زَيْدٌ قَائِمٌ» میں قیام کا حکم لگانا چاہتا ہوں کسی پر، تو وہ معرفہ ہونا چاہیے، آپ کو اس کی پہچان ہونی چاہیے بھائی۔ «فَكَانَ الْأَصْلُ فِيهِ التَّعْرِيفَ» تو اصل جو ہے اس کے اندر تعریف ہے۔ تو یہ ذوالحال معنٰی کے اعتبار سے محکومٌ علیہ ہے، اور محکومٌ علیہ کے اندر اصل کیا ہے؟ کہ وہ معرفہ ہونا چاہیے، تو ذوالحال بھی معرفہ ہوگا۔

آگے دیکھیے بھائی: «غَالِبًا»۔ جی یہ متن ہے، اور یہ ہے محلِ اشکال بھائی۔ یہ ہے محلِ اشکال بھائی۔ اشکال یہاں یہ ہوتا ہے کہ پیچھے بتلایا حال کی دو شرطیں ہیں: پہلی شرط کیا تھی کہ حال نکرہ ہو، حال کی دوسری شرط یہ ہے کہ ذوالحال معرفہ ہو۔ تو یہ جو دوسری شرط ہے اس کے ساتھ آگے صاحبِ کافیہ فرما رہے ہیں «غَالِبًا»۔ اب اشکال ہو گیا، اس لیے کیونکہ ماقبل میں کیا کہا؟ «شَرْطُهَا أَنْ يَكُونَ صَاحِبُهَا مَعْرِفَةً» حال کی شرط یہ ہے کہ ذوالحال معرفہ ہو۔ معلوم ہوا ذوالحال کا معرفہ ہونا شرط ہے۔ جب یہ شرط ہے تو معلوم ہوا اس کے خلاف نہیں ہو سکتا، شرط لازم ہوتی ہے۔ تو «شَرْطُهَا» سے کیا پتہ چلا کہ ذوالحال کا معرفہ ہونا لازم ہے اس کے خلاف نہیں ہو سکتا، اور آگے آگیا «غَالِبًا» تو کلام کیا بن گیا؟ «صَاحِبُهَا مَعْرِفَةً غَالِبًا» ذوالحال کا معرفہ ہونا غالب ہے۔ ذوالحال کا معرفہ ہونا غالب ہے۔ غالب کا کیا معنٰی؟ یعنی اکثریہ معرفہ ہوتا ہے کبھی کبھی اس کے خلاف بھی ہو جاتا ہے۔ تو «غَالِبًا» سے پتہ چلا ذوالحال کا معرفہ ہونا لازم نہیں ہے بلکہ غالب ہے، کبھی اس کے خلاف بھی ہو جاتا ہے۔ تو «شَرْطُهَا» سے کیا پتہ چلا کہ ذوالحال کا معرفہ ہونا لازم ہے اس کے خلاف نہیں ہو سکتا، اور «غَالِبًا» سے کیا پتہ چلا اس کے خلاف ہو سکتا ہے؟ یہ تو تناقض آگیا بھائی۔ بات سمجھ میں آگئی؟ پھر دہرائیں: جب یہ کہا کہ ذوالحال کا معرفہ ہونا شرط ہے تو اس سے پتہ چلا کہ اس کے خلاف نہیں ہو سکتا، اور جب آگے کہا کہ ذوالحال کا معرفہ ہونا غالب ہے اس سے کیا پتہ چلا کہ اس کے خلاف ہو سکتا ہے، کبھی ذوالحال نکرہ بھی آسکتا ہے۔ تو یہ تو دونوں میں تعارض آگیا، ٹکراؤ آگیا، ایک وقت میں ایک چیز ہو سکتی ہے دونوں نہیں ہو سکتیں۔ یا تو اس کے خلاف ہو سکے گا یا خلاف نہیں ہو سکے گا، لیکن یہاں دونوں

جمع ہو رہے ہیں۔ «شَرْطُهَا» سے کیا پتہ چلا؟ اس کے خلاف نہیں ہو سکتا، اور «غَالِبًا» سے کیا پتہ چلا؟ اس کے خلاف ہو سکتا ہے، تو دونوں میں ٹکراؤ آگیا تناقض آگیا۔

تو چنانچہ یہاں پر اسی وجہ سے پھر بعض شارحین نے یہاں اور ترکیب کی۔ صاحبِ جامی نے تو کیا کہا کہ اس کو «وَصَاحِبُهَا مَعْرِفَةٌ» اس «مَعْرِفَةٌ» پر نصب پڑھو، اور اس «صَاحِبُهَا مَعْرِفَةٌ» کا عطف کس پر کیا؟ «أَنْ تَكُونَ نَكِرَةً» پر کیا، یعنی یہ بھی شرط کے تحت میں ہے، یہ بھی شرط کی خبر ہے، تو ایک شرط ہے حال کا نکرہ ہونا اور دوسری شرط ہے ذوالحال کا معرفہ ہونا یہ دونوں شرطیں ہیں۔ لیکن بعض علماء نے اسی اشکال کی وجہ سے «صَاحِبُهَا مَعْرِفَةٌ» اس کو شرط نہیں بنایا بلکہ کہا شرط ایک ہی ہے: «وَشَرْطُهَا أَنْ تَكُونَ نَكِرَةً» بس بات ختم ہو گئی، ایک ہی شرط ہے حال کی کہ وہ نکرہ ہونا چاہیے۔ آگے الگ بات کر رہے ہیں صاحبِ کافیہ، کیا فرما رہے ہیں؟ «وَصَاحِبُهَا مَعْرِفَةٌ» اب «مَعْرِفَةٌ» نہ پڑھو، اس کو «كَانَ» کی خبر نہ بناؤ بلکہ «وَصَاحِبُهَا مَعْرِفَةٌ» ان کو آپس میں مبتدا خبر بناؤ۔ اب دیکھو: «وَصَاحِبُهَا مَعْرِفَةٌ غَالِبًا» اور ذوالحال معرفہ ہوتا ہے «غَالِبًا أَيْ زَمَانًا غَالِبًا» یہ ظرف ہے، اکثر زمانوں میں۔ ذوالحال معرفہ ہوتا ہے اکثر زمانوں میں۔ اب بات ٹھیک ہو گئی، مسئلہ حل ہو گیا، کیونکہ شرط کے ساتھ اس کو جوڑا ہی نہیں۔ شرط کے ساتھ جوڑتے تو اس سے پھر شرط سے پتہ چلتا اس کے خلاف نہیں ہو سکتا اور «غَالِبًا» سے پتہ چلتا ہے کہ اس کے خلاف ہو سکتا ہے، پھر تو دونوں میں تعارض آتا۔ لیکن انہوں نے «صَاحِبُهَا مَعْرِفَةٌ» کو الگ جملہ بنایا اور کہا شرط ایک ہی ہے «شَرْطُهَا أَنْ تَكُونَ نَكِرَةً»، «شَرْطُهَا» ہے مبتدا، «أَنْ تَكُونَ نَكِرَةً» ہے اس کی خبر، یہ مبتدا خبر مل کر پورا ایک جملہ ہو گیا، اور اسی جملے پر اگلے پورے جملے

کا عطف ہے «وَصَاحِبُهَا مَعْرِفَةٌ» کہ ذوالحال معرفہ ہوتا ہے غالباً اکثر زمانوں میں، اکثر اوقات میں۔ اب اعتراض ختم ہوا۔

صاحبِ جامی آپ کو بتلائیں گے کہ نہیں بھائی، «صَاحِبُهَا مَعْرِفَةٌ» نہ پڑھو، اس کو مبتدا خبر نہ بناؤ بلکہ ظاہر یہی ہے کہ «صَاحِبُهَا مَعْرِفَةٌ» کا عطف «أَنْ تَكُونَ نَكِرَةً» پر ہے اور جیسے وہ خبر ہے مبتدا کے لیے یعنی «شَرْطُهَا» کے لیے، اسی طرح یہ «صَاحِبُهَا مَعْرِفَةٌ» بھی خبر ہے اس مبتدا کے لیے، یہ بھی شرط ہے یعنی دو شرطیں ہیں۔ ظاہر یہی ہے۔ تو پھر؟ پھر تو اشکال ہوتا ہے۔ آپ اس کو خبر بنا رہے ہیں «شَرْطُهَا» کے لیے، شرط ہونے سے تو پتہ چلا اس کے خلاف نہیں ہو سکتا، اور آگے غالباً اس کے لیے قید بھی آرہی ہے، اس سے تو پتہ چلا کہ ذوالحال کا معرفہ ہونا غالب ہے اس کے خلاف ہو سکتا ہے۔ تو صاحبِ جامی اس کا جواب دیں گے بھائی۔

فرماتے ہیں صاحبِ جامی کہ دیکھیے وہ مادے یا وہ ترکیبیں جن میں حال واقع ہوتا ہے وہ دو قسم کے ہیں: ایک وہ جن میں ذوالحال نکرہ مخصوصہ ہوتا ہے، اور دوسری قسم وہ ہے جس میں ذوالحال نکرہ مخصوصہ کے علاوہ ہوگا۔ پھر دہرائیں: وہ ترکیبیں جن میں حال واقع ہوتا ہے کتنی قسم کی ہو گئیں؟ دو: ایک وہ قسم جس کے اندر ذوالحال نکرہ مخصوصہ واقع ہوتا ہے، اور دوسری قسم وہ ہے کہ جس کے اندر ذوالحال نکرہ مخصوصہ کے علاوہ ہوگا۔

بھائی انہوں نے بتلایا نا آپ کو، توجہ سے سنو، انہوں نے آپ کو بتلایا نا کہ یہ جو ذوالحال ہے یہ محکومٌ علیہ کے درجے میں ہے معنٰی کے اعتبار سے، یعنی یہ مبتدا کے درجے میں ہے، اور حال اس کے لیے خبر کے درجے میں ہے، اور مبتدا کے اندر اصل کیا ہے؟ معرفہ ہونا چاہیے، آپ مبتدا خبر کی بحث میں پڑھ چکے ہیں۔ اور پھر وہاں انہوں نے آپ کو بتلایا تھا کہ کبھی کبھی نکرہ بھی مبتدا بن جاتا ہے، لیکن وہ نکرہ محض نہیں ہونا چاہیے بلکہ اس میں تخصیص ہونی چاہیے، اور تخصیص کے پھر چھ طریقے بیان کیے تھے کہ جس کی وجہ سے نکرہ کے اندر تخصیص آجاتی ہے۔ جیسے دیکھو، ایک تخصیص کا طریقہ یہ ہے کہ نکرہ کی آپ صفت لے آئیں۔ مثلاً میں کہتا ہوں «غُلَامٌ»، یہ غلام کا لفظ دنیا کے اندر جتنے غلام ہیں ان سب پر صادق آتا ہے، تو اس غلام کے اندر ابہام ہے، دنیا کے ہر غلام پر یہ صادق آسکتا ہے، اور اگر میں اس کی صفت لے آؤں «غُلَامٌ مُؤْمِنٌ»، تو اب دیکھو غلام کے اندر تخصیص آگئی۔ تخصیص کہتے ہیں دیگر احتمالات کو ختم کرنا یا کم کرنا۔ دیگر احتمالات کو ختم کرنا یا کم کرنا۔ تو پہلے دیکھو «غُلَامٌ» مثلاً دنیا میں فرض کرو دس لاکھ غلام ہیں، اور ان میں سے صرف ایک لاکھ مؤمن ہیں باقی غیرِ مؤمن ہیں، تو جب میں نے کہا «غُلَامٌ» تو اس غلام میں کتنے احتمال؟ دس لاکھ احتمال، ہر غلام پر یہ صادق آرہا ہے۔ لیکن جب میں صفت لے آیا «غُلَامٌ مُؤْمِنٌ» مؤمن غلام، تو اب یہ صرف مؤمن غلاموں پر صادق آئے گا، اب باقیوں پر صادق نہیں، تو پہلے یہ دس لاکھ پر صادق آرہا تھا اب ایک لاکھ پر صادق آرہا ہے۔ تو معلوم ہوا صفت کی وجہ سے اس میں تخصیص آگئی، اور تخصیص کی وجہ سے یہ معرفہ تو نہیں بنا، معرفہ تو وہ ہوتا ہے جو ایک متعین ذات پر دلالت کرتا ہے، میں نے کہا زید آپ فوراً سمجھ گئے فلاں ساتھی کی بات ہو رہی ہے۔ تو معرفہ کے اندر ابہام نہیں ہوتا، معرفہ ایک متعین ذات پر دلالت کرتا ہے، اور نکرہ کے اندر ابہام ہوتا ہے وہ ہر اس فرد پر صادق آتا ہے جیسے غلام ہر غلام پر صادق آرہا تھا، پھر جب میں اس کی صفت لے آیا تو اس کے اندر احتمالات کم ہو گئے۔ تو یہ معرفہ کے قریب آگیا، جیسے معرفہ کے اندر ابہام نہیں ہوتا وہ ایک متعین ذات پر دلالت کرتا ہے اسی طرح جوں جوں احتمالات کم ہوتے جائیں گے وہ نکرہ معرفہ کے قریب ہوتا چلا جائے گا۔ تو جب غلام کے اندر احتمال کم ہوئے تو یہ معرفہ تو نہ بنا لیکن معرفہ کے قریب ہو گیا، اور قریب الی الشیء فی حکم الشیء ہوتی ہے، جو جس چیز کے قریب ہو وہ اسی کے حکم میں ہوتا ہے، جیسے بادشاہ کا جو سیکرٹری ہے اس کا حکم بھی بادشاہ کی طرح چلتا ہے اور لوگ اس سے ڈرتے ہیں بھائی، کیوں؟ کیونکہ وہ بادشاہ کا قریبی ہے۔ تو لہٰذا تخصیص کسے کہتے ہیں؟ دیگر احتمالات کو کم کرنا یا ختم کرنا۔ تو دیکھو «غُلَامٌ مُؤْمِنٌ» صفت ہم لائے تو غلام کے اندر احتمالات کم ہو گئے۔

تخصیص کا ایک طریقہ یہ بھی ذکر کیا تھا کہ نکرہ تحت النفی واقع ہو جائے۔ نکرہ جب تحت النفی آتا ہے تو یاد رکھو اس میں عموم پیدا ہو جاتا ہے، اور اس کے اندر سے ابہام بالکل ختم ہو جاتا ہے، تو وہ معرفہ جیسا ہی ہو جاتا ہے، معرفہ تو نہیں ہوا لیکن معرفہ جیسا ہی ہو جاتا ہے۔ مثلاً میں آپ سے کہتا ہوں «جَاءَنِي رَجُلٌ»۔ دیکھو یہاں کوئی حرفِ نفی نہیں ہے، «جَاءَنِي

رَجُلٌ»، «رَجُلٌ» نکرہ ہے اور سیاقِ اثبات میں واقع ہو رہا ہے، یہاں کوئی نفی والا حرف نہیں، اور یاد رکھنا نکرہ سیاقِ اثبات میں واقع ہو تو وہ خصوص کا فائدہ دیتا ہے، تو «جَاءَنِي رَجُلٌ» کا کیا معنیٰ ہے؟ میرے پاس ایک آدمی آیا۔ دیکھو خصوص ہے، عموم نہیں ہے۔ «جَاءَنِي رَجُلٌ» یہ دیکھو یہاں کوئی حرفِ نفی نہیں، رجل کے لیے مجیئت کا اثبات ہے، تو نکرہ واقع ہوا سیاقِ اثبات کے اندر یعنی اثبات کے موقع کے اندر نکرہ واقع ہوا اور یہ خصوص کا فائدہ دیتا ہے، تو «جَاءَنِي رَجُلٌ» کا کیا معنیٰ؟ ایک آدمی آیا تھا۔ لیکن اسی پر ذرا حرفِ نفی لے آؤ: «مَا جَاءَنِي رَجُلٌ»۔ اب اس کے اوپر حرفِ نفی داخل ہو گیا، اور نکرہ تحت النفی جب واقع ہو تو وہ عموم کا فائدہ دیتا ہے، وہ کس چیز کا فائدہ دیتا ہے؟ عموم کا فائدہ دیتا ہے۔ اب معنیٰ کیا ہوا؟ «مَا جَاءَنِي رَجُلٌ» میرے پاس کوئی آدمی نہیں آیا۔ پھر غور کرو، پہلے کیا تھا؟ «جَاءَنِي رَجُلٌ» میرے پاس ایک آدمی آیا، دنیا کے ہر رجل پر یہ لفظِ رجل صادق آتا ہے، تو اس رجل میں ابہام ہے، رجل کا ایک فرد پکڑیں ہو سکتا ہے یہ والا ہو وہ رجل، دوسرا فرد پکڑیں ہو سکتا ہے یہ والا ہو، تیسرا فرد پکڑیں ہو سکتا ہے یہ والا آیا ہو، تو اس رجل کے اندر ابہام ہے، یہ ہر ہر رجل پر صادق آ رہا ہے، اب پتہ نہیں وہ آیا جو تھا وہ کون سا رجل ہے؟ تو «جَاءَنِي رَجُلٌ»، نکرہ سیاقِ اثبات میں خصوص کا فائدہ دیتا ہے اور اس کے اندر ابہام ہوتا ہے، پتہ نہیں چلتا کہ کون سا رجل مراد ہے۔ لیکن جب اسی پر حرفِ نفی لے آئیں تو اب یہ استغراق کا فائدہ دیتا ہے، یعنی اپنے تمام افراد کا احاطہ کر لیتا ہے۔ جب میں نے کہا «مَا جَاءَنِي رَجُلٌ» میرے پاس کوئی آدمی نہیں آیا، تو دیکھو میں نے تمام آدمیوں پر عدمِ مجیئت کا حکم لگا دیا۔ تو اب یہاں کوئی ابہام نہیں، کوئی ابہام نہیں۔ پہلے تو تھا رجل کے اندر احتمال تھا پتہ نہیں یہ والا رجل آیا ہے دوسرا آیا ہے تیسرا آیا ہے، لیکن میں نے سارے رجل اکٹھے کیے اور سب پر ایک ہی حکم لگا دیا عدمِ مجیئت والا: «مَا جَاءَنِي رَجُلٌ» میرے پاس کوئی آدمی نہیں آیا۔ تو اب یہاں دیکھو کوئی ابہام نہیں، کوئی ابہام نہیں، بات بالکل واضح ہے۔ کیسے واضح ہے؟ پہلے ابہام تھا پتہ نہیں کون سا رجل مراد ہے، اب کوئی ابہام نہیں کیونکہ ساروں پر حکم لگ رہا ہے، ایک بھی باقی نہیں ہے، ہر رجل پہ میں نے حکم لگا دیا عدمِ مجیئت والا۔ پہلے میں نے مجیئت کا حکم لگایا تھا ایک پہ لگ رہا تھا، کس پہ ہے پتہ نہیں تھا، لیکن اب عدمِ مجیئت کا حکم میں نے تمام رجل پر لگا دیا اب کوئی ابہام نہیں۔ تو یہ جو نکرہ تحت النفی آئے یہ استغراق کا فائدہ دیتا ہے، استغراق کا معنیٰ ہے تمام افراد کا احاطہ کر لینا، تو اس میں بھی تمام افراد کا احاطہ کر کے ان پر حکم لگا دیا گیا عدمِ مجیئت والا، اب یہاں اور کوئی احتمال نہیں یعنی یہ متعین ہو گیا۔ جیسے معرفہ ایک متعین ذات پر دلالت کرتا ہے یہ نکرہ بھی متعین ہو گیا، لیکن بایں لحاظ متعین نہیں کہ یہ ایک ذات پہ دلالت کر رہا ہے، بایں لحاظ متعین ہے کہ اس میں اب اور کوئی احتمال ہی نہیں۔ اس رجل میں اربوں احتمالات تھے پتہ نہیں کون سا رجل مراد ہے، اور یہاں «مَا جَاءَنِي رَجُلٌ» یہاں اور کوئی احتمال نہیں ایک ہی احتمال ہے کہ دنیا کے ہر ہر رجل پر عدمِ مجیئت والا حکم لگ گیا، سب سے مجیئت کی نفی ہو گئی، یوں کہو سارے مجموعے کو، رجل کے افراد کا مجموعہ

بنایا اور سارے مجموعے پر حکم لگا دیا عدمِ مجیئت والا، اب یہاں اور کوئی احتمال نہیں۔ تو نکرہ جب تحت النفی واقع ہو تو اس میں استغراق آجاتا ہے اور پھر وہ عموم کا فائدہ دیتا ہے اور اس کے اندر پھر ابہام باقی نہیں رہتا۔ یہ معنٰی نہیں کہ متعین ہو گئی کوئی چیز، بایں معنٰی ابہام اب اس میں نہیں ہے کہ تمام افراد پر حکم لگ چکا ہے، یہ نہیں ہے کہ پتہ نہیں کس پر لگا ہے اور کس پر نہیں لگا، ایسا نہیں ہے یہاں۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو تخصیص کسے کہتے ہیں؟ دیگر احتمالات کو کم کرنا جیسے «رَجُلٌ مُؤْمِنٌ» صفت ہم لائے تو دیگر احتمالات کم ہو گئے، یا دیگر احتمالات کو بالکل ہی ختم کر دینا جیسے «مَا جَاءَنِي رَجُلٌ» نکرہ جب تحت النفی آئے تو دیگر احتمالات بالکل ختم ہو جاتے ہیں۔ تو یہ تخصیص، تخصیص کے اور بھی طریقے ہیں یہ ایک دو میں نے بتلا دیے آپ کو۔

تو اب آپ کو بتلائیں گے، صاحبِ جامی کا جواب میں ذکر کر رہا تھا وہ اس کا جواب دیتے ہیں بھائی۔ صاحبِ جامی فرماتے ہیں کہ وہ مادے جن کے اندر حال واقع ہوتا ہے، یعنی یوں کہو وہ ترکیبیں جن میں حال آتا ہے، ان میں حال کبھی کبھار نکرہ مخصوصہ ہوگا، یعنی ایسا نکرہ ہوگا جس میں تخصیص آئے گی: مثلاً اس کی صفت آئی ہوگی، یا مثلاً اس کے اوپر حرفِ نفی داخل ہوا ہوگا، لیکن ہوگا نکرہ مخصوصہ ہی۔ ایک صورت یہ ہے، اور دوسری قسم وہ ہے جس میں ذوالحال نکرہ مخصوصہ کے علاوہ ہوگا۔ تو دو قسمیں بن گئیں بھائی۔ وہ ترکیبیں جن میں حال واقع ہوتا ہے وہ دو قسم کی ہو گئیں: ایک وہ ترکیبیں جن کے اندر ذوالحال نکرہ مخصوصہ واقع ہوتا ہے، اور دوسری وہ ترکیبیں جن کے اندر ذوالحال نکرہ مخصوصہ کے علاوہ ہوگا۔ اور یہ ترکیبیں، یہ جو دوسری قسم ہے یہ غالب ہیں، یعنی اکثر اوقات انہی ترکیبوں کے اندر حال واقع ہوتا ہے۔ جو اس نکرہ مخصوصہ کے علاوہ جو ترکیبیں ہیں ان کے اندر ذوالحال کا معرفہ ہونا شرط ہے، ان کے اندر ذوالحال کا معرفہ ہونا شرط ہے، اور یہ والے مادے اکثر ہیں، غالب ہیں۔ دیکھا اب دونوں باتیں درست ہو گئیں۔ ذوالحال کے معرفہ ہونے کی شرط حال کے تمام مادوں میں نہیں ہے بلکہ حال کے غالب مادوں میں ہے، اس کے اندر شرط ہے کہ ذوالحال معرفہ ہونا چاہیے۔ کیونکہ حال کے مادے کتنی قسم کے ہیں؟ دو قسم کے ہیں: کچھ وہ مادے ہیں جن کے اندر ذوالحال نکرہ مخصوصہ ہوتا ہے اور کچھ اس کے علاوہ ہیں، اور جو اس کے علاوہ مادے ہیں وہ غالب ہیں اور نیز ان کے اندر شرط ہے

کہ ذوالحال کو معرفہ ہونا چاہیے۔ جواب سمجھ میں آگیا؟ کیا جواب ہوا کہ یہ جو غالباً ہے اس کو ذوالحال کے معرفہ ہونے کے لیے قید نہ بناؤ، ورنہ تو پھر اشکال لازم آئے گا۔ کیوں؟ کیونکہ ذوالحال کا معرفہ ہونا، اس کا تعلق شرط سے بھی جڑ رہا ہے اور اس کا تعلق غالباً سے بھی جڑ رہا ہے۔ تو شرط کی طرف دیکھیں تو اس سے پتہ چلا کہ ذوالحال کا معرفہ ہونا شرط ہے، لازم ہے، اس کے خلاف نہیں ہو سکتا، اور ذوالحال کا معرفہ ہونا اس کا تعلق غالباً سے بھی آپ جوڑ رہے ہیں اور غالباً سے کیا پتہ چل رہا ہے کہ لازم نہیں ہے، اس کے خلاف ہو سکتا ہے۔ یہ خرابی کیوں لازم آئی؟ کیونکہ آپ نے غالباً کو کس سے جوڑا؟

ذوالحال کے معرفہ ہونے کے ساتھ۔ تو اس کو ذوالحال کے معرفہ ہونے کے لیے قید نہ بناؤ، بلکہ اس کو ذوالحال کے معرفہ ہونے کی جو شرط ہے اس کے لیے قید بنا دو۔ پھر کیا معنٰی ہوا؟ معنٰی یہ ہو گیا کہ ذوالحال کے معرفہ ہونے کی شرط حال کے تمام مادوں میں نہیں ہے بلکہ غالب مادوں میں ہے۔ جواب سمجھ میں آگیا؟ حل ہو گیا۔

تو یہ معنٰی ہے، کہتے ہیں دیکھیے بھائی: «غَالِبًا أَيْ لَيْسَ اشْتِرَاطُهَا بِكَوْنِ صَاحِبِهَا مَعْرِفَةً فِي جَمِيعِ مَوَادِّهَا بَلْ فِي غَالِبِ مَوَادِّهَا أَيْ أَكْثَرِهَا»۔ بھائی ترکیب سمجھ لیں: «لَيْسَ»، «لَيْسَ» کے بعد «اِشْتِرَاطُهَا» آرہا ہے یہ ہے «لَيْسَ» کا اسم، اسم۔ اور «اِشْتِرَاطُهَا» کی «هَا» ضمیر راجع ہے حال کو۔ اور «بِكَوْنِ صَاحِبِهَا مَعْرِفَةً» یہ جار مجرور مل کر متعلق ہوں گے «اِشْتِرَاط» کے ساتھ، کیونکہ یہ مصدر ہے اور جار مجرور مصدر سے بھی متعلق ہو جاتے ہیں۔ تو «اِشْتِرَاطُهَا بِكَوْنِ صَاحِبِهَا مَعْرِفَةً» یہ سارا مل جل کر یہ «لَيْسَ» کا اسم بنے گا، اور «فِي جَمِيعِ مَوَادِّهَا بَلْ فِي غَالِبِ مَوَادِّهَا» یہ ہے «لَيْسَ» کی خبر۔ توجہ ہے؟

تو اب ترجمہ سنو: «أَيْ لَيْسَ اشْتِرَاطُهَا بِكَوْنِ صَاحِبِهَا مَعْرِفَةً» ذوالحال کے معرفہ ہونے کے ساتھ حال کا مشروط ہونا نہیں ہے «فِي جَمِيعِ مَوَادِّهَا» حال کے تمام مادوں میں، «بَلْ فِي غَالِبِ مَوَادِّهَا أَيْ أَكْثَرِهَا» بلکہ حال کے غالب مادوں میں ہے۔ ترجمہ سمجھ میں آیا؟ «اِشْتِرَاطُهَا» کا ترجمہ میں نے کیا کیا؟ حال کا مشروط ہونا۔ «أَيْ لَيْسَ اشْتِرَاطُهَا بِكَوْنِ صَاحِبِهَا مَعْرِفَةً» ذوالحال کے معرفہ ہونے کے ساتھ حال کا مشروط ہونا۔ بھائی دیکھو نا «شَرْطُهَا» تھا پیچھے، «شَرْطُهَا» کیا معنٰی؟ حال کی یہ شرط ہے کہ ذوالحال کیا ہو؟ معرفہ ہو، تو اسی شرط کو کس معنٰی میں لے لیا؟ اشتراط کے معنٰی میں۔ تو کہتے ہیں پھر سنو: «أَيْ لَيْسَ اشْتِرَاطُهَا بِكَوْنِ صَاحِبِهَا مَعْرِفَةً» یعنی ذوالحال کے معرفہ ہونے کے ساتھ حال کا مشروط ہونا نہیں ہے «فِي جَمِيعِ مَوَادِّهَا» حال کے تمام مادوں میں، «بَلْ فِي غَالِبِ مَوَادِّهَا أَيْ أَكْثَرِهَا» بلکہ یہ شرط حال کے اکثر مادوں میں ہے، یعنی وہ مادے جن کے اندر ذوالحال نکرہ مخصوصہ کے علاوہ ہو ان مادوں میں یہ شرط ہے کہ ذوالحال معرفہ ہونا چاہیے۔

تو دیکھو کتنا مشکل اعتراض تھا صاحبِ جامی نے حل کر دیا۔ «صَاحِبُهَا مَعْرِفَةً» کو شرط کے ساتھ بھی جوڑ دیا اور غالباً کا جو اشکال ہوتا تھا اس کو بھی ختم کر دیا کہ غالباً کو «صَاحِبُهَا مَعْرِفَةً» کے لیے قید نہ بناؤ بلکہ شرط کے لیے قید بناؤ۔ یوں نہ کہو ذوالحال کا معرفہ ہونا غالب ہے، بلکہ یوں کہو ذوالحال کے معرفہ ہونے کی شرط غالب ہے یعنی غالب احوال کے اندر ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو دیکھو کتنا مشکل اور پیچیدہ اعتراض تھا، صاحبِ جامی نے اس کو کیسے بہترین انداز میں حل کر دیا بھائی۔ تو یہ تمام جامی کے اندر اسی طرح کافیہ کے اندر جو بھی مشکل مقامات آتے ہیں صاحبِ جامی ان کو ایسے طریقے سے حل کرتے ہیں کہ انسان حیران رہ جاتا ہے بھائی۔ اور جیسے میں نے بتایا تھا، جامی کے آغاز کے اندر بتلایا تھا، کہ یہ جو اسم جو ہے نا اسم، اسم کی تعریف جس کسی نے بھی کی ہے جس نحوی نے بھی کی ہے اس پر ہر جگہ اشکالات ہوتے ہیں، یعنی آج تک اسم کی کوئی ایسی تعریف نہیں تھی جس پر کوئی اعتراض نہ ہوتے ہوں بھائی۔ حتیٰ کہ امام سیبویہ کے بارے میں آتا ہے کہ وہ اسم کی تعریف جانتے ہی نہیں تھے۔ بعض اوقات ایک چیز بہت ہی ظاہر اور واضح ہوتی ہے تو انسان کے

لیے اس کی تعریف کرنا مشکل ہو جاتا ہے بھائی۔ جیسے دیکھو سورج، سورج عین دوپہر کے وقت سب سے زیادہ روشن اور چمکدار ہوتا ہے، تو اس وقت اس کی طرف دیکھنا ممکن ہی نہیں ہوتا بھائی۔ تو دیکھو جتنی چیز ظاہر ہوتی ہے تو پھر اس کی طرف دیکھنا یا اس کی تعریف کرنا مشکل ہو جاتا ہے۔ چنانچہ امام سیبویہ نے اپنی کتاب کے اندر اسم کی مثال تو ذکر کی ہے، اسم کی تعریف نہیں کی۔ لیکن صاحبِ جامی نے وہاں جہاں اسم کی تعریف آئی تھی، وہاں پر انہوں نے وہ حاصل محصول کی بحث کی اور ایسے زبردست انداز میں سارے اشکالات کو حل کر دیا کہ یعنی تمام علمائے نحو پر ان کا عظیم احسان ہے کہ انہوں نے اسم کی ایسی تعریف کر دی جو تمام اعتراضات سے خالی ہے، نہایت جامع مانع تعریف کر دی اسم کی بھائی۔ تو جگہ جگہ وہ جامی کے اندر بے انتہا پیچیدہ اعتراضات ہوتے ہیں، ان کو وہ بہترین انداز میں حل کر دیتے ہیں۔

اب دیکھو یہاں یہ کتنا پیچیدہ اعتراض تھا: «شَرْطُهَا» سے پتہ چل رہا تھا اس کے خلاف نہیں ہو سکتا اور «غَالِبًا» سے پتہ چل رہا تھا اس کے خلاف ہو سکتا ہے، حتیٰ کہ اور شارحین کو عبارت کو ظاہر سے پھیرنا پڑا۔ ظاہر تو یہی ہے کہ «صَاحِبُهَا مَعْرِفَةً» اس کو کس سے جوڑو؟ «أَنْ تَكُونَ نَكِرَةً» سے جوڑو، ظاہر تو یہی ہے، لیکن اور شارحین کو عبارت کو ظاہر سے پھیرنا پڑا اور کہنا پڑا کہ یہ «صَاحِبُهَا مَعْرِفَةً» نہ پڑھو، اس کو «كَانَ» کی خبر نہ بناؤ بلکہ اس کو مبتدا خبر بنا دو، حالانکہ ظاہر یہی ہے کہ یہ «كَانَ» کی خبر ہیں، تو باقی شارحین کو عبارت کو ظاہر سے پھیرنا پڑا۔ انہوں نے کہا «صَاحِبُهَا مَعْرِفَةً» اس کو شرط نہ بناؤ بلکہ اس کو الگ جملہ بنا دو، شرط بس ایک ہی ہے دو نہیں ہیں۔ لیکن صاحبِ جامی آپ کو بتائیں گے نہیں، شرطیں دونوں شرطیں ہیں۔ بات سمجھ میں آگئی؟

جی آگے دیکھیے: «وَبَيَانُ ذٰلِكَ أَنَّ مَوَادَّ وُقُوعِ الْحَالِ عَلَى قِسْمَيْنِ أَحَدُهُمَا مَا يَكُونُ ذُو الْحَالِ فِيهِ نَكِرَةً مَوْصُوفَةً» اور بیان اس کا یہ ہے کہ حال کے واقع ہونے کے جو مادے ہیں یعنی یوں کہو حال کے واقع ہونے کی جو ترکیبیں ہیں «عَلَى قِسْمَيْنِ» وہ دو قسم پر ہیں: «أَحَدُهُمَا» ان میں سے ایک قسم جو ہے «مَا يَكُونُ ذُو الْحَالِ فِيهِ نَكِرَةً مَوْصُوفَةً» کہ جس کے اندر ذوالحال نکرہ موصوفہ ہو۔ اب آپ کو بتلائیں گے کہ حال کے واقع ہونے کے جو مادے ہیں یعنی حال کے واقع ہونے کی جو ترکیبیں ہیں وہ دو قسم پر ہیں: ایک وہ جن کے اندر ذوالحال نکرہ مخصوصہ ہوگا، نکرہ محض نہیں کیونکہ یہ مبتدا کے درجے میں ہے اور مبتدا یا تو معرفہ ہوتا ہے یا نکرہ مخصوصہ، تو ذوالحال بھی یا تو وہ نکرہ مخصوصہ ہوگا یا معرفہ ہوگا۔ اب نکرہ مخصوصہ کے اندر صاحب جامی پانچ صورتیں بتائیں گے کہ تخصیص کی پانچ صورتیں ہو سکتی ہیں ذوالحال کے اندر، اب وہ بیان کرنے لگے ہیں۔ پھر دیکھیے ترجمہ: «وَبَيَانُ ذٰلِكَ أَنَّ مَوَادَّ وُقُوعِ الْحَالِ عَلَى قِسْمَيْنِ»،بیان اس کا یہ ہے کہ حال کے واقع ہونے کے جو مادے ہیں یعنی حال کے واقع ہونے کی جو ترکیبیں ہیں «عَلَى قِسْمَيْنِ» وہ دو قسم پر ہیں۔ «أَحَدُهُمَا» ان دو قسموں میں سے ایک قسم جو ہے «مَا يَكُونُ ذُو الْحَالِ فِيهِ نَكِرَةً مَوْصُوفَةً» ایک قسم وہ ہے کہ جس کے اندر ذوالحال نکرہ موصوفہ ہو، ذوالحال کیا ہو؟ نکرہ موصوفہ ہو، اور نکرہ کی صفت جب آجائے تو وہ کیا بن جاتا ہے؟ نکرہ مخصوصہ بن جاتا ہے اس میں تخصیص آجاتی

ہے۔

«نَحْوُ» مثال کے طور پر: «جَاءَنِي رَجُلٌ مِنْ بَنِي تَمِيمٍ فَارِسًا»۔ «جَاءَنِي رَجُلٌ» دیکھو «رَجُلٌ» نکرہ ہے اور نکرہ کے بعد «مِنْ بَنِي تَمِيمٍ» یہ جار مجرور آرہا ہے، اور میں نے آپ کو بتلایا تھا کہ نکرہ کے بعد جار مجرور آئے تو وہ عموماً اس کے لیے صفت بنتا ہے، تو یہاں پر بھی «جَاءَنِي رَجُلٌ ثَابِتٌ مِنْ بَنِي تَمِيمٍ» یہ جار مجرور پہلے «ثَابِتٌ» یا «ثَبَتَ» سے متعلق ہوگا اور پھر صفت بنے گا «رَجُلٌ» نکرہ کے لیے، اور موصوف صفت کا ترجمہ کیسے کرتے ہیں؟ موصوف سے پہلے ایسا یا ایسی کا لفظ لاتے ہیں۔ تو معلوم ہوا یہ «رَجُلٌ مِنْ بَنِي تَمِيمٍ» یہ نکرہ مخصوصہ ہوا، اور نکرہ مخصوصہ سے تو حال آسکتا ہے، اسی لیے آگے سے «فَارِسًا» حال آیا، فارس کہتے ہیں گھڑ سوار کو جو گھوڑے پر سوار ہو۔ «جَاءَنِي رَجُلٌ مِنْ بَنِي تَمِيمٍ» آیا میرے پاس ایسا آدمی جو کہ قبیلہ بنو تمیم سے تعلق رکھتا تھا، «فَارِسًا» گھڑ سوار ہو کر، وہ میرے پاس گھڑ سوار ہو کر آیا یعنی گھڑ سواری کرتے ہوئے آیا۔

جی دوسری مثال، تخصیص کی دوسری صورت بتلا رہے ہیں: «أَوْ مُغْنِيَةً غَنَاءَ الْمَعْرِفَةِ لِاسْتِغْرَاقِهَا»۔ بھائی میں نے بتایا نکرہ جو ہے وہ بھی ذوالحال بنتا ہے لیکن اس میں تخصیص آنی چاہیے، وہ نکرہ مخصوصہ ہونا چاہیے۔ ایک صورت کیا ذکر کردی کہ اس کی صفت آئے، دوسری صورت یہ ہے کہ اس نکرہ کے اندر سے ابہام ختم ہو جائے اس کے استغراق کی وجہ سے، جیسے نکرہ تحت النفی جب واقع ہو تو اس میں استغراق آجاتا ہے جس کی وجہ سے اس میں ابہام ختم ہو جاتا ہے۔ جب ابہام ختم ہوا تو وہ کس کی طرح ہو گیا؟ معرفہ کی طرح، یعنی بالکل معرفہ تو نہ بنا لیکن معرفہ جیسا ہی ہو گیا، جیسے معرفہ کے اندر ابہام نہیں ہوتا اس نکرہ مخصوصہ کے اندر بھی ابہام نہیں ہوتا کیونکہ اس میں تمام افراد پر حکم لگا دیا جاتا ہے۔ «أَوْ مُغْنِيَةً» یہ «مُغْنِيَةً» کا عطف ہے پیچھے جو «مَوْصُوفَةً» آیا، اور «مَوْصُوفَةً» صفت تھی نکرہ کی تو یہ «مُغْنِيَةً» یہ بھی صفت ہے نکرہ کی، تو عبارت یوں بن گئی کہ ذوالحال جو ہے نکرہ «مُغْنِيَةً» وہ ایسا نکرہ ہو «مُغْنِيَةً» جو بے پرواہ کر دینے والا ہو، بے نیاز کر دینے والا ہو «غَنَاءَ الْمَعْرِفَةِ» معرفہ کی بے نیازی کی طرح۔ جیسے معرفہ بے نیاز ہوتا ہے وہ متعین ذات پر دلالت کرتا ہے اس میں ابہام نہیں ہوتا، اسی طرح کبھی کبھار نکرہ بھی معرفہ کی طرح بے نیاز کر دینے والا ہوتا ہے، کیوں؟ «لِاسْتِغْرَاقِهَا» اپنے استغراق کی وجہ سے، کیونکہ اس نکرہ میں کیا ہوتا ہے؟ استغراق، وہ اپنے تمام افراد کا احاطہ کر لیتا ہے، تو اس کی وجہ سے اس میں تخصیص آ جاتی ہے۔

جیسے دیکھیے: «نَحْوُ قَوْلِهِ تَعَالَى: فِيهَا يُفْرَقُ كُلُّ أَمْرٍ حَكِيمٍ — أَمْرًا مِنْ عِنْدِنَا»۔ «فِيهَا» «هَا» ضمیر راجع ہے «لَيْلَة» کو، لیلہ رات بھائی رات، اور اس رات سے کیا مراد ہے؟ تو مفسرین حضرات فرماتے ہیں کہ اس سے شبِ قدر مراد ہے، جبکہ بعض فرماتے ہیں اس سے شبِ براءت کی رات مراد ہے یعنی پندرہ شعبان کی رات بھائی، تو ان کی دونوں کے اندر بھائی اللہ تعالیٰ فیصلے فرماتے ہیں مختلف امور کے۔ تو «نَحْوُ قَوْلِهِ تَعَالَى» جیسے اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے: «فِيهَا» اس مبارک رات کے اندر «يُفْرَقُ» تقسیم کیے جاتے ہیں «كُلُّ أَمْرٍ» دیکھو یہ امر کا لفظ دو جگہ آرہا ہے: پہلے امر کا معنیٰ کر لیں معاملہ اور دوسرے امر کا

معنیٰ کر لیں حکم کے۔ «فِيهَا يُفْرَقُ» اس مبارک رات میں تقسیم کیا جاتا ہے «كُلُّ أَمْرٍ حَكِيمٍ» ہر حکمت والے معاملے کو، اس میں ہر حکمت والے معاملے کو تقسیم کیا جاتا ہے «أَمْرًا مِنْ عِنْدِنَا» اس حال میں کہ وہ حکم ہوتا ہے ہماری طرف سے۔ یہ «أَمْرًا مِنْ عِنْدِنَا» یہ حال ہے، اور یہ حال ہے «كُلُّ أَمْرٍ» سے۔ کس سے حال ہے؟ «كُلُّ أَمْرٍ»، اور «كُلُّ أَمْرٍ» نکرہ ہے، لیکن اس پر لفظِ «كُلُّ» داخل ہو رہا ہے اور «كُلُّ» استغراق کا فائدہ دیتا ہے، تو اس استغراق کی وجہ سے یہاں تخصیص آگئی، تو اس کا ذوالحال بننا صحیح ہے اس لیے اس سے آگے «أَمْرًا» حال آیا۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو اس رات میں اللہ تعالیٰ فیصلے فرما کر وہ احکام فرشتوں کے حوالے کر دیے جاتے ہیں، سال بھر کے اندر جو بھی اللہ نے فیصلے فرمائے ہوتے ہیں وہ فرشتوں کے اندر تقسیم کر دیے جاتے ہیں: کسی کو مثلاً زندگی دینی ہے، کسی کو موت دینی ہے، اور کسی کو عروج دینا ہے، کسی کو زوال دینا ہے، کسی کو رزق زیادہ دینا ہے، کسی کو کم دینا ہے، وہ تمام فیصلے اللہ کی طرف سے فرشتوں میں اس مبارک رات میں تقسیم کر دیے جاتے ہیں اور پھر فرشتے ان فیصلوں کو نافذ کرنے میں مصروف ہو جاتے ہیں۔ معنیٰ سمجھ میں آیا؟ تو «فِيهَا يُفْرَقُ كُلُّ أَمْرٍ حَكِيمٍ—أَمْرًا مِنْ عِنْدِنَا» تو اس مبارک رات میں ہر حکمت والا معاملہ تقسیم کیا جاتا ہے «أَمْرًا مِنْ عِنْدِنَا» ہماری طرف سے حکم ہو کر۔ «إِنْ جَعَلْتَ أَمْرًا حَالًا مِنْ كُلِّ أَمْرٍ» اگر آپ «أَمْرًا» کو حال بنائیں «كُلُّ أَمْرٍ» سے تو پھر یہ «كُلُّ أَمْرٍ» یہ جو ہے نکرہ مستغرقہ ہوا۔ یہاں اور بھی احتمالات ہیں، بعض علماء فرماتے ہیں کہ «حَكِيمٍ» کے اندر «هُوَ» ضمیر ہے اور وہ ہے ذوالحال اور «أَمْرًا» آگے اس سے حال واقع ہو رہا ہے۔ تو اگر «حَكِيمٍ» کی «هُوَ» ضمیر سے اس «أَمْرًا» کو حال بنائیں پھر تو یہ ہماری بحث سے ہی خارج ہے، اس لیے کیونکہ صاحبِ جامی اس آیت کو اس نکرہ کی مثال کے طور پر ذکر فرما رہے ہیں جس کے اندر ذوالحال نکرہ مخصوصہ ہو، تو یہ اسی صورت میں ہوگا جب «كُلُّ أَمْرٍ» اس کو ذوالحال بنایا جائے تو یہ ہے نکرہ مخصوصہ کیونکہ اس کے اندر استغراق ہے، «كُلُّ أَمْرٍ» نے اس نے ہر امر کا احاطہ کر لیا بھائی۔ تو کہتے ہیں: «إِنْ جَعَلْتَ أَمْرًا حَالًا مِنْ كُلِّ أَمْرٍ» اگر آپ «أَمْرًا» کو «كُلُّ أَمْرٍ» سے حال بنائیں۔

«أَوْ وَاقِعَةً فِي حَيِّزِ الِاسْتِفْهَامِ»۔ یہ «وَاقِعَةً» کا عطف بھی اسی طرح «مَوْصُوفَةً» پر ہے اور یہ بھی اس نکرہ کی صفت ہے، یعنی وہ ذوالحال جو ہے وہ ایسا نکرہ ہو جو واقع

ہو رہا ہو «فِي حَيِّزِ الِاسْتِفْهَامِ» استفہام کے مقام میں۔ حیز کا معنیٰ ہے محل اور جگہ۔ تو ایسا نکرہ «وَاقِعَةً فِي حَيِّزِ الِاسْتِفْهَامِ» جو استفہام کے مقام میں واقع ہو رہا ہو۔ «نَحْوُ» مثال کے طور پر: «هَلْ أَتَاكَ رَجُلٌ رَاكِبًا؟»۔ «هَلْ أَتَاكَ رَجُلٌ رَاكِبًا؟» کیا آپ کے پاس کوئی آدمی سوار ہو کر آیا ہے؟ تو دیکھو اس مثال کے اندر «رَجُلٌ» نکرہ ہے اور اس سے آگے «رَاكِبًا» حال آرہا ہے، اور حال تو نکرہ محض سے نہیں آسکتا، اس کے لیے تو نکرہ کا مخصوصہ ہونا ضروری ہے کہ اس کے اندر تخصیص ہو، تو پھر اس «رَجُلٌ» کے اندر کیا تخصیص ہے؟ تو علماء جواب دیتے ہیں کہ نکرہ جب حیزِ استفہام میں واقع ہو یعنی جب

استفہام کے تحت واقع ہو تو اس کے اندر بھی عموم آجاتا ہے۔ تو جب عموم اس میں آیا، استغراق آگیا تو اس میں تخصیص آگئی، جب تخصیص آگئی تو اب اس کا ذوالحال بننا صحیح ہے۔

بھائی کس طرح عموم آیا؟ «هَلْ أَتَاكَ رَجُلٌ رَاكِبًا؟» کیا آپ کے پاس کوئی آدمی سوار ہو کر آیا ہے؟ یہاں تو ہمیں عموم سمجھ میں نہیں آرہا۔ «مَا جَاءَنِي رَجُلٌ» جب نکرہ تحت النفی آیا تھا وہاں تو ہمیں عموم سمجھ میں آرہا تھا، «مَا جَاءَنِي رَجُلٌ» میرے پاس کوئی آدمی نہیں آیا، معلوم ہوا آپ نے تمام رجل کے افراد پر عدمِ مجیئت کا حکم لگا دیا وہاں اور کوئی احتمال ہی نہیں۔ توجہ ہے؟ تو یہاں کیسے عموم ہے؟ یہاں تو آپ ایک ہی آدمی کے بارے میں پوچھ رہے ہیں: «هَلْ أَتَاكَ رَجُلٌ رَاكِبًا؟» کیا آپ کے پاس کوئی آدمی سوار ہو کر آیا ہے؟ تو جواب یہ کہ یہاں بھی استغراق ہے، یہاں بھی عموم ہے، لیکن یہاں عموم جو ہے وہ دوسرے انداز کا ہے: وہاں عموم تھا کہ تمام افراد کا احاطہ ہو گیا تھا، اور یہاں جو عموم ہے وہ علیٰ سبیل البدل ہے، یہاں عموم علیٰ سبیل البدل ہے۔ جب میں نے آپ سے پوچھا کیا آپ کے پاس کوئی آدمی آیا تھا سوار ہو کر؟ تو گویا میں دنیا کے ہر ہر آدمی کو لے کر آپ سے پوچھ رہا ہوں: کیا یہ والا آدمی آپ کے پاس سوار ہو کر آیا تھا؟ کیونکہ میں نے کیا کہا؟ کوئی آدمی، اور کوئی آدمی تو دنیا کا ہر آدمی ہو سکتا ہے، تو ایک رجل کو لے کر بھی میں اس سے پوچھ رہا ہوں کیا یہ والا آدمی آپ کے پاس سوار ہو کر آیا تھا؟ پھر دوسرے فرد کو لیا کیا یہ والا آدمی آپ کے پاس سوار ہو کر آیا تھا؟ پھر تیسرے کو لے کر کیا یہ والا آدمی آپ کے پاس آیا تھا؟ تو علیٰ سبیل البدل رجل کے ہر ہر فرد کے بارے میں گویا یہ سوال ہو رہا ہے۔ تو دیکھو یہاں پر بھی عموم آگیا لیکن یہ عموم کس طریقے پر ہے؟ علیٰ سبیل البدل کے طریقے پر ہے۔ تو جب نکرہ حیزِ استفہام میں ہو تو اس میں بھی عموم آجاتا ہے، بات سمجھ میں آگئی؟ تو اس میں بھی عموم یعنی یوں کہو اس میں بھی استغراق آجاتا ہے لیکن یہ استغراق کس طریقے پر ہے؟ علیٰ سبیل البدل کے طریقے پر ہے، عموم کے طریقے پر نہیں ہے کہ سب کا وہ احاطہ کر لے۔ تو «نَحْوُ هَلْ أَتَاكَ رَجُلٌ رَاكِبًا؟» کیا آپ کے پاس کوئی آدمی سوار ہو کر آیا ہے؟

«أَوْ بَعْدَ إِلَّا» — یہ «بَعْدَ إِلَّا» کا عطف ہے «فِي حَيِّزِ الِاسْتِفْهَامِ» پر، توجہ ہے؟ اور «فِي حَيِّزِ الِاسْتِفْهَامِ» یہ جار مجرور یہ متعلق تھے «وَاقِعَةً» سے، اور یہ «وَاقِعَةً» اس کا عطف ہو رہا تھا «مَوْصُوفَةً» پر، یہ نکرہ کی صفت تھا، توجہ ہے؟ پھر دیکھو ذوالحال یا تو وہ نکرہ موصوفہ ہوگا «أَوْ مُغْنِيَةً» یا وہ نکرہ مغنیہ ہوگا یعنی جو بے نیاز کر دینے والا ہے معرفہ کی طرح «لِاسْتِغْرَاقِهَا» اپنے استغراق کی وجہ سے، یا وہ نکرہ جو ہے «وَاقِعَةً فِي حَيِّزِ الِاسْتِفْهَامِ» واقع ہوگا حیزِ استفہام میں، یا وہ نکرہ «وَاقِعَةً بَعْدَ إِلَّا» کس کے بعد واقع ہوگا؟ «إِلَّا» کے بعد، تو «بَعْدَ إِلَّا» کا عطف کس پر ہے؟ «فِي حَيِّزِ الِاسْتِفْهَامِ» پر، اور «فِي حَيِّزِ الِاسْتِفْهَامِ» کس سے متعلق؟ «وَاقِعَةً» سے یعنی اس کے لیے ظرف ہے، ظرفِ لغو ہے، عامل لفظوں میں ذکر ہے۔ یا وہ نکرہ جو ذوالحال ہے وہ واقع ہو «بَعْدَ إِلَّا» لفظِ «إِلَّا» کے بعد «نَقْضًا لِلنَّفْيِ» نفی کو توڑنے کے لیے۔ یاد رکھو یہ جو «إِلَّا» آتا ہے یہ نفی کو توڑنے کے لیے عموماً آتا ہے۔ کس لیے آتا ہے؟ نفی کو توڑنے کے لیے آتا ہے، مثلاً میں آپ سے کہتا ہوں «مَا جَاءَنِي رَجُلٌ إِلَّا

زَيْدًا»۔ «مَا جَاءَنِي رَجُلٌ» میرے پاس کوئی آدمی نہیں آیا «إِلَّا زَيْدًا» سوائے زید کے۔ کیا معنیٰ ہوا؟ زید بھی نہیں آیا یا زید آیا ہے؟ کلام کا کیا معنیٰ ہوا؟ ذرا نفی کو ختم کردو: «مَا جَاءَنِي رَجُلٌ إِلَّا زَيْدًا» میرے پاس صرف زید آیا ہے۔ تو دیکھو یہاں پر حرفِ نفی تھا لیکن «إِلَّا» نے اس نفی کو توڑ دیا اور زید کے لیے اثبات کر دیا مجیئت کا۔ ماقبل والوں سے مجیئت کی نفی تھی «مَا جَاءَنِي رَجُلٌ» میرے پاس کوئی آدمی نہیں آیا، لیکن «إِلَّا» نے اس نفی کو توڑ دیا اور مابعد کے لیے مجیئت کو ثابت کر دیا کہ یعنی زید اس کے لیے مجیئت ثابت ہے، زید میرے پاس آیا ہے۔ تو یہ «إِلَّا» کیا فائدہ دیتا ہے؟ یہ نفی کو توڑ دیتا ہے۔ تو یہ معنیٰ ہے کہ وہ جو ذوالحال جو کہ نکرہ ہے وہ واقع ہو «بَعْدَ إِلَّا» «إِلَّا» کے لفظ کے بعد «نَقْضًا لِلنَّفْيِ» نفی کو توڑنے کے لیے، «نَحْوُ مَا جَاءَنِي رَجُلٌ إِلَّا رَاكِبًا» نہیں آیا میرے پاس کوئی آدمی «إِلَّا رَاكِبًا» مگر سوار ہو کر۔ توجہ ہے؟

تو دیکھو یہاں پر یہ «رَجُلٌ» آیا اور یہ «رَجُلٌ» سے «رَاكِبًا» حال آرہا ہے، اور «رَجُلٌ» یہ تو نکرہ ہے اور نکرہ محض سے تو حال نہیں آسکتا، تو جواب یہ کہ یہاں دیکھو «مَا» حرفِ نفی داخل ہو رہا ہے، تو «رَجُلٌ» تحت النفی ہوا، اور نکرہ جب تحت النفی واقع ہو تو اس میں تخصیص آجاتی ہے، اس میں عموم آجاتا ہے، تو یہاں پر «رَجُلٌ» میں عموم آگیا، اس میں استغراق آگیا، اب اس کا ذوالحال ہونا اور اس سے «رَاكِبًا» کا حال آنا صحیح ہو گیا۔ بات سمجھ میں آگئی؟

اب دیکھو اس مثال پہ ذرا غور کرو۔ انہوں نے کیا کہا کہ وہ ذوالحال ایسا نکرہ ہو «وَاقِعَةً بَعْدَ إِلَّا»۔ بھائی میں نے کیا بتایا؟ «بَعْدَ إِلَّا» کو کس سے جوڑنا ہے؟ «وَاقِعَةً» سے، اور «وَاقِعَةً» کا عطف کس پر ہے؟ «مَوْصُوفَةً» پر، یا ذوالحال ایسا نکرہ ہے «وَاقِعَةً بَعْدَ إِلَّا» جو کس کے بعد واقع ہو رہا ہے؟ «إِلَّا» کے بعد واقع ہو رہا ہے۔ اور ذرا اس مثال پہ غور کریں: «مَا جَاءَنِي رَجُلٌ إِلَّا رَاكِبًا» اس میں ذوالحال کون ہے؟ «رَجُلٌ»، اور یہ ہے وہ نکرہ جو ذوالحال ہے، اور یہ «إِلَّا» کے بعد ہے یا «إِلَّا» سے پہلے ہے؟ یہ تو «إِلَّا» سے پہلے ہے! اور صاحبِ جامی تو کیا فرما رہے ہیں؟ کہ وہ ذوالحال جو نکرہ ہے وہ «إِلَّا» کے بعد واقع ہو۔ تو شارحین فرماتے ہیں کہ یہاں «بَعْدَ إِلَّا» نہیں ہونا چاہیے «قَبْلَ إِلَّا» ہونا چاہیے۔ «قَبْلَ» کہ وہ جو ذوالحال جو نکرہ ہے وہ واقع ہو «قَبْلَ إِلَّا» «إِلَّا» سے پہلے ہو، وہ «إِلَّا» جو نفی کو توڑنے کے لیے آتا ہے اس سے پہلے یہ آئے، اور اس میں عموم کس لیے آتا ہے؟ کیونکہ یہ نکرہ تحت النفی ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟

آگے دیکھیے: «أَوْ مُقَدَّمًا عَلَيْهِ الْحَالُ»۔ «أَوْ مُقَدَّمًا عَلَيْهِ الْحَالُ» یہ «مُقَدَّمًا» کا عطف وہ اسی «مَوْصُوفَةً» پر ہے۔ یہ «مُقَدَّمًا» کا عطف کس پر ہے؟ اسی «مَوْصُوفَةً» پر ہے، یعنی وہ جو ذوالحال ہے وہ اس میں ایسا نکرہ ہو «مُقَدَّمًا عَلَيْهِ الْحَالُ» کہ اس کے حال کو اس پر مقدم کیا گیا ہو۔ جیسے: «نَحْوُ مَا جَاءَنِي رَاكِبًا رَجُلٌ»۔ «مَا جَاءَنِي» نہیں آیا میرے پاس «رَاكِبًا رَجُلٌ» یہ «رَاكِبًا» حال ہے «رَجُلٌ» سے اور «رَجُلٌ» فاعل ہے «جَاءَ» کے لیے، اور «رَجُلٌ» تو نکرہ ہے اور نکرہ محض سے تو حال نہیں آسکتا، تو جواب یہ کہ یہاں «رَاكِبًا» حال کو «رَجُلٌ» پر مقدم کر دیا گیا، اور آپ نے پڑھا ہے: «تَقْدِيمُ مَا حَقُّهُ التَّأْخِيرُ يُفِيدُ الْحَصْرَ وَالْقَصْرَ وَالتَّخْصِيصَ» کہ اس چیز کو مقدم کر دینا جس کا حق مؤخر تھا اس سے کلام میں تخصیص پیدا

ہو جاتی ہے۔ جیسے قرآن میں ہے «إِيَّاكَ نَعْبُدُ»۔ اب اس کے اندر دیکھو «إِيَّاكَ» یہ اس کو مقدم کیا گیا، ہونا تو یوں چاہیے «نَعْبُدُكَ» «نَعْبُدُ» فعل «نَحْنُ» ضمیر اس کے اندر فاعل اور کاف ضمیر مفعول بہ، لیکن پھر اس صورت میں معنیٰ کیا ہوتا؟ «نَعْبُدُكَ» اے اللہ ہم آپ کی عبادت کرتے ہیں، تو دوسروں سے عبادت کی نفی نہ ہوتی، اللہ کے لیے تو عبادت کا اثبات ہوتا لیکن غیر سے عبادت کی نفی نہ ہوتی، لہٰذا پھر کاف کو مقدم کیا گیا تو «إِيَّاكَ نَعْبُدُ» اب اس کے اندر تخصیص آگئی: اے اللہ ہم آپ ہی کی عبادت کرتے ہیں، معلوم ہوا کسی اور کی عبادت نہیں کرتے۔ تو «تَقْدِيمُ مَا حَقُّهُ التَّأْخِيرُ يُفِيدُ الْحَصْرَ وَالْقَصْرَ وَالتَّخْصِيصَ» تو اس چیز کو مقدم کرنا جس کا حق مؤخر تھا یہ تخصیص کا فائدہ دیتا ہے، تو یہاں پر بھی اسی طرح یہ «جَاءَنِي رَاكِبًا رَجُلٌ» یہ «رَاكِبًا» کو «رَجُلٌ» پر مقدم کیا گیا اس کی وجہ سے «رَجُلٌ» کے اندر تخصیص آگئی اور اب اس کا ذوالحال ہونا صحیح ہو گیا کیونکہ اب یہ نکرہ مخصوصہ بن گیا۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو «مُقَدَّمًا عَلَيْهِ الْحَالُ» یہ میں نے بتایا یہ «مُقَدَّمًا» کا عطف کس پر ہے؟ «مَوْصُوفَةً» پر، یعنی وہ ذوالحال ایسا نکرہ ہو «مُقَدَّمًا عَلَيْهِ الْحَالُ» کہ اس پر اس کا حال مقدم ہو۔

تو یہ پانچ صورتیں ذکر کر دیں صاحبِ جامی نے جن کے اندر ذوالحال نکرہ مخصوصہ واقع ہوتا ہے: ایک قسم کیا ذکر کی کہ نکرہ موصوف ہوگا، تین قسمیں ایسی ذکر کیں کہ جن میں نکرہ کے اندر استغراق ہے، کون کون سے؟ ایک وہ نکرہ جس پر «كُلٌّ» کا لفظ داخل ہوا، ایک وہ نکرہ جو حیزِ استفہام میں واقع ہو، ایک وہ نکرہ جو «إِلَّا» سے ماقبل تحت النفی واقع ہو، اور پانچویں قسم جس میں نکرہ پر حال کو مقدم کیا گیا ہو۔ تو پانچ قسمیں ذکر کر دیں نکرہ مخصوصہ کی۔ بات سمجھ میں آگئی؟ ایک کون سی؟ نکرہ موصوفہ، اور تین کے اندر وہ نکرہ جن کے اندر استغراق ہے، اور پانچویں وہ جس میں حال مقدم ہے ذوالحال پر۔ تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ استغراق کی ایک ہی مثال دے دیتے، استغراق کی تین مثالیں دیں، تو جواب دیتے ہیں کہ تینوں کا استغراق الگ الگ قسم کا ہے اس لیے ان کو ذکر فرمایا: ایک میں نکرہ میں استغراق ہے لفظِ «كُلٌّ» کی وجہ سے جو اس پر داخل ہو رہا ہے، اور ایک میں استغراق ہے کہ نکرہ تحت الاستفہام واقع ہو رہا ہے، اور ایک میں استغراق ہے کہ نکرہ تحت النفی واقع ہو رہا ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟

اب ذرا اس عبارت پر آئیے: «أَوْ بَعْدَ إِلَّا»۔ اس «بَعْدَ إِلَّا» کو میں نے بتایا کیا پڑھو؟ «قَبْلَ إِلَّا»، اور اس کا عطف کس پر کرو؟ «فِي حَيِّزِ الِاسْتِفْهَامِ» پر، اور «فِي حَيِّزِ الِاسْتِفْهَامِ» کس سے جڑا ہوا ہے؟ «وَاقِعَةً» اس کے لیے یہ جار مجرور ظرف ہے تو «بَعْدَ إِلَّا» بھی اسی کے لیے ظرف ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو بہرحال یہ «بَعْدَ» کی جگہ کیا ہونا چاہیے؟ «قَبْلَ إِلَّا» ہونا چاہیے تو پھر اشکال ختم ہو جاتا ہے کہ وہ ذوالحال «إِلَّا» سے پہلے واقع ہو وہ جو نکرہ مخصوصہ ہے۔ لیکن یہاں تو «بَعْدَ إِلَّا» ہے! «بَعْدَ إِلَّا» ہے تو اس کا بھی پھر جواب دیتے ہیں بعض شارحین، وہ فرماتے ہیں کہ اگر یوں کر لیا جائے کہ «بَعْدَ إِلَّا» اس کا عطف «فِي حَيِّزِ الِاسْتِفْهَامِ» پر نہ کریں، پھر تو آپ کو اس کو جوڑنا پڑے گا اسی «وَاقِعَةً» سے، بلکہ آپ اس «بَعْدَ إِلَّا» کو

ظرفِ مستقر بنا لو یعنی اس کے لیے «وَاقِعَةً» یہاں محذوف ہے بھائی، اور اس «وَاقِعَةً» کے لیے پھر آگے جو «مُقَدَّمًا عَلَيْهِ الْحَالُ» اس «اَلْحَالُ» کو اس کے لیے فاعل بنا دو، تو بھی عبارت حل ہو جائے گی۔ کس طرح دیکھو: «أَوْ وَاقِعَةً بَعْدَ إِلَّا» یا وہ ذوالحال ایسا نکرہ ہو «وَاقِعَةً بَعْدَ إِلَّا» کہ «إِلَّا» کے بعد واقع ہو، کیا «إِلَّا» کے بعد واقع ہو؟ آگے فاعل آگیا «اَلْحَالُ»، اس کا حال جو ہے وہ «إِلَّا» کے بعد واقع ہو، اور اس مثال میں بھی دیکھو: «مَا جَاءَنِي رَجُلٌ إِلَّا رَاكِبًا» یہ جو حال ہے یہ «إِلَّا» کے بعد واقع ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو «وَاقِعَةً بَعْدَ إِلَّا» اس کو کر لیں یعنی اس کو ظرفِ مستقر بنا لو اور اس «وَاقِعَةً» کے لیے «اَلْحَالُ» کو فاعل بنا دو۔ پھر اس پر اشکال ہوتا ہے کہ «اَلْحَالُ» یہ تو «مُقَدَّمًا» کے لیے نائب الفاعل ہے، کس کے لیے؟ «مُقَدَّمًا عَلَيْهِ الْحَالُ» مقدم کیا گیا ہو اس پر حال کو، تو یہ «اَلْحَالُ» تو نائب الفاعل بن رہا ہے «مُقَدَّمًا» کے لیے تو آپ اس کو «وَاقِعَةً بَعْدَ إِلَّا» کے لیے آپ کیسے اس کو فاعل بنا سکتے ہیں؟ تو وہ جواب دیتے ہیں کہ یہ تنازعِ فعلین کے باب سے ہے۔ «وَاقِعَةً بَعْدَ إِلَّا» چاہتا ہے «اَلْحَالُ» میرے لیے فاعل بنے اور «مُقَدَّمًا عَلَيْهِ» چاہتا ہے یہ میرے لیے نائب الفاعل بنے، تو یہ تنازعِ فعلین کے باب سے ہے کہ ایک ہی معمول کے بارے میں دو عامل جھگڑا کر رہے ہوں، اور اس میں آپ نے پڑھا تھا تنازعِ فعلین کے اندر کہ بصرہ والے کہتے ہیں کہ ثانی کو عامل بنانا اولیٰ ہے۔ ثانی کو عامل بنائیں گے تو «اَلْحَالُ» کو «مُقَدَّمًا» کے لیے نائب الفاعل بنا دیں گے اور «وَاقِعَةً بَعْدَ إِلَّا» اس کے اندر ضمیر نکال لیں گے جو اسی «اَلْحَالُ» کو راجع ہے۔ اور کوفہ والے کیا کہتے ہیں؟ کہ پہلے کو عامل بنا دیں گے یعنی «اَلْحَالُ» کو «وَاقِعَةً بَعْدَ إِلَّا» کے لیے فاعل بنا دیں گے اور «مُقَدَّمًا عَلَيْهِ» اس کے لیے اس کے اندر نائب الفاعل کی ضمیر نکال لیں گے۔ بات سمجھ میں آگئی؟

جی آگے دیکھیے، کہتے ہیں: «وَثَانِيهِمَا مَا يَكُونُ ذُو الْحَالِ فِيهِ غَيْرَ هٰذِهِ الْأُمُورِ»۔ اب دوسری قسم آگئی۔ انہوں نے بتلایا تھا آپ کو کہ حال کے واقع ہونے کے جو مادے ہیں حال کے واقع ہونے کی جو ترکیبیں ہیں وہ دو قسم پر ہیں: ایک وہ قسم ہے جس کے اندر ذوالحال نکرہ مخصوصہ ہوتا ہے، اور پھر وہ تخصیص کی پانچ صورتیں بھی انہوں نے بیان کر دیں جو ذوالحال کے اندر آتی ہیں، اور اب وہ دوسری قسم بیان کر رہے ہیں یعنی حال کے واقع

ہونے کی ترکیبیں ہیں حال کے واقع ہونے کے جو مادے ہیں اس کی دوسری قسم بیان کر رہے ہیں۔ تو کہتے ہیں: «وَثَانِيهِمَا مَا يَكُونُ ذُو الْحَالِ فِيهِ غَيْرَ هٰذِهِ الْأُمُورِ» اور ان ترکیبوں میں سے دوسری قسم وہ ہے کہ جن کے اندر ذوالحال جو ہے وہ ان امور کے علاوہ ہوگا، یعنی یہ جو اوپر تخصیص والی صورتیں ذکر ہوئیں ان کے علاوہ ہوگا ذوالحال۔ «وَغَالِبُ مَوَادِّ وُقُوعِ الْحَالِ وَأَكْثَرُهَا هُوَ هٰذَا الْقِسْمُ» اور حال کے واقع ہونے کے جو غالب مادے ہیں اور جو اکثر مادے ہیں وہ یہ والی قسم ہے، کون سی قسم؟ جس میں ذوالحال نکرہ مخصوصہ کے علاوہ ہوگا وہ یہ والی قسم ہے۔ «وَوُقُوعُ الْحَالِ فِي هٰذَا الْقِسْمِ مَشْرُوطٌ بِكَوْنِ صَاحِبِهَا مَعْرِفَةً» اور حال کا واقع ہونا اس قسم کے اندر مشروط ہے، اس کی شرط ہے کہ ذوالحال معرفہ ہو۔ تو کہتے

ہیں: «وَوُقُوعُ الْحَالِ فِي هٰذَا الْقِسْمِ مَشْرُوطٌ بِكَوْنِ صَاحِبِهَا مَعْرِفَةً» اور حال کا واقع ہونا اس قسم کے اندر وہ مشروط ہے ذوالحال کے معرفہ ہونے کے ساتھ۔ «فَقَوْلُهُ غَالِبًا قَيْدٌ لِاشْتِرَاطِ كَوْنِ صَاحِبِهَا مَعْرِفَةً» تو مصنف کا قول جو «غَالِبًا» آیا متن کے اندر، یہ قید ہے ذوالحال کے معرفہ ہونے کی شرط کے لیے، یہ قید ہے ذوالحال کے معرفہ ہونے کی شرط کے لیے یہ قید ہے یہ جو «غَالِبًا» ہے، «لَا لِكَوْنِ صَاحِبِهَا مَعْرِفَةً» یہ ذوالحال کے معرفہ ہونے کے لیے قید نہیں۔ کس کے لیے قید ہے یہ؟ ذوالحال کے معرفہ ہونے کی شرط کے لیے یہ قید ہے، یہ ذوالحال کے معرفہ ہونے کے لیے قید نہیں۔ کیونکہ ذوالحال کے معرفہ ہونے کے لیے جب آپ قیدبنائیں گے تو پھر وہ اعتراض لازم آئے گا۔ ساری خرابی کیوں آرہی تھی؟ کہ آپ اس کو ذوالحال کے معرفہ ہونے کے لیے اس «غَالِبًا» کو قیدبناتے تھے۔ اس کو ذوالحال کے معرفہ ہونے کے لیے قیدنہ بناؤ بلکہ ذوالحال کے معرفہ ہونے کی شرط کے لیے قیدبناؤ، کہ ذوالحال کے معرفہ ہونے کی جو شرط لگائی گئی ہے وہ غالب احوال کے اندر ہے، تو سارا مسئلہ حل ہوا۔

اور اگر آپ اس کو قیدبنائیں گے کس کے لیے؟ ذوالحال کے معرفہ ہونے کے لیے قیدبنائیں گے کہ ذوالحال کا معرفہ ہونا غالب ہے، تو پھر اس صورت میں خرابی لازم آئے گی۔ ذوالحال کا معرفہ ہونا شرط ہے، دوسری طرف کہہ رہے ہیں ذوالحال کا معرفہ ہونا غالب ہے، تو شرطیت اور غالبیت دونوں میں تو منافات ہے: اگر شرط ہے تو غالبیت نہیں ہو سکتی، اور غالبیت ہے تو شرط نہیں ہو سکتی۔ اگر آپ اس کو قیدبنائیں گے کس کے لیے؟ ذوالحال کے معرفہ ہونے کے لیے، تو پھر یہ غالبیت منافی ہو جائے گی شرطیت کے، اور پھر آپ کو کلام کو ظاہر سے پھیرنا پڑے گا جیسے اور شارحین نے کیا۔ انہوں نے «صَاحِبُهَا» کو بتدا بنایا اور «مَعْرِفَةٌ» کو اس کی خبر بنایا، تو بتدا خبر بنا کر انہیں کلام کو ظاہر سے پھیرنا پڑا بھائی، حالانکہ کلام کو ظاہر سے پھیرنے کی کوئی حاجت نہیں ہے بھائی۔

اب دیکھیے بھائی ترجمہ، جی یہاں توجہ سے سننا بھائی عبارت مشکل ہے۔ کہتے ہیں: «فَقَوْلُهُ غَالِبًا قَيْدٌ لِاشْتِرَاطِ كَوْنِ صَاحِبِهَا مَعْرِفَةً» تو یہ مصنف کا قول «غَالِبًا» جو ہے یہ قید ہے ذوالحال کے معرفہ ہونے کی شرط کے لیے، «لَا لِكَوْنِ صَاحِبِهَا مَعْرِفَةً» نہ کہ ذوالحال کے معرفہ ہونے کے لیے، یہ اس کے لیے قید نہیں ہے۔ کہتے ہیں یہ ذوالحال کے معرفہ ہونے کے لیے قید نہیں ہے «حَتّٰى يُقَالَ» کہ یہاں تک کہ پھر یہ کہنا پڑے کہ «إِنَّ غَالِبِيَّةَ كَوْنِ صَاحِبِهَا مَعْرِفَةً الْمُنْبِئَةَ عَنْ تَخَلُّفِهِ فِي بَعْضِ الْمَوَادِّ»۔ یہ ترکیب سمجھ لیں: «إِنَّ» حرف از حروفِ مشبہ بالفعل ہے، اور «غَالِبِيَّةَ» یہ اس کا اسم ہے یہ ہے موصوف، اور «الْمُنْبِئَةَ» آگے صفت آرہی ہے وہ اس کی اور وہ بھی منصوب ہے کیونکہ موصوف صفت کا اعراب ایک ہوتا ہے، «أَنْبَأَ يُنْبِئُ» کا معنٰی خبر دینا۔ ادھر دیکھیے: اگر آپ «غَالِبًا» کو کس کے لیے قیدبنا دیتے ہیں؟ ذوالحال کے معرفہ ہونے کے لیے، تو معلوم ہوا ذوالحال کا معرفہ ہونا غالب ہے، تو غالبیت سے پتہ چلتا ہے اس کے خلاف ہو سکتا ہے، اور ماقبل میں شرطیت آئی تھی وہ شرطیت سے پتہ چلتا ہے اس کے خلاف نہیں ہو سکتا، معلوم ہوا غالبیت منافی ہے شرطیت کے۔ یہ خرابی کب

لازم آئی؟ جب آپ نے «غَالِبًا» کو قید کس کے لیے بنایا؟ ذوالحال کے معرفہ ہونے کے لیے، معلوم ہوا ذوالحال کا معرفہ ہونا غالب ہے اور یہ غالب ہونا یہ شرط ہونے کے منافی ہے۔ چنانچہ دیکھیے: «إِنَّ غَالِبِيَّةَ» یہ غالبیت یہ ہے «إِنَّ» کا اسم، اور آخر میں آرہا ہے «تُنَافِي الشَّرْطِيَّةَ» یہ ہے «إِنَّ» کی خبر، کہ یہ جو غالبیت ہے «تُنَافِي الشَّرْطِيَّةَ» یہ شرط ہونے کے منافی ہے۔ یہ غالب ہونا شرط ہونے کے منافی ہے، کیونکہ غالب ہونا بتلا رہا ہے اس کے خلاف ہو سکتا ہے اور شرط ہونا بتلا رہا ہے کہ اس کے خلاف نہیں ہو سکتا۔ بات سمجھ میں آگئی؟

جی اب ترجمہ سنیں: «حَتَّى يُقَالَ» یہاں تک کہ یہ کہنا پڑے، اگر آپ اس «غَالِبًا» کو قید بنائیں ذوالحال کے معرفہ ہونے کے لیے، یہاں تک کہ پھر آپ کو یہ کہنا پڑے گا کہ «إِنَّ غَالِبِيَّةَ كَوْنِ صَاحِبِهَا مَعْرِفَةً» کہ ذوالحال کے معرفہ ہونے کا غالب ہونا «الْمُنْبِئَةَ عَنْ تَخَلُّفِهِ فِي بَعْضِ الْمَوَادِّ» جو کہ خبر دیتا ہے «عَنْ تَخَلُّفِهِ» اس کے خلاف ہونے کا «فِي بَعْضِ الْمَوَادِّ» بعض مادوں میں۔ عبارت پہ نظر رکھو: ذوالحال کے معرفہ ہونے کا غالب ہونا جو کہ خبر دیتا ہے اس کے خلاف ہونے کا بھی بعض مادوں میں، تو یہ جو غالبیت ہے جو بعض مادوں کے اندر خلاف ہونے کے بارے میں بتلا رہی ہے یہ «تُنَافِي الشَّرْطِيَّةَ» یہ شرط ہونے کے منافی ہے۔ غالبیت کیا بتلا رہی ہے؟ کہ بعض مادوں میں اس کے خلاف ہو سکتا ہے، تو یہی بیان کر رہے ہیں: «غَالِبِيَّةَ كَوْنِ صَاحِبِهَا مَعْرِفَةً» ذوالحال کے معرفہ ہونے کا غالب ہونا «الْمُنْبِئَةَ عَنْ تَخَلُّفِهِ فِي بَعْضِ الْمَوَادِّ» یہ غالب ہونا جو کہ خبر دے رہا ہے بعض مادوں کے اندر اس کے خلاف ہونے کا، یہ غالبیت «تُنَافِي الشَّرْطِيَّةَ» یہ شرط ہونے کے منافی ہے، دونوں کے اندر منافات ہے۔ «وَيُحْتَاجَ» یہ «يُحْتَاجَ» کا عطف ہے «يُقَالَ» پر اور وہ منصوب تھا تو یہ بھی منصوب، اسی طرح آگے آرہا ہے «وَيُجْعَلَ» اس کا عطف بھی اسی «يُقَالَ» پر ہے۔ پھر سنیں: ادھر دیکھیے، اگر آپ «غَالِبًا» کو قید بنا دیں ذوالحال کے معرفہ ہونے کے لیے، تو پھر آپ کو یہ کہنا پڑے گا کہ یہ غالبیت جو کہ بعض مادوں کے اندر تخلف کی خبر دے رہی ہے یہ غالبیت تو شرطیت کے منافی ہے یہ بھی آپ کو کہنا پڑے گا، اور پھر آپ محتاج ہوں گے کہ آپ کو کلام کو ظاہر سے پھیرنا پڑے گا جیسے اور شارحین نے کیا، کلام کو ظاہر سے پھیر دیا، اور آپ کو یہ کہنا پڑے گا کہ یہ «صَاحِبُهَا مَعْرِفَةً» کا عطف «أَنْ تَكُونَ نَكِرَةً» پر اس کا عطف نہیں ہے بلکہ ان کو مبتدا اور خبر بنا کر «وَشَرْطُهَا أَنْ تَكُونَ نَكِرَةً» پورے جملے پر آپ کو اس کا عطف کرنا پڑے گا۔ یہ کب، یہ خرابی کب لازم آئے گی؟ اگر آپ «غَالِبًا» کو کس سے جوڑیں؟ ذوالحال کے معرفہ ہونے کے ساتھ۔ اگر آپ «غَالِبًا» کو ذوالحال کے معرفہ ہونے کی شرط کے ساتھ جوڑیں تو پھر تو کوئی اشکال ہی نہیں ہوتا، کیونکہ معنیٰ کیا بن جائے گا؟ کہ ذوالحال کے معرفہ ہونے کے ساتھ حال کا مشروط ہونا یہ حال کے تمام مادوں میں نہیں ہے بلکہ غالب مادوں میں ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟

جی تو کہتے ہیں: «حَتَّى يُقَالَ» یہاں تک کہ یہ کہنا پڑے، اگر آپ اس «غَالِبًا» کو قید بنائیں ذوالحال کے معرفہ ہونے کے لیے، یہاں تک کہ پھر آپ کو یہ کہنا پڑے گا کہ «إِنَّ غَالِبِيَّةَ كَوْنِ صَاحِبِهَا مَعْرِفَةً» کہ ذوالحال کے معرفہ ہونے کا غالب ہونا «الْمُنْبِئَةَ عَنْ تَخَلُّفِهِ فِي بَعْضِ الْمَوَادِّ» جو کہ خبر دیتا ہے «عَنْ تَخَلُّفِهِ» اس کے خلاف ہونے کا «فِي بَعْضِ الْمَوَادِّ» بعض

مادوں میں، تو یہ جو غالبیت ہے جو بعض مادوں کے اندر خلاف ہونے کے بارے میں بتلا رہی ہے یہ «تُنَافِي الشَّرْطِيَّةَ» یہ شرط ہونے کے منافی ہے۔ «وَيُحْتَاجَ إِلَى أَنْ يُصْرَفَ الْكَلَامُ عَنْ ظَاهِرِهِ» اور پھر احتیاج پیش آئے گی کہ کلام کو اس کے ظاہر سے پھیرا جائے، یعنی «صَاحِبُهَا مَعْرِفَةٌ» کا عطف «أَنْ تَكُونَ نَكِرَةً» پر نہیں کرنا پڑے گا اس کو پھیرنا پڑے گا، «وَيُجْعَلَ قَوْلُهُ وَصَاحِبُهَا مَعْرِفَةٌ مُبْتَدَأً وَخَبَرًا مَعْطُوفًا عَلَى قَوْلِهِ وَشَرْطُهَا أَنْ تَكُونَ نَكِرَةً» اور مصنف کا قول «وَصَاحِبُهَا مَعْرِفَةٌ» جو ہے اس کو بنانا پڑے گا کیا بنانا پڑے گا؟ مبتدا اور خبر بنانا پڑے گا، «مَعْطُوفًا» اس حال میں کہ یہ معطوف ہوگا «عَلَى قَوْلِهِ» مصنف کے اس قول پر «وَشَرْطُهَا أَنْ تَكُونَ نَكِرَةً» پر، حالانکہ «صَاحِبُهَا مَعْرِفَةٌ» کا عطف کس پر ہے؟ «أَنْ تَكُونَ نَكِرَةً» پر ہے لیکن پھر عطف کرنا پڑے گا کس پر «شَرْطُهَا أَنْ تَكُونَ نَكِرَةً» پر بھائی۔ بات سمجھ میں آگئی؟

تو حاصلِ کلام یہ ہوا، یہ آخری دو تین سطروں میں صاحبِ جامی نے آپ کو بتلایا کہ یہ «غَالِبًا» جو ہے اس کو ذوالحال کے معرفہ ہونے کی شرط کے لیے قید بناؤ، ذوالحال کے معرفہ ہونے کے لیے قید نہ بناؤ۔ اگر آپ «غَالِبًا» کو قید بنائیں گے ذوالحال کے معرفہ ہونے کے لیے تو آپ کو کہنا پڑے گا کہ غالبیت یہ تو شرطیت کے منافی ہے، اور پھر آپ کو کلام کو ظاہر سے پھیرنا پڑے گا: ظاہر تو یہ ہے کہ یہ «كَانَ» کے اسم اور خبر ہیں لیکن آپ کو ظاہر سے پھیر کر ان کو کیا بنانا پڑے گا؟ مبتدا اور خبر بنانا پڑے گا اور پھر ان کا عطف آپ کو کس پر کرنا پڑے گا؟ «وَشَرْطُهَا أَنْ تَكُونَ نَكِرَةً» پر کرنا پڑے گا۔ یہ کس صورت میں ہے؟ اگر آپ «غَالِبًا» کو قید بنائیں گے کس کے لیے؟ ذوالحال کے معرفہ ہونے کے لیے۔ اس کے بجائے اگر آپ یوں کر لیں کہ یہ «غَالِبًا» کو قید بنا دیں ذوالحال کے معرفہ ہونے کی شرط کے لیے کہ ذوالحال کے معرفہ ہونے کی شرط جو ہے وہ غالب احوال میں ہے، کیونکہ حال کے واقع ہونے کے جو مادے ہیں اور جو ترکیبیں ہیں وہ دو قسم کی ہیں: کچھ وہ ترکیبیں ہیں جن کے اندر ذوالحال نکرہ مخصوصہ واقع ہوتا ہے، اور کچھ ان کے علاوہ مادے ہیں، کچھ ان کے علاوہ ترکیبیں ہیں، جو اس نکرہ مخصوصہ کے علاوہ جو ترکیبیں ہیں ان کے اندر ذوالحال کا معرفہ ہونا شرط ہے، ان کے اندر ذوالحال کا معرفہ ہونا شرط ہے اور یہ والے مادے اکثر ہیں، غالب ہیں۔ دیکھا اب دونوں باتیں درست ہو گئیں۔ بات سمجھ میں آگئی؟

چلیے بس بھائی، «هٰذَا هُوَ الْمَرَامُ وَاللّٰهُ أَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْكَلَامِ»۔

سبق نمبر ۱۴۴: الحال (۴): «وَأَرْسَلَهَا الْعِرَاكَ» اور حال کے معرفہ آنے کی تاویلات

شرحِ ملا جامی صفحہ: ۱۲۵ — بتاریخ: ۳۱ جنوری ۲۰۲۲ء

▪ تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث

آگے سبق دیکھیے بھئی:

وَأَرْسَلَهَا الْعِرَاكَ وَلَمْ يَذُدْهَا وَلَمْ يُشْفِقْ عَلَى نَغَصِ الدِّخَالِ، اَلْبَيْتُ لِلَبِيدٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ يَصِفُ الْحِمَارَ الْوَحْشَ وَالْأُتُنَ، يَقُولُ: أَرْسَلَ حِمَارُ الْوَحْشِ الْأُتُنَ، وَكَأَنَّ الْمُرَادَ بِالْإِرْسَالِ اَلْبَعْثُ وَالتَّخْلِيَةُ بَيْنَ الْمُرْسَلِ وَمَا يُرِيدُ.

گذشتہ سبق میں ہم حال کی شرائط پڑھ رہے تھے، اور صاحبِ کافیہ نے آپ کو بتلایا کہ حال کی ایک شرط یہ ہے کہ حال کو نکرہ ہونا چاہیے، اور حال کی دوسری شرط یہ ہے کہ صاحبِ حال یعنی ذوالحال جو ہے اس کو معرفہ ہونا چاہیے۔ اور پھر اس کے بعد آگے ایک قید آئی تھی «غَالِباً» بھئی، اور اس کی وجہ سے اعتراض ہو رہا تھا۔ اعتراض یہ کہ یہ «غَالِباً» اس کا تعلق بھی بنتا ہے بظاہر «صَاحِبُهَا مَعْرِفَةً» سے، اور یہ «صَاحِبُهَا مَعْرِفَةً» یہ «كَانَ» کے اسم اور خبر ہیں یعنی ان پر ان کا عطف ہے اور یہ «شَرْطُهَا» کے لیے خبر بن رہے ہیں۔ تو گویا «صَاحِبُهَا مَعْرِفَةً» اس کے ساتھ شرط کا بھی تعلق ہے اور اس کے ساتھ «غَالِباً» کا بھی تعلق ہے۔ تو ذوالحال کا معرفہ ہونا اس کے ساتھ شرط کا بھی تعلق اور اس کے ساتھ «غَالِباً» کا بھی تعلق۔ تو شرط سے پتہ چلا کہ ذوالحال کا معرفہ ہونا لازم ہے، اس کے خلاف نہیں ہو سکتا، اور آگے «غَالِباً» سے پتہ چلا کہ ذوالحال کا معرفہ ہونا غالب ہے، معلوم ہوا کبھی کبھار اس کے خلاف بھی ہو جاتا ہے۔ تو شرطیت دلالت کرتی ہے لزوم پر، اور غالبیت دلالت کرتی ہے عدمِ لزوم پر، یا یوں کہیں کہ شرطیت سے پتہ چلا کہ اس کے خلاف نہیں ہو سکتا یعنی ذوالحال کا جو معرفہ ہونا ہے اس کے خلاف نہیں ہو سکتا، اور غالبیت سے پتہ چلا کہ اس کے خلاف ہو سکتا ہے۔ یہ تو دونوں باتوں میں تناقض آیا بھئی، تعارض آیا۔

تو چنانچہ اسی اعتراض کی وجہ سے شارحین کو عبارت کو ظاہر سے پھیرنا پڑا۔ ظاہر تو یہی تھا کہ «صَاحِبُهَا مَعْرِفَةً» اس

کا عطف ہے «أَنْ تَكُونَ نَكِرَةً» پر، لیکن اس اشکال کی وجہ سے ان کو عبارت کو ظاہر سے پھیرنا پڑا، اور انہوں نے کہا کہ «صَاحِبُهَا مَعْرِفَةً» اس کا عطف «أَنْ تَكُونَ نَكِرَةً» پر نہ کریں بلکہ ان کو آپس میں مبتدا خبر بنائیں، اور پھر اس کا عطف ماقبل والے پورے جملے پر ہو جائے گا۔ تو گویا اس صورت میں پھر شرط ایک ہی ہوگی، حال کی ایک ہی شرط ہے کہ وہ نکرہ ہونا چاہیے، جبکہ آگے الگ بات بتلا رہے ہیں کہ ذوالحال کا معرفہ ہونا غالب اوقات کے اندر ہے۔

جبکہ صاحبِ جامی فرماتے ہیں کہ نہیں، ظاہر یہی ہے کہ «صَاحِبُهَا مَعْرِفَةً» جو ہے یہ «أَنْ تَكُونَ نَكِرَةً» پر عطف ہے، اور وہ تو «شَرْطُهَا» کی خبر ہے، تو یہ بھی «شَرْطُهَا» کی خبر۔ تو گویا یہاں پر دو شرطیں ہو گئیں: ایک شرط حال کی یہ ہے کہ وہ نکرہ ہونا چاہیے، دوسری شرط حال کی یہ ہے کہ اس کا ذوالحال معرفہ ہونا چاہیے۔ اور آگے جو «غَالِباً» آ رہا ہے اس کو ذوالحال کے معرفہ ہونے کے ساتھ نہ جوڑو ورنہ پھر اعتراض لازم آئے گا، کیونکہ ذوالحال کا معرفہ ہونا تو شرط ہے، بلکہ اس «غَالِباً» کو قید بناؤ ذوالحال کے معرفہ ہونے کی شرط کے لیے، بلکہ یوں کہو اس «غَالِباً» کو قید بناؤ شرط کے لیے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ شرط کے لیے قید بناؤ کہ حال کی جو شرط ہے کہ ذوالحال معرفہ ہونا چاہیے، یہ شرط حال کے تمام مادوں میں نہیں ہے بلکہ یہ شرط حال کے اکثر مادوں میں ہے۔ تو اشکال ختم ہو گیا۔ شرط ہونا بھی ٹھیک ہوا اور غالب ہونا بھی ٹھیک ہو گیا بھئی۔

اور پھر تفصیل بیان کی تھی صاحبِ جامی نے۔ انہوں نے بتلایا کہ حال کے واقع ہونے کے جو مادے ہیں اور حال کے واقع ہونے کی جو ترکیبیں ہیں وہ دو قسم پر ہیں: کچھ وہ ترکیبیں ہیں جن کے اندر ذوالحال نکرہ مخصصہ ہوگا، اور کچھ وہ ترکیبیں ہیں جو ان کے علاوہ ہیں، اور یہ جو ان کے علاوہ ترکیبیں ہیں وہ غالب ہیں، اور اس قسم کے اندر ذوالحال کا معرفہ ہونا شرط ہے۔ تو یہ دوسری قسم میں ذوالحال کا معرفہ ہونا بھی شرط، اور یہ حال کے غالب مادوں میں اسی طرح استعمال ہوتا ہے یعنی ذوالحال نکرہ مخصصہ کے علاوہ ہوتا ہے بھئی۔ بات سمجھ میں آگئی؟

اور پھر ذوالحال جو ہے وہ نکرہ مخصصہ کیسے ہو سکتا ہے؟ اس کی کئی صورتیں ذکر کیں صاحبِ جامی نے بھئی۔ ایک صورت یہ ہے کہ وہ ذوالحال جو ہے اس کی صفت آ جائے، جیسے «جَاءَنِي رَجُلٌ مِنْ بَنِي تَمِيمٍ فَارِسًا»۔ تو «رَجُلٌ» نکرہ ہے اور اس کے بعد جار مجرور «مِنْ بَنِي تَمِيمٍ» آیا یہ اس کے لیے صفت ہے، اور پھر جب یہ صفت آگئی تو اس «رَجُلٌ» نکرہ کے اندر تخصیص آگئی، تو اب اس کا ذوالحال ہونا اور اس سے آگے حال کا آنا صحیح۔

دوسری صورت یہ ہے نکرہ مخصصہ کے ذوالحال ہونے کی کہ وہ ایسا نکرہ ہو جس کے اندر استغراق ہو بھئی۔ جب استغراق آیا تو تمام افراد پر حکم لگ گیا، تو لہٰذا اب اس کے اندر اور کوئی احتمال ہی نہ رہا، ابہام ختم ہو گیا۔ تو ایسا نکرہ جس کے اندر استغراق آ جائے تو وہ معرفہ کی طرح ہو جاتا ہے، یعنی جیسے معرفہ میں کوئی ابہام نہیں ہوتا تو اس کے اندر بھی کوئی ابہام نہیں ہوتا۔ تو یہ معرفہ تو نہ بنا، البتہ معرفہ جیسا ہو گیا کہ اس کے اندر کوئی ابہام نہیں ہے کیونکہ اس میں تمام افراد پر حکم لگا دیا جاتا ہے۔

اور تیسری صورت یہ ذکر کی تھی کہ وہ نکرہ جو ہے حیزِ استفہام میں واقع ہو بھئی، جیسے «هَلْ أَتَاكَ رَجُلٌ رَاكِبًا»۔ یہ «رَجُلٌ» یہ نکرہ ہے، ذوالحال ہے، اور «رَاكِبًا» آگے اس سے حال آرہا ہے۔ تو اشکال ہوتا ہے کہ «رَجُلٌ» تو نکرہ ہے، نکرہ محض سے تو حال نہیں آسکتا، تو جواب یہ کہ یہ نکرہ تحت الاستفہام واقع ہے، اور وہ نکرہ جو تحت الاستفہام واقع ہو اس کے اندر بھی عموم ہوتا ہے، استغراق ہوتا ہے۔ لیکن یہ استغراق اس پہلے استغراق سے مختلف ہے۔ اس میں استغراق بایں لحاظ تھا کہ تمام افراد پر ایک حکم لگا دیا جاتا ہے، «كُلُّ أَمْرٍ حَكِيمٍ» جو ہے ہر حکمت والے معاملے پر حکم لگا دیا کس چیز کا؟ «أَمْرًا مِنْ عِنْدِنَا» کہ یہ ہماری طرف سے حکم ہوتا ہے۔ جبکہ یہاں پر جو استفہام کے تحت نکرہ آتا ہے اس میں جو استغراق آتا ہے وہ عَلَى سَبِيلِ الْبَدَل ہے، آپ نے کسی سے پوچھا «هَلْ أَتَاكَ رَجُلٌ رَاكِبًا» کیا آپ کے پاس کوئی آدمی سوار ہو کر آیا ہے؟ تو اب اس کے اندر استغراق بایں لحاظ ہے کہ رجل اس کے اندر متعین نہیں، تو آپ گویا دنیا کے ہر ہر رجل کو لے کر اس سے ہر ایک کے بارے میں پوچھ رہے ہیں: کیا یہ والا رجل آپ کے پاس آیا تھا سوار ہو کر؟ کیا یہ والا رجل آپ کے پاس سوار ہو کر آیا تھا؟ کیا یہ والا رجل آپ کے پاس سوار ہو کر آیا تھا؟ تو دیکھو اس میں بھی استغراق آگیا، لیکن یہ استغراق کس طریقے پر ہے؟ تمام افراد پر بیک وقت حکم نہیں ہے بلکہ ہر ہر فرد جو ہے اس کے بارے میں عَلَى سَبِيلِ الْبَدَل پوچھا جا رہا ہے۔

اور کبھی کبھار استغراق اس وقت آئے گا جب ذوالحال جو ہے وہ «إِلَّا» سے ماقبل تحت النفی واقع ہو، «إِلَّا» سے ماقبل تحت النفی واقع ہو اور پھر «إِلَّا» آکر اس کی نفی کو توڑ دے، جیسے «مَا جَاءَنِي رَجُلٌ إِلَّا رَاكِبًا»۔ یہ «رَجُلٌ» یہ ذوالحال ہے اور اس سے ماقبل «مَا» حرفِ نفی آرہا ہے اور «إِلَّا» نے آکر اس نفی کو توڑ دیا۔ «مَا جَاءَنِي رَجُلٌ إِلَّا رَاكِبًا» میرے پاس کوئی آدمی نہیں آیا مگر سوار ہو کر، معلوم ہوا سوار ہو کر آئے ہیں، کچھ لوگ سوار ہو کر آئے ہیں۔ تو دیکھا اس «إِلَّا» نے ماقبل کی نفی کو توڑ دیا۔ ماقبل میں تو تھا میرے پاس کوئی آدمی نہیں آیا، لیکن آگے آگیا کہ سوار ہو کر کچھ لوگ آئے ہیں۔ تو یہاں پر بھی یہ جو نکرہ ہے تحت النفی واقع ہے، اس لیے یہ عموم اور استغراق کا فائدہ دے رہا ہے۔

اور پانچویں صورت یہ ذکر کی کہ وہ ذوالحال ایسا نکرہ ہو کہ اس پر اس کے حال کو مقدم کر دیا جائے، جیسے «مَا جَاءَنِي رَاكِبًا رَجُلٌ»۔ تو یہاں «رَجُلٌ» ذوالحال ہے اور «رَاكِبًا» حال کو اس پر مقدم کر دیا گیا، اور آپ پڑھ چکے ہیں کہ «تَقْدِيمُ مَا حَقُّهُ التَّأْخِيرُ يُفِيدُ الْحَصْرَ وَالْقَصْرَ وَالتَّخْصِيصَ»۔ تو اس کی وجہ سے اس ذوالحال میں کیا آگئی؟ تخصیص آگئی، یہ نکرہ مخصصہ ہو گیا، تو اب اس سے حال کا آنا صحیح ہوا۔ تو حال کی جتنی ترکیبیں ہیں ان کے اندر ذوالحال کبھی نکرہ مخصصہ ہوگا جیسے کہ یہ پانچ قسمیں بیان ہو گئیں، اور باقی ترکیبیں وہ ہیں جن میں ذوالحال ان کے علاوہ ہوگا، اور وہ ترکیبیں غالب ہیں، اکثر وہ ترکیبیں استعمال ہوتی ہیں اور ان کے اندر ذوالحال کا معرفہ ہونا شرط ہے بھئی۔

جی، اب آئیے آج کے سبق پر۔ کہتے ہیں: وَأَرْسَلَهَا الْعِرَاكَ وَلَمْ يَذُدْهَا وَلَمْ يُشْفِقْ عَلَى نَغَصِ الدِّخَالِ، اَلْبَيْتُ لِلَبِيدٍ رَضِيَ

اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ يَصِفُ الْحِمَارَ الْوَحْشَ وَالْأُتُنَ۔ بھئی دیکھیے انہوں نے آپ کو بتلا دیا کہ حال کے اندر شرط یہ ہے کہ حال ہمیشہ نکرہ ہوگا۔ اب اس پر اشکال ہوتا ہے کہ «وَأَرْسَلَهَا الْعِرَاكَ» یہ شعر کا مصرع ہے بھئی، آدھا مصرع ہے «وَأَرْسَلَهَا الْعِرَاكَ»۔ اس مثال کے اندر «الْعِرَاكَ» یہ جو ہے حال واقع ہو رہا ہے اور یہ تو معرفہ ہے، اس پر الف لام داخل ہے، حالانکہ آپ نے ہمیں کیا بتایا کہ حال کا نکرہ ہونا شرط ہے، لازم ہے۔ اسی طرح اگلے متن میں دیکھیے: «وَمَرَرْتُ بِهِ وَحْدَهُ» اس مثال کے اندر دیکھو یہ «وَحْدَهُ» حال ہے «بِهِ» کی «هَاء» ضمیر سے، «بِهِ» کی «هَاء» ضمیر سے، اور یہ دیکھو یہ معرفہ ہے: «وَحْدَ» مضاف، «هَاء» ضمیر مضاف الیہ، اور یہ کوئی لفظ جب معرفہ کی طرف مضاف ہو جائے تو وہ بھی کیا بن جاتا ہے؟ معرفہ۔ تو یہ «وَحْدَهُ» حال ہے اور یہ معرفہ ہے، حالانکہ آپ نے ہمیں کہا کہ حال کے اندر شرط یہ ہے کہ وہ نکرہ ہونا چاہیے۔ تو اب وہ اشکال جو ہے اس کا جواب دیں گے صاحبِ کافیہ بھئی۔

تو کہتے ہیں «وَأَرْسَلَهَا الْعِرَاكَ» متن متن دیکھیے، تو کہتے ہیں: «وَأَرْسَلَهَا الْعِرَاكَ وَمَرَرْتُ بِهِ وَحْدَهُ وَنَحْوُهُ» اور اس جیسی جو مثالیں ہیں یعنی جن کے اندر حال معرفہ نظر آ رہا ہے بظاہر، کہتے ہیں اس جیسی جو مثالیں ہیں «مُتَأَوَّلٌ» ان میں تاویل کی گئی ہے، ان میں تاویل کی گئی ہے۔ جی، تفصیل آگے شرح کے ساتھ بیان ہو جائے گی۔

اب دیکھیے شرح کے ساتھ بھئی۔ کہتے ہیں: وَأَرْسَلَهَا الْعِرَاكَ وَلَمْ يَذُدْهَا وَلَمْ يُشْفِقْ عَلَى نَغَصِ الدِّخَالِ۔ یہ شعر ہے حضرت لبید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بھئی۔ حضرت لبید ابن ربیعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ عرب کے چوٹی کے شعراء میں سے تھے بھئی، حتیٰ کہ ان کا قصیدہ جو ہے وہ بھی شامل ہے سبعہ معلقات کے اندر۔ عرب کے وہ مشہور قصیدے جن کو سوقِ عکاظ میں یا بیت اللہ کے ساتھ لٹکایا جاتا تھا، عرب جو ہے لوگوں کو اپنی فصاحت و بلاغت دکھانے کے لیے ان کو وہاں لٹکاتے تھے کہ دنیا والوں کو پتہ چلے کہ ہماری زبان اور ہمارے شعراء کتنے فصیح و بلیغ ہیں۔ تو ان کا بھی ایک قصیدہ اس کے اندر شامل ہے بھئی، اور یہ پھر بعد میں اسلام لے آئے، حضور علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اسلام لے آئے تھے۔ تو یہ ان کا ایک شعر ہے۔ اس شعر کے اندر دیکھو «الْعِرَاكَ» جو ہے یہ حال واقع ہو رہا ہے اور یہ معرفہ ہے بھئی، اور یہ شعر کس کا ہے؟ عرب کے چوٹی کے شعراء میں سے جو شاعر ہیں ان کا شعر ہے، لہٰذا آپ اس کو غلط بھی نہیں کہہ سکتے۔ تو اس کا جواب صاحبِ کافیہ دیں گے کہ ان میں تاویل کی گئی ہے، ان میں تاویل کی گئی ہے کہ یہ صورتاً تو معرفہ ہیں لیکن حقیقت میں یا یوں کہیں معنیٰ کے اعتبار سے یہ نکرہ ہیں بھئی۔ دیکھیے بھئی ترجمہ دیکھیے: وَأَرْسَلَهَا الْعِرَاكَ۔ «أَرْسَلَ يُرْسِلُ إِرْسَالاً» کا ایک معنیٰ ہوتا ہے بھیجنا، اور اسی طرح یاد رکھو «أَرْسَلَ يُرْسِلُ إِرْسَالاً» کا ایک معنیٰ ہے آزاد چھوڑ دینا، اور یہاں یہی معنیٰ مراد ہے۔ ارسال کا ایک معنیٰ کیا ہے؟ بھیجنا، اور ایک معنیٰ ہے آزاد چھوڑ دینا۔ یہاں «أَرْسَلَ» کا معنیٰ ہے آزاد چھوڑ دینا۔ اردو کی شروحات وغیرہ آپ اٹھائیں گے تو ان سب نے اس کا معنیٰ بھیجنے کے کیے ہیں، لیکن یاد رکھنا یہاں اس کا معنیٰ بھیجنا نہیں۔ میں آگے وجہ بھی ذکر کروں گا کہ یہاں کیا معنیٰ ہے: آزاد چھوڑنا ہے، بھیجنا معنیٰ نہیں ہے بھئی۔ تو آزاد چھوڑنے کو بھی ارسال کہتے ہیں۔

چنانچہ آپ پڑھیں گے بھئی آگے، دیکھو ہم تو نماز کے اندر ہاتھ باندھتے ہیں، نماز شروع کرتے ہیں اور ہاتھ باندھ لیتے ہیں سینے پر، جبکہ امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک سنت یہ ہے کہ ہاتھوں کو کھلا چھوڑ دیا جائے، جیسے رکوع کے بعد آپ ہاتھوں کو کھلا چھوڑ دیتے ہیں، باندھتے نہیں ہیں۔ امام مالک جو ہیں ان کا مذہب یہی ہے کہ نماز کے اندر مسنون یہ ہے کہ ہاتھوں کو کھلا چھوڑ دیا جائے۔ چنانچہ جب آپ حرمین کے سفر پر جائیں گے—اللہ تعالیٰ ہم سب کو بار بار وہاں کی زیارتیں اور وہاں کے سفر نصیب فرمائے بھئی—تو وہاں جب آپ جائیں گے تو آپ دیکھیں گے کہ امام مالک رحمہ اللہ کے مذہب پر جتنے لوگ ہیں وہ نماز کے اندر ہاتھ کھول کر کھڑے ہیں بھئی۔ تو اس کو کہتے ہیں ارسال، یہ جو ہاتھ کھلے چھوڑ دیے جائیں اس کو کیا کہتے ہیں؟ ارسال کہتے ہیں۔ تو یہاں یہ معنیٰ ہے ارسال کا: کھلا چھوڑ دینا۔ تو یہ ہوا یہ کہ حضرت لبید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کسی زمانے میں جنگل میں سے گزر رہے تھے بھئی، صحرا کے اندر گزر رہے تھے اور وہاں...

وہاں انہوں نے دیکھا کہ ایک جنگلی گدھا اونچی جگہ پر کھڑا ہے اور نیچے جو جنگلی گدھیاں ہیں یعنی جو مؤنث ہیں، مؤنث ہیں، وہ پانی کے پاس جمع ہیں، ساری انہوں نے ہجوم لگایا ہوا ہے اور پانی پی رہی ہیں، جبکہ جو مذکر جنگلی گدھا ہے ایک وہ ایک اونچی جگہ پر وہاں کھڑا ہے، وہ پانی کے لیے نہیں گیا بھئی۔ گویا یوں معلوم ہوتا تھا کہ یہ مذکر جو ہے اس کو شکاریوں کے حملے کا خوف ہے، تو یہ اونچی جگہ پر کھڑا ہو کر گویا ان سب کی حفاظت کا کام سرانجام دے رہا ہے، اور وہ سب پانی پینے میں مصروف ہیں اور یہ اونچی جگہ پر کھڑا ہو کر شکاریوں پر نظر رکھے ہوئے ہے کہ کوئی شکاری نہ آجائے بھئی۔ تو حضرت لبید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یہ منظر بڑا عجیب معلوم ہوا کہ دیکھو مذکر جو ہے وہ ان مؤنث کی حفاظت کر رہا ہے، تو انہوں نے پھر یہ شعر کہا۔

تو کیا کہتے ہیں؟ وَأَرْسَلَهَا الْعِرَاكَ۔ «أَرْسَلَ يُرْسِلُ إِرْسَالاً» کا فاعل جو ہے وہ حمارِ وحشی ہے، وہ حمارِ وحشی، وہ جنگلی گدھا۔ اور یہ «هَا» ضمیر جو ہے یہ «أُتُن» کو راجع ہے، «أُتُن» جمع ہے «أَتَان» کی، اور «أَتَان» کہتے ہیں وہ جو جنگلی گدھی ہے جو مؤنث ہے بھئی، حمارِ وحشی کی جو مؤنث ہے اس کو کیا کہتے ہیں؟ «أَتَان»۔ مذکر کو کیا کہتے ہیں؟ «حِمَار» اور مؤنث کو کیا کہتے ہیں؟ «أَتَان» کہتے ہیں، اور اس کی جمع «أُتُن» آتی ہے، اور یہ «هَا» ضمیر «أُتُن» کو راجع ہے۔ وَأَرْسَلَهَا اور اس حمارِ وحشی نے ان «أُتُن» کو آزاد چھوڑ دیا الْعِرَاكَ اس حال میں کہ وہ ہجوم کرنے والی تھیں۔ وہ ساری پانی پر اکٹھی ہو گئیں، تو ہجوم لگ گیا بھئی، ایک دوسرے سے ٹکرا رہی ہیں، ایک دوسرے کو دھکے دے رہی ہیں، ساری پانی پر جمع ہیں، پانی پینے کی کوشش کر رہی ہیں۔ تو کہتے ہیں وَأَرْسَلَهَا الْعِرَاكَ کہ جنگلی گدھے نے ان سب جو ہیں وہ جو مؤنث ہیں ان کو آزاد چھوڑ دیا اس حال میں کہ وہ ہجوم کرنے والی تھیں۔

وَلَمْ يَذُدْهَا۔ «ذَادَ يَذُودُ» کا معنیٰ ہے منع کرنا۔ وَلَمْ يَذُدْهَا اور اس نے اس جنگلی گدھے نے «لَمْ يَذُدْهَا» ان کو منع نہیں کیا، ان کو روکا نہیں، یعنی اس ہجوم لگانے سے اس نے ان کو نہیں روکا، نہیں منع کیا۔

وَلَمْ يُشْفِقْ۔ «أَشْفَقَ يُشْفِقُ إِشْفَاقاً» کا معنیٰ ہے یہاں ڈرنا اور خوف کرنا۔ وَلَمْ يُشْفِقْ اور اس نے خوف نہیں کیا، جنگلی گدھے نے خوف نہیں کیا، عَلَى نَغَصِ الدِّخَالِ۔ «نَغَص» کہتے ہیں کہ کوئی پینے والا پوری طرح پیٹ بھر کر نہ پی سکے، اس کو کہتے ہیں نغص، یعنی شرب کا ادھورا رہ جانا، شرب کا ادھورا رہ جانا، نامکمل رہ جانا اس کو کہتے ہیں نغص۔ اور «دِخَال» یاد رکھو آگے چل کر آگے صاحبِ جامی بھی مکمل شرح کریں گے، یہ جو باتیں میں بیان کر رہا ہوں یہ ساری شرح کے اندر بھی وہ ذکر کریں گے۔ دِخال یاد رکھو، دِخال اونٹوں کو پانی پلانے کا ایک خاص طریقہ ہے۔ یاد رکھو عرب جو ہیں نا عرب، یہ اونٹوں کو دس دس، بارہ بارہ دن کے بعد پانی پلاتے تھے۔ یہ چونکہ صحراؤں میں یہ رہتے ہیں اور صحراؤں کے اندر پانی بڑا کم ملتا ہے تو اللہ تعالیٰ نے ان کو اونٹ جیسی سواری نصیب فرما دی۔ اب صحرا کے اندر کوئی اور جانور ہو وہ تو پیاسا ایک دو دن سے زیادہ نہیں گزار سکے گا، مر جائے گا بھئی، لیکن یہ اونٹ کو اللہ نے ایسا بنایا کہ یہ پانی کو جسم کے اندر جو ہے ذخیرہ کر لیتا ہے، اور پھر وہ دس بارہ دن تک اسی پانی کو ضرورت کے مطابق اس کا بدن اس کو استعمال کرتا رہتا ہے۔ اور نیز پھر یہ جو اونٹ ہے اس کے پاؤں اللہ نے خوب چوڑے چوڑے بنا دیے۔ عام جانور جب ریت کے اندر چلتا ہے—آپ بھی ریت کے اندر چلیں گے تو بڑا دشوار ہوتا ہے چلنا کیونکہ پاؤں ریت کے اندر دھنستے ہیں تو کئی گنا زیادہ طاقت لگانی پڑتی ہے ہر قدم پر بھئی—تو جبکہ یہ اونٹ کے پاؤں بڑے چوڑے ہوتے ہیں، یہ ریت پر چلتا ہے تو اس کے پاؤں ریت کے اندر دھنستے نہیں ہیں۔ اور اسی طرح صحرا کے اندر تو ہوا چلتی ہے تو بہت زیادہ ریت اڑتی ہے، تو اللہ تعالیٰ نے اونٹ کی آنکھوں پر باریک پردے بنا دیے، باریک پردے، باریک سی جھلی ہوتی ہے اس کی آنکھوں کے اوپر بھئی، چنانچہ اگر آندھی بھی چل رہی ہو، جتنی بھی مٹی اڑ رہی ہو اس کو آنکھیں بند کرنے کی حاجت پیش نہیں آتی، وہ جھلی جو ہے وہ ساری ریت اور مٹی کو اپنے اوپر روک لیتی ہے۔

تو یہ جو اونٹ ہے اس کو عرب دس بارہ دن کے بعد پانی پلانے کے لیے لاتے تھے، تو اب ایک دفعہ پانی پر جب لے آئے تو بعض اوقات یہ خوف ہوتا کہ پتہ نہیں اس نے پیٹ بھر کر پانی پیا ہے یا نہیں پیا۔ تو چنانچہ پھر جب اونٹ پانی پی لیتے تو پھر اس اونٹ کو دوبارہ دو اونٹوں کے درمیان پھر پانی پر لے آتے، دو ایسے اونٹ جنہوں نے ابھی تک پانی نہیں پیا۔ یہ ایک تو پانی پی چکا ہے لیکن اس کے بارے میں خوف ہے کہ شاید اس نے ابھی پانی پورا نہیں پیا ہوگا، تو دو پیاسے اونٹوں کے درمیان اس کو لے آتے تھے۔ اب وہ دو پیاسے اونٹ جب پانی پر پہنچیں گے وہ تو خوب پانی پئیں گے، تو یہ جب درمیان میں ان دونوں کو دیکھے گا تو یہ بھی کچھ نہ کچھ پانی پی لے گا، تو اگر ہو سکتا ہے اس نے پوری طرح پیا نہ ہو تو اب یہ بھی سیر ہو جائے گا پانی سے اچھی طرح بھئی۔ تو یہ جو اونٹوں کو پانی پلانے کا طریقہ تھا، دو پیاسے اونٹوں کے درمیان لا کر دوبارہ پانی پلانا، اس کو کہتے تھے دِخال بھئی۔ کیا کہتے تھے؟ دِخال، داخل سے ہے، دیکھو اس کو دو اونٹوں کے درمیان داخل کر دیا تاکہ وہ اچھی طرح پانی پی لے، اور اس کو «شِرْبٌ دِخَالٌ» یا «شُرْبٌ دِخَالٌ» کہتے تھے یعنی دِخال والا پینا بھئی۔ بات سمجھ میں آ

گئی؟

تو کہتے ہیں: وَلَمْ يُشْفِقْ اور اس جنگلی گدھے نے خوف نہیں کیا، وہ ڈرا نہیں، عَلَى نَغَصِ الدِّخَالِ۔ عَلَى نَغَصِ، نغص کا کیا معنیٰ؟ شرب کا ادھورا رہ جانا، پیٹ بھر کے پانی نہ پینا۔ تو اس نے خوف نہیں کیا عَلَى نَغَصِ الدِّخَالِ۔ میں نے دِخال کا معنیٰ بیان کر دیا لیکن یہاں دِخال کا معنیٰ کر لیں آپ مداخلت بھئی، مداخلت۔ وجہ یہ کہ دِخال تو اس حیوان کے لیے ہوگا جو آپ کے قابو میں ہے، توجہ ہے؟ اونٹ آپ کے قابو میں ہے وہاں آپ دِخال کر سکتے ہیں، لیکن جنگلی گدھے اور جنگلی گدھیاں جو ہیں ان کے اندر تو دِخال نہیں ہو سکتا، وہ تو آپ کے قابو میں ہی نہیں ہیں۔ تو یہاں دِخال کس معنیٰ میں ہے؟ مداخلت کے معنیٰ میں ہے یعنی وہ جنگلی گدھیاں تھیں وہ آپس میں ایک دوسرے کے اندر گھسی ہوئی تھیں، ایک دوسرے کے ساتھ ٹکرا رہی تھیں، اور اس ٹکرانے کی وجہ سے خوف تھا—اس ٹکرانے کی وجہ سے خوف پیدا ہوتا ہے کہ شاید یہ پانی پوری طرح نہ پی سکیں۔ بھئی ظاہر سی بات ہے ایک حیوان ہے اطمینان سے آ کر پانی پیتا ہے، اور ایک ہجوم لگا ہوا ہے، ایک دوسرے کے ساتھ دھکے لگ رہے ہیں تو یقیناً اس حالت میں بہت سے ایسے حیوان بھی رہ جائیں گے جو پوری طرح سیر نہ ہوئے ہوں بھئی۔ تو لہٰذا وہ کہتے ہیں وَلَمْ يُشْفِقْ عَلَى نَغَصِ الدِّخَالِ اور وہ حمارِ وحشی نے خوف نہیں کیا عَلَى نَغَصِ الدِّخَالِ، کس چیز کا خوف نہیں کیا؟ دِخال کے نغص پر، دِخال کے—یہاں دِخال کا کیا معنیٰ کر لیں؟ آپس میں ایک دوسرے کے درمیان مداخلت، ایک دوسرے کے اندر گھسے ہوئے ہونا، ایک دوسرے کو دھکے دینا۔ تو اس نے خوف نہیں کیا عَلَى نَغَصِ الدِّخَالِ دِخال کے نغص پر یعنی کہ اس دِخال کی وجہ سے کہیں ان کا پینا ادھورا نہ رہ جائے، یہ خوف اس نے نہیں کیا۔ معنیٰ سمجھ میں آ گیا؟

پھر دیکھیے ترجمہ: وَأَرْسَلَهَا الْعِرَاكَ اور حمارِ وحشی نے آزاد چھوڑ دیا ان جنگلی گدھیوں کو الْعِرَاكَ اس حال میں کہ وہ ہجوم کرنے والی تھیں، وَلَمْ يَذُدْهَا اور اس حمارِ وحشی نے منع نہیں کیا ان کو اس طرح ہجوم لگانے سے، وَلَمْ يُشْفِقْ اور اس نے خوف نہیں کیا عَلَى نَغَصِ الدِّخَالِ دِخال کے نغص کا، دِخال کے نغص پر اس نے خوف نہیں کیا کہ کہیں اس مداخلت کی وجہ سے یہ پوری طرح سیر ہو کر نہ پی سکیں، اس کا اس نے خوف نہیں کیا۔ تو «نَغَصِ» ہوا مضاف، «الدِّخَالِ» ہے مضاف الیہ۔ دیکھو خوف نہیں کیا کس چیز کا؟ کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ پیٹ بھر کر پانی نہ پی سکیں، اور کس وجہ سے؟ دِخال کی وجہ سے، گویا دِخال یعنی آپس کی مداخلت، آپس کی جو مداخلت ہے اس کی وجہ سے کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ پیٹ بھر کر پانی نہ پی سکیں۔ تو یہ «نَغَصِ» مسبَّب کی اضافت ہے سبب کی طرف۔ توجہ ہے؟ یہ مسبَّب کی اضافت ہے سبب کی طرف۔ پوری طرح سیر ہو کر نہ پی سکیں گی اس کا سبب کیا ہوگا؟ دِخال یعنی آپس کی مداخلت، آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ ٹکرانا، تو یہ مداخلت سبب بنے گا کس چیز کا؟ پوری طرح نہ پینے کا۔ تو مداخلت ہے سبب اور نغص ہے اس کا مسبَّب، تو یہ اضافت ہو رہی ہے مسبَّب کی سبب کی طرف۔ بات سمجھ میں آ گئی؟ تو کہتے ہیں وَلَمْ يُشْفِقْ عَلَى نَغَصِ الدِّخَالِ اور اس نے خوف نہیں کیا دِخال کے

نغص کا یعنی دِخال کے سبب سے نغص کا اس نے خوف نہیں کیا، معلوم ہوا یہ اضافت ہے مسبَّب کی سبب کی طرف۔

دیکھیے بھئی اب یہی شرح کریں گے صاحبِ جامی۔ کہتے ہیں: اَلْبَيْتُ لِلَبِيدٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ يَصِفُ الْحِمَارَ الْوَحْشَ وَالْأُتُنَ، کہ یہ شعر حضرت لبید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ہے جو تعریف فرما رہے ہیں حمارِ وحشی کی اور اُتُن کی۔ يَقُولُ تو وہ کہتے ہیں: أَرْسَلَ حِمَارُ الْوَحْشِ الْأُتُنَ، کہ آزاد چھوڑ دیا حمارِ وحشی نے اُتُن کو۔ وَكَأَنَّ الْمُرَادَ بِالْإِرْسَالِ اَلْبَعْثُ وَالتَّخْلِيَةُ بَيْنَ الْمُرْسَلِ وَمَا يُرِيدُ۔ اور گویا کہ ارسال سے مراد جو ہے اَلْبَعْثُ، بعث کا معنیٰ بھی آزاد چھوڑنا—یاد رکھو میں نے بتایا آپ کو ارسال کا معنیٰ بھیجنا بھی اور آزاد چھوڑنا بھی، اور اسی طرح بعث کے بھی یہی دونوں معنیٰ آتے ہیں، بعث کا معنیٰ بھی بھیجنا بھی اور آزاد چھوڑنا بھی۔ عام شارحین اس کا کیا ترجمہ کرتے ہیں کہ ارسال کا معنیٰ ہے بھیجنا، اس نے بھیجا ان کو پانی پلانے کے لیے، حالانکہ بھیجنا— بھیجنے کا کام تو یہ جنگلی گدھا نہیں کر سکتا، بھیجنا تو ذوی العقول کا کام ہے، بات سمجھ میں آ رہی ہے کہ کسی کو کسی چیز کے لیے بھیجا جائے یہ ذوی العقول کا کام ہے—تو میں نے اسی لیے کہا کہ یہاں ارسال کا کیا معنیٰ کرو؟ آزاد چھوڑنا، اور البعث کا بھی یہی معنیٰ آتا ہے آزاد چھوڑنا، اور دلیل کیا ہے؟ دلیل یہ آگے جو معنیٰ کر رہے ہیں: وَالتَّخْلِيَةُ بَيْنَ الْمُرْسَلِ وَمَا يُرِيدُ کہ آزاد چھوڑ دینا مُرسَل اور جس کا وہ ارادہ کرتا ہے—مُرسَل جس کو آزاد چھوڑا گیا ہے— تخلیہ کر دینا کس کے درمیان؟ مُرسَل وَمَا يُرِيدُ کے درمیان جس کا وہ ارادہ کر رہا ہے۔ دیکھو بھیجنے کا کام یہ تو جنگلی گدھا نہیں کر سکتا، ہاں آزاد چھوڑنے کا کام کر سکتا ہے۔ کس طرح؟ آزاد چھوڑنے کا کام کس طرح کر سکتا ہے؟ یہ بھی تو وہ نہیں کر سکتا، آزاد چھوڑنے کا تو معنیٰ یہ ہے کہ پہلے ایک چیز بندھی ہوئی ہو پھر آپ اس کو کیا کر دیں؟ چھوڑ دیں۔ کہتے ہیں یہاں گویا شاعر کا ارادہ یہ ہے، آزاد چھوڑنے سے مراد یہ ہے کہ اس نے وہ جو مُرسَل ہیں جن کو آزاد چھوڑا ہے اور جس کا انہوں نے ارادہ کیا ہے ان کے درمیان کوئی رکاوٹ نہیں ڈالی، ان کے درمیان کوئی رکاوٹ نہیں ڈالی، تو کوئی رکاوٹ نہ ڈالنا یہ ایسے ہی ہے جیسے آزاد چھوڑ دیا۔ تو یہ تخلیہ سے پتہ چلا کہ ارسال کا یہاں کون سا معنیٰ ہے؟ آزاد چھوڑنا ہے، یہاں بھیجنے کا معنیٰ نہیں بنتا۔ تو کہتے ہیں: وَكَأَنَّ الْمُرَادَ بِالْإِرْسَالِ اَلْبَعْثُ وَالتَّخْلِيَةُ بَيْنَ الْمُرْسَلِ وَمَا يُرِيدُ۔ دیکھو اب یہ معنیٰ بیان کر رہے ہیں ارسال کا، اور اَلْبَعْثُ وَالتَّخْلِيَةُ، بعث لے کر آئے، لیکن بعث کے بھی وہی دونوں معنیٰ آتے تھے جو ارسال کے دونوں معنیٰ آتے ہیں، تو آگے پھر عطفِ تفسیری کر کے اور اس کی وضاحت کر دی کہ ارسال کا معنیٰ بھیجنا نہیں ہے بلکہ ان کے درمیان رکاوٹ نہ بننا ہے۔ تو کہتے ہیں: وَكَأَنَّ الْمُرَادَ بِالْإِرْسَالِ اَلْبَعْثُ وَالتَّخْلِيَةُ بَيْنَ الْمُرْسَلِ وَمَا يُرِيدُ، اور گویا کہ ارسال سے مراد جو ہے آزاد چھوڑنا ہے، وَالتَّخْلِيَةُ بَيْنَ الْمُرْسَلِ وَمَا يُرِيدُ اور خلوت کر دینا یعنی آزاد چھوڑ دینا مُرسَل وَمَا يُرِيدُ کو، یعنی مُرسَل جن کو آزاد چھوڑا گیا ہے اور وہ جس کا وہ ارادہ کرتے ہیں یعنی پانی کا اس کے درمیان تخلیہ کر دینا، یعنی اس میں کوئی رکاوٹ نہ ڈالنا۔

أَيْ أَرْسَلَهَا مُعْتَرِكَةً مُتَزَاحِمَةً۔ دیکھو اب معنیٰ بیان کر رہے ہیں شعر کا۔ شعر میں کیا آیا تھا؟ وَأَرْسَلَهَا الْعِرَاكَ۔ اب معنیٰ کر رہے ہیں: أَيْ أَرْسَلَهَا مُعْتَرِكَةً مُتَزَاحِمَةً۔ «مُعْتَرِكَةً» اِعْتَرَكَ يَعْتَرِكُ اِعْتِرَاك جو ہے اس کا معنیٰ ہے ہجوم کرنا، بھیڑ لگانا،

اور «مُتَزَاحِمَةً» تزاحم کہتے ہیں آپس میں ایک دوسرے سے ٹکرانا، ایک دوسرے کو دھکیلنا، اس کو کیا کہتے ہیں؟ تزاحم بھئی۔ دیکھو اب «الْعِرَاكَ» کا ترجمہ کس کے ساتھ کر رہے ہیں؟ «مُعْتَرِكَةً» کے ساتھ۔ «الْعِرَاكَ» تھا معرفہ، اور «مُعْتَرِكَةً» اس کا ترجمہ کس کے ساتھ کر رہے ہیں؟ نکرہ کے ساتھ، یعنی یہ حال جو ہے یہ صورت کے اعتبار سے معرفہ ہے لیکن معنیٰ کے اعتبار سے یہ نکرہ ہے کیونکہ حال میں شرط ہے کہ وہ نکرہ ہونا چاہیے۔ تو «الْعِرَاكَ» کس معنیٰ میں ہوا؟ «مُعْتَرِكَةً» کے معنیٰ میں ہوا، اور «مُعْتَرِكَةً» دیکھو یہ تو نکرہ ہے بھئی۔ تو کہتے ہیں: أَيْ أَرْسَلَهَا مُعْتَرِكَةً مُتَزَاحِمَةً، یعنی اس حمارِ وحشی نے ان أُتُن کو آزاد چھوڑ دیا مُعْتَرِكَةً اس حال میں کہ وہ ہجوم کر رہی تھیں، مُتَزَاحِمَةً آپس میں ایک دوسرے سے ٹکرا رہی تھیں۔

وَلَمْ يَذُدْهَا أَيْ وَلَمْ يَمْنَعْهَا عَنِ الْعِرَاكِ، اور اس نے ان کو منع نہیں کیا ہجوم لگانے سے۔ وَلَمْ يُشْفِقْ أَيْ وَلَمْ يَخَفْ عَلَى نَغَصِ الدِّخَالِ، اور اس نے خوف نہیں کیا اس بات پر کہ کہیں نغص نہ ہو دِخال کی وجہ سے، یعنی پینا جو ہے مکمل نہ ہو، پینا ان کا ادھورا رہ جائے کس کی وجہ سے؟ دِخال کی وجہ سے، اس کا اس نے خوف نہیں کیا۔ أَيْ عَلَى أَنَّهُ لَمْ يَتِمَّ شُرْبُ بَعْضِهَا لِلْمَاءِ بِالدِّخَالِ، یعنی خوف نہیں کیا اس بات پر کہ پورا نہیں...

ہوگا شُرْب بعضہا ان میں سے بعض کا پینا، یعنی بعض پوری طرح سیر ہو کر نہیں پی سکیں گی، لِلْمَاءِ پانی کو، بِالدِّخَالِ آپس میں باہمی مداخلت کی وجہ سے۔ تو کہتے ہیں، پھر دیکھیے: وَلَمْ يُشْفِقْ أَيْ وَلَمْ يَخَفْ عَلَى نَغَصِ الدِّخَالِ، اور اس نے خوف نہیں کیا نغص الدخال پر، أَيْ عَلَى أَنَّهُ لَمْ يَتِمَّ شُرْبُ بَعْضِهَا لِلْمَاءِ، یعنی اس بات پر کہ ان میں سے بعض کا پانی کو پینا وہ مکمل نہ ہو سکے گا، بِالدِّخَالِ کس کی وجہ سے؟ دخال کی وجہ سے۔ دیکھو یہ با سببیت لے آئے، بتلانا یہ چاہتے ہیں کہ نغص کی اضافت جو دخال کی طرف ہو رہی ہے وہ مسبَّب کی اضافت ہے سبب کی طرف۔ یہ دخال سبب بن سکتا ہے اس نغص کا، اس کا اس نے خوف نہیں کیا۔

اب دخال کسے کہتے ہیں؟ کہتے ہیں: وَالدِّخَالُ هُوَ أَنْ يَشْرَبَ الْبَعِيرُ، اور دخال یہ ہے کہ اونٹ جو ہے وہ پانی پی لے—بَعِیر کسے کہتے ہیں؟ اونٹ کو—اور دخال یہ ہے کہ اونٹ پانی پی لے، ثُمَّ يُرَدُّ مِنَ الْعَطَنِ إِلَى الْحَوْضِ، پھر اس کو واپس لوٹایا جائے عطن سے حوض کی طرف، پھر اس کو واپس لوٹایا جائے عطن سے پانی پینے کے حوض کی طرف۔ عطن کہتے ہیں: یہ پانی کا تالاب یا کنواں وغیرہ ہو اس کے ارد گرد جو جانوروں کے بیٹھنے کی جگہ ہوتی ہے اس کو عطن کہتے ہیں۔ دیکھو حیوانات، جن لوگوں کے ریوڑ ہوتے ہیں، وہ پانی پلانے کے لیے جانوروں کو لاتے ہیں تالاب یا کنویں وغیرہ پر۔ اب وہاں پر بعض اوقات سارے اکٹھے نہیں پی سکتے، جگہ تھوڑی ہے، تو کچھ وہیں پر کھڑے ہیں، کچھ وہیں پر بیٹھ جاتے ہیں، اور کچھ پانی پینے میں مصروف ہیں۔ تو یہ جو ان کے بیٹھنے کی جگہ ہے یہ کیا ہے؟ عطن۔ یا پھر کچھ پیتے جا رہے ہیں جو سیر ہو جاتے ہیں، اب وہ ادھر ادھر تو چرواہا ان کو جانے نہیں دیتا، تو وہ وہیں قریب ہی کنویں کے پاس یا تالاب کے پاس زمین پر بیٹھ جاتے ہیں۔

تو وہ جو جگہ ہے تالاب یا کنویں کے پاس جانوروں کے بیٹھنے کی، اس کو عطن کہتے ہیں۔ تو دیکھو عربی کتنی فصیح و بلیغ زبان ہے کہ انسان حیران رہ جاتا ہے۔ عطن، دیکھو کتنی طویل مجھے شرح کرنا پڑی کہ عطن کسے کہتے ہیں: تالاب یا کنویں کے پاس جانوروں کے بیٹھنے کی جو جگہ ہوتی ہے۔ اور عربی میں ایک ہی لفظ ہے «الْعَطَن»، یہ سارا معنیٰ وہ ادا کر رہا ہے۔ تو دیکھو...

...دِخال کیا بتلا رہے ہیں کہ اونٹ نے پانی پی لیا، پھر عطن جہاں وہ پاس ہی بیٹھنے کی جگہ تھی وہیں بیٹھا ہے، پھر اس کو دوپیا سے اونٹوں کے درمیان لایا جاتا ہے تاکہ دائیں بائیں والوں کو وہ دیکھے کہ وہ تو خوب پانی پی رہے ہیں تو یہ بھی ان کو دیکھ کر کچھ پی لے تاکہ اگر اس کی پیاس ادھوری رہ گئی ہے تو وہ پوری طرح سیر ہو جائے پانی سے۔ تو کہتے ہیں: وَالدِّخَالُ وَهُوَ أَنْ يَشْرَبَ الْبَعِيرُ، اور دِخال وہ یہ ہے کہ اونٹ پانی پی لے، ثُمَّ يُرَدُّ مِنَ الْعَطَنِ إِلَى الْحَوْضِ، پھر اس کو واپس لوٹایا جائے عطن سے حوض کی طرف، وَيُدْخَلُ بَيْنَ بَعِيرَيْنِ عَطْشَانَيْنِ، اور اس کو پھر داخل کیا جاتا ہے دوپیا سے اونٹوں کے درمیان، لِيَشْرَبَ مِنْهُ تاکہ یہ حوض سے پی لے، مَا عَسَاهُ لَمْ يَكُنْ شَرِبَ مِنْهُ۔ یہ «مَا» سے مراد ہے پانی، «مَا» سے کیا مراد ہے؟ پانی، اور «عَسَاهُ لَمْ يَكُنْ شَرِبَ مِنْهُ» یہ اس «مَا» کا صلہ ہے، «مَا» کا صلہ۔ اب ترجمہ سنو: لِيَشْرَبَ مِنْهُ تاکہ وہ اس حوض سے پی لے مَا وہ والا پانی عَسَاهُ لَمْ يَكُنْ شَرِبَ مِنْهُ کہ ہو سکتا ہے اس نے وہ پانی نہ پیا ہو، تاکہ اس حوض سے وہ والا پانی پی لے جو ہو سکتا ہے اس نے نہ پیا ہو یعنی اپنی پیاس پوری طرح نہ بجھائی ہو بھئی۔

وَلَعَلَّ الْمُرَادَ بِهِ هَاهُنَا نَفْسُ مُدَاخَلَةِ بَعْضِهَا فِي بَعْضٍ، اور شاید مراد جو ہے یہاں پر وہ نفسِ مداخلت ہے بعض کی بعض میں، یعنی ان حیوانات کی باہم ایک دوسرے میں گھس جانا وہ مراد ہے یہاں پر دِخال سے۔ کیوں؟ یہ معنیٰ کیوں کیا؟ اس لیے کیونکہ میں نے بتایا دِخال تو اس حیوان میں ہوگا جو آپ کے قابو میں ہے، اور یہ تو جنگلی گدھے اور گدھیاں ہیں یہ تو آپ کے قابو میں نہیں ہیں، یہاں تو دِخال کا تصور نہیں ہو سکتا، لیکن لفظ تو دِخال ہی ذکر ہے اور دِخال تو اسی پانی پلانے کے طریقے کو کہتے ہیں۔ تو کہتے ہیں شاید اس سے مراد وہ جانوروں کا آپس میں ایک دوسرے کے درمیان گھسا ہوا ہونا ہے جو ایک دوسرے سے ٹکرا رہے ہیں، ایک دوسرے کو دھکے دے رہے ہیں، اس ٹکرانے کی وجہ سے نغص کا خوف اس حمارِ وحشی نے نہیں کیا، یہ مراد ہے۔ یہ معنیٰ ہے کہ وَلَعَلَّ الْمُرَادَ بِهِ هَاهُنَا اور شاید کہ دِخال سے یہاں مراد جو ہے نَفْسُ مُدَاخَلَةِ بَعْضِهَا فِي بَعْضٍ وہ بعض کی بعض کے اندر نفسِ مداخلت ہے، بعض کا بعض میں گھس جانا وہ مراد ہے۔

أَوِ الْمَعْنَى، اب دوسرا معنیٰ کریں گے، أَوِ الْمَعْنَى یا معنیٰ یہ ہے عَلَى نَغَصِ مِثْلِ نَغَصِ الدِّخَالِ، کہ یہاں جو «نَغَصِ الدِّخَالِ» آیا ہے یہ تشبیہ کے لیے ہے۔ دِخال تو ان حیوانات میں ہوتا ہے جو آپ کے قابو میں ہیں، اور ان کے درمیان تو دِخال نہیں، لیکن جو جانور آپ کے قابو میں ہیں وہاں دِخال کیا جاتا ہے کس کی وجہ سے؟ نغص کی وجہ سے، نغص کی وجہ سے دِخال کیا جاتا ہے۔ تو کہتے ہیں ہو سکتا ہے یہ معنیٰ ہو کہ اس حمارِ وحشی نے نغص کا خوف نہیں کیا جیسا کہ نغصِ دِخال ہوتا ہے۔ وہ جو أُتُن تھیں انہوں نے ہجوم لگایا ہوا تھا، تو اس حمارِ وحشی نے ان پر نغص کا خوف نہیں کیا جس طرح کا نغص الدخال ہوتا ہے، جس طرح نغص الدخال۔ اب دیکھو اب پھر «نَغَصِ الدِّخَالِ» مضاف مضاف الیہ آ گئے، لیکن اب معاملہ برعکس ہے۔

پہلے کیا تھا؟ نغص الدخال میں کس کی اضافت کس کی طرف ہو رہی تھی؟ مسبَّب کی اضافت تھی سبب کی طرف۔ اور یہ جو اونٹوں کو دوبارہ دِخال کرواتے ہیں یہ کیوں کرواتے ہیں؟ نغص کی وجہ سے، یہاں نغص سبب بنتا ہے کس چیز کا؟ دِخال کا سبب بنتا ہے۔ تو پہلے معنیٰ کے مطابق عَلَى نَغَصِ الدِّخَالِ وہ مسبَّب کی اضافت ہو رہی تھی سبب کی طرف، لیکن اگر دوسرا معنیٰ کریں تو پھر اس صورت میں سبب کی اضافت ہو رہی ہے مسبَّب کی، کیونکہ اونٹوں میں جو دِخال کروایا جاتا ہے اس کا سبب وہ نغص کا خوف ہوتا ہے کہ ہو سکتا ہے کہیں اس نے شرب پوری طرح نہ کیا ہو، تو اس خوف کی وجہ سے پھر دِخال کروایا جاتا ہے۔ تو نغص سبب ہوا دِخال کا، تو سبب کی اضافت ہو رہی ہے مسبَّب کی طرف، اور پھر اس نغص کو—یہ جو أُثُن کے اندر نغص ہو سکتا ہے—اس نغص کو تشبیہ دی اس نغص کے ساتھ جو سبب بنتا ہے دِخال کا۔ بات سمجھ میں آگئی؟ أَوِ الْمَعْنَى یا معنیٰ جو ہے عَلَى نَغَصِ کہ اس نے خوف نہیں کیا نغص کا مِثْلِ نَغَصِ الدِّخَالِ جیسے کہ نغص الدخال ہوتا ہے۔ معنیٰ سمجھ میں آگیا؟

آگے دیکھیے: وَمَرَرْتُ بِهِ وَحْدَهُ، میں گزرا اس کے پاس سے وَحْدَهُ اس حال میں کہ وہ اکیلا تھا۔ یہ «وَحْدَهُ» حال ہے «بِهِ» کی «هَاء» ضمیر سے۔ اور یاد رکھو یہ «وَحْدَهُ» «وَحْدٌ» مصدر ہے اور اس کی اضافت «هَاء» ضمیر کی طرف ہو رہی ہے۔ «وَحِدَ يَوْحَدُ وَحْدًا» اس کا معنیٰ ہے اکیلا ہونا، اور یہ مفرد، تثنیہ، جمع سب کے لیے اسی طرح رہتا ہے: «وَحْدَهُ، وَحْدَهُمَا، وَحْدَهُمْ»۔ تو وَمَرَرْتُ بِهِ وَحْدَهُ اور میں گزرا اس کے پاس سے اس حال میں کہ وہ اکیلا تھا۔ وَنَحْوُهُ اور اس جیسی جو مثالیں ہیں—«أَرْسَلَهَا الْعِرَاكَ» اور «مَرَرْتُ بِهِ وَحْدَهُ» اس جیسی جو مثالیں ہیں یعنی جن کے اندر حال معرفہ واقع ہو رہا ہے—مُتَأَوَّلٌ ان میں تاویل کی گئی ہے۔

تو کہتے ہیں: وَمَرَرْتُ بِهِ وَحْدَهُ وَنَحْوُهُ اور اس جیسی جو مثالیں ہیں مِثْلُ فَعَلْتُهُ جُهْدَكَ، «فَعَلْتُهُ جُهْدَكَ» اس کے اندر بھی دیکھو «جُهْدَكَ» مضاف مضاف الیہ مل کر یہ حال بن رہا ہے اور یہ تو معرفہ ہے، کیونکہ «جُهْد» نکرہ ہے اور «كَاف» ضمیر معرفہ ہے، اور نکرہ کی اضافت معرفہ کی طرف ہو جائے تو وہ بھی کیا بن جاتا ہے؟ معرفہ۔ اچھا بھئی یہاں ایک اور بات ذہن میں آگئی وہ بھی سن لیں: یاد رکھیں نکرہ کی اضافت معرفہ کی طرف ہو تو وہ نکرہ معرفہ بن جاتا ہے، لیکن کچھ لفظ ایسے ہیں کہ ان کی اضافت معرفہ کی طرف کر بھی دی جائے پھر بھی وہ نکرہ کے نکرہ ہی رہتے ہیں، کچھ لفظ ایسے ہیں کہ معرفہ کی طرف ان کی اضافت بھی کر دی جائے وہ پھر بھی نکرہ کے نکرہ ہی رہتے ہیں۔ جیسے «مِثْلٌ» ہے، «شِبْهٌ» ہے، «غَيْرٌ» ہے، «أَحَدٌ» ہے، تو اس طرح کے کچھ جو لفظ ہیں ان کی اگر معرفہ کی طرف اضافت کر دیں پھر بھی یہ معرفہ نہیں بنتے۔ بھئی کیونکہ معرفہ کسے کہتے ہیں؟ جو کسی معین ذات پر دلالت کرے۔ میں نے کہا «غَيْرُ زَيْدٍ» زید کے علاوہ، غیر کی اضافت میں نے زید کی طرف کر دی۔ «غَيْرُ زَيْدٍ» زید کے علاوہ، کوئی متعین شخص آپ کے ذہن میں آیا؟ زید کے علاوہ تو عمر بھی ہو سکتا ہے، بکر بھی ہو سکتا ہے، خالد بھی ہو سکتا ہے، دنیا کا ہر فرد ہو سکتا ہے۔ تو دیکھو کوئی معین آپ کے ذہن میں نہیں آیا، معلوم ہوا غیر کی اضافت

زید معرفہ کی طرف کر دی پھر بھی یہ نکرہ کا نکرہ ہے۔ یا میں کہتا ہوں «مِثْلُ زَيْدٍ» زید جیسا، کوئی متعین آپ کے ذہن میں آیا؟ نہیں، دیکھا «مِثْلُ» بھی اسی طرح نکرہ کا نکرہ ہی ہے۔ یا میں کہتا ہوں «شِبْهُ زَيْدٍ» زید کے مشابہ، دیکھو یہ بھی نکرہ ہی ہے۔ یا اسی طرح میں کہتا ہوں «جَاءَنِي أَحَدُهُمْ» ان میں سے ایک میرے پاس آیا تھا، تو «أَحَدُ» مضاف، «هُمْ» ضمیر مضاف الیہ، ان میں سے ایک، کوئی متعین ذہن میں آیا؟ نہیں، تو یہ «أَحَد» کا لفظ بھی معرفہ کی طرف مضاف ہو جائے پھر بھی یہ نکرہ ہی رہتا ہے۔ بات سمجھ میں آ گئی؟ تو بہرحال یہاں تو یہ «جُهْدَكَ» «جُهْد» مضاف ہے اور «كَاف» ضمیر مضاف الیہ، اور یہ معرفہ بن گیا۔ جُہد کا معنیٰ ہے کوشش کرنا بھئی، اور اس کی اضافت ہو رہی ہے «كَاف» ضمیر کی طرف، جُهْدَكَ آپ کا کوشش کرنا۔ «فَعَلْتَهُ جُهْدَكَ» آپ نے وہ کام کیا جُهْدَكَ اس حال میں کہ آپ اپنی کوشش کرنے والے تھے، یعنی آپ نے وہ کام اپنی پوری کوشش سے کیا۔ آپ کسی کو یہ کہنا چاہتے ہیں تو کیا کہیں گے؟ «فَعَلْتَهُ جُهْدَكَ» آپ نے وہ کام اپنی کوشش کرتے ہوئے کیا، یعنی اس میں اپنی پوری کوشش کی۔ تو اس کے اندر یہ «جُهْدَكَ» حال واقع ہو رہا ہے اور یہ معرفہ ہے۔

تو کہتے ہیں یہ اور اس جیسی جو مثالیں ہیں مُتَأَوَّلٌ بِالنَّكِرَةِ ان میں تاویل کی گئی ہے نکرہ کے ساتھ کہ یہ معنیٰ کے اعتبار سے یہ سب نکرہ ہیں۔ فَلَا يَرِدُ نَقْضاً عَلَى قَاعِدَةِ اشْتِرَاطِ كَوْنِهَا نَكِرَةً۔ «نَقْض» کہتے ہیں اعتراض کو۔ فَلَا يَرِدُ نَقْضاً تو اعتراض وارد نہیں ہوتا عَلَى قَاعِدَةِ اشْتِرَاطِ كَوْنِهَا نَكِرَةً اس ضابطے پر وہ جو حال کے نکرہ ہونے کی شرط کا ضابطہ ہے، اس پر اعتراض وارد نہیں ہوتا۔ دوبارہ دیکھیے ترجمہ: کہ ان سب میں تاویل کی گئی ہے نکرہ کے ساتھ کہ یہ معنیٰ کے اعتبار سے نکرہ ہیں، فَلَا يَرِدُ نَقْضاً عَلَى قَاعِدَةِ اشْتِرَاطِ كَوْنِهَا نَكِرَةً لہٰذا اعتراض وارد نہیں ہوتا حال کے نکرہ ہونے کی شرط کے ضابطے پر۔

وَتَأْوِيلُهَا عَلَى وَجْهَيْنِ، اور ان کی تاویل جو ہے دو وجہوں پر ہے یعنی دو طریقوں پر ہے، دو طریقوں سے ان کی تاویل کی گئی ہے، دو طریقوں سے ان کا جواب دیا گیا ہے، وہ جواب آگے ذکر کریں گے۔ بتلائیں گے ایک تاویل ان کے اندر یہ کی گئی کہ یہ حال ہیں ہی نہیں، حال مقدر ہے، حال مقدر ہے اور یہ مفعولِ مطلق ہیں، یعنی ان کا فعل محذوف ہے اور وہ فعل اپنے فاعل یا نائب فاعل سے مل کر کیا بنے گا؟ جملہ، اور جملہ کس کے حکم میں ہوتا ہے؟ نکرہ کے حکم میں، تو یہ مفعولِ مطلق ہیں حالِ مقدرہ سے، یہ مفعولِ مطلق ہیں حالِ مقدرہ سے، یہ خود حال نہیں ہیں بلکہ حال تو مقدر ہے اور وہ تو جملہ ہے اور جملہ تو نکرہ ہوتا ہے، تو حال یہاں بھی نکرہ ہی ہے، ہاں یہ اس سے مفعولِ مطلق واقع ہو رہے ہیں۔

تو کہتے ہیں: وَتَأْوِيلُهَا عَلَى وَجْهَيْنِ کہ ان کی تاویل جو ہے یعنی اس جیسی جو مثالیں ہیں ان کی تاویل دو طرح پر ہے۔ أَحَدُهُمَا ان میں سے ایک یہ ہے کہ أَنَّهَا مَصَادِرُ لِأَفْعَالٍ مَحْذُوفَةٍ کہ یہ مصدر ہیں افعالِ محذوفہ کے، أَيْ تَعْتَرِكُ الْعِرَاكَ۔ دیکھا «الْعِرَاكَ» کے لیے «تَعْتَرِكُ» فعل محذوف ہے، اور اس کے اندر «هِيَ» ضمیر جو ہے وہ ہے فاعل، اور یہ «الْعِرَاكَ» اس سے مفعولِ مطلق ہے بھئی۔ وَيَنْفَرِدُ وَحْدَهُ أَيِ انْفِرَادَهُ۔ اور دیکھو «وَحْدَهُ» یہ بھی مفعولِ مطلق ہے اور اس کے لیے فعل کیا محذوف ہے؟ «يَنْفَرِدُ» فعل محذوف ہے بھئی۔ اور بظاہر پھر بھی دیکھیں «يَنْفَرِدُ» کا مادہ اور ہے اور «وَحْدَهُ» کا مادہ اور ہے،

تو پھر بھی شبہ کسی کے ذہن میں آسکتا ہے کہ یہ «وَحْدَهُ» «يَنْفَرِدُ» سے کیسے مفعولِ مطلق ہو سکتا ہے؟ تو اس کی بھی وضاحت آگے کر دی: أَيِ انْفِرَادَهُ کہ یہ «وَحْدَهُ» کس معنیٰ میں ہے؟ «انْفِرَادَهُ» کے معنیٰ میں ہے۔ یعنی بتلانا یہ چاہتے ہیں کہ یہ «وَحْدَهُ» مفعولِ مطلق ہے «يَنْفَرِدُ» سے لیکن دونوں کا معنیٰ ایک ہے، لفظ الگ ہیں لیکن دونوں کا معنیٰ ایک ہے، تو «وَحْدَهُ» کس معنیٰ میں ہے؟ أَيِ انْفِرَادَهُ. وَتَجْتَهِدُ جُهْدَكَ۔ دیکھو یہاں پر بھی «جُهْدَكَ» کے لیے «تَجْتَهِدُ» فعل محذوف ہے تو یہ «جُهْدَكَ» یہ بھی مفعولِ مطلق ہے۔ فَهَذِهِ الْجُمَلُ الْفِعْلِيَّةُ وَقَعَتْ حَالاً، تو یہ جو جملہ فعلیہ ہیں یہ حال واقع ہوئے، اور جملہ کیا ہوتا ہے؟ نکرہ، گویا یہاں پر بھی حال نکرہ ہی ہے۔ تو کہتے ہیں: وَهَذِهِ الْمَصَادِرُ مَنْصُوبَةٌ عَلَى الْمَصْدَرِيَّةِ، اور یہ والے جو مصادر ہیں یہ منصوب ہیں بنا بر مصدر ہونے کے یعنی مفعولِ مطلق ہونے کے۔ تو پہلا جواب کیا ہوا؟ کہ یہ سارے جو معرفہ نظر آرہے ہیں آپ کو یہ حال نہیں ہیں بلکہ یہ مفعولِ مطلق ہیں حالِ مقدرہ سے بھیٔ۔

وَثَانِيهِمَا اور دوسری توجیہ جو ہے وہ یہ ہے کہ أَنَّهَا مَعَارِفُ مَوْضُوعَةٌ مَوْضِعَ النَّكِرَاتِ۔ «مَعَارِفُ» یہ غیر منصرف ہے کیونکہ یہ جمع منتہی الجموع کا وزن ہے، اور جمع منتہی الجموع آپ نے پڑھا ہے دو سببوں کے قائم مقام ہے، تو یہ «مَعَارِفُ» یہ ہے موصوف اور «مَوْضُوعَةٌ» اس کی صفت ہے کیونکہ جمع بتاویلِ جماعت واحد مؤنث کے حکم میں ہے۔ وَثَانِيهِمَا اور دوسری تاویل جو ہے کہ أَنَّهَا مَعَارِفُ مَوْضُوعَةٌ مَوْضِعَ النَّكِرَاتِ کہ یہ ایسے معرفہ ہیں جن کو رکھا گیا ہے نکرہ کے مقام میں۔ یہ ہیں تو معرفہ لیکن کس کے مقام میں رکھے گئے ہیں؟ نکرہ کے مقام میں رکھے گئے ہیں، یعنی تقدیراً یہ نکرہ ہی ہیں۔ یہ جگہ تو کس کی تھی؟ نکرہ کی تھی، اور کس کو لے آئے؟ معرفہ کو لے آئے، تو معرفہ گویا کس معنیٰ میں ہے؟ نکرہ ہی کے معنیٰ میں ہے۔ یہ امام سیبویہ کا جواب ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ أَنَّهَا مَعَارِفُ مَوْضُوعَةٌ مَوْضِعَ النَّكِرَاتِ کہ یہ ایسے معرفہ ہیں جن کو نکرہ کے مقام کے اندر رکھا گیا ہے، أَيْ مُعْتَرِكَةً وَمُنْفَرِداً وَمُجْتَهِداً۔ دیکھو سب کا معنیٰ نکرہ کے ساتھ کر رہے ہیں: «الْعِرَاكَ» اس کا ترجمہ کس کے ساتھ کیا؟ «مُعْتَرِكَةً» اس حال میں کہ وہ ہجوم کرنے والی تھیں۔ «وَمُنْفَرِداً» یہ «وَحْدَهُ» کا معنیٰ «مُنْفَرِداً» سے کیا کہ میں اس کے پاس سے گزرا اس حال میں «مُنْفَرِداً» کہ وہ اکیلا تھا۔ «وَمُجْتَهِداً» یہ «جُهْدَكَ» کا ترجمہ کس سے کیا؟ «مُجْتَهِداً» سے کہ آپ نے وہ کام کیا «مُجْتَهِداً» اس حال میں کہ آپ کوشش کرنے والے تھے۔ فَالصُّورَةُ وَإِنْ كَانَتْ مَعْرِفَةً فَهِيَ فِي التَّقْدِيرِ نَكِرَةٌ، تو کہتے ہیں صورت جو ہے ان کی وہ اگرچہ معرفہ والی ہے فَهِيَ فِي التَّقْدِيرِ نَكِرَةٌ تو یہ تقدیر میں نکرہ ہیں بھیٔ، كَمَا أَنَّ حَسَنَ الْوَجْهِ فِي صُورَةِ الْمَعْرِفَةِ وَهِيَ فِي الْمَعْنَى نَكِرَةٌ، جیسے کہ «حَسَنُ الْوَجْهِ» جو ہے یہ معرفہ کی صورت میں ہے اور یہ معنیٰ کے اندر نکرہ ہے۔ «حَسَنُ الْوَجْهِ»۔ طالب علم کے ذہن میں سوال پیدا ہو سکتا ہے نا کہ معرفہ نکرہ کے معنیٰ میں کیسے ہو سکتا ہے؟ تو صاحبِ جامی اس کی مزید وضاحت کر رہے ہیں کہ «حَسَنُ الْوَجْهِ» کو دیکھ لو، یہ صورت کے اعتبار سے معرفہ ہے لیکن یہ معنیٰ کے اعتبار سے نکرہ ہے۔ دیکھو «حَسَن» مضاف ہے اور «الْوَجْهِ» مضاف الیہ ہے، اور یاد رکھو میں نے آپ کو بتلایا تھا کہ اضافت دو قسم کی ہے: ایک...

ایک اضافتِ لفظی اور ایک اضافتِ معنوی۔ میں پہلے بھی بیان کر چکا ہوں لیکن بار بار اسی لیے ذکر کرتا ہوں کہ یہ چیزیں آپ کے ذہن میں جم جائیں۔ تو ایک ہے اضافتِ لفظی، ایک ہے اضافتِ معنوی۔

اضافتِ لفظی اسے کہتے ہیں کہ صیغہ صفت کا ہو اور مضاف ہو رہا ہو اپنے معمول کی طرف۔ اور صفت کے صیغے سے مراد اسمِ فاعل، اسمِ مفعول، اور صفتِ مشبہ ہیں، اور صفت کے صیغے اسمِ تفضیل وغیرہ مراد نہیں ہیں۔ تو صیغہ صفت کا ہو مضاف ہو اپنے معمول کی طرف، اس کو اضافتِ لفظی کہتے ہیں۔ مثلاً میں کہتا ہوں «زَيْدٌ ضَارِبٌ عَمْرًا»۔ توجہ ہے؟ «زَيْدٌ ضَارِبٌ عَمْرًا»۔ میں نے آپ کو بتلایا تھا کہ صفت کے صیغے بھی اپنے فعل جیسا عمل کرتے ہیں۔ تو یہاں پر بھی دیکھو «زَيْدٌ ضَارِبٌ عَمْرًا» یہ «عَمْرًا» کو نصب کس نے دیا؟ «ضَارِبٌ» یہ جو صفت کا صیغہ ہے۔ گویا معلوم ہوا یہ «عَمْرًا» معمول ہے «ضَارِبٌ» کا، یہ اس میں عمل کر رہا ہے۔ تو یہ صفت کا صیغہ ہے اور «عَمْرًا» اس کا معمول ہے تو اس کی طرف اس کی اضافت کر دو: «زَيْدٌ ضَارِبُ عَمْرٍو»۔ تو یاد رکھو یہ اضافتِ لفظی ہے، یہ اضافتِ لفظی ہے۔ اور یاد رکھنا اضافتِ لفظی صرف لفظوں میں تخفیف کا فائدہ دیتی ہے کہ مضاف پر سے تنوین گر جاتی ہے—پہلے کیا تھا؟ «ضَارِبٌ عَمْرًا»، اب «ضَارِبٌ» سے تنوین گر گئی: «ضَارِبُ عَمْرٍو»—صرف یہ تنوین گری ہے، لفظوں میں تخفیف آئی ہے۔ اسی طرح اگر یہاں نونِ تثنیہ ہوتا وہ بھی اضافت سے گر جاتا، نونِ جمع ہوتا وہ بھی اضافت سے گر جاتا۔ اس کے علاوہ یہ اضافتِ لفظی اور کوئی فائدہ نہیں دیتی۔ یعنی اس اضافت کی وجہ سے «ضَارِبٌ» کے اندر نہ تعریف آئی نہ تخصیص آئی، یہ جیسے پہلے نکرہ تھا ابھی بھی نکرہ کا نکرہ ہی ہے۔ پہلے کیا تھا؟ «زَيْدٌ ضَارِبٌ عَمْرًا»، یہ «ضَارِبٌ» نکرہ ہے، نکرہ ہے۔ معرفہ کی قسمیں اس پر لاگو کر کے دیکھ لیا کریں، دیکھو: یہ ضمیر ہے «ضَارِبٌ»؟ نہیں۔ یہ اسمِ اشارہ ہے؟ نہیں۔ یہ اسمِ موصول ہے؟ نہیں۔ یہ عَلَم ہے کسی کا؟ نہیں۔ کیا اس پر الف لام ہے؟ نہیں۔ تو ان میں سے کوئی بھی چیز نہیں ہے، «زَيْدٌ ضَارِبٌ عَمْرًا» تو لہٰذا یہ نکرہ ہے۔ تو جب آپ اس کی اضافت کر دیں گے یعنی اپنے معمول کی طرف تو بھی یہ نکرہ کا نکرہ ہی رہے گا، یعنی اضافت سے پہلے جیسے «ضَارِبٌ» نکرہ تھا ابھی بھی اضافت کے بعد بھی اسی طرح نکرہ ہے۔ تو اضافتِ لفظی کسے کہتے ہیں؟ کہ صیغہ صفت کا ہو اور مضاف ہو اپنے معمول کی طرف۔

اس کے علاوہ باقی جتنی اضافتیں ہیں وہ اضافتِ معنوی کہلاتی ہیں، یعنی وہ معنیٰ کے اندر بھی فائدہ دیتی ہیں، صرف لفظوں میں نہیں—لفظوں میں بھی تخفیف آئے گی، اور معنیٰ کے اندر بھی وہ فائدہ دیتی ہیں کہ وہ جو مضاف ہے وہ معرفہ بن جائے گا یا اس میں تخصیص آجائے گی۔ اس میں پھر دو صورتیں ہیں کہ اگر نکرہ کی اضافت نکرہ کی طرف کریں گے تو وہاں تخصیص آئے گی: «غُلَامُ رَجُلٍ»۔ غلام کی اضافت میں نے رجل کی طرف کی۔ وہ غلام کوئی صفت کا صیغہ ہے؟ نہیں، تو یہ صفت کا صیغہ نہیں۔ معلوم ہوا یہ اضافتِ لفظی نہیں، اضافتِ معنوی ہے۔ اور اضافتِ معنوی میں اگر نکرہ کی اضافت نکرہ کی طرف کی جائے تو یہ تخصیص کا فائدہ دیتی ہے۔ غلام کا لفظ پہلے دنیا کے ہر غلام پر صادق آرہا تھا، لیکن جب میں نے

رجل کی طرف اضافت کر دی «کسی آدمی کا کوئی غلام» تو اس سے عورتوں کے غلام نکل گئے، دیکھو تخصیص آ گئی۔ اور اگر غلام کی اضافت میں معرفہ کی طرف کروں «غُلَامُ زَيْدٍ» تو پھر اس صورت میں دیکھو یہ متعین ایک غلام پر اب دلالت کر رہا ہے، یہ بھی معرفہ بن گیا۔ تو یاد رکھو کہ اضافتِ معنوی میں اگر کسی لفظ کی اضافت معرفہ کی طرف کی جائے تو پھر وہ تعریف کا فائدہ دیتی ہے، وہ مضاف بھی معرفہ بن جاتا ہے، اور اگر اس میں نکرہ کی اضافت نکرہ کی طرف کی جائے تو پھر وہاں صرف تخصیص آتی ہے۔ تو اضافتِ معنوی کتنے فائدے دیتی ہے؟ یا تعریف یا تخصیص۔ تعریف کس کے اندر؟ جب نکرہ کی اضافت معرفہ کی طرف ہو۔ تخصیص کس وقت؟ جب نکرہ کی اضافت نکرہ کی طرف ہو۔ جبکہ اضافتِ لفظی وہ نہ تعریف کا فائدہ دیتی ہے نہ تخصیص کا، وہ یاد رکھو یہ لفظ یاد رکھنا: وہ تقدیرِ انفصال میں ہے، وہ اسی طرح ہے جیسے پہلے الگ تھی۔ جیسے «ضَارِبٌ» کا لفظ پہلے الگ تھا نکرہ محض تھا، یہ ابھی بھی «ضَارِبُ عَمْرٍو» ابھی بھی نکرہ محض ہے۔ بات سمجھ میں آ گئی؟ نہ اس میں تعریف آئی ہے نہ اس میں تخصیص۔ تو اضافتِ لفظی کسے کہتے ہیں؟ جس میں صیغہ صفت کا مضاف ہو رہا ہو اپنے معمول کی طرف۔ اس کے علاوہ باقی تمام اضافتیں وہ اضافتِ معنوی ہیں، چاہے صیغہ صفت کا ہی ہو لیکن اپنے معمول کی طرف مضاف نہ ہو رہا ہو، جیسے «كَرِيمُ الْبَلَدِ»۔ کریم صفتِ مشبہ ہے، صفت کا صیغہ ہے، لیکن یہ اپنے معمول کی طرف نہیں مضاف یعنی اپنے فاعل یا مفعول کی طرف نہیں مضاف بلکہ یہ تو بَلَد کی طرف مضاف ہے، تو یہ بھی اضافتِ معنوی ہوئی۔ اور «غُلَامُ زَيْدٍ» یہ بھی اضافتِ معنوی ہوئی کیونکہ اس میں تو غلام سرے سے صفت کا صیغہ ہی نہیں ہے۔ بات سمجھ میں آ گئی؟

تو میں بات کر رہا تھا «حَسَنُ الْوَجْهِ» کی، «حَسَنُ الْوَجْهِ»۔ یاد رکھو یہ «حَسَن» یہ صفتِ مشبہ ہے اور «الْوَجْهُ» اس کا فاعل ہے، مثلاً میں کہتا ہوں: «زَيْدٌ حَسَنٌ وَجْهُهُ»۔ زید کے «حَسَنٌ» اچھا ہے «وَجْهُهُ» اس کا چہرہ۔ تو یہ «وَجْهُهُ» فاعل ہے «حَسَنٌ» کے لیے، یہ اس کا معمول ہے۔ اور پھر اسی «حَسَن» صفتِ مشبہ کی اضافت کبھی کر دی جاتی ہے اپنے معمول کی طرف۔ توجہ ہے؟ تو کیا بن گیا؟ «حَسَنُ وَجْهِهِ»۔ اور پھر کبھی اس ضمیر کو آخر سے ختم کر کے اس کے عوض اس پر الف لام لے آتے ہیں: «حَسَنُ الْوَجْهِ»، «زَيْدٌ حَسَنُ الْوَجْهِ»۔ تو «حَسَن» صیغہ صفت کا ہے اور مضاف ہو رہا ہے اپنے معمول کی طرف، تو یہ اضافت کون سی ہوئی؟ اضافتِ لفظی ہوئی۔ اور اضافتِ لفظی نہ تعریف کا فائدہ دیتی ہے نہ تخصیص کا، یہ «حَسَن» کا لفظ جیسے اضافت سے پہلے نکرہ تھا ابھی بھی اسی طرح نکرہ کا نکرہ ہے، نہ اس میں تعریف آئی نہ اس کے اندر تخصیص آئی۔ تو کہتے ہیں: كَمَا أَنَّ حَسَنَ الْوَجْهِ فِي صُورَةِ الْمَعْرِفَةِ وَهِيَ فِي الْمَعْنَى نَكِرَةٌ، جیسے کہ «حَسَنُ الْوَجْهِ» جو ہے وہ معرفہ کی صورت میں ہے اور معنی کے اندر یہ نکرہ ہے۔

فَإِنْ كَانَ صَاحِبُهَا أَيْ صَاحِبُ الْحَالِ نَكِرَةً مَحْضَةً۔ اچھا ذرا متن متن دیکھیں آگے۔ کہتے ہیں: فَإِنْ كَانَ صَاحِبُهَا نَكِرَةً وَجَبَ تَقْدِيمُهَا۔ اگر ذوالحال جو ہے وہ نکرہ ہو تو واجب ہے اس کو مقدم کرنا۔ بھئی انہوں نے آپ کو بتلایا تھا، گذشتہ سبق میں آپ

نے پڑھا تھا کہ یہ ذوالحال جو ہوتا ہے یہ ہے مبتدا کے درجے میں اور جو حال ہوتا ہے وہ خبر کے درجے میں ہے۔ توجہ ہے؟ تو لہٰذا مبتدا میں اصل کیا ہے؟ وہ معرفہ ہونا چاہیے، اور اگر معرفہ نہ ہو، نکرہ مبتدا بنانا چاہتے ہیں تو پھر اس میں کوئی نہ کوئی تخصیص ہونی چاہیے، نکرہ مخصصہ ہونا چاہیے۔ اور اگر تخصیص کی اور کوئی صورت نہ ہو مبتدا کے اندر تو پھر اس کی خبر کو اس پر مقدم کر دیتے ہیں، جیسے «فِي الدَّارِ رَجُلٌ»۔ «فِي الدَّارِ» یہ خبرِ مقدم ہے اور «رَجُلٌ» مبتدا مؤخر ہے، اور یہ تو نکرہ محض ہے، تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ «رَجُلٌ» تو نکرہ ہے یہ مبتدا کیسے بن گیا؟ تو جواب یہ کہ اس کی خبر کو اس پر مقدم کیا گیا، اور «تَقْدِيمُ مَا حَقُّهُ التَّأْخِيرُ يُفِيدُ الْحَصْرَ وَالْقَصْرَ وَالتَّخْصِيصَ» اس کی وجہ سے اس میں تخصیص آگئی۔ تو ذوالحال میں بھی اسی طرح ہے۔ ذوالحال بھی کیا ہونا چاہیے؟ یا تو معرفہ ہونا چاہیے، اگر معرفہ نہیں ہے تو نکرہ مخصصہ ہونا چاہیے، اور اگر اس میں تخصیص کا اور کوئی طریقہ نہیں ہے تو پھر اس پر اس کے حال کو مقدم کرنا واجب ہے۔ حال کو مقدم کریں گے تو ذوالحال کے اندر تخصیص آجائے گی۔

تو کہتے ہیں: فَإِنْ كَانَ صَاحِبُهَا نَكِرَةً اگر ذوالحال جو ہے وہ نکرہ ہو وَجَبَ تَقْدِيمُهَا تو اس پر حال کو مقدم کرنا واجب ہے۔ ذوالحال کیا ہے؟ نکرہ محض ہے، تو اس کے حال کو اس پر مقدم کرنا واجب ہے، اس سے اس ذوالحال کے اندر تخصیص آجائے گی اور اس سے حال کا آنا صحیح ہو جائے گا۔ معنیٰ سمجھ میں آگیا؟

اب شرح کے ساتھ دیکھیے۔ کہتے ہیں: فَإِنْ كَانَ صَاحِبُهَا أَيْ صَاحِبُ الْحَالِ نَكِرَةً مَحْضَةً۔ نکرہ کے بعد صاحبِ جامی «مَحْضَةً» کا لفظ لے آئے: اگر ذوالحال نکرہ محض ہو، یعنی اس میں اور کوئی تخصیص کا طریقہ نہ ہو، پھر اس صورت میں اس کو مقدم کرنا واجب ہے اپنے حال پر۔ اگر اس میں پہلے سے تخصیص موجود ہے تو پھر حال کو اس پر مقدم کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ تو کہتے ہیں: فَإِنْ كَانَ صَاحِبُهَا أَيْ صَاحِبُ الْحَالِ نَكِرَةً مَحْضَةً، اور اگر ذوالحال جو ہے وہ نکرہ محضہ ہو، لَمْ تَكُنْ فِيهَا شَائِبَةُ تَخْصِيصٍ بِمَا سِوَى التَّقْدِيمِ۔ «شَائِبَة» کہتے ہیں «شَابَ يَشُوبُ شَوْباً» کا معنیٰ ہے ایک چیز کو دوسری چیز کے ساتھ ملانا، تو شائبہ کس کو کہیں گے؟ شائبہ: ملی ہوئی چیز، ملاوٹ۔ یہاں مراد اثر ہے، شائبہ کا کیا معنیٰ کریں یہاں؟ اثر۔ کہتے ہیں اگر ذوالحال جو ہے وہ نکرہ محضہ ہو لَمْ تَكُنْ فِيهَا شَائِبَةُ تَخْصِيصٍ اور اس کے اندر تخصیص کا کوئی اثر نہ ہو بِمَا سِوَى التَّقْدِيمِ سوائے تقدیم کے، تقدیم کے علاوہ اس میں تخصیص کا کوئی اثر نہ ہو، وَلَمْ تَكُنِ الْحَالُ مُشْتَرَكَةً بَيْنَهَا وَبَيْنَ مَعْرِفَةٍ، اور وہ حال جو ہے اس نکرہ اور معرفہ کے درمیان مشترک نہ ہو، نَحْوُ جَاءَنِي رَجُلٌ وَزَيْدٌ رَاكِبَيْنِ۔ آپ نے ہمیں کیا کہا کہ ذوالحال اگر نکرہ محض ہو تو حال کو اس پر مقدم کرنا واجب ہے، لیکن یاد رکھو اگر وہ نکرہ ایسا ہے کہ اس کے ساتھ ایک معرفہ بھی آرہا ہے اور وہ حال دونوں سے واقع ہو رہا ہے تو اس صورت میں پھر حال کو مقدم کرنا واجب نہیں ہے۔ تو کہتے ہیں: وَلَمْ تَكُنِ الْحَالُ مُشْتَرَكَةً بَيْنَهَا وَبَيْنَ مَعْرِفَةٍ اور وہ حال جو ہے اس نکرہ اور کسی معرفہ کے درمیان مشترک نہ ہو، نَحْوُ جَاءَنِي رَجُلٌ

وَزَيْدٌ رَاكِبَيْنِ آیا میرے پاس ایک آدمی اور زید اس حال میں کہ دونوں سوار تھے۔

تو جب ذوالحال نکرہ محض ہو اور وہ حال اس کے اور معرفہ کے درمیان مشترک بھی نہ ہو، تو وَجَبَ تَقْدِيمُهَا تو اس حال کو مقدم کرنا واجب ہے۔ تو کہتے ہیں: وَجَبَ تَقْدِيمُهَا تو واجب ہے اس حال کو مقدم کرنا، أَيْ تَقْدِيمُ الْحَالِ عَلَى صَاحِبِهَا یعنی حال کو مقدم کرنا اپنے ذوالحال پر، لِيَتَخَصَّصَ النَّكِرَةُ بِتَقْدِيمِهَا تاکہ نکرہ جو ہے وہ تخصیص حاصل کر لے اپنی تقدیم کی وجہ سے، لِأَنَّهُمَا فِي الْمَعْنَى مُبْتَدَأٌ وَخَبَرٌ اس لیے کیونکہ یہ حال اور ذوالحال جو ہیں یہ معنیٰ کے اندر مبتدا اور خبر ہیں—ذوالحال کس کے درجے میں؟ مبتدا، اور حال کس کے درجے میں؟ خبر۔ تو کہتے ہیں: لِيَتَخَصَّصَ النَّكِرَةُ بِتَقْدِيمِهَا تاکہ نکرہ تخصیص حاصل کر لے اپنی تقدیم کی وجہ سے، لِأَنَّهُمَا فِي الْمَعْنَى مُبْتَدَأٌ وَخَبَرٌ اس لیے کیونکہ حال اور ذوالحال جو ہے معنیٰ کے اندر مبتدا اور خبر ہیں۔

وَلِئَلَّا تَلْتَبِسَ بِالصِّفَةِ فِي النَّصْبِ، اور تاکہ کہیں حال کا التباس نہ آئے صفت کے ساتھ نصب کی حالت میں، فِي مِثْلِ قَوْلِنَا اس جیسی مثالوں میں: دیکھیے بھئی یہ مثال ذرا «ضَرَبْتُ رَجُلاً رَاكِباً»۔ «رَجُلاً» دیکھو نکرہ ہے اور آپ اس سے «رَاكِباً» کو حال بنانا چاہتے ہیں، حال۔ لیکن جب آپ کہیں گے «ضَرَبْتُ رَجُلاً رَاكِباً» تو کوئی بھی اس کو «رَاكِباً» کو حال نہیں سمجھے گا، وہ تو سمجھے گا یہ تو صفت ہے۔ کیوں؟ کیونکہ «رَجُلاً» بھی نکرہ ہے «رَاكِباً» بھی نکرہ ہے، «رَجُلاً» بھی منصوب ہے «رَاكِباً» بھی منصوب ہے۔ تو دیکھو جب ذوالحال نکرہ ہو اور منصوب ہو تو اس صورت میں اگر حال کو آپ مؤخر رکھیں گے تو حال کا التباس لازم آئے گا کس کے ساتھ؟ صفت کے ساتھ۔ لہٰذا اس صورت میں واجب ہوا کہ حال کو ذوالحال پر مقدم کیا جائے اور یوں کہا جائے: «ضَرَبْتُ رَاكِباً رَجُلاً»، «ضَرَبْتُ رَاكِباً رَجُلاً»۔ اب ان کے درمیان موصوف صفت کا اشتباہ نہیں ہوتا، اس لیے کیونکہ صفت کبھی اپنے موصوف پر مقدم نہیں ہوتی۔ تو لہٰذا جب ذوالحال نکرہ ہو اور منصوب ہو تو اس وقت حال کا التباس لازم آتا ہے صفت کے ساتھ، تو اس کو مقدم کرنا واجب ہے۔ تو جب نصب والی حالت میں حال کو ذوالحالِ نکرہ پر مقدم کرنا واجب ہے، تو پھر رفع اور جر والی حالت میں بھی لازم قرار دیا گیا کہ حال کو مقدم کرنا واجب ہے، کس لیے؟ طَرْداً لِلْبَابِ، تاکہ سارے باب کا ایک ہی حکم ہو جائے، یہ نہیں کہ بعض جگہ آپ کہیں واجب ہے مقدم کرنا اور بعض جگہ کہیں واجب نہیں ہے۔ تو کہتے ہیں: وَلِئَلَّا تَلْتَبِسَ بِالصِّفَةِ فِي النَّصْبِ اور تاکہ حال کا التباس نہ آئے صفت کے ساتھ، فِي مِثْلِ قَوْلِنَا ہماری اس جیسے قول کے اندر: ضَرَبْتُ رَجُلاً رَاكِباً۔ ثُمَّ قُدِّمَتْ فِي سَائِرِ الْمَوَاضِعِ، پھر حال کو مقدم کر دیا گیا باقی جگہوں میں بھی یعنی رفع اور جر والی جگہوں میں بھی حال کو مقدم کر دیا گیا، وَإِنْ لَمْ تَلْتَبِسْ اگرچہ اس صورت میں تو التباس نہیں تھا۔ مثلاً دیکھو «مَرَرْتُ بِرَجُلٍ رَاكِباً»۔ اب دیکھو «رَجُلٍ» نکرہ ہے مجرور ہے اور آگے «رَاكِباً» حال ہے، یہاں تو کوئی التباس نہیں کیونکہ موصوف صفت کا اعراب تو ایک ہوتا ہے، اور یہ «رَجُلٍ» تو مجرور ہے اور «رَاكِباً» منصوب ہے، تو پتہ چل رہا ہے یہ موصوف صفت نہیں ہے۔ یا میں کہتا ہوں «جَاءَنِي رَجُلٌ رَاكِباً»۔ تو «رَجُلٌ» دیکھو مرفوع ہے اور

«رَاكِباً» منصوب ہے، اگرچہ دونوں نکرہ ہیں لیکن موصوف صفت کا اشتباہ نہیں ہوتا کیونکہ موصوف صفت کا اعراب تو ایک ہوتا ہے۔ تو رفع اور جر والی حالت میں تو التباس نہیں تھا، صرف نصب والی حالت میں التباس ہوتا تھا کہ یہ شاید آپس میں موصوف صفت ہیں، لیکن جب نصب والی حالت میں لازم قرار دیا گیا کہ حال کو ذوالحال پر مقدم کرنا واجب ہے اس التباس سے بچنے کے لیے، تو باقی دونوں صورتوں کے اندر بھی حال کو مقدم کرنا واجب قرار...

...دیا گیا طَرْداً لِلْبَابِ، باب کی موافقت کے لیے کہ پورے باب کا ایک ہی حکم ہو جائے بھئی۔ یہ معنیٰ ہے۔ تو کہتے ہیں: ثُمَّ قُدِّمَتْ فِي سَائِرِ الْمَوَاضِعِ پھر اس حال کو مقدم کر دیا گیا باقی جگہوں کے اندر بھی وَإِنْ لَمْ تَلْتَبِسْ اگرچہ اس کا التباس نہ آ رہا ہو، طَرْداً لِلْبَابِ۔ طَرْداً لِلْبَابِ یعنی پورے باب کو موافق بنانے کے لیے، پورے باب کا ایک ہی حکم تاکہ ہو جائے کہ ذوالحال جب نکرہ ہو اور تخصیص کا اور کوئی طریقہ نہ ہو تو حال کو اس پر مقدم کرنا واجب ہے، چاہے ذوالحال منصوب ہو، مرفوع ہو یا مجرور ہو۔

تو صاحبِ کافیہ نے آپ کو بتلایا کہ ذوالحال اگر نکرہ محض ہو تو اس کے حال کو اس پر مقدم کرنا واجب ہے۔ اور اس کی وجہ کیا ہے؟ صاحبِ جامی نے دو وجہیں بتائیں: ایک تو یہ وجہ ذکر کی کہ ذوالحال چونکہ نکرہ محض ہے تو جب اس پر اس کے حال کو مقدم کریں گے تو ذوالحال کے اندر تخصیص آجائے گی، وہ نکرہ مخصصہ بن جائے گا، اور نکرہ مخصصہ سے تو حال آسکتا ہے، تو ذوالحال کا ذوالحال ہونا صحیح ہو جائے گا اور اس سے حال کا آنا صحیح ہو جائے گا جب آپ حال کو اس پر مقدم کر دیں گے۔ اور دوسری وجہ کہ اس لیے بھی مقدم کیا جاتا ہے حال کو تاکہ کہیں نصب والی حالت میں حال کا التباس صفت کے ساتھ لازم نہ آئے، جیسے «ضَرَبْتُ رَجُلاً رَاكِباً»۔ یہاں اب «رَجُلاً» ذوالحال جو ہے وہ نکرہ ہے اور اس کے بعد اگر «رَاكِباً» حال کو آپ لائیں گے تو دیکھنے والا یہی سمجھے گا کہ یہ تو حال نہیں ہے، یہ تو آپس میں موصوف صفت ہیں، کیونکہ «رَجُلاً» بھی نکرہ اور «رَاكِباً» بھی نکرہ، اور نیز «رَجُلاً» بھی منصوب اور «رَاكِباً» بھی منصوب۔ تو یہاں پر حال کا التباس لازم آئے گا صفت کے ساتھ، لہٰذا حال کو مقدم کیا جائے گا ذوالحال پر تو پھر اب وہ التباس نہیں رہے گا۔ اور جب التباس سے بچنے کے لیے نصب والی حالت میں حال کو مقدم کرنا واجب ہوا، تو باقی حالتوں کے اندر بھی مقدم کرنا واجب قرار دیا گیا طَرْداً لِلْبَابِ تاکہ سارے باب کا ایک ہی حکم ہو جائے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ چلیے بس بھئی۔ هٰذَا هُوَ الْمَرَامُ، وَاللّٰهُ أَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْكَلَامِ.

سبق نمبر ۱۴۵: الحال (۵): عاملِ معنوی پر حال کے مقدم نہ ہونے کا بیان

شرحِ ملا جامی صفحہ: ۱۲۶ — بتاریخ: ۱ فروری ۲۰۲۲ء

▪ تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث

دیکھیے بھئی آگے سبق:

وَلَا تَتَقَدَّمُ أَيِ الْحَالُ فِيمَا عَدَا مِثْلَ زَيْدٌ قَائِماً كَعَمْرٍو قَاعِداً عَلَى الْعَامِلِ الْمَعْنَوِيِّ، قَدْ عَرَفْتَ فِيمَا قَبْلُ الْعَامِلَ الْمَعْنَوِيَّ، وَأَنَّ مَا هُوَ مُقَدَّرٌ بِالْفِعْلِ أَوِ اسْمِ الْفَاعِلِ مِثْلُ الظَّرْفِ وَمَا يُشْبِهُهُ أَعْنِي الْجَارَّ وَالْمَجْرُورَ خَارِجٌ عَنْهُ دَاخِلٌ فِي الْفِعْلِ أَوْ شِبْهِهِ.

بھئی گذشتہ سبق میں صاحبِ کافیہ نے آپ کو بتلایا تھا کہ حال کے اندر شرط یہ ہے کہ وہ نکرہ ہونا چاہیے۔ تو اس پر پھر اشکال ہوا تھا کہ «وَأَرْسَلَهَا الْعِرَاكَ» اس کے اندر «الْعِرَاكَ» معرفہ ہے، اس پر الف لام داخل ہے اور یہ حال واقع ہو رہا ہے، اور اسی طرح «مَرَرْتُ بِهِ وَحْدَهُ» اس کے اندر یہ جو «وَحْدَهُ» ہے یہ حال واقع ہو رہا ہے اور یہ معرفہ ہے کیونکہ اس میں «وَحْدَ» کی اضافت ہو رہی ہے «هَاء» ضمیر کی طرف بھئی۔ تو صاحبِ کافیہ نے آپ کو بتلایا تھا کہ اس قسم کی مثالیں جن کے اندر حال معرفہ واقع ہو، ان میں تاویل کی گئی ہے، ان میں تاویل کی گئی ہے بھئی۔ اور پھر اس کے بعد ہم نے «وَأَرْسَلَهَا الْعِرَاكَ» جو ہے اس کی تفصیل پڑھی تھی۔ شارحِ جامی نے آپ کو بتلایا تھا کہ یہ لبید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا شعر ہے، اور پورا شعر اس طرح ہے: «وَأَرْسَلَهَا الْعِرَاكَ وَلَمْ يَذُدْهَا وَلَمْ يُشْفِقْ عَلَى نَغَصِ الدِّخَالِ»۔ «وَأَرْسَلَهَا» اور حمارِ وحشی نے آزاد چھوڑ دیا—«هَا» ضمیر راجع ہے أُتُن کو، یعنی وہ جو حمارِ وحشی کی مؤنث ہیں بھئی—تو حمارِ وحشی نے آزاد چھوڑ دیا ان أُتُن کو، «الْعِرَاكَ» اس حال میں کہ وہ ہجوم لگانے والی تھیں، «وَلَمْ يَذُدْهَا» اور اس نے ان کو منع نہیں کیا ہجوم لگانے سے، «وَلَمْ يُشْفِقْ عَلَى نَغَصِ الدِّخَالِ» اور اس نے خوف نہیں کیا نغص الدخال کا، نغص الدخال کا۔

میں نے بتلایا تھا دِخال یہ اونٹوں کو پانی پلانے کا ایک خاص طریقہ تھا بھئی۔ عرب اونٹوں کو عموماً دس بارہ دن کے بعد پانی پلانے کے لیے لاتے تھے کیونکہ اونٹ کو اللہ نے ایسا پیدا فرمایا ہے کہ وہ پانی کو اپنے جسم میں ذخیرہ کر لیتا ہے اور پھر ضرورت کے مطابق اس کا جسم وہ پانی اندر استعمال کرتا رہتا ہے۔ تو وہ دس دس بارہ بارہ دن بعد اس کو پانی پلاتے تھے۔

تو جب پانی پلایا تو پھر یہ فکر ہوتی تھی کہیں ایسا نہ ہو اس نے پوری طرح پانی نہ پیا ہو، اب تو پھر اس کو دس بارہ دن بعد پانی پلانا ہے۔ تو چنانچہ پھر وہ اس اونٹ کو جو ایک دفعہ پانی پی چکا ہے، اس کو دو ایسے اونٹوں کے درمیان دوبارہ پانی پر لاتے تھے جو پیاسے ہوتے تھے۔ یعنی وہ جو دو اونٹ ہیں ان کو پہلی دفعہ پانی پر لائے، اور اس کو ان کے درمیان میں لے آئے یہ جو اونٹ پانی پی چکا ہے۔ تو اب وہ چونکہ پہلی دفعہ پانی پی رہے ہیں تو وہ خوب پانی پیتے، اور یہ ان کو دیکھ کر یہ بھی کچھ نہ کچھ مزید پانی پی لیتا۔ تو یہ پانی پلانے کا جو طریقہ تھا اس کو دِخال کہتے ہیں، دِخال۔ لیکن صاحبِ جامی نے بتلایا کہ یہاں دِخال سے نفسِ مداخلت مراد ہے۔ وہ جو جنگلی گدھیاں تھیں اور وہ جو پانی پر جمع ہوئیں، تو ہجوم لگ گیا، وہ ایک دوسرے میں گھسی ہوئی تھیں، اور اس کی وجہ سے یہ خوف تھا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ ان کی پیاس ادھوری رہ جائے یعنی پوری طرح یہ سیر ہو کر پانی نہ پی سکیں۔ تو یہاں دِخال کا کیا معنیٰ کیا؟ مداخلت کے، اس لیے کیونکہ دِخال تو ان حیوانات میں ہو سکتا ہے جو آپ کے قابو میں ہیں، اور یہ تو جنگلی حیوانات ہیں یہ تو آپ کے قابو میں نہیں، تو یہاں دِخال نہیں ہو سکتا، تو دِخال بول کر مداخلت مراد ہے بھئی۔ تو اس جنگلی گدھے نے نغص الدخال کا خوف نہیں کیا۔ تو یہاں پر دیکھو نغص کی اضافت ہے «الدِّخَالِ» کی طرف، اور وہ دِخال سبب ہے، وہ آپس کی مداخلت وہ سبب بنے گی کہ پوری طرح سیر ہو کر پانی نہیں پی سکتیں۔ تو نغص ہوا مسبَّب اور دِخال ہوا اس کا سبب، تو یہ مسبَّب کی اضافت ہے سبب کی طرف۔ اور پھر یہ بھی صاحبِ جامی نے فرمایا تھا کہ دوسرا معنیٰ یہ بھی کیا جا سکتا ہے کہ یہاں تشبیہ دی جا رہی ہو، اس نغص کو اس نغص الدخال کے ساتھ تشبیہ دی جا رہی ہو، کہ اس جنگلی گدھے نے خوف نہیں کیا کہ یہ جنگلی گدھیاں کہیں ایسا نہ ہو ان کی پیاس ادھوری رہ جائے یعنی پوری طرح سیر ہو کر یہ پانی نہ پی سکیں، جیسے کہ وہ جو نغص ہوتا ہے جس کی وجہ سے دِخال کیا جاتا ہے، وہ نغص جس کی وجہ سے دِخال۔ تو دیکھو وہاں تو نغص سبب بنتا تھا دِخال کا۔ وہ دِخال کیوں کرتے ہیں؟ ایک اونٹ کو دو اونٹوں کے درمیان کیوں لاتے ہیں؟ کہ کہیں اس کی پیاس ادھوری نہ رہ گئی ہو۔ تو وہاں نغص جو ہے وہ سبب بنتا ہے دِخال کا۔ تو اگر دوسرا معنیٰ کیا جائے، یعنی دِخال سے دِخال ہی مراد لیا جائے اور یہاں اس نغص کو تشبیہ کے لیے مان لیا جائے، تو پھر اس صورت میں یہ سبب کی اضافت ہو جائے گی مسبَّب کی طرف، یہ جو نغص ہے یہ سبب بنتا ہے دِخال کا۔ تو اس جنگلی گدھے نے یہ خوف نہیں کیا کہ کہیں ان کا پینا بھی ادھورا نہ رہ جائے جیسے وہ نغص جس کی وجہ سے دِخال کیا جاتا ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟

تو صاحبِ کافیہ نے آپ کو بتلایا کہ «وَأَرْسَلَهَا الْعِرَاكَ وَمَرَرْتُ بِهِ وَحْدَهُ» اور اس جیسی مثالوں میں تاویل کی گئی ہے۔ تو اس اعتراض کے صاحبِ جامی نے دو جواب دیے، دو تاویلیں ذکر فرما دیں۔ ایک جواب تو یہ، ایک تاویل تو یہ کہ یہ جو معرفہ آپ کو نظر آ رہے ہیں دراصل یہ حال ہیں ہی نہیں، بلکہ یہ مصدر ہیں سب اور یہ مفعولِ مطلق ہیں حالِ مقدرہ سے۔ تو اصل میں جو حال ہے وہ تو مقدر ہے جو انہی مصادر کے افعال ہیں، یعنی «الْعِرَاكَ» یہ بمعنیٰ ہے «تَعْتَرِكُ الْعِرَاكَ»، اور اسی طرح «وَحْدَهُ» اصل میں ہے «يَنْفَرِدُ وَحْدَهُ أَيِ انْفِرَادَهُ»، اور اسی طرح «فَعَلْتَهُ جُهْدَكَ» اصل میں ہے «تَجْتَهِدُ جُهْدَكَ»۔ تو یہ سب مصادر ہیں اور ان سے ماقبل ان کے افعال محذوف ہیں اور دراصل وہ حال واقع ہو رہے ہیں۔ تو یہ «الْعِرَاكَ»،

«وَحْدَهُ» اور «جُهْدَكَ» یہ سب مفعولِ مطلق ہیں حالِ مقدرہ سے، اور حالِ مقدر جو ہے وہ انہی کا فعل ہے جو اپنے فاعل سے مل کر جملہ فعلیہ بن رہا ہے، اور جملہ مِن حَيثُ الجُملہ وہ نکرہ کے حکم میں ہوتا ہے، تو یہاں پر بھی گویا حال نکرہ ہی ہے بھئی اور یہ اس سے مفعولِ مطلق واقع ہو رہے ہیں۔

اور دوسرا جواب یہ ذکر کیا کہ یہ ایسے معرفہ ہیں جو نکرہ کے مقام میں واقع ہوئے ہیں۔ یہ مقام تو نکرہ کا ہے اس لیے کیونکہ حال نکرہ ہوتا ہے، لیکن اس نکرہ کے محل میں کون آ گئے؟ یہ معرفہ واقع ہو گئے، یعنی یہ نکرہ کی تقدیر میں ہیں کیونکہ یہ محل کس کا ہے؟ نکرہ کا۔ تو لہٰذا یہ دیکھنے میں معرفہ ہیں لیکن معنیٰ کے اعتبار سے یہ نکرہ ہیں۔ لہٰذا «الْعِرَاكَ» یہ کس معنیٰ میں ہوا؟ «مُعْتَرِكَةً» کے معنیٰ میں، اور «وَحْدَهُ» کس معنیٰ میں ہوا؟ «مُنْفَرِداً» کے معنیٰ میں، اور «جُهْدَكَ» کس معنیٰ میں ہوا؟ «مُجْتَهِداً» کے معنیٰ میں۔ کہتے ہیں یہ اسی طرح ہے جیسے «حَسَنُ الْوَجْهِ» کے اندر، اس کے اندر اضافتِ لفظی ہو رہی ہے، «حَسَن» مضاف ہے «الْوَجْهِ» مضاف الیہ، اور یہ اضافتِ لفظی ہے۔ اور میں نے آپ کو بتلایا تھا کہ اضافتِ لفظی نہ تعریف کا فائدہ دیتی ہے اور نہ تخصیص کا، یہ صرف لفظوں کے اندر تنوین یا قائم مقامِ تنوین یعنی نونِ تثنیہ اور نونِ جمع کو گرا دیتی ہے، تو بس صرف لفظوں میں تخفیف آتی ہے۔ جیسے یہاں «حَسَنُ الْوَجْهِ»، «حَسَن» سے تنوین گر گئی اضافت کی وجہ سے، تو «حَسَن» جیسے اضافت سے پہلے نکرہ تھا اضافت کے بعد بھی اسی طرح نکرہ کا نکرہ ہے۔

اور پھر اس کے بعد ضابطہ ذکر کیا تھا کہ ذوالحال اگر نکرہ محض ہو تو اس پر اس کے حال کو مقدم کرنا واجب ہے بھئی، حال کو مقدم کرنا واجب ہے۔ اور اس کی وجہ کیا ہے؟ صاحبِ جامی نے دو وجہیں بتائیں: ایک تو یہ وجہ ذکر کی کہ ذوالحال چونکہ نکرہ محض ہے تو جب اس پر اس کے حال کو مقدم کریں گے تو ذوالحال کے اندر تخصیص آ جائے گی، وہ نکرہ مخصصہ بن جائے گا، اور نکرہ مخصصہ سے تو حال آ سکتا ہے، تو ذوالحال کا ذوالحال ہونا صحیح ہو جائے گا اور اس سے حال کا آنا صحیح ہو جائے گا جب آپ حال کو اس پر مقدم کر دیں گے۔ اور دوسری وجہ کہ اس لیے بھی مقدم کیا جاتا ہے حال کو تاکہ کہیں نصب والی حالت میں حال کا التباس صفت کے ساتھ لازم نہ آئے، جیسے «ضَرَبْتُ رَجُلاً رَاكِباً»۔ یہاں اب «رَجُلاً» ذوالحال جو ہے وہ نکرہ ہے اور اس کے بعد اگر «رَاكِباً» حال کو آپ لائیں گے تو دیکھنے والا یہی سمجھے گا کہ یہ تو حال نہیں ہے یہ تو آپس میں موصوف صفت ہیں، کیونکہ «رَجُلاً» بھی نکرہ اور «رَاكِباً» بھی نکرہ، اور نیز «رَجُلاً» بھی منصوب اور «رَاكِباً» بھی منصوب۔ تو یہاں پر حال کا التباس لازم آئے گا صفت کے ساتھ، لہٰذا حال کو مقدم کیا جائے گا ذوالحال پر تو پھر اب وہ التباس نہیں رہے گا۔ اور جب التباس سے بچنے کے لیے نصب والی حالت میں حال کو مقدم کرنا واجب ہوا تو باقی حالتوں کے اندر بھی مقدم کرنا واجب قرار دیا گیا طَرْداً لِلْبَابِ تاکہ سارے باب کا ایک ہی حکم ہو جائے۔ بات سمجھ میں آ گئی؟

اب آئیے آج کے سبق پر بھئی۔ کہتے ہیں: وَلَا تَتَقَدَّمُ أَيِ الْحَالُ فِيمَا عَدَا مِثْلَ زَيْدٌ قَائِماً كَعَمْرٍو قَاعِداً عَلَى الْعَامِلِ الْمَعْنَوِيِّ۔ پہلے متن متن دیکھیے۔ کہتے ہیں: «وَلَا تَتَقَدَّمُ عَلَى الْعَامِلِ الْمَعْنَوِيِّ بِخِلَافِ الظَّرْفِ» اور حال جو ہے یہ عاملِ معنوی پر

مقدم نہیں ہوتا۔ توجہ ہے؟ حال جو ہے وہ عاملِ معنوی پر مقدم نہیں ہوتا۔ وجہ یہ کہ عاملِ معنوی جو ہے وہ معنیٰ کے اعتبار سے عامل ہے، وہ تو لفظوں میں موجود نہیں۔ جب وہ صرف معنیٰ کے اعتبار سے عامل ہے تو وہ کمزور عامل ہے، وہ اپنے مابعد میں تو عمل کر سکتا ہے، اپنے سے ماقبل میں عمل نہیں کر سکتا۔ لہٰذا حال کو عاملِ معنوی پر مقدم نہیں کر سکتے۔ جیسے وہ جو مثال آئی تھی متن کے اندر: «هٰذَا زَيْدٌ قَائِماً»۔ «هٰذَا» مبتدا ہے، «زَيْدٌ» خبر ہے اور اس «زَيْدٌ» سے آگے «قَائِماً» حال آرہا ہے۔ اور حال تو صرف کس کی حالت بیان کرتا ہے؟ فاعل یا مفعول بہ کی۔ تو اشکال ہوتا ہے کہ یہ خبر سے کیسے حال آیا؟ تو اس کا جواب دیا تھا صاحبِ جامی نے کہ یہ جو «هٰذَا» لفظ ہے اس سے «أُنَبِّهُ» اور «أُشِيرُ» کا معنیٰ سمجھ میں آرہا ہے اور اس کے لیے یہ «زَيْدٌ» مفعول بہ ہے، تو اب زید مفعول بہ بن گیا اور اس سے حال کا آنا صحیح ہوا، اور وہی «أُنَبِّهُ» یا «أُشِيرُ» وہ جو معنیٰ فعل ہے وہ اس «قَائِماً» کے اندر عامل ہے۔ تو انہوں نے کیا کہا؟ کہ حال کو عاملِ معنوی پر مقدم نہیں کیا جا سکتا۔ سوال: وہ عامل تو معنیٰ کے اندر ہے، اس پر مقدم مؤخر کرنے کا کیا معنیٰ؟ وہ تو لفظوں میں ہے ہی نہیں! تو کہنے کا مطلب یہ ہے کہ جس لفظ سے وہ عاملِ معنوی آپ کو سمجھ میں آرہا ہے، اس لفظ پر حال کو مقدم نہیں کر سکتے۔ تو «هٰذَا زَيْدٌ قَائِماً» یہ «أُشِيرُ» اور «أُنَبِّهُ» کس سے سمجھ میں آرہا ہے؟ «هٰذَا» سے، تو اس «هٰذَا» پر یہ «قَائِماً» کو مقدم نہیں کر سکتے۔ آپ یوں نہیں کہہ سکتے: «قَائِماً هٰذَا زَيْدٌ»، یہ تو گویا آپ نے حال کو کیا کر دیا؟ عاملِ معنوی پر مقدم کر دیا۔

اور پھر صاحبِ جامی آپ کو یہ بھی بتلائیں گے کہ یہ جو ظرف ہے یہ عاملِ معنوی میں سے نہیں۔ وہ جو متن میں پیچھے ایک مثال آئی تھی—کیا مثال تھی؟ «زَيْدٌ فِي الدَّارِ قَائِماً»۔ متن میں مثال آئی تھی: «زَيْدٌ فِي الدَّارِ قَائِماً»۔ تو وہاں پر صاحبِ جامی نے بتایا تھا کہ یہ جو «فِي الدَّارِ» یا تو مقدر بالفعل ہے یا مقدر بشبہ الفعل ہے، یعنی اس «فِي الدَّارِ» کے لیے یعنی اس ظرف کے لیے «ثَبَتَ» یا «ثَابِتٌ» نکالنا پڑے گا کیونکہ یہ خبر بن رہا ہے: «زَيْدٌ ثَبَتَ فِي الدَّارِ قَائِماً» یا «زَيْدٌ ثَابِتٌ فِي الدَّارِ قَائِماً»۔ یہ مثال ذرا اپنے سامنے لکھیں، یہ کاپی کے اوپر اپنے سامنے مثال لکھیے بھئی۔ جی، لکھیے بھئی: «زَيْدٌ فِي الدَّارِ قَائِماً»، «زَيْدٌ فِي الدَّارِ قَائِماً»۔ لکھ لیا؟ «زَيْدٌ فِي الدَّارِ قَائِماً»۔ صاحبِ جامی نے آپ کو بتلایا تھا کہ یہ جو «قَائِماً» ہے اس کے اندر یہ ظرف عامل ہے، اور تفصیل بیان کی تھی کہ یہ «فِي الدَّارِ» جار مجرور ہے یعنی ظرف ہے، اور ظرف کے لیے ہمیشہ کیا چاہیے؟ عامل چاہیے، جار مجرور ہو تو اس کے لیے متعلق چاہیے۔ تو یہاں پر یا تو «ثَبَتَ» نکالنا پڑے گا یا «ثَابِتٌ» نکالنا پڑے گا۔ اگر آپ فعل نکالتے ہیں تو گویا یہ «فِي الدَّارِ» یعنی یہ جو ظرف ہے یہ مقدر بالفعل ہوا اور وہ عامل ہو گیا کس کے اندر؟ «قَائِماً» کے اندر۔ اور اگر آپ «ثَابِتٌ» نکالتے ہیں تو یہ «فِي الدَّارِ» جو ہے مقدر بشبہ الفعل ہوا اور وہ عامل ہوا کس کے اندر؟ «قَائِماً» کے اندر۔ توجہ ہے؟ انہوں نے آپ کو بتلایا تھا کہ حال کے اندر عامل فعل ہوگا، یا شبہ فعل ہوگا، یا معنیٰ فعل ہوگا۔ توجہ ہے؟ حال میں عامل کیا ہوگا؟ فعل ہوگا، یا شبہ فعل ہوگا، یا معنیٰ فعل ہوگا۔ اور صاحبِ جامی نے اسی مثال کو ذکر فرمایا تھا کہ «زَيْدٌ فِي الدَّارِ قَائِماً» اس کے اندر یہ جو «فِي الدَّارِ» ظرف عامل بن رہا ہے...

...یہ فعل یا شبہ فعل کے اندر داخل ہے، معنیٰ فعل میں داخل نہیں۔ کیوں؟ کیونکہ یہ «فِي الدَّارِ» کے لیے یا «ثَبَتَ» نکالو گے یا «ثَابِتٌ»۔ «ثَبَتَ» نکالا تو اس صورت میں یہ کس کے اندر داخل ہو گیا؟ جہاں عامل فعل بن رہا ہے۔ اور اگر آپ «ثَابِتٌ» نکالیں گے تو پھر اس صورت میں یہ کس میں داخل ہو جائے گا؟ وہ حال جس کے اندر عامل شبہ فعل ہے۔ تو معلوم ہوا صاحبِ جامی کے نزدیک یہ جو ظرف ہے جو عامل ہوتا ہے حال کے اندر یہ عاملِ معنوی میں نہیں داخل، یہ عاملِ معنوی میں نہیں داخل بلکہ یہ فعل یا شبہ فعل کے اندر داخل ہے۔ پھر سنو! انہوں نے کیا بتایا؟ حال کے اندر عامل یا فعل ہوگا، یا شبہ فعل ہوگا، یا معنیٰ فعل ہوگا۔ اور صاحبِ جامی نے بتایا کہ وہ ظرف جو عامل ہوتا ہے، چونکہ وہاں پر بھی «ثَبَتَ» یا «ثَابِتٌ» نکالنا پڑے گا، تو یہ جو ظرف جو عامل بن رہا ہو حال کے اندر وہ فعل یا شبہ فعل میں داخل ہے، عاملِ معنوی کے اندر داخل نہیں۔ تو «زَيْدٌ فِي الدَّارِ قَائِماً» تو یہ جو «قَائِماً» ہے اس کے اندر «فِي الدَّارِ» عامل ہے، لیکن یہ «فِي الدَّارِ» عاملِ معنوی میں سے نہیں ہے بلکہ عاملِ لفظی ہے یعنی فعل یا شبہ فعل کے اندر داخل ہوگا۔ معلوم ہوا صاحبِ جامی کے نزدیک ظرف جو ہے، وہ ظرف جو عامل ہوتا ہے، وہ کس کے اندر داخل ہے؟ فعل یا شبہ فعل میں داخل ہے، یعنی ظرف جو ہے عاملِ معنوی میں داخل نہیں ہے۔

تو انہوں نے آپ کو بتلا دیا کہ حال جو ہے عاملِ معنوی پر مقدم نہیں ہو سکتا۔ بِخِلَافِ الظَّرْفِ بخلاف کس کے؟ ظرف۔ یعنی اگر ظرف عامل ہے حال کے اندر تو پھر اس صورت میں اختلاف ہے۔ امام سیبویہ فرماتے ہیں کہ ظرف چونکہ عاملِ ضعیف ہے–جیسے عاملِ معنوی ضعیف ہوتا ہے اسی طرح ظرف بھی عاملِ ضعیف ہے–تو لہٰذا حال کو اس ظرف پر مقدم نہیں کیا جا سکتا جو اس کے اندر عامل ہو۔ تو یہ جو میں نے مثال لکھوائی «زَيْدٌ فِي الدَّارِ قَائِماً»، امام سیبویہ فرماتے ہیں کہ یہ «قَائِماً» کو «فِي الدَّارِ» پر مقدم نہیں کر سکتے، آپ یوں نہیں کہہ سکتے: «زَيْدٌ قَائِماً فِي الدَّارِ»۔ کیوں؟ کیونکہ «فِي الدَّارِ» ظرف عاملِ ضعیف ہے۔ جیسے عاملِ معنوی ضعیف ہوتا ہے یہ «فِي الدَّارِ» بھی عاملِ ضعیف ہے، لہٰذا اس پر حال کو مقدم نہیں کیا جا سکتا۔ جبکہ آگے بتلائیں گے امام اخفش رحمہ اللہ، وہ فرماتے ہیں کہ حال کو ظرف پر ایک صورت میں مقدم کیا جا سکتا ہے، اگر اس سے پہلے مبتدا آیا ہو، اس سے پہلے–تو جیسے اس مثال کے اندر یہ «زَيْدٌ» ہے مبتدا اور «فِي الدَّارِ» ہے خبر، اور آگے «قَائِماً» حال آ رہا ہے، تو اس «قَائِماً» کو وہ فرماتے ہیں «فِي الدَّارِ» پر مقدم کرنا جائز ہے۔ تو آپ یوں کہہ سکتے ہیں: «زَيْدٌ قَائِماً فِي الدَّارِ»۔ امام سیبویہ اور جمہور تو کیا فرماتے ہیں؟ کہ حال کو ظرف پر مقدم کرنا جائز نہیں، لیکن امام اخفش فرماتے ہیں کہ ایک صورت میں مقدم کر سکتے ہو ظرف پر حال کو، کہ اس سے پہلے مبتدا ہو، اس حال سے پہلے کون ہو؟ مبتدا ہو، مبتدا پہلے ہونا چاہیے، حال کو اس کے بعد ہونا چاہیے۔ تو آپ یوں کہہ سکتے ہیں اسی مثال کے اندر، کیسے کہہ سکتے ہیں؟ «زَيْدٌ قَائِماً فِي الدَّارِ»۔ تو آپ نے «فِي الدَّارِ» پر «قَائِماً» کو مقدم کر دیا کیونکہ اس سے پہلے مبتدا موجود ہے۔ بات سمجھ میں آ گئی؟ تو وہ بھی فرماتے ہیں کہ ظرف عاملِ ضعیف ہے، لیکن وہ فرماتے ہیں کہ یہاں پر مبتدا مقدم ہے اس لیے

جائز ہے بھئی۔ کیا وجہ ہے؟ کیوں جائز ہے؟ وجہ یہ کہ میں نے بتلایا تھا آپ کو کہ حال اور ذوالحال کا عامل ایک ہی چیز ہونی چاہیے، یہ واجب ہے عِندَ الجُمہور۔ تو جب آپ نے «قَائِماً» کو حال بنایا «فِي الدَّارِ» سے یعنی «فِي الدَّارِ» اس میں عامل ہے، اور «فِي الدَّارِ» اس کے اندر «هُوَ» ضمیر چھپی ہوئی ہے کیونکہ «فِي الدَّارِ» کس سے متعلق ہے؟ «ثَبَتَ» یا «ثَابِتٌ» سے، اور «ثَبَتَ» اور «ثَابِتٌ» کے لیے فاعل چاہیے تو ان کے اندر وہ «هُوَ» ضمیر ہے، وہ «ثَبَتَ» یا «ثَابِتٌ» تو چلا گیا لیکن وہ ضمیر کس کے اندر چھپ گئی؟ «فِي الدَّارِ» کے اندر چھپ گئی، اب وہ «هُوَ» ضمیر بنے گی ذوالحال اور یہ «قَائِماً» ہے اس سے حال۔ تو وہ «هُوَ» ضمیر اس کے اندر عامل کون؟ «فِي الدَّارِ»، یہ «فِي الدَّارِ» کے اندر وہ ضمیر چھپی ہوئی ہے تو یہ «فِي الدَّارِ» اس کو رفع دے رہا ہے۔ تو ذوالحال میں بھی عامل ہوا «فِي الدَّارِ» اور حال کے اندر بھی عامل کون ہوا؟ «فِي الدَّارِ»۔

تو امام اخفش کی دلیل میں ذکر کر رہا ہوں: تو ان کے نزدیک جب یہ حال پر مبتدا مقدم ہو تو اس کو اپنے عامل ظرف پر مقدم کرنا جائز ہے۔ وجہ یہ کہ یہاں پر جو ظرف ضمیر ہے «هُوَ» ضمیر، وہ راجع ہے زید یعنی مبتدا کو۔ زید مبتدا ہے نا؟ «زَيْدٌ فِي الدَّارِ قَائِماً» یہ «فِي الدَّارِ» کے اندر «هُوَ» ضمیر زید کو راجع ہے۔ تو گویا یہ جو ذوالحال ہے «هُوَ» ضمیر، یہ زید کا نائب ہے۔ اصل تو زید ہے نا، ایک وہ لفظ ہو اور ایک اس کی ضمیر ہو، ضمیر اسی کا نائب بنتی ہے، اس لفظ کو دوبارہ ذکر کرنے کی ضرورت نہیں، ایک دفعہ آپ زید کہہ چکے ہیں بار بار زید کہنے کی ضرورت نہیں ضمیر لاتے جاتے ہیں، تو ضمیر اس کی نائب ہوتی ہے، ضمیر اس کی—تو یہاں پر یہ جو حال بنا ہے یہ کس سے بنا؟ «فِي الدَّارِ» کے اندر «هُوَ» ضمیر سے، اور وہ «هُوَ» ضمیر کس کی نائب ہے؟ زید کی نائب ہے۔ تو ذوالحال جس کا نائب تھا وہ خود جب مقدم موجود ہے، گویا حقیقت میں جو ذوالحال ہے وہ ابھی بھی حال پر مقدم ہے بھئی۔ زید حقیقت میں ذوالحال ہے، وہ ابھی بھی مقدم ہے حال پر، لہٰذا اس لیے جائز ہے۔ تو لہٰذا حال کو اپنے عامل ظرف پر مقدم کرنا جائز ہے بشرطیکہ اس حال سے پہلے کیا آ رہا ہو؟ مبتدا۔ بات سمجھ میں آ گئی؟ گویا حقیقت میں جو ذوالحال ہے وہ ابھی بھی حال پر مقدم ہے بھئی۔

ہاں، اگر مبتدا مؤخر ہو جائے پھر جائز نہیں۔ مثلاً اسی مثال کو دیکھیے، کیا لکھا تھا؟ «زَيْدٌ فِي الدَّارِ قَائِماً»۔ تو «قَائِماً» کو کہاں لائیں؟ زید کے بعد لے آئیں: «زَيْدٌ قَائِماً فِي الدَّارِ»، کیونکہ ابھی بھی زید «قَائِماً» پر مقدم ہے۔ لیکن اگر آپ اس «قَائِماً» کو زید پر بھی مقدم کرنا چاہتے ہیں اور یوں کہنا چاہتے ہیں: «قَائِماً زَيْدٌ فِي الدَّارِ»، یہ جائز نہیں کیونکہ حقیقت میں جو ذوالحال ہے وہ اب مؤخر ہو گیا۔ بات سمجھ میں آ گئی؟ یا تیسری صورت یہ کر لیں کہ مبتدا کو سب سے آخر میں لے جائیں، مبتدا زید کو سب سے آخر میں لے جاؤ: «قَائِماً فِي الدَّارِ زَيْدٌ»۔ بھئی آپ نے پڑھا ہے جار مجرور کو کبھی کبھار مبتدا پر مقدم کر دیتے ہیں، آپ یوں بھی کہہ سکتے ہیں «زَيْدٌ فِي الدَّارِ» اور آپ یوں بھی کہہ سکتے ہیں «فِي الدَّارِ زَيْدٌ»۔ تو لہٰذا اب دیکھو «فِي الدَّارِ زَيْدٌ» اس سے آپ «فِي الدَّارِ» سے کیا بنانا چاہتے ہیں؟ حال۔ تو وہ حال کو اب اس «فِي الدَّارِ» پر مقدم نہیں کر سکتے کیونکہ مبتدا اس سے ماقبل میں نہیں ہے، مبتدا تو خود آگے آ رہا ہے، مؤخر ہو چکا ہے۔ تو لہٰذا «قَائِماً فِي الدَّارِ زَيْدٌ» یہ بھی آپ

نہیں کہہ سکتے۔ دلیل بھی سمجھ میں آئی کہ نہیں؟

پھر سنو، پھر سنو: دلیل یہ ہوئی کہ ظرف عاملِ ضعیف ہے۔ امام سیبویہ نے تو فرمایا تھا کہ ظرف پر حال کو مقدم کر ہی نہیں سکتے کیونکہ یہ عاملِ ضعیف ہے۔ امام اخفش فرماتے ہیں کہ مقدم کر سکتے ہیں ایک صورت میں، جبکہ حال پر بتدا مقدم ہو۔ وجہ یہ کہ اس صورت میں اگرچہ حال جو ہے عامل پر جب مقدم ہوا تو ذوالحال پر بھی کیا ہو گیا؟ مقدم ہو گیا، لیکن وہ ضمیر نائب ہے کس سے؟ اسمِ بتدا سے، تو گویا حقیقت میں جو ذوالحال ہے وہ ابھی بھی حال پر مقدم ہے، جب وہ ابھی بھی حال پر مقدم ہے تو لہٰذا اس وجہ سے یہ صورت جائز ہے بھئی۔ تو گویا یوں سمجھو، گویا یوں سمجھو آپ نے حال کو ظرف پر ابھی پوری طرح مقدم کیا ہی نہیں، کیونکہ ظرف پر پوری طرح مقدم کب ہوتا؟ جب ظرف پر بھی مقدم ہو جائے اور جو اس کے اندر ذوالحال ہے اس پر بھی مقدم ہو جائے۔ تو ظرف پر تو مقدم ہوا لیکن ذوالحال پر تو گویا ابھی بھی مقدم نہیں ہے، لہٰذا یہ صورت جائز ہے۔ بات سمجھ میں آ گئی؟

جی، اب دیکھیے بھئی متن کا پہلے ترجمہ دیکھ لیجیے: وَلَا تَتَقَدَّمُ عَلَى الْعَامِلِ الْمَعْنَوِيِّ، اور حال جو ہے وہ مقدم نہیں ہوتا عاملِ معنوی پر۔ عاملِ معنوی پر حال مقدم نہیں ہو سکتا کیونکہ عاملِ معنوی ضعیف ہے۔ بِخِلَافِ الظَّرْفِ بخلاف کس کے؟ ظرف کے۔ ظرف عاملِ معنوی نہیں ہے، ظرف تو عاملِ لفظی ہے، لیکن اس کو ساتھ اس لیے ذکر فرمایا کہ عاملِ معنوی میں تو اتفاق ہے سب کا لیکن ظرف میں اختلاف، تو ایک صورت اتفاقی تھی تو اس کے ساتھ اختلافی صورت بھی ذکر کر دی۔ عاملِ معنوی پر تقدیم تو بالاتفاق جائز نہیں لیکن ظرف کے اندر اختلاف ہے، تو اتفاقی صورت کے ساتھ اختلافی صورت ذکر کر دی۔ بات سمجھ میں آ رہی ہے؟ سوال پیدا ہوتا ہے نا کہ ان دونوں کو اکٹھا کیوں ذکر کیا؟ ایک تو ہے عاملِ معنوی، دوسرا کیا ہے؟ ظرف۔ تو میں نے وجہ بیان کر دی کہ ایک صورت اتفاقی ہے، عاملِ معنوی میں سب کا اتفاق ہے کہ حال اس پر مقدم نہیں ہو سکتا، تو جب اتفاقی صورت ذکر کی تو ساتھ ہی اختلافی صورت بھی ذکر کر دی کہ ظرف کے اندر اختلاف ہے، اگرچہ وہ عاملِ معنوی نہیں ہے وہ تو عاملِ لفظی ہے لیکن بہرحال اس میں اختلاف ہے: امام سیبویہ فرماتے ہیں اس پر بھی حال کو مقدم نہیں کر سکتے، اور امام اخفش فرماتے ہیں کہ اس پر حال کو مقدم کر سکتے ہیں بشرطیکہ اس سے پہلے بتدا موجود ہو۔ بات سمجھ میں آ گئی؟ یا اس وجہ سے دونوں کو اکٹھا ذکر فرمایا—بھئی ایک تو عاملِ معنوی ہے اور ظرف تو عاملِ معنوی نہیں، پھر اکٹھا کیوں ذکر فرمایا؟ یا تو اس وجہ سے اکٹھا ذکر فرمایا کہ ایک صورت اتفاقی ہے اور دوسری صورت اختلافی ہے، تو جب اتفاقی صورت ذکر کی تو ساتھ اختلافی بھی ذکر کر دی۔ یا اس وجہ سے دونوں کو اکٹھا ذکر فرمایا کہ دونوں عاملِ ضعیف ہیں: عاملِ معنوی وہ تو صرف معنوی عامل ہے، وہ ضعیف ہے، اور ظرف—ظرف بے شک عاملِ لفظی ہے لیکن ضعیف عامل ہے، تو دونوں کو اکٹھا ذکر کر دیا کہ ایک عاملِ ضعیف معنوی ہے اس پر تو حال بالاتفاق مقدم نہیں ہو سکتا، اور ظرف بھی عاملِ

ضعیف ہے لیکن اس کے اندر اختلاف ہے، بعضوں نے کہا ہے کہ بعض صورتوں میں اس ظرف پر حال کو مقدم کر سکتے ہیں بشرطیکہ اس حال سے پہلے مبتدا موجود ہو۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو کس اعتبار سے ان دونوں کو اکٹھا ذکر کیا؟ ایک اتفاقی صورت ہے تو دوسری اختلافی، یا کس وجہ سے اکٹھا ذکر کیا؟ کہ دونوں عاملِ ضعیف ہیں، ایک معنوی ہے ایک لفظی ہے لیکن ہیں دونوں ضعیف عامل، تو اس لیے ان کو اکٹھا ذکر فرمایا۔

اب دیکھیے شرح کے ساتھ۔ کہتے ہیں: وَلَا تَتَقَدَّمُ أَيِ الْحَالُ فِيمَا عَدَا مِثْلَ زَيْدٌ قَائِماً كَعَمْرٍو قَاعِداً، اور حال مقدم نہیں ہوتا عاملِ معنوی پر فِيمَا عَدَا مِثْلَ زَيْدٌ قَائِماً كَعَمْرٍو قَاعِداً اس جیسی مثالوں کے علاوہ۔ حال جو ہے عاملِ معنوی پر مقدم نہیں ہو سکتا، مگر اس جیسی مثالوں کے علاوہ: «زَيْدٌ قَائِماً كَعَمْرٍو قَاعِداً»، زید اس حال میں کہ وہ کھڑا ہوا ہو كَعَمْرٍو وہ عمرو کی طرح ہے اس حال میں کہ وہ بیٹھا ہوا ہو۔ مثلاً زید کا قد بڑا ہی چھوٹا ہے اور عمرو کا قد بڑا ہی لمبا ہے، تو کوئی تشبیہ دیتا ہے کہ بھئی جب زید کھڑا ہوا ہو تو وہ ایسے ہی معلوم ہوتا ہے جیسے عمرو بیٹھا ہوا ہوتا ہے۔ تو اب دیکھو یہاں پر زید کو تشبیہ دی جا رہی ہے عمرو کے ساتھ، لیکن مطلقاً نہیں، اس کے قیام کی حالت میں اس کو تشبیہ دی جا رہی ہے عمرو کے ساتھ، اور عمرو بھی مطلقاً نہیں بلکہ قعود کی حالت میں اس کو تشبیہ دی جا رہی ہے۔ تو زید ہوا مشبَّہ—جس کو تشبیہ دی جائے اس کو کیا کہتے ہیں؟ مشبَّہ، اور جس سے تشبیہ دی جائے وہ ہے مشبَّہ بہ—تو عمرو ہوا مشبَّہ بہ۔ اور یہاں دیکھو «كَاف» آیا اور «كَاف» تشبیہ کے لیے آتا ہے، مثلاً میں کہتا ہوں: «زَيْدٌ كَالْأَسَدِ» زید شیر جیسا ہے۔ تو دیکھو میں زید کو تشبیہ دے رہا ہوں شیر کے ساتھ، اور «كَاف» جو ہے یہ تشبیہ کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ تو یہاں پر بھی «كَاف» آیا، تو اس «كَاف» سے تشبیہ کا معنیٰ سمجھ میں آ رہا ہے، گویا یہاں پر عامل جو ہے وہ معنیٰ فعل ہے، عامل معنیٰ فعل ہے اور دو حال آ رہے ہیں: ایک ہے «قَائِماً» اور ایک ہے «قَاعِداً»۔ تو معنیٰ فعل کس سے سمجھ میں آیا؟ «كَاف» سے، اور وہی معنیٰ تشبیہ عامل ہے «قَائِماً» میں بھی اور «قَاعِداً» میں بھی۔ تو اشکال ہوتا ہے کہ بھئی ابھی آپ نے ہمیں ضابطہ بتایا کہ عاملِ معنوی پر حال مقدم نہیں ہو سکتا، حالانکہ یہاں جو «قَائِماً» ہے وہ تو «كَاف» پر مقدم ہے۔ تو کہتے ہیں بس اس جیسی مثالوں کے علاوہ باقی جگہ پر حال عاملِ معنوی پر مقدم نہیں ہو سکتا۔

اس جیسی مثالوں سے کیا مراد ہے یہ بھی سمجھ لیں بھئی: دیکھیے مراد یہ ہے کہ جب دو چیزوں سے دو مختلف حال آ رہے ہوں، جب دو چیزوں سے دو مختلف حال آ رہے ہوں یا ایک ہی چیز سے دو مختلف حال آ رہے ہوں مختلف اعتبار سے، تو پھر حال کو اپنے متعلق کے ساتھ ذکر کیا جائے گا ورنہ تو التباس لازم آئے گا، پتہ نہیں چلے گا۔ توجہ ہے؟ بھئی دیکھو یہاں دو حال آ رہے ہیں: ایک حال زید سے ہے اور ایک حال عمرو سے ہے۔ تو جب دو چیزوں سے دو حال آ رہے ہوں، دو چیزوں سے دو حال آ رہے ہوں، تو ہر حال کو اس کے متعلق یعنی اس کے ذوالحال کے ساتھ ذکر کریں گے ورنہ تو التباس لازم آئے گا، پتہ ہی نہیں چلے گا۔ اگر آپ یہ «قَائِماً» کو ذرا مؤخر کر دو: «زَيْدٌ كَعَمْرٍو قَاعِداً قَائِماً»، پتہ ہی نہیں چلے گا بھئی «قَاعِداً»

کس کا حال ہے اور «قَائِماً» کس کا حال ہے۔ تو جب دو چیزوں سے دو مختلف حال آرہے ہوں تو پھر چاہے عاملِ معنوی ہی کیوں نہ ہو، پھر ہر حال کو اپنے ذوالحال کے ساتھ ذکر کریں گے ورنہ التباس لازم آئے گا، پتہ ہی نہیں چلے گا کہ کون سا حال کس سے متعلق ہو رہا ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ اسی طرح یاد رکھو، اسی طرح آگے ایک مثال آنے والی ہے ایک دو صفحوں کے بعد: «هٰذَا بُسْراً أَطْيَبُ مِنْهُ رُطَباً»۔ یہ دیکھیے ایک دو صفحے کے بعد مثال آرہی ہے: «هٰذَا بُسْراً...»

متن متن میں: «هٰذَا بُسْراً أَطْيَبُ مِنْهُ رُطَباً»۔ «بُسْر» کہتے ہیں نیم پختہ کھجور جو ابھی پوری طرح پکی نہ ہو، پوری طرح پکی نہ ہو۔ اور «رُطَب» کہتے ہیں وہ کھجور جو پوری طرح پک گئی ہو، تازہ کھجور جو ہے وہ ہے رطب۔ اب ایک شخص دوسرے شخص کو بتاتا ہے کہ یہی کھجور جب بُسر کی حالت میں ہو تو یہ اچھی ہوتی ہے اسی کھجور کے مقابلے میں جب یہ رطب ہو۔ توجہ ہے؟ بھئی جب پھل تیار ہوتا ہے، پہلے وہ کچا ہوتا ہے، بڑھتے بڑھتے اپنے مخصوص مقدار تک پہنچتا ہے، بڑا ہو جاتا ہے، پھر اس کے بعد اس میں مٹھاس آنا شروع ہوتی ہے، اور اسی طرح کھجور بھی ہے: پہلے وہ اپنی مقدار کو پہنچتی ہے، پھر اس کا رنگ بدلتا ہے، پہلے سبز تھی پھر زرد یا سرخ رنگ کی ہو جاتی ہے، پھر اس کے بعد وہ پکنا شروع ہوتی ہے یعنی نرم ہونا شروع ہو جاتی ہے، تو پھر جب پوری نرم ہو گئی تو یہ ہے رطب یعنی تازہ پکی ہوئی کھجور بھئی۔ اور ابھی پوری طرح نہ پکی ہو، کچھ حصہ نرم ہو چکا ہے اور کچھ حصہ ابھی نرم نہیں ہوا، یہ ہے بُسر بھئی۔ تو کوئی شخص دوسرے کو بتاتا ہے کہ یہ جو کھجور ہے—کسی خاص کھجور کی طرف اشارہ کر کے کہتا ہے—یہ جو کھجور ہے اس کی ایک حالت ہے بُسر والی یعنی نیم پختہ، اور ایک اس کی حالت ہے رطب یعنی جب یہ تازہ پک گئی ہو۔ اب ہوتا تو عموماً کیا ہے؟ جو کھجور پک گئی ہو وہ زیادہ میٹھی ہوتی ہے، لیکن وہ اس کو بتاتا ہے کہ یہ کھجور جب نیم پختہ ہونے کی حالت میں ہو تو اس وقت یہ زیادہ اچھی ہوتی ہے پختہ ہونے کے مقابلے میں۔ تو یہ پختہ ہونا اور نیم پختہ ہونا یہ اسی کھجور کی دو مختلف حالتیں بیان ہو رہی ہیں۔ تو دیکھو اس مثال میں «هٰذَا بُسْراً»—یہ بُسر، بُسر کا معنیٰ وہ نیم پختہ، رطب، رطب کا معنیٰ پختہ کھجور—تو یہ اسی کھجور سے دو حال آگئے، دو حال آگئے اور دو مختلف اعتبار سے حال آئے: ایک ہے مفضَّل، دوسرا ہے مفضَّل علیہ۔ کیا کہا؟ یہ کھجور جب نیم پختہ ہو تو زیادہ اچھی ہوتی ہے۔ دیکھا یہ نیم پختہ ہونے کو فضیلت دی جا رہی ہے، اس کا اچھا ہونا بتلایا جا رہا ہے، تو یہ ہوئی مفضَّل یعنی جس کو فضیلت دی گئی ہے۔ اور کس حالت پر فضیلت دی ہے؟ اسی کھجور پر جبکہ یہ پختہ ہو چکی ہو۔ تو معلوم ہوا جب یہی کھجور پختہ ہو چکی ہے پوری طرح وہ ہے مفضَّل علیہ بھئی، یعنی جس پر دوسری کو فضیلت دی گئی، جس پر—تو جس کو فضیلت دی جائے وہ کیا ہے؟ مفضَّل، اور جس پر فضیلت دی جائے وہ کیا ہے؟ مفضَّل علیہ۔ تو یہ حال دیکھو ایک ہی کھجور سے دو حال آگئے، اور دونوں حال دو مختلف اعتباروں سے ہیں: ایک حال کس اعتبار سے ہے؟ مفضَّل ہونے کے اعتبار سے ہے، اور دوسرا حال کس

اعتبار سے ہے؟ مفضَّل علیہ ہونے کے اعتبار سے۔ تو جب ایک ہی چیز سے دو مختلف حال آئیں دو مختلف اعتبار سے تو اس وقت بھی حال کو اپنے عامل پر مقدم کرنا جائز ہے، اس وقت بھی حال کو اپنے عامل پر مقدم کرنا جائز ہے۔ یہاں دیکھو یہ مثال جو آئی ہے «هٰذَا بُسْراً أَطْيَبُ مِنْهُ رُطَباً»، یہ جو «أَطْيَبُ» ہے یہ عامل ہے دونوں کے اندر، «بُسْراً» میں بھی یہی عامل اور «رُطَباً» میں بھی یہی عامل، اور یہ جو «أَطْيَبُ» یہ اسمِ تفضیل ہے اور اسمِ تفضیل نہایت کمزور عامل ہے، نہایت کمزور عامل ہے، حتیٰ کہ یہ اسمِ ظاہر میں عمل نہایت قلیل ہے کہ یہ اسمِ ظاہر میں عمل کرے۔ آپ جانتے ہیں صفت کے صیغے کے اندر ضمیر چھپی ہوئی ہوتی ہے اور کبھی کبھار اسمِ ظاہر بھی آگے آجاتا ہے تو پھر اس کے اندر ضمیر نہیں ہوتی۔ یہ جو اسمِ تفضیل ہے یہ ہمیشہ ہمیشہ صرف اپنے اندر چھپی ہوئی ضمیر میں ہی عمل کرتا ہے، اسمِ ظاہر میں عمل یہ نہایت قلیل ہے، اس کی کئی خاص شرطیں ہیں، آگے وہ صاحبِ کافیہ ذکر کریں گے اس کا نام مسئلہ کُحل ہے بھئی، کاف حا لام، مسئلہ کُحل، کُحل کا معنیٰ ہے سرمہ، تو چونکہ وہاں پر سرمے کی مثال ذکر کی جاتی ہے تو اس جیسی مثالیں جو ہیں وہاں پر یہ اسمِ تفضیل اسمِ ظاہر میں عمل کرتا ہے، باقی یہ ہمیشہ ضمیر میں ہی عمل کرتا ہے، اور ضمیر میں بھی عمل لا عمل کی طرح ہے کیونکہ وہ تو اس کے اندر چھپی ہوئی ہے وہ تو نظر تو نہیں آرہی یعنی اس کا عمل ظاہر نہیں ہو رہا، تو یہ نہایت ضعیف عامل ہے۔ اور اس ضعیف عامل پر دیکھو ایک حال «بُسْراً» کو مقدم کر دیا گیا۔ تو معلوم ہوا، معلوم ہوا کہ حال عاملِ ضعیف پر بھی مقدم ہو جائے گا دو صورتیں ہیں: ایک صورت کیا؟ یہ جو ابھی پہلی مثال آئی تھی، کون سی؟ «زَيْدٌ قَائِماً كَعَمْرٍو قَاعِداً»۔ یہ کون سی صورت ہے؟ جب دو مختلف چیزوں سے دو حال آرہے ہوں، توجہ ہے؟ یا یوں کہو جب دو مختلف چیزوں سے دو حال آرہے ہوں دو مختلف اعتبار سے—یہاں پر بھی دیکھو زید ہے مشبَّہ اور عمرو ہے مشبَّہ بہ—تو جب دو مختلف چیزوں سے دو حال آرہے ہوں دو مختلف اعتبار سے، ایک سے مشبَّہ ہونے کے اعتبار سے حال ہے اور دوسرے سے مشبَّہ بہ ہونے کے اعتبار سے، تو اس وقت بھی حال کو عاملِ معنوی پر مقدم کرنا یا عاملِ ضعیف پر مقدم کرنا جائز ہے۔ اور نیز اسی طرح جب ایک ہی چیز سے دو مختلف حال آئیں دو مختلف اعتبار سے تو اس وقت بھی حال کو اپنے عاملِ ضعیف پر مقدم کرنا جائز ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟

تو ضابطہ کیا ذکر ہوا؟ کہ حال عاملِ معنوی پر مقدم نہیں ہو سکتا مگر اس جیسی مثالوں میں: «زَيْدٌ قَائِماً كَعَمْرٍو قَاعِداً»۔ ضابطہ سمجھ میں آگیا؟ دیکھیے بھئی۔ کہتے ہیں: وَلَا تَتَقَدَّمُ أَيِ الْحَالُ، اور حال مقدم نہیں ہوتا فِيمَا عَدَا مِثْلَ زَيْدٌ قَائِماً كَعَمْرٍو قَاعِداً اس جیسی مثالوں کے علاوہ میں، حال مقدم نہیں ہوتا اس جیسی مثالوں کے علاوہ میں، عَلَى الْعَامِلِ الْمَعْنَوِيِّ عاملِ معنوی پر۔ بلکہ یہاں انہوں نے بات کی صرف عاملِ معنوی پر، عاملِ معنوی کی بات کر رہے ہیں، تو گویا اس کو بھی نکال دیں «هٰذَا بُسْراً أَطْيَبُ مِنْهُ رُطَباً»—وہاں تو «أَطْيَبُ» عامل ہے، وہ لفظوں میں موجود ہے، توجہ ہے؟ عاملِ معنوی صرف یہاں «كَاف» سے تشبیہ والا معنیٰ سمجھ میں آرہا ہے، معلوم ہوا صرف اسی جیسی مثال، تو صرف اس جیسی مثالوں میں۔ تو کہتے ہیں حال مقدم نہیں ہو سکتا عَلَى الْعَامِلِ الْمَعْنَوِيِّ عاملِ معنوی پر۔

قَدْ عَرَفْتَ فِيمَا قَبْلُ، اور تحقیق آپ جان چکے ہیں ماقبل کے اندر، کیا جان چکے ہیں؟ اَلْعَامِلَ الْمَعْنَوِيَّ عاملِ معنوی کو۔ پیچھے انہوں نے بیان کیا تھا عاملِ معنوی کسے کہتے ہیں؟ جو کلام کے معنیٰ سے ہمیں سمجھ میں آئے، کلام کے معنیٰ سے اس کا استنباط کیا جائے، اور نہ وہ لفظوں میں ذکر ہو اور نہ وہاں پر مقدر ہو بھئی، وہ ہے عاملِ معنوی۔ تو کہتے ہیں ماقبل میں آپ جان چکے ہیں عاملِ معنوی کو، وَأَنَّ مَا هُوَ مُقَدَّرٌ بِالْفِعْلِ أَوِ اسْمِ الْفَاعِلِ، اور یہ بھی آپ جان چکے ہیں کہ وہ جو مقدر ہو فعل یا اسمِ فاعل کے ساتھ، مِثْلُ الظَّرْفِ وَمَا يُشْبِهُهُ أَعْنِي الْجَارَّ وَالْمَجْرُورَ، جیسے کہ ظرف ہے یا جو اس کے مشابہ ہے یعنی جار اور مجرور—بھئی ایک ہے ظرف، ایک ہے جار مجرور۔ ظرف اسے کہتے ہیں جس میں زمانے یا مکان والا معنیٰ ہو، اور یہ جار مجرور کو مجازاً ظرف کہتے ہیں، یہ حقیقت میں ظرف نہیں یہ تو جار مجرور ہیں۔ تو صاحبِ جامی نے دونوں کو الگ ذکر کر دیا کہ جیسے کہ ظرف ہے وَمَا يُشْبِهُهُ اور جو ظرف کے مشابہ ہے یعنی جار مجرور—تو انہوں نے کیا بتایا کہ ظرف اور جار مجرور یہ کیا ہوتے ہیں؟ یا تو مقدر بالفعل ہوتے ہیں یا مقدر بشبہ الفعل ہوتے ہیں، تو یہ عاملِ معنوی میں داخل ہوئے یا عاملِ لفظی میں؟ عاملِ لفظی یعنی فعل یا شبہ فعل میں داخل ہیں۔ تو اب وہ بیان کر رہے ہیں کہ ماقبل میں آپ عاملِ معنوی کو بھی جان چکے ہیں اور ماقبل میں آپ یہ بھی جان چکے ہیں کہ وَأَنَّ مَا هُوَ مُقَدَّرٌ بِالْفِعْلِ أَوْ بِاسْمِ الْفَاعِلِ کہ وہ جو مقدر بالفعل یا مقدر باسم الفاعل ہوتا ہے مِثْلُ الظَّرْفِ وَمَا يُشْبِهُهُ أَعْنِي الْجَارَّ وَالْمَجْرُورَ جیسے کہ ظرف ہے اور جو اس کے مشابہ ہے یعنی جار مجرور، خَارِجٌ عَنْهُ—یہ «أَنَّ» کی خبر آگئی—اور یہ بھی آپ جان چکے ہیں کہ وہ جو مقدر بالفعل یا باسم الفاعل ہو خَارِجٌ عَنْهُ وہ عاملِ معنوی سے خارج ہوتا ہے، وہ عاملِ معنوی نہیں ہے، عاملِ معنوی سے خارج ہوتا ہے، دَاخِلٌ فِي الْفِعْلِ أَوْ شِبْهِهِ اور وہ داخل ہوتا ہے فعل یا شبہ فعل میں۔

فَعَلَى هٰذَا، تو بنا بر اس کے، مَعْنَى الْكَلَامِ کلام کا معنیٰ یہ ہوا کہ أَنَّ الْحَالَ لَا يَتَقَدَّمُ عَلَى الْعَامِلِ الْمَعْنَوِيِّ اتِّفَاقاً، کہ حال مقدم نہیں ہوتا عاملِ معنوی پر بالاتفاق۔ حال مقدم نہیں ہوتا عاملِ معنوی پر بالاتفاق۔ بھئی یہ کیوں کہہ رہے ہیں؟ وجہ یہ آگے چل کر بھی بتائیں گے: جمہور نحوی یہ ظرف کو عاملِ معنوی میں داخل کرتے ہیں۔ جمہور نحوی کیا کرتے ہیں؟ یہ جو ظرف ہے اس کو کس میں داخل کرتے ہیں؟ عاملِ معنوی میں داخل کرتے ہیں۔ صاحبِ جامی نے تو کہا یہ عاملِ معنوی میں داخل نہیں کیونکہ یہ مقدر بالفعل ہوگا یا مقدر باسم الفاعل ہوگا تو یہ فعل یا شبہ فعل کے اندر داخل ہے، لیکن جمہور نحوی کیا فرماتے ہیں؟ وہ ظرف کو کس میں داخل کرتے ہیں؟ عاملِ معنوی میں۔ تو معلوم ہوا ظرف بھی ان کے نزدیک عاملِ معنوی ہے، لیکن صاحبِ جامی کے نزدیک تو ظرف عاملِ معنوی نہیں۔ تو اختلاف کس میں ہے؟ ظرف میں۔ اور ظرف عاملِ معنوی میں سے ہے صاحبِ جامی کے نزدیک کہ نہیں ہے؟ نہیں ہے۔ تو معلوم ہوا پیچھے جو عاملِ معنوی کے بارے میں جو بات ذکر کی وہ اتفاقی ہے، کیونکہ اختلاف تو ظرف میں ہے اور ظرف تو عاملِ معنوی میں ہے ہی نہیں، معلوم ہوا عاملِ معنوی کی جو بات ذکر کی ہے وہ اتفاقی ہے، تمام عاملِ معنوی کے بارے میں اتفاق ہے سب کا۔ بات سمجھ میں آگئی؟ یہ صاحبِ جامی نے جو تقریر کی اس کی بنیاد پر یہ تقریر ہو رہی ہے، آگے جو جمہور کرتے ہیں وہ ظرف کو عاملِ معنوی میں داخل کرتے ہیں اس کے

بارے میں بھی پھر آگے بتائیں گے۔

تو کہتے ہیں فَعَلَى هٰذَا مَعْنَى الْكَلَامِ تو اس بنا پر کلام کا معنیٰ یہ ہو گیا کہ أَنَّ الْحَالَ لَا يَتَقَدَّمُ عَلَى الْعَامِلِ الْمَعْنَوِيِّ اتِّفَاقاً کہ حال مقدم نہیں ہوتا عاملِ معنوی پر بالاتفاق۔ پھر سنو: صاحبِ جامی کا مذہب لیں تو پھر یہ حال مقدم نہیں ہوتا عاملِ معنوی پر، یہ کہنا پڑے گا یہ بالاتفاق۔ نہیں توجہ؟ حال عاملِ معنوی پر مقدم نہیں ہوتا، یہ کیا ہے؟ بالاتفاق۔ بالاتفاق عاملِ معنوی پر حال مقدم نہیں ہو سکتا۔ اور اگر باقی نحویوں کا قول لیں تو پھر یہ بالاتفاق نہیں، کیونکہ ظرف کے اندر اختلاف ہے بھئی اور وہ بھی ان کے نزدیک کیا ہے؟ عاملِ معنوی، تو ان کے نزدیک یہ نہیں کہہ سکتے کہ بالاتفاق عاملِ معنوی پر حال مقدم نہیں ہو سکتا کیونکہ ظرف پر مقدم ہو سکتا ہے۔ نہیں بات سمجھ میں آئی؟ نہیں سمجھ میں آئی؟ جمہور کا مذہب لیں تو ظرف بھی کس میں سے؟ عاملِ معنوی۔ اور انہوں نے کیا کہا؟ حال عاملِ معنوی پر مقدم نہیں ہو سکتا۔ لیکن ایک عاملِ معنوی پر تو اختلاف آگیا، تو عاملِ معنوی پر حال مقدم نہیں ہو سکتا یہ بالاتفاق رہی یہ بات یا اس میں اختلاف موجود ہے؟ اختلاف موجود ہے، اس میں اختلاف موجود ہے کیونکہ ظرف بھی تو عاملِ معنوی ہے ان کے نزدیک۔ تو معلوم ہوا عاملِ معنوی پر حال کا مقدم نہ ہونا یہ اتفاقی نہیں ہے، اس کی ایک صورت میں اختلاف موجود ہے۔ اور صاحبِ جامی کا مذہب لیں تو صاحبِ جامی تو کیا فرماتے ہیں؟ ظرف عاملِ معنوی ہے ہی نہیں، ظرف کے علاوہ ہیں عاملِ معنوی، تو اس صورت میں پھر معلوم ہوا ان میں سے تو کسی اور میں اختلاف نہیں، تو پھر وہ عاملِ معنوی پر حال کا مقدم نہ ہونا معلوم ہوا یہ اتفاقی صورت ہے، اس میں سب کا اتفاق ہے۔ اب بات سمجھ میں آگئی؟

تو کہتے ہیں: فَعَلَى هٰذَا مَعْنَى الْكَلَامِ، تو کہتے ہیں بنا بر اس کے کلام کا معنیٰ یہ ہوگا—بنا بر اس کے یعنی ظرف کو اگر عاملِ معنوی میں سے نہ مانا جائے تو بنا بر اس کے کلام کا معنیٰ یہ ہوگا—کہ أَنَّ الْحَالَ لَا يَتَقَدَّمُ عَلَى الْعَامِلِ الْمَعْنَوِيِّ اتِّفَاقاً کہ حال جو ہے وہ عاملِ معنوی پر مقدم نہیں ہوتا بالاتفاق۔ بِخِلَافِ الظَّرْفِ بخلاف ظرف کے، أَيْ بِخِلَافِ مَا إِذَا كَانَ الْعَامِلُ ظَرْفاً أَوْ شِبْهَهُ بخلاف اس کے کہ جب عامل جو ہے وہ ظرف ہو یا شبہ ظرف ہو، فَإِنَّ فِيهِ خِلَافاً اس لیے کیونکہ اس کے اندر اختلاف ہے۔ فَسِيبَوَيْهِ لَا يُجَوِّزُهُ أَصْلاً، تو امام سیبویہ اس کو جائز قرار نہیں دیتے أَصْلاً أَيْ قَطْعاً قطعی طور پر اس کو جائز قرار نہیں دیتے کہ کسی صورت یہ جائز نہیں ہے، نَظَراً إِلَى ضَعْفِ الظَّرْفِ فِي الْعَمَلِ نظر کرتے ہوئے...

...اس بات کی طرف کہ ظرف جو ہے وہ ضعیف ہے فِي الْعَمَلِ عمل کے اندر۔ وَجَوَّزَهُ الْأَخْفَشُ بِشَرْطِ تَقَدُّمِ الْمُبْتَدَأِ عَلَى الْحَالِ، اور امام اخفش اس کو جائز قرار دیتے ہیں بایں شرط کہ مبتدا مقدم ہو حال پر، حال کو آپ ظرف پر مقدم کر دیں لیکن اس حال سے پہلے کیا ہونا چاہیے؟ مبتدا ہونا چاہیے۔ تو کہتے ہیں: وَجَوَّزَهُ الْأَخْفَشُ اور امام اخفش نے اس کو جائز قرار دیا ہے بِشَرْطِ تَقَدُّمِ الْمُبْتَدَأِ عَلَى الْحَالِ بایں شرط کہ مبتدا مقدم ہونا چاہیے حال پر، نَحْوُ زَيْدٌ قَائِماً فِي الدَّارِ۔ یہ «قَائِماً» حال ہے، نصب کس نے دیا؟ «فِي الدَّارِ» نے، اور یہ «فِي الدَّارِ» پر «قَائِماً» مقدم ہے لیکن اس حال سے پہلے مبتدا موجود ہے۔ اور

یہ کیوں جائز؟ میں نے وجہ ذکر کر دی۔ وجہ کیا؟ کہ «فِي الدَّارِ» کے اندر «هُوَ» ضمیر ہے اس سے «قَائِماً» حال آ رہا ہے، اور لیکن وہ «هُوَ» ضمیر نائب ہے کس کی؟ زید کی، وہ زید کی طرف لوٹ رہی ہے۔ «قَائِماً» اگرچہ اپنے عامل پر مقدم ہو گیا ہے لیکن حقیقت میں جو ذوالحال ہے اس پر ابھی بھی یہ مقدم نہیں ہوا، لہٰذا یہ جائز ہے۔

آگے دیکھیے: فَأَمَّا مَعَ تَأَخُّرِ الْمُبْتَدَأِ عَنِ الْحَالِ، باقی حال سے بتدا کے مؤخر ہونے کے ساتھ، باقی—امام اخفش کب جائز قرار دیتے ہیں کہ ظرف پر حال کو مقدم کرنا جائز ہے؟ جب اس حال سے ماقبل کون موجود ہو؟ بتدا۔ اور اگر بتدا مؤخر ہے تو پھر اس صورت میں امام اخفش بھی امام سیبویہ کے موافق ہیں اور فرماتے ہیں کہ اس صورت میں حال کو ظرف پر مقدم کرنا جائز نہیں ہے۔ تو کہتے ہیں: فَأَمَّا مَعَ تَأَخُّرِ الْمُبْتَدَأِ عَنِ الْحَالِ باقی حال سے بتدا کے مؤخر ہونے کے ساتھ، فَإِنَّهُ وَافَقَ سِيبَوَيْهِ فِي الْمَنْعِ تو وہ بھی موافق ہیں امام سیبویہ کے منع کرنے میں کہ پھر جائز نہیں۔ فَلَا يَجُوزُ پس جائز نہیں، کون سی صورت؟ دیکھو اب «قَائِماً» کو بتدا پر بھی مقدم کر دیا ہے: فَلَا يَجُوزُ پس یہ صورت جائز نہیں ہے «قَائِماً زَيْدٌ فِي الدَّارِ» یہ «قَائِماً» کو دیکھو بتدا پر بھی مقدم کر دیا یہ بھی جائز نہیں، وَلَا قَائِماً فِي الدَّارِ زَيْدٌ یہ والی صورت بھی جائز نہیں۔ دیکھو اس میں «قَائِماً فِي الدَّارِ زَيْدٌ» یہ زید کو بتدا کو سب سے آخر میں لے گئے اور «قَائِماً» کو «فِي الدَّارِ» پر مقدم کر دیا، تو یہ صورت بھی جائز نہیں اتِّفَاقاً یعنی بالاتفاق۔ صرف امام اخفش نے اختلاف کیا تھا وہ ایک صورت میں اختلاف کیا تھا، تو یہ دو صورتوں کے اندر جس میں بتدا حال سے مؤخر ہے یہ صورت جائز نہیں ہے بالاتفاق یعنی امام سیبویہ کے نزدیک بھی اور امام اخفش کے نزدیک بھی۔ بات سمجھ میں آ گئی؟

یہ ایک معنیٰ بیان کیا کلام کا۔ کیا معنیٰ کیا؟ دیکھو متن میں آیا: حال کو عاملِ معنوی پر مقدم نہیں کر سکتے، بخلاف ظرف کے کہ اس میں اختلاف ہے۔ تو یہ دو چیزوں کو اکٹھا ذکر کیا حالانکہ ایک عاملِ معنوی ہے اور ایک عاملِ لفظی۔ میں نے بتایا چونکہ ایک صورت اتفاقی تھی، جب اس کو ذکر فرمایا تو ساتھ ظرف جو اختلافی صورت تھی اس کو بھی ذکر فرما دیا۔ یا اس وجہ سے دونوں کو اکٹھا ذکر کیا کہ عاملِ معنوی بھی ضعیف ہوتا ہے اور ظرف بھی ضعیف عامل ہے تو اس لیے دونوں کو اکٹھا کر دیا، اگرچہ ایک معنوی عامل ہے اور ایک لفظی عامل ہے۔

اب دوسری تقریر کریں گے۔ کہتے ہیں یہاں یہ بھی احتمال ہے۔ کیا احتمال ہے؟ ذرا متن پہ آؤ: وَلَا تَتَقَدَّمُ عَلَى الْعَامِلِ الْمَعْنَوِيِّ بِخِلَافِ الظَّرْفِ۔ یہاں اور تقریر کریں گے۔ کہتے ہیں دیکھو ایک ہے حال، ایک ہے ظرف۔ یہ جو حال ہے یہ بھی ظرف کے مشابہ ہے، حال ظرف کے مشابہ ہے، کیونکہ حال کی تاویل ظرف کے ساتھ کرنا صحیح ہے۔ «جَاءَنِي زَيْدٌ رَاكِباً» آیا میرے پاس زید اس حال میں کہ وہ سوار تھا۔ یہ «رَاكِباً» کیا ہے؟ حال۔ اس «رَاكِباً» سے ذرا ظرف بنا دو: «جَاءَنِي زَيْدٌ وَقْتَ الرُّكُوبِ» زید میرے پاس سواری کے وقت میں آیا۔ تو حال کی تاویل کس کے ساتھ کر لی؟ ظرف کے ساتھ، اور معنیٰ اب بھی بالکل ٹھیک ہے۔ پہلے کیا معنیٰ تھا «جَاءَنِي زَيْدٌ رَاكِباً»؟ زید آیا سوار ہونے کی حالت میں۔ ابھی بھی وہی معنیٰ

ہے: «جَاءَنِي زَيْدٌ وَقْتَ الرُّكُوبِ» زید سواری کے وقت میں آیا یعنی سواری کر رہا تھا۔ تو حال کی تاویل ظرف کے ساتھ کرنا صحیح ہے، تو حال کی معلوم ہوا مشابہت ہے ظرف کے ساتھ، حال کی مشابہت ہے ظرف کے ساتھ۔ تو حال کو تو عاملِ معنوی پر مقدم نہیں کر سکتے بالاتفاق، تو ظرف بھی اس کے مشابہ ہے، شاید ظرف کو بھی مقدم نہیں کر سکتے ہوں گے؟ کہتے ہیں نہیں، بِخِلَافِ الظَّرْفِ، ظرف کو عاملِ معنوی پر مقدم کر سکتے ہیں۔ پچھلی تقریر میں ظرف عامل بن رہا تھا: حال کو عاملِ معنوی پر مقدم نہیں کر سکتے لیکن ظرف جب عامل ہو حال کے اندر تو پھر اس وقت امام اخفش فرماتے ہیں کہ ایک صورت میں مقدم کر سکتے ہیں۔ اب ظرف کو معمول بناؤ ذرا: حال بھی معمول اور ظرف بھی معمول۔ اور حال کس کے مشابہ ہے؟ ظرف کے مشابہ ہے۔ اور حال کو تو عاملِ معنوی پر مقدم نہیں کر سکتے، تو شاید ظرف بھی مقدم نہیں کر سکتے؟ لیکن کہا نہیں، ظرف کو مقدم کر سکتے ہیں۔ حال کو عاملِ معنوی پر مقدم نہیں کر سکتے لیکن ظرف وہ اپنے عاملِ معنوی پر مقدم ہو سکتا ہے۔ یہ دوسرا معنیٰ بیان کر دیا۔ فرق دونوں تقریروں میں سمجھ میں آیا؟

دیکھیے بھئی کتاب پر۔ کہتے ہیں: وَيَحْتَمِلُ اور مصنف کے اس قول میں یہ بھی احتمال ہے أَنْ يَكُونَ مَعْنَاهُ کہ اس کا معنیٰ یہ ہو کہ أَنَّ الْحَالَ وَإِنْ كَانَتْ مُشَابِهَةً لِلظَّرْفِ کہ حال اگرچہ وہ ظرف کے مشابہ ہے، لِمَا فِيهَا مِنْ مَعْنَى الظَّرْفِيَّةِ اس وجہ سے کہ حال کے اندر ظرفیّت والا معنیٰ ہوتا ہے، إِلَّا أَنَّ الظَّرْفَ يَتَقَدَّمُ عَلَى عَامِلِهِ الْمَعْنَوِيِّ مگر ظرف جو ہے وہ اپنے عاملِ معنوی پر مقدم ہو جاتا ہے، لِتَوَسُّعِهِمْ فِي الظُّرُوفِ اس وجہ سے کہ نحوی علماء جو ہیں وہ وسعت کرتے ہیں، وہ گنجائش دیتے ہیں فِي الظُّرُوفِ ظروف میں۔ نحوی حضرات کیا فرماتے ہیں؟ ظروف میں گنجائش ہے، وسعت ہے۔ وجہ یہ کہ ظرف بہت زیادہ کثرت سے استعمال ہوتے ہیں کلام کے اندر اور ہر طرح کے یہ فعل سے جڑ جاتے ہیں، تو ان کی کثرتِ استعمال اور ہر فعل سے ان کے جڑنے کی وجہ سے ظروف کے اندر ان چیزوں کی گنجائش ہے جن کی گنجائش اور چیزوں میں نہیں۔ جیسے آپ نے ضابطہ پڑھا ہے کہ «إِنَّ» کی خبر کو «إِنَّ» کے اسم پر مقدم نہیں کر سکتے: «إِنَّ زَيْداً رَجُلٌ»، تو یہاں پر آپ «إِنَّ رَجُلٌ زَيْداً» نہیں کہہ سکتے۔ لیکن اگر «إِنَّ» کی خبر ظرف ہو تو پھر اس کو «إِنَّ» کے اسم پر مقدم کر سکتے ہیں، مثلاً «إِنَّ زَيْداً فِي الدَّارِ» اب آپ اس «فِي الدَّارِ» کو زید پر مقدم کر سکتے ہیں، «إِنَّ فِي الدَّارِ زَيْداً» کہہ سکتے ہیں۔ تو دیکھو جس چیز کی گنجائش اور چیزوں میں نہیں تھی اس کی گنجائش ظرف میں ہے۔ تو نحوی حضرات ظروف میں گنجائش دیتے ہیں۔ تو حال مشابہ ہے کس کے؟ ظرف کے۔ تو حال تو اپنے عاملِ معنوی پر مقدم نہیں ہو سکتا لیکن ظرف جو اس کا مشابہ ہے وہ اپنے عاملِ معنوی پر مقدم ہو سکتا ہے، اس لیے کیونکہ ظروف میں گنجائش ہوتی ہے، ظروف کے اندر وسعت ہے۔ تو یہ معنیٰ ہے لِتَوَسُّعِهِمْ فِي الظُّرُوفِ اس لیے کیونکہ نحوی حضرات جو ہیں وسعت کرتے ہیں ظروف میں، یا یوں کہو نحوی حضرات گنجائش دیتے ہیں ظروف میں، وَالْحَالُ لَا يَتَقَدَّمُ عَلَيْهِ اور حال جو ہے وہ اپنے عاملِ معنوی پر مقدم نہیں ہو سکتا۔ تو ظرف اپنے عاملِ معنوی

پر مقدم ہو سکتا ہے، وَالْحَالُ لَا يَتَقَدَّمُ عَلَيْهِ اور حال اپنے عاملِ معنوی پر مقدم نہیں ہو سکتا۔

کہتے ہیں: هٰذَا، یہ جو ہم نے تقریر کی، دو احتمال ہم نے بیان کر دیے، إِذَا لَمْ يَكُنِ الظَّرْفُ دَاخِلاً فِي الْعَامِلِ الْمَعْنَوِيِّ جبکہ ظرف عاملِ معنوی میں داخل نہ ہو۔ توجہ ہے؟ کتنے احتمال ذکر کر دیے؟ دو۔ کون کون سے؟ پہلا احتمال یہ تھا کہ حال جو ہے وہ عاملِ معنوی پر مقدم نہیں ہو سکتا، لیکن اگر عامل ظرف ہو تو اس میں امام اخفش نے اختلاف کیا ہے۔ دوسرا معنیٰ یہ کہ حال کی مشابہت ہے ظرف کے ساتھ، حال تو اپنے عاملِ معنوی پر مقدم نہیں ہو سکتا لیکن ظرف اپنے عاملِ معنوی پر مقدم ہو سکتا ہے۔ کہتے ہیں یہ وہ دو صورتیں تھیں جب ظرف کو عاملِ معنوی میں داخل نہ کیا جائے۔ اور اگر جمہور نحویوں کی بات لی جائے—وہ تو ظرف کو کیا کہتے ہیں؟ کہ یہ عاملِ معنوی میں داخل ہے—تو کہتے ہیں اس صورت میں پھر صرف دوسرا احتمال جاری ہوگا، پہلا نہیں جاری ہوگا، پہلا نہیں۔ آئیے ذرا متن پر آئیے: جمہور نحویوں کی بات لیں، تو پہلا احتمال جاری نہیں ہو سکتا اب، اب صرف دوسرا احتمال جاری ہوگا اس کے اندر۔ یہ متن دیکھو: «وَلَا تَتَقَدَّمُ عَلَى الْعَامِلِ الْمَعْنَوِيِّ بِخِلَافِ الظَّرْفِ»۔ اگر ظرف کو کس میں داخل مانا جائے؟ عاملِ معنوی کے اندر داخل مانا جائے، تو جب ایک دفعہ کہہ دیا «وَلَا تَتَقَدَّمُ عَلَى الْعَامِلِ الْمَعْنَوِيِّ» حال عاملِ معنوی پر مقدم نہیں ہو سکتا، اور ظرف بھی کس میں سے ہے؟ عاملِ معنوی کے اندر داخل ہے، تو اس سے پتہ چل گیا کہ ظرف پر بھی مقدم نہیں ہو سکتا۔ آگے اگر یہ کہا جائے «بِخِلَافِ الظَّرْفِ» یہ تو دونوں باتوں میں تناقض آجائے گا، یہ تو دونوں باتوں میں تناقض آجائے گا: پیچھے ہمیں کہا کہ حال عاملِ معنوی پر مقدم نہیں ہو سکتا اور عاملِ معنوی کے اندر ظرف بھی داخل تھا معلوم ہوا اس پر بھی مقدم نہیں ہو سکتا، اور آگے کہہ رہے ہیں «بِخِلَافِ الظَّرْفِ»، تو دونوں باتوں میں کیا آجائے گا؟ تناقض! ماقبل سے کیا پتہ چلا کہ عاملِ معنوی چاہے ظرف ہی کیوں نہ ہو، جو بھی ہو عاملِ معنوی، حال اس پر مقدم نہیں ہو سکتا، اور آگے پھر کیا کہہ دیا «بِخِلَافِ الظَّرْفِ» اس پر مقدم ہو سکتا ہے یا اس میں اختلاف ہے، یہ تو دونوں باتوں میں تناقض آجائے گا۔ بات سمجھ میں آگئی؟ جب اس طرح کی بات کرنی ہو کہ ایک چیز پہلے داخل تھی پھر آپ اس کو نکالنا چاہتے ہیں—توجہ ہے؟ ایک چیز پہلے داخل تھی پھر آپ اس کو نکالنا چاہتے ہیں—تو پھر «بِخِلَافِ» کے لفظ کے ساتھ اس کو ذکر نہیں کیا جاتا، یہ رائج نہیں ہے یہ طریقہ، پھر استثنا کرتے ہیں، «إِلَّا» لے کر آتے ہیں، «إِلَّا الظَّرْفَ» کہنا چاہیے تھا۔ توجہ ہے؟ پھر سنو، عبارت پہ ذرا نظر رکھو: اگر جمہور کی بات لی جائے تو ظرف کس کے اندر داخل ہے؟ عاملِ معنوی میں۔ تو جب کہہ دیا «وَلَا تَتَقَدَّمُ عَلَى الْعَامِلِ الْمَعْنَوِيِّ» کہ حال عاملِ معنوی پر مقدم نہیں ہو سکتا، تو معلوم ہوا ظرف پر بھی مقدم نہیں ہو سکتا۔ اب آپ ظرف کو اس حکم سے نکالنا چاہتے ہیں تو پھر وہ آگے استثنا کیا جاتا ہے: «إِلَّا الظَّرْفَ» مگر ظرف۔ جیسے مثلاً میں آپ سے کہتا ہوں «مَا جَاءَنِي رَجُلٌ إِلَّا زَيْداً» میرے پاس کوئی آدمی نہیں آیا، جب میں نے سب کی نفی کی تو زید کی بھی نفی ہو گئی یا نہیں؟ لیکن پھر میں زید کے لیے مجیئت کا اثبات کرنا چاہتا ہوں تو اب میں حرفِ استثنا «إِلَّا» وغیرہ لاؤں گا اور پھر زید کے لیے اثبات کروں گا: «إِلَّا زَيْداً» مگر زید یعنی وہ آیا تھا۔ پھر

«بِخِلَافِ زَيْدٍ» میں نہیں کہوں گا۔ «بِخِلَافِ زَيْدٍ» بظاہر لگتا ہے اس طرح بھی ٹھیک ہوگا لیکن یہ طریقہ رائج نہیں، اس طرح کی عبارت رائج نہیں ہے۔ ایک چیز جو ماقبل میں داخل ہے اور اس کو نکالنا ہو تو پھر «بِخِلَافِ» نہیں کہتے بلکہ «إِلَّا» لے کر آتے ہیں۔ لہٰذا معلوم ہوا اگر ظرف کو عاملِ معنوی میں داخل مانا جائے جیسے کہ جمہور کا مذہب ہے تو پھر پہلا احتمال جاری نہیں ہو سکتا۔ کیوں؟ پہلا احتمال کیا ذکر کیا تھا؟ پھر سنو، پھر سنو: پہلا احتمال یہ ذکر کیا تھا کہ حال عاملِ معنوی پر مقدم نہیں ہو سکتا، اور ظرف وہ عاملِ معنوی تو نہیں ہے عاملِ لفظی ہے لیکن ضعیف عامل ہے، اس میں اختلاف ہے۔ اور اب اگر آپ ظرف سے بھی کیا مراد لے لیں؟ عاملِ معنوی، تو پھر اس صورت میں تو پیچھے کہہ دیا کہ حال عاملِ معنوی پر مقدم نہیں ہو سکتا، اور آگے پھر آپ کہہ رہے ہیں «بِخِلَافِ الظَّرْفِ» وہ بھی تو عاملِ معنوی ہے، یہ تو دونوں باتوں میں تناقض آجائے گا، ماقبل سے پتہ چلا کسی عاملِ معنوی پر حال مقدم نہیں ہو سکتا اور آگے کہہ رہے ہیں ظرف پر مقدم ہو سکتا ہے، یہ تو دونوں باتوں میں کیا آگیا؟ تعارض اور تناقض آگیا۔ لہٰذا پہلا احتمال پھر جاری نہیں ہو سکتا، پھر دوسرا ہی احتمال جاری کرنا پڑے گا، کیا؟ کہ حال کی مشابہت ہے ظرف کے ساتھ، حال تو عاملِ معنوی پر مقدم نہیں ہو سکتا لیکن ظرف اپنے عاملِ معنوی پر مقدم ہو سکتا ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟

تو کہتے ہیں: وَأَمَّا إِذَا جَعَلْتَهُ دَاخِلاً فِي الْعَامِلِ الْمَعْنَوِيِّ، اور باقی جب آپ اس ظرف کو عاملِ معنوی میں داخل قرار دے دیں، كَمَا هُوَ الظَّاهِرُ مِنْ كَلَامِهِمْ جیسے کہ یہی ظاہر ہے نحویوں کے کلام سے—کیا ظاہر ہے؟ کہ ظرف عاملِ معنوی میں سے ہے ان کے نزدیک، لیکن صاحبِ جامی کے نزدیک نہیں۔ جمہور کہتے ہیں کہ یہ ظرف جو ہے یہ عاملِ معنوی ہے، وجہ کیا؟ وجہ وہ جہاں پر ذکر آیا تھا ذرا وہ جگہ نکالیں بھئی، جہاں پر آیا تھا حال کے اندر عامل فعل ہوگا، یا شبہ فعل ہوگا، یا معنیٰ فعل ہوگا، ذرا وہ کتاب کی عبارت نکالیں پھر آپ کو بات سمجھ میں آئے گی بھئی کہ جمہور کے نزدیک ظرف عاملِ معنوی میں سے کیوں ہے، جمہور کے نزدیک ظرف عاملِ معنوی میں سے کیوں ہے؟ یہاں دیکھو متن میں آیا تھا: «وَعَامِلُهَا الْفِعْلُ أَوْ شِبْهُهُ أَوْ مَعْنَاهُ» حال کا عامل یا تو فعل ہوگا یا شبہ فعل ہوگا یا معنیٰ فعل ہوگا۔ یہاں «شِبْهُهُ» کے بعد آیا تھا، «شِبْهُهُ» کی تفسیر کی تھی صاحبِ جامی نے کہ شبہ فعل کسے کہتے ہیں؟ «وَهُوَ مَا يَعْمَلُ عَمَلَ الْفِعْلِ وَهُوَ مِنْ تَرْكِيبِهِ» وہ جو فعل کا عمل کرتا ہے اور وہ فعل کی ترکیب سے ہوتا ہے، کس سے؟ فعل کی ترکیب سے ہوتا ہے۔ تو جمہور کے نزدیک—جمہور کے نزدیک—شبہ فعل کا فعل کی ترکیب میں سے ہونا ضروری، یعنی اس کا وہی مادہ ہونا چاہیے جو فعل کا مادہ تھا۔ اور مجھے بتائیے «فِي الدَّارِ» یہ جار مجرور یہ ظرف ہے، کیا اس کا فعل والا مادہ ہے؟ نہیں۔ یا «عِنْدَكَ»، کوئی بھی ظرف لے آئیں چاہے ظرفِ حقیقی لے آئیں یا ظرفِ مجازی لے آئیں، «فِي الدَّارِ» یہ بھی فعل کا مادہ نہیں، اسی طرح «عِنْدَكَ» یہ بھی فعل والا مادہ نہیں...

یا «بَعْدَكَ» یا «قَبْلَكَ»، تو جو بھی ظرف آپ دیکھ لیں وہ فعل والا مادہ نہیں۔ تو لہٰذا جمہور کے نزدیک چونکہ اس کا مادہ فعل والا نہیں لہٰذا یہ معنیٰ فعل میں داخل ہے، فعل یا شبہ فعل میں داخل نہیں ہے۔ جبکہ صاحبِ جامی نے فرمایا تھا کہ یہ جو ظرف ہوتا ہے یہ مقدر بالفعل ہوتا ہے یا مقدر بشبہ الفعل ہوتا ہے، یعنی ہر «فِي الدَّارِ» یا «عِنْدَكَ» وغیرہ جو ظرفِ مستقر ہوگا وہاں

«ثَبَتَ» یا «ثَابِتٌ» مقدر ہوتا ہے، اور «ثَبَتَ» یا «ثَابِتٌ» تو فعل یا شبہ فعل ہے، تو اس تاویل پر صاحبِ جامی نے ظرف کو کس میں داخل کیا تھا؟ فعل یا شبہ فعل میں۔ اب فرق سمجھ میں آیا؟ تو یہ وجہ ہے جمہور کہتے ہیں—جمہور نحوی فرماتے ہیں کہ یہ جو ظرف ہے یہ عاملِ معنوی میں سے ہے۔

تو کہتے ہیں: وَأَمَّا إِذَا جَعَلْتَهُ دَاخِلاً فِي الْعَامِلِ الْمَعْنَوِيِّ، اور باقی جب آپ ظرف کو عاملِ معنوی میں داخل قرار دے دیں، كَمَا هُوَ الظَّاهِرُ مِنْ كَلَامِهِمْ جیسے کہ یہی ظاہر ہے نحویوں کے کلام سے، فَالْمُرَادُ هُوَ الِاحْتِمَالُ الثَّانِي لَا غَيْرُ، تو پھر مراد وہ دوسرا احتمال ہی ہے لَا غَيْرُ اس کے علاوہ نہیں، یعنی پہلا احتمال پھر نہیں ہو سکتا۔ بات سمجھ میں آگئی؟ حل ہو گیا؟

آگے دیکھیے۔ کہتے ہیں: كَمَا لَا تَتَقَدَّمُ الْحَالُ عَلَى الْعَامِلِ الْمَعْنَوِيِّ كَذٰلِكَ لَا تَتَقَدَّمُ عَلَى ذِي الْحَالِ الْمَجْرُورِ۔ بھئی پہلے متن متن دیکھیے۔ کہتے ہیں: «وَلَا عَلَى الْمَجْرُورِ عَلَى الْأَصَحِّ»، اور حال جو ہے وہ ذوالحالِ مجرور پر بھی مقدم نہیں ہو سکتا عَلَى الْأَصَحِّ بنا بر زیادہ صحیح مذہب کے، بنا بر زیادہ صحیح مذہب کے یعنی اس میں اختلاف ہے، دوسرا مذہب بھی صحیح ہے لیکن یہ مذہب زیادہ صحیح ہے، کیا؟ کہ حال ذوالحالِ مجرور پر مقدم نہیں ہو سکتا۔ بھئی پیچھے ابھی یہ جو ہم بحث کر رہے تھے وہ تھا حال اپنے عامل پر مقدم ہوتا ہے یا نہیں وہ بیان کر رہے تھے، کہ عاملِ معنوی ہو تو اس پر مقدم نہیں ہو سکتا، بخلاف ظرف کے کہ اس میں اختلاف ہے۔ اب ذوالحال پر مقدم کرنے کی بات کر رہے ہیں، کہ حال ذوالحال پر مقدم نہیں ہو سکتا، کب؟ جب ذوالحال مجرور ہو۔ توجہ ہے؟ حال اپنے ذوالحال پر مقدم نہیں ہو سکتا، کب؟ جب ذوالحال مجرور ہو۔ تو کہتے ہیں: وَلَا عَلَى الْمَجْرُورِ عَلَى الْأَصَحِّ، اور حال جو ہے ذوالحالِ مجرور پر بھی مقدم نہیں ہو سکتا عَلَى الْأَصَحِّ بنا بر زیادہ صحیح مذہب کے بھئی۔

بھئی آپ کو بتلائیں گے کہ مجرور تو دو ہیں: ایک مجرور باضافت اور ایک مجرور بحرفِ جر، ایک مجرور باضافت اور ایک مجرور بحرفِ جر۔ تو اس کے اندر یاد رکھنا: وہ ذوالحال جو مجرور باضافت ہو اس پر تو بالاتفاق حال مقدم نہیں ہو سکتا۔ پھر دہراؤ! وہ ذوالحال جو مجرور باضافت ہے اس پر تو حال بالاتفاق مقدم نہیں ہو سکتا، لیکن وہ جو مجرور ہے بحرفِ جر اس کے اندر اختلاف ہے: اکثر کیا کہتے ہیں اس پر بھی مقدم نہیں ہو سکتا، لیکن بعض کہتے ہیں اس پر مقدم ہو سکتا ہے۔

دیکھیے بھئی اب شرح کے ساتھ۔ کہتے ہیں: كَمَا لَا تَتَقَدَّمُ الْحَالُ عَلَى الْعَامِلِ الْمَعْنَوِيِّ، جیسے کہ حال عاملِ معنوی پر مقدم نہیں ہو سکتا، كَذٰلِكَ لَا تَتَقَدَّمُ عَلَى ذِي الْحَالِ الْمَجْرُورِ اسی طرح حال مقدم نہیں ہوتا ذوالحالِ مجرور پر بھی، سَوَاءٌ كَانَ مَجْرُوراً بِالْإِضَافَةِ أَوْ بِحَرْفِ الْجَرِّ برابر ہے کہ وہ جو مجرور ہے اضافت کی وجہ سے ہو یا حرفِ جر کی وجہ سے۔ فَإِنْ كَانَ مَجْرُوراً بِالْإِضَافَةِ، اگر وہ ذوالحال مجرور ہے اضافت کی وجہ سے، فَلَمْ تَتَقَدَّمِ الْحَالُ عَلَيْهِ اتِّفَاقاً تو پھر اس پر حال مقدم نہیں ہو سکتا بالاتفاق، نَحْوُ جَاءَتْنِي مُجَرَّدَةً عَنِ الثِّيَابِ ضَارِبَةُ زَيْدٍ۔ «جَاءَتْنِي» یہ فعل ہے، «جَاءَتْنِي» فعل ہے اور وہ آخر میں آرہا ہے «ضَارِبَةُ زَيْدٍ» یہ ہے فاعل: «ضَارِبَةُ زَيْدٍ» زید کی پٹائی کرنے والی عورت۔ اور یہ زید دیکھو مجرور ہے، یہ مضاف الیہ ہے

«ضَارِبَةٌ» کے لیے، بات سمجھ میں آگئی؟ اور اس زید سے حال آرہا ہے، اور اس حال کو مقدم کر دیا گیا مضاف پر: «مُجَرَّداً عَنِ الثِّيَابِ»، «مُجَرَّداً عَنِ الثِّيَابِ» کپڑوں سے خالی یعنی ننگا بھئی۔ «جَاءَتْنِي»—دیکھو اگر اس کو مؤخر کرتے پھر یہ معنیٰ ہوتا: «جَاءَتْنِي ضَارِبَةُ زَيْدٍ مُجَرَّداً عَنِ الثِّيَابِ»، زید کی پٹائی کرنے والی آئی اس حال میں کہ زید کپڑوں سے خالی تھا یعنی ننگا تھا۔ لیکن اب اس «مُجَرَّداً عَنِ الثِّيَابِ» کو کیا کیا گیا؟ یہ زید ذوالحال جو مجرور باضافت ہے اس پر مقدم کیا گیا، کہتے ہیں یہ جائز نہیں، بالاتفاق یہ جائز نہیں۔ تو کہتے ہیں: نَحْوُ جَاءَتْنِي مُجَرَّداً عَنِ الثِّيَابِ ضَارِبَةُ زَيْدٍ۔

وَذٰلِكَ، اور یہ اس وجہ سے—بھئی کیا وجہ ہے کہ ذوالحال مجرور باضافت ہو تو اس پر حال مقدم نہیں ہو سکتا؟ تو آپ کو بتائیں گے۔ کہتے ہیں وجہ یہ ہے کہ یہ جو حال ہوتا ہے یہ ذوالحال کا تابع ہوتا ہے۔ حال کس کی حالت بیان کرتا ہے؟ ذوالحال کی، تو یہ ذوالحال کا تابع ہے، معلوم ہوا ذوالحال اس کا متبوع ہے۔ اور یہاں پر ذوالحال کیا واقع ہو رہا ہے؟ مضاف الیہ۔ اور یہ مضاف الیہ کیا مضاف پر مقدم ہو سکتا ہے؟ مضاف الیہ مضاف پر کبھی نہیں مقدم ہو سکتا، اگر آپ مقدم کریں گے وہ کچھ اور بن جائے گا لیکن مضاف الیہ نہیں رہ سکتا پھر۔ تو یہ مضاف الیہ یہ مضاف الیہ ہوتے ہوئے مضاف پر مقدم نہیں ہو سکتا، تو جب متبوع ایک چیز پر مقدم نہیں ہو سکتا تو اس کا تابع حال کیسے اس پر مقدم ہو سکتا ہے؟ بات سمجھ میں آ گئی؟ تو کہتے ہیں: وَذٰلِكَ اور یہ اس وجہ سے ہے لِأَنَّ الْحَالَ تَابِعٌ وَفَرْعٌ لِذِي الْحَالِ اس لیے کیونکہ حال جو ہے وہ تابع ہوتا ہے اور فرع ہوتا ہے ذوالحال کے لیے، وَالْمُضَافُ إِلَيْهِ لَا يَتَقَدَّمُ عَلَى الْمُضَافِ اور مضاف الیہ تو مضاف پر مقدم نہیں ہو سکتا، فَلَا يَتَقَدَّمُ تَابِعُهُ أَيْضاً تو اس مضاف الیہ کا جو تابع ہے وہ بھی مضاف پر مقدم نہیں ہو سکتا۔

وَإِنْ كَانَ مَجْرُوراً بِحَرْفِ الْجَرِّ، اور اگر وہ ذوالحال جو ہے مجرور ہو حرفِ جر کی وجہ سے، فَفِيهِ خِلَافٌ تو اس کے اندر اختلاف ہے۔ فَسِيبَوَيْهِ وَأَكْثَرُ الْبَصْرِيَّةِ يَمْنَعُونَ تَقْدِيمَهَا عَلَيْهِ، تو امام سیبویہ اور اکثر بصرہ کے جو علمائے نحو ہیں يَمْنَعُونَ وہ منع کرتے ہیں تَقْدِيمَهَا عَلَيْهِ کہ حال جو ہے اس کو مقدم کیا جائے ذوالحال پر۔ بھئی اگر ذوالحال مجرور ہے حرفِ جر کی وجہ سے تو امام سیبویہ اور بصرہ کے اکثر علمائے نحو وہ منع کرتے ہیں کہ حال کو اس ذوالحال پر مقدم کرنا جائز نہیں ہے۔ تو کہتے ہیں: فَسِيبَوَيْهِ وَأَكْثَرُ الْبَصْرِيَّةِ تو امام سیبویہ جو ہیں اور اکثر بصرہ والے يَمْنَعُونَ تَقْدِيمَهَا عَلَيْهِ وہ منع کرتے ہیں حال کے مقدم کرنے کو اس ذوالحالِ مجرور پر، لِلْعِلَّةِ الْمَذْكُورَةِ اسی مذکورہ علت کی وجہ سے—یہی علتِ مذکورہ: ذوالحال مجرور ہے حرفِ جر کی وجہ سے اور یہ جو ذوالحال ہے کیا یہ حرفِ جر پر مقدم ہو سکتا ہے؟ جب یہ حرفِ جر پر مقدم نہیں ہو سکتا تو اس کا تابع اور اس کی فرع یعنی حال جو ہے وہ بطریقِ اولیٰ اس حرفِ جر پر مقدم نہیں ہو سکتا۔ تو یہ معنیٰ ہے لِلْعِلَّةِ الْمَذْكُورَةِ اسی مذکورہ علت کی وجہ سے—وَهُوَ الْمُخْتَارُ عِنْدَ الْمُصَنِّفِ رَحِمَهُ اللّٰهُ، اور یہی مختار ہے مصنف یعنی صاحبِ کافیہ کے نزدیک بھی، وَلِهٰذَا قَالَ عَلَى الْأَصَحِّ اور اسی وجہ سے صاحبِ کافیہ نے فرمایا «عَلَى الْأَصَحِّ» بنا بر زیادہ صحیح مذہب کے۔ دیکھا، بعضوں

نے اختلاف کیا ہے لیکن امام سیبویہ وغیرہ کی تائید کی اور ان کے مذہب کو زیادہ صحیح قرار دیا، معلوم ہوا دوسروں کا مذہب بھی صحیح ہے لیکن امام سیبویہ وغیرہ کا مذہب زیادہ صحیح ہے۔

وَنُقِلَ عَنْ بَعْضِهِمُ الْجَوَازُ، اور بعض علمائے نحو سے جواز نقل کیا گیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ ذوالحال اگر مجرور ہو بحرفِ جر تو اس پر اس کے حال کو مقدم کرنا جائز ہے۔ اِسْتِدْلَالاً بِقَوْلِهِ تَعَالٰی، دلیل پکڑتے ہوئے اللہ تعالیٰ کے اس قول سے، استدلال کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کے اس قول سے: ﴿ وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا كَافَّةً لِلنَّاسِ ﴾ ۔ «وَمَا أَرْسَلْنَاكَ» اے پیغمبر ہم نے آپ کو نہیں بھیجا «إِلَّا كَافَّةً لِلنَّاسِ» مگر تمام لوگوں کے لیے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب فرما رہے ہیں اللہ تعالیٰ کہ «وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا كَافَّةً لِلنَّاسِ» کہ اے پیغمبر ہم نے آپ کو نہیں بھیجا مگر تمام لوگوں کے لیے۔ یاد رکھو یہ «كَافَّةً» کا معنیٰ ہوتا ہے «جَمِيعاً» یعنی سب کے سب، اور یہ «كَافَّةً» ہمیشہ عربی زبان میں حال واقع ہوتا ہے، منصوب ہوتا ہے، اور یہ «كَافَّةً» حال ہے «النَّاسِ» سے اور «النَّاسِ» پر لام جارہ داخل ہے۔ تو دیکھو «لِلنَّاسِ» پر «كَافَّةً» حال کو مقدم کر دیا گیا۔ تو یہ جو علمائے نحو ہیں یہ استدلال کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کے اس قول سے کہ اس قول کے اندر دیکھو «لِلنَّاسِ» یہ جو ذوالحال ہے یہ مجرور ہے حرفِ جر کی وجہ سے اور اس پر حال کو مقدم کر دیا گیا۔ بات سمجھ میں آگئی؟

تو اب وجہ ذکر کریں گے۔ دیکھیے آگے، کہتے ہیں: وَلَعَلَّ الْفَرْقَ بَيْنَ حَرْفِ الْجَرِّ وَالْإِضَافَةِ. اب وجہ ذکر کریں گے کہ یہ فرق کیوں ہے؟ وہ ذوالحال جو مجرور ہو وہ دو قسم کا ہو سکتا ہے: ایک مضاف الیہ، اور ایک مجرور بحرفِ جر۔ مضاف الیہ میں تو یہ بھی کہتے ہیں کہ ذوالحال اگر مجرور باضافت ہو تو اس پر حال کو مقدم نہیں کر سکتے، البتہ اگر ذوالحال مجرور بحرفِ جر ہو تو اس میں یہ کہتے ہیں کہ یہ جائز ہے، اور دلیل کے طور پر قرآن کی آیت بھی ذکر کرتے ہیں۔ تو یہ فرق کیوں ہے دونوں کے اندر؟ دونوں کے اندر فرق کیوں ہے؟ تو وہ اب وجہ ذکر کریں گے۔ بھئی دیکھیے پہلے وجہ سمجھ لو۔ فرق کی وجہ ذکر کریں گے صاحبِ جامی کہ شاید یہ اضافت اور حرفِ جر میں فرق یہ ہے کہ حرفِ جر جو ہے وہ فعل کو متعدی بناتا ہے۔ «مَرَرْتُ» میں گزرا، میں بتانا چاہتا ہوں کہ میں زید کے پاس سے گزرا، لیکن «مَرَرْتُ» تو فعلِ لازم ہے یہ زید کو نصب نہیں دے سکتا، «مَرَرْتُ زَيْداً» میں یوں نہیں کہہ سکتا۔ تو پھر حروفِ جارہ کا سہارا لیا جاتا ہے، تو حرفِ جر بھی کیا کرتا ہے؟ فعل کو متعدی بنا دیتا ہے: «مَرَرْتُ بِزَيْدٍ» میں زید کے پاس سے گزرا، اب بات بن گئی۔ تو یہ جو مجرور بحرفِ جر ہے یہ بھی دراصل مفعول بہ ہے، لیکن یہ مفعول بہ غیر صریح ہے، فعل اس میں براہِ راست عمل نہیں کر سکتا تھا تو ہم نے کس کا سہارا لے لیا؟ حرفِ جر کا۔ تو معلوم ہوا جو مجرور بحرفِ جر ہوتا ہے وہ بھی مفعول بہ غیر صریح ہے، یعنی حقیقت میں وہ مجرور ہے ہی نہیں بلکہ منصوب ہے بھئی۔ تو حرفِ جر فعل کو متعدی بنانے کے لیے لاتے ہیں۔ یہ اسی طرح ہے جیسے کبھی فعل کو متعدی بنانے کے لیے ہمزہ لاتے ہیں یا تضعیف کر دیتے ہیں۔ ہمزہ لاتے ہیں جیسے «كَرُمَ» کا کیا معنیٰ؟ معزز ہونا، کوئی آدمی خود مکرم ہو، تو «كَرُمَ» باب

ہے ثلاثی مجرد سے۔ آپ اس کو متعدی بنانا چاہتے ہیں تو بابِ افعال یا بابِ تفعیل میں لے جاتے ہیں۔ «كَرُمَ» کو لے جائیں ذرا بابِ افعال میں، کیا بن گیا؟ «أَكْرَمَ»۔ «أَكْرَمَ» کا کیا معنیٰ؟ دوسرے کا اکرام کرنا، دوسرے کو مکرم کرنا بھئی، بات سمجھ میں آرہی ہے؟ اور اسی طرح «كَرَّمَ يُكَرِّمُ تَكْرِيماً» بابِ تفعیل میں بھی لے جاؤ اس کا بھی یہی معنیٰ ہے: دوسرے کو مکرم کرنا۔ تو دیکھو «كَرُمَ» فعلِ لازم تھا، اور بابِ افعال میں لے گئے یعنی ایک ہمزہ شروع میں بڑھا دیا، یا بابِ تفعیل میں لے گئے یعنی درمیان والے حرف کو دگنا کر دیا یعنی ایک را کا اضافہ کر دیا یعنی تضعیف کر دی۔ تضعیف کا معنیٰ ایک چیز کو دگنا کرنا، بات سمجھ میں آگئی؟۔ تو یہاں دیکھو «كَرَّمَ» میں لے گئے، وہی «كَرُمَ» کے اندر ایک را تھی «كَرَّمَ» میں دو را کر دیں۔ تو دیکھو ہمزہ اور را بڑھانے کی وجہ سے وہ متعدی بن گیا، یا یوں کہو ہمزہ اور تضعیف کی وجہ سے وہ فعل متعدی بن گیا: پہلے فعلِ لازم تھا اور پھر ہمزہ اور تضعیف کی وجہ سے متعدی بن گیا۔ اور دیکھو «أَكْرَمَ» یہ ہمزہ فعل کا جز ہے، «كَرَّمَ» یہ دوسری را بھی فعل کا جز ہے۔ تو جیسے ہمزہ اور تضعیف کی وجہ سے فعل متعدی بن جاتا ہے اور وہ فعل کا جز ہوتے ہیں، اسی طرح حرفِ جر کے ذریعے بھی فعل متعدی ہو جاتا ہے، تو گویا یہ بھی فعل کا جز ہے بھئی۔ جب یہ فعل کا جز ہے تو اگر اس پر حال کو مقدم کر بھی دو تو یہ اسی طرح ہے جیسے آپ نے فعلِ متعدی کے مفعول پر آپ نے حال کو مقدم کیا ہے، اور وہ تو بالاتفاق جائز ہے بھئی: «ضَرَبْتُ زَيْداً قَائِماً»۔ یہ «قَائِماً» حال کس سے؟ «زَيْداً» سے۔ آپ اس «قَائِماً» کو زید پر مقدم کر سکتے ہیں یا نہیں؟ «ضَرَبْتُ قَائِماً زَيْداً»۔ تو جیسے مفعول بہ صریح پر حال کو مقدم کرنا جائز ہے تو مفعول بہ غیر صریح پر بھی حال کو مقدم کرنا جائز ہے۔ یہ اسی طرح ہے جیسے آپ مجرور پر مقدم کر ہی نہیں رہے بلکہ منصوب پر مقدم کر رہے ہیں۔

دیکھیے بھئی۔ کہتے ہیں: وَلَعَلَّ الْفَرْقَ بَيْنَ حَرْفِ الْجَرِّ وَالْإِضَافَةِ، اور شاید فرق جو ہے حرفِ جر اور اضافت کے درمیان وہ یہ ہے کہ أَنَّ حَرْفَ الْجَرِّ مُعَدٍّ—«مُعَدٍّ» کون سا صیغہ ہے؟ جی، «مُعَدٍّ» یاد رکھو یہ اسمِ فاعل ہے بھئی: «عَدَّى يُعَدِّي تَعْدِيَةً»۔ یہ ناقص ہے بھئی ناقص، آخر میں یا ہے جو الف سے بدل گئی: «عَدَّى يُعَدِّي تَعْدِيَةً»۔ آپ نے پڑھا ہے کہ ناقص سے بابِ تفعیل کا مصدر «تَفْعِلَةٌ» کے وزن پر آتا ہے، تو «عَدَّى يُعَدِّي تَعْدِيَةً»۔ تو «عَدَّى» آخر میں الف ہے وہ جو پہلے یا تھی۔ تو «عَدَّى يُعَدِّي تَعْدِيَةً فَهُوَ مُعَدٍّ، وَعُدِّيَ يُعَدَّى تَعْدِيَةً فَذَاكَ مُعَدًّى»۔ اور آپ نے کیا پڑھا ہے؟ «سَمَّى يُسَمِّي تَسْمِيَةً»۔ تو کہتے ہیں: وَلَعَلَّ الْفَرْقَ بَيْنَ حَرْفِ الْجَرِّ وَالْإِضَافَةِ اور شاید...

...حرفِ جر اور اضافت میں فرق جو ہے وہ یہ ہے کہ أَنَّ حَرْفَ الْجَرِّ مُعَدٌّ لِلْفِعْلِ کہ حرفِ جر جو ہے وہ متعدی بناتا ہے فعل کو، كَالْهَمْزَةِ وَالتَّضْعِيفِ جیسے کہ ہمزہ اور تضعیف ہے۔ تضعیف کا کیا معنیٰ؟ ایک جنس کے حرف کو دوبارہ لانا یہ کیا ہے؟ تضعیف۔ مضاعف میں بھی کیا ہوتا ہے؟ دو حرفِ اصلی ایک جنس کے ہوتے ہیں، تو یہاں تو ایک ہی حرفِ اصلی ہے لیکن اسی کو، اسی میں تضعیف لے آتے ہیں—كَالْهَمْزَةِ وَالتَّضْعِيفِ جیسے کہ ہمزہ اور تضعیف ہے۔ فَكَأَنَّهُ مِنْ تَمَامِ الْفِعْلِ وَبَعْضِ حُرُوفِهِ، تو گویا کہ یہ حرفِ جر جو ہے تمامِ فعل میں سے ہے اور اس کے بعض حروف میں سے ہے۔ بھئی جیسے وہاں پر «كَرُمَ» سے کیا بنایا؟ «أَكْرَمَ» اور ہمزہ فعل کا جز، اور اسی طرح «كَرُمَ» سے دوسرا کیا بنایا؟ «كَرَّمَ» را کے اندر تضعیف کر

دی، را کو مشدد کر دیا، تو جیسے وہ را فعل کا جز ہے اسی طرح حرفِ جر بھی فعل کو متعدی بنانے کے لیے آتا ہے تو حرفِ جر بھی فعل کے جز کی طرح ہوا۔ تو کہتے ہیں: فَكَأَنَّهُ مِنْ تَمَامِ الْفِعْلِ وَبَعْضِ حُرُوفِهِ تو گویا کہ وہ حرفِ جر جو ہے وہ بھی تمامِ فعل میں سے ہے اور اسی کے بعض حروف میں سے ہے۔ فَإِذَا قُلْتَ جب آپ نے یہ کہا: ذَهَبْتُ رَاكِبَةً بِهِنْدٍ—ذَهَبْتُ رَاكِبَةً بِهِنْدٍ دیکھو یہ «رَاكِبَةً» کو ذرا آخر میں لے جائیں پھر ترجمہ سمجھ میں آئے گا: «ذَهَبْتُ بِهِنْدٍ رَاكِبَةً» میں ہند کو لے گیا اس حال میں کہ وہ سوار تھی۔ تو اس «رَاكِبَةً» کو «بِهِنْدٍ» پر مقدم کر دیا، یہ «هِنْد» ہے ذوالحال اور یہ مجرور ہے بحرفِ جر—تو کہتے ہیں فَإِذَا قُلْتَ جب آپ یوں کہیں ذَهَبْتُ رَاكِبَةً بِهِنْدٍ، فَكَأَنَّكَ قُلْتَ تو گویا آپ نے یوں ہی کہا ہے: أَذْهَبْتُ رَاكِبَةً هِنْداً۔ اور اس کے اندر تو بالاتفاق ہند پر «رَاكِبَةً» حال کو مقدم کرنا جائز ہے، تو وہ بھی اسی کی طرح ہے۔ فَالْمَجْرُورُ بِحَسَبِ الْحَقِيقَةِ لَيْسَ مَجْرُوراً، تو یہاں جو مجرور ہے وہ حقیقت کے اعتبار سے مجرور نہیں ہے کیونکہ وہ تو مفعول بہ غیر صریح ہے، تو وہ منصوب ہی ہے حقیقت میں۔

وَأَجَابَ بَعْضُهُمْ عَنْ هٰذَا الِاسْتِدْلَالِ، اور بعض نحویوں نے جواب دیا اس استدلال سے۔ بعض نے تو کیا کیا تھا؟ قرآن کی اس آیت سے استدلال کیا تھا، بعضوں نے جواب دیا کہ نہیں بھئی، یہ «كَافَّةً» اس کو «لِلنَّاسِ» سے حال نہ بناؤ بلکہ «وَمَا أَرْسَلْنَاكَ» یہ جو «كَاف» ضمیر آ رہی ہے اس سے «كَافَّةً» کو حال بنا لو۔ تو بعضوں نے یہ جواب دینے کی کوشش کی۔ دو تین جواب ذکر کریں گے صاحبِ جامی، لیکن سب کو رد کریں گے کہ ان سب میں تکلف ہے، بات بنانے کی کوشش کی گئی ہے زور لگا کر، حقیقت میں بات وہی ہے کہ ذوالحالِ مجرور ہو تو اس پر حال مقدم ہو سکتا ہے بھئی۔ اور پھر ایک اور بات بھی یاد رکھنا: «كَافَّةً» کا معنیٰ میں نے کیا بیان کیا؟ «جَمِيعاً» یعنی سب، سب۔ اور یہ ہمیشہ حال واقع ہوتا ہے۔ یہ جو جواب دیں گے یہ «كَافَّةً» کے معنیٰ بدل دیں گے، یہ کہیں گے «كَافَّة» یہ «كَفَّ يَكُفُّ» سے اسمِ فاعل ہے، «كَفَّ يَكُفُّ كَفًّا فَهُوَ كَافٌّ» اور پھر اسی کے ساتھ گول تا جوڑ دی گئی: «كَافَّةٌ»۔ اور «كَفَّ يَكُفُّ» کا معنیٰ ہے کسی چیز سے رکنا اور باز رہنا، اور یہ متعدی بھی استعمال ہوتا ہے یعنی خود رکنا اس کے لیے بھی «كَفَّ يَكُفُّ» کہتے ہیں، اور کسی دوسرے کو روکنا اور منع کرنا اس کے لیے بھی «كَفَّ يَكُفُّ» بولتے ہیں۔ تو یہاں «كَافَّةٌ» بمعنیٰ ہے روکنے والا، اسمِ فاعل ہے نا، «كَافَّةٌ» کا کیا معنیٰ؟ روکنے والا۔ تو وہ کہتے ہیں «وَمَا أَرْسَلْنَاكَ» یہ جو «كَاف» ضمیر آ رہی ہے اس سے حال ہے، توجہ ہے؟ کاف سے حال ہے، اور یہ اسمِ فاعل ہے۔ تو اس پر اشکال ہوتا ہے کہ پھر یہ تا کہاں سے جڑ گئی؟ یہ تا تو مؤنث کے لیے جوڑتے ہیں اور کاف تو مذکر کی ضمیر ہے۔ تو پھر وہ جواب دیتے ہیں کہ یہ تا جو ہے یہ مبالغے کے لیے ہے، تانیث کے لیے نہیں ہے۔ اور مبالغے کے لیے بھی کبھی کبھار تا آتی ہے، جیسے «عَلَّامَةٌ»، علامہ دیکھو یہ مردوں کے لیے عام استعمال ہوتا ہے یہ لفظ بھئی۔ تو اگر یہ تانیث والی ہوتی تو «عَلَّامَةٌ» کا اطلاق مردوں پر کیسے ہو سکتا تھا؟ یہ معلوم ہوا یہ تا تانیث والی نہیں، یہ مبالغے کے لیے ہے: «عَلَّامٌ» یہ خود بھی مبالغے کا صیغہ اور پھر اس کے ساتھ تا جوڑ کر اور اس میں مبالغہ پیدا کیا گیا۔ تو بعضوں نے کیا جواب دیا کہ یہ «كَافَّةً» یہ اسمِ

فاعل ہے «كَفَّ يَكُفُّ» سے اور اس کا معنیٰ روکنے کے ہے، پھر اشکال ہوا کہ بھئی یہ تا پھر کہاں سے آگئی؟ تو وہ جواب دیتے ہیں کہ یہ تا مبالغے کی ہے۔ اور پھر معنیٰ کیا ہوگا؟ «كَافّ» کا معنیٰ تو ہے روکنے والا، اور تا مبالغے کی بھی آگئی یعنی خوب روکنے والا۔ «وَمَا أَرْسَلْنَاكَ» اور اے پیغمبر ہم نے آپ کو نہیں بھیجا «إِلَّا كَافَّةً» مگر یہ کہ آپ خوب روکنے والے ہیں «لِلنَّاسِ» لوگوں کو یعنی شرک اور گناہوں سے، کہ آپ لوگوں کو شرک اور گناہوں سے خوب روکنے والے ہیں۔ تو کہتے ہیں: وَأَجَابَ بَعْضُهُمْ عَنْ هٰذَا الِاسْتِدْلَالِ اور بعض نے جواب دیا اس استدلال سے بِجَعْلِ كَافَّةً حَالاً عَنِ الْكَافِ «كَافَّةً» کو حال بناتے ہوئے کاف سے—یا یوں کہو «كَافَّةً» کو حال قرار دیتے ہوئے «عَنِ الْكَافِ» کاف سے—وَالتَّاءُ لِلْمُبَالَغَةِ اور یہ تا کس لیے ہے؟ مبالغہ کے لیے ہے۔

وَبَعْضُهُمْ اور بعضوں نے جواب دیا بِجَعْلِهَا صِفَةَ الْمَصْدَرِ اس کو مصدر کی صفت بناتے ہوئے۔ بعض نے اور دوسرا جواب دیا: وہ کہتے ہیں کہ یہ «كَافَّةً» جو ہے یہ مفعولِ مطلق ہے، اور یہ خود نہیں مفعولِ مطلق، یہ صفت بن رہی ہے، اس کا موصوف جو ہے وہ ہے مفعولِ مطلق، أَيْ رِسَالَةً كَافَّةً۔ پیچھے «أَرْسَلْنَاكَ» فعل آیا تھا، اسی سے «رِسَالَةً» آیا۔ «رِسَالَةً» مصدر ہے اور وہ مصدر جو ماقبل فعل کے معنیٰ میں ہو وہ کیا ہوتا ہے؟ مفعولِ مطلق، تو یہ «كَافَّةً» مفعولِ مطلق ہے باعتبار اپنے موصوفِ محذوف کے۔ معلوم ہوا یہ تا کس لیے لائی گئی؟ کیونکہ «رِسَالَةً» کے آخر میں تا تھی، چونکہ موصوف کے آخر میں تا تھی تو صفت میں بھی تا لائی گئی۔ تو کہتے ہیں: وَبَعْضُهُمْ اور بعضوں نے جواب دیا بِجَعْلِهَا صِفَةَ الْمَصْدَرِ اس «كَافَّةً» کو مصدر کی صفت قرار دیتے ہوئے، أَيْ رِسَالَةً كَافَّةً۔ تو معنیٰ کیا ہوا؟ «وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رِسَالَةً كَافَّةً لِلنَّاسِ»، اور ہم نے آپ کو نہیں بھیجا مگر ایسی رسالت کے ساتھ جو منع کرنے والی ہے یعنی لوگوں کو شرک اور گناہوں سے۔ اے پیغمبر ہم نے آپ کو رسالتِ کافہ کے ساتھ بھیجا ہے لوگوں کے لیے، یعنی ایسی رسالت ہے کہ جو لوگوں کو شرک اور معاصی سے روکنے والی ہے، ایسی رسالت کے ساتھ ہم نے آپ کو بھیجا ہے۔ تو گویا مبالغہ کرتے ہوئے اس رسالت کو ہی کافہ قرار دے دیا گیا، مبالغہ کرتے ہوئے کہ وہ رسالت ہی جو ہم نے آپ کو دی ہے وہ ایسی ہے کہ لوگوں کو گناہوں سے روکنے والی ہے۔

وَبَعْضُهُمْ بِجَعْلِهَا مَصْدَراً، اور بعضوں نے اس استدلال سے جواب دیا ہے بِجَعْلِهَا مَصْدَراً اس «كَافَّةً» کو مصدر قرار دیتے ہوئے، كَالْكَاذِبَةِ وَالْعَافِيَةِ جیسے کہ کاذبہ اور عافیہ۔ دیکھو «كَاذِبَةٌ» بظاہر لگتا ہے یہ اسمِ فاعل ہے لیکن یاد رکھو یہ مصدر ہے، اسی طرح «عَافِيَةٌ» بظاہر لگتا ہے یہ صفت ہے اسمِ فاعل ہے لیکن یہ بھی مصدر ہے بھئی۔ تو بعض نے جواب دیا کہ یہ جو «كَافَّة» ہے یہ بھی «كَاذِبَةٌ» اور «عَافِيَةٌ» کی طرح مصدر ہے۔ یعنی—ادھر دیکھو—دوسرا جواب کیا تھا؟ کہ «كَافَّةً» صفت ہے «رِسَالَةً» کی، یہ «كَافَّةً» خود مصدر نہیں ہے بلکہ اس کا موصوف «رِسَالَةً» جو ہے وہ ہے مصدر۔ جبکہ بعضوں نے یہ تیسرا جواب دیا کہ یہ «كَافَّةً» خود ہی مصدر ہے، یہ خود ہی مفعولِ مطلق ہے بھئی، خود ہی مفعولِ مطلق ہے، اور اس کے لیے فعل محذوف نکال لیا جائے گا بھئی: أَيْ تَكُفُّ كَافَّةً بھئی، تَكُفُّ كَافَّةً کہ آپ لوگوں کو منع کرنے والے ہیں یعنی شرک اور

گناہوں سے بھئی۔ تو گویا تقدیرِ کلام یوں ہوا بھئی: «وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا تَكُفُّ كَافَّةً لِلنَّاسِ» اور ہم نے آپ کو نہیں بھیجا مگر یہ کہ آپ «تَكُفُّ كَافَّةً»—یہ «كَافَّةً» کیا ہے؟ مفعولِ مطلق ہے—اور ہم نے آپ کو نہیں بھیجا «إِلَّا تَكُفُّ كَافَّةً لِلنَّاسِ» مگر یہ کہ آپ منع کرتے ہیں لوگوں کو یعنی شرک اور گناہوں سے آپ ان کو منع کرتے ہیں۔ تو یہ خود ہی مصدر ہے «كَاذِبَةٌ» اور «عَافِيَةٌ» کے وزن پر۔

تو پہلا جواب کیا دیا بعضوں نے؟ کہ یہ «كَافَّةً» جو ہے اس کو «لِلنَّاسِ» سے حال نہ بناؤ بلکہ «وَمَا أَرْسَلْنَاكَ» کے آخر میں جو کاف ضمیر ہے اس سے حال بنایا جائے، اور «كَافَّةً» کو «كَفَّ يَكُفُّ» سے اسمِ فاعل قرار دیا انہوں نے۔ تو اس پر پھر اشکال ہوا کہ کاف ضمیر تو مذکر کی ہے تو پھر «كَافَّةً» کے ساتھ یہ تا کیسے آگئی؟ یہ اسمِ فاعل کے ساتھ تو جو تا آتی ہے وہ تانیث والی ہوتی ہے، تو انہوں نے کہا یہ تا تانیث کے لیے نہیں ہے بلکہ یہ مبالغے کے لیے ہے یعنی آپ خوب لوگوں کو روکنے والے ہیں۔ جبکہ بعضوں نے کہا کہ یہ مفعولِ مطلق ہے باعتبار موصوفِ محذوف کے أَيْ رِسَالَةً كَافَّةً۔ اور بعضوں نے کہا کہ نہیں موصوف نکالنے کی بھی ضرورت نہیں یہ «كَافَّةً» خود ہی مفعولِ مطلق ہے، یہ مصدر ہے «كَاذِبَةٌ» اور «عَافِيَةٌ» کے وزن پر۔ بات سمجھ میں آگئی؟

صاحبِ جامی آگے فرماتے ہیں: وَالْكُلُّ تَكَلُّفٌ وَتَعَسُّفٌ، اور یہ سب جو ہیں تکلف اور تعسف ہیں۔ یہ سب تکلف اور تعسف ہیں۔ تکلف اور تعسف کا ایک معنیٰ ہے یاد رکھو، یہ عطفِ تفسیری ہے۔ تکلف کا یہاں معنیٰ ہے مشقت اٹھاتے ہوئے بھئی بات بنانا، بات بن نہ رہی ہو لیکن کسی نہ کسی طرح اس کو بنانا، تو ان سب میں تکلف ہے، یعنی کلام کا ایسا معنیٰ کرنا کہ جس پر لفظوں کی دلالت واضح نہ ہو بھئی، لفظوں کی دلالت اس پر واضح نہیں ہے بھئی، بتکلف یہ معنیٰ کیا جا رہا ہے۔ تینوں میں تکلف ہے، کیسے دیکھو: پہلے قول والوں نے کیا کہا کہ یہ «كَافَّةً» جو ہے یہ اسمِ فاعل کا صیغہ ہے، بھئی پھر تا کہاں سے آگئی؟ تو انہوں نے کہا کہ یہ تا مبالغے کے لیے ہے، حالانکہ مبالغے کی تا جو ہے وہ تو اسمِ فاعل کے ساتھ نہیں آتی، وہ تو عموماً مبالغے کے صیغے کے ساتھ ہی آتی ہے: «عَلَّامَةٌ» دیکھو «عَلَّامٌ» مبالغے کا صیغہ ہے بھئی، تو یہاں تا کو مبالغے کے لیے قرار دینا یہ تکلف ہے بھئی، ویسے ہی بات بنانے کی کوشش ہے۔ اور بعضوں نے کیا کہا کہ یہ مصدر کی صفت ہے أَيْ رِسَالَةً كَافَّةً، معلوم ہوا اس کا موصوف محذوف ہے، کسی چیز کو محذوف نکالنا اس میں بھی تکلف ہے بھئی۔ اور بعضوں نے کہا کہ یہ «كَافَّةً» خود ہی مصدر ہے، خود ہی مفعولِ مطلق ہے، اس میں بھی تکلف ہے کہ قیاس کیا جا رہا ہے کہ «كَافَّةً» کس وزن پر ہے؟ «كَاذِبَةٌ» اور «عَافِيَةٌ» کے وزن پر ہے اور وہ مصدر ہیں تو یہ بھی مصدر۔ یہ تو لغت میں قیاس کیا جا رہا ہے، لغت میں قیاس نہیں جاری ہوتا، لغت میں سماع ضروری ہے۔ ہمیں کوئی ایسی مثال دکھائیں جہاں قدیم عرب نے اس «كَافَّة» کے لفظ کو مصدر کے طور پر استعمال کیا ہو، اگر اس کے بغیر صرف قیاس سے آپ کام چلا رہے ہیں تو لغت میں تو قیاس جاری نہیں ہوتا بھئی۔ قیاس تو مسائل میں ہوتا ہے، ایک مسئلہ قرآن و حدیث سے نہیں مل رہا تو اس جیسے مسئلے پر اس کو

قیاس کر کے اس کا حکم معلوم کر لیا جاتا ہے، جبکہ عربی لغت میں ایک لفظ کا آپ کہیں یہ معنیٰ ہے کیونکہ اس جیسے لفظ کا یہ معنیٰ ہوتا ہے، یہ تو آپ لغت میں قیاس کر رہے ہیں، لغت میں قیاس جاری نہیں ہوتا، لغت میں سماع ضروری ہے۔ ہاں آپ ہمیں کوئی ایسی جگہ کوئی ایسا شعر بتلاتے جو متقدمین شعراء تھے، فصیح شعراء تھے عرب کے، ان کے کلام میں ہمیں کہیں یہ «كَافَّةً» کا لفظ بطور مصدر کے استعمال ہوا ہو وہ دکھاتے، تو پھر آپ کی دلیل ٹھیک تھی، تو یہاں قیاس کے ذریعے آپ اس کو مصدر ثابت نہیں کر سکتے۔ تو صاحبِ جامی فرماتے ہیں یہ سب تکلف ہیں۔ وہ جو بعضوں نے استدلال کیا ﴿ وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا كَافَّةً لِلنَّاسِ ﴾ کہ «لِلنَّاسِ» پر «كَافَّةً» حال کو مقدم کیا گیا ہے اگرچہ «لِلنَّاسِ» جو ہے مجرور ہے بحرفِ جر، تو ان کا استدلال نہایت قوی ہے، اور یہ جو جوابات دیے گئے ان میں سے کوئی بھی جواب تکلف سے خالی نہیں ہے بھئی۔ بات سمجھ میں آ گئی؟ چلیے بس بھئی۔ هٰذَا هُوَ الْمَرَامُ، وَاللّٰهُ أَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْكَلَامِ.

سبق نمبر ۱۴۶: الحال (٦): حالِ جامد اور حال کے جملہ (اسمیہ و فعلیہ) واقع ہونے کی شرائط

شرحِ ملا جامی صفحہ: ۱۲۸ — بتاریخ: ۲ فروری ۲۰۲۲ء

▪ تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث

آگے سبق دیکھیے بھئی:

وَكُلُّ مَا دَلَّ عَلَى هَيْئَةٍ أَيْ صِفَةٍ سَوَاءٌ كَانَ الدَّالُّ مُشْتَقًّا أَوْ جَامِداً صَحَّ أَنْ يَقَعَ حَالاً، مِنْ غَيْرِ أَنْ يُؤَوَّلَ الْجَامِدُ بِالْمُشْتَقِّ لِأَنَّ الْمَقْصُودَ مِنَ الْحَالِ بَيَانُ الْهَيْئَةِ وَهُوَ حَاصِلٌ بِهِ، وَهٰذَا رَدٌّ عَلَى جُمْهُورِ النُّحَاةِ.

بھئی گذشتہ سبق میں صاحبِ کافیہ نے آپ کو بتلایا تھا کہ حال جو ہے وہ عاملِ معنوی پر مقدم نہیں ہو سکتا، اس لیے کیونکہ عاملِ معنوی ضعیف ہے، وہ اپنے مابعد میں تو عمل کر سکتا ہے، اپنے سے ماقبل میں عمل نہیں کر سکتا۔ بخلافِ ظرف کہ جب حال کے اندر عامل ظرف ہو تو اس میں اختلاف ہے: امام سیبویہ تو فرماتے ہیں کہ ظرف بھی عاملِ ضعیف ہے لہٰذا اس پر اس کے معمول یعنی حال کو مقدم نہیں کر سکتے، لیکن امام اخفش رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ایک صورت میں ظرف پر حال کو مقدم کر سکتے ہیں کہ جب اس حال سے پہلے مبتدا آرہا ہو، اس حال سے پہلے مبتدا آرہا ہو تو اس صورت میں حال کو ظرف پر مقدم کر سکتے ہیں، اس لیے کیونکہ ظرف کے اندر جو ضمیر ہے وہ ہے ذوالحال اور وہ ضمیر راجع ہے مبتدا کو۔ تو حال جو ہے وہ ظرف پر تو مقدم ہو گیا لیکن ابھی بھی وہ چیز جو حقیقت میں ذوالحال ہے ابھی بھی وہ اس پر مقدم ہے، تو گویا یوں کہو کہ حال پوری طرح ظرف پر مقدم ہوا ہی نہیں کیونکہ ظرف کے اندر ذوالحال بھی تھا بھئی، تو پوری طرح مقدم تو تب ہوتا جب ظرف پر بھی مقدم ہو جاتا اور ذوالحال پر بھی مقدم ہو جاتا، لیکن ذوالحال جو حقیقت میں ہے وہ تو ابھی بھی اس سے پہلے آرہا ہے یعنی وہ جو مبتدا ہے، تو لہٰذا یہ صورت جائز ہے۔ ہاں وہ صورت کہ جس کے اندر مبتدا مؤخر ہو تو پھر حال کو اپنے عامل ظرف پر مقدم کرنا جائز نہیں ہے بھئی۔

اور پھر بتلایا تھا صاحبِ جامی نے کہ اس کلام کے اندر ایک احتمال یہ بھی ہے کہ اس کا معنیٰ یوں کیا جائے کہ حال کی مشابہت ہے ظرف کے ساتھ کیونکہ حال کی تاویل کی جائے ظرف کے ساتھ تو صحیح ہوتی ہے، جیسے «جَاءَنِي زَيْدٌ رَاكِباً»۔ یہاں «رَاكِباً» حال ہے لیکن اس کو ظرف بنا لیں پھر بھی معنیٰ کلام کا صحیح رہتا ہے: «جَاءَنِي زَيْدٌ وَقْتَ الرُّكُوبِ»۔ تو «رَاكِباً» کو ہم نے کس سے بدل دیا؟ «وَقْتَ الرُّكُوبِ» سے، ظرف کے ساتھ تاویل کر لی ہم نے حال کی، تو کلام کا معنیٰ پھر بھی صحیح رہتا ہے۔ معلوم ہوا حال کی مشابہت ہے ظرف کے ساتھ، تو شبہ پیدا ہوا شاید ظرف کو بھی مقدم کرنا جائز نہیں ہوگا کیونکہ اس کے ساتھ اس کی مشابہت ہے، تو بتلایا کہ نہیں، ظرف کے اندر وسعت ہے یہ اپنے عاملِ معنوی پر مقدم ہو سکتا ہے بھئی۔

اور پھر صاحبِ جامی نے بتلایا تھا کہ یہ دو احتمال ہم نے ذکر کیے اس صورت پر جبکہ ظرف جو ہے وہ عاملِ معنوی میں داخل نہ ہو۔ اور اگر آپ ظرف کو بھی عاملِ معنوی میں داخل کر لیں–جیسا کہ جمہور نحویوں کا مذہب ہے، وہ ظرف کو عاملِ معنوی میں شمار کرتے ہیں، وہ ظرف کو عاملِ معنوی کے اندر شمار کرتے ہیں، جبکہ صاحبِ جامی نے بتایا کہ ظرف مقدر بالفعل ہوتا ہے یا مقدر بشبہ الفعل ہوتا ہے تو یہ فعل یا شبہ فعل کے اندر داخل ہے یہ عاملِ معنوی نہیں، جبکہ جمہور کہتے ہیں کہ یہ ظرف جو ہے یہ عاملِ معنوی ہے، وجہ کیا؟ وجہ وہ جہاں پر ذکر آیا تھا ذرا وہ جگہ نکالیں بھئی، جہاں پر آیا تھا حال کے اندر عامل فعل ہوگا یا شبہ فعل ہوگا یا معنیٰ فعل ہوگا، ذرا وہ کتاب کی عبارت نکالیں پھر آپ کو بات سمجھ میں آئے گی بھئی کہ جمہور کے نزدیک ظرف عاملِ معنوی میں سے کیوں ہے، جمہور کے نزدیک ظرف عاملِ معنوی میں سے کیوں ہے؟ یہاں دیکھو متن میں آیا تھا: «وَعَامِلُهَا الْفِعْلُ أَوْ شِبْهُهُ أَوْ مَعْنَاهُ»، حال کا عامل یا تو فعل ہوگا یا شبہ فعل ہوگا یا معنیٰ فعل ہوگا۔ یہاں «شِبْهُهُ» کے بعد آیا تھا، «شِبْهُهُ» کی تفسیر کی تھی صاحبِ جامی نے کہ شبہ فعل کسے کہتے ہیں؟ «وَهُوَ مَا يَعْمَلُ عَمَلَ الْفِعْلِ وَهُوَ مِنْ تَرْكِيبِهِ» وہ جو فعل کا عمل کرتا ہے اور وہ فعل کی ترکیب سے ہوتا ہے، کس سے؟ فعل کی ترکیب سے ہوتا ہے۔ تو جمہور کے نزدیک شبہ فعل کا فعل کی ترکیب میں سے ہونا ضروری یعنی اس کا وہی مادہ ہونا چاہیے جو فعل کا مادہ تھا، اور مجھے بتائیے «فِي الدَّارِ» یہ جار مجرور یہ ظرف ہے، کیا اس کا فعل والا مادہ ہے؟ نہیں۔ یا «عِنْدَكَ»، کوئی بھی ظرف لے آئیں چاہے ظرفِ حقیقی لے آئیں یا ظرفِ مجازی لے آئیں: «فِي الدَّارِ» یہ بھی فعل کا مادہ نہیں، اسی طرح «عِنْدَكَ» یہ بھی فعل والا مادہ نہیں، یا «بَعْدَكَ» یا «قَبْلَكَ»، تو جو بھی ظرف آپ دیکھ لیں وہ فعل والا مادہ نہیں۔ تو لہٰذا جمہور کے نزدیک چونکہ اس کا مادہ فعل والا نہیں لہٰذا یہ معنیٰ فعل میں داخل ہے، فعل یا شبہ فعل میں داخل نہیں ہے۔ جبکہ صاحبِ جامی نے فرمایا تھا کہ یہ جو ظرف ہوتا ہے یہ مقدر بالفعل ہوتا ہے یا مقدر بشبہ الفعل ہوتا ہے، یعنی ہر «فِي الدَّارِ» یا «عِنْدَكَ» وغیرہ جو ظرفِ مستقر ہوگا وہاں «ثَبَتَ» یا «ثَابِتٌ» مقدر ہوتا ہے، اور «ثَبَتَ» یا «ثَابِتٌ» تو فعل یا شبہ فعل ہے، تو اس تاویل پر صاحبِ جامی نے ظرف کو کس میں داخل کیا تھا؟ فعل یا شبہ فعل میں۔ اب فرق سمجھ میں آیا؟ تو یہ وجہ ہے جمہور کہتے ہیں–جمہور نحوی فرماتے ہیں کہ یہ جو ظرف ہے یہ عاملِ معنوی میں سے ہے–جب عاملِ معنوی میں سے ہے تو پھر یہ جو گذشتہ سبق میں ہم نے پڑھا کہ «وَلَا

تَتَقَدَّمُ عَلَى الْعَامِلِ الْمَعْنَوِيِّ بِخِلَافِ الظَّرْفِ» تو اگر جمہور والا معنیٰ کیا جائے ظرف کا یعنی اس کو عاملِ معنوی میں شمار کیا جائے پھر یہاں صرف وہ دوسری تاویل جاری ہو سکتی ہے، کون سی تاویل؟ وہ جو کہا تھا کہ حال عاملِ معنوی پر مقدم نہیں ہو سکتا «بِخِلَافِ الظَّرْفِ» بخلاف ظرف کے کہ وہ اگرچہ حال کے مشابہ ہے لیکن وہ اپنے عاملِ معنوی پر مقدم ہو سکتا ہے۔ پہلی تاویل یہاں نہیں کر سکتے۔ پہلی تاویل کون سی تھی؟ کہ حال عاملِ معنوی پر مقدم نہیں ہو سکتا «بِخِلَافِ الظَّرْفِ» بخلاف ظرف کے یعنی وہ اگر عامل ہو حال کے اندر تو اس میں اختلاف ہے، اس میں—یہ توجیہ صرف صاحبِ جامی کے قول پر کی جا سکتی ہے، انہوں نے کہا تھا کہ ظرف عاملِ معنوی نہیں عاملِ لفظی ہے، تو یہ توجیہ ٹھیک ہو گئی تھی۔ لیکن اگر جمہور کا قول لیا جائے تو پھر تو معلوم ہوا ماقبل میں بھی عاملِ معنوی کا ذکر اور «بِخِلَافِ الظَّرْفِ» یہاں بھی کس کا ذکر ہے؟ عاملِ معنوی کا، یہ تو دونوں باتوں میں تضاد آ گیا، تناقض آ گیا۔ ماقبل میں کہا کہ عاملِ معنوی پر حال مقدم نہیں ہو سکتا تو اسی کے اندر ظرف بھی داخل تھا، معلوم ہوا ظرف پر بھی حال مقدم نہیں ہو سکتا، اور آگے کہہ رہے ہیں «بِخِلَافِ الظَّرْفِ» بخلاف کس کے؟ ظرف کے، اس سے پتہ چلا اس میں یعنی اختلاف ہے یعنی مقدم ہو سکتا ہے بعض کے نزدیک۔ تو دونوں باتوں میں کیا لازم آئے گا؟ تناقض لازم آئے گا۔ بات سمجھ میں آ گئی؟ تو آپ یوں بھی نہیں کہہ سکتے کہ بھئی عاملِ معنوی کے اندر ظرف داخل تھا پھر «بِخِلَافِ» کے ذریعے اس کو نکال کر اس کا حکم الگ بیان کر دیا گیا۔ وجہ یہ کہ پھر اس صورت میں حرفِ استثنا وغیرہ لایا جاتا ہے: ایک چیز ماقبل میں داخل ہو اور پھر آپ اس کو نکالنا چاہیں تو استثنا وغیرہ کے حروف لائے جاتے ہیں، اور یہ «بِخِلَافِ» یہ تو استثنا کا حرف نہیں ہے بھئی۔ بات سمجھ میں آ گئی؟ پھر تو یوں کہتے کہ «وَلَا تَتَقَدَّمُ عَلَى الْعَامِلِ الْمَعْنَوِيِّ إِلَّا الظَّرْفَ»، تو پھر تو «إِلَّا الظَّرْفَ» جیسی عبارت لانی چاہیے تھی کہ عاملِ معنوی پر مقدم نہیں ہو سکتا، اس میں ظرف بھی داخل تھا پھر «إِلَّا الظَّرْفَ» کہہ کر ظرف کا کیا کر لیا جاتا؟ استثنا کر لیا جاتا۔ تو لہٰذا پہلی تاویل یہاں اگر جمہور کے قول کو لیا جائے، ظرف کو عاملِ معنوی میں داخل کیا جائے، تو پہلی تاویل یہاں نہیں ہو سکتی کیونکہ پھر دونوں باتوں میں تناقض آئے گا۔ ہاں دوسری تاویل دوسرا احتمال جاری ہو سکتا ہے کہ حال کی مشابہت ہے ظرف کے ساتھ تو حال تو اپنے عاملِ معنوی پر مقدم نہیں ہو سکتا لیکن ظرف جو ہے اس کے ساتھ اگرچہ حال کی مشابہت ہے لیکن یہ اپنے عاملِ معنوی پر مقدم ہو سکتا ہے۔ بات سمجھ میں آ گئی؟

اور اس کے بعد پھر صاحبِ کافیہ نے آپ کو یہ بھی بتلایا تھا کہ حال جو ہے وہ ذوالحالِ مجرور پر بھی مقدم نہیں ہو سکتا، اس لیے کیونکہ ذوالحال مجرور دو ہیں: ایک مجرور باضافت اور ایک مجرور بحرفِ جر۔ مجرور باضافت میں تو بالاتفاق ظرف اس پر مقدم نہیں ہو سکتا، وجہ یہ کہ یہ جو ظرف ہے یہ تابع ہے اور فرع ہے ذوالحال کی اور ذوالحال جو ہے وہ جب مضاف الیہ بن رہا ہے تو وہ اپنے مضاف پر مقدم نہیں ہو سکتا، تو اس کا جو تابع ہے یعنی حال وہ مضاف پر بطریقِ اولیٰ مقدم نہیں ہو سکتا۔ اور دوسرا ذوالحال وہ ہے جو مجرور ہو بحرفِ جر، اس کے اندر کہتے ہیں امام سیبویہ اور اکثر بصری علماء جو ہیں ان

کے نزدیک وہ ذوالحال جو مجرور بحرفِ جر ہے اس پر بھی حال کو مقدم نہیں کیا جا سکتا، اور وہی علت ہے یہاں پر بھی کہ یہ ذوالحال جو ہے یہ خود حرفِ جر پر مقدم نہیں ہو سکتا تو اس کا تابع جو ہے وہ بطریقِ اولیٰ حرفِ جر پر مقدم نہیں ہو سکتا۔ لیکن بعض علماء سے نقل کیا گیا ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ اگر ذوالحال مجرور بحرفِ جر ہو تو اس پر حال کو مقدم کرنا جائز ہے، اور وہ استدلال کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کے اس قول سے: ﴿ وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا كَافَّةً لِلنَّاسِ ﴾ ۔ نہایت قوی استدلال ہے کیونکہ اس آیت کے اندر یہ «كَافَّةً» حال واقع ہو رہا ہے «النَّاسِ» سے اور «النَّاسِ» پر لام جارہ داخل ہے، اور پھر بھی اس پر «كَافَّةً» حال کو مقدم کر دیا گیا۔ میں نے بتایا تھا «كَافَّةً» کا معنیٰ ہے «جَمِيعاً» یعنی سب اور یہ ہمیشہ حال واقع ہوتا ہے کلامِ عرب کے اندر، تو یہاں پر بھی یہ حال واقع ہو رہا ہے «النَّاسِ» سے بھئی۔ اور پھر یہ وجہ کیا ہے، پھر فرق کی وجہ کیا ہے یہ جو علماء ہیں جنہوں نے حال کو اس ذوالحال پر مقدم کرنا جائز قرار دیا ہے جو مجرور بحرفِ جر ہو؟ انہوں نے فرق کیوں کیا؟ کیونکہ یہ بھی کہتے ہیں کہ اگر وہ ذوالحالِ مجرور اگر مجرور باضافت ہے تو اس پر مقدم نہیں کر سکتے اور اگر مجرور بحرفِ جر ہے تو اس پر مقدم کر سکتے ہیں، تو پھر دونوں میں فرق کی وجہ کیا ہے؟ تو صاحبِ جامی نے وجہ ذکر کی تھی کہ شاید فرق کی وجہ یہ ہے کہ حرفِ جر جو ہے وہ فعل کو متعدی بناتا ہے جیسے ہمزہ اور تضعیف جو ہیں وہ فعل کو متعدی بنا دیتے ہیں۔ «كَرُمَ» کا معنیٰ خود معزز ہونا، خود معزز ہونا، اور اسی کو بابِ افعال میں لے گئے: «أَكْرَمَ» ایک ہمزہ بڑھا دیا، یا «كَرَّمَ» بابِ تفعیل کے اندر لے گئے یعنی ایک را کا اضافہ کر دیا یعنی تضعیف کر دی— تضعیف کا معنیٰ ایک چیز کو دگنا کرنا، بات سمجھ میں آ گئی؟— تو یہاں دیکھو «كَرَّمَ» میں لے گئے، وہی «كَرُمَ» کے اندر ایک را تھی «كَرَّمَ» میں دو را کر دیں۔ تو دیکھو جیسے کسی فعل کو متعدی بنانا ہو تو اس کو بابِ افعال یا بابِ تفعیل میں لے جاتے ہیں اور وہاں ہمزہ اور تضعیف کی وجہ سے وہ فعل متعدی ہو جاتا ہے، اور وہ ہمزہ اور تضعیف فعل کا جز ہوتے ہیں۔ اسی طرح حرفِ جر کے ذریعے بھی کسی فعل کو متعدی بنایا جاتا ہے تو یہ بھی فعل کے جز کی طرح ہی ہے، یہ حرفِ جر بھی جیسے وہ ہمزہ— جیسے وہ ہمزہ جو کس میں آئی تھی؟ بابِ افعال میں، جیسے وہ تضعیف کس کے اندر آئی تھی؟ بابِ تفعیل میں— جیسے وہ ہمزہ اور تضعیف کی وجہ سے فعل متعدی بنا تھا اور وہ ہمزہ فعل کا جز تھا: «أَكْرَمَ» یہ ہمزہ فعل کا جز ہے، «كَرَّمَ» یہ را دوسری جس کا اضافہ کیا یہ بھی کیا ہے فعل کا جز۔ تو جیسے ہمزہ اور تضعیف جو ہیں وہ فعل کے جز ہوتے ہیں، ان کے ذریعے فعل کو متعدی بناتے ہیں اور وہ فعل کا جز ہوتے ہیں، اسی طرح یہ حرفِ جر کے ذریعے بھی فعل کو متعدی بنایا جاتا ہے تو یہ بھی فعل کے جز کی طرح ہوا۔ اور یہ جو مجرور ہوتا ہے بحرفِ جر یہ حقیقت میں منصوب ہے کیونکہ یہ مفعول بہ غیر صریح ہے، تو اس حرفِ جر پر اگر حال کو مقدم بھی کر دیا جائے تو یہ اسی طرح ہے جیسے کسی منصوب پر حال کو مقدم کیا گیا ہے یعنی مفعول بہ پر، اور مفعول بہ پر تو حال کو مقدم کرنا بالاتفاق جائز ہے، تو لہٰذا یہ بھی اسی کی طرح ہے تو یہ بھی جائز ہے۔ بات سمجھ میں آ گئی؟

جبکہ بعضوں نے پھر جواب دیے تھے اس استدلال کے، اور کہا انہوں نے کہ یہ «كَافَّةً» کو «لِلنَّاسِ» سے حال نہ بنائیں

بلکہ «كَافَّةً» کو «وَمَا أَرْسَلْنَاكَ» اس کاف سے اس کو حال بنائیں، اس کاف سے، اور اس کو «كَفَّ يَكُفُّ» فعل سے—«كَفَّ يَكُفُّ» فعل سے یہ اسمِ فاعل ہے، تو «كَافَّة» کا معنیٰ ہوا روکنے والا، روکنے والا۔ تو یہ حضور علیہ السلام کو اللہ خطاب فرما رہے ہیں: «وَمَا أَرْسَلْنَاكَ» اور اے پیغمبر ہم نے آپ کو نہیں بھیجا «إِلَّا كَافَّةً لِلنَّاسِ» مگر یہ کہ آپ روکنے والے ہیں لوگوں کو یعنی شرک اور گناہوں سے اور معاصی سے۔ تو پھر اس پر اشکال ہوتا ہے کہ اگر یہ کاف ضمیر سے حال ہے تو کاف ضمیر تو مذکر کی ہے اور «كَافَّةً» کے ساتھ—یہ آپ نے بتایا اسمِ فاعل ہے اور اسمِ فاعل کے ساتھ تو جو تا آتی ہے وہ تانیث والی ہوتی ہے جیسے «ضَارِبٌ» اور «ضَارِبَةٌ»—تو پھر یہ تا کہاں سے آگئی؟ تو وہ جواب دیتے ہیں کہ یہ تا مبالغے کے لیے ہے، یہ تا مبالغے کے لیے ہے جیسے «عَلَّامَةٌ» کے اندر یہ تا مبالغے کے لیے ہے تانیث کے لیے نہیں ہے بھئی۔ «عَلَّامَةٌ» یہ مردوں کے لیے عام استعمال ہوتا ہے یہ لفظ بھئی، تو اگر یہ تانیث...

...والی ہوتی تو «عَلَّامَةٌ» کا اطلاق مردوں پر کیسے ہو سکتا تھا؟ تو بعضوں نے یہ جواب دیا۔ اور بعضوں نے کہا کہ یہ «كَافَّةً» مفعولِ مطلق ہے اور اس کا موصوف جو ہے وہ محذوف ہے جو «رِسَالَةً» ہے، تو پیچھے بھی «أَرْسَلْنَا» کا فعل ذکر اور آگے بھی «رِسَالَةً كَافَّةً» آیا تو یہ مفعولِ مطلق ہے، یعنی یہ «كَافَّةً» اس «رِسَالَةً» کی صفت ہے، تو یہ خود تو مفعولِ مطلق نہیں یہ مفعولِ مطلق کی صفت ہے، یا یوں کہو کہ یہ «كَافَّةً» مفعولِ مطلق ہے باعتبار اپنے موصوفِ محذوف کے۔ تو معنیٰ کیا ہوا؟ «وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رِسَالَةً كَافَّةً لِلنَّاسِ» اور اے پیغمبر ہم نے آپ کو نہیں بھیجا مگر ایسی رسالت کے ساتھ کہ جو لوگوں کو روکنے والی ہے منع کرنے والی ہے بھئی۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو گویا مبالغہ کرتے ہوئے اس رسالت کو ہی کافہ قرار دے دیا گیا، مبالغہ کرتے ہوئے کہ وہ رسالت ہی جو ہم نے آپ کو دی ہے وہ ایسی ہے کہ لوگوں کو گناہوں سے روکنے والی ہے۔ اور جبکہ بعضوں نے کہا کہ «كَافَّةً» کے لیے «رِسَالَةً» موصوفِ محذوف نکالنے کی کوئی حاجت نہیں، اسی کو براہِ راست مفعولِ مطلق بنا دیں یعنی یہ خود ہی مصدر ہے اور یہ «كَاذِبَةٌ»، «عَافِيَةٌ» کے وزن پر ہے، معلوم ہوا اس وزن پر مصدر آتے ہیں، تو «كَافَّةٌ» کو بھی کیا قرار دے دیا جائے؟ اس کو بھی مصدر قرار دیا جائے تو یہ خود ہی براہِ راست مفعولِ مطلق بن جائے گا۔ اور پھر اس کے لیے فعل محذوف نکال لیں گے أَيْ تَكُفُّ كَافَّةً، آپ منع کرتے ہیں «تَكُفُّ كَافَّةً» آپ لوگوں کو منع کرتے ہیں ہر طرح کے گناہوں سے۔ لیکن صاحبِ جامی نے فرمایا تھا: «وَالْكُلُّ تَكَلُّفٌ وَتَعَسُّفٌ» کہ ان سب میں تکلف اور تعسف ہے۔ تکلف اور تعسف کا ایک معنیٰ، یہ عطفِ تفسیری ہے بھئی۔ تکلف کہتے ہیں کہ زور لگا کر بات بنانا، بات بن نہ رہی ہو لیکن بات بنانا، تو ان سب جوابوں میں اسی طرح ہے یعنی الفاظ کی اس معنیٰ پر دلالت واضح نہیں جو آپ جوابات دے رہے ہیں۔ اور سب میں تکلف کس طرح ہے؟ پہلے جواب والوں نے کیا کہا تھا؟ یہ تا مبالغے والی ہے، اس میں بھی تکلف ہے، مبالغے کی تا جو ہے اسمِ فاعل کے صیغے میں نہیں آتی بھئی، وہ تو مبالغے کے صیغوں کے اندر عموماً وہ تا مبالغے والی آتی ہے۔ اور دوسروں نے جو جواب دیا تھا کہ یہ مفعولِ مطلق ہے باعتبار موصوفِ محذوف کے، ان کو بھی تکلف سے کام لینا پڑا یعنی مفعولِ مطلق محذوف نکالنا پڑا بھئی۔ اور تیسروں نے کہا تھا کہ یہی مصدر ہے، یہ خود ہی مصدر ہے «كَاذِبَةٌ» اور

«عَافِيَةٌ» کے وزن پر، اس میں بھی تکلف ہے اس لیے کیونکہ وہ لغت کے اندر یعنی زبان کے اندر قیاس کر رہے ہیں اور لغت کے اندر قیاس جاری نہیں ہوتا، قیاس تو مسائل میں ہوتا ہے، ایک مسئلہ قرآن و حدیث سے نہیں مل رہا تو اس جیسے مسئلے پر اس کو قیاس کر کے اس کا حکم معلوم کر لیا جاتا ہے، جبکہ عربی لغت میں ایک لفظ کا آپ کہیں یہ معنیٰ ہے کیونکہ اس جیسے لفظ کا یہ معنیٰ ہوتا ہے یہ تو آپ لغت میں قیاس کر رہے ہیں، لغت میں قیاس جاری نہیں ہوتا، لغت میں سماع ضروری ہے۔ ہاں آپ ہمیں کوئی ایسی جگہ کوئی ایسا شعر بتلاتے جو متقدمین شعراء تھے، فصیح شعراء تھے عرب کے، ان کے کلام میں ہمیں کہیں یہ «كَافَّةٌ» کا لفظ بطور مصدر کے استعمال ہوا ہو وہ دکھاتے تو پھر آپ کی دلیل ٹھیک تھی، تو یہاں قیاس کے ذریعے آپ اس کو مصدر ثابت نہیں کر سکتے۔ تو ان سب میں تکلف ہے۔ معلوم ہوا وہ جنہوں نے استدلال کیا تھا ﴿ وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا كَافَّةً لِلنَّاسِ ﴾ کہ «لِلنَّاسِ» پر «كَافَّةً» حال کو مقدم کیا گیا ہے اگرچہ «لِلنَّاسِ» جو ہے مجرور ہے بحرفِ جر، تو ان کا استدلال نہایت قوی ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟

جی، اب آئیے آگے آج کے سبق پر۔ کہتے ہیں: وَكُلُّ مَا دَلَّ عَلَى هَيْئَةٍ أَيْ صِفَةٍ سَوَاءٌ كَانَ الدَّالُّ مُشْتَقًّا أَوْ جَامِداً صَحَّ أَنْ يَقَعَ حَالاً۔ بھئی متن متن پہلے دیکھ لیجیے۔ کہتے ہیں: «وَكُلُّ مَا دَلَّ عَلَى هَيْئَةٍ صَحَّ أَنْ يَقَعَ حَالاً مِثْلُ هٰذَا بُسْراً أَطْيَبُ مِنْهُ رُطَباً»۔ یہاں سے صاحبِ کافیہ جمہور نحویوں سے اختلاف کر رہے ہیں۔ توجہ ہے؟ جمہور نحوی فرماتے ہیں کہ حال کا مشتق ہونا ضروری ہے۔ حال کوئی مشتق کا صیغہ ہونا چاہیے، یعنی اسمِ فاعل، اسمِ مفعول، صفتِ مشبہ وغیرہ۔ حال کیا ہونا چاہیے؟ مشتق کا صیغہ ہونا چاہیے جو مصدر سے بنا ہو۔ چنانچہ جہاں کہیں حال کوئی ایسا صیغہ آجائے جو مشتق نہیں ہے بلکہ اسمِ جامد ہے—اسمِ جامد آپ جانتے ہیں کہ جو نہ خود کسی سے بنا ہو اور نہ آگے کوئی اور لفظ اس سے بنے وہ ہے اسمِ جامد—چنانچہ بعض جگہ حال ایسا لفظ آتا ہے جو اسمِ جامد ہوتا ہے۔ تو وہاں پر پھر جمہور کو تاویل کرنا پڑتی ہے، جمہور کو—کیونکہ جمہور کا ضابطہ یہ ہے کہ حال جو ہے وہ مشتق کا صیغہ ہونا چاہیے۔ صاحبِ کافیہ ان جمہور سے اختلاف کر رہے ہیں اور فرماتے ہیں کہ نہیں، حال کے لیے مشتق کا صیغہ ہونا ضروری نہیں، ہر وہ لفظ جو کسی حالت پر، جو کسی صفت پر دلالت کرے اس کا حال بننا صحیح ہے۔ جب وہ کسی حالت اور صفت پر دلالت کر رہا ہے، تو حال—حال کا بھی یہی مقصد ہوتا ہے، وہ بھی کسی کی حالت اور صفت بیان کرتا ہے: «جَاءَنِي زَيْدٌ رَاكِباً» میرے پاس زید سوار ہو کر آیا، یہ «رَاكِباً» حال ہے، دیکھو یہ «رَاكِباً» کس کی حالت بیان کر رہا ہے؟ زید کی حالت بیان کر رہا ہے۔ تو جیسے حال حالت بیان کرتا ہے، تو اسی طرح کوئی بھی اسمِ جامد ہی کیوں نہ ہو وہ جب کسی چیز کی حالت بیان کر رہا ہو تو اس کا حال بننا صحیح ہے، اس میں کوئی تاویل کر کے اس کو مشتق بنانے کی ضرورت نہیں۔ جمہور تو کیا کرتے ہیں؟ اگر اسمِ جامد آجائے تو اس کو تاویل کر کے اس کو مشتق کی تاویل میں کر لیتے ہیں، لیکن صاحبِ کافیہ فرماتے ہیں کوئی تاویل کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

تو کہتے ہیں: وَكُلُّ مَا دَلَّ عَلَى هَيْئَةٍ صَحَّ أَنْ يَقَعَ حَالاً، اور ہر وہ لفظ جو دلالت کرے کسی ہیئت پر، کسی صفت پر، صحیح

ہے اس کا حال واقع ہونا، مِثْلُ مثال کے طور پر «هٰذَا بُسْراً أَطْيَبُ مِنْهُ رُطَباً»۔ بھئی کل بھی میں نے کچھ تشریح کی تھی اس کی، پھر دوبارہ سن لیں: «بُسْر» یہ نیم پختہ کھجور کو کہتے ہیں، اور «رُطَب» جو پوری پک گئی ہو یعنی پختہ کھجور ہے، یوں کہیں تازہ پختہ کھجور اس کو کیا کہتے ہیں؟ رطب۔ تفصیل سمجھ لیں: جیسے ہر پھل ابتدا میں چھوٹا ہوتا ہے، پھر آہستہ بڑھتے بڑھتے اپنی مقدار کو پہنچتا ہے، اور پھر اس کے بعد وہ پکنا شروع ہو جاتا ہے۔ اسی طرح کھجور بھی بڑھتے بڑھتے جب اپنی مقدار کو پہنچ جاتی ہے، اس کے بعد پھر اس میں مٹھاس آنے لگتی ہے، پہلے اس کا رنگ بدلتا ہے: زرد رنگ کی ہو جاتی ہے یا سرخ رنگ کی۔ اب اس میں مٹھاس آگئی، لیکن ابھی بھی پوری طرح مٹھاس تو نہیں آئی لیکن اچھی خاصی مٹھاس آجاتی ہے اور ابھی بھی وہ سخت ہے بھئی۔ اور اس کو سرائیکی وغیرہ بعض زبانوں میں یا پشتو میں بھی اسی طرح اس کو «ڈوکا» کہتے ہیں، ڈوکا۔ اردو میں اس کا کوئی نام نہیں۔ کھجور کا پھل بڑا ہو گیا ہے، اپنی مقدار کو پہنچ گیا جتنا بڑا اس نے ہونا تھا، اور پھر اس کے بعد اس کا رنگ زرد ہو گیا ہے یا سرخ ہو گیا ہے، اس میں مٹھاس آگئی ہے لیکن ہے ابھی بھی سخت بھئی، تو اس کو کیا کہتے ہیں؟ ڈوکا۔ پھر اس کے بعد یہ پکنا شروع ہوتی ہے، یوں سمجھیں اس کے کسی حصے پہ جیسے داغ پڑ جاتا ہے، داغ پڑ جاتا ہے یعنی وہاں سے نرم ہونا شروع ہوتی ہے، کبھی ایک حصے پر کبھی دو حصوں پر وہ داغ سا پڑتا ہے اور وہ نرم ہونا—اور پھر وہ پھیلتا چلا جاتا ہے اور پھر دو چار دن میں پوری کھجور نرم ہو جاتی ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو یہ جو داغ پڑ گیا، کچھ حصہ نرم ہونا شروع ہو گیا، ابھی پوری کھجور نرم نہیں ہوئی، تو یہ ہے نیم پختہ کھجور، نیم پختہ کھجور۔ اور پھر ہوتے ہوتے پوری کھجور نرم ہو جاتی ہے، یہ ہے تازہ پختہ کھجور۔ یہ جو پوری نرم ہو گئی، تازہ پختہ کھجور، اس کو کہتے ہیں «رُطَب» بھئی: را ہے، طا ہے، طا ظا، اور با ہے، «رُطَب» بھئی، طا پر فتحہ ہے۔ یہ تازہ پکی ہوئی کھجور ہے۔ اور اس سے ماقبل والی جو حالت تھی نیم پختہ، بعض کہتے ہیں اس کو کہتے ہیں «بُسْرٌ»: کچھ حصہ نرم ہو چکا، کچھ حصہ ابھی نرم نہیں ہوا بھئی۔ اور جبکہ بعض نے لکھا ہے کہ جب کھجور کا بس رنگ بدل جائے یعنی وہ زرد یا سرخ ہو گئی ابھی نرم نہیں ہوئی ذرا بھی، لیکن چونکہ زرد یا سرخ ہو گئی ہے اور اس میں مٹھاس آچکی ہے تو اس کو «بُسْر» کہتے ہیں۔ تو بعضوں نے کہا بُسر وہ حالت ہے جب ابھی نرم نہیں ہوئی، اور بعضوں نے کہا کہ کچھ نرم ہو چکی ہے وہ ہے بُسر بھئی، اور رُطب کس کو کہتے ہیں؟ جب پوری نرم ہو چکی ہے۔ اور تمر؟ تمر یاد رکھو یہ جو کھجور کو جب درخت سے اتارا جاتا ہے تو یہ اس میں رس زیادہ ہوتا ہے، چنانچہ پھر اس کو اگر آپ نے لمبے عرصے کے لیے محفوظ کرنا ہے تو پھر اس کو کچھ دھوپ لگوائی جاتی ہے، دھوپ میں ان کو پھیلا کر رکھ دیا جاتا ہے، اور پھر کچھ جو زائد اس میں رس اور پانی ہوتا ہے وہ خشک ہو جاتا ہے۔ یہ جو بازار میں آپ کھجور خریدتے ہیں ان کو بھی دھوپ لگوا کر کچھ خشک کیا جاتا ہے تھوڑا سا، کیونکہ اگر درخت سے اتاریں گے اس میں رس بہت زیادہ ہوتا ہے تو اس کو آپ بند کریں

گے تو وہ تو ایک دو دن میں اس میں بدبو پیدا ہو جائے گی، رس زیادہ ہونے کی وجہ سے بدبو پیدا ہو جائے گی، خراب ہو جائے گی۔ تو یہ جو بھی کھجور بازار میں لائی جاتی ہے بیچنے کے لیے اس کو تھوڑا سا خشک کرتے ہیں، تو قدیم زمانہ تو یہی تھا دھوپ میں رکھتے تھے اب ہو سکتا ہے اور بھی طریقے ہوں بھئی، بات سمجھ میں آ رہی ہے؟ تو بہرحال زائد رس کو خشک کیا جاتا ہے، اگر وہ خشک نہیں کریں گے تو کھجور خراب ہو جائے گی۔ تو یہ جو زائد رس کچھ خشک کر لیا اس کو پھر کہتے ہیں «تَمْر»۔ تفصیل سمجھ میں آ گئی؟ بُسر کسے کہتے ہیں؟ وہ جو رنگ زرد ہو گیا یا سرخ ہو گیا لیکن ابھی سخت ہے، بعضوں نے یہ لکھا، اور بعضوں نے کہا جب کچھ نرم ہو چکی ہے کچھ حصہ نرم ہوا ہے کچھ حصہ ابھی نرم نہیں یعنی نیم پختہ جو ہے وہ ہے بُسر۔ اور رُطب کسے کہتے ہیں؟ وہ جو تازہ پک گئی، پوری کھجور نرم ہو گئی، پوری مٹھاس اس میں آ گئی، تازہ ہے بالکل وہ ہے رُطب۔ اور پھر درخت سے اتار کر جب اس کو تھوڑا سا خشک بھی کر لیا تو اب اس کو «تَمْرٌ» کہتے ہیں۔ تو چنانچہ بعض نے پھر تمر کا معنیٰ چھوارے کے کیا ہے، چھوارا۔ لیکن نہیں، تمر کا معنیٰ چھوارا نہیں۔ غلط فہمی شاید اس وجہ سے ہوئی کہ میں نے بتایا تمر کو کچھ وقت دھوپ میں خشک کرتے ہیں، تو انہوں نے پھر کیا سمجھا؟ شاید اس سے کیا مراد ہے؟ چھوارا۔ حالانکہ مجھے بتائیے عربی زبان میں چھوارے کو تمر کہتے ہیں یا ہر کھجور جو ملتی ہے اس کو تمر کہتے ہیں؟ ہر کھجور عام مل رہی ہوتی ہے اس کو وہ تمر کہتے ہیں، تو وہ وہی کھجور ہے جو عام ملتی ہے اور اس کو کچھ نہ کچھ دھوپ میں خشک کیا گیا ہوتا ہے۔ تفصیل سمجھ میں آ گئی؟

اب دیکھو ایک شخص دوسرے شخص کو بتلانا چاہتا ہے کسی ایک کھجور کے بارے میں، مثلاً اس کے باغ میں کوئی درخت لگا ہے اس کی کھجوروں کے بارے میں وہ بتلانا چاہتا ہے۔ ہوتا تو عموماً یہ ہے کہ جب کھجور رُطب بن گئی ہے، تازہ پوری طرح پک گئی ہے، تازہ پختہ کھجور، وہ زیادہ میٹھی ہوتی ہے کس کے مقابلے میں؟ بُسر کے مقابلے میں جو جس میں ابھی پوری طرح پختہ نہیں ہوئی۔ لیکن وہ کسی کو بتلاتا ہے کہ یہ جو کھجور ہے یہ بُسر کی حالت میں زیادہ اچھی اور زیادہ میٹھی ہوتی ہے کس کے مقابلے میں؟ رُطب کے مقابلے میں، حالانکہ ہوتا تو عموماً کیا ہے؟ رُطب کی حالت میں کھجور زیادہ میٹھی ہوتی ہے، لیکن وہ اس کو بتاتا ہے کہ یہ والی کھجور اس کی ایک حالت ہے بُسر والی اور اسی کھجور کی ایک حالت ہے رُطب والی—تو یہ دونوں حالتیں ایک ہی کھجور کی ذکر ہو رہی ہیں، اسی کھجور کی ایک حالت کون سی ہے؟ بُسر والی، اور اسی کھجور کی ایک حالت کون سی ہے؟ رُطب والی—تو یہ کھجور جو ہے بُسر والی حالت میں زیادہ اچھی ہوتی ہے اسی کھجور کے مقابلے میں جب یہ رُطب کی حالت میں ہو۔ معلوم ہوا بُسر اور رُطب یہ ایک ہی کھجور کے دو مختلف احوال ذکر ہو رہے ہیں۔ انہی میں سے ایک کو مفضَّل بنایا گیا دوسرے کو مفضَّل علیہ۔ مفضَّل میں نے بتایا اس کو کہتے ہیں جس کو دوسرے پر فضیلت دی گئی ہے۔ دیکھو اسمِ تفضیل استعمال کیا جاتا ہے ایک چیز کو دوسری چیز پر فضیلت دینے کے لیے۔ میں کہتا ہوں «زَيْدٌ أَضْرَبُ مِنْ عَمْرٍو» زید

زیادہ پٹائی کرنے والا ہے عمرو کے مقابلے میں، تو میں نے کس کو فضیلت دی؟ زید کو، تو زید ہوا مفضَّل یعنی جس کو فضیلت دی گئی ہے، جس کو زیادہ بتلایا گیا ہے، اور کس کے مقابلے میں؟ عمرو کے مقابلے میں، تو عمرو ہوا مفضَّل علیہ بھئی یعنی جس پر فضیلت دی گئی ہے۔ تو یہاں پر بھی «أَطْيَبُ»، «أَطْيَبُ» اسمِ تفضیل ہے، «أَطْيَبُ» کا کیا معنیٰ؟ زیادہ اچھا، زیادہ اچھا۔ تو اسی کھجور کی ایک حالت کون سی ہوئی؟ بُسر والی، وہ ہے مفضَّل۔ اور دوسری حالت رُطب والی ہے اور وہ ہے مفضَّل علیہ بھئی۔ دیکھیے بھئی عبارت۔ کہتے ہیں: مِثْلُ مثال کے طور پر «هٰذَا بُسْراً» یہ کھجور بُسر ہونے کی حالت میں «أَطْيَبُ» یہ زیادہ اچھی ہے «مِنْهُ» اسی کھجور کے مقابلے میں—«مِنْهُ» کی «هَاء» ضمیر اسی «هٰذَا» کو راجع ہے، یہ کھجور بُسر ہونے کی حالت میں یہ زیادہ اچھی ہے «مِنْهُ» اسی کھجور کے مقابلے میں—«رُطَباً» اس حال میں کہ یہ رُطب ہو۔ کلام کا معنیٰ اچھی طرح سمجھ میں آگیا؟

تو بات چل رہی تھی: جمہور فرماتے ہیں کہ حال کا مشتق ہونا ضروری ہے، اسمِ جامد حال نہیں بن سکتا، تو کہیں اسمِ جامد حال آجائے تو وہ اس کو مشتق کی تاویل میں کر لیتے ہیں۔ جیسے یہاں پر یہ «بُسْراً» یہ بُسر جو ہے اسمِ جامد ہے، اور اسی طرح «رُطَب» یہ بھی اسمِ جامد، اور یہ دونوں حال واقع ہو رہے ہیں۔ تو جمہور فرماتے ہیں کہ یہ بُسر بمعنیٰ «مُبْسِر» کے ہے، اسمِ فاعل، اسمِ فاعل مشتق ہوتا ہے، تو بُسر کس معنیٰ میں؟ «مُبْسِر» یعنی نیم پختہ بھئی، تو بُسر کس معنیٰ میں؟ «مُبْسِر» اسمِ فاعل کے معنیٰ میں، اور رُطب بمعنیٰ «مُرْطِب» کے ہے اسمِ فاعل کے بھئی۔ تو دیکھو اسمِ جامد حال واقع ہوا تو جمہور محتاج ہوئے کہ اس کی تاویل کس کے ساتھ کریں؟ مشتق کے ساتھ کریں۔ تو بُسر کی تاویل کس کے ساتھ کی؟...

مُبْسِر، معنیٰ وہی ہے، معنیٰ وہی ہے۔ اور رُطب کی تاویل کس کے ساتھ کی؟ مُرْطِب بھئی۔ لیکن صاحبِ کافیہ فرماتے ہیں نہیں، کوئی تاویل کرنے کی ضرورت نہیں۔ ہر وہ لفظ جو کسی ہیئت کسی صفت پر دلالت کر رہا ہو وہ حال واقع ہو سکتا ہے۔ بُسر ایک خاص حالت پر دلالت کر رہی ہے، اسمِ جامد ہے لیکن یہ حال بن سکتا ہے، کوئی تاویل کرنے کی ضرورت نہیں۔ اور اسی طرح رُطب بھی جو ہے کھجور کی ایک حالت پر دلالت کر رہا ہے، لہٰذا کوئی تاویل کرنے کی ضرورت نہیں، یہ خود ہی حال ہے اسی طرح بھئی۔ اختلاف سمجھ میں آگیا؟

دیکھیے بھئی اب اس سارے کو شرح کے ساتھ۔ کہتے ہیں: وَكُلُّ مَا دَلَّ عَلَى هَيْئَةٍ أَيْ صِفَةٍ، اور ہر وہ چیز جو دلالت کرے کسی ہیئت یعنی کسی صفت پر، سَوَاءٌ كَانَ الدَّالُّ مُشْتَقًّا أَوْ جَامِداً برابر ہے کہ وہ دلالت کرنے والا لفظ جو ہے مُشْتَقًّا أَوْ جَامِداً وہ مشتق ہو یا جامد ہو، صَحَّ أَنْ يَقَعَ حَالاً صحیح ہے اس کا حال واقع ہونا۔ «حَالاً» یہ لام کو مشدد نہ پڑھنا بھئی، حال میں لام مشدد نہیں ہے بھئی۔ تو صَحَّ أَنْ يَقَعَ حَالاً صحیح ہے اس کا حال واقع ہونا، مِنْ غَيْرِ أَنْ يُؤَوَّلَ الْجَامِدُ بِالْمُشْتَقِّ بغیر اس کے کہ تاویل کی جائے اس اسمِ جامد کی مشتق کے ساتھ، لِأَنَّ الْمَقْصُودَ مِنَ الْحَالِ بَيَانُ الْهَيْئَةِ اس لیے کیونکہ حال سے جو مقصود

ہوتا ہے وہ ہیئت یعنی صفت کو بیان کرنا ہوتا ہے، وَهُوَ حَاصِلٌ بِهِ اور وہ اس جامد کے ذریعے حاصل ہو رہی ہے۔ وَهٰذَا رَدٌّ عَلَى جُمْهُورِ النُّحَاةِ، اور یہ رد ہے جمہور نحویوں پر حَيْثُ شَرَطُوا اشْتِقَاقَ الْحَالِ اس حیثیت سے کہ انہوں نے شرط لگائی ہے حال کے مشتق ہونے کی، وَتَكَلَّفُوا فِي تَأْوِيلِ الْجَوَامِدِ بِالْمُشْتَقِّ اور انہوں نے تکلف کیا کہ جَوامِد جو ہیں—جوامد جمع ہے جامد کی—وَتَكَلَّفُوا فِي تَأْوِيلِ الْجَوَامِدِ بِالْمُشْتَقِّ اور انہوں نے تکلف کیا اسمائے جامدہ کی تاویل مشتق کے ساتھ کرنے میں۔ وَمَعَ هٰذَا، اور باوجود اس کے فَلَا شَكَّ اس بات میں کوئی شک نہیں کہ أَنَّ الْأَغْلَبَ فِي الْحَالِ الِاشْتِقَاقُ کہ زیادہ غالب حال کے اندر اشتقاق ہے۔ میں نے بتایا غالب یہی ہے حال کیا آئے گا؟ مشتق ہی آتا ہے، ہاں کبھی کبھار جامد بھی آجاتا ہے تو پھر جمہور اس کی تاویل کرتے ہیں، صاحبِ کافیہ فرماتے ہیں کوئی تاویل کی ضرورت نہیں ہے۔

مِثْلُ، مثال کے طور پر: بُسْراً وَرُطَباً فِي قَوْلِهِمْ، جیسے کہ «بُسْراً» اور «رُطَباً» کا لفظ ہے فِي قَوْلِهِمْ عربوں کے اس قول میں: «هٰذَا بُسْراً» وَهُوَ مَا بَقِيَ فِيهِ حُمُوضَةٌ. بُسر، بُسر کسے کہتے ہیں؟ وَهُوَ مَا بَقِيَ فِيهِ حُمُوضَةٌ وہ کھجور کہ جس کے اندر کچھ کھٹاس باقی ہو۔ حموضت کہتے ہیں ترشی، کھٹا ہونا، تو کچھ کھٹاس اور ترشی اس میں باقی ہو۔ تو یاد رکھو یہ جو زرد رنگ یا پیلے رنگ کی کھجور ہو جائے تو اس میں کھٹاس کوئی ایسی نہیں ہوتی کہ پتہ چلے، لیکن وہ ایک بالکل نرم ہونے والی حالت ہے جب بالکل نرم ہو گئی تازہ کھجور بن گئی، اور ایک ابھی سخت ہے تو بہرحال کچھ مٹھاس تھوڑی سی اس—جب نرم ہو جائے اس وقت مٹھاس زیادہ ہوتی ہے بنسبت اس حالت کے جس میں ابھی وہ نرم نہیں ہوئی بھئی، تو اسی کو حموضت سے تعبیر کر دیا، یہ نہیں کہ اس میں واقعی ترشی کھاتے ہوئے محسوس ہوگی، کھٹاس محسوس ہوگی، ایسا نہیں ہوتا بھئی، ہاں یوں کہہ لو ایک نوع کی کھٹاس ہے، بات سمجھ میں آگئی؟ تو کوئی ایسی خاص اس میں کھٹاس ہوتی نہیں ہے، لیکن بہرحال مٹھاس جو ہے وہ تو رُطب میں زیادہ ہوتی ہے عام طور پر۔ تو کہتے ہیں وہ بُسر کی تفسیر کر رہے ہیں: وَهُوَ مَا بَقِيَ فِيهِ حُمُوضَةٌ بُسر وہ کھجور ہے کہ جس کے اندر کچھ کھٹاس باقی ہو۔ أَطْيَبُ مِنْهُ، تو یہ جو کھجور ہے بُسر ہونے کی حالت میں یہ زیادہ اچھی ہے مِنْهُ اسی کھجور سے—مِنْهُ کی ہَاء ضمیر بھی هٰذَا کو راجع ہے، تو یہ کھجور زیادہ اچھی ہے مِنْهُ اسی کھجور سے—رُطَباً رُطب ہونے کی حالت میں۔ اور رُطب کسے کہتے ہیں؟ کہتے ہیں: وَهُوَ مَا فِيهِ حَلَاوَةٌ صِرْفَةٌ وہ کھجور ہے کہ جس کے اندر صرف مٹھاس ہو یعنی کسی قسم کی کھٹاس نہ ہو۔

فَهُمَا مَعَ كَوْنِهِمَا جَامِدَيْنِ حَالَانِ، پس کہتے ہیں یہ دونوں باوجود جامد ہونے کے—یہ بُسر اور رُطب، یہ دونوں باوجود جامد ہونے کے—حَالَانِ یہ دونوں حال ہیں، لِدَلَالَتِهِمَا عَلَى صِفَةِ الْبُسْرِيَّةِ وَالرُّطَبِيَّةِ اس وجہ سے کہ یہ دلالت کر رہے ہیں بُسر ہونے اور رُطب ہونے کی صفت پر۔ میں نے بتایا تھا کسی لفظ سے مصدر بناتے ہیں اس کے آخر میں یائے مشدد اور گول تا جوڑ کر، تو بُسریّت کا کیا معنیٰ؟ بُسر ہونا، رُطبیّت کا کیا معنیٰ؟ رُطب ہونا۔ کہتے ہیں لِدَلَالَتِهِمَا عَلَى صِفَةِ الْبُسْرِيَّةِ وَالرُّطَبِيَّةِ اس وجہ سے کہ یہ دونوں لفظ جو ہیں دلالت کرتے ہیں بُسر ہونے اور رُطب ہونے کی صفت پر۔ وَلَا حَاجَةَ إِلَى أَنْ يُؤَوَّلَ الْبُسْرُ

بِالْمُبْسِرِ وَالرُّطَبُ بِالْمُرْطِبِ، اور کوئی حاجت نہیں ہے کہ تاویل کی جائے بُسر کی مُبْسِر کے ساتھ اور رُطب کی مُرْطِب کے ساتھ، کوئی حاجت نہیں اس تاویل کی۔ مِنْ أَبْسَرَ النَّخْلُ، یہ کس سے اخذ کرتے ہوئے؟ مُبْسِر اور مُرْطِب؟ مِنْ أَبْسَرَ النَّخْلُ، «أَبْسَرَ النَّخْلُ» سے اخذ کرتے ہوئے۔ مِنْ أَبْسَرَ النَّخْلُ إِذَا صَارَ مَا عَلَيْهِ بُسْراً، یہ «أَبْسَرَ النَّخْلُ» سے اخذ کرتے ہوئے۔ «أَبْسَرَ النَّخْلُ» کہتے ہیں: إِذَا صَارَ جب ہو جائے مَا عَلَيْهِ وہ پھل جو کھجور کے درخت پر ہے بُسْراً بُسر۔ بھئی «أَبْسَرَ النَّخْلُ» توجہ سے سنو، عربی میں کہتے ہیں «أَبْسَرَ النَّخْلُ» جب کھجور کے درخت پر جو پھل لگا ہوا ہے جب وہ بُسر بن جائے تو کہتے ہیں «أَبْسَرَ النَّخْلُ»، یہ کھجور کیا ہے؟ مُبْسِر ہے، یہ کھجور کیا ہے؟ مُبْسِر ہے۔ تو مُبْسِر حقیقت میں اس کھجور کے درخت کی صفت ہے۔ مُبْسِر کا کیا معنیٰ؟ بُسر والی، بُسر والی۔ اسی طرح جب کھجور کے درخت پر جو پھل ہے وہ رُطب بن جائے تو پھر کہتے ہیں «أَرْطَبَ النَّخْلُ»، وہ کھجور رُطب والی ہو گئی یعنی مُرْطِب ہو گئی۔ تو مُبْسِر کا کیا معنیٰ؟ بُسر والی، اور مُرْطِب کا کیا معنیٰ؟ رُطب والی۔ تو یہ دراصل دونوں صفات ہیں کھجور کے درخت کی، توجہ ہے؟ لیکن یہاں کیا کہا؟ یہ بُسر بمعنیٰ مُبْسِر کے ہے اور یہ رُطب بمعنیٰ مُرْطِب کے ہے، اور یہ بُسر اور رُطب یہاں کس کا حال بیان کر رہے ہیں؟ یہ تو کھجور کا حال بیان کر رہے ہیں! انہوں نے کہا نا «هٰذَا بُسْراً» کس معنیٰ میں ہے؟ یہ مُبْسِر کے معنیٰ میں ہے، تو مُبْسِر کا تو معنیٰ کیا تھا؟ بُسر والی۔ تو یہ کھجور بُسر والی ہے یا خود بُسر ہے؟ یہ تو خود بُسر ہے۔ توجہ ہے؟ تو مُبْسِر اور مُرْطِب اصل میں کھجور کے درخت کی صفت ہے لیکن یہاں مجازاً کس کے لیے استعمال کر لیا گیا؟ کھجور کے لیے استعمال کر لیا گیا، تو مُرْطِب رُطب والی اب ترجمہ نہ کریں بلکہ اس کا معنیٰ اب رُطب ہی ہے، مُبْسِر کا معنیٰ بُسر والی نہ کریں بلکہ کیا معنیٰ کر لیں؟ بُسر ہی کر لیں، کیونکہ کھجور کے لیے یہ لفظ بولا جا رہا ہے مثال کے اندر نہ کہ کھجور کے درخت کے لیے۔ تو کہتے ہیں: مِنْ أَبْسَرَ النَّخْلُ، «أَبْسَرَ النَّخْلُ» سے لیتے ہوئے إِذَا صَارَ مَا عَلَيْهِ بُسْراً جب ہو جائے وہ پھل جو اس درخت پر ہے وہ بُسر، جب وہ پھل بُسر ہو جائے تو اس وقت کہتے ہیں «أَبْسَرَ النَّخْلُ»۔ وَأَرْطَبَ اور اسی طرح «أَرْطَبَ النَّخْلُ» کہتے ہیں إِذَا صَارَ مَا عَلَيْهِ رُطَباً جب وہ پھل جو اس درخت پر ہے وہ رُطب ہو جائے۔ معنیٰ سمجھ میں آگیا؟

اب آگے عامل بتلائیں گے کہ اس کے اندر عامل کیا ہے۔ بھئی پہلے ذرا یہ مثال پھر آئیے: «هٰذَا بُسْراً أَطْيَبُ مِنْهُ رُطَباً»۔ یہ «بُسْراً» بھی حال ہے اور «رُطَباً» بھی حال ہے، اور دونوں منصوب ہیں تو حال کے لیے عامل چاہیے، تو اس میں عامل کیا ہے؟ کس نے اس کو نصب دیا ہے؟ تو پھر یاد رکھو آپ کو بتلائیں گے کہ یہ جو «رُطَباً» ہے اس میں تو بالاتفاق یہ «أَطْيَبُ» اسمِ تفضیل جو ہے یہ ہے عامل، یہ اسمِ تفضیل عامل ہے۔ کیونکہ «رُطَباً» کس سے حال ہے؟ «مِنْهُ» کی ہَاء ضمیر سے، «مِنْهُ» کی—اور «مِنْهُ» جار مجرور متعلق ہیں اسمِ تفضیل سے۔ آپ نے پڑھا ہے اسمِ تفضیل کے استعمال کے کتنے طریقے ہیں؟ تین طریقے: الف لام کے ساتھ، یا اضافت کے ساتھ، یا «مِنْ» کے ساتھ۔ تو یہ «مِنْ» آرہا ہے «أَطْيَبُ» کے ساتھ تو یہ «مِنْ» اسی سے متعلق ہے، اور آپ نے پڑھا ہے حرفِ جر کس لیے لایا جاتا ہے؟ کہ ایک فعل یا شبہ فعل براہِ

راست ایک چیز میں عمل نہیں کر سکتا تو کس کا سہارا لیتے ہیں؟ حروفِ جارہ کا۔ تو گویا یہی «أَطْيَبُ» عامل ہے «مِنْهُ» کی ہَاء ضمیر میں بھی، یعنی وہ اس کے لیے مفعول بہ غیر صریح ہے۔ کیا ہے؟ مفعول بہ غیر صریح۔ تو یہ ہے ذوالحال، اور میں نے آپ کو بتایا تھا کہ حال اور ذوالحال دونوں کا عامل متحد ہونا چاہیے، یہ واجب ہے عِندَ الجُمہور۔ تو «مِنْهُ» کی ہَاء ضمیر میں کون عامل؟ «أَطْيَبُ»۔ تو وہی «أَطْيَبُ» عامل ہے «رُطَباً» میں بھی۔ اور «رُطَباً» کے اندر عمل میں کوئی اشکال بھی نہیں کیونکہ «أَطْيَبُ» اپنے مابعد میں عمل کر رہا ہے: عامل کمزور ہے لیکن اپنے مابعد میں عمل کر رہا ہے اور کمزور عامل اپنے مابعد میں ہی عمل کرتا ہے۔ لیکن اشکال یہ ہوتا ہے، سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ «بُسْراً» کے اندر عامل کون ہے؟ یہ تو مقدم ہے اس پر، اور «أَطْيَبُ» تو کمزور عامل ہے یہ تو اپنے مابعد میں عمل کر سکتا ہے ماقبل میں عمل نہیں کر سکتا، تو پھر یہ کیسے اس کے اندر عمل کر رہا ہے؟ تو آپ کو وہ بتلائیں گے کہ علمائے محققین کے نزدیک اس «بُسْراً» کے اندر بھی «أَطْيَبُ» عامل ہے۔ آگے بتلائیں گے بعض کے نزدیک اس «بُسْراً» میں «هٰذَا» عامل ہے: «هٰذَا» سے «أُشِيرُ» کا فعل سمجھ میں آیا، اسمِ اشارہ ہے نا، تو «أُشِيرُ» کا معنیٰ سمجھ میں آیا اور وہ عامل ہے اس «بُسْراً» کو نصب دے رہا ہے، لیکن صاحبِ جامی بتلائیں گے کہ علمائے نحو میں سے جو محققین ہیں ان کے نزدیک اس «بُسْراً» میں بھی «أَطْيَبُ» ہی عامل ہے۔ تو پھر اس پر اشکال ہوتا ہے «أَطْيَبُ» تو بڑا ضعیف عامل ہے، وہ تو اپنے مابعد میں عمل کرتا ہے ماقبل میں عمل نہیں کر سکتا، تو پھر یہ کیسے اس کے اندر عمل کر رہا ہے؟ تو آپ کو وہ بتلائیں گے کہ بھئی دیکھیے—کہ دیکھیے—یہاں پر ایک ہی چیز سے دو مختلف حال آرہے ہیں دو مختلف اعتبار سے۔ ایک ہی چیز سے: ایک ہی کھجور کے دو حال بیان ہو رہے ہیں نا، بُسر بھی اسی کھجور کی حالت ہے اور رُطب بھی اسی کھجور کی حالت ہے، تو ایک ہی چیز سے دو مختلف حال آرہے ہیں اور دو مختلف اعتبار سے ہیں، یعنی اسی کھجور سے بُسر کا حال آیا اس کے مفضَّل ہونے کے اعتبار سے اور اسی کھجور سے رُطب کا حال آیا مفضَّل علیہ ہونے کے اعتبار سے۔ تو ایک ہی چیز سے دو مختلف حال آئے اور ایک ہی اعتبار سے یا دو مختلف اعتبار سے؟ دو مختلف اعتبار سے۔ تو کہتے ہیں اس قسم کا جب مقام آجائے تو پھر ہر حال کو اس کے متعلق کے ساتھ ذکر کرتے ہیں ورنہ تو پتہ ہی نہیں چلے گا کون سا حال کس سے ہے بھئی۔ اگر آپ اس «بُسْراً» کو آخر میں لے جائیں «هٰذَا أَطْيَبُ مِنْهُ رُطَباً بُسْراً» کچھ پتہ چلے گا؟ کیونکہ دونوں ہی «مِنْهُ» کے بعد آرہے ہیں، کون مفضَّل ہے کون مفضَّل علیہ؟ حالانکہ مفضَّل «مِنْ» سے پہلے ہوتا ہے اور مفضَّل علیہ «مِنْ» کے بعد ہوتا ہے۔ تو ضابطہ کیا ہوا؟ کہ جب ایک ہی چیز سے دو مختلف حال آئیں دو مختلف اعتبار سے تو ہر حال کو اس کے متعلق کے پاس ذکر کرتے ہیں یعنی اس کے ذوالحال کے پاس ذکر کرتے ہیں۔ جواب سمجھ میں آگیا؟ اس لیے مجبوراً «بُسْراً» کو مقدم کرنا پڑا تاکہ یہ اپنے ذوالحال «هٰذَا» کے ساتھ ہو جائے۔

اس پر پھر اشکال ہوتا ہے کہ بھئی اس «بُسْراً» کے اندر اگر عامل کون ہے؟ «أَطْيَبُ»، کون عامل ہے؟ «أَطْيَبُ»، اور ضابطہ کیا ہے؟ ذوالحال اور حال دونوں میں عامل ایک ہی ہونا چاہیے، تو «هٰذَا» کے اندر تو «أَطْيَبُ» عامل نہیں ہے، «هٰذَا»

تو بتدا ہے اس میں تو ابتدا عامل ہے۔ تو ذوالحال کا عامل ہوا ابتدا اور «بُسْراً» کا عامل کون ہوا؟ «أَطْيَبُ»، یہ تو دونوں کے عامل مختلف ہو گئے حالانکہ جمہور کے نزدیک یہ جائز نہیں! بعض کہتے ہیں جائز ہے لیکن جمہور کے نزدیک یہ جائز نہیں۔ تو پھر اس کا بھی جواب دیں گے کہ بھئی اصل میں تو ذوالحال «أَطْيَبُ» کے اندر «هُوَ» ضمیر ہے، اسمِ تفضیل کے لیے کیا چاہیے؟ فاعل چاہیے، اس کے اندر «هُوَ» ضمیر ہے اور وہ «هُوَ» ضمیر اس «هٰذَا» کو راجع ہے۔ تو «أَطْيَبُ» کے اندر «هُوَ» ضمیر جو حقیقت میں ذوالحال ہے وہ کس کو راجع ہے؟ «هٰذَا» کو، اور «هٰذَا» ہے اسمِ ظاہر، اور معلوم ہوا «أَطْيَبُ» کے اندر اسی کی ضمیر ہے جو اسی کو لوٹ رہی ہے: ایک اسمِ ظاہر اور ایک اس کی ضمیر...

ایک اس کی ضمیر۔

...تو گویا حقیقت میں ذوالحال «هُوَ» نہیں ہے بلکہ «هٰذَا» ہے، کیونکہ ضمیر تو اس کی نائب تھی بھئی، ضمیر–تو بات سمجھ میں آگئی؟ «هُوَ» ضمیر ہے ذوالحال اور وہ ضمیر کس کو راجع؟ «هٰذَا» کو، تو گویا «هٰذَا» ہی ذوالحال ہوا کیونکہ ضمیر اسی کو تو راجع ہے، تو کسی چیز کی ضمیر پر حکم لگانا حقیقت میں اسی چیز پر حکم لگانا ہے، اسی چیز پر حکم لگانا ہے۔ تو «هٰذَا» یہ گویا «هٰذَا» سے ہی حال آرہا ہے، یوں کہو جب اسمِ ظاہر موجود ہو تو ضمیر کو کلعدم شمار کرتے ہیں، کیا شمار کرتے ہیں؟ کلعدم۔ بات سمجھ میں آگئی؟ حال کس سے آرہا ہے؟ «أَطْيَبُ» کے اندر «هُوَ» ضمیر سے، اور وہ «هُوَ» ضمیر کس کو راجع؟ «هٰذَا» کو۔ تو «هٰذَا» اسمِ ظاہر جب موجود ہے تو ضمیر کو یا اعتبار ہی نہ کرو یوں سمجھو کہ «هٰذَا» ہی ذوالحال ہے تو اسی کے ساتھ حال کو ذکر کر دیا۔

جی دیکھیے بھئی۔ کہتے ہیں: وَالْعَامِلُ فِي رُطَباً أَطْيَبُ بِاتِّفَاقِ النُّحَاةِ، کہتے ہیں «رُطَباً» کے اندر جو عامل ہے وہ تو «أَطْيَبُ» ہے نحویوں کے اتفاق سے۔ «رُطَباً» تو مؤخر ہے نا، اس میں تو کوئی اشکال ہی نہیں «أَطْيَبُ» کے عامل بننے میں، تو «رُطَباً» کے اندر تو بالاتفاق «أَطْيَبُ» عامل ہے۔ تو کہتے ہیں: وَالْعَامِلُ فِي رُطَباً أَطْيَبُ بِاتِّفَاقِ النُّحَاةِ تو «رُطَباً» کے اندر جو عامل ہے وہ تو «أَطْيَبُ» ہے نحویوں کے اتفاق سے، وَفِي بُسْراً أَيْضاً عِنْدَ مُحَقِّقِيهِمْ اور «بُسْراً» میں بھی «أَطْيَبُ» عامل ہے نحویوں کے جو محققین ہیں ان کے نزدیک، علمائے نحو میں سے جو محققین ہیں ان کے نزدیک «بُسْراً» کے اندر بھی «أَطْيَبُ» عامل ہے۔ کہتے ہیں: وَتَقَدُّمُ بُسْراً عَلَى اسْمِ التَّفْضِيلِ، اور «بُسْراً» کا مقدم ہونا اسمِ تفضیل پر–وَتَقَدُّمُ بُسْراً اور «بُسْراً» کا مقدم ہونا عَلَى اسْمِ التَّفْضِيلِ کس پر؟ اسمِ تفضیل پر–مَعَ ضَعْفِهِ فِي الْعَمَلِ باوجود اس کے کہ اسمِ تفضیل عمل کے اندر ضعیف ہے، لِأَنَّهُ–اب وہ ضابطہ ذکر کر رہے ہیں–کہتے ہیں لِأَنَّهُ یہ اس وجہ سے ہے کہ إِذَا تَعَلَّقَ بِشَيْءٍ وَاحِدٍ حَالَانِ بِاعْتِبَارَيْنِ مُخْتَلِفَيْنِ کہ جب متعلق ہو جائیں ایک ہی چیز سے دو حال دو مختلف اعتبار سے، يَلْزَمُ تو لازم ہوتا ہے أَنْ يَلِيَ كُلٌّ مِنْهُمَا کہ ملا ہوا ہو ان حالوں میں سے ہر ایک، جڑا ہوا ہو ان دو حالوں میں سے ہر ایک–«وَلِيَ يَلِي» کا معنیٰ ساتھ ہونا، ملا ہوا ہونا–يَلْزَمُ تو لازم ہوتا ہے أَنْ يَلِيَ كُلٌّ مِنْهُمَا کہ ملا ہوا ہو ان دو حالوں میں سے ہر ایک، بھئی کس چیز کے ساتھ ملا ہوا ہو؟ مُتَعَلَّقَهُ اپنے متعلق کے ساتھ وہ ملا ہوا ہو یعنی اس کے ساتھ ہونا چاہیے۔ معنیٰ سمجھ میں آگیا؟ بھئی یہاں عبارت میں نے پڑھی «وَتَقَدُّمُ

بُسْراً»، «بُسْراً» کا مقدم ہونا، «تَقَدُّم» ہے مضاف اور «بُسْراً» ہے مضاف الیہ، اور مضاف الیہ تو مجرور ہوتا ہے پھر میں نے یہ «بُسْراً» منصوب کیوں پڑھا؟ ہاں، شاباش یہ کیا ہے؟ اعرابِ حکائی ہے، چونکہ وہاں عبارت میں «بُسْراً» منصوب آیا تھا اسی طرح یہاں پر بھی نقل کر دیا گیا، تو یہ منصوب ہے باعرابِ حکائی اور باقی یہ محلاً مجرور ہے کیونکہ مضاف الیہ بن رہا ہے اور مضاف الیہ مجرور ہوتا ہے۔

آگے دیکھیے۔ کہتے ہیں: وَالْبُسْرِيَّةُ تَعَلَّقَتْ بِالْمُشَارِ إِلَيْهِ بِهٰذَا مِنْ حَيْثُ إِنَّهُ مُفَضَّلٌ، اور بُسر ہونا—بُسریّت، کیا ترجمہ کریں گے؟ بُسر ہونا—اور بُسر ہونا جو ہے تَعَلَّقَتْ وہ متعلق ہو گئی بِالْمُشَارِ إِلَيْهِ بِهٰذَا وہ جس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے «هٰذَا» کے ذریعے۔ «هٰذَا» کے ذریعے کسی کھجور کی طرف اشارہ کر کے یہ بات کی جا رہی ہے نا، تو بُسریّت کا تعلق آگیا اس کھجور کے ساتھ جس کی طرف «هٰذَا» کے ذریعے اشارہ کیا جا رہا ہے، مِنْ حَيْثُ إِنَّهُ مُفَضَّلٌ اس حیثیت سے کہ یہ مفضَّل ہے۔ یہ بُسریّت کا تعلق اس کھجور سے آیا کس حیثیت سے؟ ویسے اس کی حالت بیان کر رہے ہیں یا مفضَّل ہونے کی حیثیت سے؟ مفضَّل ہونے کی حیثیت سے بُسریّت کا اس کے ساتھ تعلق آیا ہے۔ تو کہتے ہیں: وَالْبُسْرِيَّةُ تَعَلَّقَتْ بِالْمُشَارِ إِلَيْهِ بِهٰذَا اور بُسر ہونے کا تعلق آگیا وہ جس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے «هٰذَا» کے ذریعے، مِنْ حَيْثُ إِنَّهُ مُفَضَّلٌ اس حیثیت سے کہ یہ جو مشار الیہ ہے یہ مفضَّل ہے۔ وَهٰذِهِ الْحَيْثِيَّةُ وَإِنْ لَمْ تَكُنْ... جی وہی بات بیان کر رہے ہیں جو میں نے پہلے بیان کی تھی لیکن دوسرے ذرا انداز میں صاحبِ جامی ذکر کریں گے۔ کہتے ہیں دیکھو سوال یہ کہ یہ «بُسْراً»، «بُسْراً» کون سی حالت بیان کر رہی ہے؟ مفضَّل ہونے کے اعتبار سے، کس اعتبار سے؟ اور یہ «هٰذَا»، یہ جو کھجور ہے، «هٰذَا» سے تو مفضَّل ہونا سمجھ میں نہیں آتا، میں نے کہا «هٰذَا كِتَابٌ» یہ کتاب ہے، «هٰذَا» سے کوئی مفضَّل ہونا سمجھ میں آیا؟ نہیں۔ مفضَّل ہونے کا پتہ کس سے چلا؟ وہ جو «أَطْيَبُ» کے اندر «هُوَ» ضمیر تھی وہ اس «هٰذَا» کو لوٹ رہی تھی: «أَطْيَبُ مِنْهُ»۔ توجہ ہے؟ پھر سنو: «زَيْدٌ أَضْرَبُ مِنْ عَمْرٍو» زید زیادہ پٹائی کرنے والا ہے کس کے مقابلے میں؟ عمرو کے مقابلے میں۔ زید ہوا مفضَّل، لیکن کس سے پتہ چلا؟ «أَضْرَبُ» کے اندر «هُوَ» ضمیر وہ ہے مفضَّل اور وہ لوٹ رہی ہے کس کو؟ زید کو، اور «مِنْ» کے بعد عمرو آ رہا ہے وہ ہے مفضَّل علیہ۔ توجہ ہے؟ تو مفضَّل کون ہوتا ہے؟ وہ جو اسمِ تفضیل کے اندر ضمیر ہوتی ہے۔ صرف «هٰذَا»—«هٰذَا» سے تو کسی کے مفضَّل ہونے کا پتہ نہیں چلتا، تو یہ جو «هٰذَا» ہے اس کو آپ نے مفضَّل قرار دیا اور «بُسْراً» کو اس کا حال بنایا کہ یہ «بُسْراً» «هٰذَا» سے حال ہے کس اعتبار سے؟ مفضَّل ہونے کے اعتبار سے یہ اس سے حال ہے—بھئی «هٰذَا» کا تو مفضَّل ہونا ہمیں سمجھ میں نہیں آ رہا، ہاں کب سمجھ میں آئے گا؟ جب وہ «أَطْيَبُ» کی ضمیر اس کی طرف لوٹائیں گے۔ تو جب ضمیر کے اعتبار سے مفضَّل ہونے کا پتہ چل رہا ہے تو «بُسْراً» کو اس ضمیر کے پاس لے کر جاؤ، یہاں کیوں لے کر آئے ہو؟ یوں کہو، توجہ سے سنو: «هٰذَا أَطْيَبُ بُسْراً مِنْهُ رُطَباً»، یہ «بُسْراً» کو «أَطْيَبُ» کے بعد لے جاؤ «مِنْهُ» سے پہلے۔ عبارت سمجھ میں آ رہی ہے؟ «هٰذَا أَطْيَبُ بُسْراً مِنْهُ رُطَباً»، اب بُسر اپنے ذوالحال کے قریب آگیا۔ آپ نے بھی ہمیں کیا کہا تھا؟ کہ دو حال جب دو مختلف چیزوں سے مختلف اعتبار سے آئیں تو ہر حال کو اپنے ذوالحال کے پاس ذکر کریں گے، تو ذوالحال تو «أَطْيَبُ»

کے اندر «هُوَ» ضمیر ہے اس کے ساتھ «أَطْيَبُ» کے فوراً بعد «بُسْراً» کو لے کر جاؤ، آپ یہ «هٰذَا» کے پاس کیوں لے کر آ گئے؟ توجہ ہے؟ تو جواب دیں گے کہ بھئی «هٰذَا» چونکہ اسمِ ظاہر ہے اور وہ «هُوَ» ضمیر کس کی طرف لوٹ رہی ہے؟ اسی «هٰذَا» کی طرف لوٹ رہی ہے، تو جب اسمِ ظاہر خود موجود ہے تو حقیقتاً یہی مفضَّل ہے، وہ «هُوَ» ضمیر تو اس کا نائب ہے بھئی۔ تو جب اسمِ ظاہر خود موجود ہو تو وہ جو ضمیر ہے اس کو کلعدم شمار کریں گے کیونکہ وہ تو چھپی ہوئی ہے نظر ہی نہیں آ رہی، تو جب اسمِ ظاہر خود موجود ہے تو اسی کو مفضَّل شمار کر لیا جائے گا اور وہ حال کو اس کے ساتھ ذکر کرنا واجب ہے، وہاں آگے آپ «أَطْيَبُ» کے بعد ذکر نہیں کر سکتے۔ وجہ سمجھ میں آ گئی؟

پھر دیکھیے۔ کہتے ہیں: وَالْبُسْرِيَّةُ تَعَلَّقَتْ بِالْمُشَارِ إِلَيْهِ بِهٰذَا، اور بُسر ہونے کا تعلق وہ جس کی طرف اشارہ کیا گیا «هٰذَا» کے ساتھ اس کے ساتھ تعلق ہے، مِنْ حَيْثُ إِنَّهُ مُفَضَّلٌ اس حیثیت سے کہ وہ مشار الیہ جو ہے وہ مفضَّل ہے، وَهٰذِهِ الْحَيْثِيَّةُ اور یہ جو حیثیت ہے یعنی مفضَّل ہونے والی وَإِنْ لَمْ تَكُنْ مُعْتَبَرَةً فِيهِ اگرچہ وہ اس مشار الیہ میں معتبر نہیں إِلَّا بَعْدَ إِضْمَارِهِ فِي أَطْيَبَ مگر بعد اس کے کہ اس کی ضمیر لائی گئی «أَطْيَبَ» کے اندر—«أَطْيَبَ» میں ضمیر لائیں گے تو پھر پتہ چلے گا یہ «هٰذَا» مفضَّل ہے، ویسے تو پتہ نہیں چلے گا، تو کہتے ہیں اگرچہ یہ حیثیت معتبر نہیں ہے اس مشار الیہ میں إِلَّا بَعْدَ إِضْمَارِهِ فِي أَطْيَبَ مگر بعد اس کے کہ اس کی ضمیر لائی جائے «أَطْيَبَ» میں—لٰكِنَّهُ لَمَّا كَانَ الضَّمِيرُ بِالنِّسْبَةِ إِلَى الْمُظْهَرِ كَالْعَدَمِ لیکن جب ضمیر جو ہے وہ مُظْهَر یعنی اسمِ ظاہر—لیکن جو ضمیر ہے وہ اسمِ ظاہر کی طرف نسبت کرتے ہوئے كَالْعَدَمِ وہ کلعدم ہوتی ہے گویا ہے ہی نہیں، أُقِيمَ الْمُظْهَرُ مَقَامَهُ تو اسمِ ظاہر کو ضمیر کے قائم مقام کر دیا گیا، وَأَوْجَبُوا أَنْ يَلِيَهُ اور واجب قرار دیا گیا کہ وہ حال اس کے ساتھ ملا ہوا ہو، اس لیے «هٰذَا» کے ساتھ «بُسْراً» کو ذکر کیا گیا۔ وَالرُّطَبِيَّةُ تَعَلَّقَتْ بِهِ مِنْ حَيْثُ إِنَّهُ مُفَضَّلٌ عَلَيْهِ، اور رُطب ہونے کا تعلق بھی اسی مشار الیہ کے ساتھ ہے لیکن مِنْ حَيْثُ إِنَّهُ مُفَضَّلٌ عَلَيْهِ اس حیثیت سے کہ وہ مفضَّل علیہ ہے۔ توجہ ہے؟ ایک ہی چیز کے دو حال ذکر ہو رہے ہیں نا، «هٰذَا» کے ذریعے اشارہ ہوا اور وہ مشار الیہ ہے، وہی مشار الیہ مفضَّل ہے، وہی مشار الیہ ہے اور وہ مفضَّل ہے لیکن اس حیثیت سے کہ «أَطْيَبُ» کے اندر «هُوَ» ضمیر اس کی طرف لوٹے گی اس حیثیت سے مفضَّل بنے گا، اور یہی مشار الیہ مفضَّل علیہ بھی بنے گا، مفضَّل علیہ بھی بنے گا اس حیثیت سے کہ «مِنْهُ» کی ضمیر بھی اسی کو لوٹ رہی ہے، «مِنْ» کے بعد ذکر کرتے ہیں نا مفضَّل علیہ کو؟ تو «مِنْهُ» کی ضمیر اسی مشار الیہ کو لوٹ رہی ہے اور «مِنْ» کے بعد کس کو ذکر کرتے ہیں؟ مفضَّل علیہ کو۔ توجہ ہے؟ تو یہی مشار الیہ مفضَّل بھی ہے لیکن مفضَّل ہونے کا پتہ تب چلے گا جب «أَطْيَبُ» کی «هُوَ» ضمیر اس کی طرف لوٹائیں گے، اور یہی مشار الیہ مفضَّل علیہ بھی ہے لیکن اس اعتبار سے کہ «مِنْهُ» کی ہَاء ضمیر بھی اسی کو لوٹ رہی ہے۔ تو اس کے مفضَّل ہونے کا پتہ کس سے چلا؟ «هُوَ» ضمیر سے، یہی مشار الیہ، اور اس کے مفضَّل علیہ ہونے کا پتہ کس سے چلا؟ «مِنْهُ» کی ہَاء ضمیر سے۔ پھر دہراؤ: اسمِ اشارہ کے ذریعے کھجور کی طرف اشارہ کیا گیا اور اسی کے دو حال بیان ہوئے بُسر اور رُطب، لیکن ایک حال کس اعتبار سے ہے؟ مفضَّل ہونے کے

اعتبار سے، دوسرا حال کس اعتبار سے ہے؟ مفضَّل علیہ ہونے کے اعتبار سے، ایک ہی چیز ہے۔ تو اس کے مفضَّل ہونے کا پتہ کب چلے گا؟ جب «أَطْيَبُ» کی «هُوَ» ضمیر اس کو لوٹے گی۔ اور اس کے مفضَّل علیہ ہونے کا پتہ کب چلے گا؟ جب «مِنْهُ» کی ہَاء ضمیر اس کی طرف لوٹے گی۔ تو معلوم ہوا «أَطْيَبُ» کے اندر «هُوَ» ضمیر بھی ذوالحال اور «مِنْهُ» کے ساتھ ہَاء ضمیر بھی ذوالحال، لیکن جو «أَطْيَبُ» کے اندر «هُوَ» ضمیر تھی اس کے مقابلے میں یہاں «هٰذَا» اسمِ ظاہر موجود تھا تو پھر لہٰذا کیا کر دیا گیا؟ ضمیر کو کلعدم شمار کرتے ہوئے جو اسمِ ظاہر تھا اسی کے ساتھ «بُسْراً» حال کو ذکر کر دیا گیا۔ اور «مِنْهُ»—«مِنْهُ» کی ہَاء ضمیر سے کس کا پتہ چلا تھا؟ مفضَّل علیہ کا، تو وہ چونکہ ذوالحال تھی تو وہاں پر اس کے ساتھ ہی دوسرے حال کو ذکر کر دیا گیا۔ بات سمجھ میں آگئی؟ نہ تو دونوں حالوں کو مقدم کیا گیا، نہ دونوں کو مؤخر کیا گیا۔ تو کہتے ہیں: وَالرُّطَبِيَّةُ تَعَلَّقَتْ بِهِ اور وہ جو رُطب ہونا ہے اس کا تعلق بھی اسی مشار الیہ سے ہے مِنْ حَيْثُ إِنَّهُ مُفَضَّلٌ عَلَيْهِ اس حیثیت سے کہ یہی مشار الیہ مفضَّل علیہ بھی ہے، وَهُوَ ضَمِيرُ مِنْهُ اور وہ کیا ہے؟ وہ «مِنْهُ» کی ضمیر ہے یعنی اس کے ذریعے تعلق آیا رُطبیّت کا کس کے ساتھ؟ اس مشار الیہ کے ساتھ مفضَّل علیہ ہونے کے اعتبار سے۔ تو کہتے ہیں: وَهُوَ ضَمِيرُ مِنْهُ اور وہ «مِنْهُ» کی ضمیر ہے، فَيَجِبُ أَنْ يَلِيَهُ تو واجب ہوا کہ یہ حال اس ضمیر کے ساتھ ملا ہوا ہو۔ بات سمجھ میں آگئی؟ حل ہو گیا؟ مفضَّل کا پتہ کس سے چلا؟ ایک ہی چیز مشار الیہ ہے، وہ مفضَّل بھی ہے اور مفضَّل علیہ بھی۔ مفضَّل ہونے کا پتہ کس سے چلا؟ «أَطْيَبُ» کے اندر «هُوَ» ضمیر سے۔ اور مفضَّل علیہ ہونے کا پتہ کس سے چلا؟ «مِنْهُ» کی ہَاء ضمیر سے، یہ دونوں اسی کو راجع ہیں۔ اور جب «هٰذَا» اسمِ ظاہر موجود ہے تو «أَطْيَبُ» کے اندر «هُوَ» ضمیر کو کلعدم قرار دیتے ہوئے اسی «هٰذَا» کے ساتھ حال کو ذکر کیا گیا، اور دوسری میں «مِنْهُ» میں ذوالحال تھا تو اس کے ساتھ ہی ذکر کر دیا۔ بات سمجھ—بھئی اشکال یہ ہوتا ہے نا «أَطْيَبُ» کے اندر «هُوَ» ضمیر ذوالحال ہے تو اس کے ساتھ حال کو ذکر کرو جیسے «مِنْهُ» کے اندر ہَاء ضمیر ہے تو اس کے ساتھ آپ نے حال کو ذکر کیا، تو جواب دے دیا کہ اسمِ ظاہر جب موجود ہے تو ضمیر کو کلعدم سمجھتے ہوئے اس کے ساتھ یعنی «هٰذَا» کے ساتھ ایک حال کو ذکر کر دیا گیا، اور دوسرے کو «مِنْ» کے بعد ہی ذکر کرنا تھا وہ ذوالحال کے ساتھ ہی ذکر کر دیا۔ تو یہاں اشکال ہوتا ہے کہ عجیب بات ہے: یہاں پر دو ضمیریں ہیں، ایک «أَطْيَبُ» کے اندر «هُوَ» ضمیر ہے وہ ہے مفضَّل، اور دوسری «مِنْهُ» کے اندر ہَاء ضمیر ہے اور وہ ہے مفضَّل علیہ۔ تو آپ نے مفضَّل ضمیر کو تو کلعدم قرار دے دیا، آپ نے مفضَّل علیہ کو کیوں نہیں کلعدم قرار دیا؟ بات سمجھ میں آرہی ہے؟ تو دو ضمیروں میں سے ایک کو آپ جو ہے کلعدم قرار دے رہے ہیں، دوسرے کو کلعدم قرار نہیں دے رہے؟ تو جواب اس کا یاد رکھنا بھئی: وجہ یہ ہے کہ جو «أَطْيَبُ» کے اندر ضمیر ہے وہ مستتر ہے، چھپی ہوئی ہے، ظاہر ہی نہیں ہے، جب ظاہر ہی نہیں ہے تو اس کو کلعدم قرار دیا جا سکتا ہے کیونکہ لفظوں میں اس کا کوئی اثر ظاہر نہیں۔ جبکہ «مِنْهُ» کی ہَاء ضمیر وہ تو لفظوں میں ظاہر ہے، ہم تو اس پر باقاعدہ تلفظ کر رہے ہیں، تو لہٰذا جو ضمیر چھپی ہوئی ہے جس کا بالکل ظہور ہی نہیں ہو رہا تو اس کو تو کلعدم ہم قرار دے سکتے ہیں اور جو ضمیر لفظوں میں موجود ہے اور جس پر باقاعدہ

آپ تلفظ بھی کر رہے ہیں اس کو کلعدم قرار نہیں دیا جا سکتا۔ اس لیے جو مفضَّل ضمیر تھی اس کو کلعدم قرار دیا اور «هٰذَا» ہی گویا کیا ہوا؟ مفضَّل ہوا، تو اس کے ساتھ «بُسْراً» کو ذکر کر دیا گیا۔ بات سمجھ میں آگئی؟

آگے دیکھیے۔ کہتے ہیں: قَالَ الرَّضِيُّ۔ میں نے بتایا بھئی کہ کافیہ کی دو شروحات سب سے زیادہ مشہور ہیں: ایک تو یہ شرحِ جامی ہے، اور ایک علامہ رضی کی شرح ہے «رَضِيٌّ عَلَى الْكَافِيَةِ»۔ بڑی مفصل شرح ہے، آج کل عموماً چار جلدوں میں چھپی ہوئی مل جاتی ہے، لیکن بڑی گہری شرح ہے بھئی۔ تو صاحبِ جامی تائید کے طور پر ان کے قول...

قول کو بھی ذکر کر رہے ہیں۔ صاحبِ جامی تائید کے طور پر، کہ میں نے کیا کہا؟ کہ جب اسمِ ظاہر موجود ہو تو ضمیر کو کلعدم شمار کرتے ہوئے اسمِ ظاہر کے ساتھ حال کو ذکر کر دیا گیا۔ یہی بات علامہ رضی نے بھی لکھی ہے، اب اس کو ذکر کر رہے ہیں۔ کہتے ہیں: قَالَ الرَّضِيُّ، علامہ رضی فرماتے ہیں: وَأَمَّا الضَّمِيرُ الْمُسْتَكِنُّ فِي أَفْعَلَ۔ کہتے ہیں وہ جو ضمیر چھپی ہوئی ہے–مُسْتَكِنّ نون مشدد ہے: چھپی ہوئی–تو وہ ضمیر جو چھپی ہوئی ہے فِي أَفْعَلَ یعنی اسمِ تفضیل کے اندر، فَإِنَّهُ وَإِنْ كَانَ مُفَضَّلاً اگرچہ وہ ضمیر جو ہے وہ مفضَّل ہے، لٰكِنَّهُ لَمَّا لَمْ يَظْهَرْ لیکن وہ ضمیر جب ظاہر نہ ہوئی یعنی وہ اس کے اندر چھپی ہوئی ہے، تو لٰكِنَّهُ لَمَّا لَمْ يَظْهَرْ لیکن جب وہ ضمیر ظاہر نہ ہوئی، چھپی ہوئی ہے، تو كَانَ كَالْعَدَمِ تو وہ کلعدم ہوئی یعنی اس کو گویا شمار ہی نہ کرو۔

وَمَعَ هٰذَا فَلَا أَرَى بَأْساً۔ یہ علامہ رضی کی عبارت چل رہی ہے: اور اس کے باوجود کہ وہ ضمیر کیا ہے اس کو کلعدم شمار کرو، سنیں ادھر دیکھیے: علامہ رضی فرماتے ہیں لیکن میں اس میں بھی کوئی حرج نہیں دیکھتا کہ آپ «بُسْراً» کو «هٰذَا» کے ساتھ ذکر کرنے کے بجائے «أَطْيَبُ» کے فوراً بعد ذکر کر دیں: «أَطْيَبُ بُسْراً مِنْهُ رُطَباً»۔ کہتے ہیں اس میں بھی میں کوئی حرج نہیں دیکھتا، اگرچہ عربوں سے ہم نے ایسا سنا نہیں، عرب ہمیشہ ایک حال کو اس اسمِ تفضیل پر مقدم لاتے ہیں، لیکن کہتے ہیں میری رائے یہ ہے کہ پہلا حال جو مفضَّل ہے وہ «أَطْيَبُ» کے ساتھ بھی ذکر کر دیا جائے اور یوں کہا جائے: «هٰذَا أَطْيَبُ بُسْراً مِنْهُ رُطَباً»، اس میں بھی میں کوئی حرج نہیں دیکھتا، اگرچہ کہتے ہیں عربوں سے یہ سنا نہیں گیا بھئی۔ لیکن بہرحال یہ تو عربی زبان ہے بھئی، عربوں سے ہم نے کبھی نہیں سنا اس طرح، اور یہ زبان ہے اس کے اندر قیاس جاری نہیں ہو سکتا، عرب ہمیشہ ایک حال کو اسمِ تفضیل پر مقدم رکھتے ہیں، معلوم ہوا بعد میں ذکر کرنا صحیح نہیں ہے۔ تو کہتے ہیں: وَمَعَ هٰذَا اور باوجود اس کے فَلَا أَرَى بَأْساً میں کوئی حرج نہیں دیکھتا بِأَنْ يُقَالَ کہ یوں کہا جائے، وَإِنْ لَمْ يُسْمَعْ اگرچہ ایسا سنا نہیں گیا عربوں سے–تو میں کوئی حرج نہیں دیکھتا یوں کہنے میں کہ–زَيْدٌ أَحْسَنُ قَائِماً مِنْهُ قَاعِداً، زَيْدٌ أَحْسَنُ قَائِماً مِنْهُ قَاعِداً۔ دیکھو «أَحْسَنُ» کے بعد «قَائِماً» کو لے گئے، حالانکہ عرب کس طرح بولتے ہیں؟ وہ کہتے ہیں: «زَيْدٌ قَائِماً أَحْسَنُ مِنْهُ قَاعِداً» زید قیام کی حالت میں زیادہ حسین ہے اس کے بیٹھنے کی حالت کے مقابلے میں۔ بات سمجھ میں آگئی؟

وَذَهَبَ بَعْضُهُمْ... اب دوسرا قول ذکر کریں گے۔ بعض کہتے ہیں، علماء فرماتے ہیں کہ یہ «بُسْراً» کے اندر «أَطْيَبُ» کو عامل نہ بناؤ کیونکہ وہ عاملِ ضعیف ہے، وہ اپنے مابعد میں تو عمل کر سکتا ہے اپنے سے ماقبل میں عمل نہیں کر سکتا، چنانچہ وہ فرماتے ہیں کہ «بُسْراً» کے اندر «هٰذَا» کو عامل بنا دو۔ کس کو؟ «بُسْراً»۔ «هٰذَا» سے «أُشِيرُ» کا فعل سمجھ میں آ رہا ہے، اور اس «أُشِيرُ» فعل کو عامل بنا دو «بُسْراً» کے اندر، وہ نصب دے رہا ہے بھئی۔ کہتے ہیں: وَذَهَبَ بَعْضُهُمْ إِلَى أَنَّ الْعَامِلَ فِي بُسْراً اسْمُ الْإِشَارَةِ، اور بعض نحوی علماء اس بات کی طرف گئے ہیں کہ «بُسْراً» کے اندر جو عامل ہے وہ اسمِ اشارہ ہے، أَيْ أُشِيرُ إِلَيْهِ حَالَ كَوْنِهِ بُسْراً یعنی میں اس کی طرف اشارہ کر رہا ہوں اس حال میں کہ یہ بُسر ہے یعنی «أُشِيرُ» کو عامل بنایا۔

وَهٰذَا لَيْسَ بِصَحِيحٍ۔ صاحبِ جامی اس کو رد فرماتے ہوئے کہتے ہیں: وَهٰذَا لَيْسَ بِصَحِيحٍ اور یہ صحیح نہیں یعنی «هٰذَا» کو عامل بنانا صحیح نہیں، لِأَنَّهُ يُمْكِنُ أَنْ يَكُونَ الْمُشَارُ إِلَيْهِ التَّمْرَ الْيَابِسَ، کیونکہ ہو سکتا ہے وہ جو مشار الیہ ہے وہ تمر یابس ہو، فَلَا تَتَقَيَّدُ الْإِشَارَةُ بِحَالَةِ الْبُسْرِيَّةِ، لہٰذا یہ اشارہ مقید نہیں ہو سکتا بُسر ہونے کی حالت کے ساتھ۔ بھئی ادھر دیکھیے، بڑی گہری باتیں چل رہی ہیں نحو کی بھئی۔ میں نے آپ کو بتلایا تھا کہ یہ جو حال ہوتا ہے یہ قید ہوتا ہے عاملِ ذو الحال کے لیے: «جَاءَنِي زَيْدٌ رَاكِباً»۔ توجہ سے سنو: ضابطہ ذکر ہوا تھا کہ حال اور ذو الحال میں عامل ایک ہی چیز ہوگی ہمیشہ۔ «جَاءَنِي زَيْدٌ رَاكِباً»، «زَيْدٌ» ہے ذو الحال اور «رَاكِباً» ہے حال۔ یہ «زَيْدٌ» اس کے اندر عامل کون؟ کس نے اس کو رفع دیا؟ «جَاءَنِي» نے۔ تو معلوم ہوا وہی «جَاءَنِي» عامل ہے «رَاكِباً» کے اندر بھی۔ اور یہ جو حال ہوتا ہے یہ قید ہوتا ہے عاملِ ذو الحال کے لیے۔ عاملِ ذو الحال کون ہے؟ «جَاءَ»۔ تو یہ حال اس کے لیے قید ہے، معلوم ہوا زید کا جو آنا تھا، زید کی جو مجیئت تھی وہ مقید ہے رکوب کی حالت کے ساتھ، وہ رکوب کی حالت میں آیا ہے رکوب کے علاوہ نہیں، تو یہ حال قید ہوتا ہے کس کے لیے؟ عاملِ ذو الحال کے لیے، یا یوں کہو اپنے عامل کے لیے، حال اپنے عامل کے لیے قید ہوتا ہے۔ بات سمجھ میں آ گئی؟ تو بعض نحویوں نے کیا کہا کہ «بُسْراً» میں اس «هٰذَا» کو عامل بناؤ۔ صاحبِ جامی اس کو رد کریں گے بھئی۔ کس طرح؟ دیکھو، پہلے سمجھ لو: میرے باغ میں کھجور کا ایک خاص درخت ہے، اس کی کھجوروں کی جو بُسر ہونے کی حالت ہے وہ زیادہ اچھی ہے کس کے مقابلے میں؟ رُطب کے مقابلے میں۔ توجہ ہے؟ اب میرے پاس ایک کھجور پڑی ہے خشک، وہی والی، وہی والی، ایک خشک کھجور پڑی ہے یوں سمجھو خشک ہو چکی ہے بالکل، اب نہ وہ بُسر ہے نہ رُطب ہے، یہ تو خشک کھجور ہے، یا یوں کہو دھوپ لگوا چکے ہیں اب یہ تمر بن چکی ہے، تو نہ یہ بُسر ہے نہ رُطب ہے۔ لیکن میں اس کھجور کی طرف اشارہ کر کے کہتا ہوں: یہ والی کھجور جو ہے بُسر ہونے کی حالت میں زیادہ اچھی ہوتی ہے رُطب ہونے کے مقابلے میں۔ میں کہہ سکتا ہوں یا نہیں؟ توجہ ہے؟ بھئی جس وقت میں اشارہ کر رہا ہوں اس وقت اس کا بُسر ہونا ضروری نہیں ہے، جس حالت میں بھی ہو میں صرف اس کو یہ بتاتا ہوں کہ یہ والی جو کھجور ہے یہ بُسر ہونے کی حالت میں زیادہ اچھی ہوتی ہے رُطب ہونے کی حالت سے، میں کہہ سکتا ہوں یا نہیں؟ اگرچہ دیکھو اس وقت نہ بُسر ہے نہ رُطب ہے وہ ایک تمر ہے جس کو دھوپ میں خشک بھی کر لیا گیا

ہے، تو بھی میں کہہ سکتا ہوں کہ یہ والی کھجور بُسر ہونے کی حالت میں رُطب سے اچھی ہوتی ہے۔ لیکن اگر آپ کی بات مان لی جائے کہ «بُسْراً» کے اندر عامل کس کو بناؤ؟ «أُشِيرُ» کو، کس کو عامل بناؤ؟ «أُشِيرُ» کو عامل بناؤ، اور ضابطہ کیا ہے؟ کہ حال جو ہے قید ہوتا ہے عاملِ ذوالحال کے لیے یا اپنے عامل کے لیے قید ہوتا ہے، تو معلوم ہوا یہ «بُسْراً» قید بن جائے گا «أُشِيرُ» کے لیے، «أُشِيرُ» کے لیے کیا بن جائے گا؟ جیسے وہ «جَاءَنِي زَيْدٌ رَاكِباً» وہ رکوب قید بن گیا تھا کس کے لیے؟ مجیئت کے لیے، یعنی وہ مجیئت کس حالت میں ہوئی تھی؟ رکوب کی حالت میں ہوئی ہے، بات سمجھ میں آرہی ہے؟ زید سوار ہو کر آیا ہے بغیر سواری کے نہیں، وہ قید بن گئی اس کے لیے۔ تو یہاں پر بھی اگر یہ «أُشِيرُ» کو عامل بنا دیا جائے «بُسْراً» کے اندر تو پھر یہ «بُسْراً» قید ہو جائے گا «أُشِيرُ» کے لیے، معلوم ہوا جس وقت میں اشارہ کر رہا ہوں اس وقت اس کا بُسر ہونا ضروری ہے، میرے اشارہ کرتے ہوئے اس کا کس حالت میں ہونا ضروری؟ بُسر کی حالت میں ہونا ضروری، حالانکہ ضروری ہے کیا بُسر ہو تب ہی اشارہ کر سکتا ہوں ویسے نہیں کر سکتا؟ کر سکتے ہیں۔ بات سمجھ میں آئی؟ پھر سنو: حال جو ہوتا ہے وہ قید ہوتا ہے کس کے لیے؟ عاملِ ذوالحال کے لیے۔ ذرا یہ مثال سمجھ لو پھر آپ کو بات ساری سمجھ میں آجائے گی: «جَاءَنِي زَيْدٌ رَاكِباً» میرے پاس زید سوار ہو کر آیا۔ معلوم ہوا یہ جو مجیئت میں جس کی نسبت کس کی طرف کر رہا ہوں؟ زید کی طرف، یہ مجیئت مطلق نہیں ہے بلکہ مقید ہے کس کے ساتھ؟ رکوب کے ساتھ۔ یہ تب ہی میں کہہ سکتا ہوں، بات سمجھ میں آگئی؟ اگر زید وہ آنے سے پہلے سوار تھا یا بعد میں سوار تھا پھر میں یہ نہیں کہہ سکتا۔ یہ ضروری ہے کہ جس وقت اس فعل کی نسبت کی جا رہی ہے یا وہ فعل اس پر واقع ہو رہا ہو اس وقت یہ حالت ہوگی۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو یہاں پر دیکھو «أُشِيرُ» میں اشارہ کر رہا ہوں، معلوم ہوا یہ اشارہ کرتے ہوئے ہی کس حالت میں ہونا چاہیے؟ بُسر والی حالت میں ہونا چاہیے، حالانکہ اشارہ کرتے ہوئے تو بُسر والی حالت ضروری نہیں۔ بات سمجھ میں آگئی؟

تو دیکھیے اب ترجمہ۔ کہتے ہیں: وَهٰذَا لَيْسَ بِصَحِيحٍ اور یہ صحیح نہیں ہے کہ اسمِ اشارہ کو اس میں عامل بنایا جائے، لِأَنَّهُ يُمْكِنُ اس لیے کیونکہ یہ ممکن ہے أَنْ يَكُونَ الْمُشَارُ إِلَيْهِ التَّمْرَ الْيَابِسَ کہ وہ جو مشار الیہ ہے وہ خشک کھجور ہو—اس وقت بھی ہم یہ کہہ سکتے ہیں—فَلَا تَتَقَيَّدُ الْإِشَارَةُ بِحَالَةِ الْبُسْرِيَّةِ تو پھر تو اشارہ مقید نہیں ہوگا بُسر ہونے کی حالت کے ساتھ۔ خشک کھجور ہے اور میں اس کی طرف اشارہ کر رہا ہوں کہ یہ والی کھجور بُسر ہونے کی حالت میں—تو «أُشِيرُ» کے لیے ذرا قید بناؤ بُسر کو: یہ کھجور اس حال میں کہ یہ بُسر ہے، میں اس کھجور کی طرف اشارہ کر رہا ہوں اس حال میں کہ یہ بُسر ہے، حالانکہ یہ بُسر تو ہے ہی نہیں یہ تو تمر یابس ہے! بات سمجھ میں آگئی؟ تو پھر تو بُسر والی حالت ہونا ضروری ہے۔ تو ہو سکتا ہے کہتے ہیں وہ تمرِ یابس ہو جس کی طرف آپ اشارہ کر رہے ہیں، ہو سکتا ہے وہ تمر یابس ہو، جب وہ تمر یابس ہے تو اشارے کی حالت—ادھر دیکھو جب وہ سامنے تمر یابس ہے—تو یہ بُسر کی حالت کے ساتھ اشارہ مقید ہوا؟ یہ اشارہ کرتے ہوئے وہ بُسر ہے؟ نہیں، تو

یہ اشارہ تو بُسر کے ساتھ مقید نہیں ہوا بھئی، آپ نے تو مقید کیا لیکن یہ تو مقید ہی نہیں ہو رہا۔ تو یہ معنیٰ ہے: کیونکہ ہو سکتا ہے کہ وہ مشار الیہ جو ہے تمرِ یابس خشک کھجور ہو، فَلَا تَتَقَيَّدُ الْإِشَارَةُ بِحَالَةِ الْبُسْرِيَّةِ تو وہ اشارہ تو مقید نہیں ہوگا بُسر ہونے کی حالت کے ساتھ۔

جی ایک وجہ یہ ذکر کر دی کہ «هٰذَا» کو «بُسْراً» میں عامل نہیں بنا سکتے۔

وَلِأَنَّهُ يَصِحُّ۔ یاد رکھو یہاں بعض نسخوں میں ہے «لَا يَصِحُّ»، «لِأَنَّهُ لَا يَصِحُّ»، اور بعض نسخوں میں ہے «لِأَنَّهُ يَصِحُّ»۔ «لَا يَصِحُّ» ہو تو عبارت ذرا بہترین بن جاتی ہے، لیکن چلو ہم پہلے «يَصِحُّ» کے ساتھ ترجمہ کر لیتے ہیں۔ وَلِأَنَّهُ يَصِحُّ اور اس لیے کیونکہ صحیح ہے–کیا صحیح ہے؟ «أَطْيَبُ» کو عامل بنانا۔ محققین کیا فرماتے ہیں؟ «أَطْيَبُ» عامل ہے، اور یہ بعض کیا فرماتے ہیں؟ «هٰذَا» عامل ہے۔ توجہ ہے؟–کہتے ہیں وَلِأَنَّهُ يَصِحُّ۔ بعضوں نے کیا کہا؟ «أَطْيَبُ» عامل نہیں ہے بلکہ «هٰذَا» عامل ہے، تو دو جواب دے رہے ہیں صاحبِ جامی، دو طریقے سے ان کو رد کر رہے ہیں: پہلا جواب کیا دیا؟ کیونکہ ہو سکتا ہے مشار الیہ کیا ہو؟ تمرِ یابس ہو، پھر تو اس صورت میں اشارہ بسریّت کے ساتھ مقید نہیں ہو سکتا۔ دوسری وجہ ذکر کر رہے ہیں: وَلِأَنَّهُ يَصِحُّ اور اس لیے کیونکہ «أَطْيَبُ» یعنی اسمِ تفضیل کو عامل بنانا صحیح ہوگا حَيْثُ اس جگہ پر، حَيْثُ اس جگہ پر وَقَعَ مَوْقِعَ اسْمِ الْإِشَارَةِ اسْمٌ لَا يَصِحُّ إِعْمَالُهُ فِيهِ۔ بھئی پہلے یہ مثال دیکھ لو، اگلی مثال آ رہی ہے: «تَمْرَةُ نَخْلِي» میرے درخت کی جو کھجور ہے– نخل کھجور کے درخت کو کہتے ہیں–«تَمْرَةُ نَخْلِي» میرے درخت کی جو کھجور ہے «بُسْراً» اس حال میں کہ وہ بُسر ہو «أَطْيَبُ» وہ زیادہ اچھی ہے «مِنْهُ» اسی کھجور سے «رُطَباً» رُطب ہونے کی حالت میں۔ اب اس میں دیکھو: پہلے تو تھا «هٰذَا»، «هٰذَا» کو ہٹایا «تَمْرَةُ نَخْلِي» لے آئے۔ «هٰذَا» سے تو «أُشِيرُ» کا فعل سمجھ میں آ رہا تھا، «تَمْرَةُ نَخْلِي» اس سے تو کوئی فعل سمجھ میں نہیں آ رہا! میرے درخت کی کھجور، اس سے تو کوئی فعل سمجھ میں نہیں آ رہا۔ تو اگر آپ کی بات مان لی جائے «هٰذَا» کو عامل بناتے ہیں تو یہ ہر جگہ تو صحیح نہیں ہوگا، یہ تو وہیں صحیح ہوگا جہاں کوئی ایسا «هٰذَا» جیسا لفظ ہو جس سے فعل سمجھ میں آتا ہو، اور جہاں ایسا لفظ ہو جس سے فعل سمجھ میں نہیں آتا وہاں کیا کریں گے؟ وہاں تو پھر «أَطْيَبُ» ہی کو عامل بنانا پڑے گا۔ تو یہاں پر دیکھو «أَطْيَبُ» کو عامل بنانا صحیح ہے کیونکہ «بُسْراً» سے پہلے «تَمْرَةُ نَخْلِي» ایک ایسا اسم آیا جس کو عامل بنانا صحیح نہیں کیونکہ اس سے کوئی معنیٰ فعل ہمیں سمجھ میں نہیں آ رہا۔ تو کہتے ہیں: وَلِأَنَّهُ يَصِحُّ اور اس لیے کیونکہ «أَطْيَبُ» کو عامل بنانا صحیح ہے حَيْثُ اس مقام پر وَقَعَ مَوْقِعَ اسْمِ الْإِشَارَةِ کہ اسمِ اشارہ کے مقام پر واقع ہو جائے اسْمٌ کوئی ایسا اسم لَا يَصِحُّ إِعْمَالُهُ فِيهِ کہ اس کو اس حال کے اندر عامل بنانا صحیح نہ ہو بھئی۔ بات سب کو اچھی طرح سمجھ میں آ گئی؟ دو دلیلیں ذکر کر دیں: کیا؟ ایک وجہ یہ کہ اگر آپ اسمِ اشارہ کو عامل بناتے ہیں تو پھر تو اس کا مطلب ہے جب آپ اشارہ کر رہے ہوں اس وقت اس کا بُسر کی حالت میں ہونا ضروری ہے ورنہ اس کے بغیر آپ اشارہ نہیں کر سکتے۔ اور دوسری وجہ یہ ہے کہ یہاں تو اسمِ اشارہ ہے اور اس سے ہمیں فعل سمجھ میں آ رہا ہے، دوسری جگہ ایسی ہو جہاں پر اسمِ

اشارہ کے بجائے کوئی اور اسم آجائے جیسے یہاں «تَمْرَةُ نَخْلِي» آگیا، اب اس سے تو کوئی فعل سمجھ میں نہیں آرہا، پھر تو اس صورت میں اب اس کو تو عامل نہیں بنا سکتے تو اب تو «أَطْيَبُ» ہی کو عامل بنانا صحیح ہوگا۔ یا دوسری صورت یہ ہے: «وَلِأَنَّهُ لَا يَصِحُّ»، یہ عبارت یوں پڑھ لیں «وَلِأَنَّهُ لَا يَصِحُّ»۔ اب کیا ترجمہ ہے؟ پہلا جواب کیا دیا— صحیح نہ ہونے کی دو وجہیں ذکر کریں گے، پہلی وجہ جو پیچھے ذکر کر دی کہ اگر آپ «هٰذَا» کو عامل بناتے ہیں تو پھر اس وقت اس کھجور کا بُسر کی حالت میں ہونا ضروری ہوگا، اس کے بغیر تو اشارہ بسریّت کے ساتھ مقید نہیں ہو سکتا—اور دوسری وجہ یہ: «وَلِأَنَّهُ لَا يَصِحُّ» کہ یہ جو آپ نے «هٰذَا» کو عامل بنایا ہے لَا يَصِحُّ یعنی یہ کلی طور پر صحیح نہیں، ہر جگہ پر یہ صحیح نہیں...

...ہو سکتا۔ حَيْثُ اس مقام پر وَقَعَ مَوْقِعَ اسْمِ الْإِشَارَةِ کہ اسمِ اشارہ کے مقام پر واقع ہو جائے اسمٌ کوئی ایسا اسم لَا يَصِحُّ إِعْمَالُهُ فِيهِ کہ اس کا اس کے اندر عامل بنانا صحیح نہیں ہوتا، نَحْوُ تَمْرَةُ نَخْلِي بُسْراً أَطْيَبُ مِنْهُ رُطَباً۔ بات سمجھ میں آ گئی؟

آگے سبق دیکھیے بھئی، متن دیکھیے پہلے۔ کہتے ہیں: وَقَدْ تَكُونُ جُمْلَةً خَبَرِيَّةً فَالِاسْمِيَّةُ بِالْوَاوِ وَالضَّمِيرِ، أَوْ بِالْوَاوِ، أَوْ بِالضَّمِيرِ عَلَى ضَعْفٍ، وَالْمُضَارِعُ الْمُثْبَتُ بِالضَّمِيرِ وَحْدَهُ، وَمَا سِوَاهُمَا بِالْوَاوِ وَالضَّمِيرِ أَوْ بِأَحَدِهِمَا. یہ ساری عبارت مل گئی؟ یہاں سے صاحبِ کافیہ آپ کو یہ بتلائیں گے کہ حال کبھی کبھار جملہ بھی واقع ہوتا ہے۔ اور آپ جانتے ہیں جملہ مِن حَيثُ الجملہ مستقل ہے، اس میں بات پوری ہوتی ہے، وہ کسی سے جڑنے کا محتاج نہیں، لیکن جب بھی آپ اس کو کسی چیز سے جوڑیں تو درمیان میں ربط ضروری ہے، اور وہ ربط کس کے ذریعے دیا جاتا ہے؟ عموماً ضمیر کے ذریعے دیا جاتا ہے۔ تو اسی طرح حال کے اندر بھی ہے: جب جملہ حال واقع ہو تو آپ اس حال کو ذوالحال سے جوڑنا چاہتے ہیں، تو درمیان میں ربط ضروری ہے، تو اس جملے کے اندر کوئی ضمیر ہونی چاہیے جو ذوالحال کی طرف لوٹے بھئی۔ تو جملہ کبھی کبھار حال بھی واقع ہوتا ہے، اور حال کو بھی ذوالحال سے جوڑنے کے لیے اس میں کیا چاہیے؟ ضمیر چاہیے۔ لیکن ایک اور بات بھی ساتھ یاد رکھنا: حال میں ربط دینے کے لیے کبھی کبھار واؤ بھی لے آتے ہیں، اس جملے کے شروع میں واؤ لے آتے ہیں تاکہ جملے کے آغاز سے ہی سننے والے کو پتہ چل جائے کہ یہ حال واقع ہو رہا ہے کیونکہ واؤ کہاں پر آئے گا؟ جملے کے آغاز میں۔ تو حال کو جب ذوالحال سے جوڑنا ہو تو ضمیر کے ذریعے بھی ربط دیتے ہیں اور واؤ کے ذریعے بھی ربط دیتے ہیں، اور کبھی دونوں کے ذریعے ربط دیتے ہیں۔

تو کہتے ہیں: وَقَدْ تَكُونُ جُمْلَةً خَبَرِيَّةً، اور کبھی کبھار حال جو ہے وہ جملہ خبریہ ہوتا ہے۔ لیکن ضروری ہے بھئی کہ وہ جملہ جس کو آپ حال بنانا چاہتے ہیں وہ جملہ خبریہ ہونا چاہیے۔ بھئی کیوں، جملہ خبریہ کیوں ہونا چاہیے؟ وجہ یہ کہ آپ جانتے ہیں کہ ذوالحال جو ہے مبتدا کے درجے میں یعنی محکومٌ علیہ ہے بھئی، اس پر حکم لگایا جا رہا ہے، اس کے بارے میں ایک بات بتلائی جا رہی ہے آگے حال کی صورت میں۔ تو مبتدا ہوتا ہے محکومٌ علیہ بھئی اور حال ہوتا ہے وہ جو حکم اس پر لگایا جا رہا

ہے یعنی جو اس کے بارے میں بات بتلائی جا رہی ہے۔ تو لہٰذا ضروری ہے کہ یہ حال جملہ خبریہ ہونا چاہیے، حال جملہ خبریہ ہونا چاہیے جملہ انشائیہ نہیں، کیونکہ جملہ انشائیہ خبر نہیں بن سکتا۔ میں نے آپ کو بتلایا تھا کہ جملہ انشائیہ خبر نہیں بن سکتا۔ مثلاً، مثلاً آپ کے سامنے ایک جملہ ہے، لکھیے ذرا اپنے سامنے ایک جملہ لکھیے–انشاء کی ترکیب میں پہلے بھی کروا چکا ہوں لیکن خوب تاکہ آپ کو ذہن نشین ہو جائے بھئی، جلدی جلدی لکھیے بھئی: «زَيْدٌ اضْرِبْهُ»، «زَيْدٌ اضْرِبْهُ»۔ توجہ ہے؟ دیکھو: زید ہے بتدا، «اضْرِبْ» فعلِ امر، اس کے اندر «أَنْتَ» ضمیر مرفوع محلاً اس کا فاعل، اور «هَاء» ضمیر منصوب محلاً مفعول بہ، اور یہ «هَاء» ضمیر کس کو راجع ہے؟ زید کو۔ تو فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہو کر–کیونکہ یہ امر ہے اور امر انشاء کی قسم ہے–تو یہ جملہ فعلیہ انشائیہ ہو کر خبر ہوا کس کے لیے؟ زید کے لیے۔ لیکن انشاء تو خبر نہیں بن سکتا، انشاء تو خبر نہیں بن سکتا ! تو یاد رکھو اس طرح کا کہیں مقام آجائے انشاء خبر بن رہا ہو تو پھر اس میں تاویل کی جاتی ہے: «مَقُولٌ فِيهِ» یا «أَقُولُ فِيهِ» کی۔ «مَقُولٌ فِيهِ»–مقول کون سا صیغہ ہے؟ اسمِ مفعول، تو اسمِ مفعول اپنے نائب فاعل سے مل کر شبہ جملہ بنے گا اور پھر یہ خبر بنے گا بتدا کے لیے۔ اور اگر آپ «أَقُولُ» نکالتے ہیں تو «أَقُولُ» فعل، «أَنَا» ضمیر اس کے اندر فاعل، تو یہ جملہ فعلیہ ہو کر یہ خبر بنے گا زید کے لیے۔ تو جو بھی تاویل کر لیں دونوں صورتیں ٹھیک ہیں: چاہے آپ شبہ جملہ بنا لیں «مَقُولٌ فِيهِ» کہہ لیں، یا آپ اس کو جملہ بنا لیں «أَقُولُ فِيهِ» کہہ لیں۔ اب اس میں ترکیب کیسے ہوگی؟ یاد رکھو یہ «قَالَ» جو ہے: قَالَ، مثلاً میں کہتا ہوں «قُلْتُ» میں نے کہا «لَهُ» اس سے، آگے مقولہ چاہیے، بھئی کیا کہا؟ آگے وہ بات بھی چاہیے، توجہ ہے؟ تو وہ جو «قَالَ» کے بعد آگے بات ذکر کی جاتی ہے کہ یہ بات کی گئی ہے، وہ یاد رکھو وہ «قَالَ» کے لیے مفعول بہ بنتا ہے، وہ کیا بنتا ہے؟ «قَالَ» کے لیے مفعول بہ بنتا ہے۔ مثلاً ذرا اپنے سامنے ایک اور جملہ لکھو: «قُلْتُ لِزَيْدٍ عَمْرٌو عَالِمٌ»، «قُلْتُ لِزَيْدٍ عَمْرٌو عَالِمٌ»۔ «قُلْتُ» فعل با فاعل: «تَاء» ضمیر مرفوع محلاً فاعل۔ «لِزَيْدٍ»: لام جارہ، «زَيْدٍ» مجرور لفظاً، جار مجرور متعلق کس سے؟ «قُلْتُ» سے۔ دیکھو ترجمہ بھی ٹھیک ہو رہا ہے: «قُلْتُ لِزَيْدٍ» میں نے زید سے کہا۔ جار مجرور کو جس سے جوڑنا ہو تو اس کے ساتھ جوڑ کر باقی لفظوں کو ذرا کلام سے ختم کر دیا کریں اور پھر ترجمہ کیا کریں، عموماً ترجمہ بہترین ہو جائے گا اگر وہ اسی سے جڑ رہا ہوا، اور اگر اس سے نہ جڑ رہا ہو تو پھر ترجمہ عموماً صحیح نہیں ہوتا۔ تو «لِزَيْدٍ» متعلق ہوا «قُلْتُ» فعل کے ساتھ۔ آگے «عَمْرٌو عَالِمٌ»: «عَمْرٌو» مرفوع لفظاً بتدا، «عَالِمٌ» مرفوع لفظاً صیغہ اسمِ فاعل، اور اسمِ فاعل کے لیے کیا چاہیے؟ فاعل چاہیے، تو اس کے اندر «هُوَ» ضمیر مرفوع محلاً اس کا فاعل، جو کس کو راجع؟ عمرو کو یا زید کو؟ بولیے بھئی، عمرو کو یا زید کو؟ عمرو کو۔ کیوں؟ عمرو کو کیوں راجع؟ شاباش، کیونکہ یہ «عَالِمٌ» عمرو کی خبر ہے اور خبر کو بتدا سے جوڑتے ہیں، میں عمرو کے بارے میں بتلا رہا ہوں کہ عمرو عالم ہے۔ تو «هُوَ» ضمیر «عَالِمٌ» کے اندر وہ مرفوع محلاً فاعل ہے اور یہ راجع ہے عمرو کو، اس کے ذریعے ربط آگیا خبر کا بتدا سے۔ «عَالِمٌ» اسمِ فاعل اپنے فاعل سے مل کر شبہ جملہ ہو کر یہ خبر بتدا کے لیے، اور «عَمْرٌو» بتدا اپنی خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہو کر یہ مقولہ یعنی مفعول بہ ہوا «قُلْتُ» کے لیے۔ میں نے

کہا، کیا کہا؟ «عَمْرٌو عَالِمٌ»۔ تو یہ «عَمْرٌو عَالِمٌ» میرا مقولہ ہے، میری کہی ہوئی بات ہے، یعنی یہ مفعول بہ ہے «قَالَ» کے لیے۔ تو یہ مفعول بہ ہوا کس کے لیے؟ «قُلْتُ» کے لیے، اور مفعول بہ کا اعراب کیا ہوتا ہے؟ منصوب ہوتا ہے، تو یہ جملہ یہ جو «عَمْرٌو عَالِمٌ» یہ منصوب ہے اور محلاً منصوب ہے کیونکہ جملہ مبنیات میں سے ہے، تو یہ مفعول بہ ہوا «قُلْتُ» کے لیے۔ تو «قُلْتُ» فعل اپنے فاعل، مفعول بہ اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہوا۔ ترکیب سمجھ میں آگئی؟ اور اسی «قُلْتُ» کو اگر میں «قِيلَ» بنا دوں: «قِيلَ» کہا گیا، «قِيلَ لِزَيْدٍ» زید سے کہا گیا، کیا کہا گیا؟ «عَمْرٌو عَالِمٌ»۔ تو اب یہ «عَمْرٌو عَالِمٌ» نائب الفاعل بن جائے گا، کیونکہ فعلِ مجہول جب لائیں تو مفعول بہ کیا بن جاتا ہے؟ نائب الفاعل بن جاتا ہے۔ توجہ ہے؟

تو اب دیکھیے بھئی، اب ہم وہ ترکیب کر رہے تھے «زَيْدٌ اضْرِبْهُ»۔ اور یہ «اضْرِبْهُ» یہ تو انشاء ہے اور انشاء تو خبر نہیں بن سکتا، تو پھر اس میں کیا تاویل کرتے ہیں؟ «أَقُولُ فِيهِ» یا «مَقُولٌ فِيهِ»۔ تو پہلے ہم اس کی «أَقُولُ فِيهِ» کے ساتھ تاویل کر لیتے ہیں۔ تو سنو ترکیب بھئی: «زَيْدٌ» مرفوع لفظاً مبتدا۔ «أَقُولُ» فعل، اس کے اندر «أَنَا» ضمیر مرفوع محلاً اس کا فاعل۔ اور «فِيهِ»: «فِي» جارہ، «هَاء» ضمیر مجرور محلاً کس کو راجع؟ زید کو، زید کے بارے میں میں کہہ رہا ہوں۔ یہ «فِيهِ» ضمیر ساتھ لائے ہیں ربط دینے کے لیے کیونکہ «أَقُولُ» پورا جملہ بنے گا، «أَقُولُ» فعل اپنے فاعل سے مل کر جملہ بنے گا اور جملے کو جب بھی کسی چیز سے جوڑیں درمیان میں کیا ضروری؟ ربط ضروری ہے، تو یہ «فِيهِ» کی ہَاء ضمیر کیوں لائے؟ ربط دینے کے لیے۔ تو «فِي» جارہ، «هَاء» ضمیر مجرور محلاً کس کو راجع؟ زید یعنی مبتدا کو راجع ہے۔ جار مجرور مل کر متعلق «أَقُولُ» سے۔ اور «اضْرِبْهُ» یہ جملہ فعلیہ انشائیہ مقولہ ہوا «أَقُولُ» کے لیے۔ میں نے یہ کہا، کیا کہا؟ «اضْرِبْهُ»۔ تو یہ مقولہ ہوا کس کے لیے؟ «أَقُولُ» فعل کے لیے یعنی یہ مفعول بہ بن گیا۔ تو «أَقُولُ» فعل اپنے فاعل، مفعول بہ اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر یہ خبر ہوئی زید مبتدا کے لیے۔ مبتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔ ترجمہ کرو: «زَيْدٌ أَقُولُ فِيهِ اضْرِبْهُ» زید کہ أَقُولُ فِيهِ میں اس کے بارے میں کہتا ہوں «اضْرِبْهُ»۔ زید کہ میں اس کے بارے میں کیا کہہ رہا ہوں؟ «اضْرِبْهُ» یعنی کہ اس کی پٹائی کرو۔ یا دوسری صورت ہے «مَقُولٌ فِيهِ» کے ساتھ تاویل کر لو۔ بھئی «أَقُولُ» تو فعلِ معروف تھا، فعلِ معروف کے لیے آگے جملہ وہ جو مقولہ ہوتا ہے وہ مفعول بہ بنتا ہے، اور «مَقُولٌ» تو اسمِ مفعول ہے اور اسمِ مفعول کے لیے کیا چاہیے؟ نائب فاعل، اور نائب فاعل کس کو بناتے ہیں؟ وہی جو پہلے مفعول بہ تھا اب کیا بن جاتا ہے؟ نائب فاعل۔ تو «مَقُولٌ» صیغہ اسمِ مفعول، اور «فِي» جارہ، «هَاء» ضمیر مجرور محلاً جو زید کو راجع، جار مجرور مل کر متعلق کس سے؟ «مَقُولٌ» سے۔ اور آگے «اضْرِبْهُ» یہ نائب الفاعل بن گیا «مَقُولٌ» کے لیے: پہلے یہ مفعول تھا «أَقُولُ» کے لیے، اب وہی نائب فاعل بن گیا یہ جو مقولہ ہے یہ «مَقُولٌ» کے لیے نائب فاعل بن گیا۔ اور اسمِ مفعول اپنے نائب فاعل اور متعلق جو ہے یعنی «فِيهِ» سے مل کر شبہ جملہ ہو کر یہ خبر ہوئی زید کی۔ مبتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔ طریقہ سمجھ میں آیا؟ جہاں پر بھی خبر جو ہے وہ انشاء واقع ہو تو آپ یہ تاویل وہاں کر سکتے ہیں، چاہے «مَقُولٌ فِيهِ» کہہ لیں چاہے «أَقُولُ فِيهِ» کہہ لیں۔ طریقہ سمجھ میں آگیا؟

تو بات یہ چل رہی تھی، انہوں نے آپ کو کہا: «وَقَدْ تَكُونُ جُمْلَةً خَبَرِيَّةً» کہ کبھی کبھار حال جو ہے جملہ خبریہ ہوتا ہے۔ تو یہ خبریہ کی قید کیوں لگائی؟ کیونکہ ذوالحال جو ہے مبتدا کے درجے میں اور حال کس کے درجے میں؟ خبر کے درجے میں، اور خبر تو انشاء واقع نہیں ہو سکتی، لہٰذا معلوم ہوا کہ جو حال جو جملہ بنے گا وہ بھی انشاء نہیں ہونا چاہیے بلکہ جملہ خبریہ ہونا چاہیے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ جملہ خبریہ جس کے کہنے والے کو سچا یا جھوٹا کہا جا سکے۔

دیکھیے بھئی متن۔ کہتے ہیں: وَقَدْ تَكُونُ جُمْلَةً خَبَرِيَّةً، اور کبھی کبھار حال جو ہے وہ جملہ خبریہ ہوتا ہے۔ فَالِاسْمِيَّةُ بِالْوَاوِ وَالضَّمِيرِ۔ اچھا بھئی، ادھر دیکھیے: پھر آپ کو بتائیں گے جملے کی پانچ قسمیں ہیں بھئی، جملے کی پانچ قسمیں۔ دیکھو ابتداءً دو قسم ہیں: ایک جملہ اسمیہ، ایک جملہ فعلیہ۔ ایک جملہ اسمیہ، ایک جملہ فعلیہ۔ پھر جملہ فعلیہ ہے اس کے شروع میں فعل آئے گا تو وہ فعلِ مضارع بھی ہو سکتا ہے، فعلِ ماضی بھی۔ پھر وہ مضارع مثبت بھی ہو سکتا ہے، مضارع منفی بھی۔ اسی طرح ماضی مثبت بھی ہو سکتا ہے، ماضی منفی بھی۔ تو یہ پانچ قسمیں بن گئیں: ایک جملہ اسمیہ، ایک مضارع مثبت، ایک مضارع منفی، ایک ماضی مثبت، ایک ماضی منفی۔ کتنی قسمیں؟ پانچ قسمیں بن گئیں۔ تو بتائیں گے کہ ان میں سے جو جملہ اسمیہ ہے اس کو ربط چاہیے ذوالحال کے ساتھ، تو وہ ربط آپ واؤ کے ساتھ بھی دے سکتے ہیں، ضمیر کے ساتھ بھی دے سکتے ہیں، اور دونوں کے ساتھ بھی دے سکتے ہیں کہ آپ واؤ بھی لے آئیں اور ضمیر بھی لے آئیں۔ توجہ ہے؟ تو جملہ اسمیہ اگر حال واقع ہو تو ربط دینے کی کتنی صورتیں؟ تین صورتیں، کون سی؟ یا تو واؤ اور ضمیر دونوں لے آؤ، یا صرف ضمیر لاؤ، یا صرف واؤ لاؤ۔ تینوں صورتوں کے ساتھ آپ ربط دے سکتے ہیں، لیکن صرف ضمیر سے ربط دینا ضعیف ہے، صرف ضمیر سے ربط دینا ضعیف ہے۔ وجہ یہ کہ واؤ کے ساتھ جب آپ ربط دیں گے تو واؤ تو جملے کے شروع میں آتا ہے، تو شروع سے ہی پتہ چل جائے گا کہ یہ جو آگے جملہ آرہا ہے یہ کوئی الگ مستقل بات نہیں ہے، اس کو جوڑنا ہے ماقبل میں ذوالحال کے ساتھ۔ اور جبکہ ضمیر تو جملے کے بیچ میں کہیں پر آئے گی، تو شروع سے ہی پتہ نہیں چلے گا کہ یہ جملہ حال واقع ہو رہا ہے۔ تو جملہ اسمیہ کو صرف ضمیر کے ساتھ ربط دینا حال کے ساتھ یہ ضعیف ہے۔

اور باقی کتنی قسمیں رہ گئیں؟ چار قسمیں جملے کی رہ گئیں: مضارع مثبت، مضارع منفی، ماضی مثبت، ماضی منفی۔ ان میں سے جو مضارع مثبت ہے، مضارع مثبت ہے، اس کا ربط صرف ضمیر کے ساتھ دے سکتے ہیں، واؤ کے ساتھ نہیں۔ اس کا ربط صرف ضمیر کے ساتھ آپ حال کے ساتھ ربط دے سکتے ہیں، یہاں واؤ نہیں لا سکتے۔ اور باقی جو تین قسمیں رہ گئیں—مضارع منفی، اور اسی طرح ماضی مثبت اور ماضی منفی—ان تینوں کے اندر تینوں طرح سے ربط دے سکتے ہیں: صرف واؤ کے ساتھ ربط دینا بھی صحیح، صرف ضمیر کے ساتھ ربط دینا بھی صحیح، اور دونوں کے ساتھ ربط دینا بھی صحیح ہے۔ تفصیل سمجھ میں آگئی؟

اب دیکھیے کتاب پر، متن دیکھیے۔ کہتے ہیں: فَالِاسْمِيَّةُ بِالْوَاوِ وَالضَّمِيرِ، أَوْ بِالْوَاوِ، أَوْ بِالضَّمِيرِ عَلَى ضَعْفٍ، وَالْمُضَارِعُ الْمُثْبَتُ بِالضَّمِيرِ وَحْدَهُ، وَمَا سِوَاهُمَا بِالْوَاوِ وَالضَّمِيرِ أَوْ بِأَحَدِهِمَا. جی، کہ...

وہ واؤ اور ضمیر کے ساتھ ہو۔

وہ واؤ اور ضمیر کے ساتھ ہوگا، یعنی دونوں ہوں گے۔ أَوْ بِالْوَاوِ، یا صرف کس کے ساتھ ہوگا؟ واؤ کے ساتھ ہوگا۔ أَوْ بِالضَّمِيرِ عَلَى ضَعْفٍ، یا صرف ضمیر کے ساتھ ہوگا ضعف پر، یعنی صرف ضمیر کے ساتھ ربط دینا ضعیف ہے۔ وَالْمُضَارِعُ الْمُثْبَتُ بِالضَّمِيرِ وَحْدَهُ، اور مضارع مثبت جو ہے وہ صرف ضمیر کے ساتھ آئے گا، وہاں ربط صرف ضمیر سے دے سکتے ہیں واؤ کے ساتھ نہیں دے سکتے۔ وَمَا سِوَاهُمَا، اور ان دونوں کے علاوہ جو ہیں—کون سے دونوں؟ ایک جملہ اسمیہ اور ایک مضارع مثبت—اس کے علاوہ یعنی باقی تینوں جملے جو ہیں بِالْوَاوِ وَالضَّمِيرِ أَوْ بِأَحَدِهِمَا ان کا ربط واؤ اور ضمیر دونوں کے ساتھ ہوگا أَوْ بِأَحَدِهِمَا یا دونوں میں سے ایک کے ذریعے ہوگا۔ بات سمجھ میں آگئی؟ اب آئیے اس سارے کو شرح کے ساتھ دیکھیں۔

کہتے ہیں: وَقَدْ تَكُونُ أَيِ الْحَالُ جُمْلَةً، اور کبھی کبھار حال جو ہے وہ جملہ ہوتا ہے، لِدَلَالَتِهَا عَلَى هَيْئَةٍ كَالْمُفْرَدَاتِ. بھئی سوال: جملہ کیسے حال واقع ہو سکتا ہے؟ «جَاءَنِي زَيْدٌ رَاكِباً» یہ «رَاكِباً» تو مفرد کا صیغہ ہے، یہ تو حال پہ دلالت کر رہا ہے، «رَاكِباً» کا کیا معنیٰ؟ کس حالت میں ہے؟ سوار ہونے کی حالت میں ہے۔ تو جملہ کیسے حال واقع ہو سکتا ہے؟ تو آپ کو بتلائیں گے کہ بھئی جملہ بھی حالت اور صفت پہ دلالت کرتا ہے، جملہ بھی حالت اور—«زَيْدٌ عَالِمٌ» میں نے کیا بتلایا آپ کو؟ کہ زید عالم ہے، تو عالم ہونے کے وصف کا پتہ چلا یا نہیں آپ کو؟ کہ زید عالم ہے، تو جملہ بھی حالت اور صفت بتلاتا ہے بھئی۔ تو کہتے ہیں: وَقَدْ تَكُونُ أَيِ الْحَالُ جُمْلَةً اور کبھی کبھار حال جملہ ہوتا ہے، لِدَلَالَتِهَا عَلَى الْهَيْئَةِ بوجہ اس کے دلالت کرنے ہیئت پر یعنی صفت پر كَالْمُفْرَدَاتِ جیسے کہ مفردات ہوتے ہیں جو—جیسے وہ ہیئت پر دلالت کرتے ہیں، فَيَصِحُّ أَنْ تَقَعَ حَالاً مِثْلَهَا تو صحیح ہے کہ وہ جملہ حال واقع ہو جائے مِثْلَهَا اس حال میں کہ وہ مفردات کے مثل ہے۔ بھئی دیکھیے یہ عبارت سمجھ لو: «فَيَصِحُّ أَنْ تَقَعَ»، «تَقَعَ» کے اندر «هِيَ» ضمیر جو راجع ہے جملے کو: وہ جملہ واقع ہو، آگے «حَالاً» یہ مفعول بہ ہے، وہ جملہ حال واقع ہو۔ اور «مِثْلَهَا» یہ حال ہے جملے سے، کس سے؟ اس حال میں کہ وہ جملہ مِثْلَهَا وہ ان مفردات کے مثل ہے۔ بتا تو دیا کہ جملہ بھی مفردات کی طرح حالت پہ دلالت کرتا ہے تو یہ ان کے مثل ہوا۔ تو کہتے ہیں: فَيَصِحُّ أَنْ تَقَعَ حَالاً مِثْلَهَا تو صحیح ہوا کہ وہ جملہ حال واقع ہو اس حال میں کہ یہ ان مفردات کے مثل ہے۔

وَلٰكِنْ يَجِبُ أَنْ تَكُونَ الْجُمْلَةُ الْحَالِيَّةُ خَبَرِيَّةً مُحْتَمِلَةً لِلصِّدْقِ وَالْكَذِبِ، لیکن واجب ہے کہ وہ جملہ حالیہ وہ ایسا جملہ خبریہ ہونا چاہیے جو احتمال رکھتا ہو صدق اور کذب کا—یہ تفسیر کر دی کہ خبریہ کہتے ہی کس کو ہیں؟ جس میں صدق اور کذب دونوں کا احتمال ہو، تو وہ ایسا جملہ خبریہ ہو مُحْتَمِلَةً لِلصِّدْقِ وَالْكَذِبِ جو صدق اور کذب کا احتمال رکھتا ہو—لِأَنَّ الْحَالَ بِمَنْزِلَةِ

الْخَبَرِ عَنْ ذِي الْحَالِ اس لیے کیونکہ یہ جو حال ہے یہ ذوالحال سے خبر کے درجے میں ہے، وَإِجْرَاءَهَا عَلَيْهِ فِي قُوَّةِ الْحُكْمِ بِهَا عَلَيْهِ۔ یہ «إِجْرَاءَهَا» کا عطف کریں «الْحَالَ» پر، اور «الْحَالَ» «أَنَّ» کا اسم ہے: «لِأَنَّ الْحَالَ»، تو لہٰذا «إِجْرَاءَهَا» کو بھی کیا پڑھیں؟ منصوب پڑھیں۔ پھر دیکھیں ترجمہ: لِأَنَّ الْحَالَ بِمَنْزِلَةِ الْخَبَرِ عَنْ ذِي الْحَالِ اس لیے کیونکہ حال جو ہے وہ ذوالحال سے خبر کے درجے میں ہوتا ہے، وَإِجْرَاءَهَا عَلَيْهِ اور حال کو جاری کرنا ذوالحال پر فِي قُوَّةِ الْحُكْمِ بِهَا عَلَيْهِ وہ اسی قوت میں ہے کہ حکم لگایا جا رہا ہے حال کا عَلَيْهِ اس ذوالحال پر۔ وَالْجُمْلَةُ الْإِنْشَائِيَّةُ لَا تَصْلُحُ أَنْ يُحْكَمَ بِهَا عَلَى شَيْءٍ، اور جملہ انشائیہ وہ صلاحیت نہیں رکھتا کہ اس کے ذریعے کسی چیز پر حکم لگایا جائے۔

وَلَمَّا كَانَتِ الْجُمْلَةُ مُسْتَقِلَّةً فِي الْإِفَادَةِ لَا تَقْتَضِي ارْتِبَاطَهَا بِغَيْرِهَا، اور جب جملہ جو ہے وہ مستقل ہے فِي الْإِفَادَةِ فائدہ دینے میں—بھئی جملہ مستقل ہے یعنی فائدہ دینے میں مستقل ہے، وہ کسی سے جڑنے کا محتاج نہیں، اس میں ایک مبتدا اور ایک خبر ہے یا اس میں ایک فعل یا اس کا آگے فاعل یا نائب فاعل ہے، اس میں بات پوری ہوتی ہے، مسند بھی موجود ہوتا ہے اور مسند الیہ بھی، لہٰذا وہ کسی سے جڑنے کا محتاج نہیں۔ تو وہ فائدہ دینے میں مستقل ہے، اس میں بات پوری ہے، لیکن آپ اس کو جوڑنا چاہتے ہیں تو ربط چاہیے—تو کہتے ہیں: وَلَمَّا كَانَتِ الْجُمْلَةُ مُسْتَقِلَّةً فِي الْإِفَادَةِ لیکن جب وہ جملہ مستقل ہے فائدہ دینے میں، لَا تَقْتَضِي ارْتِبَاطَهَا بِغَيْرِهَا وہ تقاضا نہیں کرتا کسی اور کے ساتھ جڑنے کا، وَالْحَالُ مُرْتَبِطَةٌ بِغَيْرِهَا اور حال تو جڑا ہوا ہوتا ہے اپنے علاوہ کے ساتھ یعنی ذوالحال کے ساتھ، فَإِذَا وَقَعَتِ الْجُمْلَةُ حَالاً تو پس جملہ جب حال واقع ہو لَا بُدَّ لَهَا مِنْ رَابِطَةٍ تَرْبِطُهَا إِلَى صَاحِبِهَا۔ «رَابِطَة» یہ نکرہ ہے، اور «تَرْبِطُهَا» یہ اس کے بعد فعل آیا، اور نکرہ کے بعد فعل آئے تو وہ اس کے لیے کیا بنتا ہے؟ صفت بنتا ہے، اور موصوف صفت کا ترجمہ کیسے کرتے ہیں؟ موصوف سے پہلے «ایسا» یا «ایسی» کا لفظ لاتے ہیں، تو میں رابطہ سے پہلے ایسا یا ایسی کا لفظ لاؤں گا، اب ترجمہ پھر سنیں: فَإِذَا وَقَعَتِ الْجُمْلَةُ حَالاً پس جملہ جب حال واقع ہو، لَا بُدَّ لَهَا مِنْ رَابِطَةٍ تو ضروری ہے اس کے لیے کوئی ایسا رابطہ، کوئی ایسی جوڑنے والی چیز تَرْبِطُهَا جو اس کو جوڑ دے إِلَى صَاحِبِهَا اس کے صاحب یعنی ذوالحال سے، وَهِيَ الضَّمِيرُ وَالْوَاوُ اور یہ چیز جو ربط دینے والی ہے وہ ضمیر اور واؤ ہے۔

وَالْجُمْلَةُ الْخَبَرِيَّةُ إِمَّا اسْمِيَّةٌ أَوْ فِعْلِيَّةٌ، اور جملہ خبریہ جو ہے یا تو وہ جملہ اسمیہ ہوگا یا فعلیہ ہوگا، وَالْفِعْلِيَّةُ إِمَّا أَنْ يَكُونَ فِعْلُهَا مُضَارِعاً مُثْبَتاً أَوْ مُضَارِعاً مَنْفِيًّا أَوْ مَاضِياً مُثْبَتاً أَوْ مَاضِياً مَنْفِيًّا، اور فعلیہ جو ہے إِمَّا أَنْ يَكُونَ فِعْلُهَا یا تو اس کا فعل جو ہے وہ مضارع مثبت ہوگا، یا مضارع منفی ہوگا، یا ماضی مثبت ہوگا، یا ماضی منفی ہوگا۔ فَهٰذِهِ خَمْسُ جُمَلٍ تو یہ پانچ جملے ہوئے۔ تو یہ پانچ جملے ہیں: فَالِاسْمِيَّةُ أَيِ الْجُمْلَةُ الْاسْمِيَّةُ الْحَالِيَّةُ مُتَلَبِّسَةٌ بِالْوَاوِ وَالضَّمِيرِ، تو جملہ اسمیہ جو ہے یعنی وہ جملہ اسمیہ جو حالیہ ہو، مُتَلَبِّسَةٌ بِالْوَاوِ وَالضَّمِيرِ وہ متلبس ہوتا ہے واؤ اور ضمیر کے ساتھ۔ تلبس کا معنیٰ ہے تعلق بھئی، تلبس کا کیا معنیٰ ہے؟ تعلق بھئی، اور یہ «بِالْوَاوِ وَالضَّمِيرِ» دیکھو یہ جار مجرور ہیں، با جارہ ہے، «بِالْوَاوِ وَالضَّمِيرِ»۔ تو صاحبِ جامی نے «مُتَلَبِّسَةٌ» نکالا، آپ نکال لیں «ثَابِتَةٌ»: «وَالِاسْمِيَّةُ ثَابِتَةٌ بِالْوَاوِ وَالضَّمِيرِ» جملہ اسمیہ واؤ اور ضمیر کے ساتھ ثابت ہوتا ہے۔ تو بہرحال تلبس کا معنیٰ ہے تعلق بھئی، ایک چیز کا دوسری چیز سے مل جانا، تعلق ہو جانا۔ تو جملہ اسمیہ جو ہے وہ متلبس

ہوتا ہے واؤ اور ضمیر کے ساتھ یعنی اس کے ساتھ واؤ اور ضمیر ہوتے ہیں مَعاً اکٹھے ہی، یعنی کبھی اکٹھے ہوں گے کبھی دونوں میں سے ایک ایک آئے گا۔ تو یہ پہلی صورت وہ ہے جس میں واؤ اور ضمیر «بِالْوَاوِ وَالضَّمِيرِ مَعاً» واؤ اور ضمیر اکٹھے ہوں گے۔

لِقُوَّةِ الْاسْمِيَّةِ فِي الِاسْتِقْلَالِ، اس لیے کیونکہ جملہ اسمیہ جو ہے لِقُوَّةِ الْاسْتِقْلَالِ بوجہ قوی ہونے کے جملہ اسمیہ کے فِي الِاسْتِقْلَالِ استقلال میں۔ بھئی دیکھیے ایک ہے جملہ اسمیہ، ایک ہے جملہ فعلیہ۔ جملہ مستقل ہوتا ہے، چاہے جملہ اسمیہ ہو چاہے جملہ فعلیہ، لیکن جملہ اسمیہ زیادہ قوی ہے مستقل ہونے میں۔ توجہ ہے؟ جملہ اسمیہ بھی مستقل، جملہ فعلیہ بھی مستقل، لیکن زیادہ قوی استقلال کس کے اندر ہے؟ جملہ اسمیہ میں، وہ زیادہ قوی ہے مستقل ہونے کے اعتبار سے۔ بھئی کیا معنیٰ؟ کہتے ہیں شاید صاحبِ جامی کی مراد یہ ہے، کہنا یہ چاہتے ہیں کہ چونکہ جملہ اسمیہ عموماً دو اسموں سے مل کر بنتا ہے، ایک مبتدا اور ایک خبر، اس کے اجزا بھی مستقل ہیں، بایں اعتبار اس میں استقلال کی قوت زیادہ ہے۔ بھئی آپ جانتے ہیں کلمہ تین قسم پر ہے: اسم، فعل، حرف۔ اسم مسند الیہ بھی بنتا ہے اور مسند بھی بنتا ہے، فعل صرف مسند بنتا ہے مسند الیہ نہیں بنتا، اور حرف نہ مسند بنتا ہے اور نہ مسند الیہ۔ اور کلام کے لیے ہمیشہ مسند الیہ بھی چاہیے اور مسند بھی، تو اسم ان میں سب سے قوی ہے کیونکہ صرف اسم ہو، ایک کو مسند الیہ بنا دو ایک کو مسند بنا دو کیونکہ یہ دونوں بن سکتا ہے تو اس سے پورا کلام حاصل ہو جائے گا۔ فعل کا درجہ اس سے کم ہے کیونکہ فعل مسند تو بنتا ہے مسند الیہ نہیں، لہٰذا اکیلے فعل سے کبھی بھی کلام پورا نہیں ہوگا بلکہ اس کے لیے آگے کوئی اسم چاہیے جو فاعل یا نائب فاعل بنے، مسند الیہ بنے، پھر کلام پورا ہوگا۔ اور حرف ان میں سب سے ضعیف ہے کیونکہ وہ نہ مسند بنتا ہے اور نہ مسند الیہ۔ تو چونکہ جملہ اسمیہ اس کے دونوں جز کیا ہوتے ہیں عموماً؟ اسم ہوتے ہیں، تو گویا یہ جملہ بھی مستقل اور اس کے اجزا بھی مستقل، تو بایں اعتبار معلوم ہوا اس کے استقلال میں زیادہ قوت ہے۔ تو چونکہ زیادہ قوت ہے تو لہٰذا یہاں واؤ اور ضمیر دونوں کے ساتھ ربط دیں گے، اور صرف واؤ کے ساتھ بھی ربط دینا ٹھیک ہے تاکہ آغاز سے ہی پتہ چل جائے کہ یہ حال واقع ہو رہا ہے، لیکن صرف ضمیر سے ربط دینا ضعیف ہے۔

تو کہتے ہیں جملہ اسمیہ واؤ اور ضمیر دونوں کے ساتھ ہوگا لِقُوَّةِ الْاسْمِيَّةِ فِي الِاسْتِقْلَالِ بوجہ جملہ اسمیہ کے استقلال کے اندر قوی ہونے کے، فَنَاسَبَ أَنْ تَكُونَ الرَّابِطَةُ فِيهَا فِي غَايَةِ الْقُوَّةِ تو مناسب ہوا کہ اس کے اندر جو ربط دینے والی چیز ہے وہ بھی انتہائی قوت کے درجے میں ہو، اس کے اندر جو ربط دینے والی چیز ہے فِي غَايَةِ الْقُوَّةِ قوت کے اندر وہ انتہا کو پہنچی ہوئی ہو، نَحْوُ جِئْتُ وَأَنَا رَاكِبٌ، جِئْتَ وَأَنْتَ رَاكِبٌ، جَاءَنِي زَيْدٌ وَهُوَ رَاكِبٌ۔ جی اب ترکیب کیجیے، پتہ چلے گا بھئی آپ کو کتنی ترکیب آچکی ہے۔ جی ترکیب کیجیے: جِئْتُ وَأَنَا رَاكِبٌ۔ یہ «تَاء» ضمیر ہے ذوالحال، اور آگے «وَأَنَا رَاكِبٌ» یہ پورا جملہ حال ہے۔ اگلی مثال: جِئْتَ وَأَنْتَ رَاكِبٌ۔ «جِئْتَ» یہ «تَاء» ضمیر ہے ذوالحال، اور «وَأَنْتَ رَاكِبٌ» پورا جملہ حال ہے۔ اور

تیسری مثال ہے: جَاءَنِي زَيْدٌ وَهُوَ رَاكِبٌ. اس میں «زَيْدٌ» جو ہے یہ ہے ذوالحال، اور «وَهُوَ رَاكِبٌ» پورا جملہ حال ہے۔ جی ترکیب کیجیے: جِئْتُ وَأَنَا رَاكِبٌ. «جِئْتُ» فعل با فاعل، اس کے اندر «تَاء» ضمیر مرفوع محلاً اس کا فاعل ہے اور یہ ہے ذوالحال۔ واؤ حالیہ، «أَنَا» مرفوع محلاً بتدا، «رَاكِبٌ» مرفوع لفظاً صیغہ اسمِ فاعل، اس کے اندر «أَنَا» ضمیر، شاباش، میں نے آپ کو بتلایا تھا کہ صفت کے صیغے کو جس قسم کی ضمیر سے جوڑیں اس کے اندر بھی وہی ضمیر ہوگی: «أَنَا رَاكِبٌ» تو «رَاكِبٌ» میں کون سی ضمیر؟ «أَنَا»، «أَنْتَ رَاكِبٌ» تو «رَاكِبٌ» میں کون سی ضمیر؟ «أَنْتَ»، اور «هُوَ رَاكِبٌ» تو «رَاكِبٌ» کے اندر کون سی ضمیر؟ «هُوَ»، اور «زَيْدٌ رَاكِبٌ» تو اب «رَاكِبٌ» میں کون سی ضمیر؟ «هُوَ»، کیونکہ زید یہ تو اسمِ ظاہر ہے اور یاد رکھنا اسمِ ظاہر بھی غائب کے درجے میں ہوتا ہے اس لیے اس کے لیے بھی غائب کی ضمیر نکالتے ہیں۔ بھئی غائب کے درجے میں کیوں ہوتا ہے اسمِ ظاہر؟ اس لیے کیونکہ نام لے رہے ہیں آپ، ضمیر نہیں لا رہے، متکلم اپنے لیے بھی ضمیر استعمال کرتا ہے، مخاطب کے لیے بھی ضمیر استعمال کرتا ہے، نام جو لیا جاتا ہے نا وہ کسی ایسے کا لیا جاتا ہے جو وہاں موجود نہ ہو، اور اس کا بھی ایک دفعہ نام لیتے ہیں پھر اس کے لیے بھی ضمیریں لاتے ہیں، تو اسمِ ظاہر یاد رکھنا ہمیشہ کس کے درجے میں ہے؟ غائب کے درجے میں ہے لہٰذا اس کے لیے غائب کی ضمیر نکالیں گے۔ تو «جِئْتُ وَأَنَا رَاكِبٌ» ہم ترکیب کر رہے تھے: اچھا، واؤ حالیہ، «أَنَا» مرفوع محلاً بتدا، «رَاكِبٌ» مرفوع لفظاً صیغہ اسمِ فاعل، اس کے اندر «أَنَا» ضمیر مرفوع محلاً اس کا فاعل، اور پھر یہ بھی یاد رکھنا میں نے آپ کو بتایا تھا کہ مرجع صرف غائب کی ضمیر کا ہوتا ہے، متکلم اور مخاطب کی ضمیر کا مرجع نہیں کیونکہ متکلم اور مخاطب تو آمنے سامنے موجود ہیں، تو اب آپ یہ نہ کہہ دینا کہ «رَاكِبٌ» کے اندر «أَنَا» ضمیر یہ اس «أَنَا» ضمیر کو راجع ہے، نہیں نہیں، بس یوں کہیں ربط آگیا۔ بھئی جب راجع نہیں ہے تو ربط کیسے آیا؟ تو جواب یہ کہ آپ «رَاكِبٌ» کو کس سے جوڑنا چاہتے ہیں؟ «أَنَا» سے، اور وہی «أَنَا» کس کے اندر ہے؟ «رَاكِبٌ» میں بھی ہے تو ربط آگیا، جیسے «الْحَاقَّةُ مَا الْحَاقَّةُ»، «الْحَاقَّةُ» ہے بتدا اور «مَا الْحَاقَّةُ» یہ پورا جملہ یہ ہے اس کی خبر، تو سوال پیدا ہوا اس میں تو کوئی ضمیر نہیں، تو جواب یہ کہ جس «الْحَاقَّةُ» سے یہ پورا جملہ «مَا الْحَاقَّةُ» کو ہم جوڑنا چاہتے ہیں وہ خود «الْحَاقَّةُ» اس کے اندر موجود ہے تو ربط آگیا۔ تو یہاں پر بھی «أَنَا» سے ہم «رَاكِبٌ» کو جوڑنا چاہتے ہیں تو «رَاكِبٌ» کے اندر «أَنَا» ضمیر آگئی تو ربط آگیا۔ اچھا تو «أَنَا» بتدا اور «رَاكِبٌ» یہ شبہ جملہ اس کی خبر، بتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہو کر یہ حال ہوا «جِئْتُ» کی «تَاء» ضمیر سے۔ اور پورا جملہ جب حال واقع ہو تو ربط ضروری، تو اس کا کیا ربط ہے «جِئْتُ» کے ساتھ؟ جی، ایک تو واؤ کے ذریعے ربط آیا، دوسرا ضمیر کے ذریعے بھی، جوڑنا کس سے چاہتے ہیں؟ «جِئْتُ» کی «تَاء» ضمیر ہے جو واحد متکلم کی ہے، اور اس کے اندر «وَأَنَا رَاكِبٌ» اس میں «أَنَا» ضمیر بھی کون سی ہے؟ واحد متکلم کی، تو ضمیر کے ذریعے بھی ربط آگیا۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ ہاں صرف صورتیں الگ ہیں، ضمیر ایک ہی ہے: «جِئْتُ» کی «تَاء» اور «أَنَا» یہ دونوں واحد متکلم کی ضمیریں ہیں، صرف صورت الگ الگ ہے: «جِئْتُ» کی جو «تَاء» ہے وہ ضمیرِ مرفوع متصل ہے، وہ جڑی ہوئی ہے،...

...اور «أَنَا» ضمیرِ منفصل ہے بھئی۔

ترجمہ کیا ہوا؟ «جِئْتُ وَأَنَا رَاكِبٌ» میں آیا اس حال میں کہ میں سوار تھا، یعنی میں سوار ہو کر آیا۔ «وَجِئْتَ وَأَنْتَ رَاكِبٌ» یہاں «رَاكِبٌ» کے اندر کون سی ضمیر ہے؟ «أَنْتَ» شاباش۔ «وَجَاءَنِي زَيْدٌ وَهُوَ رَاكِبٌ» یہاں «رَاكِبٌ» کے اندر کون سی ضمیر ہے؟ «هُوَ» ہے شاباش۔

آگے دیکھیے: أَوْ بِالْوَاوِ وَحْدَهَا، یا وہ جملہ اسمیہ اکیلے واؤ کے ساتھ ہوگا یعنی اس کے ذریعے ربط دیا جائے گا، لِأَنَّهَا تَدُلُّ عَلَى الرَّبْطِ فِي أَوَّلِ الْأَمْرِ اس لیے کیونکہ واؤ جو ہے وہ ربط پر دلالت کرتا ہے فِي أَوَّلِ الْأَمْرِ ابتدائے امر میں ہی، یعنی شروع سے ہی جملے کے پتہ چل جائے گا کہ یہ جملہ حال واقع ہو رہا ہے، فَاكْتُفِيَ بِهَا تو اسی پر اکتفا کر لیا جائے گا، اسی پر اکتفا کر لیا جائے گا۔ جی اکتفا کر لیا جائے گا ذرا ترکیب کرو «فَاكْتُفِيَ بِهَا»: «اِكْتَفَى» تو فعلِ لازم ہے اور اس کے لیے مفعول آتا ہی نہیں، مفعول آتا ہی نہیں، تو جب فعلِ معروف سے مجہول بناتے ہیں تو جو مفعول ہوتا ہے اس کو نائب الفاعل بناتے ہیں، اور «اِكْتَفَى» فعل کے لیے تو مفعول بہ آتا ہی نہیں ہے، تو پھر جب مجہول بنا دیا تو اب نائب الفاعل کس کو بنائیں؟ کس کو بنائیں گے نائب الفاعل؟ ہاں شاباش، میں نے بتایا تھا کہ یہ «بِهَا» جار مجرور ہے، اسی کو کیا بنا دیں گے؟ نائب الفاعل۔ یا «أُكْتُفِيَ» کے اندر «هُوَ» ضمیر راجع کر لیں کس کی طرف؟ «هُوَ» ضمیر اسی کے مصدر کو راجع کر لیں اور وہ کیا ہے؟ اکتفا: «فَاكْتُفِيَ الِاكْتِفَاءُ بِهَا»، اور پھر «أُكْتُفِيَ» کا ترجمہ کس سے کر لیں؟ «يَقَعُ» کے ساتھ: أَيْ فَيَقَعُ الِاكْتِفَاءُ بِهَا تو اس کے ذریعے اکتفا واقع ہو جائے گی۔ طریقہ سمجھ میں آیا؟ تو یہ ہمیشہ یاد رکھو بھئی، جگہ جگہ آپ کو یہ ترکیبوں میں کام آئے گا۔

تو کہتے ہیں: فَاكْتُفِيَ بِهَا تو اسی واؤ پر ہی اکتفا کر لیا گیا کیونکہ اس سے شروع میں ہی پتہ چل گیا کہ اگلا جملہ حال واقع ہو رہا ہے۔ مِثْلُ قَوْلِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ، جیسے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا قول ہے: كُنْتُ نَبِيًّا وَآدَمُ بَيْنَ الْمَاءِ وَالطِّينِ، میں پیغمبر تھا وَآدَمُ بَيْنَ الْمَاءِ وَالطِّينِ اس حال میں کہ حضرت آدم علیہ السلام ابھی پانی اور مٹی کے درمیان تھے، کہ میں نبی تھا اس حال میں کہ حضرت آدم علیہ السلام ابھی پانی اور مٹی کے درمیان تھے بھئی، یعنی حضرت آدم علیہ السلام ابھی روح اور جسم کے مراحل میں تھے، یعنی ابھی ان کی روح کا تعلق ان کے جسم کے ساتھ نہ ہوا تھا بھئی، میں اس وقت بھی نبی تھا بھئی، اس وقت بھی نبی تھا۔ یاد رکھو اہلِ سنت والجماعت کا عقیدہ یہ ہے کہ حضور علیہ السلام حقیقت کے اعتبار سے تمام انبیا پر مقدم ہیں، ہاں ظہور حضور علیہ السلام کا سب سے آخر میں ہوا ہے۔ تو حقیقت کے اعتبار سے حضور علیہ السلام سب پر مقدم ہیں، یہ کائنات کو اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ السلام کے لیے پیدا فرمایا، تو حضور علیہ السلام جو ہیں وہ حقیقت کے اعتبار سے سب پر مقدم تھے البتہ ظہور کے اعتبار سے مؤخر ہیں بھئی۔ چنانچہ اس حدیث میں اسی بات کی طرف اشارہ ہے: حضور علیہ السلام فرماتے ہیں «كُنْتُ نَبِيًّا» میں پیغمبر تھا «وَآدَمُ بَيْنَ الْمَاءِ وَالطِّينِ» اور آدم علیہ السلام پانی اور مٹی میں تھے یعنی ابھی وہ جسم اور روح کے مراحل میں تھے، ابھی ان کی روح کا تعلق ان کے جسدِ مبارک سے نہیں ہوا تھا، میں اس وقت بھی پیغمبر تھا۔ بات سمجھ میں آگئی؟ علماء نے اس حدیث کے الفاظ اور اس کی سند کے بارے میں کلام کیا ہے، لیکن اور احادیث ایسی

موجود ہیں جن کے الفاظ اس سے کچھ مختلف ہیں لیکن اس میں یہی بات ذکر کی گئی ہے، جیسے کہ ایک حدیث ہے: حضور علیہ السلام سے پوچھا گیا کہ یا رسول اللہ آپ کے لیے نبوت کب ثابت ہوئی؟ فرمایا کہ «كُنْتُ نَبِيًّا وَآدَمُ بَيْنَ الرُّوحِ وَالْجَسَدِ» میں پیغمبر تھا کہ ابھی حضرت آدم علیہ السلام روح اور جسد کے بیچ تھے، یعنی ابھی وہ ان مراحل سے گزر رہے تھے، ابھی ان کی روح کا ان کے جسد سے تعلق نہیں ہوا تھا، میں اس وقت بھی نبی تھا۔ بات سمجھ میں آگئی؟ اہلِ سنت والجماعت تو کہتے ہیں حضور علیہ السلام حقیقت کے اعتبار سے سب پر مقدم ہیں اور ظہور آپ کا تمام انبیا کے آخر میں ہوا ہے، جبکہ بعض علماء پھر اس کا معنیٰ یہ کرتے ہیں کہ «كُنْتُ نَبِيًّا» میں نبی تھا یعنی اللہ نے میرے لیے فیصلہ فرما دیا تھا نبی ہونے کا جبکہ ابھی حضرت آدم علیہ السلام جسم و روح کے مراحل سے گزر رہے تھے، اس وقت ہی اللہ نے میرے لیے نبوت کا فیصلہ فرما دیا تھا۔ لیکن اگر یہ توجیہ کی جائے، یہ توجیہ کی جائے، پھر یہ فیصلہ تو ہر پیغمبر کے لیے ہو چکا تھا، اللہ کے علم میں تو سب کچھ تھا، تو اگر معنیٰ یہ ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام ابھی ان مراحل میں تھے اور میرے لیے نبوت کا فیصلہ اللہ فرما چکے تھے، پھر تو حضور علیہ السلام کی کوئی اس میں خصوصیت باقی نہ رہی، کیونکہ یہ فیصلہ تو باقی انبیا کے لیے بھی ان کی پیدائش سے پہلے ہی اللہ فرما چکے تھے کہ ان کو میں نے پیغمبر بنانا ہے۔ بلکہ اس کا معنیٰ یہ ہے—علماء فرماتے ہیں—کہ حضور علیہ السلام پر نبوت کے احکام اس سے پہلے بھی جاری تھے، اور باقی انبیا جو ہیں جب دنیا میں تشریف لائے اور ان کو بھیجا گیا اپنی قوموں کی طرف، اس وقت ان پر نبوت کے احکام جاری ہوئے، اس سے پہلے جاری نہیں تھے، جبکہ حضور علیہ السلام پر اس سے پہلے سے ہی نبوت کے احکام جاری تھے۔ بلکہ علماء فرماتے ہیں، علماء فرماتے ہیں کہ اصل نبوت تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی ہے، حضور کے لیے ہی اللہ نے سب کچھ پیدا فرمایا، اور باقی انبیا کو جو نبوت ملی وہ حضور کے وسیلے سے ملی ہے۔ حضور علیہ السلام نے چونکہ آخر میں آنا تھا تو ان سے پہلے اللہ اور انبیا کو دنیا میں بھیجتے رہے، اور یہ انبیا دنیا میں نبوت کا کام سرانجام دیتے رہے حضور علیہ السلام کے نائب ہونے کی حیثیت سے۔ اصل کون تھے؟ حضور۔ چونکہ ابھی اصل آئے نہیں تو یہ نائب جو تھے یہ ان کا کام سرانجام دیتے رہے بھئی، اور پھر آخر میں حضور علیہ السلام تشریف لائے۔ تو دیکھیے یہ حدیث میں: «كُنْتُ نَبِيًّا وَآدَمُ بَيْنَ الْمَاءِ وَالطِّينِ» میں نبی تھا اس حال میں کہ آدم علیہ السلام پانی اور مٹی میں تھے۔ بھئی «طِين» یاد رکھو گارے کو کہتے ہیں گارے کو، کس کو؟ گارے کو، اور تو ہونا تو یوں چاہیے تھا کہ «وَآدَمُ بَيْنَ الْمَاءِ وَالتُّرَابِ»، عام مٹی کو «تُرَاب» کہتے ہیں عربی میں: آدم علیہ السلام پانی اور مٹی میں تھے یعنی ان مراحل سے گزر رہے تھے۔ لیکن حدیث میں کیا لفظ آیا؟ «وَالطِّينِ» نہیں، «وَالطِّينِ»، آدم علیہ السلام پانی اور گارے کے مراحل میں سے گزر رہے تھے۔ چونکہ اس مٹی نے بالآخر بننا کیا تھا؟ گارا ہی بننا تھا پانی کے ساتھ مل کر، تو اس لیے باعتبار مَا يَؤُول کے پہلے ہی اس کو کیا کہہ دیا گیا؟ طین کہہ دیا گیا بھئی۔ بات سمجھ میں آگئی؟ اب دیکھو «وَآدَمُ بَيْنَ الْمَاءِ وَالطِّينِ» یہ پورا جملہ حال واقع ہو رہا ہے اور اس میں کوئی ضمیر نہیں ہے جو ماقبل کی طرف لوٹے، تو یہاں ربط صرف کس کے ذریعے آیا؟ واؤ کے ذریعے آیا بھئی۔

تو کہتے ہیں: وَهٰذَا أَيِ الرَّبْطُ بِالْوَاوِ وَحْدَهَا أَوْ بِهَا مَعَ الضَّمِيرِ إِنَّمَا يَكُونُ فِي الْحَالِ الْمُنْتَقِلَةِ۔ یہاں سے ایک اور فائدہ بتلا رہے ہیں کہ ایک ہے حالِ منتقلہ اور ایک ہے حالِ مؤکدہ۔ یاد رکھو حالِ منتقلہ نام سے ہی پتہ چل رہا ہے جو منتقل ہو جاتا ہے یعنی جو اپنے ذوالحال کے ساتھ ہمیشہ نہیں رہتا۔ «جَاءَنِي زَيْدٌ رَاكِباً» زید میرے پاس سوار ہو کر آیا، مجھے بتائیے یہ رکوب زید سے جدا ہوتا ہے یا نہیں ہوتا؟ جدا ہو جاتا ہے، تو یہ حالِ منتقلہ ہے جو اپنے ذوالحال سے جدا ہو جائے۔ اور کبھی کبھار حال ایسا ہوتا ہے کہ وہ اپنے ذوالحال سے جدا نہیں ہوتا، جیسے یہ آگے مثال آرہی ہے اگلی سطر میں: «هُوَ الْحَقُّ لَا شَكَّ فِيهِ»۔ یہ «لَا شَكَّ فِيهِ» حال ہے «الْحَقُّ» سے: «هُوَ الْحَقُّ» وہ حق ہے «لَا شَكَّ فِيهِ» اس میں کوئی شک نہیں۔ تو حق جو ہے اس سے «لَا شَكَّ فِيهِ» حال آیا اور یہ اس ذوالحال سے جدا نہیں ہوتا کیونکہ جو بھی حق ہو اس میں شک نہیں ہوتا بھئی، تو یہ کیا ہے؟ حالِ مؤکدہ یعنی یہ اسی ذوالحال کو پکا کر رہا ہے، یہ اس سے جدا نہیں ہوتا، تو اس کو حالِ مؤکدہ کہتے ہیں۔ لہٰذا یہاں درمیان میں واؤ نہیں لا سکتے کیونکہ واؤ تو انفصال پہ دلالت کرتا ہے: «جَاءَنِي زَيْدٌ وَعَمْرٌو»، یہ زید اور عمرو کے درمیان واؤ آیا اس نے کیا بتلایا کہ زید اور ہے اور عمرو اور ہے۔ جبکہ حالِ مؤکدہ وہ تو اپنے ذوالحال کو پکا کر رہا ہوتا ہے، اور مؤکّد اور تاکید کے درمیان واؤ نہیں لایا جاتا۔ لہٰذا حالِ منتقلہ میں تو واؤ لا سکتے ہیں لیکن حالِ مؤکدہ میں واؤ نہیں لا سکتے۔ تو کہتے ہیں: وَهٰذَا أَيِ الرَّبْطُ بِالْوَاوِ وَحْدَهَا أَوْ بِهَا مَعَ الضَّمِيرِ، اور یہ جو ہے یعنی صرف واؤ کے ذریعے ربط یا واؤ کے ساتھ ضمیر کے ذریعے ربط جو ہے إِنَّمَا يَكُونُ فِي الْحَالِ الْمُنْتَقِلَةِ یہ حالِ منتقلہ میں ہوتا ہے، وَأَمَّا فِي الْحَالِ الْمُؤَكَّدَةِ فَلَا تَجُوزُ الْوَاوُ اور باقی حالِ مؤکدہ جو ہے تو اس کے اندر واؤ جائز نہیں۔ تَقُولُ آپ کہتے ہیں: «هُوَ الْحَقُّ لَا شَكَّ فِيهِ»، تو یہاں «لَا شَكَّ» سے پہلے واؤ لانا جائز نہیں کیونکہ یہ حالِ مؤکدہ ہے۔ وَذٰلِكَ اور یہ اس لیے لِأَنَّ الْوَاوَ لَا تَدْخُلُ بَيْنَ الْمُؤَكَّدِ وَالْمُؤَكِّدِ اس لیے کیونکہ واؤ جو ہے وہ مؤکّد اور مؤکِّد کے درمیان داخل نہیں ہوتا۔ بھئی کیوں نہیں داخل ہوتا؟ کہتے ہیں لِشِدَّةِ الِاتِّصَالِ بَيْنَهُمَا بوجہ ان میں شدید اتصال ہونے کے کہ مؤکّد اور مؤکِّد میں شدید اتصال ہوتا ہے اور واؤ تو کس پر دلالت کرتا ہے؟ انفصال پر بھئی۔

أَوْ بِالضَّمِيرِ وَحْدَهُ عَلَى ضَعْفٍ، یا جملہ اسمیہ اکیلی ضمیر کے ساتھ آئے گا عَلَى ضَعْفٍ ضعف پر، یعنی صرف ضمیر کے ساتھ ربط دینا ضعیف ہے، لِأَنَّ الضَّمِيرَ لَا يَجِبُ أَنْ يَقَعَ فِي الِابْتِدَاءِ اس لیے کیونکہ ضمیر کے اندر تو واجب نہیں ہے کہ وہ ابتدا میں واقع ہو– کبھی ضمیر شروع میں بھی آجاتی ہے لیکن واجب تو نہیں ہے، تو کہتے ہیں اس لیے کیونکہ ضمیر میں واجب نہیں ہے کہ وہ ابتدا میں واقع ہو یعنی جملے کی ابتدا میں–فَلَا يَدُلُّ عَلَى الرَّبْطِ فِي أَوَّلِ الْأَمْرِ تو وہ ضمیر جو ہے وہ ربط پر دلالت نہیں کرے گی اول امر میں یعنی آغاز میں ہی، جملے کے آغاز سے پتہ نہیں چلے گا کہ یہ حال ہے، نَحْوُ كَلَّمْتُهُ فُوهُ إِلَى فِيَّ۔ «كَلَّمْتُهُ» میں نے اس سے کلام کیا اس حال میں کہ «فُوهُ إِلَى فِيَّ» اس کا منہ میرے منہ کی طرف تھا یعنی ہم آمنے سامنے تھے، «فُوهُ إِلَى فِيَّ»۔ یاد رکھو یہ «فُو» مضاف ہے اور «هَاء» ضمیر مضاف الیہ، اسی طرح «فِيَّ» کے اندر «فِي» مضاف ہے اور «يَاء» ضمیر مضاف الیہ۔ بھئی دیکھیے یہ «فُو» یہ وہی «فَم» ہے، فم: اسمائے ستہ مکبرہ موحدہ مضافہ الی غیر یاء المتکلم، ان میں ذکر

آیا تھا فم کا بھی، فم۔ یاد رکھو یہ جو فم ہے نا فم، یہ اصل میں تھا «فَوٌ»، کیا تھا؟ «فَوٌ»، فا اور واؤ تھا۔ یاد رکھو یہ جو اسمائے ستہ مکبرہ ہیں یہ سب مخذوفۃ الأعجاز ہیں، یہ سب کیا ہیں؟ مخذوفۃ الأعجاز۔ اعجاز جمع ہے عجز کی، عجز کہتے ہیں پچھلے دھڑ کو، حیوان کا جو پچھلا دھڑ ہے—ایک حصہ سر کی جانب ہے، ایک وہ جو پیچھے والا حصہ ہے اس کو کہتے ہیں عجز۔ آپ بھی کوئی جانور لینے جاتے ہیں تو یہ پچھلے دھڑ کو دیکھتے ہیں، مطلب اس سے پتہ چلتا ہے کہ حیوان کمزور ہے یا موٹا تازہ ہے، تو یہ جو پچھلا دھڑ ہے اس کو کہتے ہیں عجز—تو یہ جو اسمائے ستہ ہیں یہ سب یاد رکھو مخذوفۃ الأعجاز ہیں یعنی ان کے آخر سے حروف کو حذف کیا گیا ہے خلافِ قیاس، جیسے «أَخٌ» اصل میں کیا تھا؟ «أَخَوٌ»، «أَبٌ» اصل میں کیا تھا؟ «أَبَوٌ»۔ دیکھو «أَخٌ» کے آپ ذرا تثنیہ لے آئیں: «أَخَوَانِ»، یہ واؤ کہاں سے آیا؟ یہ وہی واؤ جو محذوف تھا واپس آگیا۔ «أَبٌ» کی ذرا تثنیہ لے آئیں: «أَبَوَانِ»، دیکھو یہ واؤ واپس آگیا۔ اسی طرح یہ جو «فَمٌ» ہے اسمائے ستہ میں سے، یہ فم اصل میں کیا تھا؟ «فَوٌ» تھا، فَوٌ۔ پھر واؤ متحرک ماقبل فتحہ، تو واؤ کو کس سے بدلتے ہیں؟ الف سے، اور آگے تنوین کا نون بھی آرہا ہے تو الف بھی ساکن اور تنوین والا نون بھی ساکن، تو اس الف نے بھی گر جانا تھا تو صرف فا رہ جاتی۔ تو لہٰذا اس کا علاج یہ کیا گیا کہ پہلے سے ہی واؤ کو میم سے بدل دیا گیا۔ اگر واؤ کو چھوڑ دیتے تو اس نے گر جانا تھا، صرف فا نے رہ جانا تھا، تو لہٰذا اس واؤ کو کس سے بدل دیا گیا؟ میم سے۔ واؤ بھی شفوی یعنی ہونٹوں سے ادا ہوتا ہے—آپ ادا کریں ذرا: و، دیکھو زبان کا کوئی دخل نہیں—اور میم بھی ہونٹوں سے ادا ہوتا ہے: فَمٌ، دیکھا، تو واؤ بھی شفوی تھا میم بھی شفوی تھا، تو واؤ کو میم سے بدل دیا گیا۔ پھر جب اس کو استعمال کیا جاتا ہے یہ جو فم کو، تو بعض اوقات اسی طرح میم کو باقی رکھتے ہیں اور بعض اوقات اس سے میم کو گرا دیتے ہیں، اس سے میم کو گرا دیتے ہیں۔ اگر میم کو باقی رکھیں تو پھر تو اس پر اعراب بالحرکت آئے گا: «فَمُكَ، فَمَكَ، فَمِكَ»، دیکھو زبر زیر پیش آئے گی۔ لیکن یہ تو اسمائے ستہ مکبرہ میں سے ہے، یہ اس صورت میں ہے جب اضافت کے وقت اس سے آخر سے میم بھی گرا دیں، میم بھی گرا دیں۔ میم کو جب گرا دیا، اب اسمائے ستہ مکبرہ کا رفع کس کے ساتھ آتا ہے؟ واؤ کے ساتھ، تو کیا کہیں گے؟ «فُوكَ»، «فُوكَ»، دیکھو وہ میم گر چکا ہے، اگر میم ہوتا تو «فَمُكَ» کہتے۔ اور اگر حالتِ نصبی ہو تو کیا کہیں گے؟ «فَاكَ» یعنی آپ کا منہ۔ اور اگر حالتِ جری ہو تو کیسے کہیں گے؟ «فِيكَ»۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ تو اس...

اسمائے ستہ مکبرہ کے اندر یہ جو فَمْ ہے، اس کی جب اضافت کرتے ہیں کبھی میم کو باقی رکھتے ہیں اور کبھی میم کو گرا کر صرف فا کو استعمال کرتے ہیں اور ساتھ وہ اعراب آتا ہے الف واؤ یا۔ تو فُوْهُ کیا معنی؟ اس کا منہ، اور فِيَّ، ایک فِیْ کے ساتھ یا اعراب والی آگئی اور ایک یا متکلم والی آگئی، دونوں کا ادغام کر دیا تو کیا بن گیا؟ فِيَّ۔ فُوْهُ اس کا منہ اِلٰی فِيَّ میرے منہ کی طرف تھا۔ تو کہتے ہیں كَلَّمْتُهُ میں نے اس سے کلام کیا فُوْهُ اِلٰی فِيَّ اس حال میں کہ اس کا منہ میرے منہ کی طرف تھا۔ یاد رکھو، اس کو كَلَّمْتُ کی تَاء ضمیر سے بھی حال بنا سکتے ہیں، اور تَاء ضمیر کے ساتھ پھر ربط کیسے آیا؟ فِيَّ کی یا ضمیر بھی

متکلم کی اور تَاء ضمیر بھی متکلم، تو ربط آگیا۔ اور اگر آپ چاہیں تو کَلَّمْتُهُ کی ہَاء ضمیر سے بھی اس کو حال بنا سکتے ہیں۔ اور ہَاء ضمیر کے ساتھ ربط کیسے آیا؟ فُوْهُ یہ جو ہَاء ضمیر ہے، یہ غائب کی ضمیر آگئی، ربط آگیا۔ توجہ ہے؟ تو یہاں پر ربط صرف کس کے ذریعے آیا ہے؟ ضمیر کے ذریعے آیا ہے۔ کَلَّمْتُهُ فُوْهُ اِلٰی فِيَّ میں نے اس سے بات کی اس حال میں کہ اس کا منہ میرے منہ کی طرف تھا، فَلَا بُدَّ مِنَ الْوَاوِ عَلَى الصَّحِيْحِ لہٰذا واؤ کا ہونا ضروری ہے صحیح لغت پر، صحیح لغت پر واؤ کا ہونا ضروری ہے۔ بھئی انہوں نے کیا بتایا؟ جملہ اسمیہ کا ربط واؤ اور ضمیر دونوں سے بھی دے سکتے ہو، صرف ضمیر سے بھی دے سکتے ہو، صرف واؤ سے بھی دے سکتے ہو۔ لیکن ضمیر کے ساتھ صرف ربط دینا ضعیف ہے۔ اور باقی دونوں صورتوں میں تو واؤ ہے، چاہے واؤ اکیلا ہو یا واؤ کے ساتھ ضمیر ہو، تو صحیح لغت کے مطابق واؤ کا ہونا ضروری ہے اور اگر آپ واؤ کے بغیر لاتے ہو تو پھر یہ ضعیف لغت ہے۔

بات سمجھ میں آگئی بھئی؟ انہوں نے کیا کہا؟ کہ جملہ اسمیہ حال واقع ہو تو پھر واؤ اور ضمیر دونوں کے ساتھ ربط دیا جائے گا یا صرف واؤ کے ساتھ ربط دیا جائے گا، اور اگر صرف ضمیر سے ربط دیا جائے تو یہ ضعیف ہے۔ بھئی وجہ سمجھ لو، دوبارہ وجہ سمجھ لو۔ بھئی وجہ یہ ہے کہ یہ جو جملہ اسمیہ ہے، انہوں نے آپ کو بتلایا یہ استقلال میں سب سے بڑھ کر ہے۔ اور آپ یہاں اس کو جوڑنا چاہتے ہیں، حال بنانا چاہتے ہیں۔ اور حال جو ہے وہ تو ذوالحال کے تابع ہوتا ہے۔ ذوالحال جو ہے وہ مَحْكُوْمٌ عَلَيْهِ یعنی بتدا کے درجے میں ہوتا ہے، اور اس سے آگے جو حال آرہا ہو، وہ اس پر حکم لگایا جا رہا ہے، گویا وہ اس کے لیے خبر کے درجے میں ہے۔ تو جب آپ جملہ اسمیہ کو حال بنانا چاہتے ہیں تو جملہ اسمیہ وہ تو جملہ بھی ہے، مستقل بھی ہے، اور پھر استقلال میں سب سے بڑھ کر ہے۔ اس لیے کیونکہ یہ اجزا کے اعتبار سے بھی مستقل ہے۔ کیونکہ جملہ اسمیہ میں ایک بتدا آئے گا اور ایک خبر، بتدا بھی عموماً اسم اور خبر بھی عموماً اسم ہوگی اور اسم آپ جانتے ہیں کہ وہ مسند بھی واقع ہو سکتا ہے اور مسند الیہ بھی، جبکہ فعل صرف مسند واقع ہوتا ہے، اور حرف نہ مسند واقع ہوتا ہے اور نہ مسند الیہ، تو معلوم ہوا اسم جو ہے ان میں سب سے قوی ہے۔ دو اسم بھی مل جائیں تو کلام پورا بن جائے گا کیونکہ ایک مسند الیہ بنے گا اور ایک مسند بن جائے گا۔ تو جب آپ وہ جملہ جو استقلال کے اعتبار سے سب سے قوی ہے، آپ اس کو مستقل نہیں چھوڑنا چاہتے بلکہ اس کو تابع بنانا چاہتے ہیں، تو پھر قوی ربط چاہیے، لہٰذا واؤ اور ضمیر دونوں کے ساتھ ربط دیا جائے گا۔ اور اگر دونوں کے ذریعے نہیں ہو سکتا تو کم از کم واؤ کے ساتھ ربط دیا جائے گا۔ تو ان دونوں صورتوں میں، چاہے واؤ اور ضمیر دونوں سے دیں یا واؤ کے ساتھ آپ ربط دیں، تو ابتدا سے ہی پتہ چل جائے گا، واؤ اس جملے کے شروع میں آئے گا، تو ابتدا سے ہی پتہ چل جائے گا کہ یہ جملہ اسمیہ جو کہ استقلال میں سب سے زیادہ قوی ہے، یہ اس وقت مستقل نہیں ہے، بلکہ یہ ماقبل کے تابع ہے، ماقبل سے یہ حال واقع ہو رہا ہے۔ جبکہ ضمیر اس کا تو شروع میں آنا واجب ہی نہیں ہے، وہ تو کبھی شروع میں آئے گی، کبھی درمیان میں آئے گی، کبھی آخر میں آئے گی بھئی، تو اگر آپ شروع میں واؤ نہیں لائیں گے تو جملہ اسمیہ آتے

ہی ذہن میں آئے گا کہ شاید یہ مستقل جملہ ہے، اور پھر آگے درمیان میں یا آخر میں جا کر پتہ چلے گا کہ نہیں یہ تو ماقبل سے حال واقع ہو رہا ہے۔ تو لہٰذا جب جملہ اسمیہ استقلال میں سب سے قوی ہے، تو یا تو سب سے قوی رابطہ چاہیے، یا کم از کم واؤ چاہیے تاکہ شروع سے ہی پتہ چل جائے کہ یہ جملہ مستقل نہیں ہے، الگ بات اس میں نہیں ہو رہی، بلکہ یہ ماقبل کے تابع ہے بھئی۔ اور اگر صرف ضمیر سے ربط دیتے ہیں اور سب سے قوی جملہ ہے استقلال کے اعتبار سے، تو پھر یہ ضعیف ہے کیونکہ اولِ امر سے پتہ نہیں چلے گا کہ یہ مستقل نہیں ہے۔

بات سمجھ میں آگئی؟ تو کہتے ہیں: فَلَا بُدَّ مِنَ الْوَاوِ عَلَى الصَّحِيْحِ تو واؤ کا ہونا ضروری ہے صحیح لغت پر۔ وَالْمُضَارِعُ الْمُثْبَتُ اور مضارع مثبت جو ہے: أَيِ الْجُمْلَةُ الْفِعْلِيَّةُ الَّتِيْ يَكُوْنُ الْفِعْلُ فِيْهَا مُضَارِعًا مُثْبَتًا یعنی وہ جملہ فعلیہ جس کے اندر فعل جو ہے وہ مضارع مثبت ہو، مُتَلَبِّسَةٌ بِالضَّمِيْرِ وَحْدَهُ وہ اکیلی ضمیر کے ساتھ ہو گا۔ لِمُشَابَهَتِهِ لَفْظًا أَوْ مَعْنًى ہے آپ کی کتابوں میں؟ أَوْ ہے، لَفْظًا أَوْ مَعْنًى نہیں بھئی یہ کتابت کی غلطی ہے۔ باقی جامی کے نسخوں میں یہاں واؤ ہے، یا یوں کہہ لو یہ أَوْ بمعنی واؤ کے ہے۔ کبھی کبھار أَوْ بھی واؤ کے معنی میں استعمال ہو جاتا ہے لیکن بہرحال جامی کے دیگر نسخوں میں یہاں واؤ موجود ہے۔ لِمُشَابَهَتِهِ لَفْظًا وَمَعْنًى لِاسْمِ الْفَاعِلِ الْمُسْتَغْنِيْ عَنِ الْوَاوِ۔ بھئی ادھر دیکھیے، یہ فعل مضارع کو فعل مضارع کیوں کہتے ہیں؟ کہتے ہیں اس لیے کیونکہ مُضَارِع کا معنی ہے مشابہ۔ ضَارَعَ يُضَارِعُ مُضَارَعَةً تو مُضَارِع اسم فاعل ہے، کیا معنی؟ مشابہ۔ یہ چونکہ فعل مضارع جو ہے یہ اسم فاعل کے مشابہ ہے۔ کس طرح مشابہ ہے؟ کہتے ہیں عددِ حروف میں بھی مشابہ ہے اور حرکات و سکنات میں بھی مشابہ ہے، اور نیز معنی کے اعتبار سے بھی مشابہ ہے کہ دونوں حال اور استقبال کے لیے استعمال ہوتے ہیں۔ اسم فاعل بھی حال اور استقبال کے لیے اور فعل مضارع بھی حال اور استقبال کے لیے، اور نیز دونوں ایک دوسرے کی جگہ بھی استعمال ہوتے ہیں۔ زَيْدٌ قَائِمٌ بھی کہتے ہیں آپ اور زَيْدٌ يَقُوْمُ بھی آپ کہتے ہیں، تو قَائِمٌ کی جگہ يَقُوْمُ لے آئیں ایک ہی بات ہے۔ تو لفظاً بھی مشابہت ہے فعل مضارع کی اسم فاعل کے ساتھ اور معناً بھی۔ لفظاً کیا مشابہت؟ دونوں کے حروف ایک جتنے ہوں گے۔ قَامَ يَقُوْمُ، يَقُوْمُ میں کتنے حروف؟ فعل مضارع ہے، چار حروف۔ قَائِمٌ اسم فاعل میں بھی کتنے حروف؟ چار حروف ہیں۔ مُكْرِمٌ اسم فاعل میں کتنے حروف؟ چار۔ يُكْرِمُ اس کا جو مضارع ہے اس میں بھی کتنے حروف؟ چار۔ مُسْتَخْرِجٌ اسم فاعل میں چھ حروف ہیں، يَسْتَخْرِجُ فعل مضارع میں بھی چھ حروف ہیں۔ بات سمجھ میں آرہی؟ اور نیز حرکات و سکنات بھی ایک جیسی ہیں، جیسے ضَارِبٌ اور يَضْرِبُ. ضَارِبٌ، ضَاد پر حرکت ہے اور اگلا حرف ساکن۔ يَضْرِبُ میں بھی شروع میں حرکت ہے اور اگلا حرف ساکن ہے۔ اور ضَارِبٌ تیسرا حرف متحرک ہے اور يَضْرِبُ میں بھی تیسرا حرف متحرک ہے۔ حرکتیں ایک جیسی ہونا ضروری نہیں ہے، ہاں متحرک کے مقابلے میں متحرک آئے گا ساکن کے مقابلے میں ساکن آئے گا۔ جیسے يَسْتَخْرِجُ پہلا متحرک پھر ساکن پھر متحرک پھر ساکن۔ مُسْتَخْرِجٌ میں بھی دیکھ لیں: مُسْتَخْرِجٌ پہلا متحرک پھر ساکن پھر متحرک پھر ساکن۔ تو دیکھو عددِ حروف بھی برابر

اور حرکات و سکنات بھی ایک جیسی ہیں، اور نیز معنی میں بھی ایک جیسے ہیں۔ معنی میں ایک جیسے کیا ہیں؟ کس طرح ہیں؟ کہ دونوں حال اور استقبال کے لیے آتے ہیں، فعل مضارع بھی اور اسم فاعل بھی، اور نیز ایک دوسرے کی جگہ بھی استعمال ہوتے ہیں۔ تو دونوں ایک دوسرے جیسے ہیں اور اسم فاعل جب حال واقع ہوتا ہے، وہاں تو واؤ نہیں لاتے۔ جَاءَنِیْ زَیْدٌ رَاکِبًا، یہ رَاکِبًا اسم فاعل ہے، حال واقع ہو رہا ہے۔ یہاں واؤ نہیں آپ لا سکتے: جَاءَنِیْ زَیْدٌ وَرَاکِبًا۔ تو جب اسم فاعل میں واؤ نہیں لا سکتے تو جو اس کے مشابہ فعل مضارع ہے وہاں بھی واؤ نہیں لا سکتے، وہاں بھی صرف ضمیر سے ربط دیں گے۔ تو کہتے ہیں فعل مضارع جو ہے بِالضَّمِیْرِ وَحْدَهُ اکیلی ضمیر کے ساتھ ہو گا لِمُشَابَهَتِهِ لَفْظًا وَمَعْنًی لِاسْمِ الْفَاعِلِ اس لیے کیونکہ اس کی مشابہت لفظاً اور معناً ہے اس اسم فاعل کے ساتھ الْمُسْتَغْنِیْ عَنِ الْوَاوِ جو واؤ سے بے نیاز ہے یعنی اس کو واؤ کی حاجت نہیں۔ نَحْوُ جَاءَنِیْ زَیْدٌ یُسْرِعُ آیا میرے پاس زید اس حال میں کہ وہ تیزی کر رہا تھا۔ تو جَاءَنِیْ زَیْدٌ یُسْرِعُ دیکھو یہاں واؤ نہیں آپ لا سکتے۔ فعل مضارع حال واقع ہو رہا ہے۔ یہ سَرُعَ یَسْرُعُ یا أَسْرَعَ یُسْرِعُ کا کیا معنی ہے؟ تیزی کرنا، ایک کام میں جلدی کرنا۔

وَمَا سِوَاهُمَا أَیْ مَا سِوَی الْجُمْلَةِ الْاسْمِیَّةِ وَالْفِعْلِیَّةِ الْمُشْتَمِلَةِ... وَمَا سِوَاهُمَا ادھر دیکھیے، اور ان دونوں کے علاوہ جو ہیں، ان دونوں کے علاوہ کون سے دونوں؟ جملہ اسمیہ اور فعل مضارع مثبت، وہ بیان کر رہے ہیں: أَیْ مَا سِوَی الْجُمْلَةِ الْاسْمِیَّةِ وَالْفِعْلِیَّةِ الْمُشْتَمِلَةِ عَلَی الْمُضَارِعِ الْمُثْبَتِ یعنی جملہ اسمیہ کے علاوہ اور وہ جملہ فعلیہ جو مشتمل ہو فعل مضارع مثبت پر اس کے علاوہ، اس کے علاوہ جو جملے ہیں۔ بھئی اس کے علاوہ کون سے جملے ہیں؟ جی، مضارع منفی ہے، اور ماضی مثبت اور ماضی منفی، تو مِنْ کے ساتھ ان کو بھی بیان کر رہے ہیں: مِنَ الْجُمَلِ الْمُشْتَمِلَةِ عَلَی الْمُضَارِعِ الْمَنْفِیِّ أَوِ الْمَاضِی الْمُثْبَتِ أَوِ الْمَنْفِیِّ یعنی کہ وہ جملے جو مشتمل ہوں مضارع منفی پر یا ماضی مثبت پر یا ماضی منفی پر۔ بِالْوَاوِ وَالضَّمِیْرِ مَعًا یا تو یہ واؤ اور ضمیر دونوں کے ساتھ آئیں گے، یعنی واؤ اور ضمیر اکٹھے ہوں گے، أَوْ بِأَحَدِهِمَا وَحْدَهُ یعنی ان دونوں میں سے کسی ایک کے اکیلے کے ساتھ ہوں گے، یعنی یا صرف واؤ ہو گا یا صرف ضمیر ہو گی۔ مِنْ غَیْرِ ضَعْفٍ عِنْدَ الِاکْتِفَاءِ بِالضَّمِیْرِ بغیر کسی ضعف کے جب اکتفا کیا جائے ضمیر پر۔ جملہ اسمیہ پہ تو ضمیر پر اکتفا کرتے تھے تو وہ ضعیف ہوتا تھا لیکن یہاں کوئی ضعف نہیں ہے۔ لِعَدَمِ قُوَّةِ اسْتِقْلَالِهَا... ادھر دیکھیے، انہوں نے آپ کو بتلایا کہ بھئی یہ جو تین قسم کے جملے ہیں، جو مشتمل ہوں فعل مضارع منفی پر، یا ماضی مثبت پر، یا ماضی منفی پر، ان میں اگر صرف ضمیر کے ساتھ بھی ربط دے دیں گے تو بھی کافی ہے، یہ ضعیف نہیں۔ اس لیے کیونکہ یہ جو جملے ہیں، ان میں اس درجے کا استقلال نہیں جس درجے کا استقلال جملہ اسمیہ میں تھا۔ تو ان کے شروع میں واؤ کا لانا ضروری نہیں ہے، صرف ضمیر سے ربط دینا بھی کافی ہے۔ بات سمجھ میں آ گئی؟ کیونکہ ان کا استقلال جملہ اسمیہ کے درجے کا نہیں ہے بھئی۔ تو یہ معنی ہے، کہتے ہیں مِنْ غَیْرِ ضَعْفٍ عِنْدَ الِاکْتِفَاءِ بِالضَّمِیْرِ بغیر کسی ضعف کے جب اکتفا کیا جائے ضمیر پر لِعَدَمِ قُوَّةِ اسْتِقْلَالِهَا کَالْاسْمِیَّةِ اس لیے کیونکہ ان میں اسمیہ کی طرح قوتِ استقلال نہیں ہے۔

فَالْمُضَارِعُ الْمَنْفِيُّ تو مضارع منفی جو ہے نَحْوُ جَاءَنِيْ... اب آگے صرف مثالیں دیں گے۔ پہلے مثال لا رہے ہیں، ادھر دیکھیے، فعل مضارع منفی کی، اور اس سے تین الگ الگ مثالیں دیں گے۔ ایک میں ربط دیں گے ضمیر اور واؤ دونوں سے، پھر ایک میں ربط دیں گے صرف ضمیر کے ساتھ، اور پھر ایک میں ربط صرف واؤ کے ساتھ دیں گے۔ دیکھیے: جَاءَنِيْ زَيْدٌ وَمَا يَتَكَلَّمُ غُلَامُهُ، جَاءَنِيْ زَيْدٌ یہ ہے جملہ اور اس کے اندر یہ زَيْدٌ ذوالحال ہے، وَمَا يَتَكَلَّمُ غُلَامُهُ یہ پورا جملہ حال ہے، اور اس کے شروع میں دیکھو فعل مضارع منفی ہے مَا يَتَكَلَّمُ، اور ربط واؤ کے ذریعے بھی ہے اور غُلَامُهُ کی ہَاء ضمیر کے ذریعے بھی ہے۔ جَاءَنِيْ زَيْدٌ آیا میرے پاس زید وَمَا يَتَكَلَّمُ غُلَامُهُ اس حال میں کہ اس کا غلام بات نہیں کر رہا تھا۔ أَوْ جَاءَنِيْ زَيْدٌ مَا يَتَكَلَّمُ غُلَامُهُ اب دیکھو واؤ ختم کر دیا، صرف غُلَامُهُ کی ہَاء ضمیر ربط دے رہی ہے۔ أَوْ جَاءَنِيْ زَيْدٌ وَمَا يَتَكَلَّمُ عَمْرٌو اب دیکھو غُلَامُهُ کی جگہ عَمْرٌو لے آئے، اب ربط صرف واؤ کے ذریعے ہے۔ جَاءَنِيْ زَيْدٌ میرے پاس زید آیا وَمَا يَتَكَلَّمُ عَمْرٌو اس حال میں کہ عمرو کلام نہیں کر رہا تھا۔

وَالْمَاضِي الْمُثْبَتُ اور ماضی مثبت جو ہے، اب تین مثالیں دیں گے ماضی کی جس میں جملہ فعلیہ ہو گا ماضی مثبت کے ساتھ۔ پہلی مثال میں ربط کس سے ہو گا؟ واؤ اور ضمیر دونوں سے، دوسری مثال میں صرف ضمیر سے، اور تیسری مثال میں صرف واؤ سے۔ تو کہتے ہیں نَحْوُ جَاءَنِيْ زَيْدٌ وَقَدْ خَرَجَ غُلَامُهُ آیا میرے پاس زید اور اس حال میں کہ اس کا غلام نکلا تھا۔ یہاں واؤ بھی ہے اور غُلَامُهُ کی ہَاء ضمیر بھی ہے۔ أَوْ جَاءَنِيْ زَيْدٌ قَدْ خَرَجَ غُلَامُهُ یہاں ربط صرف غُلَامُهُ کی ہَاء ضمیر کے ذریعے ہے۔ اور قَدْ بھی دیکھ لیں، ماضی جب حال واقع ہو ماضی مثبت تو اس کے شروع میں قَدْ لایا جاتا ہے، آگے صاحبِ کافیہ بھی بتلائیں گے، تو یہاں اس لیے یہ قَدْ لے کر آئے ہیں خَرَجَ سے پہلے۔ أَوْ جَاءَنِيْ زَيْدٌ وَقَدْ خَرَجَ عَمْرٌو آیا میرے پاس زید اس حال میں کہ عمرو نکلا تھا۔

وَالْمَاضِي الْمَنْفِيُّ اور ماضی منفی جو ہے، اب دیکھو ماضی منفی میں وہی تین مثالیں ذکر کریں گے، ماضی منفی حال بنے گا اور پہلی مثال میں ربط واؤ اور ضمیر دونوں سے ہو گا، دوسری مثال میں ربط صرف ضمیر سے ہو گا، اور تیسری مثال میں ربط صرف واؤ کے ذریعے ہو گا۔ جَاءَنِيْ زَيْدٌ وَمَا خَرَجَ غُلَامُهُ تو یہاں دیکھو ربط واؤ کے ذریعے بھی ہے اور غُلَامُهُ کی ہَاء ضمیر کے ذریعے بھی۔ أَوْ جَاءَنِيْ زَيْدٌ مَا خَرَجَ غُلَامُهُ یہاں صرف غُلَامُهُ کی ہَاء ضمیر کے ذریعے ربط ہے۔ أَوْ جَاءَنِيْ زَيْدٌ وَمَا خَرَجَ عَمْرٌو آیا میرے پاس زید اس حال میں کہ عمرو نہیں نکلا تھا، یہاں دیکھو ماضی منفی ہے اور ربط صرف واؤ کے ذریعے دیا گیا۔

بات سمجھ میں آگئی؟ سارا حل ہو گیا؟ چلیے بس بھئی، هٰذَا هُوَ الْمَرَامُ وَاللّٰهُ أَعْلَمُ بِحَقِيْقَةِ الْكَلَامِ۔

سبق نمبر ۱۴۷: الحال (۷): جملہ فعلیہ ماضیہ مثبتہ حال میں «قَدْ» اور واوِ حالیہ کا حکم

شرحِ ملا جامی صفحہ: ۱۳۰ — بتاریخ: ۳ فروری ۲۰۲۲ء

▪ تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث

آگے سبق دیکھیے بھئی: وَلَا بُدَّ فِی الْمَاضِی الْمُثْبَتِ لَا الْمَنْفِیِّ مِنْ دُخُوْلِ لَفْظَةِ قَدِ الْمُقَرِّبَةِ زَمَانَ الْمَاضِیْ اِلَی الْحَالِ لُغَةً عَلَی الْمَاضِی الْمُثْبَتِ الْوَاقِعِ حَالًا لِیَدُلَّ بِهَا عَلٰی قُرْبِ زَمَانِهِ اِلٰی زَمَانِ صُدُوْرِ الْفِعْلِ، اِلٰی زَمَانِ صُدُوْرِ الْفِعْلِ مِنْ ذِی الْحَالِ أَوْ وُقُوْعِهِ عَلَیْهِ تَجَوُّزًا۔

بھئی حال کی بحث چل رہی ہے۔ گذشتہ سبق میں صاحبِ کافیہ نے جمہور نحویوں سے اختلاف کیا تھا۔ جمہور نحویوں کے نزدیک حال کا مشتق ہونا ضروری ہے۔ اور عموماً اکثر حال ہوتا بھی مشتق ہی ہے، کبھی کبھار حال جو ہے اسم جامد آ جاتا ہے۔ تو جمہور پھر اس کے اندر تاویل کر کے اس کو مشتق بنا لیتے ہیں یعنی اس کو مشتق کی تاویل میں کر لیتے ہیں۔ جبکہ صاحبِ کافیہ فرماتے ہیں کہ کوئی تاویل کرنے کی ضرورت نہیں ہے، اسم جامد بھی حال بن سکتا ہے۔ ہر وہ لفظ جو کسی ہیئت اور حالت اور صفت پر دلالت کرے، اس کا حال واقع ہونا صحیح ہے۔ جیسے اس مثال کے اندر ہے: هٰذَا بُسْرًا أَطْیَبُ مِنْهُ رُطَبًا۔ تو اس مثال کے اندر دیکھو بُسْرًا اسم جامد ہے اور اسی طرح رُطَبًا یہ اسم جامد ہے اور یہ دونوں حال واقع ہو رہے ہیں۔ اور اسم جامد تو جمہور کے نزدیک حال واقع نہیں ہو سکتا تو وہ پھر بُسْر کو بمعنی مُبْسِر کے کرتے ہیں اور رُطَب کو بمعنی مُرْطِب یعنی اسم فاعل کی تاویل میں کر لیتے ہیں۔ جبکہ صاحبِ کافیہ فرماتے ہیں کوئی تاویل کرنے کی ضرورت نہیں، اس لیے کیونکہ بُسْر کھجور کی ایک خاص حالت پر دلالت کرتا ہے، اسی طرح رُطَب بھی کھجور کی ایک خاص حالت اور صفت پر دلالت کرتا ہے۔ تو یہ اسم جامد ہونے کے باوجود یہ حال واقع ہو سکتے ہیں۔ تو بُسْر کہتے ہیں کھجور جب نیم پختہ ہو، جبکہ بعض کہتے ہیں جب کھجور جو ہے اس کا رنگ بدل جائے، زرد یا سرخ رنگ کی ہو جائے تو اس وقت اس کو بُسْر کہتے ہیں۔ اور رُطَب کہتے ہیں جب کھجور مکمل طور پر پختہ ہو جائے یعنی تازہ پکی ہوئی جو کھجور ہے اس کو رُطَب کہتے ہیں۔ تو عموماً ہوتا یہ ہے کہ رُطَب کھجور جو

ہے اس میں مٹھاس زیادہ ہوتی ہے، لیکن بعض انواع ایسی بھی ہوتی ہیں جن کے اندر بُسْر والی حالت میں کھجور زیادہ مزیدار اور زیادہ اچھی ہوتی ہے بمقابلہ رُطَب ہونے کے۔ تو کوئی شخص ایک کھجور کی طرف اشارہ کرتے ہوئے دوسرے کو بتلاتا ہے کہ ھٰذَا بُسْرًا کہ یہ والی کھجور بُسْر ہونے کی حالت میں یہ زیادہ اچھی ہے، اسی کھجور کے مقابلے میں جبکہ یہ رُطَب ہو بھئی۔

پھر ان کے اندر عامل کیا ہے؟ تو یاد رکھو ان کے اندر عامل أَطْيَبُ ہے جو أَطْيَبُ اسم تفضیل ہے۔ تو یہ جو رُطَبًا یہ تو أَطْيَبُ سے مؤخر ہے، تو اس کے اندر تو بالاتفاق یہ أَطْيَبُ اسم تفضیل جو ہے یہ عامل ہے کیونکہ عامل ضعیف اپنے مابعد میں عمل کرتا ہے بھئی۔ اور البتہ بُسْرًا کے اندر اختلاف ہے۔ علمائے نحو میں سے جو محققین ہیں وہ فرماتے ہیں کہ بُسْرًا کے اندر بھی أَطْيَبُ ہی عامل ہے۔ اور پھر اس کو أَطْيَبُ پر پھر مقدم کیوں کیا گیا؟ وجہ یہ کہ ایک ضابطہ ذکر فرمایا صاحبِ جامی نے کہ جب دو مختلف چیزوں سے دو حال آئیں مختلف اعتبار سے، یا جب ایک ہی چیز سے دو حال آجائیں دو مختلف اعتبار سے، تو پھر اس صورت میں ضروری ہے، واجب ہے کہ ہر حال کو اس کے متعلق یعنی اس کے ذوالحال کے ساتھ ذکر کیا جائے، ورنہ تو التباس لازم آئے گا، پتہ ہی نہیں چلے گا بھئی۔ تو یہاں پر بھی ایک ہی کھجور پر، ایک ہی کھجور جو ہے اس سے دو حال آ رہے ہیں اور دو مختلف اعتبار سے۔ ایک حال بُسْرًا ہے اس کے مُفَضَّل ہونے کے اعتبار سے، اور ایک حال رُطَبًا ہے اس کے مُفَضَّلٌ عَلَيْهِ ہونے کے اعتبار سے۔ مُفَضَّل وہ ہے جس کو فضیلت دی جائے اور مُفَضَّلٌ عَلَيْهِ وہ ہے جس پر فضیلت دی جائے۔ تو یہ ایک ہی کھجور سے دو حال آ رہے ہیں، ایک حال ہے اس کے مُفَضَّل ہونے کے اعتبار سے اور دوسرا حال ہے اس کے مُفَضَّلٌ عَلَيْهِ ہونے کے اعتبار سے۔ تو اس لیے یہاں پر بُسْرًا کو ھٰذَا کے ساتھ ذکر کیا گیا۔

اس پر پھر اشکال ہوا کہ ھٰذَا کو آپ نے ذوالحال کیسے بنایا؟ ھٰذَا کے ذریعے تو اشارہ کیا جا رہا ہے ایک خاص کھجور کی طرف، تو وہی کھجور جو مُشَارٌ اِلَيْهِ ہے ھٰذَا کے ذریعے، وہی مُفَضَّل ہے اور وہی مُفَضَّلٌ عَلَيْهِ، تو اس ھٰذَا کا مُفَضَّل ہونا کب پتہ چلے گا؟ جب أَطْيَبُ کے اندر هُوَ ضمیر جو ہے اس کی طرف لوٹے گی، اس سے پہلے تو اس کے مُفَضَّل ہونے کا پتہ ہی نہیں، تو معلوم ہوا اصل میں مُفَضَّل کون ہے؟ وہ جو أَطْيَبُ کے اندر هُوَ ضمیر ہے، تو لہٰذا حال کو وہاں ذکر کرنا چاہیے تھا، یوں کہنا چاہیے تھا: ھٰذَا أَطْيَبُ بُسْرًا مِنْهُ رُطَبًا، تو أَطْيَبُ کے بعد بُسْرًا کو ذکر کرنا چاہیے تھا کیونکہ أَطْيَبُ کے اندر هُوَ ضمیر ذوالحال ہے۔ تو کہتے ہیں کہ یہاں پر ایک ہے ضمیر اور ایک ہے اسم ظاہر۔ تو یہ جو ضمیر ہے یہ قائم مقام کس کے ہے؟ ھٰذَا کے، کس کے قائم مقام ہے؟ ھٰذَا۔ تو جب خود اسم ظاہر موجود ہے تو اس ضمیر کو كَالْعَدَم قرار دیا گیا اور ھٰذَا ہی گویا مُفَضَّل ہے، تو لہٰذا اسی کے ساتھ بُسْرًا حال کو ذکر کر دیا گیا۔ اور مِنْهُ کی ہَاء ضمیر جو تھی وہ مُفَضَّلٌ عَلَيْهِ تھی کیونکہ مِنْ کے بعد ہے، تو لہٰذا دوسرے حال کو، رُطَبًا کو اس کے ساتھ ذکر کیا گیا۔

تو یہاں اشکال ہوتا ہے کہ عجیب بات ہے، یہاں پر دو ضمیریں ہیں، ایک أَطْيَبُ کے اندر هُوَ ضمیر ہے وہ ہے مُفَضَّل، اور دوسری مِنْهُ کے اندر ہَاء ضمیر ہے اور وہ ہے مُفَضَّلٌ عَلَيْهِ۔ تو آپ نے مُفَضَّل ضمیر کو تو كَالْعَدَم قرار دے دیا، آپ نے

مُفَضَّلٌ عَلَيْهِ کو کیوں نہیں کَالْعَدَم قرار دیا؟ بات سمجھ میں آ رہی ہے؟ تو آپ دو ضمیروں میں سے ایک کو آپ جو ہے کَالْعَدَم قرار دے رہے ہیں، دوسرے کو کَالْعَدَم قرار نہیں دے رہے، تو جواب اس کا یاد رکھنا، بھئی وجہ یہ ہے کہ جو أَطْيَبُ کے اندر ضمیر ہے وہ مستتر ہے، چھپی ہوئی ہے، ظاہر ہی نہیں ہے، جب ظاہر ہی نہیں ہے تو اس کو کَالْعَدَم قرار دیا جا سکتا ہے کیونکہ لفظوں میں اس کا کوئی اثر ظاہر نہیں۔ جبکہ مِنْهُ کی ہَاء ضمیر وہ تو لفظوں میں ظاہر ہے، ہم تو اس پر باقاعدہ تلفظ کر رہے ہیں، تو لہٰذا جو ضمیر چھپی ہوئی ہے جس کا بالکل ظہور ہی نہیں ہو رہا، تو اس کو تو کَالْعَدَم ہم قرار دے سکتے ہیں اور جو ضمیر لفظوں میں موجود ہے اور جس پر باقاعدہ آپ تلفظ بھی کر رہے ہیں، اس کو کَالْعَدَم قرار نہیں دیا جا سکتا۔ اس لیے جو مُفَضَّل ضمیر تھی اس کو کَالْعَدَم قرار دیا اور هٰذَا ہی گویا کیا ہوا؟ مُفَضَّل ہوا تو اس کے ساتھ بُسْرًا کو ذکر کر دیا گیا۔ بات سمجھ میں آ گئی؟

اور پھر بعض علماء کا یہ قول بھی ذکر کیا کہ بعض علماء اس بُسْرًا کے اندر جو ہے هٰذَا جو ہے اس کو عامل قرار دیتے ہیں، لیکن صاحبِ جامی نے اس کو رد کیا دو اعتبار سے۔ ایک تو کہتے ہیں اس لیے کیونکہ یہ جو حال ہوتا ہے یہ اپنے عامل کے لیے، یا یوں کہو، میں نے بتایا تھا حال اور ذوالحال دونوں کا عامل متحد ہونا عِنْدَ الْجُمْهُوْر واجب ہے۔ تو یہ حال عاملِ ذوالحال کے لیے قید ہوتا ہے، یا یوں کہو کہ حال اپنے عامل کے لیے قید ہوتا ہے۔ مثلاً جَاءَنِيْ زَيْدٌ رَاكِبًا، یہ رَاكِبًا میں عامل کون ہے؟ جَاءَ، تو یہ رَاكِبًا اس کے لیے قید ہے۔ اس سے پتہ چلا کہ وہ جو مجیئت ہے وہ رکوب کی حالت میں ہوئی ہے، غیرِ رکوب کی حالت میں نہیں ہوئی بھئی۔ تو یہ حال قید ہوتا ہے اپنے عامل کے لیے۔ تو اگر آپ اس بُسْرًا کے اندر أَطْيَبُ کو عامل نہیں بناتے بلکہ هٰذَا اسم اشارہ جو ہے اس کو عامل بناتے ہیں، یعنی اس سے أُشِيْرُ کا فعل سمجھ میں آ رہا ہے، اور وہ أُشِيْرُ جو ہے یہ بُسْرًا حال کو نصب دے رہا ہے، تو حال تو قید ہوتا ہے کس کے لیے؟ اپنے عامل کے لیے۔ معلوم ہوا جس وقت اشارہ کیا جا رہا ہو، اس وقت اس کھجور کا بُسْر ہونا ضروری ہے۔ اشارہ تب ہی مقید ہو گا نا، میں اشارہ کر رہا ہوں اور میرا اشارہ مقید ہے کس چیز کے ساتھ؟ اس کھجور کے بُسْر ہونے کے ساتھ مقید ہے۔ معلوم ہوا کہ وہ جو مُشَارٌ اِلَيْهِ ہے وہ جب بُسْر ہو تب ہی یہ اشارہ جو ہے اس بُسْر والی حالت کے ساتھ مقید ہو گا، باقی حالتوں میں تو مقید نہیں ہو گا۔ حالانکہ یہ کلام تو چاہے وہ کھجور بُسْر ہو، چاہے رُطَب ہو، چاہے تَمْر ہو، چاہے بالکل خشک ہو چکی ہو، ہر حال میں آپ کہہ سکتے ہیں کہ یہ والی کھجور بُسْر ہونے کی حالت میں زیادہ اچھی ہوتی ہے رُطَب ہونے کی حالت کے مقابلے میں۔ تو معلوم ہوا اگر آپ أُشِيْرُ کو عامل بنائیں گے اور اشارہ آپ کس کی طرف کر رہے ہیں؟ تَمْرٍ يَابِس کی طرف۔ تَمْرٍ يَابِس موجود ہے اور آپ اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہہ رہے ہیں، تو اس صورت میں تو آپ کا اشارہ بسریت کے ساتھ مقید نہیں ہو رہا۔ میں اشارہ کر رہا ہوں اس حال میں کہ یہ بُسْر ہے بھئی، حالانکہ یہ تو تَمْرٍ يَابِس ہے بُسْر تو ہے ہی نہیں۔ تو معلوم ہوا کہ هٰذَا کو عامل نہیں بنا سکتے ورنہ تو اشارہ بسریت کے ساتھ مقید نہیں ہو گا۔ اور نیز اس لیے کہ یہاں پر تو بات چل جائے گی آپ کی کہ هٰذَا اسم اشارہ موجود ہے اور اس سے أُشِيْرُ یا أُنَبِّهُ کا فعل سمجھ میں آ رہا ہے، لیکن اگر اس هٰذَا کی جگہ کوئی اور اسم آ گیا، اور اس کو آپ عامل نہیں بنا سکتے

کیونکہ اس سے کوئی معنیٰ فعل سمجھ میں ہی نہیں آ رہا، جیسے مثلاً هٰذَا کے بجائے آپ یوں کہتے ہیں: تَمْرَةُ نَخْلِیْ بُسْرًا أَطْیَبُ مِنْهُ رُطَبًا میرے کھجور کے درخت کی جو کھجور ہے وہ زیادہ اچھی ہے بُسْر ہونے کی حالت میں اسی کھجور کے مقابلے میں جب وہ رُطَب ہو۔ تو اس صورت میں تو یہ اسم ظاہر جو آیا ہے یہ تو عامل نہیں بن سکتا، تو پھر اس صورت میں تو أَطْیَبُ ہی کو عامل بنانا پڑے گا۔

اور پھر صاحبِ کافیہ نے آپ کو بتلایا تھا کہ کبھی کبھار حال جو ہے وہ جملہ بھی واقع ہوتا ہے۔ اور جملہ مِنْ حَیْثُ الْجُمْلَةُ مستقل ہے، اس میں بات پوری ہے، وہ پورا فائدہ دے رہا ہے، وہ کسی سے جڑنے کا محتاج نہیں، لیکن آپ اس کو حال بنانا چاہتے ہیں، تو پھر اس کا ربط ذوالحال کے ساتھ ضروری ہے۔ اور چونکہ ذوالحال بتدا کے درجے میں ہوتا ہے اور حال اس کے بارے میں خبر کے درجے میں ہے، تو لہٰذا یہ جو جملہ ہے اس کا خبریہ ہونا ضروری ہے، کیونکہ انشا تو خبر واقع نہیں ہو سکتا۔ تو یہ جملہ خبریہ حال واقع ہوتا ہے تو اس کے لیے ربط چاہیے، اور وہ ربط کبھی واؤ کے ذریعے دیا جاتا ہے، اور کبھی کبھار ضمیر کے ذریعے دیا جاتا ہے، اور کبھی ربط دونوں کے ذریعے دیا جاتا ہے۔ اور پھر بتلایا تھا کہ یہ جملہ پانچ قسم پر ہے، کیونکہ یا تو جملہ اسمیہ ہو گا یا فعلیہ ہو گا۔ پھر جملہ فعلیہ دو قسم پر ہو گا، یا تو اس میں فعل مضارع آئے گا یا فعل ماضی۔ پھر فعل مضارع بھی دو قسم پر، فعل ماضی بھی دو قسم پر، کیونکہ دونوں یا مثبت ہوں گے یا منفی۔ تو کل پانچ قسمیں بن گئیں جملے کی: نمبر ایک جملہ اسمیہ، نمبر دو جملہ فعلیہ جس کے شروع میں فعل مضارع مثبت ہو، تیسرا جملہ فعلیہ جو فعل مضارع منفی پر مشتمل ہو، اور چوتھا جملہ فعلیہ جو ماضی مثبت پر مشتمل ہو، اور پانچواں جملہ فعلیہ جو ماضی منفی پر مشتمل ہو۔ تو ان میں سے تفصیل بیان کی تھی کہ اگر حال جو ہے وہ جملہ اسمیہ ہو تو پھر ربط دینا واؤ اور ضمیر دونوں کے ساتھ اکٹھا ربط دیا جائے یہ بھی جائز ہے، صرف واؤ کے ساتھ ربط دیا جائے یہ بھی جائز، لیکن صرف ضمیر کے ساتھ ربط دینا ضعیف ہے، یہ ضعیف ہے، ضعیف لغت ہے۔ اور اگر مضارع مثبت حال واقع ہو تو پھر اس صورت میں اس کا ربط صرف ضمیر کے ذریعے دیا جائے گا، وہاں واؤ کے ذریعے ربط دینا جائز نہیں۔ اور اس کے علاوہ باقی جو تین جملے ہیں، یعنی مضارع منفی، اور ماضی مثبت، اور ماضی منفی، ان سے جو جملے بن رہے ہوں تو ان کے اندر پھر تینوں صورتیں جائز ہیں، واؤ اور ضمیر دونوں سے بھی ربط دے سکتے ہیں، صرف واؤ سے بھی ربط دے سکتے ہیں، اور صرف ضمیر کے ذریعے بھی ربط دے سکتے ہیں۔ بات سمجھ میں آ گئی؟

آگے دیکھیے بھئی۔ کہتے ہیں: وَلَا بُدَّ فِی الْمَاضِی الْمُثْبَتِ لَا الْمَنْفِیِّ مِنْ دُخُوْلِ لَفْظَةِ قَدِ الْمُقَرِّبَةِ زَمَانَ الْمَاضِیْ اِلَی الْحَالِ لُغَةً عَلَی الْمَاضِی الْمُثْبَتِ الْوَاقِعِ حَالًا۔ اب آپ کو بتلائیں گے صاحبِ کافیہ کہ جب بھی ماضی مثبت جو ہے وہ حال واقع ہو، تو پھر وہاں لفظ قَدْ کا ہونا ضروری ہے۔ اور وہ قَدْ لفظوں میں بھی ہو سکتا ہے اور مقدر بھی ہو سکتا ہے۔ لفظوں میں بھی ہو سکتا ہے اور مقدر بھی ہو سکتا ہے۔ تو جب بھی ماضی مثبت حال واقع ہو تو لفظ قَدْ کا وہاں ہونا ضروری ہے، وہ قَدْ لفظوں میں ظاہر بھی ہو سکتا ہے اور مقدر بھی ہو سکتا ہے۔ بھئی کیا وجہ ہے، یہ قَدْ کا ہونا کیوں ضروری ماضی مثبت کے اندر؟ کہتے

ہیں وجہ یہ، وجہ یہ کہ آپ ماضی کو بنانا چاہتے ہیں حال، کس کو بنانا چاہتے ہیں؟ حال، ماضی کو بنانا چاہتے ہیں، اور فعل ماضی وہ تو گذشتہ زمانے پر دلالت کرتا ہے، اور آپ اس کو بنانا کیا چاہتے ہیں؟ حال چاہتے ہیں، تو پھر ضروری ہے کہ اس ماضی کے شروع میں قَدْ لے آئیں۔ قَدْ جو ہے ماضی کو حال کے قریب کر دیتا ہے۔ مثلاً میں نے آپ سے کہا ضَرَبَ زَیْدٌ دیکھو ماضی ہے،

ضَرَبَ زَیْدٌ زید نے پٹائی کی، معلوم ہوا زمانہ ماضی میں کی ہے لیکن کب کی ہے؟ ابھی قریب کے زمانے میں کی ہے یا دس سال پہلے پٹائی کی تھی؟ بھئی دونوں صورتوں میں آپ کہہ سکتے ہیں ضَرَبَ زَیْدٌ۔ کچھ دیر پہلے پٹائی کی ہو پھر بھی کہہ سکتے ہیں ضَرَبَ زَیْدٌ، زید نے پٹائی کی۔ اور دس سال پہلے کی ہو تب بھی آپ کہہ سکتے ہیں ضَرَبَ زَیْدٌ، زید نے پٹائی کی۔ تو اگر ماضی بغیر قَدْ کے لائیں گے وہ اتنا تو بتائے گا کہ یہ فعل ماضی میں ہوا ہے لیکن اس میں تفصیل نہیں کہ قریب ماضی میں ہوا ہے یا بعید ماضی میں ہوا ہے۔ لیکن جب آپ اس پر قَدْ لے آئیں گے تو قَدْ اس کو حال کے قریب کر دیتا ہے۔ حال کے قریب کر دیتا ہے۔ تو مثلاً میں کہتا ہوں قَدْ ضَرَبَ زَیْدٌ، تو قَدْ ضَرَبَ زَیْدٌ کا معنی ہے زید نے پٹائی کی ہے۔ ضَرَبَ زَیْدٌ کا کیا معنی تھا؟ زید نے پٹائی کی، اور قَدْ ضَرَبَ زَیْدٌ زید نے پٹائی کی ہے۔ یہ «ہے» بھی ساتھ لے آؤ، زید نے پٹائی کی ہے، دیکھو یہ «ہے» نے اس کو حال کے قریب کر دیا۔ پہلے کیا تھا زید نے پٹائی کی، بھئی قریب ہے یا بعید ہے کوئی پتہ نہیں چل رہا تھا، لیکن قَدْ کیا کرتا ہے ماضی کو حال کے قریب کر دیتا ہے، بتلا دیتا ہے کہ یہ قریب کی ماضی میں یہ فعل ہوا ہے، بعید ماضی میں نہیں ہوا۔ قَدْ ضَرَبَ زَیْدٌ کیا معنی؟ یعنی ابھی قریب کے زمانے میں زید نے پٹائی کی ہے بھئی۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو قَدْ کیا فائدہ دیتا ہے؟ ماضی کو حال کے قریب کر دیتا ہے۔ تو آپ ماضی کو حال بنانا چاہتے ہیں، فعل ماضی تو گذشتہ زمانے پر دلالت کرتا ہے، تو اس کو شروع میں قَدْ لے آئیں گے اور قَدْ اس کو حال کے قریب کر دے گا، اور قَرِیْبٌ اِلَی الشَّیْءِ فی حکمِ الشیءِ ہوتی ہے۔ جو چیز جس چیز کے قریب ہو اس کا وہی حکم ہوتا ہے۔ تو ماضی حال کے قریب آگئی تو یوں سمجھو حال ہی ہو گیا۔ تو لہٰذا اب اس کا حال بننا صحیح ہو گیا۔ ماضی جب حال کے قریب آگئی تو اب یہ حال ہی کے حکم میں ہو گئی تو اب اس کا حال بننا صحیح ہو گیا۔ بات سمجھ میں آگئی؟

تو کہتے ہیں وَلَا بُدَّ... دیکھیے بھئی متن، کہتے ہیں: وَلَا بُدَّ فِی الْمَاضِی الْمُثْبَتِ مِنْ قَدْ اور ضروری ہے ماضی مثبت کے اندر لفظِ قَدْ کا ہونا ظَاهِرَةً أَوْ مُقَدَّرَةً وہ ظاہر ہو یا وہ لفظِ قَدْ ظاہر ہو یا مقدر ہو۔

اب دیکھیے اس کو شرح کے ساتھ بھئی، کہتے ہیں: وَلَا بُدَّ فِی الْمَاضِی الْمُثْبَتِ لَا الْمَنْفِیِّ، کہتے ہیں ضروری ہے ماضی مثبت کے اندر، لَا الْمَنْفِیِّ نہ کہ ماضی منفی، ماضی منفی میں ضروری نہیں ہے بھئی، ماضی منفی میں ضروری نہیں ہے۔ یاد رکھنا یہ آگے بھی بیان کریں گے، ماضی منفی جو ہے یاد رکھو، ماضی منفی استمرار کا فائدہ دیتی ہے، یعنی وہ ماضی کے تمام زمانوں کو گھیر لیتی ہے۔ مثلاً میں کہتا ہوں مَا ضَرَبَ زَیْدٌ زید نے پٹائی نہیں کی، تو دیکھو یہ مَا ضَرَبَ فعل ماضی منفی ہے اور ماضی منفی استیعاب

کا فائدہ دیتا ہے، یہ ساری ماضی کو گھیر لیتا ہے اِلَّا یہ کہ کوئی مانع آجائے، کوئی قاطع آجائے جو اس عدمِ ضرب کو ختم کر دے۔ میں نے کیا کہا مَا ضَرَبَ زَیْدٌ، زید نے پٹائی نہیں کی، تو یہ ماضی منفی ہے اور ماضی منفی کس چیز کا فائدہ دیتی ہے؟ استمرار کا۔ معلوم ہوا جب سے زید نے پٹائی نہیں کی جس وقت سے آپ بیان کر رہے ہیں، اس سے لے کر اب تک یہ عدمِ ضرب کا فعل مستمراً ہے، اس میں استمرار ہے۔ تو لہٰذا حال تک یہ پہنچ گیا یہ فعل، یہ عدمِ ضرب کہاں تک پہنچ گیا؟ توجہ ہے؟ ماضی منفی استمرار کا فائدہ دیتی ہے، استمرار یعنی ایک چیز مسلسل ہے، ایک چیز مسلسل ہے تو یہ استیعاب کا فائدہ دیتی ہے۔ جب میں نے کہا مَا ضَرَبَ زَیْدٌ زید نے پٹائی نہیں کی، تو دیکھو میں عدمِ ضرب بیان کر رہا ہوں یہ ماضی منفی ہے اور یہ استمرار کا فائدہ دیتی ہے، یعنی اس وقت سے لے کر ابھی تک عدمِ ضرب ہے مسلسل۔ جب ابھی تک مسلسل عدمِ ضرب ہے تو حال تک پہنچ گیا یا نہیں عدمِ ضرب؟ جب عدمِ ضرب حال تک پہنچ گیا تو اب قَدْ لانے کی کوئی ضرورت نہیں ہے بھئی۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو ماضی منفی جو ہے استمرار کا فائدہ دیتی ہے اِلَّا یہ کہ کوئی مانع آجائے یا یوں کہو کوئی قاطع آجائے جو اس استمرار کو قطع کر دے، توڑ دے۔ اور نفی قطع کس چیز سے ہوتی ہے؟ اثبات سے، یعنی کوئی ایسا فعل آجائے جس سے پتہ چلے کہ ضرب ہوئی ہے۔ تو معلوم ہوا مَا ضَرَبَ اس میں استمرار ہے، اِلَّا یہ کہ ضَرَبَ زَیْدٌ پھر آجائے، یہ ضَرَبَ زَیْدٌ اس مَا ضَرَبَ کو کیا کر دے گا؟ توڑ دے گا، ختم کر دے گا، معلوم ہوا عدمِ ضرب میں استمرار نہیں ہے۔ تو ماضی منفی میں قَدْ کیوں نہیں ضروری؟ کیونکہ ماضی منفی میں استمرار ہوتا ہے وہ اس وقت سے لے کر زمانہ حال تک سارے ماضی کے زمانے کو گھیر لیتا ہے، جب سارے زمانے کو گھیر لیا تو حال تک یہ عدمِ فعل پہنچ گیا، لہٰذا اب قَدْ لانے کی کوئی حاجت نہیں، یہ تو حال تک ہی ہے یہ عدمِ ضرب مثلاً۔ بات سمجھ میں آگئی؟

تو کہتے ہیں: وَلَا بُدَّ فِی الْمَاضِی الْمُثْبَتِ لَا الْمَنْفِیِّ اور ضروری ہے ماضی مثبت میں، لَا الْمَنْفِیِّ نہ کہ ماضی منفی میں، مِنْ دُخُوْلِ لَفْظَةِ قَدْ لفظِ قَدْ کا داخل ہونا، ماضی مثبت میں لفظِ قَدْ کا داخل ہونا ضروری ہے۔ صاحبِ جامی نے فرمایا لَفْظَةِ قَدْ، لَفْظَةِ قَدْ، یہ لَفْظَةٌ کے اندر یہ جو تاء ہے یہ وحدت کی ہے۔ یعنی یہ ایک لفظ جو قَدْ ہے اسی کو داخل کرنا ضروری ہے کوئی اور لفظ یہاں نہیں۔ تو انسان حیران ہوتا ہے صاحبِ جامی کی فصیح و بلیغ عبارتوں پر بھئی۔ اتنی مشکل اور پیچیدہ اور اتنی فصیح و بلیغ عبارتیں ہیں کہ بعض اوقات انسان کے لیے اس کا ترجمہ کرنا مشکل ہو جاتا ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ اور چہ جائیکہ کہ ایک مسئلے کو سمجھا بھی جائے اور پھر اس کو عربی زبان میں بیان بھی کیا جائے، اور انتہائی مختصر اور جامع قسم کی عبارت لائی جائے کہ اس پر کوئی اشکال بھی نہ ہوتا ہو، تو تمام جامی میں انسان پڑھتا ہے حیران ہوتا ہے کیسی کیسی فصیح و بلیغ اور کیسی پیاری عبارتیں لا رہے ہیں صاحبِ جامی بھئی۔ تو یہ جو لَفْظَةٌ کے اندر تاء آئی ہے یہ وحدت کے لیے ہے یعنی اس لفظِ قَدْ کا داخل ہونا ضروری ہے۔

آگے دیکھیے: الْمُقَرِّبَةِ زَمَانَ الْمَاضِی اِلَی الْحَالِ لُغَةً، وہ قَدْ جو قریب کرنے والا ہے زمانہ ماضی کو اِلَی الْحَالِ کس کے؟ زمانہ

حال کے، لُغَةً عربی زبان کے اعتبار سے، یعنی وہ جس کو حال کہتے ہیں عربی زبان کے اعتبار سے۔ یاد رکھو ایک ہے حالِ لغوی، ایک ہے حالِ اصطلاحی، دونوں الگ الگ چیزیں ہیں۔ حالِ لغوی زمانے کا نام ہے، ماضی اور مستقبل کے درمیان جو زمانہ ہے وہ کیا کہلاتا ہے؟ حال۔ یہ اس وقت جو میں تکلم کر رہا ہوں یہ ہے زمانہ حال بھئی، اور جو گزر چکا ہے وہ ماضی ہے اور جو ابھی آیا نہیں وہ ہے مستقبل۔ جبکہ بعض علماء تو کہتے ہیں زمانے صرف دو ہی ہیں، ماضی اور مستقبل، حال کسی چیز کا نام ہی نہیں ہے۔ کہتے ہیں حال ان دو زمانوں میں صرف ایک نسبت کا نام ہے۔ دیکھو میں بولتا جا رہا ہوں، ہر وہ لمحہ جس میں میں لفظ بول رہا ہوں وہ حال ہے، کچھ لمحے پہلے وہ مستقبل تھا، اب وہ حال ہوا وہ زمانہ، اور حال ہوتے ہی اگلے لمحے میں وہ کدھر چلا گیا؟ ماضی میں چلا گیا، تو حال تو ماضی اور مستقبل کے درمیان صرف ایک نسبت کا نام ہے یہ کوئی زمانہ نہیں۔ لیکن عام علماء کیا فرماتے ہیں؟ کہ یہ تین زمانے ہیں: ماضی، حال اور مستقبل۔ تو عربی زبان میں حال زمانے کا نام ہے، جبکہ علمِ نحو کے اندر حال زمانے کو نہیں کہتے۔ حال علمِ نحو میں کسے کہتے ہیں؟ مَا يُبَيِّنُ هَيْئَةَ الْفَاعِلِ أَوِ الْمَفْعُوْلِ بِهِ، حال وہ لفظ ہے جو فاعل یا مفعول بہ کی حالت بیان کرے۔ تو علمِ نحو میں حال لفظ کا نام ہے۔ جَاءَنِیْ زَيْدٌ رَاكِبًا، یہ رَاكِبًا کا لفظ جو ہے یہ ہے حال بھئی جس پر نصب آ رہا ہے۔ تو عربی زبان میں حال کسے کہتے ہیں؟ زمانے کو، اور علمِ نحو میں حال کسے کہتے ہیں؟ لفظ کو کہتے ہیں جو فاعل یا مفعول بہ کی حالت بیان کرے۔ تو کہتے ہیں کہ وہ لفظِ قَدْ، یہ الْمُقَرِّبَةِ یہ صفت ہے قَدْ کی، اور قَدْ سے لفظِ قَدْ مراد ہے تو یہ علم کے درجے میں ہے، تو اس لیے آگے اس کی صفت الْمُقَرِّبَةِ جو ہے وہ معرفہ لائی گئی، وہ لفظِ قَدْ الْمُقَرِّبَةِ زَمَانَ الْمَاضِی اِلَی الْحَالِ لُغَةً، وہ لفظِ قَدْ جو قریب کرنے والا ہے ماضی کے زمانے کو حال کے لغت کے اعتبار سے یعنی وہ جو زمانہ حال ہے اس کے قریب کرنے والا ہے۔

اب آگے آ رہا ہے عَلَى الْمَاضِی الْمُثْبَتِ، یاد رکھو عَلَى الْمَاضِی یہ جار مجرور ہے اس کے لیے متعلق چاہیے، یہ کس سے متعلق ہو رہا ہے؟ تو یاد رکھنا وہ جو پیچھے آیا تھا مِنْ دُخُوْلِ لَفْظَةِ قَدْ، یہ جو دُخُوْل ہے اس کے ساتھ یہ عَلٰی کا تعلق ہے، ذرا اس کے ساتھ جوڑو، دُخُوْل عَلَى الْمَاضِی الْمُثْبَتِ، کیا ضروری ہے؟ داخل ہونا لفظِ قَدْ کا عَلَى الْمَاضِی الْمُثْبَتِ کس پر؟ ماضی مثبت پر۔ تو کہتے ہیں ضروری ہے لفظِ قَدْ کا، وہ لفظِ قَدْ جو قریب کرنے والا ہے ماضی کو حال کے باعتبار عربی زبان کے، ضروری ہے داخل ہونا اس کا عَلَى الْمَاضِی الْمُثْبَتِ ماضی مثبت پر الْوَاقِعِ حَالًا وہ ماضی مثبت جو حال واقع ہو رہی ہے اس پر اس لفظِ قَدْ کا داخل ہونا ضروری ہے۔ لِيَدُلَّ بِهَا تاکہ اس کے ذریعے، بِهَا ضمیر قَدْ کو راجع ہے، تاکہ وہ ماضی دلالت کرے اس قَدْ کی وجہ سے عَلٰی قُرْبِ زَمَانِهِ اس بات پر کہ اس حال کا زمانہ قریب ہے، قَدْ ماضی پر آیا نا، تو اس نے ماضی کو حال کے قریب کر دیا، تو ماضی اب اس قَدْ کی وجہ سے اس بات پر دلالت کر رہی ہے کہ اس ماضی کا زمانہ قریب ہے، کس کے قریب ہے؟ اِلٰی زَمَانِ صُدُوْرِ الْفِعْلِ مِنْ ذِی الْحَالِ وہ جو ذوالحال سے فعل کے صادر ہونے کا زمانہ ہے أَوْ وُقُوْعِهِ عَلَيْهِ یا وہ جو ذوالحال پر فعل کے واقع ہونے کا زمانہ ہے۔

بھئی دیکھیے، ایک ہوتا ہے فاعل ایک ہے مفعول، فاعل فعل کو کرنے والا ہے تو فاعل کے لیے کہتے ہیں کہ فاعل سے فعل کا صدور ہوتا ہے صَاد کے ساتھ، یعنی فعل کو وہ کرنے والا ہے یعنی اپنے اختیار سے، بات سمجھ میں آرہی؟ تو فاعل کے لیے کیا لفظ بولتے ہیں؟ صدور کا، یعنی فعل اس سے صادر ہوتا ہے وہ فعل کو کرتا ہے، اور مفعول بہ کے لیے کہتے ہیں فعل اس پر واقع ہوتا ہے۔ تو حال تو دونوں سے آسکتا ہے فاعل سے بھی اور مفعول بہ سے بھی۔ تو یہ حال، یہ قَدْ کیوں لایا جاتا ہے؟ تاکہ یہ قَدْ بتلائے کہ یہ جو ماضی ہے اس کا زمانہ قریب ہے، کس کے قریب ہے؟ وہ جو عامل تھا فاعل یا مفعول بہ میں۔ مثال سے سمجھو: جَاءَنِیْ زَیْدٌ وَقَدْ رَکِبَ غُلَامُهُ، جَاءَنِیْ زَیْدٌ وَقَدْ رَکِبَ غُلَامُهُ۔ جَاءَنِیْ زَیْدٌ میرے پاس زید آیا، آگے وَقَدْ رَکِبَ یہ جملہ حال بن رہا ہے اور اس کے شروع میں ماضی مثبت ہے تو میں نے قَدْ کا بھی اضافہ کر دیا۔ جَاءَنِیْ زَیْدٌ میرے پاس زید آیا اس حال میں کہ اس کا غلام سوار تھا۔ وَقَدْ رَکِبَ غُلَامُهُ اس حال میں کہ اس کا غلام سوار تھا۔ اب دیکھو یہ جو رَکِبَ ہے، یہ رَکِبَ جو حال واقع ہو رہا ہے یہ تو ماضی کا فعل ہے، یہ تو گذشتہ زمانے پر دلالت کرتا ہے، تو اس پر قَدْ لے آئے، اس قَدْ نے اس فعل ماضی کے زمانے کو قریب کر دیا، کس کے قریب کر دیا؟ وہ جو پیچھے مجیئت والا فعل ذکر ہو رہا ہے۔ پیچھے جَاءَنِیْ زَیْدٌ آیا یا نہیں؟ تو وہ جو پیچھے مجیئت والا فعل ذکر ہو رہا ہے، یہ قَدْ نے اس ماضی کے زمانے کو اس مجیئت کے زمانے کے قریب کر دیا۔ بات سمجھ میں آگئی؟ اور یہ کس صورت میں ہے؟ جب آگے یہ حال کس سے آرہا ہے؟ زید سے جو کہ فاعل ہے۔ یعنی جَاءَنِیْ زَیْدٌ یہ جو ذوالحال ہے زید، اس کے صدورِ فعل کا جو زمانہ ہے، کیا معنی؟ جب اس سے یہ مجیئت والا فعل صادر ہوا تو اس قَدْ نے وہ حال جو ماضی تھا اس کے زمانے کو قریب کر دیا کس کے زمانے کے؟ یہ جو ذوالحال کے صدورِ فعل کا زمانہ یعنی وہ جو مجیئت کا زمانہ ہے اس کے قریب کر دیا۔ توجہ ہے؟ جَاءَنِیْ زَیْدٌ وَقَدْ رَکِبَ غُلَامُهُ دو فعل ذکر ہیں نا، تو مجیئت کا بھی کوئی زمانہ ہوگا، اور آگے رَکِبَ کا بھی زمانہ۔ رَکِبَ کے اندر تو کون سا زمانہ ہے؟ ماضی والا، توجہ ہے؟ تو ایک زمانہ ہے مجیئت والا، ایک زمانہ ہے رَکِبَ والا، تو اس قَدْ نے کیا کیا؟ یہ جو حال رَکِبَ ماضی ہے اس کے زمانے کو قریب کر دیا کس کے زمانے کے؟ وہ جو ذوالحال سے صدورِ فعل یعنی، کون سا فعل صادر ہوا ہے؟ مجیئت، وہ جو ذوالحال سے صدورِ فعل یعنی مجیئت ہے اس کے زمانے کے قریب کر دیا۔ تو یہ تو وہ صورت تھی جب حال کس سے آیا فاعل سے، اور اگر حال آئے مفعول سے، جیسے میں کہتا ہوں: ضَرَبْتُ زَیْدًا وَقَدْ رَکِبَ غُلَامُهُ، اب یہاں زَیْدًا سے حال آیا وَقَدْ رَکِبَ غُلَامُهُ، اور زَیْدًا کیا ہے مفعول بہ ہے اور ماقبل کا ضَرَبْتُ فعل اس پر واقع ہو رہا ہے، تو اس ضرب کا بھی کوئی زمانہ ہے اور آگے حال کا بھی کوئی زمانہ ہے، تو اس قَدْ نے کیا کیا؟ وہ حال کے زمانے کو یہ جو ذوالحال پر جو فعل واقع ہو رہا تھا، کون سا فعل واقع ہوا؟ ضرب والا، اس ذوالحال پر فعل کے واقع ہونے کے زمانے کے قریب کر دیا، کس کو؟ حال کے زمانے کو۔ حال کے زمانے کو ذوالحال پر فعل کے واقع ہونے کے زمانے کے قریب کر دیا۔ بات سمجھ میں آگئی؟ معلوم ہوا جو آگے حال آئے گا وہ فاعل سے ہوگا یا مفعول بہ سے۔ فاعل سے ہوگا تو ماقبل والا فعل اس کے صدورِ فعل کا زمانہ بتلا رہا ہے، اور اگر وہ مفعول سے حال ہے تو ماقبل والا فعل اس پر وقوعِ فعل کا زمانہ بتلا رہا ہے، تو قَدْ ماضی کو اس ذوالحال کے

عامل کے زمانے کے قریب کر دیتا ہے، چاہے وہ صدورِ فعل کا زمانہ ہو چاہے وقوعِ فعل کا زمانہ ہو۔ یہ معنی ہے: لِيَدُلَّ بِهَا تاکہ یہ ماضی دلالت کرے اس قَدْ کے ذریعے سے عَلٰى قُرْبِ زَمَانِهِ اس بات پر کہ اس ماضی کا زمانہ قریب ہے اِلٰى زَمَانِ صُدُوْرِ الْفِعْلِ مِنْ ذِي الْحَالِ ذوالحال سے فعل کے صادر ہونے کے زمانے کے یا أَوْ وُقُوْعِهِ عَلَيْهِ یا ذوالحال پر فعل کے واقع ہونے کے زمانے کے، اس ماضی کا زمانہ قریب ہے، کس کے قریب ہے؟ ذوالحال سے فعل کے صادر ہونے کے زمانے کے قریب ہے یوں کہہ لیں، یا ذوالحال پر فعل کے واقع ہونے کے زمانے کے قریب ہے اس حال کا زمانہ۔ معنی سمجھ میں آگیا؟

تَجَوُّزًا، تَجَوُّزًا أَيْ مَجَازًا بھئی، مَجَازًا۔ یہ تَجَوُّزًا کا تعلق ہے لِيَدُلَّ سے کہ یہ دلالت جو ہے مجازاً ہے حقیقتاً نہیں۔ یہ دلالت مجازاً ہے حقیقتاً نہیں، توجہ ہے؟ حقیقتاً نہیں، کیوں؟ کہتے ہیں بھئی دراصل قَدْ جو ہے وہ ماضی کو زمانہ حال کے قریب کرتا ہے، وہ حال جس کو عربی زبان میں حال کہتے ہیں یعنی یوں کہو قَدْ ماضی کو حالِ لغوی کے قریب کرتا ہے۔ قَدْ ماضی کو حالِ لغوی کے قریب کرتا ہے، اور یہاں جو بحث چل رہی ہے وہ تو حالِ اصطلاحی کی چل رہی ہے، تو قَدْ نے حالِ اصطلاحی کے تو قریب نہیں کیا بھئی۔ حالِ... انہوں نے کیا کہا؟ یہ قَدْ کس لیے لاتے ہیں؟ تاکہ یہ ماضی اس بات پر دلالت کرے کہ اس کا زمانہ اس فعل کے زمانے کے قریب ہے۔ کہتے ہیں یہ مجازاً ہے، یہ مجازاً ہے۔ کیا کہا انہوں نے؟ تاکہ وہ ماضی اس قَدْ کی وجہ سے دلالت کرے کہ اس ماضی کا زمانہ اس عاملِ ذوالحال کے زمانے کے قریب ہے، اس کے قریب ہے، کہتے ہیں یہ دلالت مجازاً ہے، یہ مجازاً اس بات پر دلالت کر رہا ہے حقیقتاً نہیں۔ بھئی حقیقتاً کیوں نہیں؟ کہتے ہیں اس لیے کیونکہ قَدْ اس بات پہ دلالت کرتا ہے کہ یہ ماضی حالِ لغوی کے قریب ہے، حالِ... وہ جس کو عربی زبان میں حال کہتے ہیں یعنی وہ جو زمانے کا نام ہے۔ تو قَدْ کس بات پر دلالت کرتا ہے؟ کہ ماضی حالِ لغوی کے قریب ہے۔ قَدْ کی وجہ سے ماضی اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ وہ حالِ لغوی کے قریب ہے۔ قَدْ کی وجہ سے ماضی اس بات پر دلالت نہیں کرتی کہ یہ حالِ اصطلاحی کے قریب ہے، تو معلوم ہوا یہ جو قَدْ کی وجہ سے جو ماضی نے دلالت کی کہ اس کا زمانہ ذوالحال کے فعل کے زمانے کے قریب ہے، یہ حقیقتاً ہوئی یا مجازاً دلالت ہوئی؟ مجازاً دلالت ہوئی حقیقتاً نہیں، کیونکہ حقیقتاً تو دلالت کس بات پر ہوئی کہ وہ ماضی حالِ لغوی کے قریب ہے، اور ہم بات کس کی کر رہے ہیں؟ تو حالِ اصطلاحی کے قریب تو نہیں ہوئی نا بات تو کس کی چل رہی ہے؟ نہیں بات سمجھ میں آئی، نہیں سمجھ میں آئی، کیا بات ہوئی؟ قَدْ کیا کرتا ہے ماضی کو زمانہ حال کے قریب کر دیتا ہے۔ تو قَدْ جب ماضی کے ساتھ ہو گا تو یہ قَدْ کی وجہ سے ماضی دلالت کرے گی کہ اس کا زمانہ حالِ لغوی کے قریب ہے، یہ اس پر تو دلالت نہیں کرے گی کہ یہ حالِ اصطلاحی کے قریب ہے، اور آپ کس کے لیے بنا رہے ہیں یہ دلالت؟ حالِ اصطلاحی کے قریب ہے، تو یہ دلالت مجازاً ہوئی حقیقتاً نہیں۔ حالِ لغوی کے قریب ہے یہ حقیقتاً اس پر دلالت ہوئی، اور حالِ اصطلاحی کے قریب ہے اس پر تو دلالت نہ ہوئی بس مجازاً کہہ دیا اس کے قریب ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو کہتے ہیں لِيَدُلَّ بِهَا تاکہ اس لفظِ قَدْ کی وجہ سے وہ فعل ماضی دلالت کرے عَلٰى قُرْبِ زَمَانِهِ اس بات پر کہ اس فعل ماضی کا زمانہ قریب ہے اِلٰى زَمَانِ

صُدُوْرِ الْفِعْلِ مِنْ ذِی الْحَالِ وہ جو ذوالحال سے صدورِ فعل کا زمانہ تھا أَوْ وُقُوْعِهِ عَلَيْهِ یا وہ جو ذوالحال پر وقوعِ فعل کا زمانہ تھا، وہ ماضی اس کے قریب ہے تَجَوُّزًا لیکن یہ دلالت مجازاً ہے، کیونکہ وہ ماضی قَدْ کی وجہ سے حال کے قریب ہونے پر دلالت کرتی ہے، اس فعل کے قریب ہونے پر دلالت، وہ جو ذوالحال کا فعل ہے اس کے قریب ہونے پر یہ دلالت نہیں ہے، تو یہ تَجَوُّزًا ہے مجازاً ہے۔

لِأَنَّ الْمُتَبَادِرَ مِنَ الْمَاضِی الْمُثْبَتِ اِذَا وَقَعَ حَالًا أَنَّ مُضِيَّهُ اِنَّمَا هُوَ بِالنِّسْبَةِ اِلٰی زَمَانِ الْعَامِلِ۔ لِأَنَّ الْمُتَبَادِرَ، وجہ ذکر کر رہے ہیں، کہتے ہیں لِأَنَّ الْمُتَبَادِرَ، متبادر کہتے ہیں وہ چیز جو ذہن کی طرف سبقت کرے، فوری طور پر ذہن میں آئے، اس کو کہتے ہیں متبادر۔ کہتے ہیں وجہ، ادھر دیکھیے وجہ سمجھ لیجیے، وجہ آپ کو بتلائیں گے۔ کہتے ہیں وجہ یہ کہ جب ماضی حال واقع ہو، جب ماضی حال واقع ہو تو ذہن میں یہ بات آتی ہے کہ یہ جو زمانہ ماضی ذکر کیا جا رہا ہے، یہ وہ جو عامل کا زمانہ ہے اس کے اعتبار سے ماضی ہے۔ ذرا اس مثال پہ نظر رکھیں، ایک ڈیڑھ سطر کے بعد مثال آ رہی ہے ذرا اس پر نظر رکھیں: جَاءَنِیْ زَيْدٌ قَدْ رَكِبَ غُلَامُهُ، یہ زَيْدٌ ہے ذوالحال اور قَدْ رَكِبَ غُلَامُهُ یہ اس سے حال آ رہا ہے، اور اس حال کے اندر رَكِبَ یہ ماضی مثبت ہے تو اس پر قَدْ کو داخل کیا گیا۔ یہ قَدْ کو کیوں داخل کیا گیا؟ تاکہ یہ اس ماضی کے زمانے کو اس ذوالحال کے فعل کے زمانے کے قریب کر دے مجازاً، قریب کر دے مجازاً۔ کہتے ہیں اس لیے، اب سنو وجہ سنو، کہتے ہیں اس لیے کیونکہ جب ماضی مثبت حال واقع ہوتی ہے تو ذہن میں یہ آتا ہے، دیکھو قَدْ رَكِبَ یہ کون سا زمانہ ہے؟ ماضی کا، کہ یہ جو ماضی کا زمانہ ذکر ہو رہا ہے یہ اس وقت جس میں ہم تکلم کر رہے ہیں، ایک یہ زمانہ ہے جس میں میں تکلم کر رہا ہوں، کہتے ہیں یہ ذہن میں آتا ہے کہ اس کے اندر جو ماضی کا زمانہ ہے وہ یہ جو تکلم کیا جا رہا ہے اس کے اعتبار سے ماضی نہیں ہے بلکہ یہ جَاءَ جو وہ پیچھے عامل ہے اس کے اعتبار سے ماضی ہے، یہ اس کے اعتبار سے ماضی ہے۔ مثلاً دیکھو، زید کل آیا تھا، زید کل آیا تھا، تو اب میں آپ سے آج کہتا ہوں: جَاءَنِیْ زَيْدٌ قَدْ رَكِبَ غُلَامُهُ، تو میرا تکلم کس وقت ہے؟ آج۔ میرا تکلم آج، تو یہ تکلم کا زمانہ اور، اور زید آیا کب تھا؟ کل آیا تھا تو اس کے آنے کا زمانہ اور۔ اور اسی سے آگے حال آیا قَدْ رَكِبَ، تو یہ ماضی مثبت جب حال آتا ہے تو ذہن میں یہ آتا ہے، توجہ سے سنو، ذہن میں یہ آتا ہے کہ یہ جو زمانہ ماضی ذکر ہو رہا ہے یہ تکلم کے اعتبار سے نہیں ہے یعنی آج کے اعتبار سے ماضی نہیں ہے، بلکہ وہ جو مجیئت کا فعل کل ہوا تھا یہ اس کے اعتبار سے ماضی ہے، معلوم ہوا یہ سواری کا فعل اس سے بھی پہلے ہوا تھا، کل نہیں ہوا تھا بلکہ کل کے اعتبار سے بھی یہ کیا ہے؟ ماضی ہے۔ معلوم ہوا آیا تو زید کل ہے لیکن رَكِبَ جو ہے یہ اس کے اعتبار سے ماضی ہے یعنی یہ اس سے پہلے پرسوں یہ فعل ہوا ہے۔ معلوم ہوا مجیئت اور سواری کا زمانہ ایک نہیں، مجیئت تو کل ہوئی ہے اور آگے رَكِبَ آیا تو ذہن میں کیا آتا ہے کہ شاید یہ جو پیچھے مجیئت کا فعل ذکر ہو رہا ہے یہ اس کے اعتبار سے ماضی ہے، معلوم ہوا مجیئت کا اگر کل ہے تو رکوب اس کے مقابلے میں ماضی یعنی اس سے پہلے ہوا ہے۔ معلوم ہوا جس وقت مجیئت ہوئی اس وقت رکوب نہیں تھا، رکوب اس سے پہلے ہوا تھا۔ حالانکہ یہ بتانا مقصود ہے کہ رکوب اس سے پہلے ہوا تھا یا رکوب اس کے ساتھ ہوا تھا؟ رکوب اس کے ساتھ ہوا تھا یا مجیئت رکوب کی حالت میں ہوئی تھی بھئی۔ یعنی مجیئت تو

زید کی ہے اور رکوب زید کے غلام کا ہے لیکن دونوں کا زمانہ ایک تھا بھئی۔ بات سمجھ میں آرہی ہے؟ بات کیا ہوئی؟ کہ جب ماضی مثبت حال واقع ہو تو ذہن میں یہ آتا ہے کہ یہ تکلم کے اعتبار سے ماضی نہیں بیان ہو رہی بلکہ پیچھے جو عامل ذکر ہوا ہے اس کے اعتبار سے یہ ماضی ہے۔ معلوم ہوا عامل کا زمانہ بعد کا ہے اور وہ جو حال ہے وہ اس سے ماقبل میں، اس سے پچھلے زمانے میں ہوا ہے جس سے پتہ چلا کہ دونوں کا زمانہ ایک نہیں، تو لہٰذا ذہن میں یہ آتا ہے۔ چنانچہ پھر ماضی پر قَدْ داخل کرتے ہیں، ماضی پر قَدْ داخل کرتے ہیں، تو وہ قَدْ کیا کرتا ہے؟ ماضی کو حال کے قریب کر دیتا ہے۔ جب حال کے اس نے قریب کیا تو مجیئت کے بھی قریب آگیا یا نہیں وہ رکوب؟ مجیئت کے بھی قریب آگیا، تو حکم لگا دیا جاتا ہے گویا دونوں کا زمانہ ایک ہی ہے بھئی۔ حقیقت میں تو نہیں لیکن حکم لگا دیا جاتا ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟

کہتے ہیں: لِأَنَّ الْمُتَبَادِرَ مِنَ الْمَاضِی الْمُثْبَتِ اس لیے کیونکہ وہ چیز جو متبادر ہوتی ہے ماضی مثبت سے اِذَا وَقَعَ حَالًا جب ماضی مثبت حال واقع ہو تو اس وقت ماضی سے یہ بات متبادر ہوتی ہے کہ أَنَّ مُضِیَّهُ کہ اس کا ماضی ہونا اِنَّمَا هُوَ بِالنِّسْبَةِ اِلٰی زَمَانِ الْعَامِلِ وہ عامل کے زمانے کی نسبت سے ہے۔ وہ عامل کے زمانے کی نسبت سے اس کا ماضی ہونا ہے، معلوم ہوا دونوں کا زمانہ ایک نہیں ہے۔ فَلَا بُدَّ مِنْ قَدْ تو ضروری ہے قَدْ کا ہونا حَتّٰی تُقَرِّبَهُ اِلَیْهِ تاکہ وہ قَدْ جو ہے وہ اس ماضی کو اس کے زمانے کے قریب کر دے، فَیُقَارِنَهُ تو وہ اس کے ساتھ مل جائے گا، یعنی حقیقتاً تو نہیں ملا لیکن حکم لگا دیا جائے گا، جب قریب کر دیا تو گویا دونوں کا زمانہ آپس میں مل گیا، اکٹھا ہو گیا، دونوں کا زمانہ ایک ہو گیا۔ اور حال میں بھی ایسا ہی چاہیے کہ حال اور اس کے عامل کا زمانہ ایک ہونا چاہیے۔ جَاءَنِیْ زَیْدٌ وَقَدْ رَکِبَ غُلَامُهُ، معلوم ہوا زید کی مجیئت اور اس کے غلام کی سواری کا زمانہ ایک ہونا چاہیے۔ بات سمجھ میں آگئی؟

کہتے ہیں: وَهٰذَا بِخِلَافِ مَذْهَبِ الْکُوْفِیِّیْنَ اور کہتے ہیں یہ کوفہ والوں کے مذہب کے خلاف ہے، وہ کیونکہ کوفہ کے جو علمائے نحو ہیں وہ واجب قرار نہیں دیتے قَدْ کو نہ ظاہر اور نہ مقدر، ان کے نزدیک قَدْ کا ہونا ماضی مثبت میں واجب نہیں ہے جب وہ حال واقع ہو۔ تو کہتے ہیں: وَهٰذَا بِخِلَافِ مَذْهَبِ الْکُوْفِیِّیْنَ اور یہ کوفہ والوں کے مذہب کے برخلاف ہے فَاِنَّهُمْ لَا یُوْجِبُوْنَ قَدْ ظَاهِرَةً وَلَا مُقَدَّرَةً اس لیے کیونکہ وہ قَدْ کے ظاہر یا مقدر ہونے کو واجب نہیں کہتے۔

سَوَاءٌ کَانَتْ ظَاهِرَةً، اب یہ متن کو متن سے جوڑیں، انہوں نے پیچھے کیا کہا تھا کہ ضروری ہے ماضی مثبت کے اندر لفظِ قَدْ کا ہونا، سَوَاءٌ کَانَتْ ظَاهِرَةً فِی اللَّفْظِ برابر ہے کہ وہ لفظِ قَدْ جو ہے لفظوں میں ظاہر ہو، نَحْوُ جَاءَنِیْ زَیْدٌ قَدْ رَکِبَ غُلَامُهُ، تو دیکھو قَدْ لفظوں میں ظاہر ہے۔ أَوْ مُقَدَّرَةً مَنْوِیَّةً یا وہ لفظِ قَدْ مقدر ہو یعنی مَنْوِیَّةً نیت میں ہو، نَحْوُ قَوْلِهِ تَعَالٰی جیسے کہ اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے: جَاءُوْکُمْ حَصِرَتْ صُدُوْرُهُمْ۔ جَاءُوْکُمْ وہ لوگ تمہارے پاس آئیں، حَصِرَتْ صُدُوْرُهُمْ أَیْ قَدْ حَصِرَتْ صُدُوْرُهُمْ اس حال میں کہ ان کے دل تنگ ہوں۔ تو یہاں یہ حَصِرَتْ حال واقع ہو رہا ہے جَاءُوْا کے اندر یہ جو واؤ ضمیر ہے فاعل کی۔ وہ آئیں تمہارے پاس اس حال میں کہ ان کے دل تنگ ہوں یعنی وہ تم سے لڑنا نہ چاہتے ہوں تو ان کو پھر قتل

نہ کرو بھئی۔ تو یہاں حَصِرَتْ سے پہلے قَدْ مقدر ہے کیونکہ یہ حال واقع ہو رہا ہے اور ماضی مثبت ہے بھئی۔ أَیْ قَدْ حَصِرَتْ دیکھو تقدیرِ کلام بھی بتلا دیا صاحبِ جامی نے۔ وَهٰذَا بِخِلَافِ مَذْهَبِ سِيْبَوَيْهِ وَالْمُبَرِّدِ اور یہ بخلاف امام سیبویہ اور امام مبرد کے مذہب کے ہے۔ میں نے بتایا تھا بھئی کہ مشہور جو ہے مُبَرِّد ہے، امام سیبویہ اور امام مُبَرَّد کا یہ مذہب ہے بھئی، فَإِنَّهُمَا لَا يُجَوِّزَانِ حَذْفَ قَدْ اس لیے کیونکہ یہ دونوں جائز قرار نہیں دیتے قَدْ کے حذف کو۔ امام سیبویہ اور امام مبرد فرماتے ہیں کہ قَدْ لفظوں میں ظاہر ہونا چاہیے، اس کا حذف بھی جائز نہیں کہتے۔ فَسِيْبَوَيْهِ يُؤَوِّلُ قَوْلَهُ تَعَالٰى تو امام سیبویہ تاویل کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کے اس قول کی، کون سا قول؟ حَصِرَتْ صُدُوْرُهُمْ، اس کی تاویل کرتے ہیں امام سیبویہ کس کے ساتھ؟ بِقَوْمًا حَصِرَتْ صُدُوْرُهُمْ کہ یہ اصل میں کیا ہے؟ قَوْمًا حَصِرَتْ صُدُوْرُهُمْ، یعنی یہ حَصِرَتْ حال نہیں بن رہا۔ توجہ ہے؟ امام سیبویہ فرماتے ہیں کہ ماضی مثبت جب حال واقع ہو تو قَدْ کا لفظوں میں ہونا ضروری، اور یہاں تو قَدْ لفظوں میں نہیں ہے، لہٰذا ان کے نزدیک یہ حَصِرَتْ حال بن ہی نہیں سکتا، تو پھر وہ اس میں تاویل کرتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں یہاں یہ اصل میں ہے قَوْمًا حَصِرَتْ صُدُوْرُهُمْ، یعنی حَصِرَتْ سے پہلے قَوْمًا کا لفظ محذوف ہے، اور وہ قَوْمًا منصوب ہے وہ ہے حال بھئی۔ یہ ماضی حال نہیں وہ قَوْمًا حال ہے، وہ منصوب ہے اور قَوْمًا نکرہ ہے اور نکرہ کے بعد فعل آجائے تو وہ اس کے لیے صفت بنتا ہے، تو یہ حَصِرَتْ اس قَوْمًا کی صفت ہے۔ جَاءُوْكُمْ وہ تمہارے پاس آجائیں قَوْمًا اس حال میں کہ وہ ایسے لوگ ہوں حَصِرَتْ صُدُوْرُهُمْ کہ ان کے دل تنگ ہوں بھئی۔ تو کہتے ہیں امام سیبویہ جو ہیں وہ تاویل کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کے قول حَصِرَتْ صُدُوْرُهُمْ کی بِقَوْمًا حَصِرَتْ صُدُوْرُهُمْ کے ساتھ، فَتَكُوْنُ جُمْلَةُ حَصِرَتْ صُدُوْرُهُمْ صِفَةَ مَوْصُوْفٍ مَحْذُوْفٍ تو جملہ جو ہے حَصِرَتْ صُدُوْرُهُمْ، یہ امام سیبویہ کی بات چل رہی ہے، تو امام سیبویہ کے نزدیک یہ جو جملہ ہے حَصِرَتْ صُدُوْرُهُمْ صِفَةَ مَوْصُوْفٍ مَحْذُوْفٍ یہ موصوفِ محذوف کی صفت ہے بھئی، یعنی وہ جو قَوْمًا ہے اس کی یہ صفت ہے۔ وَهُوَ الْحَالُ اور وہ جو موصوفِ محذوف ہے وہ حال ہے۔ وَالْمُبَرِّدُ يَجْعَلُهُ جُمْلَةً دُعَائِيَّةً اور امام مبرد جو ہے یہ حَصِرَتْ صُدُوْرُهُمْ اس کو جملہ دعائیہ بناتے ہیں۔ یاد رکھو دعا کا لفظ عربی زبان میں دعا اور بددعا دونوں کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ اسی دعا کا صلہ اگر لام آجائے

دَعَوْتُ لَهُ تو اس کا معنی ہے دعا کرنے کے لیے، میں نے اس کے لیے دعا کی۔ اور اسی دعا کا صلہ اگر عَلٰی آجائے تو اس کا معنی پھر بددعا کے ہو جاتے ہیں: دَعَوْتُ عَلَيْهِ میں نے اس کے لیے بددعا کی۔ تو امام مبرد جو ہیں يَجْعَلُهُ جُمْلَةً دُعَائِيَّةً وہ اس کو جملہ دعائیہ بناتے ہیں، یعنی یہ حال ہے ہی نہیں، یہ جملہ دعائیہ ہے یعنی بددعا کے کلمات کہے جا رہے ہیں اللہ کی طرف سے ان کے لیے، کیا؟ جَاءُوْكُمْ وہ لوگ آئیں بھئی، وہ لوگ آئیں، حَصِرَتْ صُدُوْرُهُمْ ان کے دل تنگ ہو جائیں۔ بطورِ بددعا کے یہ الفاظ ہیں ان کے دل تنگ ہو جائیں۔

تو کہتے ہیں وَإِنَّمَا لَمْ يُشْتَرَطْ ذٰلِكَ فِي الْمَنْفِيِّ، بھئی ماضی منفی کے اندر قَدْ کی شرط کیوں نہیں؟ میں نے ابھی ذکر کیا، کیوں؟ کیونکہ ماضی منفی میں استمرار ہوتا ہے، یعنی وہ نفی میں استمرار ہے زمانہ تکلم تک، تو تکلم تک استمرار ہے، جب تکلم تک استمرار ہے تو معلوم ہوا اس فعل کے زمانے میں بھی وہ نفی موجود ہے۔ کہتے ہیں وَإِنَّمَا لَمْ يُشْتَرَطْ ذٰلِكَ فِي الْمَنْفِيِّ اور یہ قَدْ

کے داخل ہونے کی شرط جو ہے ماضی منفی میں نہیں لگائی گئی لِاسْتِمْرَارِ النَّفْيِ بِلَا قَاطِعٍ اس لیے کیونکہ نفی جو ہے اس میں استمرار ہوتا ہے بِلَا قَاطِعٍ جب وہ بلا قاطع کے ہو، کوئی چیز اس نفی کو قطع کرنے والی توڑنے والی نہ ہو تو اس نفی میں استمرار ہو گا۔ ہاں، آپ نے کیا کہا مَا ضَرَبَ زَيْدٌ تو اب یہ مَا ضَرَبَ یہ جو عدمِ ضرب ہے اس میں استمرار ہو گا، یہ تکلم تک یہ استمرار رہا ہے،

معلوم ہوا ابھی تک وہ استمرار ہے، اِلَّا یہ کہ پھر بعد میں آپ کیا کہہ دیں درمیان میں ضَرَبَ زَيْدٌ زید نے پٹائی کی، تو جب تک ایجاب نہیں آئے گا وہ نفی ٹوٹے گی نہیں۔ تو یہ معنی ہے لِاسْتِمْرَارِ النَّفْيِ بِلَا قَاطِعٍ اس لیے کیونکہ نفی میں استمرار ہوتا ہے بِلَا قَاطِعٍ جب وہ کسی قاطع کے بغیر ہو، فَيَشْمَلُ زَمَانَ الْفِعْلِ تو وہ نفی جو ہے وہ اس فعل کے زمانے کو بھی شامل ہو جائے گی، کون سا فعل؟ وہ جو عامل ہے ذوالحال کے اندر، اس میں بھی معلوم ہوا وہ نفی موجود ہے، تو دونوں فعلوں کا زمانہ ایک ہو گیا۔

آگے دیکھیے، کہتے ہیں وَيَجُوْزُ حَذْفُ الْعَامِلِ فِي الْحَالِ لِقِيَامِ قَرِيْنَةٍ حَالِيَّةٍ كَقَوْلِكَ لِلْمُسَافِرِ... پہلے متن متن دیکھیے، کہتے ہیں: وَيَجُوْزُ حَذْفُ الْعَامِلِ اور حال کے عامل کو حذف کرنا جائز ہے كَقَوْلِكَ لِلْمُسَافِرِ جیسے کہ آپ کسی مسافر سے کہتے ہیں رَاشِدًا مَهْدِيًّا۔ رَاشِدًا مَهْدِيًّا یہ حال ہیں، منصوب ہیں۔ یا تو رَاشِدًا کو بناؤ موصوف اور مَهْدِيًّا کو بناؤ اس کی صفت اور موصوف صفت مل کر یہ حال بن رہے ہیں، یا دونوں کو الگ الگ حال بنا دو، رَاشِدًا بھی حال اور مَهْدِيًّا بھی حال، تو دو حال آ گئے۔ تو یہ تو حال ہیں، ان میں عامل کیا ہے؟ کہتے ہیں عامل ان کا محذوف ہے، أَيْ سِرْ رَاشِدًا مَهْدِيًّا، سِرْ فعل امر ہے سَارَ يَسِيْرُ کا معنی ہے چلنا، سِرْ تم جاؤ، تم چلو، رَاشِدًا مَهْدِيًّا اس حال میں کہ تم راہ یاب ہو، تمہاری رہنمائی کی گئی ہو۔ راشد کہتے ہیں وہ شخص جو خود راستے پر ہے یعنی راہ یاب، جو راستے کو پانے والا ہے، جس کو راستہ ملا ہوا ہے، اور مَهْدِيّ اسم مفعول کا صیغہ ہے جس کی رہنمائی کی گئی ہے، جس کو راستہ بتلایا گیا ہے۔ تو سِرْ رَاشِدًا مَهْدِيًّا تو تم چلو اس حال میں کہ تم راستے کو پانے والے ہو جہاں تک ہو سکے یعنی غلط راستے سے بچتے ہوئے خود ہی سیدھے راستے پر چلو جہاں تک ممکن ہو سکے، اور مَهْدِيًّا اگر خود کبھی راستہ نہ ملے تو پھر آپ کی رہنمائی کر دی جائے سیدھے راستے کی طرف بھئی۔ بات سمجھ میں آ گئی؟ تم راہ یاب ہو کر جاؤ یعنی تم راستے پر جاؤ، تو یہ دعا دی جاتی ہے مسافر کو بھئی۔ تو یہاں رَاشِدًا مَهْدِيًّا حال ہیں اور ان کے فعل سِرْ کو سَارَ يَسِيْرُ سے جو امر کا فعل ہے اس کو حذف کر دیا گیا۔ کیونکہ قرینہ موجود ہے، قرینہ موجود ہے۔ قرینہ کیا ہے؟ یاد رکھو قرینہ جو مقصود پر دلالت کرے اس کو کیا کہتے ہیں؟ قرینہ۔ میں ایک بات آپ سے کرنا چاہتا ہوں، جو میرا مقصد ہے اس پہ جو بھی چیز دلالت کرے اس کو قرینہ کہیں گے۔ وہ قرینہ لفظ بھی ہو سکتے ہیں غیرِ لفظ بھی، تو قرینہ دو ہی قسم پر ہوتا ہے، ایک لفظیہ اور ایک معنویہ۔ قرینہ لفظیہ وہ ہے کہ لفظوں میں کوئی چیز آپ کو بتلا دے اس کے بارے میں، اور قرینہ معنویہ کہ لفظوں میں کوئی چیز نہیں ہے کسی اور چیز سے آپ کو پتہ چلے۔ مثلاً دیکھو شیر جنگلی درندے کو کہتے ہیں اور یہی شیر کا لفظ بہادر آدمی

کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے۔ اب مثلاً میں آپ سے کہتا ہوں کل میں چڑیا گھر گیا تھا، میں نے ایک شیر کو دیکھا، اس شیر سے کون سا معنی مراد ہے؟ جنگلی درندہ۔ کس سے پتہ چلا؟ یہ جو میں نے کہا چڑیا گھر گیا تھا، تو دیکھو یہ قرینہ لفظیہ دلالت کر رہا ہے کہ شیر سے اس کا حقیقی معنی یعنی جنگلی درندہ مراد ہے، مجازی معنی یعنی بہادر آدمی مراد نہیں۔ دوسرا دیکھیے: کل میں نے ایک شیر کو تیر چلاتے ہوئے دیکھا، یہاں شیر کا کیا معنی؟ بہادر آدمی۔ کس سے پتہ چلا؟ تیر چلانے سے کیونکہ جو جنگلی درندہ ہے وہ تو تیر نہیں چلا سکتا، تو یہاں پر بھی قرینہ لفظیہ ہے جس نے میرا مقصود بتلا دیا کہ شیر سے میرا ارادہ بہادر آدمی کا ہے، جنگلی درندے کا ارادہ نہیں۔ اور کبھی کبھار لفظوں سے پتہ نہیں چلتا، کوئی حالت یا کوئی اور چیز بتلا دیتی ہے۔ مثلاً مسجد میں ہم بیٹھے ہیں، ایک شخص مسجد کے اندر داخل ہوا، میں نے کہا شیر آگیا، اس شیر سے کون سا معنی مراد ہے؟ بہادر آدمی۔ بھئی کیسے پتہ چلا؟ لفظوں میں تو کوئی ایسی چیز نہیں ہے جس سے پتہ چلے۔ یہ جو حالت ہے اس نے بتلایا کیونکہ ابھی مسجد میں جنگلی درندہ تو داخل نہیں ہوا، ایک انسان داخل ہوا ہے، معلوم ہوا یہاں شیر بول کر کیا مراد ہے؟ بہادر آدمی۔ تو جو بھی چیز مقصود اور مطلوب پر دلالت کرے اس کو کیا کہتے ہیں؟ قرینہ، اور کبھی یہ لفظ ہوگا اور کبھی غیرِ لفظ بھئی۔ تو قرینے یہی دو قسم کے ہیں، پھر وہ جو غیرِ لفظ ہے تو اس کا نام قرینہ معنویہ ہے جو لفظ کے علاوہ ہو۔ ہاں کبھی کبھار حالت بتلائے گی تو اسی کو کیا کہہ دیں گے؟ اس کو قرینہ حالیہ کہہ دیں گے، کبھی اسی کو کہہ دیں گے قرینہ غیرِ مقالیہ یعنی قول کے علاوہ اور چیزوں سے پتہ چل رہا ہے، تو مختلف نام لے دیں گے لیکن بہرحال یہ دو ہی قسم کے ہوتے ہیں قرینے۔ تو یہاں پر بھی مسافر سے آپ کیا کہتے ہیں: رَاشِدًا مَهْدِيًّا، آپ نے سِرْ جو فعل امر تھا جو عامل تھا حال میں اس کو آپ نے حذف کر دیا۔ کیوں حذف کیا؟ کیونکہ قرینہ موجود ہے۔ بھئی لفظوں میں قرینہ نہیں ہے بلکہ یہاں قرینہ معنویہ ہے یعنی قرینہ حالیہ ہے، اس کی حالت بتلا رہی ہے، مثلاً اس کی حالت بتلا رہی ہے کہ اس نے سفر شروع کر دیا ہے یا وہ تیاری میں لگا ہوا ہے سامان تیار کر رہا ہے، تو اس سے پتہ چل گیا کہ وہ اب سفر پر چلنے لگا ہے تو اس لیے آپ نے عامل کو کیا کر دیا؟ حذف کر دیا، کیونکہ سَارَ يَسِيْرُ کا فعل ابھی وہ کرنے ہی والا ہے۔

دیکھیے بھئی شرح کے ساتھ۔ کہتے ہیں: وَيَجُوْزُ حَذْفُ الْعَامِلِ فِي الْحَالِ اور وہ جو عامل ہو حال کے اندر اس کو حذف کرنا جائز ہے لِقِيَامِ قَرِيْنَةٍ حَالِيَّةٍ جس وقت کہ کوئی قرینہ حالیہ موجود ہو، كَقَوْلِكَ لِلْمُسَافِرِ جیسے کہ آپ کا کہنا کسی مسافر سے أَيِ السَّائِرِ فِي السَّفَرِ أَوِ الْمُتَهَيِّئِ لَهُ. سَائِرٍ فِي السَّفَرِ کیا معنی؟ جو سفر شروع کر چکا ہے، سفر میں شروع ہو چکا ہے۔ جو سفر میں شروع ہو چکا وہ ہے حقیقتاً مسافر، کیونکہ مسافر کسے کہتے ہیں؟ جو سفر پہ نکلا ہو اور یہ بھی سفر پر نکل چکا ہے اس نے شروع کر دیا ہے۔ یا دوسرا معنی أَوِ الْمُتَهَيِّئِ لَهُ وہ جو سفر کی تیاری کر رہا ہے۔ جو سفر کی تیاری کر رہا ہے وہ تو ابھی مسافر نہیں، وہ تو جب شروع کرے گا پھر مسافر ہے۔ تو جو سفر شروع کر چکا ہے وہ ہے حقیقتاً مسافر، اور جو ابھی سفر شروع کرنے والا ہے تو اس کو مسافر کہہ دیا جائے تو یہ مجازاً اس کو مسافر کہا جا رہا ہے۔ بتلانا یہ چاہتے ہیں کہ یہ جو مسافر کا لفظ آیا اس سے حقیقی

مسافر بھی مراد ہو سکتا ہے اور مجازی مسافر بھی مراد ہو سکتا ہے یعنی وہ جو سفر کی تیاری میں لگا ہوا ہے۔ كَقَوْلِكَ لِلْمُسَافِرِ أَيِ الشَّارِعِ فِي السَّفَرِ یعنی وہ جو سفر میں شروع ہے أَوِ الْمُتَهَيِّئِ لَهُ یا وہ جو سفر کی تیاری کر رہا ہے، اس سے آپ کہتے ہیں رَاشِدًا مَهْدِيًّا أَيْ سِرْ رَاشِدًا مَهْدِيًّا یعنی تم راہ یاب ہو کر، راہ یاب ہوتے ہوئے جاؤ، بِقَرِيْنَةِ حَالِ الْمُخَاطَبِ بِقَرِيْنَةِ حَالِ الْمُخَاطَبِ اور قرینہ کیا ہے؟ مخاطب کا حال ہے، یا تو وہ سفر شروع کر چکا ہے یہ حالت بتلا رہی ہے تو سَيْر کے فعل کو حذف کر دیا، یا اس لیے کہ وہ تیاری میں لگا ہوا ہے معلوم ہوا ابھی وہ سَارَ يَسِيْرُ والا فعل کرنے والا ہے تو اس فعل کو حذف کر دیا۔

وَقَوْلُهُ مَهْدِيًّا اور مصنف کا قول مَهْدِيًّا جو ہے اِمَّا صِفَةٌ لِرَاشِدًا یا تو یہ صفت ہے رَاشِدًا کی یعنی حال ایک ہی ہے رَاشِدًا اور مَهْدِيًّا اس کی صفت ہے، أَوْ حَالٌ بَعْدَ حَالٍ یا ایک حال کے بعد دوسرا حال ہے یعنی دونوں الگ الگ حال ہیں بھئی۔ أَوْ مَقَالِيَّةٍ اور یا وہ قرینہ کیا ہوگا؟ مقالیہ ہوگا، بھئی پیچھے آیا تھا لِقِيَامِ قَرِيْنَةٍ حَالِيَّةٍ، یہ حَالِيَّةٍ پر عطف ہے مَقَالِيَّةٍ کا، یعنی قول یا لفظ دلالت کرے گا۔ أَوْ مَقَالِيَّةٍ یا وہ قرینہ جو ہے مقالیہ ہوگا یعنی قول اور لفظ اس پر دلالت کریں گے اس مقصود پر، كَقَوْلِكَ جیسے کہ آپ کا کہنا، مثلاً دیکھو کوئی آپ سے کہتا ہے، ادھر دیکھیے: كَيْفَ جِئْتَ؟ آپ کیسے آئے؟ تو آپ کہتے ہیں رَاكِبًا۔ کہنا کیا چاہیے تھا؟ جِئْتُ رَاكِبًا میں سوار ہو کر آیا ہوں، لیکن آپ نے جِئْتُ کو حذف کر دیا، اور اس پر قرینہ موجود ہے کیونکہ سوال بھی مجیئت کے بارے میں کیا جا رہا ہے تو وہ سوال کے اندر مجیئت والا فعل تھا لہٰذا اس قرینہ لفظیہ کی وجہ سے حال کے عامل کو حذف کر لیا گیا۔ كَقَوْلِكَ رَاكِبًا جیسے کہ آپ کا رَاكِبًا کہنا لِمَنْ يَقُوْلُ اس شخص سے جس نے یہ کہا تھا كَيْفَ جِئْتَ کہ آپ کیسے آئے ہیں؟ أَيْ جِئْتُ رَاكِبًا آپ نے رَاكِبًا کہا أَيْ جِئْتُ رَاكِبًا یعنی تقدیرِ عبارت کیا ہے جِئْتُ رَاكِبًا ہے، بِقَرِيْنَةِ السُّؤَالِ کس قرینے سے؟ سوال کے قرینے سے کہ سوال میں مجیئت کا فعل ذکر تھا۔ وَمِنْهُ قَوْلُهُ تَعَالٰى اور اسی سے اللہ تعالیٰ کا یہ قول بھی ہے یعنی جس میں قرینہ مقالیہ ہے، اسی کی ایک اور مثال قرآن سے بھی دے رہے ہیں: أَيَحْسَبُ الْاِنْسَانُ أَلَّنْ نَّجْمَعَ عِظَامَهُ. أَيَحْسَبُ الْاِنْسَانُ کیا انسان یہ گمان کرتا ہے، کیا انسان کا یہ خیال ہے أَلَّنْ نَّجْمَعَ عِظَامَهُ، عِظَام کہتے ہیں ہڈیوں کو، عَظْم کی جمع ہے، کہ کیا انسان کا یہ خیال ہے أَلَّنْ نَّجْمَعَ عِظَامَهُ کہ ہم جو ہیں اس کی ہڈیوں کو ہرگز جمع نہ کر سکیں گے؟ کیا انسان کا یہ خیال ہے ہم اس کی ہڈیوں کو جمع نہیں کر سکیں گے؟ بَلٰى کیوں نہیں! قَادِرِيْنَ أَيْ بَلٰى نَجْمَعُهَا قَادِرِيْنَ۔ بَلٰى کیوں نہیں، نَجْمَعُهَا ہم ان ہڈیوں کو جمع کریں گے قَادِرِيْنَ اس حال میں کہ ہم اس پر قادر ہوں گے، ہم ہر چیز پر قادر ہیں بھئی۔ تو یہاں پر دیکھو نَجْمَعُهَا نَجْمَعُ کو حذف کر دیا گیا کیونکہ ماقبل میں یہ نَجْمَعَ کا ذکر تھا بھئی۔

آگے دیکھیے، پہلے اب آگے متن متن دیکھیے۔ کہتے ہیں: وَيَجِبُ فِي الْمُؤَكِّدَةِ مِثْلُ زَيْدٌ أَبُوْكَ عَطُوْفًا أَيْ أُحِقُّهُ، اور واجب ہے، واجب ہے عامل کو حذف کرنا فِي الْمُؤَكِّدَةِ حالِ مؤکدہ میں، مِثْلُ جیسے کہ زَيْدٌ أَبُوْكَ عَطُوْفًا۔ جی یہ سمجھ لیں یہ ذرا مشکل مقام ہے بھئی۔ صاحبِ کافیہ آپ کو وہ جگہیں بتلا رہے ہیں جہاں عاملِ حال کو حذف کیا جاتا ہے۔ وہ دو قسم پر ہے: کبھی جوازاً حذف ہوگا کبھی وجوباً۔ جوازاً حذف وہاں ہوگا جہاں کوئی قرینہ موجود ہو جیسے پیچھے مثالیں گزر گئیں۔ وجوباً کہاں حذف

ہو گا؟ تو بتلائیں گے آپ کو کہ حالِ مؤکدہ کے اندر عامل کو حذف کرنا واجب ہے، یعنی بعض احوالِ مؤکدہ میں، تمام میں نہیں، بعض میں عامل کو حذف کرنا واجب ہے۔ بھئی حالِ مؤکدہ یہ پہلے بھی گذشتہ سبق میں بھی بیان ہو چکا، پھر بھی سن لیں۔ حالِ مؤکدہ وہ ہے جو تاکید پیدا کرتا ہے۔ أَكَّدَ يُؤَكِّدُ تَأْكِيْد سے مُؤَكِّد کیا ہے اسم فاعل، اور حال چونکہ مؤنث ہے اس لیے مُؤَكِّدَة مؤنث کا صیغہ لائے۔ تو عام طور پر یاد رکھو، یہ جو حال ہے نا حال، حال کو حال اس لیے کہتے ہیں کیونکہ یہ بدل جاتا ہے، یہ حَالَ يَحُوْلُ حَوْلًا سے ہے۔ حَالَ يَحُوْلُ حَوْلًا کا معنی ہے بدل جانا۔ جَاءَنِیْ زَيْدٌ رَاكِبًا آیا میرے پاس زید سوار ہو کر، مجھے بتائیے یہ رَاكِبًا یہ ہر وقت زید کی صفت رہتی ہے یا کبھی زید سوار ہو گا اور کبھی سوار نہیں ہو گا؟ کبھی سوار ہو گا اور کبھی سوار نہیں ہو گا، تو یہ دیکھو یہ حال جو ہے چونکہ بدل جاتا ہے، بدل جاتا ہے، اس لیے حال کو حال کہتے ہیں۔ عموماً اکثر حال اسی طرح کے ہوتے ہیں جو اپنے ذوالحال کے ساتھ لازم نہیں ہوتے، اس سے جدا ہو جاتے ہیں، جیسے مثال گزر گئی۔ یا اور جیسے مثال دیکھ لیں: رَأَيْتُهُ مُبْتَسِمًا میں نے اس کو دیکھا مُبْتَسِمًا اس حال میں کہ وہ ہنس رہا تھا۔ اب مجھے بتائیے یہ ہنسنا کیا ذوالحال کے ساتھ ہمیشہ رہتا ہے یا کبھی اس کے ساتھ ہو گی یہ صفت اور کبھی نہیں ہو گی بھئی؟ کبھی ہو گی اور کبھی نہیں، تو کسی وقت وہ ہنس رہا ہو گا اور کسی وقت نہیں ہنس رہا ہو گا۔ ضَرَبْتُ زَيْدًا قَائِمًا میں نے زید کی پٹائی کی اس کے قیام کی حالت میں۔ مجھے بتائیے کیا زید کی صفت ہر وقت قیام ہی رہتی ہے یا کبھی قیام اس سے جدا بھی ہو جاتا ہے؟ جدا بھی ہو جاتا ہے، تو اس کو کہتے ہیں حالِ منتقلہ، کیا کہتے ہیں؟ حالِ منتقلہ جو اپنے ذوالحال سے منتقل ہو جاتا ہے یعنی اس سے ختم ہو جاتا ہے۔ لیکن کبھی کبھار جو ہے وہ حال اپنے ذوالحال سے جدا نہیں ہوتا، اس کے ساتھ لازم رہتا ہے۔ جیسے دیکھو خُلِقَ الْإِنْسَانُ ضَعِيْفًا، انسان کو اللہ نے کمزور پیدا فرمایا ہے۔ اب انسان کو جب پیدا ہی ضعیف کیا گیا ہے تو معلوم ہوا یہ ضعف انسان سے جدا نہیں ہو سکتا، اس کی تخلیق ہی اس طریقے پر کی گئی ہے، تو یہ دیکھو اب یہ ضَعِيْفًا انسان سے جدا نہیں ہو سکتا۔ یا جیسے دوسری مثال لے لیں: رَبِّ اِنِّیْ وَضَعْتُهَا أُنْثٰى، یہ أُنْثٰى حال ہے، میں نے اس کو جنم دیا ہے اس حال میں کہ یہ کیا ہے؟ مؤنث، اور یہ مؤنث ہونا دیکھو اب اس سے جدا نہیں ہو سکتا بھئی۔ یہ حالِ لازم ہے۔ تو عام حال جو ہے اس کو حالِ منتقلہ کہتے ہیں اور یہ عام طور پر اپنے ذوالحال سے جدا ہو جاتا ہے۔ اور جبکہ حالِ مؤکدہ وہ اپنے ذوالحال کے ساتھ لازم ہوتا ہے اور اکثر اکثر یہ اس سے جدا نہیں ہوتا، کبھی جدا بھی ہو جاتا ہے لیکن نہایت نادر ہے، قلیل ہے۔ تو یہ جو حالِ مؤکدہ ہے جو معنی کے اندر تاکید پیدا کرتا ہے، یاد رکھو یہ پھر تین قسم پر ہے: کبھی یہ تاکید پیدا کرے گا ذوالحال کے اندر، کبھی یہ تاکید پیدا کرے گا عامل کے اندر، اور کبھی یہ تاکید پیدا کرے گا مضمونِ جملہ کے اندر۔ جَاءَنِیْ زَيْدٌ، ذوالحال کون؟ زید، عامل کون؟ جَاءَ، اور ایک ہے مضمونِ جملہ۔ تو کبھی حالِ مؤکدہ جو ہے وہ تاکید پیدا کرے گا کس میں؟ ذوالحال میں، کبھی تاکید پیدا کرے گا

عامل میں، اور کبھی تاکید پیدا کرے گا وہ جو مضمونِ جملہ ہو گا اس میں تاکید پیدا کرے گا۔ تو حال یاد رکھو جب حال مؤکدہ ہو اور وہ تاکید پیدا کر رہا ہو مضمونِ جملہ میں، اور وہ جملہ بھی جملہ اسمیہ ہو، تو اس حال کے عامل کو حذف کرنا واجب ہے۔ کون سا حال؟ حالِ مؤکدہ ہو، اور کس چیز کی تاکید کرے؟ مضمونِ جملہ کی، اور وہ جملہ بھی کیسا ہو؟ جملہ اسمیہ ہو۔ توجہ ہے؟ تو یہ جو حال ہے، بلکہ صاحبِ جامی ایک اور قید بھی ذکر کریں گے کہ اس جملے کے جو اجزا ہیں، ان میں سے بھی کوئی عامل نہ بن سکے حال کے اندر۔ توجہ ہے؟ جملہ اسمیہ کے اندر ایک مبتدا ہوتا ہے اور ایک خبر ہوتی ہے، مبتدا یا خبر بھی ایسے نہیں ہونے چاہئیں جو حال کے اندر عامل بن سکیں۔ کیونکہ اگر ان کو آپ عامل بنا سکتے ہیں تو پھر محذوف ماننے کی کوئی ضرورت نہیں انہی کو عامل بنا دیں گے۔ تو عاملِ حال کا حذف کرنا واجب ہے کس صورت میں؟ جب وہ حالِ مؤکدہ ہو، کس کے لیے حالِ مؤکدہ ہو؟ مضمونِ جملہ کے لیے، اور وہ جملہ بھی کیسا ہونا چاہیے؟ جملہ اسمیہ ہونا چاہیے، اور نیز اس جملے کے اندر بھی مبتدا یا خبر ان میں سے کسی کو اس میں عامل نہ بنایا جا سکے، تو اس قسم کے حالِ مؤکدہ کے عامل کو حذف کرنا واجب ہے۔ جیسے دیکھو: زَيْدٌ أَبُوْكَ عَطُوْفًا۔ توجہ سے سمجھو، زَيْدٌ أَبُوْكَ عَطُوْفًا، زَيْدٌ أَبُوْكَ زید تمہارا باپ ہے، عَطُوْفًا اس حال میں کہ وہ بہت شفقت کرنے والا ہے۔ عَطُوْفًا مبالغے کا صیغہ ہے یعنی بہت زیادہ شفقت کرنے والا۔ تو دیکھو یہ عَطُوْفًا جو ہے، یہ مضمونِ جملہ کی تاکید ہے۔ یہ مضمونِ جملہ میں تاکید پیدا کر رہا ہے۔ مضمونِ جملہ بھی کیا ہے؟ زید کی شفقت بیان کی جا رہی ہے، اور عَطُوْفًا میں بھی کیا ہے؟ اس کی شفقت بیان کی جا رہی ہے۔ تاکید کسے کہتے ہیں؟ ایک چیز کو دو دفعہ ذکر کیا جائے۔ معلوم ہوا زَيْدٌ أَبُوْكَ اس سے بھی زید کا شفیق ہونا سمجھ میں آیا، اور آگے عَطُوْفًا سے بھی زید کا شفیق ہونا سمجھ میں آیا، تو اس کو کہتے ہیں تاکید۔ جَاءَنِيْ زَيْدٌ زَيْدٌ، یہ زیدِ ثانی کیا ہے اول کے لیے؟ تاکید ہے۔ بات سمجھ میں آ رہی ہے؟ توجہ ہے؟ زَيْدٌ أَبُوْكَ، کیا اس سے زید کے شفیق ہونے کا پتہ چل رہا ہے یا نہیں؟ آپ کے پاس زید کا بیٹا آیا، وہ آ کر اپنے باپ کی کوئی شکایت کرتا ہے، آپ اس کو کہتے ہیں زَيْدٌ أَبُوْكَ، زید تمہارا باپ ہے۔ کیا مقصد ہوتا ہے یہ کہنے کا؟ کیا اس کو اپنے ابو کا نہیں پتہ یہ بتانا چاہتے ہو اس کو؟ نہیں، بلکہ کیا بتانا چاہتے ہو؟ یعنی وہ تمہارا باپ ہے مطلب ہے وہ تم پر بڑی شفقت کرنے والا ہے۔ تو زَيْدٌ أَبُوْكَ کہنے کا مقصد ہی کیا ہے؟ کسی کو اس کے ابو کے بارے میں بتلانا نہیں مقصد ہوتا بلکہ اس کے باپ کی شفقت کو بیان کرنا ہوتا ہے۔ بات سمجھ میں آ گئی؟ تو زَيْدٌ أَبُوْكَ اس جملے کا مضمون کیا ہے یعنی حاصلِ مضمون کیا ہے؟ زید کی شفقت کو بیان کرنا ہے کہ یعنی اس مخاطب کے باپ کی شفقت کو بیان کرنا ہے، اور آگے عَطُوْفًا سے بھی کیا سمجھ میں آیا؟ اس کی شفقت کا پتہ چلا، تو یہ حال کیا ہوا؟ حالِ مؤکدہ۔ اور نیز یہ کس میں تاکید پیدا کر رہا ہے؟ یہ مضمونِ جملہ کی تاکید ہے بھئی۔ اور کیا کہا زَيْدٌ أَبُوْكَ زید تمہارا باپ ہے، دیکھو باپ جو ہے اس سے شفقت اکثر احوال میں جدا نہیں ہوتی۔ کبھی کوئی ایسا بھی باپ ہوتا ہے جو شفقت نہیں بھی کرتا، لیکن وہ نہایت قلیل اور نادر ہے بھئی اور النَّادِرُ كَالْمَعْدُوْمِ نادر کو شمار نہیں کیا جاتا۔ تو معلوم ہوا باپ سے غالباً غالباً یہ شفقت جدا نہیں ہوتی۔ تو جب زید کے لیے باپ ہونا ثابت کیا تو گویا یہی کہہ دیا کہ زید آپ

پر بڑی شفقت کرنے والا ہے، اور آگے عَطْوفًا بھی لے آئے تو یہ تاکید ہے کس کے لیے؟ مضمونِ جملہ کے لیے۔ بات سمجھ میں آگئی؟

تو کہتے ہیں: وَيَجِبُ فِي الْمُؤَكِّدَةِ اور واجب ہے احوالِ مؤکدہ کے اندر مِثْلُ زَيْدٌ أَبُوكَ عَطْوفًا، یہ عَطْوفًا حال ہے کس سے؟ مضمونِ جملہ... یہ حال، بھئی حال تو فاعل یا مفعول بہ سے ہی آئے گا، ہاں تاکید کس میں پیدا کرے گا یہ؟ توجہ ہے؟ بھئی حال تو ہمیشہ فاعل یا مفعول بہ کی ہی حالت بیان کرتا ہے، تو حال تو فاعل یا مفعول بہ سے ہی ہوگا، البتہ یہ تاکید کس میں پیدا کرے گا؟ یا تو ذوالحال میں، یا اس کے عامل میں، یا مضمونِ جملہ میں۔ اور اس حالِ مؤکدہ کے عامل کو حذف کرنا کب واجب ہے؟ جب وہ مضمونِ جملہ کی تاکید کے لیے وہ حال آئے، اور وہ جملہ بھی اسمیہ ہو، اور نیز اس کے اجزا میں سے کسی کو اس کے لیے عامل نہ بنایا جا سکے، تو پھر کہا جائے گا اس کا عامل محذوف ہے۔ جیسے دیکھو زَيْدٌ أَبُوكَ عَطْوفًا، یہ عَطْوفًا حال ہے أَبُوكَ سے، کس سے حال ہے؟ أَبُوكَ سے حال ہے۔ بھئی یہ تو خبر ہے اور خبر سے حال کیسے آیا؟ تو بتلائیں گے کہ یہ کس معنی میں ہے؟ أَيْ أُحِقُّ أُبُوَّتَهُ لَكَ زید کے باپ ہونے کا میں نے یقین کر لیا ہے۔ أُحِقُّهُ کس چیز کا میں نے یقین کر لیا؟ زید کا آپ کے لیے باپ ہونے کا یقین کر لیا، تو لہٰذا یہ أُحِقُّ عامل ہے عَطْوفًا کے اندر بھئی۔ تو أُحِقُّ اس کے اندر عامل ہے اور اس فعل کو حذف کرنا واجب ہے، اس فعل کو حذف کرنا واجب ہے۔ دیکھیے بھئی اور مزید شرح آجائے گی، دیکھیے بھئی اب شرح کے ساتھ اس سارے کو حل کریں۔

کہتے ہیں: وَيَجِبُ حَذْفُ الْعَامِلِ فِيْ بَعْضِ الْأَحْوَالِ الْمُؤَكِّدَةِ اور عامل کو حذف کرنا واجب ہے بعض احوالِ مؤکدہ میں، کس میں؟ تمام احوالِ مؤکدہ میں عامل کو حذف کرنا واجب نہیں بلکہ بعض احوالِ مؤکدہ کے اندر عامل کو حذف کرنا واجب ہے۔ وَهِيَ الْحَالُ الْمُؤَكِّدَةُ اب آگے تعریف کرنے لگے ہیں حالِ مؤکدہ کی، آگے تعریف کرنے لگے ہیں وَهِيَ اور ہِيَ ضمیر کا مرجع بتلایا أَيِ الْحَالُ الْمُؤَكِّدَةُ اور آگے مُطْلَقًا کی قید بھی بڑھا دی۔ دیکھو آگے صاحبِ جامی، توجہ سے سنو، آگے صاحبِ جامی حالِ مؤکدہ کی تعریف کرنے لگے ہیں، تو لہٰذا ہِيَ ضمیر لے کر آئے، تو کہتے ہیں یہ ہِيَ ضمیر پیچھے حالِ مؤکدہ کو راجع ہے، اور پیچھے تو وہ حالِ مؤکدہ ذکر ہو رہا تھا جس کے عامل کو حذف کرنا واجب ہے، اور وہ جن کے عامل کو حذف کرنا واجب ہے وہ تمام ہیں یا بعض ہیں؟ بعض ہیں، تو یہ جو آگے میں تعریف کرنے لگا ہوں حالِ مؤکدہ کی، یہ ان بعض احوالِ مؤکدہ کی تعریف نہیں کر رہا، یہ میں مطلقاً تمام احوالِ مؤکدہ کی تعریف کرنے لگا ہوں، بات سمجھ میں آگئی؟ چاہے ان کے عامل کا حذف واجب ہو یا واجب نہ ہو، سب کی یہ تعریف ہے بھئی۔ تو کہتے ہیں: وَهِيَ أَيِ الْحَالُ الْمُؤَكِّدَةُ مُطْلَقًا اور یہ یعنی کہ وہ جو حالِ مؤکدہ ہے مطلقاً، هِيَ الَّتِيْ یہ وہ ہے کہ لَا تَنْتَقِلُ مِنْ صَاحِبِهَا جو اپنے ذوالحال سے منتقل نہیں ہوتا مَا دَامَ مَوْجُوْدًا غَالِبًا جب تک اس کا وجود ہوتا ہے، غَالِبًا، غَالِبًا کا تعلق بھئی یاد رکھو لَا تَنْتَقِلُ سے اس کو جوڑیں، کہ وہ منتقل نہیں ہوتا غَالِبًا یعنی اکثر احوال میں جب تک اس کا ذوالحال موجود ہو، بِخِلَافِ الْمُنْتَقِلَةِ بخلاف حالِ منتقلہ کے۔

ایک اور فائدہ بتلا رہے ہیں، کہتے ہیں: وَالْمُنْتَقِلَةُ قَيْدٌ لِلْعَامِلِ بِخِلَافِ الْمُؤَكِّدَةِ اور حالِ منتقلہ جو ہے وہ قید ہوتا ہے اپنے عامل کے لیے بخلاف مؤکدہ کے، وہ قید نہیں ہوتا۔ توجہ ہے؟ ابھی آپ کو ضابطہ بتلایا تھا حال جو ہے اپنے عامل کے لیے قید ہوتا ہے۔ جَاءَنِیْ زَيْدٌ رَاكِبًا، یہ رَاكِبًا قید ہے کس کے لیے؟ اپنے عامل جَاءَ کے لیے، معلوم ہوا یہ مجیئت کا فعل مطلق نہیں ہے بلکہ رکوب کے ساتھ تھا، کس کے ساتھ؟ رکوب کے ساتھ۔ تو یہ حال کیا ہوتا ہے؟ قید ہوتا ہے اپنے عامل کے لیے، جبکہ حالِ مؤکدہ وہ اپنے عامل کے لیے قید نہیں ہوتا۔ وہ اپنے عامل کے لیے قید نہیں ہوتا۔ بھئی کیوں وہ کیوں نہیں قید ہوتا؟ کہتے ہیں وجہ یہ ہے کہ حالِ منتقلہ میں ایک نیا معنی آتا ہے، جب ایک نیا معنی آئے گا تو وہ قید بنے گا، اگر نیا معنی ہی نہیں آیا تو قید کہاں سے بھئی؟ مثلاً جَاءَنِیْ زَيْدٌ رَاكِبًا، ذرا رَاكِبًا کو ختم کر دو، جَاءَنِیْ زَيْدٌ میرے پاس زید آیا، جی کہیں رکوب کا پتہ چل رہا ہے؟ نہیں، ہو سکتا ہے سوار آیا ہو، ہو سکتا ہے پیدل آیا ہو، تو جَاءَ سے تو رکوب کا پتہ نہیں چل رہا۔ آگے جب میں رَاكِبًا حالِ منتقلہ کو لے کر آیا تو یہ اس کے لیے قید بن گیا، ایک نیا معنی آیا رَاكِبًا کے اندر سوار ہونے والا، اور وہ قید بنا جَاءَ کے لیے۔ پہلے جَاءَ مطلق تھا، اب پتہ چلا یہ مجیئت مطلق نہیں ہے رکوب کی حالت میں ہے، رکوب بھی ہے اس کے اندر، اس میں رکوب بھی۔ اور مؤکدہ، مؤکدہ تو کسے کہتے ہیں؟ ایک چیز پہلے ذکر ہو چکی ہے، دوبارہ اسی کو لایا جائے، اس کو کیا کہتے ہیں؟ تاکید۔ تو جب ایک چیز پہلے ذکر ہو چکی ہے دوبارہ لاؤ تو کوئی نیا معنی آیا؟ جب نیا معنی ہی نہیں آیا تو قید کیسے بنے گا یہ؟ نیا معنی آئے گا تو وہ قید بن جاتا ہے۔ مثلاً میں کہتا ہوں جَاءَنِیْ زَيْدٌ مَجِيْئَةً، جَاءَنِیْ زَيْدٌ، جَاءَ کے بعد میں مَجِيْئَةً کو لے آیا، یہ مَجِيْئَةً کوئی جَاءَ کے لیے قید بن رہا ہے؟ کوئی نیا معنی اس میں پیدا کر رہا ہے؟ بھئی کوئی نیا معنی آئے وہ قید بنتا ہے، نیا معنی ہی نہیں تو قید ہونے کا کیا معنی؟ یہ مؤکد ہے یہ صرف اس میں تاکید پیدا کرتا ہے، ایک بات جو پہلے بھی سمجھ میں آ رہی تھی اسی کو اس نے کیا کر دیا؟ پختہ کر دیا۔ اور چونکہ یہ حالِ مؤکدہ ہے اس لیے انہوں نے آپ کو بتلایا تھا کہ حالِ مؤکدہ میں واؤ نہیں لا سکتے، کیونکہ ماقبل والا ہو گا مؤکد اور یہ ہے اس کی تاکید، اور مؤکد اور تاکید میں بڑا شدید اتصال ہوتا ہے اور واؤ تو انفصال پہ دلالت کرتا ہے لہٰذا یہاں واؤ کو نہیں لا سکتے۔ بات سمجھ میں آ گئی؟

تو کہتے ہیں: وَالْمُنْتَقِلَةُ قَيْدٌ لِلْعَامِلِ بِخِلَافِ الْمُؤَكِّدَةِ اور حالِ منتقلہ جو ہے وہ اپنے عامل کے لیے قید ہوتا ہے بخلاف حالِ مؤکدہ کے، مِثْلُ زَيْدٌ أَبُوْكَ عَطُوْفًا زید تمہارا باپ ہے اس حال میں کہ وہ بہت شفقت کرنے والا ہے، فَإِنَّ الْعَطُوْفِيَّةَ لَا تَنْتَقِلُ عَنِ الْأَبِ فِیْ غَالِبِ الْأَمْرِ اس لیے کیونکہ عطوفیت جو ہے یہ منتقل نہیں ہوتی باپ سے فِیْ غَالِبِ الْأَمْرِ اکثر غالب الامر میں یعنی اکثر احوال میں۔ أَیْ أُحِقُّهُ، آگے یہ متن، یہ ذرا مشکل ہے اس کو سمجھ لیں، بس ترکیب کریں گے کہ یہ عامل کیا ہے عَطُوْفًا کے اندر، کون سی چیز اس کو نصب دے رہی ہے؟ تو یہ کہہ رہے ہیں أُحِقُّهُ، یہ امام سیبویہ اس کی یہ تاویل کرتے ہیں، وہ فرماتے ہیں کہ یہ عَطُوْفًا کے اندر أُحِقُّهُ جو ہے یہ ہے عامل، یہ ہے عامل۔ اور أُحِقُّ اور أَحِقُّ، توجہ سے سنو، اس کو أَحِقُّ پڑھنا بھی صحیح، أَحِقُّ پڑھیں گے تو یہ بابِ ضرب سے ہے حَقَّ يَحِقُّ، حَقَّ يَحِقُّ، اسی سے متکلم کا صیغہ کیا بنے گا؟ أَحِقُّ، میں

یقین کرتا ہوں۔ اور اگر اس کو بابِ افعال سے پڑھیں تو بھی صحیح ہے، پھر بھی متکلم کا صیغہ یُحِقُّ، یُحِقُّ اس سے متکلم کا صیغہ کیا ہے؟ أُحِقُّ۔ تو أَحِقُّ پڑھیں یا أُحِقُّ پڑھیں یعنی ثلاثی مجرد سے پڑھیں بابِ ضرب سے یا ثلاثی مزید فیہ سے یعنی بابِ افعال سے بھئی، معنی دونوں کا ایک ہی ہے۔ کہتے ہیں: أَیْ أُحِقُّهُ بِفَتْحِ الْهَمْزَةِ أَوْ ضَمِّهَا یہ ہمزہ کے فتحہ یا ضمہ کے ساتھ ہے، مِنْ حَقَقْتُ الْأَمْرَ کس سے اخذ کیا گیا ہے؟ حَقَقْتُ الْأَمْرَ۔ عربی میں کہتے ہیں حَقَقْتُ الْأَمْرَ جب آپ کسی معاملے کا کسی بات کا یقین کر لیں۔ تو خود بیان کر رہے ہیں مِنْ حَقَقْتُ الْأَمْرَ یہ اس سے ماخوذ ہے، اب معنی بیان کر رہے ہیں: بِمَعْنَى تَحَقَّقْتُهُ کس معنی میں ہے؟ تَحَقَّقْتُهُ۔ بھئی حَقَقْتُ کے اور بھی معانی آتے ہیں لیکن یہاں حَقَقْتُ الْأَمْرَ کس معنی میں ہے؟ تَحَقَّقْتُهُ وہی جو میں بیان کر رہا ہوں بار بار، میں نے یقین کر لیا، تَحَقَّقْتُهُ، آگے دیکھو عطفِ تفسیری کے ساتھ پھر معنی بیان کر رہے ہیں: تَحَقَّقْتُهُ وَصِرْتُ مِنْهُ عَلَى يَقِيْنٍ میں اس کے بارے میں یقین پر ہو گیا یعنی میں نے اس کا یقین کر لیا۔ أَوْ مِنْ أَحْقَقْتُ الْأَمْرَ یا یہ کس سے ماخوذ ہے؟ أَحْقَقْتُ الْأَمْرَ سے یعنی بابِ افعال سے ہے بِهٰذَا الْمَعْنٰى بِعَيْنِهِ یعنی بعینہ اسی معنی کے ساتھ، یعنی أَحْقَقْتُ الْأَمْرَ کا بھی کیا معنی؟ وہ جو پیچھے ذکر ہوا تھا تَحَقَّقْتُهُ وَصِرْتُ مِنْهُ عَلَى يَقِيْنٍ۔ أَوْ بِمَعْنَى أُثْبِتُهُ یا یہ بمعنی أُثْبِتُهُ کے ہے۔ اگر بابِ افعال سے مانیں تو پھر اس کا ایک معنی کیا ہے؟ أُثْبِتُهُ میں ثابت کرتا ہوں۔ أَیْ أُثْبِتُهُ۔

اب دیکھیے بھئی، معنی بیان کر دیا، توجہ ہے؟ کیا معنی بیان کیا؟ یا تو یہ ثلاثی مجرد سے ہے یا ثلاثی مزید فیہ سے۔ ثلاثی مجرد سے لو یا ثلاثی مزید فیہ سے لو دونوں صورتوں میں ایک ہی معنی ہے، کیا؟ تَحَقَّقْتُهُ میں نے اس چیز کا یقین کر لیا أَیْ صِرْتُ مِنْهُ عَلَى يَقِيْنٍ مجھے اس کے بارے میں یقین ہو گیا۔ ہاں، بابِ افعال سے ایک اور معنی بھی آپ کر سکتے ہیں کہ أَیْ أُثْبِتُهُ میں اس کو ثابت کرتا ہوں۔ بات سمجھ میں آگئی؟ یہ تو عام معنی بیان کر دیا، اب اسی کو منطبق کریں گے زَيْدٌ أَبُوْكَ عَطُوْفًا پر، اب اسی تَحَقَّقْتُ کو کس سے جوڑیں گے؟ زَيْدٌ أَبُوْكَ عَطُوْفًا سے، دیکھو:

آپ کے لیے باپ ہونا، میں نے اس کا یقین کر لیا۔ تو دیکھو تَحَقَّقْتُ متکلم ہوا فاعل، اور أُبُوَّت کیا بن گئی؟ مفعول بہ بن گئی اور مفعول بہ سے آگے کیا آتا ہے؟ حال آتا ہے۔ تو کہتے ہیں: أَیْ تَحَقَّقْتُ أُبُوَّتَهُ لَكَ میں نے اس کا آپ کے لیے باپ ہونے کا یقین کر لیا وَصِرْتُ مِنْهَا عَلَى يَقِيْنٍ اور میں اس کے بارے میں یقین پر ہو گیا، اب دیکھو وہی اوپر والے معنی اب عَطُوْفًا کے ساتھ سارے ذکر کرتے جا رہے ہیں، أَوْ أُثْبِتُهَا لَكَ عَطُوْفًا یا میں اس کے باپ ہونے کو آپ کے لیے ثابت کرتا ہوں عَطُوْفًا اس حال میں کہ وہ باپ جو ہے وہ شفقت کرنے والا ہے۔ تو معلوم ہوا اس عَطُوْفًا کے اندر عامل کون ہے؟ أُحِقُّ یا أَحِقُّ ہے اور اس کے لیے یہ أُبُوَّت کیا بن جائے گی؟ مفعول بہ، اور اس سے حال آنا صحیح ہے کیونکہ یہ مفعول بہ بن گیا۔

وَقَالَ صَاحِبُ الْمِفْتَاحِ اور صاحبِ مفتاح فرماتے ہیں، صاحبِ مفتاح سے مراد ہیں علامہ سکاکی، علامہ سکاکی کی مشہور کتاب ہے مفتاح العلوم بھئی، ان کے قول کو بھی اب نقل کر رہے ہیں۔ میں نے بتایا یہ جو کہا نا کہ تقدیرِ کلام کیا ہے أُحِقُّهُ

عَطُوْفًا، یہ تقدیر کس نے بیان کی؟ امام سیبویہ نے۔ اب علامہ سکاکی کے قول کو بھی نقل کر رہے ہیں کیونکہ وہ بھی بڑا پیارا قول ہے بھئی یہاں پر۔ کہتے ہیں: وَقَالَ صَاحِبُ الْمِفْتَاحِ اور صاحبِ مفتاح یعنی علامہ سکاکی فرماتے ہیں: أَحَقُّ التَّقْدِيْرَاتِ عِنْدِیْ أَنْ يُّقَدَّرَ يَحْنِیْ عَطُوْفًا۔ أَحَقُّ التَّقْدِيْرَاتِ تمام تقدیرات میں سے زیادہ مناسب تقدیر جو ہے، أَحَقُّ کا کیا معنی؟ زیادہ مناسب جو زیادہ لائق ہے کہ وہ تقدیر ہو۔ کہ أَحَقُّ التَّقْدِيْرَاتِ عِنْدِیْ کہ تمام تقدیرات میں سے زیادہ مناسب تقدیر جو ہے میرے نزدیک أَنْ يُّقَدَّرَ کہ یہ مقدر نکالا جائے، کیا؟ يَحْنِیْ عَطُوْفًا۔ یہ بھی اسی طرح ہے حَنٰی يَحْنِیْ بابِ ضرب سے بھی پڑھ سکتے ہیں يَحْنِیْ عَطُوْفًا، اور آپ چاہیں اس کو بھی بابِ افعال سے پڑھیں أَحْنٰی يُحْنِیْ سے يُحْنِیْ عَطُوْفًا۔ حَنٰی يَحْنِیْ اور أَحْنٰی يُحْنِیْ دونوں کا ایک ہی معنی ہے، معنی ہے مائل ہونا، متوجہ ہونا، متوجہ ہونا۔ اب سنو، وہ اوپر متن پہ آؤ: زَيْدٌ أَبُوْكَ يَحْنِیْ عَطُوْفًا يا يُحْنِیْ عَطُوْفًا۔ زید تمہارا باپ ہے، يَحْنِیْ عَطُوْفًا کہ وہ متوجہ ہے، وہ تمہاری طرف پوری طرح توجہ کرنے والا ہے اس حال میں کہ وہ بہت شفقت کرنے والا ہے۔ دیکھو اب یہ جو تاویل ہے نا یہ جو علامہ سکاکی کی ہے، بھئی پہلے عَطُوْفًا حال تھا أَبُوْكَ سے، أَبُوْكَ کے لیے أَحِقُّهُ یا أُحِقُّهُ نکالا، معلوم ہوا اس کو مفعول بہ بنایا اور مفعول بہ سے آگے عَطُوْفًا حال آگیا۔ جبکہ علامہ سکاکی کی جو تقدیرِ عبارت ہے اس صورت میں یہ أَبُوْكَ فاعل بن جائے گا، يَحْنِیْ، يَحْنِیْ یعنی وہ باپ تمہاری طرف متوجہ ہے، تمہاری طرف مائل ہے، اس حال میں کہ وہ بہت شفقت کرنے والا ہے۔ تو متوجہ ہونے والا کون؟ وہ باپ ہے، تو لہٰذا اس صورت میں یہ فاعل بنے گا اور فاعل سے پھر آگے حال آئے گا۔ فرق سمجھ میں آیا؟

آگے دیکھیے بھئی، پہلے متن دیکھیے: وَشَرْطُهَا أَنْ تَكُوْنَ مُقَرِّرَةً لِمَضْمُوْنِ جُمْلَةٍ اِسْمِيَّةٍ، اور اس حال کے عامل کو حذف کرنے کے وجوب کی جو شرط ہے، أَنْ تَكُوْنَ مُقَرِّرَةً کہ وہ جو حال ہے وہ تاکید پیدا کرنے والا ہو، مُقَرِّر یہاں مُؤَكِّد کے معنی میں ہے کہ وہ تاکید پیدا کرنے والا ہو لِمَضْمُوْنِ جُمْلَةٍ کس میں؟ وہ مضمونِ جملہ کے لیے مقرر ہو یعنی اس میں تاکید پیدا کرنے والا ہو، اور جملہ بھی کیسا ہو؟ اِسْمِيَّةٍ جملہ اسمیہ ہو بھئی۔

اب دیکھیے شرح کے ساتھ، کہتے ہیں: وَشَرْطُهَا أَیْ شَرْطُ وُجُوْبِ حَذْفِ عَامِلِهَا یعنی حال کے عامل کے حذف کے وجوب کی جو شرط ہے، أَنْ تَكُوْنَ مُقَرِّرَةً أَیْ مُؤَكِّدَةً کہ وہ حال کیا ہونا چاہیے؟ مقررہ ہونا چاہیے یعنی مؤکدہ یعنی تاکید پیدا کرنے والا ہو لِمَضْمُوْنِ جُمْلَةٍ کس میں؟ مضمونِ جملہ اسمیں۔ اِحْتَرَزَ بِهِ عَمَّا يُؤَكِّدُ بَعْضَ أَجْزَائِهَا، بھئی میں نے کیا بتایا تھا کہ حالِ مؤکدہ کبھی تاکید پیدا کرے گا کس میں؟ کبھی ذوالحال میں، کبھی عامل میں، اور کبھی مضمونِ جملہ میں۔ تو اگر، اگر حال تاکید پیدا کرے ذوالحال میں، تو یہ جملے کے جز میں تاکید پیدا کر رہا ہے کیونکہ ذوالحال جملے کا جز ہوتا ہے پورا جملہ نہیں ہوتا۔ اور اگر حال تاکید پیدا کرے عامل میں، تو اس صورت میں بھی یہ جملے کے جز میں تاکید پیدا کر رہا ہے کیونکہ عامل بھی جملے کا ایک جز ہوتا ہے۔ توجہ ہے؟ حال تاکید پیدا کرے اگر ذوالحال میں یا عامل میں تو معلوم ہوا وہ جزِ جملہ میں تاکید پیدا کر رہا ہے۔ اور اگر حال تاکید پیدا کرے مضمونِ جملہ میں تو معلوم ہوا وہ جز میں تاکید نہیں پیدا کر رہا بلکہ پورے جملے میں تاکید پیدا کر رہا ہے۔ تو جب انہوں

نے کہا کہ وہ مضمونِ جملہ کے اندر تاکید پیدا کرے، معلوم ہوا جملے کے اجزا میں جو حال تاکید پیدا کرے وہ یہاں مراد نہیں ہے، اس کے عامل کو حذف کرنا واجب نہیں ہے۔ تو کہتے ہیں: لِمَضْمُوْنِ جُمْلَةٍ کہ وہ مؤکد ہو مضمونِ جملہ کے لیے، اِحْتَرَزَ بِهٖ عَمَّا يُؤَكِّدُ بَعْضَ أَجْزَائِهَا یہ احتراز ہے اس حال سے جو تاکید پیدا کرتا ہے جملے کے بعض اجزا میں، كَالْعَامِلِ فِيْ قَوْلِهٖ تَعَالٰى جیسے کہ عامل ہے اللہ تعالیٰ کے اس قول میں، یعنی یہ جو اللہ تعالیٰ کا قول آ رہا ہے، توجہ سے، اس سے آگے حالِ مؤکدہ ہے لیکن وہ حالِ مؤکدہ صرف جملے کے جز یعنی عامل کے اندر تاکید پیدا کر رہا ہے۔ کہتے ہیں كَالْعَامِلِ فِيْ قَوْلِهٖ تَعَالٰى جیسے کہ عامل ہے اللہ تعالیٰ کے اس قول میں یعنی اس میں حال تاکید پیدا کر رہا ہے: اِنَّا أَرْسَلْنَاكَ لِلنَّاسِ رَسُوْلًا۔ اِنَّا أَرْسَلْنَاكَ بے شک ہم نے آپ کو بھیجا، یقیناً ہم نے آپ کو بھیجا ہے، پھر یہ كَاف ضمیر سے آگے رَسُوْلًا حال آ رہا ہے، رَسُوْلًا حال ہے، اور نیز یہ حال جو ہے یہ تاکید پیدا کر رہا ہے أَرْسَلْنَا کے معنی میں، اور أَرْسَلْنَا فعل جو عامل ہے كَاف ضمیر ذوالحال کے اندر اور وہی عامل ہے رَسُوْلًا حال کے اندر، تو یہاں رَسُوْلًا نے تاکید پیدا کی کس کے اندر؟ أَرْسَلْنَا فعل کے اندر یعنی عامل کے اندر، لہٰذا اس رَسُوْلًا کے عامل کو حذف کرنا واجب نہیں ہے۔ اِنَّا أَرْسَلْنَاكَ لِلنَّاسِ رَسُوْلًا یقیناً ہم نے آپ کو بھیجا ہے لوگوں کے لیے رسول بنا کر، فَاِنَّهٗ لَا يَجِبُ حَذْفُهٗ اس لیے کیونکہ اس کے عامل کو حذف کرنا واجب نہیں ہے۔

اِسْمِيَّةٍ، اور وہ جملہ بھی کیا ہو؟ جملہ اسمیہ ہو۔ اِحْتَرَزَ بِهَا عَمَّا اِذَا كَانَتْ فِعْلِيَّةً یہ احتراز ہے جس وقت کہ وہ جملہ فعلیہ ہو، یعنی اگر جملہ فعلیہ کے مضمون کی تاکید کے لیے حال آئے، کس کے؟ جملہ فعلیہ کے مضمون کی تاکید کے لیے حال آئے، تو اس کے عامل کو حذف کرنا واجب نہیں ہے۔ تو کہتے ہیں اِحْتَرَزَ بِهَا عَمَّا اِذَا كَانَتْ فِعْلِيَّةً اس قید کے ذریعے احتراز ہے جبکہ وہ جملہ فعلیہ ہو جس کے مضمون کی تاکید کے لیے حال آیا ہے، فَاِنَّهٗ لَا يَجِبُ حَذْفُ عَامِلِهَا اس لیے کیونکہ اس حال کے عامل کو حذف کرنا واجب نہیں، اس حالِ مؤکدہ کے عامل کو حذف کرنا واجب نہیں جو جملہ فعلیہ کے مضمون کی تاکید کے لیے آیا ہو۔ كَمَا قَالَ صَاحِبُ الْكَشَّافِ فِيْ قَوْلِهٖ تَعَالٰى قَائِمًا بِالْقِسْطِ جیسے کہ صاحبِ کشاف یعنی علامہ زمخشری نے فرمایا ہے اللہ تعالیٰ کے اس قول کے بارے میں قَائِمًا بِالْقِسْطِ کہ اس کے بارے میں فرمایا ہے کہ اِنَّهٗ حَالٌ مُؤَكِّدَةٌ مِنْ فَاعِلِ شَهِدَ کہ یہ حالِ مؤکدہ ہے فاعلِ شَهِدَ سے، شَهِدَ کے فاعل سے یہ حال ہے۔ دیکھیے بھئی قرآن میں اللہ فرماتے ہیں: شَهِدَ اللّٰهُ أَنَّهٗ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ وَالْمَلَائِكَةُ وَأُولُوا الْعِلْمِ قَائِمًا بِالْقِسْطِ۔ شَهِدَ اللّٰهُ اللہ گواہی دیتے ہیں أَنَّهٗ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ کہ اس کے سوا اور کوئی معبود نہیں، وَالْمَلَائِكَةُ اور فرشتے بھی اس بات کی گواہی دیتے ہیں، وَأُولُوا الْعِلْمِ اور علم والے جو ہیں وہ بھی اس بات کی گواہی دیتے ہیں، قَائِمًا بِالْقِسْطِ اس حال میں کہ اللہ انصاف قائم کرنے والے ہیں۔ قِسط کا معنی ہے انصاف، اس حال میں کہ اللہ انصاف قائم کرنے والے ہیں۔ اب دیکھو یہ قَائِمًا بِالْقِسْطِ جو ہے یہ حال ہے شَهِدَ اللّٰهُ یہ جو لفظ اللہ ہے اس سے حال ہے۔ اللہ گواہی دیتے ہیں، اللہ گواہی دیتے ہیں اس حال میں کہ قَائِمًا بِالْقِسْطِ کہ اللہ انصاف قائم کرنے والے ہیں۔ تو دیکھو یہ شَهِدَ اللّٰهُ کا، توجہ سے سن لو بھئی یہ جب پڑھانے کو بیٹھو گے تو پھر آپ کو شروحات سے یہ سمجھ میں نہیں آئے گا بھئی۔ تو یہ قَائِمًا بِالْقِسْطِ حال ہے لفظِ اللہ سے بھئی۔ اور صاحبِ کشاف فرماتے ہیں کہ یہ حالِ مؤکدہ ہے لِمَضْمُوْنِ الْجُمْلَةِ الْفِعْلِيَّةِ۔

ماقبل میں جملہ فعلیہ آیا، کون سا جملہ فعلیہ؟ شَهِدَ اللّٰهُ اللہ گواہی دیتا ہے، تو شَهِدَ اللّٰهُ یہ جملہ فعلیہ ہے اور اس کے مضمون کی تاکید کے لیے حال ہے کون سا؟ قَائِمًا بِالْقِسْطِ۔ حال یہ لفظِ اللہ سے ہے، کیونکہ حال ہمیشہ آئے گا فاعل یا مفعول بہ سے ہی یعنی ذوالحال تو وہی ہوں گے، لیکن یہ مضمونِ جملہ کے لیے تاکید ہے۔ بھئی کس طرح مضمونِ جملہ کے لیے تاکید ہے؟ بھئی دیکھیے، دیکھیے یہاں گواہی کا ذکر ہے اور گواہی کس لیے دی جاتی ہے؟ انصاف کو قائم کرنے کے لیے، گواہی کس لیے دی جاتی ہے؟ انصاف کو قائم کرنے کے لیے دی جاتی ہے۔ بھئی کوئی اور گواہی وغیرہ دیتا ہے تو وہاں تو سچ اور جھوٹ دونوں طرح کے احتمال ہو سکتے ہیں، لیکن یہاں تو ذکر کیا جا رہا ہے شَهِدَ اللّٰهُ کہ اللہ گواہی دے رہے ہیں یعنی وہ جو خالقِ ارض و سما ہے وہ گواہی دے رہا ہے، تو پھر تو یقیناً یہ انصاف کو قائم کرنے کے لیے ہی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کی ذات کیا ہے؟ قَائِمًا بِالْقِسْطِ ہے، انصاف کو قائم کرنے والی ہے۔ یہ انصاف کو قائم کرنا یہ اللہ سے جدا نہیں ہو سکتا۔ حالِ مؤکدہ بھی کیا ہوتا ہے؟ وہ لازم ہوتا ہے اپنے ذوالحال سے جدا نہیں ہوتا۔ تو اللہ جو ہے یہ انصاف کو قائم کرنا یہ اللہ کے ساتھ لازم ہے، یہ اللہ سے جدا نہیں ہو سکتا بھئی۔ تو یہاں پر آیا شَهِدَ اللّٰهُ اللہ تعالیٰ گواہی دے رہے ہیں اور گواہی کس لیے ہوتی ہے؟ انصاف کو قائم کرنے کے لیے ہی ہوتی ہے۔ تو معلوم ہوا شَهِدَ اللّٰهُ سے کیا پتہ چلا؟ یہ اللہ گواہی دے رہے ہیں مضمونِ جملہ کیا سمجھ میں آیا؟ کہ انصاف کو قائم کیا جا رہا ہے، کیا کیا جا رہا ہے؟ انصاف قائم کیا جا رہا ہے۔ مضمونِ جملہ یہی ہے یہاں پر، اللہ گواہی دے رہے ہیں گواہی کس لیے ہوتی ہے؟ انصاف کو قائم کرنے کے لیے، اور گواہی بھی کون دے رہا ہے؟ اللہ تعالیٰ جو خالقِ ارض و سما ہیں وہ گواہی دے رہے ہیں، تو یہ جو شَهِدَ اللّٰهُ ہے اس سے کیا سمجھ میں آیا؟ اللہ گواہی دے رہے ہیں، معلوم ہوا انصاف کو قائم کیا جا رہا ہے، کیا کیا جا رہا ہے؟ انصاف قائم کیا جا رہا ہے۔ تو شَهِدَ اللّٰهُ سے بھی کیا سمجھ میں آیا؟ انصاف کو قائم کیا جا رہا ہے، اور قَائِمًا بِالْقِسْطِ سے بھی کیا سمجھ میں آیا کہ اللہ انصاف کو قائم کرنے والے ہیں، تو یہ تاکید ہے کس کے لیے؟ مضمونِ جملہ کے لیے۔ لیکن اس کے عامل شَهِدَ کو حذف کرنا واجب نہیں کیونکہ یہ جملہ فعلیہ کے مضمون کی تاکید کے لیے ہے یہ حال۔ جملہ اسمیہ کے مضمون کی تاکید کے لیے ہوتا تو پھر عامل کو حذف کرنا واجب تھا۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو کہتے ہیں كَمَا قَالَ صَاحِبُ الْكَشَّافِ فِيْ قَوْلِهِ تَعَالٰى قَائِمًا بِالْقِسْطِ جیسے کہ صاحبِ کشاف نے فرمایا ہے اللہ تعالیٰ کے اس قول میں قَائِمًا بِالْقِسْطِ کہ اِنَّهُ حَالٌ مُؤَكِّدَةٌ مِنْ فَاعِلِ شَهِدَ کہ یہ حالِ مؤکدہ ہے کس سے؟ فاعلِ شَهِدَ سے۔ تو آپ کے ذہن میں یہ نہ آئے کہ یہ تو شَهِدَ کے فاعل سے حال ہے، بھئی حال نے تو آنا ہی ہمیشہ فاعل یا مفعول بہ سے ہے وہ ذوالحال تو ضرور چاہیے، لیکن یہ جو تاکید پیدا کرے گا وہ کس میں کرے گا؟ یا تو وہ ذوالحال میں تاکید پیدا کرے گا، یا عامل میں تاکید پیدا کرے گا، یا مضمونِ جملہ میں تاکید پیدا کرے گا، اور یہاں یہ مضمونِ جملہ میں تاکید پیدا کر رہا ہے۔ اور نیز حالِ مؤکدہ میں کیا بتلایا تھا کہ وہ اپنے عامل سے جدا نہیں ہوتا اور یہاں بھی انصاف کا قائم کرنا اللہ کی ذات سے جدا نہیں ہوتا بھئی۔

کہتے ہیں وَلَا بُدَّ هٰهُنَا مِنْ قَيْدٍ آخَرَ اور ضروری ہے یہاں پر ایک اور قید بھی، وَهُوَ اور وہ یہ کہ أَنْ يَّكُوْنَ عَقْدُ تِلْكَ الْاِسْمِيَّةِ کہ

اس جملہ اسمیہ کا عقد یعنی جوڑ جو ہے، عَقْد کا کیا معنی؟ جوڑ، اس جملہ اسمیہ کا عقد یعنی جوڑ جو ہے مِنِ اسْمَيْنِ دو ایسے اسموں سے ہو لَا يَصْلُحَانِ لِلْعَمَلِ فِيْهَا جو اس حال میں عمل کرنے کی صلاحیت نہ رکھتے ہوں۔ بھئی جملہ اسمیہ کا جوڑ ایسے دو اسموں سے ہونا چاہیے جو اس حال کے اندر عامل نہ بن سکیں۔ تو کہتے ہیں وَلَا بُدَّ هٰهُنَا مِنْ قَيْدٍ آخَرَ یہاں ایک اور قید بھی ہونا ضروری ہے، وَهُوَ اور وہ یہ کہ أَنْ يَّكُوْنَ عَقْدُ تِلْكَ الْاِسْمِيَّةِ کہ اس جملہ اسمیہ کا عقد یعنی جوڑ جو ہے مِنِ اسْمَيْنِ دو ایسے اسموں سے ہو لَا يَصْلُحَانِ لِلْعَمَلِ فِيْهَا کہ وہ دونوں اسم صلاحیت نہ رکھتے ہوں اس حال میں عمل کرنے کی، وَاِلَّا لَكَانَ عَامِلُ

لُهُ مَذْكُوْرًا ورنہ تو اس حال کا عامل مذکور ہوگا، فَكَيْفَ يَكُوْنُ حَذْفُهُ وَاجِبًا؟ تو پھر اس کا حذف واجب کیسے ہو سکتا ہے؟ اگر کوئی جملے کا جز عامل بن رہا ہے تو پھر تو اسی کو بنائیں گے، پھر حذف واجب کیسے ہو سکتا ہے؟ نَحْوُ مثال کے طور پر: اللّٰهُ شَاهِدٌ قَائِمًا بِالْقِسْطِ۔ اللہ جو ہے وہ گواہی دینے والا ہے اس حال میں کہ وہ قائم بالقسط ہے۔ اب دیکھو اللّٰهُ شَاهِدٌ یہ جملہ اسمیہ ہے اور اس کے اندر ایک جز جو شَاهِدٌ آرہا ہے وہ اس قَائِمًا بِالْقِسْطِ میں عامل بن سکتا ہے کیونکہ وہ شبہ جملہ ہے۔ جب وہ عامل بن سکتا ہے تو پھر یہاں یہ نہیں کہیں گے کہ عامل محذوف ہے بلکہ جو مذکور ہے اسی کو عامل بنا دیں گے۔ لہٰذا اس قسم کے جملے میں یہ کہنا کہ یہ حالِ مؤکدہ چونکہ جملہ اسمیہ کے مضمون کی تاکید کے لیے آرہا ہے لہٰذا اس کے عامل کو حذف کرنا واجب ہے، یہاں ایسا نہیں کہہ سکتے۔ توجہ ہے؟ یہ قَائِمًا بِالْقِسْطِ یہاں پر بھی یہ مضمونِ جملہ کی تاکید کے لیے ہے: اللّٰهُ شَاهِدٌ اللہ گواہی دیتا ہے، توجہ ہے؟ گواہی کس لیے دی جاتی ہے؟ انصاف کو قائم کرنے کے لیے، اور جب اللہ گواہی دے رہے ہیں جو خالقِ ارض و سما ہیں، معلوم ہوا اس گواہی کا مقصد کیا ہے؟ انصاف کو قائم کرنا ہے، وہ تو وہ مضمونِ جملہ ہوا، اور اسی کو آگے حال کی صورت میں بھی لے آئے قَائِمًا بِالْقِسْطِ کہ اللہ انصاف کو قائم کرنے والے ہیں۔

بات سمجھ میں آگئی؟ حل ہو گیا؟ چلیے بس بھئی، هٰذَا هُوَ الْمَرَامُ وَاللّٰهُ أَعْلَمُ بِحَقِيْقَةِ الْكَلَامِ۔

سبق نمبر ۱۴۸: التمییز (۱): تمییز کی تعریف اور نعت، حال و بدل سے احتراز

شرحِ ملا جامی صفحہ: ۱۳۲ — بتاریخ: ۵ فروری ۲۰۲۲ء

▪ تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث

آگے سبق دیکھیے بھائی! اَلتَّمْيِيْزُ مَا أَيِ الْاِسْمُ الَّذِيْ يَرْفَعُ الْإِبْهَامَ وَاحْتَرَزَ بِهِ عَنِ الْبَدَلِ فَإِنَّ الْمُبْدَلَ مِنْهُ فِيْ حُكْمِ التَّنْحِيَةِ فَهُوَ لَيْسَ يَرْفَعُ الْإِبْهَامَ عَنْ شَيْءٍ بَلْ هُوَ تَرْكُ مُبْهَمٍ وَإِيْرَادُ مُعَيَّنٍ، الْمُسْتَقِرَّ أَيِ الثَّابِتَ الرَّاسِخَ فِي الْمَعْنَى الْمَوْضُوْعِ لَهُ مِنْ حَيْثُ إِنَّهُ مَوْضُوْعٌ لَهُ.[1]

بھائی، گزشتہ سبق میں ہم حال کے بارے میں پڑھ رہے تھے۔ اور صاحبِ کافیہ نے آپ کو بتلایا تھا کہ جب ماضی مثبت حال واقع ہو تو وہاں پر لفظِ قَدْ کا ہونا ضروری ہے، یا تو وہ لفظِ قَدْ ظاہراً ہوگا یا تقدیراً ہوگا بھائی۔ یعنی اگر ظاہر نہیں ہے تو وہاں تقدیراً لفظِ قَدْ کو نکالنا ہوگا بھائی۔ پھر بتلایا تھا صاحبِ جامی نے، کہتے ہیں لفظِ قَدْ کا ہونا اس لیے ضروری ہے کہ یہ جو قَدْ ہے، یہ ماضی کو ماضی قریب بنا دیتا ہے۔ مثلاً میں کہتا ہوں ضَرَبَ زَيْدٌ زید نے پٹائی کی، تو اس سے صرف اتنا پتا چلا کہ زید نے زمانۂ ماضی میں پٹائی کی ہے، لیکن قریب کے زمانے میں کی ہے یا دور کے زمانے میں کی ہے، اس کا کوئی پتا نہیں چل رہا۔ زید نے ایک دن پہلے پٹائی کی ہو میں تب بھی کہہ سکتا ہوں ضَرَبَ زَيْدٌ، زید نے دس سال پہلے پٹائی کی ہو میں تب بھی کہہ سکتا ہوں ضَرَبَ زَيْدٌ۔ تو لہٰذا ماضی جو ہے گزرے ہوئے زمانے پر دلالت کرتی ہے اور اس سے قریب اور بعید کا پتا نہیں چلتا۔ تو پھر یہ ماضی، اس کو تو آپ حال بنانا چاہتے ہیں۔ تو لہٰذا اس کے ساتھ پھر قَدْ ہونا چاہیے۔ قَدْ جو ہے ماضی کو حال کے قریب کر

[1]

جدول — تمییز کی دونوں اقسام (عن ذاتِ مبہم اور عن نسبت):

قسمِ تمییز	وضاحت	مثال
۱۔ عن ذاتِ مبہم	عدد (۱۱-۹۹)، کیل، وزن اور مساحت کا ابہام دور کرے	أَحَدَ عَشَرَ كَوْكَبًا، مَنَوَانِ سَمْنًا
۲۔ عن نسبتِ (مقدرہ)	جملے یا اضافت کی نسبت کا ابہام دور کرے	طَابَ زَيْدٌ نَفْسًا، اِشْتَعَلَ الرَّأْسُ شَيْبًا

دیتا ہے اور قَرِیْبٌ إِلَی الشَّیْءِ فِیْ حُکْمِ الشَّیْءِ ہوتی ہے۔ لہٰذا پھر اس ماضی کا حال بننا صحیح ہو جائے گا۔ کیونکہ قَدْ نے ماضی کو کس کے قریب کر دیا؟ حال کے قریب کر دیا۔ قَدْ ضَرَبَ زَیْدٌ، معلوم ہوا زید نے ابھی قریب کے زمانے میں پٹائی کی ہے، قریب کی ماضی کے اندر۔

تو قَدْ ماضی کو حال کے قریب کر دیتا ہے اور قَرِیْبٌ إِلَی الشَّیْءِ فِیْ حُکْمِ الشَّیْءِ ہوتی ہے۔ یعنی جو جس چیز کے قریب ہو وہ اسی چیز کے حکم میں ہوتی ہے۔ تو جب ماضی حال کے قریب ہو گئی، تو گویا یہ حال ہی بن گئی لہٰذا اس کا حال بننا صحیح ہے۔ اور پھر یہاں شارحِ جامی نے مزید تفصیل بیان کی تھی کہ بھائی حال جو ہے ایک حالِ لغوی ہے ایک حالِ اصطلاحی ہے بھائی۔ حالِ لغوی وہ زمانے کا نام ہے جس کو عربی زبان میں حال کہتے ہیں، وہ زمانے کا نام ہے۔ اور یہاں جو حال کی بات ہو رہی ہے وہ حالِ اصطلاحی ہے اور حالِ اصطلاحی لفظ کا نام ہے جو فاعل یا مفعول بہ کی حالت بیان کرے۔ کیا تعریف کی تھی حال کی؟ اَلْحَالُ مَا یُبَیِّنُ هَیْئَةَ الْفَاعِلِ أَوِ الْمَفْعُوْلِ بِهِ، تو معلوم ہوا حالِ اصطلاحی تو لفظ کا نام ہے۔

اور قَدْ جو ہے ماضی کو حالِ لغوی کے قریب کرتا ہے اور ہم تو بات کس کی کر رہے ہیں؟ حالِ اصطلاحی کی، کہ ماضی مثبت کیا واقع ہو؟ حالِ اصطلاحی واقع ہو یعنی فاعل یا مفعول بہ کی حالت بیان کرے۔ تو صاحبِ جامی نے بتلایا تھا کہ بھائی یہ جو قَدْ ہے جب ماضی پر داخل ہوتا ہے تو وہ ماضی پھر اس قَدْ کی وجہ سے اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ یہ جو ماضی جو حال واقع ہو رہی ہے اس کا زمانہ، یہ جو ذوالحال کے عامل کا زمانہ ہے اس کے قریب ہے۔ کس کے؟ بھائی دیکھو جَاءَنِيْ زَیْدٌ قَدْ رَکِبَ غُلَامُهُ، تو جَاءَنِيْ زَیْدٌ میں جَاءَ عامل ہے، زَیْدٌ جو ہے ذوالحال ہے اور اس سے آگے قَدْ رَکِبَ غُلَامُهُ یہ حال آرہا ہے۔ رَکِبَ ماضی مثبت ہے تو اس پر قَدْ لے آئے۔ اس نے کیا کیا؟ ماضی کے زمانے کو قریب کر دیا۔ کس کے قریب کر دیا؟ کہتے ہیں یہ جو ذوالحال کا جو عامل ہے یعنی جَاءَ۔ دیکھو ایک ہے مجیئت کا زمانہ، ایک ہے رکوب کا زمانہ۔ تو ماضی جب مثبت واقع ہوگی تو اس پر قَدْ داخل کریں گے، تو یہ جو ماضی مثبت ہے اس کے زمانے کو ذوالحال کا جو عامل ہے، یعنی وہ جو جیسے اس مثال میں جَاءَ ہے، اس زمانے کے قریب کر دے گی۔

وجہ یہ کہ جب ماضی حال واقع ہو تو ذہن میں یہ بات آتی ہے کہ یہ جو ماضی بیان کی جا رہی ہے، یہ اس وقت تکلم کے اعتبار سے ماضی نہیں ہے بلکہ وہ جو ماقبل میں عامل ہے اس کے اعتبار سے یہ ماضی ہے۔ مثلاً دیکھو، زید کل آیا تھا۔ جَاءَنِيْ زَیْدٌ زید کل آیا تھا اور میں آج آپ سے کہتا ہوں، جَاءَنِيْ زَیْدٌ قَدْ رَکِبَ غُلَامُهُ، تو یہ ایک ہے میرا تکلم کا زمانہ، یہ ہے حالِ لغوی، زمانۂ حال جس کو کہتے ہیں۔ یہ جو میں اس وقت بول رہا ہوں یہ کون سا زمانہ ہے؟ زمانۂ حال ہے۔ تو میں ابھی آپ کو بتاتا ہوں جَاءَنِيْ زَیْدٌ، اور یہ مجیئت ہوئی کب تھی؟ گزشتہ کل۔ تو اس جَاءَنِيْ زَیْدٌ کے ساتھ جب میں حال ماضی کو لاتا ہوں جَاءَنِيْ زَیْدٌ رَکِبَ غُلَامُهُ، تو ذہن میں یہ آتا ہے کہ یہ جو رَکِبَ ماضی بیان ہو رہی ہے، یہ اس وقت تکلم کے اعتبار سے ماضی نہیں ہے، بلکہ یہ جو ماقبل میں عامل ہے جَاءَ اس کے اعتبار سے یہ ماضی ہے۔ میرے تکلم کے زمانے کے اعتبار سے یہ ماضی نہیں ذکر

ہو رہی بلکہ مجیئت کے زمانے کے اعتبار سے ماضی ہے۔ معلوم ہوا مجیئت اگر کل ہوئی ہے تو رکوب جو ہے اس سے ماضی کے اندر یعنی اس سے پہلے یعنی پرسوں ہوا تھا۔ اس سے تو یہ پتا چلا مجیئت کا زمانہ اور ہے اور رکوب کا زمانہ اس سے پہلے اور ہے۔ معلوم ہوا دونوں کا زمانہ ایک نہیں، حالانکہ حال اور عاملِ ذوالحال دونوں کا زمانہ ایک ہونا چاہیے، یا یوں کہو حال اور اس کا جو عامل ہے دونوں کا زمانہ ایک ہونا چاہیے۔ توجہ ہے؟ جب میں نے کہا جَاءَنِيْ زَيْدٌ اس وقت میں تکلم کر رہا ہوں، یہ ہے تکلم کا زمانہ۔ اور یہ جو قَدْ ہے، یہ تو ماضی کو اس تکلم کے زمانے کے قریب کرتا ہے، لیکن یہاں مقصود کیا ہے؟ کس کے زمانے کے قریب کرنا مقصود ہے؟ عامل جو جَاءَ ہے اس کے زمانے کے قریب ہونا چاہیے۔

تو صاحبِ جامی نے بتلایا کہ جب ماضی حال واقع ہو، مثلاً میں اس وقت آپ سے کہتا ہوں جَاءَنِيْ زَيْدٌ قَدْ رَكِبَ غُلَامُهُ، تو یہ جو رَكِبَ ماضی آئی کس کے ساتھ آئی؟ جَاءَ کے ساتھ۔ تو ذہن میں یہ آتا ہے کہ یہ جو رَكِبَ ماضی ہے، یہ اس وقت یعنی یہ تکلم کے اعتبار سے ماضی نہیں بیان ہو رہی، بلکہ یہ اس عامل وہ جو عامل ہے پیچھے جَاءَ، اس کے اعتبار سے ماضی ہے۔ یعنی جس وقت جَاءَ کا فعل پایا گیا تھا، یہ رکوب اس سے بھی پہلے تھا۔ اس کے مقابلے میں بھی ماضی تھا۔ معلوم ہوا جب مجیئت ہوئی اس وقت رکوب نہیں تھا۔ حالانکہ بتلانا تو یہی مقصد ہے کہ جب مجیئت ہوئی تھی اسی وقت رکوب بھی ہوا تھا۔ تو پھر اس ماضی پر قَدْ داخل کیا جاتا ہے، تو ماضی کیا کر دیتی ہے؟ اس کو حال کے قریب کر دیتی ہے۔ جب حال کے قریب آئی تو اپنے عامل کے زمانے کے بھی قریب آگئی، بات سمجھ میں آگئی؟ تو معلوم ہوا قَدْ کی وجہ سے ماضی جو ہے ذوالحال کے عامل کے زمانے کے قریب ہو جاتی ہے، یہ قول مجازاً ہے۔ یہ قول مجازاً ہے، اس لیے کیونکہ قَدْ اس بات پر دلالت نہیں کرتا کہ ماضی کا زمانہ عامل کے زمانے کے قریب ہے، بلکہ قَدْ تو کس بات پر دلالت کرتا ہے؟ کہ زمانۂ حال یعنی تکلم کے زمانے کے قریب ہے۔ توجہ ہے؟ یہ تکلم کا زمانہ زمانۂ حال ہے۔ تو جب میں قَدْ لاؤں گا تو قَدْ ماضی کو اس زمانۂ تکلم کے قریب کرتی ہے، وہ جو پیچھے عامل تھا اس کے زمانے کے قریب نہیں کرتی۔ تو یہ جو کہا جاتا ہے کہ قَدْ کی وجہ سے ماضی کا زمانہ عامل کے زمانے کے قریب ہو جاتا ہے، یہ مجازاً ہے۔ بات سمجھ میں آگئی۔

اور پھر انہوں نے آپ کو بتلایا تھا کہ کبھی کبھار اس حال کے عامل کو حذف کر لیا جاتا ہے، اور یہ حذف دو قسم پر ہوگا، کبھی یہ حذف جوازاً ہوگا اور کبھی یہ حذف وجوباً ہوگا۔ حذف جوازاً وہاں ہوگا جہاں کوئی قرینہ موجود ہو، چاہے قرینۂ لفظیہ ہو، چاہے قرینۂ معنویہ ہو۔ جیسے رَاشِدًا مَهْدِيًّا کسی مسافر سے آپ کہتے ہیں، اب یہاں پر لفظوں میں کوئی قرینہ نہیں ہے، البتہ معنیٰ کے اعتبار سے قرینہ ہے اس مسافر کی حالت بتلا رہی ہے۔ تو یہاں سِرْ فعل محذوف ہے، أَيْ سِرْ رَاشِدًا مَهْدِيًّا تم رہ یاب ہو کر جاؤ، یعنی تم راستے پر جاؤ، تو یہ دعا دی جاتی ہے مسافر کو بھائی۔

اور بعض جگہ حال کے عامل کو حذف کرنا واجب ہے، اور وہ حالِ مؤکدہ کے اندر ہے۔ میں نے بتایا تھا ایک حالِ مؤکدہ ہے ایک حالِ منتقلہ۔ حال کو حال اس لیے کہتے ہیں کیونکہ یہ بدل جاتا ہے۔ جَاءَنِيْ زَيْدٌ رَاكِبًا آیا میرے پاس زید اس حال

میں کہ وہ سوار تھا۔ مجھے بتائیے، کیا زید ہر وقت سوار ہی رہتا ہے یا کبھی سوار ہوگا اور کبھی سوار نہیں ہوگا؟ کبھی سوار نہیں بھی ہوگا۔ معلوم ہوا یہ رکوب اس سے منتقل ہو جاتا ہے جدا ہو جاتا ہے۔ تو حال بھی حَالَ یَحُوْلُ حَوْلًا کا معنیٰ ہے بدل جانا، حال بھی چونکہ منتقل ہوتا ہے بدل جاتا ہے اس لیے اس کو حال کہتے ہیں۔ لیکن بعض حال ایسے ہوتے ہیں کہ وہ اپنے ذوالحال کے ساتھ لازم ہوتے ہیں، اس سے جدا نہیں ہوتے، اس کو کہتے ہیں حالِ مؤکدہ۔ تو حالِ مؤکدہ جو ہے، وہ غالباً غالباً جو ہے اپنے ذوالحال سے جدا نہیں ہوتا۔ جبکہ دوسرا حالِ منتقلہ ہے وہ اپنے ذوالحال سے جدا ہو جاتا ہے۔ تو حالِ مؤکدہ جو ہے، اس کے عامل کو حذف کرنا واجب ہے، لیکن ہر حالِ مؤکدہ یہاں مراد نہیں، بلکہ میں نے بتایا تھا حالِ مؤکدہ تین قسم کے ہو سکتے ہیں، کبھی کبھار یہ حالِ مؤکدہ تاکید پیدا کرے گا ذوالحال میں، کبھی یہ تاکید پیدا کرے گا عاملِ ذوالحال میں، اور کبھی کبھار یہ تاکید پیدا کرے گا مضمونِ جملہ میں۔

تو حالِ مؤکدہ سے یہاں مراد وہ حالِ مؤکدہ ہے جو مضمونِ جملہ کے اندر تاکید پیدا کرے، اور وہ جملہ بھی کیسا ہو؟ جملہ اسمیہ ہو۔ تو جملہ اسمیہ سے آگے حالِ مؤکدہ آئے اور وہ حالِ مؤکدہ اس جملے کے مضمون میں تاکید پیدا کر رہا ہو تو اس حال کے عامل کو حذف کرنا واجب ہے۔ اور صاحبِ جامی نے ایک اور قید بھی بڑھائی تھی کہ وہ جملہ اسمیہ ایسا ہونا چاہیے کہ اس کے مبتدا اور خبر صلاحیت نہ رکھتے ہوں کہ وہ حال کے اندر عامل بن سکیں۔ اگر ان میں سے کوئی عامل بن سکتا ہے پھر اسی کو عامل بنائیں گے، پھر محذوف عامل نکالنے کی ضرورت نہیں۔ معلوم ہوا حالِ مؤکدہ کے عامل کو حذف کرنا واجب ہے، جب وہ حال کس میں تاکید پیدا کر رہا ہو؟ مضمونِ جملہ میں، اور وہ جملہ بھی کیا ہو؟ جملہ اسمیہ، اور اس جملہ اسمیہ کا کوئی جز یعنی مبتدا یا خبر اس حال کے اندر عامل نہ بن سکیں، تو پھر اس کے عامل کو حذف کرنا واجب، اور اگر مبتدا خبر میں سے کوئی عامل بن سکتا ہے پھر اسی کو عامل بنائیں گے پھر محذوف نکالنے کی ضرورت نہیں ہے۔

اور پھر اس کی مثال ذکر کی تھی، جیسے زَیْدٌ أَبُوْكَ عَطُوْفًا۔ زَیْدٌ أَبُوْكَ زید تمہارا باپ ہے عَطُوْفًا اس حال میں کہ وہ بے انتہا شفقت کرنے والا ہے، یعنی تم پر۔ اب دیکھو یہاں پر یہ عَطُوْفًا تاکید پیدا کر رہا ہے مضمونِ جملہ میں۔ یاد رکھو ذوالحال تو ہمیشہ فاعل یا مفعول بہ ہی ہوگا، ہاں وہ ذوالحال میں بھی تاکید پیدا کر سکتا ہے، اپنے عامل میں بھی تاکید پیدا کر سکتا ہے اور مضمونِ جملہ میں بھی تاکید پیدا کر سکتا ہے۔ تو یہ عَطُوْفًا حال ہے أَبُوْكَ، اس سے حال ہے جو خبر ہے، اور یہ تاکید پیدا کر رہا ہے مضمونِ جملہ میں۔ بھائی اس لیے کیونکہ مثلاً آپ کسی سے کہتے ہیں زَیْدٌ أَبُوْكَ زید تمہارے ابو ہیں۔ تو دیکھو یہاں آپ زید کی شفقت ہی بیان کرنا چاہتے ہیں۔ آپ اس کو یہ نہیں بتانا چاہتے زید تمہارا باپ ہے، مطلب اس کو تو پتا ہی نہیں تھا آپ نے اس کو بتایا زید تمہارا باپ ہے، یہ بتلانا مقصد نہیں ہوتا بلکہ کیا مقصد ہوتا ہے؟ شفقت کو بیان کرنا مقصد ہوتا ہے۔ مثلاً زید کا بیٹا آپ کے پاس آیا اور وہ اپنے باپ کی شکایت کرتا ہے، تو آپ اس کو کہتے ہیں زَیْدٌ أَبُوْكَ زید تمہارے ابو ہیں، کیا معنیٰ؟ یعنی وہ تمہاری طرف متوجہ ہیں، تم پر بے انتہا شفقت کرنے والے ہیں۔ تو زَیْدٌ أَبُوْكَ عَطُوْفًا زید تمہارا باپ ہے، اس سے

بھی کیا سمجھ میں آیا؟ زید کا شفیق ہونا۔ اور آگے عَطُوْفًا سے بھی کیا پتا چلا کہ وہ بہت زیادہ شفقت کرنے والا ہے۔ تو اس نے تاکید پیدا کی مضمونِ جملہ میں۔ پھر اس کی تقدیرِ کلام کیا ہے؟ تو بتلایا تھا کہ تقدیرِ کلام ہے أَحِقُّهُ عَطُوْفًا۔ تو اس کو أَحِقُّ بھی پڑھ سکتے ہیں ثلاثی مجرد سے بابِ ضَرَبَ سے، اور أُحِقُّ بھی پڑھ سکتے ہیں ثلاثی مزید فیہ یعنی بابِ اِفْعَال سے۔ أَحِقُّ پڑھیں یا أُحِقُّ پڑھیں، دونوں صورتوں میں معنیٰ یہ ہے میں نے یقین کر لیا، میں نے یقین کر لیا۔ تو یعنی معنیٰ یہ ہے میں نے زید کے باپ ہونے کا یقین کر لیا اس حال میں کہ عَطُوْفًا وہ بہت زیادہ شفقت کرنے والا ہے۔ تو یہ أُحِقُّهُ یا أَحِقُّهُ جو ہے یہ عامل ہے عَطُوْفًا کے اندر اور یہ أَبُوْكَ یہ اس کے لیے مفعول بہ بن گیا۔ أُحِقُّهُ میں اس کے باپ ہونے پر یقین کرتا ہوں عَطُوْفًا اس حال میں کہ وہ بہت زیادہ شفقت کرنے والا ہے۔ یا دوسرا معنیٰ، بابِ اِفْعَال سے ایک معنیٰ یہ بھی کر سکتے ہیں أُثْبِتُهُ، أَيْ أُثْبِتُ أُبُوَّتَهُ میں اس زید کا باپ ہونا ثابت کرتا ہوں عَطُوْفًا اس حال میں کہ وہ بے انتہا شفقت کرنے والا ہے۔ بات سمجھ میں آ رہی ہے؟ تو دونوں معنیٰ کر سکتے ہیں اور اس صورت میں دیکھو أُحِقُّهُ، یہ ہا ضمیر جو ہے اس کی جگہ ذرا أُبُوَّة لے آئیں۔ أُحِقُّ أُبُوَّتَهُ، تو معلوم ہوا یہ أُبُوَّت کیا بن رہا ہے أُحِقُّ کے لیے؟ مفعول بہ ہے، اور آگے عَطُوْفًا حال آ رہا ہے، تو یہ مفعول بہ سے حال آیا۔ کس سے؟ یعنی معنیٰ کے اعتبار سے أَبُوْكَ کو مفعول بہ بنا دیا اور آگے عَطُوْفًا اس سے حال آ گیا۔ تو یہاں حال میں عامل کیا ہے؟ معنیٰ فعل ہے اور وہ کیا ہے؟ أَحِقُّهُ یا أُحِقُّهُ، اور یہ تقدیرِ کلام ذکر کی ہے امام سیبویہ نے۔ جبکہ صاحبِ جامی نے علامہ سکاکی کی بھی تقدیرِ عبارت ذکر کی، کہتے ہیں انہوں نے بڑی پیاری تقدیرِ عبارت نکالی ہے، وہ فرماتے ہیں کہ میرے نزدیک تقدیرِ عبارت یوں ہے: يُحْنِيْ أَبُوْكَ عَطُوْفًا۔ يُحْنِيْ أَبُوْكَ آپ کا باپ آپ کی طرف پوری طرح توجہ کر رہا ہے عَطُوْفًا اس حال میں کہ وہ بہت زیادہ شفقت کرنے والا ہے۔ حَنَا يَحْنِيْ ثلاثی مجرد سے بنا لو یا أَحْنٰى يُحْنِيْ ثلاثی مزید فیہ سے بابِ اِفْعَال سے بنا لو، اور حَنَا يَحْنِيْ اور أَحْنٰى يُحْنِيْ دونوں کا معنیٰ ہے متوجہ ہونا، مائل ہونا۔ یعنی يُحْنِيْ، یہ أَبُوْ کو اب اس کے لیے فاعل بناؤ۔ يُحْنِيْ أَبُوْكَ آپ کا باپ آپ کی طرف پوری طرح توجہ کر رہا ہے اس حال میں کہ عَطُوْفًا وہ بہت زیادہ شفقت کرنے والا ہے۔ تو پھر دونوں میں فرق کیا ہوا؟ أُحِقُّهُ کے اندر وہ أَبُوْكَ اس کو کیا بنایا تھا؟ مفعول بہ اور اس سے پھر آگے حال آیا تھا۔ اور حَنَا يَحْنِيْ یا أَحْنٰى يُحْنِيْ سے بنائیں تو پھر یہ أَبُوْكَ اس کے لیے فاعل ہو جائے گا۔ يُحْنِيْ أَبُوْكَ آپ کا باپ آپ کی طرف متوجہ ہے عَطُوْفًا اس حال میں کہ وہ بہت شفقت کرنے والا ہے۔ تو اس تقدیر پر یہ أَبُوْكَ فاعل بن جائے گا اور آگے عَطُوْفًا اس سے حال آ جائے گا۔ بات سمجھ میں آ گئی؟

پھر آگے صاحبِ کافیہ نے بتلایا تھا آپ کو کہ وہ حالِ مؤکدہ جو ہے وہ جملہ اسمیہ کے مضمون کی تاکید کے لیے ہونا چاہیے، جملہ فعلیہ کے مضمون کی تاکید کے لیے نہیں ہونا چاہیے۔ چنانچہ صاحبِ جامی فرماتے ہیں کہ یہ جو اسمیہ کی قید لگا دی اس کے ذریعے احتراز کیا جبکہ وہ جملہ فعلیہ ہو بھائی۔ یعنی اس کے اگر مضمون کی تاکید کے لیے کوئی حال آ جائے، جملہ فعلیہ کے مضمون کی تاکید کے لیے اگر کوئی حال آ جائے تو اس کے عامل کو حذف کرنا واجب نہیں۔ جیسے کہتے ہیں صاحبِ کشاف علامہ زمخشری فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا یہ جو قول ہے قَائِمًا بِالْقِسْطِ یہ حال ہے، یہ حالِ مؤکدہ ہے کس سے؟ شَهِدَ کے فاعل

سے۔ قرآن میں اللہ فرماتے ہیں: شَهِدَ اللّٰهُ أَنَّهُ لَا إِلٰهَ إِلَّا هُوَ وَالْمَلَائِكَةُ وَأُولُو الْعِلْمِ قَائِمًا بِالْقِسْطِ۔ شَهِدَ اللّٰهُ اللہ گواہی دیتے ہیں أَنَّهُ لَا إِلٰهَ إِلَّا هُوَ کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں وَالْمَلَائِكَةُ اور فرشتے بھی گواہی دیتے ہیں وَأُولُو الْعِلْمِ اور اہلِ علم بھی گواہی دیتے ہیں قَائِمًا بِالْقِسْطِ اس حال میں کہ وہ اللہ انصاف قائم کرنے والا ہے۔ تو یہ قَائِمًا بِالْقِسْطِ یہ حال ہے لفظِ اللہ سے۔ کس سے حال ہے؟ لفظِ اللہ سے حال ہے اور یہ تاکید پیدا کر رہا ہے مضمونِ جملہ شَهِدَ اللّٰهُ میں۔ شَهِدَ اللّٰهُ کے مضمون میں یہ قَائِمًا بِالْقِسْطِ تاکید پیدا کر رہا ہے، تو سوال پیدا ہوتا ہے کیسے تاکید پیدا کر رہا ہے؟ تو میں نے بتلایا تھا کہ بھائی یہ جو شہادت دی جاتی ہے یہ انصاف کو قائم کرنے کے لیے دی جاتی ہے، اور گواہی دینے والا کوئی اور ہو پھر تو وہاں پر شک اور شبہ ہو سکتا ہے پتا نہیں گواہی صحیح ہے یا گواہی صحیح نہیں، پتا نہیں یہ انصاف کو قائم کرنے کے لیے دی جا رہی ہے یا انصاف کو قائم کرنے کے لیے نہیں دی جا رہی، لیکن یہاں پر تو گواہی دینے والی ذات جو ہے اللہ کی ہے، وہ ذات جو خالقِ ارض و سما ہے، جب وہ ذات گواہی دے رہی ہے معلوم ہوا یہ گواہی انصاف قائم کرنے کے لیے ہی دی جا رہی ہے۔ تو شَهِدَ اللّٰهُ کا مضمونِ جملہ کیا نکل آیا؟ جی؟ شَهِدَ اللّٰهُ، اللہ گواہی دے رہے ہیں یعنی کیا معنیٰ؟ اللہ انصاف قائم فرما رہے ہیں۔ تو شَهِدَ اللّٰهُ سے بھی انصاف قائم کرنا سمجھ میں آیا اور آگے قَائِمًا بِالْقِسْطِ جو ہے یہ بھی، اس سے بھی وہی معنیٰ سمجھ میں آیا تو یہ مضمونِ جملہ کی تاکید ہے بھائی۔ اور صاحبِ جامی نے بتلایا تھا کہ حالِ مؤکدہ ذوالحال سے جدا نہیں ہوتا اس کے ساتھ لازم ہوتا ہے، اور یہ قَائِمًا بِالْقِسْطِ انصاف قائم کرنا یہ بھی، یہ وصف بھی اللہ سے کبھی جدا نہیں ہوتا۔ بات سمجھ میں آگئی؟ اور صاحبِ جامی نے بتلایا تھا کہ بھائی وہ جملہ اسمیہ ایسا نہیں ہونا چاہیے کہ اس کا کوئی جز جو ہے اس کے حال کے اندر عامل بن سکے ورنہ اسی کو عامل بنائیں گے، جیسے آگے مثال بھی ذکر کی تھی اللّٰهُ شَاهِدٌ قَائِمًا بِالْقِسْطِ۔ اب دیکھو اللّٰهُ شَاهِدٌ یہ جملہ اسمیہ ہے اور اس سے آگے جو ہے قَائِمًا بِالْقِسْطِ حال آ رہا ہے اور ذوالحال کیا ہے؟ شَاهِدٌ کے اندر هُوَ ضمیر ہے وہ راجع ہے لفظِ اللہ کو، وہ ہے ذوالحال اور قَائِمًا بِالْقِسْطِ اس کے اندر بھی یہی شَاهِدٌ عامل بنے گا۔ کیونکہ جب شَاهِدٌ کو عامل آپ بنا سکتے ہیں تو پھر یہاں پر کوئی محذوف نکالنے کی ضرورت نہیں ہے، تو حالِ مؤکدہ کے عامل کو حذف کرنا واجب ہے کب؟ جب وہ حالِ مؤکدہ ہو کس کے لیے؟ مضمونِ جملہ کے لیے اور جملہ بھی کیا ہو؟ جملہ اسمیہ ہو اور نیز اس جملے کا کوئی جز اس حال کے اندر عامل بننے کی صلاحیت نہ رکھتا ہو بھائی۔ بات سمجھ میں آگئی؟

اب آئیے آج کے سبق پر۔ کہتے ہیں: اَلتَّمْيِيْزُ مَا أَيِ الْاِسْمُ الَّذِيْ يَرْفَعُ الْإِبْهَامَ وَاحْتَرَزَ بِهِ عَنِ الْبَدَلِ فَإِنَّ الْمُبْدَلَ مِنْهُ فِيْ حُكْمِ التَّنْحِيَةِ فَهُوَ لَيْسَ يَرْفَعُ الْإِبْهَامَ عَنْ شَيْءٍ بَلْ هُوَ تَرْكُ مُبْهَمٍ وَإِيْرَادُ مُعَيَّنٍ، الْمُسْتَقِرَّ أَيِ الثَّابِتَ الرَّاسِخَ فِي الْمَعْنَى الْمَوْضُوْعِ لَهُ مِنْ حَيْثُ إِنَّهُ مَوْضُوْعٌ لَهُ.

آج ہم تمیز کی بحث شروع کریں گے بھائی۔ تمیز کی بحث کافیہ کی مشکل ترین بحثوں میں سے ہے بھائی۔ دعا کرو اللہ تعالیٰ اس کو خوب آسان فرمائے۔ اب دیکھیے، پہلے متن متن دیکھیے، کہتے ہیں: اَلتَّمْيِيْزُ مَا يَرْفَعُ الْإِبْهَامَ الْمُسْتَقِرَّ عَنْ ذَاتٍ مَذْكُوْرَةٍ

أَوْ مُقَدَّرَةٍ۔ متن مل گیا سارا؟ پھر دیکھیں: اَلتَّمْيِيْزُ مَا يَرْفَعُ الْإِبْهَامَ الْمُسْتَقِرَّ عَنْ ذَاتٍ مَذْكُوْرَةٍ أَوْ مُقَدَّرَةٍ۔

یاد رکھو تمییز جو ہے وہ اسم ہے جو ابہام کو دور کرتا ہے۔ بعض اوقات کسی لفظ کے اندر ابہام ہوتا ہے تو اس ابہام کو دور کرنے کے لیے تمییز لائی جاتی ہے اور تمییز آکر اس کے ابہام کو دور کر دیتی ہے۔ تو تمییز کی تعریف کر رہے ہیں صاحبِ کافیہ، فرماتے ہیں اَلتَّمْيِيْزُ مَا کہ تمییز وہ اسم ہے يَرْفَعُ الْإِبْهَامَ جو ابہام کو دور کر دیتا ہے الْمُسْتَقِرَّ، مُسْتَقِرّ کا معنیٰ ہے ثابت۔ تمییز وہ اسم ہے جو اس ابہام کو دور کر دیتا ہے جو ثابت ہوتا ہے، تو مُسْتَقِرّ کا لغوی معنیٰ ہے ثابت، لیکن یہاں اس سے مراد ہے وہ ابہام جو وضع کے اعتبار سے ہو۔ وہ ابہام جو وضع کے اعتبار سے ہو۔ معلوم ہوا تمییز اس ابہام کو دور کرنے کے لیے لائی جائے گی جو وضع کے اعتبار سے ہو۔ اگر کسی اور وجہ سے ابہام ہے تو اس کو دور کرنے کے لیے تمییز نہیں لاتے بھائی۔ بات سمجھ میں آرہی ہے؟ تمییز کس ابہام کو دور کرنے کے لیے لاتے ہیں؟ جو وضع کے اعتبار سے ہو، یعنی جب لفظ کو اس معنیٰ کے لیے وضع کیا گیا تھا، مقرر کیا گیا تھا، تو اس وقت ہی اس میں ابہام تھا، تو اس ابہام کو دور کرنے کے لیے تمییز لائی جاتی ہے۔

تو يَرْفَعُ الْإِبْهَامَ الْمُسْتَقِرَّ عَنْ ذَاتٍ، اور نیز تمییز جو ہے ابہام کو دور کرتی ہے عَنْ ذَاتٍ ذات سے۔ ایک ہے ذات، ایک ہے وصف۔ کبھی ذات میں ابہام ہوتا ہے، کبھی وصف میں ابہام ہوتا ہے۔ تو اگر ذات کے اندر ابہام ہو تو اس ابہام کو دور کرنے کے لیے تمییز لائیں گے اور اگر وصف کے اندر ابہام ہو تو یاد رکھو پھر اس ابہام کو دور کرنے کے لیے تمییز نہیں لائیں گے بلکہ اس وصف کے اندر ابہام کو دور کرنے کے لیے صفت یا حال کو لے کر آئیں گے۔ کس کو؟ صفت یا حال کو لے کر آئیں گے۔ تو معلوم ہوا تمییز وہ اسم ہے جو اس ابہام کو دور کرے جو باعتبارِ وضع کے ہو، اور اس ابہام کو تمییز کس سے دور کرے گی؟ ذات سے۔ یعنی پھر سنو، تمییز وہ اسم ہے جو ذات سے ابہام کو دور کرتی ہے اور وہ ابہام جو ہے وضع کے اعتبار سے ہونا چاہیے، کسی اور وجہ سے نہیں ہونا چاہیے۔

مثلاً دیکھو، عِشْرُوْنَ، عِشْرُوْنَ کا معنیٰ ہے بیس۔ بیس کا معنیٰ دیکھو معلوم ہے، بیس کا عدد وہ ہے جو انیس سے بڑا ہو اور اکیس سے چھوٹا ہو، یہ ہے بیس کا عدد۔ تو عِشْرُوْنَ کے معنیٰ کے اندر ابہام نہیں ہے، کیونکہ معنیٰ تو اس کا واضح ہے، عِشْرُوْنَ کا کیا معنیٰ؟ بیس۔ ہاں، یہ بیس کیا چیزیں ہیں؟ اس کی ذات میں ابہام ہے کہ یہ بیس جو ذکر ہو رہی ہیں، مثلاً میں نے کہا عِنْدِيْ عِشْرُوْنَ میرے پاس بیس ہیں، اب بیس کا معنیٰ تو واضح ہے لیکن یہ بیس کی ذات کیا ہے، وہ بیس چیزیں کیا ہیں، اس میں ابہام ہے۔ کہ وہ بیس کتابیں ہیں یا وہ بیس قلم ہیں یا وہ بیس درہم ہیں یا وہ بیس دینار ہیں، ذات کا پتا نہیں ہے۔ تو دیکھو یہاں پر عِشْرُوْنَ کی ذات میں ابہام آیا اور یہ ابہام باعتبارِ وضع کے ہے بھائی، کیونکہ عِشْرُوْنَ کو وضع کیا گیا ہے بیس کے عدد کے لیے۔ تو اس سے عدد کا تو پتا چل جاتا ہے لیکن اس سے اس چیز کی ذات کا پتا نہیں چلتا جس کو شمار کیا جا رہا ہے۔

وہ جو معدود ہے جس کی مقداربیان کی جا رہی ہے، عِشْرُوْنَ کہنے سے اس معدود کا پتا نہیں چلتا بھائی۔ تو عِشْرُوْنَ میں ابہام ہے باعتبارِ وضع کے بھائی، اور کس چیز میں ابہام ہے؟ اس کی ذات میں ابہام ہے کہ یہ عِشْرُوْنَ کیا چیز ہے۔ تو اس ابہام کو دور کرنے کے لیے پھر تمییز لاتے ہیں، مثلاً میں کہتا ہوں عِنْدِيْ عِشْرُوْنَ كِتَابًا۔ دیکھو یہ كِتَابًا میں تمییز لایا اور تمییز منصوب ہوتی ہے۔ اس عِشْرُوْنَ میں ابہام تھا کہ اس سے کیا چیز مراد ہے، كِتَابًا نے آکر ابہام کو دور کر دیا کہ اس عِشْرُوْنَ سے کتابیں مراد ہیں کوئی اور چیز مراد نہیں ہے۔ یا میں کہتا ہوں عِنْدِيْ عِشْرُوْنَ دِرْهَمًا کہ میرے پاس بیس درہم ہیں، تو یہ دِرْهَمًا نے آکر عِشْرُوْنَ کی ذات سے ابہام کو دور کر دیا کہ وہ بیس چیزیں جو ہیں ان کی ذات کیا ہے؟ وہ درہم ہے بھائی۔ تو دیکھو عِشْرُوْنَ کے اندر جو ابہام تھا وہ باعتبارِ وضع کے تھا، وضع کے اعتبار سے ہی پتا نہیں چلتا اس چیز کی ذات کا جس کو اس سے بیان کیا جا رہا ہو۔

اور بعض اوقات جو ابہام ہوتا ہے وہ وصف کے اندر ہوتا ہے۔ مثلاً میں آپ سے کہتا ہوں جَاءَنِيْ رَجُلٌ میرے پاس ایک آدمی آیا۔ اب رَجُلٌ کا معنیٰ تو آپ جانتے ہیں کہ رَجُلٌ مرد کو کہتے ہیں، آدمی کو کہتے ہیں، لیکن اس آدمی کی صفت میں ابہام ہے کہ پتا نہیں وہ آدمی جو آیا وہ عالم تھا یا عالم نہیں تھا۔ تو دیکھو اس آدمی کے وصف میں ابہام آیا، اور وصف میں جب ابہام آئے تو اس کے لیے پھر صفت یا حال لایا جاتا ہے۔ تو اب میں اس کی صفت لے آتا ہوں: جَاءَنِيْ رَجُلٌ عَالِمٌ۔ اب یہ عَالِمٌ نے کیا کیا؟ رَجُلٌ کے وصف سے ابہام کو دور کر دیا، پتا چل گیا کہ یہ جو رَجُلٌ ہے یہ عالم ہے، معلوم ہوا غیر عالم نہیں ہے بھائی۔ اسی طرح کبھی کسی چیز کے وصف میں ابہام ہوتا ہے تو اس کے لیے پھر حال کو لے کر آتے ہیں، مثلاً میں نے آپ سے کہا جَاءَنِيْ زَيْدٌ میرے پاس زید آیا۔ تو دیکھو معلوم ہوا زید نے مجیئت والا فعل کیا ہے، لیکن اس مجیئت کے فعل میں زید کی صفت کا پتا نہیں چل رہا، زید کے وصف کا پتا نہیں چل رہا کہ مجیئت کے وقت وہ سوار تھا یا پیدل تھا۔ تو یہ مجیئت کے وقت زید کی جو صفت ہے اس میں ابہام ہے، تو اس وقت پھر اب یہ وصف کے اندر ابہام ہے اور وصف کے اندر جب ابہام ہو تو اس کے لیے یا تو صفت لاتے ہیں یا حال، تو یہاں میں حال لاتا ہوں مثلاً یوں کہتا ہوں: جَاءَنِيْ زَيْدٌ رَاكِبًا آیا میرے پاس زید اس حال میں کہ وہ سوار تھا۔ تو یہ رَاكِبًا حال ہے اور اس نے زید کا جو وصف تھا مجیئت کے وقت، اس میں ابہام تھا، اس کو اس نے دور کر دیا۔ مجیئت کے وقت زید کی کیا صفت تھی؟ اس کی کیا حالت تھی؟ تو یہ حال نے آ کر کیا کیا؟ اس وصف سے ابہام کو دور کر دیا، اس وصف میں ابہام تھا بھائی۔ بات سمجھ میں آگئی؟ معلوم ہوا کسی چیز کی ذات میں ابہام ہو اور وہ ابہام کسی اور وجہ سے نہ ہو بلکہ باعتبارِ وضع کے ہو تو اس ابہام کو دور کرنے کے لیے تمییز لائی جاتی ہے۔ اور اگر کسی چیز کے وصف کے اندر ابہام ہو تو اس ابہام کو دور کرنے کے لیے حال یا صفت لائی جاتی ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ دیکھیے ترجمہ ذرا متن متن۔ کہتے ہیں: اَلتَّمْيِيْزُ مَا يَرْفَعُ الْإِبْهَامَ الْمُسْتَقِرَّ عَنْ ذَاتٍ تمییز وہ اسم ہے جو اس ابہام کو دور کرے جو باعتبارِ وضع کے ہو عَنْ ذَاتٍ کس سے؟ ذات سے۔ یعنی تمییز وہ اسم ہے جو ذات سے اس ابہام کو دور کرے

جو وضع کے اعتبار سے ہو۔ آگے متن دیکھیے: مَذْكُوْرَةٍ أَوْ مُقَدَّرَةٍ، یہ صفت

ہیں دونوں ذات کی، وہ ذات یا تو مذکور ہوگی یا وہ ذات مقدر ہوگی، مَذْكُوْرَةٍ أَوْ مُقَدَّرَةٍ، اس کے ذریعے صاحبِ کافیہ تمییز کی دو قسموں کی طرف اشارہ فرما رہے ہیں۔ یاد رکھو تمییز دو قسم پر ہے۔ کبھی تمییز جو ہے ذاتِ مذکورہ سے ابہام کو دور کرے گی، ادھر دیکھیے، تمییز کبھی ذاتِ مذکورہ سے ابہام کو دور کرے گی اور کبھی کبھار تمییز ذاتِ مقدرہ سے ابہام کو دور کرے گی بھائی۔ بھائی ذاتِ مذکورہ سے مراد ہے مفرد، ذاتِ مذکورہ سے کیا مراد ہے؟ مفرد۔ کبھی کبھار کسی مفرد کے اندر ابہام ہوگا تمییز آکر اس کو دور کرے گی، اور وہ مفرد عبارت کے اندر مذکور ہوتا ہے جس سے تمییز ابہام کو دور کرتی ہے، جیسے ابھی میں نے مثال ذکر کی عِنْدِيْ عِشْرُوْنَ دِرْهَمًا۔ تو دیکھو یہ عِشْرُوْنَ مفرد ہے۔ یہ عِشْرُوْنَ جملہ ہے؟ شبہ جملہ ہے؟ کسی کی طرف مضاف ہو رہا ہے؟ نہیں۔ تو یہ عِشْرُوْنَ مفرد ہے، نہ یہ جملہ ہے نہ شبہ جملہ ہے نہ یہ مضاف ہے، تو عِشْرُوْنَ مفرد ہے اور عبارت کے اندر مذکور ہے۔ تو یہ جو تمییز کی پہلی قسم ہے، وہ مفرد سے ابہام کو دور کرتی ہے اور وہ مفرد عبارت میں ذکر ہوتا ہے۔ تو یوں کہیں گے تمییز کی ایک قسم وہ ہے جو ذاتِ مذکورہ سے ابہام کو دور کرے۔ کس سے؟ ذاتِ مذکورہ سے کیا مراد ہے؟ مفرد۔ کیا مراد ہے؟ مفرد، اور وہ مفرد بھی کیا ہوگا؟ اس کو ذاتِ مذکورہ کیوں کہا؟ کیونکہ وہ ذات مذکور ہے عبارت میں موجود ہے، عِنْدِيْ عِشْرُوْنَ دِرْهَمًا یا عِشْرُوْنَ عبارت میں مذکور ہے۔ تو تمییز کی پہلی قسم کیا؟ پھر دہرائیں، جو ذاتِ مذکورہ سے ابہام کو دور کرے، اور ذاتِ مذکورہ سے کیا مراد ہے؟ مفرد مراد ہے۔ پھر دہرائیں بھائی بار بار، یہ مشکل بحث ہے۔ تمییز کی پہلی قسم کس سے ابہام کو دور کرتی ہے؟ ذاتِ مذکورہ سے۔ ذاتِ مذکورہ سے کیا مراد ہے؟ مفرد۔ اس کو ذاتِ مذکورہ کیوں کہا؟ کیونکہ وہ عبارت میں ذکر ہوتا ہے۔ اور تمییز کی ایک قسم وہ ہے جو ذاتِ مقدرہ سے ابہام کو دور کرے۔ یاد رکھو، تمییز کی یہ جو دوسری قسم ہے، یہ دراصل نسبت سے ابہام کو دور کرتی ہے، دو چیزوں کے درمیان جو نسبت ہوتی ہے اس نسبت میں کبھی ابہام ہوتا ہے، یہ تمییز آکر اس نسبت سے ابہام کو دور کرتی ہے۔ توجہ ہے؟ مثلاً میں آپ سے کہتا ہوں طَابَ زَيْدٌ، یہ مثال آرہی ہے، یہ جو متن آیا، متن آیا مَذْكُوْرَةٍ أَوْ مُقَدَّرَةٍ اسی سطر میں یا اس سے اگلی سطر میں ہے طَابَ زَيْدٌ نَفْسًا، مل گئی عبارت؟ دیکھو طَابَ يَطِيْبُ کا معنیٰ ہے خوش ہونا، اسی طرح اس کا معنیٰ ہے اچھا ہونا، تو یہاں اس کے معنیٰ اچھا ہونے کے کر لیں پھر اردو میں ترجمہ بہترین ہو جاتا ہے۔ مثلاً میں آپ سے کہتا ہوں طَابَ زَيْدٌ زید اچھا ہے، ویسے لفظی ترجمہ تو بنتا ہے فعل ہے نا، زید اچھا ہوا، زید اچھا ہوا، لیکن اردو میں زیادہ مناسب یوں ترجمہ کیا جائے، طَابَ زَيْدٌ زید اچھا ہے۔ تو یہ طَابَ کی نسبت کی جا رہی ہے زید کی طرف۔ دیکھو طَابَ کا معنیٰ بھی واضح، زید کا معنیٰ بھی واضح۔ طَابَ کا کیا معنیٰ؟ اچھا ہونا۔ زید کا کیا معنیٰ؟ زید ایک ذات کا نام ہے۔ دونوں کا معنیٰ واضح، لیکن یہ جو طَابَ کی نسبت کی جا رہی ہے زید کی طرف اس میں ابہام ہے۔ زید اچھا ہے، بھائی کس اعتبار سے اچھا ہے؟ اپنی ذات کے اعتبار سے اچھا ہے، اپنے باپ کے اعتبار

سے اچھا ہے، اپنے گھر کے اعتبار سے اچھا ہے، اپنے علم کے اعتبار سے اچھا ہے، یا کسی اور وصف کے اعتبار سے اچھا ہے؟ یہ جو طَابَ کی نسبت ہو رہی ہے کس کی طرف؟ زید کی طرف، کہ زید اچھا ہے، اس نسبت میں ابہام ہے۔ طَابَ کے اندر بھی کوئی ابہام نہیں، زید میں بھی کوئی ابہام نہیں، لیکن یہ جو طَابَ کی نسبت ہوئی زید کی طرف کہ زید اچھا ہے، بھائی کس اعتبار سے اچھا ہے؟ توجہ ہے؟ تو اس نسبت میں ابہام تھا، گویا یہ طَابَ زَيْدٌ اسی طرح ہے جیسے گویا آپ نے یہ کہا ہو: طَابَ شَيْءٌ مَنْسُوْبٌ إِلٰى زَيْدٍ۔ طَابَ شَيْءٌ ایک چیز اچھی ہے مَنْسُوْبٌ إِلٰى زَيْدٍ جس کی نسبت زید کی طرف کی گئی ہے۔ ایک چیز اچھی ہے جس کی نسبت زید کی طرف ہے، بھائی وہ کیا چیز ہے؟ وہ کیا چیز ہے؟ تو آگے پھر تمییز آئے گی، مثلاً آپ نَفْسًا لے آتے ہیں۔ ایک چیز اچھی ہے جو زید کی طرف منسوب ہے، بھائی وہ کیا چیز ہے؟ یعنی وہ زید کا نفس ہے، زید کی ذات ہے۔ زید کی... تو اب آپ یوں کہتے ہیں: طَابَ زَيْدٌ نَفْسًا، زید اچھا ہے اپنی ذات کے اعتبار سے۔ زید ذات کے اعتبار سے اچھا آدمی ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو طَابَ کی اسناد تھا زید کی طرف، اس اسناد میں ابہام تھا، کیونکہ طَابَ زَيْدٌ یہ کس معنیٰ میں ہے؟ گویا آپ نے یوں کہا ایک چیز اچھی ہے جو کس کی طرف منسوب ہے؟ زید کی طرف منسوب ہے، تو بھائی وہ کیا چیز ہے؟ ابہام آگیا یا نہیں؟ چیز تو دنیا کی ہر چیز پر صادق آئے گی، یہ کتاب یہ بھی چیز ہے، قلم یہ بھی چیز ہے، دیوار یہ بھی چیز ہے، مدرسہ یہ بھی چیز ہے، پہاڑ وہ بھی چیز ہے، بھائی وہ کیا چیز ہے؟ ابہام آگیا اس چیز کی ذات میں۔ اس چیز کی ذات میں ابہام ہے کہ وہ کون سی چیز ہے، تو آگے پھر نَفْسًا نے آکر اس ابہام کو دور کیا۔ تو دیکھو اس نے بھی ذات سے ابہام کو دور کیا، لیکن وہ ذات، دیکھو طَابَ زَيْدٌ نَفْسًا، اس نَفْسًا نے ابہام کو دور کیا کس سے؟ اس شَيْءٍ مقدرہ سے۔ کس سے؟ پھر سنو طَابَ زَيْدٌ نَفْسًا یہ کس درجے میں ہے؟ طَابَ شَيْءٌ مَنْسُوْبٌ إِلٰى زَيْدٍ۔ تو یہ نَفْسًا تمییز ہے کس سے؟ وہ شَيْءٌ سے، اور وہ شَيْءٌ عبارت میں مذکور ہے یا مقدر ہے؟ مقدر ہے۔ عبارت تو صرف یہ ہے طَابَ زَيْدٌ نَفْسًا، تو شَيْءٌ کا لفظ تو یہاں مقدر ہے یعنی اس درجے کا ہے یہ کلام بھائی۔ تو دیکھو طَابَ زَيْدٌ نَفْسًا، اس نَفْسًا نے ابہام کو دور کیا، ابہام کو دور کیا اور کس سے؟ اس شَيْءٍ مقدرہ سے، تو وہ ہے ذاتِ مقدرہ۔ تو اس ذاتِ مقدرہ سے تمییز نے ابہام کو دور کر دیا۔ تو تمییز کتنی قسم پر ہو گئی؟ دو قسم پر۔ ایک تمییز وہ جو ابہام کو دور کرے کس سے؟ ذاتِ مذکورہ سے، اور ایک وہ تمییز جو کس سے ابہام دور کرے؟ ذاتِ مقدرہ سے۔ ذاتِ مذکورہ سے کیا مراد ہے؟ مفرد مراد ہے اس سے تمییز ابہام دور کرتی ہے۔ اور ذاتِ مقدرہ سے کیا مراد ہے؟ وہ نسبت مراد ہے۔ تو یہ جو دوسری قسم ہے تمییز، یہ نسبت سے ابہام کو دور کرتی ہے، اور یوں کہو گویا یہ اس شَيْءٌ سے ابہام کو دور کرتی ہے جس کی طرف طَابَ کی نسبت کی جا رہی ہے، تو اس طَابَ کی نسبت میں ابہام تھا تو آگے نَفْسًا نے آکر کیا کیا؟ اس ابہام کو دور کر دیا۔ بات سمجھ میں آگئی؟ مَذْكُوْرَةٍ أَوْ مُقَدَّرَةٍ وہ ذات یا تو مذکور ہوگی یا مقدر ہوگی۔

اب آئیے سارے کو شرح کے ساتھ دیکھیں۔ کہتے ہیں: اَلتَّمْيِيْزُ مَا أَيِ الْاِسْمُ الَّذِيْ يَرْفَعُ الْإِبْهَامَ۔ اَلتَّمْيِيْزُ مَا، متن میں آیا

مَا آگے صاحبِ جامی فرما رہے ہیں أَيِ الْاِسْمُ الَّذِيْ، بتلانا یہ چاہتے ہیں کہ یہ مَا موصولہ ہے۔ بھائی مَا موصولہ اور مَا موصوفہ بالکل ایک جیسے ہوتے ہیں، البتہ فرق یہ ہے مَا موصولہ معرفہ ہوتا ہے اور آگے آنے والا جملہ اس کے لیے صلہ بنتا ہے اور صلے کے لیے کوئی محلِ اعراب نہیں ہوتا، اور مَا موصوفہ جو ہے وہ نکرہ ہوتا ہے شَيْءٌ کے معنیٰ میں اور آگے آنے والا جملہ اس کے لیے صفت بنتا ہے اور صفت کا وہی اعراب ہوتا ہے جو موصوف کا ہو۔ تو مَا کی تفسیر کیا کی؟ أَيِ الْاِسْمُ الَّذِيْ۔ اَلَّذِيْ سے بتلا دیا کہ یہ اسمِ موصول ہے اور ساتھ اَلْاِسْمُ کا لفظ نکال کر اس کا مصداق بتلا دیا کہ یہاں مَا سے مراد کیا ہے؟ اسم، تو وہ بھی معرفہ نکالا۔ تو کہتے ہیں: اَلتَّمْيِيْزُ مَا أَيِ الْاِسْمُ الَّذِيْ يَرْفَعُ الْإِبْهَامَ، تمییز وہ اسم ہے جو ابہام کو دور کرے۔ بھائی صاحبِ جامی نے مَا کو موصولہ بنایا لیکن یہ کوئی ضروری نہیں ہے بھائی، آپ اس مَا کو موصوفہ بھی بنا سکتے ہیں بھائی۔

آگے دیکھیے، کہتے ہیں: وَاحْتَرَزَ بِهِ عَنِ الْبَدَلِ فَإِنَّ الْمُبْدَلَ مِنْهُ فِيْ حُكْمِ التَّنْحِيَةِ، بھائی کہتے ہیں یہ جو انہوں نے کہا نا کہ تمییز وہ اسم ہے جو ابہام کو دور کرے، ابہام کو دور کرنے کی قید لگائی تو بدل اس تمییز کی تعریف سے نکل گیا۔ بدل، آپ جانتے ہیں مثلاً میں آپ سے کہتا ہوں جَاءَنِيْ أَخُوْكَ زَيْدٌ، یہ أَخُوْكَ یہ جو فاعل ہے یہ ہے مبدل منہ، اور آگے زَيْدٌ کیا ہے؟ بدل ہے، بدل ہے اور یاد رکھو یہ جو مبدل منہ اور بدل جو ہیں ان میں سے اصل مقصود بدل ہوتا ہے، مبدل منہ کو ویسے ہی بطورِ تمہید کے ذکر کیا جاتا ہے۔ مثلاً فرض کرو مخاطب کے دو بھائی ہیں، مخاطب کے دو بھائی ہیں، اب میں اس سے کہوں جَاءَنِيْ أَخُوْكَ میرے پاس آپ کا بھائی آیا تھا، کچھ اس کو پتا چلا کہ کون سا بھائی مراد ہے؟ نہیں، کیونکہ دو بھائی ہیں اور میں نے أَخُوْكَ کہا تو أَخُوْكَ کے اندر ابہام تھا، پھر میں آگے زَيْدٌ لے آتا ہوں اور یہ ماقبل سے بدل واقع ہو رہا ہے۔ یاد رکھو مبدل منہ اور بدل دونوں کا مدلول ایک ہی ہوتا ہے، دونوں ایک ہی ذات پر کیا کرتے ہیں؟ دلالت کرتے ہیں۔ تو دیکھو مخاطب کا ایک بھائی ہے اس کا نام ہے زید، تو لفظِ زَيْدٌ بھی اس پر دلالت کر رہا ہے اور أَخُوْكَ وہ بھی اس پر دلالت کر رہا ہے، تو دونوں کا مدلول ایک ہی ہے۔ تو اب دیکھو جَاءَنِيْ أَخُوْكَ زَيْدٌ، توجہ ہے؟ تو یہ جو أَخُوْكَ ہے یہ ہے مبدل منہ اور زَيْدٌ ہے بدل۔ دیکھو اس مثال کے اندر أَخُوْكَ کے اندر ابہام تھا، آگے زَيْدٌ آیا تو اس نے اس سے ابہام کو دور کر دیا، أَخُوْكَ کی ذات میں ابہام تھا تو زَيْدٌ نے آکر کیا کیا؟ اس ابہام کو دور کر دیا۔ تو صاحبِ جامی آپ کو بتلا رہے ہیں کہ نہیں بھائی، بدل جو ہے وہ مبدل منہ سے ابہام کو دور نہیں کرتا، مبدل منہ جو ہے اس کو صرف تمہید کے طور پر ذکر کیا جاتا ہے اور آگے اصل مقصود بدل ہے بھائی۔ اگر آپ یہ کہیں کہ بدل نے آکر مبدل منہ سے ابہام کو دور کر دیا، اس کا تو مطلب ہے مقصود وہی مبدل منہ ہے بس اس میں ابہام باقی تھا زید، بدل نے آکر ابہام کو دور کر دیا، معلوم ہوا مقصود یہی أَخُوْكَ جو مبدل منہ ہے، حالانکہ نہیں بدل اور مبدل منہ کے اندر جو بدل ہوتا ہے وہ مقصود ہوتا ہے اور مبدل منہ اس کو صرف بطورِ تمہید کے ذکر کیا جاتا ہے۔ جیسے آپ کسی ساتھی کے پاس جاتے ہیں آپ کو کوئی کام ہے، تو جاتے ہی فوراً آپ اپنا کام نہیں کہتے بلکہ پہلے ایک دو ادھر ادھر کی باتیں کریں گے کہ آپ کا کیا حال ہے، خیریت سے ہیں، ایک دو باتیں کرنے کے بعد پھر آپ جو اپنا مقصد ہوگا وہ

.بیان کریں گے۔ تو وہ جو دو تین باتیں آپ نے پہلے ذکر کیں وہ کیا ہے؟ تمہید ہے، اور پھر آپ اپنا مقصد بیان کرتے ہیں۔ تو یہاں پر بھی جو مبدل منہ جس کو پہلے لایا گیا اس کو بطورِ تمہید کے لایا گیا اور آگے پھر بدل جو مقصود تھا اس کو لے آئے۔ تو لِهٰذا جَاءَنِيْ أَخُوْكَ زَيْدٌ، یہ أَخُوْكَ کو میں نے کس لیے ذکر کیا؟ صرف بطورِ تمہید کے، اور پھر اس کو میں نے چھوڑ دیا، آگے جو زَيْدٌ میں لایا وہ اسی أَخُوْكَ سے ابہام کو دور نہیں کر رہا، بلکہ مبدل منہ کو لایا جاتا ہے پھر اس کو چھوڑ دیا جاتا ہے اور پھر آگے بدل جو مقصود ہے اس کو لے آتے ہیں۔ بات نہیں سمجھ میں آئی میرا خیال؟ جَاءَنِيْ أَخُوْكَ زَيْدٌ، یہ جو أَخُوْكَ یہ جو مبدل منہ ہے پہلے، یاد رکھو یہ بطورِ تمہید کے لایا جاتا ہے اور پھر اس کو ایک طرف کر دیا جاتا ہے اس کو چھوڑ دیا جاتا ہے اور پھر آگے بدل لے آتے ہیں جو اصل مقصود ہوتا ہے۔ تو یہاں پر جب أَخُوْكَ کے بعد زَيْدٌ لائے تو اس زَيْدٌ نے أَخُوْكَ سے ابہام کو دور کر دیا ہو یوں نہ کہیں، بلکہ یوں کہیں کہ یہاں پر وہ جو أَخُوْكَ مبہم تھا اس کو لایا گیا اور پھر اس کو چھوڑ کر ایک طرف کر دیا اور پھر جو متعین تھا اس کو لے آئے۔ متعین جو تھا اس کو لے آئے۔ تو بدل میں کیا ہوتا ہے؟ ترکِ مبہم اور ایرادِ معین ہوتا ہے، مبہم کو ترک کرنا اور معین کو لانا۔ پہلے جو لایا گیا وہ کیا تھا؟ مبہم، پھر اس کو چھوڑ دیا گیا اور کس کو لے آئے؟ معین کو لے آئے۔ یہ نہ کہیں کہ اس معین نے آکر اس سے ابہام کو دور کیا، نہیں نہیں، اس پہلے کو جو لایا گیا اس کو بالکل چھوڑ دیا گیا اور آگے پھر معین ہی کو لے آئے۔ تو جب کہا کہ تمییز وہ اسم ہے جو ابہام کو دور کرتی ہے تو اس سے بدل نکل گیا کیونکہ بدل مبدل منہ سے ابہام کو دور نہیں کرتا بلکہ بدل جو ہے اس کے اندر ترکِ مبہم اور ایرادِ معین ہوتا ہے۔ تو یہاں ابہام دور کرنا نہیں ہے بلکہ مبہم کو چھوڑ کر معین کو لانا ہے۔ فرق سمجھ میں آیا؟ جبکہ تمییز لائیں گے تو وہاں ماقبل کو چھوڑنا نہیں ہوگا بلکہ اسی کے ابہام کو یہ کیا کر دے گی؟ دور کر دے گی۔ عِنْدِيْ عِشْرُوْنَ كِتَابًا، یہ عِشْرُوْنَ کو کوئی ایک طرف نہیں کر دیا اس کو ہٹا نہیں دیا، بلکہ اسی کی ذات میں ابہام تھا تو كِتَابًا نے آکر کیا کیا؟ اس ابہام کو دور کر دیا۔ فرق سمجھ میں آیا؟ تو کہتے ہیں: وَاحْتَرَزَ بِهِ عَنِ الْبَدَلِ، اور اس قید کے ذریعے بدل سے احتراز کیا۔ کون سی قید؟ يَرْفَعُ الْإِبْهَامَ کی جو قید آئی، اس کے ذریعے بدل سے احتراز کیا۔ فَإِنَّ الْمُبْدَلَ مِنْهُ فِيْ حُكْمِ التَّنْحِيَةِ، تنحیہ بھائی نَحّٰى يُنَحِّيْ تَنْحِيَةً کا معنیٰ ہوتا ہے کسی چیز کو ایک طرف کر دینا، اس کو ہٹا دینا۔ فَإِنَّ الْمُبْدَلَ مِنْهُ فِيْ حُكْمِ التَّنْحِيَةِ، کیونکہ مبدل منہ جو ہے وہ تنحیہ کے حکم میں ہوتا ہے یعنی اس کو ایک طرف کر دیا جاتا ہے، اس کو ہٹا دیا جاتا ہے، اس کو چھوڑ دیا جاتا ہے۔ فَهُوَ لَيْسَ يَرْفَعُ الْإِبْهَامَ عَنْ شَيْءٍ، تو بدل جو ہے وہ کسی چیز سے ابہام کو دور نہیں کرتا، بَلْ هُوَ تَرْكُ مُبْهَمٍ وَإِيْرَادُ مُعَيَّنٍ، بلکہ بدل جو ہے وہ مبہم کو ترک کرنا اور معین کو لانا ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟

آگے کہتے ہیں: الْمُسْتَقِرَّ أَيِ الثَّابِتَ الرَّاسِخَ فِي الْمَعْنَى الْمَوْضُوْعِ لَهُ. بھائی میں نے آپ کو بتلایا کہ مُسْتَقِرّ کا کیا معنیٰ ہے؟ ثابت۔ مُسْتَقِرّ کا کیا معنیٰ؟ ثابت، اور اس سے مراد کیا ہے؟ وہ ابہام جو وضع کے اعتبار سے ہو۔ وہ ابہام جو وضع کے اعتبار سے ہو۔ تو کہتے ہیں: الْمُسْتَقِرَّ أَيِ الثَّابِتَ، یعنی وہ ابہام جو ثابت ہو، یہ مُسْتَقِرّ صفت ہے نا ابہام کی، وہ ابہام جو ثابت

ہو الرَّاسِخَ فِي الْمَعْنَى الْمَوْضُوْعِ لَهُ، راسخ کا معنیٰ پختہ، مضبوط بھائی، جما ہوا، وہ ابہام جو ثابت ہو، جما ہوا ہو فِي الْمَعْنَى الْمَوْضُوْعِ لَهُ، معنیٰ موضوع لہ کے اندر مِنْ حَيْثُ إِنَّهُ مَوْضُوْعٌ لَهُ اس حیثیت سے کہ وہ موضوع لہ ہے۔ اس حیثیت سے کہ وہ موضوع لہ ہے۔ بھائی دیکھو، عِشْرُوْنَ کا معنیٰ کس کے لیے وضع کیا گیا؟ بیس کے عدد کے لیے، بیس کے... تو یہ جو عِشْرُوْنَ کا معنیٰ ہے یعنی بیس، اس کے اندر وضع کے اعتبار سے ہی ابہام ہے۔ بھائی دیکھو نا عِشْرُوْنَ کا کیا معنیٰ؟ بیس۔ تو یہ جو بیس ہے یہ ہے معنیٰ موضوع لہ جس کے لیے عِشْرُوْنَ کو وضع کیا گیا۔ عِشْرُوْنَ کو کس کے لیے وضع کیا؟ بیس کے لیے۔ تو بیس یہ اس کا معنیٰ موضوع لہ ہے، اور اس معنیٰ موضوع لہ کے اندر موضوع لہ ہونے کے اعتبار سے ہی ابہام ہے، کہ اس سے کیا مراد ہے، بیس کتابیں ہیں، قلم ہیں، کیا چیز ہے؟ ذات کا پتا نہیں چل رہا، عدد کا تو پتا چل رہا ہے، معدود کا پتا نہیں چل رہا۔ تو یہ جو عِشْرُوْنَ کا معنیٰ بیس ہے یہ اس کا معنیٰ موضوع لہ ہے اور اس معنیٰ موضوع لہ میں وضع کے اعتبار سے ہی ابہام ہے، وضع کے اعتبار سے ہی پتا نہیں چل رہا کہ وہ ذات کیا ہے بھائی!

بیس کتابیں ہیں، قلم ہیں، درہم ہیں، دینار ہیں، کیا ہیں؟ وضع کے اعتبار سے ہی ذات کا پتا نہیں چل رہا۔ یہ معنیٰ ہے کہ وہ ابہام جو ثابت ہو اور راسخ ہو فِي الْمَعْنَى الْمَوْضُوْعِ لَهُ معنیٰ موضوع لہ کے اندر مِنْ حَيْثُ إِنَّهُ مَوْضُوْعٌ لَهُ اس حیثیت سے کہ وہ معنیٰ موضوع لہ ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟

آگے دیکھیے۔ کہتے ہیں: فَإِنَّ الْمُسْتَقِرَّ۔ یہاں سے صاحبِ جامی تفصیل بیان کر رہے ہیں۔ ادھر دیکھیے بھائی، اصل میں اشکال یہ ہوتا ہے کہ مُسْتَقِرّ کا معنیٰ تو ہے ثابت، اور اے صاحبِ جامی! آپ نے مُسْتَقِرّ کا کیا معنیٰ کر لیا؟ وہ ابہام جو وضع کے اعتبار سے ہو۔ مُسْتَقِرّ کا معنیٰ کیا؟ ثابت، اور آپ نے اس کا کیا معنیٰ کر لیا؟ وہ ابہام جو وضع کے اعتبار سے ہو، یہ معنیٰ آپ نے کہاں سے کر لیا؟ تو صاحبِ جامی آپ کو بتائیں گے کہ ہاں آپ کی بات ٹھیک ہے، مُسْتَقِرّ کا معنیٰ ثابت ہی ہے، ثابت ہی ہے، اور کسی چیز میں بھی ابہام ہو تو ہم کہیں گے اس میں ابہام ثابت ہے، اس میں ابہام ثابت ہے، لیکن ابہام کسی چیز میں تھوڑا ہوتا ہے، کسی میں زیادہ، کسی میں بہت زیادہ۔ ابہام کے درجے مختلف ہیں۔ توجہ سے سنو بھائی، گہری بات کر رہے ہیں صاحبِ جامی۔ ابہام کے درجے مختلف ہوتے ہیں، کسی چیز میں تھوڑا ابہام ہوتا ہے، کسی میں زیادہ ہوتا ہے، کسی میں بہت زیادہ ابہام ہوتا ہے۔ جیسے دیکھو، یہ عِشْرُوْنَ کے اندر ابہام تھا وضع کے اعتبار سے ہی۔ اور بعض اوقات ابہام جو ہے وہ استعمال کے اعتبار سے آجاتا ہے ایک چیز میں ابہام۔ مثلاً آگے مثال ذکر کریں گے عَيْنٌ کی۔ ع، ی، ن، عَيْنٌ۔ عَيْن عربی زبان میں عَيْن کے کئی معانی آتے ہیں، اس لفظ کو کئی معانی کے لیے وضع کیا گیا ہے۔ یہ سورج جو ہے اس کو بھی عَيْن کہتے ہیں، اسی طرح سونا جو ہے، سونا اور چاندی، اس سونے کو بھی عَيْن کہتے ہیں، گھٹنا جو ہے اس کو بھی عَيْن کہتے ہیں، پانی کا جو چشمہ ہے اس کو بھی عَيْن کہتے ہیں، اسی طرح جاسوس کو بھی عَيْن کہتے ہیں۔ تو عَيْن کو کئی معانی کے لیے وضع کیا گیا ہے۔ اب مثلاً میں آپ سے کہتا ہوں رَأَيْتُ عَيْنًا میں نے ایک عَيْن کو دیکھا، کچھ آپ کو پتا چلا کہ اس

عَیْن سے کون سا معنیٰ مراد ہے؟ اس عَیْن کے معنیٰ کا پتا نہیں چلا۔ چنانچہ پھر آگے میں صفت لاتا ہوں: رَأَیْتُ عَیْنًا جَارِیَةً میں نے ایک ایسا عَیْن دیکھا جو بہہ رہا تھا۔ اب آپ کو پتا چل گیا کہ عَیْن کا کیا معنیٰ ہے؟ پانی کا چشمہ مراد ہے، کیونکہ بہتا کیا ہے؟ پانی کا چشمہ۔ تو دیکھو یہ مثال بھی دے رہے ہیں، بلکہ مثال دیکھ لیں، ایک ڈیڑھ سطر کے بعد آ رہی ہے رَأَیْتُ عَیْنًا جَارِیَةً، توجہ ہے؟ رَأَیْتُ عَیْنًا جَارِیَةً میں نے پانی کا ایک چشمہ دیکھا جو بہہ رہا تھا۔ یہاں علامہ رضی جو ہیں جنہوں نے کافیہ کی شرح لکھی ہے، وہ اعتراض کرتے ہیں۔ میں نے آپ کو بتلایا تھا کہ اور شارحین نے کافیہ کی جو شروحات لکھیں وہ جگہ جگہ صاحبِ کافیہ پر اعتراضات بھی کرتے چلے جاتے ہیں کہ دیکھیے آپ کی تعریف میں یہ کمی ہے یا یہ والی کمی ہے، لیکن صاحبِ جامی نے کمال کیا بھائی، انہوں نے ایسی شرح لکھی کہ انسان حیران رہ جاتا ہے، جس کا جو اعتراض ہے جہاں پر، صاحبِ جامی اس کو بہترین انداز میں حل کرتے ہوئے جواب دیتے ہوئے آگے چلے جاتے ہیں کہ بھائی صاحبِ کافیہ کی عبارت میں کوئی کمی نہیں ہے بھائی۔ تو لہٰذا علامہ رضی فرماتے ہیں کہ یہ دیکھو رَأَیْتُ عَیْنًا جَارِیَةً، رَأَیْتُ فعل با فاعل ہے، عَیْنًا یہ مفعول بہ ہے، منصوب ہے، اور یہ جَارِیَةً یہ اس کی صفت ہے۔ عَیْن چونکہ مؤنثِ سماعی ہے اس لیے اس کی صفت جَارِیَةً مؤنث لائی گئی، اور اس جَارِیَةً نے عَیْنًا کی ذات سے ابہام کو دور کر دیا۔ توجہ سے سنو، علامہ رضی کا اعتراض ذکر کر رہا ہوں۔ وہ فرماتے ہیں کہ عَیْن، جب میں نے کہا رَأَیْتُ عَیْنًا تو عَیْن کی ذات کا پتا نہیں چل رہا کہ اس سے سورج مراد ہے یا سونا مراد ہے یا چشمہ مراد ہے یا اس سے جاسوس مراد ہے یا گھٹنا مراد ہے، کیا مراد ہے؟ ذات کا ہی پتا نہیں چل رہا۔ آگے جَارِیَةً صفت لائی گئی، اس صفت نے آکر بتلا دیا کہ عَیْن سے کیا مراد ہے؟ پانی کا چشمہ مراد ہے، تو اس جَارِیَةً نے عَیْنًا کی ذات سے ابہام کو دور کر دیا، لہٰذا اس جَارِیَةً کو بھی تمیز کہنا پڑے گا، حالانکہ یہ تو تمیز نہیں ہے یہ تو صفت ہے۔ آپ نے تو ہمیں کیا کہا؟ کہ تمیز وہ ہے جو ذات سے ابہام کو دور کرتی ہے، تو یہاں پر بھی یہ جَارِیَةً یہ صفت ہے لیکن ابہام کو دور کر رہی ہے تو یہ تعریف میں داخل ہو گئی، معلوم ہوا صاحبِ کافیہ کی تعریف دخولِ غیر سے مانع نہیں، اس میں تو صفت بھی داخل ہو رہی ہے، حالانکہ جَارِیَةً تو صفت ہے اس کو تو تعریف سے خارج ہونا چاہیے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو صاحبِ جامی اس کا اب جواب دینے لگے ہیں، وہ فرماتے ہیں کہ نہیں، تعریف میں کوئی کمی نہیں ہے۔ کہ دیکھیے عَیْنًا کے اندر جو ابہام آیا کہتے ہیں وہ ابہام وضع کے اعتبار سے ابہام نہیں ہے، بلکہ استعمال کے اعتبار سے اس میں ابہام آگیا، آپ نے اس کو استعمال کیا اور اس میں ابہام آیا، بھائی کیوں استعمال کی وجہ سے ابہام کیوں آیا؟ کہتے ہیں اس لیے کیونکہ اس کے موضوع لہ متعدد ہیں۔ یوں کہو اس کے کئی معانی آتے تھے اس لیے استعمال کے اندر اس میں ابہام آگیا، وضع کے اعتبار سے کوئی ابہام نہیں۔ جب عَیْن کو وضع کیا گیا سورج کے لیے، توجہ سے دیکھو، جب عَیْن کو وضع کیا گیا سورج کے لیے تو دیکھو عَیْن کا کیا معنیٰ؟ سورج، کوئی ابہام ہے؟ نہیں۔ پھر عَیْن کو وضع کیا گیا پانی کے چشمے کے لیے، اب دیکھو عَیْن کا کیا معنیٰ؟ پانی کا چشمہ، کوئی ابہام نہیں۔ پھر عَیْن کو وضع کیا گیا سونے کے لیے، عَیْن کا کیا معنیٰ بھائی؟ سونا، کوئی ابہام نہیں۔ تو دیکھو وضع کے اعتبار سے کوئی ابہام

نہیں کسی معنیٰ کے اندر، عَیْن کے سب معانی واضح ہیں، لیکن ابہام آیا کس کی وجہ سے؟ اس کے موضوع لہ متعدد ہیں، کہ اس کو مختلف معانی کے لیے الگ الگ وضع کیا گیا، اس کی وجہ سے اب استعمال کے اندر ابہام آگیا۔ تو یہ ابہام وضع کی وجہ سے نہیں ہے بلکہ استعمال میں یہ ابہام آیا ہے، کس کی وجہ سے؟ موضوع لہ کے متعدد ہونے کی وجہ سے ابہام آیا ہے۔ اور ہم نے کیا کہا کہ وہ ابہام کون سا ہونا چاہیے جس کو تمییز دور کرے؟ وہ وضع کے اعتبار سے ہونا چاہیے، استعمال وغیرہ یا کسی اور وجہ سے وہ ابہام نہیں ہونا چاہیے۔

اب صاحبِ جامی پھر آگے بتائیں گے کہ مُسْتَقِرّ کا معنیٰ تو ہے ثابت، وہ ابہام جو ثابت ہو، وہ ابہام جو ثابت ہو وہ تو رَأَیْتُ عَیْنًا اس کے اندر بھی ابہام ثابت ہے، اس میں بھی... تو صاحبِ جامی اس کا جواب دینے لگے ہیں کہ یہ اشکال اس لیے پیش آیا کہ مُسْتَقِرّ کا معنیٰ ہے ثابت، اور آپ نے اس کا وہی معنیٰ کر لیا، وہ ابہام جو ثابت ہو تمییز آکر اس کو دور کرے گی، اور رَأَیْتُ عَیْنًا اس کے اندر بھی ابہام ثابت ہے یا نہیں؟ تو اس میں بھی ابہام ثابت ہے، جس چیز میں بھی ابہام آئے گا وہ ابہام تو ثابت ہے، تو اس میں سارے ابہام دنیا کے داخل ہو گئے۔ تو صاحبِ جامی بتائیں گے نہیں، سارے ابہام یہاں مراد نہیں بلکہ سب سے اعلیٰ درجے کا جو ابہام ہے وہ مراد ہے۔ اور اعلیٰ درجے کا ابہام وہ ہوتا ہے، یا یوں کہو سب سے قوی ابہام جو ہوتا ہے وہ ہے جو وضع کے اعتبار سے ہو۔ باقی ابہام عارضی طور پر کسی وجہ سے آجاتے ہیں جبکہ وضع کے اعتبار سے جو ابہام ہوگا وہ ہر جگہ آئے گا، آپ دنیا کے جس جملے میں بھی اس لفظ کو لائیں گے، جب اس میں وضع کے اعتبار سے ابہام ہے تو ابہام ہی آئے گا، تو تمییز آپ کو لانا ہی پڑے گی۔ جیسے عِشْرُوْنَ کو آپ جہاں بھی استعمال کریں گے وہاں اس کے معدود کا پتا نہیں چلے گا، آپ کو تمییز ساتھ لانا پڑے گی۔ جبکہ باقی ابہام اس درجے کے نہیں۔ معلوم ہوا ایک ابہام وہ ہے جو وضع کے اعتبار سے ہوتا ہے، اسی طرح ایک ابہام وہ ہے جو کبھی استعمال کی وجہ سے ہوتا ہے، یا اسی طرح ایک ابہام وہ ہوتا ہے جو کبھی موضوع لہ کے متعدد ہونے کی وجہ سے ہوتا ہے، اسی طرح کبھی وہ ابہام ہے جو عدمِ شہرت کی وجہ سے ہوتا ہے۔ ابہام مختلف قسم کے ہیں، کوئی تھوڑا ابہام ہے کوئی زیادہ ہے۔ مثلاً دیکھو میں نے کہا جَاءَنِيْ أَبُوْ حَفْصٍ، جَاءَنِيْ أَبُوْ حَفْصٍ عُمَرُ، یاد رکھو یہ أَبُوْ حَفْصٍ یہ کنیت تھی حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی، لیکن اگر صرف یہ کہیں جَاءَنِيْ أَبُوْ حَفْصٍ تو پتا نہیں چلا کون مراد ہیں، ہاں جب آگے عُمَرُ کہا جَاءَنِيْ أَبُوْ حَفْصٍ عُمَرُ اب پتا چل گیا کہ کون مراد ہیں؟ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ تو اب دیکھو أَبُوْ حَفْصٍ میں بھی ابہام ہے اور عُمَرُ نے آکر کیا کیا؟ اس ابہام کو دور کیا، اور یاد رکھو اس کو کہتے ہیں عطفِ بیان۔ کیا کہتے ہیں؟ کہ ایک شخص کی کنیت، دیکھو ایک ہوتی ہے کنیت جس میں أَبٌ یا اِبْنٌ یا أُمٌّ وغیرہ ساتھ ذکر ہوتا ہے، جیسے أَبُوْ یُوْسُفَ یہ کنیت ہے، أَبُوْ حَنِیْفَةَ یہ کنیت ہے، اِبْنُ عَبَّاسٍ رضی اللہ تعالیٰ عنہما یہ کیا ہے اِبْنُ عَبَّاسٍ؟ کنیت ہے، تو کنیت وہ ہے جس کے شروع میں اِبْنٌ یا أَبٌ وغیرہ کا لفظ آتا ہے۔ اور ایک ہوتا ہے عَلَم

بھائی، عَلَم۔ تو عرب یہ کنیت بڑی کثرت سے استعمال کرتے تھے، تو یہ بھی عَلَم کی طرح ہی ہوتا ہے، کس کی طرح؟ عَلَم کی طرح ہی ہوتا ہے، اس سے اس آدمی کا فوراً پتا چل جاتا ہے۔ جیسے دیکھو کنیت میں کہتا ہوں قَالَ أَبُوْ حَنِيْفَةَ رحمہ اللہ، آپ کو پتا چل گیا یا نہیں کہ یہ امامِ اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ مراد ہیں؟ تو کنیت بھی عَلَم کی طرح مشہور ہوتی ہے، لیکن بعض اوقات ایک ہوتی ہے کنیت اور ایک ہوتا ہے عَلَم، ایک چیز زیادہ مشہور ہے دوسری چیز زیادہ مشہور نہیں، تو اس کی وجہ سے اس میں ابہام آجاتا ہے، تو ساتھ دوسری چیز کو بھی جب ذکر کر دیا جائے تو پھر وہ ابہام دور ہو جاتا ہے۔ جیسے أَبُوْ حَفْصٍ یہ کنیت ہے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی، عُمَرُ ان کا نام ہے، لیکن عُمَرُ نام زیادہ مشہور ہے اور أَبُوْ حَفْصٍ زیادہ مشہور نہیں، لیکن جب دونوں کو اکٹھا استعمال کر لیا گیا تو وہ ابہام ختم ہو گیا۔ قَالَ أَبُوْ حَفْصٍ عُمَرُ، یہ جو عُمَرُ ہے یہ عطفِ بیان ہے کس کے لیے؟ أَبُوْ حَفْصٍ کے لیے۔ یاد رکھو یہ جو أَبُوْ حَفْصٍ ہے اس کے اندر کوئی ابہام نہیں، یہ تو کنیت ہے ان کی، جیسے نام میں ابہام نہیں ہوتا کنیت میں بھی ابہام نہیں، لیکن یہاں جو ابہام آیا وہ عارضی طور پر اس لیے آگیا کیونکہ یہ زیادہ مشہور نہیں ہے، یہ زیادہ... ورنہ کنیت میں خود کوئی ابہام نہیں ہوتا، جیسے دیکھو قَالَ أَبُوْ حَنِيْفَةَ یہ مشہور ہے تو دیکھو اس کنیت میں کوئی ابہام نہیں، آپ کی کنیت أَبُوْ حَنِيْفَةَ زیادہ مشہور ہے اور آپ کا نام نُعْمَان ہے وہ اس کے مقابلے میں اتنا مشہور نہیں۔ یا اسی طرح امام ابو یوسف رحمہ اللہ، ان کی کنیت زیادہ مشہور ہے نام زیادہ مشہور نہیں، ان کا نام یعقوب ہے بھائی، امام ابو یوسف رحمہ اللہ کا نام کیا ہے؟ یعقوب ہے، لیکن آپ کنیت سے زیادہ مشہور ہیں۔ تو معلوم ہوا کہ بعض اوقات کنیت یا نام میں ابہام ہوتا ہے اور آگے پھر عطفِ بیان لا کر اس ابہام کو کیا کر دیا جاتا ہے؟ دور کر دیا جاتا ہے۔ یعنی دونوں کے ملنے سے ابہام دور ہونا چاہیے، بلکہ دونوں کے میں سے بعد والے کا زیادہ مشہور ہونا بھی ضروری نہیں، ہاں دونوں کے ملنے سے ابہام دور ہونا چاہیے۔ مثلاً آپ کے دو ساتھی ہیں، ایک کا نام زید ہے اور ایک کا نام عمرو، اور دونوں کی کنیت فرض کرو أَبُوْ خَالِدٍ ہے، تو اب جب میں نے کہا جَاءَنِيْ أَبُوْ خَالِدٍ کچھ پتا چلا آپ کو؟ نہیں، کیونکہ دونوں کی کنیت أَبُوْ خَالِدٍ ہے، ہاں جب آگے میں زَيْدٌ کہہ دوں گا یا عَمْرٌو کہہ دوں گا تو اب ابہام دور ہو جائے گا، پتا چل جائے گا وہ والا أَبُوْ خَالِدٍ مراد ہے جس کا نام زید ہے۔ تو یہ ہے عطفِ بیان بھائی۔ تو عطفِ بیان اپنے متبوع کی وضاحت کرتا ہے، اس میں کچھ خفا ہوتا ہے کچھ پوشیدگی ہوتی ہے، عطفِ بیان آکر اس ابہام کو دور کر دیتا ہے۔ تو دیکھو اب یہاں پر بھی مثلاً قَالَ أَبُوْ حَفْصٍ عُمَرُ، یہ أَبُوْ حَفْصٍ کے اندر ابہام ہے لیکن یہ ابہام کس وجہ سے ہے؟ یہ أَبُوْ حَفْصٍ میں یہ ابہام جو ہے اس کی وضع کے اعتبار سے نہیں ہے، أَبُوْ حَفْصٍ بھی اسی ذات کے لیے وضع ہے جس ذات کے لیے عُمَرُ وضع ہے، صرف اس میں جو ابہام آیا کچھ خفا آیا کس وجہ سے آیا؟ مشہور نہ ہونے کی وجہ سے۔ تو معلوم ہوا ابہام کئی قسم کا ہو سکتا ہے، کبھی ابہام ہوگا وضع کے

اعتبار سے، کبھی ابہام آجائے گا استعمال کے اعتبار سے، کبھی ابہام آجائے گا موضوع لہ کے متعدد ہونے کی وجہ سے، کبھی ابہام آئے گا مشہور نہ ہونے کی وجہ سے، لیکن ہر ایک کے درجے مختلف ہیں۔ تو یہاں پر جب آیا الْمُسْتَقِرَّ وہ ابہام جو ثابت ہو، وہ ابہام ثابت ہو، تو وہ ابہام جو موضوع لہ کے اعتبار سے ہے وہ بھی ثابت ہے، وہ ابہام جو استعمال کے اعتبار سے ہے وہ بھی ثابت ہے، وہ ابہام جو موضوع لہ کے متعدد ہونے کے اعتبار سے ہے وہ بھی ثابت ہے، وہ ابہام جو عدمِ شہرت کی وجہ سے ہے وہ بھی ثابت ہے، تو ہیں تو سارے ثابت لیکن بعض میں ابہام کا ثبوت کم درجے کا ہے اور بعض میں ابہام کا ثبوت اعلیٰ درجے کا ہے، تو سب سے اعلیٰ درجے کے ابہام کا ثبوت کس میں ہے؟ جس میں باعتبار وضع کے ابہام ہو۔ تو اس لیے الْمُسْتَقِرَّ سے مراد ابہامِ وضعی ہے بھائی، بات سمجھ میں آگئی؟ کیونکہ وہ کامل درجے کا ہے۔ تو ابہامِ مستقر سے کون سا ابہام مراد ہوا؟ وہ وضع کے اعتبار سے ہو، اور یہ عَيْنًا کے اندر جو ابہام آیا یہ وضع کے اعتبار سے تھا یا استعمال کے اعتبار سے آیا؟ استعمال کے اعتبار سے کیونکہ اس کے موضوع لہ متعدد ہیں، لہٰذا یہ جَارِيَةً اس تعریف میں داخل نہیں، کیونکہ عَيْنًا میں جو ابہام تھا وہ وضع کے اعتبار سے نہیں اور ہم نے کیا کہا وہ ابہام کون سا ہونا چاہیے؟ وضع کے اعتبار سے ہونا چاہیے۔

دیکھیے بھائی، کہتے ہیں: فَإِنَّ الْمُسْتَقِرَّ وَإِنْ كَانَ بِحَسَبِ اللُّغَةِ هُوَ الثَّابِتُ مُطْلَقًا، کہ مُسْتَقِرّ جو ہے وہ اگرچہ عربی زبان کے اعتبار سے هُوَ الثَّابِتُ مُطْلَقًا وہ ہے جو مطلقاً ثابت ہو، لٰكِنَّ الْمُطْلَقَ مُنْصَرِفٌ إِلَى الْكَامِلِ، لیکن مطلق جو ہے وہ لوٹتا ہے کامل کی طرف وَهُوَ الْوَضْعِيُّ اور کامل ابہام کون سا ہے؟ وضعی ہے جو وضع کے اعتبار سے ہو۔ وَاحْتَرَزَ بِهِ عَنْ نَحْوِ رَأَيْتُ عَيْنًا جَارِيَةً، اور اس کے ذریعے، یہ جو مُسْتَقِرّ کا لفظ صاحبِ کافیہ لے کر آئے، اس قید کے ذریعے احتراز کیا رَأَيْتُ عَيْنًا جَارِيَةً جیسی مثالوں سے۔ فَإِنَّ قَوْلَهُ جَارِيَةً، اس لیے کیونکہ یہ کسی کہنے والے کا قول جَارِيَةً جو ہے يَرْفَعُ الْإِبْهَامَ عَنْ قَوْلِهِ عَيْنًا، یہ ابہام کو دور کر دیتا ہے اس کے قول عَيْنًا سے، لٰكِنَّهُ غَيْرُ مُسْتَقِرٍّ بِحَسَبِ الْوَضْعِ، لیکن یہ جو ابہام ہے یہ غیرِ مستقر ہے وضع کے اعتبار سے، یعنی وضع کے اعتبار سے نہیں ثابت بلکہ یہ، یہ تو عارضی طور پر ثابت ہوا ہے۔ تو کہتے ہیں لٰكِنَّهُ غَيْرُ مُسْتَقِرٍّ بِحَسَبِ الْوَضْعِ، لیکن یہ ابہام وضع کے اعتبار سے ثابت نہیں ہے، بَلْ نَشَأَ فِي الْاِسْتِعْمَالِ بِاعْتِبَارِ تَعَدُّدِ الْمَوْضُوْعِ لَهُ، بلکہ یہ ابہام پیدا ہوا استعمال میں باعتبار موضوع لہ کے متعدد ہونے کے۔

جی آگے دیکھیے بھائی، کہتے ہیں: وَكَذَا يَقَعُ بِهِ الْاِحْتِرَازُ عَنْ أَوْصَافِ الْمُبْهَمَاتِ، اور اسی طرح کہتے ہیں یہ جو مُسْتَقِرّ کی قید لگائی صاحبِ کافیہ نے اس کے ذریعے احتراز ہو گیا مبہمات کے اوصاف سے بھی۔ مبہمات کے جو اوصاف آتے ہیں ان سے بھی احتراز ہوا نَحْوُ هٰذَا الرَّجُلُ جیسے کہ هٰذَا الرَّجُلُ۔ دیکھو یاد رکھو یہ جو اسمِ اشارہ ہے اس کے لیے ہمیشہ مشارٌ الیہ چاہیے اور وہ مشارٌ الیہ کبھی لفظوں میں ذکر ہوگا اور کبھی اس کی طرف اشارۂ حسیہ کیا جائے گا، مثلاً جیسے دیکھو یہاں پر هٰذَا الرَّجُلُ،

هٰذَا اسمِ اشارہ یہ ہے موصوف اور الرَّجُلُ اس کی صفت ہے، یہ ہے اس کا مشارٌ الیہ۔ یہ الرَّجُلُ آیا تو پتا چلا کہ هٰذَا سے کون مراد ہے؟ یہ الرَّجُلُ مراد ہے۔ توجہ ہے؟ تو هٰذَا اسمِ اشارہ کس میں سے ہے؟ مبہمات میں سے ہے، اور اس کے لیے ہمیشہ مشارٌ الیہ چاہیے کیونکہ هٰذَا آپ ہر قریب والی مذکر چیز کے لیے استعمال کر سکتے ہیں، هٰذَا کے ذریعے آپ کتاب کی طرف بھی اشارہ کر سکتے ہیں، هٰذَا کے ذریعے آپ قلم کی طرف بھی اشارہ کر سکتے ہیں، هٰذَا کے ذریعے آپ کسی طالبِ علم کی طرف بھی اشارہ کر سکتے ہیں، تو صرف هٰذَا کہیں گے تو پتا نہیں چلے گا کہ اس سے کون مراد ہے۔ تو پھر آگے مشارٌ الیہ چاہیے، وہ پھر وہ مشارٌ الیہ کا پتا دو چیزوں سے چل سکتا ہے، یا تو لفظوں کے اندر ہی مشارٌ الیہ ذکر کر دیا جائے جیسے هٰذَا الْكِتَابُ، دیکھو یہ هٰذَا کے بعد میں الْكِتَابُ لے آیا پتا چل گیا هٰذَا سے اشارہ کس کی طرف ہے؟ کتاب کی طرف، اور یا پھر اس کی طرف اشارۂ حسیہ کیا جاتا ہے یعنی ہاتھ سے اشارہ کر دیتے ہیں، مثلاً میں آپ سے کہتا، میں اپنی اس کتاب کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہتا ہوں هٰذَا، آپ سمجھ گئے کہ هٰذَا سے کیا مراد ہے؟ یہ کتاب مراد ہے، کیونکہ لفظ تو میں نے الْكِتَابُ بے شک نہیں کہا لیکن اشارۂ حسیہ ہے، آنکھوں سے آپ کو نظر آرہا ہے اس کی طرف اشارہ کیا جا رہا ہے۔ یا مثلاً میرے سامنے قلم پڑا ہے، میں اس کی طرف اشارہ کر کے کہتا ہوں هٰذَا، آپ سمجھ گئے کہ هٰذَا سے کیا مراد ہے؟ قلم مراد ہے۔ تو هٰذَا مبہم ہے اسمِ اشارہ ہے اس کے لیے ہمیشہ کیا چاہیے؟ مشارٌ الیہ چاہیے، اور وہ مشارٌ الیہ کبھی لفظوں میں لاتے ہیں اور اس اسمِ اشارہ کے لیے صفت بناتے ہیں، اور کبھی مشارٌ الیہ کی طرف اشارۂ حسیہ کیا جاتا ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو معلوم ہوا کہ اسمِ اشارہ کے بعد اگر کوئی معرفہ آجائے تو وہ عموماً اس کا مشارٌ الیہ ہوتا ہے، جیسے هٰذَا الرَّجُلُ، هٰذَا کے بعد کیا لے آئے؟ الرَّجُلُ، یہ اس کی صفت ہے بھائی۔ اب دیکھو یہ جو هٰذَا ہے اس کے اندر ابہام تھا کہ اس کا مشارٌ الیہ کیا ہے؟ آگے الرَّجُلُ نے آکر اس ابہام کو دور کر دیا۔ تو صاحبِ جامی فرماتے ہیں کہ یہاں دیکھو هٰذَا موصوف ہے الرَّجُلُ اس کی صفت ہے، اور یہ صفت هٰذَا سے ابہام کو دور کر رہی ہے، تو لہٰذا یہ تعریف کے اندر داخل ہو رہی تھی۔ تمییز بھی کسے کہتے ہیں؟ جو ابہام کو دور کرے، اور یہ هٰذَا الرَّجُلُ اس کے اندر یہ جو الرَّجُلُ صفت آئی یہ بھی اسمِ اشارہ سے ابہام کو دور کر رہا ہے، تو لہٰذا یہ صفت جو ہے مبہمات کی، یہ بھی تعریف میں داخل ہو رہی تھی، لیکن صاحبِ کافیہ نے جب الْمُسْتَقِرَّ کی قید لگائی کہ وہ ابہام وضع کے اعتبار سے ہونا چاہیے، تو یہ مبہمات کے اوصاف بھی تمییز کی تعریف سے نکل گئے۔ بھائی کس طرح نکلے؟ بھائی دیکھیے یاد رکھو یہ جو مبہمات ہیں ان کے بارے میں دو مذاہب ہیں، ایک مذہب ہے متقدمین کا یعنی وہ علماء جو پہلے گزرے ہیں، ایک مذہب ہے متأخرین کا یعنی جو بعد والے علماء ہیں۔ متقدمین فرماتے ہیں کہ یہ جو مبہمات ہیں ان کو مفہومِ کلی کے لیے وضع کیا گیا ہے، کس کے لیے؟ مفہومِ کلی کے لیے وضع کیا گیا ہے، لیکن بایں شرط کہ ان کو جزئیات میں استعمال کیا جائے گا۔ یعنی یوں کہو وضع ہے مفہومِ کلی کے لیے اور استعمال ہمیشہ جزئیات میں ہوتے ہیں۔ آپ جب بھی هٰذَا کا اشارہ کریں گے کسی

متعین چیز کی طرف کریں گے اور وہ جزئی ہوگی۔ تو ھٰذَا کو اصل میں وضع کیا گیا ایک مفہومِ کلی کے لیے لیکن بشرطِ استعمال فی الجزئیات کہ اس کو استعمال ہمیشہ جزئیات میں ہی کیا جاتا ہے۔ مثلاً کس مفہومِ کلی کے لیے وضع کیا گیا ھٰذَا کو؟ تو یاد رکھنا ھٰذَا کو وضع کیا گیا ہے ہر اس چیز کے لیے جو مفرد ہو، مذکر ہو، مبصر ہو یعنی آنکھوں سے دکھائی دے، اور نیز قریب ہو۔ ھٰذَا کو وضع کیا گیا ہے کس کے لیے؟ ہر مفرد، مذکر، مبصر اور قریب والی چیز کے لیے۔ پھر دہراؤ ھٰذَا کو کس کے لیے وضع کیا گیا؟ ہر مفرد، مذکر، مبصر، قریب والی چیز کے لیے۔ دیکھو میں شروع میں ہر کا لفظ لا رہا ہوں، دیکھو معلوم ہوا یہ معنیٰ کلی ہے۔ کلی کسے کہتے ہیں؟ جو کثیرین پر صادق آئے، اور جزئی کسے کہتے ہیں؟ جو کثیرین پر صادق نہ آئے۔ انسان، انسان کلی ہے، یہ زید پر بھی صادق آتا ہے، عمرو پر بھی، بکر پر بھی، خالد، یہ سب کیا ہیں؟ انسان، تو یہ ہے کلی۔ توجہ ہے؟ اور خود زید یہ جزئی ہے، زید صرف ذاتِ زید پر ہی صادق آتا ہے کسی اور پر نہیں، تو عمرو، بکر، زید، خالد یہ سب جزئیات ہیں۔ عمرو بولو تو عمرو پر ہی یہ صادق آتا ہے، بکر کا لفظ کہو تو بکر پر ہی یہ صادق آتا ہے۔ تو کلی کسے کہتے ہیں؟ جو کثیرین پر صادق آئے، اور جزئی کسے کہتے ہیں؟ جو کثیرین پر صادق نہ آئے۔ تو یہ جو مبہمات ہیں مثلاً جیسے اسمائے اشارہ، متقدمین فرماتے ہیں ان کو مفہومِ کلی کے لیے وضع کیا گیا لیکن یہ استعمال ہمیشہ کس میں ہوں گے؟ جزئیات میں، آپ جب بھی ھٰذَا کا اشارہ کریں گے تو کسی متعین چیز کی طرف اشارہ کریں گے۔ تو وضع کس کے لیے؟ مفہومِ کلی، کس مفہومِ کلی کے لیے وضع ہے؟ ہر وہ چیز جو مفرد ہو، مذکر ہو، مبصر ہو اور قریب ہو، اور اس میں کوئی ابہام ہے؟ اس میں کوئی ابہام ہے؟ ہر وہ چیز جو مفرد ہو، مذکر ہو، مبصر ہو اور قریب، اس میں تو کوئی ابہام نہیں۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو اسمائے اشارہ کو کس کے لیے وضع کیا گیا؟ مفہومِ کلی کے لیے، اور اس مفہومِ کلی میں باعتبارِ وضع کے کوئی ابہام نہیں، اور استعمال کس میں کرتے ہیں؟ جزئیات میں استعمال کرتے ہیں۔ توجہ ہے؟ اب جب میں مثلاً میں کہتا ہوں ھٰذَا، توجہ سے، ھٰذَا، کچھ پتا چلا کون مراد ہے ھٰذَا سے؟ نہیں، تو آپ کو پتا نہیں چلا، اب میں نے کہا الْكِتَابُ، أَيْ هٰذَا الْكِتَابُ، اب آپ کو پتا چل گیا کہ ھٰذَا سے کیا مراد ہے؟ کتاب۔ تو صفت نے آکر ھٰذَا سے ابہام کو دور کر دیا۔ تو یہ ابہام جو ھٰذَا کے اندر تھا، توجہ ہے؟ یہ ھٰذَا کے اندر جو ابہام تھا، یہ وضع کے اعتبار سے کوئی ابہام نہیں۔ وضع تو یہ ایک مفہومِ کلی کے لیے وضع ہے اور اس مفہوم میں کسی قسم کا کوئی ابہام نہیں، یہاں جو ابہام آیا وہ اس وجہ سے آیا کہ یہ جن جزئیات میں استعمال ہوتا ہے وہ بہت زیادہ ہیں، یعنی وہ جو مستعمل فیہ ہیں جن کے بارے میں اس لفظ کو استعمال کیا جاتا ہے تو وہ مستعمل فیہ میں تعدد ہے وہ بہت زیادہ ہیں، اس وجہ سے اس میں ابہام ہے جب تک آپ وہ صفت نہیں لائیں گے وہ ابہام دور نہیں ہوگا۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو صرف ھٰذَا کہنے سے مشارٌ الیہ کا پتا نہیں چلے گا جب تک آپ آگے لفظوں میں اس کی صفت نہیں لائیں گے، تو یہ جو ھٰذَا میں ابہام ہے یہ کس اعتبار سے ہے؟ وضع کے اعتبار سے ہے یا تعددِ مستعمل فیہ کی وجہ سے ہے؟ تعددِ مستعمل فیہ کی وجہ سے اس میں ابہام آیا، کیونکہ ھٰذَا کا لفظ آپ اس کتاب

کے لیے بھی استعمال کر سکتے ہیں، اس قلم کے لیے بھی استعمال کر سکتے ہیں، اس آدمی کے لیے بھی، اس طالبِ علم کے لیے بھی، ہر ایک کے لیے آپ استعمال کر سکتے ہیں۔ تو یہاں جو ھٰذَا میں ابہام آیا وہ وضع کے اعتبار سے نہیں، وضع تو ایک مفہومِ کلی کے لیے وضع ہے اور وہ مفہومِ کلی کیا؟ کہ وہ مفرد ہو، مذکر ہو، مبصر ہو اور قریب ہو، اس میں تو کوئی ابہام نہیں۔ تو یہاں ابہام کس وجہ سے آیا؟ کہ وہ جو مستعمل فیہ ہے وہ متعدد ہیں، ان میں تعدد ہے اس لیے ابہام آگیا۔

تو معلوم ہوا یہ باعتبار وضع کے ابہام نہیں ہے، یہ باعتبار استعمال کے اس میں کیا آرہا ہے؟ ابہام آرہا ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ جبکہ اسی کے بارے میں، یہ ھٰذَا وغیرہ کے بارے میں متأخرین علماء کا مذہب یہ ہے کہ ھٰذَا جو ہے اس کو ہر ہر جزئی کے لیے الگ وضع کیا جاتا ہے۔ ہاں آپ نے جب کتاب کی طرف اشارہ کیا ھٰذَا تو آپ نے ھٰذَا کو اس کتاب کے لیے وضع کر دیا، آپ نے جب قلم کی طرف اشارہ کیا تو آپ نے ھٰذَا کو اس قلم کے لیے وضع کر دیا۔ توجہ ہے؟ متأخرین کیا فرماتے ہیں؟ کہ یہ جو مبہمات ہیں یہ ہر ہر جزئی کے لیے الگ وضع ہیں۔ آپ کتاب کی طرف اشارہ کر کے کہیں ھٰذَا تو گویا آپ نے اس کتاب کے لیے لفظِ ھٰذَا کو وضع کر دیا، آپ قلم کی طرف اشارہ کر کے کہیں تو آپ نے قلم کے لیے لفظِ ھٰذَا کو وضع کر دیا، اس کا موضوع لہ یہ قلم ہے، کتاب کی طرف اشارہ کیا تو ھٰذَا کا موضوع لہ کتاب ہے، آپ رَجُل کی طرف اشارہ کر کے کہتے ہیں ھٰذَا الرَّجُلُ تو آپ نے ھٰذَا کا لفظ اس رَجُل کے لیے وضع کر دیا۔ توجہ ہے؟ متقدمین کے نزدیک ھٰذَا کا لفظ مفہومِ کلی کے لیے وضع تھا، اس کا موضوع لہ وہ مفہومِ کلی تھا البتہ استعمال جزئیات میں ہوتا تھا، جبکہ متأخرین فرماتے ہیں نہیں، یہ ہر ہر جزئی کے لیے الگ آپ وضع کرتے ہیں، جہاں آپ نے استعمال کرنا ہو گویا آپ نے اس جزئی کے لیے اس لفظ کو وضع کر دیا، وہ جزئی اس کا موضوع لہ ہے۔ ہاں، وضع کرتے ہوئے اس مفہومِ کلی کو آپ نے ملحوظ رکھنا ہے۔ آپ نے... وہ مفہومِ کلی۔ متقدمین نے تو کیا کہا تھا؟ ھٰذَا کا لفظ وضع ہی کس کے لیے ہے؟ وضع ہی مفہومِ کلی کے لیے ہے، استعمال کس میں ہو رہا ہے؟ جزئیات میں۔ لیکن متأخرین فرماتے ہیں کہ یہ مفہومِ کلی کے لیے وضع نہیں ہے، مفہومِ کلی کو مدِ نظر رکھا، اس کو ملحوظ رکھا، اس کو یوں کہیں آلہ بنایا، آلہ، اور پھر اس کو ہر ہر جزئی کے لیے الگ وضع کرتے گئے، یعنی اس مفہومِ کلی کو آلہ بنایا، جس چیز میں وہ مفہومِ کلی ہے اس کے لیے آپ ھٰذَا وضع کرتے گئے۔ مفہومِ کلی کیا تھا؟ ہر مفرد، مذکر، مبصر اور قریب۔ تو یہ جو مفہومِ کلی ہے اس کو میں نے مدِ نظر رکھا، اس کو میں نے آلہ بنایا، میں نے دیکھا یہ کتاب میرے قریب پڑی ہے یہ مفہومِ کلی اس پر صادق آرہا ہے، یہ مفہومِ کلی... یہ قریب بھی ہے، مفرد بھی ہے، مذکر بھی ہے، مبصر بھی ہے، تو اب میں نے اس کے لیے ھٰذَا کا لفظ وضع کر دیا۔ اب میں قلم کے لیے ھٰذَا کا لفظ وضع کرنا چاہتا ہوں، اس کے اندر بھی وہ والا مفہومِ کلی پایا جا رہا ہے، تو میں نے اس قلم کے لیے ھٰذَا کا لفظ وضع کر دیا۔ میں الرَّجُلُ کے لیے ھٰذَا کا لفظ وضع کرنا چاہتا ہوں، تو میں نے دیکھا کہ اس رَجُل کے اندر بھی یہ ساری صفات موجود ہیں، تو اس کے لیے بھی میں نے ھٰذَا کا لفظ وضع کر دیا۔ تو متأخرین کے نزدیک ھٰذَا کا لفظ ہر ہر جزئی کے لیے الگ وضع ہے، ہاں صرف اس مفہومِ کلی کو مدِ نظر رکھا، کہ اگر کوئی

عورت ہو تو میں هٰذَا نہیں کہہ سکتا، کیوں؟ کیونکہ اس پر وہ مفہومِ کلی صادق نہیں آرہا۔ توجہ ہے؟ متأخرین کیا فرماتے ہیں؟ کہ هٰذَا کا لفظ ہر ہر جزئی کے لیے الگ وضع ہے، جس جزئی کے لیے بھی آپ استعمال کریں وہ ہے اس کا موضوع لہ، البتہ وضع کرتے وقت اس مفہومِ کلی کو بھی مدِ نظر رکھنا پڑے گا، یعنی اس کو آلہ بنائیں گے، جو ان شرائط پہ پورا اترے اس کے لیے آپ هٰذَا کا لفظ وضع کرتے جائیں بھائی۔ تو معلوم ہوا متأخرین کے نزدیک هٰذَا کے موضوع لہ متعدد ہو گئے، هٰذَا کے موضوع لہ متعدد ہو گئے، کتاب کی طرف اشارہ کیا تو یہ اس کا موضوع لہ، قلم کی طرف اشارہ کیا تو وہ اس کا موضوع لہ، رَجُل کی طرف اشارہ کیا تو وہ اس کا موضوع لہ، لیکن وہ معنیٰ کلی کو ملحوظ رکھنا ہے، جس میں وہ چیزیں پوری ہوں گی اسی کے لیے آپ هٰذَا وضع کر سکتے ہیں۔ تو متقدمین کیا فرماتے ہیں؟ کہ هٰذَا کا لفظ مفہومِ کلی کے لیے وضع ہے، اس کا موضوع لہ کلی ہے البتہ جزئیات میں یہ استعمال ہوتا ہے اور جزئیات میں تعدد ہے بہت ساری ہیں، تو اس وجہ سے اس میں ابہام آجاتا ہے کہ تعددِ مستعمل فیہ ہے، اور جبکہ متأخرین کیا فرماتے ہیں؟ کہ اس کے موضوع لہ متعدد ہیں، جس کے لیے آپ استعمال کریں گے وہ اس کا موضوع لہ بن جائے گا، تو گویا یہاں تعددِ موضوع لہ آگیا۔ متقدمین کے نزدیک تعددِ مستعمل فیہ آیا اور متأخرین کے نزدیک تعددِ موضوع لہ آیا، تو اس لیے ابہام آگیا۔ توجہ ہے؟ بات سمجھ میں آگئی؟ تو لہٰذا جب صاحبِ کافیہ نے قید لگا دی کہ وہ ابہام مستقر ہونا چاہیے، وضع کے اعتبار سے ہونا چاہیے، تو مبہمات کے اوصاف بھی نکل گئے۔ متقدمین کے مذہب پر بھی وہ داخل نہیں اور متأخرین کے مذہب پر بھی وہ داخل نہیں۔ متقدمین کے مذہب کے مطابق هٰذَا الرَّجُلُ یہ هٰذَا کے اندر ابہام تھا الرَّجُلُ نے اس ابہام کو دور کیا، لیکن یہ ابہام کیوں آیا؟ وضع کے اعتبار سے یا تعددِ مستعمل فیہ کی وجہ سے؟ تعددِ مستعمل فیہ کی وجہ سے اس میں ابہام آیا۔ اور متأخرین کے نزدیک هٰذَا کے اندر ابہام تھا الرَّجُلُ نے اس ابہام کو دور کیا، لیکن هٰذَا کے اندر جو ابہام آیا ہے وہ وضع کے اعتبار سے ہے یا تعددِ موضوع لہ کے اعتبار سے ہے؟ تعددِ موضوع لہ کے اعتبار سے، کیونکہ متأخرین تو فرماتے ہیں جس کے لیے استعمال کرو تو گویا آپ نے اس کے لیے وہ وضع کر دیا وہ اس کا موضوع لہ ہے۔ تو یہاں معلوم ہوا مبہمات کی بھی صفت لائی جاتی ہے اور وہ صفت ابہام کو دور کرتی ہے، لیکن مبہمات کے اندر جو ابہام ہوتا ہے وہ وضع کے اعتبار سے نہیں، بلکہ یا تو تعددِ موضوع لہ کی وجہ سے ہوتا ہے جیسے متأخرین کا مذہب ہے، یا تعددِ مستعمل فیہ کی وجہ سے ہوتا ہے جیسا کہ متقدمین کا مذہب ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟

اب دیکھیے کتاب پر بھائی۔ کہتے ہیں: وَكَذَا يَقَعُ بِهِ الْاِحْتِرَازُ عَنْ أَوْصَافِ الْمُبْهَمَاتِ، اور اسی طرح یہ جو الْمُسْتَقِرَّ کی قید آئی اس کے ذریعے احتراز ہو گیا مبہمات کے اوصاف سے بھی نَحْوُ هٰذَا الرَّجُلُ جیسے کہ هٰذَا الرَّجُلُ۔ فَإِنَّ هٰذَا مَثَلًا، اس لیے کیونکہ هٰذَا کا لفظ مثال کے طور پر إِمَّا مَوْضُوْعٌ لِمَفْهُوْمٍ كُلِّيٍّ بِشَرْطِ اسْتِعْمَالِهِ فِيْ جُزْئِيَّاتِهِ اس کو وضع کیا گیا ہے ایک مفہومِ کلی کے لیے بایں شرط کہ اس کو استعمال کیا جائے گا اس مفہومِ کلی کی جزئیات میں۔ کلی تو جانتے ہو؟ انسان کیا ہے؟ کلی ہے، اور زید، عمرو، بکر کیا ہیں اس کی؟ جزئیات۔ تو متقدمین کیا فرماتے ہیں؟ کہ هٰذَا کا لفظ وضع ہے مفہومِ کلی کے لیے لیکن

استعمال کس میں ہوگا؟ جزئیات میں۔ دیکھیے پھر ترجمہ، کہتے ہیں: فَإِنَّ هٰذَا مَثَلًا کہتے ہیں اس لیے کیونکہ هٰذَا کا لفظ مثال کے طور پر إِمَّا مَوْضُوْعٌ لِمَفْهُوْمٍ كُلِّيٍّ یا تو اس کو وضع کیا گیا ہے ایک مفہومِ کلی کے لیے بِشَرْطِ اسْتِعْمَالِهِ فِيْ جُزْئِيَّاتِهِ بایں شرط کہ اس کا استعمال اس کی جزئیات میں ہوگا، أَوْ لِكُلِّ جُزْئِيٍّ جُزْئِيٍّ مِنْهُ، اس کا عطف ہے لِمَفْهُوْمٍ كُلِّيٍّ پر، کہ هٰذَا کا لفظ مثلاً مثال کے طور پر إِمَّا مَوْضُوْعٌ یہ موضوع ہے لِكُلِّ جُزْئِيٍّ جُزْئِيٍّ مِنْهُ اس کلی کی ایک ایک جزئی کے لیے یعنی ہر ہر جزئی کے لیے موضوع ہے۔ یہ کس کا مذہب ہے؟ متأخرین، وہ کیا فرماتے ہیں؟ کہ هٰذَا کا لفظ ہر ہر جزئی کے لیے الگ وضع ہے، یہی بیان کر رہے ہیں کہ یا تو پھر هٰذَا کا لفظ وضع ہے لِكُلِّ جُزْئِيٍّ جُزْئِيٍّ مِنْهُ اس کلی میں سے ہر ہر جزئی کے لیے یعنی اس کے ہر ہر جزئی کے لیے وضع ہے۔ وَلَا إِبْهَامَ فِيْ هٰذَا الْمَفْهُوْمِ الْكُلِّيِّ، توجہ ہے؟ متقدمین کے نزدیک هٰذَا کا لفظ کس کے لیے وضع؟ مفہومِ کلی کے لیے، اور متأخرین کے نزدیک هٰذَا کا لفظ کس کے لیے وضع؟ ہر ہر جزئی کے لیے۔ نہ تو اس مفہومِ کلی میں کوئی ابہام اور نہ ہر ہر جزئی میں کوئی ابہام ہے، جس کے لیے بھی آپ استعمال کریں گے مثلاً میں نے هٰذَا اس کتاب کی طرف اشارہ کیا تو دیکھو اس کتاب میں تو کوئی ابہام نہیں۔ تو کہتے ہیں وَلَا إِبْهَامَ فِيْ هٰذَا الْمَفْهُوْمِ الْكُلِّيِّ نہ تو کوئی ابہام اس مفہومِ کلی میں ہے وَلَا فِيْ وَاحِدٍ وَاحِدٍ مِنْ جُزْئِيَّاتِهِ اور نہ اس کی جزئیات میں سے ایک ایک میں ہے یعنی کسی میں کوئی ابہام نہیں۔ بَلِ الْإِبْهَامُ إِنَّمَا نَشَأَ مِنْ تَعَدُّدِ الْمَوْضُوْعِ لَهُ أَوِ الْمُسْتَعْمَلِ فِيْهِ، بَلِ الْإِبْهَامُ إِنَّمَا نَشَأَ بلکہ یہ جو ابہام جو ہے یہ پیدا ہوا ہے مِنْ تَعَدُّدِ الْمَوْضُوْعِ لَهُ موضوع لہ کے تعدد سے، یہ کس کے نزدیک؟ متأخرین کے نزدیک، أَوِ الْمُسْتَعْمَلِ فِيْهِ اس کا عطف بھی مَوْضُوْعِ لَهُ پر کریں اور اس پر تَعَدُّد کا لفظ داخل تھا وہ اس پر بھی داخل ہے یعنی أَيْ مِنْ تَعَدُّدِ الْمُسْتَعْمَلِ فِيْهِ یا وہ ابہام پیدا ہوا ہے کس سے؟ مستعمل فیہ کے تعدد کی وجہ سے۔ حاصلِ کلام کیا؟ کہ مبہمات کے جو اوصاف لائے جاتے ہیں وہ اوصاف جو ہیں اس سے ابہام کو دور کرتے ہیں، لیکن یہ ابہام جو ہے وضع کے اعتبار سے نہیں ہے بلکہ یا تو تعددِ موضوع لہ کی وجہ سے پیدا ہوا ہے جیسا کہ متأخرین فرماتے ہیں، یا تعددِ مستعمل فیہ کے اعتبار سے پیدا ہوا ہے جیسا کہ متقدمین فرماتے ہیں۔ تو کہتے ہیں: فَتَوْصِيْفُهُ بِالرَّجُلِ تو اس هٰذَا کو موصوف کرنا رَجُل کے ساتھ يَرْفَعُ هٰذَا الْإِبْهَامَ وہ اس ابہام کو دور کرتا ہے جو تعددِ موضوع لہ یا تعددِ مستعمل فیہ کی وجہ سے پیدا ہوا ہے، تو اس ابہام کو یہ الرَّجُلُ کا لفظ دور کرتا ہے، لَا الْإِبْهَامَ الْوَاقِعَ فِي الْمَوْضُوْعِ لَهُ مِنْ حَيْثُ إِنَّهُ مَوْضُوْعٌ لَهُ نہ کہ اس ابہام کو جو واقع ہو موضوع لہ کے اندر اس حیثیت سے کہ وہ موضوع لہ ہے۔ توجہ ہے؟ پھر سنو۔ کہتے ہیں هٰذَا الرَّجُلُ، هٰذَا کی صفت الرَّجُلُ لائی گئی اور اس الرَّجُلُ نے هٰذَا سے ابہام کو دور کیا، لیکن یہ ابہام جو تھا وہ هٰذَا کے اندر کیوں آیا؟ تعددِ موضوع لہ کی وجہ سے آیا یا تعددِ مستعمل فیہ کی وجہ سے آیا؟ یہ ابہام وضع کی وجہ سے نہیں ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو یہ معنیٰ ہے، دوبارہ دیکھیے: فَتَوْصِيْفُهُ بِالرَّجُلِ يَرْفَعُ هٰذَا الْإِبْهَامَ تو هٰذَا کو موصوف کرنا رَجُل کے ساتھ یہ اس ابہام کو دور کر دیتا ہے جو پیچھے ذکر ہوا، لَا الْإِبْهَامَ الْوَاقِعَ فِي الْمَوْضُوْعِ لَهُ مِنْ حَيْثُ إِنَّهُ مَوْضُوْعٌ لَهُ یہ اس ابہام کو دور نہیں کرتا جو موضوع لہ کے اندر واقع ہو موضوع لہ ہونے کی حیثیت سے، یعنی وضع کے اعتبار سے ہو

اس ابہام کو یہ دور نہیں کرتا۔

وَكَذَا يَقَعُ بِهِ الْاِحْتِرَازُ عَنْ عَطْفِ الْبَيَانِ، اور اسی طرح الْمُسْتَقِرَّ کی قید کے ذریعے احتراز واقع ہو گیا عطفِ بیان سے بھی۔ بھائی یاد رکھو، میں نے مختصراً بتلا دیا تھا آپ کو، مثلاً میں کہتا ہوں قَالَ أَبُوْ حَفْصٍ عُمَرُ، یہ أَبُوْ حَفْصٍ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی کنیت ہے، تو یہ أَبُوْ حَفْصٍ کہا تو ابہام تھا، آگے عُمَرُ نے آکر ابہام کو کیا کر دیا؟ دور کر دیا۔ یہ جو لفظِ عُمَرُ آگے آیا اس کو کہتے ہیں عطفِ بیان، جو پہلے آئے أَبُوْ حَفْصٍ اس کو کہتے ہیں معطوفٌ علیہ اور آگے عُمَرُ کیا ہے؟ عطفِ بیان۔ یہ توابع میں سے ہے، عطفِ بیان پر وہی اعراب آتا ہے جو معطوفٌ علیہ پر ہو، اور یاد رکھنا یہ آگے صاحبِ کافیہ آپ کو بتلائیں گے کہ یہ جو عطفِ بیان ہے یہ اپنے متبوع کی وضاحت کرتا ہے اور صفت کے علاوہ ہوتا ہے، یہ اپنے متبوع کی، جو پہلے آئے وہ ہے متبوع یہ ہے تابع۔ بھائی آپ نے پڑھا ہے نا کچھ چیزیں تابع ہیں ان پر وہی اعراب آتا ہے جو ماقبل پر ہو، صفت پر وہی اعراب آتا ہے جو موصوف پر ہو، معطوف پر وہی اعراب آتا ہے جو معطوفٌ علیہ پر ہو، بدل پر وہی اعراب آتا ہے جو مبدل منہ پر ہو، عطفِ بیان پر وہی اعراب آتا ہے جو معطوفٌ علیہ پر ہو، تاکید پر وہی اعراب آتا ہے جو مؤکد پر ہو، یہ ہیں توابع بھائی، کیا ہیں؟ توابع۔ تو عطفِ بیان ایسا تابع ہے، توجہ سے سنو، عطفِ بیان ایسا تابع ہے جو اپنے متبوع کی وضاحت کرتا ہے لیکن یہ صفت کے علاوہ ہوتا ہے۔ صفت بھی اپنے متبوع کی وضاحت کرتی ہے جَاءَنِيْ زَيْدٌ الْعَالِمُ، زَيْدٌ موصوف الْعَالِمُ صفت، اس زَيْدٌ کے اندر احتمال تھا پتا نہیں عالم ہے یا عالم نہیں، صفت نے الْعَالِمُ نے آکر اس کی وضاحت کر دی، ابہام کو دور کر دیا۔ تو عطفِ بیان بھی کیا کرتا ہے؟ اپنے متبوع کی وضاحت کرتا ہے لیکن صفت کے علاوہ ہوتا ہے، صفت کے علاوہ۔ تو لہٰذا جَاءَنِيْ أَبُوْ حَفْصٍ عُمَرُ، یہ عُمَرُ نے کیا کیا؟ أَبُوْ حَفْصٍ سے ابہام کو دور کیا، لیکن أَبُوْ حَفْصٍ میں جو ابہام تھا وہ کس وجہ سے تھا؟ وہ عدمِ شہرت کی وجہ سے تھا، مشہور نہیں تھے اس وجہ سے ابہام آیا ورنہ تو ویسے فی ذاتہ اس کے اندر کسی قسم کا کوئی ابہام نہیں ہے بھائی۔ تو لہٰذا جب کہا يَرْفَعُ الْإِبْهَامَ الْمُسْتَقِرَّ کہ تمییز اس ابہام کو دور کرے گی جو وضع کے اعتبار سے ہو، تو عطفِ بیان بھی نکل گیا کیونکہ وہ بھی، وہ بھی ابہامِ وضعی کو دور کرنے کے لیے نہیں آتا بھائی۔ تو کہتے ہیں:

وَكَذَا يَقَعُ بِهِ الْاِحْتِرَازُ عَنْ عَطْفِ الْبَيَانِ اور کہتے ہیں اسی طرح اس قید کے ذریعے احتراز ہو گیا عطفِ بیان سے بھی، فِيْ مِثْلِ قَوْلِكَ أَبُوْ حَفْصٍ عُمَرُ جیسے کہ آپ کا یہ قول ہے أَبُوْ حَفْصٍ عُمَرُ اس کے اندر جو عطفِ بیان ہے اس سے بھی احتراز ہو گیا۔ فَإِنَّ كُلَّ وَاحِدٍ مِنْ أَبِيْ حَفْصٍ وَعُمَرَ مَوْضُوْعٌ لِشَخْصٍ مُعَيَّنٍ اس لیے کیونکہ ان دونوں میں سے ہر ایک یعنی أَبُوْ حَفْصٍ اور عُمَرُ جو ہیں مَوْضُوْعٌ ان کو وضع کیا گیا ہے لِشَخْصٍ مُعَيَّنٍ ایک معین شخص کے لیے لَا إِبْهَامَ فِيْهِ جس میں کوئی ابہام نہیں۔ لٰكِنْ لَمَّا كَانَ عُمَرُ أَشْهَرَ لیکن جب یہ عُمَرُ کا نام زیادہ مشہور ہے زَالَ بِذِكْرِهِ الْخَفَاءُ الْوَاقِعُ فِيْ أَبِيْ حَفْصٍ لِعَدَمِ الْاِشْتِهَارِ تو اس عُمَرُ کو ذکر کر دینے کی وجہ سے وہ خفا جو أَبُوْ حَفْصٍ میں واقع ہو رہا تھا عدمِ شہرت کی وجہ سے، وہ خفا جو أَبُوْ حَفْصٍ میں کس وجہ سے ہو رہا تھا؟ عدمِ شہرت کی وجہ سے، تو لفظِ عُمَرُ کے ذکر کر دینے سے وہ زائل ہو گیا۔ توجہ ہے؟ پھر دیکھیے ترجمہ: لٰكِنْ

لَمَّا كَانَ عُمَرُ أَشْهَرَ لیکن جب عُمَرُ کا نام جو ہے وہ زیادہ مشہور ہے، زَالَ بِذِكْرِهِ الْخَفَاءُ الْوَاقِعُ فِيْ أَبِيْ حَفْصٍ تو اس لفظِ عُمَرُ کو ذکر کر دینے کی وجہ سے وہ خفا جو واقع ہو رہا تھا أَبُوْ حَفْصٍ میں وہ زائل ہو گیا، وہ خفا جو أَبُوْ حَفْصٍ میں واقع ہو رہا تھا لِعَدَمِ الْاِشْتِهَارِ مشہور نہ ہونے کی وجہ سے، مشہور نہ ہونے کی وجہ سے أَبُوْ حَفْصٍ میں جو خفا واقع ہو رہا تھا وہ لفظِ عُمَرُ کے ذکر کر دینے سے زائل ہو گیا۔ ترجمہ سمجھ میں آیا؟ پھر دیکھو، ترجمہ آخر سے میں کروں گا۔ زَالَ بِذِكْرِهِ الْخَفَاءُ الْوَاقِعُ فِيْ أَبِيْ حَفْصٍ لِعَدَمِ الْاِشْتِهَارِ کہ عدمِ شہرت کی وجہ سے أَبُوْ حَفْصٍ کے اندر جو خفا واقع ہو رہا تھا وہ عُمَرُ کا لفظ ذکر کرنے سے زائل ہو گیا۔ ترجمہ سمجھ میں آگیا؟ لَا الْإِبْهَامُ الْوَضْعِيُّ، ابہامِ وضعی زائل نہیں ہوا بلکہ وہ خفا کیا ہوا ہے؟ خفا کیا ہوا؟ زائل ہو گیا، یعنی یہ أَبُوْ حَفْصٍ میں ابہام ہے ہی نہیں یوں کہیں، بس تھوڑا خفا تھا تھوڑی پوشیدگی تھی۔ صاحبِ جامی نے اس کے لیے خفا کا لفظ استعمال کیا، ابہام کا لفظ ہی استعمال نہیں کیا، بتلانا یہ چاہتے ہیں کہ أَبُوْ حَفْصٍ میں خفا ہے کچھ پوشیدگی ہے ابہام نہیں ہے اس کے اندر بھائی، کیونکہ یہ اسی معین ذات کے لیے وضع ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ چلیے بس بھائی، ہٰذا ہو المرام واللہ اعلم بحقیقۃ الکلام۔

سبق نمبر ۱۴۹: التمییز (۲): ذاتِ مبہم کی چار قسمیں (عدد، کیل، وزن، مساحت) اور اسمِ تام

شرحِ ملا جامی صفحہ: ۱۳۲ — بتاریخ: ۸ فروری ۲۰۲۲ء

▪ تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث

آگے سبق دیکھیے بھئی: «عَنْ ذَاتٍ لَا عَنْ وَصْفٍ، وَاحْتَرَزَ بِهِ عَنِ النَّعْتِ وَالْحَالِ، فَإِنَّهُمَا يَرْفَعَانِ الْإِبْهَامَ الْمُسْتَقِرَّ الْوَاقِعَ فِي الْوَصْفِ لَا فِي الذَّاتِ، وَتَحْقِيقُ ذَلِكَ أَنَّ الْوَاضِعَ لَمَّا وَضَعَ الرِّطْلَ مَثَلًا لِنِصْفِ مَنٍّ فَلَا شَكَّ أَنَّ الْمَوْضُوعَ لَهُ مَعْنًى مُعَيَّنٌ مُتَمَيِّزٌ عَمَّا هُوَ أَقَلُّ مِنَ النِّصْفِ كَالرُّبْعِ وَعَمَّا هُوَ أَكْثَرُ مِنْهُ كَمَنٍّ وَمَنَّيْنِ».

بھئی گزشتہ سبق میں ہم نے تمیز کے بارے میں پڑھنا شروع کیا تھا بھئی۔ صاحبِ کافیہ نے آپ کو بتلایا کہ تمیز جو ہے وہ ذاتِ مذکورہ یا ذاتِ مقدرہ سے ابہام کو دور کرتی ہے اور وہ ابہام باعتبارِ وضع کے ہونا چاہیے بھئی۔ اور پھر صاحبِ جامی نے تقریر کرتے ہوئے آپ کو بتلایا کہ تمیز کی تعریف میں یہ جو قید آئی کہ وہ ابہام کو دور کرتی ہے، اس کے ذریعے بدل سے احتراز ہو گیا۔ اس لیے کیونکہ بدل جو ہے وہ مبدل منہ سے ابہام کو دور نہیں کرتا، بلکہ بدل میں ترکِ مبہم اور ارادۂ معین ہوتا ہے بھئی۔ یعنی وہ جو ماقبل میں مبہم آیا ہے، یعنی وہ جو مبدل منہ ہے، آگے بدل آکر اس سے ابہام کو دور نہیں کرتا، بلکہ اس مبہم کو چھوڑ کر معین کو لایا جاتا ہے بدل کے اندر بھئی۔

اور پھر صاحبِ جامی نے آپ کو یہ بھی بتلایا تھا کہ مستقر کا معنی ہے ثابت، اور مراد وہ ابہام ہے جو راسخ ہو معنیٰ موضوع لہ کے اندر، موضوع لہ ہونے کے اعتبار سے۔ جیسے میں نے مثال ذکر کی تھی کہ «عِشْرُونَ» کا لفظ جو ہے وہ بیس کے عدد کے لیے وضع ہے، لیکن وضع کے اعتبار سے ہی اس میں ابہام ہے کہ یہ «عِشْرُونَ» سے کیا چیز مراد ہے، وہ معدود کیا ہے جس کو «عِشْرُونَ» کے ذریعے بیان کیا جا رہا ہے؟ وہ درہم ہیں یا دینار ہیں یا کتابیں ہیں یا قلم ہیں یا کوئی اور چیز ہے؟ تو «عِشْرُونَ» کہنے سے پتا نہیں چلتا اس معدود کا۔ «عِشْرُونَ» کی مقدار کا تو پتا چلتا ہے کہ «عِشْرُونَ» انیس سے بڑا اور اکیس سے چھوٹا عدد ہوتا ہے۔ تو مقدار کا تو پتا چل رہا ہے لیکن وہ جو مقدر ہے، وہ جو معدود ہے، اس کا پتا نہیں۔ یعنی یوں کہو «عِشْرُونَ» کی ذات کا پتا نہیں چل رہا کہ اس سے کس چیز کی ذات مراد ہے۔ تو اس ذات میں ابہام تھا، تو آگے تمیز آکر اس ابہام کو دور

کر دیتی ہے۔ مثلاً میں کہتا ہوں «عِنْدِي عِشْرُونَ كِتَابًا» میرے پاس بیس کتابیں ہیں، تو یہ «كِتَابًا» نے آکر «عِشْرُونَ» کی ذات سے ابہام کو دور کر دیا۔

اور پھر صاحبِ جامی نے آپ کو یہ بھی بتلایا تھا کہ مستقر کا معنی تو ہے ثابت، لیکن یہاں اس سے مراد ہے وہ ابہام جو باعتبارِ وضع کے ہو۔ اس لیے کیونکہ مستقر کا معنی ہے ثابت بھئی، مطلقاً جو ثابت ہو۔ اور «الْمُطْلَقُ إِذَا يُطْلَقُ يُرَادُ بِهِ الْفَرْدُ الْكَامِلُ»، جب مطلق بولا جائے اور اس کے جو افراد ہیں ان میں کمی بیشی ہو، تو پھر اس صورت میں اس مطلق سے اس کا فردِ کامل مراد لیا جاتا ہے۔ ابہام جو ہے، ابہام کسی چیز میں کم ہوتا ہے اور کسی چیز میں ابہام زیادہ ہوتا ہے۔ بعض اوقات ابہام وضع کے اعتبار سے ہوگا، بعض اوقات ابہام جو ہے موضوع لہ کے متعدد ہونے کی وجہ سے ہوگا، بعض اوقات ابہام جو ہے وہ استعمال کی وجہ سے پیدا ہو جائے گا، بعض اوقات ابہام جو ہے وہ شہرت نہ ہونے کی وجہ سے ہوگا، تو ابہام کئی طرح کا ہو سکتا ہے۔ کوئی ابہام کم ہے، کوئی ابہام زیادہ ہے۔ لیکن ان میں سب سے زیادہ ابہام، سب سے کامل درجے کا ابہام کس میں ہے؟ وہ ابہام جو وضع کے اعتبار سے ہو۔ جو ابہام وضع کے اعتبار سے ہے تو اس لفظ کو آپ جہاں بھی استعمال کریں گے، ہمیشہ اس میں ابہام رہے گا، ہمیشہ اس میں ابہام رہے گا۔ تو لہٰذا یہاں جب مستقر مطلق بولا تو اس سے مراد اس کا فردِ کامل ہوگا۔ اور اس کا فردِ کامل کیا ہے؟ وہ ابہام جو وضع کے اعتبار سے ہو۔

تو کہتے ہیں یہ جو مستقر کی قید لگا دی، اس کے ذریعے «عَيْنًا جَارِيَةً»، یہ «جَارِيَةً» نے «عَيْنًا» سے ابہام کو دور کیا اور یہ صفت ہے، تو یہ اس تعریف سے نکل گئی۔ کیونکہ «عَيْنًا» کے اندر جو ابہام ہے وہ وضع کے اعتبار سے نہیں ہے، بلکہ استعمال کی وجہ سے یہاں ابہام پیدا ہوا کیونکہ اس کے موضوع لہ متعدد ہیں، اس کو کئی معانی کے لیے وضع کیا گیا ہے۔ اور اسی طرح وہ جو مبہمات کے اوصاف ہیں وہ بھی مستقر کی قید کے ذریعے نکل گئے۔ کیونکہ مبہمات کے بارے میں دو مذہب ہیں۔ ایک مذہب ہے متقدمین کا۔ متقدمین فرماتے ہیں کہ یہ جو اسمائے اشارہ وغیرہ ہیں، ان کو ایک مفہومِ کلی کے لیے وضع کیا جاتا ہے لیکن استعمال ان کو جزئیات میں کیا جاتا ہے۔ تو یہاں دیکھو معنیٰ مستعمل فیہ میں تعدد آجائے گا۔ مفہوم تو ایک ہی ہے ان کا، یہ کس کے لیے وضع ہیں؟ مثلاً «هَذَا» ایک مفہومِ کلی کے لیے، اور وہ مفہومِ کلی کیا ہے؟ مثلاً «هَذَا» وضع ہے ہر مفرد، مذکر، مبصر اور قریب والی چیز کے لیے۔ ہر وہ چیز جو مفرد ہو، مذکر ہو، مبصر ہو یعنی آنکھوں سے دکھائی دے، اور قریب ہو۔ اور اس کے اندر تو کوئی ابہام نہیں ہے۔ دیکھو یہ کتاب ہے، یہ مفرد بھی ہے، مذکر بھی ہے، مبصر بھی ہے، قریب بھی ہے، کوئی ابہام نہیں۔ دوسری چیز دیکھ لیں، قلم میرے قریب پڑا ہے، یہ مفرد بھی ہے، مذکر بھی ہے، مبصر بھی ہے، قریب بھی ہے، تو دیکھو یہ ایک مفہومِ کلی ہے اور یہ مختلف چیزوں پر صادق آتا ہے، تو ان کے لیے پھر اس «هَذَا» کو استعمال کر لیا جاتا ہے۔ تو متقدمین کے نزدیک مثلاً اسمائے اشارہ وغیرہ وہ ایک مفہومِ کلی کے لیے وضع ہیں اور اس مفہومِ

کلی میں کوئی ابہام نہیں، اور یہ البتہ استعمال جزئیات میں ہوتے ہیں کیونکہ کلی کا وجود خارج میں الگ نہیں ہوتا، وہ جزئیات ہی کے ضمن میں پائی جاتی ہے۔ انسان کا خارج میں الگ کوئی وجود نہیں ہے، انسان ہمیشہ یا زید کے ضمن میں ہو گا یا بکر کے ضمن میں یا عمرو کے ضمن میں یا خالد وغیرہ کسی فرد کے ضمن میں یہ انسان والی کلی پائی جائے گی۔ تو متقدمین کا مذہب کیا ہوا؟ کہ یہ جو مبہمات ہیں ان کو وضع کیا گیا ہے ایک مفہومِ کلی کے لیے اور استعمال کس میں ہوتے ہیں؟ جزئیات میں۔ اور جزئیات میں تو تعدد ہے، جزئیات تو بہت زیادہ ہیں۔ تو معلوم ہوا یہاں اب جب آپ صرف «هَذَا» کہیں گے، کیا کہیں گے؟ «هَذَا»، تو پتا نہیں چلے گا کہ «هَذَا» سے کیا مراد ہے، الا یہ کہ آگے آپ اس کی صفت لفظوں میں لے کر آئیں یا اشارۂ حسیہ کریں۔ تو مثلاً میں کہتا ہوں «هَذَا الرَّجُلُ»، اب اس «الرَّجُلُ» نے آکر «هَذَا» کی ذات سے ابہام کو دور کر دیا اور بتلا دیا کہ «هَذَا» سے کیا مراد ہے؟ یہ رجل مراد ہے، کوئی اور چیز مراد نہیں۔ تو «هَذَا» کے اندر ابہام آیا، لیکن یہ ابہام باعتبارِ وضع کے نہیں ہے۔ وضع تو یہ مفہومِ کلی کے لیے ہے اس میں کوئی ابہام نہیں، بلکہ یہاں جو ابہام آیا وہ مستعمل فیہ کے تعدد کی وجہ سے آیا، وہ چیزیں جن کے بارے میں اس لفظ کو استعمال کیا جاتا ہے وہ متعدد ہیں بھئی، تو اس لیے اس میں ابہام آگیا۔

اور جبکہ متاخرین کا مذہب یہ ہے کہ یہ جو اسمائے اشارہ وغیرہ ہیں، ان کو جزئیات کے لیے ہی وضع کیا جاتا ہے۔ البتہ اس مفہومِ کلی کو ملحوظ رکھتے ہیں۔ وہ مفہومِ کلی جس پر صادق آئے گا اس کے لیے اس کو وضع کریں گے، اور جس پر وہ مفہومِ کلی صادق نہیں آئے گا اس کے لیے وضع نہیں کر سکتے۔ مثلاً آپ «هَذَا» کے ذریعے کتاب کی طرف اشارہ کرنا چاہتے ہیں، تو متاخرین فرماتے ہیں وہ مفہومِ کلی کو ملحوظ رکھو۔ مفہومِ کلی کیا تھا؟ مفرد ہو، مذکر ہو، مبصر ہو، قریب ہو۔ اس کتاب میں یہ ساری چیزیں موجود ہیں، یہ سارا معنیٰ اس پر صادق آرہا ہے، تو اس کتاب کے لیے آپ «هَذَا» کا لفظ وضع کر سکتے ہیں۔ قلم آپ کے قریب پڑا ہے، اس پر بھی یہ مفہومِ کلی صادق آرہا ہے، تو اس کے لیے بھی آپ «هَذَا» کا لفظ وضع کر سکتے ہیں۔ لیکن مثلاً آپ کے قریب ایک کاپی پڑی ہے، اور کاپی کو عربی میں کہتے ہیں «كُرَّاسَةٌ»۔ تو یہ «كُرَّاسَةٌ» دیکھو اس کے آخر میں گول تا ہے، یہ لفظ مؤنث ہے۔ تو اب آپ اس کے لیے «هَذَا» کا لفظ وضع کرنا چاہتے ہیں، تو آپ نے دیکھا کہ مفہومِ کلی تو اس پر صادق نہیں آرہا، کیونکہ مفہومِ کلی کیا تھا؟ مفرد ہو، مذکر ہو، اور «كُرَّاسَةٌ» تو کیا ہے؟ مؤنث ہے۔ لہٰذا اس کے لیے آپ «هَذَا» وضع نہیں کر سکتے۔ یا ایک عورت ہے، آپ اس کے لیے «هَذَا» کا لفظ وضع کرنا چاہتے ہیں، آپ دیکھتے ہیں کہ اس پر بھی وہ مفہومِ کلی صادق نہیں آرہا کیونکہ یہ مفرد تو ہے لیکن مذکر نہیں ہے، تو اس کے لیے بھی «هَذَا» وضع نہیں کر سکتے۔ تو متقدمین کیا فرماتے ہیں؟ کہ جو مبہمات وغیرہ ہیں اسمائے اشارہ، ضمیریں، اسمائے موصولہ، یہ وضع تو ہیں مفہومِ کلی کے لیے، البتہ استعمال کس میں ہیں؟ جزئیات میں۔ جبکہ متاخرین کیا فرماتے ہیں؟ کہ ان کو جزئیات ہی کے لیے وضع کیا جاتا ہے، جس کے لیے آپ «هَذَا» کا لفظ بولیں گے وہ اس کا موضوع لہ ہوا۔ لیکن ہر چیز کے لیے نہیں بول سکتے، وہ مفہومِ کلی آپ نے ملحوظ رکھنا ہے، جس پر وہ مفہومِ کلی صادق آئے تو اسی کے لیے «هَذَا» کا لفظ بول سکتے ہیں۔ یوں سمجھو اس

مفہومِ کلی کو آلہ بنایا ہے، اس مفہومِ کلی کو آلہ بناتے ہوئے جزئیات کے لیے کیا کر رہے ہیں؟ آپ «هَذَا» کے لفظ کو وضع کر رہے ہیں۔ تو اب متاخرین کے نزدیک بھی «هَذَا» کے اندر ابہام ہے، جب صرف «هَذَا» کہیں پتا نہیں چلتا۔ لیکن یہ ابہام کیوں آیا؟ یہ موضوع لہ میں تعدد کی وجہ سے ابہام آیا، موضوع لہ میں تعدد کی وجہ سے ابہام آیا، ورنہ مثلاً میں دیکھو متاخرین کے نزدیک میں اس کتاب کی طرف اشارہ کرتا ہوں «هَذَا الْكِتَابُ» یہ کتاب۔ تو میں نے «هَذَا» کا لفظ کس کے لیے وضع کیا؟ اس کتاب کے لیے۔ مجھے بتائیے اس کتاب میں کوئی ابہام ہے؟ کتاب میں کوئی ابہام ہے؟ اس میں تو کوئی ابہام نہیں۔ بات سمجھ میں آگئی؟ وہاں «عِشْرُونَ» کا معنیٰ تھا بیس، لیکن بیس میں ابہام تھا کیا چیز مراد ہے؟ اور یہاں «هَذَا» کا لفظ میں نے متاخرین کے مذہب کے مطابق کس کے لیے وضع کیا؟ اس کتاب کے لیے، اور کتاب میں تو کوئی ابہام نہیں۔ پھر میں نے «هَذَا» کا لفظ قلم کے لیے وضع کیا، قلم میں تو کوئی ابہام نہیں، اس کی ذات تو معلوم ہے۔ تو لہٰذا متاخرین کے نزدیک مبہمات جو ہیں ان میں جو ابہام ہوتا ہے وہ موضوع لہ کے متعدد ہونے کی وجہ سے ہوتا ہے۔ تو معلوم ہوا یہ ابہام بھی باعتبارِ وضع کے نہیں ہے۔ تو یہ بھی اس تعریف سے خارج ہو گیا، «الْمُسْتَقِرَّ» کی قید کی وجہ سے۔

اسی طرح «الْمُسْتَقِرَّ» کی قید آئی تو اس کے ذریعے عطفِ بیان سے بھی احتراز ہو گیا، وہ بھی تعریف سے نکل گیا۔ اس لیے کیونکہ عطفِ بیان جس ابہام کو دور کرنے کے لیے لایا جاتا ہے، وضع کی وجہ سے وہ ابہام نہیں ہوتا، وہ عدمِ شہرت وغیرہ کی وجہ سے ابہام ہوتا ہے۔ مثلاً میں کہتا ہوں «قَالَ أَبُو حَفْصٍ عُمَرُ»، ابو حفص عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا۔ اب «أَبُو حَفْصٍ» جو ہے یہ کنیت ہے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی۔ «أَبُو حَفْصٍ» بھی اسی ذات پر دلالت کر رہا ہے، «عُمَرُ» بھی اسی ذات پر دلالت کر رہا ہے، تو اس ذات میں تو کوئی ابہام نہیں ہے۔ اس ذات میں کوئی ابہام نہیں، «أَبُو حَفْصٍ» بھی اسی ذات پر دلالت کر رہا ہے، «عُمَرُ» بھی اسی ذات پر دلالت کر رہا ہے۔ لیکن «أَبُو حَفْصٍ» میں خفا آگیا، کچھ پوشیدگی آئی کیونکہ یہ زیادہ مشہور نہیں ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو یہاں «أَبُو حَفْصٍ» دیکھو کنیت مشہور نہیں اور آگے نام جو ہے وہ مشہور ہے، اس نے اس ابہام کو آکر دور کر دیا۔ اور کبھی کبھار اس کا برعکس ہوتا ہے، کنیت مشہور ہوتی ہے نام زیادہ مشہور نہیں ہوتا، جیسے امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ، آپ کی کنیت ابو حنیفہ زیادہ مشہور ہے اور آپ کا نام نعمان ہے، وہ اس کے مقابلے میں اتنا مشہور نہیں۔ یا اسی طرح امام ابو یوسف رحمہ اللہ، ان کی کنیت زیادہ مشہور ہے نام زیادہ مشہور نہیں، ان کا نام یعقوب ہے بھئی۔ امام ابو یوسف رحمہ اللہ کا نام کیا ہے؟ یعقوب ہے، لیکن آپ کنیت سے زیادہ مشہور ہیں۔

اور پھر آگے صاحبِ کافیہ نے آپ کو بتلایا کہ تمیز جو ہے وہ ذاتِ مذکورہ سے ابہام دور کرے گی یا ذاتِ مقدرہ سے۔ اس سے اشارہ کر دیا تمیز کی دو قسموں کی طرف۔ تمیز جو ہے یاد رکھو دو قسم پر ہے: ایک وہ تمیز ہے جو مفرد سے ابہام کو دور کرے، ایک وہ تمیز ہے جو نسبت سے ابہام کو دور کرے۔ تو ذاتِ مذکورہ سے مراد وہ پہلی قسم ہے جو مفرد سے ابہام کو دور کرتی

ہے۔ جیسے دیکھو «عِنْدِي عِشْرُونَ كِتَابًا» یہ «عِشْرُونَ» کے بعد «كِتَابًا» آیا، یہ «كِتَابًا» تمیز نے «عِشْرُونَ» سے ابہام کو دور کیا اور «عِشْرُونَ» دیکھو مفرد ہے۔ «عِشْرُونَ» مفرد ہے، یہ جملہ یا شبہِ جملہ یا مضاف نہیں ہے۔ «عِشْرُونَ» کیا ہے؟ مفرد ہے، جبکہ دوسری قسم جو تمیز کی ہے وہ نسبت سے ابہام کو دور کرے گی، وہ نسبت جو جملے میں ہو یا شبہِ جملہ میں ہو یا مضاف اور مضاف الیہ کے درمیان جو نسبت ہو اس سے ابہام کو دور کرے گی۔ تو تمیز کی پہلی قسم مفرد سے ابہام کو دور کرتی ہے اور دوسری قسم نسبت سے۔ تو جو مفرد سے ابہام کو دور کرے وہ ذاتِ مذکورہ سے ابہام دور کر رہی ہے۔ دیکھو «عِنْدِي عِشْرُونَ كِتَابًا»، «كِتَابًا» نے «عِشْرُونَ» مفرد سے ابہام کو دور کیا اور یہ «عِشْرُونَ» کیا ہے؟ مذکور ہے، تو یہ ذاتِ مذکورہ سے اس نے ابہام کو دور کر لیا۔ جبکہ دوسری قسم جو ہے نسبت سے ابہام کو دور کرتی ہے۔ مثلاً میں کہتا ہوں «طَابَ زَيْدٌ» زید اچھا ہے، بھئی کس اعتبار سے زید اچھا ہے؟ تو اس میں ابہام تھا، آگے «نَفْسًا» لا کر اس ابہام کو دور کیا جاتا ہے کہ زید اچھا ہے «نَفْسًا» یعنی اپنی ذات کے اعتبار سے۔ تو یہ «طَابَ زَيْدٌ» یہ اسی طرح ہے جیسے میں نے یوں کہا ہو «طَابَ شَيْءٌ مَنْسُوبٌ إِلَى زَيْدٍ» کہ ایک چیز اچھی ہے جو زید کی طرف منسوب ہے۔ بھئی وہ کیا چیز ہے؟ «شَيْءٌ» کی ذات میں ابہام ہے، «شَيْءٌ» کا لفظ تو ہر چیز پر صادق آسکتا ہے۔ تو آگے «نَفْسًا» نے آکر اس ابہام کو دور کر دیا، اور یہ «شَيْءٌ» کا لفظ جو ہے یہ مذکور نہیں یہ تو مقدر ہے، اصل عبارت تو کیا ہے «طَابَ زَيْدٌ نَفْسًا»، یہاں تو کوئی «شَيْءٌ» کا لفظ مذکور نہیں۔ تو یہ جو «نَفْسًا» آیا اس نے یوں کہیں نسبت سے ابہام کو دور کیا، یا یوں کہہ لو اس نے ذاتِ مقدرہ سے ابہام کو دور کیا، وہ جو «شَيْءٌ» کی ذات میں ابہام تھا۔ تو تمیز کتنی قسم پر ہو گئی؟ دو قسم پر: ایک وہ جو ذاتِ مذکورہ سے ابہام کو دور کرے یعنی مفرد سے، اور دوسری قسم وہ جو نسبت سے یعنی ذاتِ مقدرہ سے ابہام کو دور کرے۔ بات سمجھ میں آگئی؟

اب آئیے جی آج کے سبق پر: «عَنْ ذَاتٍ لَا عَنْ وَصْفٍ، وَاحْتَرَزَ بِهِ عَنِ النَّعْتِ وَالْحَالِ، فَإِنَّهُمَا يَرْفَعَانِ الْإِبْهَامَ الْمُسْتَقِرَّ الْوَاقِعَ فِي الْوَصْفِ لَا فِي الذَّاتِ». تمیز کی تعریف چل رہی ہے اور آگے قید آگئی «عَنْ ذَاتٍ»، تمیز وہ اسم ہے جو اس ابہام کو دور کرے جو باعتبارِ وضع کے ہو، اور کس سے دور کرے؟ «عَنْ ذَاتٍ» ذات سے، ذات سے۔ تو صاحبِ جامی آپ کو بتلا رہے ہیں کہ ذات کی قید لگا کر وصف سے احتراز کیا گیا۔ بعض اوقات ذات میں ابہام ہوتا ہے، «عِشْرُونَ» میں نے کہا تو اس کی ذات میں ابہام تھا، آگے «كِتَابًا» نے آکر اس ابہام کو دور کیا۔ اور بعض اوقات کسی چیز کے وصف میں ابہام ہوتا ہے: «جَاءَنِي رَجُلٌ» میرے پاس ایک آدمی آیا، اس رجل کے وصف میں ابہام ہے کہ پتا نہیں یہ عالم ہے یا عالم نہیں، یا تاجر ہے یا تاجر نہیں، جو بھی آپ وصف لاتے ہیں تو وہ اس ابہام کو دور کرے گا۔ مثلاً میں کہتا ہوں «جَاءَنِي رَجُلٌ عَالِمٌ» تو اس رجل کے وصف میں ابہام تھا، آگے «عَالِمٌ» صفت لا کر میں نے اس ابہام کو دور کر دیا۔ تو ذات کا لفظ بول کر کس سے احتراز کیا؟ وصف سے احتراز کیا، کہ تمیز ذات سے ابہام کو دور کرتی ہے وصف سے ابہام کو دور نہیں کرتی۔ تو اگر وصف کے اندر اگر ابہام ہو تو اس ابہام کو دور کرنے کے لیے تمیز نہیں لائی جاتی، بلکہ اس کے لیے صفت یا حال لے کر آتے

ہیں۔ مثلاً ابھی میں نے مثال ذکر کر دی «جَاءَنِي رَجُلٌ» آگے «عَالِمٌ» صفت لا کر میں نے اس کے وصف سے ابہام کو دور کر دیا۔ یا کبھی کبھار حال لاتے ہیں، مثلاً میں کہتا ہوں «جَاءَنِي زَيْدٌ» میرے پاس زید آیا، تو اس میں زید کے لیے مجیئت ثابت ہے، لیکن مجیئت کے دوران زید کی صفت کیا تھی؟ اس صفت کے اندر ابہام ہے، اور صفت کے اندر ابہام ہو تو اس کے لیے تمیز نہیں لاتے بلکہ اس کے لیے صفت یا حال لاتے ہیں۔ چنانچہ میں آگے حال لاتا ہوں اور یوں کہتا ہوں «جَاءَنِي زَيْدٌ رَاكِبًا»، زید میرے پاس سوار ہو کر آیا، اس «رَاكِبًا» حال نے زید کی صفت سے ابہام کو دور کر دیا مجیئت کی حالت میں، مجیئت کے دوران بھئی، کہ مجیئت کے دوران اس کی صفت کیا تھی؟ وہ سوار تھا بھئی۔

تو کہتے ہیں «عَنْ ذَاتٍ لَا عَنْ وَصْفٍ» کہ تمیز جو ہے ذات سے ابہام کو دور کرتی ہے «لَا عَنْ وَصْفٍ» نہ کہ وصف سے۔ «وَاحْتَرَزَ بِهِ عَنِ النَّعْتِ وَالْحَالِ» اور اس قید کے ذریعے احتراز کیا صاحبِ کافیہ نے نعت اور حال سے۔ نعت صفت کو کہتے ہیں۔ یاد رکھو تین نام ہیں بھئی صفت کے: صفت، وصف، نعت، عین ساکن ہے۔ صفت، وصف اور نعت، تینوں کا ایک ہی معنیٰ ہے، صفت کے لیے تینوں لفظ بولے جاتے ہیں۔ البتہ صفت اور وصف یہ علمائے بصرہ کی اصطلاح ہے، وہ صفت کے لیے کیا کیا لفظ بولتے ہیں؟ صفت کا بھی بولتے ہیں اور وصف کا بھی۔ جبکہ علمائے کوفہ جو ہیں صفت کے لیے نعت کا لفظ بولتے ہیں، صفت کے لیے کیا لفظ بولتے ہیں؟ نعت کا لفظ بولتے ہیں۔ بصرہ والے تو کہتے ہیں یہ موصوف صفت ہے اور کوفہ والے کہتے ہیں یہ منعوت اور نعت ہے بھئی، یہ منعوت اور نعت ہے بھئی، معنیٰ ایک ہی ہے بھئی۔ تو کہتے ہیں «وَاحْتَرَزَ بِهِ عَنِ النَّعْتِ وَالْحَالِ» اور اس قید کے ذریعے صاحبِ کافیہ نے احتراز کیا نعت اور حال سے یعنی صفت اور حال سے۔ «فَإِنَّهُمَا يَرْفَعَانِ الْإِبْهَامَ» اس لیے کیونکہ یہ دونوں دور کرتے ہیں اس ابہام کو «الْمُسْتَقِرَّ» جو وضع کے اعتبار سے ہو، «الْوَاقِعَ فِي الْوَصْفِ لَا فِي الذَّاتِ» اور وہ ابہام جو ہے وصف کے اندر ہو نہ کہ ذات میں۔

«وَتَحْقِيقُ ذَلِكَ»، جی اب تفصیل بیان کریں گے کہ کس طرح کبھی وصف میں ابہام آتا ہے اور کبھی کس طرح ذات میں ابہام آتا ہے۔ بڑی پیاری مثال ذکر کریں گے صاحبِ جامی جس سے بات پوری طرح واضح ہو جاتی ہے۔ دیکھیے پہلے اس کو سمجھ لیں۔ صاحبِ جامی فرماتے ہیں کہ دیکھو رطل، را طا لام «رِطْلٌ»، یہ یاد رکھو یہ قدیم پیمانہ تھا، ایک خاص وزن کا نام ہے۔ پونے چونتیس تولے ہے اس کی مقدار بھئی۔ رطل کی مقدار کتنی ہے؟ پونے چونتیس تولے۔ یہ کوئی نصف سیر سے، نصف کلو سے کچھ کم تھا۔ نصف کلو سے کچھ کم یہ ہے رطل، اور دو رطل ہوں تو یہ بنتا ہے ایک من۔ یہ آج کل کا من نہیں، آج کل تو من چالیس سیر یا چالیس کلو کے لیے استعمال ہوتا ہے، یہ تو اچھی خاصی مقدار ہے، جبکہ یہ قدیم من جو ہے یہ کوئی یوں سمجھو ایک سیر سے کچھ کم ہی مقدار ہوتی تھی، ایک سیر یا ایک کلو سے کم مقدار تھی بھئی۔ تو یہ جو رطل ہے یہ نصفِ من کے برابر ہے، کس کے برابر؟ تو صاحبِ جامی مثال دے رہے ہیں کہ کس طرح کبھی ذات میں ابہام آتا ہے اور کبھی

وصف میں ابہام آتا ہے۔ کہتے ہیں دیکھو رطل، یہ ایک مخصوص وزن کا نام ہے جو نصفِ من کے برابر ہے۔ اب اس کی مقدار میں کوئی ابہام نہیں ہے، رطل کسے کہتے ہیں؟ نصفِ من کو کہتے ہیں، نصفِ من سے کم ہو اس کو بھی رطل نہیں کہتے، نصفِ من سے جو زائد ہو اس کو بھی رطل نہیں کہتے، تو رطل کا تو معنیٰ معلوم ہے ایک خاص وزن ہے، لیکن رطل کہنے سے اس چیز کا پتا نہیں چلتا جس کی مقداربیان کی جا رہی ہے۔ مثلاً آپ کہتے ہیں «عِنْدِي رِطْلٌ» میرے پاس آدھا سیر ہے، بھئی کیا چیز آدھا سیر ہے؟ اس موزون کا پتا نہیں چل رہا، تو وضع کے اعتبار سے ہی رطل جو ہے اس کی ذات میں ابہام ہے۔ توجہ ہے؟ رطل کی مقدار تو ہمیں معلوم، رطل کسے کہتے ہیں؟ نصفِ من کو۔ نصفِ من سے کم ہو وہ بھی رطل نہیں، نصفِ من سے زیادہ ہو وہ بھی رطل نہیں، تو رطل کی مقدار تو معلوم ہے، لیکن میں کہتا ہوں «رِطْلٌ» مطلب آدھا کلو۔ آدھا کلو، آپ کو کچھ پتا چلا کیا چیز آدھا کلو؟ چینی ہے آدھا کلو کہ آٹا ہے آدھا کلو کوئی اور چیز ہے آدھا کلو؟ دیکھو وہ موزون کا پتا نہیں چلتا، تو «رِطْلٌ» میں وضع کے اعتبار سے اس کی ذات میں ابہام ہے کہ کس چیز کا رطل مراد ہے۔ اور نیز اسی طرح وضع کے اعتبار سے اس کے وصف میں بھی ابہام ہے، کیونکہ رطل، رطل تو بغدادی بھی ہو سکتا ہے جو شہرِ بغداد میں استعمال ہوتا ہو، رطل تو مکی بھی ہو سکتا ہے جو مکہ کے اندر استعمال ہوتا ہو۔ مختلف علاقوں میں مختلف قسم کے رطل رائج ہوں گے، بات سمجھ میں آ رہی ہے؟ کسی کا وزن تھوڑا زیادہ ہو گا، کسی کا وزن تھوڑا کم ہو گا۔ تو وضع کے اعتبار سے رطل کی ذات میں بھی ابہام کہ وہ موزون کیا چیز ہے، اور رطل کے وصف میں بھی ابہام، جب رطل کہو تو رطل کہنے سے پتا نہیں چلتا کہ یہ بغدادی رطل ہے یا مکی رطل ہے بھئی۔ تو دیکھو رطل میں وضع کے اعتبار سے اس کی ذات میں بھی ابہام اور اس کے وصف میں بھی ابہام۔ تو اگر آپ وصف کے ابہام کو دور کرنا چاہتے ہیں، تو پھر آپ صفت یا حال لائیں گے اوریوں کہیں گے «رِطْلٌ بَغْدَادِيٌّ» موصوف صفت، یا «رِطْلٌ مَكِّيٌّ»، «رِطْلٌ» موصوف اور «مَكِّيٌّ» اس کی صفت۔ اور اگر آپ وہ ابہام جو اس کی ذات میں ہے اس کو دور کرنا چاہتے ہیں، تو پھر آپ تمیز لائیں گے «رِطْلٌ زَيْتًا» تمیز منصوب ہوتی ہے۔ «رِطْلٌ زَيْتًا» زیت کہتے ہیں زیتون کے تیل کو۔ زیت کسے کہتے ہیں؟ زیتون کا تیل۔ «عِنْدِي رِطْلٌ زَيْتًا» میرے پاس ایک رطل زیتون کا تیل ہے۔ تو یہ «زَيْتًا» نے آکر رطل کی ذات سے ابہام کو دور کر دیا کہ رطل سے کون سی ذات مراد ہے؟ زیت یعنی زیتون کا تیل مراد ہے بھئی۔ «عِنْدِي رِطْلٌ زَيْتًا»، تو «زَيْتًا» نے آکر کیا کیا؟ رطل کی ذات سے ابہام کو دور کر دیا۔ دیکھو رطل کوئی الگ چیز نہیں ہے، ادھر دیکھیے میں کہتا ہوں «عِنْدِي رِطْلٌ زَيْتًا» میرے پاس ایک رطل زیتون کا تیل ہے، تو مجھے بتائیے دو لفظ ہیں: «رِطْلٌ»، «زَيْتًا»۔ یہ رطل کوئی اور چیز ہے زیتون کا تیل اور چیز ہے، یا وہی زیتون کا تیل ایک رطل ہے؟ وہی زیتون کا تیل ایک رطل ہے، بات سمجھ میں آگئی؟ تو یہ دونوں کوئی الگ چیزیں نہیں ہیں، رطل وہی زیتون کا تیل ہی تو ہے، اسی کی تو مقداربیان ہو رہی ہے، تو رطل سے مقدار تو پتا چل رہی تھی، وزن تو پتا چل رہا تھا، موزون کا پتا نہیں تھا، ذات کا پتا نہیں

تھا، تو «زَيْتًا» نے آکر اس ابہام کو دور کر دیا بھئی۔

اب دیکھیے کتاب پر۔ کہتے ہیں «وَتَحْقِيقُ ذَلِكَ» اور تحقیق اس کی یہ ہے کہ «أَنَّ الْوَاضِعَ لَمَّا وَضَعَ الرِّطْلَ» کہ واضع نے جب رطل کو وضع کیا «مَثَلًا» مثال کے طور پر «لِنِصْفِ مَنٍّ» کس کے لیے وضع کیا؟ نصفِ من کے لیے، «فَلَا شَكَّ أَنَّ الْمَوْضُوعَ لَهُ مَعْنًى مُعَيَّنٌ مُتَمَيِّزٌ عَمَّا هُوَ أَقَلُّ مِنَ النِّصْفِ كَالرُّبْعِ وَعَمَّا هُوَ أَكْثَرُ مِنْهُ كَمَنٍّ وَمَنَّيْنِ» تو کہتے ہیں «فَلَا شَكَّ» واضع نے جب وضع کیا رطل کو مثال کے طور پر «لِنِصْفِ مَنٍّ» نصفِ من کے لیے، «فَلَا شَكَّ» تو اس بات میں کوئی شک نہیں کہ «أَنَّ الْمَوْضُوعَ لَهُ مَعْنًى مُعَيَّنٌ» کہ اس کا موضوع لہ جو ہے وہ ایک ایسا متعین معنیٰ ہے، «مُتَمَيِّزٌ» جو جدا ہے، جو جدا ہے، کس چیز سے؟ «عَمَّا هُوَ أَقَلُّ مِنَ النِّصْفِ» اس سے جو نصف سے کم ہو، ادھر دیکھیے جب میں نے کہا رطل، رطل کتنی مقدار کے لیے وضع ہے؟ نصفِ من کے لیے۔ جب میں رطل کہوں گا تو آپ سمجھ جاتے ہیں کہ یہ نصفِ من وزن ذکر ہو رہا ہے، نہ نصفِ من سے کم، نہ نصفِ من سے زیادہ۔ معلوم ہوا رطل ممتاز ہے نصفِ من سے جو کم ہوتا ہے اس سے بھی یہ ممتاز ہے، الگ ہے، یہ نصفِ من سے کم نہیں ہے یہ تو نصفِ من ہے۔ اور جو نصفِ من سے زیادہ ہے اس سے بھی یہ جدا ہے کیونکہ یہ تو نصفِ من ہے زیادہ نہیں۔ بات سمجھ میں آ رہی ہے؟ تو کہتے ہیں «مُتَمَيِّزٌ» کہ اس کا معنیٰ متعین ہے اور جدا ہے «عَمَّا هُوَ أَقَلُّ مِنَ النِّصْفِ» اس سے وہ جو نصفِ من سے کم ہو «كَالرُّبْعِ» جیسے ربع ہے، اس سے بھی یہ جدا ہے، «وَعَمَّا هُوَ أَكْثَرُ مِنْهُ» اور اس سے بھی جدا ہے جو نصفِ من سے زیادہ ہو «كَمَنٍّ وَمَنَّيْنِ» جیسے ایک من اور دو من۔ تو رطل وہ ربعِ من سے بھی جدا اور من اور دو من سے بھی جدا ایک مخصوص مقدار کا نام ہے۔

«وَلَا إِبْهَامَ فِيهِ» اور اس کے اندر کوئی ابہام نہیں ہے «إِلَّا مِنْ حَيْثُ ذَاتِهِ» مگر اس کی ذات کی حیثیت سے، «أَيْ جِنْسِهِ» یعنی اس کی جنس۔ دیکھو رطل کہنے سے ذات اور جنس کا پتا نہیں چلتا کہ کس چیز کی جنس مراد ہے رطل سے۔ تو کہتے ہیں «وَلَا إِبْهَامَ فِيهِ» اور اس میں کوئی ابہام نہیں ہے «إِلَّا مِنْ حَيْثُ ذَاتِهِ أَيْ جِنْسِهِ» مگر اس کی ذات کے اعتبار سے یعنی اس کی جنس کے اعتبار سے، «فَإِنَّهُ لَا يُعْلَمُ مِنْهُ بِحَسَبِ الْوَضْعِ» اس لیے کیونکہ اس رطل سے معلوم نہیں ہوتا وضع کے اعتبار سے «أَنَّهُ مِنْ جِنْسِ الْعَسَلِ أَوِ الْخَلِّ أَوْ غَيْرِهِمَا» کہ یہ شہد کی جنس میں سے ہے «أَوِ الْخَلِّ» یا سرکے کی جنس میں سے ہے «أَوْ غَيْرِهِمَا» یا ان کے علاوہ کی جنس سے ہے۔ رطل سے مقدار تو پتا چل گئی نصفِ من، لیکن وہ موزون شہد ہے یا سرکہ ہے یا کیا چیز ہے، اس کی ذات کا پتا نہیں چلا۔ پھر دیکھیے «فَإِنَّهُ لَا يُعْلَمُ مِنْهُ بِحَسَبِ الْوَضْعِ» اس لیے کیونکہ رطل کے لفظ سے وضع کے اعتبار سے معلوم نہیں ہوتا «أَنَّهُ مِنْ جِنْسِ الْعَسَلِ أَوِ الْخَلِّ أَوْ غَيْرِهِمَا» کہ یہ رطل جو ہے شہد کی جنس میں سے ہے یا سرکے کی جنس میں سے ہے یا ان کے علاوہ کی جنس سے ہے۔ «وَإِلَّا مِنْ حَيْثُ وَصْفِهِ» اس کا عطف جو پیچھے آیا نا «إِلَّا مِنْ حَيْثُ ذَاتِهِ» اس پر عطف ہے، ذرا اس کو ہٹائیں اور پھر اس کے ساتھ ترجمہ کریں، پچھلے لفظوں کو بھی جوڑیں: «وَلَا إِبْهَامَ فِيهِ» اور رطل میں کوئی ابہام نہیں ہے «إِلَّا مِنْ حَيْثُ وَصْفِهِ» مگر اس کے وصف کی حیثیت سے۔ میں نے بتلایا آپ کو رطل میں

ذات کے اعتبار سے بھی ابہام اور وصف کے اعتبار سے بھی ابہام۔ رطل کی اپنی مقدار تو معلوم ہے کہ وہ نصفِ من ہے، اس سے کم بھی نہیں اس سے زیادہ بھی نہیں، لیکن اس کے اندر جو ابہام ہے وہ ذات کے اعتبار سے ہے ذات اور جنس کا پتا نہیں چلتا رطل کہنے سے، اور وصف کے اعتبار سے بھی ابہام ہے کہ بغدادی ہے یا مکی یہ پتا نہیں چلتا۔ تو کہتے ہیں اور اس کے اندر اور کوئی ابہام نہیں ہے «وَإِلَّا مِنْ حَيْثُ وَصْفِهِ» مگر اس کے وصف کی حیثیت سے، «فَإِنَّهُ لَا يُعْلَمُ مِنْهُ بِحَسَبِ الْوَضْعِ» اس لیے کیونکہ رطل کے لفظ سے معلوم نہیں ہوتا وضع کے اعتبار سے «أَنَّهُ بَغْدَادِيٌّ أَوْ مَكِّيٌّ» کہ یہ رطل جو ہے بغداد والا ہے یا مکہ والا ہے۔ «فَإِذَا أُرِيدَ رَفْعُ الْإِبْهَامِ الْوَصْفِيِّ الثَّابِتِ فِيهِ بِحَسَبِ الْوَضْعِ» جب ارادہ کیا جائے اس ابہامِ وصفی کو دور کرنے کا، جب ارادہ کیا جائے اس ابہامِ وصفی کو دور کرنے کا، «الثَّابِتِ فِيهِ بِحَسَبِ الْوَضْعِ» جو اس کے اندر وضع کے اعتبار سے ثابت ہے، «أُتْبِعَ بِصِفَةٍ أَوْ حَالٍ» تو اس کے پیچھے لائی جاتی ہے صفت یا حال۔ اگر ابہامِ وصفی کو دور کرنا چاہتے ہیں آپ رطل سے تو اس کے پیچھے کس کو لے آؤ؟ وصف کو لے آؤ یا حال کو لے آؤ بھئی۔ «فَيُقَالُ رِطْلٌ بَغْدَادِيٌّ» تو پس رطلِ بغدادی کہا جائے گا، رطلِ بغدادی، دیکھو اس سے وصف سے ابہام دور ہو گیا، پتا چل گیا کہ یہ جو رطل ہے یہ بغداد والا ہے مکہ والا نہیں ہے بھئی۔ «وَإِذَا أُرِيدَ رَفْعُ الْإِبْهَامِ الذَّاتِيِّ قِيلَ زَيْتًا» اور جب ذات والے ابہام کو دور کرنے کا ارادہ کیا جائے، تو پھر «زَيْتًا» کہا جائے گا یعنی تمیز لائی جائے گی۔ «فَزَيْتًا يَرْفَعُ الْإِبْهَامَ الْمُسْتَقِرَّ عَنِ الذَّاتِ» تو «زَيْتًا» جو ہے اس ابہام کو دور کرے گا «الْمُسْتَقِرَّ» جو وضع کے اعتبار سے ہے «عَنِ الذَّاتِ» کس سے دور کرے گا ابہام؟ ذات سے، «لَا النَّعْتُ وَالْحَالُ» صفت اور حال اس ابہام کو دور نہیں کریں گے، یعنی ذات سے ابہام کو صفت اور حال دور نہیں کریں گے بلکہ تمیز دور کرے گی۔ «فَإِنَّهُمَا يَرْفَعَانِ الْإِبْهَامَ عَنِ الْوَصْفِ» اس لیے کیونکہ نعت اور حال یہ تو وصف سے ابہام کو دور کرتے ہیں، ذات سے ابہام کو دور نہیں کرتے۔

آگے دیکھیے بھئی: «مَذْكُورَةٍ أَوْ مُقَدَّرَةٍ»، کہ یہ جو تمیز ہے یہ ذاتِ مذکورہ سے یا ذاتِ مقدرہ سے ابہام کو دور کرے گی۔ میں نے آپ کو بتلایا تھا کہ یہ مذکورہ اور مقدرہ کے ذریعے صاحبِ کافیہ دراصل تمیز کی دو قسموں کی طرف اشارہ کرنا چاہتے ہیں۔ تمیز یاد رکھو دو قسم پر ہے: ایک وہ تمیز ہے جو ذاتِ مذکورہ سے ابہام کو دور کرے، ایک وہ تمیز ہے جو ذاتِ مقدرہ سے ابہام کو دور کرے۔ اور میں نے کچھ تفصیل بھی مختصر بیان کی تھی کہ بھئی ذاتِ مذکورہ سے مراد مفرد ہے۔ تمیز کی پہلی قسم جو ذاتِ مذکورہ سے ابہام کو دور کرتی ہے وہ دراصل مفرد سے ابہام کو دور کرتی ہے، کس سے؟ مفرد سے ابہام کو دور کرتی ہے۔ اور ذاتِ مقدرہ سے جو ابہام کو دور کرے وہ تمیز کی دوسری قسم ہے اور وہ دراصل نسبت سے ابہام کو دور کرتی ہے، کس سے؟ نسبت سے۔ تو تمیز کی جو پہلی قسم ہے وہ مفرد سے ابہام کو دور کرتی ہے، اور تمیز کی جو دوسری قسم ہے وہ نسبت سے ابہام کو دور کرتی ہے۔ بھئی مفرد کو ذاتِ مذکورہ سے تعبیر کیا اور نسبت کو ذاتِ مقدرہ سے تعبیر کیا۔ وجہ یہ کہ وہ مفرد جس سے تمیز ابہام

دور کرتی ہے وہ مذکور ہوتا ہے۔ «عِنْدِي رِطْلٌ زَيْتًا» یہ «زَيْتًا» نے کس سے ابہام کو دور کیا؟ «رِطْلٌ» سے، اور یہ «رِطْلٌ» دیکھو مذکور ہے کلام کے اندر ذکر ہے بھئی۔ تو اس کو کیا کہیں گے؟ ذاتِ مذکورہ۔ اس ذاتِ مذکورہ میں ابہام تھا کہ رطل سے کس چیز کی ذات مراد ہے، کون سی جنس مراد ہے؟ اس سے شہد مراد ہے یا گھی مراد ہے یا زیتون کا تیل مراد ہے؟ آگے «زَيْتًا» نے آکر اس ابہام کو دور کر دیا۔ تو تمیز کی پہلی قسم ذاتِ مذکورہ سے ابہام کو دور کرتی ہے یعنی مفرد سے ابہام کو دور کرتی ہے، اور اس کو ذاتِ مذکورہ کیوں کہا؟ کیونکہ وہ عبارت میں ذکر ہوتا ہے وہ مفرد۔ اور تمیز کی دوسری قسم جو ہے وہ نسبت سے ابہام کو دور کرتی ہے، اور اس کو کہا کہ وہ ذاتِ مقدرہ سے ابہام کو دور کرتی ہے۔ بھئی کیوں؟ ذاتِ مقدرہ کیوں کہا؟ کہتے ہیں وجہ یہ کہ یہ دراصل اس کلام کے اندر لفظِ «شَيْءٌ» جو مقدر نکالا جاتا ہے، یعنی کلام اس کے درجے میں بنا لیا جاتا ہے، اس سے ابہام کو دور کرتی ہے۔ مثلاً «طَابَ زَيْدٌ نَفْسًا» زید اچھا ہے باعتبار اپنی ذات کے۔ تو «طَابَ زَيْدٌ» یہ اسی درجے میں ہے گویا آپ نے یوں کہا ہو «طَابَ شَيْءٌ مَنْسُوبٌ إِلَى زَيْدٍ»، کہ اچھی ہے «شَيْءٌ» ایک چیز «مَنْسُوبٌ إِلَى زَيْدٍ» جس کی نسبت زید کی طرف کی جا رہی ہے۔ ایک چیز جس کی نسبت زید کی طرف کی جا رہی ہے وہ اچھی ہے۔ بھئی وہ کیا چیز ہے؟ شے لفظ لائے، شے تو ہر چیز پر بولا جاتا ہے: یہ کتاب بھی شے ہے، قلم بھی شے ہے، گھر بھی شے ہے، مدرسہ بھی شے ہے، تو یہ شے تو ہر چیز پر صادق آتا ہے، یہ تو انکرا النکرات ہے بھئی، یہ تمام چیزوں پر صادق آتا ہے، تو اس شے کی ذات میں ابہام تھا، تو آگے «نَفْسًا» تمیز نے آکر اس ابہام کو دور کر دیا۔ تو «طَابَ زَيْدٌ نَفْسًا» یہ کلام کس درجے میں ہے؟ گویا آپ نے کیا کہا ہو «طَابَ شَيْءٌ مَنْسُوبٌ إِلَى زَيْدٍ»۔ زید اچھا ہے بھئی، بھئی کس اعتبار سے زید اچھا ہے؟ وہ اپنی ذات کے اعتبار سے اچھا ہے، اپنے علم کے اعتبار سے اچھا ہے، اپنے گھر کے اعتبار سے اچھا ہے، اپنے باپ کے اعتبار سے اچھا ہے، کتنے ہی احتمال یہاں بن جاتے ہیں، تو «نَفْسًا» آکر کیا کرتا ہے اس ابہام کو دور کر دیتا ہے۔ تو «طَابَ شَيْءٌ نَفْسًا» یہ کلام کس درجے میں ہے؟ «طَابَ شَيْءٌ مَنْسُوبٌ إِلَى زَيْدٍ»، ایک چیز جس کی نسبت زید کی طرف کی جا رہی ہے وہ اچھی ہے، تو آگے «نَفْسًا» نے آکر اس «شَيْءٌ» سے ابہام کو دور کر دیا، اور وہ شے کلام کے اندر مذکور ہے یا مقدر ہے بھئی؟ وہ کلام کے اندر مقدر ہے بھئی، بات سمجھ میں آگئی؟ کلام تو صرف یہ ہے «طَابَ زَيْدٌ نَفْسًا»، یہاں تو کوئی «شَيْءٌ» نہیں۔ ہاں، یہ اس درجے میں ہے کلام گویا یوں کہا ہو، تو لہٰذا تو اس تمیز نے آکر اس شے مقدر سے کیا کیا؟ ابہام کو دور کیا، اس لیے اس تمیز کو کہتے ہیں کہ یہ جو نسبت سے تمیز آئے کہ یہ تمیز ذاتِ مقدرہ سے ابہام کو دور کرتی ہے، وہ «شَيْءٌ» جو مقدر ہے اس کی ذات سے ابہام کو دور کرتی ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟

تو دیکھیے بھئی کتاب پر، کہتے ہیں «مَذْكُورَةٍ أَوْ مُقَدَّرَةٍ، صِفَتَانِ لِلذَّاتِ» یہ دونوں صفتیں ہیں ذات کی۔ بھئی پیچھے متن میں آیا تھا «عَنْ ذَاتٍ» اور آگے اس کی صفت آگئی «مَذْكُورَةٍ أَوْ مُقَدَّرَةٍ»، ذات مؤنث ہے لہٰذا اس کی صفت «مَذْكُورَةٍ أَوْ

مُقَدَّرَةٍ» مؤنث لائی گئی۔ تو تمیز ابہام کو دور کرتی ہے ذاتِ مذکورہ سے یا ذاتِ مقدرہ سے بھئی۔ تو کہتے ہیں «صِفَتَانِ لِلذَّاتِ» یہ دونوں صفتیں ہیں ذات کی، «إِشَارَةٌ إِلَى تَقْسِيمِ التَّمْيِيزِ» یہ اشارہ ہے تمیز کی تقسیم کی طرف۔ «فَالْمَذْكُورَةُ» تو ذاتِ مذکورہ جو ہے «نَحْوُ رِطْلٌ زَيْتًا» جیسے کہ «رِطْلٌ زَيْتًا»، دیکھو اس میں «رِطْلٌ» مذکور ہے۔ «وَالْمُقَدَّرَةُ» اور ذاتِ مقدرہ جو ہے «نَحْوُ طَابَ زَيْدٌ نَفْسًا» جیسے یہ ہے، «فَإِنَّهُ فِي قُوَّةِ قَوْلِنَا» اس لیے کیونکہ یہ جو ہے ہمارے اسی قول کے درجے میں ہے «طَابَ شَيْءٌ مَنْسُوبٌ إِلَى زَيْدٍ» کہ «طَابَ زَيْدٌ» کس درجے میں ہے؟ «طَابَ شَيْءٌ مَنْسُوبٌ إِلَى زَيْدٍ» اس کے درجے میں ہے۔ «وَنَفْسًا يَرْفَعُ الْإِبْهَامَ عَنْ ذَلِكَ الشَّيْءِ الْمُقَدَّرِ فِيهِ» اور «نَفْسًا» کا لفظ جو ہے وہ ابہام کو دور کرتا ہے اس شے سے جو اس کے اندر مقدر ہے، جو اس قول کے اندر مقدر ہے بھئی۔ بات سمجھ میں آگئی؟

تو تمیز کی کتنی قسمیں ہو گئیں؟ دو: ایک وہ تمیز جو ذاتِ مذکورہ سے ابہام کو دور کرے، اور ذاتِ مذکورہ سے کیا مراد ہے؟ مفرد مراد ہے بھئی۔ اور ایک تمیز کی قسم وہ ہے جو ذاتِ مقدرہ سے ابہام کو دور کرے، اور ذاتِ مقدرہ سے جو تمیز ابہام دور کرتی ہے وہ دراصل نسبت سے تمیز ہے، نسبت سے۔

آگے دیکھیے، بھئی پہلے متن متن آگے دیکھیے۔ کہتے ہیں: «فَالْأَوَّلُ عَنْ مُفْرَدٍ مِقْدَارٍ غَالِبًا، إِمَّا فِي عَدَدٍ نَحْوُ عِشْرُونَ دِرْهَمًا وَسَيَأْتِي، وَإِمَّا فِي غَيْرِهِ نَحْوُ رِطْلٌ زَيْتًا وَمَنَوَانِ سَمْنًا وَعَلَى التَّمْرَةِ مِثْلُهَا زُبْدًا». جی یہ سارا متن مل گیا بھئی۔ کہتے ہیں «فَالْأَوَّلُ عَنْ مُفْرَدٍ مِقْدَارٍ غَالِبًا»، «فَالْأَوَّلُ» تو تمیز کی جو پہلی قسم ہے، کون سی قسم؟ جو ذاتِ مذکورہ سے ابہام کو دور کرتی ہے، وہ ابہام کو دور کرتی ہے «عَنْ مُفْرَدٍ» مفرد سے، کس سے؟ مفرد سے ابہام کو دور کرتی ہے۔ «مِقْدَارٍ» اور وہ مفرد کیا ہو گا؟ مقدار ہو گا «غَالِبًا» بھئی اکثر مادوں میں۔ بھئی دیکھیے وہ تمیز جو مفرد سے ابہام کو دور کرے، صاحبِ جامی آپ کو بتلائیں گے کہ مفرد سے مراد وہ ہے جو جملہ، شبہِ جملہ اور مضاف کے مقابلے میں ہے۔ معلوم ہوا تمیز کی جو پہلی قسم ہے وہ مفرد سے ابہام کو دور کرے گی، مفرد کیا معنیٰ؟ وہ جملہ بھی نہ ہو، وہ شبہِ جملہ بھی نہ ہو، اور مضاف بھی نہ ہو۔ توجہ ہے؟ جملہ، شبہِ جملہ اور مضاف نہ ہو۔ اور نیز یاد رکھنا، یہ جو مفرد ہو گا یہ مقدار بھی ہو سکتا ہے اور غیرِ مقدار بھی۔ جیسے ابھی مثال گزری «عِنْدِي رِطْلٌ زَيْتًا» یہ «رِطْلٌ» مفرد ہے اور یہ مقدار ہے بھئی، رطل کیا ہے؟ ایک مقدار کا نام ہے جو نصفِ من کے برابر ہے۔ تو لہٰذا یہ جو مفرد ہے یہ مقدار بھی ہو سکتا ہے اور غیرِ مقدار بھی۔ تو یہ تمیز کی پہلی قسم اس سے ابہام کو دور کرے گی چاہے وہ مفرد مقدار ہو چاہے غیرِ مقدار۔ مقدار کی مثال «عِنْدِي رِطْلٌ زَيْتًا»، اور غیرِ مقدار کی مثال جیسے آگے ذکر کریں گے کہ میں کہتا ہوں «هَذَا خَاتَمٌ حَدِيدًا»، «هَذَا خَاتَمٌ» یہ انگوٹھی ہے، اور اس انگوٹھی میں ابہام ہے کہ اس کی جنس کیا ہے، کس چیز سے یہ بنی ہوئی ہے؟ لوہے کی ہے، چاندی کی ہے، سونے کی ہے، پیتل کی ہے، کس چیز کی ہے؟ تو اس کی جنس میں ابہام ہے، آگے «حَدِيدًا» نے آکر اس ابہام کو دور کر دیا کہ یہ انگوٹھی جو ہے لوہے کی ہے بھئی، اس کی جنس کیا ہے؟ لوہا ہے۔

تو یہ جو تمیز کی پہلی قسم ہے یہ مفرد سے ابہام کو دور کرتی ہے اور یہ مفرد مقدار بھی ہو سکتا ہے اور غیرِ مقدار بھی ہو سکتا ہے۔ لیکن یاد رکھنا یہ زیادہ تر مقدار سے ابہام کو دور کرنے کے لیے لائی جاتی ہے۔ اس لیے کیونکہ مقدار میں ابہام ہوتا ہے۔ جبکہ غیرِ مقدار جیسے «هَذَا خَاتَمٌ حَدِيدًا»، خاتم میں ابہام ہے یہ غیرِ مقدار ہے، لیکن غیرِ مقدار میں ابہام کم ہوتا ہے۔ مقدار میں تو ہمیشہ کیا ہو گا؟ ابہام ہو گا، لہٰذا آگے تمیز چاہیے، جبکہ غیرِ مقدار میں ابہام کم ہی ہوتا ہے، تو وہاں تمیز کی ضرورت کم ہی پیش آتی ہے، جبکہ مقدار میں تمیز کی ضرورت کثرت سے پیش آتی ہے۔ تو اسی لیے آپ کو بتلائیں گے کہ یہ جو پہلی قسم ہے یہ مفرد مقدار سے ابہام کو دور کرتی ہے غالباً یعنی اپنے غالب مادوں میں، غالب ترکیبوں میں۔ توجہ ہے؟

تو دیکھیے کہتے ہیں: «فَالْأَوَّلُ عَنْ مُفْرَدٍ مِقْدَارٍ غَالِبًا»، تو پہلی قسم جو ہے تمیز کی وہ ابہام کو دور کرتی ہے ایسے مفرد سے «مِقْدَارٍ غَالِبًا» جو غالباً کیا ہوتا ہے؟ مقدار۔ آگے ایک دو صفحے بعد آئے گا «وَعَنْ غَيْرِ مِقْدَارٍ» اور غیرِ مقدار سے بھی یہ ابہام کو دور کرتی ہے۔ تو لیکن زیادہ تر کس سے ابہام کو دور کرنے کے لیے آتی ہے؟ مقدار سے کیونکہ زیادہ ابہام مقدار میں ہوتا ہے۔ بات سمجھ میں آ گئی؟

اب اسی کو دیکھیے بھئی شرح کے ساتھ۔ تو کہتے ہیں: «فَالْأَوَّلُ أَيِ الْقِسْمُ الْأَوَّلُ»، بھئی متن میں آیا تھا «فَالْأَوَّلُ»، اور شارحِ جامی آگے فرما رہے ہیں «أَيِ الْقِسْمُ الْأَوَّلُ»۔ کیا بتلانا چاہتے ہیں؟ کہ اس کا موصوف محذوف ہے اور «الْأَوَّلُ» اس کی صفت ہے۔ تو کہتے ہیں «فَالْأَوَّلُ أَيِ الْقِسْمُ الْأَوَّلُ مِنَ التَّمْيِيزِ» کہ جو پہلی قسم ہے تمیز میں سے، بھئی کون سی پہلی قسم؟ کہتے ہیں «وَهُوَ مَا يَرْفَعُ الْإِبْهَامَ عَنْ ذَاتٍ مَذْكُورَةٍ» وہ جو ابہام کو دور کرے ذاتِ مذکورہ سے، یہ جو تمیز کی پہلی قسم ہے «يَرْفَعُهُ عَنْ مُفْرَدٍ»۔ دیکھو یہ «عَنْ مُفْرَدٍ» جار مجرور ہے، اور جار مجرور کے لیے ہمیشہ متعلق چاہیے، تو یہ کس چیز سے متعلق ہیں؟ تو صاحبِ جامی نے «عَنْ مُفْرَدٍ» سے پہلے «يَرْفَعُهُ» کا لفظ نکال کر بتلا دیا کہ یہ جار مجرور اس سے متعلق ہیں۔ توجہ ہے؟ اور «يَرْفَعُهُ» یہ ہا ضمیر یاد رکھنا یہ ابہام کو راجع ہے۔ کہ تمیز کی جو پہلی قسم ہے «يَرْفَعُهُ أَيْ يَرْفَعُ الْإِبْهَامَ» یہ ابہام کو دور کرتی ہے «عَنْ مُفْرَدٍ» کس سے؟ مفرد سے۔ توجہ ہے؟ یہ جگہ یاد رکھنا، ابھی یہاں آگے اشکال ہو گا بڑا پیچیدہ بھئی۔ بس آپ نے یہ یاد رکھنا ہے، یہ «عَنْ مُفْرَدٍ» کس سے متعلق ہے؟ «يَرْفَعُهُ» سے، اور «يَرْفَعُهُ» کے اندر یہ ہا ضمیر کس کو راجع ہے؟ ابہام کو راجع ہے، کہ پہلی قسم «يَرْفَعُهُ أَيْ يَرْفَعُ الْإِبْهَامَ» ابہام کو دور کرتی ہے «عَنْ مُفْرَدٍ» کس سے؟ مفرد سے بھئی۔

تو پہلی قسم جو ہے وہ مفرد سے ابہام کو دور کرتی ہے، «يَعْنِي بِهِ مَا يُقَابِلُ الْجُمْلَةَ وَشِبْهَهَا وَالْمُضَافَ» کہتے ہیں «يَعْنِي بِهِ» ارادہ کیا اس کے ذریعے یعنی صاحبِ کافیہ نے، عَنیٰ یَعنِی کا معنیٰ ہے ارادہ کرنا، «يَعْنِي بِهِ» ارادہ کیا اس مفرد کے ذریعے صاحبِ کافیہ نے «مَا يُقَابِلُ الْجُمْلَةَ» وہ جو جملے کے مقابل ہو، «وَشِبْهَهَا» اور وہ جو شبہِ جملہ کے مقابل ہو، «وَالْمُضَافَ» اور

وہ جو مضاف کے مقابل ہو۔ یعنی یہ مفرد کہہ کر جملہ، شبہِ جملہ اور مضاف کو نکالنا چاہتے ہیں، یہ اس کے مقابلے میں ہے۔ بھئی یہ تمیز کی پہلی قسم ہے نا، اور تمیز کی پہلی قسم کس سے ابہام کو دور کرتی ہے؟ مفرد سے، اور دوسری قسم نسبت سے ابہام کو دور کرتی ہے۔ اور نسبت وہ جملے میں بھی نسبت ہوتی ہے، شبہِ جملہ میں بھی نسبت ہوتی ہے، اور مضاف اور مضاف الیہ کے درمیان بھی نسبت ہوتی ہے۔ تو یہ دراصل اس نسبت کو نکالنا چاہتے ہیں، کہ مفرد بول کر کس سے احتراز ہے؟ نسبت سے احتراز ہے۔ لیکن نسبت اور مفرد تو ایک دوسرے کے مقابل نہیں ہیں بھئی، تو لہٰذا جن چیزوں میں وہ نسبت ہوتی ہے ان کو ذکر کر دیا کہ مفرد کہہ کر وہ چیزیں جن میں نسبت ہوتی ہے ان کو نکالنا مقصود ہے۔ اور نسبت کتنی چیزوں میں ہے؟ جملہ، شبہِ جملہ اور مضاف کی نسبت ہوتی ہے مضاف الیہ کی طرف۔

بھئی یاد رکھو میں نے آپ کو پہلے بھی بتلایا تھا کہ یہ نحو کے اندر مفرد کا لفظ چار چیزوں کے مقابلے میں آتا ہے۔ کبھی مفرد کا لفظ تثنیہ اور جمع کے مقابلے میں آتا ہے، تو جب کہہ دیا جائے یہ مفرد ہے تو مطلب یہ ہے کہ یہ تثنیہ اور جمع نہیں ہے۔ اور کبھی کبھار مفرد کا لفظ جملے کے مقابلے میں آتا ہے، جب کہہ دیا جائے یہ مفرد ہے معلوم ہوا جملہ نہیں ہے بھئی، چاہے مرکب ہی کیوں نہ ہو لیکن جملہ نہیں ہے۔ اور کبھی مفرد کا لفظ مرکب کے مقابلے میں آتا ہے، جب کہہ دیا جائے یہ مفرد ہے تو کس کو نکالنا مقصود ہے؟ مرکب کو، کہ یہ مرکب نہیں ہے۔ اور کبھی کبھار مفرد کا لفظ مضاف اور مشابہِ مضاف کے مقابلے میں آتا ہے، تو وہاں جب مفرد کہہ دیا جائے تو بتلانا یہ مقصد ہوتا ہے کہ یہ مضاف اور مشابہِ مضاف نہیں ہے۔ تو معلوم ہوا کہ مفرد ان چار معانی میں استعمال ہوتا ہے علمِ نحو کے اندر۔ اور یہاں تو مفرد کس کے مقابلے میں آیا؟ جملہ اور شبہِ جملہ اور مضاف کے مقابلے میں، تو معلوم ہوا یہاں مفرد مجازی معنیٰ میں استعمال ہو رہا ہے۔ علمِ نحو کے اعتبار سے یہ اپنے مجازی معنیٰ میں استعمال ہو رہا ہے، حقیقی معنیٰ میں نہیں ہے۔ حقیقی معنیٰ میں تو کسی ایک کے مقابلے میں ہو سکتا تھا، یہاں تو یہ جملہ اور مضاف دونوں کے مقابلے میں آ رہا ہے، بات سمجھ میں آ گئی؟ شبہِ جملہ کا تو وہی حکم ہے جو جملے والا ہے، تو یہاں وہ جملے اور مضاف کے مقابلے میں آ رہا ہے، معلوم ہوا یہاں مفرد کا لفظ مجازی معنیٰ میں ہے۔

تو کہتے ہیں «يَعْنِي بِهِ مَا يُقَابِلُ الْجُمْلَةَ وَشِبْهَهَا وَالْمُضَافَ» ارادہ کیا اس مفرد کے لفظ کے ذریعے صاحبِ کافیہ نے وہ جو جملہ، شبہِ جملہ اور مضاف کے مقابلے میں ہو۔ «مِقْدَارٍ صِفَةٌ لِمُفْرَدٍ» کہتے ہیں یہ مقدار کا لفظ یہ صفت ہے مفرد کے لفظ کے لیے جو ماقبل میں گزرا، اور وہ مجرور ہے تو یہ «مِقْدَارٍ» بھی مجرور اس کی صفت ہے کہ وہ مفرد مقدار ہو گی۔ مقدار کسے کہتے ہیں؟ کہتے ہیں «وَهُوَ مَا يُقَدَّرُ بِهِ الشَّيْءُ» مقدار وہ چیز ہے «يُقَدَّرُ بِهِ الشَّيْءُ» جس کے ذریعے کسی چیز کی پیمائش کی جائے، «أَيْ يُعْرَفُ بِهِ قَدْرُهُ» یعنی ان کی قدر کو جانا جائے، ان کی مقدار کو جانا جائے «وَيُبَيَّنُ» اور بیان کیا جائے بھئی۔

«غَالِبًا أَيْ فِي غَالِبِ الْمَوَادِّ وَأَكْثَرِهَا»، یعنی اس کے غالب اور اکثر مادوں میں۔ «غَالِبًا» کے بعد صاحبِ جامی فرما رہے

ہیں «أَيْ فِي غَالِبِ الْمَوَادِّ» «فِي» لے کر آ گئے، اور «فِي» ظرفیت کے لیے آتا ہے۔ «فِي» بتلاتا ہے کہ مابعد ماقبل کے لیے ظرف ہے، «زَيْدٌ فِي الدَّارِ» یہ «فِي» نے کیا بتلایا کہ یہ دار جو ہے یہ ظرف ہے ماقبل یعنی زید کے لیے۔ تو یہاں پر بھی «غَالِبًا» کی تفسیر صاحبِ جامی نے «فِي غَالِبِ الْمَوَادِّ» کے ساتھ کی، بتلانا یہ چاہتے ہیں کہ یہ «غَالِبًا» یہاں جو منصوب ہے یہ مفعول فیہ واقع ہو رہا ہے یعنی ظرف ہے، یعنی یہ ظرف ہے۔ اور غالب سے مراد غالب مادے ہیں، غالب ترکیبیں ہیں جن کے اندر تمیز کی پہلی قسم واقع ہو، وہ غالب مادے جن کے اندر تمیز کی پہلی قسم واقع ہو۔ «غَالِبًا أَيْ فِي غَالِبِ الْمَوَادِّ وَأَكْثَرِهَا» یعنی اس کے جو غالب اور اکثر مادے ہیں، «أَيْ رَفْعُ الْإِبْهَامِ مُطْلَقًا يَتَحَقَّقُ فِي ضِمْنِ هَذَا الرَّفْعِ الْخَاصِّ فِي أَكْثَرِ الْمَوَادِّ».

جی یہ جگہ سمجھ لیں بھئی یہ بڑی مشکل جگہ ہے، اور خوب توجہ سے بیٹھیں بھئی یہ مقام شروحات سے حل نہیں ہو گا بھئی۔ بھئی دیکھیے یہاں دراصل اشکال ہوتا ہے۔ اشکال یہ ہوتا ہے کہ صاحبِ کافیہ کیا فرما رہے ہیں؟ «فَالْأَوَّلُ عَنْ مُفْرَدٍ مِقْدَارٍ غَالِبًا» متن پر توجہ ہے؟ اور اس سے ماقبل «عَنْ مُفْرَدٍ» سے پہلے کیا لفظ نکالا تھا؟ «يَرْفَعُهُ» یعنی «يَرْفَعُ الْإِبْهَامَ»، اس کو بھی ذرا جوڑ لیں کہ «فَالْأَوَّلُ يَرْفَعُ الْإِبْهَامَ عَنْ مُفْرَدٍ مِقْدَارٍ غَالِبًا» کہ پہلی قسم جو ہے تمیز کی وہ ابہام کو دور کرتی ہے مفردِ مقدار سے غالباً یعنی اکثر اوقات۔ تمیز کی پہلی قسم مقدار سے ابہام کو دور کرتی ہے غالباً یعنی اکثر اوقات میں۔ توجہ ہے؟ تو یہاں اشکال ہوا اکثر اوقات کیوں ابہام دور کرتی ہے، ہمیشہ کیوں نہیں ابہام دور کرتی؟ آپ نے ہمیں کیا بتایا؟ تمیز کس لیے لائی جاتی ہے؟ ابہام کو دور کرنے کے لیے۔ معلوم ہوا تمیز جہاں بھی آئے گی کیا فائدہ دے گی؟ وہاں سے ابہام ختم ہو جائے گا۔ لیکن آپ نے ہمیں کہا، آپ نے ہمیں بتایا کہ پہلی قسم جو ہے مفردِ مقدار سے اکثر مادوں میں ابہام کو دور کر دیتی ہے، معلوم ہوا کچھ مادے ایسے بھی رہ جاتے ہیں جن میں تمیز تو مقدار سے آ رہی ہے لیکن وہ ابہام کو دور نہیں کر رہی، کیونکہ آپ نے ہمیں کیا کہا؟ کہ تمیز اکثر مادوں میں کیا کر دیتی ہے؟ مفرد مقدار سے ابہام کو دور کر دیتی ہے، معلوم ہوا کچھ مادے ایسے بھی ہوتے ہیں جن میں مقدار کے بعد تمیز تو آ رہی ہے لیکن وہ ابہام دور نہیں کر رہی۔ اشکال سمجھ میں آ رہا ہے؟ کیا اشکال ہوا؟ کہ آپ نے ہمیں کیا کہا کہ تمیز ابہام کو دور کرتی ہے ذاتِ مذکورہ سے یا ذاتِ مقدرہ سے، معلوم ہوا جہاں بھی تمیز آئے گی وہ کیا کرے گی؟ ابہام کو دور کرے گی، اور پھر آگے کہہ رہے ہیں یہ جو پہلی قسم ہے یہ مفردِ مقدار سے غالباً ابہام کو دور کرتی ہے، غالباً کا معنیٰ ہے ہمیشہ دور نہیں کرتی اکثر اوقات دور کر دیتی ہے ابہام کو، اس کا تو مطلب ہے کچھ مادے ایسے بھی رہ گئے جن میں مفردِ مقدار سے تمیز آ رہی ہے لیکن وہ ابہام کو دور نہیں کر رہی۔ یہ تو آپ کی دونوں باتوں میں تضاد آ گیا۔ ماقبل سے پتا چلا تھا کہ تمیز آتی ہی ابہام کو دور کرنے کے لیے ہے، اور اب پتا چل رہا ہے کہ اکثر دور کر دیتی ہے یہ پہلی قسم ابہام کو اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہے ابہام دور نہیں بھی ہوتا۔

تو اشکال سمجھ میں آیا؟ تو صاحبِ جامی اب آپ کو اس کا جواب دیں گے بھئی، صاحبِ جامی۔ صاحبِ جامی فرماتے

ہیں کہ بھئی دیکھو یہاں آپ نے «غَالِبًا» کو، «غَالِبًا» کو اس رفعِ خاص کے لیے قید بنایا، اس لیے آپ کو اشکال پیش آیا۔ آپ اس کو رفعِ خاص کے لیے قید نہ بنائیں بلکہ رفعِ عام کے لیے قید بنائیں۔ کس کے لیے؟ رفعِ عام کے لیے قید بنائیں۔ بھئی کیا معنیٰ؟ بھئی ایک نقشہ بنائیے بھئی پھر آپ کو بات سمجھ میں آئے گی بھئی۔ جلدی جلدی کیجیے بھئی، مختصر سا آسان سا نقشہ ہے، ان شاء اللہ پوری بات آپ کو سمجھ میں آجائے گی کہ یہ اشکال کیا ہے جس کا جواب صاحبِ جامی دینا چاہتے ہیں بھئی۔ لکھیے بھئی سطر کے درمیان میں لکھیے بھئی: «القسم الأول»۔ «القسم الأول» لکھ لیا؟ یہ قسمِ اول کیا کرتی ہے؟ رفعِ ابہام کرتی ہے، تو اس «القسم الأول» کے آگے چھوٹا سا «رفعِ ابہام» بھی لکھ لیں، بین القوسین بھئی بریکٹ کے اندر لکھ لیں «رفع الإبهام»۔ یہ قسمِ اول کیا کرتی ہے؟ رفعِ ابہام کرتی ہے، یہ تمیز کی پہلی قسم ہے نا۔ اور یہ قسمِ اول کس سے رفعِ ابہام کرتی ہے؟ مفرد سے۔ لہٰذا قسمِ اول کے نیچے «مفرد» لکھیں بھئی۔ مفرد لکھیں، لکھ لیا؟ اب اس سے یوں کریں نیچے کی طرف اس مفرد سے نیچے کی طرف دائیں بائیں دو لکیریں کھینچیں، ہم نے مفرد کی تقسیم کرنی ہے۔ ایک دائیں طرف لکیر کھینچ کر نیچے کی طرف لے جائیں، ایک دو دو انچ کی کوئی لکیر، اور اسی طرح دوسری طرف بھی دو انچ کی کوئی لکیر کھینچ کر لے جائیں۔ یہ مفرد کی ہم تقسیم کر رہے ہیں۔ ایک قسم دائیں طرف لکھ لیں «مفردِ مقدار» بھئی۔ مفردِ مقدار۔ اور دوسری طرف لکھ لیں «مفردِ غیرِ مقدار»۔ مفردِ غیرِ مقدار۔ تقسیم سمجھ میں آرہی ہے؟ یہ تمیز کی پہلی قسم ہے، یہ رفعِ ابہام کرتی ہے، کس سے کرتی ہے؟ مفرد سے کرتی ہے۔ پھر یہ مفرد کبھی کیا ہوگا؟ مقدار ہوگا اور کبھی یہ مفرد غیرِ مقدار ہوگا۔

فرض کرو، فرض کرو ادھر دیکھیے، فرض کرو وہ سارے مادے، وہ ساری ترکیبیں جن کے اندر یہ تمیز کی قسمِ اول آتی ہے اور جب بھی قسمِ اول آئے گی کس سے ابہام کو دور کرے گی؟ مفرد سے، تو فرض کرو یہ جو تمیز کی پہلی قسم ہے یعنی جن میں مفرد سے وہ ابہام کو دور کرتی ہے فرض کرو وہ سو مادے ہیں۔ کتنے ہیں؟ بھئی مادے تو وہ ترکیبیں تو بے شمار ہیں، جو بھی شخص آئے گا اپنے اپنے جملے نئے بنائے گا اور اس میں تمیز کو استعمال کرے گا تو وہ ترکیبیں تو بے شمار ہیں، فرض کر لو بات کو سمجھنے کے لیے کہ وہ کتنے مادے ہیں، کتنی ترکیبیں ہیں؟ سو ترکیبیں ہیں۔ تو لہٰذا مفرد کے آگے بین القوسین لکھ لیں بھئی بریکٹ کے اندر لکھ لیں ۱۰۰ مادے۔ سو ہندسوں کی صورت میں لکھیں بھئی ایک صفر صفر۔ ۱۰۰ مادے، ۱۰۰ مادے۔ میں نے آپ کو بتلایا بھئی کہ یہ جو مفرد ہے جن سے تمیز آکر ابہام کو دور کرتی ہے، یہ اکثر اکثر کیا ہوتا ہے؟ مقدار ہوتا ہے یا غیرِ مقدار؟ اکثر یہ جو مفرد جس سے تمیز آکر ابہام کو دور کرتی ہے، یہ اکثر کیا ہوتا ہے؟ صاحبِ کافیہ نے کیا بتلایا؟ مقدار ہوتا ہے۔ گویا اگر سو مادے ہیں تو یوں سمجھو، یوں سمجھو کوئی اسی کے لگ بھگ، کثرت بتلانا ہے نا، نصف سے جو زائد ہے وہ غالب ہے اور اکثر ہے۔ ہم خوب وضاحت کے لیے اس کو اسی فرض کر لیتے ہیں۔ تو معلوم ہوا تمیز کی پہلی قسم جو مفردِ

مقدار سے ابہام کو دور کرے اس کے فرض کرو ۸۰ مادے ہیں، تو مفردِ مقدار کے ساتھ لکھ لیں بھئی ۸۰ مادے، آٹھ صفر اور مادے لکھ لیں ہندسوں میں لکھیں، ۸۰ مادے۔ کل مادے کتنے تھے مفرد کے؟ ۱۰۰۔ تو ۸۰ اس میں پائے گئے تو باقی کس میں پائے گئے؟ غیرِ مقدار میں۔ تو مفردِ غیرِ مقدار کے ساتھ لکھ لو ۲۰ مادے، ۲۰ مادے۔ توجہ ہے؟ اب نیچے یوں کریں کہ دو تین سطریں نیچے لکھ لیں «غالباً»، «غالباً» درمیان میں بھئی، «غالباً»۔ توجہ ہے؟

بس اب اس نقشے پہ نظر رکھیں دیکھو آپ کو سارا مسئلہ سمجھ میں آجائے گا۔ اشکال کیا ہوا تھا؟ اشکال یہ ہوا تھا کہ اے صاحبِ کافیہ! آپ نے ہمیں کیا کہا کہ تمیز کی پہلی قسم ابہام کو دور کرتی ہے مقدار سے غالباً یعنی اکثر احوال میں۔ معلوم ہوا تمام احوال میں وہ ابہام کو اس سے دور نہیں کرتی، معلوم ہوا مقدار کے کچھ مادے ایسے بھی رہ جاتے ہیں جن میں تمیز تو آ جاتی ہے لیکن وہ ابہام دور نہیں ہوتا۔ تو دیکھو صاحبِ جامی آپ کو بتلائیں گے، توجہ سے اب اس نقشے پہ دیکھو۔ صاحبِ جامی آپ کو بتلائیں گے کہ یہ جو «غالباً» ہے، آپ نے اس کو قید بنایا مفردِ مقدار کے لیے، یہ جو ۸۰ مادے ہیں، یہ جو آپ نے اس کو اس کے لیے قید بنایا اس لیے خرابی لازم آئی۔ آپ اس کو اس کے لیے قید نہ بناؤ، آپ اس کو وہ جو مفرد اوپر گزرا تھا یعنی اس کے لیے قید بناؤ جس کے ۱۰۰ مادے تھے۔ آپ اس کے لیے قید بناؤ گے تو پھر اشکال ختم ہو جائے گا۔

کس طرح؟ دیکھو بھئی، دیکھو یہ جو پہلی قسم ہے جو کس سے ابہام کو دور کرتی ہے؟ مفرد سے، پھر وہ مفرد دو قسم پر ہے یا مقدار ہو گا یا غیرِ مقدار۔ تو یہ جو مفرد ہے اس کے اندر بھی رفعِ ابہام ہو گا، توجہ ہے؟ اس مفرد میں بھی کیا ہو گا؟ رفعِ ابہام ہو گا۔ اور نیچے مفرد جو مقدار ہے اس میں بھی کیا ہو گا؟ رفعِ ابہام۔ لیکن یہ رفعِ ابہام مطلق ہے یا اس میں مقدار والی قید موجود ہے؟ اس میں مقدار والی۔ توجہ ہے؟ پھر دیکھو نقشے پہ نظر رکھو، مفرد سے بھی رفعِ ابہام ہے، مفردِ مقدار سے بھی رفعِ ابہام ہے اور مفردِ غیرِ مقدار سے بھی کیا ہے؟ رفعِ ابہام۔ تمیز آ رہی ہے اس نے رفعِ ابہام کرنا ہے۔ تو اس مفرد کے کل ۱۰۰ مادے ہیں، زیادہ تر یعنی لگ بھگ یوں سمجھو ۸۰ مادے مفردِ مقدار والے ہیں تو ۲۰ مادے جن میں تمیز آ رہی ہے یہ پہلی قسم وہ مفردِ غیرِ مقدار والے ہیں۔ تو معلوم ہوا مفرد سے بھی رفعِ ابہام ہو رہا ہے اور مفردِ مقدار سے بھی رفعِ ابہام ہو رہا ہے۔ لیکن مفرد سے جو رفعِ ابہام ہے، کس سے؟ مفرد سے، وہ مفرد تو مقدار بھی ہو سکتا ہے غیرِ مقدار بھی۔ ادھر دیکھو جب میں کہوں مفرد، تو یہ مطلق ہے، اس میں نہ مقدار کی قید ہے نہ غیرِ مقدار کی، تو دونوں اس میں داخل ہو گئے۔ جیسے میں کہوں حیوان، حیوان، تو اس میں اور جانور بھی داخل ہوئے اور انسان بھی داخل ہو گیا کیونکہ اس میں کوئی قید نہیں ہے۔ تو یہاں پر بھی جب مفرد کہا جائے تو اس کے ساتھ تو نہ مقدار کی قید ہے نہ غیرِ مقدار کی تو دونوں اس کے اندر داخل ہو گئے۔ معلوم ہوا مفرد مطلق ہے، مفرد کیا ہے؟ مطلق، اس میں مقدار یا غیرِ مقدار کی قید نہیں۔ مقدار یا غیرِ مقدار کی قید لگاؤ گے تو یہ نیچے والی دو قسمیں الگ الگ بن جائیں گی، اور جب تک آپ نے قید نہیں لگائی تو اوپر مفرد مطلق ہے وہ سارے ۱۰۰ مادے اسی

کے ہیں۔ لیکن جب آپ نے قید لگا دی مقدار والی تو وہ والے ۸۰ مادے ہو گئے، اور جب آپ نے غیرِ مقدار کی قید لگا دی تو وہ والے ۲۰، تو یہ وہی ۱۰۰ کی تقسیم ہو رہی ہے ۸۰ اور ۲۰ کی طرف۔ تو معلوم ہوا مفرد وہ ہے مطلق، اور نیچے مفردِ مقدار وہ کیا ہے؟ مقید ہے، اس میں مقدار والی قید بھی آ گئی۔ توجہ ہے؟ اور اسی طرح مفردِ غیرِ مقدار وہ بھی کیا ہے؟ مقید ہے، تو معلوم ہوا مفرد ہے مطلق اور مفردِ مقدار کیا ہے؟ مقید ہے، مقید ہے۔

اور یاد رکھو جتنی قیدیں بڑھتی جائیں چیز خاص ہوتی چلی جاتی ہے۔ جیسے میں کہوں مسلمان، تو ساری دنیا کے ہر ہر مسلمان پر آپ یہ لفظ بول سکتے ہیں یہ بھی مسلمان ہے یہ بھی مسلمان ہے، چاہے جس ملک سے بھی اس کا تعلق ہو۔ لیکن اگر میں اس میں قید بڑھا دوں پاکستانی مسلمان، اب یہ لفظ صرف پاکستان کے مسلمانوں پر صادق آئے گا، دیکھو خاص ہو گیا، افراد کم ہو گئے۔ میں ایک اور قید بڑھا دیتا ہوں پاکستانی لاہوری مسلمان، اب پاکستان کے جو مسلمان ہیں ان میں سے بھی صرف لاہوری جو ہیں ان پر یہ صادق آئے گا۔ تو دیکھو جتنی قیدیں بڑھتی جائیں چیز خاص ہوتی جاتی ہے، اور جوں جوں قیدیں کم کرتے جائیں چیز عام ہوتی جاتی ہے۔ معلوم ہوا مفرد جو ہے اس میں بھی رفعِ ابہام ہے اور مفردِ مقدار میں بھی رفعِ ابہام ہے۔ لیکن مفرد میں جو رفعِ ابہام ہے وہ رفعِ مطلق ہے، اس میں مقدار یا غیرِ مقدار کی کوئی قید نہیں، تو وہاں رفعِ ابہام ہے لیکن مطلق ہے اس میں کوئی قید نہیں۔ اور اگر آپ اس میں مقدار کی قید لگا دیتے ہیں تو یہ ایک قسم بن جائے گی، تو اس میں بھی رفعِ ابہام ہے لیکن مطلق ہے یا مقید ہے؟ مقید ہے یعنی یوں کہو خاص ہے۔ وہ تھا رفعِ ابہامِ مطلق اور یہ ہے رفعِ ابہامِ مقید یعنی خاص، یہ یوں کہو رفعِ ابہامِ خاص ہے۔ نہیں بات سمجھ میں آئی؟ مفرد میں بھی کیا ہے؟ رفعِ ابہام، اور یہ مقدار میں بھی کیا ہے؟ رفعِ ابہام۔ لیکن وہ رفعِ ابہام کس قسم کا ہے؟ مطلق ہے اس میں مقدار یا غیرِ مقدار کی قید نہیں۔ اور یہاں پر بھی مفردِ مقدار سے بھی اس میں بھی کیا ہے؟ رفعِ ابہام، لیکن یہ رفعِ ابہام کس سے ہے؟ مقدار سے ہے غیرِ مقدار سے نہیں، تو یہ مقید ہے گویا یہ خاص ہے۔ تو وہ اوپر کیا ہوا مفرد؟ رفعِ ابہامِ مطلق، اور یہ مفردِ مقدار میں کیا ہوا؟ رفعِ ابہامِ خاص۔ بات سمجھ میں آ گئی؟ ذرا یہ لفظ بھی لکھ لیں، مفرد کے ساتھ لکھ لیں «رفعِ ابہامِ مطلق» بھئی۔ رفعِ ابہامِ مطلق۔ یہ مفرد کے ساتھ لکھنا ہے، مفرد کے قریب لکھ لیں یا اس کے ساتھ نیچے چھوٹا سا لکھ لیں۔ رفعِ ابہامِ مطلق، لکھ لیا؟ جی۔ اور مفردِ مقدار کے قریب چھوٹا سا لکھ لیں «رفعِ ابہامِ خاص» بھئی۔ رفعِ ابہامِ خاص بھئی۔

بات سمجھ میں آ گئی؟ بس اب یہ مقام ان شاء اللہ حل ہونے والا ہے، توجہ سے بھئی توجہ سے۔ اور یہاں ایک اور بات یاد رکھنا، ایک قیمتی بات بھئی، یاد رکھو ہر خاص کے ضمن میں عام موجود ہوتا ہے۔ ہر خاص کے ضمن میں عام موجود ہوتا ہے۔ جیسے دیکھو حیوان اور انسان۔ حیوان عام ہے کیونکہ اس میں بیل بکری وغیرہ بھی شامل ہیں اور انسان بھی شامل ہے، اور انسان اس کے اندر گائے بیل بکری وغیرہ شامل نہیں۔ تو معلوم ہوا حیوان ہے عام اور انسان ہے خاص۔ تو

جو بھی انسان ہو گا وہ حیوان ضرور ہو گا، کیونکہ انسان کسے کہتے ہیں؟ حیوانِ ناطق کو بھئی۔ تو انسان ہو گا ہی وہ جو حیوانِ ناطق ہو، معلوم ہوا وہ حیوان بھی ہے۔ تو حیوان ہوا عام اور انسان ہوا خاص، تو جو بھی انسان ہو گا وہ حیوان ضرور ہو گا، تو دیکھو ہر انسان کے ضمن میں حیوان موجود ہے۔ یا جیسے انسان، دیکھو انسان ہے کلی اور زید، عمرو، بکر وغیرہ ہیں اس کی جزئیات اور اس کے افراد، لیکن ہر فرد کے ضمن میں انسان موجود ہے۔ انسان ہے عام، زید، عمرو، بکر یہ کیا ہیں؟ خاص، تو حاصلِ کلام کیا ہوا؟ ہر خاص کے ضمن میں عام موجود ہوتا ہے۔ توجہ ہے؟ ہر انسان کے ضمن میں کیا موجود ہے؟ حیوان موجود ہے۔ اور مثال لے لو، جیسے دیکھو ایک ہے پاکستانی اور ایک ہے لاہوری۔ پاکستانی عام ہے اور لاہوری خاص ہے، اور ہر لاہوری بھی پاکستانی ہے یا نہیں؟ تو ہر لاہوری کے ضمن میں بھی پاکستانی یعنی عام موجود ہے۔ تو ہر خاص کے ضمن میں عام موجود ہوتا ہے۔ معلوم ہوا یہ جو نقشے میں آیا رفعِ ابہامِ خاص، یہ خاص ہے، اور ہر خاص کے ضمن میں کیا ہوتا ہے؟ عام اور مطلق موجود ہوتا ہے۔ تو اس رفعِ خاص کے ضمن میں رفعِ مطلق بھی موجود ہے۔ کیا؟ رفعِ مطلق بھی موجود ہے۔ بات سمجھ میں آرہی ہے؟ وہ اوپر مفرد تھا نا مفرد، اور یہ بھی مفردِ مقدار ہے نا، مقدار کے ساتھ میں نے اسی لیے مفرد کا لفظ لکھوایا، مقدار میں بھی کیا موجود؟ مفرد موجود۔ غیرِ مقدار میں بھی کیا موجود؟ مفرد، وہ مفرد ہی تو ہے۔ بات سمجھ میں آرہی ہے؟ مفرد ہی کی تو قسمیں ہیں، جیسے کلمہ کی کیا قسمیں ہیں؟ اسم، فعل اور حرف، اور اسم بھی کیا ہے؟ کلمہ ہے۔ فعل بھی کیا ہے؟ کلمہ ہے۔ حرف بھی کیا ہے؟ کلمہ۔ تو دیکھو کلمہ عام ہے اور اسم خاص ہے، لیکن ہر اسم کے ضمن میں کیا موجود ہے؟ کلمہ ہے، ہر اسم کلمہ بھی ہے۔ تو حاصل کیا ہوا؟ ہر خاص کے ضمن میں عام موجود ہوتا ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟

اب دیکھیے اس نقشے پہ نظر رکھیے، تو صاحبِ جامی فرماتے ہیں کہ یہ جو «غالباً» ہے اس کو آپ نے مفردِ مقدار کے ساتھ جوڑا، اس لیے آپ کے ذہن میں اشکال آیا۔ جب آپ نے مفردِ مقدار سے جوڑا تو دیکھو ترجمہ کیا ہوا؟ کہ تمیز کی پہلی قسم مفردِ مقدار سے غالباً ابہام کو دور کرتی ہے، توجہ سے ادھر، تمیز کی پہلی قسم مفردِ مقدار سے ابہام کو دور کرتی ہے غالباً اکثر مادوں میں، معلوم ہوا یہ مادے کس کے مراد ہیں؟ اسی مفردِ مقدار کے مادے مراد ہیں، جب آپ نے «غالباً» کو کس سے جوڑا؟ مفردِ مقدار سے۔ یاد رکھو «غالباً» کو آپ جس سے جوڑیں گے اسی کے مادے مراد ہوں گے۔ اگر آپ اس کو مفردِ مقدار سے جوڑیں گے تو مفردِ مقدار کے غالب مادے مراد ہوں گے، اور اگر آپ مفردِ مطلق سے جوڑیں گے تو اس کے غالب مادے مراد ہوں گے۔ تو آپ نے، صاحبِ جامی بتلائیں گے آپ کو، کہ بھئی یہ اشکال اس لیے پیش آیا کہ آپ نے یہ «غالباً» کو کس سے جوڑا؟ مفردِ مقدار سے جوڑا یعنی رفعِ خاص سے جوڑا۔ کس سے؟ رفعِ خاص سے، اور مفردِ مقدار کے کل مادے کتنے ہیں؟ ۸۰ ہیں، کتنے ہیں؟ ۸۰۔ تو معنیٰ کیا بن گیا؟ کہ تمیز جو ہے ان ۸۰ مادوں میں سے اکثر کے اندر ابہام کو دور کر دیتی ہے، گویا ۶۰، ۷۰ میں ابہام کو دور کر دیتی ہے لیکن ۱۰، ۱۵ پھر بھی باقی بچ جاتے ہیں۔ یہ معنیٰ خراب ہو گیا۔ معلوم ہوا کچھ مادے ہیں جن میں تمیز آرہی ہے لیکن ابہام دور نہیں ہو رہا۔ یہ اس لیے کیونکہ آپ نے اس «غالباً» کو کس سے جوڑا؟ مفردِ مقدار

سے، تو کس کے غالب مادے مراد ہوئے؟ مفردِ مقدار کے غالب مادے مراد ہوئے۔ بلکہ آپ اس «غالباً» کو اس مفرد سے جوڑیں، کس سے؟ مفرد سے یعنی وہ رفعِ ابہامِ مطلق سے جوڑیں بھئی، اور رفعِ ابہامِ مطلق جو ہے اس کے کل کتنے مادے ہیں؟ ۱۰۰ مادے ہیں۔ توجہ ہے؟ معلوم ہوا اس ۱۰۰ میں سے غالباً مراد ہیں، اس ۱۰۰ میں سے غالباً۔ تو یہ «غالباً» کو کس سے جوڑا؟ رفعِ مطلق سے۔ اب دیکھیے ادھر دیکھیے ترجمہ یہ ہو گیا کہ تمیز کی پہلی قسم مفرد سے ابہام کو دور کرتی ہے اس کے غالب مادوں میں اور وہ مفرد کس کے ضمن میں ہو گا؟ مقدار کے ضمن میں ہو گا۔ کس کے ضمن میں ہو گا؟ نہیں بات سمجھ میں آئی؟ یوں کریں اس کو ذرا لفظ بدل لیں، یہ مفردِ مقدار کے اندر رفعِ ابہامِ خاص ہے اور مفرد کے اندر کیا ہے؟ رفعِ ابہامِ مطلق، اور یہ رفعِ ابہامِ خاص کے ضمن میں بھی کیا موجود ہے؟ رفعِ ابہامِ مطلق موجود ہے۔ توجہ ہے؟ پھر ذرا دہراؤ۔ اس رفعِ ابہامِ خاص کے ضمن میں کون موجود ہے؟ رفعِ ابہامِ مطلق بھی موجود ہے۔ تو اب آپ اس «غالباً» کو جوڑیں کس سے؟ اس رفعِ مطلق سے جوڑیں۔ اب ترجمہ سنو، ترجمہ سنو، نقشے پہ نظر ہے؟ یہ جو رفعِ ابہامِ مطلق ہے یہ پایا جاتا ہے رفعِ ابہامِ خاص کے ضمن میں اکثر مادوں کے اندر۔ ترجمہ سمجھ میں آ رہا ہے؟ کیا بات ہوئی؟ کہ یہ جو رفعِ ابہامِ مطلق ہے یہ پایا جاتا ہے کس کے ضمن میں؟ رفعِ ابہامِ خاص کے ضمن میں، کس کے اندر؟ اکثر مادوں کے اندر۔ مجھے بتائیے وہ جو رفعِ مطلق ہے، اب ذرا نقشے پہ پھر نظر رکھیں، وہ جو رفعِ ابہامِ مطلق ہے یہ زیادہ تر یہ مفردِ مقدار کے ضمن میں پایا جاتا ہے یا مفردِ غیرِ مقدار کے ضمن میں؟ مفردِ مقدار۔ پھر سنو، مجھے بتائیے یہ جو رفعِ ابہامِ مطلق ہے یہ نیچے اپنی دونوں قسموں کے ضمن میں پایا جا رہا ہے، لیکن زیادہ تر کس قسم کے اندر یہ پایا جا رہا ہے؟ مفردِ مقدار کے ضمن میں پایا جا رہا ہے۔ دیکھا اب ہم نے «غالباً» کو کس سے جوڑا؟ رفعِ مطلق سے کہ یہ جو رفعِ مطلق ہے یہ زیادہ تر کس کے ضمن میں پایا جاتا ہے؟ اس رفعِ خاص میں یہ جو مفردِ مقدار ہے۔ معنیٰ سمجھ میں آیا؟ کیا معنیٰ ہوا؟ «غالباً» کو کس سے جوڑا؟ رفعِ مطلق سے جوڑا اور وہ رفعِ مطلق کس کے ضمن میں ہے؟ رفعِ خاص یہ جو مفردِ مقدار والی رفعِ خاص ہے، ہم اس کی بات، وہ دوسری جانب بھی رفعِ خاص ہے لیکن اس کو وہ جو مفردِ غیرِ مقدار ہے لیکن اس کو ذرا چھوڑ دیں۔ تو «غالباً» کو کس سے جوڑا؟ رفعِ مطلق سے، تو یہ رفعِ مطلق پایا جاتا ہے زیادہ تر کس کے ضمن میں؟ اس رفعِ خاص کے ضمن میں یہ جو مقدار والی ہے۔ یہ رفعِ مطلق زیادہ تر زیادہ ترکیبوں میں اس رفعِ خاص کے ضمن میں پایا جاتا ہے، دوسری طرف جو رفعِ خاص ہے اس کے ضمن میں یہ زیادہ نہیں پایا جاتا۔ اب معنیٰ سمجھ میں آگیا؟ تو اشکال کیا ہوا تھا؟ کہ آپ نے «غالباً» کو جوڑا ہے اس مفردِ مقدار کے ساتھ یعنی یوں کہو اس رفعِ خاص کے ساتھ جوڑا ہے، اور اس کی وجہ سے پھر اشکال ہوتا تھا۔ آپ اس کو اس رفعِ خاص کے ساتھ نہ جوڑیں بلکہ کس کے ساتھ جوڑ دیں؟ رفعِ مطلق کے ساتھ، یعنی وہ رفعِ مطلق پائی جاتی ہے اس رفعِ خاص کے ضمن میں اپنے اکثر مادوں میں یعنی ۱۰۰ میں سے ۸۰ مادوں میں یوں سمجھو اس میں پائی جاتی ہے اور تھوڑے سے مادوں میں دوسری جانب پائی جاتی ہے، اب دیکھو اشکال ختم ہو گیا۔ بات سمجھ میں آگئی؟

اب آئیے اس کو ذرا متن کی عبارت پر بھی منطبق کر لیں، دیکھیے ذرا متن کی عبارت: «فَالْأَوَّلُ عَنْ مُفْرَدٍ»، یہ «عَنْ مُفْرَدٍ» کو کس سے جوڑا تھا؟ «يَرْفَعُهُ» سے «أَيْ يَرْفَعُ الْإِبْهَامَ»، ذرا اس کو بھی متن کے ساتھ جوڑ لیں: «فَالْأَوَّلُ يَرْفَعُ الْإِبْهَامَ عَنْ مُفْرَدٍ مِقْدَارٍ غَالِبًا». توجہ ہے؟ تو دیکھو «يَرْفَعُ الْإِبْهَامَ» آیا، «يَرْفَعُ الْإِبْهَامَ» کیا ہے؟ وہی رفعِ ابہام ہے مصدر بنا لو اس سے، یہ کیا ہے؟ «يَرْفَعُ الْإِبْهَامَ» کیا ہے؟ رفعِ ابہام ہے، اور کس سے ہے رفعِ ابہام؟ «عَنْ مُفْرَدٍ مِقْدَارٍ»، رفعِ عام ہے یا رفعِ خاص ہے؟ رفعِ خاص ہے کیونکہ مقدار کی قید یہاں موجود ہے، توجہ ہے؟ تو معلوم ہوا عبارت میں رفعِ ابہامِ خاص ذکر ہو رہی ہے، اور آپ نے «غالباً» کو اسی رفعِ ابہامِ خاص کے لیے قید بنایا تھا، اسی لیے سارا اشکال پیش آیا تھا کیونکہ اس کا معنیٰ تو یہ بن گیا تھا کہ رفعِ، توجہ سے، رفعِ ابہامِ خاص کے وہ جو ۸۰ مادے ہیں ان میں سے غالب کے اندر رفعِ ابہام ہوتا ہے یعنی ۶۰ یا ۷۰ میں ہوتا ہے، باقی ۱۵، ۲۰ کے اندر رفعِ ابہام نہیں ہوتا، یہ اشکال لازم آرہا تھا کیونکہ متن میں رفعِ خاص کا ذکر ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ لیکن صاحبِ جامی نے بتلایا آپ کو کہ ہر رفعِ خاص کے ضمن میں رفعِ ابہامِ مطلق بھی موجود ہے یعنی یوں کہو رفعِ مطلق بھی موجود ہے، تو اس «غالباً» کو اس رفعِ مطلق کے لیے قید بنائیں جو اس رفعِ خاص کے ضمن میں موجود ہے۔ تو اب اشکال ختم ہوا، تو یوں کریں ترجمہ کہ تمیز کی جو پہلی قسم ہے وہ زیادہ تر رفعِ ابہامِ مطلق کرتی ہے اس رفعِ خاص کے ضمن میں، اس رفعِ خاص کے ضمن میں کیونکہ وہ رفعِ عام زیادہ تر اس رفعِ خاص کے ضمن میں پایا جاتا ہے۔ معنیٰ سمجھ میں آگیا؟ تو متن میں کیا آیا تھا؟ رفعِ خاص، اور اس کی وجہ سے اشکال پیدا ہوا تھا کیونکہ «غالباً» اسی کے لیے قید بن رہا تھا بظاہر۔ لیکن صاحبِ جامی نے آپ کو بتلایا کہ ہر خاص کے ضمن میں عام موجود ہوتا ہے، تو اس رفعِ خاص کے ضمن میں جو رفعِ عام موجود ہے یہ «غالباً» کو اس کے لیے قید بناؤ، اور رفعِ عام کے تو ۱۰۰ مادے ہیں اور اس ۱۰۰ میں سے اکثر مادے یعنی ۸۰ مادے اس کے اندر پائے جاتے ہیں، تو وہ رفعِ عام جو ہے وہ اس رفعِ خاص کے ضمن میں زیادہ پایا جاتا ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟

تو یہ معنیٰ ہے، دیکھو اب ترجمہ پھر دوبارہ دیکھ لیں۔ دیکھیے ترجمہ: «غَالِبًا أَيْ فِي غَالِبِ الْمَوَادِّ وَأَكْثَرِهَا» یعنی اس کے غالب اور اکثر مادوں میں، «أَيْ رَفْعُ الْإِبْهَامِ مُطْلَقًا» یعنی وہ جو رفعِ ابہامِ مطلق ہے «يَتَحَقَّقُ» وہ پایا جاتا ہے «فِي ضِمْنِ هَذَا الرَّفْعِ الْخَاصِّ» اس رفعِ خاص کے ضمن میں «فِي أَكْثَرِ الْمَوَادِّ» اپنے اکثر مادوں میں۔ اپنے اکثر مادوں کے اعتبار سے وہ رفعِ عام اس رفعِ خاص کے ضمن میں پایا جاتا ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ مقام حل ہو گیا۔ یہ اچھی طرح اس کو پھر دہرا لینا، یہ مشکل مقام ہے بھئی عام شروحات سے حل نہیں ہو سکے گا۔

آگے دیکھیے: «وَذَلِكَ لِأَنَّ الْإِبْهَامَ فِيهِ أَكْثَرُ» اس لیے کیونکہ اس کے اندر ابہام اکثر ہوتا ہے۔ ایک ہے مقدار، ایک ہے غیرِ مقدار، اکثر ابہام کس میں ہوتا ہے؟ مقدار میں ہوتا ہے، تو تمیز کی بھی یہیں ضرورت پڑے گی اور جب یہ آئے گی تو ابہام کو دور کر دے گی۔ اور غیرِ مقدار میں تمیز کی ضرورت کم پڑتی ہے تو تمیز بھی کم آئے گی، تو وہاں ابہام دور تو کرے گی لیکن اس

کے مواقع اور اس کی ترکیبیں کم ہوں گی بھئی۔

کہتے ہیں: «وَالْمِقْدَارُ إِمَّا مُتَحَقِّقٌ فِي ضِمْنِ عَدَدٍ نَحْوُ عِشْرُونَ دِرْهَمًا وَسَيَأْتِي». یہ تمیز جو ہے مفردِ مقدار سے ابہام کو دور کرتی ہے، یاد رکھو مقداریں کل پانچ ہیں بھئی۔ آپ کوئی چیز خریدنے جاتے ہیں کبھی کوئی چیز آپ وزن کر کے لیتے ہیں، مثلاً آپ چینی خریدنے گئے تو ایک کلو یا دو کلو یا تین کلو دکان دار وزن کر کے آپ کو دیتا ہے، تو بعض چیزوں کو وزن کر کے بیچا جاتا ہے۔ بعض چیزیں جو ہیں ان کو گن کر بیچا جاتا ہے، مثلاً آپ انڈے لینے جاتے ہیں تو دکان دار آپ کو گن کر دیتا ہے ایک درجن چاہئیں یا دو درجن چاہئیں۔ اور بعض چیزیں جو ہیں ان کی لمبائی چوڑائی ماپ کر ان کو بیچا جاتا ہے، جیسے آپ زمین خریدنا چاہتے ہیں تو اس کی لمبائی چوڑائی کو دیکھا جاتا ہے، آپ کپڑا خریدنا چاہتے ہیں تو دکان دار گزوں کے حساب سے آپ کو دیتا ہے، تو بعض چیزوں کو ناپ کر بیچا جاتا ہے۔ اور اسی طرح بعض چیزیں ہیں ان کو ماپ کر بیچا جاتا ہے، یعنی جیسے مثلاً دودھ ہے، آپ دودھ خریدنے جاتے ہیں دکان دار آپ کو تول کر دودھ نہیں دیتا، وہ ایک خاص برتن ہوتا ہے اس کے اندر ماپ کر آپ کو کہ ایک لیٹر چاہیے یا دو لیٹر چاہیے اس کے مطابق دودھ آپ کو دیتا ہے، تو یہ دیکھو برتن ہے۔ اسی طرح پٹرول آپ گاڑی میں ڈلواتے ہیں وہ وزن کر کے نہیں دیا جاتا، وہ اس کی خاص مقدار ہوتی ہے ایک لیٹر دو لیٹر جتنا آپ نے ڈلوانا ہو۔ اور بعض چیزیں جو ہیں ان کو اندازے سے مثلاً بیان کیا جاتا ہے، مثلاً ایک طرف چاول کا ایک ڈھیر ہے دوسری طرف گندم کا ایک ڈھیر لگا ہے، آپ کسی کو بتلاتے ہیں کہ یہ چاول کا ڈھیر اس گندم کے ڈھیر کے برابر ہے، دیکھو آپ نے کوئی اس کا وزن نہیں کیا اس کی پیمائش نہیں کی بس اندازے سے بیان کیا کہ یہ اس کے برابر ہے۔ تو گویا مقداریں کتنی قسم کی ہو گئیں؟ پانچ قسم کی ہو گئیں: ایک ہے وزن بھئی وزن کر کے، دوسری صورت ہے گن کر یعنی عدد کے ساتھ، اور تیسری صورت ہے کیل بھئی کیل وہی ماپنا برتن وغیرہ میں ماپ کر۔ اسی طرح قدیم زمانے میں یہ جو گندم ہے اس کو ایک بڑے سے برتن میں ماپ کر گندم وغیرہ کو بیچا جاتا تھا، جس کو قفیز کہتے تھے، ایک بڑا سا برتن ہوتا۔ آج کل بھی بعض دیہات میں ابھی بھی دنیا کے اندر بعض حصوں میں رائج ہے، بلکہ پاکستان کے بھی بعض حصوں میں رائج ہے، ابھی بھی وہ برتن کے اندر اس کو ماپ کر بیچتے ہیں، اس کو قفیز کہتے ہیں، یہ ہے کیل بھئی۔ دودھ، پٹرول یا گندم بیع کا طریقہ ہے، تو یہ قفیز استعمال ہوتا تھا گندم کے لیے اسی طرح دودھ کے لیے اور پٹرول کے لیے جیسے وہ برتن استعمال ہوتا ہے ایک لیٹر ہے یا دو لیٹر۔ اور اسی طرح کبھی کبھار چیزوں کی لمبائی وغیرہ ماپ کر بیچا جاتا ہے، اور پانچواں کیا ہے؟ مقیاس ہے یعنی اندازے کے ساتھ۔ توجہ ہے؟ تو کتنی مقداریں ہو گئیں؟ وزن، عدد، کیل، مساحت اور مقیاس۔

تو اب وہ تفصیل بیان کرنے لگے ہیں بھئی۔ کہتے ہیں: «وَالْمِقْدَارُ إِمَّا مُتَحَقِّقٌ فِي ضِمْنِ عَدَدٍ نَحْوُ عِشْرُونَ دِرْهَمًا وَسَيَأْتِي». «وَالْمِقْدَارُ» بھئی متن میں ہے «إِمَّا فِي عَدَدٍ»، متن کیا ہے؟ «إِمَّا فِي عَدَدٍ». صاحبِ جامی فرما رہے ہیں کہ یہ «فِي عَدَدٍ» یہ ہے

خبر، اور بتدا محذوف ہے اور وہ ہے «الْمِقْدَارُ». تو عبارت یوں بن گئی ادھر دیکھیے: «وَالْمِقْدَارُ إِمَّا فِي عَدَدٍ»، «وَالْمِقْدَارُ إِمَّا فِي» کہ وہ مقدار یا تو عدد میں ہوگی یا وزن میں ہوگی وغیرہ بھئی۔ تو اب یہاں پر یہ «فِي عَدَدٍ» جار مجرور آیا، اور جار مجرور کے لیے ہمیشہ کیا چاہیے؟ متعلق چاہیے، تو صاحبِ جامی نے بتلایا کہ یہ «مُتَحَقِّقٌ» سے متعلق ہے۔ «مُتَحَقِّقٌ» کہہ لو یا «مَوْجُودٌ» کہہ لو یا «ثَابِتٌ» کہہ لو جو بھی آپ کہہ لیں۔ آگے «فِي» کے بعد «ضِمْنِ» کا لفظ نکال دیا «فِي ضِمْنِ عَدَدٍ»، کہ «وَالْمِقْدَارُ إِمَّا مُتَحَقِّقٌ فِي ضِمْنِ عَدَدٍ» کہ وہ مقدار یا تو پائی جائے گی عدد کے ضمن میں۔ دراصل بتلانا یہ چاہتے ہیں کہ «الْمِقْدَارُ» ہے بتدا اور «فِي عَدَدٍ» ہے اس کی خبر، اور «الْمِقْدَارُ» تو ہے عام اور «عَدَدٍ» ہے خاص، کیونکہ مقدار صرف عدد ہے یا وزن، کیل وغیرہ بھی ہیں؟ تو مقداریں تو پانچ ہیں اور ان میں سے ایک قسم ہے عدد، تو مقدار جو بتدا ہے وہ ہے عام، اور جو آگے «فِي» کے بعد ذکر ہے وہ ہے خاص، اور «فِي» کس لیے آتا ہے؟ ظرفیت کے لیے آتا ہے۔ اور ابھی میں نے آپ کو بتلایا کہ ہر خاص کے ضمن میں کیا موجود ہوتا ہے؟ عام موجود ہوتا ہے۔ تو یہاں پر بھی یہی بتلانا چاہتے ہیں کہ «وَالْمِقْدَارُ إِمَّا مُتَحَقِّقٌ فِي ضِمْنِ عَدَدٍ» کہ وہ مقدار یا تو پائی جائے گی عدد کے ضمن میں، یعنی یہ ظرفیتِ خاص للعام ہے۔ یہاں ظرفیتِ خاص للعام ہے۔ ظرفیتِ خاص للعام کسے کہتے ہیں؟ ظرفیت، کیا معنیٰ ظرفیت؟ ظرف ہونا، یائے مشدد اور گول تا ملاتے ہیں مصدر بنانے کے لیے، «ظَرْفِيَّةُ الْخَاصِّ» خاص کا ظرف ہونا «لِلْعَامِّ» کس کے لیے؟ عام کے لیے، یعنی جو خاص ہوتا ہے وہ ظرف ہوتا ہے عام کے لیے، اس کے ضمن میں عام موجود ہوتا ہے۔ تو یہاں پر بھی یہ «فِي» ظرفیت کے لیے آیا، اور کون سی ظرفیت ہے؟ ظرفیتِ خاص للعام۔ توجہ ہے؟ پھر سنو «فِي» کے مابعد جو آتا ہے وہ ظرف بنتا ہے، اور یہاں «فِي» کے مابعد کیا ہے؟ عدد، اور عدد عام ہے یا خاص ہے؟ مقدار کو دیکھو دوسری طرف، ایک طرف ہے مقدار ایک طرف ہے عدد، تو عدد کیا ہوا؟ عدد ہوا خاص۔ تو یہاں «فِي» آیا، «فِي» کا مابعد ظرف ہوتا ہے تو «فِي» کے مابعد کیا ہے؟ عدد یعنی وہ خاص ہے، تو خاص کا ظرف ہونا کس کے لیے؟ عام کے لیے کہ وہ عام اس کے اندر ہے بھئی۔ بات سمجھ میں آگئی؟

تو کہتے ہیں «وَالْمِقْدَارُ إِمَّا مُتَحَقِّقٌ فِي ضِمْنِ عَدَدٍ» کہ وہ مقدار یا تو پائی جائے گی عدد کے ضمن میں، «نَحْوُ عِشْرُونَ دِرْهَمًا» جیسے «عِشْرُونَ دِرْهَمًا»۔ «عِشْرُونَ» میں نے کہا، «عِشْرُونَ» سے پتا نہیں چلا کہ معدود کیا ہے، اس کی ذات کیا ہے جس کو بیان کیا جا رہا ہے؟ تو آگے «دِرْهَمًا» نے آکر اس ابہام کو دور کر دیا، تو یہ تمیز ہے مفردِ مقدار سے بھئی۔ تو کہتے ہیں «نَحْوُ عِشْرُونَ دِرْهَمًا وَسَيَأْتِي ذِكْرُ تَمْيِيزِ الْعَدَدِ وَبَيَانُهُ فِي بَابِ أَسْمَاءِ الْعَدَدِ» اور عنقریب جو ہے عدد کی تمیز کا ذکر آجائے گا «وَبَيَانُهُ» اور اس کا بیان آجائے گا «فِي بَابِ أَسْمَاءِ الْعَدَدِ» اسمائے عدد کے باب میں۔ صاحبِ کافیہ نے کیا فرمایا؟ «نَحْوُ عِشْرُونَ دِرْهَمًا وَسَيَأْتِي» اور عنقریب آجائے گا، بھئی یہ عدد سے جو آگے تمیز آتی ہے «عِشْرُونَ دِرْهَمًا»، یہ «عِشْرُونَ» کے بعد جو «دِرْهَمًا» ہے یہ تمیز ہے، کہتے ہیں اس کا مفصل بیان آگے آجائے گا، عدد کا تفصیلی بیان کریں گے صاحبِ کافیہ بھئی، یعنی وہاں پر یہ جو عدد سے جو تمیز آتی ہے وہاں وہ اس کا تفصیلی بیان کریں گے، تو یہاں جو احکام آگے ذکر ہوں گے وہ عدد کی

تمیز کے بارے میں نہیں ہے، عدد کی تمیز کا بیان آگے آئے گا، یہ عدد کے علاوہ باقی جو مقداریں ہیں ان کے آگے احکام وہ ذکر کر رہے ہیں بھئی۔

آگے دیکھیے: «وَإِمَّا فِي ضِمْنِ غَيْرِهِ» یا وہ مقدار پائی جائے گی «فِي ضِمْنِ غَيْرِهِ أَيْ غَيْرِ الْعَدَدِ» عدد کے علاوہ کے ضمن میں، «كَالْوَزْنِ» جیسے کہ وزن ہے «نَحْوُ رِطْلٌ زَيْتًا»۔ «رِطْلٌ زَيْتًا»، دیکھو رطل کی ذات میں ابہام تھا کہ یہ نصفِ من کیا چیز مراد ہے، یہ ایک رطل کیا مراد ہے؟ «زَيْتًا» نے آکر اس ابہام کو دور کر دیا۔ تو «نَحْوُ رِطْلٌ زَيْتًا فَإِنَّ الرِّطْلَ نِصْفُ مَنٍّ» اس لیے کیونکہ رطل جو ہے وہ تو نصفِ من ہے، رطل کی مقدار تو ہمیں معلوم ہے، لیکن ذات کا ہمیں پتہ نہیں جنس کا نہیں پتہ، وہ «زَيْتًا» نے آکر بتلا دیا۔

«وَنَحْوُ مَنَوَانِ سَمْنًا» جی جیسے «مَنَوَانِ سَمْنًا»، «أَيْ عِنْدِي مَنَوَانِ سَمْنًا» میرے پاس دو من گھی ہے، «سَمْنٌ» گھی کو کہتے ہیں بھئی گھی۔ اور یاد رکھنا اس کو «مَنَوَانِ» پڑھنا نون پر فتحہ ہے بھئی نون پر فتحہ۔ «مَنَوَانِ» یہ تثنیہ ہے، کس کی تثنیہ ہے؟ جی؟ «مَنٌّ» کی؟ نہیں بھئی یہ «مَنٌّ» کی تثنیہ نہیں ہے، اگر «مَنٌّ» کی ہوتی تو پھر «مَنَّانِ» ہونا چاہیے تھا الف نون ساتھ بڑھا دیں۔ یاد رکھو یہ «مَنًا» کی تثنیہ ہے «مَنًا»، جیسے «عَصًا»، «عَصًا» اصل میں کیا تھا؟ «عَصَوٌ» تھا، اسی طرح «مَنًا» بھئی یہ بھی اصل میں «مَنَوٌ» تھا بھئی۔ «مَنٌّ» میں نون مشدد ہے اور اس میں ساتھ آخر میں الف ہے، بلکہ وہ الف بھی پہلے واو تھا۔ پہلے کیا تھا؟ «مَنَوٌ»، پھر واو متحرک ماقبل فتحہ کس سے بدلا؟ الف سے، تو کیا بن گیا؟ «مَنَانٌ»، پھر الف بھی اجتماعِ ساکنین سے گر جائے گا کیسے پڑھیں گے؟ «مَنًا»، «مَنًا»۔ ہاں اگر الف لام ہو پھر آخر میں تنوین نہیں آئے گی، جب تنوین نہیں آئے گی تو پھر الف بھی اجتماعِ ساکنین کی وجہ سے نہیں گرے گا کیونکہ اجتماعِ ساکنین ہی نہیں ہے، تو پھر «الْمَنَا» پڑھیں گے، جیسے «عَصًا» اس پر الف لام آئے تو کیا پڑھتے ہیں؟ «الْعَصَا»۔ البتہ یاد رکھنا «مَنٌّ» اور «مَنًا» دونوں کا معنیٰ ایک ہی ہے بھئی۔ «عَصًا» کی تثنیہ کیا آتی ہے؟ «عَصَوَانِ»، تو یہاں پر بھی «مَنًا» کی تثنیہ کیا؟ «مَنَوَانِ»، وہ الف واپس واو سے بدل گیا بھئی۔ تو کہتے ہیں «وَنَحْوُ مَنَوَانِ سَمْنًا» جی دو من گھی بھئی۔ تو دیکھو «مَنَوَانِ» سے اتنا تو پتہ چل رہا تھا دو من ہیں لیکن کیا چیز ہے جنس کا پتہ نہیں تھا، «سَمْنًا» تمیز نے آکر اس ابہام کو دور کیا۔

«وَكَالْكَيْلِ» اور جیسے کہ کیل ہے، میں نے بتایا کیل جو ہے وہ ایک برتن کے اندر مقدار ماپ کر دی جاتی ہے جیسے دودھ ایک لیٹر لیتے ہیں یا پٹرول آپ لیتے ہیں ایک لیٹر دو لیٹر وغیرہ، یا وہ جو گندم بیچی جاتی تھی وہ ایک قفیز یا دو قفیز ایک بڑا برتن ہوتا تھا۔ تو کہتے ہیں «وَكَالْكَيْلِ» اور جیسے کہ کیل ہے «نَحْوُ قَفِيزَانِ بُرًّا»۔ «بُرٌّ» گندم کو کہتے ہیں۔ «قَفِيزَانِ بُرًّا أَيْ عِنْدِي قَفِيزَانِ بُرًّا» میرے پاس دو قفیز ہیں گندم کے۔ تو «قَفِيزَانِ» میرے پاس دو برتن ہیں بھئی، بھئی برتن کیا چیز ہے اس میں کس چیز کی جنس ہے وہ اس کا پتہ نہیں تھا «بُرًّا» نے آکر اس ابہام کو دور کر دیا۔

«وَكَالذِّرَاعِ» اور جیسے ذراع ہے، ذراع آپ جانتے ہیں شرعی گز بھئی یہ ڈیڑھ فٹ کے برابر ہوتا ہے۔ تو «وَكَالذِّرَاعِ» اور

جیسے کہ ذراع ہے، یہ وہ مقداریں بیان کر رہے ہیں بھئی کہ وہ مقدار یا تو عدد کے ضمن میں پائی جائے گی، یا وزن کے ضمن میں، یا جیسے کیل کے ضمن میں، یا کبھی ذراع کے ضمن میں ہوگی، «نَحْوُ ذِرَاعٌ ثَوْبًا أَيْ عِنْدِي ذِرَاعٌ ثَوْبًا» میرے پاس ایک ذراع کپڑا ہے۔ «ذِرَاعٌ» کی ذات میں ابہام تھا «ثَوْبًا» تمیز نے آکر ابہام کو دور کر دیا۔

«وَكَالْمِقْيَاسِ» اور جیسے کہ اندازہ ہے بھئی «نَحْوُ» مثال کے طور پر «عَلَى التَّمْرَةِ مِثْلُهَا زُبْدًا»۔ «عَلَى التَّمْرَةِ» کھجور پر ہے «مِثْلُهَا» اس کے برابر، ہا ضمیر تمرہ کو راجع ہے، کھجور پر اس کے برابر ہے، بھئی کیا چیز ہے اس کے برابر؟ «مِثْلُ» میں ابہام تھا، مثل کا کیا معنیٰ؟ برابر۔ تو کھجور پر اسی کے برابر ہے بھئی وہ کیا چیز ہے؟ «زُبْدًا» نے آکر ابہام کو دور کر دیا کہ مثل سے کیا مراد ہے؟ زبد یعنی مکھن مراد ہے۔ کھجور پر اسی کے برابر مکھن ہے بھئی۔ عرب کے ہاں جب کوئی مہمان آتا تو اس کے لیے کھجوریں کاٹ کر اس میں سے گٹھلیاں نکال لیتے اور ہر کھجور پر تقریباً اسی کے برابر مکھن رکھ کر یہ مہمانوں کی خدمت میں پیش کیا جاتا تھا، تو وہی ذکر کر رہے ہیں «عَلَى التَّمْرَةِ مِثْلُهَا زُبْدًا» کھجور پر اسی کے مثل مکھن ہے۔

تو دیکھو ساری مقداریں ذکر ہو گئیں، تمام مقداریں۔ لیکن صاحبِ کافیہ نے تمام مقداریں ذکر نہیں کیں، صاحبِ کافیہ نے کیا کیا ذکر کیا؟ پہلے ذکر کیا «فِي عَدَدٍ نَحْوُ عِشْرُونَ دِرْهَمًا»، اور پھر آگے «وَسَيَأْتِي» کہا عنقریب اس کا ذکر آجائے گا یعنی بحث اس کی آگے یعنی آجائے گی بھئی۔ اور پھر کیا کہا؟ یا عدد کے علاوہ میں جیسے کہ «رِطْلٌ زَيْتًا»، «مَنَوَانِ سَمْنًا» اور «عَلَى التَّمْرَةِ مِثْلُهَا زُبْدًا»۔ کیل کی مقدار بھی ذکر نہیں کی وہ صاحبِ جامی نے ذکر کی تھی «قَفِيزَانِ بُرًّا»، ذراع کی مثال بھی ذکر نہیں کی وہ بھی صاحبِ جامی نے ذکر کی «ذِرَاعٌ ثَوْبًا»۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو کافیہ کے عام نسخوں میں یہ «قَفِيزَانِ بُرًّا» اور «ذِرَاعٌ ثَوْبًا» کی مثال نہیں، ہاں بعض کافیہ کے نسخوں میں یہ «قَفِيزَانِ بُرًّا» والی مثال بھی ہے، لیکن «ذِرَاعٌ ثَوْبًا» والی مثال کسی کافیہ کے نسخے میں نہیں۔ معلوم ہوا صاحبِ کافیہ نے تمام مقداروں کی مثال ذکر نہیں کی۔

اچھا یہاں سوال پیدا ہوا «عَلَى التَّمْرَةِ مِثْلُهَا زُبْدًا» کھجور پر اسی کے مثل مکھن ہے، «زُبْدًا» نے ابہام کو دور کیا کس سے؟ «مِثْلُ» سے۔ کس سے؟ «مِثْلُ»، اور «مِثْلُ» مفرد ہے، یہ ہے وہ ذاتِ مذکورہ جس سے «زُبْدًا» آکر ابہام کو دور کر رہا ہے۔ اور ذاتِ مذکورہ جو ہے اس سے کیا مراد ہے؟ مفرد میں نے بتایا تھا، اور مفرد وہاں کس کے مقابلے میں آیا تھا؟ جملہ، مشابہِ جملہ اور مضاف کے مقابلے میں۔ حالانکہ «مِثْلُهَا» مثل مضاف ہے ہا ضمیر کی طرف، اے صاحبِ کافیہ! آپ مثالیں دے رہے تھے مفرد کی اور اس میں تو آپ نے کس کو ذکر کر دیا؟ مضاف کو ذکر کر دیا۔ تو جواب یاد رکھنا کہ بھئی مضاف سے وہاں مطلقاً مضاف مراد نہیں ہے، وہ جو مفرد آیا تھا میں نے بتایا تھا وہ دراصل نسبت کے مقابلے میں ہے۔ کس کے؟ نسبت، اور جملے میں بھی نسبت ہوتی ہے اور شبہِ جملہ میں بھی نسبت ہوتی ہے اور مضاف اور مضاف الیہ کے درمیان بھی نسبت ہوتی ہے۔ تو لہٰذا اس لیے وہاں ذکر مضاف کو کیا تھا، اور مضاف مطلقاً ہر مضاف مراد نہیں ہے، بلکہ ایسا

مضاف جہاں اس کی نسبت میں ابہام ہو۔ مضاف کی نسبت ہوتی ہے نا مضاف الیہ کی طرف، وہ مضاف مراد ہے جس کی نسبت میں ابہام ہو، اور یہاں مثل کی جو اضافت ہا ضمیر کی طرف ہو رہی ہے اس میں کوئی ابہام نہیں ہے، تو یہاں وہ والا مضاف نہیں جو پیچھے ذکر ہوا۔ وہاں وہ مضاف مراد تھا جس کی نسبت میں کیا ہو؟ ابہام، تو یہاں صرف مثل کی ذات میں ابہام تھا، کھجور کے برابر بھئی کھجور کے برابر کیا چیز ہے مکھن ہے کوئی اور چیز ہے؟ تو یہاں صرف مثل کے اندر ابہام ہے یعنی من حیث الاضافت نہیں ابہام ویسے ہی مثل کے لفظ میں ابہام ہے بھئی۔

دیکھیے بھئی آگے کہتے ہیں: «وَالْمُرَادُ بِالْمَقَادِيرِ فِي هَذِهِ الصُّوَرِ هُوَ الْمُقَدَّرَاتُ» کہتے ہیں مقداروں سے مراد ان صورتوں کے اندر مقدرات ہیں۔ ان صورتوں کے اندر مقداروں سے کیا مراد ہیں؟ مقدرات ہیں۔ یعنی مقداریں نہیں مراد، بھئی ادھر دیکھیے جب میں نے کہا «عِنْدِي رِطْلٌ زَيْتًا» تو رطل، رطل تو بتایا تو ہے وہ نصفِ من کو کہتے ہیں اس میں کوئی ابہام ہے؟ نہیں، لیکن رطل کس چیز کا ہے اس ذات کے اندر ابہام ہے اس کی جنس میں ابہام ہے، تو مقدار میں نہیں ابہام مقدرات میں ابہام ہے۔ یا جیسے میں کہتا ہوں «عِنْدِي عِشْرُونَ» میرے پاس بیس ہیں، تو بیس انیس سے بڑا عدد اور اکیس سے جو چھوٹا عدد ہو اس کو بیس کہتے ہیں تو اس بیس میں تو کوئی ابہام نہیں۔ تو یہاں مقدار میں ابہام نہیں بلکہ وہ جو مقدر ہے جو معدود ہے اس کے اندر ابہام ہے۔ تو ان مثالوں میں کہتے ہیں مقداریں بول کر مقدرات مراد ہیں کہ ان کے اندر کیا ہے؟ ابہام ہے۔

بھئی سوال مقدرات کیسے مراد لیتے ہو، ذکر کر رہے ہیں مقدار کو اور مقدرات مراد ہیں؟ کہتے ہیں بھئی اس لیے کہ مقداروں سے وہ مقدرات ہی تو مراد ہیں کوئی الگ چیز تو نہیں۔ میں نے کہا «عِنْدِي عِشْرُونَ دِرْهَمًا» مجھے بتائیے «عِشْرُونَ» کوئی اور چیز ہے «دِرْهَمًا» کوئی اور ہے یا وہی درہم عشرون ہیں؟ وہی درہم عشرون ہیں۔ میں کہتا ہوں «عِنْدِي رِطْلٌ زَيْتًا» کیا یہ «رِطْلٌ» کوئی اور چیز ہے اور «زَيْتًا» کوئی اور چیز ہے یا اسی زیتون کے تیل کا وزن بیان ہو رہا ہے؟ اسی، تو یہاں پر اس لیے یہ مقدار بول کر کیا مراد ہیں؟ مقدرات مراد ہیں کیونکہ دونوں ایک ہی چیزیں الگ الگ ہیں ہی نہیں بھئی۔

تو کہتے ہیں: «وَالْمُرَادُ بِالْمَقَادِيرِ فِي هَذِهِ الصُّوَرِ هُوَ الْمُقَدَّرَاتُ» اور مقداروں سے مراد ان صورتوں کے اندر مقدرات ہیں، «لِأَنَّ قَوْلَكَ عِنْدِي عِشْرُونَ دِرْهَمًا» اس لیے کیونکہ آپ کا یہ کہنا کہ میرے پاس بیس درہم ہیں «وَرِطْلٌ زَيْتًا» اور ایک رطل زیتون کا تیل ہے «وَقَفِيزَانِ بُرًّا» اور میرے پاس دو قفیز گندم ہے «وَذِرَاعٌ ثَوْبًا» اور میرے پاس ایک ذراع کپڑا ہے «وَعَلَى التَّمْرَةِ مِثْلُهَا زُبْدًا» اور کھجور پر اسی کے برابر مکھن ہے، «الْمُرَادُ بِهَا الْمَعْدُودُ وَالْمَوْزُونُ وَالْمَكِيلُ وَالْمَذْرُوعُ وَالْمَقِيسُ لَا غَيْرُ» اس لیے کیونکہ ان مقداروں کے ذریعے مراد جو ہیں وہ معدود، موزون، مکیل، مذروع اور مقیس ہی ہیں «لَا غَيْرُ» ان کے علاوہ کوئی اور چیز مراد نہیں۔ یہ «عِشْرُونَ» سے یہی درہم مراد ہیں یعنی یہی معدود ہی مراد ہے «عِشْرُونَ» سے۔ «رِطْلٌ زَيْتًا» یہ «رِطْلٌ» سے یہی زیت ہی مراد ہے یہ موزون جو ہے۔ «قَفِيزَانِ بُرًّا» یہ «قَفِيزَانِ» سے یہی مکیل «بُرًّا» مراد ہے کوئی

اور چیز مراد نہیں۔ «ذِرَاعٌ ثَوْبًا» یہ «ذِرَاعٌ» سے یہی مذروع جو ثوب ہے یہی مراد ہے اور کوئی چیز نہیں مراد۔ «وَعَلَى التَّمْرَةِ مِثْلُهَا زُبْدًا» اور یہ جو مثل ہے اس کے ذریعے یہی «زُبْدًا» یہ مقیس ہی مراد ہے کوئی اور چیز مراد نہیں۔ تو یہ معنیٰ ہے «الْمُرَادُ بِهَا الْمَعْدُودُ وَالْمَوْزُونُ وَالْمَكِيلُ وَالْمَذْرُوعُ وَالْمَقِيسُ لَا غَيْرُ» ان مقداروں کے ذریعے مراد جو ہیں وہی وہ معدود، موزون، مکیل، مذروع اور مقیس ہی ہیں «لَا غَيْرُ» نہ کہ ان کے علاوہ۔

«وَإِنَّمَا اقْتَصَرَ الْمُصَنِّفُ رَحِمَهُ اللَّهُ عَلَى الْأَمْثِلَةِ الثَّلَاثَةِ»، بھئی دیکھیے میں نے بتایا صاحبِ کافیہ نے یہاں تمام مقداروں کی مثالیں ذکر نہیں کیں، تمام مقداروں کی مثالیں ذکر نہیں کیں۔ باقی مقداروں کی مثالیں کیوں نہیں ذکر کیں؟ تو صاحبِ جامی آپ کو بتلائیں گے، صاحبِ جامی کہ دراصل صاحبِ کافیہ ان چیزوں کو بیان کرنا چاہتے ہیں جس کے ذریعے وہ مفرد تام ہوتا ہے جس سے آگے تمیز آرہی ہے۔ ادھر دیکھیے یاد رکھو، یہ جو تمیز ہے نا یہ منصوب ہوتی ہے، تو یہ جو پہلی قسم ہے تمیز کی جو ذاتِ مذکورہ سے آئے یعنی مفرد سے آئے، اس کے اندر عامل یہی مفرد ہوتا ہے، اس تمیز کے اندر عامل یہی مفرد ہوتا ہے۔ یعنی یوں کہو کہ وہ تمیز جو مفرد سے آتی ہے اس کے اندر وہ مفرد جو مبہم ہے اور تام ہے وہ عامل ہے۔ پھر دہراؤ یہ میرے لفظ دہراؤ، کہ یہ جو مفرد سے تمیز آتی ہے اس کے اندر کون عامل ہوتا ہے؟ وہ مفرد جو مبہم ہے، مبہم ہے جبھی تو تمیز آرہی ہے، وہ مفرد جو مبہم ہے اور تام ہے۔ تو مفرد سے تمیز آتی ہے اس کے اندر وہ مفردِ مبہم تام جو ہے وہ عمل کرتا ہے۔ تام کا کیا معنیٰ؟ جو پورا ہو، جو پورا ہو، یعنی مفردِ تام سے مراد وہ مفرد ہے جو ایسی حالت پر ہو کہ آگے اس کی اضافت نہ ہو سکے۔ مفردِ تام کا کیا معنیٰ؟ کہ وہ مفرد ایسی حالت پر ہو کہ آگے اس کی اضافت نہ ہو سکے۔ جیسے دیکھو «رِطْلٌ»، «رِطْلٌ» کے آخر میں کیا موجود ہے؟ تنوین، اور تنوین کے ہوتے ہوئے کسی اسم کی اضافت نہیں ہو سکتی۔ تنوین کو ہٹانا پڑے گا پھر ہی اضافت ہو سکتی ہے، تنوین کے ہوتے ہوئے اضافت نہیں۔ معلوم ہوا «رِطْلٌ» یہ مفردِ مبہم تام ہے، مفردِ مبہم تام ہے اور اس نے «زَيْتًا» کو نصب دیا ہے۔

اسی طرح دیکھو «قَفِيزَانِ»، «قَفِيزَانِ» اس کے آخر میں کیا ہے؟ نون، نونِ تثنیہ ہے، اور نونِ تثنیہ کے ہوتے ہوئے اضافت نہیں ہو سکتی، جب بھی تثنیہ کی اضافت کی جاتی ہے وہ نون گر جاتا ہے۔ تو «قَفِيزَانِ» اس وقت ایسی حالت میں ہے کہ یہ تام ہے، آگے اس کا مضاف الیہ قطعاً نہیں آسکتا۔ اگر آئے گا تو نون کو گرانا پڑے گا نون کے ہوتے ہوئے نہیں آسکتا۔ تو معلوم ہوا کبھی کوئی اسم تام ہوتا ہے تنوین کے ذریعے، کبھی نونِ تثنیہ کے ذریعے، کبھی نونِ جمع کے ذریعے، کس کے ذریعے؟ نونِ جمع کے ذریعے بھی کوئی اسم تام ہوتا ہے۔ آپ جانتے ہیں کہ اضافت کے وقت یہ نونِ جمع گر جاتا ہے، «مُسْلِمُونَ» آپ اس کی اضافت کرنا چاہتے ہیں مصر کی طرف، تو نون کے ہوتے ہوئے اضافت نہیں ہو سکتی یہ نون کو گرانا پڑے گا۔ معلوم ہوا اگر نون موجود ہے تو اس وقت اسم تام ہو چکا ہے، آگے اس کی اضافت اس وقت ممکن نہیں یعنی

آگے کوئی اس کا مضاف الیہ نہیں آ رہا۔ معلوم ہوا تنوین بھی اسم کے تام ہونے کی علامت، نونِ تثنیہ اور نونِ جمع بھی اسم کے تام ہونے کی علامت، اور اسی طرح تیسری صورت ہے اسم کے تام ہونے کی کہ کوئی آگے مضاف الیہ آجائے، جیسے «مِثْلُهَا»، «مِثْلُ» مضاف ہا ضمیر مضاف الیہ۔ اور مجھے بتائیے مضاف کی اضافت ایک مضاف الیہ کے ہوتے ہوئے دوسرے کی طرف اضافت ہو سکتی ہے؟ نہیں، ایک اسم کی اضافت ایک وقت میں ایک اسم کی طرف ہو سکتی ہے ایک سے زیادہ کی طرف نہیں ہو سکتی۔ تو جب مضاف کوئی اسم واقع ہو رہا ہو آگے اس کا مضاف الیہ آ رہا ہے تو کیا اس مضاف کی آگے دوبارہ کوئی اور مضاف الیہ آ سکتا ہے؟ نہیں آ سکتا۔ تو معلوم ہوا اسم کے تام ہونے کی تین صورتیں ہیں: یا تو اسم تام ہو گا تنوین کے ذریعے، یا نونِ تثنیہ و جمع کے ذریعے، یا اضافت کے ذریعے۔ توجہ ہے؟ جب ان تین چیزوں کے ذریعے کوئی اسم تام ہو جائے تو پھر آگے اس کا مضاف الیہ نہیں آ سکتا۔ تنوین آ رہی ہے معلوم ہوا مضاف الیہ نہیں آ سکتا، نونِ تثنیہ و جمع ہے معلوم ہوا آگے کوئی اور مضاف الیہ نہیں آ سکتا، اور اگر ایک مضاف الیہ موجود ہے تو آگے کوئی اور مضاف الیہ نہیں آ سکتا۔ بات سمجھ میں آ گئی؟

تو میں بیان یہ کر رہا تھا کہ یہ جو پہلی قسم ہے جس میں تمیز مفرد سے ابہام کو دور کرتی ہے اس میں اگر آپ سے کوئی پوچھے کہ اس تمیز کو نصب کس نے دیا، اس کے اندر عامل کیا ہے؟ تو آپ کہیں یہی مفردِ مبہم تام، مفردِ مبہم تام جو ہے یہ اس کے اندر عامل ہے۔ یا مختصر لفظوں میں یوں کہو کہ تمیز کی پہلی قسم کو اسمِ تام نصب دیتا ہے۔ کون نصب دیتا ہے؟ اسمِ تام نصب دیتا ہے یعنی وہ اسم جو تنوین یا نونِ تثنیہ و جمع یا مضاف الیہ کے ذریعے تام ہو رہا ہو، تو وہ اسمِ تام جو ہے تمیز کو نصب دیتا ہے۔ تو یہ اس کے اندر عامل ہے۔ بھئی یہ کیسے اس کے اندر عامل ہے؟ چلو یہ آگے تفصیل آ رہی ہے۔ بہرحال یہاں پہلے یہاں تک بات سمجھ لیں، کہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ صاحبِ کافیہ نے تمام مقداروں کی مثالیں کیوں ذکر نہیں کیں؟ تو صاحبِ جامی آپ کو بتلائیں گے کہ دراصل وہ آپ کو بتلانا چاہتے ہیں صرف وہ چیزیں جن کے ذریعے اسم تام ہوتا ہے۔ چنانچہ ایک مثال کس کی ذکر کی؟ «رِطْلٌ زَيْتًا» یہ رطل تام ہو رہا ہے کس کے ذریعے؟ تنوین کے ذریعے۔ ایک مثال ہے «وَمَنَوَانِ سَمْنًا» یہ منوان کیا ہے؟ یہ تام ہو رہا ہے کس کے ذریعے؟ نونِ تثنیہ کے ذریعے۔ اور «عَلَى التَّمْرَةِ مِثْلُهَا زُبْدًا» یہ مثل تام ہو رہا ہے کس کے ذریعے؟ مضاف الیہ کے ذریعے، تو ان تینوں کی مثالیں ذکر کرنا مقصود تھا۔ اور پیچھے «عِشْرُونَ دِرْهَمًا» بھی آیا تھا لیکن اس کو تو صاحبِ کافیہ نے یوں کہو اگلی بحث کے حوالے کر دیا اور کیا فرمایا؟ «نَحْوُ عِشْرُونَ دِرْهَمًا وَسَيَأْتِي» کہ اس کا ذکر عنقریب آگے آجائے گا، گویا یہاں یہ تین مثالیں ہی انہوں نے ذکر کیں بھئی۔ بات سمجھ میں آ گئی؟ یا یوں کہیں کہ «عِشْرُونَ» اور «مَنَوَانِ» کو ایک ہی مثال بنائیں کیونکہ «عِشْرُونَ» میں نونِ جمع ہے تو «مَنَوَانِ» میں نونِ تثنیہ ہے دونوں نونوں کا ایک ہی حکم ہے، ان کے ذریعے اسم تام ہوتا ہے، تو گویا تین مثالیں ذکر کیں۔ تو صاحبِ کافیہ کا یہاں

مقصد مقداریں گنوانا نہیں ہے بلکہ وہ بتلانا چاہتے ہیں کوئی اسم کن چیزوں کے ذریعے تام ہوتا ہے، کبھی تنوین سے تام ہو گا، کبھی نونِ تثنیہ و جمع سے تام ہو گا اور کبھی مضاف الیہ کے ذریعے تام ہو گا وہ بتلانا چاہتے ہیں۔

اور ایک اور بات یاد رکھنا یہ «عِشْرُونَ» اس کے اندر یہ نون کون سا ہے؟ «عِشْرُونَ» کے اندر۔ بظاہر لگتا ہے یہ نونِ جمع ہے، نہیں یہ نونِ جمع نہیں یہ نون ہے مشابہِ جمع۔ یہ نون کون سا ہے؟ مشابہِ جمع، جمع کے مشابہ ہے جمع والا نہیں، اس لیے کیونکہ جمع کے کم از کم افراد تین ہوتے ہیں، «مُسْلِمٌ» کی جمع کیا؟ «مُسْلِمُونَ» تو کم از کم کتنے افراد ہوں گے؟ تین یا زیادہ۔ تو اگر «عِشْرُونَ» کو بھی جمع قرار دیا جائے «عَشْرٌ» کی تو «عِشْرُونَ» میں کم از کم کتنے عشرہ ہونے چاہئیں؟ تین ہونے چاہئیں یعنی تیس پر اس کا اطلاق ہونا چاہیے، حالانکہ «عِشْرُونَ» تیس کو تو نہیں کہتے، «عِشْرُونَ» تو بیس کو کہتے ہیں۔ معلوم ہوا یہ جو «عِشْرُونَ» میں جو نون آیا ہے یہ جمع والا نہیں بلکہ مشابہِ جمع ہے یعنی اس کے احکام سارے اسی کی طرح ہیں لیکن یہ جمع والا نہیں یہ مشابہِ جمع ہے۔

تو کہتے ہیں: «وَإِنَّمَا اقْتَصَرَ الْمُصَنِّفُ رَحِمَهُ اللَّهُ عَلَى الْأَمْثِلَةِ الثَّلَاثَةِ» اور مصنف رحمہ اللہ نے تین مثالوں پر اکتفا فرمایا، دیکھو تین مثالیں تو نہیں ہیں پیچھے تو چار مثالیں ہیں، لیکن کہتے ہیں چونکہ یا تو یوں کہیں اس میں نونِ جمع ہے یوں سمجھیں اور آگے نونِ تثنیہ بھی ہے تو اس کو ایک ہی مثال کے درجے میں شمار کریں، یا اس لیے کیونکہ اس کے بعد چونکہ کہہ دیا «وَسَيَأْتِي» کہ اس کا بیان آگے آجائے گا تو اس کو آگے کے حوالے کر دیا تو گویا تین ہی مثالیں ہیں۔ تو کہتے ہیں: «وَإِنَّمَا اقْتَصَرَ الْمُصَنِّفُ رَحِمَهُ اللَّهُ عَلَى الْأَمْثِلَةِ الثَّلَاثَةِ» اور مصنف نے اکتفا کیا تین مثالوں پر «لِأَنَّهُ كَانَ مَطْمَحُ نَظَرِهِ التَّنْبِيهَ عَلَى بَيَانِ مَا يَتِمُّ بِهِ الْمُفْرَدُ»۔ «لِأَنَّهُ كَانَ مَطْمَحُ نَظَرِهِ»، «مَطْمَحٌ»، «طَمَحَ يَطْمَحُ طُمُوحًا» کا معنیٰ ہے کسی چیز کی طرف نظر اٹھانا، آپ یوں نظر اٹھاتے ہیں کسی چیز کی طرف یہ ہے طموح بھئی، یہ کیا ہے؟ طموح، «طَمَحَ يَطْمَحُ طُمُوحًا» اور اسی سے یہ «مَطْمَحُ نَظَرِهِ»۔ «مَطْمَحُ» یا تو یہ ظرف ہے یا یہ مصدرِ میمی ہے، مصدرِ میمی ہے، تو بعض شارحین نے لکھا کہ یہ مصدرِ میمی ہے بھئی۔ «مَطْمَحُ نَظَرِهِ أَيِ ارْتِفَاعُ نَظَرِهِ»۔ «مَطْمَحُ» کا معنیٰ مصدر ہوا نا نظر اٹھانا تو «ارْتِفَاعُ نَظَرِهِ» اس کی نظر کا اٹھانا، مراد وہ ہے وہ جو منظورِ نظر ہے یعنی مصدر بمعنیٰ اسمِ مفعول کے ہے جس کی طرف نظر اٹھائی جائے، تو جس چیز کی طرف نظر اٹھائی جائے مراد مقصود ہے۔ مراد کیا ہے؟ مصنف کا مقصود یہاں مقداریں گنوانا نہیں ہے بلکہ متنبہ کرنا ہے کہ اسم کتنی چیزوں پر تام ہوتا ہے، کبھی تنوین پر کبھی نون پر اور کبھی اضافت کے ساتھ، تو وہ بتلانا چاہتے ہیں۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو «مَطْمَحُ» کو یا تو مصدرِ میمی بنا لیں یا «مَطْمَحُ» ظرف کا صیغہ بنا لیں اور بمعنیٰ محل کے کر لیں، «مَطْمَحُ» نظر اٹھانے کی جگہ لیکن کس معنیٰ میں کر لیں؟ محل، «أَيْ مَحَلُّ نَظَرِهِ» ان کی نظر کا محل یعنی جو ان کا مقصود ہے۔ تو کہتے ہیں: «وَإِنَّمَا اقْتَصَرَ الْمُصَنِّفُ رَحِمَهُ اللَّهُ عَلَى الْأَمْثِلَةِ الثَّلَاثَةِ» مصنف رحمہ اللہ نے تین مثالوں پر اکتفا فرمایا «لِأَنَّهُ كَانَ مَطْمَحُ نَظَرِهِ» اس لیے کیونکہ مصنف کا مقصود جو ہے «التَّنْبِيهَ» وہ متنبہ کرنا ہے «عَلَى بَيَانِ مَا يَتِمُّ بِهِ الْمُفْرَدُ» اس چیز کے بیان پر جس کے ذریعے

کوئی مفرد تام ہوتا ہے، «وَهُوَ التَّنْوِينُ» اور وہ تنوین ہے «كَمَا فِي رِطْلٌ زَيْتًا» جیسے کہ «رِطْلٌ زَيْتًا» کے اندر ہے، اس میں دیکھو تنوین جو ہے رطل کو تام کر رہی ہے، «أَوِ النُّونُ» یا وہ نون ہو گا «كَمَا فِي مَنَوَانِ سَمْنًا» جیسے کہ «مَنَوَانِ سَمْنًا» کے اندر ہے، «أَوِ الْإِضَافَةُ» یا وہ اضافت ہو گی «كَمَا فِي عَلَى التَّمْرَةِ مِثْلُهَا زُبْدًا» جیسے اس مثال کے اندر ہے بھئی۔ «وَلِهَذَا لَمْ يَسْتَوْفِ أَقْسَامَ الْمَقَادِيرِ» اسی لیے مصنف نے پورا شمار نہیں کیا مقداروں کی قسموں کو، استیفاء کا معنیٰ ہے پورا کرنا، «وَلِهَذَا لَمْ يَسْتَوْفِ» اسی لیے مصنف نے پورا نہیں کیا «أَقْسَامَ الْمَقَادِيرِ» مقداروں کی قسموں کو «وَكَرَّرَ بَعْضَهَا» اور بعضوں کو وہ مکرر لائے، بعضوں کو وہ مکرر لائے۔ دیکھو نا «رِطْلٌ» یہ بھی وزن اور «مَنَوَانِ» یہ بھی وزن کا نام ہے، یہ کوئی کیل نہیں ہے کیل تو «قَفِيزَانِ بُرًّا» ہے، یہ دونوں وزن ہیں تو دونوں کو مکرر لائے۔ یا یوں کہیں کہ «عِشْرُونَ» کے اندر بھی نون ہے اور «مَنَوَانِ» کے اندر بھی نون ہے تو یہ مثالیں کیا ہو گئیں جس میں نون ہے وہ مکرر ہو گئیں۔ تین قسم کی مثالیں لانا مقصود تھا اور وہ تینوں لے آئے ہیں۔

«وَلِهَذَا لَمْ يَسْتَوْفِ أَقْسَامَ الْمَقَادِيرِ» اسی لیے مصنف نے مقداروں کی قسمیں جو ہیں ان کو پورا شمار نہیں کیا «وَكَرَّرَ بَعْضَهَا» اور ان میں سے بعض کو مکرر لائے۔ «وَمَعْنَى تَمَامِ الِاسْمِ» بھئی اسم کے تام ہونے کا کیا معنیٰ؟ میں نے ابھی بیان کر دیا کہ وہ اسم ایسی حالت پر ہو کہ اس کی اس حالت میں اضافت نہ ہو سکے۔ تنوین ہے، نونِ جمع یا تثنیہ ہے یا ایک مضاف الیہ پہلے سے موجود ہے تو اب ان کی آگے اضافت نہیں ہو سکتی۔ تو کہتے ہیں: «وَمَعْنَى تَمَامِ الِاسْمِ» اور اسم کے تام ہونے کا معنیٰ یہ ہے «أَنْ يَكُونَ عَلَى حَالَةٍ» کہ وہ اسم ایسی حالت پر ہو «لَا يُمْكِنُ إِضَافَتُهُ مَعَهَا» کہ ممکن نہ ہو اس اسم کی اضافت کرنا «مَعَهَا» اس حالت کے ساتھ۔ «وَالِاسْمُ مُسْتَحِيلُ الْإِضَافَةِ» اور اسم جو ہے مستحیل الاضافت ہوتا ہے یعنی اس کی اضافت محال ہوتی ہے، اسم کی اضافت محال، یاد رکھو محال محال کا معنیٰ ہے ناممکن ناممکن، یہ اردو میں مَحال ہے اصل عربی لفظ مُحال ہے میم کے ضمہ کے ساتھ، تو کہیں عربی عبارت میں آئے تو وہاں مُحال پڑھنا اور اردو میں استعمال کریں تو اردو میں یہ رائج ہی میم کے فتحہ کے ساتھ ہو گیا ہے بھئی۔ بات سمجھ میں آ گئی؟ اردو میں یہ رائج ہی میم کے فتحہ کے ساتھ ہو گیا ہے اور ضابطہ ہے: «الْغَلَطُ الرَّائِجُ أَفْصَحُ مِنَ الصَّحِيحِ غَيْرِ الرَّائِجِ»۔ «الْغَلَطُ الرَّائِجُ» وہ غلط جو رائج ہو جائے مشہور ہو جائے سب اسی طرح استعمال کر رہے ہیں تو «الْغَلَطُ الرَّائِجُ أَفْصَحُ» وہ زیادہ فصیح ہے کس کے مقابلے میں؟ «مِنَ الصَّحِيحِ غَيْرِ الرَّائِجِ» صحیح غیرِ رائج کے مقابلے میں۔ کہتے ہیں: «وَالِاسْمُ مُسْتَحِيلُ الْإِضَافَةِ» اور اسم جو ہے وہ مستحیل الاضافت ہوتا ہے یعنی اس کی اضافت محال ہوتی ہے «مَعَ التَّنْوِينِ» تنوین کے ساتھ «وَنُونَيِ التَّثْنِيَةِ وَالْجَمْعِ» اور تثنیہ اور جمع کے دو نونوں کے ساتھ «وَمَعَ الْإِضَافَةِ» اور اضافت کے ساتھ، ان تین چیزوں کے ساتھ اسم مستحیل الاضافت ہوتا ہے، «لِأَنَّ الْمُضَافَ لَا يُضَافُ ثَانِيًا» اس لیے کیونکہ مضاف کو دوبارہ مضاف نہیں کیا جاتا۔

«فَإِذَا تَمَّ الِاسْمُ بِهَذِهِ الْأَشْيَاءِ شَابَهَ الْفِعْلَ إِذَا تَمَّ بِالْفَاعِلِ»۔ اب دیکھیے بھئی ادھر دیکھیے، میں نے بتایا یہ جو مفرد سے

تمیز آتی ہے اس کو نصب کون دیتا ہے؟ یہی مفردِ مبہم تام۔ بھئی یہ کیسے نصب دیتا ہے؟ کہتے ہیں دراصل اس کی مشابہت آگئی فعل کے ساتھ، جیسے فعل فاعل کے ذریعے تام ہو جاتا ہے اور اس کے بعد پھر وہ مفعول کو نصب دیتا ہے، تو اسی طرح یہاں پر بھی یہ جو اسم آیا مثلاً «رِطْلٌ»، یہ «رِطْلٌ» تنوین کے ذریعے تام ہو گیا تو جیسے فعل فاعل کے ساتھ تام ہوتا ہے، تو اس «رِطْلٌ» کی مشابہت کس کے ساتھ آگئی؟ فعل کے ساتھ، اور فعل جب تام ہو جائے تو پھر وہ مفعول بہ کو نصب بھی دیتا ہے، تو یہ «رِطْلٌ» بھی جب تنوین کے ساتھ تام ہو گیا تو اب اس نے آگے تمیز کو نصب دے دیا۔ تو کہتے ہیں: «فَإِذَا تَمَّ الِاسْمُ بِهَذِهِ الْأَشْيَاءِ» جب اسم تام ہو گیا ان چیزوں کے ذریعے «شَابَهَ الْفِعْلَ» تو یہ فعل کے مشابہ ہو گیا «إِذَا تَمَّ بِالْفَاعِلِ» جب فعل فاعل کے ذریعے پورا ہو جائے۔ جب اسم ان چیزوں کے ذریعے تام ہوا تو یہ مشابہ ہوا فعل کے ساتھ جب وہ تام ہو جائے فاعل کے ساتھ، «وَصَارَ بِهِ كَلَامًا تَامًّا» اور اس کی وجہ سے کلام تام ہو جاتا ہے۔ ادھر دیکھیے فعل کے ساتھ جب فاعل ملتا ہے تو کلام کیا ہو جاتا ہے؟ تام۔ پھر دیکھیے ترجمہ: «فَإِذَا تَمَّ الِاسْمُ بِهَذِهِ الْأَشْيَاءِ» جب اسم تام ہو گیا ان چیزوں کے ذریعے یعنی تنوین اور نونِ تثنیہ یا جمع اور اضافت کے ساتھ، تو «شَابَهَ الْفِعْلَ إِذَا تَمَّ بِالْفَاعِلِ» تو یہ مشابہ ہو گیا اس فعل کے جب وہ تام ہو جائے فاعل کے ذریعے، فعل جب تام ہو جائے فاعل کے ذریعے «وَصَارَ بِهِ كَلَامًا تَامًّا» اور اس فاعل کی وجہ سے وہ کلام تام ہو جاتا ہے۔ «فَيُشَابِهُ التَّمْيِيزُ الْآتِي بَعْدَهُ الْمَفْعُولَ» تو مشابہ ہو گئی وہ تمیز جو اس کے بعد آرہی ہے «الْمَفْعُولَ» کس کے مشابہ ہو گئی؟ مفعول، جیسے فعل فاعل کے ساتھ تام ہو جاتا ہے اور پھر آگے مفعول کو نصب دیتا ہے، تو یہاں پر اسم بھی جب ان چیزوں کے ذریعے تام ہو گیا تو آگے تمیز کس کے مشابہ ہو گئی؟ مفعول کے، تو اب وہ اس کو نصب دے گا۔ تو کہتے ہیں: «فَيُشَابِهُ التَّمْيِيزُ الْآتِي بَعْدَهُ الْمَفْعُولَ» تو مشابہ ہو گئی وہ تمیز جو اس اسم کے بعد آرہی ہے مفعول کے ساتھ، «لِوُقُوعِهِ بَعْدَ تَمَامِ الِاسْمِ» اس وجہ سے کہ وہ تمیز اسم کے پورا ہونے کے بعد واقع ہو رہی ہے «كَمَا أَنَّ الْمَفْعُولَ حَقُّهُ أَنْ يَقَعَ بَعْدَ تَمَامِ الْكَلَامِ» جیسے کہ مفعول جو ہے اس کا حق یہ ہے کہ وہ کلام کے تام ہونے کے بعد واقع ہوتا ہے، مفعول کا حق یہ ہے کہ کلام کے تام ہونے کے بعد یعنی فاعل کے بعد آتا ہے، کبھی مقدم بھی ہو جاتا ہے لیکن حق اس کا کیا ہے؟ اس کو کلام کے تام ہونے کے بعد یعنی فاعل کے بعد آنا چاہیے، تو تمیز بھی اسی طرح تنوین، نونِ تثنیہ و جمع اور اضافت کے بعد آتی ہے۔ «كَمَا أَنَّ الْمَفْعُولَ حَقُّهُ أَنْ يَقَعَ بَعْدَ تَمَامِ الْكَلَامِ» جیسے کہ مفعول جو ہے اس کا حق یہ ہے کہ وہ تمامِ کلام کے بعد واقع ہو، «فَيَنْصِبُهُ ذَلِكَ الِاسْمُ التَّامُّ قَبْلَهُ» تو اس تمیز کو پھر نصب دے دیتا ہے وہ اسمِ تام «قَبْلَهُ» جو اس تمیز سے قبل ہے، کیوں نصب دیتا ہے؟ «لِمُشَابَهَتِهِ الْفِعْلَ التَّامَّ بِفَاعِلِهِ» اس لیے کیونکہ اس اسمِ تام کی مشابہت ہے اس فعل کے ساتھ «التَّامَّ بِفَاعِلِهِ» جو پورا ہو رہا ہے اپنے فاعل کے ذریعے۔ «وَهَذِهِ الْأَشْيَاءُ إِنَّمَا قَامَتْ مَقَامَ الْفَاعِلِ» اور یہ چیزیں فاعل کے قائم مقام ہو گئیں، بھئی یہ چیزیں تنوین، نونِ تثنیہ و جمع اور مضاف الیہ آپ نے ان کو فاعل کے قائم مقام کیسے

کر دیا؟ کہتے ہیں بھئی جیسے فاعل فعل کے بعد آتا ہے کبھی فعل پر مقدم نہیں ہوتا، یہ چیزیں بھی اس اسم کے بعد آتی ہیں اس پر کبھی مقدم نہیں ہوتیں اس لیے وہ اسم فعل کے مشابہ اور یہ چیزیں فاعل کے مشابہ ہو گئیں کیونکہ یہ اس اسم کے بعد آ رہی ہیں۔ کہتے ہیں: «وَهَذِهِ الْأَشْيَاءُ إِنَّمَا قَامَتْ مَقَامَ الْفَاعِلِ» اور یہ چیزیں جو ہیں فاعل کے قائم مقام ہو گئیں «لِكَوْنِهَا فِي آخِرِ الِاسْمِ» اس وجہ سے کہ یہ اسم کے آخر میں ہیں «كَمَا كَانَ الْفَاعِلُ عَقِبَ الْفِعْلِ» جیسے کہ فاعل جو ہے فعل کے پیچھے ہوتا ہے، فعل کے بعد ہوتا ہے۔

«أَلَا تَرَى» کیا آپ دیکھتے نہیں؟ اب دیکھیے بھئی، اسم جو ہے کبھی تنوین سے تام ہو رہا ہے، کبھی نونِ تثنیہ و جمع سے، اور کبھی مضاف الیہ سے۔ اسی طرح الف لام ہے، اس کے ذریعے بھی اسم تام ہوتا ہے، جب اسم پر الف لام ہو پھر اضافت نہیں ہو سکتی۔ انہوں نے کیا بتایا؟ اسم تام ہونے کا کیا معنیٰ ہے؟ کہ وہ ایسی حالت پر ہو کہ اس کی اضافت اسی حالت میں نہ ہو سکے، تو الف لام بھی ایسا ہے، الف لام بھی اسم پر آ جائے تو اضافت نہیں ہو سکتی الف لام کو ہٹانا پڑے گا۔ تو لیکن کہتے ہیں اس کے بعد تمیز نہیں لا سکتے، کیوں؟ کیونکہ جب یہ چیزیں آتی تھیں یہ اسم کے بعد آتی تھیں، یہ تنوین، نون اور اضافت یہ اسم کے بعد آتی ہیں، تو یہ فاعل کے مشابہ ہو گئیں کیونکہ فاعل بھی فعل کے بعد آتا ہے۔ اور الف لام وہ تو اسم کے شروع میں آتا ہے، تو اس کی مشابہت فاعل کے ساتھ نہیں ہے، فاعل تو کبھی بھی فعل پر مقدم نہیں ہو سکتا، تو الف لام کی مشابہت فاعل کے ساتھ نہ ہوئی۔ تو معلوم ہوا وہ اسم جس پر الف لام داخل ہوا وہ فعل کے مشابہ بھی نہیں، جب وہ فعل کے مشابہ نہیں تو لہٰذا اب وہ تمیز کو نصب بھی نہیں دے سکتا۔ حالانکہ الف لام کے ذریعے بھی اسم کیا ہوتا ہے؟ تام۔ کیا معنیٰ تام ہوتا ہے؟ آگے اس کی اضافت نہیں ہو سکتی، لیکن پھر بھی جب الف لام ہو پھر تمیز نہیں لا سکتے کیونکہ الف لام شروع میں آ کر اسم کو تام کر رہا ہے، اور وہ جو چیزیں ہیں تنوین اور نون اور اضافت وہ آخر میں آ کر اسم کو تام کر رہی ہیں تو وہ فاعل کی طرح ہیں، فاعل بھی فعل کے بعد آتا ہے کبھی اس پر مقدم نہیں ہوتا جبکہ الف لام تو مقدم ہے بھئی۔

کہتے ہیں: «أَلَا تَرَى أَنَّ لَامَ التَّعْرِيفِ الدَّاخِلَةَ عَلَى أَوَّلِ الِاسْمِ»، یہ عبارت پہ نظر رکھیں بھئی، «أَنَّ لَامَ التَّعْرِيفِ الدَّاخِلَةَ» «الدَّاخِلَةَ» اس پر نصب پڑھنا، یہ تعریف کی صفت نہیں ہے «لَامَ التَّعْرِيفِ» کی صفت ہے اور «لَامَ التَّعْرِيفِ» تو منصوب ہے «أَنَّ» کا اسم ہے، وہ لامِ تعریف «الدَّاخِلَةَ» جو داخل ہو۔ تو کہتے ہیں: «أَلَا تَرَى» کیا آپ دیکھتے نہیں «أَنَّ لَامَ التَّعْرِيفِ الدَّاخِلَةَ عَلَى أَوَّلِ الِاسْمِ» کہ وہ لامِ تعریف جو داخل ہو اسم کے اول پر یعنی شروع پر، «وَإِنْ كَانَ يَتِمُّ بِهَا الِاسْمُ» اگرچہ اس کے ذریعے اسم تام ہو جاتا ہے «فَلَا يُضَافُ مَعَهَا» پس اس کے ساتھ اسم کی اضافت نہیں کی جاتی، تو یہ جو لامِ تعریف

ہے جس کے ذریعے اسم تام ہوتا ہے اس کے ساتھ اسم کی اضافت نہیں کی جاتی «لَا يَنْتَصِبُ التَّمْيِيزُ عَنْهُ» تمیز منصوب نہیں ہوتی «عَنْهُ» اس کی وجہ سے، اس کی وجہ سے تمیز اس الف لام کی وجہ سے تمیز منصوب نہیں ہوتی۔ یاد رکھو یہ «عَنْ» عربی زبان میں تعلیل کے لیے آتا ہے کبھی کبھار، کسی چیز کی علت بیان کرتا ہے، یعنی یہ وہی معنیٰ ادا کرتا ہے جو باءِ سببیہ ادا کرتی ہے۔ تو کیا ترجمہ ہو گا؟ «لَا يَنْتَصِبُ التَّمْيِيزُ عَنْهُ أَيْ بِسَبَبِهِ» تمیز منصوب نہیں ہوتی اس کی وجہ سے۔ نونِ تثنیہ و جمع اور اضافت کی وجہ سے تو تمیز منصوب ہو گی لیکن یہ الف لام کی وجہ سے تمیز منصوب نہیں ہو گی۔ تو «لَا يَنْتَصِبُ التَّمْيِيزُ عَنْهُ» اس کی وجہ سے تمیز جو ہے منصوب نہیں ہوتی «فَلَا يُقَالُ» پس یوں نہیں کہا جاتا «عِنْدِي الرَّاقُودُ خَلًّا»۔ راقود کہتے ہیں بڑا مٹکا جو ہے، بڑا مٹکا، اور «خَلٌّ» سرکہ۔ آپ کسی کو بتلانا چاہتے ہیں کہ میرے پاس ایک بڑا مٹکا سرکہ موجود ہے بڑا مٹکا، تو آپ یوں نہیں کہہ سکتے «عِنْدِي الرَّاقُودُ خَلًّا»، یوں نہیں کہہ سکتے۔ یعنی آپ «خَلًّا» کو تمیز بنائیں کس سے؟ «الرَّاقُودُ» سے، یہ آپ نہیں بنا سکتے، کیوں؟ کیونکہ «الرَّاقُودُ» تام ہو رہا ہے کس کے ذریعے؟ الف لام کے ذریعے، تو اس کی مشابہت فعل کے ساتھ نہ ہوئی بھئی۔ جب فعل کے ساتھ مشابہت نہیں تو یہ تمیز کو نصب بھی نہیں دے سکتا۔ بات سمجھ میں آ گئی؟ تو کہتے ہیں «فَلَا يُقَالُ عِنْدِي الرَّاقُودُ خَلًّا» پس یوں نہیں کہا جائے گا۔ ہاں اگر آپ یہ کہنا چاہتے ہیں تو پھر الف لام کے بغیر تنوین کے ساتھ لے آئیں یوں کہیں گے: «عِنْدِي رَاقُودٌ خَلًّا»، «عِنْدِي رَاقُودٌ خَلًّا» اب یہ «رَاقُودٌ» جو ہے یہ تنوین کے ساتھ تام ہو رہا ہے، یہ «خَلًّا» تمیز کو نصب دے سکتا ہے۔

اچھا بھئی یہاں آخر میں تمیز کی ایک دو باتیں مزید یاد رکھیں، یاد رکھیں: انہوں نے آپ کو بتلایا کہ اسم تام ہوتا ہے تنوین کے ذریعے، یا نونِ تثنیہ و جمع کے ذریعے، یا مضاف الیہ کے ذریعے۔ اسی طرح یاد رکھنا یہ جو تنوین ہے یہ کبھی ظاہر ہوتی ہے کبھی مقدر ہوتی ہے۔ «عِنْدِي رِطْلٌ زَيْتًا»، «رِطْلٌ» کے اندر تنوین ظاہر ہے۔ اور بعض اوقات تنوین مقدر ہوتی ہے، چنانچہ بعض اوقات ایسا ہو گا کہ اسم تام ہو رہا ہو گا اور آگے تمیز آ رہی ہو گی اور آپ حیران ہوں گے کہ نہ تو یہاں تنوین ہے، نہ یہاں نونِ تثنیہ و جمع ہے، اور نہ یہاں اضافت ہے، تو پھر یہ تمیز کو کیسے نصب دے رہا ہے؟ تو یاد رکھنا بعض اوقات وہ تنوین مقدر ہوتی ہے، جیسے «أَحَدَ عَشَرَ»۔ یاد رکھو یہ گیارہ سے لے کر ننانوے تک جتنے عدد ہیں ان سب کی تمیز مفرد منصوب آتی ہے۔ صاحبِ کافیہ عدد کی تمیز کا بیان انہوں نے آپ کو بتلا دیا کہ آگے چل کر عدد کی بحث میں اس کو ذکر کریں گے، وہاں آپ کو بتلائیں گے کہ گیارہ سے لے کر ننانوے تک جو عدد ہیں ان کی تمیز مفرد منصوب آتی ہے۔ میں کہنا چاہتا ہوں میرے پاس گیارہ کتابیں ہیں، تو میں کہوں گا «عِنْدِي أَحَدَ عَشَرَ كِتَابًا»۔ تو «أَحَدَ عَشَرَ» یہ ہے ممیز اور «كِتَابًا» ہے اس کی تمیز۔ اب دیکھو «أَحَدَ عَشَرَ» یہاں پر نہ تنوین موجود ہے، نہ نونِ تثنیہ و جمع ہے، اور نہ یہاں اضافت ہو رہی ہے، تو پھر یہ «كِتَابًا» کو کیسے نصب دے رہا ہے؟ تو جواب یاد رکھنا کہ یہاں تنوین مقدر ہے، چونکہ یہ «أَحَدَ عَشَرَ» مبنی ہے بھئی، اور مبنی پر تنوین ظاہر نہیں ہو سکتی تو یہاں تنوین مقدر ہے۔ تو «أَحَدَ عَشَرَ كِتَابًا» یا «أَحَدَ عَشَرَ دِرْهَمًا» یا «أَحَدَ عَشَرَ دِينَارًا»۔ یا اسی طرح دہائیاں لے لیں

«عِشْرُونَ كِتَابًا»، «ثَلَاثُونَ كِتَابًا»، تو دہائیوں کے اندر تو وہ نون ہے، لیکن «أَحَدَ عَشَرَ» سے لے کر «تِسْعَةَ عَشَرَ» تک تنوین نہیں ہے، تو تنوین مقدر ہے یہاں۔ معلوم ہوا وہ تنوین کبھی لفظوں میں آتی ہے اور کبھی مقدر ہوتی ہے جس کے ذریعے کوئی اسم تام ہوتا ہے۔ یا اسی طرح جیسے «كَمْ» ہے، «كَمْ» جو ہے کنایات میں سے ہے اور اس کے بعد بھی تمیز آتی ہے «كَمْ رَجُلًا»، «كَمْ رَجُلًا»۔ اب آپ کے ذہن میں اشکال آئے گا کہ یہ «كَمْ» کے بعد «رَجُلًا» تمیز آرہی ہے حالانکہ «كَمْ» پر تنوین یا نون یا اضافت یہاں نہیں ہے، تو جواب یہ کہ «كَمْ» بھی مبنیات میں سے ہے، تو یہاں پر بھی تنوین تقدیراً ہے بھئی۔ معلوم ہوا تنوین کبھی ظاہر ہوتی ہے اور کبھی مقدر ہوتی ہے، اور دو جگہ مقدر ہے: ایک «أَحَدَ عَشَرَ» سے لے کر «تِسْعَةَ عَشَرَ» تک گیارہ سے انیس تک جو عدد ہیں، اور ایک «كَمْ» جو ہے اس میں تنوین مقدر ہوگی، اور ان کے بعد تمیز آئے گی اور وہ منصوب ہوگی۔

پھر ایک اور بات یاد رکھنا کہ تمیز ہمیشہ نکرہ ہوتی ہے، تمیز ہمیشہ نکرہ ہوتی ہے کیونکہ اس کے ذریعے مقصد ہے ابہام کو دور کرنا، تو نکرہ کے ذریعے جب ابہام دور ہو جاتا ہے تو معرفہ لانے کی کوئی حاجت نہیں ہے، تو تمیز ہمیشہ نکرہ ہوگی۔

نیز ایک اور بات یاد رکھنا، انہوں نے آپ کو بتلایا کہ کوئی اسم تام ہوتا ہے تنوین کے ذریعے یا نونِ تثنیہ و جمع کے ذریعے یا اضافت کے ذریعے پھر وہ تمیز کو نصب دیتا ہے۔ یاد رکھنا بعض اوقات اسم فی ذاتہٖ تام ہوتا ہے، اپنی ذات کے اعتبار سے ہی وہ تام ہے وہ تمیز کو نصب دے گا، اس کو کسی تنوین کی حاجت نہیں، کسی نونِ تثنیہ و جمع کی حاجت نہیں، کسی اضافت کی حاجت نہیں، اور وہ ضمیر ہے بھئی، اور وہ ضمیر اپنی ذات کے اعتبار سے ہی تام ہے تو وہ آگے تمیز کو نصب دے سکتی ہے۔ جیسے افعالِ مدح و ذم میں آپ نے پڑھا ہے: «نِعْمَ رَجُلًا»، «نِعْمَ رَجُلًا»۔ «نِعْمَ» کے اندر «هُوَ» ضمیر ممیز وہ مبہم ہے، اور «رَجُلًا» اس کی تمیز ہے اس نے ابہام کو دور کیا کہ «هُوَ» سے کون مراد ہے؟ رجل مراد ہے۔ تو یہ آپ سے اگر کوئی پوچھے «نِعْمَ رَجُلًا» یہ «رَجُلًا» کو نصب کس نے دیا؟ تو یاد رکھنا اس «نِعْمَ» کے اندر جو «هُوَ» ضمیر ہے اس نے نصب دیا ہے۔ اور پھر اشکال ہوتا ہے اس پر تو تنوین بھی نہیں ہے، نونِ تثنیہ و جمع بھی نہیں ہے، اضافت بھی نہیں ہے تو جب تک یہ چیزیں نہیں آئیں گی تو وہ اسم تو تمیز کو نصب نہیں دے سکتا؟ تو جواب یاد رکھنا کہ یہ ضمیر جو ہے اپنی ذات کے اعتبار سے ہی تام ہے بھئی۔ تو کبھی کبھار مبہم ضمیر آتی ہے اور وہ آگے تمیز کو نصب دیتی ہے۔ اسی طرح بعض نے اسمِ اشارہ کو بھی اس میں ذکر کیا ہے، لیکن جمہور کے نزدیک نہیں، بعض کے نزدیک اسمِ اشارہ بھی اپنی ذات کے اعتبار سے تام ہے وہ تمیز کو نصب دے سکتا ہے جیسے ضمیر نصب دے سکتی ہے، لیکن جمہور کے نزدیک نہیں، صرف ضمیر جو ہے وہ اپنی ذات کے اعتبار سے تام ہے وہ تمیز کو نصب دے سکتی ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟

اور یہاں پر یہ بھی یاد رکھنا بھئی، یہ جو مثال آئی «عِنْدِي الرَّاقُودُ خَلًّا»، یہ چونکہ عربی اعتبار سے یہ کلام صحیح نہیں ہے، میں

پہلے بھی بتلا چکا ہوں اب اگر آپ سے کوئی کہے کہ اس کی ترکیب کریں، تو جو کلام عربی اعتبار سے صحیح ہی نہیں ہے اس کی ترکیب بھی نہیں کی جائے گی۔ تو آپ جواب میں کہیں کہ بھئی عربی اعتبار سے یہ کلام صحیح نہیں یہ جملہ صحیح نہیں، لہٰذا اس کی ترکیب نہیں کی جا سکتی بھئی۔

اور یہاں ایک اور قیمتی بات بھی یاد رکھنا بھئی، یہ لفظ «سِمَاع» نہیں ہے «سَمَاع» ہے سین کے فتحہ کے ساتھ۔ بعض احباب نے میری اس طرف توجہ کروائی، میں ہمیشہ «سِمَاع» پڑھتا ہوں، بس کچھ لفظ ایسے ہوتے ہیں جو سن سن کر ذہن میں بیٹھ جاتے ہیں، انسان ہر لفظ کی تحقیق تو لغت میں نہیں کر سکتا۔ تو بعض احباب نے توجہ دلوائی اور لغت میں میں نے دیکھا واقعی «سِمَاع» لفظ نہیں ہے بلکہ «سَمَاع» ہے بفتحِ سین، «سَمِعَ يَسْمَعُ سَمْعًا وَسَمَاعًا» تو اسی سے «سَمَاعِيٌّ»۔ تو بعض چیزیں سماعی ہوتی ہیں یعنی عربوں سے سماع پر موقوف ہوتی ہیں اور بعض چیزیں قیاسی ہوتی ہیں بھئی۔ تو میں ہمیشہ سماعی کہتا رہا ہوں تو اب آپ نے یاد رکھنا ہے «سِمَاعِي» لفظ نہیں ہے بلکہ «سَمَاعِي» ہے بفتحِ سین بھئی۔ بات سمجھ میں آگئی؟ چلیے بس بھئی، «هَذَا هُوَ الْمَرَامُ، وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْكَلَامِ»۔

سبق نمبر ۱۵۰: التمییز (۳): تمییز کے مفرد آنے اور «عِشْرُوْنَ» تا «تِسْعُوْنَ» کی تمییز کا حکم

شرحِ ملا جامی صفحہ: ۱۳۴ — بتاریخ: ۹ فروری ۲۰۲۲ء

▪ تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث

آگے سبق دیکھیے بھائی:

فَيُفْرَدُ أَيِ التَّمْيِيزُ وَإِنْ كَانَ الاِسْمُ التَّامُّ مُثَنًّى أَوْ مَجْمُوعًا، إِنْ كَانَ أَيِ التَّمْيِيزُ جِنْسًا، وَهُوَ مَا يَتَشَابَهُ أَجْزَاؤُهُ وَيَقَعُ مُجَرَّدًا عَنِ التَّاءِ عَلَى الْقَلِيلِ وَالْكَثِيرِ، فَلَا حَاجَةَ إِلَى تَثْنِيَتِهِ وَجَمْعِهِ، كَالْمَاءِ وَالتَّمْرِ وَالزَّيْتِ وَالضَّرْبِ، بِخِلَافِ رَجُلٍ وَفَرَسٍ.

بھائی، گزشتہ سبق میں صاحبِ کافیہ نے آپ کو بتلایا تھا کہ تمییز جو ہے ذاتِ مذکورہ سے یا ذاتِ مقدرہ سے ابہام کو دور کرتی ہے، اور وہ ابہام بھی ایسا ہو جو باعتبارِ وضع کے ہو بھائی۔ تو تمییز جو ہے وہ ذات سے ابہام کو دور کرتی ہے، جبکہ اگر وصف میں کوئی ابہام ہو تو اس کو دور کرنے کے لیے صفت یا حال استعمال کیا جاتا ہے۔ اور صاحبِ جامی نے ایک بہترین مثال کے ذریعے اس کی وضاحت بھی فرما دی کہ مثلاً رِطْلٌ جو ہے یہ نصفِ من کے لیے وضع ہے۔ نصفِ من سے جو زائد ہو اس کو بھی رطل نہیں کہتے اور نصفِ من سے جو کم ہو اس کو بھی رطل نہیں کہتے۔ تو یہ رطل جو ہے نصفِ من کے لیے وضع کیا گیا، البتہ وضع کے اعتبار سے ہی اس کی ذات میں ہی ابہام ہے، ذات کا پتہ نہیں چلتا کہ کس چیز کا رطل مراد ہے۔ اور نیز وضع کے اعتبار سے ہی اس کے وصف میں بھی ابہام ہے کہ کون سا رطل مراد ہے، بغداد والا یا مکہ والا۔ تو دونوں چیزوں میں ابہام تھا وضع کے اعتبار سے۔ اب اگر ذات کے اندر جو ابہام ہے اس کو آپ دور کرنا چاہتے ہیں تو آپ تمییز لائیں گے اور یوں کہیں گے: رِطْلٌ زَيْتًا۔ اور اگر وہ ابہام جو وصف کے اندر ہے آپ اس کو دور کرنا چاہتے ہیں تو اس کے لیے صفت یا حال لے کر آئیں گے۔

اور پھر بتلایا تھا کہ ذاتِ مذکورہ سے مراد جو ہے وہ مفرد ہے، اور ذاتِ مقدرہ سے مراد وہ جو لفظِ شَيْءٌ مقدر ہوتا ہے، جیسے طَابَ زَيْدٌ نَفْسًا، یہ کلام اسی درجے میں ہے گویا آپ نے یوں کہا ہو: طَابَ شَيْءٌ مَنْسُوبٌ إِلَى زَيْدٍ، کہ ایک چیز جو زید کی طرف منسوب ہے وہ اچھی ہے۔ تو یہاں شَيْءٌ آیا، اس شَيْءٌ کی ذات کا پتہ نہیں چل رہا تو آگے تمییز آکر اس سے ابہام کو دور کرے گی۔ تو معلوم ہوا ذاتِ مذکورہ سے مراد ہے جو مفرد سے ابہام کو دور کرے، اور ذاتِ مقدرہ سے مراد دراصل نسبت ہے۔ تو تمییز کی جو قسمِ ثانی ہے وہ نسبت سے ابہام کو دور کرتی ہے، اور یہ اسی جگہ آئے گی جہاں پر نسبت پائی جائے۔ اور نسبت جملے میں بھی آتی ہے، شبہِ جملہ میں بھی آتی ہے، اور اضافت کے اندر بھی آتی ہے۔ تو لہٰذا یہ جو دوسری قسم ہے یہ نسبت سے ابہام کو دور کرتی ہے، اور پہلی قسم جو ہے وہ ذاتِ مذکورہ سے یعنی مفرد سے ابہام کو دور کرتی ہے۔

اور پھر اس کے بعد یہاں ایک اشکال ہوا تھا۔ اشکال یہ کہ متن کی عبارت آئی: فَالْأَوَّلُ عَنْ مُفْرَدٍ مِقْدَارٍ غَالِبًا۔ اور یہ عَنْ مُفْرَدٍ کو صاحبِ جامی نے بتلایا کہ اس کا متعلق يَرْفَعُهُ محذوف ہے، اور يَرْفَعُهُ کی ہا ضمیر ابہام کو راجع ہے۔ تو گویا کلام یوں بن گیا: فَالْأَوَّلُ يَرْفَعُ الْإِبْهَامَ عَنْ مُفْرَدٍ مِقْدَارٍ غَالِبًا۔ کہ تمییز کی جو پہلی قسم ہے وہ ابہام کو دور کرتی ہے مفردِ مقدار سے غالباً۔ تو اس پر اشکال ہوا کہ تمییز جو ہے مفردِ مقدار سے ابہام کو دور کرتی ہے غالباً یعنی اس کے اکثر مادوں میں۔ تو اس پر اشکال ہوا کہ معلوم ہوا بعض مادے اس مفردِ مقدار کے ایسے بھی ہیں کہ جن کے اندر تمییز تو آتی ہے لیکن وہ ابہام کو دور نہیں کرتی۔ یہ تو آپ کی باتوں میں تضاد آگیا، آپ نے ہمیں بتایا تھا کہ تمییز رفعِ ابہام کرتی ہے اور مفردِ مقدار کے بعض مادوں میں معلوم ہوا وہ رفعِ ابہام نہیں کر رہی، تمییز تو آرہی ہے لیکن رفعِ ابہام نہیں کر رہی۔

تو جواب دیا تھا صاحبِ جامی نے۔ صاحبِ جامی نے بتلایا تھا کہ بھائی یہ جو غالباً قید آئی اس کو آپ مفردِ مقدار کے لیے قید نہ بنائیں بلکہ اس کو آپ مفرد کے لیے قید بنائیں۔ یعنی یوں کہو، یعنی یوں کہو کہ یہ جو مفرد ہے اس کے اندر بھی رفعِ ابہام ہوتا ہے، اور مفردِ مقدار کے اندر بھی رفعِ ابہام ہوتا ہے۔ بلکہ یوں کہو، پہلے تقسیم کر لیں کہ دیکھو یہ جو مفردِ مقدار سے تمییز ابہام کو دور کرتی ہے، یہ دو قسم پر ہیں یہ مفرد: کبھی یہ مقدار ہوں گے اور کبھی غیرِ مقدار۔ تو مقداریہ مفرد کی ایک قسم، اور غیرِ مقداریہ مفرد کی دوسری قسم۔ اور یہ جو مقدار والی قسم ہے یہ کثرت سے واقع ہوتی ہے اس لیے کیونکہ مقدار کے اندر ابہام ہوتا ہے، جبکہ غیرِ مقدار میں کبھی کبھار ابہام آتا ہے تو وہاں بھی تمییز لا کر ابہام کو دور کیا جاتا ہے۔ تو معلوم ہوا کہ تمییز کی پہلی قسم جو مفرد سے ابہام کو دور کرتی ہے، اس کا تحقق اور وقوع زیادہ تر مفردِ مقدار کے ضمن میں ہوتا ہے، اور اس کا کم تحقق جو ہے مفردِ غیرِ مقدار کے ضمن میں ہوتا ہے۔

اور نیز آپ کو ضابطہ بتلایا تھا کہ ہر مقید کے ضمن میں مطلق موجود ہوتا ہے، یا یوں کہیں کہ ہر خاص کے ضمن میں عام موجود ہوتا ہے۔ جیسے حیوان ہے عام اور انسان ہے خاص، تو جو بھی انسان ہوگا وہ حیوان ضرور ہوگا، کیونکہ انسان کسے کہتے

ہیں؟ حَیَوانِ ناطق کو بھائی۔ تو انسان ہوگا ہی وہ جو حیوانِ ناطق ہو، معلوم ہوا وہ حیوان بھی ہے۔ تو حیوان ہوا عام اور انسان ہوا خاص، اور ہر خاص کے ضمن میں عام کہہ لیں یا یوں کہیں مطلق جو ہے وہ موجود ہوتا ہے۔ تو ہر انسان کے ضمن میں حیوان بھی موجود ہے۔ یا جیسے لاہوری اور پاکستانی: پاکستانی عام ہے، اس میں لاہوری کے علاوہ اور بھی لوگ داخل ہیں، اور لاہوری خاص ہے اس کے مقابلے میں، لیکن جو بھی لاہوری ہے وہ پاکستانی بھی ہے۔ تو دیکھو ہر خاص کے ضمن میں عام موجود ہوتا ہے۔ تو صاحبِ جامی نے آپ کو بتلایا کہ یہ جو اشکال اس لیے پیش آیا کہ آپ نے غَالِبًا کو مفردِ مقدار کے لیے قید بنایا، اس کو مفردِ مقدار کے لیے قید نہ بناؤ بلکہ صرف مفرد کے لیے قید بناؤ۔ مثلاً یوں کہیں کہ مفرد سے بھی رفعِ ابہام ہوتا ہے اور مفردِ مقدار سے بھی رفعِ ابہام ہوتا ہے، لیکن مفرد سے جو رفعِ ابہام ہے وہ ہے رفعِ مطلق، وہ ہے رفعِ ابہامِ مطلق، اس میں مقدار یا غیرِ مقدار کی قید نہیں ہے۔ اور مفردِ مقدار سے جو رفعِ ابہام ہوتا ہے وہ رفعِ ابہامِ خاص ہے کیونکہ اس میں عَنْ مِقْدَارٍ کی قید ہے۔ تو مفرد سے رفعِ ابہام ہوگا کون سا؟ رفعِ ابہامِ مطلق، کیونکہ اس میں مقدار یا غیرِ مقدار کی کوئی قید نہیں۔ اور مفردِ مقدار سے جو رفعِ ابہام ہوگا وہ ہے رفعِ ابہامِ خاص، کیونکہ اس میں مقدار کی قید موجود ہے۔ تو دیکھو فرض کر لو اگر مفرد کے کل سو مادے ہیں تو مفردِ مقدار کے اسی مادے ہیں اور مفردِ غیرِ مقدار کے بیس مادے ہیں۔ تو یہ جو مفرد ہے جس کی دو قسمیں بن رہی ہیں، اس کے سو مادے ہیں اور تمییز آ کر سو کے سو مادوں سے ابہام کو دور کرتی ہے۔ لیکن اس مفرد کا تحقق زیادہ تر کس صورت میں ہوتا ہے؟ مفردِ مقدار والی صورت میں ہوتا ہے، اور ہر خاص کے ضمن میں عام بھی موجود ہے۔ تو یوں کہیں گے کہ یہ جو مفردِ مقدار سے جو رفعِ ابہام ہوتا ہے وہ زیادہ تر مفردِ مقدار کے ضمن میں ہوتا ہے، یا یوں کہیں کہ وہ جو رفعِ مطلق ہے جو کس سے ہوتی ہے مفرد سے، وہ رفعِ مطلق غالباً اور زیادہ تر کس کے ضمن میں ہوتی ہے؟ مفردِ مقدار یعنی اس رفعِ خاص کے ضمن میں ہوتی ہے۔ وہ رفعِ مطلق کس کے ضمن میں زیادہ ہوتی ہے؟ اس رفعِ خاص کے ضمن میں ہوتی ہے۔ بات سمجھ میں آ گئی؟ تو لہٰذا حاصلِ کلام کیا ہوا کہ غَالِبًا کو رفعِ خاص کے لیے قید نہ بناؤ بلکہ اس کو رفعِ عام کے لیے یا رفعِ مطلق کے لیے قید بناؤ۔

اب مسئلہ سارا آپ کو اچھی طرح سمجھ میں آ گیا۔ اب آئیے اس کو ذرا متن کی عبارت پر بھی منطبق کر لیں۔ دیکھیے ذرا متن کی عبارت: فَالْأَوَّلُ عَنْ مُفْرَدٍ۔ یہ عَنْ مُفْرَدٍ کو کس سے جوڑا تھا؟ یَرْفَعُهُ سے، أَيْ يَرْفَعُ الْإِبْهَامَ۔ ذرا اس کو بھی متن کے ساتھ جوڑ لیں: فَالْأَوَّلُ يَرْفَعُ الْإِبْهَامَ عَنْ مُفْرَدٍ مِقْدَارٍ غَالِبًا۔ توجہ ہے؟ تو دیکھو يَرْفَعُ الْإِبْهَامَ آیا، يَرْفَعُ الْإِبْهَامَ کیا ہے؟ وہی رفعِ ابہام ہے، مصدر بنا لو اس سے، یہ کیا ہے؟ يَرْفَعُ الْإِبْهَامَ کیا ہے؟ رفعِ ابہام ہے، اور کس سے ہے رفعِ ابہام؟ عَنْ مُفْرَدٍ مِقْدَارٍ، رفعِ عام ہے یا رفعِ خاص ہے؟ رفعِ خاص ہے کیونکہ مقدار کی قید یہاں موجود ہے۔ توجہ ہے؟ تو معلوم ہوا عبارت میں رفعِ ابہامِ خاص ذکر ہو رہی ہے، اور آپ نے غَالِبًا کو اسی رفعِ ابہامِ خاص کے لیے قید بنایا تھا، اسی لیے سارا اشکال پیش

آیا تھا، کیونکہ اس کا معنی تو یہ بن گیا تھا کہ رفعِ، توجہ سے، رفعِ ابہامِ خاص کے وہ جو اسی مادے ہیں ان میں سے غالب کے اندر رفعِ ابہام ہوتا ہے یعنی ساٹھ یا ستر میں ہوتا ہے، باقی پندرہ بیس کے اندر رفعِ ابہام نہیں ہوتا، یہ اشکال لازم آ رہا تھا، کیونکہ متن میں رفعِ خاص کا ذکر ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ لیکن صاحبِ جامی نے بتلایا آپ کو کہ ہر رفعِ خاص کے ضمن میں رفعِ ابہامِ مطلق بھی موجود ہے، یعنی یوں کہو رفعِ مطلق بھی موجود ہے، تو اس غَالِبًا کو اس رفعِ مطلق کے لیے قید بنائیں جو اس رفعِ خاص کے ضمن میں موجود ہے۔ تو اب اشکال ختم ہوا، تو یوں کریں ترجمہ کہ تمییز کی جو پہلی قسم ہے وہ زیادہ تر رفعِ ابہامِ مطلق کرتی ہے اس رفعِ خاص کے ضمن میں۔ اس رفعِ خاص کے ضمن میں کیونکہ وہ رفعِ عام زیادہ تر اس رفعِ خاص کے ضمن میں پایا جاتا ہے۔ معنی سمجھ میں آگیا؟ تو متن میں کیا آیا تھا؟ رفعِ خاص، اور اس کی وجہ سے اشکال پیدا ہوا تھا کیونکہ غَالِبًا اسی کے لیے قید بن رہا تھا بظاہر۔ لیکن صاحبِ جامی نے آپ کو بتلایا کہ ہر خاص کے ضمن میں عام موجود ہوتا ہے، تو اس رفعِ خاص کے ضمن میں جو رفعِ عام موجود ہے یہ غَالِبًا کو اس کے لیے قید بناؤ۔ اور رفعِ عام کے تو سو مادے ہیں، اور اس سو میں سے اکثر مادے یعنی اسی مادے اس کے اندر پائے جاتے ہیں، تو وہ رفعِ عام جو ہے وہ اس رفعِ خاص کے ضمن میں زیادہ پایا جاتا ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو یہ معنی ہے، دیکھو اب ترجمہ پھر دوبارہ دیکھ لیں۔ دیکھیے ترجمہ: غَالِبًا أَيْ فِي غَالِبِ الْمَوَادِّ وَأَكْثَرِهَا، یعنی اس کے غالب اور اکثر مادوں میں، أَيْ رَفْعُ الْإِبْهَامِ مُطْلَقًا يَتَحَقَّقُ فِي ضِمْنِ هٰذَا الرَّفْعِ الْخَاصِّ، کہ رفعِ ابہامِ مطلقاً جو ہے وہ پایا جاتا ہے اس رفعِ خاص کے ضمن میں فِي أَكْثَرِ الْمَوَادِّ، اپنے اکثر مادوں میں۔ اپنے اکثر مادوں کے اعتبار سے وہ رفعِ عام اس رفعِ خاص کے ضمن میں پایا جاتا ہے۔ بات سمجھ میں آگئی۔

اور پھر اس کے بعد مثالیں ذکر کی تھیں صاحبِ کافیہ نے بھائی۔ میں نے آپ کو بتلایا تھا کہ مقداریں جو ہیں وہ پانچ قسم پر ہیں: یا عدد ہوگا، یا وزن ہوگا، یا کیل ہوگا، یا مساحت یعنی وہ ذراع پیمائش ہوگی، یا اندازہ ہوگا یعنی مقیاس ہوگا۔ اور تمییز ان سے آکر ابہام کو دور کر دیتی ہے۔ اور صاحبِ کافیہ نے آپ کو یہ بھی بتلایا کہ یہ جو عدد ہے اس کا عنقریب ذکر آگے آئے گا، یعنی وہاں پر یہ جو عدد سے جو تمییز آتی ہے وہاں وہ اس کا تفصیلی بیان کریں گے۔ تو یہاں جو احکام آگے ذکر ہوں گے وہ عدد کی تمییز کے بارے میں نہیں ہیں، اب عدد کی تمییز کا بیان آگے آئے گا، یہ عدد کے علاوہ باقی جو مقداریں ہیں ان کے آگے احکام وہ ذکر کر رہے ہیں بھائی۔

پھر آپ کو صاحبِ جامی نے یہ بھی بتلایا تھا کہ یہاں مقداریں بول کر مقدرات مراد ہیں، اس لیے کیونکہ ان مقداروں میں کوئی ابہام نہیں ہے۔ رطل نصفِ من کو کہتے ہیں کوئی ابہام نہیں، عِشْرُونَ بیس کے عدد کو کہتے ہیں کوئی ابہام نہیں، اسی طرح ذِرَاعٌ، ذراع کے اندر کوئی ابہام نہیں ہے۔ تو یہاں مقداریں بول کر مقدرات مراد ہیں۔ تو سوال پیدا ہوا کہ ذکر تو مقداریں ہو رہی ہیں، ان سے مقدرات کیسے مراد لے رہے ہیں آپ؟ تو صاحبِ جامی نے بتلایا تھا کہ بھائی یہاں پر یہ مقداریں جو ذکر ہو رہی ہیں یہ کوئی علیحدہ چیز نہیں۔ رِطْلٌ زَيْتًا جب کہا تو رطل اور زیت کوئی الگ الگ چیزیں نہیں ہیں، اسی زیت کا

رطل بیان ہو رہا ہے۔ جب عِشْرُونَ دِرْهَمًا کہا تو عشرون اور درہم کوئی الگ چیزیں نہیں ہیں، عشرون اسی درہم کی مقدار بیان کر رہا ہے۔ تو دونوں یہاں پر ایک ہیں تو یہاں مقداریں بول کر مقدرات مراد ہیں۔ اور پھر اشکال ہوا تھا کہ صاحبِ کافیہ نے تمام مقداروں کی مثالیں کیوں نہیں ذکر کیں؟ تو صاحبِ جامی نے بتلایا کہ صاحبِ کافیہ کا مقصد یہاں پر مقداریں گنوانا نہیں ہے، بلکہ وہ ان چیزوں کو بیان کرنا چاہتے ہیں جن کے ذریعے کوئی اسم تام ہوتا ہے۔ اور اسم تام ہوتا ہے کبھی تنوین کے ذریعے، جیسے عِنْدِي رِطْلٌ زَيْتًا، یہ رِطْلٌ تام ہو رہا ہے تنوین کے ذریعے۔ اور اسم کبھی تام ہوتا ہے نونِ جمع یا نونِ تثنیہ کے ذریعے، جیسے عِنْدِي عِشْرُونَ دِرْهَمًا، یہ نونِ جمع سے تام ہو رہا ہے۔ اور عِنْدِي مَنَوَانِ سَمْنًا، یہ نونِ تثنیہ کے ذریعے مَنَوَانِ جو ہے تام ہو رہا ہے۔ اور کبھی کبھار اسم تام ہوتا ہے

مضاف الیہ کے ذریعے، عَلَى التَّمْرَةِ مِثْلُهَا زُبْدًا، یہ مِثْلُ تام ہو رہا ہے ہا ضمیر جو مضاف الیہ ہے۔ تو وہ متنبہ کرنا چاہتے ہیں دراصل ان مثالوں کے ذریعے ان چیزوں پر جن کے ذریعے کوئی اسم تام ہوتا ہے۔ اور تام ہونے کا کیا معنی؟ یعنی اسم ایسی حالت پر ہو کہ اس حالت میں اس کی اضافت نہ ہو سکے۔ تو جب رِطْلٌ تنوین کے ساتھ تام ہو گیا اس حالت میں اس کی اضافت نہیں ہو سکتی، اگر آپ اضافت کرنا چاہتے ہیں تو تنوین کو ہٹانا پڑے گا۔ نونِ تثنیہ اور جمع بھی اضافت میں گر جاتے ہیں تو ان سے بھی کوئی اسم تام ہو جاتا ہے، جب نونِ تثنیہ اور جمع موجود ہو تو معلوم ہوا اسم تام ہو چکا ہے، آگے اس کا کوئی مضاف الیہ نہیں آ رہا۔ اور اسی طرح جب مضاف کے آگے ایک مضاف الیہ آجائے تو اس مضاف کے آگے مزید اضافت نہیں کی جاتی، اس مضاف الیہ کے ذریعے وہ تام ہو جاتا ہے۔ تو اسی لیے انہوں نے یہ مثالیں ذکر کیں۔ سب کی مثالیں بھی ذکر نہیں کیں اور بعض کو مکرر ذکر کیا: وزن کی دو دفعہ مثال ذکر کر دی، نون کی بھی دو مثالیں ذکر کر دیں، جبکہ کیل اور ذراع کی مثال ہی ذکر نہیں فرمائی صاحبِ کافیہ نے۔

اور پھر میں نے آپ کو یہ بھی بتلایا تھا کہ یہ جو تمییز کی پہلی قسم ہے، اس کے اندر یہ جو مفردِ مبہمِ تام ہے یہی اس کو نصب دیتا ہے۔ عِنْدِي رِطْلٌ زَيْتًا، اگر آپ سے کوئی پوچھے کہ یہ زَيْتًا کو نصب کس نے دیا؟ تو آپ کہیں گے اس رِطْلٌ نے، یہ جو مفردِ مبہمِ تام ہے۔ مفرد ہے یعنی جملہ یا شبہِ جملہ یا مضاف نہیں ہے، اور نیز مبہم ہے اسی لیے آگے تمییز لائی گئی، اور نیز تام ہے یا تنوین کے ذریعے یا نون کے ذریعے یا اضافت کے ذریعے۔ تو تمییز کی پہلی قسم میں تمییز کا عامل کیا، نصب کون سی چیز دیتی ہے تمییز کو؟ مفردِ مبہمِ تام، یا مختصر لفظوں میں یوں کہو کہ تمییز کی پہلی قسم کو اسمِ تام نصب دیتا ہے۔ کون نصب دیتا ہے؟ اسمِ تام نصب دیتا ہے، یعنی وہ اسم جو تنوین یا نونِ تثنیہ و جمع یا مضاف الیہ کے ذریعے تام ہو رہا ہو۔ تو وہ اسمِ تام جو ہے تمییز کو نصب دیتا ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ اور یہ کیوں نصب دیتا ہے یہ اسمِ تام؟ کہتے ہیں وجہ یہ ہے کہ یہ جب اسم تام ہو جاتا ہے تو اس کی مشابہت فعل کے ساتھ آجاتی ہے۔ فعل جیسے، فعل کے بعد فاعل آتا ہے اور فعل اس کے ذریعے

تام ہو جاتا ہے اور فعل تام ہونے کے بعد پھر آگے مفعول کو نصب بھی دیتا ہے۔ تو اسی طرح یہ چیزیں جو ہیں، یہ تنوین ہے یا نونِ تثنیہ و جمع ہے یا جو آگے مضاف الیہ آرہے ہیں، یہ بھی اس اسمِ تام کے بعد آرہے ہیں۔ تو یہ چیزیں بھی فاعل کی طرح ہو گئیں، اور وہ اسمِ تام فعل کی طرح ہوا۔ اور فعل جیسے فاعل سے تام ہوتا ہے، یہ اسم ان چیزوں کے ذریعے تام ہو گیا تو یہ کس کی طرح ہوا؟ فعل کی طرح۔ اور فعل جب تام ہو جائے فاعل کے ذریعے تو آگے پھر وہ مفعول کو نصب بھی دیتا ہے۔ تو یہ اسم بھی جب ان چیزوں کے ذریعے تام ہو گیا تو اب یہ بھی آگے تمیز کو نصب دیتا ہے، جیسے کہ فعل مفعول بہ کو نصب دیتا ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟

چنانچہ کہتے ہیں اسی لیے، اسی لیے لامِ تعریف کے ذریعے بھی اسم تام ہو جاتا ہے، لیکن لامِ تعریف اسم کے شروع میں آتا ہے، لہٰذا اس کی وجہ سے اب تمیز کو آپ نصب نہیں دے سکتے۔ آپ کہنا چاہتے ہیں میرے پاس ایک مٹکا سرکہ ہے، تو یوں نہیں کہہ سکتے: عِنْدِي الرَّاقُودُ خَلًّا۔ الرَّاقُودُ پر آپ الف لام لے آئے اور اس کے ذریعے آپ آگے خَلًّا تمیز اس سے لانا چاہتے ہیں؟ نہیں بھائی، یہ الرَّاقُودُ کی مشابہت فعل کے ساتھ نہیں، کیونکہ الف لام جس کے ذریعے یہ الرَّاقُودُ تام ہو رہا ہے وہ اس الرَّاقُودُ کے آخر میں نہیں ہے بلکہ اس کے شروع میں ہے۔ تو اس کی مشابہت فعل کے ساتھ نہیں، جب فعل کے ساتھ مشابہت نہیں تو یہ تمیز کو نصب بھی نہیں دے سکتا۔ ہاں اگر آپ یہ کہنا چاہتے ہیں تو پھر الف لام کے بغیر تنوین کے ساتھ لے آئیں، یوں کہیں گے: عِنْدِي رَاقُودٌ خَلًّا۔ عِنْدِي رَاقُودٌ خَلًّا، اب یہ رَاقُودٌ جو ہے یہ تنوین کے ساتھ تام ہو رہا ہے، یہ خَلًّا تمیز کو نصب دے سکتا ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟

جی آگے دیکھیے بھائی آج کا سبق:

▪ متنِ کتاب و تحقیقِ مسائلِ نحویہ

فَيُفْرَدُ أَيِ التَّمْيِيزُ وَإِنْ كَانَ الاِسْمُ التَّامُّ مُثَنًّى أَوْ مَجْمُوعًا، إِنْ كَانَ أَيِ التَّمْيِيزُ جِنْسًا.

بھائی اب آگے تمیز کے چند احکام ذکر کریں گے صاحبِ کافیہ۔ آپ کو بتلائیں گے کہ کہاں پر تمیز کو مفرد لائیں گے اور کہاں آپ تمیز کو تثنیہ اور جمع لا سکتے ہیں۔ عِنْدِي رِطْلٌ زَيْتًا، یہ زَيْتًا دیکھو مفرد ہے، تمیز ہے۔ کہاں پر آپ اس کو تثنیہ لا سکتے ہیں: زَيْتَيْنِ؟ کہاں آپ اس کو تمیز کو جمع لا سکتے ہیں: زُيُوتًا؟ تو اب وہ بیان کریں گے۔ تو آپ کو بتلائیں گے بھائی کہ اگر تمیز جنس ہو، اگر تمیز جنس ہو تو اس کو ہمیشہ مفرد لائیں گے، ہمیشہ مفرد لائیں گے، چاہے اگرچہ ماقبل میں وہ جو اسمِ تام ہے وہ تثنیہ یا جمع ہی کیوں نہ ہو۔ جب تمیز کیا ہو؟ جنس ہو تو اس کو مفرد لانا واجب ہے، چاہے ماقبل میں جو ممیز ہے وہ تثنیہ یا جمع ہی کیوں نہ ہو۔ جیسے عِنْدِي رِطْلٌ زَيْتًا، رِطْلٌ یہ ہے وہ اسمِ تام جس سے تمیز آرہی ہے، تو یہ اسمِ تام چاہے تثنیہ و جمع ہی کیوں

نہ ہو، یہ زَیْتًا تمییز کو مفرد رکھیں گے کب؟ جب وہ جنس ہو۔ مثلاً رِطْلٌ کی تثنیہ لے آئیں: عِنْدِي رِطْلَانِ زَيْتًا، میرے پاس دو رطل ہیں باعتبار زیتون کے تیل کے۔ یا جمع لے آئیں: عِنْدِي أَرْطَالٌ زَيْتًا، میرے پاس کئی رطل ہیں باعتبار زیتون کے تیل کے۔ تو صاحبِ کافیہ آپ کو بتلا رہے ہیں کہ تمییز اگر جنس ہو تو اس کو مفرد رکھیں گے، مفرد رکھنا واجب ہے۔

اور جنس کسے کہتے ہیں؟ صاحبِ جامی آپ کو بتلائیں گے کہ جنس وہ چیز ہے جس کے اجزاء باہم ایک دوسرے کے مشابہ ہوں۔ ایک چیز ہے، آپ اس کے حصے کر دیں، اس کے اجزاء کر دیں، تو بھی وہ اجزاء آپس میں ایک دوسرے کے مشابہ ہوں، اور وہ لفظ جب بغیر تا کے ہو تو قلیل اور کثیر سب پر بولا جائے۔ قلیل اور کثیر سب پر۔ جیسے دیکھو پانی ہے، آپ کے پاس ایک بالٹی پانی ہے، آپ اس پانی کے کئی حصے کر دیں، کئی حصوں میں تقسیم کر دیں، تو پھر بھی وہ پانی ہی کہلائے گا۔ اکٹھا تھا بالٹی میں تھا پھر بھی پانی، اور الگ الگ دس حصے کر دیے تو بھی ہر حصہ کیا ہے؟ پانی۔ اور دیکھو یہ حصے اور یہ اجزاء ایک دوسرے کے مشابہ ہیں، ان میں کوئی فرق نہیں ہے۔ تو جنس کسے کہتے ہیں؟ جس کے اجزاء باہم ایک دوسرے کے مشابہ ہوں اور وہ لفظ قلیل اور کثیر سب پر بولا جائے جب وہ بغیر تا کے ہو۔ تو پانی بہت زیادہ ہو تو بھی وہ پانی ہے، چاہے سمندر میں ہو چاہے دریا میں ہو یہ پھر بھی کیا ہے؟ پانی۔ اور تھوڑا سا پانی ہو آپ کے پاس وہ بھی کیا ہے؟ پانی۔ تو مَاءٌ، توجہ ہے؟ عربی میں پانی کو کیا کہتے ہیں؟ مَاءٌ۔ یہ مَاءٌ کا لفظ جو ہے قلیل پر بھی بولا جائے گا اور کثیر پر بھی۔ ایک گلاس ہو پھر بھی مَاءٌ، اور دریا ہو تو بھی مَاءٌ ہے بھائی۔ اسی طرح اور بھی دیکھ لیں بھائی، اردو میں دیکھ لیں جیسے گندم ہے، تھوڑی ہو تو بھی گندم، زیادہ ہو تو بھی گندم۔ چاول دیکھ لیں، تھوڑے ہوں تو بھی چاول، ڈھیر لگا ہوا ہو تو بھی وہ چاول ہیں۔ تو دیکھو ان کے اجزاء ایک دوسرے کے مشابہ ہیں، آپ چاول کا ڈھیر لگا ہے، اس ڈھیر کے دس حصے آپ کر دیں، پھر بھی ہر حصہ ایک دوسرے کے مشابہ ہے۔ تو جنس کسے کہتے ہیں؟ جس کے حصے اور اجزاء آپس میں ایک دوسرے کے مشابہ ہوں اور وہ لفظ جب بغیر تا کے ہو تو قلیل اور کثیر سب پر بولا جائے۔

بھائی بعض اوقات تا وحدت کے لیے عربی میں لائی جاتی ہے، جیسے تَمْرٌ اور تَمْرَةٌ۔ تَمْرَةٌ میں یہ تا وحدت کی ہے۔ اگر آپ کہنا چاہتے ہیں ایک کھجور تو کہیں گے تَمْرَةٌ۔ اور اگر تا ہٹا دیں گے تو یہ تَمْرٌ یاد رکھو یہ اسمِ جنس ہے بھائی، یہ قلیل پر بھی بولا جاتا ہے اور کثیر پر بھی۔ یہ ایک کھجور ہو پھر بھی آپ کہہ سکتے ہیں تَمْرٌ، دو ہوں پھر بھی کہیں گے تَمْرٌ، زیادہ ہوں تب بھی کیا کہیں گے؟ تَمْرٌ کہیں گے۔ تو تَمْرٌ دیکھو ایسا لفظ ہے جو قلیل اور کثیر سب پر بولا جاتا ہے، ایک ہو تب بھی آپ تَمْرٌ کہہ سکتے ہیں۔ تو دیکھو جب آپ نے لفظِ تَمْرٌ کہا تو اس سے پتہ نہیں چلا کھجور ایک ہے، دو ہیں یا زیادہ ہیں۔ لیکن اگر آپ کا ارادہ ہے بالخصوص ایک کھجور کا لفظ بولنا چاہتے ہیں تو پھر تا ساتھ ملا کر کہیں گے تَمْرَةٌ۔ توجہ ہے؟ تو آپ یہ نہ کہیں تَمْرَةٌ کا تو معنی ہے ایک کھجور، تو تَمْرٌ کا معنی ہوگا زیادہ کھجوریں۔ نہیں، تَمْرٌ جنس ہے، قلیل پر بھی بولا جاتا ہے اور کثیر پر۔ اسی طرح بَقَرٌ، بَقَرٌ

گائے بیل کو کہتے ہیں۔ اگر یہ گول تا کے ساتھ ہو بَقَرَۃٌ، تو اس کا معنی ہے جنسِ بقر میں سے ایک فرد بھائی، اور اگر آپ گول تا ہٹا دیں بَقَرٌ، تو پھر یہ قلیل اور کثیر سب پر بولا جائے گا۔ ایک ہو تو بھی بَقَرٌ، دو ہوں تو بھی بَقَرٌ، زیادہ ہوں تو بھی بَقَرٌ بھائی۔ تو جنس کسے کہتے ہیں؟ جس کے اجزاء باہم ایک دوسرے کے مشابہ ہوں اور بغیر تا کے اس کا اطلاق قلیل اور کثیر سب پر ہوتا ہو۔ جبکہ بعض لفظوں میں فرق ہوتا ہے بھائی اگر وہ جنس نہ ہو، وہاں دیکھو ایک آدمی ہو تو کہتے ہیں رَجُلٌ، دو ہوں تو آپ کہتے ہیں رَجُلَانِ، دو سے زیادہ ہوں تو آپ کہتے ہیں رِجَالٌ۔ تو دیکھو رَجُلٌ کا لفظ جو ہے وہ جنس نہیں ہے، وہ قلیل اور کثیر پر آپ نہیں بول سکتے، اگرچہ رَجُلٌ کے ساتھ تا بھی نہیں جڑی ہوئی، لیکن رَجُلٌ کا معنی ایک فرد بھائی۔ اور دو کہنا چاہتے ہیں تو اب رَجُلٌ نہیں کہیں گے، آپ رَجُلَانِ تثنیہ کا صیغہ لائیں گے، اور اگر آپ زیادہ مرد بتلانا چاہتے ہیں تو رِجَالٌ کہیں گے بھائی۔ جبکہ جنس وہ قلیل اور کثیر سب پر وہی ایک لفظ بولا جاتا ہے، وہی تَمْرٌ ایک پر بھی، دو پر بھی اور زیادہ پر بھی۔ لیکن رَجُلٌ میں ایسا نہیں ہے۔ معلوم ہوا جنس کسے کہتے ہیں؟ جس کے اجزاء باہم ایک دوسرے کے مشابہ ہوں اور نیز جب وہ تا سے خالی ہو تو قلیل اور کثیر سب پر اس کا اطلاق ہوتا ہو۔ بات سمجھ میں آگئی۔

تو دیکھیے پہلے متن، کہتے ہیں: فَيُفْرَدُ إِنْ كَانَ جِنْسًا، تو تمییز جو ہے وہ مفرد لائی جائے گی إِنْ كَانَ جِنْسًا اگر تمییز جنس ہو بھائی۔

إِلَّا أَنْ تُقْصَدَ الْأَنْوَاعُ، یہ استثناء کر رہے ہیں ماقبل سے۔ ادھر دیکھیے، انہوں نے آپ کو بتلایا کہ تمییز جب جنس ہو تو اس کو مفرد لانا واجب ہے، اس کو مفرد لاتے ہیں، إِلَّا أَنْ تُقْصَدَ الْأَنْوَاعُ، مگر یہ کہ انواع یعنی اقسام کا ارادہ کیا جائے۔ تمییز جب جنس ہو تو اس کو مفرد ہی لائیں گے، الا یہ کہ آپ کا ارادہ ہے آپ کسی چیز کی انواع اور اقسام بتلانا چاہتے ہیں، تو پھر آپ اس کو تثنیہ اور جمع بھی لا سکتے ہیں۔ مثلاً میں آپ سے کہنا چاہتا ہوں کہ میرے پاس دو رطل دو قسم کا زیتون کا تیل ہے۔ تو اگر میں یوں کہوں: عِنْدِي رِطْلَانِ زَيْتًا، زَيْتًا کو میں مفرد رکھوں، تو معنی کیا ہوا؟ عِنْدِي رِطْلَانِ میرے پاس دو رطل ہیں زَيْتًا باعتبار زیتون کے تیل کے۔ تو اس سے انواع کا پتہ نہیں چلے گا۔ تمییز اگرچہ یہاں جنس ہے، یاد رکھو یہ زَيْتٌ جنس ہے بھائی، صاحبِ جامی بھی آپ کو بتلائیں گے یہ زَيْتٌ کیا ہے؟ جنس ہے، زیتون کا تیل تھوڑا ہو تو بھی زیت، زیادہ ہو تو بھی زیت، تو اس کے اجزاء باہم ایک دوسرے کے مشابہ ہیں اور قلیل اور کثیر سب کو زیت کہتے ہیں۔ اصلاً میں نے کیا کہا؟ عِنْدِي رِطْلَانِ زَيْتًا، کہ میرے پاس دو رطل ہیں زیتون کے تیل کے اعتبار سے یعنی میرے پاس دو رطل زیتون کا تیل ہے، لیکن میں یہ نہیں کہنا چاہتا، میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ میرے پاس دو قسم کا زیتون کا تیل ہے، دو رطل یعنی ایک رطل ایک قسم کا ہے، ایک رطل دوسری قسم، تو میں انواع بتلانا چاہتا ہوں۔ تو زَيْتٌ جنس ہے بھائی، اور تمییز جب جنس ہو تو اس کو ہمیشہ مفرد رکھتے ہیں، لیکن اگر آپ کا ارادہ انواع بیان کرنے کا ہو تو پھر اس کو تثنیہ جمع لا سکتے ہیں۔ تو اب میں یہاں پھر انواع بتلانے کے لیے تثنیہ اس کو لاؤں گا اور یوں کہوں گا: عِنْدِي رِطْلَانِ زَيْتَيْنِ۔ زیت کی تثنیہ کیا؟ زَيْتَانِ، اور تمییز منصوب ہوتی

ہے تو اس کو حالتِ نصبی میں لے جائیں: زَيْتَيْنِ۔ تو عِنْدِي رِطْلَانِ زَيْتَيْنِ۔ اور اگر میں بتلانا چاہتا ہوں آپ کو کہ میرے پاس کئی رطل کئی قسم کا زیتون کا تیل ہے، تو کیسے کہوں گا؟ عِنْدِي أَرْطَالٌ زُيُوتًا۔ اب تمییز اگر جنس ہو تو اس کو مفرد رکھیں گے، الا یہ کہ آپ کا ارادہ انواع بیان کرنے کا ہو، تو پھر ماقبل کے اندر وہ جو ممیز ہے اس کے مطابق تمییز لائیں گے۔ ممیز اگر تثنیہ ہے، دو قسمیں بتانا چاہتے ہیں تو تمییز بھی تثنیہ لاؤ، ممیز اگر جمع ہے اور کئی قسمیں بتلانا چاہتے ہیں تو تمییز کو بھی جمع لاؤ۔ معلوم ہوا کیسے کہیں گے؟ عِنْدِي رِطْلَانِ زَيْتَيْنِ، اور عِنْدِي أَرْطَالٌ زُيُوتًا۔ بات سمجھ میں آگئی؟

تو کہتے ہیں: فَيُفْرَدُ إِنْ كَانَ جِنْسًا، تو تمییز مفرد لائی جائے گی اگر وہ جنس ہو، إِلَّا أَنْ تُقْصَدَ الْأَنْوَاعُ، مگر یہ کہ انواع کا ارادہ کیا جائے۔ بھائی دیکھیے انہوں نے کیا کہا: إِلَّا أَنْ تُقْصَدَ الْأَنْوَاعُ، مگر یہ کہ انواع کا ارادہ کیا جائے۔ أَنْوَاعٌ تو جمع ہے نَوْعٌ کی، اور جمع کا اطلاق کم از کم کتنے افراد پر ہوتا ہے؟ تین یا زیادہ پر ہوتا ہے۔ گویا صاحبِ کافیہ کے کہنے کا مطلب یہ ہوا کہ جب آپ تین یا زیادہ انواع کا ارادہ کریں تو پھر آپ تمییز کو جمع لائیں گے، اس میں تو تثنیہ داخل نہیں کیونکہ أَنْوَاعٌ جمع ہے، مگر یہ کہ آپ انواع کا ارادہ کریں۔ تو صاحبِ جامی آپ کو بتلائیں گے کہ یہاں أَنْوَاعٌ جو جمع لائے ہیں اس سے مراد مَا فَوْقَ الْوَاحِدِ ہے یعنی ایک سے جو زائد ہو۔ یہاں جمع سے حقیقی جمع نہیں مراد، حقیقت میں جمع کسے کہتے ہیں؟ جو تین یا تین سے زیادہ افراد پر مشتمل ہو۔

یہاں جمعِ لغوی مراد ہے۔ عربی زبان کے اعتبار سے جو بھی ایک سے زائد ہے اس کو جمع کہہ دیتے ہیں۔ اس کو، تو یہاں پر بھی جمعِ لغوی مراد ہے۔ أَنْوَاعٌ کون سا صیغہ ہے؟ جمع کا، لیکن جمعِ لغوی مراد ہے اور جمعِ لغوی کا اطلاق کس پر ہوتا ہے؟ مَا فَوْقَ الْوَاحِدِ، جو ایک سے زیادہ ہے۔ تو اس میں تثنیہ بھی آگیا اور اس کے اندر جمع بھی آگئی۔ یعنی تمییز ہمیشہ مفرد لائیں گے الا کہ آپ ایک سے زیادہ کا ارادہ کریں، یعنی تثنیہ یا جمع کا ارادہ کریں، تو تثنیہ کے لیے تثنیہ لائیں گے اور جمع کے لیے جمع لائیں گے۔ معنی سمجھ میں آگیا؟

آگے دیکھیے متن متن: وَيُجْمَعُ فِي غَيْرِهِ، أَيْ فِي غَيْرِ الْجِنْسِ، اور غیرِ جنس کے اندر بھئی تمییز جو ہے وہ جمع لائی جا سکتی ہے، جمع لائی جا سکتی ہے۔ یاد رکھو بھئی یاد رکھو، یہاں پر بھی جمع سے جمعِ لغوی مراد ہے، یعنی مَا فَوْقَ الْوَاحِدِ مراد ہے، تو تثنیہ بھی اسی میں شامل ہوا۔ یعنی جنس کے علاوہ اگر تمییز جنس نہ ہو، جنس نہ ہو، تو پھر اس صورت میں تمییز کو آپ تثنیہ اور جمع لا سکتے ہیں، جبکہ آپ کا ارادہ واحد کا نہ ہو، آپ کا ارادہ... مثلاً دیکھو میں آپ سے کہنا چاہتا ہوں میرے پاس ایک گٹھڑی ہے کپڑوں کے اعتبار سے، تو میں کہوں گا: عِنْدِي عِدْلٌ ثَوْبًا۔ عِدْلٌ عربی زبان میں گٹھڑی کو کہتے ہیں جس میں وہ چیزیں وغیرہ باندھی جائیں بھئی، گٹھڑی یا تھیلا وغیرہ۔ تو عِنْدِي عِدْلٌ ثَوْبًا، میرے پاس ایک گٹھڑی ہے ثَوْبًا باعتبار کپڑوں کے۔ تو یہ ثَوْبًا تمییز ہے، عِدْلٌ میں ابہام تھا: عِنْدِي عِدْلٌ، میرے پاس ایک گٹھڑی ہے، بھئی کس چیز کی؟ آگے ثَوْبًا تمییز نے آکر ابہام کو

دور کر دیا۔ تو یہاں پر دیکھو یہ کپڑا یہ غیرِ جنس ہے۔ جنس کو تو مفرد رکھتے ہیں، لیکن یہ تو غیرِ جنس ہے، تو غیرِ جنس میں اگر آپ کا ارادہ تثنیہ یا جمع کا ہے تو پھر وہ بھی لا سکتے ہیں۔ تو اب میں دو کپڑوں کا ارادہ کرتا ہوں یعنی کہ دو کپڑوں کی گٹھڑی ہے، تو میں کہوں گا: عِنْدِي عِدْلٌ ثَوْبَيْنِ۔ میرے پاس ایک گٹھڑی ہے باعتبار دو کپڑوں کے، یعنی دو کپڑوں کی ایک گٹھڑی ہے۔ یا اگر میں زیادہ کپڑوں کا ارادہ کرتا ہوں تو پھر جمع لاؤں گا: عِنْدِي عِدْلٌ أَثْوَابًا۔ میرے پاس ایک گٹھڑی ہے کئی کپڑوں کے اعتبار سے، یعنی اس ایک گٹھڑی میں کئی کپڑے ہیں بھئی۔ یہ اس وقت تثنیہ اور جمع لائیں گے جبکہ آپ کا ارادہ تثنیہ یا جمع کا ہو، اگر آپ کا ارادہ تثنیہ یا جمع کا نہیں ہے تو پھر یہاں بھی مفرد ہی لائیں گے: عِنْدِي عِدْلٌ ثَوْبًا۔

بات سمجھ میں آ رہی ہے؟ معلوم ہوا جنس کو تو ہمیشہ مفرد رکھیں گے، الا یہ کہ انواع کا ارادہ کیا جائے، پھر اس کو تثنیہ اور جمع لائیں گے۔ اور غیرِ جنس کے اندر اگر آپ کا ارادہ واحد کے علاوہ ہے، کس کے؟ بھئی واحد ہے پھر تو مفرد ہی لائیں گے اس کے لیے، ہاں اگر غیرِ جنس میں آپ کا ارادہ واحد کے علاوہ کا ہے تو پھر آپ تثنیہ اور جمع لائیں گے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ عِنْدِي عِدْلٌ ثَوْبَيْنِ اور عِنْدِي عِدْلٌ أَثْوَابًا۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ اب دیکھیے اس سارے کو شرح کے ساتھ بھئی۔

کہتے ہیں: فَيُفْرَدُ أَيِ التَّمْيِيزُ، جی فَيُفْرَدُ فعلِ مجہول ہے، اس کے اندر ہُوَ ضمیر کس کو راجع ہے؟ آگے صاحبِ جامی نے بتلا دیا: أَيِ التَّمْيِيزُ، کہ تمیز کو ضمیر راجع ہے۔ فَيُفْرَدُ أَيِ التَّمْيِيزُ، تمیز کو مفرد لایا جائے گا، وَإِنْ كَانَ الِاسْمُ التَّامُّ مُثَنًّى أَوْ مَجْمُوعًا، اگرچہ وہ اسمِ تام تثنیہ یا جمع ہو۔ بھئی میں نے آپ کو بتایا، ادھر دیکھیے، اگر تمیز جنس ہے تو پھر مفرد ہی لائیں گے، چاہے ماقبل میں وہ جو ممیز ہے وہ جو اسمِ تام ہے چاہے وہ تثنیہ یا جمع ہی کیوں نہ ہو۔ عِنْدِي رِطْلٌ زَيْتًا، عِنْدِي رِطْلَانِ زَيْتًا، عِنْدِي أَرْطَالٌ زَيْتًا، سب کے لیے اسی طرح رہے گا کیونکہ تمیز جنس ہے، یہاں تثنیہ جمع لانے کی ضرورت ہی نہیں ہے، کیونکہ زیت کیا ہے؟ جنس، اور جنس کا اطلاق قلیل اور کثیر سب پر ہوتا ہے۔ یہ معنی ہے وَإِنْ كَانَ الِاسْمُ التَّامُّ مُثَنًّى أَوْ مَجْمُوعًا، اگرچہ وہ اسمِ تام جو ہے وہ تثنیہ یا جمع ہو۔

إِنْ كَانَ، اس کو متن کو متن سے جوڑیں، کہ تمیز مفرد لائیں گے إِنْ كَانَ أَيِ التَّمْيِيزُ جِنْسًا، اگر وہ تمیز جنس ہو۔ تمیز کو مفرد کب لائیں گے؟ اگر وہ جنس ہو۔ جنس کسے کہتے ہیں؟ کہتے ہیں: وَهُوَ مَا يَتَشَابَهُ أَجْزَاؤُهُ، کہ جنس وہ ہے جس کے اجزاء باہم ایک دوسرے کے مشابہ ہوں، وَيَقَعُ مُجَرَّدًا عَنِ التَّاءِ عَلَى الْقَلِيلِ وَالْكَثِيرِ، اور وہ تمیز جو ہے تا سے خالی ہو کر واقع ہو قلیل اور کثیر پر۔ ترجمہ سمجھ میں آیا؟ وَيَقَعُ مُجَرَّدًا اور وہ تمیز واقع ہو، مُجَرَّدًا اس حال میں کہ وہ خالی ہو عَنِ التَّاءِ تا سے، تو تا سے خالی ہو کر وہ واقع ہوتی ہو عَلَى الْقَلِيلِ وَالْكَثِيرِ قلیل اور کثیر پر، تو یہ ہے جنس۔ تو کہتے ہیں: فَلَا حَاجَةَ إِلَى تَثْنِيَتِهِ وَجَمْعِهِ، تو کوئی حاجت نہیں ہے اس کی تثنیہ اور اس کی جمع کی۔ بھئی تمیز جب جنس ہو تو اس کو مفرد رکھیں گے کیونکہ وہ قلیل اور کثیر سب پر صادق آ رہی ہے، وہ مفرد ہوتے ہوئے قلیل اور کثیر سب پر صادق آ رہی ہے، تو کوئی حاجت نہیں ہے اس کی تثنیہ

اور جمع لانے کی۔ یہ معنی ہے فَلَا حَاجَةَ إِلَى تَثْنِيَتِهِ وَجَمْعِهِ، تو کوئی حاجت نہیں ہے اس کے تثنیہ اور جمع کی۔

كَالْمَاءِ، اب جنس کی مثالیں دے رہے ہیں: كَالْمَاءِ جیسے پانی ہے، وَالتَّمْرِ جیسے تمر ہے دیکھو بغیر تا کے، وَالزَّيْتِ اور زیت ہے، وَالضَّرْبِ اور ضرب ہے۔ یہ ضرب دیکھو مصدر لائے۔ میں نے آپ کو بتلایا تھا کہ مصدر یہ بھی اسمِ جنس ہے، یہ قلیل اور کثیر سب پر واقع ہوتا ہے۔ ایک ضرب ہو وہ بھی ضرب ہے، ہزار ضربیں ہوں وہ بھی ضرب ہے، تو مصدر اسمِ جنس ہے، یہ قلیل اور کثیر سب پر واقع ہوتا ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ چنانچہ یہی وجہ ہے، فقہ کی کتابوں میں آپ اکثر پڑھتے ہیں، مثلاً وہاں آتا ہے كِتَابُ الْبُيُوعِ، كِتَابُ الْبُيُوعِ، تو وہاں اشکال ہوتا ہے، وہاں پر شارحین اشکال اور جواب پھر ذکر کرتے ہیں۔ اشکال یہ کہ بَيْعٌ، بَيْعٌ جو یہ ہے یہ تو مصدر ہے اور مصدر تو اسمِ جنس ہے، اور اس کا اطلاق تو قلیل اور کثیر سب پر ہوتا ہے، تو پھر جمع لانے کی کیا حاجت تھی؟ تو پھر یہاں كِتَابُ الْبُيُوعِ جمع کیوں لائے؟ وہی وجہ، یہ جو صاحبِ کافیہ ذکر فرما رہے ہیں، کہ تمییز جب جنس ہو تو مفرد لاتے ہیں إِلَّا أَنْ تُقْصَدَ الْأَنْوَاعُ مگر یہ کہ انواع کا ارادہ کیا جائے۔ تو وہاں پر بھی بَيْعٌ مصدر ہے اسمِ جنس ہے قلیل اور کثیر سب پر بولا جاتا ہے، لیکن چونکہ وہاں پر انواع کا ارادہ کیا گیا چونکہ بیع کی اقسام بہت زیادہ ہیں، تو اس لیے وہ انواع بیان کرنے کے لیے بُيُوعٌ جمع کا لفظ وہاں لاتے ہیں، تو كِتَابُ الْبُيُوعِ کہتے ہیں۔ بات سمجھ میں آگئی؟

اور یہ بھی یاد رکھنا بھئی، انہوں نے کہا کہ جنس وہ ہے جس کے اجزاء ایک دوسرے کے مشابہ ہوں۔ یہ وہ صورت ہے اگر اس چیز کے اجزاء ہو سکیں۔ پانی کے اجزاء ہو سکتے ہیں، کھجوروں کے اجزاء ہو سکتے ہیں، زیت کے اجزاء ہو سکتے ہیں، تو یہ وہ صورت ہے اجزاء مشابہ ہوں جب اجزاء ہو سکیں۔ جبکہ ضرب، ضرب تو مصدر ہے مصدر کے اجزاء نہیں ہو سکتے، تو اب آپ یہ نہ کہیں کہ آپ نے تو کہا تھا جنس وہ ہے جس کے اجزاء متشابہ ہوتے ہیں ایک دوسرے کے، اور ضرب کے تو اجزاء ہی نہیں! تو جواب کیا؟ کہ اجزاء متشابہ ہونے کا حکم تب لگائیں گے جب ایک چیز کے اجزاء ہو سکیں، ضرب کے اجزاء ہی نہیں ہو سکتے تو اس پر اشکال بھی وارد نہیں ہوتا۔

بِخِلَافِ رَجُلٍ وَفَرَسٍ، بخلاف رجل اور فرس کے۔ رجل اور فرس یاد رکھو یہ جنس نہیں ہیں۔ رَجُلٌ کا لفظ ایک مرد کے لیے بولا جائے گا، یہ قلیل اور کثیر پر صادق نہیں آتا۔ دو ہوں تو رَجُلَانِ، دو سے زیادہ ہوں تو رِجَالٌ کہیں گے۔ اور اسی طرح فَرَسٌ بھی۔ فَرَسٌ یاد رکھو یہ مذکر اور مؤنث دونوں کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ مذکر ہو، گھوڑا ہو، اس کے لیے بھی فَرَسٌ عربی میں کہتے ہیں، اور اسی کی مادہ ہو، مؤنث ہو، اس کے لیے بھی فَرَسٌ کا لفظ بولتے ہیں۔ تو معلوم ہوا فَرَسٌ کا لفظ مذکر اور مؤنث دونوں کے لیے بولا جاتا ہے۔ تو پھر اسی کے مطابق ضمیر اس کی طرف راجع کریں گے۔ اگر فَرَسٌ بول کر مذکر مراد ہے، گھوڑا مراد ہے، تو اس کے لیے مذکر کی ضمیر راجع کریں گے، اور اگر فَرَسٌ بول کر گھوڑی مراد ہے، تو پھر وہاں مؤنث کی ضمیر راجع کریں گے، کیونکہ یہ دونوں پر بولا جاتا ہے۔ اور اگر آپ خاص طور پر مذکر گھوڑا بولنا چاہتے ہیں تو اس کو عربی میں حِصَانٌ کہتے ہیں۔ حا ہے، صاد ہے، الف اور نون، حِصَانٌ، یہ ہے مذکر گھوڑے کے لیے خاص بھئی یہ لفظ۔ اور اسی طرح

اگر مؤنث جو ہے اس کے لیے خاص لفظ بولنا چاہتے ہیں تو اس کو عربی میں حِجْرٌ کہتے ہیں۔ حا، جیم، را، حِجْرٌ۔ اور نیز مؤنث کے لیے فَرْسَةٌ کا لفظ بھی کبھی بول دیا جاتا ہے، فَرْسَةٌ۔ فَرَسٌ میں تو را پر فتحہ تھا، فَرْسَةٌ میں پھر را ساکن ہو جائے گی۔ تو مؤنث کے لیے حِجْرٌ بھی بولتے ہیں اور فَرْسَةٌ بھی، جبکہ فَرَسٌ کا لفظ مذکر مؤنث دونوں کے لیے استعمال ہوتا ہے، یہ ہمیشہ یاد رکھنا بھئی۔ اور نیز یاد رکھنا خَيْلٌ، خَيْلٌ بھی گھوڑے کے لیے استعمال ہوتا ہے، لیکن یاد رکھو خَيْلٌ گھوڑوں کی جماعت کو کہتے ہیں۔ کس کو؟ گھوڑوں کی ایک جماعت ہو، زیادہ گھوڑے ہوں، ان کو خَيْلٌ کہیں گے، ایک گھوڑے کو خَيْلٌ نہیں کہتے۔ تو یہ فَرَسٌ کی جمع أَفْرَاسٌ بھی آتی ہے اور فُرُوسٌ بھی آتی ہے۔ تو یہ فَرَسٌ بھی جنس نہیں ہے۔ مفرد کے لیے کہیں گے فَرَسٌ، تثنیہ کے لیے کہیں گے فَرَسَانِ، اور جمع کے لیے کہیں گے فُرُوسٌ یا أَفْرَاسٌ بھئی۔

إِلَّا أَنْ تُقْصَدَ الْأَنْوَاعُ، مگر یہ کہ انواع کا ارادہ کیا جائے۔ میں نے بتلایا بھئی الْأَنْوَاعُ سے کیا مراد ہے؟ جمعِ لغوی مراد ہے، جمعِ حقیقی مراد نہیں۔ حقیقت میں جمع کے افراد تین یا زیادہ ہوتے ہیں لیکن یہاں جمعِ لغوی ہے، اور عربی زبان میں ایک سے زائد جو ہو اس کو بھی جمع کہتے ہیں، بات سمجھ میں آگئی؟ تو إِلَّا أَنْ تُقْصَدَ الْأَنْوَاعُ مگر یہ کہ انواع کا ارادہ کیا جائے، کیا معنی؟ یعنی ایک سے زیادہ، یعنی دو ہوں چاہے دو سے زیادہ ہوں سب اس میں آگئے، تو تثنیہ بھی اس کے اندر داخل ہے۔ تو کہتے ہیں: إِلَّا أَنْ تُقْصَدَ الْأَنْوَاعُ، مگر یہ کہ انواع کا ارادہ کیا جائے، أَيْ مَا فَوْقَ النَّوْعِ الْوَاحِدِ، دیکھا انواع سے کیا مراد ہے؟ وہ جو ایک نوع سے زائد ہو، فَيَشْمُلُ الْمُثَنَّى أَيْضًا، تو یہ تثنیہ کو بھی شامل ہے۔

لِأَنَّهُ لَا يَدُلُّ، جی سوال پیدا ہوتا ہے کہ تمییز جب جنس ہے وہ قلیل اور کثیر پر دلالت کر رہی ہے تو انواع کی صورت میں اس کو تثنیہ اور جمع لانے کی کیا حاجت ہے؟ تو جواب دے رہے ہیں صاحبِ جامی کہ بھئی جب مثلاً میں نے کہا: عِنْدِي أَرْطَالٌ زَيْتًا، زَيْتًا کو میں مفرد ہی لاؤں، زَيْتًا جنس ہے اور میں مفرد لایا حالانکہ ماقبل میں وہ جو اسمِ تام ہے وہ جمع ہے، جمع ہو یا تثنیہ ہو، تو صرف زَيْتًا کہنے سے پھر انواع کا پتہ نہیں چلے گا۔ عِنْدِي أَرْطَالٌ زَيْتًا کا تو معنی ہے میرے پاس کئی رطل ہیں زیتون کا تیل، کئی قسم کا ہے یہ پتہ نہیں چل رہا۔ تو جنس قلیل اور کثیر پر تو دلالت کرتی ہے لیکن انواع پر دلالت نہیں کرتی، تو پھر انواع پر دلالت کرنے کے لیے یہ جو تمییز جو جنس ہے اس کو بھی تثنیہ یا جمع لائیں گے بھئی۔ کہتے ہیں: لِأَنَّهُ لَا يَدُلُّ لَفْظُ الْجِنْسِ مُفْرَدًا عَلَيْهَا، اس لیے کیونکہ جنس کا لفظ جو ہے وہ ان انواع پر مفرد ہو کر دلالت نہیں کرتا۔ جنس کا لفظ مفرد ہو عِنْدِي أَرْطَالٌ زَيْتًا، یہ زَيْتًا مفرد ہو اور یہ انواع پر دلالت کرے، نہیں، پھر یہ انواع پر دلالت نہیں کرتا، اور آپ تو انواع بتلانا چاہتے ہیں تو پھر اس کو تثنیہ اور جمع لائیں گے۔ یہ معنی ہے لِأَنَّهُ لَا يَدُلُّ لَفْظُ الْجِنْسِ مُفْرَدًا عَلَيْهَا، اس لیے کیونکہ جنس کا لفظ مفرد ہو کر ان انواع پر دلالت نہیں کرتا، فَلَا بُدَّ مِنْ أَنْ يُثَنَّى أَوْ يُجْمَعَ، تو لہٰذا ضروری ہے کہ اس جنس کو تثنیہ یا جمع لایا جائے۔

قِيلَ وَفِي تَخْصِيصِ قَصْدِ الْأَنْوَاعِ بِالِاسْتِثْنَاءِ نَظَرٌ، یہاں اشکال اور اس کا جواب ذکر کریں گے۔ اشکال یہ کہ اے صاحبِ کافیہ آپ نے انواع کا استثناء کیا، کیا کہا؟ پیچھے ذرا متن دیکھیں، تمییز کو مفرد لائیں گے اگر وہ جنس ہو إِلَّا أَنْ تُقْصَدَ

الْأَنْوَاعُ، دیکھو إِلَّا لائے استثناء کے لیے، مگر جس وقت انواع کا ارادہ کیا جائے، مگر اس وقت جب انواع کا ارادہ کیا جائے۔ معلوم ہوا انواع کے علاوہ اور صورتوں میں تثنیہ یا جمع نہیں لا سکتے، صرف انواع کا جب ارادہ کریں تو پھر اس کو تثنیہ اور جمع تمییز کو لا سکتے ہیں، کیونکہ آپ نے صرف انواع کا استثناء کیا، إِلَّا أَنْ تُقْصَدَ، دیکھو إِلَّا استثناء کے لیے لائے۔ تو اشکال ہوتا ہے کہ بھئی بعض اوقات انواع کا ارادہ ہوتا ہے اور بعض اوقات عدد کا بھی ارادہ ہوتا ہے۔ عدد کا ارادہ ہوتا ہے تو اس صورت میں بھی تمییز کو تثنیہ اور جمع لایا جاتا ہے، جیسے دیکھو آگے مثال ذکر کر رہے ہیں، مثال اسی سطر کے آخر میں دیکھیں: طَابَ زَيْدٌ جِلْسَتَيْنِ، اور اسی طرح آگے ہے: طَابَ زَيْدٌ جَلْسَتَيْنِ۔ توجہ سے سنو بھئی، یہ مفعولِ مطلق کے اندر یہ بات آئی تھی کہ فِعْلَةٌ مصدر جو ہے یہ نوع بتلانے کے لیے لایا جاتا ہے۔ نوع، مثلاً میں کہنا چاہتا ہوں: جَلَسْتُ جِلْسَةً، کیا معنی؟ میں ایک خاص نوع پر، ایک خاص طریقے پر بیٹھا۔ اگر میں بتلانا چاہوں میں دو طریقے پر بیٹھا تو میں کہوں گا: جَلَسْتُ جِلْسَتَيْنِ۔ تو یہ جِلْسَةٌ وزن کس لیے آتا ہے؟ نوع بتلانے کے لیے۔ اور ایک فا کے فتحہ کے ساتھ ہے: جَلَسْتُ جَلْسَةً۔ یہ جَلْسَةً عددیان کرنے کے لیے آتا ہے۔ میں بتلانا چاہتا ہوں میں ایک مرتبہ بیٹھا تو کیسے کہوں گا؟ جَلَسْتُ جَلْسَةً۔ اور میں دو دفعہ بیٹھا تو کیا کہوں گا؟ جَلَسْتُ جَلْسَتَيْنِ۔ اور زیادہ دفعہ بیٹھا تو جَلَسْتُ جَلَسَاتٍ۔ توجہ ہے؟ تو یہ میں صرف وزن بیان کرنا چاہ رہا تھا، دیکھو ایک ہے فِعْلَةٌ وزن ایک ہے فَعْلَةٌ۔ فِعْلَةٌ وزن مصدر میں کس لیے آتا ہے؟ نوع کے لیے

اور فَعْلَةٌ وزن کس لیے آتا ہے؟ عددیان کرنے کے لیے۔ توجہ ہے؟ تو کہتے ہیں دیکھو یہ مثال دیکھو: طَابَ زَيْدٌ جِلْسَتَيْنِ، یہاں جِلْسَتَيْنِ آیا جیم کے کسرہ کے ساتھ۔ طَابَ زَيْدٌ، زید اچھا ہے جِلْسَتَيْنِ باعتبار دو قسم کے بیٹھنے کے۔ تو دیکھو یہ جِلْسَتَيْنِ یہاں یہ تمییز واقع ہو رہی ہے، مفعولِ مطلق نہیں ہے، تمییز ہے۔ طَابَ زَيْدٌ، زید اچھا ہے جِلْسَتَيْنِ باعتبار دو انواع کے بیٹھنے کے، دو قسم کے بیٹھنے کے اعتبار سے وہ اچھا ہے۔ تو دیکھو یہاں پر تمییز لائی گئی اور کس لیے لائی گئی؟ نوع بیان کرنے کے لیے، جِلْسَةٌ وزن لائے نا! کہنا یہ چاہتے ہیں صاحبِ جامی کہ تمییز جب جنس ہو، تمییز جب جنس ہو، تو اس کو جیسے نوع بتلانے کے لیے تثنیہ اور جمع لا سکتے ہیں، اسی طرح عددیان کرنے کے لیے بھی اس کو تثنیہ اور جمع لا سکتے ہیں۔ جیسے پہلی مثال کیا ذکر کی؟ آپ نوع بتلانا چاہتے ہیں، دو قسمیں بتلانا چاہتے ہیں، تو آپ کہتے ہیں: طَابَ زَيْدٌ جِلْسَتَيْنِ، زید اچھا ہے دو نوع پر بیٹھنے کے اعتبار سے۔ دیکھو یہ جِلْسَتَيْنِ تمییز ہے اور تثنیہ لائے اور کس لیے لائے؟ نوع بیان کرنے کے لیے۔ اور اسی طرح عدد بیان کرنے کے لیے بھی کبھی تمییز لاتے ہیں: طَابَ زَيْدٌ جَلْسَتَيْنِ، زید اچھا ہے دو مرتبہ بیٹھنے کے اعتبار سے۔ اب دیکھو یہاں جَلْسَتَيْنِ جیم کے فتحہ کے ساتھ ہے اور یہ کس لیے آتا ہے یہ والا مصدر؟ عددیان کرنے کے لیے۔ تو یہاں یہ مفعولِ مطلق نہیں ہے یہ خیال رکھنا، یہ تمییز بن رہے ہیں، تمییز بن رہے ہیں، اور ایک میں تثنیہ لائے نوع بیان کرنے کے لیے، اور ایک میں تثنیہ لائے عددیان کرنے کے لیے۔ معلوم ہوا تمییز جب جنس ہو تو اس کو جیسے نوع بیان کرنے کے لیے تثنیہ اور جمع لاتے ہیں، اسی طرح عددیان کرنے کے لیے بھی اس کو تثنیہ اور جمع لاتے ہیں۔ اور آپ نے تو صرف اے صاحبِ کافیہ کس

کا استثناء کیا؟ إِلَّا أَنْ تُقْصَدَ الْأَنْوَاعُ، مگر یہ کہ انواع کا ارادہ کیا جائے، حالانکہ آپ کو عدد بھی کہنا چاہیے تھا، آپ کو یوں کہنا چاہیے تھا: إِلَّا أَنْ تُقْصَدَ الْأَنْوَاعُ وَالْأَعْدَادُ، جبکہ انواع اور اعداد کا ارادہ کیا جائے، پھر تمییز چاہے جنس بھی ہو اس کو تثنیہ اور جمع لے کر آئیں گے۔ بات سمجھ میں آرہی ہے؟

دیکھیے بھائی ذرا پہلے اعتراض دیکھ لیں۔ کہتے ہیں: قِيلَ، کہا گیا ہے، وَفِي تَخْصِيصِ قَصْدِ الْأَنْوَاعِ بِالِاسْتِثْنَاءِ نَظَرٌ، اور انواع کے ارادے کی تخصیص، دیکھو ترجمہ میں آخر سے کر رہا ہوں: وَفِي تَخْصِيصِ قَصْدِ الْأَنْوَاعِ اور انواع کے ارادے کی تخصیص، بِالِاسْتِثْنَاءِ کس کے ذریعے؟ استثناء... بھئی دیکھو نا پیچھے إِلَّا آیا، إِلَّا کس لیے آتا ہے؟ تخصیص کے لیے۔ اس سے پتہ چلا کہ صرف انواع کا ارادہ ہوگا تب ہی تثنیہ اور جمع لا سکتے ہیں، اور کسی صورت میں تثنیہ اور جمع نہیں لا سکتے۔ تو کہتے ہیں اس پر اشکال ہوتا ہے، کہتے ہیں: وَفِي تَخْصِيصِ قَصْدِ الْأَنْوَاعِ بِالِاسْتِثْنَاءِ نَظَرٌ، اور یہ جو انواع کے ارادے کی تخصیص کی گئی بِالِاسْتِثْنَاءِ استثناء کے ذریعے، اس میں نَظَرٌ اس میں نظر ہے، اشکال ہے۔ لِأَنَّهُ كَمَا جَازَ أَنْ يُقَالَ طَابَ زَيْدٌ جِلْسَتَيْنِ لِلنَّوْعِ، اس لیے کیونکہ جیسے یہ جائز ہے کہ یوں کہا جائے، کیا کہا جائے؟ طَابَ زَيْدٌ جِلْسَتَيْنِ لِلنَّوْعِ، جیسے نوع بیان کرنے کے لیے یوں کہا جائے: طَابَ زَيْدٌ جِلْسَتَيْنِ، کہ زید اچھا ہے باعتبار دو قسم کے بیٹھنے کے، تو جیسے نوع کے لیے یوں کہنا جائز ہے، جَازَ أَنْ يُقَالَ طَابَ زَيْدٌ جِلْسَتَيْنِ، تو یہ بھی جائز ہے کہ یوں کہا جائے طَابَ زَيْدٌ جَلْسَتَيْنِ لِلْعَدَدِ، کس کے لیے؟ عدد کے لیے۔ ترجمہ سمجھ میں آرہا ہے؟ پھر ترجمہ دیکھیے: كَمَا جَازَ أَنْ يُقَالَ طَابَ زَيْدٌ جِلْسَتَيْنِ لِلنَّوْعِ، جیسے نوع کے لیے یہ کہنا جائز ہے طَابَ زَيْدٌ جِلْسَتَيْنِ، تو جَازَ أَنْ يُقَالَ طَابَ زَيْدٌ جَلْسَتَيْنِ لِلْعَدَدِ، تو عدد کے لیے یہ کہنا بھی جائز ہے طَابَ زَيْدٌ جَلْسَتَيْنِ۔ توجہ ہے؟ اشکال کیا ہوا؟ آپ کو عدد کا بھی استثناء کرنا چاہیے تھا۔

اب اس کا جواب دیں گے۔ کہتے ہیں: وَيُمْكِنُ أَنْ يُجَابَ عَنْهُ، اور ممکن ہے کہ اس اعتراض سے یہ جواب دیا جائے، بِأَنَّ الْمُرَادَ بِالْأَنْوَاعِ حِصَصُ الْجِنْسِ، کہ انواع سے مراد جو ہیں حِصَصُ الْجِنْسِ، جنس کے حصے مراد ہیں۔ حِصَصٌ جمع ہے حِصَّةٌ کی، کہ انواع سے مراد حِصَصُ الْجِنْسِ، جنس کے حصے ہیں۔ سَوَاءٌ كَانَتْ بِالْخُصُوصِيَّاتِ الْكُلِّيَّةِ أَوِ الشَّخْصِيَّةِ، برابر ہیں کہ جنس کے وہ حصے جو ہیں خصوصیاتِ کلیہ کے ساتھ ہوں یا خصوصیاتِ شخصیہ کے ساتھ ہوں۔ بھئی یہ ایک جواب دیا لیکن کمزور جواب دیا اس لیے وَيُمْكِنُ أَنْ يُجَابَ عَنْهُ کے ساتھ جواب دے رہے ہیں۔ اشکال یہاں ہوتا ہے کہ انواع کے ساتھ اعداد کو بھی ذکر کرنا چاہیے تھا، تو جواب یہ دیں گے کہ بھئی انواع سے جنس کے حصے مراد لے لیں، کیا مراد لے لیں؟ جنس کے حصے مراد لے لیں، تو پھر اس میں انواع بھی داخل ہو جائیں گی اور اعداد یعنی افراد بھی داخل ہو جائیں گے۔

بھئی دیکھو جنس کے جو حصے ہیں نا وہ دو قسم کے ہو سکتے ہیں: کلیات بھی ہو سکتی ہیں اور جزئیات بھی۔ بلکہ یا یوں سمجھو، منطق میں، منطق میں آپ نے پڑھا ہے ایک ہے کلی اور ایک ہے جزئی۔ پھر جزئی دو قسم پر ہے: یا وہ جزئیِ حقیقی ہوگی یا جزئیِ اضافی ہوگی۔ کلی کسے کہتے ہیں؟ جو کثیرین پر صادق آئے۔ دیکھو میں نے کہا کتاب، یہ کلی ہے، دنیا کی ہر کتاب پر

یہ لفظ صادق آرہا ہے کتاب۔ میں نے کہا قلم، یہ کلی ہے، دنیا کے ہر قلم کو آپ قلم کہہ سکتے ہیں۔ اسی طرح انسان، انسان بھی کیا ہے؟ کلی ہے کثیرین پر صادق آتا ہے، زید بھی انسان، عمرو بھی انسان، بکر بھی انسان، خالد بھی انسان۔ اسی طرح گائے، یہ بھی کلی ہے ہر گائے پر آپ یہ لفظ بول سکتے ہیں۔ اسی طرح گھوڑا، یہ بھی کلی ہے ہر گھوڑے پر آپ یہ لفظ بول سکتے ہیں۔ توجہ ہے؟ تو کلی کسے کہتے ہیں؟ جو کثیرین پر صادق آئے۔ اور ایک ہے جزئی۔ جزئی اسے کہتے ہیں جو کثیرین پر صادق نہ آئے، جیسے زید، لفظِ زید صرف ذاتِ زید پر صادق آئے گا اور کسی پر نہیں، عمرو، لفظِ عمرو صرف عمرو پر صادق آئے گا اور کسی پر نہیں، جیسے بکر، لفظِ بکر صرف بکر پر صادق آئے گا اور کسی پر نہیں۔ تو یہ کیا ہیں؟ جزئیات ہیں، یہ... لیکن یاد رکھو یہ ہے جزئیِ حقیقی جو حقیقت میں جزئی ہے۔ جزئی کا کیا معنی؟ جو کثیرین پر صادق نہ آئے، اور یہ بھی حقیقت میں ایک ہی فرد پر صادق آتے ہیں، کثیرین پر صادق نہیں آتے۔ تو کلی کسے کہتے ہیں؟ جو کثیرین پر صادق آئے۔ اور جزئی کسے کہتے ہیں؟ جو کثیرین پر صادق نہ آئے۔ دہراؤ بھئی زبان سے جب میں کہوں، خاموش نہ بیٹھا کریں۔ جزئی کسے کہتے ہیں؟ جو کثیرین پر صادق نہ آئے۔ لیکن یاد رکھنا یہ تعریف ہے جزئیِ حقیقی کی۔ اسی طرح ایک جزئیِ اضافی بھی ہے، جزئیِ اضافی اسے کہتے ہیں، یوں کہیں: ہر أَخَصُّ تَحْتَ الْأَعَمِّ جو ہے اس کو جزئیِ اضافی کہتے ہیں۔ ہر أَخَصُّ تَحْتَ الْأَعَمِّ، یا یوں کہو ہر خاص تَحْتَ الْعَامِّ جو ہوگا اس کو کیا کہیں گے؟ جزئیِ اضافی۔ ہر خاص تَحْتَ الْعَامِّ، عام کے جو نیچے جو بھی خاص ہو۔ مثلاً دیکھو انسان یہ ہے کلی، انسان کلی، اور اس کے افراد زید، عمرو، بکر وغیرہ، یہ جزئیِ حقیقی بھی ہیں اور جزئیِ اضافی بھی۔ جزئیِ حقیقی کیوں ہیں؟ جزئیِ حقیقی کسے کہتے ہیں؟ جو کثیرین پر صادق نہ آئے، زید، عمرو، بکر یہ کثیرین پر صادق نہیں آتے، زید کا لفظ صرف زید پر صادق آتا ہے، عمرو کا لفظ صرف عمرو پر صادق آتا ہے۔ اور نیز جزئیِ اضافی بھی ہیں، جزئیِ اضافی کسے کہتے ہیں؟ ہر أَخَصُّ تَحْتَ الْأَعَمِّ، تو یہ بھی انسان کے تحت ہیں تو یہ خاص ہوئے، تو یہ أَخَصُّ تَحْتَ الْأَعَمِّ یا یوں کہیں خاص تَحْتَ الْعَامِّ ہوئے، تو یہ جزئیِ اضافی بھی ہیں۔ توجہ ہے؟ اب ذرا اس سے اوپر آجاؤ۔ ایک ہے حیوان، ایک ہے انسان۔ جب میں نے حیوان کہا تو اس میں انسان بھی آیا، گائے، بیل، بکری وغیرہ چیزیں بھی آگئیں، وہ سب بھی حیوان ہیں۔ تو حیوان ہوا عام، اس میں انسان، گائے، بیل، بکری، گھوڑا، گدھا سب اس کے اندر داخل ہو گئے۔ اور ایک ہے انسان بھئی۔ اب انسان کثیرین پر صادق آتا ہے، لیکن حیوان کی طرف نسبت کریں تو یہ خاص ہے۔ حیوان میں کون کون تھے؟ انسان کے علاوہ اور جانور بھی تھے۔ اور انسان میں اور جانور نہیں، تو حیوان کے مقابلے میں انسان کیا ہوا؟ خاص، یہ کیا ہوا؟ خاص ہوا۔ تو انسان بھی جزئیِ اضافی ہے کیونکہ یہ خاص تَحْتَ الْعَامِّ ہوا یا أَخَصُّ تَحْتَ الْأَعَمِّ ہوا۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو انسان جزئیِ اضافی تو ہے لیکن جزئیِ حقیقی نہیں، جزئیِ حقیقی نہیں کیونکہ جزئیِ حقیقی تو کسے کہتے ہیں؟ جو کثیرین پر صادق نہ آئے، اور انسان تو کثیرین پر صادق آتا ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو زید، عمرو، بکر وغیرہ یہ جزئیِ اضافی بھی ہیں اور جزئیِ حقیقی بھی ہیں، جزئیِ حقیقی کیوں؟ کیونکہ یہ کثیرین پر صادق نہیں آتے، اور جزئیِ اضافی کیوں؟ کیونکہ یہ أَخَصُّ تَحْتَ الْأَعَمِّ ہیں، انسان کے تحت ہیں۔ اور انسان وہ

جزئیِ اضافی تو ہے لیکن جزئیِ حقیقی نہیں ہے۔ تو معلوم ہوا حیوان کے تحت ہے انسان، اور انسان کے تحت ہیں زید، عمرو، بکر۔ توجہ سے سنو، زید، عمرو، بکر جب وہ انسان کے افراد ہیں تو حیوان کے بھی افراد ہیں، کیونکہ سب حیوانِ ناطق ہیں، یہ سب حیوانِ ناطق۔ تو زید، عمرو، بکر انسان کے بھی افراد اور حیوان کے بھی افراد۔ معلوم ہوا حیوان کے افراد دو قسم کے ہو گئے، کون کون؟ کچھ کلیات ہیں، کچھ جزئیات ہیں۔ کون کون سے حیوان کے افراد کلیات ہیں؟ حیوان کے تحت حیوانِ ناطق یعنی انسان بھی آگیا، یہ کلی ہے کثیرین پر صادق آتا ہے۔ حیوانِ صاہل بھی آگیا، صاہل حیوانِ صاہل گھوڑے کو کہتے ہیں، ہنہنانے والا حیوان۔ حیوانِ ناہق بھی آگیا یعنی گدھا بھی آگیا، اسی طرح گائے، بیل وغیرہ وہ بھی آگئے بھئی۔ گائے بیل کو حیوانِ ذُو خُوَار کہتے ہیں، بکری ہے حیوانِ ذُو رُغَاء ہے، یہ بھی اس کے اندر آگئے۔ توجہ ہے؟ تو معلوم ہوا حیوان کے افراد دو قسم کے ہو گئے: کچھ تو کلیات ہیں، کون کون سے؟ انسان ہے، گائے، بیل وغیرہ، یہ کیا ہیں؟ کلیات۔ اور زید، عمرو، بکر یہ انسان کے جب افراد ہیں تو حیوان کے بھی افراد ہیں، تو معلوم ہوا حیوان کے کچھ افراد جزئیات بھی ہیں یعنی جزئیِ حقیقی بھی ہیں۔ تو حیوان کے افراد کتنی قسم کے ہو گئے؟ دو قسم، کچھ کلیات ہیں، کچھ جزئیات ہیں۔ توجہ ہے؟ اور حیوان جنس ہے، توجہ ہے؟ تو اس جنس کے حصے یا جنس کے افراد دو قسم کے ہو گئے: کچھ افراد کلیات ہیں، کچھ افراد جزئیات۔ جو کلیات ہیں یقیناً ان میں کلیات والی خصوصیات ہوں گی، کلی کسے کہتے ہیں؟ جو کثیرین پر صادق آئے۔ اور کچھ جزئیات ہیں ان میں جزئیات والی خصوصیات ہوں گی، یعنی وہ کثیرین پر صادق نہیں آتے۔ توجہ ہے؟ تو حیوان کے افراد کتنی قسم کے ہو گئے؟ دو قسم کے، حیوان کے افراد دو قسم کے: کچھ بھئی افراد، حیوان کے افراد، دیکھو حیوان کے تحت کیا ہے؟ انسان، گائے، بیل، بکری، گھوڑا، اور یہ سب کلیات ہیں، تو یوں کہیں گے یہ بھی حیوان کے افراد ہیں، لیکن یہ کلی قسم کے افراد ہیں جو کلیات ہیں۔ اور یہ زید، عمرو، بکر یہ بھی حیوان کے تحت ہیں تو یہ بھی حیوان کے افراد، لیکن یہ کس قسم کے افراد ہیں؟ یہ جزئیات ہیں یعنی جزئیاتِ حقیقیہ ہیں بھئی۔ تو حیوان کے افراد کتنی قسم کے ہو گئے؟ دو قسم کے: کچھ کلیات اور کچھ جزئیات ہو گئے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو لہٰذا صاحبِ جامی جواب دے رہے ہیں کہ متن میں أَنْوَاعٌ کا لفظ آیا: الا یہ کہ انواع کا ارادہ کیا جائے، انواع کا، اب اس کے اندر عدد کو بھی داخل کرنا چاہتے ہیں، تو کہتے ہیں یوں کرو انواع سے مراد لے لو جنس کے حصے۔ دیکھو نا جنس کے تحت انواع ہوتی ہیں نا، حیوان جنس ہے اور اس کے تحت کون ہیں؟ انسان، گائے، بیل، بکری سب ہیں یا نہیں؟ تو حیوان جنس اور انسان نوع ہے، یہ نوع۔ توجہ ہے؟ منطق کی باتیں کچھ یاد ہیں یا بھول گئے سب؟ حیوانِ ناطق نوع ہے، حیوانِ صاہل نوع ہے، حیوانِ ناہق نوع ہے، اور خود حیوان کیا ہے؟

جنس ہے۔ توجہ ہے؟ تو انہوں نے کیا کہا کہ انواع سے کیا مراد لے لیں؟ جنس کے حصے مراد لے لیں۔ اور جنس کے

حصے کتنی قسم پر ہیں؟ کچھ کلیات ہیں، کچھ جزئیات۔ جنس سے مراد حیوان ہے مثلاً، تو دیکھو جنس کے حصے مراد ہیں، اس سے کیا مراد ہیں؟ جنس، یعنی حیوان دیکھو حیوان ایک جنس ہے اور جنس کے نیچے افراد کتنی قسم کے ہو گئے؟ دو قسم کے: کچھ کلیات ہیں، کچھ جزئیات ہیں۔ زید، عمرو، بکر بھی کس کے افراد؟ حیوان کے۔ اور انسان، گائے، بیل، بکری یہ بھی کس کے افراد؟ یہ بھی حیوان۔ معلوم ہوا حیوان جو جنس ہے اس کے افراد دو قسم کے ہو سکتے ہیں: کلیات بھی ہو سکتے ہیں اور جزئیات بھی ہو سکتے ہیں۔ تو یہاں کہتے ہیں کہ یہاں جو انواع کا لفظ آیا اس سے جنس کے حصے مراد لے لو، یعنی جنس کے افراد مراد لے لو۔ اور جنس کے افراد تو دو قسم کے ہو سکتے ہیں: کچھ کیا ہوتے ہیں کلیات اور کچھ کیا ہوتے ہیں جزئیات۔ تو دونوں داخل ہو گئے۔ کلیات کے اندر انواع ہوتی ہیں، حیوانِ ناطق کیا ہے؟ یہ حیوان کی ایک نوع ہے، حیوانِ صاہل کیا ہے؟ یہ حیوان کی ایک نوع ہے، حیوانِ ناہق کیا ہے؟ یہ حیوان کی ایک نوع ہے، تو جنس کے یہ والے بھی حصے ہیں اور ان کی خصوصیاتِ کلیہ ہیں، ظاہر سی بات ہے جو کلی ہوگی اس کی کلی والی خصوصیات ہوں گی، وہ کثیرین پر صادق آتا ہے، اور جزئی میں جزئی والی خصوصیات ہوں گی وہ کثیرین پر صادق نہیں آتا۔ تو اسی طرح زید، عمرو، بکر یہ بھی حیوان کے حصے ہیں، حیوان کے افراد ہیں، یعنی وہ حیوان کو ذہن میں رکھو پھر بات سمجھ میں آئے گی۔ یہاں انواع کا لفظ آیا، انواع سے کیا مراد لے لو؟ جنس کے حصے، انواع سے کیا مراد لے لو؟ جنس کے حصے، اور جنس کے حصے کتنی قسم پر؟ دو، کچھ کلیات کچھ جزئیات، تو کلیات میں انواع آگئیں اور جزئیات میں عدد آگیا، جزئیات کے اندر ان کے عدد کو شمار کیا جاتا ہے: زید ایک ہے، عمرو دوسرا ہے، بکر تیسرا ہے، بات سمجھ میں آگئی؟ تو کیا داخل ہو گئے؟ انواع بھی داخل ہو گئیں اور عدد بھی داخل ہو گئے۔ بات نہیں سمجھ میں آئی لگتا ہے، پھر سنو خلاصہ پھر سمجھ لو۔ انہوں نے کہا متن میں صرف یہ آیا کہ اگر تمییز جنس ہو تو اس کو مفرد رکھیں گے الا یہ کہ انواع کا ارادہ کیا جائے، تو اشکال ہوا کہ انواع کے ساتھ اعداد کو بھی ذکر کرنا چاہیے تھا، تو صاحبِ جامی اس کا جواب دے رہے ہیں کہ یہاں جو متن میں أَنْوَاعٌ کا لفظ آیا اس سے جنس کے حصے مراد لے لو، یعنی وہ جو جنس کے تحت انواع ہوتی ہیں منطق میں آپ نے پڑھا ہے۔ منطق میں آپ نے پڑھا ہے کہ جنس کے تحت انواع ہوتی ہیں، حیوان کے تحت کیا ہے؟ انسان، گائے، بیل، بکری یہ سب کیا ہیں؟ یہ حیوان کے تحت ہیں، حیوان ہے جنس اور یہ ہیں انواع، تو یہ جنس کے حصے ہو گئے۔ اور اسی کے تحت کیا ہو گئے؟ زید، عمرو، بکر وہ بھی اسی جنس کے تحت آجاتے ہیں۔ تو گویا جنس کے حصے دو قسم کے ہو گئے: کچھ میں خصوصیاتِ کلیہ ہیں کیونکہ وہ کلیات ہیں، اور کچھ میں خصوصیاتِ شخصیہ ہیں کیونکہ وہ شخصیات یا جزئیات ہیں۔ تو لہٰذا دونوں داخل ہو گئے، کیا ہو گئے؟ دونوں اس کے اندر داخل ہو گئے۔ تو انواع سے کیا مراد؟ جنس کے حصے، اور جنس کے حصے جیسے انواع ہوتی ہیں ایسے افراد بھی ہوتے ہیں، وہ بھی جنس کے حصے ہیں۔ تو جنس جو ہے مثلاً حیوان ہے، اس کے تحت حیوانِ ناطق، حیوانِ صاہل، حیوانِ ناہق یہ کلیات بھی آگئیں، اور اسی کے

تحت زید، عمرو، بکر بھی آ گئے۔ اور یہ جو کلیات ہیں حیوانِ ناطق، حیوانِ صاہل، ان میں کس قسم کی صفات ہوں گی؟ کلی صفات ہوں گی کیونکہ کلی کہتے ہی اس کو ہیں جو کثیرین پر صادق آئے۔ اور نیچے جو افراد ہیں زید، عمرو، بکر وغیرہ ان میں شخصی خصوصیات ہوں گی، یعنی ہر شخص کی اپنی اپنی خصوصیت ہے۔ زید کے مثلاً ایک خاص قسم کی آنکھیں ہوں گی، خاص قسم کے بال ہوں گے، خاص قسم کا چہرہ ہوگا، یہ اس کی شخصی خصوصیات ہیں۔ انہی چیزوں سے تو آپ زید کو عمرو سے پہچانتے ہیں، فرق کرتے ہیں، ورنہ زید کی بھی دو آنکھیں ہیں، دو کان ہیں، ایک ناک ہے، ایک منہ ہے، دو ہاتھ دو پاؤں، بکر بھی اسی طرح ہے، خالد بھی اسی طرح ہے، تو یہ آپ ان کو ایک دوسرے سے کیسے فرق کرتے ہیں؟ کہ ہر ایک کی شخصی خصوصیات ہوتی ہیں، ہر ایک کی آنکھیں خاص قسم کی، ہر ایک کی ناک خاص قسم کی، چہرہ خاص قسم کا، قد خاص قسم کا، ہاتھ پاؤں خاص قسم کے، یہ ہیں شخصی خصوصیات۔ اور کچھ کیا ہوتی ہیں کلی کی خصوصیات، جیسے حیوانِ ناطق یہ ایک کلی ہے، تو اس کا ہر فرد کیا ہوگا؟ حیوان ہوگا، ہر فرد کیا ہوگا؟ ناطق ہوگا، ہر فرد کے دو ہاتھ ہوں گے، دو آنکھیں ہوں گی، دو پاؤں ہوں گے، کیونکہ حیوانِ ناطق سب اسی طرح کے ہوتے ہیں۔ تو کلی کی کلی خصوصیات ہوتی ہیں اور جزئی کی جزئی خصوصیات یعنی شخصی خصوصیات ہوتی ہیں۔ تو متن میں کیا آیا؟ أَنْوَاعٌ، انواع سے کیا مراد لے لو؟ اس جنس کے حصے مراد لے لو، کیا مراد لے لو؟ جنس کے حصے مراد لے لو، جیسے حیوان ہے اس حیوان کے حصے کس قسم کے ہیں؟ کچھ کلیات ہیں اور کچھ جزئیات ہیں، کلیات کے اندر انواع ہوتی ہیں، جیسے حیوانِ ناطق ایک نوع، حیوانِ صاہل ایک نوع، حیوانِ ناطق ایک نوع، تو کلیات کے اندر انواع آگئیں، اور نیچے جو افراد ہیں جو شخصی خصوصیات کے ساتھ ہیں ان میں عددیان ہوتا ہے: ایک فرد ہے یا دو ہیں یا تین ہیں یا چار ہیں۔ تو دونوں اس میں داخل ہو گئے، بات سمجھ میں آگئی؟ انواع سے مراد جنس کے حصے ہیں اور جنس کے تحت جیسے انواع ہوتی ہیں اسی طرح افراد بھی ہوتے ہیں۔ جیسے حیوان ہے منطق کے اندر آپ نے پڑھا ہے، حیوان کیا ہے؟ جنس، اور انسان کیا ہے؟ انسان نوع ہے، نوع ہے۔ جنس کسے کہتے ہیں؟ وَكُلِّيٌّ مَقُولٌ عَلَى كَثِيرِينَ مُخْتَلِفِينَ بِالْحَقَائِقِ، جن کی حقیقتیں مختلف ہوں۔ تو حیوان کا اطلاق انسان پر بھی ہوتا ہے، گائے، بیل، بکری وغیرہ پر بھی ہوتا ہے، اور سب کی حقیقتیں الگ الگ ہیں۔ اور انسان کے بھی افراد بہت زیادہ، گائے بیل کے بھی افراد بہت زیادہ، گھوڑا گدھا وغیرہ ان کے بھی افراد بہت زیادہ۔ تو دیکھو یہ سارے حیوان کے افراد ہیں، لیکن کس قسم کے افراد ہیں؟ کلیات ہیں، انسان بھی کیا ہے؟ کلی، کلی کسے کہتے ہیں؟ جو کثیرین پر صادق آئے۔ تو انسان بھی حیوان کا فرد لیکن یہ کلی ہے، گائے بیل یہ بھی کیا ہیں؟ حیوان کا فرد لیکن یہ بھی کلی ہے، گھوڑا یہ بھی کیا ہے؟ حیوان کا فرد لیکن یہ بھی کلی ہے، گدھا یہ بھی حیوان کا فرد لیکن یہ کلی ہے۔ تو معلوم ہوا جنس کے بعض افراد ایسے ہوتے ہیں جو کلیات ہوتے ہیں۔ اور اسی طرح انسان کے افراد زید، عمرو، بکر ہیں، جب یہ زید، عمرو، بکر یہ انسان کے افراد ہیں تو یہ حیوان کے بھی افراد ہوئے کیونکہ یہ سب حیوانِ ناطق ہیں۔ معلوم ہوا جنس کے بعض افراد ایسے ہوتے ہیں جو کلیات نہیں ہوتے بلکہ جزئیات ہوتے ہیں، یعنی کثیرین پر وہ صادق نہیں آتے،

کلی تو اسے کہتے ہیں نا جو کثیرین پر صادق آئے، جزئی وہ ہے جو کثیرین پر صادق نہ آئے۔ اب زید سو صرف زید پر صادق آتا ہے کسی اور پر نہیں، عمرو صرف عمرو پر صادق آتا ہے کسی اور پر نہیں، بکر صرف بکر پر صادق آتا ہے کسی اور پر نہیں، تو یہ بھی حیوان کے افراد۔ معلوم ہوا حیوان کے کچھ افراد وہ ہیں جو کلیات ہیں، اور اسی طرح حیوان کے کچھ افراد وہ ہیں جو جزئیات ہیں بھئی۔ تو حیوان کے افراد دو قسم کے ہو گئے، اور حیوان کیا ہے؟ جنس۔ تو جنس کے گویا دو قسم کے افراد ہو گئے: کچھ کلیات ہیں اور کچھ جزئیات ہیں۔ تو یہاں وہ جنس کے حصے مراد لے لو یعنی جنس کے افراد مراد لے لو۔ توجہ ہے؟ متن میں کیا آیا؟ إِلَّا أَنْ تُقْصَدَ الْأَنْوَاعُ، انواع سے کیا مراد لے لو؟ جنس کے حصے، اور حصوں سے کیا مراد ہیں؟ افراد، جنس کے افراد مراد لے لو۔ تو اشکال ختم ہوا کیونکہ جنس کے افراد مراد لے لیے، تو جنس کے افراد تو دو قسم کے ہیں: کچھ کلیات ہیں، کچھ جزئیات۔ کلیات کے اندر وہ انواع آگئیں، اور وہ جو جزئیات ہیں ان کے اندر عدد آگیا کہ وہاں عدد کے ساتھ ان کو ذکر کیا جاتا ہے کہ زید، عمرو، بکر دو ہیں، تین ہیں، چار افراد ہیں، کتنے ہیں۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو إِلَّا أَنْ تُقْصَدَ الْأَنْوَاعُ، اس انواع سے کیا مراد لے لیا جائے؟ جنس کے حصے یعنی جنس کے افراد مراد لے لیے جائیں، اور جنس کے افراد تو دو قسم کے ہیں: کچھ کلیات ہیں یعنی وہ انواع ہیں، اور کچھ جزئیات ہیں اور وہ کیا ہیں؟ افراد وہاں عددیان ہوگا، تو دونوں داخل ہو گئے۔ إِلَّا أَنْ تُقْصَدَ الْأَنْوَاعُ، اسی انواع میں اعداد بھی آگئے اور خود انواع بھی آگئیں۔ بات سمجھ میں آگئی؟ دیکھیے بھائی۔

کہتے ہیں: وَيُمْكِنُ أَنْ يُجَابَ عَنْهُ، اور یہ ممکن ہے کہ اس سے یہ جواب دیا جائے اس اشکال سے، بِأَنَّ الْمُرَادَ بِالْأَنْوَاعِ حِصَصُ الْجِنْسِ، کہ انواع سے مراد جو ہیں حِصَصُ الْجِنْسِ جنس کے حصے ہیں یعنی جنس کے افراد ہیں، اور جنس کے افراد دو قسم کے: کچھ جزئیِ اضافی ہوں گے، کچھ جزئیِ حقیقی ہوں گے۔ تو کہتے ہیں اس سے مراد جنس کے حصے ہیں، سَوَاءٌ كَانَتْ بِالْخُصُوصِيَّاتِ الْكُلِّيَّةِ، برابر ہے کہ وہ خصوصیاتِ کلیہ کے ساتھ ہوں، تو اس میں انواع داخل ہو گئیں، أَوِ الشَّخْصِيَّةِ، یا وہ خصوصیاتِ شخصیہ کے ساتھ ہوں، تو اس صورت میں عدد آگیا، عدد آگیا۔

آگے دیکھیے۔ کہتے ہیں: وَيُجْمَعُ أَيْ يُورَدُ التَّمْيِيزُ عَلَى مَا فَوْقَ الْوَاحِدِ جَوَازًا حَيْثُ لَمْ يُقْصَدِ الْوَاحِدُ فِي غَيْرِهِ أَيْ فِي غَيْرِ الْجِنْسِ. ہاں اگر تمیز جنس کے علاوہ ہو، میں نے بتایا، تو پھر اگر آپ کا تثنیہ یا جمع کا ارادہ ہے تو پھر اس کے مطابق آپ لا سکتے ہیں۔ تو کہتے ہیں: وَيُجْمَعُ أَيْ يُورَدُ التَّمْيِيزُ عَلَى مَا فَوْقَ الْوَاحِدِ، وَيُجْمَعُ اور جمع لائی جائے گی، کیا معنی جمع لائی جائے گی؟ أَيْ يُورَدُ التَّمْيِيزُ عَلَى مَا فَوْقَ الْوَاحِدِ، تمیز کو لایا جائے گا مَا فَوْقَ الْوَاحِدِ پر۔ میں نے بتایا یہاں بھی جمع سے کیا مراد ہے؟ جمعِ لغوی مراد ہے، یہ مَا فَوْقَ الْوَاحِدِ یعنی تثنیہ کو بھی شامل ہے۔ توجہ ہے؟ انہوں نے تو کہا نا جمع لائی جائے گی، کیا معنی تثنیہ نہیں لائیں گے؟ کہتے ہیں نہیں، یہاں جمع سے مراد جمعِ لغوی ہے یہ جو تثنیہ کو بھی شامل ہوتا ہے، اور جو کس کو کہتے ہیں مَا فَوْقَ الْوَاحِدِ جو واحد سے اوپر ہے وہ جمع ہے، تو اس میں تثنیہ بھی آگیا اور جمعِ حقیقی بھی آگئی۔ تو کہتے ہیں: وَيُجْمَعُ

أَيْ يُورَدُ التَّمْيِيزُ عَلَى مَا فَوْقَ الْوَاحِدِ، اور تمیز کو جمع لائیں گے یعنی مَا فَوْقَ الْوَاحِدِ پر لائیں گے، جَوَازًا اور یہ لانا جائز ہے، حَيْثُ لَمْ يُقْصَدِ الْوَاحِدُ، تو یہاں مکان کے معنی میں حَيْثُ یعنی اس جگہ پر لَمْ يُقْصَدِ الْوَاحِدُ جہاں واحد کا ارادہ نہ ہو۔ بھائی ادھر دیکھیے، تمیز اگر جنس تھی تو اس کو ہمیشہ مفرد لاتے ہیں، الا یہ کہ آپ انواع یا عددیان کرنا چاہیں، تو پھر جنس ہونے کے باوجود آپ اس کو تثنیہ اور جمع لا سکتے ہیں۔ اور اگر تمیز اس کے علاوہ ہو یعنی جنس نہ ہو، جیسے رَجُلٌ یا فَرَسٌ ہے آپ اس کو تمیز لے کر آتے ہیں، تو پھر اگر آپ تثنیہ یا جمع کا ارادہ کرتے ہیں اس سے تو پھر آپ تثنیہ اور جمع بھی لا سکتے ہیں۔ مثلاً میں کہتا ہوں: عِنْدِي مِثْلُ زَيْدٍ رَجُلًا، عِنْدِي میرے پاس ہے مِثْلُ زَيْدٍ زید جیسا رَجُلًا ایک آدمی۔ یہ رَجُلًا تمیز ہے مِثْلُ زَيْدٍ سے۔ یہ مِثْلُ میں ابہام تھا: میرے پاس زید جیسا ہے، بھئی کیا ہے زید جیسا؟ میں نے کہا رَجُلًا یعنی ایک آدمی، میرے پاس زید جیسا ایک آدمی ہے۔ اب یہ رَجُلٌ یہ تو جنس نہیں ہے، توجہ ہے؟ تو اس صورت میں اگر میرا مفرد کا ارادہ ہے پھر تو مفرد ہی رکھیں گے، ہاں اگر میرا مفرد کا ارادہ نہیں ہے، تثنیہ کا ارادہ ہے تو پھر تثنیہ لا سکتے ہیں، جمع کا ارادہ ہے تو جمع لا سکتے ہیں۔ تو اگر میرا دو آدمیوں کا ارادہ ہے تو میں یوں کہوں گا: عِنْدِي مِثْلُ زَيْدٍ رَجُلَيْنِ، میرے پاس زید کے مثل دو آدمی ہیں۔ یا میں جمع کا ارادہ کرتا ہوں تو پھر جمع لاؤں گا: عِنْدِي مِثْلُ زَيْدٍ رِجَالًا، میرے پاس زید کے مثل کئی رَجُل ہیں۔ بات سمجھ میں آ گئی؟ کیونکہ یہاں رَجُلٌ جنس نہیں ہے، اور ہاں اس میں اگر آپ نے مفرد کا ارادہ کیا ہے پھر تو واحد رکھیں گے، لیکن اگر تثنیہ جمع کا ارادہ کیا ہے تو آپ تثنیہ اور جمع لا سکتے ہیں۔ یہ معنی ہے کہ جَوَازًا کہ یہ لانا جائز ہے، حَيْثُ لَمْ يُقْصَدِ الْوَاحِدُ اس جگہ جہاں واحد کا ارادہ نہ ہو کیونکہ واحد کا ارادہ ہو پھر تو مفرد ہی لائیں گے، فِي غَيْرِهِ أَيْ فِي غَيْرِ الْجِنْسِ غیرِ جنس میں، نَحْوُ مثال کے طور پر: عِنْدِي عِدْلٌ تَوْبَيْنِ أَوْ أَثْوَابًا۔ عِدْلٌ گٹھڑی کو کہتے ہیں بھائی، کپڑوں کی گٹھڑی۔ اب دیکھو میں کہتا ہوں عِنْدِي عِدْلٌ، میرے پاس ایک گٹھڑی ہے، آگے میں تمیز لاتا ہوں ثَوْبًا، عِنْدِي عِدْلٌ ثَوْبًا، یہ ثَوْبًا نے آ کر ابہام کو دور کر دیا کہ یہ گٹھڑی کس چیز کی ہے؟ کپڑوں کی ہے۔ تو عِنْدِي عِدْلٌ ثَوْبًا، میرے پاس گٹھڑی ہے باعتبار کپڑوں کے۔ تو یہ ثَوْبٌ یہ جنس نہیں ہے، جب جنس نہیں ہے تو پھر اگر میں تثنیہ اور جمع کا ارادہ کروں تو تثنیہ اور جمع لا سکتا ہوں۔ میں آپ کو کہنا چاہتا ہوں ایک گٹھڑی ہے لیکن دو کپڑے ہیں اس میں، تو میں کیا کہوں گا؟ عِنْدِي عِدْلٌ ثَوْبَيْنِ۔ اور زیادہ بتلانے کا ارادہ ہے تو پھر جمع بھی لا سکتے ہیں، عِنْدِي عِدْلٌ أَثْوَابًا بھی کہہ سکتے ہیں۔ تو عِنْدِي عِدْلٌ أَثْوَابًا، میرے پاس ایک گٹھڑی ہے باعتبار کئی کپڑوں کے، یعنی کئی کپڑوں پر وہ مشتمل ہے بھئی۔

آگے دیکھیے بھائی متن متن پہلے دیکھیے۔ کہتے ہیں: ثُمَّ إِنْ كَانَ بِتَنْوِينٍ أَوْ بِنُونِ التَّثْنِيَةِ جَازَتِ الْإِضَافَةُ، وَإِلَّا فَلَا۔

ثُمَّ إِنْ كَانَ بِتَنْوِينٍ أَوْ بِنُونِ التَّثْنِيَةِ، پھر اگر وہ جو مفرد ہے جس سے آگے تمیز آ رہی ہے، جس سے آگے... پھر وہ مفرد اگر تام ہو رہا ہے تنوین یا نونِ تثنیہ کے ساتھ تو جَازَتِ الْإِضَافَةُ تو اضافت جائز ہے۔ ادھر دیکھیے بھائی، میں نے آپ کو بتلایا

تمییز کو نصب جو ہے یہ اسمِ تام دیتا ہے، اور یہ اسم تام ہوتا ہے کتنی چیزوں کے ذریعے؟ تین چیزیں ہیں: ایک ہے تنوین، اور ایک ہے تثنیہ اور جمع والا نون، اور

ایک ہے اضافت۔ یوں کریں تثنیہ اور جمع والے نون کو بھی ذرا الگ الگ کر لیں، گویا چار چیزیں ہیں جن کے ذریعے اسم تام ہوتا ہے: ایک ہے تنوین، ایک ہے نونِ تثنیہ، ایک ہے نونِ جمع، اور ایک ہے اضافت۔ اب آپ کو بتلائیں گے کہ کون سی صورتوں میں اس اسمِ تام کی اضافت تمییز کی طرف جائز ہے اور کن میں جائز نہیں۔ عِنْدِي رِطْلٌ زَيْتًا، یہ رِطْلٌ یہ ہے وہ مفرد، یہ ہے وہ اسمِ تام، جس سے آگے زَيْتًا تمییز آ رہی ہے۔ تو آپ کو بتلائیں گے کن صورتوں میں آپ اس رِطْلٌ کی اضافت تمییز یعنی زَيْتٌ کی طرف کر سکتے ہیں اور کب نہیں کر سکتے۔ تو فرماتے ہیں کہ اگر وہ اسم تام ہو رہا ہے تنوین کے ذریعے، یا اسم وہ تام ہو رہا ہے نونِ تثنیہ کے ذریعے، تو اس صورت میں پھر اس کی اضافت تمییز کی طرف جائز ہے بھئی۔ کیا بات ہوئی؟ اگر وہ اسم جو تمییز سے ماقبل ہے وہ کس کے ذریعے تام ہو رہا ہے؟ تنوین کے ذریعے تام ہو رہا ہے یا نونِ تثنیہ کے ذریعے، تو پھر اس کی تمییز کی طرف اضافت بھی جائز ہے۔ عِنْدِي رِطْلٌ زَيْتًا، یہ رِطْلٌ کس کے ذریعے تام ہو رہا ہے؟ تنوین کے ذریعے، لہٰذا اس کی اضافت زَيْتٌ کی طرف یعنی تمییز کی طرف جائز ہے، آپ یوں بھی کہہ سکتے ہیں: عِنْدِي رِطْلُ زَيْتٍ۔ اسی طرح عِنْدِي مَنَوَانِ سَمْنًا، یہ مَنَوَانِ کس کے ذریعے تام ہو رہا ہے؟ نونِ تثنیہ کے ذریعے، لہٰذا یہاں پر تمییز کی طرف اس کی اضافت جائز ہے۔ لہٰذا آپ اضافت کریں گے اور وہ نون گر جائے گا: عِنْدِي مَنَوَا سَمْنٍ۔ جبکہ دو صورتوں میں اضافت نہیں کریں گے، کون سی دو صورتیں؟ ایک وہ صورت جس کے اندر وہ اسم تام ہو رہا ہے نونِ جمع کے ذریعے، اور ایک وہ صورت جس میں وہ اسم تام ہو رہا ہے اضافت کے ذریعے، تو ان دو صورتوں میں جائز نہیں اضافت۔ توجہ ہے؟ حاصلِ کلام کیا ہوا؟ کہ اگر وہ اسم تام ہو رہا ہے تنوین کے ذریعے یا نونِ تثنیہ کے ذریعے تو پھر اضافت جائز ہے۔ لیکن اس میں ایک اور بات بھی یاد رکھنا: وہ تنوین ایسی ہو جو ظاہر ہونی چاہیے، ظاہر ہونی چاہیے۔ میں نے آپ کو بتلایا تھا کہ کبھی کبھار یہ تنوین مقدر ہوتی ہے، جیسے أَحَدَ عَشَرَ كِتَابًا، دیکھو أَحَدَ عَشَرَ پر تنوین ظاہر نہیں ہے بلکہ مقدر ہے۔ اسی طرح كَمْ رَجُلًا، یہ كَمْ میں بھی تنوین ظاہر نہیں ہے۔ تو جب تنوین ظاہر ہو تب اس وقت اس اسمِ تام کی تمییز کی طرف اضافت جائز ہے، اور اگر وہ تنوین مقدر ہے جیسے أَحَدَ عَشَرَ كِتَابًا یا كَمْ رَجُلًا، تو اس صورت میں اضافت جائز نہیں ہے۔ تو تنوین ہو اور کون سی تنوین ہو؟ ظاہر ہو بھئی۔

تو کہتے ہیں: ثُمَّ إِنْ كَانَ بِتَنْوِينٍ أَوْ بِنُونِ التَّثْنِيَةِ، پھر اگر وہ مفرد جو ہے تنوین یا نونِ تثنیہ کے ساتھ تام ہو رہا ہو، تو جَازَتِ الْإِضَافَةُ تو اس کی اضافت جائز ہے یعنی تمییز کی طرف، وَإِلَّا اور اگر ایسا نہ ہو۔ میں نے آپ کو بتلایا تھا کہ إِلَّا سے پہلے و آ جائے تو یہ إِلَّا حرفِ استثنا نہیں ہے بلکہ یہ إِنْ اور لَا سے مرکب ہے، اصل میں کیا تھا؟ وَإِنْ لَمْ يَكُنْ كَذٰلِكَ، اور اگر ایسا نہ ہو، فَلَا تو پھر اضافت جائز نہیں بھئی۔

دیکھیے بھئی کتاب پر، اب شرح کے ساتھ دیکھیے۔ کہتے ہیں: ثُمَّ إِنْ كَانَ أَيِ الْمُفْرَدُ الْمِقْدَارُ تَامًّا بِتَنْوِينٍ أَوْ بِنُونِ التَّثْنِيَةِ،

پھر اگر وہ مفردِ مقدار تام ہو تنوین یا نونِ تثنیہ کے ساتھ۔ توجہ ہے؟ بھئی یہ عبارت کی بات کرنے لگے ہیں آگے صاحبِ جامی اس کو سمجھ لیں۔ متن میں تھا: ثُمَّ إِنْ كَانَ بِتَنْوِينٍ أَوْ بِنُونِ التَّثْنِيَةِ، صاحبِ جامی نے درمیان میں کیا کہا؟ أَيِ الْمُفْرَدُ الْمِقْدَارُ تَامًّا بِتَنْوِينٍ أَوْ بِنُونِ التَّثْنِيَةِ۔ بتلانا یہ چاہتے ہیں کہ یہ كَانَ ناقصہ ہے۔ اور اس کے اندر هُوَ ضمیر اس مفردِ مقدار کو راجع ہے جس کا پیچھے ذکر ہوا تھا۔ اور پھر یہ جو بِتَنْوِينٍ أَوْ بِنُونِ التَّثْنِيَةِ یہ كَانَ کی خبر ہے۔ اور یہ جار مجرور ہے اور جار مجرور کے لیے کوئی نہ کوئی متعلق چاہیے، تو وہ یہاں تَامًّا نکال لیا: تَامًّا بِتَنْوِينٍ أَوْ بِنُونِ التَّثْنِيَةِ، اور تَامًّا منصوب نکالا اس لیے کیونکہ یہ كَانَ کی خبر ہے اور كَانَ کی خبر منصوب ہوتی ہے۔ تو عبارت کیا بن گئی؟ ثُمَّ إِنْ كَانَ الْمُفْرَدُ الْمِقْدَارُ تَامًّا، پھر وہ مفردِ مقدار اگر تام ہو بِتَنْوِينٍ أَوْ بِنُونِ التَّثْنِيَةِ تنوین یا نونِ تثنیہ کے ذریعے۔ تو یہ كَانَ ناقصہ ہے۔ آگے آپ کو بتلائیں گے کہ اس میں یہ بھی احتمال ہے کہ یہ كَانَ کو تامہ بنا دیں۔ میں نے آپ کو بتلایا تھا کہ كَانَ بعض اوقات تامہ آتا ہے، یعنی ویسے كَانَ ناقصہ جو ہے اس کو ناقصہ اس لیے کہتے ہیں کیونکہ یہ اسم کے ساتھ ساتھ خبر کا بھی تقاضا کرتا ہے۔ عام افعال جو ہیں نا عام افعال وہاں صرف فاعل پر بات پوری ہو جاتی ہے: ضَرَبَ زَيْدٌ زید نے پٹائی کی، بات پوری ہو گئی، بھئی کس کی پٹائی کی اس کے ذکر کی کوئی ضرورت نہیں ہے، کریں یا نہ کریں آپ کی مرضی ہے، میں آپ کو نہیں بتانا چاہتا اس نے کس کی پٹائی کی ہے تو میں مفعول کو حذف کر لیتا ہوں، تو ضَرَبَ زَيْدٌ زید نے پٹائی کی بات پوری ہے۔ جبکہ افعالِ ناقصہ ایسے نہیں ہیں، ان میں کمی ہے وہ ناقص ہیں، وہ اسم کے ساتھ ساتھ ایک خبر بھی چاہتے ہیں، تو كَانَ زَيْدٌ قَائِمًا زید کھڑا تھا، دیکھو قَائِمًا میں لایا تو بات پوری ہوئی اس کے بغیر بات پوری نہیں تھی۔ لیکن کبھی كَانَ تامہ بھی آتا ہے، كَانَ تامہ وہ بمعنی ثَبَتَ کے ہوتا ہے، جیسے كَانَ مَطَرٌ أَيْ ثَبَتَ مَطَرٌ، بارش ہوئی، بارش ہوئی، یہاں کسی خبر وغیرہ کی ضرورت نہیں، تو اس کو كَانَ تامہ کہتے ہیں۔ اور یاد رکھو كَانَ تامہ کا ترجمہ جب کرتے ہیں تو عموماً وُجِدَ اور يُوجَدُ کے ساتھ کرتے ہیں۔ جہاں کہیں شروحات میں آپ کو كَانَ یا يَكُونُ کے بعد وُجِدَ یا يُوجَدُ جیسا لفظ مل جائے آپ سمجھ جائیں کہ شارح یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ یہ كَانَ تامہ ہے ناقصہ نہیں، یہاں صرف فاعل پر بات پوری ہو رہی ہے یہاں کسی خبر وغیرہ کی ضرورت نہیں ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو شارح جامی آپ کو بتلائیں گے کہ یہاں پر یہ كَانَ کو ہم نے ناقصہ بنایا، لیکن اس کو كَانَ تامہ بھی بنایا جا سکتا ہے۔ پھر کیا معنی ہوگا؟ کہتے ہیں پھر ذرا متن پہ نظر رکھیں: ثُمَّ إِنْ كَانَ بِتَنْوِينٍ أَوْ بِنُونِ التَّثْنِيَةِ۔ پہلے کیا بنایا؟ كَانَ کو ناقصہ، اس کے اندر هُوَ ضمیر کس کو راجع کی؟ مفردِ مقدار کو، اور بِتَنْوِينٍ أَوْ بِنُونِ التَّثْنِيَةِ اس کو كَانَ کی خبر بنایا۔ اس لیے کیونکہ تنوین اور نونِ تثنیہ کس میں آتے ہیں؟ ابھی پیچھے بتایا تھا تنوین اور نونِ تثنیہ، بات ہوئی تھی ابھی کہ وہ اسم تام ہوتا ہے کس کے ذریعے؟ تنوین یا نونِ تثنیہ کے ذریعے شارحِ جامی نے آپ کو بتلایا تھا، تو وہ تنوین اور نونِ تثنیہ اس مفردِ مقدار میں آئیں گے خود تمیز میں نہیں آئیں گے۔ بھئی تمیز کے اندر تو تنوین اور نونِ تثنیہ کی بات نہیں ہو رہی، تنوین اور نونِ تثنیہ کے ذریعے تو کون تام ہوتا ہے؟ وہ جو ماقبل میں اسمِ تام ہے۔ تو اس لیے كَانَ کی ضمیر کس کو راجع کی؟ مفردِ مقدار کو، اور بِتَنْوِينٍ اور بِنُونِ التَّثْنِيَةِ کو اس کو كَانَ کی خبر بنایا۔ لیکن ایک صورت یہ

بھی ہے کہ كَانَ کی ضمیر تمییز کو راجع کر دیں، لیکن اس صورت میں پھر كَانَ تامہ بنائیں گے۔ تامہ، كَانَ کی ضمیر تمییز کو راجع کر دیں، اور پھر آگے جو جار مجرور آئے اس کو حال بنا دیں كَانَ کی خبر نہیں کیونکہ كَانَ تامہ ہے۔ پھر کیا معنی ہوگا؟ ثُمَّ إِنْ كَانَ أَيْ ثُمَّ إِنْ وُجِدَ التَّمْيِيزُ، اگر تمییز پائی جائے اس حال میں کہ بِتَنْوِينٍ أَوْ بِنُونِ التَّثْنِيَةِ وہ کس کے ساتھ ہو؟ تنوین یا نونِ تثنیہ، یعنی ادھر دیکھیے: تمییز اس حال میں ہے کہ اس کے ساتھ تنوین ہے ماقبل والے اسم میں، تو تنوین تمییز کی نہیں مراد بلکہ تمییز ماقبل والے اسم کی۔ تنوین جو ہے تمییز کی تنوین کی بات نہیں ہو رہی بلکہ کس کی تنوین کی بات ہو رہی ہے؟ ماقبل والے اسم کی۔ اسی طرح نونِ تثنیہ میں جو ہے وہ تمییز کے اندر نہیں بلکہ کس کا نونِ تثنیہ مراد ہے؟ ماقبل والے اسم کا۔ تو عبارت کیا بن گئی؟ ثُمَّ إِنْ كَانَ بِتَنْوِينٍ، ثُمَّ إِنْ وُجِدَ التَّمْيِيزُ، اگر وہ تمییز پائی جائے اس حال میں کہ کس کے ساتھ ہو؟ اس حال میں کہ وہ تنوین کے ساتھ ہو ماقبل والے اسم کی، یا اس حال میں کہ وہ نونِ تثنیہ کے ساتھ ہو ماقبل والے اسم کی۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو دونوں عبارتیں درست ہیں۔ اور وجہ یہ، وجہ یہ: یہ دو تعبیریں بتلانے کی ضرورت کیا تھی؟ بس ایک صورت میں کلام ٹھیک ہو گیا اسی کو ذکر کرتے۔ وجہ یہ کہ ماقبل میں دیکھو ذرا عبارت دیکھو متن متن دیکھو: پیچھے آیا تھا فَيُفْرَدُ، يُفْرَدُ کے اندر ضمیر کس کو راجع ہے؟ تمییز کو۔ پھر آگے آیا تھا إِنْ كَانَ جِنْسًا، اس كَانَ کے اندر بھی ضمیر کس کو راجع؟ تمییز کو راجع۔ آگے آیا تھا وَيُجْمَعُ، يُجْمَعُ کے اندر بھی ضمیر کس کو راجع؟ تمییز کو۔ پھر ثُمَّ إِنْ كَانَ جو آگے آیا تو ظاہر یہی لگتا تھا کہ اس میں بھی ضمیر کس کو راجع ہونی چاہیے؟ تمییز کو راجع ہونی چاہیے۔ تو وہ معنی بھی کر دیا، تمییز کو راجع کر دی لیکن اس صورت میں كَانَ کو تامہ بنانا پڑے گا۔ لیکن ظاہر یہی ہے کہ اس كَانَ کو ناقصہ بنانے والا احتمال زیادہ بہتر ہے، اس لیے کیونکہ تمییز کی تنوین یا نونِ تثنیہ یہاں مراد نہیں ہے بلکہ کس کی تنوین اور نونِ تثنیہ مراد ہے؟ ماقبل والے اسمِ تام کی۔ لہٰذا کون سا احتمال بہتر ہوا؟ پہلا احتمال جو صاحبِ جامی نے ذکر کیا کہ كَانَ کو ناقصہ بنایا۔

تو پھر دیکھیے کہتے ہیں: ثُمَّ إِنْ كَانَ أَيِ الْمُفْرَدُ الْمِقْدَارُ تَامًّا بِتَنْوِينٍ أَوْ بِنُونِ التَّثْنِيَةِ، پھر اگر وہ مفردِ مقدار وہ تام ہو رہا ہو تنوین یا نونِ تثنیہ کے ذریعے، أَوِ الْمَعْنَى یا معنی یہ ہے، دیکھو دوسری عبارت شارحِ جامی ذکر کریں گے، إِنْ وُجِدَ التَّمْيِيزُ، دیکھو وُجِدَ سے کیا بتلایا؟ کہ كَانَ کو تامہ بنا لیں اور ضمیر جو ہے تمییز کو راجع کر دیں۔ کہتے ہیں إِنْ وُجِدَ التَّمْيِيزُ اگر تمییز پائی جائے، مُتَلَبِّسًا بِتَنْوِينٍ، یہ مُتَلَبِّسًا بتلانا چاہتے ہیں کہ یہ حال واقع ہے بھئی کیونکہ جار مجرور ہے نا اور معرفہ کے بعد جار مجرور آئے تو کیا بنتا ہے عموماً؟ حال بنتا ہے، نکرہ کے بعد جار مجرور آئے تو صفت، اور معرفہ کے بعد جار مجرور آئے تو حال بنتا ہے، تو یہاں حال بنا رہے ہیں بِتَنْوِينٍ کو۔ کہتے ہیں أَوِ الْمَعْنَى یا معنی یہ ہے: إِنْ وُجِدَ التَّمْيِيزُ اگر وہ تمییز پائی جائے، مُتَلَبِّسًا بِتَنْوِينِ الْمُفْرَدِ أَوْ بِالنُّونِ الَّتِي لِلتَّثْنِيَةِ، کہ اس حال میں کہ وہ تمییز جو ہے ملی ہوئی ہو بِتَنْوِينِ الْمُفْرَدِ کس کے ساتھ؟ اس مفرد کی تنوین کے ساتھ، أَوْ بِالنُّونِ الَّتِي لِلتَّثْنِيَةِ یا اس نون کے ساتھ جو تثنیہ کے لیے ہو، اگر تمییز ایسی ہو، فَإِنَّهُ لَمَّا تَمَّ الِاسْمُ بِهِمَا اس لیے کیونکہ اسم، وہ اسم جو ماقبل میں ہے، جب وہ تام ہو گیا اس تنوین یا نونِ تثنیہ کے ذریعے، اقْتَضَى التَّمْيِيزَ تو پھر وہ تمییز کا تقاضا کرتا

ہے، تو پھر جَازَتِ الْإِضَافَةُ تو اس صورت میں اضافت جائز ہے۔ کون سی دو صورتوں میں؟ جب ماقبل والا اسم تام ہو رہا ہو تنوین یا نونِ تثنیہ کے ذریعے تو پھر تمییز کی طرف اضافت بھی جائز ہے۔ لیکن ساتھ میں نے بتایا یہ بھی یاد رکھنا کہ وہ تنوین ظاہر ہونی چاہیے، مقدر نہیں ہونی چاہیے۔

تو جَازَتِ الْإِضَافَةُ تو اضافت جائز ہے، أَيْ إِضَافَةُ الْمُفْرَدِ الْمِقْدَارِ إِلَى التَّمْيِيزِ، یعنی اس مفردِ مقدار کی اضافت تمییز کی طرف یہ جائز ہے، إِضَافَةً بَيَانِيَّةً اور یہ اضافت بیانی ہوگی، یہ اضافت بیانی۔ میں نے آپ کو بتلایا تھا اضافتِ بیانی اسے کہتے ہیں: ادھر دیکھیے ایک ہے مضاف پھر آگے آتا ہے مضاف الیہ، تو یہ جو مضاف الیہ ہوتا ہے نا یہ مضاف کا بیان کرتا ہے۔ بھئی عام طور پر مضاف الگ ہوتا ہے مضاف الیہ الگ، غُلَامُ زَيْدٍ، غلام کی ذات الگ ہے زید کی ذات الگ ہے، لیکن بعض اوقات جو آگے مضاف الیہ ہوتا ہے وہ کوئی الگ چیز نہیں ہوتی، وہ اسی مضاف کی وضاحت کر رہا ہوتا ہے اسی کو بیان کر رہا ہوتا ہے، تو اس صورت میں دونوں ایک ہی چیز ہیں گویا، اس کو اضافتِ بیانی کہتے ہیں۔ اس کو اضافتِ بیانی، جیسے مثلاً عِنْدِي رِطْلٌ زَيْتًا، عِنْدِي رِطْلٌ زَيْتًا، یہ رطل کی ذرا اضافت کریں یہ رطل تنوین سے تام ہو رہا ہے، تو اب زیت کی طرف اضافت کر دیں عِنْدِي رِطْلُ زَيْتٍ، عِنْدِي رِطْلُ زَيْتٍ۔ اب دیکھو رطل مضاف، زَيْتٍ مضاف الیہ، اور دیکھیے آپ غور کریں یہ زیت اسی رطل کی وضاحت کر رہا ہے کہ یہ رطل کس چیز کا ہے؟ زیت کا ہے کسی اور چیز کا نہیں، اس کو کہتے ہیں اضافتِ بیانی۔

تو کہتے ہیں کہ پھر اضافت جائز ہے، إِضَافَةً بَيَانِيَّةً، کون سی اضافت ہوگی یہ؟ اضافتِ بیانی، بِإِسْقَاطِ التَّنْوِينِ وَنُونِ التَّثْنِيَةِ، تنوین اور نونِ تثنیہ کو ساقط کرتے ہوئے اس لیے کیونکہ اضافت کے وقت تنوین بھی گر جاتی ہے اور نونِ تثنیہ بھی گر جاتا ہے۔ جَوَازًا، اور یہ اضافت جائز ہے بھئی، یہ اضافت جائز ہے واجب نہیں۔ توجہ ہے؟

تو کہتے ہیں: جَوَازًا شَائِعًا كَثِيرًا، یہ جائز ہے اور شائع ہے کثرت کے ساتھ بھئی۔ بھئی متن میں تو آیا جَازَتِ الْإِضَافَةُ، اگر یہ صورتیں ہوئیں تو اضافت جائز ہے، وَإِلَّا فَلَا اور اگر ایسا نہ ہو تو اضافت جائز نہیں۔ توجہ ہے؟ کتنی صورتوں میں اضافت جائز؟ دو صورتوں میں جب وہ اسم تام ہو کس کے ذریعے؟ تنوین کے ذریعے یا نونِ تثنیہ کے ذریعے۔ اور کون سی دو صورتوں میں نہیں جائز؟ جب وہ تام ہو نونِ جمع کے ذریعے یا جب وہ تام ہو اضافت کے ذریعے، ان دو صورتوں میں اضافت جائز نہیں۔ لیکن اس میں بھی آپ کو بتائیں گے، اس میں بھی بتائیں گے کہ نونِ جمع کی صورتوں میں قلت کے ساتھ جائز ہے، قلت کے ساتھ، یعنی عربوں نے استعمال کیا ہے لیکن نہایت قلیل ہے، نہایت قلیل ہے۔ تو وَإِلَّا فَلَا، لفظوں سے کیا پتہ چل رہا ہے؟ کہ بالکل سرے سے جائز ہی نہیں، اوپر کہا جَازَتِ الْإِضَافَةُ وَإِلَّا فَلَا ورنہ جائز نہیں۔ لیکن آگے شارحِ جامی کیا بتائیں گے؟ کہ یوں نہ کہیں بالکل نہیں جائز بلکہ عَلَى قِلَّةٍ جو ہے یہ جائز ہے۔ تو جب مقابل میں علی قلت جائز ہے تو اوپر بھی تو جَازَتِ الْإِضَافَةُ، اوپر بھی جواز نیچے بھی جواز آگیا، تو دونوں میں فرق بتلانے کے لیے کہ وہ جو ہے وہ عَلَى سَبِيلِ الْقِلَّةِ جائز

ہے اور یہ عَلَى سَبِيلِ الْكَثْرَةِ جائز ہے بھئی۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تاکہ دونوں میں تقابل آجائے بھئی۔

یہ معنی ہے: جَوَازًا شَائِعًا كَثِيرًا، اور یہ جائز ہے، شائع ہے کثرت کے ساتھ، یعنی خوب کثرت سے یہ جائز ہے، لِحُصُولِ الْغَرَضِ، غرض کے حاصل ہونے کی وجہ سے۔ بھئی دیکھیے یہ اس صورت میں اضافت کیوں جائز ہے جب اسم تام ہو رہا ہو تنوین یا نونِ تثنیہ کے ساتھ؟ تو آپ کو بتلائیں گے وجہ یہ کہ جب آپ اضافت کریں گے تو مقصد بھی حاصل ہو جائے گا اور تخفیف بھی آجائے گی کیونکہ تنوین یا نونِ تثنیہ بھی گر جائے گا۔ جب تنوین گر گئی یا نونِ تثنیہ گر گیا تو لفظوں میں بھی تخفیف آگئی اور نیز مقصد بھی حاصل ہو گیا کیونکہ مقصد کیا تھا؟ مثلاً میں کہتا ہوں عِنْدِي رِطْلٌ زَيْتًا، یہ رِطْلٌ میں ابہام تھا، زَيْتًا تمییز نے آکر ابہام کو دور کر دیا۔ جب میں اضافت کروں گا عِنْدِي رِطْلُ زَيْتٍ تو رطل سے تنوین گر گئی، دیکھو تخفیف بھی آگئی، اور نیز یہ اضافت بھی کون سی ہے؟ اضافتِ بیانی ہے جس میں مضاف الیہ بیان کرتا ہے کس کا؟ مضاف کا، تو وہ بیان بھی آگیا۔ رطل میں ابہام تھا وہ آگے مضاف الیہ اس ابہام کو بھی دور کر دے گا اور لفظوں میں بھی تخفیف آگئی، دونوں کام ہو گئے۔ تو یہ معنی ہے: لِحُصُولِ الْغَرَضِ غرض کے حاصل ہونے کی وجہ سے، وَهُوَ رَفْعُ الْإِبْهَامِ، یہ درمیان میں بتلا دیا کہ وہ غرض کیا ہے، تمییز لانے کا مقصد کیا ہے؟ ابہام کو دور کرنا ہے، تو جب اضافت کر دو گے وہ غرض پھر بھی حاصل ہے، ابہام دور ہو رہا ہے۔ بِذٰلِكَ، اس بِذٰلِكَ کو جوڑیں حُصُول کے ساتھ، درمیان میں بتایا وہ غرض کیا ہے، توجہ ہے؟ غرض کیا ہے؟ پھر دہراؤ: وَهُوَ رَفْعُ الْإِبْهَامِ ابہام کو دور کرنا ہے، اور اضافت کی صورت میں بھی ابہام دور ہوگا کہ نہیں ہوگا؟ اضافتِ بیانی ہے تو ابہام بھی دور ہو جائے گا۔ تو کہتے ہیں لِحُصُولِ الْغَرَضِ بِذٰلِكَ، ذرا یہ وَهُوَ رَفْعُ الْإِبْهَامِ کو ہٹا دیں، لِحُصُولِ الْغَرَضِ بِذٰلِكَ مَعَ التَّخْفِيفِ، اس لیے کیونکہ اس کے ذریعے غرض بھی حاصل ہو جائے گی مَعَ التَّخْفِيفِ ساتھ تخفیف کے۔ غرض بھی حاصل ہو گئی اور تخفیف بھی آگئی۔ آگے دیکھیے: نَحْوُ رِطْلُ زَيْتٍ، دیکھو اضافت کر دی، تخفیف بھی آگئی اور ابہام بھی دور ہو گیا، مضاف الیہ نے بیان کر دیا۔ وَمَنَوَا سَمْنٍ۔

آگے دیکھیے: وَإِلَّا أَيْ وَإِنْ لَمْ يَكُنْ بِتَنْوِينٍ أَوْ بِنُونِ التَّثْنِيَةِ، اور اگر وہ مفردِ مقدار تنوین یا نونِ تثنیہ کے ساتھ نہ ہو، تنوین اور نونِ تثنیہ کے ساتھ نہ ہو تو کتنی صورتیں رہ گئیں؟ دو، وہ دونوں بیان کر رہے ہیں: بِأَنْ يَكُونَ بِنُونِ الْجَمْعِ أَوِ الْإِضَافَةِ، بایں صورت کہ وہ جو مفردِ مقدار ہے وہ نونِ جمع یا اضافت کے ساتھ ہو،

فَلَا تَجُوزُ الْإِضَافَةُ إِلَّا بِقِلَّةٍ فِي نُونِ الْجَمْعِ، تو اضافت جائز نہیں ہے إِلَّا بِقِلَّةٍ مگر قلیل طور پر فِي نُونِ الْجَمْعِ نونِ جمع میں۔ نونِ جمع میں قلت کے ساتھ اضافت جائز ہے، قلت کے ساتھ، نَحْوُ عِشْرُو دِرْهَمٍ۔ عِشْرُو دِرْهَمٍ بھئی ادھر دیکھیے: عِشْرُونَ دِرْهَمًا کیا معنی؟ بیس درہم، اور عِشْرُو دِرْهَمٍ اس کا بھی وہی معنی، بیس درہم، ہاں اضافت میں تخفیف بھی آگئی نونِ جمع بھی گر گیا اور نیز وہ مقصد بھی حاصل ہو گیا، لیکن یہ نہایت قلیل ہے عربی زبان میں، عربی زبان میں نہایت قلیل آیا ہے

کہ اس طرح وہ استعمال کر لیتے ہیں۔ جبکہ باقی اضافت والی صورت، اس میں تو ایک مضاف الیہ پہلے ہی آ رہا ہے، تو جب لفظ ایک چیز کی طرف مضاف ہو تو دوبارہ کسی اور کی طرف اس کی اضافت نہیں کی جاتی۔

تو کہتے ہیں: أَمَّا فِي الْإِضَافَةِ، باقی اضافت والی صورت میں فَلِئَلَّا تَلْزَمَ إِضَافَةُ الْمُضَافِ، تاکہ کہیں لازم نہ آئے مضاف کی اضافت۔ بھئی ایک لفظ پہلے ہی مضاف ہے آپ دوبارہ اس کو کسی اور کی طرف بھی مضاف کرنا چاہتے ہیں، تو یہ تو اضافتِ مضاف ہے اور یہ جائز نہیں ہے۔

وَأَمَّا فِي نُونِ الْجَمْعِ، جی اب پھر اس کی تفصیل بیان کرنے لگے ہیں: نونِ جمع میں عَلَى سَبِيلِ الْقِلَّةِ جائز ہے، عَلَى سَبِيلِ الْقِلَّةِ جائز ہے لیکن عام جائز نہیں، کثرت کے ساتھ جائز نہیں، کیوں نہیں جائز؟ وجہ بیان کر رہے ہیں۔ کہتے ہیں وجہ یہ کہ یہ جو نونِ جمع ہے اس میں اضافت غیرِ تمییز کی طرف کثرت سے استعمال ہوتی ہے۔ یوں کہو یہ جو نونِ جمع والی صورت ہے اس میں غیرِ تمییز کی طرف بھی اضافت ہوتی رہتی ہے۔ کس کی طرف؟ بھئی ماقبل والا اسم تام ہو رہا ہے نونِ جمع کے ساتھ، اور اس کی اضافت ہوتی ہے غیرِ تمییز کی طرف عام طور پر، تو اگر آپ تمییز کی طرف بھی اضافت جائز قرار دے دیں گے تو اب سننے والے کو پڑھنے والے کو پتہ نہیں چلے گا کہ یہ جو آگے مضاف الیہ آ رہا ہے یہ تمییز ہے یا تمییز نہیں۔ تمییز ہے؟ وہ اسم جو تام ہو کس کے ذریعے؟ نونِ جمع کے ذریعے، اس کی اضافت غیرِ تمییز کی طرف بھی ہوتی رہتی ہے۔ اگر آپ تمییز کی طرف بھی اضافت جائز قرار دے دیں گے تو پھر وہ تمییز کی طرف بھی مضاف ہو رہا ہے غیرِ تمییز کی طرف بھی مضاف ہو رہا ہے، تو پڑھنے والے یا سننے والے کو تو پتہ نہیں چلے گا کہ اس وقت جو آگے مضاف الیہ ہے وہ تمییز ہے یا تمییز نہیں ہے۔ اس لیے وہاں پر چونکہ تمییز کا التباس لازم آتا تھا غیرِ تمییز کے ساتھ، اس لیے وہاں جائز نہیں ہے بھئی۔

تو کہتے ہیں: وَأَمَّا فِي نُونِ الْجَمْعِ، اور باقی نونِ جمع کے اندر، فَلِأَنَّهُ جَازَ أَنْ يُضَافَ إِلَى غَيْرِ الْمُمَيِّزِ، اس لیے کیونکہ جائز ہے کہ اس کی اضافت کی جائے غیرِ ممیز کی طرف۔ ممیز وہی تمییز کا نام ہے، اس میں اضافت کی جاتی ہے غیرِ ممیز کی طرف، نَحْوُ عِشْرِيكَ وَعِشْرِي رَمَضَانَ بِالِاتِّفَاقِ، یعنی بالاتفاق غیرِ ممیز کی طرف اضافت کی جاتی ہے۔ عِشْرِيكَ، عِشْرِيكَ یہ تو نَحْوُ کی وجہ سے عِشْرِيكَ ہے، نَحْوُ مضاف اور عِشْرِيكَ مضاف الیہ، عِشْرُوكَ کہہ لیں یا عِشْرِيكَ کہہ لیں، تو عِشْرُونَكَ تو یہ اضافت کر دی۔ اور یاد رکھو یہ اس صورت میں اضافت جو ہوگی اس صاحبِ اسم کی طرف اضافت ہوتی ہے، کس کی طرف؟ صاحبِ اسم۔ یہ عِشْرُونَ یہ ہے وہ اسم، اور یہ کاف ضمیر ہے مضاف الیہ، تو یہ صاحبِ اسم ہے۔ کیا معنی؟ عِشْرُوكَ یعنی آپ کے بیس، مخاطب ہے نا تو یہ عِشْرُونَ کس کے ہیں؟ مخاطب کے ہیں، یہ عِشْرُونَ کس کے ہیں؟ مخاطب کے ہیں، تو مخاطب کون ہوا؟ صاحبِ عِشْرِينَ ہوا، کون؟ صاحبِ عِشْرِينَ ہوا یا یوں کہیں صاحبِ اسم ہوا جو ماقبل جو اس کی طرف مضاف ہو رہا ہے۔ یہ دوسری مثال میں دیکھ لو: جیسے غُلَامُ زَيْدٍ، غلام مضاف ہے اور زَيْدٍ مضاف الیہ، اور اس میں دیکھو غلام کی اضافت کس کی طرف ہو رہی ہے؟ صاحبِ مضاف کی طرف، یہ زید کون ہے؟ یہ صاحبِ غلام ہے، یہ غلام والا ہے، یعنی یہ غلام

کا مالک ہے بھئی۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو جیسے غُلَامُ زَيْدٍ کا کیا معنی؟ زید کا غلام، تو یہ غلام کی اضافت ہے کس کی طرف؟ صاحبِ غلام کی طرف یعنی صاحبِ مضاف کی طرف، تو اسی طرح ان کے اندر بھی یہ جو نونِ جمع ہے اس کے اندر بھی جو اکثر اضافت ہوتی ہے وہ صاحبِ مضاف کی طرف ہوتی ہے، بات سمجھ میں آگئی؟ اسی طرح عِشْرِي رَمَضَانَ کیا معنی؟ رمضان کا بیسواں دن، رمضان کا بیسواں دن۔ تو دیکھو یہ رمضان کون ہے؟ صاحبِ عِشْرِينَ ہے، یہ بیسویں دن والا ہے، تو عِشْرِي رَمَضَانَ کا کیا معنی؟ رمضان کا بیسواں دن، اور عِشْرِيكَ اس کا کیا معنی؟ آپ کے بیس، عِشْرِيكَ یا عِشْرُوكَ۔ اور اسی طرح عِشْرِي رَمَضَانَ یا عِشْرُو رَمَضَانَ، حالتِ رفعی میں واؤ کے ساتھ، نصبی اور جری میں یا کے ساتھ۔ تو اب دیکھو یہاں اضافت ہو رہی ہے عِشْرُونَ کی تمییز کی طرف نہیں کیونکہ یہ کاف ضمیر تو تمییز نہیں ہے، تمییز تو نکرہ ہوتی ہے، تو یہ کاف ضمیر تمییز نہیں ہے۔ اسی طرح عِشْرِي رَمَضَانَ اس کے اندر رمضان کی طرف اضافت ہو رہی ہے، بات سمجھ میں آگئی؟ اور یہ تمییز نہیں ہے۔ تو لہٰذا نونِ جمع والی صورت میں غیرِ تمییز کی طرف اضافت ہوتی رہتی ہے یعنی غیرِ ممیّز کی طرف اضافت ہوتی رہتی ہے، تو اگر ممیّز کی طرف بھی اضافت کر دیں گے تو سننے اور پڑھنے والے کو پتہ نہیں چلے گا کہ مضاف الیہ اس وقت ممیّز ہے یا ممیّز نہیں، تو التباس کی وجہ سے جائز نہیں بھئی۔

دیکھیے ترجمہ بھئی، کہتے ہیں: وَأَمَّا فِي نُونِ الْجَمْعِ، اور باقی نونِ جمع کے اندر فَلِأَنَّهُ جَازَ أَنْ يُضَافَ إِلَى غَيْرِ الْمُمَيِّزِ، اس لیے کیونکہ جائز ہے کہ اس کی اضافت غیرِ ممیّز کی طرف کی جائے، نَحْوُ عِشْرِيكَ وَعِشْرِي رَمَضَانَ بِالِاتِّفَاقِ، اور یہ بالاتفاق جائز ہے، لِكَثْرَةِ الْحَاجَةِ إِلَيْهِ، اس لیے کیونکہ اس کی طرف کثرتِ حاجت ہے یعنی اس کی طرف حاجت کثرت سے پیش آتی رہتی ہے، ضرورت پیش آتی ہے تو یہ اس کی اضافت غیرِ تمییز کی طرف کرتے ہیں۔ فَلَوْ أُضِيفَ إِلَى الْمُمَيِّزِ، اگر اس نونِ جمع والے اسم کی اضافت کر دی جائے ممیّز کی طرف، لَزِمَ الِالْتِبَاسُ، تو التباس لازم آئے گا۔ لَزِمَ الِالْتِبَاسُ فِي بَعْضِ الصُّوَرِ، کیسے پڑھیں گے؟ لَزِمَ، جی، لَزِمَ، شاباش لَزِمَ الِالْتِبَاسُ بھئی۔ دیکھیے الِالْتِبَاسُ یہ بابِ افتعال ہے، ہمزہ شروع کا وصلی ہے یہ گر جائے گا، یہ الف لام آگیا تو التباس کا ہمزہ گر گیا، تو دونوں لام ساکن ہیں شروع میں، تو پھر پہلے لام کو کسرہ دے دیں گے اَللِالْتِبَاسُ، اَللِالْتِبَاسُ، اور پھر درجِ عبارت میں الف لام والا ہمزہ وہ بھی گر جائے گا، تو کیسے پڑھیں گے؟ لَزِمَ الِالْتِبَاسُ۔ تو طلبہ عموماً کیسے پڑھتے ہیں؟ لَزِمَ الْاِلْتِبَاسُ، تو یہ لَزِمَ الْاِلْتِبَاسُ نہیں، لَزِمَ الِالْتِبَاسُ۔ تو فَلَوْ أُضِيفَ إِلَى الْمُمَيِّزِ، اگر اس کی اضافت کر دی جائے ممیّز کی طرف، لَزِمَ الِالْتِبَاسُ تو التباس لازم آئے گا فِي بَعْضِ الصُّوَرِ بعض صورتوں میں، لِأَنَّهُ لَا يُعْلَمُ مَثَلًا عِنْدَ إِضَافَةِ عِشْرِينَ إِلَى رَمَضَانَ، لِأَنَّهُ لَا يُعْلَمُ اس لیے کیونکہ معلوم نہیں ہو سکے گا مَثَلًا مثال کے طور پر عِنْدَ إِضَافَةِ عِشْرِينَ إِلَى رَمَضَانَ، جس وقت کہ عِشْرِينَ کی اضافت کی جائے رمضان کی طرف، تو اس وقت پتہ نہ چل سکے گا کہ أَنَّهُ أَرَادَ عِشْرِينَ رَمَضَانَ کہ اس نے رمضان کے بیس دن کا ارادہ کیا ہے، أَوْ أَرَادَ الْيَوْمَ الْعِشْرِينَ مِنْ رَمَضَانَ، یا رمضان کے بیسویں دن کا ارادہ کیا ہے۔

بھئی یاد رکھو یہ جو عدد ہے نا عدد، عدد جب آپ کسی چیز کا مرتبہ بتلانا چاہیں، مرتبہ بتلانا چاہیں، تو عدد کو فاعِل وزن پر لے جاتے

ہیں، فَاعِل۔ جیسے ثَلَاثَةٌ کا کیا معنی؟ تین، لیکن آپ بتلانا چاہتے ہیں تیسرا یعنی تیسرے درجے والا، تو کیا کہیں گے؟ ثَالِثٌ، دیکھو فَاعِل وزن پر لے گئے۔ أَرْبَعَةٌ کا کیا معنی؟ چار، لیکن اگر آپ بتلانا چاہتے ہیں چوتھے درجے والا، تو کیا کہیں گے؟ رَابِعٌ۔ خَمْسَةٌ کا معنی پانچ، آپ بتلانا چاہتے ہیں پانچواں تو کیا کہیں گے؟ خَامِسٌ۔ تو عدد سے جب آپ نے درجہ بتلانا ہو تو پھر اس کو فَاعِل وزن پر لے جاتے ہیں۔ جبکہ یہ جو دہائیاں ہیں، یعنی عِشْرُونَ، ثَلَاثُونَ، أَرْبَعُونَ، یہ یہی دہائیاں عدد کے لیے بھی استعمال ہوتی ہیں اور یہی دہائیاں درجہ بتلانے کے لیے بھی۔ یعنی عِشْرُونَ کا معنی بیس بھی اور عِشْرُونَ کا معنی بیسواں بھی، یعنی بیسویں درجے والا۔ ثَلَاثُونَ کا معنی تیس بھی اور ثَلَاثُونَ کا معنی تیسویں درجے والا بھی۔ مثلاً میں کہنا چاہتا ہوں تیسرا باب، تو کیا کہوں گا؟ الْبَابُ الثَّالِثُ۔ میں کہنا چاہتا ہوں چوتھا باب، تو کیا کہوں گا؟ الْبَابُ الرَّابِعُ۔ اور میں کہنا چاہتا ہوں بیسواں باب، تو کیا کہوں گا؟ الْبَابُ الْعِشْرُونَ، اسی طرح عِشْرُونَ لے آؤں گا۔ تو معلوم ہوا یہ جو دہائیاں ہیں یہ درجہ بتلانے کے لیے بھی آتی ہیں اور عدد کے لیے بھی آتی ہیں۔ توجہ ہے؟ تو یہاں پر دیکھو انہوں نے کہا عِشْرِينَ رَمَضَانَ، کہ اگر اضافت عِشْرِينَ کی رمضان کی طرف کر دی جائے تو پتہ نہیں چلے گا کہ عِشْرِينَ رَمَضَانَ مراد ہے أَوْ أَرَادَ الْيَوْمَ الْعِشْرِينَ مِنْ رَمَضَانَ۔ دیکھو عِشْرِينَ رَمَضَانَ کا ترجمہ کریں ذرا، تمییز بنائیں رمضان کو۔ ادھر دیکھیے: عِشْرُونَ دِرْهَمًا کیا معنی ہوتا تھا؟ بیس درہم، معلوم ہوا یہ عِشْرُونَ کیا ہیں؟ وہی درہم ہی ہیں۔ تو عِشْرُونَ رَمَضَانَ کیا معنی؟ بیس دن کس کے ہیں؟ رمضان ہی کے ہیں، تو جب آپ رمضان کے بیس دن بتلانا چاہیں تو یوں کہیں گے عِشْرُونَ رَمَضَانَ، رمضان کے بیس دن۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو اگر آپ رمضان کے بیس دن بتلانا چاہتے ہیں کسی معین رمضان کے، تو کیسے کہیں گے؟ عِشْرُونَ رَمَضَانَ، کیا معنی؟ رمضان کے بیس دن۔ اور جب آپ رمضان کا بیسواں دن یعنی وہ درجہ بتلانا چاہتے

ہیں دن کا رمضان میں، تو پھر آپ کیا کہیں گے؟ پھر آپ اضافت کے ساتھ کہیں گے: عِشْرُو رَمَضَانَ، یعنی کیا معنی؟ رمضان کا بیسواں دن۔ تو عِشْرُونَ رَمَضَانَ بغیر اضافت کے کہیں تو کیا معنی؟ رمضان کے بیس دن، اور عِشْرُو رَمَضَانَ اضافت کے ساتھ کہیں تو کیا معنی؟ رمضان کا بیسواں دن بھئی۔ پھر دہرائیں: عِشْرُونَ رَمَضَانَ کا کیا معنی تھا؟ رمضان کے بیس دن۔ اگر اضافت جائز قرار دے دی جائے اور اس میں بھی کہہ دیا جائے عِشْرُو رَمَضَانَ، تو اب تو پتہ نہیں چلے گا کہ رمضان کے بیس دن مراد ہیں یا رمضان کا بیسواں دن مراد ہے، تمییز کا التباس لازم آئے گا کس سے؟ غیرِ تمییز کے ساتھ، اس لیے نونِ جمع کی صورت میں اضافت عام جائز نہیں، عَلَى سَبِيلِ الْقِلَّةِ جائز ہے، بات سمجھ میں آگئی؟

یہ معنی ہے: فَلَوْ أُضِيفَ إِلَى الْمُمَيِّزِ، اگر اضافت کر دی جائے ممیّز کی طرف، لَزِمَ الِالْتِبَاسُ فِي بَعْضِ الصُّوَرِ تو التباس لازم آئے گا بعض صورتوں میں، لِأَنَّهُ لَا يُعْلَمُ مَثَلًا اس لیے کیونکہ معلوم نہیں ہو سکے گا مثال کے طور پر، عِنْدَ إِضَافَةِ عِشْرِينَ إِلَى رَمَضَانَ جس وقت کہ عِشْرِينَ کی اضافت کر دی جائے رمضان کی طرف، کہ أَنَّهُ أَرَادَ عِشْرِينَ رَمَضَانَ کہ اس نے رمضان کے بیس دن کا ارادہ کیا ہے، أَوْ أَرَادَ الْيَوْمَ الْعِشْرِينَ مِنْ رَمَضَانَ یا اس نے رمضان میں سے بیسویں دن کا ارادہ کیا ہے۔ تو

فَلَا يُضَافُ فِي غَيْرِ صُورَةِ الِالْتِبَاسِ أَيْضًا، تو لہٰذا التباس کے علاوہ صورتوں کے اندر بھی اضافت نہیں کی جائے گی۔ بھئی بعض صورتوں میں التباس لازم آتا ہے تمام صورتوں میں التباس نہیں، لیکن جب بعض صورتوں کے اندر التباس کی وجہ سے اضافت جائز نہیں، تو نونِ جمع کی باقی صورتوں کے اندر بھی اضافت جائز نہیں تاکہ سارے باب کا ایک حکم ہو جائے، سارے باب کا ایک حکم۔ بھئی بعض جگہ تو التباس لازم آتا ہے بعض جگہ التباس لازم نہیں آتا، تو اگر بعض جگہ جائز قرار نہ دیں اور بعض جگہ جائز قرار دے دیں تو پھر تو سارے باب کا ایک حکم نہیں رہے گا، لہٰذا جب بعض صورتوں میں التباس لازم آیا اور وہاں پر اضافت کو ممنوع قرار دیا گیا، تو باقی ساری جگہ بھی ممنوع قرار دے دیا گیا جہاں نونِ جمع آرہا ہو، تاکہ پورے باب کا ایک ہی حکم ہو جائے۔ یہ معنی ہے: فَلَا يُضَافُ فِي غَيْرِ صُورَةِ الِالْتِبَاسِ أَيْضًا، تو لہٰذا جن صورتوں میں التباس نہ ہو ان میں بھی اضافت نہیں کی جائے گی، إِلَّا عَلَى قِلَّةٍ مگر قلت پر یعنی قلیل طور پر کیا جاتا ہے عربی میں، لِيَكُونَ الْبَابُ أَقْرَبَ إِلَى الِاطِّرَادِ، تاکہ یہ باب جو ہے اطراد کے زیادہ قریب ہو جائے۔ اطراد کا معنی ہے سارے باب کا موافق ہونا، سارے باب کا ایک جیسا ہونا۔ تو کہنا تو یوں چاہیے تھا صاحبِ جامی کو: طَرْدًا لِلْبَابِ، اس پورے باب کا حکم ایک جیسا کرنے کے لیے اضافت نہیں کی جائے گی۔ لیکن بتا چکے ہیں کہ عَلَى سَبِيلِ الْقِلَّةِ نونِ جمع میں بھی اضافت جائز ہے، تو لہٰذا جب عَلَى سَبِيلِ الْقِلَّةِ جائز ہے تو باقی سب جگہ آپ ممنوع بھی قرار دے دیں تو بھی پورے باب کا حکم تو ایک جیسا نہ ہوا، پورے باب کا ایک حکم۔ تو کہتے ہیں ہاں باقی جگہ ممنوع قرار دے دیا گیا تاکہ باب جو ہے اطراد کے زیادہ سے زیادہ قریب ہو جائے۔ چند جگہ عَلَى سَبِيلِ الْقِلَّةِ جائز ہے باقی پورے باب میں جائز نہیں ہے، تو گویا باب اطراد کے قریب ہو گیا، پورا باب تو ایک جیسا نہ ہوا لیکن اطراد کے قریب ہو گیا۔ یہ معنی ہے: لِيَكُونَ الْبَابُ أَقْرَبَ إِلَى الِاطِّرَادِ، تاکہ یہ باب جو ہے اطراد کے زیادہ سے زیادہ قریب ہو جائے۔

بعض علما نے یہاں اشکال کیا ہے بھئی، اشکال یہ، توجہ سے: تمییز کا نکرہ ہونا واجب ہے علمائے بصرہ کے نزدیک۔ لہٰذا عِشْرِينَ رَمَضَانَ اس کا کیا ترجمہ کیا؟ رمضان کے بیس دن، جب تمییز ہو: عِشْرِينَ رَمَضَانَ کیا معنی؟ عِشْرِينَ ہے ممیّز اور رَمَضَانَ ہے اس سے تمییز، یعنی کسی معین رمضان کے بیس دن مراد ہیں۔ اور رَمَضَانَ اس کو آپ نے غیر منصرف پڑھا کیوں؟ کیونکہ کوئی معین رمضان مراد ہے، تو یہ علم بھی ہوا اور نیز اس میں الف نون مزیدتان بھی ہیں، تو یہ غیر منصرف ہوا۔ تو معلوم ہوا کسی معین رمضان کے بیس دن مراد ہیں بھئی۔ تو بعض علما اشکال کرتے ہیں کہ یہ عِشْرِينَ رَمَضَانَ نہیں ہونا چاہیے تھا، تنوین آنی چاہیے تھی: عِشْرِينَ رَمَضَانًا، عِشْرِينَ رَمَضَانًا، اس لیے کیونکہ اگر آپ کوئی معین رمضان مراد لیتے ہیں پھر تو وہ متعین ہے پھر تو یہ علم ہے، حالانکہ تمیز جو ہے وہ معرفہ نہیں آتی، تمیز میں واجب ہے کہ وہ نکرہ ہونی چاہیے۔ لہٰذا یہاں رمضان جو آیا اس سے کوئی بھی رمضان مراد ہو سکتا ہے، کسی بھی رمضان کے بیس دن، تو عِشْرِينَ رَمَضَانًا تنوین کے ساتھ۔ کیا معنی؟ رَمَضَانًا کی تنوین کیا بتلا رہی ہے؟ کہ معرفہ ہے نکرہ ہے؟ نکرہ ہے۔ توجہ ہے؟ معرفہ ہوتا پھر تو اس نے

غیر منصرف بن جانا تھا، معرفہ بھی ہے الف نون مزیدتان بھی ہیں، تو لہٰذا اس کو علم نہ بناؤ نکرہ بنا دو، کوئی رمضان۔ تو معنی کیا ہوا عِشْرِينَ رَمَضَانًا؟ کسی رمضان کے بیس دن۔ توجہ ہے؟ جبکہ بعضوں نے پھر ترجمہ کیا کہ عِشْرِينَ رَمَضَانًا اس صورت میں معنی ہوگا عِشْرِينَ رَمَضَانًا بیس رمضان، یعنی رمضان کے بیس مہینے، جو کتنے سالوں میں آئیں گے؟ ہر سال میں ایک رمضان آتا ہے تو بیس سالوں میں بیس رمضان آئے ہیں، وہ مراد ہیں عِشْرِينَ رَمَضَانًا تنوین کے ساتھ۔ عِشْرِينَ رَمَضَانًا جیسے عِشْرُونَ دِرْهَمًا کا کیا معنی ہوتا تھا؟ بیس درہم، تو عِشْرِينَ رَمَضَانًا کا کیا معنی ہوگا؟ بیس رمضان جو بیس سالوں میں آئے ہوں بھئی۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو یہ اشکال کیا بعضوں نے کہ رَمَضَانَ اگر معین رمضان کے بیس دن مراد لینے ہوں تو پھر تو رمضان کو تمییز نہیں بنا سکتے کیونکہ یہ معرفہ ہے بھئی۔ تو شاید پھر صاحبِ جامی نے یہ مثال جو ذکر کی یہ علمائے کوفہ کے مذہب پر ہو، ان کے نزدیک تمییز کا نکرہ ہونا واجب نہیں ہے بھئی۔ یہاں تک بات سمجھ میں آگئی؟

وَعَنْ غَيْرِ مِقْدَارٍ۔ جی اس کا عطف ماقبل میں وہ جو پیچھے آیا تھا فَالْأَوَّلُ عَنْ مُفْرَدِ مِقْدَارٍ غَالِبًا، وہ جہاں بڑا پیچیدہ اعتراض ذکر ہوا تھا، تو یہ اسی عَنْ مُفْرَدِ مِقْدَارٍ پر عطف ہے۔ پہلی قسم ابہام کو دور کرتی ہے عَنْ مُفْرَدِ مِقْدَارٍ مفردِ مقدار سے بھی، اور آگے آیا وَعَنْ غَيْرِ مِقْدَارٍ اور غیرِ مقدار سے بھی بھئی۔ دیکھیے پہلے متن دیکھیے۔ کہتے ہیں: وَعَنْ غَيْرِ مِقْدَارٍ، اور غیرِ مقدار سے بھی پہلی قسم ابہام کو دور کرتی ہے، نَحْوُ خَاتَمٌ حَدِيدًا، جیسے خَاتَمٌ حَدِيدًا۔ اب دیکھو خَاتَم انگوٹھی کو کہتے ہیں، اب یہ تو مقدار نہیں ہے، مقدار نہیں ہے، لیکن اس کی جنس میں ابہام تھا کہ انگوٹھی کس چیز کی ہے؟ سونے کی ہے، چاندی کی ہے، پیتل کی ہے، لوہے کی ہے؟ تو آگے حَدِيدًا نے آکر ابہام کو دور کر دیا کہ یہ انگوٹھی لوہے کی ہے۔ تو کہتے ہیں نَحْوُ خَاتَمٌ حَدِيدًا، تو یہ حَدِيدًا تمییز ہے منصوب ہے۔ آگے متن دیکھیے: وَالْخَفْضُ أَكْثَرُ، خفض کہتے ہیں جر کو، اور اس قسم کے اندر جر زیادہ استعمال ہوتا ہے، اس قسم کے اندر۔ بھئی پہلی قسم جو ہے تمییز کی وہ ابہام کو دور کرتی ہے مقدار سے بھی اور غیرِ مقدار سے بھی، اور اس غیرِ مقدار میں اکثر جر استعمال ہوتا ہے یعنی اضافت کر دی جاتی ہے، خَاتَمٌ حَدِيدًا نہیں کہتے بلکہ خَاتَمُ حَدِيدٍ کہتے ہیں۔

اب دیکھیے اس کو شرح کے ساتھ۔ کہتے ہیں: وَعَنْ غَيْرِ مِقْدَارٍ عَطْفٌ عَلَى قَوْلِهِ عَنْ مُفْرَدِ مِقْدَارٍ، مصنف کا یہ قول جو ہے عَنْ غَيْرِ مِقْدَارٍ یہ معطوف ہے مصنف کے قول عَنْ مُفْرَدِ مِقْدَارٍ پر، أَيِ الْأَوَّلُ كَمَا يَرْفَعُ الْإِبْهَامَ عَنْ مُفْرَدِ مِقْدَارٍ، یعنی تمییز کی پہلی قسم جیسے وہ ابہام کو دور کرتی ہے مفردِ مقدار سے، كَذٰلِكَ يَرْفَعُهُ عَنْ مُفْرَدِ غَيْرِ مِقْدَارٍ، اسی طرح تمییز کی پہلی قسم ابہام کو دور کرتی ہے مفردِ غیرِ مقدار سے بھی۔ بھئی غیرِ مقدار سے آپ کی کیا مراد ہے؟ بتلا رہے ہیں: أَيْ مَا لَيْسَ بِعَدَدٍ وَلَا وَزْنٍ وَلَا ذِرَاعٍ وَلَا كَيْلٍ وَلَا مِقْيَاسٍ، یعنی غیرِ مقدار سے مراد یہ ہے کہ وہ چیز نہ تو عدد ہو، نہ وزن ہو، نہ ذراع ہو، نہ کیل ہو، اور نہ مقیاس ہو، نَحْوُ خَاتَمٌ حَدِيدًا۔ فَإِنَّ الْخَاتَمَ مُبْهَمٌ بِاعْتِبَارِ الْجِنْسِ، اس لیے کیونکہ خاتم جو ہے مبہم ہے اپنی جنس کے اعتبار سے، خاتم کہنے سے، انگوٹھی کہنے سے اس کی جنس کا پتہ نہیں چلتا۔ کہتے ہیں فَإِنَّ الْخَاتَمَ مُبْهَمٌ بِاعْتِبَارِ الْجِنْسِ اس لیے کیونکہ

خاتم جو ہے مبہم ہے اپنی جنس کے اعتبار سے، تَامٌّ بِتَنْوِينٍ، اور یہ لفظ تام ہو رہا ہے تنوین کے ذریعے، فَاقْتَضَى تَمْيِيزًا تو اس نے تمییز کا تقاضا کیا۔ بات سمجھ میں آگئی؟ فعل کے اندر بھی جب فاعل آجائے اس کے بعد وہ کس کا تقاضا کرتا ہے؟ مفعول کا، تو یہ اسمِ تام بھی جب تنوین کے ذریعے تام ہو گیا اب اس نے تمییز کا تقاضا کیا کیونکہ اس کی جنس میں ابہام تھا، تو پھر تمییز کو یہ آگے نصب دیتا ہے۔

کہتے ہیں: وَالْخَفْضُ أَيْ خَفْضُ التَّمْيِيزِ بِإِضَافَةِ غَيْرِ الْمِقْدَارِ إِلَيْهِ أَكْثَرُ، أَيْ خَفْضُ التَّمْيِيزِ، تمییز کا جر جو ہے بِإِضَافَةِ غَيْرِ الْمِقْدَارِ إِلَيْهِ، غیرِ مقدار کی اس کی طرف اضافت کرتے ہوئے، یہ جو تمییز کا جر ہے، أَكْثَرُ یہ زیادہ ہے اسْتِعْمَالًا باعتبار استعمال کے۔ بھئی اس کے اندر اکثر جو ہے اضافت کر دی جاتی ہے اور اس میں جر پڑھتے ہیں تمییز پر۔ بھئی کیا وجہ ہے؟ آپ کو بتائیں گے کہ وجہ یہ کہ ایک تو اضافت کی وجہ سے خفت آجائے گی، خَاتَمُ حَدِيدٍ دیکھو خَاتَمٌ سے تنوین گر گئی، تو ایک وجہ یہ کہ ابہام بھی دور ہو گیا اور تخفیف بھی آگئی۔ ابہام بھی دور ہوا، پتہ چل گیا انگوٹھی کس چیز کی ہے؟ لوہے کی ہے، اور تخفیف بھی آگئی۔ اور نیز اس وجہ سے بھی اس میں اضافت زیادہ ہے کیونکہ مبہمات کے اندر اصل مقداریں ہیں، مقداریں ابہام کے اندر اصل ہیں، مقداریں چاہتی ہیں کہ ان کے بعد تمییز لائی جائے اور اس تمییز کو نصب دیں، جبکہ اور چیزوں کے اندر ابہام اس درجے کا نہیں، جب اس درجے کا ابہام نہیں تو یہ اتنا زیادہ تقاضا نہیں کرتیں کہ تمییز کو نصب دیں، تو پھر یہاں پر اضافت کی جاتی ہے۔ معلوم ہوا جو مقداریں ہیں وہ ابہام کی وجہ سے تمییز کا تقاضا کرتی ہیں زیادہ، وہ زیادہ تقاضا کرتی ہیں، اور یہ باقی چیزیں تمییز کا اتنا تقاضا نہیں کرتیں یہ نہیں چاہتیں کسی اسم کو نصب دینا، تو لہٰذا پھر یہاں کیا کر دیا جاتا ہے؟ اضافت کر دی جاتی ہے۔

کہتے ہیں: لِحُصُولِ الْغَرَضِ مَعَ الْخِفَّةِ، غرض کے حاصل ہو جانے کی وجہ سے مَعَ الْخِفَّةِ ساتھ تخفیف کے۔ غرض کیا تھی؟ رفعِ ابہام، وہ بھی حاصل ہوا اور خفت بھی آگئی۔ وَلِقُصُورِ غَيْرِ الْمِقْدَارِ عَنْ طَلَبِ التَّمْيِيزِ، یہ دوسری وجہ ذکر کر رہے ہیں کہ جر کیوں پڑھتے ہیں۔ کہتے ہیں وَلِقُصُورِ غَيْرِ الْمِقْدَارِ عَنْ طَلَبِ التَّمْيِيزِ، قصور کا معنی کمی بھئی، کمی، اس لیے وَلِقُصُورِ غَيْرِ الْمِقْدَارِ اس لیے کیونکہ غیرِ مقدار میں کمی ہوتی ہے عَنْ طَلَبِ التَّمْيِيزِ تمییز طلب کرنے سے۔ مقدار تو تمییز کو ضرور طلب کرتی ہے، عِنْدِي رِطْلٌ کہا تو رِطْلٌ ضرور تمییز کو طلب کر رہا ہے اور لہٰذا وہ زَيْتًا لائیں گے اور وہ اس کو نصب دے گا۔ لیکن غیرِ مقدار میں تمییز کا تقاضا اتنا زیادہ نہیں ہوتا، یہ اتنا زیادہ یوں کہیں نصب نہیں دینا چاہتیں، تو پھر جر ہی پڑھ دیتے ہیں اضافت کر دیتے ہیں۔ یہ معنی ہے: وَلِقُصُورِ غَيْرِ الْمِقْدَارِ عَنْ طَلَبِ التَّمْيِيزِ، اس لیے کیونکہ غیرِ مقدار جو ہے وہ ناقص ہے طلبِ تمییز سے، لِأَنَّ الْأَصْلَ فِي الْمُبْهَمَاتِ الْمَقَادِيرُ، اس لیے کیونکہ مبہمات کے اندر اصل جو ہیں وہ مقداریں ہیں، مقداریں جو ہیں وہ مبہمات میں اصل ہیں، وہ تمییز کا تقاضا زیادہ شدت سے کرتی ہیں، وَغَيْرُهَا لَيْسَ بِهٰذِهِ الْمَثَابَةِ، اور مقداروں کے علاوہ جو ہیں وہ اس درجے کے نہیں۔ مَثَابَة کا معنی درجہ، درجہ۔ وَغَيْرُهَا اور مقداروں کے علاوہ جو ہیں لَيْسَ بِهٰذِهِ الْمَثَابَةِ وہ اس درجے

کے نہیں ہیں، وہ تمییز کا تقاضا اتنی شدت سے نہیں کرتے تو وہاں پھر اضافت کر دی جاتی ہے۔ بات سمجھ میں آ گئی؟

چلیے بس بھئی۔ هٰذَا هُوَ الْمَرَامُ، وَاللّٰهُ أَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْكَلَامِ۔

سبق نمبر ۱۵۱: التمیز (۴): تمیزِ نسبت (مقدرہ) اور اس کی اقسام (منقول عن الفاعل و المفعول)

شرحِ ملا جامی صفحہ: ۱۳۶ — بتاریخ: ۲۶ فروری ۲۰۲۲ء

▪ تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث

آگے سبق دیکھیے بھئی: وَالثَّانِي أَيِ الْقِسْمُ الثَّانِي مِنَ التَّمْيِيزِ وَهُوَ مَا يَرْفَعُ الْإِبْهَامَ عَنْ ذَاتٍ مُقَدَّرَةٍ يَرْفَعُهُ عَنْ نِسْبَةٍ، كَانَ الظَّاهِرُ أَنْ يَقُولَ عَنْ ذَاتٍ مُقَدَّرَةٍ فِي نِسْبَةٍ فِي جُمْلَةٍ، لٰكِنْ لَمَّا كَانَ الْإِبْهَامُ فِي طَرَفِ النِّسْبَةِ يَسْتَلْزِمُ الْإِبْهَامَ فِيهَا وَرَفْعُهُ عَنْهَا يَسْتَلْزِمُ الرَّفْعَ عَنْهُ قَالَ عَنْ نِسْبَةٍ مُقْتَصِرًا عَلَيْهَا.

بھئی، گزشتہ سبق میں ہم تمیز کے بارے میں پڑھ رہے تھے بھئی۔ صاحبِ کافیہ نے آپ کو بتلایا تھا کہ تمیز وہ ابہام جو باعتبار وضع کے ہو اس کو دور کرتی ہے ذاتِ مقدرہ سے یا ذاتِ مذکورہ سے بھئی۔ تو یہ ذاتِ مقدرہ اور ذاتِ مذکورہ کو جو ذکر کیا یہ دراصل اشارہ کر دیا تمیز کی قسموں کی طرف کہ تمیز دو قسم پر ہے: کبھی تمیز جو ہے ذاتِ مذکورہ سے ابہام کو دور کرے گی اور کبھی ذاتِ مقدرہ سے ابہام کو دور کرے گی۔ اور پھر تفصیل بیان کی کہ وہ تمیز جو ذاتِ مذکورہ سے ابہام کو دور کرتی ہے، وہ ابہام کو دور کرے گی مفرد سے بھئی، اور وہ مفرد مقدار بھی ہو سکتا ہے اور غیرِ مقدار بھی ہو سکتا ہے بھئی۔ اور پھر صاحبِ جامی نے آپ کو یہ بھی بتلایا تھا کہ یہ جو مفرد سے تمیز آتی ہے، اس کو اسمِ تام جو ہے یہ نصب دیتا ہے۔ وہ اسم جو تام ہے وہ نصب دیتا ہے، جیسے «عِنْدِي رِطْلٌ زَيْتًا»۔ یہ «زَيْتًا» کو نصب کس نے دیا؟ «رِطْلٌ» یہ جو اسمِ تام آیا۔

اور اسمِ تام ہوتا ہے چار چیزوں کے ذریعے: یا تو وہ تام ہو گا تنوین کے ذریعے، یا وہ تام ہو گا نونِ تثنیہ کے ذریعے، یا وہ تام ہو گا نونِ جمع کے ذریعے، یا وہ تام ہو گا اضافت کے ذریعے۔ تام ہونے کا معنیٰ یہ ہے کہ اسم ایسی حالت میں ہو کہ اسی حالت میں اس کی آگے اضافت نہ ہو سکے۔ جب اسم پر تنوین آ رہی ہے، تو معلوم ہوا اسم تام ہو چکا ہے، آگے کوئی مضاف الیہ نہیں آ رہا، آگے اس کی اضافت نہیں ہو رہی، کیونکہ تنوین کے ہوتے ہوئے اضافت نہیں ہو سکتی، جب بھی اضافت کرنی پڑے گی تنوین کو گرانا پڑے گا۔ اسی طرح نونِ تثنیہ اور نونِ جمع یہ بھی اسم کے تام ہونے کی علامت ہیں، نونِ

تثنیہ اور جمع کے ہوتے ہوئے اسم کی آگے اضافت نہیں ہو سکتی۔ اور اسی طرح جب آگے مضاف الیہ آرہا ہو، یعنی ایک مضاف الیہ پہلے ہی آرہا ہے، اور آپ مضاف کی آگے کسی اور اسم کی طرف اضافت کرنا چاہتے ہیں، تو یہ جائز نہیں کیونکہ ایک مضاف کے لیے ایک ہی مضاف الیہ آسکتا ہے۔ تو جب اسم ان چیزوں کے ذریعے تام ہوتا ہے تو اس کی مشابہت آ جاتی ہے فعل کے ساتھ۔ جیسے فعل کے بعد فاعل آتا ہے اور فعل اس کے ذریعے تام ہو جاتا ہے اور اس کے بعد پھر آگے وہ مفعول بہ کو بھی نصب دیتا ہے، تو یہ اسم بھی جب ان چیزوں کے ذریعے تام ہو گیا تو یہ فعل جیسا ہوا، اور فعل تو تام ہونے کے بعد مفعول بہ کو نصب دیتا ہے، تو لہٰذا یہ اسم بھی اب تام ہونے کے بعد آگے تمیز کو نصب دیتا ہے۔ تو یہ تمیز جو ہے گویا اس کے لیے مفعول بہ کی طرح ہو گئی۔

پھر اس کے بعد صاحبِ کافیہ نے آپ کو بتلایا تھا کہ تمیز جو ہے اس کو مفرد لائیں گے اگر وہ جنس ہو۔ جنس ہونے کا معنیٰ یہ ہے کہ اس کے اجزاء باہم ایک دوسرے کے مشابہ ہوں بھئی، اور نیز وہ تا کے بغیر قلیل اور کثیر سب پر اس کا اطلاق ہو سکے۔ مثلاً دیکھو، جیسے چاول تھوڑے ہوں تو بھی چاول، زیادہ ہوں تو بھی چاول؛ گندم قلیل ہو تو بھی گندم، زیادہ ہو تو بھی گندم؛ پانی تھوڑا ہو تو بھی وہ پانی ہے، زیادہ ہو تو بھی وہ پانی ہے۔ مثلاً آپ کے پاس ایک بالٹی پانی ہے، آپ اس پانی کے دس حصے کر دیتے ہیں، تو جو دس حصے بنے ہر حصہ وہ بھی کیا کہلائے گا؟ پانی، اور جو اکٹھا ہے وہ بھی کیا ہے؟ پانی۔ اور دیکھو یہ اجزاء ایک دوسرے کے مشابہ ہیں، ہر حصہ ایک دوسرے کے مشابہ ہے۔ اور نیز تا کے بغیر قلیل اور کثیر پر بھی اس کا اطلاق ہو سکے بھئی، جیسے «تَمْرَةٌ» اور «تَمْرٌ»۔ آپ نے بالخصوص کہنا ہو ایک کھجور تو کہیں گے «تَمْرَةٌ» گول تا کے ساتھ، یہ تا وحدت کی ہے، اور اگر تا ہٹا دیں «تَمْرٌ» تو یاد رکھو یہ اسمِ جنس ہے، قلیل اور کثیر سب پر اس کا اطلاق ہوتا ہے، یعنی ایک کھجور ہو تو بھی یہ «تَمْرٌ» ہے، ایک سے زیادہ ہوں، دو ہوں تو بھی «تَمْرٌ» ہیں، دو سے زیادہ ہوں تو بھی «تَمْرٌ» ہے۔ لیکن بالخصوص آپ ایک کھجور کہنا چاہتے ہیں تو پھر تا کے ساتھ کہیں گے «تَمْرَةٌ»۔ تو بغیر تا کے «تَمْرٌ» اس کا اطلاق قلیل اور کثیر سب پر ہوتا ہے یعنی یہ اسمِ جنس ہے۔

تو تمیز جب جنس ہو تو پھر اس کو ہمیشہ مفرد لاتے ہیں، جب تمیز جنس ہو تو پھر اس کو ہمیشہ مفرد لاتے ہیں، اگرچہ ماقبل میں اس کا جو ممیز ہے وہ تثنیہ یا جمع ہی کیوں نہ ہو۔ جیسے «عِنْدِي رِطْلٌ زَيْتًا»۔ یہ «زَيْتٌ» جو ہے یعنی زیتون کا تیل یہ جنس ہے بھئی، قلیل اور کثیر پر اس کا اطلاق ہوتا ہے، اور نیز اس کے اجزاء باہم ایک دوسرے کے مشابہ ہیں۔ تو اب ماقبل میں یہ جو «رِطْلٌ» آیا، یہ جو ممیز آیا ہے، یہ چاہے مفرد ہو، تثنیہ ہو، چاہے جمع ہو، ہر صورت میں تمیز کو آگے مفرد ہی لائیں گے: «عِنْدِي رِطْلٌ زَيْتًا»، «عِنْدِي رِطْلَانِ زَيْتًا»، «عِنْدِي أَرْطَالٌ زَيْتًا»۔ وجہ یہ کہ یہ «زَيْتٌ» جو ہے جنس ہے، جنس کا اطلاق قلیل اور کثیر سب پر ہوتا ہے، تو لہٰذا جب یہ قلیل اور کثیر سب پر اطلاق ہوتا ہے تو تثنیہ جمع لانے کی ضرورت ہی نہیں۔ جب کہ مثلاً «رَجُلٌ» کا لفظ ہے، رجل ایک ہو تو کہیں گے «رَجُلٌ»، دو ہوں تو کہیں گے «رَجُلَانِ»، زیادہ ہوں تو کہیں گے «رِجَالٌ»، تو

«رَجُلٌ» کا اطلاق قلیل اور کثیر سب پر نہیں ہوتا، لیکن «زَيْتٌ» کا اطلاق تو قلیل اور کثیر یا یوں کہو جنس کا اطلاق تو قلیل اور کثیر سب پر ہوتا ہے، جب سب پر اس کا اطلاق ہے تو تثنیہ اور جمع لانے کی ضرورت ہی نہیں ہے۔

الّا یہ کہ انواع کا ارادہ کیا جائے، کس کا؟ انواع کا ارادہ کیا جائے، پھر آگے تمییز چاہے جنس ہی کیوں نہ ہو اس کو تثنیہ اور جمع لائیں گے۔ مثلاً میں کہتا ہوں «عِنْدِي رِطْلَانِ زَيْتًا»، میرے پاس دو رطل ہیں باعتبار زیتون کے تیل کے یعنی میرے پاس دو رطل زیتون کا تیل ہے۔ لیکن آپ بتلانا چاہتے ہیں کہ یہ جو دو رطل ہیں یہ دو قسم کے ہیں، دو نوع کے ہیں، یعنی ایک رطل ایک نوع کا ہے، دوسرا رطل دوسری نوع کا ہے، تو اب اگر میں یوں کہوں «عِنْدِي رِطْلَانِ زَيْتًا»، اب میں تمییز کو مفرد لاؤں گا تو وہ جنس ہے، قلیل اور کثیر پر اس کا اطلاق ہو رہا ہے، لیکن وہ انواع پر دلالت نہیں کرتا، قلیل اور کثیر پر تو دلالت کرتا ہے لیکن انواع پر دلالت نہیں کرتا، لہٰذا انواع بتلانے کے لیے پھر اس جنس کو بھی تثنیہ یا جمع لائیں گے۔ تو کیا کہیں گے؟ «عِنْدِي رِطْلَانِ زَيْتَيْنِ»، «عِنْدِي رِطْلَانِ زَيْتَيْنِ»، میرے پاس دو رطل ہیں باعتبار دو قسم کے زیتون کا تیل یعنی ایک رطل ایک قسم کا ہے، دوسرا رطل دوسری قسم کا۔ اسی طرح جمع بتلانا چاہتے ہیں تو «عِنْدِي أَرْطَالٌ زُيُوتًا»، میرے پاس کئی رطل ہیں کئی قسم کا زیتون کا تیل۔ بات سمجھ میں آگئی۔

پھر اس کے بعد ایک اشکال ذکر کیا تھا کہ یہ جو صاحبِ کافیہ نے صرف انواع کا استثناء کیا، کیا کہا تھا عبارت میں؟ «فَيُفْرَدُ إِنْ كَانَ جِنْسًا»، کہ تمییز کو مفرد لائیں گے اگر وہ جنس ہو، «إِلَّا أَنْ تُقْصَدَ الْأَنْوَاعُ»، مگر یہ کہ انواع کا ارادہ کیا جائے۔ تو استثناء صرف کس کا کیا؟ انواع کے ارادے کا کیا کہ اس وقت صرف آپ تثنیہ یا جمع لا سکتے ہیں، حالانکہ بعض اوقات عدد بیان کرنے کے لیے بھی تثنیہ اور جمع لاتے ہیں۔ تمییز جنس ہوتی ہے، تمییز کیا؟ جنس، جنس کا اطلاق قلیل اور کثیر سب پر ہوتا ہے، لیکن بعض اوقات عددیان کرنے کے لیے اس جنس کو بھی تثنیہ اور جمع لاتے ہیں۔ جیسے اس کی مثال انہوں نے ذکر کی تھی کہ «طَابَ زَيْدٌ جَلْسَتَيْنِ» اور اسی طرح «طَابَ زَيْدٌ جِلْسَتَيْنِ»۔ «جَلْسَتَيْنِ» کس لیے آیا؟ عددیان کرنے کے لیے، «جِلْسَتَيْنِ» کس لیے آیا؟ نوع بیان کرنے کے لیے۔ تو دیکھو وہاں تمییز آئی عددیان کرنے کے لیے اور حالانکہ «جَلْسَةٌ» مصدر ہے اور اسی طرح «جِلْسَةٌ» بھی مصدر ہے، اور مصدر اسمِ جنس ہے اور جنس کا اطلاق قلیل اور کثیر سب پر ہوتا ہے، لیکن پھر بھی اس کو عددیا نوع بیان کرنے کے لیے تثنیہ لایا گیا۔ «طَابَ زَيْدٌ جِلْسَتَيْنِ» یہ نوع بیان کرنے کے لیے، دو انواع۔ اور «طَابَ زَيْدٌ جَلْسَتَيْنِ» زید اچھا ہے دو مرتبہ بیٹھنے کے اعتبار سے، یہاں عددیان ہو رہا ہے۔ تو مصدر اسمِ جنس ہے پھر بھی عددیان کرنے کے لیے اس کو تثنیہ لایا گیا۔ معلوم ہوا کہ تمییز جب جنس ہو تو انواع کے ساتھ ساتھ عددیان کرنے کے لیے بھی اس کو تثنیہ یا جمع لا سکتے ہیں، حالانکہ انہوں نے تو استثناء صرف کس کا کیا؟ «إِلَّا أَنْ تُقْصَدَ الْأَنْوَاعُ»، انواع کا استثناء کیا، حالانکہ یوں کہنا چاہیے تھا «إِلَّا أَنْ تُقْصَدَ الْأَنْوَاعُ وَالْأَعْدَادُ»، عدد کا بھی استثناء کرنا چاہیے تھا۔

تو پھر صاحبِ جامی نے اس کا ایک جواب ذکر کیا تھا کہ بھئی، اس کا یہ جواب دیا جا سکتا ہے کہ انواع سے مراد جنس کے

حصے ہیں بھئی۔ انواع سے مراد جنس کے حصے ہیں، اور جنس کے تحت جیسے انواع ہوتی ہیں اسی طرح افراد بھی ہوتے ہیں۔ جیسے حیوان ہے، منطق کے اندر آپ نے پڑھا ہے، حیوان کیا ہے؟ جنس، اور انسان کیا ہے؟ انسان نوع ہے، نوع ہے۔ جنس کسے کہتے ہیں؟ «وَهُوَ كُلِّيٌّ مَقُولٌ عَلَى كَثِيرِينَ مُخْتَلِفِينَ بِالْحَقَائِقِ»، جن کی حقیقتیں مختلف ہوں۔ تو حیوان کا اطلاق انسان پر بھی ہوتا ہے، گائے بیل بکری وغیرہ پر بھی ہوتا ہے اور سب کی حقیقتیں الگ الگ ہیں۔ اور انسان کے بھی افراد بہت زیادہ، گائے بیل کے بھی افراد بہت زیادہ، گھوڑا گدھا وغیرہ ان کے بھی افراد بہت زیادہ، تو دیکھو یہ سارے حیوان کے افراد ہیں۔ لیکن کس قسم کے افراد ہیں؟ کلیات ہیں، انسان بھی کیا ہے؟ کلی۔ کلی کسے کہتے ہیں؟ جو کثیرین پر صادق آئے۔ تو انسان بھی حیوان کا فرد لیکن یہ کلی ہے۔ گائے بیل یہ بھی کیا ہے؟ حیوان کا فرد لیکن یہ بھی کلی ہے۔ گھوڑا یہ بھی کیا ہے؟ حیوان کا فرد لیکن یہ بھی کلی ہے۔ گدھا یہ بھی حیوان کا فرد لیکن یہ کلی ہے۔ تو معلوم ہوا جنس کے بعض افراد ایسے ہوتے ہیں جو کلیات ہوتے ہیں۔ اور اسی طرح انسان کے افراد زید، عمرو، بکر ہیں۔ جب یہ زید، عمرو، بکر یہ انسان کے افراد ہیں تو یہ حیوان کے بھی افراد ہوئے کیونکہ یہ سب حیوانِ ناطق ہیں۔ معلوم ہوا جنس کے بعض افراد ایسے ہوتے ہیں جو کلیات نہیں ہوتے بلکہ جزئیات ہوتے ہیں، یعنی کثیرین پر وہ صادق نہیں آتے، کلی تو اسے کہتے ہیں نا جو کثیرین پر صادق آئے، جزئی وہ ہے جو کثیرین پر صادق نہ آئے۔ اب زید وہ صرف زید پر صادق آتا ہے کسی اور پر نہیں، عمرو صرف عمرو پر صادق آتا ہے کسی اور پر نہیں، بکر صرف بکر پر صادق آتا ہے کسی اور پر نہیں، تو یہ بھی حیوان کے افراد۔ معلوم ہوا حیوان کے کچھ افراد وہ ہیں جو کلیات ہیں اور اسی طرح حیوان کے کچھ افراد وہ ہیں جو جزئیات ہیں بھئی۔ تو حیوان کے افراد دو قسم کے ہو گئے، اور حیوان کیا ہے؟ جنس۔ تو جنس کے گویا دو قسم کے افراد ہو گئے: کچھ کلیات ہیں اور کچھ جزئیات ہیں۔ تو یہاں وہ جنس کے حصے مراد لے لو یعنی جنس کے افراد مراد لے لو، توجہ ہے، متن میں کیا آیا؟ «إِلَّا أَنْ تُقْصَدَ الْأَنْوَاعُ»، انواع سے کیا مراد لے لو؟ جنس کے حصے، اور حصوں سے کیا مراد ہیں؟ افراد، جنس کے افراد مراد لے لو۔ تو اشکال ختم ہوا، کیونکہ جنس کے افراد مراد لے لیے، تو جنس کے افراد تو دو قسم کے ہیں: کچھ کلیات ہیں، کچھ جزئیات۔ کلیات کے اندر وہ انواع آگئیں، اور وہ جو جزئیات ہیں ان کے اندر عدد آگیا کہ وہاں عدد کے ساتھ ان کو ذکر کیا جاتا ہے کہ زید، عمرو، بکر دو ہیں، تین ہیں، چار افراد ہیں، کتنے ہیں۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو «إِلَّا أَنْ تُقْصَدَ الْأَنْوَاعُ»، اس انواع سے کیا مراد لے لیا جائے؟ جنس کے حصے یعنی جنس کے افراد مراد لے لیے جائیں، اور جنس کے افراد تو دو قسم کے ہیں: کچھ کلیات ہیں یعنی وہ انواع ہیں، اور کچھ جزئیات ہیں اور وہ کیا ہیں؟ افراد، وہاں عدد بیان ہو گا تو دونوں داخل ہو گئے۔ «إِلَّا أَنْ تُقْصَدَ الْأَنْوَاعُ»، اسی انواع میں اعداد بھی آگئے اور خود انواع بھی آگئیں۔ بات سمجھ میں آگئی۔

اور پھر آگے آپ کو بتلایا تھا کہ تمیز اگر جنس نہ ہو تو پھر اس کو تثنیہ اور جمع لا سکتے ہیں۔ اگر آپ کا تثنیہ کا ارادہ ہے تو

تثنیہ لائیں گے، جمع کا ارادہ ہے تو جمع لائیں گے۔ مثلاً میں کہتا ہوں «عِنْدِي عِدْلٌ ثَوْبًا»، میرے پاس ایک گٹھڑی ہے «ثَوْبًا» باعتبار کپڑے کے یعنی گٹھڑی میں ایک کپڑا ہے، اور اگر میں بتلانا چاہتا ہوں اس میں دو کپڑے ہیں تو میں یوں کہوں گا «عِنْدِي عِدْلٌ ثَوْبَيْنِ»، اور اگر زیادہ کپڑے ہیں تو میں یوں کہوں گا «عِنْدِي عِدْلٌ أَثْوَابًا»۔

اور اس کے بعد آگے پھر صاحبِ کافیہ نے آپ کو بتلایا تھا کہ وہ اسم جو تام ہو رہا ہو تنوین کے ذریعے یا نونِ تثنیہ کے ذریعے، کتنی صورتیں تھیں اسم کے تام ہونے کی؟ چار صورتیں: یا وہ تام ہو گا تنوین کے ذریعے، یا نونِ تثنیہ کے ذریعے، یا نونِ جمع کے ذریعے، یا اضافت کے ذریعے یعنی مضاف الیہ کے ذریعے۔ تو ان چار صورتوں میں سے جو دو صورتیں ہیں: اگر وہ اسم تام ہو رہا ہے تنوین کے ذریعے یا وہ اسم تام ہو رہا ہے نونِ تثنیہ کے ذریعے، ان میں اضافت بھی جائز ہے تمییز کی طرف۔ «عِنْدِي رِطْلٌ زَيْتًا»، یہ «رِطْلٌ» تام ہو رہا ہے کس کے ذریعے؟ تنوین کے ذریعے، لہٰذا اس کی اضافت زیت کی طرف کرنا بھی جائز: «عِنْدِي رِطْلُ زَيْتٍ» بھی کہہ سکتے ہیں۔ یا اسی طرح «عِنْدِي مَنَوَانِ سَمْنًا»، یہ «مَنَوَانِ» تام ہو رہا ہے کس کے ذریعے؟ نونِ تثنیہ کے ذریعے، تو اس کی اضافت بھی جائز ہے، یوں بھی کہہ سکتے ہیں «عِنْدِي مَنَوَا سَمْنٍ»۔ وجہ یہ کہ ایک تو اس صورت میں تخفیف آجائے گی: جب آپ نے اضافت کی تو وہ تنوین گر جائے گی یا وہ نونِ تثنیہ گر جائے گا، تو لفظوں میں بھی تخفیف آگئی۔ اور نیز مقصد کیا تھا؟ تمییز لانے کا مقصد کیا ہوتا ہے؟ وہ ابہام کو دور کرتی ہے: «عِنْدِي رِطْلٌ» کہا تو ذات کا پتا نہیں تھا، آگے «زَيْتًا» کہا تو ذات کا پتا لگ گیا، تو جب آپ اضافت بھی کریں گے تو...

تخفیف بھی آجائے گی اور نیز یہ اضافت بیانی ہے تو آگے ذات کا بھی پتا چل جائے گا۔ اضافتِ بیانی کسے کہتے ہیں؟ جس میں مضاف الیہ بیان کرتا ہے اور تفسیر کرتا ہے کس کی؟ مضاف کی۔ «عِنْدِي رِطْلُ زَيْتٍ»، تو یہ «زَيْتٍ» جو ہے اسی «رِطْلُ» کی تفسیر کر رہا ہے کہ یہ رطل کسی اور چیز کا مراد نہیں ہے بلکہ زیت کا مراد ہے۔ تو دونوں مقصد حل ہو گئے: ابہام بھی دور ہو جائے گا اور تخفیف بھی آجائے گی۔ تو لہٰذا وہ صورت جس میں وہ اسم تام ہو رہا ہو تنوین کے ساتھ یا نونِ تثنیہ کے ساتھ، اس میں اضافت بھی جائز ہے۔

جب کہ باقی دو صورتیں رہ گئیں: ایک نونِ جمع والی اور ایک اضافت والی۔ اضافت والی صورت، اسم تام ہو رہا ہے اضافت کے ساتھ، اب اسم کی آگے اضافت نہیں کر سکتے کیونکہ ایک مضاف الیہ جب پہلے آرہا ہے تو دوسرا مضاف الیہ آگے نہیں آسکتا بھئی۔ اور نونِ جمع کے ساتھ اگر اسم تام ہو رہا ہو، تب بھی اضافت جائز نہیں مگر «عَلٰى سَبِيلِ الْقِلَّةِ»، نہایت قلیل عربی زبان میں آیا ہے کہ اسم جب تام ہو رہا ہو نونِ جمع کے ساتھ، اس وقت بھی اس کی اضافت تمییز کی طرف کر دی جاتی ہے، جیسے «عِنْدِي عِشْرُونَ دِرْهَمًا»، یہ «عِشْرُونَ» تام ہو رہا ہے نونِ جمع کے ذریعے، تو اس کی اضافت درہم کی طرف قلت کے ساتھ عربی زبان میں آئی ہے اور یوں بھی کہہ دیتے ہیں: «عِنْدِي عِشْرُو دِرْهَمٍ»، میرے پاس بیس

درہم ہیں۔ لیکن یہ «عَلٰی سَبِیلِ الْقِلَّةِ» ہے یعنی قلیل ایسا آیا ہے عربی زبان میں، عام نہیں۔

بھئی عام کیوں نہیں جائز؟ وجہ یہ کہ یہ جو نونِ جمع ہے اس میں غیرِ تمیز کی طرف بھی کثرت سے اضافت ہوتی رہتی ہے، کس کی طرف؟ غیرِ تمیز کی طرف کثرت سے اضافت ہوتی رہتی ہے، مثلاً «مُسْلِمُو مِصْرٍ»، «مُسْلِمُونَ» کس کے ساتھ تام ہو رہا ہے؟ نونِ جمع کے ساتھ، اور مصر، یہ شہر، کوئی شہر کہہ لو، کوئی شہر، مصر شہر کو بھی کہتے ہیں اور ایک ملک کا نام بھی ہے۔ اگر ملک کا نام ہو پھر تو وہ غیرِ منصرف ہے، اگر مصر سے کوئی شہر مراد لے لو تو پھر یہ منصرف ہے۔ تو مثلاً «مُسْلِمُونَ» اور اس کی اضافت کر دیتا ہوں میں مصر کی طرف، تو کیا بن گیا؟ «مُسْلِمُو مِصْرٍ»، تو دیکھو اسم تام ہو رہا تھا نونِ جمع کے ساتھ اور اس کی اضافت ہو گئی مصر کی طرف اور مصر تو تمیز نہیں ہے، مصر تو تمیز نہیں، تو جو اسم تام ہوتا ہے نونِ جمع کے ساتھ اس کی اضافت غیرِ تمیز کی طرف کثرت سے ہوتی رہتی ہے۔ جیسے اور مثال انہوں نے ذکر کی تھی «عِشْرُوكَ»، «عِشْرُوكَ» یعنی آپ کے بیس، یا «عِشْرُو رَمَضَانَ»، رمضان کا بیسواں دن۔ تو دیکھو یہاں اضافت ہو رہی ہے غیرِ تمیز کی طرف۔ اگر تمیز کی طرف بھی اضافت جائز قرار دے دی جائے، پھر تو سننے والے کو پتا ہی نہیں چلے گا کہ یہ جو آگے مضاف الیہ ہے یہ تمیز ہے یا تمیز نہیں۔ تو لہٰذا «عِشْرُو رَمَضَانَ» کا کیا معنیٰ؟ رمضان کا بیسواں دن۔ تو اگر تمیز کی طرف بھی اضافت جائز قرار دے دی جائے تو پھر اگر آپ «عِشْرُو رَمَضَانَ» کہتے ہیں تو سننے والے کو پتا نہیں چلے گا کہ یہ آگے اضافت جس کی طرف ہو رہی ہے وہ تمیز ہے یا تمیز نہیں، رمضان کا بیسواں دن مراد ہے یا بیس دن رمضان کے مراد ہیں، یہ سننے والے کو پتا نہیں چلے گا۔ توجہ ہے؟

اور پھر انہوں نے آپ کو یہ بھی بتلایا تھا، تمیز کی جو پہلی قسم ہے، یہ غیرِ مقدار سے بھی ابہام کو دور کرتی ہے، جیسے «خَاتَمٌ حَدِيدًا»۔ «خَاتَمٌ» کے اندر ابہام تھا، آگے «حَدِيدًا» نے آکر ابہام کو دور کر دیا کہ انگوٹھی کی جنس کیا ہے، کس چیز سے بنی ہوئی ہے؟ لوہے سے بنی ہوئی ہے۔ لیکن یہ جو تمیز آتی ہے غیرِ مقدار سے اس میں اکثر اضافت کر دیا کرتے ہیں، بھئی «خَاتَمُ حَدِيدٍ» کہہ دیتے ہیں۔ اس کی کیا وجہ ہے؟ صاحبِ جامی نے آپ کو بتلایا تھا کہ یہ جو مقداریں ہیں یہ ابہام کے اندر اصل ہیں، مقدار چاہتی ہے کہ آگے تمیز آکر اس سے ابہام کو دور کرے اور یہ اس کو نصب دیں، جب کہ غیرِ مقدار اس درجے کی نہیں ہے۔ جب اس درجے کی نہیں ہے، تو وہ تقاضا نہیں کرتیں کہ آگے تمیز کو وہ نصب دیں، تو وہاں پھر کیا کر دی جاتی ہے؟ اضافت کر دی جاتی ہے۔ بات سمجھ میں آگئی۔

اب آئیے آج کے سبق پر۔ کہتے ہیں: «وَالثَّانِي أَيِ الْقِسْمُ الثَّانِي مِنَ التَّمْيِيزِ وَهُوَ مَا يَرْفَعُ الْإِبْهَامَ عَنْ ذَاتٍ مُقَدَّرَةٍ يَرْفَعُهُ عَنْ نِسْبَةٍ»۔ اب تمیز کی دوسری قسم آگئی بھئی، جو ذاتِ مقدرہ سے ابہام کو دور کرتی ہے۔ جیسے اس کی مثال پیچھے ذکر ہوئی تھی: «طَابَ زَيْدٌ نَفْسًا»۔ «طَابَ زَيْدٌ» زید اچھا ہے، تو یہ «طَابَ» کی نسبت ہوئی زید کی طرف، لیکن اس نسبت میں ابہام تھا کہ زید کس اعتبار سے اچھا ہے؟ تو آگے «نَفْسًا» نے آکر اس ابہام کو دور کر دیا کہ زید اپنی ذات کے اعتبار سے

اچھا ہے۔ تو یہ «طَابَ زَيْدٌ نَفْسًا» یہ اسی درجے میں ہے گویا آپ نے یوں کہا ہو: «طَابَ شَيْءٌ مَنْسُوبٌ إِلَى زَيْدٍ»۔ «طَابَ زَيْدٌ» کس درجے میں ہے؟ «طَابَ شَيْءٌ مَنْسُوبٌ إِلَى زَيْدٍ»۔ «طَابَ شَيْءٌ» ایک چیز اچھی ہے، «مَنْسُوبٌ إِلَى زَيْدٍ» جس کی نسبت کس کی طرف کی گئی ہے؟ زید کی طرف۔ ایک چیز جو منسوب ہے زید کی طرف وہ اچھی ہے۔ بھئی وہ کیا چیز ہے؟ اس چیز کی ذات میں ابہام تھا، آگے «نَفْسًا» نے آکر ابہام کو دور کر دیا کہ وہ چیز جو ہے وہ زید کی ذات ہے بھئی۔ تو یہ «شَيْءٌ» جو نسبت کے اندر مقدر تھا، اس سے آگے آنے والی تمیز نے ابہام کو دور کر دیا۔

اب اس کی تفصیل بیان کرنے لگے ہیں۔ پہلے متن متن دیکھیے۔ کہتے ہیں: «وَالثَّانِي عَنْ نِسْبَةٍ فِي جُمْلَةٍ أَوْ مَا ضَاهَاهَا نَحْوُ طَابَ زَيْدٌ نَفْسًا وَزَيْدٌ طَيِّبٌ أَبًا»۔ «وَالثَّانِي عَنْ نِسْبَةٍ»، تمیز کی جو دوسری قسم ہے وہ نسبت سے ابہام کو دور کرتی ہے۔ «طَابَ زَيْدٌ نَفْسًا» یہ «طَابَ» کی نسبت ہے کس کی طرف؟ زید کی طرف، زید فاعل ہے نا، فعل کا اسناد کس کی طرف ہوتا ہے؟ فاعل کے، تو «طَابَ» کا اسناد ہے، «طَابَ» کی نسبت ہو رہی ہے زید یعنی فاعل کی طرف، تو اس نسبت کے اندر ابہام تھا، آگے «نَفْسًا» نے آکر اس ابہام کو دور کر دیا۔ تو کہتے ہیں: «وَالثَّانِي عَنْ نِسْبَةٍ»، تمیز کی جو دوسری قسم ہے وہ ابہام کو دور کرتی ہے نسبت سے، «فِي جُمْلَةٍ» وہ نسبت جو کہاں پائی جائے؟ جملے کے اندر۔

توجہ ہے؟ متن پہ ذرا نظر رکھو: «وَالثَّانِي عَنْ نِسْبَةٍ فِي جُمْلَةٍ»۔ «نِسْبَةٍ» ہے نکرہ، اور نکرہ کے بعد «فِي جُمْلَةٍ» جار مجرور آیا، اور نکرہ کے بعد جار مجرور آئے اور کسی سے نہ جڑ رہا ہو، تو میں نے آپ کو بتلایا تھا وہ اس نکرہ کے لیے صفت بنے گا۔ تو گویا عبارت کیا بن گئی؟ «وَالثَّانِي عَنْ نِسْبَةٍ ثَابِتَةٍ فِي جُمْلَةٍ»۔ توجہ ہے؟ «فِي جُمْلَةٍ» جار مجرور ہے، اور یہ جار مجرور کس کے بعد آیا؟ «نِسْبَةٍ» نکرہ کے بعد، اور نکرہ کے بعد جار مجرور آئے تو اس کے لیے کیا بنتا ہے عموماً؟ صفت، اور صفت براہِ راست بنے گا یا پہلے وہ متعلق نکالیں گے؟ متعلق نکالیں گے، تو «أَيْ ثَابِتَةٍ فِي جُمْلَةٍ»، «عَنْ نِسْبَةٍ ثَابِتَةٍ فِي جُمْلَةٍ»۔ اور دوسری قسم جو ہے تمیز کی، وہ ابہام کو دور کرتی ہے «عَنْ نِسْبَةٍ» اس نسبت سے «فِي جُمْلَةٍ» جو کس کے اندر ہو؟ جملے میں ہو، «أَوْ مَا ضَاهَاهَا»۔

یاد رکھو «ضَاهَاهَا»۔ یہ جو «ضَاهَى» ہے یہ ہے فعل، یہ پہلی ہا فعل کی ہے اور دوسرا «هَا» جو ہے لفظ یہ ضمیر ہے، واحد مؤنث غائب کی ضمیر ہے۔ توجہ ہے؟ «ضَاهَى يُضَاهِي مُضَاهَاةً» کا معنیٰ ہے مشابہ ہونا۔ تو «مَا ضَاهَى» جو مشابہ ہے، اور آگے «هَا» ضمیر جو ہے یہ مفعول بہ ہے، تو یہ ضمیر ہے بھئی۔ «فِي جُمْلَةٍ» دوسری قسم جو ہے ابہام کو دور کرتی ہے اس نسبت سے «فِي جُمْلَةٍ» جو کس کے اندر ہو؟ جملے میں ہو، «أَوْ مَا ضَاهَاهَا» یا وہ جو جملے کے مشابہ ہے، جو جملے کے مشابہ ہے۔

بھئی جملے کے مشابہ کون کون ہیں؟ اسمِ فاعل ہے، اسمِ مفعول ہے، صفتِ مشبہ ہے، اسمِ تفضیل وغیرہ، مصدر ہے، یہ سب کیا ہیں؟ بھئی جیسے دیکھو، جیسے «ضَرَبَ» کے لیے فاعل چاہیے، اسی طرح «ضُرِبَ» کے لیے نائبِ فاعل چاہیے، تو جیسے

فعل کے لیے فاعل یا نائبِ فاعل چاہیے ہوتا ہے، اسی طرح جو صفت کے صیغے ہیں ان کے لیے بھی ہمیشہ فاعل یا نائبِ فاعل چاہیے۔ «ضَارِبٌ» کے لیے ہمیشہ کیا چاہیے؟ فاعل۔ «مَضْرُوبٌ» اسمِ مفعول کے لیے ہمیشہ کیا چاہیے؟ نائبُ الفاعل چاہیے۔ صفتِ مشبہ ہے «کَرِیمٌ»، اس کے لیے بھی کیا چاہیے؟ فاعل چاہیے۔ اسی طرح اسمِ تفضیل ہے «أَضْرَبُ»، اس کے لیے بھی کیا چاہیے؟ فاعل چاہیے۔ اور اسی طرح یاد رکھو مصدر بھی ہے، ضرب، ضرب دیکھو مصدر ہے، اور اس ضرب کا وجود نہیں ہو سکتا جب تک کوئی ضرب لگانے والا نہ ہو، تو مصدر کے لیے بھی ہمیشہ فاعل یا نائبِ فاعل ضرور چاہیے ہوتا ہے۔ لیکن فرق یہ ہے، توجہ سے سنو، فرق یہ ہے: صفت کے صیغوں کے لیے فاعل یا نائبِ فاعل کا ذکر ضروری ہے۔ جیسے فعل میں تھا، آپ نے «ضَرَبَ» یا «ضُرِبَ» ذکر کیا ہے، تو آگے فاعل یا نائبِ فاعل کو ضرور ذکر کرنا پڑے گا، وہ آگے اسمِ ظاہر ہو گا یا انہی کے اندر ضمیر ہو گی، ایسا کبھی نہیں ہو سکتا فعل آجائے اور آگے فاعل یا نائبِ فاعل نہ آئے، وہ آگے اسمِ ظاہر بھی ہو سکتا ہے اور اسی کے اندر ضمیر بھی۔ اسی طرح یہ جو صفت کے صیغے ہیں ان کے لیے بھی ہمیشہ فاعل یا نائبِ فاعل ضرور چاہیے، اور وہ فاعل یا نائبِ فاعل بھی ذکر ہونا ضروری ہے، وہ اسمِ ظاہر بھی ہو سکتا ہے اور انہی کے اندر ضمیر بھی ہو سکتی ہے، ضمیر بھی۔ اور مصدر جو ہے اس کے لیے بھی ہمیشہ فاعل یا نائبِ فاعل ضرور چاہیے، لیکن مصدر کے فاعل یا نائبِ فاعل کا ذکر ہونا ضروری نہیں بھئی۔ فعل کے لیے اور صفت کے صیغوں کے لیے فاعل یا نائبِ فاعل کا ذکر ضروری، اور مصدر کے لیے فاعل یا نائبِ فاعل چاہیے تو، لیکن اس کا ذکر ضروری نہیں، آپ چاہیں تو ذکر کریں، آپ چاہیں تو ذکر نہ کریں۔ اور نیز مصدر کے اندر جب فاعل یا نائبِ فاعل کو عموماً ذکر کرتے ہیں تو مصدر کی اس کی طرف پھر اضافت کر دی جاتی ہے عام طور پر۔

بات سمجھ میں آگئی۔ مثلاً ضرب ہے، یہ ضرب کس نے لگائی؟ زید نے، تو «ضَرْبٌ زَيْدٌ»۔ یہ «زَيْدٌ» کو رفع کس نے دیا؟ ضرب نے۔ مثلاً میں کہتا ہوں «أَعْجَبَنِي ضَرْبٌ زَيْدٌ»۔ «أَعْجَبَنِي» مجھے تعجب میں ڈالا، مجھے تعجب میں ڈالا، کس چیز نے؟ «ضَرْبٌ» یہ ہے فاعل، اور ضرب مصدر ہے اور مصدر کے لیے بھی کیا چاہیے؟ فاعل۔ توجہ ہے؟ «أَعْجَبَنِي ضَرْبٌ زَيْدٌ»، «أَعْجَبَنِي» کے لیے آگے «ضَرْبٌ» فاعل بن رہا ہے، اور پھر «ضَرْبٌ» خود مصدر ہے جو فاعل ہے، اس کے لیے بھی پھر آگے فاعل چاہیے، تو آگے وہ «زَيْدٌ» جو ہے وہ فاعل ہے «ضَرْبٌ» کے لیے۔ تو «أَعْجَبَنِي ضَرْبٌ زَيْدٌ»، یہ «ضَرْبٌ» کو رفع کس نے دیا؟ «أَعْجَبَنِي» نے، اور «زَيْدٌ» کو رفع کس نے دیا؟ «ضَرْبٌ» مصدر نے۔ لیکن یہ جو آگے مصدر کا فاعل ہوتا ہے یا نائبِ فاعل، عموماً مصدر کی اس کی طرف اضافت کر دیتے ہیں اور یوں کہتے ہیں: «أَعْجَبَنِي ضَرْبُ زَيْدٍ»، «أَعْجَبَنِي ضَرْبُ زَيْدٍ»۔ جی، بات سمجھ میں آرہی ہے۔

تو یہ چیزیں ہیں فعل کے مشابہ، یہ سب کیا ہیں؟ یوں کہیں، یہ فعل کے مشابہ ہیں یا یوں کہیں یہ جملے کے مشابہ ہیں۔ بھئی فعل جو ہے نا اپنے فاعل یا نائبِ فاعل سے مل کر جملہ بنتا ہے، جب کہ یہ صفت کے صیغے اپنے فاعل یا نائبِ فاعل سے مل کر جملہ نہیں بنتے بلکہ شبہِ جملہ بنتے ہیں۔ دیکھو «ضَرَبَ»، «ضَرَبَ» اس کے اندر «هُوَ» ضمیر، «ضَرَبَ» فعل اپنے فاعل سے مل کر

جملہ بنے گا جملہ فعلیہ، اور «ضَارِبٌ» اسمِ فاعل ہے اس کے اندر بھی «هُوَ» ضمیر ہے، لیکن یہ شبہِ جملہ، کیونکہ «ضَارِبٌ» مفرد ہے یہ تو جملہ نہیں، تو اس کو شبہِ جملہ کہتے ہیں۔ «مَضْرُوبٌ» کے اندر «هُوَ» ضمیر نائبِ فاعل لیکن یہ شبہِ جملہ ہے۔ بات سمجھ میں آگئی۔

تو کہتے ہیں: دوسری قسم جو ہے وہ ابہام کو دور کرتی ہے اس نسبت سے «فِي جُمْلَةٍ» جو جملے کے اندر پائی جائے «أَوْ مَا ضَاهَاهَا»۔ یہ «مَا ضَاهَاهَا» کا عطف ہے «جُمْلَةٍ» پر: «فِي جُمْلَةٍ أَوْ فِي مَا ضَاهَاهَا»۔ «مَا ضَاهَاهَا» کا کیا معنیٰ؟ «مَا ضَاهٰى» جو مشابہ ہے، کس کے مشابہ ہے؟ آگے «هَا» ضمیر آرہی ہے یہ پیچھے جملے کو راجع ہے، وہ جو جملے کے مشابہ ہے۔ دوسری قسم تمیز کی ابہام کو دور کرتی ہے اس نسبت سے جو کس میں پائی جائے؟ «فِي جُمْلَةٍ» جملے میں پائی جائے، «أَوْ فِي مَا ضَاهَاهَا» یا وہ جو جملے کے مشابہ ہے اس کے اندر جو ہے، اس سے ابہام کو دور کرتی ہے۔

اسی طرح آگے دیکھیے بھئی ایک صفحے کے بعد آرہا ہے: «أَوْ فِي إِضَافَةٍ»۔ وہ نسبت جو جملے میں پائی جائے، «أَوْ فِي مَا ضَاهَاهَا» یا وہ نسبت کس میں پائی جائے؟ شبہِ جملہ کے اندر، «أَوْ فِي إِضَافَةٍ» یا وہ نسبت جو کس میں پائی جائے؟ اضافت کے اندر پائی جائے۔ میں نے ابھی آپ کو بتلایا کہ مصدر جو ہے اس کے بعد فاعل یا نائبِ فاعل ذکر ہوتا ہے اور مصدر کی عموماً اس کی طرف اضافت کر دیتے ہیں۔ تو یہ جو مصدر کی اضافت ہو رہی ہے اپنے فاعل یا نائبِ فاعل کی طرف، ان میں بھی نسبت موجود ہے۔ میں نے کیا جملہ ابھی بولا؟ «أَعْجَبَنِي ضَرْبُ زَيْدٍ»، «أَعْجَبَنِي ضَرْبُ زَيْدٍ»۔ اب یہ «زَيْدٍ» اس وقت مضاف الیہ ہے، مجرور ہے، لیکن معنیٰ کے اعتبار سے یہ ضرب کا فاعل ہے بھئی۔ توجہ ہے؟ معلوم ہوا ضرب کی اس کی طرف اسناد ہو رہا ہے۔ تو یہ جو «ضَرْبُ زَيْدٍ»، یہ جو مضاف مضاف الیہ کے درمیان نسبت پائی جا رہی ہے، اس میں بھی بعض اوقات ابہام ہوتا ہے تو آگے آنے والی تمیز کیا کرتی ہے؟ ابہام کو دور کر دیتی ہے۔ بات سمجھ میں آئی؟

کیا بات ہوئی؟ تمیز کی دوسری قسم ابہام کو دور کرتی ہے کس سے؟ نسبت سے۔ وہ نسبت کبھی کس میں ہو گی؟ جملے میں ہو گی: «ضَرَبَ زَيْدٌ» یہ «ضَرَبَ» کا اسناد کس کی طرف ہے؟ زید کی طرف، اس نسبت میں کبھی ابہام آئے گا جیسے «طَابَ زَيْدٌ» میں آیا۔ اور کبھی کبھار شبہِ جملہ کے اندر جو اسناد ہو گا، اس کے اندر جو ہے ابہام آئے گا، جیسے «ضَارِبٌ»، «ضَارِبٌ» کا اسناد کس کی طرف ہے؟ «هُوَ» ضمیر اس کے اندر جو چھپی ہوئی ہے، تو یہ جو «ضَارِبٌ» کا اسناد «هُوَ» ضمیر کی طرف ہو رہا ہے، اس کے اندر جو ہے ابہام ہو گا اور یہ نسبت جملے میں ہے یا شبہِ...

جملے میں ہے، یہ شبہِ جملہ میں ہے، تو اس کے اندر کبھی ابہام ہو گا، آگے آنے والی تمیز اس ابہام کو دور کرے گی۔ اور کبھی کبھار وہ جو مضاف کی اضافت ہو رہی ہے مضاف الیہ کی طرف، تو یہ جو درمیان میں ان کے نسبت پائی جا رہی ہے، اس نسبت میں ابہام ہو گا: «أَعْجَبَنِي ضَرْبُ زَيْدٍ»۔ توجہ ہے؟ «أَعْجَبَنِي ضَرْبُ زَيْدٍ»، «ضَرْبُ» مضاف «زَيْدٍ» مضاف

الیہ، تو مضاف اور مضاف الیہ کے درمیان نسبت ہے اس نسبت میں ابہام۔ لیکن ہر مضاف مضاف الیہ نہیں مراد، یہ مضاف مصدر ہونا چاہیے، کیا؟ مصدر ہونا چاہیے، اور اس کی آگے اضافت اپنے فاعل یا نائبِ فاعل کی طرف ہونی چاہیے۔ «ضَرْبُ زَيْدٍ» زید کا پٹائی کرنا، معلوم ہوا پٹائی کرنے والا کون ہے؟ زید ہے۔ تو یہ جو ضرب، اس کی اضافت ہو رہی ہے زید کی طرف، اس کے اندر کبھی ابہام ہو گا تو آگے آنے والی تمیز اس ابہام کو دور کرے گی۔

حاصل یہ، حاصل یہ، حاصل یہ کہ یہ جو اسناد ہو رہا ہے، فعل کا فاعل کی طرف، یا شبہِ فعل کا فاعل کی طرف، یا مصدر کا اپنے فاعل کی طرف یعنی وہی مضاف الیہ، تو تینوں میں دیکھو اسناد کس کی طرف ہو رہا ہے؟ فاعل کی طرف، چاہے جملے والا اسناد ہو، چاہے شبہِ جملے والا اسناد ہو، چاہے اضافت والا، اس میں کبھی ابہام ہوتا ہے تو آگے آنے والی تمیز اس ابہام کو دور کر دیتی ہے۔ بات سمجھ میں آگئی۔

پھر ایک دفعہ ترجمہ دیکھ لیجیے، کہتے ہیں: «وَالثَّانِي عَنْ نِسْبَةٍ فِي جُمْلَةٍ» اور تمیز کی دوسری قسم ابہام کو دور کرتی ہے اس نسبت سے «فِي جُمْلَةٍ» جو کس میں پائی جائے؟ جملے میں، «أَوْ مَا ضَاهَاهَا» یا وہ نسبت جو شبہِ جملہ کے اندر پائی جائے، «أَوْ فِي إِضَافَةٍ» یا وہ نسبت جو اضافت میں پائی جائے اس کے اندر جو ابہام ہوتا ہے اس کو تمیز دور کر دیتی ہے۔ یہ ہے تمیز کی قسمِ ثانی۔ تمیز کی قسمِ اول کس سے ابہام کو دور کرتی تھی؟ مفرد سے۔ توجہ ہے؟ تمیز کی پہلی قسم مفرد سے ابہام کو دور کرتی تھی اور وہ مفرد مقدار بھی ہو سکتا ہے اور غیرِ مقدار بھی۔ اور تمیز کی دوسری قسم نسبت سے ابہام کو دور کرتی ہے، اور وہ نسبت جملے میں بھی ہو سکتی ہے، شبہِ جملہ میں بھی اور اضافت کے اندر بھی۔ بات سمجھ میں آگئی۔

اب اس سارے کو شرح کے ساتھ دیکھیے بھئی۔ کہتے ہیں: «وَالثَّانِي أَيِ الْقِسْمُ الثَّانِي مِنَ التَّمْيِيزِ»، دوسری قسم جو ہے تمیز کی، «وَهُوَ مَا يَرْفَعُ الْإِبْهَامَ عَنْ ذَاتٍ مُقَدَّرَةٍ»، بھئی پہلے آیا تھا، جہاں تمیز کی تعریف ذکر کی تھی صاحبِ کافیہ نے، کیا فرمایا تھا؟ کہ تمیز وہ چیز ہے جو ابہامِ مستقر کو دور کرے ذاتِ مذکورہ سے یا ذاتِ مقدرہ سے۔ اب اس دوسری قسم کی تفصیل کر رہے ہیں۔ کہتے ہیں: «وَالثَّانِي» اور دوسری قسم جو ہے «أَيِ الْقِسْمُ الثَّانِي مِنَ التَّمْيِيزِ» یعنی تمیز کی جو دوسری قسم ہے، «وَهُوَ مَا يَرْفَعُ الْإِبْهَامَ عَنْ ذَاتٍ مُقَدَّرَةٍ» وہ جو ابہام کو دور کرتی ہے ذاتِ مقدرہ سے، وہ جو دوسری قسم ہے تمیز کی جو کس سے ابہام کو دور کرتی ہے؟ ذاتِ مقدرہ سے، «يَرْفَعُهُ عَنْ نِسْبَةٍ»۔ یہ «يَرْفَعُهُ» نکالا یہاں صاحبِ جامی نے، کیا بتلانا چاہتے ہیں؟ کہ یہ «عَنْ نِسْبَةٍ» جار مجرور ہے اور یہ جار مجرور یہ «يَرْفَعُهُ» سے متعلق ہو رہا ہے۔ دوسری قسم تمیز کی «يَرْفَعُهُ» ابہام کو دور کرتی ہے «عَنْ نِسْبَةٍ» کس سے؟ نسبت سے۔

یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ اے صاحبِ کافیہ! آپ نے پیچھے اجمالاً ایک بات کی تھی، اب آگے آپ اسی کی تفصیل کرنا چاہتے ہیں، لیکن اجمال اور تفصیل ایک دوسرے کے موافق نہیں۔ اجمال میں کہا تھا کہ تمیز جو ہے ابہام کو دور کرتی

ہے کس سے؟ ذاتِ مقدرہ سے، کس سے؟ ذاتِ مقدرہ سے ابہام کو دور کرتی ہے، اور اب آگے کہہ رہے ہیں «وَالثَّانِي عَنْ نِسْبَةٍ»، یہاں ذاتِ مقدرہ نہیں کہا بلکہ کیا کہہ دیا؟ نسبت کہہ دیا۔ کہنا یوں چاہیے تھا: «وَالثَّانِي عَنْ ذَاتٍ مُقَدَّرَةٍ فِي نِسْبَةٍ»۔ پیچھے کیا ذکر ہوا تھا؟ تمییز یا تو ذاتِ مذکورہ سے ابہام کو دور کرے گی یا ذاتِ مقدرہ سے۔ تو اب آگے وہ دوسری قسم کو کہنا چاہیے تھا وہ قسم جو ذاتِ مقدرہ سے ابہام کو دور کرے، لیکن ذاتِ مقدرہ کہنے کے بجائے کیا کہہ دیا؟ «عَنْ نِسْبَةٍ» کہہ دیا۔ کہنا تو یوں چاہیے تھا کہ تمییز کی دوسری قسم وہ «ذَاتٍ مُقَدَّرَةٍ فِي نِسْبَةٍ» جو کس میں ہو؟ اس ذاتِ مقدرہ سے ابہام کو دور کرتی ہے، یوں کہنا چاہیے تھا تاکہ یہ جو تفصیل ہے وہ اس اجمال کے موافق ہو جاتی جو پہلے ذکر ہوا تھا۔ تو یہاں اجمال اور تفصیل میں بظاہر مطابقت معلوم نہیں ہو رہی۔ تو صاحبِ جامی اس کا بھی جواب دیں گے۔

تو کہتے ہیں: «كَانَ الظَّاهِرُ أَنْ يَقُولَ عَنْ ذَاتٍ مُقَدَّرَةٍ فِي نِسْبَةٍ فِي جُمْلَةٍ»۔ تو ظاہر یہی تھا کہ «أَنْ يَقُولَ» کہ صاحبِ کافیہ یوں فرماتے: «عَنْ ذَاتٍ مُقَدَّرَةٍ فِي نِسْبَةٍ فِي جُمْلَةٍ»، یوں کہنا چاہیے تھا۔ توجہ ہے؟ کیا کہنا چاہیے تھا؟ «عَنْ ذَاتٍ مُقَدَّرَةٍ فِي نِسْبَةٍ» کہنا چاہیے تھا، لیکن «ذَاتٍ مُقَدَّرَةٍ» کو صاحبِ کافیہ نے ذکر نہیں فرمایا۔ اس کی وجہ ذکر کریں گے۔ کہتے ہیں: دیکھیے کیا مثال انہوں نے ذکر کی تھی؟ «طَابَ زَيْدٌ نَفْسًا»۔ یہ «طَابَ زَيْدٌ نَفْسًا» یہ کلام کس درجے میں ہے؟ گویا آپ نے یوں کہا ہے: «طَابَ شَيْءٌ مَنْسُوبٌ إِلَى زَيْدٍ»، کہ ایک چیز اچھی ہے جو زید کی طرف منسوب ہے، جس کی نسبت زید کی طرف کی گئی ہے۔ اس شے کے اندر، یہ جو شے ہے یہ مقدر ہے، دیکھو لفظوں میں ذکر نہیں، لفظوں میں تو صرف یہ ذکر ہے: «طَابَ زَيْدٌ»، یہاں تو شے کا ذکر نہیں، تو یہ نسبت کے اندر جو شے مقدر ہے، اور اس کی ذات میں ابہام تھا کہ وہ چیز کیا ہے؟ تو آگے «نَفْسًا» نے آکر کیا کیا؟ اس ابہام کو دور کر دیا۔

اب دیکھو توجہ سے سنو بھئی۔ صاحبِ جامی آپ کو بتلائیں گے کہ یہ جو «شَيْءٌ» جو ہے، اس کے اندر ابہام ہے۔ توجہ ہے؟ پھر سنو: «طَابَ زَيْدٌ نَفْسًا» یہ کلام کس درجے میں ہے؟ گویا آپ نے کیا کہا ہے؟ «طَابَ شَيْءٌ مَنْسُوبٌ إِلَى زَيْدٍ»۔ یہ شے اس کی نسبت ہو رہی ہے زید کی طرف، تو شے اور زید کے درمیان نسبت پائی جا رہی ہے۔ شے کی نسبت ہے نا زید کی طرف، تو شے ہوئی، شے ہوئی منسوب جس کی نسبت کی گئی ہے، اور زید ہے منسوب الیہ جس کی طرف نسبت کی گئی ہے۔ تو شے کیا؟ منسوب، زید کیا؟ منسوب الیہ، اور ان دونوں کے درمیان کیا موجود؟ نسبت موجود ہے۔ تو صاحبِ جامی بتلائیں گے کہ اس شے میں جب ابہام ہے، تو یہ جو شے کی نسبت ہو رہی ہے زید کی طرف اس نسبت میں بھی ابہام آگیا۔ بھئی کس چیز کی نسبت کر رہے ہیں؟ چیز کا ہی نہیں پتا! توجہ ہے؟ تو جب چیز کا نہیں پتا، چیز کے اندر ابہام ہے، اس شے کے اندر ابہام ہے، تو اس نسبت میں بھی کیا ہے؟ ابہام ہے۔ اور جب اس نسبت سے ابہام دور ہو جائے گا، تو شے سے بھی ابہام دور ہو جائے گا۔ یوں کہو، یوں کہو: جب شے میں ابہام ہو گا تو نسبت میں بھی ابہام ہو گا، اور جب نسبت میں ابہام نہیں تو معلوم ہوا شے میں بھی ابہام نہیں ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ معلوم ہوا شے کے اندر ابہام تو نسبت میں بھی ابہام، نسبت

سے ابہام ختم تو شے سے بھی ابہام ختم۔ یہ اسی طرح جیسے یوں کہو: سورج ہے تو دن بھی ہے، اور اگر میں کہوں دن نہیں ہے، تو معلوم ہوا سورج بھی طلوع نہیں ہے اس وقت۔ یوں کہو سورج ہے ملزوم اور دن کا ہونا ہے لازم، تو جب ملزوم پایا جائے گا لازم ضرور ہو گا، اور جب لازم نہیں ہے تو معلوم ہوا ملزوم بھی نہیں ہے۔ یہاں پر بھی اسی طرح ہے کہ وہ شے کے اندر جو ابہام ہے وہ ہے ملزوم، اور جب شے میں ابہام ہو گا تو نسبت کے اندر بھی ابہام ہو گا، تو نسبت میں ابہام ہوا لازم۔ شے کے اندر ابہام ملزوم اور نسبت میں ابہام لازم۔ ملزوم ہو گا تو لازم ضرور، ملزوم بغیر لازم کے نہیں پایا جاتا، ملزوم جب بھی ہو گا لازم ضرور ہو گا۔ ذاتِ مقدرہ میں جب بھی ابہام ہو گا تو نسبت کے اندر ضرور ابہام ہو گا، اور جب لازم نہ پایا جائے تو معلوم ہوا ملزوم بھی نہیں ہے کیونکہ ملزوم ہوتا تو لازم تو ضرور پایا جاتا۔ تو ملزوم ہو گا تو لازم ضرور ہو گا، اور جب لازم نہیں ہے تو معلوم ہوا ملزوم بھی نہیں۔ جب نسبت میں ابہام نہیں ہے، نسبت سے ابہام ختم ہو گیا ہے، معلوم ہوا ملزوم سے بھی ابہام ختم ہو گیا ہے۔ تو بات ایک ہی ہے: چاہے «عَنْ نِسْبَةٍ» کہہ دیا جائے، چاہے «عَنْ ذَاتٍ مُقَدَّرَةٍ فِي النِّسْبَةِ» کہہ دیا جائے، ایک ہی بات ہے، کیونکہ دونوں ایک دوسرے کے ساتھ لازم و ملزوم ہیں بھئی۔

دیکھیے بھئی کتاب پر، تو کہتے ہیں: «كَانَ الظَّاهِرُ أَنْ يَقُولَ عَنْ ذَاتٍ مُقَدَّرَةٍ فِي نِسْبَةٍ فِي جُمْلَةٍ»۔ ظاہر یہ تھا کہ صاحبِ کافیہ یوں فرماتے: «عَنْ ذَاتٍ مُقَدَّرَةٍ فِي نِسْبَةٍ فِي جُمْلَةٍ»، یوں کہنا چاہیے تھا، «لٰكِنْ لَمَّا كَانَ الْإِبْهَامُ فِي طَرَفِ النِّسْبَةِ» لیکن جب ابہام جو ہے وہ طرفِ نسبت میں «يَسْتَلْزِمُ الْإِبْهَامَ فِيهَا» وہ مستلزم ہے ابہام کو «فِيهَا» اس نسبت میں، «فِيهَا» کی «هَا» ضمیر راجع ہے نسبت کو۔ توجہ ہے؟ ادھر دیکھیے، ادھر دیکھیے: «طَابَ زَيْدٌ نَفْسًا» یہ کلام کس درجے میں ہے؟ «طَابَ شَيْءٌ مَنْسُوبٌ إِلَى زَيْدٍ»۔ تو دیکھو شے ہوئی منسوب، اور زید کیا ہوا؟ منسوب الیہ، اور دونوں کے درمیان کیا موجود ہے؟ نسبت۔ تو گویا اس نسبت کی ایک طرف ہے شے، اور اس نسبت کی دوسری طرف کیا ہے؟ زید ہے۔ تو نسبت کی ایک طرف میں ابہام آئے گا تو نسبت میں بھی کیا آجائے گا؟ ابہام۔ تو ایک طرف میں ابہام وہ مستلزم ہے کس چیز کو؟ نسبت میں ابہام کو، یا یوں کہو کہ ایک طرف کے اندر ابہام ہے وہ ہے ملزوم، اور اس کے ساتھ لازم ہے کیا کہ نسبت میں بھی ابہام آئے گا۔ توجہ ہے؟ کیا کس کے درمیان نسبت ہے؟ شے اور زید کے درمیان، شے کیا ہے؟ منسوب، اور زید کیا ہے؟ منسوب الیہ، اور دونوں میں نسبت، تو یہ دو طرفیں ہوئیں نسبت کی۔ تو نسبت کی ایک طرف میں ابہام آئے گا تو نسبت میں بھی ابہام آ جائے گا، اور نسبت سے ابہام دور ہو جائے گا تو اس طرف سے بھی ابہام دور ہو جائے گا۔ یہی بیان کر رہے ہیں، کہتے ہیں: «لٰكِنْ لَمَّا كَانَ الْإِبْهَامُ فِي طَرَفِ النِّسْبَةِ» لیکن جب نسبت کی طرف کے اندر جو ابہام ہے «يَسْتَلْزِمُ الْإِبْهَامَ فِيهَا» وہ مستلزم ہے اس ابہام کو «فِيهَا» جو نسبت میں ہو، نسبت کی طرف میں جو ابہام ہے وہ مستلزم ہے کس کو؟ «الْإِبْهَامَ فِيهَا»، کس کے اندر ابہام ہو گا؟ نسبت میں، نسبت کی طرف میں ابہام یہ مستلزم ہے نسبت میں ابہام کو، «وَرَفْعُهُ عَنْهَا» اور ابہام کو دور کر دینا «عَنْهَا» کس سے؟ نسبت سے، نسبت سے ابہام کو دور کر دینا «يَسْتَلْزِمُ الرَّفْعَ عَنْهُ» وہ مستلزم ہے کہ اس طرفِ

نسبت سے بھی ابہام کیا ہو جائے گا؟ دور ہو جائے گا۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو «قَالَ»، اسی لیے ماتن نے فرمایا «عَنْ نِسْبَةٍ»، «عَنْ نِسْبَةٍ» کہا «مُقْتَصِرًا عَلَيْهَا» اس پر اکتفا کرتے ہوئے۔

حاصلِ کلام کیا ہوا؟ کہ نسبت کی طرف میں ابہام ہوگا تو نسبت میں بھی ابہام ہوگا، اور نسبت سے ابہام دور ہو جائے گا تو طرف سے بھی ابہام دور ہو جائے گا، اس لیے «قَالَ عَنْ نِسْبَةٍ» ماتن نے کیا کہا؟ «عَنْ نِسْبَةٍ» کہا، «عَنْ ذَاتٍ مُقَدَّرَةٍ فِي نِسْبَةٍ» نہیں کہا، «مُقْتَصِرًا عَلَيْهَا» اس پر اکتفا کرتے ہوئے۔ اسی پر اکتفا کر لیا کیونکہ بات ایک ہی ہے۔ تو گویا چاہے «عَنْ نِسْبَةٍ» کہہ دیا جائے اور چاہے «عَنْ ذَاتٍ مُقَدَّرَةٍ فِي نِسْبَةٍ» کہہ دیا جائے، بات ایک ہی ہے۔

پھر سوال پیدا ہوتا ہے کہ بھئی جب ایک ہی بات ہے، تو بھی «عَنْ ذَاتٍ مُقَدَّرَةٍ» کہہ دیتے کہنے میں کیا حرج تھا؟ نہ اشکال ہوتا نہ جواب دینا پڑتا۔ توجہ ہے؟ آگے صاحبِ جامی بتلائیں گے کہ بھئی صاحبِ کافیہ نے یہاں «عَنْ ذَاتٍ مُقَدَّرَةٍ» نہیں کہا بلکہ «عَنْ نِسْبَةٍ» کہا، دراصل وہ اس بات پر متنبہ کرنا چاہتے ہیں کہ یہ جو تمییز کی دو قسمیں ہیں ان کے درمیان تقابل ہے ہی اسی نسبت کی وجہ سے۔ تمییز کی یہ جو دو قسمیں ہیں: ایک میں ابہام ذاتِ مذکورہ سے ابہام دور کیا جا رہا ہے، ایک میں ذاتِ مقدرہ سے ابہام کو دور کیا جا رہا ہے، ان کے درمیان جو تقابل اور مقابلہ آیا وہ آیا ہی اس نسبت کی وجہ سے ہے، کہ تمییز کی ایک قسم کے اندر نسبت کے اندر ابہام آجاتا ہے جب کہ تمییز کی دوسری قسم میں نسبت کے اندر ابہام نہیں ہوتا، نسبت کے اندر ابہام نہیں ہوتا، تو دونوں میں فرق ہی نسبت کا ہے۔ اس لیے خاص طور پر یہاں نسبت کے لفظ کو ذکر کیا، ذاتِ مقدرہ کو ذکر نہیں کیا۔

فرق سمجھ میں آرہا ہے؟ تو کہتے ہیں: «تَنْبِيهًا» جی یہ دوسری وجہ ذکر کر رہے ہیں، «تَنْبِيهًا» اس بات پر تنبیہ کرنے کے لیے۔ «قَالَ عَنْ نِسْبَةٍ مُقْتَصِرًا عَلَيْهَا» ماتن نے «عَنْ نِسْبَةٍ» کہا «مُقْتَصِرًا عَلَيْهَا» اسی پر اکتفا کرتے ہوئے، «تَنْبِيهًا» اور اس بات پر تنبیہ کرتے ہوئے «عَلَى أَنَّ مُقَابَلَةَ مَا فِي هٰذَا الْقِسْمِ» کہ وہ جو اس قسم کے اندر ہے اس کا مقابلہ «لِلْمُفْرَدِ الْمَذْكُورِ فِي الْقِسْمِ الْأَوَّلِ» وہ جو قسمِ اول کے اندر مفرد مذکور ہوا اس کے ساتھ ہے، «إِنَّمَا هِيَ بِمُجَرَّدِ النِّسْبَةِ لَا غَيْرُ» وہ صرف نسبت ہی کی وجہ سے ہے کسی اور چیز کی وجہ سے نہیں۔ ان دو قسموں کے اندر جو مقابلہ اور تقابل ہے وہ کس وجہ سے ہے؟ وہ نسبت ہی کی وجہ سے ہے کسی اور چیز کی وجہ سے نہیں، اس لیے یہاں صرف نسبت ہی کا وہ لفظ لے کر آئے۔ توجہ ہے؟ ادھر دیکھیے: یہ ہے تمییز کی پہلی قسم، یہ مفرد سے ابہام کو دور کرتی ہے؛ یہ ہے تمییز کی دوسری قسم، یہ ذاتِ مقدرہ سے ابہام کو دور کرتی ہے، اور ذاتِ مقدرہ سے ابہام جو ہے وہ دراصل نسبت سے ابہام کو دور کیا جاتا ہے۔ تو دونوں قسموں میں فرق کس چیز کا آیا؟ نسبت کا۔ ایک قسم کے اندر نسبت کے اندر ابہام ہے، دوسری کے اندر نسبت کے اندر ابہام نہیں ہے۔ فرق سمجھ میں آگیا؟

ترجمہ پھر دیکھ لیجیے، یہاں ذرا ترجمہ مشکل ہے: «تَنْبِيهًا» یہ «تَنْبِيهًا» یہ مفعول لہٗ ہے جو ماقبل کی علت بیان...

کرتا ہے کہ ماتن نے «عَنْ نِسْبَةٍ» کہا «مُقْتَصِرًا عَلَيْهَا» اس پر اکتفا کرتے ہوئے کس وجہ سے؟ کیونکہ پیچھے وجہ ذکر کر دی: کیونکہ طرف میں ابہام ہو گا تو نسبت میں بھی ابہام ہو گا، اور نسبت سے ابہام دور ہو جائے گا تو طرف سے بھی ابہام دور ہو جائے گا۔ اور نیز «تَنْبِيهًا» یہ «عَنْ نِسْبَةٍ» اس لیے کہا «تَنْبِيهًا» اس بات پر تنبیہ کرنے کے لیے کہ «عَلٰى أَنَّ مُقَابَلَةَ مَا فِي هٰذَا الْقِسْمِ» کہ وہ جو مقابلے میں ہے اس قسم کے اندر، وہ جو مقابلے میں ہے اس قسم کے اندر کس کے مقابلے میں ہے؟ «لِلْمُفْرَدِ الْمَذْكُورِ فِي الْقِسْمِ الْأَوَّلِ»، قسمِ اول کے اندر وہ جو مفرد مذکور تھا، یہ والی قسم اس قسم کے مقابل ہے کس چیز میں؟ «إِنَّمَا هِيَ بِمُجَرَّدِ النِّسْبَةِ لَا غَيْرُ»، وہ صرف محضِ نسبت کی وجہ سے ہے «لَا غَيْرُ» کسی اور وجہ سے نہیں، یعنی دونوں میں جو مقابلہ ہے، تقابل ہے وہ نسبت کی وجہ سے ہے۔ بات سمجھ میں آگئی۔ ایک میں نسبت میں ابہام ہو گا، ایک میں نسبت میں ابہام نہیں ہو گا بھئی۔

آگے دیکھیے: «فِي جُمْلَةٍ أَيْ نِسْبَةٍ كَائِنَةٍ فِي جُمْلَةٍ»۔ «فِي جُمْلَةٍ»، آگے کیا کہا صاحبِ جامی نے؟ «أَيْ نِسْبَةٍ كَائِنَةٍ فِي جُمْلَةٍ»۔ وہی بات جو میں بیان کر چکا، میں نے کیا بتلایا تھا؟ یہ «فِي جُمْلَةٍ» ترکیب میں کیا واقع ہو رہا ہے؟ یہ نسبت کی صفت ہے، اور نسبت کی صفت کیسے بنے گی؟ جار مجرور کے لیے متعلق نکالیں گے پھر صفت بنے گی۔ اس لیے کہا «أَيْ نِسْبَةٍ كَائِنَةٍ فِي جُمْلَةٍ»، «كَائِنَةٍ» کہہ لیں یا «ثَابِتَةٍ» کہہ لیں۔ تو «أَيْ نِسْبَةٍ كَائِنَةٍ فِي جُمْلَةٍ» بتلانا یہ چاہتے ہیں کہ یہ «فِي جُمْلَةٍ» صفت ہے نسبت کی۔ «أَيْ نِسْبَةٍ كَائِنَةٍ فِي جُمْلَةٍ» یعنی ایسی نسبت جو جملے کے اندر پائی جائے۔ «أَوْ مَا ضَاهَاهَا» جی، میں نے کیا بتلایا؟ «ضَاهٰى» کا کیا معنیٰ؟ یہ فعل ہے، مشابہت اس کا معنیٰ۔ «أَيْ مَا شَابَهَهَا»۔ دیکھا معنیٰ کر دیا اس کا: «ضَاهَاهَا» کا کیا معنیٰ؟ «مَا شَابَهَهَا»، جو اس جملے کے مشابہ ہو بھئی۔ «عَطْفٌ عَلٰى جُمْلَةٍ» یہ عطف ہے کس پر؟ جملہ پر۔ دیکھو پیچھے آیا تھا «فِي جُمْلَةٍ»، «فِي جُمْلَةٍ أَوْ فِي مَا ضَاهَاهَا»۔ تو کہتے ہیں «عَطْفٌ عَلٰى جُمْلَةٍ» یہ عطف ہے جملے پر۔

«وَهُوَ اسْمُ الْفَاعِلِ»۔ اب بھئی شبہِ جملہ کیا کیا چیزیں ہیں؟ وہ چیزیں جو جملے کے مشابہ ہیں وہ کیا کیا چیزیں ہیں؟ وہ بیان کرنے لگے ہیں۔ کہتے ہیں: «وَهُوَ اسْمُ الْفَاعِلِ» اور وہ اسمِ فاعل ہے، «نَحْوُ» مثال کے طور پر: «الْحَوْضُ مُمْتَلِئٌ مَاءً»۔ «اِمْتَلَأَ يَمْتَلِئُ» کے معنیٰ ہیں بھرنا۔ بھرنا۔ «مُمْتَلِئٌ» اسمِ فاعل ہے، بھرا ہوا۔ بھرا ہوا۔ «الْحَوْضُ مُمْتَلِئٌ» حوض جو ہے «مُمْتَلِئٌ» بھرا ہوا ہے «مَاءً» باعتبار پانی کے۔ یہ «مَاءً» تمیز ہے بھئی۔ یہ «مَاءً» تمیز ہے۔ کس سے تمیز ہے؟ یہ شبہِ جملہ کے اندر جو اسناد ہے۔ توجہ ہے؟ یہاں ترکیب غور سے سمجھ لیں بھئی۔ «الْحَوْضُ» یہ ہے مرفوع بتدا، «مُمْتَلِئٌ» مرفوع لفظاً یہ خبر ہے، اور یہ اسمِ فاعل ہے، اور اسمِ فاعل کے لیے کیا چاہیے؟ فاعل چاہیے، تو اس کے اندر «هُوَ» ضمیر ہے اور وہ «هُوَ» ضمیر راجع ہے پیچھے حوض کو، کیونکہ یہ «مُمْتَلِئٌ» خبر ہے اور خبر کو کس سے جوڑتے ہیں؟ بتدا سے جوڑتے ہیں، تو «مُمْتَلِئٌ» کا اسناد ہو رہا ہے «هُوَ» ضمیر کی طرف۔ اس اسناد کے اندر ابہام تھا، اور آگے «مَاءً» نے آکر اس ابہام کو دور کر دیا۔ اور دیکھو «مُمْتَلِئٌ» اسمِ فاعل ہے اس کے اندر «هُوَ» ضمیر اس کا فاعل، اور یہ اسمِ فاعل اپنے فاعل سے مل کر یہ

شبہِ جملہ بنے گا۔ یہ کیا بنے گا؟ شبہِ جملہ بن کر یہ خبر بنے گا حوض کے لیے۔ تو یہاں دو اسناد آ رہے ہیں: ایک «مُمْتَلِئٌ» کا اسناد ہے «هُوَ» کی طرف، اور پھر «مُمْتَلِئٌ» جب اپنے فاعل سے مل کر شبہِ جملہ بن جائے گا اب پھر اس کا اسناد ہو گا «الْحَوْضُ» کی طرف۔ تو دو اسناد آ گئے: ایک اسناد ہے جملے میں، ایک اسناد ہے شبہِ جملہ میں۔ شبہِ جملہ میں کون سا اسناد، کون سا والا؟ وہ جو «مُمْتَلِئٌ» کا «هُوَ» ضمیر کی طرف اسناد ہو رہا ہے، یہ اسناد ہے شبہِ جملہ میں۔ اور پھر جو «مُمْتَلِئٌ» کا اسناد ہو رہا ہے «الْحَوْضُ» کی طرف خبر بن رہا ہے، وہ کون سا اسناد ہے؟ جملے والا، مبتدا خبر مل کر جملہ بن جائیں گے نا۔ توجہ ہے؟ «مُمْتَلِئٌ» اپنے فاعل «هُوَ» سے مل کر یہ شبہِ جملہ بنے گا، تو اس شبہِ جملہ میں بھی ایک اسناد، اور پھر «مُمْتَلِئٌ» کا اسناد «الْحَوْضُ» کی طرف ہو گا تو یہ جملہ بنے گا، تو یہ جملے والا اسناد آ جائے گا۔ تو یہاں ابہام کس اسناد میں ہے؟ «مُمْتَلِئٌ» کے اندر جو «هُوَ» ضمیر کی طرف اسناد یعنی جو شبہِ جملہ میں اسناد ہے اس کے اندر ابہام تھا، اور «مَاءً» نے آ کر اس کو ابہام کو دور کر دیا۔ «الْحَوْضُ مُمْتَلِئٌ» وہ حوض بھرا ہوا ہے، بھئی کس چیز سے بھرا ہوا ہے؟ ابہام تھا، آگے «مَاءً» نے اس ابہام کو دور کر دیا۔ تو یہ «مَاءً» تمییز ہے جو ابہام کو دور کر رہی ہے اس اسناد سے، وہ اسناد جو کس میں ہے؟ شبہِ جملہ میں ہے بھئی۔

تو یہ شبہِ جملہ کی ایک مثال۔ «أَوِ اسْمُ الْمَفْعُولِ» یا وہ شبہِ جملہ کیا ہو گا؟ اسمِ مفعول ہو گا، «نَحْوُ الْأَرْضُ مُفَجَّرَةٌ عُيُونًا»۔ «فَجَّرَ يُفَجِّرُ تَفْجِيرًا» کا معنیٰ ہے بہا دینا، کسی چیز کو مثلاً آپ پانی وغیرہ زمین پر بہا دیتے ہیں تو یہ ہے تفجیر بھئی۔ تو «الْأَرْضُ مُفَجَّرَةٌ»، یہ «مُفَجَّرَةٌ» اسمِ مفعول ہے اور اسمِ مفعول کے لیے ہمیشہ کیا چاہیے؟ نائبُ الفاعل۔ تو یہاں پر بھی غور سے دیکھو: «الْأَرْضُ» یہ ہے مبتدا، «مُفَجَّرَةٌ» اسمِ مفعول ہے، اس کے اندر «هِيَ» ضمیر مرفوع محلاً اس کا نائبُ الفاعل ہے اور یہ ضمیر کس کو راجع؟ یہ «الْأَرْضُ» مبتدا کو راجع ہے کیونکہ یہ خبر ہے اور خبر کو مبتدا سے جوڑتے ہیں، اور «الْأَرْضُ» یہ مؤنثِ سماعی ہے اس لیے «مُفَجَّرَةٌ» یہ مؤنث لے کر آئے اسمِ مفعول بھئی۔ تو یہ «مُفَجَّرَةٌ» کا اسناد ہے «هِيَ» ضمیر جو اس کا نائبُ الفاعل ہے، اور یہ اس اسناد کے اندر ابہام تھا، آگے «عُيُونًا» نے آ کر اس ابہام کو دور کر دیا۔ «الْأَرْضُ مُفَجَّرَةٌ» زمین کو بہا دیا گیا ہے، «عُيُونًا» باعتبار چشموں کے۔ «عُيُونٌ» جمع ہے «عَيْنٌ» کی اور «عَيْنٌ» پانی کے چشمے کو بھی کہتے ہیں بھئی۔ تو زمین کو «الْأَرْضُ مُفَجَّرَةٌ» زمین کو بہا دیا گیا ہے، ابہام تھا کہ بھئی کس اعتبار سے بہا دیا گیا ہے؟ آگے «عُيُونًا» نے آ کر ابہام کو دور کر دیا کہ چشموں کے اعتبار سے بہا دیا گیا ہے، یعنی یوں کہو زمین پر چشمے بہا دیے گئے ہیں، زمین پر چشمے بہا دیے گئے ہیں۔ تو «عُيُونًا» یہ تمییز ہے، یہ ابہام کو دور کر رہی ہے نسبت سے۔ کون سی نسبت، جو کس کے درمیان ہے؟ جو «مُفَجَّرَةٌ» کی «هِيَ» ضمیر کی طرف اسناد ہے یعنی شبہِ جملہ میں جو اسناد ہے، اور پھر دوبارہ جب یہ «مُفَجَّرَةٌ» اپنے نائبُ الفاعل سے مل کر شبہِ جملہ بنے گا، پھر اس کا اسناد کس کی طرف ہو گا؟ «الْأَرْضُ» کی طرف، تو یہ جملے والا اسناد ہے۔ تو یہاں دو اسناد آ گئے: ایک اسناد شبہِ جملہ والا اور ایک جملے والا۔ ابہام کس میں ہے؟ شبہِ جملہ والے اسناد میں ابہام تھا، «عُيُونًا» نے آ کر اس ابہام کو دور کر دیا۔

«أَوِ الصِّفَةُ الْمُشَبَّهَةُ» یا وہ شبہِ جملہ جو ہے صفتِ مشبہ ہو گا، «نَحْوُ زَيْدٌ حَسَنٌ وَجْهًا»۔ «زَيْدٌ» ہے مبتدا، «حَسَنٌ» صفتِ مشبہ ہے اور صفتِ مشبہ کے لیے بھی فاعل چاہیے، تو اس کے اندر «هُوَ» ضمیر مرفوع محلاً اس کا فاعل جو کس کو راجع ہے؟ زید کو، کیونکہ یہ خبر ہے اور خبر کو کس سے جوڑتے ہیں؟ مبتدا سے۔ تو «حَسَنٌ» کا اسناد «هُوَ» ضمیر کی طرف ہے اور یہ اسناد شبہِ جملہ کے اندر پایا جا رہا ہے، پھر یہ «حَسَنٌ» اپنے فاعل سے مل کر شبہِ جملہ ہو کر یہ خبر بنے گا زید کے لیے اور یہ جملے والا اسناد ہے۔ اور یہاں ابہام کس کے اندر ہے؟ شبہِ جملہ کے اندر جو اسناد ہے اس میں ابہام ہے، اور آگے «وَجْهًا» نے آ کر اس ابہام کو دور کر دیا۔ بھئی دیکھیے: «زَيْدٌ حَسَنٌ» زید اچھا ہے، بھئی کس اعتبار سے اچھا ہے؟ اخلاق کے اعتبار سے، عادات کے اعتبار سے، پڑھنے کے اعتبار سے، علم کے اعتبار سے، کس اعتبار سے زید اچھا ہے؟ آگے «وَجْهًا» نے ابہام کو دور کر دیا کہ چہرے کے اعتبار سے اچھا ہے یعنی زید حسین ہے۔ معنیٰ سمجھ میں آ گیا۔ تو یہ «وَجْهًا» نے ابہام کو دور کیا اس نسبت سے جو شبہِ جملہ کے اندر ہے بھئی۔

«أَوِ اسْمُ التَّفْضِيلِ» یا وہ شبہِ جملہ اسمِ تفضیل ہو گا، جیسے «زَيْدٌ أَفْضَلُ أَبًا»۔ یہ «أَفْضَلُ» اسمِ تفضیل ہے اور اسمِ تفضیل کے لیے بھی کیا چاہیے؟ فاعل چاہیے، تو «أَفْضَلُ» کے اندر «هُوَ» ضمیر اور «أَفْضَلُ» کا اسناد ہے اس «هُوَ» ضمیر کی طرف، اور اس اسناد کے اندر ابہام تھا، آگے «أَبًا» نے آ کر اس ابہام کو دور کر دیا۔ اور یاد رکھو یہ «أَفْضَلُ» اسمِ تفضیل ہے اور اسمِ تفضیل کے استعمال کے تین طریقے ہیں: یا الف لام کے ساتھ ہو گا، یا اضافت کے ساتھ، یا «مِنْ» کے ساتھ۔ یہاں «أَفْضَلُ» الف لام بھی نہیں ہے، «مِنْ» بھی یہاں نہیں ہے، اور اضافت یہاں آگے کوئی مضاف الیہ بھی نہیں آ رہا، تو پھر یہ کون سا طریقہ ہے؟ جواب گزر چکا کہ یہاں یہاں «مِنْ» مقدر ہے جیسے «اَللّٰهُ أَكْبَرُ» اصل میں کیا ہے؟ «اَللّٰهُ أَكْبَرُ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ»، تو یہاں «مِنْ» کے ساتھ یہ استعمال ہو رہا ہے اور وہ مقدر ہے بھئی۔ تو «زَيْدٌ أَفْضَلُ» زید افضل ہے، افضل ہے، بھئی کس اعتبار سے زید افضل ہے؟ علم کے اعتبار سے افضل ہے، اپنی ذات کے اعتبار سے افضل ہے؟ آگے «أَبًا» نے آ کر ابہام دور کر دیا کہ زید افضل ہے باپ کے اعتبار سے، زید افضل ہے باپ کے اعتبار سے افضل ہے۔ اس کے دو معنیٰ ہو سکتے ہیں: یا تو معنیٰ یہ ہے کہ زید کا باپ اچھا ہے، زید افضل ہے باپ کے اعتبار سے یعنی زید کا باپ افضل ہے یعنی اس کے زید کے ساتھ اچھا سلوک کرتا ہے، خیال رکھتا ہے؛ یا زید خود باپ ہے، زید افضل ہے باپ ہونے کے اعتبار سے یعنی زید اپنے بچوں کا خیال رکھتا ہے۔ بات سمجھ میں آ گئی۔

آگے دیکھیے: «أَوِ الْمَصْدَرُ» یا وہ شبہِ جملہ مصدر ہو گا، «نَحْوُ» مثال کے طور پر: «أَعْجَبَنِي طِيبُهُ أَبًا»۔ «أَعْجَبَنِي» مجھے تعجب میں ڈالا «طِيبُهُ» اس کا اچھا ہونا «أَبًا» باعتبار باپ کے۔ «طِيبٌ» مصدر ہے، «طَابَ يَطِيبُ طِيبًا»، تو یہ مصدر ہے اور اس کی اضافت ہو رہی ہے «هُ» ضمیر کی طرف اور یہ اس کا فاعل ہے: اس کا اچھا ہونا، وہ اچھا کون ہے؟ وہ شخص ہے، تو «طِيبٌ» کی اضافت ہو رہی ہے اپنے فاعل کی طرف تو اس کے اندر ابہام تھا تو آگے «أَبًا» نے آ کر اس ابہام کو

دور کر دیا۔ توجہ ہے؟ یہاں دو نسبتیں ہیں: «أَعْجَبَنِي طِيبُهُ»، ایک «أَعْجَبَنِي» کا اسناد ہے «طِيبُهُ» فاعل کی طرف اس میں نہیں ابہام، بلکہ «طِيبُهُ»، «طِيبٌ» کے جو مضاف مضاف الیہ کے درمیان جو اسناد ہے اس کے اندر ابہام تھا، «أَبًا» نے آکر اس ابہام کو دور کر دیا۔ اس کا اچھا ہونا، «طِيبُهُ» اس کا اچھا ہونا، بھئی کس اعتبار سے اس کا اچھا ہونا ہے؟ باپ کے اعتبار سے، علم کے اعتبار سے، ذات کے اعتبار سے، کس اعتبار سے وہ اچھا ہے؟ تو «أَبًا» نے آکر اس ابہام کو دور کر دیا۔

اور یہاں ایک اور قیمتی بات بھی یاد رکھنا۔ ادھر دیکھیے: تمییز کی دوسری قسم ابہام کو دور کرتی ہے نسبت سے، وہ نسبت کبھی کس میں ہوگی؟ کبھی جملے میں، کبھی شبہِ جملہ میں، اور کبھی اضافت میں۔ اور یہ مثالیں کس کی ذکر ہو رہی ہیں؟ شبہِ جملہ کی مثالیں ذکر ہو رہی ہیں، اور شبہِ جملہ کے اندر «طِيبُهُ» مضاف مضاف الیہ تو اضافت کے درمیان نسبت بیان کر دی صاحبِ جامی نے۔ «طِيبُهُ» مضاف مضاف الیہ ہے نا؟ تو یہ مثال کس کی ذکر کر رہے ہیں؟ شبہِ جملہ کی، اور ذکر کس کو کر دیا؟ اضافت کو ذکر کر دیا، تو یہ تو مثال جو ہے ممثل لہٗ کے مطابق نہیں۔ تو جواب یاد رکھنا کہ یہاں «طِيبُهُ» کی جو اضافت ہے «هُ» ضمیر کی طرف اس میں دو حیثیتیں ہیں: ایک لفظی حیثیت ہے، لفظوں کے اعتبار سے «طِيبٌ» مضاف «هُ» ضمیر مضاف الیہ، تو لفظوں کے اعتبار سے دیکھا جائے تو اضافت کے اندر ابہام ہے؛ اور معنیٰ کے اعتبار سے دیکھا جائے تو «طِيبٌ» مصدر ہے اور «هُ» ضمیر اس کا فاعل ہے اور مصدر کا اسناد ہو اپنے فاعل کی طرف اس میں کیا ہے؟ ابہام۔ تو یہ دونوں کی مثال بن سکتا ہے۔ تو صاحبِ جامی لائے ہی یہ بتلانے کے لیے ہیں کہ یہ جو اضافت کے اندر اسناد ہے اس کے اندر دو حیثیتیں ملحوظ ہو سکتی ہیں۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو «أَعْجَبَنِي طِيبُهُ أَبًا» کہ مجھے تعجب میں ڈالا اس کے اچھا ہونے نے باعتبار باپ کے۔

«وَكَذَا كُلُّ مَا فِيهِ مَعْنَى الْفِعْلِ» اور اسی طرح ہر وہ چیز جس کے اندر فعل والا معنیٰ ہو، ہر وہ چیز جس میں فعل والا معنیٰ ہو، «نَحْوُ حَسْبُكَ زَيْدٌ رَجُلًا»، جیسے «حَسْبُكَ» کافی ہے آپ...

کے لیے «زَيْدٌ» زید «رَجُلًا» باعتبار مرد کے۔ آپ کے لیے زید کافی ہے باعتبار مرد کے، یعنی زید جیسا بہادر آدمی آپ کا دوست ہے، آپ کو کسی سے ڈرنے کی ضرورت نہیں۔ تو «حَسْبُكَ زَيْدٌ رَجُلًا»۔ اب دیکھو مثالیں ذکر کر رہے ہیں شبہِ جملہ کی، اور یہاں پر «حَسْبُكَ زَيْدٌ رَجُلًا» کہتے ہیں اس کے اندر فعل والا معنیٰ پایا جا رہا ہے۔ «حَسْبُكَ» بمعنیٰ ہے «يَكْفِيكَ»۔ «كَفَى يَكْفِي» کا معنیٰ کافی ہونا۔ «يَكْفِيكَ» کافی ہے آپ کے لیے «زَيْدٌ» زید «رَجُلًا» باعتبار مرد کے۔

اب ادھر دیکھیے مجھے بتائیے: «يَكْفِيكَ زَيْدٌ رَجُلًا»، کس کے اندر ابہام ہے؟ «يَكْفِيكَ زَيْدٌ رَجُلًا»، کون سی نسبت میں ابہام ہے؟ «يَكْفِي» کی نسبت ہو رہی ہے کس کی طرف؟ زید کی طرف۔ توجہ ہے؟ تو یہاں «يَكْفِي» فعل کی نسبت جو زید کی طرف ہو رہی ہے کہ زید کافی ہے، بھئی کس اعتبار سے زید کافی ہے؟ «رَجُلًا» باعتبار مرد کے، یعنی وہ بہادر آدمی آپ کا دوست ہے کسی سے آپ کو ڈرنے کی ضرورت نہیں۔ تو یہ جو «يَكْفِي» کی نسبت ہے کاف کی طرف نہ کہنا، کاف تو مفعول بہ

ہے بھئی، مفعول بہ ہے بلکہ یہاں نسبت کس کی طرف ہے؟ زید یعنی فاعل کی طرف۔ تو یہاں لفظوں میں تو فعل نہیں لیکن معنیٰ کے اعتبار سے فعل ہے بھئی، اور اس نسبت کے اندر ابہام تھا، اس سے آگے «رَجُلًا» نے ابہام کو دور کر دیا۔

تو کہتے ہیں: «وَكَذَا كُلُّ مَا فِيهِ مَعْنَى الْفِعْلِ» اور اسی طرح ہر وہ چیز جس کے اندر فعل والا معنیٰ ہو وہ بھی یعنی شبہِ فعل کی مثال ہے، «نَحْوُ حَسْبُكَ زَيْدٌ رَجُلًا» کافی ہے آپ کے لیے زید باعتبار مرد کے۔ بات سمجھ میں آگئی۔

حاصلِ کلام کیا ہوا؟ کہ وہ نسبت کبھی جملہ میں ہوگی اور کبھی شبہِ جملہ میں، جس کے اندر ابہام ہے اور آگے تمیز آکر اس ابہام کو دور کرے گی۔ اور شبہِ جملہ سے کیا مراد ہے؟ اسمِ فاعل ہے، اسمِ مفعول ہے، صفتِ مشبہ ہے، اسمِ تفضیل ہے، مصدر ہے، اور اسی طرح ہر وہ چیز جس کے اندر فعل والا معنیٰ پایا جائے۔

آگے دیکھیے بھئی پہلے متن متن: «نَحْوُ طَابَ زَيْدٌ نَفْسًا وَزَيْدٌ طَيِّبٌ أَبًا وَأُبُوَّةً وَدَارًا وَعِلْمًا أَوْ فِي إِضَافَةٍ مِثْلُ يُعْجِبُنِي طِيبُهُ أَبًا وَأُبُوَّةً وَدَارًا وَعِلْمًا وَلِلّٰهِ دَرُّهُ فَارِسًا»۔ یہ سارا متن مل گیا بھئی؟ اچھا دیکھیے بھئی اب اس سارے متن کو۔

کہتے ہیں: «نَحْوُ طَابَ زَيْدٌ نَفْسًا» زید اچھا ہے «نَفْسًا» باعتبار ذات کے یعنی زید اپنی ذات کے اعتبار سے اچھا ہے۔ تو یہاں ابہام تھا نسبت کے اندر اور یہ کون سی نسبت ہے؟ جملے کے اندر ہے۔ «طَابَ» فعل ہے اور «زَيْدٌ» فاعل ہے اور یہ جملہ ہے، اور جملے کے اندر جو نسبت تھی اس میں ابہام تھا «نَفْسًا» نے آکر اس ابہام کو دور کر دیا۔ «وَزَيْدٌ طَيِّبٌ أَبًا» یہ مثال ہے شبہِ جملہ کی۔ «طَيِّبٌ» صفتِ مشبہ ہے اور اس کے اندر «هُوَ» ضمیر فاعل ہے، تو «طَيِّبٌ» کا اسناد اس «هُوَ» ضمیر کی طرف ہے اور اس میں ابہام تھا، آگے «أَبًا» نے آکر اس ابہام کو دور کر دیا۔ «زَيْدٌ طَيِّبٌ» زید اچھا ہے باپ کے اعتبار سے، اس کے بھی وہی دو ترجمے ہو سکتے ہیں: یا تو معنیٰ یہ ہے، معنیٰ یہ ہے «زَيْدٌ طَيِّبٌ أَبًا» زید اچھا ہے باپ کے اعتبار سے یعنی زید کا باپ اچھا ہے، زید کے ساتھ اچھا سلوک کرتا ہے، اس کا خیال رکھتا ہے؛ یا معنیٰ یہ ہے کہ زید خود باپ ہے، باپ ہونے کے اعتبار سے وہ اچھا ہے، اپنے بچوں کا خیال رکھتا ہے۔ تو کہتے ہیں «زَيْدٌ طَيِّبٌ أَبًا» زید اچھا ہے باپ کے اعتبار سے۔

«وَأُبُوَّةً وَدَارًا وَعِلْمًا»۔ اچھا بھئی۔ بھئی دیکھیے یہاں صاحبِ کافیہ بہت ساری مثالیں لے کر آئے ہیں۔ دیکھو یہاں تمیز «نَفْسًا» بھی آرہی ہے، یہاں تمیز «أَبًا» بھی آرہی ہے، اسی طرح آگے تمیز ہے «أُبُوَّةً»، ابوت یہ مصدر ہے، معنیٰ ہے باپ ہونا، «وَدَارًا» دار گھر کو کہتے ہیں یہ بھی تمیز ہے، «عِلْمًا» یہ علم یہ بھی مصدر ہے بھئی۔ تو کتنی تمیزیں آگئیں؟ «نَفْسًا»، «أَبًا»، «أُبُوَّةً»، «دَارًا»، «عِلْمًا»۔ پانچ قسم کی تمیزیں لے آئے، اور ان پانچ میں سے ہر ایک کو «طَابَ زَيْدٌ» کے ساتھ بھی جوڑو اور «زَيْدٌ طَيِّبٌ» کے ساتھ بھی جوڑو۔ تو کیا بن گیا؟ «طَابَ زَيْدٌ نَفْسًا»، «طَابَ زَيْدٌ أَبًا»، «طَابَ زَيْدٌ أُبُوَّةً»، «طَابَ زَيْدٌ دَارًا»، «طَابَ زَيْدٌ عِلْمًا»۔ اور اسی طرح «زَيْدٌ طَيِّبٌ نَفْسًا»، «زَيْدٌ طَيِّبٌ أَبًا»، «زَيْدٌ طَيِّبٌ أُبُوَّةً»، «زَيْدٌ طَيِّبٌ دَارًا»، اور «زَيْدٌ طَيِّبٌ عِلْمًا»۔ تو یہ پانچ اور پانچ دس مثالیں ہو گئیں۔ اور اسی طرح آگے آرہا ہے «أَوْ فِي إِضَافَةٍ»، اس کی بھی اسی طرح

مثالیں ہیں: «يُعْجِبُنِي طِيبُهُ أَبًا وَأُبُوَّةً وَدَارًا وَعِلْمًا»۔ اور اسی طرح آگے آرہا ہے «وَلِلّٰهِ دَرُّهُ فَارِسًا»۔ تو یہ صاحبِ کافیہ پندرہ سولہ مثالیں انہوں نے ذکر کردیں۔ حالانکہ صاحبِ کافیہ کے پاس تو الفاظ کم ہوتے ہیں، ان کی کوشش ہوتی ہے کم سے کم لفظوں میں لمبی سے لمبی بات کر جائیں، وہ صرف اشارہ کرتے ہوئے نکل جاتے ہیں باقی ساری تقریر استاد کو کرنا پڑتی ہے۔ تو پھر یہاں صاحبِ کافیہ اتنی ساری مثالیں کیوں لائے؟ کیا وجہ ہے؟ پندرہ سولہ مثالیں انہوں نے ذکر کردیں۔

تو وجہ یہ کہ دراصل صاحبِ کافیہ تمیز کی مختلف اقسام آپ کو بتلانا چاہتے ہیں۔ تمیز کی مختلف اقسام اور انواع آپ کو بتلانا چاہتے ہیں کہ تمیز کبھی عین ہوگی اور کبھی عرض ہوگی۔ اسی طرح کبھی تمیز اضافی ہوگی، کبھی غیرِ اضافی ہوگی۔ اسی طرح کبھی تمیز جو ہے منتصب عنہ سے ہوگی، کبھی متعلقِ منتصب عنہ سے اور کبھی دونوں سے ہونے کا احتمال ہوگا۔ تو مختلف انواع کی طرف اشارہ کرنا چاہتے ہیں۔

تفصیل یاد رکھو۔ تفصیل یہ کہ چیزیں دو قسم پر ہیں: کچھ وہ ہیں جن کا اپنا الگ وجود ہے، جسے آپ منطق میں جوہر کہتے ہیں؛ اور کچھ وہ چیزیں ہیں جن کا اپنا الگ وجود نہیں خارج میں، وہ غیر کی محتاج ہیں، وہ غیر ہے تو ان کا وجود ہے وہ غیر نہیں تو ان کا وجود بھی نہیں، اور اس کو عرض کہتے ہیں۔ تو چیزیں کتنی قسم پر؟ دو: ایک جوہر اور ایک عرض۔ جوہر جیسے دیکھو درخت، درخت کا اپنا ایک الگ وجود ہے؛ پہاڑ، پہاڑ کا اپنا ایک الگ وجود ہے؛ یہ کتاب ہے، کتاب کا اپنا ایک الگ وجود ہے؛ زید ہے، زید کا اپنا ایک الگ وجود ہے؛ عمرو ہے، عمرو کا اپنا ایک الگ وجود۔ تو یہ سب جوہر ہیں، یا یوں کہو یہ عین ہیں۔ یہ کیا ہیں؟ عین، جس چیز کا اپنا الگ وجود ہے وہ ہے عین۔ عین، یا، نون، «عَيْنٌ»۔

اور کچھ چیزیں وہ ہیں جن کا اپنا الگ وجود نہیں ہوتا، وہ غیر کی صفت بنتی ہیں، ان کے لیے وہ غیر چاہیے، وہ غیر ہے تو ان کا وجود ہے، وہ غیر نہیں تو ان کا وجود بھی نہیں۔ جیسے سخاوت۔ مثلاً سخاوت زید کی صفت ہے: زید ہے تو زید کی سخاوت بھی ہے، زید نہیں تو زید کی سخاوت بھی نہیں ہے۔ یا جیسے شجاعت، بہادری بھئی: زید ہے تو زید کی بہادری بھی ہے، زید نہیں تو زید کی بہادری بھی نہیں ہے۔ بہادری کا اپنا الگ کوئی وجود نہیں، سخاوت کا اپنا الگ کوئی وجود نہیں، یہ ہمیشہ صفت ہوتی ہیں اور ان کے لیے موصوف چاہیے، موصوف ہے تو ان کے وجود بھی ہے موصوف نہیں تو ان کا وجود بھی نہیں۔ اسی طرح یہ چیزوں کے جو رنگ ہمیں نظر آتے ہیں، یاد رکھو یہ رنگ یہ بھی صفت ہیں، یہ چیزیں ہیں تو یہ رنگ بھی ہیں یہ چیزیں نہیں تو یہ رنگ بھی نہیں۔ جیسے سفیدی، جیسے یہ کتاب کے صفحات سفید ہیں، یہ صفحات ہیں تو یہ سفیدی بھی ہے، اور اسی طرح یہ دیوار پر سفیدی ہے یہ دیوار ہے تو یہ سفیدی ہے، اسی طرح جیسے آپ کے کپڑے سفید ہیں یہ کپڑے ہیں تو سفیدی ہے کپڑے نہیں تو یہ سفیدی بھی نہیں ہے۔ تو یہ رنگ ہمیشہ چیزوں کی صفت ہوتے ہیں۔

آپ کے ذہن میں اشکال آئے گا کہ نہیں بھئی، سفیدی تو ہمیں الگ بھی نظر آتی ہے، ہم بازار سے چونا خرید کر لاتے ہیں، تو دیکھو یہ تو سفیدی ہے بالکل الگ ہے اس کا اپنا الگ وجود۔ تو نہیں بھئی یاد رکھو، سفیدی ہمیشہ، یہ رنگ ہمیشہ صفت

ہوتے ہیں۔ یہ چونا جو ہے یہ خاص قسم کی ایک مٹی ہے اور اس مٹی کے ہر ہر ذرے کی صفت سفیدی ہے۔ توجہ ہے؟ تو یہ کوئی سفیدی کا الگ وجود نہیں۔ آپ اس کا تجربہ آرام سے کر سکتے ہیں: ایک ڈرم چونے کا آپ تیار کریں پانی ملا کر، اس میں تھوڑا سا نیلا رنگ آپ ملا دیں، سارے ڈبے کا رنگ بدل جائے گا۔ بھئی اگر سفیدی تھی، وہ سفیدی کدھر چلی گئی؟ بات سمجھ میں آگئی؟ وہ صرف اس مٹی کی صفت تھی وہ بدل گئی۔ اسی طرح اب کوئی کہہ سکتا ہے کہ بازار میں خالص سفیدی کا ڈبہ مل جاتا ہے۔ یاد رکھو وہ بھی خالص سفیدی نہیں ہے، وہ بھی، وہ ایک کیمیکل ہے اس کیمیکل کے ہر ہر ذرے کی صفت کیا ہے؟ سفیدی ہے۔ چنانچہ آپ اس میں تھوڑا سا نیلا رنگ ملا دیں، آپ دیکھیں گے پورے ڈبے کا رنگ بدل گیا۔ بھئی اگر وہ سفیدی کا اپنا الگ وجود تھا وہ کہاں چلی گئی بھئی؟ یا کپڑوں کے دیکھیں، کپڑے سفید رنگ کے ہوتے ہیں، وہ جو رنگریز ہوتا ہے وہ ان کو کبھی ایک رنگ دیتا ہے کبھی دوسرا رنگ دیتا ہے، تو سفید کپڑا تھا وہ نیلے پانی میں اس کو ڈبوتا ہے تو سارا کپڑا نیلا ہو جاتا ہے، اگر سفیدی کا اپنا الگ وجود تھا تو وہ کدھر گئی بھئی؟ اس کو علیحدہ ہونا چاہیے تھا۔ تو یہ جو رنگ نظر آتے ہیں یہ بھی چیزوں کی صفت ہوتے ہیں۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو کچھ چیزیں وہ ہیں جن کا اپنا الگ وجود ہوتا ہے اس کو جوہر کہتے ہیں یا یوں کہیں عین کہتے ہیں، اور کچھ چیزیں ہیں جن کا اپنا الگ وجود نہیں اس کو صفت کہتے ہیں یا یوں کہیں عرض کہتے ہیں، عرض۔ بات سمجھ میں آگئی؟ را پر فتحہ پڑھیں، عرض بھئی، عرض۔ تو چیزیں گویا دو قسم کی ہو گئیں: کچھ ہیں عین اور کچھ ہیں عرض۔

اسی طرح پھر یاد رکھو، یہ عین اور عرض یا تو یہ اضافی ہوں گے یا غیرِ اضافی۔ اضافی، اضافت سے ہے، اضافی یعنی نسبت والی۔ اضافت کا کیا معنیٰ ہوتا ہے؟ نسبت کرنا۔ «غُلَامُ زَيْدٍ»، یہ غلام مضاف ہے زید مضاف الیہ، غلام کی میں نے اضافت کر دی نسبت کر دی کس کی طرف؟ زید کی طرف کہ یہ زید کا غلام ہے۔ تو اضافت کا کیا معنیٰ ہے؟ نسبت کرنا۔ تو کچھ چیزیں وہ ہیں وہ اضافی ہیں، کچھ چیزیں غیرِ اضافی ہوتی ہیں۔ اضافی وہ ہے جس کا سمجھنا غیر کے سمجھنے پر موقوف ہے۔ مثلاً یہ کتاب یہ غیرِ اضافی ہے، کتاب کو سمجھنے کے لیے کسی اور چیز کو سمجھنے کی ضرورت نہیں، قلم غیرِ اضافی ہے، پہاڑ، دریا وغیرہ یہ سب کیا ہیں؟ غیرِ اضافی۔ لیکن کچھ چیزیں ہیں ان کا سمجھنا دوسری چیز کے سمجھنے پر موقوف ہے۔ مثلاً خاوند کسے کہتے ہیں؟ جس کی بیوی ہو۔ بیوی کسے کہتے ہیں؟ جس کا خاوند ہو۔ تو خاوند ہوا اضافی: خاوند تبھی سمجھ میں آئے گا جب آپ کو بیوی سمجھ میں آجائے۔ اور بیوی بھی ہے اضافی: بیوی تبھی آپ کو سمجھ میں آئے گی جب آپ کو خاوند سمجھ میں آئے گا۔ تو خاوند کسے کہتے ہیں؟ جس کی بیوی ہو۔ بات سمجھ، تو خاوند کا معنیٰ سمجھ میں ہی نہیں آسکتا جب تک بیوی کا معنیٰ سمجھ میں نہیں آئے گا، اور بیوی کا معنیٰ سمجھ میں ہی نہیں آسکتا جب تک خاوند کا معنیٰ سمجھ میں نہیں آئے گا، تو دونوں کا سمجھنا ایک دوسرے پر موقوف ہو گیا۔ اسی طرح استاد اور شاگرد: استاد کسے کہتے ہیں؟ جس کا شاگرد ہو، شاگرد کسے کہتے ہیں؟ جس کا

استاد ہو، تو یہ بھی اضافی ہیں، ایک کا سمجھنا دوسرے کے سمجھنے پر موقوف ہے۔ اسی طرح مالک اور مملوک: مالک کسے کہتے ہیں؟ جس کا کوئی مملوک ہو، مملوک کسے کہتے ہیں؟ جس کا کوئی مالک ہو۔ تو یہ سب اضافی ہیں۔ آپ کسی کو بتلانا چاہتے ہیں خاوند کسے کہتے ہیں، بیوی کے ذکر کے بغیر خاوند آپ اسے سمجھا ہی نہیں سکتے خاوند کسے کہتے ہیں۔ یہ اسی طرح دیکھو باپ اور اولاد: باپ کسے کہتے ہیں؟ جس کی اولاد ہو، اولاد کسے کہتے ہیں؟ جس کا باپ ہو۔ بھئی دیکھو آپ کسی کو بتلانا چاہتے ہیں خاوند کسے کہتے ہیں، تو جب تک بیوی کا ذکر نہیں کریں گے خاوند آپ سمجھا ہی نہیں سکتے، اور بیوی کے بارے میں بتلانا چاہتے ہیں تو جب تک خاوند ساتھ ذکر نہیں کریں گے بیوی کا معنیٰ کسی کو آپ سمجھا ہی نہیں سکتے۔ تو یہ چیزیں ہیں اضافی جن میں ایک کا سمجھنا دوسرے کے سمجھنے پر موقوف ہے۔ جب کہ باقی چیزیں ایسی نہیں: کتاب ہے، کتاب کا سمجھنا کسی دوسری چیز پر موقوف نہیں، پہاڑ کا سمجھنا کسی دوسری چیز پر موقوف نہیں ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو چیزیں گویا کتنی قسم کی ہو گئیں؟ دو قسم پر: کوئی اضافی اور کوئی غیرِ اضافی۔ تو تمییز یاد رکھو کبھی عین ہو گی اور کبھی عرض ہو گی، پھر دونوں کے اندر وہ عین بھی اضافی بھی ہو سکتی ہے اور غیرِ اضافی بھی ہو سکتی ہے، اسی طرح وہ عرض ہے اگر، تو عرض بھی اضافی بھی ہو سکتی ہے اور غیرِ اضافی بھی۔

اسی طرح پھر یاد رکھو، یاد رکھو کہ تمییز جو ہے کبھی وہ منتصب عنہ سے ہو گی، کبھی متعلقِ منتصب عنہ سے ہو گی، اور کبھی دونوں سے ہونے کا احتمال ہو گا۔ یہ لفظ آگے، یہ آ بھی رہا ہے کتاب کے اندر: «طَابَ زَيْدٌ نَفْسًا مِثَالٌ لِلْجُمْلَةِ وَالتَّمْيِيزُ فِيهِ خَاصٌّ بِالْمُنْتَصَبِ عَنْهُ»۔

منتصب عنہ، صاد کے ساتھ ہے۔ منتصب جس کو نصب دیا گیا۔ «عَنْهُ»، یاد رکھو یہ «عَنْ» کبھی عربی زبان میں علت بیان کرنے کے لیے آتا ہے۔ «مُنْتَصَبٌ عَنْهُ» یعنی «مُنْتَصَبٌ بِسَبَبِهِ»، جس کے سبب سے تمییز کو نصب دیا گیا۔ «طَابَ زَيْدٌ أَبًا» یہ «أَبًا» تمییز ہے، اس کو نصب دیا گیا، کس کی وجہ سے نصب دیا گیا؟ نسبت کی وجہ سے کیونکہ نسبت میں ابہام تھا۔ توجہ ہے؟ پھر سنو، منتصب عنہ کا معنیٰ میں بیان کر رہا ہوں۔ منتصب عنہ کا کیا معنیٰ؟ وہ جس کی وجہ سے تمییز کو نصب دیا گیا۔ اور «طَابَ زَيْدٌ نَفْسًا»، یہ «نَفْسًا» کو نصب دیا گیا کس کی وجہ سے؟ نسبت کی وجہ سے، تو حقیقت میں منتصب عنہ نسبت ہے، اس نسبت میں ابہام تھا آگے «نَفْسًا» نے آکر ابہام کو دور کر دیا۔ لیکن مجازاً جو فاعل ہے یا نائبُ الفاعل ہے اس کو منتصب عنہ کہتے ہیں، کیونکہ فاعل یا نائبُ الفاعل ہے تو نسبت بھی ہے، فاعل یا نائبُ الفاعل نہ ہو تو نسبت بھی نہیں ہے۔ «طَابَ زَيْدٌ نَفْسًا»، یہ «طَابَ» کا جو اسناد ہے زید کی طرف، اس میں ابہام ہے، لیکن یہ اسناد آیا کیوں، کس کی وجہ سے آیا؟ زید کی وجہ سے جو فاعل ہے، زید نہ ہوتا تو اسناد کہاں سے ہوتا! توجہ ہے؟ تو منتصب...

عنہ حقیقت میں کیا ہے؟ نسبت ہے، لیکن مجازاً کس کو کہہ دیتے ہیں؟ وہ جو فاعل یا نائبُ الفاعل ہے اس کو منتصب عنہ کہہ دیتے ہیں۔ توجہ ہے؟

تو تمیز جو ہے کبھی وہ منتصب عنہ سے ہو گی، کبھی متعلقِ منتصب عنہ سے ہو گی، اور کبھی دونوں سے ہونے کا احتمال ہو گا۔ یعنی یوں کہو کہ تمیز کا کبھی اطلاق صرف منتصب عنہ پر ہو سکے گا، تمیز کا اطلاق... توجہ سے سمجھ لو مشکل مقام ہے، کہ تمیز کا اطلاق کبھی صرف منتصب عنہ پر ہو سکے گا، کبھی متعلقِ منتصب عنہ پر ہو سکے گا صرف، اور کبھی دونوں پر اس کا اطلاق ہو سکے گا۔

جیسے دیکھو مثال سے وضاحت ہو گی: «طَابَ زَيْدٌ نَفْسًا»۔ «طَابَ زَيْدٌ نَفْسًا» اس میں منتصب عنہ کون ہے؟ حقیقت میں نسبت ہے لیکن اب نسبت کو نہ کہیں کس کو کہیں؟ زید یعنی وہ جو فاعل یا نائبُ الفاعل ہے۔ تو «طَابَ زَيْدٌ نَفْسًا» منتصب عنہ کون؟ زید ہے۔ تو کبھی کبھار یہ تمیز کا اطلاق صرف منتصب عنہ پر ہو سکے گا، اس کے متعلق پر نہیں۔ زید اچھا ہے «نَفْسًا» ذات کے اعتبار سے۔ تو مجھے بتائیے یہ زید کی ذات، زید سے الگ کوئی چیز ہے یا زید ہی ہے؟ زید ہی ہے۔ تو معلوم ہوا «طَابَ زَيْدٌ نَفْسًا» یہ نفس کا اطلاق صرف منتصب عنہ پر ہو سکتا ہے، اس کے متعلق پر نہیں ہو سکتا، کیونکہ زید کی ذات وہ زید ہی ہے زید سے کوئی الگ چیز نہیں۔

لیکن کبھی کبھار وہ تمیز الگ ہو گی، جیسے دیکھو: «طَابَ زَيْدٌ دَارًا»۔ «طَابَ زَيْدٌ» زید اچھا ہے «دَارًا» باعتبار گھر کے۔ اب مجھے بتائیے یہ دار کا اطلاق زید پر ہو سکتا ہے؟ زید دار ہے؟ زید گھر ہے؟ نہیں، زید کا... دار کا اطلاق زید پر نہیں ہو سکتا۔ ہاں زید کے متعلق یعنی زید کا جو گھر ہے وہ ہے دار بھئی، اور وہ دار کس سے متعلق ہے؟ کس کا گھر ہے؟ زید کا گھر ہے وہ۔ توجہ ہے؟ تو یہاں پر دیکھو «طَابَ زَيْدٌ دَارًا»، یہ دار کا، یہ جو تمیز ہے اس کا اطلاق منتصب عنہ پر نہیں ہو سکتا، صرف متعلقِ منتصب عنہ پر جو ہے اس کا اطلاق ہو سکتا ہے۔ توجہ ہے؟

اور کبھی دونوں پر اس کا اطلاق ہو سکے گا، جیسے «طَابَ زَيْدٌ أَبًا»۔ «طَابَ زَيْدٌ أَبًا»، یہ «أَبٌ» یہ جو باپ ہے اس کا اطلاق منتصب عنہ پر بھی ہو سکتا ہے، جیسے دیکھو: «زَيْدٌ أَبٌ» زید باپ ہے، دیکھو باپ کا حمل میں نے زید پر کر دیا یا نہیں؟ کر دیا۔ تو زید... اور زید کے متعلق پر بھی ہو سکتا ہے کہ جو زید کا باپ ہے جو زید سے الگ ہے۔ دونوں احتمال ہیں: «أَبٌ» کا اطلاق زید پر بھی ہو سکتا ہے اور زید کے متعلق یعنی زید کے باپ پر بھی ہو سکتا ہے۔ تو «طَابَ زَيْدٌ أَبًا» یہ «أَبًا» یہ ایسی تمیز ہے جس کا اطلاق منتصب عنہ پر بھی ہو سکتا ہے اور متعلقِ منتصب عنہ پر بھی۔

اگر زید پر اطلاق ہو پھر کیا معنیٰ؟ «طَابَ زَيْدٌ أَبًا» زید اچھا ہے باپ کے اعتبار سے یعنی زید اچھا باپ ہے، زید اچھا باپ ہے اپنے بچوں کا اچھا خیال رکھتا ہے، ان کی اچھی تربیت کرتا ہے۔ اور اگر یہ «أَبٌ» کا اطلاق متعلقِ منتصب عنہ پر کریں پھر کیا معنیٰ؟ دیکھو نا متعلقِ منتصب عنہ، منتصب عنہ سے جو متعلق ہے، خود منتصب عنہ نہیں ہے بلکہ اس کا متعلق، تو کیا معنیٰ بنے گا؟ زید کا باپ۔ دیکھو زید کا جو باپ ہے وہ زید کے ساتھ اس کا تعلق ہے یا نہیں؟ زید کا جو گھر ہے گھر کا زید کے

ساتھ تعلق ہے یا نہیں؟ زید کا علم ہے علم کا زید کے ساتھ تعلق، تو یہ چیزیں متعلقِ منتصب عنہ ہیں خود منتصب عنہ نہیں ہیں ان کا زید کے ساتھ تعلق ہے۔ تو یہ جو «أَبًا» ہے اس کا اطلاق منتصب عنہ پر بھی ہو سکتا ہے اور متعلقِ منتصب عنہ پر بھی۔ تو متعلقِ منتصب عنہ پر اگر اس کا اطلاق ہو پھر کیا معنیٰ ہو گا؟ زید کا باپ اچھا ہے، یعنی وہ زید کی اچھی تربیت کر رہا ہے۔

تو معلوم ہوا تمییز جو ہے وہ منتصب عنہ سے بھی ہو سکتی ہے، اور کبھی متعلقِ منتصب عنہ سے بھی ہو سکتی ہے، اور کبھی دونوں سے بھی ہو سکتی ہے۔ یا یوں کہو کہ تمییز کبھی خاص ہو گی کس کے ساتھ؟ منتصب عنہ کے ساتھ، یعنی صرف اسی پر اس کا حمل ہو سکتا ہے کسی اور پر نہیں، جیسے «طَابَ زَيْدٌ نَفْسًا» یہ نفس کا اطلاق صرف زید پر ہو سکتا ہے کیونکہ زید کا نفس زید سے جدا نہیں وہ زید ہی ہے۔ اور کبھی وہ تمییز کا اطلاق صرف متعلقِ منتصب عنہ پر ہو سکتا ہے منتصب عنہ پر نہیں ہو سکتا، جیسے «طَابَ زَيْدٌ دَارًا» یہ دار کا اطلاق زید پر نہیں ہو سکتا بلکہ زید کے متعلق پر ہی ہو سکتا ہے۔ اور کبھی دونوں پر اس کا اطلاق ہو سکے گا، منتصب عنہ پر بھی اور متعلقِ منتصب عنہ پر بھی، جیسے «زَيْدٌ طَابَ أَبًا» یہ «أَبٌ» کا اطلاق منتصب عنہ یعنی زید پر بھی ہو سکتا ہے کہ زید اچھا باپ ہے، اور زید کے متعلق یعنی زید کے باپ پر بھی ہو سکتا ہے کہ زید کا باپ اچھا ہے یعنی زید کی اچھی تربیت کر رہا ہے۔

بات سمجھ میں آ گئی؟ تو حاصلِ کلام کیا ہوا؟ کہ تمییز عین بھی ہو سکتی ہے اور عرض بھی۔ پھر دونوں کے اندر دو دو احتمال: وہ عین جو ہے وہ اضافی بھی ہو سکتا ہے اور غیرِ اضافی بھی؛ اور وہ عرض جو ہے وہ بھی دو قسم پر: یا وہ اضافی ہو گا یا غیرِ اضافی۔ تو کتنی قسمیں ہو گئیں؟ چار۔ پھر ان چاروں میں سے ہر ایک کے اندر تین احتمال ہوں گے: یا وہ تمییز خاص ہو گی کس کے ساتھ؟ منتصب عنہ کے ساتھ؛ یا وہ خاص ہو گی کس کے ساتھ؟ متعلقِ منتصب عنہ کے ساتھ؛ یا اس کا اطلاق دونوں پر ہو سکے گا۔ تو چار میں سے ہر ایک کے اندر تین احتمال آ گئے۔ کتنے ہو گئے؟ بارہ۔ توجہ ہے؟ تمییز یا کیا ہو گی؟ عین یا عرض؛ پھر ہر ایک اضافی ہو گا یا غیرِ اضافی، چار قسمیں؛ پھر ہر ایک کے اندر تین احتمال: یا وہ منتصب عنہ سے ہو گی یا متعلقِ منتصب عنہ سے یا دونوں سے ہونے کا احتمال، تو کل کتنی قسمیں بن گئیں؟ بارہ قسمیں یہ بن گئیں بھئی۔ اور پھر وہ جو نسبت ہے یا وہ جملے میں ہو گی یا شبہِ جملہ میں ہو گی یا اضافت میں، تو اس اعتبار سے تو چھتیس صورتیں بن جاتی ہیں۔ تو تمییز کی مختلف انواع ہیں تو صاحبِ کافیہ ان انواع کی طرف اشارہ کرنا چاہتے ہیں، اس لیے اتنی مثالیں انہوں نے ذکر فرمائیں۔ بات سمجھ میں آ گئی؟

اب دیکھیے ذرا متن متن دیکھیے: «طَابَ زَيْدٌ نَفْسًا»، زید اچھا ہے «نَفْسًا» باعتبار ذات کے۔ مجھے بتائیے ادھر دیکھیے: نفس عین ہے یا عرض ہے؟ نفس عین ہے، ذات کیا ہے؟ زید کی ذات عین ہے اس کا اپنا الگ وجود ہے، معلوم ہوا عرض نہیں۔ اور نیز اضافی ہے یا غیرِ اضافی؟ غیرِ اضافی ہے، نفس کا سمجھنا کسی دوسری چیز کے سمجھنے پر موقوف نہیں۔ خاوند کا

سمجھنا بیوی پر اور بیوی کا سمجھنا خاوند پر موقوف تھا، مالک کا مملوک پر اور مملوک کا مالک پر سمجھنا موقوف تھا، باپ کا سمجھنا اولاد پر موقوف ہے اور اولاد کا سمجھنا باپ پر موقوف ہے، استاد کا سمجھنا شاگرد پر موقوف ہے اور شاگرد کا سمجھنا استاد پر موقوف ہے؛ آپ کسی کو استاد کا مفہوم بتلانا چاہتے ہیں تو شاگرد کے ذکر کے بغیر استاد کا مفہوم آپ اسے سمجھا ہی نہیں سکتے، یا آپ شاگرد کا مفہوم سمجھانا چاہتے ہیں تو استاد کے ذکر کے بغیر اس کو شاگرد کا مفہوم سمجھا ہی نہیں سکتے؛ یہ ہیں اضافی، ایک کا سمجھنا دوسرے کے سمجھنے پر موقوف۔ تو نفس تو ایسا نہیں ہے، معلوم ہوا یہ نفس عین ہے اور غیرِ اضافی ہے، اور نیز منتصب عنہ پر اس کا اطلاق ہو سکتا ہے، زید کی ذات زید سے کوئی الگ نہیں ہے، تو اس کا اطلاق صرف منتصب عنہ پر ہو سکتا ہے متعلقِ منتصب عنہ پر نہیں ہو سکتا۔ بات سمجھ میں آگئی؟

اگلی مثال دیکھیے: «وَزَيْدٌ طَيِّبٌ أَبًا»۔ یہاں یہ «أَبًا» یہ عین ہے یا عرض ہے؟ «أَبٌ» باپ۔ عین ہے، یہ کیا ہے؟ عین، باپ کا اپنا الگ وجود ہوتا ہے، بیٹے کا اپنا الگ وجود ہوتا ہے، تو یہ «أَبٌ» عین ہے۔ اور نیز یہ اضافی ہے یا غیرِ اضافی؟ یہ اضافی ہے، باپ کا سمجھنا اولاد کے سمجھنے پر موقوف ہے، یہ عینِ اضافی ہے۔ اور نیز اس کا اطلاق کس پر ہو سکتا ہے؟ دونوں پر ہو سکتا ہے، منتصب عنہ پر بھی اور متعلقِ منتصب عنہ پر ان دونوں پر ہو سکتا ہے۔

آگے آئیے ذرا: «أُبُوَّةً»۔ «طَابَ زَيْدٌ أُبُوَّةً»۔ ابوت کا معنیٰ ہے باپ ہونا، یہ مصدر ہے۔ «طَابَ زَيْدٌ» زید اچھا ہے «أُبُوَّةً» باعتبار باپ ہونے کے۔ پہلے کا ترجمہ کیا تھا: «طَابَ زَيْدٌ أَبًا» زید اچھا ہے باپ کے اعتبار سے، اور اب «طَابَ زَيْدٌ أُبُوَّةً» زید اچھا ہے باپ ہونے کے اعتبار سے، دیکھو مصدر والا ترجمہ کریں۔ جی، اب مجھے بتائیے: ابوت یہ عین ہے یا عرض ہے؟ جی؟ عرض ہے، ابوت مصدر ہے، میں نے بتایا تھا مصدر جو ہے وصف ہوتا ہے یہ ہمیشہ کسی کی صفت ہوتا ہے، ضرب، ضرب کا اپنا الگ وجود ہے ہی نہیں، کوئی ضرب لگانے والا ہو گا تو ضرب پائی جائے گی ورنہ ضرب کا اپنا الگ کوئی وجود نہیں، تو یہ مصدر جو ہے اس کا خارج میں الگ وجود نہیں ہوتا یہ کسی کی صفت ہوتی ہے، تو یہ ابوت کیا ہے؟ عرض ہے، عرض ہے۔ اور اضافی ہے یا غیرِ اضافی؟ جی اضافی ہے، باپ کیا تھا؟ باپ عین تھا، اضافی تھا غیرِ اضافی؟ اضافی تھا، تو اسی سے ابوت بھی ہے، تو یہ بھی کیا ہے؟ اضافی ہے، باپ ہونا تبھی سمجھ میں آئے گا جب اولاد ہونا سمجھ میں آجائے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو ابوت کیا ہے؟ عین ہے یا عرض؟ عرض ہے، اور اضافی ہے یا غیرِ اضافی؟ اضافی ہے، اور یہ تمییز ہے متعلقِ منتصب عنہ سے، اس کا اطلاق صرف متعلقِ منتصب عنہ پر ہو سکتا ہے منتصب عنہ پر نہیں، کیونکہ منتصب عنہ تو ہے مثلاً زید، زید تو ہے ذات اور ابوت مصدر ہے اور مصدر کا حمل تو ذات پر نہیں ہو سکتا، کیا زید ابوت ہے؟ زید باپ ہونا ہے یا زید باپ ہے؟ زید باپ ہے، لیکن یہاں تو ابوت آرہا ہے مصدر آرہا ہے، اور مصدر کا حمل تو ذات پر صحیح نہیں، لہٰذا یہ ابوت اس کا حمل منتصب عنہ پر نہیں ہو سکتا، تو پھر اس صورت میں یہ تمییز ہے صرف کس سے؟ متعلقِ منتصب عنہ سے یعنی یہ اس سے ابہام کو دور کر رہی ہے، یعنی زید کی ابوت اچھی ہے، جیسے زید کا گھر اچھا ہے، زید کا علم اچھا ہے، اسی

طرح زید کی ابوت وہ اچھی ہے یعنی زید میں ابوت والی صفت اچھی ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو یہ ابوت اس کا حمل زید پر نہیں ہو سکتا کیونکہ یہ مصدر ہے اور مصدر کا حمل ذات پر صحیح نہیں، تو یہ تمیز ہے متعلقِ منتصب عنہ سے۔ بات سمجھ میں آگئی؟

«دَارًا»۔ دار کیا ہے؟ عین ہے یا عرض؟ گھر جو ہے یہ عین ہے، گھر کا اپنا الگ وجود ہوتا ہے، آپ کا گھر الگ ہے، زید کا گھر الگ ہے، عمرو کا گھر الگ ہے، تو گھر کا اپنا الگ وجود ہے یہ عین ہے۔ اور اضافی ہے یا غیرِ اضافی؟ یہ غیرِ اضافی ہے، عینِ غیرِ اضافی ہے۔ اور اس کا اطلاق کس پر ہو سکتا ہے؟ زید پر ہو سکتا ہے؟ زید گھر ہے؟ نہیں، تو یہ خاص ہے کس کے ساتھ؟ متعلقِ منتصب عنہ کے ساتھ خاص ہے۔

«وَعِلْمًا»۔ علم بھئی، یہ بھی مصدر ہے، علم کا معنیٰ جاننا۔ تو یہ عین ہے یا عرض ہے؟ یہ عرض ہے۔ اضافی ہے غیرِ اضافی ہے؟ غیرِ اضافی ہے، یہ غیرِ اضافی ہے، اور اس کا اطلاق منتصب عنہ پر ہو سکتا ہے؟ زید علم ہے؟ نہیں، تو یہ بھی خاص ہے کس کے ساتھ؟ متعلقِ منتصب عنہ کے ساتھ۔ بات سمجھ میں آگئی؟ اور یہ چیزیں دیکھو یہ ساری چیزیں زید سے متعلق ہیں بھئی: «أَبًا» دیکھو زید کا باپ، دیکھو زید کے باپ کا زید سے تعلق ہے یا نہیں؟ اسی طرح دار زید کا گھر، دیکھو گھر کا بھی زید سے تعلق ہے؛ علم زید کا علم، علم بھی کیا ہے؟ زید سے متعلق ہے۔ توجہ ہے؟ تو یہ ساری چیزیں جو ہیں یہ زید سے متعلق ہیں بھئی۔

آگے دیکھیے متن: «أَوْ فِي إِضَافَةٍ» یا وہ نسبت کس میں ہو گی؟ اضافت میں ہو گی، «مِثْلُ يُعْجِبُنِي طِيبُهُ»، مجھے تعجب میں ڈالا «طِيبُهُ» اس کے اچھا ہونے نے۔ تو «طِيبٌ» کی اضافت «هُ» ضمیر کی طرف ہے، یہ مصدر ہے، اور اس کے، اس نسبت کے اندر ابہام تھا، آگے «أَبًا وَأُبُوَّةً وَدَارًا وَعِلْمًا» یہ انہوں نے کیا کیا؟ ابہام کو دور کیا: مجھے تعجب میں ڈالا اس کے اچھا ہونے نے «أَبًا» باعتبار باپ کے، یا «أُبُوَّةً» یا باعتبار باپ ہونے کے، یا «دَارًا» یا باعتبار گھر کے، یا «عِلْمًا» یا باعتبار علم کے، تو یہ بھی اسی طرح ساری مثالیں ہیں بھئی۔

اب آئیے اس سارے کو شرح کے ساتھ دیکھیے بھئی: «نَحْوُ طَابَ زَيْدٌ نَفْسًا مِثَالٌ لِلْجُمْلَةِ»۔ بھئی انہوں نے بتایا تھا بھئی تمیز کی دوسری قسم ابہام کو دور کرے گی نسبت سے، وہ نسبت جملے میں بھی ہو سکتی ہے، شبہِ جملہ میں بھی اور اضافت میں بھی، تو یہ جو پہلی مثال ہے یہ مثال کس کی ہے؟ جملے کی ہے۔ تو کہتے ہیں «طَابَ زَيْدٌ نَفْسًا مِثَالٌ لِلْجُمْلَةِ» یہ مثال ہے جملے کی، «وَالتَّمْيِيزُ فِيهِ خَاصٌّ بِالْمُنْتَصَبِ عَنْهُ» اور اس کے اندر جو تمیز ہے وہ خاص ہے منتصب عنہ کے ساتھ۔ پھر بتلائیے: «مُنْتَصَبٌ عَنْهُ» کیا ترجمہ؟ منتصب نصب دیا گیا «عَنْهُ أَيْ بِسَبَبِهِ» اس کی وجہ سے۔ منتصب عنہ اصل میں کیا ہے؟ نسبت ہے، لیکن مجازاً کس کو کہہ دیتے ہیں؟ وہ جو فاعل یا نائبُ الفاعل ہے کیونکہ اس کی وجہ سے نسبت آئی۔ تو کہتے ہیں «وَالتَّمْيِيزُ فِيهِ خَاصٌّ بِالْمُنْتَصَبِ عَنْهُ» اور تمیز اس کے اندر جو ہے وہ خاص ہے منتصب عنہ کے ساتھ، یعنی متعلق پر اس کا اطلاق

نہیں ہو سکتا۔ «وَزَيْدٌ...»

«طَيِّبٌ أَبًا مِثَالٌ لِمَا يُشْبِهُ الْجُمْلَةَ» یہ مثال ہے شبہِ جملہ کی، «وَالتَّمْيِيزُ فِيهِ يَصْلُحُ أَنْ يَكُونَ لِمَنْ تُصِبَ عَنْهُ وَلِمُتَعَلِّقِهِ» اور تمیز جو ہے اس کے اندر وہ صلاحیت رکھتی ہے کہ وہ منتصب عنہ کے لیے ہو «وَلِمُتَعَلِّقِهِ» اور اس کے متعلق کے لیے، دونوں کے لیے ہونے کا احتمال ہے۔

«وَحَيْثُ لَا فَرْقَ»۔ جی۔ اب بتلانا یہ چاہتے ہیں، ادھر دیکھیے، صاحبِ کافیہ نے دو مثالیں ذکر کیں۔ پہلی مثال کیا؟ «طَابَ زَيْدٌ نَفْسًا»، اور دوسری مثال کیا؟ «زَيْدٌ طَيِّبٌ أَبًا»۔ ایک مثال ہے جس میں جملے کے اندر نسبت کے اندر ابہام تھا، اور دوسری مثال ہے جس میں شبہِ جملہ کے اندر نسبت کے اندر ابہام تھا۔ صاحبِ جامی آپ کو بتلائیں گے کہ دیکھنے میں یہ دو مثالیں حقیقت میں یہ چار مثالیں ہیں، کیونکہ اسناد چاہے جملے میں ہو شبہِ جملہ میں ہو کوئی فرق نہیں۔ تو گویا «نَفْسًا» اور «أَبًا» کو دونوں کے ساتھ جوڑو، پہلے جملے کے ساتھ بھی جوڑ دو: «طَابَ زَيْدٌ نَفْسًا وَأَبًا»، اور دوسرے کے ساتھ بھی دونوں کو جوڑ دو: «زَيْدٌ طَيِّبٌ نَفْسًا وَأَبًا»۔ تو گویا کل کتنی مثالیں ہیں؟ چار مثالیں ہیں بھئی۔

کہتے ہیں: «وَحَيْثُ لَا فَرْقَ» اور اس حیثیت سے کہ کوئی فرق نہیں ہے «فِي التَّمْيِيزِ بَيْنَ الْجُمْلَةِ وَمَا ضَاهَاهَا» جملہ اور شبہِ جملہ کے درمیان تمیز میں، جملہ اور شبہِ جملہ کے درمیان تمیز میں کوئی فرق نہیں ہے، «فَهٰذَانِ الْمِثَالَانِ فِي قُوَّةِ أَرْبَعَةِ أَمْثِلَةٍ» تو یہ دو مثالیں جو ہیں چار مثالوں کے قوت میں ہیں یعنی اس کے درجے میں ہیں، «فَكَأَنَّهُ قَالَ» تو گویا کہ صاحبِ کافیہ نے یوں فرمایا ہے: «طَابَ زَيْدٌ» دیکھو یہ جملہ، «وَزَيْدٌ طَيِّبٌ» یہ «طَيِّبٌ» کیا ہے؟ شبہِ جملہ، آگے «نَفْسًا وَأَبًا» دونوں کی اکٹھی تمیز لے آئے، تو گویا ہر ایک سے دونوں تمیزوں کو جوڑیں تو یہ چار مثالیں بن جاتی ہیں۔ تو کہتے ہیں «فَكَأَنَّهُ قَالَ» تو گویا کہ صاحبِ کافیہ نے یوں فرمایا ہے: «طَابَ زَيْدٌ وَزَيْدٌ طَيِّبٌ نَفْسًا وَأَبًا»۔

«فَقَوْلُهُ» تو ماتن کا قول جو ہے «وَأُبُوَّةً وَدَارًا وَعِلْمًا»۔ توجہ ہے؟ یہ دیکھو بھئی آگے جو متن آ رہا ہے نا «وَأُبُوَّةً وَدَارًا وَعِلْمًا»، توجہ ہے؟ پیچھے دو مثالیں گزریں۔ پہلی مثال کیا؟ «طَابَ زَيْدٌ نَفْسًا»، اس میں «نَفْسًا» تمیز آئی۔ اگلی مثال کیا؟ «زَيْدٌ طَيِّبٌ أَبًا»، اس کے اندر بھی «أَبًا» تمیز آئی۔ اور آگے معطوف آ رہے ہیں «وَأُبُوَّةً وَدَارًا وَعِلْمًا»، تین معطوف آ رہے ہیں۔ یاد رکھو ان تین کا عطف ماقبل میں وہ «نَفْسًا» پر ہو گا یا «أَبًا» پر ہو گا، دونوں پر نہیں ہو سکتا ایک پر ہو گا۔ آگے تین معطوف آ رہے ہیں، کون کون؟ «أُبُوَّةً»، «دَارًا» اور «عِلْمًا»۔ ماقبل میں معطوف علیہ چاہیے تو ان کا معطوف علیہ ایک ہو سکتا ہے یا «نَفْسًا» یا «أَبًا»۔ «أَبًا» ذرا قریب ہے اور معطوف علیہ قریب ہو یہ پسندیدہ ہے، اور «نَفْسًا» دور ہے لیکن بہرحال عطف اس پر بھی صحیح ہو جاتا ہے۔ تو ان کا عطف ان دو میں سے ایک پر ہے۔ لیکن صاحبِ جامی بتلائیں گے کہ بھئی ہم نے آپ کو بتلا دیا کہ یہ جو پیچھے مثالیں ہیں، «طَابَ زَيْدٌ» کی تمیز لائے «نَفْسًا» اور «زَيْدٌ طَيِّبٌ» کی تمیز کیا لائے؟ «أَبًا»۔ اس کا یہ معنیٰ نہیں کہ «طَابَ زَيْدٌ» کے لیے «نَفْسًا» ہی تمیز آئے گی اور «زَيْدٌ طَيِّبٌ» کے لیے «أَبًا» ہی تمیز آئے گی، نہیں، بلکہ

صاحبِ کافیہ بس دونوں کی الگ الگ مثال ذکر کر دی: ایک جملہ ہے ایک شبہِ جملہ ہے اور دونوں کے ساتھ ایک ایک تمییز ذکر کر دی، لیکن یہ دونوں تمییزیں دونوں سے جڑ سکتی ہیں۔ جب دونوں سے جڑ سکتی ہیں تو اگلی تینوں جو ہیں یہ بھی معنیٰ کے اعتبار سے ان سب سے جڑ جائیں گی۔ تو گویا ہر ایک کی پانچ پانچ مثالیں ہو گئیں: «طَابَ زَيْدٌ» اور آگے پانچوں تمییزیں اس سے بھی جڑ سکتی ہیں، اور «زَيْدٌ طَيِّبٌ» اس کے ساتھ بھی پانچوں جڑ سکتی ہیں، تو گویا کس درجے میں ہے یہ کلام؟ گویا یہ دس مثالیں ہو گئیں، یہ دس مثالیں ہو گئیں۔ توجہ ہے؟ اور نیز یہ تین کا عطف ماقبل میں ایک پر ہو سکتا ہے لفظوں کے اعتبار سے، لیکن معنیٰ کے اعتبار سے گویا دونوں سے جڑی ہوئی ہے یہ۔ توجہ ہے؟ تو لہٰذا جب دونوں سے جڑی ہوئی ہے تو صاحبِ جامی پانچوں کو اکٹھا کر دیں گے۔ صاحبِ جامی... بلکہ یوں کہو صاحبِ جامی نے پانچوں کو اکٹھا کر دیا، کس طرح؟ ابھی جو آخری عبارت پڑھی ذرا دوبارہ دیکھو: «فَكَأَنَّهُ قَالَ» گویا صاحبِ کافیہ نے یوں فرمایا ہے: «طَابَ زَيْدٌ» یہ جملہ آگیا، «وَزَيْدٌ طَيِّبٌ» یہ شبہِ جملہ آگیا، آگے دیکھو «نَفْسًا وَأَبًا» آگے متن کو بھی جوڑو: «نَفْسًا وَأَبًا وَأُبُوَّةً وَدَارًا وَعِلْمًا»، دیکھو پانچوں کو جوڑ دیا، کہ پانچوں کا دونوں سے تعلق ہو سکتا ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟

تو کہتے ہیں: «عَطْفٌ عَلٰى نَفْسًا وَأَبًا»۔ یہ عطف ہے، عبارت پہ نظر ہے؟ «عَطْفٌ عَلٰى نَفْسًا وَأَبًا»، یہ جو ماتن کا قول ہے نا «أُبُوَّةً وَدَارًا وَعِلْمًا»، یہ معطوف ہے «عَلٰى نَفْسًا وَأَبًا» کس پر؟ «نَفْسًا وَأَبًا» پر۔ یہاں پھر وہی اشکال ہوتا ہے جو میں نے ابھی ذکر کر دیا۔ پیچھے «نَفْسًا» اور «أَبًا» متن میں آئے تھے، بھئی دونوں پر تو عطف نہیں ہو سکتا ایک وقت میں ایک پر عطف ہو سکتا ہے۔ تو میں نے بتلا دیا کہ معنیٰ کے اعتبار سے دونوں پر ہے، لفظوں کے اعتبار سے تو ایک پر ہی عطف بنتا ہے۔ تو یہی بیان کر رہے ہیں کہ معنیٰ کے اعتبار سے دونوں پر اس کا عطف ہے۔ تو کہتے ہیں «عَطْفٌ عَلٰى نَفْسًا وَأَبًا» تو یہ معطوف ہیں «نَفْسًا» اور «أَبًا» پر «بِحَسَبِ الْمَعْنٰى» کس کے اعتبار سے؟ معنیٰ کے اعتبار سے، «فَهُوَ نَاظِرٌ إِلٰى كُلٍّ مِنَ الْمِثَالَيْنِ الْمَذْكُورَيْنِ» تو یہ ناظر ہے دیکھنے والا ہے، یعنی ماتن کا یہ قول دیکھ رہا ہے «إِلٰى كُلٍّ مِنَ الْمِثَالَيْنِ الْمَذْكُورَيْنِ» دونوں مذکورہ مثالوں میں سے ہر ایک کی طرف، یعنی دونوں کی طرف اس کی توجہ ہے، معنیٰ کے اعتبار سے یہ دونوں سے جڑا ہوا ہے۔ تو کہتے ہیں «فَهُوَ نَاظِرٌ» تو ماتن کا یہ جو قول ہے، کون سا قول؟ «وَأُبُوَّةً وَدَارًا وَعِلْمًا»، یہ جو قول ہے یہ دیکھ رہا ہے «إِلٰى كُلٍّ مِنَ الْمِثَالَيْنِ الْمَذْكُورَيْنِ» دونوں مذکورہ مثالوں میں سے ہر ایک کی طرف، «غَيْرُ مُخْتَصٍّ بِالْأَخِيرِ» یہ اخیر والی مثال کے ساتھ خاص نہیں ہے، بات سمجھ میں آگئی، یعنی «زَيْدٌ طَيِّبٌ أَبًا» یہ «أَبًا» کے ساتھ خاص نہیں ہے بلکہ دونوں کی طرف دیکھ رہا ہے۔ «فَهُوَ بِحَسَبِ الْحَقِيقَةِ» تو گویا ماتن جو ہیں حقیقت کے اعتبار سے «أَوْرَدَ» لے کر آئے، «لِكُلٍّ أَيْ لِكُلِّ وَاحِدٍ»۔ میں نے آپ کو بتایا تھا کہ «كُلٌّ» کے لفظ پر تنوین آجائے تو یہ عوض ہوتی ہے مضاف الیہ کی: «أَيْ لِكُلِّ وَاحِدٍ»۔ تو کہتے ہیں «فَهُوَ بِحَسَبِ الْحَقِيقَةِ» تو ماتن جو ہیں حقیقت کے اعتبار سے «أَوْرَدَ» لے کر آئے «لِكُلٍّ مِنَ التَّمْيِيزِ الْوَاقِعِ فِي الْجُمْلَةِ أَوْ مَا ضَاهَاهَا خَمْسَةَ أَمْثِلَةٍ» لے کر آئے ہر ایک کے لیے، یعنی وہ جو تمییز واقع ہے جملے میں «أَوْ مَا ضَاهَاهَا» یا شبہِ جملہ میں، ان میں سے ہر ایک کے لیے لے کر آئے «خَمْسَةَ أَمْثِلَةٍ» پانچ مثالیں۔

«فَالنَّفْسُ» اب تفصیل بیان کرنے لگے ہیں، وہ جو تفصیل ہم نے کر لی۔ نفس کیا تھا؟ عین ہے یا عرض ہے؟ عین ہے۔ اضافی ہے غیرِ اضافی؟ غیرِ اضافی ہے، اور یہ خاص ہے کس کے ساتھ؟ منتصب عنہ کے ساتھ۔ تو سب کی تفصیل بیان کریں گے۔ تو کہتے ہیں: «فَالنَّفْسُ عَيْنٌ غَيْرُ إِضَافِيٍّ خَاصٌّ بِالْمُنْتَصَبِ عَنْهُ» تو نفس جو ہے ایسی عین ہے جو غیرِ اضافی ہے، اور «خَاصٌّ بِالْمُنْتَصَبِ عَنْهُ» اور منتصب عنہ کے ساتھ خاص ہے۔ «وَالدَّارُ عَيْنٌ غَيْرُ إِضَافِيٍّ» اور دار جو ہے ایسا عین ہے جو غیرِ اضافی ہے، «وَهُوَ مُتَعَلِّقٌ بِالْمُنْتَصَبِ عَنْهُ» اور یہ منتصب عنہ سے متعلق ہے۔ «وَالْأَبُ عَيْنٌ إِضَافِيٌّ مُحْتَمِلٌ لَهُمَا» اور اب جو ہے ایسا عین ہے جو اضافی ہے، «مُحْتَمِلٌ لَهُمَا» اور یہ دونوں کا احتمال رکھتا ہے۔ «وَالْأُبُوَّةُ عَرَضٌ إِضَافِيٌّ» اور ابوت جو ہے یہ عرض ہے، ایسا عرض جو اضافی ہے، «وَالْعِلْمُ عَرَضٌ غَيْرُ إِضَافِيٍّ» اور علم جو ہے وہ ایسا عرض ہے جو غیرِ اضافی ہے، «وَكُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا» اور ان دونوں میں سے ہر ایک یعنی ابوت اور علم، ان میں سے ہر ایک «مُتَعَلِّقٌ بِالْمُنْتَصَبِ عَنْهُ» یہ منتصب عنہ سے متعلق ہے بھئی۔ بات سمجھ میں آگئی؟

«أَوْ فِي إِضَافَةٍ»۔ «أَوْ فِي إِضَافَةٍ» اس کا عطف کس پر تھا؟ وہ جو ماقبل میں «فِي جُمْلَةٍ» آیا تھا کہ وہ نسبت کس میں ہو گی؟ جملہ میں ہو گی یا شبہِ جملہ میں یا اضافت میں۔ تو کہتے ہیں: «أَوْ فِي إِضَافَةٍ عَطْفٌ عَلَى قَوْلِهِ فِي جُمْلَةٍ أَوْ مَا ضَاهَاهَا» کہتے ہیں یہ معطوف ہے ماتن کے قول «فِي جُمْلَةٍ أَوْ مَا ضَاهَاهَا» پر۔ «مِثْلُ» مثال کے طور پر: «يُعْجِبُنِي طِيبُهُ»۔ توجہ سے بھئی یہ متن دیکھو: «يُعْجِبُنِي طِيبُهُ»، آگے آرہا ہے «أَبًا وَأُبُوَّةً وَدَارًا وَعِلْمًا»۔ یہاں چار تمیزیں لے کر آئے صاحبِ کافیہ: «أَبًا»، «أُبُوَّةً»، «دَارًا»، اور «عِلْمًا»۔ «نَفْسًا» کو ذکر نہیں کیا، حالانکہ پیچھے ایک پانچویں تمیز «نَفْسًا» بھی ذکر تھی۔ اور صاحبِ جامی اس کو لے کر آئے ہیں، وہ فرماتے ہیں: «مِثْلُ يُعْجِبُنِي طِيبُهُ نَفْسًا»، «نَفْسًا» کو بھی لے آئے۔ بھئی صاحبِ کافیہ نے کیوں نہیں ذکر کیا اس کو؟ آپ نے کیوں اس کو شامل کر دیا؟ تو صاحبِ جامی بتائیں گے کہ بھئی چونکہ «نَفْسًا» سب سے ظاہر تھی، تمیز کے اعتبار سے سب سے زیادہ ظاہر تھی اور یہ عام استعمال ہوتی رہتی ہے اس لیے اس کو دوبارہ ذکر نہیں کیا، باقیوں کو ذکر کر دیا۔ مثلاً میں کہتا ہوں «طَابَ زَيْدٌ نَفْسًا»، زید اچھا ہے کس اعتبار سے؟ ذات کے اعتبار سے۔ «نَفْسًا» سب سے زیادہ استعمال ہوتا ہے بھئی۔ تو لہٰذا اس لیے اس کو چھوڑ دیا، ورنہ یہ بھی پانچ ہی مثالیں ہیں بھئی۔ تو کہتے ہیں «يُعْجِبُنِي طِيبُهُ» مجھے تعجب میں ڈالا اس کے اچھا ہونے نے «نَفْسًا» باعتبار ذات کے، «وَتَرَكَهُ» صاحبِ کافیہ نے اس «نَفْسًا» کو چھوڑ دیا «لِأَنَّهُ أَظْهَرُ التَّمْيِيزَاتِ وَلَا خَفَاءَ بِهِ» اس لیے کیونکہ یہ تمام تمیزوں میں سب سے زیادہ ظاہر ہے «وَلَا خَفَاءَ بِهِ» اور اس میں کسی قسم کا کوئی خفا نہیں ہے۔ توجہ ہے؟ یہ خفا لفظ خا کے فتحہ کے ساتھ پڑھنا یاد رکھنا، «خَفَاءٌ»، اور اس میں کوئی خفا نہیں ہے یعنی کوئی پوشیدگی نہیں ہے۔

«وَأَبًا وَأُبُوَّةً وَدَارًا وَعِلْمًا أَوْرَدَ هٰذِهِ الْأَمْثِلَةَ عَلَى وَفْقِ مَا سَبَقَ»۔ «أَوْرَدَ» لے کر آئے صاحبِ کافیہ «هٰذِهِ الْأَمْثِلَةَ» یہ والی مثالیں «عَلَى وَفْقِ» وفق بمعنیٰ موافق اور مطابق کے ہے، «عَلَى وَفْقِ مَا سَبَقَ» ماقبل کے موافق۔ یہ مثالیں بھی صاحبِ کافیہ ماقبل کے موافق لے کر آئے یعنی جیسے یہ تمیز جیسے جملے یا شبہِ جملہ سے آسکتی ہے، اسی طرح اضافت سے بھی آسکتی

ہے۔ تو یہ مثالیں لے کر آئے «عَلٰی وَفْقِ مَا سَبَقَ» ماقبل کے موافق۔

«وَزَادَ عَلَيْهِ قَوْلُهُ» اور صاحبِ کافیہ نے اس پر اپنے اس قول کو بڑھا دیا: «وَلِلّٰهِ دَرُّهُ فَارِسًا» اور اللہ ہی کے لیے ہے اس کا کمال باعتبار شہسوار ہونے کے۔ فارس بھئی، فارس شہسوار کو کہتے ہیں گھڑ سوار بھئی، کوئی بڑا ہی ماہر گھڑ سوار ہو تو عرب بطورِ تعجب کے کہتے ہیں: «لِلّٰهِ دَرُّهُ فَارِسًا»، اللہ ہی کے لیے اس کا یہ کمال ہے باعتبار شہسوار ہونے کے، یعنی یہ اتنا بڑا کمال ہے یہ خود تو حاصل کر ہی نہیں سکتا، یہ اللہ نے اس کو خاص طور پر عطا فرمایا ہے۔ تو یہ «لِلّٰهِ دَرُّهُ فَارِسًا» یہ جملہ، اس قسم کا کلام عرب بطورِ تعجب کے کہتے ہیں، جب کسی شخص میں کوئی بہت بڑا کمال دیکھتے ہیں اور اس پر حیرت اور تعجب کا اظہار کرتے ہیں تو اس وقت وہ کہتے ہیں، مثلاً کسی میں گھڑ سواری اور شہسواری کمال درجے کی دیکھی تو وہ کہتے ہیں «لِلّٰهِ دَرُّهُ فَارِسًا» اللہ ہی کے لیے ہے اس کی خوبی، اس کا کمال باعتبار شہسوار ہونے کے، یعنی وہ کتنے کمال درجے کا شہسوار ہے۔ اور یہاں نسبت اللہ کی طرف کر دیتے ہیں کہ اللہ ہی کے لیے ہے اس کا کمال، یعنی تعجب کا اظہار کرتے ہیں کہ یہ تو اتنا بڑا کمال ہے، اتنی بڑی خوبی ہے کہ اس کو یہ شخص خود حاصل کر ہی نہیں سکتا یہ تو خاص طور پر اللہ ہی نے اس کو عطا فرمائی ہے، تو اس کی نسبت اللہ کی طرف کر دیتے ہیں بھئی۔ تو یہ کلام عرب بطورِ تعجب کے کہتے ہیں۔

اچھا دیکھیے بھئی، کہتے ہیں: «وَلِلّٰهِ دَرُّهُ فَارِسًا» اللہ ہی کے لیے ہے اس کا کمال باعتبار شہسوار ہونے کے۔ یہ ایک اور مثال لے آئے صاحبِ کافیہ۔ ایک اور مثال لے آئے، حالانکہ پیچھے کوئی پندرہ مثالیں صاحبِ کافیہ نے ذکر کر دیں، اور پھر سولہویں مثال لانے کی کیا حاجت تھی؟ تو صاحبِ جامی آپ کو بتلائیں گے کہ یہ جو مثال لائے ہیں صاحبِ کافیہ، یہ دو وجہ سے لائے ہیں۔ ایک تو یہ وہ بتلانا چاہتے ہیں کہ تمیز مشتق بھی واقع ہو سکتی ہے۔ «فَارِسٌ» دیکھو اسمِ فاعل کا صیغہ ہے، اسمِ فاعل، ابھی تک جتنی پیچھے تمیزیں ذکر ہوئیں «أَبًا»، «أُبُوَّةً» وغیرہ ان میں ایک بھی مشتق نہیں تھے، سب غیرِ مشتق تھے بھئی: یا وہ اسمِ جامد ہو گا یا «أُبُوَّةٌ» مصدر تھا یا «عِلْمٌ» مصدر تھا تو وہ تو مشتق منہ ہے، مشتق تو کوئی بھی نہیں تھا۔ تو اب یہ «فَارِسٌ» لفظ، یہ والی مثال لا کر بتلانا چاہتے ہیں کہ تمیز مشتق بھی واقع ہو سکتی ہے، اور نیز بعض علماء کا رد کرنا مقصود ہے، بعض علماء فرماتے ہیں کہ تمیز ہمیشہ غیرِ مشتق ہو گی، صاحبِ کافیہ نے بتلایا کہ نہیں مشتق بھی تمیز ہو سکتی ہے۔ تو ایک وجہ یہ کہ یہ مثال کس لیے لائے؟ صاحبِ کافیہ یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ تمیز کبھی کبھار مشتق بھی ہو سکتی ہے۔ دیکھیے بھئی کتاب پر، دوسری وجہ آگے میں بیان کرتا ہوں بھئی۔ کہتے ہیں: «وَلِلّٰهِ دَرُّهُ فَارِسًا» اور اللہ ہی کے لیے اس کا کمال ہے باعتبار شہسوار کے، «إِشَارَةً» اشارہ کر...

نے کے لیے «إِلٰى أَنَّ التَّمْيِيزَ قَدْ يَكُونُ صِفَةً مُشْتَقَّةً» کہ تمیز جو ہے وہ کبھی کبھار صفتِ مشتقہ بھی ہوتی ہے۔

دوسری وجہ اب ذکر کریں گے کہ وجہ یہ کہ یہ کافیہ ماخوذ ہے مفصل سے اور مفصل کتاب ہے علامہ زمخشری کی، اور علامہ

زمخشری نے اس مثال کو ذکر فرمایا ہے تمیز کی پہلی قسم کی مثال کے طور پر۔ بھئی تمیز کی دو قسمیں ہیں نا: تمیز کی پہلی قسم مفرد سے ابہام کو دور کرتی ہے، تمیز کی دوسری قسم نسبت سے ابہام کو دور کرتی ہے۔ توجہ ہے؟ تو صاحبِ مفصل نے یہ جو «لِلّٰهِ دَرُّهُ فَارِسًا» ہے اس کو ذکر کیا ہے تمیز کی پہلی قسم کی مثال کے اندر۔ کس طرح؟ وہ فرماتے ہیں «لِلّٰهِ دَرُّهُ» کہ «دَرُّهُ» کی یہ «هُ» ضمیر مبہم ہے، یہ «دَرُّهُ» کی «هُ» ضمیر مبہم ہے پتہ نہیں کس کو لوٹ رہی ہے بھئی، پیچھے کوئی ذکر ہی نہیں ہے، تو اس کے اندر ابہام تھا، آگے «فَارِسًا» نے آکر اس ابہام کو دور کر دیا۔ توجہ ہے؟ تو یہ تمیز کی پہلی قسم کی مثال کے طور پر انہوں نے اس کو ذکر کیا۔ یاد رکھو کلامِ عرب میں کبھی کبھار مبہم ضمیر لائی جاتی ہے اور پھر آگے تمیز لا کر اس کے ابہام کو دور کیا جاتا ہے، جیسے اس مثال میں ہے «لِلّٰهِ دَرُّهُ»۔ اب یہ «هُ» ضمیر مبہم ہے کس کو راجع ہے؟ کچھ پتہ نہیں، انسان کو راجع ہے یا غیرِ انسان کو راجع ہے۔ آگے «فَارِسًا» نے آکر ابہام کو دور کر دیا کہ اس سے کون مراد ہے؟ فارس، گھڑ سوار مراد ہے کوئی اور چیز مراد نہیں ہے۔ یا دوسری مثال لے لو: «نِعْمَ رَجُلًا»، «نِعْمَ» فعل از افعالِ مدح ہے، اس کے اندر «هُوَ» ضمیر مبہم ہے اور آگے «رَجُلًا» نے آکر ابہام کو دور کیا، تو یہاں پر بھی اسی طرح۔ تو مجھے اب بتائیے یہ پہلی قسم کی مثال بنائی صاحبِ مفصل نے، اور پہلی قسم کے اندر تمیز کو نصب کون دیتا ہے؟ میں نے بتایا تھا وہ جو اسمِ تام ہوتا ہے وہ نصب دیتا ہے۔ «عِنْدِي رِطْلٌ زَيْتًا»، یہ «زَيْتًا» کو نصب کس نے دیا؟ «رِطْلٌ» نے، اور یہ «رِطْلٌ» تام ہو رہا ہے کس کے ذریعے؟ تنوین کے ذریعے، اور وہ اسم جو تام ہو تنوین کے ذریعے، یا نونِ تثنیہ کے ذریعے، یا نونِ جمع کے ذریعے، یا اضافت کے ذریعے، وہ فعل کے مشابہ ہوتا ہے اور وہ تمیز کو آگے نصب دیتا ہے۔ لیکن بعض اوقات کوئی اسم اپنی ذات کے اعتبار سے ہی تام ہوتا ہے تو وہ بھی تمیز کو نصب دیتا ہے، اور وہ ضمیر ہے میں نے ذکر کیا تھا۔ ضمیر نہ اس پر تنوین آ رہی ہے، نہ نونِ تثنیہ ہے، نہ نونِ جمع ہے، نہ اضافت ہے، لیکن یہ اپنی ذات کے اعتبار سے تام ہے یہ ضمیر، لہٰذا یہ آگے تمیز کو نصب دے سکتی ہے، لہٰذا یہ «فَارِسًا» کو نصب کس نے دیا؟ «هُ» ضمیر نے نصب دیا۔ بات سمجھ میں آگئی؟

تو صاحبِ مفصل نے اس کو تمیز کی پہلی قسم کی مثال بنایا ہے، لیکن صاحبِ کافیہ اس مثال کو خاص طور پر تمیز کی قسمِ ثانی کے اندر لائے کہ یہ قسمِ ثانی کی بھی مثال بن سکتا ہے: کہ یہ «هُ» ضمیر کو مبہم نہ رکھیں، یہ پیچھے کسی معین کی طرف لوٹا دیں، مثلاً پیچھے زید کا ذکر آیا تھا یہ «هُ» ضمیر آپ نے کس کی طرف لوٹا دی؟ زید کی طرف۔ تو اب اس ضمیر کے اندر کوئی ابہام نہیں ہے۔ ہاں یہ جو «دَرٌّ» کی اضافت ہو رہی ہے «هُ» ضمیر کی طرف، یہ جو اضافت، یہ جو نسبت ہے مضاف اور مضاف الیہ کے درمیان، اس نسبت میں ابہام ہو کہ زید کس اعتبار سے اچھا ہے؟ «فَارِسًا» نے آکر کیا کیا؟ اس ابہام کو دور کر دیا۔ تو یہ تمیز کی قسمِ ثانی کی بھی مثال بن سکتی ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟

تو حاصلِ کلام کیا ہوا؟ کہ صاحبِ مفصل نے اس کو مثال بنایا تمیز کی پہلی قسم کے لیے، بنا بر اس کے کہ یہ ضمیر مبہم

ہو اور «فَارِسًا» آکر اس سے ابہام کو دور کر دے؛ جب کہ صاحبِ کافیہ اس کو تمیز کی دوسری قسم کے اندر مثال کے طور پر لائے ہیں، بتلانا یہ چاہتے ہیں کہ یہ تمیز کی دوسری قسم کی بھی مثال بن سکتا ہے بایں لحاظ کہ یہ «هُ» ضمیر متعین بھی ہو سکتی ہے، مثلاً پیچھے زید کا ذکر چل رہا تھا اب اس کے بارے میں آپ کہتے ہیں «لِلّٰهِ دَرُّهُ فَارِسًا»، اب یہ «هُ» ضمیر زید کو راجع ہے پیچھے مرجع ذکر ہو چکا ہے تو اس «هُ» ضمیر میں کوئی ابہام نہیں یہ متعین ہے اور معلوم ہے، تو اب ضمیر میں تو کوئی ابہام نہیں لیکن البتہ یہ جو «دَرٌّ» کی نسبت «هُ» ضمیر کی طرف ہو رہی ہے کہ اللہ ہی کے لیے ہے زید کا کمال، ابہام تھا بھئی کون سا کمال مراد ہے، کس اعتبار سے اس کی تعریف کی جا رہی ہے؟ تو آگے «فَارِسًا» نے آکر اس نسبت سے ابہام کو دور کر دیا کہ زید کی تعریف گھڑ سواری کے اعتبار سے کی جا رہی ہے کہ زید بڑا اچھا گھڑ سوار ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟

تو حاصل کیا ہوا؟ کہ صاحبِ مفصل اس کو لائے ہیں تمیز کی پہلی قسم کی مثال کے طور پر کہ یہ «هُ» ضمیر مبہم ہو اور «فَارِسًا» آکر اس ابہام کو دور کرے، اور صاحبِ کافیہ بتلانا یہ چاہتے ہیں کہ یہ تمیز کی دوسری قسم کی مثال بھی بن سکتی ہے اگر یہ «هُ» ضمیر متعین اور معلوم ہو تو پھر اس میں تو کوئی ابہام نہیں ہاں «دَرٌّ» کی جو نسبت اس کی طرف کی جا، اس «هُ» ضمیر کی طرف ہے، یہ جو اضافت ہو رہی ہے اس میں ابہام ہے اور «فَارِسًا» آکر اس ابہام کو دور کر دے گا۔ دیکھیے بھئی اب ترجمہ دیکھیے۔

دوسری وجہ بیان کر رہے ہیں: «وَأَيْضًا لَمَّا أَوْرَدَهُ صَاحِبُ الْمُفَصَّلِ مِثَالًا لِتَمْيِيزِ الْمُفْرَدِ» اور نیز اس لیے کہ جب صاحبِ مفصل لائے ہیں اس قول کو، یہ جو اوپر آیا نا «وَلِلّٰهِ دَرُّهُ فَارِسًا»، جب صاحبِ مفصل اس قول کو لائے ہیں «مِثَالًا لِتَمْيِيزِ الْمُفْرَدِ» بطورِ مثال کے تمیزِ مفرد کے لیے، ترجمہ سمجھ میں آرہا ہے، پھر سنو: «وَأَيْضًا لَمَّا أَوْرَدَهُ صَاحِبُ الْمُفَصَّلِ مِثَالًا لِتَمْيِيزِ الْمُفْرَدِ» اور نیز جب صاحبِ مفصل اس قول کو تمیزِ مفرد کی مثال کے طور پر لائے ہیں، «عَلٰى أَنْ يَكُونَ الضَّمِيرُ فِيهِ مُبْهَمًا» بنا بر اس کے کہ اس کے اندر جو ضمیر ہے وہ مبہم ہو «كَضَمِيرِ رُبَّهُ رَجُلًا» جیسے «رُبَّهُ رَجُلًا»۔ دیکھو «رُبَّهُ رَجُلًا»، اس کے اندر یہ «هُ» ضمیر مبہم ہے اور «رَجُلًا» تمیز نے آکر اس سے ابہام کو دور کر دیا کہ اس سے رجل مراد ہے کوئی اور چیز مراد نہیں۔ تو کہتے ہیں صاحبِ مفصل اس کو مفرد کی تمیز کی مثال کے طور پر لے کر آئے ہیں کہ «عَلٰى أَنْ يَكُونَ الضَّمِيرُ فِيهِ مُبْهَمًا» بنا بر اس کے کہ اس کے اندر جو ضمیر ہے وہ مبہم ہو «كَضَمِيرِ رُبَّهُ رَجُلًا» جیسے «رُبَّهُ رَجُلًا» کی ضمیر ہے «وَيَكُونَ فَارِسًا تَمْيِيزًا عَنْهُ» اور «فَارِسًا» جو ہے پھر اس سے تمیز ہو، وہ ضمیر مبہم ہو اور «فَارِسًا» اس سے تمیز ہو۔ «أَرَادَ» تو ارادہ کیا صاحبِ کافیہ نے... بھئی صاحبِ مفصل تمیز کی پہلی قسم کی مثال کے طور پر لائے تھے، تو «أَرَادَ» ارادہ کیا صاحبِ کافیہ نے «أَنْ يُنَبِّهَ» کہ وہ اس بات پر تنبیہ کر دیں کہ «عَلٰى أَنَّهُ يَصْلُحُ أَنْ يَكُونَ تَمْيِيزًا عَنْ نِسْبَةٍ» کہ «عَلٰى أَنَّهُ يَصْلُحُ» کہ یہ «فَارِسًا» کا لفظ یہ صلاحیت رکھتا ہے «أَنْ يَكُونَ تَمْيِيزًا عَنْ نِسْبَةٍ» کہ یہ نسبت سے تمیز ہو، یہ «فَارِسًا» یہ صلاحیت رکھتا ہے کہ یہ نسبت سے تمیز ہو «عَلٰى أَنْ يَكُونَ الضَّمِيرُ فِيهِ مُعَيَّنًا مَعْلُومًا» بنا بر اس کے کہ اس کے اندر جو ضمیر ہے وہ معین اور معلوم ہو،

معین اور معلوم ہو، «وَالْإِبْهَامُ يَكُونُ فِي نِسْبَةِ الدَّرِّ إِلَيْهِ» اور ابہام جو ہے وہ جو «دَرٌّ» کی نسبت کی جا رہی ہے اس ضمیر کی طرف، اس کے اندر ابہام ہو بھئی۔ تو اس صورت میں یہ تمییز کی قسمِ ثانی کی مثال بھی بن سکتی ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟

«وَالدَّرُّ فِي الْأَصْلِ اللَّبَنُ»۔ یہاں سے لفظِ در کی تحقیق کر رہے ہیں۔ آپ کو بتلا رہے ہیں کہ «دَرٌّ» عربی زبان میں دودھ کو کہتے ہیں، اور دودھ کے اندر چونکہ عربوں کے لیے سب سے زیادہ نفع تھا ان کی گزر بسر ہی دودھ پر ہوتی تھی، عرب ریگستانی علاقہ ہے فصلیں وہاں نہیں ہوتیں یہ خانہ بدوش لوگ تھے، جہاں کہیں پانی ملتا وہاں ڈیرہ ڈال لیتے اور پھر جب پانی ختم ہونے لگتا تو وہاں سے کوچ کر کے کسی دوسرے علاقے میں جہاں پانی موجود ہوتا وہاں چلے جاتے تھے، تو ان جانوروں کے دودھ پر ہی ان کا گزر بسر تھا، بڑے بڑے جانوروں کے گلے رکھے ہوتے اور اسی پر گزارا کرتے اور زندگی گزارتے تھے۔ تو اس دودھ کو عربی زبان میں «دَرٌّ» کہتے ہیں۔ تو چونکہ عربوں کے لیے سب سے زیادہ خیر جو ہے وہ دودھ کے اندر تھی، اسی پر ان کی زندگی کا دارومدار تھا، تو جس چیز کے اندر بھی پھر وہ خیر اور کمال اور خوبی دیکھتے تو اس کے لیے بھی «دَرٌّ» کا لفظ استعمال کرنے لگے، تو چنانچہ یہاں پر بھی جو آیا «لِلّٰهِ دَرُّهُ فَارِسًا» یہاں بھی «دَرٌّ» خیر یعنی کمال اور خوبی کے معنیٰ میں ہے، اللہ ہی کے لیے ہے اس کا کمال باعتبار شہسوار کے بھئی۔

تو کہتے ہیں: «وَالدَّرُّ فِي الْأَصْلِ اللَّبَنُ» اور در جو ہے اصل میں، اصل میں یعنی عربی زبان میں، لغت میں، تو کہتے ہیں «وَالدَّرُّ فِي الْأَصْلِ اللَّبَنُ» اور در جو ہے عربی زبان کے اندر «اللَّبَنُ» وہ دودھ ہے «وَفِيهِ خَيْرٌ كَثِيرٌ لِلْعَرَبِ» اور اس کے اندر عرب کے لیے خیرِ کثیر ہے، «فَأُرِيدَ بِهِ الْخَيْرُ» تو اس کے ذریعے خیر کا ارادہ کیا گیا، یعنی خیر کے لیے اب در کا لفظ بولنے لگے ہیں عرب بھئی۔ «أَيْ لِلّٰهِ خَيْرُهُ فَارِسًا» یعنی اللہ ہی کے لیے اس کی خیر ہے یعنی اس کا کمال اور اس کی خوبی ہے باعتبار شہسوار کے۔

«وَالْفَارِسُ اسْمُ الْفَاعِلِ مِنَ الْفَرَاسَةِ»۔ یہاں سے فارس کی تحقیق کر رہے ہیں کہ فارس، آپ کو بتلائیں گے بھئی کہ فارس جو ہے یہ «فَرُسَ يَفْرُسُ فَرَاسَةً» سے ہے۔ «فَرُسَ يَفْرُسُ فَرَاسَةً» یہ بابِ کرم ہے اور اس سے مصدر فراست آتا ہے فا کے فتحہ کے ساتھ، اور اس کا معنیٰ ہے گھوڑوں کے امور کا ماہر ہونا، گھڑ سواری کا ماہر ہونا، «فَرُسَ يَفْرُسُ فَرَاسَةً»۔ اور اسی طرح ایک بابِ ضرب سے آتا ہے «فَرَسَ يَفْرِسُ فِرَاسَةً» وہاں فا کے نیچے کسرہ ہے، لیکن «فَرَسَ يَفْرِسُ فِرَاسَةً» کا معنیٰ ہے سمجھدار ہونا، دانا ہونا، یعنی ظاہر سے ہی باطن کا اندازہ لگا لینا، چیزوں کے ظاہر کو دیکھ کر ہی باطن کا اندازہ لگا لینا بھئی۔ تو آپ کو صاحبِ جامی بتلائیں گے کہ یہ جو «فَارِسٌ» اسمِ فاعل آیا یہ «فَرَاسَةٌ» سے ہے یعنی فا کے فتحہ کے ساتھ، یہ «فِرَاسَةٌ» فا کے کسرہ کے ساتھ اس سے ماخوذ نہیں کیونکہ اس کا تو معنیٰ ہے سمجھدار ہونا اور یہاں «فَارِسٌ» کا کیا معنیٰ ہے؟ گھڑ سوار بھئی۔

تو کہتے ہیں: «وَالْفَارِسُ اسْمُ الْفَاعِلِ مِنَ الْفَرَاسَةِ بِالْفَتْحِ مَصْدَرُ فَرُسَ بِالضَّمِّ» اور فارس اسمِ فاعل ہے فراست سے

«بِالْفَتْحِ» جو فا کے فتحہ کے ساتھ ہے، «مَصْدَرُ فَرُسَ بِالضَّمِّ» اور یہ مصدر ہے «فَرُسَ» کا «بِالضَّمِّ» جو عین کے ضمہ کے ساتھ ہے۔ «أَيْ حَذَقَ بِأَمْرِ الْخَيْلِ» یہ «فَرُسَ» کا کیا معنیٰ ہے؟ «أَيْ حَذَقَ بِأَمْرِ الْخَيْلِ» وہ ماہر ہوا گھوڑوں کے معاملات کا۔ «وَأَمَّا الْفِرَاسَةُ بِالْكَسْرِ فَمِنَ التَّفَرُّسِ» اور باقی فراست فا کے کسرہ کے ساتھ «فَمِنَ التَّفَرُّسِ» وہ کس سے ہے؟ تفرس سے ہے، توجہ ہے؟ وہ تفرس، تفرس کا معنیٰ دانا ہونا، سمجھدار ہونا، ظاہر سے ہی باطن کا اندازہ لگا لینا۔

بھئی دیکھیے، صاحبِ جامی فرما رہے ہیں کہ «فَارِسٌ» «فَرَاسَةٌ» سے ہے اور «فَرَاسَةٌ» مصدر ہے کس کا؟ «فَرُسَ» کا، اور «فَرُسَ» دیکھو ثلاثی مجرد ہے، اور آگے کیا فرمایا: «وَأَمَّا الْفِرَاسَةُ فَمِنَ التَّفَرُّسِ» باقی فراست وہ تفرس سے ہے۔ حالانکہ یاد رکھنا یہ «فِرَاسَةٌ» یہ ثلاثی مجرد کا مصدر ہے: «فَرَسَ يَفْرِسُ فِرَاسَةً» یہ ثلاثی مجرد کا مصدر ہے، اور «تَفَرُّسٌ» بابِ تفعل ہے اور بابِ تفعل ثلاثی مزید فیہ ہے، تو کہنا یوں چاہیے تھا کہ تفرس فراست سے ہے۔ بھئی ثلاثی مزید کس سے بنتا ہے؟ ثلاثی مجرد سے بنتا ہے، تو یوں کہنا چاہیے تھا یہ تفرس کس سے بنا ہے؟ فراست سے بنا ہے، کیونکہ وہ فراست ثلاثی مجرد سے ہے۔ لیکن صاحبِ جامی کیا فرما رہے ہیں؟ کہ فراست تفرس سے ہے، یعنی ثلاثی مجرد کس سے ہے؟ ثلاثی مزید فیہ سے۔ تو آپ کے ذہنوں میں اشکال آئے گا کہ یہ تو برعکس فرما رہے ہیں، تو یاد رکھنا یہ اور کتابوں میں بھی جگہ جگہ آپ کو ملے گا، توجہ ہے، کبھی کبھار ثلاثی مزید فیہ ایک معنیٰ کے اندر زیادہ مشہور ہوتا ہے، جب وہ ایک معنیٰ میں زیادہ مشہور ہو تو وہاں اس طرح کہہ دیتے ہیں کہ یہ ثلاثی مجرد اس ثلاثی مزید فیہ سے مشتق ہے، تو یہاں پر بھی تفرس زیادہ مشہور ہے اس لیے کیا کہہ دیا صاحبِ جامی نے؟ کہ یہ فراست کس سے ہے؟ تفرس سے ہے بھئی۔ بات سمجھ میں آگئی؟ حل ہو گیا سارا؟ چلیے بس بھئی، «هٰذَا هُوَ الْمَرَامُ وَاللّٰهُ أَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْكَلَامِ»۔

سبق نمبر ۱۵۲: التمییز(۵): «لِلّٰہِ دَرُّہٗ فَارِسًا» اور تمییز کے صفت و معرفہ نہ ہونے کی بحث

شرحِ ملا جامی صفحہ: ۱۳۷ — بتاریخ: ۲۷ فروری ۲۰۲۲ء

▪ تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث

آگے سبق دیکھیے بھائی! ثُمَّ إِنْ كَانَ أَيِ التَّمْيِيزُ بَعْدَ مَا لَمْ يَكُنْ نَصًّا فِي الْمُنْتَصَبِ عَنْهُ اسْمًا لَا صِفَةً يَصِحُّ جَعْلُهُ لِمَنْ تُصِبَ عَنْهُ، وَالْمُرَادُ بِجَعْلِهِ لَهُ إِطْلَاقُهُ عَلَيْهِ وَالتَّعْبِيرُ بِهِ عَنْهُ، جَازَ أَنْ يَكُونَ ذٰلِكَ التَّمْيِيزُ تَارَةً لَهُ أَيْ لِلْمُنْتَصَبِ عَنْهُ بِأَنْ يَكُونَ تَمْيِيزًا يَرْفَعُ الْإِبْهَامَ عَنْهُ وَتَارَةً لِمُتَعَلَّقِهِ۔

بھائی گذشتہ سبق میں تمیز کی جو قسمِ ثانی ہے اس کے بارے میں صاحبِ کافیہ تفصیل بیان فرما رہے تھے بھائی۔ صاحبِ کافیہ نے آپ کو بتلایا تھا کہ تمیز جو ہے وہ ابہام کو دور کرتی ہے ذاتِ مذکورہ سے یا ذاتِ مقدرہ سے۔ ذاتِ مذکورہ سے مراد مفرد ہے، کہ تمیز کبھی کبھار مفرد سے ابہام کو دور کرے گی۔ اور تمیز کی دوسری قسم ذاتِ مقدرہ سے ابہام کو دور کرتی ہے۔ جیسے طَابَ زَيْدٌ نَفْسًا، یہ کلام دراصل کس درجے میں ہے؟ طَابَ شَيْءٌ مَنْسُوبٌ إِلَى زَيْدٍ، کہ ایک چیز اچھی ہے جو زید کی طرف منسوب ہے۔ تو یہاں پر یہ ذاتِ مقدرہ میں جب ابہام ہوگا تو نسبت کے اندر ابہام ہوگا۔ اور جب نسبت سے ابہام دور ہو جائے گا تو ذاتِ مقدرہ سے بھی ابہام دور ہو جائے گا۔ تو صاحبِ کافیہ نے قسمِ ثانی کو بیان کرتے ہوئے یہ نہیں فرمایا کہ تمیز کی قسمِ ثانی ذاتِ مقدرہ سے ابہام کو دور کرتی ہے، بلکہ فرمایا کہ تمیز کی قسمِ ثانی جو ہے وہ نسبت سے ابہام کو دور کرتی ہے۔ تو اس پر اشکال ہوا کہ جہاں اجمال تھا وہاں ذاتِ مقدرہ کو ذکر فرمایا تھا، اور جہاں تفصیل ہے وہاں نسبت کو ذکر فرمایا کہ نسبت سے ابہام کو دور کرتی ہے۔ تو یہ تو تفصیل اجمال کے مطابق نہ ہوئی بھائی، دونوں الگ الگ معلوم ہوتی ہیں۔

تو صاحبِ جامی نے بتلایا کہ نہیں، دونوں ایک ہی چیز ہیں بایں اعتبار کہ جب اس ذاتِ مقدرہ کے اندر ابہام ہوگا تو نسبت کے اندر بھی ابہام ہوگا۔ اس لیے کیونکہ طَابَ زَيْدٌ نَفْسًا یہ کلام کس درجے میں ہے؟ طَابَ شَيْءٌ مَنْسُوبٌ إِلَى زَيْدٍ۔ تو ایک شے ہے جس کی نسبت کس کی طرف کی جا رہی ہے؟ زید کی طرف۔ تو شے ہوئی منسوب، یعنی جس کی نسبت کی گئی ہے، اور زید

ہوا منسوب الیہ، یعنی جس کی طرف نسبت کی گئی ہے۔ تو منسوب اور منسوب الیہ کے درمیان نسبت ہے۔ تو نسبت کی ایک طرف ہے منسوب، اور نسبت کی دوسری طرف کیا ہے؟ منسوب الیہ۔ نسبت کس کے درمیان ہے؟ منسوب اور منسوب الیہ کے درمیان۔ تو یہ دو طرفیں ہوئیں نسبت کی۔ تو ان دو طرفوں کے درمیان کیا ہے؟ نسبت ہے۔ تو جب نسبت کی طرف میں ابہام آئے گا تو پھر نسبت کے اندر بھی ابہام آجائے گا۔ اور جب نسبت سے ابہام دور ہوگا تو نسبت کی طرف سے بھی کیا ہو جائے گا؟ ابہام دور۔ اس لیے کیونکہ نسبت سے جب ابہام دور ہو گیا تو معلوم ہوا نسبت کی طرف میں بھی کوئی ابہام نہیں ہے، کیونکہ اگر نسبت کی طرف میں ابہام ہے پھر تو نسبت سے ابہام دور نہیں ہو سکتا۔ تو نسبت کی طرف میں ابہام کا ہونا یہ ہے ملزوم، اور اس کے ساتھ لازم ہے کہ نسبت میں بھی ابہام ہوگا۔ جیسے سورج کے طلوع کے ساتھ دن کا ہونا ہے لازم۔ سورج طلوع ہوگا تو دن لازم ہے۔ اور جب دن کی نفی ہوگی تو معلوم ہوا سورج کے طلوع کی بھی نفی ہو جائے گی۔ تو یہاں پر بھی جب نسبت کی طرف میں ابہام ہے تو اس کے ساتھ لازم ہے کہ نسبت میں بھی ابہام ہو۔ اور جب نسبت سے ابہام دور ہوگا، یعنی لازم جب موجود نہیں ہے، معلوم ہوا ملزوم یعنی طرف میں بھی ابہام موجود نہیں ہے۔

اور نیز یہ نسبت کا لفظ صاحبِ کافیہ اس لیے لے کر آئے کہ وہ بتلانا چاہتے ہیں کہ یہ جو قسمِ ثانی ہے اس کا فرق قسمِ اول کے ساتھ یہ نسبت ہی کے اعتبار سے ہے۔ توجہ ہے؟ تو یہ جو دو قسمیں ایک دوسرے کے مقابل ہیں تمیز کی، وہ ان کے درمیان یہ تقابل ہے ہی نسبت کے اعتبار سے، کہ ایک قسم کے اندر نسبت میں ابہام ہوتا ہے اور دوسری قسم میں نسبت کے اندر ابہام نہیں ہوتا۔ اس لیے باقاعدہ وہ نسبت کا لفظ لے کر آئے بھائی۔

اور پھر بتلایا تھا کہ یہ نسبت جو ہے جملے میں بھی ہو سکتی ہے، شبہ جملہ میں بھی ہو سکتی ہے، اور اضافت کے اندر بھی ہو سکتی ہے۔ اور پھر اس کی کئی مثالیں صاحبِ کافیہ نے ذکر فرمائی تھیں: طَابَ زَيْدٌ نَفْسًا، زَيْدٌ طَيِّبٌ أَبًا، اور پھر آگے أُبُوَّةً وَدَارًا وَعِلْمًا۔ تو گویا پانچ قسم کی تمیزیں لے آئے، اور ان کو جوڑیں طَابَ زَيْدٌ کے ساتھ بھی اور زَيْدٌ طَيِّبٌ کے ساتھ بھی، تو پانچوں تمیزیں دونوں قسم کے قول کے ساتھ جڑ جائیں گی، تو لہٰذا یہ گویا دس مثالوں کے درجے میں ہیں۔ اور پھر يُعْجِبُنِي طِيبُهُ، یہ طِيبُ مضاف ہے، ہا ضمیر مضاف الیہ۔ يُعْجِبُنِي مجھے تعجب میں ڈالا، طِيبُهُ اس کے اچھا ہونے نے۔ تو یہ طِيبُهُ کی اضافت ہو رہی ہے ہا ضمیر کی طرف۔ اس نسبت کے اندر ابہام تھا، آگے اس کے لیے بھی وہ چار قسم کی تمیزیں صاحبِ کافیہ لے کر آئے: أَبًا وَأُبُوَّةً وَدَارًا اور عِلْمًا۔ اور صاحبِ جامی نے بتلایا کہ نَفْسًا کو بھی یہاں نَفْسًا بھی ہے، لیکن اس کو صاحبِ کافیہ نے صرف اس لیے ذکر نہیں فرمایا کیونکہ وہ سب سے زیادہ ظاہر تھا بھائی۔ تو گویا اضافت کی بھی پانچ مثالیں دے دیں، تو یہ پندرہ مثالیں ہوئیں۔

تو یہ اتنی مثالیں صاحبِ کافیہ نے ذکر فرمائیں۔ حالانکہ صاحبِ کافیہ کے پاس تو الفاظ کم ہوتے ہیں، وہ مختصر بات کرتے

ہیں، لیکن دراصل وہ تمیز کی انواع اور اقسام بیان فرمانا چاہتے تھے کہ تمیز کئی قسم پر ہو سکتی ہے۔ کبھی تمیز عین ہوگی، کبھی عرض ہوگی۔ کبھی اضافی ہوگی، کبھی غیر اضافی ہوگی۔ کبھی وہ منتصب عنہ کے لیے خاص ہوگی، کبھی وہ متعلقِ منتصب عنہ کے لیے ہوگی، اور کبھی اس کا احتمال ہوگا دونوں کے لیے ہونے کا۔ تو کئی قسم پر تمیز ہو سکتی ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟

میں نے بتلایا تھا ایک ہے عین، ایک ہے عرض۔ عین وہ ہے جس کا اپنا الگ وجود ہو، یعنی وہ اپنے وجود میں کسی غیر کی محتاج نہیں۔ زید کا اپنا وجود ہے، پہاڑ کا اپنا وجود ہے، کتاب کا اپنا وجود ہے، قلم کا اپنا الگ وجود ہے، ان چیزوں کا خارج میں اپنا الگ وجود ہے۔ اور کچھ چیزیں وہ ہوتی ہیں جو اپنے وجود میں غیر کی محتاج ہوتی ہیں یعنی وہ صفت بنتی ہیں دوسری چیزوں کی۔ اگر وہ غیر ہے تو ان کا بھی وجود ہے، اگر وہ غیر نہیں تو ان کا وجود بھی نہیں ہے۔ جیسے زید کی سخاوت، یہ سخاوت زید کی صفت ہے، سخاوت کا اپنا الگ کوئی وجود نہیں۔ زید ہے تو زید کی سخاوت بھی ہے، زید نہیں تو زید کی سخاوت بھی نہیں۔ اسی طرح شجاعت ہے بہادری، زید ہے تو زید کی شجاعت ہے، زید نہیں تو زید کی شجاعت بھی نہیں ہے۔ یا اسی طرح یہ چیزوں کے مختلف رنگ جو ہمیں نظر آتے ہیں، یہ ان چیزوں کی صفت ہیں، ان رنگوں کا اپنا الگ کوئی وجود نہیں یہ کسی کی صفت بنتے ہیں۔ وہ چیز ہے تو ان کا بھی وجود ہے، وہ چیز نہیں تو ان کا بھی وجود نہیں۔ تو تمیز بھی کبھی عین ہوگی اور کبھی عرض ہوگی بھائی۔ عرض یعنی وہ صفت جس کا اپنا الگ وجود نہ ہو۔

اور پھر وہ کبھی اضافی ہوگی کبھی غیر اضافی۔ اضافی اس چیز کو کہتے ہیں جس کا سمجھنا غیر کے سمجھنے پر موقوف ہو۔ جیسے استاد اسے کہتے ہیں جس کا کوئی شاگرد ہو، شاگرد اسے کہتے ہیں جس کا کوئی استاد ہو، تو استاد اور شاگرد یہ اضافی ہیں، ایک کا سمجھنا دوسرے کے سمجھنے پر موقوف ہے۔ اسی طرح میاں بیوی، میاں اسے کہتے ہیں جس کی بیوی ہو، بیوی اسے کہتے ہیں جس کا میاں ہو یا یوں کہیں خاوند ہو، تو بیوی اور خاوند یہ بھی اضافی ہیں، خاوند کا سمجھنا بیوی کے سمجھنے پر موقوف اور بیوی کا سمجھنا خاوند کے سمجھنے پر موقوف ہے۔ یا اسی طرح مالک اور مملوک، مالک اسے کہتے ہیں جس کا کوئی مملوک ہو، مملوک اسے کہتے ہیں جس کا کوئی مالک ہو، تو مالک کا سمجھنا مملوک کے سمجھنے پر موقوف اور مملوک کا سمجھنا مالک کے سمجھنے پر موقوف ہے۔ یا اسی طرح جیسے باپ اور اولاد، باپ اسے کہتے ہیں جس کی اولاد ہو، اولاد اسے کہتے ہیں جس کا باپ ہو، تو باپ کا سمجھنا اولاد کے سمجھنے پر موقوف، اولاد کا سمجھنا باپ کے سمجھنے پر موقوف، تو یہ چیزیں اضافی کہلاتی ہیں۔ جبکہ باقی چیزیں جیسے کتاب ہے، قلم ہے، پہاڑ ہے، یہ اضافی نہیں ہیں، ان کے میں ایک کا سمجھنا دوسرے کے سمجھنے پر موقوف نہیں ہے۔

تو تمیز یا عین ہوگی یا عرض، پھر وہ عین یا اضافی ہوگی یا غیر اضافی، اسی طرح وہ عرض جو ہے وہ بھی یا اضافی ہوگی یا غیر اضافی تو چار قسمیں ہو گئیں۔ پھر یہ جو تمیز ہے یا تو یہ خاص ہوگی منتصب عنہ کے ساتھ، یا یہ خاص ہوگی متعلقِ منتصب عنہ

کے، یا اس میں احتمال ہوگا دونوں کے لیے ہونے کا۔ تو اس، یہ تو یہ تین احتمال ہو گئے ہر ایک کے اندر، تو یہ بارہ قسمیں بن گئیں بھائی۔

منتصب عنہ سے تمیز، کبھی منتصب عنہ سے ہوگی، مراد یہ ہے کہ اس کا اطلاق صرف منتصب عنہ پر ہو سکے گا، اور کبھی اس کا اطلاق صرف متعلق پر ہو سکے گا، اور کبھی اس تمیز کا اطلاق دونوں پر ہو سکے گا۔ مثلاً دیکھو، طَابَ زَیْدٌ نَفْسًا، زید اچھا ہے نَفْسًا ذات کے اعتبار سے۔ پہلے تو منتصب عنہ سمجھ لیں۔ منتصب میں نے بتایا تھا، مُنْتَصَبٌ وہ جس کو نصب دیا گیا۔ عَنْہُ، یہ عَنْ علت بیان کرنے کے لیے ہے، عربی زبان میں کبھی عَنْ استعمال کرتے ہیں علت بیان کرنے کے لیے، تو یہ عَنْ سبب بیان کرنے کے لیے ہے۔ مُنْتَصَبٌ، وہ چیز کہ نصب دیا گیا عَنْہُ اس کے سبب سے، اس کی وجہ سے۔ وہ چیز جس کے سبب سے نصب دیا گیا ہو، یعنی وہ چیز جس کے سبب سے، جس کی وجہ سے تمیز کو نصب دیا گیا ہے وہ ہے منتصب عنہ۔ اور وہ منتصب عنہ حقیقت میں تو نسبت ہے، کیونکہ نسبت میں ابہام تھا، اگر نسبت میں ابہام نہ ہوتا تو تمیز لانے کی ضرورت نہیں تھی۔ نسبت میں ابہام تھا اس لیے تمیز لانے کی ضرورت پیش آئی، تو اصل میں یہ جو تمیز کو نصب دیا گیا ہے کس کی وجہ سے دیا گیا ہے؟ نسبت کی وجہ سے، تو وہ نسبت ہے منتصب عنہ۔ لیکن مجازاً یہ جو فاعل ہے اس کو منتصب عنہ کہہ دیتے ہیں، اس لیے کیونکہ فاعل ہے تو نسبت ہے، فاعل نہیں تو نسبت بھی نہیں۔ دیکھو طَابَ زَیْدٌ نَفْسًا، یہ نَفْسًا نے ابہام کو دور کیا۔ کس سے دور کیا؟ یہ جو طَابَ کی نسبت ہو رہی ہے زید کی طرف۔ تو اصل میں تو منتصب عنہ وہ نسبت ہے اس میں ابہام تھا اس کی وجہ سے نَفْسًا کو لانا پڑا، لیکن یہ نسبت آئی کس کی وجہ سے؟ زید فاعل کی وجہ سے، فاعل نہ ہوتا تو نسبت بھی نہ ہوتی۔ تو مجازاً اس فاعل ہی کو منتصب عنہ کہہ دیتے ہیں۔ تو یہاں پر اب جب منتصب عنہ ذکر ہو تو اس سے مراد فاعل ہوگا مجازاً۔

تو تمیز جو ہے اس کا اطلاق کبھی صرف منتصب عنہ یعنی فاعل پر ہو سکے گا، یا کبھی متعلقِ منتصب عنہ پر اس کا اطلاق ہو سکے گا، اور کبھی دونوں پر اس کا اطلاق ہو سکے گا۔ جیسے دیکھو، طَابَ زَیْدٌ نَفْسًا، زید اچھا ہے نَفْسًا ذات کے اعتبار سے۔ اب یہ نفس کا اطلاق صرف زید پر ہو سکتا ہے کیونکہ زید کی ذات زید سے کوئی الگ نہیں ہے۔ تو یہ نَفْسًا تمیز ہے کس سے؟ منتصب عنہ سے۔ یعنی یہ منتصب عنہ سے ابہام کو دور کر رہی ہے۔ توجہ ہے؟ کس سے؟ منتصب عنہ سے ابہام کو دور کر رہی ہے۔ اور کبھی تمیز جو ہے وہ متعلقِ منتصب عنہ سے ہوگی، جیسے طَابَ زَیْدٌ دَارًا، زید اچھا ہے باعتبار گھر کے۔ اب یہ جو دَارٌ ہے اس کا اطلاق زید پر نہیں ہو سکتا۔ زید دَارٌ نہیں ہے بھائی، دَارٌ زید سے الگ چیز ہے۔ زید کا گھر وہ زید سے الگ ہے، زید سے متعلق تو ہے لیکن زید سے الگ ہے۔ تو لہٰذا یہ جو طَابَ زَیْدٌ دَارًا، یہ دَارٌ جو ہے یہ تمیز اس کا اطلاق صرف متعلقِ منتصب عنہ پر ہو سکتا ہے، منتصب عنہ پر نہیں ہو سکتا۔ یعنی یوں کہیں یہ دَارًا متعلقِ منتصب عنہ سے ابہام کو دور کر رہا ہے۔

اور کبھی دونوں سے ہونے کا احتمال ہوگا، منتصب عنہ سے بھی ہو سکتا ہے اور متعلقِ منتصب عنہ سے بھی۔ جیسے مثلاً میں کہتا ہوں طَابَ زَیْدٌ أَبًا، زید اچھا ہے أَبًا باعتبار باپ کے۔ اب دیکھو یہ اَب جو ہے اس کا اطلاق منتصب عنہ پر بھی ہو سکتا ہے، زید اَب ہے، زید باپ ہے، دیکھو باپ کا اطلاق زید پر بھی صحیح، اور زید کے متعلق پر بھی اطلاق ہو سکتا ہے، زید کا باپ۔ دیکھو زید کا باپ وہ زید سے الگ ہے، زید سے متعلق تو ہے زید کا باپ تو ہے لیکن زید سے الگ۔ تو لہٰذا یہ اَب جو ہے یہ ایسی تمیز ہے یہ منتصب عنہ سے بھی ہو سکتی ہے اور متعلقِ منتصب عنہ سے بھی ہو سکتی ہے۔ پھر معنی کیا ہوگا؟ دیکھو مثلاً اگر یہ تمیز جو ہے منتصب عنہ سے ہو، طَابَ زَیْدٌ أَبًا، زید اچھا ہے باعتبار باپ کے، اور اس سے مراد کون ہو؟ زید ہو۔ تو معنی یہ ہوگا زید یعنی زید اچھا باپ ہے، زید اچھا باپ ہے یعنی اپنے بچوں کی اچھی تربیت کرتا ہے۔ اور یا اگر اس کا اطلاق ہم متعلقِ منتصب عنہ پر کریں، یعنی زید کے اس سے زید کا باپ مراد لیں تو معنی بن جائے گا زید کا باپ اچھا ہے، یعنی وہ اپنے بچوں کی اچھی تربیت کرتا ہے۔ تو طَابَ زَیْدٌ أَبًا اس کے دونوں ترجمے ہو سکتے ہیں، زید اچھا باپ ہے یا زید کا باپ اچھا ہے، دونوں طرح اس کا ترجمہ کیا جا سکتا ہے۔

تو تمیز اس کا اطلاق کبھی صرف منتصب عنہ پر ہو سکے گا، کبھی متعلقِ منتصب عنہ پر صرف اطلاق ہو سکے گا، اور کبھی دونوں پر اس کا اطلاق جائز ہوگا۔ یعنی یوں کہو، یوں کہو، تمیز جب اس کا اطلاق صرف منتصب عنہ پر ہے معلوم ہوا وہ منتصب عنہ سے ابہام دور کر رہی ہے۔ جب تمیز کا اطلاق متعلقِ منتصب عنہ پر صحیح ہے صرف، تو معلوم ہوا یہ متعلقِ منتصب عنہ سے ابہام دور کر رہی ہے۔ اور جب اس میں دونوں کا احتمال ہے تو یہ دو، اس میں دونوں احتمال جاری ہو سکتے ہیں، ہو سکتا ہے یہ ابہام کو کس سے دور کرے منتصب عنہ سے اور ہو سکتا ہے متعلقِ منتصب عنہ سے۔ اور اس کا پتہ قرینوں سے چلے گا، قرینے سے پتہ چلے گا۔ جیسے طَابَ زَیْدٌ أَبًا اس میں دونوں احتمال ہیں لیکن یہاں مراد کون سا احتمال ہے؟ اس پر کوئی قرینہ وغیرہ یا کوئی حالت بتلائے گی۔ جس قسم کا کلام جو اس موقع پر چل رہا ہو اس کے مطابق پھر اس کا ترجمہ ہوگا۔ اگر کہنے والا زید کے باپ کی تعریف کرنا چاہتا ہے تو پھر اس کو منتصب عنہ کے متعلق سے تمیز بنائیں گے، اور اگر وہ کہنے والا زید کی تعریف کر رہا ہے یعنی زید اچھا باپ ہے، تو پھر اس اعتبار سے اس کو منتصب عنہ سے تمیز بنائیں گے۔ بات سمجھ میں آگئی؟

اور پھر آخر میں صاحبِ کافیہ نے مثال ذکر فرمائی تھی وَلِلّٰہِ دَرُّہٗ فَارِسًا، اور اللہ ہی کے لیے ہے دَرُّہٗ اس کا کمال اور اس کی خوبی فَارِسًا باعتبار شہسوار ہونے کے۔ میں نے بتایا تھا یہ کلام عرب جو ہیں تعجب کے موقع پر بولتے ہیں۔ جب کسی شخص میں کوئی بہت بڑا کمال دیکھتے ہیں اور اس پر حیرت اور تعجب کا اظہار کرتے ہیں تو اس وقت وہ کہتے ہیں مثلاً کسی میں گھڑ سواری اور شہسواری کمال درجے کی دیکھی تو وہ کہتے ہیں لِلّٰہِ دَرُّہٗ فَارِسًا، اللہ ہی کے لیے ہے اس کی خوبی، اس کا کمال

باعتبار شہسوار ہونے کے، یعنی وہ کتنے کمال درجے کا شہسوار ہے۔ اور یہاں نسبت اللہ کی طرف کر دیتے ہیں، اللہ ہی کے لیے ہے اس کا کمال، یعنی تعجب کا اظہار کرتے ہیں کہ یہ تو اتنا بڑا کمال ہے، اتنی بڑی خوبی ہے کہ اس کو یہ شخص خود حاصل کر ہی نہیں سکتا، یہ تو خاص طور پر اللہ ہی نے اس کو عطا فرمائی ہے۔ تو اس کی نسبت اللہ کی طرف کر دیتے ہیں بھائی۔

اور یہ بھی بتلایا تھا آپ کو کہ یہ دَرٌّ جو ہے دَرٌّ، یہ عربی زبان میں دودھ کو کہتے ہیں۔ اور دودھ کے اندر چونکہ عربوں کے لیے سب سے زیادہ کمال اور سب سے زیادہ خوبی تھی، کیونکہ عرب خانہ بدوش لوگ تھے، وہاں ریگستانی علاقہ ہے فصلیں ہوتیں نہیں، تو جانور رکھے ہوتے اونٹ وغیرہ اور یہ بکریاں، اور انہی کے دودھ پر وہ زندگی گزارتے تھے اور یہی ان کی خوراک تھی بھائی۔ تو عربوں کے لیے سب سے زیادہ خیر کس کے اندر تھی؟ اس دودھ کے اندر تھی، تو دودھ کو وہ دَرٌّ کہتے ہیں۔ تو پھر بعد میں وہ جس چیز میں بھی خیر دیکھتے اس پر دَرٌّ کا لفظ بولتے۔ تو یہاں دَرّ کس معنی میں ہے؟ خیر کے معنی میں ہے، یہ یعنی خیر خوبی اور کمال، لِلّٰہِ دَرُّہٗ اللہ ہی کے لیے ہے اس کی خوبی باعتبار فَارِسًا باعتبار شہسوار ہونے کے۔

سوال پیدا ہوا یہ مثال صاحبِ کافیہ کیوں لائے؟ پہلے ہی پندرہ کوئی مثالیں تقریباً انہوں نے ذکر کر دیں، یہ سولہویں مثال ان کو ذکر کرنے کی ضرورت کیوں پیش آئی؟ تو صاحبِ جامی نے بتلایا کہ صاحبِ کافیہ یہ مثال اس لیے لے کر آئے کہ وہ بتلانا چاہتے ہیں کہ تمیز کبھی کبھار مشتق بھی ہوتی ہے، یعنی مشتق کا بھی صیغہ ہوتی ہے، اور یہاں فَارِس دیکھو اسمِ فاعل ہے بھائی۔ جبکہ اس سے پہلے جو تھے وہ غیر مشتق تھے بھائی۔ اس سے پہلے جتنی تمیز کی قسمیں گزریں وہ سب کیا ہیں؟ غیر مشتق ہیں، جبکہ یہ مثال ہے اس تمیز کی جو مشتق ہے۔ چنانچہ بعض علماء نے تو انکار ہی کیا ہے، وہ فرماتے ہیں کہ تمیز کے لیے ضروری ہے کہ وہ غیر مشتق ہو، مشتق تمیز بن ہی نہیں سکتی۔ لیکن صاحبِ کافیہ نے بتلایا کہ نہیں، مشتق یعنی اسمِ فاعل اسمِ مفعول وغیرہ کے صیغے بھی تمیز بن سکتے ہیں، کیونکہ مقصد ابہام کو دور کرنا ہے اور ان کے ذریعے بھی ابہام کو دور کیا جا سکتا ہے۔

اور نیز دوسری وجہ یہ، یہ مثال اس لیے لے کر آئے صاحبِ کافیہ کہ صاحبِ مفصل نے یہ مثال ذکر کی ہے تمیز کی پہلی قسم کی مثال کے طور پر۔ تمیز کی پہلی قسم کون سی تھی؟ جو مفرد سے ابہام کو دور کرے۔ تو صاحبِ مفصل یہ مثال اس کے لیے لے کر آئے کہ اس کے اندر وہ فرماتے ہیں دَرُّہٗ، یہ ہا ضمیر مبہم ہے۔ اس ہا ضمیر کا پیچھے کوئی مرجع ذکر نہیں، تو پتہ نہیں کہ اس سے کون مراد ہے، تو اس ضمیر میں ابہام تھا اور آگے فَارِسًا نے آکر اس ابہام کو دور کر دیا کہ اس ہا ضمیر سے کون مراد ہے؟ شہسوار مراد ہے، کوئی اور چیز مراد نہیں ہے۔ تو صاحبِ مفصل نے اس مثال کو ذکر کیا تھا تمیز کی پہلی قسم کے لیے، جبکہ صاحبِ کافیہ بتلانا چاہتے ہیں کہ یہ تمیز کی قسمِ ثانی کی بھی مثال بن سکتی ہے بایں لحاظ کہ یہ ہا ضمیر مبہم نہ ہو، یہ پیچھے کسی معین کی طرف لوٹ رہی ہو، مرجع کا پتہ ہو، مرجع معلوم ہو، جب مرجع معلوم ہے تو ضمیر کے اندر کوئی ابہام نہیں۔ ہاں یہ دَرُّہٗ، دَرّ کی اضافت جو ہو رہی ہے ہا ضمیر کی طرف، اس اضافت کے اندر جو نسبت ہے اس نسبت کے اندر ابہام ہو اور

آگے فَارِسًا کیا کرے اس ابہام کو آکر دور کرے تو یہ تمیز کی قسمِ ثانی کی بھی مثال بن سکتی ہے، پہلی قسم کی بھی اور قسمِ ثانی کی بھی یہ مثال بن سکتی ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟

جی، آگے دیکھیے بھائی آج کا سبق۔ کہتے ہیں: ثُمَّ إِنْ كَانَ أَيِ التَّمْيِيزُ بَعْدَ مَا لَمْ يَكُنْ نَصًّا فِي الْمُنْتَصَبِ عَنْهُ اسْمًا لَا صِفَةً يَصِحُّ جَعْلُهُ لِمَنْ تُصِبَ عَنْهُ۔ جی، پہلے متن متن ذرا دیکھیے۔ کہتے ہیں ثُمَّ إِنْ كَانَ اسْمًا، پھر اگر وہ تمیز اسم ہو۔ یہاں اسم کا لفظ یاد رکھنا صفت کے مقابلے میں ہے۔ اسم کا لفظ یہاں صفت کے مقابلے میں ہے۔ ایک اسم کا لفظ فعل اور حرف کے مقابلے میں بھی آتا ہے۔ آپ نے پڑھا تھا کہ کلمہ تین قسم پر ہے بھائی: اسم، فعل اور حرف۔ تو یہاں جو اسم آیا نا اسم، فعل اور حرف میں جو لفظِ اسم آرہا ہے یہ فعل اور حرف کے مقابلے میں ہے۔ جب کہہ دیا جائے یہ اسم ہے تو پتہ چلا معلوم ہوا فعل بھی نہیں ہے اور حرف بھی نہیں ہے۔ لیکن یہاں پر جو اسم کا لفظ آیا وہ فعل اور حرف کے مقابلے میں نہیں ہے، بلکہ یہاں یہ صفت کے مقابلے میں ہے۔ یعنی تمیز جو ہے تمیز، تمیز آپ کو بتلا دیا صاحبِ کافیہ نے کہ تمیز جو ہے کبھی وہ اسم ہوتی ہے کبھی صفتِ مشتقہ ہوگی بھائی، جیسے لِلّٰہِ دَرُّہٗ فَارِسًا، یہ فَارِسًا کیا ہے؟ فَارِس اسمِ فاعل ہے دیکھو صفتِ مشتقہ ہے۔ تو تمیز کبھی اسم ہوگی جیسے طَابَ زَيْدٌ نَفْسًا، یہ نَفْس کیا ہے؟ اسم ہے، یہ مشتق نہیں ہے۔ یا طَابَ زَيْدٌ أَبًا، یہ اَب کیا ہے؟ یہ اسم ہے مشتق نہیں، جبکہ تمیز کبھی صفتِ مشتقہ ہوگی جیسے طَابَ زَيْدٌ فَارِسًا، زید اچھا ہے باعتبار شہسوار ہونے کے، تو یہ فَارِس صفتِ مشتقہ ہے۔ تو گویا تمیز دو قسم پر ہو گئی، کبھی کیا ہوگی وہ اسم اور کبھی صفتِ مشتقہ۔ تو یہاں جو اسم کہا تو یہ صفتِ مشتقہ کو نکالنا چاہتے ہیں، اس کا حکم آگے ایک دو صفحوں کے بعد پھر الگ وہ بیان کریں گے۔

تو کہتے ہیں ثُمَّ إِنْ كَانَ اسْمًا، پھر وہ تمیز اگر ایسا اسم ہو يَصِحُّ جَعْلُهُ لِمَنْ تُصِبَ عَنْهُ۔ دیکھو اسْمًا نکرہ آیا اور اس کے بعد يَصِحُّ فعل آیا، اور نکرہ کے بعد فعل آئے تو وہ اس کے لیے صفت بنتا ہے، اور موصوف صفت کا ترجمہ کرنے کا طریقہ میں نے بتلایا تھا کہ موصوف سے پہلے ایسا یا ایسی کا لفظ لے آتے ہیں۔ تو اب دیکھیے ترجمہ سنیے، ثُمَّ إِنْ كَانَ اسْمًا پھر اگر وہ تمیز ایسا اسم ہو يَصِحُّ جَعْلُهُ لِمَنْ تُصِبَ عَنْهُ کہ اس کو منتصب عنہ کے لیے بنانا صحیح ہو، کہ اس کو منتصب عنہ کے لیے بنانا صحیح ہو، یعنی منتصب عنہ کے لیے قرار دینا صحیح ہو۔ بھائی منتصب عنہ کے لیے قرار دینے کا کیا معنی؟ آگے صاحبِ جامی بھی پھر آپ کو بتلائیں گے کہ تمیز کو منتصب عنہ کے لیے قرار دینے کا معنی یہ ہے کہ اس تمیز کا منتصب عنہ پر اطلاق ہو سکے، وہ تمیز کا لفظ جو ہے منتصب عنہ پر بولا جا سکے۔ جیسے طَابَ زَيْدٌ أَبًا، یہ أَبًا جو تمیز ہے یہ منتصب عنہ یعنی زید پر یہ لفظ بولا جا سکتا ہے، میں کہہ سکتا ہوں زَيْدٌ أَبٌ، زید باپ ہے، تو دیکھو یہ اَب کے لفظ کا میں نے اطلاق کس پر کر دیا؟ زید پر کر دیا۔ تو تمیز کا منتصب عنہ سے قرار دینے کا کیا معنی؟ کہ اس کا منتصب عنہ پر اطلاق ہو سکے، اس لفظ کو اس پر بولا جا سکے بھائی۔

تو صاحبِ کافیہ فرما رہے ہیں ثُمَّ إِنْ كَانَ اسْمًا، پھر اگر وہ تمییز ایسا اسم ہو يَصِحُّ جَعْلُهُ لِمَنْ تُصِبَ عَنْهُ کہ اس کا اطلاق منتصب عنہ پر صحیح ہو۔ اس کا، ہاں حاصلِ معنی میں بیان کر رہا ہوں يَصِحُّ جَعْلُهُ، جَعْل کا کیا ترجمہ کر دیا؟ اطلاق ہم مراد جو مرادی معنی ہے۔ تو کہتے ہیں پھر اگر وہ تمییز ایسا اسم ہو کہ يَصِحُّ جَعْلُهُ لِمَنْ تُصِبَ عَنْهُ کہ منتصب عنہ پر اس کا اطلاق ہو سکے، وہ تمییز کا لفظ منتصب عنہ پر بولا جا سکے۔ یہ ہے شرط، آگے آ رہی ہے جزا، جزا۔ پیچھے آیا تھا نا إِنْ كَانَ، إِنْ شرط کے لیے آتا ہے، آگے آ گئی جزا، تو جَازَ أَنْ يَكُونَ لَهُ وَلِمُتَعَلِّقِهِ، دیکھ رہے ہیں بھائی متن متن؟ جَازَ، تو پھر جائز ہے أَنْ يَكُونَ لَهُ کہ وہ تمییز اس منتصب عنہ کے لیے ہو وَلِمُتَعَلِّقِهِ اور اس کے متعلق کے لیے ہو، وَإِلَّا اور اگر ایسا نہ ہو۔

پھر سنو۔ صاحبِ کافیہ فرما رہے ہیں اگر تمییز ایسا اسم ہو کہ اس کا اطلاق منتصب عنہ پر ہو سکے تو پھر جائز ہے کہ وہ تمییز ہو منتصب عنہ کے لیے اور منتصب عنہ کے متعلق کے لیے، وَإِلَّا اور اگر ایسا نہ ہو، اگر ایسا نہ ہو کیا معنی؟ اگر تمییز ایسا اسم نہ ہو جس کا اطلاق منتصب عنہ پر ہو سکے۔ پیچھے کیا کہا تھا؟ تمییز اگر ایسا اسم ہو جس کا اطلاق منتصب عنہ پر ہو سکے، تو إِلَّا کے ذریعے اس کی نفی کر دو اور اگر ایسا نہ ہو، یعنی تمییز ایسا اسم نہ ہو جس کا اطلاق منتصب عنہ پر ہو سکے، فَهُوَ لِمُتَعَلِّقِهِ تو اس صورت میں وہ تمییز ہوگی اس کے متعلق کے لیے۔ بات سمجھ میں آ گئی؟

تو دو شرطیں ذکر کر دیں اور ان دو کی جزا ذکر کر دی۔ پہلی شرط کیا؟ کہ تمییز، توجہ سے سنو بھائی یہاں صاحبِ کافیہ کی عبارت پر اشکال ہوتا ہے اس لیے میں بار بار اس کو دہراؤں گا تاکہ بات اچھی طرح سمجھ میں آ جائے۔ پہلی شرط کیا ذکر کی؟ اگر تمییز ایسا اسم ہو کہ اس کا اطلاق منتصب عنہ پر ہو سکے، آگے جزا ذکر کر دی، تو پھر اس صورت میں اس تمییز کا اطلاق منتصب عنہ پر بھی کر سکتے ہیں اور اس کے متعلق پر بھی کر سکتے ہیں۔ پھر دہرائیں۔ اگر تمییز ایسا اسم ہو جس کا اطلاق منتصب عنہ پر ہو سکے تو اس کا اطلاق منتصب عنہ پر بھی کر سکتے ہیں اور اس کے متعلق پر بھی کر سکتے ہیں۔ وَإِلَّا اور اگر ایسا نہ ہو، یہ دوسری شرط آ گئی، اگر ایسا نہ ہو یعنی اگر تمییز ایسا اسم نہ ہو جس کا اطلاق منتصب عنہ پر ہو سکے، فَهُوَ لِمُتَعَلِّقِهِ یہ دوسری شرط کی جزا آ گئی، تو پھر وہ تمییز اس کے متعلق کے لیے ہوگی، منتصب عنہ کے لیے نہیں ہوگی۔

بھائی دیکھو یہاں صاحبِ کافیہ کی عبارت پر اشکال ہوتا ہے۔ دیکھو یہاں کل تین صورتیں بنتی ہیں۔ ایک صورت کیا کہ تمییز آئے گی اور وہ خاص ہوگی کس کے ساتھ؟ منتصب عنہ کے ساتھ، طَابَ زَيْدٌ نَفْسًا، زید اچھا ہے باعتبار ذات کے۔ اور یہ ذات جو ہے زید سے الگ نہیں ہے، زید کی ذات زید ہی ہے، تو یہاں یہ جو نَفْسًا تمییز آئی اس کا اطلاق صرف منتصب عنہ پر ہو سکتا ہے، اس کے متعلق پر نہیں ہو سکتا کیونکہ یہ نفس جو ہے زید کا وہ زید سے الگ نہیں ہے۔ تو طَابَ زَيْدٌ نَفْسًا کیسی تمییز ہے؟ جس کا اطلاق صرف منتصب عنہ پر ہو سکتا ہے۔

اور ایک صورت یہ ہے کہ تمییز کا اطلاق صرف متعلق پر ہو سکتا ہے، طَابَ زَيْدٌ دَارًا، زید اچھا ہے باعتبار گھر کے۔ اب

یہ جو دَار تمیز آئی اس کا اطلاق منتصب عنہ یعنی زید پر نہیں ہو سکتا، زید دَار نہیں ہے بھائی، ہاں زید کا دَار اچھا ہے، زید کا گھر اچھا ہے، تو یہ دَار زید سے متعلق تو ہے لیکن خود زید نہیں، تو طَابَ زَیْدٌ دَارًا یہ دَار ایسی تمیز ہے جس کا اطلاق صرف متعلق پر ہو سکتا ہے۔

اور کبھی تمیز میں دونوں کا احتمال ہوگا، یعنی وہ منتصب عنہ پر بھی اس کا اطلاق ہو سکے گا اور منتصب عنہ کے متعلق پر بھی۔ تفصیل پیچھے گزر چکی ہے میں پھر دہرا رہا ہوں بھائی۔ جیسے طَابَ زَیْدٌ أَبًا، زید اچھا ہے باعتبار باپ کے۔ اس اَب کا اطلاق زید پر بھی ہو سکتا ہے اور زید کے متعلق پر بھی۔ طَابَ زَیْدٌ أَبًا، أَبًا کا اطلاق اگر زید پر ہم کریں: زید اچھا ہے باعتبار باپ کے، یعنی زید اچھا باپ ہے، یعنی مثلاً اس کا بیٹا عمر ہے زید اس کا خیال رکھتا ہے اس کی اچھی تربیت کرتا ہے تو ہم کہیں گے طَابَ زَیْدٌ أَبًا، زید اچھا باپ ہے۔ اور یہ اَب جو ہے اس کا اطلاق زید کے متعلق پر بھی ہو سکتا ہے، یعنی جو زید کا باپ ہے، تو طَابَ زَیْدٌ أَبًا تو پھر ترجمہ کیا ہوگا؟ زید کا باپ اچھا ہے، یعنی وہ زید کا خیال رکھتا ہے اور اس کی اچھی تربیت کرتا ہے۔

معلوم ہوا کتنی صورتیں ہیں یہاں؟ تین صورتیں۔ کبھی تمیز خاص ہوگی منتصب عنہ کے ساتھ، کبھی تمیز خاص ہوگی متعلق کے ساتھ، اور کبھی تمیز میں دونوں کا احتمال ہوگا، تین صورتیں یہاں بنتی ہیں۔ بات سمجھ میں آگئی؟

تو اب پھر یہ تین مثالیں دیکھو: طَابَ زَیْدٌ نَفْسًا، یہ نَفْسًا یہ ایسی تمیز ہے جو خاص ہے کس کے ساتھ؟ منتصب عنہ کے ساتھ۔ جب یہ تمیز خاص ہے منتصب عنہ کے ساتھ تو میں کہہ سکتا ہوں اس تمیز کا اطلاق منتصب عنہ پر صحیح ہے۔ یہ نَفْسًا کا اطلاق منتصب عنہ یعنی زید پر صحیح ہے۔ اگر صحیح نہ ہوتا تو خاص کیسے ہوتی اس کے ساتھ؟ اس کا اطلاق اس پر ہو سکتا ہے اسی لیے تو اس کے ساتھ خاص ہے، اگر اس کا اطلاق اس پر ہو ہی نہ سکتا تو خاص تو ہو ہی نہیں سکتی تھی بھائی۔ جیسے طَابَ زَیْدٌ دَارًا، دَار کا اطلاق زید پر نہیں ہو سکتا تو وہ زید کے ساتھ خاص بھی نہیں ہو سکتا، تو خاص تب ہی ہوگا جب اس کا اطلاق اس پر ہو سکے۔ تو طَابَ زَیْدٌ نَفْسًا میں کہہ سکتا ہوں یہ نَفْسًا کا اطلاق زید پر صحیح ہے۔ تو یہ پہلی مثال تھی جس میں تمیز خاص تھی کس کے ساتھ؟ منتصب عنہ کے ساتھ۔ اس میں بھی ہم کہہ سکتے ہیں کہ یہ اس کا اطلاق منتصب عنہ پر صحیح ہے۔ اور وہ والی صورت لے لیں جس میں تمیز کا اطلاق دونوں پر ہو سکتا ہے: طَابَ زَیْدٌ أَبًا، یہ أَبًا کا اطلاق زید پر بھی ہو سکتا ہے اور اس کے متعلق پر بھی۔ تو اس میں بھی میں کہہ سکتا ہوں کہ یہ أَبًا ایسی تمیز ہے جس اس کا اطلاق منتصب عنہ پر ہو سکتا ہے۔ اس کا اطلاق منتصب عنہ پر ہو سکتا ہے۔ جبکہ تیسری صورت جو تھی طَابَ زَیْدٌ دَارًا، اس میں دَارًا کا اطلاق منتصب عنہ پر نہیں ہو سکتا۔ معلوم ہوا تین صورتوں میں سے دو صورتوں کے اندر تمیز کا اطلاق منتصب عنہ پر ہو سکتا ہے، اور ایک صورت میں تمیز کا اطلاق منتصب عنہ پر نہیں ہو سکتا۔ وہ کون سی دو صورتیں ہیں جن کے اندر تمیز کا اطلاق منتصب عنہ پر ہو سکتا ہے؟ ایک صورت جس میں وہ تمیز خاص ہوگی منتصب عنہ کے ساتھ، اور دوسری صورت جس میں دونوں کا احتمال

ہوگا۔ تو جب میں یوں کہوں کہ تمیز کا اطلاق منتصب عنہ پر ہو سکے، کتنی صورتیں آگئیں اس میں؟ اس میں دو صورتیں آجائیں گی۔ اور جب میں کہوں کہ تمیز کا اطلاق منتصب عنہ پر نہ ہو سکے تو اس میں ایک صورت آگئی۔ بات سمجھ میں آگئی؟

اب صاحبِ کافیہ کی ذرا عبارت پر غور کریں، دیکھیے صاحبِ کافیہ کیا فرماتے ہیں: ثُمَّ إِنْ كَانَ اسْمًا، پھر اگر وہ تمیز ایسا اسم ہو يَصِحُّ جَعْلُهُ لِمَنْ تُصِبَ عَنْهُ کہ اس کا اطلاق منتصب عنہ پر صحیح ہو۔ تمیز اگر ایسا اسم ہو کہ اس کا اطلاق منتصب عنہ پر صحیح ہو، کتنی صورتیں اس میں آگئیں؟ دو صورتیں آگئیں۔ تو آگے کیا کہنا چاہیے؟ شرط کیا؟ اگر تمیز کا اطلاق منتصب عنہ پر صحیح ہو سکے، تو پھر جزا یوں آنی چاہیے آگے: تو پھر کبھی وہ منتصب عنہ کے ساتھ خاص ہوگی اور کبھی وہ دونوں کے لیے ہوگی۔ جب تمیز کا اطلاق منتصب عنہ پر صحیح ہو تو تمیز منتصب عنہ کے ساتھ خاص بھی ہو سکتی ہے اور تمیز میں منتصب عنہ اور اس کے متعلق دونوں کا بھی احتمال ہو سکتا ہے۔ تو اس شرط کے اندر دو صورتیں داخل ہو رہی تھیں، لیکن صاحبِ کافیہ آگے صرف ایک صورت ذکر کریں گے۔ دیکھو: جَازَ أَنْ يَكُونَ لَهُ وَلِمُتَعَلَّقِهِ، تو اس صورت میں جائز ہے کہ وہ تمیز منتصب عنہ کے لیے ہو اور اس کے متعلق کے لیے ہو۔ یہ تو ایک صورت ذکر کر دی جس یعنی دونوں کے لیے ہو سکتی ہے، اور وہ صورت ذکر ہی نہیں کی کہ جب تمیز وہ منتصب عنہ کے ساتھ خاص ہو۔ بات سمجھ میں آگئی؟

پھر سنو۔ حاصلِ کلام کیا ہوا؟ یہ صاحبِ کافیہ کی عبارت پر اشکال ہوتا ہے۔ صاحبِ کافیہ نے شرط کیا ذکر کی؟ کہ اگر تمیز کا اطلاق منتصب عنہ پر ہو سکے، آگے جزا میں کتنی صورتیں ذکر کرنی چاہئیں؟ دو صورتیں ذکر کرنی چاہئیں۔ ایک صورت کیا؟ کہ پھر تمیز منتصب عنہ کے ساتھ خاص بھی ہو سکتی ہے اور تمیز دونوں کے لیے بھی ہو سکتی ہے۔ لیکن صاحبِ کافیہ نے صرف ایک صورت ذکر کی جَازَ أَنْ يَكُونَ لَهُ وَلِمُتَعَلَّقِهِ، تو اس صورت میں جائز ہے کہ وہ تمیز منتصب عنہ کے لیے ہو اور اس کے متعلق کے لیے ہو۔ وہ صورت ذکر ہی نہیں کی جس میں وہ تمیز خاص ہوگی کس کے ساتھ؟ منتصب عنہ کے ساتھ۔ تو یہاں جزا جو آرہی ہے وہ شرط کے مطابق نہیں۔ شرط کیا؟ کہ تمیز کا اگر اطلاق منتصب عنہ پر ہو سکے، اور جزا میں صرف ایک صورت ذکر کی حالانکہ کتنی صورتیں آنی ذکر کرنی چاہئیں تھیں؟ دو صورتیں ذکر کرنی چاہئیں تھیں۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو یہاں یہ خرابی لازم آتی ہے۔

اور آگے دیکھو ذرا: وَإِلَّا، وَإِلَّا اور اگر ایسا نہ ہو فَهُوَ لِمُتَعَلَّقِهِ تو پھر وہ تمیز کس کے لیے ہوگی؟ منتصب عنہ کے متعلق کے لیے ہوگی۔ تو صاحبِ کافیہ نے پیچھے بھی ایک صورت ذکر کی جزا کے اندر اور یہاں بھی جزا کے اندر ایک صورت ذکر کی، تو تین میں سے دو صورتیں تو ذکر ہو گئیں، ایک تیسری صورت رہ گئی وہ ذکر ہی نہیں۔ پہلے میں کون سی صورت ذکر کی؟ صاحبِ کافیہ نے کون سی ذکر کی؟ کہ جب تمیز کا اطلاق منتصب عنہ پر صحیح ہو تو وہ منتصب عنہ کے لیے بھی ہو سکتی ہے اور اس کے متعلق کے لیے بھی ہو سکتی ہے، ایک صورت یعنی دونوں کا احتمال ہے اس میں۔ اور اگلی صورت کیا ذکر کی؟ وَإِلَّا فَهُوَ

لِمُتَعَلِّقِهِ، ورنہ وہ تمیز کس کے لیے ہوگی؟ منتصب عنہ کے متعلق کے لیے ہوگی، تو دو صورتیں آگئیں تو تیسری صورت تو ذکر ہی نہیں کی، وہ صورت جس میں تمیز خاص ہو منتصب عنہ کے ساتھ۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو لہٰذا شارحین مجبور ہوئے اور پھر ان کو ایک قید لگا کر اس ایک صورت کو نکالنا پڑا۔ قید لگا کر اس ایک صورت کو اس عبارت سے ہی نکال دیں گے، یعنی ایسی قید لگائیں گے کہ وہ ایک صورت اس سے نکل جائے گی۔ تو گویا یہاں صاحبِ کافیہ صرف دو کا حکم بیان کر رہے ہیں، تیسری کا حکم وہ بیان ہی نہیں کر رہے۔ تو صاحبِ جامی شرط کے اندر قید بڑھا دیں گے کہ یہاں وہ صورت مراد ہی نہیں ہے جس میں تمیز خاص ہوتی ہے منتصب عنہ کے ساتھ۔ جب وہ صورت یہاں مراد ہی نہیں ہے، اس کی بات ہی نہیں کی جا رہی، تو اب عبارت ٹھیک بن گئی۔ اب کیا بن گئی؟ عبارت ٹھیک بن گئی کہ اس ایک صورت کا حکم بیان ہو ہی نہیں رہا باقی دو صورتوں کا حکم یہاں پر بیان ہو رہا ہے۔

چنانچہ وہ قید لگائیں گے کہ تمیز، شرط کیا ذکر تھی؟ کہ تمیز اگر اس کا اطلاق منتصب عنہ پر ہو سکے، بعد اس کے کہ تمیز منتصب عنہ کے ساتھ خاص نہ ہو۔ تمیز منتصب عنہ کے ساتھ خاص نہ ہو۔ جب تمیز منتصب عنہ کے ساتھ خاص نہ ہو اور اس کا اطلاق منتصب عنہ پر ہو سکے تو پھر وہ منتصب عنہ کے لیے بھی ہو سکتی ہے اور اس کے متعلق کے لیے بھی۔ عبارت سمجھ میں آئی؟ پھر سنو۔ کیا قید لگائیں گے؟ جب تمیز منتصب عنہ کے ساتھ خاص نہ ہو، جب تمیز منتصب عنہ کے ساتھ خاص نہ ہو دیکھو ایک صورت نکل گئی، تو جب تمیز منتصب عنہ کے ساتھ خاص نہ ہو پھر اگر اس کا اطلاق منتصب عنہ پر ہو سکے تو پھر وہ منتصب عنہ کے لیے بھی ہو سکتی ہے اور متعلق منتصب عنہ کے لیے بھی ہو سکتی ہے، وَإِلَّا اور اگر ایسا نہ ہو فَهُوَ لِمُتَعَلِّقِهِ تو پھر وہ تمیز منتصب عنہ کے متعلق کے لیے ہوگی۔ دیکھا؟ قید لگا کر اس ایک صورت کو اس عبارت سے ہی نکال دیا کہ وہ یہاں مراد ہی نہیں ہے۔ اگر وہ مراد لیتے ہیں تو پھر شرط اور جزا ایک دوسرے کے مطابق نہیں ہیں۔ بات سمجھ میں آ گئی؟

جی، پھر دیکھیے بھائی متن متن پہلے دیکھ لیجیے: ثُمَّ إِنْ كَانَ اسْمًا، پھر اگر وہ تمیز جو ہے ایسا اسم ہو يَصِحُّ جَعْلُهُ لِمَنْ تُصِبَ عَنْهُ کہ صحیح ہو اس کا اطلاق منتصب عنہ پر، اور درمیان میں قید کیا بڑھا دی؟ جب وہ منتصب عنہ کے ساتھ خاص نہ ہو۔ توجہ ہے؟ پھر سنو عبارت۔ جب تمیز منتصب عنہ کے ساتھ خاص نہ ہو اس کے بعد اگر وہ منتصب عنہ پر اس کا اطلاق ہو سکے تو جَازَ أَنْ يَكُونَ لَهُ وَلِمُتَعَلِّقِهِ تو پھر جائز ہے کہ وہ تمیز کبھی منتصب عنہ کے لیے ہوگی وَلِمُتَعَلِّقِهِ اور کبھی منتصب عنہ کے متعلق کے لیے ہوگی، وَإِلَّا اور اگر ایسا نہ ہو یعنی اگر تمیز کا اطلاق منتصب عنہ پر نہ ہو سکے فَهُوَ لِمُتَعَلِّقِهِ تو پھر وہ تمیز خاص ہوگی کس کے ساتھ؟ منتصب عنہ کے متعلق کے ساتھ۔ اب عبارت سمجھ میں آگئی؟

جی، اب اس سارے کو شرح کے ساتھ دیکھیے۔ کہتے ہیں: ثُمَّ إِنْ كَانَ أَيِ التَّمْيِيزُ، جی كَانَ کے بعد أَيِ التَّمْيِيزُ لا کر كَانَ

کے اندر جو كَانَ کا اسم ہے، ضمیر ہے، اس کا مرجع بتلا دیا کہ ضمیر کس کو راجع ہے؟ تمیز کو۔ ثُمَّ إِنْ كَانَ أَيِ التَّمْيِيزُ، پھر وہ تمیز جو ہے، اب دیکھو وہ قید بڑھائیں گے: بَعْدَ مَا لَمْ يَكُنْ نَصًّا فِي الْمُنْتَصَبِ عَنْهُ، بعد اس کے کہ وہ تمیز نص نہ ہو منتصب عنہ کے بارے میں، یعنی متعین نہ ہو منتصب عنہ کے بارے میں۔ نَصّ کا معنی ہے صریح بھائی، صاف لفظوں میں یا یوں کہو جو متعین ہو، جو کیا ہو متعین ہو۔ بَعْدَ مَا لَمْ يَكُنْ نَصًّا فِي الْمُنْتَصَبِ عَنْهُ، بعد اس کے کہ جب وہ تمیز متعین نہ ہو منتصب عنہ کے بارے میں۔ بھائی تین صورتیں بنتی تھیں نا؟ ایک صورت کیا کہ تمیز متعین ہو کس کے لیے؟ منتصب عنہ کے لیے۔ دوسری صورت کیا؟ متعلقِ منتصب عنہ کے لیے متعین ہو۔ اور تیسری صورت کیا؟ دونوں کا احتمال ہو۔ تو وہ صورت تو یہاں ذکر ہی نہیں تھی جس میں تمیز متعین ہو کس کے لیے؟ منتصب عنہ کے لیے متعین ہو وہ ذکر ہی نہیں تھی، تو وہ لہٰذا یہ قید لگا کر اب اس کو نکال رہے ہیں: بَعْدَ مَا لَمْ يَكُنْ نَصًّا فِي الْمُنْتَصَبِ عَنْهُ، کہ وہ تمیز بعد اس کے کہ جب وہ منتصب عنہ کے بارے میں متعین نہ ہو، یعنی وہ صورت یہاں مراد نہیں ہے۔ تو اس وقت جب تمیز جو ہے اسمًا ایسا اسم ہو لَا صِفَةً، دیکھا صاحبِ جامی نے آگے لَا صِفَةً نکال کر بتلا دیا کہ یہاں اسم صفت کے مقابلے میں ہے، اسم کہہ کر کس کو نکال دیا؟ صفت کو نکال دیا، کہ تمیز جب وہ اسم ہو لَا صِفَةً صفت نہ ہو۔ اور يَصِحُّ جَعْلُهُ لِمَنْ تُصِبَ عَنْهُ، اور صحیح ہو اس تمیز کو بنانا لِمَنْ تُصِبَ عَنْهُ کس کے لیے؟ منتصب عنہ کے لیے۔ اس تمیز کو صحیح ہو منتصب عنہ کے لیے بنانا، یعنی اس کو منتصب عنہ کے لیے قرار دینا صحیح ہو۔ اور اس قرار دینے کا کیا معنی میں نے کیا؟ کہ منتصب عنہ پر اس کا اطلاق ہو سکے، وہی آگے بیان کر رہے ہیں۔ کہتے ہیں: وَالْمُرَادُ بِجَعْلِهِ لَهُ، اور تمیز کو منتصب عنہ کے لیے قرار دینے سے مراد جو ہے، إِطْلَاقُهُ عَلَيْهِ وَالتَّعْبِيرُ بِهِ عَنْهُ کہ اس تمیز کا اس منتصب عنہ پر اطلاق ہو سکے وَالتَّعْبِيرُ بِهِ عَنْهُ اور اس تمیز کے ذریعے اس منتصب عنہ کو تعبیر کیا جا سکے، اس کو تعبیر کیا جا سکے۔

تو اس صورت میں جب تمیز ایسا اسم ہو کہ اس کا اطلاق منتصب عنہ پر ہو سکے، جَازَ تو جائز ہے أَنْ يَكُونَ ذٰلِكَ التَّمْيِيزُ تَارَةً لَهُ أَيْ لِلْمُنْتَصَبِ عَنْهُ، تو جائز ہے کہ وہ تمیز جو ہے تَارَةً لَهُ کبھی کس کے لیے ہو؟ أَيْ لِلْمُنْتَصَبِ عَنْهُ۔ بھائی دیکھو یہ تَارَةً کا لفظ لائے صاحبِ جامی۔ ذرا متن متن دیکھو: جَازَ أَنْ يَكُونَ لَهُ وَلِمُتَعَلِّقِهِ، تو جائز ہے اس صورت میں کہ وہ تمیز منتصب عنہ کے لیے ہو وَلِمُتَعَلِّقِهِ اور اس کے متعلق کے لیے ہو۔ یہ لَهُ اور لِمُتَعَلِّقِهِ کے درمیان صاحبِ کافیہ واو لائے ہیں، لَهُ وَلِمُتَعَلِّقِهِ، اور یہ واو تو جمع کا فائدہ دیتا ہے، جَاءَنِي زَيْدٌ وَعَمْرٌو یہ زید اور عمر میں میں واو لایا اس نے کیا بتلایا کہ آنے میں دونوں جمع ہیں، زید بھی آیا ہے اور عمر بھی آیا ہے، تو واو جمع کا فائدہ دیتا ہے۔ تو یہاں پر بھی شبہ ہوتا تھا، مثلاً طَابَ زَيْدٌ أَبًا یہ أَبًا اس کا اطلاق منتصب عنہ زید پر بھی ہو سکتا ہے اور اس کے متعلق پر بھی ہو سکتا ہے۔ لیکن یہ ایک وقت میں ایک سے تمیز بنے گی، دونوں سے نہیں۔ یا تو یہ أَبًا تمیز بنائیں گے آپ زید سے، یا زید کے متعلق سے، دونوں سے آپ ایک وقت میں تمیز نہیں بنا سکتے۔ تو یہاں پر تو آیا لَهُ وَلِمُتَعَلِّقِهِ، تو پھر وہ تمیز ہوگی منتصب عنہ کے لیے اور اس کے متعلق کے لیے۔ اس عبارت سے بظاہر شبہ پڑتا ہے شاید دونوں کے لیے یک وقت وہ تمیز بنے گی، وہ جو تمیز جس میں دونوں کا احتمال ہے وہ یک وقت دونوں سے تمیز

بنے گی یہ واو کی وجہ سے یہ شبہ پڑ رہا تھا۔ تو صاحبِ جامی نے بتلا دیا کہ نہیں بھائی، یہ لَہٗ سے پہلے بھی تَارَۃً کا لفظ نکالا، تَارَۃً کا معنی ہے کبھی کبھار، اور لِمُتَعَلِّقِہٖ سے ماقبل بھی تَارَۃً نکالا کہ کبھی وہ تمیز جو ہے منتصب عنہ کے لیے ہوگی وَتَارَۃً لِمُتَعَلِّقِہٖ اور کبھی وہ منتصب عنہ کے متعلق کے لیے ہوگی، یعنی دونوں کے لیے یک وقت نہیں ہوگی بلکہ ایک وقت میں ایک سے وہ تمیز بنے گی۔

تو دیکھیے کہتے ہیں: جَازَ أَنْ يَكُونَ ذٰلِكَ التَّمْيِيزُ تَارَةً لَهُ أَيْ لِلْمُنْتَصَبِ عَنْهُ، تو جائز ہے کہ وہ تمیز کبھی تو منتصب عنہ کے لیے ہو، کبھی کس کے لیے ہو؟ منتصب عنہ کے لیے، اور آگے آرہا ہے وَتَارَۃً لِمُتَعَلِّقِہٖ اور کبھی اس کے متعلق کے لیے ہو اس میں جائز ہے بھائی۔ اب درمیان میں بِأَنْ يَكُونَ یہ با تصویریہ ہے، صورت بتلا رہے ہیں۔ بھائی ادھر دیکھیے، میں نے آپ کو بتلایا کہ تمیز کبھی منتصب عنہ سے ہوگی، کبھی متعلق سے ہوگی، اور کبھی دونوں سے ہونے کا احتمال۔ تو اس کا معنی کیا ہے کہ تمیز منتصب عنہ سے ہے یا تمیز متعلقِ منتصب عنہ سے ہے، اس کا کیا معنی؟ معنی یہ ہے کہ یہ اس سے ابہام کو دور کر رہی ہے۔ جب تمیز منتصب عنہ سے ہوگی تو معلوم ہوا وہ منتصب عنہ سے ابہام کو دور کر رہی ہے۔ جب تمیز متعلق سے ہوگی تو معلوم ہوا وہ متعلق سے ابہام کو دور کر رہی ہے۔ اور جہاں دونوں سے ہونے کا احتمال ہے معلوم ہوا اس میں دونوں سے ابہام کے دور کرنے کا احتمال ہے، البتہ ایک وقت میں ایک سے ہی وہ تمیز آئے گی بھائی۔ تو یہی اب صورت بیان کر رہے ہیں۔ کہتے ہیں پھر دیکھو عبارت: جَازَ أَنْ يَكُونَ ذٰلِكَ التَّمْيِيزُ تَارَةً لَهُ أَيْ لِلْمُنْتَصَبِ عَنْهُ، جائز ہے کہ وہ تمیز کبھی تو منتصب عنہ سے ہو، کیسے منتصب عنہ سے ہو؟ کیا معنی؟ صورت بتلا رہے ہیں: بِأَنْ يَكُونَ تَمْيِيزًا يَرْفَعُ الْإِبْهَامَ عَنْهُ، بایں صورت کہ وہ ایسی تمیز ہو، تَمْيِيزًا ہے نکرہ اور يَرْفَعُ اس کے بعد فعل آرہا ہے، اور نکرہ کے بعد فعل آئے تو اس کے لیے صفت بنتا ہے اور موصوف سے پہلے ایسا یا ایسی کا لفظ لائیں گے۔ دیکھو بِأَنْ يَكُونَ تَمْيِيزًا يَرْفَعُ الْإِبْهَامَ عَنْهُ بایں صورت کہ وہ ایسی تمیز ہوگی جو اس منتصب عنہ سے ابہام کو دور کرے گی۔ منتصب عنہ سے تمیز ہونے کا کیا معنی؟ کہ وہ اس منتصب عنہ سے ابہام کو دور کرے گی۔ وَتَارَةً لِمُتَعَلِّقِهِ اور کبھی وہ تمیز ہوگی منتصب عنہ کے متعلق سے، بِأَنْ يَكُونَ تَمْيِيزًا يَرْفَعُ الْإِبْهَامَ عَنْ مُتَعَلِّقِهِ بایں صورت کہ وہ ایسی تمیز ہوگی جو ابہام کو دور کرے گی اس کے متعلق سے۔

وَذٰلِكَ بِحَسَبِ الْقَرَائِنِ وَالْأَحْوَالِ۔ سوال پیدا ہوتا ہے بھائی کہ آپ نے ہمیں کیا کہا کہ اگر تمیز کا اطلاق منتصب عنہ پر ہو سکے اور وہ منتصب عنہ کے ساتھ خاص نہ ہو تو پھر وہ منتصب عنہ سے بھی تمیز ہو سکتی ہے اور متعلقِ منتصب عنہ سے بھی ہو سکتی ہے۔ ہمیں پتہ کیسے چلے گا؟ آپ نے کہا ایک وقت میں ایک سے آئے گی تمیز دونوں سے نہیں، تو ہمیں پتہ کیسے چلے گا طَابَ زَيْدٌ أَبًا کہ یہ أَبًا زید سے تمیز ہے یا زید کے متعلق سے تمیز ہے؟ تو صاحبِ جامی آپ کو بتلائیں گے کہ اس کا کوئی قانون اور ضابطہ نہیں، قرینے اور احوال بتائیں گے، جس قسم کے موقع پر آپ وہ کلام کر رہے ہیں ان سے پتہ چلے گا کہ آپ کی مراد

کیا ہے۔ مثلاً اگر کہنے والا زید کی تعریف کر رہا ہے، کہ زید مثلاً عمر کا باپ ہے زید خود باپ ہے، اور اس موقع پر وہ کہتا ہے طَابَ زَيْدٌ أَبًا، معلوم ہوا یہ أَبًا سے زید مراد ہے کہ زید اچھا باپ ہے، اپنے بچوں کا خیال رکھتا ہے ان کی اچھی تربیت کرتا ہے۔ اور اگر ایسا موقع ہے جہاں کلام زید کے باپ کے بارے میں ہو رہا ہے کہ زید کے باپ نے اس کی بڑی اچھی تربیت کی ہے، اور اس موقع پر کوئی کہتا ہے طَابَ زَيْدٌ أَبًا کہ زید اچھا ہے باعتبار باپ کے، معلوم ہوا یہ اَب سے خود زید مراد نہیں بلکہ زید کا باپ مراد ہے، اس کی تعریف ہو رہی ہے کہ زید کا باپ اچھا ہے، اس نے زید کی بڑی اچھی تربیت کی ہے۔ تو معلوم ہوا کہ تمیز منتصب عنہ سے ہے یا متعلقِ منتصب عنہ سے ہے اس کا پتہ قرینے اور احوال سے چلے گا، اس کے لیے کوئی ضابطہ اور قانون نہیں ہے۔

تو کہتے ہیں: وَذٰلِكَ بِحَسَبِ الْقَرَائِنِ وَالْأَحْوَالِ، اور یہ قرینوں اور احوال کے اعتبار سے ہے، یعنی ان سے پتہ چلے گا۔ مِثْلُ أَبًا فِي طَابَ زَيْدٌ أَبًا، جیسے أَبًا کا لفظ ہے فِي طَابَ زَيْدٌ أَبًا اس جملے کے اندر، طَابَ زَيْدٌ أَبًا کے اندر جیسے أَبًا کا لفظ ہے۔ میں نے تقریر کر دی بھائی، آگے صاحبِ جامی بھی وہی تقریر کریں گے، طَابَ زَيْدٌ أَبًا اس کے اندر یہ جو أَبًا ہے کبھی کبھار اس سے خود زید ہی مراد ہوگا اور کبھی اس سے زید کا متعلق مراد ہوگا۔ تو کہتے ہیں مِثْلُ أَبًا فِي طَابَ زَيْدٌ أَبًا، جیسے أَبًا کا لفظ ہے طَابَ زَيْدٌ أَبًا کے اندر، فَإِنَّهُ يَصِحُّ أَنْ يُجْعَلَ عِبَارَةً عَنْ زَيْدٍ، اس لیے کیونکہ صحیح ہے کہ اس تمیز کو یا اس أَبًا کے لفظ کو زید سے عبارت بنایا جائے کہ اس سے زید مراد ہے۔ فَجَازَ أَنْ يَكُونَ تَارَةً تَمْيِيزًا عَنْ زَيْدٍ، تو جائز ہے کہ یہ کبھی تمیز بنے، کبھی یہ تمیز ہو زید سے، إِذَا أُرِيدَ إِسْنَادُ الطِّيبِ إِلَيْهِ، جب ارادہ کیا جائے کہ طِیب کا اسناد زید کی طرف ہے۔ طِیب وہی مصدر بھائی، طَابَ زَيْدٌ أَبًا، یہ طَابَ يَطِيبُ طِيبًا یہ طِیب مصدر ہے۔ تو طَابَ زَيْدٌ أَبًا یہ زید کی طرف کس کا اسناد ہے؟ طِیب کا۔ جیسے دیکھو ضَرَبَ زَيْدٌ، ضَرَبَ زَيْدٌ عَمْرًا زید کی طرف کس کا اسناد ہے؟ ضرب کا اسناد ہے۔ توجہ ہے؟ زید کی طرف ضرب کا اسناد ہے۔ تو یہاں پر بھی طَابَ زَيْدٌ أَبًا یہ زید کی طرف طِیب یعنی بھی ہو سکتی ہے۔ ہمیں پتہ کیسے چلے گا؟ آپ نے کہا ایک وقت میں ایک سے آئے گی تمیز دونوں سے نہیں، تو ہمیں پتہ کیسے چلے گا طَابَ زَيْدٌ أَبًا کہ یہ أَبًا زید سے تمیز ہے یا زید کے متعلق سے تمیز ہے؟ تو صاحبِ جامی آپ کو بتلائیں گے کہ اس کا کوئی قانون اور ضابطہ نہیں، قرینے اور احوال بتائیں گے، جس قسم کے موقع پر آپ وہ کلام کر رہے ہیں ان سے پتہ چلے گا کہ آپ کی مراد کیا ہے۔ مثلاً اگر کہنے والا زید کی تعریف کر رہا ہے، کہ زید مثلاً عمر کا باپ ہے زید خود باپ ہے، اور اس موقع پر وہ کہتا ہے طَابَ زَيْدٌ أَبًا، معلوم ہوا یہ أَبًا سے زید مراد ہے کہ زید اچھا باپ ہے، اپنے بچوں کا خیال رکھتا ہے ان کی اچھی تربیت کرتا ہے۔ اور اگر ایسا موقع ہے جہاں کلام زید کے باپ کے بارے میں ہو رہا ہے کہ زید کے باپ نے اس کی بڑی اچھی تربیت کی ہے، اور اس موقع پر کوئی کہتا ہے طَابَ زَيْدٌ أَبًا کہ زید اچھا ہے باعتبار باپ کے، معلوم ہوا یہ اَب سے خود زید مراد نہیں بلکہ زید کا باپ مراد ہے، اس کی تعریف ہو رہی ہے کہ زید کا باپ اچھا ہے، اس نے زید کی بڑی اچھی تربیت کی ہے۔ تو معلوم ہوا کہ تمیز منتصب عنہ سے ہے یا متعلقِ منتصب

عنہ سے ہے اس کا پتہ قرینے اور احوال سے چلے گا، اس کے لیے کوئی ضابطہ اور قانون نہیں ہے۔

تو کہتے ہیں: وَذٰلِكَ بِحَسَبِ الْقَرَائِنِ وَالْأَحْوَالِ، اور یہ قرینوں اور احوال کے اعتبار سے ہے، یعنی ان سے پتہ چلے گا۔ مِثْلُ أَبًا فِي طَابَ زَيْدٌ أَبًا، جیسے أَبًا کا لفظ ہے فِي طَابَ زَيْدٌ أَبًا اس جملے کے اندر، طَابَ زَيْدٌ أَبًا کے اندر جیسے أَبًا کا لفظ ہے۔ میں نے تقریر کر دی بھائی، آگے صاحبِ جامی بھی وہی تقریر کریں گے، طَابَ زَيْدٌ أَبًا اس کے اندر یہ جو أَبًا ہے کبھی کبھار اس سے خود زید ہی مراد ہوگا اور کبھی اس سے زید کا متعلق مراد ہوگا۔ تو کہتے ہیں مِثْلُ أَبًا فِي طَابَ زَيْدٌ أَبًا، جیسے أَبًا کا لفظ ہے طَابَ زَيْدٌ أَبًا کے اندر، فَإِنَّهُ يَصِحُّ أَنْ يُجْعَلَ عِبَارَةً عَنْ زَيْدٍ، اس لیے کیونکہ صحیح ہے کہ اس تمیز کو یا اس أَبًا کے لفظ کو زید سے عبارت بنایا جائے کہ اس سے زید مراد ہے۔ فَجَازَ أَنْ يَكُونَ تَارَةً تَمْيِيزًا عَنْ زَيْدٍ، تو جائز ہے کہ یہ کبھی تمیز بنے، کبھی یہ تمیز ہو زید سے، إِذَا أُرِيدَ إِسْنَادُ الطِّيبِ إِلَيْهِ، جب ارادہ کیا جائے کہ طِیب کا اسناد زید کی طرف ہے۔ طِیب وہی مصدر بھائی، طَابَ زَيْدٌ أَبًا، یہ طَابَ يَطِيبُ طِيبًا یہ طِیب مصدر ہے۔ تو طَابَ زَيْدٌ أَبًا یہ زید کی طرف کس کا اسناد ہے؟ طِیب کا۔ جیسے دیکھو ضَرَبَ زَيْدٌ، ضَرَبَ زَيْدٌ عَمْرًا زید کی طرف کس کا اسناد ہے؟ ضرب کا اسناد ہے۔ توجہ ہے؟ زید کی طرف ضرب کا اسناد ہے۔ تو یہاں پر بھی طَابَ زَيْدٌ أَبًا یہ زید کی طرف طِیب یعنی مصدر کا اسناد ہو رہا ہے۔ تو کہتے ہیں: إِذَا أُرِيدَ إِسْنَادُ الطِّيبِ إِلَيْهِ، جب یہ ارادہ کیا جائے کہ طِیب کا اسناد زید کی طرف ہو رہا ہے، بِاعْتِبَارِ أَنَّهُ أَبُو عَمْرٍو بایں اعتبار کہ وہ عمر کا باپ ہے۔ توجہ ہے؟ ادھر دیکھو۔ کہنا یہ چاہتے ہیں طَابَ زَيْدٌ أَبًا، اس أَبًا سے خود زید بھی مراد لے سکتے ہیں۔ یعنی یہ جو طَابَ کا اسناد، یعنی یوں کہو یہ جو طِیب کا اسناد کیا جا رہا ہے زید کی طرف، یا یوں کہو یہ جو طَابَ کا اسناد کیا جا رہا ہے زید کی طرف، یہ بایں اعتبار ہے کہ زید جو ہے وہ خود اب ہے، باپ ہے، اچھا باپ ہے، یعنی عمر کا باپ ہے زید۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو یہ معنی ہے إِذَا أُرِيدَ إِسْنَادُ الطِّيبِ إِلَيْهِ بِاعْتِبَارِ أَنَّهُ أَبُو عَمْرٍو، جب یہ ارادہ کیا جائے کہ یہ جو جملہ تھا اس کے اندر طِیب کا اسناد کیا جا رہا ہے زید کی طرف بایں اعتبار کہ زید جو ہے وہ ابو عمر ہے، یعنی وہ خود باپ ہے۔

وَجَازَ أَنْ يَكُونَ تَارَةً تَمْيِيزًا عَنْ مُتَعَلِّقِهِ، اور یہ بھی جائز ہے کہ یہ تمیز یہ جو أَبًا ہے یہ کبھی تمیز ہو عَنْ مُتَعَلِّقِهِ زید کے متعلق سے تمیز ہے، یعنی زید کا باپ مراد ہے خود زید مراد نہیں۔ تو کہتے ہیں: وَجَازَ أَنْ يَكُونَ تَارَةً تَمْيِيزًا عَنْ مُتَعَلِّقِهِ، اور یہ بھی جائز ہے کہ یہ أَبًا جو ہے کبھی تمیز ہو زید کے متعلق سے، بِاعْتِبَارِ بایں اعتبار کہ أَنَّ الطِّيبَ مُسْنَدٌ إِلَى مُتَعَلِّقِهِ، کہ یہ طِیب جو ہے اس کا اسناد کیا گیا ہے اس کے متعلق کی طرف، وَهُوَ أَبُوهُ اور وہ اس کا باپ ہے۔ بھائی ادھر دیکھیے، طَابَ زَيْدٌ أَبًا، اس أَبًا سے خود زید بھی مراد ہو سکتا ہے اور اس أَبًا سے زید کا متعلق یعنی زید کا باپ بھی مراد ہو سکتا ہے۔ تو جملہ کیا ہے؟ طَابَ زَيْدٌ أَبًا۔ لیکن یہ کس درجے میں ہے؟ طَابَ شَيْءٌ مَنْسُوبٌ إِلَى زَيْدٍ، تو طَابَ کا اسناد اس شے مقدرہ کی طرف ہو رہا ہے، یعنی وہ جو زید کا متعلق ہے جو زید کا باپ ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو وہی بیان کر رہے ہیں کہ وَجَازَ أَنْ يَكُونَ تَارَةً تَمْيِيزًا عَنْ مُتَعَلِّقِهِ،

اور یہ بھی جائز ہے کہ یہ أَبًا کبھی تمیز ہو زید کے متعلق یعنی اس کے باپ سے، بِاعْتِبَارِ بایں اعتبار کہ أَنَّ الطِّيبَ مُسْنَدٌ إِلَى مُتَعَلِّقِهِ کہ یہ جو طِیب ہے اس کا اسناد اس کے متعلق کی طرف کیا گیا ہے، وہ جو شے مقدرہ ہے اس کی طرف اسناد کیا گیا ہے، وَهُوَ أَبُوهُ اور وہ شے مقدرہ کیا ہے؟ وہ متعلق کیا ہے؟ أَبُوهُ زید کا باپ ہے۔ تو یعنی بتانا یہ چاہتے ہیں کہ یہ أَبًا دونوں سے تمیز ہو سکتی ہے، اور اس کا پتہ قرینوں اور احوال سے چلے گا۔ بات سمجھ میں آگئی؟

وَإِلَّا۔ میں نے آپ کو بتلایا تھا کہ إِلَّا سے پہلے واو آجائے تو یہ حرفِ استثنا نہیں ہے، بلکہ یہ إِنْ اور لَا سے مرکب ہے۔ وَإِلَّا، اور اگر ایسا نہ ہو، أَيْ وَإِنْ لَمْ يَكُنِ التَّمْيِيزُ۔ بھائی دیکھیے، اگر ایسا نہ ہو، پیچھے کیا شرط تھی؟ اگر تمیز ایسا اسم ہو جس کا اطلاق منتصب عنہ پر ہو سکے، اور اس میں ہم نے ایک قید بڑھا دی تھی، کون سی؟ بَعْدَ مَا لَمْ يَكُنْ نَصًّا فِي الْمُنْتَصَبِ عَنْهُ۔ وہی قید یہاں بھی بڑھائیں گے، کیونکہ ماقبل میں جو شرط تھی اسی کی یہاں نفی ہو رہی ہے، اور اس شرط کے اندر تو بَعْدَ مَا لَمْ يَكُنْ نَصًّا کی قید تھی، تو یہاں پر بھی بَعْدَ مَا لَمْ يَكُنْ نَصًّا کی قید لگائیں گے تاکہ وہ تیسری صورت خارج رہے بھائی، ورنہ تو پھر وہ بھی داخل ہو جائے گی۔ وَإِلَّا أَيْ وَإِنْ لَمْ يَكُنِ التَّمْيِيزُ بَعْدَ مَا لَمْ يَكُنْ نَصًّا فِي الْمُنْتَصَبِ عَنْهُ، دیکھو یہ وہ قید بڑھا دی، بَعْدَ مَا لَمْ يَكُنْ نَصًّا فِي الْمُنْتَصَبِ عَنْهُ، یہ وہ جو قید پیچھے بڑھائی تھی وہ ایک صورت کو نکالنے کے لیے۔ تو کہتے ہیں: وَإِلَّا أَيْ وَإِنْ لَمْ يَكُنِ التَّمْيِيزُ اور اگر وہ تمیز نہ ہو، بَعْدَ مَا لَمْ يَكُنْ نَصًّا فِي الْمُنْتَصَبِ عَنْهُ بعد اس کے کہ جب وہ منتصب عنہ کے بارے میں متعین نہ ہو۔ بعد اس کے جب وہ منتصب عنہ کے بارے میں متعین نہ ہو، تو پھر اب آگے جوڑیں اس کو، پیچھے آیا تھا وَإِنْ لَمْ يَكُنِ التَّمْيِيزُ، اس کو ذرا جوڑیں آگے: اسْمًا يَصِحُّ جَعْلُهُ لِمَنْ تُصِبَ عَنْهُ۔ یہ جو درمیان میں آیا نا بَعْدَ مَا لَمْ يَكُنْ نَصًّا فِي الْمُنْتَصَبِ عَنْهُ، اس کو ذرا شروع میں لے آئیں۔ بعد اس کے کہ جب تمیز منتصب عنہ کے بارے میں متعین نہ ہو، اب شروع اور آخر کو جوڑیں: وَإِنْ لَمْ يَكُنِ التَّمْيِيزُ اسْمًا يَصِحُّ جَعْلُهُ لِمَنْ تُصِبَ عَنْهُ، اس کے بعد اگر تمیز ایسا اسم نہ ہو کہ جس کا اطلاق منتصب عنہ پر ہو سکے۔ اس کے بعد، کیا؟ پھر دہراؤ، پھر دہراؤ۔ جب تمیز منتصب عنہ کے بارے میں متعین نہ ہو، اس کے بعد اگر تمیز ایسا اسم نہ ہو جس کا اطلاق منتصب عنہ پر ہو سکے، تو فَهُوَ لِمُتَعَلِّقِهِ تو پھر وہ منتصب عنہ کے متعلق کے لیے ہوگی۔ عبارت سمجھ میں آگئی؟ پھر ذرا ایک دفعہ دیکھ لیں۔ وَإِلَّا أَيْ وَإِنْ لَمْ يَكُنِ التَّمْيِيزُ بَعْدَ مَا لَمْ يَكُنْ نَصًّا فِي الْمُنْتَصَبِ عَنْهُ، اور بعد اس کے کہ جب تمیز جو ہے منتصب عنہ کے بارے میں متعین نہ ہو، اس کے بعد اگر وہ تمیز نہ ہو اسْمًا ایسا اسم کہ يَصِحُّ جَعْلُهُ لِمَنْ تُصِبَ عَنْهُ کہ صحیح ہو اس کو منتصب عنہ کے لیے قرار دینا، یعنی منتصب عنہ پر اس کا اطلاق نہ ہو سکے، فَهُوَ لِمُتَعَلِّقِهِ خَاصَّةً تو پھر وہ تمیز اس منتصب عنہ کے متعلق کے لیے ہوگی خَاصَّةً خاص طور پر، یعنی منتصب عنہ کے لیے نہیں ہوگی بلکہ صرف منتصب عنہ کے متعلق کے لیے ہوگی۔

نَحْوُ طَابَ زَيْدٌ أُبُوَّةً وَعِلْمًا وَدَارًا۔ دیکھو تین تمیزیں ذکر کر دیں: طَابَ زَيْدٌ أُبُوَّةً، یہ ابوت کا اطلاق زید پر نہیں ہو سکتا، کیونکہ ابوت مصدر ہے اور زید ذات ہے۔ طَابَ زَيْدٌ أُبُوَّةً یہ ابوت کا اطلاق زید پر نہیں ہو سکتا۔ زید ابوت ہے؟ کیا زید باپ

ہونا ہے یا زید باپ ہے؟ زید باپ ہے، ابوت تو نہیں ہے، مصدر تو نہیں ہے۔ تو لہٰذا یہ ابوت ایسی تمییز ہے جس کا اطلاق منتصب عنہ پر نہیں ہو سکتا، تو یہ منتصب عنہ کے متعلق کے لیے ہوگی، یعنی زید کی ابوت کی صفت کی تعریف کی جا رہی ہے کہ زید میں ابوت والی صفت اچھی ہے۔ تو کہتے ہیں طَابَ زَيْدٌ أُبُوَّةً زید اچھا ہے باعتبار باپ ہونے کے، وَعِلْمًا اور زید اچھا ہے باعتبار علم کے، یہ علم یہ بھی مصدر ہے اس کا بھی حمل زید پر نہیں ہو سکتا، زید پر اس کا اطلاق نہیں ہو سکتا، تو معلوم ہوا یہ بھی تمییز ہے کس سے؟ زید کے متعلق سے۔ وَدَارًا اور یہ دار کا اطلاق بھی زید پر نہیں ہو سکتا، زید دار نہیں ہے بھائی، تو پھر یہ بھی تمییز ہے کس سے؟ زید کے متعلق سے۔ تو یہ تینوں مثالیں ہیں جس میں تمییز منتصب عنہ کے متعلق سے ابہام کو دور کر رہی ہیں۔

تو طَابَ زَيْدٌ أُبُوَّةً وَعِلْمًا وَدَارًا، فَإِنَّ هٰذِهِ الْأَسْمَاءَ لَيْسَتْ نَصًّا فِي الْمُنْتَصَبِ عَنْهُ، اس لیے کیونکہ یہ تینوں اسم جو ہیں یہ منتصب عنہ کے بارے میں متعین نہیں ہیں، ان کا اس پر اطلاق نہیں ہو سکتا، وَلَا يَصِحُّ جَعْلُهَا لَهُ، یہ منتصب عنہ کے بارے میں متعین بھی نہیں ہیں وَلَا يَصِحُّ جَعْلُهَا لَهُ اور ان کو منتصب عنہ کے لیے قرار دینا بھی صحیح نہیں۔ یہ ابوت، علم اور دار یہ زید کے بارے میں متعین بھی نہیں اور زید پر ان کا اطلاق بھی نہیں ہو سکتا۔ تو کہتے ہیں فَإِنَّ هٰذِهِ الْأَسْمَاءَ لَيْسَتْ نَصًّا فِي الْمُنْتَصَبِ عَنْهُ اس لیے کیونکہ یہ تینوں اسماء جو ہیں یہ منتصب عنہ کے بارے میں متعین نہیں ہیں، وَلَا يَصِحُّ جَعْلُهَا لَهُ اور ان تینوں کو منتصب عنہ کے لیے قرار دینا بھی صحیح نہیں ہے، جَعْلُهَا یہ ہا ضمیر راجع ہے یاد رکھو پیچھے یہ جو أَسْمَاء آیا، هٰذِهِ الْأَسْمَاءَ، وَلَا يَصِحُّ جَعْلُهَا اور نہیں ہے صحیح ان اسماء کو قرار دینا لَهُ اس منتصب عنہ کے لیے، ان کو اس منتصب عنہ کے لیے قرار دینا بھی صحیح نہیں ہے، بِالتَّعْبِيرِ عَنْهُ بِهَا بایں صورت کہ ان اسماء سے اس کو تعبیر کیا جائے، بِالتَّعْبِيرِ عَنْهُ، عَنْهُ کی ہا ضمیر منتصب عنہ کو راجع اور بِهَا یہ ہا ضمیر پھر انہی اسماء کو راجع، بِالتَّعْبِيرِ عَنْهُ بِهَا بایں صورت کہ تعبیر کیا جائے منتصب عنہ سے بِهَا ان تین کے ذریعے، منتصب عنہ کو ان تین کے ذریعے تعبیر کیا جائے ایسا نہیں ہے بھائی۔ فَهِيَ لِمُتَعَلِّقِ زَيْدٍ تو یہ تینوں جو ہیں زید کے متعلق کے لیے ہیں، یہ تینوں زید کے متعلق کے لیے ہیں بھائی۔ وَهُوَ الزَّا... بھائی زید کا متعلق کیا ہے؟ بھائی دیکھو طَابَ زَيْدٌ دَارًا، طَابَ زَيْدٌ دَارًا یہ کلام کس درجے میں ہے؟ طَابَ شَيْءٌ مَنْسُوبٌ إِلَى زَيْدٍ، تو یہ دار جو ہے یہ اس شے مقدرہ سے ابہام کو دور کر رہی ہے اس کیونکہ اس کا حمل زید پر ہو ہی نہیں سکتا۔ توجہ ہے؟ تو فَهِيَ لِمُتَعَلِّقِ زَيْدٍ تو یہ تینوں اسماء جو ہیں زید کے متعلق کے لیے ہیں، بھائی وہ زید کا متعلق کیا ہے؟ کہتے ہیں وَهُوَ الذَّاتُ الْمُقَدَّرَةُ أَعْنِي الشَّيْءَ الْمَنْسُوبَ إِلَى زَيْدٍ، وہ ذاتِ مقدرہ ہے أَعْنِي الشَّيْءَ الْمَنْسُوبَ إِلَى زَيْدٍ یعنی وہ جو شے جس کی نسبت کی گئی ہے زید کی طرف۔ زید کا متعلق کیا ہے؟ وہ شے مقدرہ ہے جس کی نسبت زید کی طرف کی گئی ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ ذرا ترجمہ پھر دیکھ لیں۔ کہتے ہیں فَإِنَّ هٰذِهِ الْأَسْمَاءَ لَيْسَتْ نَصًّا فِي الْمُنْتَصَبِ عَنْهُ اس لیے کیونکہ یہ تینوں اسم جو ہیں یہ منتصب عنہ کے بارے میں متعین نہیں ہیں وَلَا يَصِحُّ جَعْلُهَا لَهُ اور ان تینوں اسماء کو منتصب عنہ کے لیے قرار دینا بھی صحیح نہیں ہے بِالتَّعْبِيرِ عَنْهُ بِهَا بایں صورت کہ

منتصب عنہ کو تعبیر کیا جائے ان تین کے ذریعے یہ بھی صحیح نہیں ہے، فَهِيَ لِمُتَعَلِّقِ زَيْدٍ تو یہ تینوں جو ہیں زید کے متعلق کے لیے ہوں گے، وَهُوَ الذَّاتُ الْمُقَدَّرَةُ أَعْنِي الشَّيْءَ الْمَنْسُوبَ إِلَى زَيْدٍ اور وہ متعلقِ زید جو ہے وہ ذاتِ مقدرہ ہے یعنی وہ شے جس کی نسبت کی گئی ہے زید کی طرف۔

فَيُطَابِقُ التَّمْيِيزُ فِيهِمَا۔ پہلے متن دیکھیے۔ کہتے ہیں: فَيُطَابِقُ فِيهِمَا مَا قُصِدَ إِلَّا إِذَا كَانَ جِنْسًا إِلَّا أَنْ يُقْصَدَ الْأَنْوَاعُ۔ متن مل گیا بھائی؟ دیکھیے پہلے اس کو سمجھ لیں۔ انہوں نے بتایا تمیز کبھی منتصب عنہ کے لیے ہوگی، کبھی متعلقِ منتصب عنہ کے لیے ہوگی اور کبھی دونوں کے لیے ہونے کا احتمال ہوگا۔ تو بہرحال جو بھی صورت ہو، جس چیز کا بھی ارادہ کیا جائے گا تمیز کو اس کے مطابق لائیں گے۔ آپ جس چیز سے ابہام کو دور کرنا چاہتے ہیں تمیز کو اس کے مطابق لائیں گے۔ یعنی اگر وہ مفرد تھا تو تمیز کو بھی مفرد لائیں گے، اگر وہ تثنیہ ہے تو تمیز کو بھی تثنیہ لائیں گے، اور اگر وہ جمع ہے تو تمیز کو بھی جمع لائیں گے۔ الا یہ کہ وہ تمیز جنس ہو، الا یہ کہ جنس ہو، جب تمیز جنس ہے تو جنس کا اطلاق تو قلیل اور کثیر سب پر ہوتا ہے، لہٰذا اس کو تثنیہ اور جمع لانے کی ضرورت نہیں ہے، پھر اس کو مفرد ہی رکھیں گے۔

کیا ضابطہ ہوا؟ کہ تمیز کے ذریعے آپ جس چیز سے بھی ابہام دور کرنا چاہتے ہیں، چاہے وہ منتصب عنہ ہے، چاہے متعلقِ منتصب عنہ ہے۔ بھائی ہوگا ان دو میں سے ہی نا، صورتیں تو تین ہیں: یا تو وہ تمیز خاص ہوگی کس کے ساتھ منتصب عنہ کے ساتھ، یا متعلق کے ساتھ، یا اس میں دونوں کا احتمال ہوگا۔ لیکن یہی دو چیزوں کا ارادہ کر سکتے ہیں یا منتصب عنہ کا ارادہ ہوگا یا متعلق کا ارادہ ہوگا۔ تو جس کا بھی ارادہ کیا جائے تمیز کو اس کے مطابق لائیں گے۔ اگر آپ منتصب عنہ سے ابہام کو دور کرنا چاہتے ہیں تو پھر منتصب عنہ کو دیکھیں گے، وہ مفرد ہے تو تمیز بھی مفرد، وہ تثنیہ ہے تو تمیز بھی تثنیہ، وہ جمع ہے تو تمیز بھی جمع۔ اور اگر آپ متعلق سے ابہام کو دور کرنا چاہتے ہیں تو پھر وہ اگر مفرد ہے تو تمیز بھی مفرد لاؤ، وہ اگر تثنیہ ہے تو تمیز بھی تثنیہ لاؤ، اور اگر وہ جمع ہے تو تمیز کو بھی جمع لے کر آؤ۔ إِلَّا أَنْ يَكُونَ جِنْسًا مگر یہ کہ وہ تمیز اگر جنس ہو، وہ تمیز اگر جنس ہو تو پھر اس کو مفرد ہی رکھیں گے، کیونکہ جنس کا اطلاق تو قلیل اور کثیر سب پر ہوتا ہے، واحد تثنیہ جمع سب پر وہ بولا جاتا ہے، تو پھر جنس کے اندر تثنیہ اور جمع لانے کی ضرورت نہیں ہے۔

مثلاً دیکھو، میں کہتا ہوں طَابَ زَيْدٌ أَبًا۔ طَابَ زَيْدٌ أَبًا، یہ أَبًا کے ذریعے میں زید یعنی منتصب عنہ سے ابہام کو دور کرنا چاہتا ہوں۔ کس سے؟ منتصب عنہ سے۔ اور منتصب عنہ زید مفرد ہے تو أَبًا بھی میں مفرد لے کر آیا۔ اگر یہ تثنیہ ہوتا تو آگے أَبًا بھی میں تثنیہ لاتا، مثلاً میں کہتا طَابَ الزَّيْدَانِ أَبَوَيْنِ۔ طَابَ الزَّيْدَانِ وہ دو زید اچھے ہیں أَبَوَيْنِ باعتبار باپ ہونے کے۔ بھائی وہ دو زید ہیں، جب زید دو ہیں تو یہ والا زید بھی باپ یہ بھی اپنے بچوں کی اچھی تربیت کرتا ہے، دوسرا زید بھی باپ، تو تمیز دونوں سے ہے تو تمیز بھی تثنیہ لائیں گے۔ طَابَ الزَّيْدَانِ أَبَوَيْنِ، وہ دو زید اچھے ہیں باعتبار باپ کے، کہ وہ دونوں اچھے باپ ہیں، وہ دونوں اچھے باپ ہیں۔ اور اگر جمع ہوگا، طَابَ الزَّيْدُونَ آبَاءً۔ وہ سب زید، مثلاً تین ہیں یا تین سے زیادہ ہیں، وہ سب زید

اچھے ہیں آبَاءً باعتبار باپ ہونے کے یعنی ان میں سے ہر ایک جو ہے وہ اچھا باپ ہے اپنے بچوں کے لیے۔ تو کس کا ارادہ کیا؟ منتصب عنہ کا، تو اس کے مطابق تمیز لائیں گے۔ اور اگر آپ متعلق کا ارادہ کرتے ہیں تو پھر اس متعلق کو دیکھیں گے آپ کا ارادہ ایک کا ہے، دو کا ہے یا زیادہ کا ہے۔ مثلاً میں کہتا ہوں طَابَ زَیْدٌ أَبًا، زید اچھا ہے باعتبار باپ کے، اور یہ أَبًا کے ذریعے میں کس کا ارادہ کرتا ہوں؟ زید کا نہیں اب ارادہ کر رہا، بلکہ زید کے متعلق یعنی زید کے باپ کا ارادہ کرتا ہوں۔ یعنی کہ زید کا باپ اچھا ہے۔ تو اگر وہ متعلق مفرد ہوا تو أَبًا میں مفرد لاؤں گا، اگر وہ تثنیہ ہوا تو یہ میں تثنیہ لاؤں گا، اور اگر وہ جمع ہے تو میں جمع لاؤں گا۔ بھائی کیسے آپ؟ بھائی دیکھو نا، میں باپ کے ساتھ دادا کی بھی تعریف کرنا چاہتا ہوں۔ باپ بھی کس کا؟ زید کا۔ دادا بھی کس کا؟ زید کا۔ اور باپ، دادا، پردادا سب کو اب کہہ دیتے ہیں، یہ سب کیا ہیں؟ اب ہیں، ہاں کوئی قریب والا اب ہے کوئی بعید والا اب ہے۔ تو اب میں کہنا چاہتا ہوں، زید کے، پہلے میں نے کیا کہا؟ طَابَ زَیْدٌ أَبًا، کیا معنی؟ زید کا باپ اچھا ہے۔ اب میں کہنا چاہتا ہوں زید کا باپ اور دادا دونوں اچھے ہیں، تو اب میں نے زید کے متعلق کا ارادہ کیا، اور زید کا متعلق یہاں تثنیہ ہے باپ اور دادا دونوں مراد ہیں، تو میں کہوں گا طَابَ زَیْدٌ أَبَوَیْنِ، زید اچھا ہے باعتبار اپنے باپ اور دادا کے اعتبار سے، یعنی زید کے باپ اور دادا اچھے ہیں۔ اور اگر میں پردادا اور اوپر والوں کو بھی ملاتا ہوں تو پھر اب وہ تین یا زیادہ ہو گئے، تو میں تمیز جمع لاؤں گا طَابَ زَیْدٌ آبَاءً، زید اچھا ہے اپنے باپ، دادا اور پردادا کے اعتبار سے، یعنی زید کے باپ، دادا اور پردادا تینوں اچھے ہیں۔ بات سمجھ میں آگئی؟

تو حاصلِ کلام کیا؟ کہ تمیز کے ذریعے آپ جس کا بھی ارادہ کریں، اگر آپ منتصب عنہ کا ارادہ کرتے ہیں تو اس کے مطابق تمیز لائیں گے مفرد، تثنیہ اور جمع۔ اور اگر آپ متعلق کا ارادہ کرتے ہیں تو متعلق کے مطابق تمیز لائیں گے مفرد، تثنیہ اور جمع لے کر آئیں گے۔ الا یہ کہ تمیز جنس ہو۔ اور جب جنس ہے پھر تو اس کا اطلاق قلیل اور کثیر سب پر ہوتا ہے، پھر اس کو تثنیہ اور جمع لانے کی ضرورت نہیں، الا یہ کہ انواع کا ارادہ کیا جائے، جیسے بات پیچھے بھی گزر چکی ہے۔ گذشتہ سے پیوستہ سبق میں یہ بات آئی تھی، مگر یہ کہ جب انواع کا ارادہ کیا جائے پھر تمیز چاہے جنس ہی کیوں نہ ہو اس کو تثنیہ اور جمع لائیں گے۔ مثلاً دیکھو، مثال آئی تھی عِنْدِي رِطْلٌ زَیْتًا، میرے پاس ایک رطل ہے زیتون کا تیل، اور یہ زیت اسمِ جنس ہے اور اس کا اطلاق قلیل اور کثیر سب پر ہوتا ہے۔ تو لہٰذا پیچھے رطل کو نہیں دیکھنا۔ میرے پاس عِنْدِي رِطْلٌ یہ مفرد ہے اور زَیْتًا جنس ہے۔ میں تثنیہ لے آتا ہوں پیچھے جو ممیز ہے: عِنْدِي رِطْلَانِ زَیْتًا، میرے پاس دو رطل ہیں باعتبار زیتون کے تیل کے۔ میں جمع لے آتا ہوں: عِنْدِي أَرْطَالٌ زَیْتًا، میرے پاس کئی رطل ہیں باعتبار زیتون کے تیل کے۔ اب دیکھو ماقبل میں ممیز مفرد، تثنیہ، جمع آرہا ہے لیکن تمیز اسی طرح مفرد ہے، کیوں؟ کیونکہ وہ جنس ہے، جنس کا اطلاق قلیل اور کثیر سب پر ہوتا ہے۔ لیکن اگر میں انواع بتلانا چاہتا ہوں، مثلاً میں کہتا ہوں عِنْدِي رِطْلَانِ میرے پاس دو رطل ہیں، اب اگر میں صرف آگے زَیْتًا کہوں گا تو زَیْتًا سے انواع کا پتہ نہیں چلے گا، زَیْتًا سے تو صرف اتنا پتہ چلے گا کہ یہ دو رطل کیا ہیں؟ زیتون کا تیل، لیکن میں کہنا چاہتا ہوں کہ یہ دو رطل دو قسم کا زیتون کا تیل ہے، یعنی ایک رطل ایک قسم کا ہے دوسرا رطل دوسری قسم کا، تو اب

جنس وہ انواع پر دلالت نہیں کرتی، لہٰذا اس کے لیے پھر جنس کو بھی تثنیہ لے آئیں گے: عِنْدِي رِطْلَانِ زَيْتَيْنِ، میرے پاس دو رطل ہیں باعتبار دو قسم کے زیتون کے تیل۔ اور جمع لاؤں گا تو پھر تمیز کو بھی جمع لاؤں گا: عِنْدِي أَرْطَالٌ زُيُوتًا، میرے پاس کئی رطل ہیں کئی قسم کے زیتون کے تیل۔ تو تمیز جب جنس ہو تو اس کو مفرد رکھتے ہیں، الا یہ کہ کس کا ارادہ کیا جائے؟ انواع کا ارادہ کیا جائے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو پھر تمیز بے شک جنس ہو اس کو دو انواع بتلانا چاہتے ہیں تو تثنیہ لائیں گے اور زیادہ انواع بتلانا چاہتے ہیں تو جمع لے کر آئیں گے۔

دیکھیے متن، کہتے ہیں: فَيُطَابِقُ فِيهِمَا مَا قُصِدَ، تو تمیز مطابق ہوگی فِيهِمَا ان دونوں صورتوں میں، چاہے منتصب عنہ کے لیے ہو چاہے متعلقِ منتصب عنہ دونوں کے، تو مطابق ہوگی تمیز ان دونوں صورتوں میں مَا قُصِدَ اس چیز کے جس کا ارادہ کیا جائے، اس کے مطابق ہوگی، یعنی مفرد کے لیے مفرد، تثنیہ کے لیے تثنیہ، جمع کے لیے جمع۔ إِلَّا إِذَا كَانَ جِنْسًا، مگر یہ کہ تمیز جنس ہو، پھر اس کو مفرد رکھیں گے، پھر اس کو مفرد رکھیں گے۔ آگے دیکھیے متن ذرا: إِلَّا أَنْ يُقْصَدَ الْأَنْوَاعُ، مگر یہ کہ انواع کا ارادہ کیا جائے۔ تمیز جب جنس ہو تو اس کو مفرد رکھیں گے، مگر یہ کہ انواع کا ارادہ کیا جائے، تو پھر چاہے تمیز جنس ہی کیوں نہ ہو اس کو تثنیہ کے لیے تثنیہ اور جمع کے لیے جمع لے کر آئیں گے۔ بات سمجھ میں آگئی؟

تو یہاں پر دیکھو دو استثنا آئے بھائی: إِلَّا إِذَا كَانَ جِنْسًا یہ ایک استثنا ہے، إِلَّا استثنا کے لیے آتا ہے، اور إِلَّا أَنْ يُقْصَدَ الْأَنْوَاعُ یہاں یہ دوسرا استثنا آیا، دوسرا استثنا آیا۔ حالانکہ ایک مستثنیٰ منہ سے دو استثنا نہیں ہو سکتے۔ ہاں عطف کیا جائے تو پھر عطف کے ذریعے تو جائز ہے، چاہے آپ دو استثنا کریں چاہے زیادہ کریں، کیونکہ وہ دراصل سب معطوف بن جائیں گے، کیا بن جائیں گے؟ معطوف۔ لیکن یہاں تو حرفِ عطف درمیان میں نہیں ہے: إِلَّا إِذَا كَانَ جِنْسًا إِلَّا أَنْ يُقْصَدَ الْأَنْوَاعُ، دو مستثنیٰ ہیں اور دونوں کے درمیان واو ذکر نہیں، اور ایک ہی مستثنیٰ منہ سے دو استثنا کا لانا صحیح نہیں، کیونکہ مستثنیٰ منہ میں اتنا عموم نہیں ہوتا کہ اس سے آپ دو دفعہ استثنا کریں۔ تو پھر یہ کیسے صاحبِ کافیہ دو استثنا لے آئے؟ تو جواب یہ کہ بھائی یہ جو دوسرا استثنا ہے یہ مفہومِ کلام سے ہے۔ ذرا پہلے جملے پہ نظر رکھو: فَيُطَابِقُ فِيهِمَا مَا قُصِدَ، کہ تمیز مطابق ہوگی ان دونوں صورتوں میں مَا قُصِدَ اس چیز کے جس کا ارادہ کیا جائے، تمیز ان دونوں صورتوں میں یعنی چاہے آپ منتصب عنہ کا ارادہ کریں چاہے متعلقِ منتصب کا، جس کا بھی آپ ارادہ کریں اس مقصود کے مطابق تمیز کو لائیں گے، إِلَّا إِذَا كَانَ جِنْسًا مگر کہ تمیز جب جنس ہو، پھر مقصود کے مطابق نہیں لائیں گے پھر اس کو مفرد ہی رکھیں گے۔ یہاں تک بات سمجھ میں آگئی۔ یہاں تک جو بات ہوئی اس سے ایک بات سمجھ میں آگئی، کیا؟ کہ تمیز جب جنس ہو تو اس کو ہمیشہ مفرد رکھیں گے، یہ بات مفہوم ہوئی۔ انہوں نے کیا کہا؟ فَيُطَابِقُ تمیز مطابق ہوگی دونوں صورتوں میں مقصود کے إِلَّا إِذَا كَانَ جِنْسًا مگر یہ کہ تمیز کیا ہو؟ جنس ہو، تمیز جنس ہو، معلوم ہوا جنس ہونے کی صورت میں مطابق نہیں ہوگی بلکہ تمیز ہمیشہ مفرد ہوگی، یہ بات مفہوم ہو گئی۔ تو یہ جو بات مفہوم ہوئی ہے، آگے اس سے استثنا ہے إِلَّا أَنْ يُقْصَدَ الْأَنْوَاعُ۔ کیا کلام بن گیا؟ تمیز ہمیشہ مفرد ہوگی جب

وہ جنس ہو، إِلَّا أَنْ يُقْصَدَ الْأَنْوَاعُ مگر یہ کہ انواع کا ارادہ کیا جائے۔ معلوم ہوا یہ جو دوسرا استثنا ہے یہ مفہومِ کلام سے ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟

اب دیکھیے اس سارے کو شرح کے ساتھ۔ تو کہتے ہیں: فَيُطَابِقُ التَّمْيِيزُ فِيهِمَا، تو مطابق ہوگی تمیز ان دونوں صورتوں میں۔ کون سی دو صورتیں؟ دیکھو بھائی: أَيْ فِيمَا جَازَ أَنْ يَكُونَ لِمَنْ تُصِبَ عَنْهُ، یعنی اس صورت میں کہ جائز ہو کہ تمیز جو ہے منتصب عنہ سے ہو، وہ صورت جس میں تمیز جائز ہو کہ کس سے ہو؟ منتصب عنہ سے، اس میں دونوں صورتیں آگئیں دیکھو: سَوَاءٌ كَانَ نَصًّا فِيهِ أَوْ مُحْتَمِلًا لَهُ وَلِمُتَعَلِّقِهِ، برابر ہے کہ تمیز وہ نص ہو منتصب عنہ کے بارے میں، یعنی متعین ہو اسی کے بارے میں، أَوْ مُحْتَمِلًا لَهُ وَلِمُتَعَلِّقِهِ یا اس میں احتمال ہو منتصب عنہ کا بھی اور اس کے متعلق کا بھی، دونوں صورتیں اس میں داخل ہو گئیں۔ عبارت سمجھ میں آگئی؟ آگے دیکھیے، کہتے ہیں: وَفِيمَا، اور دوسری صورت فِيمَا تَعَيَّنَ لِمُتَعَلِّقِهِ اس صورت میں کہ جب تمیز متعین ہو منتصب عنہ کے متعلق کے لیے، تو تینوں صورتیں اس میں داخل ہو گئیں۔ توجہ ہے؟ کیا بات ہوئی؟ کہ تمیز مطابق ہوگی ان دونوں صورتوں میں۔ کون سی دو صورتیں؟ ایک وہ صورت جس میں تمیز منتصب عنہ سے ہو سکے، اس میں دو صورتیں آگئیں، اور ایک وہ صورت جس میں تمیز متعین ہو متعلق کے لیے، اس میں ایک صورت آگئی۔ بات سمجھ میں آگئی؟

تو کہتے ہیں ان دونوں صورتوں میں تمیز مطابق ہوگی مَا قُصِدَ وہ جس کا ارادہ کیا جائے، مِنْ وَحْدَةِ التَّمْيِيزِ أَوْ تَثْنِيَتِهِ أَوْ جَمْعِيَّتِهِ، یعنی کہ تمیز کا واحد ہونا اور اس کا تثنیہ ہونا اور اس کا جمع ہونا۔ توجہ ہے؟ تمیز مطابق ہوگی مَا قُصِدَ کس کے؟ مقصود کے، کیا معنی مقصود کے مطابق ہوگی؟ کہتے ہیں مِنْ وَحْدَةِ التَّمْيِيزِ أَوْ تَثْنِيَتِهِ أَوْ جَمْعِيَّتِهِ یعنی تمیز کا مفرد ہونا اور اس کا تثنیہ ہونا اور اس کا جمع ہونا یہ مقصود کے مطابق ہوگا۔ سَوَاءٌ كَانَ، سَوَاءٌ كَانَ یہ كَانَ کی ضمیر پیچھے راجع ہے وَحْدَةِ التَّمْيِيزِ أَوْ تَثْنِيَتِهِ أَوْ جَمْعِيَّتِهِ، اس کو راجع ہے۔ توجہ ہے؟ یہ عبارت پہ نظر رکھو، سَوَاءٌ كَانَ، یہ كَانَ کے اندر هُوَ ضمیر کس کو راجع؟ پیچھے آیا تھا وَحْدَةِ التَّمْيِيزِ أَوْ تَثْنِيَتِهِ أَوْ جَمْعِيَّتِهِ، اور آپ کہیں گے وہ تو تین چیزیں ہیں اور كَانَ کے اندر تو هُوَ ضمیر مفرد کی ہے، تو جواب یہ کہ ان کے درمیان أَوْ آرہا ہے، ایک وقت میں ایک ہوگا یا تمیز واحد ہوگی یا تثنیہ ہوگی یا جمع۔ تو سَوَاءٌ كَانَ، تو برابر ہے کہ تمیز کا مفرد، تثنیہ یا جمع ہونا لِمُوَافَقَةِ مَنْ تُصِبَ عَنْهُ وہ منتصب عنہ کی موافقت کے لیے ہو۔

ادھر دیکھیے، بھائی دیکھو تمیز کو مقصود کے مطابق لائیں گے، اور وہ مقصود منتصب عنہ بھی ہو سکتا ہے اور منتصب عنہ کا متعلق بھی ہو سکتا ہے۔ معلوم ہوا تمیز کا مفرد، تثنیہ اور جمع ہونا منتصب عنہ کی موافقت کے لیے بھی ہو سکتا ہے، اور تمیز کا مفرد، تثنیہ اور جمع ہونا منتصب عنہ کے متعلق کی موافقت کے لیے بھی ہو سکتا ہے۔ دونوں احتمال آگئے وہی ذکر کر رہے ہیں: سَوَاءٌ كَانَ برابر ہے کہ اس تمیز کا مفرد، تثنیہ یا جمع ہونا لِمُوَافَقَةِ مَنْ تُصِبَ عَنْهُ وہ منتصب عنہ کی موافقت کے لیے ہو، مِثْلُ طَابَ زَيْدٌ أَبًا وَالزَّيْدَانِ أَبَوَيْنِ وَالزَّيْدُونَ آبَاءً۔ دیکھو یہاں یہ أَبًا تمیز ہے کس سے؟ زید سے، اور زید مفرد ہے تو أَبًا بھی

مفرد۔ یا طَابَ الزَّيْدَانِ أَبَوَيْنِ وہ دو زید اچھے ہیں أَبَوَيْنِ باعتبار دو باپ ہونے کے، تو یہ أَبَوَيْنِ تمیز ہے کس سے؟ الزَّيْدَانِ سے اور وہ تثنیہ تو أَبَوَيْنِ بھی کیا لائے؟ تثنیہ۔ اور وَالزَّيْدُونَ آبَاءً أَيْ طَابَ الزَّيْدُونَ آبَاءً وہ سب زید اچھے ہیں آبَاءً باعتبار باپ کے، یعنی وہ سب اچھے باپ ہیں۔ بات سمجھ میں آگئی؟

أَوْ لِمَعْنًى فِي نَفْسِهِ، اس کو جوڑیں پیچھے جو آیا تھا لِمُوَافَقَةِ مَنْ تُصِبَ عَنْهُ، وہ تمیز کا مفرد، تثنیہ اور جمع ہونا، لِمَعْنًى، لِمَعْنًى سے پہلے بھی موافقت کا لفظ مضاف محذوف نکال لیں: أَوْ لِمُوَافَقَةِ مَعْنًى فِي نَفْسِهِ۔ توجہ ہے؟ پھر سنو۔ تمیز کا مفرد، تثنیہ اور جمع ہونا یا تو منتصب عنہ کی موافقت کے لیے ہوگا، یا منتصب عنہ کی ذات میں کوئی معنی ہے یعنی جو اس کا متعلق ہے اس کی موافقت کے لیے ہوگا۔ منتصب عنہ کی ذات میں کوئی معنی ہے، یعنی جو اس کا متعلق ہے اس کی موافقت کے لیے ہوگا۔ أَوْ لِمَعْنًى فِي نَفْسِهِ یا وہ تمیز کا مفرد، تثنیہ اور جمع ہونا جو ہے لِمَعْنًى فِي نَفْسِهِ، میں نے بتایا لِمَعْنًى سے پہلے موافقت کا لفظ یہاں نکال لیں أَوْ لِمُوَافَقَةِ مَعْنًى فِي نَفْسِهِ، یہ تمیز کا مفرد، تثنیہ اور جمع ہونا جو ہے وہ منتصب عنہ کی ذات میں کسی معنی کی موافقت کے لیے ہوگا۔ مِثْلُ قَوْلِكَ جیسے کہ آپ کا یہ قول ہے: طَابَ زَيْدٌ أَبًا، طَابَ زَيْدٌ أَبًا زید اچھا ہے باعتبار باپ کے، اور یہاں اب سے کون مراد ہے؟ متعلقِ زید مراد ہے زید مراد نہیں، تو إِذَا أَرَدْتَ أَبًا لَهُ فَقَطْ جب آپ کا ارادہ صرف اس کے باپ کا ہو، وَطَابَ زَيْدٌ أَبَوَيْنِ اور طَابَ زَيْدٌ أَبَوَيْنِ کہیں گے إِذَا أَرَدْتَ أَبًا وَجَدًّا لَهُ جب آپ کا ارادہ زید کے باپ اور جد دونوں کا ہو، وَطَابَ زَيْدٌ آبَاءً اور طَابَ زَيْدٌ آبَاءً آپ کہیں گے إِذَا أَرَدْتَ آبَاءً وَأَجْدَادًا لَهُ جب آپ کا ارادہ زید کے آباؤ اجداد کا ہو۔ معنی سمجھ میں آرہا ہے؟ زید کے آباؤ اجداد وہ زید کے متعلق ہیں، تو زید اگرچہ ان مثالوں میں دیکھو مفرد ہے لیکن متعلق کے اعتبار سے تمیز لائیں گے۔ صرف اب کا ارادہ ہے زید کے باپ کا تو تمیز مفرد لائیں گے، زید کے باپ اور دادا دونوں کا ارادہ ہے تو طَابَ زَيْدٌ أَبَوَيْنِ کہیں گے، اور زید کے آباؤ اجداد کا ارادہ ہے تو طَابَ زَيْدٌ آبَاءً کہیں گے۔

فَعَلَى كُلٍّ مِنَ التَّقْدِيرَيْنِ، تو دونوں تقدیروں پر، دونوں تقدیریں کون سی دو تقدیریں؟ بھائی پیچھے ذکر ہوا نا تمیز کو مفرد، تثنیہ اور جمع لائیں گے کبھی منتصب عنہ کی موافقت کے لیے اور کبھی اس کے متعلق کی، تو یہ دونوں تقدیروں کی صورت میں۔ تو کہتے ہیں: فَعَلَى كُلٍّ مِنَ التَّقْدِيرَيْنِ تو دونوں تقدیروں پر، إِذَا قُصِدَتْ وَحْدَةُ التَّمْيِيزِ، إِذَا قُصِدَتْ وَحْدَةُ التَّمْيِيزِ یہ وَحْدَةُ التَّمْيِيزِ نائب الفاعل ہے قُصِدَتْ کے لیے، إِذَا قُصِدَتْ وَحْدَةُ التَّمْيِيزِ جب وحدتِ تمیز کا، تمیز کے واحد ہونے کا ارادہ کیا جائے أُورِدَ مُفْرَدًا تو تمیز کو مفرد لائیں گے۔ توجہ ہے؟ إِذَا قُصِدَتْ وَحْدَةُ التَّمْيِيزِ جب تمیز کے وحدت کا ارادہ کیا جائے، اور وحدت کا ارادہ کب کریں گے؟ جب مقصود مفرد ہوگا۔ اور تمیز کے تثنیہ لانے کا ارادہ کب کریں گے؟ جب وہ مقصود تثنیہ ہوگا۔ اور تمیز کے جمع لانے کا ارادہ کب کریں گے؟ جب مقصود... تو کہتے ہیں فَعَلَى كُلٍّ مِنَ التَّقْدِيرَيْنِ دونوں تقدیروں پر، إِذَا قُصِدَتْ وَحْدَةُ التَّمْيِيزِ أُورِدَ مُفْرَدًا جب وحدتِ تمیز کا ارادہ کیا جائے تو تمیز کو مفرد لایا جائے گا، وَإِذَا قُصِدَتْ تَثْنِيَتُهُ اور جب تمیز کے تثنیہ لانے کا ارادہ کیا جائے أُورِدَ تَثْنِيَةً تو تمیز کو تثنیہ لائیں گے، وَإِذَا قُصِدَتْ جَمْعِيَّتُهُ اور جب تمیز کے جمع لانے کا ارادہ کیا جائے تو أُورِدَ جَمْعًا تو اس کو جمع لائیں گے۔ فَإِنَّ صِيغَةَ الْمُفْرَدِ لَا تَصْلُحُ أَنْ تُطْلَقَ عَلَى الْمُثَنَّى وَالْمَجْمُوعِ.

بھائی یہ تثنیہ اور جمع کیوں لائیں گے؟ کہتے ہیں فَإِنَّ صِيغَةَ الْمُفْرَدِ لَا تَصْلُحُ اس لیے کیونکہ مفرد کا صیغہ وہ صلاحیت نہیں رکھتا أَنْ تُطْلَقَ عَلَى الْمُثَنَّى وَالْمَجْمُوعِ کہ اس کا اطلاق کیا جائے تثنیہ اور جمع پر۔ تو لہٰذا تثنیہ کے لیے تثنیہ لائیں گے اور جمع کے لیے جمع لائیں گے۔

إِلَّا إِذَا كَانَ التَّمْيِيزُ جِنْسًا، مگر یہ کہ وہ تمییز جنس ہو، وہ تمییز کیا ہو؟ جنس ہو، اور جنس کا اطلاق تو قلیل اور کثیر سب پر ہوتا ہے پھر اس کو مفرد ہی لائیں گے۔ تو کہتے ہیں: إِلَّا إِذَا كَانَ التَّمْيِيزُ جِنْسًا، مگر یہ کہ وہ تمییز جنس ہو، يَقَعُ عَلَى الْقَلِيلِ وَالْكَثِيرِ جو واقع ہوتی ہے قلیل اور کثیر پر، فَإِنَّهُ إِذَا قُصِدَتْ تَثْنِيَتُهُ أَوْ جَمْعِيَّتُهُ، اس لیے کیونکہ جب ارادہ کیا جائے تمییز کے تثنیہ یا جمع لانے کا، تو لَا يَلْزَمُ أَنْ يُثَنَّى ذٰلِكَ الْجِنْسُ، تو لازم نہیں ہے کہ اس جنس کو تثنیہ لایا جائے أَوْ يُجْمَعَ یا اس کو جمع لایا جائے، بَلْ يَكْفِي أَنْ يُؤْتَى بِهِ مُفْرَدًا، بلکہ کافی ہے کہ اس تمییز کو مفرد لایا جائے۔ بھائی تمییز کے ذریعے آپ تثنیہ یا جمع کا ارادہ کرتے ہیں لیکن تمییز تو جنس ہے، اس کا اطلاق تو قلیل اور کثیر سب پر ہوتا ہے، تو اب اس کو تثنیہ اور جمع لانا ضروری نہیں ہے بلکہ کیا لائیں گے؟ مفرد ہی لائیں گے۔ تو کہتے ہیں: لَا يَلْزَمُ أَنْ يُثَنَّى ذٰلِكَ الْجِنْسُ أَوْ يُجْمَعَ تو لازم نہیں ہے کہ اس جنس کو تثنیہ یا جمع لایا جائے بَلْ يَكْفِي أَنْ يُؤْتَى بِهِ مُفْرَدًا بلکہ کافی ہے کہ اس تمییز کو مفرد لایا جائے، یعنی یوں کہو اس جنس کو مفرد لایا جائے، لِصِحَّةِ إِطْلَاقِهِ عَلَى الْقَلِيلِ وَالْكَثِيرِ اس لیے کیونکہ اس کا اطلاق صحیح ہے قلیل اور کثیر پر، فَلَا حَاجَةَ إِلَى تَثْنِيَتِهِ وَجَمْعِهِ لہٰذا کوئی حاجت نہیں ہے اس کی تثنیہ اور جمع کی، نَحْوُ طَابَ زَيْدٌ عِلْمًا، زید اچھا ہے باعتبار علم کے، زید اچھا ہے باعتبار علم کے۔ اب دو زید ہیں آپ ان کا ارادہ کرتے ہیں: طَابَ الزَّيْدَانِ عِلْمًا، وہ دو زید اچھے ہیں علم کے اعتبار سے۔ اب یہ عِلْمًا یہ تو مصدر ہے یہ تو جنس ہے اور جنس کا اطلاق تو قلیل اور کثیر سب پر ہوتا ہے، لہٰذا اس کو تثنیہ جمع لانے کی ضرورت نہیں۔ یا میں جمع کہتا ہوں: طَابَ الزَّيْدُونَ، وہ سارے زید اچھے ہیں عِلْمًا باعتبار علم کے، یعنی ان سب کا علم اچھا ہے۔ نَحْوُ طَابَ زَيْدٌ عِلْمًا وَالزَّيْدَانِ عِلْمًا وَالزَّيْدُونَ عِلْمًا.

إِلَّا أَنْ يُقْصَدَ بِالتَّمْيِيزِ الَّذِي هُوَ الْجِنْسُ الْأَنْوَاعُ، مگر یہ کہ ارادہ کیا جائے اس تمییز کے ذریعے جو جنس ہے الْأَنْوَاعُ، کس کا ارادہ کیا جائے؟ انواع کا، مِنْ حَيْثُ امْتِيَازَاتُهَا النَّوْعِيَّةُ ان کے امتیازاتِ نوعیہ کی حیثیت سے۔ بھائی ادھر دیکھیے۔ پیچھے بات ذکر ہوئی تھی یہ تفصیل ذکر ہوئی تھی کہ تمییز جب جنس ہو تو اس کو مفرد لاتے ہیں، الا یہ کہ اس کے ذریعے ارادہ کیا جائے کس کا؟ انواع کا۔ تو اب اگر آپ تمییز جنس ہے آپ اس کو مفرد لائیں گے تو انواع کا پتہ نہیں چلے گا۔ مثلاً میں کہنا یہ چاہتا ہوں طَابَ الزَّيْدَانِ، وہ دونوں زید اچھے ہیں علم کے اعتبار سے، وہ دونوں زید علم کے اعتبار سے اچھے ہیں، تو میں کیا کہوں گا؟ طَابَ الزَّيْدَانِ عِلْمًا، عِلْمًا جنس ہے اس کا اطلاق قلیل اور کثیر پر ہوتا ہے، تو یہاں اگرچہ وہ منتصب عنہ وہ تثنیہ ہے جس کا ارادہ کیا گیا ہے، لیکن تمییز کو مفرد ہی لائیں گے۔ لیکن میں علم کی دو انواع کا ارادہ کرنا چاہتا ہوں، مثلاً وہ جو دو زید ہیں ایک زید کے پاس ایک علم ہے، مثلاً وہ صرف کا ماہر ہے، اور دوسرے زید کے پاس دوسرا علم ہے، یعنی وہ نحو کا ماہر ہے، تو میں کہنا یہ چاہتا ہوں وہ دونوں زید علم کے اعتبار سے اچھے ہیں یعنی ایک زید علمِ صرف کے اعتبار سے اچھا ہے اور دوسرا

زید علمِ نحو کے اعتبار سے اچھا ہے، تو اب اگر میں یوں کہوں گا طَابَ الزَّيْدَانِ عِلْمًا وہ دونوں زید اچھے ہیں علم کے اعتبار سے یعنی دونوں کا علم اچھا ہے، تو یہ عِلْمًا تو مفرد ہے، اس سے تو دو انواع پر دلالت نہیں ہوگی۔ اگرچہ علم جنس ہے قلیل اور کثیر پر تو اس کا اطلاق صحیح ہوتا ہے لیکن انواع کا پتہ اس سے نہیں چلتا۔ اور آپ انواع بتلانا چاہتے ہیں تو اب اس کو تثنیہ لائیں گے اور یوں کہیں گے: طَابَ الزَّيْدَانِ عِلْمَيْنِ، وہ دو زید اچھے ہیں دو علم کے اعتبار سے، یعنی ایک زید ایک علم کے اعتبار سے اچھا ہے اور دوسرا زید دوسرے علم کے اعتبار سے اچھا ہے، یعنی دونوں کا علم الگ الگ ہے ایک نوع کا نہیں ہے۔ یا اب کئی زید ہیں تو میں کہوں گا: طَابَ الزَّيْدُونَ عُلُومًا، وہ سارے زید اچھے ہیں باعتبار علوم کے یعنی ان میں سے ہر ایک اپنے علم کے اعتبار سے اچھا ہے، ایک نحو میں اچھا ہے، ایک صرف میں اچھا ہے، ایک علمِ فقہ میں اچھا ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو تمییز جب جنس ہو اس کو مفرد لاتے ہیں، مگر یہ کہ اس کے ذریعے کس کا ارادہ کیا جائے؟ انواع کا۔

اس پر پھر پیچھے وہ اشکال ذکر ہوا تھا کہ انواع کے علاوہ کبھی عدد کا بھی ارادہ کیا جاتا ہے۔ تو جب عدد کا ارادہ کیا جائے پھر بھی تمیز کو تثنیہ اور جمع لاتے ہیں، جنس ہونے کے باوجود اس کو تثنیہ اور جمع لاتے ہیں، جیسے پیچھے مثال گزری تھی: طَابَ زَيْدٌ جَلْسَتَيْنِ، زید اچھا ہے دو مرتبہ بیٹھنے کے اعتبار سے۔ اب یہ جَلْسَةٌ فَعْلَةٌ یہ مصدر ہے اور یہ مصدر عددیان کرنے کے لیے آتا ہے فا کے فتحہ کے ساتھ، تو آپ عددیان کرنا چاہتے ہیں، تو زید اچھا ہے دو مرتبہ بیٹھنے کے اعتبار سے۔ معلوم ہوا تمیز جنس ہو اور آپ عددیان کرنا چاہتے ہیں تو بھی اس کو پھر تثنیہ اور جمع لے کر آتے ہیں۔ تو انہوں نے تو استثنا صرف کس کا کیا؟ إِلَّا أَنْ يُقْصَدَ الْأَنْوَاعُ، إِلَّا کس لیے آتا ہے؟ استثنا کے لیے۔ معلوم ہوا صرف انواع کی صورت میں تثنیہ اور جمع لائیں گے، عدد کا تو یہاں ذکر نہیں۔ تو اس کا جواب پیچھے صاحبِ جامی نے دیا تھا کہ انواع سے کیا مراد لے لو؟ جنس کے حصے مراد لے لو، جنس کے حصے۔ اور جنس کے افراد کتنی قسم کے ہیں؟ دو۔ کچھ کلیات ہیں کچھ جزئیات۔ جیسے حیوان، حیوان کے تحت انسان، گائے، بیل، بکری وغیرہ بھی شامل، اور یہ ساری انواع ہیں یہ کثیرین پر صادق آتی ہیں۔ حیوان کیا ہے؟ جنس ہے۔ جنس کسے کہتے ہیں؟ كُلِّيٌّ مَقُولٌ عَلَى كَثِيرِينَ مُخْتَلِفِينَ بِالْحَقَائِقِ۔ تو حیوان جنس ہے، اور اس کے نیچے انسان، گائے، بیل، بکری، اور یہ بھی سب کلیات ہیں، انسان کے بھی افراد زیادہ، گائے، بیل، بکری وغیرہ سب کے افراد کیا ہیں؟ زیادہ ہیں، تو یہ بھی کلیات ہیں لیکن یہ انواع ہیں، یہ کیا ہیں؟ انواع، اور پھر ہر ایک کے تحت افراد بھی ہیں۔ تو معلوم ہوا کہ حیوان یعنی جنس کے افراد کتنی قسم کے ہوتے ہیں؟ دو قسم کے: کچھ کلی اور کچھ جزئی ہوتے ہیں۔ تو صاحبِ جامی نے بتلایا تھا آپ کو وہاں جواب دیا تھا کہ انواع سے مراد جنس کے حصے لے لو، انواع سے جنس کے حصے مراد لے لو، اور جنس کے حصے دو قسم کے: کچھ کلیات ہیں کچھ جزئیات۔ جو کلیات ہیں ان کی خصوصیات کلیہ ہوں گی اور جو جزئیات ہیں ان کی خصوصیات جزئیہ شخصیہ ہوں گی یعنی وہ کثیرین پر صادق نہیں آئیں گے۔ تو پھر یہ اس کے اندر عدد بھی داخل ہو گیا، عدد بھی داخل ہو

گیا، کہ جنس کے حصے مراد ہیں، جنس کے حصے جو ہیں وہ کلی بھی ہو سکتے ہیں اور جزئی بھی ہو سکتے ہیں۔ کلیات کے اندر جو کلی ہوں گے اس میں انواع آگئیں، اور جو جزئی ہوں گے اس میں عدد آگیا کیونکہ جزئی کو کس طرح بیان کیا جاتا ہے جزئیات کو؟ عدد کے ساتھ، کہ ایک ہیں یا دو ہیں یا تین ہیں یا چار ہیں۔ تو اسی انواع میں، اسی انواع میں خود انواع بھی آگئیں اور عدد بھی آگیا۔ بات سمجھ، تفصیل پیچھے بیان ہو گئی تھی بھائی۔ تو یہاں پر بھی یہی اشکال ہوتا ہے کہ إِلَّا أَنْ يُقْصَدَ الْأَنْوَاعُ یہاں تو صرف انواع کا ایک استثنا کیا، حالانکہ اعداد کے اندر بھی جنس کو تثنیہ اور جمع لاتے ہیں، تو صاحبِ جامی اس کو دوبارہ ذکر نہیں کریں گے کہ بھائی پیچھے ایک دفعہ میں ذکر کر چکا ہوں۔ بات سمجھ میں آگئی؟

تو کہتے ہیں: إِلَّا أَنْ يُقْصَدَ بِالتَّمْيِيزِ الَّذِي هُوَ الْجِنْسُ الْأَنْوَاعُ، مگر یہ کہ ارادہ کیا جائے اس تمیز کے ذریعے جو کہ جنس ہے الْأَنْوَاعُ، کس کا ارادہ کیا جائے؟ انواع کا ارادہ کیا جائے، مِنْ حَيْثُ امْتِيَازَاتُهَا النَّوْعِيَّةُ ان کی نوعی امتیازات کے اعتبار سے۔ بھائی دیکھو ہر نوع کی کچھ چیزیں ہوتی ہیں جن سے وہ دوسری انواع سے ممتاز ہوتی ہے۔ دیکھو انسان بھی ایک نوع ہے، گائے بیل بھی ایک نوع ہے، گھوڑا بھی ایک نوع ہے، گدھا وغیرہ یہ بھی کیا ہیں؟ ایک نوع ہیں، لیکن ہر ایک کی اپنی اپنی ممتاز چیزیں ہیں: انسان کیا ہے؟ وہ حیوانِ ناطق ہے، گھوڑا کیا ہے؟ وہ حیوانِ صاہل ہے، گدھا کیا ہے؟ وہ حیوانِ ناہق ہے، تو ہر ایک کی اپنی اپنی ممتاز کر دینے والی چیزیں ہیں جس سے وہ ایک دوسرے سے کیا ہو رہے ہیں؟ ایک نوع دوسری سے جدا ہو رہی ہے۔ اسی طرح افراد بھی، افراد جو ہیں، افراد میں بھی زید، عمر، بکر ہر ایک دوسرے سے جدا ہے اور کس طرح جدا ہے؟ ہر ایک کی اپنی اپنی صفات ہیں: زید کی اپنی صفات ہیں، عمر کی اپنی صفات ہیں، زید کو آپ کیسے پہچانتے ہیں؟ زید کا ایک خاص قد ہے، زید کے خاص قسم کے بال ہیں، خاص قسم کا چہرہ ہے، خاص قسم کی اس کی آنکھیں ہیں، تو ہر ایک کی اپنی اپنی امتیازی خصوصیات ہیں۔ بات سمجھ میں آئی؟ جنس کے افراد کتنی قسم کے ہو گئے؟ دو، کچھ کلیات کچھ جزئیات۔ کلیات کی کلیات والی خصوصیات ہیں اور جزئیات کی جزئیات والی خصوصیات ہیں جن کے ذریعے وہ ایک دوسرے سے جدا ہوتے ہیں۔ تو اسی کی طرف اشارہ کیا: إِلَّا أَنْ يُقْصَدَ بِالتَّمْيِيزِ الَّذِي هُوَ الْجِنْسُ الْأَنْوَاعُ، مگر یہ کہ ارادہ کیا جائے اس تمیز کے ذریعے جو جنس ہے الْأَنْوَاعُ، کس کا ارادہ کیا جائے؟ انواع کا، مِنْ حَيْثُ امْتِيَازَاتُهَا النَّوْعِيَّةُ ان کی نوعی امتیازات کے اعتبار سے۔ فَإِنَّهُ لَا بُدَّ حِينَئِذٍ مِنْ تَثْنِيَتِهِ أَوْ جَمْعِهِ، تو اس وقت پھر ضروری ہے، فَإِنَّهُ لَا بُدَّ حِينَئِذٍ پھر اس وقت ضروری ہے مِنْ تَثْنِيَتِهِ أَوْ جَمْعِهِ اس تمیز کو تثنیہ اور جمع لانا یعنی جب آپ نے انواع کا ارادہ کیا ہے۔

نَحْوُ، مثال کے طور پر: طَابَ الزَّيْدَانِ عِلْمَيْنِ، وہ دو زید اچھے ہیں باعتبار دو علوم کے، وَالزَّيْدُونَ عُلُومًا، أَيْ طَابَ الزَّيْدُونَ عُلُومًا وہ سب زید اچھے ہیں عُلُومًا باعتبار علوم کے یعنی ہر ایک اپنے اپنے علم کے اعتبار سے اچھا ہے۔ إِذَا أُرِيدَ جب یہ ارادہ کیا جائے أَنَّ مُتَعَلِّقَ الطِّيبِ کہ طِیب کا جو متعلق ہے یعنی اچھا ہونے کا تعلق جو ہے مِنْ كُلٍّ مِنَ الزَّيْدَيْنِ أَوِ الزَّيْدِينَ، مِنَ الزَّيْدَيْنِ یہ تثنیہ ہے أَوِ الزَّيْدِينَ یہ کیا ہے؟ جمع۔ جب اچھا ہونے کا تعلق مِنْ كُلٍّ ہر ایک میں سے جو ہے مِنَ الزَّيْدَيْنِ أَوِ الزَّيْدِينَ

چاہے وہ دو زید ہیں یا دو سے زیادہ ہیں، ان میں سے اچھا ہونے کا تعلق جو ہے وہ نَوْعٌ آخَرُ مِنَ الْعِلْمِ، وہ علم کی ایک دوسری قسم ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ نَوْعٌ آخَرُ مِنَ الْعِلْمِ علم کی دوسری قسم ہو۔ بھائی دیکھو، مثلاً میں کہتا ہوں طَابَ الزَّیْدَانِ عِلْمَیْنِ، وہ دو زید اچھے ہیں، تو یہ جو اچھا ہونے کا تعلق ہے ہر زید کے ساتھ وہ الگ علم کے اعتبار سے ہے اور دوسرے زید کے ساتھ اچھا ہونے کا تعلق الگ قسم کے علم کے اعتبار سے ہے۔ تو جب اچھا ہونے کا تعلق دونوں کے الگ الگ نوع کے اعتبار سے ہے تو لہٰذا تمیز کو ہم تثنیہ لائیں گے، طَابَ الزَّیْدَانِ عِلْمَیْنِ کہیں گے۔ یا طَابَ الزَّیْدُونَ عُلُومًا،یہاں طَابَ کا تعلق ان سب زیدوں سے ہے کس اعتبار سے؟ علم کی الگ الگ قسم کے اعتبار سے، تو لہٰذا عُلُومًا جمع لے کر آئیں گے تاکہ انواع پر دلالت ہو جائے۔ معنی سمجھ میں آگیا؟ پھر دیکھو ترجمہ۔ تو کہتے ہیں: نَحْوُ طَابَ الزَّیْدَانِ عِلْمَیْنِ وَالزَّیْدُونَ عُلُومًا یوں کہیں گے کب؟ إِذَا أُرِیدَ جب یہ ارادہ کیا جائے کہ أَنَّ مُتَعَلِّقَ الطِّیبِ کہ طِیب کا جو تعلق ہے مِنْ کُلٍّ مِنَ الزَّیْدَیْنِ أَوِ الزَّیْدِینَ ہر ایک کے ساتھ یعنی دو زید یا جو زیادہ زید ہیں ان میں سے ہر ایک کے ساتھ جو طِیب کا متعلق ہے وہ نَوْعٌ آخَرُ مِنَ الْعِلْمِ وہ علم کی دوسری قسم ہے یعنی باقیوں سے الگ ہے، فَإِنَّ صِیغَةَ الْمُفْرَدِ لَا تُفِیدُ ذٰلِكَ الْمَعْنَی اس لیے کیونکہ مفرد کا صیغہ وہ اس معنی کا فائدہ نہیں دیتا، اگر صرف عِلْمًا کہیں گے تو پھر اس سے یہ انواع کا پتہ نہیں چلے گا۔

وَإِنْ کَانَ أَيِ التَّمْیِیزُ صِفَةً۔ اچھا، بھائی پیچھے آیا تھا، پیچھے جہاں سبق شروع کیا تھا: ثُمَّ إِنْ کَانَ اسْمًا پھر اگر وہ تمیز کیا ہو؟ اسم ہو، اور صاحبِ جامی نے فرمایا تھا لَا صِفَةً صفت نہ ہو۔ بتلانا یہ چاہتے تھے کہ یہاں اسم کا لفظ جو آیا ہے وہ صفت کے مقابلے میں آیا ہے کہ وہ تمیز اسم ہو تو اس کا یہ حکم ہے۔ اب آگے دوسری صفت جو ہے اس کو بیان کرنے لگے ہیں۔ کہتے ہیں: وَإِنْ کَانَ أَيِ التَّمْیِیزُ صِفَةً، اور اگر وہ تمیز صفت ہو، مُشْتَقَّةً یعنی کیا ہو؟ ایسی صفت جو مشتق ہے یعنی مشتق کا صیغہ ہے، مِثْلُ لِلّٰہِ دَرُّہٗ فَارِسًا، دیکھو اس میں فَارِس اسمِ فاعل ہے صفت کا صیغہ ہے۔ بھائی پہلے ذرا متن متن دیکھیے، تو کہتے ہیں: وَإِنْ کَانَ صِفَةً اور اگر وہ تمیز صفت ہو کَانَتْ لَهٗ تو پھر وہ منتصب عنہ کے لیے ہوگی۔ ادھر دیکھیے، یاد رکھو پیچھے تفصیل بیان کی تھی کہ اگر تمیز اسم ہے، صفت نہیں ہے، تو پھر وہ منتصب عنہ اور متعلقِ منتصب عنہ دونوں کے لیے ہونے کا احتمال اس میں ہو سکتا ہے جب تمیز کیا ہو؟ اسم، تو پھر وہ منتصب عنہ کے لیے بھی ہو سکتی ہے اور متعلقِ منتصب عنہ کے لیے بھی ہو سکتی ہے۔ لیکن یاد رکھو جب تمیز صفت ہو، یعنی مشتق ہو، تو پھر وہ صرف منتصب عنہ کے لیے ہی ہوگی، متعلق کے لیے نہیں ہو سکتی۔ لِلّٰہِ دَرُّہٗ فَارِسًا، اللہ ہی کے لیے ہے اس کا کمال باعتبار شہسوار ہونے کے۔ یہ فَارِسًا جو ہے یہ منتصب عنہ کے لیے تو ہو سکتی ہے کیونکہ یہ صفت کا صیغہ ہے، متعلقِ منتصب عنہ کے لیے یہاں نہیں ہو سکتی۔ بات سمجھ میں آگئی؟

تو یہی بیان کر رہے ہیں: وَإِنْ کَانَ صِفَةً اور اگر وہ تمیز صفت ہو، کَانَتْ لَهٗ تو پھر وہ صفت منتصب عنہ کے لیے ہی ہوگی، وَطِبْقَهٗ اور اس کے مطابق ہوگی۔ توجہ ہے؟ ادھر دیکھیے۔ تمیز اگر صفت کا صیغہ ہے تو وہ صرف کس کے لیے ہوگی؟ منتصب

عنہ کے لیے ہوگی، اور اسی کے مطابق ہوگی۔ یعنی منتصب عنہ اگر مفرد تو تمیز بھی مفرد، اگر وہ تثنیہ تو تمیز بھی تثنیہ، اگر وہ جمع تو تمیز بھی جمع، اگر وہ مذکر ہے تو تمیز بھی مذکر، اور اگر وہ مؤنث ہے تو یہ بھی مؤنث۔ بھائی کیوں؟ وجہ یہ کہ جب تمیز صفت کا صیغہ ہے تو صفت کے صیغے میں ضمیر ہوتی ہے جو موصوف کی طرف لوٹتی ہے۔ صفت کے صیغے میں ضمیر ہوتی ہے: رَأَيْتُ رَجُلًا ضَارِبًا، یہ ضَارِبًا صفت ہے کس کی؟ رَجُل کی، تو ضَارِبًا اسمِ فاعل ہے اور اسمِ فاعل کے لیے کیا چاہیے؟ فاعل چاہیے، تو اس کے اندر هُوَ ضمیر ہے جو کس کو لوٹ رہی ہے؟ رَجُل کو۔ تو لہٰذا جو صفت کا صیغہ ہوتا ہے اس کے اندر ضمیر ہوتی ہے جو موصوف کی طرف لوٹتی ہے، تو جب وہ موصوف کی طرف ضمیر لوٹائیں گے تو ضمیر موصوف کے مطابق ہونی چاہیے: موصوف اگر مفرد ہے تو ضمیر بھی کیسی چاہیے؟ مفرد، موصوف اگر تثنیہ ہے تو ضمیر بھی کیسی چاہیے؟ تثنیہ، موصوف اگر جمع ہے تو ضمیر بھی کیسی چاہیے؟ جمع، موصوف اگر مذکر ہے تو ضمیر مذکر کی چاہیے، اور موصوف اگر مؤنث ہے تو صفت بھی مؤنث۔ تو لہٰذا صفت کو موصوف کے مطابق ہونا ضروری ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟

تو حاصلِ کلام کیا؟ کہ تمیز جب صفت ہو یعنی مشتق کا صیغہ ہو تو پھر وہ صرف کس کے لیے ہوگی؟ منتصب عنہ کے لیے ہوگی متعلق کے لیے نہیں، اور نیز یہ منتصب عنہ کے مطابق ہوگی افراد، تثنیہ اور جمع میں بھی اور تذکیر و تانیث میں بھی، کیونکہ اس کے اندر اس کی ضمیر ہوگی۔ تو کہتے ہیں، متن دیکھیے: وَإِنْ كَانَ صِفَةً اور اگر تمیز جو ہے وہ صفت ہو كَانَتْ لَهُ تو پھر وہ منتصب عنہ کے لیے ہوگی، وَطِبْقَهُ اور یہ منتصب عنہ کے مطابق ہوگی۔ آگے دیکھیے، متن دیکھیے: وَاحْتَمَلَتِ الْحَالَ، اور اس میں حال ہونے کا بھی احتمال ہوگا، تمیز جب صفت کا صیغہ ہو تو پھر وہ صرف منتصب عنہ کے لیے ہوگی اور اس کے مطابق ہوگی اور اس میں حال ہونے کا بھی احتمال۔ بعض علماء اس کو پھر تمیز بناتے ہیں، جیسے لِلّٰهِ دَرُّهُ فَارِسًا، بعض علماء فرماتے ہیں یہ فَارِسًا تمیز ہے، اور بعض علماء فرماتے ہیں یہ فَارِسًا حال ہے، یہ فَارِسًا حال ہے۔ تو یہ جو تمیز جو مشتق ہو اس میں حال ہونے کا بھی احتمال ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ اب اس کو شرح کے ساتھ دیکھیے۔

کہتے ہیں: وَإِنْ كَانَ أَيِ التَّمْيِيزُ صِفَةً مُشْتَقَّةً، اور اگر وہ تمیز جو ہے وہ ایسی صفت ہو جو مشتق ہو، مِثْلُ لِلّٰهِ دَرُّهُ فَارِسًا، دیکھو اس میں فَارِسًا کیا ہے؟ صفتِ مشتقہ ہے۔ أَوْ مُؤَوَّلَةً بِهَا، یا اس میں تاویل کی گئی ہو بھائی، یعنی مشتق کی اس میں تاویل کی گئی ہو۔ جیسے دیکھو، نَحْوُ كَفَى زَيْدٌ رَجُلًا، كَفَى زَيْدٌ رَجُلًا، اب اس میں رَجُلًا تمیز ہے اور یہ صفت نہیں ہے لیکن یہ صفت کی تاویل میں ہے، مشتق کی تاویل میں ہے۔ آگے دیکھیے: فَإِنَّ مَعْنَاهُ، اس لیے کیونکہ اس کا معنی ہے كَامِلًا فِي الرُّجُولِيَّةِ، رجولیت میں کامل ہونا، رجولیت میں، اور كَامِلًا کون سا صیغہ ہے؟ اسمِ فاعل ہے۔ تو رَجُلًا یہ صفتِ مشتقہ تو نہیں لیکن یہ صفتِ مشتقہ کی تاویل میں ہے، یعنی یہ رَجُلًا کس معنی میں ہے؟ أَيْ كَامِلًا فِي الرُّجُولِيَّةِ۔ کیا معنی ہوا؟ كَفَى زَيْدٌ رَجُلًا، زید کافی ہے باعتبار مرد ہونے کے، یعنی باعتبار کامل مرد ہونے کے اعتبار سے زید کافی ہے، زید جیسا کامل مرد جب آپ کا ساتھی ہے آپ کو کسی سے ڈرنے کی ضرورت نہیں ہے بھائی۔ تو کہتے ہیں: وہ تمیز جو ہے وہ صفتِ مشتقہ ہو جیسے لِلّٰهِ دَرُّهُ

فَارِسًا، أَوْ مُؤَوَّلَةً بِهَا یا اس کی تاویل کی گئی ہو صفتِ مشتقہ کے ساتھ نَحْوُ كَفَى زَيْدٌ رَجُلًا، فَإِنَّ مَعْنَاهُ اس لیے کیونکہ اس کا معنی جو ہے كَامِلًا فِي الرُّجُولِيَّةِ ہے بھائی۔

كَانَتِ الصِّفَةُ صِفَةً لَهُ۔ تمیز اگر صفت ہو تو كَانَتِ الصِّفَةُ صِفَةً لَهُ تو وہ صفت صِفَةً لَهُ وہ صفت ہوگی لَهُ أَيْ لِمَنْ تُصِبَ عَنْهُ، کس کے لیے؟ منتصب عنہ کے لیے۔ توجہ ہے؟ تو کہتے ہیں كَانَتِ الصِّفَةُ صِفَةً لَهُ أَيْ لِمَنْ تُصِبَ عَنْهُ لَا لِمُتَعَلِّقِهِ، تو پھر وہ صفت منتصب عنہ کے لیے ہوگی لَا لِمُتَعَلِّقِهِ اس کے متعلق کے لیے نہیں ہوگی۔ لِأَنَّ الصِّفَةَ، بھائی کیا وجہ ہے؟ جب تمیز مشتق کا صیغہ ہو تو وہ منتصب عنہ کے لیے ہی کیوں ہوگی؟ متعلق کے لیے کیوں نہیں ہو سکتی؟ تو آپ کو بتائیں گے وجہ یہ کیونکہ یہ جو صفت ہے یہ موصوف کا تقاضا کرتی ہے، تو جو چیز مذکور ہے یعنی منتصب عنہ مذکور ہے، اور وہ جو ذاتِ مقدرہ ہے وہ تو مذکور نہیں، تو جو مذکور ہے وہی زیادہ لائق ہے کہ اسی کو موصوف بنایا جائے بھائی، لہٰذا یہ اسی سے تمیز ہوگی یعنی منتصب عنہ سے تمیز ہوگی متعلق سے تمیز نہیں ہوگی۔ کہتے ہیں لِأَنَّ الصِّفَةَ تَسْتَدْعِي مَوْصُوفًا اس لیے کیونکہ صفت جو ہے وہ تقاضا کرتی ہے موصوف کا، وَالْمَذْكُورُ أَوْلَى بِمَوْصُوفِيَّتِهِ اور وہ چیز جو مذکور ہے وہ زیادہ لائق ہے اس کے موصوف ہونے کے۔

فَإِذَا قِيلَ تو جب کہا جائے: طَابَ زَيْدٌ وَالِدًا، زید اچھا ہے باعتبار والد کے۔ بھائی طَابَ زَيْدٌ أَبًا، یہ أَبًا یہ اسم تھا، صفت نہیں تھا، تو اس میں احتمال تھا کہ یہ منتصب عنہ کے لیے بھی ہو سکتی ہے اور متعلقِ منتصب عنہ، لیکن یہاں آیا وَالِدًا اور وَالِد صفت کا صیغہ ہے اسمِ فاعل، اور جب بھی تمیز صفت کا صیغہ ہو تو وہ صرف کس کے لیے ہوگی؟ منتصب عنہ۔ معلوم ہوا یہ وَالِد سے خود زید مراد ہے، زید کا متعلق یعنی زید کا والد مراد نہیں ہے۔ زید اچھا ہے والد کے اعتبار سے یعنی زید اچھا والد ہے، یہ کہنا مقصد نہیں ہے کہ زید کا والد اچھا ہے کیونکہ وہ تو زید کا متعلق ہے اور یہاں متعلق کا ارادہ نہیں ہو سکتا۔ تو کہتے ہیں: فَإِذَا قِيلَ طَابَ زَيْدٌ وَالِدًا تو جب طَابَ زَيْدٌ وَالِدًا کہا جائے تو كَانَ الْوَالِدُ زَيْدًا تو وہ والد جو ہے وہ زید ہے، وَلَا يَحْتَمِلُ أَنْ يَكُونَ وَالِدَهُ اور یہ احتمال اس میں نہیں ہے کہ وہ والد وَالِدَهُ زید کا والد ہو۔ وہ والد خود زید ہی ہے یہ احتمال نہیں کہ وہ والد کون ہو؟ زید کا والد ہو، ایسا نہیں ہے۔ بِخِلَافِ الِاسْمِ بخلاف اسم کے نَحْوُ أَبًا جیسے أَبًا۔ أَبًا کے اندر احتمال تھا زید کے لیے بھی ہو سکتا ہے اور زید کے متعلق کے لیے بھی کیونکہ اسم ہے، صفت نہیں، جبکہ وَالِد صفت ہے وہ صرف کس کے لیے ہوگا؟ منتصب عنہ کے لیے یعنی زید کے لیے، معلوم ہوا وہ والد خود زید ہی ہے، زید کا متعلق یعنی زید کا والد مراد نہیں ہو سکتا۔

جی، آگے دیکھیے بھائی: وَطِبْقَهُ، وَطِبْقَ۔ بھائی متن کو ذرا متن سے جوڑیں: وَإِنْ كَانَ التَّمْيِيزُ صِفَةً اور اگر وہ تمیز صفت ہو، صفتِ مشتقہ ہو، كَانَتْ لَهُ وَطِبْقَهُ، تو وہ صفت جو ہے وہ جو تمیز ہے وہ صفت ہوگی منتصب عنہ کے لیے، وَطِبْقَهُ اور اس کے مطابق ہوگی۔ یہاں سے آگے وَطِبْقَهُ صاحبِ جامی آپ کو ترکیب بتلائیں گے۔ توجہ سے بھائی یہ مشکل جگہ ہے بھائی۔ وَطِبْقَهُ یہاں آپ کو بتلائیں گے دو ترکیبیں آپ کر سکتے ہیں۔ ایک صورت یہ ہے کہ آپ اس واو کو بمعنی مَعَ کے کر لیں، واو بمعنی مَعَ۔ اور واو بمعنی مَعَ کے بعد مفعول معہ ذکر ہوتا ہے اور مفعول معہ منصوب ہوتا ہے، تو وَطِبْقَهُ، تو لہٰذا یہ طِبْق منصوب

ہے بنابر مفعول معہ ہونے کے۔ مفعول معہ آپ جانتے ہیں: جَاءَ زَيْدٌ وَعَمْرًا، آیا زید عمر کے ساتھ بھائی، تو یہ معیت کا فائدہ، مصاحبت کا فائدہ دیتا ہے۔ تو یہ واو اگر بمعنی مَعَ کے ہو تو طِبْق یہ مفعول معہ ہے اس وجہ سے منصوب ہے۔ اور دوسری ترکیب یہ ہے کہ اس واو کو عاطفہ بنا لیا جائے۔ اور اس صورت میں بھی طِبْقَهُ منصوب ہوگا، اور اس صورت میں اس کا عطف جو ہے پیچھے كَانَ کی خبر پر ہوگا۔ پیچھے كَانَ کی خبر کیا لائے تھے؟ كَانَتِ الصِّفَةُ صِفَةً لَهُ، وہ صفت وہ جو تمیز ہے وہ صفت ہوگی کس کے لیے؟ منتصب عنہ کے لیے، تو كَانَ کی خبر منصوب ہوتی ہے اور اسی پر وَطِبْقَهُ کا بھی عطف ہے، تو یہ بھی اس لیے منصوب ہے۔ تو دو ترکیبیں بتلائیں گے: ایک ترکیب کیا کہ طِبْقَهُ منصوب ہے بنابر مفعول معہ ہونے کے، اور دوسری ترکیب کیا کہ واو کو عاطفہ بنائیں اور یہ منصوب ہے كَانَ کی خبر پر عطف ہونے کی وجہ سے یہ بھی كَانَ کی خبر ہے بھائی۔

اب یاد رکھنا، یہ جو طِبْق ہے یہ آپ کو بتلائیں گے یہ مصدر ہے بمعنی مطابقت کے، یہ طِبْق مصدر ہے بمعنی مطابقت کے بھائی۔ اب دیکھو بھائی توجہ سے سنو، یہ مصدر ہے بھائی مصدر ہے، اور اگر واو کو بمعنی مَعَ کے آپ لیتے ہیں تو پھر یہ طِبْق مصدر اپنے ہی معنی میں ہے۔ یعنی مصدر بول کر مصدر ہی مراد ہے: وَطِبْقَهُ أَيْ مَعَ مُطَابَقَتِهِ، مَعَ مُطَابَقَتِهِ، تو طِبْق بمعنی مطابقت کے ہے۔ پھر سنو توجہ سے: یہ واو اگر بمعنی مَعَ کے ہو تو طِبْق مصدر ہے اور یہ اپنے مصدری معنی میں ہی ہے۔ اور اگر آپ اس واو کو عاطفہ بنائیں تو پھر اس صورت کے اندر یہ مصدر بمعنی اسمِ فاعل کے لینا پڑے گا۔ کیوں اسمِ فاعل کے معنی میں کیوں لینا پڑے گا؟ وجہ یہ کہ كَانَ کی خبر بنے گی، بواسطہ عطف کے یہ بھی کیا ہے؟ كَانَ کی خبر، اور كَانَ کی خبر کا حمل کس پر ہوتا ہے؟ كَانَ کے اسم پر، اور كَانَ کا اسم تو ذات ہے تو لہٰذا خبر بھی ذات ہی چاہیے۔ مثلاً جیسے میں کہتا ہوں كَانَ زَيْدٌ عَدْلًا، كَانَ زَيْدٌ عَدْلًا، تو اب یہ عَدْل کا حمل تو زید پر صحیح نہیں، کیونکہ زید ذات ہے اور عَدْل مصدر ہے اور مصدر کا حمل ذات پر صحیح نہیں، تو پھر عَدْل کو کس معنی میں لینا پڑے گا؟ عَادِلٌ کے معنی میں لینا پڑے گا: أَيْ كَانَ زَيْدٌ عَادِلًا۔ تو یہاں پر بھی اسی طرح وَطِبْقَهُ اگر اس واو کو عاطفہ بنائیں گے تو طِبْق کا عطف کس پر ہوگا؟ كَانَ کی خبر پر، اور كَانَ کی خبر کا حمل کس پر ہوتا ہے؟ كَانَ کے اسم پر، اور كَانَ کا اسم جو ہے الصِّفَةُ وہ تو ذات ہے اور یہ مصدر کا حمل تو ذات پر صحیح نہیں، تو پھر اس کو مُطَابِق کے معنی میں لینا پڑے گا کہ وہ صفت مطابق ہوگی کس کے؟ منتصب عنہ کے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو جب واو بمعنی مَعَ کے ہو تو پھر مصدر اپنے ہی معنی میں ہے، اور جب واو عاطفہ بنائیں تو پھر مصدر کو بمعنی اسمِ فاعل یعنی مُطَابِق کے معنی میں کرنا پڑے گا۔ بات سمجھ میں آگئی؟

ایک تو یہ بات ترکیب کی۔ دوسرا یہ بیان کریں گے کہ یہ جو طِبْقَهُ اس کی اضافت ہو رہی ہے ہا ضمیر کی طرف، یہ اضافت الی الفاعل ہے یا الی المفعول ہے؟ یہ بھی بیان کریں گے۔ یاد رکھو یہ طِبْقَهُ کی ہا ضمیر راجع ہے منتصب عنہ کو، وَطِبْقَهُ اور وہ صفت مطابق ہوگی منتصب عنہ کے۔ بھائی ابھی آپ کو بتلایا کہ تمیز جب بھی مشتق کا صیغہ ہو، تمیز جب بھی مشتق کا صیغہ ہو تو وہ منتصب عنہ کے ساتھ ہی خاص ہوگی، وہ متعلق کے لیے نہیں ہو سکتی، اور جب منتصب عنہ کے ساتھ خاص

ہے تو اس کے مطابق ہوگی یعنی منتصب عنہ اگر مفرد، تثنیہ یا جمع ہے تو تمیز بھی اس کے مطابق، وہ جو مشتق کا صیغہ ہے صفت ہے اس کو بھی مفرد، تثنیہ یا جمع لائیں گے۔ نیز وہ منتصب عنہ اگر مذکر یا مؤنث ہو تو تمیز بھی اس کے مطابق مذکر یا مؤنث لائیں گے بھائی، کیوں؟ کیونکہ مشتق کے صیغے کے اندر ضمیر ہوگی اور وہ ضمیر لوٹے گی کس کی طرف؟ اس منتصب عنہ کو، تو اس میں وہاں پھر مطابقت ضروری ہے، افراد، تثنیہ اور جمع میں بھی مطابقت ضروری اور تذکیر و تانیث کے اندر بھی مطابقت ضروری ہے۔ تو طِبْقَهٗ یہ ہا ضمیر کس کو راجع؟ منتصب عنہ کو۔ ادھر دیکھیے، یاد رکھو یہاں دو چیزیں ہیں: ایک ہے وہ تمیز جو صفت ہے اور صفت دیکھو اس کے آخر میں گول تا جڑی ہوئی ہے یہ مؤنث ہے، تو صفت کے لیے یہاں ضمیر لائیں گے مؤنث والی، اور منتصب عنہ یہ تو مذکر ہے اس کے لیے مذکر والی ضمیر لائیں گے۔ تو طِبْقَهٗ یہ ہا ضمیر مؤنث کی ہے یا مذکر کی ہے؟ یہ مذکر کی ہے، تو یہ منتصب عنہ کو راجع ہے، وہ تمیز مطابق ہوگی، وہ تمیز وہ جو صفت ہے، توجہ ہے؟ وہ تمیز صفت ہے تو اب جب صفت کا لفظ آئے سمجھ جائیں وہ تمیز کی بات ہو رہی ہے۔ تو وہ صفت مطابق ہوگی کس کے؟ منتصب عنہ کے۔

تو اب یہ طِبْقَهٗ میں ہا ضمیر کی طرف جو اضافت ہو رہی ہے مصدر کی، یہ اضافت الی الفاعل ہے یا الی المفعول ہے؟ تو صاحبِ جامی آپ کو بتلائیں گے کہ بھائی ہم نے دو ترکیبیں بتا دیں، ایک ترکیب کے مطابق جب واو بمعنی مَعَ کے ہے تو طِبْق مصدر اپنے ہی معنی میں ہے، تو اس صورت میں یہ اضافت الی الفاعل بھی ہو سکتی ہے اور الی المفعول بھی۔ دیکھو بھائی سمجھو اس بات کو۔ یاد رکھو یہ جو مطابقت ہے نا یہ جانبین سے ہوتی ہے، مثلاً میں کہتا ہوں یہ ایک چیز دوسری چیز کے مطابق ہے، تو جب یہ اس کے مطابق ہے تو وہ دوسری چیز بھی اس کے مطابق ہوگی، تو مطابقت جانبین سے ہوتی ہے۔ تو اگر آپ مطابقت ایک جانب سے دیکھ رہے ہیں تو وہ جانب بن جائے گی فاعل اور دوسری جانب کیا بن جائے گی مفعول۔ مثلاً میں کہتا ہوں یہ والی کتاب اس کتاب کے مطابق ہے، یعنی یوں کہو اس کتاب کی مطابقت ہے اس کتاب کے ساتھ، تو مطابقت میں کس کی طرف سے دیکھ رہا ہوں؟ اس کتاب کی طرف سے، تو مطابقت کس کی ہے؟ اس کتاب کی ہے، تو یہ ہے فاعل، اور وہ والی کتاب کیا ہے؟ وہ ہے مفعول بہ۔ اور اگر مطابقت اس دوسری کتاب کی جانب سے دیکھی جائے کہ اس کتاب کی مطابقت ہے اس کتاب کے ساتھ، تو وہ کتاب کیا بن جائے گی؟ فاعل، کیونکہ اس کی مطابقت ہے، اور کس کے ساتھ ہے؟ اس کتاب کے ساتھ، تو یہ کیا بن جائے گی؟ مفعول بہ۔ تو یہاں پر بھی دو چیزیں ہیں: ایک وہ جو صفت ہے وہ جو تمیز ہے، ایک وہ جو صفت ہے، اور ایک منتصب عنہ ہے۔ صفت ہے مؤنث، اس کے لیے مؤنث کی ضمیر لائیں گے، اور منتصب عنہ ہے مذکر، اس کے لیے مذکر کی ضمیر لائیں گے۔ تو جب اس صفت کی مطابقت ہوگی منتصب عنہ کے ساتھ، توجہ ہے؟ تو منتصب عنہ کی بھی مطابقت ہوگی صفت کے ساتھ۔ پھر دہرائیں: جب دو چیزوں میں مطابقت ہوگی تو یہ مطابقت جانبین سے ہوتی ہے، جب میں یوں کہوں اس صفت کی مطابقت ہے منتصب عنہ کے ساتھ تو معلوم ہوا منتصب عنہ کی بھی مطابقت ہے اس صفت کے ساتھ۔ ہاں البتہ جس جانب سے آپ مطابقت کا اعتبار کریں گے وہ بن جائے گا

فاعل اور دوسری جانب بن جائے گی مفعول۔ مثلاً میں یوں کہتا ہوں: اس صفت کی مطابقت ہے منتصب عنہ کے ساتھ، تو میں نے مطابقت کس کی طرف سے دیکھی؟ صفت کی طرف سے، تو یوں کہوں گا مُطَابَقَتُهَا اس صفت کی مطابقت ہے کس کے ساتھ؟ إِيَّاهُ، إِيَّاهُ۔ یہ إِيَّاهُ ضمیر میں لایا۔ إِيَّاهُ ضمیر منصوب ہے، نصب سے پتہ چل رہا ہے کہ یہ مفعول واقع ہو رہی ہے، تو مُطَابَقَتُهَا إِيَّاهُ۔ توجہ ہے؟ مُطَابَقَتُهَا إِيَّاهُ اس صفت کی مطابقت ہے اس منتصب عنہ کے ساتھ، اور إِيَّاهُ منصوب ضمیر نے کیا بتایا کہ یہ مفعول بہ ہے، معلوم ہوا فاعل کس کو بنایا آپ نے؟ صفت کو بنایا۔ توجہ ہے؟ یا اگر میں مطابقت دیکھتا ہوں منتصب عنہ کی طرف سے کہ اس منتصب عنہ کی مطابقت ہے صفت کے ساتھ، کس کی مطابقت ہے؟ منتصب عنہ کی، تو میں کیا کہوں گا؟ مُطَابَقَتُهُ اس منتصب عنہ کی مطابقت ہے، دیکھو فاعل کی طرف میں اضافت کر رہا ہوں، اور کس کے ساتھ مطابقت ہے؟ صفت کے ساتھ، صفت کے لیے پھر میں منصوب ضمیر لاؤں گا کیونکہ یہ مفعول بن رہا ہے مصدر کے لیے، اور وہ إِيَّاهَا ہے، تو مُطَابَقَتُهُ إِيَّاهَا۔ توجہ ہے؟ تو معلوم ہوا مطابقت دونوں طرف سے دیکھی جا سکتی ہے۔ پھر سنو، پھر سنو، مثلاً میں کہتا ہوں مُطَابَقَتُهَا إِيَّاهُ یہ میں مطابقت کس کی طرف سے دیکھ رہا ہوں؟ صفت کی طرف سے۔ مُطَابَقَتُهَا یہ ہا ضمیر صفت کو راجع ہے تو اور یہ فاعل ہے، تو مطابقت مصدر کی میں نے اضافت کر دی کس کی طرف؟ فاعل کی طرف، اور آگے إِيَّاهُ کیا ہے؟ مفعول ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ اور اگر میں یوں کہوں مُطَابَقَتُهُ إِيَّاهَا اس منتصب عنہ کی مطابقت ہے إِيَّاهَا اس صفت کے ساتھ۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو یہاں دونوں احتمال ہیں۔ تو جب وَطِبْقَهُ یہ واو جب بمعنی مَعَ کے ہے اور طِبْق مصدر وہ اپنے ہی معنی میں ہے، تو پھر اس صورت میں یہ اضافت ہا ضمیر کی طرف جو ہے یہ اضافت الی الفاعل بھی ہو سکتی ہے اور یہ اضافت الی المفعول بھی ہو سکتی ہے، کیونکہ مطابقت دونوں طرف سے ہوتی ہے۔ تو اگر آپ مطابقت کس کی طرف سے دیکھیں؟ منتصب عنہ کی طرف سے تو وہ فاعل بنے گا اور وہ صفت کیا بنے گی؟ وہ مفعول بہ بنے گی۔ اور اگر آپ مطابقت صفت کی طرف سے دیکھیں تو وہ صفت فاعل بنے گی اور منتصب عنہ مفعول بہ بنے گا۔ تو یہ ہا ضمیر راجع ہے منتصب عنہ کو اور اس میں فاعل ہونے کا بھی احتمال اور مفعول بہ ہونے کا بھی احتمال، تو لہٰذا یہاں دونوں احتمال ہو گئے: یہ مصدر کی اضافت فاعل کی طرف ہو یہ بھی ہو سکتا ہے اور مصدر کی اضافت مفعول بہ کی طرف ہو اس میں یہ بھی احتمال ہے۔ یہاں تک بات سمجھ میں آگئی؟

اور اگر، اور اگر اس واو کو عاطفہ بنائیں تو پھر یہ طِبْق مصدر بمعنی مُطَابِق کے ہے، تو کلام کیا بن گیا؟ كَانَتْ لَهُ وَطِبْقَهُ اور وہ صفت مطابق ہوگی کس کے؟ منتصب عنہ کے مطابق ہوگی۔ توجہ ہے؟ تو جب آپ طِبْق کو اسمِ فاعل بنائیں گے تو پھر اس صورت میں تو یہ خبر ہے کس کی؟ كَانَ کی، تو اس صورت میں اس کا فاعل وہی صفت ہی بنے گی، وہ صفت مطابق ہے، اور ہا ضمیر پھر کیا بن جائے گی؟ مفعول بہ بن جائے گی، تو اس صورت میں پھر یہ طِبْق کی اضافت ہو رہی ہے مفعول بہ کی طرف۔ تو اگر واو بمعنی مَعَ کے لیں تو طِبْقَهُ میں طِبْق کی اضافت فاعل کی طرف بھی آپ بنا سکتے ہیں اور مفعول کی

طرف بھی، اور اگر آپ یہ واو عاطفہ بنائیں تو پھر طِبْق بمعنی مُطَابِق کے ہوا، اور مُطَابِق پیچھے وہ صفت کی بات چل رہی ہے وہ صفت مطابق ہوگی اور یہ ہا ضمیر جو منتصب عنہ کو ہے یہ کیا بنے گی؟ یہ مفعول بہ ہے تو مفعول بہ کی طرف اضافت ہو جائے گی۔ بات سمجھ میں آگئی؟ اب دیکھیے عبارت بھائی۔

وَطِبْقَهُ: الْوَاوُ بِمَعْنَى مَعَ، یہ واو جو ہے مَعَ کے معنی میں ہے، وَالطِّبْقُ مَصْدَرٌ بِمَعْنَى الْمُطَابَقَةِ، اور یہ طِبْق مصدر ہے بمعنی مطابقت کے۔ أَيْ كَانَتِ الصِّفَةُ صِفَةً لَهُ۔ اب یہ پیچھے وہ سارے متن کو، وہ عبارت کو جوڑ رہے ہیں اور یہ واو کو بمعنی مَعَ کے کریں گے۔ تو کہتے ہیں: أَيْ كَانَتِ الصِّفَةُ صِفَةً لَهُ مَعَ مُطَابَقَتِهَا إِيَّاهُ، اور وہ صفت جو ہے منتصب عنہ کے لیے ہوگی مَعَ مُطَابَقَتِهَا إِيَّاهُ ساتھ اس کے کہ اس صفت کی مطابقت ہوگی اس منتصب عنہ کے ساتھ۔ دیکھو مُطَابَقَتِهَا إِيَّاهُ، اس میں إِيَّاهُ کو کیا بنایا؟ مفعول بنایا۔ یہ جو منتصب عنہ کی ضمیر ہے اس کو مفعول بہ بنایا، معلوم ہوا متن میں اس کو وَطِبْقَهُ اس ہا ضمیر کو مفعول آپ بنا سکتے ہیں۔ أَوْ مُطَابَقَتِهِ إِيَّاهَا، یا اس منتصب عنہ کی مطابقت ہوگی إِيَّاهَا اس صفت کے ساتھ۔ أَوْ مُطَابَقَتِهِ إِيَّاهَا، اب یہاں دیکھو مطابقت کی اضافت ہو رہی ہے مذکر کی ضمیر کی طرف، اور یہ ضمیر کس کو راجع؟ منتصب عنہ۔ معلوم ہوا وہ ہے فاعل، مطابقت ہے اس منتصب عنہ کی إِيَّاهَا اس صفت کے ساتھ۔ تو منتصب عنہ کو فاعل بنایا اور صفت کو کیا بنایا؟ مفعول بہ۔ معلوم ہوا متن میں وَطِبْقَهُ اس کے اندر یہ بھی احتمال ہے کہ یہ فاعل ہو، یہ ہا ضمیر کیا ہو؟ فاعل، اس میں دونوں احتمال ہو گئے نا؟ تو معلوم ہوا وَطِبْقَهُ میں واو بمعنی مَعَ کے ہو اور طِبْق مصدر ہے بمعنی مطابقت کے، تو اس کی اضافت یہ جو ہا ضمیر کی طرف ہو رہی ہے اس میں دونوں احتمال ہیں اس ضمیر میں فاعل ہونے کے بھی اور مفعول ہونے کے بھی، تو یہ فاعل کی طرف بھی اضافت ہو سکتی ہے اور مفعول بہ کی طرف بھی۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو یہ معنی ہے مَعَ مُطَابَقَتِهَا إِيَّاهُ ساتھ اس کے کہ اس صفت کی مطابقت ہو اس منتصب عنہ کے ساتھ أَوْ مُطَابَقَتِهِ إِيَّاهَا یا اس منتصب عنہ کی مطابقت ہو اس صفت کے ساتھ۔

وَيَجُوزُ أَنْ يَكُونَ بِمَعْنَى اسْمِ الْفَاعِلِ۔ اب دوسری ترکیب کر رہے ہیں کہ واو کو عاطفہ بنائیں۔ کہتے ہیں: وَيَجُوزُ أَنْ يَكُونَ بِمَعْنَى اسْمِ الْفَاعِلِ، اور یہ بھی جائز ہے کہ یہ مصدر طِبْق جو ہے یہ اسمِ فاعل کے معنی میں ہو، وَالْوَاوُ لِلْعَطْفِ عَلَى خَبَرِ كَانَتْ اور یہ واو جو ہے كَانَتْ کی خبر پر عطف کے لیے ہو۔ أَيْ كَانَتْ صِفَةً لَهُ وَمُطَابِقَةً إِيَّاهُ، یعنی وہ جو صفت ہے جو تمیز بن رہی ہے وہ صِفَةً لَهُ وہ اس منتصب عنہ کے لیے صفت ہوگی وَمُطَابِقَةً إِيَّاهُ اور وہ صفت مطابق ہوگی إِيَّاهُ کس کے؟ منتصب عنہ کے۔ دیکھو مُطَابِقَةً إِيَّاهُ، یہاں مُطَابِقَةً پڑھنا یہ اسمِ فاعل پڑھنا بھائی، چونکہ صفت مؤنث ہے نا اس لیے اسمِ فاعل بھی مؤنث والا نکالا مُطَابِقَةً۔ پہلے کیا تھا؟ مُطَابَقَةً آیا تھا کیونکہ وہ مصدر تھا۔ دیکھو مُطَابِقَةً إِيَّاهُ، یہ إِيَّاهُ ضمیر مذکر کی لائے اور منصوب لائے، معلوم ہوا جب یہ طِبْق بمعنی اسمِ فاعل کے ہو تو پھر یہ ہا ضمیر کس کی ہوگی وَطِبْقَهُ کے اندر؟ مفعول کی ہوگی، اب اس میں فاعل کا احتمال نہیں ہے بھائی۔ یہاں تک بات سمجھ میں آگئی؟ حاصلِ کلام کیا؟ کہ یہ واو بمعنی مَعَ کے بھی ہو سکتا ہے

اور طِبْق بمعنی مطابقت کے ہے اور یہ آگے ہا ضمیر کی طرف جو اضافت ہے اس صورت میں یہ اضافت الی الفاعل بھی ہو سکتی ہے اور اضافت الی المفعول بھی ہو سکتی ہے۔ اور اگر آپ اس واو کو عاطفہ بنائیں تو پھر اس صورت میں طِبْق بمعنی مُطَابِق کے ہے یعنی وہ صفت مطابق ہے، اور یہ جو ہا ضمیر ہے طِبْقَهُ کے ساتھ یہ کس کی ہے؟ مفعول کی ہے، تو یہ اضافت پھر الی المفعول ہوگی بھائی۔

وَالْمُرَادُ بِالْمُطَابَقَةِ۔ اب معنی بیان کر رہے ہیں کہ مطابقت ہوگی دونوں کے درمیان، اس مطابقت سے کیا مراد ہے؟ میں نے بیان کر دیا کہ مطابقت سے کیا مراد ہے کہ تذکیر و تانیث میں بھی اتفاق ہوگا اور نیز افراد، تثنیہ اور جمع میں بھی اتفاق ہوگا یعنی اس صفت کے اندر اور منتصب عنہ کے اندر۔ کہتے ہیں: وَالْمُرَادُ بِالْمُطَابَقَةِ الِاتِّفَاقُ فِي الْإِفْرَادِ وَالتَّثْنِيَةِ وَالْجَمْعِ وَالتَّذْكِيرِ وَالتَّأْنِيثِ، اور مطابقت سے مراد جو ہے اتفاق ہے فِي الْإِفْرَادِ مفرد ہونے میں، وَالتَّثْنِيَةِ وَالْجَمْعِ اور تثنیہ اور جمع ہونے میں، وَالتَّذْكِيرِ وَالتَّأْنِيثِ اور مذکر اور مؤنث ہونے میں۔ بھائی کیوں؟ اتفاق کیوں ہوگا؟ کہتے ہیں: لِكَوْنِهَا حَامِلَةً لِضَمِيرِهِ، اس لیے کیونکہ وہ جو صفت ہے وہ منتصب عنہ کی ضمیر کو اٹھائے ہوئے ہے، اس صفت کے اندر منتصب عنہ کی ضمیر موجود ہے، تو پھر وہاں مطابقت ضروری ہے۔ منتصب عنہ اگر مفرد، تثنیہ یا جمع ہو تو ضمیر بھی اسی کے مطابق چاہیے، اور منتصب عنہ مذکر یا مؤنث ہو تو ضمیر بھی اس کے مطابق چاہیے، اس لیے افراد، تثنیہ اور جمع میں بھی مطابقت ہوگی اور تذکیر و تانیث میں بھی مطابقت ہوگی۔

وَاحْتَمَلَتْ أَيِ الصِّفَةُ الْمَذْكُورَةُ الْحَالَ أَيْضًا، اور صفتِ مذکورہ کے اندر حال کا بھی احتمال ہوگا۔ بھائی انہوں نے آپ کو بتایا ادھر دیکھیے: وَلِلّٰهِ دَرُّهُ فَارِسًا، یہ فَارِسًا یہ تمیز ہے اور یہ صفتِ مشتقہ ہے، اور جب بھی تمیز صفتِ مشتقہ ہو تو وہ خاص ہوگی منتصب عنہ کے ساتھ، وہ متعلق کے لیے نہیں ہو سکتی، اور نیز وہ مطابق ہوگی کس کے؟ منتصب عنہ کے، اور نیز اس صفت کے اندر حال ہونے کا بھی احتمال ہے۔ ہم نے تو کیا بنایا فَارِسًا کو؟ تمیز، لیکن اس فَارِسًا میں حال ہونے کا بھی احتمال ہے اور حال بھی منصوب ہوتا ہے اور فَارِسًا بھی منصوب ہے، تو معلوم ہوا لِلّٰهِ دَرُّهُ فَارِسًا، یہ فَارِسًا اس کو آپ تمیز بھی بنا سکتے ہیں اور اس کو آپ حال بھی بنا سکتے ہیں۔ بات سمجھ میں آگئی؟ کہتے ہیں: وَاحْتَمَلَتْ أَيِ الصِّفَةُ الْمَذْكُورَةُ الْحَالَ أَيْضًا، اور صفتِ مذکورہ حال کا بھی احتمال رکھتی ہے، لِاسْتِقَامَةِ الْمَعْنَى عَلَى الْحَالِ اس لیے کیونکہ معنی درست رہتا ہے حال ہونے پر، حال کی بنا پر بھی معنی درست رہتا ہے، نَحْوُ طَابَ زَيْدٌ فَارِسًا۔ بھائی دیکھو پہلے معنی سمجھ لو، حال ہونے کی صورت میں بھی معنی صحیح رہتا ہے، مثلاً مثال کیا ذکر کی؟ لِلّٰهِ دَرُّهُ فَارِسًا، لِلّٰهِ دَرُّهُ فَارِسًا، اللہ ہی کے لیے ہے اس کا کمال باعتبار شہسوار ہونے کے۔ شہسوار اور گھڑ سوار کا ایک معنی ہے۔ تو اللہ ہی کے لیے ہے اس کا کمال بطور شہسوار ہونے کے۔ یہ فَارِسًا اس کو آپ تمیز بھی بنا سکتے ہیں اور حال بھی بنا سکتے ہیں۔ اگر تمیز بنائیں پھر کیا ترجمہ ہوگا؟ لِلّٰهِ دَرُّهُ فَارِسًا، میں فَارِسًا کو تمیز بناتا ہوں، تو معنی کیا ہوگا؟ لِلّٰهِ دَرُّهُ اللہ ہی کے لیے ہے فلاں کا کمال مثلاً زید کا کمال، اللہ ہی کے لیے ہے زید کا کمال باعتبار گھڑ سوار ہونے کے۔ یعنی یوں کہو زید کتنا اچھا گھڑ سوار ہے۔ جب تمیز بنائیں تو زید کی شہسواری کی، گھڑ

سواری کی تعریف ہو رہی ہے، تو کیا معنی ہوگا؟ زید کتنا اچھا گھڑ سوار ہے۔ اور اگر آپ اس کو حال بنائیں پھر بھی معنی اسی طرح رہے گا، اب حال ہونے کی بنا پر ترجمہ یوں ہوگا لِلّٰہِ دَرُّہٗ فَارِسًا یعنی یوں لفظی ترجمہ یہ ہوا: اللہ ہی کے لیے ہے زید کا کمال شہسوار ہونے کی حالت میں، یعنی زید کتنا اچھا ہے شہسوار ہونے کی حالت میں۔ تو دیکھو معنی دونوں صورتوں میں صحیح رہتا ہے، بلکہ دونوں کا خلاصہ بالآخر ایک ہی ہے۔ تمیز بناؤ پھر بھی معنی کیا؟ زید کتنا اچھا شہسوار ہے۔ حال بناؤ پھر بھی معنی کیا؟ زید شہسوار ہونے کی حالت میں کتنا اچھا ہے یعنی زید کتنا اچھا شہسوار ہے۔ ہاں بھائی اتنا فرق ہے جب تمیز بنائیں گے تو اب اس صفت کو صرف تمیز کا حکم لگے گا، حال کا حکم نہیں لگے گا۔ اور جب حال بنائیں گے تو پھر حال کے جو احکام ہیں وہ اس پر لاگو ہوں گے۔ وہ آگے آرہا ہے کہ کب وہ تمیز ہوگی کب حال ہوگی یعنی کبھی قرائن وغیرہ سے پتہ چلے گا کہ یہاں حال ہونا متعین ہے اور کبھی قرائن وغیرہ سے پتہ چلے گا کہ یہاں تمیز ہونا متعین ہے۔ اگر تمیز متعین ہے تو تمیز کے احکام جاری ہوں گے۔ مثلاً تمیز پر الف لام نہیں آتا، تمیز نکرہ ہوتی ہے، اور تمیز کا عامل پر مقدم ہونا وغیرہ نہیں ہوتا۔ اور اگر حال ہونا متعین ہے تو حال کے احکام جاری ہوں گے۔ بہرحال دیکھیے، تو کہتے ہیں نَحْوُ طَابَ زَيْدٌ فَارِسًا، زید اچھا ہے باعتبار شہسوار ہونے کے یا زید اچھا ہے شہسوار ہونے کی حالت میں، یعنی دونوں صورتوں میں یہ معنی درست رہتا ہے۔

لِأَنَّ الْحَالَ صِفَةٌ فِي الْمَعْنَى، کیونکہ حال جو ہے یہ معنی کے اعتبار سے صفت ہوتی ہے، كَالتَّمْيِيزِ إِذَا كَانَ صِفَةً۔ بھائی تمیز اور حال میں یکسانیت پیدا ہو گئی نا، بھائی کیا یکسانیت ہے؟ کہتے ہیں حال جو ہے یہ معنی کے اعتبار سے صفت ہوتی ہے، تمیز بھی جب صفت ہو تو وہ بھی صفت ہے اور حال بھی کیا ہے؟ صفت۔ فَالْحَالُ إِنَّمَا تَأْتِي لِبَيَانِ الْهَيْئَةِ، فرق صرف اتنا ہے کہ حال آتی ہے ہیئت بیان کرنے کے لیے، وَالتَّمْيِيزُ لِرَفْعِ الْإِبْهَامِ اور تمیز آتی ہے ابہام کو دور کرنے کے لیے۔ وَصِفَةُ ذِي الْحَالِ قَدْ يَكُونُ فِيهَا الْمَعْنَيَانِ، اور ذوالحال کی جو صفت ہے کبھی اس کے اندر دونوں معنی پائے جاتے ہیں، یعنی ہیئت کا بیان کرنا بھی اور ابہام کو دور کرنا بھی۔ جیسے دیکھو لِلّٰہِ دَرُّہٗ فَارِسًا، اس میں زید کی حالت، ہیئت کا بیان بھی ہے کہ زید جب شہسواری کی حالت میں ہے، اور ابہام کو دور کرنا بھی ہے، کیونکہ لِلّٰہِ دَرُّہٗ اللہ کے لیے ہے اس کا کمال اس میں ابہام تھا کس اعتبار سے کمال ہے؟ تو فَارِسًا نے اس ابہام کو دور بھی کیا۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو کہتے ہیں کہ جب تمیز صفت ہو تو یہ تمیز بھی صفت ہے اور حال بھی معنی کے اعتبار سے صفت ہوتا ہے، فرق صرف اتنا ہے حال آتی ہے ہیئت بیان کرنے کے لیے اور تمیز آتی ہے ابہام کو دور کرنے کے لیے، اور کبھی ذوالحال کی صفت میں دونوں معنی پائے جاتے ہیں یعنی ہیئت کا بیان کرنا بھی اور ابہام کو دور کرنا بھی۔ اسی طرح طَابَ زَيْدٌ فَارِسًا، زید اچھا ہے شہسوار ہونے کی حالت میں، یعنی اس میں ہیئت کا بیان بھی ہے اور طَابَ زَيْدٌ میں ابہام تھا کس اعتبار سے اچھا ہے؟ فَارِسًا سے ابہام بھی دور ہو گیا۔

فَيَكُونُ كُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا مَحَلًّا لِلْآخَرِ، تو ان میں سے ہر ایک دوسرے کی جگہ پر آسکتا ہے، یعنی کبھی حال کی جگہ پر تمیز

اور کبھی تمیز کی جگہ پر حال، فَلِذٰلِكَ احْتَمَلَتِ الْحَالَ أَيْضًا۔ تو اسی لیے وہ صفت جو ہے حال کا بھی احتمال رکھتی ہے، اس میں حال ہونے کا بھی احتمال ہوتا ہے۔ إِلَّا أَنْ يَتَعَيَّنَ أَحَدُهُمَا بِقَرِينَةٍ، مگر یہ کہ کسی قرینے کی وجہ سے دونوں میں سے کوئی ایک متعین ہو جائے، یا تمیز متعین ہو جائے یا حال متعین ہو جائے۔ نَحْوُ لِلّٰهِ دَرُّهُ فَارِسًا، اس کی مثال کیا ہے؟ لِلّٰهِ دَرُّهُ فَارِسًا، وَطَابَ زَيْدٌ فَارِسًا، وَطَابَتْ هِنْدٌ فَارِسَةً۔ اب دیکھو تمیز چونکہ صفت ہے، تو مطابقت بیان کرنے کے لیے یہ مثالیں لائے: طَابَ زَيْدٌ فَارِسًا زید مذکر تو فَارِسًا بھی مذکر، وَطَابَتْ هِنْدٌ فَارِسَةً ہندہ مؤنث تو فَارِسَةً بھی مؤنث، وَطَابَ الزَّيْدَانِ فَارِسَيْنِ تثنیہ کے ساتھ تثنیہ، وَالزَّيْدُونَ فَارِسِينَ جمع کے ساتھ جمع۔ دیکھو بھائی مثالوں کے اندر سب کے مطابق لا رہے ہیں مفرد کے مطابق مفرد، مؤنث کے مطابق مؤنث، تثنیہ کے مطابق تثنیہ اور جمع کے مطابق جمع۔

فَلَا يَمْتَنِعُ تَقْدِيمُهَا، اس کو ذرا جوڑیں پیچھے سے۔ بھائی دیکھو متن دیکھیے ذرا، پیچھے متن آیا تھا: وَلَا يَتَقَدَّمُ عَلَى عَامِلِهِ، یعنی تمیز اپنے عامل پر مقدم نہیں ہوتی، وَلَا يَتَقَدَّمُ عَلَى عَامِلِهِ۔ تو وہاں انہوں نے بتلایا کہ تمیز اپنے عامل پر مقدم نہیں ہوتی۔ اس کی وجہ بھی بیان کر دی تھی کہ تمیز کا عامل زیادہ تر، تمیز کا جو عامل ہے بعض مقامات میں وہ فعل نہیں ہوتا بلکہ جامد چیز ہوتی ہے، اور کچھ مقامات میں فعل ہوتا ہے تو وہاں پر بھی وہ قاصر ہوتا ہے اور تمیز فاعل کے معنی میں ہوتی ہے۔ اور پھر جہاں فعل متصرف ہے وہاں پر بھی فعل کے ساتھ فاعل یا مفعول کا التباس ہوتا ہے۔ ان سب وجوہات کی بنا پر تمیز اپنے عامل پر مقدم نہیں ہوتی۔ اب آخر میں یہ متن میں یہ دو چار لفظ آ رہے ہیں کہتے ہیں: وَلَا يَتَقَدَّمُ عَلَى عَامِلِهِ عَلَى الْأَصَحِّ۔ یہ تمیز کے بیان کا آخری جملہ تھا نا؟ تو اس جملے کے ساتھ ہی اب یہ ایک اور حکم ذکر کر دیا، کیا؟ فَلَا يَمْتَنِعُ تَقْدِيمُهَا۔ بھائی ابھی بیان کیا گیا کہ تمیز اگر صفتِ مشتقہ ہو تو اس میں حال ہونے کا بھی احتمال ہوتا ہے۔ اگر آپ اس کو تمیز قرار دیں، پھر تو وہ عامل پر مقدم نہیں ہو سکتی، کیونکہ تمیز اپنے عامل پر مقدم نہیں ہوتی، اور اگر آپ اس کو حال قرار دیں، تو حال تو اپنے عاملِ متصرف پر مقدم ہو سکتا ہے۔ توجہ ہے؟ دیکھو نا لِلّٰهِ دَرُّهُ فَارِسًا، اس میں تو درجو ہے عامل یہ متصرف نہیں ہے، یہ تو اسم ہے مصدر ہے جامد، لیکن طَابَ زَيْدٌ فَارِسًا اس میں طَابَ فعلِ متصرف ہے اور فَارِسًا یہ صفت ہے اس میں تمیز ہونے کا بھی احتمال ہے اور حال ہونے کا بھی احتمال ہے۔ تو اگر آپ اس کو تمیز بنائیں گے تو فَارِسًا کو طَابَ پر مقدم کرنا جائز نہیں ہوگا، کیونکہ تمیز اپنے عامل پر مقدم نہیں ہوتی۔ لیکن اگر آپ اس کو حال بنائیں گے تو فَارِسًا کو طَابَ پر مقدم کرنا جائز ہوگا، فَارِسًا طَابَ زَيْدٌ، کیونکہ حال کا عاملِ متصرف پر مقدم ہونا جائز ہے، جیسے آپ کہتے ہیں رَاكِبًا جَاءَ زَيْدٌ۔ تو یہی بتلایا جا رہا ہے: فَلَا يَمْتَنِعُ تَقْدِيمُهَا، پس اس تمیز کا مقدم کرنا ممنوع نہیں ہے عَلَى عَامِلِهَا اپنے عامل پر، جب وہ عامل کیا ہو؟ فعلِ متصرف ہو۔

دیکھیے ذرا توجہ سے اس ساری عبارت کو، کہتے ہیں: فَلَا يَمْتَنِعُ تَقْدِيمُهَا عَلَى الْفِعْلِ الْمُتَصَرِّفِ نَاصِبِهَا، پس ممنوع نہیں ہے اس صفت کا مقدم ہونا کس پر؟ فعلِ متصرف پر نَاصِبِهَا جو اس کو نصب دینے والا ہے، بھائی یعنی جب اس کو حال

قرار دیا جائے۔ نَحْوُ فَارِسًا طَابَ زَيْدٌ، دیکھو طَابَ زَيْدٌ فَارِسًا، یہاں فَارِسًا تمیز بھی بن سکتی ہے اور حال بھی بن سکتی ہے، حال ہونے کی بنا پر آپ اس کو مقدم کر کے یوں کہہ سکتے ہیں: فَارِسًا طَابَ زَيْدٌ۔ ہاں لِلّٰهِ دَرُّهُ فَارِسًا، اس کو مقدم نہیں کر سکتے، فَارِسًا لِلّٰهِ دَرُّهُ نہیں کہیں گے، کیونکہ وہاں اس کا عامل فعلِ متصرف نہیں ہے، وہاں عامل کیا ہے؟ در، وہ جامد مصدر ہے۔ تو لہٰذا جہاں فعلِ متصرف ہو ناصب اس کا، تو وہاں پر چونکہ اس صفت میں حال ہونے کا بھی احتمال ہے تو حال قرار دیتے ہوئے اس کو عامل پر مقدم کر سکتے ہیں، فَارِسًا طَابَ زَيْدٌ۔

بھائی یہ تو ہو گیا حال قرار دیتے ہوئے۔ ذرا آگے دیکھیے: وَقِيلَ، اور کہا گیا ہے لَا تَمْتَنِعُ إِذَا كَانَتْ صِفَةً عَلَى أَنَّهَا تَمْيِيزٌ، کہ اگر تمیز صفت ہو تو تمیز ہونے کے باوجود بھی اس کا مقدم کرنا جائز ہے، بعض علماء کہتے ہیں وہ جو کہتے ہیں نا تمیز اپنے عامل پر مقدم نہیں ہوتی، ہاں بھائی اسم اپنے عامل پر مقدم نہیں ہوتا، لیکن اگر وہ تمیز صفت ہو تو پھر تمیز ہونے کے باوجود اس کا عاملِ متصرف پر مقدم کرنا ممنوع نہیں ہے یعنی جائز ہے۔ لِأَنَّهَا لَيْسَتْ، بھائی کیوں اس صورت میں جائز ہے؟ کیونکہ پیچھے تمیز کے مقدم نہ ہونے کی کیا وجہ بیان کی تھی؟ پیچھے وجہ یہ بیان کی تھی کہ تمیز دراصل فاعل ہوتی ہے اور عامل میں تصرف کر کے اس کو تمیز بنایا جاتا ہے، جیسے تَفَقَّأَ شَحْمُ زَيْدٍ سے تَفَقَّأَ زَيْدٌ شَحْمًا۔ تو یہاں یہ جو تمیز ہے صفت والی یہ فاعل سے محول نہیں ہے نا؟ مثلاً طَابَ زَيْدٌ فَارِسًا، کیا یہ یوں تھا طَابَ فَارِسُ زَيْدٍ؟ ایسے تو نہیں تھا، کیونکہ اگر طَابَ فَارِسُ زَيْدٍ ہوتا تو یہ زید کا گھوڑ سوار ہوتا زید نہ ہوتا، حالانکہ یہاں خود زید گھوڑ سوار ہے۔ تو معلوم ہوا کہ یہ صفت والی تمیز جو ہے یہ فاعل سے محول نہیں ہے، تو وہ جو مانع تھا پیچھے جس وجہ سے تمیز کو عامل پر مقدم نہیں کرتے تھے وہ مانع یہاں نہیں ہے، لہٰذا اس کو تمیز ہوتے ہوئے بھی مقدم کرنا جائز ہے۔ یہ دوسرا قول ہے بھائی، پہلے قول میں کیا بتلایا کہ اس میں حال ہونے کا احتمال ہے تو حال قرار دیتے ہوئے اس کو عامل پر مقدم کرنا ممنوع نہیں ہے، اور دوسرے قول میں بتلایا کہ بعض علماء کہتے ہیں کہ تمیز ہونے کی صورت میں بھی اس کا عاملِ متصرف پر مقدم کرنا ممنوع نہیں ہے۔

بھائی دیکھو عبارت، کہتے ہیں: وَقِيلَ لَا تَمْتَنِعُ إِذَا كَانَتْ صِفَةً عَلَى أَنَّهَا تَمْيِيزٌ، اور کہا گیا ہے کہ تمیز کا مقدم کرنا ممنوع نہیں ہے جب وہ صفت ہو باوجود اس کے کہ وہ تمیز ہے۔ لِأَنَّهَا لَيْسَتْ بِفَاعِلٍ فِي الْأَصْلِ، اس لیے کیونکہ وہ صفت والی تمیز جو ہے یہ اصل میں فاعل نہیں ہوتی، تَوَضُّح، ہاں بھائی دیکھو مثلاً طَابَ زَيْدٌ عِلْمًا، یہ اصل میں کیا تھا؟ طَابَ عِلْمُ زَيْدٍ، یہ عِلْمًا اصل میں فاعل تھا اور اس کا عامل پر مقدم کرنا ممنوع تھا کیونکہ فاعل فعل پر مقدم نہیں ہوتا، تو تمیز جب فاعل سے محول ہو تو وہ عامل پر مقدم نہیں ہو سکتی، لیکن یہ صفت والی تمیز جو ہے طَابَ زَيْدٌ فَارِسًا، یہ فَارِسًا اصل میں فاعل تو نہیں تھا۔ تو کہتے ہیں لِأَنَّهَا لَيْسَتْ بِفَاعِلٍ فِي الْأَصْلِ اس لیے کیونکہ وہ اصل میں فاعل نہیں ہوتی، بَلْ هِيَ فِيهِ مَنْصُوبَةٌ بِتَقْدِيرِ فِي وَالْإِضَافَةِ إِلَيْهَا مُمْكِنَةٌ، بلکہ وہ اصل کے اندر کیا ہوتی ہے؟ منصوب ہوتی ہے فِی کی تقدیر کے ساتھ، طَابَ زَيْدٌ فِي فُرُوسِيَّتِهِ۔ یا طَابَ زَيْدٌ كَوْنِهِ فَارِسًا۔ تو یہ اصل میں فاعل تو نہیں تھی نا، یہ منصوب تھی فِی کی تقدیر کے ساتھ۔ جب اصل میں فاعل نہیں

تھی تو وہ مانع موجود نہیں، لہٰذا تمیز قرار دیتے ہوئے بھی اس کو مقدم کر سکتے ہیں۔

لٰکِنِ الْأَوَّلُ، یعنی صاحبِ جامی بتلا رہے ہیں کہ یہ دو قول ہم نے بتا دیے، پہلے قول کے مطابق حال قرار دیتے ہوئے اس کو مقدم کرنا جائز ہے، اور دوسرے قول کے مطابق تمیز قرار دیتے ہوئے بھی اس کو مقدم کرنا جائز ہے، لیکن ان دونوں میں سے پہلا قول جو ہے یہ زیادہ مناسب ہے، یعنی اس میں حال کا احتمال ہے تو حال قرار دیتے ہوئے مقدم کرنا جائز ہے۔ کہتے ہیں: لٰکِنِ الْأَوَّلُ أَقْرَبُ إِلَی لَفْظِ الْکِتَابِ، لیکن پہلا قول جو ہے وہ کتاب کے لفظ کے زیادہ قریب ہے۔ کتاب یعنی کافیہ کا متن، کافیہ کے متن کے زیادہ قریب ہے، حَیْثُ قَالَ اس اعتبار سے کیونکہ مصنف نے فرمایا: وَاحْتَمَلَتِ الْحَالَ فَلَا یَمْتَنِعُ تَقْدِیمُهَا، اور یہ صفت حال کا احتمال رکھتی ہے، پس اس کا مقدم کرنا ممنوع نہیں۔ دیکھو نا وَاحْتَمَلَتِ الْحَالَ، اس کے فوراً بعد فا تفریعیہ لائے: فَلَا یَمْتَنِعُ تَقْدِیمُهَا، پس اس کا مقدم کرنا ممنوع نہیں ہے، تو یہ فا تفریعیہ کس پر تفریع ہے؟ وَاحْتَمَلَتِ الْحَالَ پر تفریع ہے، کہ جب وہ حال کا احتمال رکھتی ہے تو لہٰذا حال ہونے کی بنا پر اس کو مقدم کرنا ممنوع نہیں ہے۔ ہاں اگر صرف اس کو تمیز بنائیں، تمیز بنائیں، تو تمیز کے اندر تو پیچھے وہ مطلقاً حکم بیان کر چکے ہیں: وَلَا یَتَقَدَّمُ عَلَی عَامِلِهِ عَلَی الْأَصَحِّ، وہاں کوئی قید تو نہیں لگائی تھی کہ جب تمیز اسم ہو، انہوں نے تو مطلقاً فرما دیا کہ تمیز اپنے عامل پر مقدم نہیں ہوتی۔ اور اب آگے فرما دیا وَاحْتَمَلَتِ الْحَالَ فَلَا یَمْتَنِعُ تَقْدِیمُهَا، یہ حال کا احتمال رکھتی ہے تو پس اس لیے اس کا مقدم کرنا ممنوع نہیں ہے۔ تو پہلا قول کافیہ کی عبارت کے زیادہ قریب ہے، کافیہ کے لفظ کے زیادہ مطابق ہے۔

آگے دیکھیے: وَاللّٰهُ أَعْلَمُ بِالصَّوَابِ۔ یہاں تک تمیز کی بحث مکمل ہوئی۔ اگلا سبق انشاءاللہ الْمُسْتَثْنَی کا ہوگا، اللہ رب العزت ہم سب کو اس کا نفع عطا فرمائے۔

نے کی حالت میں۔ زید کتنا اچھا ہے شہسوار ہونے کی حالت میں۔ تمیز کی صورت میں کیا معنی تھا؟ زید کتنا اچھا شہسوار ہے، اور حال ہونے کی صورت میں کیا معنی ہوا؟ زید کتنا اچھا ہے شہسوار ہونے کی حالت میں۔ دیکھو ایک ہی بات ہے، دونوں کے اندر زید کی مدح ہو رہی ہے، اس کی شہسواری، اس کی گھڑ سواری کی تعریف کی جا رہی ہے، آپ چاہیں یوں کہہ لیں زید کتنا اچھا گھڑ سوار ہے، اور آپ چاہیں یوں کہہ لیں زید کتنا اچھا ہے گھڑ سوار ہونے کی حالت میں۔ تو دونوں صورتوں میں دیکھو مدح ہو رہی ہے گھڑ سواری کی۔ تو حال بنائیں پھر بھی معنی صحیح، تمیز بنائیں پھر بھی معنی صحیح ہے۔ دونوں میں گھڑ سواری کی تعریف ہو رہی ہے، زید کتنا اچھا ہے گھڑ سواری کی حالت میں دیکھو میں نے حال بنایا، تو دونوں صورتوں میں معنی صحیح رہتا ہے۔

یہ معنی ہے: لِاسْتِقَامَةِ الْمَعْنَی عَلَی الْحَالِ اس لیے کیونکہ معنی جو ہے وہ مستقیم رہتا ہے، درست رہتا ہے، عَلَی الْحَالِ حال ہونے کی بنا پر۔ نَحْوُ طَابَ زَیْدٌ فَارِسًا۔ اب دیکھو مثال سے وضاحت کریں گے: طَابَ زَیْدٌ فَارِسًا، زید اچھا ہے باعتبار

شہسوار کے، یعنی زید اچھا شہسوار ہے۔ زید اچھا شہسوار ہے، یہ تھا تمیز کی صورت میں۔ اور حال بناؤ: زید شہسوار ہونے کی حالت میں اچھا ہے، دیکھو دونوں میں ایک ہی معنی ہے، شہسواری کی تعریف ہو رہی ہے۔ نَحْوُ طَابَ زَيْدٌ فَارِسًا، أَيْ مِنْ حَيْثُ إِنَّهُ فَارِسٌ، أَيْ مِنْ حَيْثُ إِنَّهُ فَارِسٌ۔ اور یہ حَيْثُ کے بعد إِنَّ پڑھتے ہیں یاد رکھنا بھائی۔ أَوْ حَالَ كَوْنِهِ فَارِسًا۔ دیکھو دو تفسیریں کر رہے ہیں: ایک تفسیر کر رہے ہیں تمیز ہونے کی بنا پر، اور ایک تفسیر کر رہے ہیں حال ہونے کی بنا پر۔ تمیز ہونے کی بنا پر کیا تفسیر کی؟ أَيْ مِنْ حَيْثُ إِنَّهُ فَارِسٌ، زید کتنا اچھا ہے أَيْ مِنْ حَيْثُ إِنَّهُ فَارِسٌ اس حیثیت سے کہ وہ شہسوار ہے۔ اور ایک تفسیر کی حال ہونے کی بنا پر: أَيْ حَالَ كَوْنِهِ فَارِسًا، زید کتنا اچھا ہے شہسوار ہونے کی حالت میں۔ تو دونوں صورتوں پر تفسیر کی اور معنی صحیح رہتا ہے۔

اور یہاں ایک اور بات یاد رکھنا: أَيْ مِنْ حَيْثُ إِنَّهُ فَارِسٌ، یہ تفسیر کر رہے ہیں تمیز ہونے کی بنا پر۔ یاد رکھو تمیز کی تفسیر جو ہے عموماً مِنْ حَيْثُ کے ساتھ کی جاتی ہے۔ جہاں بھی عبارتوں میں کوئی لفظ منصوب آجائے اور آگے أَيْ مِنْ حَيْثُ کے ساتھ اس کی تفسیر کی جائے تو آپ سمجھ جائیں کہ یہ تمیز واقع ہو رہا ہے۔ یہاں فَارِسًا کے بعد کیا کہا؟ فَارِسًا أَيْ مِنْ حَيْثُ إِنَّهُ فَارِسٌ، یہ مِنْ حَيْثُ سے کیا پتہ چلا کہ یہ تفسیر ہو رہی ہے اس کے تمیز ہونے کی بنا پر، کہ یہ تمیز واقع ہو رہا ہے۔ بھائی کیوں، وجہ کیا؟ وجہ یہ کہ یہ جو مِنْ ہے نا یہ مِنْ بیان کے لیے آتا ہے، أَيْ مِنْ حَيْثُ یہاں بھی مِنْ آیا، مِنْ بیان کے لیے آتا ہے۔ پہلے بھی کئی دفعہ یہ بات گزر چکی ہے میں نے بتلایا آپ کو کہ یہ مِنْ بیان کے لیے آتا ہے، ایک چیز میں ابہام ہوتا ہے مِنْ کے ذریعے اس کو بیان کیا جاتا ہے، تو تمیز بھی بیان کے لیے آتی ہے ابہام کو دور کرنے کے لیے، اور مِنْ بھی بیان کے لیے آتا ہے، تو اس مِنْ کی مناسبت ہے تمیز کے ساتھ، اس لیے تمیز کی تفسیر میں مِنْ لے کر آتے ہیں۔ تو کہتے ہیں: نَحْوُ طَابَ زَيْدٌ فَارِسًا أَيْ مِنْ حَيْثُ إِنَّهُ فَارِسٌ، یہ تمیز ہونے کی بنا پر تفسیر ہے، زید اچھا ہے اس حیثیت سے کہ وہ شہسوار ہے، أَوْ حَالَ كَوْنِهِ فَارِسًا، یہ تفسیر ہے حال ہونے کی بنا پر، کہ زید اچھا ہے اس حال میں کہ وہ فارس ہے۔

بھائی صاحبِ کافیہ نے آپ کو بتلایا کہ جب تمیز مشتق واقع ہو، صفتِ مشتقہ ہو، تو اس میں حال ہونے کا بھی احتمال ہے۔ آگے صاحبِ جامی نے بھی بتلایا کہ دونوں صورتوں میں معنی صحیح رہتا ہے، لیکن صاحبِ جامی ترجیح دیں گے کہ اس کا تمیز ہونا راجح ہے۔ اگر صفتِ مشتقہ کیا بنے؟ تمیز، تو اس میں حال کا بھی احتمال، لیکن تمیز ہونا راجح ہے۔ وجہ یہ آپ کو بتائیں گے صاحبِ جامی دو دلیلیں ذکر کریں گے کہ اس کا تمیز ہونا راجح اس لیے ہے کیونکہ اس سے قبل کبھی کبھار مِنْ کو بھی بڑھا دیتے ہیں، اس سے قبل کبھی کبھار مِنْ، جیسے لِلّٰهِ دَرُّهُ فَارِسًا، کبھی یوں کہہ دیتے ہیں: لِلّٰهِ دَرُّهُ مِنْ فَارِسٍ، یہ مِنْ بڑھا دیتے ہیں، اور یہ مِنْ، یہ مِنْ تو تمیز کے اندر اس کو بڑھایا جاتا ہے، حال کے اندر مِنْ کو نہیں بڑھاتے۔ تو بعض اوقات اس قسم کی ترکیبوں میں مِنْ کو بڑھایا جاتا ہے اور یہ مِنْ کا بڑھانا بتلاتا ہے کہ یہ تمیز ہے حال نہیں، کیونکہ حال کے اندر مِنْ نہیں بڑھاتے، تو ایک دلیل یہ۔ اور دوسری دلیل آگے وہ ذکر کریں گے پہلے یہ دیکھ لیجیے۔

کہتے ہیں: لٰکِنْ زِیَادَۃُ مِنْ فِیھَا، لیکن اس کے اندر مِنْ کی زیادتی، اس قسم کی صفت کے اندر مِنْ کی زیادتی، نَحْوُ مثال کے طور پر: لِلّٰہِ دَرُّہٗ مِنْ فَارِسٍ، دیکھو یہ مِنْ بڑھا دیا، وَقَوْلِھِمْ اور اسی طرح عربوں کا قول ہے: عَزَّ مِنْ قَائِلٍ۔ عَزَّ یہ ماضی کا صیغہ ہے عَزَّ، اور اس کے اندر ھُوَ ضمیر ہے، عَزَّ ھُوَ فلاں معزز ہے مِنْ قَائِلٍ، اصل میں ہے عَزَّ قَائِلًا۔ عرب کہتے ہیں عَزَّ یعنی فلاں معزز ہے قَائِلًا باعتبار قائل ہونے کے، بات کرنے کے اعتبار سے فلاں کیا ہے؟ معزز ہے۔ تو یہ قَائِلًا تمیز ہے اور یہ صفت کا صیغہ ہے، لیکن اس سے پہلے کبھی مِنْ بھی بڑھا دیتے ہیں، کبھی عَزَّ قَائِلًا کہتے ہیں اور کبھی عَزَّ مِنْ قَائِلٍ کہتے ہیں۔ آپ بھی کتابوں کے اندر پڑھیں گے، جگہ جگہ علماء جب اللہ تعالیٰ کا قول ذکر فرماتے ہیں تو وہاں کہتے ہیں: قَالَ اللّٰہُ عَزَّ قَائِلًا، اور کبھی کبھاریوں کہہ دیتے ہیں: قَالَ اللّٰہُ عَزَّ مِنْ قَائِلٍ۔ تو یہ مِنْ کا بڑھانا، اس سے تائید ہوتی ہے کہ یہ تمیز ہے کیونکہ حال کے اندر تو مِنْ کو نہیں بڑھایا جاتا۔ تو کہتے ہیں: نَحْوُ لِلّٰہِ دَرُّہٗ مِنْ فَارِسٍ وَقَوْلِھِمْ اور جیسے کہ عربوں کا قول ہے عَزَّ مِنْ قَائِلٍ، یہ جو اس قسم کی مثالیں جو ہیں یُؤَیِّدُ التَّمْیِیزَ یہ تمیز کی تائید کرتی ہیں، لِأَنَّ مِنْ تُزَادُ فِي التَّمْیِیزِ لَا فِي الْحَالِ اس لیے کیونکہ مِنْ کو بڑھایا جاتا ہے تمیز کے اندر لَا فِي الْحَالِ نہ کہ حال میں۔ تمیز کے اندر مِنْ کو بڑھاتے ہیں کیونکہ میں نے بتایا یہ مِنْ کس لیے آتا ہے؟ بیان کے لیے، توجہ ہے؟ تو مِنْ بیان کے لیے آتا ہے لہٰذا اس کو بڑھا دیتے ہیں، لیکن یاد رکھنا یہاں جو مِنْ آیا نا لِلّٰہِ دَرُّہٗ مِنْ فَارِسٍ اور عَزَّ مِنْ قَائِلٍ یہ زائد ہے، یہاں اس کو بیان کے لیے نہیں بنائیں گے، آتا یہ بیان کے لیے ہے اور تمیز بھی بیان کے لیے ہوتی ہے اس لیے اس کو بڑھا دیتے ہیں، لیکن یہ ہے اس وقت زائد، تو مِنْ فَارِسٍ میں یہ مِنْ زائد ہے اور فَارِسٍ لفظوں کے اعتبار سے مجرور ہے لیکن محل کے اعتبار سے یہ محلاً یا تقدیراً یوں کہیں یہ منصوب ہے کیونکہ یہ تمیز ہے بھائی۔ بات سمجھ میں آگئی؟

وَأَیْضًا الْمَقْصُودُ مَدْحُہٗ بِالْفُرُوسِیَّۃِ لَا حَالَ الْفُرُوسِیَّۃِ۔ دوسری دلیل ذکر کر رہے ہیں، ایک دلیل تو یہ ذکر کی کہ اس قسم کی صفت کا تمیز ہونا راجح ہے کیونکہ اس میں کبھی مِنْ بھی بڑھا دیتے ہیں، اور مِنْ صرف تمیز میں بڑھاتے ہیں حال میں نہیں بڑھاتے۔ اب دوسری دلیل ذکر کرنے لگے ہیں کہ اس کا تمیز ہونا راجح ہے، وجہ دیکھو یہ سمجھ لو ذرا گہری بات ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے، کہتے ہیں اس لیے کیونکہ یہ جو لِلّٰہِ دَرُّہٗ فَارِسًا، یہ اس قسم کا جملہ جو ہے اس کے ذریعے مطلقاً گھڑ سواری کی تعریف مقصود ہوتی ہے، مطلقاً گھڑ سواری کہہ لیں یا جو بھی صفت ہے لِلّٰہِ دَرُّہٗ فَارِسًا، اللہ ہی کے لیے ہے اس کا کمال باعتبار گھڑ سواری کے، یعنی وہ کتنا کمال کا گھڑ سوار ہے، یا یوں کہو لِلّٰہِ دَرُّہٗ شَاعِرًا اللہ ہی کے لیے ہے اس کا کمال باعتبار شاعر ہونے کے یعنی وہ کتنا کمال کا شاعر ہے، یا لِلّٰہِ دَرُّہٗ کَاتِبًا اللہ ہی کے لیے ہے اس کا کمال باعتبار کاتب ہونے کے یعنی وہ کتنا کمال کا کاتب ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو یہ جو اس قسم کا کلام لایا جاتا ہے اس کے ذریعے مطلقاً اس صفت کی تعریف مقصود ہوتی ہے، مطلقاً اس صفت کی۔ تو مثلاً لِلّٰہِ دَرُّہٗ فَارِسًا، اس کے ذریعے مطلقاً زید کی گھڑ سواری کی تعریف مقصود ہے، چاہے زید اس وقت گھڑ سواری کر رہا ہو چاہے نہ کر رہا ہو۔ زید گھڑ سواری کر رہا ہے اس وقت بھی میں کہہ سکتا ہوں لِلّٰہِ دَرُّہٗ فَارِسًا

کہ زید کتنا اچھا گھڑ سوار ہے، اور زید گھڑ سواری اس وقت نہیں کر رہا بھائی لیکن پھر بھی میں کہہ سکتا ہوں لِلّٰهِ دَرُّهُ فَارِسًا زید کتنا اچھا گھڑ سوار ہے۔

لیکن اگر آپ اس فَارِسًا کو حال بنائیں گے، تو حال تو قید ہوتا ہے اپنے عامل کے لیے۔ مثلاً میں کہتا ہوں جَاءَنِي زَيْدٌ رَاكِبًا، زید میرے پاس آیا رَاكِبًا سوار ہو کر۔ یہ رَاكِبًا حال ہے، اور حال اپنے عامل کے لیے قید ہوتا ہے، اور حال کا عامل پیچھے جَاءَ ہے، جَاءَنِي زَيْدٌ رَاكِبًا۔ معلوم ہوا یہ جو زید کی مجیئت پیچھے ذکر ہو رہی ہے یہ اس رکوب کے ساتھ مقید ہے، زید سوار ہو کر میرے پاس آیا ہے پیدل نہیں آیا، تو حال قید ہوتا ہے اپنے عامل کے لیے۔ توجہ ہے؟ حال قید ہوتا ہے اپنے عامل کے لیے۔ تو اگر آپ اس لِلّٰهِ دَرُّهُ فَارِسًا اس کو حال بنائیں، تو پھر تو یہ قید بنے گا کیا بنے گا؟ قید، معلوم ہوا زید کی گھڑ سواری کی تعریف کی جا رہی ہے گھڑ سواری کی حالت میں، زید کی تعریف کی جا رہی ہے گھڑ سواری کی حالت میں، یعنی جس وقت وہ گھڑ سواری کر رہا ہے اس وقت تعریف کی جا رہی ہے۔ حالانکہ چاہے وہ گھڑ سواری کر رہا ہو یا نہ کر رہا ہو ہر صورت میں اس طرح کا جملہ لا کر تعریف کی جاتی ہے۔ فرق سمجھ میں آ رہا ہے؟ ایک ہے زید کی گھڑ سواری کی حالت، ایک ہے گھڑ سواری کے علاوہ کوئی بھی حالت۔ تو یہ جو اس قسم کا جملہ ہے یہ مطلقاً تعریف کے لیے لایا جاتا ہے چاہے وہ اس حالت میں ہو گھڑ سواری کی حالت میں چاہے نہ ہو۔ لیکن اگر آپ حال بنائیں تو حال تو قید ہوتا ہے، معلوم ہوا زید کی گھڑ سواری کی تعریف کی جا رہی ہے گھڑ سواری کی حالت میں، گھڑ سواری کی حالت کے علاوہ میں یہ تعریف نہیں ہو سکتی پھر بھائی۔ بات سمجھ میں آ گئی؟ تو یہ جو جملہ ہے لِلّٰهِ دَرُّهُ فَارِسًا، یہ جملہ مطلقاً گھڑ سواری کی تعریف کے لیے لایا جاتا ہے چاہے وہ شخص گھڑ سواری کر رہا ہو اس وقت یا نہ کر رہا ہو، لیکن اگر آپ اس کو حال بنائیں گے تو پھر تو معلوم ہوا یہ تعریف صرف اسی وقت کی گئی ہے جس وقت وہ گھڑ سواری کر رہا تھا بھائی۔ فرق سمجھ میں آیا؟

تو کہتے ہیں دیکھیے بھائی، کہتے ہیں: وَأَيْضًا الْمَقْصُودُ مَدْحُهُ بِالْفُرُوسِيَّةِ لَا حَالَ الْفُرُوسِيَّةِ۔ فُرُوسِيَّة کا معنی گھڑ سواری، یعنی شہسواری۔ وَأَيْضًا الْمَقْصُودُ اور نیز اس کے ذریعے مقصود جو ہے، یعنی یہ لِلّٰهِ دَرُّهُ فَارِسًا یا اس جیسا جملہ جو لایا جاتا ہے اس کے ذریعے مقصود جو ہوتا ہے مَدْحُهُ بِالْفُرُوسِيَّةِ وہ اس شخص کی تعریف ہے شہسواری کے ساتھ، یعنی مطلقاً، مطلقاً یہاں قید بڑھا دیں بھائی، مطلقاً، وَأَيْضًا الْمَقْصُودُ مَدْحُهُ بِالْفُرُوسِيَّةِ مُطْلَقًا، اور نیز اس قسم کے کلام کے ذریعے جو مقصود ہوتا ہے وہ مطلقاً فروسیت کی تعریف کرنا ہوتا ہے، لَا حَالَ الْفُرُوسِيَّةِ فروسیت کی حالت میں تعریف کرنا مقصود نہیں ہوتا۔ وہ گھڑ سواری کر رہا ہو یا نہ کر رہا ہو ہر حال میں آپ کہہ سکتے ہیں لِلّٰهِ دَرُّهُ فَارِسًا۔ بات سمجھ میں آ گئی؟

اور آگے دیکھیے، کہتے ہیں: إِذْ قَدْ يُمْدَحُ حَالَ الْفُرُوسِيَّةِ بِغَيْرِهَا مِنَ الصِّفَاتِ، اس لیے کیونکہ فروسیت کی حالت میں تعریف کی جاتی ہے بِغَيْرِهَا یہ ہا ضمیر فروسیت کو راجع کریں أَيْ بِغَيْرِ الْفُرُوسِيَّةِ، إِذْ قَدْ يُمْدَحُ حَالَ الْفُرُوسِيَّةِ اس لیے کیونکہ

کبھی فروسیت کی حالت میں مدح کی جاتی ہے بِغَيْرِهَا مِنَ الصِّفَاتِ فروسیت کے علاوہ اور صفات کے ساتھ۔ کبھی کبھار فروسیت کی حالت میں اور صفات کے ساتھ بھی مدح کی جاتی ہے۔ گویا صاحبِ جامی کہنا یہ چاہتے ہیں، صاحبِ جامی کہنا یہ چاہتے ہیں کہ یہ حال جو ہے، حال جو ہے یہ مدح کا فائدہ نہیں دیتا بھائی۔ اگر حال مدح کا فائدہ دیتا تو پھر تو حال کے لاتے ہوئے کسی اور صفتِ مدح کو ذکر کرنے کی ضرورت ہی نہ ہوتی۔ جب حال خود کس چیز کا فائدہ دے رہا ہے؟ مدح کا، تو جب آپ حال لا رہے ہیں تو کسی اور صفتِ مدح کو ساتھ لانے کی ضرورت ہی نہیں ہے کیونکہ حال خود مدح کا فائدہ دے رہا ہے۔ لیکن حال کے ساتھ اور صفاتِ مدح کو بھی لایا جاتا ہے، معلوم ہوا حال خود مدح کا فائدہ نہیں دیتا، اگر حال خود مدح کا فائدہ دیتا تو اس کے ساتھ اور صفاتِ مدح کو لانے کی کوئی حاجت اور کوئی ضرورت نہیں تھی۔ مثلاً میں کہتا ہوں زَيْدٌ كَرِيمٌ فَارِسًا، زَيْدٌ كَرِيمٌ زید سخی ہے فَارِسًا یہ میں حال لے کر آیا، زید سخی ہے فَارِسًا اس حال میں کہ وہ گھڑ سوار ہو، یعنی جب زید گھڑ سوار ہوتا ہے تو وہ سخی ہوتا ہے لوگوں کی مدد کرتا ہے۔ تو اب میں حال لے کر آیا، اور حال مدح کا فائدہ نہیں دیتا، کیونکہ اگر حال مدح کا فائدہ دیتا تو پھر یہ كَرِيمٌ ساتھ صفتِ مدح لانے کی مجھے کوئی ضرورت نہیں تھی۔ توجہ ہے؟ جب حال خود مدح کا فائدہ دے رہا ہے تو حال کے لاتے ہوئے کسی اور صفتِ مدح کے لانے کی ضرورت نہیں، کیونکہ مقصد تو پورا ہو گیا اگر حال کس کا فائدہ دیتا؟ مدح کا فائدہ دیتا تو حال لا کر مدح ہو تو گئی اب اور کوئی صفت لانے کی ضرورت نہیں، لیکن حال کے لاتے ہوئے بھی بعض اوقات اس کے ساتھ اور صفاتِ مدح کو ذکر کیا جاتا ہے، معلوم ہوا حال خود مدح کا فائدہ نہیں دیتا، اگر وہ مدح کا فائدہ دیتا تو پھر ساتھ اور صفات کو ذکر کرنے کی ضرورت نہ ہوتی، لیکن حال کے ساتھ تو اور صفاتِ مدح کو لایا جاتا ہے، معلوم ہوا خود حال مدح کا فائدہ نہیں دیتا۔ بات سمجھ میں آگئی؟ یہ معنی ہے۔

دوبارہ ترجمہ دیکھیے بھائی، کہتے ہیں: وَأَيْضًا الْمَقْصُودُ مَدْحُهُ بِالْفُرُوسِيَّةِ، اور نیز اس لیے کیونکہ اس قسم کے کلام کے ذریعے مطلقاً فروسیت کی مدح کرنا مقصود ہوتا ہے، لَا حَالَ الْفُرُوسِيَّةِ فروسیت کی حالت میں مدح کرنا مقصود نہیں ہوتا، إِذْ قَدْ يُمْدَحُ حَالَ الْفُرُوسِيَّةِ بِغَيْرِهَا مِنَ الصِّفَاتِ اس لیے کیونکہ کبھی کبھار مدح کی جاتی ہے فروسیت کی حالت میں بِغَيْرِهَا مِنَ الصِّفَاتِ فروسیت کے علاوہ اور صفات کے ساتھ۔ کبھی کبھار فروسیت کی حالت میں اور صفات کے ساتھ تعریف کی جاتی ہے، معلوم ہوا خود حال مدح کا فائدہ نہیں دے رہا، اگر حال خود مدح کا فائدہ دے رہا ہوتا تو فروسیت کی حالت میں اور صفاتِ مدح کو لانے کی کوئی حاجت نہ ہوتی بھائی۔ بات سمجھ میں آگئی؟ حل ہو گیا؟

تو حاصلِ کلام کیا ہوا؟ کہ صاحبِ کافیہ نے آپ کو بتلایا کہ وہ صفتِ مشتقہ جو تمیز واقع ہوتی ہے اس میں حال ہونے کا بھی احتمال ہے، اور وجہ یہ کہ دونوں صورتوں میں معنی درست رہتا ہے، آپ چاہیں یوں کہہ لیں زید کتنا اچھا گھڑ سوار ہے، یا چاہیں یوں کہہ لیں زید کتنا اچھا ہے گھڑ سوار ہونے کی حالت میں، دونوں کا معنی ایک ہی ہے۔ لیکن صاحبِ جامی نے

آگے آپ کو بتلایا کہ معنی تو ٹھیک رہتا ہے لیکن اس قسم کی صفتِ مشتقہ کا تمییز ہونا راجح ہے حال کے مقابلے میں، اس لیے کیونکہ اس قسم کی صفات سے قبل کبھی کبھار مِنْ بڑھایا جاتا ہے اور مِنْ تو تمییز کے اندر بڑھاتے ہیں حال میں نہیں بڑھاتے، معلوم ہوا اس کا تمییز ہونا راجح ہے۔ اور نیز اس لیے کیونکہ اس قسم کے کلام جو ہے لِلّٰہِ دَرُّہٗ فَارِسًا، اس قسم کا جو کلام ہے اس کے ذریعے مطلقاً مدح اور تعریف مقصود ہوتی ہے، اس حالت کے اندر تعریف اور مدح مقصود نہیں ہوتی بھائی۔ اور نیز اگر حال مدح کا فائدہ دیتا تو پھر حال کے ہوتے ہوئے اور صفاتِ مدح کو ساتھ لانے کی حاجت نہ ہوتی، لیکن حال کے ہوتے ہوئے بھی اس کے ساتھ اور صفاتِ مدح کو لے آتے ہیں، جیسے زَیْدٌ کَرِیمٌ فَارِسًا۔ تو یہاں دیکھو کَرِیمٌ صفت لائی گئی باوجود اس کے کہ آگے فَارِسًا ایک حال آرہا ہے، تو حال مدح کا فائدہ نہیں دیتا، اگر حال مدح کا فائدہ دیتا تو پھر اس کے ساتھ اور صفاتِ مدح کو نہ لایا جاتا، لیکن اور صفاتِ مدح کو تو اس کے ساتھ لایا جاتا ہے، معلوم ہوا خود حال مدح کا فائدہ نہیں دیتا۔ تو لہٰذا اس قسم کی صفتِ مشتقہ جو ہے اس کا تمییز ہونا راجح ہے بمقابلہ حال ہونے کے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ حل ہو گیا؟

چلیے بس بھائی: هٰذَا هُوَ الْمَرَامُ، وَاللّٰهُ أَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْكَلَامِ۔

سبق نمبر ۱۵۳: التمیز(٦): تمیز کا اپنے عامل پر مقدم نہ ہونا اور «طَابَ زَيْدٌ نَفْسًا»

شرحِ ملا جامی صفحہ: ۱۳۹ — بتاریخ: ۱ مارچ ۲۰۲۲ء

▪ تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث

آگے سبق دیکھیے بھئی: وَلَا يَتَقَدَّمُ تَمْيِيزٌ عَلَى عَامِلِهِ إِذَا كَانَ اسْمًا تَامًّا بِالِاتِّفَاقِ فَلَا يُقَالُ عِنْدِي دِرْهَمًا عِشْرُونَ وَلَا زَيْتًا رِطْلٌ لِأَنَّ عَامِلَهُ حِينَئِذٍ اسْمٌ جَامِدٌ ضَعِيفُ الْعَمَلِ مُشَابِهٌ لِلْفِعْلِ مُشَابَهَةً ضَعِيفَةً كَمَا ذَكَرْنَا فَلَا يَقْوَى أَنْ يَعْمَلَ فِيمَا قَبْلَهُ.

گزشتہ سبق میں صاحبِ کافیہ نے آپ کو بتلایا کہ اگر تمیز جو ہے وہ ایسا اسم ہو جس کا اطلاق منتصب عنہ پر ہو سکے تو پھر کبھی کبھار وہ تمیز منتصب عنہ کے لیے ہوگی اور کبھی اس کے متعلق کے لیے ہوگی۔ اور اگر ایسا نہ ہو یعنی تمیز ایسا اسم نہ ہو جس کا اطلاق منتصب عنہ پر ہو سکے فَهُوَ لِمُتَعَلِّقِهِ تو پھر وہ تمیز جو ہے منتصب عنہ کے متعلق کے لیے ہوگی۔

بھئی میں نے بتلایا تھا کہ یہاں کل تین صورتیں بنتی ہیں۔ تمیز کبھی کبھار خاص ہوگی منتصب عنہ کے ساتھ جیسے طَابَ زَيْدٌ نَفْسًا، اور کبھی تمیز خاص ہوگی متعلقِ منتصب عنہ کے ساتھ جیسے طَابَ زَيْدٌ دَارًا، اور کبھی تمیز کے اندر احتمال ہوگا کہ وہ دونوں سے ہو سکتی ہے جیسے طَابَ زَيْدٌ أَبًا، تو یہ أَب جو ہے خود زید بھی ہو سکتا ہے اور زید کا متعلق یعنی زید کا أَب یعنی زید کا باپ بھی ہو سکتا ہے بھئی۔ تو یہاں جو صاحبِ کافیہ نے عبارت ذکر کی تھی اس پر اشکال ہوتا تھا کہ اس کے اندر تو انہوں نے کیا فرمایا کہ جب تمیز کا اطلاق منتصب عنہ پر ہو سکے، تو اس کے اندر تو دو صورتیں داخل ہو رہی تھیں: وہ صورت جس کے اندر تمیز خاص ہو منتصب عنہ کے ساتھ وہ بھی داخل، اور وہ صورت جس میں تمیز کا اطلاق دونوں پر ہو سکتا ہے وہ بھی داخل۔ لیکن آگے صاحبِ کافیہ نے جو جزا ذکر کی اس میں تو صرف ایک صورت ذکر کی۔ تمیز کا اطلاق اگر منتصب عنہ پر ہو سکے تو آگے کہنا چاہیے تھا کہ کبھی وہ منتصب عنہ کے ساتھ خاص ہوگی اور کبھی وہ دونوں کے لیے ہو سکتی ہے، لیکن صاحبِ کافیہ نے کیا فرمایا کہ وہ پھر دونوں کے لیے ہو سکتی ہے۔ جب تمیز کا اطلاق منتصب عنہ پر ہو سکے تو پھر وہ دونوں کے لیے ہو سکتی ہے۔ تو چونکہ یہاں پر جزا جو تھی وہ شرط کے مطابق نہیں تھی، تو لہٰذا شارحین محتاج ہوئے، انہوں نے یہاں ایک

قید کا اضافہ کر دیا اور بتلایا کہ یہاں پر صاحبِ کافیہ صرف دو صورتوں کا حکم بیان کرنا چاہ رہے ہیں، تیسری صورت کا حکم بیان کرنا ہی نہیں چاہ رہے یہاں پر، یعنی وہ اس سے خارج ہے۔ یعنی وہ صورت جس کے اندر تمییز منتصب عنہ کے ساتھ خاص ہو وہ یہاں مراد ہی نہیں ہے۔ تو چنانچہ قید لگا دی کہ جب تمییز منتصب عنہ کے ساتھ خاص نہ ہو پھر اگر اس کا اطلاق منتصب عنہ پر ہو سکے تو وہ منتصب عنہ کے لیے بھی ہو سکتی ہے اور اس کے متعلق کے لیے بھی ہو سکتی ہے، اور اگر ایسا نہ ہو تو پھر وہ اس کے متعلق کے لیے ہوگی۔ بات سمجھ میں آگئی۔

اور پھر آگے صاحبِ کافیہ نے آپ کو بتلایا تھا کہ تمییز جو ہے ان دونوں صورتوں میں، چاہے اس کا منتصب عنہ پر اطلاق ہو سکے چاہے اطلاق نہ ہو سکے، تو ان صورتوں میں مقصود کے مطابق ہوگی۔ یعنی اگر تمییز کے ذریعے منتصب عنہ سے ابہام کو دور کرنا مقصود ہے تو پھر وہ منتصب عنہ کے مطابق ہوگی یعنی مفرد، تثنیہ اور جمع ہونے میں۔ اور اگر منتصب عنہ کے متعلق سے ابہام کا دور کرنا مقصود ہے تمییز کے ذریعے، تو پھر تمییز اس متعلق کے مطابق ہوگی مفرد، تثنیہ اور جمع ہونے میں۔ تو معلوم ہوا کہ تمییز جو ہے وہ مقصود کے مطابق ہوگی۔

إلَّا یہ کہ وہ تمییز جنس ہو بھئی، وہ تمییز جنس ہو۔ تو جنس جو ہے اس کا اطلاق تو قلیل اور کثیر سب پر ہوتا ہے، تو پھر اس صورت میں تمییز کو مفرد ہی رکھیں گے، پھر تثنیہ اور جمع لانے کی کوئی حاجت نہیں۔ جیسے میں کہتا ہوں: طَابَ زَیْدٌ عِلْمًا، زید اچھا ہے باعتبار علم کے۔ اور یہ علم یہ تو مصدر ہے، مصدر اسمِ جنس ہے اور اسمِ جنس کا اطلاق قلیل اور کثیر سب پر ہوتا ہے۔ لہٰذا یہاں پر زید مفرد ہو، چاہے تثنیہ ہو، چاہے جمع ہو، تمام صورتوں میں علم کو اسی طرح مفرد رکھیں گے: طَابَ زَیْدٌ عِلْمًا، طَابَ الزَّیْدَانِ عِلْمًا، طَابَ الزَّیْدُونَ عِلْمًا۔ طَابَ زَیْدٌ عِلْمًا وہ زید اچھا ہے باعتبار علم کے یعنی زید کا علم اچھا ہے۔ طَابَ الزَّیْدَانِ عِلْمًا وہ جو دو زید ہیں وہ علم کے اعتبار سے اچھے ہیں یعنی دونوں کا علم اچھا ہے۔ طَابَ الزَّیْدُونَ عِلْمًا وہ سب زید اچھے ہیں باعتبار علم کے یعنی سب کا علم اچھا ہے۔

مگر یہ کہ پھر انواع کا ارادہ کیا جائے۔ تمییز اگر اسمِ جنس ہو تو اس کو مفرد رکھیں گے إلَّا یہ کہ اس کے ذریعے انواع کا ارادہ کیا جائے، تو پھر اس صورت میں تثنیہ اور جمع اس کو لائیں گے اگرچہ وہ تمییز اسمِ جنس ہی کیوں نہ ہو۔ مثلاً میں کہتا ہوں وہ دو زید اچھے ہیں: طَابَ الزَّیْدَانِ عِلْمًا، وہ دو زید اچھے ہیں علم کے اعتبار سے یعنی دونوں کا علم اچھا ہے۔ لیکن میں ساتھ یہ بھی بتلانا چاہتا ہوں کہ دونوں کا علم الگ الگ ہے: ایک زید ایک علم کے اعتبار سے اچھا ہے اور دوسرا زید دوسرے علم کے اعتبار سے اچھا ہے۔ معلوم ہوا میں انواع کا بھی ارادہ کر رہا ہوں، تو پھر اس صورت میں عِلْمًا اگرچہ جنس ہے پھر بھی اس کو تثنیہ لائیں گے تاکہ انواع پر دلالت ہو جائے، تو یوں کہوں گا: طَابَ الزَّیْدَانِ عِلْمَیْنِ، وہ دو زید اچھے ہیں باعتبار دو علموں کے، یعنی ایک زید ایک علم کے اعتبار سے اچھا ہے اور دوسرا زید دوسرے علم کے اعتبار سے اچھا ہے۔ اور اگر میں جمع کا ارادہ کروں گا تو پھر جمع لاؤں گا، مثلاً میں کہتا ہوں: طَابَ الزَّیْدُونَ عُلُومًا، وہ سب زید اچھے ہیں اپنے اپنے علم کے اعتبار

سے، یعنی ان ہر ایک کا اپنے علم کے اعتبار سے اچھا ہے، ہر ایک کے علم کی نوع دوسرے سے مختلف ہے۔

تو یہاں پر دیکھو دو استثنا آئے بھئی: إِلَّا إِذَا كَانَ جِنْسًا یہ ایک استثنا ہے، إِلَّا استثنا کے لیے آتا ہے، اور إِلَّا أَنْ يُقْصَدَ الْأَنْوَاعُ یہاں یہ دوسرا استثنا آیا۔ دوسرا استثنا آیا، حالانکہ ایک مستثنیٰ منہ سے دو استثنا نہیں ہو سکتے۔ ہاں عطف کیا جائے تو پھر عطف کے ذریعے تو جائز ہے، چاہے آپ دو استثنا کریں چاہے زیادہ کریں کیونکہ وہ دراصل سب معطوف بن جائیں گے، کیا بن جائیں گے؟ معطوف۔ لیکن یہاں تو حرفِ عطف درمیان میں نہیں ہے: إِلَّا إِذَا كَانَ جِنْسًا إِلَّا أَنْ يُقْصَدَ الْأَنْوَاعُ، دو مستثنیٰ ہیں اور دونوں کے درمیان واؤ ذکر نہیں، اور ایک ہی مستثنیٰ منہ سے دو استثنا کا لانا صحیح نہیں کیونکہ مستثنیٰ منہ میں اتنا عموم نہیں ہوتا کہ اس سے آپ دو دفعہ استثنا کریں۔ تو یاد رکھنا، یہاں پر یہ جو دوسرا استثنا ہے یہ مفہومِ کلام سے ہے۔ مفہومِ کلام سے ہے۔ پہلے جو کلام آیا فَيُطَابِقُ التَّمْيِيزُ فِيهِمَا مَا قُصِدَ إِلَّا إِذَا كَانَ جِنْسًا کہ تمیز مقصود کے مطابق ہوگی إِلَّا یہ کہ وہ تمیز جنس ہو۔ اس سے کلام مفہوم ہوا، وہ کیا؟ کہ تمیز کو مفرد لائیں گے جب وہ جنس ہو: فَيُفْرَدُ التَّمْيِيزُ إِنْ كَانَ جِنْسًا، تو یہ کلام مفہوم ہوا اور اس سے آگے پھر اگلے کلام کا استثنا کیا گیا کہ إِلَّا أَنْ يُقْصَدَ الْأَنْوَاعُ، تو گویا کلام یوں ہو گیا: فَيُفْرَدُ التَّمْيِيزُ إِنْ كَانَ جِنْسًا إِلَّا أَنْ يُقْصَدَ الْأَنْوَاعُ، کہ تمیز کو مفرد لائیں گے اگر وہ جنس ہو إِلَّا یہ کہ انواع کا ارادہ کیا جائے۔ تو معلوم ہوا یہ جو دوسرا استثنا ہے یہ مفہومِ کلام سے ہے۔ بات سمجھ میں آگئی۔

اور پھر آگے انہوں نے آپ کو یہ بتلایا تھا کہ اگر تمیز جو ہے وہ صفتِ مشتقہ ہو تو وہ پھر ہمیشہ منتصب عنہ کے لیے ہوگی اور اس کے مطابق ہوگی۔ بھئی تمیز جب اسم ہو وہاں تو تین صورتیں بنتی تھیں، کبھی وہ خاص ہوگی منتصب عنہ کے ساتھ، کبھی متعلق کے ساتھ اور کبھی دونوں کا احتمال ہوگا۔ لیکن جب تمیز صفتِ مشتقہ ہو جیسے لِلَّهِ دَرُّهُ فَارِسًا، یہ فَارِسًا اسمِ فاعل ہے، مشتق کا صیغہ ہے، تو تمیز جب صفتِ مشتقہ ہو تو پھر وہ صرف منتصب عنہ کے لیے ہوگی اور نیز وہ منتصب عنہ کے مطابق ہوگی کیونکہ اس تمیز کے اندر ضمیر ہوگی، یہ صفت کا صیغہ ہے، اس کے اندر ضمیر ہوگی جو منتصب عنہ کو لوٹے گی، تو لہٰذا یہ منتصب عنہ کے مطابق ہوگی۔ اگر منتصب عنہ مفرد ہوا تو یہ صفتِ مشتقہ بھی مفرد ہوگی، اگر وہ تثنیہ یا جمع ہوا تو یہ صفتِ مشتقہ بھی تثنیہ اور جمع ہوگی، اور اگر وہ مذکر ہوا تو یہ صفت بھی مذکر ہوگی، اور اگر وہ منتصب عنہ مؤنث ہوا تو یہ صفت بھی مؤنث ہوگی۔ تو افراد، تثنیہ اور جمع اور تذکیر و تانیث ان سب کے اندر وہ صفتِ مشتقہ جو تمیز بن رہی ہے وہ منتصب عنہ کے مطابق ہوگی۔

اور اس کے بعد پھر صاحبِ جامی نے آپ کو ترکیب بتلائی تھی وَطِبْقَهُ، بتلایا تھا کہ یہ وَطِبْقَهُ کے اندر اس واؤ کو بمعنی مَعَ کے بھی لے سکتے ہیں اور اس واؤ کو عاطفہ بھی بنا سکتے ہیں۔ اس واؤ کو بمعنی مَعَ کے لیں تو طِبْقَهُ منصوب ہے بنابر مفعول معہ ہونے کے کیونکہ مفعول معہ منصوب ہوتا ہے۔ اور اگر آپ چاہیں تو اس واؤ کو عاطفہ بنا دیں اور اس صورت میں یہ طِبْقَهُ جو ہے اس کا عطف ہو جائے گا پیچھے جو كَائِنٌ لَهُ آیا تھا اس كَائِنٌ کی خبر پر، اور كَائِنٌ کی خبر منصوب ہے تو لہٰذا

یہ طِبْقَهُ بھی منصوب ہے معطوف ہونے کی وجہ سے۔ اور پھر انہوں نے آپ کو یہ بھی بتلایا تھا کہ یہ طِبْقَهُ، یہ طِبْق مصدر ہے بمعنی مطابقت کے۔ تو جب اس واؤ کو بمعنی مَعَ کے لیں گے تو پھر مصدر کو اپنے ہی معنی میں رکھیں گے، پھر اس کو اسمِ فاعل یا اسمِ مفعول کے معنی میں لینے کی کوئی حاجت نہیں۔ اور پھر آگے جو طِبْق کی اضافت ہو رہی ہے ہا ضمیر کی طرف طِبْقَهُ، تو یہ جو ہا ضمیر ہے، یہ مصدر کی اضافت فاعل کی طرف ہو رہی ہے یا مفعول بہ کی طرف؟ تو صاحبِ جامی نے بتلایا تھا کہ اگر واؤ کو بمعنی مَعَ کے لیں اور طِبْق مصدر اپنے ہی معنی میں رکھیں تو پھر یہ اضافت اِلی الفاعل بھی ہو سکتی ہے اور اضافت اِلی المفعول بھی، کیونکہ جب دو چیزوں میں مطابقت ہوتی ہے تو دونوں طرف سے ہوتی ہے۔ ایک چیز دوسری چیز کے مطابق ہے تو دوسری چیز پہلی چیز کے مطابق ہوگی۔ تو جس طرف سے آپ مطابقت کا اعتبار کریں گے وہ جانب بن جائے گی فاعل اور دوسری جانب بن جائے گی مفعول۔ تو یہاں پر ایک طرف ہے منتصب عنہ اور دوسری طرف ہے وہ صفت جو تمییز بن رہی ہے۔ تو جب آپ یوں کہتے ہیں کہ اس منتصب عنہ کی مطابقت ہے اس صفت کے ساتھ تو آپ نے مطابقت کا اعتبار کیا منتصب عنہ کی جانب سے، تو منتصب عنہ ہوا فاعل اور وہ صفت کیا ہوئی؟ مفعول بہ۔ اور اگر آپ اس صفت کی جانب سے مطابقت کا اعتبار کرتے ہیں تو یوں کہیں گے کہ اس صفت کی مطابقت ہے منتصب عنہ کے ساتھ، تو یہ صفت بن جائے گی مطابقت کے لیے فاعل اور وہ منتصب عنہ بن جائے گا مفعول۔ تو یہاں دونوں احتمال ہیں، یہ طِبْقَهُ میں یہ طِبْق مصدر کی اضافت ہو رہی ہے ہا ضمیر کی طرف، یہ اضافت اِلی الفاعل بھی ہو سکتی ہے اور اضافت اِلی المفعول بھی۔ اور دوسری صورت جب آپ نے واؤ کو عاطفہ بنایا تو پھر اس صورت میں یہ طِبْق خبر بنے گی کَانَتْ کی، اور کَانَتْ کی خبر کا حمل ہوتا ہے کَانَ کے اسم پر، تو لہٰذا اس صورت میں پھر طِبْق مصدر کو اسمِ فاعل کے معنی میں لینا پڑے گا کیونکہ یہ خبر ہے اور خبر کا حمل ہوتا ہے کَانَ کے اسم پر، تو پھر یہ طِبْق بمعنی مُطَابِق کے ہے۔ تو پھر اس کے اندر ضمیر صفت کو لوٹے گی وہ بنے گی اس کے لیے فاعل، اور یہ ہا ضمیر جو ہے یہ مفعول بہ بن جائے گی، تو اس صورت میں پھر یہ طِبْق کی اضافت ہوگی مفعول بہ کی طرف بھئی۔ بات سمجھ میں آگئی۔

اور پھر آخر میں صاحبِ کافیہ نے یہ بھی بتلایا کہ وہ صفتِ مشتقہ جو تمییز واقع ہو اس کے اندر حال ہونے کا بھی احتمال ہے۔ وہ صفتِ مشتقہ جو تمییز بن رہی ہے اس میں حال ہونے کا بھی احتمال ہے لِلّٰهِ دَرُّهُ فَارِسًا۔ یہ فَارِسًا اس کو آپ نے تمییز بنایا لیکن اس کے اندر حال ہونے کا بھی احتمال ہے۔ وجہ یہ کہ دونوں صورتوں میں معنی صحیح رہتا ہے۔ مثلاً میں یوں کہتا ہوں: لِلّٰهِ دَرُّهُ فَارِسًا، میں فَارِسًا کو تمییز بناتا ہوں تو معنی کیا ہوگا؟ لِلّٰهِ دَرُّهُ اللہ ہی کے لیے ہے فلاں کا کمال مثلاً زید کا کمال، اللہ ہی کے لیے ہے زید کا کمال باعتبار گھڑ سوار ہونے کے، یعنی یوں کہو زید کتنا اچھا گھڑ سوار ہے۔ جب تمییز بنائیں تو زید کی شہسواری کی، گھڑ سواری کی تعریف ہو رہی ہے، تو کیا معنی ہوگا؟ زید کتنا اچھا گھڑ سوار ہے۔ اور اگر آپ اس کو حال بنائیں پھر بھی معنی اسی طرح رہے گا۔ اب حال ہونے کی بنا پر ترجمہ یوں ہوگا: لِلّٰهِ دَرُّهُ فَارِسًا، یعنی لفظی ترجمہ یہ ہوا: اللہ ہی کے لیے ہے زید کا کمال شہسوار ہونے کی حالت میں، یعنی زید کتنا اچھا ہے شہسوار ہونے کی حالت میں۔ زید کتنا اچھا

ہے شہسوار ہونے کی حالت میں۔ تمییز کی صورت میں کیا معنی تھا؟ زید کتنا اچھا شہسوار ہے۔ اور حال ہونے کی صورت میں کیا معنی ہوا؟ زید کتنا اچھا ہے شہسوار ہونے کی حالت میں۔ دیکھو ایک ہی بات ہے، دونوں کے اندر زید کی مدح ہو رہی ہے، اس کی شہسواری اس کی گھڑ سواری کی تعریف کی جا رہی ہے۔ آپ چاہے یوں کہہ لیں زید کتنا اچھا گھڑ سوار ہے، اور آپ چاہے یوں کہہ لیں زید کتنا اچھا ہے گھڑ سوار ہونے کی حالت میں، تو دونوں صورتوں میں دیکھو مدح ہو رہی ہے گھڑ سواری کی۔ تو حال بنائیں پھر بھی معنی صحیح، تمییز بنائیں پھر بھی معنی صحیح ہے۔

لیکن پھر صاحبِ جامی نے ترجیح دی تھی تمییز کی جانب کو کہ اس کا تمییز ہونا راجح ہے بھئی۔ حال کا بھی احتمال ہے لیکن تمییز ہونا راجح ہے۔ وجہ یہ کہ اس قسم کی صفت کے اندر کبھی مِنْ کو بھی بڑھا دیتے ہیں: لِلَّهِ دَرُّهُ فَارِسًا، کبھی اس میں مِنْ بڑھائیں گے اور یوں کہیں گے: لِلَّهِ دَرُّهُ مِنْ فَارِسٍ، یا اسی طرح عَزَّ قَائِلًا، کبھی اس میں مِنْ بڑھا دیں گے عَزَّ مِنْ قَائِلٍ۔ تو یہ مِنْ کا بڑھانا یہ تائید کرتا ہے اس کے تمییز ہونے کی اس لیے کیونکہ مِنْ بیان کے لیے آتا ہے اور تمییز بھی بیان کے لیے آتی ہے کہ وہ ابہام کو دور کرتی ہے، تو مِنْ کی مناسبت ہے کس کے ساتھ؟ تمییز کے ساتھ۔ تو مِنْ کا بڑھانا یہ تائید کرتا ہے اس بات کی کہ یہ تمییز ہے۔

اور نیز کہتے ہیں، نیز دوسری وجہ انہوں نے یہ ذکر کی کہ یہاں پر مطلقاً گھڑ سواری کی تعریف کرنا مقصود ہے، گھڑ سواری کی حالت میں تعریف کرنا مقصود نہیں۔ اس لیے کیونکہ یہ لِلَّهِ دَرُّهُ فَارِسًا اس قسم کا کلام مطلقاً گھڑ سواری کی تعریف کے لیے لایا جاتا ہے، چاہے وہ اس وقت گھڑ سواری کر رہا ہو وہ شخص یا نہ کر رہا ہو۔ مثلاً زید اچھا گھڑ سوار ہے لیکن اس وقت وہ گھڑ سواری نہیں کر رہا، تو میں اس وقت بھی کہوں گا لِلَّهِ دَرُّهُ فَارِسًا، اللہ ہی کے لیے ہے زید کا کمال باعتبار گھڑ سوار ہونے کے یعنی زید کتنا کمال کا گھڑ سوار ہے، اگرچہ اس وقت وہ گھڑ سواری نہیں کر رہا۔ اور اگر حال بنایا جائے تو حال تو قید ہوتا ہے اپنے عامل کے لیے: جَاءَنِي زَيْدٌ رَاكِبًا، جَاءَنِي زَيْدٌ رَاكِبًا یہ رَاكِبًا حال ہے اور یہ اپنے عامل جَاءَ کے لیے قید ہے، زید میرے پاس سوار ہو کر آیا، معلوم ہوا زید کی مجیئت مقید ہے سواری کے ساتھ، وہ سوار ہو کر آیا ہے پیدل نہیں آیا۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو حال کیا ہوتا ہے؟ قید ہوتا ہے اپنے عامل کے لیے۔ تو اگر فَارِسًا کو حال بنایا جائے تو پھر تو یہ قید بن جائے گا، معلوم ہوا اس شخص کی گھڑ سواری کی تعریف کی گئی ہے گھڑ سواری کی حالت میں۔ اس شخص کی تعریف کی گئی ہے کس حالت میں؟ گھڑ سواری کی حالت میں، یعنی جب وہ گھڑ سواری کر رہا تھا اس وقت تعریف کی گئی ہے۔ حالانکہ یہ جو لِلَّهِ دَرُّهُ فَارِسًا یہ مطلقاً گھڑ سواری کی تعریف کے لیے آتا ہے، گھڑ سواری کی حالت میں تعریف کے لیے اس کا لانا ضروری نہیں ہے۔ زید سواری کر رہا ہو یا نہ کر رہا ہو اس وقت آپ کہہ سکتے ہیں لِلَّهِ دَرُّهُ فَارِسًا کہ زید کتنا اچھا گھڑ سوار ہے۔ لیکن اگر حال بنائیں تو پھر کیا معنی ہوگا؟ کہ زید کی گھڑ سواری کی تعریف اس کے گھڑ سوار ہونے کی حالت میں کی جا رہی ہے۔ فرق سمجھ میں آرہا

ہے؟ ایک ہے مطلقاً تعریف، ایک ہے گھڑ سواری کی حالت میں تعریف۔ گھڑ سواری کی حالت میں تعریف کا کیا معنی؟ کہ زید گھڑ سواری کر رہا ہو اس وقت آپ اس کی تعریف کرتے ہیں کہ زید کتنا اچھا گھڑ سوار ہے۔ اور ایک مطلقاً ہے چاہے وہ گھڑ سواری کر رہا ہے یا نہیں کر رہا۔ تو یہ جو جملہ بولا جاتا ہے لِلّٰهِ دَرُّهُ فَارِسًا یہ مطلقاً گھڑ سواری کی تعریف کے لیے لایا جاتا ہے، گھڑ سواری کی حالت کے اندر یہ جملہ لانا ضروری نہیں ہے۔ تو اس کے ذریعے مطلقاً گھڑ سواری کی تعریف مقصود ہوتی ہے، گھڑ سواری کی حالت میں تعریف مقصود نہیں ہوتی۔

اور نیز صاحبِ جامی آگے پھر فرماتے ہیں کہ حال کے اندر مدح والا معنی ہوتا ہی نہیں۔ اگر حال کے اندر مدح اور تعریف والا معنی ہوتا تو حال کے لاتے ہوئے پھر کسی اور صفتِ مدح کے لانے کی ضرورت نہ ہوتی۔ بھئی جب حال خود مدح کے لیے آرہا ہے تو پھر کسی اور صفتِ مدح کو ساتھ لانے کی ضرورت نہ ہوتی، لیکن حال کے ہوتے ہوئے اور صفاتِ مدح کو بھی ساتھ لایا جاتا ہے۔ مثلاً میں کہتا ہوں: زَيْدٌ كَرِيمٌ فَارِسًا، زید سخی ہے شہسوار ہونے کی حالت میں۔ زَيْدٌ كَرِيمٌ فَارِسًا، یہ فَارِسًا میں حال لایا۔ زید سخی ہے شہسوار ہونے کی حالت میں، یعنی جب وہ شہسوار ہوتا ہے تو وہ سخی ہوتا ہے، بڑی سخاوت کرتا ہے، لوگوں کی مدد کرتا ہے۔ تو اب دیکھو میں فَارِسًا حال کو لے کر آیا، لیکن یہ حال مدح کے لیے نہیں ہو سکتا کیونکہ اگر یہ حال مدح کے لیے ہوتا، اس کے ذریعے زید کی مدح مقصود ہوتی تو پھر یہ كَرِيمٌ کی صفت میں ساتھ نہ لاتا بھئی۔ میں نے تو کیا کہا؟ زَيْدٌ كَرِيمٌ فَارِسًا۔ دیکھو حال کے ہوتے ہوئے میں اور صفتِ مدح کو ساتھ لے آیا۔ اگر حال خود مدح کے لیے ہوتا تو کوئی اور صفتِ مدح ساتھ لانے کی حاجت نہیں تھی۔ لیکن حال کے ساتھ تو اور صفاتِ مدح کو لایا جاتا ہے، معلوم ہوا حال خود مدح کا فائدہ نہیں دیتا۔ اگر حال خود مدح کا فائدہ دیتا تو پھر اس کے ساتھ اور صفاتِ مدح کو لانے کی کوئی حاجت نہیں تھی بھئی۔ تو لہٰذا اس قسم کی صفتِ مشتقہ جو ہے اس کا تمیز ہونا راجح ہے بمقابلہ حال ہونے کے۔ بات سمجھ میں آگئی؟

جی، اب آئیے آج کے سبق پر۔ کہتے ہیں: وَلَا يَتَقَدَّمُ التَّمْيِيزُ عَلَى عَامِلِهِ إِذَا كَانَ اسْمًا تَامًّا بِالِاتِّفَاقِ فَلَا يُقَالُ عِنْدِي دِرْهَمًا عِشْرُونَ وَلَا زَيْتًا رِطْلٌ۔

آگے بحث سمجھنے سے پہلے دو تین باتیں یاد رکھیں بھئی۔ تو سب سے پہلے یاد رکھو کہ تمیز کے اندر عامل کیا چیز ہے؟ آپ نے پڑھا تمیز دو قسم پر ہے۔ تمیز کی جو پہلی قسم ہے وہ ذاتِ مذکورہ سے ابہام کو دور کرتی ہے، اور تمیز کی دوسری قسم جو ہے وہ نسبت سے ابہام کو دور کرتی ہے۔ یاد رکھو تمیز کی جو پہلی قسم ہے اس کے اندر وہ اسمِ تام عامل ہوتا ہے، وہ اسم جو تنوین یا نونِ تثنیہ یا نونِ جمع یا اضافت کے ساتھ تام ہو رہا ہے وہ اس کے اندر عامل ہوتا ہے۔ عِنْدِي رِطْلٌ زَيْتًا، یہ زَيْتًا کو نصب کس نے دیا؟ رِطْلٌ نے، یہ جو اسمِ تام ہے جو تنوین وغیرہ کے ذریعے تام ہو رہا ہے، یہ عامل ہے، اس نے زَيْتًا کو نصب دیا ہے۔ عِنْدِي عِشْرُونَ دِرْهَمًا، یہ دِرْهَمًا تمیز ہے اور یہ عِشْرُونَ سے ابہام دور کر رہی ہے، تو اس کے اندر یہی عِشْرُونَ یہ جو

اسمِ تام ہے یہ عامل ہے، یہ اس کو نصب دے رہا ہے۔ اور دوسری قسم ہے تمیز کی جو نسبت سے ابہام کو دور کرے۔ یاد رکھو وہ جو تمیز کی قسم ہے اس کے اندر وہ فعل یا شبہِ فعل جو ہے وہ عامل ہوگا۔ اس کے اندر فعل یا شبہِ فعل عامل ہوگا۔ طَابَ زَيْدٌ نَفْسًا، تو یہ نسبت سے تمیز ہے یہ نَفْسًا، تو اس کے اندر عامل کون؟ یہ طَابَ پیچھے جو فعل آیا۔ تو تمیز کی جو دوسری قسم ہے اس کے اندر عامل کون ہوگا؟ فعل یا شبہِ فعل۔ شبہِ فعل میں کیا کیا آ گئے؟ اسمِ فاعل، اسمِ مفعول، صفتِ مشبہ، اسمِ تفضیل، مصدر اور اسی طرح جس کے اندر فعل والا معنی پایا جائے، تو یہ چیزیں اس تمیز کے اندر عامل ہوں گی اور یہ نصب دے رہی ہیں۔ تو تمیز کی پہلی قسم کے اندر وہ اسمِ تام عامل ہوتا ہے اور تمیز کی دوسری قسم میں فعل یا شبہِ فعل عامل ہوتا ہے۔ بات سمجھ میں آ گئی۔

اب دوسری بات یاد رکھنا، دوسری بات یاد رکھنا: یاد رکھو تمیز ہمیشہ نکرہ ہوتی ہے۔ اس لیے کیونکہ تمیز کا مقصد ابہام کو دور کرنا ہے اور وہ مقصد نکرہ کے ذریعے حاصل ہو جاتا ہے تو معرفہ لانے کی کوئی حاجت نہیں۔ اگر آپ تمیز کو معرفہ لائیں گے تو وہ تعریف تو ضائع چلی جائے گی، لہٰذا تمیز کو معرفہ نہیں لا سکتے۔ تمیز ہمیشہ نکرہ آئے گی، یہ اسی طرح ہے جیسے حال کے اندر بیان ہوا تھا کہ حال کس لیے آتا ہے؟ حال کا مقصد حالت بیان کرنا ہے، وہ عامل کے لیے قید بنتا ہے، تو اس کے لیے نکرہ کافی ہے، وہاں معرفہ لانے کی کوئی حاجت نہیں۔ اگر کبھی معرفہ آ بھی جائے حال تو تاویل کر کے اس کو نکرہ بنا لیا جاتا ہے۔ تو معلوم ہوا تمیز ہمیشہ نکرہ ہوگی۔

تیسری بات یاد رکھنا، تیسری بات یاد رکھنا: یہ جو نسبت سے تمیز آتی ہے اس کے بارے میں علماء فرماتے ہیں کہ یہ کبھی محول ہوگی اور کبھی غیرِ محول ہوگی۔ یہ دو تین لفظ ذرا اپنے سامنے لکھ لیں، یہ پھر آپ کو یاد رہیں گے بھئی۔ یہ جو نسبت سے تمیز آتی ہے کبھی یہ محول ہوگی اور کبھی یہ غیرِ محول ہوگی۔ پھر یہ محول جو ہے، علماء فرماتے ہیں: کبھی یہ مُحَوَّلٌ عَنِ الْفَاعِلِ ہوگی، کبھی یہ مُحَوَّلٌ عَنِ الْمَفْعُولِ ہوگی، اور کبھی یہ مُحَوَّلٌ عَنِ الْمُبْتَدَأِ ہوگی۔ توجہ ہے؟ وہ تمیز جو نسبت سے آئے وہ کبھی محول ہوگی اور کبھی غیرِ محول، اور پھر وہ جو محول ہے کبھی وہ مُحَوَّلٌ عَنِ الْفَاعِلِ ہوگی، کبھی مُحَوَّلٌ عَنِ الْمَفْعُولِ ہوگی اور کبھی مُحَوَّلٌ عَنِ الْمُبْتَدَأِ ہوگی۔ محول کا معنی پھیرا گیا، یعنی مُحَوَّلٌ عَنِ الْفَاعِلِ کا معنی یہ ہے کہ یہ تمیز اصل میں فاعل تھی پھر اس کو پھیر کر تمیز بنا دیا گیا۔ مُحَوَّلٌ عَنِ الْمَفْعُولِ کا معنی یہ ہے کہ یہ تمیز اصل کے اندر مفعول تھی پھر اس کو پھیر کر تمیز بنا دیا گیا۔ اور مُحَوَّلٌ عَنِ الْمُبْتَدَأِ کا معنی یہ ہے کہ یہ تمیز اصل میں بتدا تھی پھر اس کو پھیر کر تمیز بنا دیا گیا۔ توجہ ہے؟ مُحَوَّلٌ عَنِ الْفَاعِلِ کا کیا معنی؟ کہ اس کو فاعل سے پھیرا گیا ہے، یہ پہلے کیا تھی؟ فاعل۔ مُحَوَّلٌ عَنِ الْمَفْعُولِ کا کیا معنی؟ یہ مفعول تھی پھر اس کو پھیرا گیا۔ اور مُحَوَّلٌ عَنِ الْمُبْتَدَأِ یعنی اس کو بتدا سے پھیرا گیا ہے۔ دیکھو مثالوں سے وضاحت ہوگی۔

مُحَوَّلٌ عَنِ الْفَاعِلِ کی مثال: طَابَ زَيْدٌ نَفْسًا، طَابَ زَيْدٌ نَفْسًا یہ نَفْسًا کیا ہے؟ تمیز، لیکن دراصل یہ فاعل تھی، اصل میں

کلام یوں تھا: طَابَ نَفْسُ زَيْدٍ۔ طَابَ نَفْسُ زَيْدٍ۔ بھئی پھر دیکھو، طَابَ زَيْدٌ نَفْسًا زید اچھا ہے باعتبار اپنی ذات کے، یعنی کیا معنی؟ زید کی ذات اچھی ہے۔ زید کی ذات اچھی ہے، تو یہی معنی تو میں بیان کر رہا ہوں: طَابَ نَفْسُ زَيْدٍ زید کی ذات اچھی ہے۔ تو دیکھو یہ نفس فاعل ہے طَابَ کے لیے، لیکن پھر اس کو پھیر کر کیا بنا دیا گیا؟ تمیز بنا دیا گیا، تو یہ طَابَ زَيْدٌ نَفْسًا یہ نَفْسًا کون سی تمیز ہے؟ جو مُحَوَّلٌ عَنِ الْفَاعِلِ ہے۔

دوسری مثال لے لیں: وہ تمیز جو مُحَوَّلٌ عَنِ الْمَفْعُولِ ہو، جیسے قرآن میں اللہ فرماتے ہیں: فَجَّرْنَا الْأَرْضَ عُيُونًا۔ فَجَّرْنَا، فَجَّرَ يُفَجِّرُ تَفْجِير کا معنی ہے بہا دینا، جیسے پانی وغیرہ آپ زمین پر بہاتے ہیں تو اس کو تفجیر کہتے ہیں۔ فَجَّرْنَا ہم نے بہا دیا الْأَرْضَ اس زمین کو عُيُونًا باعتبار چشموں کے۔ ہم نے اس زمین کو چشموں کے اعتبار سے بہا دیا۔ اب یہ عُيُونًا تمیز ہے لیکن یہ مُحَوَّلٌ عَنِ الْمَفْعُولِ ہے۔ اس کو ذرا مفعول بنا دیں: فَجَّرْنَا عُيُونَ الْأَرْضِ، فَجَّرْنَا عُيُونَ الْأَرْضِ ہم نے زمین کے چشمے بہا دیے، ہم نے زمین کے چشمے جاری کر دیے۔ تو دیکھو مفعول بنایا دیکھو معنی کتنا بہترین ہو گیا: فَجَّرْنَا عُيُونَ الْأَرْضِ ہم نے زمین کے چشمے بہا دیے۔ تو یہ فَجَّرْنَا الْأَرْضَ عُيُونًا یہ عُيُونًا تمیز ہے لیکن یہ مُحَوَّلٌ عَنِ الْمَفْعُولِ ہے۔

اور کبھی یہ تمیز جو ہوتی ہے یہ مُحَوَّلٌ عَنِ الْمُبْتَدَإِ ہوتی ہے۔ جیسے: أَنَا أَكْثَرُ مِنْكَ مَالًا، أَنَا أَكْثَرُ مِنْكَ مَالًا میں زیادہ ہوں تم سے مَالًا باعتبار مال کے۔ تو یہ دراصل یہ اسی درجے میں ہے کہ مَالِي أَكْثَرُ مِنْ مَالِكَ، میرا مال تمہارے مال سے زیادہ ہے۔ بھئی دیکھو نا أَنَا أَكْثَرُ مِنْكَ میں تم سے زیادہ ہوں، کس اعتبار سے؟ مال کے اعتبار سے، یعنی میرا مال تمہارے مال سے زیادہ ہے۔ تو یہ مَالًا یہ تمیز ہے اور یہ مبتدا کے درجے میں ہے۔ تو یہ جو مال ہے اس کو ذرا مبتدا بناؤ۔ اس وقت مبتدا کیا ہے؟ أَنَا، أَنَا یہ متکلم کی ضمیر ہے، اس کی طرف مال کی اضافت کر دو: مَالِي، مَالِي میرا مال۔ توجہ ہے؟ أَنَا بھی متکلم کی ضمیر، يَاء بھی متکلم کی ضمیر، لیکن أَنَا ضمیرِ منفصل ہے اور مرفوع ہے، مبتدا بن رہی ہے۔ اور اب ہم مال کی اضافت کریں گے تو ہمیں ضمیرِ مجرور متصل چاہیے کیونکہ مضاف الیہ مجرور ہوتا ہے، تو وہ يَاء ضمیر لے آئے۔ أَنَا کا معنی بھی واحد متکلم اور يَاء ضمیر کا معنی بھی واحد متکلم، تو کلام کیا بن گیا؟ مَالِي أَكْثَرُ مِنْ مَالِكَ، مَالِي میرا مال جو ہے أَكْثَرُ وہ زیادہ ہے مِنْ مَالِكَ آپ کے مال سے۔ تو کلام کیا تھا پہلے؟ أَنَا أَكْثَرُ مِنْكَ مَالًا میں تم سے زیادہ ہوں باعتبار مال کے، لیکن یہ مال تمیز یہ مُحَوَّلٌ عَنِ الْمُبْتَدَإِ ہے یعنی یہ مبتدا کے درجے میں ہے، تو گویا اصل کلام یوں تھا: مَالِي أَكْثَرُ مِنْ مَالِكَ میرا مال تمہارے مال کے مقابلے میں زیادہ ہے۔ بات سمجھ میں آ گئی۔

تو وہ تمیز جو نسبت سے ابہام کو دور کرے کبھی وہ مُحَوَّلٌ عَنِ الْفَاعِلِ ہوگی جیسے طَابَ زَيْدٌ نَفْسًا، اور کبھی وہ مُحَوَّلٌ عَنِ الْمَفْعُولِ ہوگی جیسے فَجَّرْنَا الْأَرْضَ عُيُونًا، اور کبھی وہ مُحَوَّلٌ عَنِ الْمُبْتَدَإِ ہوگی جیسے أَنَا أَكْثَرُ مِنْكَ مَالًا۔

اور کبھی تمیز جو ہے وہ غیرِ محول ہوگی، جیسے امْتَلَأَ الْإِنَاءُ مَاءً، امْتَلَأَ کا معنی بھرنا، امْتَلَأَ الْإِنَاءُ برتن بھر گیا مَاءً باعتبار پانی

کے۔ دیکھو امْتَلَأَ کی نسبت ہے الْإِنَاءُ کی طرف: امْتَلَأَ الْإِنَاءُ وہ برتن بھر گیا، ابہام تھا کس اعتبار سے بھر گیا؟ کیا چیز ہے اس کے اندر؟ آگے مَاءً نے ابہام کو دور کر دیا کہ وہ برتن پانی کے اعتبار سے بھر گیا یعنی وہ برتن پانی سے بھر گیا ہے۔ تو یہ جو تمییز مَاءً آئی امْتَلَأَ الْإِنَاءُ مَاءً، علماء فرماتے ہیں یہ غیرِ محول ہے۔ یعنی یہ نہ فاعل کے درجے میں ہے، نہ مفعول کے درجے میں ہے اور نہ مبتدا کے درجے میں ہے۔ توجہ ہے؟ پھر دہرائیں ذرا، تمییز کبھی کیا ہوگی؟ وہ تمییز جو نسبت سے آئے وہ کبھی محول ہوگی کبھی غیرِ محول، اور پھر وہ جو محول ہے کبھی وہ مُحَوَّلٌ عَنِ الْفَاعِلِ ہوگی، کبھی مُحَوَّلٌ عَنِ الْمَفْعُولِ ہوگی، اور کبھی مُحَوَّلٌ عَنِ الْمُبْتَدَأِ ہوگی۔ مُحَوَّلٌ عَنِ الْفَاعِلِ کی کیا مثال ہے؟ طَابَ زَيْدٌ نَفْسًا۔ یہ کس معنی میں؟

طَابَ نَفْسُ زَيْدٍ، فاعل بنا دو اس کو طَابَ نَفْسُ زَيْدٍ۔ اور دوسری مثال مُحَوَّلٌ عَنِ الْمَفْعُولِ کی: فَجَّرْنَا الْأَرْضَ عُيُونًا، یہ کس معنی میں ہے؟ فَجَّرْنَا عُيُونَ الْأَرْضِ ہم نے زمین کے چشمے بہا دیے، دیکھو اس کو مفعول بنا دیا، عیون کو کیا بنا دیا؟ مفعول۔ اور کبھی مُحَوَّلٌ عَنِ الْمُبْتَدَأِ ہوگی، جیسے: أَنَا أَكْثَرُ مِنْكَ مَالًا، یہ مَالًا تمییز ہے لیکن یہ مُحَوَّلٌ عَنِ الْمُبْتَدَأِ ہے، أَيْ مَالِي أَكْثَرُ مِنْ مَالِكَ۔ تو حاصلِ کلام کیا ہوا؟ کہ وہ تمییز جو نسبت سے ابہام کو دور کرے کبھی وہ محول ہوگی اور کبھی غیرِ محول۔ پھر وہ جو محول ہے وہ مُحَوَّلٌ عَنِ الْفَاعِلِ بھی ہو سکتی ہے، مُحَوَّلٌ عَنِ الْمَفْعُولِ بھی ہو سکتی ہے، مُحَوَّلٌ عَنِ الْمُبْتَدَأِ بھی ہو سکتی ہے اور غیرِ محول بھی ہو سکتی ہے جیسے امْتَلَأَ الْإِنَاءُ مَاءً بھئی۔ بات سمجھ میں آگئی۔

پھر یہاں ایک اور قیمتی بات یاد رکھنا۔ میں نے آپ کو بتلایا کہ تمییز کبھی کبھار کیا ہوتی ہے؟ محول ہوتی ہے، یعنی اس کو ایک حالت سے پھیر کر تمییز بنایا گیا ہے۔ اس کی وجہ کیا ہے؟ اس کا مقصد کیا ہوتا ہے؟ کیوں اس کو پھیر کر تمییز بنایا جاتا ہے؟ مثلاً طَابَ زَيْدٌ نَفْسًا، اصل میں کیا ہے؟ طَابَ نَفْسُ زَيْدٍ، یہ نفس فاعل تھا پھر اس کو پھیر کر تمییز بنا دیا گیا۔ تو وجہ کیا ہے؟ فاعل کو پھیر کر تمییز کیوں بنایا گیا؟ تو یاد رکھو اس کے دو مقصد ہوتے ہیں۔

ایک یہ کہ آپ ابہام پیدا کرنا چاہتے ہیں۔ نفس کیا تھا؟ فاعل تھا، لیکن آپ نے اس کو حذف کر دیا اور زید کی طرف طَابَ کی نسبت کر دی طَابَ زَيْدٌ، حالانکہ اصل میں کیا تھا؟ طَابَ نَفْسُ زَيْدٍ۔ تو آپ نے فاعل کو ختم کر دیا تو کلام میں ابہام پیدا ہو گیا کہ طَابَ زَيْدٌ زید اچھا ہے، بھئی کس اعتبار سے اچھا ہے؟ تو کلام میں ابہام پیدا ہو گیا۔ اور یاد رکھو کہ جب کسی چیز کو مبہم کیا جائے تو نفس میں شوق پیدا ہو جاتا ہے اس کو جاننے کا۔ آپ بھی کبھی کبھار کوئی بات ذکر کرتے ہیں تو پہلے اس کو مبہم طریقے سے ذکر کرتے ہیں تاکہ سننے والوں کے دلوں میں شوق پیدا ہو جائے۔ مثلاً آپ اپنے ساتھیوں کے پاس آتے ہیں اور ان کو کہتے ہیں آج تو میں نے ایک ایسی چیز دیکھی کہ زندگی میں کبھی نہیں دیکھی۔ دیکھا، سارے آپ کی طرف متوجہ ہوں گے، سب کے دلوں میں شوق پیدا ہو جائے گا کہ بھئی کیا دیکھا ہمیں بھی بتاؤ۔ تو جب کسی چیز کو مبہم رکھا جاتا ہے تو

نفس کے اندر اس کو جاننے کا شوق پیدا ہو جاتا ہے۔ تو طَابَ نَفْسُ زَيْدٍ تھا، نفس فاعل تھا، پھر اس نفس کو یہاں سے حذف کر دیا گیا اور طَابَ کی نسبت زید کی طرف کر دی گئی، تو وہ جو فاعل تھا وہ مبہم ہو گیا اور نفس کے اندر اس کے جاننے کا شوق پیدا ہوا۔ اب جب آگے نَفْسًا کا لفظ لایا جائے گا تو وہ ذہن میں اچھی طرح بیٹھ جائے گا، کیونکہ شوق کے بعد جو چیز حاصل ہوتی ہے وہ اچھی طرح ذہن میں جم جاتی ہے۔ تو تمیز پہلے کیا تھی مثلاً فاعل تھی، اس کو کیوں حذف کیا گیا؟ تاکہ ابہام پیدا ہو جائے اور ابہام کی وجہ سے ذہن میں شوق پیدا ہوگا، اور شوق کے بعد پھر آگے جب اسی فاعل کو ہم تمیز کی صورت میں لائیں گے تو وہ بات اچھی طرح ذہن میں بیٹھ جائے گی۔ بات سمجھ میں آگئی۔

اور نیز اس صورت میں اس کا گویا دو دفعہ ذکر آگیا۔ دیکھو نا پہلے کیا تھا: طَابَ نَفْسُ زَيْدٍ، پھر نفس کو حذف کر دیا اور کیا کہا؟ طَابَ زَيْدٌ کہہ دیا، تو ایک دفعہ اجمالاً نفس کا ذکر آگیا مبہم طریقے سے۔ ایک دفعہ گویا اجمالاً اس کا مبہم طریقے سے ذکر آگیا اور پھر آگے نَفْسًا تمیز لا کر اس کی تفصیل بھی بیان کر دی گئی کہ وہ چیز جو مبہم تھی وہ یہ نفس ہے۔ تو ایک مرتبہ اجمالاً اس فاعل یعنی نفس کا ذکر آگیا۔ آپ کہیں گے بھئی کس طرح اجمالاً اس کا ذکر آگیا؟ بھئی دیکھیے نا طَابَ زَيْدٌ، پہلے کیا تھا؟ طَابَ نَفْسُ زَيْدٍ، نفس کو حذف کر دیا طَابَ زَيْدٌ رہ گیا، اور طَابَ زَيْدٌ کس کے درجے میں ہے؟ طَابَ شَيْءٌ مَنْسُوبٌ إِلَى زَيْدٍ، کہ ایک چیز جو زید کی طرف منسوب ہے وہ اچھی ہے۔ تو دیکھو اس شے سے کیا مراد ہے؟ وہ نفس ہی تو مراد ہے۔ تو یہاں پر دیکھو اجمالاً نفس کا ذکر آگیا ابہام کے طریقے پر، اور پھر آگے جب نَفْسًا کو دوبارہ تمیز کے طور پر لائیں گے تو اب تفصیل بھی آ گئی۔ پہلے اجمال تھا، پتہ نہیں چل رہا تھا کہ وہ شے کیا ہے، پھر آگے جب نَفْسًا کو دوبارہ ذکر کیا تو تفصیل آگئی۔ تو دیکھو ایک دفعہ ذکر کیسے آیا؟ اجمالاً، اور دوسری دفعہ تفصیلاً آیا، تو دیکھو اس چیز کے ذکر میں تکرار آگیا، دو دفعہ چیز آگئی، اور إِذَا تَكَرَّرَ تَقَرَّرَ، جب ایک چیز میں تکرار آتا ہے تو وہ ذہن میں جم جاتی ہے اور بیٹھ جاتی ہے۔ بات سمجھ میں آگئی۔

تو یہ تمیز کو جو محول کیا جاتا ہے پھیرا جاتا ہے اس کے دو مقاصد ہوتے ہیں۔ ایک مقصد کیا؟ تاکہ ابہام پیدا ہو جائے اور ابہام کی وجہ سے دل میں طلب پیدا ہوگی شوق پیدا ہوگا اور اس کے بعد جب اس چیز کی معرفت حاصل ہوگی تو وہ ذہن میں اچھی طرح جم جائے گی۔ اور نیز اس لیے کہ اس طرح پھر اس چیز کا دو دفعہ ذکر ہو گیا: پہلے اجمالاً ذکر ہوا تھا ابہام کے طریقے پر، اور پھر تفصیلاً ذکر ہو گیا کہ اس کی وضاحت کر دی گئی، تو اس سے بھی ذہن میں چیز اچھی طرح بیٹھ جاتی ہے جم جاتی ہے۔ بات سمجھ میں آگئی۔ اب دیکھیے بھئی کتاب پر بھئی۔

پہلے متن متن دیکھیے: وَلَا يَتَقَدَّمُ عَلَى عَامِلِهِ وَالْأَصَحُّ أَنْ لَا يَتَقَدَّمَ عَلَى الْفِعْلِ خِلَافًا لِلْمَازِنِيِّ وَالْمُبَرِّدِ۔ متن مل گیا سارا بھئی؟

بھئی دیکھیے صاحبِ کافیہ فرما رہے ہیں: وَلَا يَتَقَدَّمُ عَلَى عَامِلِهِ وَالْأَصَحُّ أَنْ لَا يَتَقَدَّمَ عَلَى الْفِعْلِ خِلَافًا لِلْمَازِنِيِّ وَالْمُبَرِّدِ۔

تمیز کی پہلی قسم کے اندر وہ اسمِ تام عامل ہوتا ہے اور تمیز کی دوسری قسم میں فعل یا شبہِ فعل عامل ہوتا ہے۔ صاحبِ کافیہ آپ کو بتلائیں گے کہ تمیز جو ہے اپنے عامل پر مقدم نہیں ہو سکتی۔ تمیز اپنے عامل پر مقدم نہیں ہو سکتی۔ اگر تو وہ عامل اسمِ تام ہے، جیسے عِنْدِي رِطْلٌ زَيْتًا، تو اس صورت میں تو بالاتفاق یہ زَيْتًا کو رِطْلٌ پر مقدم نہیں کر سکتے، اس لیے کیونکہ رِطْلٌ یہ عاملِ ضعیف ہے۔ یہ اسمِ جامد ہے اور اس کی مشابہت فعل کے ساتھ آئی تھی اس لیے اس نے زَيْتًا کو نصب دیا۔ تو یہ عاملِ ضعیف ہے، لہٰذا یہ اپنے مابعد میں تو عمل کر سکتا ہے لیکن اگر تمیز کو اس پر مقدم کر دیں گے تو پھر یہ اپنے سے ماقبل میں عمل نہیں کر سکتا۔ تو تمیز کے اندر عامل اگر اسمِ تام ہو تو پھر تمیز کو بالاتفاق اس عامل پر مقدم نہیں کر سکتے۔

اور اگر تمیز کے اندر عامل فعل یا شبہِ فعل ہو تو پھر یاد رکھنا اس میں علماء کا اختلاف ہے۔ البتہ جمہور کا مذہب یہ ہے کہ اس صورت میں بھی تمیز کو فعل یا شبہِ فعل پر مقدم نہیں کر سکتے، جبکہ امام مازنی اور امام مبرد فرماتے ہیں کہ اگر تمیز کے اندر عامل فعل ہو تو پھر اس صورت میں تمیز کو اس پر مقدم کر سکتے ہیں، اس لیے کیونکہ فعل عاملِ قوی ہے، وہ اپنے مابعد میں بھی عمل کر سکتا ہے اور اپنے سے ماقبل میں بھی عمل کر سکتا ہے، اور نیز وہ دلیل کے طور پر شعر پیش کرتے ہیں جس کے اندر ایک فصیح شاعر نے تمیز کو اپنے عامل فعل پر مقدم کیا ہے۔ تو حاصلِ کلام کیا ہوا؟ کہ تمیز کے اندر اگر عامل اسمِ تام ہے تو پھر تو بالاتفاق تمیز کو اس پر مقدم نہیں کر سکتے، اور اگر تمیز کے اندر عامل فعل یا شبہِ فعل ہے تو بھی جمہور کے نزدیک تمیز کو اس پر مقدم نہیں کر سکتے لیکن امام مازنی اور امام مبرد اور اسی طرح امام کسائی بھی ان کے ساتھ ہیں، یہ تینوں ائمہ فرماتے ہیں کہ اس صورت میں تمیز کو فعل پر مقدم کر سکتے ہیں۔ بات سمجھ میں آگئی۔

دیکھیے بھئی متن متن۔ کہتے ہیں: وَلَا يَتَقَدَّمُ عَلَى عَامِلِهِ اور تمیز جو ہے اپنے عامل پر مقدم نہیں ہو سکتی، وَالْأَصَحُّ اور زیادہ صحیح مذہب یہ ہے کہ أَنْ لَا يَتَقَدَّمَ عَلَى الْفِعْلِ کہ تمیز مقدم نہیں ہو سکتی فعل پر۔ أَصَحّ کا لفظ لا کر بتلا دیا کہ زیادہ صحیح مذہب یہ ہے کہ تمیز فعل پر بھی مقدم نہیں ہو سکتی، تو معلوم ہوا کہ امام مازنی، امام مبرد اور امام کسائی کا مذہب بھی صحیح ہے لیکن جمہور کا مذہب زیادہ صحیح ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو کہتے ہیں: وَالْأَصَحُّ أَنْ لَا يَتَقَدَّمَ عَلَى الْفِعْلِ لیکن زیادہ صحیح مذہب یہ ہے کہ تمیز جو ہے فعل پر بھی مقدم نہیں ہو سکتی، خِلَافًا لِلْمَازِنِيِّ وَالْمُبَرِّدِ بخلاف امام مازنی کے اور امام مبرد کے کہ ان کے نزدیک تمیز کے اندر عامل جب فعل ہو تو تمیز اس پر مقدم ہو سکتی ہے۔ توجہ ہے؟ حاصلِ کلام کیا ہوا؟ کہ تمیز کی جو پہلی قسم ہے اس کے اندر عامل وہ اسمِ تام ہے تو وہاں تو بالاتفاق تمیز کو اس اسمِ تام پر مقدم نہیں کر سکتے، اور تمیز کی دوسری قسم کے اندر امام مازنی اور امام مبرد فرماتے ہیں کہ تمیز کو اپنے عامل فعل پر مقدم کر سکتے ہیں جبکہ جمہور فرماتے ہیں کہ نہیں تمیز کی دوسری قسم کو بھی اپنے عامل پر مقدم نہیں کر سکتے۔ یہاں تک بات سمجھ میں آگئی۔ اب آئیے اس سارے کو شرح کے

ساتھ دیکھیں۔

کہتے ہیں: وَلَا يَتَقَدَّمُ التَّمْيِيزُ عَلَى عَامِلِهِ اور تمیز جو ہے اپنے عامل پر مقدم نہیں ہو سکتی، إِذَا كَانَ اسْمًا تَامًّا جب اس کا عامل کیا ہو؟ اسمِ تام ہو، تو اس وقت تمیز اپنے عامل پر مقدم نہیں ہو سکتی بِالِاتِّفَاقِ یعنی یہ بالاتفاق ہے۔ فَلَا يُقَالُ تو لہٰذا یوں نہیں کہا جا سکتا عِنْدِي دِرْهَمًا عِشْرُونَ، دیکھو یہ دِرْهَمًا کو عِشْرُونَ پر مقدم کر دیا گیا، اصل میں تو کیا ہے عِنْدِي عِشْرُونَ دِرْهَمًا، لیکن اس دِرْهَمًا کو عِشْرُونَ پر مقدم نہیں کیا جا سکتا۔ تو کہتے ہیں فَلَا يُقَالُ تو یوں نہیں کہا جا سکتا عِنْدِي دِرْهَمًا عِشْرُونَ وَلَا زَيْتًا رِطْلٌ اور یوں بھی نہیں کہا جا سکتا کہ زَيْتًا کو کیا کر دیا جائے؟ رِطْلٌ پر مقدم کر دیا جائے۔ لِأَنَّ عَامِلَهُ حِينَئِذٍ اس لیے کیونکہ اس تمیز کا عامل جو ہے اس وقت یعنی جب وہ اسمِ تام ہے، تو لِأَنَّ عَامِلَهُ حِينَئِذٍ اس لیے کیونکہ اس تمیز کا عامل جو ہے اس وقت اسْمٌ جَامِدٌ ضَعِيفُ الْعَمَلِ مُشَابِهٌ لِلْفِعْلِ مُشَابَهَةً ضَعِيفَةً۔

دیکھو اسْمٌ یہ ہے موصوف، جَامِدٌ اس کی صفتِ اول ہے، ضَعِيفُ الْعَمَلِ یہ اس کی صفتِ ثانی ہے، توجہ ہے؟ اسم نکرہ ہے اور جَامِدٌ یہ اس کی صفتِ اول، ضَعِيفُ الْعَمَلِ یہ اس کی صفتِ ثانی، اور مُشَابِهٌ لِلْفِعْلِ مُشَابَهَةً ضَعِيفَةً یہ اس کی صفتِ ثالث ہے بھئی۔ یہاں آپ کے ذہنوں میں اشکال آئے گا کہ ضَعِيفُ الْعَمَلِ یہ تو مضاف مضاف الیہ ہیں، اور ضعیف کی اضافت ہو رہی ہے الْعَمَل جو کہ معرفہ ہے اس پر الف لام ہے، اور جب کسی لفظ کی اضافت معرفہ کی طرف ہو جائے تو وہ بھی کیا بن جاتا ہے؟ معرفہ۔ تو یہ ضعیف کا لفظ تو اس وقت معرفہ ہے تو یہ اسم نکرہ کی صفت کیسے بن سکتا ہے؟ تو میں نے آپ کو بتلایا تھا کہ بھئی ایک ہے اضافتِ لفظی، ایک ہے اضافتِ معنوی۔ اضافتِ لفظی کسے کہتے ہیں؟ کہ صیغہ صفت کا ہو اور مضاف ہو اپنے معمول کی طرف تو یہ اضافتِ لفظی ہے اور یہ تعریف اور تخصیص کا فائدہ نہیں دیتی۔ تو یہاں پر بھی دیکھو ضَعِيفُ صفتِ مشبہ ہے، اور الْعَمَل ضعیف ہے بھئی، کیا ضعیف ہے؟ الْعَمَلُ اس کا عمل ضعیف ہے، یہ فاعل ہے اس کا، تو فاعل کی طرف اضافت ہو گئی۔ تو صیغہ صفت کا ہے اور مضاف ہے اپنے معمول کی طرف تو یہ اضافتِ لفظی ہے، لہٰذا یہ نکرہ ہی ہے بھئی معنی کے اعتبار سے۔ تو یہ لفظوں کے اعتبار سے بھی نکرہ اور معنی کے اعتبار سے بھی نکرہ ہے بھئی۔

تو کہتے ہیں: لِأَنَّ عَامِلَهُ حِينَئِذٍ اس لیے کیونکہ تمیز کا عامل اس وقت جو ہے اسْمٌ جَامِدٌ ضَعِيفُ الْعَمَلِ ایسا اسمِ جامد ہے، جب تمیز کس سے آئے؟ مفرد سے، تو تمیز کا عامل ایسا اسمِ جامد ہے ضَعِيفُ الْعَمَلِ جو کہ ضعیف ہے اپنے عمل میں، مُشَابِهٌ لِلْفِعْلِ اور وہ اسمِ جامد فعل کے مشابہ ہے، مُشَابَهَةً ضَعِيفَةً اور یہ مشابہت بھی کیسی ہے فعل کے ساتھ؟ بڑی ضعیف مشابہت ہے، كَمَا ذَكَرْنَا جیسے کہ ہم نے ذکر کر دیا تھا پیچھے کہ کیسے اس کی مشابہت ہے فعل کے ساتھ۔ عبارت سمجھ میں آ گئی؟ تو عامل ضعیف ہے فَلَا يَقْوَى، قَوِيَ يَقْوَى کا معنی طاقت رکھنا، فَلَا يَقْوَى تو لہٰذا یہ اسمِ جامد طاقت نہیں رکھتا أَنْ يَعْمَلَ

فِيمَا قَبْلَهُ کہ یہ اپنے سے ماقبل میں عمل کرے۔ یہ اپنے سے ماقبل میں عمل نہیں کر سکتا، لہٰذا تمیز کو اس پر مقدم نہیں کر سکتے۔

آگے دیکھیے بھئی، کہتے ہیں: وَالْأَصَحُّ أَيْ أَصَحُّ الْمَذَاهِبِ أَنْ لَا يَتَقَدَّمَ التَّمْيِيزُ عَلَى مَا هُوَ عَامِلٌ فِيهِ مِنَ الْفِعْلِ۔ وَالْأَصَحُّ أَيْ أَصَحُّ الْمَذَاهِبِ اور مذاہب میں سے زیادہ صحیح مذہب یہ ہے کہ أَنْ لَا يَتَقَدَّمَ التَّمْيِيزُ کہ تمیز مقدم نہیں ہو سکتی عَلَى مَا هُوَ عَامِلٌ فِيهِ اس چیز پر جو اس کے اندر عامل ہو مِنَ الْفِعْلِ یعنی کہ فعل۔ توجہ ہے؟ بھئی امام مازنی اور امام مبرد اور اسی طرح امام کسائی کا مذہب یہ ہے کہ تمیز کی قسمِ ثانی جس کے اندر عامل فعل یا شبہِ فعل ہوتا ہے وہ فعل پر مقدم ہو سکتی ہے، لیکن صاحبِ کافیہ بتلا رہے ہیں کہ زیادہ صحیح مذہب یہ ہے کہ تمیز کی وہ قسم بھی اپنے عامل فعل پر مقدم نہیں ہو سکتی بھئی۔ تو کہتے ہیں: وَالْأَصَحُّ أَيْ أَصَحُّ الْمَذَاهِبِ أَنْ لَا يَتَقَدَّمَ التَّمْيِيزُ عَلَى مَا هُوَ عَامِلٌ فِيهِ مِنَ الْفِعْلِ۔

مِنْ حَيْثُ الْمَعْنَى معنی کے اعتبار سے فَاعِلًا وہ فاعل ہے لِلْفِعْلِ نَفْسِهِ بعینہٖ اسی فعل کے لیے۔ یہ نَفْسِهِ تاکید ہے لِلْفِعْلِ کے لیے۔ یہ جو الْفِعْل آیا اس کے لیے یہ تاکید اور مؤکد تاکید کا اعراب ایک ہوتا ہے، تو لِلْفِعْلِ یہ مجرور ہے اس پر لام جارہ داخل ہے، تو اس کی تاکید نَفْسِهِ جو ہے یہ بھی مجرور ہے۔ تو لِلْفِعْلِ نَفْسِهِ کا کیا معنی؟ بعینہٖ وہی فعل۔ مثلاً میں کہتا ہوں جَاءَنِي زَيْدٌ نَفْسُهُ میرے پاس زید خود آیا، میرے پاس زید خود آیا، تو یہاں یہ اسی معنی میں ہے۔

کہتے ہیں لِكَوْنِهِ مِنْ حَيْثُ الْمَعْنَى فَاعِلًا لِلْفِعْلِ نَفْسِهِ اس لیے کیونکہ یہ تمیز جو ہے معنی کے اعتبار سے فاعل ہوتی ہے لِلْفِعْلِ نَفْسِهِ خود اسی فعل کے لیے، بعینہٖ اسی فعل کے لیے، نَحْوُ طَابَ زَيْدٌ أَبًا۔ طَابَ زَيْدٌ أَبًا، اس أَبًا کے اندر احتمال ہے یہ تمیز ہو سکتی ہے منتصب عنہ یعنی زید سے بھی اور متعلقِ منتصب عنہ یعنی زید کے باپ سے بھی، تو یہاں اس کو زید کے باپ سے تمیز بنا دیا أَيْ طَابَ أَبُوهُ أَيْ طَابَ أَبُو زَيْدٍ زید کا باپ اچھا ہے بھئی۔ تو دیکھو یہ فاعل کے معنی میں ہے۔ طَابَ أَبُوهُ یہ أَبًا تمیز تھی اس کو کیا بنا دیا؟ فاعل، اور خود اسی طَابَ فعل کے لیے فاعل بنایا فعل کو نہیں بدلنا پڑا بھئی۔ بات سمجھ میں آ گئی۔

تو کہتے ہیں نَحْوُ طَابَ زَيْدٌ أَبًا أَيْ طَابَ أَبُوهُ أَوْ فَاعِلًا لَهُ إِذَا جَعَلْتَهُ لَازِمًا یا وہ تمیز اس فعل کے لیے فاعل ہوگی إِذَا جَعَلْتَهُ لَازِمًا جب آپ اس فعل کو لازم بنا دیں، نَحْوُ فَجَّرْنَا الْأَرْضَ عُيُونًا۔ اب یہ عُيُونًا یہ تو تمیز محول عن المفعول ہے لیکن اس فَجَّرْنَا فعلِ متعدی کو کیا بنا دیں؟ فعلِ لازم، تو پھر یہ اس کے لیے فاعل بن سکتی ہے۔ دیکھو آگے فرماتے ہیں أَيِ انْفَجَرَتْ عُيُونُهَا۔ عُيُونُهَا کی هَا ضمیر الْأَرْض کو راجع ہے، چونکہ ایک دفعہ الْأَرْض کا ذکر آ گیا تھا اس لیے دوبارہ اس کو ذکر نہیں کیا۔ أَيِ انْفَجَرَتْ عُيُونُهَا زمین کے چشمے جو ہیں وہ بہہ پڑے۔

أَوْ إِذَا جَعَلْتَهُ مُتَعَدِّيًا یا جب آپ اس فعل کو متعدی بنا دیں، نَحْوُ مثال کے طور پر امْتَلَأَ الْإِنَاءُ مَاءً وہ برتن بھر گیا مَاءً باعتبار پانی کے، أَيْ مَلَأَهُ الْمَاءُ۔ أَيْ دیکھو امْتَلَأَ فعلِ لازم تھا، اور مَلَأَ مجرد میں لے گئے تو وہ فعلِ متعدی ہے۔ مَلَأَهُ یہ هُ ضمیر

راجع ہے الْإِنَاء کو، مَلَأَ الْإِنَاءَ بھر دیا اس برتن کو الْمَاءُ اس پانی نے۔ تو دیکھو فعل کو متعدی بنایا تو الْمَاءُ اس کے لیے فاعل بن گیا۔

وَالْفَاعِلُ لَا يَتَقَدَّمُ عَلَى الْفِعْلِ اور فاعل جو ہے وہ مقدم نہیں ہو سکتا فعل پر، یعنی فاعلِ لفظی جو ہے وہ فعل پر مقدم نہیں ہو سکتا، فَكَذَا مَا هُوَ بِمَعْنَى الْفَاعِلِ تو اسی طرح وہ چیز بھی ہے جو فاعل کے معنی میں ہو۔ جیسے فاعلِ لفظی فعل پر کبھی مقدم نہیں ہو سکتا تو جو چیز فاعل کے معنی میں ہوگی یعنی تمیز جو ہے وہ بھی فعل پر مقدم نہیں ہو سکتی۔ تو کہتے ہیں وَالْفَاعِلُ لَا يَتَقَدَّمُ عَلَى الْفِعْلِ اور فاعل جو ہے وہ فعل پر مقدم نہیں ہو سکتا فَكَذَا مَا هُوَ بِمَعْنَى الْفَاعِلِ تو اسی طرح وہ چیز بھی جو فاعل کے معنی میں ہو یعنی تمیز جو ہے وہ بھی فعل پر مقدم نہیں ہو سکتی۔

وَهَاهُنَا بَحْثٌ اور یہاں پر بحث ہے، وَهُوَ أَنَّ الْمَاءَ فِي قَوْلِهِمْ، جی۔ صاحبِ جامی بتلائیں گے آپ کو۔ انہوں نے کیا کہا کہ تمیز کیا ہے؟ فاعلِ معنوی ہے، یعنی اگر آپ اس کو فاعل بنائیں تو کبھی وہ اسی فعل کے لیے فاعل بن جائے گی، کبھی وہ اس فعل کے لیے فاعل نہ بن سکے تو فعل کو کیا بنا دو؟ لازم بنا دو اگر وہ فعل پہلے سے متعدی ہے، تو پھر اس کو فعلِ لازم بنا دو اب یہ فاعل بن سکے گی۔ اور اگر وہ فعل پہلے سے لازم ہے تو پھر اس کو متعدی بنا دو تو تمیز اس کے لیے فاعل بن سکے گی۔ اب صاحبِ جامی یہاں کہیں گے کہ بھئی یہ جو آپ نے کہا نا کہ اگر فعل لازم ہو تو اس کو متعدی بنا دو، کہتے ہیں متعدی بنانے کی کوئی حاجت نہیں۔ متعدی بنانے کی کوئی حاجت نہیں ہے بلکہ اس کے بغیر ہی یہ اس کے لیے فاعل بن سکتا ہے۔ جیسے امْتَلَأَ الْإِنَاءُ مَاءً، یہ امْتَلَأَ فعلِ لازم تھا، اس کو پھر کس معنی میں کرنا پڑا؟ ہم الْمَاء کو فاعل بنانا چاہتے ہیں تو امْتَلَأَ کو کس معنی میں کرنا پڑا؟ مَلَأَ کے معنی میں یعنی اس کو متعدی بنانا پڑا۔ صاحبِ جامی فرمائیں گے کہ نہیں فعل کو متعدی بنانے کی کوئی حاجت نہیں، اس کے بغیر ہی آپ اس کو فاعل بنا سکتے ہیں۔ کس طرح؟ دیکھو، دیکھو اس سے پہلے ایک دو قیمتی باتیں سمجھ لیں بھئی۔

یاد رکھو آپ نے پڑھا ہے: ایک ہے حقیقت، ایک ہے مجاز۔ ایک لفظ جو ہے اس کو اپنے معنی موضوع لہ میں استعمال کیا جائے تو یہ ہے حقیقت، اور ایک لفظ کو معنی غیرِ موضوع لہ میں استعمال کیا جائے تو یہ ہے مجاز۔ مثلاً شیر کا لفظ، شیر کا لفظ ایک جنگلی درندے کے لیے وضع ہے، تو شیر کا لفظ بول کر اگر اس جنگلی درندے کا ارادہ کیا جائے یعنی وہی معنی جس کے لیے اس کو وضع کیا گیا ہے تو یہ ہے حقیقت۔ مثلاً میں کہتا ہوں میں کل چڑیا گھر گیا تھا وہاں میں نے شیر دیکھا، تو دیکھو اس شیر سے کیا مراد ہے؟ جنگلی درندہ۔ تو کہیں گے یہ لفظِ شیر حقیقت ہے۔ یہ لفظِ شیر حقیقت ہے، کیا معنی حقیقت ہے؟ یہ اپنے معنی موضوع لہ میں استعمال ہو رہا ہے۔ اور اگر اس شیر سے میں بہادر آدمی کا ارادہ کروں تو بہادر آدمی کے لیے تو یہ لفظ وضع نہیں، تو یہ لفظ استعمال ہوگا غیرِ موضوع لہ میں۔ مثلاً ایک شخص کمرے میں آیا اور میں نے کہا شیر آگیا، آپ سمجھ گئے شیر کا یہاں کیا معنی ہے؟ بہادر آدمی ہے، کیونکہ حالت دلالت کر رہی ہے کیونکہ یہاں تو کوئی جنگلی درندہ نہیں آیا بھئی۔

تو یہاں میں نے کہا شیر آگیا، شیر سے کیا مراد ہے؟ بہادر آدمی، اور شیر کا لفظ بہادر آدمی کے لیے تو وضع نہیں، تو یہ شیر کا لفظ میں نے استعمال کر لیا معنی غیرِ موضوع لہ میں، اور اس کو مجاز کہتے ہیں، کیا کہتے ہیں؟ مجاز کہتے ہیں۔ تو حقیقت اور مجاز سمجھ میں آگیا؟ لفظ اپنے معنی موضوع لہ میں استعمال ہو تو وہ ہے حقیقت، اور غیرِ موضوع لہ میں استعمال ہو تو وہ ہے مجاز۔

اب مجھے بتائیے میں ایک لفظ بولوں گا، آپ نے مجھے بتانا ہے یہ حقیقت ہے یا مجاز: شیر، جی شیر، یہ حقیقت ہے یا مجاز؟ جی ہاں! یاد رکھو بھئی یہ حقیقت اور مجاز استعمال کے اعتبار سے ہے، کس اعتبار سے؟ استعمال۔ تو میں نے کہا شیر اور آپ سے پوچھا یہ حقیقت ہے یا مجاز؟ تو آپ مجھے کہیں کہ بھئی آپ اس کو کسی جملے میں استعمال کریں پھر ہمیں پتہ چلے گا، استعمال سے پہلے اس کا پتہ نہیں چل سکتا۔ تو یہ حقیقت اور مجاز کس اعتبار سے ہیں؟ استعمال کے اعتبار سے۔ اب جب میں جملے میں استعمال کروں گا مثلاً میں کل جنگل گیا تھا وہاں میں نے ایک شیر دیکھا، اب آپ کو پتہ چل گیا کہ یہ ہے حقیقت۔ اور دوسرا میں آپ سے کہتا ہوں میں نے کل ایک شیر کو تیر چلاتے ہوئے دیکھا، اب آپ کو پتہ چل گیا کہ شیر سے کیا مراد ہے؟ بہادر آدمی، یہ مجاز ہے کیونکہ جنگلی درندہ تو تیر نہیں چلا سکتا بھئی۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو یہ حقیقت اور مجاز کا پتہ کس سے چلتا ہے؟ استعمال سے، یہ استعمال کے اعتبار سے قسمیں ہیں۔

اور یاد رکھو یہ جو مجاز ہے اس کو مجازِ لغوی کہتے ہیں، کیا کہتے ہیں؟ مجازِ لغوی۔ لغت زبان کو کہتے ہیں، یعنی یہ زبان کے اعتبار سے مجاز ہے۔ اردو زبان میں تو شیر جنگلی درندے کے لیے وضع ہے بہادر آدمی کے لیے نہیں وضع، لیکن میں بہادر آدمی کے لیے استعمال کر رہا ہوں تو اس کو کیا کہیں گے؟ مجازِ لغوی، یعنی اردو زبان کے اعتبار سے یہ مجاز ہے۔ بات سمجھ میں آگئی۔ تو لفظ کو اپنے معنی غیرِ موضوع لہ میں استعمال کیا جائے تو اس کو مجازِ لغوی کہتے ہیں۔

یاد رکھو اسی طرح ایک مجازِ عقلی بھی ہے بھئی۔ بلاغت کے اندر آپ پڑھیں گے بھئی علمِ بلاغت کے اندر کہ اسناد کبھی وہ حقیقتِ عقلیہ ہوگی اور کبھی مجازِ عقلی ہوگا۔ اسناد آپ جانتے ہیں فعل یا شبہِ فعل کا اسناد کیا جاتا ہے اپنے فاعل یا نائبِ فاعل کی طرف۔ تو فعل کا اسناد اگر فاعل کی طرف کیا جائے تو یہ ہے حقیقت، اور فعل کا اسناد جو ہے غیرِ فاعل کی طرف کیا جائے تو یہ ہے مجاز۔ لیکن اس کو مجازِ عقلی کہیں گے۔ وہ کیا تھا پہلے؟ حقیقتِ لغویہ اور مجازِ لغوی تھا، اور یہ کیا ہے؟ یہ حقیقتِ عقلیہ، یہاں عقل کی قید لگائیں: یہ حقیقتِ عقلیہ ہے یا مجازِ عقلی ہے۔ تو فعل دیکھو فعل کا اسناد فاعل کی طرف ہونا چاہیے، آپ فعل کا اسناد کریں بھی فاعل کی طرف تو یہ حقیقتِ عقلیہ ہے، اور اگر آپ فعل کا اسناد فاعل کے بجائے کسی اور چیز کی طرف کر دیں تو یہ مجازِ عقلی ہے۔ مثلاً دیکھو بھئی زید نے عمرو کی پٹائی کی ہے، تو ضارب کون ہوا؟ زید۔ میں آپ سے کہتا ہوں ضَرَبَ زَيْدٌ، ضَرَبَ فعل لایا اور فاعل کس کو بنایا؟ زید کو، اور پٹائی بھی کس نے کی ہے؟ زید نے ہی کی ہے، تو یہ فعل کا اسناد میں نے اپنے فاعل کی طرف کر دیا، جو اس کا فاعل تھا اسی کی طرف میں نے اسناد کر دیا ضَرَبَ زَيْدٌ۔ پٹائی کس نے کی؟ زید نے، اور میں نے ضَرَبَ کا اسناد بھی کس کی طرف کر دیا؟ زید کی طرف، تو یہ ہے حقیقتِ عقلیہ: فعل کا

اسناد اپنے فاعل کی طرف کر دیا جائے، فعل ہو یا شبہِ فعل ہو۔

اور کبھی کبھار غیرِ فاعل کی طرف اسناد کر دیا جاتا ہے۔ مثلاً آپ بھی کہتے ہیں نہر بہہ رہی ہے، نہر بہہ رہی ہے۔ بھئی نہر بہتی ہے یا نہر کے اندر پانی بہتا ہے؟ پانی بہتا ہے۔ تو بہنے کی نسبت پانی کی طرف ہونی چاہیے تھی لیکن آپ نے نہر کی طرف کر دی، یہ ہے مجازِ عقلی۔ یہ ہے مجازِ عقلی، اور کیوں آپ نے نسبت کی؟ کیونکہ نہر اس پانی کے بہنے کی جگہ ہے اس کا مکان ہے، تو کبھی کبھار مکان کی طرف نسبت کی جاتی ہے۔ یا اسی طرح آپ کہتے ہیں بادشاہ نے شہر تعمیر کر دیا، بادشاہ نے شہر تعمیر کر دیا۔ بھئی شہر کو بادشاہ تعمیر کرتا ہے یا مزدور تعمیر کرتے ہیں؟ مزدور تعمیر کرتے ہیں، تو تعمیر کرنے کے فعل کی نسبت مزدوروں کی طرف ہونی چاہیے تھی لیکن آپ نے بادشاہ کی طرف کر دی، تو یہ کیا ہے؟ مجازِ عقلی ہے۔ یہ اسناد ما ہُوَ لہ کی طرف ہے یا غیرِ ما ہُوَ لہ کی طرف ہے؟ غیرِ ما ہُوَ لہ کی طرف، یعنی جس کی طرف ہونا چاہیے تھا اس کی طرف اسناد نہیں ہے، تو اس کو مجازِ عقلی کہتے ہیں۔ اور بادشاہ کی طرف کیوں نسبت کی؟ کیونکہ بادشاہ سبب بنا ہے اس کے حکم سے شہر کو تعمیر کیا گیا ہے، تو یہاں سبب کی طرف نسبت کر دی۔

اسی طرح کبھی زمانے کی طرف نسبت کر دی جاتی ہے، جیسے آپ کہتے ہیں بہار نے سبزہ اگا دیا، بہار نے سبزہ اگا دیا۔ بھئی سبزہ تو اللہ تعالیٰ نے اگایا ہے لیکن آپ نے اگانے کی نسبت کس کی طرف کر دی؟ موسمِ بہار کی طرف کر دی کیونکہ وہ اس کا زمانہ ہے اس زمانے میں سبزہ اگا ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو کبھی کبھار فعل کا اسناد کس کی طرف ہوتا ہے؟ اسناد ہوتا ہے فاعل کی طرف ہی، اور کبھی اسناد ہوتا ہے غیرِ فاعل کی طرف یعنی زمانے یا مکان یا سبب وغیرہ کی طرف، اس کو کہتے ہیں مجازِ عقلی، اس کو کیا کہتے ہیں؟ مجازِ عقلی کہتے ہیں۔ یہ آپ بھی استعمال کرتے ہیں اردو کلام میں بھی استعمال ہوتا ہے، مثلاً آپ کہتے ہیں کہ علم کی محبت مجھے درس میں لے آئی، علم کی محبت مجھے درس میں لے آئی۔ اب بھئی علم کی محبت تو آپ کو درس میں نہیں لا سکتی، آئے تو آپ خود ہیں لیکن آپ نے یہ لانے کی نسبت کس کی طرف کر دی؟ علم کی محبت کی طرف نسبت کر دی تو یہ مجازِ عقلی ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ علم کی محبت آپ کو اٹھا کر نہیں لا سکتی درس میں، آئے آپ خود ہیں لیکن آپ نے نسبت کس کی طرف کر دی؟ علم کی محبت کی طرف۔ بات سمجھ میں آگئی؟ یا اسی طرح آپ کہتے ہیں بادشاہ نے لشکر کو شکست دے دی، بھئی بادشاہ نے لشکر کو شکست دی ہے یا اس کی فوج نے شکست دی ہے؟ فوج نے شکست دی ہے، لیکن آپ نے شکست دینے کی نسبت کس کی طرف کر دی؟ بادشاہ کی طرف کر دی۔ تو اس کو کہتے ہیں مجازِ عقلی: فعل یا شبہِ فعل کا اسناد اپنے فاعل کی طرف کیا جائے اپنے فاعل یا نائبِ فاعل کی طرف کیا جائے تو یہ ہے حقیقتِ عقلیہ، اور اگر اس کا اسناد غیرِ فاعل کی طرف کیا جائے زمانے یا مکان یا سبب وغیرہ کی طرف تو اس کو مجازِ عقلی کہتے ہیں۔ بات سمجھ میں آگئی۔

اور یہ مجازِ عقلی یہ کلامِ عرب میں عام استعمال ہوتا ہے، قرآن میں بھی آپ کو جگہ جگہ یہ ملے گا۔ مثلاً قرآن میں ہے: فَمَا رَبِحَتْ تِجَارَتُهُمْ، مَا حرفِ نفی ہے، رَبِحَ یَرْبَحُ کے معنی ہیں نفع کمانا۔ فَمَا رَبِحَتْ نہیں نفع کمایا تِجَارَتُهُمْ ان کی تجارت نے۔ ان کی تجارت نے نفع نہیں کمایا، بھئی تجارت نفع کماتی ہے یا تجارت کرنے والے نفع کماتے ہیں؟ تجارت کرنے والے نفع کماتے ہیں، تو یہاں نفع کی نسبت کس کی طرف کر دی؟ تجارت کی طرف کر دی گئی، یہ مجازِ عقلی ہے۔ تو ایک مجازِ لغوی ہے، ایک مجازِ عقلی ہے۔ مجازِ لغوی کسے کہتے ہیں؟ لفظ کو معنی غیرِ موضوع لہ میں استعمال کرنا۔ اور مجازِ عقلی کسے کہتے ہیں؟ کہ فعل یا شبہِ فعل کا اسناد غیرِ فاعل یا نائبِ فاعل کی طرف کر دینا، سبب کی طرف یا مکان کی طرف یا زمانے کی طرف، یہ ہے مجازِ عقلی۔ بات سمجھ میں آگئی۔

صاحبِ جامی آپ کو بتلائیں گے۔ بات یہ چل رہی تھی کہ امْتَلَأَ الْإِنَاءُ مَاءً، امْتَلَأَ الْإِنَاءُ مَاءً، اس مَاءً کو فاعل بنانے کے لیے امْتَلَأَ فعلِ لازم سے فعلِ متعدی بنانا پڑا، بات سمجھ میں آگئی؟ صاحبِ جامی فرمائیں گے کہ نہیں بھئی اس کو کوئی فعلِ متعدی بنانے کی حاجت نہیں ہے، بلکہ اسی امْتَلَأَ کا اسناد کر دو پانی کی طرف۔ دیکھو غور سے سنو بھئی: امْتَلَأَ الْإِنَاءُ بھر گیا، کیا بھرا ہے؟ الْإِنَاءُ وہ برتن۔ بھرا کون ہے؟ برتن، تو یہ الْإِنَاءُ اس کا فاعلِ حقیقی ہے، حقیقت میں برتن ہی بھر رہا ہے، حقیقت میں برتن ہی بھر رہا ہے۔ لیکن صاحبِ جامی فرمائیں گے کہ آپ اسی امْتَلَأَ کی نسبت کس کی طرف کر دو؟ پانی کی طرف کر دو، کس کی طرف کر دو؟ اور مجھے بتائیے پانی بھرا ہے یا وہ برتن بھرا ہے؟ تو جب آپ پانی کی طرف نسبت کریں گے تو یہ فاعلِ حقیقی کی طرف نسبت کی یا غیر کی طرف نسبت کی؟

غیر کی طرف نسبت کی۔ حقیقت میں تو کون بھرا ہے؟ برتن بھرا ہے، وہ فاعلِ حقیقی ہے، لیکن آپ نسبت کس کی طرف کر دیں؟ پانی کی طرف کر دیں، یہ امْتَلَأَ کی نسبت آپ پانی کی طرف کر دیں تو یہ مجازِ عقلی ہو جائے گا، فعل کا اسناد غیرِ ما ہُوَ لہ کی طرف ہو جائے گا یعنی غیرِ فاعل کی طرف ہو جائے گا۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو صاحبِ جامی آپ کو بتلائیں گے کہ یہاں پر تمییز کو فاعل بنانے کے لیے فعلِ لازم کو فعلِ متعدی بنانے کی کوئی حاجت نہیں ہے، اسی فعلِ لازم کا اسناد آپ کس کی طرف کر دیں؟ اس تمییز کی طرف کر دیں اور اس کو فاعلِ مجازی بنا دیں۔ اور فاعلِ مجازی تو ہو سکتا ہے ابھی مثالیں گزریں: نہر بہہ رہی ہے دیکھو بہنے کی نسبت نہر کی طرف کر دی گئی، اسی طرح بادشاہ نے شہر تعمیر کیا تعمیر کرنے کی نسبت بادشاہ کی طرف کر دی، اور اسی طرح جو ہے بہار نے سبزہ اگایا سبزہ اگانے کی نسبت بہار کی طرف کر دی گئی، تو غیرِ فاعل کی طرف تو نسبت ہوتی رہتی ہے اور اس کو کیا کہتے ہیں؟ مجازِ عقلی۔ تو یہاں پر بھی امتلا کی نسبت کس کی طرف کر دی جائے؟ پانی کی طرف کر دی جائے اور اس کو فاعلِ مجازی بنا دیں بھئی۔ لہٰذا امْتَلَأَ کو مَلَأَ کے معنی میں لینے کی کوئی حاجت نہیں بلکہ اسی امْتَلَأَ کے لیے پانی کو کیا بنا دو؟ فاعل بنا دو۔ اب اگرچہ یہ فاعلِ حقیقی تو نہیں لیکن فاعلِ مجازی تو یہ بن سکتا ہے، کیونکہ یہ برتن کو بھرنے والا ہے بھئی، یہ برتن کو بھرنے والا ہے یعنی برتن اس کے لیے ظرف ہے اور یہ اس کے لیے مظروف ہے۔ تو جیسے مکان کی طرف نسبت ہوتی ہے، سبب کی طرف نسبت ہوتی ہے، زمانے کی طرف نسبت ہوتی

ہے، تو مظروف کی طرف یہاں نسبت کر دیں گے۔ بات سمجھ میں آگئی۔

دیکھیے بھئی کتاب پر۔ کہتے ہیں وَهَاهُنَا بَحْثٌ اور یہاں پر بحث ہے، یعنی یہ جو فعل کو متعدی بناتے ہوئے تمیز کو جو فاعل بنایا گیا اس میں بحث ہے۔ تو کہتے ہیں وَهَاهُنَا بَحْثٌ اور یہاں پر بحث ہے، وَهُوَ أَنَّ الْمَاءَ فِي قَوْلِهِمْ اور وہ یہ کہ ماء کا لفظ جو ہے عربوں کے اس قول کے اندر امْتَلَأَ الْإِنَاءُ مَاءً یہ جو مَاءً ہے، یہ مِنْ حَيْثُ الْمَعْنَى فَاعِلٌ یہ معنی کے اعتبار سے فاعل ہے، کون سا فاعل؟ فاعلِ مجازی۔ یہ معنی کے اعتبار سے فاعل ہے یعنی فاعلِ مجازی ہے لِلْفِعْلِ الْمَذْكُورِ کس کے لیے؟ اسی مذکورہ فعل کے لیے۔ بھئی اسی مذکورہ فعل کے لیے تو ماء جو ہے یہ فاعلِ حقیقی نہیں بن سکتا البتہ فاعلِ مجازی بن سکتا ہے۔ تو کہتے ہیں مِنْ حَيْثُ الْمَعْنَى فَاعِلٌ لِلْفِعْلِ الْمَذْكُورِ یہ ماء کا لفظ جو ہے یہ اس فعلِ مذکور کے لیے فاعل ہے یعنی فاعلِ مجازی ہے مِنْ غَيْرِ حَاجَةٍ إِلَى جَعْلِهِ مُتَعَدِّيًا بغیر اس حاجت کے کہ اس فعل کو متعدی بنایا جائے۔

لِأَنَّ الْمُتَكَلِّمَ لَمَّا... ہاں جی اب بتائیں گے وجہ بتائیں گے۔ دیکھو ادھر سنو۔ کہتے ہیں امْتَلَأَ الْإِنَاءُ مَاءً، اس کے اندر مَاءً تمیز ہے، لیکن کہنے والے نے جب یہ جملہ کہنے کا ارادہ کیا تو اس نے امْتَلَأَ کی نسبت مجازاً... تو اس نے امْتَلَأَ کی نسبت برتن کے متعلق کی طرف کر دی۔ کیا کہا؟ امْتَلَأَ الْإِنَاءُ أَيِ امْتَلَأَ شَيْءٌ مَنْسُوبٌ إِلَى الْإِنَاءِ کہ ایک چیز وہ بھر گئی جس کی نسبت کس کی طرف ہے؟ برتن کی طرف ہے۔ اور دیکھو وہ جو پانی ہے جس نے برتن کو بھرا ہے وہ اس برتن کا متعلق ہے کیونکہ برتن ظرف ہے اور وہ مظروف ہے، یا وہ برتن محل ہے اور وہ پانی حال ہے۔ وہ برتن کیا ہے؟ محل۔ حَلَّ يَحُلُّ حُلُولًا، حَلَّ يَحُلُّ حُلُولًا یا حَلَّ يَحِلُّ حُلُولًا اس کا معنی ہوتا ہے ایک چیز کا دوسری چیز میں قیام کرنا، ایک چیز کا دوسری چیز کے اندر آنا اس کے اندر حلول کرنا۔ تو وہ پانی کیا ہوا؟ حَالٌّ لام مشدد ہے، یہ لام مشدد ہے، وہ پانی کیا ہوا؟ حَالٌّ وہ حلول کرنے والا ہے، اور وہ برتن کیا ہوا؟ محل ہوا جس کے اندر اس پانی نے حلول کیا یعنی اس کے اندر پانی آگیا ہے۔ تو برتن کیا ہے؟ محل ہے، یا یوں کہو ظرف ہے، جو بھی آپ کہہ دیں وہ برتن ظرف ہے یا وہ برتن محل ہے، اور وہ پانی کیا ہے؟ مظروف ہے یا وہ حال ہے۔ تو دونوں میں نسبت آگئی: ایک ظرف ہے دوسرا مظروف ہے، یا ایک محل ہے دوسرا حال ہے۔ تو کبھی کس کی طرف نسبت کرتے ہیں فاعلِ مجازی کے اندر؟ مکان کی طرف، کبھی زمانے کی طرف، کبھی سبب کی طرف، تو مظروف اور حال کی طرف یہاں نسبت کر دیں گے۔

تو کہنے والے نے کیا ارادہ کیا؟ امْتَلَأَ الْإِنَاءُ، امْتَلَأَ الْإِنَاءُ یہ کس معنی میں ہے؟ امْتَلَأَ شَيْءٌ مَنْسُوبٌ إِلَى الْإِنَاءِ۔ تو کہنے والے نے یہ امتلا کی نسبت ایک ایسی چیز کی طرف کی جس کی نسبت کس کی طرف ہو رہی ہے؟ برتن کی طرف، تو ابہام آیا بھئی وہ کیا چیز ہے؟ بھئی وہ کیا چیز ہے؟ اور آگے پھر مَاءً لا کر اس ابہام کو دور کر دیا۔ یوں کہو کہنے والا اصل میں یوں کہنا چاہتا تھا: امْتَلَأَ مَاءُ الْإِنَاءِ، امْتَلَأَ مَاءُ الْإِنَاءِ برتن کا پانی بھر گیا۔ برتن کا پانی بھر گیا، تو پانی کو فاعل بنایا اگرچہ یہ حقیقتاً فاعل نہیں حقیقتاً تو وہ برتن ہے وہ بھرنے والا ہے لیکن یہ جو پانی کو فاعل بنایا یہ کون سا فاعل بنایا؟ حقیقی یا مجازی؟ اس کو فاعلِ مجازی بنا دیا۔

توجہ ہے؟ بھئی اصل میں تو بھرا برتن ہی ہے، اور صاحبِ جامی بتائیں گے کہ امْتَلَأَ الْإِنَاءُ مَاءً اصل میں کیا تھا؟ امْتَلَأَ مَاءُ الْإِنَاءِ۔ تو اشکال ہوتا ہے کہ بھئی پانی تو فاعل نہیں ہے الْإِنَاء فاعل ہے، تو کہتے ہیں بھئی یہ فاعلِ مجازی بنایا ہے بھئی، فاعلِ مجازی بناتے ہیں یا نہیں؟ فعل کا اسناد غیرِ ما ہُوَ لہ کی طرف ہوتا رہتا ہے۔ تو لہٰذا یہاں پر بھی کہنے والے نے ارادہ کیا کہ وہ اس امتلا کی نسبت کرے مَاءُ الْإِنَاء کی طرف، کس کی طرف؟ مَاءُ الْإِنَاء کی طرف کرے، لیکن پھر اس نے ماء کو حذف کر لیا۔ بھئی کیوں حذف کیا؟ بھئی وہی جو میں نے وجہ بتلائی تھی کہ تمیز کیوں لائی جاتی ہے؟ کہ پہلے ایک چیز کو حذف کرتے ہیں تاکہ ابہام پیدا ہو جائے اور نفس میں شوق پیدا ہو جائے کہ یہ کیا چیز ہے اور آگے پھر لا کر ابہام کو دور کر دیا جاتا ہے۔ تو یہاں پر بھی کہنے والے نے کیا ارادہ کیا؟ کہ وہ امتلا کی نسبت کرے ایک چیز کی طرف جس کی نسبت برتن کی طرف ہے، اور اس چیز کو خود ذکر نہیں کیا اس کو یعنی حذف کر دیا، تو کلام کے اندر ابہام پیدا ہوا، تو سننے والے کے ذہن میں شوق پیدا ہوا کہ بھئی یہ کیا چیز ہے؟ برتن کس اعتبار سے بھرا ہے؟ کیا چیز ہے جو برتن کے اندر ہے؟ تو ابہام پیدا ہوا نفس میں شوق پیدا ہوا اور پھر آگے مَاءً لا کر اس ابہام کو دور کر دیا گیا، تو اس سے ذہن میں وہ چیز اچھی طرح جم گئی اور بیٹھ گئی۔

تو حاصلِ کلام کیا ہوا؟ صاحبِ جامی فرماتے ہیں کہ اس امْتَلَأَ الْإِنَاءُ مَاءً اس امْتَلَأَ کو مَلَأَ کے معنی میں لینے کی کوئی حاجت نہیں بلکہ اسی کے لیے آپ ماء کو فاعل بنا دو۔ اگرچہ یہ فاعلِ حقیقی تو اس کے لیے نہیں لیکن فاعلِ مجازی بن سکتا ہے۔ تو کہنے والے نے ارادہ یہ کیا کہ وہ إِنَاء کے کسی متعلق کی طرف اس امتلا کی نسبت کر دے۔ تو وہ گویا امْتَلَأَ مَاءُ الْإِنَاءِ کہنا چاہتا تھا، وہ ماء کو فاعلِ مجازی بنانا چاہتا تھا، لیکن پھر اس نے ماء کو حذف کر دیا، اس سے کلام میں ابہام پیدا ہوا جس سے سننے والے کے دل میں شوق پیدا ہو گیا کہ یہ کیا چیز ہے بھئی جو فاعل ہے اس امتلا کے لیے، پھر آگے وہ تمیز لا کر اس نے اس ابہام کو دور کر دیا۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو لہٰذا امْتَلَأَ کو مَلَأَ کے معنی میں لینے کی کوئی حاجت نہیں، اس ماء کو اسی کے لیے فاعل بنا دو اگرچہ یہ فاعلِ حقیقی تو نہیں لیکن فاعلِ مجازی تو بن سکتا ہے۔ بات سمجھ میں آگئی۔

تو کہتے ہیں: لِأَنَّ الْمُتَكَلِّمَ لَمَّا قَصَدَ اس لیے کیونکہ جب متکلم نے ارادہ کیا، کس چیز کا ارادہ کیا؟ إِسْنَادَ الِامْتِلَاءِ إِلَى بَعْضِ مُتَعَلِّقَاتِ الْإِنَاءِ کہ وہ امتلا فعل کی نسبت کرے إِنَاء یعنی برتن کے بعضِ متعلقات کی طرف، وَلَوْ عَلَى سَبِيلِ التَّجَوُّزِ اگرچہ مجاز کے طریقے پر ہی کیوں نہ ہو۔ تَجَوُّز بمعنی مجاز کے ہے بھئی، دیکھو امتلا کی نسبت وہ ماء کی طرف کرنا چاہتا ہے اور یہ اسناد حقیقی ہے یا مجازی ہے؟ مجازی ہے بھئی حقیقت میں تو برتن بھرا ہے، تو یہ مجازی اسناد کے طریقے پر اس نے چاہا کہ اس کی طرف اسناد کر دے۔ پھر دیکھیے کہتے ہیں: لِأَنَّ الْمُتَكَلِّمَ لَمَّا قَصَدَ إِسْنَادَ الِامْتِلَاءِ إِلَى بَعْضِ مُتَعَلِّقَاتِ الْإِنَاءِ اس لیے کیونکہ متکلم نے جب ارادہ کیا کہ وہ بھرنے کا اسناد کرے إِنَاء کے بعضِ متعلقات کی طرف وَلَوْ عَلَى سَبِيلِ التَّجَوُّزِ اگرچہ وہ مجاز کے طریقے پر ہو، وَقَدَّرَهُ یہ قَدَّرَ کا عطف ہے قَصَدَ پر، جب متکلم نے یہ ارادہ کیا وَقَدَّرَهُ اور پھر اس کو کیا کر دیا؟ مقدر کر

دیا۔ دیکھو نا امْتَلَأَ الْإِنَاءُ یہاں کوئی پانی کا ذکر ہے؟ توجہ سے، مَاءً ابھی تمیز نہیں آئی، امْتَلَأَ الْإِنَاءُ کہنا وہ کیا چاہتا تھا؟ امْتَلَأَ مَاءُ الْإِنَاءِ، توجہ ہے وہ امتلا کا اسناد کس کی طرف کرنا چاہتا تھا؟ پانی کی طرف۔ تو امْتَلَأَ الْإِنَاءُ، وہ پانی تو اس نے ذکر نہیں کیا، پانی کو ذکر نہیں کیا اس کو مقدر کر لیا، جب اس کو مقدر کر لیا تو کلام میں کیا آیا؟ ابہام آیا، آگے پھر مَاءً لا کر اس ابہام کو دور کر دیا۔ معنی سمجھ میں آگیا؟

تو کہتے ہیں جب متکلم نے یہ ارادہ کیا وَقَدَّرَهُ اور پھر اس متعلق کو کیا کر دیا؟ مقدر کر دیا، تو وَقَعَ الْإِبْهَامُ فِيهِ تو اس اسناد کے اندر ابہام واقع ہو گیا۔ جب اس شے کا پتہ نہیں تو اسناد میں بھی کیا آگیا؟ اس نسبت میں بھی کیا آگیا؟ ابہام آگیا۔ تو لَا جَرَمَ مَيَّزَهُ بِقَوْلِهِ مَاءً۔ لَا جَرَمَ لَا جَرَمَ کا معنی ہے یقینی طور پر قطعی طور پر، مَيَّزَهُ مَيَّزَ يُمَيِّزُ تَمْيِيز کا معنی ہے جدا کرنا، اور یہ هُ ضمیر جو ہے نا مَيَّزَهُ کی هُ ضمیر یہ راجع ہے ابہام کو۔ متکلم نے اس اسناد کا ارادہ کیا کہ اسناد کس کی طرف کرے؟ اس برتن کے بعضِ متعلقات کی طرف، اور پھر ان بعضِ متعلقات کو کیا کر لیا؟ حذف کر لیا مقدر کر لیا، تو اس اسناد کے اندر کیا آگیا؟ ابہام آگیا، یا اس بعضِ متعلق میں یوں کہو اس کے اندر کیا آگیا؟ ابہام آگیا، امْتَلَأَ شَيْءٌ مَنْسُوبٌ إِلَى الْإِنَاءِ، تو اس کو صراحتاً ذکر نہیں کیا تو اس بعضِ متعلق میں کیا آگیا؟ ابہام آگیا، تو لَا جَرَمَ مَيَّزَهُ تو یقینی طور پر مَيَّزَهُ اس متکلم نے اس ابہام کو جدا کیا یعنی اس ابہام کو دور کیا بِقَوْلِهِ مَاءً اپنے قول مَاءً کے ذریعے۔

فَهُوَ فِي مَعْنَى تو یہ کلام اسی معنی میں ہے: امْتَلَأَ مَاءُ الْإِنَاءِ برتن کا پانی بھر گیا۔ امْتَلَأَ مَاءُ الْإِنَاءِ۔ بھئی میری کتاب میں ہے امْتَلَأَ مَاءُ الْإِنَاءِ، مَاءُ کو فاعل بنا دیا امتلا کے لیے اور الْإِنَاءَ کو مفعولِ بہ بنا دیا۔ لیکن یہ درست نہیں ہے بھئی، امْتَلَأَ فعلِ لازم ہے یہ مفعول کا تقاضا کرتا ہی نہیں ہے، تو پھر یہ الْإِنَاء کو اس کے لیے مفعول کیسے بنا سکتے ہیں؟ بات سمجھ میں آگئی؟ لہٰذا یہاں اس کو اضافت کے ساتھ ہی پڑھیں: امْتَلَأَ مَاءُ الْإِنَاءِ برتن کا پانی بھر گیا۔ اگر آپ الْإِنَاء کو مفعولِ بہ بناتے ہیں تو گویا آپ نے امْتَلَأَ کو مَلَأَ کے معنی میں کر لیا، بات تو پھر وہی ہو گئی بھئی۔ اسی پر تو رد کر رہے ہیں صاحبِ جامی کہ امْتَلَأَ کو مَلَأَ کے معنی میں لینے کی کوئی حاجت نہیں۔ تو لہٰذا یہاں یوں نہ پڑھنا بھئی امْتَلَأَ مَاءُ الْإِنَاءَ بلکہ کیسے پڑھیں؟ امْتَلَأَ مَاءُ الْإِنَاءِ اضافت کے ساتھ پڑھیں کیونکہ یہ فعلِ لازم ہے یہ مفعول کو نصب نہیں دیتا۔ بات سمجھ میں آگئی۔

تو کہتے ہیں فَهُوَ فِي مَعْنَى امْتَلَأَ مَاءُ الْإِنَاءِ تو یہ امْتَلَأَ مَاءُ الْإِنَاءِ کے معنی میں ہے یعنی برتن کا پانی بھر گیا، فَالْمَاءُ فَاعِلٌ مَعْنًى تو ماء جو ہے وہ فاعل ہے معنی کے اعتبار سے۔ دیکھو یہاں ماء فاعل بن رہا ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ پھر سنو امْتَلَأَ الْإِنَاءُ مَاءً، یہاں دیکھو ماء تمیز بن رہی ہے لیکن یہ معنی کے اعتبار سے فاعل ہے یعنی فاعلِ مجازی ہے بھئی، اور یہ امْتَلَأَ الْإِنَاءُ مَاءً یہ کلام کس معنی میں ہے؟ امْتَلَأَ مَاءُ الْإِنَاءِ کے معنی میں ہے۔ بات سمجھ میں آرہی ہے۔ تو کہتے ہیں

الْمَاءُ فَاعِلٌ مَعْنًى تو ماء جو ہے فاعل ہے معنی کے اعتبار سے۔ لہٰذا فعل کو متعدی بنانے کی کوئی حاجت نہیں ہے۔

وَذَلِكَ بِعَيْنِهِ مِثْلُ قَوْلِكَ اور یہ بعینہٖ آپ کے اس قول کے مثل ہے: رَبِحَ زَيْدٌ تِجَارَةً۔ رَبِحَ زَيْدٌ زید نے نفع کمایا تِجَارَةً باعتبارِ تجارت کے۔ زید نے نفع کمایا تجارت کے اعتبار سے۔ اب دیکھو یہاں پر بھی نفع کس نے کمایا ہے؟ زید نے، تو زید فاعلِ حقیقی ہے۔ تو زید فاعلِ حقیقی ہے، رَبِحَ زَيْدٌ زید نے نفع کمایا ہے، اور کس اعتبار سے ابہام تھا؟ تِجَارَةً تمییز نے آکر اس ابہام کو دور کر دیا، لیکن آپ اس تجارت کو رَبِحَ کے لیے فاعلِ مجازی بنا سکتے ہیں۔ فاعلِ حقیقی تو زید ہی ہے نفع تو زید نے کمایا ہے، تجارت نے تو نفع نہیں کمایا، لیکن آپ فاعلِ مجازی بنا سکتے ہیں کیونکہ یہ تجارت سبب ہے نفع کا، اس تجارت کی وجہ سے زید نے نفع کمایا ہے، تو گویا سنو بھئی: رَبِحَ زَيْدٌ تِجَارَةً تو متکلم نے ارادہ کیا کہ رَبِحَ یعنی نفع کمانے کی وہ نسبت کر دے زید کے کسی متعلق کی طرف، لیکن اس کو پھر اس نے حذف کر دیا اور یوں کہا: رَبِحَ زَيْدٌ أَيْ رَبِحَ شَيْءٌ مَنْسُوبٌ إِلَى زَيْدٍ۔ تو یہ جو رَبِحَ کی نسبت شے کی طرف کی، یہ اسناد مجازی ہے کیونکہ حقیقت میں تو زید نے نفع کمایا ہے۔ تو فاعلِ مجازی بنایا اس شے کو جو زید کی طرف منسوب ہے، اس میں ابہام آیا، آگے تِجَارَةً لا کر پھر اس ابہام کو کیا کر دیا؟ دور کر دیا۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو یہاں پر بھی رَبِحَ زَيْدٌ تِجَارَةً یہ تجارت کیا ہے؟ فاعلِ معنوی ہے، یعنی یہ اصل میں فاعلِ مجازی تھا اور پھر اس کو تمییز بنا دیا گیا۔ فاعلِ حقیقی تو زید ہی ہے لیکن فاعلِ مجازی تو تجارت بن سکتی تھی، تو یہ فاعلِ مجازی تھی اور پھر اس کو کیا بنا دیا گیا؟ تمییز بنا دیا گیا۔ بات سمجھ میں آرہی ہے۔

تو کہتے ہیں: وَذَلِكَ بِعَيْنِهِ مِثْلُ قَوْلِكَ رَبِحَ زَيْدٌ تِجَارَةً اور یہ بعینہٖ آپ کے قول جو ہے رَبِحَ زَيْدٌ تِجَارَةً کی طرح ہے۔ فَإِنَّ تِجَارَةً تَمْيِيزٌ يَرْفَعُ الْإِبْهَامَ عَنْ شَيْءٍ مَنْسُوبٍ إِلَى زَيْدٍ اس لیے کیونکہ تجارت ایسی تمییز ہے جو ابہام کو دور کر رہی ہے اس چیز سے جو زید کی طرف منسوب ہے، وَهُوَ التِّجَارَةُ اور وہ کیا ہے؟ تجارت۔ رَبِحَ زَيْدٌ یہ کلام کس درجے میں ہے؟ رَبِحَ شَيْءٌ مَنْسُوبٌ إِلَى زَيْدٍ ایک چیز جو زید کی طرف منسوب ہے اس نے نفع کمایا، اور وہ کیا ہے؟ تجارت ہی تو ہے۔ زید نے کس کے ذریعے نفع کمایا ہے؟ تجارت کے ذریعے، تو اسی تجارت کو متکلم فاعل بنانا چاہتا تھا اور یوں کہنا چاہتا تھا: رَبِحَ تِجَارَةُ زَيْدٍ نفع کس نے کمایا ہے؟ زید کی تجارت نے۔ بھئی نفع تو زید نے کمایا ہے لیکن وہ تجارت کو فاعلِ مجازی بنا رہا تھا، اور فاعلِ مجازی تو تجارت بن سکتی ہے بھئی۔ بات بھی سمجھ میں آرہی ہے کہ نہیں؟

تو کہتے ہیں: فَإِنَّ تِجَارَةً تَمْيِيزٌ يَرْفَعُ الْإِبْهَامَ عَنْ شَيْءٍ مَنْسُوبٍ إِلَى زَيْدٍ اس لیے کیونکہ تجارت کا لفظ جو ہے وہ ایسی تمییز ہے جو ابہام کو دور کر رہی ہے اس چیز سے جس کی نسبت کی گئی ہے زید کی طرف وَهُوَ التِّجَارَةُ اور وہ چیز جو زید کی طرف منسوب ہے وہ کیا ہے؟ تجارت ہے۔ فَالْفَاعِلُ فِي قَصْدِكَ هُوَ التِّجَارَةُ لَا زَيْدٌ اس لیے کیونکہ فاعل جو ہے آپ کے ارادے میں وہ تجارت ہے زید نہیں۔ متکلم نے کس کا ارادہ کیا تھا؟ بھئی نفع تو زید نے کمایا ہے لیکن متکلم نے کیا ارادہ کیا تھا کہ وہ کس کو فاعل بنا دے؟ تجارت کو فاعل بنا دے، کس کو؟ تجارت کو۔ وہ فاعلِ حقیقی تو نہیں بن سکتی کیونکہ فاعلِ حقیقی تو زید

ہے، ہاں وہ فاعلِ مجازی تو بن سکتی ہے، تو آپ کے ارادے میں تجارت فاعل تھی، آپ نے اس کو فاعلِ مجازی بنایا، پھر اس کو حذف کر دیا، ابہام پیدا ہوا، پھر آپ نے آگے تِجَارَةً لا کر اس ابہام کو کیا کر دیا؟ دور کر دیا۔ بات سمجھ میں آگئی۔ تو کہتے ہیں: فَالْفَاعِلُ فِي قَصْدِكَ هُوَ التِّجَارَةُ لَا زَيْدٌ تو فاعل جو ہے آپ کے ارادے میں وہ تجارت ہے، لَا زَيْدٌ زید نہیں ہے، یعنی آپ کے ارادے میں فاعل جو ہے تجارت ہے اگرچہ حقیقت میں فاعل زید ہے لیکن آپ نے ارادہ کس کا کیا؟ کہ نسبت زید کی طرف فاعلِ حقیقی کی طرف نہ کریں بلکہ کس کی طرف کریں؟ فاعلِ مجازی کی طرف، جیسے آپ کہتے ہیں نہر بہہ رہی ہے، کہنا کیا چاہیے؟ پانی بہہ رہا ہے، لیکن آپ نے کیا ارادہ کیا کہ بہنے کی نسبت اس جگہ کی طرف کر دیں۔ تو یہاں بھی اصل میں تو فاعل کون تھا؟ زید، لیکن آپ نے کیا ارادہ کیا کس کی طرف نسبت کر دیں نفع کی؟ تجارت کی طرف کر دیں۔

تو کہتے ہیں: فَالْفَاعِلُ فِي قَصْدِكَ هُوَ التِّجَارَةُ لَا زَيْدٌ تو فاعل جو ہے آپ کے ارادے میں وہ تجارت ہے نہ کہ زید، وَإِنْ كَانَ إِسْنَادُ الرِّبْحِ إِلَيْهِ حَقِيقَةً اگرچہ رِبْحٌ کا اسناد جو ہے وہ إِلَيْهِ زید کی طرف حَقِيقَةً یہ حقیقت ہے، وَإِلَيْهَا اور تجارت کی طرف اس کا اسناد جو ہے مَجَازًا وہ مجاز ہے۔ اگرچہ زید کی طرف اسناد حقیقت ہے اور تجارت کی طرف مجاز ہے لیکن آپ نے مجاز کا ارادہ کیا۔ تو اگرچہ فاعل زید ہے لیکن آپ نے غیرِ فاعل کی طرف مجازاً اسناد کا ارادہ کیا بھئی۔ تو کہتے ہیں: وَإِنْ كَانَ إِسْنَادُ الرِّبْحِ إِلَيْهِ حَقِيقَةً اگرچہ رِبْحٌ کا اسناد جو ہے زید کی طرف وہ حقیقت ہے وَإِلَيْهَا مَجَازًا اور تجارت کی طرف مجاز ہے۔

وَبِهَذَا يَنْدَفِعُ مَا يُورَدُ عَلَى قَاعِدَتِهِمُ الْمَشْهُورَةِ وَهِيَ أَنَّ التَّمْيِيزَ عَنِ النِّسْبَةِ إِمَّا فَاعِلٌ فِي الْمَعْنَى أَوْ مَفْعُولٌ مِنْ أَنَّ التَّمْيِيزَ فِي هَذَا الْمِثَالِ وَأَمْثَالِهِ لَا فَاعِلٌ وَلَا مَفْعُولٌ فَلَا تَطَّرِدُ تِلْكَ الْقَاعِدَةُ۔ صاحبِ جامی آگے فرما رہے ہیں کہ یہ جو ہم نے تقریر کر دی اس تقریر سے وہ جو نحویوں کا مشہور ضابطہ ہے اس پر وارد ہونے والا اعتراض بھی ختم ہو گیا۔ ہم نے یہ جو تقریر کر دی یعنی ہم نے فاعل و مفعول میں تعمیم کر دی، کیا کر دی؟ فاعل و مفعول میں تعمیم کر دی کہ فاعل و مفعول چاہے حقیقی ہو چاہے مجازی ہو۔ صاحبِ جامی فرما رہے ہیں کہ ہماری تقریر سے وہ اشکال بھی ختم ہو گیا جو نحویوں کے مشہور ضابطے پر ہوتا تھا۔ نحویوں کا ضابطہ ہے کہ جو نسبت سے تمیز ہوتی ہے یہ معنی کے اعتبار سے فاعل ہوتی ہے یا مفعول ہوتی ہے۔ توجہ ہے؟ یہ جو نسبت سے تمیز ہوتی ہے یا یہ فاعل کے درجے میں ہے یا مفعول کے درجے میں ہے۔ میں نے آپ کو لکھوایا شروع میں بھئی کہ یہ تمیز جو ہے یہ محول عن الفاعل بھی ہو سکتی ہے، محول عن المفعول بھی ہو سکتی ہے، محول عن المبتدا بھی ہو سکتی ہے، اور کبھی یہ غیرِ محول ہوگی، کبھی یہ غیرِ محول ہوگی، اور غیرِ محول کی کیا مثال ذکر کی تھی؟ امْتَلَأَ الْإِنَاءُ مَاءً۔ یہ جو مَاءً ہے یہ نہ محول عن الفاعل ہے، نہ محول عن المفعول ہے، اور نہ یہ محول عن المبتدا۔ تو دیکھو بعض نے اس طرح تقسیم کی کہ تمیز یا محول عن الفاعل ہوگی یا عن المفعول ہوگی یا محول عن المبتدا ہوگی، جبکہ بعض فرماتے ہیں کہ تمیز یا تو محول عن الفاعل ہوگی یا محول عن المفعول ہوگی۔ تو دیکھو اس میں ایک صورت وہ تھی کہ جس کے اندر تمیز کو انہوں

نے غیرِ محول قرار دیا تھا۔ معلوم ہوا تھا یہ ضابطہ عام نہیں، تمیز ہمیشہ محول نہیں ہوگی بلکہ کبھی غیرِ محول بھی ہو سکتی ہے۔

صاحبِ جامی فرماتے ہیں کہ ہماری یہ تقریر لے لیں تو وہ اشکال ختم ہو جائے گا۔ اشکال کیا تھا؟ ضابطہ کیا تھا؟ کہ وہ جو نسبت سے تمیز آتی ہے وہ کبھی محول عن الفاعل ہوگی کبھی محول عن المفعول ہوگی، حالانکہ ہم آپ کو دکھاتے ہیں ایک تمیز ہے نہ وہ محول عن الفاعل ہے اور نہ محول عن المفعول ہے جیسے امْتَلَأَ الْإِنَاءُ مَاءً یہ غیرِ محول ہے۔ صاحبِ جامی فرماتے ہیں کہ میری تقریر لے لیں کہ فاعل و مفعول میں تعمیم کر دیں، فاعل و مفعول چاہے حقیقتاً ہوں چاہے مجازاً ہوں، چاہے حقیقتاً ہوں چاہے مجازاً ہوں، جب آپ تعمیم پیدا کر دیں گے ان کے اندر تو اب وہ جو امْتَلَأَ الْإِنَاءُ مَاءً وہ بھی اس کے اندر داخل ہو گیا، کہ وہ جو مَاءً ہے وہ حقیقتاً تو فاعل نہیں لیکن فاعلِ مجازی تو بن سکتا ہے، تو وہ بھی اس کے اندر داخل ہو جائے گا۔ تو پہلے اشکال کیا تھا کہ وہ ضابطہ عام نہیں بعض صورتیں اس سے نکل جاتی ہیں۔ انہوں نے کیا کہا تھا کہ نسبت سے جو تمیز ہوتی ہے وہ یا فاعل ہوگی یا مفعول، لیکن یہ ضابطہ عام نہیں تھا کچھ صورتیں اس سے نکل رہی تھیں جیسے امْتَلَأَ الْإِنَاءُ مَاءً یہ صورت اس سے نکل رہی تھی۔ صاحبِ جامی فرماتے ہیں میری تقریر لے لیں تو یہ بھی اس کے اندر داخل ہو جائے گی۔ کس طرح؟ کہ وہ جو فاعل یا مفعول ذکر ہے اس میں تعمیم کر دو، فاعل یا مفعول حقیقی مراد نہ لو، فاعل یا مفعول چاہے حقیقی ہوں چاہے مجازی ہوں، اب وہ بھی اس کے اندر داخل ہو گئے۔ امْتَلَأَ الْإِنَاءُ مَاءً، یہ مَاءً فاعلِ حقیقی تو نہیں بن سکتا لیکن فاعلِ مجازی تو بن سکتا ہے جیسے ابھی ہم نے تقریر کر دی کہ امْتَلَأَ الْإِنَاءُ مَاءً یہ کس معنی میں ہے؟ امْتَلَأَ مَاءُ الْإِنَاءِ کے معنی میں ہے۔ بات سمجھ میں آ گئی۔

تو کہتے ہیں: وَبِهَذَا يَنْدَفِعُ اور یہ جو ہم نے بیان کر دیا اس سے دور ہو گیا مَا يُورَدُ عَلَى قَاعِدَتِهِمُ الْمَشْهُورَةِ وہ جو اعتراض وارد کیا جاتا ہے نحویوں کے مشہور ضابطے پر۔ یہ جو ہم نے بیان کر دیا اس سے وہ جو نحویوں کے مشہور ضابطے پر اعتراض وارد ہوتا ہے وہ دور ہو گیا۔ تو کہتے ہیں: وَبِهَذَا يَنْدَفِعُ مَا يُورَدُ عَلَى قَاعِدَتِهِمُ الْمَشْهُورَةِ اور اس بیان کے ذریعے دور ہو گیا وہ اعتراض جو کیا جاتا ہے نحویوں کے مشہور ضابطے پر۔ وہ مشہور ضابطہ کیا ہے؟ کہتے ہیں: وَهِيَ أَنَّ التَّمْيِيزَ عَنِ النِّسْبَةِ إِمَّا فَاعِلٌ فِي الْمَعْنَى أَوْ مَفْعُولٌ، وہ مشہور ضابطہ یہ ہے کہ تمیز عن النسبت جو ہے یا تو وہ فاعل ہوتی ہے فی المعنی معنی کے اعتبار سے أَوْ مَفْعُولٌ یا مفعول ہوتی ہے۔ اس پر جو اعتراض وارد ہوتا ہے وہ اعتراض دور ہو گیا۔

بھئی وہ اعتراض کیا ہے؟ مِنْ کے ساتھ اس کو بیان کر رہے ہیں۔ پیچھے آیا تھا نا وَبِهَذَا يَنْدَفِعُ اس بیان سے دور ہو گیا مَا يُورَدُ وہ جو وارد کیا جاتا ہے وہ اعتراض جو وارد کیا جاتا ہے۔ بھئی وہ اعتراض کیا ہے؟ ابھی بھی اعتراض کا پتہ نہیں تھا اس میں ابہام تھا تو مَا يُورَدُ میں ابہام تھا، تو آگے مِنْ کے ذریعے اس کو بیان کر دیا وہ اعتراض کیا ہے؟ مِنْ یعنی کہ أَنَّ التَّمْيِيزَ فِي هَذَا الْمِثَالِ کہ تمیز جو ہے اس مثال کے اندر، یہ جو ابھی ہم نے بیان کی امْتَلَأَ الْإِنَاءُ مَاءً اس مثال کے اندر جو تمیز ہے،

وَأَمْثَالِهِ اور اس جیسی اور مثالوں میں ہے جیسے رَبِحَ زَيْدٌ تِجَارَةً اس جیسی مثالوں میں، لَا فَاعِلٌ وَلَا مَفْعُولٌ یہ تمییز نہ تو فاعل ہے اور نہ مفعول ہے، فَلَا تَطَّرِدُ تِلْكَ الْقَاعِدَةُ تو وہ قاعدہ عام نہیں ہے۔ وہ قاعدہ نحویوں کا مشہور ضابطہ ہے بھئی کہ وہ تمییز جو نسبت سے آئے وہ یا فاعل ہوگی یا مفعول، تو اس پر اعتراض وارد ہوتا تھا کہ یہ جو مثالیں ہیں امْتَلَأَ الْإِنَاءُ مَاءً اور رَبِحَ زَيْدٌ تِجَارَةً اس جیسی مثالوں کے اندر یہ تمییز جو ہے یہ معنی کے اعتبار سے نہ فاعل ہے اور نہ مفعول ہے، معلوم ہوا اے نحویو آپ کا یہ ضابطہ عام نہیں کچھ صورتیں اس سے خارج ہو جاتی ہیں چنانچہ آپ نے اسی لیے کہا امْتَلَأَ الْإِنَاءُ مَاءً یہ غیرِ محول ہے۔ یہ تو کیونکہ یہ آپ کے ضابطے کے اندر داخل نہیں ہو رہا تھا، لیکن میرا یہ بیان لے لیا جائے کہ فاعل یا مفعول کے اندر تعمیم کر دی جائے کہ فاعل یا مفعول چاہے حقیقتاً ہو چاہے مجازاً ہو تو پھر یہ صورتیں بھی اس کے اندر داخل ہو جائیں گی اور ضابطہ عام ہو جائے گا۔ بات سمجھ میں آگئی۔

تو یہ وہ اشکال ذکر کر رہے ہیں مِنْ کے ساتھ کہ یہ اعتراض ہوتا تھا کہ یہ جو أَنَّ التَّمْيِيزَ فِي هَذَا الْمِثَالِ وَأَمْثَالِهِ کہ تمییز جو ہے اس مثال میں اور اس جیسی مثالوں میں لَا فَاعِلٌ وَلَا مَفْعُولٌ نہ وہ فاعل ہے اور نہ مفعول ہے فَلَا تَطَّرِدُ تِلْكَ الْقَاعِدَةُ تو وہ ضابطہ آپ کا عام نہیں، اے نحویو وہ آپ کا ضابطہ عام نہیں، لیکن وہ اشکال میری اس تقریر سے دور ہو گیا۔ بات سمجھ میں آگئی۔

فاعلِ حقیقی معلوم ہے لیکن پھر بھی کہنے والا اس اگانے کی نسبت کس کی طرف کر دیتا ہے؟ موسمِ بہار کی طرف کر دیتا ہے۔ تو بعض اوقات فاعلِ حقیقی معلوم ہوتا ہے، پھر بھی نسبت کس کی طرف کر دی جاتی ہے؟ غیرِ فاعل کی طرف کر دی جاتی ہے۔ تو یہاں بھی امْتَلَأَ کا فاعلِ حقیقی معلوم ہے اور وہ کیا ہے؟ الْإِنَاء ہے، وہ الْإِنَاء ہے لیکن پھر بھی متکلم کیا ارادہ کرتا ہے؟ وہ فاعلِ حقیقی کی طرف نسبت نہیں کرنا چاہتا وہ فاعلِ مجازی کی طرف نسبت کرنا چاہتا ہے، چنانچہ امْتَلَأَ الْإِنَاءُ مَاءً یہ کلام کس معنی میں ہے؟ امْتَلَأَ مَاءُ الْإِنَاءِ۔ گویا کہنے والا امتلاء کی نسبت وہ جو إِنَاء فاعلِ حقیقی ہے اس کی طرف نہیں کرنا چاہتا بلکہ مَاء جو اس برتن کو بھرنے والی چیز ہے اس کی طرف نسبت کرنا چاہتا ہے۔ اب وہ حقیقت میں فاعل نہیں، وہ حقیقت میں فاعل نہیں لیکن اس کا تعلق برتن کے ساتھ ہے۔ اس کا تعلق برتن کے ساتھ ہے کیونکہ وہ مظروف ہے، برتن ظرف ہے اور وہ پانی مظروف ہے، یا یوں کہیں وہ برتن محل ہے اور پانی اس کے اندر حال ہے۔ جیسے دیکھو بہنے کی نسبت کس کی طرف کی تھی؟ نہر کی طرف کیونکہ نہر جگہ تھی اس پانی کے لیے۔ توجہ ہے؟ تو فاعلِ حقیقی کو چھوڑ کر جس چیز کی طرف نسبت کی جاتی ہے اس کا تعلق ہوتا ہے اس سے، اس کا اس چیز سے تعلق ہوتا ہے یا وہ زمانہ ہوگا یا وہ مکان ہوگا یا وہ سبب ہوگا۔ تو یہاں پر بھی بھرا تو وہ برتن ہے الْإِنَاء فاعلِ حقیقی ہے، لیکن متکلم کیا ارادہ کرتا ہے؟ وہ اس امتلاء کی نسبت برتن کی طرف نہیں کرنا چاہتا بلکہ برتن کے متعلق کی طرف یعنی جو اس برتن کے اندر ہے جس نے اس برتن کو پر کر دیا، بھر دیا اس کی طرف نسبت کرنا چاہتا ہے یعنی اس کو فاعلِ مجازی بنانا چاہتا ہے۔

توجہ ہے؟ تو امْتَلَأَ الْإِنَاءُ مَاءً یہ کلام کس معنی میں ہے؟ امْتَلَأَ مَاءُ الْإِنَاءِ کے معنی میں ہے کہ متکلم کا ارادہ یہ تھا کہ مَاء کی طرف نسبت کرے۔ توجہ ہے؟ کلام کیا ہے؟ امْتَلَأَ الْإِنَاءُ مَاءً جو پہلا جملہ تھا امْتَلَأَ الْإِنَاءُ مَاءً، تو متکلم نے کیا ارادہ کیا؟ کہ وہ نسبت کرے یہ بھرنے کی نسبت کس کی طرف کر دے؟ مَاء کی طرف کر دے، یعنی یہ فاعلِ مجازی کی طرف نسبت کرنا چاہتا تھا، چنانچہ اس نے ارادہ کیا کہنے کا کیا؟ امْتَلَأَ مَاءُ الْإِنَاءِ کہنے کا ارادہ کیا، پھر اس نے اس مَاء کو حذف کر دیا۔ مَاء کو حذف کر دیا تو گویا کلام کیا بن گیا؟ امْتَلَأَ الْإِنَاءُ۔ یہ إِنَاء کیا ہے؟ فاعلِ حقیقی ہے، اس وقت فاعلِ حقیقی کی طرف اسناد ہو رہا ہے، لیکن کہنے والے نے اس کی طرف اسناد کا ارادہ کیا ہی نہیں اس نے ارادہ کس کی طرف کیا ہے؟ مَاء کی طرف ارادہ کیا تھا اور اس مَاء کو اس نے حذف کر دیا مقدر کر دیا۔ تو یہ کلام کے اندر ابہام آگیا کیونکہ یہ امْتَلَأَ الْإِنَاءُ یہ کس معنی میں ہوا کلام؟ امْتَلَأَ شَيْءٌ مَنْسُوبٌ إِلَى الْإِنَاءِ، ایک چیز بھر گئی ہے جس کی نسبت کس کی طرف ہے؟ برتن کی طرف ہے یعنی وہ مظروف ہے برتن کا، برتن سے تعلق ہے یا نہیں؟ تو امْتَلَأَ بھر گئی شَيْءٌ مَنْسُوبٌ إِلَى الْإِنَاءِ ایک چیز جس کی نسبت إِنَاء کی طرف کی گئی ہے۔

توجہ ہے؟ پھر سنو متکلم نے کیا ارادہ کیا؟ وہ فاعلِ حقیقی کی طرف نسبت نہیں کرنا چاہتا بلکہ فاعلِ مجازی کی طرف نسبت کرنا چاہتا ہے۔ تو کہنا کیا چاہیے؟ امْتَلَأَ مَاءُ الْإِنَاءِ، لیکن اس نے مَاء کو کیا کر دیا؟ حذف کر دیا تو کلام کیا رہ گیا؟ امْتَلَأَ الْإِنَاءُ، تو یہ کلام کس درجے میں ہے؟ امْتَلَأَ شَيْءٌ مَنْسُوبٌ إِلَى الْإِنَاءِ کہ ایک چیز جو برتن کی طرف منسوب ہے وہ بھر گئی ہے، تو ابہام پیدا ہوا اور پھر آگے تمیز لا کر اس ابہام کو دور کر دیا امْتَلَأَ الْإِنَاءُ مَاءً۔ بات سمجھ میں آگئی۔ اور یہ کیوں کیا کہنے والے نے؟ حذف کیوں کیا؟ وجہ وہی ہے جو میں نے ذکر کر دی کہ تمیز جو ہے معنی کے اعتبار سے فاعل تھی، لیکن پھر اس کو اس نے حذف کر دیا تاکہ کلام میں ابہام پیدا ہو جائے۔ جب امْتَلَأَ الْإِنَاءُ کہا لیکن ارادہ فاعلِ حقیقی اس إِنَاء کا نہیں کیا بلکہ فاعلِ مجازی کا کیا امْتَلَأَ مَاءُ الْإِنَاءِ، لیکن اس نے مَاء کو کیا کر دیا؟ حذف کر دیا تو کلام کیا رہ گیا؟ امْتَلَأَ الْإِنَاءُ، تو ابہام پیدا ہوا اور پھر آگے تمیز لا کر اس ابہام کو دور کر دیا امْتَلَأَ الْإِنَاءُ مَاءً۔ تو کلام میں کیا پیدا ہوا؟ ابہام، جب ابہام پیدا ہوگا تو ذہن متوجہ ہو جائے گا کہ بھئی یہ فاعل کیا چیز ہے؟ ذہن میں اس کو جاننے کا شوق پیدا ہوا اور پھر آگے مَاءً لا کر جب اس ابہام کو دور کیا جائے گا اور نفس متوجہ ہونے کے بعد ایک چیز کو جب جان لے گا تو وہ چیز ذہن میں اچھی طرح جم جائے گی۔ بات سمجھ میں آگئی۔

تو صاحبِ جامی کیا فرماتے ہیں کہ اس امْتَلَأَ کو مَلَأَ کے معنی میں لینے کی کوئی حاجت نہیں۔ یوں کہو یہ مَاءً اسی امْتَلَأَ کے لیے فاعل تھا اور پھر اس کو تمیز بنا دیا گیا۔ تو اشکال ہوا فاعل کیسے تھا؟ فاعل تو إِنَاء خود ہے وہ فاعلِ حقیقی ہے، کہتے ہیں ہاں وہ فاعلِ حقیقی ہے لیکن کہنے والے نے کیا ارادہ کیا تھا؟ وہ فاعلِ مجازی کو فاعل بنانا چاہتا تھا فاعلِ حقیقی کو فاعل نہیں

بنانا چاہتا تھا، تو لہٰذا یہ مَاء کا لفظ جو ہے امْتَلَأَ الْإِنَاءُ مَاءً یہ مَاءً اسی امتلاء کے لیے فاعل ہے باعتبارِ معنی کے، البتہ فاعلِ حقیقی نہیں ہے اس کے لیے بلکہ فاعلِ مجازی ہے۔ فاعلِ حقیقی کی طرف اس وقت نسبت ہو رہی ہے امْتَلَأَ الْإِنَاءُ، بھرا کیا ہے؟ برتن ہے، لیکن متکلم نے اس فاعلِ حقیقی کی طرف اسناد کا ارادہ نہیں کیا بلکہ کس کی طرف کیا تھا؟ مجازی کی طرف، اور کبھی کبھار فاعلِ حقیقی معلوم ہونے کے باوجود اسناد کا ارادہ کر لیا جاتا ہے فاعلِ مجازی کی طرف تو یہاں بھی ایسا ہی تھا۔ تو امْتَلَأَ کو مَلَأَ کے معنی میں لینے کی کوئی حاجت نہیں بلکہ اسی امْتَلَأَ کے لیے یہ مَاء کا لفظ فاعل کے درجے میں ہے۔ بات سمجھ میں آگئی۔

اسی طرح جو دوسری مثال تھی رَبِحَ زَيْدٌ تِجَارَةً۔ رَبِحَ نفع کمایا زَيْدٌ زید نے تِجَارَةً باعتبارِ تجارت کے۔ اب دیکھو یہ نفع کمانے والا زید ہے زید نے نفع کمایا ہے۔ رَبِحَ زَيْدٌ، تو یہ رَبِحَ کا اسناد زید کی طرف ہو رہا ہے اور یہ اس کا فاعلِ حقیقی ہے، اسی نے یہ نفع کمایا ہے۔ توجہ ہے؟ تو یہ تِجَارَةً جو ہے اس کو اسی رَبِحَ کے لیے فاعل نہیں بنا سکتے بھئی۔ توجہ ہے؟ صاحبِ جامی نے کیا بتلایا تھا؟ کہ یہ تمییز جو ہے معنی کے اعتبار سے فاعل ہوتی ہے، کبھی اسی فعل کے لیے ہوگی کبھی اس کو لازم بنا دیں گے تو پھر فاعل بن جائے گی کبھی اس کو متعدی بنا دیں گے تو پھر وہ فاعل بن جائے گی۔ تو یہاں پر بھی رَبِحَ زَيْدٌ، رَبِحَ کا فاعلِ حقیقی کیا ہے؟ زید ہے، اور اسی کی طرف تو اسناد ہو رہا ہے، تو یہ تِجَارَةً اسی رَبِحَ کے لیے فاعل نہیں بن سکتا۔ لیکن کہتے ہیں میری تقریر لے لیں تو یہ اسی کے لیے فاعل بن جائے گا۔ کس طرح؟ کہ متکلم نے رَبِحَ زَيْدٌ کہنے کا ارادہ نہیں کیا اس نے رَبِحَتْ تِجَارَةُ زَيْدٍ کہنے کا ارادہ کیا، یعنی رَبِحَ کا اسناد وہ فاعلِ حقیقی یعنی زید کی طرف نہیں کرنا چاہتا بلکہ کس کی طرف کرنا چاہتا ہے؟ فاعلِ مجازی یعنی تجارت کی طرف کرنا چاہتا ہے کیونکہ تجارت سبب ہے اس نفع کا، اور کبھی کبھی فعل کی نسبت کس کی طرف کر دی جاتی ہے؟ سبب کی طرف اگرچہ یہ اسناد مجازاً ہوتا ہے۔ تو اس وقت توجہ ہے رَبِحَ زَيْدٌ، اس وقت یہ فاعلِ حقیقی کی طرف فعل کا اسناد ہے لیکن کہنے والے نے اس فاعلِ حقیقی کی طرف اسناد کا ارادہ نہیں کیا اس نے کس کی طرف اسناد کا ارادہ کیا؟ فاعلِ مجازی تجارت کی طرف، تو وہ رَبِحَتْ تِجَارَةُ زَيْدٍ کہنا چاہتا تھا۔ پھر اس نے اس تجارت کو حذف کر دیا تو زید فاعل بن گیا اس کی جگہ پر رَبِحَ زَيْدٌ۔ تو رَبِحَ زَيْدٌ کس معنی میں ہو گیا؟ رَبِحَ شَيْءٌ مَنْسُوبٌ إِلَى زَيْدٍ۔ توجہ ہے؟ کہنے والے نے کہا تو یوں ہے رَبِحَ زَيْدٌ تِجَارَةً تو اس وقت تو فعل کا اسناد فاعلِ حقیقی کی طرف ہو رہا ہے، لیکن صاحبِ جامی فرماتے ہیں کہنے والا فاعلِ حقیقی کی طرف رَبِحَ کا اسناد نہیں کرنا چاہتا تھا بلکہ کس کی طرف کرنا چاہتا تھا؟ فاعلِ مجازی یعنی تجارت کی طرف۔ وہ رَبِحَتْ تِجَارَةُ زَيْدٍ کہنا چاہتا تھا لیکن پھر اس نے اس تجارت کو حذف کر دیا، تو رَبِحَ زَيْدٌ کس معنی میں ہوا؟ رَبِحَ شَيْءٌ مَنْسُوبٌ إِلَى زَيْدٍ، تو ابہام آیا کہ وہ زید کی طرف منسوب وہ کیا چیز ہے جس نے نفع کمایا ہے؟ تو آگے تِجَارَةً لا کر کیا کیا گیا؟ اس ابہام کو دور کر دیا گیا۔ تو عام علماء کیا فرماتے ہیں کہ یہ تِجَارَةً رَبِحَ کے لیے فاعل

نہیں بن سکتا کیونکہ اس کے لیے تو فاعلِ حقیقی خود زید موجود ہے۔ صاحبِ جامی فرماتے ہیں نہیں اس کو اسی رَبِحَ کے لیے فاعل بناؤ لیکن وہ فاعلِ حقیقی نہیں بنے گا بلکہ کیا بنے گا؟ فاعلِ مجازی، تو یہ اس کے لیے فاعلِ مجازی تو بن سکتا ہے بھئی۔ تو لہٰذا کہنے والے نے اسی تجارت کی طرف اسناد کا ارادہ کیا اور پھر حذف کر دیا اس کو جس سے کلام میں ابہام آیا تو پھر آگے تِجَارَةً لا کر کیا کیا؟ اس ابہام کو دور کر دیا۔ تو یہ تِجَارَةً فاعل ہے معنی کے اعتبار سے اسی رَبِحَ کے لیے البتہ فاعلِ مجازی ہے۔ بات سمجھ میں آگئی۔ اور اسی طرح امْتَلَأَ الْإِنَاءُ مَاءً یہ مَاء اسی امتلاء کے لیے فاعل ہے معنی کے اعتبار سے البتہ فاعلِ حقیقی نہیں بلکہ فاعلِ مجازی ہے۔ بات سمجھ میں آگئی۔ تو حاصلِ کلام یہ ہوا کہ تمییز اگر اسی فعل کے لیے فاعل نہ بن سکے تو پھر اس فعل کو متعدی بنانے کی کوئی حاجت نہیں ہے بلکہ اسی کے لیے اس کو فاعلِ مجازی بنایا جا سکتا ہے۔ بات سمجھ میں آگئی۔

اور پھر فرماتے ہیں کہ میری اس تقریر سے نحویوں کا ایک مشہور ضابطہ ہے اس پر ہونے والا اعتراض بھی ختم ہو گیا۔ نحویوں کا مشہور ضابطہ ہے کہ وہ جو نسبت سے تمییز آتی ہے وہ فاعل یا مفعول کے درجے میں ہوتی ہے۔ کس کے؟ فاعل یا مفعول کے درجے میں ہوتی ہے۔ بھئی میں نے تو آپ کو لکھوایا کبھی تمییز کیا ہوگی محول عن الفاعل، کبھی محول عن المفعول، کبھی محول عن المبتدا، تو بعض اس کو بتدا سے محول مانتے ہیں جبکہ بعض نحوی فرماتے ہیں کہ نہیں جو بھی تمییز آئے گی نسبت سے وہ فاعل یا مفعول کے درجے میں ہوگی وہ بتدا کی بات ہی نہیں کرتے۔ توجہ ہے؟ جو بھی تمییز نسبت سے آئے وہ یا تو محول عن الفاعل ہوگی یا محول عن المفعول ہوگی۔ ہاں اور کچھ قسمیں انہوں نے خارج کر دی تھیں جو غیرِ محول ہیں جیسے امْتَلَأَ الْإِنَاءُ مَاءً، یہ نہ محول عن الفاعل ہے نہ محول عن المفعول ہے۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ اسی طرح رَبِحَ زَيْدٌ تِجَارَةً اس کو بھی انہوں نے خارج کر دیا تھا اس ضابطے سے۔ ضابطہ کیا تھا؟ کہ جو بھی تمییز آئے گی نسبت سے وہ یا فاعل کے معنی میں ہوگی یا مفعول کے معنی میں، لیکن کچھ قسمیں تھیں وہ اس ضابطے کے تحت نہیں آ رہی تھیں جیسے امْتَلَأَ الْإِنَاءُ مَاءً یہ مَاءً امتلاء کے لیے نہ فاعل بن سکتا ہے اور نہ مفعول۔ اسی طرح رَبِحَ زَيْدٌ تِجَارَةً یہ تِجَارَةً رَبِحَ کے لیے نہ فاعل بن سکتا ہے اور نہ مفعول بن سکتا ہے، حالانکہ نحویوں کا ضابطہ تو کیا ہے؟ کہ جو بھی تمییز نسبت سے آئے وہ فاعل یا مفعول کے درجے میں ہوتی ہے یعنی معنی کے اعتبار سے وہ فاعل یا مفعول ہوتی ہے۔ تو نحویوں کا یہ ضابطہ بعض مثالوں سے ٹوٹ رہا تھا، تو کہنا پڑتا تھا کہ یہ ضابطہ عام نہیں۔ آپ نے تو ہمیں کیا کہا؟ کہ نسبت سے جو بھی تمییز آئے وہ معنی کے اعتبار سے یا فاعل ہوگی یا مفعول ہوگی لیکن ہم آپ کو کچھ مثالیں دکھاتے ہیں وہاں تمییز معنی کے اعتبار سے نہ فاعل ہے نہ مفعول ہے جیسے امْتَلَأَ الْإِنَاءُ مَاءً یہ مَاءً امتلاء کے لیے نہ فاعل ہے نہ مفعول ہے، اسی طرح رَبِحَ زَيْدٌ تِجَارَةً یہ تِجَارَةً رَبِحَ کے لیے نہ فاعل ہے نہ مفعول ہے، تو نحویوں کے ضابطے پر اشکال ہوتا تھا کہ آپ کا یہ ضابطہ عام نہیں یہ ہر جگہ صادق نہیں آتا کچھ صورتیں اس سے نکل جاتی ہیں۔ تو صاحبِ جامی فرماتے ہیں میری تقریر لے لیں پھر یہ اشکال ختم ہو جائے گا۔ وہ

کس طرح؟ کہ یہاں فاعل اور مفعول میں تعمیم کر دو، کہ فاعل یا مفعول چاہے حقیقتاً ہوں چاہے مجازاً ہوں، چاہے حقیقتاً ہوں چاہے، یعنی چاہے وہ فاعلِ حقیقی ہو چاہے فاعلِ مجازی ہو۔ توجہ ہے؟ تو جیسے امْتَلَأَ الْإِنَاءُ مَاءً یہ مَاءً اس امتلاء کے لیے فاعلِ لفظی تو نہیں بن سکتا لیکن فاعلِ مجازی تو بن سکتا ہے، تو دیکھو یہ فاعل کے معنی میں ہے۔ اور رَبِحَ زَيْدٌ تِجَارَةً یہ تِجَارَةً رَبِحَ کے لیے فاعلِ لفظی تو نہیں بن سکتا لیکن فاعلِ مجازی تو بن سکتا ہے، تو یہ بھی فاعل کے معنی میں ہے۔ تو اب تمام مثالیں اس ضابطے میں داخل ہو گئیں کہ جو بھی تمیز نسبت سے آئے وہ فاعل یا مفعول کے معنی میں ہوگی، چاہے وہ فاعلِ حقیقی کے معنی میں ہو چاہے فاعلِ مجازی کے معنی میں ہو۔ بات سمجھ میں آگئی۔ حل ہو گیا۔

آگے دیکھیے بھئی: خِلَافًا لِلْمَازِنِيِّ وَالْمُبَرِّدِ بخلاف امام مازنی کے اور امام مبرد کے، فَإِنَّهُمَا يُجَوِّزَانِ اس لیے کیونکہ یہ دونوں جائز قرار دیتے ہیں تَقْدِيمَ التَّمْيِيزِ عَلَى الْفِعْلِ الصَّرِيحِ کہ تمیز کو مقدم کرنا فعلِ صریح پر یہ جائز ہے، یہ جائز قرار دیتے ہیں فعلِ صریح پر تمیز کے مقدم کرنے کو، وَعَلَى اسْمَيِ الْفَاعِلِ وَالْمَفْعُولِ اور اسی طرح اسمِ فاعل اور اسمِ مفعول پر بھی۔ بھئی دیکھیے ادھر دیکھیے، تمیز کی جو دوسری قسم ہے وہ نسبت سے ابہام کو دور کرتی ہے اور اس کے اندر عامل فعل بھی ہو سکتا ہے اور شبہِ فعل بھی، تو امام مازنی اور امام مبرد فرماتے ہیں کہ تمیز کی یہ والی جو قسم ہے اس کو فعل پر بھی مقدم کر سکتے ہیں اور اسمِ فاعل اور اسمِ مفعول پر بھی مقدم کر سکتے ہیں، جبکہ باقی شبہِ فعل پر مقدم نہیں کر سکتے۔ بھئی اس تمیز میں عامل یا فعل ہوگا یا شبہِ فعل، شبہِ فعل میں کئی صورتیں ہیں وہ اسمِ فاعل بھی ہو سکتا ہے، اسمِ مفعول بھی ہو سکتا ہے، صفتِ مشبہ بھی ہو سکتی ہے، اسمِ تفضیل بھی ہو سکتا ہے، مصدر بھی ہو سکتا ہے اور معنیِ فعل بھی ہو سکتا ہے، معنیِ فعل بھی۔ تو یہ جو تمیز کی دوسری

قسم ہے اگر اس کے اندر عامل فعل ہو تو یہ اس پر بھی مقدم ہو سکتی ہے، اور نیز اگر اسمِ فاعل یا اسمِ مفعول اگر عامل ہو تو بھی ان پر تمیز مقدم ہو سکتی ہے کیونکہ اسمِ فاعل اور اسمِ مفعول یہ بھی فعل کی طرح قوی عامل ہیں، جیسے فعل اپنے سے ما بعد اور ما قبل دونوں میں عمل کرتا ہے تو یہ اسمِ فاعل اور اسمِ مفعول بھی اپنے ما بعد اور ما قبل دونوں میں عمل کرتے ہیں۔ جبکہ باقی جو شبہِ فعل ہیں یعنی صفتِ مشبہ، اسمِ تفضیل، مصدر اور معنیِ فعل، وہ ان پر تمیز کو مقدم نہیں کر سکتے، وجہ یہ کہ وہ ضعیف عامل ہیں وہ اپنے ما بعد میں تو عمل کر سکتے ہیں اپنے سے ما قبل میں عمل نہیں کر سکتے۔

دیکھیے پھر دیکھیے کہتے ہیں: فَإِنَّهُمَا يُجَوِّزَانِ تَقْدِيمَ التَّمْيِيزِ عَلَى الْفِعْلِ الصَّرِيحِ وَعَلَى اسْمَيِ الْفَاعِلِ وَالْمَفْعُولِ اس لیے کیونکہ یہ دونوں جو ہیں جائز قرار دیتے ہیں تمیز کے مقدم کرنے کو فعلِ صریح پر اور اسی طرح اسمِ فاعل اور اسمِ مفعول پر، یعنی ان پر مقدم کرنا جائز ہے۔ نَظَرًا إِلَى قُوَّةِ الْعَامِلِ عامل کی قوت کی طرف نظر کرتے ہوئے کہ یہ قوی عامل ہیں۔ بِخِلَافِ الصِّفَةِ الْمُشَبَّهَةِ وَاسْمِ التَّفْضِيلِ وَالْمَصْدَرِ بخلاف صفتِ مشبہ کے، وَاسْمِ التَّفْضِيلِ اور اسمِ تفضیل کے، وَالْمَصْدَرِ اور

بخلاف مصدر کے، وَمَا فِيهِ مَعْنَى الْفِعْلِ اور وہ جس کے اندر فعل والا معنی ہو۔ بخلاف ان چار کے یہ ان پر تمییز کو مقدم نہیں کر سکتے، لِضَعْفِهَا فِي الْعَمَلِ بوجہ عمل کے اندر ضعیف ہونے کے، اس وجہ سے کہ یہ عمل کے اندر ضعیف ہیں۔ لِضَعْفِهَا فِي الْعَمَلِ اس وجہ سے کہ یہ چاروں جو ہیں ضعیف ہیں عمل کے اندر۔

مُتَمَسَّكُهُمَا فِي هَذَا التَّجْوِيزِ قَوْلُ الشَّاعِرِ۔ متمسک، تمسک کا معنی ہے کسی چیز سے چمٹنا، کسی چیز سے جڑنا، مراد یہاں ان کی دلیل ہے۔ مُتَمَسَّكُهُمَا ان دونوں کی دلیل جو ہے فِي هَذَا التَّجْوِيزِ یہ جو جائز انہوں نے قرار دیا ہے اس کے اندر ان دونوں کی دلیل جو ہے قَوْلُ الشَّاعِرِ وہ شاعر کا قول ہے۔ آگے شعر ذکر کریں گے جس کے اندر شاعر نے تمییز کو فعل پر مقدم کیا ہے وہ فعل جو اس کے اندر عامل ہے۔ تو کہتے ہیں: مُتَمَسَّكُهُمَا فِي هَذَا التَّجْوِيزِ قَوْلُ الشَّاعِرِ تو ان دونوں ائمہ کی دلیل جو ہے اس جائز قرار دینے کے اندر وہ شاعر کا یہ قول ہے:

▪ متنِ کتاب و تحقیقِ مسائلِ نحویہ

أَتَهْجُرُ سَلْمَى بِالْفِرَاقِ حَبِيبَهَا — وَمَا كَادَ نَفْسًا بِالْفِرَاقِ تَطِيبُ

أَتَهْجُرُ سَلْمَى، هَجَرَ يَهْجُرُ کے معنی ہوتے ہیں چھوڑ دینا، چھوڑ دینا، ترک کر دینا، سَلْمَى یہ شاعر کی معشوقہ کا نام ہے، بِالْفِرَاقِ فراق کا معنی ہے جدائی بھی جدائی۔ اور یاد رکھو یہ بِالْفِرَاقِ متعلق ہے تَهْجُرُ سے، کس سے متعلق ہے؟ تَهْجُرُ سے، اور یہ تَهْجُرُ کے اندر تَرْضَى والا معنی ہے۔ میں نے آپ کو بتلایا تھا کہ کبھی کبھار ایک فعل کے اندر دوسرے فعل کا معنی ملحوظ ہوتا ہے اور آگے آنے والا صلہ یعنی حرفِ جر اس پر دلالت کرتا ہے، تو یہاں پر یہ بِالْفِرَاقِ یہ تَهْجُرُ سے ویسے بھی آپ جوڑ سکتے ہیں لیکن پھر با کو سببیہ بنانا پڑے گا بسبب جدائی کے اور پھر معنی صحیح نہیں رہتا، اگر آپ با کو کیا بنائیں؟ سببیہ بنائیں پھر معنی صحیح نہیں رہتا، ہاں تو لہٰذا تَهْجُرُ کے اندر تَرْضَى (رَضِيَ يَرْضَى راضی ہونا) تَرْضَى جو ہے اس کا معنی ملحوظ ہے اور تَرْضَى کے ساتھ تو بِالْفِرَاقِ جڑ سکتا ہے۔ جی اور حَبِيبَهَا یہ مفعول ہے منصوب ہے تَهْجُرُ کے لیے بھی۔ وَمَا كَادَ، كَادَ يَكَادُ یہ افعالِ مقاربہ میں سے ہے۔ افعالِ مقاربہ یاد رکھو ایک اسم چاہتے ہیں اور ایک خبر بھی، كَادَ زَيْدٌ أَنْ يَقُومَ۔ یہ زَيْدٌ كَادَ کا اسم ہے اور أَنْ يَقُومَ یہ كَادَ کی خبر۔ كَادَ افعالِ مقاربہ میں سے ہے اور افعالِ مقاربہ اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ ان کا جو اسم ہے یہ خبر اس کے حاصل ہونے کے قریب ہے، یہ خبر اس کو حاصل ہونے کے قریب ہے یعنی وہ اس خبر کے ساتھ متصف ہونے والا ہے۔ كَادَ زَيْدٌ أَنْ يَقُومَ، كَادَ کا اسم کون؟ زید، اور خبر کیا؟ أَنْ يَقُومَ، کہ یہ جو زید ہے اس قیام کے ساتھ متصف ہونے کے قریب ہے، ابھی زید قیام کے ساتھ متصف نہیں ہوا لیکن متصف ہونے کے قریب ہے یہ کس نے بتایا؟ كَادَ نے بتایا۔ تو كَادَ زَيْدٌ أَنْ يَقُومَ قریب ہے کہ زید کھڑا ہو جائے، معلوم ہوا ابھی کھڑا نہیں ہوا زید قریب ہے قیام کے۔ بات سمجھ میں آ رہی ہے؟ تو یہ افعالِ مقاربہ میں سے ہے۔

تو کہتے ہیں: وَمَا كَادَ نَفْسًا، یہ نَفْسًا یہ ہے تمییز بھئی، یہ تمییز ہے، تَطِيبُ آگے آرہا ہے طَابَ يَطِيبُ کا معنی خوش ہونا، پسند آنا، اچھا ہونا۔ یہ تَطِيبُ مؤنث کا صیغہ ہے اور اس کے اندر هِيَ ضمیر ہے، تَطِيبُ فعل اور هِيَ ضمیر اس کے اندر فاعل، اور وہ ضمیر راجع ہے پیچھے سَلْمَى کو بھئی۔ کس کو راجع؟ سَلْمَى کو راجع، وہ سلمیٰ جو معشوقہ ہے تو مؤنث کی ضمیر اس کو راجع، تو یہ جو تَطِيبُ کی نسبت ہو رہی ہے اس هِيَ ضمیر کی طرف جو اس کے اندر فاعل ہے تَطِيبُ کی نسبت کس کی طرف ہے؟ هِيَ ضمیر کی طرف، اس نسبت کے اندر ابہام تھا نَفْسًا نے آکر اس ابہام کو دور کیا، تو اس نَفْسًا کے اندر یہ تَطِيبُ فعل عامل ہے اور فصیح شاعر نے اس تَطِيبُ پر نَفْسًا کو مقدم کر دیا۔ وَمَا كَادَ نَفْسًا بِالْفِرَاقِ، یہ پھر بِالْفِرَاقِ آیا، یاد رکھو یہ جار مجرور متعلق ہے تَطِيبُ سے، کس کے ساتھ؟ تَطِيبُ کے ساتھ یہ اس کے ساتھ جڑ جائے گا۔

تو معنی کیا ہوا؟ أَتَهْجُرُ سَلْمَى بِالْفِرَاقِ یعنی فراق پر راضی ہو کر، یہ بِالْفِرَاقِ کو کس سے جوڑا؟ تَهْجُرُ سے لیکن کس معنی کو ملحوظ رکھتے ہوئے؟ تَرْضَى کے، یعنی أَتَهْجُرُ سَلْمَى بِالْفِرَاقِ کیا سلمیٰ چھوڑ دے گی جدائی پر راضی ہو کر حَبِيبَهَا اپنے محبوب کو؟ کیا سلمیٰ اپنے محبوب کو چھوڑ دے گی جدائی پر راضی ہو کر؟ اور یہ استفہام یہ سوال نہیں پوچھا جا رہا یہ استفہامِ انکاری ہے، یہ استفہام، استفہامِ انکاری اسے کہتے ہیں کہ سوال کی صورت میں ایک بات ذکر کی جاتی ہے لیکن وہاں اس کو رد کرنا مقصد ہوتا ہے، اس بات کو وہاں سوال پوچھنا مقصد نہیں ہوتا اس سوال کو رد کرنا مقصد ہوتا ہے کہ ایسا نہیں ہے۔ یعنی أَتَهْجُرُ سَلْمَى بِالْفِرَاقِ حَبِيبَهَا کیا سلمیٰ جدائی پر راضی ہو کر اپنے محبوب کو چھوڑ دے گی؟ یعنی ایسا نہیں ہے ایسا نہیں ہے یہ نہیں ہو سکتا۔

وَمَا كَادَ، یہ نَفْسًا کو ذرا آخر میں لے جائیں یہ تمییز ہے، وَمَا كَادَ تَطِيبُ بِالْفِرَاقِ اور قریب نہیں ہے کہ وہ خوش ہو جائے جدائی پر نَفْسًا باعتبارِ ذات کے، اور یہ بات قریب نہیں ہے کہ سلمیٰ جدائی پر خوش ہو جائے اپنی ذات کے اعتبار سے، یعنی سلمیٰ اپنی ذات کے اعتبار سے جدائی پر خوش نہیں ہو سکتی۔ جب وہ جدائی پر خوش نہیں ہو سکتی تو پھر وہ ہجران کو یعنی چھوڑ دینے کو کیسے اختیار کر سکتی ہے؟ جب وہ جدائی پر خوش نہیں ہے تو ہجران یعنی بالکل ہی چھوڑ دینا یہ تو کبھی بھی وہ نہیں کر سکتی۔ معنی سمجھ میں آگیا؟ أَتَهْجُرُ سَلْمَى بِالْفِرَاقِ حَبِيبَهَا کیا سلمیٰ جو ہے جدائی پر راضی ہو کر اپنے محبوب کو چھوڑ دے گی؟ وَمَا كَادَ نَفْسًا بِالْفِرَاقِ تَطِيبُ اور قریب نہیں ہے کہ سلمیٰ جو ہے وہ خوش ہو جدائی پر اپنی ذات کے اعتبار سے، جب وہ جدائی پر خوش نہیں ہے تو پھر چھوڑ دینے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا بھئی۔ معنی سمجھ میں آگیا؟ تو یہاں دیکھو یہ نَفْسًا کو تَطِيبُ پر مقدم کیا گیا۔

دیکھیے بھئی کہتے ہیں: عَلَى تَقْدِيرِ تَأْنِيثِ الضَّمِيرِ فِي تَطِيبُ. یاد رکھو یہ جو شعر میں تَطِيبُ آیا نا یہ مؤنث کا صیغہ ہے جب مؤنث کا صیغہ ہے تو اس کے اندر هِيَ ضمیر ہے، اور هِيَ ضمیر ہے تو پھر ظاہر سی بات ہے وہ پیچھے سَلْمَى کو راجع کرنا پڑے گی، لیکن بعض روایتوں میں یہاں يَطِيبُ مذکر کا صیغہ بھی آیا ہے، يَطِيبُ، اور يَطِيبُ ہے پھر تو وہ مذکر کا صیغہ ہے تو اس کے

اندر هُوَ ضمیر ہے، جب هُوَ ضمیر ہے تو اس صورت میں پھر یہ ضمیر سلمیٰ کو نہیں لوٹ سکتی بلکہ اس صورت میں پھر یہ حَبِیب کو ضمیر لوٹے گی۔ وَمَا كَادَ نَفْسًا اور قریب نہیں ہے کہ محبوب جو ہے اپنی ذات کے اعتبار سے بِالْفِرَاقِ يَطِيبُ۔ توجہ ہے؟ اب میں ترجمہ کروں گا يَطِيبُ پڑھ کر: وَمَا كَادَ نَفْسًا بِالْفِرَاقِ يَطِيبُ اور قریب نہیں ہے کہ محبوب جو ہے وہ اپنی ذات کے اعتبار سے وہ جدائی پر خوش ہو، محبوب جو ہے وہ جدائی پر اپنی ذات کے اعتبار سے خوش نہیں ہو سکتا بھئی۔ تو معلوم ہوا یہ تَطِيبُ اور يَطِيبُ دو روایتیں آئی ہیں، تو اب وہ صاحبِ جامی بیان کر رہے ہیں، کہتے ہیں: عَلَى تَقْدِيرِ تَأْنِيثِ الضَّمِيرِ بنابر ضمیر کے مؤنث ہونے کی تقدیر پر فِي تَطِيبُ کس کے اندر؟ تَطِيبُ کے اندر، فَإِنَّهُ حِينَئِذٍ تو اس وقت جو ہے يَكُونُ فِي كَادَ ضَمِيرُ الشَّأْنِ، كَادَ کے اندر ضمیرِ شان ہوگی لِتَذْكِيرِهِ اس کے مذکر ہونے کی وجہ سے۔

بھئی دیکھیے، دیکھیے یہ جو كَادَ ہے نا یہ افعالِ مقاربہ میں سے ہے اور یہ ایک اسم چاہتا ہے اور ایک خبر۔ كَادَ مذکر کا صیغہ ہے اگر مؤنث کا ہوتا تو كَادَتْ بھئی لمبی تا بھی ساتھ آنی چاہیے تھی، تو یہ مذکر کا صیغہ ہے اور آگے تَطِيبُ یہ اس کی خبر ہے کیونکہ كَادَ ایک اسم چاہتا ہے ایک خبر، كَادَ تَطِيبُ، تو اب دیکھو دونوں میں مطابقت نہیں آ رہی كَادَ کے اندر هُوَ ضمیر اور آگے تَطِيبُ وہ تو مؤنث کا صیغہ ہے۔ توجہ ہے؟ تو پھر آپ کو بتائیں گے کہ یہ جو كَادَ کے اندر ضمیر ہے وہ مذکر کی ہے وہ تو سلمیٰ کو نہیں لوٹ سکتی تو اس کو ضمیرِ شان بنا دو، کیا بنا دو؟ ضمیرِ شان کسے کہتے ہیں اچھی طرح سمجھ لو۔ یاد رکھو ضمیرِ شان کبھی کبھار کلام کے اندر ایک مبہم ضمیر لائی جاتی ہے اور آگے آنے والا جملہ اس کی تفسیر کرتا ہے۔ بھئی ہوتا تو یوں ہے عموماً کہ پہلے مرجع آتا ہے اور پھر آگے ضمیر لا کر اس مرجع کی طرف لوٹائی جاتی ہے۔ توجہ ہے؟ پہلے مرجع کا ذکر ضروری ہوتا ہے پھر ضمیر آتی ہے، لیکن کبھی کبھار ایسا کیا جاتا ہے کہ پیچھے مرجع مذکور نہیں ہوتا اور ایک مبہم ضمیر لے آتے ہیں اور پھر آگے ایک جملہ لا کر اس کی تفسیر کر دی جاتی ہے کہ ضمیر سے یہ مراد ہے بھئی، ضمیر سے یہ مراد، اس ضمیر کو ضمیرِ شان کہتے ہیں اگر یہ مذکر کی ہو۔ یہ ضمیر مذکر کی بھی ہو سکتی ہے اور مؤنث کی بھی ہو سکتی ہے، یہ آگے جو جملہ آ رہا ہو اس کے اندر مسند الیہ کو دیکھیں گے اگر وہ مذکر ہے تو ضمیر بھی مذکر کی ضمیرِ شان لائیں گے اور اگر آگے جو جملہ تفسیر کر، توجہ ہے؟ ضمیرِ شان آئے گی آگے ایک جملہ آئے گا وہ اس کی تفسیر کرے گا۔ جب جملہ آئے گا تو جملے کے اندر ایک مسند ہوگا ایک مسند الیہ ہوگا اس میں مسند الیہ اگر مذکر ہوا تو پیچھے ضمیرِ شان بھی کیا لائیں گے؟ مذکر، اور اگر وہ جو مسند الیہ ہوا وہ مؤنث ہوا تو ضمیرِ شان پھر نہیں لائیں گے بلکہ مؤنث کی ضمیر لائیں گے اور پھر اس کا نام رکھتے ہیں ضمیرِ قصہ، کیا کہتے ہیں؟ ضمیرِ قصہ۔ شان کا معنی ہے حال بھئی حال، حال یہ ہے، یا یوں کہو قصہ یہ ہے، تو مذکر کے لیے کیا کہیں گے؟ شان یہ ہے، شان کا معنی حال، حال یہ ہے، اور مؤنث کے لیے کیا کہیں گے؟ قصہ یہ ہے یعنی معاملہ یہ ہے۔ مثلاً میں کہتا ہوں إِنَّهُ زَيْدٌ قَائِمٌ، إِنَّهُ یہ ہا ضمیر ضمیرِ شان میں لایا پیچھے کوئی مرجع نہیں ذکر، إِنَّهُ یقیناً شان یہ ہے حال یہ ہے بھئی کیا حال ہے؟ زَيْدٌ قَائِمٌ کہ زید کھڑا ہے، شان یعنی حال یہ ہے کہ زید کھڑا ہے۔ تو زَيْدٌ قَائِمٌ یہ زید مذکر تھا تو إِنَّهُ میں میں ہا ضمیر مذکر کی لایا۔ اور اگر میں آگے زینب کا ذکر لاتا ہوں مثلاً میں یوں

کہتا ہوں إِنَّهَا زَيْنَبُ قَائِمَةٌ، قصہ یہ ہے إِنَّهَا یہ ضمیرِ قصہ ہے، ضمیرِ قصہ اور شان میں نے بتایا ایک ہی چیز ہے بس ایک مذکر ہے اور ایک مؤنث، إِنَّهَا قصہ یہ ہے معاملہ یہ ہے زَيْنَبُ قَائِمَةٌ کہ زینب کھڑی ہے۔ توجہ ہے؟ تو إِنَّهُ یہ ہا ضمیر کون سی؟ ضمیرِ شان اور زَيْدٌ قَائِمٌ یہ پورا جملہ اس کی تفسیر کر رہا ہے کہ ضمیر سے یہ شان یہ حال مراد ہے۔ اور إِنَّهَا زَيْنَبُ قَائِمَةٌ یہ ہا ضمیر کیا؟ یہ ضمیرِ قصہ اور اس سے کیا مراد ہے؟ آگے زَيْنَبُ قَائِمَةٌ پورا جملہ اس کی تفسیر کر رہا ہے۔ جیسے قرآن میں اللہ فرماتے ہیں: قُلْ هُوَ اللّٰهُ أَحَدٌ۔ قُلْ اے پیغمبر آپ کہہ دیجیے هُوَ شان یہ ہے، شان یہ ہے، اللّٰهُ أَحَدٌ کہ اللہ یکتا ہے، اللہ ایک ہے۔ تو دیکھا یہ آگے آنے والا اللّٰهُ أَحَدٌ جو جملہ تھا اس نے هُوَ ضمیر کی تفسیر کر دی۔ بات سمجھ میں آگئی؟ اور اس ضمیر کو پہلے کیوں لاتے ہیں سوال؟ بھئی پہلے ہوتا تو یوں ہے پہلے مرجع آتا ہے پھر ضمیر، کہتے ہیں دراصل مقصد یہاں یہ ہوتا ہے ضمیرِ شان لائی جاتی ہے وہ ایک مبہم ضمیر ہے، جب ضمیر آگئی اور مرجع پیچھے نہیں گزرا تو سننے والا متوجہ ہو گیا کہ بھئی یہ ضمیر کس کی طرف لوٹ رہی ہے؟ ذہن متوجہ ہو گیا، ذہن میں شوق پیدا ہو گیا کہ اس ضمیر کا مرجع کیا ہے اس سے کیا مراد ہے؟ پھر آگے فوراً تفسیر آجاتی ہے اور شوق کے بعد جب نفس ایک چیز کو جانتا ہے تو وہ بات ذہن میں اچھی طرح جم جاتی ہے۔ قُلْ هُوَ اے پیغمبر آپ کہہ دیجیے شان یہ ہے، نفس میں شوق پیدا ہوا کہ وہ کیا بات ہے تو کہا گیا اللّٰهُ أَحَدٌ کہ اللہ یکتا ہے اللہ ایک ہے۔ بات سمجھ میں آگئی۔

دیکھو بات یہ چل رہی تھی کہ فَإِنَّهُ حِينَئِذٍ يَكُونُ فِي كَادَ ضَمِيرُ الشَّأْنِ تو اس وقت پھر كَادَ کے اندر

ضمیرِ شان ہوگی۔ اگر تَطِيبُ کے اندر مؤنث کی ضمیر نکالیں تَطِيبُ مؤنث کا صیغہ ہو تو پھر كَادَ کے اندر بھی تو مؤنث کی ضمیر چاہیے تھی، لیکن وہاں تو مذکر کی ضمیر ہے تو وہ تو سلمیٰ کو نہیں لوٹ سکتی، تو پھر وہاں کیا کرو؟ اس کو ضمیرِ شان بنا دو۔ تو کہتے ہیں: فَإِنَّهُ حِينَئِذٍ يَكُونُ فِي كَادَ ضَمِيرُ الشَّأْنِ تو اس وقت پھر كَادَ کے اندر جو ہے ضمیرِ شان ہوگی، لِتَذْكِيرِهِ بوجہ اس کے مذکر ہونے کے، كَادَ کے اندر جو ضمیر ہے وہ مذکر ہونے کی وجہ سے ضمیرِ شان ہوگی وہ سلمیٰ کو نہیں لوٹ سکتی۔ معنی سمجھ میں آیا؟

وَيَعُودُ ضَمِيرُ تَطِيبُ إِلَى سَلْمَى اور تَطِيبُ کی ضمیر لوٹے گی سلمیٰ کی طرف، وَيَكُونُ نَفْسًا تَمْيِيزًا عَنْ نِسْبَةِ تَطِيبُ إِلَيْهَا مُقَدَّمًا عَلَيْهِ۔ وَيَكُونُ نَفْسًا تَمْيِيزًا اور نَفْس کا لفظ جو ہے وہ تمیز ہے عَنْ نِسْبَةِ تَطِيبُ إِلَيْهَا کس چیز سے تمیز ہے؟ عَنْ نِسْبَةِ تَطِيبُ إِلَيْهَا وہ جو تَطِيبُ کی نسبت کی جا رہی ہے سلمیٰ کی طرف یعنی تَطِيبُ کی جو نسبت ہے اس ضمیر کی طرف جو سلمیٰ کو لوٹ رہی ہے، مُقَدَّمًا عَلَيْهِ اور یہ نَفْسًا تمیز اس پر مقدم ہے۔ پھر ترجمہ سنو: وَيَكُونُ نَفْسًا تَمْيِيزًا عَنْ نِسْبَةِ تَطِيبُ إِلَيْهَا مُقَدَّمًا عَلَيْهِ اور نَفْسًا تمیز ہے تَطِيبُ کی جو نسبت سلمیٰ کی طرف ہو رہی ہے اس سے مُقَدَّمًا عَلَيْهِ اور اس پر مقدم ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو یہ نَفْسًا کو تمیز بنایا کس سے؟ تَطِيبُ کی جو نسبت ہو رہی ہے هِيَ ضمیر کی طرف۔ تو دیکھو شعر میں: وَمَا كَادَ نَفْسًا بِالْفِرَاقِ تَطِيبُ یہ نَفْسًا کو تمیز بنایا کس سے؟ جو تَطِيبُ کی نسبت ہو رہی ہے اس کے اندر چھپی ہوئی هِيَ ضمیر کی طرف، اس نسبت میں ابہام تھا نَفْسًا نے آکر اس ابہام کو دور کر دیا۔

اس پر اشکال ہوتا ہے کہ آپ نے نَفْسًا کو تَطِیبُ سے تمییز بنایا، کَادَ کے اندر بھی تو ھُوَ ضمیر ہے، کَادَ افعالِ مقاربہ میں سے ہے اور اس کے اندر ھُوَ ضمیر جو ہے ضمیرِ شان اس کی طرف کَادَ کی نسبت ہے تو یہاں بھی تو ایک نسبت موجود ہے اس سے بھی تو آپ نَفْسًا کو تمییز بنا سکتے ہیں، تو یاد رکھنا اس سے نَفْسًا تمییز نہیں بن سکتی، اس لیے کیونکہ وہاں کوئی ابہام نہیں، وہاں کوئی ابہام نہیں۔ اور نیز، نیز اگر نَفْس کو اس سے آپ جوڑیں گے پھر تو معنی خراب ہو جائے گا۔ معنی کیا ہو جائے گا؟ پھر تو یہ نَفْس سے کس کا نَفْس مراد ہو جائے گا؟ کَادَ ھُوَ، ھُوَ ضمیر کس کو راجع؟ شان کو، تو نَفْس بھی کس کا ہوگا؟ شان کا، حالانکہ شان کا تو کوئی نَفْس نہیں ہے، شان یہ ہے حال یہ ہے، تو حال کا تو کوئی نَفْس نہیں لہٰذا معنی خراب ہوتا ہے۔ تو یہ کَادَ کی جو نسبت ہو رہی ہے ضمیرِ شان کی طرف اس سے اس کو تمییز نہیں بنا سکتے۔

دوسری تقریر سنو آگے صاحبِ جامی بھی کریں گے۔ دوسری تقریر، اسی شعر پہ ذرا نظر رکھو یہ تَطِیبُ کے بجائے اگر یَطِیبُ ہو جائے، کیا ہو جائے؟ یَطِیبُ۔ اب یَطِیبُ کے اندر ھُوَ ضمیر ہے، اور یہ ھُوَ ضمیر کس کو راجع ہے؟ پیچھے جو حَبِیب کا ذکر آیا تھا مذکر ہے نا تو وہ حَبِیب کو ضمیر راجع ہے، اور اب اس صورت میں یہ جو کَادَ کے اندر جو ھُوَ ضمیر ہے وہ بھی حَبِیب کو راجع ہوگی۔ توجہ ہے؟ پہلے کَادَ کے اندر ھُوَ ضمیر جو تھی اس کو ہم نے ضمیرِ شان بنایا کیونکہ وہ مذکر کی تھی سلمیٰ کی طرف نہیں لوٹ سکتی تھی، تو تَطِیبُ کے اندر تو سلمیٰ کا ذکر تھا تو کَادَ میں بھی کس کا ذکر چاہیے تھا؟ سلمیٰ کا، لیکن یہ تو کَادَ مذکر کا صیغہ ہے تو پھر ہمیں مجبوراً کَادَ کے اندر جو مذکر کی ضمیر تھی اس کو ضمیرِ شان بنانا پڑا۔ لیکن اگر آپ اس کو یَطِیبُ پڑھیں اور یَطِیبُ کے اندر ھُوَ ضمیر محبوب کو راجع ہے تو کَادَ کے اندر ھُوَ ضمیر بھی کس کو راجع کر دیں گے؟ محبوب کو راجع کر دیں گے۔ توجہ ہے؟ تو اب کَادَ کی جو نسبت ہو رہی ہے ھُوَ ضمیر کی طرف جو لوٹ رہی ہے محبوب کی طرف تو اس کَادَ کی نسبت کے اندر ابہام آگیا اور آگے نَفْسًا اس سے تمییز بن جائے گی۔ تو اس صورت میں تمییز اپنے عامل پر مقدم نہیں۔ اگر تَطِیبُ پڑھو گے تو پھر تمییز جو ہے اس تَطِیبُ پر مقدم ہے کیونکہ یہ اسی سے ابہام کو دور کر رہی ہے، اور اگر آپ یَطِیبُ پڑھیں گے تو پھر نَفْسًا کو یَطِیبُ سے تمییز بنانے کی حاجت نہیں ہے بلکہ اس کو کَادَ کے اندر جو نسبت ہے اس سے تمییز بنا دو۔ اور اب دیکھو پھر تو یہ کَادَ پر مقدم نہیں پھر تو کوئی اشکال ہی وارد نہیں ہوتا، جمہور کا بھی یہی مذہب ہے کہ یہ نَفْسًا فعل پر مقدم نہیں ہو سکتا کیونکہ اب یہ کس سے ابہام دور کر رہی ہے؟ کَادَ کے اندر جو نسبت ہے۔ بات سمجھ میں آگئی۔

تو کہتے ہیں: وَأَمَّا عَلَى تَقْدِيرِ تَذْكِيرِ الضَّمِيرِ اور باقی ضمیر کے مذکر ہونے کی تقدیر پر فَضَمِيرُ كَادَ لِلْحَبِيبِ تو کَادَ کی ضمیر کس کے لیے ہوگی؟ حَبِیب یعنی محبوب کے لیے ہوگی، وَنَفْسًا تَمْيِيزٌ عَنْ نِسْبَةِ كَادَ إِلَيْهِ اور یہ نَفْسًا تمییز ہوگا وہ جو کَادَ کی نسبت ہو رہی ہے اس مذکر ضمیر کی طرف، أَيْ وَمَا كَادَ الْحَبِيبُ نَفْسًا يَطِيبُ، وَمَا كَادَ الْحَبِيبُ، کَادَ کے اندر ضمیر کس کو لوٹائی تھی؟ حَبِیب کو، تو اسی حَبِیب کو یہاں لے آئے، وَمَا كَادَ الْحَبِيبُ اور نہیں ہے قریب محبوب نَفْسًا اپنی ذات کے اعتبار سے يَطِيبُ کہ وہ خوش ہو بِالْفِرَاقِ جدائی پر۔ بات سمجھ میں آگئی۔ تو کہتے ہیں: أَيْ وَمَا كَادَ الْحَبِيبُ نَفْسًا يَطِيبُ یعنی قریب

نہیں ہے محبوب اپنی ذات کے اعتبار سے کہ وہ خوش ہو، فَلَا تَمَسُّكَ تو لہٰذا استدلال نہیں ہو سکتا۔

تو استدلال نہیں ہو سکتا بھئی دیکھیے نا صاحبِ جامی جواب ذکر فرما رہے ہیں: امام مازنی اور امام مبرد جو ہیں انہوں نے اس شاعر کے شعر کو دلیل کے طور پر ذکر فرمایا لیکن صاحبِ جامی نے جواب دیا کہ یہاں جیسے تَطِيبُ ایک روایت میں آیا ہے مؤنث کا صیغہ، بعض روایتوں میں يَطِيبُ بھی آیا ہے، اور جب تَطِيبُ پڑھیں پھر تو تمیز مقدم ہو گئی اپنے عامل پر، اور اگر يَطِيبُ پڑھیں پھر تو تمیز اپنے عامل پر مقدم نہیں۔ تو اس شعر کے اندر تو دونوں احتمال آ گئے۔ ایک صورت میں اگر تمیز مقدم ہے تو دوسری صورت میں تمیز مقدم نہیں ہے تو لہٰذا آپ اس شعر سے استدلال نہیں کر سکتے۔ اگر اس میں ایک ہی روایت ہوتی پھر تو آپ کہتے دیکھو یہ مقدم ہے تَطِيبُ پر، لیکن یہاں تو يَطِيبُ بھی آیا ہے تو ایک صورت سے کیا پتہ چلا؟ کہ تمیز کو مقدم کرنا جائز ہے، اور دوسری صورت لیں تو معلوم ہو رہا ہے کہ تمیز اپنے عامل پر مقدم نہیں ہے بھئی اسی طرح مؤخر ہی ہے، تو لہٰذا آپ اس شعر سے استدلال نہیں کر سکتے۔ یہ معنی ہے فَلَا تَمَسُّكَ تو اس صورت میں پھر کوئی استدلال نہیں ہو سکتا۔

وَمَا قِيلَ اور وہ جو کہا گیا ہے کہ يَحْتَمِلُ أَنْ يُحْمَلَ الْبَيْتُ عَلَى تَقْدِيرِ تَأْنِيثِهِ، بھئی دیکھیے پھر وہ شعر پر ذرا آئیے۔ توجہ ہے؟ بھئی یہ شعر کس کی دلیل ہے؟ امام مازنی اور امام مبرد کی۔ استدلال کس طرح کیا تھا؟ کہ تَطِيبُ کی جو نسبت ہو رہی ہے هِيَ ضمیر کے اندر اس میں ابہام تھا اور نَفْسًا تمیز کو اس پر مقدم کیا گیا، توجہ ہے؟ نَفْسًا تمیز کو اس پر مقدم کیا گیا اس کو دلیل بنایا کس نے؟ امام مازنی نے اور امام مبرد نے۔ بعض شارحین پھر جواب دیتے ہیں، وہ کہتے ہیں کہ یہ جو تَطِيبُ ہے اس کے اندر هِيَ ضمیر ہے لیکن اس کو بھی محبوب کی طرف راجع کر سکتے ہیں ہم۔ بھئی کیسے راجع کر سکتے ہیں؟ محبوب مذکر، حَبِيب پیچھے مذکر ہے اور تَطِيبُ کے اندر هِيَ ضمیر ہے، تو وہ فرماتے ہیں کہ یہ جو حَبِيب ہے اس کو نَفْس کی تاویل میں کر لیں، کس تاویل میں کر لیں؟ نَفْس، یعنی حَبِيب سے مراد حَبِيب کا نَفْس ہے حَبِيب کی ذات ہے۔ حَبِيب کی ذات، اور نَفْس کا لفظ تو عربی میں مؤنث استعمال ہوتا ہے، تو لہٰذا اب تَطِيبُ کی هِيَ ضمیر کس کو راجع ہے؟ حَبِيب کو، کس تاویل میں؟ نَفْس کی تاویل میں۔ جب تَطِيبُ کے اندر هِيَ ضمیر آپ نے محبوب کو راجع کر دی تو كَادَ کے اندر بھی هُوَ ضمیر وہ بھی کس کو راجع ہے؟ محبوب کو، تو چاہے آپ يَطِيبُ پڑھیں تو بھی كَادَ کی ضمیر محبوب کو راجع۔ يَطِيبُ پڑھا تھا تب بھی كَادَ کی ضمیر کس کو راجع تھی؟ محبوب کو، اور تَطِيبُ پڑھیں اور اس ضمیر کو بھی محبوب کو راجع کر دیں تو اس صورت میں بھی كَادَ کے اندر ضمیرِ شان بنانے کی کوئی حاجت نہیں وہ ضمیر دونوں صورتوں میں محبوب کو راجع کر دو کیونکہ چاہے يَطِيبُ پڑھو تو بھی محبوب مراد تَطِيبُ پڑھو پھر بھی محبوب مراد ہے، تو اب كَادَ کی ضمیر دونوں صورتوں میں کس کو لوٹے گی؟ محبوب کو۔ جب دونوں صورتوں میں محبوب کو لوٹ رہی ہے تو اسی سے آگے نَفْسًا کو تمیز بنا دو۔ كَادَ کے اندر ضمیرِ شان نکالتے تھے پھر تو نَفْسًا کو اس سے تمیز نہیں بنا سکتے تھے، لیکن جب دونوں صورتوں میں آپ نے ضمیریں کس کو لوٹا دی ہیں؟ محبوب کو، تو ضمیرِ شان بنانے کی ضرورت ہی

نہیں کَادَ کی ضمیر دونوں صورتوں میں محبوب کو لوٹ رہی ہے اور اس نسبت کے اندر ابہام ہے، اسی سے نَفْسًا نے آکر کیا کیا؟ ابہام کو دور کیا۔ تو دونوں صورتوں میں نَفْسًا تمییز اپنے عامل کَادَ کے بعد آرہا ہے اس پر مقدم نہیں ہے۔ بات سمجھ میں آگئی۔

تو بعض شارحین نے یہ جواب دیا، تو صاحبِ جامی اس کو رد کریں گے کہتے ہیں نہیں بھئی یہ تو تکلف آپ کو کرنا پڑا، تکلف کہتے ہیں بات بن نہ رہی ہو زور لگا کر بات کو بنانا۔ تَطِيبُ کی ضمیر ظاہر یہی ہے کس کو لوٹ رہی ہے؟ تَطِيبُ جب مؤنث کا صیغہ ہے تو ظاہر یہی ہے یہ ضمیر کس کو لوٹ رہی ہے؟ سلمیٰ کو لوٹ رہی ہے، اور آپ نے تکلف کر کے بات کو گھما کر ضمیر کو کس کی طرف لوٹا دیا؟ محبوب کی طرف، تو تکلف کے ذریعے آپ ان کے استدلال کو باطل نہیں کر سکتے کیونکہ ظاہر یہی ہے تَطِيبُ کی ضمیر کس کو لوٹ رہی ہے؟ سلمیٰ کو لوٹ رہی ہے، تو آپ اپنے تکلف والے جواب کے ذریعے ان کے استدلال کو باطل نہیں کر سکتے۔ جواب وہی ہے جو ہم نے ذکر کر دیا کیا؟ کہ یہاں اگر تَطِيبُ آیا ہے تو يَطِيبُ بھی آیا ہے، ایک صورت میں اگر تمییز مقدم ہو رہی ہے تو دوسری صورت میں مقدم نہیں ہے لہٰذا اس سے استدلال نہیں کیا جا سکتا۔ بات سمجھ میں آگئی۔

تو کہتے ہیں: وَمَا قِيلَ اور وہ جو کہا گیا ہے يَحْتَمِلُ أَنْ يُحْمَلَ الْبَيْتُ عَلَى تَقْدِيرِ تَأْنِيثِهِ کہ یہ بھی احتمال ہے کہ محمول کیا جائے اس شعر کو عَلَى تَقْدِيرِ تَأْنِيثِهِ أَيْضًا ضمیر کے مؤنث ہونے کی تقدیر پر بھی۔ پھر ترجمہ سنو: وَمَا قِيلَ اور وہ جو کہا گیا ہے يَحْتَمِلُ کہ یہ احتمال بھی ہے کہ أَنْ يُحْمَلَ الْبَيْتُ عَلَى تَقْدِيرِ تَأْنِيثِهِ أَيْضًا کہ ضمیر کے مؤنث ہونے کی تقدیر پر بھی شعر کو محمول کیا جا سکتا ہے، یہ بھی احتمال ہے کہ ضمیر کے مؤنث ہونے کی تقدیر پر بھی شعر کو محمول کیا جا سکتا ہے عَلَى هٰذَا الْوَجْهِ اس وجہ پر کون سی؟ وہ جو دوسری وجہ ذکر کی کہ نَفْسًا کو کس سے تمیز بنایا؟ كَادَ سے، تو ضمیر کے مؤنث ہونے کی تقدیر پر بھی شعر کو اس وجہ پر محمول کیا جا سکتا ہے بِأَنْ يَكُونَ تَأْنِيثُ الضَّمِيرِ الرَّاجِعِ إِلَى الْحَبِيبِ ہیں صورت کہ بِأَنْ يَكُونَ تَأْنِيثُ الضَّمِيرِ الرَّاجِعِ إِلَى الْحَبِيبِ ترجمہ سنو: تانیث کا معنی مؤنث ہونا، الضَّمِيرِ الرَّاجِعِ إِلَى الْحَبِيبِ وہ ضمیر جو لوٹ رہی ہے محبوب کی طرف اس کا مؤنث ہونا، بِأَنْ يَكُونَ تَأْنِيثُ الضَّمِيرِ الرَّاجِعِ إِلَى الْحَبِيبِ کہ وہ ضمیر جو محبوب کی طرف لوٹ رہی ہے اس کا مؤنث ہونا بِاعْتِبَارِ النَّفْسِ وہ نَفْس کے اعتبار سے ہو، إِذِ الْمَعْنَى کیونکہ معنی جو ہے وہ یہ ہے وَمَا كَادَتْ نَفْسُ الْحَبِيبِ تَطِيبُ اور قریب نہیں ہے کہ محبوب کی ذات جو ہے وہ خوش ہو۔ محبوب سے کیا مراد ہے؟ محبوب کی ذات مراد ہے تو لہٰذا یہاں هِيَ ضمیر اس محبوب کو لوٹائی جا سکتی ہے۔ کہتے ہیں: إِذِ الْمَعْنَى کیونکہ معنی جو ہے وَمَا كَادَتْ نَفْسُ الْحَبِيبِ تَطِيبُ۔ تو یہ جو کہا گیا ہے بھئی وہ شروع میں آیا تھا وہ جو کہا گیا ہے کہ شعر کے اندر یہ بھی احتمال ہے، آگے فرماتے ہیں فَتَكَلُّفٌ وَتَعَسُّفٌ یہ خبر ہے وَمَا قِيلَ کی، یہ جو کہا گیا ہے فَتَكَلُّفٌ وَتَعَسُّفٌ یہ تکلف اور تعسف ہے۔ تکلف اور تعسف کا ایک ہی معنی ہے یعنی بات بن نہ رہی ہو اس کو مشقت کر کے اس کو بنانا۔ اب بتدا خبر کو جوڑیں وَمَا قِيلَ فَتَكَلُّفٌ وَتَعَسُّفٌ اور وہ جو کہا گیا ہے وہ تکلف اور تعسف ہے غَيْرُ قَادِحٍ فِي التَّمَسُّكِ، قَدَحَ کے معنی ہوتے ہیں عیب لگانا، غَيْرُ قَادِحٍ فِي التَّمَسُّكِ یہ تکلف جو ہے

یہ عیب نہیں لگا سکتا فِي التَّمَسُّكِ استدلال میں۔ یہ جو آپ نے تکلف کر کے مؤنث کی ضمیر بھی کس کی طرف لوٹا دی؟ نَفْسِ حبیب کی طرف لوٹا دی، یہ جو آپ کا تکلف ہے غَيْرُ قَادِحٍ فِي التَّمَسُّكِ یہ ان کے استدلال میں کوئی عیب لگانے والا نہیں، یعنی یوں کہیں قَادِح کا معنی کر لیں مضر، نقصان دینے والا، غَيْرُ قَادِحٍ فِي التَّمَسُّكِ یہ ان کے استدلال میں کوئی مضر نہیں کوئی نقصان دینے والا نہیں، اس سے آپ ان کے استدلال کو باطل نہیں کر سکتے۔ انہوں نے کیا کہا تھا؟ تَطِيبُ کی ضمیر کس کو راجع ہے؟ سلمیٰ کو، اور ظاہر بھی یہی ہے تَطِيبُ کی ضمیر کس کو راجع؟ سلمیٰ کو۔ آپ نے تکلف کر کے بتلایا کہ نہیں یہ هِيَ ضمیر بھی کس کو راجع ہے؟ محبوب کو راجع ہے نَفْس کی تاویل میں، تو اس تکلف کے ذریعے آپ ان کے استدلال کو باطل نہیں کر سکتے کیونکہ ظاہر یہی ہے کہ یہ ضمیر سلمیٰ کو لوٹ رہی ہے حَبِيب کو نہیں لوٹ رہی۔ پھر دیکھیں مبتدا خبر کو ذرا آپس میں جوڑیں وَمَا قِيلَ فَتَكَلُّفٌ وَتَعَسُّفٌ اور وہ جو کہا گیا ہے وہ تکلف اور تعسف ہے غَيْرُ قَادِحٍ فِي التَّمَسُّكِ یہ ان کے استدلال میں کوئی مضر نہیں، یہ ان کے استدلال کو کوئی نقصان دینے والا نہیں ہے اس سے آپ ان کے استدلال کو باطل نہیں کر سکتے۔ یہاں تک بحث سمجھ میں آگئی۔

بھئی اب ذرا اس حاصلِ کلام دوبارہ سمجھ لیں ذرا اس شعر پر آجائیے بھئی، یہ شعر اب مختصر لفظوں میں میں ان شاء اللہ وضاحت کروں گا بات آپ کو پوری سمجھ میں آجائے گی۔ بھئی دیکھیے یہ شعر جو دلیل ہے امام مازنی اور امام مبرد کی:

▪ متنِ کتاب و تحقیقِ مسائلِ نحویہ

أَتَهْجُرُ سَلْمَى بِالْفِرَاقِ حَبِيبَهَا — وَمَا كَادَ نَفْسًا بِالْفِرَاقِ تَطِيبُ

بھئی دیکھیے یہ شعر ذکر کیا ہے امام مازنی اور امام مبرد نے دلیل کے طور پر کہ اس کے اندر یہ جو نَفْسًا تمیز آرہی ہے یہ تَطِيبُ پر مقدم ہے بھئی، یہ تَطِيبُ پر مقدم ہے، تو لہٰذا معلوم ہوا تمیز کو اپنے عامل فعل پر مقدم کیا جا سکتا ہے۔ بھئی دیکھو بات کو پھر سمجھ لیں: وَمَا كَادَ میں نے بتایا یہ كَادَ افعالِ مقاربہ میں سے ہے، اور افعالِ مقاربہ وہ ایک اسم چاہتے ہیں اور ایک خبر: كَادَ زَيْدٌ أَنْ يَقُومَ۔ قریب ہے زید أَنْ يَقُومَ کہ وہ قیام کرے، یعنی زید کو قیام کی صفت حاصل ہونے والی ہے ابھی زید قائم نہیں ہوا ابھی اس کو قیام کی صفت حاصل نہیں ہوئی لیکن قریب ہے وہ قیام کے وہ قیام کرنے ہی والا ہے۔ تو دیکھو ایک ہے كَادَ کا اسم، ایک ہے كَادَ کی خبر۔ توجہ ہے؟ كَادَ کی جو خبر ہے اس کا حمل كَادَ کے اسم پر ہوتا ہے۔ مثلاً إِنَّ کو دیکھ لو إِنَّ زَيْدًا قَائِمٌ، یہ إِنَّ حرف از حروفِ مشبہ بالفعل ہے یہ بھی ایک اسم چاہتا ہے اور ایک خبر، تو یہ زَيْدًا ہے إِنَّ کا اسم اور یہ قَائِمٌ ہے إِنَّ کی خبر، اور إِنَّ کی خبر کا حمل کس پر ہوتا ہے؟ إِنَّ کے اسم پر ہوتا ہے۔ معلوم ہوا إِنَّ زَيْدًا قَائِمٌ یہ قَائِم کون ہے؟ زید ہی ہے۔ توجہ ہے؟ اسی طرح كَانَ کے اندر بھی ہوتا ہے كَانَ بھی ایک اسم چاہتا ہے اور ایک خبر چاہتا ہے، كَانَ زَيْدٌ

قَائِمًا۔ تو یہ زید کیا ہے؟ کَانَ کا اسم، اور قَائِمًا کیا ہے؟ کَانَ کی خبر، اور کَانَ کی خبر کا حمل کس پر ہوتا ہے؟ کَانَ کے اسم پر۔ یہاں تک بات سمجھ میں آگئی۔

تو یہاں پر کَادَ آیا اور کَادَ افعالِ مقاربہ میں سے ہے یہ بھی ایک اسم چاہتا ہے اور ایک خبر چاہتا ہے۔ تو دیکھو کَادَ کے بعد نَفْسًا آرہا ہے یہ تو تمییز ہے اس کو ذرا ہٹا دیں، بِالْفِرَاقِ یہ جار مجرور متعلق ہے تَطِیبُ کے ساتھ، تو گویا کلام یوں ہے کَادَ تَطِیبُ۔ کَادَ تَطِیبُ، یہ نَفْسًا اور بِالْفِرَاقِ ان کو تو ہٹا دو، تو کَادَ کے بعد تَطِیبُ آرہا ہے اور کَادَ صرف خبر چاہتا ہے یا اسم بھی چاہتا ہے؟ اسم بھی۔ تو پھر کَادَ کے اندر ضمیر نکالیں گے وہ ہے کَادَ کا اسم، اور یہ تَطِیبُ کیا ہے؟ کَادَ کی خبر۔ توجہ ہے؟ اور یہ جو کَادَ کی خبر ہے اس کا حمل کس پر ہوگا؟ کَادَ کے اسم پر حمل ہوگا، کَادَ کے اسم پر حمل ہوگا۔ تو یہاں اب دیکھو کَادَ مذکر کا صیغہ ہے تو اس کے اندر ھُوَ ضمیر ہے، ھُوَ ضمیر ہے اور آگے اگر تَطِیبُ مؤنث کا صیغہ پڑھیں تو پھر کَادَ کا اسم ہے مذکر کی ضمیر اور کَادَ کی خبر تَطِیبُ اس میں مؤنث کی بات ہو رہی ہے، تو یہ تو دونوں میں ربط نہیں ہے۔ توجہ ہے؟ ہونا تو یوں چاہیے تھا کَادَتْ تَطِیبُ، کَادَتْ کے اندر ھِيَ ضمیر لوٹائی جاتی سلمیٰ کو اور تَطِیبُ کے اندر ھِيَ ضمیر بھی کس کو لوٹ رہی ہے؟ سلمیٰ، تو کَادَ کے اسم اور خبر میں ربط آجاتا، کَادَ کے اسم اور خبر میں ربط آجاتا۔ کَادَ کی خبر بھی کیا ہو جاتی؟ ھِيَ ضمیر جو کس کو لوٹتی؟ سلمیٰ کو، اور تَطِیبُ میں بھی کس کی بات ہو رہی ہے؟ سلمیٰ کی۔ تو ہونا بھی یہی چاہیے اسم اور خبر میں ربط ہوتا ہے، لیکن یہاں کَادَ کے اندر ھُوَ ضمیر ہے اور تَطِیبُ مؤنث کا صیغہ ہے، تو نحوی حضرات مجبور ہوئے انہوں نے کہا کہ یہ کَادَ کے اندر جو ھُوَ ضمیر ہے اس کو ضمیرِ شان بنا دو، کیا بنا دو؟ کیونکہ یہ تو سلمیٰ کو راجع نہیں ہو سکتی۔ اور ضمیرِ شان کسے کہتے ہیں؟ ایک مبہم ضمیر ہوتی ہے آگے آنے والا جملہ اس کی تفسیر کرتا ہے۔ وَمَا کَادَ اور قریب نہیں ہے یہ شان، ھُوَ ضمیر ضمیرِ شان ہے، قریب نہیں ہے یہ شان یعنی یہ حالت قریب نہیں ہے، شان کا کیا معنی؟ حالت، یہ حالت قریب نہیں ہے تَطِیبُ کہ سلمیٰ خوش ہو اپنی ذات کے اعتبار سے جدائی پر۔ توجہ ہے؟ تو کَادَ کے اندر جب ھُوَ ضمیر ضمیرِ شان بنا دیں گے اور آگے تَطِیبُ پورا جملہ یہ جو کَادَ کی خبر ہے یہ اس کی تفسیر کر دے گا تو مسئلہ حل ہو گیا۔ بات سمجھ میں آگئی۔

اب یہ جو نَفْسًا ہے اس کو تمییز کس سے بنائیں؟ بھئی دیکھو ایک ضمیر کَادَ کے اندر ہے ایک تَطِیبُ کے اندر ہے۔ کَادَ کا اسناد کس کی طرف ہے؟ ھُوَ ضمیر کی طرف جو ضمیرِ شان ہے، تو کَادَ کا اسناد ھُوَ ضمیر کی طرف ہے تو گویا ایک نسبت یہاں کَادَ کے اندر موجود ہے، اور ایک نسبت وہ تَطِیبُ کا اسناد ہو رہا ہے ھِيَ ضمیر کی طرف تو ایک نسبت اس کے اندر موجود ہے۔ اب اس نَفْسًا کو کس سے تمییز بنائیں؟ تو یاد رکھیں پھر اس صورت میں یہ تَطِیبُ کے اندر جو نسبت ہے اس سے ابہام دور کرے گی، اس سے یہ تمییز بنے گی۔ بھئی کَادَ سے کیوں نہیں تمییز بناتے؟ وجہ یہ کہ کَادَ کا اسناد تو شان کی طرف ہو رہا ہے، اگر آپ شان کے لیے اس کو تمییز بنائیں کَادَ الشَّأْنُ قریب ہے وہ شان وہ حالت نَفْسًا اپنی ذات کے اعتبار سے پھر تو معنی یہ بن جائے گا، معنی ہی خراب ہو گیا بھئی شان اور حالت کی تو کوئی ذات نہیں ہوتی بھئی۔ توجہ ہے؟ لہٰذا یہ نَفْسًا اس کَادَ

کے اندر جو نسبت ہے اس سے تمییز نہیں بن سکتی ورنہ تو معنی خراب ہو جائے گا، لہٰذا اس کو تَطِیبُ کے اندر جو نسبت ہے اسی سے تمییز بنانا پڑے گا۔ جب اسی سے یہ تمییز ہے تو یہ نَفْسًا تو تَطِیبُ پر مقدم ہے، تو معلوم ہوا نَفْسًا تمییز اپنے عامل پر مقدم ہو گئی۔ تو لہٰذا امام مازنی اور امام مبرد فرماتے ہیں کہ یہاں پر دیکھو یہ نَفْسًا جو ہے یہ تَطِیبُ پر مقدم ہے، معلوم ہوا تمییز اپنے عامل فعل پر مقدم ہو سکتی ہے۔

لیکن صاحبِ جامی فرماتے ہیں کہ اس شعر کے اندر یَطِیبُ بھی آیا ہے روایات میں۔ بعض روایات میں تو تَطِیبُ مؤنث کا صیغہ آیا ہے اور بعض روایات میں یَطِیبُ مذکر کا صیغہ آیا ہے۔ توجہ ہے؟ تو یَطِیبُ کے اندر جب مذکر کی ضمیر ہے تو اب وہ تو مذکر کی ضمیر تو سلمیٰ کو نہیں لوٹ سکتی، وہ پھر حَبِیب کو لوٹانی پڑے گی۔ حَبِیب بھی مذکر اور یَطِیبُ کے اندر ضمیر بھی مذکر۔ معلوم ہوا یہ یَطِیبُ کَادَ کی خبر ہے، یہ کَادَ کی خبر اور کَادَ کی خبر کو کس سے جوڑتے ہیں؟ کَادَ کے اسم سے۔ اور پہلے کَادَ کے اندر کون سی ضمیر ہم نے نکالی تھی؟ ضمیرِ شان، کیوں نکالی تھی؟ کیوں؟ کیونکہ آگے تَطِیبُ میں سلمیٰ کی بات ہو رہی تھی اور کَادَ کے اندر مذکر کی ضمیر وہ تو سلمیٰ کو نہیں لوٹ سکتی، تو وہ حَبِیب کو بھی نہیں لوٹا سکتے ورنہ تو کَادَ کا اسم کچھ اور ہو جائے گا خبر کچھ اور ہو جائے گی۔ تو اس وقت ہم نے کَادَ کے اندر ضمیرِ شان بنائی تھی۔ اب، اب تو یَطِیبُ کے اندر حَبِیب کی بات ہو رہی ہے اور کَادَ کی خبر کا حمل کس پر ہوتا ہے؟ کَادَ کے اسم پر، اور کَادَ کے اندر کون سی ضمیر ہے؟ هُوَ، اب یہ هُوَ یہ تو حَبِیب کو لوٹ سکتی ہے۔ تو کَادَ کے اندر هُوَ ضمیر بھی حَبِیب کو راجع اور آگے یَطِیبُ کے اندر بھی کس کی بات ہو رہی ہے؟ حَبِیب کی بات ہو رہی ہے، اب تو دونوں میں مطابقت آ گئی۔ لہٰذا اب کَادَ کے اندر ضمیرِ شان نہ بناؤ بلکہ کس کو لوٹا دو یہ کَادَ کی ضمیر؟ حَبِیب کو لوٹا دو۔ بات سمجھ میں آ گئی؟ تو معنی کیا بن گیا؟ وَمَا كَادَ الْحَبِيبُ نَفْسًا قریب نہیں ہے وہ محبوب اپنی ذات کے اعتبار سے۔ تو کَادَ کی ضمیر بھی حَبِیب کو راجع اور یَطِیبُ کے اندر هُوَ ضمیر بھی حَبِیب کو راجع۔ اب یہ جو نَفْسًا ہے اب اس کو کَادَ سے تمییز بنانے میں کوئی حرج نہیں کیونکہ کَادَ کی نسبت کس کی طرف ہے؟ هُوَ ضمیر کی طرف، اور حَبِیب کی ذات ہے کہ نہیں؟ پہلے تو شان تھی شان کی تو کوئی ذات نہیں لیکن حَبِیب کی تو ذات ہے، لہٰذا اب جو کَادَ کے اندر نسبت ہے اسی سے نَفْسًا کو تمییز بنا دیں گے۔ اب اس صورت میں دیکھو کَادَ عامل بن گیا نَفْسًا میں، اور اب دیکھو تمییز اپنے عامل پر مقدم نہیں ہے۔ تو صاحبِ جامی نے جواب دیا تھا کہ یہاں پر بعض روایات میں تَطِیبُ آیا ہے اور اس صورت میں یہ نَفْسًا تمییز اپنے عامل پر مقدم ہے، لیکن بعض روایات میں یَطِیبُ آیا ہے پھر اس صورت میں نَفْسًا کو یَطِیبُ سے تمییز بنانے کی کوئی حاجت نہیں ہے کیونکہ یہ خود کَادَ سے بھی بن سکتی ہے تمییز، تو جب یہ کَادَ سے تمییز بن گئی تو یہ اپنے عامل پر مقدم نہیں لہٰذا آپ اس کے ذریعے استدلال نہیں کر سکتے۔ توجہ ہے؟ کیونکہ اس شعر میں دو روایتیں آئی ہیں: ایک روایت کی صورت میں تو تمییز اپنے عامل پر مقدم ہے لیکن دوسری روایت کی صورت میں تمییز اپنے عامل پر مقدم نہیں، تو اس شعر سے آپ

استدلال نہیں کر سکتے کیونکہ اس میں دونوں احتمال موجود ہیں۔

جبکہ بعض نے اور جواب دیا تھا جس کو صاحبِ جامی نے رد کیا، انہوں نے کہا تھا کہ تَطِیبُ مؤنث کا صیغہ ہو پھر بھی یہ ضمیر سلمیٰ کو نہ راجع کرو بلکہ کس کو راجع کرو؟ حَبِیب کو راجع کرو۔ توجہ ہے؟ حَبِیب کو راجع کر دو، بھئی کیوں؟ حَبِیب تو مذکر ہے، کہتے ہیں حَبِیب سے مراد نَفْسِ حَبِیب ہے، حَبِیب کی ذات ہے، اور نَفْس کا لفظ تو عربی میں مؤنث ہے۔ تو تَطِیبُ کی ضمیر بھی کس کو راجع؟ حَبِیب کو۔ توجہ ہے؟ تو معلوم ہوا کَادَ کی خبر میں حَبِیب کی بات ہو رہی ہے، تو جب کَادَ کی خبر میں حَبِیب کی بات ہو رہی ہے تو کَادَ کا اسم جو هُوَ ضمیر ہے وہ بھی کس کو راجع کرو؟ حَبِیب کو، وہ هُوَ ضمیر حَبِیب کو راجع ہو سکتی ہے۔ پہلے تو ضمیر راجع کرنا پڑ رہی تھی سلمیٰ کو اور سلمیٰ تو مؤنث ہے اور کَادَ کی هُوَ ضمیر سلمیٰ کو نہیں لوٹ سکتی، لیکن جب آپ تَطِیبُ کی ضمیر حَبِیب کو لوٹائیں گے تو پھر کَادَ کی ضمیر بھی حَبِیب کو لوٹائیں۔ جب تَطِیبُ کی مؤنث ضمیر حَبِیب کو آپ نے لوٹائی ہے نَفْس کی تاویل میں تو هُوَ ضمیر تو بغیر کسی تاویل کے حَبِیب کی طرف لوٹ جائے گی۔ تو اس صورت میں بھی کَادَ کے اندر هُوَ ضمیر ہے اور وہ کس کو راجع؟ حَبِیب کو، اور حَبِیب کی تو ذات ہے، حَبِیب کی تو ذات ہے، وَمَا کَادَ الْحَبِیبُ اور قریب نہیں ہے وہ محبوب نَفْسًا اپنی ذات کے اعتبار سے، تو اس صورت میں بھی اب کَادَ کے اندر ضمیرِ شان نہیں ہے بلکہ حَبِیب کی ضمیر ہے تو نَفْسًا کو اسی سے تمییز بنا دیں گے۔ یہ بعض نے جواب دیا تھا، انہوں نے کیا کہا تھا؟ کہ تَطِیبُ یعنی مؤنث کا صیغہ پڑھا جائے پھر بھی نَفْسًا کو تَطِیبُ سے تمییز نہ بناؤ بلکہ کَادَ سے بنا لو۔ کیوں؟ کیونکہ اس صورت میں جب آپ نے تَطِیبُ کی ضمیر کس کو لوٹائی؟ حَبِیب کو لوٹائی، تو کَادَ کی ضمیر بھی کس کو لوٹے گی؟ حَبِیب کو لوٹے گی، تو یہاں تو ضمیرِ شان ہے ہی نہیں، تو جب کَادَ کی ضمیر بھی حَبِیب کو لوٹی تو اس نسبت کے اندر ابہام ہے اور آگے نَفْسًا نے کیا کیا؟ ابہام کو دور کر دیا۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو لہٰذا اس صورت میں بھی پھر امام مازنی اور امام مبرد اس شعر سے استدلال نہیں کر سکتے کیونکہ نَفْسًا کو ہم نے تَطِیبُ سے تمییز نہیں بنایا بلکہ کَادَ سے تمییز بنایا ہے۔ بات سمجھ میں آگئی۔

لیکن صاحبِ جامی نے اس قول کو رد کیا کہ نہیں بھئی، آپ نے تکلف کر کے تَطِیبُ کی ضمیر حَبِیب کی طرف لوٹا دی تو اس سے آپ امام مازنی اور امام مبرد کے استدلال کو رد نہیں کر سکتے کیونکہ ظاہر یہی ہے کہ تَطِیبُ کی ضمیر سلمیٰ کو لوٹ رہی ہے حَبِیب کو نہیں لوٹ رہی، تو اگر آپ تاویل کر لیں گے تکلفاً آپ ضمیر حَبِیب کی طرف لوٹا بھی دیں تو یہ تو آپ نے تاویل کر کے حَبِیب کی طرف ضمیر لوٹائی ہے اس سے ان کے استدلال کو کوئی نقصان نہیں۔ ان کا استدلال بالکل واضح ہے کیونکہ ظاہر یہی ہے تَطِیبُ کی ضمیر حَبِیب کو نہیں لوٹ رہی بلکہ سلمیٰ ہی کو لوٹ رہی ہے، جس کے سامنے بھی یہ شعر ذکر کیا جائے گا وہ یہی کہے گا کہ تَطِیبُ کی ضمیر سلمیٰ کو لوٹ رہی ہے۔ بات سمجھ میں آگئی۔ تو یہ جو آپ نے تکلف کر کے تَطِیبُ کی ضمیر حَبِیب کی طرف لوٹا دی اس سے آپ امام مازنی اور امام مبرد کے استدلال کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتے، ان کا استدلال نہایت واضح اور قوی ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو جواب وہی ہے جو ہم نے ذکر کر دیا کہ یہاں یَطِیبُ بھی

آیا ہے اور تَطِیبُ بھی آیا ہے، ایک صورت میں تو تمییز اپنے عامل پر مقدم ہے لیکن دوسری صورت میں تو تمییز اپنے عامل پر مقدم نہیں، اگر ایک ہی روایت ہوتی صرف تَطِیبُ ہوتا پھر تو آپ اس سے استدلال کر سکتے تھے لیکن جب دونوں روایتیں آئی ہیں تو اب آپ اس سے استدلال نہیں کر سکتے۔ بات سمجھ میں آگئی، حل ہو گیا۔ چلیے بس بھئی، هٰذَا هُوَ الْمَرَامُ وَاللّٰهُ أَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْكَلَامِ۔

الْبَابُ التَّاسِعُ: الْمَنْصُوبَاتُ (الْجُزْءُ الثَّالِثُ) — الْمُسْتَثْنَى وَخَبَرُ كَانَ وَاسْمُ لَا وَخَبَرُ مَا وَلَا

منصوبات (حصہ سوم): مستثنیٰ (متصل، منقطع، مفرغ، غیر و سویٰ و حاشا)، خبرِ کان، اسمِ لائے نفیِ جنس اور خبرِ ما و لا — اسباق ۱۵۴ تا ۱۸۲

سبق نمبر ۱۵۴: المستثنیٰ (۱): مستثنیٰ کی تعریف اور مستثنیٰ متصل و منقطع کی تقسیم (مع نقشۂ اعرابِ مستثنیٰ)

شرحِ ملا جامی صفحہ: ۱۴۱ — بتاریخ: ۱۲ جون ۲۰۲۲ء

▪ تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث

آگے سبق دیکھیے بھئی، اَلْمُسْتَثْنٰى أَيْ مَا يُطْلَقُ عَلَيْهِ لَفْظُ الْمُسْتَثْنٰى فِي اصْطِلَاحِ النُّحَاةِ عَلٰى قِسْمَيْنِ، وَلَمَّا كَانَ مَعْلُومِيَّتُهُ بِهٰذَا الْوَجْهِ الْغَيْرِ الْمُحْتَاجِ إِلَى التَّعْرِيفِ كَافِيَةً فِي تَقْسِيمِهِ قَسَّمَهُ إِلٰى قِسْمَيْنِ، وَعَرَّفَ كُلَّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا لِأَنَّ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا

أَحْكَامًا خَاصَّةً لَا يُمْكِنُ إِجْرَاؤُهَا عَلَيْهِ إِلَّا بَعْدَ مَعْرِفَتِهِ، فَقَالَ: مُتَّصِلٌ وَمُنْقَطِعٌ.[1]

آج ہم مستثنیٰ کے بارے میں پڑھیں گے بھئی۔ منصوبات کی بحث چل رہی ہے۔ پہلے اس کو اچھی طرح سمجھ لیں پھر اس کو کتاب میں سے بھی پڑھتے ہیں۔ مستثنیٰ وہ ہے جو إِلَّا اور اس کے اخوات کے بعد واقع ہوتا ہے۔ کس کے بعد؟ إِلَّا اور اس کے اخوات، یعنی إِلَّا اور اس کے مشابہ جو کلمات ہیں۔ وہ کلمات آپ کو بتلائیں گے، إِلَّا کے ساتھ کل گیارہ کلمات بنتے ہیں بھئی۔ جیسے إِلَّا ہے، خَلَا ہے، عَدَا ہے، مَا خَلَا، مَا عَدَا، لَيْسَ، لَا يَكُونُ، اور اسی طرح غَيْرٌ ہے، سَوَاءٌ ہے، سِوَى ہے اور حَاشَا۔ تو یہ گیارہ کلمات استعمال ہوتے ہیں استثنا کے لیے عام طور پر بھئی۔

تو مستثنیٰ وہ ہے جو إِلَّا اور اس کے اخوات کے بعد واقع ہوتا ہے، یہ بتلانے کے لیے کہ اس کی طرف اس چیز کی نسبت نہیں کی جا رہی جس کی نسبت ماقبل کی طرف ہو رہی ہے۔ توجہ ہے؟ بھئی یاد رکھو، ایک إِلَّا کے مابعد آئے گا، إِلَّا کے مابعد جو آئے گا وہ ہے مستثنیٰ، اور ماقبل میں عموماً جو آئے گا وہ کیا ہے مستثنیٰ مِنْهُ۔ تو ماقبل کی طرف جس چیز کی نسبت ہو رہی ہے، اس کی نسبت مستثنیٰ کی طرف نہیں ہوگی، مستثنیٰ کی طرف نہیں ہوگی۔ مستثنیٰ عربی زبان میں مستثنیٰ کا معنیٰ ہے جس کا استثنا کیا گیا یعنی جس کو نکالا گیا ہے یعنی مُخْرَج، مُخْرَج۔ تو پہلے ماقبل کے حکم سے اس کو نکال دیا گیا۔

مثلاً دیکھو، مثال سے بات سمجھ میں آئے گی۔ مثلاً میں کہتا ہوں جَاءَنِي الْقَوْمُ إِلَّا زَيْدًا۔ جی، تو ترجمہ کیجیے جَاءَنِي الْقَوْمُ...

---

[1]

نقشۂ نحوی (۸): مستثنیٰ کا اعراب — إِلَّا، خَلَا، عَدَا، غَيْر، سِوَى، حَاشَا اور مستثنیٰ بِإِلَّا کا مکمل شجرہ (موافقِ درسی نقشہ و ہدایۃ النحو):



ہاں، تمام طلبہ عموماً یہی ترجمہ کرتے ہیں، میرے پاس وہ قوم آئی۔ نہیں بھئی، قَوْمٌ کا اردو ترجمہ ہے لوگ، لوگ۔ جَاءَنِي الْقَوْمُ، یہ الف لام اس پر داخل ہے، معلوم ہوا کوئی متعین جماعت لوگوں کی مراد ہے۔ قَوْمٌ کا لفظ تین سے لے کر نو افراد تک کی جماعت پر بولا جاتا ہے جو مردوں کی جماعت ہو، جس میں عورتیں شامل نہ ہوں۔ تو قَوْمٌ کا لفظ صرف مردوں پر بولا جاتا ہے جس میں تین سے لے کر نو افراد شامل ہوں بھئی۔ ہاں، کبھی کبھار تَبَعًا اس میں عورتیں بھی داخل ہو جاتی ہیں، لیکن اصل کیا ہے؟ یہ کس کے لیے ہے؟ مردوں کے لیے ہے۔ تو اردو میں ترجمہ اس کا کیا کریں گے؟ لوگ۔ اور الف لام بھی داخل ہے، اَلْقَوْمُ وہ لوگ، معلوم ہوا لوگوں کی کوئی خاص جماعت مراد ہے۔

فرض کرو اس میں زید بھی شامل تھا۔ مثلاً میرا اشارہ جو ہے درجہ رابعہ والوں کی طرف ہے، اور درجہ رابعہ والوں کے اندر زید بھی شامل ہے، وہ بھی درجہ رابعہ میں پڑھتا ہے۔ تو جب میں نے کہا جَاءَنِي الْقَوْمُ وہ لوگ میرے پاس آئے، تو اس سے کیا پتہ چلا؟ کہ زید بھی آیا ہے، کیونکہ زید بھی انہی لوگوں کے اندر شامل ہے۔ لیکن جب میں نے آگے کہا إِلَّا زَيْدًا سوائے کس کے؟ زید کے۔ تو دیکھو زید کو میں نے ماقبل کے حکم سے نکال دیا۔ ماقبل جَاءَنِي الْقَوْمُ، یہ اَلْقَوْمُ کے لیے کون سا حکم ثابت ہے؟ مَجِيئٌ والا، آنے والا۔ اور یہ حکم زید کے لیے ثابت نہیں، میں نے اس کو اس حکم سے نکال دیا۔ معلوم ہوا باقی سارے آئے ہیں لیکن زید نہیں آیا۔

معنیٰ سمجھ میں آگیا؟ تو مستثنیٰ کسے کہتے ہیں؟ جو إِلَّا اور اس کے اخوات کے بعد واقع ہو، یہ بتلانے کے لیے کہ جس چیز کی نسبت ماقبل کی طرف کی جا رہی ہے، اس کی نسبت اس مابعد کی طرف نہیں ہے بھئی۔ بات سمجھ میں آگئی۔

اور پھر یاد رکھو، یہ دو قسم پر ہے، ایک مستثنیٰ متصل اور ایک مستثنیٰ منقطع۔ متصل وہ ہے جو پہلے داخل تھا، پھر إِلَّا کے ذریعے اس کو نکال دیا گیا۔ جیسے ابھی مثال گزری جَاءَنِي الْقَوْمُ وہ لوگ میرے پاس آئے إِلَّا زَيْدًا سوائے کس کے؟ زید کے۔ دیکھو زید ان میں داخل تھا اور پھر إِلَّا کے ذریعے اس کو نکال دیا گیا۔ اور دوسرا مستثنیٰ منقطع ہے۔ مستثنیٰ منقطع وہ بھی إِلَّا اور اس کے اخوات کے بعد واقع ہو گا، لیکن وہ ماقبل سے نکالا نہیں گیا ہو گا، ماقبل سے نکالا نہیں گیا اس لیے کیونکہ وہ ان میں داخل ہی نہیں تھا بھئی۔ داخل ہوتا تو إِلَّا وغیرہ کے ذریعے نکالتے، لیکن وہ تو ان میں داخل ہی نہیں۔ جیسے اس کی مثال ذکر کرتے ہیں نحو کی کتابوں میں جَاءَنِي الْقَوْمُ إِلَّا حِمَارًا۔ حِمَارٌ گدھے کو کہتے ہیں۔ جَاءَنِي الْقَوْمُ وہ لوگ میرے پاس آئے إِلَّا حِمَارًا سوائے گدھے کے، یعنی گدھا نہیں آیا۔ اب دیکھو یہ حِمَار کس کے بعد واقع ہے؟ إِلَّا کے بعد۔ اور ماقبل کی طرف جس چیز کی نسبت کی جا رہی ہے وہ نسبت اس کی طرف نہیں ہے۔ ماقبل اَلْقَوْمُ کی طرف آنے کی نسبت ہے اور حِمَار کی طرف آنے کی نسبت نہیں ہے۔ اور یہ مستثنیٰ منقطع ہے کیونکہ یہ ان کے اندر داخل ہی نہیں تھا، کیونکہ اَلْقَوْمُ تو انسانوں کی جماعت کو کہتے ہیں، اس میں باقی حیوانات داخل نہیں بھئی۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو یہ مستثنیٰ منقطع ہے۔

تو مستثنیٰ متصل کسے کہتے ہیں؟ جو پہلے داخل ہو اور پھر إِلَّا وغیرہ کے ذریعے اس کو نکال دیا جائے ماقبل کے حکم سے۔ اور مستثنیٰ منقطع کسے کہتے ہیں؟ کہ وہ بھی إِلَّا وغیرہ کے بعد ہوتا ہے، اور اس کی طرف بھی ماقبل کی نسبت نہیں ہوتی، جو نسبت ماقبل کی طرف ہو رہی ہے وہ نسبت اس کی طرف نہیں ہوتی، لیکن یہ ماقبل سے نکالا ہوا نہیں ہوتا کیونکہ یہ ان میں داخل ہی نہیں ہوتا۔ بات سمجھ میں آگئی؟

تو مستثنیٰ متصل کے لیے عموماً نحو کی کتابوں میں، متصل کے لیے توجہ ہے، مستثنیٰ متصل کے لیے نحو کی کتابوں میں جو مثال ذکر کی جاتی ہے وہ جو میں نے پہلے ذکر کی جَاءَنِي الْقَوْمُ إِلَّا زَيْدًا، یہ مستثنیٰ متصل کی مثال ہے۔ اور مستثنیٰ منقطع کے لیے کون سی مثال ذکر کرتے ہیں؟ جَاءَنِي الْقَوْمُ إِلَّا حِمَارًا۔ لیکن یاد رکھو یہ جو پہلی مثال ہے، یہی دونوں کے لیے بھی مثال بن سکتی ہے۔ جَاءَنِي الْقَوْمُ إِلَّا زَيْدًا، یہ مستثنیٰ منقطع کی مثال بھی بن سکتی ہے۔ کس طرح؟ مستثنیٰ منقطع کسے کہتے ہیں؟ جو پہلے داخل ہی نہیں ہوتا۔ تو اگر اَلْقَوْمُ سے آپ ایسی جماعت مراد لے لیتے ہیں جن میں زید داخل ہی نہیں ہے، مثلاً آپ نے اَلْقَوْمُ سے خامسہ والے مراد لے لیے، درجہ خامسہ کے طلبہ، اور زید تو درجہ رابعہ میں ہے، تو جب میں نے کہا جَاءَنِي الْقَوْمُ وہ لوگ میرے پاس آئے تھے، یعنی درجہ خامسہ والے آئے تھے، تو کیا زید داخل ہے؟ زید تو اس میں داخل ہی نہیں ہے کیونکہ وہ تو رابعہ میں پڑھتا ہے۔ تو اب آگے پھر میں کہتا ہوں إِلَّا زَيْدًا سوائے کس کے؟ زید کے۔ جَاءَنِي الْقَوْمُ وہ لوگ میرے پاس آئے تھے إِلَّا زَيْدًا سوائے کس کے؟ زید کے، تو یہی اب مستثنیٰ منقطع بن گیا۔ مستثنیٰ منقطع بھی کسے کہتے ہیں؟ جو إِلَّا وغیرہ کے بعد آئے اور اس کو ماقبل سے نکالا نہ گیا ہو کیونکہ وہ ان میں داخل ہی نہیں تھا۔ بات سمجھ میں آگئی؟

تو لہٰذا اب میں آپ کے سامنے ایک جملہ کہتا ہوں مثلاً، کوئی ایک لوگوں کی جماعت میں مراد لیتا ہوں، ثالثہ یا رابعہ یا خامسہ والے نہیں، کوئی اور جماعت ہے۔ میں آپ سے کہتا ہوں جَاءَنِي الْقَوْمُ إِلَّا زَيْدًا، میرے پاس وہ لوگ آئے تھے سوائے کس کے؟ زید کے۔ اب مجھے بتائیے یہ متصل ہے یا منقطع ہے؟ جی؟ آپ کہیں کہ جب تک ہمیں یہ پتہ نہ چلے کہ اَلْقَوْمُ سے کون لوگ مراد ہیں، تب تک فیصلہ ہی نہیں ہو سکتا کہ یہ متصل ہے یا منقطع۔ اگر ایسی جماعت مراد ہے جس میں زید پہلے سے داخل تھا، تو پھر تو یہ متصل کی مثال بنے گی، اور اگر زید ان میں پہلے سے داخل ہی نہیں تھا تو یہ پھر کس کی مثال بن جائے گی؟ منقطع کی۔ تو بِعَيْنِهِ وہی ایک مثال متصل کی بھی بن سکتی ہے اور منقطع کی بھی، دارومدار صرف اس چیز پر ہے کہ إِلَّا کے مابعد جو ذکر ہے وہ ماقبل میں داخل تھا یا داخل نہیں۔ لیکن نحو کی کتابوں میں عموماً حِمَار والی مثال ذکر کرتے ہیں، کیونکہ وہ بالکل ظاہر ہے، وہ تو ظاہر سی بات ہے کہ جو حِمَار ہے وہ قوم کے اندر داخل نہیں ہوتا۔ بات سمجھ میں آگئی؟

حاصلِ کلام یہ کہ مستثنیٰ منقطع وہ ماقبل کی جنس میں سے بھی ہو سکتا ہے اور اس کی جنس کے علاوہ بھی ہو سکتا ہے۔ یہی مثال جَاءَنِي الْقَوْمُ إِلَّا زَيْدًا، یہ مستثنیٰ منقطع کی بھی مثال بن سکتی ہے، زید دیکھو اسی قوم کی جنس میں سے ہے، وہ بھی انسان ہیں یہ بھی انسان ہے، اور ان کی جنس کے علاوہ بھی ہو سکتا ہے جَاءَنِي الْقَوْمُ إِلَّا حِمَارًا۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو یہ

مستثنیٰ کی دو قسمیں ہوئیں متصل اور منقطع بھئی۔ تو متصل جو ہوتا ہے وہ مُخْرَج ہوتا ہے، وہ پہلے داخل تھا پھر إلَّا وغیرہ کے ذریعے اس کو ماقبل کے حکم سے نکال لیا جاتا ہے، اور منقطع جو ہے وہ مُخْرَج نہیں کیونکہ وہ پہلے داخل ہی نہیں تھا۔ بات سمجھ میں آگئی؟ یعنی ماقبل میں جو حکم ہے اس کی نسبت متصل کی طرف بھی نہیں ہو رہی، منقطع کی طرف بھی نہیں ہو رہی۔ توجہ ہے؟ ہاں لیکن فرق صرف اتنا ہوتا ہے کہ متصل جو ہے پہلے داخل تھا پھر إلَّا کے ذریعے اس کو کیا کیا گیا؟ نکالا گیا، اور منقطع کی طرف بھی نسبت نہیں ہے لیکن وہ پہلے داخل ہی نہیں تھا بھئی۔ بات سمجھ میں آگئی۔

اب یہ ایک نقشہ ہے بھئی، پہلے یہ نقشہ اپنے سامنے بنا لیجیے، پھر آپ کو مستثنیٰ کے اعراب کا پورا پتہ چل جائے گا بھئی۔ مستثنیٰ کا اعراب مشکل ہے، طلبہ بڑے پریشان ہوتے ہیں، یہ نقشہ بنا لیں ان شاء اللہ پھر بالکل آسانی سے آپ جو ہے اعراب کا پتہ چلا لیں گے۔ جی، لکھیے بھئی۔ سب سے پہلے اوپر عنوان دے دیجیے: مستثنیٰ کا اعراب۔ یہ عنوان ہے بھئی، جلدی جلدی لکھیے بھئی۔ آگے جی لکھیے بھئی پہلی سطر۔ ہاں اب تفصیل شروع ہو گئی، نیچے لکھیے بھئی۔

استثنا کے لیے درج ذیل الفاظ استعمال ہوتے ہیں۔

جی، اب وہ الفاظ لکھیے، الگ سطر میں لکھ لیجیے: إلَّا، خَلَا (خا لام الف)، عَدَا (عین دال اور الف)، مَا خَلَا (اب وہی خَلَا ہے مَا بھی ساتھ ملا دیں)، مَا عَدَا، لَيْسَ (یہ وہی افعالِ ناقصہ میں سے جو لَيْسَ ہے)، لَا يَكُونُ، غَيْرٌ (غین یا را غَيْرٌ)، سِوًى (بھئی سِوًى کیسے لکھیں گے؟ سین، واؤ اور یا لکھیں بھئی یا، اوپر کھڑی زبر ڈال دیں، سِوًى بھئی سِوًى)، اگلا لفظ ہے سَوَاءٌ (بھئی سین، واؤ، الف اور ہمزہ، سَوَاءٌ بھئی سَوَاءٌ)، اور آخری لفظ ہے حَاشَا (حا الف اور شین الف حَاشَا)۔

لکھ لیا؟ یہ دوبارہ سن لیجیے، استثنا کے لیے درج ذیل الفاظ استعمال ہوتے ہیں: إلَّا، خَلَا، عَدَا، مَا خَلَا، مَا عَدَا، لَيْسَ، لَا يَكُونُ، غَيْرٌ، سِوًى، سَوَاءٌ اور حَاشَا۔ یہ گیارہ الفاظ آپ نے لکھ لیے۔

نیچے لکھیے بھئی: تفصیل یہ ہے۔

الگ سطر میں آگے لکھیے نمبر ایک، نمبر دیجیے نمبر ایک: إلَّا میں کچھ تفصیل ہے۔

لکھ لیا؟ ہاں یہ إلَّا کی تفصیل آخر میں ہم لکھتے ہیں اس میں تفصیل ہے، باقی ہم لکھ لیتے ہیں۔ جی آگے الگ سطر میں یہ لکھیے نمبر دو:

خَلَا، عَدَا، مَا خَلَا، مَا عَدَا، لَيْسَ اور لَا يَكُونُ۔

لکھ لیا بھئی؟ دیکھو یہ چھ الفاظ ہو گئے، خَلَا، عَدَا، مَا خَلَا، مَا عَدَا، لَيْسَ اور لَا يَكُونُ۔ آگے لکھیے: ان کے بعد مستثنیٰ منصوب ہو گا، جب کہ بعض اوقات خَلَا و عَدَا کے بعد مجرور بھی ہو گا، لیکن اکثر منصوب ہی ہو گا۔

لکھ لیا؟ جی۔ لیکن اکثر منصوب ہی ہو گا۔ آگے الگ سطر لکھیے نمبر تین:

غَیْرُ، سِوًی، سَوَاءٌ اور حَاشَا کے بعد۔ کیا لکھا؟ یہ چار لفظ لکھے ہیں آپ نے، غَیْرٌ، سِوًی، سَوَاءٌ...

سَوَاءٌ اور حَاشَا کے بعد مستثنیٰ مجرور ہو گا۔ بعض علماء نے حَاشَا کے بعد نصب کو بھی جائز قرار دیا ہے، لیکن اکثر علماء کے نزدیک حَاشَا کے بعد مستثنیٰ مجرور ہی ہو گا۔

لکھ لیا؟ اب آگے إِلَّا کی تفصیل جو ہے وہ لکھیں گے ہم، اور وہ نقشہ ہے، وہ پورے صفحے پہ آئے گا، یا کم از کم آدھے صفحے یا اس سے زیادہ جگہ تو ضرور ہونی چاہیے۔ جی، صفحے کے اوپر لکھیے بھئی: إِلَّا میں درج ذیل تفصیل ہے۔

لکھ لیا؟ اب نیچے نقشہ شروع ہونے لگا ہے، لہٰذا ایک سطر بیچ میں خالی چھوڑ دیں تاکہ پتہ چلے آگے نقشہ شروع ہو رہا ہے۔ سب سے اوپر آپ نے لکھا نا إِلَّا میں درج ذیل تفصیل ہے، اس کے بعد ایک سطر چھوڑ دیں۔ اب بالکل درمیان میں لکھیں: مُسْتَثْنًی بِإِلَّا۔

جی کیا لکھا؟ مُسْتَثْنًی بِإِلَّا۔ اب دیکھیے مُسْتَثْنًی بِإِلَّا سے آپ نے، ادھر پہلے اس کو سمجھ لیں، ہم تقسیم کریں گے مُسْتَثْنًی بِإِلَّا کو، نیچے دو خط کھینچیں گے ایک دائیں طرف ایک بائیں طرف، توجہ ہے؟ پھر جو خط بائیں طرف کھینچا ہے اس کی پھر تقسیم ہو گی، وہ اس کی پھر دو قسمیں بنیں گی نیچے۔ پھر اس میں سے بھی جو بائیں طرف ہو گا اس کی پھر دو قسمیں نیچے بنیں گی، پھر اس میں بھی جو بائیں طرف ہو گا اس کی پھر دو قسمیں بنیں گی۔ تو جو بائیں جانب والی، بائیں جانب ہو گی وہ مسلسل تقسیم ہوتی چلی جائے گی۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو آپ نقشہ اسی اعتبار سے بنائیے کہ جگہ رہے بھئی ختم نہ ہو۔

نیچے مُسْتَثْنًی بِإِلَّا کے نیچے دو خط کھینچ دیں، ایک تھوڑا سا دائیں طرف لے جائیں ایک بائیں طرف لے جائیں۔ پتہ لگے یہ تقسیم ہو رہا ہے۔ دو خط کھینچ دیں۔ دائیں طرف لکھیں مُنْقَطِع، مُسْتَثْنًی مُنْقَطِع، صرف مُنْقَطِع لکھیں، مُنْقَطِع۔ اور بائیں طرف لکھیں مُتَّصِل۔ لکھ لیا؟

اچھا یہ جو مُتَّصِل لکھا ہے اب اس کی پھر تقسیم کریں، اس مُتَّصِل سے نیچے دو خط کھینچیں، دائیں طرف لکھیں مُوْجَب۔ مُتَّصِل سے نیچے دو خط کھینچیں، مُتَّصِل کی تقسیم ہو رہی ہے۔ بھئی جو چیز میں دائیں طرف لکھواؤں وہ دائیں لکھنی ہے، جو بائیں لکھواؤں وہ بائیں لکھنی ہے۔ مُتَّصِل کے نیچے دو خط کھینچیں بھئی۔ دو خط، ایک دائیں طرف ایک بائیں طرف۔ دائیں طرف جو ہے وہ لکھیں مُوْجَب (میم واوٗ جیم با، مُوْجَب)، اور بائیں طرف لکھیں غَیْرِ مُوْجَب۔ دائیں طرف لکھیں مُوْجَب، اور بائیں طرف لکھیں غَیْرِ مُوْجَب۔

اب یہ غَیْرِ مُوْجَب کی پھر تقسیم ہو رہی ہے، غَیْرِ مُوْجَب کی۔ اس کی پھر دو قسمیں بنائیں بھئی۔ دائیں طرف لکھیں

اس کے: مستثنیٰ مُقَدَّم ہو۔ اور بائیں طرف لکھیں: غَيْرِ مُقَدَّم۔ لکھ لیا؟

اب غَيْرِ مُقَدَّم کی پھر تقسیم ہو گی، دو قسمیں بنیں گی۔ غَيْرِ مُقَدَّم سے نیچے دو خط کھینچیں، ایک دائیں طرف ایک بائیں طرف بھئی۔ دائیں طرف لکھیں: مستثنیٰ مِنْہُ مذکور، اور بائیں طرف لکھیں: غَيْرِ مذکور۔

لکھ لیا؟ ہاں بھئی نقشہ تقریباً مکمل ہو گیا۔ پھر نقشے کو ذرا دیکھو، سب سے پہلے آپ نے لکھا مُسْتَثْنٰی بِإِلَّا، اور اس کی پھر دو قسمیں بنیں گی، یا وہ مُنْقَطِع ہو گا یا مُتَّصِل۔ مُنْقَطِع آپ نے دائیں طرف لکھا ہے اور مُتَّصِل بائیں طرف۔ پھر اس مُتَّصِل میں تقسیم ہو گی، یا تو یہ مُوْجَب ہو گا یا غَيْرِ مُوْجَب ہو گا۔ پھر غَيْرِ مُوْجَب کی تقسیم ہے کہ وہ مستثنیٰ مِنْہُ مُقَدَّم ہو گا یا غَيْرِ مُقَدَّم ہو گا۔ پھر وہ جو غَيْرِ مُقَدَّم ہے مستثنیٰ، وہ اس کی پھر تقسیم کر دی کہ اس میں مستثنیٰ مِنْہُ مذکور ہو گا یا غَيْرِ مذکور ہو گا۔ بات سمجھ میں آگئی؟

دیکھو اعراب اب میں بیان کرنے لگا ہوں۔ جب بھی کلام کے اندر إِلَّا آئے، اور إِلَّا کس لیے آئے؟ استثنا کے لیے۔ یاد رکھو إِلَّا کبھی صفت کے لیے بھی آتا ہے غَيْرٌ کے معنیٰ میں، کبھی کبھار إِلَّا صفت کے لیے بھی آتا ہے غَيْرٌ کے معنیٰ میں، جیسے لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ۔ اب یہاں پر جو إِلَّا اللّٰهُ، یہ جو إِلَّا آیا ہے یہ صفت ہے بھئی۔ لَا إِلٰهَ غَيْرُ اللّٰهِ، إِلٰه موصوف ہے اور غَيْرُ اللّٰهِ اس کی صفت ہے، توجہ ہے؟ اور إِلٰه لائے نفیِ جنس کا اسم ہے۔ کس کا؟ لَا رَجُلَ فِي الدَّارِ کوئی شخص گھر میں نہیں، تو رَجُل کیا ہے لَا کا اسم اور فِي الدَّارِ اس کی خبر۔ تو یہاں پر بھی لَا إِلٰهَ لائے نفیِ جنس، إِلٰه اس کا اسم، اور یہ إِلَّا اللّٰهُ یہ اس کی صفت ہے، إِلَّا اللّٰهُ بمعنیٰ غَيْرُ اللّٰهِ کے ہے، اور خبر محذوف ہے مَوْجُودٌ، لَا إِلٰهَ غَيْرُ اللّٰهِ مَوْجُودٌ بھئی۔ ہاں ایک اشکال آپ کے ذہن میں آئے گا کہ لَا إِلٰهَ یہ تو مبنی علی الفتح ہے، مبنی علی الفتح ہے، اور غَيْرُ اللّٰهِ یہ تو صفت ہے، موصوف صفت کا اعراب تو ایک جیسا ہونا چاہیے، تو جواب یہ کہ یہ صفت اس کے محل کے تابع ہے، اور محل کے اعتبار سے إِلٰه مرفوع ہے بتدا ہے۔ آپ نے پڑھا ہے لائے نفیِ جنس کس پر داخل ہوتا ہے؟ بتدا اور خبر پر، تو یہ إِلٰه اصل میں کیا تھا؟ بتدا تھا، تو یہ لفظاً مبنی علی الفتح ہے، محلاً یہ مرفوع ہے بتدا ہے بھئی، تو اس کے محل کے تابع صفت لے آئے غَيْرُ اللّٰهِ بھئی۔ توجہ ہے؟ اور پھر غَيْرُ کی جگہ کیا آگیا؟ إِلَّا آگیا۔ غَيْرُ مرفوع تھا، توجہ ہے؟ إِلَّا تو حرف ہے اس پر تو اعراب نہیں آسکتا، تو وہی اعراب لفظِ اللّٰه پر آ گیا، لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ، اور خبر محذوف ہے مَوْجُودٌ، یعنی کوئی ایسا معبود جو اللّٰه کے علاوہ ہو وہ موجود نہیں ہے بھئی، اللّٰه کے علاوہ اور کوئی معبود نہیں بھئی۔

جی، تو إِلَّا کبھی کبھار صفت کے لیے بھی آتا ہے بمعنیٰ غَيْرٌ کے، لیکن یہاں ہم کس کی بات کر رہے ہیں؟ مُسْتَثْنٰی بِإِلَّا، وہ إِلَّا جو کس لیے آئے؟ استثنا کے لیے آئے۔ تو دیکھیے نقشے پر، جب بھی کلام کے اندر إِلَّا آئے اور وہ استثنا کے لیے ہو، تو آپ فوراً سب سے پہلے یہ غور کریں کہ وہ مستثنیٰ مُنْقَطِع ہے یا مُتَّصِل ہے، یعنی وہ پہلے داخل تھا اس کو نکالا گیا ہے یا سرے

سے، یا پہلے سے داخل ہی نہیں تھا۔ اگر وہ مُنْقَطِع ہو تو پھر سمجھ جائیں وہ منصوب ہو گا، وہ کیا ہو گا؟ منصوب۔ لہٰذا یہ جو آپ نے مُنْقَطِع لکھا اس کے نیچے لکھ لیجیے چھوٹا سا مَنْصُوبٌ. مُنْقَطِع کے نیچے چھوٹا سا مَنْصُوب لکھ لیں، بلکہ ساتھ یہ بھی لکھ لیں: منصوب اکثر لغات میں۔ بنو تمیم والے تھوڑا اختلاف کرتے ہیں، جی لیکن اکثر لغات میں یہ کیا ہو گا مستثنیٰ منقطع منصوب ہو گا۔

جی، تو دیکھا آپ نے مُسْتَثْنٰی بِإِلَّا آیا، آپ نے سب سے پہلے... پھر دیکھیں نقشے پر، مُسْتَثْنٰی بِإِلَّا آیا، آپ نے سب سے پہلے غور کیا کہ وہ متصل ہے یا منقطع۔ اگر منقطع ہے تو منصوب ہے، اس پر کیا پڑھنا ہے؟ نصب۔ اگر متصل ہے، پھر دیکھو وہ کلامِ موجب ہے یا غیرِ موجب۔ موجب یا غیرِ موجب کسے کہتے ہیں یہ یاد رکھنا: وہ کلام جس میں نفی، نہی یا استفہام آئے، جس میں نفی، نہی یا استفہام آ جائے وہ غیرِ موجب ہے۔ توجہ ہے؟ نفی اور نہی میں فرق جانتے ہو یا نہیں؟ نفی جس میں حرفِ نفی آ جائے، اور نہی وہ جو امر اور نہی ہے، جس میں کسی کام سے روکا جاتا ہے لَا تَضْرِبْ، وہ نہی مراد ہے۔ تو کلامِ غیرِ موجب کسے کہتے ہیں؟ جس میں نفی، نہی یا استفہام ہو۔ تو نفی، نہی یا استفہام ہو یہ کیا ہے؟ کلامِ غیرِ موجب۔ پھر دہرائیں بھئی، خوب آپ کے ذہن، یہ بات ذہن نشین ہونی چاہیے، موجب کسے کہتے ہیں، غیرِ موجب کسے کہتے ہیں؟ جس کلام میں نفی، نہی یا استفہام ہو وہ غیرِ موجب ہے، اور اگر یہ نفی، نہی یا استفہام نہ ہو تو وہ موجب ہے۔ بات سمجھ میں آ گئی؟ تو لہٰذا آپ نے سب سے پہلے کیا دیکھنا ہے؟ مستثنیٰ متصل ہے یا منقطع۔ منقطع ہو تو نصب پڑھ دینا، متصل ہو تو پھر فوراً دیکھو کہ کلام کیا ہے موجب ہے یا غیرِ موجب ہے۔ اگر وہ اس میں نفی، نہی یا استفہام نہیں ہے، یعنی وہ موجب ہے، تو بھی وہ منصوب ہو گا۔ تو مُوْجَب کے نیچے بھی منصوب لکھ لیجیے، مُوْجَب کے نیچے بھی منصوب لکھ لیجیے۔

اس کے بعد اگر وہ کلام غیرِ موجب ہو، غیرِ موجب ہو، پھر اس میں فوراً جلدی سے غور کیجیے کہ کہیں مستثنیٰ کو مستثنیٰ مِنْہُ پر مُقَدَّم تو نہیں ہے۔ مستثنیٰ... بھئی پہلے کون آتا ہے؟ مستثنیٰ مِنْہُ، اور إِلَّا کے بعد کیا آتا ہے؟ مستثنیٰ۔ لیکن کبھی کبھار ایسا کرتے ہیں، یہ مستثنیٰ مِنْہُ کو اٹھا کر بالکل آخر میں لے جاتے ہیں۔ مستثنیٰ مِنْہُ جو إِلَّا وغیرہ سے پہلے تھا اس کو اٹھا کر آخر میں لے جاتے ہیں، یعنی مستثنیٰ کے بھی بعد آ جاتا ہے۔ تو دیکھو مستثنیٰ مقدم ہو گیا کس پر؟ مستثنیٰ مِنْہُ پر۔ تو لہٰذا جب کلام غیرِ موجب ہو، تو پھر آپ نے فوراً دیکھنا ہے کہ مستثنیٰ مقدم ہے یا مقدم نہیں ہے۔ اگر مستثنیٰ مقدم ہے، تو بھی منصوب ہو گا۔ تو اس کے نیچے بھی لکھ لیجیے، مستثنیٰ مقدم کے نیچے بھی منصوب لکھ لیجیے۔

لکھ لیا؟ توجہ ہے؟ یاد رکھو مَا جَاءَنِي أَحَدٌ إِلَّا زَيْدًا، توجہ ہے؟ بھئی کبھی کبھار مستثنیٰ مِنْہُ کو آخر میں لے جاتے ہیں، مثلاً میں کہتا ہوں مَا جَاءَنِي أَحَدٌ میرے پاس کوئی ایک بھی نہیں آیا إِلَّا زَيْدًا سوائے کس کے؟ زید کے، یعنی زید آیا ہے، زید آیا ہے۔ اب تو کبھی کبھار یہ جو مستثنیٰ مِنْہُ، ماقبل میں أَحَدٌ ہے، یہ مستثنیٰ مِنْہُ ہے اور زید کیا ہے؟ مستثنیٰ۔ تو کبھی کبھار یہ أَحَد

کو اٹھا کر بالکل آخر میں لے جائیں گے: مَا جَاءَنِي إِلَّا زَيْدًا أَحَدٌ۔ تو دیکھو مستثنیٰ مقدم ہو گیا کس پر؟ مستثنیٰ مِنْہُ پر۔ تو اس صورت میں بھی منصوب ہو گا۔ اور اگر غیرِ مقدم ہے، یعنی مستثنیٰ مِنْہُ اپنی جگہ پر ہے، اس کو آخر میں نہیں لے کر گئے، تو پھر دیکھ لیجیے کہ مستثنیٰ مِنْہُ مذکور ہے یا مذکور نہیں۔ جیسے یہ مثال ہے مَا جَاءَنِي أَحَدٌ إِلَّا زَيْدًا، توجہ ہے؟ مَا جَاءَنِي أَحَدٌ إِلَّا زَيْدًا، یہ أَحَدٌ کیا ہے؟ مستثنیٰ مِنْہُ۔ یہ کبھی ذکر ہو گا، کبھی اس کو حذف کر دیں گے، مَا جَاءَنِي إِلَّا زَيْدٌ، أَحَدٌ کو حذف کر دیا، اور کبھی أَحَدٌ ہو گا مَا جَاءَنِي أَحَدٌ إِلَّا زَيْدًا۔ توجہ ہے؟ تو پھر کیا کریں گے؟ دیکھیے بھئی وہ نقشے پر دیکھیے کہ اگر مستثنیٰ مقدم بھی نہ ہو، غیرِ مقدم ہو، پھر دیکھیں گے مستثنیٰ مِنْہُ مذکور ہے یا مذکور نہیں ہے۔ اگر مستثنیٰ مِنْہُ مذکور ہو، تو اس کے نیچے دو اعراب آپ نے لکھنے ہیں۔ اگر مستثنیٰ مِنْہُ مذکور ہو، تو اس کو منصوب بھی پڑھ سکتے ہیں اور بدل بھی بنا سکتے ہیں۔ جو آپ نے لکھا نا مستثنیٰ مِنْہُ مذکور، اس کے نیچے دو اعراب لکھ دیں مستثنیٰ مِنْہُ مذکور کے نیچے: کہ منصوب ہو گا یا بدل ہو گا، اور بدل کے ساتھ چھوٹا سا لکھ لیں بدل مختار ہے یعنی پسندیدہ ہے۔ بدل مختار ہے یعنی پسندیدہ ہے۔

اور آخری رہ گیا، اگر مستثنیٰ مِنْہُ غیرِ مذکور ہو، اس کا کیا اعراب ہو گا؟ تو اس کے نیچے لکھ لیجیے: عَلٰى حَسَبِ الْعَوَامِلِ۔

لکھ لیا؟ پھر دیکھ لیجیے نقشہ بھئی۔ پھر دیکھیے نقشہ اوپر سے، بھئی کلام میں جب بھی إِلَّا آئے اور استثنا کے لیے ہو تو آپ نے سب سے پہلے یہ غور کرنا ہے کہ یہ مستثنیٰ منقطع ہے یا متصل ہے۔ اگر منقطع ہو تو منصوب ہو گا، اگر متصل ہے پھر غور کر لیں کہ وہ کلام موجب ہے یا غیرِ موجب۔ اگر موجب ہے تو بھی مستثنیٰ منصوب ہو گا۔ اگر غیرِ موجب ہے پھر جلدی سے غور کر لیں کہ مستثنیٰ مِنْہُ مقدم ہے یا غیرِ مقدم ہے۔ اگر مقدم ہو تو بھی مستثنیٰ منصوب ہو گا، اور اگر غیرِ مقدم ہے پھر ذرا جلدی سے غور کر لیں کہ مستثنیٰ مِنْہُ...

مذکور ہے یا مذکور نہیں۔ اگر مستثنیٰ مِنْہُ مذکور ہے، تو اس پر نصب پڑھنا بھی جائز اور اس کو بدل بنانا بھی جائز۔ توجہ ہے؟ اور اگر مستثنیٰ مِنْہُ غیرِ مذکور ہو، تو پھر مستثنیٰ کا اعراب عَلٰى حَسَبِ الْعَوَامِلِ ہو گا، عامل جس قسم کے اعراب کا تقاضا کر رہا ہو گا وہی اعراب آئے گا۔ جیسے مثال دیکھو مَا جَاءَنِي أَحَدٌ إِلَّا زَيْدًا۔ میرے پاس کوئی ایک بھی نہیں آیا۔ جب میں نے کہا میرے پاس کوئی ایک بھی نہیں آیا، تو زید بھی اس میں آگیا یا نہیں؟ سب کی نفی ہو گئی۔ اور پھر میں نے إِلَّا کے بعد زید کو نکال دیا، تو یہ کون سا استثنا ہوا؟ متصل یا منقطع؟ پہلے داخل تھا پھر نکال دیا ماقبل کے حکم سے، پہلے داخل تھا ماقبل کے حکم میں، سب کی نفی کی کہ کوئی بھی نہیں آیا، معلوم ہوا زید بھی نہیں آیا، اور پھر کیا کیا؟ زید کو نکالا اس میں سے کہ نہیں زید آیا ہے۔ تو یہ مستثنیٰ متصل ہے۔

تو ذرا اس مثال پہ نظر رکھو، بلکہ یہ مثال اپنے سامنے لکھیں، ذرا جلدی کریں بھئی جلدی: مَا جَاءَنِي أَحَدٌ إِلَّا زَيْدًا۔ لکھ لیا؟ جی۔ دیکھو اب یہ آیا إِلَّا آیا کلام کے اندر، اب آپ حیران ہیں کہ یہ زید پر میں کیا پڑھوں؟ زید پر کیا پڑھوں؟ تو سب سے

پہلے فوراً غور کرو، یہ مستثنیٰ متصل ہے یا منقطع ہے؟ متصل ہے، کیونکہ میں نے... معنیٰ پہ غور کر لو، میرے پاس کوئی بھی نہیں آیا، معلوم ہوا دنیا کا کوئی بھی شخص نہیں آیا، زید بھی انہی میں تھا وہ بھی نکل گیا۔ پھر آگے إِلَّا زید کے ذریعے اثبات کیا۔ تو سب سے پہلے یہ دیکھیں کہ یہ منقطع ہے یا متصل، معلوم ہوا یہ متصل ہے۔ جی، پھر فوراً غور کریں کہ یہ کلام موجب ہے یا غیرِ موجب؟ یہ کون سا کلام ہے؟ غیرِ موجب ہے، کیونکہ نفی اس کے اندر موجود ہے بھئی، مَا جَاءَ۔ بات سمجھ میں آ گئی؟ اس کے بعد پھر دیکھیں کہ مستثنیٰ مِنْہُ پر مستثنیٰ مقدم تو نہیں؟ مستثنیٰ مِنْہُ کیا ہے؟ أَحَدٌ ہے۔ اور مستثنیٰ کیا ہے؟ زید، اور یہ زید مستثنیٰ مِنْہُ پر مقدم نہیں ہے۔ مقدم نہیں ہے۔ تو جب غیرِ مقدم ہو، دیکھو نقشے پہ بھی، نقشے کے مطابق آپ چلتے جا رہے ہیں، جب غیرِ مقدم ہے، پھر آپ دیکھیں کہ مستثنیٰ مِنْہُ مذکور ہے یا غیرِ مذکور؟ جی، مستثنیٰ مِنْہُ کیا ہے یہاں پر؟ مذکور ہے، أَحَدٌ مذکور ہے۔ تو اس صورت میں دو اعراب پڑھنا جائز ہے زید پر۔ اس پر نصب پڑھنا بھی جائز مَا جَاءَنِي أَحَدٌ إِلَّا زَيْدًا، اور اس پر... اس کو بدل بھی بنا سکتے ہیں مستثنیٰ مِنْہُ سے۔ اور بدل اور مبدل مِنْہُ کا اعراب ایک ہوتا ہے، اور أَحَدٌ پر رفع، تو زید پر بھی کیا پڑھیں گے؟ رفع۔ تو دونوں طرح آپ پڑھ سکتے ہیں، مَا جَاءَنِي أَحَدٌ إِلَّا زَيْدًا اور مَا جَاءَنِي أَحَدٌ إِلَّا زَيْدٌ، دونوں طرح پڑھ سکتے ہیں۔ اور پسندیدہ کیا ہے؟ بدل بنانا یعنی زَيْدٌ پڑھنا پسندیدہ ہے۔

اور اگر یہاں سے، توجہ سے سنو، اگر یہاں سے یہ أَحَدٌ کو حذف کر دیں، یعنی دیکھا مستثنیٰ مِنْہُ غیرِ مذکور ہو گیا، تو پھر مستثنیٰ کا کیا اعراب ہو گا؟ عَلٰى حَسَبِ الْعَوَامِلِ ہو گا۔ دیکھو أَحَدٌ کو آپ ختم کر دیں، مَا جَاءَنِي... أَحَدٌ کیا تھا؟ فاعل، تو فاعل ختم ہوا، اور فعل کے لیے ہمیشہ کیا چاہیے؟ فاعل تو ضرور چاہیے، تو اب یہ إِلَّا کے بعد جو زید آ رہا ہے اس کو فاعل بنا دیں گے، اور فاعل کیا ہوتا ہے؟ مرفوع۔ تو اب یوں پڑھیں گے مَا جَاءَنِي إِلَّا زَيْدٌ۔

طریقہ سمجھ میں آ گیا؟ اچھی طرح۔ کیا کریں گے؟ پہلے منقطع اور متصل کو دیکھو۔ منقطع ہو تو منصوب۔ متصل ہو تو پھر کیا دیکھو؟ موجب ہے یا غیرِ موجب۔ موجب ہو تو منصوب۔ غیرِ موجب ہو تو پھر کیا دیکھو؟ کہ مستثنیٰ مقدم ہے یا غیرِ مقدم۔ اگر مقدم ہو تو بھی منصوب۔ اگر غیرِ مقدم ہو پھر دیکھو مستثنیٰ مِنْہُ مذکور ہے یا غیرِ مذکور۔ اگر مذکور ہو تو منصوب بھی پڑھ سکتے ہیں اور بدل بھی پڑھ سکتے ہیں، اور بدل پڑھنا مختار ہے۔ اور اگر مستثنیٰ مِنْہُ غیرِ مذکور ہو تو عَلٰى حَسَبِ الْعَوَامِلِ، جیسا عامل ہو گا، رفع والا عامل ہو گا تو رفع پڑھیں گے، نصب والا ہو تو نصب پڑھیں گے، جر والا ہو تو جر پڑھیں گے۔ تفصیل سمجھ میں آ گئی؟

اب اس میں یاد رکھنا، یہ جو آخری قسم ہے، مستثنیٰ غیرِ مذکور ہے اور اعراب عَلٰى حَسَبِ الْعَوَامِلِ ہے، اس کا نام یاد رکھنا بھئی، اس کو مستثنیٰ مُفَرَّغ کہتے ہیں۔ یہ جو آخری قسم ہے جس کا اعراب... جس میں مستثنیٰ مِنْہُ غیرِ مذکور ہے اور اعراب عَلٰى حَسَبِ الْعَوَامِلِ ہے، اس کا یہ نام ساتھ لکھ لو بھئی، اس کا نام مستثنیٰ مُفَرَّغ ہے۔

دیکھو مستثنیٰ مُفَرَّغ یہ جگہ جگہ لفظ آئے گا تو آپ کو تاکہ اس کی پہچان ہونی چاہیے۔ مستثنیٰ مُفَرَّغ میں مستثنیٰ مِنْہُ غیرِ مذکور ہو گا۔ تو جب مستثنیٰ مِنْہُ مذکور نہ ہو تو اس کا نام کیا ہے؟ مستثنیٰ مُفَرَّغ۔ دیکھو آپ خود معنیٰ میں غور کر لیں، مُفَرَّغ کا معنیٰ ہے فارغ کیا ہوا، دیکھو اسمِ مفعول کا صیغہ ہے۔ اس کے اندر بھی عامل جو ہے اس کو فارغ کیا گیا ہے، کس سے؟ مستثنیٰ مِنْہُ سے، اس کو حذف کر دیا، تو اس سے عامل کو فارغ کر دیا گیا ہے کس میں عمل کرنے کے لیے؟ مستثنیٰ میں عمل کرنے کے لیے۔ مَا جَاءَنِي أَحَدٌ، یہ مَا جَاءَ کس میں عمل کر رہا تھا؟ أَحَدٌ میں۔ أَحَدٌ کو حذف کر دیا، تو اب مَا جَاءَ فارغ ہوا اور کس میں عمل کر رہا ہے؟ مستثنیٰ کے اندر۔ توجہ ہے؟ تو اس کو مستثنیٰ مُفَرَّغ کہتے ہیں کہ جس میں عامل پھر مستثنیٰ کے اندر براہِ راست عمل کرتا ہے۔ جی، یہ تھی مستثنیٰ کی بحث کی تفصیل بھئی۔ یاد رکھو کتاب میں یہ بڑے پیچیدہ طریقے سے ہے۔ تو کتاب میں آپ کو بتائیں گے کہ مستثنیٰ کا اعراب چار قسم پر ہے: کبھی منصوب ہوتا ہے، کبھی مجرور ہوتا ہے، کبھی بدل ہوتا ہے، اور کبھی عَلٰی حَسَبِ الْعَوَامِلِ ہوتا ہے۔ تو پھر طالبِ علم پریشان ہو جاتا ہے، لیکن اس ترتیب سے یاد رکھیں پھر ان شاء اللہ کوئی مشکل پیش نہیں آئے گی بھئی۔ بات سمجھ میں آگئی؟

جی اب آئیے کتاب پر بھئی۔ جی دیکھیے بھئی کتاب پر، بھئی پہلے متن متن دیکھ لیجیے:

اَلْمُسْتَثْنٰی مُتَّصِلٌ وَمُنْقَطِعٌ، مستثنیٰ جو ہے متصل ہے اور منقطع ہے۔ فَالْمُتَّصِلُ هُوَ الْمُخْرَجُ عَنْ مُتَعَدِّدٍ، پس متصل وہ ہے جس کو نکالا گیا ہو متعدد سے، لَفْظًا أَوْ تَقْدِيرًا، اور وہ متعدد کبھی لفظاً ہو گا اور کبھی تقدیراً ہو گا، وہ متعدد کیا ہے؟ کبھی لفظاً ہو گا اور کبھی تقدیراً۔ بھئی یاد رکھو مستثنیٰ متصل وہ ہے جس کو ماقبل سے نکالا گیا ہو، اور یہ اسی صورت میں ہو سکتا ہے جب ماقبل میں جو چیز ذکر ہے اس میں تعدد ہونا چاہیے، اس میں کثرت ہونی چاہیے۔ اگر اس میں کثرت ہے تو آپ اس کو اس میں سے نکال سکتے ہیں، اگر کثرت اور عدد نہیں ہے تو پھر نکال بھی نہیں سکتے۔ مثلاً میں کہتا ہوں مَا جَاءَنِي زَيْدٌ إِلَّا زَيْدًا، میرے پاس زید نہیں آیا مگر زید آیا۔ بھئی یہ کیا معنیٰ ہے؟ پہلے آپ نے کہا زید نہیں آیا، پھر آپ نے کیا کہا إِلَّا زَيْدًا مگر زید... تو دیکھو یہاں ماقبل میں تعدد ہے ہی نہیں، تو ماقبل میں تعدد ہونا چاہیے تاکہ إِلَّا کے مابعد کو اس سے کیا کیا جا سکے؟ نکالا جا سکے۔

تو وہ جو ماقبل میں متعدد ہے وہ کبھی لفظوں میں ذکر ہو گا، اور کبھی آپ نے پڑھا ہے اس کو حذف بھی کر لیتے ہیں۔ تو جب حذف کر لیا تو وہ جس سے آپ مابعد کو نکال رہے ہیں وہ لفظاً تو موجود نہیں لیکن تقدیراً موجود ہے۔ لفظاً یعنی جس پر ہم تلفظ کر رہے ہیں باقاعدہ لفظوں میں موجود ہے، تقدیراً لفظوں میں تو موجود نہیں لیکن فرض کر لیں کہ وہ موجود ہے۔ مَا جَاءَنِي أَحَدٌ إِلَّا زَيْدًا، دیکھا یہاں أَحَدٌ لفظوں میں مذکور ہے۔ اور اس کو پھر حذف کر لیں مَا جَاءَنِي إِلَّا زَيْدٌ، یہاں دیکھو وہ متعدد کیا ہے؟ لفظاً نہیں ہے بلکہ تقدیراً ہے جس سے زید کو نکالا گیا۔ بات سمجھ میں آگئی؟

تو کہتے ہیں فَالْمُتَّصِلُ هُوَ الْمُخْرَجُ عَنْ مُتَعَدِّدٍ، تو مستثنیٰ متصل وہ ہے جس کو نکالا گیا ہو متعدد سے، لَفْظًا أَوْ تَقْدِيرًا، اور وہ متعدد لفظاً ہو گا یا تقدیراً ہو گا، بِإِلَّا وَأَخَوَاتِهَا، اور کس کے ذریعے نکالا گیا ہے؟ إِلَّا اور اس کے اخوات یعنی اس جیسے کلمات کے ذریعے۔ دوسری قسم دیکھیے آگے متن: وَالْمُنْقَطِعُ، وَالْمُنْقَطِعُ الْمَذْكُورُ بَعْدَهَا، اور مستثنیٰ منقطع وہ ہے جو مذکور ہو إِلَّا وغیرہ کے بعد، غَيْرَ مُخْرَجٍ، اور اس کو نکالا نہیں گیا ہو۔ مستثنیٰ منقطع کو ماقبل سے نکالا نہیں گیا۔ کیوں نہیں نکالا گیا؟ کیونکہ وہ ان میں داخل ہی نہیں تھا، داخل ہوتا تو پھر نکالا جاتا، وہ داخل ہی نہیں تھا۔ یہ معنیٰ ہے وَالْمُنْقَطِعُ الْمَذْكُورُ بَعْدَهَا غَيْرَ مُخْرَجٍ، اور منقطع وہ ہے جو إِلَّا وغیرہ کے بعد ذکر ہو اور نکالا نہ گیا ہو۔

چلیں بس کریں، بات سمجھ میں آگئی؟ یہاں تک حل ہو گیا؟ چلیے بس کل پھر یہ سارا، ساری عبارت کل پھر حل کر لیں گے۔ بس بھئی هٰذَا هُوَ الْمَرَامُ، اَللّٰهُ أَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْكَلَامِ.

سبق نمبر ۱۵۵: المستثنیٰ (۲): مستثنیٰ کے منصوب ہونے کے چار مواضع (کلامِ موجب، مقدم، خلا و عدا)

شرحِ ملا جامی صفحہ: ۱۴۱ — بتاریخ: ۱۳ جون ۲۰۲۲ء

▪ تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث

دیکھیے بھئی آگے سبق:

اَلْمُسْتَثْنٰى أَيْ مَا يُطْلَقُ عَلَيْهِ لَفْظُ الْمُسْتَثْنٰى فِي اصْطِلَاحِ النُّحَاةِ عَلٰى قِسْمَيْنِ، وَلَمَّا كَانَ مَعْلُوْمِيَّتُهُ بِهٰذَا الْوَجْهِ الْغَيْرِ الْمُحْتَاجِ إِلَى التَّعْرِيْفِ كَافِيَةً فِيْ تَقْسِيْمِهِ، قَسَّمَهُ إِلٰى قِسْمَيْنِ، وَعَرَّفَ كُلَّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا، لِأَنَّ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا أَحْكَامًا خَاصَّةً لَا يُمْكِنُ إِجْرَاؤُهَا عَلَيْهِ إِلَّا بَعْدَ مَعْرِفَتِهِ، فَقَالَ: مُتَّصِلٌ وَمُنْقَطِعٌ.

گذشتہ سبق میں ہم نے مستثنیٰ کی بحث شروع کی تھی اور میں نے آپ کو بتلایا تھا کہ مستثنیٰ وہ ہے جو «إِلَّا» اور اس کے اخوات کے بعد واقع ہوتا ہے یہ بتلانے کے لیے کہ ما قبل کی طرف جس چیز کی نسبت کی جا رہی ہے وہ نسبت «إِلَّا» کے ما بعد کی طرف نہیں ہے۔ مثلاً «جَاءَنِي الْقَوْمُ إِلَّا زَيْدًا» آئے میرے پاس وہ لوگ سوائے زید کے۔ تو «جَاءَنِي الْقَوْمُ» آئے میرے پاس وہ لوگ، تو یہاں دیکھو ما قبل میں لوگوں کی طرف آنے کی نسبت ہو رہی ہے اور «إِلَّا» کے بعد زید واقع ہے تو ما قبل کی طرف جس چیز کی نسبت کی جا رہی ہے «إِلَّا» کے ما بعد کی طرف وہ نسبت نہیں ہے بھئی۔ تو لوگوں پر کیا حکم لگایا گیا کہ وہ آئے ہیں اور زید وہ نہیں آیا ہے بھئی، نہیں آیا ہے۔

اور پھر آپ نے پڑھا تھا کہ یہ جو مستثنیٰ ہے یہ دو قسم پر ہے: ایک مستثنیٰ متصل ہے اور ایک مستثنیٰ منقطع ہے۔ مستثنیٰ متصل وہ ہے کہ جو ما قبل کے حکم میں داخل تھا پھر اس کو «إِلَّا» کے ذریعے اس حکم سے نکال دیا گیا۔ جیسے «جَاءَنِي الْقَوْمُ» آئے میرے پاس وہ لوگ، اس سے ایک ایسی جماعت مراد ہے جس کے اندر زید بھی شامل تھا۔ تو جب میں نے کہا «جَاءَنِي الْقَوْمُ» میرے پاس وہ لوگ آئے تو معلوم ہوا زید پر بھی یہی حکم لگ گیا کیونکہ وہ بھی ان لوگوں میں شامل تھا

تو اس سے معلوم ہو رہا ہے کہ زید بھی آیا ہے، لیکن آگے «إِلَّا زَيْدًا» کے ذریعے زید کو ان لوگوں سے نکال دیا گیا کہ وہ لوگ تو آئے ہیں لیکن زید نہیں آیا۔ تو مستثنیٰ متصل وہ ہے جو جس کو نکالا گیا ہو ما قبل سے بھئی۔ پہلے وہ داخل تھا اور پھر «إِلَّا» وغیرہ کے ذریعے اس کو نکال دیا گیا۔ جبکہ مستثنیٰ منقطع ایسا نہیں، یعنی وہ ما قبل سے نکالا ہوا نہیں ہوتا، اس لیے کیونکہ وہ ما قبل میں داخل تھا ہی نہیں۔ جیسے «جَاءَنِي الْقَوْمُ إِلَّا حِمَارًا» میرے پاس وہ لوگ آئے سوائے گدھے کے۔ تو دیکھو اب گدھا تو لوگوں کے اندر شامل نہیں تھا تو یہ مستثنیٰ منقطع ہے۔ تو مستثنیٰ متصل جو ہے وہ ما قبل میں داخل ہوتا ہے پھر اس کو نکال لیا جاتا ہے «إِلَّا» کے ذریعے، اور مستثنیٰ منقطع ایسا نہیں ہوتا، اس کو ما قبل سے نہیں نکالا گیا کیونکہ وہ ان میں داخل ہی نہیں تھا، اگر داخل ہوتا تو نکالا جاتا بھئی۔ بات سمجھ میں آگئی؟

مختصر لفظوں میں یوں کہو، مختصر لفظوں میں کہ مستثنیٰ جو ہے وہ ما قبل کے مخالف ہوتا ہے۔ مستثنیٰ ما قبل کے مخالف ہوتا ہے نفی اور اثبات کے اعتبار سے۔ یعنی ما قبل کے لیے اگر کسی چیز کا اثبات ہے تو مستثنیٰ سے اس چیز کی نفی ہے اور اگر ما قبل سے کسی چیز کی نفی ہے تو «إِلَّا» کے ما بعد کے لیے اس کا اثبات ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ مثلاً «جَاءَنِي الْقَوْمُ إِلَّا زَيْدًا» ما قبل میں جو قوم ہے ان کے لیے مجیئت کا اثبات ہے تو «إِلَّا زَيْدًا» تو زید سے کیا ہے مجیئت کی نفی ہے۔ یا دوسری مثال لے لیں «مَا جَاءَنِيْ أَحَدٌ إِلَّا زَيْدًا» میرے پاس کوئی ایک بھی نہیں آیا سوائے زید کے، تو ما قبل میں ہر ایک سے آنے کی نفی ہے تو «إِلَّا» کے ما بعد جو زید ہے اس کے لیے آنے کا اثبات ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو مستثنیٰ جو ہے وہ ما قبل کے مخالف ہوتا ہے نفی اور اثبات کے اعتبار سے؛ ما قبل میں اثبات ہے تو ما بعد یعنی مستثنیٰ سے اس کی نفی ہے، اور اگر ما قبل میں نفی ہے تو ما بعد یعنی «إِلَّا» کا جو ما بعد ہے یعنی جو مستثنیٰ ہے اس کے لیے اثبات ہوگا۔ بات سمجھ میں آگئی؟

اس کے بعد پھر میں نے آپ کو ایک نقشہ بنوایا تھا کہ پورا مستثنیٰ کا اعراب آپ کو سمجھ میں آجائے۔ میں نے بتلایا تھا کہ استثنا کے لیے یہ گیارہ الفاظ ذکر کریں گے: «إِلَّا»، «خَلَا»، «عَدَا»، «مَا خَلَا»، «مَا عَدَا»، «لَيْسَ»، «لَا يَكُوْنُ» اور «غَيْرٌ»، «سِوٰى»، «سَوَاءٌ» اور «حَاشَا»۔ یہ گیارہ الفاظ استثنا کے لیے استعمال ہوتے ہیں۔ ان میں سے «إِلَّا» کے اندر تفصیل ہے جبکہ اگلے چھ جو ہیں یعنی «خَلَا»، «عَدَا»، «مَا خَلَا»، «مَا عَدَا»، «لَيْسَ»، «لَا يَكُوْنُ»، ان کے بعد مستثنیٰ منصوب ہوگا۔ ہاں البتہ «خَلَا» اور «عَدَا» جو ہے، «خَلَا» اور «عَدَا» ان کے بعد کبھی کبھار مجرور بھی ہوگا لیکن اکثر کیا ہوگا؟ منصوب ہی ہوگا۔ تو یہ چھ الفاظ ہیں، ان کے بعد مستثنیٰ منصوب ہوتا ہے۔ اور اگلے چار الفاظ جو ہیں «غَيْرٌ»، «سِوٰى»، «سَوَاءٌ» اور «حَاشَا»، ان کے بعد مستثنیٰ مجرور ہوگا بھئی۔ البتہ «حَاشَا» کے بعد بعض علماء نے منصوب بھی لکھا ہے لیکن اکثر کے نزدیک مجرور ہی ہوگا بھئی۔ توجہ ہے؟ «حَاشَا» کے بعد اکثر کے نزدیک مجرور ہی ہوگا اگرچہ بعضوں نے نصب کو بھی جائز قرار دیا ہے۔

اور «إِلَّا» کے اندر میں نے بتایا تفصیل ہے کہ جب بھی «إِلَّا» کلام کے اندر آئے اور استثنا کے لیے آئے، صفت کے

لیے نہ آئے، کبھی کبھار «إِلَّا» صفت کے لیے بھی آتا ہے اور یہ «غَيْرٌ» کے معنیٰ میں ہوتا ہے۔ یاد رکھو آگے چل کر یہ بھی بتائیں گے آپ کو کہ ایک ہے «إِلَّا» اور ایک ہے «غَيْرٌ»۔ «إِلَّا» استثنا کے لیے آتا ہے اور «غَيْرٌ» صفت کے لیے، لیکن کبھی کبھار «إِلَّا» کو صفت کے لیے استعمال کر لیتے ہیں اور کبھی کبھار «غَيْرٌ» کو استثنا کے لیے استعمال کر لیتے ہیں یعنی دونوں ایک دوسرے کی جگہ بھی استعمال ہو جاتے ہیں۔ «إِلَّا» کس لیے ہے؟ استثنا کے لیے لیکن کبھی کبھار «غَيْرُ» کی جگہ صفت کے لیے بھی استعمال ہو جائے گا، اور «غَيْرٌ» کس لیے ہے؟ صفت کے لیے ہے لیکن کبھی کبھار وہ «إِلَّا» کی جگہ استثنا کے لیے بھی استعمال ہو جائے گا۔

تو «إِلَّا» کے اندر تفصیل ہے: اگر کلام کے اندر «إِلَّا» آئے اور استثنا کے لیے ہو تو پھر اس کے ما بعد پر کیا اعراب پڑھنا ہے میں نے تفصیل بیان کی تھی کہ سب سے پہلے فوراً یہ غور کر لیں کہ یہ مستثنیٰ متصل ہے یا منقطع؟ اگر منقطع ہو تو منصوب ہو گا۔ اگر متصل ہے تو پھر فوراً دیکھو کہ کلام موجب ہے یا غیر موجب۔ موجب کلام اسے کہتے ہیں جس میں نفی، نہی یا استفہام نہ ہو، اور اگر نفی، نہی یا استفہام ہو تو وہ کلامِ غیر موجب ہے۔ تو اگر مستثنیٰ متصل ہے تو پھر فوراً دیکھو یہ کلام موجب ہے یا غیر موجب۔ اگر موجب ہو تب بھی مستثنیٰ منصوب ہو گا۔ اگر غیر موجب ہے تو پھر فوراً غور کر لو کہ یہ جو مستثنیٰ ہے اس کو کہیں مقدم تو نہیں کیا گیا مستثنیٰ منہ پر؟ اگر مستثنیٰ مقدم ہے مستثنیٰ منہ پر تو بھی منصوب ہو گا۔ اور اگر مقدم نہیں ہے تو پھر اس میں غور کر لو کہ مستثنیٰ منہ بھی ساتھ مذکور ہے یا مذکور نہیں؟ اگر مستثنیٰ منہ بھی ساتھ مذکور ہے تو پھر اس صورت میں دو اعراب جائز ہیں: نصب پڑھنا بھی جائز اور بدل بنانا بھی جائز، اور بدل پر آپ جانتے ہیں وہی اعراب ہوتا ہے جو مبدل منہ پر ہو گا۔ اور اگر مستثنیٰ منہ کلام کے اندر مذکور نہیں ہے تو پھر اس صورت کے اندر مستثنیٰ کا اعراب «عَلٰى حَسَبِ الْعَوَامِلِ» ہو گا، یعنی جس قسم کے اعراب کا تقاضا عامل کرے گا وہی اعراب مستثنیٰ پر آئے گا۔ اگر عامل رفع کا تقاضا کرتا ہے تو مستثنیٰ پر بھی رفع آئے گا، اگر وہ نصب یا جر کا تقاضا کرتا ہے تو مستثنیٰ پر بھی نصب یا جر آئے گا بھئی۔ تفصیل سمجھ میں آگئی؟

اور پھر یہاں میں نے ایک دو اور باتیں بھی ذکر کی تھیں، میں نے بتلایا تھا کہ یہ جو آخری قسم ہے جس میں مستثنیٰ کا اعراب «عَلٰى حَسَبِ الْعَوَامِلِ» ہوتا ہے، یعنی جو مستثنیٰ متصل ہو اور کلام غیر موجب ہو اور مستثنیٰ مقدم نہ ہو اور مستثنیٰ منہ مذکور نہ ہو بلکہ غیر مذکور ہو، یہ والی جو قسم ہے اس کو مستثنیٰ مفرغ بھی کہتے ہیں۔ مستثنیٰ مفرغ بھی کہتے ہیں کہ مستثنیٰ منہ غیر مذکور ہو گا۔ تو یہ جو مستثنیٰ ہے اس کو مستثنیٰ مفرغ کہتے ہیں وجہ یہ کہ اس کے اندر عامل کو مستثنیٰ منہ سے فارغ کر دیا گیا۔ عامل پہلے کس میں عمل کر رہا تھا؟ مستثنیٰ منہ میں۔ اب مستثنیٰ منہ چلا گیا تو اب عامل براہِ راست کس میں عمل کرے گا؟ مستثنیٰ میں۔ تو یہ جو عامل ہے اس کو فارغ کر دیا گیا ہے کس میں عمل کرنے کے لیے؟ مستثنیٰ میں عمل کرنے کے لیے،

اس لیے اس کو مستثنیٰ مفرغ کہتے ہیں۔ تفصیل سمجھ میں آگئی؟

اور پھر میں نے یہ بھی بتایا تھا کہ یہ ساری تفصیل جو میں نے بیان کر دی اس سے آپ کو پتہ چل گیا کہ مستثنیٰ کبھی منصوب ہوتا ہے، کبھی مجرور ہوتا ہے، کبھی کبھار وہ بدل بھی بنتا ہے اور کبھی «عَلٰی حَسَبِ الْعَوَامِلِ» ہوتا ہے۔ یہ ساری تفصیل جو میں نے نقشے میں لکھوائی اس میں آپ غور کر لیں۔ چار ہی قسم کے اعراب ذکر ہوئے مستثنیٰ کے: کبھی کیا ہو گا؟ منصوب، کبھی مجرور، کبھی بدل، کبھی «عَلٰی حَسَبِ الْعَوَامِلِ»۔ ہاں نصب والی صورتیں کئی قسموں کے اندر آجائیں گی۔ تو کتاب کے اندر اس طریقے سے ذکر ہو گا کہ مستثنیٰ کبھی منصوب ہو گا پھر اس میں ساری صورتیں ذکر کر دیں گے، پھر اس کے بعد بدل والی اور «عَلٰی حَسَبِ الْعَوَامِلِ» اور جر والی صورتیں بھی ذکر کریں گے تو طلباء پریشان ہوتے ہیں، لیکن یہ نقشہ یاد ہو گا تو آپ فوراً اس کو حل کر سکیں گے بھئی۔ بات سمجھ میں آگئی؟ پھر دہرا لیں جلدی سے ایک دفعہ نقشہ: «إِلَّا» جب بھی کلام میں آئے تو فوراً پہلے کیا دیکھیں؟ پہلے دیکھیں کہ مستثنیٰ منقطع ہے یا متصل۔ منقطع ہو تو منصوب ہو گا، متصل ہو تو پھر دیکھو کلام موجب ہے یا غیر موجب۔ اگر موجب ہو تب بھی منصوب ہو گا۔ اگر غیر موجب ہو پھر جلدی سے دیکھیں کہ مستثنیٰ مقدم ہے یا مقدم نہیں۔ اگر وہ مقدم کر دیا گیا ہے تو بھی وہ منصوب ہو گا۔ اگر وہ مقدم نہیں ہے اپنی جگہ پر ہے یعنی مؤخر ہی ہے تو پھر دیکھیں کہ مستثنیٰ منہ مذکور ہے یا غیر مذکور ہے۔ اگر مستثنیٰ منہ مذکور ہے تو نصب بھی جائز اور بدل بھی، اور اگر مستثنیٰ منہ مذکور نہیں تو پھر مستثنیٰ کا اعراب «عَلٰی حَسَبِ الْعَوَامِلِ» ہو گا۔ تفصیل سمجھ میں آگئی؟

جی اب دیکھیے کتاب پر بھئی۔ متن متن ہم نے حل کر لیا تھا اب شرح کے ساتھ اس کو دیکھیے:

«اَلْمُسْتَثْنٰى أَيْ مَا يُطْلَقُ عَلَيْهِ لَفْظُ الْمُسْتَثْنٰى فِي اصْطِلَاحِ النُّحَاةِ عَلٰى قِسْمَيْنِ» بھئی دیکھیے یہاں دراصل متن پر ایک اعتراض ہوتا ہے۔ اعتراض یہ کہ صاحبِ کافیہ کی عبارت یوں ہے: «اَلْمُسْتَثْنٰى مُتَّصِلٌ وَمُنْقَطِعٌ» یعنی فوراً ہی انہوں نے مستثنیٰ کی تقسیم شروع کر دی۔ حالانکہ پہلے کسی چیز کی تعریف کی جاتی ہے، اس کی پہچان کروائی جاتی ہے، پھر اس کے بعد اس کی تقسیم کی جاتی ہے۔ جیسے کلمہ کی پہلے تعریف کی گئی کہ «اَلْكَلِمَةُ لَفْظٌ وُضِعَ لِمَعْنًى مُفْرَدٍ» اور اس کے بعد اس کی تقسیم کی گئی اسم، فعل اور حرف کی طرف۔ تو پہلے تعریف کی جاتی ہے اور پھر تقسیم کی جاتی ہے، لیکن صاحبِ کافیہ نے فوراً ہی تقسیم شروع کر دی اور کیا کہا؟ «اَلْمُسْتَثْنٰى مُتَّصِلٌ وَمُنْقَطِعٌ» بھئی۔ تو یہاں اشکال ہوا کہ صاحبِ کافیہ نے مستثنیٰ کی تعریف کیوں نہیں کی؟ شارحین یہ اعتراض ذکر کرتے ہیں، حتیٰ کہ صاحبِ کافیہ انہوں نے خود جو کافیہ کی شرح لکھی اس میں بھی انہوں نے یہ اعتراض ذکر کیا بھئی۔ تو انہوں نے بھی یہاں پر یہ اعتراض اور اس کا جواب ذکر کیا اور وجہ یہ ذکر کی پھر انہوں نے، صاحبِ کافیہ فرماتے ہیں کہ مستثنیٰ کی ایسی تعریف کرنا جو مستثنیٰ متصل اور منقطع دونوں کو شامل ہو ایسی

تعریف ممکن ہی نہیں ہے۔ مستثنیٰ کی ایسی تعریف کرنا جو مستثنیٰ متصل اور منقطع دونوں کو شامل ہو ایسی تعریف ممکن ہی نہیں۔ وجہ یہ لکھتے ہیں کہ وجہ یہ کہ جو تعریف ہوتی ہے وہ کسی چیز کی حقیقت اور ماہیت بیان کرنے کے لیے کی جاتی ہے، اور مستثنیٰ متصل کی ماہیت اور ہے، مستثنیٰ منقطع کی ماہیت اور ہے؛ مستثنیٰ متصل مخرج ہوتا ہے ما قبل سے جبکہ مستثنیٰ منقطع جو ہے وہ ما قبل سے مخرج نہیں ہوتا، تو مستثنیٰ متصل اور منقطع دونوں کی ماہیتیں ہی الگ ہیں، لہٰذا ایک تعریف کی جائے گی اس میں دونوں ماہیتوں کو نہیں سمیٹا جا سکتا۔ تعریف کے ذریعے تو کسی ایک چیز کی ماہیت بیان کی جاتی ہے اور یہاں تو دونوں کی ماہیتیں ہی الگ الگ ہیں بھئی، لہٰذا ایک تعریف کے ذریعے دونوں کی ماہیت کو بیان نہیں کیا جا سکتا۔ تو انہوں نے یہ اعتراض وہاں ذکر کیا اور اس کا یہ جواب ذکر کیا اور پھر ساتھ یہ بھی ذکر کیا ہاں لفظی تعریف ہو سکتی ہے، تعریفِ حقیقی تو نہیں ہو سکتی لیکن لفظی تعریف مستثنیٰ کی ہو سکتی ہے کہ یوں کہا جائے مستثنیٰ وہ ہے جو «إِلَّا» اور اس کے اخوات کے بعد آئے۔ مستثنیٰ وہ ہے جو «إِلَّا» اور اس کے اخوات کے بعد آئے وہ مستثنیٰ ہے چاہے مخرج ہو چاہے غیر مخرج ہو، دونوں اس میں داخل ہو گئے۔ لیکن یہ تعریفِ لفظی ہے، پوری حقیقت اور ماہیت کی تعریف نہیں ہے بھئی۔ تو صاحبِ کافیہ نے یہ اشکال بھی ذکر کیا خود اپنی شرح کے اندر اور پھر اس کا یہ جواب بھی ذکر فرمایا کہ تعریف ممکن ہی نہیں ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ اور شارحین بھی یہاں پر اعتراض کرتے ہیں کہ یہ صاحبِ کافیہ نے تعریف ذکر نہیں کی بھئی۔ اور صاحبِ جامی، میں نے بتایا صاحبِ جامی کا عجیب انداز ہے؛ اور شارحین صاحبِ کافیہ پر کوئی اعتراض کریں بھی تو صاحبِ جامی اس مقام پر...

ایسی تقریر کرتے ہوئے جاتے ہیں کہ کوئی اعتراض واقع ہی نہیں ہوتا۔ یعنی جو معترضین ہوتے ہیں ان کے اعتراض کو رد کر دیتے ہیں کہ آپ کا یہ اعتراض ہمیں قبول نہیں، اس کی کوئی حاجت ہی نہیں بھئی، اس کے بغیر ہی کلام صحیح ہے بھئی، یہاں کوئی خرابی کلام کے اندر موجود نہیں ہے بھئی۔ تو چنانچہ اب دیکھو یہاں پر صاحبِ کافیہ نے خود بھی یہاں پر اعتراض اور جواب ذکر فرمایا ہے لیکن صاحبِ جامی ایسی تقریر کریں گے کہ نہیں بھئی کوئی حاجت ہی نہیں ہے یہ کہنے کی کہ یہاں تعریف کی حاجت ہی نہیں ہے۔ کیوں؟ دیکھو بھئی جواب سنو:

کہتے ہیں: «اَلْمُسْتَثْنٰی أَيْ مَا يُطْلَقُ عَلَيْهِ لَفْظُ الْمُسْتَثْنٰی فِي اصْطِلَاحِ النُّحَاةِ» «أَيْ مَا»۔ «مَا» سے مراد ہے اسم۔ مستثنیٰ وہ اسم ہے «يُطْلَقُ عَلَيْهِ لَفْظُ الْمُسْتَثْنٰی» جس پر مستثنیٰ کا لفظ، مستثنیٰ کے لفظ کا اطلاق کیا جاتا ہے یعنی جس پر مستثنیٰ کا لفظ بولا جاتا ہے۔ مستثنیٰ سے مراد وہ اسم ہے جس پر مستثنیٰ کا لفظ بولا جاتا ہے «فِي اصْطِلَاحِ النُّحَاةِ» کس کی اصطلاح میں؟ نحویوں کی اصطلاح میں۔ صاحبِ جامی فرما رہے ہیں کہ یہاں مستثنیٰ کی تعریف کی کوئی حاجت نہیں۔ اس لیے کیونکہ جیسے ہی پڑھنے والا یہاں پہنچتا ہے اور «اَلْمُسْتَثْنٰی» پڑھتا ہے، اتنی بات فوراً ہی اس کو سمجھ میں آجاتی ہے کہ یہ مستثنیٰ سے مراد وہ اسم ہے جس کو نحوی حضرات کیا کہتے ہیں؟ مستثنیٰ کہتے ہیں۔ اس سے وہ چیز مراد ہے جس کو نحوی مستثنیٰ کہتے ہیں،

اتنا تو پڑھتے ہی سمجھ میں آجاتا ہے اور اتنا سمجھنا ہی کافی ہے تقسیم کے لیے۔ دیکھو وہ چیز جس کو نحوی حضرات مستثنیٰ کہتے ہیں وہ دو قسم پر ہے: «مُتَّصِلٌ وَمُنْقَطِعٌ»۔ دیکھو بات بن گئی یا نہیں بن گئی؟ کوئی تعریف کرنے کی حاجت نہیں۔ تو پڑھنے والا جب «اَلْمُسْتَثْنٰی» کا یہاں لفظ پڑھتا ہے، پڑھتے ہی اس کو سمجھ میں آجاتا ہے کہ یہ اس مستثنیٰ کی بات ہو رہی ہے، اس چیز کی بات ہو رہی ہے جس کو علمائے نحو مستثنیٰ کہتے ہیں اور اتنا سمجھنا ہی کافی ہے تقسیم کے لیے، پوری جامع مانع تعریف کا ہونا ضروری نہیں ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ دیکھیے پھر ترجمہ، کہتے ہیں: «اَلْمُسْتَثْنٰی أَيْ مَا يُطْلَقُ عَلَيْهِ لَفْظُ الْمُسْتَثْنٰی فِي اصْطِلَاحِ النُّحَاةِ عَلٰی قِسْمَيْنِ» یعنی وہ چیز جس پر مستثنیٰ کا لفظ بولا جاتا ہے نحویوں کی اصطلاح میں، «عَلٰی قِسْمَيْنِ» وہ دو قسم پر ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو دیکھو کیسا پیارا جواب دیا۔ صاحبِ کافیہ نے خود بھی یہاں اعتراض کیا تھا اور پھر اس کا جواب بھی ذکر کیا تھا۔ صاحبِ جامی فرما رہے ہیں نہیں کوئی اعتراض کی ضرورت ہی نہیں ہے، «اَلْمُسْتَثْنٰی» کہنے سے ہی پتہ چل گیا اس چیز کی بات ہو رہی ہے جس کو نحوی کیا کہتے ہیں؟ مستثنیٰ کہتے ہیں، وہ دو قسم پر ہے متصل اور منقطع، تو یہ کافی ہے۔ کسی نہ کسی درجے میں چیز کے سمجھ آجائے یہ تقسیم کے لیے کافی ہے، اس کی جامع مانع تعریف کا ہونا ضروری نہیں ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟

نیز یہاں پر ایک اور اشکال بھی ہوتا ہے۔ اشکال یہ ہوتا ہے کہ صاحبِ کافیہ نے فرمایا «اَلْمُسْتَثْنٰی مُتَّصِلٌ وَمُنْقَطِعٌ» کہ مستثنیٰ متصل اور منقطع ہے بھئی۔ یہ تو تقسیمُ الشّیءِ اِلی نفسِہ و اِلی غیرِہ لازم آئی۔ «تَقْسِيْمُ الشَّيْءِ إِلٰى نَفْسِهِ وَإِلٰى غَيْرِهِ» لازم آئی۔ کیوں؟ کیونکہ مستثنیٰ عربی زبان میں مستثنیٰ کہتے ہیں جس کو نکالا گیا ہو، تو مستثنیٰ بمعنیٰ مخرج کے ہے۔ عربی زبان میں، علمِ نحو کی اصطلاح نہیں ذکر کر رہا، عربی زبان میں مستثنیٰ کسے کہتے ہیں؟ مخرج کو۔ توجہ ہے؟ تو یہ جو مستثنیٰ ہے یہ دو قسم پر ہے متصل اور منقطع بھئی، متصل اور منقطع یا یوں کہو مخرج اور غیر مخرج۔ تو مستثنیٰ عربی زبان میں کس کو کہتے ہیں؟ مخرج کو۔ اس کی کتنی قسمیں ہیں؟ دو: ایک مخرج اور ایک غیر مخرج۔ یہ تو «تَقْسِيْمُ الشَّيْءِ إِلٰى نَفْسِهِ وَإِلٰى غَيْرِهِ» لازم آیا۔ یاد رکھو کسی بھی چیز کی جب تقسیم کی جاتی ہے وہ اس کی انواع اور اقسام کی طرف تقسیم کی جاتی ہے۔ جیسے کلمہ، وہ تین قسم پر ہے: اسم، فعل اور حرف۔ تو یہ اسم، فعل اور حرف کلمہ کی قسمیں ہیں، یہ کلمہ کے تحت ہیں بھئی۔ کلمہ مقسم ہے اور وہ ان کے اوپر ہے بھئی۔ توجہ ہے؟ وہ ان تینوں کو شامل ہے اور یہ تین اس کی قسمیں ہیں، اس کے تحت ہیں۔ تو تقسیم جو ہے وہ اقسام کی طرف ہوا کرتی ہے۔ سمجھ میں آیا؟ اپنی ذات اور غیر کی طرف تقسیم صحیح نہیں ہے، یہ باطل ہے۔ مثلاً میں آپ سے کہتا ہوں بھئی کلمہ دو قسم پر ہے: یا وہ کلمہ ہو گا یا وہ غیر کلمہ ہو گا۔ کلمہ کتنے قسم پر؟ دو قسم پر: یا وہ کلمہ ہو گا... بھئی کلمہ ہی کی تو تقسیم کر رہے ہیں پھر آپ اس کو قسم کیسے بنا رہے ہیں؟ اور پھر دوسری قسم کیا بتلا رہا ہوں؟ کلمہ یا تو کلمہ ہو گا یا غیر کلمہ، تو غیر کلمہ کلمہ کے اندر کیسے داخل ہو گیا؟ توجہ ہے؟ تو کلمہ کی تقسیم اگر آپ کلمہ اور غیر کلمہ کی طرف کریں تو

یہ تو آپ نے ایک چیز کی تقسیم اپنی ہی ذات کی طرف کر دی، کلمہ کی تقسیم کلمہ کی طرف کر دی اور نیز اپنے سے غیر کی طرف کر دی جو اس کے اندر داخل ہی نہیں تھا، وہ کہاں سے آپ یہاں لے آئے؟ خرابی سمجھ میں آ رہی ہے؟ تو چیز کی تقسیم کس کی طرف ہوتی ہے؟ اپنی اقسام اور انواع کی طرف جو اس کے تحت ہوتی ہیں، اپنی ہی ذات اور اپنے غیر کی طرف اس کی تقسیم نہیں ہوتی۔ یا دوسری مثال سمجھ لیں مثلاً میں درخت کی تقسیم کرتا ہوں بھئی درخت دو قسم پر ہے: یا وہ درخت ہو گا یا وہ پہاڑ ہو گا۔ یا وہ درخت ہو گا یا... تو درخت کی تقسیم کر رہا ہوں اور اس کے اندر پھر اسی درخت کو ذکر کر رہا ہوں اور پھر ساتھ پہاڑ کو بھی لے کر آ رہا ہوں بھئی درخت کا لفظ تو پہاڑ پر نہیں بولا جاتا۔ پہاڑ تو اس کے اندر داخل ہی نہیں ہے، تو یہ کیا ہے «تَقْسِيْمُ الشَّيْءِ إِلٰى نَفْسِهِ وَإِلٰى غَيْرِهِ» اور یہ باطل ہے۔ توجہ ہے؟ تو یہاں اعتراض ہوتا ہے کہ مستثنیٰ جو ہے عربی زبان میں مخرج کو کہتے ہیں اور آپ نے اس کی تقسیم کر دی متصل اور منقطع کی طرف یعنی مخرج اور غیر مخرج کی طرف، یہ تو «تَقْسِيْمُ الشَّيْءِ إِلٰى نَفْسِهِ وَإِلٰى غَيْرِهِ» لازم آئی، یعنی آپ نے مخرج کی تقسیم کی کس کی طرف؟ مخرج اور غیر مخرج کی طرف، اور یہ تو باطل ہے۔ تو اس کا بھی جواب ہو گیا جو صاحبِ جامی نے جواب دیا۔ صاحبِ جامی نے جواب دیا: «اَلْمُسْتَثْنٰى أَيْ مَا يُطْلَقُ عَلَيْهِ لَفْظُ الْمُسْتَثْنٰى فِي اصْطِلَاحِ النُّحَاةِ» کہ بھئی آپ نے مستثنیٰ سے لغوی معنیٰ لے لیا، لغوی معنیٰ مراد لے لیا۔ حالانکہ یہاں مستثنیٰ سے لغوی مستثنیٰ مراد نہیں ہے بلکہ وہ مستثنیٰ ہے جس کو علمِ نحو والے مستثنیٰ کہتے ہیں۔ تو اسی لیے کہا «اَلْمُسْتَثْنٰى أَيْ مَا يُطْلَقُ عَلَيْهِ لَفْظُ الْمُسْتَثْنٰى فِي اصْطِلَاحِ النُّحَاةِ» یعنی وہ چیز جس پر مستثنیٰ کا لفظ بولا جاتا ہے نحویوں کی اصطلاح میں، یہ مستثنیٰ جو ہے یعنی اصطلاحی مستثنیٰ جو ہے «عَلٰى قِسْمَيْنِ» یہ دو قسم پر ہے۔ بات سمجھ میں آ گئی؟ عبارت سمجھ میں آ گئی؟ پھر ترجمہ دیکھ لیں۔ کہتے ہیں: «اَلْمُسْتَثْنٰى أَيْ مَا يُطْلَقُ عَلَيْهِ لَفْظُ الْمُسْتَثْنٰى فِي اصْطِلَاحِ النُّحَاةِ عَلٰى قِسْمَيْنِ» یعنی وہ اسم کہ جس پر مستثنیٰ کا لفظ بولا جاتا ہے نحویوں کی اصطلاح میں وہ دو قسم پر ہے۔ معلوم ہوا کسی بھی درجے میں تھوڑی بہت پہچان بھی ہو جائے وہ بھی تقسیم کے لیے کافی ہے۔

«وَلَمَّا كَانَ مَعْلُوْمِيَّتُهُ بِهٰذَا الْوَجْهِ الْغَيْرِ الْمُحْتَاجِ إِلَى التَّعْرِيْفِ كَافِيَةً فِيْ تَقْسِيْمِهِ»۔ «وَلَمَّا كَانَ مَعْلُوْمِيَّتُهُ» اور جب مستثنیٰ کا معلوم ہونا... میں نے آپ کو بتلایا تھا کہ کسی لفظ سے مصدر بنانا ہو صفت کے صیغے سے تو اس کے آخر میں یائے مشدد اور گول تا ملا دی جاتی ہے۔ معلوم اسمِ مفعول کا صیغہ ہے، اس سے مصدر بنانے کے لیے ساتھ کیا ملا دیا؟ یائے مشدد اور گول تا: معلومیت۔ تو معلومیت کا کیا ترجمہ ہو گا؟ معلوم ہونا، مصدر والا ترجمہ کریں۔ «وَلَمَّا كَانَ مَعْلُوْمِيَّتُهُ» اور جب مستثنیٰ کا معلوم ہونا «بِهٰذَا الْوَجْهِ» اس طریقے پر، کس طریقے پر؟ یہ جو پیچھے ذکر کر دیا کہ جب مستثنیٰ کو ذکر کر دیا تو اس سے کیا بات فوراً سمجھ میں آ گئی؟ کہ صاحبِ کافیہ اس چیز کی بات کرنے لگے ہیں جس کو علمِ نحو میں کیا کہا جاتا ہے؟ مستثنیٰ کہا جاتا ہے، یعنی کسی نہ کسی درجے میں پہچان ہو گئی، جب پہچان ہو گئی اب تعریف کرنے کی کوئی حاجت نہیں، وہی بات بیان کر رہے ہیں۔ کہتے ہیں «وَلَمَّا كَانَ مَعْلُوْمِيَّتُهُ بِهٰذَا الْوَجْهِ» اور جب مستثنیٰ کا معلوم ہونا اس طریقے پر «اَلْغَيْرِ الْمُحْتَاجِ

إِلَى التَّعْرِيْفِ» جو کہ محتاج نہیں ہے تعریف کا، مستثنیٰ کا معلوم ہونا اس طریقے پر جو کہ محتاج نہیں ہے تعریف کا کہ جامع مانع تعریف کی جائے اس کا محتاج نہیں ہے، «كَافِيَةً» یہ کافی ہے «فِيْ تَقْسِيْمِهِ» مستثنیٰ کی تقسیم میں۔ یعنی اتنا معلوم ہونا بھی کافی ہے۔ توجہ ہے؟ کیا کرنے لگے ہیں آگے؟ تقسیم کرنے لگے ہیں۔ اشکال کیا ہوتا تھا؟ کہ صاحبِ کافیہ کو پہلے تعریف کرنی چاہیے تھی۔ صاحبِ جامی جواب دے رہے ہیں کہ بھئی جب جیسے ہی «اَلْمُسْتَثْنٰى» کا لفظ صاحبِ کافیہ نے کہا یا پڑھنے والے نے جیسے ہی اس کو پڑھا، اتنی بات سمجھ میں آگئی کہ کس کی بات کر رہے ہیں صاحبِ کافیہ؟ جس کو علمِ نحو میں مستثنیٰ کہا جاتا ہے، اور اس کا اتنا معلوم ہو جانا یہ تقسیم کے لیے کافی ہے۔ اس کا اتنا معلوم ہو جانا تعریف کے لیے کافی ہے اور یہ تو معلوم ہو رہا تھا، لہٰذا اس لیے انہوں نے تعریف نہیں کی۔ دیکھیے پھر ترجمہ، کہتے ہیں: «وَلَمَّا كَانَ مَعْلُوْمِيَّتُهُ بِهٰذَا الْوَجْهِ» دیکھو ترکیب بھی سمجھ لیجیے: «مَعْلُوْمِيَّتُهُ» یہ ہے «كَانَ» کا اسم، «كَانَ» کا اسم مرفوع ہوتا ہے اور خبر منصوب، اور خبر آگے آرہی ہے «كَافِيَةً فِيْ تَقْسِيْمِهِ» کہ اس مستثنیٰ کا اتنا معلوم ہونا کافی ہے «فِيْ تَقْسِيْمِهِ» اس کی تقسیم کے لیے۔ توجہ ہے؟ اور درمیان میں جو آیا «بِهٰذَا الْوَجْهِ» اس کا مستثنیٰ کا معلوم ہونا اس طریقے پر، کون سا طریقہ؟ جو ہم نے پیچھے بیان کر دیا کہ مستثنیٰ سے مراد کیا مراد ہے جس کو نحوی حضرات کیا کہتے ہیں؟ مستثنیٰ۔ تو جب مستثنیٰ کا معلوم ہونا اس طریقے پر آگے «اَلْغَيْرِ الْمُحْتَاجِ» یاد رکھو یہ صفت ہے «مَعْلُوْمِيَّتُهُ» کی، اور «مَعْلُوْمِيَّتُهُ» یہ تو مرفوع ہے «كَانَ» کا اسم ہے تو اس کی صفت «اَلْغَيْرُ الْمُحْتَاجِ» وہ بھی کیا ہو گی؟ مرفوع ہو گی۔ توجہ ہے؟ اور «اَلْغَيْرِ» پر الف لام لے آئے، «اَلْغَيْرِ» پر الف لام لے آئے، یاد رکھو کچھ الفاظ عربی زبان کے ایسے ہیں کہ وہ معرفہ کی طرف مضاف ہو جائیں پھر بھی وہ معرفہ نہیں بنتے۔ ویسے تو عام ضابطہ یہی ہے کہ معرفہ کی طرف جو لفظ مضاف ہو گا وہ بھی معرفہ بن جائے گا۔ غلام نکرہ ہے اس کا معنیٰ ہے کوئی غلام، لیکن جب زید یعنی معرفہ کی طرف اضافت کر دی «غُلَامُ زَيْدٍ» اب یہ غلام کا لفظ بھی کیا بن گیا؟ معرفہ بن گیا، اس سے زید کا غلام ہی مراد ہے کوئی اور غلام نہیں۔ یا کسی لفظ کی اضافت ضمیر کی طرف کر دیں ضمیر بھی معرفہ ہے تو بھی وہ لفظ معرفہ بن جائے گا جیسے «غُلَامِيْ» میرا غلام دیکھو اب یہ معرفہ ہے، «كِتَابِيْ» یہ بھی کیا ہے معرفہ ہے۔ لیکن کچھ الفاظ عربی زبان میں ایسے ہیں کہ معرفہ کی طرف ان کی اضافت کر دیں پھر بھی وہ معرفہ نہیں بنتے، جیسے «غَيْرٌ»، «شِبْهٌ»، «مِثْلٌ»، «أَحَدٌ» وغیرہ۔ توجہ ہے؟ یہ کچھ الفاظ ہیں کہ معرفہ کی طرف مضاف ہو جائیں یہ پھر بھی معرفہ نہیں بنتے۔ بھئی معرفہ کسے کہتے ہیں؟ جو کسی معین ذات پر دلالت کرے۔ جیسے ہی میں نے کہا زید، آپ کے ایک ساتھی کا نام زید ہے فوراً آپ کے ذہن میں زید کی صورت آگئی۔ جیسے ہی میں نے کہا عمرو، آپ کے ذہن میں فوراً عمرو کی صورت آگئی۔ میں نے جیسے ہی کہا «غُلَامُ زَيْدٍ» زید کا غلام، آپ جانتے ہیں زید کا ایک ہی غلام ہے فوراً آپ کے ذہن میں وہ آگیا۔ تو معرفہ اسے کہتے ہیں جو کسی معین ذات پر دلالت کرے۔ اگر کوئی لفظ بولنے سے معین ذات آپ کے ذہن میں آتی ہے تو سمجھ جائیں وہ معرفہ ہے اور اگر کوئی

معین ذات آپ کے ذہن میں نہیں آتی تو پھر سمجھ جائیں یہ نکرہ ہے۔ توجہ ہے؟ مثلاً زید کا ایک ہی غلام ہے میں نے کہا «غُلَامُ زَيْدٍ»، آپ کے ذہن میں فوراً آگیا کہ زید کا ایک ہی وہی غلام ہے وہ مراد ہے بھئی، لیکن اگر زید کے دو یا تین غلام ہیں اب میں کہتا ہوں «غُلَامُ زَيْدٍ»، اب ان میں سے کوئی معین آپ کے ذہن میں آیا؟ نہیں، میں نے تو کیا کہا ہے زید کا غلام، زید کے غلام تو مثلاً دو ہیں یا تین ہیں تو ان میں سے کوئی ایک معین طور پر آپ کے ذہن میں نہیں آیا۔ اتنا آپ سمجھ گئے ان میں سے کوئی ایک مراد ہے لیکن کون سا والا مراد ہے یہ آپ کو پتہ نہیں چلا، معلوم ہوا اب یہ معرفہ نہیں۔ ضابطہ سمجھ میں آیا؟ کیا؟ معرفہ کسے کہتے ہیں؟ جو کسی معین ذات پر دلالت کرے۔ کوئی لفظ بولیں اور معین چیز یا معین ذات آپ کے ذہن میں آئے تو معرفہ ہے ورنہ معرفہ نہیں۔ تو لہٰذا یہ جو «شِبْهٌ»، «غَيْرٌ»، «مِثْلٌ»، «أَحَدٌ» وغیرہ ہیں ان سے کوئی معین چیز ذہن میں نہیں آتی، معلوم ہوا یہ معرفہ کی طرف مضاف ہو جائیں پھر بھی یہ نکرہ ہی رہتے ہیں۔ مثلاً دو آدمی وہاں کھڑے تھے، میں آپ سے کہتا ہوں «جَاءَنِيْ أَحَدُهُمَا» ان دونوں میں سے ایک میرے پاس آیا تھا۔ کچھ آپ کو پتہ چلا کون سا والا ایک؟ نہیں۔ معلوم ہوا دیکھو «أَحَدٌ» کی اضافت «هُمَا» ضمیر کی طرف ہو گئی پھر بھی یہ معرفہ نہ بنا بھئی۔ یا مثلاً میں کہتا ہوں «مِثْلُ زَيْدٍ» زید جیسا، کوئی معین آدمی آپ کے ذہن میں آیا؟ «مِثْلُ زَيْدٍ» میں نے کہا زید جیسا، کوئی معین آپ کے ذہن میں آیا؟ نہیں، کوئی معین نہیں، زید جیسا ہو سکتا ہے عمرو ہو، ہو سکتا ہے بکر ہو، خالد ہو، ایک ہو، ہو سکتا ہے دو ہوں، ہو سکتا ہے دس زید جیسے ہوں۔ تو اس سے کوئی ایک معین آپ کے ذہن میں نہیں آیا تو دیکھو «مِثْلٌ» کا لفظ زید کی طرف جو کہ معرفہ ہے مضاف ہو رہا ہے لیکن پھر بھی یہ نکرہ ہے۔ اسی طرح «شِبْهُ زَيْدٍ» زید جیسا یہ بھی نکرہ ہے، اسی طرح «غَيْرُ زَيْدٍ»۔ «غَيْرُ زَيْدٍ» کا کیا معنیٰ؟ زید کے علاوہ، کوئی معین شخص آپ کے ذہن میں دیکھو نہیں آیا، زید کے علاوہ تو کوئی بھی ہو سکتا ہے بھئی۔ تو یہ کچھ الفاظ ہیں جو معرفہ کی طرف مضاف ہو جائیں پھر بھی معرفہ نہیں بنتے۔ تو اب دیکھو یہ «غَيْرُ الْمُحْتَاجِ» یہ «غَيْرُ» مضاف تھا اور «اَلْمُحْتَاجِ» مضاف الیہ، یہ «غَيْرُ» ہمیشہ مضاف ہوتا ہے۔

مختار ہیں: نصب پڑھنا بھی جائز اور بدل بنانا بھی جائز۔ تو مبدل منہ پر چونکہ رفع ہے «مَا جَاءَنِيْ أَحَدٌ» «أَحَدٌ» پر کیا ہے؟ رفع، اس لیے اس کا بدل بھی کیا ہو گا؟ مرفوع «مَا جَاءَنِيْ أَحَدٌ إِلَّا زَيْدٌ» اور نصب پڑھنا بھی جائز ہے «مَا جَاءَنِيْ أَحَدٌ إِلَّا زَيْدًا»۔ یہاں چونکہ ایک مثال دینی تھی اس لیے انہوں نے ایک اعراب کے ساتھ ذکر کر دیا «مَا جَاءَنِيْ أَحَدٌ إِلَّا زَيْدًا»۔

اچھا آگے چلیں بھئی۔ آگے متن ہے: «أَوْ أَجْزَاؤُهُ»۔

▪ متنِ کتاب و تحقیقِ مسائلِ نحویہ

عَنْ حُكْمِ شَيْءٍ مُتَعَدِّدٍ جُزْئِيَّاتُهُ أَوْ أَجْزَاؤُهُ۔

مطلب یہ ہے کہ «فَالْمُتَّصِلُ هُوَ الْمُخْرَجُ عَنْ مُتَعَدِّدٍ»۔ متصل وہ ہے کہ جس کو نکالا گیا ہو متعدد سے، یعنی یا تو اس چیز

سے نکالا گیا ہو جس کی جزئیات متعدد ہوں یا اس چیز سے نکالا گیا ہو جس کے اجزا متعدد ہوں۔ میں نے ابھی آپ کو بتلایا تھا: کبھی کسی چیز کا تعدد اس کی جزئیات اور افراد کے اعتبار سے ہوتا ہے اور کبھی کسی چیز کا تعدد اس کے اجزا کے اعتبار سے ہوتا ہے، جیسے ایک گھر کے بہت سے اجزا ہیں، یا انسان کے جسم کے بہت سے اجزا ہیں: سر، ہاتھ، پاؤں، پیٹ وغیرہ، یہ انسان کے اجزا ہیں۔ تو یہ شے متعدد الاجزا ہے۔ توجہ ہے؟ یا ایک قوم، یا ایک جماعت کے اندر کئی افراد ہیں، یہ متعدد الجزئیات ہے بھئی۔ تو کہتے ہیں: «أَوْ أَجْزَاؤُهُ» یا ایسی چیز کے حکم سے نکالا گیا ہو جس کے اجزا متعدد ہوں۔ جیسے «أَعْطَيْتُ الْبَلَدَ إِلَّا مَحَلَّتَهَا»۔ میں نے اس شہر کو دے دیا سوائے اس کے اس محلے کے۔ اب شہر کیا ہے؟ اس کے اندر کئی محلے ہیں، وہ اس کے اجزا ہیں۔ شہر کل ہے اور محلے کیا ہیں؟ اس کے اجزا ہیں، تو شہر کیا ہوا؟ متعدد الاجزا ہوا بھئی۔ تو آپ نے کل شہر پر ایک حکم لگایا کہ میں نے شہر والوں کو دے دیا، یا مثلاً آپ نے کہا «دَخَلْتُ الْبَلَدَ إِلَّا مَحَلَّةَ كَذَا» میں اس شہر میں داخل ہوا سوائے فلاں محلے کے۔ یا مثلاً آپ نے کہا «قَطَعْتُ الشَّجَرَةَ إِلَّا غُصْنَهَا» میں نے درخت کاٹ ڈالا سوائے اس کی اس شاخ کے، یا سوائے ایک شاخ کے۔ تو دیکھو درخت یہ کل ہے اور اس کی شاخیں کیا ہیں؟ اس کے اجزا ہیں۔ اس کے افراد نہیں، درخت کی شاخ درخت کا فرد نہیں ہے بلکہ درخت کا کیا ہے؟ جز ہے بھئی۔ اگر کہیں «قَطَعْتُ الشَّجَرَ إِلَّا النَّخْلَ» میں نے درخت کاٹ ڈالے سوائے کھجور کے درخت کے، اب یہ درخت کا فرد ہے۔ یہ درخت کی جزئیات ہیں: کھجور کا درخت، کیکر کا درخت، بیری کا درخت، یہ درخت کی جزئیات ہیں یعنی اس کے افراد ہیں۔ لیکن جب کہا «قَطَعْتُ الشَّجَرَةَ إِلَّا غُصْنَهَا» میں نے ایک درخت کاٹ ڈالا سوائے اس کی اس شاخ کے، اب یہ شاخ اس درخت کا فرد نہیں بلکہ اس درخت کا کیا ہے؟ جز ہے بھئی۔ بات سمجھ میں آگئی؟ یا جیسے کہتے ہیں «بِعْتُ الدَّارَ إِلَّا غُرْفَةً» میں نے گھر بیچ دیا سوائے ایک کمرے کے۔ اب دیکھو گھر یہ کل ہے اور کمرہ اس کا کیا ہے؟ جز ہے بھئی۔ تو اس کو کہتے ہیں متعدد الاجزا۔

اس کو کہتے ہیں: «عَنْ حُكْمِ شَيْءٍ مُتَعَدِّدٍ جُزْئِيَّاتُهُ أَوْ أَجْزَاؤُهُ»۔ ایک ایسی چیز کے حکم سے کہ جس کی جزئیات متعدد ہوں یا اس کے اجزا متعدد ہوں۔ آگے مثال بھی خود ذکر کی: «نَحْوُ جَاءَنِي الْقَوْمُ إِلَّا زَيْدًا»۔ «جَاءَنِي الْقَوْمُ» میرے پاس وہ لوگ آئے «إِلَّا زَيْدًا» سوائے زید کے۔ اب القوم کے اجزا ہیں بھئی: زید، عمر، بکر، خالد، یہ سب اس قوم کے کیا ہیں؟ اجزا ہیں۔ یہ قوم کے جزئیات نہیں ہیں۔ کیوں؟ کیونکہ قوم کا معنیٰ ایک جماعت، ایک مجموعہ۔ زید کوئی مجموعہ ہے؟ نہیں، زید تو ایک فرد ہے، وہ قوم کا جز ہے، قوم کی جزئی نہیں۔ جیسے درخت کا لفظ ایک شاخ پر نہیں بولا جا سکتا۔ ایسے ہی قوم کا لفظ زید پر نہیں بولا جا سکتا، یہ زید قوم کا کیا ہے؟ جز ہے بھئی۔

اور نیز یاد رکھنا، جیسے قوم کہا اس کے علاوہ بھی دوسری مثالیں: «ضَرَبْتُ زَيْدًا إِلَّا يَدَهُ» میں نے زید کو مارا سوائے اس کے ہاتھ کے، «قَطَعْتُ الشَّجَرَةَ إِلَّا غُصْنًا مِنْهَا» یا «أَخَذْتُ الْعَشَرَةَ إِلَّا وَاحِدًا» میں نے دس لے لیے سوائے ایک کے۔ یہ ایک دس کا کیا ہے؟ جز ہے بھئی۔ «لَهُ عَلَيَّ عَشَرَةُ دَرَاهِمَ إِلَّا دِرْهَمًا» اس کا مجھ پر دس درہم قرض ہے سوائے ایک درہم

کے، تو دیکھو یہ ایک درہم دس درہم کا کیا ہے؟ جز ہے۔ تو معلوم ہوا متعدد کبھی جزئیات کے اعتبار سے ہو گا اور کبھی اجزا کے اعتبار سے۔

اب دیکھو آگے ایک اور بڑی اہم قید آ رہی ہے متن میں: «لَفْظًا أَوْ تَقْدِيْرًا»۔

بِإِلَّا وَأَخَوَاتِهَا۔

فَالْمُتَّصِلُ هُوَ الْمُخْرَجُ عَنْ مُتَعَدِّدٍ لَفْظًا أَوْ تَقْدِيْرًا بِإِلَّا وَأَخَوَاتِهَا۔

آپ نے سنا متن میں یہ قید آئی «لَفْظًا أَوْ تَقْدِيْرًا»۔ تو یہ «لَفْظًا أَوْ تَقْدِيْرًا» کا تعلق کس کے ساتھ ہے؟ متعدد کے ساتھ، یعنی وہ متعدد خواہ لفظوں میں مذکور ہو یا تقدیراً ہو بھئی۔ اگر لفظوں میں مذکور ہو تب بھی ٹھیک اور اگر تقدیراً ہو یعنی لفظوں میں مذکور نہیں ہے لیکن تقدیراً موجود ہے، جیسے مستثنیٰ مفرغ ہوتا ہے: «مَا جَاءَنِيْ إِلَّا زَيْدٌ» میرے پاس کوئی نہیں آیا سوائے زید کے۔ اصل میں کیا تھا؟ «مَا جَاءَنِيْ أَحَدٌ إِلَّا زَيْدٌ»۔ تو «أَحَدٌ» یہاں لفظوں میں مذکور نہیں ہے لیکن تقدیراً موجود ہے بھئی۔ اور جب مستثنیٰ مفرغ ہو گا تو وہی مستثنیٰ کس کے حکم میں ہے؟ متصل ہی کے حکم میں ہے۔ تو اگر یہ قید نہ لگاتے «لَفْظًا أَوْ تَقْدِيْرًا»، تو صرف «مَا جَاءَنِيْ أَحَدٌ إِلَّا زَيْدًا» تو تعریف میں آ جاتا لیکن «مَا جَاءَنِيْ إِلَّا زَيْدٌ» مستثنیٰ مفرغ یہ تعریف میں نہ آتا حالانکہ یہ بھی کیا ہے؟ مستثنیٰ متصل ہے، اس میں بھی مخرج ہے ما قبل سے، لیکن وہ ما قبل یعنی متعدد لفظوں میں مذکور نہیں بلکہ تقدیراً موجود ہے۔ تو اس کو بھی شامل کرنے کے لیے صاحبِ کافیہ نے «لَفْظًا أَوْ تَقْدِيْرًا» کی قید لگائی۔

معلوم ہوا یہ جو «لَفْظًا أَوْ تَقْدِيْرًا» ہے اس میں دو قول ہیں، شارحین کی دو تعبیریں ہیں۔ ایک تو یہ ہے کہ «لَفْظًا أَوْ تَقْدِيْرًا» صفت ہے «مُتَعَدِّدٍ» کی، یا «مُتَعَدِّدٍ» کا متعلق ہے، کہ «مُخْرَجٌ عَنْ مُتَعَدِّدٍ لَفْظًا أَوْ تَقْدِيْرًا» یعنی وہ متعدد خواہ لفظوں میں مذکور ہو یا تقدیراً ہو۔ اور دوسرا قول یہ ہے کہ «لَفْظًا أَوْ تَقْدِيْرًا» حال ہے یا تمیز ہے اخراج سے۔ چلیے آگے عبارت میں دیکھیں کہ صاحبِ جامی کیا فرماتے ہیں۔

فرماتے ہیں: «لَفْظًا أَوْ تَقْدِيْرًا»۔ یہ «لَفْظًا» کا انتصاب، کہتے ہیں: «نُصِبَا عَلَى التَّمْيِيْزِ عَنِ الْمُتَعَدِّدِ» یعنی یہ «لَفْظًا» اور «تَقْدِيْرًا» دونوں منصوب ہیں کس بنا پر؟ «عَلَى التَّمْيِيْزِ عَنِ الْمُتَعَدِّدِ» متعدد سے تمیز ہونے کی بنا پر۔ یعنی یہ دونوں تمیز ہیں متعدد سے، جو کہ فاعل یا نسبت کا ابہام دور کرتی ہے۔ یعنی وہ شے جس سے نکالا جا رہا ہے وہ متعدد ہے، کس اعتبار سے متعدد ہے؟ «لَفْظًا أَوْ تَقْدِيْرًا» لفظوں میں مذکور ہونے کے اعتبار سے یا تقدیراً ہونے کے اعتبار سے۔ یعنی وہ متعدد لفظاً موجود ہو یا تقدیراً موجود ہو۔

«أَوْ بِنَزْعِ الْخَافِضِ» یا دوسری ترکیب یہ ہے کہ یہ دونوں منصوب ہیں «بِنَزْعِ الْخَافِضِ» یعنی حرفِ جر کے گرانے کی وجہ سے، اصل میں کیا تھا؟ «بِلَفْظٍ أَوْ بِتَقْدِيْرٍ» یا «فِيْ لَفْظٍ أَوْ فِيْ تَقْدِيْرٍ»۔ تو حرفِ جر گرا دیا تو اس کی وجہ سے دونوں کیا ہو

گئے؟ منصوب ہو گئے۔ «أَوْ عَلٰى أَنَّهُمَا حَالَانِ مِنْهُ بِمَعْنَى الْمَلْفُوْظِ وَالْمُقَدَّرِ» یا تیسری ترکیب یہ ہے کہ یہ دونوں حال ہیں اس متعدد سے، بمعنی «اَلْمَلْفُوْظُ وَالْمُقَدَّرُ»۔ یعنی وہ متعدد اس حال میں ہو کہ وہ لفظوں میں بولا گیا ہو یا مقدر ہو۔ دیکھو تین ترکیبیں بیان کیں:

اول: تمیز ہیں متعدد سے۔

دوم: منصوب ہیں نزعِ خافض کی وجہ سے۔

سوم: حال ہیں متعدد سے، بمعنی «اَلْمَلْفُوْظُ وَالْمُقَدَّرُ»۔

«بِأَنْ يَكُوْنَ ذٰلِكَ الْمُتَعَدِّدُ مَلْفُوْظًا فِي الْكَلَامِ نَحْوُ مَا جَاءَنِيْ أَحَدٌ إِلَّا زَيْدًا أَوْ مُقَدَّرًا فِيْهِ» اس طور پر کہ وہ متعدد ملفوظ ہو کلام میں، جیسے «مَا جَاءَنِيْ أَحَدٌ إِلَّا زَيْدًا»۔ یہاں دیکھو «أَحَدٌ» کلام میں ملفوظ ہے یعنی لفظوں میں موجود ہے۔ «أَوْ مُقَدَّرًا فِيْهِ» یا وہ متعدد کلام میں مقدر ہو، لفظوں میں مذکور نہ ہو، «نَحْوُ مَا جَاءَنِيْ إِلَّا زَيْدٌ» جیسے «مَا جَاءَنِيْ إِلَّا زَيْدٌ»۔ میرے پاس کوئی نہیں آیا سوائے زید کے۔ «أَيْ مَا جَاءَنِيْ أَحَدٌ إِلَّا زَيْدٌ»۔ یہاں دیکھو «أَحَدٌ» لفظوں میں مذکور نہیں ہے لیکن تقدیراً موجود ہے، یعنی «مَا جَاءَنِيْ أَحَدٌ إِلَّا زَيْدٌ»۔

تو سوال پیدا ہوا، جب «مَا جَاءَنِيْ إِلَّا زَيْدٌ» اس کی اصل «مَا جَاءَنِيْ أَحَدٌ إِلَّا زَيْدٌ» ہے تو پھر یہاں «أَحَدٌ» کو حذف کیوں کر دیا؟ اس کا جواب دے رہے ہیں: «حُذِفَ الْمُسْتَثْنٰى مِنْهُ تَخْفِيْفًا وَسُلِّطَ الْعَامِلُ عَلَى الْمُسْتَثْنٰى» یعنی مستثنیٰ منہ «أَحَدٌ» کو تخفیف کے لیے حذف کر دیا گیا اور عامل کو مستثنیٰ پر مسلط کر دیا گیا۔ عامل جو پہلے «أَحَدٌ» میں عمل کر رہا تھا، جب «أَحَدٌ» کو گرا دیا تو عامل کو فارغ کر کے مستثنیٰ یعنی «زَيْدٌ» پر مسلط کر دیا، چنانچہ عامل نے «زَيْدٌ» کو فاعل ہونے کی بنا پر رفع دے دیا۔

اور آگے ایک اور بڑی عجیب بات صاحبِ جامی ذکر کر رہے ہیں کہ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ کوئی یہ کہے کہ «لَفْظًا أَوْ تَقْدِيْرًا» کا تعلق اخراج کے ساتھ نہیں بلکہ اس طرح ہو کہ «مُخْرَجٌ عَنْ مُتَعَدِّدٍ» کی تفصیل میں آئے کہ وہ متعدد جو ہے یا تو لفظوں میں متعدد ہو گا یا تقدیراً متعدد ہو گا۔ اس کو ذرا سمجھ لیجیے:

ایک تو یہ معنیٰ تھا کہ وہ متعدد کلام میں ملفوظ ہو (جیسے «جَاءَنِي الْقَوْمُ إِلَّا زَيْدًا») یا کلام میں مقدر ہو یعنی محذوف ہو (جیسے «مَا جَاءَنِيْ إِلَّا زَيْدٌ» جس کی اصل «مَا جَاءَنِيْ أَحَدٌ إِلَّا زَيْدٌ» ہے)۔

دوسرا معنیٰ یہ بھی ممکن ہے کہ وہ متعدد کلام میں تو موجود ہو گا لیکن اس کا تعدد لفظاً ہو گا یا تقدیراً ہو گا۔ مثلاً «جَاءَنِي الْقَوْمُ إِلَّا زَيْدًا»۔ یہاں «اَلْقَوْمُ» لفظِ جمع ہے، اس کا تعدد لفظاً ظاہر ہے کیونکہ یہ جمع کا صیغہ ہے۔ یا «جَاءَنِيْ عَشَرَةٌ إِلَّا زَيْدًا»۔ یہاں «عَشَرَةٌ» کا لفظ ہی تعدد پر دلالت کر رہا ہے۔ لیکن «مَا جَاءَنِيْ أَحَدٌ إِلَّا زَيْدًا»۔ یہاں «أَحَدٌ» کا لفظ تو مفرد ہے، لفظ کے اعتبار سے اس میں تعدد نہیں، البتہ معنیٰ اور تقدیر کے اعتبار سے اس میں تعدد ہے کیونکہ «أَحَدٌ» نکرہ تحت النفی ہے، تو عموم کا فائدہ دیتا ہے اور تمام افراد کو شامل ہے، گویا کہ «أَحَدٌ» معنیً اور تقدیراً متعدد ہے بھئی، لفظاً مفرد ہے اور تقدیراً متعدد ہے۔

▪ متنِ کتاب و تحقیقِ مسائلِ نحویہ

اسی طرح مثلاً جَاءَنِيْ مَنْ فِي الدَّارِ إِلَّا زَيْدًا يا جَاءَنِي الْكُلُّ إِلَّا زَيْدًا يا مَا ضَرَبْتُ إِلَّا زَيْدًا۔

چلیے دیکھتے ہیں صاحبِ جامی کیا کہتے ہیں:

«وَيُمْكِنُ أَنْ يَكُوْنَ الْمُرَادُ بِالْمُتَعَدِّدِ لَفْظًا مَا يَدُلُّ لَفْظُهُ عَلَى التَّعَدُّدِ نَحْوُ جَاءَنِي الْقَوْمُ إِلَّا زَيْدًا، وَبِالْمُتَعَدِّدِ تَقْدِيْرًا مَا لَا يَدُلُّ لَفْظُهُ عَلَى التَّعَدُّدِ بَلْ مَعْنَاهُ، نَحْوُ مَا جَاءَنِيْ أَحَدٌ إِلَّا زَيْدًا، فَإِنَّ لَفْظَ أَحَدٍ مُفْرَدٌ وَلٰكِنَّهُ لَمَّا وَقَعَ فِيْ سِيَاقِ النَّفْيِ عَمَّ جَمِيْعَ الْأَفْرَادِ فَصَارَ مُتَعَدِّدًا تَقْدِيْرًا، وَكَذَا نَحْوُ قَامَ مَنْ فِي الدَّارِ إِلَّا زَيْدًا، وَأَكَلْتُ الرَّغِيْفَ إِلَّا ثُلُثَهُ.»

دیکھو کیسی پیاری بات فرمائی! کہتے ہیں: یہ بھی ممکن ہے کہ متعدد لفظاً سے مراد وہ لفظ ہو جو اپنے لفظ سے تعدد پر دلالت کرے، جیسے «جَاءَنِي الْقَوْمُ إِلَّا زَيْدًا» کہ «اَلْقَوْمُ» کا لفظ خود تعدد پر دلالت کرتا ہے۔ اور متعدد تقدیراً سے مراد وہ ہو جس کا لفظ تو تعدد پر دلالت نہ کرے بلکہ اس کا معنیٰ تعدد پر دلالت کرے، جیسے «مَا جَاءَنِيْ أَحَدٌ إِلَّا زَيْدًا»۔ کیونکہ «أَحَدٌ» کا لفظ مفرد ہے لیکن جب یہ نفی کے سیاق میں واقع ہوا تو تمام افراد کو عام ہو گیا، پس یہ تقدیراً متعدد ہو گیا۔ اور اسی طرح «قَامَ مَنْ فِي الدَّارِ إِلَّا زَيْدًا» کہ «مَنْ» کا لفظ مفرد ہے لیکن معنیٰ کے اعتبار سے گھر میں موجود تمام افراد کو شامل ہے۔ اور اسی طرح «أَكَلْتُ الرَّغِيْفَ إِلَّا ثُلُثَهُ» میں نے روٹی کھائی سوائے اس کی تہائی کے۔ یہاں «اَلرَّغِيْفَ» مفرد ہے لیکن اس کے اجزا یعنی تین تہائیاں تقدیراً متعدد ہیں! تو «أَكَلْتُ الرَّغِيْفَ إِلَّا ثُلُثَهُ» میں «اَلرَّغِيْفَ» لفظاً مفرد ہے لیکن تقدیراً متعدد ہے۔

اور پھر فرماتے ہیں: «وَعَلٰى هٰذَا يَنْبَغِيْ أَنْ يُرَادَ بِالْمُتَعَدِّدِ تَقْدِيْرًا مَا يَشْمَلُ الْمَحْذُوْفَ أَيْضًا لِيَدْخُلَ فِيهِ الْمُسْتَثْنَى الْمُفَرَّغُ نَحْوُ مَا جَاءَنِيْ إِلَّا زَيْدٌ»۔ یعنی اس دوسرے احتمال کی بنا پر بھی چاہیے کہ متعدد تقدیراً سے ایسا معنیٰ مراد لیا جائے جو محذوف کو بھی شامل ہو تا کہ مستثنیٰ مفرغ بھی اس میں داخل ہو جائے، جیسے «مَا جَاءَنِيْ إِلَّا زَيْدٌ»۔ یعنی اگر ہم دوسرا احتمال لیں تب بھی اس کو عموم پر رکھیں تا کہ محذوف بھی شامل ہو جائے اور مستثنیٰ مفرغ تعریف سے باہر نہ رہے۔

پھر فرماتے ہیں: «وَبِقَوْلِهِ: بِإِلَّا وَأَخَوَاتِهَا احْتَرَزَ عَنِ الْمُخْرَجِ بِغَيْرِهَا، نَحْوُ أَخْرَجْتُ زَيْدًا مِنَ الدَّارِ أَوْ مِنَ الْقَوْمِ»۔ یہ قید کیوں لگائی «بِإِلَّا وَأَخَوَاتِهَا»؟ کیونکہ مستثنیٰ متصل کی تعریف یوں کی تھی: «اَلْمُخْرَجُ عَنْ مُتَعَدِّدٍ لَفْظًا أَوْ تَقْدِيْرًا بِإِلَّا وَأَخَوَاتِهَا»۔ اگر یہ نہ کہتے «بِإِلَّا وَأَخَوَاتِهَا» اور صرف اتنا کہتے «اَلْمُخْرَجُ عَنْ مُتَعَدِّدٍ» وہ اسم جو متعدد سے نکالا گیا ہو، تو اس میں وہ اسم بھی آجاتا جس کو کسی فعل وغیرہ کے ذریعے نکالا جائے جیسے «أَخْرَجْتُ زَيْدًا مِنَ الْقَوْمِ» میں نے زید کو قوم سے نکال دیا، یا «أَخْرَجْتُ زَيْدًا مِنَ الدَّارِ» میں نے زید کو گھر سے نکال دیا۔ تو یہاں زید کو قوم سے یا گھر سے نکالا گیا ہے لیکن «إِلَّا» اور اس کے اخوات کے ذریعے نہیں نکالا گیا بلکہ فعل «أَخْرَجْتُ» کے ذریعے نکالا گیا ہے۔ تو اس سے بچنے کے لیے قید لگائی «بِإِلَّا وَأَخَوَاتِهَا» یعنی اس کا نکالنا «إِلَّا» اور اس کے اخوات کے ذریعے ہو، فعل وغیرہ کے ذریعے نہ ہو۔ تو «بِإِلَّا وَأَخَوَاتِهَا»

کے ذریعے احتراز کیا اس مخرج سے جو ان کے غیر کے ذریعے ہو، جیسے «أَخْرَجْتُ زَيْدًا مِنَ الْقَوْمِ» یا اس جیسی دیگر مثالیں۔

اس کے بعد فرماتے ہیں: «وَأَخَوَاتُ إِلَّا هِيَ الْأَلْفَاظُ الْمَوْضُوْعَةُ لِلْاِسْتِثْنَاءِ كَغَيْرٍ وَسِوًى وَحَاشَا وَعَدَا وَخَلَا وَلَيْسَ وَلَا يَكُوْنُ»۔ «إِلَّا» کی اخوات سے مراد وہ الفاظ ہیں جو استثنا کے لیے وضع کیے گئے ہیں، جیسے «غَيْرٌ»، «سِوٰى»، «حَاشَا»، «عَدَا»، «خَلَا»، «لَيْسَ»، اور «لَا يَكُوْنُ» وغیرہ۔ اور بعض دیگر الفاظ بھی ہیں جن کا تذکرہ آگے آئے گا جیسے «مَا خَلَا»، «مَا عَدَا»، «سَوَاءٌ»۔

یہاں تک مستثنیٰ متصل کی تعریف مکمل ہو گئی: «فَالْمُتَّصِلُ هُوَ الْمُخْرَجُ عَنْ مُتَعَدِّدٍ لَفْظًا أَوْ تَقْدِيْرًا بِإِلَّا وَأَخَوَاتِهَا»۔

اب آگے دوسری قسم یعنی مستثنیٰ منقطع کی تعریف شروع ہو رہی ہے:

▪ متنِ کتاب و تحقیقِ مسائلِ نحویہ

وَالْمُنْقَطِعُ هُوَ الْمَذْكُوْرُ بَعْدَهَا غَيْرَ مُخْرَجٍ۔

اور مستثنیٰ منقطع وہ ہے جو «إِلَّا» اور اس کے اخوات کے بعد مذکور ہو، اس حال میں کہ وہ نکالا ہوا نہ ہو۔

«أَيِ الْمُنْقَطِعُ هُوَ الِاسْمُ الْمَذْكُوْرُ بَعْدَ إِلَّا وَأَخَوَاتِهَا غَيْرَ مُخْرَجٍ عَنْ مُتَعَدِّدٍ» یعنی مستثنیٰ منقطع وہ اسم ہے جو «إِلَّا» اور اس کے اخوات کے بعد ذکر کیا گیا ہو، لیکن وہ متعدد سے نکالا ہوا نہ ہو۔

«لِكَوْنِهِ غَيْرَ دَاخِلٍ فِيْهِ» اس وجہ سے کہ وہ اس متعدد میں داخل ہی نہیں تھا۔ کیونکہ نکالا تو اسے جاتا ہے جو پہلے داخل ہو، اور جو داخل ہی نہیں تھا اس کو نکالا کیسے جائے گا؟

«نَحْوُ جَاءَنِي الْقَوْمُ إِلَّا حِمَارًا» جیسے «جَاءَنِي الْقَوْمُ إِلَّا حِمَارًا» آئے میرے پاس وہ لوگ سوائے گدھے کے۔ یہاں دیکھو «حِمَارًا» «إِلَّا» کے بعد مذکور تو ہے، لیکن «الْقَوْمُ» کے حکم سے مخرج نہیں ہے کیونکہ گدھا قوم کے افراد میں داخل ہی نہیں تھا۔

یا جیسے قرآن مجید میں ہے: «مَا لَهُمْ بِهِ مِنْ عِلْمٍ إِلَّا اتِّبَاعَ الظَّنِّ» کہ ان کو اس کا کوئی علم نہیں سوائے گمان کی پیروی کے۔ اب گمان کی پیروی علم کی جنس سے نہیں ہے، علم میں داخل ہی نہیں، تو یہ مستثنیٰ منقطع ہے۔

اسی طرح: «لَا يَسْمَعُوْنَ فِيْهَا لَغْوًا إِلَّا سَلَامًا» جنت میں وہ کوئی لغو بات نہیں سنیں گے سوائے سلام کے۔ سلام لغو میں داخل نہیں ہے، لہٰذا یہ بھی مستثنیٰ منقطع ہے۔

اب دیکھیے «غَيْرَ مُخْرَجٍ» کی ترکیب: «غَيْرَ» منصوب ہے کیونکہ یہ حال ہے اس ضمیر سے جو «اَلْمَذْكُوْرُ» میں پوشیدہ ہے۔ «اَلْمَذْكُوْرُ» اسمِ مفعول ہے اور اس کے اندر «هُوَ» نائب فاعل کی ضمیر پوشیدہ ہے جو اسم کی طرف لوٹتی ہے، تو «غَيْرَ

مُخْرَجٍ» اس ضمیر سے حال بن رہا ہے۔

اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ «غَيْرَ مُخْرَجٍ» مفعولِ مطلق یا نعتِ مصدر ہو یا «بَعْدَهَا» کے متعلق سے حال ہو۔ بہرحال «غَيْرَ» حال ہونے کی بنا پر منصوب ہے۔

مقعدی بھئی۔

اب دیکھیے آگے، کہتے ہیں: «فَالْمُتَّصِلُ هُوَ الْمُخْرَجُ أَيِ الِاسْمُ الَّذِيْ أُخْرِجَ»۔ تو متصل جو ہے «هُوَ الْمُخْرَجُ»۔ بھئی متن دیکھیے: «هُوَ الْمُخْرَجُ عَنْ مُتَعَدِّدٍ»۔ «هُوَ الْمُخْرَجُ عَنْ مُتَعَدِّدٍ» اور «اَلْمُخْرَجُ» کے بعد صاحبِ جامی تشریح کر رہے ہیں: «أَيِ الِاسْمُ الَّذِيْ أُخْرِجَ»۔

تو «اَلْمُخْرَجُ» کی تفسیر کس کے ساتھ کی؟ «أَيِ الِاسْمُ الَّذِيْ أُخْرِجَ»۔ پہلے تو «الِاسْمُ» کا لفظ نکالا یہ بتلانے کے لیے کہ «اَلْمُخْرَجُ» اس کا موصوف اسم ہے۔ متصل «هُوَ الِاسْمُ الْمُخْرَجُ» وہ اسم ہے جس کو نکالا گیا ہو۔ اور پھر آگے فرمایا «الَّذِيْ أُخْرِجَ» یہ بتلانے کے لیے کہ «اَلْمُخْرَجُ» اسمِ مفعول کا صیغہ ہے اور صفت کے صیغے جو ہیں ان پر جو الف لام داخل ہوتا ہے وہ بمعنیٰ «الَّذِيْ» کے ہوتا ہے یعنی اسمِ موصول ہوتا ہے۔ تو اسی لیے «اَلْمُخْرَجُ» کی کیا تفسیر کی؟ «الَّذِيْ أُخْرِجَ»۔ میں نے آپ کو بتلایا تھا «اَلضَّارِبُ» کس معنیٰ میں؟ «اَلَّذِيْ ضَرَبَ» یا «اَلَّذِيْ يَضْرِبُ»، ماضی یا مضارع موقع کے مطابق آپ نکالیں گے؛ ماضی کی بات چل رہی ہے تو ماضی کا صیغہ نکال لیں گے، حال یا استقبال کی بات ہے تو حال یا استقبال کا صیغہ نکال لیں گے۔ تو «اَلضَّارِبُ» کس معنیٰ میں؟ «اَلَّذِيْ ضَرَبَ» یا «اَلَّذِيْ يَضْرِبُ»، اور «اَلْمَضْرُوْبُ» کس معنیٰ میں؟ «اَلَّذِيْ ضُرِبَ» یا «اَلَّذِيْ يُضْرَبُ» موقع کے مطابق۔ تو یہاں پر بھی دیکھو «اَلْمُخْرَجُ» ہے تو آگے کیا کہا؟ «اَلَّذِيْ أُخْرِجَ» فعلِ مجہول نکالا بھئی۔

تو کہتے ہیں: «فَالْمُتَّصِلُ هُوَ الْمُخْرَجُ أَيِ الِاسْمُ الَّذِيْ أُخْرِجَ» یعنی وہ اسم جس کو نکالا گیا ہو۔ بھئی متصل کی تعریف کر رہے ہیں۔ پہلی قید کیا ذکر کی؟ «اَلْمُخْرَجُ» جس کو نکالا گیا ہو۔ صاحبِ جامی آپ کو بتائیں گے یہ قید اس لیے لگائی تاکہ مستثنیٰ منقطع کی جزئیات نکل جائیں یعنی مستثنیٰ منقطع اس سے نکل جائے بھئی۔ کیونکہ وہ مخرج نہیں ہوتا، کیونکہ وہ پہلے داخل ہی نہیں تھا۔ «جَاءَنِي الْقَوْمُ إِلَّا حِمَارًا» حمار قوم کے اندر داخل ہی نہیں تھا، داخل ہوتا تو پھر مخرج ہو سکتا تھا۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو جب «اَلْمُخْرَجُ» کی قید لگائی تو کون نکل گیا؟ مستثنیٰ منقطع نکل گیا۔

تو کہتے ہیں: «وَاحْتَرَزَ بِهِ عَنْ غَيْرِ الْمُخْرَجِ كَجُزْئِيَّاتِ الْمُسْتَثْنَى الْمُنْقَطِعِ» اور اس قید کے ذریعے صاحبِ کافیہ نے احتراز کیا ہے «عَنْ غَيْرِ الْمُخْرَجِ» اس سے جو غیرِ مخرج ہو، «كَجُزْئِيَّاتِ الْمُسْتَثْنَى الْمُنْقَطِعِ» جیسے کہ مستثنیٰ منقطع کی جزئیات ہیں یعنی اس کے افراد ہیں، اس کے افراد۔ جیسے دیکھو ایک ہوتا ہے ضابطہ اور ایک ہوتی ہیں اس کی جزئیات اور افراد جن پر وہ ضابطہ لگتا ہے، جہاں وہ ضابطہ جاری ہوتا ہے۔ جیسے ضابطہ کیا ہے؟ «اَلْفَاعِلُ مَرْفُوْعٌ» فاعل مرفوع ہے۔ اب کلام میں جہاں بھی فاعل آئے گا وہ اس فاعل کی جزئی ہے یعنی اس کے افراد میں سے ایک فرد ہے۔ «ضَرَبَ زَيْدٌ» یہ زید بھی کیا

ہے؟ فاعل ہے، فاعل کی جزئیات میں سے ایک جزئی ہے، فاعل کے افراد میں سے ایک فرد ہے، اور فاعل کے بارے میں ہم نے ضابطہ کیا بیان کیا؟ «اَلْفَاعِلُ مَرْفُوْعٌ» تو «ضَرَبَ زَيْدٌ» یہ «زَيْدٌ» بھی کیا ہوگا؟ مرفوع ہوگا۔ «فَرَّ عَمْرٌو» یہ «عَمْرٌو» بھی کیا ہے؟ فاعل کی جزئیات میں سے ایک جزئی ہے لہٰذا یہ بھی کیا ہوگا؟ مرفوع ہوگا۔ «أَكَلَ خَالِدٌ» یہ خالد بھی کیا ہے؟ فاعل کی جزئیات میں سے ایک جزئی ہے لہٰذا یہ بھی کیا ہوگا؟ مرفوع۔ توجہ ہے؟ ضابطہ کیا تھا کہ فاعل کیا ہوتا ہے؟ مرفوع، تو فاعل کی جو بھی جزئیات ہوں گی وہ اس ضابطے کے مطابق آئیں گی اور مرفوع آپ ان کو پڑھیں گے۔ تو یہاں پر بھی مستثنیٰ متصل کی تعریف کر رہے ہیں: مستثنیٰ متصل کسے کہتے ہیں؟ جو مخرج ہو، جس کو متعدد سے نکالا گیا ہو، تو اس سے کس کی جزئیات نکل گئیں؟ مستثنیٰ منقطع کی جزئیات نکل گئیں کیونکہ وہ مخرج نہیں ہوتیں۔ «جَاءَنِي الْقَوْمُ إِلَّا حِمَارًا» یہ حمار کیا ہے؟ مستثنیٰ منقطع ہے، تو یہ اس سے نکل گیا کیونکہ یہ مخرج نہیں ہے، کیونکہ یہ ما قبل میں داخل ہی نہیں تھا۔

تو کہتے ہیں: «وَاحْتَرَزَ بِهِ عَنْ غَيْرِ الْمُخْرَجِ كَجُزْئِيَّاتِ الْمُسْتَثْنَى الْمُنْقَطِعِ» اور احتراز کیا اس قید کے ذریعے صاحبِ کافیہ نے غیرِ مخرج سے، جیسے کہ مستثنیٰ منقطع کی جزئیات ہوتی ہیں۔

«عَنْ حُكْمِ شَيْءٍ مُتَعَدِّدٍ»۔ جی متن کو متن سے جوڑیں کہ متصل وہ ہے «اَلْمُخْرَجُ عَنْ مُتَعَدِّدٍ»۔ متصل کسے کہتے ہیں؟ صاحبِ کافیہ کیا فرما رہے ہیں؟ صرف پہلے متن پہ نظر رکھیں: «فَالْمُتَّصِلُ هُوَ الْمُخْرَجُ» متصل وہ ہے جس کو نکالا گیا ہو «عَنْ مُتَعَدِّدٍ» کس سے؟ متعدد سے۔ توجہ ہے؟ صاحبِ جامی آگے «عَنْ» کے بعد فرما رہے ہیں: «عَنْ حُكْمِ شَيْءٍ مُتَعَدِّدٍ»۔ متعدد سے پہلے «شَيْءٍ» کا لفظ نکال کر بتلایا کہ متعدد یہ صفت ہے اور اس کا موصوف «شَيْءٍ» یہاں محذوف ہے۔ اور اس چیز سے نہیں نکالتے بلکہ اس چیز کے حکم سے نکالتے ہیں! کس سے نکالتے ہیں؟ اس کے حکم سے، یعنی اس پر جو حکم لگایا جا رہا ہے اس حکم سے اس کو نکال دیا جاتا ہے۔ «جَاءَنِي الْقَوْمُ إِلَّا زَيْدًا»۔ «اَلْقَوْمُ» اس پر کیا حکم لگایا جا رہا ہے؟ مجیئت والا، «جَاءَنِي الْقَوْمُ» میرے پاس وہ لوگ آئے ہیں، تو دیکھو «اَلْقَوْمُ» پر «جَاءَ» کا حکم یعنی مجیئت کا حکم لگایا جا رہا ہے اور «إِلَّا زَيْدًا» اور زید کو اس حکم سے نکالا جا رہا ہے۔ اور میں نے یہ بھی بتایا تھا کہ مستثنیٰ متصل وہ ہے جس کو نکالا جاتا ہے ما قبل سے، تو ضروری ہے کہ ما قبل میں جو چیز ہے اس کے اندر تعدد اور کثرت ہونی چاہیے، اس میں تعدد اور کثرت ہوگا تو پھر آپ اس سے ایک چیز کو نکال سکتے ہیں، اگر وہاں تعدد اور کثرت ہی نہیں ہے پھر نکالنے کا کیا معنیٰ؟ مثلاً میں کہتا ہوں «جَاءَنِي زَيْدٌ إِلَّا زَيْدًا» میرے پاس زید آیا تھا سوائے کس کے؟ زید کے۔ تو یہ تو میں زید کو زید سے نکال رہا ہوں، بھئی ما قبل میں تعدد ہے ہی نہیں تو لہٰذا یہ صحیح نہیں، ما قبل میں کیا ہونا چاہیے؟ تعدد ہونا چاہیے۔ اور پھر یہ بھی یاد رکھیں: کبھی تعدد ہوگا جزئیات کے اعتبار سے اور کبھی تعدد ہوگا اجزا کے اعتبار سے۔ توجہ ہے؟ کبھی تعدد ہوگا یعنی وہ چیز عدد والی ہوگی اس میں کثرت ہوگی، تو کثرت کس اعتبار سے؟ افراد کے اعتبار سے کبھی ہوگی، جزئیات، جزئیات اور افراد کا ایک معنیٰ، یعنی اس کے یا تو

افراد زیادہ ہوں گے یا اس کے اجزا ہوں گے بھئی، کیا ہوں گے؟ اجزا ہوں گے۔ ایک چیز اجزا والی ہے تو اس میں سے ایک جز کو نکالنا صحیح ہے؛ ایک چیز افراد والی ہے تو اس میں سے ایک فرد کو نکالنا صحیح ہے۔ بات سمجھ میں آرہی ہے؟

تو کہتے ہیں: «عَنْ حُكْمِ شَيْءٍ مُتَعَدِّدٍ» ایک شے متعدد کے حکم سے نکالا جاتا ہے۔ جی «مُتَعَدِّدٍ» کے بعد آیا «جُزْئِيَّاتُهُ»۔ عبارت پہ نظر ہے: «عَنْ حُكْمِ شَيْءٍ مُتَعَدِّدٍ جُزْئِيَّاتُهُ»۔ ایک ایسی چیز کے حکم سے... دیکھو «شَيْءٍ» موصوف ہے، «مُتَعَدِّدٍ» اس کی صفت ہے۔ ایسی چیز کے حکم سے «مُتَعَدِّدٍ» کہ وہ چیز کیا ہو؟ متعدد ہو، آگے کہا «جُزْئِيَّاتُهُ» یعنی اس کی جزئیات متعدد ہوں، اس کی جزئیات متعدد ہوں، افراد متعدد ہوں بھئی۔ تو یہ ترکیب میں «جُزْئِيَّاتُهُ» اس کو مرفوع پڑھنا بھئی، مرفوع، وجہ یہ کہ یہ فاعل ہے «مُتَعَدِّدٍ» کا، یہ فاعل ہے «مُتَعَدِّدٍ» کا۔ بھئی میں نے آپ کو بتایا تھا جیسے فعلِ معروف فاعل کا تقاضا کرتا ہے اور فعلِ مجہول نائب فاعل کا، اسی طرح صفت کے صیغے بھی جو ہیں وہ فاعل یا نائب فاعل کا تقاضا کرتے ہیں: اسمِ فاعل کس کا تقاضا کرتا ہے؟ فاعل کا، اور اسمِ مفعول کس کا تقاضا کرتا ہے؟ نائب الفاعل کا۔ تو یہاں پر «مُتَعَدِّدٍ» یہ اسمِ فاعل آیا اور اسمِ فاعل کے لیے کیا چاہیے؟ فاعل۔ اور فعل کے اندر آپ نے پڑھا تھا کہ فعل کا فاعل کبھی ضمیر ہوتی ہے «ضَرَبَ» اس کے اندر «هُوَ» ضمیر ہے، اور کبھی اسمِ ظاہر ہوتا ہے «ضَرَبَ زَيْدٌ» یہ «زَيْدٌ» کیا ہے؟ «ضَرَبَ» کے لیے فاعل ہے۔ تو فعل کے لیے ہمیشہ فاعل چاہیے اور وہ فاعل ضمیر بھی ہو سکتی ہے اور اسمِ ظاہر بھی، لیکن آئے گا ایک وقت میں ایک ہی فاعل، اگر ضمیر فاعل ہے تو اسمِ ظاہر نہیں آئے گا اور اگر اسمِ ظاہر ہے تو ضمیر نہیں آئے گی فاعل: «ضَرَبَ زَيْدٌ» اب زید اسمِ ظاہر فاعل ہے تو «ضَرَبَ» کے اندر کوئی ضمیر نہیں، اور اگر زید اسمِ ظاہر آگے نہ ہوتا تو پھر «ضَرَبَ» کے لیے فاعل تو ضرور چاہیے تو پھر اسی کے اندر ہم ضمیر نکالتے۔ تو یہاں پر بھی «مُتَعَدِّدٍ» کیا ہے؟ اسمِ فاعل، اور اسمِ فاعل کے لیے کیا چاہیے؟ فاعل، اور اس کے لیے فاعل ضمیر بھی آسکتی ہے اور اسمِ ظاہر بھی، تو کبھی اسی کے اندر ضمیر ہوتی ہے اور کبھی آگے اسمِ ظاہر آجاتا ہے، تو یہاں یہ «جُزْئِيَّاتُهُ» یہ اسمِ ظاہر فاعل ہے «مُتَعَدِّدٍ» کا۔ تعدد کس میں ہے؟ اس شے میں تعدد نہیں ہے، اس کی جزئیات میں تعدد ہے۔ اس شے میں تعدد نہیں، جیسے مسجد، مسجد میں تعدد نہیں ہے، مسجد تو ایک مسجد کو کہتے ہیں، کس کو کہتے ہیں؟ ایک مسجد، لیکن جہاں جو بھی مسجد ملے جو بھی مسجد آپ کو نظر آئے اس پر یہ لفظِ مسجد صادق آتا ہے۔ تو لفظِ مسجد میں تعدد نہیں لیکن اس کے افراد بہت زیادہ ہیں، پورے شہر میں ہزاروں مسجدیں ہیں، ہر مسجد پر آپ لفظ بول سکتے ہیں کہ یہ مسجد ہے، یہ مسجد ہے۔ توجہ ہے؟ تو مسجد میں تعدد ہے یا اس کے افراد زیادہ ہیں؟ افراد زیادہ ہیں۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو یہی بات بیان کر رہے ہیں صاحبِ جامی کہ تعدد اس شے میں نہیں ہو گا بلکہ اس کے افراد میں ہو گا، اور کبھی کبھار اس کے اجزا میں تعدد ہو گا۔ کیا ہو گا؟ اجزا۔ چلیے وہ آگے آرہا ہے بھئی۔

تو کہتے ہیں: «عَنْ حُكْمِ شَيْءٍ مُتَعَدِّدٍ جُزْئِيَّاتُهُ» ایسی چیز کے حکم سے مستثنیٰ متصل وہ ہے کہ جس کو نکالا گیا ہو «عَنْ حُكْمِ شَيْءٍ مُتَعَدِّدٍ جُزْئِيَّاتُهُ» ایسی چیز کے حکم سے کہ جس کی جزئیات متعدد ہوں، «نَحْوُ مَا جَاءَنِيْ أَحَدٌ إِلَّا زَيْدًا»۔ «مَا جَاءَنِيْ أَحَدٌ» میرے پاس کوئی ایک بھی نہیں آیا «إِلَّا زَيْدًا» سوائے زید کے، سوائے زید کے۔ دیکھو «مَا جَاءَنِيْ أَحَدٌ» میرے پاس کوئی ایک بھی نہیں آیا، تمام انسانوں سے آپ نے آنے کی نفی کر دی، ان پر نہ آنے کا حکم لگا دیا: «مَا جَاءَنِيْ أَحَدٌ» میرے پاس کوئی ایک بھی نہیں آیا، یا یوں کہو میرے پاس کوئی نہیں آیا۔ میرے پاس کوئی نہیں آیا۔ جب میں نے سب کے آنے کی نفی کی تو زید کے آنے کی بھی نفی ہو گئی، جب سب کے آنے کی نفی کی میں نے کہا میرے پاس کوئی بھی نہیں آیا، معلوم ہوا زید بھی نہیں آیا، تو دیکھو زید بھی اس حکم میں داخل تھا، پھر آگے «إِلَّا زَيْدًا» کہہ کر میں نے زید کو اس حکم سے نکال دیا کہ میرے پاس کوئی نہیں آیا «إِلَّا زَيْدًا» سوائے زید کے، یعنی زید میرے پاس آیا ہے۔ تو یہ مستثنیٰ متصل ہے بھئی۔ «مَا جَاءَنِيْ أَحَدٌ» کہا تو سب کی نفی ہو گئی، سب کے آنے کی نفی ہو گئی، زید کے آنے کی بھی نفی، عمر کے آنے کی بھی نفی، بکر کے آنے کی بھی نفی، خالد کے آنے کی بھی نفی ہو گئی، اور پھر «إِلَّا» کے ذریعے کیا کیا گیا؟ زید کے لیے مجیئت کا اثبات کر دیا گیا کہ نہیں زید آیا ہے۔ تو پہلے زید داخل تھا، پھر «إِلَّا» کے ذریعے کیا کیا گیا؟ نکال کر اس کے لیے الگ حکم ثابت کر دیا۔ پہلے نہ آنے کا حکم سب پر لگایا تھا، اور پھر زید کو نکال کر اس پر آنے کا حکم لگا دیا کہ زید کے لیے یہ حکم نہیں ہے بلکہ وہ آیا ہے، تو معلوم ہوا زید مخرج ہے «عَنْ مُتَعَدِّدٍ»۔ زید مخرج ہے «عَنْ مُتَعَدِّدٍ»، مخرج ہے متعدد سے، اس کو نکالا گیا ہے۔ اور «مَا جَاءَنِيْ أَحَدٌ» میرے پاس کوئی نہیں آیا، اب «أَحَدٌ» کا کیا معنیٰ؟ ایک، اور یہ لیکن یہ نکرہ ہے اور نکرہ اس پر «مَا» حرفِ نفی آیا اور نکرہ تحت النفی آئے تو کس چیز کا فائدہ دیتا ہے؟ عموم کا فائدہ دیتا ہے، معلوم ہوا کوئی ایک بھی میرے پاس نہیں آیا۔ اب دیکھو یہاں «أَحَدٌ» کے اندر تعدد نہیں ہے، «أَحَدٌ» کے اندر تعدد نہیں، «أَحَدٌ» کا معنیٰ تو ایک، لیکن اس کے افراد دیکھو یہ سارے افراد اس کے اندر آ گئے، زید بھی آ گیا، عمر بھی، بکر بھی، خالد بھی، سب سے آنے کی نفی ہو گئی، ہر ایک ایک شخص سے آنے کی نفی ہو گئی، تو تعدد کس میں ہے؟ اس «أَحَدٌ» کی جزئیات میں آیا ہے۔

تو کہتے ہیں: «نَحْوُ مَا جَاءَنِيْ أَحَدٌ إِلَّا زَيْدًا» نہیں آیا میرے پاس کوئی «إِلَّا زَيْدًا» سوائے زید کے۔ جی مجھے اب آپ بتائیے یہاں زید پر کون سا اعراب پڑھیں گے؟ انہوں نے تو «زَيْدًا» لکھا ہے۔ سب سے پہلے غور کرو: «مَا جَاءَنِيْ أَحَدٌ إِلَّا زَيْدًا» مستثنیٰ متصل ہے یا منقطع ہے؟ متصل۔ جی، متصل ہے۔ ہر ایک سے آنے کی نفی کی تو زید سے بھی کیا کر دی؟ نفی، نہیں پھر اس کے بعد زید کو اس میں سے نکال دیا تو زید مخرج ہے یا نہیں؟ مخرج ہے تو یہ مستثنیٰ متصل ہے۔ پھر دیکھو، پھر دیکھو کلام موجب ہے یا غیرِ موجب؟ نفی، نہی یا استفہام ہے؟ ہاں، نفی، نہی یا استفہام ہے؟ جی ہاں، تو یہ کلام غیرِ موجب ہوا، «مَا» حرفِ نفی موجود ہے۔ پھر اس کے بعد دیکھیں مستثنیٰ کہیں مستثنیٰ منہ پر مقدم تو نہیں؟ مستثنیٰ منہ کیا ہے؟ «أَحَدٌ»، اور مستثنیٰ کیا ہے؟ «زَيْدٌ»، اور کیا یہ زید «أَحَدٌ» پر مقدم ہے؟ مقدم بھی نہیں، تو معلوم ہوا مستثنیٰ غیرِ مقدم ہے۔ غیرِ مقدم

ہو تو پھر کیا دیکھنا ہے؟ کہ مستثنیٰ منہ مذکور ہے یا مذکور نہیں؟ تو یہاں مستثنیٰ منہ «أَحَدٌ» مذکور ہے، تو اس صورت میں کتنے اعراب؟ دو!

دو اعراب: ایک کیا؟ ایک یہ کہ نصب پڑھا جائے «إِلَّا زَيْدًا»، اور دوسری صورت کیا ہے؟ اس کو بدل بنائیں «أَحَدٌ» سے، اور بدل اور مبدل منہ کا اعراب ایک ہوتا ہے، تو «أَحَدٌ» پر رفع ہے تو زید پر بھی رفع پڑھیں گے «مَا جَاءَنِيْ أَحَدٌ إِلَّا زَيْدٌ»۔ اور کیا پڑھنا پسندیدہ ہے؟ بدل بنانا اولیٰ ہے، تو «مَا جَاءَنِيْ أَحَدٌ إِلَّا زَيْدٌ» یوں بھی پڑھ سکتے ہیں اور «إِلَّا زَيْدًا» بھی پڑھ سکتے ہیں۔ دیکھو وہ نقشہ ذہن میں رکھو جہاں بھی آئے دو چار دفعہ آپ مشق کریں گے آپ کو پھر آپ کو سوچنا ہی نہیں پڑے گا، لمحوں کے اندر آپ فیصلہ کر لیں گے کہ یہ کون سا مستثنیٰ ہے بھئی، اس پر کیا پڑھنا ہے۔

«أَوْ أَجْزَاؤُهُ»۔ یہ «أَجْزَاؤُهُ» کا عطف ہے «جُزْئِيَّاتُهُ» پر اور «جُزْئِيَّاتُهُ» فاعل تھا متعدد کے لیے، تو اسی طرح یہ «أَجْزَاؤُهُ» بھی کیا بن گیا؟ فاعل بن گیا۔ ایسی چیز کہ متعدد ہوں «أَجْزَاؤُهُ» اس کے اجزا بھئی۔ «نَحْوُ» مثال کے طور پر «اِشْتَرَيْتُ الْعَبْدَ إِلَّا نِصْفَهُ» میں نے وہ والا غلام خرید لیا «إِلَّا نِصْفَهُ» مگر اس کا نصف، یعنی میں نے نصف غلام وہ والا، نصف غلام میں نے خرید لیا۔ اب دیکھو ما قبل والی مثال کے اندر اس شے کی جزئیات میں تعدد تھا، اس شے کے افراد زیادہ تھے، توجہ ہے؟ اور یہاں پر تو ایک معین غلام مراد ہے «اِشْتَرَيْتُ الْعَبْدَ» میں نے وہ غلام خریدا، یا ایک چیز ہم مراد لے لیتے ہیں، جب ایک چیز کی طرف اشارہ ہو یا ایک چیز کا ارادہ کیا جائے تو اس میں تو تعدد نہیں ہے، اس میں تو اس میں تعدد نہیں ہے، حالانکہ مستثنیٰ متصل کس کو کہتے ہیں؟ جس کو ما قبل سے نکالا گیا ہو اور نکالنے کے لیے کیا ضروری کہ ما قبل میں کیا ہونا چاہیے؟ تعدد ہونا چاہیے، تو اگر اس کے افراد میں تعدد نہ ہو، اس کی جزئیات میں تعدد نہ ہو تو پھر کم از کم اس کے اجزا میں تعدد ہونا چاہیے یعنی اس کے اجزا ہونے چاہئیں، اس کے اجزا ہونے چاہئیں۔ تو اب دیکھو غلام کے اجزا ہوتے ہیں، یعنی کبھی اس کو نصف بیچا جاتا ہے، کبھی ربع بیچا جاتا ہے، کبھی پورا بیچ دیتے ہیں، کبھی دسواں حصہ بیچ دیتے ہیں، تو دیکھو غلام کے اجزا ہیں، غلام کے اجزا ہیں، چاہے حقیقتاً اجزا ہوں چاہے حکماً اجزا ہوں، بہرحال اجزا ہونے چاہئیں، تعدد ہونا چاہیے تاکہ ما بعد کو ما قبل سے نکالا جا سکے۔

تو کہتے ہیں: «أَوْ أَجْزَاؤُهُ» یا ایسی چیز کے حکم سے نکالا جاتا ہے جس کے اجزا متعدد ہوں۔ «نَحْوُ» مثال کے طور پر «اِشْتَرَيْتُ الْعَبْدَ إِلَّا نِصْفَهُ» میں نے وہ غلام خرید لیا سوائے اس کے نصف کے یعنی میں نے نصف خرید لیا۔ اب مجھے بتائیے «إِلَّا نِصْفَهُ» یہ نصف پر ہم کیا پڑھیں گے؟ پھر وہی «إِلَّا» والے نقشے کو ذہن میں لائیں: مستثنیٰ متصل ہے یا منقطع ہے؟ متصل ہے، جب «اِشْتَرَيْتُ الْعَبْدَ» کہا تو اس میں تو پورا غلام آ رہا تھا اور پھر «إِلَّا نِصْفَهُ» کے ذریعے آدھے غلام کو کیا کر دیا اس حکم سے نکال دیا، معلوم ہوا آدھا نہیں خریدا، ما قبل پر حکم ہے خریدنے کا تو ما بعد پر نہ خریدنے کا۔ تو معلوم ہوا یہ مستثنیٰ متصل ہے، پھر فوراً دیکھیں یہ کلام موجب ہے یا غیرِ موجب ہے؟ موجب ہے کیونکہ یہاں نفی، نہی یا استفہام

نہیں ہے، اور جب مستثنیٰ کلامِ موجب میں آئے «إِلَّا» کے بعد تو اس پر کیا پڑھتے ہیں؟ نصب، تو یہاں بھی «نِصْفَهُ» نصب پڑھیں گے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو «اِشْتَرَيْتُ الْعَبْدَ إِلَّا نِصْفَهُ»۔ طریقہ سمجھ میں آرہا ہے؟ دیکھا اس طرح آپ ہر ایک جو «إِلَّا» کے بعد آئے آپ اس کا اعراب فوراً معلوم کر سکتے ہیں۔

«سَوَاءٌ كَانَ ذٰلِكَ الْمُتَعَدِّدُ لَفْظًا أَيْ مَلْفُوْظًا»۔ اب آگے متن میں آرہا ہے: «لَفْظًا أَوْ تَقْدِيْرًا»۔ وہ چیز جو متعدد ہے وہ لفظاً ہو گی یا تقدیراً۔ لفظاً کا معنیٰ یہ ہے کہ وہ لفظوں میں ذکر ہو گی یعنی مستثنیٰ منہ مذکور ہو گا، اور تقدیراً کا کیا معنیٰ ہے کہ مستثنیٰ منہ محذوف ہو گا، مقدر ہو گا وہاں پر۔ جیسے اسی مثال میں اوپر جو مثال آئی تھی «مَا جَاءَنِيْ أَحَدٌ إِلَّا زَيْدًا» اس میں دیکھو «مَا جَاءَنِيْ أَحَدٌ» یہ «أَحَدٌ» لفظاً مذکور ہے، اور اسی «أَحَدٌ» کو اگر ہم کیا کر دیں؟ حذف کر دیں تو اب مستثنیٰ منہ لفظاً نہیں ہے بلکہ تقدیراً موجود ہے۔ توجہ ہے؟

تو کہتے ہیں: «سَوَاءٌ كَانَ ذٰلِكَ الْمُتَعَدِّدُ لَفْظًا أَيْ مَلْفُوْظًا» بھئی دیکھیے «لَفْظًا» منصوب آیا تھا، منصوب آیا تھا، صاحبِ جامی ترکیب بتلانا چاہتے ہیں کہ یہ «لَفْظًا» کیوں منصوب ہے؟ اس سے ما قبل میں عبارت نکال لی «سَوَاءٌ كَانَ ذٰلِكَ الْمُتَعَدِّدُ لَفْظًا» یعنی اسے «كَانَ» کی خبر بنا دیا، «سَوَاءٌ كَانَ ذٰلِكَ الْمُتَعَدِّدُ لَفْظًا» یہ «لَفْظًا» «كَانَ» کی خبر ہے۔ اور یہ بھی بتایا «لَفْظًا أَيْ مَلْفُوْظًا» یہ لفظ کس معنیٰ میں ہے؟ مصدر بمعنیٰ اسمِ مفعول «مَلْفُوْظًا» کے معنیٰ میں ہے، اور اسی طرح آگے «تَقْدِيْرًا» آ رہا ہے «أَوْ تَقْدِيْرًا أَيْ مُقَدَّرًا» وہاں بھی بتلایا کہ «تَقْدِيْرًا» کس معنیٰ میں ہے؟ «مُقَدَّرًا» یعنی اسمِ مفعول کے معنیٰ میں ہے بھئی۔ بھئی کیوں؟ «لَفْظًا» کو «مَلْفُوْظًا» کے معنیٰ میں کیوں لیا اور «تَقْدِيْرًا» کو «مُقَدَّرًا» کے معنیٰ میں کیوں لیا؟ وجہ یہ کہ یہ «كَانَ» کی خبر ہے اور «كَانَ» کی خبر کا حمل کس پر ہوتا ہے؟ «كَانَ» کے اسم پر۔ توجہ ہے؟ مثلاً میں کہتا ہوں «كَانَ زَيْدٌ عَدْلًا»۔ «كَانَ زَيْدٌ عَدْلًا» اب دیکھو یہ «عَدْلًا» خبر ہے «كَانَ» کی اور اس کا حمل ہے کس پر؟ زید پر، اور عدل تو مصدر ہے اور مصدر کا حمل تو ذات پر صحیح نہیں، تو پھر اس کو اسمِ فاعل یا اسمِ مفعول کے معنیٰ میں لیا جاتا ہے موقع کے مطابق، تو «كَانَ زَيْدٌ عَدْلًا» «أَيْ عَادِلًا» بھئی، تو عدل کس معنیٰ میں؟ عادل کے معنیٰ میں، عادل کے معنیٰ میں۔ مجھے بتائیے زید عدل ہے یا عادل ہے؟ عادل ہے نا، تو عدل کا تو حمل زید پر نہیں ہو سکتا بھئی عدل تو مصدر ہے، تو اسی لیے کہا «سَوَاءٌ كَانَ ذٰلِكَ الْمُتَعَدِّدُ لَفْظًا أَيْ مَلْفُوْظًا» برابر ہے کہ وہ متعدد جو ہے وہ لفظاً ہو یعنی ملفوظ ہو، «نَحْوُ جَاءَنِي الْقَوْمُ إِلَّا زَيْدًا» آئے وہ لوگ میرے پاس «إِلَّا زَيْدًا» سوائے زید کے، کہ زید نہیں آیا۔ اب دیکھو یہاں مستثنیٰ منہ کیا؟ «اَلْقَوْمُ» اور «اَلْقَوْمُ» پر کیا حکم لگایا؟ آنے کا، مجیئت کا حکم لگایا اور «إِلَّا» کے بعد زید ہے اس پر... تو ما قبل والوں کے لیے مجیئت کا اثبات ہے تو «إِلَّا» کے بعد جو زید آیا اس سے مجیئت کی نفی ہے بھئی: وہ لوگ میرے پاس آئے سوائے زید کے۔ تو مستثنیٰ منہ «اَلْقَوْمُ» ہے اور «اَلْقَوْمُ» لفظاً مذکور ہے بھئی یعنی ملفوظ ہے اس پر تلفظ کیا جا رہا ہے۔

«أَوْ تَقْدِيْرًا» یا وہ متعدد کیا ہو گا؟ تقدیراً ہو گا «أَيْ مُقَدَّرًا» یعنی مقدر ہو گا، «نَحْوُ مَا جَاءَنِيْ إِلَّا زَيْدٌ»۔ دیکھو «مَا جَاءَنِيْ

أَحَدٌ إِلَّا زَيْدٌ» اس «أَحَدٌ» کو حذف کر دیا، «مَا جَاءَنِيْ إِلَّا زَيْدٌ» تو وہ متعدد یہاں لفظاً نہیں ہے بلکہ تقدیراً ہے بھئی۔ «أَيْ مَا جَاءَنِيْ أَحَدٌ إِلَّا زَيْدًا» دیکھا! «مَا جَاءَنِيْ» یہاں «أَحَدٌ» حذف ہے اور «إِلَّا زَيْدٌ» آگے ہے «مَا جَاءَنِيْ إِلَّا زَيْدٌ» اور آگے کیا کہا؟ «أَيْ مَا جَاءَنِيْ أَحَدٌ إِلَّا زَيْدًا» «أَحَدٌ» محذوف تھا وہ نکال کر بتلا دیا۔ عبارت سمجھ میں آ رہی ہے؟

آگے دیکھیے: «بِإِلَّا غَيْرَ الصِّفَةِ وَأَخَوَاتِهَا»۔ جی متن کو متن سے جوڑیے بھئی: متصل وہ ہے جس کو متعدد سے نکالا گیا ہو لفظاً یا تقدیراً «بِإِلَّا وَأَخَوَاتِهَا» کس کے ذریعے نکالا گیا ہو؟ «إِلَّا» اور اس کے اخوات یعنی اس کے مشابہ کلمات کے ذریعے۔ «بِإِلَّا غَيْرَ الصِّفَةِ وَأَخَوَاتِهَا»۔ «إِلَّا» کے بعد «غَيْرَ الصِّفَةِ» کہا، یہ شارحِ جامی نے وضاحت کر دی کہ یہاں جو «إِلَّا» مذکور ہے اس سے وہ «إِلَّا» مراد ہے جو استثنا کے لیے آئے، جو صفت کے لیے آئے وہ مراد نہیں ہے۔ تو کہتے ہیں «بِإِلَّا غَيْرَ الصِّفَةِ وَأَخَوَاتِهَا» وہ متعدد سے نکالا گیا ہو «إِلَّا» کے ذریعے اس حال میں کہ وہ صفت کے لیے نہ ہو «وَأَخَوَاتِهَا» اور اس کے اخوات کے ذریعے نکالا گیا ہو۔ «وَاحْتَرَزَ بِهِ عَنْ نَحْوِ جَاءَنِي الْقَوْمُ لَا زَيْدٌ وَمَا جَاءَنِي الْقَوْمُ لٰكِنْ زَيْدٌ جَاءَ»۔ توجہ ہے؟ کہتے ہیں یہ جو قید لگائی نا کہ متعدد سے نکالا گیا ہو «إِلَّا» اور اس کے اخوات کے ذریعے، معلوم ہوا کسی اور لفظ کے ذریعے اگر ما قبل سے نکالا جائے تو اس کو مستثنیٰ نہیں کہیں گے۔ توجہ ہے؟ مستثنیٰ کسے کہیں گے؟ مستثنیٰ متصل جس کو ما قبل سے «إِلَّا» اور اس کے اخوات کے ذریعے نکالا گیا ہو، کسی اور لفظ کے ذریعے نہ نکالا گیا ہو۔ تو دیکھیے آگے کہتے ہیں «وَاحْتَرَزَ بِهِ» اور اس قید کے ذریعے صاحبِ کافیہ نے احتراز کیا، کون سی قید؟ «بِإِلَّا وَأَخَوَاتِهَا» کی جو قید لگائی کہ ان کے ذریعے ما قبل سے نکالا گیا ہو، اس کے ذریعے صاحبِ کافیہ نے احتراز کیا «عَنْ نَحْوِ» اس جیسی مثالوں سے: «جَاءَنِي الْقَوْمُ لَا زَيْدٌ»۔ «جَاءَنِي الْقَوْمُ لَا زَيْدٌ»۔ جی یہاں «لَا زَيْدٌ» ہونا چاہیے بھئی، «إِلَّا زَيْدٌ» تو نہیں آپ کی کتابوں میں؟ ہاں «لَا زَيْدٌ» ہونا چاہیے۔ یاد رکھو «جَاءَنِي الْقَوْمُ» میرے پاس وہ لوگ آئے «لَا زَيْدٌ» نہ کہ زید یعنی زید نہیں آیا۔ اب یہ «لَا» کے ذریعے زید کو ما قبل سے نکالا گیا ہے لیکن اس کو مستثنیٰ نہیں کہیں گے کیونکہ انہوں نے تعریف میں کیا قید لگا دی؟ کہ وہ «إِلَّا» یا اس کے اخوات کے ذریعے نکالا گیا ہو، اور یہاں پر یاد رکھو یہ جو «لَا» آیا یہ حرفِ عطف ہے، یہ کیا ہے؟ حروفِ عاطفہ پڑھا ہے آپ نے دس ہیں ان میں سے ایک «لَا» بھی ہے بھئی، اور یہ عطف کے ساتھ ساتھ نفی کا بھی فائدہ دیتا ہے۔ تو «جَاءَنِي الْقَوْمُ» وہ لوگ میرے پاس آئے «لَا زَيْدٌ» نہ کہ زید، زید نہیں آیا۔ تو یہاں بھی زید کو اس ما قبل کے حکم سے نکالا گیا ہے لیکن وہ مستثنیٰ متصل نہیں کیونکہ «إِلَّا» اور اس کے اخوات کے ذریعے اسے نہیں نکالا گیا۔ «وَمَا جَاءَنِي الْقَوْمُ» میرے پاس وہ لوگ نہیں آئے «لٰكِنْ زَيْدٌ جَاءَ» لیکن زید آیا۔ تو یہاں پر بھی دیکھو زید کو «لٰكِنْ» کے ذریعے ما قبل سے نکالا لیکن یہاں پر بھی یہ «لٰكِنْ» حرفِ عطف ہے۔ پیچھے جو آیا تھا «جَاءَنِي الْقَوْمُ لَا زَيْدٌ» یہ زید کا عطف «اَلْقَوْمُ» پر تھا، اور معطوف کا وہی اعراب ہوتا ہے جو کس کا ہو؟ معطوف علیہ کا، «اَلْقَوْمُ» مرفوع تھا فاعل تھا تو «زَيْدٌ» بھی کیا ہے؟ مرفوع ہے، جیسے آپ کہتے ہیں «جَاءَنِيْ زَيْدٌ وَعَمْرٌو» عمر پر کیا پڑھا؟ رفع، کیونکہ ما قبل میں زید پر کیا تھا؟ رفع۔ یہاں پر بھی «زَيْدٌ» کا عطف کس پر ہے؟ «اَلْقَوْمُ» پر «لَا» کے واسطے سے، «لَا» کے ذریعے سے، تو «اَلْقَوْمُ» مرفوع ہے تو «زَيْدٌ» بھی کیا ہو گا؟ مرفوع۔ اور دوسری مثال: «وَمَا جَاءَنِي الْقَوْمُ» وہ لوگ میرے

پاس نہیں آئے «لٰكِنْ زَيْدٌ جَاءَ» لیکن زید آیا، یہاں پر بھی «لٰكِنْ» عطف کے لیے ہے لیکن یہاں جملے کا عطف جملے پر ہو گا؛ ما قبل میں ایک جملہ ہے «مَا جَاءَنِي الْقَوْمُ» اور ما بعد میں ایک اور جملہ ہے «زَيْدٌ جَاءَ» (زید مبتدا «جَاءَ» اس کی خبر ہے)، توجہ ہے؟ تو جملے کا عطف کس پر ہو گیا؟ جملے پر۔ ان مثالوں میں بھی زید کو ما قبل کے حکم سے نکالا گیا ہے لیکن اس کو مستثنیٰ نہیں کہیں گے کیونکہ مستثنیٰ وہ ہے جس کو «إِلَّا» اور اس کے اخوات کے ذریعے نکالا جائے، باقی کسی اور کلمے کے ذریعے اگر ما قبل سے نکال بھی لیں اس کو اصطلاح میں مستثنیٰ نہیں کہتے۔ توجہ ہے؟ جیسے ان مثالوں میں یہاں پر وہ معطوف ہیں بھئی، مستثنیٰ نہیں ہیں، ما بعد معطوف ہیں مستثنیٰ نہیں ہیں۔

«وَالْمُسْتَثْنَى الْمُنْقَطِعُ هُوَ الْمَذْكُوْرُ بَعْدَهَا أَيْ بَعْدَ إِلَّا وَأَخَوَاتِهَا» اور مستثنیٰ منقطع جو ہے «هُوَ الْمَذْكُوْرُ بَعْدَهَا أَيْ بَعْدَ إِلَّا وَأَخَوَاتِهَا» مستثنیٰ منقطع وہ ہے جو اس کے بعد مذکور ہو «بَعْدَهَا» «هَا» ضمیر کا مرجع بتلا رہے ہیں صاحبِ جامی: «أَيْ بَعْدَ إِلَّا وَأَخَوَاتِهَا» کس کے بعد مذکور ہو؟ «إِلَّا» اور اس کے اخوات کے بعد۔ تو کہتے ہیں پھر دیکھیے عبارت: «وَالْمُسْتَثْنَى الْمُنْقَطِعُ هُوَ الْمَذْكُوْرُ بَعْدَهَا أَيْ بَعْدَ إِلَّا وَأَخَوَاتِهَا» مستثنیٰ منقطع وہ ہے جو «إِلَّا» اور اس کے اخوات کے بعد واقع ہو، «غَيْرَ مُخْرَجٍ عَنْ مُتَعَدِّدٍ» اور وہ متعدد سے نکالا نہ گیا ہو، متعدد سے نکالا نہیں گیا بھئی۔ کیوں؟ کیوں نہیں نکالا گیا؟ کیونکہ وہ اس میں داخل ہی نہیں تھا، داخل ہوتا تو نکالا جاتا۔ «جَاءَنِي الْقَوْمُ إِلَّا حِمَارًا» حمار ما قبل میں داخل ہی نہیں تھا بھئی۔

تو کہتے ہیں: «وَاحْتَرَزَ بِهِ» یہ جو قید لگائی نا «غَيْرَ مُخْرَجٍ» کی اس قید کا فائدہ بتلا رہے ہیں۔ کہتے ہیں «وَاحْتَرَزَ بِهِ» اس قید کے ذریعے صاحبِ کافیہ نے احتراز کیا ہے «عَنْ جُزْئِيَّاتِ الْمُسْتَثْنَى الْمُتَّصِلِ» مستثنیٰ متصل کی جزئیات سے، کیونکہ یہاں کیا قید لگائی؟ مستثنیٰ منقطع وہ ہے جو غیرِ مخرج ہو، تو کون نکل گیا؟ متصل نکل گیا کیونکہ وہ تو مخرج ہوتا ہے اور یہاں تو کیا کہہ رہے ہیں وہ غیرِ مخرج ہو بھئی۔

تو کہتے ہیں: «فَالْمُسْتَثْنَى الَّذِيْ لَمْ يَكُنْ دَاخِلًا فِي الْمُتَعَدِّدِ قَبْلَ الِاسْتِثْنَاءِ مُنْقَطِعٌ» پس وہ مستثنیٰ «اَلَّذِيْ لَمْ يَكُنْ دَاخِلًا» جو کہ داخل نہیں تھا «فِي الْمُتَعَدِّدِ» کس میں؟ متعدد کے اندر داخل نہیں تھا «قَبْلَ الِاسْتِثْنَاءِ» استثنا سے پہلے، «مُنْقَطِعٌ» وہ مستثنیٰ منقطع ہے، «سَوَاءٌ كَانَ مِنْ جِنْسِهِ» برابر ہے کہ وہ اس کی جنس میں سے ہو۔ بھئی بعض علما نے مستثنیٰ منقطع اور متصل کی اور تعریف کی؛ انہوں نے کہا مستثنیٰ متصل وہ ہے جو ما قبل کی جنس میں سے ہو اور مستثنیٰ منقطع وہ ہے جو ما قبل کی جنس میں سے نہ ہو۔ لہٰذا «جَاءَنِي الْقَوْمُ إِلَّا حِمَارًا» یہ حمار قوم کی جنس میں سے نہیں کیونکہ قوم تو آدمیوں کی جماعت کو کہتے ہیں، تو یہ مستثنیٰ منقطع ہوا ان کے نزدیک؛ اور «جَاءَنِي الْقَوْمُ إِلَّا زَيْدًا» یہ «زَيْدًا» ہر حال میں مستثنیٰ متصل ہی ہے چاہے یہ ما قبل میں داخل ہو یا داخل نہ ہو، کیونکہ ان کے نزدیک دارومدار مخرج اور غیرِ مخرج ہونے پر نہیں ہے، مستثنیٰ متصل اور منقطع کا دارومدار مخرج اور غیرِ مخرج ہونے پر نہیں ہے بلکہ اس جنس میں سے ہے یا جنس میں سے نہیں ہے اس پر دارومدار ہے۔ لیکن بتلایا کہ نہیں بھئی صاحبِ کافیہ کیا فرماتے ہیں؟ جنس کو نہیں دیکھنا بلکہ مخرج اور غیرِ مخرج کو دیکھنا ہے چاہے جنس ایک ہی کیوں نہ ہو بھئی۔

تو کہتے ہیں: «سَوَاءٌ كَانَ مِنْ جِنْسِهِ» برابر ہے کہ وہ اسی کی جنس میں سے ہو، «كَقَوْلِكَ» جیسے کہ آپ کا کہنا «جَاءَنِي الْقَوْمُ إِلَّا زَيْدًا» میرے پاس وہ لوگ آئے سوائے زید کے، «مُشِيْرًا بِالْقَوْمِ» اس حال میں کہ آپ اشارہ کر رہے ہیں «الْقَوْمُ» کے ذریعے «إِلٰى جَمَاعَةٍ» ایک ایسی جماعت کی طرف «خَالِيَةٍ عَنْ زَيْدٍ» جو زید سے خالی ہے۔ «جَاءَنِي الْقَوْمُ إِلَّا زَيْدًا» وہ لوگ میرے پاس آئے، میں نے ایک ایسی جماعت کی طرف اشارہ کیا جس میں زید داخل ہی نہیں؛ جب زید داخل ہی نہیں تو زید مخرج بھی نہ ہوا، جب زید مخرج نہ ہوا تو «جَاءَنِي الْقَوْمُ إِلَّا زَيْدًا» یہ زید کیا ہے؟ مستثنیٰ متصل یا منقطع؟ منقطع ہے کیونکہ یہ مخرج ہے ہی نہیں، یہ ان میں داخل ہی نہیں تھا، حالانکہ یہ انہی کی جنس میں سے ہے۔ تو جنس میں سے ہونے کو نہیں دیکھیں گے بلکہ مخرج اور غیرِ مخرج ہونے کو دیکھیں گے۔

تو کہتے ہیں: «كَقَوْلِكَ» جیسے کہ آپ کا کہنا «جَاءَنِي الْقَوْمُ إِلَّا زَيْدًا» آئے میرے پاس وہ لوگ سوائے زید کے «مُشِيْرًا بِالْقَوْمِ إِلٰى جَمَاعَةٍ خَالِيَةٍ عَنْ زَيْدٍ» اشارہ کرتے ہوئے قوم کے لفظ کے ذریعے ایک ایسی جماعت کی طرف جو زید سے خالی ہے۔ «أَوْ لَمْ يَكُنْ» یا وہ اس کی جنس میں سے نہ ہو، اس کو ما قبل سے جوڑیں: «سَوَاءٌ كَانَ مِنْ جِنْسِهِ أَوْ لَمْ يَكُنْ» کہ مستثنیٰ منقطع وہ ہے جو ما قبل میں داخل نہ ہو چاہے اسی کی جنس میں سے ہو یا اسی کی جنس میں سے نہ ہو۔ توجہ ہے؟ تو کہتے ہیں «أَوْ لَمْ يَكُنْ» یا وہ اس ما قبل کی جنس میں سے نہ ہو، «نَحْوُ» مثال کے طور پر «جَاءَنِي الْقَوْمُ إِلَّا حِمَارًا» وہ لوگ میرے پاس آئے «إِلَّا حِمَارًا» سوائے حمار کے کہ وہ لوگ آئے مگر گدھا نہیں آیا، تو یہ مستثنیٰ منقطع ہے بھئی۔ توجہ ہے؟ تو مستثنیٰ متصل اور منقطع کا دارومدار کس پر ہے؟ مخرج اور غیرِ مخرج پر۔ اگر ما قبل میں داخل تھا اور پھر «إِلَّا» وغیرہ کے ذریعے اسے نکال دیا تو یہ متصل ہے، اور اگر داخل ہی نہیں تھا، غیرِ مخرج ہے تو پھر یہ مستثنیٰ منقطع ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ حل ہو گیا سارا؟ چلیے بس بھئی، «هٰذَا هُوَ الْمَرَامُ وَاللّٰهُ أَعْلَمُ بِحَقِيْقَةِ الْكَلَامِ»۔

سبق نمبر ۱۵۶: المستثنیٰ (۳): کلامِ موجب میں مستثنیٰ کے وجوبِ نصب کی توجیہ

شرحِ ملا جامی صفحہ: ۱۴۱ — بتاریخ: ۱۵ جون ۲۰۲۲ء

▪ تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث

آگے سبق دیکھیے بھئی۔

وَهُوَ أَيِ الْمُسْتَثْنَى مُطْلَقًا حَيْثُ عُلِمَ أَوَّلًا بِوَجْهٍ يُصَحِّحُ تَقْسِيمَهُ كَمَا عَرَفْتَ، وَثَانِيًا بِمَا يُتَفَطَّنُ لَهُ مِنْ تَعْرِيفِ قِسْمَيْهِ أَعْنِي الْمَذْكُورَ بَعْدَ إِلَّا وَأَخَوَاتِهَا سَوَاءٌ كَانَ مُخْرَجًا أَوْ غَيْرَ مُخْرَجٍ، وَلِهٰذَا لَمْ يُعَرِّفْهُ عَلَى حِدَةٍ رَوْمًا لِلِاخْتِصَارِ، مَنْصُوبٌ وُجُوبًا۔

بھئی گزشتہ سبق میں مستثنیٰ کی بحث چل رہی تھی بھئی۔ آپ نے پڑھا کہ استثنا کے لیے گیارہ کلمات یہ ذکر کریں گے بھئی۔ اور وہ گیارہ کلمات کون سے ہیں؟ إِلَّا ہے، خَلَا، عَدَا، مَا خَلَا، مَا عَدَا، لَيْسَ، لَا يَكُونُ، غَيْرٌ، سِوًى، سَوَاءٌ اور حَاشَا۔ ان میں سے إِلَّا کے اندر تفصیل ہے، جب کہ خَلَا، عَدَا، مَا عَدَا، مَا خَلَا اور لَيْسَ اور لَا يَكُونُ کے بعد مستثنیٰ منصوب ہو گا۔ اور غَيْرٌ، سِوًى، سَوَاءٌ اور حَاشَا کے بعد مستثنیٰ مجرور ہو گا۔

اور إِلَّا کے اندر تفصیل ہے کہ إِلَّا جب بھی استثنا کے لیے کلام کے اندر آئے تو سب سے پہلے فوراً یہ دیکھیں کہ یہ مستثنیٰ منقطع ہے یا متصل ہے۔ اگر منقطع ہو تو منصوب ہو گا۔ اگر متصل ہے پھر دیکھیں کہ یہ کلام موجب ہے یا غیرِ موجب۔ اگر کلامِ موجب ہو پھر بھی مستثنیٰ منصوب ہو گا۔ اگر غیرِ موجب ہو پھر یہ دیکھیں کہ مستثنیٰ مقدم ہے یا غیرِ مقدم ہے۔ اگر مستثنیٰ مقدم ہو تب بھی منصوب ہو گا۔ اور اگر غیرِ مقدم ہے تو پھر یہ دیکھیں کہ مستثنیٰ منہ مذکور ہے یا مذکور نہیں۔ اگر مستثنیٰ منہ مذکور ہے تو پھر یہ مستثنیٰ منصوب بھی ہو سکتا ہے اور آپ اس کو ماقبل سے بدل بھی بنا سکتے ہیں، اور بدل بنانا مختار ہے، پسندیدہ ہے۔ اور اگر مستثنیٰ منہ مذکور نہیں ہے تو پھر مستثنیٰ کا اعراب عَلَى حَسَبِ الْعَوَامِلِ آئے گا بھئی۔

تفصیل سمجھ میں آگئی؟ اور آپ نے یہ بھی پڑھا تھا کہ یہ جو عَلَى حَسَبِ الْعَوَامِلِ ہے مستثنیٰ اس کو مستثنیٰ مفرغ بھی کہتے ہیں، جو إِلَّا کے بعد آتا ہے، کلامِ غیرِ موجب میں ہوتا ہے اور مستثنیٰ منہ مذکور نہیں ہوتا بھئی، مذکور نہیں ہوتا۔

پھر اس کے بعد گزشتہ سبق میں صاحبِ کافیہ نے مستثنیٰ متصل اور مستثنیٰ منقطع کی باقاعدہ تعریف کی تھی اور بتلایا تھا کہ متصل جو ہے هُوَ الْمُخْرَجُ عَنْ مُتَعَدِّدٍ لَفْظًا أَوْ تَقْدِيرًا بِإِلَّا وَأَخَوَاتِهَا۔ کہ مستثنیٰ متصل وہ ہے جس کو نکالا گیا ہو شے متعدد سے، چاہے اس کے اجزا میں تعدد ہو، چاہے اس کے اس کی جزئیات اور افراد میں تعدد ہو، اس سے نکالا گیا ہوتا ہے اور کس کے ذریعے نکالا جاتا ہے؟ إِلَّا اور اس کے اخوات کے ذریعے۔ لہٰذا اگر حروفِ عاطفہ وغیرہ کے ذریعے مابعد کو ماقبل سے نکال لیا جائے تو وہ مستثنیٰ نہیں کہلاتا۔ جیسے میں کہتا ہوں جَاءَنِي الْقَوْمُ وہ لوگ میرے پاس آئے، لَا زَيْدٌ زید نہیں۔ تو دیکھو یہ لَا جو ہے یہ اداتِ استثنا، یہ کلماتِ استثنا میں سے نہیں ہے، اگرچہ اس کے ذریعے بھی زید کو ماقبل کے حکم سے نکالا گیا ہے، تو اس زید کو مستثنیٰ نہیں کہیں گے بلکہ یہ لَا حرفِ عطف ہے اور یہ نفی کا فائدہ دیتا ہے، تو لہٰذا یہ زید معطوف ہے قَوْمٌ پر اور جو قَوْمٌ کا اعراب ہوگا وہی اعراب زید کا بھی ہوگا۔

اور جب کہ مستثنیٰ منقطع وہ ہے جو إِلَّا اور اس کے اخوات کے بعد مذکور تو ہوتا ہے لیکن ماقبل سے وہ مخرج نہیں ہوتا، وہ جو ماقبل میں متعدد شے ہے، وہ شے جس میں تعدد ہے اس سے یہ مخرج نہیں ہوتا۔ جیسے جَاءَنِي الْقَوْمُ إِلَّا حِمَارًا وہ لوگ میرے پاس آئے سوائے کس کے؟ حمار کے۔ تو دیکھو حمار ماقبل کے اندر داخل ہی نہیں ہے، تو یہ مستثنیٰ منقطع ہے۔

اور میں نے آپ کو یہ بھی بتلایا تھا کہ جَاءَنِي الْقَوْمُ إِلَّا زَيْدًا یہی ایک مثال مستثنیٰ متصل کی بھی ہو سکتی ہے اور مستثنیٰ منقطع کی بھی۔ سارا دارومدار مخرج اور غیرِ مخرج ہونے پر ہے۔ اگر زید اس قوم کے اندر پہلے داخل تھا، یعنی الْقَوْمُ کے ذریعے ایسی جماعت کی طرف اشارہ کیا کہ زید بھی انہیں میں سے ایک تھا۔ تو جب میں نے کہا جَاءَنِي الْقَوْمُ وہ لوگ میرے پاس آئے تو اس سے پتہ چلا کہ زید بھی آیا ہے۔ پھر إِلَّا زَيْدًا کہہ کر زید کو اس قوم سے کیا کر دیا گیا؟ نکال دیا گیا، تو یہ زید مخرج ہوا، تو یہ مستثنیٰ متصل ہے۔ اور اگر الْقَوْمُ سے ایسی جماعت مراد ہے جس میں زید پہلے داخل ہی نہیں تھا، تو پھر إِلَّا زَيْدًا کہہ کر زید مخرج نہیں ہوا، وہ غیرِ مخرج ہے، جب وہ غیرِ مخرج ہے تو پھر وہ مستثنیٰ منقطع ہے۔ تو سارا دارومدار کس پر ہے؟ مخرج اور غیرِ مخرج ہونے پر۔ اگر مخرج ہے تو وہ مستثنیٰ متصل ہے اور اگر غیرِ مخرج ہے تو وہ مستثنیٰ منقطع ہے بھئی۔

جب کہ بعض علما نے مستثنیٰ متصل اور منقطع کی اور تعریف کی۔ وہ فرماتے ہیں کہ مستثنیٰ متصل اور منقطع کا دارومدار جنس پر ہے۔ یعنی اگر مابعد جو ہے ماقبل کی جنس میں سے ہے تو وہ ہر حال میں متصل ہے، چاہے نکالا گیا ہو یا نہ نکالا گیا ہو، بس ماقبل کی جنس میں سے ہونا چاہیے۔ تو ان کے نزدیک جَاءَنِي الْقَوْمُ إِلَّا زَيْدًا یہ ہر حال میں مستثنیٰ متصل ہی ہے کیونکہ زید الْقَوْمُ کی جنس میں سے ہے۔ الْقَوْمُ بھی آدمیوں کی جماعت کو کہتے ہیں اور زید بھی آدمی ہے، انسان ہے۔ تو یہ ہر حال میں یہ زید جو ہے مستثنیٰ متصل ہے۔ اور جَاءَنِي الْقَوْمُ إِلَّا حِمَارًا یہ جو ہے مستثنیٰ منقطع ہے کیونکہ حمار ماقبل کی یعنی الْقَوْمُ

کی جنس میں سے نہیں ہے۔

آگے سبق دیکھیے بھئی۔ کہتے ہیں وَهُوَ أَيِ الْمُسْتَثْنَى مُطْلَقًا حَيْثُ عُلِمَ أَوَّلًا بِوَجْهٍ يُصَحِّحُ تَقْسِيمَهُ كَمَا عَرَفْتَ۔ اچھا بھئی پہلے یہاں آگے سبق دیکھنے سے پہلے یہاں ایک اشکال اور اس کا جواب سمجھ لیں بھئی۔ یہ یاد رکھو استثنا پر ایک بڑا اشکال ہوتا ہے۔ اشکال یہ ہوتا ہے کہ جب میں نے کہا جَاءَنِي الْقَوْمُ إِلَّا زَيْدًا۔ تو یہ مستثنیٰ متصل کو ذہن میں رکھیں۔ جَاءَنِي الْقَوْمُ إِلَّا زَيْدًا یہ مستثنیٰ متصل ہے بھئی یعنی زید پہلے داخل تھا۔ تو یہاں دو ہی صورتیں بنتی ہیں عقلاً بھئی۔ یا تو زید الْقَوْمُ میں داخل ہو گا یا داخل نہیں۔ ہم بات کس کی کر رہے ہیں؟ متصل کی۔ توجہ ہے؟ میں اعتراض ایک عقلی اعتراض ہوتا ہے یہاں پر بھئی۔ تو یہاں پر زید کے اندر دو ہی صورتیں ہیں یا تو یہ ماقبل کے اندر داخل ہو گا یا داخل نہیں۔ تو اگر یہ کہا جائے کہ زید ماقبل میں داخل نہیں ہے تو پھر تو یہ علمائے نحو کے اجماع کے خلاف ہو جائے گا۔ علمائے نحو کا اجماع ہے کہ مستثنیٰ متصل مخرج ہوتا ہے۔ توجہ ہے؟ پھر سنو اشکال۔ یہاں جَاءَنِي الْقَوْمُ إِلَّا زَيْدًا یہ زید مستثنیٰ متصل ہے، مستثنیٰ متصل ہے، تو اس زید میں دو ہی احتمال عقلاً بنتے ہیں، یہ ماقبل میں داخل ہو گا یا داخل نہیں ہو گا۔ اگر یہ کہا جائے کہ زید ماقبل میں داخل نہیں تھا تو یہ تو علمائے نحو کے اجماع کے خلاف ہو گیا اس لیے کیونکہ ان کے نزدیک مستثنیٰ متصل کہتے ہی کس کو ہیں؟ جو مخرج ہوتا ہے، جو مخرج۔ اور اخراج تب ہی ہو گا جب ایک چیز پہلے ایک میں داخل ہو، شامل ہو، پھر اس کو إِلَّا کے ذریعے کیا کر لیا جائے؟ اس کو نکال لیا جائے۔ تو معلوم ہوا یہ کہنا تو صحیح نہیں کہ زید ان میں داخل ہی نہ ہو۔ اور اگر آپ یہ کہتے ہیں کہ زید پہلے داخل تھا، دوسری صورت یہ بن گئی کہ زید ان میں داخل تھا، تو پھر اس صورت میں تو آپ کے کلام میں تناقض لازم آتا ہے۔ مثلاً جب آپ نے کہا جَاءَنِي الْقَوْمُ، جَاءَنِي الْقَوْمُ تو زید بھی اس قوم کے اندر داخل ہے، تو گویا آپ نے یوں کہا ہے جَاءَ زَيْدٌ مَعَ الْقَوْمِ زید بھی قوم کے ساتھ آیا ہے۔ جب صرف ابھی آپ نے صرف کیا کہا؟ جَاءَ الْقَوْمُ اور اس الْقَوْمُ میں کون داخل ہے؟ زید داخل ہے، تو گویا آپ نے یوں کہا جَاءَ زَيْدٌ مَعَ الْقَوْمِ زید بھی قوم کے ساتھ آیا ہے اور آگے إِلَّا کے بعد آپ نے زید کے آنے کی نفی کر دی کہ زَيْدٌ لَمْ يَجِئْ زید نہیں آیا، تو یہ تو آپ کے کلام میں تناقض آ گیا۔ کلام کے ابتدائی حصے سے معلوم ہو رہا ہے کہ زید آیا ہے اور کلام کے آخری حصے سے پتہ چل رہا ہے کہ زید نہیں آیا ہے، تو یہ آپ کے کلام میں تناقض آیا اور یہ تو درست نہیں کہ ایک عاقل شخص کے کلام کے اندر کیا آ جائے؟ تناقض آ جائے۔ توجہ ہے؟

جی، پھر سنیں اشکال بھئی۔ یہاں زید مستثنیٰ متصل ہے اس میں دو ہی احتمال ہیں یا یہ ماقبل میں داخل ہو گا یا داخل نہیں۔ اگر آپ یہ کہتے ہیں یہ ماقبل میں داخل نہیں تھا تو یہ علمائے نحو کے اجماع کے خلاف ہوا کیونکہ وہ تو کہتے ہیں یہ مستثنیٰ متصل مخرج ہوتا ہے اور مخرج تو وہی ہو سکتا ہے جو پہلے داخل ہو پھر اس کو نکال لیا جائے۔ تو لہٰذا آپ یہ نہیں کہہ سکتے کہ ماقبل میں داخل نہیں تھا۔ اور اگر آپ یہ کہتے ہیں کہ یہ ماقبل میں داخل تھا، دوسرا عقلی احتمال یہی ہے، تیسری تو کوئی صورت ہی نہیں ہے، یہ داخل تھا، تو پھر تو آپ کے کلام میں تناقض لازم آیا۔ جَاءَ الْقَوْمُ سے پتہ چلا کہ زید آیا ہے کیونکہ زید بھی ان

میں شامل تھا اور إِلَّا زَيْدًا سے پتہ چلا کہ زید نہیں آیا تو آپ کے کلام میں کیا آگیا؟ تناقض آگیا، تناقض آگیا۔

تو علما اس کا جواب دیتے ہیں۔ علما جواب دیتے ہیں کہ یہاں خرابی اس وجہ سے آئی کہ آپ نے جَاءَ کی نسبت یعنی آپ نے مجیئت کی نسبت صرف الْقَوْمُ کی طرف کی۔ پورا کلام کیا تھا؟ جَاءَنِي الْقَوْمُ إِلَّا زَيْدًا آپ نے جَاءَنِي یعنی مجیئت کی نسبت صرف کس کی طرف کر دی؟ الْقَوْمُ کی طرف کر دی، اس لیے آپ کے کلام میں یہ خرابی لازم آئی اور یہ اعتراض وارد ہوا۔ آپ نے جَاءَ کی نسبت کس کی طرف کر دی؟ صرف الْقَوْمُ کی طرف۔ توجہ ہے؟ زبان سے بولیں بھئی بات جب سمجھ میں آئے تو مجھے پتہ چلے آپ کو بات سمجھ میں آ رہی ہے۔ تو یہاں پر خرابی کیوں لازم آئی کہ آپ نے جَاءَ کی نسبت صرف کس کی طرف کر دی ہے؟ الْقَوْمُ کی طرف۔ یاد رکھیں یہاں فعل کی نسبت الْقَوْمُ إِلَّا زَيْدًا اس پورے مجموعے کی طرف ہے، یہ پورا مجموعہ مسند الیہ ہے۔ توجہ ہے؟ صرف الْقَوْمُ مسند الیہ نہیں بلکہ إِلَّا زَيْدًا کو بھی ساتھ جوڑیں۔ الْقَوْمُ إِلَّا زَيْدًا یہ سارا مسند الیہ ہے بھئی۔ پورے مجموعے کی طرف مجیئت کی نسبت ہو رہی ہے۔ جیسے آپ عام کلام میں بھی کرتے رہتے ہیں۔ آپ کہتے ہیں جَاءَنِي غُلَامُ زَيْدٍ۔ جَاءَنِي غُلَامُ زَيْدٍ میرے پاس زید کا غلام آیا۔ اب مجھے بتائیے یہ جَاءَ کی نسبت صرف غُلَامُ کی طرف ہو رہی ہے یا غُلَامُ زَيْدٍ پورے مجموعے کی طرف ہو رہی ہے؟ پورے مجموعے کی طرف ہو رہی ہے۔ آپ یہ نہیں کہنا چاہتے کہ غلام آیا بلکہ آپ کیا کہنا چاہتے ہیں؟ زید کا غلام آیا۔ تو یہ جو پورا مجموعہ ہے غُلَامُ زَيْدٍ یعنی مضاف اور مضاف الیہ ان دونوں کے مجموعے کی طرف جَاءَ کی نسبت ہو رہی ہے۔ یا دوسری مثال لے لیں، مثلاً میں کہتا ہوں جَاءَنِي رَجُلٌ عَالِمٌ میرے پاس عالم آدمی آیا۔ اب اس میں بھی دیکھو جَاءَ کی نسبت صرف رَجُلٌ کی طرف نہیں ہو رہی بلکہ رَجُلٌ اور ساتھ اس کی صفت کو بھی جوڑیں اس پورے مجموعے کی طرف جَاءَ کی نسبت ہو رہی ہے۔ آپ یہ نہیں کہنا چاہتے میرے پاس آدمی آیا بلکہ آپ کہنا چاہتے ہیں میرے پاس عالم آدمی آیا ہے۔ تو جَاءَ کی نسبت پورے مجموعے کی طرف ہو رہی ہے، توجہ ہے؟ اور یاد رکھو ضابطہ یہ ہے کہ جب فعل کی نسبت ایک پورے مجموعے کی طرف کی جائے تو اس کے پہلے جز پر وہ اعراب آئے گا جس کا فعل تقاضا کر رہا ہے۔ پہلے جز پر وہ اعراب آئے گا جس کا فعل تقاضا کر رہا ہے۔ جیسے جَاءَنِي غُلَامُ زَيْدٍ، یہ جَاءَ فعل کیا چاہتا ہے؟ غُلَامُ کو اپنا فاعل بنانا چاہتا ہے تو یہ جَاءَ کی نسبت غُلَامُ زَيْدٍ پورے مجموعے کی طرف ہے، تو اس کے اندر جو پہلا جز ہے اس پر وہ اعراب آئے گا جس کا فعل تقاضا کر رہا ہے اور فعل یہاں رفع کا تقاضا کر رہا ہے، اس لیے یہاں غُلَامُ پر رفع آگیا۔ اور دوسرا جز جو ہے وہ کبھی مجرور ہو گا جیسے یہاں پر ہے مضاف الیہ ہونے کی وجہ سے۔ جَاءَنِي غُلَامُ زَيْدٍ جَاءَ کی نسبت کس کی طرف ہے؟ پورے مجموعے کی طرف ہے اور جب بھی فعل کی نسبت پورے مجموعے کی طرف ہو تو پہلے جز پر وہ اعراب آئے گا جس کا فعل تقاضا کر رہا ہے اور دوسرا جز کبھی مجرور ہو گا جیسے یہاں پر ہے یعنی مضاف الیہ ہونے کی وجہ سے۔ اور کبھی دوسرا جز ماقبل کے تابع ہو گا، جَاءَنِي رَجُلٌ عَالِمٌ۔ یہ جَاءَ کی نسبت پورے مجموعے رَجُلٌ عَالِمٌ کی طرف ہو رہی ہے تو اس کے اندر جو پہلا جز ہے رَجُلٌ اس پر وہ اعراب آئے گا جس کا فعل تقاضا کر رہا ہے اور فعل اس کو رفع دینا چاہتا

ہے اس کو اپنا فاعل بنانا چاہتا ہے تو یہ مرفوع ہے، اور دوسرا جز کبھی تو مجرور ہوتا ہے اور کبھی ماقبل کے تابع ہوتا ہے۔ یہاں پر یہ عَالِمٌ رَجُلٌ کے تابع ہے یعنی اس کی صفت ہے، یعنی اس کی صفت ہے، توابع آپ جانتے ہیں صفت توابع میں سے ہے۔ توابع پانچ ہیں اور ان پر وہی اعراب آتا ہے جو ان کے متبوع پر ہوتا ہے۔ جیسے صفت ہے اس پر وہی اعراب آتا ہے جو موصوف پر، تاکید ہے اس پر وہی اعراب آتا ہے جو مؤکد پر ہو، معطوف پر وہی اعراب آتا ہے جو معطوف علیہ پر ہو، اسی طرح بدل پر وہی اعراب آتا ہے جو مبدل منہ پر ہو اور عطفِ بیان پر وہی اعراب آتا ہے جو معطوف علیہ پر ہو۔ توجہ ہے؟ تو یہاں پر بھی جَاءَنِي رَجُلٌ عَالِمٌ یہ عَالِمٌ رَجُلٌ کی

صفت ہے، اس کے تابع ہے تو اس صفت پر بھی وہی اعراب آئے گا جو اس کے متبوع یعنی موصوف پر ہے بھئی۔ اور تیسری پھر صورت یہ ہے، تیسری صورت یہ ہے اگر اس مجموعے کے دوسرے جز پر یا اگلے اجزا پر جر بھی نہیں آسکتا اور وہ ماقبل کے تابع بھی نہیں ہے تو پھر وہ منصوب ہوتا ہے، پھر وہ منصوب ہوتا ہے جیسے کہ مستثنیٰ ہے بھئی، مستثنیٰ۔ یہاں پر بھی دیکھو جَاءَنِي الْقَوْمُ إِلَّا زَيْدًا جَاءَنِي کی نسبت صرف الْقَوْمُ کی طرف ہے یا الْقَوْمُ إِلَّا زَيْدًا کی طرف ہے؟ الْقَوْمُ إِلَّا زَيْدًا مجموعے کی طرف ہے اور جب مجموعے کی طرف فعل کی نسبت ہو تو پہلے جز پر وہی اعراب آتا ہے جس کا فعل تقاضا کر رہا ہے اور یہاں جَاءَ الْقَوْمُ کو رفع دینا چاہتا ہے تو الْقَوْمُ پر کیا آیا؟ رفع۔ اور دوسرا جز جو ہے مستثنیٰ وہ منصوب ہے، وہ منصوب، کیونکہ وہ مضاف الیہ بھی نہیں اس پر جر بھی نہیں آسکتا، وہ ماقبل کے تابع بھی نہیں کہ اس پر وہی اعراب آ جائے، تو تیسری صورت یہ ہے کہ پھر وہ منصوب ہوتا ہے جیسے کہ یہ مستثنیٰ ہے بھئی۔ اور اس پر نصب اس لیے آتا ہے کہ یہ مفعول کے مشابہ ہو گیا۔ کس کے مشابہ ہو گیا؟ مفعول کے مشابہ ہو گیا۔ فعل کے بعد فعل سب سے پہلے کس کا تقاضا کرتا ہے؟ فاعل کا، اور جب فاعل کے ساتھ مل کر فعل پورا ہو جاتا ہے تو پھر آگے وہ مفعول بہ کو نصب دیتا ہے۔ توجہ ہے؟ تو یہاں پر بھی فعل اپنے فاعل کے ساتھ مل کر تام ہو چکا ہے، اب آگے وہ إِلَّا زَيْدًا یہ زَيْدًا مستثنیٰ کو نصب دے رہا ہے تو یہ مفعول کے مشابہ ہوا، مفعول کے مشابہ ہوا۔

پھر سنو حاصلِ کلام بھئی۔ کہ جب بھی فعل کی نسبت، فعل یا شبہِ فعل کی نسبت کسی مجموعے کی طرف کی جائے تو اس مجموعے کے پہلے جز پر تو وہی اعراب آئے گا جس کا تقاضا وہ فعل وغیرہ کر رہے ہیں اور باقی اگلے اجزا وہ کبھی تو مجرور ہوں گے مضاف الیہ ہونے کی وجہ سے اور کبھی وہ ماقبل کے تابع ہوں گے ان پر بھی وہی اعراب آئے گا جو ماقبل پر آ رہا ہو گا اور اگر ان دونوں میں سے نہیں ہے تو پھر اس کے بعد تیسری صورت یہی ہے کہ وہ منصوب ہوں گے جیسے کہ مستثنیٰ ہے اور منصوب اس لیے ہے مستثنیٰ کیونکہ اس کی مشابہت مفعول کے ساتھ آگئی۔ مفعول بھی دیکھو جب فاعل کے بعد آتا ہے تو اس پر کیا آتا ہے؟ نصب۔ یہاں پر بھی جَاءَنِي الْقَوْمُ، الْقَوْمُ فاعل ہے تو فاعل کے بعد إِلَّا زَيْدًا یہ منصوب ہے، مستثنیٰ ہے، مشابہ ہے مفعول کے بھئی، مشابہ ہے مفعول کے۔ بات سمجھ میں آگئی؟

تو معلوم ہوا کہ مستثنیٰ منہ اور مستثنیٰ دونوں کا مجموعہ یہ مسند الیہ ہے۔ جَاءَنِي الْقَوْمُ إِلَّا زَيْدًا مسند الیہ کیا ہے؟ الْقَوْمُ

إِلَّا زَيْدًا۔ الْقَوْمُ مستثنیٰ منہ ہے اور زَيْدًا مستثنیٰ ہے، تو مستثنیٰ منہ اور مستثنیٰ دونوں کا مجموعہ یہ مسند الیہ ہے۔ توجہ ہے؟ یہ بات یاد رکھنا آگے اسی کے بارے میں اور بھی تھوڑی سی تفصیل آئے گی کہ مسند الیہ پورا مجموعہ ہے، کیا کیا شامل ہے اس کے اندر؟ مستثنیٰ منہ بھی شامل اور مستثنیٰ بھی شامل ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟

تو حاصلِ کلام اب سمجھ لو اشکال کیا ہوا تھا کہ مستثنیٰ متصل کے اندر جو إِلَّا وغیرہ کے بعد ذکر ہے وہ ماقبل میں داخل ہو گا یا داخل نہیں۔ اگر داخل نہ ہو پھر تو اجماع کے خلاف لازم آئے گا کیونکہ اس کا مخرج ہونا ضروری ہے اور مخرج تب ہی ہو سکتا ہے جب پہلے داخل ہو۔ اور اگر آپ اس کو ماقبل کے اندر داخل مانتے ہیں تو پھر آپ کے کلام میں تناقض لازم آئے گا۔ إِلَّا سے ماقبل کے کلام سے پتہ چلا ہے زید آیا ہے اور إِلَّا کے مابعد سے پتہ چلا کہ زید نہیں آیا، یہ تو آپ کے کلام میں تناقض آگیا بھئی۔ اشکال سمجھ میں آیا؟

تو اب حاصلِ کلام یہ کہ یہ اعتراض اور یہ اشکال اس لیے لازم آیا تھا کہ آپ نے کہ آپ نے فعل یا شبہِ فعل کا اسناد صرف الْقَوْمُ یعنی ماقبل یعنی یوں کہو مستثنیٰ منہ کی طرف کیا تھا۔ صرف مستثنیٰ منہ کی طرف آپ نے کس کا اسناد کیا؟ جَاءَ کا تو اس سے کیا پتہ چلا؟ زید آیا ہے اور پھر إِلَّا زَيْدًا سے کیا پتہ چلا کہ زید نہیں آیا۔ تو خرابی اس لیے لازم آئی کہ آپ نے اس فعل کی نسبت صرف مستثنیٰ منہ کی طرف کر دی۔ مستثنیٰ منہ کی طرف نسبت نہ کرو بلکہ مستثنیٰ منہ اور مستثنیٰ کے مجموعے کی طرف کیا کرو؟ اس فعل کی نسبت کرو، یعنی یوں کہو، یعنی یوں کہو یہ جو زید الْقَوْمُ میں داخل تھا اور پھر نکالا گیا، توجہ ہے؟ یہ اسناد سے پہلے پہلے ہے۔ اسناد سے پہلے پہلے زید الْقَوْمُ میں داخل تھا اور پھر إِلَّا کے ذریعے نکال بھی دیا گیا، اس کے بعد اس پورے مجموعے کی طرف جَاءَ کی نسبت کر دی، اب خرابی لازم نہیں آئی۔ اب اس پورے مجموعے سے کیا پتہ چلا کہ باقی لوگ آئے ہیں لیکن زید نہیں آیا۔ صرف الْقَوْمُ کی طرف نسبت کرتے پھر خرابی لازم آ رہی تھی، اس الْقَوْمُ میں تو زید بھی شامل تھا، اس سے تو پتہ چلا زید آیا ہے اور إِلَّا زَيْدًا سے کیا پتہ چلتا؟ زید نہیں، لیکن آپ نے الْقَوْمُ کی طرف جَاءَ کی نسبت کرنے سے پہلے ہی زید کو اس سے نکال لیا۔ الْقَوْمُ إِلَّا زَيْدًا، الْقَوْمُ سے کس کو نکال دیا؟ زید کو نکال دیا، اب اس سارے مجموعے کی طرف جَاءَ کی نسبت کر دی اور اس پورے مجموعے سے ایک ہی بات سمجھ میں آ رہی ہے کہ باقی لوگ آئے ہیں اور زید نہیں آیا، یہاں ایسا نہیں ہے کہ پہلے زید کی نفی ہو پھر اس کا اثبات ہو۔ بات سمجھ میں آگئی؟ حل ہو گیا؟

تو حاصلِ کلام یہ ہوا کہ مستثنیٰ کا مستثنیٰ منہ میں داخل ہونا اور پھر اس کا جو اخراج ہے إِلَّا کے ذریعے یہ فعل یا شبہِ فعل کے اسناد سے قبل ہو گا اور پھر اس پورے مجموعے کی طرف اسناد کیا جائے گا جس کے اندر زید کا پہلے ہی اخراج ہو چکا ہے تو پھر کوئی تناقض لازم نہیں آتا۔ بات سمجھ میں آگئی؟ حل ہو گیا؟ تو یہاں یہ بڑا پیچیدہ اعتراض ہوتا تھا جو حل ہو گیا۔

جی اب دیکھیے بھئی کتاب پر۔ وَهُوَ أَيِ الْمُسْتَثْنَى مُطْلَقًا حَيْثُ عُلِمَ أَوَّلًا بِوَجْهٍ يُصَحِّحُ تَقْسِيمَهُ كَمَا عَرَفْتَ۔ بھئی پہلے صرف متن متن دیکھیے اب مستثنیٰ کا اعراب بتانے لگے ہیں۔ میں نے تو آپ کو نقشہ بنوایا تھا پوری تفصیل سمجھائی تھی لیکن

اس نقشے کے اندر اگر آپ غور کریں تو مستثنیٰ کا اعراب چار ہی قسم پر بنتا ہے۔ اس پورے نقشے میں آپ غور کر لیں، مستثنیٰ بعض صورتوں میں منصوب تھا، مستثنیٰ بعض صورتوں کے اندر مجرور تھا اور مستثنیٰ بعض صورتوں کے اندر بدل تھا اور مستثنیٰ بعض صورتوں کے اندر عَلَى حَسَبِ الْعَوَامِلِ تھا۔ یہی چار اعراب کی قسمیں تھیں وہاں پر بھئی۔ اب انہی کو یہاں بیان کرنے لگے ہیں اور سب سے پہلے منصوب کو ذکر کریں گے، دیکھو متن متن وَهُوَ مَنْصُوبٌ اور مستثنیٰ منصوب ہو گا۔ تو ان چار قسموں میں سے سب سے پہلے منصوب کو اس لیے ذکر کر رہے ہیں کیونکہ یہ منصوبات کا بیان چل رہا ہے، منصوبات کا بیان چل رہا ہے اور یہاں پر یہ مستثنیٰ کو ذکر ہی اس لیے کیا کیونکہ مستثنیٰ کا اعراب اکثر حالتوں میں نصب ہوا کرتا ہے تو پہلے نصب کو ذکر کر رہے ہیں بھئی یعنی ان تمام صورتوں کو جن میں مستثنیٰ منصوب ہو گا۔ اب دیکھیے ذرا متن متن بھئی۔

اچھا بھئی پہلے بلکہ ذرا دہرا لیں، منصوب کون کون سی صورتوں میں تھا؟ جب کس کے بعد ہو؟ خَلَا، عَدَا، مَا خَلَا، مَا عَدَا، لَيْسَ، لَا يَكُونُ ان کے بعد ہو تب بھی منصوب ہو گا۔ اور اگر إِلَّا کے بعد آئے تو اگر وہ مستثنیٰ منقطع ہو تو بھی منصوب، اور اگر وہ کلام موجب ہو تو بھی منصوب، اور اگر مستثنیٰ مقدم ہو تو بھی منصوب ہو گا۔ بات سمجھ میں آگئی؟ اب وہ یہ ساری صورتیں اکٹھی ذکر کریں گے، دیکھیے بھئی صرف متن متن۔

تو کہتے ہیں وَهُوَ مَنْصُوبٌ اور مستثنیٰ جو ہے منصوب ہو گا إِذَا كَانَ بَعْدَ إِلَّا جب وہ مستثنیٰ کس کے بعد آئے؟ إِلَّا کے بعد آئے، ایسا إِلَّا غَيْرَ الصِّفَةِ اس حال میں کہ وہ صفت نہ ہو۔ میں نے آپ کو بتلایا تھا کہ یہ إِلَّا کبھی کبھار صفت کے لیے بھی استعمال ہو جاتا ہے۔ یاد رکھو یہاں آگے چل کر ایک اور لفظ غَيْرٌ کے بارے میں بھی بحث کریں گے، غَيْرٌ استثنا کے لیے بھی آتا ہے اور صفت کے لیے بھی، اسی طرح إِلَّا بھی استثنا کے لیے بھی آتا ہے اور صفت کے لیے بھی، لیکن یاد رکھنا إِلَّا کو وضع کیا گیا ہے استثنا کے لیے اور غَيْرٌ کو وضع کیا گیا ہے کس لیے؟ صفت کے لیے۔ تو إِلَّا استثنا کے لیے ہے لیکن کبھی صفت کے لیے بھی استعمال ہو جاتا ہے یعنی غَيْرٌ کے معنی میں استعمال ہو جاتا ہے۔ اور غَيْرٌ وضع ہے صفت کے لیے لیکن کبھی کبھار إِلَّا کے معنی میں بھی استعمال ہو جاتا ہے یعنی استثنا کے لیے بھی استعمال ہو جاتا ہے۔ اسی لیے صاحبِ کافیہ فرما رہے ہیں کہ مستثنیٰ منصوب ہو گا إِذَا كَانَ بَعْدَ إِلَّا جب کس کے بعد آئے؟ إِلَّا کے بعد۔ اور إِلَّا تو کبھی کبھی صفت کے لیے بھی آجاتا ہے تو بتلا دیا غَيْرَ الصِّفَةِ اس حال میں کہ یہ إِلَّا صفت کے لیے نہ ہو بھئی، تو پھر اس صورت میں مستثنیٰ منصوب ہو گا فِي كَلَامٍ مُوجَبٍ کس کے اندر ہو؟ کلامِ موجب کے اندر ہو۔ کلامِ موجب کسے کہتے ہیں؟ جس میں نفی، نہی اور استفہام نہ ہو بھئی۔

آگے متن ذرا دیکھتے چلے جائیے، أَوْ مُقَدَّمًا عَلَى الْمُسْتَثْنَى مِنْهُ یا دوسری صورت یہ ہے کہ مستثنیٰ مقدم ہو مستثنیٰ منہ پر

تب بھی کیا ہو گا؟ منصوب۔ أَوْ مُنْقَطِعًا فِي الْأَكْثَرِ یا مستثنیٰ منقطع ہو تب بھی منصوب ہو گا فِي الْأَكْثَرِ اکثر لغات کے اندر بھئی، اکثر لغات کے اندر یعنی اکثر قبیلوں کی لغت میں عرب کے۔ أَوْ كَانَ بَعْدَ خَلَا وَعَدَا یا مستثنیٰ خَلَا یا عَدَا کے بعد ہو تو بھی منصوب ہو گا فِي الْأَكْثَرِ اکثر استعمالات کے اندر۔ کبھی کبھار مجرور بھی آئے گا بھئی خَلَا اور عَدَا کے بعد لیکن اکثر استعمالات میں کیا ہو گا؟ خَلَا اور عَدَا کے بعد بھی منصوب ہو گا۔ اسی طرح آگے دیکھیے أَوْ مَا خَلَا وَمَا عَدَا وَلَيْسَ وَلَا يَكُونُ اور ان چاروں کے بعد بھی مستثنیٰ منصوب ہو گا۔ تو نصب والی ساری صورتیں انہوں نے اکٹھی ذکر کر دیں بھئی۔

اب آئیے اس سارے کو شرح کے ساتھ دیکھیں۔ کہتے ہیں وَهُوَ أَيِ الْمُسْتَثْنَى مُطْلَقًا حَيْثُ عُلِمَ أَوَّلًا بِوَجْهٍ يُصَحِّحُ تَقْسِيمَهُ كَمَا عَرَفْتَ۔ بھئی یاد رکھو وَهُوَ یہ هُوَ ضمیر راجع ہے مستثنیٰ مطلق کو۔ مستثنیٰ کی دو قسمیں ہیں نا متصل اور منقطع، تو یہ متصل یا منقطع کو یہ ضمیر نہیں راجع بلکہ مطلق مستثنیٰ کو راجع ہے جو دونوں قسموں کو شامل ہے۔ تو مستثنیٰ، مستثنیٰ چاہے وہ متصل ہو چاہے منقطع دونوں کو شامل ہے، تو یہ ضمیر کس کو راجع ہے؟ مستثنیٰ مطلق کو راجع ہے بھئی مطلق کو۔ تو اس پر سوال پیدا ہوتا ہے کہ اے صاحبِ کافیہ آپ هُوَ ضمیر مستثنیٰ مطلق کی طرف راجع کر رہے ہیں، آپ نے ماقبل میں بھی مستثنیٰ کی تعریف نہیں کی تھی فوراً ہی اس کی تقسیم شروع کر دی تھی اور پھر جب اس کی دو قسمیں بیان، جب دو قسمیں آئیں تو آپ نے ان میں سے ہر ایک کی تعریف کر دی اور اب اس کے بعد اب آپ اعراب بیان کرنے لگے ہیں اور ابھی تک آپ نے مطلق مستثنیٰ کی تعریف نہیں کی۔ تو صاحبِ جامی اس کا جواب دیں گے کہ بھئی ماقبل میں جب الْمُسْتَثْنَى شروع میں کہا تھا تو وہیں سے ایک بات سمجھ میں آگئی تھی کہ الْمُسْتَثْنَى سے وہ اسم مراد ہے جس کو علمِ نحو والے مستثنیٰ کہتے ہیں یعنی کسی نہ کسی درجے میں مستثنیٰ کی سمجھ آگئی وہاں سے، تعریف کا تو پوری جامع مانع تعریف تو ذکر نہ ہوئی لیکن اس الْمُسْتَثْنَى کہنے سے ہی یہ بات سمجھ میں آگئی کہ اس اسم کا ذکر ہونے لگا ہے جس کو علمِ نحو میں مستثنیٰ کہا جاتا ہے۔ تو ایک دفعہ وہاں سے مستثنیٰ کی سمجھ آگئی مستثنیٰ مطلق سمجھ میں آگیا جس کو علمِ نحو میں مستثنیٰ کہتے ہیں۔ اور پھر آگے اس کی تقسیم کر دی کہ وہ دو قسم پر ہے متصل ہو گا یا منقطع، اور یہ دونوں کس کے بعد واقع ہوتے ہیں؟ چاہے متصل ہو چاہے منقطع یہ إِلَّا اور اس کے اخوات کے بعد واقع ہوتے ہیں، ان میں سے ایک قسم مخرج ہے اور ایک قسم مخرج نہیں ہے۔ تو لہٰذا جب شروع میں الْمُسْتَثْنَى کہا تو اس سے کسی نہ کسی درجے میں مستثنیٰ کا پتہ چل گیا کہ جس کو علمِ نحو والے مستثنیٰ کہتے ہیں۔ پھر جب دونوں قسموں کی تعریف کی اس سے یہ بھی پتہ چل گیا کہ مستثنیٰ جو بھی ہوتا ہے وہ ہمیشہ إِلَّا اور اس کے اخوات کے بعد واقع ہوتا ہے چاہے متصل ہو چاہے منقطع ہو، چاہے مخرج ہو چاہے مخرج نہ ہو، تو اس کی پہچان کافی حد تک ہو گئی لہٰذا اب تعریف کرنے کی کوئی حاجت نہیں، فوراً ہی اس کا اعراب بیان کرنا شروع کر دیا۔ اور نیز اس لیے بھی اس لیے بھی کہ بھئی مطلقِ مستثنیٰ جو ہے اس کے کوئی الگ احکام نہیں ہیں، مطلقِ مستثنیٰ کے کوئی الگ احکام نہیں ہیں، اس

کی دو قسمیں جو ہیں متصل اور منقطع، متصل کے بھی الگ احکام، منقطع کے بھی الگ احکام لیکن مطلق مستثنیٰ جو ہے جس میں یہ دونوں شامل ہوں اس کے کوئی اور الگ خاص احکام نہیں ہیں لہٰذا اس کی حاجت نہیں ہے اس کو ذکر کرنے کی بھئی، جتنا سمجھ میں آگیا وہی کافی ہے لہٰذا اس کی تعریف نہیں کی اور اس کا اعراب بیان کرنا شروع کر دیا۔ تو کہتے ہیں وَهُوَ أَيِ الْمُسْتَثْنَى مُطْلَقًا یعنی کہ مستثنیٰ جو ہے مطلقاً یعنی اس میں

متصل اور منقطع کی قید نہ ہو بھئی۔ وہ جو ہے حَيْثُ عُلِمَ أَوَّلًا اس طور پر کہ اس کو پہلے جان لیا گیا، بِوَجْهٍ ایسے طریقے پر، يُصَحِّحُ تَقْسِيمَهُ جو صحیح کر دیتا ہے اس کی تقسیم کو۔ مستثنیٰ مطلق کو پہلے شروع میں جب مستثنیٰ کہا وہیں سے جان لیا گیا تھا کہ جس کو علمِ نحو میں مستثنیٰ کہتے ہیں، تو مستثنیٰ کو ایسے طریقے پر جان لیا گیا کہ اس کی تقسیم صحیح ہو جاتی ہے یعنی کسی نہ کسی درجے میں اس کو جان لیا گیا۔

تو کہتے ہیں أَيِ الْمُسْتَثْنَى مُطْلَقًا یعنی مستثنیٰ اس حال میں کہ جب وہ مطلق ہو یعنی اس میں متصل اور منقطع کی قید نہ ہو، حَيْثُ عُلِمَ أَوَّلًا اس طور پر کہ یہ مستثنیٰ مطلق جو ہے اولاً معلوم ہو گیا بِوَجْهٍ ایسے طریقے پر کہ يُصَحِّحُ تَقْسِيمَهُ کہ اس کی تقسیم کرنا صحیح ہے، ایسے طریقے پر معلوم ہوا کہ اس کی تقسیم کرنا صحیح ہو گیا تھا، كَمَا عَرَفْتَ جیسے کہ آپ جان چکے ہیں بھئی، جیسے کہ آپ نے جان لیا۔ وَثَانِيًا اور ثانیاً جو ہے اس مستثنیٰ کو جان لیا گیا، توجہ ہے؟ ثَانِيًا کا عطف پیچھے جو آیا نا أَوَّلًا اس پر ہے، حَيْثُ عُلِمَ أَوَّلًا اور حَيْثُ عُلِمَ ثَانِيًا اور اس طور پر کہ مستثنیٰ مطلق جو ہے اس کو دوسری مرتبہ جان لیا گیا بِمَا يُتَفَطَّنُ لَهُ مِنْ تَعْرِيفِ قِسْمَيْهِ وہ جو معلوم ہوتا ہے، يُتَفَطَّنُ أَيْ يُعْلَمُ وہ جو سمجھ میں آتا ہے جو جانا جاتا ہے لَهُ کس کو؟ مستثنیٰ کو۔ وہ دوسری مرتبہ اس کو جان لیا گیا بِمَا يُتَفَطَّنُ لَهُ وہ جو معلوم ہو جاتا ہے مِنْ تَعْرِيفِ قِسْمَيْهِ اپنی دونوں قسموں کی تعریف سے۔ دونوں قسموں کی تعریف سے مطلق مستثنیٰ کا کچھ نہ کچھ پتہ چل گیا۔ کیا پتہ چلا؟ کہ وہ ہمیشہ کس کے بعد ہو گا؟ إِلَّا اور اس کے اخوات کے بعد ہو گا چاہے متصل ہو چاہے منقطع ہو۔

پھر ترجمہ دیکھو، وَثَانِيًا بِمَا يُتَفَطَّنُ لَهُ مِنْ تَعْرِيفِ قِسْمَيْهِ اور یہ جو مطلق مستثنیٰ ہے دوسری مرتبہ اس کو جان لیا گیا جو وہ سمجھ میں آیا مِنْ تَعْرِيفِ قِسْمَيْهِ اس کی دونوں قسموں کی تعریف سے، أَعْنِي الْمَذْكُورَ بَعْدَ إِلَّا وَأَخَوَاتِهَا یعنی یہ کہ یہ مستثنیٰ مطلق وہ ہے جو مذکور ہوتا ہے إِلَّا اور اس کے اخوات کے بعد، سَوَاءٌ كَانَ مُخْرَجًا أَوْ غَيْرَ مُخْرَجٍ برابر ہے کہ وہ مخرج ہو یا غیرِ مخرج ہو، جو بھی ہو، ہو گا کس کے بعد ہمیشہ؟ إِلَّا اور اس کے اخوات کے بعد بھئی۔ وَلِهٰذَا لَمْ يُعَرِّفْهُ عَلَى حِدَةٍ اسی لیے ماتن نے اس کی علیحدہ تعریف نہیں کی، رَوْمًا لِلِاخْتِصَارِ اختصار کا ارادہ کرتے ہوئے۔ رَوْم بھئی رَامَ يَرُومُ رَوْمًا کا معنی ہے ارادہ کرنا، اسی سے مرام ہے، مرام کا معنی ہے مقصود بھئی۔ تو علیحدہ اس کی تعریف نہیں کی رَوْمًا لِلِاخْتِصَارِ اختصار کا ارادہ کرتے ہوئے تاکہ کلام مختصر رہے بھئی، کیونکہ یہ متن ہے بلا ضرورت لمبی بات کرنے کی یہاں حاجت نہیں ہے بھئی۔ تو دو جگہ سے مستثنیٰ مطلق ہمیں سمجھ میں آرہا تھا اس لیے اس کی تعریف ذکر نہیں کی بھئی۔

آگے دیکھیے، مَنْصُوبٌ وُجُوبًا إِذَا كَانَ وَاقِعًا بَعْدَ إِلَّا یعنی مستثنیٰ منصوب ہو گا وجوباً بھئی۔ بھئی ایک قسم مستثنیٰ کی آئی تھی وہ جو میں نے نقشہ بنوایا تھا کہ جب مستثنیٰ متصل ہو اور کلام کون سا ہو؟ غیرِ موجب ہو اور مستثنیٰ مقدم نہ ہو اور مستثنیٰ منہ مذکور ہو تو وہاں دو اعراب جائز تھے۔ نصب بھی جائز تھا اور بدل بنانا بھی جائز تھا، توجہ ہے؟ تو دیکھو وہاں پر نصب واجب نہیں تھا، لیکن یہ جو قسم بیان کر رہے ہیں باقی قسموں کے اندر نصب واجب ہے اسی لیے یہاں وجوب کی قید لگائی۔ تو کہتے ہیں مَنْصُوبٌ وُجُوبًا اور مستثنیٰ جو ہے وہ منصوب ہو گا لازمی طور پر، إِذَا كَانَ وَاقِعًا بَعْدَ إِلَّا جب وہ کس کے بعد واقع ہو؟ إِلَّا کے بعد واقع ہو، لَا بَعْدَ غَيْرٍ وَسِوًى وَغَيْرِهِمَا یعنی غَيْرٌ، سِوًى وغیرہ ان کے بعد واقع نہ ہو، إِلَّا کے بعد ہو۔

غَيْرَ الصِّفَةِ اس حال میں کہ وہ صفت کے علاوہ ہو۔ میں نے بتایا إِلَّا کبھی کبھار صفت کے لیے بھی آتا ہے، وضع تو یہ استثنا کے لیے ہے لیکن کبھی صفت کے لیے بھی آجاتا ہے، تو طالبِ علم کہیں یہ نہ سمجھے کہ جب بھی إِلَّا کے بعد کوئی لفظ آئے گا اور کلامِ موجب میں آئے گا تو وہ منصوب ہو گا، لہٰذا غَيْرَ الصِّفَةِ کی قید لگا دی۔ کیا قید لگا دی؟ کہ وہ إِلَّا کون سا ہونا چاہیے؟ صفت والا نہ ہو بھئی۔ کہتے ہیں غَيْرَ الصِّفَةِ یہ حال بنائیں اس کو منصوب پڑھیں بھئی۔ توجہ ہے؟ غَيْرَ الصِّفَةِ۔ نیز بعض کہتے ہیں غَيْرِ الصِّفَةِ پڑھنا بھی یہاں صحیح ہے، غَيْرِ الصِّفَةِ پڑھنا بھی صحیح ہے یعنی اس کو إِلَّا کی صفت بنا دو اور إِلَّا تو مضاف الیہ ہے بَعْدَ إِلَّا، بَعْدَ مضاف إِلَّا مضاف الیہ، تو موصوف مجرور تو غَيْرِ الصِّفَةِ اس کی صفت بھی کیا ہو گی؟ مجرور۔ اس پر اشکال ہوتا ہے کہ إِلَّا، إِلَّا سے تو لفظِ إِلَّا مراد ہے، تو یہ تو معرفہ ہے بھئی، یہ معرفہ ہے اور غَيْرِ الصِّفَةِ، غَيْر کی اضافت تو معرفہ کی طرف ہو جائے پھر بھی یہ کیا رہتا ہے؟ نکرہ رہتا ہے، تو یہ تو موصوف صفت میں مطابقت نہیں ہے، یہ کیسے اس کی صفت بن گئی؟ تو جواب یاد رکھنا بعض علما فرماتے ہیں کہ غَيْر کی اضافت جب کسی چیز کی ضد کی طرف کر دی جائے تو پھر وہ معرفہ بن جاتا ہے۔ إِلَّا میں دو ہی صورتیں تھیں یا وہ استثنا کے لیے ہو گا یا صفت کے لیے، تو جب غَيْرِ الصِّفَةِ کہا تو معلوم ہوا کون سا مراد ہے؟ استثنا والا، تو یہ معرفہ بن گیا بھئی، کیا بن گیا؟ معرفہ بن گیا، یہ بعض علما فرماتے ہیں تو اس صورت میں اس کو صفت بھی بنا سکتے ہیں اور غَيْرِ الصِّفَةِ بھی پڑھ سکتے ہیں۔ لیکن عام علما فرماتے ہیں کہ نہیں یہ معرفہ نہیں بنتا تو اس صورت میں پھر اس پر غَيْرَ الصِّفَةِ پڑھیں حال بنائیں، تو اس کو حال بنائیں بھئی غَيْرَ الصِّفَةِ۔

بھئی یہاں اور بعض شارحین نے اعتراض کیا ہے، اعتراض کیا کہ بحث چل رہی ہے مستثنیٰ کی، دیکھو وَهُوَ مَنْصُوبٌ یہ هُوَ ضمیر بھی کس کو راجع کی؟ مستثنیٰ کو راجع کی، کس کو؟ تو مستثنیٰ کی بحث چل رہی ہے تو بَعْدَ إِلَّا تو إِلَّا کے بعد کون آئے گا؟ مستثنیٰ ہی آئے گا نا اور تو کسی کی بات ہی نہیں چل رہی۔ تو لہٰذا ماتن کو غَيْرَ الصِّفَةِ نہیں کہنا چاہیے تھا، یہ لفظ وہ زائد لے آئے اور ان کو پتہ بھی نہیں چلا۔ توجہ ہے؟ یہ اشکال ہوا۔ صاحبِ جامی میں نے بتلایا عجیب شرح ہے ان کی بھئی، وہ صاحبِ کافیہ پر ہونے والے ہر اعتراض کا بہترین جواب ذکر فرماتے ہوئے آگے چلے جاتے ہیں۔ صاحبِ جامی فرماتے ہیں کہ نہیں کوئی اشکال نہیں ہوتا کہ غَيْرَ الصِّفَةِ کا لفظ زائد ہے بلکہ بحث تو ٹھیک ہے مستثنیٰ کی چل رہی ہے اور اس إِلَّا کے

بعد جو آئے گا وہ بھی کیا ہو گا؟ مستثنیٰ ہی ہو گا یہ إِلَّا صفت والا نہیں، لیکن پھر بھی صاحبِ کافیہ نے غَيْرَ الصِّفَةِ کو صرف اس لیے ذکر کیا تاکہ کہیں طالبِ علم سے ذہول نہ ہو جائے، اس کی بے توجہی نہ ہو جائے، وہ کہیں یہ نہ سمجھ بیٹھے بے خیالی میں اس کے ذہن میں یہ بات نہ آجائے کہ إِلَّا کے بعد کلامِ موجب میں جو بھی آئے گا اس پر کیا پڑھنا ہے؟ نصب پڑھنا ہے۔ بتلا دیا کہ نہیں غَيْرَ الصِّفَةِ صفت کے علاوہ بھئی۔ توجہ ہے؟ تو یہ اس لیے ذکر کیا تاکہ طالبِ علم کے ذہن سے یہ بات نہ نکل جائے بھئی، ورنہ بات تو واضح تھی لیکن پھر بھی یہ پڑھنے والے کون ہیں؟ طلبا ہوں گے، تو کہیں ایسا نہ ہو ان کے ذہن سے یہ بات نکل جائے بھئی۔

تو کہتے ہیں غَيْرَ الصِّفَةِ، قَيَّدَ بِهِ دیکھو اب جواب دے رہے ہیں، صاحبِ کافیہ نے اس کو قید کیا اس غَيْرَ الصِّفَةِ کے ساتھ، اس بَعْدَ إِلَّا کو قید کیا کس کے ساتھ؟ غَيْرَ الصِّفَةِ یعنی یہ والا لفظ بیچ میں لے کر آئے وَإِنْ لَمْ يَكُنِ الْوَاقِعُ بَعْدَ إِلَّا الَّتِي لِلصِّفَةِ دَاخِلًا فِي الْمُسْتَثْنَى۔ وَإِنْ لَمْ يَكُنِ الْوَاقِعُ بَعْدَ إِلَّا اگرچہ نہیں ہوتا وہ جو واقع ہوتا ہے اس إِلَّا کے بعد الَّتِي لِلصِّفَةِ جو کس کے لیے ہو؟ صفت کے لیے، دَاخِلًا فِي الْمُسْتَثْنَى مستثنیٰ میں داخل۔ بھئی ادھر دیکھیے، کہتے ہیں بات کس کی چل رہی ہے؟ مستثنیٰ کی۔ صاحبِ جامی فرما رہے ہیں کہ اگرچہ یہ بات ظاہر ہے کہ وہ إِلَّا جو صفت کے لیے آتا ہے اس کے بعد جو بھی لفظ آئے گا وہ مستثنیٰ نہیں ہے بھئی، وہ مستثنیٰ نہیں ہے، توجہ ہے؟ إِلَّا اکثر کس کے لیے آتا ہے؟ استثنا کے لیے۔ اس صورت میں جو اس کے بعد آئے گا وہ ہو گا مستثنیٰ۔ لیکن إِلَّا کبھی کبھار صفت کے لیے بھی آتا ہے اس صورت میں جو إِلَّا کے بعد ہو گا وہ مستثنیٰ نہیں ہے۔ تو یہاں بات کس کی چل رہی ہے؟ مستثنیٰ کی۔ جب مستثنیٰ کی بات چل رہی ہے تو جب کہا وہ جو إِلَّا کے بعد آئے تو معلوم ہوا إِلَّا کے بعد جو آئے گا وہ کون ہو گا؟ مستثنیٰ ہو گا، مستثنیٰ ہو گا۔ معلوم ہوا اس إِلَّا سے وہ والا إِلَّا مراد نہیں ہے جو صفت کے لیے ہو کیونکہ وہ إِلَّا جو صفت کے لیے ہوتا ہے اس کے بعد جو آتا ہے وہ تو مستثنیٰ نہیں ہوتا، وہ تو مستثنیٰ نہیں ہوتا۔ لہٰذا بظاہر یہ قید نہیں لگانی چاہیے تھی۔ توجہ ہے؟ پھر کیا بات ہوئی کہ یہ بات کس کی چل رہی ہے مستثنیٰ کی اور وہ مستثنیٰ اس إِلَّا کے بعد آئے گا جو إِلَّا کس لیے آیا ہو؟ استثنا کے لیے، اور اگر إِلَّا صفت کے لیے آیا ہو تو اس کے بعد جو آئے گا وہ تو مستثنیٰ ہے ہی نہیں، وہ تو اس بحث سے ہی خارج ہو گیا کیونکہ جب کہا وَهُوَ مَنْصُوبٌ مستثنیٰ کیا ہو گا؟ منصوب، تو وہ إِلَّا جو صفت کے لیے آیا ہے اس کے بعد تو جو آرہا ہے وہ تو مستثنیٰ ہے ہی نہیں، اس پر تو یہ حکم لگا ہی نہیں رہے، پھر اس غَيْرَ الصِّفَةِ کی قید لگانے کی حاجت کیوں پیش آگئی؟ تو صاحبِ جامی اس کا جواب دے رہے ہیں کہ بھئی ٹھیک ہے اگرچہ وہ إِلَّا جو صفت کے لیے آئے اس کے بعد جو واقع ہو گا وہ تو مستثنیٰ ہے ہی نہیں، وہ اس بحث سے ہی خارج ہے، لیکن پھر بھی کہیں طالبِ علم کے ذہن سے یہ بات نکل نہ جائے اس لیے غَيْرَ الصِّفَةِ کی وضاحت کر دی صاحبِ کافیہ نے۔ بات سمجھ میں آگئی؟

کہتے ہیں قَيَّدَ بِهِ ماتن نے اس کے ساتھ اس کلام کو مقید کیا وَإِنْ لَمْ يَكُنِ الْوَاقِعُ بَعْدَ إِلَّا الَّتِي لِلصِّفَةِ دَاخِلًا فِي الْمُسْتَثْنَى

اگرچہ وہ جو واقع ہوتا ہے اس إِلَّا کے بعد جو صفت کے لیے آتا ہے وہ اگرچہ داخل نہیں ہے مستثنیٰ میں۔ عبارت سمجھ میں آئی؟ وَإِنْ لَمْ يَكُنِ الْوَاقِعُ بَعْدَ إِلَّا اگرچہ وہ جو إِلَّا کے بعد واقع ہے وہ نہیں ہے، وہ جو واقع ہے إِلَّا کے بعد الَّتِي لِلصِّفَةِ وہ إِلَّا جو کس لیے آیا ہے؟ صفت۔ تو وہ إِلَّا جو صفت کے لیے آیا ہے اس کے بعد جو واقع ہو رہا ہے وہ نہیں ہے دَاخِلًا فِي الْمُسْتَثْنَى مستثنیٰ میں داخل، وہ مستثنیٰ میں داخل نہیں ہے، لِئَلَّا يُذْهَلَ عَنْهُ تاکہ کہیں طالبِ علم سے ذہول نہ ہو جائے، تاکہ کہیں طالبِ علم کے ذہن سے یہ بات نکل نہ جائے۔

کیا بات ہوئی؟ بات بھی پتہ نہیں واضح ہوئی یا نہیں اس لیے میں بار بار دہرا رہا ہوں۔ بات کس کی چل رہی ہے؟ مستثنیٰ کی۔ اور وہ إِلَّا جو صفت کے لیے آئے اس کے بعد جو واقع ہوتا ہے وہ تو مستثنیٰ ہوتا ہی نہیں ہے، وہ تو خود ہی نکل گیا۔ لہٰذا غَيْرَ الصِّفَةِ کی قید نہیں لگانی چاہیے تھی۔ لیکن صاحبِ جامی فرماتے ہیں اگرچہ وہ داخل نہیں ہوتا لیکن پھر بھی صاحبِ کافیہ نے ذکر فرما دیا تاکہ کہیں طالبِ علم کے ذہن سے یہ بات نکل نہ جائے اور وہ ہر جگہ إِلَّا کے بعد نصب ہی نہ پڑھنا شروع کر دے۔

آگے دیکھیے، فِي كَلَامٍ مُوجَبٍ کس کے اندر آئے؟ کلامِ موجب کے اندر آئے۔ أَيْ لَيْسَ بِنَفْيٍ وَلَا نَهْيٍ وَلَا اسْتِفْهَامٍ کہ یعنی جو نفی اور نہی اور استفہام نہ ہو۔ نَحْوُ جَاءَنِي الْقَوْمُ إِلَّا زَيْدًا وہ لوگ میرے پاس آئے سوائے زید کے۔ دیکھو اس کے اندر جَاءَنِي الْقَوْمُ إِلَّا زَيْدًا نہ اس کے اندر کوئی حرفِ نفی ہے، نہ یہ نہی ہے اور نہ ہی اس کے اندر استفہام ہے، تو یہ زَيْدًا کیا ہو گا؟ منصوب ہو گا وجوباً۔

آگے دیکھیے، وَاحْتَرَزَ بِهِ عَمَّا إِذَا وَقَعَ فِي كَلَامٍ غَيْرِ مُوجَبٍ۔ کہتے ہیں وَاحْتَرَزَ بِهِ اور اس قید کے ذریعے، اس قید کے ذریعے، یہ جو کہا نا فِي كَلَامٍ مُوجَبٍ یہ إِلَّا کس میں ہو؟ کلامِ موجب میں ہو۔ وَاحْتَرَزَ بِهِ اس قید کے ذریعے احتراز کیا عَمَّا اس مستثنیٰ سے إِذَا وَقَعَ فِي كَلَامٍ غَيْرِ مُوجَبٍ جب وہ واقع ہو کلامِ غیرِ موجب میں۔ جب کلامِ غیرِ موجب میں واقع ہو تو پھر اس کے اندر نصب واجب نہیں ہے جیسے کہ آپ نے نقشے میں تفصیل پڑھی تھی بھئی۔ تو کہتے ہیں وَاحْتَرَزَ بِهِ عَمَّا إِذَا وَقَعَ فِي كَلَامٍ غَيْرِ مُوجَبٍ اور احتراز کیا اس قید کے ذریعے مستثنیٰ سے جب وہ واقع ہو کلامِ غیرِ موجب میں، لِأَنَّهُ لَيْسَ حِينَئِذٍ وَاجِبَ النَّصْبِ عَلَى مَا سَيَجِيءُ اس لیے کیونکہ مستثنیٰ اس وقت واجب النصب نہیں ہوتا بوجہ اس کے جو عنقریب آگے آجائے گا یعنی جو آگے ہم تفصیل بیان کریں گے۔

وَلَا حَاجَةَ هَاهُنَا إِلَى قَيْدٍ آخَرَ۔ جی یہاں بھی ایک اور بعض شارحین نے کہا تھا اعتراض کیا تھا صاحبِ کافیہ کی عبارت پر۔ انہوں نے کہا تھا فِي كَلَامٍ مُوجَبٍ تَامٍّ یہاں ایک اور قید بھی ہونی چاہیے تھی۔ فِي كَلَامٍ مُوجَبٍ تَامٍّ ایسا کلامِ موجب جو تام ہو بھئی، تام ہو۔ تام ہونے کا کیا معنی؟ یعنی جس میں مستثنیٰ منہ مذکور ہو۔ توجہ ہے؟ بعض شارحین نے کہا کہ صاحبِ کافیہ کی عبارت میں کمی ہے، صاحبِ کافیہ نے کہا فِي كَلَامٍ مُوجَبٍ یہاں ان کو ایک اور قید تَامٍّ بھی ذکر کرنی چاہیے تھی کہ وہ

مستثنیٰ کس میں واقع ہو رہا ہو جو إِلَّا کے بعد آیا ہے؟ فِي كَلَامٍ مُوجَبٍ تَامٍّ کلامِ موجب تام کے اندر، یعنی وہ تام ہو، غیرِ تام نہ ہو۔ اور تام ہونے کا کیا معنی؟ کہتے ہیں تام ہونے کا معنی یہ ہے کہ مستثنیٰ منہ کلام میں مذکور ہو، مستثنیٰ منہ کلام میں مذکور ہو۔ تو یہ قید بڑھانی چاہیے تھی تاکہ اس جیسی مثالیں نکل جائیں، اگلی سطر میں آ رہا ہے قَرَأْتُ إِلَّا يَوْمَ كَذَا۔ مثال مل گئی؟ قَرَأْتُ إِلَّا يَوْمَ كَذَا، تاکہ اس جیسی مثالیں نکل جائیں۔ وجہ یہ کہ اس کے اندر یہ جو يَوْمَ ہے یہ منصوب ہے اور یہ مستثنیٰ ہونے کی وجہ سے منصوب نہیں ہے بلکہ یہ مفعول فیہ ہونے کی وجہ سے منصوب ہے، یہ ظرف ہے۔ توجہ ہے؟ اور دیکھو قَرَأْتُ اور إِلَّا یہاں درمیان میں مستثنیٰ منہ محذوف ہے، مذکور نہیں، مذکور نہیں۔ توجہ ہے؟ یوں کرو یہاں ذرا مستثنیٰ منہ لے آؤ، قَرَأْتُ شَهْرًا میں نے ایک مہینے تک پڑھا إِلَّا يَوْمَ كَذَا مگر اتنے دن۔ آپ کسی کو کوئی بتلانا چاہتے ہیں یہ کتاب میں نے پورا مہینہ پڑھی لیکن چند دن چھوڑ کر، تو آپ اس کو کیا کہتے ہیں؟ قَرَأْتُ شَهْرًا إِلَّا يَوْمَ كَذَا۔ تو قَرَأْتُ فعل با فاعل، تَا ضمیر اس کے اندر مرفوع محلاً اس کا فاعل، اور شَهْرًا یہ کیا بنے گا؟ مفعول فیہ بنے گا۔ جب مفعول فیہ یہ بن گیا تو إِلَّا يَوْمَ كَذَا اب یہ يَوْمَ مفعول فیہ نہیں بن سکتا، مفعول فیہ تو ایک ہوتا ہے جس کو فعل نصب دیتا ہے۔ تو یہ شَهْرًا مستثنیٰ منہ ہے اور اس سے إِلَّا يَوْمَ كَذَا کا استثنا کیا جا رہا ہے۔ تو دیکھو مستثنیٰ منہ مذکور ہے، تو یہ شَهْرًا کیا ہوا؟ منصوب لفظاً ہے یہ مفعول فیہ ہے، اور إِلَّا حرفِ استثنا اور یہ يَوْمَ منصوب ہے بنا بر استثنا کے، مستثنیٰ ہونے کی وجہ سے منصوب ہے، مفعول فیہ ہونے کی وجہ سے منصوب نہیں۔ اب اس میں سے ذرا شَهْرًا کو حذف کر دو، قَرَأْتُ إِلَّا يَوْمَ كَذَا۔ اب قَرَأْتُ فعل با فاعل اور آگے إِلَّا حرفِ استثنا اور يَوْمَ كَذَا یہ بن جائے گا مفعول فیہ۔ پہلے شَهْرًا مفعول فیہ تھا اور يَوْمَ كَذَا مستثنیٰ تھا، اب يَوْمَ كَذَا کیا بن جائے گا؟ مفعول فیہ بن جائے گا، ظرف۔ تو اس کا نصب مستثنیٰ ہونے کی وجہ سے آیا یا اب مفعول فیہ ہونے کی وجہ سے ہے؟ جب شَهْرًا کو آپ نے حذف کر لیا، تو اب اس کا نصب مفعول فیہ ہونے کی وجہ سے ہے، مستثنیٰ ہونے کی وجہ سے نہیں ہے۔ توجہ ہے؟ تو سنو اب اعتراض سنو، بعض شارحین نے اعتراض کیا صاحبِ کافیہ پر کہ آپ کو فِي كَلَامٍ مُوجَبٍ تَامٍّ کہنا چاہیے تھا۔ کلامِ موجب تام ہو اور تام ہونے کا کیا معنی؟ کہ مستثنیٰ منہ مذکور ہو۔ جب مستثنیٰ منہ مذکور ہو گا تو شَهْرًا جو ہے مثلاً وہ مفعول فیہ بنے گا اور إِلَّا يَوْمَ كَذَا کیا بنے گا؟ مستثنیٰ بنے گا، تو اس کا نصب مستثنیٰ ہونے کی وجہ سے ہے، اب آپ کی تعریف میں یہ داخل ہو گیا، آپ نے بھی کیا کہا؟ مستثنیٰ کیا ہو گا؟ منصوب ہو گا۔ اور اگر آپ یہ قید نہیں لگاتے تو قَرَأْتُ إِلَّا يَوْمَ كَذَا اب بھی يَوْمَ كَذَا منصوب تو ہے لیکن کیوں منصوب ہے؟ قَرَأْتُ إِلَّا يَوْمَ كَذَا اب يَوْمَ کیوں منصوب ہے؟ مفعول فیہ ہونے کی وجہ سے کیونکہ مفعول فیہ جو پیچھے تھا اس کو تو آپ نے حذف کر لیا اب یہ مفعول فیہ بن گیا، پہلے مفعول فیہ شَهْرًا تھا اب یہ، تو اب دیکھو یہ مفعول فیہ ہونے کی بنا پر منصوب ہے مستثنیٰ ہونے کی بنا پر منصوب نہیں۔ تو لہٰذا تام کی قید لگاتے کہ مستثنیٰ منہ کو ذکر ہونا چاہیے، اگر ذکر نہیں ہو گا تو پھر نصب مستثنیٰ ہونے کی وجہ سے نہیں آئے گا۔ اشکال سمجھ میں آ گیا؟

تو صاحبِ جامی بتلائیں گے، صاحبِ جامی اس کا جواب دیں گے۔ جواب یہ دیں گے کہ نہیں بھئی، یہ قید لگانے کی کوئی حاجت نہیں۔ وجہ یہ کہ یہاں پر صاحبِ کافیہ جو ہے صرف یہ بیان کرنا چاہتے ہیں کہ إِلَّا اور اس کے اخوات کا مابعد منصوب

ہو گا وجوباً، وجوباً منصوب ہو گا، مستثنیٰ ہونے کی بنا پر منصوب ہو یہ نہیں بتلانا چاہتے۔ بھئی کس کو ذکر کر رہے ہیں؟ إِلَّا کے بعد آئے تو وہ کیا ہو گا؟ منصوب ہو گا، تو وہ یہ نہیں بتانا چاہتے کہ مستثنیٰ ہونے کی وجہ سے منصوب ہو گا بلکہ صرف کیا بتلانا چاہتے ہیں؟ وہ منصوب ہو گا، بس جس وجہ سے بھی منصوب ہو اس سے ہماری بحث نہیں۔ تو قَرَأْتُ إِلَّا يَوْمَ كَذَا اس میں بھی دیکھو منصوب ہے یا نہیں؟ بے شک مستثنیٰ ہونے کی وجہ سے نہیں ہے مفعول فیہ ہونے کی وجہ سے ہے لیکن ہے تو منصوب۔ وہ بھی صرف یہ بتلانا چاہتے ہیں، وہ جگہ بتلا رہے ہیں جہاں وہ منصوب ہو گا، مستثنیٰ ہونا اس کا ضروری نہیں یعنی مستثنیٰ کی وجہ سے اس کا نصب ضروری نہیں۔ بھئی کیا دلیل ہے کہ وہ مطلق نصب بیان کرنا چاہتے ہیں مستثنیٰ کی وجہ سے نصب بیان نہیں کرنا چاہتے؟ کہتے ہیں آپ خود دیکھ لیں آگے یہ جو ہم نے ابھی متن متن پڑھا تھا اسی میں آیا تھا خَلَا اور عَدَا کے بعد بھی کیا ہوتا ہے مستثنیٰ؟ منصوب ہوتا ہے۔ توجہ ہے؟ اسی عبارت میں آگے چل کر کیا ذکر کیا کہ خَلَا اور عَدَا کے بعد بھی مستثنیٰ منصوب ہو گا۔ حالانکہ یاد رکھنا خَلَا اور عَدَا کے بعد جو نصب آتا ہے نا وہ مفعول بہ ہونے کی وجہ سے ہے۔ خَلَا اور عَدَا فعل ہیں، توجہ ہے؟ خَلَا اور عَدَا فعل ہیں اور فعل جیسے فاعل کو رفع دیتا ہے مفعول کو نصب، تو خَلَا اور عَدَا کے بعد جو منصوب آتا ہے وہ مستثنیٰ ہونے کی وجہ سے منصوب نہیں بلکہ کس وجہ سے منصوب ہے؟ مفعول بہ ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔ توجہ ہے؟ تو وہاں پر جو نصب آیا وہ مستثنیٰ ہونے کی وجہ سے آیا یا مفعول بہ ہونے کی وجہ سے؟ مفعول بہ ہونے کی وجہ سے۔ خَلَا اور عَدَا کے بعد جو نصب آیا ہے وہ مستثنیٰ ہونے کی وجہ سے نہیں آیا بلکہ مفعول بہ ہونے کی وجہ سے نصب آیا۔ معلوم ہوا یہاں جو نصب ذکر ہے مطلق نصب مراد ہے وہ نصب نہیں ہے جو کس پر ہو؟ مستثنیٰ پر ہو، وہ مراد نہیں ہے۔ توجہ ہے؟ بھئی مستثنیٰ منصوب ہوتا ہے، جو خَلَا اور عَدَا کے بعد ہے وہ بھی کیا ہو گا؟ منصوب، لیکن وہ نصب مستثنیٰ ہونے کی وجہ سے نہیں ہے بلکہ کس وجہ سے ہے؟ مفعول بہ ہونے کی وجہ سے ہے۔ اسی طرح یاد رکھو، توجہ سے سنو، آگے لَيْسَ اور لَا يَكُونُ کے بعد بھی مستثنیٰ کیا ہو گا؟ منصوب ہو گا، توجہ ہے؟ لیکن وہ مستثنیٰ ہونے کی وجہ سے نصب نہیں ہے بلکہ لَيْسَ اور لَا يَكُونُ یہ افعالِ ناقصہ میں سے ہیں، توجہ ہے؟ اور افعالِ ناقصہ کیا عمل کرتے ہیں؟ اپنے اسم کو رفع دیتے ہیں اور خبر کو نصب دیتے ہیں، تو ان کے بعد جو مستثنیٰ منصوب ہو گا وہ ان کی خبر ہونے کی بنا پر ہو گا۔ بات سمجھ میں آئی؟ توجہ نہیں، توجہ نہیں۔

پھر سنو، یہاں صاحبِ کافیہ پر بعض شارحین نے اعتراض کیا کہ انہوں نے فِي كَلَامٍ مُوجَبٍ کہا تو وہ شارحین فرماتے ہیں فِي كَلَامٍ مُوجَبٍ تَامٍّ کہنا چاہیے تھا۔ بھئی تامٍّ کیوں کہنا چاہیے تھا؟ کہتے ہیں تاکہ قَرَأْتُ إِلَّا يَوْمَ كَذَا یہ مثالیں اس سے نکل جائیں، اس مثال کو نکلنا چاہیے کیونکہ إِلَّا يَوْمَ كَذَا یہ يَوْمَ پر نصب جو ہے وہ مستثنیٰ ہونے کی وجہ سے نہیں ہے بلکہ مفعول فیہ ہونے کی، ظرف ہونے کی وجہ سے اس پر نصب ہے۔ توجہ ہے؟ تو اس پر ظرف ہونے کی وجہ سے اس پر نصب آ رہا ہے اور یہاں پر وہ صاحبِ کافیہ کون سا نصب ذکر کرنا چاہ رہے ہیں؟ وہ نصب جو مستثنیٰ ہونے کی وجہ سے آئے، توجہ ہے؟ تو تام کی قید لگائیں گے تو اس جیسی مثال نکل گئی۔ ہاں اگر اس میں شَهْرًا ہوتا قَرَأْتُ شَهْرًا إِلَّا يَوْمَ كَذَا پھر اس کا نصب

مستثنیٰ ہونے کی وجہ سے ہے اور اس کو داخل بھی ہونا چاہیے تھا تو فِي كَلَامٍ مُوجَبٍ تَامٍّ کہتے تو وہ داخل ہو جاتا۔ تو صاحبِ جامی نے جواب دیا کہ نہیں بھئی، صاحبِ کافیہ مطلق نصب بیان کرنا چاہتے ہیں۔ إِلَّا اور کلماتِ استثنا کے بعد مطلقاً نصب بیان کرنا چاہتے ہیں، کن صورتوں میں وجوباً نصب آئے گا۔ مستثنیٰ ہونے کی وجہ سے نصب آرہا ہو وہ بیان کرنا ان کا مقصد نہیں ہے۔ کیوں؟ بھئی کیا دلیل ہے آپ کے پاس؟ تو بتایا کہ آگے خَلَا اور عَدَا کو بھی ذکر کر رہے ہیں اور لَيْسَ اور لَا يَكُونُ کو بھی ذکر کر رہے ہیں۔ ان کے بعد جو آئے گا مستثنیٰ وہ کیا ہو گا؟ منصوب، اس پر بھی نصب آئے گا لیکن مستثنیٰ ہونے کی وجہ سے نصب نہیں آئے گا۔ خَلَا اور عَدَا کے بعد جو نصب آئے گا وہ مفعول بہ ہونے کی وجہ سے آئے گا اور لَيْسَ اور لَا يَكُونُ کے بعد جو نصب آئے گا وہ ان کی خبر ہونے کی بنا پر آئے گا کیونکہ ان کی خبر کیا ہوتی ہے؟ منصوب ہوتی ہے۔ تو لہٰذا یہ مثال بھی داخل ہو گئی قَرَأْتُ إِلَّا يَوْمَ كَذَا۔ یہ کلامِ موجب ہے، یہ کلامِ موجب اور إِلَّا کے بعد کیا آرہا ہے؟ نصب آرہا ہے، چاہے جس وجہ سے بھی آئے لیکن آتو نصب رہا ہے لہٰذا یہ مثال بھی داخل ہو گئی اس کو نکالنے کی کوئی حاجت ہی نہیں۔ بات سمجھ میں آئی کہ نہیں؟ اچھی طرح؟ جی تو کہتے ہیں

ہیں، وَلَا حَاجَةَ هَاهُنَا إِلَى قَيْدٍ آخَرَ اور کوئی ضرورت نہیں ہے یہاں ایک اور قید کی، وَهُوَ أَنْ يَكُونَ الْكَلَامُ الْمُوجَبُ تَامًّا اور وہ یہ کہ وہ کلامِ موجب تام ہو۔ تام ہونے کی کیا صورت میں نے بتائی؟ کیا معنی تام ہونے کا؟ کہ مستثنیٰ منہ ذکر ہو۔ بِأَنْ يَكُونَ الْمُسْتَثْنَى مِنْهُ مَذْكُورًا فِيهِ بایں صورت کہ مستثنیٰ منہ اس کے اندر مذکور ہو۔ یعنی تام ہونے کا یہ معنی ہے کہ مستثنیٰ منہ مذکور ہونا چاہیے، اور دیکھو قَرَأْتُ إِلَّا يَوْمَ كَذَا اس میں تو مستثنیٰ منہ مذکور نہیں، لہٰذا اس کو نکلنا چاہیے کیونکہ یہاں نصب مستثنیٰ ہونے کی وجہ سے نہیں ہے بلکہ ظرف ہونے کی وجہ سے ہے لہٰذا اس کو نکلنا چاہیے۔ تو صاحبِ جامی بتائیں گے نہیں اس کو نکالنے کی کوئی حاجت نہیں، یہ داخل ہو رہا ہے اور اس کو داخل ہی ہونا چاہیے۔

تو کہتے ہیں پھر دیکھیے، بِأَنْ يَكُونَ الْمُسْتَثْنَى مِنْهُ مَذْكُورًا فِيهِ بایں صورت کہ مستثنیٰ منہ اس کے اندر مذکور ہو، لِيَخْرُجَ نَحْوُ قَرَأْتُ إِلَّا يَوْمَ كَذَا تاکہ نکل جائیں اس جیسی مثالیں، فَإِنَّهُ مَنْصُوبٌ عَلَى الظَّرْفِيَّةِ لَا عَلَى الِاسْتِثْنَاءِ اس لیے کیونکہ یہ ظرف ہونے کی وجہ سے منصوب ہے، استثنا کی وجہ سے منصوب نہیں ہے۔

لِأَنَّ الْكَلَامَ، جی صاحبِ جامی نے بتلایا کہ نہیں بھئی، اس قید کے لگانے کی کوئی حاجت نہیں ہے۔ کیوں؟ لِأَنَّ الْكَلَامَ فِي كَوْنِهِ مَنْصُوبًا مُطْلَقًا اس لیے کیونکہ یہ کلام جو ہے إِلَّا وغیرہ کے مابعد کے مطلقاً منصوب ہونے کے بارے میں ہے، لَا فِي كَوْنِهِ مَنْصُوبًا عَلَى الِاسْتِثْنَاءِ منصوب علی الاستثنا ہونے کے بارے میں یہ کلام نہیں ہے۔ یہ کلام مطلقاً إِلَّا کے مابعد کے منصوب ہونے کے بارے میں ہے، استثنا کی بنا پر منصوب ہونے کے بارے میں یہ کلام نہیں ہے۔ تو کہتے ہیں لِأَنَّ الْكَلَامَ فِي كَوْنِهِ مَنْصُوبًا مُطْلَقًا اس لیے کیونکہ یہ کلام جو ہے مستثنیٰ کے مطلقاً منصوب ہونے کے بارے میں ہے، لَا فِي كَوْنِهِ مَنْصُوبًا عَلَى الِاسْتِثْنَاءِ اس کے استثنا کی وجہ سے منصوب ہونے کے بارے میں یہ کلام نہیں ہے، بِدَلِيلِ قَوْلِهِ ماتن کے

اس قول کی دلیل کے ساتھ أَوْ كَانَ بَعْدَ خَلَا وَعَدَا، آگے ماتن کیا فرمائیں گے؟ أَوْ كَانَ بَعْدَ خَلَا وَعَدَا کیونکہ ان کے بعد جو مستثنیٰ ہوتا ہے وہ استثنا کی وجہ سے منصوب نہیں ہوتا بلکہ کیوں منصوب ہوتا ہے؟ مفعول بہ ہونے کی وجہ سے منصوب ہوتا ہے۔ تو اس سے پتہ چلا کہ وہ مطلقِ نصب کی بات کر رہے ہیں، نصب علی الاستثنا کی بات وہ نہیں کر رہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟

إِلَّا أَنْ يُقَالَ پھر آگے فرماتے ہیں، کسی نے کیا اعتراض کیا تھا؟ کہ تام کی بھی قید ہونی چاہیے تاکہ قَرَأْتُ إِلَّا يَوْمَ كَذَا جیسی مثالیں نکل جائیں۔ صاحبِ جامی فرماتے ہیں نہیں اس جیسی مثالوں کو نکالنے کے لیے تام کی قید کی ضرورت نہیں، ہاں بعض اور مثالیں ہیں ان کو نکالنے کے لیے تام کی قید ہونی چاہیے۔ بعض اور مثالیں ہیں ان کے لیے تام کی قید ہونی چاہیے۔ جیسے قُرِئَ إِلَّا يَوْمُ كَذَا۔ قَرَأْتُ سے فعلِ مجہول بنا لیا۔ بات سمجھ میں آگئی؟ فاعل کو حذف کر دیا قُرِئَ إِلَّا يَوْمُ كَذَا اور يَوْمُ کو اب نائب الفاعل بنا دیا، قُرِئَ إِلَّا يَوْمُ كَذَا۔ اب کہتے ہیں اس جیسی مثالوں کو نکالنے کے لیے، دیکھو اس کے اندر قُرِئَ فعل آیا اور آگے آرہا ہے إِلَّا يَوْمُ كَذَا، توجہ ہے؟ اور یہ دیکھیے یہ يَوْمُ کس کے بعد ہے؟ إِلَّا کے بعد ہے۔ انہوں نے بھی اوپر کیا کہا تھا؟ مَنْصُوبٌ إِذَا كَانَ بَعْدَ إِلَّا اور نیز فِي كَلَامٍ مُوجَبٍ صاحبِ کافیہ نے کہا تھا کلامِ موجب ہونا چاہیے قُرِئَ إِلَّا، اس میں بھی دیکھو نفی، نہی، استفہام نہیں ہے یہ بھی کیا ہے؟ کلامِ موجب۔ تو یہاں دونوں شرطیں پوری ہیں، إِلَّا کے بعد بھی ہے اور کلام بھی موجب ہے، پھر بھی إِلَّا يَوْمُ كَذَا منصوب نہیں ہے بلکہ مرفوع ہے، نائب الفاعل ہے قُرِئَ کے لیے۔ تو لہٰذا اس جیسی مثالوں کو نکالنے کے لیے تام کی قید لگانی چاہیے تھی کہ تام ہو کلام یعنی قُرِئَ شَهْرٌ إِلَّا يَوْمَ كَذَا، تو یہاں شَهْرٌ مستثنیٰ منہ مذکور ہوتا تو پھر یہ تام ہوتا، تو پھر تام ہوتا اور پھر إِلَّا يَوْمَ كَذَا نے منصوب ہی آنا تھا۔ بات سمجھ میں آگئی؟

إِلَّا أَنْ يُقَالَ مگر یہ کہ یوں کہا جائے الْحَاجَةُ إِلَى هٰذَا الْقَيْدِ کہ ضرورت جو ہے اس قید کی إِنَّمَا هُوَ لِإِخْرَاجِ مِثْلِ وہ اس جیسی مثالوں کو نکالنے کے لیے ہی ہے جیسے قُرِئَ إِلَّا يَوْمُ كَذَا، فَإِنَّهُ مَرْفُوعٌ وُجُوبًا لَا مَنْصُوبٌ اس لیے کیونکہ یہ وجوباً مرفوع ہے منصوب نہیں ہے، حالانکہ آپ نے ہمیں کیا کہا تھا إِلَّا کے بعد آئے اور کلامِ موجب میں ہو تو وہ کیا ہو گا؟ منصوب ہو گا۔ تو یہاں تام کی قید ہوتی تو اس نے پھر اس سے نکل جانا تھا۔

حاصلِ کلام پھر سن لیجیے بھئی۔ حاصلِ کلام یہ کہ بعض شارحین نے یہاں پر کہا کہ فِي كَلَامٍ مُوجَبٍ کے ساتھ تَامٍّ کی قید بھی لگانی چاہیے تھی کہ وہ مستثنیٰ منصوب ہو گا وجوباً جب وہ کس کے بعد آئے؟ إِلَّا کے بعد آئے اور ایسے کلامِ موجب میں ہو جو تام ہونا چاہیے۔ بھئی یہ قید کیوں لگائی جائے؟ کہتے ہیں اس لیے تاکہ قَرَأْتُ إِلَّا يَوْمَ كَذَا اس جیسی مثالیں نکل جائیں۔ اگر یہ قید نہیں لگاؤ گے تو یہ بھی اس کے اندر داخل ہو رہی ہے۔ قَرَأْتُ إِلَّا يَوْمَ كَذَا، اصل میں کیا تھا قَرَأْتُ شَهْرًا یا قَرَأْتُ كُلَّ يَوْمٍ إِلَّا يَوْمَ كَذَا۔ تو شَهْرًا یا كُلَّ يَوْمٍ وغیرہ کو کیا کر لیا گیا؟ حذف کر لیا گیا اور وہ تھا مفعول فیہ، اب وہ تو مفعول فیہ ہے نہیں تو لہٰذا إِلَّا يَوْمَ كَذَا یہ يَوْمَ كَذَا یہ مفعول فیہ ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔ اور یہاں صاحبِ کافیہ وہ والا نصب ذکر کر رہے

ہیں جو استثنا کی وجہ سے آئے، کس کی وجہ سے آئے؟ جو استثنا کی وجہ سے نصب آئے اس کو ذکر کرنا چاہ رہے ہیں اور قَرَأْتُ إِلَّا يَوْمَ كَذَا یہاں يَوْمَ كَذَا پر جو نصب آیا ہے وہ استثنا کی وجہ سے نہیں ہے بلکہ مفعول فیہ ہونے کی وجہ سے ہے لہٰذا اس کو خارج ہونا چاہیے، حالانکہ یہ داخل ہو رہا ہے کیونکہ اس میں شرطیں پوری ہیں۔ یہ إِلَّا کے بعد بھی ہے اور کلام بھی موجب ہے تو یہ داخل ہو رہا ہے حالانکہ اس کو خارج ہونا چاہیے، ہاں اگر آپ تام کی قید لگا دیتے کہ وہ کلامِ موجب تام ہونا چاہیے یعنی مستثنیٰ منہ مذکور ہونا چاہیے لیکن اس وقت یہ داخل ہو رہا ہے حالانکہ اس کو داخل نہیں ہونا چاہیے۔ تو صاحبِ جامی نے جواب دیا کہ نہیں بھئی یہ اس کو خارج کرنے کی کوئی ضرورت نہیں یہ داخل ہو رہا ہے اور اس کو داخل ہی ہونا چاہیے، وجہ یہ کہ یہاں پر جس نصب کی بات صاحبِ کافیہ کر رہے ہیں وہ إِلَّا اور اس کے اخوات کے بعد مطلقاً نصب کی بات کر رہے ہیں، نَصْبٌ لِلِاسْتِثْنَاءِ کی بات نہیں کر رہے، وہ نصب جو استثنا کی وجہ سے آئے اس کی بات نہیں کر رہے۔ یاد رکھو یہ جو مستثنیٰ کو ذکر کیا ہے، کس کو؟ مستثنیٰ کسے کہتے ہیں؟ جو إِلَّا اور اس کے اخوات کے بعد آئے۔ یہ بعض صورتوں میں منصوب ہو گا بعض صورتوں میں منصوب نہیں ہو گا، لیکن جو بھی صورت آپ دیکھ لیں یہ ہمیشہ ان کا حکم ماقبل کے مخالف ہو گا، یہ ہمیشہ مستثنیٰ کہلائیں گے۔ کیا کہلائیں گے؟ یعنی یہ ماقبل کے مخالف ہوں گے اگر ماقبل میں نفی ہے تو ان کا اثبات ہو گا اور اگر ماقبل میں اثبات ہے تو ان کی نفی ہو گی۔ تو یہ کہلائیں گے تو سارے مستثنیٰ، خَلَا کے بعد آئے وہ بھی مستثنیٰ، عَدَا کے بعد آئے وہ بھی مستثنیٰ، اسی طرح لَيْسَ اور لَا يَكُونُ کے بعد آئے گا وہ بھی کیا ہو گا؟ مستثنیٰ، حَاشَا، غَيْرٌ، سِوًى، سَوَاءٌ کے بعد آئے گا وہ بھی کیا ہو گا؟ مستثنیٰ، إِلَّا کے بعد آئے وہ بھی کیا ہو گا؟ مستثنیٰ ہو گا۔ تو کہلائیں گے تو مستثنیٰ لیکن ان کا نصب کبھی استثنا کی وجہ سے ہو گا کبھی کسی اور وجہ سے ہو گا۔ توجہ ہے؟ جیسے قَرَأْتُ إِلَّا يَوْمَ كَذَا یہ إِلَّا يَوْمَ كَذَا یہ ہے تو مستثنیٰ ہی کیونکہ إِلَّا کے بعد ہے لیکن اس کا نصب وہ مفعول فیہ ہونے کی وجہ سے ہے مستثنیٰ ہونے کی وجہ سے نہیں ہے، تو صاحبِ جامی آپ کو بتلائیں گے کہ قَرَأْتُ إِلَّا يَوْمَ كَذَا اس جیسی مثالوں کو نکالنے کے لیے تام کی قید لگانے کی کوئی حاجت نہیں کیونکہ یہاں پر صاحبِ کافیہ إِلَّا اور اس کے اخوات کے بعد جو مطلقاً منصوب آتا ہے چاہے کسی بھی وجہ سے منصوب آئے سب کو اکٹھا کرنا چاہتے ہیں۔ إِلَّا اور اس کے اخوات کے بعد کیا آئے؟ نصب آئے، ان سب کو اکٹھا یہاں ذکر کر رہے ہیں وَهُوَ مَنْصُوبٌ وہ کیا ہو گا؟ منصوب ہو گا۔ بھئی دلیل کیا ہے سب کو اکٹھا کرنا چاہتے ہیں؟ کہتے ہیں دلیل یہ ہے کہ آگے خَلَا اور عَدَا، مَا خَلَا اور مَا عَدَا، لَيْسَ اور لَا يَكُونُ کا بھی ذکر آ رہا ہے اور خَلَا اور عَدَا اور مَا خَلَا، مَا عَدَا اور لَيْسَ، لَا يَكُونُ ان کے بعد جو منصوب آتا ہے وہ یاد رکھو خَلَا اور عَدَا اور مَا خَلَا، مَا عَدَا ان کے بعد جو منصوب آتا ہے وہ مفعول بہ ہونے کی وجہ سے منصوب ہوتا ہے۔ جَاءَنِي الْقَوْمُ خَلَا زَيْدًا، جَاءَنِي الْقَوْمُ خَلَا زَيْدًا یہ زید مستثنیٰ تو ہے کیونکہ کس کے بعد ہے؟ خَلَا کے بعد، لیکن اس پر نصب کیوں آیا؟ یہ مفعول بہ بن رہا ہے، خَلَا فعل ہے اس کے اندر هُوَ ضمیر فاعل ہے اور زَيْدًا مفعول بہ ہے۔ توجہ ہے؟ اسی طرح لَيْسَ اور لَا يَكُونُ کے بعد بھی مستثنیٰ منصوب ہوتا ہے، جَاءَنِي الْقَوْمُ لَيْسَ زَيْدًا۔

میرے پاس وہ لوگ آئے سوائے کس کے؟ زید کے۔ اب لَیْسَ کے بعد بھی دیکھو زَیْدًا منصوب ہے لیکن یہ لَیْسَ کی خبر ہونے کی بنا پر منصوب ہے کیونکہ لَیْسَ اپنی خبر کو نصب دیتا ہے، تو لَیْسَ کے اندر ضمیر ہے وہ اس کا اسم اور زَیْدًا اس کی خبر ہے، لیکن کہیں گے سب کو مستثنیٰ چاہے خَلَا، عَدَا کے بعد آئے چاہے لَیْسَ اور لَا یَکُوْنُ کے بعد آئے۔ تو معلوم ہوا جو إِلَّا اور اس کے اخوات کے بعد آئے وہ بعض صورتوں میں منصوب ہوتا ہے اور وہ نصب ہمیشہ استثنا کی بنا پر نہیں ہوتا بلکہ اور وجہ سے بھی ہو سکتا ہے لیکن کہلائیں گے سارے مستثنیٰ ہی۔ تو صاحبِ جامی فرمائیں گے کہ یہاں پر جو صاحبِ کافیہ نے کہا نا وَهُوَ مَنْصُوبٌ مستثنیٰ منصوب ہو گا یہ وہ والا نصب نہیں ذکر کرنا چاہتے جو استثنا کی وجہ سے آئے بلکہ مطلقاً بس نصب آنا چاہیے ان تمام صورتوں کو اکٹھا کر رہے ہیں، اور دلیل اس کی یہ ہے انہوں نے یہاں کہا نا وَهُوَ مَنْصُوبٌ مستثنیٰ کیا ہو گا؟ منصوب، اسی میں آگے چل کر کہتے ہیں اور خَلَا اور عَدَا کے بعد بھی اور مَا خَلَا اور مَا عَدَا کے بعد بھی اور لَیْسَ اور لَا یَکُوْنُ کے بعد بھی، حالانکہ ان کے بعد جو مستثنیٰ منصوب ہوتا ہے وہ مفعول بہ یا خبر ہونے کی بنا پر منصوب ہوتا ہے مستثنیٰ ہونے کی بنا پر منصوب نہیں ہوتا۔ معلوم ہوا یہاں صاحبِ کافیہ کس نصب کی بات کر رہے ہیں؟ جو استثنا کی وجہ سے آئے یا مطلقاً جو بھی نصب آجائے؟ مطلقاً جو بھی نصب آجائے۔ اور قَرَأْتُ إِلَّا يَوْمَ كَذَا اس میں بھی نصب آگیا تو اس کو داخل ہونا چاہیے چاہے کسی وجہ سے بھی نصب آیا ہے لیکن ہے تو نصب، تو لہٰذا تام کی قید لگانے کی کوئی حاجت نہیں اس جیسی مثالوں کو نکالنے کے لیے۔ ہاں بعض اور مثالوں کو نکالنے کے لیے تام جیسی قید کی ضرورت پڑے گی، جیسے قُرِئَ إِلَّا يَوْمُ كَذَا۔ اس کو نکالنے کے لیے تام کی قید کی ضرورت ہے، تام کا کیا معنی؟ یعنی مستثنیٰ منہ مذکور ہو۔ قُرِئَ إِلَّا يَوْمُ كَذَا یہاں بھی قُرِئَ کے بعد شَهْرٌ یا كُلُّ يَوْمٍ جو مستثنیٰ منہ ہے اس کو حذف کر لیا گیا تو آگے إِلَّا يَوْمُ كَذَا پھر وہ نائب فاعل بن گیا قُرِئَ کے لیے۔ اب دیکھو اس میں ساری شرطیں پوری ہیں، کلام بھی موجب ہے قُرِئَ إِلَّا يَوْمُ كَذَا اور نیز یہ يَوْمُ إِلَّا کے بعد بھی واقع ہے لیکن اس پر نصب نہیں ہے بلکہ رفع ہے، یہ نائب الفاعل بن رہا ہے قُرِئَ کے لیے۔ اس میں شرطیں ساری پوری ہیں لیکن یہ منصوب نہیں اور آپ نے تو ہمیں کیا کہا تھا کہ إِلَّا کے بعد ہو اور کلامِ موجب میں ہو تو ہمیشہ کیا ہو گا؟ منصوب ہو گا۔ تو اس کا اشکال اور اعتراض ہوتا ہے کہ یہاں تو منصوب نہیں ہے تو اس جیسی مثالوں کو نکالنے کے لیے تام کی قید ہونی چاہیے کہ کلامِ موجب کیسا ہو؟ تام ہو۔ جب یہ تام کی قید آئے گی تو اب اس کو آپ لے کر اشکال کر ہی نہیں سکتے کیونکہ یہ تو تام نہیں ہے اس میں تو مستثنیٰ منہ مذکور ہی نہیں ہے۔ توجہ ہے؟ تو حاصلِ کلام کیا کہ قَرَأْتُ إِلَّا يَوْمَ كَذَا اس کو نکالنے کے لیے تام کی قید کی کوئی حاجت نہیں یہ داخل ہو رہا ہے اور اس کو داخل ہی ہونا چاہیے، اور قُرِئَ إِلَّا يَوْمُ كَذَا اس جیسی مثالوں کو نکالنے کے لیے تام کی قید کی ضرورت پیش آئے گی، یہ اس میں تو شرطیں ساری پوری ہیں لیکن پھر بھی نصب نہیں آرہا۔ کیوں نصب نہیں آرہا؟ کیونکہ یہ تام نہیں ہے، تام کی قید ہوتی تو اس کو لے کر کوئی اعتراض نہ کرتا۔ بات سمجھ میں آگئی؟

آگے دیکھیے، کہتے ہیں وَالْعَامِلُ فِي نَصْبِ الْمُسْتَثْنَى اور وہ جو عامل ہوتا ہے مستثنیٰ کے نصب میں۔ جی اب عامل کے

بارے میں بتلانے لگے ہیں کہ مستثنیٰ میں عامل کیا چیز ہے۔ جَاءَنِي الْقَوْمُ إِلَّا زَيْدًا یہ زَيْدًا کو نصب کس نے دیا؟ توجہ ہے؟ تو یاد رکھو بعض علمائے نحو بھئی بڑے علمائے نحو فرماتے ہیں کہ مستثنیٰ کے اندر عامل خود مستثنیٰ منہ ہوتا ہے، کون عامل ہوتا ہے؟ مستثنیٰ منہ۔ جَاءَنِي الْقَوْمُ إِلَّا زَيْدًا مستثنیٰ منہ کون ہے؟ الْقَوْمُ، یہ الْقَوْمُ عمل کر رہا ہے یہ زَيْدًا کو نصب دے رہا ہے۔ توجہ ہے؟ تو پھر سوال پیدا ہوتا ہے بھئی یہ الْقَوْمُ یہ کیسے نصب دے رہا ہے یہ تو عامل نہیں ہے؟ تو وہ کہتے ہیں بھئی آپ نے تمیز کے اندر پڑھا ہے عِنْدِي عِشْرُونَ دِرْهَمًا، یہ دِرْهَمًا کو نصب کس نے دیا؟ عِشْرُونَ نے، یہ ماقبل میں جو اسمِ مبہم تام ہے، عِشْرُونَ کیا چیز ہے؟ یہ اسم ہے مبہم ہے اور کس کے ذریعے تام ہو رہا ہے؟ نونِ جمع کے ذریعے، تو یہ اسمِ مبہم تام جو ہے تمیز کو نصب دیتا ہے، تو یہ دِرْهَمًا کو نصب کس نے دیا؟ عِشْرُونَ نے۔ یا آپ کہتے ہیں عِنْدِي رِطْلٌ زَيْتًا میرے پاس ایک رطل زیتون کا تیل ہے، تو یہ زَيْتًا کو نصب کس نے دیا؟ یہ رِطْلٌ نے، توجہ ہے؟ آپ نے تمیز کی بحث کے اندر پڑھا کہ جب تمیز مفرد سے ابہام دور کر رہی ہو تو وہ مفرد

سبق نمبر ۱۵۷: المستثنیٰ (۴): مستثنیٰ مقدم کے منصوب ہونے کا بیان

شرحِ ملا جامی صفحہ: ۱۴۲ — بتاریخ: ۱۹ جون ۲۰۲۲ء

▪ تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث

جی آگے سبق دیکھیے بھئی۔ أَوْ مُقَدَّمًا عَطْفٌ عَلَى قَوْلِهِ بَعْدَ إِلَّا أَيِ الْمُسْتَثْنَى مَنْصُوبٌ وُجُوبًا إِذَا كَانَ الْمُسْتَثْنَى مُقَدَّمًا عَلَى الْمُسْتَثْنَى مِنْهُ سَوَاءٌ كَانَ فِي كَلَامٍ مُوجَبٍ أَوْ غَيْرِ مُوجَبٍ نَحْوُ جَاءَنِي إِلَّا زَيْدًا الْقَوْمُ وَمَا جَاءَنِي إِلَّا زَيْدًا أَحَدٌ لِامْتِنَاعِ تَقْدِيمِ الْبَدَلِ عَلَى الْمُبْدَلِ مِنْهُ۔

بھئی مستثنیٰ کی بحث چل رہی ہے، اور گزشتہ سبق میں صاحبِ کافیہ اور صاحبِ جامی نے مستثنیٰ کا اعراب بتلانا شروع کیا تھا۔ آپ کو میں نے ایک نقشہ بنوایا تھا اور اس نقشے سے آپ کو پتہ چل گیا تھا کہ کبھی مستثنیٰ منصوب ہوتا ہے، کبھی مستثنیٰ مجرور ہوتا ہے، کبھی مستثنیٰ جو ہے وہ بدل بنتا ہے اور بعض صورتوں میں مستثنیٰ کا اعراب عَلَى حَسَبِ الْعَوَامِلِ ہو گا۔ تو انہی میں سے اب سب سے پہلے منصوب کا ذکر شروع کیا تھا کیونکہ یہ بحث چل رہی ہے منصوبات کی، اور اسی اعراب کی وجہ سے مستثنیٰ کی بحث کو یہاں ذکر کیا کہ اکثر صورتوں میں مستثنیٰ منصوب ہوا کرتا ہے۔ تو بتلایا تھا سب سے پہلے انہوں نے آپ کو بتلایا وَهُوَ مَنْصُوبٌ کہ مستثنیٰ منصوب ہوتا ہے۔ یہ هُوَ ضمیر مطلق مستثنیٰ کو راجع کی۔ یعنی یوں کہو مستثنیٰ کو راجع کی۔ کس کو؟ نہ اس میں متصل کی قید ہے، نہ منقطع کی قید ہے۔

تو لہٰذا اشکال ہوا، اعتراض ہوا کہ اے صاحبِ کافیہ! آپ نے یہ هُوَ ضمیر مستثنیٰ مطلق کی طرف کیسے راجع کر دی حالانکہ ابھی تک آپ نے مستثنیٰ کی تعریف نہیں کی۔ اس کی قسمیں بھی بیان کیں، اس کی قسموں کی بھی تعریف کر دی، لیکن خود مستثنیٰ مطلق جو تھا اس کی آپ نے تعریف نہیں کی۔

تو اس کا جواب دیا صاحبِ جامی نے کہ بھئی مستثنیٰ کا علم دو دفعہ ہو چکا ہے، لہٰذا اب اس کی تعریف کی کوئی حاجت نہیں، طالبِ علم کو اس کی اچھی طرح پہچان ہو گئی، تو اب اس کی تعریف کریں گے تو بات ویسے ہی لمبی ہو جائے گی، لہٰذا اسی لیے صاحبِ کافیہ نے اس کی تعریف نہیں کی۔ ایک دفعہ جب شروع میں کہا تھا الْمُسْتَثْنَى مُتَّصِلٌ أَوْ مُنْقَطِعٌ تو وہیں

پر جیسے ہی الْمُسْتَثْنَى کہا، پتہ چل گیا اس چیز کی بات ہو رہی ہے جس کو علمِ نحو میں مستثنیٰ کہا جاتا ہے۔ دیکھو پہچان ہو گئی، کچھ نہ کچھ پہچان ہو گئی یا نہیں؟ تو پھر اس کے بعد دوسری دفعہ اس کی پہچان اس طرح ہوئی کہ آگے مستثنیٰ متصل اور منقطع دو ہی قسمیں بنائیں اور دونوں کی تعریف کر دی اور دونوں جو ہیں وہ إِلَّا اور اس کے اخوات کے بعد واقع ہوتے ہیں۔ معلوم ہوا مستثنیٰ مطلق وہ ہے جو کس کے بعد واقع ہو؟ إِلَّا اور اس کے اخوات کے بعد واقع ہو، چاہے وہ متصل ہو چاہے منقطع ہو، دونوں اسی طرح کے ہوتے ہیں۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو اس سے دوسری دفعہ طالبِ علم کو پھر پہچان ہو گئی۔

پہلے مستثنیٰ کا لفظ شروع میں جو ذکر کیا اس سے بھی پہچان ہو گئی اور پھر جب اس کی دونوں قسموں کی الگ الگ تعریف کی اس سے بھی مزید پہچان ہو گئی، تو اس لیے پھر باقاعدہ اس کی تعریف نہیں کی کلام کو مختصر کرنے کے لیے۔

تو سب سے پہلے نصب کو بیان کرنا شروع کیا کہ مستثنیٰ جو ہے وہ وجوباً منصوب ہوتا ہے۔ وجوباً کی قید کس لیے لگائی؟ کیونکہ آگے ایک قسم آرہی تھی کہ مستثنیٰ متصل ہو اور کلام غیر موجب ہو اور مستثنیٰ منہ مذکور ہو تو بدل بھی بنا سکتے ہیں اور نصب بھی پڑھ سکتے ہیں۔ تو وہاں دیکھو نصب وہاں بھی آتا تھا لیکن واجب نہیں تھا۔ لیکن یہ جو قسم بیان کر رہے ہیں اس میں نصب کا آنا واجب ہے، یہ وہ صورتیں بیان کر رہے ہیں۔ وہ والی قسم بعد میں الگ ذکر کریں گے۔ بات سمجھ میں آگئی؟

تو منصوب ہو گا وجوباً إِذَا كَانَ وَاقِعًا بَعْدَ إِلَّا جب مستثنیٰ کس کے بعد آئے؟ إِلَّا کے بعد آئے، إِلَّا کے بعد آئے اور غَيْرَ الصِّفَةِ صفت نہ ہو۔ یہاں پر پھر بعض شارحین نے اعتراض کیا کہ صاحبِ کافیہ کو یہاں غَيْرَ الصِّفَةِ قید لگانے کی کوئی ضرورت نہیں تھی۔ وجہ؟ وجہ یہ کہ پیچھے هُوَ ضمیر کس کو راجع کی؟ مستثنیٰ کو۔ معلوم ہوا مستثنیٰ کی بات چل رہی ہے اور یہ إِلَّا دو طرح پر آتا ہے، کبھی یہ استثنا کے لیے آتا ہے، کبھی صفت کے لیے آتا ہے۔ وہ إِلَّا جو استثنا کے لیے آئے اس کے بعد تو مستثنیٰ آتا ہے لیکن وہ إِلَّا جو صفت کے لیے آئے اس کے بعد جو آتا ہے وہ مستثنیٰ نہیں کہلاتا، توجہ ہے؟

تو جو إِلَّا صفت کے لیے ہوتا ہے اس کے بعد تو جو آتا ہے وہ مستثنیٰ ہوتا ہی نہیں ہے، تو جب شروع میں ہی کہہ دیا وَهُوَ مَنْصُوبٌ مستثنیٰ کیا ہو گا؟ منصوب ہو گا، معلوم ہوا اس إِلَّا کی بات چل رہی ہے جو استثنا کے لیے آتا ہے کیونکہ اسی کے بعد جو ہے مستثنیٰ آتا ہے، دوسرے إِلَّا کے بعد تو مستثنیٰ نہیں آتا، تو وہ تو خود ہی نکل گیا تھا جب آپ نے ضمیر مستثنیٰ کو راجع کر دی کہ مستثنیٰ منصوب ہوتا ہے۔ توجہ ہے؟ مستثنیٰ منصوب ہوتا ہے، تو پھر یہ غَيْرَ الصِّفَةِ کی قید آپ نے جو لگائی یہ زائد لگا دی، یہ قید نہیں لگانی چاہیے تھی۔ صاحبِ جامی نے اس کا جواب دیا کہ نہیں بھئی، یہ قید بیکار نہیں ہے، یہ اس لیے ذکر کر دی کہ طالبِ علم کے کہیں ذہن سے یہ بات نکل نہ جائے۔ یہاں اگر صرف یہ کہہ دیتے وَهُوَ مَنْصُوبٌ إِذَا كَانَ بَعْدَ إِلَّا فِي كَلَامٍ مُوجَبٍ تو طالبِ علم سمجھتا جب بھی إِلَّا کے بعد کوئی لفظ آئے گا وہ ہمیشہ کیا ہو گا؟ منصوب ہو گا کلامِ موجب کے اندر۔ تو ساتھ ہی صاحبِ کافیہ نے کہہ دیا غَيْرَ الصِّفَةِ کہ یہ یاد رکھنا وہ إِلَّا صفت والا نہ ہو تاکہ طالبِ علم کے ذہن سے یہ بات نہ نکل

جائے اور یہ بات تازہ ہو جائے اس کے ذہن میں۔

جی اس کے بعد پھر کہا کہ وہ کس میں آئے؟ فِي كَلَامٍ مُوجَبٍ۔ کلامِ موجب میں مستثنیٰ منصوب ہو گا وجوباً جب وہ إِلَّا کے بعد آئے اور کلامِ موجب میں آئے۔ جَاءَنِي الْقَوْمُ إِلَّا زَيْدًا۔ یہ کلامِ موجب ہے، اس میں نفی، نہی یا استفہام نہیں ہے اور إِلَّا کے بعد واقع ہو رہا ہے، تو جَاءَنِي الْقَوْمُ إِلَّا زَيْدًا یہ زَيْدًا وجوباً منصوب ہو گا، اس پر نصب ہی پڑھنا پڑے گا آپ کو۔

تو یہ کلامِ موجب کی قید لگا دی، اس کے ذریعے کلامِ غیر موجب کو نکال دیا کیونکہ کلامِ غیر موجب میں إِلَّا کے بعد جو آئے اس پر نصب کا پڑھنا واجب نہیں ہے بھئی۔ پھر یہاں بعض شارحین نے اور اعتراض کیا، انہوں نے کہا کہ صاحبِ کافیہ کو فِي كَلَامٍ مُوجَبٍ یہاں ایک اور قید تام کا بھی اضافہ کرنا چاہیے تھا تاکہ قَرَأْتُ إِلَّا يَوْمَ كَذَا جیسی مثالیں اس سے نکل جائیں۔ دیکھو قَرَأْتُ إِلَّا يَوْمَ كَذَا۔ قَرَأْتُ إِلَّا يَوْمَ كَذَا یہ کلامِ موجب ہے اور بات بھی کس کی چل رہی ہے؟ کلامِ موجب کی۔ اور یہ قَرَأْتُ إِلَّا يَوْمَ كَذَا یہ يَوْمَ كَذَا منصوب ہے اور کس کے بعد ہے؟ إِلَّا کے بعد ہے۔ تو اس میں دونوں شرطیں پوری ہیں، یہ إِلَّا کے بعد بھی ہے اور کلام بھی موجب ہے اور يَوْمَ كَذَا منصوب بھی ہے لیکن یہ نصب مستثنیٰ ہونے کی وجہ سے نہیں ہے بلکہ یہ مفعول فیہ واقع ہو رہا ہے قَرَأْتُ کے لیے۔ تو قَرَأْتُ إِلَّا يَوْمَ كَذَا یہ إِلَّا کے بعد بھی ہے، کلامِ موجب میں بھی ہے اور یہ بھی اس صورت کے اندر داخل ہو رہا ہے حالانکہ اس کو داخل نہیں ہونا چاہیے، اس کو نکلنا چاہیے کیونکہ يَوْمَ كَذَا کا نصب مستثنیٰ ہونے کی وجہ سے نہیں ہے بلکہ مفعول فیہ ہونے کی وجہ سے ہے، یہ ظرف ہے اور بات تو یہاں مستثنیٰ کی چل رہی ہے۔ لہٰذا اس مثال کو نکلنا چاہیے اور اس کے نکالنے کے لیے ضروری ہے کہ تام کی قید لگائیں کہ وہ کلامِ موجب کس قسم کا ہو؟ تام ہو۔ تام ہونے کا معنی یہ ہے کہ مستثنیٰ منہ مذکور ہو، اور یہاں پر مستثنیٰ منہ محذوف ہے قَرَأْتُ شَهْرًا یا قَرَأْتُ كُلَّ يَوْمٍ وہ كُلَّ يَوْمٍ یا شَهْرًا کو میں نے کیا کر دیا؟ حذف کر دیا تو یہ مستثنیٰ منہ مذکور نہیں۔ اگر وہ مذکور ہوتا تو کلام تام ہوتا اور إِلَّا يَوْمَ كَذَا یہ يَوْمَ كَذَا کیا بن جاتا؟ مستثنیٰ بن جاتا۔ لیکن اب آپ نے وہ شَهْرًا یا كُلَّ يَوْمٍ کو کیا کر دیا؟ حذف کر دیا۔ جب اس کو حذف کیا تو مفعول فیہ اب آگے إِلَّا يَوْمَ كَذَا وہ جو ہے وہ مفعول فیہ بن جائے گا۔ توجہ ہے؟ وہ مفعول فیہ بن جائے گا۔ تو لہٰذا اس مثال کو نکلنا چاہیے ورنہ تو یہ داخل ہو رہی ہے اور اس کے لیے تام کی قید لگانی چاہیے۔ صاحبِ جامی اس کا جواب دیتے ہیں کہ نہیں بھئی، کوئی تام کی قید لگانے کی حاجت نہیں اس مثال کو نکالنے کے لیے۔ وجہ یہ کہ یہاں پر صاحبِ کافیہ ان تمام صورتوں کو اکٹھا کرنا چاہتے ہیں جس میں مستثنیٰ منصوب ہو۔ چاہے اس کا نصب استثنا کی وجہ سے ہو یا کسی اور وجہ سے لیکن ہونا کیا چاہیے؟ ہونا اس کو منصوب چاہیے اور یہ بھی منصوب ہے۔ توجہ ہے؟ یہ بھی منصوب ہے، تو جس وجہ سے بھی نصب آئے لیکن ہونا منصوب چاہیے۔

تو یہ بھی ایسا ہی ہے اگرچہ مفعول فیہ ہونے کی وجہ سے نصب ہے لیکن ہے تو نصب، لہٰذا اس کو داخل ہونا چاہیے اور کیا دلیل ہے کہ جو بھی ہو لیکن ہونا منصوب چاہیے؟ کہتے ہیں آپ خود دیکھ لیں اسی کے اندر آگے چل کے وہ خَلَا اور

عَدَا کو بھی ذکر کریں گے۔ حالانکہ خَلَا اور عَدَا کے بعد جو منصوب آتا ہے وہ مفعول بہ ہونے کی وجہ سے منصوب ہوتا ہے، مستثنیٰ ہونے کی وجہ سے نہیں کیونکہ خَلَا اور عَدَا فعل ہیں اور فعل اپنے فاعل کو رفع دیتا ہے اور مفعول بہ کو نصب، تو ان کے بعد جو منصوب آتا ہے وہ مفعول بہ ہونے کی وجہ سے منصوب ہوتا ہے، مستثنیٰ ہونے کی وجہ سے منصوب نہیں ہوتا۔ اور اسی طرح آگے لَيْسَ اور لَا يَكُونُ آئیں گے، لَيْسَ اور لَا يَكُونُ کے بعد بھی منصوب آئے گا لیکن وہ بھی مستثنیٰ ہونے کی وجہ سے منصوب نہیں ہے بلکہ وہ لَيْسَ اور لَا يَكُونُ کی خبر ہونے کی وجہ سے منصوب ہے کیونکہ لَيْسَ اور لَا يَكُونُ افعالِ ناقصہ میں سے ہیں اور افعالِ ناقصہ کیا کرتے ہیں؟ اپنے اسم کو رفع دیتے ہیں اور خبر کو نصب دیتے ہیں۔ تو یہاں مصنف وہ ساری صورتیں ذکر کر رہے ہیں جس میں مستثنیٰ منصوب ہو گا۔ یعنی جس کو ماقبل کے حکم سے نکالا جا رہا ہے جس صورت میں بھی نکالا جا رہا ہے۔ یاد رکھو یہ جتنے کلمات ہم نے پڑھے، جتنے کلمات پڑھے کہ استثنا کے لیے کون کون سے کلمات آتے ہیں: إِلَّا ہے، خَلَا، عَدَا، مَا خَلَا، مَا عَدَا، لَيْسَ، لَا يَكُونُ، غَيْرٌ، سِوًى، سَوَاءٌ اور حَاشَا، ان کے بعد جو بھی آئے گا وہ مستثنیٰ کہلاتا ہے کیونکہ اس کو ماقبل کے حکم سے نکالا جاتا ہے۔ لیکن اس کا نصب کس وجہ سے ہے وہ الگ الگ وجہ ہے، بعضوں میں نصب آئے گا ہی استثنا کی وجہ سے، بعضوں میں نصب آئے گا مفعول بہ ہونے کی وجہ سے جیسے خَلَا اور عَدَا وغیرہ میں ہے اور بعض جگہ جو نصب آئے گا وہ خبر ہونے کی بنا پر آئے گا جیسے لَيْسَ اور لَا يَكُونُ میں ہے، لیکن ہیں سارے مستثنیٰ لیکن نصب کی وجہ الگ ہو سکتی ہے۔ توجہ ہے؟ تو صاحبِ جامی کا جواب چل رہا ہے، وہ فرماتے ہیں کہ صاحبِ کافیہ یہاں ان تمام صورتوں کو جمع کرنا چاہتے ہیں جس میں مستثنیٰ منصوب ہوتا ہے، چاہے اس کا نصب استثنا کی وجہ سے ہو چاہے کسی اور وجہ سے ہو۔ اور دلیل کیا ہے کہ آگے وہ خَلَا اور عَدَا کو بھی ذکر کریں گے اور لَيْسَ اور لَا يَكُونُ کو بھی ذکر کریں گے، لہٰذا یہاں پر بھی اگر یہ نصب آیا ہے چاہے مفعول فیہ ہونے کی وجہ سے ہے لیکن ہے تو یہ مستثنیٰ، ہے تو یہ مستثنیٰ، ماقبل کے حکم سے اس کو نکالا گیا ہے لہٰذا اس کو داخل ہونا چاہیے۔ ہاں بعض اور مثالیں ہیں ان کو نکالنے کے لیے تام کی قید ہونی چاہیے، اس مثال کو نکالنے کے لیے تام کی قید نہیں ہونی چاہیے۔ دوسری مثال کیا ہے؟ قُرِئَ إِلَّا يَوْمُ كَذَا۔ اب اس میں يَوْمُ كَذَا نائب الفاعل ہے، مرفوع ہے قُرِئَ کا فعلِ مجہول کے لیے۔ اور اس مثال کو نکلنا چاہیے کیونکہ یہاں وہ شرطیں پوری ہیں جو انہوں نے اوپر ذکر کی تھیں۔ قُرِئَ إِلَّا يَوْمُ كَذَا دیکھو، یہ کلامِ موجب ہے اور يَوْمُ كَذَا إِلَّا کے بعد واقع ہو رہا ہے، دونوں شرطیں پوری ہیں، إِلَّا کے بعد بھی ہے، کلام بھی موجب ہے، پھر بھی يَوْمُ مرفوع ہے۔ حالانکہ یہ کیا کہہ رہے تھے کہ وہ وجوباً منصوب ہو گا، تو اس جیسی مثالوں کو نکلنا چاہیے اور یہ تبھی نکلیں گی جب آپ تام کی قید لگا دیں۔ کیا قید لگا دیں؟ تام کی قید لگا دیں۔ تام کی قید کا کیا معنی؟ کہ مستثنیٰ منہ مذکور ہونا چاہیے۔ تو یہاں پر بھی اگر شَهْرٌ یا كُلُّ يَوْمٍ یہاں مذکور ہوتا تو یوں پڑھتے قُرِئَ شَهْرٌ یہ شَهْرٌ نائب فاعل بنتا اور إِلَّا يَوْمَ كَذَا وہ منصوب ہی رہتا، وہ پھر اس میں داخل ہو جاتا۔ صورت سمجھ میں آگئی؟

جی اب آئیے آج کے سبق پر۔ أَوْ مُقَدَّمًا عَطْفٌ عَلَى قَوْلِهِ بَعْدَ إِلَّا أَيِ الْمُسْتَثْنَى مَنْصُوبٌ وُجُوبًا إِذَا كَانَ الْمُسْتَثْنَى

مُقَدَّمًا عَلَى الْمُسْتَثْنَى مِنْهُ سَوَاءٌ كَانَ فِي كَلَامٍ مُوجَبٍ أَوْ غَيْرِ مُوجَبٍ۔ بھئی وہ مقامات ذکر کر رہے ہیں مصنف جہاں مستثنیٰ منصوب ہو گا، توجہ ہے؟ جہاں مستثنیٰ منصوب ہو گا۔ پہلا مقام گزشتہ سبق میں انہوں نے ذکر کر دیا تھا اور کیا کہا تھا ذرا پیچھے آئیے متن پر آئیے بھئی۔ کہتے ہیں وَهُوَ مَنْصُوبٌ إِذَا كَانَ بَعْدَ إِلَّا فِي كَلَامٍ مُوجَبٍ یہ گزشتہ سبق کا جو متن تھا کافیہ کا بھئی۔ وَهُوَ مَنْصُوبٌ مستثنیٰ منصوب ہوتا ہے اور آگے صاحبِ جامی نے بتایا تھا وجوباً کہ یہ وجوباً منصوب ہو گا اس لیے کیونکہ بعض صورتوں میں وہ وجوباً منصوب نہیں ہوتا بلکہ بدل بنانا بھی جائز ہوتا ہے۔ تو یہ مستثنیٰ وجوباً منصوب ہو گا إِذَا كَانَ بَعْدَ إِلَّا أَيْ إِذَا كَانَ وَاقِعًا بَعْدَ إِلَّا جب یہ کس کے بعد آئے؟ إِلَّا کے بعد آئے اور غَيْرَ الصِّفَةِ اور صفت نہ ہو، فِي كَلَامٍ مُوجَبٍ اور کس میں ہو؟ کلامِ موجب میں۔ دیکھو وَهُوَ مَنْصُوبٌ مستثنیٰ کیا ہو گا؟ منصوب ہو گا۔ کب؟ شرطیں ذکر کر رہے ہیں۔ إِذَا كَانَ بَعْدَ إِلَّا متن میں کیا تھا؟ إِذَا كَانَ بَعْدَ إِلَّا۔ كَانَ آیا اور آپ جانتے ہیں كَانَ فعل از افعالِ ناقصہ ہے، یہ ایک اسم چاہتا ہے اور ایک خبر، اور اس کا اسم مرفوع ہوتا ہے اور خبر منصوب ہوتی ہے۔ تو یہاں بھی یاد رکھو إِذَا كَانَ یہ كَانَ کے اندر هُوَ ضمیر ہے اور مستثنیٰ کو راجع ہے جس کو وہ هُوَ ضمیر پیچھے راجع کی تھی کہ مستثنیٰ منصوب ہو گا کب؟ إِذَا كَانَ جب وہ مستثنیٰ بَعْدَ إِلَّا کس کے بعد ہو وہ مستثنیٰ؟ إِلَّا کے بعد ہو۔ تو كَانَ کے اندر هُوَ ضمیر ہے مرفوع محلاً ہے وہ ہے كَانَ کا اسم، وہ مستثنیٰ کو راجع اور آگے بَعْدَ إِلَّا یہ كَانَ کی خبر ہے۔ توجہ ہے؟ اور بَعْدَ إِلَّا یہ تو ظرف ہے، ظرف ہے، یہ بَعْدَ، قَبْلُ اور بَعْدُ تو ظروف ہیں، یہ تو مفعول فیہ بنتے ہیں اور مفعول فیہ کے لیے ہمیشہ کیا چاہیے؟ عامل چاہیے بھئی۔ تو یہاں پر یہ وَاقِعًا صاحبِ جامی نے اس لیے نکالا، بتلانا یہ چاہتے ہیں کہ یہ بَعْدَ إِلَّا ظرفِ مستقر ہے۔ آپ نے پڑھا ہے کہ جار مجرور اس کو ظرفِ مجازی کہتے ہیں، اس کو ظرف کہتے ہیں مجازاً اور یہ قَبْلُ بَعْدُ وغیرہ یہ ظرف ہیں حقیقتاً کیونکہ ان میں زمانے یا جگہ والا معنی ہوتا ہے جہاں بھی استعمال کریں گے۔ اور چاہے ظرفِ حقیقی ہو یعنی قَبْلُ بَعْدُ وغیرہ یا چاہے جار مجرور ہوں، سب کے لیے عامل چاہیے۔ جیسے زَيْدٌ فِي الدَّارِ تو یہ فِي الدَّارِ جار مجرور ہے، اس کو کس سے جوڑیں گے؟ ثَابِتٌ سے، زَيْدٌ ثَابِتٌ فِي الدَّارِ۔ یہ ثَابِتٌ آپ نے کیوں نکالا؟ کیونکہ جار مجرور کے لیے ہمیشہ عامل یعنی متعلق چاہیے۔ کیا چاہیے؟ تو یہ اس کا عامل ہے لیکن اس کو متعلق کہا جاتا ہے کیونکہ یہ براہِ راست عمل نہیں کر رہا بلکہ بواسطہ حرفِ جر کے عمل کر رہا ہے۔ جبکہ ظرفِ حقیقی اس پر تو نصب آتا ہے، وہ تو مفعول فیہ بنتا ہے تو اس کے لیے جو ثَابِتٌ یا وغیرہ نکالیں، ثَابِتٌ یا ثَبَتَ نکالیں گے یہ اس کے لیے مفعول فیہ بنے گا، وہ عامل اور یہ مفعول فیہ۔ توجہ ہے؟ جار مجرور زَيْدٌ فِي الدَّارِ أَيْ زَيْدٌ ثَابِتٌ فِي الدَّارِ یا آپ کہتے ہیں زَيْدٌ بَعْدَ عَمْرٍو أَيْ زَيْدٌ ثَابِتٌ بَعْدَ عَمْرٍو۔ تو بَعْدَ عَمْرٍو کے لیے بھی آپ نے ثَابِتٌ نکالا اور فِي الدَّارِ کے لیے بھی کیا نکالا؟ ثَابِتٌ۔ لیکن فِي الدَّارِ کے لیے جو ثَابِتٌ نکالا کہیں گے یہ اس کا متعلق ہے، جار مجرور ہے متعلق اور ثَابِتٌ ہے متعلق۔ اور جبکہ زَيْدٌ ثَابِتٌ بَعْدَ إِلَّا یہاں بَعْدَ إِلَّا کے لیے جو آپ نے ثَابِتٌ نکالا اس کو متعلق نہیں کہیں گے، اس کو عامل کہیں گے، وہ عمل کر رہا ہے براہِ راست بَعْدَ إِلَّا کو کیا کر رہا ہے؟ نصب دے رہا ہے، بَعْدَ پر نصب آیا ہے اور نصب تو خود بخود نہیں آتا اس کے لیے تو عامل چاہیے، تو یہ بَعْدَ پر جو نصب آیا کس نے دیا؟ ثَابِتٌ نے۔ تو چاہے زَيْدٌ فِي الدَّارِ کہیں یا زَيْدٌ بَعْدَ عَمْرٍو کہیں، دونوں صورتوں میں وہ جو عامل ہے،

وہ جو متعلق ہے وہ محذوف ہے اور اس کو کہتے ہیں ظرفِ مستقر۔ ظرف کا اگر عامل کیا ہو؟ محذوف ہو تو پھر اس کو ظرفِ مستقر کہتے ہیں اور اگر مذکور ہو تو ظرفِ لغو کہتے ہیں۔ تو یہاں پر بھی بَعْدَ إِلَّا سے پہلے وَاقِعًا نکال کر بتلا دیا کہ یہ بَعْدَ إِلَّا كَانَ کی خبر ہے اور یہ ظرفِ مستقر ہے اور یہ وَاقِعًا سے متعلق ہو گا۔ وَاقِعًا کہہ لیں یا ثَابِتًا کہہ لیں ایک ہی بات ہے اور ہم نے وہاں پر ثَابِتٌ مرفوع نکالا تھا زَيْدٌ ثَابِتٌ فِي الدَّارِ کیوں؟ کیونکہ وہ ثَابِتٌ خبر تھا، زَيْدٌ تھا مبتدا اور ثَابِتٌ خبر، اور خبر مرفوع ہوتی ہے۔ اور یہاں صاحبِ جامی نے كَانَ وَاقِعًا منصوب نکالا ہے، وَاقِعًا کہہ لیں یا ثَابِتًا کہہ لیں، وجہ یہ کہ یہ كَانَ کی خبر ہے اور كَانَ اپنی خبر کو نصب دیتا ہے تو یہ ثَابِتًا یا وَاقِعًا یہ منصوب ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو حاصلِ کلام کیا ہوا کہ یہ بَعْدَ إِلَّا كَانَ کی خبر ہے اور ظرفِ مستقر ہے اور منصوب ہے، کیا ہے؟ منصوب ہے۔ تو آگے جو ہے دیکھو آج کے سبق پر أَوْ مُقَدَّمًا، اس مُقَدَّمًا کا عطف اسی بَعْدَ إِلَّا پر ہے، اور بَعْدَ إِلَّا تو کیا ہے كَانَ کی خبر ہے منصوب المحل ہے، تو لہٰذا آگے مُقَدَّمًا کا جب اس پر عطف کیا تو معطوف پر بھی وہی اعراب آتا ہے جو معطوف علیہ پر ہوتا ہے، تو یہ مُقَدَّمًا بھی کیا ہے؟ دراصل كَانَ کی خبر ہے اس لیے یہ منصوب ہے۔ تقریر سمجھ میں آگئی؟

تو کہتے ہیں أَوْ مُقَدَّمًا یا، پہلے ذرا متن دیکھ لو أَوْ مُقَدَّمًا عَلَى الْمُسْتَثْنَى مِنْهُ۔ پہلی صورت پیچھے کل کے سبق میں آئی تھی، کیا صورت تھی؟ کہ مستثنیٰ منصوب ہو گا وجوباً کب؟ جب کس کے بعد آئے؟ جب کہ إِلَّا کے بعد آئے اور کلام بھی کون سا ہو؟ موجب ہو۔ اور اب دوسری صورت ذکر کر رہے ہیں أَوْ مُقَدَّمًا عَلَى الْمُسْتَثْنَى مِنْهُ کہ مستثنیٰ وجوباً منصوب ہو گا جب وہ مستثنیٰ منہ پر مقدم ہو۔ توجہ ہے؟

جی اب دیکھیے بھئی شرح کے ساتھ، کہتے ہیں أَوْ مُقَدَّمًا عَطْفٌ عَلَى قَوْلِهِ بَعْدَ إِلَّا یہ ماتن کے قول بَعْدَ إِلَّا پر عطف ہے۔ أَيِ الْمُسْتَثْنَى اب پوری عبارت نکال رہے ہیں، پیچھے عبارت کیا آئی تھی متن میں؟ وَهُوَ مَنْصُوبٌ مستثنیٰ کیا ہوتا ہے؟ منصوب ہوتا ہے اور آگے شارحِ جامی نے بتلایا تھا وجوباً بھئی، تو مستثنیٰ وجوباً منصوب ہوتا ہے إِذَا كَانَ بَعْدَ إِلَّا جب وہ کس کے بعد ہو؟ إِلَّا کے بعد ہو اور کس میں ہو؟ کلامِ موجب میں۔ اب دوسری صورت بتلا رہے ہیں دیکھو پوری عبارت نکالیں گے: أَيِ الْمُسْتَثْنَى مَنْصُوبٌ وُجُوبًا مستثنیٰ وجوباً منصوب ہو گا إِذَا كَانَ الْمُسْتَثْنَى مُقَدَّمًا عَلَى الْمُسْتَثْنَى مِنْهُ جب کہ مستثنیٰ مقدم ہو مستثنیٰ منہ پر، سَوَاءٌ كَانَ فِي كَلَامٍ مُوجَبٍ أَوْ غَيْرِ مُوجَبٍ۔ بھئی پہلی صورت میں کیا آیا تھا؟ إِذَا كَانَ بَعْدَ إِلَّا غَيْرَ الصِّفَةِ فِي كَلَامٍ مُوجَبٍ کی قید آئی تھی اور یہاں کوئی قید نہیں آئی کہ کلام موجب ہو یا غیر موجب، معلوم ہوا دونوں صورتوں میں چاہے کلام موجب ہو چاہے غیر موجب ہو، جب مستثنیٰ مقدم ہو جائے مستثنیٰ منہ پر تو پھر وہ منصوب ہو گا۔

تو کہتے ہیں سَوَاءٌ كَانَ فِي كَلَامٍ مُوجَبٍ أَوْ غَيْرِ مُوجَبٍ برابر ہے کہ وہ مستثنیٰ کلامِ موجب میں ہو یا غیر موجب میں ہو۔ نَحْوُ مثال کے طور پر جَاءَنِي إِلَّا زَيْدًا الْقَوْمُ، زَيْدًا الْقَوْمُ ملا کر کیسے پڑھیں گے؟ إِلَّا زَيْدَنِ الْقَوْمُ۔ توجہ ہے؟ ذرا یوں کریں یہ الْقَوْمُ مؤخر ہے، اس کو ذرا إِلَّا سے پہلے لے آئیں، جَاءَنِي الْقَوْمُ إِلَّا زَيْدًا۔ جَاءَنِي الْقَوْمُ إِلَّا زَيْدًا آئے میرے پاس وہ لوگ إِلَّا زَيْدًا

سوائے زید کے۔ دیکھو یہ پہلی صورت بن گئی۔ یہ زَيْدًا کس کے بعد آ رہا ہے؟ مستثنیٰ کس کے بعد ہے؟ إِلَّا کے بعد ہے اور کس میں ہے؟ کلامِ موجب میں ہے کیونکہ جَاءَنِي الْقَوْمُ ہے یہاں پر نہ حرفِ نفی ہے، نہ یہ نہی ہے اور نہ استفہام، تو یہ کلامِ موجب بھی ہے اور إِلَّا کے بعد بھی مستثنیٰ آ رہا ہے تو ابھی پہلی صورت میں بتلایا تھا کہ وہ وجوباً منصوب ہو گا۔ اب اسی الْقَوْمُ کو یہاں سے اٹھا کر بالکل آخر میں لے گئے۔ جب الْقَوْمُ جو کہ مستثنیٰ منہ تھا وہ آخر میں آیا تو مستثنیٰ زَيْدًا اس پر مقدم ہو گیا جیسے اس وقت ہے جَاءَنِي إِلَّا زَيْدًا الْقَوْمُ۔ تو یہ زید مستثنیٰ منہ پر مقدم ہو گیا، مستثنیٰ مقدم ہو گیا مستثنیٰ منہ پر اور ابھی بتایا اس صورت میں بھی وجوباً منصوب ہو گا، اسی لیے جَاءَنِي إِلَّا زَيْدًا الْقَوْمُ یہاں بھی آپ زَيْدًا پر نصب ہی پڑھیں گے یہ واجب ہے۔

یہ تو مثال تھی کلامِ موجب کی جس میں مستثنیٰ مقدم ہے مستثنیٰ منہ پر۔ دوسری مثال اگلی مثال پر آئیے وَمَا جَاءَنِي إِلَّا زَيْدًا أَحَدٌ۔ یہاں ذرا أَحَدٌ کو إِلَّا سے ذرا پہلے لے آئیں، مَا جَاءَنِي أَحَدٌ میرے پاس کوئی ایک بھی نہیں آیا إِلَّا زَيْدًا سوائے زید کے۔ اب یاد رکھو یہ أَحَدٌ مستثنیٰ منہ ہے إِلَّا سے پہلے اور زَيْدًا کیا ہے؟ مستثنیٰ ہے، توجہ ہے؟ اور کلام کون سا کلام ہے؟ مَا جَاءَنِي، کلامِ غیر موجب ہے، کلامِ غیر موجب ہے۔ اور جب أَحَدٌ إِلَّا سے پہلے ہو تو کلام ہے غیر موجب اور مستثنیٰ منہ مذکور ہے مَا جَاءَنِي أَحَدٌ إِلَّا زَيْدًا تو مستثنیٰ منہ بھی مذکور ہے اور اس صورت میں آپ نے پڑھا تھا دو چیزیں جائز ہیں: نصب بھی جائز اور بدل بھی جائز۔ یہاں إِلَّا زَيْدًا بھی آپ پڑھ سکتے ہیں مَا جَاءَنِي أَحَدٌ إِلَّا زَيْدًا، اور آپ زید کو بدل بھی بنا سکتے ہیں أَحَدٌ سے، اور أَحَدٌ پر تو رفع ہے مَا جَاءَنِي أَحَدٌ اور بدل اور مبدل منہ کا اعراب ایک ہوتا ہے تو زَيْدٌ بھی پڑھ سکتے ہیں۔ تو آپ یوں بھی پڑھ سکتے ہیں مَا جَاءَنِي أَحَدٌ إِلَّا زَيْدًا نصب پڑھیں اور یوں بھی پڑھ سکتے ہیں مَا جَاءَنِي أَحَدٌ إِلَّا زَيْدٌ بھی پڑھ سکتے ہیں اور مختار کیا ہے؟ پسندیدہ کیا ہے؟ بدل بنانا، تو زَيْدٌ پڑھنا یہاں پسندیدہ۔ لیکن پھر اسی أَحَدٌ کو جو إِلَّا سے پہلے تھا اس کو اٹھا کر بالکل آخر میں لے گئے اور اب اس وقت یہ مثال جو کتاب میں ہے کیا بن گئی؟ مَا جَاءَنِي إِلَّا زَيْدًا أَحَدٌ۔ اب مستثنیٰ منہ جب سب سے آخر میں آیا تو مستثنیٰ اس پر مقدم ہو گیا۔ اب اگرچہ یہ کلامِ غیر موجب ہے، غیر موجب ہے مَا جَاءَنِي نفی موجود ہے لیکن مستثنیٰ مقدم ہے مستثنیٰ منہ پر اور ابھی انہوں نے آپ کو بتایا کہ مستثنیٰ جب بھی مقدم ہو گا مستثنیٰ منہ پر وہ وجوباً منصوب ہو گا چاہے کلامِ موجب ہو چاہے کلامِ غیر موجب۔ تو جب أَحَدٌ إِلَّا سے پہلے تھا تو زَيْدًا پڑھنا بھی جائز تھا اور زَيْدٌ پڑھنا بھی جائز، لیکن یہی أَحَدٌ اب آخر میں چلا گیا تو اب نصب ہی پڑھیں گے آپ بدل نہیں بنا سکتے۔ بھئی کیوں بدل کیوں نہیں بنا سکتے؟ کہتے ہیں اس لیے کیونکہ بدل ہمیشہ مبدل منہ کے بعد آتا ہے اور یہاں تو زَيْدًا أَحَدٌ پر مقدم ہو گیا ہے تو آپ اس کو بدل کیسے بنا سکتے ہیں؟ بدل تو بعد میں آتا ہے، مبدل منہ پر مقدم نہیں ہوتا، تو یہاں اس کو بدل بنانا ممکن ہی نہیں ہے۔ بات سمجھ میں آ گئی؟ یہی بیان کر رہے ہیں کہ اس وقت واجب ہو گا نصب لِامْتِنَاعِ تَقْدِيمِ الْبَدَلِ عَلَى الْمُبْدَلِ مِنْهُ اس لیے کیونکہ بدل کا مقدم کرنا مبدل منہ پر یہ ممتنع ہے بھئی۔

یہ ممتنع ہے، بدل مبدل منہ پر مقدم نہیں ہو سکتا کیونکہ بدل توابع میں سے ہے۔ آپ جانتے ہیں توابع آگے بیان بھی آئے گا پانچ چیزیں ہیں توابع بھئی، اور ان پر وہی اعراب آتا ہے جو ان کے ماقبل پر ہو۔ جیسے صفت پر وہی اعراب آتا ہے جو ماقبل میں موصوف پر ہوتا ہے، جیسے بدل پر وہی اعراب آتا ہے جو ماقبل میں مبدل منہ پر ہوتا ہے، تاکید پر وہی اعراب آتا ہے جو مؤکد پر ہو ماقبل کے اندر بھئی، اسی طرح معطوف علیہ پر جو اعراب آتا ہے وہی اعراب آگے معطوف پر بھی آئے گا تو معطوف بھی تابع ہوتا ہے معطوف علیہ کے، اسی طرح عطفِ بیان جو ہے وہ بھی توابع میں سے ہے اس پر بھی وہی اعراب آتا ہے جو ماقبل میں معطوف علیہ پر ہو۔ تو یہاں پر اب دوسرا اعراب بدل کا تھا، اب جب یہ مقدم ہو گیا اب یہ بدل نہیں بن سکتا تو لہٰذا بدل بنانا ممتنع ہو گیا، اب نصب واجب ہوا۔ تو کہتے ہیں لِامْتِنَاعِ تَقْدِيمِ الْبَدَلِ عَلَى الْمُبْدَلِ مِنْهُ اس وجہ سے کہ ممتنع ہے مقدم کرنا بدل کو مبدل منہ پر۔

أَوْ مُنْقَطِعًا یہ تیسری جگہ آ گئی بھئی جہاں پر مستثنیٰ پر نصب پڑھیں گے۔ بھئی پہلے متن دیکھ لو أَوْ مُنْقَطِعًا فِي الْأَكْثَرِ۔ یا مستثنیٰ جو ہے وہ منقطع ہو تو اس پر نصب پڑھیں گے فِي الْأَكْثَرِ اکثر لغات میں، اکثر لغات میں آپ کو بتلائیں گے۔ تو معلوم ہوا مستثنیٰ جب منقطع ہو تو اس پر نصب پڑھا جائے گا اکثر عرب کی لغات کے مطابق۔ بعض کے نزدیک نصب ضروری نہیں ہے لیکن اکثر کے نزدیک نصب ہی ضروری ہے، نصب ہی پڑھا جائے گا۔

دیکھیے بھئی اب اس کو شرح کے ساتھ أَوْ مُنْقَطِعًا أَيِ الْمُسْتَثْنَى مَنْصُوبٌ أَيْضًا وُجُوبًا یعنی مستثنیٰ جو ہے وہ منصوب ہو گا وجوباً، أَيْضًا کا ترجمہ یہاں کر لیں نیز بھئی نیز، أَيِ الْمُسْتَثْنَى مَنْصُوبٌ أَيْضًا وُجُوبًا کہ نیز مستثنیٰ منہ منصوب ہو گا وجوباً بھئی إِذَا كَانَ مُنْقَطِعًا بَعْدَ إِلَّا جب وہ مستثنیٰ منقطع ہو إِلَّا کے بعد آئے۔ یاد رکھنا ایک اور فائدہ یہاں پر، مستثنیٰ منقطع جو ہے نا مستثنیٰ منقطع وہ صرف تین لفظوں کے بعد آتا ہے، علماء فرماتے ہیں: ایک إِلَّا کے بعد کبھی آ جاتا ہے، ایک کبھی غَيْرٌ کے بعد آ جاتا ہے اور کبھی بَيْدَ کے بعد آتا ہے، کس کے بعد؟ بَيْدَ ب ی دبَيْدَ۔ تو ان کے بعد مستثنیٰ منقطع آتا ہے، باقی یہ جو لفظ ہیں استثنا والے ان میں سے کسی کے بعد مستثنیٰ منقطع نہیں آتا بھئی۔ توجہ ہے؟ تو کس کس کے بعد آئے گا مستثنیٰ؟ إِلَّا کے بعد آئے گا اور غَيْرٌ کے بعد آئے گا اور بَيْدَ کے بعد آئے گا بَيْدَ۔ اور بَيْدَ نیز ہمیشہ یاد رکھو وہ أَنَّ پر داخل ہوتا ہے، بَيْدَ کے بعد کیا آئے گا؟ أَنَّ اور أَنَّ کیا چاہتا ہے؟ ایک اسم اور ایک خبر، تو وہ آگے اس کے اسم اور خبر تو آئیں گے لیکن بَيْدَ خود اس أَنَّ پر داخل ہو گا۔ مثلاً آپ کسی کو بتلاتے ہیں زَيْدٌ كَثِيرُ الْمَالِ زید بڑے کثیر مال والا ہے، بڑا مالدار آدمی ہے بَيْدَ أَنَّهُ بَخِيلٌ۔ بَيْدَ أَنَّهُ بَخِيلٌ علاوہ اس کے کہ وہ بڑا بخیل ہے۔ تو یہ دیکھو یہ جو بَيْدَ آیا اس کے بعد أَنَّ آیا بَيْدَ أَنَّهُ بَخِيلٌ۔ اور شاید بَيْدَ کو اس لیے ذکر نہیں کیا یہاں پر کہ یہاں پر اعراب کی بات چل رہی ہے، کس کی؟ اور بَيْدَ کے بعد تو أَنَّ آتا ہے یعنی وہاں اعراب ظاہر نہیں ہوتا، وہاں وہ محلاً وہ اعراب آئے گا۔

تو کہتے ہیں أَيِ الْمُسْتَثْنَى مَنْصُوبٌ أَيْضًا وُجُوبًا کہ مستثنیٰ منہ نیز وجوباً منصوب ہوتا ہے إِذَا كَانَ مُنْقَطِعًا بَعْدَ إِلَّا جب

وہ منقطع ہو إِلَّا کے بعد، نَحْوُ مثال کے طور پر مَا فِي الدَّارِ أَحَدٌ إِلَّا حِمَارًا۔ مَا فِي الدَّارِ أَحَدٌ کوئی نہیں ہے فِي الدَّارِ اس گھر میں، مَا فِي الدَّارِ نہیں ہے اس گھر میں أَحَدٌ کوئی ایک بھی إِلَّا حِمَارًا سوائے گدھے کے۔ اب دیکھو یہ حمار کیا ہے؟ یہ مستثنیٰ منقطع ہے۔ ماقبل میں کہا کوئی ایک بھی نہیں ہے معلوم ہوا انسانوں کی نفی کی جا رہی ہے اور آگے ذکر کس کا آیا؟ حمار کا، تو یہ ماقبل کے اندر داخل نہیں تو یہ غیر مخرج ہوا۔ ہے إِلَّا اور اس کے اخوات کے بعد واقع ہے لیکن ماقبل سے مخرج نہیں ہے تو یہ مستثنیٰ منقطع ہے بھئی۔

آگے دیکھیے فِي الْأَكْثَرِ۔ فِي الْأَكْثَرِ بھئی دیکھو مستثنیٰ منقطع ہو فِي الْأَكْثَرِ، متن میں صرف فِي الْأَكْثَرِ آیا، تو اس الْأَكْثَرِ سے کیا مراد ہے؟ تو صاحبِ جامی آپ کو بتلائیں گے کہ اکثر سے مراد ہے اکثر لغات۔ عرب کے اکثر قبیلوں کی لغات جو ہیں وہ مراد ہیں اکثر قبیلوں کی لغات مراد ہیں ان کی زبان بھئی۔ بھئی عرب میں مختلف قبیلے آباد تھے بھئی اور آپ جانتے ہیں کہ تھوڑا بہت زبان میں فرق ہوتا ہے۔ قریب کے بھی دو شہروں میں آپ چلے جائیں جن میں تھوڑا فاصلہ ہو تو ایک شہر والوں کی زبان دوسرے شہر والوں کی زبان سے تھوڑا بہت معمولی فرق ہوتا ہے اور پھر جوں جوں فاصلہ بڑھتا جاتا ہے یہ فرق بھی بڑھتا چلا جاتا ہے بھئی۔

تو عرب کے جو قبیلے تھے ان میں سے اکثر کی لغات میں مستثنیٰ منقطع منصوب ہوتا ہے وجوباً۔ ہاں بنو تمیم والے جو ہیں ان کے ان میں تھوڑا سا فرق ہے اس کو وہ آگے شارحِ جامی ذکر کریں گے۔ تو الْأَكْثَرِ سے کیا مراد ہیں؟ اکثر لغات۔ اکثر زبانیں جو ہیں عرب کے قبیلوں کی، توجہ ہے؟ تو دیکھو الْأَكْثَرِ آیا، متن میں تو آیا فِي الْأَكْثَرِ یعنی الْأَكْثَرِ آیا اور مراد کیا ہیں؟ اکثر لغات ہیں۔ تو اس میں پھر بعض شارح میں یہ بات پہلے بھی ہو چکی ہے کہ بعض کہتے ہیں کہ یہ الف لام عوض ہے مضاف الیہ کا۔ اصل میں کیا تھا؟ أَكْثَرِ اللُّغَاتِ، کیا تھا؟ فِي أَكْثَرِ اللُّغَاتِ پھر اللُّغَاتِ مضاف الیہ کو حذف کیا گیا اور اکثر پر کیا لے آئے؟ الف لام لے آئے تو کیا بن گیا؟ فِي الْأَكْثَرِ، تو یہ الف لام عوض ہے مضاف الیہ کا۔ جبکہ نحویوں کا دوسرا گروہ وہ بھی یہی کہتا ہے الْأَكْثَرِ سے کیا مراد ہے؟ مثلاً أَكْثَرُ اللُّغَاتِ مراد ہے لیکن وہ یہ نہیں کہتے کہ یہ الف لام مضاف الیہ کا عوض ہے۔ وہ کہتے ہیں الف لام مضاف الیہ کا عوض نہیں ہو سکتا۔ پھر کیسے اس سے أَكْثَرُ اللُّغَاتِ مراد ہے؟ وہ کہتے ہیں الف لام کے ذریعے کسی چیز کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے تو الْأَكْثَرِ سے ہر اکثر نہیں مراد بلکہ کون سا اکثر مراد ہے؟ أَكْثَرُ اللُّغَاتِ مراد ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو مآل دونوں کے کلام کا حاصل ایک ہی ہے کہ الْأَكْثَرِ سے کیا مراد ہے؟ أَكْثَرُ اللُّغَاتِ مراد ہے۔ پہلے گروہ والے بھی یہی کہتے ہیں، دوسرے گروہ والے بھی یہی کہتے ہیں، البتہ صرف کس طرح مراد ہے اس میں فرق ہے۔ ایک گروہ والے کہتے ہیں کہ الف لام عوض ہے مضاف الیہ کا اور دوسرے کہتے ہیں کہ الف لام مضاف الیہ کا عوض نہیں ہوتا بلکہ الف لام کے ذریعے اشارہ کیا جاتا ہے تو الْأَكْثَرِ کے ذریعے اشارہ ہے کس کی طرف؟ أَكْثَرُ اللُّغَاتِ کی طرف۔

تو کہتے ہیں فِي الْأَكْثَرِ أَيْ فِي أَكْثَرِ اللُّغَاتِ اکثر لغات کے اندر، وَهِيَ لُغَاتُ أَهْلِ الْحِجَازِ اور یہ اہلِ حجاز والوں کی لغات

ہیں یعنی ان کی زبانیں ہیں، لغت کا کیا معنی؟ زبان، یہ ان کی زبانیں ہیں۔ یاد رکھو حجاز عرب کا ایک بڑا علاقہ ہے وہ حجاز کہلاتا ہے۔ مکہ اور مدینہ بھی اسی کے اندر آتے ہیں حالانکہ مکہ اور مدینہ کے اندر کوئی چار ساڑھے چار سو کلومیٹر کا فاصلہ ہے، لیکن دونوں اسی حجاز علاقے کے اندر آتے ہیں۔ تو یہ اہلِ حجاز جو اس علاقے کے لوگ تھے یہ سارے جو ہیں ان کی زبان میں اسی طرح ہے کہ یہ مستثنیٰ منقطع پر نصب پڑھتے ہیں بھئی۔

تو کہتے ہیں وَهِيَ لُغَاتُ أَهْلِ الْحِجَازِ اور یہ اہلِ حجاز والوں کی زبانیں ہیں فَإِنَّهُمْ قَبَائِلُ كَثِيرُونَ اس لیے کیونکہ وہ بہت سے قبیلے ہیں۔ یہ سارا علاقہ بھئی اتنا بڑا علاقہ ہے تو اس میں بہت سے قبیلے تھے بھئی، قریش بھی اسی کے اندر تھا اور قبیلے بھی اسی میں تھے، ان میں سے اکثر کی لغت یہی ہے کہ مستثنیٰ منقطع پر وجوباً نصب پڑھتے ہیں۔

أَوْ فِي أَكْثَرِ مَذَاهِبِ النُّحَاةِ یہ دوسرا احتمال ذکر کر رہے ہیں صاحبِ جامی کہ پہلا احتمال کیا؟ فِي الْأَكْثَرِ سے کیا مراد؟ فِي أَكْثَرِ اللُّغَاتِ۔ اور دوسرا احتمال کیا ہے؟ فِي أَكْثَرِ مَذَاهِبِ النُّحَاةِ نحویوں کے اکثر مذاہب جو ہیں ان کے مطابق مستثنیٰ منقطع منصوب ہو گا وجوباً۔ اور کہتے ہیں بات ایک ہی ہے چاہے اکثر لغات کہہ لیں کیونکہ اس سے اہلِ حجاز کی لغات مراد ہیں اور یا آپ یوں کہہ لیں فِي أَكْثَرِ مَذَاهِبِ النُّحَاةِ بھئی نحویوں کے اکثر مذاہب جو ہیں اس میں مستثنیٰ منقطع منصوب ہو گا، وجہ یہ کہ نحوی حضرات بھی زیادہ تر اہلِ حجاز کی لغات کی طرف ہی گئے ہیں بھئی، تو بات ایک ہی ہے، بات سمجھ میں آ گئی؟

کہتے ہیں أَوْ فِي أَكْثَرِ مَذَاهِبِ النُّحَاةِ یا نحویوں کے اکثر مذاہب میں، فَإِنَّ أَكْثَرَهُمْ ذَهَبُوا إِلَى اللُّغَةِ الْحِجَازِيَّةِ اس لیے کیونکہ اکثر نحوی جو ہیں وہ گئے ہیں لغتِ حجازی کی طرف، حجاز والوں کی لغت اور ان کی زبان کی طرف وہ گئے ہیں، اسی کو انہوں نے اختیار پسندیدہ قرار دیا ہے۔ فَالْمُنْقَطِعُ مُطْلَقًا مَنْصُوبٌ عِنْدَهُمْ تو مستثنیٰ منقطع جو ہے وہ مطلقاً منصوب ہوتا ہے ان کے نزدیک۔ یہ جو اکثر ہیں اکثر لغات ہیں یا اکثر نحوی حضرات کا مذہب ہے، ان کے مطابق مستثنیٰ منقطع مطلقاً یعنی جس قسم کا بھی ہو، جس قسم کا بھی ہو اس میں کوئی قید نہیں، مستثنیٰ منقطع مطلقاً ان کے نزدیک منصوب ہو گا۔

تو کہتے ہیں فَالْمُنْقَطِعُ مُطْلَقًا مَنْصُوبٌ عِنْدَهُمْ پس منقطع جو ہے وہ مطلقاً منصوب ہے ان کے نزدیک إِذْ لَا يُتَصَوَّرُ فِيهِ إِلَّا بَدَلُ الْغَلَطِ اس لیے کیونکہ اس کے اندر تصور نہیں کیا جا سکتا مگر بدل الغلط کا، مگر کس کا؟ بدل الغلط کا۔

بھئی دیکھیے یہاں بدل کے بارے میں سمجھ لیں۔ آگے بدل کا ذکر بھی آئے گا اور صاحبِ کتاب آپ کو بتلائیں گے کہ بدل کی چار قسمیں ہیں۔ کتنی قسمیں ہیں؟ چار۔ ایک ہے بدل الکل، ایک ہے بدل البعض، ایک ہے بدل الاشتمال اور ایک ہے بدل الغلط۔ توجہ ہے؟ ایک کیا ہے؟ بدل الکل، ایک ہے بدل البعض، ایک ہے بدل الاشتمال اور ایک ہے بدل الغلط۔

بدل الکل کسے کہتے ہیں؟ ادھر دیکھیے مثلاً میں آپ سے کہتا ہوں جَاءَنِي زَيْدٌ أَخُوكَ۔ جَاءَنِي زَيْدٌ أَخُوكَ۔ آپ کا بھائی ہے مثلاً اس کا نام زید ہے، وہ میرے پاس آیا تھا۔ جَاءَنِي زَيْدٌ أَخُوكَ۔ ترکیب کیسے ہو گی؟ جَاءَ فعل، نون وقایہ، يَاء ضمیر منصوب محلاً مفعول بہ، زَيْدٌ مرفوع لفظاً مبدل منہ، آگے یہ أَخُوكَ مضاف مضاف الیہ مل کر بدل بنیں گے۔ توجہ ہے؟ تو زَيْدٌ

مرفوع لفظاً مبدل منہ، أَخُو مرفوع لفظاً مضاف کیونکہ آگے کاف ضمیر آرہی ہے اور جس اسم کے ساتھ بھی ضمیر متصل آجائے وہ آپس میں کیا بنتے ہیں؟ مضاف مضاف الیہ۔ تو أَخُو مرفوع لفظاً مضاف، اب بتائیے مرفوع کیوں؟ کیونکہ یہ بدل بن رہا ہے، شاباش۔ ماقبل میں مبدل منہ ہے اور اس نے کیا بننا ہے؟ بدل۔ اور مبدل منہ اور بدل کا اعراب ایک ہوتا ہے، ماقبل زَيْدٌ وہ بھی مرفوع تو أَخُو یہ بھی کیا ہو گا؟ مرفوع، اور أَخُو کس میں سے ہے؟ اسمائے ستہ مکبرہ موحدہ مضافہ الی غیریاء المتکلم، اور اس وقت یہ بھی مضاف ہو رہا ہے کاف ضمیر کی طرف یعنی غیریاء متکلم کی طرف، اور اس کا رفع کس کے ساتھ آتا ہے؟ واؤ کے ساتھ، اسی لیے أَخُوكَ ہے۔ جی تو یہ أَخُو مرفوع لفظاً مضاف، اور مضاف آپ کو کیسے پتہ چلا یہ مضاف ہے اور آگے مضاف الیہ آرہا ہے؟ تو آپ کیا کہیں گے کہ اس کے ساتھ ضمیر متصل ہے۔ آگے کاف ضمیر ہے اس کا اعراب بتائیے: مجرور محلاً مضاف الیہ۔ أَخُوكَ بھئی میں تو اس پر نصب پڑھ رہا ہوں آپ اس کو مجرور کیسے کہہ رہے ہیں؟ شاباش یہ اس کا اعراب نہیں ہے، یہ اس کی حرکت ہے کیونکہ یہ تو ضمیر ہے، ضمیر تو مبنیات میں سے ہے اس پر تو اعراب ظاہر ہی نہیں ہوتا۔ تو پھر أَخُوكَ أَخُو مضاف اپنے مضاف الیہ سے مل کر یہ بدل ہوا زَيْدٌ کے لیے، اور مبدل منہ اپنے بدل سے مل کر یہ فاعل ہوا جَاءَنِي کے لیے اور فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہوا۔ جَاءَنِي زَيْدٌ میرے پاس زید یعنی آپ کا بھائی آیا تھا۔ دیکھو اس کو کہتے ہیں بدل الکل، کیا کہتے ہیں؟ بدل الکل کہتے ہیں۔ یاد رکھو بدل الکل اسے کہتے ہیں کہ بدل اور مبدل منہ دونوں کا مدلول ایک ہی چیز ہو۔ دونوں کا مدلول ایک ہی ہو بھئی۔ زید سے جو ذات مراد ہے آپ کا بھائی بھی وہی ہے، زید آپ کا بھائی ہے مثلاً اس کا نام زید ہے وہ میرے پاس آیا تھا، تو میں زید کہوں تو بھی وہی ذات مراد، میں أَخُوكَ کہوں آپ کا بھائی تو اس سے بھی وہی ذات مراد ہے۔ دیکھو دونوں کا مدلول بالکل ایک ہے۔ توجہ ہے؟ تو بدل الکل کسے کہتے ہیں؟ کہ بدل اور مبدل منہ دونوں کا مدلول ایک ہو۔ اگر ایک نہیں ہو گا تو معلوم ہوا یہ بدل الکل نہیں ہے بھئی۔

دوسری قسم ہے بدل البعض۔ بدل البعض اسے کہتے ہیں جس میں بدل جو بعد میں آرہا ہے، بدل جو بعد میں آتا ہے وہ مبدل منہ کا جز ہوتا ہے، اس کا بعض ہوتا ہے۔ جیسے میں کہتا ہوں ضَرَبْتُ زَيْدًا رَأْسَهُ۔ ضَرَبْتُ زَيْدًا میں نے زید کو مارا رَأْسَهُ یعنی اس کے سر کو، اس کے سر کو۔ تو دیکھو یہ زَيْدًا یہ مبدل منہ ہے اور رَأْسَهُ یہ بدل ہے بھئی، اور هَاء ضمیر زید کو راجع ہے، زید کا سر۔ اور مجھے بتائیے زید کا سر وہ زید کا کل ہے یا اس کا بعض ہے؟ اس کا بعض ہے، اس کا جز ہے بھئی۔ تو اس کو کیا کہیں گے؟ بدل البعض کہیں گے۔ بدل الکل کسے کہتے ہیں؟ پھر دہرائیں کہ مبدل منہ اور بدل دونوں کا مدلول ایک ہو، بالکل ایک جیسا ہونا چاہیے، اور بدل البعض وہ ہے کہ اس کا مدلول مبدل منہ کے مدلول کا جز ہو بھئی۔ ضَرَبْتُ زَيْدًا رَأْسَهُ، زَيْدًا منصوب ہے اور رَأْسَهُ یہ بھی منصوب ہے کیونکہ یہ بدل ہے بھئی اور بدل پر وہی اعراب آتا ہے جو مبدل منہ پر ہو۔

تیسرا ہے بدل الاشتمال۔ بدل الاشتمال اسے کہتے ہیں کہ مبدل منہ اور بدل میں تعلق ہوتا ہے۔ مبدل منہ اور بدل میں

تعلق ہوتا ہے، نہ وہ اس کا کل ہوتا ہے نہ جز ہوتا ہے البتہ اس کے ساتھ اس کا تعلق ہوتا ہے۔ جیسے سُلِبَ زَيْدٌ ثَوْبُهُ۔ سُلِبَ سلب کا معنی ہے چھیننا۔ سُلِبَ زَيْدٌ زید کو چھینا گیا ثَوْبُهُ یعنی اس کے کپڑے کو۔ زید کو چھینا گیا یعنی اس کے کپڑے کو۔ اب دیکھو زَيْدٌ یہ مبدل منہ ہے اور ثَوْبُهُ أَيْ ثَوْبُ زَيْدٍ یہ هَاء ضمیر زید کو راجع ہے، یہ کیا ہے؟ بدل ہے، اور دیکھو یہ کپڑے کا زید سے تعلق ہے کیونکہ یہ کس کا کپڑا ہے؟ ثَوْبُهُ اس کا یعنی زید کا کپڑا ہے۔ تو بدل الکل کسے کہتے ہیں؟ کہ دونوں کا مدلول ایک ہو بدل اور مبدل منہ کا۔ بدل البعض کسے کہتے ہیں؟ کہ اس بدل کا مدلول وہ مبدل منہ کے مدلول کا جز ہو۔ اور بدل الاشتمال کسے کہتے ہیں؟ کہ بدل کا تعلق ہو کس کے ساتھ؟ مبدل منہ کے ساتھ، نہ وہ اس کا کل ہو اور نہ جز ہو۔ توجہ ہے؟

لیکن پھر بھی بات واضح نہیں ہوتی، سُلِبَ زَيْدٌ ثَوْبُهُ چھینا گیا زید کو یعنی اس کے کپڑوں کو، اس کے کپڑوں کو۔ بات پھر بھی واضح نہیں، تو بعض اور علماء نے بڑی پیاری تعریف کی بدل الاشتمال کی، وہ کہتے ہیں بدل الاشتمال وہ ہے کہ مبدل منہ فعل کا محل نہیں ہوتا، وہ فعل کو قبول نہیں کرتا۔ میں نے کہا سُلِبَ زَيْدٌ زید کو چھینا گیا، تو آپ سوچ میں پڑ گئے زید کو چھینا گیا کیا معنی؟ زید کی چیزوں کو چھینا جا سکتا ہے، زید کو چھیننے کا کیا مطلب ہے؟ توجہ ہے؟ تو جو مبدل منہ ہوتا ہے وہ فعل کو قبول نہیں کرتا، وہ فعل کا محل نہیں بنتا، ذہن ابھی بھی منتظر ہوتا ہے کہ آگے کوئی اور لفظ آنا چاہیے جو فعل کو قبول کر لے۔ تو جب میں نے کہا سُلِبَ زَيْدٌ تو آپ پریشان تھے کہ زید کو چھینا گیا، بھئی زید اس کو تو نہیں چھینا جا سکتا بھئی، تو یہ فعل کا محل نہیں، یہ فعل کو قبول نہیں کر رہا، ذہن ابھی بھی منتظر ہے، آگے کوئی اور لفظ آنا چاہیے جو فعل کو کیا کر لے؟ قبول کر لے، اور آگے پھر ثَوْبُهُ آیا: زید کو چھینا گیا یعنی اس کے کپڑوں کو چھینا گیا، اب بات ٹھیک بن گئی۔ زید کو تو نہیں چھینا جا سکتا لیکن اس کے کپڑوں کو چھینا جا سکتا ہے۔ تو بدل الاشتمال کسے کہتے ہیں؟ پہلی تعریف کیا تھی؟ کہ بدل اور مبدل منہ میں تعلق ہوتا ہے، اور دوسری تعریف کیا کی؟ کہ مبدل منہ وہ فعل کو قبول نہیں کرتا، وہ فعل کا محل نہیں بنتا، وہ ذہن اب منتظر رہتا ہے کہ آگے بدل آئے اور وہ آگے کوئی اور لفظ آئے اور وہ اس فعل کو قبول کرے۔ تو سُلِبَ زَيْدٌ ثَوْبُهُ چھینا گیا زید کو یعنی اس کے کپڑوں کو، یہ ثَوْبُهُ کیا ہے؟ بدل الاشتمال ہے۔

چوتھی قسم بدل کی وہ بدل الغلط ہے بھئی۔ بدل الغلط جو ہے اس کو بدل الغلط اس لیے کہتے ہیں کیونکہ غلطی اس کا سبب بنتی ہے۔ مثلاً میں آپ کو بتانا چاہتا تھا میرے پاس عمرو آیا ہے، تو بتاتے بتاتے میری زبان پر بے خیالی میں زید آگیا، میں نے کہا جَاءَنِي زَيْدٌ، اور میں بتانا کس کے بارے میں چاہتا تھا؟ عمرو کے بارے میں، تو میں اگلے ہی لمحے اس کی اصلاح بھی کر لیتا ہوں، عمرو لے آتا ہوں: جَاءَنِي زَيْدٌ عَمْرٌو۔ جَاءَنِي زَيْدٌ عَمْرٌو، یہ زید میں کیوں لایا؟ غلطی کی وجہ سے۔ کس کی وجہ سے؟ بے خیالی کی میں غلطی ہو گئی مجھ سے، تو لیکن ساتھ ہی میں نے اصلاح بھی کر دی جَاءَنِي زَيْدٌ عَمْرٌو۔ تو یہ جو عمرو کو لے کر آیا میں یہ بدل الغلط ہے۔ یہ اس کو بدل الغلط کیوں کہتے ہیں؟ کیونکہ ماقبل کی غلطی اس کے لانے کا سبب بنی۔ غلطی سے جو میں نے زید کہہ دیا تھا وہ اس کے لانے کا سبب بنی۔ بات سمجھ میں آگئی؟ جَاءَنِي زَيْدٌ عَمْرٌو۔

اب مجھے بتائیے ایک مثال میں آپ کے سامنے ذکر کروں گا کہ یہ کون سا بدل ہے؟ جَاءَنِي زَيْدٌ أَخُوهُ. میرے پاس زید آیا یعنی زید کا بھائی، جَاءَنِي زَيْدٌ أَخُوهُ، یہ أَخُوهُ کون سا بدل ہے؟ ہاں بظاہر طلباء فوراً کہتے ہیں بدل الکل ہے، حالانکہ میں نے تعریف بتلائی آپ کو بدل الکل کسے کہتے ہیں؟ دونوں کا مدلول ایک ہو۔ زید جس پر دلالت کر رہا ہے کیا زید کا بھائی وہ بھی اسی پر دلالت کر رہا ہے؟ زید الگ ہے، زید کا بھائی الگ ہے، توجہ ہے؟ زید ذات اور ہے، أَخُوهُ اور زید کا بھائی اور ہے، تو دیکھو دونوں کا مدلول ایک نہیں ہے۔ بس آپ نے اتنا یاد رکھنا ہے بدل الکل میں دونوں کا مدلول ایک ہو گا۔ توجہ ہے؟ تو پھر جَاءَنِي زَيْدٌ أَخُوهُ پھر یہ کون سا بدل ہے؟ جی زَيْدٌ أَخُوهُ کیا زید کا بھائی زید کا جز ہے؟ نہیں یہ بدل البعض بھی نہیں۔ بدل الاشتمال؟ بدل الاشتمال جس میں تو مبدل منہ فعل کو قبول ہی نہیں کرتا، جَاءَنِي زَيْدٌ یہ زید تو فعل کو قبول کر رہا ہے بھئی، زید آسکتا ہے یا نہیں آسکتا؟ یہ تو فعل کو قبول کر رہا ہے۔ تو یاد رکھو یہ بدل الغلط کی مثال ہے، میں کہنا کیا چاہتا تھا کہ زید کا بھائی آیا ہے لیکن غلطی سے زبان پر کیا آگیا؟ زید۔ میں نے فوراً اصلاح کر دی جَاءَنِي زَيْدٌ أَخُوهُ، تو یہ کیا ہے؟ بدل الغلط ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟

تو کہتے ہیں فَالْمُنْقَطِعُ مُطْلَقًا مَنْصُوبٌ عِنْدَهُمْ منقطع جو ہے مستثنیٰ منقطع وہ مطلقاً منصوب ہوتا ہے اکثر نحویوں کے نزدیک إِذْ لَا يُتَصَوَّرُ فِيهِ إِلَّا بَدَلُ الْغَلَطِ اس لیے کیونکہ اس میں تصور نہیں ہو سکتا مگر بدل الغلط کا ہی، مگر کس کا؟ بدل الغلط کا۔ مثلاً ادھر دیکھیے میں ایک جملہ آپ کے سامنے کہتا ہوں مَا جَاءَنِي الْقَوْمُ، مَا جَاءَنِي الْقَوْمُ میرے پاس وہ لوگ نہیں آئے، میں نے بتایا تھا کہ الْقَوْمُ مردوں کی جماعت کو کہتے ہیں تین سے لے کر نو تک، اس میں عورتیں داخل نہیں، ہاں کبھی کبھار تبعاً عورتیں بھی داخل ہو جاتی ہیں لیکن اصل میں یہ مردوں کی جماعت کو کہتے ہیں۔ تو میں ایک خاص جماعت کی طرف میں نے اشارہ کیا مَا جَاءَنِي الْقَوْمُ میرے پاس وہ لوگ نہیں آئے إِلَّا حِمَار میں کہتا ہوں، کیا کہتا ہوں؟ إِلَّا حِمَار۔ اب مجھے بتائیے إِلَّا حِمَار کون سا مستثنیٰ ہے؟ منقطع ہے، اور اس میں کیا پڑھیں گے؟ نصب پڑھیں گے ابھی بتایا نصب پڑھنا واجب، تو مَا جَاءَنِي الْقَوْمُ إِلَّا حِمَارًا تو یہاں نصب ہی پڑھیں گے۔ اگر آپ بدل بنانا چاہتے ہیں، بدل بنانا چاہتے ہیں تو حمار کو بدل بنائیں گے کس سے؟ الْقَوْمُ سے۔ مَا جَاءَنِي الْقَوْمُ إِلَّا حِمَار، حمار کو بدل بنانا چاہتے ہیں نا فرض کریں۔ ہم نے تو کہا نصب ہی واجب ہے لیکن اگر آپ یہ کہیں کہ اس میں دوسرا اعراب بھی ہو سکتا ہے تو پھر دوسری قسم یہ ہے کہ بدل بناؤ۔ اور یہاں ماقبل میں ہے الْقَوْمُ اور مابعد میں کیا ہے؟ حمار۔ تو کیا یہ بدل الکل بن سکتا ہے؟ کیا الْقَوْمُ اور الْحِمَارُ کا مدلول ایک ہے؟ نہیں یہ ان کا مدلول ایک نہیں، بدل الکل بھی نہیں ہو سکتا۔ اور کیا حمار الْقَوْمُ کا جز ہے؟ نہیں یہ بدل البعض بھی نہیں ہو سکتا۔ اور کیا یہ الْقَوْمُ یہ فعل کو قبول نہیں کر رہا؟ مَا جَاءَنِي الْقَوْمُ یہ تو فعل کو قبول کر رہا ہے، توجہ ہے؟ اس کے بعد ذہن آگے کسی اور چیز کا منتظر نہیں رہتا اگر آپ کسی کو صرف اتنا کہیں مَا جَاءَنِي الْقَوْمُ وہ لوگ میرے پاس نہیں آئے تھے، دیکھو بات بالکل واضح ہے۔ توجہ ہے؟ تو معلوم ہوا یہ بدل الاشتمال بھی نہیں ہو سکتا، تو آخری صورت یہ رہ گئی کہ پھر یہ بدل الغلط ہو

سکتا ہے، کیا ہو سکتا ہے؟ بدل الغلط ہو سکتا ہے۔

تو بات یہ چل رہی ہے پھر سنو کہ مستثنیٰ منقطع اکثر کے نزدیک منصوب ہی ہو گا وجوباً، اس کو بدل نہیں بنا سکتے کیونکہ اگر بدل بناؤ گے تو بدل کے بنانے کی تو ایک ہی صورت ہے اس کو کون سا بدل بنانا پڑے گا؟ بدل الغلط بنانا پڑے گا، توجہ ہے؟ بدل الغلط بنانا پڑے گا۔ اور بدل الغلط یاد رکھو فصیح کلام میں بدل الغلط کی گنجائش نہیں ہے۔ فصیح کلام تو اس کو کہتے ہیں جس میں غلطیاں اور خرابیاں نہ ہوں بھئی اور یہاں تو غلطی کی وجہ سے آپ کو آگے بدل لانا پڑا، تو فصیح کلام میں اس کی گنجائش نہیں۔ مثلاً فصیح کلام عام بول چال میں تو ہو جاتی ہے غلطی لیکن یہ جو ہم عربی کے اندر عربی کے اندر مختلف لوگوں کا کلام نقل کرتے ہیں، خصوصاً شاعروں کے اشعار نقل کیے جاتے ہیں کہ دیکھو یہ کتنے فصیح اشعار ہیں یا فلاں کا کتنا فصیح خطبہ ہے، توجہ ہے؟ تو اس میں اگر غلطیاں ہوں گی تو پھر تو اس کو کوئی بھی نقل نہیں کرے گا، اور شاعر شعر کہہ رہا ہے اس میں ایک لفظ لے آیا پھر آگے غلطی کی وجہ سے دوسرا لفظ کبھی وہ لائے گا؟ نہیں، وہ بدل الغلط کی گنجائش اپنے کلام میں رکھتے ہی نہیں، فصیح کلام میں غلطی کی گنجائش نہیں ہوتی بھئی۔

تو اگر مستثنیٰ منقطع کو آپ بدل بھی بنانا چاہیں تو کون سا بدل بنے گا؟ بدل الغلط بنے گا اور فصیح کلام میں غلطی کی گنجائش نہیں۔ بلکہ صاحبِ جامی آپ کو مزید بتلائیں گے، مزید بتلائیں گے کہ بھئی یہ جو مستثنیٰ منقطع ہوتا ہے وہ انتہائی ذہانت اور سمجھداری کی وجہ سے لایا جاتا ہے۔ فصیح کلام میں مستثنیٰ منقطع جو لایا جاتا ہے وہ کس وجہ سے لایا جاتا ہے؟ انتہائی غور و فکر اور سمجھداری کے بعد لایا جاتا ہے۔ اور اگر آپ اس کو بدل بنائیں گے تو بدل الغلط بنے گا اور بدل الغلط سمجھداری کی وجہ سے آتا ہے یا غلطی کی وجہ سے آتا ہے؟ غلطی کی وجہ سے، تو دیکھو مستثنیٰ منقطع جو ہے وہ تو سمجھداری اور ذہانت کی وجہ سے لایا جاتا ہے لہٰذا اس پر نصب ہی پڑھیں گے۔ اگر آپ اس کو بدل بنانا بھی چاہیں پھر تو وہ بدل الغلط بنے گا اور بدل الغلط تو کس لیے لایا جاتا ہے؟ غفلت کی وجہ سے لایا جاتا ہے، تو دونوں بالکل ایک دوسرے کے متضاد ہو گئے، ایک چیز ناسمجھی کی وجہ سے ہو اور ایک چیز انتہائی ذہانت کی وجہ سے ہو، یہ تو نہیں ہو سکتا۔ بات بھی سمجھ میں آ رہی ہے کہ نہیں؟ کیا؟ کہ مستثنیٰ منقطع پر کیا پڑھیں گے ہمیشہ؟ نصب۔ اگر آپ نصب کے ساتھ دوسرا اعراب بھی اگر جائز قرار دیں گے تو وہ کون سا بنتا ہے؟ بدل کا، اور پھر بدل بھی کون سا بنے گا؟ بدل الغلط بنے گا اور بدل الغلط کس وجہ سے ہوتا ہے؟ یہ بدل الغلط غلطی کی وجہ سے ہوتا ہے یعنی غفلت کی وجہ سے ہوتا ہے، حالانکہ مستثنیٰ منقطع جو ہے وہ تو غفلت کی وجہ سے نہیں کیا جاتا وہ تو انتہائی سمجھداری کی وجہ سے کیا جاتا ہے۔ بات سمجھ میں آ گئی؟ ابھی بھی بات آپ کو شاید سمجھ میں نہ آئی ہو کہ مستثنیٰ منقطع انتہائی سمجھداری کی وجہ سے کیوں کیا جاتا ہے؟ وجہ یہ کہ آپ کے ذہن میں وہ مثال ہے جَاءَنِي الْقَوْمُ إِلَّا حِمَارًا، یہ حِمَارًا کوئی سمجھداری کی وجہ سے لائے ہیں؟ نہیں یہ تو ویسے آپ کو سمجھانے کے لیے مثال لے کر آئے ہیں، توجہ ہے؟ ہاں

آپ عرب کے اشعار اٹھائیں گے وہاں آپ کو مستثنیٰ منقطع کی مثالیں ملیں گی، آپ ان کی ذہانت پر حیران رہ جائیں گے۔ مثلاً ایک مثال ہے ذرا اپنے سامنے ایک مثال لکھو، جلدی کیجیے: لَا عَيْبَ فِيهِ غَيْرَ أَنَّهُ شُجَاعٌ۔ لَا عَيْبَ فِيهِ غَيْرَ أَنَّهُ شُجَاعٌ۔

لکھ لیا؟ بس اب اس مثال پہ ذرا نظر رکھیں۔ لَا عَيْبَ فِيهِ، کوئی شاعر کسی کی تعریف مثلاً کر رہا ہے لَا عَيْبَ فِيهِ اس شخص میں کوئی عیب نہیں ہے، غَيْرَ أَنَّ مگر ایک بات ہے، سننے والا سمجھتا ہے ماقبل میں سارے عیبوں کی نفی کر دی اب اس کے بعد ان میں سے کوئی عیب نکال کر کیا کرے گا؟ ثابت کرے گا۔ آگے وہ کہتا ہے غَيْرَ أَنَّهُ شُجَاعٌ مگر ایک بات ہے کہ وہ بہادر ہے۔

اب اولاً ذہن میں یہ آیا کہ شاید اب کوئی بری صفت آگے آئے گی لیکن ذرا غور کیا او ہو ماقبل میں بھی صفت ہے اس میں کوئی عیب نہیں اور غَيْرَ أَنَّهُ شُجَاعٌ مگر یہ کہ وہ بہادر ہے، تو غَيْرَ کے بعد بھی تعریف کر دی۔ غَيْرَ سے پہلے بھی تعریف تھی، غَيْرَ کے بعد بھی تعریف کر دی۔ گویا تعریف در تعریف کر دی اس نے۔ گویا کہنے والا یہ کہنا چاہتا ہے کہ میں جس شخص کی تعریف کر رہا ہوں اس میں کوئی عیب نہیں ہے دنیا کا، ہاں ایک عیب ہے اس میں اور وہ کیا ہے؟ بہادری ہے۔ لیکن پتہ چلا بہادری تو عیب ہے ہی نہیں، بہادری تو صفتِ کمال ہے، لوگ اس پر فخر کرتے ہیں۔ معلوم ہوا کہنے والا یہ کہنا چاہتا ہے کہ میں جس شخص کی تعریف کر رہا ہوں اس میں کوئی عیب نہیں، اس میں عیب ہونے کی ایک ہی صورت ہے کہ آپ بہادری کو عیب مان لیں، آپ بہادری کو عیب مان لیں پھر اس میں عیب ہو سکتا ہے اور بہادری کو تو کوئی بھی عیب نہیں مانتا، معلوم ہوا میں جس کی تعریف کر رہا ہوں اس میں کوئی عیب ہو ہی نہیں سکتا۔ توجہ ہے؟ اب دیکھو یہ کتنی ذہانت والا کلام ہے بھئی۔ معنی سمجھ میں آگیا؟

تو معلوم ہوا کہ مستثنیٰ منقطع ہمیشہ منصوب ہو گا۔ اگر کوئی اور اعراب آپ لانا بھی چاہیں تو بدل ہو سکتا ہے لیکن بدل کا یہاں تصور نہیں کیا جا سکتا کیونکہ یہاں وہ بدل الغلط ہی بن سکے گا اور بدل الغلط کا سبب کیا بنتا ہے؟ وہ غلطی اور غفلت بنتی ہے، بھول چوک جو ہے وہ اس کا سبب بنتی ہے، جبکہ مستثنیٰ منقطع کا سبب تو ذہانت اور سمجھداری ہوتی ہے بھئی فصیح کلام کے اندر۔ بات سمجھ میں آگئی؟ معلوم ہوا مستثنیٰ منقطع کو بدل الغلط بھی قرار نہیں دے سکتے، تو معلوم ہوا بدل کی کوئی بھی صورت ممکن نہیں ہے تو اس پر نصب پڑھنا ہی واجب ہو گا۔ تقریر سمجھ میں آگئی؟

کہتے ہیں إِذْ لَا يُتَصَوَّرُ، اچھا پھر دیکھیں فَالْمُنْقَطِعُ مُطْلَقًا مَنْصُوبٌ عِنْدَهُمْ تو مستثنیٰ منقطع جو ہے وہ اکثر نحویوں کے نزدیک مطلقاً منصوب ہو گا، إِذْ لَا يُتَصَوَّرُ فِيهِ إِلَّا بَدَلُ الْغَلَطِ اس لیے کیونکہ مستثنیٰ منقطع کے اندر تصور نہیں کیا جا سکتا مگر صرف بدل الغلط کا، اسی کا تصور ہو سکتا ہے، وَهُوَ لَا يَصْدُرُ إِلَّا بِطَرِيقِ السَّهْوِ وَالْغَفْلَةِ، صَدَرَ يَصْدُرُ کے معنی صادر ہونا پیش آنا، بِطَرِيقِ السَّهْوِ سَهو کہتے ہیں بھول چوک کو بھئی غلطی کو۔ وَهُوَ لَا يَصْدُرُ اور بدل الغلط جو ہے وہ پیش نہیں آتا إِلَّا بِطَرِيقِ السَّهْوِ وَالْغَفْلَةِ مگر بھول چوک اور غفلت کے طریقے پر۔ وَالْمُسْتَثْنَى الْمُنْقَطِعُ إِنَّمَا يَصْدُرُ بِطَرِيقِ الرَّوِيَّةِ وَالْفَطَانَةِ

اور مستثنیٰ منقطع وہ تو صادر ہوتا ہے بِطَرِيقِ الرَّوِيَّةِ وَالْفَطَانَةِ، رَوِيَّة کہتے ہیں غور و فکر کو۔ کس کو؟ غور و فکر کو اور فَطَانَت کہتے ہیں ذہانت اور سمجھداری کو۔ تو کہتے ہیں وَالْمُسْتَثْنَى الْمُنْقَطِعُ إِنَّمَا يَصْدُرُ بِطَرِيقِ الرَّوِيَّةِ وَالْفَطَانَةِ اور مستثنیٰ منقطع وہ تو صرف غور و فکر اور سمجھداری کے طریقے پر ہی صادر ہوتا ہے۔

یہ تھا اکثر اہلِ حجاز کی لغت کے مطابق۔ ہاں بنو تمیم والے بھئی جب اکثر ایک طرف ہو گئے تو کچھ دوسری طرف بھی تو ہیں، وہ کون ہیں؟ وہ اب بتلانے لگے ہیں وہ بنو تمیم ہیں، وہ مستثنیٰ منقطع میں بعض صورتوں میں بدل کی بھی گنجائش دیتے ہیں۔ آپ نصب بھی پڑھ سکتے ہیں اور بدل بھی بنا سکتے ہیں، کس کے اندر؟ مستثنیٰ منقطع کی بات چل رہی ہے اس کے اندر بھئی۔

تو کہتے ہیں وَأَمَّا بَنُو تَمِيمٍ، بھئی یاد رکھیں آپ کو بتلائیں گے کہ بنو تمیم جو ہیں مستثنیٰ منقطع کی دو قسمیں بناتے ہیں۔ مستثنیٰ منقطع کے اندر بعض قسموں کے اندر مستثنیٰ منہ کو حذف کرنا جائز ہو گا اور بعض صورتیں وہ ہوں گی جہاں حذف کرنا جائز نہیں، تو وہ دو قسمیں بنا لیتے ہیں۔ توجہ ہے؟ بنو تمیم والے مستثنیٰ منقطع کی تقسیم کرتے ہیں کہ مستثنیٰ منقطع دو قسم پر ہے: ایک وہ قسم جس میں مستثنیٰ منہ کو حذف بھی کر دیں تو کلام کا معنی خراب نہیں ہوتا، اور ایک وہ قسم جہاں مستثنیٰ منہ کو حذف کریں تو کلام کا معنی ہی خراب ہو جاتا ہے۔ تو وہ قسم جس میں مستثنیٰ منہ کو حذف کریں تو بھی کلام کا معنی خراب نہیں ہوتا وہاں وہ بدل بھی جائز قرار دیتے ہیں، وہ بدل بھی جائز قرار دیتے ہیں۔ مثلاً دیکھو میں کہتا ہوں جیسے یہ کتاب کی مثال ہے مَا جَاءَنِي الْقَوْمُ إِلَّا حِمَارًا۔ توجہ ہے؟ مَا جَاءَنِي الْقَوْمُ إِلَّا حِمَارًا، یہ الْقَوْمُ کیا ہے؟ مستثنیٰ منہ اور حمار کیا ہے؟ مستثنیٰ اور کون سا مستثنیٰ ہے؟ منقطع ہے اور اس کے اندر الْقَوْمُ کو حذف کر دیں پھر بھی کلام غلط نہیں ہوتا، اس کا معنی صحیح رہتا ہے مَا جَاءَنِي إِلَّا حِمَارٌ۔ مَا جَاءَنِي إِلَّا حِمَارٌ۔ توجہ ہے؟ تو اس صورت میں پھر وہ یعنی مَا جَاءَنِي الْقَوْمُ إِلَّا حِمَارًا یہ الْقَوْمُ کو ہم نے حذف نہیں کیا، ذکر ہے، کیا ہے؟ ذکر، اسی صورت میں وہ نصب بھی جائز کہتے ہیں اور بدل بھی جائز کہتے ہیں۔ مَا جَاءَنِي الْقَوْمُ إِلَّا حِمَارًا اور مَا جَاءَنِي الْقَوْمُ إِلَّا حِمَارٌ دونوں جائز کہتے ہیں۔ توجہ ہے؟ کس مستثنیٰ کی بات ہو رہی ہے؟ منقطع کی، اور اس میں وہ قسم ہے جس میں مستثنیٰ منہ کو حذف بھی کیا جا سکتا ہے۔ بھئی اگر حذف کر لیں گے نا حذف کر لیں گے پھر تو حِمَارٌ فاعل بن جائے گا بھئی مَا جَاءَنِي إِلَّا حِمَارٌ۔ توجہ ہے؟ ہاں وہ یہ نہیں کہہ رہے کہ حذف کریں گے اس کو، یہ کہہ رہے ہیں حذف کرنا جائز ہو، حذف کرنا جائز، جب حذف کرنا جائز ہے یعنی ہے موجود مستثنیٰ منہ لیکن حذف بھی کیا جائے تو کلام خراب نہیں ہوتا، تو جب مستثنیٰ منہ مذکور ہو تب باقی سارے کیا کہتے ہیں مَا جَاءَنِي الْقَوْمُ إِلَّا حِمَارًا پڑھیں گے اور یہ کیا کہتے ہیں حِمَارًا بھی پڑھ سکتے ہو اور حِمَارٌ بھی پڑھ سکتے ہو۔ فرق سمجھ میں آیا؟

اور دوسری قسم جس میں مستثنیٰ منہ کو حذف کرنا جائز نہیں، یعنی وہ مستثنیٰ منقطع جہاں مستثنیٰ منہ کو حذف کرنا جائز نہیں اس میں وہ بھی باقیوں کے ساتھ ہیں، کہتے ہیں کہ نصب پڑھنا واجب ہے لیکن اس قسم کے اندر نصب اور بدل دونوں

کی گنجائش دیتے ہیں یہ بھئی۔

کہتے ہیں وَأَمَّا بَنُو تَمِيمٍ فَقَدْ قَسَّمُوا الْمُنْقَطِعَ إِلَى قِسْمَيْنِ باقی بنو تمیم والے تو انہوں نے تحقیق تقسیم کیا ہے مستثنیٰ منقطع کو دو قسموں کی طرف۔ أَحَدُهُمَا ان دو قسموں میں سے ایک یہ ہے کہ مَا يَكُونُ قَبْلَهُ اسْمٌ يَصِحُّ حَذْفُهُ، مَا يَكُونُ ایسا مستثنیٰ مَا يَكُونُ قَبْلَهُ اسْمٌ ایسا مستثنیٰ کہ اس سے ماقبل کیا ہو؟ ایسا اسم ہو يَصِحُّ حَذْفُهُ کہ جس کو حذف کرنا صحیح ہو۔ اسْمٌ نکرہ آیا اور اس کے بعد يَصِحُّ فعل آیا اور نکرہ کے بعد فعل آئے تو اس کے لیے کیا بنتا ہے؟ صفت اور موصوف صفت کا ترجمہ کیسے کرتے ہیں؟ موصوف سے پہلے ایسا یا ایسی کا لفظ لاتے ہیں۔ دیکھو پھر ترجمہ سنو، کہتے ہیں أَحَدُهُمَا مَا يَكُونُ قَبْلَهُ اسْمٌ يَصِحُّ حَذْفُهُ ان دونوں میں سے ایک وہ ہے کہ جس سے ماقبل ایسا اسم ہو جس کو حذف کرنا صحیح ہو۔ نَحْوُ مَا جَاءَنِي الْقَوْمُ إِلَّا حِمَارًا نہیں آئے میرے پاس وہ لوگ إِلَّا حِمَارًا مگر گدھا۔ اب دیکھو دوسری مثال لے لو مَا جَاءَنِي زَيْدٌ إِلَّا عَمْرًا۔ مَا جَاءَنِي زَيْدٌ میرے پاس زید نہیں آیا إِلَّا عَمْرًا۔ اب مجھے آپ بتائیے یہ کون سا مستثنیٰ ہے؟ کیا یہ عمرو زید میں داخل تھا؟ نہیں، تو معلوم ہوا یہ مستثنیٰ منقطع ہے مَا جَاءَنِي زَيْدٌ إِلَّا عَمْرًا، تو اب اس میں سے اگر ہم زید کو حذف بھی کر دیں تو بھی کلام صحیح رہتا ہے مَا جَاءَنِي إِلَّا عَمْرٌو۔ مَا جَاءَنِي إِلَّا عَمْرٌو، کلام پھر بھی صحیح ہے میرے پاس صرف عمرو آیا، تو یہ جو کلام ہے مَا جَاءَنِي زَيْدٌ إِلَّا عَمْرًا اس کے اندر بنو تمیم والے کہتے ہیں عَمْرًا پڑھنا بھی صحیح اور اس کو بدل بنانا بھی صحیح ہے بھئی۔

تو کہتے ہیں نَحْوُ مَا جَاءَنِي الْقَوْمُ إِلَّا حِمَارًا فَهَاهُنَا يُجَوِّزُونَ الْبَدَلَ تو یہاں پر وہ بدل جائز قرار دیتے ہیں۔ بدل کو واجب نہیں کہتے، نصب بھی پڑھ سکتے ہو اور بدل بھی بنا سکتے ہو، یہ معنی ہے فَهَاهُنَا يُجَوِّزُونَ الْبَدَلَ تو یہاں پر بنو تمیم والے بدل کو جائز قرار دیتے ہیں۔ وَثَانِيهِمَا اور دوسری قسم جو ہے مستثنیٰ منقطع کی مَا لَا يَكُونُ قَبْلَهُ اسْمٌ يَصِحُّ حَذْفُهُ کہ جس میں مستثنیٰ منقطع سے ماقبل ایسا اسم نہ ہو جس کو حذف کرنا صحیح ہو یعنی اس کو حذف نہیں کر سکتے ورنہ تو معنی خراب ہو جاتا ہے، فَهُمْ هَاهُنَا يُوَافِقُونَ الْحِجَازِيِّينَ تو وہ جو بنو تمیم والے ہیں وہ یہاں پر موافقت کرتے ہیں اہلِ حجاز والوں کی۔ وہ اہلِ حجاز والے کیا کہتے تھے؟ نصب واجب، تو یہ بھی یہاں کیا کہتے ہیں؟ نصب واجب ہے۔ تو کہتے ہیں فَهُمْ هَاهُنَا يُوَافِقُونَ الْحِجَازِيِّينَ تو بنو تمیم والے یہاں پر یعنی اس قسم کے مقام کے اندر اہلِ حجاز والوں کی موافقت کرتے ہیں۔ بھئی کس چیز میں موافقت کرتے ہیں؟ کہتے ہیں فِي إِيجَابِ نَصْبِهِ مستثنیٰ کے نصب کے واجب ہونے میں کہ اس قسم کے مقام میں مستثنیٰ منقطع پر نصب واجب ہے، یہ معنی ہے فِي إِيجَابِ نَصْبِهِ مستثنیٰ منقطع کے نصب کے ایجاب کے بارے میں، كَقَوْلِهِ تَعَالَى جیسے کہ اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے: لَا عَاصِمَ الْيَوْمَ مِنْ أَمْرِ اللَّهِ إِلَّا مَنْ رَحِمَ۔ لَا عَاصِمَ الْيَوْمَ، یہ حضرت نوح علیہ السلام نے اپنے بیٹے سے کہا۔ ان کا بیٹا کنعان جو ایمان نہیں لایا تھا اور طوفانِ نوح شروع ہو گیا اور پانی آہستہ آہستہ بڑھتا چلا جا رہا ہے، تو حضرت نوح علیہ السلام نے اپنے بیٹے سے کہا کہ تم ایمان لے آؤ آجاؤ کشتی میں سوار ہو جاؤ، اس نے کہا کہ میں کسی پہاڑ

پر کیا پناہ لے لوں گا پہاڑ پر چڑھ جاؤں گا، تو حضرت نوح علیہ السلام جواب میں فرمانے لگے لَا عَاصِمَ الْيَوْمَ آج کوئی بچانے والا نہیں ہے مِنْ أَمْرِ اللَّهِ اللہ کے حکم سے إِلَّا مَنْ رَحِمَ مگر وہ جس پر اللہ رحم فرما دے، جس پر اللہ رحم فرما دے وہی بچے گا آج، اور اللہ نے کن پر رحم فرمایا؟ جو اہلِ ایمان تھے بھئی کشتی میں سوار تھے۔

تو کہتے ہیں لَا عَاصِمَ الْيَوْمَ مِنْ أَمْرِ اللَّهِ إِلَّا مَنْ رَحِمَ آج کے دن کوئی بچانے والا نہیں اللہ کے حکم سے مگر وہ جس پر اللہ رحم فرما دے۔ تو دیکھو إِلَّا مَنْ رَحِمَ، إِلَّا آیا اور إِلَّا کے بعد مَنْ رَحِمَ آیا، یہ مستثنیٰ منقطع ہے۔ یہ کیا ہے؟ مستثنیٰ منقطع ہے۔ اصل میں یاد رکھو یہ مَنْ موصولہ ہے اور رَحِمَ اس کا صلہ ہے، مگر وہ شخص رَحِمَ کہ وہ اللہ، رَحِمَ کے اندر هُوَ ضمیر جو اللہ کو راجع ہے، مگر وہ شخص رَحِمَ کہ اللہ رحم فرما دیں۔ تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ مَنْ موصولہ ہے اور یہ رَحِمَ اس کا صلہ ہے اور موصول اور صلے کے درمیان ربط چاہیے، کیا چاہیے؟ ربط، کوئی ضمیر ہونی چاہیے جو اسمِ موصول کی طرف لوٹے، تو صاحبِ جامی آگے فرما رہے ہیں أَيْ مَنْ رَحِمَهُ اللَّهُ دیکھو رَحِمَهُ هَاء ضمیر نکال لی یہاں پر۔ یہ یعنی مفعول کی ضمیر یہاں پر محذوف ہے اور وہ عائد ہے وہ مَنْ کی طرف لوٹ رہی ہے، اور آپ ہدایت النحو میں پڑھ چکے ہیں کہ جب صلے کے اندر عائد جو ہے وہ مفعول یعنی فضلہ واقع ہو جب وہ مفعول واقع ہو یعنی فضلہ ہو زائد ہو تو اس کو حذف کرنا بھی جائز ہے۔ توجہ ہے؟ بھئی کلام کے لیے فعل کے لیے ہمیشہ فاعل یا نائب فاعل چاہیے اس سے مل کر کلام تام ہو جاتا ہے، باقی یہ منصوبات کیا ہیں؟ فضلہ ہیں زائد چیزیں ہیں ان کو حذف بھی کیا جا سکتا ہے۔ تو اصل میں کلام گویا یوں ہے إِلَّا مَنْ رَحِمَهُ، إِلَّا مَنْ رَحِمَهُ، اس هَاء ضمیر وہ عائد تھی لیکن مفعول بہ کی ضمیر ہے اس لیے اس کو حذف کر لیا گیا۔ اور نیز رَحِمَ کے اندر ضمیر کس کو راجع ہے؟ اللہ کو، اسی لیے آگے کہا أَيْ مَنْ رَحِمَهُ اللَّهُ مگر وہ جس پر اللہ رحم فرما دیں۔ اور جس پر اللہ رحم فرما دیں وہ ہوا مرحوم، اس پر رحم کیا گیا ہے نا وہ مرحوم ہوا اور وہ معصوم ہوا یعنی وہ محفوظ ہوا اللہ نے اس کی کیا کر لی؟ حفاظت کر لی۔ توجہ ہے؟

جی تو ادھر دیکھیے تو مَنْ رَحِمَهُ اللَّهُ جس پر اللہ رحم فرما دے وہ مرحوم ہوا یعنی اس پر رحم کیا گیا ہے اور وہ معصوم ہوا، معصوم کا معنی محفوظ۔ معصوم کا کیا معنی؟ محفوظ۔ عَاصِمٌ، عصمت کا معنی ہے حفاظت بھئی، عَاصِمٌ حفاظت کرنے والا اور مَعْصُومٌ جس کی حفاظت کی گئی ہے۔ تو مَنْ رَحِمَهُ اللَّهُ جس پر اللہ رحم فرما دیں وہ مرحوم ہوا، اور مرحوم کون ہے؟ وہ محفوظ ہے اللہ اس کو بچا لیں گے۔ تو معلوم ہوا مَنْ رَحِمَ جو ہے یہ معصوم کی بات چل رہی ہے اور ماقبل میں عَاصِمٌ کا ذکر آیا تھا، عَاصِمٌ کا ذکر آیا تھا اور عَاصِمٌ کا تو معنی ہے بچانے والا، عَاصِمٌ اور ہے مَعْصُومٌ اور ہے، لہٰذا إِلَّا کے بعد معصوم کا ذکر ہے اور یہ معصوم اور عاصم تو الگ الگ ہیں یہ معصوم اس عاصم میں داخل نہیں کیونکہ یہ الگ ہے، تو معلوم ہوا یہ مستثنیٰ منقطع ہوا۔ بتانا یہ چاہتے ہیں یہ مستثنیٰ منقطع ہے کس طرح مستثنیٰ منقطع ہے کیونکہ مَنْ رَحِمَ سے کون مراد ہے؟ وہ شخص جس پر اللہ نے رحم کیا، اور جس پر اللہ نے رحم کیا وہ کیا ہوگا؟ معصوم ہوگا وہ محفوظ ہے وہ اس طوفان سے بچا لیا گیا ہے،

اور ماقبل میں معصوم کا ذکر ہے یا عَاصِمٌ بچانے والے کا ذکر ہے؟ عَاصِمٌ کا ذکر ہے، تو معلوم ہوا معصوم تو عاصم کے اندر داخل نہیں ہے، تو پھر یہ کون سا مستثنیٰ ہوا؟ مستثنیٰ منقطع ہوا بھئی۔

تو کہتے ہیں آگے دیکھیے فَمَنْ رَحِمَهُ اللَّهُ هُوَ الْمَرْحُومُ الْمَعْصُومُ پس جس پر اللہ نے رحم فرما دیا وہ مرحوم ہے اور معصوم ہے یعنی محفوظ ہے، فَلَا يَكُونُ دَاخِلًا فِي الْعَاصِمِ تو یہ معصوم جو ہے تو پھر یہ داخل نہیں ہے عاصم کے اندر، فَيَكُونُ مُنْقَطِعًا تو یہ مستثنیٰ کون سا ہوا؟ منقطع ہوا۔ توجہ ہے؟

اور یاد رکھو بات چل رہی ہے بنو تمیم کی۔ بنو تمیم کہتے تھے کہ بعض صورتوں میں إِلَّا سے ماقبل اس اسم کو حذف کرنا جائز ہے یعنی مستثنیٰ منہ کو حذف کرنا جائز ہے اور بعض صورتوں میں جائز نہیں۔ یہاں پر بھی جائز نہیں، یہاں پر بھی یہاں پر یہ عَاصِمَ کو حذف کرنا جائز نہیں۔ بھئی کیوں نہیں جائز؟ وجہ یہ کہ یہ لائے نفی جنس ہے، یہ عَاصِمَ اس کا اسم ہے جیسے آپ کہتے ہیں لَا رَجُلَ فِي الدَّارِ کوئی آدمی گھر میں نہیں، تو یہ عَاصِمَ لائے نفی جنس کا اسم ہے اور خبر اس کی محذوف ہے لَا عَاصِمَ الْيَوْمَ مَوْجُودٌ، لَا عَاصِمَ الْيَوْمَ یا آخر میں نکال لیں لَا عَاصِمَ الْيَوْمَ مِنْ أَمْرِ اللَّهِ مَوْجُودٌ اللہ کے حکم سے بچانے والا آج کوئی موجود نہیں ہے، تو لَا عَاصِمَ یہ عَاصِمَ کیا ہے؟ لائے نفی جنس کا اسم، اور مَوْجُودٌ خبر کیا ہے؟ محذوف ہے۔ تو اب اس عَاصِمَ کو حذف نہیں کر سکتے، کیوں؟ کیونکہ اس صورت میں تو لَا کے عمل کو آپ نے بالکل ہی ختم کر دیا، اس کی خبر پہلے ہی محذوف ہے اور آپ اسم کو بھی کیا کر دیں؟ حذف کر دیں توجہ ہے؟ تو لَا اکیلا رہ جائے گا، نہ اس کا اسم عبارت میں موجود ہے اور نہ اس کی خبر عبارت میں موجود ہے، لہٰذا اس عَاصِمَ کو حذف کرنا جائز نہیں، تو اس کو حذف کرنا جائز نہیں۔ تو لہٰذا اس کے اندر نصب پڑھنا ہی واجب وہ کہتے ہیں۔ جس میں ماقبل والے اسم کو حذف کرنا جائز تھا وہاں وہ کہتے تھے نصب بھی پڑھ سکتے ہو اور بدل بھی بنا سکتے ہو مستثنیٰ منقطع میں، اور جہاں اسم کو حذف کرنا جائز نہیں تو وہاں وہ کہتے ہیں کہ بدل بنانا جائز نہیں پھر نصب ہی پڑھیں گے۔ تو یہاں پر بھی مَنْ رَحِمَ یہ مَنْ اسمِ موصول یہ محلاً منصوب ہے کیونکہ اسمِ موصول ہے اور اسمِ موصول کس میں سے ہے؟ مبنیات میں سے ہے اور مبنی پر اعراب کیسے آتا ہے؟ محلاً، تو یہ محلاً منصوب ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ مستثنیٰ منقطع ہے بھئی، اور ایسا مستثنیٰ منقطع ہے کہ ماقبل والے اسم کو حذف کرنا جائز نہیں۔ بات سمجھ میں آگئی؟

جبکہ بعض علماء نے اس کو مستثنیٰ متصل ہی بنایا ہے، کیا بنایا ہے؟ مستثنیٰ متصل بنایا ہے۔ انہوں نے تو مستثنیٰ منقطع بنا دیا لیکن مستثنیٰ متصل بنانے کی بھی صورت ہے۔ کس طرح؟ کہ إِلَّا مَنْ رَحِمَ، مَنْ رَحِمَ سے کون مراد تھا؟ مرحوم جس پر رحم کیا گیا، کہتے ہیں نہیں مَنْ رَحِمَ سے اللہ کی ذات مراد لے لو، مَنْ رَحِمَ وہ ذات جو رحم کرتی ہے، وہ ذات جو رحم کرتی ہے، هَاء ضمیر الگ نکالنے کی ضرورت ہی نہیں ہے اس کے اندر رَحِمَ کے اندر هُوَ ضمیر ہی مَنْ کی طرف لوٹا دو، یہی

صلہ بن گیا إِلَّا مَنْ مگر وہ ذات رَحِمَ جو کیا کرتی ہے؟ رحم کرتی ہے۔ تو دیکھو مَنْ رَحِمَ سے کون مراد ہوئے؟ اللہ، اور اللہ عاصم ہیں یا معصوم ہیں؟ عاصم ہیں، اور ماقبل میں بھی کس کا ذکر؟ عاصم کا، تو یہ مستثنیٰ متصل ہو گیا۔ یہ ایک تقریر ہے، اور بعضوں نے اور تقریر کی، وہ فرماتے ہیں کہ مَنْ رَحِمَ سے تو مرحوم اور معصوم ہی مراد ہے لیکن پیچھے جو آیا نا لَا عَاصِمَ کہتے ہیں یہ عَاصِمٌ بھی بمعنی مَعْصُومٌ کے ہے۔ یہ عَاصِمٌ بھی بمعنی مَعْصُومٌ کے، کہ لَا مَعْصُومَ الْيَوْمَ آج کے دن کوئی محفوظ نہیں ہے إِلَّا مَنْ رَحِمَ مگر وہ جس پر اللہ رحم فرما دیں وہ معصوم ہو گا وہ محفوظ ہو گا بھئی۔ تو ماقبل میں بھی معصوم کا ذکر مابعد میں بھی معصوم کا ذکر تو یہ کون سا مستثنیٰ ہوا؟ متصل ہوا۔ بات سمجھ میں آگئی؟

پھر اشکال ہوتا ہے کہ یہ عَاصِمٌ بمعنی مَعْصُومٌ کے آپ نے کیسے لے لیا؟ عَاصِمٌ اسمِ فاعل ہے مَعْصُومٌ اسمِ مفعول ہے۔ کہتے ہیں بھئی کلامِ عرب میں ایسا بھی ہوتا ہے کبھی کبھار اسمِ فاعل اسمِ مفعول کے معنی میں ہوتا ہے اور کبھی کبھار اسمِ مفعول اسمِ فاعل کے معنی میں بھی ہوتا ہے، جیسے دَافِقٌ بمعنی مَدْفُوقٍ کے ہے۔ انسان کے بارے میں اللہ کیا فرماتے ہیں؟ خُلِقَ مِنْ مَاءٍ دَافِقٍ انسان کو پیدا کیا گیا ہے مِنْ مَاءٍ ایسے پانی سے دَافِقٍ أَيْ مَدْفُوقٍ جس کو اچھالا گیا ہے، مراد مادۂ منویہ ہے جس کو اچھالا گیا ہے، تو یہاں دَافِقٍ کس معنی میں ہے؟ مَدْفُوقٍ کے معنی میں ہے، تو اسی طرح یہاں پر بھی عَاصِمٌ کس معنی میں ہے؟ مَعْصُومٌ کے معنی میں ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟

چلیے بس کریں بھئی۔ حاصلِ کلام یہ کہ ایک صورت تو نصب والی گزشتہ سبق میں آئی تھی کہ مستثنیٰ منصوب ہو گا وجوباً جب وہ إِلَّا کے بعد آئے اور کس میں ہو؟ کلامِ موجب میں ہو، اور دو صورتیں آج ہم نے پڑھ لیں کہ اگر مستثنیٰ مستثنیٰ منہ پر مقدم ہو جائے تو اس صورت میں بھی وہ وجوباً منصوب ہو گا، اور نیز مستثنیٰ منقطع ہو تو وہ بھی اکثر نحویوں کے نزدیک منصوب ہی ہو گا إِلَّا بنو تمیم والے کہ بنو تمیم والے جو ہیں وہ کہتے ہیں کہ مستثنیٰ منقطع دو قسم پر ہے: ایک وہ مستثنیٰ منقطع کہ جس میں إِلَّا سے ماقبل اسم کو حذف کرنا جائز ہو گا اور ایک وہ جس میں جائز نہیں، تو جس میں حذف کرنا جائز ہے اور معنی پھر بھی خراب نہیں ہوتا وہاں وہ نصب کے ساتھ ساتھ بدل بھی جائز قرار دیتے ہیں، اور جہاں ماقبل کو حذف کرنا جائز نہیں اس سے معنی خراب ہو جاتا ہے تو وہاں وہ بھی اہلِ حجاز کی موافقت کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہاں صرف نصب ہی پڑھنا جائز ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ اور پھر درمیان میں آپ نے یہ بھی پڑھا کہ یہ مستثنیٰ منقطع جو ہے اگر اس کو بدل بنایا بھی جائے تو یہ زیادہ سے زیادہ بدل الغلط بن سکتا ہے اور بدل الغلط وہ تو غفلت کی وجہ سے ہوتا ہے تو مستثنیٰ منقطع کے بارے میں اس کا تصور نہیں کیا جا سکتا بھئی اس لیے کیونکہ کلامِ فصیح کے اندر جو مستثنیٰ منقطع واقع ہوتا ہے وہ غلطی اور بھول چوک کی وجہ سے نہیں آتا بلکہ وہ تو انتہا درجے کی ذہانت اور غور و فکر کی وجہ سے مستثنیٰ منقطع کو لایا جاتا ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ چلیے بس بھئی، هَذَا هُوَ الْمَرَامُ وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْكَلَامِ۔

سبق نمبر ۱۵۸: المستثنیٰ (۵): «خَلَا» اور «عَدَا» کے بعد مستثنیٰ کا اعراب

شرحِ ملا جامی صفحہ: ۱۴۳ — بتاریخ: ۲۰ جون ۲۰۲۲ء

▪ تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث

آگے سبق دیکھیے بھائی: أَوْ كَانَ بَعْدَ خَلَا وَعَدَا أَيِ الْمُسْتَثْنَى مَنْصُوبٌ أَيْضًا وُجُوبًا إِذَا كَانَ بَعْدَ عَدَا مِنْ عَدَا يَعْدُو عَدْوًا إِذَا جَاوَزَهُ مِثْلُ جَاءَنِي الْقَوْمُ عَدَا زَيْدًا أَوْ بَعْدَ خَلَا مِنْ خَلَا يَخْلُو خُلُوًّا نَحْوُ جَاءَنِي الْقَوْمُ خَلَا زَيْدًا۔

مستثنیٰ کی بحث چل رہی ہے۔ آپ نے پڑھا کہ مستثنیٰ کا اعراب چار قسم پر ہو گا۔ کبھی مستثنیٰ منصوب ہوتا ہے، کبھی مستثنیٰ مجرور ہوتا ہے، کبھی مستثنیٰ بدل واقع ہو گا اور کبھی مستثنیٰ کا اعراب عَلَى حَسَبِ الْعَوَامِلِ ہو گا۔ تو سب سے پہلی قسم جو تھی جس میں مستثنیٰ پر نصب آتا ہے، اس کا بیان صاحبِ کافیہ نے شروع کیا تھا۔ تو وہ جگہیں وہ شمار کر رہے ہیں جہاں مستثنیٰ وجوباً منصوب ہو گا۔ ان میں سے پہلی جگہ تھی کہ جب مستثنیٰ إِلَّا کے بعد آئے اور کلامِ موجب میں ہو، تو وہ وجوباً منصوب ہو گا۔ دوسری قسم ہم نے کل پڑھی تھی کہ جب مستثنیٰ مقدم ہو مستثنیٰ منہ پر، تو بھی وہ منصوب ہو گا، چاہے کلامِ موجب ہو، چاہے کلامِ غیرِ موجب ہو۔ تیسری جگہ بھی ہم نے پڑھی تھی کہ مستثنیٰ جب وہ مستثنیٰ منقطع ہو، تو اکثر لغات کے مطابق وہ منصوب ہو گا وجوباً۔

اور پھر صاحبِ جامی نے آپ کو بتلایا کہ مستثنیٰ منقطع جو ہے، وہ اکثر نحویوں کے نزدیک مطلقاً منصوب ہو گا۔ مطلقاً منصوب ہو گا۔ وجہ یہ کہ اس کے اندر بدل کا تصور نہیں کیا جا سکتا سوائے بدل الغلط کے بھائی۔ میں نے آپ کو تفصیل بتلائی تھی کہ بدل جو ہے وہ چار قسم پر ہے: ایک بدل الکل، ایک بدل البعض، ایک بدل الاشتمال اور ایک بدل الغلط۔

بدل الکل اسے کہتے ہیں کہ بدل اور مبدل منہ دونوں کا مدلول ایک ہی ہو، جیسے جَاءَنِي زَيْدٌ أَخُوكَ، آیا میرے پاس زید یعنی کہ آپ کا بھائی۔ اب دیکھو آپ کا بھائی ہے، اس کا نام زید ہے، اب چاہے میں کہوں جَاءَنِي زَيْدٌ، یا میں کہوں جَاءَنِي أَخُوكَ، بات ایک ہی ہے۔ اب میں دونوں لفظ استعمال کر لیتا ہوں: جَاءَنِي زَيْدٌ أَخُوكَ۔ تو یہ زَيْدٌ جو ہے یہ مبدل منہ بنے گا اور أَخُوكَ اس سے بدل بنے گا اور دونوں کا اعراب ایک ہی ہوتا ہے۔ تو یہ بدل الکل ہے۔ بدل الکل کسے کہتے ہیں؟ کہ

مبدل منہ اور بدل دونوں کا مدلول ایک ہی ہو بھائی۔ زَيْدٌ سے بھی وہی ذات مراد ہے اور أَخُوكَ، آپ کا بھائی، اس سے بھی وہی ذات مراد ہے، تو یہ بدل الکل ہے۔

دوسری قسم بدل البعض ہے، جس میں بدل جو ہے وہ جز ہوتا ہے، وہ بعض ہوتا ہے اس مبدل منہ میں سے۔ مثلاً میں کہتا ہوں: ضَرَبْتُ زَيْدًا رَأْسَهُ، میں نے زید کو مارا رَأْسَهُ یعنی اس کے سر کو۔ تو دیکھو یہ رَأْسَهُ بدل ہے زید سے، اور زَيْدًا منصوب تھا تو رَأْسَهُ بھی منصوب ہے کیونکہ بدل پر وہی اعراب آتا ہے جو مبدل منہ پر ہو۔ اور دیکھو یہ زید جو ہے یہ مبدل منہ ہے اور رَأْسَهُ، زید کا سر، یہ بدل ہے اور زید کا سر وہ زید کا جز ہے، اس کا بعض ہے۔ تو یہ بدل البعض ہوا۔

اور تیسری قسم تھی بدل الاشتمال۔ بدل الاشتمال یہ ہے کہ بدل جو ہے وہ نہ مبدل منہ کا کل ہوتا ہے اور نہ اس کا بعض، ہاں اس کے ساتھ اس کا تعلق ہوتا ہے۔ جیسے سُلِبَ زَيْدٌ. سُلِبَ، س ل ب بھائی، سُلِبَ سلب، سلب کا معنیٰ ہے چھیننا بھائی۔ سُلِبَ زَيْدٌ، زید کو چھینا گیا ثَوْبُهُ یعنی اس کے کپڑے کو۔ زید کو چھینا گیا یعنی اس کے کپڑے کو۔ تو دیکھو یہاں زَيْدٌ یہ ہے مبدل منہ، یہ مرفوع ہے اور ثَوْبُهُ جو اس سے بدل ہے وہ بھی مرفوع ہے بھائی۔ اور یہ دیکھو یہ جو زید کا کپڑا ہے، نہ یہ زید کا کل ہے، نہ یہ اس کا جز ہے، بلکہ اس کا زید کے ساتھ تعلق ہے بھائی کہ یہ زید کا کپڑا ہے بھائی۔

لیکن میں نے بتایا بعض اور علماء ہیں، انہوں نے بدل الاشتمال کی بڑی پیاری تعریف کی جس سے بات بالکل واضح ہو جاتی ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ بدل الاشتمال وہ ہوتا ہے کہ مبدل منہ وہ فعل کو قبول نہیں کرتا، وہ محلِ فعل نہیں بنتا۔ آپ نے تو بنا دیا سُلِبَ زَيْدٌ، زید کو چھینا گیا، لیکن ذہن قبول نہیں کر رہا کہ بھئی زید کو چھیننے کا کیا مطلب؟ زید سے کوئی چیز تو چھینی جا سکتی ہے، خود زید کو تو نہیں چھینا جا سکتا۔ تو آپ نے کہا سُلِبَ زَيْدٌ، یہ زَيْدٌ جو ہے سُلِبَ فعل کو قبول نہیں کر رہا، ذہن ابھی بھی منتظر ہے کہ کوئی اور لفظ آگے آنا چاہیے جو اس فعل کو یعنی سلب کو قبول کر لے۔ اور پھر آگے ثَوْبُهُ جب آپ نے کہا تو اس نے اس سلب کو قبول کر لیا۔ سُلِبَ زَيْدٌ، زید کو تو نہیں چھینا جا سکتا لیکن ثَوْبُهُ، اس کے کپڑے کو چھینا جا سکتا ہے۔ سُلِبَ زَيْدٌ ثَوْبُهُ، چھینا گیا زید کو یعنی اس کے کپڑے کو۔ اب بات واضح ہو گئی۔ تو یہ ہے بدل الاشتمال۔

اور چوتھا ہے بدل الغلط۔ بدل الغلط میں نے آپ کو بتلایا وہ بدل ہے کہ جس کا سبب غلطی بنتی ہے۔ میں آپ کو کہنا یہ چاہتا تھا کہ میرے پاس بکر آیا، میرے پاس بکر آیا، لیکن غلطی سے زبان پر زید آ گیا۔ میں نے کہا جَاءَنِي زَيْدٌ، لیکن بتانا کیا چاہتا تھا؟ بکر آیا ہے۔ تو میں فوراً ہی اصلاح کرتے ہوئے بکر بھی کہہ دیتا ہوں: جَاءَنِي زَيْدٌ بَكْرٌ. یہ زید غلطی کی وجہ سے میری زبان پر آیا اور بَكْرٌ میں نے فوراً اصلاح بھی کر دی۔ تو یہ بدل الغلط ہے۔ یہ بَكْرٌ میں کیوں لے کر آیا؟ زَيْدٌ مبدل منہ بنے گا اور بکر بدل۔ یہ بدل میں کیوں لایا؟ کیونکہ یہ جو مبدل منہ تھا یہ میں غلطی سے لے آیا تھا، میں تو اس کو لانا ہی نہیں چاہتا تھا۔ اب میں اس غلطی کی تلافی کرنا چاہتا ہوں، تو فوراً ہی آگے میں نے بَكْرٌ کہہ دیا۔ میرے پاس زید آیا یعنی بکر آیا۔ بات سمجھ میں آ گئی؟

تو یہاں پر بھی آپ کو صاحبِ جامی بتلا رہے ہیں کہ یہ جو مستثنیٰ منقطع ہوتا ہے، یہ مطلقاً منصوب ہے اکثر نحویوں کے نزدیک۔ اس کے اندر بدل کا تصور ہی نہیں کیا جا سکتا سوائے بدل الغلط کے۔ سوائے کس کے؟ بدل الغلط کے۔ مثلاً میں آپ سے کہتا ہوں: مَا جَاءَنِي الْقَوْمُ إِلَّا حِمَارًا۔ یہ حمار کیا ہے؟ مستثنیٰ منقطع ہے۔ اگر آپ اس کو بدل بنانا چاہتے ہیں تو بدل الکل بھی نہیں بن سکتا کیونکہ ماقبل میں ہے الْقَوْمُ اور مابعد میں کیا ہے حِمَارٌ۔ بلکہ دوسری مثال لے لیں: مَا جَاءَنِي زَيْدٌ إِلَّا عَمْرًا، میرے پاس زید نہیں آیا إِلَّا عَمْرًا مگر عمر۔ یہ دیکھو ماقبل میں زید ذکر ہے اور مابعد میں عمر ہے اور یہ عمر یہ تو زید کے اندر داخل نہیں بھائی۔ تو یہ مستثنیٰ منقطع ہوا۔ مستثنیٰ منقطع کسے کہتے ہیں؟ جو غیرِ مخرج ہو کیونکہ وہ ماقبل میں داخل ہی نہیں ہوتا، تو یہ عمر بھی زید کے اندر داخل نہیں بھائی۔ تو یہ مَا جَاءَنِي زَيْدٌ إِلَّا عَمْرًا۔ اب آپ اس عمر کو کیا بنانا چاہتے ہیں؟ زید سے بدل بنانا چاہتے ہیں۔ تو بدل الکل نہیں بنا سکتے، کیونکہ بدل الکل میں تو دونوں کا مدلول ایک ہوتا ہے اور یہاں تو ایک طرف زید ہے، دوسری طرف عمر ہے، دونوں الگ الگ ذاتیں ہیں، دونوں کا مدلول ایک نہیں۔ نیز ہم اس کو بدل البعض بھی نہیں بنا سکتے اس لیے کیونکہ یہ جو بعد میں عمر ذکر ہو رہا ہے یہ ماقبل یعنی زید کا بعض بھی نہیں ہے، اس کا جز بھی نہیں ہے، تو یہ بدل البعض بھی نہیں بن سکتا۔ نیز بدل الاشتمال بھی نہیں بن سکتا۔ بدل الاشتمال تو وہ ہے کہ اس سے ماقبل والا فعل کو قبول ہی نہیں کرتا، اور میں نے کیا کہا: مَا جَاءَنِي زَيْدٌ، میرے پاس زید نہیں آیا۔ زید تو عدمِ مجیئت کو قبول کر رہا ہے بھائی۔ توجہ ہے؟ تو لہٰذا یہ عمر آگے إِلَّا کے بعد جو عمر ذکر ہے یہ بدل الاشتمال بھی نہیں ہو سکتا۔ ہاں ایک احتمال ہے کہ آپ اس کو بدل الغلط بنائیں۔ بدل الغلط بنائیں، لیکن وہ بھی یہاں نہیں تصور کیا جا سکتا۔ وجہ یہ کہ یہ جو بدل الغلط لایا جاتا ہے یہ غلطی اور غفلت کی وجہ سے لایا جاتا ہے۔ بدل الغلط کیوں لاتے ہیں؟ کیونکہ آپ سے غلطی ہو گئی، اب آپ اس کی اصلاح کرنا چاہتے ہیں۔ تو یہاں یہ مستثنیٰ منقطع کے اندر یہ جو مستثنیٰ ہے، اس کو بدل الغلط بھی نہیں کہہ سکتے، کیونکہ بدل الغلط غلطی کی اور غفلت کی وجہ سے لایا جاتا ہے اور مستثنیٰ منقطع وہ تو فصیح کلام کے اندر بڑے غور و فکر اور بڑی ذہانت کے بعد لایا جاتا ہے۔ اور میں نے اس کی مثال بھی ذکر کی تھی کہ مثلاً لَا عَيْبَ فِيهِ غَيْرَ أَنَّهُ شُجَاعٌ، مثلاً اس قسم کی تعریف اس انداز میں شعراء تعریف کرتے ہیں اپنے کلام کے اندر۔ لَا عَيْبَ فِيهِ، اس میں کوئی عیب نہیں، إِلَّا مگر ایک بات ہے۔ سننے والا سمجھتا ہے ماقبل میں عیبوں کی نفی کی ہے، تعریف کی ہے۔ لَا عَيْبَ فِيهِ، ان میں اس میں کوئی عیب نہیں۔ تو عیب نہ ہونا یہ تعریف ہے اور إِلَّا آگے ذکر کیا تو وہ سمجھتا ہے اب آگے کوئی عیب ذکر ہو گا۔ لیکن آگے وہ فوراً کیا کہہ دیتا ہے: غَيْرَ أَنَّهُ شُجَاعٌ، مگر یہ کہ وہ بہادر ہے۔ اب غور کیا تو دیکھا ماقبل میں بھی تعریف ہے، إِلَّا کے مابعد بھی کیا ہے؟ تعریف ہے۔ توجہ ہے؟ تو ماقبل میں دیکھو عیبوں کی نفی کی تو خیال تھا کہ إِلَّا کے بعد اب کسی عیب کو لا کر اس کا اثبات کیا جائے گا۔ اور لیکن مابعد میں پھر تعریف کر دی۔ اب مجھے بتائیے: لَا عَيْبَ فِيهِمْ، کس چیز کی نفی کی ہے؟ عیبوں، پیچھے عیب کا ذکر ہے، کس کا؟ اور آگے شجاعت کا ذکر ہے، مجھے بتائیے شجاعت عیب ہے یا اس کے اندر داخل ہے؟ یہ تو اس کے اندر داخل نہیں تو یہ مستثنیٰ منقطع ہے بھائی۔ تو إِلَّا سے ماقبل بھی تعریف اور إِلَّا کے مابعد بھی تعریف ہے۔ گویا کہنے والا یہ کہنا چاہتا ہے کہ جس شخص

کی میں تعریف کر رہا ہوں اس میں کوئی عیب نہیں، اس میں عیب ہونے کی ایک ہی صورت ہے کہ آپ شجاعت کو کیا تسلیم کر لو؟ عیب تسلیم کر لو۔ لیکن شجاعت تو صفتِ کمال ہے، اس کو تو کوئی بھی عیب نہیں کہتا، شجاعت پر تو لوگ فخر کرتے ہیں۔ تو گویا کہنے والا یہ کہنا چاہتا ہے: میرے ممدوح میں، جس کی میں تعریف کر رہا ہوں، اس کے اندر عیب ہونے کی ایک ہی صورت ہے کہ آپ شجاعت کو عیب تسلیم کر لو۔ اور اگر آپ یہ تسلیم نہیں کر سکتے، تو پھر میرے ممدوح میں عیب کا ہونا ممکن ہی نہیں ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو دیکھو یہ کتنی ذہانت والا کلام ہے بھائی۔ تو یہاں صرف بدل الغلط کا تصور تھا، لیکن وہ بھی یہاں ممکن نہیں ہے بھائی۔

تو مستثنیٰ منقطع اکثر لغات میں منصوب ہوتا ہے۔ ہاں بنو تمیم والے وہ اس کی تقسیم کرتے ہیں کہ مستثنیٰ منقطع دو قسم پر ہے۔ ایک وہ مستثنیٰ منقطع جس میں إِلَّا سے ماقبل والے اسم کو حذف بھی کر لیں پھر بھی کلام صحیح رہتا ہے، کلام میں کوئی خرابی نہیں آتی۔ تو اس قسم کے مستثنیٰ کے اندر اس قسم کے مستثنیٰ منقطع میں وہ بدل بھی جائز قرار دیتے ہیں۔ جیسے ابھی میں نے مثال ذکر کی: مَا جَاءَنِي زَيْدٌ إِلَّا عَمْرًا، اس میں ماقبل سے اگر زید کو حذف بھی کر دیں پھر بھی کلام صحیح رہتا ہے: مَا جَاءَنِي إِلَّا عَمْرًا، مَا جَاءَنِي إِلَّا عَمْرًا، کلام ابھی بھی صحیح ہے، بلکہ عَمْرٌو پھر مرفوع پڑھیں گے مَا جَاءَنِي إِلَّا عَمْرٌو۔ توجہ ہے؟ تو مَا جَاءَنِي إِلَّا عَمْرٌو، اب یہ عَمْرٌو مَا جَاءَ کے لیے فاعل بن جائے گا۔ لیکن بہرحال بات یہ چل رہی ہے کہ یہاں إِلَّا سے ماقبل والے اسم کو حذف بھی کر دیا جائے تو کلام کے معنیٰ میں کوئی خرابی نہیں آتی۔ تو اس قسم کے موقع پر وہ نصب کے ساتھ بدل بھی جائز قرار دیتے ہیں۔ توجہ ہے؟ اب حذف نہیں کرنا دیکھو مَا جَاءَنِي زَيْدٌ إِلَّا عَمْرًا، اکثر لغات میں عَمْرًا پڑھنا واجب، لیکن بعض لغات یعنی بنو تمیم والے کیا کہتے ہیں؟ اس میں عَمْرٌو بھی پڑھ سکتے ہیں، اس کو زَيْدٌ سے بدل بھی بنا سکتے ہیں اور نصب بھی پڑھ سکتے ہیں۔

اور اگر ایسا نہ ہو مستثنیٰ، یعنی مستثنیٰ منقطع ایسا ہو کہ ماقبل والے اسم کو حذف کرنا جائز نہ ہو، اس سے معنیٰ خراب ہوتا ہو، تو پھر اس صورت میں وہ بھی اہلِ حجاز کی موافقت کرتے ہیں اور کہتے ہیں نصب ہی واجب ہے، جیسے لَا عَاصِمَ الْيَوْمَ مِنْ أَمْرِ اللَّهِ إِلَّا مَنْ رَحِمَ بھائی۔ وہ کہتے ہیں یہ مَنْ رَحِمَ، یہ جو مَنْ ہے یہ منصوب ہی ہو گا وجوباً، البتہ یہ محلاً منصوب ہے کیونکہ مبنی ہے۔ تو دیکھو یہ آیت جو ذکر کی لَا عَاصِمَ الْيَوْمَ مِنْ أَمْرِ اللَّهِ إِلَّا مَنْ رَحِمَ، اس کے اندر یہ جو مَنْ رَحِمَ ہے یہاں عائد محذوف ہے أَيْ مَنْ رَحِمَهُ، اور اس سے مراد مرحوم ہے یعنی معصوم ہے۔ ماقبل میں عاصم کا ذکر ہے، مابعد میں معصوم کا ذکر ہے تو یہ مستثنیٰ منقطع ہوا کیونکہ عاصم کے اندر معصوم داخل نہیں، عاصم بچانے والا ہے اور معصوم جس کو بچایا گیا ہے بھائی۔ تو یہ مستثنیٰ منقطع ہے۔ میں نے بتایا تھا کہ بعضوں نے اس کو مستثنیٰ متصل بھی بنایا ہے کہ مَنْ رَحِمَ سے اللہ کی ذات مراد لے لی اور اللہ بھی، اللہ کیا ہیں؟ عاصم ہیں بچانے والے ہیں، تو ماقبل میں بھی عاصم کا ذکر اور مابعد میں بھی عاصم

کا ذکر ہے تو یہ مستثنیٰ متصل بھی ہو سکتا ہے۔ یا اس عاصم ہی کو معصوم کے معنیٰ میں لے لیں جیسے دَافِقٌ بمعنیٰ مَدْفُوقٍ کے، تو ماقبل میں بھی معصوم کا ذکر اور إِلَّا کے بعد بھی معصوم کا ذکر ہے تو اس صورت میں بھی مستثنیٰ متصل ہو جائے گا۔ اور یاد رکھو اس کے اندر یہ مثال اس مستثنیٰ منقطع کی ہے جس میں ماقبل والے اسم کو حذف کرنا جائز نہیں۔ اس لیے کیونکہ ماقبل میں لَا عَاصِمَ ہے، لائے نفیِ جنس ہے اور عَاصِمَ اس کا اسم ہے اور خبر مَوْجُودٌ محذوف ہے۔ تو اب اس عاصم کو حذف کرنا جائز نہیں، اگر اس کو بھی حذف کریں گے پھر تو آپ نے لَا کا عمل بالکل ہی باطل کر دیا، خبر بھی محذوف اور اسم بھی محذوف۔

ہو جائے گا اس لیے یہ جائز نہیں بھائی۔

اب آئیے آج کے سبق پر بھائی: أَوْ كَانَ بَعْدَ خَلَا وَعَدَا أَيِ الْمُسْتَثْنَى مَنْصُوبٌ أَيْضًا وُجُوبًا إِذَا كَانَ بَعْدَ عَدَا مِنْ عَدَا يَعْدُو عَدْوًا إِذَا جَاوَزَهُ مِثْلُ جَاءَنِي الْقَوْمُ عَدَا زَيْدًا أَوْ بَعْدَ خَلَا مِنْ خَلَا يَخْلُو خُلُوًّا نَحْوُ جَاءَنِي الْقَوْمُ خَلَا زَيْدًا۔ بھائی اب یہ چوتھا مقام آگیا۔ صاحبِ کافیہ آپ کو بتلا رہے تھے کہ مستثنیٰ منصوب ہو گا وجوباً، ان میں سے پہلی جگہ کون سی تھی؟ جب کہ مستثنیٰ إِلَّا کے بعد ہو کلامِ موجب میں تو بھی وجوباً منصوب ہو گا۔ دوسری جگہ تھی کہ جب مستثنیٰ مقدم ہو مستثنیٰ منہ پر، وہاں پر بھی وہ وجوباً منصوب ہو گا۔ تیسری جگہ تھی کہ جہاں مستثنیٰ منقطع ہو تو وہ بھی اکثر نحویوں کے نزدیک وجوباً منصوب ہو گا۔ اب یہ چوتھا مقام آگیا کہ مستثنیٰ کس کے بعد آئے؟ خَلَا اور عَدَا کے بعد، تو بھی یہ وجوباً منصوب ہو گا۔ یہ چوتھا مقام آیا۔ ذرا پہلے متن متن دیکھ لیجیے: أَوْ كَانَ بَعْدَ خَلَا وَعَدَا فِي الْأَكْثَرِ، یا وہ مستثنیٰ خَلَا اور عَدَا کے بعد ہو فِي الْأَكْثَرِ یعنی اکثر استعمالات میں۔ مستثنیٰ جب کس کے بعد آئے؟ خَلَا اور عَدَا کے بعد، تو وہ بھی وجوباً منصوب ہو گا اکثر استعمالات میں، یعنی بعض استعمالات کے اندر وہ مجرور بھی ہوتا ہے لیکن اکثر استعمالات میں منصوب ہو گا وجوباً۔

اب شرح کے ساتھ اس کو دیکھیے: أَوْ كَانَ بَعْدَ خَلَا وَعَدَا أَيِ الْمُسْتَثْنَى مَنْصُوبٌ أَيْضًا وُجُوبًا إِذَا كَانَ بَعْدَ عَدَا۔ اچھا بھائی یہاں سے اب آپ کو تفصیل بتلائیں گے۔ میں نے آپ کو بتلایا تھا کہ یہ جو کلماتِ استثناء ہیں، یہ خَلَا، عَدَا، مَا خَلَا، مَا عَدَا، لَيْسَ، لَا يَكُونُ، غَيْرٌ، سِوًى، سَوَاءٌ، حَاشَا اور إِلَّا، یہ جو کلماتِ استثناء ہیں ان کے بعد مستثنیٰ واقع ہوتا ہے، یعنی استثناء کے لیے جب ان کو استعمال کیا جائے تو ان کے بعد جو واقع ہو گا وہ مستثنیٰ ہو گا۔ مستثنیٰ ہو گا۔ اور مستثنیٰ کسے کہتے ہیں؟ جس کا حکم ماقبل سے مخالف ہوتا ہے۔ ماقبل والوں کے لیے اگر ایک چیز کا اثبات ہے تو اس مستثنیٰ سے اس چیز کی نفی ہو گی اور اگر ماقبل والوں سے ایک چیز کی نفی ہے تو اس مستثنیٰ کے لیے اس کا اثبات ہو گا۔ تو ان میں بعض صورتوں کے اندر مستثنیٰ منصوب ہو گا، لیکن یہ یاد رکھنا کہ یہ جو مستثنیٰ کا نصب ہے یہ استثناء کی وجہ سے ضروری نہیں۔ ہو گا منصوب یہ جو صورتیں ذکر کر رہے ہیں لیکن یہ نصب استثناء کی وجہ سے ضروری نہیں۔ بعض صورتوں میں اس پر جو نصب آئے گا وہ استثناء کی وجہ سے آئے گا اور بعض صورتوں میں جو نصب آئے گا وہ مفعول بہ یا كَانَ وغیرہ کی خبر ہونے کی وجہ سے آئے گا۔ جیسے ایک مثال پچھلے سبق میں بھی گزری تھی کہ قَرَأْتُ إِلَّا يَوْمَ كَذَا، دیکھو یہاں پر بھی إِلَّا يَوْمَ كَذَا یہ يَوْمَ كَذَا مستثنیٰ ہے،

مستثنیٰ ہے اور یہ منصوب ہے، لیکن اس کا نصب استثناء کی وجہ سے نہیں ہے بلکہ مفعول فیہ یعنی ظرف ہونے کی وجہ سے ہے۔ اسی طرح خَلَا اور عَدَا کے بعد آپ کو بتائیں گے یہ خَلَا اور عَدَا فعل ہیں، ان کے بعد جو مستثنیٰ آئے گا وہ بھی منصوب ہے لیکن اس کا نصب استثناء کی وجہ سے نہیں ہے بلکہ وہ مفعول بہ بن رہا ہے اس خَلَا اور عَدَا کے لیے۔ توجہ ہے؟ اسی طرح مَا خَلَا اور مَا عَدَا کے بعد وہاں پر بھی جو مستثنیٰ آئے گا ان کے بعد وہ بھی منصوب ہو گا لیکن وہ بھی مفعول بہ ہونے کی وجہ سے ہو گا۔ خَلَا اور عَدَا کے بعد بھی مفعول بہ، مَا خَلَا اور مَا عَدَا کے بعد بھی مفعول بہ، اور جبکہ لَیْسَ اور لَا یَکُوْنُ کے بعد جو مستثنیٰ آئے گا وہ بھی منصوب ہو گا لیکن وہ لَا یَکُوْنُ اور لَیْسَ کی خبر ہونے کی وجہ سے منصوب ہو گا۔ اس لیے کیونکہ لَیْسَ اور لَا یَکُوْنُ افعالِ ناقصہ میں سے ہیں، یہ ایک اسم چاہتے ہیں اور ایک خبر۔ ان کے اسم پر رفع آتا ہے اور خبر پر نصب۔ تو جب استثناء کے لیے یہ آئیں تو ان کے بعد جو منصوب ہو گا وہ ان کی خبر ہونے کی بنا پر منصوب ہو گا۔ تو بات سمجھ میں آگئی؟ حاصلِ کلام کیا ہوا کہ مستثنیٰ بعض صورتوں میں منصوب ہوتا ہے لیکن اس کا نصب ضروری نہیں استثناء کی وجہ سے ہو، وہ مفعول بہ یا کَانَ وغیرہ کی خبر ہونے کی وجہ سے بھی منصوب ہو سکتا ہے۔

یہاں تک بات سمجھ میں آگئی؟ اب آیا چونکہ خَلَا اور عَدَا کی بات آئی، تو اب صاحبِ جامی آپ کو تفصیل بتلائیں گے کہ یہ جو خَلَا اور عَدَا یہ فعل ہیں، یہ فعل ہیں اور ان کے بعد جو منصوب آتا ہے وہ دراصل مفعول بہ ہے۔ فعل کیا کرتا ہے؟ اپنے فاعل کو رفع دیتا ہے اور مفعول بہ کو نصب دیتا ہے۔ تو ان کے اندر فاعل کی ضمیر ہو گی، جیسے ضَرَبَ زَیْدًا۔ ضَرَبَ کے اندر ھُوَ ضمیر کو فاعل بنائیں گے اور زَیْدًا کیا بنے گا؟ مفعول بہ بنے گا۔ توجہ ہے؟ تو اسی طرح یہاں پر یہ افعال ہیں اور ان کے بعد جو منصوب آئے گا وہ مفعول بہ ہونے کی وجہ سے منصوب ہو گا۔ اور نیز صاحبِ جامی آپ کو بتلائیں گے کہ یہ خَلَا اور عَدَا ناقص واوی ہیں، اور یہ خَلَا کا باب بتلائیں گے آپ کو کہ یہ خَلَا یَخْلُو خُلُوًّا سے ہے، خَلَا یَخْلُو خُلُوًّا یعنی ناقصِ واوی ہے اور بابِ نَصَرَ سے ہے، خَلَا یَخْلُو خُلُوًّا۔ اور اسی طرح عَدَا یہ بھی ناقصِ واوی ہے اور یہ بھی بابِ نَصَرَ سے ہے: عَدَا یَعْدُو عَدْوًا، عَدْوًا اس کا مصدر ہے بھائی۔

یہاں ایک اور نکتہ آپ کو بتلاؤں بھائی، صرف کے اندر آپ نے گردانیں یاد کی ہیں۔ دیکھو وہاں گردان پڑھی ہے رَمَی یَرْمِي رَمْیًا، رَمَی پہلا ماضی کا صیغہ، کیسے لکھتے ہیں؟ ر، م اور ي ساتھ ملاتے ہیں جو دراصل کس سے بدل چکی ہے؟ الف سے۔ اور جبکہ یہاں پر دیکھیں خَلَا اور عَدَا یہ واو الف سے بدلا ہے لیکن واو نہیں لکھا، دونوں کو الف کے ساتھ لکھا گیا ہے: خَلَا بھی آخر میں الف ہے، عَدَا میں بھی آخر میں الف ہے۔ تو یہ یاد رکھنا یہ کتابت کا نکتہ بھائی، کہ جب بھی یا طرف میں واقع ہو، کنارے پر آخری کنارے پر آئے اور وہ یا کس سے بدل جائے؟ الف سے بدل جائے، تو لکھیں گے پھر بھی اس کو یا ہی کی صورت میں۔ اور اگر آخر میں واو آئے اور وہ واو الف سے بدل جائے تو پھر وہاں واو نہیں لکھیں گے بلکہ اس واو کو لکھیں گے بھی الف کی صورت میں۔ تو یا الف سے بدلے تو یا ہی کی صورت میں لکھیں گے، اور واو الف سے بدلے تو اس کو الف کی صورت میں لکھتے ہیں۔ ضابطہ سمجھ میں آیا؟

تو کہتے ہیں أَوْ بَعْدَ خَلَا وَعَدَا۔ جی تو کیا کیا بتلائیں گے آپ کو یہاں کہ خَلَا اور عَدَا ناقصِ واوی ہیں، ان کا باب بتلائیں گے کہ یہ بابِ نَصَرَ سے ہیں اور پھر ساتھ یہ بتلائیں گے کہ یہ جو عَدَا ہے یہ فعلِ متعدی ہے، فعلِ متعدی کسے کہتے ہیں؟ جو مفعول کو نصب بھی دیتا ہے۔ تو خَلَا یہ فعلِ متعدی ہے یہ بمعنیٰ جَاوَزَ کے ہے۔ جَاوَزَ کا معنیٰ گزر جانا، تجاوز کر جانا۔ مثلاً زید بیٹھا ہے اور میں اس کے پاس سے گزر گیا تو میں کہوں گا جَاوَزْتُ زَيْدًا، میں زید کے پاس سے گزرا، میں زید سے آگے بڑھ گیا۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو یہ دیکھو جَاوَزْتُ زَيْدًا، دیکھو یہ مفعول کو نصب دے رہا ہے۔ اور جبکہ خَلَا يَخْلُو کا معنیٰ ہے خالی ہونا اور یہ مِنْ کے ذریعے متعدی ہوتا ہے۔ مثلاً میں کہتا ہوں خَلَا الْبَيْتُ مِنْ زَيْدٍ۔ بَيْتٌ کمرے کو کہتے ہیں، خَلَا الْبَيْتُ وہ کمرہ خالی ہوا مِنْ زَيْدٍ کس سے؟ زید سے۔ تو عَدَا جو ہے وہ فعلِ متعدی ہے وہ مفعول بہ کو نصب دیتا ہے، اور خَلَا جو ہے وہ فعلِ لازم ہے وہ مفعول بہ کو نصب نہیں دیتا براہِ راست بلکہ وہ مِنْ کے ذریعے مفعول کی طرف متعدی ہوتا ہے۔ خَلَا الْبَيْتُ مِنْ زَيْدٍ، کمرہ خالی ہوا زید سے، تو دیکھو مِنْ کے ذریعے یہ متعدی ہو رہا ہے زید کی طرف۔ بات سمجھ میں آگئی؟

دیکھیے بھائی کتاب پر: أَوْ كَانَ بَعْدَ خَلَا وَعَدَا، یا وہ مستثنیٰ جو ہے خَلَا و عَدَا کے بعد ہو۔ پیچھے بتلایا تھا وَهُوَ مَنْصُوبٌ کہ مستثنیٰ کیا ہو گا؟ وجوباً منصوب ہو گا۔ کب؟ إِذَا كَانَ، إِذَا كَانَ بَعْدَ إِلَّا پیچھے آیا تھا اب آیا ہے أَوْ كَانَ بَعْدَ خَلَا وَعَدَا، جب وہ مستثنیٰ کس کے بعد ہو؟ خَلَا اور عَدَا کے بعد ہو۔ أَيِ الْمُسْتَثْنَى مَنْصُوبٌ أَيْضًا وُجُوبًا، یعنی مستثنیٰ جو ہے وہ نیز منصوب ہو گا وجوباً إِذَا كَانَ بَعْدَ عَدَا جب وہ کس کے بعد آئے؟ عَدَا کے بعد آئے۔ مِنْ عَدَا يَعْدُو عَدْوًا اور یہ عَدَا کس سے ہے؟ عَدَا يَعْدُو عَدْوًا سے ہے، یعنی یہ فعلِ ماضی کا صیغہ ہے پہلا صیغہ۔ إِذَا جَاوَزَهُ اور یہ کب کہتے ہیں عَدَا؟ إِذَا جَاوَزَهُ، جب کوئی شخص کسی پر سے گزر جائے، کسی کے پاس سے تجاوز کر جائے، آگے نکل جائے۔ دیکھو جَاوَزَهُ، یہ جَاوَزَهُ کے آخر میں ہا ضمیر آ رہی ہے، اس سے پتہ چل گیا کہ یہ متعدی ہے، یہ ہا ضمیر مفعول کے ساتھ ملی ہوئی ہے۔ تو یہ جَاوَزَهُ کے ساتھ یہ جو ضمیرِ منصوب ساتھ جوڑ دی اس نے بتلا دیا کہ یہ فعل متعدی ہے، اس جَاوَزَ کے اندر هُوَ ضمیر فاعل ہے اور یہ جو ہا ضمیر آخر میں ہے یہ مفعول بہ کی ہے، یہ منصوب محلاً ہے بھائی۔ تو کہتے ہیں إِذَا كَانَ بَعْدَ عَدَا جب یہ مستثنیٰ عَدَا کے بعد ہو، مِنْ عَدَا يَعْدُو عَدْوًا یہ عَدَا يَعْدُو عَدْوًا سے ہے، إِذَا جَاوَزَهُ جب وہ اس کے پاس سے گزر جائے اس پر تجاوز کر جائے، مِثْلُ جَاءَنِي الْقَوْمُ عَدَا زَيْدًا۔ جَاءَنِي الْقَوْمُ عَدَا زَيْدًا۔ ترجمہ وہی ہو گا بھائی: جَاءَنِي الْقَوْمُ عَدَا زَيْدًا میرے پاس وہ لوگ آئے سوائے زید کے، یعنی زید نہیں آیا۔

أَوْ بَعْدَ خَلَا یا مستثنیٰ کس کے بعد آئے؟ خَلَا کے بعد آئے۔ خَلَا کے بارے میں بھی بتلا رہے ہیں، کہتے ہیں کہ یہ ماضی کا صیغہ ہے، کہتے ہیں مِنْ خَلَا يَخْلُو خُلُوًّا، یہ خَلَا کس سے ہے؟ خَلَا يَخْلُو خُلُوًّا سے ہے، یعنی ناقص ہے اور ماضی کا صیغہ ہے بھائی واحد مذکر غائب کا۔ نَحْوُ مثال کے طور پر جَاءَنِي الْقَوْمُ خَلَا زَيْدًا، آئے میرے پاس وہ لوگ سوائے زید کے۔ توجہ ہے؟ ابھی بامحاورہ ترجمہ، آگے پوری تفصیل بیان کریں گے کہ خَلَا کا معنیٰ ہے خالی ہونا، پھر اس کا ترجمہ کیسے ہو گا؟ اور عَدَا کا معنیٰ ہے تجاوز کرنا، اس صورت میں کیسے معنیٰ ہو گا، وہ بھی ابھی آگے بیان کریں گے بھائی۔ تو یہاں اسی طرح معنیٰ

کریں: جَاءَنِي الْقَوْمُ خَلَا زَيْدًا آئے وہ لوگ میرے پاس سوائے زید کے۔ وَهُوَ فِي الْأَصْلِ لَازِمٌ اور یہ جو خَلَا ہے یہ اصل کے اندر فعلِ لازم ہے۔ يَتَعَدَّى إِلَى الْمَفْعُولِ بِمِنْ اور یہ مفعول کی طرف متعدی ہوتا ہے مِنْ کے ذریعے۔ میں نے آپ کو بتلایا تھا بھائی کہ یہ حروفِ جارہ یہ فعل کو متعدی بنانے کے لیے استعمال کیے جاتے ہیں۔ مثلاً میں نے آپ سے کہا ضَرَبْتُ زَيْدًا، میں نے زید کی پٹائی کی۔ ضَرَبْتُ فعل با فاعل ہے اور زَيْدًا مفعول بہ ہے۔ اب میں اس کے ساتھ الْعَصَا یعنی عَصَا کا معنیٰ لاٹھی، تو میں اس کے ساتھ عَصَا کو بھی جوڑنا چاہتا ہوں۔ لیکن اب عَصَا کو میں براہِ راست فعل کے ساتھ نہیں جوڑ سکتا۔ توجہ ہے؟ کیونکہ یہ ضَرَبَ ایک مفعول بہ چاہتا ہے اور وہ زَيْدًا پہلے ہی گزر چکا ہے۔ اب اگر میں الْعَصَا کو ساتھ جوڑوں گا تو فعل اس میں عمل کر ہی نہیں سکتا، اس کو نصب دے ہی نہیں سکتا۔ تو پھر اس صورت میں حروفِ جارہ کا سہارا لیا جاتا ہے۔ چنانچہ اب میں با حرفِ جر لے کر آؤں گا اور یوں کہوں گا: ضَرَبْتُ زَيْدًا بِالْعَصَا۔ اب ضَرَبْتُ نے عَصَا میں عمل کیا لیکن کس کے واسطے سے؟ با کے واسطے سے۔ توجہ ہے؟ تو اب آپ سے اگر کوئی پوچھے کہ یہ الْعَصَا ضَرَبْتُ کے لیے کیا بن رہا ہے؟ تو آپ کہیں گے یہ بھی ضَرَبْتُ کے لیے مفعول بہ ہے لیکن براہِ راست مفعول بہ نہیں ہے بلکہ کس کے واسطے سے ہے؟ با کے واسطے سے۔ تو اس کو کہیں گے مفعول بہ غیرِ صریح، یعنی ایسا مفعول بہ جو صراحتاً مفعول بہ نہیں ہے۔ لفظوں میں تو یہ جار مجرور ہیں بھائی، لیکن حقیقت میں یہ کیا ہے؟ یہ بھی مفعول بہ ہے۔ زَيْدًا بھی مفعول بہ تھا اور الْعَصَا بھی۔ ضَرَبْتُ زَيْدًا بِالْعَصَا، یہ زَيْدًا بھی مفعول بہ لیکن یہ مفعول بہ صریح ہے، یعنی صاف لفظوں میں مفعول بہ ہے، فعل اس کو نصب دے رہا ہے۔ اور بِالْعَصَا میں یہ جو الْعَصَا آرہا ہے یہ بھی مفعول بہ ہے لیکن یہ صراحتاً مفعول بہ نہیں ہے کیونکہ اس پر تو با حرفِ جر داخل ہے، تو اس کو کہتے ہیں مفعول بہ غیرِ صریح۔ مفعول بہ غیرِ صریح بھائی۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو یہی بیان کر رہے ہیں کہ یہ وَهُوَ فِي الْأَصْلِ لَازِمٌ کہ یہ خَلَا جو ہے اصل کے اندر لازم ہے، فعلِ لازم ہے، يَتَعَدَّى إِلَى الْمَفْعُولِ بِمِنْ اور یہ متعدی ہوتا ہے مفعول کی طرف مِنْ کے ذریعے۔ توجہ ہے؟ تو جو بھی حروفِ جارہ استعمال ہوتے ہیں، ان کا جو مدخول ہوتا ہے جس پر یہ داخل ہوتے ہیں وہ ماقبل فعل کے لیے مفعول بہ ہوتا ہے بھائی، البتہ غیرِ صریح ہوتا ہے۔ جیسے مَرَرْتُ، مَرَرْتُ کا معنیٰ گزرنا، یہ فعلِ لازم ہے، اور اب میں کہنا یہ چاہتا ہوں کہ میں زید کے پاس سے گزرا، تو میں مَرَرْتُ زَيْدًا نہیں کہہ سکتا کیونکہ مَرَرْتُ فعلِ لازم ہے، یہ زَيْدًا کو مفعول بہ کو نصب نہیں دے سکتا۔ تو پھر حروفِ جارہ کا سہارا لیتے ہیں تو پھر میں کیسے کہوں گا؟ مَرَرْتُ بِزَيْدٍ، میں زید کے پاس سے گزرا۔ اب معنیٰ ٹھیک ہو گیا مَرَرْتُ بِزَيْدٍ۔ اب اس زید کے بارے میں آپ سے کوئی پوچھے یہ کیا ہے مَرَرْتُ کے لیے؟ تو آپ کیا کہیں گے؟ یہ مفعول بہ ہے غیرِ صریح بھائی۔ تو یہاں پر بھی بتلایا کہ یہ خَلَا فعلِ لازم ہے اور یہ متعدی ہوتا ہے کس کے ذریعے؟ مِنْ کے ذریعے۔ جیسے میں نے مثال ذکر کی خَلَا الْبَيْتُ مِنْ زَيْدٍ، وہ کمرہ خالی ہو گیا مِنْ زَيْدٍ کس سے؟ زید سے۔ تو الْبَيْتُ یہ فاعل بن گیا خَلَا کے لیے، خَلَا الْبَيْتُ یہ الْبَيْتُ کیا بنا؟ فاعل۔

فاعل بنا کس کے لیے؟ خَلَا فعل کے لیے۔ اور مِنْ زَيْدٍ یہ زید کیا ہے؟ یہ مفعول بہ غیرِ صریح ہے کس کے لیے؟ خَلَا کے لیے۔ توجہ ہے؟ ہاں تو یہ ویسے آپ نے یاد رکھنا ہے، ویسے تو ترکیب یوں ہوگی: خَلَا فعل، الْبَيْتُ مرفوع لفظاً فاعل، مِنْ جارہ،

زَيْدٍ مجرور، جار مجرور مل کر متعلق کس سے؟ خَلَا فعل سے۔ تو فعل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ ہوا۔ توجہ ہے؟ تو ترکیب تو اسی طرح ہوگی، جار مجرور کو آپ فعل وغیرہ سے جوڑیں گے، لیکن آپ نے خود یہ بات یاد رکھنی ہے کہ یہ جو مجرور ہوتا ہے یہ مفعول بہ غیرِ صریح ہوتا ہے۔ جو بھی حرفِ جر اس پر داخل ہو رہا ہو، چاہے ب ہو، چاہے مِنْ ہو، چاہے فِي ہو، چاہے إِلَى ہو، چاہے عَلَى ہو، جو بھی حرفِ جر جس چیز پر داخل ہو رہا ہے وہ دراصل کیا ہے؟ مفعول بہ غیرِ صریح ہے اس اپنے متعلق کے لیے۔

تو پھر ترجمہ دیکھیے، کہتے ہیں: وَهُوَ فِي الْأَصْلِ لَازِمٌ اور یہ خَلَا جو ہے یہ اصل کے اندر فعلِ لازم ہے، يَتَعَدَّى إِلَى الْمَفْعُولِ بِمِنْ اور یہ متعدی ہوتا ہے مفعول کی طرف مِنْ کے ذریعے۔ نَحْوُ مثال کے طور پر خَلَتِ الدِّيَارُ مِنَ الْأَنِيسِ. وہی خَلَا سے مؤنث کا صیغہ ہے۔ خَلَا بھائی ماضی کی گردان کس طرح ہوگی؟ خَلَا، خَلَيَا، خَلَوْا، خَلَتْ بھائی، تو دیکھو واحد مؤنث غائب کا صیغہ ہے خَلَتْ. اور الدِّيَارُ یہ جمع ہے دَار کی، دَار کی، اور یہ فاعل ہے خَلَتْ کے لیے۔ تو یہ جمع ہے اور جمع بتاویلِ جَمَاعَةٌ کس کے حکم میں ہے؟ واحد مؤنث کے حکم میں، اس لیے خَلَتْ فعلِ مؤنث اس کے لیے لے کر آئے بھائی۔ اور نیز ویسے بھی یاد رکھنا کہ دَار کا لفظ جو ہے وہ مؤنثِ سماعی ہے، وہ عربی میں مؤنث استعمال ہوتا ہے۔ تو دَار کا لفظ بھی مؤنث اور یہ دِيَار اس کی جمع یہ بھی مؤنث ہے بھائی۔ خَلَتِ الدِّيَارُ، خالی ہو گئے وہ گھر مِنَ الْأَنِيسِ. انیس کہتے ہیں انس کرنے والا، یعنی مانوس بھائی، مانوس۔ انیس انس کرنے والا، اسی انس سے انسان بھی ہے۔ انسان کو انسان اس لیے کہتے ہیں کیونکہ انسان ایک دوسرے سے مانوس ہوتے ہیں، ایک دوسرے سے انس کرتے ہیں، اکٹھے مل جل کر رہتے ہیں۔ اکٹھے مل جل کر رہتے ہیں تو اس لیے انسان کو انسان کہتے ہیں۔ تو یہ کسی شاعر کا قول ہے بھائی، قدیم فصیح شعراء کے کلام سے یہ تھوڑا سا ٹکڑا لیا صاحبِ جامی نے کہ خَلَتِ الدِّيَارُ مِنَ الْأَنِيسِ، وہ گھر خالی ہو گئے انس کرنے والوں سے۔ کوئی جگہ ہوگی جہاں پر شاعر یا اس کا قبیلہ وغیرہ یا کوئی رہتے ہوں گے، اور پھر کچھ عرصے کے بعد وہ وہاں سے ہجرت کر گئے، وہ جگہ انہوں نے چھوڑ دی، کیونکہ عرب خانہ بدوشوں کی طرح زندگی گزارتے تھے، جہاں پانی اور سبزہ وغیرہ ہوتا وہاں ٹھکانہ بنا لیتے، پھر وہاں سے جب پانی وغیرہ ختم ہوتا تو دوسری جگہ منتقل ہو جاتے جہاں پانی موجود ہوتا۔ تو شاعر کسی ایسی ہی جگہ کے بارے میں ذکر کر رہا ہے جہاں اس کے قبیلے والے یا کوئی جاننے والے آباد تھے اور پھر بعد میں وہ وہاں سے ہجرت کر گئے، اب وہ جگہ خالی اور خالی پڑی ہوئی تھی تو شاعر کیا کہتا ہے؟ خَلَتِ الدِّيَارُ مِنَ الْأَنِيسِ، کہ خالی ہو گئے وہ گھر انس کرنے والوں سے، یعنی اب وہ اجاڑ و بیابان پڑے ہوئے ہیں، وہاں کوئی انس کرنے والا انسان موجود نہیں ہے۔ تو بہرحال یہ صاحبِ جامی نے ذکر کیا بطورِ استشہاد کے، بتانا یہ چاہتے ہیں کہ خَلَا يَخْلُو مِنْ کے ذریعے متعدی ہوتا ہے۔ خَلَتِ الدِّيَارُ مِنَ الْأَنِيسِ، دیکھو یہ مِنْ کے ذریعے متعدی ہو رہا ہے انیس کی طرف۔

وَقَدْ يُضَمَّنُ مَعْنَى جَاوَزَ أَوْ يُحْذَفُ مِنْ وَيُوصَلُ الْفِعْلُ فَيَتَعَدَّى بِنَفْسِهِ۔ یہاں سے بیان کر رہے ہیں۔ سوال یہ پیدا ہوا

کہ آپ نے ہمیں بتایا کہ عَدَا، عَدَا جو ہے یہ فعلِ متعدی ہے اس کے لیے مفعول آتا ہے، تو جَاءَنِي الْقَوْمُ عَدَا زَيْدًا، تو یہ زَيْدًا کا منصوب ہونا تو ہمیں سمجھ میں آتا ہے کہ یہ عَدَا کے لیے کیا بن جائے گا؟ مفعول بہ۔ لیکن خَلَا تو مفعول بہ کو نصب دیتا ہی نہیں، تو جَاءَنِي الْقَوْمُ خَلَا زَيْدًا، تو پھر یہ خَلَا کے بعد زَيْدًا کیوں منصوب ہے؟ یہ تو مفعول بہ کو نصب دے ہی نہیں سکتا۔ تو اس کے دو جواب ذکر کریں گے صاحبِ جامی: ایک یہ کہ کبھی کبھار خَلَا وہ متضمن ہو جاتا ہے جَاوَزَ کے معنیٰ کو۔ جَاوَزَ وہی جو ابھی میں نے ذکر کیا عَدَا کا معنیٰ ہے: کسی کے پاس سے گزر جانا، تجاوز کر جانا۔ جَاوَزْتُ زَيْدًا، میں زید کے پاس سے گزر گیا۔ تو صاحبِ جامی بتلائیں گے کہ کبھی کبھار خَلَا جو ہے اس میں جَاوَزَ کے معنیٰ کو ملحوظ رکھا جاتا ہے، یعنی یہ متضمن ہوتا ہے جَاوَزَ کے معنیٰ کو، کس کو؟ بھائی عربی زبان میں کبھی کبھار ایک فعل کے اندر دوسرے فعل کے معنیٰ کو ملحوظ رکھا جاتا ہے۔ تو خَلَا کا معنیٰ تو ہے خالی ہونا، لیکن اس کے اندر جَاوَزَ کا معنیٰ بھی ملحوظ ہو گیا، اور جَاوَزَ تو مفعول بہ کو نصب دیتا ہے، تو اب خَلَا بھی مفعول بہ کو نصب دے گا کیونکہ یہ جَاوَزَ کے معنیٰ کو متضمن ہے، جَاوَزَ کے معنیٰ پر اب یہ مشتمل ہے بھائی۔ اس کو کیا کہتے ہیں؟ تضمین بھائی، ایک فعل کے اندر دوسرے فعل کا معنیٰ ملحوظ ہو۔ تو سوال کیا تھا کہ خَلَا کے بعد یہ زَيْدًا پھر کیوں منصوب ہے اگر یہ مفعول بہ کو نصب نہیں دیتا؟ تو ایک جواب یہ کہ یہاں تضمین ہے، خَلَا کس کے معنیٰ کو متضمن ہے؟ جَاوَزَ کے معنیٰ کو، اس لیے وہ زَيْدًا کو نصب دے رہا ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ یا دوسرا جواب بعض دیتے ہیں کہ یہاں پر حذف و ایصال ہے۔ حذف و ایصال اس کو کہتے ہیں کہ وہ جو درمیان میں حرفِ جر ہوتا ہے اس کو حذف کر لیتے ہیں، اور اس کا جو مدخول تھا یعنی وہ جو مجرور تھا اس کو براہِ راست فعل کے ساتھ جوڑ دیتے ہیں۔ جیسے ابھی مثال گزری خَلَتِ الدِّيَارُ مِنَ الْأَنِيسِ۔ یہ خَلَا کس کے ساتھ متعدی ہو رہا ہے؟ مِنْ کے ساتھ، تو اس مِنْ کو حذف کر لیں گے اور الْأَنِيسَ کو براہِ راست خَلَا سے جوڑ دیا، اب خَلَا اس کو نصب دے گا۔ یعنی پہلے یہ مفعول بہ غیرِ صریح تھا، مِنْ موجود تھا۔ پہلے یہ الْأَنِيسُ کیا تھا؟ جب حرفِ جر موجود، جس پر حرفِ جر داخل ہو اس کو کیا کہتے ہیں؟ مفعول بہ غیرِ صریح۔ تو الْأَنِيسُ یہ مفعول بہ غیرِ صریح تھا خَلَا کے لیے، اور اب جب مِنْ کو حذف کر دیا اور الْأَنِيسَ کو براہِ راست فعل سے جوڑ دیا، اب فعل اس کو براہِ راست نصب دے رہا ہے یہ اس کے لیے مفعول بہ بن گیا۔ تو پہلے مفعول بہ غیرِ صریح تھا، اور پھر کیا کیا؟ حذف و ایصال کیا۔ حذف کا کیا معنیٰ؟ حرفِ جر کو حذف کر لیا۔ اور ایصال کا کیا معنیٰ؟ کہ اس کو ساتھ جوڑ دیا فعل کے۔ تو یہ حذف و ایصال کی وجہ سے اب فعل براہِ راست اس کو نصب دے رہا ہے۔ تو پہلے یہ مفعول بہ غیرِ صریح تھا، اب مفعول بہ صریح بن گیا کس کی وجہ سے؟ حذف و ایصال کی وجہ سے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو یہاں دو قسم کی چیزیں ممکن ہیں بھائی: یا تو یوں کہا جائے کہ یہ خَلَا کے بعد جو مستثنیٰ منصوب آتا ہے یہ اس لیے کیونکہ خَلَا کے اندر تضمین ہے، یہ متضمن ہے جَاوَزَ کے معنیٰ کو۔ یا یوں کہا جائے کہ یہاں پر حذف و ایصال ہے، مِنْ موجود تھا اصل میں تھا خَلَا مِنْ زَيْدٍ، پھر مِنْ کو حذف کر کے زید کو خَلَا کے ساتھ جوڑ دیا گیا اور خَلَا نے اس کو نصب دیا تو خَلَا زَيْدًا ہو گیا۔

تو کہتے ہیں وَقَدْ يُضَمَّنُ مَعْنَى جَاوَزَ اور کبھی کبھار خَلَا کو متضمن کیا جاتا ہے جَاوَزَ کے معنیٰ کے ساتھ، یعنی اس کے ضمن میں جَاوَزَ کا معنیٰ لایا جاتا ہے، أَوْ يُحْذَفُ مِنْ وَيُوصَلُ الْفِعْلُ یا مِنْ کو حذف کر لیا جاتا ہے اور فعل کو ملا دیا جاتا ہے اس کے ساتھ۔ توجہ ہے؟ فعل کو اس کے ساتھ ملا دیا جاتا ہے فَيَتَعَدَّى بِنَفْسِهِ تو فعل خود ہی متعدی ہو جاتا ہے، فعل خود ہی متعدی ہو جاتا ہے اس مفعول کی طرف، یعنی مفعول بہ غیرِ صریح کو مفعول بہ صریح بنا دیا جاتا ہے۔

آگے دیکھیے: وَالْتَزَمُوا هَذَا التَّضْمِينَ أَوِ الْحَذْفَ وَالْإِيصَالَ فِي بَابِ الِاسْتِثْنَاءِ۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ استثناء کے باب میں تو ہم جب بھی پڑھتے ہیں جَاءَنِي الْقَوْمُ خَلَا زَيْدًا پڑھتے ہیں، کیا پڑھتے ہیں؟ خَلَا زَيْدًا پڑھتے ہیں۔ تو اگر یہاں حذف و ایصال ہے، حذف و ایصال ہے، تو کبھی تو مِنْ کو لفظوں میں بھی آنا چاہیے تھا: جَاءَنِي الْقَوْمُ خَلَا مِنْ زَيْدٍ۔ تو کبھی تو اپنی اصل پر رہنا چاہیے تھا اور کبھی حذف و ایصال کرنا چاہیے تھا۔ لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ ہمیشہ خَلَا کے بعد زَيْدًا جو ہے وہ، جو مستثنیٰ ہوتا ہے وہ منصوب ہوتا ہے۔ تو آپ کو بتلائیں گے کہ بھئی نحوی حضرات نے یہاں پر خَلَا کے اندر تضمین یا جو حذف و ایصال ہے اس کو لازم قرار دیا ہے۔ تو نحوی حضرات نے یہاں پر تضمین یا حذف و ایصال کو اس بابِ استثناء کے اندر لازم قرار دیا ہے۔ بھائی خَلَا اور عَدَا استثناء کے علاوہ بھی استعمال ہوتے ہیں، لیکن جب بھی یہ استثناء کے لیے استعمال ہوں گے تو نحوی حضرات کیا فرماتے ہیں کہ یہاں پر تضمین لازم ہے یا حذف و ایصال لازم ہے۔ تضمین ہو گی تو پھر یہ آگے مستثنیٰ کو نصب دے گا، یا حذف و ایصال ہو گا تو یہ آگے مستثنیٰ کو نصب دے گا۔ تو استثناء کے باب میں یہاں پر نحوی حضرات نے تضمین کو لازم قرار دیا ہے۔ بات سمجھ میں آ گئی؟

دیکھیے بھائی کتاب پر، کہتے ہیں: وَالْتَزَمُوا هَذَا التَّضْمِينَ أَوِ الْحَذْفَ... اچھا تو نحوی حضرات نے یہاں پر تضمین یا حذف و ایصال کو لازم پکڑا ہے بابِ استثناء کے اندر۔ بھائی کیوں، لازم کیوں پکڑا ہے؟ تاکہ کہتے ہیں اس کی صورت بھی مستثنیٰ بِإِلَّا جیسی ہو جائے۔ اس کی صورت بھی... یہ جو خَلَا کا مابعد ہے اس کی صورت بھی مستثنیٰ بِإِلَّا کی طرح ہو جائے، اور مستثنیٰ بِإِلَّا تو منصوب ہوتا ہے۔ توجہ ہے؟ لہٰذا یہاں پر بھی نصب کو لازم پکڑا ہے۔ اگر کبھی نصب آئے گا، کبھی مِنْ آئے گا تو پھر تو اس کی صورت إِلَّا جیسی نہ رہی۔ إِلَّا کے بعد تو ہمیشہ کیا آئے گا؟ نصب آتا ہے، تو لہٰذا یہاں پر بھی انہوں نے نصب کو لازم پکڑا ہے۔ اور نصب کو لازم پکڑا ہے، معلوم ہوا تضمین یا حذف و ایصال کو لازم پکڑا ہے کیونکہ اس کے بغیر تو نصب نہیں آ سکتا بھائی۔ تو کہتے ہیں وَالْتَزَمُوا اور نحوی حضرات نے اس تضمین یا حذف و ایصال کو لازم پکڑا ہے فِي بَابِ الِاسْتِثْنَاءِ استثناء کے باب میں، لِيَكُونَ مَا بَعْدَهَا فِي صُورَةِ الْمُسْتَثْنَى بِإِلَّا تاکہ یہ جو خَلَا کا مابعد ہے وہ مستثنیٰ بِإِلَّا کی صورت میں ہو، الَّتِي هِيَ أُمُّ الْبَابِ وہ إِلَّا جو أُمُّ الْبَابِ ہے، جو اس بابِ استثناء میں اصل ہے۔ أُمُّ الْبَابِ کا کیا معنیٰ؟ یعنی باب کی جو اصل ہے۔ جیسے ماں اپنی اولاد کے لیے اصل ہوتی ہے۔ توجہ ہے؟ تو یہاں پر بھی إِلَّا جو ہے وہ أُمُّ الْبَابِ ہے، یہ استثناء کے باب

میں اصل إِلَّا ہے۔ یاد رکھو یہ جو گیارہ کلمات انہوں نے آپ کو بتائے استثناء کے لیے استعمال ہوتے ہیں، ان میں سے صرف إِلَّا جو ہے اس کو وضع ہی استثناء کے لیے کیا گیا ہے، جبکہ باقی خَلَا، عَدَا، لَيْسَ، لَا يَكُونُ وغیرہ اور سِوًى، سَوَاءٌ وغیرہ جتنے بھی ہیں ان کو استثناء کے لیے وضع نہیں کیا گیا۔ ان کو اور معانی کے لیے وضع کیا گیا ہے لیکن استعمال کس میں کر لیتے ہیں کبھی کبھار؟ استثناء کے لیے بھی۔ تو إِلَّا وضع ہی کس لیے ہے؟ استثناء کے لیے، اور باقی استثناء کے لیے وضع نہیں ہیں، وہ اور معانی کے لیے وضع ہیں لیکن استعمال ہو جاتے ہیں استثناء کے لیے بھی۔ یہ تمام کلمات جو استثناء کے لیے استعمال ہوتے ہیں ان میں اصل کیا ہے؟ إِلَّا ہے استثناء کے لیے، وہ ہے أُمُّ الْبَابِ، اس باب کی اصل۔ تو اس جیسی صورت دینے کے لیے خَلَا کے اندر تضمین یا حذف و ایصال کو لازم پکڑا ہے، تاکہ صورت بھی کس جیسی ہو؟ مستثنیٰ بِإِلَّا جیسی ہو۔ توجہ ہے؟ بات سمجھ میں آ رہی ہے؟

جی دیکھیے، کہتے ہیں لِيَكُونَ مَا بَعْدَهَا فِي صُورَةِ الْمُسْتَثْنَى بِإِلَّا الَّتِي هِيَ أُمُّ الْبَابِ تاکہ یہ جو خَلَا کا مابعد ہے وہ مستثنیٰ بِإِلَّا کی صورت میں ہو، وہ إِلَّا الَّتِي هِيَ أُمُّ الْبَابِ جو کہ اس باب کی اصل ہے بھائی، یعنی بابِ استثناء کی جو اصل ہے۔ یہاں تک بات بھی سمجھ میں آئی یا نہیں؟ کیا بات ہوئی؟ کہ إِلَّا کے بعد مستثنیٰ ہمیشہ منصوب ہوتا ہے۔ تو لہٰذا خَلَا کے بعد بھی ہمیشہ کیا لاتے ہیں؟ منصوب ہی لاتے ہیں۔ اور منصوب لانے کی تو دو ہی صورتیں ہیں: یا اس میں تضمین ہو یا اس میں حذف و ایصال ہو۔ تو گویا جب بھی خَلَا کو استثناء کے لیے استعمال کرتے ہیں تو اس میں تضمین یا حذف و ایصال کو لازم سمجھا جاتا ہے تاکہ آگے آنے والا لفظ جو ہے وہ منصوب ہو جائے اور اس کی صورت بھی مستثنیٰ بِإِلَّا جیسی ہو جائے جیسے وہ منصوب ہوتا ہے۔

آگے دیکھیے: وَفَاعِلُهُمَا ضَمِيرٌ رَاجِعٌ إِمَّا إِلَى مَصْدَرِ الْفِعْلِ الْمُقَدَّمِ أَوْ إِلَى اسْمِ الْفِعْلِ مِنْهُ أَوْ إِلَى بَعْضٍ مُطْلَقٍ مِنَ الْمُسْتَثْنَى مِنْهُ۔ جی یہ ذرا مشکل مقام ہے، یہ اچھی طرح سمجھ لیں۔ بھئی اتنا تو انہوں نے بتا دیا کہ جَاءَنِي الْقَوْمُ خَلَا زَيْدًا یہ زَيْدًا یہ مفعول بہ ہے کس کے لیے؟ خَلَا کے لیے، تضمین کی وجہ سے یا حذف و ایصال کی وجہ سے۔ تو سوال پیدا ہوا خَلَا تو فعل ہے اور فعل کے لیے کیا چاہیے؟ فاعل بھی چاہیے۔ تو فاعل کیا ہے؟ تو آپ کو بتائیں گے کہ خَلَا کے اندر هُوَ ضمیر فاعل ہے۔ پھر یہ ضمیر کس کو راجع ہے؟ کس کو راجع ہے؟ تو تین احتمالات بتلائیں گے صاحبِ جامی۔ ہونا تو یہ چاہیے تھا یاد رکھو یہ ضمیر هُوَ ضمیر راجع ہونی چاہیے تھی مستثنیٰ منہ کو۔ خَلَا زَيْدًا، وہ خالی ہیں، کس سے خالی ہیں؟ زید سے۔ مِنْ ذرا لے آؤ، خَلَا مِنْ زَيْدٍ وہ زید سے خالی ہیں، کون زید سے خالی ہیں؟ پیچھے جو مستثنیٰ منہ تھا، وہ قوم، وہ لوگ جو آئے ہیں وہ زید سے خالی ہیں، زید ان میں شامل نہیں ہے۔ تو یہاں خَلَا کے اندر هُوَ ضمیر کس کو لوٹانی چاہیے؟ الْقَوْمُ کی طرف۔ لیکن الْقَوْمُ وہ تو اسمِ جمع ہے، وہ اسمِ جمع ہے۔ اسمِ جمع کسے کہتے ہیں؟ جو جمع تو نہیں لیکن معنیٰ جمع والا ادا کرتا ہے۔ قوم کا لفظ تو مفرد ہے، اس کی جمع تو أَقْوَامٌ آتی ہے، تو خود یہ مفرد ہے لیکن اس کا اطلاق تین سے دس تک ہوتا ہے تو اس کو کیا کہتے ہیں؟

اسمِ جمع۔ تو خَلَا کے اندر ھُوَ ضمیر مفرد کی ہے، اور پیچھے الْقَوْمُ جو مستثنیٰ منہ ہے وہ تو اسمِ جمع ہے اور اس کی طرف جمع کی ضمیر لوٹانی چاہیے۔ تو لہٰذا یہ ھُوَ ضمیر اس کی طرف نہیں لوٹا سکتے۔ تو پھر یہ ھُوَ ضمیر کس کی طرف لوٹائیں؟ تو پھر اس میں تاویل کرتے ہیں علمائے نحو بھائی، اور آپ کو بتلائیں گے کہ ایک صورت یہ ہے کہ اس خَلَا کے اندر جو ھُوَ ضمیر ہے وہ جو پیچھے فعل ذکر ہوا تھا، پیچھے کون سا فعل تھا؟ جَاءَنِي الْقَوْمُ، یہ جَاءَ کا جو فعل ذکر ہوا تو اس کے مصدر کی طرف یہ ھُوَ ضمیر راجع ہے۔ میں نے آپ کو بتلایا تھا کہ فعل مفرد ہے لیکن فعل کا معنیٰ مرکب ہوتا ہے تین چیزوں سے: اس کے اندر مصدر بھی ہوتا ہے، زمانہ بھی ہوتا ہے اور نسبت إلی الفاعل بھی ہوتی ہے۔ تو فعل کا معنیٰ مرکب ہوتا ہے مصدر، زمانہ اور نسبت إلی الفاعل سے۔ تو جب فعل آگیا تو اس کا مصدر بھی آگیا تو اس کی طرف ہی یہ ھُوَ ضمیر راجع کر دی۔ جَاءَ یَجِيءُ مَجِيئًا بھائی، مَجِيئًا یا مَجِيئَةً بھائی یہ اس کا مصدر ہے۔ جیسے قرآن میں بھی ہے:

اعْدِلُوا ھُوَ أَقْرَبُ لِلتَّقْوَى۔ اعْدِلُوا، تم لوگ انصاف کرو، ھُوَ أَقْرَبُ لِلتَّقْوَى، انصاف جو ہے وہ تقویٰ کے زیادہ قریب ہے۔ یہ ھُوَ ضمیر کس کی طرف راجع؟ تو مفسرین حضرات فرماتے ہیں کہ یہ عَدْل کو راجع ہے، کس کو؟ عَدْل۔ تو سوال پیچھے تو عَدْل کا کہیں ذکر نہیں، اعْدِلُوا فعل کا ذکر ہے۔ تو علماء جواب دیتے ہیں کہ جب فعل آگیا تو اس کے ضمن میں اس کا مصدر بھی آگیا، تو لہٰذا معنیٰ کے اعتبار سے گویا مصدر کا ذکر ہو چکا ہے، تو یہ ھُوَ ضمیر اس مصدر کی طرف راجع ہے بھائی۔ تو یہاں پر بھی جب جَاءَنِي الْقَوْمُ، جب جَاءَ فعل ذکر ہوا، تو اس کے ضمن میں مَجِيئَة یا مَجِيءٌ مصدر بھی آگیا، لہٰذا اس کی طرف ھُوَ ضمیر کو لوٹانا صحیح ہے۔ تو پہلی تاویل کیا کرتے ہیں کہ خَلَا کے اندر ھُوَ ضمیر کس کو راجع ہے؟ ماقبل میں جو فعل ہے اس کے مصدر کو راجع ہے۔

دوسری تاویل یہ کرتے ہیں کہ خَلَا کے اندر جو ھُوَ ضمیر ہے وہ اس فعل کے مصدر کو نہیں راجع کرتے، بلکہ اس فعل کے اسمِ فاعل کو راجع کرتے ہیں، کس کو؟ اسمِ فاعل۔ اسمِ فاعل کسے کہتے ہیں؟ وہ جو صیغہ آپ نے گردانوں میں پڑھا ہے: ضَرَبَ یَضْرِبُ ضَرْبًا فَھُوَ ضَارِبٌ، یہ اسمِ فاعل ہے۔ اور جب فعل ذکر ہو گیا، جب مَجِيئَة ذکر ہو گئی، معلوم ہوا کوئی آنے والا ہے یا نہیں؟ معلوم ہوا کوئی جَاءٍ ہے۔ ذرا گردان پڑھیں: جَاءَ یَجِيءُ مَجِيئًا فَھُوَ جَاءٍ، جَاءٍ کا کیا معنیٰ؟ آنے والا۔ تو جب فعل ایک ذکر ہوتا ہے تو معلوم ہوا کوئی اس فعل کو کرنے والا ہے۔ تو لہٰذا یہ ھُوَ ضمیر کس کو راجع کی؟ وہ جو ماقبل فعل تھا اس کے اسمِ فاعل کو راجع کر دی، کیونکہ جب فعل کا ذکر آیا تو معلوم ہوا کوئی اس فعل کو کرنے والا ہے یعنی اسمِ فاعل کا بھی گویا ذکر ہو گیا۔ بات سمجھ میں آگئی؟ یعنی وہ سمجھ میں آرہا ہے اس سے کہ کوئی آنے والا ہے، کوئی اس فعل کو کرنے والا ہے۔ تو پہلی تاویل کیا کہ ھُوَ ضمیر کس کو راجع؟ ماقبل میں جو فعل ہے اس کے مصدر کو راجع۔ دوسری تاویل کیا؟ کہ ماقبل میں جو فعل ہے اس کے اسمِ فاعل کو یہ ضمیر راجع ہے۔

اور تیسری تاویل یہ کریں گے کہ یہ ھُوَ ضمیر جو ماقبل میں مستثنیٰ منہ تھا اس کے بعض کو راجع کریں گے، کس کو؟ اس

کے بعض کو راجع کریں گے۔ بھئی جب میں نے کہا جَاءَنِي الْقَوْمُ، وہ لوگ آئے، اس سے کیا پتہ چلا؟ وہ سارے آئے ہیں۔ ابھی میں نے زید کا استثناء نہیں کیا۔ جَاءَنِي الْقَوْمُ، وہ سارے آئے ہیں۔ تو گویا کل آگیا، کیا آگیا؟ الْقَوْمُ سے جتنے بھی افراد مراد ہیں وہ سب معلوم ہوا آئے ہیں، تو کل کا ذکر آگیا۔ اور جب کل کا ذکر آتا ہے تو اس کے ضمن میں بعض کا بھی ذکر آتا ہے یا نہیں؟ مثلاً فرض کرو الْقَوْمُ سے سو آدمیوں کی ایک جماعت مراد ہے، ہم لے لیتے ہیں۔ ویسے تو اس کا اطلاق تین سے دس تک ہوتا ہے لیکن زائد پر بھی اطلاق کر دیتے ہیں کبھی کبھار، تو لہٰذا فرض کرو اس قوم سے کتنے افراد مراد تھے؟ سو افراد مراد تھے، زید بھی ان میں سے ہے۔ تو جب میں نے کہا جَاءَنِي الْقَوْمُ، وہ لوگ میرے پاس آئے تھے، معلوم ہوا کتنے لوگ ہیں وہ؟ سو، معلوم ہوا وہ سو کے سو میرے پاس آئے ہیں۔ جب وہ سو کے سو میرے پاس آئے ہیں، تو اس سو میں سے دس جو ہیں، بعض بعض، یہ وہ بھی وہ بھی میرے پاس آئے ہیں، اگلے دس لے لو وہ بھی میرے پاس آئے ہیں، اگلے دس مراد لے لیں وہ بھی میرے پاس آئے ہیں۔ جب کل کا ذکر ہو تو اس کے ذکر میں بعض کا بھی ذکر ہو جاتا ہے۔ تو لہٰذا تیسری تاویل یہ ہے کہ یہ هُوَ ضمیر بعض کی طرف راجع کریں، وہ جو مستثنیٰ منہ کے بعض ہیں ان کی طرف راجع کر دیں۔

جی ذرا یہ اپنے سامنے کاپیوں پر لکھیں بھائی، یہ ذرا مشکل مقام ہے اس کو اچھی طرح سمجھ لیں۔ جلدی جلدی لکھیے بھائی۔ جی لکھیے بھائی: جَاءَنِي الْقَوْمُ، بلکہ پہلے پوری مثال ایک لکھ لیجیے جو کتاب میں تھی: جَاءَنِي الْقَوْمُ عَدَا زَيْدًا، جَاءَنِي الْقَوْمُ عَدَا زَيْدًا۔ اب اس کے نیچے یہ عَدَا کی ضمیر کس کو راجع ہے وہ تاویلیں ہم لکھیں گے۔ پہلی تاویل کیا، لکھیے نیچے: جَاءَنِي الْقَوْمُ عَدَا، لکھ لیا جَاءَنِي الْقَوْمُ عَدَا؟ اب ہم نے وہ فاعل ذکر کرنا ہے۔ عَدَا کے اندر هُوَ ضمیر کس کو راجع؟ پہلی تاویل میں نے بتائی تھی کہ ماقبل میں جو فعل ذکر ہے اس کے مصدر کو راجع، تو معلوم ہوا فاعل کون ہے؟ مَجِيءٌ ہے، آنا آنا، وہ فاعل ہے۔ اور آنا ہر ایک کا آنا ذکر ہے یا اس قوم کا آنا ذکر ہے؟ اس قوم کا آنا ذکر ہے، تو ساتھ فاعل کو بھی ہم لے آئیں گے، کس کو؟ مَجِيءٌ مصدر کے ساتھ اس کے فاعل کو بھی لے آئیں گے۔ اور آپ کو میں نے بتایا تھا کہ مصدر کی عموماً اپنے فاعل کی طرف اضافت کر دیا کرتے ہیں، فاعل کی طرف اضافت کر دیتے ہیں۔ مثلاً دیکھو میں آپ سے پوچھتا ہوں ضَرَبَ زَيْدٌ، زید نے پٹائی کی۔ اب میں آپ سے پوچھتا ہوں بتائیے اس جملے میں کیا بیان ہوا؟ آپ کیا کہیں گے؟ ضرب بیان ہوئی۔ مطلقاً ضرب یا کسی خاص آدمی کی ضرب؟ تو پھر اس کو بھی ساتھ جوڑو، آپ کہیں گے اس میں ضَرْبُ زَيْدٍ یعنی ضربِ زید بیان ہوئی ہے۔ دیکھو ضَرْب مصدر ہے اور زَيْدٍ فاعل کی طرف اس کی اضافت کر دی، تو مصدر کی کیا کرتے ہیں؟ اپنے فاعل یا مفعول کی طرف اضافت کر دیتے ہیں۔ تو یہاں پر بھی عَدَا کے اندر هُوَ ضمیر کس کو راجع کی؟ جَاءَ کے مصدر کو، اور مصدر کے لیے ساتھ فاعل کو بھی ذکر کر دیا اور اس کی طرف اضافت کر دی۔ تو یوں کہیں گے، لکھو بھائی آگے: مَجِيئُهُمْ، اگر مشکل ہے لکھنا کتاب پر دیکھ لیجیے، مَجِيئُهُمْ۔ اور آگے زَيْدًا اسی طرح لکھ لیجیے۔ کیا لکھا؟ جَاءَنِي الْقَوْمُ عَدَا مَجِيئُهُمْ زَيْدًا۔ یہ مَجِيئُهُمْ اس کو میں مرفوع پڑھ رہا ہوں کس لیے؟ فاعل ہے خَلَا کے لیے۔ اور یہ هُمْ ضمیر میں نے ساتھ کیوں جوڑی؟ یہ

مَجِيئَة کا فاعل ہے، ان کا آنا، اس قوم والوں کا آنا۔ ترجمہ کیا ہوا؟ جی؟ خَلَا اور عَدَا دونوں میں ایک ہی ترکیب ہوگی۔ بس عَدَا سے آپ سمجھ جائیں گے تو خَلَا آپ خود کر سکتے ہیں۔ تو کیا لکھا؟ جَاءَنِي الْقَوْمُ عَدَا مَجِيئُهُمْ زَيْدًا، اور یہ زَيْدًا یہ اسی عَدَا کے لیے مفعول بہ ہے کیونکہ یہ مفعول بہ کو نصب دیتا ہے۔ تو معنیٰ کیا بن گیا؟ جَاءَنِي الْقَوْمُ، وہ لوگ میرے پاس آئے، عَدَا مَجِيئُهُمْ أَيْ جَاوَزَ مَجِيئُهُمْ، ان کا آنا تجاوز کر گیا، بڑھ گیا زَيْدًا کس سے؟ زید سے، یعنی وہ زید ان کے ساتھ نہیں آیا۔ جَاءَنِي، پھر سنو، جَاءَنِي الْقَوْمُ وہ لوگ میرے پاس آئے عَدَا مَجِيئُهُمْ ان کا آنا تجاوز کر گیا، ان کا آنا بڑھ گیا زَيْدًا کس سے؟ زید سے، معلوم ہوا زید ان کے ساتھ آنے میں شامل نہیں تھا، یعنی زید نہیں آیا۔ معنیٰ سمجھ میں آگیا؟

دوسری ترکیب لکھیے نیچے بھائی: جَاءَنِي الْقَوْمُ عَدَا، جَاءَنِي الْقَوْمُ عَدَا الْجَائِي مِنْهُمْ، کتاب پر بھی دیکھ لیجیے، الْجَائِي مِنْهُمْ زَيْدًا، الْجَائِي مِنْهُمْ زَيْدًا۔ کیا ترجمہ ہوگا؟ جَاءَنِي الْقَوْمُ وہ لوگ میرے پاس آئے عَدَا تجاوز کر گیا الْجَائِي مِنْهُمْ ان میں سے جو آنے والا تھا، ان میں سے جو آنے والا تھا وہ تجاوز کر گیا زَيْدًا کس سے؟ زید سے، یعنی زید اس کے ساتھ نہیں آیا، آنے والوں کے ساتھ زید نہیں آیا، آنے والا زید سے تجاوز کر گیا یعنی وہ اس کے ساتھ شامل نہ ہوا بھائی۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو پہلی ترکیب کے مطابق عَدَا کی ضمیر کس کو لوٹائی؟ ماقبل فعل کے مصدر کی طرف۔ دوسری ترکیب کے مطابق عَدَا کی ضمیر کس کو لوٹائی؟ ماقبل کے فعل سے مفہوم ہونے والا اسمِ فاعل جو ہے اس کی طرف لوٹائی۔

تیسری ترکیب لکھیے بھائی: جَاءَنِي الْقَوْمُ عَدَا بَعْضٌ مِنْهُمْ زَيْدًا، بَعْضٌ مِنْهُمْ زَيْدًا۔ توجہ ہے؟ جَاءَنِي الْقَوْمُ وہ لوگ میرے پاس آئے، عَدَا تجاوز کر گئے بَعْضٌ مِنْهُمْ ان میں سے بعض، ان میں سے بعض تجاوز کر گئے زَيْدًا کس سے؟ زید سے، یعنی زید ان میں سے بعض کے ساتھ نہیں آیا۔ یاد رکھو یاد رکھو یہ صاحبِ جامی آپ کو بتلائیں گے: بَعْضٌ مِنْهُمْ، یوں بھی کہہ سکتے تھے بَعْضُهُمْ، کیا کہہ سکتے تھے؟ یوں کہہ دیتے دیکھو جَاءَنِي الْقَوْمُ عَدَا بَعْضُهُمْ زَيْدًا، لیکن صاحبِ جامی بَعْضُهُمْ نہیں کہیں گے بلکہ کیا کہیں گے؟ بَعْضٌ مِنْهُمْ۔ وجہ کیا؟ وجہ یہ کہ اگر بَعْضُهُمْ کہہ دیتے جَاءَنِي الْقَوْمُ عَدَا بَعْضُهُمْ تو شبہ پڑتا کہ شاید یہ بَعْضُهُمْ سے کوئی متعین بعض مراد ہیں۔ تو ترجمہ کیا ہوتا؟ جَاءَنِي الْقَوْمُ وہ لوگ، توجہ سے سمجھ لو یہ مشکل بات ہے، جَاءَنِي الْقَوْمُ وہ لوگ میرے پاس آئے تھے، عَدَا بَعْضُهُمْ ان میں سے بعض تجاوز کر گئے زَيْدًا کس سے؟ زید سے یعنی زید ان کے ساتھ نہیں تھا۔ ان میں سے بعض تجاوز کر گئے زید سے یعنی زید ان کے ساتھ نہیں تھا۔ تو شبہ پڑتا ہے بَعْضُهُمْ یہ بعض کی اضافت هُمْ ضمیر کی طرف ہے اور معرفہ کی طرف جو مضاف ہو جائے وہ بھی کیا بنتا ہے؟ معرفہ بن جاتا ہے۔ توجہ ہے؟ معلوم ہوا کوئی بعضِ معین مراد ہیں، کیا مراد ہیں؟ بعضِ معین مراد ہیں۔ مثلاً فرض کر لیں جیسے میں نے ابھی ذکر کیا فرض کریں الْقَوْمُ سے کتنے افراد مراد تھے؟ سو افراد، اس میں سے پچیس وہ بھی بعض ہیں، اگلے پچیس وہ بھی کیا ہیں؟ بعض، پھر اگلے پچیس وہ بھی بعض ہیں، اگلے پچیس وہ بھی بعض ہیں، تو دیکھو چار بعض بن گئے۔ آپ جتنے مرضی بنا لیں، دس دس کے والے بعض بنا لیں، پانچ پانچ والے بعض بنا لیں، جتنے بھی بعض بنا لیں۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ لیکن آسانی کے لیے مثلاً ہم چار بنا لیتے ہیں۔ ہر پچیس کیا

ہے؟ یہ بعض ہے۔ اب اگر بَعْضُهُمْ سے کوئی متعین بعض مراد لے لیں، کوئی متعین بعض مراد لے لیں کہ یہ والے جو پچیس ہیں یہ زید سے خالی تھے، ان میں زید نہیں تھا۔ جَاءَنِي الْقَوْمُ آئے وہ لوگ میرے پاس عَدَا بَعْضُهُمْ ان میں سے یہ والے بعض تجاوز کر گئے تھے زَيْدًا کس سے؟ یہ والے بعض وہ تو متعین پچیس ہیں یعنی یہ زید کو شامل نہیں۔ بھئی یہ والے پچیس اگر زید کو شامل نہیں اور بھی تو بعض ہیں، ہو سکتا ہے وہ زید کو شامل ہوں، ہو سکتا ہے وہ زید کو شامل ہوں۔ لہٰذا یہاں بات درست نہیں بنتی بھائی۔ کیونکہ یہ استثناء ہے، استثناء کس کو کہتے ہیں؟ پہلے ایک چیز داخل ہو اور پھر اس کو کیا کر دیں؟ خارج کر دیں۔ توجہ ہے؟ مستثنیٰ متصل کی بات چل رہی ہے۔ توجہ ہے؟ مستثنیٰ متصل کسے کہتے ہیں؟ جو پہلے داخل تھا پھر اس کو کلماتِ استثناء کے ذریعے نکال لیا جائے۔ تو اگر آپ یہ کہیں جَاءَنِي الْقَوْمُ وہ لوگ میرے پاس آئے تھے، عَدَا بَعْضُهُمْ ان میں سے یہ والے جو بعض تھے یہ تجاوز کر گئے تھے زَيْدًا سے یعنی ان میں زید نہیں تھا۔ تو اگر ان پچیس میں زید نہیں تھا تو ہو سکتا ہے اگلے پچیس میں ہو یا اس سے اگلے پچیس میں ہو۔ صورت سمجھ میں آ گئی؟ تو زید کا خارج ہونا ثابت ہوا؟ بات بھی سمجھ میں آ رہی ہے کہ نہیں؟ یہ مستثنیٰ متصل ہے یعنی زید پہلے داخل تھا پھر اس کو خَلَا کے ذریعے کیا کر دیا گیا ہے؟ نکال دیا گیا ہے۔ اور آپ کیا کہہ رہے ہیں؟ کہ جَاءَنِي الْقَوْمُ وہ لوگ میرے پاس آئے تھے، عَدَا بَعْضُهُمْ ان میں سے یہ والے جو بعض ہیں، متعین بعض، کوئی ایک پچیس جو مثلاً ایک بعض جو حصہ ہے، ان میں زید نہیں تھا، ان میں نہیں تھا۔ بھئی ہو سکتا ہے ان میں اگر نہیں ہے تو باقی بھی تو بعض ہیں تو وہ ہو سکتا ہے کسی اور میں شامل ہو۔ تو بعضِ متعین سے زید کی نفی کرنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ باقیوں سے بھی کیا ہو جائے زید کی نفی ہو جائے۔ توجہ ہے؟ لہٰذا اسی لیے صاحبِ جامی بَعْضُهُمْ نہیں لائے کیونکہ بَعْضُهُمْ سے کیا شبہ پڑتا تھا؟ کہ بعضِ معین مراد ہیں۔ اور بعضِ معین سے زید کی نفی کر دو تو اس سے باقی بعض سے زید کی نفی لازم نہیں آتی۔ توجہ ہے؟ تو اسی لیے صاحبِ جامی بتائیں گے کہ بعضِ معین یہاں نہیں مراد، بعضِ مطلق مراد ہیں۔ کیا مراد ہیں؟ بعضِ مطلق، مطلق جو بھی بعض آپ نکال لو۔ چاہے پہلے والے پچیس پکڑ لیں یہ بھی بعض ہیں اس میں سے، اس میں بھی زید نہیں ہے، یہ بھی زید سے تجاوز کر گئے ہیں۔ دوسرے والے بعض پکڑ لو، اگلے پچیس وہ بھی کیا ہیں؟ زید سے تجاوز کر گئے زید ان میں بھی نہیں۔ اس سے اگلے پچیس دیکھ لیں وہ بھی زید سے تجاوز کر گئے ان میں بھی زید نہیں۔ چوتھی قسم دیکھ لیں، چوتھے بعض دیکھ لیں، ان میں بھی زید داخل نہیں۔ تو یہاں بعضِ معین مراد لیں گے یا مطلقِ بعض مراد لیں گے؟ مطلقِ بعض، توجہ ہے؟ نہیں بات سمجھ میں آئی؟ یہ ہے مستثنیٰ متصل۔ مستثنیٰ متصل کسے کہتے ہیں؟ کہ جو مستثنیٰ ہے اس کو ماقبل سے نکال دیا گیا ہے۔ ماقبل میں ایک قوم کے آنے کا ذکر ہے اور آگے ہے خَلَا زَيْدًا، معلوم ہوا زید نہیں آیا، باقی لوگ آئے ہیں زید نہیں آیا۔ تو اگر یہ خَلَا کی ضمیر آپ بعضِ معین کو لوٹا دیں، بعضِ معین کو، کہ وہ جو سو میں سے یہ والے جو پچیس معین ہیں یہ بعض ان میں زید شامل نہیں تھا۔ ان کے اندر اگر زید شامل نہیں تھا تو ہو سکتا ہے باقیوں میں کیا ہو؟ کسی کے اندر زید شامل ہو۔ بات سمجھ بھی آ گئی کہ نہیں؟ سمجھ میں آ گئی ہے کہ بعضِ معین سے اگر زید کی نفی کر دیں تو باقی جو بعض ہیں ان سے تو زید کی نفی نہیں ہوئی۔

آپ کیا کہنا چاہتے تھے کہ بعض زید سے تجاوز کر گئے یعنی زید ان میں شامل نہیں ہے۔ تو زید کو پوری قوم سے نکالنا ہے یا صرف بعض سے نکالنا ہے؟ جَاءَنِي الْقَوْمُ خَلَا زَيْدًا۔ زید صرف بعض میں داخل نہیں یا ساری قوم میں ہی داخل نہیں ہے یہاں پر آنے کے اندر؟ ہاں، ساری قوم آئی ہے لیکن زید داخل نہیں وہ نہیں آیا ساتھ۔ لہٰذا ہر بعض سے اس کی نفی ہونی چاہیے۔ صرف بعضِ معین سے زید کی نفی نہیں چاہیے کہ ان میں زید شامل نہیں ہے بلکہ ہر بعض میں سے زید کی نفی ہونی چاہیے کہ یہ والے بعض بھی آئے ہیں، یہ بھی آئے ہیں، یہ بھی آئے ہیں، یہ بھی آئے ہیں، لیکن زید کسی میں بھی شامل نہیں وہ نہیں آیا۔ توجہ ہے؟ اگر آپ بَعْضُهُمْ سے بعضِ معین مراد لیں گے تو ان میں تو زید شامل نہیں ہے ٹھیک ہے لیکن ہو سکتا ہے باقیوں میں شامل ہو۔ لیکن مقصد آپ کے کہنے کا کیا ہے کہ زید کسی میں بھی شامل نہیں ہے، زید آیا ہی نہیں ہے، باقی سارے بعض آئے ہیں لیکن زید نہیں آیا۔ تو اس کی یہی صورت ہے کہ بعض سے بعضِ معین مراد نہ لیں بلکہ بعضِ مطلق مراد لیں، کوئی سے آپ بعض لے لیں۔ یہ قوم سے مراد سو افراد ہیں، آپ جون سے مرضی بعض ان میں پکڑ لیں ان میں زید نہیں ہو گا۔ یہ بعض تو آئے ہیں لیکن زید نہیں آیا وہ ان کے اندر داخل نہیں ہے بھائی۔ اس کا استثناء کیا جا رہا ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟

جی لکھ لیا؟ کیا لکھا؟ ہاں جَاءَنِي الْقَوْمُ عَدَا بَعْضٌ مِنْهُمْ زَيْدًا، آئے میرے پاس وہ لوگ کہ تجاوز کر گئے ان میں سے بعضِ مطلق زید سے یعنی زید نہیں آیا۔ یہ تو تھا عَدَا کے ساتھ۔ اسی کی میں عَدَا کی جگہ اگر آپ خَلَا لے آئیں، کیا لے آئیں؟ جَاءَنِي الْقَوْمُ خَلَا مَجِيئُهُمْ زَيْدًا۔ جَاءَنِي الْقَوْمُ خَلَا الْجَائِي مِنْهُمْ زَيْدًا۔ جَاءَنِي الْقَوْمُ خَلَا بَعْضٌ مِنْهُمْ زَيْدًا۔ معنیٰ وہی ہو گا کیونکہ خَلَا کا معنیٰ یہاں کیا کرنا ہے؟ تجاوز کرنا کہ وہ تجاوز کر گئے تھے، وہی عَدَا والا ترجمہ کرنا ہے۔ یا خَلَا کا اردو کے اعتبار سے آپ چاہے خَلَا خالی ہونے کا بھی معنیٰ کر لیں: جَاءَنِي الْقَوْمُ وہ لوگ میرے پاس آئے تھے، خَلَا مَجِيئُهُمْ زَيْدًا ان کا آنا زید سے خالی تھا۔ یا خَلَا الْجَائِي مِنْهُمْ زَيْدًا ان میں سے آنے والا زید سے خالی تھا۔ یا خَلَا بَعْضٌ مِنْهُمْ زَيْدًا ان میں سے بعضِ مطلق جو ہیں وہ زید سے خالی ہیں، کوئی بھی بعض آپ دیکھ لیں زید ان میں شامل نہیں، وہ نہیں آیا ہے باقی سب آئے ہیں۔ بات سمجھ میں آگئی؟

دیکھیے بھائی کتاب پر، کہتے ہیں: وَفَاعِلُهُمَا ضَمِيرٌ رَاجِعٌ اور ان کے اندر فاعل جو ہے وہ ایسی ضمیر ہے جو لوٹ رہی ہے إِمَّا إِلَى مَصْدَرِ الْفِعْلِ الْمُقَدَّمِ یا تو فعلِ مقدم کے مصدر کی طرف، أَوْ إِلَى اسْمِ الْفِعْلِ مِنْهُ یا اسی فعل سے اسمِ فاعل جو ہے اس کی طرف، ترجمہ سمجھ میں آرہا ہے وہ ضمیر اس کو لوٹ رہی ہے، أَوْ إِلَى بَعْضِ مُطْلَقٍ مِنَ الْمُسْتَثْنَى مِنْهُ یا مستثنیٰ منہ میں سے بعضِ مطلق کی طرف یہ ضمیر لوٹ رہی ہے، بعضِ مطلق کی طرف۔ بھائی دیکھو بتلانا مقصد یہ ہے کہ وہ ساری قوم آئی ہے لیکن زید نہیں آیا۔ مسئلہ صرف یہ پیش آرہا ہے کہ خَلَا کے اندر هُوَ ضمیر مفرد کی ہے وہ الْقَوْمُ کی طرف ہم راجع نہیں کر سکتے۔ الْقَوْمُ کل ہے تو کل کے اندر کیا آجاتا ہے؟ بعض، بعض بھی آگئے۔ تو لہٰذا ہم یہ هُوَ ضمیر بعض کی طرف راجع کریں گے اور کوئی بعضِ معین نہیں مراد لیں گے، مطلقِ بعض، آپ جو بھی بعض اس میں سے لیں گے وہ زید سے خالی ہے، زید

ان میں شامل نہیں آنے کے اندر بھائی۔ تو یہ معنیٰ ہے أَوْ إِلَى بَعْضٍ مُطْلَقٍ مِنَ الْمُسْتَثْنَى مِنْهُ یا یہ ضمیر راجع ہے مستثنیٰ منہ میں سے بعضِ مطلق کی طرف۔ وَالتَّقْدِيرُ اور تقدیرِ کلام یوں ہے: جَاءَنِي الْقَوْمُ عَدَا أَوْ خَلَا، دیکھو عَدَا یا خَلَا دونوں میں سے ایک کو لے آئیں، آگے خَلَا مَجِيئُهُمْ خالی ہے ان کا آنا، دیکھو یہ پہلی صورت۔ زید کو آخر میں ایک ہی دفعہ ذکر کریں گے۔ آگے ہے: أَوِ الْجَائِي مِنْهُمْ أَيْ خَلَا الْجَائِي مِنْهُمْ خالی ہے ان میں سے آنے والا زَيْدًا یعنی زید سے۔ أَوْ بَعْضٌ مِنْهُمْ زَيْدًا یا خالی ہے ان میں سے بعض زید سے۔ عبارت سمجھ میں آگئی؟

اچھا بھائی الگ صفحے پر ایک اور نقشہ بنا لیں۔ یہ نقشہ پہلے بھی کچھ آپ نے لکھ لیا ہے لیکن ذرا اور وضاحت ہو جائے گی، ذرا اس کو الگ صفحے پر بنائیے بھائی۔ جی سب سے پہلے لکھیے: جَاءَنِي الْقَوْمُ خَلَا زَيْدًا، جَاءَنِي الْقَوْمُ خَلَا زَيْدًا۔ شروع میں اس کے ایک نمبر دے دیجیے، یہ پہلی مثال ہے جو کتاب میں دی گئی ہے۔ پہلی مثال ہے جَاءَنِي الْقَوْمُ خَلَا زَيْدًا بھائی، شروع میں ایک نمبر لکھ لیجیے۔ جی اب اس کے نیچے لکھیے: جَاءَنِي الْقَوْمُ خَلَا، اب ہم وہ فاعل لائیں گے۔ خَلَا کی ضمیر کے اندر تین احتمال انہوں نے ذکر کیے کہ یہ ضمیر یا تو بعضِ مطلق کو راجع ہے، یا ماقبل فعل جو جَاءَ فعل ذکر ہے اس کے مصدر یعنی مَجِيئَة کو راجع کریں گے، اور تیسری صورت یہ ہے کہ اسی ماقبل کے فعل سے جو اسمِ فاعل ہے یعنی الْجَائِي اس کی طرف ضمیر راجع کریں گے۔ جی تو کیا لکھا آپ نے؟ جَاءَنِي الْقَوْمُ خَلَا بَعْضُهُمْ مِنْ زَيْدٍ، بَعْضُهُمْ مِنْ زَيْدٍ۔ یہ اب ہم نے پوری عبارت کھول لی بھائی، فاعل کو بھی لے آئے اور خَلَا زَيْدًا تھا وہاں زَيْدًا منصوب تھا تضمین کی وجہ سے یا حذف و ایصال کی وجہ سے، اب ہم نے اس کو یہاں ذکر کر دیا۔ تو کیا لکھا؟ جَاءَنِي الْقَوْمُ خَلَا بَعْضُهُمْ مِنْ زَيْدٍ، وہ لوگ میرے پاس آئے اس حال میں کہ خالی تھے ان میں سے بعضِ مطلق مِنْ زَيْدٍ زید سے۔ توجہ ہے؟ تو صاحبِ جامی نے تو بَعْضٌ مِنْهُمْ ذکر کیا تھا، بَعْضٌ مِنْهُمْ ذکر کیا تاکہ بعضِ معین کا شبہ نہ پڑے بھائی، بَعْضٌ کو هُمْ کے ضمیر کے ساتھ نہیں جوڑا بھائی اس کو نکرہ رکھا۔ لیکن بہرحال اگر اضافت بھی کر دیں اور مراد کیا لیں بعضِ مطلق پھر بھی بات صحیح ہے، یا اسی طرح لکھ لیں جیسے انہوں نے ذکر کیا ہے: بَعْضُهُمْ لکھ لیں یا بَعْضٌ مِنْهُمْ لکھ لیں۔ جَاءَنِي الْقَوْمُ خَلَا بَعْضُهُمْ مِنْ زَيْدٍ، یا یوں لکھ لیں جَاءَنِي الْقَوْمُ خَلَا بَعْضٌ مِنْهُمْ مِنْ زَيْدٍ، معنیٰ ایک ہی ہے: وہ لوگ میرے پاس آئے اس حال میں کہ ان میں سے بعضِ مطلق جو تھے وہ زید سے خالی تھے۔ اس سے نیچے بھائی اب ہم بعض کے بجائے مَجِيئَة کو فاعل بنائیں گے۔ نیچے لکھیے: جَاءَنِي الْقَوْمُ خَلَا مَجِيئُهُمْ مِنْ زَيْدٍ، جَاءَنِي الْقَوْمُ خَلَا مَجِيئُهُمْ مِنْ زَيْدٍ۔ وہ لوگ میرے پاس آئے اس حال میں کہ ان کا آنا خالی تھا مِنْ زَيْدٍ زید سے، یعنی زید ساتھ نہیں آیا۔ اب ہم فاعل بنائیں گے الْجَائِي مِنْهُمْ کو، تو نچلی سطر میں لکھیے: جَاءَنِي الْقَوْمُ خَلَا الْجَائِي مِنْهُمْ مِنْ زَيْدٍ، لکھ لیا جَاءَنِي الْقَوْمُ خَلَا الْجَائِي مِنْهُمْ مِنْ زَيْدٍ۔ وہ لوگ میرے پاس آئے اس حال میں کہ ان میں سے آنے والا خالی تھا زید سے، یعنی ان کے ساتھ زید نہیں آیا۔ یہ پہلی مثال تھی، اب دوسری مثال کو بھی اسی طرح حل کر لیتے ہیں۔ تو نیچے دو نمبر لکھیے بھائی اور دوسری مثال لکھیے: جَاءَنِي الْقَوْمُ عَدَا زَيْدًا، جَاءَنِي الْقَوْمُ عَدَا زَيْدًا۔ اب معنیٰ بیان

کرنے کے لیے اس سے نیچے اب ہم عَدَا کی جگہ جَاوَزَ کا فعل لے آئیں گے تاکہ معنیٰ واضح ہو جائے۔ تو نیچے لکھیے: جَاءَنِي الْقَوْمُ جَاوَزَ زَيْدًا، جَاءَنِي الْقَوْمُ جَاوَزَ زَيْدًا۔ لکھ لیا؟ اب جَاوَزَ یہ فعل ہے اور اس کے اندر ضمیر ہے جو ماقبل کی طرف لوٹ رہی ہے اور اس میں تین احتمال ہیں، تو اب ہم وہ تینوں احتمال یعنی وہ تینوں صورتیں فاعل کی ہم ذکر کریں گے۔ تو نچلی سطر میں لکھیے: جَاءَنِي الْقَوْمُ جَاوَزَ بَعْضٌ مِنْهُمْ زَيْدًا، جَاءَنِي الْقَوْمُ جَاوَزَ بَعْضٌ مِنْهُمْ زَيْدًا۔ وہ لوگ میرے پاس آئے اس حال میں کہ تجاوز کیا ان میں سے بعضِ مطلق نے زَيْدًا زید سے۔ اب اس سے نچلی سطر میں بَعْضٌ مِنْهُمْ کی جگہ ہم مَجِيئُهُمْ کو فاعل بنائیں گے، تو اب نیچے لکھیے: جَاءَنِي الْقَوْمُ جَاوَزَ مَجِيئُهُمْ زَيْدًا، لکھ لیا بھائی جَاءَنِي الْقَوْمُ جَاوَزَ مَجِيئُهُمْ زَيْدًا۔ جَاءَنِي الْقَوْمُ وہ لوگ میرے پاس آئے، جَاوَزَ مَجِيئُهُمْ زَيْدًا اس حال میں کہ ان کا آنا تجاوز کر گیا زید سے، یعنی زید ان کے ساتھ شامل نہیں تھا۔ اب ہم فاعل بنائیں گے الْجَائِي مِنْهُمْ کو، تو نیچے لکھیے: جَاءَنِي الْقَوْمُ جَاوَزَ الْجَائِي مِنْهُمْ زَيْدًا، جَاءَنِي الْقَوْمُ جَاوَزَ الْجَائِي مِنْهُمْ زَيْدًا۔ وہ لوگ میرے پاس آئے اس حال میں کہ جَاوَزَ الْجَائِي مِنْهُمْ زَيْدًا کہ ان میں سے آنے والے نے تجاوز کیا زید سے، یعنی ان کے ساتھ زید نہیں تھا، کوئی بھی آنے والا تھا کوئی بھی مطلقِ آنے والا کوئی بھی تھا ان میں سے وہ زید سے تجاوز کرنے والا تھا یعنی زید ان کے ساتھ شامل نہیں تھا بھائی۔ بات سمجھ میں آگئی؟ اب اس دیکھیں نقشے کے اندر تمام صورتیں آگئیں اور خَلَا اور عَدَا دونوں مثالوں کو ہم نے حل کر لیا بھائی۔

تو حاصلِ کلام پھر سمجھ لیں بھائی۔ حاصلِ کلام یہ جو یہاں انہوں نے ترکیب ذکر کی نا کہ جَاءَنِي الْقَوْمُ خَلَا زَيْدًا اور جَاءَنِي الْقَوْمُ عَدَا زَيْدًا، یہ خَلَا اور عَدَا کے اندر جو فاعل کی ضمیر ہے وہ مستثنیٰ منہ کو ہم راجع کرنا چاہتے ہیں۔ لیکن مستثنیٰ منہ الْقَوْمُ وہ تو اسمِ جمع ہے اور اسمِ جمع معنیٰ کے اعتبار سے جمع ہے، لفظوں کے اعتبار سے مفرد لیکن معنیٰ کے اعتبار سے جمع ہے، تو اس کی طرف جمع کی ضمیر لوٹا سکتے ہیں، مفرد کی ضمیر اس کی طرف نہیں لوٹ سکتی۔ تو پھر علمائے نحو تاویل کرتے ہیں کہ ضمیر لوٹانی اسی قوم کی طرف ہے لیکن تاویل کر کے اب لوٹائیں گے، کس کی طرف؟ تاویل کر کے قوم کی طرف لوٹائیں گے۔ اور تاویل کیا کریں گے؟ کہ اس ضمیر کو ماقبل میں جو فعل آیا ہے اس کے مصدر کی طرف لوٹا دیں گے۔ ان کے مصدر کی طرف لوٹا دیں گے، اور فعل کا معنیٰ مرکب ہوتا ہے مصدر، زمانہ اور نسبت إلی الفاعل سے تو ماقبل میں معنیٰ کے اعتبار سے مصدر آچکا ہے، لہٰذا اس کی طرف یہ ضمیر لوٹا سکتے ہیں۔ کیونکہ غائب کی ضمیر کے لیے مرجع چاہیے۔ وہ مرجع کبھی لفظوں کے اعتبار سے مقدم ہوتا ہے، کبھی معنیٰ کے اعتبار سے مقدم ہوتا ہے اور کبھی حکماً مقدم ہوتا ہے۔ یہاں پر یہ خَلَا کی ضمیر ماقبل فعل کے مصدر کی طرف لوٹا دی اور وہ مصدر جو ہے وہ لفظاً تو مقدم نہیں لیکن معناً مقدم ہو چکا جَاءَ کے ضمن میں۔ جیسے قرآن میں اللہ فرماتے ہیں اعْدِلُوا هُوَ أَقْرَبُ لِلتَّقْوَى، تو یہ هُوَ ضمیر عَدْل کی طرف راجع ہے جو اعْدِلُوا کے ضمن میں معناً مقدم ہو چکا ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو دیکھو کلام کیا بن گیا: جَاءَنِي الْقَوْمُ خَلَا مَجِيئُهُمْ زَيْدًا،

آئے میرے پاس وہ لوگ کہ خالی ہے مَجِيئُهُمْ ان کا آنا زَيْدًا کس سے؟ زید سے۔ اب دیکھو توجہ ہے؟ مقصد کیا ہے یہاں پر؟ مقصد یہاں یہ ہے کہ یہ مستثنیٰ متصل ہے اور زید کو ہم نے ماقبل سے نکالنا ہے، وہ مخرج ہونا چاہیے۔ توجہ ہے؟ تو ماقبل سے مخرج ہونا چاہیے اور لہٰذا یہ اب یہ خَلَا کی ضمیر ہم کس کو لوٹا رہے ہیں؟ یہ ضمیر تو ہم نے لوٹانی تھی مستثنیٰ منہ کو، لیکن مستثنیٰ منہ کی طرف یہ ضمیر نہیں لوٹ سکتی۔ تو یاد رکھو اب بھی ہم ضمیر مستثنیٰ منہ کو ہی لوٹائیں گے لیکن تاویل کر لیں گے تھوڑی سی، کیا کر لیں گے؟ مقصود وہی مستثنیٰ منہ ہے لیکن ہم تاویل کر رہے ہیں کہ الْقَوْمُ کی طرف ضمیر نہیں لوٹائی بلکہ مَجِيءُ الْقَوْمِ کی طرف لوٹا دی۔ جَاءَنِي الْقَوْمُ خَلَا مَجِيئُهُمْ، یہ هُمْ ضمیر کس کو راجع ہے؟ اسی الْقَوْمُ کو راجع ہے، تو گویا ضمیر مَجِيءُ الْقَوْمِ کو لوٹا دی، کس کو لوٹا دی؟ مَجِيءُ الْقَوْمِ۔ بتلانا کیا مقصد تھا؟ کہ زید ان کے ساتھ نہیں آیا۔ تو جب یہ کہہ دیا کہ جَاءَنِي الْقَوْمُ وہ لوگ آئے خَلَا مَجِيئُهُمْ زَيْدًا لیکن ان کا آنا خالی ہے زید سے، جب ان کا آنا خالی ہے زید سے معلوم ہوا وہ بھی خالی ہیں زید سے۔ بات سمجھ میں آ رہی ہے؟ تو ضمیر ہم نے مستثنیٰ منہ کو

لوٹانی ہے، لیکن لوٹائیں گے تاویلاً بھائی کیونکہ سیدھی ضمیر نہیں لوٹا سکتے کیونکہ وہ اسمِ جمع ہے بھائی۔ تو ان کا آنا جب خالی ہے، معلوم ہوا وہ بھی زید سے خالی ہیں بھائی جس وقت وہ آئے بھائی۔ دوسری تاویل یہ ہے کہ اسی جَاءَ سے الْجَائِي اسمِ فاعل جو ہے مفہوم ہو رہا ہے۔ جب جَاءَ کا فعل پیچھے آگیا، معلوم ہوا کوئی آنے والا ہے، کوئی جَاءٍ ہے، جَاءٍ آنے والا اسمِ فاعل ہے۔ جب جَاءَ کا فعل ہوا ہے، پیچھے ذکر ہو گیا، تو معلوم ہوا کوئی نہ کوئی جَاءٍ ہے۔ اب دیکھو ہم اب جَاءٍ کی تاویل میں یہ ضمیر لوٹائیں گے اس مستثنیٰ منہ کی طرف۔ ضمیر کس کو لوٹانی ہے؟ مستثنیٰ منہ کو، لیکن جَاءٍ کی تاویل میں۔ اور یوں کہیں گے: جَاءَنِي الْقَوْمُ خَلَا الْجَائِي مِنْهُمْ، کہ ان میں سے جو آنے والا ہے وہ خالی ہے زَيْدًا کس سے؟ زید سے وہ خالی ہے۔ توجہ ہے؟ اب دیکھو جب ان میں سے آنے والا زید سے خالی ہے اور آنے والے تو کون ہیں؟ وہی قوم والے ہیں، تو معلوم ہوا ان میں زید شامل نہیں۔ تو دیکھو ضمیر ہم نے پھر بھی کس کی طرف لوٹائی؟ قوم کی طرف، لیکن جَاءٍ کی تاویل میں کہ آنے والے جو ہیں الْجَائِي مِنْهُمْ ان میں سے جو آنے والے ہیں۔ پہلے بھی ہم نے ضمیر قوم کی طرف لوٹائی تھی، مَجِيئُهُمْ ان کا جو آنا ہے۔ تو جب ان میں سے آنے والا زید سے خالی ہے، کوئی بھی آنے والا ہو جب وہ زید سے خالی ہے معلوم ہوا زید ان میں سے کسی کے ساتھ بھی نہیں آیا۔

تیسری صورت یہ ہے کہ یہ جو ضمیر ہے جو ماقبل میں مستثنیٰ منہ تھا وہ تھا کل۔ مثلاً وہ قوم سے یہاں سو افراد مراد لے لیں یا پچاس لے لیں جتنے بھی افراد مراد ہیں جو جس کی طرف آپ اشارہ کر رہے ہیں، تو اس کے مطلقِ بعض کی طرف یہ ضمیر لوٹا دیں۔ کیونکہ جب الْقَوْمُ کل کا ذکر ہوا تو کل کے اندر بعض کا بھی ذکر ہو گیا۔ مثلاً میں نے کہا جَاءَنِي الْقَوْمُ وہ لوگ میرے پاس آئے ہیں، یعنی وہ مثلاً سو افراد ہیں، جب وہ سو میرے پاس آئے ہیں، تو اس سو کے بعض یعنی دس جو ہیں اس میں سے وہ بھی آئے ہیں، اگلے دس جو ہیں جو اس کا اور بعض ہے وہ بھی آئے ہیں، اگلا بعض اس میں سے کوئی دس لے لو، بیس

لے لو، تیس جو بھی بعض لینا چاہتے ہیں وہ بھی آئے ہیں۔ توجہ ہے؟ تو اس کے بعض کی طرف لوٹا دو اس ضمیر کو۔ لیکن پھر اس پر اشکال ہوتا ہے کہ اگر آپ اس کے بعض کی طرف ضمیر لوٹائیں گے تو پھر تو بعضِ معین مراد ہوں گے۔ جَاءَنِي الْقَوْمُ خَلَا بَعْضُهُمْ ان میں سے بعض خالی ہیں۔ اس بَعْضُهُمْ میں بعض کی اضافت ہو رہی ہے هُمْ ضمیر کی طرف، اور ضمیر ہے معرفہ، اور جس لفظ کی اضافت معرفہ کی طرف ہو جائے وہ بھی کیا بن جاتا ہے؟ معرفہ۔ معلوم ہوا بعضِ معین ان میں سے مراد ہیں۔ مثلاً ان سو میں سے یہ والے پچیس مراد ہیں، یہ والے تو کہتے ہیں اس صورت میں تو خرابی لازم آئے گی، آپ کے کہنے کا مطلب یہ ہو جائے گا: جَاءَنِي الْقَوْمُ وہ لوگ آئے، خَلَا بَعْضُهُمْ اور ان میں سے یہ والے جو پچیس ہیں یہ خالی ہیں زَيْدًا کس سے؟ زید سے۔ تو ان پچیس میں زید نہیں ہے، اس سے یہ تو نہیں لازم آتا کہ باقیوں کے اندر بھی زید نہیں ہے۔ حالانکہ مقصد کیا تھا یہاں بتلانا؟ جَاءَنِي الْقَوْمُ خَلَا زَيْدًا جو آپ نے کہا تھا مقصد کیا تھا؟ کہ باقی لوگ آئے ہیں لیکن زید نہیں آیا، آپ بتانا چاہتے ہیں زید آنے میں ان کے ساتھ شریک نہیں تھا وہ نہیں آیا ہے۔ تو اگر آپ یہ خَلَا کی ضمیر کس کو لوٹا دیں؟ بعضِ معین کو لوٹا دیں تو اس سے تو صرف اتنا پتہ چلے گا کہ ان بعض، یہ والے جو پچیس یا یہ والے جو دس ہیں ان میں زید نہیں تھا، لیکن اس سے یہ تو نہیں لازم آیا کہ باقیوں میں بھی زید نہیں تھا اور آپ تو یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ باقی بھی کسی کے ساتھ زید نہیں ہے۔ لہٰذا بعضِ معین کی طرف یہ هُوَ ضمیر نہ لوٹاؤ بلکہ بعضِ مطلق کی طرف یہ ضمیر لوٹا دو۔ کوئی سے بعض آپ پکڑ لیں، آپ ان سو میں سے جون سے بھی بعض نکال کر دیکھیں گے اس میں زید نہیں ہو گا۔ مثلاً آپ نے پہلے دس دیکھے ان میں بھی زید نہیں، اس کے بعد کوئی اور بعض مثلاً اگلے پندرہ دیکھے اس میں بھی زید نہیں، اس کے بعد آپ نے اگلے پچیس دیکھے اس میں بھی زید نہیں، آپ جون سے بھی بعض نکال لیں گے سو میں سے کسی کے اندر بھی زید شامل نہیں۔ اب بات ٹھیک بن گئی، آپ بھی یہی کہنا چاہتے تھے کہ اس قوم کے آنے میں زید ان کے ساتھ نہیں تھا، تو جو بھی بعضِ مطلق اس میں سے مراد لے لیں زید ان میں شامل نہیں آنے کے اندر۔ تو بعضِ معین کی طرف یہ ضمیر نہیں لوٹائیں گے بلکہ بعضِ مطلق کی طرف یہ ضمیر لوٹائیں گے اور اسی لیے صاحبِ جامی نے بَعْضٌ مِنْهُمْ کہا، کیا کہا؟ اگر وہ بَعْضُهُمْ کہتے تو شبہ پڑتا شاید بعضِ معین مراد ہیں، لیکن جب بَعْضٌ مِنْهُمْ، بَعْضٌ کو نکرہ لائے، بَعْضٌ کو نکرہ لائے هُمْ ضمیر کی طرف اضافت نہیں کی، اس سے پتہ چل گیا کہ کوئی سے بعض مراد ہیں، مطلق بعض مراد ہیں، کوئی متعین مراد نہیں، اور اس سے آپ کا مقصد حاصل ہو گیا کہ کوئی بھی بعض آپ دیکھ لیں گے اس میں زید نہیں ہو گا، معلوم ہوا وہ سارے تو آئے ہیں لیکن زید نہیں آیا۔ بات سمجھ میں آ گئی؟ تو حاصلِ کلام کیا ہوا کہ ضمیر ہم نے مستثنیٰ منہ کو راجع کرنی ہے لیکن براہِ راست راجع نہیں کر سکتے کیونکہ وہ معنیٰ کے اعتبار سے جمع ہے، جمع ہے تو پھر اس کی طرف ضمیر تاویل کر کے لوٹائیں گے کہ خالی ہے ان کا آنا، کن کا آنا؟ اس قوم کا آنا، دیکھا ان کی طرف ضمیر لوٹ گئی لیکن مَجِيئَة کی اضافت کے ساتھ اس کی طرف لوٹائی ضمیر۔ ان کا آنا خالی ہے زید سے معلوم ہوا زید نہیں آیا۔ یا ان میں سے آنے والا جو ہے وہ خالی ہے زید سے، ان میں جو بھی آنے والا ہے وہ زید سے

خالی ہے، دیکھو اس سے بھی ہمارا مسئلہ حل ہو گیا۔ یا یوں کہیں کہ ان میں سے کوئی سے بعض دیکھ لیں وہ زید سے خالی ہیں، دیکھو اس سے بھی مسئلہ حل ہو گیا۔ بات سمجھ میں آ گئی؟

وَهُمَا فِي مَحَلِّ النَّصْبِ عَلَى الْحَالِيَّةِ۔ اور یہ دونوں محلِ نصب میں ہیں حال ہونے کی وجہ سے۔ یہ جو خَلَا اور عَدَا ترکیب میں آئے: جَاءَنِي الْقَوْمُ خَلَا زَيْدًا یا عَدَا زَيْدًا۔ یہ خَلَا زَيْدًا، خَلَا فعل، هُوَ ضمیر فاعل، اور زَيْدًا مفعول بہ، فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر یہ حال ہو گا ماقبل میں مستثنیٰ منہ سے۔ یہ حال ہو گا کس سے؟ مستثنیٰ منہ سے۔ تو یہ معلوم ہوا یہ جو خَلَا زَيْدًا یہ پورا جملہ محلاً منصوب ہے کیونکہ جملہ مبنیات میں سے ہے، تو یہ محلاً منصوب کیونکہ حال منصوبات میں سے ہے۔ ترکیب سمجھ میں آ رہی ہے؟ تو کہتے ہیں وَهُمَا فِي مَحَلِّ النَّصْبِ عَلَى الْحَالِيَّةِ اور یہ دونوں فعل جو ہیں خَلَا اور عَدَا یہ محلِ نصب میں ہیں عَلَى الْحَالِيَّةِ حال ہونے کی وجہ سے۔ وَلَمْ يَظْهَرْ مَعَهُمَا قَدْ۔ اچھا بھائی یاد رکھو یہ جو ماضی ہے نا ماضی، جب بھی حال واقع ہو تو وہاں قَدْ کا ہونا ضروری ہے، یا لفظاً ہو گا یا تقدیراً ہو گا۔ تو خَلَا زَيْدًا یہ پورا جملہ کیا بن رہا ہے؟ حال۔ اور خَلَا کون سا صیغہ ہے؟ ماضی کا، تو اس کے ساتھ قَدْ ضروری، قَدْ خَلَا زَيْدًا ہونا چاہیے، قَدْ عَدَا زَيْدًا ہونا چاہیے، تو قَدْ کو کیوں نہیں ذکر کیا؟ تو آپ کو بتلائیں گے کہ بھائی قَدْ کو بھی اسی لیے ذکر نہیں کیا تاکہ یہ إِلَّا کے مشابہ ہو جائے۔ إِلَّا کے، بھائی جَاءَنِي الْقَوْمُ إِلَّا زَيْدًا یہاں إِلَّا کے ساتھ قَدْ ہے؟ إِلَّا کے ساتھ قَدْ نہیں، اسی لیے خَلَا اور عَدَا کے ساتھ بھی قَدْ کو ذکر نہیں کیا یعنی وہ تقدیراً موجود ہے۔ کیوں نہیں ذکر کیا؟ تاکہ اس کی مشابہت کس کے ساتھ آ جائے؟ إِلَّا کے ساتھ ان کی مشابہت پوری طرح ہو جائے۔ وجہ یہ، وجہ یہ کہ اگر قَدْ ذکر کر دیتے تو قَدْ سے پتہ چلتا کہ عَدَا اور خَلَا فعل ہیں۔ اور إِلَّا تو حرف ہے، تو إِلَّا حرف ہے اور ان کے ساتھ فعل کی علامت آ گئی تو دونوں میں مشابہت ختم ہو جاتی، لہٰذا قَدْ کو کیا کر دیا؟ حذف کر دیا وہ تقدیراً موجود ہے، جب قَدْ نہیں ہے تو اب ان کی مشابہت إِلَّا کے ساتھ ہے بھائی۔ تو کہتے ہیں وَلَمْ يَظْهَرْ مَعَهُمَا قَدْ اور ظاہر نہیں ہوا ان کے ساتھ قَدْ لِيَكُونَا أَشْبَهَ بِإِلَّا تاکہ یہ مشابہ ہو جائیں إِلَّا کے ساتھ، الَّتِي هِيَ الْأَصْلُ فِي بَابِ الِاسْتِثْنَاءِ وہ إِلَّا جو بابِ استثناء کے اندر اصل ہے بھائی۔

ایک اور بات یاد رکھیں، دیکھو یہاں علمائے نحو نے تین چیزیں لازم قرار دی ہیں۔ جَاءَنِي الْقَوْمُ خَلَا زَيْدًا، جَاءَنِي الْقَوْمُ عَدَا زَيْدًا، یہ چونکہ استثناء کے لیے آئے ہیں اور استثناء کے لیے اصل تو کیا ہے؟ إِلَّا، تو یہاں ان کی مشابہت کس سے ہو گئی؟ إِلَّا کے ساتھ، وہ بھی استثناء کے لیے آتا ہے یہ بھی کس لیے آ گئے؟ استثناء کے لیے۔ تو لہٰذا یہاں پر تین چیزوں کو لازم پکڑا: ایک تو یہ کہ خَلَا اور عَدَا کے بعد ہمیشہ منصوب آئے گا، مِنْ وغیرہ کو ذکر کرنا جائز نہیں، جیسے إِلَّا کے بعد ہمیشہ منصوب آتا ہے۔ دوسرا یہ کہ خَلَا عَدَا کے ساتھ قَدْ کو ذکر نہیں کریں گے اس لیے کیونکہ إِلَّا کے ساتھ بھی قَدْ ذکر نہیں ہے، قَدْ ذکر نہیں ہے۔ اور نیز تیسرا یہ کہ خَلَا اور عَدَا یہ تو فعل ہیں اور فعل میں گردان ہوتی ہے، لیکن یہاں ہمیشہ پہلا ہی صیغہ استعمال ہو گا، یعنی خَلَا اور عَدَا پہلا صیغہ استعمال ہو گا، چاہے ماقبل میں مستثنیٰ منہ تثنیہ ہو، جمع ہو، جو بھی ہو، لیکن یہاں کیا آئے گا؟ خَلَا

اور عَدَا مفرد ہی آئیں گے یعنی ان کے اندر مفرد ہی کی ضمیر لازمی رکھیں گے۔ توجہ ہے؟ تاکہ اس کی مشابہت ہو کس کے ساتھ؟ إِلَّا کے ساتھ، کیونکہ اگر آپ خَلَا اور عَدَا کو تثنیہ یا جمع وغیرہ بنائیں گے تو پھر تو معلوم ہوا کہ ان میں گردان ہوتی ہے اور إِلَّا کے اندر تو گردان نہیں ہوتی تو مشابہت ختم ہو جائے گی۔ لہٰذا یہاں مشابہت کے لیے ضروری ہے کہ خَلَا اور عَدَا کو کیا رکھیں گے؟ مفرد رکھیں گے۔ اور نیز خَلَا اور عَدَا تو فعل ہیں، فعل کا فاعل کبھی ضمیر آتی ہے کبھی اسمِ ظاہر آتا ہے، ضَرَبَ زَيْدٌ، یہ زَيْدٌ اسمِ ظاہر ضَرَبَ کے لیے فاعل ہے اور جب زَيْدٌ فاعل ہے تو ضَرَبَ کے اندر هُوَ ضمیر نہیں کیونکہ فاعل ایک ہی آتا ہے، یا ضمیر آتی ہے یا اسمِ ظاہر۔ معلوم ہوا فعل ضمیر کو بھی رفع دے سکتا ہے اور اسمِ ظاہر کو بھی۔ لیکن یہ خَلَا اور عَدَا جب بھی استثناء کے لیے آئیں گے تو ان کا فاعل ہمیشہ ضمیر ہی ہوگی، آگے اسمِ ظاہر نہیں لائیں گے بھائی۔ کیونکہ اگر آگے اسمِ ظاہر آگیا تو وہ تو مرفوع ہوگا فاعل ہوگا، اور آگے وہ جو منصوب ہے وہ دور چلا جائے گا، اور إِلَّا کے فوراً بعد منصوب ہوتا ہے یا درمیان میں کوئی اور لفظ ہوتا ہے؟ إِلَّا کے فوراً بعد منصوب آتا ہے، تو لہٰذا یہاں پر بھی کیا کیا کہ ان کے فوراً بعد منصوب آنا چاہیے، فاعل کو اسمِ ظاہر لانے کی گنجائش نہیں ہے۔ تو کتنی چیزوں کو لازم پکڑا ہے یہاں خَلَا اور عَدَا میں نحویوں نے؟ جی، تین چیزیں کہہ لیں یا چار کہہ لیں: ایک تو یہ کہ خَلَا کے اندر تضمین یا حذف و ایصال لازم ہے۔ اور یہ خَلَا عَدَا دونوں کے اندر ان کے ساتھ قَدْ کو ذکر نہیں کیا جاتا۔ اور اسی طرح ان کا فاعل ہمیشہ ان کے اندر ضمیر آئے گی، اسمِ ظاہر نہیں آئے گا۔ اور نیز یہ ہمیشہ مفرد یعنی پہلا ہی صیغہ رہیں گے، آگے تثنیہ یا جمع وغیرہ کے صیغے یہاں استعمال نہیں ہوں گے استثناء کے اندر۔ بات سمجھ میں آگئی؟

آگے دیکھیے بھائی، کہتے ہیں: فِي الْأَكْثَرِ أَيِ النَّصْبُ بِهِمَا إِنَّمَا هُوَ فِي أَكْثَرِ الِاسْتِعْمَالَاتِ. فِي الْأَكْثَرِ، اکثر سے کیا مراد ہے؟ آپ کو بتلا رہے ہیں کہ اکثر سے مراد اکثرِ استعمالات ہیں، یعنی خَلَا اور عَدَا کے بعد مستثنیٰ وجوباً منصوب ہوگا اکثر استعمالات میں، یعنی عرب اکثر اسی طرح استعمال کرتے ہیں۔ ہاں کبھی کبھار جر بھی ان کے ذریعے لاتے ہیں لیکن وہ کم ہے، نصب کثیر ہے۔ تو کہتے ہیں فِي الْأَكْثَرِ أَيِ النَّصْبُ بِهِمَا یعنی ان دونوں کے ذریعے نصب جو ہے إِنَّمَا هُوَ فِي أَكْثَرِ الِاسْتِعْمَالَاتِ وہ اکثر استعمالات میں ہے، لِأَنَّهُمَا فِعْلَانِ مَاضِيَانِ كَمَا عَرَفْتَ اس لیے کیونکہ یہ دونوں فعلِ ماضی ہیں جیسے کہ آپ نے جان لیا۔ وَقَدْ أُجِيزَ الْجَرُّ بِهِمَا اور تحقیق ان کے ذریعے جر بھی جائز قرار دیا گیا ہے عَلَى أَنَّهُمَا حَرْفَا جَرٍّ، حَرْفَا جَرٍّ اصل میں تھا حَرْفَانِ نون اضافت کی وجہ سے گر گیا، عَلَى أَنَّهُمَا حَرْفَا جَرٍّ بنا بر اس کے یا یوں کہیں اس وجہ سے کہ یہ حرفِ جر ہیں۔ بھائی یہ حرفِ جر کے طور پر بھی استعمال ہوتے ہیں اور اپنے مابعد کو کبھی کبھار جر بھی دیتے ہیں لیکن وہ قلیل ہے بھائی۔ تو کہتے ہیں وَقَدْ أُجِيزَ الْجَرُّ بِهِمَا عَلَى أَنَّهُمَا حَرْفَا جَرٍّ اور ان کے ذریعے جر کو بھی جائز قرار دیا گیا ہے بوجہ اس کے کہ یہ دونوں حرفِ جر ہیں۔ قَالَ السِّيرَافِيُّ امام سیرافی فرماتے ہیں: لَمْ أَعْلَمْ خِلَافًا فِي جَوَازِ الْجَرِّ بِهِمَا، میں اختلاف نہیں جانتا ان کے ذریعے جر کے

جواز میں۔ یعنی ان دونوں کے ذریعے خَلَا اور عَدَا کے ذریعے جر بھی جائز ہے یہ حرفِ جر کے طور پر بھی استعمال ہوتے ہیں اور اس میں میں اختلاف نہیں جانتا، یعنی کسی نحوی عالم نے اس بات سے اختلاف نہیں کیا، سب کے نزدیک ان کے ذریعے جر جائز ہے بھائی۔ تو قَالَ السِّيرَافِيُّ امام سیرافی فرماتے ہیں لَمْ أَعْلَمْ خِلَافًا فِي جَوَازِ الْجَرِّ بِهِمَا کہ ان کے ذریعے جر کے جائز ہونے میں میں اختلاف کو نہیں جانتا، إِلَّا أَنَّ النَّصْبَ بِهِمَا أَكْثَرُ مگر یہ کہ ان کے ذریعے نصب جو ہے وہ اکثر ہوتا ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ مسئلہ سمجھ میں آگیا؟

جی یہاں امام سیرافی کا ذکر آیا۔ یاد رکھیے یہ امام ابو سعید سیرافی ہیں اور یہ ایران کے اندر سیراف مقام میں ان کی پیدائش ہوئی تھی اس لیے ان کو سیرافی کہتے ہیں۔ اور یہ بے انتہا ذہین و فطین اور بہت بڑے عالم گزرے ہیں بھائی۔ ان کی پیدائش ہوئی ہے ۲۸۴ ہجری میں اور وفات ہوئی ہے ۳۶۸ ہجری میں۔ ۲۸۴ میں پیدائش اور ۳۶۸ ہجری میں ان کی وفات ہوئی ہے۔ اور علماء فرماتے ہیں کہ یہ بڑے متقی اور زاہد و پرہیزگار تھے بھائی، اور

کتابت کے ذریعے پیسے کماتے تھے۔ کتابت کے ذریعے پیسے کماتے تھے، ہر روز تھوڑی سی کتابت وغیرہ فرماتے اور ان کو بیچ کر پیسے کمایا کرتے تھے۔ اور یہ حنفی ہیں بھائی، حنفی مذہب کے، اور قاضی گزرے ہیں بغداد کے اندر، یہ پچاس سال تک قاضی رہے بھائی۔ اور اتنے ذہین و فطین اور اتنے فقہ کے ماہر تھے کہ آپ اندازہ لگائیے کہ علماء باقاعدہ علماء نے کتابوں میں لکھا کہ پچاس سال کے اندر انہوں نے جتنے بھی فیصلے کیے کسی میں کبھی ان سے کوئی غلطی نہیں ہوئی بھائی۔ پچاس سال تک کوئی غلطی نہیں ہوئی، ایسے زبردست فیصلے کیے یعنی کوئی بھی ان کے فیصلوں میں کوئی غلطی نہ نکال سکا۔ اور انہوں نے بڑے بڑے علماء سے علم حاصل کیا بھائی، اور خود تمام علوم کے ماہر تھے بھائی۔ یہ علمِ قراءات کے ماہر تھے، لغت، شعر، علمِ عروض و قوافی، علم الفرائض یعنی میراث جو ہے، حدیث، علمِ کلام جس میں عقیدے کی بحث ہوتی ہے، اور اسی طرح علمِ حساب وغیرہ کے بہت بڑے ماہر تھے بھائی۔ اور انہوں نے امام سیبویہ کی مشہور جو کتاب ہے نحو کے اندر اس کی شرح بھی لکھی۔ علمِ نحو میں امام سیبویہ کی کتاب بہت مشکل سمجھی جاتی ہے بھائی، بہت مشکل سمجھی جاتی ہے، اور انہوں نے اس کی عظیم شرح لکھی تو جس سے ان کے علوم کا اندازہ ہوتا ہے بھائی۔ امام سیبویہ کی کتاب جو ویسے ہی سمجھنا بڑا مشکل کام ہے اور پھر اس کی شرح کرنا، تو انہوں نے بڑی عظیم الشان شرح کی امام سیبویہ کی کتاب کی بھائی۔ تو یہ ہیں امام سیرافی بھائی۔ چلیے بس بھائی بات سمجھ میں آگئی، یہ سارا سبق حل ہو گیا؟ چلیے بس بھائی، هَذَا هُوَ الْمَرَامُ وَاللهُ أَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْكَلَامِ۔

سبق نمبر ۱۵۹: المستثنیٰ (٦): «مَا خَلَا»، «مَا عَدَا»، «لَيْسَ» اور «لَا يَكُوْنُ» کے بعد نصب

شرحِ ملا جامی صفحہ: ۱۴۳ — بتاریخ: ۲۱ جون ۲۰۲۲ء

▪ تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث

آگے سبق دیکھیے بھئی:

أَوْ مَا خَلَا وَمَا عَدَا أَيِ الْمُسْتَثْنَى مَنْصُوْبٌ أَيْضًا وُجُوْبًا إِذَا كَانَ بَعْدَ مَا خَلَا وَمَا عَدَا لِأَنَّ مَا فِيْهِمَا مَصْدَرِيَّةٌ مُخْتَصَّةٌ بِالْأَفْعَالِ نَحْوُ جَاءَنِي الْقَوْمُ مَا خَلَا زَيْدًا وَمَا عَدَا عَمْرًا تَقْدِيْرُهُ خُلُوَّ زَيْدٍ وَعَدْوَ عَمْرٍو بِالنَّصْبِ عَلَى الظَّرْفِيَّةِ.

بھئی مستثنیٰ کی بحث چل رہی ہے اور صاحبِ کافیہ وہ مقامات اکٹھے ذکر فرما رہے ہیں جہاں مستثنیٰ منصوب ہوتا ہے وجوباً۔ اب تک ہم نے چار جگہیں پڑھ لیں بھئی کہ جب مستثنیٰ اِلَّا کے بعد آئے اور کلامِ موجب میں ہو تو وہ منصوب ہوگا وجوباً۔ اسی طرح اگر مستثنیٰ مقدم ہو مستثنیٰ منہ پر پھر بھی وہ وجوباً منصوب ہوگا۔ اور نیز مستثنیٰ اگر منقطع ہو تو وہ بھی اکثر نحویوں کے نزدیک وجوباً منصوب ہوگا۔ اور گزشتہ سبق میں آپ نے پڑھا تھا کہ مستثنیٰ اگر خَلَا اور عَدَا کے بعد آئے تو وہ بھی وجوباً منصوب ہوگا اکثر استعمالات میں۔ بعض استعمالات میں وہ مجرور بھی آیا ہے عربی زبان میں، لیکن اکثر استعمالات میں وہ وجوباً منصوب ہے بھئی۔

تو کل خَلَا اور عَدَا کی بحث اور اس کی تفصیل ہم نے پڑھی بھئی۔ صاحبِ جامی نے آپ کو بتلایا کہ خَلَا اور عَدَا یہ دونوں ناقص واوی ہیں بھئی اور بابِ نَصَرَ سے ہیں عَدَا يَعْدُوْ عَدْوًا اور خَلَا يَخْلُوْ خُلُوًّا۔ اور ان میں سے یہ جو عَدَا ہے یہ فعلِ متعدی ہے، یہ مفعول کو نصب دیتا ہے۔ تو جَاءَنِي الْقَوْمُ عَدَا زَيْدًا، تو یہ زَيْدًا کا منصوب ہونا مفعول بہ ہونے کی وجہ سے ہے۔ لیکن اشکال ہوا کہ جَاءَنِي الْقَوْمُ خَلَا زَيْدًا، یہ خَلَا یہ تو فعلِ لازم ہے، یہ تو مِنْ کے ذریعے متعدی ہوتا ہے، تو پھر یہ زَيْدًا کو کیسے نصب دے سکتا ہے اور یہ زَيْدًا پھر کیوں منصوب ہے؟ تو اس کا جواب بھی دیا تھا صاحبِ جامی نے کہ یہ جو خَلَا ہے یہ متضمن ہے جَاوَزَ کے معنی کو اور جَاوَزَ تو فعلِ متعدی ہے، تو جب یہ خَلَا کے اندر جَاوَزَ والا معنی آگیا تو اب یہ مفعول بہ کو نصب دے گا بھئی۔

اور یا دوسرا جواب یہ کہ یہاں پر حذف و ایصال ہے۔ حذف و ایصال اسے کہتے ہیں کہ حرفِ جر کو حذف کر دیا جائے اور وہ جو مجرور ہے اس کو فعل کے ساتھ جوڑ دیا جائے اور پھر فعل اس میں براہِ راست عمل کر کے نصب دیتا ہے، کیونکہ حرفِ جر تو جا چکا ہے۔ تو جیسے مثال انہوں نے ذکر کی تھی خَلَتِ الدِّيَارُ مِنَ الْأَنِيْسِ، تو یہ الدِّيَارُ یہ فاعل ہے خَلَا کا اور مِنَ الْأَنِيْسِ یہ الْأَنِيْسِ جو ہے مفعول بہ غیرِ صریح ہے بھئی۔ میں نے آپ کو بتلایا تھا کہ جو حرفِ جر کے ذریعے جو مجرور ہوتے ہیں وہ بھی حقیقت کے اندر مفعول بہ ہوتے ہیں اپنے متعلق کے لیے، لیکن ان کو مفعول بہ غیرِ صریح کہتے ہیں۔ ایک مفعول بہ صریح ہے جس کو فعل نصب دیتا ہے اور ایک مفعول بہ غیرِ صریح ہے جو حرفِ جر کے واسطے سے فعل سے متعلق ہوتا ہے۔ تو ہیں دونوں ہی مفعول بہ چاہے بلاواسطہ ہو اور چاہے بواسطہ حرفِ جر کے ہو۔ تو یہاں پر حذف و ایصال ہے کہ مِنْ کو حذف کر لیا اور آگے جو مفعول بہ غیرِ صریح تھا اس کو مفعول بہ صریح بنا دیا گیا۔

اور پھر یہ بھی بتلایا آپ کو صاحبِ جامی نے کہ یہ جو تضمین یا حذف و ایصال جو ہے اس کو استثنا کے باب میں نحویوں نے لازم قرار دیا ہے۔ تو باقی جگہ خَلَا کے ساتھ مِنْ استعمال ہو سکتا ہے، لیکن جب خَلَا استثنا کے لیے آئے گا تو پھر اس کے بعد منصوب ہی آئے گا، اور منصوب ہوگا کس وجہ سے؟ خَلَا کے اندر تضمین ہے یعنی یہ جَاوَزَ کے معنی پر مشتمل ہے اور یا یہاں پر حذف و ایصال ہے۔ اور اس کو نحویوں نے لازم قرار دیا ہے تاکہ اس کی صورت مستثنیٰ بِاِلَّا جیسی ہو جائے۔ یہ جو خَلَا کے بعد اسم ہے اس کی صورت کس جیسی ہو جائے؟ مستثنیٰ بِاِلَّا جیسی۔ مستثنیٰ بِاِلَّا تو منصوب ہوتا ہے، تو یہ بھی ہمیشہ کیا ہونا چاہیے؟ منصوب ہونا چاہیے۔ بھئی مستثنیٰ بِاِلَّا کے ساتھ اس کی مشابہت کس لیے کی؟ کہتے ہیں اس لیے کیونکہ اِلَّا جو ہے بابِ استثنا کے اندر اصل ہے۔ اس کو وضع ہی استثنا کے لیے کیا گیا ہے۔ تو جب اِلَّا کے بعد مستثنیٰ منصوب ہے تو پھر جب خَلَا اور عَدَا کو آپ استثنا کے لیے استعمال کر رہے ہیں تو ان کا ما بعد بھی کیا ہونا چاہیے؟ منصوب ہونا چاہیے۔

اور میں نے آپ کو بتلایا تھا کہ یہاں پر نحوی تین چار چیزوں کو لازم قرار دیتے ہیں۔ ایک تو یہ کہ جو خَلَا اور عَدَا ہیں یہ فعل ہیں، ان کے اندر هُوَ ضمیر فاعل ہے اور آگے زَيْدًا مفعول ہے۔ اور یہ فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر یہ پورا جملہ فعلیہ ماقبل مستثنیٰ منہ سے حال بنے گا بھئی۔ حال بنے گا اور حال جب فعلِ ماضی واقع ہو تو اس پر قَدْ کا ہونا ضروری ہے لفظوں میں یا تقدیراً، لیکن نحویوں نے یہاں پر جب خَلَا اور عَدَا یہ استثنا کے لیے استعمال ہوں تو یہاں پر قَدْ کا حذف لازم قرار دیا ہے، یہاں قَدْ کو ظاہر نہیں کر سکتے۔ قَدْ کا حذف کیوں لازم قرار دیا ہے؟ تاکہ اس کی زیادہ سے زیادہ مشابہت ہو اِلَّا کے ساتھ۔ اِلَّا کے ساتھ تو کوئی قَدْ وغیرہ نہیں، تو خَلَا اور عَدَا جب استثنا کے لیے ہیں تو ان کے ساتھ بھی قَدْ نہیں ہونا چاہیے۔ اور نیز اِلَّا تو حرف ہے اور قَدْ تو فعل کی علامت ہے، تو جب قَدْ خَلَا اور عَدَا پر آپ لے آئیں گے تو اس سے تو پتا چل جائے گا کہ یہ کیا ہیں؟ فعل ہیں، تو ان کی مشابہت اِلَّا سے ختم ہو جائے گی بھئی کیونکہ اِلَّا تو حرف ہے۔

اور نیز یہاں پر یہ جو خَلَا اور عَدَا ہیں ان کے اندر نحویوں نے لازم پکڑا ہے کہ ان کا فاعل ہمیشہ ان کے اندر ضمیر ہی ہوگی،

کبھی اسمِ ظاہر آگے نہیں آسکتا۔ اس لیے کیونکہ اِلَّا کے بعد صرف منصوب آتا ہے، تو ان کے بعد بھی صرف منصوب آنا چاہیے اور جو مرفوع ضمیر ہے وہ ان کے اندر چھپی ہوئی ہونی چاہیے تاکہ اس کی صورت اس اِلَّا کی طرح ہو جائے۔ اور نیز یہ بھی نحویوں نے لازم پکڑا ہے کہ یہ جو خَلَا اور عَدَا ہے ان کو ہمیشہ مفرد ہی رکھیں گے۔ یعنی یہاں پر ان کو تثنیہ، جمع وغیرہ یا کوئی اور صیغہ نہیں لائیں گے، کیونکہ یہ ان کی مشابہت ہے اِلَّا کے ساتھ۔ یہ اِلَّا کے قائم مقام ہیں، یہ اس کے نائب ہیں اور اِلَّا کے اندر تو گردان نہیں ہوتی، تو ان کے اندر بھی یوں ظاہر کریں گے جیسے گردان نہیں ہے، پہلا ہی صیغہ ہے بس بھئی۔

تو اس مقام پر نحویوں نے تضمین یا حذف و ایصال کو لازم قرار دیا ہے، اور پھر بتلایا تھا کہ خَلَا اور عَدَا جب فعل ہیں تو ان کے لیے فاعل بھی چاہیے، وہ فاعل کیا چیز ہے؟ تو صاحبِ جامی نے آپ کو بتلایا کہ خَلَا اور عَدَا کے اندر فاعل کی ضمیریں ہیں جو ماقبل کی طرف راجع ہیں۔ اب یاد رکھو یہ جو ضمیر ہے اس کو راجع کرنا ہے مستثنیٰ منہ کی طرف۔ کس کی طرف؟ مستثنیٰ منہ کی طرف راجع کرنا ہے، لیکن مستثنیٰ منہ تو پیچھے الْقَوْمُ آیا ہے جو اسمِ جمع ہے۔ یعنی لفظوں کے اعتبار سے قَوْم مفرد ہے لیکن معنی کے اعتبار سے جمع ہے کہ تین یا تین سے زیادہ افراد پر یہ دلالت کرتا ہے۔ تو اس کی طرف اگر ضمیر لوٹانی ہے تو مفرد کی ضمیر نہیں لوٹائیں گے جمع کی ضمیر لوٹائیں گے، اور خَلَا اور عَدَا کے اندر تو مفرد کی ضمیر ہے هُوَ ضمیر بھئی۔ تو پھر اس صورت میں پھر تاویل کرتے ہیں اور صاحبِ جامی نے تین تاویلیں ذکر کیں۔ کہ ایک صورت یہ ہے کہ یہ هُوَ کی ضمیر ماقبل میں جو فعل گزرا ہے اس کے مصدر کی طرف لوٹا دیں۔ توجہ ہے؟ اور فعل کے ضمن میں مصدر بھی آجاتا ہے کیونکہ فعل کا معنی مرکب ہوتا ہے مصدر، زمانہ اور نسبت اِلی الفاعل سے۔ تو جب فعل کا ذکر آگیا تو گویا مصدر کا بھی ذکر آگیا۔ تو مصدر ماقبل میں لفظوں میں تو نہیں مذکور لیکن معنی کے اعتبار سے مذکور ہے، تو گویا اس هُوَ ضمیر کا مرجع معناً پیچھے مذکور ہو چکا ہے۔

اور یا پھر یہ ضمیر جو ہے ماقبل میں مجیئت کا فعل ذکر ہے، تو معلوم ہوا کوئی آنے والا ہے۔ تو لہٰذا یہ ضمیر جو ہے اسی فعل کے اسمِ فاعل کی طرف لوٹا دیں۔ جب جَاءَ کا فعل ہوا ہے تو معلوم ہوا کوئی جَائِيْ ہے، کوئی آنے والا ہے۔ کوئی نہ کوئی جَائِيْ ہے تو اس جَائِيْ وہ جو ہے اس کی طرف ضمیر لوٹا دیں۔ اور تیسری صورت یہ ہے کہ یہ جو خَلَا اور عَدَا کی ضمیر ہے وہ ماقبل میں مستثنیٰ منہ کے بعضِ مطلق کی طرف لوٹا دیں۔ مستثنیٰ منہ کی طرف نہیں لوٹا سکتے کیونکہ وہ جمع ہے، وہ اسمِ جمع ہے یعنی معنی کے اعتبار سے وہ جمع ہے۔ تو اس کے بعضِ مطلق کی طرف یہ ضمیر لوٹا دی جائے۔ بعض، اور بعض کا لفظ دیکھو یہ تو مفرد ہے، مذکر ہے، لہٰذا اس کی طرف هُوَ ضمیر لوٹا سکتے ہیں بھئی۔

تو حاصلِ کلام پھر سمجھ لیں بھئی۔ حاصلِ کلام یہ جو یہاں انہوں نے ترکیب ذکر کی نا کہ جَاءَنِي الْقَوْمُ خَلَا زَيْدًا اور جَاءَنِي الْقَوْمُ عَدَا زَيْدًا، یہ خَلَا اور عَدَا کے اندر جو فاعل کی ضمیر ہے وہ مستثنیٰ منہ کو ہم راجع کرنا چاہتے ہیں، لیکن مستثنیٰ منہ الْقَوْمُ وہ تو اسمِ جمع ہے اور اسمِ جمع معنی کے اعتبار سے جمع ہے۔ لفظوں کے اعتبار سے مفرد لیکن معنی کے اعتبار

سے جمع ہے تو اس کی طرف جمع کی ضمیر لوٹا سکتے ہیں، مفرد کی ضمیر اس کی طرف نہیں لوٹ سکتی۔ تو پھر علمائے نحو تاویل کرتے ہیں کہ ضمیر لوٹانی اسی قَوْم کی طرف ہے لیکن تاویل کر کے اب لوٹائیں گے، کس کی طرف؟ تاویل کر کے قَوْم کی طرف لوٹائیں گے۔ اور تاویل کیا کریں گے کہ اس ضمیر کو ماقبل میں جو فعل آیا ہے اس کے مصدر کی طرف لوٹا دیں گے۔ ان کے مصدر کی طرف لوٹا دیں گے، اور فعل کا معنی مرکب ہوتا ہے مصدر، زمانہ اور نسبت اِلی الفاعل سے تو ماقبل میں معنی کے اعتبار سے مصدر آچکا ہے لہٰذا اس کی طرف یہ ضمیر لوٹا سکتے ہیں۔ کیونکہ غائب کی ضمیر کے لیے مرجع چاہیے، وہ مرجع کبھی لفظوں کے اعتبار سے مقدم ہوتا ہے، کبھی معنی کے اعتبار سے مقدم ہوتا ہے اور کبھی حکماً مقدم ہوتا ہے۔ یہاں پر یہ خَلَا کی ضمیر ماقبل فعل کے مصدر کی طرف لوٹا دی اور وہ مصدر جو ہے وہ لفظاً تو مقدم نہیں لیکن معناً مقدم ہو چکا جَاءَ کے ضمن میں، جیسے قرآن میں اللہ فرماتے ہیں اِعْدِلُوْا هُوَ أَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى تو یہ هُوَ ضمیر عدل کی طرف راجع ہے جو اِعْدِلُوْا کے ضمن میں معناً مقدم ہو چکا ہے۔

بات سمجھ میں آگئی؟ تو دیکھو کلام کیا بن گیا: جَاءَنِي الْقَوْمُ خَلَا مَجِيْئُهُمْ زَيْدًا۔ آئے میرے پاس وہ لوگ کہ خالی ہے مَجِيْئُهُمْ ان کا آنا زَيْدًا کس سے؟ زید سے۔ اب دیکھو، توجہ ہے؟ مقصد کیا ہے یہاں پر؟ مقصد یہاں یہ ہے کہ یہ مستثنیٰ متصل ہے اور زید کو ہم نے ماقبل سے نکالنا ہے، وہ مخرج ہونا چاہیے۔ توجہ ہے؟ تو ماقبل سے مخرج ہونا چاہیے اور لہٰذا یہ اب یہ خَلَا کی ضمیر ہم کس کو لوٹا رہے ہیں؟ یہ ضمیر تو ہم نے لوٹانی تھی مستثنیٰ منہ کو، لیکن مستثنیٰ منہ کی طرف یہ ضمیر نہیں لوٹ سکتی، تو یاد رکھو اب بھی ہم ضمیر مستثنیٰ منہ کو ہی لوٹائیں گے لیکن تاویل کر لیں گے تھوڑی سی۔ کیا کر لیں گے؟ مقصود وہی مستثنیٰ منہ ہے لیکن ہم تاویل کر رہے ہیں کہ الْقَوْمُ کی طرف ضمیر نہیں لوٹائی بلکہ مَجِيْءُ الْقَوْمِ کی طرف لوٹا دی۔ جَاءَنِي الْقَوْمُ خَلَا مَجِيْئُهُمْ، یہ هُمْ ضمیر کس کو راجع ہے؟ اسی الْقَوْمُ کو راجع ہے، تو گویا ضمیر مَجِيْءُ الْقَوْمِ کو لوٹا دی۔ کس کو لوٹا دی؟ مَجِيْءُ الْقَوْمِ۔ بتلانا کیا مقصد تھا کہ زید ان کے ساتھ نہیں آیا۔ تو جب یہ کہہ دیا کہ جَاءَنِي الْقَوْمُ وہ لوگ آئے خَلَا مَجِيْئُهُمْ زَيْدًا لیکن ان کا آنا خالی ہے زید سے۔ جب ان کا آنا خالی ہے زید سے، معلوم ہوا وہ بھی خالی ہیں زید سے۔ بات سمجھ میں آرہی ہے؟ تو ضمیر ہم نے مستثنیٰ منہ کو لوٹانی ہے لیکن لوٹائیں گے تاویلاً بھئی کیونکہ سیدھی ضمیر نہیں لوٹا سکتے کیونکہ وہ اسمِ جمع ہے بھئی۔ تو ان کا آنا جب خالی ہے معلوم ہوا وہ بھی زید سے خالی ہیں بھئی جس وقت وہ آئے بھئی۔

دوسری تاویل یہ ہے کہ اسی جَاءَ سے الْجَائِيْ اسمِ فاعل جو ہے مفہوم ہو رہا ہے۔ جب جَاءَ کا فعل پیچھے آگیا معلوم ہوا کوئی آنے والا ہے، کوئی جَائِيْ ہے، جَائِيْ آنے والا اسمِ فاعل ہے۔ جب جَاءَ کا فعل ہوا ہے پیچھے ذکر ہو گیا تو معلوم ہوا کوئی نہ کوئی جَائِيْ ہے۔ اب دیکھو ہم اب جَائِيْ کی تاویل میں یہ ضمیر لوٹائیں گے اس مستثنیٰ منہ کی طرف۔ ضمیر کس کو لوٹانی ہے؟ مستثنیٰ منہ کو لیکن جَائِيْ کی تاویل میں، اور یوں کہیں گے: جَاءَنِي الْقَوْمُ خَلَا الْجَائِيْ مِنْهُمْ کہ ان میں سے جو آنے والا ہے وہ خالی ہے زَيْدًا کس سے؟ زید سے وہ خالی ہے۔ توجہ ہے؟ اب دیکھو جب ان میں سے آنے والا زید سے خالی ہے

اور آنے والے تو کون ہیں؟ وہی قوم والے ہیں، تو معلوم ہوا ان میں زید شامل نہیں۔ تو دیکھو ضمیر ہم نے پھر بھی کس کی طرف لوٹائی؟ قوم کی طرف لیکن جَائِيْ کی تاویل میں کہ آنے والے جو ہیں الْجَائِيْ مِنْهُمْ ان میں سے جو آنے والے ہیں۔ پہلے بھی ہم نے ضمیر قوم کی طرف لوٹائی تھی مَجِيْئُهُمْ ان کا جو آنا ہے۔ تو جب ان میں سے آنے والا زید سے خالی ہے، کوئی بھی آنے والا ہو جب وہ زید سے خالی ہے، معلوم ہوا زید ان میں سے کسی کے ساتھ بھی نہیں آیا۔

تیسری صورت یہ ہے کہ یہ جو ضمیر ہے جو ماقبل میں مستثنیٰ منہ تھا وہ تھا کُل۔ مثلاً وہ قوم سے یہاں سو افراد مراد لے لیں یا پچاس لے لیں جتنے بھی افراد مراد ہیں جو جس کی طرف آپ اشارہ کر رہے ہیں۔ تو اس کے مطلق بعض کی طرف یہ ضمیر لوٹا دیں۔ کیونکہ جب الْقَوْمُ کُل کا ذکر ہوا تو کُل کے اندر بعض کا بھی ذکر ہو گیا۔ مثلاً میں نے کہا جَاءَنِي الْقَوْمُ وہ لوگ میرے پاس آئے ہیں یعنی وہ مثلاً

سو افراد ہیں، جب وہ سو میرے پاس آئے ہیں تو اس سو کے بعض یعنی دس جو ہیں اس میں سے وہ بھی آئے ہیں، اگلے دس جو ہیں جو اس کا اور بعض ہے وہ بھی آئے ہیں، اگلا بعض اس میں سے کوئی دس لے لو، بیس لے لو، تیس جو بھی بعض لینا چاہتے ہیں وہ بھی آئے ہیں۔ توجہ ہے؟ تو اس کے بعض کی طرف لوٹا دو اس ضمیر کو۔ لیکن پھر اس پر اشکال ہوتا ہے کہ اگر آپ اس کے بعض کی طرف ضمیر لوٹائیں گے تو پھر تو بعضِ معین مراد ہوں گے، جَاءَنِي الْقَوْمُ خَلَا بَعْضُهُمْ ان میں سے بعض خالی ہیں۔ اس بَعْضُهُمْ میں بَعْض کی اضافت ہو رہی ہے هُمْ ضمیر کی طرف اور ضمیر ہے معرفہ، اور جس لفظ کی اضافت معرفہ کی طرف ہو جائے وہ بھی کیا بن جاتا ہے؟ معرفہ۔ معلوم ہوا بعضِ معین ان میں سے مراد ہیں۔ مثلاً ان سو میں سے یہ والے پچیس مراد ہیں۔ یہ والے، تو کہتے ہیں اس صورت میں تو خرابی لازم آئے گی، آپ کے کہنے کا مطلب یہ ہو جائے گا جَاءَنِي الْقَوْمُ وہ لوگ آئے، خَلَا بَعْضُهُمْ اور ان میں سے یہ والے جو پچیس ہیں یہ خالی ہیں زَيْدًا کس سے؟ زید سے۔ تو ان پچیس میں زید نہیں ہے اس سے یہ تو نہیں لازم آتا کہ باقیوں کے اندر بھی زید نہیں ہے۔ حالانکہ مقصد کیا تھا یہاں بتلانا؟ جَاءَنِي الْقَوْمُ خَلَا زَيْدًا جو آپ نے کہا تھا مقصد کیا تھا؟ کہ باقی لوگ آئے ہیں لیکن زید نہیں آیا۔ آپ بتانا چاہتے ہیں زید آنے میں ان کے ساتھ شریک نہیں تھا، وہ نہیں آیا ہے۔ تو اگر آپ یہ خَلَا کی ضمیر کس کو لوٹا دیں؟ بعضِ معین کو لوٹا دیں تو اس سے تو صرف اتنا پتا چلے گا کہ ان بعض یہ والے جو پچیس یا یہ والے جو دس ہیں ان میں زید نہیں تھا، لیکن اس سے یہ تو نہیں لازم آیا کہ باقیوں میں بھی زید نہیں تھا۔ اور آپ تو یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ باقی بھی کسی کے ساتھ زید نہیں ہے۔ لہٰذا بعضِ معین کی طرف یہ هُوَ ضمیر نہ لوٹاؤ بلکہ بعضِ مطلق کی طرف یہ ضمیر لوٹا دو۔ کوئی سے بعض آپ پکڑ لیں، آپ ان سو میں سے جون سے بھی بعض نکال کر دیکھیں گے اس میں زید نہیں ہوگا۔ مثلاً آپ نے پہلے دس دیکھے ان میں بھی زید نہیں، اس کے بعد کوئی اور بعض مثلاً اگلے پندرہ دیکھے اس میں بھی زید نہیں، اس کے بعد آپ نے اگلے پچیس دیکھے اس میں بھی زید نہیں، آپ جون سے بھی بعض نکال لیں گے سو میں سے کسی کے اندر بھی زید شامل نہیں۔ اب بات ٹھیک بن گئی، آپ بھی یہی کہنا چاہتے تھے کہ اس قوم کے آنے میں زید ان کے ساتھ نہیں تھا، تو جو بھی بعضِ مطلق اس میں سے مراد لے

لیں زید ان میں شامل نہیں آنے کے اندر۔ تو بعضِ معین کی طرف یہ ضمیر نہیں لوٹائیں گے بلکہ بعضِ مطلق کی طرف یہ ضمیر لوٹائیں گے اور اسی لیے صاحبِ جامی نے بَعْضٌ مِنْهُمْ کہا۔ کیا کہا؟ اگر وہ بَعْضُهُمْ کہتے تو شبہہ پڑتا شاید بعضِ معین مراد ہیں، لیکن جب بَعْضٌ مِنْهُمْ بَعْضٌ کو نکرہ لائے، بَعْضٌ کو نکرہ لائے، هُمْ ضمیر کی طرف اضافت نہیں کی، اس سے پتا چل گیا کہ کوئی سے بعض مراد ہیں، مطلق بعض مراد ہیں، کوئی متعین مراد نہیں، اور اس سے آپ کا مقصد حاصل ہو گیا کہ کوئی بھی بعض آپ دیکھ لیں گے اس میں زید نہیں ہوگا، معلوم ہوا وہ سارے تو آئے ہیں لیکن زید نہیں آیا۔

بات سمجھ میں آگئی؟ تو حاصلِ کلام کیا ہوا کہ ضمیر ہم نے مستثنیٰ منہ کو راجع کرنی ہے، لیکن براہِ راست راجع نہیں کر سکتے کیونکہ وہ معنی کے اعتبار سے جمع ہے، جمع ہے۔ تو پھر اس کی طرف ضمیر تاویل کر کے لوٹائیں گے کہ خالی ہے ان کا آنا، کن کا آنا؟ اس قوم کا آنا۔ دیکھا ان کی طرف ضمیر لوٹ گئی لیکن مجیئت کی اضافت کے ساتھ اس کی طرف لوٹائی ضمیر۔ ان کا آنا خالی ہے زید سے، معلوم ہوا زید نہیں آیا۔ یا ان میں سے آنے والا جو ہے وہ خالی ہے زید سے، ان میں جو بھی آنے والا ہے وہ زید سے خالی ہے، دیکھو اس سے بھی ہمارا مسئلہ حل ہو گیا۔ یا یوں کہیں کہ ان میں سے کوئی سے بعض دیکھ لیں وہ زید سے خالی ہیں، دیکھو اس سے بھی مسئلہ حل ہو گیا۔ بات سمجھ میں آگئی؟

اب آئیے جی آج کے سبق پر:

أَوْ مَا خَلَا وَمَا عَدَا أَيِ الْمُسْتَثْنَى مَنْصُوْبٌ أَيْضًا وُجُوْبًا إِذَا كَانَ بَعْدَ مَا خَلَا وَمَا عَدَا۔ اب مَا خَلَا اور مَا عَدَا کا بیان کرنے لگے ہیں۔ یہ پانچواں مقام آگیا جہاں مستثنیٰ وجوباً منصوب ہوگا۔ پہلا مقام کیا تھا؟ اِلَّا کے بعد ہو کلامِ موجب میں۔ بار بار ان کا تکرار کریں تاکہ خوب ذہن میں جم جائیں بھئی یہ مستثنیٰ کی، مستثنیٰ کے اعراب ذہن میں نہیں بیٹھتا، مشکل ہے ذرا۔ تو پہلی صورت کون سی تھی کہ مستثنیٰ کہاں آئے؟ اِلَّا کے بعد آئے کلامِ موجب میں۔ دوسری جگہ کہ مستثنیٰ جو ہے وہ مقدم ہو مستثنیٰ منہ پر۔ تیسرا مقام کہ مستثنیٰ منقطع ہو۔ چوتھا مقام کہ مستثنیٰ خَلَا اور عَدَا کے بعد آئے۔ اب پانچواں مقام آگیا کہ مستثنیٰ مَا خَلَا اور مَا عَدَا کے بعد آئے۔

یاد رکھو اس کو پہلے سمجھ لیں اچھی طرح مَا خَلَا اور مَا عَدَا۔ یہ وہی خَلَا اور عَدَا ہیں، تفصیل گزر چکی۔ البتہ اس کے اوپر مَا داخل ہوا، اور یاد رکھنا یہ مَا مصدریہ ہے۔ یہ مَا مصدریہ ہے، مَا مصدریہ جو فعل پر داخل ہوتا ہے اور اس کو مصدر کے معنی میں کر دیتا ہے۔ بھئی حروفِ مصدر آپ نے پڑھا ہے تین ہیں: مَا، أَنْ اور أَنَّ۔ مَا، أَنْ اور أَنَّ۔ مَا اور أَنْ فعل پر داخل ہوتے ہیں ہمیشہ، اور أَنَّ یہ حروفِ مشبہ بالفعل میں سے ہے، یہ ایک اسم اور ایک خبر چاہتا ہے تو ان کے ساتھ مل کر یہ مصدر کا معنی ادا کرتا ہے۔ تو یہاں پر مَا آیا تو یہ مَا کون سا ہے؟ مَا مصدریہ۔ یہ فعل پر داخل ہو کر اس کو کس معنی میں کر دے گا؟ مصدر کے معنی میں کر دے گا۔ تو مَا خَلَا کس معنی میں ہوا؟ خُلُوٌّ کے معنی میں۔ اور مَا عَدَا کس معنی میں ہوا؟ عَدْوٌ کے معنی میں ہو گیا۔ فعل اور مَا کو ہٹا دیں اور اس کی جگہ مصدر لے آئیں، بات سمجھ میں آگئی۔

دیکھیے بھئی، کہتے ہیں أَوْ مَا خَلَا وَمَا عَدَا أَيِ الْمُسْتَثْنَى مَنْصُوبٌ أَيْضًا وُجُوْبًا اور مستثنیٰ جو ہے وہ نیز وجوباً منصوب ہوتا ہے إِذَا كَانَ بَعْدَ مَا خَلَا وَمَا عَدَا جب وہ مَا خَلَا اور مَا عَدَا کے بعد آئے لِأَنَّ مَا فِيْهِمَا مَصْدَرِيَّةٌ مُخْتَصَّةٌ بِالْأَفْعَالِ اس لیے کیونکہ مَا جو ہے ان دونوں کے اندر وہ مَا مصدریہ ہے جو خاص ہے افعال کے ساتھ یعنی افعال پر داخل ہوتا ہے، نَحْوُ جَاءَنِي الْقَوْمُ مَا خَلَا زَيْدًا وَمَا عَدَا عَمْرًا۔ اب مَا خَلَا کو ہٹائیں گے اور اس کی جگہ خُلُوّ لے آئیں گے اور زید کی طرف اس کی اضافت کر دیں گے، توجہ ہے؟ اسی طرح مَا عَدَا کو ہٹائیں گے اور اس کی جگہ عَدْوٌ مصدر لے آئیں گے اور عمرو کی طرف اس کی اضافت کر دیں گے۔ تَقْدِيْرُهُ تقدیرِ کلام جو ہے خُلُوَ زَيْدٍ وَعَدْوَ عَمْرٍو۔ تو پورا کلام کیسے ہوا؟ جَاءَنِي الْقَوْمُ خُلُوَ زَيْدٍ اور جَاءَنِي الْقَوْمُ عَدْوَ عَمْرٍو۔

اب سوال یہ پیدا ہوا کہ خُلُوَ زَيْدٍ یہ خُلُوّ پر نصب کیوں آیا؟ اور اسی طرح عَدْوَ عَمْرٍو یہ عَدْوٌ پر نصب کیوں آیا؟ تو جواب دیں گے کہ یہ جو نصب ہے ظرف ہونے کی بنا پر ہے، یعنی یہ مفعول فیہ بن رہے ہیں۔ ظرف کسے کہتے ہیں؟ مفعول فیہ کو۔ تو یہ مفعول فیہ بن رہے ہیں اس لیے یہ منصوب ہیں۔ اس پر سوال پیدا ہوتا ہے کہ مفعول فیہ تو وہ ہے جس میں زمانے یا جگہ کا معنی ہو، اور یہ تو مصدر ہے اس میں تو زمانے یا جگہ والا معنی نہیں۔ تو جواب دیں گے کہ یہاں ان سے پہلے وَقْت کا لفظ مضاف محذوف نکال لیں گے۔ اصل میں تھا وَقْتَ خُلُوِ زَيْدٍ اور وَقْتَ عَدْوِ عَمْرٍو۔ تو یہ تو منصوب تھا، مفعول فیہ تھا اور آگے خُلُوّ اور عَدْوٌ وہ تو مضاف الیہ تھے مجرور تھے، تو اس وَقْت کو حذف کر لیا اور خُلُوّ اور عَدْوٌ کو اس کا قائم مقام بنایا اور ان کو اسی کا اعراب دے دیا، تو اب خُلُوَ زَيْدٍ اور عَدْوَ عَمْرٍو ہو گیا۔

تو کہتے ہیں تَقْدِيْرُهُ خُلُوَ زَيْدٍ وَعَدْوَ عَمْرٍو بِالنَّصْبِ عَلَى الظَّرْفِيَّةِ نصب کے ساتھ ہیں ظرف ہونے کی وجہ سے بِتَقْدِيْرِ مُضَافٍ مضاف کی تقدیر کے ساتھ أَيْ وَقْتَ خُلُوِهِمْ أَوْ خُلُوِ مَجِيْئِهِمْ، یہ جو ہے نا توجہ سے سمجھ لو خُلُوِ مَجِيْئِهِمْ اس کا عطف ماقبل میں خُلُوِهِمْ پر ہے۔ اور خُلُوِهِمْ اس سے ماقبل وَقْت کا لفظ مضاف ہے تو وَقْتَ خُلُوِهِمْ أَوْ وَقْتَ خُلُوِ مَجِيْئِهِمْ، وَقْت دونوں پر داخل ہو رہا ہے۔ یہ بات سمجھ میں آگئی۔ اور پھر یاد رکھیے یہاں پر بھی وہی ترکیبیں ہوں گی جو ماقبل میں ہو چکیں۔ ماقبل میں وہ خَلَا اور عَدَا کی ضمیر کو کس کی طرف لوٹایا تھا؟ ماقبل فعل کے مصدر کی طرف، یا ماقبل فعل کے اسمِ فاعل کی طرف یا بعضِ مطلق کی طرف، تو یہاں بھی وہی تینوں احتمال ہوں گے۔ دیکھو: أَيْ وَقْتَ خُلُوِهِمْ، أَيْ وَقْتَ خُلُوِ بَعْضِهِمْ بھئی۔ بعض کو ذکر نہیں کیا کیونکہ ایک دفعہ پیچھے ذکر کر چکے ہیں، بات واضح ہے بھئی۔ تو أَيْ وَقْتَ خُلُوِهِمْ سے کیا مراد ہے؟ أَيْ وَقْتَ خُلُوِ بَعْضِهِمْ۔ اور آگے جو آیا أَوْ خُلُوِ مَجِيْئِهِمْ، أَيْ وَقْتَ خُلُوِ مَجِيْئِهِمْ یہ ضمیر دیکھو کس کی طرف لوٹا دی؟ مصدر کی طرف۔ پہلے وَقْتَ خُلُوِ بَعْضِهِمْ ضمیر کس کو لوٹائی؟ بعض کو، اور اب وَقْتَ خُلُوِ مَجِيْئِهِمْ یہ ضمیر کس کی طرف لوٹائی؟ مجیئت کی طرف، مجیء مصدر ذکر ہے یا نہیں؟ توجہ ہے؟ اور البتہ تیسری صورت جو تھی اسمِ فاعل، اس کو صاحبِ جامی نے یہاں ذکر نہیں کیا۔ تو شارحین اور محشی حضرات فرماتے ہیں کہ چونکہ پیچھے ایک دفعہ صاحبِ جامی ذکر فرما چکے تھے اس لیے اختصار کرتے ہوئے اس کو چھوڑ دیا کہ یہ بات ظاہر ہے اسی پر آپ قیاس کر لینا، یہ وہی خَلَا اور عَدَا ہیں جو ابھی میں

نے ماقبل میں ذکر کیے تھے، فرق صرف کتنا ہے ان سے پہلے کیا آیا ہے؟ مَا آیا ہے۔ ہاں اس مَا کی وجہ سے جو ترکیب میں فرق آرہا ہے اب صرف اس کو بیان کر رہے ہیں، ضمیر کے مرجع کو ذکر نہیں کیا تاکہ کلام مختصر ہو جائے۔ تو أَيْ وَقْتَ خُلْوِهِمْ أَوْ خُلْوِ مَجِيْئِهِمْ، تو ضمیر کس کس کو لوٹا دی؟ پھر دیکھیں نہیں توجہ سبق کی طرف، أَيْ وَقْتَ خُلْوِهِمْ کیا معنی؟ أَيْ وَقْتَ خُلْوِ بَعْضِهِمْ یہ بعض کی طرف ضمیر لوٹا دی۔ اور أَيْ وَقْتَ خُلْوِ مَجِيْئِهِمْ اس کے اندر ضمیر کس کو لوٹائی؟ مَجِيْئِهِمْ یہ مجیئت مصدر کی طرف لوٹائی اور تیسری صورت کیا تھی؟ وَقْتَ خُلْوِ الْجَائِيْ مِنْهُمْ وہ جَائِيْ کو یہاں ذکر نہیں کیا۔

اچھا ترجمہ کر لیں، ترجمہ کیا ہوگا؟ جَاءَ الْقَوْمُ وَقْتَ خُلْوِهِمْ مِنْ زَيْدٍ۔ وَقْتَ خُلْوِهِمْ مِنْ زَيْدٍ۔ مِنْ کے ساتھ ذکر کر دیا بس سمجھانے کے لیے، ویسے تو وہاں منصوب تھا۔ تو پورا کلام کیا ہوا؟ جَاءَنِي الْقَوْمُ وہ لوگ میرے پاس آئے وَقْتَ خُلْوِهِمْ مِنْ زَيْدٍ جس وقت وہ زید سے خالی تھے، یا یوں وَقْتَ خُلْوِهِمْ وَقْتَ خُلْوِ بَعْضِهِمْ جب ان میں سے بعضِ مطلق جو تھے وہ زید سے خالی تھے۔ یا دوسرا جملہ دیکھیں: جَاءَنِي الْقَوْمُ وَقْتَ خُلْوِ مَجِيْئِهِمْ میرے پاس وہ لوگ آئے وَقْتَ خُلْوِ مَجِيْئِهِمْ مِنْ زَيْدٍ جس وقت کہ ان کا آنا خالی تھا زید سے۔

آگے دیکھیے: وَوَقْتَ مُجَاوَزَتِهِمْ، یہ ترجمہ اب کر رہے ہیں عَدَا کے اعتبار سے۔ عَدَا کا کیا معنی تھا؟ تجاوز کرنا۔ وَوَقْتَ مُجَاوَزَتِهِمْ۔ وَوَقْتَ مُجَاوَزَتِهِمْ اس کا عطف کس پر ہے؟ وہ ماقبل میں جو پیچھے آیا تھا وَقْتَ خُلْوِهِمْ۔ اور وَقْتَ خُلْوِهِمْ میں میں نے بتلایا تھا اصل میں کیا ہے؟ وَقْتَ خُلْوِ بَعْضِهِمْ، تو یہاں پر بھی وَقْتَ مُجَاوَزَتِهِمْ أَيْ وَقْتَ مُجَاوَزَةِ بَعْضِهِمْ، اور أَوْ مُجَاوَزَةِ مَجِيْئِهِمْ عَمْرًا، عَمْرًا کو ایک ہی دفعہ آخر میں ذکر کر دیا۔ توجہ ہے؟ تو کلام گویا پورا یوں ہوا: جَاءَنِي الْقَوْمُ وہ لوگ میرے پاس آئے وَقْتَ مُجَاوَزَتِهِمْ عَمْرًا عمرو سے تجاوز کرنے کے وقت میں یعنی ان میں سے بعضِ مطلق نے عمرو سے تجاوز کیا تھا اس وقت وہ آئے تھے یعنی عمرو ان میں شامل نہیں تھا۔ أَوْ وَقْتَ مُجَاوَزَةِ مَجِيْئِهِمْ عَمْرًا اس کو بھی پورا جملہ بنا لیں: جَاءَنِي الْقَوْمُ وہ لوگ میرے پاس آئے تھے وَقْتَ مُجَاوَزَةِ مَجِيْئِهِمْ عَمْرًا جس وقت کہ ان کا آنا جو تھا وہ تجاوز کر گیا تھا عمرو سے۔ پھر سنو: جَاءَنِي الْقَوْمُ وہ لوگ میرے پاس آئے وَقْتَ مُجَاوَزَةِ مَجِيْئِهِمْ عَمْرًا جس وقت کہ ان کا آنا تجاوز کر گیا تھا عمرو سے یعنی ان کے آنے میں عمرو نہیں تھا۔ ترجمہ سمجھ میں آیا؟

اچھا تو خَلَا ہو یا عَدَا دونوں صورتیں انہوں نے بیان کر دیں، اور یہ نصب کس وجہ سے ہے؟ ظرف ہونے کی وجہ سے ہے اور یہاں وَقْت کا لفظ مضاف محذوف ہے۔ أَوْ عَلَى الْحَالِيَّةِ یا دوسری ترکیب ذکر کر رہے ہیں کہ یہ جو نصب ہے یہ حال ہونے کی بنا پر ہے۔ کون سا؟ جَاءَنِي الْقَوْمُ، مَا خَلَا سے مصدر بنا دو: خُلُوَهُمْ۔ جَاءَنِي الْقَوْمُ خُلُوَهُمْ اور عَدْوَهُمْ۔ یہ خُلُوَ اور عَدْوَ پر نصب کیوں آیا تھا؟ ظرف ہونے کی بنا پر۔ اب دوسری وجہ ذکر کر رہے ہیں کہ یہ نصب ظرف ہونے کی بنا پر نہ بنائیں بلکہ یہ نصب حال ہونے کی بنا پر ہے، حال بھی منصوب ہوتا ہے۔ پھر اس پر اشکال ہوتا ہے کہ مصدر ہے اور مصدر کو آپ حال بنا رہے ہیں حالانکہ حال کا تو حمل ہوتا ہے ذوالحال پر، اور مصدر کا تو حمل ذات پر نہیں ہو سکتا۔ مثلاً دیکھو میں آپ سے کہتا ہوں جَاءَنِي زَيْدٌ ضَرْبًا، جَاءَنِي زَيْدٌ ضَرْبًا، آیا میرے پاس زید یہ ضَرْبًا مصدر کو میں حال بنا رہا ہوں، آیا میرے پاس

زید اس حال میں کہ وہ ضرب تھا۔ وہ ضرب تھا یا وہ ضارب تھا؟ ضارب تھا، تو ضرب کا حمل تو زید پر نہیں ہو سکتا کیونکہ تو مصدر ہے، مصدر پٹائی کرنا، اور پٹائی کرنا یہ تو ایک معنی کا نام ہے اور زید تو ایک ذات کا نام ہے۔ توجہ ہے؟ تو جیسے آپ زَيْدٌ ضَرْبٌ نہیں کہہ سکتے زَيْدٌ ضَرْبٌ کہ زید ضرب ہے، بلکہ آپ کہیں گے زَيْدٌ ضَارِبٌ زید پٹائی کرنے والا ہے۔ تو سوال پیدا ہوا کہ یہ تو مصدر ہے، یہ حال ہونے کی بنا پر کیسے منصوب ہو سکتا ہے کیونکہ

حال کا تو حمل ہوتا ہے ذوالحال پر۔ حال تو ذات چاہیے، آپ نے وصف یعنی مصدر کو حال بنا دیا۔ تو آپ کو صاحبِ جامی بتلائیں گے کہ آپ نے پڑھا ہے کہ مصدر کبھی اسمِ فاعل کے معنی میں ہوتا ہے اور کبھی اسمِ مفعول کے معنی میں استعمال ہوتا رہتا ہے۔ تو یہاں پر مصدر کو ہم اسمِ فاعل کے معنی میں لے لیں گے۔ یعنی خُلُوٌّ بمعنی خَالِيْ کے ہو جائے گا یہاں اسمِ فاعل۔ اور مجاوزت جو ہے، مجاوزت جو ہے وہ مُجَاوِزٌ کے معنی میں ہو جائے گا۔ کس طرح؟ دیکھو اب سمجھو اس بات کو: جَاءَنِي الْقَوْمُ خُلُوَهُمْ مِنْ زَيْدٍ۔ اصل میں کیا تھا؟ جَاءَنِي الْقَوْمُ مَا خَلَا زَيْدًا۔ تو اس کو ذرا کھول لیں: جَاءَنِي الْقَوْمُ خُلُوَهُمْ زَيْدًا۔ اور خُلُوٌّ کس معنی میں ہے؟ خَالِيْ کے معنی میں ہے۔ جَاءَنِي الْقَوْمُ خَالِيًا بَعْضُهُمْ زَيْدًا۔ جَاءَ الْقَوْمُ وہ لوگ آئے خَالِيًا اس حال میں خَالِيًا بَعْضُهُمْ کہ ان میں سے بعض جو تھے وہ خالی تھے زَيْدًا کس سے؟ زید سے۔ یا جَاءَنِي الْقَوْمُ وہ قوم والے میرے پاس آئے کب؟ مُجَاوِزًا بَعْضُهُمْ زَيْدًا اس حال میں کہ ان میں سے بعض جو تھے وہ تجاوز کرنے والے تھے عمرو سے۔

بات سمجھ میں آگئی؟ تو مصدر ہے، منصوب ہے اور کس بنا پر ہے؟ پھر سنو، یہ مَا کیا ہے؟ مصدریہ۔ اس مَا نے ما بعد فعل کو کس معنی میں کر دیا؟ مصدر کے معنی میں، اور مصدر یہاں کیا ہے؟ منصوب ہے۔ کیوں منصوب ہے؟ یہاں پہلی ترکیب ظرف ہونے کی وجہ سے، دوسری ترکیب حال ہونے کی وجہ سے۔ اس پر اشکال ہوا کہ حال کا تو حمل ہوتا ہے ذوالحال پر تو لہٰذا مصدر تو حال نہیں بن سکتا۔ تو بتایا کہ یہ مصدر کس معنی میں لے لیں؟ اسمِ فاعل یعنی خُلُوٌّ خَالِيْ کے معنی میں اور مجاوزت مُجَاوِزٌ کے معنی میں لے لیں۔ خالی ہیں بعض ان میں سے زید سے، مجاوز ہیں بعض ان میں سے زید سے۔ بات سمجھ میں آگئی؟

کہتے ہیں أَوْ عَلَى الْحَالِيَّةِ بِجَعْلِ الْمَصْدَرِ بِمَعْنَى اسْمِ الْفَاعِلِ یا یہ منصوب ہے بنا بر حال ہونے کے، بِجَعْلِ الْمَصْدَرِ بِمَعْنَى اسْمِ الْفَاعِلِ مصدر کو اسمِ فاعل بناتے ہوئے، مصدر کو اسمِ فاعل کے معنی میں قرار دیتے ہوئے، أَيْ جَاؤُوْا وہ لوگ آئے خَالِيًا بَعْضُهُمْ اس حال میں کہ ان میں سے بعض خالی تھے، أَوْ مَجِيْئُهُمْ اب یہ ضمیر مصدر کی طرف لوٹا دی۔ جَاؤُوْا وہ لوگ آئے خَالِيًا مَجِيْئُهُمْ کہ خالی تھا ان کا آنا مِنْ زَيْدٍ کس سے؟ زید سے۔ دیکھو آئے وہ لوگ اس حال میں کہ ان میں سے بعض خالی تھے زید سے، یا ان کا آنا خالی تھا کس سے؟ زید سے، یا ان میں سے آنے والا جو تھا وہ خالی تھا زید سے۔ وَمُجَاوِزًا بَعْضُهُمْ آئے وہ لوگ اس حال میں مُجَاوِزًا بَعْضُهُمْ کہ ان میں سے بعض جو تھے وہ گزر جانے والے تھے زید سے، أَوْ مَجِيْئُهُمْ

عَمْرًا۔

توجہ ہے؟ پھر دیکھو: أَيْ جَاؤُوْا خَالِيًا بَعْضُهُمْ أَوْ مَجِيْئُهُمْ۔ خَالِيًا کیا ہے؟ اسمِ فاعل۔ یہ کہاں سے آیا؟ یہ وہی خُلُوّ ہے۔ یہ خُلُوّ کو کس معنی میں لے لیا؟ اسمِ فاعل خَالِيْ کے معنی میں۔ اور اسمِ فاعل کے لیے بھی کیا چاہیے؟ فاعل چاہیے۔ تو یہ بَعْضُهُمْ اس خَالِيْ کا فاعل ہے۔ أَيْ جَاؤُوْا خَالِيًا بَعْضُهُمْ آئے وہ لوگ اس حال میں کہ خالی تھے، کون خالی تھے؟ بَعْضُهُمْ ان میں سے بعض۔ یا اس مَجِيْئُهُمْ کو فاعل بنائیں خَالِيًا کا۔ یہ بَعْضُهُمْ کو ہٹائیں اور اس کی جگہ مَجِيْئُهُمْ رکھیں۔ جَاؤُوْا خَالِيًا مَجِيْئُهُمْ مِنْ زَيْدٍ آئے وہ لوگ اس حال میں خَالِيًا مَجِيْئُهُمْ کہ ان کا آنا خالی تھا مِنْ زَيْدٍ زید سے۔ بات سمجھ میں آگئی؟

آگے جو آیا وَمُجَاوِزًا بَعْضُهُمْ، آئے وہ لوگ مُجَاوِزًا اس حال میں کہ مُجَاوِزًا بَعْضُهُمْ عَمْرًا کہ ان میں سے بعض تجاوز کرنے والے تھے زید سے، زید پر سے گزرنے والے تھے یعنی زید ان میں شامل نہیں تھا۔ یا یہ بَعْضُهُمْ کی جگہ آگے آرہا ہے أَوْ مَجِيْئُهُمْ عَمْرًا، یہ مَجِيْئُهُمْ کو لے آئیں بَعْضُهُمْ کی جگہ: جَاؤُوْا مُجَاوِزًا مَجِيْئُهُمْ عَمْرًا۔ آئے وہ لوگ اس حال میں کہ تجاوز کرنے والا تھا مَجِيْئُهُمْ ان کا آنا عَمْرًا کس سے؟ عمرو سے۔ تیسری ترکیب کیا تھی؟ ضمیر کس کو لوٹائیں؟ اسمِ فاعل کو۔ اب یہاں مَجِيْئُهُمْ کی جگہ الْجَائِيْ مِنْهُمْ کر دیں، الْجَائِيْ مِنْهُمْ۔ یوں عبارت بن گئی: جَاؤُوْا جَاءَنِي الْقَوْمُ مُجَاوِزًا الْجَائِيْ مِنْهُمْ عَمْرًا۔ آئے وہ لوگ اس حال میں کہ مُجَاوِزًا کہ تجاوز کرنے والا تھا، کون تجاوز کرنے والا تھا؟ الْجَائِيْ مِنْهُمْ جو ان میں سے آنے والا ہے، جو بھی ان میں سے آنے والا تھا وہ تجاوز کرنے والا تھا یعنی چھوڑنے والا تھا عمرو کو، وہ ان کے ساتھ نہیں آیا تھا۔ بات سمجھ میں آگئی؟

اچھا بھئی شاید ابھی تک یہ پوری ترکیبیں جو صاحبِ جامی نے ذکر فرمائیں وہ آپ کے لیے واضح نہ ہوئی ہوں، تو ایک نقشہ بنا لیجیے بھئی ان شاء اللہ اس سے تمام صورتیں آپ کے سامنے واضح ہو جائیں گی۔ تمام صورتیں۔ یہ جو مَا خَلَا اور مَا عَدَا پڑھا، مَا خَلَا اور مَا عَدَا، اس کے بارے میں پوری تفصیل آجائے گی اس نقشے کے اندر بھئی۔

جی الگ صفحے پر بنائیے، لکھیے بھئی سب سے اوپر لکھ لیجیے: نصب بنا بر ظرفیت کے۔

اس کے بعد نیچے الگ سطر میں لکھیے، شروع میں ایک نمبر دے دیجیے بھئی ایک نمبر۔ اور اسی کے آگے لکھیے وہ جو پہلا جملہ ہے: جَاءَنِي الْقَوْمُ مَا خَلَا زَيْدًا۔ لکھ لیا؟ یہ ہے ایک نمبر یعنی پہلی مثال۔ دو مثالیں صاحبِ جامی ذکر فرما رہے ہیں نا: جَاءَنِي الْقَوْمُ مَا خَلَا زَيْدًا اور جَاءَنِي الْقَوْمُ مَا عَدَا زَيْدًا، تو دونوں کی ہم پوری تفصیل کر لیں گے بھئی۔ تو یہ پہلی مثال ہے، اب اس کے نیچے لکھیے، اب نمبر نہیں دینے بھئی۔ اس کے بالکل نیچے لکھیے، دیکھیے مَا خَلَا، یہ مَا مصدریہ ہے خَلَا پر داخل ہوا تو اس نے اس کو کس معنی میں کر دیا؟ مصدر کے معنی میں کر دیا۔ اب ہم مَا خَلَا کو ہٹا دیں گے اور یہاں مصدر لکھیں گے۔ اور پھر مصدر کے بارے میں میں نے آپ کو بتایا تھا کہ اس کی اپنے فاعل یا مفعول کی طرف اضافت ہوتی ہے، تو یہ مَا خَلَا کی جگہ خُلُوّ لے آئیں گے ہم اور اس کی زید کی طرف اضافت کر دیں گے۔ توجہ ہے؟ جی تو لکھیے اس سے نچلی سطر

میں: جَاءَنِي الْقَوْمُ خُلْوَ زَيْدٍ۔

توجہ ہے؟ تو مَا خَلَا کس معنی میں ہوا؟ خُلْوٌ کے معنی میں۔ اور پھر مصدر میں نے بتایا اس کی اضافت ہوتی ہے اپنے فاعل یا مفعول بہ کی طرف، تو یہاں مفعول بہ موجود ہے ہم اس کی طرف اضافت کر دیں گے۔ تو کیا بن گیا؟ جَاءَنِي الْقَوْمُ خُلْوَ زَيْدٍ۔ اور یہ نصب خُلْوَ زَيْدٍ اس پر نصب کیوں آیا؟ بنا بر ظرفیت کے، کیونکہ یہ ظرف ہے مفعول فیہ ہے بھئی۔ اور مفعول فیہ کس طرح ہے؟ صاحبِ جامی نے بتایا کہ اس سے پہلے وَقْت کا لفظ مضاف محذوف ہے۔ لہٰذا اس سے نچلی سطر میں دوبارہ لکھیے، اب وہاں ہم وہ مضاف جو محذوف ہے اس کو بھی نکال لیں گے۔ جی نچلی سطر میں لکھیے: جَاءَنِي الْقَوْمُ وَقْتَ خُلْوِ زَيْدٍ۔

بات سمجھ میں آرہی ہے؟ تو یہ بنا بر ظرف کے منصوب ہے بھئی۔ جَاءَنِي الْقَوْمُ وہ لوگ میرے پاس آئے وَقْتَ خُلْوِ زَيْدٍ زید کے خالی ہونے کے وقت میں، یعنی وہ زید سے خالی تھے۔ تو وَقْتَ خُلْوِ زَيْدٍ یہ خُلْو مصدر کہاں سے آیا؟ وہ مَا خَلَا سے آیا۔

اور مَا خَلَا اوپر آپ کو بتایا تھا خَلَا کے اندر هُوَ ضمیر ہے اور وہ کس کی طرف راجع ہے؟ وہ ماقبل میں جو ماقبل میں فعل ذکر ہے اس کے مصدر کی طرف راجع ہے، یا ماقبل میں جو فعل ہے اس کے اسمِ فاعل کی طرف راجع ہے، یا یہ ماقبل میں جو مستثنیٰ منہ ہے اس میں سے بعضِ مطلق کی طرف راجع ہے۔ توجہ ہے؟ تو اب ہم وہ فاعل بھی نکالیں گے یہاں پر۔ لہٰذا اس سے نچلی سطر میں لکھیے بھئی دیکھیے اس جملے میں ہے وَقْتَ خُلْوِ زَيْدٍ، یہ خُلْوٌ کی اضافت کس کی طرف ہو رہی ہے؟ زید کی طرف، اور زید مفعول بہ ہے۔ اب ہم فاعل کی طرف اضافت کریں گے وہ جو فاعل جس کی طرف ضمیر لوٹ رہی تھی جو اس کو بھی اب ہم یہاں ذکر کریں گے۔ صورت سمجھ میں آرہی ہے؟ لہٰذا نچلی سطر میں لکھیے: جَاءَنِي الْقَوْمُ وَقْتَ خُلْوِ بَعْضِهِمْ۔ اور آپ نے پڑھا کہ یہ خَلَا جو ہے یہ متعدی ہوتا ہے مِنْ کے ذریعے۔ یہاں پر تو مِنْ حذف ہے کیونکہ تضمین یا حذف و ایصال ہے لیکن ویسے یہ کس کے ساتھ استعمال ہوتا ہے؟ مِنْ کے ساتھ۔ تو لہٰذا اب یہاں ہم مِنْ بھی لے آتے ہیں۔ کیا لکھا؟ جَاءَنِي الْقَوْمُ وَقْتَ خُلْوِ بَعْضِهِمْ مِنْ زَيْدٍ۔

لکھ لیا؟ جی یہ ہے پوری تفصیل بھئی۔ جَاءَنِي الْقَوْمُ وہ لوگ میرے پاس آئے وَقْتَ خُلْوِ بَعْضِهِمْ جس وقت کہ ان میں سے بعضِ مطلق خالی تھے۔ یہ بَعْضِهِمْ کی اضافت هُمْ ضمیر کی طرف کر دی، توجہ ہے؟ تو لیکن مراد کیا ہے بعضِ معین یا بعضِ مطلق مراد ہیں؟ یہاں بعضِ مطلق مراد ہیں۔ توجہ ہے؟ تو صاحبِ جامی نے تو بَعْضٌ مِنْهُمْ لکھا، وہ وضاحت کرنے کے لیے انہوں نے بَعْضٌ کو بالکل الگ کیا تھا بَعْضٌ مِنْهُمْ تاکہ بَعْضٌ اسی طرح نکرہ کا نکرہ رہے بھئی۔ تو بہرحال بَعْضُهُمْ بھی اگر آپ استعمال کر لیں لیکن مراد بعضِ معین نہ لیں بلکہ بعضِ مطلق مراد لیں تو پھر بَعْضُهُمْ کو بھی اسی طرح آپ استعمال کر سکتے ہیں، یہ فاعل بن گیا۔ جَاءَنِي الْقَوْمُ وَقْتَ خُلْوِ بَعْضِهِمْ مِنْ زَيْدٍ وہ لوگ میرے پاس آئے جس وقت کہ ان میں سے بعضِ مطلق وہ خالی تھے زید سے، یعنی ان میں زید شامل نہیں تھا۔

اچھا یہ تو وہ صورت ہے کہ ہم نے خُلْوٌ کی اضافت کس کی طرف کی؟ بعضِ مطلق کی طرف۔ اور صاحبِ جامی نے تین ترکیبیں بتائی تھیں کہ یہ خَلَا کی ضمیر بعضِ مطلق کو بھی راجع ہو سکتی ہے اور ماقبل کے، ماقبل میں جو فعل ہے اس کے مصدر کی طرف بھی راجع ہو سکتی ہے اور اسی فعل کے اسمِ فاعل کی طرف بھی راجع ہو سکتی ہے۔ تو اب نیچے ہم وہی فاعل بدلیں گے بس باقی ترکیب اسی طرح ہوگی۔ تو نیچے لکھیے نچلی سطر میں: جَاءَنِي الْقَوْمُ وَقْتَ خُلْوِ مَجِيْئِهِمْ مِنْ زَيْدٍ۔ لکھ لیا؟ جَاءَنِي الْقَوْمُ وَقْتَ خُلْوِ مَجِيْئِهِمْ مِنْ زَيْدٍ۔ اب دیکھو یہ خُلْوٌ کا فاعل کس کو بنایا؟ ماقبل کے فعل کے مصدر کو۔ مَجِيْءٌ ماقبل میں جَاءَ جو فعل تھا اس کا مصدر۔ جَاءَنِي الْقَوْمُ وہ لوگ میرے پاس آئے وَقْتَ خُلْوِ مَجِيْئِهِمْ جس وقت کہ ان کا آنا خالی تھا مِنْ زَيْدٍ زید سے۔ جس وقت ان کا آنا زید سے خالی تھا یعنی زید ان کے ساتھ شامل نہیں تھا آنے میں۔

یہ دوسری صورت ہوئی۔ پہلی صورت میں فاعل کس کو بنایا؟ بعضِ مطلق کو، دوسری صورت میں ماقبل کے فعل کے مصدر کو اور تیسری کیا ترکیب تھی؟ کہ ماقبل میں جو فعل ہے اس کا اسمِ فاعل جو ہے اس کو ضمیر لوٹاتے تھے، وہ فاعل بنتا تھا۔ تو اب اس سے نچلی سطر میں لکھیے: جَاءَنِي الْقَوْمُ وَقْتَ خُلْوِ الْجَائِيْ مِنْهُمْ مِنْ زَيْدٍ۔ الْجَائِيْ یہ اسمِ فاعل ہے۔ لکھ لیا؟ جَاءَنِي الْقَوْمُ وَقْتَ خُلْوِ الْجَائِيْ مِنْهُمْ مِنْ زَيْدٍ۔ جَاءَنِي الْقَوْمُ وہ لوگ میرے پاس آئے جس وقت کہ خُلْوِ الْجَائِيْ کہ آنے والا مِنْهُمْ ان میں سے، جس وقت کہ ان میں سے آنے والا خالی تھا مِنْ زَيْدٍ زید سے۔

ترکیب سمجھ میں آگئی؟ تو دیکھو یہاں ہم نے پورا جملہ کھول کر تفصیل دیکھ لی کہ جَاءَنِي الْقَوْمُ مَا خَلَا زَيْدًا یہ مَا مصدریہ ہے اور اس نے خَلَا کو کس معنی میں کر دیا؟ خُلْوٌ کے معنی میں، اور پھر یہ خُلْوٌ منصوب ہے بنا بر ظرفیت کے اور اس سے پہلے پھر وَقْت کا لفظ نکال لیا اور پھر اس کے بعد مصدر کے ساتھ اس کے فاعل کو بھی ذکر کر دیا اور تین قسم کے فاعل ممکن یعنی تین احتمال تھے جن کی طرف ضمیر راجع ہو سکتی تھی یا تو بَعْضُهُمْ یا مَجِيْئُهُمْ یا الْجَائِيْ مِنْهُمْ تینوں کو ہم نے ذکر کر دیا۔ صورت سمجھ میں آگئی؟

اب دوسری مثال پر آئیے۔ اس سے نچلی سطر میں لکھیے، اب یہ دوسری مثال ہے اس کو دو نمبر دیجیے بھئی شروع میں دو نمبر لکھ دیجیے۔ دو نمبر، جی آگے مثال لکھیے: جَاءَنِي الْقَوْمُ مَا عَدَا زَيْدًا۔ یہ مَا مصدریہ ہے اس نے عَدَا کو کس معنی میں کر دیا؟ عَدْوٌ کے معنی میں، لہٰذا اس سے نیچے ہم مَا عَدَا کو ہٹا دیں گے اور اس کی جگہ عَدْوٌ لے آئیں گے اور اس کی اضافت زید کی طرف کر دیں گے۔ تو اس سے نیچے لکھیے: جَاءَنِي الْقَوْمُ عَدْوَ زَيْدٍ۔ اور یہ عَدْوٌ کیوں منصوب ہے؟ ظرف ہونے کی بنا پر۔ لہٰذا اس سے پہلے وَقْت کا لفظ ہم نکال لیں گے۔ اب یہی مثال دوبارہ نیچے لکھیے اور شروع میں وَقْت بھی لکھ لیجیے: جَاءَنِي الْقَوْمُ وَقْتَ عَدْوِ زَيْدٍ۔ لکھ لیا؟ جَاءَنِي الْقَوْمُ وَقْتَ عَدْوِ زَيْدٍ۔

اور یہ عَدَا کس معنی میں ہے؟ جَاوَزَ کے معنی میں ہے۔ عَدَا کس معنی میں ہے؟ جَاوَزَ کے معنی میں ہے، اور عَدَا کا

مصدر کیا؟ عَدْوٌ اور جَاوَزَ کا مصدر کیا؟ جَاوَزَ یُجَاوِزُ مُجَاوَزَةً بابِ مفاعلہ ہے۔ تو لہٰذا اب اس سے نیچے ہم یوں کریں گے کہ عَدْوٌ کی جگہ مجاوزت مصدر لے آئیں گے تاکہ اس کا معنی واضح ہو جائے۔ تو نیچے لکھیے: جَاءَنِي الْقَوْمُ وَقْتَ مُجَاوَزَةِ زَيْدٍ۔ بات سمجھ میں آ رہی ہے؟ یہ مجاوزت ہم کیوں لائے؟ یہ اسی عَدْوٌ کا معنی بیان کر رہے ہیں۔ جَاءَنِي الْقَوْمُ وہ لوگ میرے پاس آئے، وہ لوگ میرے پاس آئے وَقْتَ مُجَاوَزَةِ زَيْدٍ جس وقت کہ زید کی مجاوزت تھی یعنی زید سے مجاوزت تھی زید ان کے ساتھ شامل نہیں تھا۔

اب دیکھو مُجَاوَزَةِ زَيْدٍ، مجاوزت کی اضافت زید کی طرف ہو رہی ہے اور زید مفعول بہ ہے۔ اب ہم فاعل کو بھی درمیان میں لے آئیں گے۔ یہ عَدَا کے اندر هُوَ ضمیر کس کی طرف لوٹائی تھی؟ یا بعضِ مطلق کی طرف یا ماقبل میں فعل جو تھا اس کے مصدر کی طرف یا اس کے اسمِ فاعل کی طرف۔ وہی تینوں صورتیں ہم یہاں کریں گے۔ اب نچلی سطر میں لکھیے: جَاءَنِي الْقَوْمُ وَقْتَ مُجَاوَزَةِ بَعْضِهِمْ زَيْدًا۔ لکھ لیا؟ جَاءَنِي الْقَوْمُ وَقْتَ مُجَاوَزَةِ بَعْضِهِمْ زَيْدًا۔ جی اب یہ فاعل دیکھو بعضِ مطلق کو ہم نے یہاں ذکر کر دیا اس کی طرف اضافت کر دی اور مفعول بہ پھر اسی طرح منصوب رہے گا کیونکہ اب اس کی طرف اضافت نہیں ہے۔ ترجمہ دیکھیے: جَاءَنِي الْقَوْمُ وہ لوگ میرے پاس آئے وَقْتَ مُجَاوَزَةِ بَعْضِهِمْ جس وقت کہ ان میں سے بعضِ مطلق جو تھے وہ تجاوز کرنے والے تھے زَيْدًا زید سے یعنی زید ان میں شامل نہیں تھا۔

اگلی مثال بھئی: تو یہ بَعْضِهِمْ کو ہم نے فاعل بنایا، دوسری صورت کیا تھی؟ مَجِيئِهِمْ کو فاعل بنائیں گے۔ تو یہی مثال نچلی سطر میں دوبارہ لکھیے اور بَعْضِهِمْ کی جگہ مَجِيئِهِمْ لے آئیں گے۔ لکھیے بھئی: جَاءَنِي الْقَوْمُ وَقْتَ مُجَاوَزَةِ مَجِيئِهِمْ زَيْدًا۔ لکھ لیا؟ جَاءَنِي الْقَوْمُ وَقْتَ مُجَاوَزَةِ مَجِيئِهِمْ زَيْدًا۔ وہ لوگ میرے پاس آئے جس وقت کہ ان کا آنا وہ تجاوز کرنے والا تھا زَيْدًا زید سے۔

اب اس سے نیچے لکھیے بھئی: اب ہم اسمِ فاعل کو فاعل بنائیں گے، اسمِ فاعل کو۔ نیچے لکھیے: جَاءَنِي الْقَوْمُ وَقْتَ مُجَاوَزَةِ الْجَائِي مِنْهُمْ زَيْدًا۔ جَاءَنِي الْقَوْمُ وَقْتَ مُجَاوَزَةِ الْجَائِي مِنْهُمْ زَيْدًا، وہ لوگ میرے پاس آئے ان میں سے آنے والے کی مجاوزت کے وقت میں زَيْدًا زید سے، یعنی وہ زید سے تجاوز کر گئے تھے، زید ان میں شامل نہیں تھا۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ تو دیکھو ایک میں بَعْضِهِمْ کو ہم نے فاعل بنایا، ایک میں مَجِيئِهِمْ کو اور ایک میں الْجَائِي مِنْهُمْ۔ معنی سمجھ میں آگیا؟ یہ وہ صورت تھی جب نصب تھا بنا بر ظرفیت کے۔

اس سے نیچے ایک سطر چھوڑ کر اب دوسرا نقشہ اسی طرح بنے گا بھئی، اسی طرح۔ اب عنوان دے دیجیے: نصب بنا بر حالیت۔ جب یہ منصوب ہو حال ہونے کی وجہ سے اب وہ بیان ہوگا بھئی۔ نیچے لکھیے پھر نمبر ایک دیجیے بھئی پہلی مثال: جَاءَنِي الْقَوْمُ مَا خَلَا زَيْدًا۔ اب مَا خَلَا کی جگہ مصدر لے آئیں: جَاءَنِي الْقَوْمُ خُلُوَّ زَيْدٍ۔

توجہ ہے؟ اب بتائیے بھئی یہ خُلُوَّ منصوب ہے کس وجہ سے؟ ہاں اب یہ حال ہونے کی بنا پر نصب ہے، اب ہم دوسری

صورت کر رہے ہیں۔ اور حال، حال کا تو حمل ہوتا ہے ذوالحال پر اور مصدر کا حمل تو ذوالحال پر نہیں ہو سکتا تو پھر صاحبِ جامی نے آپ کو بتلایا کہ یہ مصدر کس معنی میں ہے؟ اسمِ فاعل کے معنی میں یعنی خُلُوٌّ بمعنی خَالِيْ کے ہے۔ تو اب یہاں ہم مصدر کو ہٹا کر اسمِ فاعل خَالِيْ لے آئیں گے۔ نیچے لکھیے بھئی: جَاءَنِي الْقَوْمُ خَالِيًا مِنْ زَيْدٍ۔ یہ اسمِ فاعل میں لے آیا بھئی اور منصوب لایا، منصوب کیوں لایا؟ کیونکہ یہ حال بن رہا ہے، تو خَالِيًا اور آگے مِنْ زَيْدٍ۔ جَاءَنِي الْقَوْمُ خَالِيًا مِنْ زَيْدٍ آئے وہ لوگ اس حال میں کہ خالی تھے زید سے یعنی زید ان کے ساتھ شامل نہیں تھا۔

اب دیکھو یہاں پر خَالِيًا اسمِ فاعل لایا اور اسمِ فاعل کے لیے بھی ہمیشہ کیا چاہیے؟ فاعل چاہیے، اور فاعل وہی جو خَلَا کے اندر تھا۔ خَلَا کے اندر فاعل کی ضمیر کس کو راجع تھی؟ یا تو بعضِ مطلق کو یا ماقبل فعل کے مصدر کو یا ماقبل فعل کے اسمِ فاعل کو۔ وہی صورت ہم یہاں کریں گے۔ اس سے نیچے لکھیے بھئی: جَاءَنِي الْقَوْمُ خَالِيًا بَعْضُهُمْ مِنْ زَيْدٍ۔ لکھ لیا بھئی؟ جَاءَنِي الْقَوْمُ خَالِيًا بَعْضُهُمْ مِنْ زَيْدٍ۔ آئے وہ لوگ میرے پاس خَالِيًا اس حال میں کہ خالی تھے بَعْضُهُمْ ان میں سے بعضِ مطلق مِنْ زَيْدٍ زید سے۔ یہ بَعْضُهُمْ پر میں نے رفع پڑھا۔ کیوں رفع پڑھا؟ کیونکہ یہ خَالِيًا کا فاعل ہے بھئی اور فاعل کیا ہوتا ہے؟ مرفوع ہوتا ہے بھئی۔ تو یہاں ہم نے کس کو فاعل بنایا؟ بَعْضُهُمْ کو۔ اس سے نیچے یہی مثال دوبارہ لکھیں گے اور مَجِيْئُهُمْ کو فاعل بنائیں گے۔ نیچے لکھیے بھئی: جَاءَنِي الْقَوْمُ خَالِيًا مَجِيْئُهُمْ مِنْ زَيْدٍ۔

مِنْ زَيْدٍ وہ لوگ میرے پاس آئے اس حال میں کہ ان کا آنا خالی تھا زید سے۔ اب ہم فاعل جو ہے اسمِ فاعل یعنی الْجَائِيْ کو بنائیں گے۔ تو نیچے لکھیے: جَاءَنِي الْقَوْمُ خَالِيًا الْجَائِيْ مِنْهُمْ مِنْ زَيْدٍ۔

جی خَالِيًا الْجَائِيْ ملا کر کیسے پڑھیں گے؟ خَالِيًا کے آخر میں کیا ہے؟ نونِ ساکن تنوین والا اور آگے الْجَائِيْ میں سے ہمزہ وصل گر جائے گا لام ساکن۔ تو پہلے نون بھی ساکن لام بھی ساکن، اجتماعِ ساکنین آیا۔ تو یہ اجتماعِ ساکنین علیٰ غیرِ حدّہٖ ہے۔ ایک اجتماعِ ساکنین علیٰ حدّہٖ ہوتا ہے، وہ کسے کہتے ہیں؟ کہ اول ساکن مدہ ہو اور ثانی مدغم ہو، مَادَّةٌ۔ یہ الف بھی ساکن اور پہلا دال بھی ساکن لیکن اول ساکن مدہ ہے اور ثانی مدغم ہے مَادَّةٌ تو یہ جائز ہے۔ اس کے علاوہ باقی تمام اقسام ہیں اجتماعِ ساکنین کی وہ جائز نہیں ہیں وہ علیٰ غیرِ حدّہٖ ہیں۔ اور پھر اس میں کیا کرتے ہیں؟ اگر پہلا ساکن مدہ ہو تو اس کو گرا دیتے ہیں، اور اگر مدہ نہ ہو تو پھر حرکت دیتے ہیں اور اَلسَّاكِنُ إِذَا حُرِّكَ حُرِّكَ بِالْكَسْرِ کسرہ کی حرکت عموماً دیتے ہیں۔ تو نون اور لام دونوں ساکن آ گئے، تو نون کے نیچے کسرہ دے دیں گے۔ تو کیسے پڑھیں گے؟ جَاءَنِي الْقَوْمُ خَالِيَنِ الْجَائِيْ مِنْهُمْ مِنْ زَيْدٍ۔

اور یہ الْجَائِيْ یہ فاعل ہے خَالِيًا کا۔ یہ فاعل ہے، اور فاعل تو مرفوع ہوتا ہے تو اس پر رفع کیوں نہیں آیا الْجَائِيْ؟ خَالِيًا بَعْضُهُمْ، بَعْضُهُمْ پہ رفع آیا۔ خَالِيًا مَجِيْئُهُمْ، مَجِيْئُهُمْ پر رفع آیا۔ تو خَالِيًا الْجَائِيْ مِنْهُمْ، الْجَائِيْ یہ بھی تو فاعل ہے اس پر رفع کیوں نہیں آیا؟ تقدیراً کہ شاباش کیوں تقدیراً ہے؟ یہ اسمِ منقوص ہے قَاضِيْ کی طرح ہے۔ یا آخر میں یا ہو اور ماقبل کسرہ ہو

تو اس پر رفع بھی تقدیری آتا ہے اور کسرہ بھی۔ تو جَاءَنِي الْقَوْمُ خَالِيَنِ الْجَائِيْ مِنْهُمْ مِنْ زَيْدٍ آئے وہ لوگ میرے پاس اس حال میں کہ خالی تھے ان میں سے آنے والے مِنْ زَيْدٍ زید سے۔ لکھ لیا بھئی؟

اب آگے دوسری مثال لکھیے بھئی دو نمبر دیجیے نچلی سطر میں۔ دوسری مثال: جَاءَنِي الْقَوْمُ مَا عَدَا زَيْدًا۔ اب یہ مَا عَدَا اس کو ہٹا دیں گے اور اس کی جگہ مصدر عَدْوٌ لے آئیں گے اور اس کی اضافت کر دیں گے زید کی طرف۔ تو نیچے لکھیے: جَاءَنِي الْقَوْمُ عَدْوَ زَيْدٍ۔ لکھ لیا؟ اب عَدْوٌ کی جگہ مجاوزت لے آئیں گے تاکہ اس کا معنی واضح ہو جائے بھئی۔ جَاءَنِي الْقَوْمُ مُجَاوَزَةَ زَيْدٍ، گول تا ہے بھئی درمیان میں مُجَاوَزَةَ زَيْدٍ۔ اور یہ مُجَاوَزَةَ زَيْدٍ منصوب ہے کس وجہ سے؟ یہ حال ہے حال والی ترکیب ہم کر رہے ہیں، اور تو یہ مجاوزت تو مصدر ہے تو اس کی جگہ پھر ہم کیا لے آئیں گے؟ اسمِ فاعل، اسمِ فاعل۔ تو نیچے لکھیے: جَاءَنِي الْقَوْمُ مُجَاوِزَ زَيْدٍ۔ لکھ لیا بھئی؟

اب یہ مُجَاوِزَ زَيْدٍ، یہ مُجَاوِز کی اضافت ہو رہی ہے مفعول کی طرف، حالانکہ اس کے لیے تو فاعل بھی ہے تب وہ تجاوز کرنے والا کون ہے؟ وہی ضمیر لوٹائیں گے کس کی طرف؟ یا بعضِ مطلق کی طرف یا ماقبل والے فعل کے مصدر کی طرف یا ماقبل والے فعل کے اسمِ فاعل کی طرف۔ لہٰذا نچلی سطر میں لکھیے: جَاءَنِي الْقَوْمُ مُجَاوِزًا بَعْضُهُمْ زَيْدًا۔ مُجَاوِزًا آخر میں الف ہے اور زا پر تنوین آئے گی۔ لکھ لیا؟ جَاءَنِي الْقَوْمُ مُجَاوِزًا بَعْضُهُمْ زَيْدًا۔ میرے پاس وہ لوگ آئے اس حال میں کہ ان میں سے بعضِ مطلق تجاوز کرنے والے تھے زید سے۔

اب یہ بَعْضُهُمْ کی جگہ ہم مَجِيْئُهُمْ فاعل لائیں گے۔ نیچے لکھیے: جَاءَنِي الْقَوْمُ مُجَاوِزًا مَجِيْئُهُمْ زَيْدًا۔ لکھ لیا بھئی؟ آئے وہ لوگ میرے پاس اس حال میں کہ ان کا آنا تجاوز کرنے والا تھا زید سے۔ نیچے اب مَجِيْئُهُمْ کی جگہ الْجَائِيْ مِنْهُمْ ہم لے آئیں گے۔ جی اب اس کے نیچے لکھیے: جَاءَنِي الْقَوْمُ مُجَاوِزَنِ الْجَائِيْ مِنْهُمْ زَيْدًا۔ وہ لوگ میرے پاس آئے اس حال میں کہ ان میں سے آنے والا وہ تجاوز کرنے والا تھا زید سے یعنی زید ان میں شامل نہیں تھا۔ بات سمجھ میں آگئی؟ جی تو یہ نقشہ ہے بھئی اس سے ساری مثالیں آپ کے سامنے آگئیں، حل ہو گئیں بھئی، بات سمجھ میں آگئی؟

آگے دیکھیے: وَعَنِ الْأَخْفَشِ أَنَّهُ أَجَازَ الْجَرَّ بِهِمَا عَلٰى أَنَّ مَا فِيْهِمَا زَائِدَةٌ۔ ہاں امام اخفش نے جو ہے اس مَا خَلَا اور مَا عَدَا کے ذریعے جر بھی جائز قرار دیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ کبھی کبھار یہ مَا زائد بھی ہو جاتا ہے اور یہ جو خَلَا اور عَدَا ہیں یہ حروفِ جارہ ہوتے ہیں اور یہ ان کا مدخول پھر مجرور ہوتا ہے کیونکہ حرفِ جر اپنے مدخول کو جر دیتا ہے۔ تو مَا خَلَا مَا عَدَا میں امام اخفش کیا فرماتے ہیں؟ کبھی کبھار یہ مَا زائد ہوتے ہیں مصدریہ نہیں اور خَلَا اور عَدَا کیا ہوں گے؟ حروفِ جارہ ہوں گے اور آگے آنے والا لفظ مجرور ہوگا۔ تو امام اخفش نے یہ بھی ذکر کیا ہے کہ ان کے ذریعے جر بھی جائز ہے۔

لیکن آپ کو صاحبِ جامی بتلائیں گے کہ جب امام اخفش نے یہ کہا کہ ان کے ذریعے جر بھی جائز ہے تو صاحبِ کافیہ کو

یوں کہنا چاہیے تھا: أَوْ مَا خَلَا وَمَا عَدَا فِي الْأَكْثَرِ۔ کہ مَا عَدَا اور مَا خَلَا کے بعد مستثنیٰ وجوباً منصوب ہوتا ہے فِي الْأَكْثَرِ اکثر استعمالات میں یا اکثر مذاہب میں، بعض اوقات وہ مجرور بھی ہوگا۔ جیسے خَلَا اور عَدَا میں فِي الْأَكْثَرِ کی قید لگائی تو یہاں پر بھی امام اخفش نے جر ذکر کیا ہے تو یہاں پر بھی فِي الْأَكْثَرِ کی قید ہونی چاہیے تھی۔ توجہ ہے؟ تو پھر جواب دیں گے آگے صاحبِ جامی کہ شاید امام اخفش کا یہ قول صاحبِ کافیہ کے نزدیک ثابت ہی نہیں ہے، یقینی نہیں ہے۔ جب یقینی نہیں ہے اس لیے انہوں نے فِي الْأَكْثَرِ کی قید بھی نہیں لگائی، یعنی یہ نقل صحیح طور پر ان کے نزدیک ثابت نہیں۔ امام اخفش کا جو مذہب نقل کیا گیا ہے اور صاحبِ کافیہ تک پہنچا وہ یقینی نہیں اس لیے انہوں نے اس کو ذکر نہیں کیا اور فِي الْأَكْثَرِ کی قید نہیں لگائی۔ یا اس وجہ سے ذکر نہیں کیا کہ اس کو شمار ہی نہیں کیا۔ نقل تو ان تک پہنچ گئی تھی لیکن اس کو شمار نہیں کیا کہ باقی تمام نحوی ایک ہی طرف ہیں تو صرف انہی کے قول کو ذکر کر دیا، امام اخفش کے اختلاف کو ذکر نہیں کیا۔ امام اخفش کے قول کو کس طرح ذکر کرتے؟ فِي الْأَكْثَرِ کہہ دیتے بس کہ مَا خَلَا اور مَا عَدَا کے بعد مستثنیٰ وجوباً منصوب ہوتا ہے فِي الْأَكْثَرِ اکثر مذاہب میں، لیکن فِي الْأَكْثَرِ کو بھی ذکر نہیں کیا۔ کیوں نہیں ذکر کیا؟ کیونکہ یا تو امام اخفش کا قول ان کے نزدیک یقینی طور پر ثابت ہی نہیں ہے، یہ نقل صحیح طور پر ثابت نہیں اور یا پھر انہوں نے اس کو شمار ہی نہیں کیا۔

تو کہتے ہیں وَعَنِ الْأَخْفَشِ اور امام اخفش سے یہ روایت ہے کہ أَنَّهُ أَجَازَ الْجَرَّ بِهِمَا کہ انہوں نے جر کو بھی جائز قرار دیا ہے بِهِمَا ان دونوں کے ذریعے یعنی مَا خَلَا اور مَا عَدَا کے ذریعے عَلٰى أَنَّ مَا فِيْهِمَا زَائِدَةٌ بنا بر اس کے کہ ان کے اندر جو مَا ہے وہ زائدہ ہو اور یہ خَلَا اور عَدَا حروفِ جارہ ہوں۔ وَلَعَلَّ هٰذَا لَمْ يَثْبُتْ عِنْدَ الْمُصَنِّفِ اور شاید یہ مصنف یعنی صاحبِ کافیہ کے نزدیک یہ بات ثابت نہیں ہے یعنی امام اخفش سے یہ جو بات نقل ہوئی ہے یہ نقل ثابت نہیں ہے، أَوْ لَمْ يَعْتَدَّ بِهٖ یا ثابت تو ہے لیکن انہوں نے اس کو شمار نہیں کیا۔ وَلِهٰذَا لَمْ يَقُلْ اور اسی لیے صاحبِ کافیہ نے یہ نہیں فرمایا فِي الْأَكْثَرِ یہاں پر فِي الْأَكْثَرِ نہیں فرمایا۔

وَكَذَا الْمُسْتَثْنٰى مَنْصُوْبٌ بَعْدَ لَيْسَ اور اسی طرح مستثنیٰ منصوب ہوتا ہے لَيْسَ کے بعد نَحْوُ جَاءَنِي الْقَوْمُ لَيْسَ زَيْدًا وہ لوگ میرے پاس آئے لَيْسَ زَيْدًا نہ کہ زید۔ وَبَعْدَ لَا يَكُوْنُ اور اسی طرح لَا يَكُوْنُ کے بعد بھی مستثنیٰ منصوب ہوگا نَحْوُ مثال کے طور پر سَيَجِيْءُ أَهْلُكَ، أَهْلُ الرَّجُلِ کہتے ہیں کسی شخص کے اہل و عیال، اس کے بیوی بچے، سَيَجِيْءُ أَهْلُكَ عنقریب آپ کے گھر والے آئیں گے لَا يَكُوْنُ بِشْرًا نہ کہ بِشر۔ کسی سے مخاطب کہہ رہا ہے آپ کے گھر والے آئیں گے لیکن آپ کے گھر والوں میں مثلاً آپ کا بیٹا بشر وہ نہیں آئے گا۔ سَيَجِيْءُ أَهْلُكَ عنقریب آپ کے گھر والے، آپ کے اہل و عیال آئیں گے لَا يَكُوْنُ بِشْرًا نہ کہ بشر، آپ کا بیٹا بشر نہیں آئے گا وہ ان میں شامل نہیں ہوگا آنے میں۔

توجہ ہے؟ اب دیکھو یہاں پر یہ لَيْسَ زَيْدًا آیا، یہ زَيْدًا منصوب ہے یہ لَيْسَ کی خبر ہے کیونکہ لَيْسَ افعالِ ناقصہ میں سے ہے یہ ایک اسم چاہتا ہے اور ایک خبر۔ ان کا اسم مرفوع ہوتا ہے اور خبر منصوب ہوتی ہے، تو یہ زَيْدًا لَيْسَ کی خبر ہے اور لَيْسَ کے اندر هُوَ ضمیر ہے اور هُوَ ضمیر آگے چل کر بتائیں گے کس کو راجع ہے، آگے صاحبِ جامی بتائیں گے۔ اسی طرح وَلَا

يَكُوْنُ، لَا يَكُوْنُ بھی افعالِ ناقصہ میں سے ہے تو لَا يَكُوْنُ بِشْرًا یہ بِشْرًا یہ لَا يَكُوْنُ کی خبر ہے اور لَا يَكُوْنُ کے اندر هُوَ ضمیر اس کا اسم ہے مرفوع ہے جو ماقبل کی طرف راجع ہے بھئی۔

اب وجہ ذکر کر رہے ہیں، میں نے بتلا دیا لَيْسَ کے بعد زَيْدًا اور لَا يَكُوْنُ کے بعد بِشْرًا منصوب ہیں کس وجہ سے؟ خبر ہونے کی وجہ سے، مستثنیٰ ہونے کی وجہ سے منصوب نہیں ہیں۔ تو کہتے ہیں وَإِنَّمَا يَكُوْنُ النَّصْبُ بَعْدَهُمَا کہ ان کے بعد نصب ہی ہوگا لِأَنَّهُمَا مِنَ الْأَفْعَالِ النَّاقِصَةِ النَّاصِبَةِ لِلْخَبَرِ اس لیے کہ یہ ان افعالِ ناقصہ میں سے ہیں النَّاصِبَةِ لِلْخَبَرِ جو نصب دیتے ہیں خبر کو۔ وَيَلْزَمُ إِضْمَارُ اسْمَيْهِمَا فِيْ بَابِ الِاسْتِثْنَاءِ یہاں بھی ایک اور بات یاد رکھنا، یہ لَيْسَ اور لَا يَكُوْنُ یہاں کس لیے استعمال ہوئے ہیں؟ استثنا کے لیے۔ اور خَلَا اور عَدَا جب استثنا کے لیے استعمال ہوتے تھے تو وہاں صیغے میں کوئی تبدیلی نہیں کرتے تھے، یہاں بھی لَيْسَ اور لَا يَكُوْنُ کے اندر صیغہ نہیں بدلیں گے۔ تثنیہ یا جمع والا صیغہ لے آئیں یا لَا يَكُوْنُ کی جگہ مَا كَانَ لے آئیں ماضی کا صیغہ لے آئیں، نہیں بھئی کوئی صیغے میں تبدیلی یہاں نہیں ہوگی، اس لیے کیونکہ یہ اِلَّا کے نائب ہیں۔ یہ اِلَّا کے، استثنا کے لیے تو اصل اِلَّا ہے تو یہ اس کے نائب ہیں اس کی جگہ پر استعمال ہو رہے ہیں اور اِلَّا میں تو کوئی گردان نہیں ہوتی کوئی تبدیلی نہیں ہوتی لہٰذا لَيْسَ اور لَا يَكُوْنُ میں بھی کوئی تبدیلی نہیں ہوگی، یہ اسی طرح استعمال ہوں گے بھئی۔

اور نیز ان کے اندر ان کا اسم بھی ہمیشہ ضمیر ہی لائیں گے۔ لَيْسَ اور لَا يَكُوْنُ کے اندر ان کا اسم جو ہے وہ ضمیر ہے چھپی ہوئی ہے اور زَيْدًا اور بِشْرًا کیا ہے؟ ان کے لیے خبر۔ تو ان کے بعد ان کی خبر کو تو ذکر کریں گے ان کا اسم انہی کے اندر چھپی ہوئی ضمیر ہوگی، یعنی اس کو اسمِ ظاہر کی صورت میں بھی نہیں لا سکتے ورنہ تو اِلَّا کے ساتھ مشابہت ختم ہو جائے گی۔ اِلَّا کے بعد تو صرف ایک منصوب آتا ہے کوئی مرفوع وغیرہ نہیں آتا، اور لَيْسَ اور لَا يَكُوْنُ کے بعد اگر آپ ان کے اسم کو ذکر کریں گے وہ تو مرفوع ہوگا بھئی، تو اِلَّا کے ساتھ ان کی مشابہت ختم ہو جائے گی۔ توجہ ہے؟ تو ایک تو ان میں صیغہ نہیں بدلیں گے، دوسرا ان کا جو اسم ہوگا وہ ہمیشہ ضمیر ہوگا اسمِ ظاہر نہیں۔ کیوں نہیں ہوگا؟ تاکہ ان کی زیادہ سے زیادہ مشابہت ہو جائے اِلَّا کے ساتھ۔ یہ معنی ہے وَيَلْزَمُ إِضْمَارُ اسْمَيْهِمَا اور لازم ہے ان دونوں کے اسموں کی ضمیر لانا، یعنی اسم ان کا ہمیشہ ضمیر ہی کی صورت میں ہوگا، فِيْ بَابِ الِاسْتِثْنَاءِ کس کے اندر؟ بابِ استثنا کے اندر۔ تو ان کے اندر ہمیشہ ان کے اسم کی ضمیر لانا لازم ہے بابِ استثنا کے اندر۔

وَهُوَ ضَمِيْرٌ رَاجِعٌ اب وہ بتائیں گے جو ان کے اندر ضمیر ہے جو ان کا اسم ہے لَيْسَ اور لَا يَكُوْنُ کے اندر وہ کس کو راجع ہے؟ بھئی خَلَا اور عَدَا میں ضمیر کس کو راجع کی تھی؟ ماقبل کے مصدر کو یا اسمِ فاعل کو یا بعضِ مطلق کو۔ لیکن یہاں پر آپ کو بتائیں گے کہ ان کے اندر جو ضمیر ہے وہ ماقبل کے اسمِ فاعل کو بھی آپ راجع کر سکتے ہیں، ماقبل کے بعضِ مطلق کو بھی راجع کر سکتے ہیں، مصدر کو راجع نہیں کر سکتے۔ مصدر کو راجع نہیں کر سکتے بھئی، کیوں؟ مصدر کو کیوں نہیں راجع کر سکتے؟ کہتے ہیں اس لیے کیونکہ پھر تو لَيْسَ اور لَا يَكُوْنُ کا اسم مصدر بن جائے گا اور آگے خبر آ رہی ہے

سبق نمبر ۱۶۰: المستثنیٰ (۷): کلامِ غیر موجب میں مستثنیٰ متصل کا بدل یا نصب

شرحِ ملا جامی صفحہ: ۱۴۴ — بتاریخ: ۲۲ جون ۲۰۲۲ء

▪ تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث

آگے سبق دیکھیے بھئی۔

وَيَجُوْزُ فِيْهِ أَيْ فِي الْمُسْتَثْنَى النَّصْبُ عَلَى الْاِسْتِثْنَاءِ وَيُخْتَارُ الْبَدَلُ عَنِ الْمُسْتَثْنَى مِنْهُ، فِيْمَا بَعْدَ إِلَّا حَالٌ مِنَ الضَّمِيْرِ الْمَجْرُوْرِ أَيْ حَالَ كَوْنِ الْمُسْتَثْنَى وَاقِعًا فِي مَحَلٍّ يَكُوْنُ مُتَأَخِّرًا عَنْ إِلَّا، اِحْتِرَازٌ عَمَّا إِذَا كَانَ بَعْدَ سَائِرِ أَدَوَاتِ الْاِسْتِثْنَاءِ مِثْلُ عَدَا وَخَلَا وَغَيْرِهِمَا۔

بھئی مستثنیٰ کی بحث چل رہی ہے۔ صاحبِ کافیہ نے آپ کو بتلایا کہ مستثنیٰ جو ہے بعض صورتوں میں وجوباً منصوب ہوگا۔ پہلی صورت یہ کہ مستثنیٰ إلَّا کے بعد آئے اور کلامِ موجب میں ہو، تو وجوباً منصوب ہوگا۔ دوسری صورت یہ ہے کہ مستثنیٰ جو ہے وہ مستثنیٰ منہ پر مقدم ہو تو بھی وہ وجوباً منصوب ہوگا۔ اور اسی طرح اگر مستثنیٰ منقطع ہو تو بھی اکثر نحویوں کے نزدیک وہ وجوباً منصوب ہوگا۔ اسی طرح خَلَا اور عَدَا کے بعد آئے تو وہ اکثر استعمالات کے اندر وجوباً منصوب ہوگا، اگرچہ بعض استعمالات میں مجرور بھی آیا ہے۔ اور اسی طرح مَا خَلَا اور مَا عَدَا کے بعد اور لَيْسَ لَا يَكُوْنُ کے بعد بھی مستثنیٰ جو ہے وہ وجوباً منصوب ہوگا۔

وجوباً، اور پھر ان میں سے گزشتہ سبق کے اندر ہم نے مَا خَلَا اور مَا عَدَا کے بارے میں پڑھا۔ صاحبِ جامی نے آپ کو بتلایا کہ یہ جو مَا ہے یہ مصدریہ ہے جو صرف فعل پر داخل ہوتا ہے، تو مَا خَلَا بمعنیٰ خُلُوٌّ کے ہوا اور مَا عَدَا بمعنیٰ عَدْوٌ کے ہوا۔ اور پھر اسی طرح ہم نے ہر ہر جملے کی پوری ترکیب کی تھی۔ اور نیز یہ بھی آپ نے پڑھا کہ اس پر جو ہے وہ نصب آئے گا۔ نصب کی دو وجہیں ذکر کیں کہ یہ بنابر ظرفیت کے منصوب ہوگا۔ تو اس پر اشکال ہوا کہ یہ تو مصدر ہے، مَا کی وجہ سے خَلَا مصدر کے معنیٰ میں ہوگیا، تو یہ ظرفیت کا معنیٰ اس میں کہاں سے آیا؟ تو صاحبِ جامی نے بتلایا کہ یہاں وَقْتٌ کا لفظ مضاف محذوف نکال لیں گے۔ یا یہ منصوب ہوگا بنابر حال ہونے کے بھئی، حال ہونے کے۔ اور یہ بھی انہوں نے آپ کو بتلایا کہ

امام اخفش سے ان کے ذریعے جر کی روایت بھی نقل کی گئی ہے، انہوں نے جر کو بھی جائز قرار دیا ہے لیکن اس کو صاحبِ کافیہ نے ذکر نہیں فرمایا۔

اور لَيْسَ اور لَا يَكُوْنُ کے بعد بھی مستثنیٰ منصوب ہوگا۔ اور نصب کی وجہ یہ ہے کہ لَيْسَ اور لَا يَكُوْنُ افعالِ ناقصہ میں سے ہیں اور یہ اپنے اسم کو رفع دیتے ہیں اور خبر کو نصب دیتے ہیں، تو یہ جو نصب آئے گا یہ ان کی خبر ہونے کی بنا پر آئے گا۔ اور نیز چونکہ یہ استثنا کا باب ہے تو یہاں نحوی حضرات نے لازم قرار دیا ہے کہ لَيْسَ اور لَا يَكُوْنُ کا اسم ہمیشہ ان کے اندر ضمیر ہی ہوگی، اس کو اسمِ ظاہر کی صورت میں نہیں لائیں گے، اسمِ ظاہر کی صورت میں نہیں لائیں گے تاکہ ان کی زیادہ سے زیادہ مشابہت ہو جائے إِلَّا کے ساتھ جو کہ بابِ استثنا کے اندر اصل ہے۔ اور نیز ان کے اندر صیغوں کے اندر بھی کوئی تصرف نہیں ہوگا، کیونکہ یہ إِلَّا کے نائب ہیں اور إِلَّا میں جیسے تصرف نہیں ہوتا اسی طرح ان میں بھی تصرف نہیں کیا جائے گا۔

اور پھر انہوں نے یہ بھی بتلایا تھا کہ یہ جو افعال ہیں خَلَا، عَدَا، مَا خَلَا، مَا عَدَا، لَيْسَ، لَا يَكُوْنُ، یہ ہمیشہ مستثنیٰ متصل غیرِ مفرغ کے لیے استعمال ہوں گے۔ وجہ یہ کہ ان کے اندر ضمیر ہے جو ماقبل کی طرف یعنی مستثنیٰ منہ کی طرف لوٹتی ہے۔ اگرچہ تاویلاً ضمیر لوٹتی ہے لیکن بہرحال لوٹتی تو مستثنیٰ منہ کو ہے، تو ماقبل میں مستثنیٰ منہ کو مذکور ہونا چاہیے، مذکور ہونا چاہیے۔ اور پھر مابعد کو اس سے نکالا جائے گا تو مستثنیٰ متصل بھی ہونا چاہیے اور نیز ماقبل میں مستثنیٰ منہ ذکر بھی ہونا چاہیے تاکہ ضمیر کا مرجع مذکور ہو بھئی۔ بات سمجھ میں آگئی۔

اب آئیے آج کے سبق پر۔ آگے دیکھیے بھئی آج کا سبق۔ کہتے ہیں وَيَجُوْزُ فِيْهِ أَيْ فِي الْمُسْتَثْنَى النَّصْبُ عَلَى الْاِسْتِثْنَاءِ۔ اب پہلے متن متن دیکھ لیجیے۔ کہتے ہیں وَيَجُوْزُ فِيْهِ النَّصْبُ وَيُخْتَارُ الْبَدَلُ، اور مستثنیٰ کے اندر نصب بھی جائز ہے اور بدل پسندیدہ ہے۔ اب وہ مقام بیان کرنے لگے ہیں جہاں نصب کا پڑھنا جائز ہے واجب نہیں۔ پہلی چھ جگہیں تھیں وہاں پر نصب کا پڑھنا واجب تھا، اب وہ مقام ہے جہاں نصب بھی پڑھ سکتے ہیں اور بدل بھی پڑھ سکتے ہیں اور بدل کا پڑھنا پسندیدہ ہے۔ وہ جو میں نے آپ کو نقشہ بنوایا تھا اس نقشے میں آپ نے دیکھا تھا کہ جب کلام کون سا ہو؟ کہ جب مستثنیٰ متصل ہو اور کلام غیرِ موجب ہو اور مستثنیٰ مستثنیٰ منہ پر مقدم نہ ہو اور مستثنیٰ منہ پھر مذکور ہو تو وہاں مستثنیٰ کو بدل بنانا بھی جائز اور اس پر نصب پڑھنا بھی جائز ہے۔ تو وہی چیزیں اب یہاں بھی ذکر کریں گے۔

تو کہتے ہیں وَيَجُوْزُ فِيْهِ النَّصْبُ وَيُخْتَارُ الْبَدَلُ اور مستثنیٰ میں نصب جائز ہے اور بدل مختار ہے، پسندیدہ ہے، فِيْمَا بَعْدَ إِلَّا جب وہ مستثنیٰ کہاں پر ہو؟ إِلَّا کے بعد ہو۔ دیکھو وہ نقشے میں بھی إِلَّا کے بعد تھا۔ اور آگے ہے فِيْ كَلَامٍ غَيْرِ مُوْجَبٍ اور کس کے اندر ہو؟ کلامِ غیرِ موجب کے اندر ہو۔ اور آگے ہے وَذُكِرَ الْمُسْتَثْنَى مِنْهُ اور مستثنیٰ منہ ذکر ہو بھئی۔ تو وہ ساری قیودات آگئیں: إِلَّا کے بعد ہو، کلامِ غیرِ موجب میں ہو، اور مستثنیٰ منہ مذکور ہو بھئی۔ جی دیکھیے پھر ذرا متن متن۔ کہتے ہیں

وَيَجُوْزُ فِيْهِ النَّصْبُ وَيُخْتَارُ الْبَدَلُ اور مستثنیٰ میں نصب جائز ہے اور بدل پسندیدہ ہے فِيْمَا بَعْدَ إِلَّا جب مستثنیٰ إِلَّا کے بعد آئے، فِيْ كَلَامٍ غَيْرِ مُوْجَبٍ کلامِ غیرِ موجب میں، وَذُكِرَ الْمُسْتَثْنَى مِنْهُ اور اس حال میں کہ مستثنیٰ منہ کو ذکر کیا گیا ہو یعنی وہ مذکور ہو، محذوف نہ ہو بھئی۔

اب اس کو شرح کے ساتھ دیکھیے۔ کہتے ہیں وَيَجُوْزُ فِيْهِ أَيْ فِي الْمُسْتَثْنَى، کیا بتلانا چاہتے ہیں؟ ہاں شاباش، متن میں تو تھا فِيْهِ، آگے صاحبِ جامی فرما رہے ہیں فِي الْمُسْتَثْنَى، یہ ضمیر کا مرجع بتلا رہے ہیں کہ ہا ضمیر مستثنیٰ کو راجع ہے۔ اور جائز ہے مستثنیٰ میں النَّصْبُ نصب بھی جائز ہے عَلَى الْاِسْتِثْنَاءِ وجہ ذکر کر رہے ہیں، نصب کیوں جائز ہے؟ بنابر استثنا کے۔ وَيُخْتَارُ الْبَدَلُ عَنِ الْمُسْتَثْنَى مِنْهُ اور بدل پسندیدہ ہے، کس سے بدل؟ عَنِ الْمُسْتَثْنَى مِنْهُ مستثنیٰ منہ سے بدل بنے گا۔ جو اعراب مستثنیٰ منہ پر ہوگا وہی اعراب مستثنیٰ پر بھی آئے گا جب اس کو آپ بدل بنائیں گے۔

فِيْمَا بَعْدَ إِلَّا کس کے بعد؟ إِلَّا کے بعد۔ دیکھو متن میں آیا فِيْمَا بَعْدَ إِلَّا، فِيْمَا بَعْدَ إِلَّا۔ دیکھو ترکیب کیسے ہوگی؟ فِيْ جارہ ہے، مَا موصولہ ہے۔ اس مَا سے کیا مراد ہے؟ صاحبِ جامی بتائیں گے مَا سے مراد ہے مَحَلٌّ۔ فِيْ مَا اس محل میں، اس جگہ میں۔ اور بَعْدَ إِلَّا یہ صلہ ہے مَا موصولہ کا، مَا موصولہ کا، اور مَا موصولہ کا صلہ کیا چاہیے؟ جملہ چاہیے۔ تو یہ بَعْدَ إِلَّا، یہ بَعْدَ یہ ظرف ہے، یہ بَعْدَ منصوب لفظاً مضاف، اور إِلَّا مجرور محلاً مضافٌ الیہ۔ تو یہ بَعْدَ منصوب ہے اور نصب خود بخود آتا ہے یا اس کے لیے عامل چاہیے؟ عامل چاہیے، جیسے جار مجرور کے لیے ہمیشہ متعلق چاہیے اسی طرح ظرف کے لیے بھی ہمیشہ کوئی عامل چاہیے جو اس کو نصب دے۔ تو وہ تو یہاں پر موجود نہیں، تو پھر یہاں ہم ثَبَتَ یا ثَابِتٌ نکال لیں گے، توجہ ہے؟

تو ثَبَتَ مثلاً نکال لیا۔ ثَبَتَ فعل، اس کے اندر ہُوَ ضمیر فاعل جو کس کو راجع؟ مَا موصولہ کو کیونکہ یہ صلہ بنے گا اور صلے کا ربط چاہیے موصول سے۔ تو ثَبَتَ فعل اس کے اندر ہُوَ ضمیر فاعل جو مَا موصولہ کو راجع، اور بَعْدَ إِلَّا یہ مفعول فیہ بن جائے گا ثَبَتَ کے لیے۔ ثَبَتَ فعل اپنے فاعل اور مفعول فیہ سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر یہ صلہ ہوا مَا موصولہ کے لیے۔ موصول صلہ مل کر مجرور ہوا فِيْ جار کے لیے، اور جار مجرور مل کر یہ صاحبِ جامی آپ کو بتائیں گے کہ یہ حال بن رہا ہے فِيْهِ کی ہا ضمیر سے۔ کس سے حال ہے؟ وہ جو پیچھے آیا تھا وَيَجُوْزُ فِيْهِ، یہ جو ہا ضمیر ہے اس سے یہ حال بن رہا ہے۔ یہ جو ضمیرِ مجرور ہے۔

اور یاد رکھو، آپ کو صاحبِ کافیہ نے یہ بھی بتلایا تھا کہ حال وہ ہے جو فاعل یا مفعول بہ کی حالت بیان کرے۔ کس کی حالت بیان کرے؟ فاعل یا مفعول بہ کی حالت بیان کرے بھئی۔ اور نحوی حضرات فرماتے ہیں کہ حال مطلقاً کسی چیز کی حالت بیان کرنے کے لیے آتا ہے، لیکن صاحبِ کافیہ کیا فرماتے ہیں کہ حال مطلق کسی چیز کی حالت نہیں بیان کرتا بلکہ فاعل یا مفعول بہ کی حالت بیان کرے گا، یعنی ذوالحال کو فاعل یا مفعول بہ ہونا چاہیے۔ تو اس کی وجہ سے بہت سی جگہوں پر پھر تاویل کرنا پڑتی ہے۔ تو یہاں پر یہ فِيْمَا بَعْدَ إِلَّا حال ہے کس سے؟ يَجُوْزُ فِيْهِ یہ جو ضمیرِ مجرور ہے فِيْهِ کے آخر میں۔ تو سوال پیدا ہوا کہ یہ تو مجرور ہے اور حال تو کس سے آتا ہے؟ فاعل یا مفعول بہ سے۔ تو کیا جواب آپ دیں گے؟ جواب آپ پڑھ

چکے ہیں۔ جی؟ بھئی کہ یہ مجرور جو ہوتا ہے وہ بھی دراصل مفعول بہ ہوتا ہے البتہ مفعول بہ غیرِ صریح ہے بھئی، تو یہ مفعول بہ غیرِ صریح ہے اور اس سے آگے حال آیا۔

دیکھیے کتاب پر، کہتے ہیں فِيْمَا بَعْدَ إِلَّا حَالٌ مِنَ الضَّمِيْرِ الْمَجْرُوْرِ یہ حال ہے ضمیرِ مجرور سے، أَيْ حَالَ اب پورا وہ فِيْمَا بَعْدَ إِلَّا مَا کی جگہ مَحَلٌّ لے آئیں گے اور پورا کلام کھولیں گے حال بناتے ہوئے، دیکھو: أَيْ حَالَ كَوْنِ الْمُسْتَثْنَى وَاقِعًا فِيْ مَحَلٍّ يَكُوْنُ مُتَأَخِّرًا عَنْ إِلَّا۔ دیکھو فِيْمَا بَعْدَ إِلَّا اس کے لیے متعلق چاہیے کیونکہ فِيْمَا جار مجرور ہے، تو یہاں کیا نکالیں گے؟ ثَابِتًا، کیا نکالیں گے؟ ثَابِتًا یا ثَبَتَ نکال لیں گے، اگر ثَابِتًا نکالیں گے تو منصوب نکالیں گے۔ صاحبِ جامی ثَابِتًا کے بجائے وَاقِعًا نکالیں گے، ایک ہی بات ہے چاہے ثَابِتًا نکال لیں چاہے وَاقِعًا نکال لیں، اس حال میں کہ وَاقِعًا فِيْمَا بَعْدَ إِلَّا کہ وہ مستثنیٰ واقع ہو ایسی جگہ میں جو إِلَّا کے بعد ہو بھئی۔ اچھا ایک اور بات رہ گئی، فِيْمَا بَعْدَ إِلَّا یہ بَعْدَ إِلَّا کو مفعول فیہ بنایا تھا کس کے لیے؟ ثَبَتَ کے لیے۔ اور یہاں پر ثَبَتَ ہی نکالیں گے، ثَابِتٌ نہیں نکال سکتے، اس لیے کیونکہ یہ موصول کا صلہ ہے اور صلہ ہمیشہ جملہ ہوتا ہے، اگر ہم ثَابِتٌ نکالیں گے پھر تو مفرد ہو جائے گا۔ لہٰذا یہاں کیا نکالیں گے؟ ثَبَتَ۔ اور فِيْمَا بَعْدَ إِلَّا اس سے پہلے آپ چاہے ثَبَتَ نکالیں چاہے ثَابِتًا نکالیں۔ تو صاحبِ جامی ثَابِتًا یعنی وَاقِعًا نکالیں گے۔

دیکھو أَيْ حَالَ كَوْنِ الْمُسْتَثْنَى وَاقِعًا، کس سے حال ہے؟ يَجُوْزُ فِيْهِ کی ہا ضمیر سے اور وہ ہا ضمیر کس کو راجع ہے؟ مستثنیٰ کو۔ یعنی وہ مستثنیٰ اس حال میں ہو کہ کس کے بعد آئے؟ إِلَّا کے بعد آئے، یہی بیان کر رہے ہیں أَيْ حَالَ كَوْنِ الْمُسْتَثْنَى وَاقِعًا اس حال میں کہ وہ مستثنیٰ واقع ہو فِيْ مَحَلٍّ، متن میں کیا تھا فِيْمَا، صاحبِ جامی کیا فرما رہے ہیں فِيْ مَحَلٍّ، مَا کی جگہ مَحَلٌّ لے آئے۔ اس حال میں کہ مستثنیٰ جو ہے وہ واقع ہو فِيْ مَحَلٍّ ایسے محل میں، دیکھو مَحَلٌّ نکرہ ہے اور يَكُوْنُ اس کے بعد فعل آرہا ہے، اور نکرہ کے بعد فعل آئے تو اس کے لیے کیا بنتا ہے؟ صفت، اور موصوف سے پہلے ایسا یا ایسی کا لفظ لائیں گے ترجمے میں۔ تو کہتے ہیں أَيْ حَالَ كَوْنِ الْمُسْتَثْنَى وَاقِعًا اس حال میں کہ وہ مستثنیٰ واقع ہو فِيْ مَحَلٍّ ایسے محل میں يَكُوْنُ مُتَأَخِّرًا عَنْ إِلَّا کہ وہ إِلَّا سے متاخر ہو۔ متن میں آیا تھا فِيْمَا بَعْدَ إِلَّا کس کے بعد ہو؟ إِلَّا کے بعد ہو۔ کیا معنیٰ إِلَّا کے بعد ہو؟ یعنی اس سے متاخر ہو، اس کے بعد آئے بھئی۔ تو کہتے ہیں فِيْ مَحَلٍّ ایسے محل میں يَكُوْنُ مُتَأَخِّرًا عَنْ إِلَّا کہ وہ إِلَّا سے متاخر ہو۔

بات سمجھ میں آگئی۔ بھئی یہ قید کیوں لگائی فِيْمَا بَعْدَ إِلَّا کہ وہ مستثنیٰ کس کے بعد آئے؟ إِلَّا کے بعد۔ کہتے ہیں اور ادواتِ استثنا کو نکالنے کے لیے، اور ادواتِ استثنا، یعنی اور جو ادواتِ استثنا ذکر ہیں باقی جو اداتِ استثنا ذکر تھے: خَلَا، عَدَا، مَا خَلَا، مَا عَدَا، لَيْسَ، لَا يَكُوْنُ وغیرہ تو ان کو نکالنے کے لیے اس لیے کیونکہ ان کے بعد تو مستثنیٰ وجوباً منصوب ہوتا ہے۔ ان کے بعد تو وجوباً، اور یہاں تو نصب جائز ہے واجب نہیں۔ تو اس لیے مَا بَعْدَ إِلَّا کی قید لگائی۔

تو کہتے ہیں اِحْتِرَازٌ عَمَّا إِذَا كَانَ بَعْدَ سَائِرِ أَدَوَاتِ الْاِسْتِثْنَاءِ یہ احتراز ہے اس مستثنیٰ سے جب کہ وہ باقی ادواتِ استثنا کے بعد آئے۔ سَائِر کا معنیٰ ہے باقی، باقی۔ أَدَوَات جمع ہے أَدَاة کی، أَدَاة کہتے ہیں آلہ، آلہ۔ یعنی یہ جتنے کلمات استثنا کے لیے

استعمال ہوتے ہیں یہ سب ادواتِ استثنا ہیں یعنی استثنا کے آلے ہیں، ان کے ذریعے کیا کیا جاتا ہے؟ استثنا کا کام ان سے لیا جاتا ہے۔ تو کہتے ہیں احتراز ہے عَمَّا اس مستثنیٰ سے إِذَا كَانَ بَعْدَ سَائِرِ أَدَوَاتِ الْاِسْتِثْنَاءِ جب کہ واقع ہو وہ باقی ادواتِ استثنا کے بعد، مِثْلُ عَدَا وَخَلَا وَغَيْرِهِمَا جیسے کہ عَدَا، خَلَا اور ان کے علاوہ ہیں۔ فِيْ كَلَامٍ غَيْرِ مُوْجَبٍ اور کس میں ہو؟ کلامِ غیرِ موجب میں ہو۔ کہتے ہیں اِحْتِرَازٌ عَمَّا إِذَا وَقَعَ فِيْ كَلَامٍ مُوْجَبٍ یہ احتراز ہے عَمَّا مستثنیٰ سے إِذَا وَقَعَ فِيْ كَلَامٍ مُوْجَبٍ جب وہ واقع ہو کلامِ موجب میں، کلامِ موجب میں۔ عَمَّا یہ مَا اس مَا سے مراد ہے مستثنیٰ، مَا موصولہ ہے نا؟ جی۔ مَا موصولہ ہے اور اس کے مدلولات ہوتے ہیں یہ کسی چیز پہ دلالت کرتے ہیں، تو یہاں پیچھے بھی آیا عَمَّا وہاں بھی مَا سے مراد مستثنیٰ، یہاں بھی عَمَّا مَا سے مراد مستثنیٰ۔ تو یہ احترازٌ عَمَّا یہ احتراز ہے مستثنیٰ سے إِذَا وَقَعَ فِيْ كَلَامٍ مُوْجَبٍ جب وہ کس میں واقع ہو؟ کلامِ موجب میں۔ بھئی کیوں؟ اس سے کیوں احتراز کیا؟ جب مستثنیٰ کس میں آئے؟ إِلَّا کے بعد آئے اور کلامِ موجب میں ہو، اس سے احتراز کیا۔ وجہ یہ کہ وہ آپ پیچھے پڑھ چکے ہیں وہ وجوباً منصوب ہوتا ہے۔ تو اس لیے یہاں غیرِ موجب کی قید لگا دی کہ کس کو نکالنے کے لیے؟ جو کلامِ موجب میں واقع ہو بھئی۔ تو کہتے ہیں یہ احتراز ہے مستثنیٰ سے إِذَا وَقَعَ فِيْ كَلَامٍ مُوْجَبٍ جب وہ کلامِ موجب میں واقع ہو فَإِنَّهُ مَنْصُوْبٌ وُجُوْبًا كَمَا مَرَّ اس لیے کیونکہ وہ وجوباً منصوب ہوتا ہے جیسے کہ بات گزر گئی۔

وَالْحَالُ أَنَّهُ قَدْ ذُكِرَ الْمُسْتَثْنَى مِنْهُ۔ دیکھو متن میں آیا تھا وَذُكِرَ الْمُسْتَثْنَى مِنْهُ۔ صاحبِ جامی فرما رہے ہیں وَالْحَالُ أَنَّهُ قَدْ ذُكِرَ الْمُسْتَثْنَى مِنْهُ۔ حَال کا لفظ لے آئے بتلانا یہ چاہتے ہیں کہ یہ بھی حال واقع ہو رہا ہے اسی ضمیر سے بھئی۔ اسی يَجُوْزُ فِيْهِ کی ہا ضمیر سے یہ بھی حال ہے۔ اور نیز وَذُكِرَ الْمُسْتَثْنَى مِنْهُ یہ ذُكِرَ تو فعلِ ماضی ہے اور یہ حال بن رہا ہے، اور جب ماضی حال بنے تو پھر اس سے پہلے قَدْ کا ہونا ضروری ہے، اور وہ قَدْ لفظوں میں بھی ہو سکتا ہے اور تقدیراً بھی۔ تو یہاں لفظوں میں تو قَدْ نہیں تھا تو صاحبِ جامی نے اس کو نکال کر بتلا دیا کہ تقدیراً یہاں بھی قَدْ موجود ہے۔ تو کیا فرمایا وَالْحَالُ أَنَّهُ قَدْ ذُكِرَ الْمُسْتَثْنَى مِنْهُ اس حال میں کہ تحقیق مستثنیٰ منہ کو ذکر کیا گیا ہو، یعنی وہ مذکور ہونا چاہیے، محذوف نہیں ہونا چاہیے۔

کہتے ہیں اِحْتِرَازٌ عَمَّا یہ احتراز ہے مستثنیٰ سے إِذَا لَمْ يُذْكَرِ الْمُسْتَثْنَى مِنْهُ جب کہ مستثنیٰ منہ مذکور نہ ہو۔ بھئی جب مستثنیٰ منہ مذکور نہ ہو، وہ نقشے ذہن میں ہے بھئی؟ استثنا کے لیے إِلَّا آئے تو سب سے پہلے کیا دیکھو؟ منقطع ہے یا متصل۔ منقطع ہو تو منصوب ہوگا۔ اگر متصل ہو پھر دیکھو، کلام موجب ہے یا غیرِ موجب۔ اگر موجب ہو تو بھی منصوب۔ اگر غیرِ موجب ہو پھر دیکھو کہ مستثنیٰ کہیں مستثنیٰ منہ پر مقدم تو نہیں؟ اگر مقدم ہو تب بھی منصوب ہوگا۔ اگر غیرِ مقدم ہو تو پھر دیکھو مستثنیٰ منہ مذکور ہے یا مذکور نہیں۔ اگر مستثنیٰ منہ مذکور ہو تو نصب بھی جائز اور بدل بھی جائز اور بدل مختار ہے۔ اور اگر مستثنیٰ منہ مذکور نہ ہو تو پھر؟ تو پھر مستثنیٰ منہ کا اعراب عَلَى حَسَبِ الْعَوَامِلِ ہوگا۔ تو اسی لیے کہہ رہے ہیں کہ یہ وَذُكِرَ الْمُسْتَثْنَى مِنْهُ کی یہ قید کیوں لگائی؟ تاکہ وہ مستثنیٰ نکل جائے جس کا مستثنیٰ منہ مذکور نہ ہو اس لیے کیونکہ اگر مستثنیٰ منہ مذکور نہیں ہوگا

تو پھر مستثنیٰ کے اندر یہ بدل اور نصب جائز نہیں ہوگا بلکہ وہ عَلٰی حَسَبِ الْعَوَامِلِ ہوگا بھئی۔

تو کہتے ہیں اِحْتِرَازٌ عَمَّا إِذَا لَمْ يُذْكَرِ الْمُسْتَثْنَى مِنْهُ یہ احتراز ہے مستثنیٰ سے جب مستثنیٰ منہ مذکور نہ ہو فَإِنَّهُ حِينَئِذٍ يُعْرَبُ عَلٰى حَسَبِ الْعَوَامِلِ اس لیے کیونکہ اس وقت مستثنیٰ کو اعراب دیا جائے گا عوامل کے مطابق، جس طرح کا عامل ہوگا اسی طرح کا اعراب آئے گا۔

وَفِيْ بَعْضِ النُّسَخِ یہاں بعض نسخوں میں کچھ فرق آیا تھا وہ بھی اب ذکر کرنے لگے ہیں۔ بھئی پیچھے آیا وَذُكِرَ الْمُسْتَثْنَى مِنْهُ، وَذُكِرَ الْمُسْتَثْنَى، ذُكِرَ سے پہلے واو آیا تھا۔ تو صاحبِ جامی نے اس کو حال بنایا، کیونکہ آپ پڑھ چکے ہیں کہ حال کا ربط چاہیے ذوالحال کے ساتھ، اور ربط دینے کے لیے دو چیزیں ہیں حال کو ذوالحال سے ربط دینے کے لیے: کبھی ربط صرف کس سے دیں گے؟ واو کے ذریعے، واو حالیہ، حال کے لیے لاتے ہیں واو کو، اور کبھی غائب کی ضمیر ہوگی جو ذوالحال کی طرف لوٹ رہی ہوگی، اور کبھی دونوں استعمال ہوں گے، ضمیر بھی ہوگی اور واو بھی ہوگا۔ تو یہاں پر آیا وَذُكِرَ الْمُسْتَثْنَى مِنْهُ یہاں واو ذکر ہے تو اس لیے انہوں نے اس کو کیا بنایا؟ حال بنایا، حال بنایا۔ اور کہتے ہیں بعض نسخوں میں یہ واو موجود نہیں: فِيْ كَلَامٍ غَيْرِ مُوْجَبٍ ذُكِرَ الْمُسْتَثْنَى مِنْهُ، واو کے بغیر ذُكِرَ الْمُسْتَثْنَى مِنْهُ ہے۔ تو اس صورت میں پھر کہتے ہیں یہ کلامِ غیرِ موجب کی صفت بنے گا۔ یہ کس کی صفت بنے گا؟ دیکھو پیچھے آیا نا فِيْ كَلَامٍ غَيْرِ مُوْجَبٍ۔ فِيْ جارہ، كَلَامٍ موصوف، اور غَيْرِ مُوْجَبٍ مضاف مضاف الیہ مل کر یہ کلام کی صفت، اور پھر موصوف صفت مل کر پھر یہ موصوف بن گئے، ایسا کلامِ غیرِ موجب ذُكِرَ الْمُسْتَثْنَى مِنْهُ جس کے ساتھ مستثنیٰ منہ ذکر ہو، تو یہ بھی ذُكِرَ الْمُسْتَثْنَى مِنْهُ صفت بن گئی۔ توجہ ہے؟ كَلَامٍ کیا تھا؟ نکرہ۔ نکرہ کے بعد غَيْرِ مُوْجَبٍ دوسرا نکرہ آیا تو اس کے لیے کیا بن گیا؟ صفت۔ موصوف صفت مل کر ابھی بھی یہ نکرہ ہی ہیں، تو پھر نکرہ کے بعد ذُكِرَ الْمُسْتَثْنَى مِنْهُ آیا تو یہ اس سارے مجموعے کے لیے صفت بن جائے گا، اور موصوف صفت سے پہلے کیا لے کر آتے ہیں؟ ایسا یا ایسی۔ تو یوں کہیں گے فِيْ كَلَامٍ غَيْرِ مُوْجَبٍ ایسے کلامِ غیرِ موجب میں کہ ذُكِرَ الْمُسْتَثْنَى مِنْهُ کہ مستثنیٰ منہ ذکر کیا گیا ہو۔ بات سمجھ میں آگئی۔

تو کہتے ہیں وَفِيْ بَعْضِ النُّسَخِ اور کافیہ کے بعض نسخوں میں ذُكِرَ الْمُسْتَثْنَى مِنْهُ بِغَيْرِ وَاوٍ، ذُكِرَ الْمُسْتَثْنَى مِنْهُ جو ہے بغیر واو کے ہے، عَلٰى أَنَّهُ صِفَةٌ لِكَلَامٍ غَيْرِ مُوْجَبٍ بنابر اس کے کہ یہ صفت ہے کلامِ غیرِ موجب کے لیے، أَيْ كَلَامٍ غَيْرِ مُوْجَبٍ ذُكِرَ فِيْهِ الْمُسْتَثْنَى مِنْهُ دیکھو سارے کو جوڑ کر بتلا دیا أَيْ كَلَامٍ غَيْرِ مُوْجَبٍ ذُكِرَ فِيْهِ الْمُسْتَثْنَى مِنْهُ یعنی ایسا کلامِ غیرِ موجب کہ جس کے اندر مستثنیٰ منہ مذکور ہو۔

وَلَمْ يَشْتَرِطْ أَنْ لَّا يَكُوْنَ مُنْقَطِعًا وَلَا مُقَدَّمًا۔ یہاں شارحین بعض اعتراض کرتے ہیں، اعتراض کرتے ہیں۔ اعتراض یہ کہ انہوں نے کیا کہا؟ نصب اور بدل پڑھنا کہاں جائز ہے؟ جب مستثنیٰ کس کے بعد آئے؟ إِلَّا کے بعد آئے، کلام کون سا

ہو؟ غیرِ موجب ہو، اور نیز مستثنیٰ منہ مذکور ہو۔ توجہ ہے؟ یہ جو ابھی متن میں تین قیدیں آئیں، پھر دہراؤ ان قیدوں کو۔ پہلی قید کیا؟ کہ مستثنیٰ کس کے بعد آئے؟ إِلَّا کے بعد۔ دوسری قید؟ کلام غیرِ موجب ہو۔ اور تیسری قید کہ مستثنیٰ منہ مذکور ہو۔ بعض شارحین نے کہا یہاں دو اور قیدیں بھی ہونی چاہئیں: ایک یہ کہ مستثنیٰ مقدم نہ ہو مستثنیٰ منہ پر، یہ بھی قید ہونی چاہیے، اور نیز دوسری یہ بھی قید ہونی چاہیے کہ مستثنیٰ منقطع نہ ہو۔ تو وہ دو قیدیں بھی ذکر کرنی چاہئیں تھیں۔ صاحبِ جامی اب اس اعتراض کا جواب دے رہے ہیں کہ نہیں بھئی، صاحبِ کافیہ کی عبارت پر کوئی اعتراض نہیں ہوتا، کیونکہ ابھی ماقبل میں وہ ذکر کر چکے کہ مستثنیٰ مقدم ہو تب بھی وجوباً منصوب ہوگا اور منقطع ہو تو بھی اکثر نحویوں کے نزدیک وجوباً منصوب ہوگا، تو جب ایک دفعہ ماقبل میں ذکر کر چکے ہیں تو اس کو بار بار ذکر کرنے کی حاجت نہیں، وہ پڑھنے والے کو خود ہی سمجھ میں آرہی ہے بات کہ وہ اس کے اندر شامل نہیں کیونکہ وہاں تو وجوباً نصب آئے گا بھئی۔

دیکھیے، کہتے ہیں وَلَمْ يَشْتَرِطْ اور صاحبِ کافیہ نے یہ شرط نہیں لگائی کہ أَنْ لَّا يَكُوْنَ مُنْقَطِعًا وَلَا مُقَدَّمًا عَلَى الْمُسْتَثْنَى مِنْهُ کہ وہ مستثنیٰ منقطع بھی نہ ہو اور مستثنیٰ منہ پر مقدم بھی نہ ہو، لِأَنَّ حُكْمَهُمَا قَدْ عُلِمَ فِيْمَا سَبَقَ اس لیے کیونکہ ان دونوں کا حکم تو ماقبل میں معلوم ہو چکا ہے، یعنی مستثنیٰ منقطع کا بھی اور مستثنیٰ مقدم کا بھی ماقبل سے معلوم ہو چکا ہے، فَاكْتَفٰى بِذٰلِكَ تو اسی پر صاحبِ کافیہ نے اکتفا کر لیا۔

آگے دیکھیے متن: نَحْوُ مَا فَعَلُوْهُ إِلَّا قَلِيْلٌ وَإِلَّا قَلِيْلًا، صرف متن متن دیکھیے، نَحْوُ مَا فَعَلُوْهُ إِلَّا قَلِيْلٌ وَإِلَّا قَلِيْلًا۔ یہ اب مثال ذکر کر رہے ہیں جس میں بدل بنانا بھی جائز اور نصب پڑھنا بھی جائز۔ تو دیکھو إِلَّا قَلِيْلٌ یہ قَلِيْلٌ یہ مرفوع ہے، بدل ہے، کس سے بدل ہے؟ نظر ہے عبارت پر؟ مَا فَعَلُوْهُ، فَعَلُوْ فعل اور یہ واو ضمیر مرفوع محلاً یہ فاعل ہے، اور ہا ضمیر منصوب محلاً مفعول بہ ہے۔ تو یہ واو ضمیر مرفوع محلاً یہ فاعل ہے اور یہی مبدل منہ ہے، تو اسی سے آگے قَلِيْلٌ کو بدل بنا لیا، اور بدل پر بھی وہی اعراب آتا ہے جو مبدل منہ پر ہو تو، اور مبدل منہ تو واو ضمیر فاعل ہے وہ مرفوع ہے تو بدل بھی اس لیے مرفوع ہے۔ اور آگے آیا وَإِلَّا قَلِيْلًا اور اگر اس کو قَلِيْلًا بھی پڑھا جائے تو بھی ٹھیک ہے کیونکہ اس صورت میں پھر نصب ہوگا بنابر استثنا کے۔

تو مَا فَعَلُوْهُ نہ کرتے اس کو وہ لوگ إِلَّا قَلِيْلٌ مگر تھوڑے سے، یا وَإِلَّا قَلِيْلًا مگر تھوڑے سے۔ بھئی ماقبل کی امتوں پر بعض بڑے سخت حکم اللہ کی طرف سے آئے تھے، حتیٰ کہ گناہ کی وجہ سے ان کو حکم دیا گیا تھا کہ ایک دوسرے کو قتل کر دو، پھر تمہارے گناہ معاف ہوں گے۔ لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو اس امت کو صرف حضور علیہ السلام کی پیروی کا حکم دیا گیا، کوئی ایسا سخت حکم نہیں دیا۔ اللہ فرما رہے ہیں اگر ہم ان کی طرح کوئی سخت حکم ان کو دیتے تو پھر تھوڑے سے ہی لوگ ہوتے جو حضور کی پیروی کرتے بھئی۔ تو مَا فَعَلُوْهُ إِلَّا قَلِيْلٌ نہ کرتے ان میں سے مگر تھوڑے سے۔ ترکیب سمجھ میں آگئی؟

تو کہتے ہیں نَحْوُ مَا فَعَلُوْهُ إِلَّا قَلِيْلٌ بِالرَّفْعِ رفع کے ساتھ عَلَى الْبَدَلِيَّةِ بنابر بدل ہونے کے، وَإِلَّا قَلِيْلًا بِالنَّصْبِ نصب کے ساتھ عَلَى الْاِسْتِثْنَاءِ بنابر استثنا کے۔

وَنَحْوُ مَا مَرَرْتُ بِأَحَدٍ إِلَّا زَيْدٍ۔ یہ دوسری مثال آگئی مَا مَرَرْتُ بِأَحَدٍ إِلَّا زَيْدٍ۔ جی وہ شرطیں دیکھیے یہاں پر: مستثنیٰ کس کے بعد ہے؟ إِلَّا کے بعد ہے۔ کلام موجب ہے یا غیرِ موجب ہے؟ غیرِ موجب ہے، مَا مَرَرْتُ حرفِ نفی ہے بھئی۔ اور نیز مستثنیٰ منہ بھی مذکور ہے، بِأَحَدٍ یہ أَحَدٍ کیا ہے؟ مستثنیٰ منہ بھئی۔ اور تو لہٰذا اس سے آگے زید کو بدل بنانا بھی جائز ہے تو أَحَدٍ مجرور ہے تو زَيْدٍ بدل بھی مجرور، اور آپ چاہیں تو اس کو إِلَّا زَيْدًا بھی پڑھ سکتے ہیں۔ یہ اوپر والی مثال میں بھی اسی طرح ہے، دیکھیے إِلَّا قَلِيْلٌ یہ قلیل کس کے بعد ہے؟ إِلَّا کے بعد ہے، اور نیز کلام کیا ہے؟ غیرِ موجب ہے، مَا فَعَلُوْهُ حرفِ نفی موجود ہے، اور نیز مستثنیٰ منہ بھی مذکور ہے، یہ جو فَعَلُوْ کے اندر واو ضمیر فاعل کی یہ ہے مستثنیٰ منہ۔

تو کہتے ہیں وَنَحْوُ مَا مَرَرْتُ بِأَحَدٍ إِلَّا زَيْدٍ میں نہیں گزرا کسی ایک کے پاس سے سوائے زید کے، یعنی میں صرف زید کے پاس سے گزرا، بِالْجَرِّ عَلَى الْبَدَلِيَّةِ یہ جر کے ساتھ ہے بنابر بدل ہونے کی وجہ سے، وَإِلَّا زَيْدًا یہ إِلَّا زَيْدًا بھی آپ پڑھ سکتے ہیں بِالنَّصْبِ عَلَى الْاِسْتِثْنَاءِ نصب کے ساتھ بنابر استثنا کے۔

وَمَا رَأَيْتُ أَحَدًا إِلَّا زَيْدًا، وَمَا رَأَيْتُ أَحَدًا میں نے کسی ایک کو بھی نہیں دیکھا إِلَّا زَيْدًا سوائے زید کے۔ اب اس کے اندر دیکھو: مستثنیٰ کس کے بعد ہے؟ إِلَّا کے بعد ہے، اور کلام کون سا ہے؟ غیرِ موجب ہے مَا رَأَيْتُ حرفِ نفی موجود ہے، اور مستثنیٰ منہ أَحَدًا مذکور ہے، تو اب اس صورت میں إِلَّا زَيْدًا اس کو بدل بنانا بھی صحیح اور نصب پڑھنا بھی صحیح۔ اگر آپ زَيْدًا کو أَحَدًا سے بدل بنائیں تو بھی منصوب، تو معلوم ہوا بدل ہونے کی وجہ سے بھی اس پر نصب آسکتا ہے اور استثنا کی بنا پر بھی نصب آسکتا ہے۔ تو اگر آپ بدل ہونے کی وجہ سے نصب لائیں تو یہ مختار ہے اور اگر استثنا کی وجہ سے نصب لائیں تو یہ غیرِ مختار صورت بن جائے گی۔ تو فرق یہاں بہرحال بظاہر کوئی فرق نہیں آئے گا بھئی، دونوں صورتوں میں إِلَّا زَيْدًا ہی رہے گا۔

تو کہتے ہیں وَمَا رَأَيْتُ أَحَدًا إِلَّا زَيْدًا بِالنَّصْبِ نصب کے ساتھ إِمَّا بِطَرِيْقِ الْبَدَلِيَّةِ یا تو یہ بدل کے طریقے پر ہوگا وَهُوَ الْمُخْتَارُ اور وہ پسندیدہ ہے، أَوْ بِطَرِيْقِ الْاِسْتِثْنَاءِ یا استثنا کے طریقے پر ہوگا وَهُوَ جَائِزٌ غَيْرُ مُخْتَارٍ اور یہ جائز تو ہے لیکن مختار نہیں ہے۔

وَإِنَّمَا اخْتَارَ الْبَدَلَ فِيْ هٰذِهِ الصُّوَرِ لِأَنَّ النَّصْبَ عَلَى الْاِسْتِثْنَاءِ إِنَّمَا هُوَ بِسَبَبِ التَّشْبِيْهِ بِالْمَفْعُوْلِ۔ سوال: بھئی بدل مختار کیوں ہے؟ ایک ہے نصب استثنا کی وجہ سے اور ایک ہے بدل، اور انہوں نے کیا کہا؟ بدل مختار ہے۔ تو اس کی وجہ بتائیں گے کہ بھئی وجہ یہ ہے کہ اگر آپ نصب پڑھیں گے تو یہ نصب استثنا کی وجہ سے ہے اور استثنا کی وجہ سے نصب کیوں آتا ہے؟ کیونکہ اس کی مشابہت آگئی مفعول بہ کے ساتھ، کس کے ساتھ؟ مفعول بہ کے ساتھ اس کی مشابہت آگئی۔ وہ جہاں مستثنیٰ کی بحث شروع ہوئی تھی تو شروع کے اسباق میں میں نے آپ کو بتلایا تھا کہ جَاءَنِي الْقَوْمُ إِلَّا زَيْدًا، جَاءَنِي الْقَوْمُ إِلَّا

زَيْدًا، وہاں میں نے ذکر کیا تھا کہ ایک اعتراض ہوتا ہے کہ زَيْدًا اَلْقَوْمُ کے اندر داخل تھا یا داخل نہیں تھا۔ اگر داخل نہیں تھا پھر تو جمہور نحویوں کے قول کی مخالفت ہو گئی، وہ تو کہتے ہیں مستثنیٰ متصل مخرج ہوتا ہے۔ مخرج تو تبھی ہو سکتا ہے پہلے داخل ہو پھر اس کا کیا کیا جائے؟ اخراج کیا جائے۔ تو معلوم ہوا غیرِ مخرج تو نہیں ہے بلکہ مخرج ہے۔ اور اگر مخرج مانتے ہیں تو پھر دوسری خرابی یہ لازم آتی ہے، جَاءَنِي الْقَوْمُ، اس میں زید داخل ہے، تو معلوم ہوا زید آیا ہے۔ اور پھر آگے کہا إِلَّا زَيْدًا، اس سے کیا پتا چلا کہ زید نہیں آیا، تو ماقبل کلام کے ابتدائی حصے سے پتا چل رہا ہے زید آیا ہے اور آخری حصے سے پتا چلا کہ زید نہیں آیا، یہ تو آپ کے کلام میں تناقض آگیا، دو چیزوں میں سے ایک ہو سکتی ہے یا زید آیا ہوگا یا نہیں آیا ہوگا، لیکن یہاں تو دونوں چیزیں آپ ذکر کر رہے ہیں۔ تو میں نے بتلایا تھا کہ یہ خرابی اس لیے لازم آئی کہ آپ نے جَاءَ کی نسبت اَلْقَوْمُ کی طرف کر دی۔ اَلْقَوْمُ کی طرف جَاءَ کی نسبت نہ کریں، پورے اَلْقَوْمُ إِلَّا زَيْدًا اس پورے مجموعے کی طرف جَاءَ کی نسبت کریں۔

توجہ ہے؟ اَلْقَوْمُ إِلَّا زَيْدًا اس پورے مجموعے کی طرف جَاءَ کی نسبت ہو رہی ہے یعنی یہ پورا مجموعہ مسند الیہ ہے۔ اور جب پورے مجموعے کی طرف فعل کی نسبت کی جائے تو اس کے اندر پہلے جز پر وہی اعراب آتا ہے جس کا فعل تقاضا کر رہا ہو۔ مثلاً میں نے کہا جَاءَنِي غُلَامُ زَيْدٍ۔ اب یہ دیکھو جَاءَ کی نسبت ہو رہی ہے غُلَامُ زَيْدٍ پورے مجموعے کی طرف۔ تو اس میں سے جو پہلا جز ہے غُلَام اس پر رفع آئے گا، اور دوسرا جز اگر وہ مضاف الیہ ہے تو مجرور ہوگا۔

توجہ ہے؟ جَاءَنِي غُلَامُ زَيْدٍ یہ جَاءَ کی نسبت صرف غلام کی طرف ہے یا غُلَامُ زَيْدٍ پورے مجموعے کی طرف ہے؟ پورے مجموعے کی طرف ہے، تو اس میں سے پہلا جز جو ہے غلام اس پر رفع آیا کیونکہ یہ فاعل بن رہا ہے۔ تو جس چیز کا فعل تقاضا کر رہا ہوگا پہلے جز پر وہی اعراب آئے گا۔ اور اگر ضَرَبْتُ ہوتا، تو ضَرَبْتُ غُلَامَ زَيْدٍ۔ اب یہاں غلام پر ضَرَبْتُ فعل نصب کا تقاضا کر رہا ہے، تو پہلے جز پر نصب آیا اور دوسرے، دوسرا جز مجرور ہے مضاف الیہ ہونے کی وجہ سے۔

اور بعض اوقات دوسرا جز ماقبل کے تابع ہوگا، مثلاً میں کہتا ہوں جَاءَنِي رَجُلٌ عَالِمٌ میرے پاس عالم آدمی آیا، تو یہ جَاءَ کی نسبت صرف رَجُلٌ کی طرف ہے یا رَجُلٌ عَالِمٌ کی طرف ہے؟ رَجُلٌ عَالِمٌ پورے مجموعے کی طرف، اور اس صورت میں پہلے جز پر وہی اعراب آئے گا جس کا فعل تقاضا کر رہا ہے، اور دوسرا جز اگر وہ مضاف الیہ یعنی مجرور نہیں ہے تو پھر وہ ماقبل کے تابع ہوگا اور عَالِمٌ یہ رَجُلٌ کی صفت ہے اس کے تابع ہے، صفت پر وہی اعراب آتا ہے جو موصوف پر آتا ہے۔

اور تیسری صورت یہ تھی کہ اگر اس مجموعے کے باقی اجزا ماقبل کی طرح مضاف الیہ بھی نہیں ہیں، ماقبل کے تابع بھی نہیں ہیں، تو پھر اس پر نصب آتا ہے۔ کیا آتا ہے؟ نصب جیسے کہ مستثنیٰ ہے۔ جَاءَنِي الْقَوْمُ إِلَّا زَيْدًا۔ تو اَلْقَوْمُ إِلَّا زَيْدًا یہ پورے مجموعے کی طرف جَاءَ کی نسبت، اَلْقَوْمُ پہلا جز جو ہے اس پر رفع آیا کیونکہ فعل رفع کا تقاضا کر رہا ہے، اور إِلَّا زَيْدًا یہ زَيْدًا پر کیا آگیا؟ نصب آگیا۔ توجہ ہے؟ اور آپ نے اشکال کیا کیا تھا؟ کہ جَاءَنِي الْقَوْمُ سے تو پتا چل رہا ہے زید آیا ہے، اور

إِلَّا زَيْدًا سے کیا پتا چل رہا ہے زید نہیں آیا، تو جواب یہ کہ یہ خرابی اس لیے لازم آئی کہ آپ نے جَاءَ کی نسبت صرف قوم کی طرف کر دی۔ جب صرف قوم کی طرف کی تو پتا چلا زید آیا ہے اور پھر إِلَّا زَيْدًا کے ذریعے کیا کہا کہ زید نہیں آیا، بلکہ آپ پورے مجموعے کی طرف اس کی نسبت کریں۔ یعنی آپ نے اَلْقَوْمُ کا لفظ لیا، اس میں زید شامل تھا، پھر آپ نے إِلَّا زَيْدًا کے ذریعے اس سے کیا کیا؟ زید کو نکال دیا، اب اس پورے کی طرف آپ نے جَاءَ کی نسبت کر دی جبکہ یہ مجموعہ بتلا رہا ہے کہ قوم سے زید کو نکالا جا چکا ہے۔ اب وہ خرابی لازم نہیں آئی کیونکہ اب اَلْقَوْمُ کے اندر زید شامل ہی نہیں ہے۔ بات سمجھ میں آگئی۔ تو معلوم ہوا یہ اسناد سے قبل ہی اس کا اخراج ہو چکا ہے مستثنیٰ منہ سے۔

بات سمجھ میں آگئی؟ پھر دہرائیں، جب مجموعے کی طرف فعل کی نسبت ہو تو پہلے جزپر وہی اعراب آتا ہے جس کا فعل تقاضا کرتا ہے۔ اور اگلے اجزا اگر وہ مضاف الیہ ہوں تو مجرور ہوں گے، اگر وہ مضاف الیہ نہیں تو پھر ماقبل کے تابع ہوں گے ان پر بھی وہی اعراب آئے گا جو ماقبل پر تھا، اور اگر ایسا بھی نہ ہو تو پھر تیسری صورت یہ ہے کہ مابعد منصوب ہوگا جیسے کہ مستثنیٰ۔ اور یہ منصوب کیوں ہوتا ہے؟ کیونکہ اس کی مشابہت ہوتی ہے مفعول بہ سے۔ جیسے فعل کے بعد فاعل آتا ہے اور پھر فاعل کے بعد مفعول بہ آتا ہے اس کو فعل نصب دیتا ہے، تو یہاں پر بھی یہ اب إِلَّا زَيْدًا یہ زَيْدًا کیا ہوگا؟ منصوب ہوگا، فعل اس کو اب نصب دے گا۔ تو یہ نصب کیوں آیا؟ استثنا کی وجہ سے، اور کیوں استثنا کی وجہ سے نصب ہی کیوں آیا؟ کیونکہ اس کی مشابہت آگئی مفعول بہ کے ساتھ۔

تو معلوم ہوا یہ جو ابھی ترکیب ہم پڑھ رہے ہیں اس میں مستثنیٰ پر نصب بھی جائز اور بدل بنانا بھی جائز۔ جب ہم اس کو بدل نہیں بناتے تو اس پر نصب آتا ہے استثنا کی وجہ سے، یہ نصب کیوں آیا؟ استثنا کی وجہ سے جو نصب آیا ہے وہ کیوں آیا ہے؟ مفعول کے ساتھ مشابہت کی وجہ سے، مفعول کے ساتھ مشابہت کی وجہ سے اس پر نصب آیا ہے۔ اور جب آپ بدل بنائیں گے تو بدل پر اعراب اصالتاً آئے گا کیونکہ بدل تو ماقبل کے تابع ہوتا ہے یعنی وہاں اعراب کسی مشابہت کی وجہ سے اعراب نہیں آئے گا۔

بات بھی سمجھ میں آئی کہ نہیں؟ اصالت کا معنیٰ ہے اصل ہونا۔ آپ کے ذہن میں یہ بات نہ آئے بھئی بدل بھی تو ماقبل کے تابع ہوتا ہے، متبوع پر یعنی مبدل منہ پر جو اعراب آتا ہے وہی اعراب کس پر آتا ہے؟ بدل پر، تو بدل پر بھی تو اعراب اصالتاً نہ ہوا۔ تو جواب یہ کہ اصالتاً یہاں صرف تشبیہ کے مقابلے میں آرہا ہے۔ استثنا کی صورت میں نصب آیا کس وجہ سے؟ مشابہت کی وجہ سے، اور بدل کے اندر جو اعراب آیا وہ کسی مشابہت کی وجہ سے نہیں آیا، تو یوں کہیں گے اصالتاً ہے بھئی۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو یہ اصالتاً یہاں کس کے مقابلے میں ہے؟ مشابہت کے مقابلے میں ہے، تابع ہونے کے مقابلے میں نہیں ہے ورنہ آپ کے ذہن میں اشکال آئے گا۔ اشکال سمجھ میں آیا کیا؟

اشکال یہ کہ بدل جو ہے وہ بھی تو ماقبل کے تابع ہوتا ہے اور آپ ہمیں کیا بتلائیں گے کہ بدل کا اعراب اصالتاً ہے۔

اصالتاً تو نہیں ہے، وہ تو ماقبل کے تابع ہے، بدل پر وہی اعراب آتا ہے جو مبدل منہ پر ہو۔ تو جواب یہ کہ یہاں جو اصالتاً آیا وہ تابع ہونے کے مقابلے میں نہیں ہے۔ ہم نے جب کہا بدل پر اعراب اصالتاً ہے یہ معنیٰ نہیں کہ وہ تابع نہیں ہے، یہ اصالتاً مشابہت کے مقابلے میں لاؤ تابع ہونے کے مقابلے میں نہ لاؤ، معلوم ہوا بدل کا اعراب اصالتاً ہے کسی سے مشابہت کی وجہ سے نہیں ہے۔ اور مستثنیٰ کا نصب جو ہے وہ مشابہت کی وجہ سے ہے۔

بات سمجھ میں آگئی؟ اگر آپ مستثنیٰ کی وجہ سے نصب لائیں گے، استثنا کی وجہ سے نصب لائیں گے، تو وہ تو مشابہت کی وجہ سے ہوگا۔ اور بدل ہونے کی وجہ سے اعراب لائیں گے تو بدل کا تو اعراب ہی یہ ہوتا ہے، بدل کا جو اعراب ہوتا ہے وہ مشابہت کی وجہ سے نہیں ہوتا بلکہ وہ ماقبل کے تابع ہوتا ہے، تو اس میں مشابہت نہیں اس لیے ہم نے کہا وہ اصالتاً ہے۔ اور استثنا کی وجہ سے جو نصب آیا وہ کس وجہ سے آیا؟ مشابہت کی وجہ سے آیا۔ بات سمجھ میں آگئی، حل ہوگیا؟

تو لہٰذا دیکھو تو ایک اعراب آرہا ہے مشابہت کی وجہ سے جو نصب ہے بنابر استثنا کے۔ اور ایک اعراب آرہا ہے اصالتاً، تو پسندیدہ کیا ہوگا؟ جو اعراب اصالتاً آئے مشابہت کی وجہ سے نہ آئے، اس لیے بدل کو مختار قرار دیا ہے۔

تو کہتے ہیں وَإِنَّمَا اخْتَارُوا الْبَدَلَ فِيْ هٰذِهِ الصُّوَرِ کہ نحوی حضرات نے بدل کو مختار کہا ہے، بدل کو پسند کیا ہے، فِيْ هٰذِهِ الصُّوَرِ ان صورتوں میں، لِأَنَّ النَّصْبَ عَلَى الْاِسْتِثْنَاءِ اس لیے کیونکہ وہ نصب جو استثنا کی وجہ سے ہوتا ہے إِنَّمَا هُوَ بِسَبَبِ التَّشْبِيْهِ بِالْمَفْعُوْلِ وہ مفعول کے ساتھ تشبیہ کی وجہ سے ہوتا ہے، لَا بِالْأَصَالَةِ وہ اصالتاً وہ اعراب نہیں ہوتا، وَبِوَاسِطَةِ إِلَّا اور نیز وہ اعراب إِلَّا کے واسطے سے ہوتا ہے۔ درمیان میں کیا آگیا؟ إِلَّا آچکا ہے، فعل نصب تو دے رہا ہے لیکن مفعول سے مشابہت کی وجہ سے نصب دے رہا ہے اور درمیان میں إِلَّا بھی موجود ہے یعنی إِلَّا کے واسطے سے نصب دے رہا ہے۔

تو دو باتیں ذکر ہوگئیں، کیا؟ کہ وہ نصب لِأَنَّ النَّصْبَ عَلَى الْاِسْتِثْنَاءِ وہ نصب جو استثنا کی وجہ سے ہے إِنَّمَا هُوَ بِسَبَبِ التَّشْبِيْهِ وَبِوَاسِطَةِ إِلَّا وہ ایک تو تشبیہ کی وجہ سے ہے اور دوسرا إِلَّا کے واسطے سے ہے۔ وَإِعْرَابُ الْبَدَلِ بِالْأَصَالَةِ وَبِغَيْرِ وَاسِطَةٍ اور بدل کا جو اعراب ہوتا ہے وہ اصالت کی وجہ سے ہوتا ہے اور بغیر واسطے کے ہوتا ہے، یعنی وہاں پر درمیان میں کوئی إِلَّا کا واسطہ نہیں۔

آپ کہیں گے بدل میں بھی تو إِلَّا بیچ میں آرہا ہے۔ آپ کہیں گے بھئی بدل کے اندر بھی تو إِلَّا موجود ہے، آپ چاہے اس پر نصب پڑھیں إِلَّا تب بھی موجود ہے اور آپ اس کو بدل بنائیں إِلَّا تو تب بھی موجود ہے، تو یہاں تو إِلَّا موجود ہے بھئی، تو آپ کا یہ کہنا کہ بدل کی صورت میں بغیر واسطے کے اعراب ہے یہ صحیح نہیں۔ تو یاد رکھنا، یاد رکھنا یہ جو بدل ہوتا ہے یہ تکرارِ عامل کے درجے میں ہوتا ہے، یہ میں نے پہلے بھی ذکر کیا تھا۔ مثلاً آپ کا بھائی ہے زید بھئی، تو میں آپ سے کہتا ہوں جَاءَنِيْ زَيْدٌ أَخُوْكَ۔ دیکھو زید سے بھی وہی ذات مراد ہے اور أَخُوْكَ آپ کا بھائی اس سے بھی وہی ذات مراد ہے۔ میں صرف جَاءَ زَيْدٌ کہہ دوں تب بھی بات کافی ہے، میں جَاءَ أَخُوْكَ کہہ دوں پھر بھی بات کافی ہے، لیکن میں دونوں کو استعمال کر لیتا ہوں۔

جَاءَنِيْ زَيْدٌ أَخُوْكَ میرے پاس زید آیا أَخُوْكَ یعنی کہ آپ کا بھائی۔ یہ أَخُوْكَ زید سے بدل ہے۔

بات سمجھ میں آرہی ہے؟ اور یاد رکھو علما فرماتے ہیں کہ یہ مبدل منہ اور بدل ان دونوں میں سے بدل مقصود ہوتا ہے۔ کون مقصود ہے؟ بدل مقصود ہے اور ماقبل میں جو مبدل منہ ہے اس کو بطورِ تمہید کے ذکر کیا گیا ہے۔ تو مبدل منہ کو بطورِ تمہید کے ذکر کیا جاتا ہے۔ تو لہٰذا اب دیکھو بدل اعراب میں مبدل منہ کے تابع ہے حالانکہ اصل مقصود تو کون ہے؟ بدل ہے، تو علما فرماتے ہیں کہ یہ جو بدل ہے یہ تکرارِ عامل کے درجے میں ہوتا ہے یعنی وہی عامل جو کس میں عمل کر رہا تھا؟ مبدل منہ میں، وہی عامل تقدیراً بدل کے اندر بھی عمل کر رہا ہے، دوبارہ وہ عامل موجود ہے۔ مثلاً جَاءَنِيْ زَيْدٌ أَخُوْكَ، یہ زَيْدٌ میں کون عمل کر رہا ہے؟ جَاءَنِيْ، تو یہی جَاءَنِيْ دوبارہ نکال لیں گے کس کے لیے؟ بدل یعنی أَخُوْكَ کے لیے بھی، تو تقدیرِ کلام گویا یوں ہے: جَاءَنِيْ زَيْدٌ جَاءَنِيْ أَخُوْكَ۔

توجہ ہے؟ تو معلوم ہوا بدل جو ہے وہ کس کے حکم میں ہے؟ تکرارِ عامل کے حکم میں ہے، اور جب وہ تکرارِ عامل کے حکم میں ہے تو یہاں پر بھی إِلَّا کے بعد گویا وہ عامل دوبارہ موجود ہے۔ إِلَّا کے بعد وہ عامل دوبارہ موجود ہے۔ جب وہ دوبارہ إِلَّا کے بعد موجود ہے تو دیکھو، تو دیکھو یہاں پر بدل پر جو اعراب آیا وہ اصالتاً بھی ہے، گویا عامل براہِ راست اس میں عمل کر رہا ہے، اب تابع بھی نہیں ہے کسی کا، اور نیز درمیان میں اب إِلَّا کا واسطہ بھی نہیں ہے کیونکہ وہ عامل آپ نے کہاں نکالا ہے؟ إِلَّا کے بعد مقدر نکالا ہے۔ صورت سمجھ میں آگئی؟

تو یہ معنیٰ ہے کہ لِأَنَّ النَّصْبَ عَلَى الْاِسْتِثْنَاءِ اس لیے کیونکہ وہ نصب جو استثنا کی بنا پر ہوتا ہے إِنَّمَا هُوَ بِسَبَبِ التَّشْبِيْهِ بِالْمَفْعُوْلِ وہ اس وجہ سے ہے کیونکہ اس کی تشبیہ ہے کس کے ساتھ؟ مفعول کے ساتھ، لَا بِالْأَصَالَةِ اصالتاً اس کا یہ اعراب نہیں ہے، وَبِوَاسِطَةِ إِلَّا اور نیز یہ نصب جو ہے إِلَّا کے واسطے سے ہے بھئی۔ وَأُعْرِبَ الْبَدَلُ بِالْأَصَالَةِ اور جبکہ بدل کو جو اعراب دیا جاتا ہے وہ اصالتاً دیا جاتا ہے وَبِغَيْرِ وَاسِطَةٍ اور بغیر واسطے کے۔

آگے دیکھیے وَيُعْرَبُ أَيِ الْمُسْتَثْنَى، پہلے متن متن دیکھ لیجیے، وَيُعْرَبُ عَلٰى حَسَبِ الْعَوَامِلِ إِذَا كَانَ الْمُسْتَثْنَى مِنْهُ غَيْرَ مَذْكُوْرٍ اور اعراب دیا جائے گا مستثنیٰ کو، وَيُعْرَبُ اور اعراب دیا جائے گا مستثنیٰ کو عَلٰى حَسَبِ الْعَوَامِلِ عوامل کے مطابق إِذَا كَانَ الْمُسْتَثْنَى مِنْهُ غَيْرَ مَذْكُوْرٍ جب مستثنیٰ منہ مذکور نہ ہو، وَهُوَ فِيْ غَيْرِ الْمُوْجَبِ اور نیز وہ مستثنیٰ کہاں پر آئے؟ کلامِ غیرِ موجب میں آئے۔ توجہ ہے؟ پھر وہی شرطیں ہیں لیکن بس صرف مستثنیٰ منہ مذکور نہیں۔ کلام کون سا ہو؟ غیرِ موجب، اور مستثنیٰ کس کے بعد آئے؟ إِلَّا کے بعد آئے، اور مستثنیٰ منہ مذکور نہ ہو۔ توجہ ہے؟ پھر دہرائیں، کلام کون سا ہو؟ کلامِ غیرِ موجب ہو، اور مستثنیٰ کس کے بعد آئے؟ إِلَّا کے بعد آئے، اور مستثنیٰ منہ مذکور نہ ہو، تو پھر اس کا اعراب عَلٰى حَسَبِ الْعَوَامِلِ ہوگا۔

جی متن کا ترجمہ پھر دیکھ لیجیے، کہتے ہیں وَيُعْرَبُ عَلٰى حَسَبِ الْعَوَامِلِ اور مستثنیٰ کو اعراب دیا جائے گا عوامل کے مطابق

إِذَا كَانَ الْمُسْتَثْنَى مِنْهُ غَيْرَ مَذْكُوْرٍ جب مستثنیٰ منہ مذکور نہ ہو، وَهُوَ فِيْ غَيْرِ الْمُوْجَبِ اس حال میں کہ وہ جو مستثنیٰ ہے وہ کلامِ غیرِ موجب میں ہو لِيُفِيْدَ، بھئی یہ غیرِ موجب کی قید کیوں لگائی؟ لِيُفِيْدَ تاکہ کلام فائدہ دے، تاکہ کلام فائدہ دے یعنی اس کا معنیٰ صحیح ہو، اگر کلام موجب ہوگا تو پھر عموماً معنیٰ ہی صحیح نہیں رہے گا۔ جیسے مثال آگے ذکر کر رہے ہیں، مِثْلُ مَا ضَرَبَنِيْ إِلَّا زَيْدٌ، مَا ضَرَبَنِيْ إِلَّا زَيْدٌ۔ دیکھو مستثنیٰ کس کے بعد ہے؟ إِلَّا کے بعد، کلام کون سا ہے؟ غیرِ موجب، توجہ ہے؟ اور مستثنیٰ منہ مذکور نہیں ہے، مذکور نہیں ہے، تو اب مَا ضَرَبَنِيْ، اصل میں تھا مَا ضَرَبَنِيْ أَحَدٌ إِلَّا زَيْدٌ۔ أَحَدٌ کو حذف کر لیا اور وہ فاعل تھا ضَرَبَنِيْ کے لیے۔ تو اب ضَرَبَنِيْ فاعل کا تقاضا کر رہا ہے، تو إِلَّا کے بعد جو زید آرہا ہے وہ فاعل بن جائے گا، تو کیسے پڑھیں گے؟ مَا ضَرَبَنِيْ إِلَّا زَيْدٌ۔ اب زَيْدٌ پر دیکھو رفع آیا کیونکہ عامل نے رفع کا تقاضا کیا تھا، ضَرَبَنِيْ اس کو اپنے لیے فاعل بنانا چاہتا تھا۔ تو دیکھو یہ وہی شرطیں ہیں جو پچھلی صورت میں تھیں بس یہاں مستثنیٰ منہ مذکور نہیں ہے بھئی۔

اور دیکھو اب معنیٰ صحیح ہے، کلامِ غیرِ موجب کی شرط اس لیے لگائی تھی کہ اس کے بغیر اکثر پھر معنیٰ صحیح نہیں رہتا۔ اب دیکھو اس کلام کا کیا معنیٰ؟ مَا ضَرَبَنِيْ إِلَّا زَيْدٌ یعنی میری پٹائی کسی نے نہیں کی سوائے زید کے۔ معلوم ہوا صرف زید نے میری پٹائی کی ہے اور یہ بالکل ممکن ہے کہ ایک شخص ہے کسی اور نے اس کی پٹائی نہیں کی مگر صرف کس نے کی ہے؟ زید نے۔ اب ذرا اس کو کلامِ موجب آپ بنا لیں، مَا ضَرَبَنِيْ یہ مَا حرفِ نفی کو ختم کر دیں، ضَرَبَنِيْ إِلَّا زَيْدٌ میری پٹائی کی سوائے زید کے، معلوم ہوا ہر ایک نے میری پٹائی کی ہے، ضَرَبَنِيْ كُلُّ وَاحِدٍ ہر ایک نے میری پٹائی کی ہے إِلَّا زَيْدًا سوائے کس کے؟ زید کے، اور یہ تو ممکن ہی نہیں ہے کہ ساری دنیا کے افراد ایک شخص کی پٹائی کریں سوائے زید کے۔ تو معلوم ہوا کلامِ غیرِ موجب کی قید کس لیے لگائی؟ تاکہ کلام کا معنیٰ صحیح رہے، اگر وہ موجب ہوگا تو پھر عموماً معنیٰ صحیح نہیں ہوگا۔

إِلَّا أَنْ يَسْتَقِيْمَ الْمَعْنَىٰ مگر یہ کہ معنیٰ صحیح رہے۔ انہوں نے کیا کہا؟ کہ مستثنیٰ پر اعراب عَلَى حَسَبِ الْعَوَامِلِ آئے گا کب؟ جب وہ کس کے بعد آئے؟ إِلَّا کے بعد آئے اور مستثنیٰ منہ مذکور نہ ہو اور کلام بھی کون سا ہو؟ غیرِ موجب ہو۔ یہ غیرِ موجب کی قید کیوں لگائی؟ تاکہ کلام فائدہ دے یعنی کلام صحیح ہو اس کے بغیر تو کلام ہی صحیح نہیں ہوگا۔ ہاں اگر موجب کے اندر بھی کلام صحیح رہتا ہے کوئی قرینہ وغیرہ موجود ہے تو پھر اس صورت میں کلامِ موجب کے اندر بھی اس طرح صحیح ہے۔ ہم نے ایک مثال ذکر کر دی مَا ضَرَبَنِيْ إِلَّا زَيْدٌ اس میں کلامِ موجب لاؤ گے تو معنیٰ خراب ہو جائے گا۔ لیکن اگر آپ کوئی اور مثال لے آتے ہیں وہاں کوئی قرینہ وغیرہ کوئی موجود ہے جس سے کلام صحیح رہتا ہے تو پھر آپ کلامِ موجب میں بھی اس طرح کر سکتے ہیں۔ جیسے دیکھو مِثْلُ قَرَأْتُ إِلَّا يَوْمَ كَذَا، یہ متن متن ہے بھئی، مِثْلُ قَرَأْتُ إِلَّا يَوْمَ كَذَا۔ قَرَأْتُ میں نے پڑھا، میں نے قراءت کی، إِلَّا يَوْمَ كَذَا مگر اتنے دن، اتنے دن۔ اب یہ کلام صحیح ہے کیونکہ کہنے والا مطلب یہ بتلانا چاہتا ہے کوئی خاص ایام کا ارادہ کیا ہے اس نے۔ مثلاً کہ یہ سارا مہینہ میں نے قراءت کی، سارا مہینہ میں نے پڑھا إِلَّا يَوْمَ كَذَا مگر اتنے دن یعنی

اتنے دن نہیں پڑھا۔

توجہ ہے؟ تو یہ کلام صحیح ہے، یہاں متکلم کا یہ ارادہ نہیں ہے کہ ساری دنیا کے جتنے دن ہیں، سارے زمانے کے جتنے دن ہیں وہ سب میں میں نے تلاوت کی، ان سب میں میں نے پڑھا سوائے اتنے دن کے۔ بات سمجھ میں آرہی ہے کہ نہیں؟ تو یہاں پر مستثنیٰ منہ محذوف ہے، اگر اس کو عام رکھیں پھر تو کلام صحیح نہیں رہتا، لیکن متکلم نے یہاں، جو بھی اس طرح کا کلام کرتا ہے قَرَأْتُ إِلَّا يَوْمَ كَذَا وہ سارے زمانے کے ایام کا ارادہ نہیں کرتا کیونکہ وہ زمانے کے سارے ایام کا ارادہ نہیں کرتا، اس لیے کیونکہ زمانے کے سارے ایام میں تو وہ موجود ہی نہیں تھا بھئی اس کی تو زندگی ہی مختصر سی ہے۔ تو معلوم ہوا یہاں زمانے کے سارے ایام مراد نہیں بلکہ یا ایک ہفتہ مراد ہے کہ میں نے پورا ہفتہ پڑھا سوائے چند دن کے، یا ایک مہینہ مراد ہے میں نے پورا مہینہ پڑھا سوائے چند دن، تو معلوم ہوا کچھ مخصوص ایام کا اس نے ارادہ کیا ہے۔ تو اس صورت میں اب دیکھو قَرَأْتُ إِلَّا يَوْمَ كَذَا کلام موجب ہے، مستثنیٰ منہ محذوف ہے پھر بھی معنیٰ صحیح ہے۔ تو اس طرح معلوم ہوا کلامِ موجب میں بھی اس طرح استعمال ہو سکتا ہے بھئی۔ تو کہتے ہیں إِلَّا أَنْ يَسْتَقِيْمَ الْمَعْنَىٰ مگر یہ کہ وہ معنیٰ درست رہے مِثْلُ قَرَأْتُ إِلَّا يَوْمَ كَذَا۔

اب آئیے شرح کے ساتھ اس سارے کو دیکھیے۔ وَيُعْرَبُ أَيِ الْمُسْتَثْنَى عَلٰى حَسَبِ الْعَوَامِلِ اور اعراب دیا جائے گا مستثنیٰ کو عوامل کے مطابق۔ بھئی عوامل کے مطابق اعراب دینے کا کیا معنیٰ؟ وہ آگے آپ کو بتلائیں گے کہ مطلب یہ ہے کہ جس قسم کا عامل ہوگا اسی قسم کا اعراب آئے گا، اگر رفع والا عامل ہے تو رفع آئے گا، نصب یا جر والا عامل ہے تو نصب یا جر آئے گا۔ کہتے ہیں وَيُعْرَبُ أَيِ الْمُسْتَثْنَى عَلٰى حَسَبِ الْعَوَامِلِ اور اعراب دیا جائے گا مستثنیٰ کو عوامل کے مطابق أَيْ بِمَا يَقْتَضِيْهِ الْعَامِلُ یعنی اسی چیز کے ساتھ جس کا عامل تقاضا کر رہا ہو مِنَ الرَّفْعِ وَالنَّصْبِ وَالْجَرِّ یعنی کہ رفع اور نصب اور جر، إِذَا كَانَ الْمُسْتَثْنَى مِنْهُ غَيْرَ مَذْكُوْرٍ جب کہ مستثنیٰ منہ غیرِ مذکور ہو۔

وَيُخْتَصُّ ذٰلِكَ الْمُسْتَثْنَى بِاسْمِ الْمُفَرَّغِ اور یہ والا مستثنیٰ خاص ہے مفرغ کے نام کے ساتھ یعنی اس کو مستثنیٰ مفرغ کہتے ہیں، اس کو مستثنیٰ مفرغ کہتے ہیں۔ میں نے آپ کو بتلایا تھا مستثنیٰ مفرغ کسے کہتے ہیں؟ جو إِلَّا کے بعد ہو، کلامِ غیرِ موجب میں ہو اور مستثنیٰ منہ مذکور نہ ہو۔ توجہ ہے؟ تو اس کو مستثنیٰ مفرغ کہتے ہیں۔

لِأَنَّهُ، بھئی مستثنیٰ مفرغ کیوں کہتے ہیں؟ بھئی دیکھیے، مُفَرَّغ فَرَّغَ يُفَرِّغُ تَفْرِيْغ اسی سے اسمِ مفعول ہے مُفَرَّغ فارغ کیا ہوا، فارغ کیا ہوا۔ تو اس کے اندر بھی عامل کو فارغ کیا گیا ہے کس سے؟ مستثنیٰ منہ سے، مستثنیٰ منہ سے عامل کو فارغ کر دیا گیا ہے، مستثنیٰ منہ کو حذف کر لیا، تو عامل کو فارغ کر دیا گیا ہے کس کے لیے؟ کس میں عمل کرنے کے لیے؟ مستثنیٰ میں عمل کرنے کے لیے۔ پہلے عامل کس میں عمل کر رہا تھا؟ مستثنیٰ منہ میں، پھر آپ نے مستثنیٰ منہ کو حذف کر دیا تو اب یہ عامل فارغ ہوا اور کس میں عمل کرے گا؟ مستثنیٰ میں۔

کہتے ہیں لِأَنَّهُ فُرِّغَ لَهُ الْعَامِلُ اس لیے کیونکہ فارغ کر دیا گیا ہے لَهُ أَيْ لِأَجْلِ، یہ لام اجلیہ ہے، لَهُ أَيْ لِلْمُسْتَثْنَى، ہا ضمیر مستثنیٰ کو راجع ہے اور یہ لام اجلیہ ہے أَيْ لِأَجْلِ الْمُسْتَثْنَى۔ لِأَنَّهُ فُرِّغَ لَهُ الْعَامِلُ اس لیے کیونکہ عامل کو فارغ کر دیا گیا ہے مستثنیٰ کی وجہ سے، عامل کو فارغ کر دیا گیا ہے مستثنیٰ کی وجہ سے۔ بھئی کس سے فارغ کیا ہے؟ عَنِ الْمُسْتَثْنَى مِنْهُ مستثنیٰ منہ سے۔

فَالْمُرَادُ بِالْمُفَرَّغِ الْمُفَرَّغُ لَهُ، یہ جگہ اچھی طرح سمجھ لیں، تو کہتے ہیں مفرغ سے مراد مفرغ لہ ہے، مفرغ سے کیا مراد ہے؟ مفرغ لہ، جس کی وجہ سے عامل کو فارغ کیا گیا یا جس کے لیے عامل کو فارغ کیا گیا ہے۔ دیکھو یہ جو مستثنیٰ جس کا مستثنیٰ منہ کلام میں مذکور نہ ہو اس کو کیا کہتے ہیں؟ مستثنیٰ مفرغ۔ لیکن یہ مفرغ اس کے ساتھ جڑتا نہیں۔ ترجمے پہ ذرا غور کرو: اَلْمُسْتَثْنَى الْمُفَرَّغ وہ مستثنیٰ جس کو فارغ کیا گیا ہے۔ مستثنیٰ کو فارغ کیا ہے یا اس کے عامل کو فارغ کیا ہے؟ اس کے عامل کو فارغ کیا گیا ہے مستثنیٰ منہ سے۔ توجہ نہیں ہے میرا خیال۔ وہ عامل کس میں عمل کر رہا تھا؟ مستثنیٰ منہ میں۔ اب مستثنیٰ منہ کو آپ نے حذف کر لیا تو عامل کو کیا کر لیا آپ نے؟ فارغ۔ تو مفرغ وہ تو عامل ہے بھئی، اس کو فارغ کیا گیا ہے۔ لیکن یہ مفرغ آپ صفت کس کی بنا رہے ہیں؟ مستثنیٰ کی کہ یہ مستثنیٰ مفرغ ہے۔ بھئی مستثنیٰ نہیں مفرغ، وہ عامل مفرغ ہے۔ بات سمجھ میں آرہی ہے؟ حالانکہ نحوی حضرات تو صفت کس کی بناتے ہیں؟ مستثنیٰ کی۔ تو صاحبِ جامی فرما رہے ہیں کہ یہاں مفرغ سے مراد مفرغ لہ ہے، عامل ہے مفرغ جس کو فارغ کیا گیا ہے اور یہ جو مستثنیٰ ہے یہ مفرغ لہ ہے اس کی وجہ سے فارغ کیا گیا ہے، توجہ ہے؟ تو مستثنیٰ کون ہے؟ مفرغ لہ ہے، تو اسی کو مفرغ کہہ دیتے ہیں۔

تو کہتے ہیں فَالْمُرَادُ بِالْمُفَرَّغِ الْمُفَرَّغُ لَهُ تو مفرغ سے مراد مفرغ لہ ہے، كَمَا يُرَادُ بِالْمُشْتَرَكِ الْمُشْتَرَكُ فِيْهِ جیسے مشترک سے مراد مشترک فیہ ہوتا ہے۔ بات سمجھ میں آئی؟ کیا بات ہوئی؟ کہ مستثنیٰ مفرغ یہ مستثنیٰ کو مفرغ کہتے ہیں کہ یہ مستثنیٰ مفرغ ہے۔ تو یہ مفرغ نہیں ہے بلکہ اصل میں کیا ہے؟ مفرغ لہ ہے، تو بولتے تو مفرغ ہیں، تو صاحبِ جامی فرما رہے ہیں کہ مفرغ بول کر کیا مراد ہوتا ہے؟ مفرغ لہ مراد ہوتا ہے۔ اسی طرح کہتے ہیں جیسے مشترک بول کر مشترک فیہ مراد لیتے ہیں۔ مشترک بول کر مشترک فیہ مراد لیتے ہیں، وہ کس طرح دیکھو یہ بھی سمجھ لو۔ مثلاً زید اور عمرو نے مل کر ایک گاڑی خریدی، مل کر ایک گاڑی خریدی۔ اب دونوں کیا بتلاتے ہیں آپ کو؟ کہ یہ گاڑی ہم دونوں میں مشترک ہے یعنی ہم دونوں اس میں شریک ہیں۔ بھئی یہ گاڑی مشترک نہیں ہے یہ مشترک فیہ ہے بھئی۔ مُشْتَرَكٌ اشتراک کیا گیا ہے فِيْهِ اس کے اندر۔ توجہ ہے؟ تو گاڑی کو مشترک کہا حالانکہ گاڑی مشترک فیہ ہے بھئی، مشترک تو زید اور عمرو ہیں آپس میں۔ مشترک کون؟ زید اور عمرو۔ لیکن کہہ کس کو رہے ہیں؟ گاڑی کو۔ تو یہاں پر بھی جیسے گاڑی کو یا کوئی مشترکہ کوئی بھی چیز ہوتی ہے اس کو جب مشترک کہتے ہیں تو وہ دراصل مشترک نہیں ہے، وہاں مشترک بول کر مشترک فیہ مراد ہوتا ہے کہ اس میں اشتراک ہے۔ مُشْتَرَكٌ اب معنیٰ پہ غور کر رہے ہیں، مُشْتَرَكٌ اشتراک کیا گیا ہے فِيْهِ اس کے اندر۔ توجہ ہے؟ جبکہ زید اور عمرو جو اشتراک کرنے والے ہیں وہ ہیں مشترک، بھئی وہ کس طرح مشترک ہیں؟ بھئی دیکھو زید کی طرف سے ذرا دیکھو، زید نے اشتراک کیا، کس کے ساتھ

کیا؟ عمرو کے ساتھ۔ کس کے ساتھ؟ عمرو کے ساتھ۔ تو زید ہوا مُشْتَرِك اسمِ فاعل اشتراک کرنے والا، اور کس کے ساتھ اشتراک کیا؟ عمرو کے ساتھ تو عمرو کون ہوا؟ مُشْتَرَك۔ یا عمرو کی طرف سے دیکھیں، عمرو نے اشتراک کیا زید سے تو عمرو کون ہوا؟ مُشْتَرِك اسمِ فاعل، اور زید کون ہوا؟ مُشْتَرَك ہوا۔ تو دونوں میں اگر آپ زید کی طرف سے دیکھیں تو زید ہوا مُشْتَرِك اور عمرو ہوا مُشْتَرَك، اور اگر آپ عمرو کی طرف سے دیکھیں تو عمرو ہے مُشْتَرِك اشتراک کرنے والا اور زید کیا ہے؟ مُشْتَرَك۔ تو معلوم ہوا زید اور عمرو یہ مشترک ہیں، وہ جو چیز جس میں اشتراک ہے وہ تو مشترک فیہ ہے بھئی، لیکن اسی کو ہمیشہ مشترک کہتے ہیں یہ مشترک ہے، تو وہاں بھی مشترک بول کر دراصل کیا مراد ہوتا ہے؟ مشترک فیہ مراد ہوتا ہے۔ جیسے یہاں پر مستثنیٰ مفرغ کہتے ہیں، مفرغ بول کر مفرغ لہ مراد ہے کیونکہ مفرغ تو عامل ہے مستثنیٰ تو مفرغ لہ ہے بھئی۔ تو مفرغ بول کر مفرغ لہ مراد لیتے ہیں، بات سمجھ میں آگئی۔

تو کہتے ہیں فَالْمُرَادُ بِالْمُفَرَّغِ الْمُفَرَّغُ لَهُ تو مفرغ سے مراد مفرغ لہ ہے كَمَا يُرَادُ بِالْمُشْتَرَكِ الْمُشْتَرَكُ فِيْهِ جیسے کہ مشترک سے مشترک فیہ مراد ہوتا ہے۔ چلیے بس کریں، بات سمجھ میں آگئی۔ چلیے بس بھئی، هٰذَا هُوَ الْمَرَامُ وَاللّٰهُ أَعْلَمُ بِحَقِيْقَةِ الْكَلَامِ۔

سبق نمبر ۱۶۱: المستثنیٰ (۸): مستثنیٰ مفرغ کی تعریف، شرائط اور «عَلٰی حَسَبِ الْعَوَامِلِ» اعراب

شرحِ ملا جامی صفحہ: ۱۴۵ — بتاریخ: ۲۳ جون ۲۰۲۲ء

▪ تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث

آگے سبق دیکھیے: وَهُوَ أَيْ وَالْحَالُ أَنَّ الْمُسْتَثْنَى وَاقِعٌ فِي غَيْرِ الْكَلَامِ الْمُوجَبِ، وَاشْتُرِطَ ذٰلِكَ لِيُفِيدَ فَائِدَةً صَحِيحَةً مِثْلُ: مَا ضَرَبَنِي إِلَّا زَيْدٌ، إِذْ يَصِحُّ أَنْ لَا يَضْرِبَ الْمُتَكَلِّمَ أَحَدٌ إِلَّا زَيْدٌ، بِخِلَافِ ضَرَبَنِي إِلَّا زَيْدٌ، إِذْ لَا يَصِحُّ أَنْ يَضْرِبَ كُلُّ وَاحِدٍ الْمُتَكَلِّمَ إِلَّا زَيْدٌ، إِلَّا أَنْ يَسْتَقِيمَ الْمَعْنَى.

مستثنیٰ کی بحث چل رہی ہے بھئی۔ گزشتہ سبق میں صاحبِ کافیہ نے آپ کو بتلایا تھا کہ مستثنیٰ جب إِلَّا کے بعد ہو اور کلامِ غیرِ موجب میں ہو اور مستثنیٰ منہ مذکور ہو، تو وہاں پر نصب پڑھنا بھی جائز ہے بنا بر استثناء کے اور اس کو بدل بنانا بھی جائز ہے مستثنیٰ منہ سے۔ تو اس میں دونوں صورتیں جائز ہیں: نصب بھی اور بدل بھی۔ کب؟ جب مستثنیٰ کس کے بعد آئے؟ إِلَّا کے بعد آئے، کلام جو ہے وہ غیرِ موجب ہو اور مستثنیٰ منہ مذکور ہو بھئی۔ اور اس کی مثال ذکر کی تھی جیسے مَا فَعَلُوهُ إِلَّا قَلِيلٌ اور وَإِلَّا قَلِيلًا۔ یہاں قَلِيلٌ بنا بر بدل کے رفع پڑھنا بھی صحیح اور إِلَّا قَلِيلًا نصب پڑھنا بنا بر استثناء کے دونوں جائز ہیں بھئی۔ اور یہ مَا فَعَلُوهُ إِلَّا قَلِيلٌ، یہ قَلِيلٌ یہ بدل بنے گا ماقبل میں مَا فَعَلُوا، یہ جو فعل آیا اور اس کے آخر میں واوٗ ضمیر ہے، یہ فاعل ہے، مرفوع ہے اور یہ ہے مبدل منہ۔ یعنی یہ لوگ نہ کرتے ان چیزوں کو إِلَّا قَلِيلٌ مگر تھوڑے سے۔ تو یہ واوٗ ضمیر جو مرفوع ہے، فاعل ہے، یہ ہے مبدل منہ، تو اس سے جو قَلِيلٌ بدل آئے گا وہ بھی مرفوع ہوگا، کیونکہ بدل اور مبدل منہ کا اعراب ایک ہوتا ہے۔

اور پھر صاحبِ جامی نے آپ کو یہ بھی بتلایا تھا کہ یہ بدل مختار کیوں ہے بھئی؟ کیوں مختار ہے؟ حالانکہ جائز تو دونوں ہیں: نصب بھی اور بدل بھی۔ تو وجہ ذکر کی تھی کہ یہ جو استثناء کی وجہ سے نصب آتا ہے مستثنیٰ پر، یہ اس وجہ سے ہے کہ اس کی مشابہت ہے مفعول کے ساتھ۔ جس طرح فعل کے بعد فاعل آتا ہے اور پھر اس کے بعد مفعول بہ آتا ہے، اسی طرح یہاں پر بھی پہلے وہ مسند یعنی فعل آیا اور اس کے بعد فاعل آیا اور اس کے بعد مستثنیٰ آیا ہے بھئی۔ تو اس کی مشابہت کس

کے ساتھ ہوگئی؟ مفعول بہ کے ساتھ، اور مفعول بہ منصوب ہوتا ہے تو اس کو بھی نصب دے دیا گیا۔ تو معلوم ہوا یہ جو نصب ہے یہ مفعول بہ کے ساتھ مشابہت کی وجہ سے ہے۔ جبکہ بدل پر جو اعراب آتا ہے وہ اصالۃً ہوتا ہے۔ وہ اصالت کا معنی ہے اصل ہونا۔ وہ اصالۃً ہے یعنی اصل ہی میں وہی اعراب ہے اس کا بھئی، وہ کسی مشابہت کی وجہ سے نہیں ہے۔ تو مستثنیٰ پر جو نصب آیا وہ مفعول بہ سے مشابہت کی وجہ سے ہے اور نیز وہ بواسطۂ إِلَّا کے ہے۔ یعنی درمیان میں کیا آرہا ہے؟ إِلَّا آرہا ہے۔ اور جبکہ بدل پر جو اعراب آتا ہے وہ اصالۃً ہے اور بغیر واسطۂ إِلَّا کے ہے بھئی۔ بغیر واسطۂ إِلَّا کے ہے۔

یہاں ایک تو آپ کے ذہن میں یہ شبہ آئے گا کہ بھئی آپ نے کیا کہا کہ بدل کا اعراب اصالۃً ہوتا ہے۔ تو اصالۃً تو وہ اعراب نہیں ہوتا، بدل تو ماقبل کے تابع ہوتا ہے۔ بدل تو ماقبل کے تابع یعنی مبدل منہ کے تابع ہوتا ہے، جو اعراب مبدل منہ پر آتا ہے وہی بدل پر آتا ہے، تو معلوم ہوا بدل کا اعراب اصالۃً نہیں ہے بلکہ تبعاً ہے یعنی ماقبل کے تابع ہے۔ تو اس کا جواب میں نے ذکر کیا تھا کہ بھئی یہاں جو اصالۃً آیا یہ تبعاً کے مقابلے میں نہیں آیا کہ آپ کہیں اصالۃً نہیں ہے بلکہ تبعاً ہے، بلکہ یہاں اصالۃً آیا وہ مشابہت کے مقابلے میں۔ کہ مستثنیٰ جب منصوب ہوتا ہے تو وہ اعراب مشابہت بمفعول کی وجہ سے ہوتا ہے، اور یہ کسی مشابہت کی وجہ سے نہیں ہے تو یہ اصالۃً ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ اور نیز وہاں پر إِلَّا کا واسطہ تھا۔ جب مستثنیٰ منصوب تھا، کس سے مشابہت تھی؟ مفعول بہ سے، اور نیز وہاں درمیان میں إِلَّا کا واسطہ بھی موجود تھا، یعنی ماقبل کا فعل جو ہے وہ إِلَّا کے واسطے سے عمل کر رہا ہے مستثنیٰ کے اندر بھئی۔ اور جبکہ یہاں پر واسطہ نہیں ہے بدل کے اندر۔ آپ کہیں گے بھئی بدل کے اندر بھی تو إِلَّا موجود ہے، آپ چاہے اس پر نصب پڑھیں إِلَّا تب بھی موجود ہے، اور آپ اس کو بدل بنائیں إِلَّا تو تب بھی موجود ہے، تو یہاں تو إِلَّا موجود ہے بھئی۔ تو آپ کا یہ کہنا کہ بدل کی صورت میں بغیر واسطے کے اعراب ہے یہ صحیح نہیں۔ تو یاد رکھنا، یاد رکھنا یہ جو بدل ہوتا ہے یہ تکرارِ عامل کے درجے میں ہوتا ہے، یہ میں نے پہلے بھی ذکر کیا تھا۔ مثلاً آپ کا بھائی ہے زید بھئی، تو میں آپ سے کہتا ہوں جَاءَنِي زَيْدٌ أَخُوكَ۔ دیکھو زَيْدٌ سے بھی وہی ذات مراد ہے اور أَخُوكَ آپ کا بھائی، اس سے بھی وہی ذات مراد ہے۔ میں صرف جَاءَ زَيْدٌ کہہ دوں تب بھی بات کافی ہے، میں جَاءَ أَخُوكَ کہہ دوں پھر بھی بات کافی ہے، لیکن میں دونوں کو استعمال کر لیتا ہوں: جَاءَنِي زَيْدٌ أَخُوكَ میرے پاس زید آیا أَخُوكَ یعنی کہ آپ کا بھائی۔ یہ أَخُوكَ زید سے بدل ہے۔ بات سمجھ میں آرہی ہے؟ اور یاد رکھو علماء فرماتے ہیں کہ یہ مبدل منہ اور بدل ان دونوں میں سے بدل مقصود ہوتا ہے۔ کون مقصود ہے؟ بدل مقصود ہے اور ماقبل میں جو مبدل منہ ہے اس کو بطورِ تمہید کے ذکر کیا گیا ہے۔ تو مبدل منہ کو بطورِ تمہید کے ذکر کیا جاتا ہے۔ تو لہٰذا اب دیکھو بدل اعراب میں مبدل منہ کے تابع ہے حالانکہ اصل مقصود تو کون ہے؟ بدل ہے۔ تو علماء فرماتے ہیں کہ یہ جو بدل ہے یہ تکرارِ عامل کے درجے میں ہوتا ہے۔ یعنی وہی عامل جو کس میں عمل کر رہا تھا؟ مبدل منہ میں، وہی عامل تقدیراً بدل کے اندر بھی عمل کر رہا ہے، دوبارہ وہ عامل موجود ہے۔ مثلاً جَاءَنِي زَيْدٌ أَخُوكَ، یہ زَيْدٌ میں کون عمل کر رہا ہے؟ جَاءَنِي۔ تو یہی جَاءَنِي دوبارہ نکال لیں گے کس کے لیے؟

بدل یعنی أَخُوكَ کے لیے بھی۔ تو تقدیرِ کلام گویا یوں ہے: جَاءَنِي زَيْدٌ جَاءَنِي أَخُوكَ۔ توجہ ہے؟ تو معلوم ہوا بدل جو ہے وہ کس کے حکم میں ہے؟ تکرارِ عامل کے حکم میں ہے۔ اور جب وہ تکرارِ عامل کے حکم میں ہے تو یہاں پر بھی إِلَّا کے بعد گویا وہ عامل دوبارہ موجود ہے۔ إِلَّا کے بعد وہ عامل دوبارہ موجود ہے۔ جب وہ دوبارہ إِلَّا کے بعد موجود ہے تو دیکھو، تو دیکھو یہاں پر بدل پر جو اعراب آیا وہ اصالۃً بھی ہے، گویا عامل براہِ راست اس میں عمل کر رہا ہے اب تابع بھی نہیں ہے کسی کا، اور نیز درمیان میں اب إِلَّا کا واسطہ بھی نہیں ہے کیونکہ وہ عامل آپ نے کہاں نکالا ہے؟ إِلَّا کے بعد مقدر نکالا ہے۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ تو یہ معنی ہے کہ لِأَنَّ النَّصْبَ عَلَى الِاسْتِثْنَاءِ اس لیے کیونکہ وہ نصب جو استثناء کی بنا پر ہوتا ہے، إِنَّمَا هُوَ بِسَبَبِ التَّشْبِيهِ بِالْمَفْعُولِ وہ اس وجہ سے ہے کیونکہ اس کی تشبیہ ہے کس کے ساتھ؟ مفعول کے ساتھ، لَا بِالْأَصَالَةِ اصالۃً اس کا اعراب نہیں ہے، وَبِوَاسِطَةِ إِلَّا اور نیز یہ نصب جو ہے إِلَّا کے واسطے سے ہے بھئی۔ وَأُعْرِبَ الْبَدَلُ بِالْأَصَالَةِ اور جبکہ بدل کو جو اعراب دیا جاتا ہے وہ اصالۃً دیا جاتا ہے وَبِغَيْرِ وَاسِطَةٍ اور بغیر واسطے کے۔

اس کے بعد پھر صاحبِ جامی نے آپ کو بتلایا تھا کہ مستثنیٰ کو اعراب دیا جائے گا عَلَى حَسَبِ الْعَوَامِلِ جب مستثنیٰ منہ غیرِ مذکور ہو۔ یعنی مستثنیٰ مفرغ ہو۔ میں نے بتایا تھا مستثنیٰ منہ مذکور نہ ہو تو اس مستثنیٰ کو کیا کہتے ہیں؟ مستثنیٰ مفرغ کہتے ہیں۔ اور پھر صاحبِ جامی نے یہ بھی بتلایا تھا کہ یہ جو مستثنیٰ ہے یہ اصل میں مفرغ لہ ہے، تو یہاں مفرغ بول کر مفرغ لہ مراد ہے۔ کیونکہ مفرغ صفت بنائی کس کی؟ مستثنیٰ کی۔ کہ وہ مستثنیٰ جو مفرغ ہے۔ حالانکہ مفرغ کا کیا معنی ہے؟ جس کو فارغ کیا گیا ہے۔ اور وہ عامل ہے ماقبل میں۔ وہ عامل پہلے عمل کر رہا تھا مستثنیٰ منہ میں۔ پھر اس مستثنیٰ منہ کو جب حذف کر دیا گیا تو وہ اب عامل فارغ ہوگیا، تو وہ عامل ہے مفرغ، اس کو فارغ کیا گیا ہے۔ اور کس میں عمل کرنے کے لیے فارغ کیا گیا ہے؟ مستثنیٰ میں۔ تو مستثنیٰ وہ مفرغ لہ ہے۔ وہ عامل ماقبل کا وہ ہے مفرغ، اور مستثنیٰ کیا ہے؟ مفرغ لہ، جس کے لیے فارغ کیا گیا۔ لیکن یہاں تو نحوی حضرات تو مستثنیٰ کو ہی مفرغ کہہ دیتے ہیں۔ توجہ ہے؟ حالانکہ مفرغ تو عامل ہے۔ تو صاحبِ جامی نے اس کا بھی جواب دیا کہ یہاں مفرغ بول کر مفرغ لہ مراد ہے۔ کیونکہ مستثنیٰ مفرغ نہیں ہے بلکہ مفرغ لہ ہے، تو یعنی لفظ تو مفرغ بولا جاتا ہے لیکن مراد کیا ہوتا ہے؟ مفرغ لہ یعنی مستثنیٰ بھئی۔ اور کہا کہ یہ اسی طرح ہے جیسے مشترک بولا جاتا ہے اور مراد اس سے مشترک فیہ ہوتا ہے۔ میں نے بتلایا تھا کہ ایک چیز جس کے اندر دو آدمی شریک ہوں اس کو مشترک کہتے ہیں۔ لیکن حقیقت میں وہ چیز مشترک نہیں ہے بلکہ مشترک فیہ ہے، یعنی اس میں اشتراک کیا گیا ہے۔ زید اور عمرو نے مل کر ایک گاڑی خریدی، تو وہ کیا کہتے ہیں؟ یہ گاڑی ہم دونوں کے درمیان مشترکہ ہے یا یوں کہو یہ گاڑی ہم دونوں میں مشترک ہے۔ بھئی مشترک نہیں، یہ گاڑی مشترک فیہ ہے، یعنی مشترک دیکھو معنی میں غور کر لو: مُشْتَرَكٌ فِيهِ اشتراک کیا گیا ہے فِيهِ اس کے اندر، اس چیز کے اندر اشتراک کیا گیا ہے۔ جبکہ مشترک، مشترک تو وہ جو دو ساتھی آپس میں ایک دوسرے کے شریک ہیں وہ ہیں مشترک بھئی۔ وہ کیا ہیں؟ مشترک۔ مثلاً دیکھو زید اور عمرو نے مل کر گاڑی خریدی

ہے تو گویا زید نے اشتراک کیا ہے اور کس کے ساتھ کیا؟ عمرو کے ساتھ۔ تو زید ہوا مُشتَرِك یعنی اشتراک کرنے والا۔ اور کس کے ساتھ اشتراک کیا؟ عمرو کے ساتھ، تو عمرو ہوا مُشتَرَك اسم مفعول بھئی۔ تو زید کون؟ مُشتَرِك، اور عمرو کیا؟ مُشتَرَك۔ بات سمجھ میں آگئی؟ اور اگر عمرو کی جانب سے دیکھیں کہ عمرو نے اشتراک کیا ہے، تو عمرو ہوا مُشتَرِك اشتراک کرنے والا، اور کس کے ساتھ کیا؟ زید کے ساتھ، تو زید کیا ہوا؟ مُشتَرَك۔ تو گویا مُشتَرَك تو یہ دونوں شریک ہیں ایک دوسرے کے۔ یہ دونوں جو شریک ہیں یہ، یہ ہیں مُشتَرَك۔ لیکن اس مشترکہ چیز کو مُشتَرَك کہہ دیا جاتا ہے حالانکہ وہ مُشتَرَك نہیں ہے بلکہ مُشتَرَكٌ فِيهِ ہے بھئی، اس میں اشتراک کیا گیا ہے۔ تو جیسے مُشتَرَك بول کر مُشتَرَكٌ فِيهِ مراد ہوتا ہے، اسی طرح مُفَرَّغ بول کر یہاں مُفَرَّغٌ لَهُ مراد ہوتا ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟

تو یہ جو مستثنیٰ مفرغ ہے، اس کے اندر اعراب عَلَى حَسَبِ الْعَوَامِلِ آئے گا، لیکن شرط یہ ہے کہ کلامِ غیرِ موجب میں آنا چاہیے۔ یہ مستثنیٰ مفرغ کس میں آنا چاہیے؟ کلامِ غیرِ موجب میں آنا چاہیے، اس لیے کیونکہ کلامِ غیرِ موجب میں یہ آئے گا تو کلام کا معنی صحیح رہے گا۔ اور اگر کلامِ موجب میں آئے گا تو پھر کلام کا معنی صحیح نہیں رہے گا۔ بات سمجھ میں آگئی؟ جی اب آئیے آج کے سبق پر بھئی۔

کہتے ہیں: وَهُوَ أَيْ وَالْحَالُ أَنَّ الْمُسْتَثْنَى وَاقِعٌ فِي غَيْرِ الْكَلَامِ الْمُوجَبِ۔ جی پہلے ذرا پھر متن متن دیکھ لیجیے۔ کہتے ہیں: وَهُوَ فِي غَيْرِ الْمُوجَبِ اس حال میں کہ وہ مستثنیٰ مفرغ جو ہے وہ کلامِ غیرِ موجب میں ہو، مستثنیٰ کا اعراب عَلَى حَسَبِ الْعَوَامِلِ ہوگا، لیکن شرط کیا ہے کہ مستثنیٰ منہ مذکور نہ ہو یعنی مستثنیٰ مفرغ ہو، اور نیز وہ مستثنیٰ مفرغ کس کلام کے اندر ہونا چاہیے؟ کلامِ غیرِ موجب میں۔ بھئی یہ غیرِ موجب کی شرط کیوں لگائی؟ کہتے ہیں: لِيُفِيدَ تاکہ کلام فائدہ دے، کلام فائدہ دے، مِثْلُ: مَا ضَرَبَنِي إِلَّا زَيْدٌ نہیں پٹائی کی میری مگر زید نے۔ اب دیکھو یہاں پر، یاد رکھو یہ جو مستثنیٰ منہ محذوف ہوتا ہے اس کو عام نکالتے ہیں، عام ہونا چاہیے۔ یعنی اس میں اتنا عموم ہونا چاہیے تاکہ مستثنیٰ اس کے اندر قطعی طور پر داخل ہو۔

توجہ ہے؟ یہاں چلو ایک گہری بات سمجھ لیں بھئی۔ دیکھو یہ جو مستثنیٰ مفرغ ہے، اس کا مستثنیٰ منہ محذوف ہوتا ہے۔ کیا ہوتا ہے؟ جیسے دیکھو مَا ضَرَبَنِي إِلَّا زَيْدٌ، اصل میں ہے مَا ضَرَبَنِي أَحَدٌ، کسی ایک نے بھی میری پٹائی نہیں کی إِلَّا زَيْدًا یا إِلَّا زَيْدٌ مگر زید نے۔ تو دیکھو أَحَدٌ نکرہ تھا، اور نکرہ تحتَ النفی جب آئے تو وہ عموم کا فائدہ دیتا ہے، تو أَحَدٌ پر مَا داخل ہو رہا ہے مَا ضَرَبَنِي أَحَدٌ۔ تو معنی کیا ہے؟ کسی ایک نے بھی میری پٹائی نہیں کی۔ تو یہ ہر ایک سے پٹائی کی نفی ہوگئی۔ معلوم ہوا مستثنیٰ منہ عام ہے۔ مستثنیٰ منہ عام ہے، تمام افرادِ انسان کو شامل ہوگیا۔ کسی ایک انسان نے بھی میری پٹائی نہیں کی إِلَّا زَيْدٌ مگر زید نے کہ اس نے میری پٹائی کی۔ تو یاد رکھو یہ جو مستثنیٰ مفرغ ہوتا ہے، توجہ ہے؟ اس کے اندر جو مستثنیٰ منہ ہوگا وہ ہمیں عام چاہیے کہ پوری جنس کا احاطہ کرلے۔ یعنی پوری جنس کو شامل ہوجائے۔ وجہ یہ کہ یہ مستثنیٰ متصل کی بات چل رہی

ہے۔ مستثنیٰ منقطع کی بات پیچھے ہو چکی ہے۔ تو یہ مستثنیٰ متصل ہے۔ اور مستثنیٰ متصل کسے کہتے ہیں؟ جو پہلے ماقبل میں داخل ہو اور پھر إِلَّا کے ذریعے اس کو نکال دیا جائے۔ تو اگر ہم ماقبل میں مستثنیٰ منہ عام نکالیں گے تو پھر ہی مستثنیٰ اس کے اندر داخل ہوگا اور پھر إِلَّا کے ذریعے مخرج ہوجائے گا۔ اگر مستثنیٰ منہ عام نہیں نکالیں گے تو پھر تو اس کا مخرج ہونا یقینی نہیں، حالانکہ اس کو مخرج تو ہونا چاہیے ہر حال میں۔ مثلاً آپ ماقبل میں پوری جنس مراد نہیں لیتے، جنس کے بعض افراد مراد لے لیتے ہیں۔ توجہ ہے؟ جنس کے؟ بھئی یہ جو مستثنیٰ ہے نا مستثنیٰ، مستثنیٰ ماقبل میں مستثنیٰ منہ ہے اور اس مستثنیٰ کو ان میں سے نکالا گیا ہے، تو ماقبل میں اسی کی جنس چاہیے۔ کیا چاہیے؟ اسی کی جنس۔ اور زید کیا ہے؟ انسان۔ تو ماقبل میں کس کا ذکر ہونا چاہیے؟ انسان اور اس کے افراد کا ذکر ہونا چاہیے۔ توجہ ہے؟ انسان اور اس کے افراد کا ذکر ہونا چاہیے۔ اب اگر اس سے آپ تمام افراد مراد لے لیتے ہیں تو تمام افراد میں تو زید بھی ہے۔ تو جب آپ نے کہا مَا ضَرَبَنِي أَحَدٌ کسی ایک نے بھی میری پٹائی نہیں کی، تو جب تمام افراد سے پٹائی کی نفی ہوگئی تو زید سے بھی پٹائی کی نفی ہوگئی، اور پھر إِلَّا زَيْدًا کے ذریعے آپ نے ان میں سے زید کو نکال کر اس کے لیے پٹائی کا اثبات کر لیا، تو یہ کیا بن گیا؟ مستثنیٰ متصل کیونکہ یہ مخرج ہے، اس کو نکالا گیا ہے ماقبل سے۔ توجہ ہے؟

اور اگر آپ ماقبل کے مستثنیٰ منہ کو عام نہیں رکھتے، بلکہ یعنی پوری جنس نہیں مراد لیتے بلکہ اس کے بعض افراد مراد لے لیتے ہیں، تو اس میں پھر دو ہی صورتیں ہیں: یا تو بعضِ غیرِ معین مراد لیں گے یا بعضِ معین مراد لیں گے۔ توجہ ہے؟ مثلاً مَا ضَرَبَنِي أَحَدٌ کسی نے میری پٹائی نہیں کی۔ یا تو اس سے آپ کیا مراد لیں گے؟ بعضِ غیرِ معین۔ بعضِ غیرِ معین افراد مراد لیں گے اس جنس کے، تو پھر تو زید کا ان میں داخل ہونا یقینی نہ ہوا۔ پتہ نہیں زید ان میں داخل ہے یا داخل نہیں، حالانکہ ہمیں ایسے افراد چاہئیں کہ زید ان میں قطعی طور پر داخل ہو اور پھر زید کو إِلَّا کے ذریعے نکالا جائے کیونکہ یہ مستثنیٰ متصل ہے بھئی۔ تو اگر آپ جنس کے بعضِ غیرِ معین افراد لیں گے تو وہ صحیح نہیں کیونکہ زید کا اس میں داخل ہونا یعنی مستثنیٰ کا اس میں داخل ہونا یقینی نہیں۔ دوسری صورت یہ ہے کہ آپ بعضِ معین مراد لے لیتے ہیں۔ کیا لے لیتے ہیں؟ بعضِ معین افراد یعنی پوری جنس کا ارادہ نہیں، بعض کا ارادہ ہے، اور بعض پھر کبھی ہو سکتا ہے معین ہوں گے یا غیرِ معین۔ غیرِ معین نہیں ہو سکتے کیونکہ مستثنیٰ کا اس میں داخل ہونا یقینی نہیں، اور اگر بعضِ معین مراد لیتے ہیں، بعضِ معین مراد لیتے ہیں، تو وہ ایسے بعضِ معین ہونے چاہئیں جن میں زید کا داخل ہونا قطعی اور یقینی ہو۔ کیونکہ یہ مستثنیٰ متصل ہے بھئی، پہلے داخل ہوگا تو پھر ہی مخرج ہوگا، اگر داخل ہی نہیں تو مخرج کیسے ہوا؟ معلوم ہوا بعضِ غیرِ معین ہم مراد نہیں لے سکتے کیونکہ اس میں مستثنیٰ کا داخل ہونا یقینی نہیں، اور بعضِ معین بھی ہم مراد نہیں لے سکتے کیونکہ بعضِ معین کے لیے کوئی قرینہ چاہیے۔ کوئی بات ایسی، کوئی چیز ایسی ہو جو ہمیں بتلائے کہ یہ والے معین مراد ہیں۔ مثلاً میں نے کیا کہا: مَا ضَرَبَنِي إِلَّا زَيْدٌ أَيْ مَا ضَرَبَنِي أَحَدٌ إِلَّا زَيْدٌ، میری پٹائی کسی ایک نے بھی نہیں کی۔ کسی ایک نے بھی نہیں کی۔ اور اس سے آپ تمام افرادِ انسان مراد نہیں

لیتے بلکہ بعضِ معین افراد مراد لیتے ہیں، مثلاً اس بستی والے۔ یہ جو بستی ہے مثلاً آٹھ دس گھر ہیں چھوٹی سی ایک بستی ہے، متکلم کہنا چاہتا ہے کہ اس بستی والوں میں سے ہر ایک نے میری پٹائی کی ہے إِلَّا زَيْدًا سوائے کس کے؟ زید کے، اور اس بستی میں تو کون داخل ہے؟ زید بھی داخل ہے، پھر بات ٹھیک ہوجائے گی۔ بات سمجھ میں آرہی ہے کہ نہیں؟ توجہ ہے؟ یہ بات کس کی چل رہی ہے؟ مستثنیٰ متصل کی۔ یا یوں کہیں یہ مستثنیٰ مفرغ ہے اور مستثنیٰ مفرغ میں مستثنیٰ منہ محذوف ہوتا ہے۔ لیکن بہرحال ہے یہ مستثنیٰ متصل ہی۔ تو وہ جو محذوف ہے اس کو مقدر نکالنا پڑے گا۔ تو وہ مقدر ایسا نکالنا ہے کہ مستثنیٰ پہلے اس میں داخل ہو اور پھر إِلَّا کے ذریعے کیا کیا جائے؟ اس کو نکالا جائے۔ اور پھر داخل ہونے کی ایک ہی صورت ہے کہ مستثنیٰ منہ عام نکالیں، اس میں عموم ہونا چاہیے۔ اتنا عموم ہو کہ قطعی طور پر مستثنیٰ ان میں داخل ہو۔ اور اتنا عموم تبھی ہوگا جب آپ اس جنس کے تمام افراد مراد لے لیں گے۔ مَا ضَرَبَنِي أَحَدٌ میری کسی ایک نے بھی پٹائی نہیں کی یعنی جنسِ انسان کے تمام افراد مراد لے لیے۔ جنسِ انسان میں سے کسی ایک نے بھی میری پٹائی نہیں کی۔ اور زید بھی تو جنسِ انسان میں سے ہے جو مستثنیٰ آگے آرہا ہے۔ تو جب میں نے ہر فرد سے پٹائی کی نفی کی تو زید سے بھی کیا ہوگئی پٹائی کی نفی ہوگئی، زید بھی ماقبل کے حکم میں داخل ہے، اور پھر إِلَّا کے ذریعے اس کو نکال دیا گیا إِلَّا زَيْدٌ۔ تو یہ استثناء صحیح ہوا۔ یہ استثناء صحیح ہوا۔ اور دوسری صورت کیا ہے؟ آپ بعض مراد لے لیتے ہیں۔ تو بعض مراد لیں تو بعض اگر غیرِ معین مراد لیتے ہیں پھر تو اس کے اندر مستثنیٰ کا داخل ہونا یقینی نہیں، لہٰذا مستثنیٰ متصل نہ بن سکے گا۔ معلوم ہوا بعضِ غیرِ معین آپ مراد نہیں لے سکتے۔ اور دوسری صورت یہ ہے کہ بعضِ معین مراد لیں، لیکن وہ بعضِ معین بھی ایسے ہونے چاہئیں کہ ان میں قطعی طور پر زید کو داخل ہونا چاہیے۔ آپ تمام انسان مراد نہیں لیتے، آپ مثلاً پچاس انسان مراد لے لیتے ہیں، لیکن وہ پچاس ایسے ہونے چاہئیں کہ قطعی طور پر ان میں زید داخل ہو، ان کا ارادہ کر سکتے ہیں۔ لیکن اس کے لیے کوئی قرینہ چاہیے۔ سننے والے کو بھی تو پتہ چلے کہ یہ والے افراد مراد ہیں، تمام انسان مراد نہیں۔ تو اگر کوئی قرینہ موجود ہو پھر تو ٹھیک ہے، اگر قرینہ موجود نہ ہو تو پھر ٹھیک نہیں ہوگا۔

تو اب آپ کو بتائیں گے کہ مستثنیٰ مفرغ جو ہے، مستثنیٰ مفرغ، وہ اس کے اندر شرط یہ ہے کہ کلام غیرِ موجب ہونا چاہیے۔ لِيُفِيدَ تاکہ وہ کلام فائدہ دے۔ تاکہ وہ کلام فائدہ دے۔ تو انہوں نے کہا کہ مستثنیٰ مفرغ جو ہے اس کے اندر شرط ہے وہ کہ وہ کلامِ غیرِ موجب میں ہو تاکہ وہ کلام فائدہ دے۔ اس لیے کیونکہ اگر وہ کلامِ موجب میں آئے گا تو پھر معنی صحیح نہیں رہے گا۔ جیسے اس کی مثال صاحبِ کافیہ ذکر کر رہے ہیں: مَا ضَرَبَنِي إِلَّا زَيْدٌ، اصل میں ہے مَا ضَرَبَنِي أَحَدٌ إِلَّا زَيْدٌ۔ تو أَحَدٌ جو مستثنیٰ منہ ہے اس کو حذف کر دیا تو یہ إِلَّا زَيْدٌ، یہ زید کیا بن گیا؟ مستثنیٰ مفرغ۔ اور مستثنیٰ مفرغ میں کیا شرط ہے کہ وہ کس میں ہونا چاہیے؟ کلامِ غیرِ موجب میں ہونا چاہیے، اور مَا ضَرَبَنِي یہ بھی کلامِ غیرِ موجب ہے حرفِ نفی موجود ہے۔ اور اب اس کلام کا معنی صحیح ہے۔ مَا ضَرَبَنِي أَحَدٌ مطلب معنی یہ ہوا کسی نے میری پٹائی نہیں کی إِلَّا زَيْدٌ سوائے زید کے، اور

یہ تو عینِ ممکن ہے کہ ایک شخص ہے کسی اور نے اس کی پٹائی نہیں کی صرف کس نے کی ہے؟ زید نے کی ہے، یہ معنی بالکل صحیح ہے۔ لیکن اگر آپ اسی مستثنیٰ مفرغ کو کلامِ موجب میں لے آئیں تو دیکھو معنی خراب ہو جائے گا۔ ذرا مَا حرفِ نفی کو ختم کر دو: ضَرَبَنِي إِلَّا زَيْدٌ۔ ضَرَبَنِي إِلَّا زَيْدٌ۔ اب اس کے اندر دیکھو معنی کیا بن گیا؟ ضَرَبَنِي كُلُّ وَاحِدٍ ہر ایک نے میری پٹائی کی، کیونکہ مستثنیٰ منہ ہم نے عام نکالنا ہے میں نے ابھی بتایا۔ کیونکہ یہ مستثنیٰ متصل ہے، اور مستثنیٰ متصل میں کیا ضروری؟ کہ وہ مخرج ہونا چاہیے، اور مخرج ہونے کی ایک ہی صورت ہے کہ ماقبل میں جو مستثنیٰ منہ نکال رہے ہیں وہ عام ہونا چاہیے، اس میں اتنا عموم ہو کہ مستثنیٰ اس میں داخل ہوجائے اور پھر اس کو إِلَّا کے ذریعے نکالنا صحیح ہو بھئی۔ تو اس کی یہی صورت ہے کہ پوری جنس مراد لے لی جائے۔ تو ضَرَبَنِي إِلَّا زَيْدٌ تو یہاں پر بھی کیا کہیں گے؟ ضَرَبَنِي كُلُّ وَاحِدٍ ہر ایک نے میری پٹائی کی إِلَّا زَيْدٌ سوائے زید کے۔ اور یہ تو معنی صحیح نہیں بنتا، معنی تو یہ بن گیا کہ دنیا کے ہر انسان نے میری پٹائی کی ہے سوائے زید کے، اور دنیا کا ہر انسان جو ہے کسی شخص کی پٹائی کرے یہ تو ممکن نہیں ہے۔ معلوم ہوا مستثنیٰ مفرغ میں شرط کیا ہے؟ وہ کس میں ہونا چاہیے؟ کلامِ غیرِ موجب میں ہونا چاہیے تاکہ معنی صحیح رہے، کلامِ موجب میں نہیں ہونا چاہیے ورنہ تو معنی صحیح نہیں رہے گا۔

إِلَّا أَنْ يَسْتَقِيمَ الْمَعْنَى مگر یہ کہ معنی صحیح رہے۔ یعنی اگر مستثنیٰ مفرغ کلامِ موجب میں آجائے اور معنی صحیح ہو تو پھر کلامِ موجب میں بھی وہ آسکتا ہے۔ تو پھر وہ کلامِ موجب میں بھی آسکتا ہے۔ جیسے آگے مثال ذکر کر رہے ہیں: قَرَأْتُ إِلَّا يَوْمَ كَذَا میں نے قراءت کی یا میں نے پڑھا إِلَّا يَوْمَ كَذَا مگر اتنے دن۔ اب یہاں پر دیکھو، یہاں پر متکلم چند دنوں کا استثناء کر رہا ہے قراءت سے۔ چند دن میں نے نہیں پڑھا، باقی دن پڑھا۔ اب یہاں پر بھی قَرَأْتُ کے بعد مستثنیٰ منہ محذوف ہے، تو یہ مستثنیٰ مفرغ ہے۔ اور مستثنیٰ مفرغ میں مستثنیٰ منہ کس قسم کا ہوتا ہے؟ عام ہوتا ہے۔ تو لیکن یہ بات ظاہر ہے کہ جس شخص کہنے والے نے جب یہ بات کی کہ میں نے اتنے دن چھوڑ کر باقی میں نے پڑھا ہے، تو اس سے اس کے تمام زمانے کے دن مراد نہیں ہو سکتے۔ تمام زمانے کے، مستثنیٰ منہ اگر عام نکالیں تو پھر تو معنی ہے تمام زمانے کے ایام: میں نے زمانے کے تمام دنوں میں یہ پڑھا إِلَّا يَوْمَ كَذَا مگر اتنے دن مطلب پانچ دس دن نہیں پڑھا۔ اور یہ معنی تو متکلم کی مراد نہیں ہو سکتی کیونکہ وہ تو زمانے کے تمام ایام میں زندہ ہی نہیں تھا بھئی، اس کی تو عمر ہی تھوڑی سی ہے بھئی۔ تو معلوم ہوا یہاں پر متکلم کی مراد بعضِ معین ایام مراد ہیں۔ بعضِ تمام ایام مراد نہیں۔ اور غیرِ معین تو مراد ہو نہیں سکتے کیونکہ اس میں مستثنیٰ کا داخل ہونا یقینی نہیں۔ تو پھر کیا مراد لیں گے؟ بعضِ معین لیں گے، پورے زمانے کے دن مراد نہیں، بعضِ معین۔ مثلاً متکلم یہ کہنا چاہتا ہے کہ یہ مہینہ میں نے پورا قراءت کی سوائے چند دن چھوڑ کر۔ دیکھو اب معنی صحیح ہوگیا۔ کیا مراد ہیں؟ تمام زمانے کے دن، تمام زمانے کے دن مراد ہیں یا بعضِ معین مراد ہیں؟ بعضِ معین۔ اور ایسے بعضِ معین مراد ہیں جن کے

اندر مستثنیٰ کا داخل ہونا یقینی ہو تاکہ اس کا استثناء ہو سکے، اس کا اخراج ہو سکے۔ تو معلوم ہوا ضَرَبَنِي إِلَّا زَيْدٌ یہ بھی کلامِ موجب میں مستثنیٰ مفرغ ہے، اور قَرَأْتُ إِلَّا يَوْمَ كَذَا یہ بھی کلامِ موجب کے اندر مستثنیٰ مفرغ ہے، لیکن ان میں سے ایک جو ہے اس میں معنی صحیح نہیں، ضَرَبَنِي إِلَّا زَيْدٌ اس میں معنی صحیح نہیں رہتا، اور قَرَأْتُ إِلَّا يَوْمَ كَذَا اس کے اندر معنی صحیح ہے کیونکہ قرینہ موجود ہے۔ قرینہ کیا؟ کہ متکلم کا ارادہ یقیناً تمام دنیا کے دنوں کا نہیں ہوگا بلکہ بعضِ معین دنوں کا ہوگا، کہ مثلاً پورا مہینہ مراد ہوگا یا پورا ہفتہ یہ جو ہفتے کے سات دن ہوتے ہیں یہ پورا ہفتہ مراد ہوگا، یا پورا سال مراد ہوگا کہ پورا سال میں نے قراءت کی مگر اتنے دن نہیں کی۔

تو حاصلِ کلام کیا؟ کہ مستثنیٰ کا اعراب عَلَى حَسَبِ الْعَوَامِلِ ہوگا جب مستثنیٰ منہ کو حذف کر لیا جائے، اور اس کو کیا کہتے ہیں؟ مستثنیٰ مفرغ۔ اور اس کے اندر شرط کیا ہے؟ یہ کس کے اندر آنا چاہیے؟ کلامِ غیرِ موجب میں آنا چاہیے۔ یہ شرط اس لیے لگائی تاکہ کلام صحیح ہو، وہ کچھ فائدہ بھی دے۔ اس لیے کیونکہ اگر کلامِ موجب میں آئے گا تو پھر مستثنیٰ مفرغ فائدہ نہیں دے گا، معنی صحیح نہیں بنے گا۔ ہاں، اگر مستثنیٰ مفرغ کلامِ موجب میں آئے اور معنی صحیح ہو رہا ہو تو پھر کلامِ موجب میں بھی وہ آسکتا ہے۔

اب ذرا متن متن کا ترجمہ بس ایک دفعہ پھر دیکھ لیجیے۔ کہتے ہیں: وَهُوَ فِي غَيْرِ الْمُوجَبِ اس حال میں کہ وہ مستثنیٰ جو ہے وہ کلامِ غیرِ موجب میں آئے، لِيُفِيدَ تاکہ وہ کلام فائدہ دے، مِثْلُ: مَا ضَرَبَنِي إِلَّا زَيْدٌ دیکھو یہ مستثنیٰ مفرغ ہے اور کلامِ غیرِ موجب میں ہے، تو اب اس کا معنی صحیح ہے یہ فائدہ دے رہا ہے، کسی نے میری پٹائی نہیں کی سوائے زید کے، اور یہ تو ممکن ہے بھئی۔ إِلَّا أَنْ يَسْتَقِيمَ الْمَعْنَى مگر یہ کہ معنی صحیح رہے، معنی درست رہے یعنی کلامِ موجب میں آجائے تو پھر معنی صحیح رہے تو وہ بھی صحیح ہے، مِثْلُ قَرَأْتُ إِلَّا يَوْمَ كَذَا کہ میں نے قراءت کی میں نے پڑھا إِلَّا يَوْمَ كَذَا مگر اتنے دن بھئی۔

اب اسی کو سارے کو شرح کے ساتھ دیکھیے۔ دیکھیے بھئی متن میں آیا تھا: وَهُوَ فِي غَيْرِ الْمُوجَبِ۔ اور صاحبِ جامی آپ کو بتلائیں گے کہ یہ واوِ حالیہ ہے اور یہ وَهُوَ فِي غَيْرِ الْمُوجَبِ یہ پورا جملہ حال واقع ہو رہا ہے۔ ماقبل میں جو آیا تھا نا وَيُعْرَبُ عَلَى حَسَبِ الْعَوَامِلِ، يُعْرَبُ کے اندر هُوَ ضمیر مستثنیٰ کو راجع تھی، وہ نائب الفاعل ہے۔ فعلِ مجہول ہے نا اس کے لیے کیا چاہیے؟ نائب الفاعل۔ تو وہ جو مستثنیٰ ہے وہ ہے ذوالحال، وہ ضمیر جو ہے وہ ہے ذوالحال۔ مستثنیٰ اس حال میں ہو کہ وَهُوَ فِي غَيْرِ الْمُوجَبِ کہ وہ کلامِ غیرِ موجب میں ہو۔ تو کہتے ہیں: وَهُوَ أَيْ وَالْحَالُ أَنَّ الْمُسْتَثْنَى وَاقِعٌ فِي غَيْرِ... اچھا، نیز دوسرا دیکھیے: متن میں آیا تھا وَهُوَ فِي غَيْرِ الْمُوجَبِ۔ صاحبِ جامی نے فِي غَيْرِ الْمُوجَبِ سے پہلے وَاقِعٌ کا لفظ نکال لیا۔ یہ بتلانا یہ چاہتے ہیں کہ فِي غَيْرِ الْمُوجَبِ جار مجرور ہے اور جار مجرور کس سے متعلق ہے؟ وَاقِعٌ سے متعلق ہے۔ آپ وَاقِعٌ نکال لیں یا ثَابِتٌ نکال لیں، یہ هُوَ کی خبر ہے۔ وَهُوَ فِي غَيْرِ الْمُوجَبِ أَيْ وَهُوَ ثَابِتٌ فِي غَيْرِ الْمُوجَبِ۔ اور نیز متن میں آیا فِي غَيْرِ الْمُوجَبِ، غَيْرِ کا لفظ مُوجَب پر داخل ہو رہا ہے، صاحبِ جامی نے درمیان میں الْكَلَامِ کا لفظ ذکر کر دیا: فِي غَيْرِ الْكَلَامِ

الْمُوجَبِ۔

فِي؟ بتلانا یہ چاہتے ہیں کہ یہ الْمُوجَبِ یہ صفت ہے اور اس کا موصوف الْكَلَامِ یہاں پر محذوف ہے بھئی۔ تو غیرِ موجب سے کیا مراد ہے؟ غَيْرِ الْكَلَامِ الْمُوجَبِ مراد ہے بھئی۔

تو کہتے ہیں: وَهُوَ أَيْ وَالْحَالُ أَنَّ الْمُسْتَثْنَى وَاقِعٌ اس حال میں کہ وہ مستثنیٰ جو ہے واقع ہو فِي غَيْرِ الْكَلَامِ الْمُوجَبِ غیرِ کلامِ موجب میں، وَاشْتُرِطَ ذٰلِكَ اور یہ شرط لگائی گئی ہے لِيُفِيدَ تاکہ وہ کلام فائدہ دے بھئی۔ بھئی متن میں تو تھا وَهُوَ فِي غَيْرِ الْمُوجَبِ لِيُفِيدَ، لیکن صاحبِ جامی نے لِيُفِيدَ سے پہلے وَاشْتُرِطَ ذٰلِكَ کی عبارت نکالی۔ بتلانا یہ چاہتے ہیں کہ لِيُفِيدَ یہ جار مجرور ہے أَيْ لِأَنْ يُفِيدَ، یہ لام کیا ہے؟ جارہ ہے، اور اس کے لیے کیا چاہیے؟ کوئی نہ کوئی متعلق چاہیے تو وہ یہاں محذوف ہے۔ تو لِيُفِيدَ متعلق ہوا أُشْتُرِطَ سے بھئی۔ تو کہتے ہیں: وَاشْتُرِطَ ذٰلِكَ اور یہ شرط لگائی گئی ہے۔ کیا شرط لگائی گئی ہے؟ کہ مستثنیٰ مفرغ وہ کس میں ہونا چاہیے؟ کلامِ غیرِ موجب میں ہونا چاہیے، یہ شرط لگائی۔ توجہ ہے؟ یہ باتیں بار بار آئیں گی اس لیے میں بار بار تکرار کروا رہا ہوں، اسی پر ساری بحث ہے۔ شرط کیا لگائی کہ مستثنیٰ مفرغ کس میں ہونا چاہیے؟ کلامِ غیرِ موجب میں ہونا چاہیے۔ تو یہ شرط لگائی گئی لِيُفِيدَ فَائِدَةً صَحِيحَةً تاکہ وہ کلام صحیح فائدہ دے یعنی اس کا معنی صحیح ہو بھئی۔

مِثْلُ: مَا ضَرَبَنِي إِلَّا زَيْدٌ جیسے کہ مَا ضَرَبَنِي إِلَّا زَيْدٌ۔ دیکھو یہ مستثنیٰ مفرغ ہے، اصل میں ہے مَا ضَرَبَنِي أَحَدٌ إِلَّا زَيْدٌ، أَحَدٌ کو حذف کر لیا، مستثنیٰ منہ محذوف ہے اور اس کو کیا کہتے ہیں؟ مستثنیٰ مفرغ۔ اور یہ کلامِ غیرِ موجب میں آیا ہے، مَا ضَرَبَنِي دیکھو مَا حرفِ نفی ہے، تو دیکھو معنی صحیح ہے۔ کہتے ہیں: إِذْ يَصِحُّ أَنْ لَا يَضْرِبَ الْمُتَكَلِّمَ أَحَدٌ إِلَّا زَيْدٌ اس لیے کیونکہ یہ بات صحیح ہے کہ متکلم کی پٹائی کوئی ایک بھی نہ کرے إِلَّا زَيْدٌ سوائے زید کے۔ کوئی ایک بھی پٹائی نہ کرے سوائے زید کے یہ صحیح ہے۔ بِخِلَافِ ضَرَبَنِي إِلَّا زَيْدٌ بخلاف ضَرَبَنِي إِلَّا زَيْدٌ کے۔ اس کا کیا معنی ہے؟ ضَرَبَنِي إِلَّا زَيْدٌ، أَيْ ضَرَبَنِي كُلُّ وَاحِدٍ ہر ایک نے میری پٹائی کی سوائے کس کے؟ زید کے۔ بھئی كُلُّ وَاحِدٍ یہ مستثنیٰ منہ میں عام نکال رہا ہوں۔ میں نے پہلے أَحَدٌ نکالا تھا کیونکہ اس سے پہلے مَا موجود تھا، اس مَا کی وجہ سے أَحَدٌ میں عموم آگیا تھا کیونکہ نکرہ تحتَ النفی آئے تو اس میں عموم آجاتا ہے۔ اور یہاں تو حرفِ نفی نہیں ہے، لہٰذا یہاں مستثنیٰ منہ عام نکالنا ہے تو كُلُّ کا لفظ بھی ساتھ نکالیں گے: ضَرَبَنِي كُلُّ وَاحِدٍ إِلَّا زَيْدٌ میری پٹائی کی ہر ایک نے سوائے زید کے۔ اور یہ تو ممکن نہیں ہے کہ تمام دنیا کے انسان کسی شخص کی پٹائی کریں سوائے زید کے۔ تو کہتے ہیں: بِخِلَافِ ضَرَبَنِي إِلَّا زَيْدٌ إِذْ لَا يَصِحُّ اس لیے کیونکہ یہ بات صحیح نہیں ہے أَنْ يَضْرِبَ كُلُّ وَاحِدٍ کہ پٹائی کرے ہر ایک الْمُتَكَلِّمَ متکلم کی إِلَّا زَيْدٌ سوائے زید کے۔ یہ عبارت کیسے پڑھیں گے؟ إِذْ لَا يَصِحُّ أَنْ يَضْرِبَ كُلُّ وَاحِدِ الْمُتَكَلِّمَ، کیونکہ وَاحِدِ کے نیچے تنوین ہے اور آگے الْمُتَكَلِّمَ کا لام ساکن ہے، تو نون کو کسرہ دیں گے: أَنْ يَضْرِبَ كُلُّ وَاحِدِ الْمُتَكَلِّمَ إِلَّا زَيْدٌ۔

إِلَّا أَنْ يَسْتَقِيمَ الْمَعْنَى مگر یہ کہ معنی درست رہے، معنی سیدھا رہے، صحیح رہے۔ معنی سیدھا رہے کیسے؟ با تصویر یہ

ہے، صورت بتلا رہے ہیں۔ بھئی دو صورتیں بتلائیں گے۔ توجہ ہے؟ مستثنیٰ مفرغ کلامِ غیرِ موجب میں آنا چاہیے۔ اگر کلامِ موجب میں آئے تو پھر شرط یہ ہے کہ معنی صحیح ہونا چاہیے۔ اور اس معنی کے صحیح ہونے کی دو صورتیں بتلائیں گے صاحبِ جامی۔ ایک صورت یہ کہ وہ حکم عام ہونا چاہیے۔ وہ حکم عام ہونا چاہیے، ہر فرد کے لیے ثابت ہو، ہر فرد کے لیے ثابت ہو سکے۔ جیسے ابھی آیا تھا ضَرَبَنِي إِلَّا زَيْدٌ۔ ضَرَبَنِي ہے یا مَا ضَرَبَنِي ہے؟ ضَرَبَنِي ہے، کلامِ موجب کی بات چل رہی ہے جس میں معنی صحیح رہے۔ تو یہ ضَرَبَنِي، ضرب ہر انسان کے لیے ثابت ہو سکتی ہے کہ ہر انسان متکلم کی پٹائی کرے؟ نہیں، یہ تو ہر انسان کے لیے یہ ضرب ثابت نہیں ہو سکتی کہ ہر انسان اس متکلم کی پٹائی کرے سوائے زید کے۔ لہٰذا حکم ایسا ہونا چاہیے جو عَلَى سَبِيلِ الْعُمُومِ سب کے لیے ثابت ہو سکے۔ جیسے مثلاً میں کہتا ہوں ہر انسان ناطق ہے، دیکھو ہر انسان پر حکم لگا رہا ہوں۔ یا مثلاً جیسے یہ مثال پیش کریں گے کہ ہر حیوان جو ہے وہ کھانا چباتے ہوئے اپنے نچلے جبڑے کو حرکت دیتا ہے إِلَّا التِّمْسَاحَ سوائے مگرمچھ کے۔ تِمْسَاح مگرمچھ کو کہتے ہیں۔ دیکھو ہر حیوان کھانا چباتے ہوئے نچلے جبڑے کو حرکت دیتا ہے۔ جبڑا یہ ہڈی جس کے اندر دانت لگے ہوئے ہیں۔ نیچے والے دانت جس ہڈی میں لگے ہیں یہ کیا ہے سارا؟ نچلا جبڑا، اور اوپر والے دانت جس حصے میں لگے ہیں یہ ہے اوپر والا جبڑا۔ اور ہر حیوان کون سا جبڑا ہلاتا ہے؟ نیچے والا۔ لیکن مگرمچھ وہ اوپر والے جبڑے کو حرکت دیتا ہے کھانے کو چباتے وقت۔ اس لیے کیونکہ نچلا جبڑا تو اس کا زمین پر ہوتا ہے یا زمین کے بالکل قریب ہوتا ہے، تو اوپر والے جبڑے کو وہ حرکت دیتا ہے۔ اب آپ کا یہ کہنا کہ ہر حیوان کھانا چباتے وقت اپنے اوپر والے جبڑے کو حرکت دیتا ہے سوائے مگرمچھ کے۔ اب دیکھو یہ حکم آپ نے ہر حیوان پر لگایا، اور ہر حیوان پر یہ حکم لگانا صحیح ہے۔

تو ایک صورت یہ، معنی کے درست ہونے کی ایک صورت کیا؟ کہ وہ حکم ایسا ہونا چاہیے جو عَلَى سَبِيلِ الْعُمُومِ سب کے لیے ثابت ہو سکے۔ بھئی توجہ ہے؟ کلامِ موجب کی بات ہو رہی ہے، غیرِ موجب کی نہیں۔ کلامِ موجب میں کیا ہوتا ہے؟ ایک چیز کا اثبات ہوتا ہے یا نفی ہوتی ہے؟ اثبات ہوتا ہے، تو یہ حکم بھی ایسا ہونا چاہیے جو عَلَى سَبِيلِ الْعُمُومِ ہر فرد کے لیے ثابت ہو سکے۔

یا دوسری صورت یہ ہے کہ وہاں پر کوئی قرینہ موجود ہو جو ہمیں یہ بتلائے، یعنی وہ کلامِ موجب اس میں معنی صحیح ہونے کی دو صورتیں ہیں۔ ایک یہ کہ وہ حکم عَلَى سَبِيلِ الْعُمُومِ ہر فرد کے لیے ثابت ہو سکے، دوسری صورت یہ ہے کہ وہ حکم بعضِ معین کے لیے ثابت ہے، اور وہ بعضِ معین ایسے ہیں جن کے اندر مستثنیٰ قطعی طور پر داخل ہے۔ یہ دونوں چیزیں یاد رکھنا۔ کہ بعضِ معین ایسے ہونے چاہئیں جس میں وہ مستثنیٰ قطعی طور پر داخل ہو کیونکہ ہم نے اس کا اخراج کرنا ہے، مستثنیٰ متصل ہے یہ، اگر اخراج نہیں ہوگا تو مستثنیٰ متصل کہاں سے ہوگیا یہ؟ تو دوسری صورت کیا؟ کہ آپ تمام افراد مراد نہیں لیتے، متکلم تمام افراد کا ارادہ نہیں کرتا بلکہ بعضِ معین کا ارادہ کرتا ہے اس جنس کے بعضِ معین افراد کا، لیکن وہ بعضِ معین ایسے ہونے

چاہئیں کہ ان میں مستثنیٰ قطعی طور پر شامل ہو۔ اور پھر جب وہ ایک بعضِ معین کا ارادہ کر رہا ہے، حالانکہ لفظوں میں تو ذکر نہیں ہے ضَرَبَنِي إِلَّا زَيْدٌ، تو یہاں ضَرَبَنِي کے بعد تو كُلُّ وَاحِدٍ وغیرہ کوئی لفظ ذکر نہیں ہے، وہ ہر ایک کا تو ارادہ نہیں کر رہا وہ تو چند متعین افراد کا ارادہ کر رہا ہے، تو پھر کوئی قرینہ بھی ایسا ظاہر ہونا چاہیے جس سے سننے والے کو پتہ چل جائے۔

توجہ ہے؟ تو کلامِ موجب میں مستثنیٰ مفرغ کے آنے کی صورت میں معنی صحیح ہو تو پھر ٹھیک ہے، اور اس کی کتنی صورتیں ہیں؟ دو۔ ایک صورت کیا کہ وہ حکم ایسا ہونا چاہیے جو عَلَى سَبِيلِ الْعُمُومِ اس جنس کے تمام افراد کو شامل ہو، پھر بھی ٹھیک ہے۔ یا وہ مستثنیٰ منہ جو ہے اس سے اس جنس کے تمام افراد نہیں آپ مراد لیتے بلکہ بعضِ معین مراد لیتے ہیں، ایسے بعضِ معین جن کے اندر مستثنیٰ داخل ہے، اور اس پر کوئی قرینہ بھی موجود ہونا چاہیے جو سننے والے کو بھی بتلائے کہ دنیا کا ہر آدمی یہاں مراد نہیں ہے بلکہ وہ والے سو آدمی مراد ہیں جن کے اندر قطعی طور پر زید بھی داخل ہے بھئی۔ جیسے قَرَأْتُ إِلَّا يَوْمَ كَذَا میں نے پڑھا سوائے اتنے دن۔ یہاں قرینہ موجود ہے کہ پتہ چل رہا ہے متکلم کا ارادہ تمام دنیا کے دنوں کا ارادہ نہیں کیا، تمام زمانے کے دنوں کا ارادہ نہیں کیا، اس لیے کیونکہ اس کی عمر تو ستر اسی نوے سال ہو سکتی ہے، تو وہ تو تمام زمانے کے دنوں میں وہ زندہ ہی نہیں ہے، وہ زندہ ہی نہیں ہے۔ معلوم ہوا وہ تمام زمانے کے دن مراد نہیں بلکہ بعضِ معین دن مراد ہیں، اور پھر جب بعضِ معین دن مراد ہیں جن کے اندر مستثنیٰ بھی داخل ہے قطعی طور پر، تو اس پر کوئی قرینہ ہونا چاہیے جس سے سننے والے کو بھی پتہ چلے کہ وہ والے متعین دن مراد ہیں، مثلاً پورا ایک ہفتہ مراد ہے کہ میں نے پورا ہفتہ پڑھا إِلَّا يَوْمَ كَذَا مگر اس میں سے ایک دو دن نہیں پڑھا، یا مہینہ مراد لے لیں گے میں نے یہ والا پورا مہینہ پڑھا لیکن اتنے دن نہیں پڑھا، یا یہ والا میں نے پورا سال پڑھا لیکن اتنے دن میں نے نہیں پڑھا۔ تو یہاں پر دیکھو ایسے بعضِ معین کا ارادہ وہ کر رہا ہے جس میں مستثنیٰ قطعی طور پر داخل ہے اور اس پر قرینہ بھی موجود ہے کہ ظاہر سی بات ہے متکلم کا ارادہ تمام دنیا کے دنوں کا نہیں ہو سکتا۔ بات سمجھ میں آگئی؟

تو کہتے ہیں: إِلَّا أَنْ يَسْتَقِيمَ الْمَعْنَى مگر یہ کہ معنی درست رہے، بِأَنْ يَكُونَ، اب وہ دو صورتیں بتائیں گے: بِأَنْ يَكُونَ الْحُكْمُ مِمَّا يَصِحُّ أَنْ يَثْبُتَ عَلَى سَبِيلِ الْعُمُومِ۔ بِأَنْ يَكُونَ الْحُكْمُ بایں صورت کہ وہ حکم جو ہے مِمَّا ان احکام میں سے ہو کہ يَصِحُّ أَنْ يَثْبُتَ عَلَى سَبِيلِ الْعُمُومِ کہ صحیح ہو اس کا ثابت ہونا عموم کے طریقے پر۔ کہ اس حکم کا ثابت ہونا عموم کے طریقے پر صحیح ہو: كُلُّ حَيَوَانٍ نَاطِقٌ یا ہر انسان کے لیے ناطق ہونے کا حکم دیکھو عَلَى سَبِيلِ الْعُمُومِ ہے، تمام افراد پر میں نے حکم لگا دیا كُلُّ إِنْسَانٍ نَاطِقٌ ہر انسان ناطق ہے، یا اسی طرح میں کہتا ہوں ہر حیوان جو ہے کھانا چباتے ہوئے نچلا جبڑا ہلاتا ہے، تو دیکھو یہ حکم ہر حیوان کے لیے ثابت ہے إِلَّا التِّمْسَاحَ سوائے کس کے؟ مگرمچھ کے۔ بات سمجھ میں آگئی؟

تو کہتے ہیں: بِأَنْ يَكُونَ الْحُكْمُ مِمَّا يَصِحُّ أَنْ يَثْبُتَ عَلَى سَبِيلِ الْعُمُومِ بایں صورت کہ وہ حکم ان احکام میں سے ہو کہ صحیح

ہو اس کا ثابت ہونا عَلَى سَبِيلِ الْعُمُومِ عموم کے طریقے پر، یعنی تمام افراد کے لیے اس کا ثابت ہونا صحیح ہو۔ تو أَنْ يَثْبُتَ پڑھ لیں ثَبَتَ يَثْبُتُ سے فعلِ معروف پڑھ لیں، یا أَثْبَتَ يُثْبِتُ سے فعلِ مجہول پڑھ لیں کہ بِأَنْ يَكُونَ الْحُكْمُ مِمَّا يَصِحُّ أَنْ يُثْبَتَ عَلَى سَبِيلِ الْعُمُومِ کہ وہ حکم جو ہے ان احکام میں سے ہونا چاہیے کہ صحیح ہو اس کا ثابت کرنا عَلَى سَبِيلِ الْعُمُومِ عموم کے طریقے پر یعنی تمام افراد کے لیے اس حکم کا ثابت کرنا صحیح ہو بھئی۔ نَحْوُ قَوْلِكَ جیسے کہ آپ کا یہ قول ہے: كُلُّ حَيَوَانٍ يُحَرِّكُ فَكَّهُ الْأَسْفَلَ عِنْدَ الْمَضْغِ إِلَّا التِّمْسَاحَ. كُلُّ حَيَوَانٍ ہر حیوان جو ہے يُحَرِّكُ وہ حرکت دیتا ہے فَكَّهُ الْأَسْفَلَ، فَكٌّ کہتے ہیں جبڑے کو، فَكَّهُ الْأَسْفَلَ اپنے نیچے والے جبڑے کو عِنْدَ الْمَضْغِ، مَضْغٌ کا معنی ہے دانتوں سے کسی چیز کو چبانا، کاٹنا، عِنْدَ الْمَضْغِ چباتے وقت إِلَّا التِّمْسَاحَ سوائے مگرمچھ کے۔ توجہ ہے؟ تو یہ مستثنیٰ مفرغ کی مثال نہیں ہے، اس کو ویسے مثال کے طور پر ذکر کیا کہ دیکھو یہ ایسا حکم ہے یہ نچلے جبڑے کو حرکت دینے والا جو ہر حیوان پر لگتا ہے بھئی۔

أَوْ تَكُونَ هُنَاكَ قَرِينَةٌ، أَوْ تَكُونَ هُنَاكَ یہ تَكُونَ کا عطف ہے ماقبل میں جو آیا تھا نا بِأَنْ يَكُونَ الْحُكْمُ، تو اسی يَكُونَ پر اس کا عطف ہے، یہ اب دوسری صورت بیان کر رہے ہیں۔ یا بایں صورت کہ تَكُونَ هُنَاكَ قَرِينَةٌ دَالَّةٌ، پھر ادھر دیکھ کہ کلامِ موجب میں بھی مستثنیٰ مفرغ آسکتا ہے لیکن معنی ٹھیک ہونا چاہیے، اس کی کتنی صورتیں ہیں؟ دو صورتیں۔ ایک صورت کیا؟ کہ وہ حکم ایسا ہونا چاہیے جو عَلَى سَبِيلِ الْعُمُومِ تمام جنس کے افراد کے لیے ثابت ہو سکے۔ دوسری صورت کیا تھی؟ کہ وہاں کوئی ایسا قرینہ ہونا چاہیے جو بتلا دے کہ یہ والے معین افراد مراد ہیں جن میں یہ مستثنیٰ قطعی طور پر داخل ہے۔ وہی بیان کر رہے ہیں: أَوْ تَكُونَ هُنَاكَ قَرِينَةٌ یا وہاں کوئی ایسا قرینہ ہونا چاہیے دَالَّةٌ عَلَى أَنَّ الْمُرَادَ بِالْمُسْتَثْنَى مِنْهُ بَعْضٌ مُعَيَّنٌ جو دلالت کرے اس بات پر کہ مستثنیٰ منہ سے مراد جو ہیں بَعْضٌ مُعَيَّنٌ يَدْخُلُ فِيهِ الْمُسْتَثْنَى قَطْعًا ایسے بعضِ معین ہیں کہ داخل ہے ان کے اندر مستثنیٰ قطعی طور پر۔ وہاں کوئی، توجہ ہے، وہ ایسا کوئی قرینہ ہونا چاہیے جو یہ بتلا دے، جو اس بات پر دلالت کرے کہ مستثنیٰ منہ سے تمام افراد نہیں مراد بلکہ بعضِ معین افراد مراد ہیں، اور وہ بعضِ معین بھی ایسے ہیں جن کے اندر قطعی طور پر مستثنیٰ داخل ہے تاکہ اس کا اخراج کیا جا سکے۔

ترجمہ سمجھ میں آگیا؟ ایک دفعہ ترجمہ پھر دیکھ لیجیے: أَوْ تَكُونَ هُنَاكَ قَرِينَةٌ دَالَّةٌ عَلَى أَنَّ الْمُرَادَ بِالْمُسْتَثْنَى مِنْهُ بَعْضٌ مُعَيَّنٌ يَدْخُلُ فِيهِ الْمُسْتَثْنَى قَطْعًا یا وہاں پر کوئی ایسا قرینہ ہونا چاہیے جو اس بات پر دلالت کرے کہ مستثنیٰ منہ سے مراد جو ہے بَعْضٌ مُعَيَّنٌ ایسے بعضِ معین ہیں يَدْخُلُ فِيهِ الْمُسْتَثْنَى قَطْعًا جن کے اندر قطعی طور پر، یقینی طور پر مستثنیٰ داخل ہے بھئی۔ مِثْلُ: قَرَأْتُ إِلَّا يَوْمَ كَذَا، أَيْ أَوْقَعْتُ، اب معنی بیان کر رہے ہیں: أَيْ أَوْقَعْتُ الْقِرَاءَةَ كُلَّ يَوْمٍ إِلَّا يَوْمَ كَذَا یعنی میں نے قراءت کو واقع کیا یعنی پڑھنے کو میں نے ثابت کیا كُلَّ يَوْمٍ ہر روز إِلَّا يَوْمَ كَذَا مگر اتنے دن۔ معنی سمجھ میں آیا؟ یہ مثال صحیح ہے۔ بھئی کیوں مثال کیوں صحیح؟ کہتے ہیں: لِظُهُورِ أَنَّهُ لَا يُرِيدُ الْمُتَكَلِّمُ جَمِيعَ أَيَّامِ الدُّنْيَا اس لیے کیونکہ یہ بات ظاہر ہے کہ متکلم کا ارادہ تمام دنیا کے ایام کا نہیں ہے، بَلْ أَيَّامَ الْأُسْبُوعِ أَوِ الشَّهْرِ أَوْ مِثْلَ ذٰلِكَ بلکہ اس کا ارادہ أَيَّامَ الْأُسْبُوعِ ہفتے کے دنوں کا ہے،

ایک ہفتہ جو سات دنوں پر مشتمل ہوتا ہے، بلکہ اس کا ارادہ ہفتے کے دنوں کا ہے أَوِ الشَّهْرِ یا مہینے کے دنوں کا ہے أَوْ مِثْلَ ذٰلِكَ یا اس جیسا یعنی سال وغیرہ کا اس کا ارادہ ہے بھئی۔

یہاں تک بات سمجھ میں آگئی۔ حاصلِ کلام کیا؟ کہ مستثنیٰ مفرغ میں شرط ہے کہ وہ کلامِ غیرِ موجب میں آئے، اس لیے کیونکہ پھر ہی معنی صحیح رہے گا۔ اور اگر کلامِ موجب میں آتا ہے تو اس میں شرط یہ ہے کہ معنی صحیح ہونا چاہیے بھئی۔

اب آگے: وَلِقَائِلٍ أَنْ يَقُولَ، یہاں سے دو اعتراض اور آگے پھر ان کا جواب ذکر کریں گے۔ دو اعتراض بھئی، آگے صرف نفسِ ترجمہ ہے، اعتراض پہلے اچھی طرح سمجھ لیں۔ کوئی کہنے والا یہ کہہ سکتا ہے، یہ اعتراض کر سکتا ہے کہ آپ نے کلامِ موجب کے اندر استقامتِ معنی کی شرط لگائی۔ توجہ ہے؟ آپ نے کیا کہا کہ مستثنیٰ مفرغ کلامِ موجب میں آسکتا ہے لیکن شرط کیا ہے؟ معنی مستقیم ہونا چاہیے، معنی صحیح ہونا چاہیے۔ کہتے ہیں کہ یہ شرط تو کلامِ غیرِ موجب میں بھی ہونی چاہیے۔ کس میں؟ تو استقامتِ معنی کی شرط آپ نے کلامِ موجب میں لگائی حالانکہ یہ شرط تو کلامِ غیرِ موجب میں بھی ہونی چاہیے، اس لیے کیونکہ کلامِ غیرِ موجب کی بعض صورتوں کے اندر بھی معنی صحیح نہیں رہتا مستثنیٰ مفرغ میں۔ جیسے مثلاً آپ کہتے ہیں: مَا مَاتَ إِلَّا زَيْدٌ، مَا مَاتَ إِلَّا زَيْدٌ۔ جی مَا مَاتَ إِلَّا زَيْدٌ۔ دیکھو مَا مَاتَ إِلَّا زَيْدٌ، یہاں مستثنیٰ منہ محذوف ہے اور صرف مستثنیٰ ذکر ہے، تو یہ کون سا مستثنیٰ ہوا؟ مستثنیٰ مفرغ۔ اور نیز کلام موجب ہے یا غیرِ موجب؟ مَا مَاتَ، پہلا مَا حرفِ نفی ہے، نہیں مرا کوئی، تو یہ کلام غیرِ موجب ہے۔ آپ نے کیا شرط لگائی تھی کہ مستثنیٰ کس کے اندر آنا چاہیے؟ کلامِ غیرِ موجب میں، یہاں پر بھی مستثنیٰ مفرغ کلامِ غیرِ موجب میں ہے، لیکن کلام کا معنی صحیح نہیں: مَا مَاتَ کوئی بھی نہیں مرا إِلَّا زَيْدٌ سوائے زید کے۔ حالانکہ یہ تو درست نہیں ہے، لوگ تو دن رات مر رہے ہیں بھئی۔ تو آپ کا یہ کہنا مَا مَاتَ إِلَّا زَيْدٌ کوئی بھی نہیں مرا إِلَّا زَيْدٌ سوائے زید کے، اب دیکھو یہ کلامِ غیرِ موجب ہے اور مستثنیٰ مفرغ ہے اور معنی صحیح نہیں۔ تو آپ نے تو کلامِ موجب کے اندر شرط لگائی تھی معنی کے صحیح ہونے کی، تو کلامِ غیرِ موجب میں بھی معنی کے صحیح ہونے کی شرط لگانی چاہیے۔

دوسرا، دوسرا آپ نے کلامِ موجب کی بعض مثالوں کو تاویل کرکے ان کو صحیح قرار دیا اور بعضوں کو غلط قرار دیا۔ آپ نے کیا کہا؟ کلامِ موجب میں کیا ضروری ہے؟ استقامتِ معنی، تبھی مستثنیٰ مفرغ آئے گا۔ اور بعض مثالوں میں آپ نے تاویل کی: قَرَأْتُ إِلَّا يَوْمَ كَذَا یہ بھی کلامِ موجب میں مستثنیٰ مفرغ آرہا ہے لیکن آپ نے کیا کہا تمام ایام مراد نہیں ہیں بلکہ بعض ایام مراد ہیں، اور آپ نے کہا یہ مثال صحیح ہے، معنی مستقیم ہے، صحیح ہے، درست ہے بھئی۔ اور بعض مثالوں میں آپ نے کہا کہ معنی صحیح نہیں ہے، مثلاً آپ نے کیا کہا: ضَرَبَنِي إِلَّا زَيْدٌ، أَيْ ضَرَبَنِي كُلُّ وَاحِدٍ إِلَّا زَيْدًا ہر ایک نے میری پٹائی کی سوائے زید کے، آپ نے کہا یہاں معنی صحیح نہیں ہے۔ کہتے ہیں کہ یہ آپ کی بات صحیح نہیں۔ جیسے تاویل آپ نے قَرَأْتُ إِلَّا يَوْمَ كَذَا کے اندر کی کہ یہاں پر تمام زمانے کے دن مراد نہیں ہیں بلکہ بعضِ معین دن مراد ہیں، تو یہی تاویل تو وہاں

پر بھی ہو سکتی ہے ضَرَبَنِي إِلَّا زَيْدٌ، اس کے اندر بھی ہو سکتی ہے، کہ آپ ہر شخص کی ضرب نہیں مراد لیتے بلکہ کچھ مخصوص لوگوں کی ضرب مراد لیتے ہیں۔ مثلاً آپ ایک بستی کی طرف اشارہ کر رہے ہیں، ان کے بارے میں بات کر رہے ہیں، آٹھ دس گھرانوں کی ایک چھوٹی سی بستی ہے، مثلاً چالیس پچاس لوگ وہاں رہتے ہیں اور انہی میں ایک زید بھی ہے، اب آپ کہتے ہیں ضَرَبَنِي إِلَّا زَيْدٌ، أَيْ ضَرَبَنِي كُلُّ وَاحِدٍ ہر ایک نے میری پٹائی کی سوائے کس کے؟ زید کے، اور ہر ایک سے مراد تمام افرادِ انسان مراد ہیں یا اس بستی کے تمام افراد مراد ہیں؟ اس بستی کے تمام افراد مراد ہیں، دیکھو یہاں پر بھی تاویل کر کے معنی صحیح ہو سکتا ہے، تمام افراد مراد نہ لیں بلکہ ایک مخصوص جماعت کے تمام افراد مراد لے لیں۔ تو آپ نے قَرَأْتُ إِلَّا يَوْمَ كَذَا اس میں تو آپ نے کہا کہ معنی مستقیم ہے، اور ضَرَبَنِي إِلَّا زَيْدٌ اس میں معنی مستقیم نہیں، آپ کا بعض صورتوں کو استقامتِ معنی میں داخل کرنا اور بعض مثالوں کو استقامتِ معنی میں داخل نہ کرنا یہ درست نہیں ہے بھئی، کیونکہ دونوں میں کوئی فرق نہیں ہے، ایک میں جیسے تاویل کی ہے وہی تاویل دوسرے میں بھی کی جا سکتی ہے۔ توجہ ہے؟ قراءت والی مثال میں تمام دنیا کے ایام مراد نہیں، بعض معین دن مراد ہیں، تو اسی طرح وہاں پر بھی ضَرَبَنِي إِلَّا زَيْدٌ میں بھی تمام انسان مراد نہ لیں بلکہ ایک مخصوص جماعت کے تمام افراد مراد لے لیں۔

بات سمجھ میں آگئی؟ تو دو اعتراض ذکر کریں گے۔ پہلا اعتراض کیا؟ کہ آپ نے استقامتِ معنی کی شرط کس کے اندر لگائی؟ کلامِ موجب کے اندر لگائی حالانکہ کلامِ غیرِ موجب کے اندر بھی آپ کو یہ شرط لگانی چاہیے کیونکہ وہاں پر بھی بعض صورتوں میں معنی صحیح نہیں بنتا بھئی۔ اور نیز دوسرا اعتراض یہ کہ آپ نے کلامِ موجب کی بعض صورتوں کو تو استقامتِ معنی کے اندر داخل کیا جیسے قَرَأْتُ إِلَّا يَوْمَ كَذَا کہ اس کے اندر معنی مستقیم ہے، تو آپ نے کلامِ موجب کی بعض صورتوں کو تو استقامتِ معنی میں داخل کیا اور بعض صورتوں کو جیسے ضَرَبَنِي إِلَّا زَيْدٌ اس کو استقامتِ معنی میں داخل نہیں کیا، یہ درست نہیں ہے بھئی، ہمارے نزدیک دونوں میں کوئی فرق نہیں ہے، یا تو دونوں کو داخل کرنا چاہیے یا دونوں کو خارج کرنا چاہیے۔

تو یہ اب اعتراض پہلے ذکر کریں گے پھر ان کا جواب دیں گے، دیکھیے بھئی کتاب پر۔ وَلِقَائِلٍ أَنْ يَقُولَ اور کسی کہنے والے کے لیے جائز ہے کہ وہ یوں کہے، یعنی وہ یہ اعتراض کر سکتا ہے، کہ كَمَا لَا يَسْتَقِيمُ الْمَعْنَى عَلَى تَقْدِيرِ عُمُومِ الْمُسْتَثْنَى مِنْهُ فِي الْمُوجَبِ فِي بَعْضِ الصُّوَرِ کہ جیسے کہ معنی صحیح نہیں رہتا عمومِ مستثنیٰ منہ کی تقدیر پر، کہ مستثنیٰ منہ کس قسم کا نکالیں؟ عام نکالیں، تو جیسے معنی صحیح نہیں رہتا عمومِ مستثنیٰ منہ کی تقدیر پر فِي الْمُوجَبِ کس میں؟ کلامِ موجب میں فِي بَعْضِ الصُّوَرِ بعض صورتوں میں، فَرُبَّمَا لَا يَسْتَقِيمُ الْمَعْنَى، رُبَّمَا بسا اوقات یعنی کئی مرتبہ، فَرُبَّمَا لَا يَسْتَقِيمُ الْمَعْنَى تو بسا اوقات معنی درست نہیں رہتا عَلَى تَقْدِيرِ عُمُومِ الْمُسْتَثْنَى مِنْهُ فِي غَيْرِ الْمُوجَبِ أَيْضًا عمومِ مستثنیٰ منہ کی تقدیر پر فِي غَيْرِ الْمُوجَبِ أَيْضًا غیرِ موجب میں بھی۔ عمومِ مستثنیٰ منہ، مستثنیٰ منہ ہمیں کس قسم کا چاہیے؟ محذوف ہے وہ عام نکالتے ہیں تاکہ مستثنیٰ

کا اس سے اخراج ممکن ہو سکے۔ تو اگر آپ عمومِ مستثنیٰ منہ کی تقدیر پر شرط لگاتے ہیں کلامِ موجب میں کس چیز کی شرط لگاتے ہیں؟ استقامتِ معنی کی، تو کلامِ غیرِ موجب میں بھی عمومِ مستثنیٰ منہ کی تقدیر پر آپ کو یہ شرط لگانی چاہیے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ پھر ترجمہ دیکھیے: كَمَا لَا يَسْتَقِيمُ الْمَعْنَى عَلَى تَقْدِيرِ عُمُومِ الْمُسْتَثْنَى مِنْهُ فِي الْمُوجَبِ فِي بَعْضِ الصُّوَرِ کہ جیسے کہ عمومِ مستثنیٰ منہ کی تقدیر پر معنی صحیح نہیں رہتا فِي الْمُوجَبِ کلامِ موجب کے اندر فِي بَعْضِ الصُّوَرِ بعض صورتوں میں، فَرُبَّمَا لَا يَسْتَقِيمُ الْمَعْنَى عَلَى تَقْدِيرِ عُمُومِ الْمُسْتَثْنَى مِنْهُ فِي غَيْرِ الْمُوجَبِ أَيْضًا تو بسا اوقات عمومِ مستثنیٰ منہ کی تقدیر پر معنی درست نہیں رہتا فِي غَيْرِ الْمُوجَبِ أَيْضًا غیرِ موجب میں بھی، اس میں بھی معنی صحیح نہیں رہتا جبکہ مستثنیٰ منہ آپ عام نکالیں۔ نَحْوُ: مَا مَاتَ إِلَّا زَيْدٌ جیسے کہ مَا مَاتَ إِلَّا زَيْدٌ۔ اس کے اندر دیکھو یہ مستثنیٰ مفرغ ہے اور عمومِ مستثنیٰ منہ یعنی مستثنیٰ منہ یہاں عام نکالیں اگر آپ کہ مَا مَاتَ أَحَدٌ کوئی ایک بھی نہیں مرا إِلَّا زَيْدٌ سوائے زید کے، تو دیکھو معنی مستقیم نہیں رہتا۔ تو استقامتِ معنی کی شرط کلامِ موجب میں بھی ہونی چاہیے بھئی۔

فَيَنْبَغِي أَنْ يُشْتَرَطَ فِي غَيْرِ الْمُوجَبِ أَيْضًا تو مناسب یہ ہے کہ کلامِ غیرِ موجب میں بھی شرط لگانی چاہیے کس چیز کی شرط؟ اسْتِقَامَةُ الْمَعْنَى معنی کے استقامت کی بھئی، معنی کے درست رہنے کی۔

وَأَيْضًا لَا يَصِحُّ، اب یہ دوسرا اعتراض ذکر کر رہے ہیں۔ پہلا اعتراض کیا؟ کہ استقامتِ معنی کی شرط صرف کلامِ موجب میں نہ لگائیں بلکہ کلامِ غیرِ موجب میں بھی لگائیں۔ وَأَيْضًا لَا يَصِحُّ، دوسرا اعتراض کیا تھا؟ کہ آپ نے کلامِ موجب کی بعض صورتوں کو استقامتِ معنی کے اندر داخل کیا کہ معنی مستقیم ہے اور بعض کو استقامتِ معنی میں داخل نہیں کیا، یہ بھی ترجیح بلا مرجح ہے بھئی۔ یا تو ان سب صورتوں کو داخل کرو یا سب کو نکال لیں۔ وَأَيْضًا اور نیز لَا يَصِحُّ مِثْلُ: قَرَأْتُ إِلَّا يَوْمَ كَذَا کہ اس جیسی مثال صحیح نہیں ہے إِلَّا بَعْدَ تَخْصِيصِ الْيَوْمِ بِأَيَّامِ الْأُسْبُوعِ مَثَلًا مگر بعد اس کے کہ جب یوم کی تخصیص کر دی جائے بِأَيَّامِ الْأُسْبُوعِ مَثَلًا ہفتے کے دنوں کے ساتھ مثال کے طور پر۔ یہ مثال بھی صحیح نہیں مگر یہ کہ آپ ان دنوں کی تخصیص کر دیں کہ اس سے کیا مراد ہیں تمام دنیا کے دن مراد نہیں ہیں بلکہ ایک ہفتے یا ایک مہینے یا ایک سال کے دن مراد ہیں۔ معنی سمجھ میں آ رہا ہے؟ تو کہتے ہیں: وَأَيْضًا لَا يَصِحُّ مِثْلُ: قَرَأْتُ إِلَّا يَوْمَ كَذَا اس جیسی مثال بھی صحیح نہیں ہوتی إِلَّا بَعْدَ تَخْصِيصِ الْيَوْمِ مگر بعد اس کے کہ جب آپ یوم کی تخصیص کر دیں بِأَيَّامِ الْأُسْبُوعِ مَثَلًا ہفتے کے دنوں کے ساتھ مثال کے طور پر۔ فَيَجُوزُ مِثْلُ، تو جب اس کے اندر یہ تخصیص جائز ہے تو فَيَجُوزُ مِثْلُ هٰذَا التَّخْصِيصِ فِي ضَرَبَنِي إِلَّا زَيْدٌ تو اس قسم کی تخصیص تو ضَرَبَنِي إِلَّا زَيْدٌ کے اندر بھی جائز ہے، کہ اس سے آپ پوری دنیا کا ہر انسان مراد نہ لیں بلکہ ایک جماعت کا ہر انسان مراد لے لیں، ایک مخصوص جماعت کا ہر انسان مراد لے لیں کہ ضَرَبَنِي، ان سو میں سے ہر ایک نے میری پٹائی کی إِلَّا زَيْدٌ سوائے کس کے؟ زید کے۔ تو اس جماعت کے ہر انسان کو مراد لے لیں تو پھر اس تاویل سے تو یہ بھی صحیح ہو جائے گا۔

تو کہتے ہیں: فَيَجُوزُ مِثْلُ هٰذَا التَّخْصِيصِ فِي ضَرَبَنِي إِلَّا زَيْدٌ تو اس قسم کی تخصیص تو جائز ہے ضَرَبَنِي إِلَّا زَيْدٌ کے اندر بھی۔ کس طرح؟ بِأَنْ يُخَصَّصَ، با تصویریہ ہے، صورت بتلا رہے ہیں: بِأَنْ يُخَصَّصَ الْمُسْتَثْنَى مِنْهُ بایں صورت کہ مستثنیٰ منہ کو خاص کر دیا جائے بِكُلِّ وَاحِدٍ کس کے ساتھ؟ ہر ایک، بھئی كُلِّ وَاحِدٍ مستثنیٰ منہ عام نکالنا ہے۔ توجہ ہے؟ ادھر دیکھو ضَرَبَنِي إِلَّا زَيْدٌ، ضَرَبَنِي، اور یہاں نکالنا ہے كُلُّ وَاحِدٍ کیونکہ مستثنیٰ منہ عام چاہیے: ضَرَبَنِي كُلُّ وَاحِدٍ۔ لیکن اس كُلُّ وَاحِدٍ سے آپ پوری دنیا کے انسان مراد نہ لیں بلکہ اس مخصوص جماعت کے كُلُّ وَاحِدٍ مراد لے لیں، ہر فرد مراد لے لیں۔ بِأَنْ يُخَصَّصَ الْمُسْتَثْنَى مِنْهُ بایں صورت کہ مستثنیٰ منہ کی تخصیص کر دی جائے بِكُلِّ وَاحِدٍ مِنْ جَمَاعَةٍ مَخْصُوصِينَ۔ بِكُلِّ وَاحِدٍ ہر ایک کے ساتھ، لیکن مِنْ جَمَاعَةٍ مَخْصُوصِينَ مخصوص لوگوں کی جماعت کے ساتھ۔ إِذَا كَانَ هُنَاكَ قَرِينَةٌ دَالَّةٌ جبکہ وہاں پر کوئی قرینہ دلالت کرنے والا ہو۔ ضَرَبَنِي إِلَّا زَيْدٌ یہاں أَيْ ضَرَبَنِي كُلُّ وَاحِدٍ إِلَّا زَيْدٌ ہے، اور یہ كُلُّ وَاحِدٍ سے ہر انسان مراد نہیں بلکہ ایک مخصوص جماعت کا ہر فرد مراد ہے جبکہ وہاں کوئی قرینہ بھی ہو، وہاں پر کوئی قرینہ بھی موجود ہو تو پھر تو وہاں پر بھی یہ کلام صحیح ہو جائے گا۔ مثلاً مخاطب آپ سے پوچھتا ہے کیا اس بستی والے سب لوگوں نے آپ کی پٹائی کی؟ قوم، قوم سے مراد اس بستی والے لوگ مراد لے لیں، کیا اس بستی کے لوگوں میں سے ہر ایک نے آپ کی پٹائی کی ہے؟ تو آپ جواب میں کہتے ہیں ضَرَبَنِي إِلَّا زَيْدٌ، أَيْ ضَرَبَنِي كُلُّ وَاحِدٍ ہر ایک نے ان میں سے میری پٹائی کی ہے سوائے کس کے؟ زید کے، اور یہ تو بالکل صحیح ہے کہ اس بستی کے سارے لوگ مل کر کسی کی پٹائی کریں سوائے زید کے بھئی۔ تو کہتے ہیں یہ معنی ہے إِذَا كَانَ هُنَاكَ قَرِينَةٌ دَالَّةٌ جب وہاں پر کوئی قرینہ دلالت کرنے والا ہو، فَلَا فَرْقَ بَيْنَ هَاتَيْنِ الصُّورَتَيْنِ تو ان دو صورتوں میں تو کوئی فرق نہیں ہے فِي كَوْنِ كُلٍّ وَاحِدَةٍ مِنْهُمَا جَائِزَةً مَعَ الْقَرِينَةِ اس بات کے اندر کہ ان دونوں میں سے ہر ایک صورت جائز ہے، ہر ایک ان دو مثالوں میں سے ہر ایک صورت جائز ہے مَعَ الْقَرِينَةِ قرینہ کے ساتھ، قرینہ ہوگا تو دونوں جائز، وَغَيْرَ جَائِزَةٍ بِدُونِهَا اور بغیر قرینے کے جائز نہیں۔ بغیر قرینے کے تو دونوں ہی جائز نہیں ہیں۔ تو دونوں میں فرق کرنا، کلامِ غیرِ موجب کی بعض صورتوں کو استقامتِ معنی میں داخل کرنا اور بعض کو داخل نہ کرنا یہ کیا ہے؟ ترجیح بلا مرجح ہے، حالانکہ دونوں میں کوئی فرق نہیں، قرینہ ہو تو دونوں جائز، قرینہ نہ ہو تو دونوں ہی ناجائز ہیں بھئی۔ بات سمجھ میں آرہی ہے؟ معنی صحیح نہیں رہتا۔

اب جواب دینے لگے ہیں۔ جواب یہ دیں گے کہ بھئی پہلا اعتراض کیا تھا کہ آپ نے استقامتِ معنی کی شرط کلامِ موجب میں لگائی ہے، حالانکہ غیرِ موجب میں بھی چاہیے، وہاں بھی بعض اوقات معنی صحیح نہیں رہتا۔ تو صاحبِ جامی جواب دیں گے کہ بھئی غالب کا اعتبار ہے۔ کس کا اعتبار ہے؟ غالب کا اعتبار کیا ہے، غالب کا اعتبار ہے۔ کلامِ غیرِ موجب جو ہے اس کے اندر اکثر مثالیں مستثنیٰ مفرغ کے ساتھ ان کا معنی ٹھیک رہتا ہے۔ بھئی کون سے کلام کی شرط لگائی تھی؟ مستثنیٰ مفرغ میں کلام غیرِ موجب ہونا چاہیے اس لیے کیونکہ مستثنیٰ مفرغ جب کلامِ غیرِ موجب میں آتا ہے تو اکثر مثالوں کے اندر معنی صحیح رہتا ہے۔ اکثر میں، اور قلیل ہیں جن میں صحیح نہیں ہوتا۔ اور جبکہ کلامِ موجب کے اندر اکثر مثالوں کے

اندر معنی صحیح نہیں رہتا، چند ایک میں ٹھیک بھی رہتا ہے معنی۔ تو لہٰذا یہاں اکثر کا اعتبار کیا۔ کس کا؟ اکثر کا۔ اور کلامِ غیرِ موجب میں تو اکثر معنی ٹھیک رہتا ہے اس لیے وہاں استقامتِ معنی کی شرط نہیں لگائی، اور کلامِ موجب میں اکثر صورتوں کے اندر معنی ٹھیک نہیں رہتا اس لیے وہاں پر استقامتِ معنی کی شرط لگا دی۔ بات سمجھ میں آگئی؟

وَأُجِيبَ اور جواب دیا گیا ہے بِأَنَّ الْمُعْتَبَرَ هُوَ الْغَالِبُ کہ معتبر جو ہے وہ غالب ہے، یعنی اعتبار کس چیز کا ہے؟ غالب کا ہے، یعنی یوں کہو غلبے کا اعتبار ہے، غلبۂ وقوع کا اعتبار ہے۔ وَالْغَالِبُ فِي الْإِيجَابِ عَدَمُ اسْتِقَامَةِ الْمَعْنَى عَلَى الْعُمُومِ اور غالب جو ہے ایجاب کے اندر یعنی کلامِ موجب کے اندر، عَدَمُ اسْتِقَامَةِ الْمَعْنَى معنی کا درست نہ رہنا عَلَى الْعُمُومِ مستثنیٰ منہ کے عموم پر۔ الْعُمُومِ سے کیا مراد ہے؟ عمومُ المستثنیٰ منہ۔ یعنی کلامِ موجب کے اندر مستثنیٰ مفرغ کے اندر جب آپ مستثنیٰ منہ کو عام رکھیں تو معنی صحیح نہیں رہتا۔ ضَرَبَنِي إِلَّا زَيْدٌ أَيْ ضَرَبَنِي كُلُّ وَاحِدٍ، دیکھو مستثنیٰ منہ آپ نے عام نکالا كُلُّ وَاحِدٍ، تو اس صورت میں معنی صحیح نہیں رہتا اکثر صورتوں میں۔ تو کہتے ہیں: وَالْغَالِبُ فِي الْإِيجَابِ اور ایجاب یعنی کلامِ موجب کے اندر غالب جو ہے عَدَمُ اسْتِقَامَةِ الْمَعْنَى معنی کا صحیح نہ رہنا ہے عَلَى الْعُمُومِ جب مستثنیٰ منہ عام ہو۔ وَفِي النَّفْيِ عَكْسُهُ اور نفی کے اندر اس کا برعکس ہے، یعنی کلامِ غیرِ موجب میں اس کا برعکس ہے۔ کلامِ غیرِ موجب میں جب آپ مستثنیٰ منہ عام نکالیں تو اکثر اور غالب صورتوں میں معنی صحیح رہتا ہے بھئی۔ تو یہ معنی ہے وَفِي النَّفْيِ عَكْسُهُ اور نفی کے اندر یعنی کلامِ غیرِ موجب میں عَكْسُهُ اس کا برعکس ہے۔

لِأَنَّ اشْتِرَاكَ، وجہ ذکر کر رہے ہیں، دلیل ذکر کر رہے ہیں۔ ادھر دیکھو بھئی وجہ سمجھ لیں۔ وجہ یہ ہے، دیکھو کہ کلامِ غیرِ موجب اس میں نفی آتی ہے۔ کیا آتی ہے؟ نفی۔ مَا ضَرَبَنِي إِلَّا زَيْدٌ، اصل میں کلام کیا ہے؟ مَا ضَرَبَنِي أَحَدٌ، تو کسی نے میری پٹائی نہیں کی۔ اب مجھے بتائیے آپ ہر ایک سے پٹائی کی نفی کر رہے ہیں یا اثبات کر رہے ہیں؟ مَا ضَرَبَنِي أَحَدٌ، یہ نفی کر رہے ہیں آپ ہر ایک سے، صرف زید کے لیے پٹائی کا اثبات کر رہے ہیں۔ اور یہ تو ہوتا رہتا ہے کہ ایک جنس کے افراد سے، تمام افراد سے ایک چیز کی نفی ہو جائے اور چند افراد کے لیے وہ حکم ثابت ہو جائے۔ توجہ ہے؟ چند افراد کے لیے وہ حکم ثابت ہو جائے، اکثر سے حکم کی نفی ہو جائے، ان کے لیے اکثر کے لیے وہ حکم ثابت نہ ہو اور چند ایک کے لیے حکم ثابت ہو ایسا تو ہوتا رہتا ہے۔ لیکن کلامِ موجب کے اندر کیا ہوگا؟ کلامِ موجب کے اندر مثلاً آپ کہتے ہیں ضَرَبَنِي إِلَّا زَيْدٌ أَيْ ضَرَبَنِي كُلُّ وَاحِدٍ، ہر ایک نے میری پٹائی کی۔ تو ہر ایک کے لیے ایک فعل ثابت ہو جائے ایسا بڑا قلیل ہوتا ہے، کہ ہر ایک کے لیے فعل ثابت ہو اور چند ایک کے لیے ثابت نہ ہو ایسا قلیل ہوتا ہے۔ ہاں ہر ایک سے فعل کی نفی ہو سوائے چند ایک کے یہ ایسا کثرت سے ہوتا ہے۔ توجہ ہے؟ کیا بات ہوئی؟ کہ کلامِ موجب میں اگر مستثنیٰ منہ عام نکالیں گے تو ہر ایک کے لیے فعل کا اثبات ہوگا اور مستثنیٰ سے فعل کی نفی، اور ایسا بہت کم ہوتا ہے کہ ہر ایک کے لیے ایک فعل کا اثبات ہو، ایک

جنس کے تمام افراد کے لیے ایک فعل کا اثبات ہو جائے چند افراد کو چھوڑ کر، ایسا بہت کم ہوتا ہے۔ اور کلامِ غیرِ موجب میں آپ کیا کرتے ہیں؟ کسی جنس کے تمام افراد سے ایک فعل کی نفی کرتے ہیں اور چند ایک کے لیے اثبات کرتے ہیں، تو کسی جنس کے تمام افراد سے ایک فعل کی نفی ہو جائے چند ایک کو چھوڑ کر یہ تو ہوتا رہتا ہے، اکثر ہوتا ہے۔

کہتے ہیں: لِأَنَّ اشْتِرَاكَ جَمِيعِ أَفْرَادِ الْجِنْسِ اس لیے کیونکہ کسی جنس کے تمام افراد کا شریک ہو جانا، کس چیز میں؟ فِي انْتِفَاءِ تَعَلُّقِ الْفِعْلِ بِهَا، بِهَا ہا ضمیر راجع ہے افراد کو، افراد کو، ترجمہ آخر سے ہوگا فِي انْتِفَاءِ تَعَلُّقِ الْفِعْلِ بِهَا ان افراد کے ساتھ فعل کے تعلق کی نفی میں، ان افراد سے فعل کے تعلق کی نفی۔ بھئی کلامِ غیرِ موجب میں فعل کا اثبات ہوتا ہے تمام افراد کے لیے یا نفی ہوتی ہے؟ کلامِ غیرِ موجب میں نفی۔ مَا جَاءَنِي إِلَّا زَيْدٌ، أَيْ مَا جَاءَنِي أَحَدٌ میرے پاس کوئی ایک بھی نہیں آیا تو ہر ایک سے مجیئت کی نفی ہو رہی ہے۔ توجہ ہے؟ تو کہتے ہیں لِأَنَّ اشْتِرَاكَ، پھر دیکھیے ترجمہ: لِأَنَّ اشْتِرَاكَ جَمِيعِ أَفْرَادِ الْجِنْسِ اس لیے کیونکہ کسی جنس کے تمام افراد کا شریک ہو جانا، کس چیز میں تمام افراد شریک ہو گئے؟ فِي انْتِفَاءِ تَعَلُّقِ الْفِعْلِ بِهَا ان افراد کے ساتھ فعل کا جو تعلق ہے وہ انتفا والا ہے یعنی ان سے فعل کی نفی ہو رہی ہے۔ کسی جنس کے تمام افراد کا اس بات میں شریک ہو جانا کہ ان سے کیا ہو رہی ہے فعل کی نفی ہو رہی ہے، وَمُخَالَفَةَ وَاحِدٍ إِيَّاهَا فِي ذٰلِكَ اور کسی ایک کا ان افراد کی مخالفت کرنا، کسی ایک فرد کا ان افراد کی، مثلاً ادھر دیکھو مَا جَاءَنِي إِلَّا زَيْدٌ۔ توجہ ہے؟ مَا جَاءَنِي إِلَّا زَيْدٌ، اصل میں کلام کیا ہے؟ مَا جَاءَنِي أَحَدٌ إِلَّا زَيْدًا۔ میرے پاس کوئی ایک بھی نہیں آیا۔ تو یہ یعنی تمام اس انسان کے، انسان کی جو پوری جنس ہے اس جنس کے تمام افراد سے مجیئت کی نفی ہو رہی ہے۔ تو کسی جنس کے تمام افراد سے فعل کی نفی کرنا اور صرف إِلَّا زَيْدًا صرف کسی ایک فرد کے لیے فعل کا اثبات کر دینا یہ کثرت سے ہوتا ہے۔ آپ فعل باقیوں کے لیے ثابت، ہاں آپ یہ کہیں تمام لوگ میرے پاس آئے یہ نہیں ہو سکتا کہ ساری دنیا کے افراد آپ کے پاس آجائیں ساری دنیا کے۔ توجہ ہے؟ ہاں آپ سب سے آنے کی نفی کر دیں سوائے زید کے، یہ ہو سکتا ہے کہ ساری دنیا کے افراد آپ کے پاس نہ آئیں صرف کون آئے؟ زید آئے، ایک فرد ان میں سے آجائے۔ بات سمجھ میں آگئی؟

پھر دیکھو ترجمہ: لِأَنَّ اشْتِرَاكَ جَمِيعِ أَفْرَادِ الْجِنْسِ اس لیے کیونکہ کسی جنس کے تمام افراد کا شریک ہو جانا فِي انْتِفَاءِ تَعَلُّقِ الْفِعْلِ بِهَا فعل کے تعلق کے انتفا میں، کسی جنس کے تمام افراد کا شریک ہو جانا ان کے ساتھ فعل کے تعلق کے انتفا میں یعنی ان سے فعل کی نفی ہو رہی ہے، اس نفی کے اندر کسی جنس کے تمام افراد کا شریک ہو جانا، وَمُخَالَفَةَ وَاحِدٍ إِيَّاهَا اور کسی ایک فرد کی مخالفت کرنا ان افراد کی، یعنی باقی سب سے تو کسی جنس کے تمام افراد سے فعل کی نفی ہو رہی ہے لیکن ایک فرد ان کی مخالفت کر رہا ہے یعنی اس کے لیے فعل کا اثبات ہو رہا ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو وَمُخَالَفَةَ وَاحِدٍ إِيَّاهَا فِي ذٰلِكَ اور مخالفت کرنا ان میں سے کسی ایک فرد کا فِي ذٰلِكَ اس چیز میں یعنی اس انتفا میں، مِمَّا یہ ان چیزوں میں سے ہے يَكْثُرُ

وَيَغْلِبُ جو کثرت سے ہے اور غالب ہے یعنی کثرت سے ہوتا ہے۔ بات بھی سمجھ میں آ رہی ہے کہ نہیں؟ کیا؟ آپ نے استقامتِ معنی کی شرط کلامِ موجب کے لیے تو لگائی حالانکہ یہ شرط تو کلامِ غیرِ موجب کے لیے بھی لگانی چاہیے۔ تو جواب دے رہے ہیں کہ بھئی اعتبار غالب کا ہے۔ کلامِ غیرِ موجب میں مستثنیٰ مفرغ جب آتا ہے تو اکثر معنی صحیح رہتا ہے، اور کلامِ موجب میں جب مستثنیٰ مفرغ آتا ہے تو اکثر معنی صحیح نہیں رہتا اس لیے وہاں استقامتِ معنی کی شرط لگا دی۔ کیوں؟ وجہ کیا ادھر دیکھو، وجہ یہ کہ کلامِ غیرِ موجب میں آپ تمام افراد سے شے کی نفی کرتے ہیں اور کسی ایک کے لیے اثبات کرتے ہیں، تو تمام سے نفی ہو جائے اور ایک کے لیے اثبات ہو جائے یہ تو ہوتا رہتا ہے۔ لیکن کلامِ موجب میں آپ تمام افراد کے لیے ایک فعل کو ثابت کرتے ہیں اور بعض سے صرف نفی کرتے ہیں، اور ایسا بڑا کم ہوتا ہے کہ کوئی فعل تمام افراد کے لیے ثابت ہو جائے سوائے چند ایک کے۔

پھر ایک دفعہ ترجمہ دیکھو بھئی، بات سمجھ میں آئے تو مجھے بتائیں تاکہ میری تسلی ہو کہ آپ بات بھی سمجھ گئے ہیں آپ کو ترجمہ بھی سمجھ میں آگیا ہے۔ کہتے ہیں: لِأَنَّ اشْتِرَاكَ جَمِيعِ أَفْرَادِ الْجِنْسِ اس لیے کیونکہ کسی جنس کے تمام افراد کا شریک ہو جانا، بھئی کس چیز میں شریک ہو جانا؟ فِي انْتِفَاءِ تَعَلُّقِ الْفِعْلِ بِهَا کہ ان کے ساتھ فعل کا تعلق منتفی ہے یعنی ان سے فعل کی نفی کی جا رہی ہے، کسی جنس کے تمام افراد اس بات میں شریک ہو گئے، وَمُخَالَفَةَ وَاحِدٍ إِيَّاهَا فِي ذٰلِكَ اور ان افراد میں سے کسی ایک فرد نے اس نفی کے اندر ان کی مخالفت کر دی یعنی اس کے لیے فعل کا اثبات ہو گیا، مِمَّا يَكْثُرُ وَيَغْلِبُ یہ ان چیزوں میں سے ہے جو کثرت سے ہوتی ہیں اور غالب ہیں بھئی۔ یہ کس میں تھا؟ کلامِ غیرِ موجب میں، اس میں فعل کی نفی ہوتی ہے تمام افراد سے سوائے چند ایک کے۔ اور کلامِ موجب میں کیا ہوگا؟ تمام افراد کے لیے فعل کا اثبات ہوگا اور ایک سے نفی ہوگی اور یہ تو بہت کم ہوتا ہے کہ تمام افراد کے لیے ایک فعل ثابت ہو جائے اور ایک سے اس کی نفی ہو جائے۔

اب وہ بیان کر رہے ہیں: وَأَمَّا اشْتِرَاكُهُمَا فِي تَعَلُّقِ الْفِعْلِ بِهَا اور باقی کسی جنس کے تمام افراد کا شریک ہو جانا فِي تَعَلُّقِ الْفِعْلِ بِهَا کہ ان کے ساتھ فعل کا تعلق ہے یعنی فعل ان کے لیے ثابت ہے، وَمُخَالَفَةُ وَاحِدٍ إِيَّاهَا فِي ذٰلِكَ اور کسی ایک فرد کا ان افراد کی مخالفت کرنا فِي ذٰلِكَ اس فعل کے تعلق میں یعنی اثبات میں وہ ان کی مخالفت کرتا ہے، اس کے لیے اثبات نہیں ہے بلکہ فعل کی نفی ہو رہی ہے، فَمِمَّا یہ ان چیزوں میں سے ہے يَقِلُّ جو قلیل ہے، جو قلیل ہے۔ كَمَا فِي الْمِثَالِ الْمَذْكُورِ جیسے کہ مذکورہ مثال میں ہے۔ جیسے کہ مذکورہ مثال میں ہے۔ جیسے وہ مثال انہوں نے پیچھے ذکر کی تھی: كُلُّ حَيَوَانٍ يُحَرِّكُ فَكَّهُ الْأَسْفَلَ عِنْدَ الْمَضْغِ إِلَّا التِّمْسَاحَ ہر حیوان کھانا چباتے ہوئے اپنے نچلے جبڑے کو حرکت دیتا ہے إِلَّا التِّمْسَاحَ سوائے کس کے؟ مگرمچھ کے۔ تو ہر ایک کے لیے تمام افرادِ حیوان کے لیے یہ حکم ثابت ہے اور صرف کس کی نفی کی ہے؟ مگرمچھ کی، ایسا بہت کم ہوتا ہے کہ ایک حکم تمام افرادِ جنس کے لیے ثابت ہو اور کسی ایک سے اس کی نفی ہو جائے۔

دوسرا اعتراض کیا تھا؟ کہ آپ نے کلامِ موجب کے اندر بھی بعض صورتوں کو استقامتِ معنی میں داخل کیا ہے اور بعض کو داخل نہیں کیا۔ قَرَأْتُ إِلَّا يَوْمَ كَذَا آپ کہتے ہیں اس میں معنی صحیح ہے، ٹھیک ہے، اور ضَرَبَنِي إِلَّا زَيْدٌ اس کے اندر معنی صحیح نہیں، تو یہ ترجیح بلا مرجح ہے، ہمارے نزدیک تو دونوں میں کوئی فرق نہیں، قرینہ موجود ہو تو دونوں صحیح اور قرینہ موجود نہ ہو تو دونوں ہی صحیح نہیں ہیں۔ تو اس کا بھی اب جواب دے رہے ہیں۔

کہتے ہیں: وَبِأَنَّ الْفَرْقَ بَيْنَ، تو جواب دیں گے کہ بھئی جواب یہ کہ قَرَأْتُ إِلَّا يَوْمَ كَذَا اس کے اندر قرینہ ظاہر ہے۔ قرینہ کیا ہے؟ ظاہر ہے۔ جب متکلم کہتا ہے قَرَأْتُ إِلَّا يَوْمَ كَذَا میں نے پڑھا اس کو تمام دنوں میں سوائے چند دن، تو سننے والا سمجھ جاتا ہے کہ تمام دنیا کے دن مراد نہیں ہیں کیونکہ اتنی تو اس کی زندگی ہی نہیں ہے بلکہ کچھ مخصوص زمانے کے دن مراد ہیں ہفتے کے یا مہینے کے یا سال کے۔ تو یہاں قرینہ ظاہر ہے۔ اور ضَرَبَنِي إِلَّا زَيْدٌ اس کے اندر ایسا قرینہ ظاہر نہیں، تو اس لیے وہاں معنی مستقیم نہیں اور قَرَأْتُ إِلَّا يَوْمَ كَذَا میں معنی مستقیم ہے کیونکہ قرینہ موجود ہے۔ اگر اس میں بھی کوئی قرینہ آجائے پھر وہ بھی صحیح ہو جائے گا۔ تو گویا دونوں مثالوں میں جو فرق ہے وہ ظہورِ قرینہ پر ہے۔ قرینہ ظاہر ہو تو وہ مثالیں صحیح ہوں گی، اور قرینہ اگر ظاہر نہیں ہے تو پھر مثال صحیح نہیں ہوگی۔ لیکن قَرَأْتُ إِلَّا يَوْمَ كَذَا کے اندر تو قرینہ ظاہر ہے لہٰذا اس کو صحیح ہی قرار دینا پڑے گا، اور ضَرَبَنِي إِلَّا زَيْدٌ کے اندر قرینہ ظاہر نہیں ہے، ہاں اگر قرینہ ظاہر ہوا تو پھر وہ بھی صحیح ہے۔

وَبِأَنَّ الْفَرْقَ بَيْنَ قَوْلِكَ اور یہ کہ فرق جو ہے آپ کے اس قول کے اندر قَرَأْتُ إِلَّا يَوْمَ كَذَا ایک یہ قول، وَضَرَبَنِي إِلَّا زَيْدٌ دوسرا یہ قول، ان دونوں میں فرق جو ہے لَيْسَ إِلَّا بِظُهُورِ قَرِينَةٍ مگر ظہورِ قرینہ کا ہے۔ ان دونوں میں فرق کیا ہے؟ ظہورِ قرینہ، ایک میں قرینہ ظاہر ہے۔ تو کہتے ہیں ان میں فرق جو ہے لَيْسَ إِلَّا بِظُهُورِ قَرِينَةٍ دَالَّةٍ عَلَى بَعْضٍ مُعَيَّنٍ ان دونوں میں فرق نہیں ہے مگر ایسے قرینے کا ظاہر ہونا دَالَّةٍ جو دلالت کر رہا ہے عَلَى بَعْضٍ مُعَيَّنٍ کس پر؟ قَرَأْتُ إِلَّا يَوْمَ كَذَا اس میں ایک قرینہ ہے جو کس پر دلالت کر رہا ہے؟ بعضِ معین پر، مِنَ الْمُسْتَثْنَى مِنْهُ کس میں سے؟ مستثنیٰ منہ میں سے، یعنی مستثنیٰ منہ یعنی تمام زمانے کے دن مراد نہیں ہیں بلکہ بعض مخصوص زمانے کے دن مراد ہیں۔ تو یہ معنی ہے عَلَى بَعْضٍ مُعَيَّنٍ مِنَ الْمُسْتَثْنَى مِنْهُ مستثنیٰ منہ میں سے بعضِ معین پر جو دلالت کر رہا ہے، مَقْطُوعٍ دُخُولُهُ فِيهِ فِي الْأَوَّلِ۔ مَقْطُوعٍ یہ صفت ہے بَعْضٍ کی اور بَعْضٍ پر عَلَى داخل تھا: عَلَى بَعْضٍ مُعَيَّنٍ مِنَ الْمُسْتَثْنَى مِنْهُ مَقْطُوعٍ وہ بعضِ معین ایسے ہوں کہ مَقْطُوعٍ کہ قطعی ہو، کیا قطعی ہو، یقینی ہو، کیا یقینی ہو؟ دُخُولُهُ فِيهِ مستثنیٰ کا اس میں داخل ہونا۔ وہ بعضِ معین ایسے ہوں، میں نے بتایا تھا نا کہ مستثنیٰ منہ محذوف ہے، تو وہ عام نکالیں گے، کیا نکالیں گے؟ عام، تاکہ مستثنیٰ اس میں پہلے داخل ہو اور پھر إِلَّا کے ذریعے اس کو نکالا جائے۔ تو بعضِ غیرِ معین مراد نہیں لے سکتے کیونکہ مستثنیٰ کا ان میں داخل ہونا یقینی نہیں۔ ضَرَبَنِي إِلَّا زَيْدٌ آپ بعضِ غیرِ معین انسان مراد لے لیں چند انسان، تو پھر تو پتہ نہیں زید ان میں داخل ہے یا داخل نہیں حالانکہ زید کو داخل ہونا چاہیے کیونکہ یہ مستثنیٰ متصل ہے۔ معلوم ہوا بعضِ غیرِ معین مراد نہیں لے سکتے، تو پھر بعضِ معین مراد لیں لیکن وہ بعضِ معین

ایسے ہونے چاہئیں جن میں مستثنیٰ قطعی طور پر داخل ہو تاکہ اس کا اخراج ہو سکے بھئی۔ تو فرق دونوں میں کیا ہے قَرَأْتُ إِلَّا يَوْمَ كَذَا اور ضَرَبَنِي إِلَّا زَيْدٌ کے اندر؟ کہ ایک میں ایسا قرینہ ظاہر ہے جو دلالت کر رہا ہے مستثنیٰ منہ کے بعضِ معین پر اور جن کے اندر مستثنیٰ کا داخل ہونا قطعی ہے، کیونکہ مستثنیٰ متصل ہے قطعی طور پر داخل ہوگا تو پھر إِلَّا کے ذریعے ہم نکالیں گے، اگر داخل ہی نہیں ہے تو پھر تو مخرج نہیں ہو سکے گا بھئی۔

تو یہ مَقْطُوعٍ صفت ہے کس کی؟ بَعْضٍ کی۔ توجہ ہے؟ دیکھو بَعْضٍ موصوف، مُعَيَّنٍ صفتِ اول، مِنَ الْمُسْتَثْنَى مِنْهُ صفتِ ثانی، مَقْطُوعٍ صفتِ ثالث۔ اور صفت پر وہی اعراب آتا ہے جو موصوف پر ہو۔ بَعْضٍ پر عَلَى جارہ داخل ہے، بَعْضٍ مجرور ہے تو مُعَيَّنٍ یہ بھی مجرور، مِنَ الْمُسْتَثْنَى مِنْهُ جار مجرور آیا اور نکرہ کے بعد جار مجرور آئے تو وہ بھی اس کے لیے کیا بنتا ہے؟ صفت، اور براہِ راست صفت نہیں بنتا بلکہ ثَبَتَ یا ثَابِتٍ سے متعلق ہوگا تو ثَابِتٍ مِنَ الْمُسْتَثْنَى مِنْهُ یہ دوسری صفت، اور مَقْطُوعٍ یہ بھی مجرور یہ تیسری صفت۔ اور مَقْطُوعٍ کون سا صیغہ ہے؟ اسمِ مفعول ہے۔ اور جیسے فعلِ معروف کے لیے فاعل چاہیے اور فعلِ مجہول کے لیے نائب فاعل چاہیے، اسی طرح اسمِ فاعل کے لیے فاعل چاہیے اور اسمِ مفعول کے لیے نائب فاعل چاہیے، تو یہ جو مَقْطُوعٍ کے بعد دُخُولُهُ آرہا ہے یہ نائب الفاعل ہے مَقْطُوعٍ کا، کہ قطعی ہو، یقینی ہو، کیا یقینی ہو؟ دُخُولُهُ فِيهِ مستثنیٰ کا اس میں داخل ہونا، مستثنیٰ کا اس میں داخل ہونا۔ فِي الْأَوَّلِ آگے آیا فِي الْأَوَّلِ، أَوَّل سے مراد ہے مثالِ اول، یہ جو ابھی ذکر کیا نا قَرَأْتُ إِلَّا يَوْمَ كَذَا وَضَرَبَنِي إِلَّا زَيْدٌ اس میں سے جو پہلی مثال ہے قَرَأْتُ والی وہ مراد ہے۔

تو کہتے ہیں، دوبارہ دیکھیے: وَبِأَنَّ الْفَرْقَ بَيْنَ قَوْلِكَ قَرَأْتُ إِلَّا يَوْمَ كَذَا وَضَرَبَنِي إِلَّا زَيْدٌ لَيْسَ إِلَّا بِظُهُورِ قَرِينَةٍ دَالَّةٍ عَلَى بَعْضٍ مُعَيَّنٍ مِنَ الْمُسْتَثْنَى مِنْهُ ان دونوں مثالوں میں فرق جو ہے لَيْسَ وہ فرق نہیں ہے إِلَّا بِظُهُورِ قَرِينَةٍ دَالَّةٍ مگر ایک ایسے قرینے کے ظاہر ہونے کی وجہ سے جو دلالت کر رہا ہے کہ ایک میں قرینہ دلالت والا قرینہ ظاہر ہے، دلالت کر رہا ہے کس چیز پر دلالت کر رہا ہے؟ عَلَى بَعْضٍ مُعَيَّنٍ مِنَ الْمُسْتَثْنَى مِنْهُ ایسے بعضِ معین پر جو کس میں سے ہیں؟ مستثنیٰ منہ میں سے، دیکھو قَرَأْتُ إِلَّا يَوْمَ كَذَا اس سے سارے زمانے کے ایام مراد ہیں یا بعض مخصوص زمانے کے ایام مراد ہیں؟ بعض مخصوص زمانے کے۔ وہی بیان کر رہے ہیں: دَالَّةٍ عَلَى بَعْضٍ مُعَيَّنٍ مِنَ الْمُسْتَثْنَى مِنْهُ کہ وہ دلالت کر رہے ہیں مستثنیٰ منہ میں سے بعضِ معین دنوں پر بھئی، بعضِ معین دنوں پر۔ لیکن وہ بعضِ معین ایسے ہیں مَقْطُوعٍ کہ یقینی ہے دُخُولُهُ فِيهِ مستثنیٰ کا اس میں داخل ہونا، جب داخل ہوگا تو پھر ہی مخرج ہو سکے گا اور یہ بات بھی مستثنیٰ متصل کی چل رہی ہے تو اس لیے لہٰذا داخل ہونا ضروری ہے۔ تو مَقْطُوعٍ دُخُولُهُ فِيهِ کہ قطعی طور پر ہے اس میں اس مستثنیٰ کا داخل ہونا فِي الْأَوَّلِ یہ کس کے اندر ہے؟ پہلی مثال میں۔ ادھر دیکھیے کہنا یہ چاہتے ہیں کہ یہ جو دو مثالیں ہیں ان دو مثالوں میں صرف یہ فرق ہے کہ پہلی مثال کے اندر ایسا قرینہ ظاہر ہے جو دلالت کر رہا ہے اس بات پر کہ مستثنیٰ منہ سے تمام افراد نہیں مراد بلکہ بعضِ معین افراد یعنی بعضِ معین دن مراد ہیں اور وہ بعضِ معین دن ایسے ہیں کہ قطعی طور پر ان کے اندر مستثنیٰ داخل تھا پھر إِلَّا کے ذریعے کیا

کیا گیا؟ خارج کیا گیا۔ بات سمجھ میں آگئی؟ یہ پیچھے آیا تھا فَلَوْ قَامَ فِي الثَّانِي أَيْضًا قَرِينَةٌ ظَاهِرَةُ الدَّلَالَةِ عَلَى بَعْضٍ مُعَيَّنٍ۔ اس میں بھی دیکھو یہ قَرِينَةٌ یہ ہے موصوف اور ظَاهِرَةُ الدَّلَالَةِ یہ ہے اس کی صفت بھئی۔ یہ قَرِينَةٌ ہے موصوف اور ظَاهِرَةُ الدَّلَالَةِ یہ ہے اس کی صفت۔ آپ کے ذہن میں اشکال آئے گا کہ قَرِينَةٌ یہ تو نکرہ ہے اور ظَاهِرَةُ الدَّلَالَةِ یہ تو مضاف مضاف الیہ مل کر معرفہ، جواب کہ نہیں بھئی یہ معرفہ نہیں ہے یہ بھی نکرہ ہے یہ اضافتِ لفظی ہے، اضافتِ لفظی ہے۔ میں نے آپ کو بتایا تھا کہ کسی لفظ کی اضافت جب معرفہ کی طرف ہو تو وہ معرفہ بن جاتا ہے اور نکرہ کی طرف اضافت ہو تو وہ لفظ معرفہ تو نہیں بنتا لیکن اس میں تخصیص آجاتی ہے اور اس کو اضافتِ معنوی کہتے ہیں۔ اور ایک اضافتِ لفظی ہے۔ اضافتِ لفظی اسے کہتے ہیں کہ صیغہ صفت کا ہو اور مضاف ہو اپنے معمول کی طرف۔ تو یہاں پر بھی دیکھ لو ظَاهِرَةٌ اسمِ فاعل ہے، صفت کا صیغہ ہے، اور یہ الدَّلَالَةُ اس کا فاعل ہے۔ قَرِينَةٌ ایسا قرینہ کہ ظاہر ہے، کیا چیز ظاہر ہے؟ الدَّلَالَةُ اس کی دلالت، تو یہ الدَّلَالَةُ فاعل ہے ظَاهِرَةٌ کے لیے۔ اور پھر اس ظاہر یہ صفت کا صیغہ جو ہے اس کی اضافت کر دی اپنے فاعل کی طرف تو یہ اضافتِ لفظی ہوئی۔ صفت کا صیغہ ہو اور اس کی اضافت ہو اپنے فاعل یا مفعول کی طرف یہ اضافتِ لفظی ہے اور اضافتِ لفظی صرف لفظوں کے اندر تنوین یا قائم مقامِ تنوین یعنی نونِ جمع یا تثنیہ گر جاتے ہیں، اس کا فائدہ دیتے ہیں باقی نہ اس میں تعریف آتی ہے نہ تخصیص، ظَاهِرَةٌ کا لفظ اضافت سے پہلے جیسے نکرہ تھا ابھی بھی اسی طرح نکرہ کا نکرہ ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو یہ اضافتِ لفظی ہے۔ اضافتِ لفظی کسے کہتے ہیں؟ صیغہ صفت کا ہو اور مضاف ہو اپنے معمول کی طرف اور یہ صرف اس کی وجہ سے تنوین یا نونِ تثنیہ اور جمع گر جاتے ہیں، لفظوں میں تخفیف آجاتی ہے، معنی میں کوئی فائدہ نہیں ہوتا یعنی نہ تعریف آتی ہے اس لفظ میں اور نہ تخصیص۔ تو قَرِينَةٌ بھی نکرہ اور ظَاهِرَةُ الدَّلَالَةِ یہ بھی نکرہ۔ تو کہتے ہیں فَلَوْ قَامَ فِي الثَّانِي أَيْضًا قَرِينَةٌ ظَاهِرَةُ الدَّلَالَةِ عَلَى بَعْضٍ مُعَيَّنٍ اگر دوسری صورت کے اندر بھی دوسری مثال کے اندر بھی کوئی ایسا قرینہ قائم ہو جاتا ظَاهِرَةُ الدَّلَالَةِ جس کی دلالت ظاہر ہوتی بعضِ معین پر، تو اس صورت میں یہ دوسری مثال بھی اسی کے اندر داخل ہو جاتی۔ بات سمجھ میں آگئی؟

اب ترجمہ پھر ایک دفعہ دیکھ لیجیے، کہتے ہیں: وَبِأَنَّ الْفَرْقَ بَيْنَ قَوْلِكَ قَرَأْتُ إِلَّا يَوْمَ كَذَا وَضَرَبَنِي إِلَّا زَيْدٌ لَيْسَ إِلَّا بِظُهُورِ قَرِينَةٍ کہ ان دونوں مثالوں میں فرق نہیں ہے مگر ایسے قرینے کے ظہور کی وجہ سے دَالَّةٍ جو دلالت کر رہا ہے عَلَى بَعْضٍ مُعَيَّنٍ مِنَ الْمُسْتَثْنَى مِنْهُ مستثنیٰ منہ میں سے بعضِ معین پر کہ وہ مراد ہیں تمام مراد نہیں، اور نیز وہ بعضِ معین جو ہیں مَقْطُوعٍ دُخُولُهُ فِيهِ ایسے ہیں کہ ان میں قطعی طور پر مستثنیٰ داخل ہے فِي الْأَوَّلِ کس میں؟ پہلی مثال میں۔ یہ فرق ہے کہ ایک میں قرینہ ظاہر ہے ایک میں قرینہ ظاہر نہیں۔ وَعَدَمِ ظُهُورِهَا فِي الثَّانِي اور دوسرے میں عدمِ ظہور ہے اس قسم کے قرینے کا یعنی وہ ظاہر نہیں ہے۔

فَلَوْ قَامَ فِي الثَّانِي أَيْضًا قَرِينَةٌ ظَاهِرَةُ الدَّلَالَةِ اگر قائم ہو جائے دوسری مثال کے اندر بھی قَرِينَةٌ ظَاهِرَةُ الدَّلَالَةِ کوئی

ایسا قرینہ جس کی دلالت ظاہر ہو، کوئی ایسا قرینہ جس کی دلالت ظاہر ہو عَلَى بَعْضٍ مُعَيَّنٍ بعضِ معین پر، كَمَا إِذَا قِيلَ جیسے کہ مثلاً کہا جائے: مَنْ ضَرَبَكَ مِنَ الْقَوْمِ کس نے تمہاری پٹائی کی ان لوگوں میں سے؟ کوئی پوچھنے والا دوسرے سے پوچھتا ہے مَنْ ضَرَبَكَ مِنَ الْقَوْمِ تمہاری کس نے پٹائی کی مِنَ الْقَوْمِ ان لوگوں میں سے، ایک مخصوص جماعت کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ اور آگے بتلا رہے ہیں أَيِ الْقَوْمِ دَاخِلٍ فِيهِمْ زَيْدٌ یعنی ایسی قوم جن میں زید داخل ہے، جن میں زید داخل ہے، فَقُلْتَ تو آپ کہتے ہیں: ضَرَبَنِي إِلَّا زَيْدٌ، ضَرَبَنِي إِلَّا زَيْدٌ۔ تو کلام گویا یوں ہے ضَرَبَنِي كُلُّ وَاحِدٍ إِلَّا زَيْدٌ ہر ایک نے میری پٹائی کی۔ اب ہر ایک سے تمام دنیا کے انسان مراد ہیں یا وہ مخصوص جماعت مراد ہے؟ اس مخصوص جماعت کے افراد مراد ہیں، تو لہٰذا اس صورت میں یہاں پر بھی مستثنیٰ مفرغ کلامِ موجب میں آرہا ہے ضَرَبَنِي إِلَّا زَيْدٌ پھر بھی یہ کلام صحیح ہے کیونکہ قرینہ موجود ہے کہ تمام افراد مراد نہیں بعضِ معین مراد ہیں اور ایسے بعضِ معین ہیں جن کے اندر مستثنیٰ بھی داخل ہے بھئی قطعی طور پر۔ تو فَقُلْتَ تو آپ کہتے ہیں ضَرَبَنِي إِلَّا زَيْدٌ، فَالظَّاهِرُ تو ظاہر یہ ہے کہ أَنَّ ذٰلِكَ أَيْضًا مِمَّا يَسْتَقِيمُ فِيهِ الْمَعْنَى تو ظاہر یہ ہے کہ یہ مثال جو ہے یہ بھی ان مثالوں میں سے ہو گئی یا ان صورتوں میں سے ہو گئی يَسْتَقِيمُ فِيهِ الْمَعْنَى جس کے اندر معنی مستقیم ہے یعنی درست ہے۔

لٰكِنَّ الْغَالِبَ عَدَمُ وِجْدَانِ قَرِينَةٍ كَذٰلِكَ فِي الْمُوجَبِ لیکن کہتے ہیں غالب یہ ہے عَدَمُ وِجْدَانِ قَرِينَةٍ كَذٰلِكَ کہ اس قسم کا قرینہ پایا نہیں جاتا فِي الْمُوجَبِ کس کے اندر؟ موجب میں۔ ہم نے تو ایک مثال دے دی کہ ضَرَبَنِي إِلَّا زَيْدٌ اس کے اندر اگر کوئی قرینہ موجود ہے کہ کوئی مخصوص قوم کے تمام افراد مراد ہیں، انسانوں کے تمام افراد مراد نہیں، تو اگر قرینہ موجود ہو پھر یہ بھی صحیح ہو جائے گا، لیکن ہوتا اکثر کلامِ موجب میں اس قسم کا قرینہ ہوتا نہیں ہے۔ جب ہوتا نہیں تو معنی تو اس کے بغیر صحیح نہیں بنتا تو اس لیے وہاں پر مستثنیٰ مفرغ کا اس میں لانا صحیح نہیں۔ کہتے ہیں لٰكِنَّ الْغَالِبَ عَدَمُ وِجْدَانِ قَرِينَةٍ كَذٰلِكَ لیکن غالب جو ہے وہ نہ پایا جانا ہے اس طرح کے قرینے کا یعنی اس طرح کا قرینہ نہیں پایا جاتا فِي الْمُوجَبِ کلامِ موجب میں، فَالْغَالِبُ فِيهِ عَدَمُ اسْتِقَامَةِ الْمَعْنَى تو غالب جو ہوتا ہے اس کلامِ موجب کے اندر وہ استقامتِ معنی کا نہ ہونا ہے۔ کلامِ موجب میں عموماً اس طرح کا قرینہ نہیں ہوتا، جب قرینہ نہیں ہوتا تو پھر معنی بھی مستقیم نہیں ہوتا، صحیح نہیں ہوتا۔ بات سمجھ میں آگئی؟

پھر ایک دفعہ ترجمہ دیکھ لیجیے: لٰكِنَّ الْغَالِبَ عَدَمُ وِجْدَانِ قَرِينَةٍ كَذٰلِكَ فِي الْمُوجَبِ لیکن غالب جو ہے وہ کلامِ موجب کے اندر اس قسم کے قرینے کا نہ پایا جانا ہے، تو فَالْغَالِبُ فِيهِ عَدَمُ اسْتِقَامَةِ الْمَعْنَى تو جب اس طرح کا قرینہ نہیں ہوگا تو غالب جو ہے وہ کلامِ موجب کے اندر وہ استقامتِ معنی کا نہ ہونا ہے یعنی اس میں معنی مستقیم نہ رہے گا۔

بات سمجھ میں آگئی؟ حاصلِ کلام کیا ہوا؟ کہ یہاں دو اعتراض کیے اور پھر ان کے جوابات ذکر کیے۔ اعتراض یہ کہ آپ

نے استقامتِ معنی کی شرط کلامِ موجب میں لگائی حالانکہ غیرِ موجب میں بھی یہ لگانی چاہیے تھی۔ تو اس کا جواب دیا کہ بھئی اعتبار غالب کا ہے۔ کلامِ غیرِ موجب میں غالباً غالباً معنی صحیح رہتا ہے، اس لیے وہاں قید نہیں لگائی، اور کلامِ موجب میں غالباً معنی صحیح نہیں رہتا اس لیے وہاں قید لگا دی۔ اور پھر دوسرا اعتراض یہ کہ کلامِ موجب کی بعض صورتوں کو آپ نے استقامتِ معنی کے تحت داخل کیا کہ ان میں معنی مستقیم ہے اور بعض کو اس میں داخل نہیں کیا، تو جواب دیا کہ بھئی اس کا دارومدار قرینے پر ہے۔ جو قَرَأْتُ والی مثال ہے قَرَأْتُ إِلَّا يَوْمَ كَذَا اس کے اندر قرینہ ظاہر ہے جس سے پتہ چل رہا ہے کہ تمام دن نہیں مراد مخصوص دن مراد ہیں جن کے اندر مستثنیٰ بھی قطعی طور پر داخل ہے بھئی، تو اس کے اندر قرینہ موجود ہے، اور ضَرَبَنِي إِلَّا زَيْدٌ اس کے اندر کوئی ایسا قرینہ ظاہر موجود نہیں۔ ہاں اگر اس کے اندر بھی کوئی ظاہر قرینہ آجائے مثلاً کوئی آپ سے پوچھتا ہے کہ مَنْ ضَرَبَكَ مِنَ الْقَوْمِ ان لوگوں میں سے کس نے آپ کی پٹائی کی؟ تو آپ کہتے ہیں ضَرَبَنِي إِلَّا زَيْدٌ ہر ایک نے میری پٹائی کی سوائے زید کے، اب دیکھو ہر ایک جو مستثنیٰ منہ محذوف ہم نکالیں گے یہاں وہ اس سے ہر ایک سے تمام افرادِ انسان نہیں مراد بلکہ اس جماعت کے تمام افراد مراد ہیں، تو دیکھو بعضِ معین مراد ہوئے اور ایسے بعضِ معین جن میں مستثنیٰ بھی داخل ہونا چاہیے تاکہ اس کا استثنا صحیح ہو سکے۔ تو اس کے اندر بھی اگر کوئی قرینہ موجود ہو تو یہ والی مثال بھی صحیح ہو جائے گی، لیکن عموماً کلامِ موجب کے اندر اس طرح کا قرینہ ہوتا نہیں ہے، جب اس طرح کا قرینہ نہیں ہوتا تو پھر معنی بھی صحیح نہیں ہوتا۔

بات سمجھ میں آگئی؟ حل ہو گیا؟ چلیے بس بھئی، هٰذَا هُوَ الْمَرَامُ، وَاللّٰهُ أَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْكَلَامِ۔

سبق نمبر ۱۶۲: المستثنیٰ (۹): مستثنیٰ مفرغ کے کلامِ موجب میں نہ آنے اور اس کی تاویل کا بیان

شرحِ ملا جامی صفحہ: ۱۴۶ — بتاریخ: ۲۵ جون ۲۰۲۲ء

▪ تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث

آگے سبق دیکھیے بھئی: وَمِنْ ثَمَّ أَيْ وَمِنْ أَجْلِ أَنَّ الْمُفَرَّغَ لَا يَكُونُ فِي الْمُوجَبِ إِلَّا أَنْ يَسْتَقِيمَ الْمَعْنَى لَمْ يَجُزْ، مِثْلُ: مَا زَالَ زَيْدٌ إِلَّا عَالِمًا؛ إِذْ مَعْنَى مَا زَالَ ثَبَتَ، لِأَنَّ نَفْيَ النَّفْيِ إِثْبَاتٌ، فَيَكُونُ الْمَعْنَى ثَبَتَ زَيْدٌ دَائِمًا عَلَى جَمِيعِ الصِّفَاتِ إِلَّا عَلَى صِفَةِ الْعِلْمِ، فَلَا يَسْتَقِيمُ.

بھئی گزشتہ سبق میں مستثنیٰ مفرغ کے بارے میں ہم پڑھ رہے تھے اور صاحبِ کافیہ اور صاحبِ جامی نے آپ کو بتلایا کہ مستثنیٰ مفرغ اسے کہتے ہیں جس کے اندر مستثنیٰ منہ مذکور نہ ہو اور عامل کو فارغ کر دیا گیا ہے کہ وہ مستثنیٰ کے اندر عمل کرے۔ اور اس کو مستثنیٰ مفرغ کہتے ہیں، لیکن یہ مفرغ بمعنی مُفَرَّغٌ لَهُ کے ہے بھئی، کیونکہ مستثنیٰ کو فارغ نہیں کیا گیا بلکہ عامل کو فارغ کیا گیا ہے، تو عامل ہوا مفرغ اور مستثنیٰ ہوا مُفَرَّغٌ لَهُ بھئی۔

تو صاحبِ کافیہ نے آپ کو بتلایا کہ مستثنیٰ مفرغ جو ہے، اس کے اندر شرط یہ ہے کہ وہ کلامِ غیر موجب میں آئے۔ اور یہ شرط اس لیے لگائی گئی تاکہ کلام فائدہ دے، اس لیے کیونکہ کلامِ موجب کے اندر اگر مستثنیٰ مفرغ آئے گا تو کلام کا معنیٰ صحیح نہیں رہے گا۔ جیسے دیکھو: مَا ضَرَبَنِي إِلَّا زَيْدٌ، اصل میں ہے: مَا ضَرَبَنِي أَحَدٌ إِلَّا زَيْدٌ۔ اب یہاں پر أَحَدٌ جو مستثنیٰ منہ ہے اس کو حذف کر لیا گیا تو یہ مستثنیٰ مفرغ ہوا۔ اور مستثنیٰ مفرغ کے اندر شرط یہ ہے کہ وہ کلامِ غیر موجب ہو اور یہ بھی کلامِ غیر موجب ہے، مَا ضَرَبَنِي حرفِ نفی موجود ہے۔ اور دیکھو اس کا معنیٰ صحیح ہے: مَا ضَرَبَنِي إِلَّا زَيْدٌ، میری پٹائی کسی نے نہیں کی سوائے زید کے۔ اور یہ تو ممکن ہے کہ متکلم کی پٹائی کوئی بھی شخص نہ کرے سوائے زید کے۔ لیکن اگر اسی کو کلامِ موجب ذرا بنا دیں، حرفِ نفی کو ختم کر دیں: ضَرَبَنِي إِلَّا زَيْدٌ، تو معنیٰ ہو جائے گا: ضَرَبَنِي كُلُّ وَاحِدٍ، ہر ایک نے میری پٹائی کی، إِلَّا زَيْدًا، سوائے زید کے۔ اور یہ تو ممکن نہیں ہے کہ ساری دنیا کے افراد متکلم کی پٹائی کریں سوائے زید کے۔ تو اسی لیے مصنف نے مستثنیٰ مفرغ میں کلامِ غیر موجب کی شرط لگا دی تاکہ کلام فائدہ دے۔

اور پھر آگے یہ بھی بتایا کہ اگر کلامِ موجب کے اندر معنیٰ صحیح ہو تو پھر کلامِ موجب کے اندر بھی مستثنیٰ مفرغ آسکتا ہے۔ جیسے اس کی مثال ذکر کی تھی: قَرَأْتُ إِلَّا يَوْمَ كَذَا، قَرَأْتُ میں نے پڑھا یا میں نے قرأت کی إِلَّا يَوْمَ كَذَا مگر اتنے دن، یعنی اتنے دن میں نے قرأت نہیں کی، کوئی دن وہ ذکر کر دیتا ہے دس دن، پندرہ دن، بیس دن، کہ میں نے قرأت کی مگر اتنے دن دس دن یا پندرہ دن میں نے قرأت نہیں کی۔ اب دیکھو یہاں پر مستثنیٰ منہ جو ہے محذوف ہے، یہ مستثنیٰ مفرغ ہے۔ قَرَأْتُ إِلَّا يَوْمَ كَذَا، قَرَأْتُ کے بعد اور إِلَّا سے پہلے کوئی زمانہ ذکر نہیں۔ لیکن کہتے ہیں یہاں پر قرینہ ظاہر ہے کیونکہ جب کوئی شخص اس قسم کا جملہ بولتا ہے تو اس کی مراد یہ ہوتی ہے کہ مثلاً ایک معین مخصوص وقت مراد ہوتا ہے کہ میں نے پورا ہفتہ قرأت کی مگر اتنے دن نہیں کی، یا میں نے پورا مہینہ قرأت کی مگر اتنے دن نہیں کی، یا میں نے پورا سال قرأت کی مگر اتنے دن نہیں کی۔ تو یہاں قرینہ ظاہر ہے کہ متکلم دنیا کے تمام دنوں کا ارادہ نہیں کرتا، یعنی زمانے کے تمام ایام کا، اس لیے کیونکہ تمام ایام کے اندر تو وہ زندہ ہی نہیں ہے بھئی، اس کی تو زندگی ہی مختصر سی ہے۔ تو یہاں قرینہ ظاہر ہے، معنیٰ صحیح بنتا ہے، تو یہ مستثنیٰ مفرغ ہے اور کلامِ موجب میں آیا ہے لیکن معنیٰ صحیح ہے، اس لیے یہ مثال درست ہے بھئی۔

اور پھر صاحبِ جامی نے آپ کو بتلایا تھا کہ مستثنیٰ مفرغ کلامِ موجب میں آئے، وہاں معنیٰ درست ہونے کی دو صورتیں ہیں۔ کیونکہ کس میں آرہا ہے مستثنیٰ مفرغ؟ کلامِ موجب میں، یعنی اس کے اندر اثبات ہوگا، اور مستثنیٰ سے نفی ہوگی۔ تو اس میں ضروری ہے کہ یا تو وہ حکم ایسا ہو جو عَلَى سَبِيلِ الْعُمُومِ کسی جنس کے تمام افراد کو شامل ہو، تاکہ اس میں سے کچھ افراد کو نکالنا ممکن ہو سکے۔ جیسے آپ کہتے ہیں کہ ہر حیوان کوئی چیز چباتے وقت اپنے نچلے جبڑے کو ہلاتا ہے سوائے مگرمچھ کے۔ اب دیکھو تمام حیوانات پر آپ نے حکم لگا دیا کہ وہ کوئی چیز کھاتے ہوئے اور چباتے ہوئے اپنے نچلے جبڑے کو ہلاتے ہیں اور حقیقت میں بھی ایسا ہی ہے۔ یہ حکم سب کو شامل ہے۔ تو اس قسم کے موقع پر مستثنیٰ مفرغ کلامِ موجب میں بھی لا سکتے ہیں۔ کیونکہ کلامِ موجب میں ماقبل میں اثبات ہوگا اور آپ بھی ایسا حکم لے کر آتے ہیں جو سب کو شامل ہے اس جنس کے تمام افراد کو۔ یا دوسری صورت یہ ہے، دوسری صورت یہ ہے کہ وہاں پر کوئی ایسا قرینہ ہونا چاہیے کلامِ مفرغ میں جو قرینہ یہ بتلا دے کہ یہاں اس جنس کے تمام افراد مراد نہیں ہیں، بلکہ بعضِ معین مراد ہیں، اور وہ بعضِ معین بھی ایسے ہیں جن میں مستثنیٰ قطعی طور پر داخل تھا، پھر إِلَّا کے ذریعے اس کو نکالا گیا۔ کیونکہ بات چل رہی ہے مستثنیٰ متصل کی۔ مستثنیٰ متصل کسے کہتے ہیں؟ جو پہلے داخل تھا پھر اس کو نکالا گیا، وہ مُخْرَج۔ تو لہٰذا یہ تو ضروری ہے کہ مستثنیٰ داخل ہونا چاہیے، پھر اس کے بعد اس کا إِلَّا کے ذریعے اخراج ہونا چاہیے۔ تو یہاں کوئی ایسا قرینہ جو سننے والوں کو بتلا دے کہ یہاں تمام افرادِ جنس مراد نہیں، بلکہ بعضِ معین افراد مراد ہیں۔ جیسے: قَرَأْتُ إِلَّا يَوْمَ كَذَا، یہاں قرینہ ظاہر ہے کہ جو بھی یہ بات کرنے والا ہے، تمام زمانے کے دنوں کا ارادہ اس کا نہیں ہے۔ تمام زمانے کے دنوں کا ارادہ نہیں ہے، بلکہ وہ ایک ہفتے یا ایک مہینے یا ایک

سال یعنی ایک معین وقت کا ارادہ کر رہا ہے۔ مثلاً وہ کہنا چاہتا ہے: قَرَأْتُ الْأُسْبُوعَ، میں نے پورا ہفتہ پڑھا، إِلَّا يَوْمَ كَذَا، مگر اتنے دن نہیں پڑھا۔ یا وہ کہنا چاہتا ہے: قَرَأْتُ الشَّهْرَ، میں نے پورا مہینہ پڑھا مگر اتنے دن نہیں، یا اگر یہاں كُلَّ يَوْمٍ بھی نکال لیں: قَرَأْتُ كُلَّ يَوْمٍ، میں نے ہر روز پڑھا۔ لیکن یہ ہر روز سے کیا تمام زمانے کے دن مراد ہیں یا ایک مخصوص زمانے کا حصہ مراد ہے؟ مخصوص زمانے، میں نے قَرَأْتُ كُلَّ يَوْمٍ، اس کا یہ معنیٰ نہیں میں نے پورے زمانے کے تمام دنوں میں پڑھا، پھر تو معنیٰ ہی صحیح نہیں بنتا، اور جب معنیٰ ہی صحیح نہیں تو اس کا تو متکلم کبھی بھی ارادہ نہیں کرے گا۔ تو معلوم ہوا اس کا ارادہ کیا ہے؟ كُلَّ يَوْمٍ سے ہفتے کے سارے دن مراد ہیں یا مہینے کے یا سال کے جن کا بھی وہ موقع کے مطابق ارادہ کر رہا ہے بھئی۔ تو لہٰذا معنیٰ مستقیم ہونے کی دو صورتیں ہیں: یا تو وہ حکم ایسا عام ہو کہ جنس کے تمام افراد کو شامل ہو، یا وہ حکم ایسا ہو کہ وہاں پر کوئی قرینہ موجود ہو جو یہ بتلائے کہ زمانے کے تمام دن نہیں مراد بلکہ ایک معین حصہ مراد ہے اور مستثنیٰ بھی انہی کے اندر داخل تھا پھر اس کو إِلَّا کے ذریعے نکال لیا گیا۔

بھئی پھر میں نے ایک اور بات ذکر کی تھی، یہ كُلَّ يَوْمٍ ہم کیوں نکالتے ہیں؟ مَا جَاءَنِي أَحَدٌ، میرے پاس کوئی ایک بھی نہیں آیا۔ دیکھو جو مستثنیٰ مفرغ ہے نا، اس میں مستثنیٰ منہ محذوف ہوتا ہے، لیکن ہمیں وہ عام چاہیے۔ دیکھو وہ محذوف ہے، عبارت میں ذکر نہیں۔ اب آپ نے اس کو مقدر نکالنا ہے، تو ہمیشہ ایسا مقدر نکالیں گے کہ یہ مستثنیٰ متصل بنے۔ کیا بنے؟ یہ مستثنیٰ متصل ہونا چاہیے۔ اور مستثنیٰ متصل کسے کہتے ہیں؟ کہ جو مستثنیٰ پہلے داخل ہو اور پھر اس کو نکالا جائے۔ معلوم ہوا ماقبل میں مستثنیٰ منہ ایسا نکالو گے جس میں مستثنیٰ کا داخل ہونا یقینی ہو۔ توجہ ہے؟ اب اس کی تین صورتیں میں نے بتلایا تھا، تین صورتیں ہو سکتی ہیں۔ یا تو ماقبل میں مستثنیٰ منہ بالکل عام نکالیں، تمام جنس کے افراد مراد لے لیں: مَا جَاءَنِي إِلَّا زَيْدٌ، اور کیا کہیں: مَا جَاءَنِي أَحَدٌ، میرے پاس کوئی ایک بھی نہیں آیا سوائے کس کے؟ تو جب آپ نے ہر ہر انسان سے آنے کی نفی کر دی تو زید بھی انسانوں میں سے ایک انسان ہے، اس سے بھی آنے کی کیا ہو گئی؟ نفی ہو گئی۔ اب دیکھو عام پوری جنس ہم نے مراد لے لی، مَا جَاءَنِي أَحَدٌ میرے پاس کوئی بھی نہیں آیا إِلَّا زَيْدًا مگر زید۔ تو آپ اب اس میں سے زید کو نکال کر اس کے لیے مجیئت کا اثبات کر دیتے ہیں۔ توجہ ہے؟ ہمیں مستثنیٰ منہ کیسا چاہیے؟ عام چاہیے، تاکہ مستثنیٰ اس کے اندر داخل ہو جائے۔ تو ایک صورت یہ ہے آپ پوری جنس جو ہے وہاں جنس کا ہر فرد وہاں مراد لیں۔ دوسری صورت یہ ہے کہ جنس کے کچھ غیر معین افراد لے لیں۔ جیسے آپ کہتے ہیں: میرے پاس کچھ لوگ آئے تھے إِلَّا زَيْدًا سوائے زید کے۔ اب آپ نے پوری جنسِ انسان مراد نہیں لی، تمام افراد مراد نہیں لیے، بلکہ کچھ افراد اور وہ کچھ بھی متعین نہیں ہیں، ہو سکتا ہے یہ والے ہوں، ہو سکتا ہے یہ دوسرے والے ہوں، ہو سکتا ہے تیسرے والے ہوں۔ تو یہ درست نہیں ہے۔ آپ جنس کے غیر معین افراد وہاں مستثنیٰ منہ نہیں نکال سکتے، اس لیے کیونکہ ہمیں مستثنیٰ منہ ایسا چاہیے جس میں

مابعد قطعی طور پر داخل ہو۔ اگر اس صورت میں دیکھو آپ نے کچھ افراد مراد لیے، یہ والے افراد جو ہیں، یہ والے افراد، تو بھئی ان کے اندر تو پتا نہیں زید داخل ہے یا داخل نہیں۔ دوسرے مراد لیے، تیس، تو زید تو ہر ایک میں تو داخل نہیں ہے، زید کسی ایک میں داخل ہوگا۔ تمام افراد تو آپ مراد نہیں لے رہے، بعضِ غیر معین لے رہے ہیں۔ تو بعضِ غیر معین میں ہو سکتا ہے زید ان میں ہو، ہو سکتا ہے نہ ہو۔ یہ والے بعضِ غیر معین لیے، ہو سکتا ہے ان میں زید نہ ہو۔ اگلے غیر معین مراد لے لیے کچھ افراد، ہو سکتا ہے ان میں ہو۔ اس سے اگلے مراد لے لیے، ان میں بھی نہیں ہوگا۔ تو دیکھو اس میں قطعی طور پر یہ بات طے نہیں ہو سکتی کہ زید ان میں داخل ہے یا داخل نہیں۔ اور ہمیں ایسا مستثنیٰ منہ چاہیے جس میں زید قطعی طور پر داخل ہو تاکہ اس کو إِلَّا کے ذریعے نکالا جائے بھئی۔ تو معلوم ہوا جنس کے کچھ غیر معین افراد بھی مراد نہیں لے سکتے۔ پھر تیسری صورت یہ ہے جنس کے کچھ معین افراد مراد لے لیں، کہ یہ والے متعین جو سو افراد ہیں میں نے ان کا ارادہ کیا تھا، میں نے ان کا ارادہ کیا تھا۔ تو بھئی اس کے لیے کوئی قرینہ چاہیے۔ آپ نے تو حذف کر دیا، آپ نے تو کہا مَا جَاءَنِي إِلَّا زَيْدٌ۔ آگے دیکھو إِلَّا سے پہلے جو فاعل ہے وہ تو آپ نے حذف کر دیا، وہ جو مستثنیٰ منہ ہے آپ نے حذف کر دیا اور ارادہ کس کا کر رہے ہیں؟ ایک معین جماعت کا۔ توجہ ہے؟ آپ زید کا لفظ نہ بولیں اور زید کا ارادہ کریں، اس پر کیسے دلالت کریں گے بھئی؟ یا مثلاً میں کہتا ہوں جَاءَنِي، وہ میرے پاس آیا، کوئی قرینہ نہیں، کچھ نہیں، آپ کو پتا چلا کہ میں زید کی بات کر رہا ہوں؟ یا میں بکر کی بات کر رہا ہوں؟ نہیں، کوئی قرینہ تو چاہیے، کسی چیز سے تو پتا چلے کہ میں کس کی بات کر رہا ہوں۔ تو یہاں پر بھی معلوم ہوا آپ جنس کے غیر معین افراد بھی ارادہ نہیں کر سکتے کیونکہ ان میں زید کا یعنی مستثنیٰ کا داخل ہونا یقینی نہیں، اور جنس کے بعضِ معین افراد کا بھی ارادہ نہیں کر سکتے کیونکہ معین کا جب ارادہ کرنا ہے تو کوئی قرینہ چاہیے، کوئی چیز جو دلالت کر رہی ہو کہ یہ والے افراد مراد ہیں باقی افراد مراد نہیں ہیں۔ تو معلوم ہوا نہ آپ جنس کے غیر معین کچھ افراد مراد لے سکتے ہیں، نہ جنس کے بعضِ معین افراد مراد لے سکتے ہیں۔ تو آخری صورت پھر یہی رہ گئی کہ پوری جنس مراد لینی پڑے گی۔ جب پوری جنس مراد لیں گے اب تو مستثنیٰ قطعی طور پر داخل ہو گیا کیونکہ وہ بھی انہی کی جنس میں سے ہے۔ جب میں نے کہا مَا جَاءَنِي أَحَدٌ، میرے پاس کوئی ایک بھی نہیں آیا تھا، تو میں نے جنسِ رَجُل یا جنسِ انسان کے ہر ہر فرد سے آنے کی نفی کر دی، اور زید بھی کن میں سے ہے؟ انسانوں میں سے۔ تو جب میں نے کہا میرے پاس کوئی نہیں آیا، معلوم کیا ہوا کہ زید بھی نہیں آیا، اس پر بھی یہ حکم لگ گیا نہ آنے والا، وہ اس حکم میں داخل ہو گیا۔ اور پھر إِلَّا زَيْدٌ کے ذریعے میں کیا کرتا ہوں اس کو اس حکم سے نکال دیتا ہوں۔ توجہ ہے؟ معلوم ہوا مستثنیٰ مفرغ میں جو آپ مستثنیٰ منہ محذوف نکالیں گے وہ عام ہونا چاہیے۔ یعنی تمام جنس کے افراد وہاں مراد لینے پڑیں گے آپ کو۔

اسی لیے: ضَرَبَنِي إِلَّا زَيْدٌ، میری پٹائی کی سوائے کس نے؟ زید نے۔ اب یہاں ضَرَبَنِي کے بعد تو فاعل یعنی مستثنیٰ منہ

ذکر نہیں، تو وہ آپ کو محذوف نکالنا پڑے گا یعنی مستثنیٰ منہ۔ کیا کلام بنے گا؟ ضَرَبَنِي كُلُّ وَاحِدٍ، دیکھو عام نکال رہے ہیں، ہر ایک نے میری پٹائی کی، إِلَّا زَيْدٌ سوائے کس کے؟ زید کے، اور یہ تو ہو نہیں سکتا کہ دنیا کا ہر انسان متکلم کی پٹائی کرے سوائے زید کے۔ تو دیکھو معنیٰ صحیح نہیں بنا کس تقدیر پر؟ جب مستثنیٰ منہ کو عام نکالا کس کے اندر؟ کلامِ موجب کے اندر۔ اور غیر موجب میں معنیٰ صحیح رہے گا: مَا جَاءَنِي إِلَّا زَيْدٌ، تو اصل میں کیا ہے: مَا جَاءَنِي أَحَدٌ، میرے پاس کوئی ایک بھی نہیں آیا، ہر فرد پہ حکم لگ گیا، سوائے کس کے؟ زید کے، تو یہ بالکل ہو سکتا ہے سب سے حکم کی نفی ہو جائے، ایک کے لیے ثابت ہو جائے، یہ تو ممکن ہے متکلم کے پاس صرف کون آیا ہو؟ زید آیا ہو باقی نہ آئے ہوں، یہ تو ہو سکتا ہے، یا صرف زید نے متکلم کی پٹائی کی ہو اور کسی نے نہ کی ہو، یہ تو ممکن ہے، لیکن ساروں نے زید کی پٹائی کی ہو یہ تو ممکن نہیں ہے۔ تو حاصلِ کلام کیا ہوا کہ مستثنیٰ مفرغ کے اندر مستثنیٰ منہ جو محذوف نکالتے ہیں وہ کس قسم کا نکالیں گے؟ عام نکالیں گے، کیا؟ عام ہونا چاہیے تاکہ مستثنیٰ اس میں قطعی طور پر داخل ہو اور پھر اس کو إِلَّا کے ذریعے خارج کیا جائے بھئی۔ تو جنس کے تمام افراد مراد لینے پڑیں گے، بعضِ غیر معین بھی مراد نہیں لے سکتے کیونکہ اس میں مستثنیٰ کا داخل ہونا یقینی نہیں، اور بعضِ معین بھی مراد نہیں لے سکتے کیونکہ اس پر کوئی قرینہ موجود نہیں ہے بھئی۔

اچھا اس پر پھر اشکال ہوا، دو اشکال ذکر کیے تھے اور ان کے جوابات دیے تھے صاحبِ جامی نے۔ پہلا اشکال یہ کہ آپ نے استقامتِ معنیٰ کی شرط کلامِ موجب کے اندر لگائی کہ مستثنیٰ مفرغ تب کلامِ موجب میں آ سکتا ہے جب معنیٰ مستقیم ہو۔ کہتے ہیں کہ یہ شرط تو آپ کو کلامِ غیر موجب میں بھی لگانی چاہیے تھی۔ کلامِ غیر موجب میں بھی بعض اوقات، بعض اوقات اگر آپ مستثنیٰ منہ عام نکالیں تو معنیٰ صحیح نہیں بنتا۔ جیسے: مَا مَاتَ إِلَّا زَيْدٌ، نہیں مرا کوئی بھی، إِلَّا زَيْدٌ سوائے زید کے۔ اب یہ مَا مَاتَ کے بعد دیکھو أَحَدٌ جو مستثنیٰ منہ ہے وہ محذوف ہے۔ اب وہ نکالا: مَا مَاتَ أَحَدٌ، کوئی ایک بھی نہیں مرا، دیکھو عموم آگیا یا نہیں؟ کوئی ایک شخص بھی نہیں مرا إِلَّا زَيْدٌ سوائے زید کے۔ اب یہ کلامِ غیر موجب ہے۔ أَحَدٌ کو ذرا حذف کر دیں: مَا مَاتَ إِلَّا زَيْدٌ۔ مستثنیٰ مفرغ بن گیا اور کلام موجب ہے یا غیر موجب ہے؟ مَا مَاتَ، کلام غیر موجب ہے۔ اور یہاں پر ہم مستثنیٰ عام نکالیں تو معنیٰ خراب ہو جاتا ہے۔ معنیٰ کیا بن گیا؟ کوئی ایک بھی نہیں مرا سوائے زید کے۔ اور یہ تو درست نہیں ہے۔ کوئی زید کے علاوہ اور کوئی نہیں مرا انسانوں میں سے؟ انسان، بھئی اموات کا سلسلہ تو ہر طرف جاری ہے، دن رات کبھی ایک طرف لوگ مر رہے ہیں کبھی دوسری طرف مر رہے ہیں، دنیا کے ایک کونے میں لوگ مر رہے ہیں دوسرے میں مر رہے ہیں، شب و روز اموات کا سلسلہ جاری ہے۔ اور آپ کیا کہہ رہے ہیں: مَا مَاتَ إِلَّا زَيْدٌ، کوئی نہیں مرا سوائے زید کے، تو یہ معنیٰ تو کلام کا صحیح نہیں ہوا بھئی۔ تو یہ دیکھو مستثنیٰ مفرغ آیا اور کس میں آیا؟ کلامِ غیر موجب میں، اور معنیٰ مستقیم نہیں۔ تو معلوم ہوا آپ کا استقامتِ معنیٰ کی شرط کلامِ موجب میں لگانا اور غیر موجب میں نہ لگانا یہ

بات صحیح نہیں۔ کلامِ موجب کے اندر جیسے مستثنیٰ مفرغ آئے تو معنیٰ مستقیم ہونا ضروری، اسی طرح کلامِ غیر موجب میں بھی مستثنیٰ مفرغ آئے تو معنیٰ مستقیم ہونا ضروری ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو اس کا جواب دیا تھا شارحِ جامی نے کہ بھئی اعتبار اکثر کا ہے۔ اعتبار اکثر کا ہے۔ مستثنیٰ مفرغ جب کلامِ غیر موجب میں آتا ہے تو اکثر کلام کا معنیٰ صحیح ہوتا ہے۔ مستثنیٰ مفرغ کس میں آئے؟ کلامِ غیر موجب میں آئے تو اکثر معنیٰ صحیح رہتا ہے، کبھی کبھار صحیح نہیں رہتا۔ اور جب کہ کلامِ موجب کے اندر مستثنیٰ مفرغ آئے تو اکثر جو ہے معنیٰ صحیح نہیں رہتا، کبھی کبھار معنیٰ صحیح رہتا ہے۔ تو معلوم ہوا کلامِ غیر موجب میں معنیٰ زیادہ تر صحیح رہتا ہے اور موجب میں صحیح نہیں رہتا، اس لیے اس کے اندر قید لگا دی کہ کلامِ موجب میں استقامتِ معنیٰ کی شرط ہے۔

اور دوسرا اعتراض پھر یہ ہوا کہ آپ نے، آپ نے کلامِ موجب کی بعض مثالوں کو تو استقامتِ معنیٰ میں داخل کیا، جیسے قَرَأْتُ إِلَّا يَوْمَ كَذَا، آپ نے کہا معنیٰ مستقیم ہے، اور کیا تاویل کی؟ کہ قرینہ موجود ہے، متکلم کا ارادہ سارے زمانے کے دن نہیں مراد بلکہ بعض مخصوص دن مراد ہیں، مہینہ یا ہفتہ وغیرہ۔ قَرَأْتُ إِلَّا يَوْمَ كَذَا مستثنیٰ منہ محذوف ہے۔ اور آپ کہتے ہیں: قَرَأْتُ كُلَّ يَوْمٍ، ہر روز میں نے پڑھا، اور اس كُلَّ يَوْمٍ سے آپ تمام زمانے کے دن مراد نہیں لیتے بلکہ کیا مراد لیتے ہیں؟ ایک ہفتے کے دن یا ایک مہینہ یا ایک سال جس کا بھی وہ ارادہ کر رہا ہے موقع کے مطابق۔ توجہ ہے؟ تو آپ نے یہاں مستثنیٰ منہ سے تمام جنسِ ایام کا ارادہ نہیں کیا بلکہ بعضِ معین افراد کا ارادہ کیا ہے۔ آپ کہتے ہیں بعضِ معین افراد مراد ہیں۔ تو اس مثال کو تو آپ نے استقامتِ معنیٰ میں داخل کر دیا کہ اس میں معنیٰ ٹھیک ہے، کیونکہ کہنے والے کا ارادہ تمام زمانے کے ایام کا نہیں ہے بلکہ بعضِ ایام کا ہے۔ اور ضَرَبَنِي إِلَّا زَيْدٌ یہاں آپ کہتے ہیں یہ معنیٰ صحیح نہیں کہ ہر ایک پٹائی کرے متکلم کی سوائے زید کے، یہ تو ہو ہی نہیں سکتا۔ تو معترض کہتا ہے کہ نہیں، دونوں مثالوں میں ہمیں تو کوئی فرق نہیں نظر آتا۔ جیسے اس کے اندر آپ نے تاویل کی تھی، یہ تاویل تو اس کے اندر بھی چل سکتی ہے، کہ ضَرَبَنِي إِلَّا زَيْدٌ تو اصل کلام کیا ہے؟ ضَرَبَنِي كُلُّ وَاحِدٍ، دیکھو مستثنیٰ منہ عام نکالنا ہے، ہر ایک نے میری پٹائی کی ہے سوائے زید کے۔ اور آپ نے کیا کہا؟ تمام دنیا کے انسان كُلُّ وَاحِدٍ سے مراد لیے۔ ہم کہتے ہیں نہیں، تمام دنیا کے افراد مراد نہ لو، بلکہ ایک مخصوص جماعت کے تمام افراد مراد لے لو۔ مثلاً یہ ایک جماعت ہے سو آدمیوں کی، اس کے بارے میں متکلم کہتا ہے: ضَرَبَنِي كُلُّ وَاحِدٍ، ان میں سے ہر ایک نے میری پٹائی کی ہے سوائے زید کے، اور زید بھی ان میں داخل تھا۔ تو اب دیکھو اشارہ تمام جنس کے افراد کی طرف ہوا یا ایک مخصوص جماعت کے افراد کی طرف ہوا؟ ضَرَبَنِي كُلُّ وَاحِدٍ ہر ایک نے میری پٹائی کی، اور یہ كُلُّ وَاحِدٍ سے تمام جنسِ انسان کے افراد مراد ہیں یا صرف اس مخصوص جماعت کے تمام افراد مراد ہیں؟ تو یہ تو ہو سکتا ہے کہ وہ ساروں نے پٹائی کی ہو۔ توجہ ہے؟ تو لہٰذا جیسے قَرَأْتُ إِلَّا يَوْمَ كَذَا اس کا معنیٰ صحیح ہے، قرینے کی وجہ سے اس کا

معنیٰ آپ نے صحیح قرار دیا، تو ضَرَبَنِي إِلَّا زَيْدٌ اس قسم کا قرینہ تو یہاں بھی ہو سکتا ہے، اس کا معنیٰ بھی صحیح ہو جائے گا۔ تو ایک مثال کو استقامتِ معنیٰ میں داخل کرنا اور دوسری کو خارج کرنا یہ تَرْجِيحٌ بِلَا مُرَجِّحٍ ہے بھئی، قرینہ تو دونوں میں ہو سکتا ہے۔

بات سمجھ میں آ رہی ہے؟ تو اس کا جواب دیا تھا شارحِ جامی نے، اور بتلایا تھا کہ یہاں پر دارومدار قرینے پر ہے۔ کس پر؟ قرینے پر ہے۔ قَرَأْتُ إِلَّا يَوْمَ كَذَا، یہاں قرینہ ظاہر ہے۔ جو بھی شخص یہ کلام کہے گا: قَرَأْتُ إِلَّا يَوْمَ كَذَا، اصل میں کیا ہے: قَرَأْتُ كُلَّ يَوْمٍ، میں نے ہر روز پڑھا إِلَّا يَوْمَ كَذَا مگر اتنے دن نہیں پڑھا۔ تو کہنے والے یہ بات ظاہر ہے کہ اس کا ارادہ تمام زمانے کے ایام نہیں ہیں، بلکہ کتنے کا ارادہ ہے؟ ایک ہفتے یا ایک مہینے، یہ كُلَّ يَوْمٍ سے ہفتے کا ہر دن مراد ہے۔ ہفتے کے ہر دن میں میں نے پڑھا، صرف اتنے دن نہیں پڑھا۔ یا كُلَّ يَوْمٍ سے مہینے کا ہر دن مراد ہے، میں نے مہینے کے ہر ہر دن میں پڑھا إِلَّا يَوْمَ كَذَا مگر اتنے دن نہیں پڑھا۔ یا اس سے سال مراد ہوگا، کہ میں نے ہر دن پڑھا اس سال کے، سوائے اتنے دن نہیں پڑھا۔ توجہ ہے؟ تو متکلم جو بھی اس قسم کا کلام کرے گا، یہ بات ظاہر ہے وہ تمام زمانے کے ایام کا ارادہ نہیں کرے گا، بلکہ زمانے کے ایک معین حصے کا ارادہ کرے گا، اس کا ہر ہر دن وہ مراد لے گا۔ تو دیکھو یہاں پر قرینہ ظاہر ہے۔ کیا قرینہ ہے؟ قرینہ کیا؟ بھئی سننے والے کو پتا ہے یہ جو بات کر رہا ہے، اس کا ارادہ یہ نہیں ہے کہ زمانے کے اندر جو ہزاروں سال گزر چکے ہیں یہ ہر ہر دن مراد ہے کہ میں نے ان سب میں پڑھا ہے۔ زمانے کے تمام ایام مراد نہیں۔ میں آپ سے مثلاً کہتا ہوں قَرَأْتُ إِلَّا يَوْمَ كَذَا میں نے ہر روز پڑھا اتنے دن چھوڑ کے، تو آپ کیا سمجھ رہے ہیں؟ پورے ہزاروں سال کی بات میں کر رہا ہوں یا کچھ خاص مدت کی بات کر رہا ہوں؟ ظاہر سی بات ہے میں کچھ خاص مدت کی بات کر رہا ہوں گا، ہر ہزاروں سال کی تو میں بات کر ہی نہیں سکتا، اتنی تو میری عمر ہی نہیں ہے بھئی۔ بات سمجھ میں آئی؟ تو یہاں قرینہ ظاہر ہے، کیا قرینہ ہے؟ کہ متکلم ساروں کا ارادہ کر ہی نہیں سکتا بھئی، کچھ مخصوص زمانے کے سارے دن مراد ہیں، نکالنا اسی طرح كُلَّ يَوْمٍ ہے، قَرَأْتُ كُلَّ يَوْمٍ۔ توجہ ہے؟ تو لیکن اس سے اس زمانے کے تمام دن مراد ہوں گے۔ بات سمجھ میں آ گئی؟ وہ جو مہینہ ہے یا ہفتہ ہے۔ تو کہتے ہیں بھئی دارومدار قرینے پر ہے، اس کے اندر چونکہ قرینہ ظاہر ہے اس لیے اس میں معنیٰ مستقیم ہے، اور ضَرَبَنِي إِلَّا زَيْدٌ اس کے اندر قرینہ ظاہر نہیں، اس لیے یہ صحیح نہیں۔ ہاں اگر اس کے اندر بھی قرینہ ظاہر ہو جائے پھر یہ مثال بھی ٹھیک ہو جائے گی۔ مثلاً آپ نے کسی ساتھی سے پوچھا: مَنْ ضَرَبَكَ مِنَ الْقَوْمِ؟ مِنَ الْقَوْمِ کے ذریعے ایک خاص جماعت کی طرف اشارہ کیا، مثلاً وہ پچاس سو افراد ہیں۔ مَنْ ضَرَبَكَ؟ کس نے آپ کی پٹائی کی مِنَ الْقَوْمِ ان لوگوں میں سے؟ توجہ ہے؟ الف لام کے ذریعے اشارہ ہوتا ہے: کس نے تمہاری پٹائی کی مِنَ الْقَوْمِ ان لوگوں میں سے؟ پھر آپ جواب میں کہتے ہیں کہ ضَرَبَنِي إِلَّا زَيْدٌ، زید بھی ان میں داخل تھا، آپ کہتے ہیں ضَرَبَنِي، أَيْ ضَرَبَنِي كُلُّ وَاحِدٍ، ان میں سے ہر ایک نے میری پٹائی کی إِلَّا زَيْدٌ سوائے زید کے۔ تو دیکھو اب تو قرینہ یہاں بھی ظاہر ہے، کیونکہ وہ میرا سوال ہے، میں سوال اس قوم کے بارے میں کر رہا

ہوں، تمام دنیا کے انسانوں کے بارے میں نہیں کر رہا۔ تو اب آپ نے کہا ضَرَبَنِي إِلَّا زَيْدٌ، وہ مستثنیٰ منہ محذوف ہے، اور وہ کس قسم کا نکالیں گے؟ عام، تو کیا کلام بن گیا: ضَرَبَنِي كُلُّ وَاحِدٍ، اور یہ كُلُّ وَاحِدٍ سے پوری دنیا کا ہر انسان مراد ہے یا اس جماعت کا ہر انسان؟ اس جماعت کا۔ تو دیکھو قرینہ آگیا اس لیے معنیٰ، یہ تو بالکل ٹھیک ہے کہ یہ سارے کسی کی پٹائی کریں سوائے زید کے۔ بات سمجھ میں آگئی؟

جی اب آئیے آج کے سبق پر بھئی۔ آگے دیکھیے بھئی آج کا سبق، کہتے ہیں: وَمِنْ ثَمَّ أَيْ وَمِنْ أَجْلِ أَنَّ الْمُفَرَّغَ لَا يَكُونُ فِي الْمُوجَبِ إِلَّا أَنْ يَسْتَقِيمَ الْمَعْنَى لَمْ يَجُزْ، مِثْلُ: مَا زَالَ زَيْدٌ إِلَّا عَالِمًا.

متن متن پہلے دیکھ لیجیے۔ وَمِنْ ثَمَّ، اور اسی وجہ سے، ثَمَّ میں نے بتایا اسمِ اشارہ ہے بعید کے لیے، اور اسی وجہ سے، لَمْ يَجُزْ اس قسم کی مثال جائز نہیں ہے: مَا زَالَ زَيْدٌ إِلَّا عَالِمًا۔ مَا زَالَ زَيْدٌ إِلَّا عَالِمًا۔ مَا زَالَ کا معنیٰ ہے ہمیشہ، ہمیشہ۔ صاحبِ جامی آپ کو بتائیں گے کہ مَا زَالَ، یہ مَا نفی کے لیے ہے اور زَالَ، زَالَ يَزُولُ کا معنیٰ ہوتا ہے زائل ہونا، ایک چیز کا زائل ہو جانا، ختم ہو جانا۔ تو اس کے اندر بھی نفی والا معنیٰ ہے، جب ایک چیز ختم ہو جائے گی تو معدوم ہو جائے گی، تو اس کے اندر بھی نفی والا معنیٰ ہے، اور مَا کے اندر بھی نفی والا معنیٰ ہے، اور نفی پر نفی داخل ہو تو وہ اثبات کا فائدہ دیتی ہے۔ تو اسی لیے مَا زَالَ کا معنیٰ ہمیشہ۔ حالانکہ زَالَ کا معنیٰ تو ہے ختم ہونا ایک چیز کا اور مَا بھی نفی کے لیے ہے، لیکن یہاں نفی پر نفی داخل ہوئی تو اس نے اثبات کا فائدہ دیا۔ جیسے دیکھو، مثلاً میں کہتا ہوں: زید موجود نہیں ہے، زید موجود نہیں ہے، دیکھو میں نے زید سے موجود ہونے کی نفی کر دی۔ اب اس پر ذرا ایک اور نفی میں داخل کرتا ہوں: ایسا نہیں ہے کہ زید موجود نہیں ہے، ایسا نہیں ہے کہ زید موجود نہیں ہے، کیا معنیٰ؟ معلوم ہوا زید موجود ہے، نفی پر نفی داخل ہوئی تو اس نے کس چیز کا فائدہ دیا؟ اثبات کا فائدہ دیا۔

تو کہتے ہیں دیکھو، اسی وجہ سے یہ والی مثال جائز نہیں: مَا زَالَ زَيْدٌ إِلَّا عَالِمًا۔ تو یہ مثال جائز نہیں اس لیے کیونکہ اس مثال کا معنیٰ کیا بن گیا؟ مَا زَالَ زَيْدٌ إِلَّا عَالِمًا، یعنی زید ہمیشہ سے سب کچھ ہے إِلَّا عَالِمًا سوائے عالم ہونے کے۔ زید ہمیشہ سے... دیکھو مستثنیٰ منہ عام نکالنا ہے نا، إِلَّا کے بعد عالم ہے تو ماقبل میں عام تمام صفات آجائیں گی۔ زید ہمیشہ سے تمام صفات پر ہے، اس کے لیے تمام صفتیں ثابت ہیں إِلَّا عَالِمًا سوائے عالم ہونے کے، یہ صفت اس کے لیے ثابت نہیں ہے، اور یہ معنیٰ تو صحیح نہیں۔ زید ہمیشہ سے، زید کے لیے ساری صفتیں ثابت ہیں سوائے کس کے؟ عالم ہونے کے۔ بھئی تمام صفات کے اندر تو صفاتِ متضادہ بھی آگئیں۔ جیسے قیام اور قعود۔ ایک ہے کھڑا ہونا، ایک ہے بیٹھنا۔ بھئی ایک وقت میں ایک انسان کے لیے ایک ہی صفت ہو سکتی ہے یا قیام ہوگا یا قعود ہوگا۔ جب قیام ہے تو قعود نہیں، جب قعود ہے تو قیام نہیں۔ تو جب آپ نے کہا اس کے لیے ساری صفتیں ہیں تو اس میں تو قیام اور قعود دونوں آگئے، اور دونوں زید کے لیے ثابت ہو جائیں ایک ہی وقت میں، یہ تو نہیں ہو سکتا، یا قیام ہوگا تو قعود نہیں، اور قعود ہے تو قیام نہیں۔ تو آپ کا کہنا زید کے

لیے ساری صفتیں ہیں سوائے عالم ہونے کے، یہ بات درست ہو ہی نہیں سکتی۔ یا دوسری مثال لے لو، ایک ہے نوم اور ایک ہے یقظہ، نیند اور بیداری۔ نیند اور بیداری دیکھو دو صفتیں ہیں، یا کوئی شخص سویا ہوگا یا جاگ رہا ہوگا۔ جس وقت سو رہا ہے اس وقت بیداری والی صفت نہیں، اور جس وقت بیدار ہے اس وقت نیند والی صفت نہیں، تو دیکھو یہ دو صفاتِ متضادہ ہیں بھئی۔ بات سمجھ میں آگئی؟ ایک وقت میں ایک صفت آسکتی ہے، دونوں صفتیں نہیں آسکتیں بھئی۔ تو لہٰذا آپ کا یہ کہنا کہ زید ہمیشہ سے ہر صفت پر ہے، اس میں تو قیام اور قعود دونوں آگئے، حالانکہ دونوں نہیں ہو سکتے۔ نیز اس کے اندر نوم اور یقظہ دونوں آگئے، حالانکہ دونوں تو نہیں ہو سکتے، ایک وقت میں ایک ہوگا۔ تو آپ کا یہ کہنا زید ہمیشہ سے ہر صفت پر ہے، بھئی ہر صفت پر نہیں ہو سکتا، کچھ ہوں گی اور کچھ نہیں ہوں گی۔ بات سمجھ میں آئی؟ خرابی سمجھ میں آگئی؟ تو کہتے ہیں کہ وَمِنْ ثَمَّ اور اسی وجہ سے لَمْ يَجُزْ اس قسم کی مثال جائز نہیں ہے: مِثْلُ مَا زَالَ زَيْدٌ إِلَّا عَالِمًا، کہ زید ہمیشہ سے ہر صفت پر ہے یعنی اس کے لیے ہر صفت ثابت ہے إِلَّا عَالِمًا سوائے عالم ہونے کے۔

اب شرح کے ساتھ اس سارے کو دیکھیے: وَمِنْ ثَمَّ أَيْ وَمِنْ أَجْلِ أَنَّ الْمُفَرَّغَ لَا يَكُونُ... جی کہتے ہیں اس، اسی وجہ سے وَمِنْ ثَمَّ اسی وجہ سے بھئی کس چیز کی طرف اشارہ ہے؟ کس وجہ سے؟ تو صاحبِ جامی بتلا رہے ہیں کہ یہ جو ہم نے بیان کر دیا کہ مستثنیٰ مفرغ کلامِ موجب میں صرف اس صورت میں آئے گا جب معنیٰ مستقیم ہو، توجہ ہے؟ اور یہاں پر بھی مَا زَالَ زَيْدٌ إِلَّا عَالِمًا بظاہر آپ کو لگے گا کہ مَا زَالَ شاید کلامِ غیر موجب ہے، توجہ ہے؟ لیکن بتائیں گے آپ کو صاحبِ جامی کہ جیسے میں نے ابھی بیان کر دیا کہ یہ نفی پر نفی داخل ہوئی تو یہ اثبات کے معنیٰ میں ہو گئی، تو بظاہر دیکھنے میں یہ کلامِ غیر موجب لگتا ہے لیکن حقیقت میں یہ کیا ہے؟ کلامِ موجب ہے بھئی۔ کہتے ہیں: وَمِنْ ثَمَّ أَيْ وَمِنْ أَجْلِ أَنَّ الْمُفَرَّغَ لَا يَكُونُ فِي الْمُوجَبِ، کہتے ہیں اس وجہ سے کہ مستثنیٰ مفرغ نہیں ہو سکتا کلامِ موجب میں إِلَّا أَنْ يَسْتَقِيمَ الْمَعْنَى مگر یہ کہ معنیٰ مستقیم رہے، معنیٰ درست رہے، لَمْ يَجُزْ تو اسی وجہ سے جائز نہیں ہے مِثْلُ اس جیسی مثال: مَا زَالَ زَيْدٌ إِلَّا عَالِمًا. إِذْ مَعْنَى مَا زَالَ اس لیے کیونکہ مَا زَالَ کا معنیٰ جو ہے ثَبَتَ، مَا زَالَ کا کیا معنیٰ ہے؟ ثَبَتَ ہے، کیونکہ نفی پر نفی داخل ہوئی تو کیا معنیٰ ہو گیا؟ ثَبَتَ۔ بھئی کس طرح مَا زَالَ کا معنیٰ ثَبَتَ کیسے ہے؟ کہتے ہیں: لِأَنَّ نَفْيَ النَّفْيِ إِثْبَاتٌ اس لیے کیونکہ نفی کی نفی جو ہے وہ اثبات ہے، نفی پر نفی داخل ہو جائے تو وہ اثبات ہے۔ فَيَكُونُ الْمَعْنَى تو کلام کا معنیٰ یہ ہو جائے گا: ثَبَتَ زَيْدٌ دَائِمًا عَلَى جَمِيعِ الصِّفَاتِ إِلَّا عَلَى صِفَةِ الْعِلْمِ، کہ ثابت ہے زید ہمیشہ سے تمام صفات پر إِلَّا عَلَى صِفَةِ الْعِلْمِ مگر صفتِ علم، کہ وہ نہیں ہے اس کے لیے باقی تمام صفات اس کے لیے ہمیشہ سے ثابت ہیں۔ فَلَا يَسْتَقِيمُ، تو معنیٰ مستقیم نہیں رہتا۔

وَقَالَ الشَّارِحُ الرَّضِيُّ، علامہ رضی بھئی جنہوں نے کافیہ کی عظیم شرح لکھی ہے، وہ اس کا جواب دیتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں: نہیں بھئی، یہ کلام بھی صحیح ہو سکتا ہے، کہ زید ہمیشہ سے ہر صفت پر ہے سوائے علم کے۔ آپ نے کیا اعتراض کیا؟ کہ

صفات کے اندر تو صفاتِ متناقضہ بھی آجاتی ہیں جن کا باہم کیا ہے ایک دوسرے سے؟ تناقض ہے، وہ ساری تو زید میں نہیں اکٹھی ہو سکتیں۔ یا مثلاً زید انسان بھی ہے اور لاانسان بھی ہے، زید حجر بھی ہے لاحجر بھی ہے، یہ ساری صفات ہیں یہ، زید حجر بھی ہو جائے اسی وقت میں اور لاحجر بھی ہو جائے۔ عالم نہیں ہے، باقی حجر بھی ہے لاحجر بھی ہے، انسان بھی ہے لاانسان بھی ہے، شجر بھی ہے لاشجر بھی ہے، کتاب بھی ہے لاکتاب بھی ہے، یہ ساری صفات ہیں نا؟ تو یہ تو صفاتِ متناقضہ ہیں، ان میں آپس میں تناقض ہے، ایک آسکتی ہے ایک وقت میں، دو آہی نہیں سکتیں۔ تو آپ کے اس کلام میں یہ خرابی لازم آرہی ہے۔ تو علامہ رضی فرماتے ہیں کہ صفات سے تمام صفات مراد نہ لیں، کہ ہمیشہ سے زید کے لیے ہر صفت ہے، بلکہ وہ صفات مراد لے لیں جو زید کے لیے ثابت ہو سکتی ہیں متناقض صفات کے علاوہ۔ یعنی زید کے لیے وہ تمام صفات ثابت کی جا رہی ہیں جن کا زید کے لیے ہونا ممکن ہے، سوائے صفاتِ متناقضہ کے، یعنی جن میں تناقض ہے وہ مراد نہیں ہیں، جو زید کے لیے ممکن ہو سکتی ہیں وہ صفات مراد ہیں بھئی۔ جیسے انسان اور لاانسان، زید تو انسان ہے تو لاانسان یہاں مراد نہیں ہے۔ ایک حجر ہے ایک لاحجر ہے، زید لاحجر ہے تو یہاں پر حجر والی صفت مراد نہیں ہے۔ یا زید کے لیے قیام ثابت ہے تو قعود یہاں مراد نہیں، زید کے لیے یقظہ بیداری ثابت ہے تو نیند اس کے لیے یہاں مراد... تو وہ صفات جو زید میں ہونا ممکن ہیں وہ مراد لیں، تمام صفات نہ مراد لیں، پھر تو معاملہ خراب ہو جائے گا بھئی، پھر تو کلام درست نہ رہے گا۔ توجہ ہے؟ تو کہتے ہیں اس سے تمام ممکنہ صفات مراد لے لیں جو زید کے اندر ہو سکتی ہیں۔ ایک جواب وہ یہ ذکر کرتے ہیں۔ تمام... زبان سے دہرائیں، کون سی صفات؟ جن کا زید میں ہونا ممکن ہے اور جن میں تناقض نہیں ہے بھئی۔

اور دوسرا جواب وہ یہ دیتے ہیں کہ یا یوں کریں کہ اس کلام کو مبالغے پر محمول کر لیں۔ مبالغہ اس کو کہتے ہیں کہ بات کو خوب بڑھا چڑھا کر بیان کرنا، بات کو خوب بڑھا چڑھا کر بیان کرنا۔ یعنی کہنے والا یہ کہتا ہے: مَا زَالَ زَيْدٌ إِلَّا عَالِمًا، مبالغہ سنو ذرا مبالغہ: مَا زَالَ زَيْدٌ، زید کے لیے ساری صفات ہمیشہ سے ثابت ہیں سوائے صفتِ علم کے، یعنی یوں بھئی یوں سمجھو زید کے لیے صفاتِ متناقضہ بھی ہو سکتی ہیں لیکن صفتِ علم تو کبھی اس میں آہی نہیں سکتی، علم سے تو اس کا دور کا بھی واسطہ نہیں ہے بھئی۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو یہ گویا مبالغہ کر رہا ہے کہ زید میں ساری صفات جمع ہو سکتی ہیں، حتیٰ کہ صفاتِ متناقضہ بھی جمع ہو جائیں گی لیکن علم نہیں جمع ہو سکتا، علم کے تو یہ قریب سے بھی نہیں گزرا بھئی۔ یہ کیا کر رہا ہے؟ مبالغہ، اس میں کیا ہے؟ مبالغہ ہے بھئی، حالانکہ متناقضہ جمع تو نہیں ہو سکتیں لیکن ویسے ہی ایک بات کو بڑھا چڑھا کر، کہ زید میں ساری صفتیں ہو سکتی ہیں، صرف اس سے علم کی نفی کر رہا ہے اور بتلا یہ رہا ہے کہ نہ اس میں علم کی صلاحیت استعداد وغیرہ کچھ بھی نہیں ہے۔ تو کہتے ہیں زید کے لیے ساری صفتیں ہو سکتی ہیں لیکن عالم نہیں ہو سکتا، علم کے تو، علم کے ساتھ تو اس کا تعلق ہی نہیں ہے کسی بھی درجے کا۔ تو یہ صرف مبالغہ ہے اس سے علم کی نفی کے اندر۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو دو

جواب دیے علامہ رضی نے، کیا؟ کہ صفات سے تمام صفات مراد نہ لیں بلکہ وہ صفات مراد لیں جن کا زید میں جمع ہونا ممکن ہے، علاوہ صفاتِ متناقضہ کے۔ اور دوسرا جواب یہ دیا کہ یہ کلام محمول ہے کس چیز پر؟ مبالغے پر، مبالغہ کیا جا رہا ہے کہ زید تو علم اس کے لیے ہو ہی نہیں سکتا، وہ عالم ہو ہی نہیں سکتا، یعنی علم اس میں نہ صلاحیت ہے نہ استعداد ہے نہ علم سے کوئی تعلق ہے۔ دنیا کی ساری صفات اس میں آسکتی ہیں، متناقضہ بھی آجائیں گی، لیکن علم کبھی نہیں آسکتا۔ تو یہ صرف ایک مبالغہ ہے حقیقت نہیں۔ بات سمجھ میں آگئی؟ یہ دو جواب دیے علامہ رضی نے۔

وَقَالَ الشَّارِحُ الرَّضِيُّ اور شارحِ رضی فرماتے ہیں: يُمْكِنُ أَنْ تُحْمَلَ الصِّفَاتُ عَلَى مَا يُمْكِنُ أَنْ يَكُونَ زَيْدٌ عَلَيْهَا، ممکن ہے کہ یہ جو صفات ہیں ان کو محمول کیا جائے عَلَى مَا ان صفات پر يُمْكِنُ أَنْ يَكُونَ زَيْدٌ عَلَيْهَا کہ جن پر زید کا ہونا ممکن ہے یعنی جو زید میں ہو سکتی ہیں، مِمَّا لَا يَتَنَاقَضُ یعنی وہ صفات جن میں باہم تناقض نہیں، تناقض والی نہیں، باقی صفات جو زید میں ہو سکتی ہیں وہ ساری۔ وَيُسْتَثْنَى مِنْ جُمْلَتِهَا الْعِلْمُ اور پھر استثنا کر لیا جائے ان جملہ صفات میں سے علم کو۔ توجہ ہے؟ أَوْ يُحْمَلَ، یہ دوسرا جواب دے رہے ہیں، اس کا يُحْمَلَ کا عطف پیچھے جو آیا تھا نا يُمْكِنُ أَنْ تُحْمَلَ اسی پر عطف ہے: أَوْ يُحْمَلَ ذَلِكَ عَلَى الْمُبَالَغَةِ فِي نَفْيِ صِفَةِ الْعِلْمِ، یا اس کلام کو محمول کیا جائے صفتِ علم کی نفی میں مبالغے پر، صفتِ علم کی نفی میں مبالغے پر کہ خوب مبالغہ کرنا چاہ رہا ہے کہ زید میں ہر صفت آسکتی ہے، متناقضہ بھی آجائیں گی لیکن عالم وہ نہیں ہو سکتا، صفتِ علم اس کے لیے نہیں ہو سکتی۔ كَأَنَّكَ قُلْتَ گویا کہ آپ نے یوں کہا ہے: أَمْكَنَ أَنْ يَحْصُلَ فِيهِ جَمِيعُ الصِّفَاتِ إِلَّا صِفَةَ الْعِلْمِ، کہ ممکن ہے کہ زید کے لیے تمام صفات حاصل ہو جائیں إِلَّا صِفَةَ الْعِلْمِ سوائے صفتِ علم کے، یعنی باقی متناقض بھی ہو سکتی ہیں لیکن علم نہیں ہو سکتی۔ وَعَلَى التَّقْدِيرَيْنِ اور دونوں تقدیروں پر، یہ شارحِ رضی کی تقریر بیان کر رہے ہیں، شارحِ رضی نے دو جواب دیے، کہتے ہیں یہ دو جوابوں کی بنیاد پر مَا زَالَ زَيْدٌ إِلَّا عَالِمًا یہ داخل ہو جائے گا استقامت والی صورت میں۔ معنیٰ مستقیم ہو گیا یا نہیں؟ ان دونوں صورتوں میں معنیٰ مستقیم ہو جائے گا تو یہ مثال بھی استقامتِ معنیٰ والی صورت میں داخل ہو جائے گی۔ تو کہتے ہیں: وَعَلَى التَّقْدِيرَيْنِ اور دونوں تقدیروں پر جو ہم نے بیان کر دیں، يَنْدَرِجُ یہ مثال داخل ہو جائے گی فِي صُورَةِ الِاسْتِقَامَةِ استقامت والی صورت میں۔ یہاں تک بات سمجھ میں آگئی؟

صاحبِ کافیہ نے یہ مثال ذکر کی کہ یہ مثال جائز نہیں: مَا زَالَ زَيْدٌ إِلَّا عَالِمًا، کیونکہ اس کا تو معنیٰ یہ بن گیا زید کے لیے ہر صفت ہے ہمیشہ سے سوائے علم کے، اور ہر صفت میں تو صفاتِ متضادہ اور متناقضہ بھی آگئیں اور وہ تو اکٹھی نہیں ہو سکتیں۔ علامہ رضی نے اس کے دو جواب دیے کہ اس سے صفاتِ متناقضہ مراد نہ لیں باقی جو صفتیں زید میں ممکن ہیں ہونا وہ مراد لے لیں، اور نیز یا اس کلام کو مبالغے پر محمول کر لیں کہ کوئی مبالغہ کر کے کہتا ہے یہ زید عالم نہیں ہو سکتا اور سب کچھ ہو سکتا ہے، اس میں ساری صفات ہو سکتی ہیں۔ تو صاحبِ جامی ان جوابات کو رد کریں گے، اور آپ کو بتلائیں گے

کہ بھئی اس طرح کی تاویل جیسی علامہ رضی نے کی ہے، اس طرح کی تاویل تو ہر طرح کے کلامِ موجب میں جاری ہو سکتی ہے، اس طرح کی تاویل تو ہر کلامِ موجب میں جاری ہو سکتی ہے، پھر تو وہاں وہ سارے صحیح ہو جائیں گے بھئی۔ حالانکہ باقی تمام نحوی بھی کہتے ہیں کہ کلامِ موجب کے اندر استقامتِ معنیٰ شرط ہے بھئی۔ لیکن اگر یہ تاویل کر لی جائے پھر تو تمام ایجابی مادے جو ہیں، تمام ایجابی صورتیں جو ہیں وہ بھی کس میں داخل ہو جائیں گی؟ استقامتِ معنیٰ میں داخل ہو جائیں گی، پھر تو استقامتِ معنیٰ کی شرط لگانا ہی بیکار ہو گیا، پھر تو یہ شرط ہی نہیں لگانی چاہیے۔ توجہ ہے؟ جیسے ابھی ہم نے دو تاویلیں کیں اور مَا زَالَ زَيْدٌ إِلَّا عَالِمًا اس میں معنیٰ ٹھیک ہو گیا، تو لہٰذا کہتے ہیں اس طرح کی اگر تاویلیں کی جائیں گی پھر تو استقامتِ معنیٰ کی شرط لگانے کی ضرورت ہی نہیں ہے، پھر تو ساری صورتیں ٹھیک ہو جائیں گی۔

دیکھیے بھئی: وَلَا يَخْفَى عَلَى الْمُتَفَطِّنِ، مُتَفَطِّن کہتے ہیں سمجھدار ذہین بھئی۔ یہ اب علامہ جامی رد کرنے لگے ہیں علامہ رضی کا۔ تو کہتے ہیں علامہ جامی فرماتے ہیں، جواب دے رہے ہیں، رد کر رہے ہیں شارحِ رضی کا، کہتے ہیں: وَلَا يَخْفَى عَلَى الْمُتَفَطِّنِ کہ سمجھدار شخص پر یہ بات مخفی نہیں ہے، پوشیدہ نہیں ہے، أَنَّهُ يُمْكِنُ بِمِثْلِ هَذِهِ التَّأْوِيلَاتِ کہ اس قسم کی تاویلات کے ذریعے تو ممکن ہے، کیا ممکن ہے؟ إِرْجَاعُ جَمِيعِ الْمَوَادِّ الْإِيجَابِيَّةِ، کہ مَوَادّ یہ دال مشدد ہے، إِرْجَاعُ جَمِيعِ الْمَوَادِّ الْإِيجَابِيَّةِ تمام ایجابی مادوں کا لوٹانا، یعنی کلامِ موجب کی تمام مثالوں کو لوٹانا، عِنْدَ الِاسْتِثْنَاءِ استثنا کے وقت، إِلَى صُورَةِ الِاسْتِقَامَةِ استقامت والی صورت کی طرف۔ یعنی اس قسم کی تاویلات کے ذریعے تو تمام ایجابی مادے جو ہیں استثنا کے وقت جو پائے جائیں آپ ان کو لوٹا سکتے ہیں کس کی طرف؟ استقامت والی صورت کی طرف۔ تو پھر تو وہ پیچھے جو قید لگائی تھی عِنْدَ اسْتِقَامَةِ الْمَعْنَى وہ قید ہی بیکار ہو گئی، کیونکہ ہر مثال ٹھیک بن جائے گی، اس میں معنیٰ مستقیم ہو جائے گا اس قسم کی تاویل کرنے سے۔

پھر ترجمہ دیکھیے، کہتے ہیں: وَلَا يَخْفَى عَلَى الْمُتَفَطِّنِ أَنَّهُ يُمْكِنُ بِمِثْلِ هَذِهِ التَّأْوِيلَاتِ اور یہ بات پوشیدہ نہیں ہے سمجھدار پر کہ ممکن ہے اس قسم کی تاویلات کے ذریعے تمام ایجابی مادوں کو لوٹانا عِنْدَ الِاسْتِثْنَاءِ استثنا کے وقت، استثنا کے وقت تمام ایجابی مادوں کو لوٹانا إِلَى صُورَةِ الِاسْتِقَامَةِ استقامت والی صورت کی طرف، كَمَا يُقَالُ مَثَلًا فِي قَوْلِكَ جیسے کہ کہا جائے مثال کے طور پر آپ کے اس قول میں: ضَرَبَنِي إِلَّا زَيْدٌ، أَيْ ضَرَبَنِي كُلُّ وَاحِدٍ ہر ایک نے میری پٹائی کی۔ اب دیکھو حالانکہ اس میں معنیٰ مستقیم نہیں، ساری دنیا کے افراد متکلم کی پٹائی کریں سوائے زید کے یہ ممکن نہیں، لیکن آپ کی اس تاویل سے تو یہ مثال بھی صحیح ہو جائے گی۔ مثلاً آپ کہتے ہیں كُلُّ وَاحِدٍ سے تمام دنیا کے انسان اور افراد نہیں مراد، بلکہ آپ کے جاننے والے صرف مراد ہیں، کون مراد ہیں؟ جیسے وہاں آپ نے کہا صرف وہ صفات جو زید میں ہونا ممکن ہیں، تو یہاں بھی ہم کیا کہیں گے؟ صرف آپ کے جاننے والے، متکلم کے جاننے والے مراد ہیں، معنیٰ یہ بن جائے گا: میرے جاننے والے

ہر ایک نے میری پٹائی کی سوائے زید کے۔ دیکھو معنیٰ ٹھیک ہو گیا یہ تاویل کی وجہ سے۔ یا اس کو بھی مبالغے پر محمول کر لیں: ہر ایک نے میری پٹائی کی سوائے زید کے۔ توجہ ہے؟ اب یہاں جاننے والے بھی نہیں مراد، متکلم مبالغہ کر رہا ہے، یعنی اتنے لوگوں نے میری پٹائی کی کہ یوں سمجھو ساری دنیا کے لوگوں نے ہی میری پٹائی کی سوائے کس کے؟ زید کے۔ دیکھو معنیٰ ٹھیک ہو گیا یا نہیں؟ مبالغے پر محمول کر لیا، حقیقت میں تو ساری دنیا والوں نے نہیں کی لیکن یہ مبالغہ کر رہا ہے گویا، یعنی اتنے کثیر تھے پٹائی کرنے والے کہ گویا یوں سمجھو دنیا کے ہر آدمی نے میری پٹائی کر دی سوائے زید کے۔ تو دیکھو تاویل سے تو یہ مثال بھی استقامتِ معنیٰ کے اندر داخل ہو گئی۔ بات سمجھ میں آ گئی؟

کہتے ہیں: كَمَا يُقَالُ مَثَلًا فِي قَوْلِكَ جیسے کہ کہا جائے مثال کے طور پر آپ کے اس قول کے اندر: ضَرَبَنِي إِلَّا زَيْدٌ، اس میں یہ کہا جائے کہ الْمُرَادُ کہ اس سے مراد جو ہے كُلُّ مَنْ يُتَصَوَّرُ مِنْهُ الضَّرْبُ ہر وہ شخص ہے جس سے ضرب کا تصور کیا جا سکے مِنْ مَعَارِفِكَ آپ کے جان پہچان والوں میں سے۔ اس سے کون مراد ہیں؟ ضَرَبَنِي كُلُّ وَاحِدٍ إِلَّا زَيْدًا یہ كُلُّ وَاحِدٍ سے ساری دنیا کے انسان مراد نہیں بلکہ آپ کے وہ جاننے والے جن سے ضرب کا تصور کیا جا سکتا ہے، جو آپ کی پٹائی کر سکتے ہیں وہ سارے مراد لیں۔ تو اس ضَرَبَنِي إِلَّا زَيْدٌ یا تو اس سے یہ مراد لے لیں کہ تمام دنیا کے انسان مراد نہیں بلکہ آپ کے جاننے والے مراد ہیں جن سے پٹائی کا تصور کیا جا سکتا ہے، وہ كُلُّ وَاحِدٍ سے صرف وہ والے افراد مراد ہیں۔ تو اس تاویل سے تو یہ مثال بھی ٹھیک ہو گئی۔ یا یوں کہا جائے کہ أَوِ الْمَقْصُودُ مِنْهُ الْمُبَالَغَةُ کہ اس مثال کے ذریعے مبالغہ مقصود ہے فِي غُلُوِّ الْمُجْتَمِعِينَ، غُلُوّ کا معنیٰ ہے حد سے بڑھنا، حد سے تجاوز کرنا، فِي غُلُوِّ الْمُجْتَمِعِينَ عَلَى ضَرْبِكَ یعنی وہ لوگ جو آپ کی ضرب پر جمع ہوئے ان کے حد سے بڑھنے میں آپ مبالغہ کر رہے ہیں۔ فِي غُلُوِّ الْمُجْتَمِعِينَ عَلَى ضَرْبِكَ وہ لوگ جو جمع ہوئے عَلَى ضَرْبِكَ آپ کی ضرب پر یعنی وہ لوگ جنہوں نے پٹائی کی، ان کے اندر آپ مبالغہ کر رہے ہیں حد سے بڑھنے کا، یعنی حد سے زیادہ لوگ تھے جنہوں نے میری پٹائی کی، یوں سمجھو ساری دنیا کے لوگوں نے ہی میری پٹائی کی۔ تو یہ آپ کیا کر رہے ہیں؟ وہ جو پٹائی کرنے والے تھے ان کے اندر حد سے بڑھنے کے اندر آپ مبالغہ کر رہے ہیں کہ بہت زیادہ لوگ تھے۔ معنیٰ سمجھ میں آیا؟ تو کہتے ہیں: أَوِ الْمَقْصُودُ مِنْهُ الْمُبَالَغَةُ فِي غُلُوِّ الْمُجْتَمِعِينَ عَلَى ضَرْبِكَ یا مقصود جو ہے اس قسم کے کلام کے ذریعے وہ مبالغہ کرنا ہے آپ کی ضرب پر جمع ہونے والوں کے حد سے بڑھنے میں، کہ وہ حد سے زیادہ تھے اس میں آپ مبالغہ کرتے ہیں۔ معنیٰ سمجھ میں آیا؟

حاصلِ کلام کیا ہوا؟ کہ علامہ رضی نے کہا کہ اس سے تمام صفات نہ لیں بلکہ وہ صفات جو زید میں ہونا ممکن ہیں علاوہ صفاتِ متناقضہ کے، یا اس کلام کو کس پر محمول کر لیں؟ مبالغے پر محمول کر لیں۔ تو کہتے ہیں اس قسم کی تاویل سے تو تمام ایجابی مادے جو ہیں وہ تو استقامتِ معنیٰ کے اندر داخل ہو جائیں گے، پھر تو یہ قید ہی لغو ہو جائے گی، پھر یہ قید لگانے کی ضرورت ہی نہیں ہے بھئی۔ سمجھ میں آیا؟ جیسے ضَرَبَنِي إِلَّا زَيْدٌ اس کے اندر بھی یہ دونوں تاویلیں چل جائیں گی۔ ضَرَبَنِي إِلَّا زَيْدٌ، میری پٹائی کی، پہلے معنیٰ تھا میری پٹائی کی دنیا کے ہر انسان نے سوائے زید کے اور معنیٰ ٹھیک نہیں بن رہا تھا، اور

آپ کہتے ہیں اس سے کیا مراد لے لو؟ وہ تمام لوگ جو آپ کی پٹائی کر سکتے ہیں آپ کے جاننے والے، تو وہ تو معنیٰ ٹھیک بن گیا۔ اور یا آپ اس سے مبالغہ مراد لے لیتے ہیں کہ اتنے لوگوں نے میری پٹائی کی کہ وہ حد سے ہی زیادہ تھے بھئی۔

چلیے بس کریں، باقی پھر کل پڑھیں گے۔ یہاں تک بات سمجھ میں آگئی، حل ہو گیا؟ چلیے بس بھئی، هَذَا هُوَ الْمَرَامُ، وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْكَلَامِ.

سبق نمبر ۱۶۳: المستثنیٰ (۱۰): جب لفظِ مستثنیٰ منہ پر بدل بنانا متعذر ہو تو محل پر بدل

شرحِ ملا جامی صفحہ: ۱۴۷ — بتاریخ: ۲۶ جون ۲۰۲۲ء

▪ تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث

آگے سبق دیکھیے بھئی: «وَإِذَا تَعَذَّرَ الْبَدَلُ مِنْ حَيْثُ حَمْلِهِ عَلَى اللَّفْظِ أَيْ لَفْظِ الْمُسْتَثْنَى مِنْهُ فَعَلَى الْمَوْضِعِ أَيْ يُحْمَلُ عَلَى مَوْضِعِ الْمُسْتَثْنَى مِنْهُ لَا عَلَى لَفْظِهِ عَمَلًا بِالْمُخْتَارِ عَلَى قَدْرِ الْإِمْكَانِ مِثْلُ مَا جَاءَنِي مِنْ أَحَدٍ إِلَّا زَيْدٌ»۔

بھئی گزشتہ سبق میں ہم مستثنیٰ مفرغ کے بارے میں پڑھ رہے تھے۔ آپ نے پڑھا مستثنیٰ مفرغ وہ ہے کہ جہاں پر مستثنیٰ منہ کو حذف کر لیا جائے تو عامل فارغ ہو جاتا ہے مستثنیٰ منہ سے اور اب وہ عمل کرتا ہے مستثنیٰ کے اندر، تو اس کو کیا کہتے ہیں؟ مستثنیٰ مفرغ۔ تو بس جہاں پر بھی مستثنیٰ منہ محذوف ہو وہ مستثنیٰ مفرغ ہے۔ اور صاحب کافیہ نے آپ کو بتلایا کہ مستثنیٰ مفرغ کے اندر شرط یہ ہے کہ وہ کلامِ غیر موجب میں ہونا چاہیے تاکہ کلام فائدہ دے، وجہ یہ کہ اگر مستثنیٰ مفرغ جو ہے وہ کلامِ موجب میں آئے گا تو پھر معنیٰ درست نہ رہے گا بھئی۔ ہاں البتہ وہ صورت جہاں پر معنیٰ درست رہے تو پھر کلامِ موجب کے اندر بھی مستثنیٰ مفرغ آسکتا ہے، جیسے «قَرَأْتُ إِلَّا يَوْمَ كَذَا»۔ اب یہ کلامِ موجب ہے اور یہ مستثنیٰ مفرغ ہے لیکن چونکہ یہاں معنیٰ صحیح ہے اس لیے یہ درست ہے بھئی، یہ مثال صحیح ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟

اور پھر آگے اسی پر تفریع کرتے ہوئے صاحب کافیہ نے آپ کو بتلایا تھا کہ چونکہ کلامِ موجب کے اندر مستثنیٰ مفرغ آئے تو عموماً معنیٰ صحیح نہیں رہتا، اسی لیے اس جیسی مثالیں جائز نہیں جیسے «مَا زَالَ زَيْدٌ إِلَّا عَالِمًا»۔ یہ مثال جائز نہیں، وجہ یہ کہ «مَا زَالَ زَيْدٌ إِلَّا عَالِمًا»، «مَا زَالَ» افعالِ ناقصہ میں سے ہے اور اس کا معنیٰ ہوتا ہے ہمیشہ، تو یہ بظاہر لگ رہا ہے کہ یہ کلامِ غیر موجب ہے کیونکہ «مَا» حرفِ نفی آرہا ہے، لیکن «زَالَ» کا معنیٰ بھی نفی ہے اور «مَا» کا معنیٰ بھی نفی ہے اور نفی پر نفی داخل ہو تو وہ اثبات کا فائدہ دیتی ہے، تو لہٰذا یہ کلامِ موجب ہے بھئی۔ بظاہر کیا لگتا ہے کہ یہ کلامِ غیر موجب ہے لیکن حقیقت میں یہ کلامِ موجب ہے اور یہ مستثنیٰ مفرغ ہے، «مَا زَالَ زَيْدٌ إِلَّا عَالِمًا» تو «إِلَّا» سے پہلے دیکھو مستثنیٰ منہ محذوف ہے، توجہ ہے؟ اور کلام کا معنیٰ یہ ہو گیا کہ ہمیشہ سے زید کے لیے تمام صفتیں ثابت ہیں، دیکھو مستثنیٰ منہ عام نکالنا ہے، تو

ہمیشہ سے زید کے لیے تمام صفتیں ثابت ہیں «إِلَّا عَالِمًا» سوائے صفتِ علم کے، یعنی زید کے لیے تمام صفات ہمیشہ سے ثابت ہیں سوائے صفتِ علم کے، اور یہ معنیٰ تو درست نہیں ہے اس لیے کیونکہ علم کے علاوہ باقی تمام صفات مراد لے لیں اور باقی تمام صفات کے اندر تو صفاتِ متضادہ بھی آگئیں اور صفاتِ متناقضہ بھی آگئیں۔

یاد رکھو ایک ہے متضاد ایک ہے متناقض بھئی۔ متضاد وہ دو چیزیں جو ایک وقت میں جمع نہ ہو سکیں بھئی، جیسے سفید اور سیاہ بھئی، سفید اور کالا۔ ایک چیز ایک وقت میں سفید ہے تو کالی نہیں اور کالی ہے تو سفید نہیں۔ آپ کہیں گے بھئی ایک ہی چیز بعض اوقات سفید بھی ہوتی ہے کچھ حصہ سفید ہوتا ہے کچھ کالا، نہیں بھئی معنیٰ یہ ہے ایک ہی محل، ایک ہی جگہ، ایک ہی وقت کے اندر سفید بھی ہو اور کالا بھی ہو حالانکہ ایسا نہیں، جو حصہ سفید ہے وہ کالا نہیں جو کالا ہے وہ سفید نہیں۔ تو یہ صفاتِ متضادہ ہیں یہ دونوں جمع نہیں ہو سکتیں لیکن یہ متناقضہ نہیں۔ صفاتِ متناقضہ وہ ہوتی ہیں جو جمع بھی نہیں ہو سکتیں اور دونوں اٹھ بھی نہیں سکتیں، جبکہ یہ سفید اور کالا ہونا یہ دونوں صفتیں اٹھ سکتی ہیں، کوئی چیز نہ سفید ہو اور نہ کالی ہو بلکہ سبز رنگ کی ہو یا نیلے رنگ کی ہو یا سرخ رنگ کی ہو، تو دیکھو وہ چیز نہ سفید ہے اور نہ کالی ہے۔ تو صفاتِ متضادہ دونوں کی نفی ہو سکتی ہے ایک چیز سے، جبکہ صفاتِ متناقضہ میں سے دونوں نہ جمع ہو سکتی ہیں نہ دونوں کی نفی ہو سکتی ہے، جیسے انسان اور لا انسان۔ یہ دو صفاتِ متناقضہ ہیں، کوئی چیز یا تو انسان ہو گی یا لا انسان ہو گی، دونوں کبھی بھی جمع نہیں ہو سکتے اور دونوں اٹھ بھی نہیں سکتے۔ دنیا کی کوئی چیز ایسی نہیں ہے جو انسان بھی نہ ہو اور لا انسان بھی نہ ہو، یا تو وہ انسان ہو گی یا لا انسان ہو گی، بات سمجھ میں آرہی ہے؟ تو انسان کے اندر تمام انسانات آگئے اور لا انسان کے اندر باقی دنیا کی ساری چیزیں آگئیں، تو جو بھی چیز ہو گی یا وہ انسان ہو گی یا لا انسان، دونوں جمع بھی نہیں ہو سکتیں اور یہ بھی نہیں ہو سکتا کہ دونوں میں سے ایک بھی صفت اس چیز کے اندر نہ پائی جائے۔ صفاتِ متضادہ اٹھ سکتی ہیں لیکن صفاتِ متناقضہ اٹھ بھی نہیں سکتیں، یا جیسے حجر اور لا حجر یہ بھی صفاتِ متناقضہ ہیں، شجر اور لا شجر یہ بھی صفاتِ متناقضہ ہیں، کتاب اور لا کتاب یہ بھی کیا ہیں صفاتِ متناقضہ۔ کوئی بھی چیز ہو گی یا تو وہ کتاب ہو گی یا لا کتاب ہو گی، دونوں ہی نہ ہوں یہ بھی نہیں ہو سکتا اور دونوں ہی ہوں یہ بھی نہیں ہو سکتا۔

تو لہٰذا کلام کا معنیٰ کیا بن گیا کہ زید کے لیے ہمیشہ سے تمام صفات ثابت ہیں سوائے صفتِ علم کے، تو صفتِ علم کی نفی کر دی اور باقی تمام صفات کا اثبات کر دیا اور باقی تمام صفات میں تو صفاتِ متضادہ بھی آگئیں وہ بھی جمع نہیں ہو سکتیں ایک وقت میں، مثلاً زید یا تو بیٹھا ہو گا یا کھڑا ہو گا، ایک وقت میں ایک صفت ہے دونوں صفتیں نہیں ہو سکتیں۔ اور اسی طرح صفاتِ متناقضہ بھی اس کے اندر آگئیں، زید کے لیے تمام صفات ثابت ہیں، معلوم ہوا اس کے لیے قیام بھی ثابت ہے قعود بھی ثابت ہے حالانکہ یہ دونوں تو جمع ہی نہیں ہو سکتے، معلوم ہوا اس کے لیے انسان والی صفت بھی ہے لا انسان

والی بھی ہے حالانکہ یہ دونوں تو متناقضہ ہیں یہ تو جمع ہی نہیں ہو سکتیں۔ توجہ ہے؟ تو لہٰذا اس لیے اس کلام کا معنیٰ درست نہیں رہتا۔

اس کے بعد صاحبِ جامی نے آپ کو بتلایا تھا کہ علامہ رضی جنہوں نے کافیہ کی بڑی بہترین شرح لکھی ہے انہوں نے اس کے دو جوابات ذکر کیے ہیں اور وہ کہتے ہیں کہ «مَا زَالَ زَيْدٌ إِلَّا عَالِمًا» یہ جو ہے استقامتِ معنیٰ والی صورت میں بھی داخل ہو سکتی ہے۔ صاحب کافیہ نے تو بتلایا کہ یہ کلام جائز نہیں یعنی اس میں معنیٰ مستقیم نہیں ہے، درست نہیں ہے، لیکن علامہ رضی فرماتے ہیں کہ یہ مثال بھی درست ہو سکتی ہے اور دو جواب ذکر کرتے ہیں۔ ایک جواب یہ کہ آپ نے زید کے لیے تمام صفات کا اثبات کیا ہے اس لیے خرابی لازم آئی، تمام صفات کا اثبات نہ کریں بلکہ وہ صفات جن کا زید کے لیے ہونا ممکن ہے اور نیز وہ متناقض یا متضاد بھی نہیں ہیں وہ صفات مراد لے لیں، یعنی انسان اور لا انسان دونوں نہ مراد لیں، انسان وہ ہے تو لا انسان مراد نہ لیں، وہ صفتیں صرف مراد لیں جو زید میں ہو سکتی ہیں، ممکن ہیں اور نیز وہ متناقضہ بھی نہ ہوں، تو وہ صفات مراد لے لیں اب تو کلام کا معنیٰ ٹھیک ہو گیا یعنی زید کے لیے وہ تمام صفات جو اس کے اندر ممکن ہیں، ہو سکتی ہیں اور متناقض نہیں ہیں وہ زید کے لیے ثابت ہیں اور صفتِ علم اس کے لیے ثابت نہیں، اب تو کلام کا معنیٰ ٹھیک بن گیا۔ دوسرا جواب وہ یہ دیتے ہیں کہ اس کلام کو مبالغے پر محمول کر لیا جائے یعنی متکلم جو کہنے والا ہے وہ زید سے صفتِ علم کی نفی کرنا چاہتا ہے کہ زید کے پاس علم نہیں ہے، وہ عالم نہیں ہے، اب اس میں خوب مبالغہ کرنا چاہتا ہے، مبالغہ کہتے ہیں بات کو بڑھا چڑھا کر بیان کرنا، تو وہ کہتا ہے زید میں ساری صفتیں ہو سکتی ہیں لیکن صفتِ علم نہیں ہو سکتی۔ «مَا زَالَ زَيْدٌ إِلَّا عَالِمًا» زید کے لیے ہمیشہ سے ساری صفتیں ہو سکتی ہیں لیکن صفتِ علم نہیں ہو سکتی، حتیٰ کہ یعنی مبالغہ کر رہا ہے زید کے لیے ساری صفتیں ہو سکتی ہیں، متضادہ بھی ہو سکتی ہیں، متناقضہ بھی ہو سکتی ہیں، ہر قسم کی صفت ہو سکتی ہے لیکن صفتِ علم تو اس میں ہو ہی نہیں سکتی، علم کا تو اس سے دور کا بھی واسطہ نہیں ہے، اس میں علم کی صلاحیت اور قابلیت ہی نہیں ہے۔ تو اب دیکھو یہاں اس کا مقصد کیا ہے؟ زید سے علم کی نفی کرنا چاہتا ہے کہ اس میں صفتِ علم قطعاً قطعاً نہیں ہے، باقی ہر صفت ہو سکتی ہے لیکن علم نہیں ہو سکتا۔ تو دیکھو اسی علم کی نفی میں مبالغہ کر دیا کہ ہر طرح کی صفتیں ہو سکتی ہیں لیکن صفتِ علم نہیں ہو سکتا، دیکھو اس تقدیر پر بھی یہ مثال استقامتِ معنیٰ کے اندر داخل ہو گئی کہ زید کے لیے ہمیشہ سے تمام صفات ہیں «إِلَّا عَالِمًا» سوائے عالم ہونے کے، یہ کلام حقیقت پر محمول ہی نہیں ہے بلکہ یہ کس قسم کا کلام ہے؟ مبالغے پر مبنی کلام ہے بھئی۔ توجہ ہے؟ تو مبالغہ ایک چیز میں کبھی کیا جاتا ہے خوب بڑھا چڑھا کر بیان کیا جاتا ہے، بات سمجھ میں آگئی؟ تو ان دونوں تقدیروں پر دیکھو یہ کلام استقامتِ معنیٰ کے اندر داخل ہو گیا، معنیٰ مستقیم ہو گیا۔

صاحبِ جامی نے اس کو رد کیا اور فرمایا کہ اگر اس قسم کی تاویلات کا دروازہ کھول دیا جائے تو پھر تو تمام ایجابی مادے یعنی تمام وہ ایجابی صورتیں یعنی وہ تمام مستثنیٰ مفرغ جو کلامِ موجب کے اندر آجائیں وہاں تو ہمیشہ پھر معنیٰ مستقیم ہی ہو گا کیونکہ ہر جگہ آپ تاویل کریں گے، پھر تو یہ جو پیچھے قید لگائی تھی «إِلَّا أَنْ يَسْتَقِيمَ الْمَعْنَى» مگر یہ کہ معنیٰ درست رہے، یہ قید تو اور نحوی حضرات بھی لگاتے ہیں پھر تو یہ قید ہی لغو ہو جائے گی، بیکار ہو جائے گی کیونکہ جو بھی آپ مثال لائیں گے تاویل کے ذریعے اس کا معنیٰ ٹھیک ہو جائے گا، جیسے مثال گزری تھی «ضَرَبَنِي إِلَّا زَيْدٌ» میری پٹائی کی، «ضَرَبَنِي كُلُّ وَاحِدٍ» میری پٹائی ہر ایک نے کی «إِلَّا زَيْدٌ» سوائے زید کے۔ اب یہاں دنیا کے سارے انسان تو کسی کی پٹائی نہیں کر سکتے، تو یہ مثال اس میں معنیٰ مستقیم نہیں، لیکن اس میں بھی آپ تاویل کر کے کہیں گے معنیٰ مستقیم ہے کس طرح؟ کہ آپ اس سے «كُلُّ وَاحِدٍ» سے ساری دنیا کے انسان مراد نہ لیں بلکہ آپ کے جاننے والے وہ انسان مراد لیں جو آپ کی پٹائی کر سکتے ہیں، جیسے آپ نے کہا تھا وہ صفات مراد لیں جو زید میں ہو سکتی ہیں اور متناقض بھی نہ ہوں، تو یہاں پر بھی آپ پٹائی کرنے والوں سے «كُلُّ وَاحِدٍ» سے ہر وہ شخص مراد لیں جو آپ کا جاننے والا ہے اور جو آپ کی پٹائی کر سکتا ہے، جس کے لیے آپ کی پٹائی کرنا ممکن ہے، تو اب یہ تو ممکن ہے کسی شخص کے جاننے والے کتنے ہوں گے، سو ہوں گے، دو سو ہوں گے، تین سو ہوں گے، بات سمجھ میں آرہی ہے؟ تو یہ تو عین ممکن ہے دیکھو یہ مثال پھر تو یہ بھی استقامتِ معنیٰ میں داخل ہو گئی۔ اور نیز وہ دوسرا مبالغے والا جواب بھی اس میں جاری ہو جائے گا، دوسرا جواب کیا دیا تھا کہ وہاں مبالغہ مقصود ہے، کہتے ہیں یہ تو یہاں پر بھی مبالغہ مقصود ہے، کہنے والا یہ کہتا ہے «ضَرَبَنِي كُلُّ وَاحِدٍ إِلَّا زَيْدٌ» میری ہر ایک نے پٹائی کی سوائے زید کے، یعنی بتلانا چاہتا ہے میری پٹائی کرنے والے لوگ اتنے زیادہ تھے، مبالغہ کر رہا ہے مبالغہ کر رہا ہے، پٹائی کرنے والے کتنے ہوں گے دس ہوں گے بیس ہوں گے پچاس ہوں گے، وہ مبالغہ کر رہا ہے میری پٹائی کرنے والے تو اتنے زیادہ تھے یوں سمجھو ساری دنیا کے لوگوں نے ہی میری پٹائی کر دی سوائے زید کے۔ اب دیکھو مبالغہ ہے صرف وہ اپنے پٹائی کرنے والوں کو خوب بڑھا چڑھا کر بیان کرنا مقصود ہے، یہاں حقیقت مراد ہی نہیں ہے صرف مبالغہ ہے اور مبالغے کے اندر تو ایسا کلام چل جاتا ہے، تو پھر تو کلام صحیح ہو جائے گا بھئی۔ بات سمجھ میں آگئی؟

اب آگے دیکھیے آج کا سبق بھئی، کہتے ہیں: «وَإِذَا تَعَذَّرَ الْبَدَلُ مِنْ حَيْثُ حَمْلِهِ عَلَى اللَّفْظِ أَيْ لَفْظِ الْمُسْتَثْنَى مِنْهُ فَعَلَى الْمَوْضِعِ»۔ بھئی پہلے متن متن صرف دیکھ لیجیے: «وَإِذَا تَعَذَّرَ الْبَدَلُ عَلَى اللَّفْظِ فَعَلَى الْمَوْضِعِ مِثْلُ مَا جَاءَنِي مِنْ أَحَدٍ إِلَّا زَيْدٌ وَلَا أَحَدَ فِيهَا إِلَّا عَمْرٌو وَمَا زَيْدٌ شَيْئًا إِلَّا شَيْءٌ لَا يُعْبَأُ بِهِ»۔

بھئی اب مستثنیٰ مفرغ کی بات ختم ہوئی۔ مستثنیٰ مفرغ میں مستثنیٰ منہ محذوف ہوتا ہے لیکن اگر اسی میں مستثنیٰ منہ مذکور ہو، اسی مستثنیٰ مفرغ سے پہلے کیا بتلایا تھا؟ اگر مستثنیٰ منہ مذکور ہو، مستثنیٰ کس کے بعد آئے؟ «إِلَّا» کے بعد اور کلام کون سا ہو؟ غیر موجب اور مستثنیٰ منہ مذکور ہو تو وہاں نصب پڑھنا بھی جائز اور بدل بنانا بھی جائز اور بدل بنانا مختار ہے

کہ آپ مستثنیٰ کو بدل بنائیں مستثنیٰ منہ سے بھئی۔ اور آپ جانتے ہیں بدل پر وہی اعراب آتا ہے جو مبدل منہ پر آتا ہے، تو ما قبل میں جو مستثنیٰ منہ ہو گا اس کو مبدل منہ بنائیں گے اور جو مستثنیٰ ہو گا اس کو بدل بنائیں گے اور دونوں پر ایک ہی اعراب آئے گا۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو اب آپ کو صاحب کافیہ بتلائیں گے کہ بعض اوقات مستثنیٰ منہ کے لفظوں پر حمل کرتے ہوئے بدل بنانا ممکن نہیں ہوتا تو پھر مستثنیٰ منہ کے محل پر حمل کرتے ہوئے بدل بنائیں گے۔ کبھی کبھار مستثنیٰ منہ جس نے مبدل منہ بننا ہے، جو ما قبل میں ہے «إِلَّا» سے پہلے جو مستثنیٰ منہ آرہا ہے، بعض اوقات مستثنیٰ منہ کے لفظوں پر حمل کرتے ہوئے بدل بنانا ممکن نہیں ہوتا تو پھر اس مستثنیٰ منہ کے محل پر حمل کرتے ہوئے بدل بنائیں گے، یعنی محل کے اعتبار سے جو اعراب ہوتا وہاں پر وہی اعراب بدل پر آجائے گا۔

جیسے دیکھو بھئی، جیسے دیکھو «إِنَّ زَيْدًا عَالِمٌ»۔ «إِنَّ» حرف از حروفِ مشبہ بالفعل ہے، یہ اپنے اسم کو نصب دیتا ہے اور خبر کو رفع دیتا ہے، «إِنَّ زَيْدًا عَالِمٌ» بے شک زید عالم ہے یا یقیناً زید عالم ہے۔ توجہ ہے؟ اب اس کے اندر دیکھو یہ «إِنَّ» حرف از حروفِ مشبہ بالفعل ہے،

اور یہ «زَيْدًا» کو نصب دے رہا ہے، تو اب اس «زَيْدًا» پر میں آگے عطف کرنا چاہتا ہوں مثلاً عمرو کا عطف کرتا ہوں تو میں یوں کہوں گا: «إِنَّ زَيْدًا عَالِمٌ وَعَمْرًا»۔ «إِنَّ زَيْدًا عَالِمٌ وَعَمْرًا» یہ «عَمْرًا» کا عطف کس پر ہے؟ «زَيْدًا» پر، اور «زَيْدًا» لفظوں کے اعتبار سے منصوب ہے کیونکہ «إِنَّ» کا اسم ہے، تو اسی لیے «عَمْرًا» بھی میں منصوب لے کر آیا کیونکہ معطوف پر وہی اعراب آتا ہے جو معطوف علیہ پر ہوتا ہے۔

لیکن یاد رکھو یہ «زَيْدًا» لفظوں کے اعتبار سے تو منصوب ہے «إِنَّ» کا اسم ہے لیکن محل کے اعتبار سے یہ مرفوع ہے کیونکہ بتدا ہے۔ محل کے اعتبار سے مرفوع ہے، بتدا ہے۔ آپ کہیں گے بھئی بتدا کیسے ہے؟ بھئی آپ نے پڑھا ہے کہ «إِنَّ» کس پر داخل ہوتا ہے؟ بتدا اور خبر پر۔ تو «إِنَّ» بتدا اور خبر پر داخل ہوا تھا، اس «إِنَّ» نے «زَيْدًا» کو اپنا اسم بنا لیا اور «عَالِمٌ» کو اپنی خبر، لیکن حقیقت میں یہ دونوں کیا ہیں؟ بتدا اور خبر ہیں جن پر «إِنَّ» داخل ہوا ہے، اور بتدا کا اعراب کیا ہوتا ہے؟ مرفوع ہوتا ہے، تو «إِنَّ زَيْدًا» یہ «زَيْدًا» لفظوں کے اعتبار سے منصوب لیکن محل کے اعتبار سے مرفوع ہے، بتدا ہے۔ تو آگے جو میں «عَمْرًا» کا اس پر عطف کرتا ہوں تو اس میں میرے لیے دونوں صورتیں جائز ہیں، میں «زَيْدًا» کے لفظوں پر حمل کرتے ہوئے «وَعَمْرًا» بھی کہہ سکتا ہوں اور میں «زَيْدًا» کے محل پر حمل کرتے ہوئے «وَعَمْرٌو» بھی کہہ سکتا ہوں۔ تو میں یوں بھی کہہ سکتا ہوں: «إِنَّ زَيْدًا عَالِمٌ وَعَمْرًا» میں نے لفظوں پر حمل کیا، عطف کیا ہے کس پر حمل کرتے ہوئے؟ «زَيْدًا» کے لفظوں پر حمل کرتے ہوئے، اور میں یوں بھی کہہ سکتا ہوں: «إِنَّ زَيْدًا عَالِمٌ وَعَمْرٌو» اب یہ عمرو کا عطف میں نے کس پر کیا؟ زید پر ہی کیا ہے لیکن اس کے محل پر حمل کرتے ہوئے۔

تو بعض اوقات ایک چیز کا حمل لفظوں پر کیا جاتا ہے اور بعض اوقات اس کا حمل محل پر کیا جاتا ہے۔ تو یہاں پر بھی

آپ کو بتلائیں گے کہ بعض اوقات بدل جو ہے وہ مبدل منہ کے لفظوں پر حمل نہیں ہو سکتا تو پھر اس کے محل پر حمل کر لیا جاتا ہے۔ بعض اوقات بدل، دیکھو مستثنیٰ منہ نے کیا بننا ہے؟ مبدل منہ اور مستثنیٰ نے کیا بننا ہے؟ بدل، اور بدل پر وہی اعراب آتا ہے جو کس پر ہو؟ جو مبدل منہ پر ہو۔ تو بعض اوقات بدل کو مبدل منہ کے لفظوں پر حمل کرنا ممکن نہیں ہوتا یعنی لفظوں کے اعتبار سے جو اعراب اس پر آرہا ہے وہ اعراب یہاں جاری آپ نہیں کر سکتے تو پھر اس مبدل منہ کے محل پر حمل کر لیتے ہیں اور محل کے اعتبار سے جو اعراب ہوتا ہے وہ بدل پر لے آتے ہیں۔

توجہ ہے؟ «جَاءَنِي زَيْدٌ أَخُوكَ»۔ «جَاءَ» فعل، نون وقایہ، یا ضمیر منصوب محلاً مفعول بہ، «زَيْدٌ» مرفوع لفظاً مبدل منہ، اور «أَخُوكَ» مضاف مضاف الیہ مل کر بدل۔ تو دیکھو مبدل منہ پر رفع ہے «زَيْدٌ» تو بدل جو ہے «أَخُوكَ» وہ بھی کیا ہے؟ مرفوع ہے۔ بدل جو ہے مبدل منہ کے لفظوں پر محمول ہوتا ہے، لفظوں کے اندر مبدل منہ پر جو اعراب آرہا ہو وہی اعراب کس پر آتا ہے؟ بدل پر بھی، لیکن بعض اوقات لفظوں پر حمل کرنا ممکن نہیں رہتا کوئی مانع کوئی رکاوٹ آجاتی ہے تو پھر مبدل منہ کے محل پر حمل کیا جاتا ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ آگے مثالوں سے بات واضح ہو گی۔

دیکھیے بھئی، کہتے ہیں: «وَإِذَا تَعَذَّرَ الْبَدَلُ عَلَى اللَّفْظِ» اور جب متعذر ہو جائے بدل یعنی جب بدل کا بنانا ممکن نہ ہو «عَلَى اللَّفْظِ» مبدل منہ کے لفظوں پر حمل کرتے ہوئے یعنی مستثنیٰ منہ کے لفظوں پر حمل کرتے ہوئے، «فَعَلَى الْمَوْضِعِ أَيْ فَيُحْمَلُ عَلَى الْمَوْضِعِ» تو اس کا حمل کس پر کیا جاتا ہے؟ مستثنیٰ منہ کے محل پر۔ جیسے دیکھیے: «مِثْلُ مَا جَاءَنِي مِنْ أَحَدٍ إِلَّا زَيْدٌ»۔ «مَا جَاءَنِي مِنْ أَحَدٍ» میرے پاس کوئی ایک بھی نہیں آیا «إِلَّا زَيْدٌ» سوائے زید کے۔ اب دیکھو یہ زید بدل ہے «أَحَدٍ» سے اور بدل اور مبدل منہ کا اعراب ایک ہونا چاہیے تو «أَحَدٍ» مجرور ہے لیکن «زَيْدٍ» مجرور ہم نہیں لائے اس لیے کیونکہ یہ جو مستثنیٰ ہے اس کو مستثنیٰ منہ کے لفظوں پر ہم حمل نہیں کر سکتے کیونکہ ایک رکاوٹ موجود ہے، تو پھر ہم اس کے محل پر حمل کر لیتے ہیں اور محل کے اعتبار سے یاد رکھو یہ «أَحَدٍ» مرفوع ہے «مَا جَاءَنِي» کے لیے فاعل ہے اور فاعل کیا ہوتا ہے؟ مرفوع، تو لہٰذا اس لیے «زَيْدٌ» اس پر بھی رفع پڑھ دیا، تو یہ ہے بدل اور کس پر محمول ہے؟ مستثنیٰ منہ کے محل پر یعنی مبدل منہ کے محل پر یہ محمول ہے۔ توجہ ہے؟

اب وہ رکاوٹ کیا ہے، مانع کیا ہے؟ بھئی دیکھیے یہ جو آیا نا «مِنْ» «مَا جَاءَنِي مِنْ أَحَدٍ»، یہ «مِنْ» یہ منِ استغراقیہ کہلاتا ہے اور یہ منِ استغراقیہ جو ہے یہ کلامِ غیر موجب میں آتا ہے عموم میں تاکید پیدا کرنے کے لیے۔ یہ کلامِ غیر موجب میں آتا ہے یعنی جس میں نفی، نہی یا استفہام ہو، اور یہ نکرہ پر داخل ہوتا ہے اور یہ کلام کے اندر جو عموم تھا اس میں تاکید پیدا کر دیتا ہے۔

بھئی آپ نے پڑھا ہے نکرہ تحت النفی آئے تو وہ کس چیز کا فائدہ دیتا ہے؟ عموم کا۔ مثلاً میں کہتا ہوں: «جَاءَنِي أَحَدٌ» کیا ترجمہ؟ میرے پاس کوئی ایک آیا ہے، میرے پاس کوئی ایک آیا ہے، لیکن اسی پر حرفِ نفی لے آؤ «مَا جَاءَنِي أَحَدٌ» میرے

پاس کوئی ایک بھی نہیں آیا، دیکھو سب سے مجیئت کی نفی کر دی، یہ «أَحَدٌ» نکرہ تھا یہ تحت النفی آگیا تو اس نے عموم کا فائدہ دیا۔ پہلے کیا ترجمہ تھا اثبات کے اندر کیا معنیٰ تھا؟ «جَاءَنِي أَحَدٌ» میرے پاس کوئی ایک آدمی آیا ہے، لیکن اسی پر جب آپ نے نفی داخل کر دی «مَا جَاءَنِي أَحَدٌ» میرے پاس کوئی ایک بھی نہیں آیا، تو دیکھو نکرہ تحت النفی آیا اور اس سے کیا آتا ہے؟ عموم پیدا ہو جاتا ہے کلام کے اندر۔ اب کیا معنیٰ؟ میرے پاس کوئی ایک بھی نہیں آیا، دیکھو سب سے مجیئت کی نفی ہو گئی، آنے کا ذکر تھا تو اثبات صرف ایک کے لیے تھا کہ ایک آدمی آیا ہے یا وہ زید ہے یا بکر ہے یا عمرو ہے لیکن آیا ایک ہی ہے، اور جب نفی کی تو نفی سب سے ہو گئی میرے پاس کوئی ایک بھی نہیں آیا، نہ زید نہ عمرو نہ بکر نہ خالد کوئی بھی میرے پاس نہیں آیا۔ یہ عموم کہاں سے آیا؟ یہ نکرہ تحت النفی آیا تو اس کی وجہ سے کیا آگیا؟ عموم آگیا۔ تو جب بھی نکرہ تحت النفی آتا ہے اس میں عموم آجاتا ہے، اور یہ جو منِ استغراقیہ ہے یہ بھی عموم کا فائدہ دیتا ہے۔ دیکھو استغراق، استغراق کا معنیٰ گھیر لینا۔ آپ نے بھی پڑھا ہے الف لام کی ایک قسم الف لام استغراقی ہے جو تمام افراد کا احاطہ کر لیتی ہے، جیسے «وَالْعَصْرِ إِنَّ الْإِنْسَانَ لَفِي خُسْرٍ» تو یہ «الْإِنْسَانَ» پر الف لام استغراقی ہے، تمام انسان خسارے میں ہیں۔ تو یہاں پر بھی یہ «مِنْ» کس چیز کا فائدہ دے رہا ہے؟ استغراق کا، اور استغراق تو «مَا» کی وجہ سے پہلے ہی آچکا ہے کیونکہ نکرہ تحت النفی ہے بھئی، توجہ ہے؟ اور «مِنْ» بھی آگیا تو «مِنْ» نے اسی عموم میں تاکید پیدا کر دی، اسی کو پکا کر دیا۔ توجہ ہے؟ پھر دہرائیں، نکرہ تحت النفی کس چیز کا فائدہ دیتا ہے؟ عموم کا، اور یہ «مِنْ» بھی کس چیز کا فائدہ دیتا ہے؟ استغراق کا یعنی عموم کا فائدہ دیتا ہے، تو جب یہ نکرہ پر داخل ہو گا کلامِ غیر موجب کے اندر تو وہاں پہلے ہی عموم موجود تھا اب یہ «مِنْ» بھی آگیا تو اس نے کوئی نیا عموم پیدا نہیں کیا، عموم تو پہلے ہی موجود تھا ہاں اس نے اسی عموم کو پکا کر دیا، اس میں تاکید یعنی اس میں زور پیدا کر دیا۔ بات سمجھ میں آرہی ہے؟

تو یہ منِ استغراقیہ یاد رکھو کلامِ غیر موجب میں آتا ہے، یا یوں کہو یہ جو مثال آئی ہے یوں کہو مختصر کلام، یا یوں کہو کہ یہ منِ استغراقیہ ہمیشہ یہ کلامِ منفی میں تو آسکتا ہے کلامِ مثبت میں نہیں آسکتا۔ بات سمجھ میں آگئی؟ اور یہ بھی یاد رکھنا یہ زائد ہے، یہ جار مجرور کسی سے متعلق ہوتے ہیں لیکن جو حرفِ زائد ہوتا ہے وہ کسی سے متعلق نہیں ہوتا۔ تو ترکیب یوں ہو گی دیکھو: «مَا جَاءَنِي»؛ «مَا» حرفِ نفی، «جَاءَ» فعل، نون وقایہ، یا ضمیر منصوب محلاً مفعول بہ، «مِنْ» جارہ زائدہ، «أَحَدٍ» مجرور لفظاً لیکن مرفوع محلاً کیونکہ یہ «مَا جَاءَنِي» کے لیے فاعل ہے بھئی، تو یہ لفظاً مجرور ہے اور محلاً مرفوع ہے، اور نیز یہ «أَحَدٍ» یہ مبدل منہ ہے بھئی، اور «إِلَّا» حرفِ استثنا اور «زَيْدٌ» اس سے بدل ہے اس کے محل پر حمل کرتے ہوئے۔ لفظوں پر اگر حمل کریں، توجہ ہے؟ یہ زید کس سے بدل؟ «أَحَدٍ» سے، اگر یہ «أَحَدٍ» کے لفظوں پر محمول کریں تو پھر یہاں تو ہے «مِنْ أَحَدٍ» جر آرہا ہے «مِنْ» کی وجہ سے تو وہاں بھی کیا پڑھنا چاہیے؟ «إِلَّا زَيْدٍ»۔ توجہ ہے؟ «إِلَّا زَيْدٍ»، لیکن ہم لفظوں پر حمل نہیں کر سکتے، زید کو بدل تو «أَحَدٍ» سے بنا رہے ہیں لیکن لفظوں پر حمل نہیں کر سکتے، بھئی کیوں؟ لفظوں پر حمل کیوں نہیں

کر سکتے؟ وجہ یہ کہ یہ «مِنْ» جو ہے یہ منِ استغراقیہ کلامِ مثبت میں نہیں آتا، یہ کلامِ منفی کے اندر آتا ہے۔ تو یہ کلامِ مثبت کے اندر بالاتفاق یہ منِ استغراقیہ نہیں آتا، اور آپ کو میں نے بتلایا تھا کہ «إِلَّا» جو ہے «إِلَّا» کا ما بعد ما قبل کے مخالف ہوتا ہے، ما قبل میں اگر اثبات ہو تو «إِلَّا» کے ما بعد نفی ہوگی اور اگر ما قبل میں نفی ہو تو «إِلَّا» کے ما بعد اثبات ہوگا۔ «مَا جَاءَنِي أَحَدٌ إِلَّا زَيْدٌ» ما قبل میں کیا ہے؟ میرے پاس کوئی ایک بھی نہیں آیا «إِلَّا زَيْدٌ» ما قبل والوں سے مجیئت کی نفی ہے تو زید کے لیے مجیئت کا اثبات ہے کہ زید میرے پاس آیا ہے۔ تو یہاں پر بھی «إِلَّا» آیا اور «إِلَّا» سے ما قبل کلامِ منفی ہے اور «إِلَّا» کے ما بعد کلام مثبت ہے، تو اگر آپ اس زید کو «أَحَدٍ» کے لفظوں پر حمل کرتے ہوئے مجرور پڑھیں گے تو آپ جانتے ہیں کہ ادھر دیکھیے، آپ جانتے ہیں بدل توابع میں سے ہے، کس میں سے؟ توابع، پانچ چیزیں ہیں جو توابع ہیں بھئی، ان پر وہی اعراب آتا ہے جو ان کے ما قبل پر ہوتا ہے، جیسے صفت پر وہی اعراب آتا ہے جو موصوف پر ہوتا ہے، بدل پر وہی اعراب آتا ہے جو مبدل منہ پر ہوتا ہے، اور اسی طرح معطوف پر وہی اعراب آتا ہے جو معطوف علیہ پر ہوتا ہے، تاکید پر وہی اعراب آتا ہے جو مؤکد پر ہوتا ہے، عطفِ بیان پر وہی اعراب آتا ہے جو معطوف علیہ پر ہوتا ہے۔ یہ پانچ چیزیں کیا کہلاتی ہیں؟ توابع، یہ اپنے سے ما قبل کے تابع ہوتی ہیں۔ توجہ ہے؟ اور یاد رکھو علماء فرماتے ہیں کہ یہ توابع کے اندر وہی عامل ہوتا ہے جو متبوع کے اندر تھا، توابع کے اندر وہی عامل ہوتا ہے جو متبوع کے اندر تھا۔ مثلاً میں نے کہا: «جَاءَنِي رَجُلٌ عَالِمٌ» میرے پاس ایک عالم آدمی آیا، «رَجُلٌ» موصوف اور «عَالِمٌ» اس کی صفت، اس «رَجُلٌ» کو رفع کس نے دیا؟ «جَاءَ» فعل نے، یہ اس کے لیے فاعل ہے، تو یہی «جَاءَ» عامل ہے «عَالِمٌ» اس کی صفت کے اندر بھی، صفت اپنے سے ما قبل کے تابع ہوتی ہے اس پر وہی اعراب آتا ہے جو موصوف پر آئے، تو یہاں پر بھی «عَالِمٌ» «رَجُلٌ» کے تابع ہے، «رَجُلٌ» مرفوع ہے تو «عَالِمٌ» صفت بھی مرفوع۔ اب اس کے اندر عامل کیا ہے؟ تو علماء فرماتے ہیں کہ جو عامل متبوع میں ہوتا ہے وہی عامل تابع میں بھی ہوتا ہے یعنی جو عامل موصوف میں ہے وہی صفت میں ہے، جو عامل مبدل منہ میں ہے وہی بدل کے اندر بھی ہے۔ تو یہاں پر بھی اگر آپ دیکھیے بھئی، اگر آپ یوں پڑھتے ہیں «مَا جَاءَنِي مِنْ أَحَدٍ إِلَّا زَيْدٍ» یعنی زید کو بدل بناتے ہیں «أَحَدٍ» کے لفظوں پر حمل کرتے ہوئے تو اس صورت میں جو عامل ہوتا ہے مبدل منہ میں وہی عامل کس کے اندر مانیں گے؟ بدل کے اندر بھی، اور «أَحَدٍ» کے اندر عامل کیا ہے؟ کیا چیز اس کو جر دے رہی ہے؟ «مِنْ»، تو معلوم ہوا وہی «مِنْ» زید کے اندر بھی عامل ماننا پڑے گا حالانکہ «إِلَّا» کی وجہ سے نفی ٹوٹ چکی ہے اور «إِلَّا» کے ما بعد کون سا کلام ہے؟ کلامِ مثبت ہے، «إِلَّا» سے ما قبل تو نفی تھی لیکن «إِلَّا» کے ما بعد تو کلامِ مثبت ہے، ما قبل والوں سے آنے کی نفی ہو رہی ہے لیکن زید کے لیے تو آنے کا اثبات ہو رہا ہے، تو اگر آپ زید کو «أَحَدٍ» سے بدل بنائیں گے اس کے لفظوں پر حمل کرتے ہوئے تو گویا آپ نے «مِنْ» کو عامل بنا دیا کلامِ مثبت کے اندر، کس کے اندر؟ کلامِ مثبت کے اندر عامل بنا دیا کہ زید پر بھی اسی کی وجہ سے جر آ رہا ہے حالانکہ «مِنْ» تو کلامِ مثبت میں نہیں آتا بالاتفاق بھئی۔ بات سمجھ میں آ گئی؟ لہٰذا معلوم ہوا «إِلَّا زَيْدٍ» زید کو مجرور نہیں پڑھ سکتے «أَحَدٍ» کے لفظوں پر حمل کرتے ہوئے، تو پھر جب لفظوں پر حمل نہیں کر سکتے تو پھر «أَحَدٍ» کے محل پر حمل

کریں گے اور محل کے اعتبار سے «أَحَدٍ» کیا ہے؟ مرفوع ہے فاعل ہے «مَا جَاءَنِي» کے لیے۔ توجہ ہے؟ تو لہٰذا اس لیے «زَيْدٌ» پڑھیں گے۔ بات سمجھ میں آگئی؟

اگلی مثال پر آئیے: «وَلَا أَحَدَ فِيهَا إِلَّا عَمْرٌو»۔ «لَا أَحَدَ فِيهَا أَيْ فِي الدَّارِ» کوئی ایک بھی نہیں ہے «فِيهَا» اس گھر میں «إِلَّا عَمْرٌو» سوائے عمرو کے۔ اب دیکھو یہ جو عمرو ہے یہ بدل ہے «أَحَدَ» سے، یہ بدل ہے «أَحَدَ» سے یہ جو لائے نفی جنس کا اسم ہے، اور یہ «أَحَدَ» مبنی علی الفتح ہے، مبنی علی الفتح ہے۔ میں نے آپ کو بتلایا تھا تین قسم کے نام ہیں

ایک «رَفْعٌ نَصْبٌ جَرٌّ»، ایک «ضَمٌّ فَتْحٌ كَسْرٌ»، اور ایک انہی کے ساتھ گول تا ملا دیں: «ضَمَّةٌ فَتْحَةٌ كَسْرَةٌ»۔ پھر دہرائیں، پہلی قسم ناموں کی کیا ہے؟ «رَفْعٌ نَصْبٌ جَرٌّ» اور یہ خاص ہے معرب کے ساتھ، یہ معرب کے لیے استعمال ہوتی ہے۔ اور دوسری قسم کے نام کیا ہیں؟ «ضَمٌّ فَتْحٌ كَسْرٌ» بغیر گول تا کے، یہ مبنی کے ساتھ خاص ہیں۔ اور اگر گول تا کے ساتھ یہی آجائیں «ضَمَّةٌ فَتْحَةٌ كَسْرَةٌ» تو یہ عام ہیں، یہ معرب کے لیے بھی استعمال ہوتے ہیں اور مبنی کے لیے بھی۔ تو یہاں دیکھو «لَا أَحَدَ فِيهَا»، یاد رکھو یہ «أَحَدَ» مبنی علی الفتح ہے، یہ مبنی علی الفتح ہے «لَا أَحَدَ فِيهَا»، تو یہ منصوب نہیں ہے بلکہ مبنی ہے اس وقت، منصوب کہیں گے تو اس کا تو مطلب یہ ہوگا یہ معرب ہے، لیکن یہ منصوب نہیں ہے یہ کیا ہے؟ مبنی علی الفتح ہے یعنی مفتوح ہے، مفتوح ہے۔ اور دیکھو «أَحَدَ» یہ پتا کیسے چلا کہ یہ مبنی علی الفتح ہے؟ یہ «أَحَدٌ» کا لفظ تو عبارتوں میں آتا رہتا ہے اور یہ تو معرب ہے: «جَاءَنِي أَحَدٌ»، «رَأَيْتُ أَحَدًا»، «مَرَرْتُ بِأَحَدٍ»، یہ تو معرب ہے اس پر تو تینوں قسم کے اعراب آتے ہیں لیکن اس وقت یہاں یہ مبنی ہے، اور پتا کیسے چلا؟ یہ جو «أَحَدَ» پر تنوین نہیں آرہی، اگر یہ نصب ہوتا تو یوں ہونا چاہیے تھا «لَا أَحَدًا فِيهَا» تنوین ہونی چاہیے تھی، لیکن تنوین نہیں آرہی حالانکہ مانع تنوین یہاں کوئی چیز نہیں، مانع تنوین دو چیزیں ہیں ایک الف لام اور ایک اضافت، جس لفظ پر الف لام آجائے اس پر تنوین نہیں آسکتی، اسی طرح اگر کسی لفظ کی اضافت کر دی جائے تو بھی اس سے تنوین گر جاتی ہے۔ توجہ ہے؟ تو یہاں پر «أَحَدَ» اس پر نہ الف لام داخل ہے نہ اس کی اضافت ہو رہی ہے اور یہ معرب ہے لیکن ہم یہاں دیکھ رہے ہیں اس پر تنوین نہیں آرہی «لَا أَحَدَ فِيهَا»، اس سے کیا پتا چلا کہ یہ اس وقت مبنی ہے بھئی، مبنی ہے۔

تو «لَا أَحَدَ فِيهَا» کوئی ایک بھی نہیں ہے اس گھر میں «إِلَّا عَمْرٌو» سوائے عمرو کے۔ اب یہ عمرو بدل ہے «أَحَدَ» سے، اور «أَحَدَ» کے لفظوں پر حمل کرتے ہوئے «إِلَّا عَمْرًا» ہم نہیں پڑھ سکتے، «إِلَّا عَمْرًا» یعنی اس کے لفظوں پر حمل کریں اور «عَمْرًا» پر نصب پڑھیں ہم نہیں پڑھ سکتے۔ بھئی کیوں نہیں پڑھ سکتے؟ وجہ یہ کہ یہ «لَا» جو ہے نفی کی وجہ سے عمل کر رہا ہے، «لَا» میں نفی والا معنیٰ ہے اسی لیے یہ عمل کر رہا ہے، یہ توجہ ہے؟ اور «إِلَّا» کی وجہ سے وہ نفی ٹوٹ چکی ہے، «إِلَّا» کے ما بعد ما قبل کے مخالف ہوتا ہے، ما قبل میں «لَا» کی وجہ سے نفی ہے تو «إِلَّا» کے بعد نفی ٹوٹ چکی ہے اب اثبات ہے، تو معلوم

ہوا «إِلَّا» نے کیا کیا؟ «لَا» کی نفی توڑ دی اور «لَا» عمل ہی کس کی وجہ سے کر رہا تھا؟ نفی کی وجہ سے، تو اگر آپ یہاں پر «إِلَّا عَمْرًا» پڑھیں یعنی اس کو بدل بنائیں «أَحَدَ» کے لفظوں پر حمل کرتے ہوئے، تو پھر اس صورت میں تو مبدل منہ کے اندر جو عامل ہوتا ہے وہی کس کے اندر عامل ہوتا ہے؟ بدل کے اندر، معلوم ہوا وہی «لَا» عمل کر رہا ہے «عَمْرًا» کے اندر بھی حالانکہ «عَمْرًا» تو «إِلَّا» کے بعد واقع ہے، نفی «لَا» کی ٹوٹ چکی ہے، وہ «إِلَّا» کے ما بعد جا کر عمل نہیں کر سکتا۔ تو پھر جب «عَمْرًا» کو «أَحَدَ» کے لفظوں پر حمل کرتے ہوئے بدل نہیں بنا سکتے تو پھر اس کو «أَحَدَ» کے محل پر حمل کرتے ہوئے بدل بنائیں گے، اور محل کے اعتبار سے «أَحَدَ» مرفوع ہے بتدا ہے، مرفوع ہے بتدا، کیونکہ آپ نے پڑھا ہے لائے نفی جنس بتدا اور خبر پر داخل ہوتا ہے، تو «أَحَدٌ» تھا بتدا اور «فِيهَا» تھی اس کی خبر، اس پر لائے نفی جنس داخل ہوا اور اس نے بتدا کو اپنا اسم بنا لیا اور بتدا کی خبر کو اپنی خبر بنا لیا۔ توجہ ہے؟ تو محل کے اعتبار سے «أَحَدَ» مرفوع ہے بتدا ہے، تو اس کے محل پر حمل کرتے ہوئے «إِلَّا عَمْرٌو» عمرو پر بھی رفع پڑھیں گے۔ لفظوں پر کیوں نہیں حمل کر سکتے؟ کیونکہ اس صورت میں «لَا» کا عمل لازم آئے گا «إِلَّا» کے بعد، حالانکہ «لَا» تو نفی کی وجہ سے عمل کرتا ہے اور «إِلَّا» کی وجہ سے اس کی نفی ٹوٹ چکی ہے تو وہ «إِلَّا» کے بعد جا کر عمل نہیں کر سکتا۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ لہٰذا «إِلَّا عَمْرًا» آپ نہیں پڑھ سکتے بلکہ «إِلَّا عَمْرٌو» پڑھیں گے۔

یہاں آپ کے ذہن میں ایک اشکال آئے گا، اشکال یہ کہ آپ نے کہا لفظوں پر حمل کرتے ہوئے «إِلَّا عَمْرًا» نہیں پڑھ سکتے، بھئی «إِلَّا عَمْرًا» آپ اس پر نصب پڑھ رہے ہیں، توجہ ہے؟ اور حالانکہ «لَا أَحَدَ»، «أَحَدَ» تو مبنی علی الفتح ہے، اگر آپ لفظوں پر حمل کر رہے ہیں تو «إِلَّا عَمْرَ» یوں کہتے نا کہ آپ کہ «أَحَدَ» پر تو فتحہ ہے لیکن عمرو پر فتحہ نہیں پڑھ سکتے، لیکن آپ نے کیا کہا کہ آپ «عَمْرًا» میں نصب نہیں پڑھ سکتے؟ تو جواب یہ کہ یاد رکھو کہ یہ جو «أَحَدَ» یہاں اس وقت مبنی ہے لیکن یہ «أَحَدٌ» کا لفظ تو ہر جگہ مبنی نہیں ہوتا یہ تو معرب ہے: «جَاءَنِي أَحَدٌ»، «رَأَيْتُ أَحَدًا»، «مَرَرْتُ بِأَحَدٍ» تو یہ تو معرب ہے، لیکن یہاں پر یہ لائے نفی جنس کا اسم ہے اس وجہ سے کیا بن گیا؟ مبنی، تو گویا معلوم ہوا «أَحَدَ» کے اوپر جو فتحہ آیا وہ «لَا» یعنی عامل کی وجہ سے آیا۔ ویسے تو مبنی کے آخر میں جو حرکت ہوتی ہے وہ کسی عامل کی وجہ سے نہیں آتی مثلاً «هَؤُلَاءِ»، «هَؤُلَاءِ» کے آخر میں ہمزہ کے نیچے کسرہ ہے یہ کسی عامل کی وجہ سے نہیں آیا، یہ لفظ ہی اسی طرح ہے آپ جہاں بھی پڑھیں گے «هَؤُلَاءِ» ہی پڑھیں گے۔ تو مبنی کے آخر میں جو حرکت ہوتی ہے وہ کسی عامل کی وجہ سے نہیں آتی، لیکن یہاں جو «أَحَدَ» مبنی ہے یہ مبنی ہوا ہے کس کی وجہ سے؟ «لَا» کی وجہ سے، تو یوں کہو گویا یہ فتحہ «لَا» کی وجہ سے آیا ہے، کس کی وجہ سے؟ «لَا»۔ یہ فتحہ عامل کی وجہ سے آیا ہے، تو لہٰذا یہ فتحہ بھی نصب ہی جیسا ہوا۔ یہ فتحہ عامل کی وجہ سے تو نصب آیا کرتا ہے، رفع نصب جر آتا ہے، تو یہاں فتحہ آگیا لیکن یہ فتحہ بھی چونکہ آیا کس کی وجہ سے ہے؟ عامل کی وجہ سے، اور عامل کی وجہ سے تو رفع نصب جر آتے ہیں، مبنی کی حرکت تو نہیں بدلتی عامل کی وجہ سے، لیکن یہاں ایک لفظ مبنی بنا ہے تو اس کا فتحہ یہ بھی کس کی طرح ہوا؟ نصب کی طرح۔

نصب کی طرح ہوا جو عامل کی وجہ سے آتا ہے۔ یہاں عامل کی وجہ سے فتحہ آیا لیکن یہ فتحہ بھی کس کی طرح ہے؟ نصب کی طرح ہے جو عامل کی وجہ سے آتا ہے۔ تو اس لیے وہاں پر ہم نے «إِلَّا عَمْرًا» کہا۔ بات سمجھ میں آ گئی؟ تو کہتے ہیں: «لَا أَحَدَ فِيهَا إِلَّا عَمْرٌو» کہ اس گھر میں کوئی ایک بھی نہیں ہے سوائے عمرو کے، تو یہاں عمرو کو ہم «أَحَدَ» کے لفظوں پر حمل کرتے ہوئے بدل نہیں بنا سکتے، «عَمْرًا» نہیں پڑھ سکتے کیونکہ «لَا» کی نفی «إِلَّا» کی وجہ سے ٹوٹ چکی ہے، تو پھر «أَحَدَ» کے محل پر حمل کرتے ہوئے «عَمْرٌو» پڑھیں گے کیونکہ «أَحَدٌ» بھی مرفوع ہے محلاً، بتدا ہے۔

تیسری مثال میں آئیے: «وَمَا زَيْدٌ شَيْئًا إِلَّا شَيْءٌ لَا يُعْبَأُ بِهِ»۔ «وَمَا زَيْدٌ شَيْئًا»، «مَا» مشابہ بلیس ہے، «زَيْدٌ» اس کا اسم ہے۔ «مَا» مشابہ بلیس کیا عمل کرتا ہے؟ اپنے اسم کو رفع دیتا ہے اور اپنی خبر کو نصب دیتا ہے، تو «مَا» مشابہ بلیس، «زَيْدٌ» اس کا اسم اور «شَيْئًا» اس کی خبر اور یہ «شَيْئًا» مستثنیٰ منہ ہے، «إِلَّا» حرفِ استثنا اور آگے «شَيْءٌ» یہ ہے مستثنیٰ اور یاد رکھو یہ بدل ہے «شَيْئًا» سے۔ اور «شَيْئًا» وہ تو لفظوں کے اعتبار سے منصوب ہے لیکن یہاں ہم وہ جو مستثنیٰ «شَيْءٌ» ہے اس کو مستثنیٰ منہ کے لفظوں پر حمل کرتے ہوئے بدل نہیں بنا سکتے۔ بھئی کیوں؟ لفظوں پر حمل کرتے ہوئے کیوں نہیں بدل بنا سکتے؟ وجہ یہ کہ یہ «مَا» مشابہ بلیس ہے اور یہ عمل کیوں کرتا ہے؟ نفی کی وجہ سے عمل کرتا ہے، وہی وجہ جو «لَا» میں تھی۔ یہ جیسے «لَا» کیوں عمل کرتا تھا؟ نفی کی وجہ سے اور «إِلَّا» کی وجہ سے نفی ٹوٹ چکی تو «إِلَّا» کے ما بعد میں یہ عمل نہیں کر سکتا، اسی طرح یہ «مَا» بھی جو ہے اگر آپ «إِلَّا» کے بعد بھی «شَيْئًا» پڑھیں تو اس کا مطلب ہے آپ نے «مَا» کو عامل بنا دیا کس کے بعد؟ «إِلَّا» کے بعد، حالانکہ «مَا» جو عمل کرتا ہے وہ بھی اس میں نفی والا معنیٰ ہوتا ہے اس لیے عمل کرتا ہے اور «إِلَّا» نے اس کی نفی توڑ دی ہے تو لہٰذا یہ «إِلَّا» کے ما بعد جا کر عمل نہیں کر سکتا کیونکہ «إِلَّا» نے اس کی نفی کو توڑ دیا ہے۔ بات سمجھ میں آ رہی ہے؟ تو لہٰذا معلوم ہوا «إِلَّا شَيْءٌ»، یہ «شَيْءٌ» کو «شَيْئًا» کے لفظوں پر حمل کرتے ہوئے بدل نہیں بنا سکتے، تو پھر اس کے محل پر حمل کرتے ہوئے اس کو بدل بنائیں گے، اور «شَيْئًا» لفظوں میں تو منصوب ہے لیکن محلاً یہ مرفوع ہے، کیوں مرفوع ہے؟ کیونکہ یہ بتدا کی خبر ہے۔ آپ نے پڑھا ہے «مَا» مشابہ بلیس کس پر داخل ہوتا ہے؟ بتدا اور خبر پر، معلوم ہوا «مَا زَيْدٌ شَيْئًا» یہ اصل میں تھا «زَيْدٌ شَيْءٌ»۔ «زَيْدٌ» تھا بتدا اور «شَيْءٌ» تھی اس کی خبر، پھر اس پر «مَا» مشابہ بلیس داخل ہوا اور کیا بن گیا؟ «مَا زَيْدٌ شَيْئًا»۔ تو «شَيْئًا» اس وقت خبر ہے کس کی؟ «مَا» کی، اس لیے منصوب ہے لیکن محل کے اعتبار سے یہ بتدا کی خبر ہے، یہ مرفوع ہے، تو اس کے محل پر حمل کرتے ہوئے «إِلَّا شَيْءٌ»، «شَيْءٌ» کو بدل بنایا گیا۔ بات سمجھ میں آ گئی؟ حاصلِ کلام کیا ہوا کہ بعض اوقات، بعض اوقات مستثنیٰ کو مستثنیٰ منہ کے لفظوں پر حمل کرتے ہوئے بدل نہیں بنایا جا سکتا تو پھر اسے مستثنیٰ منہ کے محل پر حمل کرتے ہوئے بدل بنایا جاتا ہے تاکہ جو مختار صورت ہے اس پر بقدرِ امکان عمل ہو جائے۔ اس قسم کے مستثنیٰ میں دو اعراب جائز تھے، نصب بھی اور بدل بھی، تو بدل پر جس قدر ہو سکے بدل پر عمل ہو جائے جو پسندیدہ صورت ہے، لفظوں میں تو ہم بدل نہیں بنا سکتے لیکن محل کے اعتبار سے

بدل بنا لیں گے تو دیکھو مختار اور پسندیدہ صورت پر عمل ہو جائے گا۔ بات سمجھ میں آگئی؟

تو کہتے ہیں: «وَمَا زَيْدٌ شَيْئًا إِلَّا شَيْءٌ لَا يُعْبَأُ بِهِ»۔ یہ بھئی دیکھو «إِلَّا شَيْءٌ لَا يُعْبَأُ بِهِ»، «شَيْءٌ» نکرہ ہے اور اس کے بعد «لَا يُعْبَأُ بِهِ» یہ فعل آیا اور نکرہ کے بعد فعل آئے تو وہ اس کے لیے عموماً صفت بنتا ہے اور موصوف صفت کا ترجمہ کیسے کرتے ہیں؟ موصوف سے پہلے ایسا یا ایسی کا لفظ لے آتے ہیں، تو «لَا يُعْبَأُ بِهِ» کا معنیٰ ہے جس کی پروا نہ کی جائے، جس کی پروا نہ کی جائے، جسے کچھ بھی شمار نہ کیا جائے، جسے کوئی حیثیت نہ دی جائے، تو «شَيْءٌ لَا يُعْبَأُ بِهِ» ایسی چیز جس کی پروا نہ کی جاتی ہو، جسے کوئی اہمیت نہیں دی جاتی یعنی اس کو شمار ہی نہیں کیا جاتا۔ بات سمجھ میں آگئی؟ بھئی یہ تو آپ کو صاحبِ جامی بتائیں گے کہ کافیہ کے بعض نسخوں کے اندر یہ صفت موجود ہے «شَيْءٌ» کے بعد «لَا يُعْبَأُ بِهِ» ہے اور کافیہ کے بعض نسخوں میں «شَيْءٌ» کے بعد «لَا يُعْبَأُ بِهِ» کا لفظ نہیں ہے بھئی۔

سوال: یہ لفظ کیوں بڑھایا گیا بھئی؟ صرف اتنا کہہ دیتے «مَا زَيْدٌ شَيْئًا إِلَّا شَيْءٌ»۔ تو کہتے ہیں یہ لفظ اس لیے بڑھایا گیا تاکہ استثنائے شے عن نفسہ لازم نہ آئے، استثنائے شے عن نفسہ لازم نہ آئے۔ مثلاً میں کہتا ہوں: «جَاءَنِي زَيْدٌ إِلَّا زَيْدًا»۔ مستثنیٰ منہ کون؟ «جَاءَنِي زَيْدٌ إِلَّا زَيْدًا»، مستثنیٰ منہ کون؟ زید، اور مستثنیٰ بھی کون؟ زید، تو یہ تو آپ ایک چیز کا اپنی ہی ذات سے استثنا کر رہے ہیں، زید کا استثنا زید ہی سے کر رہے ہیں، حالانکہ مستثنیٰ منہ اور مستثنیٰ غیر ہونے چاہئیں اور مستثنیٰ منہ میں عموم ہونا چاہیے تاکہ اس سے مستثنیٰ کو نکالا جا سکے۔ توجہ ہے؟ تو لہٰذا یہاں پر پھر «شَيْءٌ» جو مستثنیٰ تھا اس کی صفت لے آئے «لَا يُعْبَأُ بِهِ»، ایسی چیز جس کی پروا نہ کی جاتی ہو۔ معلوم ہوا «إِلَّا» سے ما قبل جو «شَيْئًا» آیا اس سے شے عام مراد ہے، عام شے مراد ہے، توجہ ہے؟ معلوم ہوا چیزیں دو قسم کی ہو گئیں، کچھ چیزیں وہ ہیں جن کی پروا کی جاتی ہے اور کچھ چیزیں وہ ہیں جن کی پروا نہیں کی جاتی، تو ما قبل میں جو مستثنیٰ منہ ہے وہ عام ہے، چاہے اس میں دونوں قسم کی چیزیں داخل ہیں، چاہے ان کی پروا کی جاتی ہو چاہے پروا نہ کی جاتی ہو، تو وہ مستثنیٰ منہ عام ہے، اور آگے «شَيْءٌ» جو مستثنیٰ آیا اس سے وہ چیز مراد ہے جس کی پروا نہیں کی جاتی، تو ما قبل میں تھا عام اور ما بعد میں وہ چیز ہے جس کی پروا نہیں کی جاتی ہے یعنی خاص، تو استثنا ہوا خاص کا عام سے، اب بات ٹھیک ہو گئی۔ بات سمجھ میں آئی؟ یہ «شَيْءٌ» کی صفت «لَا يُعْبَأُ بِهِ» کیوں لائی گئی؟ کیونکہ اگر یہ نہ لاتے تو پھر استثنائے شے عن نفسہ لازم آتا، ایک چیز کا استثنا کیا جا رہا ہے اپنی ہی ذات سے اور یہ تو صحیح نہیں ہے، یہ تو باطل ہے، «جَاءَنِي زَيْدٌ إِلَّا زَيْدًا» کون آیا؟ زید، اور کس کو نکالا؟ زید کو، تو یہ تو آپ زید کو زید سے ہی نکال رہے ہیں، شے غیر سے تو نکل سکتی ہے اپنی ذات سے نہیں نکل سکتی، تو لہٰذا یہ درست نہیں ہے، تو پھر دونوں میں کچھ فرق کرنے کے لیے جو شے ثانی تھا یعنی جو مستثنیٰ تھا اس کی صفت لے آئے کہ وہ اس سے کون سی شے مراد ہے؟ جس کی پروا نہیں کی جاتی، اور ما قبل والے شے کے ساتھ تو کوئی صفت نہیں معلوم ہوا اس میں ہر طرح کی شے شامل ہے چاہے جس کی پروا کی جاتی ہو وہ بھی اور جس کی پروا نہ کی جاتی ہو وہ بھی داخل تھے۔ «مَا زَيْدٌ شَيْئًا» زید کوئی چیز نہیں ہے، توجہ ہے؟ کس شے کی

نفی کی؟ شے عام کی نفی کی، چاہے پروا کی جاتی ہو چاہے پروا نہ کی جاتی ہو ان سب کی نفی کر دی، «إِلَّا شَيْءٌ» پھر اس کے بعد اثبات کر دیا اس شے کا جس کی پروا نہیں کی جاتی، تو ما قبل والا شے عام ہے وہ «لَا يُعْبَأُ بِهِ» بھی ہو سکتا ہے اور غیر «لَا يُعْبَأُ بِهِ» بھی ہو سکتا ہے اور ما بعد والا شے جو ہے وہ «لَا يُعْبَأُ بِهِ» ہے، تو معلوم ہوا ما قبل میں عام ہے اور ما بعد والی چیز خاص ہے، تو یہاں عام سے استثنا کیا جا رہا ہے خاص کا بھئی۔ بات سمجھ میں آ گئی؟ جیسے میں کہتا ہوں: «جَاءَنِي الْقَوْمُ إِلَّا زَيْدًا» وہ لوگ میرے پاس آئے سوائے کس کے؟ زید کے، دیکھو «الْقَوْمُ» عام ہے اس میں مثلاً دس آدمی شامل تھے، زید بھی ان میں تھا لیکن عام تھا، اور آگے صرف زید خاص کا استثنا کر دیا گیا۔

اب ذرا پھر ایک دفعہ ترجمہ دیکھ لیجیے اس ساری عبارت کا، کہتے ہیں: «وَإِذَا تَعَذَّرَ الْبَدَلُ عَلَى اللَّفْظِ فَعَلَى الْمَوْضِعِ» اور جب بدل جو ہے وہ متعذر ہو جائے یعنی بدل بنانا ممکن نہ رہے «عَلَى اللَّفْظِ» کس پر حمل کرتے ہوئے؟ مستثنیٰ منہ کے لفظوں پر حمل کرتے ہوئے، «فَعَلَى الْمَوْضِعِ» تو پھر حمل کیا جائے گا مستثنیٰ منہ کے موضع پر یعنی محل پر بھئی۔ «مِثْلُ مَا جَاءَنِي مِنْ أَحَدٍ إِلَّا زَيْدٌ» یہ «زَيْدٌ» بدل ہے «أَحَدٍ» سے لیکن «أَحَدٍ» کے لفظوں پر حمل نہیں کر سکتے اس لیے کیونکہ اس صورت میں «مِنْ» کو عامل ماننا پڑے گا کیونکہ جو عامل مبدل منہ میں ہوتا ہے وہی بدل میں عامل ہوتا ہے، تو پھر اس صورت میں تو «مِنْ» کا عمل «إِلَّا» کے بعد یعنی کلامِ مثبت میں ماننا پڑے گا حالانکہ کلامِ مثبت کے اندر منِ استغراقیہ نہیں آتا۔ اور نیز «وَلَا أَحَدَ فِيهَا إِلَّا عَمْرٌو» یہاں پر بھی عمرو جو ہے اس کا حمل «أَحَدَ» کے لفظوں پر کرتے ہوئے بدل اس کو بنانا جائز نہیں کیونکہ «لَا» کی نفی «إِلَّا» کی وجہ سے ٹوٹ چکی ہے، وہ «إِلَّا» کے بعد جا کر عمل نہیں کر سکتا تو پھر «أَحَدَ» کے محل پر حمل کرتے ہوئے اس کو بدل بنائیں گے اور وہ مبتدا ہے تو «عَمْرٌو» بھی مرفوع پڑھیں گے۔ اور اسی طرح «وَمَا زَيْدٌ شَيْئًا إِلَّا شَيْءٌ لَا يُعْبَأُ بِهِ» اس کے اندر بھی یہ جو «إِلَّا شَيْءٌ» ہے یہ مستثنیٰ جو ہے اس کو ما قبل کے «شَيْئًا» کے لفظوں پر حمل کرتے ہوئے بدل نہیں بنا سکتے یعنی «إِلَّا شَيْئًا» نصب نہیں پڑھ سکتے ورنہ تو کیا لازم آئے گا؟ «مَا» کا عمل لازم آئے گا «إِلَّا» کے بعد حالانکہ «مَا» تو نفی کی وجہ سے عمل کرتا ہے اور «إِلَّا» کی وجہ سے نفی ٹوٹ چکی ہے تو وہ «إِلَّا» کے ما بعد عمل نہیں کر سکتا، تو پھر جب «شَيْءٌ» کو مستثنیٰ منہ کے لفظوں پر حمل نہیں کر سکتے تو پھر اس کے محل پر حمل کرتے ہوئے بدل بنائیں گے اور محل کے اعتبار سے تو «شَيْئًا» جو ہے وہ مرفوع ہے، خبر ہے مبتدا کی۔ بات سمجھ میں آ گئی؟

اب اس سارے کو شرح کے ساتھ دیکھیے، کہتے ہیں: «وَإِذَا تَعَذَّرَ الْبَدَلُ مِنْ حَيْثُ حَمْلِهِ عَلَى اللَّفْظِ» بھئی متن میں تھا توجہ سے سنو «وَإِذَا تَعَذَّرَ الْبَدَلُ عَلَى اللَّفْظِ»، صاحبِ جامی نے درمیان میں لفظ بڑھا دیے «مِنْ حَيْثُ حَمْلِهِ عَلَى اللَّفْظِ»، تو «عَلَى اللَّفْظِ» سے پہلے کیا بڑھا دیا؟ «مِنْ حَيْثُ حَمْلِهِ»۔ بھئی یہ لفظ اس لیے بڑھائے کیونکہ ما قبل میں فعل ہے «تَعَذَّرَ» اور «تَعَذَّرَ» کا صلہ «عَلَى» نہیں آتا، «تَعَذَّرَ» کا صلہ «عَلَى» نہیں آتا، تو پھر، پھر یہ کس کا صلہ ہے؟ صاحبِ کافیہ تو کہہ رہے ہیں «وَإِذَا تَعَذَّرَ الْبَدَلُ عَلَى اللَّفْظِ»، ما قبل میں «تَعَذَّرَ» کا فعل ذکر ہے اور آگے «عَلَى» صلہ آ رہا ہے اور «عَلَى» صلہ تو «تَعَذَّرَ» کا نہیں آتا، تو

صاحبِ جامی نے بتلا دیا کہ یہ حمل کا صلہ ہے: «مِنْ حَيْثُ حَمْلِهِ عَلَى اللَّفْظِ» جب بدل ممکن نہ رہے کس حیثیت سے؟ «مِنْ حَيْثُ حَمْلِهِ عَلَى اللَّفْظِ» مستثنیٰ منہ کے لفظ پر حمل کرتے ہوئے، دیکھو اور حمل کا صلہ تو «عَلَى» آتا ہے، یہ لفظ محمول ہے اس لفظ پر، یہ دیکھو یہ کہنا صحیح ہے، اس لفظ پر محمول ہے «عَلَى» دیکھو۔ تو کہتے ہیں: «وَإِذَا تَعَذَّرَ الْبَدَلُ مِنْ حَيْثُ حَمْلِهِ عَلَى اللَّفْظِ»۔ بھئی متن میں آرہا ہے «عَلَى اللَّفْظِ» یعنی «اللَّفْظِ» ہے، الف لام اس پر داخل ہے، صاحبِ جامی آگے فرما رہے ہیں «أَيْ لَفْظِ الْمُسْتَثْنَى مِنْهُ»، بتلانا یہ چاہتے ہیں کہ «اللَّفْظِ» کے اندر الف لام عوض ہے مضاف الیہ سے، «اللَّفْظِ» اصل میں کیا تھا؟ «لَفْظِ الْمُسْتَثْنَى مِنْهُ»، لفظ تھا مضاف «الْمُسْتَثْنَى مِنْهُ» ہے مضاف الیہ، پھر اس مضاف الیہ کو حذف کیا اور اس کی جگہ لفظ پر الف لام لے آئے تو کیا بن گیا؟ «اللَّفْظِ»۔ توجہ ہے؟ تو «اللَّفْظِ» سے کیا مراد ہے؟ مستثنیٰ منہ کا لفظ مراد ہے کوئی اور لفظ مراد نہیں ہے، یا یوں کہو یہ تو بعض کا مذہب ہے کہ الف لام عوض ہوتا ہے مضاف الیہ سے، جبکہ دوسرا مذہب کیا ہے کہ الف لام مضاف الیہ کا عوض نہیں ہوتا اس کے ذریعے کسی چیز کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے، تو «اللَّفْظِ» کے ذریعے اشارہ ہے لفظِ مستثنیٰ منہ کی طرف، ہر لفظ کی طرف اشارہ نہیں بلکہ لفظِ مستثنیٰ منہ کی طرف اشارہ ہے۔ آگے دیکھیے، آگے آیا «فَعَلَى الْمَوْضِعِ» یہ سارا میں پھر ترجمہ کروں گا، یہ ذرا ترکیب کی چھوٹی چھوٹی باتیں میں ذکر کر رہا ہوں، «فَعَلَى الْمَوْضِعِ» یہ فا آیا اور فا کے بعد «عَلَى الْمَوْضِعِ» یہ جار مجرور آئے۔ صاحبِ جامی آپ کو بتلائیں گے کہ یہ فا جزائیہ ہے، شروع میں کیا آیا تھا؟ «إِذَا»، «إِذَا» شرط کے لیے آگیا اور آگے «فَعَلَى الْمَوْضِعِ» جار مجرور آیا اور جزا کیا ہوتی ہے؟ جملہ ہوتا ہے، تو یہاں پر یہ «عَلَى الْمَوْضِعِ» اس کے لیے فعل محذوف نکالیں گے: «أَيْ فَيُحْمَلُ عَلَى الْمَوْضِعِ»، «أَيْ فَيُحْمَلُ» تو وہ محمول ہو گا کس پر؟ «عَلَى الْمَوْضِعِ» موضع کا کیا معنیٰ؟ محل، تو پھر وہ محل پر محمول ہو گا۔ اور نیز متن میں آیا «فَعَلَى الْمَوْضِعِ» دیکھو الف لام آگیا موضع پر «الْمَوْضِعِ»، پھر یہاں پر آگے صاحبِ جامی نے کیا کہا؟ «أَيْ يُحْمَلُ عَلَى مَوْضِعِ الْمُسْتَثْنَى مِنْهُ»، بتلانا یہ چاہتے ہیں کہ یہاں پھر «الْمَوْضِعِ» کے اندر الف لام جو ہے یا تو وہ عوض بنا لیں مضاف الیہ سے یا الف لام کے ذریعے اشارہ ہے خاص موضع کی طرف اور وہ کیا ہے؟ «الْمَوْضِعِ» سے ہر محل ہر مقام نہیں مراد بلکہ «مَوْضِعُ الْمُسْتَثْنَى مِنْهُ» ہے بھئی، مستثنیٰ منہ کا محل مراد ہے۔ اب دیکھیے ترجمہ سارے کا، تو کہتے ہیں: «وَإِذَا تَعَذَّرَ الْبَدَلُ» اور جب بدل متعذر ہو جائے یعنی بدل بنانا ممکن نہ رہے «مِنْ حَيْثُ حَمْلِهِ عَلَى اللَّفْظِ» اس حیثیت سے کہ مستثنیٰ کا حمل کیا جائے «عَلَى اللَّفْظِ أَيْ لَفْظِ الْمُسْتَثْنَى مِنْهُ» مستثنیٰ منہ کے لفظ پر،

جب مستثنیٰ منہ کے لفظ پر حمل کرتے ہوئے بدل متعذر ہو جائے، بدل بنانا ممکن نہ رہے، «فَعَلَى الْمَوْضِعِ أَيْ يُحْمَلُ عَلَى مَوْضِعِ الْمُسْتَثْنَى مِنْهُ» تو پھر بدل کو محمول کیا جائے گا مستثنیٰ منہ کے محل پر، «لَا عَلَى لَفْظِهِ» نہ کہ اس کے لفظ پر، «عَمَلًا بِالْمُخْتَارِ عَلَى قَدْرِ الْإِمْكَانِ» تاکہ عمل ہو جائے، «عَمَلًا» یہ مفعول لہ ہے بھئی، مفعول لہ کسے کہتے ہیں؟ جو ما قبل فعل کی علت بیان کرتا ہے، بھئی یہ کیوں کیا جاتا ہے؟ بدل کو محل پر کیوں محمول کیا جاتا ہے؟ کہتے ہیں: «عَمَلًا بِالْمُخْتَارِ» تاکہ مختار صورت پر عمل ہو جائے، مختار جو اعراب ہے، پسندیدہ جو اعراب ہے اس پر عمل ہو جائے «عَلَى قَدْرِ الْإِمْكَانِ» جس قدر

ممکن ہو سکے۔ اگر لفظوں پر حمل کرتے ہوئے بدل نہیں بنا سکتے تو بھی محل پر حمل کرتے ہوئے بدل بنا دیں تو بھی مختار صورت پر عمل ہو جائے گا۔ توجہ ہے؟ اصل تو کیا تھا؟ لفظوں پر حمل کرتے ہوئے بدل بناتے، آپ نے پڑھا اس قسم کے مستثنیٰ میں دو اعراب جائز ہیں، نصب بھی اور بدل بھی، اور بدل مختار ہے، تو یہاں لفظوں پر حمل کرتے ہوئے بدل نہیں بنا سکتے تو محل پر حمل کرتے ہوئے بدل بنا دیں گے تاکہ مختار صورت پر عمل ہو جائے جہاں تک ہو سکے۔ بات سمجھ میں آ گئی؟ یہ معنیٰ ہے «عَمَلًا بِالْمُخْتَارِ عَلَى قَدْرِ الْإِمْكَانِ» مختار صورت پر عمل کرتے ہوئے بقدرِ امکان یعنی جس قدر ممکن ہو سکے۔

«مِثْلُ مَا جَاءَنِي مِنْ أَحَدٍ إِلَّا زَيْدٌ» جیسے کہ یہ مثال ہے، توجہ ہے؟ «فَزَيْدٌ بَدَلٌ مَرْفُوعٌ مَحْمُولٌ عَلَى مَوْضِعِ أَحَدٍ» تو زید کا لفظ جو ہے «بَدَلٌ» یہ بدل ہے، «مَرْفُوعٌ» اور مرفوع ہے، «مَحْمُولٌ عَلَى مَوْضِعِ أَحَدٍ» اور یہ محمول ہے «أَحَدٍ» کے محل پر، «لَا مَجْرُورٌ مَحْمُولٌ عَلَى لَفْظِهِ» یہ زید کا لفظ مجرور نہیں ہے کہ محمول ہو «عَلَى لَفْظِهِ» اس «أَحَدٍ» کے لفظ پر محمول ہو، ایسا نہیں ہے، مجرور نہیں ہے۔ «وَمِثْلُ لَا أَحَدَ فِيهَا أَيْ فِي الدَّارِ إِلَّا عَمْرٌو» نہیں ہے اس گھر میں کوئی «إِلَّا عَمْرٌو» سوائے عمرو کے۔ «فَعَمْرٌو مَرْفُوعٌ مَحْمُولٌ عَلَى مَحَلِّ أَحَدَ» تو عمرو جو ہے یہ مرفوع ہے محمول ہے «أَحَدَ» کے محل پر، توجہ ہے؟ یہ عمرو کیا ہے؟ «فَعَمْرٌو مَرْفُوعٌ مَحْمُولٌ عَلَى مَحَلِّ أَحَدَ» تو عمرو کا لفظ مرفوع ہے محمول ہے «أَحَدَ» کے محل پر «لَا عَلَى لَفْظِهِ» اس کے لفظوں پر محمول نہیں ہے بھئی۔ «وَمِثْلُ مَا زَيْدٌ شَيْئًا إِلَّا شَيْءٌ لَا يُعْبَأُ بِهِ» نہیں ہے زید کوئی چیز مگر ایسی چیز جس کی پروا بھی نہ کی جاتی ہو۔ «لَا يُعْبَأُ بِهِ» کا معنیٰ بیان کر رہے ہیں: «أَيْ لَا يُعْتَدُّ بِهِ» یعنی جس کو شمار ہی نہیں کیا جاتا، یعنی جس کو کسی قابل سمجھا ہی نہیں جاتا۔ «فَشَيْءٌ» اب دیکھو یہ «شَيْءٌ» مستثنیٰ ہے، توجہ ہے؟ تو کہتے ہیں: «فَشَيْءٌ مَرْفُوعٌ مَحْمُولٌ عَلَى مَحَلِّ شَيْئًا» تو یہ «شَيْءٌ» جو مستثنیٰ ہے یہ مرفوع ہے محمول ہے «شَيْئًا» کے محل پر، «شَيْئًا» کے لفظ پر نہیں لفظوں کے اعتبار سے تو «شَيْئًا» منصوب ہے۔ توجہ ہے؟ ذرا عبارت پہ نظر رکھو: «مَا زَيْدٌ شَيْئًا إِلَّا شَيْءٌ لَا يُعْبَأُ بِهِ»۔ مستثنیٰ منہ «شَيْئًا» منصوب ہے اور مستثنیٰ «شَيْءٌ» مرفوع ہے اور یہ بدل ہے «شَيْئًا» سے لیکن اس کے لفظوں پر حمل کرتے ہوئے نہیں بلکہ اس کے محل پر حمل کرتے ہوئے، تو مستثنیٰ منہ کیا ہے؟ «شَيْئًا»، تو یہاں عبارت میں یہ «شَيْئًا» ذکر کریں تو سمجھیں مستثنیٰ منہ کی بات ہو رہی ہے اور عبارت میں «شَيْءٌ» ذکر کریں تو سمجھ جائیں مستثنیٰ کی بات ہو رہی ہے۔ تو «فَشَيْءٌ مَرْفُوعٌ مَحْمُولٌ عَلَى مَحَلِّ شَيْئًا» تو «شَيْءٌ» کا لفظ جو ہے یعنی بدل جو ہے وہ مرفوع ہے محمول ہے «شَيْئًا» کے محل پر، «لَا مَنْصُوبٌ مَحْمُولٌ عَلَى لَفْظِهِ» یہ منصوب نہیں ہے کہ یہ محمول ہو «شَيْئًا» کے لفظ پر، لفظوں پر حمل کرتے ہوئے یہ منصوب نہیں ہے۔

«وَقَوْلُهُ لَا يُعْبَأُ بِهِ» اور مصنف کا قول «لَا يُعْبَأُ بِهِ» «لَيْسَ فِي كَثِيرٍ مِنَ النُّسَخِ» یہ اکثر نسخوں میں نہیں ہے۔ یہ زیادہ تر کافیہ کے نسخوں میں نہیں ہے، بعض نسخوں میں ہے «إِلَّا شَيْءٌ لَا يُعْبَأُ بِهِ» لیکن کافیہ کے اکثر نسخوں میں نہیں ہے۔ تو کہتے ہیں: «وَقَوْلُهُ لَا يُعْبَأُ بِهِ لَيْسَ فِي كَثِيرٍ مِنَ النُّسَخِ» اور ماتن کا قول «لَا يُعْبَأُ بِهِ» جو ہے وہ کافیہ کے زیادہ نسخوں میں نہیں ہے، «وَعَلَى مَا وَقَعَ فِي بَعْضِهَا» اور بنا بر اس کے جو یہ واقع ہوا ہے بعض نسخوں میں۔ بعض نسخوں میں یہ آیا ہے تو کیوں

آیا ہے اب اس کی وجہ ذکر کریں گے، میں نے وجہ بتا دی کہ اگر یہ صفت نہ لاتے تو پھر تو کیا لگتا کہ شاید استثنائے شے عن نفسہ ہے، تو صفت کی وجہ سے اس میں خصوص آگیا، ما قبل والی شے عام اور ما بعد والی شے خاص، تو یہ استثنائے خاص عن العام ہے جو صحیح ہے۔ کہتے ہیں: «وَعَلَى مَا وَقَعَ فِي بَعْضِهَا» اور بنا بر اس کے کہ یہ قول جو ہے واقع ہوا ہے کافیہ کے بعض نسخوں میں، «فَهُوَ صِفَةُ شَيْءِ الْمُسْتَثْنَى» تو یہ صفت ہے اس شے کی «الْمُسْتَثْنَى» جو مستثنیٰ ہے۔ یہ صفت ہے اس شے کی جو مستثنیٰ ہے۔ دیکھو توجہ سے سنو، «فَهُوَ صِفَةُ شَيْءِ الْمُسْتَثْنَى»، یہ «شَيْءِ» ہے موصوف اور «الْمُسْتَثْنَى» یہ ہے اس کی صفت، وہ شے جو مستثنیٰ ہے، تو «شَيْءِ» موصوف اور «الْمُسْتَثْنَى» اس کی صفت۔ آپ کے ذہن میں آئے گا «شَيْءِ» تو ہے نکرہ اور «الْمُسْتَثْنَى» اس پر تو الف لام ہے وہ تو ہے معرفہ، تو نکرہ کی صفت تو نکرہ آنی چاہیے حالانکہ یہاں تو نکرہ کی صفت معرفہ آرہی ہے؟ توجہ ہے؟ تو جواب یہ کہ بھئی یہ «شَيْءِ» سے لفظِ «شَيْءٌ» مراد ہے وہ جو مثال میں آیا تھا «إِلَّا شَيْءٌ لَا يُعْبَأُ بِهِ»، یہ جو «شَيْءٌ» لفظ آیا یہ مراد ہے یعنی اس شے کا نام ہی شے رکھ دیا تو اب یہ علم کے درجے میں ہے یا یہ «هَذَا اللَّفْظِ» کی تاویل میں ہے، یہ معرفہ ہے تو اب اس لیے «الْمُسْتَثْنَى» اس کی صفت بھی معرفہ لائی گئی۔ توجہ ہے؟ اور دلیل یہ ہے کہ دیکھو اس کا ترجمہ آپ نہیں کرتے، ترجمہ نہیں کرتے یہ علم بن چکا ہے، کیسے؟ کہتے ہیں: «وَعَلَى مَا وَقَعَ فِي بَعْضِهَا» اور بنا بر اس کے جو بعض نسخوں میں یہ لفظ آیا ہے «لَا يُعْبَأُ بِهِ» والا، «فَهُوَ صِفَةُ شَيْءِ» تو یہ صفت ہے اس لفظِ «شَيْءٌ» کی «الْمُسْتَثْنَى» جو مستثنیٰ ہے۔ توجہ ہے؟

«قِيلَ» اب بتلانے لگے ہیں کہ یہ کیوں بڑھایا گیا ہے، کہتے ہیں: «قِيلَ إِنَّمَا وَصَفَهُ بِهِ» «قِيلَ» کہا گیا ہے «إِنَّمَا وَصَفَهُ بِهِ» کہ لفظِ «شَيْءٌ» کو موصوف کیا گیا اس «لَا يُعْبَأُ بِهِ» کے ساتھ «لِئَلَّا يَلْزَمَ اسْتِثْنَاءُ الشَّيْءِ مِنْ نَفْسِهِ» تاکہ استثنائے شے من نفسہ لازم نہ آئے کہ ایک شے کا اپنی ہی ذات سے استثنا کرنا لازم نہ آئے بھئی۔ «وَلَا يَخْفَى» اب آگے صاحبِ جامی فرمائیں گے کہ بھئی اگر «لَا يُعْبَأُ بِهِ» نہ ہوتا تو بہتر تھا جیسے کہ اکثر نسخوں میں نہیں ہے بھئی، اکثر نسخوں میں نہیں ہے تو یہ جو بعض نسخوں میں ہے یہ نہ ہوتا تو بہتر تھا، یعنی کیسے؟ کہ مثال یوں ہوتی: «مَا زَيْدٌ شَيْئًا إِلَّا شَيْءٌ»۔ «مَا زَيْدٌ شَيْئًا إِلَّا شَيْءٌ»۔ تو بھئی اس صورت میں تو استثنائے شے عن نفسہ لازم آتا ہے، آپ کہتے ہیں «لَا يُعْبَأُ بِهِ» نہیں ہونا چاہیے تھا؟ تو صاحبِ جامی آپ کو بتلائیں گے کہ بھئی پھر غور کرنا پڑتا، مستثنیٰ اور مستثنیٰ منہ بظاہر ایک جیسے لگ رہے ہیں «مَا زَيْدٌ شَيْئًا إِلَّا شَيْءٌ»، «لَا يُعْبَأُ بِهِ» مثلاً ہٹا دیں اس کو اس کے بغیر ہوتا تو بہتر تھا، تو بظاہر دونوں ایک جیسے لگتے ہیں لیکن غور کیا جائے اور دونوں میں فرق کر لیا جائے، کس طرح؟ مستثنیٰ منہ کو بنائیں عام اور مستثنیٰ کو بنا دیں خاص، کس طرح؟ کہ مستثنیٰ منہ سے ایسی شے مراد لے لیں کہ جو عام ہے، اس کی شے کے علاوہ اس کی کوئی صفت آسکتی ہے یا نہیں آسکتی دونوں صورتیں اس میں آگئیں۔ بھئی دیکھو نا یہ جو مستثنیٰ ہے نا «شَيْءٌ» یہ ایسی شے ہے «لَا يُعْبَأُ بِهِ» جس کی صفت لائی گئی، اور صفت شئیت کے علاوہ ہے، شے ہونے کے علاوہ ایک اور صفت لائی گئی۔ مثلاً ایک چیز ہے شے، توجہ ہے؟ یا تو وہ شے ایسی ہوگی کہ اس کی کچھ اور بھی

شے ہونے کے علاوہ بھی کوئی صفت ہو سکتی ہے یا صفت نہیں ہو سکتی۔ تو ما قبل میں جو «شَيْئًا» آیا یعنی مستثنیٰ منہ، اس شے سے شے عام مراد لے لو یعنی ایسی شے جس کی صفت شے ہونے کے علاوہ کوئی اور چیز چاہے آئے یا نہ آئے دونوں اس میں داخل ہو گئیں، یعنی مستثنیٰ منہ ایسی شے ہے کہ شئیت کے علاوہ اس کی صفت آ بھی سکتی ہے اور نہیں بھی، دونوں اس کے اندر داخل ہیں، اور مستثنیٰ جو شے ہے اس سے ایسی شے مراد لے لیں جس کی صفت شئیت کے علاوہ اور کچھ آ ہی نہیں سکتی۔ نہیں توجہ سبق کی طرف، مشکل مقام ہے۔ توجہ سے سمجھ لو۔ دیکھو صاحبِ جامی فرما رہے ہیں کہ اگر یہ «لَا يُعْبَأُ بِهِ» نہ ہو تو کلام زیادہ پر لطف ہو جاتا، کلام زیادہ خوبصورت ہوتا، کس طرح؟ کہتے ہیں دیکھو دو شے یہاں آ رہی ہیں، ایک «إِلَّا» سے پہلے شے ہے وہ ہے مستثنیٰ منہ، ایک «إِلَّا» کے بعد شے ہے وہ ہے مستثنیٰ، تو اب بظاہر تو یوں لگتا ہے کہ دونوں ایک ہی چیز ہیں، استثنائے شے عن نفسہ لازم آ رہا ہے، ایک چیز کا استثنا اپنی ہی ذات سے حالانکہ یہ تو باطل ہے، تو پھر غور کرنا پڑتا اور پھر کیا ہم قرار دیتے؟ ما قبل والے شے کو عام بنا دیتے اور ما بعد والے شے کو خاص۔ کس طرح؟ یعنی یوں کہو ما بعد میں جو شے آ رہی ہے جو مستثنیٰ ہے اس میں شے ہونے کے علاوہ اور کوئی صفت ہے ہی نہیں، اس کی اور کوئی صفت نہیں، اور ما قبل میں جو شے ہے اس کی صفت شئیت کے علاوہ اور ہو سکتا ہے ہو ہو سکتا ہے نہ ہو، دونوں صورتیں آ گئیں، یعنی دونوں قسم کی شے اس میں آ گئیں، یہ شے ہے یہ عام ہے، ہو سکتا ہے اس کی صفت شئیت کے علاوہ ہو ہو سکتا ہے اس کی صفت شئیت کے علاوہ اور کچھ بھی نہ ہو یعنی اس میں اور کوئی صفت ہی نہیں ہے، بس ایک شے ہے شے کے علاوہ اس میں اور کوئی صفت ہی نہیں۔ توجہ ہے؟ تو ما قبل والی کو عام بنا لیں چاہے اس شئیت کے علاوہ اس کی کوئی صفت آ سکے یا نہ آ سکے یعنی عام ہے دونوں چیزیں اس میں آ گئیں، اور ما بعد والی شے سے کون سی شے مراد لے لیں؟ جس میں شئیت کے علاوہ اور کوئی صفت آ ہی نہیں سکتی۔ توجہ ہے؟ اس لیے «إِلَّا شَيْءٌ» کہا کہ اس کی کوئی صفت آ ہی نہیں سکتی، اور ما قبل والے کو مطلق رکھیں اور مطلق میں بھی کوئی قید نہیں ہوتی، مثلاً میں کہتا ہوں: «جَاءَنِي رَجُلٌ»۔ جب میں نے «رَجُلٌ» کہا مطلق کہا، میں نے کوئی «عَالِمٌ» صفت ذکر کی؟ جب «عَالِمٌ» صفت نہیں ذکر کی «رَجُلٌ» مطلق ہے تو معلوم ہوا یہ ہو سکتا ہے عالم ہو ہو سکتا ہے عالم نہ ہو، دونوں احتمال اس میں موجود ہیں، میں نے تو کوئی عالم کی نفی نہیں کی، میں نے تو رجل کو مطلق کہا «جَاءَنِي رَجُلٌ» میرے پاس ایک آدمی آیا تھا، تو یہ مطلق ہے اس میں کوئی قید نہیں اور جب مطلق ہو تو اس میں احتمال دونوں ہو جائیں گے، ہو سکتا ہے وہ عالم ہو ہو سکتا ہے عالم نہ ہو۔ توجہ ہے؟ تو لہٰذا ما قبل میں جو شے آیا وہ مطلق ہے اس کے ساتھ کوئی قید نہیں، تو معلوم ہوا اس کی صفت شے ہونے، یہ شے ہے نا خود تو کیا ہے؟ شے، شے ہونے کے علاوہ بھی کوئی اس کی صفت ہو سکتا ہے ہو ہو سکتا ہے نہ ہو، دونوں احتمال ہیں اس کے اندر، اور «إِلَّا» کے بعد بھی صرف شے ہے لیکن یہاں وہ شے ہے جس کے اندر اور کوئی صفت آ ہی نہیں سکتی۔ ویسے تو انہوں نے جو مثال ذکر کی «إِلَّا شَيْءٌ لَا يُعْبَأُ بِهِ»، «شَيْءٌ» کی صفت لے آئے یا نہیں لے آئے؟ صفت لے آئے، لیکن ہم اس شے سے ایسی شے مراد لیتے ہیں

جس کی کوئی صفت آ ہی نہیں سکتی، یہ صرف شے ہے، شے ہونے کے علاوہ اس میں کوئی وصف ہے ہی نہیں ہم کیا ذکر کریں؟ تو ما قبل والا ہوا مطلق اس میں چاہے شئیت کے علاوہ اس کی صفت ہو یا نہ ہو دونوں آ گئے، اور ما بعد والا شے کیا ہے؟ وہ ایسی شے اس کی صفت تو آ ہی نہیں سکتی تو وہ ہوا خاص، پہلا ہوا عام دوسرا ہوا خاص، تو استثنائے شے عن نفسہ کی خرابی بھی لازم نہ آتی اور «لَا يُعْبَأُ بِهِ» کی قید بڑھانے کی ضرورت بھی نہ ہوتی۔ توجہ ہے؟ پھر سنو، یہاں اعتراض یہ ہوا تھا کہ مثال صاحبِ کافیہ نے ذکر کی «مَا زَيْدٌ شَيْئًا إِلَّا شَيْءٌ لَا يُعْبَأُ بِهِ»، صاحبِ جامی نے بتایا کہ یہ «شَيْءٌ» کی جو صفت آئی نا «لَا يُعْبَأُ بِهِ» یہ کافیہ کے اکثر نسخوں میں نہیں ہے اور اس صورت میں کلام زیادہ پر لطف ہے، اور اس کو یہاں کیوں بڑھایا گیا؟ تو جواب دیا علماء نے کہ یہ اس لیے بڑھایا تاکہ استثنائے شے من نفسہ لازم نہ آئے، ما قبل میں بھی شے ہے ما بعد میں بھی شے ہے یہ تو استثنائے شے عن نفسہ لازم آئے گا، لہٰذا ما بعد والے کو خاص کیا اور اس کی صفت لے آئے، اور یاد رکھو ادھر دیکھو جب کسی چیز کی صفت آتی ہے وہ خاص ہو جاتی ہے، مثلاً دیکھو میں نے ابھی کہا «جَاءَنِي رَجُلٌ»، کچھ پتا چلا کہ عالم تھا یا غیر عالم تھا؟ نہیں، اس میں دونوں احتمال ہیں، ہو سکتا ہے عالم ہو ہو سکتا ہے عالم نہ ہو، تو اس میں عموم ہے دونوں قسم کے رجل اس میں مراد ہو سکتے ہیں، دونوں قسم کے رجل پر یہ صادق آ سکتا ہے، لیکن اگر میں صفت لے آؤں «جَاءَنِي رَجُلٌ عَالِمٌ»، معلوم ہوا عالم آدمی آیا ہے تو غیر عالم

نکل گیا۔ اگر صرف «رَجُلٌ» کہو تو عالم اور غیر عالم دونوں اس میں داخل ہیں دونوں پر یہ صادق آ سکتا ہے، اور جب صفت لے آؤ تو چیز میں تخصیص آ جاتی ہے، تو یہاں پر بھی ما قبل میں «شَيْئًا» عام تھا کہ وہ «لَا يُعْبَأُ بِهِ» ہو یا «لَا يُعْبَأُ بِهِ» نہ ہو، اور ما بعد والے شے کی صفت لے آئے تو وہ خاص ہو گیا، تو اب استثنائے شے عن نفسہ لازم نہیں آیا بلکہ استثنائے خاص عن العام ہوا اور یہ صحیح ہے۔

صاحبِ جامی پھر کہتے ہیں کہ بھئی اگر «لَا يُعْبَأُ بِهِ» نہ ہوتا تو زیادہ بہتر تھا کلام بڑا پر لطف ہو جاتا، کس طرح؟ کہ ما قبل میں جو شے ہے وہ مطلق ہے اور جب مطلق ہو تو اس میں عموم ہوتا ہے، اس میں عموم، تو یہاں بھی ما قبل میں شے میں عموم ہے، یعنی چیزیں گویا دو قسم پر ہیں، کچھ وہ چیزیں ہیں جن کی صفت کچھ ہو سکتی ہے اور کچھ وہ چیزیں ہیں کہ جن کی صفت شے کے علاوہ اور کوئی صفت ہی نہیں ہو سکتی، تو جب «شَيْئًا» مطلق کہا، کون سے والی شے؟ جس کی صفت ہو سکتی ہے یا جس کی صفت نہیں ہو سکتی؟ دونوں آ گئے اس کے اندر کیونکہ صفت ذکر ہی نہیں کی، تو ما قبل میں شے مطلق اس میں دونوں قسم کی چیزیں آ گئیں چاہے شئیت کے علاوہ اس کی صفت ہو یا شئیت کے علاوہ اس کی صفت نہ ہو، اور ما بعد والا جو «إِلَّا شَيْءٌ» آیا اس شے سے وہ شے مراد لو جس کی صفت آ ہی نہیں سکتی، جس کی کوئی صفت ہی نہیں ہے ہم کہاں سے لائیں بھئی؟ توجہ ہے؟ تو ما قبل والے شے عام اور ما بعد والا شے خاص کہ اس میں اس کے علاوہ اور کوئی صفت آ ہی نہیں سکتی

بھئی ہم کہاں سے صفت لے کر آئیں؟ تو دیکھو کلام بڑا گہرا بھی ہو جاتا اور بڑا پر لطف بھی ہو جاتا، گہرا اس لیے ہو جاتا کیونکہ بظاہر کیا لگتا «مَا زَيْدٌ شَيْئًا إِلَّا شَيْءٌ» بظاہر لگتا استثنا عن نفسہ ہے شاید لیکن آپ ذرا غور کرتے تو پتا چلتا کہ نہیں یہ تو بڑی گہری بات ہے، ما قبل والا شے مطلق ہے ما بعد والا شے خاص ہے اور مطلق تو عام ہوتا ہے تو ما قبل والا شے مطلق ہے اور وہ عام ہے اور ما بعد والا شے خاص ہے اور تو یہ عام سے استثنا کیا جا رہا ہے خاص کا۔ دیکھو غور کرنا پڑتا، آسانی سے فوراً ہر ایک کو سمجھ میں نہ آتا، ایک آسان بات ہوتی ہے جو ہر ایک کو سمجھ میں آجائے اس میں وہ لطف نہیں ہوتا، جو گہری بات ہوتی ہے جس میں ذرا غور کر کے سمجھا جائے اس کا لطف ہی زیادہ ہوتا ہے۔

دیکھیے بھئی ترجمہ اب دیکھ لیجیے، کہتے ہیں: «وَلَا يَخْفَى» اور یہ بات مخفی نہیں ہے، یہ بات پوشیدہ نہیں ہے «أَنَّهُ لَوْ جُعِلَ الْمُسْتَثْنَى مِنْهُ شَيْئًا» کہ اگر قرار دیا جائے مستثنیٰ منہ کو، اگر قرار دیا جاتا کس کو؟ مستثنیٰ منہ کو یعنی جو پہلا شے ہے اس کو قرار دیا جاتا «شَيْئًا» ایسی چیز «أَعَمَّ مِنْ أَنْ يَزِيدَ عَلَيْهِ صِفَةٌ» زیادہ عام اس سے کہ اس پر کوئی صفت بڑھائی جائے «غَيْرُ الشَّيْئِيَّةِ» شے ہونے کے علاوہ «أَوْ لَا» یا صفت نہ بڑھائی جائے۔ ترجمہ سمجھ میں آیا؟ پہلی شے سے کون سی شے مراد ہے؟ وہ عام ہے کہ چاہے اس پر شئیت کی صفت بڑھائی جائے چاہے نہ بڑھائی جائے یعنی بڑھائی جا سکتی ہے یا بڑھائی نہیں جا سکتی، کچھ چیزیں وہ ہیں جن میں شے ہونے کے علاوہ بھی صفات ہیں، کچھ چیزیں وہ ہیں جن میں شے ہونے کے علاوہ اور کوئی صفت ہے ہی نہیں، تو «شَيْئًا» مطلق ہے تو اس میں دونوں قسم کی آگئیں۔ توجہ ہے؟ پھر دیکھیے ترجمہ، کہتے ہیں: «وَلَا يَخْفَى أَنَّهُ لَوْ جُعِلَ الْمُسْتَثْنَى مِنْهُ شَيْئًا» اور یہ بات مخفی نہیں ہے کہ اگر مستثنیٰ منہ کو قرار دیا جاتا ایسی چیز «أَعَمَّ» جو زیادہ عام ہوتی «مِنْ» اس سے کہ «أَنْ يَزِيدَ عَلَيْهِ صِفَةٌ» کہ اس پر بڑھا دی جاتی صفت، کون سی صفت؟ «غَيْرُ الشَّيْئِيَّةِ» شے ہونے کے علاوہ «أَوْ لَا» کہ اس پر شے ہونے کے علاوہ کی کوئی صفت بڑھائی جائے یا نہ بڑھائی جائے، عام رکھیں اس کو، «وَخُصَّ الْمُسْتَثْنَى» اور وہ جو مستثنیٰ ہے جو «إِلَّا» کے بعد شے ہے اس کو خاص کر دیا جائے «بِمَا لَا يَزِيدُ عَلَيْهِ صِفَةٌ غَيْرُ الشَّيْئِيَّةِ» کہ اس پر بڑھائی نہیں جا سکتی کوئی بھی صفت غیرِ شئیت کے، شے ہونے کے علاوہ اور کوئی صفت اس پر نہیں بڑھا سکتے یعنی اس میں اور کوئی صفت ہے ہی نہیں تو ہم کہاں سے بڑھائیں؟ توجہ ہے؟ «لَكَانَ أَدَقَّ وَأَلْطَفَ»۔ «أَدَقّ» یہ اسمِ تفضیل ہے «دَقِيقٌ» سے، دقیق کہتے ہیں گہری بات، گہری بات، «وَأَلْطَفَ»، «أَلْطَفَ» یہ اسمِ تفضیل ہے «لَطِيفٌ» سے، لطیف کا معنیٰ خوشگوار اور عمدہ کلام بھئی، تو کہتے ہیں تو «لَكَانَ أَدَقَّ وَأَلْطَفَ» تو پھر یہ کلام جو ہے زیادہ گہرا اور زیادہ عمدہ ہوتا، زیادہ پر لطف ہوتا۔ بات سمجھ میں آگئی؟

بات سمجھ میں آگئی؟ کیا کہا یہ آخری جملے میں؟ آخر میں یہ ذرا پھر ترجمہ دیکھ لیں بھئی یہ ترجمہ مشکل ہے اس کو سمجھ لیں: «وَلَا يَخْفَى» اور یہ بات مخفی نہیں ہے «أَنَّهُ لَوْ جُعِلَ الْمُسْتَثْنَى مِنْهُ شَيْئًا أَعَمَّ مِنْ أَنْ يَزِيدَ عَلَيْهِ صِفَةٌ غَيْرُ الشَّيْئِيَّةِ أَوْ لَا» کہ اگر مستثنیٰ منہ کو ایسی چیز قرار دے دیا جاتا زیادہ عام اس سے کہ اس پر بڑھائی جا سکے ایسی صفت شے کے علاوہ، شے کے

علاوہ اس پر صفت بڑھائی جا سکے یا نہ بڑھائی جا سکے یعنی مستثنیٰ منہ کو، توجہ ہے؟ مستثنیٰ منہ کو ایسی شے قرار دے دیا جاتا کہ وہ عام ہے کہ اس پر شئیت کے علاوہ کوئی صفت بڑھائی جا سکتی ہے یا نہیں بڑھائی جا سکتی، «وَخُصَّ الْمُسْتَثْنَى بِمَا لَا يَزِيدُ عَلَيْهِ صِفَةٌ غَيْرُ الشَّيْئِيَّةِ» اور مستثنیٰ کو خاص کر دیا جاتا ایسی شے کے ساتھ کہ اس پر زیادہ نہیں کیا جا سکتا غیرِ شئیت کے علاوہ کوئی صفت، اس پر غیرِ شئیت کے علاوہ اور کوئی صفت اس پر بڑھا ہی نہیں سکتے، شے کی ہم صفت کوئی لا ہی نہیں سکتے، صفت لائیں گے تو شے ہی لا سکتے ہیں کوئی اور چیز نہیں لا سکتے، «لَكَانَ أَدَقَّ وَأَلْطَفَ» تو اس صورت میں یہ کلام زیادہ گہرا بھی ہوتا اور زیادہ عمدہ ہوتا، زیادہ پر لطف ہوتا۔ بات سمجھ میں آگئی؟ حل ہو گیا؟ چلیے بس بھئی، «هَذَا هُوَ الْمَرَامُ، وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْكَلَامِ»۔

سبق نمبر ۱۶۴: المستثنیٰ (۱۱): «مَا جَاءَنِيْ مِنْ أَحَدٍ إِلَّا زَيْدٌ» اور «لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ» کی تحقیق

شرحِ ملا جامی صفحہ: ۱۴۷ — بتاریخ: ۲۷ جون ۲۰۲۲ء

▪ تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث

آگے سبق دیکھیے بھئی۔ کہتے ہیں: وَإِنَّمَا تَعَذَّرَ الْبَدَلُ عَلَى اللَّفْظِ فِي الصُّورَةِ الْأُولَى لِأَنَّ مِنَ الِاسْتِغْرَاقِيَّةَ لَا تُزَادُ اتِّفَاقًا بَعْدَ الْإِثْبَاتِ، أَيْ بَعْدَمَا صَارَ الْكَلَامُ مُثْبَتًا لِانْتِقَاضِ النَّفْيِ بِـ«إِلَّا»، لِأَنَّهَا لِتَأْكِيدِ النَّفْيِ وَلَا نَفْيَ بَعْدَ الِانْتِقَاضِ۔

گزشتہ سبق میں صاحبِ کافیہ آپ کو بتلا رہے تھے کہ بعض اوقات مستثنیٰ منہ کے لفظوں پر حمل کرتے ہوئے بدل بنانا ممکن نہ رہے تو مستثنیٰ منہ کے محل پر حمل کرتے ہوئے بدل بنائیں گے تاکہ بقدرِ امکان مختار صورت پر عمل ہو جائے۔

مستثنیٰ آئے، کس قسم کے کلام میں آئے؟ کلامِ غیرِ موجب میں، اور کس کے بعد ہو؟ إِلَّا کے بعد ہو، اور مستثنیٰ منہ مذکور ہو، تو اس مستثنیٰ کے اندر نصب بھی جائز اور بدل بنانا بھی جائز۔ لیکن اگر کبھی بدل لفظوں پر حمل کرتے ہوئے بدل بنانا ممکن نہ ہو، تو مستثنیٰ منہ کے محل پر حمل کرتے ہوئے بدل بنائیں گے تاکہ مختار صورت پر بقدرِ امکان عمل ہو جائے کیونکہ بدل بنانا اولیٰ ہے، مختار ہے۔

پھر اس کی مثالیں ذکر کی تھیں مثلاً مَا جَاءَنِيْ مِنْ أَحَدٍ إِلَّا زَيْدٌ۔ مَا جَاءَنِيْ مِنْ أَحَدٍ، یہ أَحَدٍ یہ ہے مستثنیٰ منہ اور اس پر مِنْ داخل ہے، اور آگے إِلَّا زَيْدٌ یہ اس سے بدل ہے، لیکن یہاں پر ہم زَيْدٌ کو أَحَدٍ کے لفظوں پر حمل کرتے ہوئے بدل نہیں بنا سکتے، یعنی أَحَدٍ تو مجرور ہے لیکن إِلَّا زَيْدٍ ہم زید پر بھی جر پڑھ دیں، یہ جائز نہیں۔

تو جب لفظوں پر حمل کرتے ہوئے بدل بنانا جائز نہیں تو محل پر حمل کرتے ہوئے بدل بنائیں گے، اور أَحَدٍ لفظوں کے اعتبار سے بے شک مجرور ہے لیکن محل کے اعتبار سے مرفوع ہے، یہ فاعل ہے مَا جَاءَنِيْ کے لیے۔ تو اس کے محل پر حمل کرتے ہوئے زید کو بدل بنایا اور پھر زید پر بھی رفع پڑھا گیا۔ تو مَا جَاءَنِيْ مِنْ أَحَدٍ إِلَّا زَيْدٌ۔ اور لفظوں پر حمل نہیں کر سکتے اس لیے کیونکہ ضابطہ یہ ہے کہ بدل توابع میں سے ہے، اور تابع کے اندر وہی چیز عامل ہوتی ہے جو متبوع کے اندر عامل ہو۔

توجہ ہے؟ یعنی جو مبدل منہ میں عامل ہو وہی کس میں عامل ہو گا؟ تابع کے اندر بھی۔ جَاءَنِيْ رَجُلٌ عَالِمٌ۔ دیکھو رَجُلٌ موصوف ہے اور عَالِمٌ اس کی صفت ہے، اور صفت تابع ہوتی ہے۔ توجہ ہے؟ اور صفت پر وہی اعراب آتا ہے جو موصوف پر ہوتا ہے، اور جو موصوف کے اندر عامل ہوتا ہے وہی صفت کے اندر بھی عامل ہے۔ وہی، تو صفت کے اندر بھی عامل ہے۔ تو گویا جس جَاءَ نے رَجُلٌ کو رفع دیا ہے، اسی جَاءَ نے عَالِمٌ کو بھی رفع دیا۔ تو یہاں پر بدل بھی اسی طرح توابع میں سے ہے، تو تابع کے اندر وہی عامل ہوتا ہے جو متبوع کے اندر ہو۔ تو اگر آپ مِنْ أَحَدٍ إِلَّا زَيْدٍ پڑھیں گے، تو أَحَدٍ کے لفظوں کے اندر عامل کیا ہے؟ مِنْ۔ تو وہی مِنْ کس کے اندر عامل ماننا پڑے گا؟ زَيْدٍ کے اندر بھی، حالانکہ یہ مِنِ اسْتِغْرَاقِيَّہ ہے، اور مِنِ اسْتِغْرَاقِيَّہ وہ کلامِ غیرِ موجب میں تو آتا ہے، یہ زائد ہوتا ہے اور کلامِ غیرِ موجب میں آتا ہے، لیکن إِلَّا کی وجہ سے نفی ٹوٹ چکی ہے، إِلَّا کے بعد کلام منفی نہیں ہے بلکہ مثبت ہے، اور کلامِ مثبت میں تو مِنْ نہیں آسکتا۔ تو اگر آپ إِلَّا زَيْدٍ پڑھیں گے تو گویا آپ نے مِنْ کو عامل بنا دیا کلامِ مثبت میں، حالانکہ وہ تو کلامِ مثبت میں نہیں آسکتا۔

دوسری مثال ذکر کی تھی لَا أَحَدَ فِيهَا إِلَّا عَمْرٌو۔ اس کے اندر یہ عَمْرٌو بدل ہے أَحَدَ سے جو لائے نفی جنس کا اسم ہے بھئی۔ تو ایک صورت یہ ہے کہ اس کا حمل کریں أَحَدَ کے لفظوں پر حمل کرتے ہوئے، اس کو بدل بنائیں أَحَدَ کے لفظوں پر حمل کرتے ہوئے، اور أَحَدَ اس وقت مبنی علی الفتح ہے، لیکن یہ فتحہ عامل کی وجہ سے آیا ہے، یہ ہر وقت تو مبنی نہیں ہوتا، تو یہ فتحہ بھی نصب کی طرح ہوا جو عامل کی وجہ سے آتا ہے۔ تو لہٰذا اب آپ إِلَّا عَمْرًا پڑھیں تو آپ نے عَمْرًا کو بدل بنایا أَحَدَ سے لفظوں پر حمل کرتے ہوئے، اور أَحَدَ کے اندر تو عامل ہے لَا، اور وہی عامل کس کے اندر ماننا پڑے گا؟ عَمْرًا کے اندر بھی، تو حالانکہ إِلَّا کی وجہ سے لَا کی نفی ٹوٹ چکی ہے بھئی، تو لَا عمل جو کر رہا تھا وہ نفی کی وجہ سے، تو اگر آپ عَمْرًا پڑھیں گے تو گویا آپ نے لَا کو کلامِ مثبت کے اندر عامل بنا دیا، یعنی لَا کی نفی ٹوٹ چکی ہے اور وہ پھر بھی عمل کر رہا ہے، حالانکہ لَا تو نفی جب اس کی ٹوٹ جائے پھر وہ عمل نہیں کرتا، وہ تو عمل ہی نفی کی وجہ سے کرتا ہے۔ تو لہٰذا اب یہاں پر إِلَّا عَمْرٌو پڑھیں گے بھئی أَحَدَ کے محل پر حمل کرتے ہوئے، اور محل کے اعتبار سے أَحَدَ مرفوع ہے کیونکہ مبتدا ہے، کیونکہ لائے نفی جنس کس پر داخل ہوتا ہے؟ مبتدا اور خبر پر، مبتدا کو اپنا اسم بنا لیتا ہے اور خبر کو اپنی خبر، تو لہٰذا یہ أَحَدَ محل کے اعتبار سے مرفوع ہے، مبتدا ہے، تو اسی کے محل پر حمل کرتے ہوئے عَمْرٌو کو اس سے بدل بنایا گیا اور اس پر رفع پڑھا گیا۔

اسی طرح اگلی مثال ہے مَا زَيْدٌ شَيْئًا إِلَّا شَيْءٌ لَا يُعْبَأُ بِهِ۔ مَا زَيْدٌ شَيْئًا، زید کوئی چیز نہیں ہے، إِلَّا شَيْءٌ، مگر ایسی چیز لَا يُعْبَأُ بِهِ جس کی پروا نہیں کی جاتی۔ یہ شَيْءٌ کی صفت لائے لَا يُعْبَأُ بِهِ تاکہ کہیں یہ وہم نہ پڑے کہ یہ تو اِسْتِثْنَاءُ الشَّيْءِ عَنْ نَفْسِهِ ہے۔ اگر دونوں طرف صرف شَيْءٌ ہوتا: مَا زَيْدٌ شَيْئًا إِلَّا شَيْءٌ، یہ شَيْءٌ کی صفت نہ ہوتی، تو وہم پڑتا، ماقبل میں مستثنیٰ منہ بھی شَيْءٌ، مابعد میں مستثنیٰ بھی شَيْءٌ، تو یہ تو اِسْتِثْنَاءُ الشَّيْءِ عَنْ نَفْسِهِ لازم آیا اور یہ باطل ہے، شے کا اخراج اپنی ذات سے نہیں ہو سکتا، اور چیزوں سے ہو سکتا ہے، مجموعے سے یا متعدد سے اس کا اخراج ہو سکتا ہے، لیکن اپنی ہی ذات سے

اخراج نہیں ہو سکتا۔ تو لہٰذا اس لیے لَا یُعْبَأُ بِهٖ صفت بڑھا دی کہ ماقبل میں جو شے ہے وہ مطلق ہے، چاہے وہ لَا یُعْبَأُ بِهٖ ہو یا نہ ہو، اور مابعد میں صرف وہ شے ہے جو لَا یُعْبَأُ بِهٖ ہے، تو ماقبل والی شے عام، مابعد والی خاص، تو اب کیا صورت بن گئی کہ استثنا ہو رہا ہے خاص کا کس سے؟ مطلق سے یا عام سے، اور یہ جائز ہے، یعنی اِسْتِثْنَاءُ الْخَاصِّ عَنِ الْعَامِّ ہے یہاں پر بھئی۔

تو یہ صفت اس لیے لے کر آئے۔ اور یہاں پر بھی دیکھو، یہ إِلَّا شَيْءٌ، یہ شَيْءٌ یہ بدل ہے ماقبل میں جو شَيْئًا آیا اس سے، لیکن اس کے لفظوں پر حمل کرتے ہوئے بدل نہیں۔ کیونکہ لفظوں کے اعتبار سے تو ماقبل میں مستثنیٰ منہ جو شَيْئًا ہے وہ منصوب ہے، تو پھر تو بدل کو بھی کیا پڑھنا چاہیے تھا؟ إِلَّا شَيْئًا پڑھنا چاہیے تھا، لیکن لفظوں پر حمل نہیں کر سکتے، کیونکہ اگر لفظوں پر حمل کریں گے تو شَيْئًا پر نصب کس کی وجہ سے آیا؟ مَا کی وجہ سے، اور مَا کیوں عمل کرتا ہے؟ نفی کی وجہ سے، تو اگر إِلَّا کے بعد بھی آپ شَيْئًا نکالیں گے تو گویا وہی مَا اس کے اندر بھی عامل بن جائے گا، اور حالانکہ إِلَّا کی وجہ سے مَا کی نفی ٹوٹ چکی ہے، وہ تو إِلَّا کے بعد جا کر عمل نہیں کر سکتا۔ تو اس لیے پھر شَيْئًا کے محل پر حمل کرتے ہوئے إِلَّا شَيْءٌ کو بدل بنائیں گے، اور محل کے اعتبار سے تو شَيْئًا، مَا زَيْدٌ شَيْئًا، یہ شَيْئًا مرفوع ہے، خبر ہے بتدا کی، کیونکہ مَا مشابہ بِلَيْسَ بھی کس پر داخل ہوتا ہے؟ بتدا اور خبر پر، مَا زَيْدٌ شَيْئًا، تو زَيْدٌ اور شَيْئًا یہ اصل میں بتدا اور خبر تھے، پھر ان پر مَا مشابہ بِلَيْسَ داخل ہوا، اس نے بتدا کو اپنا اسم بنایا اور خبر کو اپنی خبر بنایا، تو محل کے اعتبار سے شَيْئًا مرفوع ہے، خبر ہے بتدا کی، اور اسی پر حمل کرتے ہوئے إِلَّا شَيْءٌ کو اس سے بدل بنایا گیا، کیونکہ إِلَّا کی نفی ٹوٹ چکی ہے، وہ إِلَّا کے بعد جا کر مَا عمل نہیں کر سکتا۔ بات سمجھ میں آگئی؟

پھر اس کے بعد صاحبِ جامی نے ایک بڑی گہری بات آپ کو بتلائی تھی کہ یہ جو لَا یُعْبَأُ بِهٖ ہے یہ اکثر نسخوں میں نہیں ہے اور اس کو نہیں ہونا چاہیے، پھر عبارت بڑی پیاری بن جاتی ہے۔ سمجھ میں آئی بات؟ کیوں؟ کیونکہ اس صورت میں عبارت ذرا گہری ہو جاتی ہے، عبارت یوں ہو گی: مَا زَيْدٌ شَيْئًا إِلَّا شَيْءٌ۔ تو بظاہر لگتا ہے اِسْتِثْنَاءُ الشَّيْءِ عَنْ نَفْسِهٖ ہے، لیکن ذرا غور کریں تو پھر پتہ چلتا ہے کہ نہیں، یہ تو بڑا گہرا کلام ہے، بڑا خوبصورت کلام ہے، ماقبل میں جو شَيْئًا ہے وہ ہے مطلق، یعنی وہ ہے عام، کیونکہ اس میں کوئی قید نہیں، کوئی صفت نہیں، صفت سے ایک چیز کیا ہو جاتی ہے؟ مقید ہو جاتی ہے، خاص ہو جاتی ہے۔ جیسے میں نے مثال ذکر کی تھی کل: جَاءَنِيْ رَجُلٌ۔ رَجُلٌ کی کوئی صفت نہیں، رَجُلٌ مطلق ہے، میرے پاس ایک آدمی آیا، بھئی یہ عالم تھا یا نہیں تھا؟ دونوں احتمال ہیں، کیونکہ صفت ہے ہی نہیں۔ لیکن اگر میں عالم کی صفت بڑھا دوں: جَاءَنِيْ رَجُلٌ عَالِمٌ، اب خاص ہو گیا، معلوم ہوا رجلِ عالم مراد ہے اس سے، رجلِ غیرِ عالم مراد نہیں، وہ نکل گیا، تو دیکھو خاص ہو گئی صفت۔

تو کلام کیا تھا؟ عام کافیہ کے نسخوں میں کیا ہے؟ مَا زَيْدٌ شَيْئًا إِلَّا شَيْءٌ، اور اس صورت میں کلام بڑا گہرا اور خوبصورت ہو جاتا ہے کہ ماقبل میں معلوم ہوا شَيْئًا ایسی شے ہے جو عام ہے، جو مطلق ہے، وہ شے ہے نا، تو شے ہونے کے علاوہ بھی

اس کی صفت ہو سکتا ہے آئے، ہو سکتا ہے نہ آئے، دونوں صورتیں اس میں آگئیں۔ توجہ ہے؟ اور مابعد والی شے ایسی شے ہے جس میں شئیت کے علاوہ اور کوئی صفت ہی نہیں ہے، اس میں شئیت کے علاوہ اور کوئی صفت ہی نہیں ہے، تو ماقبل والی شے عام ہے، وہ برابر ہے کہ اس میں شئیت کے علاوہ کوئی صفت ہو سکے یا نہ ہو سکے، اور مابعد والی خاص ہے کہ وہ ایسی شے ہے کہ اس میں غیرِ شئیت کے علاوہ اور کوئی صفت نہیں ہو سکتی، تو وہ خاص ہے، تو اس صورت میں بھی اِسْتِثْنَاءُ الْخَاصِّ عَنِ الْعَامِّ ہو گیا اور وہ درست ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ اب آگے دیکھیے آج کا سبق۔

کہتے ہیں: وَإِنَّمَا تَعَذَّرَ الْبَدَلُ عَلَى اللَّفْظِ فِي الصُّورَةِ الْأُولَى لِأَنَّ مِنَ الِاسْتِغْرَاقِيَّةَ لَا تُزَادُ اتِّفَاقًا بَعْدَ الْإِثْبَاتِ۔ اب وجہ ذکر کریں گے، یہی جو تین مثالیں ذکر کیں، مَا جَاءَنِيْ مِنْ أَحَدٍ إِلَّا زَيْدٌ، یہ زید کو أَحَدٍ سے لفظوں پر حمل کرتے ہوئے بدل نہیں بنا سکتے، کیوں نہیں بنا سکتے؟ کیونکہ اگر لفظوں پر حمل کرتے ہوئے آپ بدل بنائیں گے تو مِنْ کا عمل آپ ثابت کر دیں گے کس کے اندر؟ کلامِ مثبت میں، حالانکہ وہ کلامِ مثبت میں عمل نہیں کرتا۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو یہی تینوں کی وہ وجہ اب صاحبِ کافیہ ذکر کریں گے، دیکھیے بھئی۔

کہتے ہیں: وَإِنَّمَا تَعَذَّرَ الْبَدَلُ عَلَى اللَّفْظِ فِي الصُّورَةِ الْأُولَى، پہلی صورت کے اندر بدل متعذر ہو گیا عَلَى اللَّفْظِ لفظوں پر حمل کرتے ہوئے۔ توجہ ہے؟ یہ عبارت پہ نظر رکھو، تَعَذَّرَ الْبَدَلُ عَلَى اللَّفْظِ، متن میں بھی آیا تھا وَإِذَا تَعَذَّرَ الْبَدَلُ عَلَى اللَّفْظِ، وہاں صاحبِ جامی نے کیا بتلایا تھا؟ کہ تَعَذَّرَ کا صلہ تو عَلٰی نہیں آتا، تو پھر اس کا صلہ یہ کس سے جڑے گا؟ یہ حمل سے جڑے گا، مِنْ حَيْثُ حَمْلِهِ، یہ مصدر انہوں نے یہاں نکال لیا تھا۔ توجہ ہے؟ تو یہاں پر بھی ہم حمل کا لفظ نکالیں گے، جگہ جگہ اب آگے عبارت میں آئے گا تَعَذَّرَ الْبَدَلُ عَلَى اللَّفْظِ، تو عبارت اصل میں گویا یوں ہے: تَعَذَّرَ الْبَدَلُ حَمْلًا عَلَى اللَّفْظِ، بدل متعذر ہے حَمْلًا عَلَى اللَّفْظِ لفظوں پر محمول کرتے ہوئے۔ توجہ ہے؟ حَمْلًا یا مَحْمُولًا کہہ لیں، تَعَذَّرَ الْبَدَلُ مَحْمُولًا عَلَى اللَّفْظِ، بدل ممکن نہیں لفظوں پر حمل کرتے ہوئے یعنی مستثنٰی منہ کے لفظوں پر حمل کرتے ہوئے۔ توجہ ہے؟ تو میں ترجمہ اس کے مطابق کروں گا، اب آپ سمجھتے جائیں، جہاں بدل کے ساتھ عَلٰی کا لفظ آئے گا تو وہاں میں حمل بھی معنی میں بیان کروں گا۔

کہتے ہیں: وَإِنَّمَا تَعَذَّرَ الْبَدَلُ عَلَى اللَّفْظِ، کہتے ہیں بدل متعذر ہے یعنی ممکن نہیں ہے عَلَى اللَّفْظِ لفظوں پر حمل کرتے ہوئے، فِي الصُّورَةِ الْأُولَى پہلی صورت میں، لِأَنَّ مِنَ الِاسْتِغْرَاقِيَّةَ، بھئی دیکھو یہ عبارت کیسے پڑھیں گے بھئی؟ لِأَنَّ مِنَ الِاسْتِغْرَاقِيَّةَ۔ الِاسْتِغْرَاقِيَّةَ، یہ اسْتِغْرَاقِيَّة الف لام ذرا ہٹا دو، اِسْتِغْرَاقِيَّة یہ بابِ استفعال ہے، یہ ہمزہ وصلی ہے، یہ درمیانِ عبارت میں گر جائے گا۔ پھر یہ اِسْتِغْرَاقِيَّة پر الف لام آگیا، اَلِاسْتِغْرَاقِيَّة، لام کو کسرہ دیں گے، اَلِاسْتِغْرَاقِيَّة۔ پھر یہ ال کا ہمزہ بھی وصلی ہے، تو اس پر مِنْ آیا تو ہمزہ گر گیا، اب کیا عبارت بن گئی؟ مِنْلِاسْتِغْرَاقِيَّة۔ اب یاد رکھو یہ پھر اجتماعِ ساکنین ہے، اس لیے کیونکہ مِنْ کا نون بھی ساکن اور لِاسْتِغْرَاقِيَّة کا لام بھی ساکن، آپ کہیں گے لام کے نیچے تو حرکت آگئی ہے،

بھئی یہ عارضی حرکت ہے، مستقل حرکت نہیں، یہ صرف اجتماعِ ساکنین کی وجہ سے آئی ہے، لہٰذا اس کا کوئی اعتبار نہیں، تو لہٰذا یوں سمجھیں گے ابھی بھی لام ساکن ہے۔ تو لام بھی ساکن اور مِنْ کا نون بھی ساکن، اجتماعِ ساکنین آیا، اور اس صورت میں اگر اول مدہ ہو اس کو گراتے ہیں ورنہ کسرہ کی حرکت دیتے ہیں، تو نون کو کسرہ کی حرکت دے دیں گے، تو کیسے پڑھیں گے؟ مِنِ، مِنِ الِاسْتِغْرَاقِيَّةَ، لام کے نیچے پھر زیر پڑھیں گے۔ توجہ ہے؟ بھئی الِاسْتِغْرَاقِيَّة لام کے نیچے کسرہ آچکا ہے، تو وہ کسرہ پڑھنا ہے، لیکن نون کے اعتبار سے یوں سمجھیں گے لام ابھی بھی ساکن ہے کیونکہ یہ حرکت عارضی ہے، مستقل نہیں ہے، تو گویا نون اور لام دونوں ساکن ہیں تو نون کو کسرہ والی حرکت دے دی تو کیسے پڑھیں گے؟ لِأَنَّ مِنِ الِاسْتِغْرَاقِيَّةَ، تیزی سے پڑھیں گے تو پتہ بھی نہیں چلے گا، تو عموماً طلبہ اس کو یوں پڑھتے ہیں لِأَنَّ مِنَ الِاسْتِغْرَاقِيَّةَ، ہمزہ کو پڑھتے ہیں حالانکہ اسْتِغْرَاقِيَّة کا ہمزہ تو وصلی ہے وہ درمیانِ عبارت میں گرے گا، تو لِأَنَّ مِنِ الِاسْتِغْرَاقِيَّةَ لَا تُزَادُ اتِّفَاقًا۔ پھر دیکھیے، کہتے ہیں: وَإِنَّمَا تَعَذَّرَ الْبَدَلُ۔

عَلَى اللَّفْظِ، کہتے ہیں بدل متعذر ہے یعنی ممکن نہیں ہے عَلَى اللَّفْظِ لفظوں پر حمل کرتے ہوئے، فِي الصُّورَةِ الْأُولَى پہلی صورت میں، لِأَنَّ مِنَ الِاسْتِغْرَاقِيَّةَ اس لیے کیونکہ مِنِ اسْتِغْرَاقِيَّہ جو ہے، کیونکہ مِنِ اسْتِغْرَاقِيَّہ جو ہے، لَا تُزَادُ وہ بڑھایا نہیں جاتا اتِّفَاقًا یعنی بالاتفاق تمام نحویوں کے نزدیک مِنِ اسْتِغْرَاقِيَّہ نہیں بڑھایا جاتا بَعْدَ الْإِثْبَاتِ، کس کے بعد؟ اثبات کے بعد یعنی جب کلام مثبت ہو جائے اس وجہ سے کہ اس کی نفی إِلَّا کی وجہ سے ٹوٹ چکی ہے بھئی۔

أَيْ بَعْدَمَا صَارَ الْكَلَامُ مُثْبَتًا، یعنی بعد اس کے جب کلام مثبت ہو جائے لِانْتِقَاضِ النَّفْيِ بِـ«إِلَّا»، اس وجہ سے کہ نفی ٹوٹ چکی ہے إِلَّا کی وجہ سے۔ حاصلِ کلام کیا؟ پہلی صورت میں مستثنیٰ منہ کے لفظوں پر حمل کرتے ہوئے بدل بنانا ممکن نہیں، کیوں؟ کیونکہ مِنِ اسْتِغْرَاقِيَّہ بالاتفاق کلامِ مثبت میں عمل نہیں کرتا اور یہاں بھی إِلَّا کی وجہ سے نفی ٹوٹ چکی ہے اور کلام مثبت ہو چکا ہے۔

یہ معنی ہے لِانْتِقَاضِ النَّفْيِ بِـ«إِلَّا» اس وجہ سے کہ نفی ٹوٹ چکی ہے إِلَّا کی وجہ سے۔ لِأَنَّهَا لِتَأْكِيدِ النَّفْيِ، اس لیے کیونکہ یہ جو مِنِ اسْتِغْرَاقِيَّہ ہوتا ہے، لِتَأْكِيدِ النَّفْيِ یہ نفی کی تاکید کے لیے آتا ہے۔ نفی تو پہلے سے موجود تھی۔ نفی تو پہلے سے موجود تھی، وہ پہلی مثال مَا جَاءَنِيْ مِنْ أَحَدٍ، یہ مِنْ کو ذرا ہٹا دو، مَا جَاءَنِيْ أَحَدٌ، میرے پاس کوئی ایک بھی نہیں آیا، تو یہ دیکھو أَحَدٌ نکرہ ہے اور نکرہ تحتِ نفی آئے تو پھر وہ عموم کا فائدہ دیتا ہے، مَا جَاءَنِيْ أَحَدٌ میرے پاس کوئی ایک بھی نہیں آیا، آپ نے ہر ہر فرد سے آنے کی نفی کر دی، تو عموم تو یہاں پہلے ہی تھا، پھر مِنْ بھی بڑھا دیا، تو مِنْ کس لیے لاتے ہیں؟ اسی نفی میں تاکید پیدا کرتا ہے۔ توجہ ہے؟ یہ معنی ہے لِأَنَّهَا لِتَأْكِيدِ النَّفْيِ اس لیے کیونکہ مِنِ اسْتِغْرَاقِيَّہ جو ہے نفی کی تاکید کے لیے ہوتا ہے، وَلَا نَفْيَ بَعْدَ الِانْتِقَاضِ، اور کوئی نفی نہیں ہے ٹوٹ جانے کے بعد، إِلَّا کے بعد تو نفی ٹوٹ گئی ہے، تو اس کے بعد کوئی نفی نہیں لہٰذا اس کے بعد اس کو آپ عامل نہیں بنا سکتے۔

فَلَوْ أُبْدِلَ عَلَى اللَّفْظِ، پھر وہی عبارت آگئی، فَلَوْ أُبْدِلَ حَمْلًا عَلَى اللَّفْظِ، اگر اس کو بدل بنایا جائے لفظوں پر حمل کرتے ہوئے، وَقِيلَ اوریوں کہا جائے، اب دیکھو مِنْ کو عامل بنائیں گے مستثنیٰ کے اندر بھی، اوریوں کہا جائے مَا جَاءَنِيْ مِنْ أَحَدٍ إِلَّا زَيْدٍ بِالْجَرِّ، کس کے ساتھ؟ جر کے ساتھ، تو لَكَانَ فِي قُوَّةِ قَوْلِنَا تو ہمارا یہ کلام جو ہے اسی درجے میں ہے کہ جَاءَنِيْ مِنْ زَيْدٍ گویا آپ نے یوں کہا ہے: جَاءَنِيْ مِنْ زَيْدٍ۔ بھئی دیکھو ذرا اس مثال پہ نظر رکھو۔ مَا جَاءَنِيْ مِنْ أَحَدٍ إِلَّا زَيْدٍ، آپ نے زید کو بدل بنایا أَحَدٍ سے اس کے لفظوں پر حمل کرتے ہوئے، اور میں نے بتایا تھا إِلَّا کا مابعد ماقبل کے مخالف ہوتا ہے، ماقبل میں عدمِ مجیئت کا ذکر ہے، معلوم ہوا إِلَّا کے بعد مجیئت کا ذکر ہو رہا ہے، اور کس کی مجیئت؟ زید کی، تو گویا کلام یوں ہو گیا جَاءَنِيْ مِنْ زَيْدٍ۔ جَاءَنِيْ مِنْ زَيْدٍ، میرے پاس زید آیا ہے، اور یہ کلامِ مثبت ہے، اور اس میں گویا آپ نے مِنْ نکال لیا، حالانکہ مِنِ اسْتِغْرَاقِيَّہ تو بالاتفاق اثبات کے اندر نہیں بڑھایا جاتا، تو یہ خرابی کیوں لازم آئی؟ کیونکہ آپ نے مستثنیٰ منہ کے لفظوں پر حمل کرتے ہوئے اس کو بدل بنایا تھا۔ لہٰذا اس کو جر کے ساتھ نہیں پڑھ سکتے، خرابی سمجھ میں آگئی۔

پھر دیکھیے، کہتے ہیں: فَلَوْ أُبْدِلَ عَلَى اللَّفْظِ اگر مستثنیٰ کو بدل بنایا جائے مستثنیٰ منہ کے لفظوں پر حمل کرتے ہوئے، وَقِيلَ اوریوں کہا جائے مَا جَاءَنِيْ مِنْ أَحَدٍ إِلَّا زَيْدٍیوں کہا جائے بِالْجَرِّ یعنی زید کے جر کے ساتھ، زید کے جر کے ساتھ، لَكَانَ فِي قُوَّةِ قَوْلِنَا تو یہ ہمارے اسی قول کے درجے میں ہے گویا ہم نے یوں کہا ہو جَاءَنِيْ مِنْ زَيْدٍ، کلامِ مثبت میں مِنْ کو بڑھا دیا، فَلَزِمَ زِيَادَةُ مِنْ فِي الْإِثْبَاتِ تو لازم آتا ہے مِنْ کا زیادہ کرنا اثبات کے اندر، وَذَلِكَ غَيْرُ جَائِزٍ اور یہ جائز نہیں ہے۔

وَفِي الصُّورَتَيْنِ الْأَخِيرَتَيْنِ، یہ پہلی صورت کا بیان ہو گیا، اب آخری دو صورتوں کا بیان ہے۔ وَفِي، توجہ سے عبارت سمجھ لو، وَفِي الصُّورَتَيْنِ الْأَخِيرَتَيْنِ، اس کا عطف کس پر ہے؟ بات پوری نہیں ہو رہی۔ اس کا عطف ہے وہ جو دو تین سطریں پہلے گزرا جہاں سے سبق شروع ہوا تھا، وَإِنَّمَا تَعَذَّرَ الْبَدَلُ عَلَى اللَّفْظِ فِي الصُّورَةِ الْأُولَى، پہلی صورت میں بدل لفظوں پر حمل کرنا متعذر ہے اس وجہ سے جو بیان کر دی، اور اب اسی الصُّورَةِ الْأُولَى پر عطف ہے کس کا؟ الصُّورَتَيْنِ الْأَخِيرَتَيْنِ کا، اب اس کو بھی جوڑو: وَإِنَّمَا تَعَذَّرَ الْبَدَلُ عَلَى اللَّفْظِ فِي الصُّورَتَيْنِ الْأَخِيرَتَيْنِ، اور لفظوں پر حمل کرتے ہوئے بدل بنانا ممکن نہیں فِي الصُّورَتَيْنِ الْأَخِيرَتَيْنِ آخری دو صورتوں میں۔ بھئی کیوں؟ وجہ کیا؟ کہتے ہیں: لِأَنَّهُ لَوْ أُبْدِلَ الْمُسْتَثْنَى عَلَى اللَّفْظِ، اس لیے کیونکہ اگر بدل بنا دیا جائے مستثنیٰ کو عَلَى اللَّفْظِ مستثنیٰ منہ کے لفظوں پر حمل کرتے ہوئے وَقِيلَ اوریوں کہا جائے: لَا أَحَدَ فِيهَا إِلَّا عَمْرًا بِالنَّصْبِ، عَمْرًا نصب کے ساتھ کہا جائے۔

دیکھو، پھر یہاں اشکال ہوتا ہے کہ لَا أَحَدَ یہ تو مبنی علی الفتح ہے، اور آپ لفظوں پر حمل کر رہے ہیں تو إِلَّا عَمْرَ اس کو بھی مبنی پڑھیں، اس کو بھی کیا پڑھیں؟ مبنی پڑھیں، لیکن آپ نے إِلَّا عَمْرًا یہاں نصب پڑھا، وہاں ہے فتحہ اور یہاں ہے نصب۔ تو میں نے کل بھی جواب ذکر کیا تھا کہ یہ فتحہ بھی کس کی طرح ہے؟ نصب کی طرح ہے کیونکہ یہ کس کی وجہ سے آیا ہے؟ عامل کی وجہ سے جیسے عامل کی وجہ سے نصب آتا ہے۔

پھر دیکھیے، کہتے ہیں: لِأَنَّهُ لَوْ أُبْدِلَ الْمُسْتَثْنَى عَلَى اللَّفْظِ اگر مستثنیٰ کو بدل بنایا جائے مستثنیٰ منہ کے لفظوں پر حمل کرتے ہوئے، وَقِيلَ اوریوں کہا جائے لَا أَحَدَ فِيهَا إِلَّا عَمْرًا، یوں کہا جائے بِالنَّصْبِ عَمْرٍ کے نصب کے ساتھ، لِأَنَّ فَتْحَتَهُ شَبِيهَةٌ بِالْحَرَكَةِ الْإِعْرَابِيَّةِ، اس لیے کیونکہ أَحَدَ کا جو فتحہ ہے یہ مشابہ ہے حرکتِ اعرابی، اعرابی حرکت یعنی اعراب کے مشابہ ہے، لِأَنَّهَا حَصَلَتْ بِكَلِمَةِ لَا کیونکہ یہ فتحہ کس کی وجہ سے آیا ہے؟ کلمہ لَا کی وجہ سے یعنی اس نے عمل کیا ہے، اس کے عمل کی وجہ سے آیا ہے، فَهِيَ كَالنَّصْبِ الْحَاصِلِ بِالْعَامِلِ تو یہ فتحہ بھی اس نصب کی طرح ہے جو عامل کی وجہ سے حاصل ہوتا ہے، یعنی حاصل یہ کہ یہ فتحہ بھی نصب جیسا ہے، تو اس کے لفظوں پر حمل کریں گے تو عَمْرًا پر نصب پڑھیں گے۔ اور جب عَمْرًا پر نصب پڑھیں گے تو پھر فَلَا بُدَّ حِينَئِذٍ مِنْ تَقْدِيرِ لَا، تو اس صورت میں پھر تقدیرِ لَا ضروری ہے حَقِيقَةً أَوْ حُكْمًا۔

لَا أَحَدَ فِيهَا إِلَّا عَمْرًا، عَمْرًا کو کس پر حمل کیا؟ أَحَدَ کے لفظوں پر، اور أَحَدَ کے اندر عامل کون؟ لَا، تو گویا وہی لَا کس کے بعد جا کر عمل کر رہا ہے؟ إِلَّا کے بعد، تو گویا إِلَّا کے بعد بھی آپ لَا کو عامل بنا رہے ہیں، یا حقیقتاً عامل بنا رہے ہیں یا حکماً عامل بنا رہے ہیں، اور دونوں جائز نہیں، لَا عمل کیوں کرتا ہے؟ نفی کی وجہ سے، اور إِلَّا کی وجہ سے وہ نفی ٹوٹ چکی ہے تو وہ إِلَّا کے بعد جا کر نہ حقیقتاً عمل کر سکتا ہے نہ حکماً عمل کر سکتا ہے۔ توجہ ہے؟ ایک ہے حقیقتاً آپ وہاں لَا نکالیں اور وہ عمل کرے، اور ایک آپ یہ حکم لگائیں کہ لَا عمل کر رہا ہے، ہے پیچھے ہی لیکن إِلَّا کے بعد جا کر عمل کر رہا ہے۔ توجہ ہے؟

تو یہ معنی ہے کہ اگر آپ عَمْرًا پر نصب پڑھیں گے تو فَلَا بُدَّ حِينَئِذٍ مِنْ تَقْدِيرِ لَا حَقِيقَةً أَوْ حُكْمًا، تو اس وقت پھر ضروری ہو گا لَا کی تقدیر حقیقتاً یا حکماً، حقیقتاً یا حکماً لَا کو مقدر نکالنا پڑے گا لِتَعْمَلَ فِيهِ هَذَا الْعَمَلَ تاکہ وہ یہ والا عمل اس عَمْرًا میں کرے۔ عَمْرًا میں لَا عمل کر رہا ہے نا، تو پھر إِلَّا کے بعد لَا کو حقیقتاً یا حکماً مقدر نکالنا پڑے گا حقیقتاً یا حکماً تاکہ وہ عَمْرًا کو نصب دے۔ یہ معنی ہے لِتَعْمَلَ فِيهِ هَذَا الْعَمَلَ تاکہ وہ اس عَمْرًا کے اندر یہ نصب والا عمل کرے۔

وَكَذَا فِي قَوْلِهِ، اور اسی طرح ماتن کا یہ جو قول ہے مَا زَيْدٌ شَيْئًا إِلَّا شَيْءٌ، یہاں بھی شَيْءٌ کو شَيْئًا کے محل پر حمل کر کے بدل بنایا تھا، لفظوں پر حمل کر کے بدل نہیں بنا سکتے۔ توجہ ہے؟ کیوں؟ ادھر دیکھیے، کیونکہ اگر آپ اس کے لفظوں پر حمل کرتے ہوئے بدل بنائیں گے تو گویا إِلَّا کے بعد مَا کو تقدیراً نکالنا پڑے گا یا حقیقتاً یا حکماً تاکہ وہ شَيْئًا کو آگے نصب دے سکے، اور حالانکہ إِلَّا کی وجہ سے مَا کی نفی ٹوٹ چکی ہے تو وہ إِلَّا کے بعد جا کر عمل نہیں کر سکتا، نہ حقیقتاً اس کو آپ مقدر نکال سکتے ہیں اور نہ حکماً۔

تو کہتے ہیں: وَكَذَا فِي قَوْلِهِ مَا زَيْدٌ شَيْئًا إِلَّا شَيْءٌ، اس مثال کے اندر بھی لَوْ حُمِلَ الْمُسْتَثْنَى عَلَى لَفْظِ الْمُسْتَثْنَى مِنْهُ اگر محمول کیا جائے مستثنیٰ کو مستثنیٰ منہ کے لفظ پر، لَا بُدَّ حِينَئِذٍ مِنْ تَقْدِيرِ مَا كَذَلِكَ تو وہاں پر بھی اسی طرح مَا کی تقدیر ضروری ہے، اسی طرح جیسے ابھی پیچھے بیان ہوا تھا یعنی یا حقیقتاً یا حکماً۔ تو کہتے ہیں: لَا بُدَّ حِينَئِذٍ مِنْ تَقْدِيرِ مَا كَذَلِكَ تو اس وقت پھر ضروری ہے مَا کی تقدیر یعنی مَا کا مقدر نکالنا كَذَلِكَ اسی طرح یعنی یا حقیقتاً یا حکماً، لِتَعْمَلَ فِيهِ تاکہ وہ اس مستثنیٰ کے

اندر عمل کرے، تقدیراً ہو گا تو پھر عمل کرے گا نا، ویسے تو عمل نہیں کر سکتا۔

بات سمجھ میں آگئی؟ بات ابھی پوری نہیں ہوئی، بات کیا ہوئی؟ کہ اگر یہ جو آخری دو مثالیں ہیں ان میں اگر آپ لفظوں پر حمل کریں گے تو گویا لَا یا مَا کو آپ کو إِلَّا کے بعد تقدیراً نکالنا پڑے گا یا حقیقتاً یا حکماً کیونکہ تاکہ پھر ہی وہ عمل کر سکے گا، اگر نہ ہو گا تو پھر عمل کیسے کرے گا۔

اور اب آگے آپ کو بتائیں گے، متن متن ذرا دیکھیے: وَمَا وَلَا لَا تُقَدَّرَانِ عَامِلَتَيْنِ۔ اور مَا اور لَا، لَا تُقَدَّرَانِ ان کو مقدر نہیں نکالا جاتا عَامِلَتَيْنِ اس حال میں کہ یہ عامل ہوں، مَا اور لَا کو مقدر نہیں نکالا جاتا اس حال میں کہ یہ کیا ہوں؟ بھئی مَا اور لَا عمل کرتے ہیں کس وجہ سے؟ نفی کی وجہ سے، اور إِلَّا کی وجہ سے نفی ٹوٹ چکی ہے، تو مَا اور لَا کو إِلَّا کے بعد آپ عامل مقدر نہیں نکال سکتے، ان کو عامل نہیں بنا سکتے کیونکہ ان کی نفی ٹوٹ چکی ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ یہ معنی ہے وَمَا وَلَا لَا تُقَدَّرَانِ عَامِلَتَيْنِ، مَا اور لَا جو ہے ان کو مقدر نہیں نکالا جاتا عَامِلَتَيْنِ اس حال میں کہ یہ دونوں عامل ہوں، بَعْدَهُ، أَيْ بَعْدَ الْإِثْبَاتِ، کس کے بعد؟ اثبات کے بعد عامل نہیں بناتے ان کو، ان کو مقدر نہیں نکالا جاتا عامل بنا کر۔ کیوں؟ لِأَنَّهُمَا عَمِلَتَا لِلنَّفْيِ اس لیے کیونکہ ان دونوں نے نفی کی وجہ سے عمل کیا ہے وَقَدِ انْتَقَضَ النَّفْيُ بِـ«إِلَّا» اور تحقیق نفی إِلَّا کی وجہ سے ٹوٹ چکی ہے۔

اب یہاں یہ جو آیا نا حَقِيقَةً أَوْ حُكْمًا، اس کی تقریر ذرا سمجھ لو اب صاحب، اب اس کو ہم شرح کے ساتھ حل کریں گے، ابھی ہم نے متن حل کیا، متن کیا تھا؟ وَمَا وَلَا لَا تُقَدَّرَانِ عَامِلَتَيْنِ، مَا اور لَا مقدر نہیں نکالے جاتے عامل بنا کر، عامل بنا کر، بَعْدَهُ اثبات کے بعد، لِأَنَّهُمَا عَمِلَتَا لِلنَّفْيِ وَقَدِ انْتَقَضَ النَّفْيُ بِـ«إِلَّا»، اس لیے کیونکہ ان دونوں نے نفی کی وجہ سے عمل کیا ہے اور وہ نفی إِلَّا کی وجہ سے ٹوٹ چکی ہے۔ اب ہم اس کو شرح کے ساتھ حل کریں گے، لیکن پہلے، پہلے جو انہوں نے کہا نا کہ اگر لفظوں سے بدل بنائیں تو پھر إِلَّا کے بعد مَا یا لَا کو مقدر نکالنا پڑے گا یا حقیقتاً یا حکماً، اب اس کی تفصیل ذرا سمجھ لیں کہ اس کلام کا کیا معنی ہے۔

دیکھو ابھی میں نے بیان کیا کہ یہ جو معمول ہوتا ہے نا معمول جس میں عامل عمل کرتا ہے اس کو رفع یا نصب یا جر دیتا ہے، تو عام معمول جو ہوتے ہیں ان میں عامل براہِ راست عمل کرتا ہے، جَاءَ زَيْدٌ، جیسے جَاءَ زَيْدٌ، یہ جَاءَ نے براہِ راست عمل کیا اور زَيْدٌ کو رفع دے دیا کیونکہ یہ اس کا فاعل ہے، رَأَيْتُ زَيْدًا، یہ رَأَيْتُ نے براہِ راست عمل کیا اور زَيْدًا کو نصب دیا کیونکہ یہ اس کا مفعول ہے، مَرَرْتُ بِزَيْدٍ، یہ با نے براہِ راست عمل کیا اور زید کو جر دیا کیونکہ یہ اس کا مجرور ہے، مدخول ہے۔ توجہ ہے؟ تو عام معمول کے اندر عامل براہِ راست عمل کرتا ہے اور اس کو رفع، نصب یا جر دیتا ہے، لیکن پانچ چیزیں ایسی ہیں جن کو توابع کہتے ہیں، یہ جو ماقبل کے تابع ہوتی ہیں، کل بھی میں نے ذکر کیا تھا وہ پانچ چیزیں، جیسے صفت موصوف کے تابع ہوتی ہے، صفت پر وہی اعراب آتا ہے جو موصوف پر آئے۔ بدل تابع ہوتا ہے مبدل منہ کا، بدل پر وہی اعراب آتا ہے جو مبدل منہ پر ہو۔ تاکید تابع ہوتی ہے مؤکد کی، تاکید پر وہی اعراب جو مؤکد پر آتا ہے۔ اسی طرح عطفِ بیان جو ہے وہ

بھی توابع میں سے ہے، اس پر بھی وہی اعراب آتا ہے جو معطوف علیہ پر ہو۔ اسی طرح ایک ہے معطوف بھئی، جَاءَنِيْ زَيْدٌ وَعَمْرٌو، یہ عمر کا عطف کس پر ہے؟ زید پر، اور زید مرفوع تھا تو عمر بھی مرفوع ہے، تو دیکھو یہ جو معطوف بحرف ہوتا ہے اس پر بھی وہی اعراب آتا ہے جو معطوف علیہ پر ہوتا ہے، تو یہ پانچ چیزیں توابع ہیں، یعنی ان میں عامل براہِ راست عمل نہیں کر رہا بلکہ یہ اپنے سے ماقبل کے تابع ہیں، عامل براہِ راست متبوع میں عمل کر رہا ہے، جَاءَنِيْ رَجُلٌ عَالِمٌ، رَجُلٌ موصوف، عَالِمٌ صفت، جَاءَ براہِ راست عمل کس میں کر رہا ہے؟ رَجُلٌ میں، کس میں؟ اور اس کو رفع دے رہا ہے، اور یہ جو صفت ہے آگے عَالِمٌ یہ تابع ہے، رَجُلٌ پر رفع آیا تو عَالِمٌ صفت پر بھی کیا...

رفع آگیا۔ توجہ ہے؟

تو یہ کل توابع پانچ ہیں، پھر دہراؤ کون کون سے؟ صفت ہے، بدل ہے، اور تاکید ہے، اور عطفِ بیان ہے، اور معطوف بحرف ہے۔ عامل ان میں براہِ راست عمل نہیں کرتا بلکہ یوں کہو متبوع کے واسطے سے عمل کرتا ہے۔ پھر سنو: جَاءَنِيْ رَجُلٌ عَالِمٌ۔ یہ جَاءَ نے براہِ راست عمل کس میں کیا؟ رَجُلٌ میں، اور عَالِمٌ جو صفت ہے اس میں براہِ راست عمل نہیں کیا بلکہ رَجُلٌ کے واسطے سے کیا کہ یہ چونکہ رَجُلٌ کے تابع ہے تو اس پر بھی رفع آگیا۔ توجہ ہے؟

تو یہ توابع ماقبل کے تابع ہوتے ہیں۔ اور ان کے اندر عامل کون ہے بھئی؟ یہ ماقبل کے تو تابع ہیں، لیکن عامل کیا ہے؟ کس نے؟ عامل کیا ہے؟ تو کہتے ہیں وہی جو عامل متبوع میں تھا اسی کا اثر اس کو بھی پہنچ رہا ہے، وہ جو متبوع جو ماقبل والے میں، موصوف میں جو عامل ہے وہی عامل ہے صفت میں بھی، اسی کا اثر پہنچ رہا ہے اس کو بھی، لیکن براہِ راست نہیں بلکہ درمیان میں متبوع یعنی موصوف کے واسطے سے۔ تو معلوم ہوا یہ جو توابع ہوتے ہیں ان میں وہی عامل ہوگا جو متبوع میں عامل تھا۔ اور کس طرح عامل ہے؟ کہ متبوع نے عمل کیا، عامل نے عمل کیا موصوف میں اور پھر یہی حکم جو ہے یہ سرایت کر گیا تابع کی طرف بھی۔ ادھر دیکھو، ادھر دیکھو، جَاءَ رَجُلٌ عَالِمٌ، جَاءَ نے کس میں عمل کیا؟ رَجُلٌ میں، لیکن یہی عمل سرایت کر گیا اور کہاں تک پہنچ گیا؟ عَالِمٌ تک بھی پہنچ گیا، تو عَالِمٌ میں جَاءَ نے براہِ راست عمل نہیں کیا بلکہ عمل تو اس نے کس میں کیا؟ رَجُلٌ میں، لیکن یہ عمل سرایت کر کے کہاں تک پہنچ گیا؟ تابع تک بھی پہنچ گیا۔ تو معلوم ہوا عامل دونوں میں وہی جَاءَ ہے، لیکن ایک میں براہِ راست اور ایک میں بواسطہ متبوع کے یعنی اس کا حکم سرایت کر کے وہاں تک پہنچ گیا۔

اب یہ جو توابع ہیں ان پہ آپ ذرا غور کریں، توابع۔ پہلا کیا ہے؟ موصوف صفت، جَاءَنِيْ رَجُلٌ عَالِمٌ، یاد رکھو یہ موصوف مقصود ہوتا ہے صفت صرف اس کی وضاحت کرتی ہے۔ موصوف صفت میں سے اصل مقصود کیا ہوتا ہے؟ موصوف، صفت اس کی تابع ہے، اس کی صرف وضاحت کرتی ہے کہ رجل عالم ہے یا غیرِ عالم ہے۔ اسی طرح مؤکد اور تاکید، مؤکد پہلے آتا ہے تاکید بعد میں، مؤکد مقصود ہوتا ہے تاکید صرف اسی کے معنی کو پکا کر دیتی ہے، اسی کے معنی کو، مثلاً میں کہتا ہوں جَاءَنِيْ زَيْدٌ نَفْسُهُ۔ جَاءَنِيْ زَيْدٌ نَفْسُهُ، زَيْدٌ ہے مؤکد اور نَفْسُهُ مضاف مضاف الیہ مل کر یہ ہے اس کی تاکید، تو زَيْدٌ ہے

مرفوع اس لیے نَفْسُهُ یہ بھی کیا ہے؟ مرفوع، اس کی تاکید ہے۔ جَاءَنِيْ زَيْدٌ نَفْسُهُ، کیا معنی؟ میرے پاس زید خود آیا تھا۔ تو دیکھو اس نے کوئی نئے معنی کا فائدہ نہیں دیا، جَاءَنِيْ زَيْدٌ سے بھی کیا پتہ چل رہا ہے؟ زید خود آیا، اور نَفْسُهُ سے بھی کیا پتہ چلا کہ وہ خود آیا ہے۔

کوئی نئے معنی کا فائدہ نہیں دیا، اسی کو پکا کر دیا کہ وہ خود ہی آیا تھا، ہو سکتا ہے آپ کے ذہن میں شبہ آتا زید نہیں آیا ہو گا، زید نہیں آیا اس نے اپنے کسی سیکرٹری کو بھیج دیا وہ تو بڑا آدمی ہے، تو آپ کہتے ہیں نہیں، جَاءَنِيْ زَيْدٌ نَفْسُهُ، زید خود میرے پاس آیا تھا بھئی۔ تو یہ نَفْسُهُ نے کیا کیا؟ اسی زید کو پکا کر دیا آنے کے اندر کہ زید ہی آیا ہے، اس کا سیکرٹری وغیرہ نہیں آیا۔ تو مؤکد تاکید میں سے بھی مقصود کون ہوتا ہے؟ زید مقصود ہے یا نَفْسُهُ مقصود ہے؟ زید مقصود ہے، نَفْسُهُ تو اسی میں تاکید پیدا کر رہا ہے۔ جَاءَنِيْ رَجُلٌ عَالِمٌ، رَجُلٌ مقصود ہے یا عَالِمٌ مقصود ہے؟ رَجُلٌ موصوف مقصود ہے، عَالِمٌ صرف اس کی وضاحت کر رہا ہے۔ اسی طرح عطفِ بیان کے اندر بھی جو ماقبل میں معطوف علیہ ہوتا ہے وہ مقصود ہوتا ہے، عطفِ بیان مقصود نہیں ہوتا۔ لیکن دو تابع ایسے ہیں جو مقصود ہوتے ہیں: ایک بدل اور ایک معطوف بحرف۔

جَاءَنِيْ زَيْدٌ وَعَمْرٌو۔ میرے پاس زید اور عمر آیا تھا، اب مجھے بتائیے یہ عمر مقصود ہے یا نہیں؟ آپ کیا بتلانا چاہتے ہیں؟ کہ زید بھی آیا اور عمر، دونوں کا بتلانا چاہتے ہیں، تو یہاں دیکھو وَعَمْرٌو یہ عمر ماقبل کے تابع ہے لیکن یہ بھی مقصود ہے، آپ دوسرے کو بتانا چاہتے ہیں زید بھی آیا اور عمر بھی آیا، تو یہ معطوف بحرف یہ ہے تو تابع، ماقبل والا اعراب اس پر آتا ہے، لیکن یہ خود ہی مقصود ہوتا ہے، یہ باقی توابع کی طرح نہیں ہے، باقی توابع خود مقصود نہیں ہوتے لیکن یہ معطوف بحرف خود مقصود ہوتا ہے، اس کو لا کر یہی بتلانا چاہتا ہے کہ یہ فعل اس نے بھی کیا ہے۔ تو معلوم ہوا معطوف بحرف بھی مقصود ہوتا ہے، معطوف علیہ بھی مقصود ہوتا ہے اور معطوف بحرف بھی مقصود ہوتا ہے، دونوں مقصود ہیں، تو یہ ایسا تابع ہے جو خود بھی مقصود ہے۔ اور اسی طرح بدل اور مبدل منہ، بدل اور مبدل منہ میں سے یاد رکھو جو پہلے آیا ہے نا مبدل منہ وہ نہیں مقصود بلکہ بعد میں جو بدل آیا ہے وہ مقصود ہوتا ہے، جو بعد میں بدل آیا ہے وہ مقصود ہے۔ تو معلوم ہوا معطوف بحرف وہ مقصود ہوتا ہے توابع میں سے، یوں کہیں معطوف علیہ اور معطوف بحرف یہ دونوں مقصود ہوتے ہیں، معلوم ہوا معطوف بحرف بھی مقصود ہے، اور بدل اور مبدل منہ کے اندر صرف بدل مقصود ہوتا ہے یعنی تابع مقصود ہے، مبدل منہ مقصود نہیں، اس کو صرف تمہید کے طور پہ ذکر کرتے ہیں۔

مثلاً میں کہتا ہوں جَاءَنِيْ زَيْدٌ أَخُوكَ۔ جَاءَنِيْ زَيْدٌ أَخُوكَ، زَيْدٌ ہے مبدل منہ اور أَخُوكَ ہے بدل، تو یاد رکھو یہاں جو میں نے زید پہلے ذکر کیا نا مبدل منہ یہ میں نے ویسے تمہید کے طور پر ذکر کیا ہے، اصل میں أَخُوكَ کہنا چاہتا تھا۔ جیسے آپ کسی آدمی کے پاس جاتے ہیں اور جانے کے بعد آپ نے کوئی کام اس سے کہنا ہے تو جاتے ہی فوراً اپنا کام نہیں کہتے، پہلے اس کی خیریت پوچھتے ہیں، ایک دو ادھر ادھر کی باتیں کریں گے اور پھر آپ اس کو اپنا کام ذکر کریں گے کہ میں اس لیے آیا ہوں۔ تو یہاں پر بھی مبدل منہ اور بدل، مبدل منہ پہلے آیا لیکن اس کو بطورِ تمہید کے لایا گیا ہے، جیسے آپ جا کر آپ نے تمہید کے

طور پر کچھ باتیں کیں، تو یہاں پر بھی مبدل منہ مقصود نہیں ہے، وہ اس کو بطورِ تمہید کے لایا گیا ہے کس کے لیے تمہید ہے؟ آگے آنے والے بدل کے لیے، اور بدل مقصود ہے۔ توجہ ہے؟

تو سارے توابع ان میں متبوع مقصود ہوتا ہے تابع مقصود نہیں، جبکہ معطوف بحرف کے اندر معطوف علیہ بھی مقصود ہوتا ہے اور معطوف بحرف یعنی دونوں مقصود ہوتے ہیں، اور بدل اور مبدل منہ کے اندر صرف بدل مقصود ہوتا ہے یعنی تابع مقصود ہے مبدل منہ مقصود نہیں، اس کو صرف تمہید کے طور پر ذکر کیا۔ معلوم ہوا توابع میں سے دو توابع ایسے ہیں جو خود مقصود ہیں: ایک معطوف بحرف، ایک بدل۔ ایک معطوف بحرف اور ایک بدل۔ اس لیے علما فرماتے ہیں کہ بدل تکرارِ عامل کے حکم میں ہے، بدل تکرارِ عامل کے حکم میں ہے، یہ اسی طرح کہ بدل اور معطوف بحرف یہ تکرارِ عامل کے حکم میں ہیں۔ جَاءَنِيْ زَيْدٌ وَعَمْرٌو، پھر سنو، جَاءَنِيْ زَيْدٌ وَعَمْرٌو، کیا میں صرف زید کی آمد بتلانا چاہتا ہوں یا زید اور عمر دونوں کا آنا بتلانا چاہتا ہوں؟ میں دونوں کا آنا بتلانا چاہتا ہوں۔ تو یہ معطوف خود بھی مقصود ہے، لہٰذا گویا اس پر یہ جَاءَ عامل دوبارہ داخل ہو رہا ہے اور کلام اصل میں یوں ہے: جَاءَنِيْ زَيْدٌ وَجَاءَنِيْ عَمْرٌو۔ جَاءَنِيْ زَيْدٌ وَجَاءَنِيْ عَمْرٌو، یہ دوبارہ جَاءَ عمر کے لیے کیوں نکالا؟ کیونکہ عمر تو تابع تھا، تو بظاہر لگتا تھا یہ شاید مقصود نہیں ہے، لیکن بتلایا کہ نہیں یہ خود مقصود ہے گویا عامل پھر اس میں دوبارہ عمل کر رہا ہے، یہاں مقدر ہے عامل، تو یہ تکرارِ عامل کے درجے میں ہے یہ معطوف بحرف یعنی عامل کو دوبارہ اس کے لیے مقدر نکالا جاتا ہے۔

اور اسی طرح بدل بھی ہے، وہ بھی تکرارِ عامل کے درجے میں ہے کیونکہ وہ بھی مقصود ہوتا ہے۔ جَاءَنِيْ زَيْدٌ أَخُوكَ، زَيْدٌ مبدل منہ اور أَخُوكَ بدل ہے، تو مقصود کون ہے؟ أَخُوكَ۔ توجہ ہے؟ نہیں توجہ سبق کی طرف۔ جَاءَنِيْ زَيْدٌ أَخُوكَ، زید مبدل منہ، أَخُوكَ بدل، اور عامل تو اصل میں کس میں عمل کرتا ہے؟ متبوع میں، اور یہاں تو حالانکہ یہاں تو تابع مقصود ہے، تو پھر کیا کہتے ہیں؟ اس میں عامل دوبارہ عمل کر رہا ہے۔ دیکھو نا، مبدل منہ غیرِ مقصود ہے اور بدل مقصود، اور اگر آپ یہ کہیں کہ مبدل منہ میں عامل براہِ راست عمل کر رہا ہے حالانکہ وہ تو غیرِ مقصود ہے، اور جو مقصود ہے اس کے اندر عامل براہِ راست عمل نہیں کر رہا، یہ پسندیدہ نہیں، لہٰذا وہ کیا کہتے ہیں؟ کہ جب مبدل منہ کے اندر عامل براہِ راست عمل کر رہا ہے جو مقصود نہیں ہے، تو مقصود کے اندر بھی عامل کو براہِ راست عمل کرنا چاہیے، لہٰذا وہ اس کے لیے عامل دوبارہ نکالتے ہیں کہ یہ تکرارِ عامل کے درجے میں ہے۔ جَاءَنِيْ زَيْدٌ أَخُوكَ، یہ کلام اسی طرح ہے گویا آپ نے یوں کہا ہے جَاءَنِيْ زَيْدٌ جَاءَنِيْ أَخُوكَ، اس کے أَخُوكَ کے لیے عامل الگ بنا دیا کیونکہ یہ تو مقصود ہے بھئی۔ توجہ ہے؟ حاصلِ کلام کیا؟ کہ معطوف بحرف اور بدل تکرارِ عامل کے حکم میں ہوتے ہیں۔

بات سمجھ میں آگئی؟ تو علمائے نحو فرماتے ہیں کہ معطوف بحرف اور بدل تکرارِ عامل کے درجے میں ہوتے ہیں۔ اب تکرارِ عامل کے درجے میں ہونے کا کیا معنی ہے؟ بعض علما کہتے ہیں، سنو فرق سنو، بعض علما کہتے ہیں تکرارِ عامل کے درجے

میں ہونے کا مطلب یہ ہے کہ یہ مقصود ہیں لہٰذا ان کے لیے عامل دوبارہ مقدر نکالنا پڑے گا، ان کے لیے عامل دوبارہ مقدر نکالنا پڑے گا کیونکہ یہ مقصود ہیں۔ جبکہ بعض کہتے ہیں نہیں یہ بھی عام توابع کی طرح ہیں، اور عام توابع کے اندر عامل کو دوبارہ نہیں نکالتے، وہی جو عامل تھا متبوع کے اندر اسی کا اثر سرایت کر کے کہاں تک پہنچ جاتا ہے؟ تابع تک بھی پہنچ جاتا ہے، تو یہ بھی عام توابع کی طرح ہیں۔ فرق سمجھ میں آیا؟ کیا؟ کہ توابع جو ہیں ان کے اندر وہی عامل ہوتا ہے جو متبوع کے اندر عامل ہو، تو پھر یہ کہتے ہیں کہ یہ جو بدل ہے، یہ بدل اور معطوف بحرف جو ہے یہ تکرارِ عامل کے درجے میں ہیں یعنی ان کے لیے عامل الگ مقدر نکالنا پڑے گا، حقیقتاً مقدر نکالنا پڑے گا، جَاءَنِيْ زَيْدٌ أَخُوكَ اصل میں کیا ہے؟ جَاءَنِيْ زَيْدٌ جَاءَنِيْ أَخُوكَ، حقیقتاً جَاءَنِيْ یہاں مقدر ہے۔ اور بعض کہتے ہیں نہیں تکرارِ عامل کے درجے کا یہ معنی نہیں ہے کہ حقیقتاً مقدر نکالو گے، بلکہ معنی یہ ہے کہ اسی عامل کا اثر متبوع سے ہوتے ہوئے کہاں جا کر پہنچ گیا؟ تابع کو بھی پہنچ گیا یعنی معلوم ہوا ان کے نزدیک بدل بھی عام توابع کی طرح ہے، عام توابع میں جو متبوع میں عامل ہوتا ہے وہی تابع میں بھی عامل ہوتا ہے تو بدل میں بھی اسی طرح ہے۔ توجہ ہے؟ تو بعض کے نزدیک حقیقتاً عامل مقدر ہے، بعضوں میں حکماً مقدر ہے، حکماً مقدر کا معنی یہ ہے کہ اس کو حقیقتاً مقدر نہ نکالو بلکہ اسی ماقبل والے عامل کا اثر اس کو پہنچ رہا ہے متبوع کے واسطے سے۔

دیکھیے بھئی اب شرح کے ساتھ اس سارے کو۔ کہتے ہیں: وَمَا وَلَا لَا تُقَدَّرَانِ، مَا اور لَا جو ہیں ان کو مقدر نہیں نکالا جاتا یعنی إِلَّا کے بعد، لَا حَقِيقَةً نہ تو حقیقتاً ان کو مقدر نکالا جاتا ہے، بھئی پھر مقدر نکالنے کی دو صورتیں میں نے بتا دیں: یا حقیقتاً ہو گا، حقیقتاً آپ اس کو مقدر نکالیں، یا حکماً ہو گا۔ کیا ہو گا؟ حکماً ہونے کا کیا معنی؟ کہ دوبارہ مقدر نہ نکالیں بس اسی ماقبل والے کا اثر مابعد تک پہنچ رہا ہے، یوں کہو۔ تو کہتے ہیں: وَمَا وَلَا لَا تُقَدَّرَانِ لَا حَقِيقَةً مَا اور لَا جو ہیں وہ مقدر نہیں ہوتے لَا حَقِيقَةً نہ تو حقیقتاً مقدر ہوتے ہیں، آگے دو چار لفظوں بعد آ رہا ہے وَلَا حُكْمًا اور نہ حکماً مقدر ہوتے ہیں۔ حقیقتاً مقدر کب ہو گا؟ وہ بیان کر رہے ہیں درمیان میں، إِذَا لَمْ يَكُنِ الْبَدَلُ إِلَّا بِتَكْرِيرِ الْعَامِلِ، تقریر اور تکرار کا ایک معنی ہے، بدل تکرارِ عامل کے درجے میں ہے، إِذَا لَمْ يَكُنِ الْبَدَلُ إِلَّا بِتَكْرِيرِ الْعَامِلِ جب بدل نہیں ہوتا مگر تقریرِ عامل کے ساتھ، تو جب آپ اس کو حقیقتاً عامل بنائیں گے تو گویا آپ نے عامل کا تکرار کر دیا، اگر آپ حقیقتاً مقدر نکالیں گے تو وہاں دوبارہ وہی لفظ نکال لیں گے، اور حکماً مقدر نکالنے کا مطلب کیا ہے کہ لفظ کو مقدر نہیں نکالا ہاں اس کا حکم وہاں تک پہنچا دیا، یعنی إِلَّا کے بعد تک اس کا حکم پہنچ گیا حالانکہ إِلَّا کے بعد تو ان کا حکم نہیں پہنچ سکتا، إِلَّا کے بعد جا کر یہ عمل نہیں کر سکتے۔

تو کہتے ہیں: وَمَا وَلَا لَا تُقَدَّرَانِ لَا حَقِيقَةً، مَا اور لَا جو ہیں وہ مقدر نہیں ہوتے لَا حَقِيقَةً نہ تو حقیقتاً مقدر ہوتے ہیں، إِذَا لَمْ يَكُنِ الْبَدَلُ إِلَّا بِتَكْرِيرِ الْعَامِلِ جب بدل نہ ہو مگر تکرارِ عامل کے ساتھ، تو وہاں حقیقتاً مقدر ہو گا۔ وَلَا حُكْمًا اور حکماً بھی نہیں ہو گا، یہ کس صورت میں؟ کہتے ہیں إِذَا اكْتُفِيَ بِدُخُولِهِ عَلَى الْمُبْدَلِ مِنْهُ۔ بھئی حکماً عامل مقدر ہونے کا کیا معنی ہے؟ دوبارہ عامل نکالنا ہے یا اسی عامل کا اثر آگے پہنچے گا؟ اسی عامل کا، وہی بیان کر رہے ہیں۔ کہتے ہیں إِذَا اكْتُفِيَ بِدُخُولِهِ عَلَى الْمُبْدَلِ

مِنْهُ جب اکتفا کر لیا جائے عامل کے داخل ہونے کا مبدل منہ پر، کہ عامل صرف کس پر داخل ہے؟ مبدل منہ پر داخل ہے بدل پر کوئی عامل داخل نہیں، تو إِذَا اكْتُفِيَ بِدُخُولِهِ عَلَى الْمُبْدَلِ مِنْهُ جب اکتفا کر لیا جائے عامل کے داخل ہونے کا مبدل منہ پر، وَاعْتُبِرَ سِرَايَةُ حُكْمِهِ إِلَيْهِ اور یہ اعتبار کر لیا جائے کہ مبدل منہ کا جو حکم ہے وہ سرایت کر گیا ہے، وہ پہنچ گیا ہے إِلَيْهِ بدل تک بھئی، پہنچ گیا ہے بدل تک۔ توجہ ہے؟ جَاءَنِي زَيْدٌ أَخُوكَ، یعنی جَاءَ نے زید کو رفع دیا، اور تو زید کا حکم کیا ہے؟ مرفوع، یہی حکم سرایت کر کے کہاں تک چلا گیا رفع والا؟ بدل تک بھی پہنچ گیا، دوبارہ عامل نکالنے کی ضرورت نہیں۔ یہ معنی ہے، پھر دیکھ لیں: إِذَا اكْتُفِيَ بِدُخُولِهِ عَلَى الْمُبْدَلِ مِنْهُ جب اکتفا کر لیا جائے عامل کے داخل ہونے کا صرف مبدل منہ پر، وَاعْتُبِرَ سِرَايَةُ حُكْمِهِ إِلَيْهِ اور یہ اعتبار کر لیا جائے کہ مبدل منہ کا حکم سرایت کر گیا ہے إِلَيْهِ کس تک؟ بدل تک۔ حُكْمِهِ کی ہا ضمیر راجع ہے مبدل منہ کو، اور إِلَيْهِ کی ہا ضمیر راجع ہے بدل کو، کہ مبدل منہ کا حکم سرایت کر کے پہنچ گیا ہے بدل تک۔ فَإِنَّهُ فِي قُوَّةِ التَّقْدِيرِ، اس لیے کیونکہ یہ بھی کس درجے میں ہے؟ تقدیر کے درجے میں ہے۔ بھئی جب، ادھر دیکھو، عامل نے عمل صرف کس میں کیا؟ مبدل منہ میں، لیکن وہی عمل کہاں تک پہنچ گیا؟ بدل تک پہنچ گیا، تو یہ بھی اسی طرح ہے گویا عامل اس کے لیے مقدر ہے بھئی، عامل اس کے لیے حقیقتاً تو نہیں مقدر لیکن حکماً گویا مقدر ہے کیونکہ اس کا حکم وہاں تک پہنچ رہا ہے۔ یہ معنی ہے فَإِنَّهُ فِي قُوَّةِ التَّقْدِيرِ اس لیے کیونکہ یہ بھی تقدیر کے درجے میں ہے۔

حَالَ كَوْنِهِمَا عَامِلَتَيْنِ، متن میں آیا تھا عَامِلَتَيْنِ، اس حال میں کہ یہ دونوں کیا ہوں؟ عامل۔ صاحبِ جامی فرما رہے ہیں حَالَ كَوْنِهِمَا عَامِلَتَيْنِ، بتلانا یہ چاہتے ہیں کہ یہ عَامِلَتَيْنِ حال ہے تُقَدَّرَانِ کی الف ضمیر سے، تُقَدَّرَانِ کے اندر الف تثنیہ کی ضمیر ہے جو کس کو راجع ہے؟ مَا اور لَا کو، وہ مَا اور لَا مقدر کیے جاتے ہیں عَامِلَتَيْنِ اس حال میں کہ وہ کیا ہوتے ہیں؟ عامل ہوتے ہیں، تو یہ اس ضمیر سے، وہ تثنیہ کی ضمیر سے یہ حال ہے، تو یہ تثنیہ ہے جس کا رفع الف کے ساتھ آتا ہے اور نصب اور جر یا کے ساتھ، تو یہ حال ہے اس لیے منصوب ہے۔

حَالَ كَوْنِهِمَا عَامِلَتَيْنِ فِي الْمُسْتَثْنَى، تو مَا اور لَا مقدر نہیں نکالے جاتے حَالَ كَوْنِهِمَا عَامِلَتَيْنِ اس حال میں کہ یہ دونوں عامل ہوں فِي الْمُسْتَثْنَى کس کے اندر؟ مستثنیٰ کے اندر، وہ مستثنیٰ الْمَحْمُولِ عَلَى الْبَدَلِ جو کس پر محمول ہے؟ بدل پر محمول ہے یعنی اس کو ہم نے بدل بنایا ہے، جس کو ہم نے وہ مستثنیٰ جس کو ہم نے بدل بنایا ہے۔ بَعْدَهُ أَيْ بَعْدَ الْإِثْبَاتِ، یہ ضمیر کا مرجع بتلا دیا کہ بَعْدَهُ کی ہا ضمیر کس کو راجع ہے؟ اثبات کو۔ پھر سنو صرف متن متن کہ وَمَا وَلَا لَا تُقَدَّرَانِ عَامِلَتَيْنِ بَعْدَهُ، مَا اور لَا جو ہیں ان کو مقدر نہیں نکالا جاتا اس حال میں کہ وہ عامل ہوں بَعْدَهُ أَيْ بَعْدَ الْإِثْبَاتِ کس کے بعد؟ اثبات کے بعد، یعنی إِلَّا نے نفی توڑ دی ہے تو إِلَّا کے بعد اگر آپ ان کو عامل بنائیں گے تو گویا آپ نے ان کو اثبات کے اندر عامل بنا دیا حالانکہ یہ تو عمل نفی کی وجہ سے کر رہے تھے، اور نفی تو ٹوٹ چکی ہے تو یہ اس کے بعد جا کر عمل نہیں کر سکتے۔

بَعْدَهُ أَيْ بَعْدَ الْإِثْبَاتِ اثبات کے بعد، يَعْنِي بَعْدَمَا صَارَ الْكَلَامُ مُثْبَتًا یعنی بعد اس کے جب کلام مثبت بن گیا ہے لِانْتِقَاضِ

النَّفْيِ بِـ«إِلَّا» اس وجہ سے کہ نفی ٹوٹ چکی ہے إِلَّا کی وجہ سے۔ بھئی ان دونوں کو کلامِ مثبت میں عامل کیوں نہیں بنایا جاتا؟ اب وجہ ذکر کرنے لگے ہیں: لِأَنَّهُمَا أَيْ مَا وَلَا، لِأَنَّهُمَا، هُمَا ضمیر کا مرجع بتلایا صاحبِ جامی نے کہ هُمَا ضمیر کس کو راجع ہے؟ مَا اور لَا کو۔ کہتے ہیں اس لیے کیونکہ مَا اور لَا جو ہیں عَمِلَتَا لِلنَّفْيِ ان دونوں نے عمل کیا ہے نفی کی وجہ سے، وَقَدِ انْتَقَضَ النَّفْيُ بِـ«إِلَّا» اور تحقیق وہ نفی إِلَّا کی وجہ سے ٹوٹ چکی ہے، تو یہ إِلَّا کے بعد جا کر عمل نہیں کر سکتے۔

وَحَيْثُ تَعَذَّرَ، اور چونکہ متعذر ہو

ہو گیا، ناممکن ہو گیا فِي هَاتَيْنِ الصُّورَتَيْنِ ان دو صورتوں میں، یہ جو دو مثالیں ذکر کی تھیں، ان دو صورتوں میں چونکہ متعذر ہو گیا الْبَدَلُ کیا متعذر ہوا؟ بدل متعذر ہو گیا عَلَى اللَّفْظِ یعنی لفظوں پر حمل کرتے ہوئے، ویسے محل پر حمل کرتے ہوئے بدل متعذر نہیں صرف لفظوں پر حمل کرتے ہوئے بدل متعذر ہو گیا، تو حُمِلَ عَلَى الْمَحَلِّ تو اس بدل کو کس پر محمول کر لیا گیا؟ محل پر حمل کر لیا گیا۔

فَعَمْرٌو مَرْفُوعٌ، لہٰذا پہلی مثال کے اندر کون سی مثال تھی؟ لَا أَحَدَ فِيهَا إِلَّا عَمْرٌو۔ تو اس کے اندر جو عَمْرٌو ہے، فَعَمْرٌو جو ہے مَرْفُوعٌ یہ مرفوع ہے عَلَى أَنَّهُ مَحْمُولٌ عَلَى مَحَلِّ أَحَدَ، یہ محمول ہے أَحَدَ کے محل پر۔ بھئی دیکھو أَحَدَ، یہ أَحَدَ معرب ہے اور یہ اس وقت مضاف الیہ ہے محل کے لیے، اور کیسے پڑھنا چاہیے؟ عَلَى مَحَلِّ أَحَدٍ، لیکن ہم اس پر اعرابِ حکائی پڑھ رہے ہیں۔ اعرابِ حکائی کسے کہتے ہیں؟ کہ حکایت میں جو اعراب یا جو صورت تھی وہی صورت یہاں بھی پڑھیں، تو وہاں پر کیا تھا؟ لَا أَحَدَ، تو ہم یہاں بھی اسی طرح أَحَدَ پڑھتے ہیں۔

تو کہتے ہیں فَعَمْرٌو مَرْفُوعٌ تو عمر کا لفظ مرفوع ہے عَلَى أَنَّهُ مَحْمُولٌ عَلَى مَحَلِّ أَحَدَ اس وجہ سے کہ یہ محمول ہے احد کے محل پر۔ اور احد کا محل کیا ہے؟ کہتے ہیں وَهُوَ الرَّفْعُ بِالِابْتِدَاءِ، اس کا محل رفع ہے ابتدا کی وجہ سے یعنی مرفوع ہے۔

وَشَيْءٌ، اب یہ تیسری مثال کی بات آ گئی، تیسری مثال کیا تھی؟ مَا زَيْدٌ شَيْئًا إِلَّا شَيْءٌ۔ اس کے اندر جو کہتے ہیں وَشَيْءٌ مَرْفُوعٌ اور شَيْءٌ کا لفظ مرفوع ہے عَلَى أَنَّهُ مَحْمُولٌ عَلَى مَحَلِّ شَيْئًا اس وجہ سے کہ یہ محمول ہے شَيْئًا کے محل پر۔ وَهُوَ الرَّفْعُ بِالْخَبَرِيَّةِ، اور شَيْئًا کا جو محل ہے وہ رفع ہے خبر ہونے کی وجہ سے، کہ وہ ابتدا کی خبر ہے محل کے اعتبار سے، لفظوں کے اعتبار سے وہ مَا کی خبر ہے اور محل کے اعتبار سے ابتدا کی خبر ہے، مرفوع ہے بھئی۔

فَإِنْ قُلْتَ، اگر آپ یہ کہیں، اب دیکھو ذرا اس پہلی مثال پر آؤ، پہلی مثال کیا تھی؟ لَا أَحَدَ فِيهَا إِلَّا عَمْرٌو۔ اس وقت یہ أَحَدَ مبنی علی الفتح ہے، مبنی علی الفتح ہے اور اسی طرح یہ جو لَا ہے یہ نصب دیتا ہے اپنے اسم کو، یہ اپنے اسم کو نصب دیتا ہے لیکن بعض صورتوں میں اس کا اسم مبنی ہوتا ہے جیسے اس وقت ہے لَا أَحَدَ، یہ أَحَدَ مبنی علی الفتح ہے۔ تو لَا کیا کرتا ہے؟ بعض صورتوں میں اپنے اسم کو نصب دیتا ہے اور کبھی کبھی اس کا اسم مبنی علی الفتح ہوتا ہے، یہ ابھی آگے بحث آنے

والی ہے چند صفحوں کے بعد۔ مبنی علی الفتح اس کا اسم کب ہو گا؟ تین شرطیں ہیں اس کے اندر: جب وہ نکرہ ہو، دیکھو لَا أَحَدَ یہ أَحَدَ بھی نکرہ ہے؛ دوسری شرط اس کے ساتھ ملا ہوا ہو، لَا أَحَدَ دیکھو لَا کے ساتھ أَحَدَ کا لفظ ملا ہوا ہے درمیان میں کوئی اور لفظ نہیں؛ اور تیسری شرط یہ ہے کہ وہ جو لفظ ہے وہ مضاف یا مشابہ مضاف نہ ہو، اور أَحَدَ بھی نہ مضاف ہے اور نہ مشابہ مضاف، تو تینوں شرطیں پوری۔ تو لَا کا اسم جب نکرہ ہو، ساتھ ملا ہوا ہو اور مضاف یا مشابہ مضاف نہ ہو تو وہ مبنی ہوتا ہے علی الفتح، اسی لیے لَا أَحَدَ مبنی ہے۔ توجہ ہے؟ تینوں شرطیں پوری ہیں۔

اور اگر ان میں سے آخری شرط ختم کر دیں تو پھر اس پر نصب آئے گا۔ جیسے دیکھو لَا غُلَامَ رَجُلٍ فِي الدَّارِ، لَا غُلَامَ رَجُلٍ، یہ غُلَامَ رَجُلٍ، یہ غُلَامَ پر نصب ہے، یہ کس نے دیا؟ یہ لَا نے دیا۔ تو لائے نفی جنس کا یہ غُلَامَ رَجُلٍ، یہ لائے نفی جنس کا اسم ہے اور فِيهَا یہ کیا ہے اس کی خبر، اور یہ دیکھو اس کا اسم منصوب ہے، اور اس کے اندر دیکھو وہ تیسری شرط نہیں ہے، غُلَامَ رَجُلٍ یہ نکرہ ہے کیونکہ غلام کی اضافت رَجُلٍ کی طرف ہوئی اور رَجُلٍ بھی نکرہ ہے، اور نکرہ کی طرف کسی لفظ کی اضافت ہو جائے وہ پھر بھی نکرہ ہی رہتا ہے معرفہ نہیں بنتا، تو غُلَامَ رَجُلٍ اضافت کے باوجود ابھی بھی نکرہ ہے، پہلی شرط پوری۔ دوسری شرط کیا؟ کہ ساتھ جڑا ہوا ہو، اور لَا غُلَامَ رَجُلٍ دیکھو غُلَامَ رَجُلٍ بھی لَا کے ساتھ جڑا ہوا ہے درمیان میں کوئی اور لفظ نہیں۔ اور تیسری شرط کیا تھی؟ مضاف یا مشابہ مضاف نہ ہو، لیکن یہ تو مضاف ہو رہا ہے، غلام کا لفظ رَجُلٍ کی طرف مضاف ہو رہا ہے، تو تیسری شرط پوری نہیں۔ اگر تینوں پوری ہوتیں تو یہ مبنی علی الفتح ہوتا، لیکن اگر تیسری شرط پوری نہ ہو پھر یہ منصوب ہوتا ہے، کیا ہوتا ہے؟ معلوم ہوا لائے نفی جنس کا اسم بعض صورتوں میں منصوب ہوتا ہے۔

تو یوں کہیں گے ادھر دیکھو، لَا أَحَدَ فِيهَا، یہ أَحَدَ ترکیب کیسے ہو گی؟ لَا لائے نفی جنس، أَحَدَ مبنی ہے مبنی علی الفتح، اور مبنی کا اعراب کیسے بتاتے ہیں؟ محلاً، تو یہ منصوب ہے محلاً، مبنی علی الفتح ہے لیکن محلاً منصوب ہے کیونکہ لائے نفی جنس کا اسم کیا ہوتا ہے؟ منصوب ہوتا ہے، ابھی بتایا لَا غُلَامَ رَجُلٍ فِيهَا، غُلَامَ رَجُلٍ منصوب ہے، تو یہ لائے نفی جنس کا اسم کیا ہوتا ہے؟ منصوب۔ تو لَا أَحَدَ فِيهَا، أَحَدَ مبنی علی الفتح ہے منصوب محلاً لائے نفی جنس کا اسم، اور فِيهَا اس کی خبر ہے ثَابِتٌ سے مل کر۔ صورت سمجھ میں آ گئی؟

تو اشکال یہ ہوتا ہے آپ نے کیا کہا؟ ادھر دیکھیے: لَا أَحَدَ فِيهَا إِلَّا عَمْرٌو۔ یہ عمر کا حمل کس پر کیا؟ عَمْرٌو پر رفع پڑھا، أَحَدَ کے لفظوں پر حمل نہیں کیا۔ توجہ ہے؟ آپ نے عَمْرٌو پڑھا۔ بھئی کہتے ہیں آپ عَمْرًا بھی تو پڑھ سکتے تھے اس طرح کہ یہ لائے نفی جنس کا اسم جو ہے أَحَدَ اس کا یہ محلاً، ابھی میں نے بتایا یہ کیا ہے؟ محلاً منصوب ہے۔ أَحَدَ اس وقت کیا ہے؟ مبنی علی الفتح، اور مبنی کا اعراب کیسے بتاتے ہیں؟ محلاً، تو یہ محلاً منصوب ہے۔ تو گویا اس کے دو محل ہیں اس أَحَدَ کے: محلِ قریب یہ ہے کہ یہ منصوب ہے لَا کی وجہ سے، اور محلِ بعید یہ ہے کہ یہ مرفوع ہے بتدا ہے۔ توجہ ہے؟ گویا اس أَحَدَ کے کتنے

محل ہو گئے؟ دو: ایک محلِ قریب، ایک محلِ بعید۔ محلِ قریب کیا؟ یہ منصوب ہے کس کی وجہ سے؟ لَا کی وجہ سے، لَا کا اسم ہے، لَا کا اسم منصوب ہوتا ہے۔ اور یہ مرفوع ہے کس وجہ سے؟ بتدا ہونے کی وجہ سے، اور وہ محلِ بعید ہے۔

تو آپ نے توجہ سے سنو، اب وہ مثال کیا تھی؟ لَا أَحَدَ فِيهَا إِلَّا عَمْرٌو۔ آپ نے عمر پر کیا پڑھا؟ رفع، کس پر حمل کیا؟ أَحَدَ کے محل پر، اور کون سے محل پر؟ محلِ بعید پر عمل کر لیا۔ أَحَدَ کا محلِ قریب کیا ہے؟ نصب، آپ نے نصب نہیں پڑھا بلکہ إِلَّا عَمْرٌو پڑھا اس پر رفع پڑھا، تو آپ نے رفع پڑھا، آپ نے أَحَدَ کے محلِ بعید پر حمل کر لیا کہ یہ بتدا ہونے کی بنا پر مرفوع ہے، اور محلِ قریب پر حمل نہیں کیا حالانکہ وہ اس کی وجہ سے نصب تھا تو لَا أَحَدَ فِيهَا إِلَّا عَمْرًا پڑھنا چاہیے تھا آپ کو۔ تو صاحبِ جامی بتائیں گے اگر آپ عَمْرًا پڑھیں گے تو بھی عامل کس کو ماننا پڑے گا؟ لَا کو، کس کے اندر؟ عَمْرًا کے اندر، إِلَّا کے بعد جا کر عَمْرًا میں اس کو عامل ماننا پڑے گا، اور لَا تو إِلَّا کے بعد جا کر عمل نہیں کر سکتا کیونکہ اس کی نفی إِلَّا کی وجہ سے ٹوٹ چکی ہے۔ اس لیے ہم نے اس کے محلِ قریب پر حمل نہیں کیا بلکہ محلِ بعید پر حمل کیا۔ وجہ سمجھ میں آ گئی؟

فَإِنْ قُلْتَ، اب دیکھو یہی اعتراض جواب کی صورت میں ذکر کریں گے صاحبِ جامی۔ فَإِنْ قُلْتَ اگر آپ یہ کہیں یعنی اگر آپ یہ اعتراض کریں: لِ«أَحَدَ» فِي هَذَا الْمِثَالِ مَحَلَّانِ مِنَ الْإِعْرَابِ، کہ أَحَدَ کے لفظ کے لیے اس مثال کے اندر دو محل ہیں اعراب میں سے: مَحَلٌّ قَرِيبٌ ایک محلِ قریب ہے، وَهُوَ نَصْبُهُ بِكَلِمَةِ لَا اور وہ اس کا نصب ہے کلمہ لَا کی وجہ سے یعنی لَا نے اس کو نصب دیا ہے؛ وَمَحَلٌّ بَعِيدٌ اور ایک محلِ بعید ہے، وَهُوَ رَفْعُهُ بِالِابْتِدَاءِ اور وہ اس کا رفع ہے ابتدا کی وجہ سے۔ فَلِمَ اعْتَبَرُوا حَمْلَهُ عَلَى مَحَلِّهِ الْبَعِيدِ لَا الْقَرِيبِ؟ تو پھر کیوں اعتبار کیا نحویوں نے کہ اس کو محمول کیا ہے اس کے محلِ بعید پر، لَا الْقَرِيبِ نہ کہ قریب والے محل پر؟

قُلْتُ، تو میں کہتا ہوں۔ اب جواب دے رہے ہیں، کہتے ہیں: لِأَنَّ مَحَلَّهُ الْقَرِيبَ إِنَّمَا هُوَ لِعَمَلِ لَا فِيهِ بِمَعْنَى النَّفْيِ، اس لیے کیونکہ اس کا جو محلِ قریب ہے وہ لَا کے عمل کی وجہ سے ہے اس کے اندر نفی کے معنی کے ساتھ۔ پھر سنو ترجمہ: لِأَنَّ مَحَلَّهُ الْقَرِيبَ اس لیے کیونکہ اس کا جو محلِ قریب ہے یہ جو أَحَدَ کا ہے، إِنَّمَا هُوَ لِعَمَلِ لَا فِيهِ وہ اس کے اندر لَا کے عمل کی وجہ سے ہے بِمَعْنَى النَّفْيِ کس معنی میں؟ نفی کے معنی میں یعنی نفی کے معنی کے ساتھ وہ اس کے اندر عمل کر رہا ہے۔ وَقَدِ انْتَقَضَ بِ«إِلَّا»، اور تحقیق وہ نفی تو إِلَّا کی وجہ سے ٹوٹ گئی ہے۔ بِخِلَافِ مَحَلِّهِ الْبَعِيدِ، بخلاف اس أَحَدَ کے محلِ بعید کے، فَإِنَّهُ لَا دَخْلَ لِعَمَلِ لَا فِيهِ اس میں لَا کے عمل کا کوئی دخل نہیں، وہ تو ابتدا کی وجہ سے رفع ہے۔ بات سمجھ میں آ گئی؟

جی، آگے دیکھیے بھئی۔ پہلے متن متن دیکھ لیجیے، کہتے ہیں: بِخِلَافِ لَيْسَ زَيْدٌ شَيْئًا إِلَّا شَيْئًا۔ اب وہی مثال ذکر کر دی لیکن اب مَا کی جگہ لَيْسَ لے آئے۔ پہلے کیا تھا؟ مَا زَيْدٌ شَيْئًا إِلَّا شَيْءٌ، إِلَّا سے پہلے تھا شَيْئًا اور إِلَّا کے بعد تھا شَيْءٌ، لیکن اب لَيْسَ لائے تو دونوں جگہ شَيْئًا آ گیا: لَيْسَ زَيْدٌ شَيْئًا إِلَّا شَيْئًا۔ تو یہاں پر دیکھو یہ جو إِلَّا شَيْئًا ہے یہ بدل ہے ماقبل کے شَيْئًا سے، اور اس کے لفظوں پر حمل کرتے ہوئے آپ نے بدل بنایا ہے، ماقبل والا شَيْئًا کیا ہے؟ منصوب ہے، اگلا شَيْئًا بھی کیا

ہے؟ منصوب، تو معلوم ہوا آپ نے اس کے لفظوں پر حمل کر کے بنایا ہے۔ حالانکہ اس مثال کے اندر بھی لَیْسَ آیا ہے اور لَیْسَ کس لیے آتا ہے؟ نفی کے لیے آتا ہے، اور إِلَّا کی وجہ سے وہ نفی ٹوٹ چکی ہے۔ میں نے بتایا تھا نا کہ إِلَّا سے ماقبل نفی ہو تو مابعد میں کیا ہوتا ہے؟ اثبات۔ تو یہ ماقبل میں لَیْسَ آیا وہ نفی کا فائدہ دے رہا ہے، إِلَّا نے نفی توڑ دی، ماقبل میں نفی ہے اور مابعد میں اثبات ہے، تو لَیْسَ کی نفی ٹوٹ گئی لیکن پھر بھی آپ نے کیا کیا؟ بدل کو ماقبل مستثنیٰ منہ کے لفظوں پر حمل کرتے ہوئے اس کو بھی بدل بنایا، گویا آپ نے لَیْسَ کو إِلَّا کے بعد عامل جا کر بنا دیا حالانکہ لَیْسَ کی نفی تو إِلَّا کی وجہ سے ٹوٹ چکی ہے۔

تو جواب دیں گے نہیں بھئی یہ مثال صحیح ہے، وجہ یہ ہے کہ لَیْسَ نفی کی وجہ سے عمل نہیں کرتا بلکہ لَیْسَ افعالِ ناقصہ میں سے ہے، یہ فعل ہے، یہ فعل ہونے کی وجہ سے عمل کر رہا ہے اور فعل تو إِلَّا کے بعد بھی عمل کر لیتا ہے، لہٰذا اب یہاں بے شک إِلَّا کی وجہ سے لَیْسَ کی نفی ٹوٹ گئی ہے لیکن لَیْسَ کس لیے عمل کر رہا تھا؟ نفی کی وجہ سے یا فعل ہونے کی وجہ سے؟ پھر سنو، لَیْسَ نفی کا فائدہ دیتا ہے لیکن یہ جو لَیْسَ عمل کرتا ہے وہ نفی کی وجہ سے نہیں کرتا بلکہ فعل ہونے کی وجہ سے عمل کر رہا ہے، تو إِلَّا کی وجہ سے بے شک لَیْسَ کی نفی تو ٹوٹ گئی لیکن فعل ہونا تو ابھی بھی باقی ہے لہٰذا یہ إِلَّا کے بعد جا کر بھی عمل کرے گا۔ لہٰذا لَیْسَ زَیْدٌ شَیْئًا إِلَّا شَیْئًا کہنا صحیح ہے بھئی۔ بات سمجھ میں آ گئی؟

اب ذرا متن متن پہلے دیکھ لیجیے: بِخِلَافِ لَیْسَ زَیْدٌ شَیْئًا إِلَّا شَیْئًا، یعنی بخلاف اس مثال کے کہ اس میں لفظوں پر حمل جائز ہے۔ لِأَنَّهَا عَمِلَتْ لِلْفِعْلِیَّةِ، اس لیے کیونکہ لَیْسَ نے فعل ہونے کی وجہ سے عمل کیا ہے، فَلَا أَثَرَ لِنَقْضِ النَّفْيِ تو لہٰذا نفی کے توڑنے کا کوئی اثر نہیں ہو گا، نفی ٹوٹ بھی گئی لیکن یہ پھر بھی إِلَّا کے بعد جا کر کیا کرے گا؟ عمل۔ تو فَلَا أَثَرَ لِنَقْضِ النَّفْيِ تو لہٰذا نفی کے ٹوٹنے کا کوئی اثر نہیں ہو گا لِبَقَاءِ الْأَمْرِ اس وجہ سے کہ وہ چیز ابھی بھی باقی ہے، لِبَقَاءِ الْأَمْرِ وہ چیز ابھی بھی باقی ہے، کون سی چیز؟ الْعَامِلَةِ هِيَ لِأَجْلِهِ، کہ الْعَامِلَةِ عمل کرنے والا ہے هِيَ یعنی لَیْسَ لِأَجْلِهِ اس کی وجہ سے۔ وہ چیز ابھی بھی باقی ہے الْعَامِلَةِ هِيَ لِأَجْلِهِ کہ جس کی وجہ سے لَیْسَ عمل کر رہا ہے، اور لَیْسَ کس وجہ سے عمل کر رہا تھا؟ فعل ہونے کی وجہ سے عمل کر رہا تھا، فعل ہونا تو ابھی بھی باقی ہے۔ عبارت سمجھ میں آئی؟ پھر دیکھو عبارت، کہتے ہیں فَلَا أَثَرَ لِنَقْضِ النَّفْيِ نفی کے توڑنے کا کوئی اثر نہیں ہو گا لِبَقَاءِ الْأَمْرِ الْعَامِلَةِ هِيَ لِأَجْلِهِ، الْعَامِلَةِ پڑھیں یہ الْأَمْرِ کی صفت ہے، لِبَقَاءِ الْأَمْرِ الْعَامِلَةِ هِيَ لِأَجْلِهِ اس لیے کیونکہ وہ چیز ابھی بھی باقی ہے جس کی وجہ سے لَیْسَ عمل کر رہا تھا، وہ چیز ابھی بھی باقی ہے جس کی وجہ سے لَیْسَ عمل کر رہا تھا، اور لَیْسَ کس وجہ سے عمل کر رہا تھا؟ فعل ہونے کی وجہ سے، وہ ابھی بھی باقی ہے۔

آگے دیکھیے متن متن: وَمِنْ ثَمَّ، اور اسی وجہ سے جَازَ یہ صورت جائز ہے: لَیْسَ زَیْدٌ إِلَّا قَائِمًا۔ لَیْسَ زَیْدٌ إِلَّا قَائِمًا، دیکھو اس کے اندر لَیْسَ کی خبر إِلَّا کے بعد آ رہی ہے لیکن لَیْسَ نفی کی وجہ سے عمل نہیں کرتا فعل ہونے کی وجہ سے عمل کرتا ہے اس لیے لَیْسَ إِلَّا کے بعد بھی اپنی خبر میں عمل کر رہا ہے اور اس کو نصب دے رہا ہے۔ یہ مثال تو جائز ہے۔ لیکن وَامْتَنَعَ، یہ

مثال ممتنع ہے: مَا زَيْدٌ إِلَّا قَائِمًا۔ مَا زَيْدٌ إِلَّا قَائِمًا، یہ مَا مشابہ بِ«لَيْسَ» ہے اور آپ اس کی خبر إِلَّا کے بعد لے آئے، اور یہ مَا مشابہ بِ«لَيْسَ» تو عمل کرتا ہے نفی کی وجہ سے اور إِلَّا کی وجہ سے نفی ٹوٹ گئی ہے، اور پھر بھی آپ اس کو إِلَّا کے بعد عامل بنا رہے ہیں، لہٰذا یہ صحیح نہیں یہ مثال ممتنع ہے۔ توجہ ہے؟ لہٰذا اگر آپ کو کوئی کہے مَا زَيْدٌ إِلَّا قَائِمًا اس کی ترکیب کریں تو آپ کہیں گے عربی اعتبار سے یہ کلام ہی جائز نہیں ہے تو اس کی ترکیب بھی نہیں کی جا سکتی۔ بات سمجھ میں آگئی؟

اب اس سارے کو شرح کے ساتھ دیکھیں۔ کہتے ہیں: بِخِلَافِ لَيْسَ زَيْدٌ شَيْئًا إِلَّا شَيْئًا، مَعَ أَنَّهُ انْتَقَضَ النَّفْيُ فِيهِ أَيْضًا بِ«إِلَّا»، باوجود اس کے کہ اس کے اندر بھی نفی ٹوٹ چکی ہے إِلَّا کی وجہ سے۔ لِأَنَّهَا أَيْ لَيْسَ، لِأَنَّهَا ہا ضمیر کا مرجع بتلا دیا أَيْ لَيْسَ کہ ہا ضمیر کس کو راجع ہے؟ لَيْسَ کو راجع ہے، اور لَيْسَ کیا ہے؟ کلمہ ہے، تو کلمہ کی تاویل میں مؤنث کی ضمیر اس کی طرف راجع کر دی۔ لِأَنَّهَا أَيْ لَيْسَ یعنی لَيْسَ جو ہے عَمِلَتْ لِلْفِعْلِيَّةِ لَا لِلنَّفْيِ، یہ فعل ہونے کی وجہ سے عمل کرتا ہے نفی کی وجہ سے نہیں۔ فَلَا

أَثَرَ لِنَقْضِ مَعْنَى النَّفْيِ فِي عَمَلِهَا، تو کوئی اثر نہیں ہو گا نفی کے معنی کے ٹوٹنے کا فِي عَمَلِهَا اس کے عمل میں، لِبَقَاءِ الْأَمْرِ الْعَامِلَةِ هِيَ، اس وجہ سے کہ وہ چیز ابھی بھی باقی ہے الْعَامِلَةِ هِيَ أَيْ لَيْسَ لِأَجْلِهِ کہ جس کی وجہ سے لَيْسَ عمل کر رہا ہے۔ الْعَامِلَةِ هِيَ، هِيَ ضمیر کا مرجع بتلایا أَيْ لَيْسَ، هِيَ ضمیر کس کو راجع ہے؟ لَيْسَ کو، کس تاویل میں؟ لَيْسَ کلمہ ہے اور کلمہ کے آخر میں کیا ہے؟ گول تا، تو لہٰذا کلمہ کی تاویل میں لَيْسَ کو مؤنث کی ضمیر لوٹا دی کہ یہ ایک کلمہ ہے۔ کلمہ کسے کہتے ہیں؟ بامعنی لفظ، شاباش۔

تو کہتے ہیں: لِبَقَاءِ الْأَمْرِ الْعَامِلَةِ هِيَ أَيْ لَيْسَ لِأَجْلِهِ، اس وجہ سے کہ وہ امر یا وہ چیز ابھی بھی باقی ہے جس کی وجہ سے لَيْسَ عمل کر رہا تھا، أَيْ لِأَجْلِ ذَلِكَ الْأَمْرِ۔ متن میں آیا لِأَجْلِهِ، صاحبِ جامی بتلا رہے ہیں أَيْ لِأَجْلِ ذَلِكَ الْأَمْرِ، ہا ضمیر کا مرجع بتلا رہے ہیں کہ یہ امر کو راجع ہے بھئی، تو یعنی اس امر کی وجہ سے یہ عمل کر رہا ہے، وَهُوَ الْفِعْلِيَّةُ اور وہ اس کا فعل ہونا ہے۔

وَمِنْ ثَمَّ، اور اسی وجہ سے أَيْ وَمِنْ أَجْلِ أَنَّ عَمَلَ لَيْسَ لِلْفِعْلِيَّةِ لَا لِلنَّفْيِ، اور اس وجہ سے کہ لَيْسَ کا عمل فعل ہونے کی وجہ سے ہے نفی کی وجہ سے نہیں ہے، وَعَمَلَ مَا وَلَا بِالْعَكْسِ اور اسی وجہ سے کہ مَا اور لَا کا عمل جو ہے وہ بالعکس ہے یعنی ان کا عمل نفی کی وجہ سے ہے فعل ہونے کی وجہ سے نہیں، تو جَازَ لَيْسَ زَيْدٌ إِلَّا قَائِمًا یہ مثال جائز ہے، بِإِعْمَالِ لَيْسَ فِي قَائِمًا بایں صورت کہ عمل دیا جائے لَيْسَ کو قَائِمًا کے اندر۔ قَائِمًا إِلَّا کے بعد ہے لیکن پھر بھی اس میں لَيْسَ کیا کر رہا ہے؟ عمل کر رہا ہے۔ بِإِعْمَالِ لَيْسَ فِي قَائِمًا بایں طور کہ لَيْسَ کو عمل دیا جائے قَائِمًا کے اندر، وَإِنِ انْتَقَضَ نَفْيُهَا بِ«إِلَّا» باوجود اس کے کہ لَيْسَ کی نفی ٹوٹ چکی ہے إِلَّا کی وجہ سے، لِبَقَاءِ فِعْلِيَّتِهَا اس لیے کیونکہ اس کا فعل ہونا باقی ہے۔

وَامْتَنَعَ مَا زَيْدٌ إِلَّا قَائِمًا، اور یہ مَا زَيْدٌ إِلَّا قَائِمًا یہ مثال ممتنع ہے، یہ جائز نہیں ہے، بِإِعْمَالِ مَا فِي قَائِمًا بوجہ عمل دینے مَا کو قَائِمًا کے اندر، کہ اس وجہ سے جائز نہیں کہ اس میں مَا کو عمل دیا گیا ہے کس کے اندر؟ قَائِمًا میں، یہ مثال جائز نہیں۔ لِأَنَّ عَمَلَهَا فِيهِ إِنَّمَا هُوَ لِلنَّفْيِ، اس لیے کیونکہ مَا کا جو عمل ہے کس کے اندر؟ فِيهِ اس قَائِمًا کے اندر، وہ صرف نفی کی وجہ

سے ہے۔ اس کا عمل، لِأَنَّ عَمَلَهَا فِيهِ إِنَّمَا هُوَ لِلنَّفْيِ اس لیے کیونکہ اس کے اندر مَا کا جو عمل ہے وہ صرف نفی کی وجہ سے ہے، وَقَدِ انْتَقَضَ النَّفْيُ بِـ«إِلَّا» اور تحقیق وہ نفی تو إِلَّا کی وجہ سے ٹوٹ چکی ہے، لہٰذا یہ مَا جو ہے إِلَّا کے بعد قَائِمًا کو نصب نہیں دے سکتا تو یہ مثال جائز نہیں۔

بات سمجھ میں آگئی؟ حل ہو گیا؟ چلیے بس بھئی، هَذَا هُوَ الْمَرَامُ، وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْكَلَامِ۔

سبق نمبر ۱۶۵: المستثنیٰ (۱۲): «غَیْرٌ»، «سِوًی»، «سَوَاءٌ» اور «حَاشَا» کے بعد مستثنیٰ کا مجرور ہونا

شرحِ ملا جامی صفحہ: ۱۴۹ — بتاریخ: ۲۹ جون ۲۰۲۲ء

▪ تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث

آگے سبق دیکھیے بھائی: وَالْمُسْتَثْنٰی مَخْفُوْضٌ أَيْ مَجْرُوْرٌ بَعْدَ غَيْرٍ وَسِوًى مَعَ كَسْرِ السِّيْنِ أَوْ ضَمِّهَا مَعَ الْقَصْرِ، وَسَوَاءٍ بِفَتْحِ السِّيْنِ أَوْ كَسْرِهَا مَعَ الْمَدِّ لِكَوْنِهِ مُضَافًا إِلَيْهِ، وَبَعْدَ حَاشَا فِي الْأَكْثَرِ لِكَوْنِهَا حَرْفَ جَرٍّ فِيْ أَكْثَرِ اسْتِعْمَالَاتِهِمْ، وَأَجَازَ بَعْضُهُمُ النَّصْبَ بِهَا.

مُسْتَثْنٰی کی بحث چل رہی ہے بھائی۔ اور گزشتہ سبق میں صاحبِ جامی اور صاحبِ کافیہ نے آپ کو بتلایا تھا کہ وہ صورت جس میں مُسْتَثْنٰی کو بَدَل بنانا بھی جائز تھا اور اس پر نَصْب پڑھنا بھی جائز تھا۔ اور وہ کون سا مقام تھا؟ جس میں مُسْتَثْنٰی إِلَّا کے بعد واقع ہو اور کلام غَيْرِ مُوْجَب ہو اور مُسْتَثْنٰی مِنْهُ مذکور ہو تو وہاں مُسْتَثْنٰی پر نَصْب پڑھنا بھی جائز ہے بنابر اِسْتِثْنَاء کے اور مُسْتَثْنٰی مِنْهُ سے اس کو بَدَل بنانا بھی جائز، اور بَدَل پر وہی اِعْرَاب آتا ہے جو مُبْدَل مِنْهُ پر ہوتا ہے۔ اور پھر اس میں نَصْب اور بَدَل میں سے مختار جو تھا وہ بَدَل ہے کہ اس پر کون سا اِعْرَاب پڑھا جائے؟ بَدَل والا، اس کو بَدَل بنایا جائے۔

تو پھر صاحبِ کافیہ نے آپ کو بتلایا تھا کہ بعض اوقات لفظوں پر حمل کرتے ہوئے بَدَل بنانا ممکن نہیں ہوتا، تو پھر مَحَل پر حمل کرتے ہوئے بَدَل بنائیں گے۔ یعنی مُسْتَثْنٰی مِنْهُ کے لفظوں پر جو اِعْرَاب ہے، اس اعتبار سے بَدَل نہیں بنا سکتے، لیکن مَحَل کے اعتبار سے جو اِعْرَاب ہے اس اعتبار سے بَدَل بنا سکتے ہیں۔ اور اس کی دو تین مثالیں بھی ذکر کی تھیں۔ مثلاً مَا جَاءَنِيْ مِنْ أَحَدٍ إِلَّا زَيْدٌ، یہاں أَحَدٍ مجرور ہے لیکن اس کے لفظوں پر حمل کرتے ہوئے إِلَّا زَيْدٍ ہم نہیں پڑھ سکتے، ورنہ تو لازم آئے گا کہ آپ نے مِنْ کو عامل بنا لیا کلامِ مُثْبَت میں، حالانکہ مِنْ جو ہے وہ کلامِ مُثْبَت میں بالاتفاق نہ آتا ہے اور نہ عمل کرتا ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو لہٰذا پھر مَحَل پر حمل کریں گے اور مَحَل کے اعتبار سے تو أَحَدٌ مرفوع ہے تو زَيْدٌ یعنی بَدَل پر بھی کیا پڑھیں گے؟ رفع۔

اسی طرح دوسری مثال تھی لَا أَحَدَ فِيْهَا إِلَّا عَمْرٌو۔ یہاں پر بھی عَمْرٌو جو ہے أَحَدٌ سے بَدَل ہے، اور یہاں پر عَمْرٌو کو أَحَدٌ کے مَحَل پر حمل کرتے ہوئے بَدَل بنائیں گے۔ اس کے لفظوں پر حمل کرتے ہوئے بَدَل نہیں بنا سکتے، اس لیے کیونکہ یہ جو لَا ہے یہ نفی کی وجہ سے عمل کرتا ہے اور إِلَّا کی وجہ سے اس کی نفی ٹوٹ چکی ہے، تو اگر آپ عَمْرٌو کو بَدَل بنائیں أَحَدٌ کے لفظوں پر حمل کرتے ہوئے تو پھر تو گویا آپ نے لَا کو إِلَّا کے بعد جا کر عامل بنا دیا، حالانکہ لَا تو إِلَّا کے بعد جا کر عمل نہیں کر سکتا کیونکہ إِلَّا کی وجہ سے اس کی نفی ٹوٹ گئی ہے۔

اسی طرح مَا زَيْدٌ شَيْئًا إِلَّا شَيْءٌ، اس کے اندر بھی شَيْءٌ کو ماقبل والے شَيْئًا کے مَحَل پر حمل کرتے ہوئے بَدَل بنائیں گے۔ وجہ یہ کہ ماقبل میں شَيْئًا منصوب ہے، یہ مَا مُشَابِہ بِلَيْسَ کی خبر ہے، تو اگر اس پر حمل کرتے ہوئے یہاں إِلَّا شَيْئًا یہاں بھی نَصْب پڑھیں تو اس کا تو مطلب ہے آپ نے مَا کو عامل بنا دیا کہاں پر؟ إِلَّا کے بعد، حالانکہ مَا إِلَّا کے بعد عمل نہیں کر سکتا، وجہ یہ کہ مَا عمل کرتا ہے نفی کی وجہ سے اور وہ نفی إِلَّا کی وجہ سے ٹوٹ چکی ہے، تو یہاں پر بھی مُسْتَثْنٰی کو مُسْتَثْنٰی مِنْہُ کے لفظوں پر حمل کرتے ہوئے اس پر نَصْب نہیں پڑھ سکتے، تو پھر رفع پڑھیں گے اس شَيْئًا کے مَحَل پر حمل کرتے ہوئے، اور شَيْئًا جو مَا کی خبر ہے وہ مَحَل کے اعتبار سے مرفوع ہے کیونکہ بتدا کی خبر ہے، کیونکہ آپ نے پڑھا ہے کہ یہ مَا اور لَا بتدا اور خبر پر داخل ہوتے ہیں۔ تو شَيْئًا اس وقت تو منصوب ہے لیکن مَحَلًّا مرفوع ہے، بتدا کی خبر ہے۔

اور پھر انہوں نے بتایا تھا کہ مَا زَيْدٌ شَيْئًا إِلَّا شَيْءٌ، یہاں تو مُسْتَثْنٰی إِلَّا شَيْءٌ پر رفع ہی پڑھیں گے، نَصْب نہیں پڑھ سکتے، کیونکہ مَا کی نفی ٹوٹ چکی ہے، اور اگر آپ شَيْئًا پڑھیں گے تو گویا آپ نے مَا کو إِلَّا کے بعد عامل بنا دیا، حالانکہ وہ إِلَّا کے بعد عامل نہیں بن سکتا۔ لیکن اگر لَيْسَ ہوتا مَا کی جگہ پھر آپ نَصْب پڑھ سکتے ہیں، لَيْسَ زَيْدٌ شَيْئًا إِلَّا شَيْئًا، اب یہ شَيْئًا ثانی جو ہے ماقبل والے شَيْئًا سے بَدَل ہے لفظوں پر حمل کرتے ہوئے، وہ لفظوں میں منصوب تو مُسْتَثْنٰی جو بَدَل ہے اس کو بھی منصوب پڑھا۔ اس پر اشکال ہوتا ہے کہ بھئی درمیان میں إِلَّا آیا ہے، لَيْسَ زَيْدٌ شَيْئًا إِلَّا شَيْئًا، تو یہ إِلَّا نے تو لَيْسَ کی نفی توڑ دی ہے تو پھر یہ کیسے عمل کر رہا ہے إِلَّا کے بعد جا کر؟ تو صاحبِ کافیہ اور صاحبِ جامی نے آپ کو بتلایا کہ یہ جو لَيْسَ ہے یہ نفی کی وجہ سے عمل نہیں کرتا، مَا اور لَا تو نفی کی وجہ سے عمل کرتے ہیں لیکن لَيْسَ افعالِ ناقصہ میں سے ہے، تو یہ نفی کی وجہ سے عمل نہیں کرتا بلکہ فعل ہونے کی وجہ سے عمل کرتا ہے۔ تو إِلَّا نے بے شک اس کی نفی توڑ دی لیکن فعل ہونا تو ابھی بھی باقی ہے، لہٰذا یہ مابعد میں بھی جا کر عمل کرے گا۔ صورت سمجھ میں آ گئی؟

چنانچہ اسی لیے پھر فرمایا تھا کہ چونکہ لَيْسَ اپنے فعل ہونے کی وجہ سے عمل کرتا ہے اس لیے یہ مثال جائز ہے لَيْسَ زَيْدٌ إِلَّا قَائِمًا۔ لَيْسَ زَيْدٌ إِلَّا قَائِمًا۔ اب جو مُسْتَثْنٰی ہے اب ہم اس کو بَدَل نہیں بنا رہے بلکہ وہ براہِ راست لَيْسَ کی خبر بن رہا ہے، یعنی لَيْسَ کی خبر إِلَّا کے بعد آ گئی ہے لیکن پھر بھی لَيْسَ اس کے اندر عمل کر رہا ہے اور نَصْب دے رہا ہے، کیونکہ لَيْسَ جو ہے نفی کی وجہ سے عمل نہیں کرتا بلکہ فعل ہونے کی وجہ سے عمل کرتا ہے اور ابھی بھی یہ فعل ہے اگرچہ إِلَّا سے اس کی نفی

ٹوٹ چکی ہے۔ تو لَیْسَ زَیْدٌ إِلَّا قَائِمًا تو کہہ سکتے ہیں، لیکن مَا زَیْدٌ إِلَّا قَائِمًا نہیں کہہ سکتے کہ مَا کی خبر آپ إِلَّا کے بعد ذکر کر دیں، وجہ یہ کہ إِلَّا نے مَا کی نفی توڑ دی اور مَا عمل ہی کس لیے کر رہا تھا؟ نفی کی وجہ سے، تو اب نفی ٹوٹ گئی تو اب یہ إِلَّا کے بعد جا کر عمل نہیں کر سکتا۔

اب آئیے آج کے سبق پر۔ دیکھیے بھائی! کہتے ہیں وَالْمُسْتَثْنٰی مَخْفُوْضٌ أَيْ مَجْرُوْرٌ بَعْدَ غَيْرٍ وَسِوًی مَعَ كَسْرِ السِّيْنِ أَوْ ضَمِّهَا مَعَ الْقَصْرِ، وَسَوَاءٍ بِفَتْحِ السِّيْنِ أَوْ كَسْرِهَا مَعَ الْمَدِّ لِكَوْنِهِ مُضَافًا إِلَيْهِ، وَبَعْدَ حَاشَا فِي الْأَكْثَرِ۔ اب بتلا رہے ہیں کہ مُسْتَثْنٰی بعض صورتوں میں مجرور ہوتا ہے۔ میں نے شروع میں ایک نقشہ بنوایا تھا اور ذکر کیا تھا کہ اِسْتِثْنَاء کے لیے یہ گیارہ کلمات ذکر کریں گے اور ان گیارہ میں سے، ان گیارہ میں سے إِلَّا کے اندر تفصیل تھی، اور جو خَلَا، عَدَا، مَا خَلَا، مَا عَدَا، لَیْسَ، لَا یَکُوْنُ ان کے بعد مُسْتَثْنٰی منصوب ہوتا ہے، اور غَیْرٌ، سِوًی، سَوَاءٌ اور حَاشَا کے بعد مُسْتَثْنٰی مجرور ہوتا ہے۔ اب وہ بیان آگیا بھائی۔

اور إِلَّا میں کیا تفصیل تھی؟ یہ چیزیں بار بار دہرایا کریں بھائی ذہن میں جم جائیں بالکل۔ اور إِلَّا میں کیا تفصیل تھی؟ کہ إِلَّا جب اِسْتِثْنَاء کے لیے آئے تو سب سے پہلے یہ دیکھیں کہ مُسْتَثْنٰی مُتَّصِل ہے یا مُنْقَطِع، اگر مُنْقَطِع ہو تو مُسْتَثْنٰی منصوب ہو گا۔ اور اگر مُسْتَثْنٰی مُتَّصِل ہو، پھر دیکھو کلامِ مُوْجَب ہے یا غَیْرِ مُوْجَب، کلامِ مُوْجَب کسے کہتے ہیں؟ جس میں نفی، نہی اور اِسْتِفْهَام نہ ہو بھائی، وہ ہے کلامِ مُوْجَب، تو پھر بھی کلامِ مُوْجَب میں آئے مُسْتَثْنٰی اور مُسْتَثْنٰی مُتَّصِل ہے تو بھی منصوب ہو گا۔ اور اگر کلامِ غَیْرِ مُوْجَب ہے تو پھر دیکھیں کہ مُسْتَثْنٰی کہیں مُقَدَّم تو نہیں ہو گیا مُسْتَثْنٰی مِنْهُ پر؟ اگر مُسْتَثْنٰی مُقَدَّم ہے پھر بھی منصوب ہو گا۔ اور اگر مُقَدَّم نہیں ہے تو پھر دیکھیں کہ مُسْتَثْنٰی مِنْهُ مذکور ہے یا مذکور نہیں۔ اگر مُسْتَثْنٰی مِنْهُ مذکور ہے تو پھر نَصْب بھی جائز اور بَدَل بھی جائز اور مختار بَدَل ہے بھائی۔ اور اگر مُسْتَثْنٰی مِنْهُ مذکور نہ ہو تو اس کو مُسْتَثْنٰی مُفَرَّغ کہتے ہیں اور اس کا اِعْرَاب عَلٰی حَسَبِ الْعَوَامِل ہو گا بھائی۔

تو اب وہ مُسْتَثْنٰی کی جو جر والی صورتیں تھیں اب وہ بیان کرنے لگے ہیں۔ دیکھیے بھائی! کہتے ہیں وَالْمُسْتَثْنٰی مَخْفُوْضٌ بلکہ متن متن پہلے دیکھیے۔ کہتے ہیں وَمَخْفُوْضٌ اور مُسْتَثْنٰی مَخْفُوْض ہوتا ہے، مَخْفُوْض کا معنی ہے مجرور بھائی۔ خَفْض، خَفْض، خا، فا اور ضاد، خَفْض جر کو کہتے ہیں جر۔ تو مَخْفُوْض بمعنی مجرور کے۔ تو کہتے ہیں وَمَخْفُوْضٌ مُسْتَثْنٰی کیا ہو گا؟ مجرور ہو گا۔ یہ دیکھو متن میں کیا آیا؟ وَمَخْفُوْضٌ، یہ واو عطف کے لیے آتا ہے آپ جانتے ہیں، تو یہ عطف کس پر ہے؟ بھائی یہ وہ جہاں مُسْتَثْنٰی کی بحث شروع ہوئی تھی وہاں انہوں نے بتلایا تھا آپ کو کہ وَهُوَ مَنْصُوْبٌ، مُسْتَثْنٰی کیا ہو گا؟ منصوب ہو گا وجوباً إِذَا كَانَ بَعْدَ إِلَّا غَيْرَ الصِّفَةِ فِي كَلَامٍ مُوْجَبٍ، تو وہ مَنْصُوْبٌ کے اوپر یہ عطف ہے کہ مُسْتَثْنٰی وہاں تھا مُسْتَثْنٰی منصوب ہوتا ہے، اب بتا رہے ہیں وَهُوَ مَخْفُوْضٌ مُسْتَثْنٰی مجرور ہو گا۔

تو کہتے ہیں وَمَخْفُوْضٌ اور مُسْتَثْنٰی مجرور ہو گا بَعْدَ غَيْرٍ کس کے بعد؟ غَيْرٍ کے بعد وَسِوًی، جی غَيْرٍ بھائی یاد رکھو اس کو

غَیْرٍ پڑھنا بھی صحیح یعنی مُنْصَرِف پڑھیں، کیا پڑھیں؟ مُنْصَرِف پڑھیں، اور آپ چاہیں تو اس کو غَیْرَ مُنْصَرِف بھی پڑھ سکتے ہیں بَعْدَ غَیْرَ، غَیْرَ مُنْصَرِف پر کسرہ بھی نہیں آتا اور تنوین بھی نہیں آتی تو بَعْدَ غَیْرَ، بَعْدَ مُضَاف اور غَیْرَ مُضَافٌ إِلَیْہِ، اور غَیْرَ مُنْصَرِف کا جر فتحہ کے ساتھ آتا ہے تو بَعْدَ غَیْرَ پڑھیں گے۔ صورت سمجھ میں آ رہی ہے؟

اب اس میں مُنْصَرِف پڑھنے کی کیا وجہ اور غَیْرَ مُنْصَرِف پڑھنے کی کیا وجہ؟ دیکھو ویسے تو یہ غَیْرٌ کا لفظ مُنْصَرِف ہے، مُنْصَرِف ہے، اور لیکن یہاں دو سبب آ گئے جس کی وجہ سے آپ غَیْرَ مُنْصَرِف بھی پڑھ سکتے ہیں۔ ایک تو اس میں عَلَمِیَّت آ گئی، غَیْرٌ سے لفظِ غَیْرٌ مراد ہے، اور میں نے آپ کو بتلایا تھا جب بھی لفظ بول کر لفظ کا ارادہ کیا جائے تو وہاں پر وہ عَلَم کے درجے میں ہوتا ہے، یعنی وہ جو عبارتوں میں غَیْرٌ لفظ آتا ہے جگہ جگہ اس کا نام ہی ہم نے کیا رکھ دیا؟ غَیْرٌ رکھ دیا، تو ایک اس میں عَلَمِیَّت آ گئی یہ عَلَم ہے نام ہے۔ اور دوسرا سبب یہ ہے کہ یہ کَلِمَۃٌ کی تاویل میں ہے، یہ کیا ہے غَیْرٌ؟ کَلِمَۃٌ ہے ایک، اور کَلِمَۃٌ کے اس اندر تا تانیث والی موجود ہے، تو یہ عَلَمِیَّت بھی آ گئی اور نیز تانیث بھی آ گئی کَلِمَۃٌ کی تاویل میں، تو یہ کیا ہوا غَیْرُ مُنْصَرِف، تو کیسے پڑھ سکتے ہیں؟ بَعْدَ غَیْرَ۔ جی اور مُنْصَرِف پڑھیں تو پھر کیا صورت ہو گی؟ کہتے ہیں مُنْصَرِف ہونے کی صورت میں ایک عَلَمِیَّت ہے اس کے اندر، صرف ایک عَلَمِیَّت ہے، باقی کَلِمَۃٌ کی تاویل میں نہ لیں کہ یہ کَلِمَۃٌ ہے بلکہ یوں کہیں یہ لَفْظٌ ہے، یہ کیا ہے؟ لَفْظٌ ہے، کَلِمَۃٌ بھی لَفْظٌ ہوتا ہے نا، لیکن اس کا معنی ہوتا ہے، تو لَفْظٌ کی تاویل میں لے لیا، اور لَفْظٌ تو مذکر ہے اس میں تو کوئی تانیث نہیں ہے، تو صرف ایک سبب آیا عَلَمِیَّت، اور ایک سبب کی وجہ سے کوئی لفظ غَیْرُ مُنْصَرِف نہیں بنتا۔ بات سمجھ میں آ گئی؟ معلوم ہوا بَعْدَ غَیْرَ بھی پڑھ سکتے ہیں اور بَعْدَ غَیْرٍ بھی پڑھ سکتے ہیں۔

اور میں نے آپ کو شروع میں بتایا تھا، شروع کے اندر جہاں اسی طرح کتاب کے شروع میں ہم نے پڑھا تھا کہ بَعْدَ غَیْرٍ، وہاں اور لفظ تھا، وہاں میں نے بتایا تھا کہ اور لفظ کوئی ذکر ہوئے تھے اور میں نے بتایا تھا کہ اس کو مُنْصَرِف پڑھنا بھی جائز اور غَیْرَ مُنْصَرِف پڑھنا بھی جائز۔ لیکن یہاں پر یاد رکھو اس کو مُنْصَرِف ہی پڑھیں گے۔ بعض علماء نے وہاں ذکر کیا تھا کہ اگرچہ اس میں دو سبب ہیں، کون سے؟ ایک تانیث ہے اور ایک عَلَمِیَّت ہے، توجہ ہے؟ لیکن وہ بعض علماء فرماتے ہیں کہ نہیں، اگرچہ اس میں دو سبب موجود ہیں پھر بھی اس کو مُنْصَرِف پڑھیں گے۔ بھائی کیوں مُنْصَرِف پڑھیں گے؟ اس میں تو دو سبب موجود ہیں۔ کہتے ہیں مُشَاکَلَت کی وجہ سے۔ کس کی وجہ سے؟ مُشَاکَلَت، ہم شکل ہے، ہم شکل ہے۔ یہ غَیْرٌ اس وقت تو غَیْرِ مُنْصَرِف کے دو اسباب اس میں موجود ہیں، لیکن یہی غَیْرٌ جب عام عربی عبارتوں میں استعمال ہوتا ہے مُنْصَرِف ہوتا ہے یا غَیْرِ مُنْصَرِف؟ وہ مُنْصَرِف ہوتا ہے، وہ مُنْصَرِف ہوتا ہے۔ بات سمجھ میں آ گئی؟ مثلاً میں کہتا ہوں مَرَرْتُ بِرَجُلٍ غَیْرِ زَیْدٍ، مَرَرْتُ بِرَجُلٍ میں ایک ایسے آدمی کے پاس سے گزرا غَیْرِ زَیْدٍ جو زید کے علاوہ تھا۔ تو یہ غَیْرِ کیا ہے؟ صفت ہے رَجُلٍ کی۔ اور اس پر دیکھو کسرہ آ رہا ہے حالانکہ غَیْرِ مُنْصَرِف پر کسرہ اور تنوین نہیں آتے، تو عام کلامِ عرب میں غَیْرٌ کا لفظ مُنْصَرِف استعمال ہوتا ہے، اور یہ غَیْرٌ اس وقت اگرچہ غَیْرِ مُنْصَرِف ہے دو اسباب ہیں لیکن اس کی شکل اس غَیْرٌ کی

طرح ہے اور وہ مُنْصَرِف استعمال ہوتا ہے تو آپ کے لیے بھی واجب ہے، آپ بھی کیا استعمال کریں گے؟ مُنْصَرِف ہی استعمال کریں گے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو بہرحال دونوں مذاہب میں نے ذکر کر دیے، بعض علماء فرماتے ہیں بَعْدَ غَیْرَ بھی پڑھ سکتے ہیں لیکن پسندیدہ یہی معلوم ہوتا ہے بھائی کہ اس کی شکل چونکہ اس غَیْرٌ جیسی ہے اور وہ تو مُنْصَرِف ہوتا ہے تو اس کو بھی مُنْصَرِف پڑھنا واجب ہے بعض علماء نے لکھا بھائی۔ بات سمجھ میں آگئی؟ اور یہ بہترین رائے ہے بھائی کہ اس کو مُنْصَرِف کی صورت ہی میں پڑھنا چاہیے بھائی۔

تو کہتے ہیں وَمَخْفُوْضٌ اور مُسْتَثْنٰی جو ہے مجرور ہو گا بَعْدَ غَیْرٍ غَیْرٌ کے بعد وَسِوًی اور کس کے بعد؟ سِوًی کے بعد۔ سِوًی میں آپ کو بتلائیں گے اس میں سین پر کسرہ بھی پڑھ سکتے ہیں اور سین پر ضمہ بھی، یعنی سِوًی بھی اور سُوًی بھی، اور آخر میں الفِ مقصورہ ہے، الفِ مقصورہ کسے کہتے ہیں؟ عام الف کو، ایک الفِ ممدودہ ہوتا ہے جس میں الف کے بعد ہمزہ آتا ہے اور اس کو لمبا کیا جاتا ہے کھینچا جاتا ہے، اور ایک عام الف ہوتا ہے قَصْر کا معنی مقصور چھوٹا، چھوٹا الف ہے یعنی اس میں مد نہیں کرنا پڑتا۔ تو سِوًی اور سُوًی دونوں طرح یہ پڑھنا صحیح ہے۔ صاحبِ جامی پھر ذکر کریں گے شرح کے اندر ابھی ہم صرف متن پڑھ رہے ہیں بھائی۔ تو کہتے ہیں مُسْتَثْنٰی مجرور ہوتا ہے غَیْرٍ کے بعد اور سِوًی کے بعد وَسَوَاءٍ بھائی۔

سَوَاءٍ، یہ اس میں بھی سین پر کسرہ بھی صحیح اور فتحہ بھی۔ جو الفِ مقصورہ کے ساتھ تھا سِوًی اس میں کسرہ اور ضمہ جائز تھا، سِوًی اور سُوًی۔ اور یہاں الفِ ممدودہ ہے دیکھو الف کے بعد ہمزہ آرہا ہے، یہاں پر فتحہ اور کسرہ دونوں جائز ہیں سِوَاءٍ اور سَوَاءٍ دونوں طرح پڑھ سکتے ہیں۔

وَبَعْدَ حَاشَا فِي الْأَكْثَرِ، اور اسی طرح حَاشَا کے بعد بھی مُسْتَثْنٰی مجرور ہو گا فِي الْأَكْثَرِ اکثر استعمالات میں۔ عربوں کے اکثر استعمالات میں ہم نے کیا دیکھا ہے کہ حَاشَا کے بعد مُسْتَثْنٰی مجرور ہوتا ہے، بعض جگہ نَصْب بھی آیا ہے بعضوں نے نَصْب بھی جائز قرار دیا ہے لیکن اکثر استعمالات میں یہ مجرور آیا ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟

تو کہتے ہیں وَبَعْدَ حَاشَا فِي الْأَكْثَرِ اور حَاشَا کے بعد بھی مجرور ہو گا فِي الْأَكْثَرِ اکثر استعمالات میں۔ یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ وَبَعْدَ حَاشَا کہنے کی کیا ضرورت تھی؟ بَعْدَ کا لفظ تو پہلے بھی ذکر کیا تھا کہ وَمَخْفُوْضٌ بَعْدَ غَیْرٍ وَسِوًی وَسَوَاءٍ وَحَاشَا کہہ دیتے یہ بَعْدَ کا لفظ دوبارہ نہ لاتے کہ مُسْتَثْنٰی مجرور ہو گا کس کے بعد؟ غَیْرٍ کے بعد، سِوًی کے بعد اور سَوَاءٍ کے بعد اور حَاشَا کے بعد۔ تو ایک دفعہ بَعْدَ ذکر کر دیا تھا، تو جواب یہ کہ بَعْدَ کا لفظ دوبارہ اس لیے ذکر کیا کیونکہ آگے فِي الْأَكْثَرِ آرہا ہے، اگر یہ بَعْدَ ذکر نہ کرتے اور یوں کہہ دیتے مُسْتَثْنٰی مجرور ہوتا ہے غَیْرٌ کے بعد، سِوًی کے بعد، سَوَاءٍ کے بعد اور حَاشَا کے بعد فِي الْأَكْثَرِ تو پھر یوں لگتا شاید یہ فِي الْأَكْثَرِ کا تعلق چاروں سے ہے، یعنی ان چاروں کے اندر اکثر استعمال ان کا مُسْتَثْنٰی مجرور ہو گا لیکن کبھی کبھار مجرور نہیں بھی ہو گا، حالانکہ باقی سب میں ہمیشہ مجرور ہی آتا ہے صرف یہ فِي الْأَكْثَرِ کا تعلق حَاشَا سے ہے،

تو اس کی طرف اشارہ کرنے کے لیے حَاشَا سے پہلے کیا لفظ بڑھا دیا؟ وَبَعْدَ حَاشَا۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو مُسْتَثْنیٰ مجرور ہو گا بَعْدَ حَاشَا فِي الْأَكْثَرِ اکثر استعمالات میں۔

آگے بھی تھوڑا متن دیکھ لیجیے: وَإِعْرَابُ غَيْرٍ فِيْهِ اور غَيْرٌ کا اِعْرَاب جو ہے فِيْهِ اِسْتِثْنَاء کے اندر كَإِعْرَابِ الْمُسْتَثْنیٰ بِإِلَّا وہ ایسے ہی ہے جیسے کہ مُسْتَثْنیٰ بِإِلَّا کا اِعْرَاب ہوتا ہے۔ بھائی یاد رکھو! اِسْتِثْنَاء کے لیے عربی زبان میں إِلَّا کا لفظ وضع کیا گیا ہے، اور کلمات بھی اِسْتِثْنَاء کے لیے استعمال ہوتے ہیں جیسے آپ نے پڑھ لیے، لیکن اصل وضع اِسْتِثْنَاء کے لیے کیا ہے؟ إِلَّا، باقی اِسْتِثْنَاء کے لیے استعمال ہوتے ہیں لیکن وہ وضع نہیں ہیں اِسْتِثْنَاء کے لیے، وہ اور طریقے سے بھی استعمال ہوتے ہیں لیکن کبھی کبھی اِسْتِثْنَاء کے لیے بھی استعمال کر لیتے ہیں۔ جبکہ غَيْرٌ کا لفظ جو ہے، غَيْرٌ کو وضع کیا گیا ہے صفت کے لیے، کس کے لیے؟ صفت کے لیے، لیکن کبھی کبھی اس کو اِسْتِثْنَاء کے لیے بھی استعمال کر لیتے ہیں۔ تو إِلَّا اصل میں وضع ہے اِسْتِثْنَاء کے لیے لیکن کبھی کبھی صفت کے طور پر بھی استعمال کر لیتے ہیں یعنی غَيْرٌ کے معنی میں، کس معنی میں؟ غَيْرٌ کے معنی میں استعمال کر لیتے ہیں، اور غَيْرٌ اصل میں وضع ہے صفت کے لیے لیکن کبھی کبھی اِسْتِثْنَاء کے لیے بھی استعمال ہو جاتا ہے إِلَّا کے معنی میں، تو معلوم ہوا دونوں ایک دوسرے کی جگہ استعمال ہو جاتے ہیں، إِلَّا وضع ہے اِسْتِثْنَاء کے لیے لیکن کبھی استعمال ہو گیا غَيْرٌ کے معنی میں صفت کے لیے، اور غَيْرٌ وضع ہے صفت کے لیے لیکن کبھی کبھی اِسْتِثْنَاء کے لیے استعمال ہو جاتا ہے إِلَّا کے معنی میں۔

اب اس کا اِعْرَاب کیا ہو گا یہ غَيْرٌ کا؟ وہ بتلانے لگے ہیں۔ یاد رکھو، یاد رکھو، پہلے إِلَّا کے بارے میں سمجھ لیں، إِلَّا ویسے تو اِسْتِثْنَاء کے لیے آتا ہے لیکن کبھی کبھی یہ کس معنی میں آئے گا؟ یا غَيْرٌ کا پہلے سمجھ لو۔ دیکھو، غَيْرٌ جو ہے وضع تو ہے صفت کے لیے، کس کے لیے؟ صفت کے لیے، اور جب یہ صفت بنے گا تو صفت پر تو وہی اِعْرَاب آتا ہے جو موصوف پر آتا ہے جو ماقبل میں اِعْرَاب ہو گا وہی اِعْرَاب غَيْرٌ پر بھی آ جائے گا۔ توجہ ہے؟ لیکن جب غَيْرٌ اِسْتِثْنَاء کے لیے استعمال ہو تو پھر اس پر کون سا اِعْرَاب آئے گا؟ تو آپ کو بتائیں گے صاحبِ کافیہ کہ غَيْرٌ پر وہی اِعْرَاب آئے گا جو مُسْتَثْنیٰ بِإِلَّا پر تھا، جو کس پر تھا؟ مُسْتَثْنیٰ بِإِلَّا پر۔

مُسْتَثْنیٰ بِإِلَّا میں کیا تفصیل تھی؟ اگر مُسْتَثْنیٰ مُنْقَطِع ہو إِلَّا کے بعد تو اس مُسْتَثْنیٰ پر کیا پڑھیں گے؟ نَصْب۔ اور اگر مُسْتَثْنیٰ مُتَّصِل ہو پھر دیکھیں گے کلام مُوْجَب ہے یا غَيْرِ مُوْجَب، اگر مُوْجَب ہو پھر بھی کیا پڑھیں گے؟ مُسْتَثْنیٰ پر نَصْب پڑھیں گے۔ پھر اگر کلام غَيْرِ مُوْجَب ہو پھر؟ پھر مُسْتَثْنیٰ مُقَدَّم ہو گا یا مُقَدَّم نہیں۔ اگر مُسْتَثْنیٰ مُقَدَّم ہو مُسْتَثْنیٰ مِنْهُ پر تو بھی مُسْتَثْنیٰ پر کیا پڑھیں گے؟ نَصْب، اور اگر مُقَدَّم نہیں ہے پھر دیکھیں گے کہ مُسْتَثْنیٰ مِنْهُ مذکور ہے یا مذکور نہیں۔ اگر مُسْتَثْنیٰ مِنْهُ مذکور ہے تو پھر مُسْتَثْنیٰ اس پر نَصْب بھی جائز اور بَدَل بھی اور بَدَل مختار ہے۔ اور اگر مُسْتَثْنیٰ مِنْهُ مذکور

نہیں تو پھر مُسْتَثْنٰی کا اِعْرَاب عَلٰی حَسَبِ الْعَوَامِل ہو گا۔ توجہ ہے؟ وہی تفصیل غَیْرٌ کے اندر بھی ہے جب آپ اس کو کس کے لیے استعمال کریں؟ اِسْتِثْنَاء کے لیے، کس کے لیے؟ اِسْتِثْنَاء کے لیے۔

بھائی دیکھو إِلَّا جو ہے نا إِلَّا تو حرف تھا، جَاءَنِي الْقَوْمُ إِلَّا حِمَارًا، جَاءَنِي الْقَوْمُ وہ لوگ میرے پاس آئے إِلَّا حِمَارًا سوائے گدھے کے، اب یہاں دیکھو إِلَّا تو حرف ہے اور حرف پر تو اِعْرَاب نہیں آسکتا، ہاں آگے حِمَارٌ جو مُسْتَثْنٰی ہے اس پر اِعْرَاب آسکتا ہے، تو اس میں تفصیل تھی کبھی نَصْب آئے گا، کبھی بَدَل بنے گا، کبھی عَلٰی حَسَبِ الْعَوَامِل وغیرہ ہو گا۔ صورت سمجھ میں آرہی ہے؟ جبکہ غَیْرٌ تو اسم ہے اور اسم پر تو اِعْرَاب آسکتا ہے، تو اس پر کیا اِعْرَاب آئے گا؟ ایک بات تو یاد رکھو غَیْرٌ ہو گا مُضَاف آگے آئے گا مُضَافٌ إِلَيْهِ، تو جو مابعد ہے اس نے تو مجرور ہونا ہے ہمیشہ، ابھی بتایا وَمَخْفُوْضٌ بَعْدَ غَیْرٍ کہ مُسْتَثْنٰی کیا ہو گا؟ مجرور ہو گا غَیْرٌ کے بعد، کیوں مجرور ہے غَیْرٌ و سِوًی و سَوَاءٍ کے بعد؟ کیونکہ مُضَافٌ إِلَيْهِ ہے، کیونکہ غَیْرٌ مُضَاف، غَیْرَ زَیْدٍ، کیا معنی؟ غَیْرَ مُضَاف زَیْدٍ مُضَافٌ إِلَيْهِ اور مُضَافٌ إِلَيْهِ مجرور ہوتا ہے آپ پڑھ چکے ہیں۔ تو لہٰذا إِلَّا جو ہے وہ اِسْتِثْنَاء کے لیے آتا ہے لیکن وہ حرف ہے اس پر تو اِعْرَاب نہیں آسکتا، تو پھر وہاں مُسْتَثْنٰی کے اِعْرَاب پر بحث کی تھی کہ اس پر کیا اِعْرَاب آئے گا۔ جبکہ غَیْرٌ کے مابعد تو مجرور ہو گا جو مُسْتَثْنٰی ہو گا لیکن غَیْرٌ خود تو اسم ہے اس پر تو اِعْرَاب آسکتا ہے، تو اس پر کون سا اِعْرَاب آئے گا؟

تو کہتے ہیں اس میں وہی تفصیل ہے جو مُسْتَثْنٰی بِإِلَّا میں تھی۔ مُسْتَثْنٰی بِإِلَّا میں کیا تفصیل تھی؟ کہ سب سے پہلے کیا دیکھو؟ کہ مُسْتَثْنٰی مُتَّصِل ہے یا مُنْقَطِع، اگر مُسْتَثْنٰی مُنْقَطِع ہو تو اس پر کیا پڑھو؟ نَصْب، تو غَیْرٌ کے بھی جب اِسْتِثْنَاء کے لیے آئے اور مُسْتَثْنٰی مُنْقَطِع ہو تو غَیْرٌ پر کیا پڑھنا ہے؟ نَصْب۔ پھر دیکھو اگر مُتَّصِل ہے پھر دیکھو کلام مُوْجَب ہے یا غَیْرِ مُوْجَب، اگر کلام مُوْجَب ہو تو بھی مُسْتَثْنٰی کیا ہوتا تھا؟ منصوب، تو غَیْرٌ بھی جب اِسْتِثْنَاء کے لیے آئے اور کلام کون سا ہو؟ مُوْجَب، مُوْجَب ہو تو پھر کیا پڑھیں گے؟ نَصْب پڑھیں گے۔ اگر کلام غَیْرِ مُوْجَب ہو پھر دیکھو کہ مُسْتَثْنٰی کہیں مُقَدَّم تو نہیں مُسْتَثْنٰی مِنْهُ پر؟ اگر مُسْتَثْنٰی مُقَدَّم ہوتا تھا تو اس پر پھر کیا پڑھتے تھے؟ نَصْب پڑھتے تھے، تو غَیْرٌ میں بھی اگر مُسْتَثْنٰی مُقَدَّم ہے مُسْتَثْنٰی مِنْهُ پر تو غَیْرٌ پر بھی کیا پڑھیں گے؟ نَصْب پڑھیں گے۔ اور اگر مُقَدَّم نہیں ہے پھر دیکھو کہ مُسْتَثْنٰی مِنْهُ مذکور ہے یا مذکور نہیں، تو پھر اس پر کیا پڑھتے تھے؟ کبھی نَصْب اور کبھی بَدَل اور بَدَل مختار ہوتا تھا، تو غَیْرٌ بھی جب کلامِ غَیْرِ مُوْجَب میں آئے اور مُسْتَثْنٰی مِنْهُ پر مُقَدَّم نہ ہو اور مُسْتَثْنٰی مِنْهُ مذکور ہو تو پھر اس پر نَصْب پڑھنا بھی جائز اور اس کو بَدَل بنانا بھی جائز اور بَدَل بنانا مختار ہے۔ اور اگر مُسْتَثْنٰی مِنْهُ مذکور نہ ہو تو پھر عَلٰی حَسَبِ الْعَوَامِل ہو گا۔ تفصیل سمجھ میں آ گئی؟

تو کہتے ہیں وَإِعْرَابُ غَيْرٍ فِيْهِ اور غَیْرٌ کا اِعْرَاب فِيْهِ أَيْ فِي الْاِسْتِثْنَاءِ، اِسْتِثْنَاء کے اندر غَیْرٌ کا اِعْرَاب جو ہے كَإِعْرَابِ الْمُسْتَثْنٰی بِإِلَّا وہ ایسے ہی ہے جیسے مُسْتَثْنٰی بِإِلَّا کا اِعْرَاب۔ بات سمجھ میں آ گئی؟ جی، دیکھیے کتاب کی عبارت پہ نظر رکھیں:

كَإِعْرَابِ الْمُسْتَثْنٰى بِإِلَّا عَلَى التَّفْصِيْلِ، اس عَلَى التَّفْصِيْلِ پر کوئی حاشیہ ہے آپ کی کتاب میں؟ ہاں ذرا حاشیے میں آجائیے۔ اس حاشیے کے اندر تھوڑے آگے چل کر دیکھیں مثالیں شروع ہو جاتی ہیں: نَحْوُ جَاءَنِي الْقَوْمُ غَيْرَ زَيْدٍ۔ مل گئی مثال؟ جَاءَنِي الْقَوْمُ غَيْرَ زَيْدٍ۔ یہ غَيْرَ پر میں نے اِعْرَاب نہیں پڑھا، اِعْرَاب مجھے آپ نے بتانا ہے۔ جَاءَنِي الْقَوْمُ غَيْرَ غَيْرِ غَيْرُ کیا پڑھنا ہے؟ جَاءَنِي الْقَوْمُ وہ لوگ میرے پاس آئے غَيْرَ زَيْدٍ، زَيْدٍ پر تو جر ہی پڑھیں گے کیونکہ مُضَافٌ إِلَيْهِ ہے۔ تو غَيْرَ پر کیا پڑھیں گے؟ اسی طرح غور کیجیے: مُسْتَثْنٰى مُتَّصِل ہے یا مُنْقَطِع ہے؟ بظاہر مُتَّصِل ہی ہے، کیا ہے؟ مُتَّصِل ہی ہے بظاہر۔ اور پھر کلام مُوْجَب ہے یا غَيْرِ مُوْجَب؟ کلام مُوْجَب ہے، حرفِ نفی بھی نہیں ہے، نہی بھی نہیں ہے اور اِسْتِفْهَام بھی نہیں، تو کلامِ مُوْجَب میں آئے، مُسْتَثْنٰى مُتَّصِل ہو تو کیا پڑھتے تھے؟ نَصْب پڑھتے تھے، تو غَيْرَ پر بھی اب وہی اِعْرَاب پڑھیں گے جَاءَنِي الْقَوْمُ غَيْرَ زَيْدٍ۔ طریقہ سمجھ میں آیا؟

ذرا آگے آئیے: وَمَا جَاءَنِيْ غَيْرُ زَيْدٍ أَحَدٌ۔ مَا جَاءَنِيْ غَيْرُ زَيْدٍ أَحَدٌ۔ اب یہ غَيْرُ پر کیا پڑھنا ہے؟ دیکھو کلام مُوْجَب ہے یا غَيْرِ مُوْجَب؟ غَيْرِ مُوْجَب ہے، غَيْرِ مُوْجَب ہے۔ پھر دیکھو کیا مُسْتَثْنٰى کو مُسْتَثْنٰى مِنْهُ پر مُقَدَّم کیا گیا ہے یا نہیں کیا گیا؟ مُقَدَّم کیا گیا ہے، أَحَدٌ آخر میں چلا گیا مُسْتَثْنٰى مِنْهُ، تو غَيْرُ زَيْدٍ کیا ہو گیا؟ مُقَدَّم، اور جب مُقَدَّم ہو مُسْتَثْنٰى تو اس پر کیا پڑھتے ہیں؟ نَصْب پڑھتے ہیں، تو غَيْرَ زَيْدٍ پڑھیں گے، مَا جَاءَنِيْ غَيْرَ زَيْدٍ أَحَدٌ، یہ أَحَدٌ فاعل ہے مُسْتَثْنٰى مِنْهُ ہے۔ طریقہ سمجھ میں آرہا ہے؟

اگلی مثال دیکھیے: مَا جَاءَنِي الْقَوْمُ غَيْرَ حِمَارٍ۔ مَا جَاءَنِي الْقَوْمُ غَيْرَ حِمَارٍ۔ جی مُسْتَثْنٰى مُتَّصِل ہے یا مُنْقَطِع ہے؟ مُسْتَثْنٰى مُنْقَطِع ہے، اور مُسْتَثْنٰى مُنْقَطِع ہو تو اس پہ کیا پڑھتے ہیں؟ نَصْب پڑھتے ہیں، تو یہاں بھی کیسے پڑھیں گے؟ غَيْرَ حِمَارٍ، مَا جَاءَنِي الْقَوْمُ غَيْرَ حِمَارٍ۔ جی آگے ہے مَا جَاءَنِيْ أَحَدٌ غَيْرَ زَيْدٍ۔ جی کلام مُوْجَب ہے یا غَيْرِ مُوْجَب ہے؟ غَيْرِ مُوْجَب ہے۔ توجہ ہے؟ اور مُسْتَثْنٰى مُتَّصِل ہے، میرے پاس کوئی ایک نہیں آیا سوائے زید کے، سب کے آنے کی نفی کی تو زید بھی اس میں داخل ہو گیا، پھر غَيْرَ کے ذریعے اس کو نکال لیا۔ تو مُسْتَثْنٰى مُتَّصِل ہے، کلام کون سا؟ کلام غَيْرِ مُوْجَب، مُسْتَثْنٰى مُتَّصِل ہے اور مُسْتَثْنٰى مُسْتَثْنٰى مِنْهُ پر مُقَدَّم بھی نہیں ہے، مُقَدَّم بھی نہیں، پھر دیکھیں گے کہ مُسْتَثْنٰى مِنْهُ مذکور ہے یا مذکور نہیں۔ مُسْتَثْنٰى مِنْهُ مذکور، تو پھر اس میں کیا پڑھیں گے؟ نَصْب بھی جائز اور بَدَل بنانا بھی جائز، لہٰذا یہاں غَيْرَ زَيْدٍ بھی آپ پڑھ سکتے ہیں اور ماقبل سے بَدَل بنائیں أَحَدٌ غَيْرُ زَيْدٍ پڑھیں۔ توجہ ہے؟ تو کیا بن گیا؟ مَا جَاءَنِيْ أَحَدٌ غَيْرَ زَيْدٍ اور غَيْرُ زَيْدٍ، اور پسندیدہ کیا ہے؟ کیا پڑھا جائے؟ غَيْرُ زَيْدٍ پڑھا جائے۔ صورت سمجھ میں آرہی ہے؟ تو معلوم ہوا غَيْرٌ پر وہی اِعْرَاب آئے گا جو مُسْتَثْنٰى بِإِلَّا کا اِعْرَاب تھا۔ یہ معنی ہے وَإِعْرَابُ غَيْرٍ فِيْهِ اور غَيْرٌ کا اِعْرَاب اِسْتِثْنَاء کے اندر كَإِعْرَابِ الْمُسْتَثْنٰى بِإِلَّا وہ مُسْتَثْنٰى بِإِلَّا کے اِعْرَاب کی طرح ہے۔

اب آئیے اس سارے کو شرح کے ساتھ دیکھیں۔ کہتے ہیں وَالْمُسْتَثْنٰى مَخْفُوْضٌ أَيْ مَجْرُوْرٌ اور مُسْتَثْنٰى جو ہے مَخْفُوْض

ہوتا ہے أَيْ مَجْرُوْرٌ یہ مَخْفُوْض کا معنی بیان کر دیا مَخْفُوْض کا کیا معنی؟ مجرور، یعنی مجرور ہوتا ہے بَعْدَ غَيْرٍ غَيْرٍ کے بعد وَسِوًى وَسُوًى، میں نے بتایا یہاں کسرہ بھی جائز اور ضمہ بھی، دیکھیے خود بیان کر رہے ہیں مَعَ كَسْرِ السِّيْنِ أَوْ ضَمِّهَا سین کے کسرہ یا ضمہ کے ساتھ مَعَ الْقَصْرِ ساتھ قَصْر کے یعنی الفِ مقصورہ ہے ساتھ بھائی الفِ ممدودہ نہیں ہے۔ آگے دیکھیے وَسَوَاءٍ، میں نے بتایا بھائی سَوَاءٍ اور سِوَاءٍ فتحہ اور کسرہ دونوں جائز ہیں تو اور نیز الف کے بعد ہمزہ ہے تو یہ الفِ ممدودہ ہے تو بیان کر رہے ہیں کہتے ہیں بِفَتْحِ السِّيْنِ أَوْ كَسْرِهَا مَعَ الْمَدِّ کہ یہ سین کے فتحہ یا سین کے کسرہ کے ساتھ ہے مَعَ الْمَدِّ اور ساتھ کیا ہے؟ مد ہے یعنی الفِ ممدودہ ہے۔ لِكَوْنِهِ مُضَافًا إِلَيْهِ، اس کو جوڑیں وَمَخْفُوْضٌ کے ساتھ: وَالْمُسْتَثْنٰى مَخْفُوْضٌ مُسْتَثْنٰی کیا ہوتا ہے؟ مجرور ہوتا ہے بھائی، کیوں؟ وجہ کیا ہے؟ کہتے ہیں لِكَوْنِهِ مُضَافًا إِلَيْهِ اس لیے کیونکہ مُسْتَثْنٰی مُضَافٌ إِلَيْهِ ہوتا ہے اور مُضَافٌ إِلَيْهِ مجرور ہوتا ہے۔ کلامِ عرب میں دو ہی تو مجرور ہیں: ایک مُضَافٌ إِلَيْهِ اور ایک جس پر حرفِ جر داخل ہو جائے۔

آگے دیکھیے: وَبَعْدَ حَاشَا فِي الْأَكْثَرِ اور حَاشَا کے بعد بھی مُسْتَثْنٰی مجرور ہو گا فِي الْأَكْثَرِ اکثر استعمالات میں۔ بھائی کیوں؟ اس کے بعد مجرور کیوں ہو گا؟ کہتے ہیں لِكَوْنِهَا حَرْفَ جَرٍّ اس وجہ سے کہ یہ حرفِ جر ہے بھائی، یہ مُضَاف نہیں ہو رہا، ماقبل والے تو تینوں مُضَاف تھے اور مُسْتَثْنٰی کیا ہوتا تھا؟ مُضَافٌ إِلَيْهِ، اس لیے مجرور تھا، لیکن یہاں یہ حرفِ جر ہے بھائی، اور حرفِ جر جس لفظ پر داخل ہو وہ کیا ہوتا ہے؟ مجرور۔ تو کہتے ہیں لِكَوْنِهَا حَرْفَ جَرٍّ اس وجہ سے کہ یہ حرفِ جر ہے فِيْ أَكْثَرِ اسْتِعْمَالَاتِهِمْ عربوں کے اکثر استعمالات میں۔ وَأَجَازَ بَعْضُهُمُ النَّصْبَ بِهَا اور بعض نحویوں نے اس کے ذریعے نَصْب کو بھی جائز قرار دیا ہے، بعض نحویوں نے اس کے ذریعے نَصْب کو بھی جائز قرار دیا ہے، بھائی نَصْب کو کیوں جائز قرار دیا ہے؟ اس کی بھی وجہ ذکر کر رہے ہیں: عَلٰى أَنَّهَا فِعْلٌ مُتَعَدٍّ فَاعِلُهُ مُضْمَرٌ بنابر اس کے کہ أَنَّهَا فِعْلٌ کہ یہ ایسا فعل ہے مُتَعَدٍّ جو مُتَعَدِّی ہے، یہ فعلِ مُتَعَدِّی ہے، فعلِ مُتَعَدِّی جس کے لیے آگے مفعول چاہیے ہوتا ہے۔ تو کہتے ہیں...

عَلٰى أَنَّهَا بوجہ اس کے کہ یہ أَنَّهَا فِعْلٌ مُتَعَدٍّ یہ ایسا فعلِ مُتَعَدِّی ہے فَاعِلُهُ مُضْمَرٌ اس کا فاعل ضمیر ہے۔ مثلاً آگے اگلی سطر میں مثال بھی ہے ضَرَبَ الْقَوْمُ عَمْرًا حَاشَا زَيْدًا۔ اب ویسے تو حَاشَا حرفِ جر ہے اکثر استعمالات میں یہ حَاشَا زَيْدٍ آئے گا، لیکن کبھی کبھی نَصْب بھی جائز ہوتا ہے، تو نَصْب کی کیا وجہ؟ تو وہ بتا رہے ہیں کہ اس صورت میں یہ حَاشَا فعل ہے، اور زَيْدًا آگے جو منصوب ہو گا وہ اس کا مفعول بہ ہے، اور پھر اس کے لیے فاعل بھی تو چاہیے تو کہتے ہیں فاعل اسی کے اندر ضمیر ہو گی جو اللہ تعالیٰ کی طرف راجع ہو گی۔ حَاشَا زَيْدًا أَيْ حَاشَا هُوَ زَيْدًا، اور هُوَ ضمیر کس کو راجع؟ اللہ تعالیٰ کو بھائی۔ اچھا تو کہتے ہیں عَلٰى أَنَّهَا فِعْلٌ مُتَعَدٍّ فَاعِلُهُ مُضْمَرٌ بنابر اس کے کہ یہ ایسا فعلِ مُتَعَدِّی ہے جس کا فاعل ضمیر ہے۔

وَمَعْنَاهَا، بھائی اس کا معنی پھر کیا ہو گا جب آپ اس کو فعل بناتے ہیں؟ کہتے ہیں وَمَعْنَاهَا تَبْرِئَةُ الْمُسْتَثْنٰى، تَبْرِئَةٌ، بَرَّأَ يُبَرِّئُ تَبْرِئَةً، آخر میں ہمزہ ہے تَبْرِئَةً، تَبْرِئَةً، را کے بعد ہمزہ ہے، بَرَّأَ يُبَرِّئُ تَبْرِئَةً، لیکن اس ہمزہ سے ماقبل کسرہ ہے تو اس کی وجہ سے یا سے بدلنا بھی اس کو جائز ہے تو تَبْرِئَةٌ پڑھنا بھی صحیح اور تَبْرِيَةٌ پڑھنا بھی صحیح۔ تَبْرِئَةٌ، تَبْرِئَةٌ کا معنی ہے چھٹکارا دلانا،

کسی کو ایک چیز سے الگ کر دینا اس کو چھٹکارا دلا دینا۔ تو کہتے ہیں وَمَعْنَاهَا اور اس حَاشَا کا معنی جو ہے تَبْرِئَةُ الْمُسْتَثْنٰی وہ مُسْتَثْنٰی کو چھٹکارا دلانا ہے عَمَّا اس چیز سے نُسِبَ إِلَى الْمُسْتَثْنٰى مِنْهُ جس کی نسبت کی گئی ہے مُسْتَثْنٰی مِنْہُ کی طرف، ایک چیز کی ایک فعل کی نسبت کس کی طرف کی گئی ہے؟ مُسْتَثْنٰی مِنْہُ کی طرف، تو آگے آنے والے مُسْتَثْنٰی کو اس سے چھٹکارا دلا دیا، یعنی اس کی طرف اس فعل کی نسبت نہیں ہے بھائی۔

دیکھو ذرا مثال پہلے سمجھ لو پھر ترجمہ دوبارہ دیکھیں: ضَرَبَ الْقَوْمُ عَمْرًا حَاشَا زَيْدًا۔ ضَرَبَ الْقَوْمُ ان لوگوں نے پٹائی کی عَمْرًا کس کی؟ عَمْر کی حَاشَا زَيْدًا، حَاشَا أَيْ حَاشَا اللّٰهُ زَيْدًا، هُوَ ضمیر اللہ تعالیٰ کی طرف راجع، حَاشَا اللّٰهُ زَيْدًا، اور حَاشَا کا کیا معنی؟ چھٹکارا دلانا۔ حَاشَا اللّٰهُ زَيْدًا چھٹکارا دلا دیا اللہ نے زید کو۔ ان لوگوں نے عَمْر کی پٹائی کی اور زید کو اللہ نے چھٹکارا دلا دیا، کس چیز سے چھٹکارا دلایا؟ عَمْر کی پٹائی سے۔ ان لوگوں کی طرف کس چیز کی نسبت ہے؟ انہوں نے کیا کیا ہے؟ ضَرَبَ الْقَوْمُ عَمْرًا ان لوگوں نے عَمْر کی پٹائی کی ہے تو ان کی طرف ضربِ عَمْر کی نسبت ہو رہی تھی، اس نسبت سے اللہ نے زید کو چھٹکارا دلا دیا، معلوم ہوا اس نے عَمْر کی پٹائی نہیں کی۔ معنی سمجھ میں آیا؟

ضَرَبَ الْقَوْمُ عَمْرًا ان لوگوں نے عَمْر کی پٹائی کی حَاشَا زَيْدًا أَيْ بَرَّأَهُ اللّٰهُ یعنی چھٹکارا دلا دیا، بَرَّأَهُ یہ ہا ضمیر راجع ہے زید کو، حَاشَا زَيْدًا کا معنی بیان کر رہے ہیں أَيْ بَرَّأَهُ اللّٰهُ اس زید کو اللہ نے چھٹکارا دلا دیا عَنْ ضَرْبِ عَمْرٍو عَمْر کی پٹائی سے کہ اس نے عَمْر کی پٹائی نہیں کی باقیوں نے پٹائی کی۔ معنی سمجھ میں آگیا؟ حاصلِ کلام کیا ہوا؟ حَاشَا کبھی کبھار فعل ہو گا، مابعد منصوب ہو گا، مفعول بہ ہو گا اور اس کے اندر ضمیر راجع ہے اللہ تعالیٰ کی طرف اور معنی کیا ہے؟ چھٹکارا دلانا۔ کیا معنی ہوا؟ یعنی اللہ نے اس کو چھٹکارا دلا دیا اس چیز سے جس کی نسبت کس کی طرف کی جا رہی ہے؟ ماقبل یعنی مُسْتَثْنٰی مِنْہُ کی طرف کی جا رہی ہے۔

اب دیکھیے ترجمہ: کہتے ہیں وَمَعْنَاهَا تَبْرِئَةُ الْمُسْتَثْنٰی اور معنی جو ہے اس کا وہ چھٹکارا دلانا ہے مُسْتَثْنٰی کو عَمَّا نُسِبَ إِلَى الْمُسْتَثْنٰى مِنْهُ اس چیز سے جس کی نسبت مُسْتَثْنٰی مِنْہُ کی طرف کی جا رہی ہے، یا یوں کہیں اس فعل سے جس کی نسبت مُسْتَثْنٰی مِنْہُ کی طرف کی جا رہی ہے، نَحْوُ مثال کے طور پر ضَرَبَ الْقَوْمُ عَمْرًا حَاشَا زَيْدًا أَيْ بَرَّأَهُ اللّٰهُ یعنی...

اللہ نے زید کو چھٹکارا دلا دیا عَنْ ضَرْبِ عَمْرٍو عَمْر کی پٹائی سے کہ زید نے عَمْر کی پٹائی نہیں کی ان لوگوں نے کی ہے بھائی۔

آگے دیکھیے: وَإِعْرَابُ غَيْرٍ فِيْهِ أَيْ فِي الْاِسْتِثْنَاءِ، فِيْهِ کی ہا ضمیر بتلایا کہ ہا ضمیر اِسْتِثْنَاء کو راجع ہے۔ بھائی دیکھو نا غَيْرٌ کبھی صفت بنتا ہے اور کبھی اِسْتِثْنَاء کے لیے آتا ہے، اب یہ غَيْرٌ کا اِعْرَاب بتانے لگے ہیں، لیکن صفت والی اِعْرَاب نہیں کیونکہ جب غَيْرٌ صفت بنے گا اس پر وہی اِعْرَاب آئے گا جو کس پر تھا؟ موصوف پر تھا، تو وہاں تو اشتباہ ہے ہی نہیں، صرف اِسْتِثْنَاء کی صورت میں اس پر کیا اِعْرَاب آئے گا اب وہ بتلانے لگے ہیں۔ تو اس لیے کہا وَإِعْرَابُ غَيْرٍ اور غَيْرٌ کا اِعْرَاب فِيْهِ

أَيْ فِي الْاِسْتِثْنَاءِ کس صورت میں؟ اِسْتِثْنَاء والی صورت میں دُوْنَ الصِّفَةِ نہ کہ صفت والی صورت میں، نہ کہ صفت والی صورت میں، إِذْ هُوَ حِيْنَئِذٍ بِإِعْرَابِ مَوْصُوْفِهِ اس لیے کیونکہ اس وقت یہ موصوف کے اِعْرَاب کے ساتھ ہوگا، جب یہ صفت کے لیے آئے گا تو اس پر موصوف کا اِعْرَاب ہوگا۔ كَإِعْرَابِ الْمُسْتَثْنٰى بِإِلَّا، تو غَيْرٌ کا اِعْرَاب اِسْتِثْنَاء میں كَإِعْرَابِ الْمُسْتَثْنٰى بِإِلَّا وہ مُسْتَثْنٰى بِإِلَّا کے اِعْرَاب کی طرح ہے عَلَى التَّفْصِيْلِ الْمَذْكُوْرِ فِيْمَا سَبَقَ۔ عَلَى التَّفْصِيْلِ اسی تفصیل پر الْمَذْكُوْرِ جس کو ذکر کر دیا گیا فِيْمَا سَبَقَ ماقبل میں، جس کو ماقبل میں إِلَّا کے اندر جو تفصیل ذکر کر دی گئی وہی تفصیل یہاں بھی ہے بھائی۔

فَكَأَنَّهُ لَمَّا انْجَرَّ بِهِ الْمُسْتَثْنٰى لِلْإِضَافَةِ انْتَقَلَ إِعْرَابُهُ إِلَيْهِ۔ توجہ ہے؟ ادھر دیکھیے: مُسْتَثْنٰى بِإِلَّا، إِلَّا کے بعد جو مُسْتَثْنٰى آتا تھا اس پر جو اِعْرَاب ہوتا تھا وہی اِعْرَاب کس پر آگیا؟ غَيْرٌ پر آگیا جب یہ اِسْتِثْنَاء کے لیے ہو۔ پھر سنو: إِلَّا کس لیے آتا ہے؟ اِسْتِثْنَاء کے لیے، اس کے بعد جو مُسْتَثْنٰى آتا تھا اس میں آپ نے پورا نقشہ پڑھا جو تفصیل تھی، تو گویا یہاں پر جو مُسْتَثْنٰى پر اِعْرَاب آتا تھا وہی اِعْرَاب کس کی طرف منتقل ہو گیا؟ غَيْرٌ کی طرف منتقل ہو گیا، کیونکہ مُسْتَثْنٰى خود تو مُضَافٌ إِلَيْهِ بن گیا غَيْرٌ کے لیے، مُسْتَثْنٰى پر تو جر آگیا غَيْرُ زَيْدٍ، تو خود زید مُسْتَثْنٰى تھا لیکن اس پر کیا آگیا؟ جر، یہ کیا ہے؟ مُسْتَثْنٰى، اور اس پر کیا آگیا؟ جر، کیوں آیا جر؟ کیونکہ غَيْرٌ مُضَافٌ ہے اور زَيْدٍ مُضَافٌ إِلَيْهِ، تو مُسْتَثْنٰى پر جو اِعْرَاب آنا چاہیے تھا وہ نہیں آیا کیونکہ غَيْرٌ کی اس کی طرف اضافت ہو رہی تھی تو اس پر جر آگیا، تو پھر اس پر جو اِعْرَاب آنا تھا وہ کدھر منتقل ہو کر چلا گیا؟ غَيْرٌ کی طرف۔ بات سمجھ میں آگئی؟

تو کہتے ہیں فَكَأَنَّهُ تو گویا کہ، گویا کہ لَمَّا انْجَرَّ بِهِ الْمُسْتَثْنٰى لِلْإِضَافَةِ جب مجرور ہو گیا غَيْرٌ کی وجہ سے مُسْتَثْنٰى، لَمَّا انْجَرَّ جب مجرور ہو گیا بِهِ اس غَيْرٌ کی وجہ سے کون مجرور ہوا؟ اَلْمُسْتَثْنٰى مجرور ہو گیا لِلْإِضَافَةِ بوجہ اضافت کے، تو انْتَقَلَ إِعْرَابُهُ إِلَيْهِ تو اس مُسْتَثْنٰى کا اِعْرَاب منتقل ہو گیا غَيْرٌ کی طرف، کس کی طرف منتقل ہو گیا؟ غَيْرٌ۔ كَأَنَّهُ شروع میں کہا كَأَنَّهُ گویا کہ یعنی حقیقتاً ایسا نہیں ہوا کہ مُسْتَثْنٰى پر اِعْرَاب آیا تھا پھر منتقل ہو کر کدھر چلا گیا غَيْرٌ کی طرف، ہاں گویا کہ اسی طرح سمجھ لیں گویا ایسا ہی ہے۔ پھر دیکھیے فَكَأَنَّهُ لَمَّا انْجَرَّ بِهِ الْمُسْتَثْنٰى لِلْإِضَافَةِ اس لیے کیونکہ جب اس غَيْرٌ کی وجہ سے مُسْتَثْنٰى مجرور ہو گیا اضافت کی وجہ سے انْتَقَلَ إِعْرَابُهُ إِلَيْهِ تو مُسْتَثْنٰى کا اِعْرَاب منتقل ہو گیا غَيْرٌ کی طرف۔

یہاں تک بات سمجھ میں آگئی؟ اب آگے ذرا متن متن دیکھیے: کہتے ہیں وَغَيْرٌ صِفَةٌ۔ وَغَيْرٌ صِفَةٌ۔ ترجمہ کیجیے: اور غَيْرٌ جو ہے صفت ہے، کیا ہے؟ صفت ہے۔ بظاہر لگتا ہے یہ آپس میں موصوف صفت ہیں، غَيْرٌ بھی نکرہ ہے اور صِفَةٌ بھی نکرہ ہے، لیکن نہیں یہ غَيْرٌ ہے مبتدا اور صِفَةٌ ہے اس کی خبر، اور یہاں غَيْرٌ سے لفظِ غَيْرٌ مراد ہے گویا یہ عَلَم کے درجے میں ہے، معرفہ ہے بھائی، اور مبتدا میں بھی اصل کیا ہے وہ کیا ہونا چاہیے؟ معرفہ۔ دیکھو غَيْرٌ صِفَةٌ ترجمہ کرو: غَيْرٌ صفت ہے، میں نے آپ کو بتایا تھا مبتدا کسے کہتے ہیں آسان لفظوں میں؟ جس کے بارے میں بات کی جائے، تو کس کے بارے میں بات کی؟ غَيْرٌ کے بارے میں، اور کیا بات کی؟ کہ وہ صفت ہے تو وہ خبر ہو گئی، جس کے بارے میں بات کی جائے وہ ہے مبتدا اور جو بات کی

جائے وہ ہے خبر، تو یہاں بھی اسی طرح ہے۔

جی متن متن صرف دیکھیے: کہتے ہیں وَغَيْرٌ صِفَةٌ اور غَيْرٌ کا لفظ جو ہے وہ صفت ہے حُمِلَتْ عَلٰى إِلَّا فِي الْاِسْتِثْنَاءِ جس کو محمول کیا گیا ہے عَلٰى إِلَّا کس پر؟ إِلَّا پر فِي الْاِسْتِثْنَاءِ کس کے اندر؟ اِسْتِثْنَاء۔ بھائی میں نے بتایا نا کہ غَيْرٌ کا لفظ اصلِ وضع میں صفت ہے بھائی وہ اِسْتِثْنَاء کے لیے نہیں ہے لیکن اس کو استعمال کس کے لیے کر لیتے ہیں؟ اِسْتِثْنَاء کے لیے بھی استعمال کر لیتے ہیں إِلَّا پر حمل کرتے ہوئے، کس پر؟ إِلَّا پر حمل کرتے ہوئے اِسْتِثْنَاء کے لیے استعمال کر لیتے ہیں۔ وجہ یہ کہ یہ دونوں، یہ دونوں یہ بیان کرنے کے لیے آتے ہیں کہ ان کا مابعد ماقبل کے مُغَايِر ہے، جَاءَنِي الْقَوْمُ إِلَّا زَيْدًا وہ لوگ میرے پاس آئے سوائے کس کے؟ زید کے، معلوم ہوا زید نہیں آیا، تو دیکھو إِلَّا کا مابعد ماقبل کے مُغَايِر ہے، ماقبل والوں کے لیے آنے کا حکم ہے اور مابعد زید ہے اس کے لیے نہ آنے کا حکم ہے، تو جیسے إِلَّا اِسْتِثْنَاء کے لیے آتا ہے اور اس کا مابعد ماقبل کے مُغَايِر ہوتا ہے، اسی طرح یہ غَيْرٌ کا لفظ صفت کے لیے آتا ہے اور یہ بھی مُغَايَرَت پر دلالت کرتا ہے کہ مابعد ماقبل کے مُغَايِر ہے۔

مثلاً میں کہتا ہوں جَاءَنِي رَجُلٌ غَيْرُ زَيْدٍ۔ جَاءَنِي رَجُلٌ غَيْرُ زَيْدٍ، رَجُلٌ موصوف اور غَيْرُ زَيْدٍ مُضَافٌ إِلَيْهِ مل کر اس کی صفت۔ میں نے آپ کو بتلایا تھا کچھ لفظ ایسے ہیں جو معرفہ کی طرف مُضَاف ہو جائیں پھر بھی وہ معرفہ نہیں بنتے، ان میں سے ایک لفظ غَيْرٌ بھی ہے۔ اب دیکھو غَيْرٌ کی اضافت زَيْدٍ یعنی معرفہ عَلَم کی طرف ہو رہی ہے لیکن پھر بھی یہ نکرہ ہے اسی لیے یہ رَجُلٌ نکرہ کی صفت بن رہا ہے۔ جَاءَنِي رَجُلٌ میرے پاس ایسا آدمی آیا غَيْرُ زَيْدٍ جو زید کے علاوہ ہے، جو زید کے علاوہ ہے، اس سے مُغَايِر ہے۔ تو دیکھو یہ غَيْرٌ مُغَايَرَت بیان کرتا ہے، کیا بیان کرتا ہے؟ مُغَايَرَت کہ یہ جو مابعد ہے وہ ماقبل کا یعنی موصوف کا مُغَايِر ہے۔ توجہ سے سنو: جَاءَنِي رَجُلٌ غَيْرُ زَيْدٍ، رَجُلٌ موصوف اور غَيْرُ زَيْدٍ اس کی صفت، تو دیکھو یہ غَيْرٌ آیا یہ بتلانے کے لیے کہ میرا جو مابعد ہے، میرا جو مابعد ہے وہ میرے موصوف سے مُغَايِر ہے اس کے علاوہ ہے، میرے پاس ایسا آدمی آیا جو زید کے علاوہ ہے معلوم ہوا وہ زید نہیں ہے۔ دیکھو اس نے مُغَايَرَت پر دلالت کی۔ تو غَيْرٌ کس لیے آتا ہے؟ صفت کے لیے، کیا بیان کرتا ہے؟ کہ اس کا مابعد اس کے موصوف سے مُغَايِر ہے۔ دہراؤ زبان سے بھائی۔ غَيْرٌ کیا ہے؟ صفت، کیا بیان کرتا ہے؟ کہ اس کا مابعد جو ہے وہ اس کے موصوف، ماقبل میں موصوف ہو گا کیونکہ یہ صفت ہے نا، کہ غَيْرٌ یہ بتلاتا ہے کہ میرا مابعد وہ میرے موصوف کے مُغَايِر ہے اس کے علاوہ ہے اس سے الگ ہے وہ نہیں ہے۔ بات سمجھ میں آ گئی؟

تو اسی طرح، تو جیسے غَيْرٌ جو ہے، غَيْرٌ کا لفظ صفت کے لیے آتا ہے اور یہ بتلاتا ہے کہ میرا مابعد میرے موصوف سے مُغَايِر ہے، اسی طرح إِلَّا بھی اِسْتِثْنَاء کے لیے آتا ہے اور یہ بتلاتا ہے کہ میرے مابعد کا حکم ماقبل سے مُغَايِر ہے، تو دونوں کا مابعد ماقبل سے مُغَايِر ہوتا ہے تو اس چیز میں دونوں شریک ہو گئے، دونوں میں مابعد ماقبل سے مُغَايِر ہوتا ہے دونوں میں شرکت

آگئی تو دونوں میں مناسبت آگئی، لہٰذا اس لیے یہ ایک دوسرے کی جگہ بھی استعمال ہونے لگے۔ إِلَّا ہے تو اِسْتِثْنَاء کے لیے لیکن کبھی غَیْرٌ کے معنی میں صفت کے لیے بھی استعمال ہو جاتا ہے، اور غَیْرٌ ہے صفت کے لیے لیکن کبھی کبھار إِلَّا کے معنی میں اِسْتِثْنَاء کے لیے بھی استعمال ہو جاتا ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟

اور یہ بھی یاد رکھنا غَیْرٌ جو ہے وہ اِسْتِثْنَاء کے لیے زیادہ استعمال ہوتا ہے۔ دیکھو نا إِلَّا وضع ہے اِسْتِثْنَاء کے لیے اور غَیْرٌ وضع ہے صفت کے لیے، تو کبھی کبھی إِلَّا استعمال ہو جاتا ہے غَیْرٌ کی جگہ میں صفت کے لیے اور کبھی غَیْرٌ استعمال ہو جاتا ہے إِلَّا کی جگہ اِسْتِثْنَاء کے لیے، لیکن غَیْرٌ کا استعمال ہونا إِلَّا کی جگہ اِسْتِثْنَاء کے لیے یہ کثیر ہے، یہ کثیر، اور إِلَّا کا استعمال ہونا غَیْرٌ کی جگہ صفت کے لیے یہ اس کے مقابلے میں قلیل ہے، وجہ یہ کہ إِلَّا حرف ہے اور غَیْرٌ اسم ہے، اسم میں زیادہ تصرفات کیے جاتے ہیں لیکن حروف میں تصرفات اتنے نہیں، تو اس لیے غَیْرٌ کثرت سے اس کی جگہ استعمال ہوتا ہے إِلَّا کی جگہ، اور إِلَّا غَیْرٌ کی جگہ قلیل استعمال ہوتا ہے۔

تو کہتے ہیں وَغَیْرٌ صِفَةٌ حُمِلَتْ عَلٰی إِلَّا فِي الْاِسْتِثْنَاءِ اور غَیْرٌ کا لفظ جو ہے وہ صفت ہے جس کو حمل جس کا حمل کیا گیا ہے عَلٰی إِلَّا إِلَّا پر، جو محمول ہے إِلَّا پر فِي الْاِسْتِثْنَاءِ اِسْتِثْنَاء میں كَمَا حُمِلَتْ إِلَّا عَلَيْهَا جیسے کہ إِلَّا کا حمل کیا جاتا ہے عَلَيْهَا کس پر؟ عَلَيْهَا غَيْرٌ پر، إِلَّا کا حمل کیا جاتا ہے إِلَّا کو محمول کیا جاتا ہے غَيْرٌ پر فِي الصِّفَةِ کس میں؟ صفت کے اندر، یعنی دونوں ایک دوسرے پر محمول کر کے ایک دوسرے کی جگہ استعمال کیے جاتے ہیں۔

اب اس سارے کو شرح کے ساتھ دیکھیے۔ کہتے ہیں وَغَيْرٌ أَيْ كَلِمَةُ غَيْرٍ فِي الْأَصْلِ صِفَةٌ یعنی کلمہ غَیْرٌ جو ہے اصل کے اندر وہ صفت ہے۔ دیکھا غَیْرٌ سے بول کر کیا مراد ہے؟ کلمہ غَیْرٌ مراد ہے یعنی عَلَم کے درجے میں ہے۔ تو کہتے ہیں وَغَيْرٌ أَيْ كَلِمَةُ غَيْرٍ فِي الْأَصْلِ صِفَةٌ کہ غَیْرٌ کا کلمہ جو ہے اصل کے اندر صفت ہے لِدَلَالَتِهَا اس وجہ سے کہ یہ دلالت کرتا ہے، بھائی غَیْرٌ کس لیے آتا ہے میں نے ابھی بیان کیا، یہ بتلانے کے لیے کہ میرا مابعد ماقبل کے مُغَایِر ہے، اور یاد رکھو یہ مُغَایَرَتِ ذات پہ دلالت کرتا ہے، کس پر؟ مُغَایَرَتِ ذات پر کہ میرے مابعد کی ذات میرے موصوف سے مُغَایِر ہے جدا ہے، تو لیکن یہ صفت کی مُغَایَرَت کے لیے بھی استعمال ہو جاتا ہے، لیکن علماء لکھتے ہیں کہ صفت کی مُغَایَرَت کے لیے اس کا استعمال جو ہے وہ مجاز ہے، یہ حقیقت میں وضع کس لیے ہے؟ مُغَایَرَتِ ذات بتلانے کے لیے۔ جَاءَنِي رَجُلٌ غَيْرُ زَيْدٍ، اس غَیْرٌ نے کیا بتایا؟ کہ یہ جو رَجُلٌ ہے اس کی ذات زید سے جدا ہے الگ ہے اس کے علاوہ ہے۔ غَیْرٌ کس لیے آتا ہے؟ مُغَایَرَتِ ذات بتلانے کے لیے، لیکن یہ مُغَایَرَتِ صفات کے لیے بھی استعمال ہو جاتا ہے، لیکن اصل وضع کس لیے ہے؟ مُغَایَرَتِ ذات کے لیے، اور مُغَایَرَتِ صفات کے لیے جو استعمال ہوتا ہے وہ مجاز ہے۔ مثلاً دیکھو یہ تو مُغَایَرَتِ ذات کی مثال تھی جَاءَنِي رَجُلٌ غَيْرُ زَيْدٍ۔ توجہ ہے؟ معلوم ہوا رَجُلٌ کی ذات زید کے علاوہ ہے اس سے مُغَایِر ہے۔ مُغَایَرَتِ صفت کی مثال مثلاً جیسے کہتے ہیں

آپ کہتے ہیں دَخَلْتَ بِوَجْهٍ غَيْرِ الَّذِيْ خَرَجْتَ بِهِ۔ دَخَلْتَ آپ داخل ہوئے بِوَجْهٍ ایسے چہرے کے ساتھ غَيْرِ الَّذِيْ خَرَجْتَ بِهِ جو غَيْر ہے اس چہرے سے جس کے ساتھ آپ نکلے تھے۔ بھائی دیکھو ایک آدمی ہے وہ کمرے کے اندر، کمرے کے اندر کوئی ساتھیوں کے پاس بیٹھا ہوا تھا اور پھر مثلاً اس کو کوئی ناراضگی والی بات ہو گئی، ناراضگی تو چہرے پر اس کے غضب کے آثار آ گئے، اب وہ کمرے سے نکل گیا، کمرے سے نکلا اور پھر کچھ لمحوں کے بعد غصہ اتر گیا وہ پھر کمرے میں داخل ہوا، اب چہرے پر غضب کے آثار نہیں، تو آپ اسے کہتے ہیں کہ دَخَلْتَ بِوَجْهٍ آپ اس چہرے کے ساتھ داخل ہوئے ہیں اندر، دَخَلْتَ بِوَجْهٍ آپ اس چہرے کے ساتھ اندر داخل ہوئے ہیں غَيْرِ الَّذِيْ خَرَجْتَ بِهِ جو اس چہرے کے مُغَایِر ہے جس کے ساتھ آپ نکلے تھے۔ تو دیکھا یہاں ذات نہیں چہرہ تو وہی ہے صرف صفت الگ الگ ہے، تو یہاں کس لیے آیا؟ یہاں غَيْرٌ کس لیے آیا؟ مُغَايَرَتِ صفت بیان کرنے کے لیے آیا کہ ایک چہرہ داخل ہوتے وقت تھا اور ایک چہرہ کمرے سے خارج ہوتے وقت تھا دونوں ایک دوسرے کے مُغَایِر ہیں بھائی۔ اب دیکھو چہرہ تو وہی ایک ہے ذات تو نہیں بدلی صرف صفت بدلی ہے کہ پہلے صفت چہرے کی اور تھی اس پر غضب کے آثار تھے اب چہرے کی صفات اور ہے۔ تو معلوم ہوا غَيْرٌ کس لیے آتا ہے؟ مُغَايَرَتِ ذات کے لیے بھی آتا ہے اور مُغَايَرَتِ صفت کے لیے بھی آتا ہے، البتہ وضع یہ مُغَايَرَتِ ذات کے لیے ہے اور مُغَايَرَتِ صفت کے لیے جب استعمال ہو گا تو یہ مجازاً استعمال ہو گا۔

تو دیکھیے بھائی کتاب پر۔ کہتے ہیں لِدَلَالَتِهَا عَلٰى ذَاتٍ مُبْهَمَةٍ، تو غَيْرٌ صفت ہے لِدَلَالَتِهَا عَلٰى ذَاتٍ مُبْهَمَةٍ اس لیے کیونکہ یہ دلالت کرتا ہے عَلٰى ذَاتٍ مُبْهَمَةٍ کس پر؟ ذاتِ مُبْهَمَہ پر۔ بھائی دیکھو نا ابھی میں نے آپ کو بتایا کہ یہ غَيْرٌ کا لفظ معرفہ کی طرف مُضَاف ہو جائے پھر بھی معرفہ نہیں بنتا، معرفہ نہیں بنتا، معرفہ تو اسے کہتے ہیں جو معین ذات پہ دلالت کرے، آپ کا ایک ساتھی ہے زید، ایک ساتھی ہے عَمْر، ایک ہے بکر، ایک ہے خالد، میں دیکھو جس جس کا نام لوں گا آپ پہچانتے جا رہے ہیں کہ یہ کس کی بات ہو رہی ہے، مثلاً میں نے کہا زید کل میرے پاس آیا تھا آپ سمجھ گئے اس ساتھی کی بات ہو رہی ہے، میں نے کہا عَمْر کل بازار گیا تھا آپ سمجھ گئے فلاں ساتھی کی بات ہو رہی ہے، توجہ ہے؟ تو یہ ہے معرفہ کہ معرفہ وہ ہے کہ جو معین ذات پر دلالت کرتا ہے، جیسے ہی آپ بولتے ہیں سننے والا سمجھ جاتا ہے، اور اگر کسی معین ذات پر وہ دلالت نہ کرے تو سمجھ جائیں وہ نکرہ ہے، وہ نکرہ ہے، جیسے مثلاً میں کہتا ہوں کہ مثلاً میں کیا کہتا ہوں؟ غَيْرُ زَيْدٍ، زید کے علاوہ، زید کے علاوہ کوئی معین آدمی آپ کے ذہن میں آیا؟ نہیں، زید کے علاوہ تو عَمْر بھی ہو سکتا ہے بکر بھی ہو سکتا ہے خالد بھی ہو سکتا ہے کوئی بھی ہو سکتا ہے۔ تو غَيْرٌ کی اضافت زَيْدٍ کی طرف ہوئی یعنی معرفہ کی طرف ہو گئی پھر بھی یہ کیا ہے؟ نکرہ کا نکرہ ہے، اس سے کوئی معین ذات ذہن میں نہیں آتی، تو معلوم ہوا غَيْرٌ صفت ہے اور یہ کس لیے آتا ہے؟ یہ کسی معین ذات پر دلالت کے لیے آتا ہے یا کسی مُبْهَم ذات پر؟ مُبْهَم یعنی تعین اس کے اندر نہیں ہوتی۔ معنی سمجھ میں آ گیا؟

مانا ہے؟ لِدَلَالَتِهَا عَلٰى ذَاتٍ مُبْهَمَةٍ اس وجہ سے کہ یہ غَيْرٌ کا لفظ دلالت کرتا ہے ایسی ذات پر جو مُبْهَم ہوتی ہے، مُبْهَم

ہوتی ہے، اور کس اعتبار سے؟ بِاعْتِبَارِ قِيَامِ مَعْنَى الْمُغَايَرَةِ بِهَا بایں اعتبار کہ اس کے ساتھ مُغَایَرَت والا معنی قائم ہے۔ غَيْرُ زَيْدٍ، زید کے علاوہ، معلوم ہوا کسی اور آدمی کی بات ہو رہی ہے، لیکن وہ ہے مُبْهَم کون سا آدمی؟ کون سا آدمی؟ اور تو صفت کا پتہ نہیں، ہاں وہ زید سے مُغَایِر ہے اتنا پتہ چل گیا۔ کس سے؟ غَيْرُ زَيْدٍ میں نے بھی زید سے مُغَایَرَت بیان کی ہے، تو غَيْرُ زَيْدٍ اس نے کس پہ دلالت کی؟ ایک ذات پر اور ذات معین تھی یا مُبْهَم تھی؟ مُبْهَم تھی، مُبْهَم تھی اور نیز اس ذات میں کیا صفت ملحوظ ہے؟ کہ وہ زید سے مُغَایِر ہے خود زید مراد نہیں ہے۔ یہ معنی ہے کہ دلالت کرتا ہے عَلٰى ذَاتٍ مُبْهَمَةٍ یہ دلالت کرتا ہے مُبْهَم ذات پر بِاعْتِبَارِ قِيَامِ مَعْنَى الْمُغَايَرَةِ بِهَا بایں اعتبار کہ اس کے ساتھ مُغَایَرَت والا معنی قائم ہے، یعنی مُغَایَرَت اس کی صفت ہے، غَيْرُ زَيْدٍ جو بھی شخص لیں گے آپ وہ غَیْر ہو گا زید سے، یعنی اس میں غیرِ زید کی صفت ہو گی، زید کے علاوہ جو بھی شخص ہو گا وہ کیا ہو گا؟ غیرِ زید ہو گا، تو غیرِ زید کی صفت اس میں ہے یا نہیں؟ تو اس کے ساتھ مُغَایَرَت والا معنی قائم ہے یعنی وہ زید نہیں ہے زید کے علاوہ ہے۔

جی آگے دیکھیے: فَالْأَصْلُ فِيهَا، تو غَيْرٌ اصل میں صفت ہے، تو فَالْأَصْلُ فِيهَا أَنْ تَقَعَ صِفَةً تو اصل تو اس کے اندر یہ ہے کہ یہ صفت واقع ہو، كَمَا تَقُوْلُ جیسے آپ کہتے ہیں جَاءَنِيْ رَجُلٌ غَيْرُ زَيْدٍ میرے پاس ایسا آدمی آیا جو زید کے علاوہ ہے۔ تو دیکھو یہاں رَجُلٌ موصوف اور غَيْرُ زَيْدٍ اس کی صفت ہے۔ وَاسْتِعْمَالُهَا عَلٰى هٰذَا الْوَجْهِ كَثِيْرٌ فِيْ كَلَامِ الْعَرَبِ تو اصل یہ ہے کہ اس کو صفت واقع ہونا چاہیے وَاسْتِعْمَالُهَا عَلٰى هٰذَا الْوَجْهِ كَثِيْرٌ فِيْ كَلَامِ الْعَرَبِ اور اس غَيْرٌ کا استعمال اس طریقے پر یعنی صفت کے طریقے پر کلامِ عرب میں کثیر ہے بھائی، کثرت سے یہ صفت کے طور پر استعمال ہوتا ہے کیونکہ اس کو وضع ہی صفت کے لیے کیا گیا ہے۔

لٰكِنَّهَا حُمِلَتْ عَلٰى إِلَّا لیکن اس کو محمول کیا جاتا ہے إِلَّا پر وَاسْتُعْمِلَتْ مِثْلَهَا اور اس غَيْرٌ کو إِلَّا کے مثل استعمال کیا جاتا ہے فِي الْاِسْتِثْنَاءِ کس میں؟ اِسْتِثْنَاء میں۔ بھائی کیوں؟ اس کو إِلَّا پر کیوں محمول کرتے ہیں اور اِسْتِثْنَاء میں کیوں استعمال کرتے ہیں؟ میں نے وجہ بتائی تھی کیونکہ دونوں میں مشارکت، دونوں میں اشتراک ہے، دونوں کا مابعد ماقبل سے مُغَایِر ہوتا ہے، إِلَّا بھی آتا ہے وہ بتلاتا ہے کہ میرے مابعد ماقبل کے مُغَایِر ہے، ماقبل والوں کے لیے اثبات ہے تو مابعد کے لیے نفی ہے اور اگر ماقبل کے لیے نفی ہے تو مابعد کے لیے اثبات ہے، تو جیسے إِلَّا مُغَایَرَت بیان کرتا ہے اسی طرح غَيْرٌ بھی مُغَایَرَت بیان کرتا ہے مابعد کی ماقبل سے۔ تو کہتے ہیں حُمِلَتْ عَلٰى إِلَّا یہ غَيْرٌ کا کلمہ جو ہے یہ محمول کیا جاتا ہے إِلَّا پر وَاسْتُعْمِلَتْ مِثْلَهَا اور اس کو إِلَّا کے مثل استعمال کیا جاتا ہے فِي الْاِسْتِثْنَاءِ اِسْتِثْنَاء کے اندر عَلٰى خِلَافِ الْأَصْلِ خلافُ الاصل پر، خلافُ الاصل طریقے پر، اصل تو تھا یہ صفت کے طور پر استعمال ہو لیکن اس کو اِسْتِثْنَاء کے طور پر استعمال کر لیا جاتا ہے۔ وَذٰلِكَ اور یہ اس لیے، یہ جو محمول کیا جاتا ہے غَيْرٌ کو إِلَّا پر اس لیے کہتے ہیں لِاشْتِرَاكِ كُلٍّ مِنْهُمَا فِيْ مُغَايَرَةِ مَا بَعْدَهُ لِمَا قَبْلَهُ۔ لِاشْتِرَاكِ كُلٍّ مِنْهُمَا اس لیے کیونکہ ان دونوں میں سے ہر ایک شریک ہے، ہر ایک میں اشتراک ہے کس چیز میں؟ فِيْ مُغَايَرَةِ مَا بَعْدَهُ لِمَا

قَبْلَهُ کہ اس کا مابعد ماقبل کے مُغَایِر ہے، اس میں دونوں، دونوں میں اشتراک ہے اس وجہ سے۔

کَمَا حُمِلَتْ إِلَّا عَلَيْهَا جیسے کہ إِلَّا جو ہے اس کو حم، اس کا حمل کیا جاتا ہے عَلَيْهَا أَيْ عَلٰى كَلِمَةِ غَيْرٍ کس پر؟ کلمہ غَيْرٌ پر حمل کیا جاتا ہے فِي الصِّفَةِ کس کے اندر؟ صفت کے اندر۔ إِلَّا تو وضع ہے کس لیے؟ اِسْتِثْنَاء کے لیے، لیکن کبھی غَيْرٌ پر حمل کرتے ہوئے اس کو کس لیے استعمال کر لیتے ہیں؟ صفت کے لیے استعمال کر لیتے ہیں حالانکہ یہ صفت کے لیے تو وضع نہیں ہے یہ تو اِسْتِثْنَاء کے لیے وضع ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟

آگے دیکھیے بھائی متن متن: إِذَا كَانَتْ تَابِعَةً لِ، جی متن متن دیکھنا بھائی اب ذرا تفصیل بیچ میں زیادہ ہے تو متن دور دور آئے گا۔ کہتے ہیں إِذَا كَانَتْ تَابِعَةً لِجَمْعٍ مَنْكُوْرٍ غَيْرِ مَحْصُوْرٍ لِتَعَذُّرِ الْاِسْتِثْنَاءِ نَحْوُ لَوْ كَانَ فِيْهِمَا آلِهَةٌ إِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا وَضَعُفَ فِيْ غَيْرِهِ۔ متن مل گیا سارا؟ پھر دیکھو سارا متن: إِذَا كَانَتْ تَابِعَةً لِجَمْعٍ مَنْكُوْرٍ غَيْرِ مَحْصُوْرٍ لِتَعَذُّرِ الْاِسْتِثْنَاءِ نَحْوُ لَوْ كَانَ فِيْهِمَا آلِهَةٌ إِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا وَضَعُفَ فِيْ غَيْرِهِ۔ بھائی میں نے آپ کو بتایا کہ غَيْرٌ إِلَّا کی جگہ استعمال ہوتا ہے اِسْتِثْنَاء کے لیے اور إِلَّا غَيْرٌ کی جگہ استعمال ہوتا ہے صفت کے لیے، لیکن کون سا استعمال زیادہ ہے؟ غَيْرٌ کا استعمال إِلَّا کی جگہ کیونکہ غَيْرٌ اسم ہے اور اسم میں زیادہ تصرفات کیے جاتے ہیں، تو غَيْرٌ کا استعمال إِلَّا کی جگہ کثیر ہے اور إِلَّا کو کبھی کبھی صفت کے طور پر استعمال کر لیتے ہیں غَيْرٌ کی جگہ یہ قلیل ہے۔ تو یہ قلیل ہے یہ کس مقام پر ہو گا اب وہ بیان کرنے لگے ہیں۔ إِلَّا کو کس کی جگہ استعمال کرنا؟ غَيْرٌ کی جگہ، کس لیے؟ صفت کے لیے، وہ کون سی جگہ ہے اب وہ بیان کرنے لگے ہیں۔

تو کہتے ہیں پھر ذرا پچھلا متن بھی جوڑ لیجیے: كَمَا حُمِلَتْ إِلَّا عَلَيْهَا فِي الصِّفَةِ جیسے کہ إِلَّا کا حمل کیا جاتا ہے غَيْرٌ پر فِي الصِّفَةِ کس میں؟ صفت کے اندر، کب؟ کہتے ہیں إِذَا كَانَتْ تَابِعَةً لِجَمْعٍ مَنْكُوْرٍ غَيْرِ مَحْصُوْرٍ جب إِلَّا تابع ہو لِجَمْعٍ کس کے؟ جمع کے، جب إِلَّا جمع کے تابع ہو۔ جمع سے مراد جمعِ اصطلاحی نہیں مراد، جمع سے مراد ہے جس میں تَعَدُّد ہو، جس میں کیا ہو؟ تَعَدُّد ہو جو کئی افراد پر دلالت کرے چاہے حقیقتاً جمع ہو یا جمع نہ ہو۔ جیسے مثلاً میں کہتا ہوں رِجَالٌ، رِجَالٌ حقیقتاً جمع ہے، اور ایک ہے میں کہتا ہوں قَوْمٌ، قوم، قوم مردوں کی جماعت تین سے لے کر نو تک یا تین سے لے کر دس تک یہ مردوں کی جماعت کو کیا کہتے ہیں؟ قوم، قوم۔ اب دیکھو قوم کا لفظ مفرد ہے یہ جمع نہیں ہے یہ اسمِ جمع ہے، یہ کیا ہے؟ اسمِ جمع وہ ہے جو جمع والا معنی ادا کرتا ہے لیکن جمع نہیں ہوتا جمع کا وزن نہیں ہوتا۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو قوم تو مفرد لفظ ہے لیکن اس کے افراد زیادہ ہوتے ہیں تو یہ حقیقتاً تو جمع نہیں ہے لیکن تقدیراً کیا ہے؟ جمع ہی ہے۔ تو إِلَّا، توجہ سے ادھر دیکھیے، إِلَّا کبھی کس لیے آئے گا؟ غَيْرٌ کے معنی میں صفت کے لیے آئے گا، لیکن کب؟ جب یہ تابع ہو کس کے تابع ہو؟ جمع کے۔ جمع سے اصطلاحی جمع نہیں مراد بلکہ جس کے اندر تَعَدُّد پایا جائے چاہے حقیقتاً جمع ہو چاہے تقدیراً جمع ہو، جیسے قوم کا لفظ حقیقتاً تو جمع نہیں لیکن وہ بھی مراد ہے وہ بھی شامل ہو گیا۔ توجہ ہے؟ تو جمع سے معلوم ہوا جمعِ اصطلاحی مراد نہیں۔

اور نیز کہا جمع کے تابع ہو، جمع کے، جب إِلَّا جمع کے تابع ہو یعنی جمع کے بعد آئے، کیا آئے؟ ایک تو توابع آپ کو گزشتہ سبق میں بھی میں نے ذکر کیا تھا کہ پانچ چیزیں ہیں ان کو نحو میں توابع کہا جاتا ہے، توابع یعنی یہ اپنے ماقبل کے تابع ہوتے ہیں ان کے ماقبل پر جو اِعْرَاب آتا ہے ان پر بھی وہی اِعْرَاب آتا ہے، جیسے صفت صفت پر وہی اِعْرَاب آتا ہے جو موصوف پر ہو، بَدَل بَدَل پر وہی اِعْرَاب آتا ہے جو مُبْدَل مِنْہُ پر ہو، تاکید تاکید پر وہی اِعْرَاب آتا ہے جو مُؤَکَّد پر ہو، اسی طرح معطوف بحرف اس پر وہی اِعْرَاب آتا ہے جو معطوفٌ علیہ پر ہو، اور عطفِ بیان اس پر بھی وہی اِعْرَاب آتا ہے جو معطوفٌ علیہ پر ہو، تو یہ توابع کہلاتے ہیں۔ توجہ ہے؟ تو یہاں جو تابع کا لفظ آیا اس سے وہ پانچ توابع نہیں مراد بلکہ تابع کا معنی ہے بعد میں آئے، کیا ہے؟ تَابِعَةً لِجَمْعٍ یعنی جمع کے بعد إِلَّا آئے۔

تو کہتے ہیں إِذَا كَانَتْ تَابِعَةً لِجَمْعٍ جب کہ وہ إِلَّا جو ہے جمع کے تابع ہو یعنی جمع کے بعد آئے، مَنْكُوْرٍ اور وہ جمع بھی نکرہ ہو، جمع بھی نکرہ ہو معرفہ نہ ہو، جیسے رِجَالٌ ہے، ایک ہے اَلرِّجَالُ اس پر تو الف لام آگیا وہ تو معرفہ بن گیا، کہتے ہیں نہیں معرفہ نہ ہو بلکہ نکرہ ہو۔ نیز غَيْرِ مَحْصُوْرٍ وہ جمع بھی ایسی ہے جو نکرہ ہے وہ غَيْرِ مَحْصُوْر ہو، یعنی ایسی جمع نہ ہو جو اپنے افراد کا احاطہ کر لے، جو اپنے افراد کا احاطہ... کیونکہ اگر وہ اپنے افراد کا احاطہ کر لے گی تو پھر تو وہ مُسْتَثْنٰی مُتَّصِل بنائیں گے بھائی۔ بھائی آپ کو دیکھو وجہ بتائیں گے کہ یہ تین شرطیں کیوں لگا رہے ہیں؟ إِلَّا اصل میں تو وضع ہے اِسْتِثْنَاء کے لیے، لیکن کس کی جگہ آئے گا؟ غَيْرٌ کی جگہ، کس لیے؟ صفت کے لیے۔ یہ وہاں ہو گا جہاں نہ مُسْتَثْنٰی مُتَّصِل بنانے کی کوئی صورت ہو نہ مُسْتَثْنٰی مُنْقَطِع بنانے کی۔ ایک جگہ پر إِلَّا آیا، یہ وضع کس لیے ہے؟ اِسْتِثْنَاء کے لیے، تو چنانچہ آپ نے بھی اس کو اِسْتِثْنَاء کے لیے بنانے کی کوشش کی، لیکن آپ نے کوشش کی تو جو مابعد ہے نہ وہ مُسْتَثْنٰی مُتَّصِل بن سکتا ہے نہ وہ مُسْتَثْنٰی مُنْقَطِع۔ تو مُسْتَثْنٰی تو یہی دو ہیں یا وہ مُتَّصِل ہوتا ہے یا مُنْقَطِع، اگر ماقبل میں داخل تھا اور پھر اس کو نکالا گیا ہے تو وہ مُسْتَثْنٰی مُتَّصِل، اور اگر وہ پہلے میں داخل تھا ہی نہیں تو وہ مُسْتَثْنٰی مُنْقَطِع، تو دو ہی صورتیں ہیں اور وہ دونوں یہاں نہیں بن رہیں، تو پھر اس صورت میں معلوم ہوا یہ جو إِلَّا آیا ہے نہ اس کو آپ مُسْتَثْنٰی مُتَّصِل کے لیے بنا سکتے ہیں نہ مُسْتَثْنٰی مُنْقَطِع کے لیے بنا سکتے ہیں، تو پھر ہم کہیں گے یہ صفت کے لیے ہے، یہ کس لیے ہے؟ صفت کے لیے ہے۔

تو پہلی شرط کیا لگائی؟ کہ کس کے بعد آئے؟ جمع کے بعد، إِلَّا کس کے بعد آئے؟ جمع کے بعد، اور وہ جمع بھی کیسی ہو؟ نکرہ ہو معرفہ نہ ہو، اور نیز وہ جمع بھی کیسی ہو؟ غَيْرِ مَحْصُوْر ہو، اپنے افراد کا احاطہ نہ کرے، اگر وہ احاطہ کر لے گی پھر إِلَّا اِسْتِثْنَاء کے لیے ہی بن جائے گا پھر اس کو صفت پہ محمول کرنے کی حاجت نہیں ہے۔ مثلاً میں کہتا ہوں مَا جَاءَنِيْ رَجُلٌ إِلَّا زَيْدٌ، مَا جَاءَنِيْ رَجُلٌ کیا ترجمہ؟ میرے پاس کوئی آدمی نہیں آیا، دیکھو رَجُلٌ نکرہ ہے اب دیکھو یہ جمع نہیں ہے، جمع نہیں ہے رَجُلٌ تو مفرد ہے، لیکن نکرہ تحتَ النفی آگیا اور نکرہ تحتَ النفی آئے تو اس میں کیا آجاتا ہے؟ عموم آجاتا ہے، تو تَعَدُّد آگیا یا نہیں؟ ہر ہر رَجُلٌ سے آنے کی نفی ہو گئی، تو معلوم ہوا رَجُلٌ کا لفظ اس وقت کیا ہے؟ جمع ہے یعنی اس میں تَعَدُّد ہے اس میں کیا ہے؟ تَعَدُّد ہے، اب میں اس سے زید کا اِسْتِثْنَاء کرنا چاہتا ہوں، تو مَا جَاءَنِيْ رَجُلٌ میرے پاس کوئی ایک بھی مرد نہیں آیا،

سارے مردوں کا احاطہ کر کے ان سے نفی کر دی یا نہیں کر دی؟ تو تمام مردوں سے نفی ہو گئی، جب تمام مردوں سے نفی ہوئی تو زید بھی تو ایک مرد ہے معلوم ہوا اس سے بھی کیا ہو گئی؟ نفی ہو گئی، پھر آپ نے إِلَّا زَيْدًا کہہ کر زید کو نکال کر اس کے لیے اثبات کر دیا۔ تو یہ کون سا مُسْتَثْنٰی بن گیا؟ مُسْتَثْنٰی مُتَّصِل، یہاں، تو لہٰذا اسی لیے کہا کہ وہ جمع ایسی ہو وہ غَيْرِ مَحْصُوْر ہو اپنے افراد کا احاطہ نہ کرے، اگر وہ احاطہ کر لے گی پھر إِلَّا اِسْتِثْنَاء کے لیے ہی بن جائے گا پھر اس کو صفت پر محمول کرنے کی حاجت نہیں ہے۔

تو کتنی شرطیں ہو گئیں؟ تین۔ إِلَّا صفت کے لیے ہو گا لیکن تین شرطیں ہیں، کیا؟ پہلی شرط جمع کے بعد آئے، دوسری شرط وہ جمع نکرہ ہو، تیسری شرط وہ اس میں حصر نہ ہو بھائی، حصر نہ ہو۔ تو پھر، تو لِتَعَذُّرِ الْاِسْتِثْنَاءِ اِسْتِثْنَاء متعذر ہونے کی وجہ سے، اِسْتِثْنَاء متعذر... یہ اس کو ذرا متن کو سارے کو پھر دوبارہ جوڑیں، کہتے ہیں كَمَا حُمِلَتْ إِلَّا عَلَيْهَا فِي الصِّفَةِ جیسے إِلَّا کو محمول کیا جاتا ہے غَيْرٌ پر فِي الصِّفَةِ کس میں؟ صفت کے اندر، کب؟ إِذَا كَانَتْ تَابِعَةً لِجَمْعٍ مَنْكُوْرٍ غَيْرِ مَحْصُوْرٍ جب یہ ایسی جمع جو مَنْكُوْر ہے نکرہ ہے اور غَيْرِ مَحْصُوْر ہے اس کے بعد آئے، تو پھر اس کو کس پر حمل کریں گے؟ اس إِلَّا کو صفت پر محمول کریں گے۔ کیوں؟ لِتَعَذُّرِ الْاِسْتِثْنَاءِ کیونکہ اِسْتِثْنَاء متعذر ہو گیا، اِسْتِثْنَاء ممکن ہی نہیں رہے گا، نہ آپ مُسْتَثْنٰی مُتَّصِل بنا سکتے ہیں نہ مُنْقَطِع بنا سکتے ہیں، تیسری تو کوئی صورت ہی نہیں ہے، تو پھر مجبوراً إِلَّا کو صفت پر محمول کرنا پڑے گا۔ بات سمجھ میں آ گئی؟

جیسے یہ مثال ہے: لَوْ كَانَ فِيْهِمَا آلِهَةٌ إِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا۔ لَوْ كَانَ فِيْهِمَا، فِيْهِمَا ضمیر راجع ہے زمین و آسمان کو، اگر اس زمین اور آسمان میں ہوتے آلِهَةٌ، آلِهَةٌ جمع ہے إِلٰہٌ کی، اگر اس زمین اور آسمان میں ہوتے کچھ آلِهَةٌ کچھ معبود إِلَّا اللّٰهُ سوائے کس کے؟ اللہ کے، لَفَسَدَتَا تو ان کا نظام فاسد ہو جاتا یعنی ان کا نظام خراب ہو جاتا۔ یہ توحید کی دلیل ہے بھائی اس کو برہانِ تمانع کہتے ہیں، کیا کہتے ہیں؟ برہانِ تمانع بھائی۔ تو یہ توحید کی دلیل ہے قرآن میں اللہ نے ذکر فرمائی ہے کہ اس زمین اور آسمان میں اور کوئی معبود نہیں ہے اللہ کے علاوہ، اگر اور معبود ہوتے تو اس زمین اور آسمان کا نظام چل ہی نہیں سکتا تھا، کیونکہ مثلاً ایک خدا چاہتا کہ میں یوں کر دوں، دوسرا چاہتا میں یوں کر دوں، تو پھر تو سارا نظام ہی خراب ہو جانا تھا۔ تو لَوْ كَانَ فِيْهِمَا آلِهَةٌ إِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا اگر اس زمین اور آسمان میں اللہ کے علاوہ اور معبود ہوتے تو ان کا نظام فاسد ہو جاتا۔ اب دیکھو لَوْ كَانَ فِيْهِمَا آلِهَةٌ إِلَّا اللّٰهُ، یہ إِلَّا آیا، اور یہ إِلَّا غَيْرٌ کے معنی میں ہے صفت کے لیے ہے، اِسْتِثْنَاء کے لیے نہیں۔ بھائی کیوں نہیں اِسْتِثْنَاء کے لیے؟ وجہ یہ کہ اس سے پہلے آلِهَةٌ جمع آیا، اور جمع بھی نکرہ ہے یا معرفہ ہے؟ الف لام تو داخل نہیں ہے تو یہ نکرہ ہے، جمع بھی ہے اور نکرہ بھی ہے، اور نیز غَيْرِ مَحْصُوْر ہے، اس نے اپنے افراد کا احاطہ نہیں کیا۔

جیسے دیکھو: رَجُلٌ کا معنی ایک آدمی، رِجَالٌ کا معنی کچھ آدمی، رِجَالٌ کا معنی کچھ آدمی یعنی دو سے زیادہ تین بھی ہو سکتے ہیں چار بھی دس بھی بیس بھی جتنے بھی ہو سکتے ہیں لیکن تعیین نہیں ہے، تو رِجَالٌ کا ترجمہ کیا کریں گے؟ کچھ آدمی۔ اسی طرح

إِلٰہٌ کا کیا معنی؟ ایک معبود، اور آلِھَۃٌ کا کیا معنی؟ کچھ معبود، تو یہاں حصر نہیں ہے، حصر نہیں ہے۔ ہاں اگر حصر الف لام آتا تو الف لام کبھی استغراقی ہوتا ہے تمام آلِھَۃٌ مراد ہو جاتے، الف لام کبھی کس لیے آتا ہے؟ استغراق کے لیے، تو الْآلِھَۃُ ہوتا تو معنی ہوتا سارے معبود، یا کبھی الف لام کے ذریعے کچھ خاص جماعت کی طرف اشارہ ہو جاتا ہے، تو بہرحال یہاں الف لام بھی نہیں ہے، تو یہ جمع بھی ہے، مَنْکُوْر بھی ہے اور غَیْرِ مَحْصُوْر بھی ہے، اور اس کے بعد کیا آیا؟ إِلَّا، تو اب اس إِلَّا کو اِسْتِثْنَاء پر محمول نہیں کر سکتے، کیوں؟ کیونکہ اِسْتِثْنَاء ممکن ہی نہیں ہے، کیونکہ اِسْتِثْنَاء کی دو ہی صورتیں ہیں یا مُسْتَثْنٰی مُتَّصِل ہوتا ہے یا مُنْقَطِع۔

دیکھو آلِھَۃٌ، آلِھَۃٌ سے کیا مراد ہے؟ کچھ آلِھَۃٌ، کچھ آلِھَۃٌ۔ تو کچھ آلِھَۃٌ تعیین ہے؟ تعیین کوئی نہیں۔ توجہ ہے؟ کچھ آلِھَۃٌ تعیین نہیں، جب تعیین نہیں اور إِلَّا اللّٰہُ کے بعد لفظِ اللہ آ رہا ہے، تو اگر یہ کچھ متعین آلِھَۃٌ ہوتے تو پھر ہم دیکھتے کہ اللہ تعالیٰ ان میں داخل ہیں یا داخل نہیں، اگر داخل ہوتے تو ہم کیا بنا لیتے؟ مُسْتَثْنٰی مُتَّصِل۔ مُسْتَثْنٰی مُتَّصِل بھی کسے کہتے ہیں؟ جو پہلے داخل ہو پھر إِلَّا کے ذریعے کیا کر لیا جائے؟ خارج۔ تو اگر کچھ متعین آلِھَۃٌ مراد ہوتے اگر اللہ تعالیٰ ان میں داخل تھے اور پھر إِلَّا سے نکالا گیا تو کیا بنا لیتے؟ مُسْتَثْنٰی مُتَّصِل، اور اگر کچھ ایسے آلِھَۃٌ ہوتے جن میں اللہ داخل ہی نہیں ہیں تو پھر اس صورت میں لفظِ اللہ کو کیا بنا لیتے؟ مُسْتَثْنٰی مُنْقَطِع بنا لیتے۔ لیکن یہاں تو تعیین ہی نہیں ہے کون سے آلِھَۃٌ بس کچھ آلِھَۃٌ، تو معلوم ہوا نہ یہاں مُسْتَثْنٰی مُتَّصِل ہم بنا سکتے ہیں اور نہ مُسْتَثْنٰی مُنْقَطِع بنا سکتے ہیں، اور یہی تو دو صورتیں تھیں مُسْتَثْنٰی کے اندر، تو جب یہ دونوں نہیں بنا سکتے تو معلوم ہوا إِلَّا کو اِسْتِثْنَاء پر محمول کر ہی نہیں سکتے، اب اس کو صفت پر محمول کریں گے۔ توجہ ہے؟ تو یہ صفت ہے۔

اور یاد رکھو جب یہ صفت کے لیے آتا ہے، جب یہ إِلَّا صفت کے لیے آتا ہے تو إِلَّا پر وہی اِعْرَاب آتا ہے جو کس پر تھا؟ موصوف پر تھا کیونکہ یہ صفت ہے، لیکن إِلَّا تو حرف ہے، حرف پر تو اِعْرَاب آ نہیں سکتا، تو وہی اِعْرَاب منتقل ہو جاتا ہے إِلَّا کے مابعد کی طرف۔ توجہ ہے؟ جیسے لَوْ کَانَ فِیْھِمَا آلِھَۃٌ، آلِھَۃٌ موصوف اور إِلَّا اللّٰہُ اس کی صفت، اور موصوف پر کیا ہے؟ رفع، وہی رفع کس پر آنا چاہیے؟ إِلَّا پر، لیکن إِلَّا تو حرف ہے، تو وہی رفع لفظِ اللہ پر آ گیا: آلِھَۃٌ إِلَّا اللّٰہُ۔ بات سمجھ میں آ گئی؟ تو کہتے ہیں لَوْ کَانَ فِیْھِمَا آلِھَۃٌ إِلَّا اللّٰہُ لَفَسَدَتَا اور اگر اس زمین اور آسمان میں اللہ کے علاوہ اور کچھ آلِھَۃٌ ہوتے لَفَسَدَتَا تو ان کا نظام فاسد ہو جاتا۔

آگے متن دیکھیے: وَضَعُفَ فِيْ غَيْرِهِ، اور ضعیف ہے اس کے علاوہ میں، ضعیف ہے اس کے علاوہ۔ یعنی ادھر دیکھو، إِلَّا اگر کب آئے؟ جمع کے بعد ہو، وہ جمع بھی کیا ہو؟ نکرہ ہو اور غَیْرِ مَحْصُوْر ہو، اس قسم کی جمع کے بعد اگر إِلَّا آئے تو وہ صفت پر محمول ہو گا، اس کے علاوہ باقی جگہوں کے اندر إِلَّا کو صفت پر حمل کرنا ضَعِیْفٌ وہ ضعیف ہے۔ بات سمجھ میں آ

گئی؟ یہ معنی ہے وَضَعُفَ فِيْ غَيْرِهِ اور اس کے علاوہ اور مقامات کے اندر إِلَّا کو غَيْرٌ پر محمول کرنا ضعیف ہے۔

بات سمجھ میں آگئی؟ چلیے بس کریں بھائی۔ باقی ان شاء اللہ کل اس کو شرح کے ساتھ حل کر لیں گے۔ حل ہو گیا سارا؟ چلیے بس بھائی هٰذَا هُوَ الْمَرَامُ وَاللّٰهُ أَعْلَمُ بِحَقِيْقَةِ الْكَلَامِ۔

سبق نمبر ١٦٦: المستثنیٰ (١٣): «غَيْرٌ» کی اصل صفت اور «إِلَّا» کا صفت واقع ہونا

شرحِ ملا جامی صفحہ: ١٤٩ — بتاریخ: ٣٠ جون ٢٠٢٢ء

▪ تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث

آگے دیکھیے سبق بھائی۔ لٰكِنْ لَا تُحْمَلُ إِلَّا عَلَيْهَا فِي الصِّفَةِ غَالِبًا إِلَّا إِذَا كَانَتْ أَيْ إِلَّا تَابِعَةً لِجَمْعٍ أَيْ وَاقِعَةً بَعْدَ مُتَعَدِّدٍ فَوَجَبَ أَنْ يَكُوْنَ مَوْصُوْفُهَا مَذْكُوْرًا لَا مُقَدَّرًا كَمَا قَدْ يَكُوْنُ مُقَدَّرًا فِيْ غَيْرٍ مِثْلُ جَاءَنِيْ غَيْرُ زَيْدٍ۔

گزشتہ سبق میں صاحب کافیہ نے آپ کو بتلایا تھا کہ مستثنیٰ جو ہے وہ اگر غَيْرٌ یا سِوٰی یا سَوَاءٌ یا حَاشَا کے بعد آئے تو مجرور ہوگا۔ اور حَاشَا کے اندر اکثر مجرور ہوتا ہے، لیکن بعض نحویوں نے حَاشَا کے بعد نصب کو بھی جائز قرار دیا ہے کہ بنا بر اس کے کہ یہ فعل ہے یعنی فِعْلِ مُتَعَدِّی ہے بھائی۔ اور پھر انہوں نے آپ کو یہ بھی بتلایا تھا کہ یہ جو غَيْرٌ ہے اس کے اندر وہی اعراب آئے گا جو مُسْتَثْنٰی بِإِلَّا کے اندر تھا۔ یعنی مُسْتَثْنٰی بِإِلَّا جو ہے اس پر جو اعراب آتا تھا اور جو تفصیل آپ نے پڑھی تھی وہی غَيْرٌ کے اندر بھی ہے بھائی۔

جیسے إِلَّا کے بعد مستثنیٰ آتا تھا تو آپ دیکھتے تھے کہ وہ منقطع ہے یا متصل۔ منقطع ہوتا تھا تو منصوب ہوتا تھا، متصل ہوتا تو پھر آپ دیکھتے تھے کہ کلام موجب ہے یا غیر موجب۔ موجب ہوتا تو پھر منصوب ہوتا اور اگر غیر موجب ہوتا پھر آپ دیکھتے تھے کہ مستثنیٰ مقدم ہے مُسْتَثْنٰی مِنْهُ پر یا مقدم نہیں۔ اگر مقدم ہوتا تب بھی منصوب ہوتا تھا اور اگر مقدم نہیں تو پھر دیکھتے تھے کہ مُسْتَثْنٰی مِنْهُ مذکور ہے یا مذکور نہیں۔ اگر مذکور ہے تو پھر نصب بھی جائز اور بدل بھی جائز اور بدل مختار ہے۔ اور اگر مُسْتَثْنٰی مِنْهُ مذکور نہیں تو اس میں مستثنیٰ کا اعراب عَلٰی حَسَبِ الْعَوَامِلِ آئے گا اور اس کو مُسْتَثْنٰی مُفَرَّغٌ کہتے ہیں، جس میں مُسْتَثْنٰی مِنْهُ مذکور نہ ہو بھائی۔ تفصیل سمجھ میں آگئی؟ تو یہی تفصیل ہے غَيْرٌ کے اندر بھی بھائی۔

بھائی یہ غَيْرٌ، سِوٰی اور سَوَاءٌ یہ مضاف ہوتے ہیں مابعد کی طرف، لہٰذا ان کے بعد جو مستثنیٰ آئے گا وہ تو قطعاً قطعاً مجرور ہوگا اضافت کی وجہ سے۔ اور حَاشَا کے بعد بھی جو مستثنیٰ آئے گا وہ مجرور ہوگا لیکن وہ مجرور باضافت نہیں ہے بلکہ وہ حَاشَا

حَرْفِ جَرٌّ ہوگا، تو حَرْفِ جَرٌّ جر دیتا ہے تو مستثنیٰ مجرور ہوگا۔ لیکن خود غَیْرٌ کا کیا اعراب ہوگا؟ تو بتایا اس کا وہی اعراب ہوگا جو مُسْتَثْنٰی بِإِلَّا کا ہے۔ یعنی غَیْرٌ جب آئے اگر مستثنیٰ منقطع ہو تو غَیْرٌ منصوب ہوگا۔ اگر متصل ہو اور کلام موجب ہو تو، تو بھی منصوب ہوگا۔ اگر یہ مُسْتَثْنٰی مِنْہُ پر مقدم ہے تب بھی غَیْرٌ منصوب ہوگا۔ اور اگر مقدم نہیں ہے کلام غیر موجب ہے اور مُسْتَثْنٰی مِنْہُ مذکور ہے تو پھر غَیْرُ پر نصب بھی جائز بنا بر استثنا کے اور اس کو ماقبل سے بدل بنانا بھی جائز ہے اور یہ پسندیدہ ہے۔ اور اگر مُسْتَثْنٰی مِنْہُ مذکور نہیں تو پھر غَیْرٌ کا اعراب عَلٰی حَسَبِ الْعَوَامِلِ ہوگا، عامل جس قسم کے اعراب کا تقاضا کرے گا وہی اعراب غَیْرٌ پر آئے گا۔

اور اس کے بعد پھر صاحب کافیہ نے آپ کو بتلایا تھا کہ یہ غَیْرٌ اَصْلِ وَضْع کے اعتبار سے صفت ہے، یہ مغایرت پر دلالت کرتا ہے کہ اس کا مابعد اس کے موصوف سے مغایر ہے ذات کے اندر۔ تو یہ اصل میں وضع ہے مُغَایَرَتِ ذَات کے لیے، جیسے جَاءَنِیْ رَجُلٌ غَیْرُ زَیْدٍ، رَجُلٌ موصوف اور غَیْرُ زَیْدٍ مضاف مضاف الیہ مل کر اس کی صفت، تو غَیْرُ نے کیا بتلایا کہ یہ جو رَجُلٌ میرا موصوف ہے یہ مغایر ہے زید سے، زید کے علاوہ ہے، زید نہیں ہے بھائی۔ تو یہ مُغَایَرَتِ ذَات کے لیے آتا ہے، لیکن اس کو مُغَایَرَتِ صِفَت کے لیے بھی استعمال کر لیتے ہیں، جیسے کل میں نے مثال ذکر کی تھی آپ کسی ساتھی سے کہتے ہیں دَخَلْتَ بِوَجْہٍ غَیْرِ الَّذِیْ خَرَجْتَ بِہٖ کہ آپ جس چہرے کے ساتھ داخل ہوئے ہیں یہ مغایر ہے اس چہرے سے جس کے ساتھ آپ باہر نکلے تھے۔ یعنی جب باہر نکلے تھے تو چہرے پر غضب کے آثار تھے، جب واپس آئے ہیں تو اب غضب کے آثار نہیں ہیں، تو معلوم ہوا آپ کا وہ ایک وہ چہرہ تھا جو نکلتے وقت تھا اور ایک وہ چہرہ ہے جو داخل ہوتے وقت ہے تو داخل ہوتے وقت آپ کا چہرہ مغایر ہے اس چہرے سے جو باہر نکلتے وقت تھا۔ اب دیکھو چہرہ تو وہی ایک ہے ذات تو نہیں بدلی، صرف صفت بدلی ہے کہ پہلے صفت چہرے کی اور تھی اس پر غضب کے آثار تھے، اب چہرے کی صفات اور ہے۔ تو معلوم ہوا غیر کس لیے آتا ہے؟ مُغَایَرَتِ ذَات کے لیے بھی آتا ہے اور مُغَایَرَتِ صِفَت کے لیے بھی آتا ہے، البتہ وضع یہ مُغَایَرَتِ ذَات کے لیے ہے اور مُغَایَرَتِ صِفَت کے لیے جب استعمال ہوگا تو یہ مجازاً استعمال ہوگا، اس میں مجاز ہوگا یہ۔

تو انہوں نے بتایا تھا کہ یہ غیر وضع ہے صفت کے لیے اور پھر کبھی کبھار اس کو استثنا کے لیے بھی استعمال کر لیتے ہیں إِلَّا کی جگہ۔ اور إِلَّا وضع ہے اصل میں استثنا کے لیے، لیکن کبھی کبھی اس کو غَیْرٌ کی جگہ صفت کے طور پر بھی استعمال کر لیتے ہیں۔ البتہ غَیْرٌ کا استعمال استثنا کے لیے یہ کثیر ہے، اور إِلَّا کا استعمال غَیْرٌ کے معنی میں بطور صفت کے یہ قلیل ہے۔ وجہ یہ کہ غَیْرٌ اسم ہے اور اسم میں زیادہ تصرفات کیے جاتے ہیں، اور إِلَّا حرف ہے اور حرف میں کم تصرف کوئی کیا جاتا ہے، تو لہٰذا اس لیے غَیْرٌ تو إِلَّا کے معنی میں یعنی استثنا کے لیے کثیر استعمال ہوتا ہے۔ غَیْرٌ استثنا کے لیے کثیر استعمال ہوتا ہے، لیکن إِلَّا صفت کے لیے یعنی غَیْرٌ کے معنی میں قلیل استعمال ہوتا ہے۔ تو وہ کون سی جگہیں ہیں جہاں پر إِلَّا غَیْرٌ کے معنی میں استعمال ہوگا؟ تو صاحب کافیہ نے آپ کو بتلایا تھا کہ اس وقت جب یہ إِلَّا تابع ہو جمع کے، جب إِلَّا کیا ہو؟ یعنی

جمع کے بعد آئے، اور جمع سے مراد جمع حقیقی نہیں ہے، جمع اصطلاحی مراد نہیں ہے بلکہ جَمْعٍ لُغَوِی مراد ہے یعنی جس کو عربی زبان میں جمع کہتے ہیں، یعنی جس میں تعدد ہو مراد یہ ہے۔ تو إِلَّا توجہ سے سنو إِلَّا وضع تو ہے استثنا کے لیے، لیکن یہ کبھی کس معنی میں آئے گا؟ غَیْرٌ کے معنی میں صفت کے طور پر آئے گا، یہ کس مقام پر ہوگا؟ جب یہ ایسی جمع کے بعد آئے جو نکرہ ہو اور غیر محصور ہو، یعنی اس نے اپنے افراد کا احاطہ نہ کیا ہو۔ تو اس وقت یہ إِلَّا جو ہے پھر استثنا کے لیے نہیں ہوگا بلکہ یہ غَیْرٌ کے معنی میں ہوگا صفت کے لیے ہوگا۔ وجہ یہ کہ جب یہ شرطیں پوری ہو جائیں گی تو پھر اس وقت استثنا ممکن ہی نہ رہے گا، نہ آپ اس کو مُسْتَثْنٰی مُنْقَطِع بنا سکتے ہیں نہ مُسْتَثْنٰی مُتَّصِل۔ تو استثنا کی تو دو ہی صورتیں ہیں یا متصل ہوگا یا منقطع، تو جب آپ نہ متصل بنا سکتے ہیں نہ منقطع تیسری تو کوئی صورت ہی نہیں ہے استثنا میں، تو معلوم ہوا پھر یہ استثنا کے لیے نہیں ہو سکتا، جب استثنا کے لیے نہیں ہو سکتا تو پھر یہ غَیْرٌ کے معنی میں ہوگا صفت کے لیے۔

اور پھر میں نے یہ بھی بتایا تھا کہ جب یہ إِلَّا صفت کے لیے آئے، کس کے لیے؟ صفت کے لیے آئے یعنی غَیْرٌ کے معنی میں، تو صفت پر تو وہی اعراب آتا ہے جو کس پر ہوتا ہے؟ موصوف پر، لیکن إِلَّا تو حرف ہے حرف پر تو اعراب نہیں آسکتا تو پھر اس کا اعراب آگے جو إِلَّا کے بعد آرہا ہوگا اس کی طرف یہ اعراب منتقل ہو جائے گا۔ جیسے وہ آیت آئی تھی لَوْ كَانَ فِيْهِمَا آلِهَةٌ إِلَّا اللّٰهُ، اب یہ إِلَّا اللّٰهُ یہ صفت ہے آلِهَةٌ کی۔ یہاں نہ مُسْتَثْنٰی مُتَّصِل ہو سکتا ہے نہ منقطع۔ بھائی کیوں نہیں ہو سکتا؟ وجہ یہ ہے، وجہ یہ ہے دیکھو لَوْ كَانَ فِيْهِمَا آلِهَةٌ، یہ آلِهَةٌ جمع ہے اور جمع بھی کیسی ہے؟ نکرہ ہے اس پر الف لام نہیں ہے، اور نیز یہ غیر محصور ہے۔ آلِهَةٌ، إِلٰهٌ کی جمع ہے اور اس کا معنی ہے کچھ معبود، تو اس میں حصر نہیں ہے، اس نے اپنے افراد کا احاطہ نہیں کیا، تو جمع بھی ہے نکرہ بھی ہے اور غیر محصور بھی ہے۔ اس کے بعد إِلَّا آیا ہے، انہوں نے بھی کیا کہا تھا؟ تَابِعَةً لِجَمْعٍ مَنْكُوْرٍ غَيْرِ مَحْصُوْرٍ، تو یہاں پر بھی آیا آلِهَةٌ إِلَّا اللّٰهُ، یہ إِلَّا کس کے بعد آیا؟ ایسی جمع کے بعد جو نکرہ ہے اور غیر محصور ہے۔ تو اس صورت میں پھر استثنا متعذر ہو جاتا ہے، استثنا نہیں ہو سکتا، نہ مُسْتَثْنٰی مُتَّصِل بنا سکتے ہیں نہ مُسْتَثْنٰی مُنْقَطِع۔ جب دونوں نہیں بنا سکتے تو پھر یہ صفت کے لیے ہوگا۔ اور جب صفت کے لیے ہے تو صفت پر تو وہی اعراب آتا ہے جو موصوف پر ہوتا ہے، تو آلِهَةٌ موصوف مرفوع ہے، تو إِلَّا اللّٰهُ یہ صفت بھی کیا ہوگی؟ مرفوع، لیکن إِلَّا تو حرف ہے اس پہ تو رفع نہیں آسکتا، تو وہ رفع لفظِ اللہ کی طرف منتقل ہو گیا، تو اسی لیے کیسے پڑھیں گے لَوْ كَانَ فِيْهِمَا آلِهَةٌ إِلَّا اللّٰهُ، یہ لفظِ اللہ پہ رفع کیوں آیا؟ کیونکہ یہ إِلَّا اللّٰهُ صفت ہے کس کی؟ آلِهَةٌ کی۔

تو بتایا انہوں نے کہ یہاں استثنا متعذر ہے۔ إِلَّا آیا تو ہے لیکن وہ استثنا کے لیے نہیں ہو سکتا، کیوں نہیں ہو سکتا؟ کیونکہ استثنا کی دو ہی صورتیں ہیں یا مُسْتَثْنٰی مُتَّصِل بنا ؤ یا مُسْتَثْنٰی مُنْقَطِع۔ مُسْتَثْنٰی مُتَّصِل کسے کہتے ہیں؟ جو پہلے قطعی طور پر یقینی طور پر مُسْتَثْنٰی مِنْهُ میں داخل ہو اور پھر إِلَّا کے ذریعے اس کو کیا کر لیا جائے؟ نکال دیا جائے، اس کو مُسْتَثْنٰی مُتَّصِل کہتے ہیں۔ اور مُسْتَثْنٰی مُنْقَطِع کسے کہتے ہیں؟ جو قطعی طور پر ماقبل میں داخل نہ ہو، جَاءَنِی الْقَوْمُ إِلَّا حِمَارًا، یہ حمار قطعی طور پر قوم

میں داخل نہیں ہے کیونکہ قوم تو مردوں کی جماعت کو کہتے ہیں، تو حمار اس میں قطعی طور پر داخل نہیں لہٰذا یہ مُسْتَثْنٰی مُنْقَطِع بنے گا۔ اور یہاں پر آلِہَۃٌ آیا، کچھ معبود، اب آگے آیا إِلَّا اللّٰہُ، اب بھائی اللہ تعالیٰ ان کچھ معبودوں میں داخل ہیں یا داخل نہیں؟ یہ یقینی نہیں۔ اگر یقینی طور پر مابعد ماقبل میں داخل ہوتا اور پھر إِلَّا کے ذریعے نکالا جاتا تو پھر یہ کیا بن جاتا؟ مُسْتَثْنٰی مُتَّصِل۔ یا یقینی طور پر داخل نہ ہوتا تو پھر یہ کیا بن جاتا؟ مُسْتَثْنٰی مُنْقَطِع۔ لیکن یہاں پر یقینی نہیں، جب یقینی نہیں تو پھر یہ مستثنیٰ نہ متصل بن سکتا ہے اور نہ منقطع، تو پھر دوسری صورت یہی رہ گئی کہ پھر اس کو صفت کے لیے بنا لیں گے بمعنی غَیْرٌ کے۔

اور پھر آخر میں انہوں نے آپ کو بتلایا تھا کہ وَضَعُفَ فِیْ غَیْرِہٖ، ان کے علاوہ باقی جگہیں جو ہیں ان کے علاوہ یہ کون سی جگہ تھی جہاں إِلَّا کس کے بعد آئے جمع منکور غیر محصور کے بعد آئے، اس میں تو یہ إِلَّا کو غَیْرٌ پر محمول کریں گے صفت بنائیں گے، لیکن اس کے علاوہ باقی جگہوں کے اندر إِلَّا کو صفت پر محمول کرنا ضعیف ہے۔ باقی جگہوں میں إِلَّا کو صفت پر محمول کرنا ضعیف ہے بھائی۔ جی یہ سارا متن ہم نے حل کر لیا تھا اب آئیے اس سارے کو شرح کے ساتھ ہم حل کریں گے۔ دیکھیے بھائی۔

کہتے ہیں لٰکِنْ لَا تُحْمَلُ إِلَّا عَلَیْہَا فِی الصِّفَۃِ غَالِبًا، اور لیکن جو ہے إِلَّا اس کو محمول نہیں کیا جاتا صفت پر غالباً یعنی اکثر اوقات میں، إِلَّا إِذَا کَانَتْ أَیْ إِلَّا تَابِعَۃً لِجَمْعٍ، إِلَّا إِذَا کَانَتْ مگر اس وقت جبکہ أَیْ إِلَّا، کَانَتْ کے بعد کیا کہا کَانَتْ أَیْ إِلَّا، یہ کَانَ کا اسم بتلا رہے ہیں کَانَتْ کے اندر ہِیَ ضمیر ہے جو اس کا اسم ہے، اب وہ ضمیر کس کو راجع ہے؟ بتلایا أَیْ إِلَّا، یہ ضمیر کس کو راجع ہے؟ إِلَّا، اور إِلَّا چونکہ حرف ہے اور حروف عربی میں مذکر بھی استعمال ہوتے ہیں مؤنث بھی، مذکر کی ضمیر بھی لوٹائی جاتی ہے اور مؤنث بھی، لیکن زیادہ تر مؤنث ہی استعمال کرتے ہیں، تو اس لیے کَانَتْ کہا مؤنث کا صیغہ لائے، تو ہِیَ ضمیر إِلَّا کو راجع ہے وہ حرف ہے اور مؤنث ہے تو اس کی طرف مؤنث ضمیر راجع کر دی۔

تو کہتے ہیں پھر ترجمہ دیکھیے، کہتے ہیں لٰکِنْ لَا تُحْمَلُ إِلَّا عَلَیْہَا فِی الصِّفَۃِ، لیکن جو إِلَّا جو ہے اس کو محمول نہیں کیا جاتا غَیْرٌ پر فِی الصِّفَۃِ صفت کے اندر غَالِبًا اکثر اوقات میں، إِلَّا إِذَا کَانَتْ أَیْ إِلَّا تَابِعَۃً لِجَمْعٍ، مگر اس وقت کہ جب إِلَّا تَابِعَۃً لِجَمْعٍ وہ جمع کے تابع ہو، أَیْ وَاقِعَۃً بَعْدَ مُتَعَدِّدٍ، یعنی متعدد کے بعد واقع ہو۔ فَوَجَبَ أَنْ یَّکُوْنَ مَوْصُوْفُہَا مَذْکُوْرًا، تو واجب ہوا کہ اس کا موصوف کیا ہونا چاہیے؟ مذکور ہونا چاہیے لازم ہوا، واجب ہوا یعنی لازم ہوا۔ بھائی ادھر دیکھیے، ادھر دیکھیے۔ انہوں نے کہا إِلَّا کبھی کبھار صفت کے لیے آئے گا، غَیْرُ پر محمول کرتے ہوئے صفت کے لیے آئے گا، لیکن کب جب یہ کس کے بعد آئے؟ جمع کے بعد آئے، کس کے بعد آئے یعنی متعدد کے بعد آئے۔ جب کہہ دیا کہ وہ متعدد کے بعد آئے گا تو معلوم ہوا اس متعدد کا مذکور ہونا ضروری ہے، اس متعدد کا۔ بھائی وہ مذکور ہوگا تو اس کے بعد ہم کہیں گے إِلَّا اس کے بعد آیا ہے،

اگر وہ مذکور ہی نہیں ہے تو پھر ہم یہ کہہ سکتے ہیں یہ اس کے بعد ہے؟ توجہ ہے؟ جَاءَنِی الْقَوْمُ إِلَّا زَیْدًا، توجہ سے سنو جَاءَنِی الْقَوْمُ إِلَّا زَیْدًا، وہ لوگ میرے پاس آئے إِلَّا زَیْدًا۔ ہم کیا کہیں گے یا إِلَّا کس کے بعد ہے؟ اَلْقَوْم کے بعد ہے، کس کے بعد ہے؟ اَلْقَوْم کے بعد ہے، اگر اَلْقَوْم کا لفظ یہاں سے ہٹا دیں تو جَاءَنِیْ إِلَّا زَیْدٌ، تو اب آپ کہہ سکتے ہیں إِلَّا اَلْقَوْم کے بعد ہے؟ نہیں، تو انہوں نے بھی یہاں پر کیا کہا کہ وہ إِلَّا کس کے بعد آنا چاہیے؟ جمع کے بعد یعنی متعدد کے بعد آنا چاہیے، اور متعدد کے بعد تبھی ہو سکتا ہے جب متعدد پہلے ذکر ہو عبارت میں محذوف نہ ہو مقدر نہ ہو، بات سمجھ میں آگئی؟ یہ معنی ہے فَوَجَبَ أَنْ یَّکُوْنَ مَوْصُوْفُهَا مَذْکُوْرًا، پس واجب ہوا یعنی لازم ہوا کہ اس إِلَّا کا جو موصوف ہے وہ مذکور ہونا چاہیے، کیونکہ إِلَّا صفت بن رہا ہے نا، کیا بن رہا ہے؟ صفت بنے گا غَیْرٌ پر حمل کرتے ہوئے تو اس کا موصوف مذکور ہونا چاہیے محذوف یا مقدر نہیں ہونا چاہیے۔ لَا مُقَدَّرًا مقدر نہیں ہونا چاہیے کَمَا قَدْ یَکُوْنُ مُقَدَّرًا فِیْ غَیْرِ مِثْلُ جَاءَنِیْ غَیْرُ زَیْدٍ۔

جس کا کوئی مفرد ہوتا ہے اور پھر اس مفرد میں تبدیلی کر کے جمع بنائی جاتی ہے اور پھر یہ جمع کم از کم تین یا تین سے زیادہ افراد پر دلالت کرتی ہے۔ تو رَجُلٌ دیکھو مفرد موجود ہے، اسی کے لفظوں میں ہم نے تھوڑی سی تبدیلی کی اور رِجَالٌ نیا صیغہ بنا لیا اور یہ کم از کم تین یا زیادہ افراد پر بولا جاتا ہے تین سے کم پر نہیں۔ جبکہ اس کے مقابلے میں قَوْمٌ دیکھ لو قَوْمٌ۔ قَوْمٌ کا اطلاق ہوتا ہے تین سے لے کر نو تک مردوں کی جماعت پر۔ اب یہ قَوْمٌ کا لفظ تو مفرد ہے، یہ تو جمع نہیں ہے، تو اس کو کہتے ہیں اِسْمِ جَمْعٍ، کیا کہتے ہیں؟ یعنی یہ معنی جمع کا ادا کر رہا ہے لیکن خود جمع نہیں کیونکہ جمع کے لیے مفرد کا ہونا ضروری ہے اور قَوْمٌ تو خود مفرد ہے اس کا اور کیا مفرد ہوگا؟ قَوْمٌ تو خود کیا ہے؟ مفرد ہے۔

تو لہٰذا جمع سے یہاں جمع اصطلاحی مراد نہیں ہے بلکہ جَمْعِ لُغَوِی مراد ہے جس کو عربی زبان والے جمع کہتے ہیں بھئی۔ دیکھو ایک ہے علم نحو، علم نحو والوں کی اپنی اصطلاحات ہیں، یہ چیز مرفوع ہے، یہ منصوب ہے، مجرور ہے۔ عام عرب کو پتہ ہی نہیں ہوگا مرفوع کسے کہتے ہیں، منصوب کسے کہتے ہیں، مجرور کسے کہتے ہیں۔ توجہ ہے؟ تو لہٰذا وہ ان اعراب کو جانتے ہی نہیں ہیں۔ تو یہاں پر جو جمع کا لفظ آیا، یہاں جمع اصطلاحی نہیں مراد جو علم نحو والے کہتے ہیں کہ جس کے لیے مفرد بھی ہونا چاہیے پھر اس میں تبدیلی کر کے ایک نیا صیغہ بنایا جاتا ہے اور اس کے خاص اوزان ہوتے ہیں اور پھر یہ تین یا تین سے زیادہ پر دلالت کرتا ہے، بلکہ عرب کے ہاں جمع ہر اس چیز کو جمع کہتے ہیں جس میں کیا ہو؟ تعدد ہو۔

جی تو نحویوں کے نزدیک رِجَالٌ تو جمع ہے قَوْمٌ اور رَہْطٌ جمع نہیں۔ لیکن عربوں کے نزدیک رِجَالٌ بھی جمع اور قَوْمٌ اور رَہْطٌ بھی جمع ہے کیونکہ یہ ان کے افراد متعدد ہیں بھئی۔

جی پھر ترجمہ دیکھ لیں۔ لٰکِنْ لَا تُحْمَلُ إِلَّا عَلَیْهَا فِی الصِّفَةِ غَالِبًا، لیکن إِلَّا جو ہے اس کو غَیْرٌ پر محمول نہیں کیا جاتا صفت کے اندر غالباً اکثر اوقات میں، إِلَّا إِذَا کَانَتْ أَیْ إِلَّا تَابِعَةً لِجَمْعٍ، مگر اس وقت کہ جب إِلَّا جو ہے تَابِعَةً لِجَمْعٍ وہ جمع کے تابع ہو، أَیْ وَاقِعَةً بَعْدَ مُتَعَدِّدٍ، یعنی متعدد کے بعد واقع ہو۔ فَوَجَبَ أَنْ یَّکُوْنَ مَوْصُوْفُهَا مَذْکُوْرًا، تو واجب ہوا کہ اس کا موصوف

کیا ہونا چاہیے؟ مذکور ہونا چاہیے لازم ہوا، واجب ہوا یعنی لازم ہوا۔ بھائی ادھر دیکھیے، انہوں نے کہا إِلَّا کبھی کبھار صفت کے لیے آئے گا غَیْرُ پر محمول کرتے ہوئے، غَیْرٌ پر محمول کرتے ہوئے صفت کے لیے آئے گا، لیکن کب جب یہ کس کے بعد آئے؟ جمع کے بعد آئے۔ کس کے بعد آئے یعنی متعدد کے بعد آئے۔ جب کہہ دیا کہ وہ متعدد کے بعد آئے گا تو معلوم ہوا اس متعدد کا مذکور ہونا ضروری ہے۔ اس متعدد کا مذکور ہونا ضروری ہے، بھائی وہ مذکور ہوگا تو اس کے بعد ہم کہیں گے إِلَّا اس کے بعد آیا ہے، اگر وہ مذکور ہی نہیں ہے تو پھر ہم یہ کہہ سکتے ہیں یہ اس کے بعد ہے؟ توجہ ہے؟ جَاءَنِی الْقَوْمُ إِلَّا زَیْدًا، توجہ سے سنو، جَاءَنِی الْقَوْمُ إِلَّا زَیْدًا، وہ لوگ میرے پاس آئے إِلَّا زَیْدًا، ہم کیا کہیں گے یہ إِلَّا کس کے بعد ہے؟ اَلْقَوْم کے بعد ہے، کس کے بعد ہے؟ اَلْقَوْم کے بعد ہے۔ اگر اَلْقَوْم کا لفظ یہاں سے ہٹا دیں تو جَاءَنِیْ إِلَّا زَیْدٌ، تو اب آپ کہہ سکتے ہیں إِلَّا اَلْقَوْم کے بعد ہے؟ نہیں، تو انہوں نے بھی یہاں پر کیا کہا کہ وہ إِلَّا کس کے بعد آنا چاہیے؟ جمع کے بعد یعنی متعدد کے بعد آنا چاہیے اور متعدد کے بعد تبھی ہو سکتا ہے جب متعدد پہلے ذکر ہو عبارت میں محذوف نہ ہو، مقدر نہ ہو۔ بات سمجھ میں آگئی؟ یہ معنی ہے فَوَجَبَ أَنْ یَّکُوْنَ مَوْصُوْفُهَا مَذْکُوْرًا، تو واجب ہوا یعنی لازم ہوا کہ اس کا موصوف جو ہے وہ مذکور ہونا چاہیے، پھر ہی یہ اس کے بعد ہوگا ورنہ مذکور نہ ہو تو بعد ہونے کا کیا معنی؟ بات سمجھ میں آگئی؟

بات سمجھ بھی آئی کہ نہیں، اس کو نہیں سمجھ میں آئی۔ دیکھو میں نے کیا کہا؟ آپ نے کہا کہ مقدر نہ ہو۔ مقدر، دیکھو نا دیکھو، جَاءَنِی الْقَوْمُ إِلَّا زَیْدًا، جَاءَنِی الْقَوْمُ إِلَّا زَیْدًا، یہ اب یہ عبارت جب ہوگی تو آپ کہہ سکتے ہیں إِلَّا کا لفظ اَلْقَوْم کے بعد آ رہا ہے، لیکن اگر آپ اَلْقَوْم کو یہاں محذوف کر دیں مقدر کر دیں جَاءَنِیْ إِلَّا زَیْدٌ، اب کیا آپ کہہ سکتے ہیں یہ إِلَّا اَلْقَوْم کے بعد ہے؟ کیونکہ اَلْقَوْم تو ہے ہی نہیں لفظوں میں، مقدر ہے لیکن مقدر کے تو، مقدر میں تو یہ نہیں کہہ سکتے کہ آپ یہ اس کے بعد آ رہا ہے کیونکہ اَلْقَوْم کا لفظ آتو آپ آخر میں بھی نکال سکتے ہیں جَاءَنِیْ إِلَّا زَیْدًا اَلْقَوْمُ، اَلْقَوْمُ آخر میں نکال لیں۔ توجہ ہے؟ تو لہٰذا بعد میں ہونے کے لیے ضروری ہے کہ وہ متعدد إِلَّا سے پہلے مذکور ہونا چاہیے مقدر نہیں ہونا چاہیے۔

یہ معنی ہے فَوَجَبَ أَنْ یَّکُوْنَ مَوْصُوْفُهَا مَذْکُوْرًا، پس واجب ہوا یعنی لازم ہوا کہ اس إِلَّا کا جو موصوف ہے وہ مذکور ہو، لَا مُقَدَّرًا مقدر نہ ہو، کَمَا قَدْ یَکُوْنُ مُقَدَّرًا فِیْ غَیْرٍ، جیسے کہ کبھی کبھار یہ موصوف مقدر ہوتا ہے غَیْرٌ کے اندر، مِثْلُ جَاءَنِیْ غَیْرُ زَیْدٍ۔ جَاءَنِیْ غَیْرُ زَیْدٍ، اصل میں کیا ہے کلام؟ جَاءَنِیْ رَجُلٌ غَیْرُ زَیْدٍ، کیونکہ غَیْرُ کس لیے آتا ہے؟ صفت کے لیے اور یہاں موصوف ذکر ہے؟ نہیں، جب ذکر نہیں ہے تو محذوف اور مقدر نکالنا پڑے گا۔

تو معلوم ہوا غَیْرٌ کا موصوف مذکور بھی ہو سکتا ہے مقدر بھی ہو سکتا ہے، لیکن إِلَّا کا موصوف مقدر نہیں ہو سکتا۔ وَبَعْدَ مَا کَانَ مَذْکُوْرًا، اچھا ایک بات تو یہ گزر گئی کہ إِلَّا کا موصوف مذکور ہونا چاہیے مقدر نہیں، دوسری بات یہ ذکر کریں گے کہ جو اس کا موصوف ہے وہ جمع ہو یعنی اس میں تعدد ہونا چاہیے، اس میں کیا ہونا چاہیے؟ تعدد ہونا چاہیے۔ یہی بیان کر رہے ہیں،

وَبَعْدَ مَا كَانَ مَذْكُوْرًا، اور بعد اس کے کہ جب اس کا موصوف مذکور ہو، يَكُوْنُ مُتَعَدِّدًا، اس موصوف کو متعدد ہونا چاہیے، لِيُوَافِقَ حَالُهَا صِفَةَ حَالَهَا أَدَاةَ اسْتِثْنَاءٍ۔

یہ عبارت سمجھ لو۔ لِيُوَافِقَ حَالُهَا، یہ حَالُهَا فاعل ہے يُوَافِقُ کے لیے اور فاعل کیا ہوتا ہے؟ مرفوع، اور حَالُهَا یہاں ضمیر راجع ہے إِلَّا کو، کیونکہ وہ حرف ہے اور حرف کی طرف کون سی ضمیر راجع کرتے ہیں زیادہ تر؟ مؤنث۔ تو حَالُهَا أَيْ حَالُ إِلَّا۔ لِيُوَافِقَ حَالُهَا، تاکہ إِلَّا کا حال موافق ہو جائے، صِفَةَ، یہ حَال ہے حَالُهَا سے، صِفَةَ حال ہے کس سے؟ حَالُهَا سے، حَالُهَا فاعل ہے اور فاعل سے حال آگے آسکتا ہے۔ لِيُوَافِقَ حَالُهَا تاکہ إِلَّا کا حال موافق ہو جائے صِفَةَ صفت ہونے کی حالت میں۔ صفت ہونے کی حالت میں۔ آگے آیا حَالَهَا، یہ مفعول بہ ہے اور مفعول بہ منصوب ہوتا ہے اس لیے حَالَهَا پڑھا، اور اس کے اندر بھی هَا ضمیر راجع ہے إِلَّا کو۔ تاکہ إِلَّا کا حال صفت ہوتے ہوئے موافق ہو جائے کس کے موافق؟ حَالَهَا إِلَّا کے حال کے، أَدَاةَ اسْتِثْنَاءٍ، یہ أَدَاةَ مضاف ہے اور اِسْتِثْنَاءٍ مضاف الیہ، اور یہ مضاف مضاف الیہ مل کر یہ بھی بن رہا ہے حال، اور حال کیا ہوتا ہے؟ منصوب، اس لیے صِفَةَ وہ بھی حال تھا منصوب، یہ أَدَاةَ اسْتِثْنَاءٍ یہ بھی کیا ہے؟ حال۔ توجہ ہے؟ صِفَةَ کس سے حال تھا؟ حَالُهَا سے، فاعل سے۔ اور أَدَاةَ اسْتِثْنَاءٍ یہ کس سے حال ہے؟ یہ حَالَهَا سے یعنی مفعول سے حال ہے۔ کس سے؟ مفعول سے حال ہے۔ اب ادھر دیکھو، اس إِلَّا کے دو حال ہو گئے۔ إِلَّا کے دو حال: ایک حال ہے اس کا صفت ہونے، صفت کے ہونے کی حالت میں۔ ایک حال ہے استثنا کے لیے، اصل وضع تو ہے استثنا کے لیے استعمال کبھی کس لیے کر لیتے ہیں صفت کے لیے۔ تو اس إِلَّا کے دو حال ہو گئے، ایک حال ہے اس کا صفت ہوتے ہوئے اور ایک حال ہے اس کا ادات استثنا ہوتے ہوئے۔ توجہ ہے؟

تو کہتے ہیں تاکہ اس إِلَّا کا حال صفت ہوتے ہوئے وہ موافق ہو جائے اسی إِلَّا کے حال کے جب یہ ادات استثنا ہو۔ ادھر دیکھیے، ادھر دیکھیے، دیکھو إِلَّا جب استثنا کے لیے آتا ہے، آپ کو انہوں نے بتایا تھا مُسْتَثْنًى مُتَّصِل کسے کہتے ہیں؟ انہوں نے وہاں تعریف کی تھی فَالْمُتَّصِلُ هُوَ الْمُخْرَجُ عَنْ مُتَعَدِّدٍ۔ مُسْتَثْنًى مُتَّصِل کسے کہتے ہیں؟ وہ ہے جس کو نکالا گیا ہو متعدد سے۔ تو معلوم ہوا إِلَّا جب استثنا کے لیے آتا ہے تو اس کے ماقبل کا متعدد ہونا ضروری ہے، ماقبل کا متعدد ہونا ضروری ہے۔ تو اب اس وقت جب آپ اس کو صفت کے لیے بنا رہے ہیں تو اس وقت بھی اس کے ماقبل کا متعدد ہونا ضروری۔ ایک إِلَّا کی حالت ہے استثنا کے لیے اس وقت بھی ماقبل کا متعدد ہونا یعنی مُسْتَثْنًى مِنْهُ میں تعدد کا ہونا ضروری، اور ایک إِلَّا صفت کے لیے آرہا ہے تو اس وقت بھی اس کے موصوف میں تعدد کا ہونا ضروری ہے تاکہ دونوں میں موافقت ہو جائے، دونوں حال ایک دوسرے جیسے بن جائیں۔ توجہ ہے؟ کیا؟ إِلَّا کبھی کس لیے آئے گا؟ صفت کے لیے، کبھی کس لیے آئے گا؟ استثنا کے لیے، لیکن دونوں صورتوں میں إِلَّا کی حالت ایک جیسی ہونی چاہیے۔ جیسے استثنا کے وقت ماقبل میں تعدد ضروری تھا، اسی طرح صفت جب بنا رہے ہیں تب بھی ماقبل میں تعدد ضروری ہے۔

یہ معنی ہے لِيُوَافِقَ حَالُهَا صِفَةَ، تاکہ إِلَّا کا حال صفت ہوتے ہوئے موافق ہو جائے، بھائی کس کے موافق ہو جائے؟

حَالَہَا أَدَاۃَ اسْتِثْنَاءٍ، اسی إِلَّا کے حال کے موافق ہو جائے ادات استثنا ہوتے ہوئے۔ إِلَّا کا حال صفت ہوتے ہوئے إِلَّا کے حال کے موافق ہو جائے ادات استثنا ہوتے ہوئے۔ إِذْ لَا بُدَّ لَہَا فِی الِاسْتِثْنَاءِ مِنْ مُسْتَثْنًی مِنْہُ مُتَعَدِّدٍ، اس لیے کیونکہ لَا بُدَّ لَہَا ضروری ہے إِلَّا کے لیے فِی الِاسْتِثْنَاءِ کس میں؟ استثنا میں بھی ضروری ہے مِنْ مُسْتَثْنًی مِنْہُ مُتَعَدِّدٍ ایسے مُسْتَثْنٰی مِنْہُ کا ہونا جو جس میں تعدد ہو۔ توجہ ہے؟ إِذْ لَا بُدَّ لَہَا فِی الِاسْتِثْنَاءِ مِنْ مُسْتَثْنًی مِنْہُ مُتَعَدِّدٍ، اس لیے کیونکہ إِلَّا کے لیے استثنا میں بھی ضروری ہے کہ مُسْتَثْنٰی مِنْہُ میں تعدد ہو، مُسْتَثْنٰی مِنْہُ تعدد والا ہو۔ فَلَا تَقُوْلُ فِی الصِّفَۃِ، لہٰذا آپ صفت کے لیے جب إِلَّا کو لائیں تو آپ یوں نہیں کہہ سکتے جَاءَنِیْ رَجُلٌ إِلَّا زَیْدٌ، جَاءَنِیْ رَجُلٌ إِلَّا زَیْدٌ۔

پہلے اوپر جملہ کیا تھا؟ جَاءَنِیْ رَجُلٌ غَیْرُ زَیْدٍ، توجہ ہے؟ جَاءَنِیْ رَجُلٌ غَیْرُ زَیْدٍ۔ پہلی مثال جو میں نے بتائی تھی آپ کو، رَجُلٌ موصوف تھا اور غَیْرُ زَیْدٍ کیا تھی؟ صفت تھی۔ اب آپ غَیْرُ کی جگہ إِلَّا لانا چاہتے ہیں اور آپ یوں کہتے ہیں جَاءَنِیْ رَجُلٌ إِلَّا زَیْدٌ، یہ إِلَّا زَیْدٌ کو کیا بنانا چاہتے ہیں؟ رَجُلٌ کے لیے صفت۔ کہتے ہیں صفت نہیں بنا سکتے کیونکہ ابھی ہم نے ضابطہ بتایا کہ جب إِلَّا کو صفت کے لیے بنائیں تو ماقبل میں تعدد ہونا چاہیے اور ماقبل میں تو ہے جَاءَنِیْ رَجُلٌ، رَجُلٌ کا ذکر ہے اور رَجُلٌ میں تو تعدد نہیں ہے، رَجُلٌ تو ایک آدمی کو کہتے ہیں۔ لہٰذا یہاں إِلَّا صفت کے لیے نہیں ہو سکتا اور استثنا کے لیے بھی نہیں ہو سکتا۔ استثنا کے لیے بھی نہیں ہو سکتا تو معلوم ہوا یہ ترکیب ہی غلط ہے، آپ یوں عربی میں نہیں کہہ سکتے جَاءَنِیْ رَجُلٌ إِلَّا زَیْدٌ، کیونکہ استثنا کے لیے إِلَّا لائیں تو بھی ماقبل میں تعدد ضروری۔

اور صفت کے لیے لائیں تو بھی ماقبل میں تعدد ضروری اور یہاں تو رَجُلٌ کے اندر، رَجُلٌ تو ایک آدمی کو کہتے ہیں وہاں تو تعدد نہیں ہے۔ تو یہ معنی ہے فَلَا تَقُوْلُ فِی الصِّفَۃِ جَاءَنِیْ رَجُلٌ إِلَّا زَیْدٌ، تو آپ صفت کے اندر یوں نہیں کہہ سکتے کہ جَاءَنِیْ رَجُلٌ إِلَّا زَیْدٌ۔

وَالْمُتَعَدِّدُ، اب بتا رہے ہیں بھائی میں نے بتایا تھا کہ جمع سے کیا مراد ہے؟ جس میں تعدد ہو، جمع اصطلاحی مراد نہیں۔ تو اس میں جمع اصطلاحی بھی آگئی جیسے رِجَالٌ، رِجَالٌ کس کی جمع ہے؟ رَجُلٌ کی، تو اس میں بھی تعدد ہے وہ بھی داخل۔ تو یہ معلوم ہوا اس کے اندر وہ بھی جمع آگئی جو لفظوں کے اعتبار سے جمع ہے، اور وہ جمع بھی آگئی جو تقدیراً تو جمع ہے جیسے قَوْمٌ۔ قَوْمٌ کیا ہے؟ تقدیراً تو جمع ہے، لفظوں کے اعتبار سے تو یہ جمع نہیں، جمع کے لیے تو مفرد ہونا ضروری ہے، اس قَوْمٌ کے لیے تو کوئی مفرد نہیں، یہ تو خود مفرد ہے بھائی۔

تو کہتے ہیں وَالْمُتَعَدِّدُ أَعَمُّ مِنْ أَنْ یَّکُوْنَ جَمْعًا لَفْظًا کہ وہ متعدد عام ہے اس سے کہ وہ لفظوں کے اعتبار سے جمع ہو کَرِجَالٍ جیسے رِجَالٍ، أَوْ تَقْدِیْرًا یا وہ تقدیراً جمع ہو کَقَوْمٍ وَرَہْطٍ جیسے قَوْمٌ اور رَہْطٌ۔ قَوْمٌ میں نے بتایا تین سے لے کر نو تک مردوں کی جماعت کو کہتے ہیں، اور اسی طرح رَہْطٌ بھی تین سے لے کر تین سے لے کر دس تک افراد کی جماعت کو کہتے ہیں۔ تو یہ لفظاً تو جمع نہیں کیونکہ جمع کے لیے تو کوئی مفرد ہوتا ہے، ان کا تو کوئی مفرد نہیں تو یہ تقدیراً جمع ہیں بھائی، یعنی یہ افراد پر دلالت

کرتے ہیں، قَوْمٌ کے بھی کئی افراد ہوں گے تین سے لے کر نو تک اور رَہْطٌ کے بھی کئی افراد ہوں گے تین سے لے کر دس تک بھئی۔

تو کہتے ہیں وَالْمُتَعَدِّدُ أَعَمُّ مِنْ أَنْ يَكُوْنَ جَمْعًا لَفْظًا كَرِجَالٍ أَوْ تَقْدِيْرًا كَقَوْمٍ وَرَهْطٍ اور متعدد عام ہے اس سے کہ وہ لفظوں کے اعتبار سے جمع ہو جیسے رِجَالٌ یا تقدیراً جمع ہو جیسے قَوْمٌ اور رَہْطٌ۔ وَأَنْ يَكُوْنَ مُثَنًّى اور عام ہے اس سے کہ وہ تثنیہ ہو۔ تثنیہ میں بھی تعدد ہے یا نہیں؟ رَجُلٌ کا معنی ہے ایک اور رَجُلَانِ کا کیا معنی؟ دو آدمی، تو تعدد آگیا یا نہیں؟ تو اس میں تثنیہ بھی داخل ہو گیا۔ اس میں تثنیہ بھی داخل ہو گیا۔ تو کہتے ہیں یہ عام ہے اس سے وَأَنْ يَكُوْنَ مُثَنًّى کہ یہ تثنیہ ہو، فَدَخَلَ فِيْهِ نَحْوُ تو اس جیسی مثالیں بھی اس کے اندر داخل ہو گئیں، مَا جَاءَنِيْ رَجُلَانِ إِلَّا زَيْدٌ، مَا جَاءَنِيْ رَجُلَانِ إِلَّا زَيْدٌ۔

یہاں یاد رکھو رَجُلَانِ نکرہ ہے اور مابعد میں زَيْدٌ یہ اس کے لیے صفت ہے، صفت ہے اس لیے کیونکہ نہ یہاں مُسْتَثْنًى مُتَّصِل ہو سکتا ہے نہ منقطع۔ متصل کب ہوگا؟ جب زید یقینی طور پر رَجُلَانِ میں داخل ہو اور رَجُلَانِ کا کیا معنی؟ کوئی سے دو آدمی، کوئی متعین دو ہیں ہی نہیں۔ اگر متعین دو آدمی ہوتے تو ہم ان کو دیکھ لیتے کہ ان میں سے کوئی زید ہے یا زید نہیں۔ تو اگر زید انہی میں سے ہوتا تو ہم یہ مُسْتَثْنًى مُتَّصِل بنا لیتے اور اگر زید ان میں سے نہ ہوتا قطعی طور پر تو پھر ہم اس کو مُسْتَثْنًى مُنْقَطِع بنا لیتے، لیکن رَجُلَانِ تو متعین ہیں ہی نہیں کوئی دو آدمی، تو نہ یہ مُسْتَثْنًى مُتَّصِل بن سکتا ہے اور نہ مُسْتَثْنًى مُنْقَطِع، لہٰذا یہ صفت کے لیے ہوگا۔ اور یہ بھی اس کے اندر داخل ہے کیونکہ رَجُلَانِ میں تعدد ہے۔ تو یہاں إِلَّا زَيْدٌ یہ صفت کے لیے آیا ہے۔

آگے دیکھیے مَنْكُوْرٍ اور وہ جمع بھی کیسی ہو؟ نکرہ ہو دیکھو خود بتا رہے ہیں أَيْ مُنَكَّرٍ وہ جمع مُنَكَّر ہو۔ توجہ ہے؟ بھائی صاحب کافیہ نے ذکر کیا مَنْكُوْرٍ کا لفظ، صاحب جامی نے ذکر کیا مُنَكَّرٍ کا لفظ، اس کی تفسیر کر رہے ہیں وجہ یہ کہ نکرہ کے لیے نَكَّرَ کا فعل تو استعمال کرتے ہیں تو اسی سے اسم مفعول کیا بنے گا؟ مُنَكَّرٌ، لیکن مَنْكُوْرٌ کا لفظ اس کے لیے عام استعمال نہیں ہوتا تو اس لیے بتلا دیا کہ مَنْكُوْرٍ کا کوئی اور معنی نہیں ہے مَنْكُوْرٍ کا معنی مُنَكَّرٌ ہی ہے، جس کو وہ جو نکرہ ہے بھائی۔

بھائی نکرہ کا کیا معنی؟ کہتے ہیں نکرہ سے مراد یہ ہے کہ وہ مُعَرَّف بِاللَّام نہ ہو، وہ جو متعدد ہے إِلَّا سے پہلے وہ مُعَرَّف بِاللَّام نہ ہو۔ بھائی آپ نے پڑھا ہے مُعَرَّف بِاللَّام کہ الف لام جو ہے، الف لام اگر اسم فاعل اور اسم مفعول پر داخل ہو تو وہ دراصل اسم موصول ہے بمعنی اَلَّذِيْ، اَلضَّارِبُ کس معنی میں؟ اَلَّذِيْ يَضْرِبُ، اور اَلْمَضْرُوْبُ کس معنی میں؟ اَلَّذِيْ يُضْرَبُ کے معنی میں ہے، توجہ ہے؟ جبکہ اس کے علاوہ باقی لفظوں پر الف لام آئے تو پھر وہ الف لام حرفی ہے، الف لام حرفی، اور الف لام حرفی وہ ہے جس کے ذریعے کسی چیز کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے۔ اگر اس کے ذریعے اشارہ جنس کی طرف کیا جائے تو یہ الف لام جنسی کہلاتا ہے جنس اور ماہیت کی طرف، افراد کی طرف نہیں۔ مثلاً میں کہتا ہوں اَلرَّجُلُ خَيْرٌ مِنَ الْمَرْأَةِ، جنسِ رَجُل بہتر ہے کس سے؟ جنسِ اِمْرَأَة سے۔ یہ الف لام جنسی ہے، اَلرَّجُلُ پر جو الف لام آیا اس سے رَجُل کے

افراد نہیں مراد، رَجُل کی ماہیت اور جنس اور حقیقت مراد ہے۔ اور اَلْمَرْأَةُ پر جو الف لام آیا اس سے بھی اَلْمَرْأَة کی جنس مراد ہے تو معنی کلام کا کیا ہوا اَلرَّجُلُ خَيْرٌ مِنَ الْمَرْأَةِ، جنسِ رَجُل بہتر ہے کس کے مقابلے میں؟ جنسِ اِمْرَأَة کے مقابلے میں۔ افراد نہیں مراد، اگر افراد مراد لیں گے تو پھر کلام صحیح نہیں رہے گا ہر جگہ پر۔ مثلاً ایک ایمان والی عورت ہے اور ایک کافر آدمی ہے، کون بہتر؟ ایمان والی عورت اور آپ نے تو کیا کہا کہ اَلرَّجُلُ خَيْرٌ مِنَ الْمَرْأَةِ، تو اگر افراد کو دیکھیں پھر تو بعض اوقات عورت مرد سے کیا ہو جاتی ہے؟ افضل ہو جاتی ہے بہتر ہو جاتی ہے، لہٰذا افراد نہیں مراد بلکہ جنس اور ماہیت مراد ہے کہ یہ جو مرد کی جنس اور ماہیت ہے اس کو اللہ نے فضیلت دی ہے دنیا کے اندر۔ توجہ ہے؟ مردوں کو اللہ نے فضیلت دی ہے، آپ بھی دیکھتے ہیں بھئی کسی کے ہاں اولاد ہوتی ہے کس کو زیادہ پسند کرتے ہیں؟ بیٹے کو یا بیٹی کو؟ بیٹے کو، نیز حکومتیں زیادہ تر کس کے پاس ہیں؟ مردوں کے پاس، مرد طاقتور ہے، مرد آزادی سے گھومتا ہے جہاں دل چاہتا ہے اور عورت کے لیے تو اس طرح گھومنا ممکن نہیں، تو یہ اللہ نے کس کو فضیلت دی ہے؟ مردوں کو نیز انبیاء، انبیاء کس میں سے ہیں؟ انبیاء تمام مردوں میں سے آئے ہیں، معلوم ہوا اس جنس کو اللہ نے فضیلت نصیب فرمائی ہے۔ تو اَلرَّجُلُ خَيْرٌ مِنَ الْمَرْأَةِ یہ الف لام کون سا ہے؟ جنسی ہے اس کے ذریعے جنس کی طرف اشارہ ہے افراد کی طرف اشارہ نہیں۔

پھر اگر افراد کی طرف الف لام کے ذریعے اشارہ ہو تو تمام افراد مراد ہوں گے یا بعض؟ تمام افراد یا بعض۔ اگر تمام افراد کی طرف الف لام کے ذریعے اشارہ ہے اس کو الف لام استغراقی کہتے ہیں، وَالْعَصْرِ إِنَّ الْإِنْسَانَ لَفِيْ خُسْرٍ، یقیناً تمام انسان خسارے میں ہیں، اَلْإِنْسَان پر الف لام ہے اور یاد رکھو یہ الف لام استغراقی ہے، الف لام استغراقی، اور استغراقی الف لام استغراقی کا ترجمہ تمام اور کُل کے ساتھ کرتے ہیں، تمام انسان خسارے میں ہیں۔ اب کوئی آپ کا ساتھی اعتراض کرے کہ آیت میں تو کیا آیا ہے إِنَّ الْإِنْسَانَ، انسان خسارے میں ہے اور آپ کیا ترجمہ کر رہے ہیں تمام انسان خسارے میں ہیں، یہ تمام کا لفظ آپ کہاں سے لے آئے؟ تو آپ کیا جواب دیں گے کہ یہ میں کس کا ترجمہ کر رہا ہوں؟ الف لام کا کہ یہ الف لام استغراقی ہے۔

تو پھر سنیں کہ الف لام کے ذریعے یا تو اشارہ ہوگا جنس کی طرف یا افراد کی طرف، اگر جنس کی طرف اشارہ ہو تو الف لام جنسی، اگر افراد کی طرف اشارہ ہو تو پھر سارے افراد مراد ہوں گے یا بعض؟ اگر سارے مراد ہوں تو یہ الف لام استغراقی، اگر بعض کی طرف اشارہ ہے تو پھر وہ بعض متعین ہوں گے یا متعین نہیں؟ اگر وہ بعض متعین ہیں تو اس کو عہدِ خارجی کہتے ہیں، عہد کا معنی متعین ہونا، عہد کا کیا معنی؟ یعنی عہدِ خارجی جو خارج میں متعین ہیں۔ مثلاً میں نے کہا اَلرَّجُلُ، اس کے ذریعے میں کسی خاص مرد کی طرف اشارہ کر رہا ہوں یہ والا آدمی مراد ہے ہر ایک کی میں بات نہیں کر رہا، تو یہ اَلرَّجُلُ پر الف لام عہدِ خارجی کا ہے اس کے ذریعے ایک متعین شخص کی طرف اشارہ ہے۔ توجہ ہے؟ اَلرَّجُلَانِ دیکھا اَلرَّجُلَانِ، اس کے ذریعے میں نے کہا وہ دو آدمی، وہ دو، تو دیکھو اس کے ذریعے دو متعین آدمیوں کی طرف اشارہ ہوا میں ہر دو آدمیوں کی

بات نہیں کر رہا بلکہ وہ والے جو دو آدمی ہیں ان کی بات کر رہا ہوں۔ یا اَلرِّجَالُ جمع پہ لے آتے ہیں وہ والے کئی آدمی، معلوم ہوا اس سے میں ایک خاص جماعت کی طرف اشارہ کر رہا ہوں دنیا کے ہر قسم کے افراد کی طرف اشارہ نہیں، تو یہ الف لام مفرد پہ بھی داخل ہو سکتا ہے تثنیہ پہ بھی جمع پہ بھی، لیکن جب عہدِ خارجی ہے تو متعین ایک یا دو یا زیادہ کی طرف اشارہ ہوگا، اس کو کہتے ہیں عہدِ خارجی۔

اور ایک ہوتا ہے الف لام عہدِ ذہنی اور اگر الف لام کے ذریعے آپ نے جنس کی طرف بھی اشارہ نہیں کیا تمام افراد کی طرف بھی اشارہ نہیں کیا، بعض کی طرف اشارہ کیا ہے اور وہ بعض خارج میں متعین نہیں ہیں تو اس کو الف لام عہدِ ذہنی کہتے ہیں، اس کو کیا کہتے ہیں؟ الف لام عہدِ ذہنی۔ جیسے اس کی مثال قرآن میں ہے أَخَافُ أَنْ يَّأْكُلَهُ الذِّئْبُ، حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنے بیٹوں سے فرمایا، انہوں نے کہا کہ حضرت یوسف علیہ السلام کو ہمارے ساتھ بھیج دیں، تو حضرت یعقوب علیہ السلام نے فرمایا أَخَافُ مجھے خوف ہے أَنْ يَّأْكُلَهُ الذِّئْبُ، اَلذِّئْبُ الف لام آیا مجھے خوف ہے کہ ان کو کوئی بھیڑیا کھا جائے گا۔ تو اَلذِّئْبُ پر کیا آیا ذِئْبٌ بھیڑیے کو کہتے ہیں اس پر الف لام آیا۔ اب مجھے بتائیے کیا الف لام کے ذریعے جنسِ بھیڑیے کی طرف اشارہ ہو سکتا ہے؟ نہیں جنس کی طرف اشارہ نہیں ہو سکتا جنس تو کہتے ہیں کسی چیز کی ماہیت، میٹیریل جس سے وہ چیز بنی ہے، تو وہ چیز کا میٹیریل نہیں کسی کو بھیڑیے کا میٹیریل یا اس کا اس کی حقیقت کسی کو نہیں کھاتی، بھیڑیے کے جو خارج میں افراد ہوتے ہیں وہ کھاتے ہیں بھئی۔ توجہ ہے؟ تو معلوم ہوا اس سے الف لام جنسی مراد نہیں، پھر اس سے الف لام جنسی نہیں معلوم ہوا افراد مراد ہیں، تو پھر تمام افراد ہوں گے یا بعض افراد؟ تمام افراد بھی مراد نہیں لے سکتے کہ مجھے خوف ہے تمام دنیا کے بھیڑیے مل کر ان کو کھا جائیں گے، بھئی تمام دنیا کے بھیڑیے تو ایک جگہ اکٹھے ہی نہیں ہو سکتے تو معلوم ہوا الف لام استغراقی بھی مراد نہیں۔ پھر تو پھر معلوم ہوا اس کے ذریعے بعض افراد کی طرف اشارہ ہے تمام کی طرف اشارہ نہیں، وہ بعض یا تو خارج میں متعین ہوں گے یا متعین نہیں، تو اگر خارج میں متعین ہوں تو یہ الف لام عہدِ خارجی ہو جائے گا، تو کیا اَلذِّئْبُ کسی خاص بھیڑیے کی طرف اشارہ تھا کہ وہ والا بھیڑیا کھا جائے گا؟ نہیں معلوم ہوا عہدِ خارجی بھی نہیں تو پھر یہ عہدِ ذہنی ہے، یعنی بھیڑیے کا کوئی ایک فرد تصور کیا حضرت یعقوب علیہ السلام نے اور الف لام کے ذریعے اس کی طرف اشارہ کر دیا۔ اور یاد رکھو یہ جو الف لام عہدِ ذہنی ہوتا ہے یہ لفظوں کے اعتبار سے معرفہ ہے لیکن معنی کے اعتبار سے یہ نکرہ ہے، کس کے اعتبار سے؟ لفظوں میں معرفہ ہے الف لام آگیا ہے اور الف لام سے کوئی لفظ معرفہ بن جاتا ہے، لیکن معنی اس کا وہی نکرہ والا کریں گے۔ چنانچہ اسی لیے میں نے کیا ترجمہ کیا؟ أَخَافُ مجھے خوف ہے أَنْ يَّأْكُلَهُ الذِّئْبُ کہ ان کو کوئی بھیڑیا کھا جائے گا۔ دیکھو ذِئْبٌ کا معنی بھی کوئی بھیڑیا اَلذِّئْبُ کا معنی بھی کوئی بھیڑیا، وہی نکرہ والا ترجمہ ہم کر رہے ہیں۔

تو انہوں نے کیا کہا؟ انہوں نے بات یہ کی کہ وہ جمع یعنی وہ متعدد منکور ہونا چاہیے نکرہ ہونا چاہیے، اس کے ذریعے احتراز کیا کس سے؟ کہ اس پر الف لام نہ آئے۔ الف لام نہ آئے۔ کیوں؟ کیونکہ الف لام کے اندر ایک الف لام، الف لام جنس، توجہ سے سنو چار قسمیں ہو گئیں الف لام کی الف لام جنسی، استغراقی، عہدِ خارجی، عہدِ ذہنی۔ ان میں سے الف لام عہدِ ذہنی کو تو نکال دیں کیونکہ الف لام عہدِ ذہنی آ بھی جائے تو لفظ معرفہ تو بن جاتا ہے لیکن معنی کے اعتبار سے کیا ہوتا ہے؟ نکرہ ہوتا ہے تو وہ پھر بھی منکور ہی رہے گا نکرہ ہی رہے گا، تو الف لام عہدِ ذہنی یہاں مراد نہیں۔ پھر باقی کون سے الف لام رہ گئے؟ تین، ان میں سے الف لام جنسی کو بھی نکال دیں کیونکہ الف لام جنسی کے ذریعے کس کی طرف اشارہ ہوتا ہے؟ جنس کی طرف اشارہ ہوتا ہے افراد کی طرف اشارہ نہیں، اور جنس کسی چیز کی ایک ہی جنس ہوتی ہے، تمام انسانوں کی ایک ہی جنس ہے کہ کئی جنسیں ہیں؟ ایک ہی جنس ہے تو جنس جب اگر جنس مراد لیتے ہیں تو جنس میں تو تعدد نہیں ہے اور انہوں نے کیا کہا وہ جمع کیسی ہونی چاہیے اس میں تعدد ہونا چاہیے، تو معلوم ہوا الف لام جنسی بھی یہاں مراد نہیں۔ انہوں نے پھر سنو، انہوں نے کیا کہا؟ وہ جمع منکور ہو نکرہ ہونی چاہیے، یعنی اس پر الف لام نہ آئے اور کون سا الف لام نہ آئے؟ الف لام استغراقی اور الف لام عہدِ خارجی اس پر نہ آئے۔ اور الف لام جنسی اور الف لام عہدِ ذہنی اس کی بات نہیں کی۔ کیونکہ اگر الف لام جنسی ہوگا پھر تو تعدد نہ رہے گا پھر تو شرط پوری نہیں، اور اگر الف لام عہدِ ذہنی ہے تو اس سے تو کوئی فرق ہی نہیں پڑتا وہ آئے یا نہ آئے وہ تو پھر بھی نکرہ ہی رہے گا معنی کے اعتبار سے۔ تو معلوم ہوا یہ جو مَنْکُوْرٍ کہا یہ کس کی نفی کی؟ الف لام کی اور کون سا الف لام؟ استغراقی یا عہدِ خارجی، وہ نہیں ہونا چاہیے اس لفظ پر۔ بھائی کیوں؟ کہتے ہیں اس لیے کیونکہ اگر الف لام استغراقی آئے گا الف لام استغراقی آئے گا تو پھر تو اس صورت میں تمام افراد کا احاطہ ہو جائے گا۔ تمام افراد کا احاطہ ہو جائے گا۔ مثلاً میں کہتا ہوں جَاءَنِیْ کُلُّ رَجُلٍ إِلَّا زَیْدًا، میرے پاس ہر آدمی آیا سوائے کس کے؟ زید کے، یہ کُلُّ رَجُلٍ یہ کُل نے کس چیز کا فائدہ دیا؟ استغراق کا، رَجُل کے تمام افراد آ گئے جب رَجُل کے تمام افراد آ گئے تو اس کے اندر زید بھی آیا یا نہیں؟ وہ بھی تو رَجُل ہے۔ میں نے کہا جَاءَنِیْ کُلُّ رَجُلٍ میرے پاس ہر آدمی آیا تو زید بھی کیا ہے؟ رَجُل، تو جب کُلُّ رَجُلٍ کہا تو زید اس کے اندر داخل ہے، پھر إِلَّا کے ذریعے میں نے زید کو کیا کر دیا؟ نکال دیا تو یہ کون سا مستثنیٰ بنا؟ مُسْتَثْنٰی مُتَّصِل بنا جو مُخْرَج ہوتا ہے پہلے داخل پھر نکال دیا۔ تو جیسے کُلُّ کی وجہ سے استغراق آیا اسی طرح اگر الف لام استغراقی بھی آئے گا تو مستثنیٰ اس کے اندر داخل ہو جائے گا اور پھر إِلَّا کے ذریعے اس کو نکال لیں گے تو وہ کون سا مستثنیٰ بن جائے گا؟ متصل کیا بن جائے گا؟ اور ہم بات کس کی کر رہے ہیں؟ إِلَّا جب صفت کے لیے آئے، إِلَّا صفت کے لیے کب آئے گا؟ جب مُسْتَثْنٰی مُتَّصِل بھی نہ ہو سکے اور منقطع بھی نہ ہو سکے۔ توجہ ہے؟ لیکن اگر الف لام کون سا ہوا؟ استغراقی، پھر تو آرام سے متصل بن جائے گا پھر اس کو استثنا کے لیے ہی رکھیں گے پھر اس کو صفت کی

طرف لے جانے کی ضرورت نہیں۔ توجہ ہے؟ پھر کس، پھر سنیں کیا بات ہوئی؟ إِلَّا کو ہم صفت بناتے ہیں، کب؟ جب مُسْتَثْنٰی مُتَّصِل بھی ممکن نہ ہو اور مُسْتَثْنٰی مُنْقَطِع بھی ممکن نہ ہو پھر ہم اس کو صفت کے لیے بناتے ہیں، اور اگر ماقبل والے لفظ پر الف لام استغراقی داخل ہے تو وہ تو تمام افراد کا احاطہ کرلے گا جب تمام۔

افراد کا احاطہ ہو گیا تو مستثنیٰ بھی اسی کے اندر داخل ہو گیا، پھر إِلَّا کے ذریعے اس کو نکال لیا تو یہ تو فوراً آسانی سے کیا بن جائے گا؟ مُسْتَثْنٰی مُتَّصِل بن جائے گا، جب مُسْتَثْنٰی مُتَّصِل یہ بن رہا ہے پھر صفت کیوں بناتے ہو اس کو بھائی؟ پھر صفت نہیں بنائیں گے۔

تو لہٰذا معلوم ہوا الف لام استغراقی نہیں ہونا چاہیے ماقبل والے پر وہ نکرہ ہونا چاہیے۔ اور الف لام عہدِ خارجی بھی نہیں ہونا چاہیے، کیوں؟ کیونکہ الف لام عہدِ خارجی کے ذریعے کسی معین کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے مثلاً اَلرَّجُلَانِ وہ والے دو آدمی، یا اَلرِّجَالُ وہ والے پانچ چھ آدمی جو ہیں جو بھی تعداد ہے ان کی۔ تو اگر الف لام عہدِ خارجی ہوگا تو اس کے ذریعے تو کسی معین جماعت کی طرف اشارہ ہو جائے گا، متعین، معین متعدد کی طرف اشارہ ہو جائے گا۔ جب وہ معین متعدد ہیں تو آپ فوراً دیکھ کر فیصلہ کر سکتے ہیں کہ زید ان میں ہے یا نہیں ہے۔ اگر زید ان میں سے ہے تو پھر یہ کس کے لیے ہو جائے گا؟ متصل کے لیے ہو جائے گا، داخل ہے توجہ ہے؟ جَاءَنِی الرِّجَالُ میرے پاس وہ والے آدمی آئے تھے، وہ والے جو دس ہیں وہ آدمی آئے تھے إِلَّا زَیْدًا سوائے کس کے؟ زید کے۔ اب آپ فوراً دیکھیں گے وہ اَلرِّجَال وہ دس ہیں، وہ دس میں زید تھا یا نہیں؟ اگر زید ان میں سے تھا تو یہ کیا بن جائے گا؟ جَاءَنِی الرِّجَالُ إِلَّا زَیْدًا یہ زید پہلے داخل تھا پھر إِلَّا کے ذریعے کیا کر دیا؟ نکال دیا، تو یہ مُسْتَثْنٰی مُتَّصِل بن جائے گا۔ اور اگر وہ اَلرِّجَال ایسے ہیں کہ زید ان میں قطعی طور پر داخل ہی نہیں ہے، یوں دوسری مثال سمجھو اور زیادہ واضح ہوگی۔ مثلاً زید درجہ رابعہ میں پڑھتا ہے، زید درجہ رابعہ میں پڑھتا ہے، اب میں آپ سے کہتا ہوں جَاءَنِی الرِّجَالُ میرے پاس وہ لوگ آئے تھے، میں اَلرِّجَال سے درجہ رابعہ والے مراد لیتا ہوں کہ میرے پاس وہ لوگ آئے تھے سوائے کس کے؟ زید کے۔ تو اب آپ نے اَلرِّجَال میں دیکھا کہ اَلرِّجَال سے کون سے معین لوگ مراد ہیں، آپ نے دیکھا اس سے کون سے مراد ہیں؟ درجہ رابعہ والے اور زید بھی ان میں ہے یا نہیں؟ تو جب اَلرِّجَال کہا تو زید داخل ہوا پھر إِلَّا زَیْدًا کے ذریعے میں نے کیا کر دیا؟ نکال دیا تو یہ کیا بن گیا؟ متصل۔ اور اگر اَلرِّجَال سے میں درجہ ثالثہ والے مراد لیتا ہوں جَاءَنِی الرِّجَالُ إِلَّا زَیْدًا آپ نے غور کیا کہ یہ اَلرِّجَال میں زید داخل ہے یا داخل نہیں؟ آپ نے کہا یہ تو اس میں داخل نہیں زید تو رابعہ میں پڑھتا ہے یہ تو درجہ ثالثہ والے آپ ذکر کر رہے ہیں، تو اب قطعی طور پر زید ان میں داخل نہیں، جب داخل نہیں تو اب یہ کون سا مستثنیٰ بن جائے گا؟ منقطع بن جائے گا۔ تو متصل اور منقطع کا دارومدار تو اس پر ہے کہ مستثنیٰ پہلے داخل ہے قطعی طور پر یا داخل نہیں، اگر داخل ہے اور إِلَّا کے ذریعے نکالا ہے تو مُسْتَثْنٰی مُتَّصِل اور اگر قطعی طور پر داخل نہیں اور إِلَّا کے بعد ذکر ہے تو پھر مُسْتَثْنٰی مُنْقَطِع ہے۔ تو لہٰذا جب الف لام عہدِ خارجی ہو تو اس کے ذریعے ایک معین جماعت کی طرف اشارہ ہوگا، جب معین جماعت کی طرف اشارہ ہوگا تو آپ بڑی آسانی سے طے کر سکتے ہیں کہ مستثنیٰ

ان میں داخل ہے یا داخل نہیں، داخل ہو تو متصل بنا لیں گے داخل نہیں ہے تو منقطع بنا لیں گے، تو اس لیے الف لام عہدِ خارجی بھی نہیں ہونا چاہیے کیونکہ الف لام عہدِ خارجی ہوگا تو مُسْتَثْنٰی مُتَّصِل یا منقطع بنانا آسان ہو جائے گا، تو پھر اس کو استثنا کے لیے ہی رکھیں گے۔ بات سمجھ میں آگئی؟

تو کہتے ہیں مَنْكُوْرٍ أَیْ مُنَكَّرٍ یعنی نکرہ ہو لَا يُعَرَّفُ بِاللَّامِ لام کے ذریعے معرفہ نہ بنایا گیا ہو حَيْثُ يُرَادُ بِهِ الْعَهْدُ أَوِ الِاسْتِغْرَاقُ اس طور پر کہ اس کے ذریعے ارادہ کیا گیا ہو عہد کا یا استغراق کا۔ لَا يُعَرَّفُ بِاللَّامِ وہ جمع منکور ہو الف لام کے ذریعے معرفہ نہ ہو اس طور پر کہ اس الف لام کے ذریعے ارادہ کیا جائے عہد کا یا استغراق کا، یعنی اس پر ایسا الف لام نہ ہو جس کے ذریعے استغراق یعنی تمام افراد کا ارادہ ہو یا بعضِ عہدِ خارجی والا الف لام ہو بعضِ معین کا ارادہ ہو، کیونکہ ان دونوں صورتوں میں یہ إِلَّا کس لیے ہوگا؟ استثنا کے لیے ہوگا۔ توجہ ہے؟

تو کہتے ہیں حَيْثُ يُرَادُ بِهِ الْعَهْدُ أَوِ الِاسْتِغْرَاقُ اس طور پر کہ اس کے ذریعے ارادہ کیا جائے عہدِ خارجی کا یا استغراق کا۔ فَيُعْلَمُ، جب الف لام کس لیے ہوگا؟ استغراق کے لیے ہوگا، کس لیے؟ استغراق کے، جب استغراق کا ہے تو استغراق میں تو تمام افراد آگئے جب تمام افراد آگئے تو زید بھی ان میں، مثلاً رَجُل کے تمام افراد آگئے تو زید بھی رَجُل ہے وہ بھی اس میں کیا ہوا؟ داخل ہو گیا تو پھر إِلَّا کے ذریعے نکالا تو یہ کون سا استثنا ہوا؟ متصل۔ تو کہتے ہیں فَيُعْلَمُ التَّنَاوُلُ قَطْعًا تو معلوم ہو جائے گا شامل ہونا قطعی طور پر عَلٰى تَقْدِيْرِ الِاسْتِغْرَاقِ استغراق کی تقدیر پر۔

توجہ ہے؟ پھر سمجھو، پھر سمجھو۔ ادھر دیکھو، مثلاً میں کہتا ہوں جَاءَنِي الْإِنْسَانُ إِلَّا زَيْدًا، جَاءَنِي الْإِنْسَانُ إِلَّا زَيْدًا، یہ الف لام کون سا ہے؟ مثلاً استغراقی ہے، کیا ترجمہ ہوگا؟ میرے پاس تمام انسان آئے، جب تمام آئے ہیں تو زید بھی ان میں شامل ہے زید بھی ان میں شامل ہے، پھر إِلَّا زَيْدًا کے ذریعے میں نے کیا کیا؟ زید کا استثنا تو کیا بن جائے گا؟ یہ مُسْتَثْنٰی مُتَّصِل بن جائے گا، تو استغراق کی صورت میں تو وہ قطعی طور پر شامل ہوگا اور پھر نکال دیا جائے گا تو وہ مُسْتَثْنٰی مُتَّصِل ہو جائے گا۔ یہ معنی ہے فَيُعْلَمُ التَّنَاوُلُ قَطْعًا عَلٰى تَقْدِيْرِ الِاسْتِغْرَاقِ، تناول کا معنی شامل ہونا فَيُعْلَمُ التَّنَاوُلُ قَطْعًا تو شامل ہونا معلوم ہو جائے گا قطعی طور پر عَلٰى تَقْدِيْرِ الِاسْتِغْرَاقِ کس تقدیر پر؟ استغراق کی تقدیر پر کہ جب الف لام استغراق کے لیے ہو۔

وَعَلٰى تَقْدِيْرِ، دوسری کیا صورت تھی؟ الف لام کون سا ہو؟ عہدِ خارجی کا ہو، تو اس میں بھی جب عہدِ خارجی ہے تو اس میں آپ کو جماعت کا پتہ چل گیا، جب جماعت کا پتہ چل گیا تو قطعی طور پر آپ کو پتہ لگ گیا کہ زید ان میں ہے یا زید نہیں۔ زید ان میں داخل ہے پھر إِلَّا کے ذریعے نکالا ہے تو یہ مُسْتَثْنٰی مُتَّصِل بنے گا، اور اگر داخل نہیں اور إِلَّا کے بعد ذکر ہے تو پھر وہ مُسْتَثْنٰی مُنْقَطِع بن جائے گا۔ تو دیکھو وہاں بھی استثنا آسانی سے ہو جائے گا، لہٰذا پھر إِلَّا کو صفت کے لیے نہیں بنائیں گے۔

کہتے ہیں وَعَلٰی تَقْدِیْرِ اور اس تقدیر پر کہ أَنْ یُّشَارَ بِہٖ إِلٰی جَمَاعَۃٍ کہ اس الف لام عہدِ خارجی کے ذریعے اشارہ کیا جائے ایک ایسی جماعت کی طرف یَکُوْنُ زَیْدٌ مِّنْہُمْ کہ زید بھی انہی میں سے ہے، تو پھر تو فَلَا یَتَعَذَّرُ الِاسْتِثْنَاءُ الْمُتَّصِلُ پھر تو مُسْتَثْنٰی مُتَّصِل بنانا کوئی ناممکن نہیں اس میں کوئی مشکل نہیں۔ أَوْ عَدَمُ التَّنَاوُلِ قَطْعًا یا یہ عَدَمُ التَّنَاوُلِ کا عطف ہے پیچھے جو آیا تھا نا اَلتَّنَاوُلُ قَطْعًا أَیْ فَیُعْلَمُ عَدَمُ التَّنَاوُلِ قَطْعًا یا عَدَمِ تناول یقینی طور پر معلوم ہو جائے گا، کب؟ عَلٰی تَقْدِیْرِ أَنْ یُّشَارَ بِہٖ إِلٰی جَمَاعَۃٍ اس تقدیر پر کہ اس کے ذریعے الف لام کے ذریعے اشارہ کیا جائے ایک ایسی جماعت کی طرف لَمْ یَکُنْ زَیْدٌ مِّنْہُمْ کہ زید ان میں سے نہیں۔ جب زید ان میں سے نہیں ہے تو قطعی طور پر زید ان میں داخل نہیں تو زید مخرج بھی نہ ہوا تو وہ مُسْتَثْنٰی مُنْقَطِع بن جائے گا، فَلَا یَتَعَذَّرُ الْمُنْقَطِعُ تو اس صورت میں مُسْتَثْنٰی مُنْقَطِع متعذر نہیں رہے گا۔ بات سمجھ میں آگئی؟ حل ہو گیا یہاں تک۔ چلیے بس بھائی ہٰذَا ہُوَ الْمَرَامُ وَاللّٰہُ أَعْلَمُ بِحَقِیْقَۃِ الْکَلَامِ۔

سبق نمبر ۱۶۷: المستثنیٰ (۱۴): جمع منکرِ غیر محصور کی صفت میں «إِلَّا» کو «غَيْرٌ» پر محمول کرنا

شرحِ ملا جامی صفحہ: ۱۵۰ — بتاریخ: ۲ جولائی ۲۰۲۲ء

▪ تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث

آگے سبق دیکھیے بھئی۔

غَيْرِ مَحْصُورٍ، وَالْمَحْصُورُ نَوْعَانِ: إِمَّا الْجِنْسُ الْمُسْتَغْرِقُ نَحْوُ مَا جَاءَنِي رَجُلٌ أَوْ رِجَالٌ، وَإِمَّا بَعْضٌ مِنْهُ مَعْلُومُ الْعَدَدِ نَحْوُ لَهُ عَلَيَّ عَشَرَةُ دَرَاهِمَ أَوْ عِشْرُونَ، وَإِنَّمَا اشْتَرَطَ أَنْ يَكُونَ غَيْرَ مَحْصُورٍ لِأَنَّهُ إِنْ كَانَ مَحْصُورًا عَلَى أَحَدِ الْوَجْهَيْنِ وَجَبَ دُخُولُ مَا بَعْدَ إِلَّا فِيهِ فَلَا يَتَعَذَّرُ الِاسْتِثْنَاءُ نَحْوُ كُلُّ رَجُلٍ إِلَّا زَيْدًا جَاءَنِي.

بھئی مُسْتَثْنیٰ کی بحث چل رہی ہے اور صاحبِ کافیہ نے آپ کو بتلایا تھا کہ اِسْتِثْنَاء کے لیے إِلَّا وَضْع ہے لیکن کبھی کبھار یہ غَيْرٌ کے معنیٰ میں صِفَت کے لیے بھی استعمال ہو جاتا ہے۔ اور اسی طرح غَيْرٌ جو ہے وہ وَضْع ہے صِفَت کے لیے لیکن کبھی کبھار وہ اِسْتِثْنَاء کے لیے بھی استعمال ہو جاتا ہے۔ تو إِلَّا اور غَيْرٌ دونوں ایک دوسرے کی جگہ استعمال ہوتے ہیں۔ لیکن میں نے بتلایا تھا غَيْرٌ کا استعمال اِسْتِثْنَاء کے لیے یہ کثیر ہے بمقابلہ إِلَّا کے استعمال بطورِ صِفَت کے کہ یہ قلیل ہے، اس لیے کیونکہ إِلَّا حَرْف ہے اور حَرْف میں کم ہی کوئی تصرفات کیے جاتے ہیں۔

تو إِلَّا جو ہے کبھی کبھار صِفَت کے لیے استعمال ہوتا ہے لیکن وہ کس مقام پر استعمال ہوگا تو صاحبِ کافیہ نے بتایا کہ جب إِلَّا تَابِع ہو ایسی جَمْع کے جو مَنْكُور ہو اور غَيْرِ مَحْصُوْر ہو۔ یعنی إِلَّا ایسی جَمْع کے بعد آئے جو نَكِرَه ہو اور مَحْصُوْر نہ ہو بھئی یعنی اس نے اپنے اَفْراد کا اِحَاطَہ نہ کیا ہو۔ اور اس صورت میں پھر یہ اِسْتِثْنَاء کے لیے نہیں ہوگا کیونکہ جب إِلَّا جَمْع مَنْكُوْر غَيْرِ مَحْصُوْر کے بعد آئے گا تو پھر اِسْتِثْنَاء ممکن ہی نہیں رہتا۔ جب اِسْتِثْنَاء ممکن نہیں رہا تو پھر اس صورت میں مجبوراً اس کو صِفَت پر مَحْمُوْل کریں گے اور یہ مَا قَبْل کے لیے صِفَت بن جائے گا۔

جیسے قرآن میں اللہ فرماتے ہیں: لَوْ كَانَ فِيهِمَا آلِهَةٌ إِلَّا اللَّهُ لَفَسَدَتَا۔ اگر اس زمین اور آسمان میں اور کچھ معبود ہوتے إِلَّا اللَّهُ أَيْ غَيْرُ اللَّهِ اللہ کے علاوہ لَفَسَدَتَا تو ان کا نظام فاسد ہو جاتا۔ اب یہاں آلِهَةٌ جو ہے یہ جَمْع ہے اور نَكِرَه ہے اور نیز غَيْرِ مَحْصُوْر ہے، اس نے اپنے اَفْراد کا اِحَاطَہ نہیں کیا ہوا کیونکہ آلِهَةٌ کا معنیٰ ہے کچھ معبود۔ تو اس نے اپنے اَفْراد کا اِحَاطَہ نہیں کیا ہوا تو اس صورت میں اس کے بعد جب إِلَّا آیا تو اب یہ إِلَّا اِسْتِثْنَاء کے لیے نہیں ہو سکتا۔

وجہ یہ کہ توجہ سے سنو بھئی! وجہ یہ کہ جو اِسْتِثْنَاء کی بنیاد ہوتی ہے اس بات پر ہوتی ہے کہ یہ جو إِلَّا یا أَدَاةُ الِاسْتِثْنَاء کے مَا بَعْد ہے یہ مَا قَبْل میں دَاخِل ہے یا دَاخِل نہیں، یہ دیکھنا پڑے گا۔ اگر یہ اس میں دَاخِل تھا اور پھر إِلَّا وغیرہ کے ذریعے اس مُسْتَثْنیٰ کو نکالا گیا ہے تو مُسْتَثْنیٰ مُتَّصِل بنے گا، اور اگر یہ ان کے اندر دَاخِل نہیں ہے تو پھر یہ مُسْتَثْنیٰ مُنْقَطِع بنے گا۔ تو معلوم ہوا اِسْتِثْنَاء کا دارومدار اس پر ہے کہ اس مُسْتَثْنیٰ کو، یہ جو أَدَاةُ الِاسْتِثْنَاء کے بعد آ رہا ہے، اس میں غور کیا جائے کہ یہ مَا قَبْل میں دَاخِل ہے یا دَاخِل نہیں۔ جبکہ یہاں پر إِلَّا اللَّهُ، إِلَّا کے بعد لَفْظِ اللَّهُ آیا اور مَا قَبْل میں آلِهَةٌ آیا اور آلِهَةٌ کا معنیٰ ہے کچھ معبود۔ تو اب یہ بات یقینی نہیں کہ اللہ تعالیٰ ان آلِهَةٌ میں دَاخِل ہیں یا دَاخِل نہیں۔

توجہ ہے؟ کیونکہ آلِهَةٌ کا کیا معنیٰ؟ کچھ معبود، تَعْیِیْن تو ہے ہی نہیں، سب کا حَصْر تو ہے نہیں۔ تو معلوم نہیں اب اللہ تعالیٰ جو ہیں وہ ان کے اندر دَاخِل ہیں یا دَاخِل نہیں۔ اگر دَاخِل ہوتے اور پھر نکالا جاتا تو پھر یہ مُسْتَثْنیٰ مُتَّصِل بن جاتا، اور اگر دَاخِل ہی نہ ہوں تو پھر مُسْتَثْنیٰ مُنْقَطِع بن جاتا۔ لیکن یہاں پر یہ فیصلہ ہی نہیں ہو سکتا کہ یعنی یوں کہیں یہاں پر اللہ تعالیٰ کا مَا قَبْل کے اندر دَاخِل ہونا یقینی نہیں۔ دَاخِل ہونا بھی یقینی نہیں تو معلوم ہوا خَارِج ہونا بھی یقینی نہیں۔ تو لہٰذا نہ مُسْتَثْنیٰ مُتَّصِل بنا سکتے ہیں اور نہ مُسْتَثْنیٰ مُنْقَطِع، اور اِسْتِثْنَاء کی تو یہی دو صورتیں تھیں تو پھر مجبوراً اس کو کس پر مَحْمُوْل کریں گے؟ اس إِلَّا کو صِفَت پر مَحْمُوْل کریں گے کہ یہ غَيْرٌ کے معنیٰ میں ہے، صِفَت کے لیے ہے۔

تو یہ تو تھی تَفْصِیْلِ مَسْئَلَہ۔ اب گزشتہ سبق میں ہم پڑھ رہے تھے کہ وہ جو مَتْن آیا تھا إِذَا كَانَتْ تَابِعَةً لِجَمْعٍ مَنْكُورٍ غَيْرِ مَحْصُورٍ۔ یہ غَيْرِ مَحْصُوْر ابھی ہم نے نہیں پڑھا لیکن مَا قَبْل میں جو آیا تَابِعَةً لِجَمْعٍ مَنْكُورٍ اس کے بارے میں ہم نے پڑھ لیا تھا۔ انہوں نے بتایا تھا صَاحِبِ جَامِی نے کہ تَابِع کا معنیٰ یہ نہیں ہے کہ وہ جو پانچ تَوَابِع پڑھے ہیں جو نَحْو کے اندر اِصْطِلَاح میں جن کو تَوَابِع کہا جاتا ہے، کیونکہ وہ تو اِسْم ہوتے ہیں اور إِلَّا تو حَرْف ہے۔ لہٰذا وہ تَابِع نہیں مُراد بلکہ تَابِع کا معنیٰ یہ ہے کہ إِلَّا بعد میں آئے لِجَمْعٍ کس کے؟ جَمْع کے، جَمْع کے بعد واقع ہونا چاہیے إِلَّا۔

اور جَمْع کے بعد ہو تو اس سے صَاحِبِ جَامِی نے بتایا کہ اس سے یہ بات پتہ چل گئی کہ اس جَمْع کا مَذْکُوْر ہونا ضروری ہے۔ کیونکہ جب وہ جَمْع مَذْکُوْر ہوگی تو تب ہی آپ کہہ سکتے ہیں کہ إِلَّا اس کے بعد آیا ہے، إِلَّا اس کے بعد۔ اگر وہ جَمْع مَذْکُوْر ہی نہیں ہوگی لفظوں کے اندر تو پھر آپ یہ کیسے کہہ سکتے ہیں کہ إِلَّا اس کے بعد ہے؟ مثلاً میں کہتا ہوں جَاءَنِي الْقَوْمُ إِلَّا زَيْدًا، جَاءَنِي الْقَوْمُ إِلَّا زَيْدًا، اب دیکھو یہ إِلَّا الْقَوْمُ کے بعد آیا ہے۔ کس کے بعد؟ کیونکہ الْقَوْمُ لفظوں میں ذِکْر ہے تو آپ

کہہ سکتے ہیں إِلَّا الْقَوْمُ کے بعد ہے۔ اور اگر الْقَوْمُ یہاں ہوتا ہی نہ بلکہ مُقَدَّر ہوتا اور آپ یوں کہتے جَاءَنِي إِلَّا زَيْدٌ، تو اب آپ یہ نہیں کہہ سکتے کہ إِلَّا الْقَوْمُ کے بعد آیا ہے کیونکہ الْقَوْمُ تو لفظوں میں ذِکْر ہی نہیں ہے۔ تو جب انہوں نے کہا کہ إِلَّا جو ہے جَمْع کے بعد آنا چاہیے اس سے پتہ چل گیا کہ اس جَمْع کا لفظوں میں مَذْکُوْر ہونا ضروری ہے۔

اور نیز یہ بھی بتایا کہ جَمْع سے جَمْعِ اِصْطِلَاحِی نہیں مُراد بلکہ جَمْعِ لُغَوِی مُراد ہے۔ جَمْعِ لُغَوِی کسے کہتے ہیں؟ جس میں تَعَدُّد ہو بھئی، جس میں کیا ہو؟ جس میں تَعَدُّد ہو، اَفْراد زیادہ ہوں بھئی۔ یعنی جس میں اَفْراد زیادہ ہوں تو اس میں تَثْنِیَہ بھی اسی کے اندر دَاخِل ہوگیا کیونکہ اس میں بھی ایک سے زیادہ اَفْراد ہوتے ہیں۔ اور پھر یہ بھی بتایا کہ مَا قَبْل میں تَعَدُّد اس لیے ضروری ہے تاکہ یہ جو إِلَّا جو صِفَت کے لیے آرہا ہے یہ اسی إِلَّا کی طرح ہو جائے جو اِسْتِثْنَاء کے لیے آتا تھا۔ جو اِسْتِثْنَاء کے لیے إِلَّا آتا تھا اس سے مَا قَبْل تَعَدُّد ضروری تھا تو لہٰذا یہاں جو صِفَت کے لیے آیا اس میں بھی مَا قَبْل میں تَعَدُّد ضروری ہے۔ اور نیز بتایا کہ وہ جَمْع وہ جو مُتَعَدِّد ہے وہ مَنْکُوْر ہو یعنی نَکِرَہ ہونا چاہیے۔

نَکِرَہ ہونے سے کیا مُراد ہے؟ صَاحِبِ جَامِی نے بتلایا کہ معنیٰ یہ ہے کہ اس مُتَعَدِّد پر یا اس جَمْع پر أَلِف لَامِ اِسْتِغْرَاقِی یا أَلِف لَامِ عَهْدِ خَارِجِی دَاخِل نہ ہو بھئی۔ أَلِف لَامِ اِسْتِغْرَاقِی یا أَلِف لَامِ عَهْدِ خَارِجِی اس پر دَاخِل نہ ہو۔ اور جبکہ أَلِف لَامِ عَهْدِ ذِهْنِی وہ تو نَکِرَہ کے ہی حُکْم میں ہوتا ہے۔ لفظوں کے اعتبار سے تو مَعْرِفَہ ہوتا ہے، جیسے الرَّجُلُ پر فرض کریں میں أَلِف لَام لے آؤں اور یہ أَلِف لَام کون سا ہو؟ عَهْدِ ذِهْنِی۔ تو پھر یہ لفظوں کے اعتبار سے اگرچہ لفظوں کے اعتبار سے تو یہ لَفْظ مَعْرِفَہ ہے لیکن معنیٰ کے اعتبار سے ابھی بھی نَکِرَہ ہے۔ الرَّجُلُ کا وہی معنیٰ کریں گے جو رَجُلٌ کا تھا، اور رَجُلٌ کا کیا معنیٰ تھا؟ کوئی آدمی، اور الرَّجُلُ کا بھی کیا معنیٰ؟ کوئی آدمی۔ تو معلوم ہوا أَلِف لَامِ عَهْدِ ذِهْنِی بھی یہاں نہیں مُراد اور نیز أَلِف لَامِ جِنْسِی بھی نہیں مُراد کیونکہ أَلِف لَامِ جِنْسِی کے ذریعے اِشَارَہ ہوتا ہے جِنْس کی طرف، اور کسی بھی چیز کی مَاهِیَّت اور جِنْس ایک ہوتی ہے، اس کے اندر تَعَدُّد نہیں ہوتا جبکہ یہاں پر تو تَعَدُّد ضروری ہے، انہوں نے بتلا دیا۔ تو معلوم ہوا کہ وہ جَمْع جو ہے وہ نَکِرَہ ہونی چاہیے یعنی اس پر أَلِف لَامِ اِسْتِغْرَاقِی اور أَلِف لَامِ عَهْدِ خَارِجِی دَاخِل نہیں ہونا چاہیے۔

بھئی یہ قَیْد کیوں لگائی؟ وجہ یہ کیونکہ اگر اس پر أَلِف لَامِ اِسْتِغْرَاقِی آئے گا تو أَلِف لَامِ اِسْتِغْرَاقِی تو اپنے تمام اَفْراد کا اِحَاطَہ کر لیتا ہے۔ تو جہ ہے؟ جیسے میں کہتا ہوں مَا جَاءَنِي رَجُلٌ إِلَّا زَيْدٌ، مَا جَاءَنِي رَجُلٌ، میرے پاس کوئی ایک بھی آدمی نہیں آیا۔ یہ رَجُلٌ نَکِرَہ ہے اور نَکِرَہ پر کیا لے آئے ہم؟ مَا حَرْفِ نَفْی لے آئے، اور نَکِرَہ تَحْتَ النَّفْی کس چیز کا فائدہ دیتا ہے؟ عُمُوْم کا۔ تو مَا جَاءَنِي رَجُلٌ کا کیا ترجمہ ہوگا؟ میرے پاس کوئی ایک آدمی بھی نہیں آیا، ہر ہر آدمی سے آنے کی نَفْی ہوگئی۔ جب ہر آدمی سے آنے کی نَفْی ہوگئی تو زَیْد بھی تو آدمی ہے، اس سے بھی کیا ہوگئی آنے کی نَفْی ہوگئی۔ تو معلوم ہوا زَیْد اس کے اندر دَاخِل ہوگیا اور پھر إِلَّا کے ذریعے اس کو نکال کر اس کے لیے مَجِیْئَت کا اِثْبَات کر دیا گیا۔ تو جب أَلِف لَامِ اِسْتِغْرَاقِی آئے گا وہ تو اپنے تمام اَفْراد کا اِحَاطَہ کر لے گا۔ جب تمام اَفْراد کا اِحَاطَہ کر لے گا تو اس کا معنیٰ ہے وہ جو آگے إِلَّا وغیرہ کے بعد آرہا ہے وہ مَا قَبْل میں دَاخِل ہوگیا اور پھر إِلَّا کے ذریعے اس کو کیا کر لیا گیا؟ نکال لیا گیا، پھر تو مُسْتَثْنیٰ مُتَّصِل بن

جائے گا بھئی۔

پھر تو یاد رکھو یہ إِلَّا کو صِفَت پر تب مَحْمُوْل کریں گے جب یہ اِسْتِثْنَاء کے لیے نہ بن سکے۔ اور جب مَا قَبْل میں اِسْتِغْرَاق آگیا تو پھر تو یہ مُسْتَثْنیٰ مُتَّصِل بن سکتا ہے۔ تو اس لیے کہا کہ وہ جَمْع مَنْکُوْر ہو یعنی مُعَرَّف بِالَّامِ الِاسْتِغْرَاقِ نہ ہو۔ اور نیز مُعَرَّف بِالَّامِ الْعَهْدِ الْخَارِجِيِّ بھی نہ ہو بھئی۔ وجہ یہ کہ اگر عَهْدِ خَارِجِی کا لَام اس پر آئے گا تو آپ جانتے ہیں کہ أَلِف لَامِ عَهْدِ خَارِجِی کے ذریعے خاص مُعَیَّن اَفْراد کی طرف اِشَارَہ کیا جاتا ہے۔ کس کی طرف؟ خاص اور مُعَیَّن اَفْراد کی طرف اِشَارَہ کیا جاتا ہے کہ ایک بھی ہو سکتا ہے، دو بھی، زیادہ بھی۔ الرَّجُلُ، مُفْرَد پر أَلِف لَام آیا تو معلوم ہوا وہ آدمی ایک آدمی مُراد ہے۔ الرَّجُلَانِ، معلوم ہوا وہ دو مُعَیَّن آدمی مُراد ہیں۔ الرِّجَالُ، معلوم ہوا وہ کافی سارے جو مُتَعَیَّن آدمی ہیں وہ مُراد ہیں۔ توجہ ہے؟ تو أَلِف لَامِ عَهْدِ خَارِجِی کے ذریعے مُتَعَیَّن اَفْراد کی طرف اِشَارَہ کیا جاتا ہے۔ جب مُتَعَیَّن اَفْراد کی طرف اِشَارَہ ہوگیا پھر تو آسانی سے آپ طے کر سکتے ہیں کہ یہ مَا بَعْد مُسْتَثْنیٰ مُتَّصِل ہے یا مُنْقَطِع ہے۔ مثلاً میں کہتا ہوں جَاءَنِي الرِّجَالُ، وہ لوگ میرے پاس آئے تھے، الرِّجَالُ کے ذریعے میں نے خاص دس آدمیوں کی ایک جماعت ہے اس کی طرف اِشَارَہ کیا۔ اب تو آپ کو پتہ چل گیا یہ والے دس مُراد ہیں، اب آپ فوراً غور کر لیں کہ زَیْد ان میں ہے یا نہیں۔ اگر زَیْد انہی میں سے ہے اور پھر میں کہتا ہوں جَاءَنِي الرِّجَالُ إِلَّا زَيْدًا تو آپ سمجھ گئے کہ یہ کون سا مُسْتَثْنیٰ ہے؟ پہلے زَیْد دَاخِل تھا اور اب کیا کر لیا گیا؟ إِلَّا کے ذریعے نکال لیا گیا تو مُسْتَثْنیٰ مُتَّصِل کا فوراً فیصلہ کر دیں گے۔ اور اگر آپ سمجھتے ہیں یہ الرِّجَالُ یہ والے دس ہیں بھئی ان میں تو زَیْد نہیں ہے تو جَاءَنِي الرِّجَالُ إِلَّا زَيْدًا آپ فوراً سمجھ جائیں گے کہ یہ زَیْد کیا ہے؟ مُسْتَثْنیٰ مُنْقَطِع ہے کیونکہ یہ ان میں دَاخِل ہی نہیں۔

توجہ ہے؟ تو أَلِف لَامِ اِسْتِغْرَاقِی کی صورت میں تمام اَفْراد کا اِحَاطَہ ہوتا ہے تو پھر وہ مُسْتَثْنیٰ مُتَّصِل بن جاتا ہے۔ اور أَلِف لَامِ عَهْدِ خَارِجِی کے ذریعے قَطْعِی طور پر یہ طے ہو جاتا ہے کہ یہ جو مَا بَعْد ہے مَا قَبْل میں دَاخِل تھا یا دَاخِل نہیں۔ اگر دَاخِل تھا تو مُسْتَثْنیٰ مُتَّصِل بنا لیتے ہیں اور اگر دَاخِل نہیں تھا تو پھر مُسْتَثْنیٰ مُنْقَطِع۔ تو لہٰذا جب أَلِف لَامِ اِسْتِغْرَاقِی آ جائے یا أَلِف لَامِ عَهْدِ خَارِجِی آ جائے تو پھر اِسْتِثْنَاء مُتَعَذِّر نہیں رہتا بلکہ پھر آرام سے اِسْتِثْنَاء ہو جاتا ہے۔ جب آرام سے اِسْتِثْنَاء ہوگیا تو پھر إِلَّا کو صِفَت کے لیے بنانے کی کوئی حاجت نہیں کیونکہ إِلَّا کو صِفَت کے لیے کب بناتے ہیں؟ جب اِسْتِثْنَاء مُتَعَذِّر ہو، اِسْتِثْنَاء نہ ہو سکے، نہ مُسْتَثْنیٰ مُتَّصِل ہو سکے نہ مُسْتَثْنیٰ مُنْقَطِع ہو سکے۔ بات سمجھ میں آگئی۔

اب آئیے آج کے سبق پر بھئی۔ دیکھیے بھئی، کہتے ہیں: غَيْرِ مَحْصُورٍ، وَالْمَحْصُورُ نَوْعَانِ: إِمَّا الْجِنْسُ الْمُسْتَغْرِقُ نَحْوُ مَا جَاءَنِي رَجُلٌ أَوْ رِجَالٌ، وَإِمَّا بَعْضٌ مِنْهُ مَعْلُومُ الْعَدَدِ نَحْوُ لَهُ عَلَيَّ عَشَرَةُ دَرَاهِمَ أَوْ عِشْرُونَ۔

تیسری شرط اب ذِکْر ہوئی۔ انہوں نے بتایا تھا کہ إِلَّا صِفَت کے لیے ہوگا کب؟ جب وہ کس کے بعد آئے؟ جَمْع کے بعد آئے اور وہ جَمْع بھی کیسی ہو؟ نَکِرَہ ہو اور تیسری شرط آگئی کہ وہ غَيْرِ مَحْصُوْر ہو۔ یعنی جس نے اپنے اَفْراد کا اِحَاطَہ نہ کیا ہو۔ حَصْر کا معنیٰ بند کرنا، مَحْصُوْر جن کو بند کیا گیا ہے، جن کو بند کیا گیا ہے، جن کا اِحَاطَہ کیا گیا ہے اس کو کہتے ہیں مَحْصُوْر۔

تو غَيْرِ مَحْصُوْر کسے کہتے ہیں؟ تو صَاحِبِ جَامِی آپ کو بتلا رہے ہیں کہ بھئی مَحْصُوْر جو ہے نا وہ دو قِسْم پر ہے۔ ایک ہے جِنْسِ مُسْتَغْرِق، یعنی وہ جِنْس جو اپنے تمام اَفْراد کا اِحَاطَہ کر لے۔ وہ جِنْس جو اپنے تمام اَفْراد کا اِحَاطَہ کر لے، جیسے میں کہتا ہوں جَاءَنِي كُلُّ رَجُلٍ، میرے پاس ہر رَجُل آیا تھا۔ دیکھو یہ رَجُل جِنْس ہے اور اس پر کیا لَفْظ آیا؟ كُلّ، اور كُلّ کس چیز کا فائدہ دیتا ہے؟ تمام اَفْراد کے شُمُوْل کا اور اِسْتِغْرَاق کا فائدہ دیتا ہے۔ تو جَاءَنِي كُلُّ رَجُلٍ میرے پاس ہر آدمی آیا۔ جب ہر آدمی کہا تو اس میں زَیْد بھی دَاخِل ہوگیا کیونکہ زَیْد بھی رَجُل کی جِنْس میں سے ایک فَرْد ہے۔ تو اب میں آگے کہتا ہوں إِلَّا زَيْدًا، جَاءَنِي كُلُّ رَجُلٍ إِلَّا زَيْدًا، جب زَیْد بھی ان میں دَاخِل ہے اب میں کہتا ہوں إِلَّا زَيْدًا سوائے کس کے؟ زَیْد کے، تو زَیْد پہلے دَاخِل تھا اور پھر میں نے إِلَّا کے ذریعے نکال لیا تو یہ کون سا مُسْتَثْنیٰ بن گیا؟ مُسْتَثْنیٰ مُتَّصِل بن گیا۔ تو جب جِنْسِ مُسْتَغْرِق ہو، جب جِنْسِ مُسْتَغْرِق ہو، جِنْس دیکھو الْمُسْتَغْرِق اس کی صِفَت ہے اِسْتَغْرَقَ يَسْتَغْرِقُ اِسْتِغْرَاقًا سے مُسْتَغْرِق گھیرنے والا، گھیرنے والا، وہ جِنْس الْمُسْتَغْرِق جو گھیرنے والی ہے کس چیز کو؟ أَفْرَادَهُ اپنے اَفْراد کو، یعنی اپنے تمام اَفْراد کا اِحَاطَہ کر لے۔ تو جِنْسِ مُسْتَغْرِق یہ مَحْصُوْر ہے۔ مَحْصُوْر کیا معنیٰ؟ اس نے اپنے تمام اَفْراد کا حَصْر کر لیا، وہ ان کا اِحَاطَہ کر لیا۔

اور ایک حَصْر آئے گا عَدَد کی صورت میں۔ عَدَد، مثلاً میں کہتا ہوں عِنْدِي عِشْرُونَ دِرْهَمًا، میرے پاس بیس دِرْہَم ہیں۔ دیکھو عِشْرُونَ بیس، اس نے آگے دِرْہَم کے سارے اَفْراد، جو بیس اَفْراد ہیں، ان سب کا اِحَاطَہ کر لیا۔ کتنے اَفْراد کا اِحَاطَہ کیا دِرْہَم کے؟ بیس اَفْراد کا اِحَاطَہ کر لیا۔ معلوم ہوا یہ جو بیس دِرْہَم ہیں یہ سارے اس کے اندر شامل ہیں، کوئی ایک بھی ان میں سے خَارِج نہیں، تو یہ بھی مَحْصُوْر ہے جس نے اپنے اَفْراد کا یعنی مَعْلُوْم تَعْدَاد کا اِحَاطَہ کر لیا۔ یا میں کہتا ہوں مِائَةُ دِرْهَمٍ، یہ مِائَةُ دِرْهَمٍ دیکھو اس نے کتنے دِرْہَموں کا اِحَاطَہ کر لیا؟ سو دِرْہَموں کا اِحَاطَہ کر لیا۔ تو اب جب سو دِرْہَموں کا اِحَاطَہ کر لیا یا دس دِرْہَموں کا اِحَاطَہ کر لیا تو ان سے اِسْتِثْنَاء آرام سے ہو سکتا ہے۔ مثلاً میں آپ سے کہتا ہوں عِنْدِي عَشَرَةٌ إِلَّا دِرْهَمًا، عِنْدِي عَشَرَةٌ إِلَّا دِرْهَمًا، میرے پاس دس ہیں سوائے ایک کے، یعنی ایک کم دس دِرْہَم ہیں میرے پاس، یعنی میرے پاس نو دِرْہَم ہیں۔ تو اب دیکھو یہاں عَشَرَةٌ میں کتنے دِرْہَم آ رہے تھے؟ دس۔ اب إِلَّا دِرْهَمًا کہا تو ان دس میں سے ایک کا اِسْتِثْنَاء ہوگیا۔ تو معلوم ہوا مَا بَعْد مَا قَبْل میں قَطْعِی طور پر دَاخِل تھا جس کو إِلَّا کے ذریعے نکالا گیا ہے۔

توجہ ہے؟ کیا بات ہوئی؟ کہ وہ جَمْعِ مَنْكُوْر غَيْرِ مَحْصُوْر ہونی چاہیے، اس میں حَصْر نہیں ہونا چاہیے، اور حَصْر کی دو صورتیں ہیں: یا تو وہ حَصْر جِنْسِ مُسْتَغْرِق ہو یعنی وہ جِنْس ہو تو اپنے تمام اَفْراد کا اِحَاطَہ کر لے، یا اس میں جِنْس میں سے بعض اَفْراد ہوں جن کا عَدَد مَعْلُوْم ہو یعنی ان کے ساتھ عَدَد ذِکْر ہو بھئی۔ تو اس صورت میں بھی یہ عَدَد جو ہے اپنے مَعْدُوْد کے اتنے ہی اَفْراد کا اِحَاطَہ کر لیتا ہے۔ عَشَرَةُ دَرَاهِمَ کہا تو اس عَشَرَة نے دَرَاهِم کے دس اَفْراد کا اِحَاطَہ کر لیا۔ تو اس صورت میں اِسْتِثْنَاء مُتَعَذِّر نہیں رہتا، اِسْتِثْنَاء ہو سکتا ہے۔ مثلاً میں کہتا ہوں جَاءَنِي كُلُّ رَجُلٍ إِلَّا زَيْدًا میرے پاس ہر آدمی آیا سوائے کس کے؟ زَیْد کے۔ تو دیکھو مَا قَبْل میں كُلُّ رَجُلٍ ہے تو اس سے زَیْد کا پھر اِسْتِثْنَاء کر دیا گیا تو یہ کون سا مُسْتَثْنیٰ

ہوا؟ مُسْتَثْنیٰ مُتَّصِل ہوا۔ توجہ، بات بھی سمجھ میں آ رہی ہے کہ نہیں؟ اور عِنْدِي عَشَرَةٌ إِلَّا دِرْهَمًا، مَا قَبْل میں عَشَرَة نے دس دِرْہموں کا اِحَاطَہ کیا تھا، ان کا حَصْر کیا تھا، إِلَّا کے ذریعے ایک دِرْہَم کو اس میں سے نکال لیا، تو یہ مُسْتَثْنیٰ مُتَّصِل بن گیا۔ تو مَحْصُوْر کی صورت میں اِسْتِثْنَاء مُتَعَذِّر نہیں رہتا۔ توجہ ہے؟ بات کیا ہوئی؟ تین شرطیں لگائیں: یہ تینوں شرطیں پوری ہوں گی تو پھر اِسْتِثْنَاء نہیں ہو سکے گا۔ جب اِسْتِثْنَاء نہیں ہو سکتا تو پھر اس کو کس لیے بنائیں گے اس إِلَّا کو؟ صِفَت کے لیے۔ اس إِلَّا کو صِفَت کے لیے بنائیں گے۔ لیکن اگر یہ شرطیں پوری نہیں، مثلاً غَيْرِ مَحْصُوْر نہیں ہے بلکہ مَحْصُوْر ہے، جَاءَنِي كُلُّ رَجُلٍ إِلَّا زَيْدًا، تو یہ تو مُسْتَثْنیٰ مُتَّصِل بن جائے گا۔ یا عِنْدِي عَشَرَةٌ إِلَّا دِرْهَمًا، یہ بھی کیا بن جائے گا؟ مَحْصُوْر، یہاں بھی اِسْتِثْنَاء ہو سکتا ہے۔

اچھا، دیکھیے اب کتاب پر۔ کہتے ہیں غَيْرِ مَحْصُورٍ، تیسری شرط یہ ہے کہ وہ جَمْع جو ہے غَيْرِ مَحْصُوْر ہو۔ وَالْمَحْصُورُ نَوْعَانِ اور مَحْصُوْر دو قِسْم پر ہے۔ إِمَّا الْجِنْسُ الْمُسْتَغْرِقُ یا تو وہ ایسی جِنْس ہوگی جو اِسْتِغْرَاق کرنے والی ہے یعنی اپنے اَفْراد کا۔ نَحْوُ مَا جَاءَنِي رَجُلٌ أَوْ رِجَالٌ نہیں آیا میرے پاس کوئی آدمی أَوْ رِجَالٌ یا کئی آدمی۔ دیکھو یہاں رَجُلٌ یہ بھی نَکِرَہ اور رِجَالٌ یہ بھی نَکِرَہ، اور نَکِرَہ پر مَا حَرْفِ نَفی آ گیا اور نَکِرَہ تَحْتَ النَّفی آئے تو وہ کس چیز کا فائدہ دیتا ہے؟ عُمُوْم کا فائدہ دیتا ہے۔ تو یہ جِنْسِ مُسْتَغْرِق کی مِثَال ہے۔ مَا جَاءَنِي رَجُلٌ کا کیا ترجمہ؟ میرے پاس کوئی ایک بھی آدمی نہیں آیا، دیکھو پوری جِنْس کے اَفْراد کا اِحَاطَہ کر کے ان سے آنے کی نَفی کر دی۔

تو دو مثالیں ذِکْر کر دیں صَاحِبِ جَامِی نے: ایک رَجُلٌ اور ایک رِجَالٌ۔ وجہ یہ کہ رَجُلٌ، انہوں نے کیا کہا تھا؟ وہ جَمْع ہو، مَنْکُوْر ہو اور غَيْرِ مَحْصُوْر، اور اب مِثَال کس کی پیش کر رہے ہیں؟ مَحْصُوْر کی۔ رَجُلٌ یہ صُوْرَت کے اعتبار سے مُفْرَد ہے لیکن معنیٰ کے اعتبار سے یہ جَمْع ہے کیونکہ اس پر حَرْفِ نَفی دَاخِل ہے اور نَکِرَہ تَحْتَ النَّفی ہو تو کس چیز کا فائدہ دیتا ہے؟ عُمُوْم کا، اس نے اپنے تمام رَجُل کے اَفْراد کا اِحَاطَہ کر لیا۔ تو رَجُلٌ صُوْرَت کے اعتبار سے مُفْرَد ہے اور معنیٰ کے اعتبار سے جَمْع ہے۔ تو ایک مِثَال اس کی دے دی کیونکہ انہوں نے پیچھے بتایا تھا کہ جَمْع سے مُراد جَمْعِ اِصْطِلَاحِی نہیں مُراد بلکہ جس میں تَعَدُّد ہو، کیا ہو؟ تَعَدُّد، اور جب رَجُلٌ کے اوپر بھی مَا آ گیا تو اس میں بھی کیا آ گیا؟ تَعَدُّد کیونکہ اس نے اپنے تمام اَفْراد کا اِحَاطَہ کر لیا۔ تو رَجُلٌ یہ صُوْرَتًا تو مُفْرَد ہے لیکن مَعْنًی جَمْع، اور دوسری مِثَال رِجَالٌ کی دے دی وہ صُوْرَتًا بھی جَمْع ہے اور مَعْنًی بھی جَمْع ہے بھئی۔

تو ایک صُوْرَت کیا ہے؟ جِنْسِ مُسْتَغْرِق۔ وَإِمَّا بَعْضٌ مِنْهُ مَعْلُومُ الْعَدَدِ یا بعض ہو مِنْهُ اس جِنْس میں سے مَعْلُومُ الْعَدَدِ جن کا عَدَد مَعْلُوْم ہو، جن کی تَعْدَاد مَعْلُوْم ہو۔ مَحْصُوْر کے دو قِسْمیں ہیں بھئی: ایک جِنْسِ مُسْتَغْرِق کہ جِنْس اپنے تمام اَفْراد کا اِحَاطَہ کر لے، اور دوسری صُوْرَت کیا ہے کہ جِنْس کے بعض اَفْراد مُراد ہوں لیکن ان کا عَدَد مَعْلُوْم ہو۔ جیسے میں نے کہا عَشَرَةُ دَرَاهِمَ، دیکھو تمام دَرَاهِم نہیں مُراد بلکہ بعضِ جِنْس کے اَفْراد مُراد ہیں اور ان کی تَعْدَاد مَعْلُوْم ہے عَشَرَةُ دَرَاهِمَ یا عِشْرُونَ دِرْهَمًا، تو اس نے دیکھو مَعْلُوْم عَدَد کا اِحَاطَہ کیا ہوا ہے۔ توجہ ہے؟ اس عِشْرُونَ نے کیا کیا؟ مَعْلُوْم کتنے اَفْراد کا

اِحَاطَہ کیا؟ بیس کا، اور عَشَرَۃُ دَرَاھِمَ مثلاً عَشَرَۃ نے کتنے کا اِحَاطَہ کیا؟ دس کا، اور مِائَۃُ دِرْھَمٍ کہیں تو کتنے کا اِحَاطَہ کیا؟ سو کا۔ تو یہ دیکھو جِنس کے کُلّ اَفْراد تو نہیں، بعض ہیں لیکن ان کا عَدَد مَعْلُوم ہے۔ یہ معنیٰ ہے وَإِمَّا بَعْضٌ مِنْهُ مَعْلُومُ الْعَدَدِ یا وہ اس جِنس میں سے بعض اَفراد ہوں مَعْلُومُ الْعَدَدِ ایسے بعض جن کا عَدَد مَعْلُوم ہو، جن کا عَدَد یعنی جن کی تَعْدَاد مَعْلُوم ہو۔ تَرْکِیب سنو بھئی: یہ بَعْضٌ ہے مَوْصُوف، مِنْهُ ہے اس کی صِفَتِ اَوَّل اور مَعْلُومُ الْعَدَدِ اس کی ہے صِفَتِ ثَانِی۔ ایسے بعض مِنْهُ جو اس جِنس میں سے ہوں، کس میں سے ہوں؟ جو کسی جِنس میں سے ہوں، مَعْلُومُ الْعَدَدِ اور وہ بعض ایسے ہوں کہ جن کا عَدَد یعنی جن کی تَعْدَاد مَعْلُوم ہو۔ توجہ ہے؟

تو تَرْکِیب کیا ہوئی؟ بَعْضٌ مَوْصُوف، مِنْهُ صِفَتِ اَوَّل، مَعْلُومُ الْعَدَدِ صِفَتِ ثَانِی۔ آپ کے ذہن میں آئے گا مِنْهُ تو جَارّ مَجْرُوْر ہے، یہ بَعْض کی صِفَت کیسے بن سکتا ہے؟ میں نے آپ کو بتایا تھا بھئی نَکِرَہ کے بعد فِعْل آئے تو وہ عموماً اس کے لیے کیا بنتا ہے؟ صِفَت۔ اسی طرح نَکِرَہ کے بعد جَارّ مَجْرُوْر آجائے اور وہ کسی سے نہ جڑ رہا ہو تو اس صُوْرَت میں وہ بھی اس کے لیے صِفَت بنے گا، اور براہِ راست صِفَت نہیں بنے گا اس کے لیے مُتَعَلِّق یہاں مَحْذُوْف نکال لیں گے: بَعْضٌ ثَابِتٌ مِنْهُ، بَعْضٌ ثَابِتٌ مِنْهُ۔ اور ثَابِتٌ کو میں نے مَرْفُوْع نکالا، کیوں؟ کیونکہ یہ صِفَت ہے بَعْضٌ کی اور بَعْضٌ مَرْفُوْع ہے تو ثَابِتٌ بھی کیا نکالا؟ مَرْفُوْع نکالا۔ اور مَعْلُومُ الْعَدَدِ، یہاں آپ کے ذہن میں اِشْکَال آئے گا کہ مَعْلُوم مُضَاف، الْعَدَدِ مُضَافٌ إِلَيْهِ، اور الْعَدَد پر أَلِف لَام ہے یہ مَعْرِفَہ ہے، تو نَکِرَہ کی اِضَافَت مَعْرِفَہ کی طرف ہو گئی۔ اور نَکِرَہ کی اِضَافَت جب مَعْرِفَہ کی طرف ہو تو وہ بھی مَعْرِفَہ بن جاتا ہے، غُلَامُ زَيْدٍ غُلَام نَکِرَہ ہے لیکن زَيْد کی طرف اِضَافَت ہوئی تو کیا بن گیا؟ مَعْرِفَہ۔ تو یہاں پر بھی مَعْلُوم کا لَفْظ مَعْرِفَہ بن گیا، جب مَعْرِفَہ بن گیا تو یہ بَعْضٌ تو نَکِرَہ ہے یہ اس کی صِفَت کیسے بن سکتا ہے؟ جواب کئی دفعہ پہلے میں ذِکْر کر چکا کہ یہ اِضَافَتِ لَفْظِی ہے بھئی۔ میں نے بتایا تھا ایک اِضَافَتِ لَفْظِی ہے ایک اِضَافَتِ مَعْنَوِی۔ اِضَافَتِ لَفْظِی کسے کہتے ہیں؟ کہ صِیْغَہ صِفَت کا ہو اور مُضَاف ہو اپنے مَعْمُوْل کی طرف۔ تو یہاں پر بھی مَعْلُوم یہ اِسْمِ مَفْعُوْل ہے اور مَعْلُوم کیا چیز مَعْلُوم ہو؟ الْعَدَدُ ان کا عَدَد، ان کی تَعْدَاد مَعْلُوم ہو، تو یہ الْعَدَدُ اس کا نَائِبُ الْفَاعِل ہے۔ تو یہ اس کا مَعْمُوْل ہو گیا اور اسی کی طرف مَعْلُوم کی اِضَافَت کر دی تو یہ اِضَافَتِ لَفْظِی ہے، اور میں نے بتایا تھا یہ اِضَافَتِ لَفْظِی کیوں کہتے ہیں؟ یہ صرف لفظوں میں فائدہ دیتی ہے، معنیٰ میں کوئی فائدہ نہیں دیتی۔ یعنی معنیٰ کے اعتبار سے مَعْلُوم جیسے اکیلا تھا نَکِرَہ تھا اب اِضَافَت کے بعد بھی اسی طرح نَکِرَہ کا نَکِرَہ ہے۔ نہ اس میں تَعْرِیْف آئی ہے نہ تَخْصِیْص۔ اور صرف لفظوں میں یہ فائدہ ہوا کہ پہلے تھا مَعْلُومٌ، مَعْلُوم پر تَنْوِیْن آرہی تھی، اب اِضَافَت کی وجہ سے تَنْوِیْن یا قَائِم مَقَامِ تَنْوِیْن جو ہے وہ گر جاتا ہے۔ تو یہ کیا ہے؟ اِضَافَتِ لَفْظِی ہے۔ بات سمجھ میں آگئی۔

تو کہتے ہیں مَحْصُوْر دو قِسْم پر ہے: یا تو وہ جِنْسِ مُسْتَغْرِق ہوگا وَإِمَّا بَعْضٌ مِنْهُ مَعْلُومُ الْعَدَدِ یا اس جِنس میں سے بعض ایسے اَفراد جن کا عَدَد مَعْلُوم ہو۔ نَحْوُ مِثَال کے طور پر لَهُ عَلَيَّ عَشَرَةُ دَرَاهِمَ، فلاں کے مجھ پر دس دِرْہَم ہیں۔ تو دیکھو اس عَشَرَۃ نے دِرْہَم کی جِنس کے دس اَفراد کا اِحَاطَہ کر لیا تو یہ مَحْصُوْر ہے، ان کا اِحَاطَہ کر لیا ہے۔ أَوْ عِشْرُونَ أَيْ عِشْرُونَ

دِرْهَمًا میرے پاس کتنے دِرْہَم ہیں؟ بیس، تو یہ عِشْرُونَ نے دِرْہَم کے جِنس میں سے کتنے اَفْراد کا اِحَاطَہ کر لیا؟ بیس اَفْراد کا تو یہ بھی مَحْصُوْر ہوا۔ تو یہ ایک جِنْسِ مُسْتَغْرِق اور ایک یہ جو بعضِ مَعْلُوْمُ الْعَدَد، ان کے علاوہ باقی سارے کیا ہیں؟ غَیْرِ مَحْصُوْر ہیں۔

آگے دیکھیے بھئی، کہتے ہیں: وَإِنَّمَا اشْتَرَطَ أَنْ يَكُونَ غَيْرَ مَحْصُورٍ، اور مَاتِن یعنی صَاحِبِ كَافِيَہ نے شرط لگائی أَنْ يَكُونَ غَيْرَ مَحْصُورٍ کہ وہ جَمْع غَيْرِ مَحْصُوْر ہونی چاہیے، لِأَنَّهُ إِنْ كَانَ مَحْصُورًا عَلَى أَحَدِ الْوَجْهَيْنِ اس لیے کیونکہ وہ جَمْع اگر مَحْصُوْر ہوئی عَلَى أَحَدِ الْوَجْهَيْنِ ان دو وجہوں میں سے کسی ایک طریقے پر، وَجَبَ دُخُولُ مَا بَعْدَ إِلَّا فِيهِ تو اس صُوْرَت میں وَاجِب ہوگا یعنی لَازِم ہوگا دُخُولُ مَا بَعْدَ إِلَّا کہ إِلَّا کا مَا بَعْد دَاخِل ہو رہا ہے فِيهِ اس مَحْصُوْر میں۔ توجہ ہے؟ اِسْتِثْنَاء کی بنیاد کس پر ہے؟ کہ مَا بَعْد مَا قَبْل میں دَاخِل تھا یا دَاخِل نہیں تھا، یہ پکا پتہ چل جائے۔ اگر دَاخِل تھا تو مُسْتَثْنیٰ مُتَّصِل بنے گا، اگر دَاخِل نہیں تھا تو مُسْتَثْنیٰ مُنْقَطِع بنے گا۔ لہٰذا یہاں پر بھی جب ان دو صُوَرتوں میں کسی ایک صُوْرَت پر وہ مَحْصُوْر ہوا تو مَا بَعْدِ إِلَّا لَازِمًا لَازِمًا مَا قَبْل میں دَاخِل ہوگیا۔ جب دَاخِل ہوا تو پھر اس صُوْرَت میں اِسْتِثْنَاء مُتَعَذِّر نہ رہا، وہاں آرام سے آپ مُسْتَثْنیٰ مُتَّصِل بنا لیں گے۔

تو کہتے ہیں لِأَنَّهُ إِنْ كَانَ مَحْصُورًا عَلَى أَحَدِ الْوَجْهَيْنِ اس لیے کیونکہ وہ جَمْع جو ہے اگر وہ مَحْصُوْر ہوئی عَلَى أَحَدِ الْوَجْهَيْنِ ان دو طریقوں میں سے کسی ایک طریقے پر، وَجَبَ دُخُولُ مَا بَعْدَ إِلَّا تو لَازِم ہوگا کہ إِلَّا کا مَا بَعْد دَاخِل ہو فِيهِ اس کے اندر یعنی اس مَحْصُوْر کے اندر۔ فَلَا يَتَعَذَّرُ الِاسْتِثْنَاءُ تو اس صُوْرَت میں تو اِسْتِثْنَاء مُتَعَذِّر نہیں رہے گا، اِسْتِثْنَاء ہو سکے گا۔ جب اِسْتِثْنَاء ہو سکے پھر تو إِلَّا کو صِفَت پر مَحْمُوْل نہیں کریں گے بھئی۔ نَحْوُ كُلُّ رَجُلٍ إِلَّا زَيْدًا جَاءَنِي۔ دیکھو كُلُّ رَجُلٍ جب کہا تو اس میں ہر دنیا کا رَجُل آگیا، اب إِلَّا زَيْدًا کہا تو یہ مُسْتَثْنیٰ مُتَّصِل ہوگیا لہٰذا اس إِلَّا کو صِفَت پر مَحْمُوْل کرنے کی کوئی حاجت نہیں ہے۔ تو نَحْوُ كُلُّ رَجُلٍ إِلَّا زَيْدًا جَاءَنِي، ہر آدمی سوائے زَیْد کے جَاءَنِي وہ میرے پاس آیا، تو یہ كُلُّ رَجُلٍ یہ جِنْسِ مُسْتَغْرِق کی مِثَال ہے۔ وَلَهُ عَلَيَّ عَشَرَةٌ إِلَّا دِرْهَمًا، فلاں کے مجھ پر دس ہیں سوائے ایک دِرْہَم کے یعنی نو دِرْہَم میرے ذِمّے ہیں فلاں کے۔ اب یہاں پر دیکھو عَشَرَة اس نے دِرْہَموں کی ایک مَخْصُوْص تَعْدَاد کا اِحَاطَہ کیا ہوا ہے، دس دِرْہَم، اور اس میں سے ایک دِرْہَم کا اِسْتِثْنَاء ہو جائے گا تو یہ کیا بن جائے گا؟ مُسْتَثْنیٰ مُتَّصِل، تو لہٰذا اس إِلَّا کو صِفَت پر مَحْمُوْل کرنے کی کوئی حاجت نہیں۔

وَإِنَّمَا يُصَارُ عِنْدَ وُجُودِ هَذِهِ الشَّرَائِطِ إِلَى حَمْلِ إِلَّا عَلَى غَيْرٍ لِتَعَذُّرِ الِاسْتِثْنَاءِ۔ اب وجہ ذِکْر کر رہے ہیں کہ بھئی جب یہ شرطیں پائی جائیں جب یہ شرطیں پائی جائیں تو پھر آپ إِلَّا کو اِسْتِثْنَاء کے لیے نہیں بناتے بلکہ اس کو صِفَت کے لیے قرار دیتے ہیں، کیا وجہ ہے؟ تو وہ وجہ بیان کرنے لگے ہیں کہ بھئی جب یہ شرطیں پائی جائیں گی تینوں، تو پھر اِسْتِثْنَاء مُتَعَذِّر ہو جاتا ہے، پھر اِسْتِثْنَاء ہو ہی نہیں سکتا۔ کیونکہ یہ پھر پتہ ہی نہیں چلے گا کہ مَا بَعْد مَا قَبْل میں دَاخِل ہے یا دَاخِل نہیں۔ اگر پتہ لگ جائے کہ دَاخِل ہے تو ہم مُتَّصِل بنا لیں، اگر پتہ چل جائے کہ دَاخِل نہیں ہے تو ہم کیا بنا لیں؟ مُنْقَطِع بنا لیں، لیکن یہاں پتہ

ہی نہیں چل سکتا جب وہ جَمْع بھی ہو، مَنْکُوْر بھی ہو اور غَیْرِ مَحْصُوْر بھی ہو تو پھر پتہ ہی نہیں چلتا۔ جب پتہ نہیں چلتا تو اِسْتِثْنَاء نہیں ہو سکتا، تو پھر اس کو پھر کس پر مَحْمُوْل کرتے ہیں؟ صِفَت پر مَحْمُوْل کر لیتے ہیں۔

کہتے ہیں وَإِنَّمَا يُصَارُ عِنْدَ وُجُودِ هَذِهِ الشَّرَائِطِ، وَإِنَّمَا يُصَارُ اور جایا جاتا ہے، يُصَارُ یعنی ذَهَاب کیا جاتا ہے، عِنْدَ وُجُودِ هَذِهِ الشَّرَائِطِ جس وقت یہ شرطیں پائی جائیں اس وقت جایا جاتا ہے کس طرف؟ إِلَى حَمْلِ إِلَّا عَلَى غَيْرٍ اس بات کی طرف کہ إِلَّا کا حَمْل کیا جائے غَیْر پر یعنی اس کو بھی کیا بنایا جائے؟ صِفَت بنایا جائے۔ تو ان شرطوں کے پائے جاتے وقت جو ہے إِلَّا کا حَمْل کیا جاتا ہے غَیْر پر لِتَعَذُّرِ الِاسْتِثْنَاءِ کیونکہ اِسْتِثْنَاء مُتَعَذِّر ہو جاتا ہے، ممکن نہیں رہتا۔ عِنْدَ وُجُودِهَا أَيْ وُجُودِ هَذِهِ الشَّرَائِطِ، هَا ضَمِيْر رَاجِع ہے ان شَرَائِط کو، عِنْدَ وُجُودِهَا أَيْ وُجُودِ الشَّرَائِطِ یعنی ان شَرَائِط کے پائے جاتے وقت۔ فَيُضْطَرُّ إِلَى حَمْلِهَا عَلَى غَيْرٍ تو مجبوری ہو جاتی ہے اس بات کی کہ اس کا حَمْل کیا جائے غَیْر پر۔

اب اِسْتِثْنَاء ہو ہی نہیں رہا تو اب مجبوراً کیا کرنا پڑے گا؟ اس کو غَیْر پر حَمْل کرتے ہوئے صِفَت ہی بنانا پڑے گا۔

یہاں تک بات سمجھ میں آ گئی۔

آگے دیکھیے بھئی۔ کہتے ہیں: وَإِنَّمَا قُلْنَا فِي صَدْرِ هَذَا الْكَلَامِ إِنَّ إِلَّا لَا تُحْمَلُ عَلَى الصِّفَةِ غَالِبًا. بھئی دیکھیے جہاں سے یہ شرطیں شروع ہوئی تھیں إِذَا كَانَتْ تَابِعَةً لِجَمْعٍ، یہ جو مَتْن آیا تھا، اس إِذَا كَانَتْ سے پہلے دیکھیے مَا قَبْل میں ہے لَكِنْ لَا تُحْمَلُ إِلَّا عَلَيْهَا فِي الصِّفَةِ غَالِبًا إِلَّا إِذَا كَانَتْ۔ یہاں صَاحِبِ جَامِی شَرْح کے اندر غَالِبًا کی قَیْد لے آئے تھے۔ تو یعنی اکثر اوقات اس طرح ہوتا ہے۔ تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ اے صَاحِبِ جَامِی آپ نے غَالِبًا کی قَیْد کیوں لگائی؟ صَاحِبِ کَافِیَہ نے تو نہیں لگائی۔ انہوں نے تو کہا تھا کہ جب بھی إِلَّا کس کے بعد آئے؟ جَمْع کے بعد، وہ جَمْع بھی نَکِرَہ ہو اور غَیْرِ مَحْصُوْر ہو تو وہ کس پر مَحْمُوْل ہوگا؟ وہ غَیْرٌ پر مَحْمُوْل ہوگا اور اس کو صِفَت بنائیں گے۔ لیکن آپ نے غَالِبًا کی قَیْد لگا دی۔ تو صَاحِبِ جَامِی آپ کو بتلائیں گے کیونکہ یہ قَاعِدَہ اور ضَابِطَہ کُلِّی نہیں ہے۔ ایسا نہیں ہے کہ جہاں بھی یہ شرطیں پائی جائیں ایسا ہی کرنا پڑے، یا جہاں یہ شرطیں نہ پائی جائیں وہاں ایسا نہ کرنا پڑے، نہیں، ضَابِطَہ کُلِّی نہیں۔ بعض جگہ یہ ساری شرطیں پوری ہوتی ہیں، جَمْع بھی ہو، مَنْکُوْر بھی ہو، غَیْرِ مَحْصُوْر ہو، پھر بھی اِسْتِثْنَاء مُتَعَذِّر نہیں ہوتا بلکہ اِسْتِثْنَاء کر سکتے ہیں۔ اور بعض جگہ شرطیں پوری نہیں پھر بھی اس کو صِفَت پر مَحْمُوْل کرتے ہیں۔ معلوم ہوا یہ قَانُوْن اور ضَابِطَہ کوئی جَامِع مَانِع نہیں لیکن اَکْثَرِی ہے اس لیے ہم نے بھی غَالِبًا کی قَیْد لگا دی۔

دیکھیے کتاب پر۔ کہتے ہیں وَإِنَّمَا قُلْنَا فِي صَدْرِ هَذَا الْكَلَامِ ہم نے اس کلام کے شروع میں کہا تھا کہ إِنَّ إِلَّا لَا تُحْمَلُ عَلَى الصِّفَةِ غَالِبًا۔ یہ اپنا قَوْل ذِکْر کر رہے ہیں کہ شروع میں ہم نے کیا کہا تھا؟ کہ إِنَّ إِلَّا لَا تُحْمَلُ عَلَى الصِّفَةِ غَالِبًا کہ إِلَّا جو ہے وہ صِفَت پر غَالِبًا حَمْل اس کا نہیں کیا جاتا۔ تو فَقَيَّدْنَاهُ بِقَوْلِنَا غَالِبًا تو ہم نے اپنے اس قَوْل کو مُقَیَّد کیا تھا غَالِبًا کے لَفْظ کے ساتھ، لِأَنَّهُ قَدْ يَتَعَذَّرُ الِاسْتِثْنَاءُ فِي الْمَحْصُورِ اس لیے کیونکہ کبھی کبھار مَحْصُوْر کے اندر بھی اِسْتِثْنَاء مُتَعَذِّر ہو جاتا ہے۔

اِسْتِثْنَاء تو کس میں مُتَعَذِّر ہونا چاہیے تھا؟ غَيْرِ مَحْصُوْر میں، لیکن کبھی کبھار مَحْصُوْر میں بھی اِسْتِثْنَاء مُتَعَذِّر ہو جاتا ہے۔

نَحْوُ مِثَال کے طور پر: جَاءَنِي مِائَةُ رَجُلٍ إِلَّا زَيْدٌ، میرے پاس سو آدمی آئے سوائے زَيْد کے۔ میرے پاس سو آدمی آئے سوائے زَيْد کے۔ اب مَا قَبْل میں سو آدمی ہیں، اس کے بعد إِلَّا زَيْدٌ آیا۔ یہ مُسْتَثْنیٰ مُتَّصِل ہے یا مُنْقَطِع ہے؟ نَحْوُ جَاءَنِي مِائَةُ رَجُلٍ إِلَّا زَيْدٌ، دیکھو اس کے اندر اب مَا قَبْل میں مِائَةُ رَجُلٍ مَحْصُوْر ہے اور انہوں نے کہا تھا غَيْرِ مَحْصُوْر ہو تب اِسْتِثْنَاء مُتَعَذِّر ہوتا ہے، لیکن یہاں پر مَحْصُوْر ہے، سو آدمی ان کی تَعْدَاد مُتَعَيَّن ہے، اس مِائَة نے سو آدمیوں کے اَفْراد کا اِحَاطَہ کر لیا ہے، لیکن پھر بھی اِسْتِثْنَاء مُتَعَذِّر ہے۔ بھئی میں نے کہا سو آدمی، مجھے بتائیے زَيْد ان میں دَاخِل ہے یا دَاخِل نہیں؟ سو آدمی، زَيْد ان میں شَامِل ہے یا شَامِل نہیں، مجھے یہ بتائیے۔ کیسے شَامِل ہے؟ مجھے یہ بتاؤ۔ کوئی سے سو آدمی ہوں تو کیا ان میں زَيْد کا ہونا یا نہ ہونا یقینی ہے؟ ہو سکتا ہے ان میں ہو، ہو سکتا ہے زَيْد ان میں سے نہ ہو۔ تو معلوم ہوا یہاں زَيْد، مِائَةُ رَجُلٍ میں زَيْد کا دَاخِل ہونا یقینی نہیں۔ جب دَاخِل ہونا یقینی نہیں تو نہ یہ مُسْتَثْنیٰ مُتَّصِل بنا سکتے ہیں آپ نہ مُنْقَطِع۔ اگر یقینی دَاخِل ہوتا تو ہم مُتَّصِل بنا لیتے، یقینی عَدَمِ دُخُوْل ہوتا تو ہم اس کو مُسْتَثْنیٰ مُنْقَطِع بنا لیتے۔ تو اب دیکھو مَحْصُوْر ہے، تو اس میں تو اِسْتِثْنَاء مُتَعَذِّر نہیں ہونا چاہیے تھا کیونکہ آپ نے ہمیں اوپر بتایا ہے کہ غَيْرِ مَحْصُوْر میں اِسْتِثْنَاء مُتَعَذِّر ہوتا ہے۔ اس سے کیا پتہ چلا؟ مَحْصُوْر میں اِسْتِثْنَاء مُتَعَذِّر نہیں ہوتا، لیکن یہاں ہم نے آپ کو بتلا دیا کہ کبھی کبھی مَحْصُوْر میں بھی اِسْتِثْنَاء مُتَعَذِّر ہو جاتا ہے اور پھر إِلَّا کو اِسْتِثْنَاء پر جب مَحْمُوْل نہیں کر سکتے تو پھر اس کو صِفَت بناتے ہیں بھئی۔

پھر دیکھیے۔ کہتے ہیں لِأَنَّهُ قَدْ يَتَعَذَّرُ الِاسْتِثْنَاءُ فِي الْمَحْصُورِ اس لیے کیونکہ کبھی کبھار مَحْصُوْر میں بھی اِسْتِثْنَاء مُتَعَذِّر ہو جاتا ہے، نَحْوُ مِثَال کے طور پر جَاءَنِي مِائَةُ رَجُلٍ إِلَّا زَيْدٌ میرے پاس سو آدمی آئے سوائے زَيْد کے۔ توجہ ہے؟ تو یہ إِلَّا زَيْدٌ صِفَت ہے مِائَةُ رَجُلٍ کے لیے بھئی۔

وَقَدْ لَا يَتَعَذَّرُ فِي غَيْرِ الْمَحْصُورِ نیز آپ نے ہمیں کیا بتایا تھا کہ جب بھی وہ جَمْع کیا ہو؟ نَكِرَہ ہو اور غَيْرِ مَحْصُوْر ہو تو اس کے اندر کیا ہوگا؟ اِسْتِثْنَاء مُتَعَذِّر ہوگا، اس کو إِلَّا کو صِفَت پر مَحْمُوْل کریں گے۔ لیکن ہم آپ کو دکھاتے ہیں کہ غَيْرِ مَحْصُوْر ہے اور پھر بھی اِسْتِثْنَاء مُتَعَذِّر نہیں ہے۔ جیسے دیکھو کہتے ہیں وَقَدْ لَا يَتَعَذَّرُ فِي غَيْرِ الْمَحْصُورِ اور کبھی کبھار غَيْرِ مَحْصُوْر میں بھی اِسْتِثْنَاء مُتَعَذِّر نہیں ہوتا، نَحْوُ جَاءَنِي رِجَالٌ إِلَّا وَاحِدًا آئے میرے پاس کچھ لوگ إِلَّا وَاحِدًا سوائے ایک کے یعنی ان میں سے ایک بھئی۔ اب دیکھو یہاں رِجَالٌ کچھ لوگ ہیں، آگے إِلَّا وَاحِدًا کوئی ایک اس کا ان سے اِسْتِثْنَاء ہو سکتا ہے کیونکہ یہ کئی اَفْراد ہیں ان میں سے ایک فَرْد کا کیا کر لیا جائے؟ اِسْتِثْنَاء کر لیا جائے تو یہ مُسْتَثْنیٰ۔ اب دیکھو رِجَالٌ غَيْرِ مَحْصُوْر ہے۔ رِجَالٌ میرے پاس کچھ آدمی آئے، کوئی خَاص مُتَعَيَّن جَمَاعَت مُراد نہیں، تو اس نے اپنے اَفْراد کا اِحَاطَہ بھی نہیں کیا ہوا۔ تو لہٰذا یہ غَيْرِ مَحْصُوْر ہے اور إِلَّا وَاحِدًا اِسْتِثْنَاء صَحِيْح ہے۔

یا وَإِلَّا رَجُلًا، إِلَّا وَاحِدًا کی جگہ إِلَّا رَجُلًا لے آئیں، جَاءَنِي رِجَالٌ إِلَّا رَجُلًا میرے پاس کچھ لوگ آئے إِلَّا رَجُلًا سوائے ایک آدمی کے۔ تو دیکھو رَجُلٌ بھی انہی رِجَالٌ میں سے ہے نا؟ تو لہٰذا رِجَالٌ کئی اَفراد اور رَجُلٌ ایک فَرْد، تو ان میں سے ایک فَرْد کا اِسْتِثْنَاء کر لیا گیا تو یہاں بھی اِسْتِثْنَاء مُتَعَذِّر نہیں ہے بھئی۔ وَإِلَّا حِمَارًا، جَاءَنِي رِجَالٌ إِلَّا حِمَارًا دیکھو یہاں بھی اِسْتِثْنَاء مُتَعَذِّر نہیں کیونکہ حِمَار تو ان میں دَاخِل ہی نہیں ہے تو یہ یقینی طور پر پتہ چل گیا تو یہ کیا بن جائے گا؟ مُسْتَثْنیٰ مُنْقَطِع بھئی۔

تو کہتے ہیں وَقَدْ لَا يَتَعَذَّرُ فِي غَيْرِ الْمَحْصُورِ اور کبھی کبھار غَيْرِ مَحْصُوْر کے اندر بھی اِسْتِثْنَاء مُتَعَذِّر نہیں ہوتا نَحْوُ جَاءَنِي رِجَالٌ إِلَّا وَاحِدًا وَإِلَّا رَجُلًا وَإِلَّا حِمَارًا۔

وَلَكِنْ لَمَّا كَانَ ذَلِكَ۔ تو سوال پیدا ہوا کہ اے صَاحِبِ جَامِی آپ نے غَالِبًا کی قَیْد لگائی، تو صَاحِبِ کَافِیَہ نے یہ قَیْد کیوں نہیں لگائی؟ ان کو بھی غَالِبًا کی قَیْد لگانا چاہیے تھی۔ تو صَاحِبِ جَامِی آپ کو بتائیں گے کہ بھئی اس ضَابِطَہ کے خِلَاف بھی ہوتا ہے لیکن نِہَایَت قَلِیْل ہے، نِہَایَت قَلِیْل۔ تو جب وہ نِہَایَت قَلِیْل ہے، نَادِر ہے، اور النَّادِرُ كَالْمَعْدُومِ نَادِر چیز جو ہوتی ہے جو کم پائی جائے اس کو ایسے ہی شُمَار کرتے ہیں جیسے پائی ہی نہیں جاتی۔ اسی لیے صَاحِبِ کَافِیَہ نے اس کا ذِکْر ہی نہیں کیا۔ تو کہتے ہیں وَلَكِنْ لَمَّا كَانَ ذَلِكَ نَادِرًا لیکن چونکہ جب ایسا نَادِر ہے لَمْ يَلْتَفِتِ الْمُصَنِّفُ إِلَيْهِ تو اسی لیے مُصَنِّف نے تَوَجُّہ نہیں کی فِي بَيَانِ هَذِهِ الْقَاعِدَةِ اس ضَابِطَہ کے بَیَان میں۔ اسی لیے مُصَنِّف نے ان کی طرف تَوَجُّہ نہیں کی یعنی ان کو شُمَار ہی نہیں کیا کیونکہ النَّادِرُ كَالْمَعْدُومِ بھئی۔ تو یہ جو ضَابِطے ہوتے ہیں یہ اَکْثَرِی باتوں پر ضَابِطے بنائے جاتے ہیں، نَادِر اِسْتِعْمَالَات پر ضَابِطے نہیں بنائے جاتے۔

آگے دیکھیے: نَحْوُ لَوْ كَانَ فِيهِمَا أَيٌ فِي السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ، دیکھو فِيهِمَا میں هُمَا ضَمِیر کا مَرْجِع بتلا دیا کہ یہ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ کو رَاجِع ہے۔ لَوْ كَانَ فِيهِمَا اگر ہوتے ان دونوں میں أَيٌ فِي السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ یعنی زمین اور آسمان میں آلِهَةٌ جَمْعُ إِلَهٍ یہ آلِهَةٌ إِلَهٌ کی جَمْع ہے وَلَا دَلَالَةَ فِيهَا عَلَى عَدَدٍ مَحْصُورٍ اور اس کے اندر کوئی دَلَالَت نہیں ہے کسی مَحْصُوْر یعنی کسی مَحْصُوْر عَدَد پر، کسی مُتَعَیَّن عَدَد پر اس میں کوئی دَلَالَت نہیں۔ آلِهَةٌ کا کیا معنیٰ؟ کچھ مَعْبُوْد، تو اس کے اندر عَدَد پر دَلَالَت نہیں، تو معلوم ہوا یہ مَحْصُوْر نہیں ہے بلکہ غَيْرِ مَحْصُوْر ہے۔ تو آلِهَةٌ جَمْع بھی ہے، نَكِرَہ بھی ہے اور غَيْرِ مَحْصُوْر بھی ہے۔ تو کہتے ہیں وَلَا دَلَالَةَ فِيهَا عَلَى عَدَدٍ مَحْصُورٍ اور اس آلِهَةٌ کے لَفْظ میں کوئی دَلَالَت نہیں ہے کسی مَحْصُوْر عَدَد پر یعنی کسی مُعَیَّن عَدَد پر۔ إِلَّا اللَّهُ أَيْ غَيْرُ اللَّهِ، مَتْن میں تو آیا إِلَّا اللَّهُ آگے صَاحِبِ جَامِی فرما رہے ہیں أَيْ غَيْرُ اللَّهِ، بتلانا چاہتے ہیں کہ یہ إِلَّا کس معنیٰ میں ہے؟ غَيْرٌ کے معنیٰ میں ہے اور یہ صِفَت ہے، أَيْ غَيْرُ اللَّهِ اللہ کے علاوہ، لَفَسَدَتَا تو یہ دونوں فَاسِد ہو جاتے۔ کیا معنیٰ فَاسِد ہو جاتے؟ خراب ہو جاتے، معنیٰ بتلا رہے ہیں: أَيْ لَخَرَجَتَا عَنِ الِائْتِظَامِ یعنی اِنْتِظَام سے نکل جاتے، ان کا اِنْتِظَام بَاقِی نہ رہتا، ان کا یہ حَسِیْن و جَمِیْل نِظَام خراب ہو جاتا۔ توجہ ہے؟

تو کہتے ہیں فَإِلَّا فِي الْآيَةِ صِفَةٌ تو إِلَّا جو ہے اس آیَت کے اندر یہ صِفَت ہے۔ إِلَّا کیا ہے اس آیَت کے اندر؟ صِفَت ہے،

توجہ ہے؟ ابھی بتایا إِلَّا اللّٰهُ أَيْ غَيْرُ اللّٰهِ، صَاحِبِ جَامِی نے بتلا دیا کہ إِلَّا کس معنیٰ میں ہے؟ غَيْرٌ کے معنیٰ میں ہے تو یہ صِفَت ہے۔

اچھا بھئی یہاں یہ ذرا عِبَارَت کیسے پڑھیں گے؟ لَخَرَجَتَا عَنْ اور آگے الِانْتِظَامِ ہے، کیسے پڑھیں گے؟ عَنِ لْ، ہاں یہ تمام طَلَبَہ اسی طرح پڑھتے ہیں: عَنِ لْ اِنْتِظَامِ۔ عَنِ لِنْتِظَامِ، ہاں شاباش، عَنِ لِنْتِظَامِ۔ دیکھو کیسے یہ پڑھنا ہے سن لو: اِنْتِظَام بَابِ اِفْتِعَال ہے اور اس کا ہَمْزَہ وَصْلِی ہے درمیان میں گر جاتا ہے۔ اس پر أَلِف لَام آپ لے آئے تو اب ال یہ لَام بھی سَاكِن اور آگے نُوْن بھی سَاكِن کیونکہ ہَمْزَہ تو گر گیا، تو اِجْتِمَاعِ سَاكِنَيْن آیا اور اِجْتِمَاعِ سَاكِنَيْن بھی عَلَى غَيْرِ حَدِّهِ ہے۔ ایک اِجْتِمَاعِ سَاكِنَيْن عَلَى حَدِّهِ ہوتا ہے جو جَائِز ہے اور ایک عَلَى غَيْرِ حَدِّهِ جو جَائِز نہیں۔ عَلَى حَدِّهِ کسے کہتے ہیں؟ کہ اَوَّل سَاكِن مَدَّه ہو اور ثَانِی مُدْغَم ہو، مَادَّةٌ یا فَارٌّ۔ دیکھو فَ کے بعد أَلِف بھی سَاكِن اور رَاءِ مُشَدَّد کے اندر پہلی رَاء بھی سَاكِن تو اِجْتِمَاعِ سَاكِنَيْن آیا۔ لیکن یہ جَائِز ہے کیونکہ اِجْتِمَاعِ سَاكِنَيْن عَلَى حَدِّهِ ہے، اَوَّل سَاكِن أَلِف کیا ہے؟ مَدَّه ہے اور رَاء کیا ہے؟ مُدْغَم ہے۔ اس کے علاوہ باقی تمام صُوَرتیں اِجْتِمَاعِ سَاكِنَيْن عَلَى غَيْرِ حَدِّهِ کی ہیں اور اس کے اندر میں نے بتایا تھا کہ اگر اِجْتِمَاعِ سَاكِنَيْن عَلَى غَيْرِ حَدِّهِ آئے تو وہ جَائِز نہیں، اس میں پھر غَوْر کرنا ہے: اگر پہلا سَاكِن مَدَّه ہو تو اس کو گرا دینا ہے اور اگر پہلا سَاكِن مَدَّه نہیں ہے تو پھر اس کو كَسْرَه والی حَرَكَت عموماً دے دیتے ہیں کیونکہ السَّاكِنُ إِذَا حُرِّكَ حُرِّكَ بِالْكَسْرِ بھئی۔

تو لہٰذا یہاں پر بھی اِنْتِظَام تھا، ہَمْزَہ وَصْلِی شروع سے گر گیا، أَلِف لَام آ گیا۔ اب لَام بھی سَاكِن، نُوْن بھی سَاكِن، تو لَام کو كَسْرَه کی حَرَكَت دے دی، کیا بن گیا؟ اَلِنْتِظَام۔ لَام کے نیچے میں كَسْرَه پڑھ رہا ہوں۔ اب اس پر عَنْ دَاخِل ہوا اور عَنْ کا نُوْن بھی سَاكِن، اور اَلِنْتِظَام کا ہَمْزَہ بھی گر جائے گا، أَلِف لَام کا ہَمْزَہ بھی وَصْلِی ہے درمیانِ عِبَارَت میں گر جائے گا۔ تو اب کیا رہ گیا؟ عَنْ لِنْتِظَامِ۔ ابھی ہم نے جوڑا نہیں، عَنْ لِنْتِظَامِ۔ تو اب پھر اِجْتِمَاعِ سَاكِنَيْن آ گیا۔ کیا آیا؟ اِجْتِمَاعِ سَاكِنَيْن۔ آپ کہیں گے اب تو کوئی اِجْتِمَاعِ سَاكِنَيْن نہیں، عَنْ صرف نُوْن سَاكِن ہے، آگے ہے لِنْتِظَامِ، آگے تو لَام کے نیچے كَسْرَه آ چکا ہے، توجہ ہے؟ تو جواب کہ نہیں بھئی، یہ لَام کے نیچے جو كَسْرَه آیا ہے یہ اس کی مُسْتَقِل حَرَكَت ہے یا عَارِضِی طور پر آئی ہے؟ عَارِضِی طور پر ابھی آئی ہے اِجْتِمَاعِ سَاكِنَيْن کی وجہ سے اور عَارِضِی حَرَكَت کا کوئی اِعْتِبَار نہیں، یوں سمجھو ابھی بھی لَام سَاكِن کا سَاكِن ہے۔ عَنْ کا نُوْن بھی سَاكِن، آگے لِنْتِظَامِ کا لَام بھی سَاكِن، تو یہ اِجْتِمَاعِ سَاكِنَيْن آ گیا۔ تو یہ اِجْتِمَاعِ سَاكِنَيْن عَلَى غَيْرِ حَدِّهِ ہے اور پھر اس کے اندر اگر اَوَّل مَدَّه ہو اس کو گرا دیتے ہیں لیکن یہاں تو اَوَّل نُوْن ہے اس کو گرا نہیں سکتے تو پھر السَّاكِنُ إِذَا حُرِّكَ حُرِّكَ بِالْكَسْرِ، پھر اس نُوْن کو كَسْرَه کی حَرَكَت دیں گے۔ تو اب لَام کے نیچے اسی طرح زیر پڑھنا ہے اور نُوْن کے نیچے بھی اب زیر آ گیا: عَنِ لِنْتِظَامِ۔ لیکن تیزی سے آپ پڑھیں گے تو پتہ بھی نہیں چلے گا، دیکھو کیسے: أَيْ لَخَرَجَتَا عَنِ الِانْتِظَامِ۔ طَرِيْقَہ سمجھ میں آ رہا ہے بھئی؟

تو کہتے ہیں لَفَسَدَتَا تو یہ دونوں فَاسِد ہو جاتے أَيْ لَخَرَجَتَا عَنِ الِانْتِظَامِ یعنی دونوں اپنے اِنْتِظَام سے نکل جاتے یعنی ان کا نِظَام خراب ہو جاتا۔ فَإِلَّا فِي الْآيَةِ صِفَةٌ تو إِلَّا کا لَفظ جو اس آیَت کے اندر آیا ہے یہ صِفَت ہے یعنی غَيْرٌ کے معنیٰ میں

ہے۔ بھئی کیوں؟ کہتے ہیں لِأَنَّهَا تَابِعَةٌ لِجَمْعٍ مَنْكُورٍ غَيْرِ مَحْصُورٍ اس لیے کیونکہ یہ تَابِع ہے ایسی جَمْع کے جو نَكِرَه ہے اور غَيْرِ مَحْصُوْر ہے، یعنی آلِهَةٌ کے بعد آیا ہے إِلَّا کا لَفظ۔ تو یہ تَابِع ہے ایسی جَمْع کے بعد جو نَكِرَه ہے اور غَيْرِ مَحْصُوْر ہے، وَهِيَ آلِهَةٌ اور وہ جَمْع کون سی ہے؟ آلِهَةٌ کا لَفظ ہے۔ توجہ ہے؟

یاد رکھو یہ وَهِيَ آلِهَةٌ، یہ هِيَ ضَمِيْر رَاجِع ہے پیچھے جو جَمْع کا ذِكْر آیا، جَمْعٍ مَنْكُورٍ غَيْرِ مَحْصُورٍ، تو یہ جَمْع کو ضَمِيْر رَاجِع ہے۔ وہ جَمْعٍ مَنْكُوْر غَيْرِ مَحْصُوْر کیا ہے؟ هِيَ آلِهَةٌ وہ آلِهَةٌ ہے۔ تو هِيَ ضَمِيْر کس کو رَاجِع؟ جَمْع کو۔ سوال: جَمْع کا لَفظ تو مُذَكَّر ہے، جَمْعٌ، اس میں تو کوئی عَلَامَتِ تَانِيْث نہیں، تو پھر اس کی طرف هِيَ ضَمِيْر کیسے رَاجِع کر دی؟ تو یاد رکھنا کہ ضَابِطَہ میں نے آپ کو پہلے بھی بتلایا تھا کہ جب بھی ضَمِيْر دَائِر ہو جائے بَيْنَ الْمَرْجِعِ وَالْخَبَرِ تو پھر دونوں میں سے آپ جس کی بھی رِعَايَت رکھیں ٹھیک ہے۔ یہاں پر دیکھیں مَرْجِع کو دیکھیں تو وہ مُذَكَّر ہے هُوَ ضَمِيْر لانی چاہیے تھی، اور خَبَر اس کی یہ مُبْتَدَا ہے آگے خَبَر آلِهَةٌ وہ مُؤَنَّث آ رہی ہے تو لہٰذا خَبَر کی طرف دیکھیں تو هِيَ ضَمِيْر لانی چاہیے تھی۔ تو اس میں دونوں کی رِعَايَت جَائِز ہے، مَرْجِع کی بھی رِعَايَت رکھتے ہوئے هُوَ آلِهَةٌ بھی کہہ سکتے ہیں اور خَبَر کی رِعَايَت رکھتے ہوئے هِيَ آلِهَةٌ بھی کہہ سکتے ہیں، اور خَبَر کی رِعَايَت رکھنا اَوْلٰی ہے۔ اسی لیے وَهِيَ آلِهَةٌ کہا صَاحِبِ جَامِی نے۔ تو کہتے ہیں لِأَنَّهَا تَابِعَةٌ لِجَمْعٍ مَنْكُورٍ غَيْرِ مَحْصُورٍ اس لیے کیونکہ یہ

إِلَّا جو ہے یہ تَابِع ہے ایسی جَمْع کا جو مَنْكُوْر ہے اور غَيْرِ مَحْصُوْر ہے، وَهِيَ آلِهَةٌ اور وہ آلِهَةٌ کا لَفظ ہے، وَيَتَعَذَّرُ الِاسْتِثْنَاءُ اور یہاں اِسْتِثْنَاء مُتَعَذِّر ہے۔ لَوْ كَانَ فِيهِمَا آلِهَةٌ إِلَّا اللّٰهُ یہاں اِسْتِثْنَاء مُتَعَذِّر۔ کیوں مُتَعَذِّر؟ کیونکہ مَا قَبْل میں آلِهَةٌ آیا، کچھ آلِهَةٌ، اور إِلَّا اللّٰهُ اللہ تعالیٰ کا آگے ذِكْر آیا، تو اللہ تعالیٰ کا ان میں دَاخِل ہونا یقینی نہیں۔ تو یہ یقینی نہیں۔ جب یقینی نہیں تو پھر نہ مُسْتَثْنیٰ ہم مُتَّصِل بنا سکتے ہیں اور نہ مُسْتَثْنیٰ مُنْقَطِع، کیونکہ اِسْتِثْنَاء کا دارومدار تو کس چیز پر ہے؟ کہ آپ کو یقینی طور پر پتہ ہو کہ مَا بَعْد مَا قَبْل میں دَاخِل ہے یا دَاخِل نہیں۔ اگر دَاخِل ہے تو کیا بنائیں گے؟ مُتَّصِل، اور دَاخِل نہ ہو تو کیا بنائیں گے؟ مُنْقَطِع، لیکن یہاں پر تو اللہ تعالیٰ کا ان آلِهَةٌ میں دَاخِل ہونا یقینی نہیں۔

تو کہتے ہیں وَيَتَعَذَّرُ الِاسْتِثْنَاءُ اور یہ اِسْتِثْنَاء مُتَعَذِّر ہے لِعَدَمِ دُخُولِ اللّٰهِ تَعَالَى فِي آلِهَةٍ بِيَقِينٍ بَوَجْهِ عَدَمِ دُخُوْل اللہ تعالیٰ کے فِي آلِهَةٍ آلِهَةٌ میں بِيَقِينٍ يَقِيْن کے ساتھ، یعنی آلِهَةٌ کے اندر اللہ کا دَاخِل ہونا یقینی نہیں۔ توجہ ہے؟ عَدَم کا معنیٰ نہیں کے کر لینا لِعَدَمِ دُخُولِ اللّٰهِ تَعَالَى اس لیے کیونکہ اللہ کا دَاخِل ہونا نہیں ہے فِي آلِهَةٍ آلِهَةٌ کے اندر بِيَقِينٍ یقینی طور پر، فَلَمْ يَتَحَقَّقْ شَرْطُ صِحَّةِ الِاسْتِثْنَاءِ تو لہٰذا اِسْتِثْنَاء کے صَحِيْح ہونے کی شَرْط نہ پائی گئی۔ اِسْتِثْنَاء کے صَحِيْح ہونے کی شَرْط تو کیا تھی؟ کہ یقینی طور پر دَاخِل ہونا یا دَاخِل نہ ہونا مَعْلُوْم ہو اور یہاں ایسا نہیں ہے۔

یہاں تک بات سمجھ میں آ گئی۔ کہتے ہیں وَفِي الْآيَةِ مَانِعٌ آخَرُ عَنْ حَمْلِ إِلَّا عَلَى الِاسْتِثْنَاءِ۔ یہاں سے صَاحِبِ جَامِی فرما رہے ہیں کہ اس آیت کے اندر ایک اور مَانِع بھی مَوْجُوْد ہے جو تَقَاضَا کر رہا ہے کہ إِلَّا کو اِسْتِثْنَاء پر مَحْمُوْل نہیں کیا جا سکتا۔

ایک مَانِع تو کیا تھا؟ کہ اللہ کا ان آلِهَةٌ میں دَاخِل ہونا یقینی نہیں، ایک تو یہ مَانِع تھا۔ دوسرا یہ، کہتے ہیں اس لیے کہ اگر اس کو اِسْتِثْنَاء پر مَحْمُوْل کر لیں گے تو پھر یہ تَوْحِیْد کے خِلَاف ہو جائے گا۔ کس کے؟ تَوْحِیْد کے خِلَاف ہو جائے گا معنیٰ۔ کس طرح؟ دیکھو آؤ ذرا پیچھے وہ مَتْن پر آئیے ذرا۔ لَوْ كَانَ فِيهِمَا آلِهَةٌ إِلَّا اللَّهُ لَفَسَدَتَا، مَتْن پر نَظَر ہے؟ لَوْ كَانَ فِيهِمَا اگر اس زمین اور آسمان میں ہوتے آلِهَةٌ ایسے مَعْبُوْد، إِلَّا کو ہم فَرْض کریں اگر اِسْتِثْنَاء پر مَحْمُوْل کرتے، ایسے مَعْبُوْد جن سے اللہ کا اِسْتِثْنَاء کیا جاتا، اگر زمین اور آسمان میں اور ایسے مَعْبُوْد ہوتے جن سے اللہ کا اِسْتِثْنَاء ہوتا، لَفَسَدَتَا تو ان کا نِظَام کیا ہو جاتا؟ توجہ ہے؟ اگر اس زمین اور آسمان میں ایسے مَعْبُوْد ہوتے جن سے اللہ کا اِسْتِثْنَاء ہوتا۔ پھر سنو: اگر اس زمین اور آسمان میں ایسے مَعْبُوْد ہوتے جن سے اللہ کا اِسْتِثْنَاء ہوتا تو ان کا نِظَام خراب ہو جاتا۔ اس سے تو اتنا پتہ چلا، معلوم ہوا ایسے آلِهَةٌ نہیں ہیں جن سے اللہ کا اِسْتِثْنَاء ہو۔ اس کا مَطْلَب ہے ایسے آلِهَةٌ ہو سکتے ہیں جن سے اللہ کا اِسْتِثْنَاء نہ ہو۔

پھر سنو، پھر سنو۔ إِلَّا کو ہم کس لیے بنا رہے ہیں؟ اِسْتِثْنَاء کے لیے، اور اس صُوْرَت میں تَوْحِیْد نہیں رہتی وہ میں مِثَال، وہ وَضَاحَت کر رہا ہوں میں اس کی: اس زمین اور آسمان میں اگر ایسے آلِهَةٌ ہوتے إِلَّا اللَّهُ جن سے اللہ کا اِسْتِثْنَاء ہوتا تو نِظَام خراب ہو جاتا۔ اس کا مَطْلَب ہے اگر اللہ کا اِسْتِثْنَاء نہ ہوتا تو نِظَام خراب نہ ہوتا، تو ہو سکتا ہے ایسے ہوں، صِرْف کس کی نَفِی ہوئی؟ ایسے آلِهَةٌ کی جن سے اللہ کا اِسْتِثْنَاء ہو، یعنی معلوم ہوا ایسے آلِهَةٌ نہیں ہیں، ایسے آلِهَةٌ جن سے اللہ کا اِسْتِثْنَاء ہو ان کا وُجُوْد نہیں ہے ورنہ تو نِظَام خراب ہو جاتا۔ لیکن اس سے ایسے آلِهَةٌ جن سے اللہ کا اِسْتِثْنَاء نہ ہو ان کی تو نَفِی نہیں ہوئی، یہ تو پھر تَعَدُّد آ گیا آلِهَةٌ میں اور یہ تَوْحِیْد کے خِلَاف ہے۔ بات سمجھ بھی آئی یا نہیں آئی؟ کیا بات ہوئی؟ اگر اس زمین اور آسمان میں ایسے آلِهَةٌ ہوتے جن سے اللہ کا اِسْتِثْنَاء ہوتا تو نِظَام خراب ہو جاتا، معلوم ہوا ایسے آلِهَةٌ نہیں ہیں جن سے اللہ کا اِسْتِثْنَاء ہو۔ ایسے آلِهَةٌ نہیں ہیں جن سے اللہ کا اِسْتِثْنَاء ہو، تو ان آلِهَةٌ کی نَفِی ہوئی جن سے اللہ کا اِسْتِثْنَاء ہو، اور ایسے آلِهَةٌ جن سے اللہ کا اِسْتِثْنَاء نہ ہو ان کی تو نَفِی یہاں نہیں ہے، ان کی تو نَفِی نہیں ہے تو تَعَدُّد آ گیا یا نہیں؟ اِحْتِمَال آ گیا تو یہ معنیٰ تَوْحِیْد کے خِلَاف ہے۔

اب آئیے بھئی صَاحِبِ جَامِی اسی کو اور اپنے فَصِیْح و بَلِیْغ لفظوں کے ساتھ بَیَان کریں گے۔ کہتے ہیں وَفِي الْآيَةِ مَانِعٌ آخَرُ عَنْ حَمْلِ إِلَّا عَلَى الِاسْتِثْنَاءِ اس آیَت کے اندر ایک اور مَانِع بھی ہے عَنْ حَمْلِ إِلَّا عَلَى الِاسْتِثْنَاءِ إِلَّا کو اِسْتِثْنَاء پر مَحْمُوْل کرنے سے۔ إِلَّا کو اِسْتِثْنَاء پر مَحْمُوْل کرنے سے ایک اور چیز بھی مَانِع ہے آیَت کے اندر۔ توجہ ہے؟ جی یہاں آیا عَلَى الِاسْتِثْنَاءِ، کیسے پڑھیں گے؟ عَلَى الِاسْتِثْنَاءِ، پھر اسی طرح اِسْتِثْنَاء کا هَمْزَه وَصْلِی ہے گر جائے گا، پھر اس پر أَلِف لَام آیا، پھر لَام کے نیچے كَسْرَه، کیا بن گیا؟ اَلِسْتِثْنَاء۔ اَلِسْتِثْنَاء، پھر اس پر عَلَى آیا، جی اب عَلَى کے آخر میں کیا ہے؟ أَلِف ہے، عَلَى کے آخر میں کیا پڑھ رہا ہوں؟ یَاء تھی لیکن کس سے بَدَل چکی ہے؟ أَلِف سے عَلَى۔ تو عَلَى کے آخر میں أَلِف، آگے لِسْتِثْنَاء کا لَام بھی سَاكِن اگرچہ اس پر حَرَكَت ہے لیکن وہ عَارِضِی حَرَكَت ہے اور اس کا کوئی اِعْتِبَار نہیں، تو مَا قَبْل میں أَلِف بھی سَاكِن اور مَا بَعْد میں لَام بھی سَاكِن، اِجْتِمَاعِ سَاكِنَيْن آیا۔ عَلَى حَدِّهِ ہے یا عَلَى غَيْرِ حَدِّهِ ہے؟ عَلَى غَيْرِ حَدِّهِ ہے، عَلَى

حَدِّہٖ میں تو ثَانِی مُدْغَم ہوتا ہے، اس میں اِدْغَام ہوتا ہے۔ تو پھر اگر اِجْتِمَاعِ سَاكِنَيْن عَلَى غَيْرِ حَدِّہٖ ہو پھر کیا کرتے ہیں؟ اگر اَوَّل مَدَّہ ہو اس کو گراتے ہیں اور اگر مَدَّہ نہ ہو تو پھر کَسْرَہ کی حَرَکَت دیتے ہیں۔ یہاں بتائیے عَلَى الِاسْتِثْنَاءِ، کون سے دو سَاكِن جَمْع ہیں؟ عَلَى کے آخر میں أَلِف اور لِسْتِثْنَاء کا لَام۔ أَلِف اور لَام اِجْتِمَاعِ سَاكِنَيْن ہیں اور ان میں سے أَلِف حَرْفِ مَدَّہ ہے لہٰذا اس کو گرا دیں گے۔ تو عَلَى نہیں پڑھیں گے، عَلَ عَلَ، لَام پر صِرْف زَبَر پڑھیں گے۔ کیسے پڑھیں گے؟ ہاں جی: عَلَى الِاسْتِثْنَاءِ، عَلَى الِسْتِثْنَاءِ، توجہ ہے؟ عَلَ، لَام پر صِرْف زَبَر پڑھیں أَلِف گرا دیں اور پھر آگے لِسْتِثْنَاء کے لَام کے نیچے کَسْرَہ۔

تو کہتے ہیں وَفِي الْآيَةِ مَانِعٌ آخَرُ اور اس آیت کے اندر ایک اور مَانِع بھی ہے عَنْ حَمْلِ إِلَّا عَلَى الِاسْتِثْنَاءِ إِلَّا کو اِسْتِثْنَاء پر مَحْمُوْل کرنے سے، وَهُوَ اور وہ یہ أَنَّهُ لَوْ حُمِلَتْ عَلَيْهِ کہ یہ إِلَّا کو اگر اِسْتِثْنَاء پر مَحْمُوْل کر لیا جائے صَارَ الْمَعْنَى تو معنیٰ یوں ہو جائے گا: لَوْ كَانَ فِيهِمَا آلِهَةٌ مُسْتَثْنًى عَنْهَا اللّٰهُ تَعَالَى۔ لَوْ كَانَ فِيهِمَا آلِهَةٌ اگر اس زمین اور آسمان میں ایسے آلِهَةٌ ہوتے مُسْتَثْنًى، مُسْتَثْنًى یہاں أَلِف گر گیا ہے۔ مُسْتَثْنًى ہے نا، پھر یہ کیا تھا؟ مُسْتَثْنَيٌ تھا، مُسْتَثْنَيٌ۔ تو پھر مُسْتَثْنًى یہ اِسْمِ مَقْصُوْر ہے، یہ أَلِف تَقْدِيْرًا مَوْجُوْد ہے، اَصْل میں کیا تھا؟ مُسْتَثْنَيٌ، پھر يَاء مُتَحَرِّک مَا قَبْل فَتْحَہ کس سے بَدَلَا؟ أَلِف سے، اور آخر میں تَنْوِيْن والا نُوْن بھی ہے تو مُسْتَثْنَانْ ہوا۔ توجہ ہے؟ اور مُسْتَثْنَانْ ہوا اور پھر أَلِف بھی سَاكِن اور نُوْن بھی سَاكِن، اِجْتِمَاعِ سَاكِنَيْن آیا، أَلِف گر گیا تو کیا رہ گیا؟ مُسْتَثْنًى۔ تو یہ أَلِف کیوں گرا؟ اِجْتِمَاعِ سَاكِنَيْن آیا کس کے ساتھ؟ تَنْوِيْن کے ساتھ، اگر تَنْوِيْن نہ ہوتی تو اس نے نہیں گرنا تھا یعنی اگر أَلِف لَام ہوتا: الْمُسْتَثْنَى۔

تو کہتے ہیں صَارَ الْمَعْنَى تو معنیٰ یہ ہو جاتا: لَوْ كَانَ فِيهِمَا آلِهَةٌ کہ اگر اس زمین اور آسمان میں ایسے آلِهَةٌ ہوتے مُسْتَثْنًى عَنْهَا اللّٰهُ تَعَالَى جن سے اللہ کا اِسْتِثْنَاء کیا ہوا ہوتا لَفَسَدَتَا تو ان کا نِظَام فَاسِد ہو جاتا۔ وَهَذَا لَا يَدُلُّ اور یہ تو دَلَالَت نہیں کرتا إِلَّا مگر صِرْف اس بات پر عَلَى أَنَّهُ لَيْسَ فِيهِمَا آلِهَةٌ مُسْتَثْنًى عَنْهَا اللّٰهُ تَعَالَى کہ زمین اور آسمان میں ایسے آلِهَةٌ نہیں ہیں جن سے اللہ مُسْتَثْنًى ہو یعنی جن سے اللہ کا اِسْتِثْنَاء کیا گیا ہو۔ توجہ ہے؟ پھر سنیں: صَارَ الْمَعْنَى تو یہ معنیٰ یہ ہو جاتا لَوْ كَانَ فِيهِمَا آلِهَةٌ کہ اگر اس زمین اور آسمان کے اندر ایسے آلِهَةٌ ہوتے مُسْتَثْنًى عَنْهَا اللّٰهُ تَعَالَى جن سے اللہ کا اِسْتِثْنَاء کیا ہوا ہوتا، ایسے آلِهَةٌ ہوتے جن سے اللہ کا اِسْتِثْنَاء کیا ہوا ہوتا، لَفَسَدَتَا تو پھر ان کا نِظَام فَاسِد ہو جاتا۔ وَهَذَا لَا يَدُلُّ اور یہ پھر اس صُوْرَت میں تو یہ دَلَالَت نہیں کرتا إِلَّا عَلَى أَنَّهُ لَيْسَ فِيهِمَا آلِهَةٌ مُسْتَثْنًى عَنْهَا اللّٰهُ تَعَالَى کہ نہیں ہے ان زمین اور آسمان میں ایسے آلِهَةٌ جن سے اللہ کا اِسْتِثْنَاء کیا گیا ہو۔ یہ تو صِرْف اس بات پر دَلَالَت کرتا کہ زمین اور آسمان میں ایسے آلِهَةٌ نہیں ہیں جن سے اللہ کا اِسْتِثْنَاء کیا گیا ہو۔ تو پھر تو ہو سکتا ہے ایسے آلِهَةٌ ہوں جن سے اللہ کا اِسْتِثْنَاء نہ کیا گیا ہو۔

تو کہتے ہیں وَبِهَذَا لَا يَثْبُتُ وَحْدَانِيَّتُهُ تَعَالَى اور اس سے اللہ تعالیٰ کی وَحْدَانِيَّت ثَابِت نہیں ہوتی لِجَوَازِ أَنْ يَكُونَ حِينَئِذٍ فِيهِمَا آلِهَةٌ غَيْرُ مُسْتَثْنًى عَنْهَا اللّٰهُ تَعَالَى اس لیے کیونکہ مُمْكِن ہے کہ اس وَقْت پھر اس زمین اور آسمان میں ایسے آلِهَةٌ ہوں کہ غَيْرُ مُسْتَثْنًى عَنْهَا اللّٰهُ تَعَالَى جن سے اللہ کا اِسْتِثْنَاء نہ کیا گیا ہو۔ ایسے آلِهَةٌ تو نہیں ہیں جن سے اللہ کا اِسْتِثْنَاء کیا گیا ہو لیکن ہو سکتا ہے ایسے آلِهَةٌ ہوں جن سے اللہ کا اِسْتِثْنَاء نہ کیا گیا ہو۔

بِخِلَافِ مَا إِذَا كَانَتْ لِلصِّفَةِ بِمَعْنَى غَيْرٍ بَخِلَاف اس صُوْرَت کے کہ جب إِلَّا جو ہے صِفَت کے لیے ہو اور غَيْرٌ کے معنیٰ میں ہو، فَإِنَّهُ يَدُلُّ عَلَى أَنَّهُ لَيْسَ فِيهِمَا آلِهَةٌ غَيْرُ اللَّهِ تَعَالَى اس لیے کیونکہ اس وَقْت پھر یہ دَلَالَت کرتی ہے یہ آیَت کہ لَيْسَ فِيهِمَا آلِهَةٌ غَيْرُ اللَّهِ تَعَالَى کہ زمین اور آسمان میں کوئی آلِهَةٌ نہیں ہیں غَيْرُ اللَّهِ تَعَالَى اللہ کے عِلَاوَہ۔ اس صُوْرَت میں کیا معنیٰ ہے؟ جب إِلَّا کو ہم کس پر مَحْمُوْل کریں؟ غَيْرٌ پر، پھر معنیٰ ہے اللہ کے عِلَاوَہ اور کوئی مَعْبُوْد نہیں۔ بھئی کس طرح؟ ادھر دیکھو: لَوْ كَانَ فِيهِمَا آلِهَةٌ اگر اس زمین اور آسمان میں ایسے آلِهَةٌ ہوتے إِلَّا اللَّهُ أَيْ غَيْرُ اللَّهِ جو اللہ کے مُغَايِر ہوتے، اللہ سے غَيْر ہوتے، اگر اس زمین اور آسمان میں ایسے خُدَا ہوتے جو اللہ سے غَيْر ہوتے لَفَسَدَتَا تو ان کا نِظَام خراب ہو جاتا۔ معلوم ہوا اللہ سے غَيْر خُدَا ہیں ہی نہیں۔ جب مُغَايَرَت نہیں ہے تو معلوم ہوا تَعَدُّدِ آلِهَةٌ بھی نہیں ہے صِرْف اللہ ہیں بھئی۔ ایسے آلِهَةٌ، غَيْرُ اللَّهِ جو اللہ سے غَيْر ہوتے، اللہ کے مُغَايِر ہوتے، معلوم ہوا اللہ کے مُغَايِر کوئی مَعْبُوْد ہیں ہی نہیں۔ معنیٰ سمجھ میں آگیا؟

پھر دیکھیے۔ کہتے ہیں بِخِلَافِ مَا إِذَا كَانَتْ لِلصِّفَةِ بِمَعْنَى غَيْرٍ بَخِلَاف اس صُوْرَت کے کہ جب إِلَّا جو ہے صِفَت کے لیے ہو غَيْرٌ کے معنیٰ میں فَإِنَّهُ يَدُلُّ تو اس وَقْت پھر یہ معنیٰ دَلَالَت کرتا ہے عَلَى أَنَّهُ لَيْسَ فِيهِمَا آلِهَةٌ غَيْرُ اللَّهِ تَعَالَى کہ زمین اور آسمان میں کوئی ایسے مَعْبُوْد نہیں جو اللہ سے مُغَايِر ہوں، جو اللہ سے غَيْر ہوں۔ وَإِذَا لَمْ يَكُنْ فِيهِمَا آلِهَةٌ غَيْرُ اللَّهِ تَعَالَى اور جب اس زمین اور آسمان میں اللہ کے مُغَايِر اور کوئی آلِهَةٌ نہیں ہیں، يَجِبُ أَلَّا تَتَعَدَّدَ الْآلِهَةُ تو لَازِم ہوا کہ آلِهَةٌ میں تَعَدُّد نہ ہو۔ جب اللہ کے عِلَاوَہ اور مَعْبُوْد نہیں تو معلوم ہوا آلِهَةٌ میں تَعَدُّد نہیں۔ بات سمجھ میں آگئی؟ يَجِبُ أَلَّا تَتَعَدَّدَ الْآلِهَةُ تو یہ لَازِم ہوا کہ آلِهَةٌ کے اندر بھی تَعَدُّد نہ ہو، لِأَنَّ التَّعَدُّدَ يَسْتَلْزِمُ الْمُغَايَرَةَ اس لیے کیونکہ تَعَدُّد مُسْتَلْزِم ہے مُغَايَرَت کو۔ تَعَدُّد کے ساتھ مُغَايَرَت لَازِم ہے، تَعَدُّد تب ہی ہو سکتا ہے جب اللہ سے مُغَايِر اور آلِهَةٌ ہوں بھئی۔ جب اللہ سے مُغَايِر اور آلِهَةٌ نہیں تو تَعَدُّد بھی نہیں، جب تَعَدُّد نہیں تو اللہ کی وَحْدَانِيَّت ثَابِت ہو گئی بھئی۔

بات سمجھ میں آگئی؟ حَلّ ہو گیا؟ چلیے بس بھئی، هَذَا هُوَ الْمَرَامُ، وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْكَلَامِ۔

سبق نمبر ۱۶۸: المستثنیٰ (۱۵): غیرِ جمع منکرِ غیر محصور میں «إِلَّا» کے صفت بننے کا ضعف

شرحِ ملا جامی صفحہ: ۱۵۱ — بتاریخ: ۴ جولائی ۲۰۲۲ء

▪ تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث

آگے سبق دیکھیے بھئی: وَضَعُفَ حَمْلُ إِلَّا عَلَى غَيْرٍ فِي غَيْرِهِ، أَيْ فِي غَيْرِ جَمْعٍ مَنْكُورٍ غَيْرِ مَحْصُورٍ، لِصِحَّةِ الِاسْتِثْنَاءِ حِينَئِذٍ. وَمَذْهَبُ سِيبَوَيْهِ جَوَازُ وُقُوعِ إِلَّا صِفَةً مَعَ صِحَّةِ الِاسْتِثْنَاءِ، قَالَ: يَجُوزُ فِي قَوْلِكَ: مَا أَتَانِي أَحَدٌ إِلَّا زَيْدٌ، أَنْ يَكُونَ إِلَّا زَيْدٌ صِفَةً، وَعَلَيْهِ أَكْثَرُ الْمُتَأَخِّرِينَ.

گزشتہ سبق میں صاحبِ کافیہ اور صاحبِ جامی یہ فرما رہے تھے کہ کبھی کبھار إِلَّا جو ہے اس کو بھی غَيْرٌ پر محمول کرتے ہوئے صفت بناتے ہیں، اور وہ اس مقام پر ہوگا جب إِلَّا جو ہے ایسی جمع کے بعد آئے جو نکرہ ہو اور غیر محصور ہو۔ جمع سے مراد جمعِ لغوی ہے یعنی جس میں تعدد ہو بھئی، جمعِ اصطلاحی مراد نہیں۔ تو ایک ایسی چیز آئے جس کے اندر تعدد ہو، اور وہ نکرہ ہو، اور وہ غیر محصور ہو، تو پھر استثنا ممکن نہیں رہتا۔ نہ آپ اس کو مستثنیٰ متصل کے لیے بنا سکتے ہیں اور نہ مستثنیٰ منقطع کے لیے۔ تو جب استثنا متعذر ہوا تو پھر مجبوری کی وجہ سے إِلَّا کو صفت پر محمول کیا جاتا ہے بھئی۔

تو گزشتہ سبق کے اندر یہ آخری صفت غیر محصور کا ذکر آیا تھا۔ صاحبِ جامی نے آپ کو بتلایا تھا کہ محصور جو ہے وہ دو چیزیں ہیں بھئی۔ ایک تو جنسِ مستغرق ہے یعنی ایسی جنس جو اپنے افراد کا احاطہ کر لے، جیسے رَجُلٌ۔ رَجُلٌ ایک جنس ہے، رَجُلٌ ایک جنس ہے، اس نے اپنے افراد کا احاطہ نہیں کیا ہوا، لیکن اسی رَجُلٌ کو آپ تحت النفی لے آئیں، مَا جَاءَنِي رَجُلٌ، تو نکرہ تحت النفی آیا تو اس نے اپنے تمام افراد کا احاطہ کر لیا اور رَجُلٌ کے ہر ہر فرد سے آنے کی نفی ہو گئی۔ معلوم ہوا میرے پاس کوئی ایک بھی آدمی نہیں آیا۔ تو اب دیکھو رَجُلٌ لفظوں کے اعتبار سے اگرچہ مفرد ہے لیکن معنیٰ کے اعتبار سے یہ جمع ہے کیونکہ یہ جنسِ مستغرق ہے جس نے اپنے تمام افراد کا احاطہ کیا ہوا ہے۔ یا اسی طرح اس رَجُلٌ پر كُلٌّ کا لفظ لے آئیں، كُلُّ رَجُلٍ، ہر آدمی۔ دیکھو اس نے بھی کیا کر لیا؟ اب اپنے افراد کا احاطہ کر لیا۔ تو لہٰذا محصور یا تو وہ جنسِ مستغرق ہوگا، یا پھر وہ اس جنس کے بعض افراد ہوں گے جن کی تعداد معلوم اور متعین ہوگی یعنی ان کے ساتھ عدد ذکر ہوگا، جیسے عِنْدِي

عَشَرَةُ دَرَاهِمَ، میرے پاس دس درہم ہیں۔ تو اب دیکھو عَشَرَةٌ نے درہم کی ایک مخصوص مقدار، ایک مخصوص تعداد کا احاطہ کیا ہوا ہے۔ تو یہ بھی کس کی مثال ہے؟ محصور کی۔ تو جنسِ مستغرق اور یہ معلوم العدد جو جنس ہے یہ محصور کی مثال، اور ان کے علاوہ جو بھی ہے وہ غیر محصور ہے۔ تو جمع ہو، منکور ہو اور غیر محصور ہو تو پھر استثنا متعذر ہو جاتا ہے۔ لیکن اگر وہ محصور ہے یعنی جنسِ مستغرق ہے یا اس نے معلوم تعداد کا احاطہ کیا ہوا ہے، اس کو حصر کیا ہوا ہے، تو پھر استثنا متعذر نہیں رہتا۔ مثلاً میں کہتا ہوں عِنْدِي عَشَرَةٌ إِلَّا دِرْهَمًا۔ دیکھو اب تو عَشَرَةٌ سے ایک درہم کا استثنا متعذر نہیں تو یہ لہٰذا استثنا کے لیے ہی ہو جائے گا۔ یا میں کہتا ہوں كُلُّ رَجُلٍ إِلَّا زَيْدًا جَاءَنِي۔ اب كُلُّ رَجُلٍ سے ایک زید کا استثنا ہو گیا۔ تو جب جنسِ مستغرق ہو یا جنس کے بعض افراد جو معلوم العدد ہوں وہ آ جائیں تو پھر استثنا متعذر نہیں رہتا، پھر اس إِلَّا کو استثنا پر ہی محمول کریں گے۔

اور پھر صاحبِ جامی نے آپ کو یہ بھی بتلایا تھا کہ ہم نے غالباً کی قید لگائی تھی ضابطے کے اندر کہ غالباً یعنی اکثر اوقات میں جب إِلَّا کس کے بعد آئے؟ جمعِ منکور غیر محصور کے بعد، تو پھر وہ صفت کے لیے ہو گا۔ کہتے ہیں یہ غالباً کی قید ہم نے اس لیے لگائی کیونکہ یہ ضابطہ کلی نہیں۔ بعض اوقات غیر محصور ہوتا ہے، جمع ہے، منکور ہے اور غیر محصور ہے، اور اس وقت تو انہوں نے بتایا کہ استثنا متعذر ہوتا ہے لہٰذا صفت پر محمول کریں گے، لیکن بعض جگہ غیر محصور ہونے کے باوجود استثنا متعذر نہیں ہوتا تو پھر اس صورت میں اس کو استثنا پر ہی محمول کریں گے صفت کے لیے نہیں بنائیں گے۔ جیسے مثلاً میں کہتا ہوں جَاءَنِي رِجَالٌ إِلَّا وَاحِدًا۔ اب رِجَالٌ جمع ہے اور معنیٰ کیا ہے؟ کچھ آدمی۔ میرے پاس کچھ آدمی آئے إِلَّا وَاحِدًا۔ اب دیکھو یہاں جمع غیر محصور ہے لیکن اس سے وَاحِدٌ کا استثنا متعذر نہیں۔ انہی رِجَالٌ میں سے ایک فرد کا استثنا کر دیا گیا۔ تو یہاں استثنا متعذر نہیں اگرچہ غیر محصور ہے۔ یا میں یوں کہتا ہوں جَاءَنِي رِجَالٌ إِلَّا رَجُلًا۔ اب یہاں پر بھی استثنا متعذر نہیں کیونکہ مابعد میں ہے رَجُلٌ، ماقبل میں ہے رِجَالٌ۔ میرے پاس کچھ آدمی آئے إِلَّا رَجُلًا سوائے ایک آدمی کے۔ تو یہ رَجُلٌ بھی انہی رِجَالٌ کے افراد میں سے ہے تو آپ آرام سے اس کا استثنا کر سکتے ہیں۔ تو یہ استثنا کے لیے ہوا، یہ إِلَّا صفت کے لیے نہیں۔ یا جَاءَنِي رِجَالٌ إِلَّا حِمَارًا۔ میرے پاس کچھ آدمی آئے سوائے حِمَارٌ کے یعنی گدھے کے۔ اب یہ بھی آرام سے آپ استثنا، یہاں مستثنیٰ منقطع بنا لیں گے تو استثنا پر محمول کرنا کوئی متعذر نہیں۔ تو معلوم ہوا غیر محصور ہو تو ہمیشہ استثنا متعذر نہیں ہوتا لیکن اکثر متعذر ہوتا ہے۔

اور اسی طرح غیر محصور کی قید لگائی، اس سے معلوم ہوا کہ جب محصور ہو گا تو پھر استثنا متعذر نہیں ہو گا۔ غیر محصور ہو تو پھر استثنا متعذر ہوتا ہے، اس سے یہ بات پتہ چل گئی کہ محصور ہو تو پھر استثنا متعذر نہیں ہو گا۔ لیکن ہم آپ کو دکھاتے ہیں کہ معلوم العدد ہے، محصور ہے، پھر بھی استثنا متعذر ہے بھئی وہاں پر۔ حالانکہ وہاں پر تو محصور میں تو استثنا متعذر نہیں ہونا چاہیے۔ مثلاً میں کہتا ہوں جَاءَنِي مِائَةُ رَجُلٍ إِلَّا زَيْدٌ۔ میرے پاس سو آدمی آئے سوائے کس کے؟ زید کے۔ اب دیکھو

یہاں محصور ہے مِائَةُ رَجُلٍ معلوم العدد ہے، تو یہاں تو استثنا متعذر نہیں ہونا چاہیے لیکن یہاں استثنا متعذر ہے۔ کیونکہ کیا معنیٰ ہوا؟ میرے پاس سو آدمی آئے کس کے علاوہ؟ زید کے علاوہ۔ اب پتہ نہیں زید ان سو میں داخل ہے یا داخل نہیں۔ کوئی متعین جماعت ہوتی، یہ والے سو آدمی، پھر تو طے ہو سکتا تھا زید ان میں ہے یا زید نہیں۔ لیکن جب مطلقاً کہا سو آدمی، سو تو کوئی سے بھی سو آدمی ہو سکتے ہیں، تو اب پتہ نہیں زید ان میں شامل ہے یا شامل نہیں۔ توجہ ہے؟ تو لہٰذا اس صورت میں نہ یہاں مستثنیٰ متصل ہم بنا سکتے ہیں نہ مستثنیٰ منقطع، تو پھر اس کو کس پر محمول کریں گے؟ اس کو صفت پر ہی محمول کریں گے۔ جَاءَنِي مِائَةُ رَجُلٍ إِلَّا زَيْدٌ، تو یہ إِلَّا زَيْدٌ صفت بن جائے گا مِائَةُ رَجُلٍ کے لیے۔

اور اس کے بعد پھر وہ آیت آئی تھی لَوْ كَانَ فِيهِمَا آلِهَةٌ إِلَّا اللَّهُ لَفَسَدَتَا۔ اگر اس زمین اور آسمان میں ایسے آلِہَہ ہوتے إِلَّا اللَّهُ أَيْ غَيْرُ اللَّهِ اللہ کے علاوہ، لَفَسَدَتَا تو ان کا نظام فاسد ہو جاتا۔ اب دیکھو یہاں إِلَّا سے ماقبل آلِهَةٌ آیا، اور آلِهَةٌ جمع بھی ہے، منکور یعنی نکرہ بھی ہے اور غیر محصور ہے، اس نے پوری جنس کا احاطہ نہیں کیا ہوا۔ تو لہٰذا یہاں پر إِلَّا کو استثنا پر محمول نہیں کر سکتے، کیونکہ استثنا کی تو دو ہی صورتیں ہیں یا مستثنیٰ متصل ہو گا یا مستثنیٰ منقطع۔ یہاں پر ماقبل میں ہے کچھ آلِہَہ، مابعد میں اللہ تعالیٰ کا ذکر ہے، تو پتہ نہیں اب اللہ تعالیٰ ان کچھ آلِہَہ میں شامل ہیں یا شامل نہیں، یہ بات یقینی نہیں۔ اگر شامل ہوتے تو مستثنیٰ متصل ہم بنا لیتے، اگر شامل نہ ہوتے تو ہم مستثنیٰ منقطع بنا لیتے۔ تو یہاں پر نہ مستثنیٰ متصل کی کوئی صورت ہے اور نہ مستثنیٰ منقطع کی، تو لہٰذا اب یہاں إِلَّا کو صفت پر محمول کرنا پڑے گا۔ تو إِلَّا اللَّهُ أَيْ غَيْرُ اللَّهِ بھئی۔

اور نیز صاحبِ جامی نے آپ کو بتلایا تھا کہ یہاں إِلَّا کو غَيْرٌ پر یعنی صفت پر محمول کرنے کی ایک اور وجہ بھی ہے کہ اگر آپ إِلَّا کو استثنا کے لیے بنائیں گے تو پھر توحید، یہ توحید کے منافی ہو جائے گا۔ یہ اللہ کی وحدانیت کے منافی ہو جائے گا، اور آپ إِلَّا کو غَيْرٌ کے معنیٰ میں لیں گے، صفت کے لیے بنائیں گے، تو پھر اس صورت میں اس سے وحدانیت ثابت ہو گی۔ کس طرح؟ دیکھو إِلَّا کو اگر ہم استثنا کے لیے بناتے تو معنیٰ کیا ہوتا: لَوْ كَانَ فِيهِمَا آلِهَةٌ اگر اس زمین اور آسمان میں کچھ ایسے معبود ہوتے إِلَّا اللَّهُ جن سے اللہ کا استثنا کر لیا گیا ہو، جن سے یہ إِلَّا اگر ہم استثنا کے لیے بنائیں گے تو یہ توحید کے منافی ہو جائے گا بھئی۔ توجہ سے سنو کس طرح توحید کے منافی ہے۔ إِلَّا کو اب ہم بنائیں گے استثنا کے لیے: اگر اس زمین اور آسمان میں کچھ ایسے آلِہَہ ہوتے جن سے اللہ کا استثنا کیا جاتا تو پھر ان زمین اور آسمان کا نظام خراب ہو جاتا۔ معلوم ہوا اس زمین اور آسمان میں ایسے آلِہَہ نہیں ہیں جن سے اللہ کا استثنا کیا گیا ہو۔ تو اس سے تو ان آلِہَہ کی نفی ہوئی جن سے اللہ کا استثنا ہو، ایسے آلِہَہ نہیں ہیں۔ تو اس سے ان آلِہَہ کی تو نفی نہ ہوئی جن سے اللہ کا استثنا نہ کیا گیا ہو۔ معنیٰ کیا ہوا؟ اگر اس زمین اور آسمان میں ایسے آلِہَہ ہوں جن سے اللہ کا استثنا ہو تو نظام خراب ہو جائے گا۔ معلوم ہوا ایسے اگر کچھ آلِہَہ ہوں جن سے اللہ کا استثنا نہ ہو تو پھر زمین اور آسمان کا نظام خراب نہیں ہو گا۔ معلوم ہوا ایسے آلِہَہ کی تو نفی ہو گئی جن سے اللہ

کا استثنا ہو، لیکن ان آلِہَہ کی نفی تو نہ ہوئی جن سے اللہ کا استثنا نہ ہو بھئی۔ تو احتمال آگیا اس کا مطلب ہے ہو سکتا ہے ایسے آلِہَہ ہوں جن سے اللہ کا استثنا نہ ہو، تو یہ تو توحید کے منافی ہوا۔ لیکن إِلَّا کو جب آپ صفت کے لیے بنائیں گے اور غَيْرٌ پر محمول کریں گے پھر یہ توحید کے منافی نہیں، پھر اس سے پوری توحید ثابت ہو جائے گی۔ پھر کیسے معنیٰ ہو گا؟ دیکھو، اگر اس زمین اور آسمان میں ایسے آلِہَہ ہوتے إِلَّا اللَّهُ أَيْ غَيْرُ اللَّهِ جو اللہ کے مغایر ہوں، جو اللہ کے مغایر ہوں، تو زمین اور آسمان کا نظام خراب ہو جاتا۔ معلوم ہوا زمین اور آسمان میں کوئی ایسے آلِہَہ نہیں جو اللہ سے مغایر ہوں بھئی۔ کیونکہ اگر مغایر ہوں گے تو تعدد لازم آئے گا، کئی آلِہَہ ہو جائیں گے۔ جب اللہ کے مغایر کوئی آلِہَہ نہیں، تو معلوم ہوا تعددِ آلِہَہ بھی نہیں، صرف اللہ ہی کی ذات معبود ہے، اور یہی توحید یہاں ثابت کرنا مقصود ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟

آگے سبق دیکھیے بھئی آج کا۔ کہتے ہیں: وَضَعُفَ حَمْلُ إِلَّا عَلَى غَيْرٍ فِي غَيْرِهِ، أَيْ فِي غَيْرِ جَمْعٍ مَنْكُورٍ غَيْرِ مَحْصُورٍ، لِصِحَّةِ الِاسْتِثْنَاءِ حِينَئِذٍ. بھئی گزشتہ سبق میں انہوں نے آپ کو بتلایا کہ إِلَّا کو کبھی کبھار غَيْرٌ پر محمول کرتے ہیں اور صفت بناتے ہیں، وہ کس وقت ہو گا؟ جب إِلَّا کس کے بعد آئے؟ ایسی جمع کے بعد آئے جو نکرہ ہو اور غیر محصور ہو۔ آج آگے فرما رہے ہیں، پہلے متن متن دیکھو: وَضَعُفَ فِي غَيْرِهِ، اور اس کے علاوہ میں ضعیف ہے۔ اس کے علاوہ میں۔ بھئی اس کے علاوہ، کس کے علاوہ؟ فِي غَيْرِهِ، آپ کو بتائیں گے کہ اس کے علاوہ سے مراد ہے یہ جو جمعِ منکور غیر محصور ہے۔ جمعِ منکور غیر محصور کے علاوہ میں یہ ضعیف ہے، کیا ضعیف ہے؟ إِلَّا کو غَيْرٌ پر محمول کرنا یعنی صفت بنانا۔ اس جمعِ منکور غیر محصور کے علاوہ میں إِلَّا کو غَيْرٌ پر محمول کرتے ہوئے صفت بنانا یہ ضعیف ہے۔ تو یہ معنیٰ ہے وَضَعُفَ اور ضعیف ہے یعنی إِلَّا کو غَيْرٌ پر محمول کرنا فِي غَيْرِهِ اس کے علاوہ میں یعنی جمعِ منکور غیر محصور کے علاوہ میں بھئی۔

اب اس کو شرح کے ساتھ دیکھیے۔ کہتے ہیں: وَضَعُفَ حَمْلُ إِلَّا عَلَى غَيْرٍ، اور ضعیف ہے إِلَّا کو محمول کرنا غَيْرٌ پر، فِي غَيْرِهِ أَيْ فِي غَيْرِ جَمْعٍ مَنْكُورٍ غَيْرِ مَحْصُورٍ۔ فِي غَيْرِهِ کی ہا ضمیر بتلا دیا کہ جمع کو راجع ہے جو پیچھے جمع آئی تھی جمعِ منکور غیر محصور۔ تو کہتے ہیں ضعیف ہے إِلَّا کو محمول کرنا غَيْرٌ پر فِي غَيْرِهِ اس کے علاوہ میں، أَيْ فِي غَيْرِ جَمْعٍ مَنْكُورٍ غَيْرِ مَحْصُورٍ جمعِ منکور غیر محصور کے علاوہ میں۔ بھئی کیوں اس کے علاوہ إِلَّا کو غَيْرٌ پر محمول کرنا ضعیف کیوں ہے؟ کہتے ہیں لِصِحَّةِ الِاسْتِثْنَاءِ حِينَئِذٍ کیونکہ اس وقت پھر استثنا صحیح ہو جاتا ہے۔ اور جب استثنا صحیح ہو پھر تو إِلَّا کو صفت پر محمول کرنے کی کوئی حاجت نہیں، غَيْرٌ پر محمول کرنے کی کوئی حاجت نہیں۔ وَمَذْهَبُ سِيبَوَيْهِ جَوَازُ وُقُوعِ إِلَّا صِفَةً، اور امام سیبویہ کا مذہب جو ہے جَوَازُ وُقُوعِ إِلَّا صِفَةً وہ یہ ہے کہ إِلَّا کا صفت واقع ہونا جائز ہے، مَعَ صِحَّةِ الِاسْتِثْنَاءِ باوجود استثنا کے صحیح ہونے کے۔ امام سیبویہ فرماتے ہیں إِلَّا کا استثنا کے لیے واقع ہونا صحیح ہو، پھر بھی آپ اس کو صفت پر محمول کر سکتے ہیں۔ صاحبِ کافیہ نے تو کیا بتلایا کہ إِلَّا کو صفت کے لیے کب بنائیں گے؟ جب اس کا استثنا کے لیے ہونا متعذر ہو جائے۔ جبکہ امام سیبویہ فرماتے ہیں نہیں، إِلَّا استثنا کے لیے ہو سکے، استثنا کے لیے اس کا ہونا صحیح ہو، پھر بھی آپ اس إِلَّا کو، اس کو صفت بنا سکتے ہیں۔

وَمَذْهَبُ سِيبَوَيْهِ اور امام سیبویہ کا مذہب جو ہے جَوَازُ وُقُوعِ إِلَّا صِفَةً وہ إِلَّا کا صفت واقع ہونا جائز ہے ان کے نزدیک مَعَ...

مَعَ صِحَّةِ الِاسْتِثْنَاءِ، باوجود استثنا کے صحیح ہونے کے۔ یعنی استثنا متعذر نہ ہو، پھر بھی آپ اس کو صفت پر محمول کر سکتے ہیں۔ جبکہ صاحبِ کافیہ تو کیا فرماتے تھے کہ استثنا متعذر ہو پھر اس کو صفت بنائیں گے۔ قَالَ، وہ امام سیبویہ فرماتے ہیں: يَجُوزُ فِي قَوْلِكَ: مَا أَتَانِي أَحَدٌ إِلَّا زَيْدٌ، امام سیبویہ فرماتے ہیں کہ آپ کا یہ جو قول ہے مَا أَتَانِي أَحَدٌ إِلَّا زَيْدٌ، اس کے اندر یہ إِلَّا زَيْدٌ کو صفت بنانا بھی جائز ہے۔ کیسے؟ دیکھو بھئی۔ سب سے پہلے غور کرو، مَا أَتَانِي أَحَدٌ میرے پاس کوئی ایک بھی نہیں آیا إِلَّا زَيْدٌ سوائے زید کے۔ تو کلام موجب ہے یا غیر موجب؟ کلام غیر موجب ہے اور مستثنیٰ منہ مذکور ہے۔ توجہ ہے؟ اور پھر اس صورت میں آپ نے پڑھا ہے کہ جب کلام غیر موجب ہو اور مستثنیٰ منہ مذکور ہو تو پھر آگے جو مستثنیٰ آرہا ہے یعنی زید، اس پر نصب بھی جائز اور اس کو بدل بنانا بھی جائز ہے۔ تو إِلَّا زَيْدٌ جب ہم نے پڑھا تو معلوم ہوا اس کو أَحَدٌ سے بدل بنایا۔ کیا بنایا؟ بدل، اور مبدل منہ کا اعراب ایک ہوتا ہے۔ تو مَا أَتَانِي أَحَدٌ إِلَّا زَيْدٌ، میرے پاس کوئی ایک بھی نہیں آیا۔ ہر ایک سے آنے کی نفی ہو گئی، پھر اس میں سے زید کو نکال کر اس کے لیے آنے کا اثبات کر دیا۔ تو یہ تو مستثنیٰ متصل ہو گیا۔ تو صاحبِ کافیہ کے نزدیک یہ مستثنیٰ متصل ہے اور یہ زَيْدٌ مرفوع ہے بدل ہونے کی وجہ سے۔ جبکہ امام سیبویہ فرماتے ہیں کہ یہ إِلَّا زَيْدٌ اس کو آپ صفت بھی بنا سکتے ہیں۔ أَحَدٌ کے لیے صفت بنا دیں، اور أَحَدٌ مرفوع ہے اور إِلَّا زَيْدٌ اس کی صفت، اور صفت پر وہی اعراب آتا ہے جو موصوف پر ہو۔ اسی لیے زَيْدٌ پر رفع آیا۔ تو یہ إِلَّا زَيْدٌ یہ صفت ہے کس کے لیے؟ أَحَدٌ کے لیے۔ أَحَدٌ پر رفع تو صفت پر بھی کیا آئے گا؟ رفع آئے گا۔ لیکن إِلَّا تو حرف ہے اس پر وہ رفع نہیں ظاہر ہو سکتا، تو پھر وہ آگے إِلَّا کے مابعد پر وہ رفع ظاہر ہو گیا۔ تو معلوم ہوا یہ رفع بدل ہونے کی بنا پر بھی ہو سکتا ہے اور یہ رفع صفت ہونے کی بنا پر بھی ہو سکتا ہے۔ تو قَالَ امام سیبویہ فرماتے ہیں: يَجُوزُ فِي قَوْلِكَ مَا أَتَانِي أَحَدٌ إِلَّا زَيْدٌ آپ کے اس قول کے اندر جائز ہے أَنْ يَكُونَ إِلَّا زَيْدٌ صِفَةً کہ یہ إِلَّا زَيْدٌ صفت ہو، یہ بھی جائز ہے۔

وَعَلَيْهِ أَكْثَرُ الْمُتَأَخِّرِينَ، آگے صاحبِ جامی فرما رہے ہیں اسی پر اکثر متاخرین ہیں۔ اکثر متاخرین علماء اسی بات کی طرف گئے ہیں کہ إِلَّا استثنا کے لیے ہو، پھر بھی آپ اس کو صفت بنا سکتے ہیں۔ تو کہتے ہیں وَعَلَيْهِ أَكْثَرُ الْمُتَأَخِّرِينَ اور اسی پر اکثر متاخرین ہیں، تَمَسُّكًا بِقَوْلِهِ: وَكُلُّ أَخٍ مُفَارِقُهُ أَخُوهُ -- لَعَمْرُ أَبِيكَ إِلَّا الْفَرْقَدَانِ. تَمَسُّكًا بِقَوْلِهِ، تمسک کہتے ہیں کسی چیز کو مضبوطی سے تھامنا۔ تَمَسُّكًا بِقَوْلِهِ، شاعر کے اس قول کو تھامتے ہوئے، یعنی اس قول سے استدلال کرتے ہوئے۔ متاخرین نے بھی امام سیبویہ کے قول کو ترجیح دی ہے، ان کا یہی مذہب ہے، اور انہوں نے شاعر کے اس قول کو اپنی دلیل بنایا ہے۔ تَمَسُّكًا بِقَوْلِهِ شاعر کے اس قول سے استدلال کرتے ہوئے، اب یہ شعر ہے آگے: وَكُلُّ أَخٍ مُفَارِقُهُ أَخُوهُ یہ پہلا مصرع، لَعَمْرُ أَبِيكَ إِلَّا الْفَرْقَدَانِ۔ كُلُّ أَخٍ، كُلُّ مضاف، أَخٍ مضاف الیہ۔ اور آگے آرہا ہے إِلَّا الْفَرْقَدَانِ۔ یاد رکھیے یہ فرماتے ہیں کہ یہ صفت ہے كُلُّ أَخٍ کے لیے۔ کس کے لیے؟ كُلُّ أَخٍ۔ تو كُلُّ مضاف، أَخٍ مضاف الیہ۔ تو یہ كُلُّ أَخٍ کی صفت ہے اور

وہ مرفوع ہے، مضاف کا اعتبار ہے نا، کس کا؟ مضاف کا۔ اور صفت پر وہی اعراب آتا ہے جو موصوف پر آتا ہے۔ اسی لیے ہے إِلَّا الْفَرْقَدَانِ، إِلَّا الْفَرْقَدَانِ۔ حالانکہ إِلَّا الْفَرْقَدَانِ تثنیہ ہے۔ توجہ ہے؟ اگر یہ مستثنیٰ ہوتا تو مستثنیٰ تو منصوب ہوتا، کلام موجب ہے۔ توجہ ہے؟ کوئی حرفِ نفی یا نہی یا استفہام ہے یہاں پر؟ نہیں۔ تو کلام موجب ہے اور کلام موجب کے اندر مستثنیٰ آئے تو وہ منصوب ہوتا ہے، تو إِلَّا الْفَرْقَدَيْنِ ہونا چاہیے تھا۔ لیکن شعر میں کیا ہے؟ إِلَّا الْفَرْقَدَانِ۔ عرب کا ایک فصیح و بلیغ شاعر إِلَّا الْفَرْقَدَانِ لے کر آیا اپنے شعر کے اندر بھئی۔

یاد رکھو، فَرْقَدٌ مفرد ہے اور فَرْقَدَانِ اس کی تثنیہ ہے۔ فَرْقَدٌ کہتے ہیں قطبی تارا۔ قطبی تارا۔ یہ قطبی تارا یہ شمال کی طرف بھئی، قطبِ شمالی کی طرف ایک ستارہ ہے یہ اپنی جگہ نہیں بدلتا۔ اس کے ذریعے لوگ جو ہے سمت کا پتہ چلاتے ہیں۔ تو قدیم زمانے میں لوگ اور قافلے وغیرہ سفر کرتے تھے، یہ جو ستارے ہیں اگر آپ غور کریں، یہ جیسے سورج مشرق سے نکلتا ہے اور مغرب میں ڈوب جاتا ہے، چاند بھی مشرق سے نکلتا ہے اور مغرب میں ڈوب جاتا ہے، اسی طرح یہ جتنے ستارے ہیں یہ ساری رات کے اندر سفر کرتے ہیں۔ مشرق سے طلوع ہوتے ہیں اور کس طرف چلے جاتے ہیں؟ مغرب کی طرف چلے جاتے ہیں۔ لہٰذا ان کے ذریعے سمت کا پتہ نہیں چل سکتا بھئی، کیونکہ یہ اپنی جگہ بدل رہے ہیں بھئی۔ ایک گھنٹے پہلے کہیں اور تھے، اور گھنٹے بعد یہ دوسری جگہ پر ہوں گے، کچھ نہ کچھ مغرب کی طرف چلے گئے، تو عام ستاروں کے ذریعے سمت کا پتہ نہیں چل سکتا تھا۔ ہاں یہ ایک قطبی تارا ہے، یہ شمال کی طرف رہتا ہے اور یہ اپنی جگہ نہیں بدلتا۔ تو لہٰذا اس کے ذریعے قدیم زمانے میں لوگ رات کے وقت سمت کا پتہ چلاتے تھے کہ کس جانب ہمیں سفر کرنا ہے بھئی، راستے کا اس کے ذریعے اندازہ لگاتے تھے۔ تو اس قطبی تارے کو فَرْقَدٌ کہتے ہیں، فَرْقَدٌ۔ اور اس کے قریب ایک اور ستارہ ہے تو اس اعتبار سے ان کو فَرْقَدَانِ کہہ دیا۔ اصل تو فَرْقَدٌ وہ قطبِ شمالی والا ستارہ ہے لیکن دوسرا اس کے قریب ہی ہے ستارہ تو اس کو بھی کیا کہہ دیا؟ فَرْقَدٌ۔ تو دو فَرْقَدٌ ہو گئے تو تثنیہ کیا بن گیا؟ فَرْقَدَانِ۔ اب یہ دو ستارے جو ہیں یہ اکٹھے رہتے ہیں۔ ظاہر سی بات ہے قطبی تارا اپنی جگہ نہیں بدلتا، اور اس کے ساتھ ایک اور ستارہ ہے وہ بھی اس کے قریب ہی رہتا ہے۔

تو شاعر کہتا ہے، دیکھیے ترجمہ شعر کا سنیے: كُلُّ أَخٍ هر ایسا بھائی، هر ایسا بھائی إِلَّا الْفَرْقَدَانِ أَيْ غَيْرُ الْفَرْقَدَانِ جو فَرْقَدَانِ کے علاوہ ہوں، هر ایسا بھائی جو فَرْقَدَانِ کے علاوہ ہوں، مُفَارِقُهُ أَخُوهُ وہ اپنے بھائی سے جدا ہونے والا ہے، وہ اپنے بھائی سے جدا ہو جاتا ہے۔ توجہ ہے؟ یعنی دنیا میں کوئی بھی دو بھائی ہوں، دو افراد مل کر رہنا چاہیں، وہ اکٹھے نہیں رہ سکتے بالآخر ان کو ایک دوسرے سے جدا ہونا پڑتا ہے۔ حتیٰ کہ اور کچھ بھی نہیں جدائی کرنے والی چیز ہو تو پھر کم از کم موت آ کر ان دونوں میں کیا کر دیتی ہے؟ جدائی ڈال دیتی ہے۔ لیکن یہ جو دو فَرْقَد، دو ستارے ہیں فَرْقَد یہ کبھی بھی ایک دوسرے سے جدا نہیں ہوتے، یہ ہمیشہ سے اکٹھے ہیں اور ہمیشہ اکٹھے رہیں گے جب تک دنیا ہے بھئی۔ ترجمہ سمجھ میں آ رہا ہے؟

تو کُلُّ أَخٍ یہ مضاف مضاف الیہ مل کر موصوف، إِلَّا الْفَرْقَدَانِ أَيْ غَيْرُ الْفَرْقَدَانِ یہ ہے اس کی صفت۔ موصوف صفت مل کر یہ بن گئے بتدا، اور مُفَارِقُهُ أَخُوهُ یہ ہے ان کی خبر۔ اور اس کی بھی ترکیب سمجھ لو: مُفَارِقٌ یہ اسمِ فاعل ہے۔ اور آپ کو میں نے بتایا تھا کہ جیسے فعل کے لیے فاعل یا نائب فاعل چاہیے اسی طرح صفت کے صیغوں کے لیے بھی فاعل یا نائب فاعل چاہیے۔ فعلِ معروف کے لیے فاعل چاہیے اور فعلِ مجہول کے لیے نائب الفاعل چاہیے، تو مُفَارِقٌ اسمِ فاعل ہے تو اس کے لیے بھی فاعل چاہیے۔ توجہ ہے؟ اور صفت کے صیغے فعل جیسا عمل کرتے ہیں۔ فعل جیسے فاعل کو رفع دیتا ہے اور مفعول کو نصب، اسی طرح صفت کے صیغے بھی اپنے فاعل کو رفع دیں گے اور مفعول کو نصب۔ تو مُفَارِقٌ اسمِ فاعل ہے اور یہ جو ہا ضمیر اس کے ساتھ جڑی ہوئی ہے یہ مفعول بہ ہے۔ یہ مفعول بہ ہے اور اس کی طرف اس کی اضافت ہو رہی ہے۔ میں نے بتایا تھا جس اسم کے ساتھ بھی ضمیرِ متصل آجائے وہ آپس میں کیا بنتے ہیں؟ مضاف مضاف الیہ۔ تو مُفَارِقٌ مضاف ہو رہا ہے کس کی طرف؟ ہا ضمیر کی طرف جو اس کا مفعول ہے، تو صفت کا صیغہ مضاف ہوا اپنے معمول کی طرف تو یہ کون سی اضافت ہے؟ اضافتِ لفظی ہے بھئی۔ اور أَخُوهُ یہ مضاف مضاف الیہ مل کر یہ فاعل بن گیا مُفَارِقٌ کے لیے۔ جیسے فعل کے لیے فاعل ضمیر بھی آسکتی ہے اور اسمِ ظاہر بھی آسکتا ہے، تو یہاں پر یہ أَخُوهُ مضاف مضاف الیہ مل کر یہ فاعل ہے کس کے لیے؟ مُفَارِقٌ کے لیے۔ تو اسمِ فاعل، مُفَارِقٌ اسمِ فاعل اپنے فاعل اور مضاف الیہ سے مل کر شبہِ جملہ ہو کر یہ خبر۔ یہ خبر کس کے لیے؟ كُلُّ أَخٍ إِلَّا الْفَرْقَدَانِ کے لیے، موصوف صفت کے لیے۔ جی پھر بیان کیجیے، کیا ترکیب ہوئی؟ كُلُّ أَخٍ مضاف مضاف الیہ مل کر موصوف، إِلَّا الْفَرْقَدَانِ أَيْ غَيْرُ الْفَرْقَدَانِ یہ بھی کیا ہے اس کے لیے صفت، موصوف صفت مل کر بتدا، اور مُفَارِقُهُ أَخُوهُ یہ اس کے لیے خبر ہے۔ یہ کیا ہے؟ یہ سارے اس کے لیے خبر۔ اور اس کی ترکیب کیا ہوئی؟ مُفَارِقٌ اسمِ فاعل، ہا ضمیر اس کے لیے مفعول بہ ہے لیکن اس وقت مجرور ہے مضاف الیہ ہے محلاً مجرور، اور أَخُوهُ مضاف مضاف الیہ مل کر اس کے لیے فاعل ہے۔ تو اسمِ فاعل اپنے فاعل اور مضاف الیہ سے مل کر شبہِ جملہ ہو کر خبر، بتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔ توجہ ہے؟

تو کہتے ہیں وَكُلُّ أَخٍ ہر ایسا بھائی، دیکھو موصوف صفت سے پہلے ایسا کا لفظ میں لے آیا، وَكُلُّ أَخٍ ہر ایسا بھائی إِلَّا الْفَرْقَدَانِ جو فَرْقَدَانِ کے مغایر ہوں ان کے علاوہ ہوں، مُفَارِقُهُ أَخُوهُ ہر ایسا بھائی، ہر ایسا بھائی جو فَرْقَدَانِ کے علاوہ ہو مُفَارِقُهُ أَخُوهُ اس سے جدا ہو جائے گا اس کا بھائی۔ فَرْقَدَانِ کے علاوہ ہر بھائی جو ہے، اس کا بھائی اس سے جدا ہو جاتا ہے۔ لَعَمْرُ أَبِيكَ أَيْ لَعَمْرُ أَبِيكَ قَسَمِي میں آپ کے باپ کی عمر کی قسم اٹھاتا ہوں بھئی۔ اب یہ بھی یاد رکھیے: لَعَمْرُ أَبِيكَ، یہ لام تاکید کے لیے ہے بھئی، اور یہ عَمْرُ أَبِيكَ یہ قسم ہے بھئی۔ عَمْرٌ یا عُمْرٌ میم ساکن ہے، عین پر چاہے فتحہ پڑھیں چاہے ضمہ۔ یا اسی طرح عُمُرٌ بھئی، عُمُرٌ، دونوں پر عین اور میم دونوں پر ضمہ پڑھیں۔ یہ انسان کی مدتِ بقا ہے دنیا کے اندر، جو زمانہ اس نے دنیا میں گزارا ہے اس کو عمر کہتے ہیں۔ اردو میں بھی آپ پوچھتے ہیں ایک دوسرے سے آپ کی کتنی عمر ہے؟ یعنی آپ نے اس دنیا

میں کتنا عرصہ گزارا ہے؟ توجہ ہے؟ تو عمر کسے کہتے ہیں؟ انسان کی جو مدتِ بقا ہوتی ہے، زندگی ہوتی ہے دنیا کے اندر، وہ ہے عمر بھئی۔ اور یہ قسم ہے بھئی، اور قسم کے موقع پر عُمْرٌ نہیں پڑھیں گے، عَمْرٌ ہی پڑھیں گے، عَمْرٌ ہی پڑھیں گے۔ تو لام کس لیے ہے؟ تاکید کے لیے۔ لَعَمْرُ أَبِيكَ، عَمْرٌ مضاف، أَبِي ماقبل کے لیے مضاف الیہ اور مابعد کے لیے پھر مضاف، اور کاف ضمیر مضاف الیہ۔ تو یہ سارے مضاف مضاف الیہ مل کر یہ بن گیا مبتدا، اور قَسَمِي اس کی خبر محذوف ہے۔ قَسَمِي میری قسم، قسم مضاف یا ضمیر مضاف الیہ، یہ ہے خبر۔ لَعَمْرُ أَبِيكَ آپ کے باپ کی عمر جو ہے قَسَمِي وہ میری قسم ہے، یعنی میں آپ کے باپ کی عمر کی قسم کھاتا ہوں، میں آپ کے باپ کی عمر کی قسم کھاتا ہوں۔ عرب قسمیں بہت استعمال کرتے تھے، ایک تو اس سے کلام کے اندر حسن پیدا ہو جاتا نیز کلام کے اندر تاکید آجاتی تھی بھئی۔ تو شاعر کیا کہتا ہے کہ ہر ایسا بھائی جو فَرْقَدَانِ سے مغایر ہو وہ اپنے بھائی سے جدا ہو جاتا ہے، میں آپ کے باپ کی عمر کی قسم اٹھا کر کہتا ہوں بھئی۔

بات چل رہی تھی کہ متاخرین اس شاعر کے اس قول سے استدلال کرتے ہوئے کہتے ہیں: دیکھو كُلُّ أَخٍ یہ ہے موصوف، اور إِلَّا الْفَرْقَدَانِ اس کی صفت ہے، استثنا نہیں ہے۔ اگر استثنا ہوتا تو کیسے پڑھتے؟ إِلَّا الْفَرْقَدَيْنِ پڑھتے۔ تو عرب کا ایک فصیح و بلیغ شاعر ہے اور وہ إِلَّا الْفَرْقَدَانِ اس کو صفت بنا رہا ہے، إِلَّا کو استثنا کے لیے نہیں بنا رہا۔ حالانکہ یہاں تو استثنا ممکن ہے، ماقبل میں آیا كُلُّ أَخٍ محصور ہے بھئی، جنسِ مستغرق ہے اس نے اپنے ہر فرد کا کیا کر لیا؟ احاطہ کر لیا، ہر بھائی اس کے اندر داخل ہو گیا۔ اب ہر بھائی جب اس میں داخل ہو گیا تو اس میں سے فَرْقَدَانِ دو بھائیوں کا استثنا بھی ممکن ہوا، لیکن اس کے باوجود شاعر نے إِلَّا الْفَرْقَدَانِ کہا، إِلَّا الْفَرْقَدَيْنِ نہیں کہا۔ معلوم ہوا اس نے إِلَّا کو استثنا کے لیے نہیں بنایا بلکہ اس کو صفت کے لیے بنایا، اس کو ماقبل کی صفت بنایا ہے۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ استثنا متعذر نہ ہو پھر بھی آپ إِلَّا کو صفت کے لیے بنا سکتے ہیں، غَيْرٌ پر محمول کر سکتے ہیں۔ بات سمجھ میں آگئی؟

جی اب اس سارے کو ذرا ترتیب دے دیں بھئی یہ تو اشعار میں الفاظ آگے پیچھے ہیں، إِلَّا الْفَرْقَدَانِ کو كُلُّ أَخٍ کے بعد لے آئیں: كُلُّ أَخٍ إِلَّا الْفَرْقَدَانِ ہر ایسے بھائی جو فَرْقَدَانِ کے مغایر ہوں ان کے علاوہ ہوں، مُفَارِقُهُ أَخُوهُ اس سے جدا ہو جائے گا اس کا بھائی۔ فَرْقَدَانِ کے علاوہ ہر بھائی جو ہے، اس کا بھائی اس سے جدا ہو جاتا ہے۔ لَعَمْرُ أَبِيكَ أَيْ لَعَمْرُ أَبِيكَ قَسَمِي میں آپ کے باپ کی عمر کی قسم اٹھاتا ہوں بھئی۔ توجہ ہے؟ تو یہاں شاعر نے کیا کیا؟ إِلَّا الْفَرْقَدَانِ کو صفت بنایا حالانکہ استثنا بھی ممکن تھا۔

دیکھیے بھئی آگے اب صاحبِ جامی بھی ساری تفصیل بیان کریں گے۔ کہتے ہیں: فَالْفَرْقَدَانِ صِفَةٌ لِكُلُّ أَخٍ، فَرْقَدَانِ صفت ہے كُلُّ أَخٍ کے لیے، لَا اسْتِثْنَاءٌ مِنْهُ اس سے استثنا نہیں ہے، وَإِلَّا وَجَبَ أَنْ يُقَالَ: الْفَرْقَدَيْنِ بِالنَّصْبِ، ورنہ تو لازم تھا کہ یوں کہا جاتا: الْفَرْقَدَيْنِ نصب کے ساتھ الْفَرْقَدَيْنِ کہا جاتا۔ وَحَمَلَ الْمُصَنِّفُ ذَلِكَ عَلَى الشُّذُوذِ، اور اس کو محمول کیا ہے مصنف نے شذوذ پر کہ یہ شاذ ہے۔ امام سیبویہ تو...

فرماتے ہیں کہ إِلَّا استثنا کے لیے ممکن ہو پھر بھی آپ اس کو صفت بنا سکتے ہیں، اور نیز متاخرین نے بھی امام سیبویہ کے قول کو ترجیح دی اور اس شعر کو بطورِ دلیل کے پیش کیا ہے۔ لیکن مصنف صاحبِ کافیہ جو ہیں وہ بھی اس شعر پر مطلع تھے، ایسا نہیں کہ وہ اس شعر پر مطلع نہیں تھے، لیکن انہوں نے کہا کہ یہ شاذ ہے۔ شاذ اسے کہتے ہیں جو قلیل ہو۔ کسے کہتے ہیں؟ جو قلیل ہے، استعمال کے اعتبار سے صحیح ہے لیکن قلیل آیا ہے بھئی۔ تو ضابطے جو ہیں اکثر استعمالات پر بنی ہوتے ہیں۔ یہ جو نحو کے ضابطے جتنے بنائے ہیں علما نے، یہ عرب کے اکثر استعمالات کو دیکھا ہے کہ اکثر عرب کے فصیح و بلیغ شاعر وغیرہ وہ کس طرح ان عربی الفاظ کو استعمال کرتے تھے۔ تو اکثر استعمالات پر ضابطے بنائے جاتے ہیں، قلیل استعمالات پر ضابطے نہیں بنائے جاتے۔ تو وہ فرماتے ہیں یہ شاذ ہے بھئی۔

تو کہتے ہیں: وَحَمَلَ الْمُصَنِّفُ ذَلِكَ عَلَى الشُّذُوذِ، اور اس کو مصنف نے یعنی صاحبِ کافیہ نے اس شعر کو محمول کیا ہے شذوذ پر یعنی شاذ ہونے پر کہ یہ شاذ ہے، قلیل ہے، اور اس پر ضابطے نہیں بنائے جا سکتے۔ عام عرب شعرا کو ہم دیکھتے ہیں، وہ إِلَّا جب بھی آئے جب وہ استثنا پر محمول ہو سکے تو اس کو استثنا ہی کے لیے بناتے ہیں۔ اگر کسی ایک آدھ نے یا دو نے اگر اس کو استثنا کے ممکن ہونے کے باوجود صفت پر محمول کر لیا ہے تو اس کو دلیل کے طور پر پیش نہیں کیا جا سکتا، وہ شاذ ہے بھئی۔ تو مصنف نے اس کو محمول کیا ہے شاذ ہونے پر۔

وَقَالَ، اور صاحبِ کافیہ فرماتے ہیں: فِي الْبَيْتِ شُذُوذَانِ آخَرَانِ، کہ اس شعر کے اندر دو اور شاذ بھی ہیں۔ یعنی تین شاذ ہیں اس شعر کے اندر، تین چیزیں۔ ایک تو کیا؟ کہ استثنا ممکن ہونے کے باوجود إِلَّا کو کس لیے بنا دیا؟ صفت کے لیے۔ دوسرا شاذ وہ آپ کو بتائیں گے کہ كُلٌّ کو موصوف بنا دیا، کس کو؟ كُلُّ أَخٍ۔ كُلُّ أَخٍ، كُلُّ ہے مرفوع، اور أَخٍ ہے مضاف الیہ مجرور۔ تو إِلَّا الْفَرْقَدَانِ، اس کے اندر الْفَرْقَدَانِ کیا ہے؟ مرفوع ہے، تثنیہ ہے نا، تثنیہ کا رفع کس کے ساتھ آتا ہے؟ الف کے ساتھ، اور نصب اور جر یا کے ساتھ آتا ہے۔ تو شعر کے اندر إِلَّا الْفَرْقَدَانِ رفع کے ساتھ آیا ہے، اور اس کو صفت بنا رہے ہیں ماقبل کے لیے، اور ماقبل میں كُلُّ أَخٍ، كُلُّ مضاف، أَخٍ مضاف الیہ، ان دونوں میں سے مرفوع کون سا ہے؟ كُلُّ أَخٍ، كُلُّ مرفوع ہے یا أَخٍ مرفوع ہے؟ كُلُّ جو مضاف ہے وہ مرفوع ہے، اور إِلَّا الْفَرْقَدَانِ بھی مرفوع۔ معلوم ہوا إِلَّا الْفَرْقَدَانِ کو كُلٌّ کے لیے صفت بنایا جا رہا ہے۔ حالانکہ مشہور یہ ہے کہ كُلٌّ تو صرف شمول کا فائدہ دیتا ہے، اس کو موصوف نہیں بناتے بلکہ اس کے مدخول کو موصوف بناتے ہیں۔ اس کے مدخول کو، تو كُلُّ أَخٍ یہ أَخٍ مجرور ہے، اس کی صفت لانی چاہیے تھی۔ اور یہ تو ہے مجرور، تو آگے بھی إِلَّا الْفَرْقَدَيْنِ مجرور لانا چاہیے تھا، لیکن شاعر نے کیا ذکر کیا؟ إِلَّا الْفَرْقَدَانِ مرفوع ذکر کیا۔ معلوم ہوا یہ أَخٍ کی صفت نہیں بنا رہا بلکہ کس کی صفت بنا رہا ہے؟ كُلٌّ کی۔ بات سمجھ میں آ گئی؟ تو دیکھو آج آپ کو ایک نہایت قیمتی بات بھی پتہ چل گئی کہ موصوف صفت اگر آئیں تو كُلٌّ جو ہے اس کو موصوف نہیں بنائیں گے بلکہ جو اس کا مدخول ہوگا اس کو موصوف بنائیں گے۔ جیسے قرآن میں بھی اللہ فرماتے ہیں: وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَاءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ۔ تو قرآن میں اللہ فرماتے ہیں: وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَاءِ كُلَّ

شَيْءٍ حَيٍّ۔ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ، دیکھو كُلَّ منصوب ہے، شَيْءٍ مجرور ہے، اور حَيٍّ دیکھو یہ صفت جو لائی گئی وہ مجرور لائی گئی۔ كُلَّ شَيْءٍ کی صفت نہیں بنائی گئی بلکہ شَيْءٍ کی صفت بنائی گئی کیونکہ موصوف صفت کا اعراب ایک جیسا ہوتا ہے۔ شَيْءٍ مجرور ہے تو آگے حَيٍّ صفت بھی مجرور لائی گئی۔

تو کہتے ہیں: وَقَالَ فِي الْبَيْتِ شُذُوذَانِ آخَرَانِ، اور صاحبِ کافیہ فرماتے ہیں کہ اس شعر کے اندر دو اور شاذ بھی ہیں۔ أَحَدُهُمَا ان میں سے ایک جو ہے: وَصْفُ كُلٍّ دُونَ الْمُضَافِ إِلَيْهِ، كُلٌّ کو موصوف کرنا نہ کہ مضاف الیہ کو۔ اس شعر میں كُلٌّ کو موصوف بنایا گیا ہے نہ کہ مضاف الیہ کو۔ وَالْمَشْهُورُ وَصْفُ الْمُضَافِ إِلَيْهِ، اور مشہور جو ہے وہ مضاف الیہ کو موصوف بنانا ہے، إِذْ هُوَ الْمَقْصُودُ کیونکہ مضاف الیہ ہی مقصود ہوتا ہے، وَكُلٌّ لِإِفَادَةِ الشُّمُولِ فَقَطْ، اور كُلٌّ جو ہے وہ تو صرف شمول کا فائدہ دیتا ہے۔ كُلُّ رَجُلٍ، كُلُّ رَجُلٍ اس کے اندر یہ رَجُلٌ مقصود ہے اور كُلٌّ تو صرف شمول کا فائدہ دے رہا ہے، رَجُلٌ کے تمام افراد کا اس نے احاطہ کر لیا کہ ایک یا دو فرد نہیں مراد اس کے بلکہ تمام افراد مراد ہیں۔ تو كُلٌّ کس چیز کا فائدہ دیتا ہے؟ شمول کا، اور مقصود کیا ہوا ان میں سے؟ مضاف الیہ، تو صفت بھی کس کی لائی جاتی ہے؟ مضاف الیہ کی بھئی۔ اور میں نے قرآن سے بھی ذکر کر دیا: وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَاءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ۔

آگے دیکھیے، کہتے ہیں: وَثَانِيهِمَا، اور دوسرا شاذ جو ہے، انہوں نے کیا بتلایا کہ ایک تو إِلَّا کو صفت کے لیے بنایا گیا ایک یہ بھی شاذ ہے حالانکہ استثنا ممکن ہے تو لہٰذا اس کو صفت کے لیے نہیں بنانا چاہیے، اس کے علاوہ بھی دو اور شاذ ہیں۔ ایک شاذ کیا کہ كُلٌّ کو موصوف بنایا گیا حالانکہ جو كُلٌّ کا مضاف الیہ ہوتا ہے اس کو موصوف بنایا جاتا ہے۔ اور دوسرا شاذ کیا ہے؟ کہتے ہیں: وَثَانِيهِمَا اور دوسرا شاذ جو ہے: الْفَصْلُ بِالْخَبَرِ بَيْنَ الصِّفَةِ وَالْمَوْصُوفِ، کہ فصل کیا گیا ہے خبر کے ذریعے بَيْنَ الصِّفَةِ وَالْمَوْصُوفِ موصوف صفت کے درمیان۔ دیکھیے، كُلُّ أَخٍ ہے موصوف اور إِلَّا الْفَرْقَدَانِ یہ ہے صفت، اور درمیان میں مُفَارِقُهُ أَخُوهُ خبر لائی گئی۔ تو موصوف صفت کے درمیان خبر کے ذریعے فصل کیا گیا۔ کس میں؟ موصوف کیا؟ كُلُّ أَخٍ، اور صفت کیا؟ إِلَّا الْفَرْقَدَانِ، اور درمیان میں مُفَارِقُهُ أَخُوهُ خبر لائی گئی۔ تو یہ کہتے ہیں: وَثَانِيهِمَا دوسرا شاذ جو ہے الْفَصْلُ بِالْخَبَرِ بَيْنَ الصِّفَةِ وَالْمَوْصُوفِ وہ فصل کرنا ہے خبر کے ذریعے بَيْنَ الصِّفَةِ وَالْمَوْصُوفِ موصوف صفت کے درمیان، وَهُوَ قَلِيلٌ اور یہ قلیل ہے یعنی قدیم اشعار کے اندر ایسا بہت قلیل آیا ہے کہ موصوف صفت کے درمیان خبر کو لایا جائے۔ موصوف صفت کے درمیان خبر کو لایا جائے تو یہ بھی شاذ ہے۔ تو کتنے شاذ ہو گئے؟ تین ہو گئے بھئی۔ توجہ ہے؟ کون سے تین شاذ؟ پہلا شاذ کیا کہ إِلَّا استثنا کے لیے ہو سکتا ہے پھر بھی اس کو صفت بنایا گیا۔ دوسرا شاذ كُلٌّ کی صفت لائی گئی حالانکہ صفت مضاف الیہ کی لائی جاتی ہے، كُلٌّ صرف شمول کا فائدہ دیتا ہے۔ اور تیسرا شاذ کیا کہ موصوف صفت کے درمیان خبر کے ذریعے فصل کر دیا گیا، جدائی کر دی گئی، حالانکہ یہ بھی عرب کلام میں ایسا بہت قلیل آیا ہے۔ تین شاذ ہو گئے بھئی۔

اب آپ کے ذہن میں آئے گا، توجہ ہے؟ بحث مکمل ہوئی۔ آپ کے ذہن میں آئے گا كُلُّ أَخٍ ہے موصوف، ذرا وہ شعر

پہ نظر رکھیں، اور إِلَّا الْفَرْقَدَانِ یہ ہے اس کی صفت۔ ان کے درمیان کیا کیا آیا؟ مُفَارِقُهُ أَخُوهُ خبر بھی آئی اور لَعَمْرُ أَبِيكَ یہ بھی تو آیا، اس کو فصل کے اندر ذکر نہیں کیا۔ صرف کیا کہا؟ فصل کیا کس کے ذریعے؟ مُفَارِقُهُ أَخُوهُ، صرف خبر کے ذریعے فصل کیا ہے۔ یاد رکھو لَعَمْرُ أَبِيكَ یہ ہے بتدا اور قَسَمِي یہ خبر محذوف ہے اور یہ واجب الحذف ہے، یہ کیا ہے؟ آپ نے پڑھا تھا کچھ جگہیں وہ ہیں جہاں پر بتدا کی خبر کو حذف کرنا واجب ہے، ان میں سے ایک مقام یہ ہے کہ جب بتدا مقسم بہ ہو۔ بتدا کیا ہو؟ مقسم بہ ہو جس کی قسم اٹھائی جا رہی ہے، تو اس کی خبر کو حذف کرنا واجب ہے۔ لَعَمْرُ أَبِيكَ قَسَمِي، تو میری قسم کیا ہے؟ آپ کے باپ کی عمر ہے یعنی میں اس کی قسم اٹھاتا ہوں، تو آپ کے باپ کی عمر یہ ہوا مقسم بہ اور یہ بتدا ہے۔ تو ایسا بتدا جو مقسم بہ ہو اس کی خبر قَسَمِي آتی ہے اور اس کو حذف کرنا واجب ہے، کبھی بھی اس کو لفظوں میں ذکر نہیں کرتے۔ تو یہ گویا پورا ایک جملہ درمیان میں آ رہا ہے لَعَمْرُ أَبِيكَ قَسَمِي پورا جملہ درمیان میں آیا لیکن اس کو فصل کے اندر کیوں نہیں شمار کیا؟ تو یاد رکھو یہ جملہ معترضہ ہے، یا اس کو جملہ اعتراضیہ بھی کہتے ہیں۔ یاد رکھو توجہ سے سمجھ لو جملہ معترضہ یا جملہ اعتراضیہ وہ ہوتا ہے جو دو متلازمین چیزوں کے درمیان آئے، یعنی دو ایسی چیزیں جو ایک دوسرے کے ساتھ لازم ہیں۔ جیسے موصوف کے ساتھ صفت لازم ہے اور صفت کے ساتھ موصوف لازم ہے، تو ان دونوں کے بیچ اگر کوئی جملہ لے آئے تو اس کو کیا کہیں گے؟ جملہ معترضہ۔ تو جو بھی دو متلازم چیزیں ہوں، باہم ایک دوسرے کے ساتھ لازم ہوں، ان کے درمیان کبھی کبھار ایک جملہ لے آتے ہیں، اس کو جملہ معترضہ کہتے ہیں۔

اور اس کے لانے کا مقصد کیا ہوتا ہے؟ کبھی کبھار اس کے ذریعے مقصد ہوتا ہے وضاحت کرنا، ایک چیز کی وضاحت کرنا مقصود ہوتا ہے، کبھی کبھار اس کے ذریعے کلام کے اندر تاکید پیدا کرنا، زور پیدا کرنا مقصود ہوتا ہے، جیسے یہاں پر ہے، یہ قسم اٹھا کر کیا کر رہا ہے؟ شاعر اپنی بات میں زور پیدا کر رہا ہے۔ آپ بھی دیکھو ویسے قسم نہیں اٹھاتے لیکن کوئی شخص نہ مان رہا ہو تو آپ اپنی بات میں زور پیدا کرنے کے لیے قسم اٹھاتے ہیں کہ واللہ اسی طرح ہے بھئی۔ تو یہاں بھی شاعر کیا کر رہا ہے؟ کلام میں تاکید پیدا کرنے کے لیے قسم وہ لے کر آیا۔ اور نیز تحسینِ کلام کے لیے کبھی لے کر آتے ہیں۔ تو جملہ معترضہ کسے کہتے ہیں؟ جو دو متلازم چیزوں کے درمیان آئے، اور کبھی کبھار وہ وضاحت کے لیے لایا جاتا ہے، کبھی کبھار وہ تاکید کے لیے لایا جاتا ہے، کبھی تحسینِ کلام وغیرہ کے لیے اس کو لایا جاتا ہے بھئی۔ بات سمجھ میں آ گئی؟ تو یہ دو متلازم چیزوں کے درمیان آتا ہے، جیسے موصوف صفتموصوف صفت ہیں، ان کے درمیان کبھی آ جائے گا، کبھی بتدا خبر بھئی، بتدا کے لیے خبر ضروری اور خبر کے لیے بتدا ضروری، کبھی ان کے درمیان جملہ معترضہ آ جائے گا۔ کبھی اسی طرح یاد رکھو موصول صلہ کے درمیان جملہ معترضہ آ جائے گا، موصول کے لیے صلہ چاہیے، صلہ کے لیے موصول چاہیے، تو دو متلازمین کے درمیان

جملہ معترضہ آجائے گا۔ یا اسی طرح کبھی کبھار شرط اور جزا کے درمیان جملہ معترضہ آجائے گا، شرط کے لیے جزا چاہیے اور جزا کے لیے شرط، یہ دونوں متلازمین ہیں درمیان میں کیا آجائے گا؟ جملہ معترضہ آجائے گا۔ اور اسی طرح کبھی فعل اور فاعل کے درمیان آجائے گا، فعل کے لیے فاعل ضرور چاہیے، فاعل کے لیے فعل ضرور چاہیے، تو درمیان میں کیا لے آتے ہیں؟ جملہ معترضہ لے آتے ہیں۔ اسی طرح قسم اور جوابِ قسم کے درمیان کبھی کبھار کیا لے آتے ہیں؟ جملہ معترضہ۔ تو بتلانا میں یہ چاہتا ہوں کہ دو متلازمین چیزوں کے درمیان جو جملہ لایا جائے اس کو جملہ معترضہ کہتے ہیں۔

آپ بھی استعمال کرتے رہتے ہیں، آپ کہتے ہیں مثلاً کیا: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، اور آگے حضور علیہ السلام کا قولِ مبارک آپ نقل کرتے ہیں۔ تو دیکھو قَالَ رَسُولُ اللَّهِ اب آگے فوراً مقولہ آنا چاہیے کیا فرمایا؟ آپ درمیان میں لے آتے ہیں صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، یہ جملہ معترضہ ہے، دیکھو اس میں آپ نے حضور پر درود بھیجا ہے۔ یا جیسے آپ کہتے ہیں کسی شخص کا ذکر کرتے ہیں اور آگے رَحِمَهُ اللَّهُ لے آتے ہیں، قَالَ فُلَانٌ رَحِمَهُ اللَّهُ، بھئی قَالَ فُلَانٌ کے بعد آگے مقولہ آنا چاہیے تھا لیکن درمیان میں آپ رَحِمَهُ اللَّهُ لے آئے یہ کیا ہے؟ یہ جملہ معترضہ ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو بس اس قسم کا جملہ معترضہ ہوتا ہے، کبھی دعا ہوگی، کبھی کلام کے اندر تاکید پیدا کرنا، کبھی کلام کی وضاحت کرنا، کبھی اسی طرح کلام کو حسین بنانا وغیرہ، اس کو جملہ معترضہ کہتے ہیں۔ اور یاد رکھو یہ جو جملہ معترضہ ہوتا ہے اس کے لیے لَا مَحَلَّ لَهُ مِنَ الْإِعْرَابِ، اس کے لیے کوئی محلِ اعراب نہیں ہوتا، اور اس کو اگر کلام سے نکال بھی دیا جائے تو کلام پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ اس کے لیے، بھئی کبھی کبھار جملے کے لیے بھی محلِ اعراب ہوتا ہے، پورا جملہ جب خبر بنے، پورا جملہ جب خبر بنے تو خبر کیا ہوتی ہے؟ مرفوع، تو وہ پورا جملہ بھی محلاً مرفوع ہوگا کیونکہ جملہ مبنیات میں سے ہے۔ جیسے آپ کہتے ہیں زَيْدٌ ضَرَبَ، زَيْدٌ ضَرَبَ، زَيْدٌ مرفوع لفظاً بتدا، ضَرَبَ فعل، اس کے اندر ہُوَ ضمیر مرفوع محلاً اس کا فاعل جو کس کو راجع؟ بتدا کو۔ فعل اپنے فاعل سے مل کر جملہ فعلیہ ہوا، اور یہ پورا جملہ فعلیہ خبر ہے کس کے لیے؟ زید کے لیے۔ تو اس پورے ضَرَبَ جملے کا اعراب کوئی آپ سے پوچھے اس کا اعراب بتاؤ، تو آپ کیا کہیں گے؟ محلاً مرفوع ہے یہ خبر ہے، خبر کیا ہوتی ہے؟ مرفوع ہے، اور محلاً کیوں ہے؟ کیونکہ مبنی ہے اور جملہ مبنیات میں سے ہے بھئی۔ لیکن یہ جو جملہ معترضہ ہوتا ہے اس کے لیے کوئی محلِ اعراب نہیں ہوتا بھئی، اور اس کو آپ کلام سے حذف بھی کر دیں تو کلام میں کوئی خرابی اور خلل نہیں آتا بھئی۔

تو یہ جو لَعَمْرُ أَبِيكَ آیا یہ تو جملہ معترضہ ہے بھئی، یہ جملہ معترضہ ہے اور وہ تو درمیان میں لاتے رہتے ہیں، وہ تو درمیان میں آتا ہی ہے دو متلازمین کے درمیان، لہٰذا اس کو فصل نہیں شمار کیا۔ اس کو فصل، صرف کس کو شمار کیا؟ کہ خبر کو بیچ میں لے آئے موصوف صفت کے، حالانکہ عرب تو موصوف صفت کے درمیان خبر کو لے آئیں ایسا نہایت ہی قلیل ہے تو یہ شاذ ہے بھئی۔ بات سمجھ میں آگئی؟ اس لیے لَعَمْرُ أَبِيكَ اس کو فصل میں ذکر نہیں کیا، صرف خبر کو ذکر کیا کہ اس کے ذریعے

فصل آرہا ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟

آگے دیکھیے، پہلے صرف متن متن دیکھ لیجیے: وَإِعْرَابُ سِوًى وَسَوَاءٍ النَّصْبُ عَلَى الظَّرْفِ عَلَى الْأَصَحِّ. سِوًى، بھئی یہ سِوَا ہے سِوَا۔ ویسے تو بول چال میں عام اساتذہ سِوَا بولتے ہیں، لیکن عبارت کے اعتبار سے جب آپ پڑھیں گے تو سِوًى پڑھیں گے، کیا پڑھیں گے؟ سِوًى۔ یہ ہُدًى کی طرح سِوًى اور سُوًى، سین کے کسرہ اور ضمہ دونوں کے ساتھ آپ جانتے ہیں، کسرہ اور ضمہ دونوں کے ساتھ یہ استعمال ہوتا ہے۔ تو یہ ہُدًى کی طرح ہے، کس کی طرح؟ ہُدًى۔ یہ اسمِ مقصور ہے، اسمِ مقصور کسے کہتے ہیں؟ جس کے آخر میں الفِ مقصورہ ہو۔ تو یہاں کیا آیا: وَإِعْرَابُ سِوًى۔ اصل میں کیا تھا؟ إِعْرَابُ سِوَيٍ، إِعْرَابُ سِوَيٍ، یا متحرک ماقبل فتحہ تو اس کو کس سے بدلا؟ الف سے، اور آخر میں تنوین کا نون بھی ساکن موجود ہے، تو کیا بن گیا؟ سِوَانْ۔ یا متحرک ماقبل فتحہ کس سے بدلا؟ الف سے، تو آخر میں تنوین کا نونِ ساکن بھی موجود ہے تو کیا بن گیا؟ سِوَانْ۔ تو اجتماعِ ساکنین آیا، الف بھی ساکن، نون بھی ساکن، تو اول مدہ تھا اس کو گرا دیا تو کیا بن گیا؟ سِوًى۔ تو الف گویا تقدیراً ابھی بھی موجود ہے۔ تو یہ اسمِ مقصور ہے، کیا ہے؟ اسمِ مقصور۔ یہ اسی طرح ہے جیسے مَعْنًى، فَتًى، مُسْتَثْنًى۔ مَعْنًى اصل میں کیا ہے؟ مثلاً حالتِ رفعی میں پڑھو، مَعْنَيٌ ہے، پھر یا متحرک ماقبل فتحہ اس کو کس سے بدلا؟ الف سے، کیا بن گیا؟ مَعْنَانْ، آخر میں تنوین کا نون بھی ہے۔ تو پھر اجتماعِ ساکنین عَلَى غَيْرِ حَدِّهِ آیا الف میں اور نونِ تنوین میں، اول مدہ تھا اس کو گرا دیا تو کیا بن گیا؟ مَعْنًى۔ تو یہ الف تقدیراً ہے، ابھی بھی الف تقدیراً موجود ہے، کس وجہ سے گرا ہے؟ اجتماعِ ساکنین کی وجہ سے، اگر اجتماعِ ساکنین نہ ہوتا تو اس نے نہیں گرنا تھا۔ لہٰذا اگر ذرا اس پر الف لام لے آئیں، الف لام لے آئیں، الف لام کی وجہ سے آخر سے تنوین گر گئی اور وہ الف کیوں گرا تھا کہ وہ الف بھی ساکن تھا آگے تنوین کا نون بھی ساکن تھا، تو جب آپ الف لام لائیں گے تو الف لام کی وجہ سے تو تنوین گر گئی تو کیا بنا؟ الْمَعْنَيْ، پھر یا متحرک ماقبل فتحہ اس کو کس سے بدلا؟ الف سے، تو الْمَعْنَى، اب دیکھو الف نہیں گرے گا۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو بغیر الف لام کے ہو تو مَعْنًى، فَتًى، مُسْتَثْنًى، دیکھو تنوین کے ساتھ پڑھیں گے، اور الف لام ہو یا اضافت کے ساتھ ہو پھر یہ الف نہیں گرے گا: الْمَعْنَى، الْفَتَى، الْمُسْتَثْنَى۔ تو اسی طرح یہاں پر بھی ہے۔

تو کہتے ہیں: وَإِعْرَابُ سِوًى وَسَوَاءٍ، یا آپ سِوَا بھی پڑھ سکتے ہیں یہاں، سِوَا بھی پڑھ سکتے ہیں یعنی اعرابِ حکائی پڑھ لیں۔ یہ عموماً اضافت کے ساتھ استعمال ہوتا ہے، جَاءَنِي سِوَى زَيْدٍ، جَاءَنِي سِوَى زَيْدٍ، تو دیکھو یہاں سِوَى کس کے ساتھ ہے؟ الف کے ساتھ ہے، کیونکہ اضافت ہو رہی ہے نا تنوین تو ہے نہیں، تنوین ہوتی تو الف گر جاتا۔ تو اضافت کی وجہ سے تنوین گر چکی ہے تو اس لیے الف ابھی بھی موجود ہے، تو سِوَى زَيْدٍ، تو اس جملے کے اندر دیکھو سِوَى کیا ہے؟ الف کے ساتھ ہے، تو اسی کو اٹھا کر آپ یہاں لے آئے اعرابِ حکائی پڑھ دیا۔ اعراب جیسے حکایت میں ہو ویسا ہی کسی جگہ پڑھ دیا جائے اس کو کیا کہتے ہیں؟ اعرابِ حکائی۔ تو آپ سِوَا بھی یہاں پڑھ سکتے ہیں اور سِوًى یا سُوًى بھی پڑھ سکتے ہیں۔

تو کہتے ہیں: وَإِعْرَابُ سِوًى وَسَوَاءٍ النَّصْبُ عَلَى الظَّرْفِ، کہ سِوًى اور سَوَاءٌ کا جو اعراب ہے النَّصْبُ وہ نصب ہے، یہ خبر ہے، إِعْرَابُ سِوًى وَسَوَاءٍ یہ ہے مبتدا اور النَّصْبُ یہ ہے اس کی خبر۔ تو سِوًى اور سَوَاءٌ کا اعراب جو ہے النَّصْبُ وہ نصب ہے، عَلَى الظَّرْفِ بوجہ ظرف ہونے کے۔ ظرف آپ جانتے ہیں مفعول فیہ بھئی یعنی جس میں زمانے یا جگہ والا معنیٰ پایا جائے اس کو ظرف کہتے ہیں اور یہ منصوب ہوتا ہے بھئی۔ تو کہتے ہیں سِوًى اور سَوَاءٌ کا اعراب جو ہے نصب ہے عَلَى الظَّرْفِ ظرف ہونے کی بنا پر، عَلَى الْأَصَحِّ أَيْ عَلَى الْمَذْهَبِ الْأَصَحِّ زیادہ صحیح مذہب کے مطابق، یعنی امام سیبویہ کے نزدیک۔ امام سیبویہ کے نزدیک یہ سِوًى اور سَوَاءٌ کا اعراب کیا ہے؟ نصب ہے۔ توجہ سے سنو بھئی۔ یاد رکھو یہ مطلقاً سِوًى اور سَوَاءٌ کی بات نہیں ہو رہی، یہ وہ سِوًى اور سَوَاءٌ جو استثنا کے لیے آئیں۔ یہ وہ سِوًى اور سَوَاءٌ کی بات ہو رہی ہے جو کس لیے آئیں؟ استثنا کے لیے آئیں، کیونکہ یہ مستثنیٰ کی بحث چل رہی ہے۔ تو یہ اب ان کا اعراب کیا ہو گا؟ دیکھو إِلَّا کا تو کوئی اعراب نہیں تھا کیونکہ إِلَّا تو حرف ہے، لیکن غَيْرٌ کا اعراب تھا انہوں نے بتایا تھا کہ غَيْرٌ اگر استثنا کے لیے آئے تو اس پر وہی اعراب ہو گا جو مستثنیٰ با إِلَّا کا تھا، توجہ ہے؟ اور اگر غَيْرٌ صفت بنتا ہے تو صفت پر وہی اعراب آتا ہے جو موصوف پر ہو۔ تو یہ سِوًى اور سَوَاءٌ یہ بھی استثنا کے لیے استعمال ہوتے ہیں، تو جب یہ استثنا کے لیے آئیں تب ان کا اعراب کیا ہو گا؟ تو بتایا کہ اس وقت یہ منصوب ہوں گے اور ظرف ہونے کی وجہ سے منصوب ہوں گے کیونکہ یہ مفعول فیہ ہیں اور مفعول فیہ منصوب ہوتا ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ اگر یہ ظرف نہ ہوں آپ بھی قرآن پڑھتے ہیں، قرآن میں اللہ فرماتے ہیں: سَوَاءٌ عَلَيْهِمْ أَأَنْذَرْتَهُمْ أَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ، تو سَوَاءٌ دیکھو یہ مرفوع ہے یا نہیں؟ یہ مرفوع ہے، یہ خبر ہونے کی وجہ سے مرفوع ہے۔ یا دوسری جگہ قرآن میں اللہ فرماتے ہیں: سَوَاءٌ عَلَيْهِمْ أَسْتَغْفَرْتَ لَهُمْ أَمْ لَمْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ، تو یہاں پر بھی دیکھو سَوَاءٌ آیا۔ دیکھو رفع آیا یا نہیں؟ جبکہ آگے بتائیں گے امام سیبویہ فرماتے ہیں یہ لازم النصب ہیں، یہ لازم الظرفیۃ ہیں، یہ ہمیشہ کیا بنیں گے؟ ظرف بنیں گے۔ تو سوال قرآن میں تو یہ مرفوع آرہے ہیں، ظرف تو منصوب ہوتا ہے، تو میں نے بتلا دیا کہ یہ کون سے سِوًى اور سَوَاءٌ کی بات ہو رہی ہے؟ جو استثنا کے لیے آئیں ان کی بات ہو رہی ہے۔

اب دیکھیے سارے کو شرح کے ساتھ۔ کہتے ہیں: وَإِعْرَابُ سِوًى وَسَوَاءٍ النَّصْبُ عَلَى الظَّرْفِ، اور سِوًى اور سَوَاءٌ کا اعراب جو ہے وہ نصب ہے عَلَى الظَّرْفِ ظرف ہونے کی وجہ سے۔ آگے صاحبِ جامی فرما رہے ہیں: أَيْ بِنَاءً عَلَى ظَرْفِيَّتِهِمَا. بِنَاءً عَلَى ظَرْفِيَّتِهِمَا، یاد رکھو یہ جو آیا نا عَلَى الظَّرْفِ، صاحبِ جامی بتلانا یہ چاہتے ہیں کہ یہ عَلَى تعلیل کے لیے آیا ہے۔ کس لیے آیا ہے؟ تعلیل یعنی علت بیان کرنے کے لیے آیا ہے۔ جیسے بھئی لام آتا ہے علت بیان کرنے کے لیے اسی طرح کبھی کبھار عَلَى بھی لے آتے ہیں علت بیان کرنے کے لیے۔ کہتے ہیں دیکھو اب ذرا لفظوں پہ ذرا غور کرنا پھر متن دیکھو: سِوًى اور سَوَاءٌ کا جو اعراب ہے النَّصْبُ وہ نصب ہے، بھئی کس وجہ سے نصب ہے؟ کہتے ہیں عَلَى الظَّرْفِ بوجہ ظرف ہونے کے۔ دیکھو علت بیان ہو گئی یا نہیں؟ بوجہ ظرف ہونے کے۔ آگے صاحبِ جامی فرما رہے ہیں خود تشریح کر رہے ہیں: أَيْ

بِنَاءً عَلَى ظَرْفِيَّتِهِمَا، یعنی ان کے ظرف ہونے کی بنا پر۔ تو کہتے ہیں أَيْ بِنَاءً عَلَى ظَرْفِيَّتِهِمَا بنا بر ان کے ظرف ہونے کے، اس وجہ سے ان پر نصب آتا ہے۔ لِأَنَّكَ إِذَا قُلْتَ اس لیے کیونکہ جب آپ یہ کہیں: جَاءَنِي الْقَوْمُ سِوَى أَوْ سَوَاءَ زَيْدٍ، جَاءَنِي الْقَوْمُ وہ لوگ میرے پاس آئے سِوَى أَوْ سَوَاءَ زَيْدٍ علاوہ زید کے، فَكَأَنَّكَ قُلْتَ تو گویا کہ آپ نے یوں کہا ہے: مَكَانَ زَيْدٍ۔ سِوَى اور سَوَاءٌ کو ذرا ہٹاؤ اور اس کی جگہ مَكَانَ لے آؤ: جَاءَنِي الْقَوْمُ مَكَانَ زَيْدٍ، وہ لوگ میرے پاس آئے زید کی جگہ پر، معلوم ہوا زید نہیں آیا۔ تو یہ مکان کے معنیٰ میں ہیں، بات سمجھ میں آگئی؟ اور مکان تو کیا ہے؟ ظرف ہے، تو یہ بھی ظرف ہونے کی بنا پر منصوب ہیں۔

تو کہتے ہیں: لِأَنَّكَ إِذَا قُلْتَ جَاءَنِي الْقَوْمُ سِوَى وَسَوَاءَ زَيْدٍ، جب آپ یہ کہیں تو فَكَأَنَّكَ قُلْتَ تو گویا کہ آپ نے یوں کہا ہے مَكَانَ زَيْدٍ۔ عَلَى الْمَذْهَبِ الْأَصَحِّ، یہ جو سِوَى اور سَوَاءٌ جو ہیں استثنا کے وقت ان پر نصب آئے گا ظرف ہونے کی وجہ سے، عَلَى الْمَذْهَبِ الْأَصَحِّ اس مذہب کے مطابق جو زیادہ صحیح ہے۔ توجہ ہے؟ یہ امام سیبویہ کا اور بصرہ والوں کا مذہب ہے، جبکہ کوفہ والے کہتے ہیں نہیں، کہ یہ جو سِوَى اور سَوَاءٌ ہیں یہ ہمیشہ ظرف ان کا واقع ہونا ضروری نہیں، جب کس لیے آئیں؟ استثنا کے لیے، بات استثنا کی چل رہی ہے، جب یہ سِوَى اور سَوَاءٌ استثنا کے لیے آئیں تو پھر ان کا ظرف ہونا ضروری نہیں بلکہ ان پر رفع بھی آسکتا ہے، نصب بھی اور جر بھی موقع کے مطابق، جیسے غَيْرٌ استثنا کے لیے جب آئے تو اس پر رفع بھی آسکتا ہے، نصب بھی اور جر بھی آسکتا ہے موقع محل کے مطابق۔ تو یہاں ان میں بھی اسی طرح ہوگا۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو صاحبِ کافیہ نے کیا فرمایا: عَلَى الْأَصَحِّ أَيْ عَلَى الْمَذْهَبِ الْأَصَحِّ زیادہ صحیح مذہب کے مطابق یہ منصوب ہوں گے کس وجہ سے؟ ظرف ہونے کی وجہ سے، کس کی وجہ سے؟ ظرف ہونے کی وجہ سے۔ معلوم ہوا کوفہ والوں کا مذہب بھی صحیح ہے، لیکن یہ والا مذہب جو امام سیبویہ کا ہے وہ زیادہ صحیح ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟

تو کہتے ہیں: عَلَى الْمَذْهَبِ الْأَصَحِّ زیادہ صحیح مذہب پر، وَهُوَ مَذْهَبُ سِيبَوَيْهِ، اور وہ امام سیبویہ کا مذہب ہے، یعنی بصرہ والوں کا مذہب ہے۔ یاد رکھیے امام سیبویہ کو ذکر کیا، امام سیبویہ کی بات پہاڑ کی طرح مضبوط سمجھی جاتی ہے نحو میں، اس لیے ان کو بطورِ خاص ذکر فرمایا۔ اور عجیب بات یہ ہے، میں نے پہلے بھی ذکر کیا تھا، امام سیبویہ کا انتقال بتیس سال کی عمر میں ہوا تھا، بالکل یعنی جوانی کے اندر ان کا انتقال ہوگیا اور ان کی بات پہاڑ کی طرح سمجھی جاتی ہے نحو کے اندر بھئی۔ تو اگر جوانی میں ان کے علوم کا یہ حال تھا تو آگے چل کر کیا حال ہوتا آپ خود اندازہ لگا لیجیے بھئی۔ تو کہتے ہیں: وَهُوَ مَذْهَبُ سِيبَوَيْهِ، اور یہ مذہب ہے امام سیبویہ کا۔ فَهُمَا عِنْدَهُ لَازِمَا الظَّرْفِيَّةِ، فَهُمَا تو یہ دونوں جو ہیں یعنی سِوَى اور سَوَاءٌ، عِنْدَهُ یہ امام سیبویہ کے نزدیک لَازِمَا الظَّرْفِيَّةِ یہ لازم الظرفیۃ ہیں۔ یعنی ان سے ظرفیۃ جدا نہیں ہوتی، جب بھی استثنا کے لیے آئیں گے یہ کیا بنیں گے؟ ظرف بنیں گے اور ظرف کیا ہوتا ہے؟ منصوب، تو ان کا اعراب نصب ہوگا۔ تو کہتے ہیں: فَهُمَا عِنْدَهُ لَازِمَا الظَّرْفِيَّةِ۔ عبارت پہ ذرا غور کریں: فَهُمَا یہ دونوں یعنی سِوَى اور سَوَاءٌ عِنْدَهُ امام سیبویہ کے نزدیک لَازِمَا، دیکھو لَازِمَا اصل میں

تھا لَازِمَانِلَازِمَانِ، تثنیہ ہے نا دونوں، لَازِمَانِ، اور یہ مضاف ہوا الظَّرْفِيَّةِ کی طرف تو نون اضافت کی وجہ سے گر گیا۔ نون گر گیا، کیا بن گیا؟ لَازِمَا الظَّرْفِيَّةِ۔ پھر الف اور ظا دونوں ساکن اجتماعِ ساکنین آیا تو الف بھی گر گیا، تو کیسے پڑھیں گے؟ لَازِمَا الظَّرْفِيَّةِ۔ تو یہ تثنیہ ہے یاد رکھنا، یہ دونوں لازم الظرفیت ہیں۔ تو کہتے ہیں: فَهُمَا عِنْدَهُ لَازِمَا الظَّرْفِيَّةِ، یہ تو یہ دونوں جو ہیں یعنی سِوًی اور سَوَاءٌ امام سیبویہ کے نزدیک لازم الظرفیت ہیں یعنی ظرفیۃ ان سے جدا نہیں ہوتی، لیکن یہ استثنا کی بات ہو رہی ہے، استثنا کی حالت میں۔

وَعِنْدَ الْكُوفِيِّينَ، اور کوفہ والوں کے نزدیک: يَجُوزُ خُرُوجُهُمَا عَنِ الظَّرْفِيَّةِ، جائز ہے ان کا نکلنا ظرفیۃ سے۔ ظرفیۃ سے ان کا نکلنا جائز ہے۔ وَالتَّصَرُّفُ فِيهِمَا رَفْعًا وَنَصْبًا وَجَرًّا، اور ان میں تصرف کا ہونا رفع، نصب اور جر کے اعتبار سے۔ کوفہ والے کہتے ہیں کہ یہ جو سِوًی اور سَوَاءٌ یہ لازم الظرفیت نہیں ہیں، بلکہ یہ غَيْرٌ کی طرح جب استثنا کے لیے استعمال ہو رہے ہوں تو یہ ظرفیۃ سے نکل کر ان پر رفع، نصب اور جر بھی آسکتا ہے موقع محل کے مطابق۔ تو کہتے ہیں: يَجُوزُ خُرُوجُهُمَا عَنِ الظَّرْفِيَّةِ وَالتَّصَرُّفُ فِيهِمَا رَفْعًا وَنَصْبًا وَجَرًّا۔ یہ التَّصَرُّفُ کا عطف ہے خُرُوجُ پر: جائز ہے ان کا ظرفیۃ سے نکلنا اور جائز ہے التَّصَرُّفُ فِيهِمَا ان کے اندر تصرف رَفْعًا وَنَصْبًا وَجَرًّا رفع، نصب اور جر کے اعتبار سے، كَغَيْرٍ، کس کی طرح؟ غَيْرٌ کی طرح۔ مُتَمَسِّكِينَ بِقَوْلِ الشَّاعِرِ، وہ استدلال کرتے ہیں شاعر کے اس قول سے: وَلَمْ يَبْقَ سِوَى الْعُدْوَانِ —— دِنَّاهُمْ كَمَا دَانُوا. شعر پر نظر ہے؟ وَلَمْ يَبْقَ سِوَى الْعُدْوَانِ، یہ الْعُدْوَانِ یہ نون جو ہے نا یہ دوسرے مصرعے میں چلا گیا ہے۔ پہلا مصرع صرف سِوَى الْعُدْوَا۔ نون کیا ہے؟ دوسرے مصرعے میں ہے۔ یاد رکھو عربی زبان میں اس طرح اکثر ہوتا ہے کہ لفظ آدھا ایک مصرعے میں ہوتا ہے اور آدھا دوسرے مصرعے میں، یا کوئی ایک آدھ حرف دوسرے مصرعے میں۔

تو دیکھیے: وَلَمْ يَبْقَ اور باقی نہیں رہا سِوَى الْعُدْوَانِ، عُدْوَانٌ کہتے ہیں دشمنی کو بھئی، عداوت کو۔ اور باقی نہیں رہی سِوَى الْعُدْوَانِ دشمنی کے علاوہ، دشمنی کے علاوہ اور کوئی چیز باقی نہ رہی۔ دِنَّاهُمْ، یہ دَانَ يَدِينُ سے ہے۔ دَانَ يَدِينُ کا معنیٰ ہے کسی کو بدلہ دینا۔ کوئی شخص کچھ عمل کرے تو اس کے عمل کا بدلہ دینا اس کو کیا کہتے ہیں؟ دَانَ يَدِينُ۔ اسی سے قیامت کے دن کو يَوْمُ الدِّينِ کہتے ہیں۔ يَوْمُ الدِّينِ، یہ اسی دَانَ يَدِينُ سے ہے۔ دَانَ يَدِينُ کا کیا معنیٰ؟ بدلہ دینا۔ يَوْمُ الدِّينِ یعنی بدلے کا دن ہے، یعنی انسان نے جو کچھ کیا ہوگا اس کا بدلہ اس کو دیا جائے گا بھئی۔ اور نیز عربی میں کہتے ہیں: كَمَا تَدِينُ تُدَانُ، جیسا کرو گے ویسا بھرو گے، یعنی جیسا تم کرو گے ویسا ہی تمہارے ساتھ بھی کیا جائے گا، كَمَا تَدِينُ تُدَانُ۔

اچھا تو کہتے ہیں: وَلَمْ يَبْقَ سِوَى الْعُدْوَانِ، کوئی چیز باقی نہیں رہی علاوہ عداوت اور دشمنی کے، دِنَّاهُمْ كَمَا دَانُوا۔ دِنَّاهُمْ دَانَ يَدِينُ سے ہے، اصل میں کیا تھا؟ دَانَ يَدِينُ ذرا گردان سنائیں بھئی۔ دَانَ، دَانَ ماضی ہے، جی دَانَ: دَانَ، دَانَا، دَانُوا، دَانَتْ، دَانَتَا، دِنَّ، دِنْتَ، دِنْتَمَا، دِنْتُمْ، دِنْتِ، دِنْتُمَا، دِنْتُنَّ، دِنْتُ، دِنَّا۔ شاباش، دَانَ، دَانَا، دَانُوا، دَانَتْ، دَانَتَا، دِنَّ۔ دِنَّ اصل میں کیا تھا؟ دَانَ یائی ہے نا، دَانَ اصل میں تھا دَيَنَ۔ دَيَنَ پھر؟ جی، دِنَّ اصل میں کیا تھا دِنَّ؟ میں نے بتایا تھا اصل صحیح کے اندر چلے جایا کرو وہ

صیغہ نکال لاؤ۔ دَانَ یَدِینُ یہ ضَرَبَ سے ہے تو وہاں سے صیغہ لے آؤ، کیا ہے؟ ضَرَبْنَ، اس وزن پہ بنا لو اس کو: دَیَنْنَ۔ ضَرَبْنَ، دَیَنْنَ، پھر کیا کیا؟ نون کا نون میں ادغام کیا، اور دَیَنْنَ یا متحرک ماقبل فتحہ یا کو کس سے بدلا؟ الف سے، کیا بن گیا؟ دَانْنَ۔ پھر اجتماعِ ساکنین عَلَی غَیْرِ حَدِّہٖ ہے یا عَلَی حَدِّہٖ ہے؟ اجتماعِ ساکنین عَلَی حَدِّہٖ کسے کہتے ہیں؟ اول ساکن مدہ ہو ثانی مدغم ہو۔ یہاں پر بھی کیا ہے؟ دَانَّ، اول مدہ ہے ثانی مدغم ہے، لیکن یہ اجتماعِ ساکنین عَلَی غَیْرِ حَدِّہٖ ہے کیونکہ یہ دو کلموں میں آیا ہے، کیونکہ آخر میں جو ضمیر ہے وہ تو الگ کلمہ ہے، وہ الگ کلمہ ہے تو ایک کلمے کے اندر ہونا چاہیے تھا۔ تو اجتماعِ ساکنین عَلَی غَیْرِ حَدِّہٖ آیا، اول مدہ تھا الف اس کو گرا دیا، کیا بن گیا؟ دَنَّ، دَنَّ۔ اور پھر یہ الف اصل میں کیا تھا؟ یا تھی، تو یہاں سے یا گری ہے تو لہٰذا دال کو کسرہ دے دیا تاکہ دال کا کسرہ حذفِ یا پر دلالت کرتا رہے کہ یہاں سے یا گری ہے، تو دِنَّ ہوا۔ توجہ ہے؟ جیسے خَافَ کے اندر تھا: خَافَ، خَافَا، خَافُوا، خَافَتْ، خَافَتَا، خِفْنَ۔ اصل میں کیا تھا؟ خَوِفْنَ، خَوِفْنَ، پھر واو متحرک ماقبل فتحہ اس کو کس سے بدلا؟ الف سے، کیا بن گیا؟ خَافْنَ، پھر الف اجتماعِ ساکنین سے گر گیا، کیا بن گیا؟ خَفْنَ۔ جب خَفْنَ ہو گیا تو گرا تو واو ہے لہٰذا کسرہ نہیں لانا چاہیے، لیکن یہ واو پر کسرہ تھا، تاکہ پتہ چلے یہ بابِ سَمِعَ سے ہے، کس سے ہے؟ بابِ سَمِعَ سے ہے، جو درمیان میں حرف گرا ہے اس کے اوپر کسرہ تھا۔ اس کسرہ پر دلالت کرنے کے لیے پھر خا کو کسرہ دے دیا، کیا بن گیا؟ خِفْنَ۔ تو دِنَّ میں دال کو کسرہ دیا یا پر دلالت کے لیے، اور خِفْنَ میں خا کو کسرہ دیا عین کے کسرہ پر دلالت کرنے کے لیے وہ جو عین حذف ہو گیا ہے۔ بات سمجھ میں آ گئی؟

تو دِنَّاھُمْ، جی دِنَّا یہ تو جمع متکلم کا صیغہ ہے، پھر کرو گردان: دَانَ، دَانَا، دَانُوا، دَانَتْ، دَانَتَا، دِنَّ، دِنْتَ، دِنْتُمَا، دِنْتُمْ، دِنْتِ، دِنْتُمَا، دِنْتُنَّ، دِنْتُ، دِنَّا۔ دِنَّا وہ صیغہ جمع متکلم کا ہے۔ تو دِنَّاھُمْ ہم نے ان کو بدلہ دیا کَمَا دَانُوا جیسے انہوں نے بدلہ دیا تھا، جیسے انہوں نے بدلہ دیا تھا۔ وَلَمْ یَبْقَ سِوَی الْعُدْوَانِ اور باقی نہیں رہی کوئی چیز سوائے دشمنی کے، تو دِنَّاھُمْ ہم نے ان کو بدلہ دیا کَمَا دَانُوا جیسے انہوں نے بدلہ دیا تھا۔ بھئی یہ کوئی شاعر ہے اور کوئی لوگ ہوں گے انہوں نے ان کے قبیلے والوں پر، لوگوں پر کوئی ظلم و ستم کیا، تو شاعر کہتا ہے کہ ہم نے کوشش کی لیکن ان کا ظلم و ستم بڑھتا ہی رہا اور شر اور فتنے کے علاوہ کچھ باقی ہی نہیں رہا۔ تو آخر مجبور ہو کر جب ہم نے دیکھ لیا کہ دشمنی کے علاوہ کوئی چیز باقی نہیں بچی، تو جب ہم نے دیکھ لیا کہ وَلَمْ یَبْقَ سِوَی الْعُدْوَانِ دشمنی کے علاوہ اور کوئی چیز باقی نہیں رہی، وہ مسلسل ظلم ہی کرتے جا رہے ہیں، تو پھر دِنَّاھُمْ کَمَا دَانُوا تو ہم نے بھی ان کو ایسا ہی بدلہ دیا جیسا انہوں نے ہمیں بدلہ دیا تھا، یعنی جیسا انہوں نے ہمارے ساتھ سلوک کیا تھا۔ یعنی یوں کہو ہم نے بھی ان کو ویسی ہی سزا دی جیسا برتاؤ انہوں نے ہمارے ساتھ کیا تھا۔

اب دیکھو مقامِ استشہاد یہ ہے: وَلَمْ یَبْقَ سِوَی الْعُدْوَانِ، یہ سِوَی یہ فاعل ہے لَمْ یَبْقَ کے لیے۔ یہ فاعل ہے کس کے لیے؟ لَمْ یَبْقَ کے لیے۔ اور دیکھو یہ سِوَی الْعُدْوَانِ دشمنی کے علاوہ اور کچھ باقی نہ رہا تو یہ دیکھو استثنا کے لیے آ رہا ہے، یہ سِوَی کس لیے آیا ہے؟ یہ استثنا کے لیے آیا ہے اور یہ اس وقت فاعل بن رہا ہے: لَمْ یَبْقَ باقی نہ رہا، کیا باقی نہ رہا؟ سِوَی

الْعُدْوَانِ علاوہ دشمنی کے۔ تو یہ فاعل بن رہا ہے لَمْ يَبْقَ کے لیے، اور فاعل کیا ہوتا ہے؟ مرفوع، معلوم ہوا یہ محلاً مرفوع ہے۔ امام سیبویہ تو کیا فرماتے تھے کہ سِوًى اور سَوَاءٌ کیا ہیں استثنا کے لیے آئیں تو لازم الظرفیت ہیں، لیکن یہ عرب کا ایک فصیح شاعر ہے اور اس کے اندر اس نے سِوَى کو ذکر کیا اور یہ سِوَى کیا بن رہا ہے؟ فاعل۔ معلوم ہوا یہ ظرفیۃ سے نکل کر مرفوع، منصوب یا مجرور بھی ہو سکتے ہیں جیسے کہ غَيْرٌ ہوتا ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟

تو کہتے ہیں: وَلَمْ يَبْقَ سِوَى الْعُدْوَانِ، اور دشمنی کے علاوہ اور کوئی چیز باقی نہ رہی، دِنَّاهُمْ كَمَا دَانُوا، تو ہم نے بھی ان کو ایسا ہی بدلہ دیا جیسا وہ ہمیں بدلہ دیتے تھے یا جیسا وہ ہمارے ساتھ برتاؤ کیا کرتے تھے۔

وَزَعَمَ الْأَخْفَشُ، اور امام اخفش جو ہیں وہ گمان کرتے ہیں کہ: أَنَّ سَوَاءً إِذَا أَخْرَجُوهُ عَنِ الظَّرْفِيَّةِ أَيْضًا نَصَبُوهُ۔ بھئی دیکھیے، کوفہ والے کیا کہتے ہیں؟ سِوًى اور سَوَاءٌ کا ظرفیۃ سے نکلنا اور مرفوع، منصوب یا مجرور ہونا جائز ہے استثنا کے لیے ہونے کے باوجود۔ آگے امام اخفش کی بات ذکر کر رہے ہیں صاحبِ جامی کہ امام اخفش کا یہ گمان ہے کہ یہ سِوًى اور سَوَاءٌ جب ظرفیۃ سے نکل جائیں پھر بھی ان پر نصب ہی پڑھیں گے، پھر بھی ان پر نصب ہی پڑھیں گے۔ وجہ یہ کہ یہ زیادہ تر منصوب استعمال ہوتے ہیں، جب یہ زیادہ تر منصوب استعمال ہوتے ہیں تو اگر کوئی ایسی جگہ آجائے جہاں یہ منصوب نہ ہوں پھر بھی نصب ہی پڑھیں گے ان کے ان اکثر احوال پر محمول کرتے ہوئے۔ اکثر یہ منصوب ہوتے ہیں، یہاں پر یہ منصوب نہیں ہیں لیکن پڑھیں گے پھر بھی نصب ہی بھئی۔ توجہ ہے؟

کہتے ہیں: وَزَعَمَ الْأَخْفَشُ، اور امام اخفش یہ گمان کرتے ہیں أَنَّ سَوَاءً کہ سَوَاءٌ کا لفظ جو ہے إِذَا أَخْرَجُوهُ عَنِ الظَّرْفِيَّةِ کہ جب اس کو کوفہ والے ظرفیۃ سے نکال دیں أَيْضًا نَصَبُوهُ تو اس وقت بھی وہ اس کو نصب دیتے ہیں۔ امام اخفش کا یہ گمان ہے کہ کوفہ والے جب سَوَاءٌ کو کس سے نکال دیں؟ ظرفیۃ سے نکال دیں پھر بھی پڑھتے کیا ہیں اس پر؟ نصب ہی پڑھتے ہیں۔ بھئی کیوں؟ نصب کیوں پڑھتے ہیں؟ کہتے ہیں: اسْتِنْكَارًا لِرَفْعِهِ، اسْتِنْكَارًا یہ مفعول لہ ہے، مفعول لہ کسے کہتے ہیں؟ وہ مصدر جو ماقبل فعل کی علت بیان کرے۔ اِسْتِنْكَارٌ کا معنیٰ ہے ناپسند کرنا۔ اسْتِنْكَارًا لِرَفْعِهِ، اس کے اندر رفع کو ناپسند کرنے کی وجہ سے۔ امام اخفش کا یہ گمان ہے کہ کوفہ والے جب سَوَاءٌ کو کس سے نکال دیں؟ ظرفیۃ سے نکال بھی دیں، ظرف تھا تب تو منصوب تھا لیکن اگر ظرفیۃ سے کوفہ والے اس کو نکال بھی لیتے ہیں پھر بھی اس پر کیا پڑھتے ہیں؟ نصب ہی پڑھتے ہیں، اس کے اندر رفع کو ناپسند کرنے کی وجہ سے۔

ترجمہ سمجھ میں آگیا؟ پھر دیکھیے: وَزَعَمَ الْأَخْفَشُ اور امام اخفش کا یہ گمان ہے۔ دیکھو زَعَمَ کے ساتھ ذکر کیا، وَزَعَمَ الْأَخْفَشُ، اور زَعْمٌ کہتے ہیں خیال اور گمان کو، خیال اور گمان کو۔ محشی حضرات نے وجہ تو نہیں لکھی کہ یہ زَعَمَ کیوں ذکر کیا صاحبِ جامی نے، لیکن شاید صاحبِ جامی امام اخفش کی رائے کے ساتھ متفق نہیں ہیں، اسی لیے اس کو زَعَمَ کے

ساتھ ذکر کیا کہ امام اخفش کا یہ خیال ہے، یہ گمان ہے، معلوم ہوا یہ کوئی تحقیقی بات نہیں ہے، ان کے پاس کوئی اس کی دلیل موجود نہیں ہے بھئی۔ بات سمجھ میں آگئی؟

وَزَعَمَ الْأَخْفَشُ، اور امام اخفش نے یہ گمان کیا ہے کہ أَنَّ سَوَاءً کہ سَوَاءٌ جو ہے إِذَا أَخْرَجُوهُ جب کوفہ والے اس کو نکال لیں عَنِ الظَّرْفِيَّةِ ظرفیت سے أَيْضًا نَصَبُوهُ تو اس وقت بھی اس کو نصب ہی دیتے ہیں، اس پر نصب ہی پڑھتے ہیں، اسْتِنْكَارًا لِرَفْعِهِ اس کے رفع کو ناپسند کرنے کی وجہ سے۔ فَيَقُولُونَ، پس کوفہ والے یوں کہتے ہیں: جَاءَنِي سَوَاءَكَ۔ جَاءَنِي سَوَاءَكَ، دیکھو سَوَاءَ حمزہ پر فتحہ پڑھ رہا ہوں میں، حالانکہ یہ فاعل بن رہا ہے جَاءَنِي کے لیے، ہونا چاہیے کیا؟ جَاءَنِي سَوَاءُكَ، لیکن کوفہ والے اس پر کیا پڑھتے ہیں؟ نصب پڑھتے ہیں امام اخفش فرما رہے ہیں۔ فَيَقُولُونَ تو کوفہ والے یوں کہتے ہیں جَاءَنِي سَوَاءَكَ، نصب ہی پڑھتے ہیں حالانکہ یہ فاعل ہے۔ نیز: وَفِي الدَّارِ سَوَاءَكَ، یہاں بھی سَوَاءَكَ پر نصب پڑھیں گے کیونکہ اس کے اندر رفع پسندیدہ نہیں۔ حالانکہ ترکیب دیکھو، فِي الدَّارِ یہ جار مجرور ہے اور میں نے بتایا تھا کہ جار مجرور جب بھی کلام میں آئیں وہ خبر تو بنیں گے، مبتدا نہیں بن سکتے، تو یہ خبرِ مقدم ہے اور سَوَاءُكَ یہ مضاف مضاف الیہ مل کر یہ مبتدا مؤخر ہے، تو یہ مبتدا مؤخر ہے اور مبتدا کیا ہوتا ہے؟ مرفوع، تو سَوَاءُكَ ہونا چاہیے لیکن کیا پڑھتے ہیں اس پر کوفہ والے؟ نصب پڑھتے ہیں کیونکہ اس میں وہ رفع کو پسند نہیں کرتے۔

دیکھو کہا: وَزَعَمَ الْأَخْفَشُ أَنَّ سَوَاءً، سَوَاءً کو ذکر کیا اور سِوًى الفِ مقصورہ کے ساتھ جو ہے اس کو ذکر نہیں کیا۔ کس کو؟ دو لفظوں کا ذکر چل رہا ہے نا، لیکن یہاں امام اخفش کے قول ذکر کرتے وقت سَوَاءٌ کو تو ذکر کیا، سِوًى جو الفِ مقصورہ کے ساتھ ہے اس کو ذکر نہیں کیا۔ وجہ یہ ہے کہ وہ تو اسمِ مقصور ہے، اس پر تو اعراب ظاہر ہی نہیں ہو سکتا بھئی، وہ تو اعراب ہمیشہ تقدیری رہے گا۔ جَاءَنِي مُوسَى، رَأَيْتُ مُوسَى، مَرَرْتُ بِمُوسَى، وہاں تو اعراب تینوں حالتوں میں تقدیری ہے تو اس سے تو پتہ نہیں چلے گا، اس پر لفظوں میں نہ نصب نظر آئے گا نہ رفع۔ لیکن سَوَاءٌ کے آخر میں تو الفِ ممدودہ ہے آخر میں حمزہ ہے، اور حمزہ پر تو اعراب کا پتہ چلے گا، اس لیے بالخصوص اس کو ذکر کیا کہ اس پر وہ رفع کو پسند نہیں کرتے، اس سے لفظوں کے اندر ہی فرق کا پتہ چل رہا ہے۔

وَمِثْلُ هَذَا، اور اسی کے مثل ہے، آگے آرہا ہے قَوْلُهُ تَعَالَى اللہ کا یہ قول بھی۔ اسی کے مثل، مِثْلُ هَذَا یہ ہے مبتدا، اسی کے مثل ہے، کیا چیز اسی کے مثل ہے؟ قَوْلُهُ تَعَالَى اللہ کا یہ قول: لَقَدْ تَقَطَّعَ بَيْنَكُمْ، بِالنَّصْبِ، نصب کے ساتھ۔ اسی کے مثل ہے، کس چیز میں اسی کے مثل ہے؟ درمیان میں بتایا: فِي اسْتِنْكَارِ الرَّفْعِ، رفع کے ناپسندیدہ ہونے میں، فِيمَا غَلَبَ انْتِصَابُهُ اس چیز کے اندر، اس لفظ کے اندر جس کے اندر اس کا نصب غالب ہوتا ہے عَلَى الظَّرْفِيَّةِ ظرف ہونے کی وجہ سے۔ وہ لفظ توجہ سے ادھر دیکھو بھئی، وہ لفظ جس کے اندر نصب غالب ہوتا ہے ظرف ہونے کی وجہ سے یعنی وہ لفظ جو اکثر اکثر کس طرح استعمال ہوتا ہے؟ ظرف استعمال ہوتا ہے اور ظرف پر کیا آتا ہے؟ نصب، تو وہ لفظ جس کا غالب

استعمال بطورِ ظرف کے ہوتا ہے تو اس کے اندر نصب کے علاوہ اور اعراب پسندیدہ نہیں۔ تو اس چیز کے اندر یہ اللہ کا قول بھی اسی کے مثل ہے۔

تو اسی کے مثل ہے اللہ کا یہ قول بھی: لَقَدْ تَقَطَّعَ بَيْنَكُمْ۔ یہ پہلے بھی صاحبِ جامی ذکر کر چکے ہیں، وہ جہاں مفعول معہ کا ذکر آیا تھا۔ مفعول معہ کے شروع شروع میں ہی انہوں نے ذکر فرمایا تھا کہ یہ مفعول معہ میں جو مَعَهُ ہے نا مضاف مضاف الیہ مل کر یہ نائب الفاعل ہے مفعول کے لیے۔ اَلْمَفْعُولُ مَعَهُ، اَلْمَفْعُولُ یہ مفعول کون سا صیغہ ہے؟ اسمِ مفعول، اسمِ مفعول کے لیے کیا چاہیے؟ نائب الفاعل چاہیے، تو یہ مَعَهُ یہ مضاف مضاف الیہ مل کر اس کے لیے کیا بن جائے گا؟ نائب الفاعل۔ پھر اس پر اشکال ہوا تھا کہ نائب الفاعل تو مرفوع ہوتا ہے اور مَعَهُ یہاں تو ہم عین پر زبر پڑھ رہے ہیں، عین پر۔ تو صاحبِ جامی نے بتلایا تھا کہ اس کا جواب بعض علما نے یہ دیا کہ یہ لازم النصب ہے، یہ ہمیشہ نصب کے ساتھ استعمال ہوتا ہے، تو وہی اعراب اس پر برقرار رکھا۔

تو یہاں پر بھی اسی طرح ہے: لَقَدْ تَقَطَّعَ بَيْنَكُمْ۔ ترکیب سنو بھئی: تَقَطَّعَ فعل ہے اور یہ بَيْنَكُمْ یہ اس کے لیے فاعل ہے، یہ بَيْنَكُمْ اس کے لیے فاعل، اور فاعل کیا ہوتا ہے؟ مرفوع، لہٰذا یوں ہونا چاہیے: لَقَدْ تَقَطَّعَ بَيْنُكُمْ۔ اور چنانچہ بعض قراءتوں میں باقاعدہ اس پر رفع آیا ہے، تو جن قراءتوں میں رفع آیا ہے ان پر تو کوئی اعتراض نہیں کیونکہ یہ فاعل ہے اور فاعل پر آنا بھی کیا چاہیے؟ رفع، تو لَقَدْ تَقَطَّعَ بَيْنُكُمْ آیا ہے۔ لیکن یہ قراءت جس کے اندر بَيْنَكُمْ آیا ہے اس پر اشکال ہوتا ہے کہ یہ فاعل ہے، جب فاعل ہے تو پھر اس پر نصب کیسے آیا؟ تو جواب وہی جو گزر گیا کہ یہ اکثر بَيْنَ کس طرح استعمال ہوتا ہے؟ ظرف ہوتا ہے یعنی منصوب استعمال ہوتا ہے، تو جو اکثر استعمال ہوتا تھا جس صورت پر وہی صورت یہاں برقرار رکھی گئی۔ یہ کیا ہے؟ لازم النصب تھا تو اسی نصب کو برقرار رکھا گیا غیرِ نصب والی صورت میں بھی۔ توجہ ہے؟ تو یہاں لَقَدْ تَقَطَّعَ بَيْنَكُمْ، تَقَطَّعَ فعل اور بَيْنَكُمْ مضاف مضاف الیہ مل کر اس کے لیے فاعل ہے اور یہ مرفوع ہے، لیکن اس پر وہی نصب پڑھا گیا جو اس بَيْنَ پر اکثر اکثر جگہ آتا ہے۔

جی معنیٰ اس کا سمجھ لیں بھئی: لَقَدْ تَقَطَّعَ بَيْنَكُمْ۔ تَقَطَّعَ کا معنیٰ ہے ٹوٹنا بھئی، ٹکڑے ہونا۔ تو لَقَدْ تَقَطَّعَ بَيْنَكُمْ، اور یہ بَيْنَكُمْ یہ کیا ہے اس کے لیے؟ فاعل ہے، اور بَيْنَ کا معنیٰ یہاں کریں گے اتصال اور جوڑ کے۔ لَقَدْ تَقَطَّعَ تحقیق ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا بَيْنَكُمْ تمہارا اتصال جو ہے۔ بَيْنَ کا کیا معنیٰ کیا؟ اتصال، تمہارا جو اتصال تمہارے درمیان جو تعلق تھا وہ ٹوٹ چکا ہے۔ مشرکین جو ہیں وہ بتوں کی عبادت کرتے ہیں کہ یہ ہماری مدد کریں گے، لیکن قیامت کے دن جب وہ آئیں گے تو ان کے ساتھ وہ بت وغیرہ جن کو وہ خدا کا شریک بناتے تھے وہ موجود نہیں ہوں گے، تو اس وقت ان سے کہا جائے گا کہ تمہارے وہ معبود کدھر ہیں جن کی تم عبادت کیا کرتے تھے؟ لَقَدْ تَقَطَّعَ بَيْنَكُمْ تحقیق تمہارے درمیان تعلق ٹوٹ چکا ہے، تمہارے اور ان بتوں کے درمیان تعلق ختم ہو چکا ہے، تعلق ٹوٹ چکا ہے۔ لَقَدْ تَقَطَّعَ بَيْنَكُمْ تحقیق ٹوٹ چکا ہے بَيْنَكُمْ تمہارے درمیان جو اتصال تھا، تمہارے اور تمہارے جھوٹے معبودوں کے درمیان جو اتصال، جو جوڑ اور جو تعلق تھا وہ

ٹوٹ چکا ہے بھئی۔ بات سمجھ میں آگئی؟

جی یہ ترجمہ پھر دیکھ لیجیے، کہتے ہیں: وَمِثْلُ هَذَا فِي اسْتِنْكَارِ الرَّفْعِ فِيمَا غَلَبَ انْتِصَابُهُ عَلَى الظَّرْفِيَّةِ قَوْلُهُ تَعَالَى: لَقَدْ تَقَطَّعَ بَيْنَكُمْ، بِالنَّصْبِ۔ توجہ سے ترجمہ سنو بھئی۔ میں نے بتایا وَمِثْلُ هَذَا یہ ہے مبتدا، قَوْلُهُ تَعَالَى یہ ہے اس کی خبر۔ اور اسی کے مثل ہے یعنی اسی سَوَاءٌ جس کو کوفہ والوں نے کیا کہا کہ یہ ظرفیۃ سے نکل جائے تو بھی اس میں اس پر نصب پڑھیں گے، اسی کے مثل ہے اللہ تعالیٰ کا یہ قول بھی۔ کس چیز میں اس کے مثل ہے؟ درمیان میں ذکر کیا: فِي اسْتِنْكَارِ الرَّفْعِ رفع کے ناپسندیدہ ہونے میں۔ جیسے سَوَاءٌ ظرفیۃ سے نکل جائے پھر بھی اس کے اندر رفع ناپسندیدہ ہے، یہ اللہ کا قول بھی اسی طرح ہے، یہاں بَيْنَكُمْ یہ ظرفیۃ سے نکل کر فاعل بن رہا ہے لیکن پھر بھی اس پر کیا پڑھا گیا؟ نصب پڑھا گیا ہے۔ تو یہ بھی اسی کے مثل ہے فِي اسْتِنْكَارِ الرَّفْعِ رفع کے ناپسندیدہ ہونے میں، فِيمَا غَلَبَ انْتِصَابُهُ عَلَى الظَّرْفِيَّةِ اس لفظ کے اندر جس کا منصوب ہونا غالب ہو ظرف ہونے کی وجہ سے۔ وہ لفظ جس کا منصوب ہونا غالب ہے ظرف ہونے کی وجہ سے اس میں رفع کے ناپسندیدہ ہونے کے اندر اللہ کا یہ قول بھی اسی کے مثل ہے بھئی۔ معنیٰ سمجھ میں آگیا؟

پھر یہاں ایک اور بات بھی یاد رکھنا کہ کبھی کبھار یہ مستثنیٰ جو ہے اس کو کلام سے حذف بھی کر لیا جاتا ہے، لیکن ہر مقام پر نہیں، وہ مستثنیٰ جو إِلَّا یا غَيْرٌ کے بعد آئے، جو إِلَّا اور... وہ مستثنیٰ جو إِلَّا اور غَيْرٌ کے بعد آئے اس کو کبھی کبھار حذف بھی کر لیتے ہیں اور لیکن یہ بھی یاد رکھنا ہر مقام پر نہیں، جب اس إِلَّا یا غَيْرٌ سے پہلے لَيْسَ آجائے، کیا آجائے؟ لَيْسَ آجائے تو اس إِلَّا یا غَيْرٌ کے بعد مستثنیٰ کو حذف کرنا جائز ہے۔ کبھی کبھار کیا کیا جاتا ہے؟ مستثنیٰ کو حذف کر لیتے ہیں کس کے بعد؟ إِلَّا اور غَيْرٌ کے بعد، لیکن اس وقت جب ان سے پہلے لَيْسَ موجود ہو۔ بات سمجھ میں آگئی؟ مثلاً آپ کہتے ہیں: جَاءَنِي زَيْدٌ لَيْسَ إِلَّا۔ جَاءَنِي زَيْدٌ لَيْسَ إِلَّا، میرے پاس زید آیا یعنی اس کے علاوہ اور کوئی نہیں آیا، صرف زید آیا۔ یا آپ کہتے ہیں: جَاءَنِي زَيْدٌ لَيْسَ غَيْرُ، یعنی اس کے علاوہ اور کوئی نہیں آیا۔ تو دیکھو جَاءَنِي زَيْدٌ لَيْسَ إِلَّا آگے مستثنیٰ محذوف ہے، یا جَاءَنِي زَيْدٌ لَيْسَ غَيْرُ دیکھو غَيْرُ کے بعد مستثنیٰ محذوف ہے، اور اصل کلام یوں ہے: جَاءَنِي زَيْدٌ لَيْسَ غَيْرَهُ، لَيْسَ... اور یہ غَيْرَهُ یہ لَيْسَ کی خبر ہے۔ تو تقدیرِ عبارت کیا ہوگی ذرا یہ اپنے سامنے لکھیے بھئی۔ لکھیے بھئی: جَاءَنِي زَيْدٌ لَيْسَ غَيْرُ، جَاءَنِي زَيْدٌ لَيْسَ غَيْرُ۔ یہ جو غَيْرُ ہے یاد رکھو یہ خبر بنے گا لَيْسَ کے لیے، یہ خبر بنے گا لَيْسَ کے لیے۔ اور لَيْسَ کے اندر هُوَ ضمیر جو ہے وہ ماقبل میں جو فعل آیا اس کے اسمِ فاعل کی طرف راجع کریں گے۔ ماقبل میں مجیئت والا فعل ہے اور مجیئت سے اسمِ فاعل کیا آتا ہے؟ جَاءَ يَجِيءُ مَجِيئًا فَهُوَ جَاءٍ، تو الْجَائِي جو اس سے سمجھ میں آرہا ہے اس کی طرف لَيْسَ کی ضمیر راجع کر دی۔ تو جَاءَنِي زَيْدٌ لَيْسَ، لَيْسَ الْجَائِي غَيْرَهُ، لَيْسَ الْجَائِي غَيْرَهُ۔ تو یہ غَيْرَهُ تو اصل میں لَيْسَ کی خبر ہے بھئی، اور لَيْسَ کے اندر ضمیر کس کو لوٹ رہی تھی؟ الْجَائِي کو جو ہم نے نکال کر اب لکھ لیا بھئی۔ تو لَيْسَ الْجَائِي، نہیں ہے آنے والا غَيْرَهُ اس زید کے علاوہ۔ تو پھر اس غَيْرَهُ کے ساتھ جو مضاف الیہ تھا ہا ضمیر اس کو حذف کر لیا، یعنی مستثنیٰ کو کیا کر لیا گیا؟ حذف کر لیا گیا،

اور پھر غَيْرُ یہ تو مضاف الیہ کا تقاضا کر رہا تھا تو پھر اس کو مبنی علی الضم بنا دیا گیا، کیا بنا دیا گیا؟ مبنی علی الضم، جیسے قَبْلُ اور بَعْدُ جب ان کے مضاف الیہ کو حذف کر لیا جائے تو ان کو مبنی علی الضم بنا دیتے ہیں۔ تو کلام کیا بن گیا؟ جَاءَنِي زَيْدٌ لَيْسَ غَيْرُ، لَيْسَ کے اندر هُوَ ضمیر ہے جو الْجَائِي کو راجع ہے بھئی۔ جَاءَنِي زَيْدٌ لَيْسَ غَيْرُ۔ تو یہ غَيْرُ مبنی علی الضم ہوا اور یہ لَيْسَ کی خبر ہے، اور مستثنیٰ محذوف ہے۔ تو إِلَّا اور غَيْرُ کے بعد مستثنیٰ کو کبھی حذف کر دیتے ہیں لیکن شرط یہ ہے کہ ان سے پہلے لَيْسَ آنا چاہیے بھئی۔ بات سمجھ میں آ گئی؟ تو جَاءَنِي زَيْدٌ لَيْسَ غَيْرُ۔ اور آپ چاہیں تو غَيْرَ بھی پڑھ سکتے ہیں، غَيْرَ بھی اس پر پڑھنا جائز ہے۔ یعنی اصل میں کیا تھا؟ جَاءَنِي زَيْدٌ لَيْسَ الْجَائِي غَيْرَهُ، تو وہاں را پر زبر تھی تو اس کو اسی حالت پر برقرار رکھتے ہوئے پڑھنا بھی جائز: جَاءَنِي زَيْدٌ لَيْسَ غَيْرَ۔ جَاءَنِي زَيْدٌ لَيْسَ غَيْرَ، یوں پڑھنا بھی جائز ہے۔ تو لَيْسَ غَيْرَ بھی پڑھنا جائز ہے، یعنی غَيْرَ جو لَيْسَ کی خبر ہے اور لَيْسَ کی خبر منصوب ہوتی ہے، غَيْرُ کے مضاف الیہ کو حذف کر دیا مستثنیٰ کو حذف کر دیا تو غَيْرُ کو مبنی علی الفتح بنا دیا۔ چاہے تو غَيْرَ اسی حالت پر برقرار رکھیں اور چاہے اس کو مبنی علی الضم بنا دیں دونوں طرح جائز ہے: جَاءَنِي زَيْدٌ لَيْسَ غَيْرُ اور جَاءَنِي زَيْدٌ لَيْسَ غَيْرَ۔ بات سمجھ میں آ گئی؟

تو حاصل کیا ہوا؟ کہ إِلَّا اور غَيْرُ کے بعد کبھی کبھار مستثنیٰ کو حذف کر لیتے ہیں اور یہ اس وقت ہو گا جب یہ کس کے بعد آئیں؟ لَيْسَ کے بعد آئیں بھئی۔ بات سمجھ میں آ گئی؟ حل ہو گیا؟ چلیے بس بھئی، هَذَا هُوَ الْمَرَامُ، وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْكَلَامِ۔

سبق نمبر ۱۶۹: خبرِ کان و اخواتہا (۱): خبرِ کان کی تعریف اور اسمائے افعالِ ناقصہ کا تعارف

شرحِ ملا جامی صفحہ: ۱۵۲ — بتاریخ: ۵ جولائی ۲۰۲۲ء

▪ تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث

آگے سبق دیکھیے بھئی۔[۱]

خَبَرُ كَانَ وَأَخَوَاتِهَا وَسَتَعْرِفُهَا فِيْ قِسْمِ الْفِعْلِ إِنْ شَاءَ اللّٰهُ تَعَالٰى هُوَ الْمُسْنَدُ بَعْدَ دُخُوْلِهَا أَيْ دُخُوْلِ كَانَ أَوْ إِحْدٰى أَخَوَاتِهَا وَالْمُرَادُ بِبَعْدِيَّةِ الْمُسْنَدِ لِدُخُوْلِهَا أَنْ يَكُوْنَ إِسْنَادُهُ إِلَى اسْمِهَا وَاقِعاً بَعْدَ دُخُوْلِهَا عَلَى اسْمِهَا وَخَبَرِهَا۔

بھئی گزشتہ سبق میں صاحبِ کافیہ نے آپ کو بتلایا تھا کہ إِلَّا وضع ہے استثنا کے لیے لیکن کبھی کبھار یہ غَيْرٌ پر حمل کرتے ہوئے صفت واقع ہوتا ہے اور یہ اس مقام پر ہوگا جب إِلَّا جمع منکور غیر محصور کے بعد آئے یعنی جمع ہو یعنی ایسی چیز جس میں تعدد ہو اور وہ نکرہ ہو اور نیز اس کے اندر حصر نہ ہو تو اس کے بعد جب إِلَّا آئے گا تو پھر استثنا ممکن نہ رہے گا کیونکہ استثنا کی دو ہی صورتیں ہیں یا مستثنیٰ متصل ہوگا یا مستثنیٰ منقطع۔ لیکن جب إِلَّا جمع منکور غیر محصور کے بعد آتا ہے تو نہ اس کو مستثنیٰ متصل پر محمول کیا جا سکتا ہے اور نہ مستثنیٰ منقطع پر تو پھر اس صورت میں پھر إِلَّا کو غَيْرٌ پر حمل کرتے ہوئے صفت بنائیں گے بھئی۔

جمع منکور غیر محصور کے علاوہ کے اندر إِلَّا کو غَيْرٌ پر محمول کرتے ہوئے صفت بنانا ضعیف ہے۔ وجہ یہ کہ وہاں پر استثنا صحیح ہوتا ہے اور جب استثنا صحیح ہو رہا ہو تو پھر إِلَّا کو غَيْرٌ پر محمول کرتے ہوئے صفت قرار دینا ضعیف ہے جبکہ امام سیبویہ

---

[۱] جدول — افعالِ ناقصہ (کان و اخواتہا) اور ان کے معانی:

افعالِ ناقصہ	معنی و استعمال	مثال
كَانَ، صَارَ، أَصْبَحَ، أَمْسٰى، أَضْحٰى، ظَلَّ، بَاتَ	مبتدا کو رفع اور خبر کو نصب دیتے ہیں	كَانَ اللّٰهُ عَلِيمًا حَكِيمًا
مَا زَالَ، مَا بَرِحَ، مَا فَتِئَ، مَا انْفَكَّ، مَا دَامَ، لَيْسَ	استمرارِ خبر (ما زال وغیرہ) یا نفی (لیس)	مَا زَالَ زَيْدٌ قَائِمًا، لَيْسَ زَيْدٌ قَائِمًا

فرماتے ہیں کہ نہیں کہ استثنا صحیح ہونے کے باوجود بھی إِلَّا کو صفت بنایا جا سکتا ہے۔ استثنا صحیح ہونے کے باوجود إِلَّا کو صفت بنایا جا سکتا ہے معلوم ہوا امام سیبویہ کے نزدیک إِلَّا کو صفت بنانے کے لیے تعذرِ استثنا ضروری نہیں۔ تعذر کہ استثنا متعذر ہو ایسا ضروری نہیں ہے بلکہ استثنا صحیح ہو پھر بھی إِلَّا کو آپ صفت بنا سکتے ہیں اور اکثر متاخرین جو ہیں وہ امام سیبویہ کے مذہب کی طرف گئے ہیں اور وہ استدلال کرتے ہیں شاعر کے اس قول سے عرب کا ایک فصیح و بلیغ شاعر کہتا ہے: وَكُلُّ أَخٍ مُفَارِقُهُ أَخُوْهُ لَعَمْرُ أَبِيْكَ إِلَّا الْفَرْقَدَانِ۔

میں نے بتایا فَرْقَدَانِ یہ فَرْقَدْ جو ہے قطبی تارے کو کہتے ہیں یہ شمال کی طرف ایک ستارہ ہے اور یہ اپنی جگہ نہیں بدلتا اور قدیم زمانوں کے اندر رات کے وقت قافلے جو ہیں یا مسافر جو ہیں اس کے ذریعے سمت کا پتہ چلاتے تھے کہ کس طرف کو ہم جا رہے ہیں ہمارا رخ صحیح ہے یا رخ صحیح نہیں کیونکہ باقی ستارے تو اپنی جگہ بدلتے ہیں جوں جوں رات گزرتی ہے وہ اپنی جگہ بدلتے رہتے ہیں مشرق سے مغرب کی طرف لیکن یہ قطبی تارا اپنی جگہ پر رہتا ہے تو اس کو فَرْقَدْ کہتے ہیں اور اس کے ساتھ ایک اور ستارہ بھی اس کے قریب ہے تو اس کو بھی فَرْقَدْ کہہ دیا تو گویا دو فَرْقَدْ ہو گئے۔ تو شاعر کہتا ہے كُلُّ أَخٍ مُفَارِقُهُ أَخُوْهُ لَعَمْرُ أَبِيْكَ إِلَّا الْفَرْقَدَانِ۔ یہ إِلَّا الْفَرْقَدَانِ یہ صفت ہے كُلُّ أَخٍ کی لہٰذا اس کو ذرا كُلُّ أَخٍ کے بعد لے آئیں۔ كُلُّ أَخٍ ہر بھائی إِلَّا الْفَرْقَدَانِ علاوہ فَرْقَدَانِ کے، فَرْقَدَانِ کے علاوہ ہر بھائی جو ہے مُفَارِقُهُ أَخُوْهُ جدا ہونے والا ہے اس سے اس کا بھائی۔ فَرْقَدَانِ کے علاوہ ہر بھائی جو ہے اس سے جدا ہونے والا ہے اس کا بھائی یعنی اس کا بھائی اس سے جدا ہو جاتا ہے۔ معنیٰ سمجھ میں آیا۔

تو کہتے ہیں ہر بھائی علاوہ فَرْقَدَانِ کے مُفَارِقُهُ أَخُوْهُ اس سے جدا ہو جائے گا اس کا بھائی لَعَمْرُ أَبِيْكَ قَسَمِيْ میں آپ کے باپ کی عمر کی قسم اٹھا کر کہتا ہوں۔ معنیٰ سمجھ میں آیا تو مُفَارِقُهُ أَخُوْهُ جدا ہو جائے گا اس سے اس کا بھائی مُفَارِقُهُ ہر ایسا بھائی جو فَرْقَدَانِ کے علاوہ ہو مُفَارِقُهُ جدا ہونے والا ہے اس سے أَخُوْهُ اس کا بھائی یعنی ہر بھائی دوسرے بھائی سے جدا ہو جاتا ہے دنیا کے اندر اور اگر اور کوئی چیز جدا نہیں کرتی تو بالآخر موت ان دونوں کو جدا کر دیتی ہے لیکن دو فَرْقَدْ ایسے ہیں وہ ایک دوسرے سے کبھی جدا نہیں ہوتے وہ ہمیشہ اکٹھے رہتے ہیں۔

تو دیکھو یہاں شاعر نے إِلَّا الْفَرْقَدَانِ کو كُلُّ أَخٍ کے لیے صفت بنایا اسی لیے إِلَّا الْفَرْقَدَانِ دیکھو یہ فَرْقَدَانِ حالتِ رفعی میں ہے کیونکہ تثنیہ ہے اور تثنیہ کا رفع الف کے ساتھ آتا ہے نصب اور جر یا کے ساتھ اگر وہ اس کو مستثنیٰ بناتا تو پھر مستثنیٰ تو منصوب ہوتا ہے کلامِ موجب کے اندر۔ کس میں؟ کلامِ موجب میں اور یہ بھی کلامِ موجب ہے بھئی یہاں نفی، نہی یا استفہام نہیں ہے اور إِلَّا کے بعد فَرْقَدَانِ آ رہا ہے اگر آپ اس کو مستثنیٰ بنانا چاہتے ہیں تو پھر وہ منصوب ہوگا آپ پڑھ چکے ہیں تو إِلَّا الْفَرْقَدَيْنِ ہونا چاہیے تھا اگر اس کو شاعر مستثنیٰ بناتا لیکن شاعر نے إِلَّا الْفَرْقَدَيْنِ نہیں کہا بلکہ إِلَّا الْفَرْقَدَانِ کہا ہے تو پھر اس صورت میں یہ صفت ہے كُلُّ أَخٍ کے لیے۔ معلوم ہوا استثنا ممکن ہو پھر بھی إِلَّا کو صفت بنایا جا سکتا ہے یہ کس کی بات چل

رہی ہے امام سیبویہ کی اور اکثر متاخرین کی بھئی۔

جبکہ صاحبِ کافیہ نے اس کو شاذ قرار دیا ہے کہ استثنا کے صحیح ہونے کے باوجود إِلَّا الْفَرْقَدَانِ جو ہے اس کو صفت بنانا یہ شاذ ہے قلیل ہے یعنی کلامِ عرب میں ایسا بڑا قلیل آیا ہے اور جو ضابطے بنائے جاتے ہیں وہ قلیل استعمالات پر نہیں بنائے جاتے بلکہ عام استعمالات کو دیکھا جاتا ہے۔ اور صاحبِ کافیہ فرماتے ہیں کہ اس شعر کے اندر دو اور شاذ چیزیں بھی ہیں۔ ایک تو یہ کہتے ہیں کہ یہ إِلَّا الْفَرْقَدَانِ کو کُلٌّ کی صفت بنایا ہے کُلٌّ مرفوع ہے تو إِلَّا الْفَرْقَدَانِ دیکھو یہ بھی کیا ہے مرفوع ہے۔ اگر یہ أَخٍ کی صفت ہوتی تو أَخٍ تو مجرور ہے إِلَّا الْفَرْقَدَيْنِ ہونا چاہیے تھا۔ توجہ ہے؟ تو کُلٌّ کے لیے إِلَّا الْفَرْقَدَانِ کو صفت بنایا اور یہ ضعیف ہے مشہور یہ ہے کہ اس کُلٌّ کا جو مضاف الیہ ہوتا ہے اس کی صفت لائی جاتی ہے کیونکہ کُلٌّ تو صرف شمول کا فائدہ دیتا ہے اور جو مضاف الیہ ہوتا ہے وہ مقصود ہوتا ہے اور اس کی میں نے مثال بھی قرآن سے ذکر کی تھی جیسے قرآن میں اللہ فرماتے ہیں وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَاءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ۔ تو دیکھو یہاں پر دیکھو كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ۔ كُلَّ تو ہے منصوب اور شَيْءٍ مجرور ہے اور آگے حَيٍّ یہ بھی مجرور لایا گیا معلوم ہوا یہ حَيٍّ شَيْءٍ کی صفت ہے کیونکہ موصوف صفت کا اعراب ایک ہوتا ہے تو دیکھو حَيٍّ کو كُلٌّ کی صفت نہیں بنایا گیا بلکہ اس کا جو مضاف الیہ ہے اس کی صفت بنایا گیا۔

تو اس شعر کے اندر إِلَّا الْفَرْقَدَانِ کو كُلٌّ کے لیے صفت بنایا گیا یہ بھی شاذ ہے بلکہ نیز موصوف صفت کے درمیان خبر کے ذریعے فصل کیا گیا دیکھو موصوف صفت کے درمیان مُفَارِقُهُ أَخُوهُ یہ خبر لائی گئی۔ توجہ ہے؟ میں نے ترکیب ذکر کی تھی كُلُّ أَخٍ ہے موصوف اور إِلَّا الْفَرْقَدَانِ اس کی صفت ہے موصوف صفت مل کر مبتدا اور اب مُفَارِقُهُ أَخُوهُ اس کی خبر ہے اور خبر کو درمیان میں لے آئے موصوف صفت کے حالانکہ یہ بھی کلامِ عرب میں نہایت قلیل ہے کہ موصوف صفت کے درمیان فصل کیا جائے۔ پھر یہاں اشکال ہوتا تھا کہ بھئی لَعَمْرُ أَبِيكَ اس کے ذریعے بھی تو فصل ہو گیا یہ بھی تو بیچ میں آرہا ہے اس کو صاحبِ کتاب نے کیوں نہیں ذکر کیا میں نے بتلایا تھا کہ یہ لَعَمْرُ أَبِيكَ یہ مبتدا ہے اور قَسَمِي، قَسَمْ مضاف یا ضمیر مضاف الیہ یہ خبر ہے اور اس خبر کا حذف کرنا واجب ہے کیونکہ مبتدا خبر کی بحث کے اندر مصنف نے آپ کو بتلایا تھا بعض مبتدا وہ ہیں جن کی خبر کا حذف کرنا واجب ہے ان میں سے ایک وہ مبتدا ہے جو مقسم بہ ہوتا ہے یعنی جس کی قسم اٹھائی جا رہی ہے اور آگے قَسَمْ جو ہوتی ہے وہ اس کی خبر ہوتی ہے تو لَعَمْرُ أَبِيكَ قَسَمِي یہ جملہ معترضہ ہے۔ جملہ معترضہ میں نے بتایا تھا جملہ معترضہ بھی کہتے ہیں اور جملہ اعتراضیہ بھی وہ جملہ جو دو متلازم چیزوں کے درمیان آئے دو ایسی چیزیں جو ایک دوسرے کے ساتھ لازم ہیں جیسے مبتدا خبر ہیں یہ ایک دوسرے کے ساتھ لازم ہیں موصوف صفت ایک دوسرے کے ساتھ لازم ہیں موصول صلہ ایک دوسرے کے ساتھ لازم ہیں شرط اور جزا ایک دوسرے کے ساتھ لازم ہیں قسم اور جوابِ قسم ایک دوسرے کے ساتھ لازم ہیں وغیرہ بھئی تو یا فعل اور فاعل ایک دوسرے کے ساتھ لازم ہیں تو ان کے درمیان میں کبھی کبھار کوئی جملہ لے آتے ہیں اس کو جملہ معترضہ کہتے ہیں۔ تو جملہ معترضہ کبھی کبھار کسی لفظ کی وضاحت کے لیے درمیان میں

لایا جاتا ہے کبھی کلام کی تاکید کے لیے اس کو ذکر کیا جاتا ہے کبھی کلام کو حسین بنانے کے لیے اس کو ذکر کیا جاتا ہے اور کبھی یہ دعا وغیرہ پر مشتمل ہوتا ہے۔ توجہ ہے؟ تو یہ آتا ہی دو متلازمین کے درمیان ہے لہٰذا اس کے ذریعے فصل وہ بھی لا فصل کی طرح ہے۔ کس کی طرح ہے؟ لا فصل کی طرح کیونکہ یہ آتا ہی دو متلازمین کے درمیان ہے لہٰذا اس لیے اس کو ذکر نہیں کیا صرف اتنا کہا کہ خبر کے ذریعے فصل کیا گیا ہے یہ نہیں کہا کہ جملہ معترضہ کے ذریعے فصل کیا گیا ہے بات سمجھ میں آگئی۔

اس کے بعد پھر آگے صاحبِ کافیہ نے آپ کو بتلایا تھا کہ سِوٰی اور سَوَاءٌ ان کے اوپر جب یہ استثنا کے لیے آئیں تو ان پر نصب ہوگا بوجہ ظرف ہونے کے۔ یہ جب استثنا کے لیے آتے ہیں تو یہ منصوب ہوں گے ظرف ہونے کی وجہ سے یعنی یہ مفعول فیہ بنتے ہیں اس وقت اور مفعول فیہ منصوب ہوتا ہے۔ تو امام سیبویہ فرماتے ہیں کہ جب بھی سِوٰی اور سَوَاءٌ توجہ ہے جب بھی سِوٰی اور سَوَاءٌ استثنا کے لیے آئیں گے تو پھر ان کے ساتھ نصب لازم ہے، نصب ان کے ساتھ لازم ہے کیونکہ یہ ہمیشہ اس وقت ظرف ہی بنیں گے ہاں اگر استثنا کے علاوہ اور مقام میں آئیں پھر ان کے موقع محل کے مطابق اعراب آئے گا جیسے سَوَاءٌ عَلَيْهِمْ أَأَنْذَرْتَهُمْ أَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ یہاں پر سَوَاءٌ دیکھو اس پر نصب نہیں ہے وجہ یہ کہ یہاں وہ خبر بن رہا ہے اور خبر مرفوع ہوتی ہے اور جو صاحبِ کافیہ ذکر فرما رہے ہیں یہ اس سِوٰی اور سَوَاءٌ کی بات کر رہے ہیں جو استثنا کے لیے آیا ہو تو استثنا کے لیے جب بھی سِوٰی اور سَوَاءٌ آئیں گے وہ منصوب ہوں گے امام سیبویہ کے نزدیک ظرف ہونے کی وجہ سے۔

جبکہ کوفہ والے نحوی فرماتے ہیں کہ جب سِوٰی اور سَوَاءٌ استثنا کے لیے آئیں تو ان کا ظرف ہونا لازمی نہیں بلکہ غَيْرٌ کی طرح ان پر رفع، نصب اور جر بھی آسکتا ہے۔ غَيْرٌ جب کس لیے آئے؟ استثنا کے لیے آئے۔ کس کے لیے؟ استثنا کے لیے جب آتا ہے تو آپ نے پڑھا ہے اس پر وہی اعراب آئے گا جو مستثنیٰ بِإِلَّا کا اعراب تھا تو اس صورت میں کبھی اس پر رفع آتا ہے کبھی نصب اور کبھی جر۔ تو جیسے غَيْرٌ یہ جب استثنا کے لیے آئے تو اس پر رفع، نصب یا جر کوئی بھی موقع محل کے مطابق کوئی بھی اعراب آسکتا ہے اسی طرح سِوٰی اور سَوَاءٌ جب استثنا کے لیے آئیں تو یہ ظرفیت سے نکل کر ان پر بھی رفع، نصب یا جر آسکتا ہے اور وہ دلیل کے طور پر شاعر کے اس قول کو ذکر کرتے ہیں شاعر کہتا ہے وَلَمْ يَبْقَ سِوَى الْعُدْوَانِ دِنَّاهُمْ كَمَا دَانُوْا۔ جب دشمنی کے علاوہ اور کوئی چیز باقی نہ رہی تو پھر ہم نے بھی ان کو ایسا ہی بدلہ دیا جیسا انہوں نے ہمارے ساتھ برتاؤ کیا تھا۔ توجہ ہے؟ تو مقامِ استشہاد ہے سِوَى الْعُدْوَانِ یہ جو سِوٰی ہے یہ لَمْ يَبْقَ کے لیے فاعل بن رہا ہے اور یہ استثنا کے لیے بھی ہے تو دیکھو یہ فاعل بن رہا ہے اور فاعل مرفوع ہوتا ہے تو معلوم ہوا یہاں سِوٰی کیا ہے مرفوع ہے باوجود اس کے کہ یہ استثنا کے لیے آیا ہے۔

پھر اس کے بعد صاحبِ جامی نے امام اخفش کی بات بھی ذکر کی اور فرمایا کہ امام اخفش کا گمان یہ ہے کہ جب کوفہ والے

سَوَاءٌ کو ظرفیت سے نکال دیتے ہیں تو بھی اس پر نصب ہی پڑھتے ہیں اس پر رفع کو ناپسند کرتے ہوئے۔ جب کوفہ والے سَوَاءٌ کو ظرفیت سے نکال دیں استثنا کے اندر تو بھی اس پر وہ نصب ہی پڑھتے ہیں اس کے رفع کو ناپسند کرتے ہوئے کہ چونکہ اکثر اس پر نصب آتا ہے تو بے شک کہیں پر کوئی اعراب دوسرا بھی آرہا ہو وہ اس پر پھر بھی نصب ہی پڑھتے ہیں۔ توجہ ہے؟ اور صاحبِ جامی نے امام اخفش کی بات کو زَعْم کے ساتھ ذکر کیا وَزَعَمَ الْأَخْفَشُ اور زَعْم کہتے ہیں خیال اور گمان کو، خیال اور گمان کو۔ محشی حضرات نے وجہ تو نہیں لکھی کہ یہ زَعَمَ کیوں ذکر کیا صاحبِ جامی نے لیکن شاید صاحبِ جامی امام اخفش کی رائے کے ساتھ متفق نہیں ہیں اسی لیے اس کو زَعَمَ کے ساتھ ذکر کیا کہ امام اخفش کا یہ خیال ہے یہ گمان ہے، معلوم ہوا یہ کوئی تحقیقی بات نہیں ہے ان کے پاس کوئی اس کی دلیل موجود نہیں ہے بھئی۔ بات سمجھ میں آگئی۔

اور پھر صاحبِ جامی نے یہ بھی بتلایا کہ اسی کے مثل اللہ تعالیٰ کا یہ قول بھی ہے لَقَدْ تَقَطَّعَ بَيْنَكُمْ۔ لَقَدْ تَقَطَّعَ بَيْنَكُمْ یعنی اس کے اندر بھی یہ بَيْنَكُمْ یہ فاعل ہے تَقَطَّعَ کے لیے اور فاعل مرفوع ہوتا ہے چنانچہ بعض روایات میں تَقَطَّعَ بَيْنُكُمْ بھی آیا ہے لیکن بعض قراتوں کے اندر تو نصب ہی آیا ہے بَيْنَكُمْ۔ تو اس میں پھر علماء جواب دیتے ہیں کہ یہ بَيْنَ جو ہے یہ کلامِ عرب میں اکثر اکثر ظرف واقع ہوتا ہے تو جب یہ ظرف واقع ہوتا ہے اس پر اکثر نصب آتا ہے تو لہٰذا اس کو اسی حالت پر برقرار رکھا گیا اس کے اندر رفع کو پسند نہیں کیا گیا تو اس پر نصب ہی برقرار رکھا گیا اگرچہ یہ فاعل ہے بھئی۔ تو یہ بھی اسی کی مثل ہو گیا جیسے امام اخفش نے کہا تھا کہ ظرف ہونے کی بنا پر یہ سَوَاءٌ کے اندر نصب غالب ہے لہٰذا اس کے اندر رفع ناپسندیدہ ہے تو یہ کسی اور مقام پر بھی آجائے تو اس پر نصب ہی پڑھیں گے۔ اسی کے مثل ہے اللہ تعالیٰ کا یہ قول بھی لَقَدْ تَقَطَّعَ بَيْنَكُمْ۔ یہ بَيْنَكُمْ اس میں نصب ہی کو برقرار رکھا گیا کیونکہ اکثر اوقات یہ منصوب ہوتا ہے۔

اور یہاں پر پھر میں نے آپ کو ایک اور بات بھی بتلائی تھی قیمتی بات کہ کبھی کبھار مستثنیٰ کو حذف بھی کر لیا جاتا ہے اور وہ وہ مستثنیٰ ہے جو إِلَّا اور غَيْرٌ کے بعد آئے ہر مستثنیٰ نہیں بلکہ کس کے بعد آئے إِلَّا اور غَيْرٌ کے بعد آئے لیکن شرط یہ ہے کہ اس إِلَّا یا غَيْرٌ سے پہلے لَيْسَ آنا چاہیے جَاءَنِيْ زَيْدٌ لَيْسَ إِلَّا یا جَاءَنِيْ زَيْدٌ لَيْسَ غَيْرُ یا لَيْسَ غَيْراً دونوں طرح پڑھنا جائز ہے بات سمجھ میں آگئی۔

اب آئیے آج کے سبق پر۔ کہتے ہیں خَبَرُ كَانَ وَأَخَوَاتِهَا وَسَتَعْرِفُهَا فِيْ قِسْمِ الْفِعْلِ إِنْ شَاءَ اللّٰهُ تَعَالٰى هُوَ الْمُسْنَدُ بَعْدَ دُخُوْلِهَا أَيْ دُخُوْلِ كَانَ أَوْ إِحْدٰى أَخَوَاتِهَا۔

آگے سبق دیکھیے بھئی خَبَرُ كَانَ وَأَخَوَاتِهَا وَسَتَعْرِفُهَا فِيْ قِسْمِ الْفِعْلِ إِنْ شَاءَ اللّٰهُ تَعَالٰى هُوَ الْمُسْنَدُ بَعْدَ دُخُوْلِهَا أَيْ دُخُوْلِ كَانَ أَوْ إِحْدٰى أَخَوَاتِهَا۔

بھئی پہلے متن متن دیکھ لیجیے خَبَرُ كَانَ وَأَخَوَاتِهَا هُوَ الْمُسْنَدُ بَعْدَ دُخُوْلِهَا۔ آج كَانَ کی خبر کا ذکر آیا بھئی منصوبات کی بحث چل رہی ہے اور مستثنیٰ کی بحث مکمل ہو گئی مستثنیٰ منصوبات میں سے بھئی اور اب كَانَ کی خبر ذکر کریں گے وہ بھی منصوبات

میں سے ہے آپ جانتے ہیں کہ کَانَ افعالِ ناقصہ میں سے ہے اس کا اسم مرفوع ہوتا ہے اور اس کی خبر منصوب ہوتی ہے کَانَ زَيْدٌ عَالِماً۔ یہ زَيْدٌ مرفوع ہے یہ کَانَ کا اسم ہے اور عَالِماً یہ منصوب ہے یہ کَانَ کی خبر ہے بھئی۔ تو کہتے ہیں خَبَرُ كَانَ وَأَخَوَاتِهَا، کَانَ اور اس کے اخوات کی خبر هُوَ الْمُسْنَدُ بَعْدَ دُخُوْلِهَا بھئی کَانَ کی خبر کسے کہتے ہیں اس کی تعریف کر رہے ہیں کہتے ہیں هُوَ الْمُسْنَدُ بَعْدَ دُخُوْلِهَا، کَانَ کی خبر وہ ہے جو مسند ہوتی ہے بَعْدَ دُخُوْلِهَا ان افعالِ ناقصہ کے داخل ہونے کے بعد هَا ضمیر راجع ہے کَانَ اور اس کے اخوات کو بھئی۔ تو کہتے ہیں کَانَ کی خبر جو ہے هُوَ الْمُسْنَدُ بَعْدَ دُخُوْلِهَا وہ کَانَ اور اس کے اخوات کے داخل ہونے کے بعد مسند ہوتی ہے۔

آگے متن دیکھیے مِثْلُ كَانَ زَيْدٌ قَائِماً بھئی جیسے کَانَ زَيْدٌ قَائِماً یہ قَائِماً یہ کَانَ کی خبر ہے۔ ترکیب کس طرح ہوگی دیکھو کَانَ فعل از افعالِ ناقصہ، زَيْدٌ مرفوع لفظاً اس کا اسم بھئی، مرفوع اس لیے کیونکہ یہ کَانَ کا اسم ہے اور کَانَ کا اسم مرفوع ہوتا ہے، قَائِماً منصوب لفظاً صیغہ اسمِ فاعل اور اسمِ فاعل کے لیے کیا چاہیے فاعل تو یہ قَائِماً منصوب ہے کیونکہ یہ کَانَ کی خبر ہے تو یہ اس کے اندر هُوَ ضمیر مرفوع محلاً اس کا فاعل بھئی اور وہ هُوَ ضمیر کس کی طرف راجع ہے کَانَ کے اسم کی طرف کیونکہ کَانَ کی خبر کو کَانَ کے اسم سے جوڑتے ہیں تو هُوَ ضمیر جو ہے زَيْدٌ کی طرف راجع ہے، هُوَ ضمیر کو کَانَ کی طرف نہ لوٹانا بھئی میں پہلے بھی ذکر کر چکا ہوں کہ حرف اور فعل کی طرف ضمیر نہیں لوٹتی بھئی۔ حرف اور فعل کی طرف ضمیر نہیں لوٹتی ضمیر اسم کی طرف لوٹتی ہے چنانچہ علمائے نحو جب دلائل ذکر کرتے ہیں کسی لفظ کے بارے میں پتہ نہ چل رہا ہو یہ اسم ہے یا حرف ہے یا فعل وغیرہ ہے تو پھر بعض اوقات اس قسم کی دلیل بھی وہ ذکر کرتے ہیں کہ دیکھو اس کی طرف یہ ضمیر لوٹ رہی ہے اور ضمیر تو صرف اسم کی طرف لوٹتی ہے یہ دلیل ہے اس بات کی کہ یہ اسم ہے بھئی۔ تو قَائِماً کے اندر هُوَ ضمیر ہے مرفوع محلاً یہ کَانَ کے اسم کی طرف راجع ہے کیونکہ کَانَ کی خبر کو کس سے جوڑتے ہیں کَانَ کے اسم سے تو قَائِماً اسمِ فاعل جو ہے اپنے فاعل سے مل کر شبہ جملہ ہو کر یہ کَانَ کی خبر، کَانَ اپنے اسم اور خبر سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہوا کیونکہ کَانَ فعل ہے بھئی اور جس جملے کے شروع میں فعل آئے اسے کیا کہتے ہیں جملہ فعلیہ تو یہ جملہ فعلیہ خبریہ ہوا۔

آگے دیکھیے بھئی متن متن وَأَمْرُهُ كَأَمْرِ خَبَرِ الْمُبْتَدَأِ اور کَانَ کی خبر کا جو معاملہ ہے كَأَمْرِ خَبَرِ الْمُبْتَدَأِ وہ بتدا کی خبر کے معاملے کی طرح ہے یعنی کَانَ کی خبر بتدا کی خبر کی طرح ہے یعنی جیسے بتدا کی خبر آپ نے پڑھا ہے کبھی مفرد ہوتی ہے کبھی جملہ اسی طرح کبھی کبھار خبر معرفہ ہوتی ہے کبھی نکرہ اسی طرح کبھی خبر ذکر ہوتی ہے بتدا کی کبھی اس کو حذف کرتے ہیں اسی طرح کبھی ایک خبر آتی ہے کبھی ایک سے زیادہ خبریں آتی ہیں تو جو حکم بتدا کی خبر کا تھا جو تفصیل بتدا کی خبر کے اندر تھی وہی ساری تفصیل کَانَ کی خبر میں بھی ہے تو کہتے ہیں وَأَمْرُهُ كَأَمْرِ خَبَرِ الْمُبْتَدَأِ اور کَانَ کی خبر کا معاملہ جو ہے وہ بتدا کی خبر کے معاملے کی طرح ہے۔

وَيَتَقَدَّمُ مَعْرِفَةً لیکن ایک فرق ہے وہ فرق بیان کرنے لگے ہیں کہتے ہیں وَيَتَقَدَّمُ مَعْرِفَةً لیکن كَانَ کی خبر يَتَقَدَّمُ مقدم ہو جاتی ہے مَعْرِفَةً معرفہ ہونے کی حالت میں، كَانَ کی خبر معرفہ ہو تو بھی وہ اپنے اسم پر مقدم ہو جاتی ہے۔ بھئی آپ نے پڑھا تھا، آپ نے پڑھا تھا کہ مبتدا میں اصل یہ ہے وہ معرفہ ہوتا ہے اور خبر میں اصل یہ ہے کہ وہ نکرہ ہوتی ہے لہٰذا آپ کے پاس دو لفظ ہوں اور ان دو لفظوں سے جملہ پورا ہو رہا ہو اور ان میں سے ایک معرفہ ہو اور ایک نکرہ ہو تو جو معرفہ ہو اس کو بنائیں مبتدا اور جو نکرہ ہے اس کو بنائیں خبر۔ آسان لفظوں میں مبتدا اسے کہتے ہیں جس کے بارے میں بات کی جائے اور خبر وہ جو بات کی جائے۔ زَيْدٌ عَالِمٌ دو لفظ ہیں ان میں سے زَيْدٌ جو ہے یہ معرفہ ہے علم ہے اور عَالِمٌ یہ نکرہ ہے تو زَيْدٌ کو بنائیں گے مبتدا اور عَالِمٌ کو بنائیں گے خبر۔ زید عالم ہے کس کے بارے میں بات کی؟ زید کے بارے میں تو زید ہوا مبتدا اور کیا بات کی کہ وہ عالم ہے تو یہ اس کی خبر ہوئی۔ لیکن کبھی کبھار مبتدا کی خبر معرفہ آجاتی ہے تو اب مبتدا خود بھی معرفہ اور آگے خبر بھی معرفہ آ گئی تو یاد رکھو صاحبِ کافیہ نے آپ کو بتلایا تھا کہ جب خبر بھی معرفہ آجائے تو پھر مبتدا کو مقدم کرنا واجب ہے جیسے زَيْدٌ عَالِمٌ، زید معرفہ تھا اور عَالِمٌ نکرہ یہ عَالِمٌ پر اگر آپ الف لام داخل کر دیں زَيْدٌ الْعَالِمُ تو اب خبر بھی معرفہ آگئی اور اس صورت میں مبتدا کو مقدم کرنا واجب ہے۔ توجہ ہے؟ وجہ یہ، وجہ یہ کہ دونوں معرفہ ہیں اب اگر آپ خبر کو مقدم کرنے کی اجازت دے دیں گے تو پھر اس صورت میں پتہ نہیں چلے گا کہ مبتدا کون ہے اور خبر کون مثلاً زَيْدٌ الْعَالِمُ، زید مقدم ہے تو زید کو ہم بنائیں گے مبتدا جس کے بارے میں بات کی گئی اور عَالِمُ جو ہے اس کو کیا بنائیں گے خبر۔ زَيْدٌ الْعَالِمُ اور یاد رکھو یہ جو خبر کو جب معرفہ لاتے ہیں تو یہ عموماً حصر کا فائدہ دیتی ہے کس کا؟ حصر کا فائدہ دیتی ہے اور عام طلبہ میں مشہور یہ ہے کہ پھر درمیان میں فصل، ضمیرِ فصل کا لانا واجب ہے لیکن یہ درست نہیں ہے میں پہلے بھی ذکر کر چکا بات سمجھ میں آگئی۔ زَيْدٌ الْعَالِمُ زید بھی معرفہ الْعَالِمُ بھی معرفہ تو بظاہر شبہ ہوتا ہے شاید یہ موصوف صفت ہیں تو درمیان میں پھر ایک فصل لے آتے ہیں ایک ضمیر جیسا صیغہ لے آتے ہیں اس کو فصل کہتے ہیں زَيْدٌ هُوَ الْعَالِمُ یہ هُوَ ضمیر بیچ میں آگئی تو اس نے بتا دیا کہ یہ زید اور عالم موصوف صفت نہیں ہیں کیونکہ موصوف صفت کے درمیان فصل نہیں کیا جاتا لیکن یہ لانا لازم نہیں ہے توجہ ہے؟ اس فصل کا لانا واجب نہیں ہے لیکن طلبہ میں یہی مشہور ہے کہ اس فصل کا لانا واجب ہے تو زَيْدٌ الْعَالِمُ جب خبر بھی معرفہ ہو جائے تو یہ کس چیز کا فائدہ دیتی ہے حصر کا اب ترجمہ کیا ہوگا زَيْدٌ الْعَالِمُ زید ہی عالم ہے، زید ہی عالم ہے مثلاً سننے والے کا خیال تھا کہ شاید زید اور عمرو دونوں عالم ہیں تو آپ کہتے ہیں زَيْدٌ الْعَالِمُ کہ زید ہی عالم ہے بھئی۔

تو مبتدا اور خبر جب دونوں معرفہ ہوں تو مبتدا کو مقدم کرنا اور خبر کو مؤخر رکھنا واجب ہے وجہ یہ کہ دونوں پر رفع آتا ہے مبتدا پر بھی رفع اور خبر پر بھی رفع۔ اب صرف مقدم ہونے سے ہی ہمیں پتہ چلے گا کہ یہ والا لفظ مبتدا ہے زَيْدٌ الْعَالِمُ زید بھی مرفوع الْعَالِمُ خبر بھی مرفوع تو صرف یہ جو زید کو مقدم کر دیا گیا اس نے ہمیں بتا دیا کہ یہ ہے مبتدا اور الْعَالِمُ ہے خبر۔ اس کے

بجائے اگر آپ الْعَالِمُ کو مقدم کریں گے الْعَالِمُ زَيْدٌ اور آپ کا ارادہ وہی ہے کہ زید ہے مبتدا اور الْعَالِمُ ہے خبر لیکن سننے والا تو یہی سمجھے گا کہ یہ جو الْعَالِمُ مقدم ہے یہی مبتدا ہے اور زید اس کی خبر ہے بات سمجھ میں آگئی تو معلوم ہوا مبتدا اور خبر جب دونوں معرفہ ہوں تو مبتدا کو مقدم کرنا واجب ہے لیکن اب آپ کو بتلا رہے ہیں وَيَتَقَدَّمُ مَعْرِفَةً کہ كَانَ کی خبر مقدم ہو جاتی ہے یعنی اپنے اسم پر مَعْرِفَةً معرفہ ہونے کی حالت میں۔ مبتدا کی خبر تو مبتدا پر مقدم نہیں ہو سکتی معرفہ ہونے کی حالت میں لیکن كَانَ کی خبر كَانَ کے اسم پر معرفہ ہونے کی حالت میں مقدم ہو سکتی ہے وجہ یہ کہ كَانَ کے اسم اور خبر کا اعراب الگ الگ ہوتا ہے كَانَ کا اسم مرفوع كَانَ کی خبر منصوب تو دونوں کا اعراب الگ الگ ہے اعراب سے پتہ چل جائے گا اگر آپ خبر کو مقدم بھی کر دیں گے لیکن اعراب بتلا دے گا کہ كَانَ کی خبر کون سی ہے اور كَانَ کا اسم کون سا ہے لیکن مبتدا اور خبر میں تو اعراب ایک جیسا ہوتا ہے تو وہاں پھر جگہ بدلیں گے تو پتہ نہیں چلے گا کہ مبتدا کیا ہے اور خبر کیا ہے۔ تو کہتے ہیں وَيَتَقَدَّمُ مَعْرِفَةً اور كَانَ کی خبر مقدم ہو جاتی ہے كَانَ کے اسم پر معرفہ ہونے کی حالت میں۔ یہاں تک بات سمجھ میں آگئی۔

اب آئیے اس کو شرح کے ساتھ دیکھیے کہتے ہیں خَبَرُ كَانَ وَأَخَوَاتِهَا منصوبات میں سے جو ہے كَانَ اور اس کے اخوات کی خبر ہے وَسَتَعْرِفُهَا فِيْ قِسْمِ الْفِعْلِ إِنْ شَاءَ اللّٰهُ تَعَالٰى بھئی كَانَ کا تو پتہ چل گیا كَانَ کو تو ذکر کر دیا لیکن اس کے اخوات کیا ہیں ہاں یعنی وہ باقی افعالِ ناقصہ کیا ہیں تو وہ آپ کو صاحبِ جامی بتلا رہے ہیں وَسَتَعْرِفُهَا عنقریب آپ جان لیں گے كَانَ کے اخوات کو فِيْ قِسْمِ الْفِعْلِ فعل کے قسم کے اندر إِنْ شَاءَ اللّٰهُ تَعَالٰى۔ کس کے اندر؟ فعل کے اندر آپ جان لیں گے ابھی اس وقت اسم کی بحث چل رہی ہے پھر آگے فعل کی بحث آئے گی اور اس کے اندر پھر آپ افعالِ ناقصہ کو جان لیں گے تو یہ سَتَعْرِفُهَا یہ هَا ضمیر کس کو راجع ہے یہ أَخَوَات کو راجع ہے توجہ ہے أَخَوَات کو تو کہتے ہیں وَسَتَعْرِفُهَا فِيْ قِسْمِ الْفِعْلِ إِنْ شَاءَ اللّٰهُ تَعَالٰى اور كَانَ کی جو اخوات ہیں ان کو آپ فعل کی قسم کے اندر ان شاء اللہ تعالیٰ جان لیں گے هُوَ الْمُسْنَدُ بَعْدَ دُخُوْلِهَا۔

تو کہتے ہیں هُوَ الْمُسْنَدُ بَعْدَ دُخُوْلِهَا، كَانَ کی خبر مسند ہوتی ہے ان کے داخل ہونے کے بعد، ان کے كَانَ اور اس کے اخوات کے داخل ہونے کے بعد کہتے ہیں أَيْ دُخُوْلِ كَانَ أَوْ إِحْدٰى أَخَوَاتِهَا۔ بھئی دیکھیے متن میں آیا هُوَ الْمُسْنَدُ بَعْدَ دُخُوْلِهَا کہ كَانَ کی خبر جو ہے وہ مسند ہوتی ہے كَانَ اور اس کے اخوات کے داخل ہونے کے بعد۔ آگے صاحبِ جامی فرما رہے ہیں أَيْ دُخُوْلِ كَانَ أَوْ إِحْدٰى أَخَوَاتِهَا یہ اعتراض کا جواب دے رہے ہیں۔ اعتراض یہ ہوتا ہے کہ آپ کی اس تعریف سے معلوم ہوا کہ كَانَ کی خبر هُوَ الْمُسْنَدُ وہ مسند ہوتی ہے بَعْدَ دُخُوْلِهَا کس کے داخل ہونے کے بعد كَانَ اور اس کے اخوات کے داخل ہونے کے بعد اس کا مطلب ہے كَانَ کی خبر پر كَانَ بھی داخل ہونا چاہیے اور اس کی ساری اخوات بھی داخل ہونی چاہئیں پھر اس کے بعد اس کو كَانَ کی خبر کہیں گے ویسے نہیں۔ توجہ ہے كَانَ زَيْدٌ قَائِماً اب یہ قَائِماً پر صرف کیا داخل ہے كَانَ اور یہ کیا ہے كَانَ کی خبر لیکن آپ نے تعریف کیا کر دی کہ كَانَ کی خبر مسند ہوتی ہے بَعْدَ دُخُوْلِهَا كَانَ اور اس کے اخوات کے

داخل ہونے کے بعد معلوم ہوا کَانَ کو بھی داخل ہونا چاہیے اور اس کے اخوات کو بھی داخل ہونا چاہیے پھر اس کو کَانَ کی خبر کہیں گے اور کَانَ زَیْدٌ قَائِماً اس پر تو صرف کَانَ داخل ہے باقی اخوات تو داخل ہی نہیں لہٰذا اس کو کَانَ کی خبر نہیں کہنا چاہیے۔ اعتراض سمجھ میں آیا؟ تو صاحبِ جامی جواب دیں گے کہ نہیں بھئی یہ کلام کا یہ معنیٰ نہیں ہے کہ کَانَ اور اس کے اخوات سب کا داخل ہونا ضروری ہے کَانَ کی خبر پر بلکہ معنیٰ یہ ہے کہ کَانَ یا اس کے اخوات میں سے کسی ایک کے داخل ہونے کے بعد وہ خبر کیا ہوگی مسند ہوگی۔ أَيْ دُخُوْلِ كَانَ أَوْ إِحْدٰى أَخَوَاتِهَا یعنی کَانَ کا داخل ہونا یا إِحْدٰى أَخَوَاتِهَا اس کَانَ کی اخوات میں سے کسی ایک کے داخل ہونے کے بعد خبر مسند ہوگی توجہ ہے کیا آیا هُوَ الْمُسْنَدُ بَعْدَ دُخُوْلِهَا، کَانَ کی خبر مسند ہوتی ہے کَانَ یا اس کے اخوات میں سے کسی ایک کے داخل ہونے کے بعد۔

وَالْمُرَادُ بِبَعْدِيَّةِ الْمُسْنَدِ لِدُخُوْلِهَا أَنْ يَكُوْنَ إِسْنَادُهُ إِلَى اسْمِهَا اچھا یہ ایک اعتراض کا جواب دینے لگے ہیں اعتراض یہ کہ دیکھیے ذرا یہ دو سطروں کے بعد آرہا ہے کَانَ زَیْدٌ أَبُوْهُ قَائِمٌ مل گئی مثال کَانَ زَیْدٌ أَبُوْهُ قَائِمٌ ذرا اس کی ترکیب کر لیجیے پھر اشکال آپ کو سمجھ میں آئے گا۔ کَانَ فعل از افعالِ ناقصہ، زَیْدٌ مرفوع لفظاً اس کا اسم اور یہ أَبُوْهُ قَائِمٌ جو ہے یہ پورا جملہ ہے أَبُوْهُ قَائِمٌ یہ پورا جملہ ہے اور یہ پورا جملہ مل کر کَانَ کی خبر بن رہا ہے اور جملہ تو دو ہی قسم پر ہے یا جملہ اسمیہ ہوگا یا جملہ فعلیہ تو یہ جملہ اسمیہ ہے اور جملہ اسمیہ کے اندر ایک بتدا ہوتا ہے اور ایک خبر اور اگر دو لفظ ہوں آپ کے پاس ایک معرفہ ہو ایک نکرہ ہو تو کس کو بتدا بناتے ہیں معرفہ کو تو أَبُوْهُ یہ أَبُوْ مضاف ہے اور هُ ضمیر مضاف الیہ ہے اور معرفہ کی طرف جو مضاف ہو جائے وہ بھی کیا بن جاتا ہے معرفہ تو یہ ہے بتدا۔ توجہ ہے؟ تو أَبُوْ مرفوع لفظاً مضاف، مرفوع کیوں؟ کیونکہ بتدا ہے اور مضاف ہے کیونکہ اس کے ساتھ ضمیرِ متصل آرہی ہے اور میں نے بتلایا تھا کہ جس اسم کے ساتھ بھی ضمیرِ متصل آئے تو وہ آپس میں مضاف مضاف الیہ بنتے ہیں، هُ ضمیر مجرور محلاً مضاف الیہ، مجرور کیوں؟ کیونکہ مضاف الیہ ہے اور محلاً کیوں؟ کیونکہ ضمیر ہے مبنیات میں سے ہے اور یہ ضمیر راجع ہے زَیْدٌ کو یعنی کَانَ کے اسم کو اور اس ضمیر نے ربط دے دیا آپ نے پڑھا ہے جب بھی جملہ خبر واقع ہو تو اس کو ربط کے لیے اس میں عائد کا ہونا ضروری ہے اور عائد عموماً غائب کی ضمیر ہوتی ہے تو یہ ربط آگیا تو أَبُوْهُ مضاف مضاف الیہ مل کر یہ ہوا بتدا اور قَائِمٌ مرفوع لفظاً صیغہ اسمِ فاعل یہ کیوں مرفوع ہے؟ کیونکہ یہ أَبُوْهُ کی خبر ہے کَانَ کی خبر نہیں ہے بلکہ یہ أَبُوْهُ کی یعنی بتدا کی خبر ہے۔ توجہ ہے؟ یہ کَانَ کی خبر نہیں اگر کَانَ کی خبر ہوتی تو کَانَ کی خبر تو منصوب ہوتی ہے لیکن یہ قَائِمٌ مرفوع ہے یہ بتدا کی خبر ہے تو قَائِمٌ مرفوع لفظاً صیغہ اسمِ فاعل اس کے اندر هُوَ ضمیر مرفوع محلاً اس کا فاعل اور وہ ضمیر کس کو راجع؟ ہاں أَبُوْهُ کو راجع ہے یہ أَبُوْهُ کی خبر ہے تو اس خبر کو اس بتدا کے ساتھ جوڑنا ہے تو قَائِمٌ کے اندر هُوَ ضمیر مرفوع محلاً اس کا فاعل جو کس کو راجع أَبُوْهُ کو تو اسمِ فاعل اپنے فاعل سے مل کر شبہ جملہ ہو کر یہ بتدا کی خبر تو أَبُوْهُ بتدا اپنی خبر سے مل کر جملہ اسمیہ ہو کر یہ خبر ہوئی کَانَ کی، یہ خبر ہوئی کَانَ کی تو اس پورے جملے کا اسناد ہو رہا ہے زَیْدٌ کی طرف۔ کَانَ کا اسم کیا؟ زَیْدٌ اور کَانَ کی خبر کیا؟ أَبُوْهُ قَائِمٌ پورا جملہ۔ پہلے وہ جملہ بنا اس کے اندر بتدا خبر تھے ان

کو آپس میں جوڑ دیا جب پورا جملہ بن گیا اب اس پورے جملے کا اسناد کر دیا کس کی طرف زَیْدٌ یعنی کَانَ کے اسم کی طرف۔ تو کَانَ کی خبر قَائِمٌ ہے یا أَبُوْہُ قَائِمٌ ہے؟ أَبُوْہُ قَائِمٌ پورا جملہ یہ کَانَ کی خبر ہے تو یہ خبر ہوئی کَانَ کے لیے اور کَانَ کی خبر منصوب ہوتی ہے تو یہ أَبُوْہُ قَائِمٌ یہ پورا جملہ محلاً منصوب ہے کیونکہ جملہ مبنیات میں سے ہے بات سمجھ میں آگئی۔ تو کَانَ اپنے اسم اور خبر سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہوا کَانَ زَیْدٌ أَبُوْہُ قَائِمٌ زید کہ أَبُوْہُ قَائِمٌ اس کا باپ کھڑا تھا ترجمہ سمجھ میں آرہا ہے؟ کَانَ کی وجہ سے ماضی کا ترجمہ ہو جائے گا کَانَ زَیْدٌ زید کہ أَبُوْہُ قَائِمٌ اس کا باپ کھڑا تھا یعنی زید کا باپ کھڑا تھا معنیٰ سمجھ میں آگیا۔

اب اشکال یہاں یہ ہوتا ہے کہ کَانَ کی خبر کی انہوں نے تعریف کی، کیا تعریف کی؟ ھُوَ الْمُسْنَدُ بَعْدَ دُخُوْلِھَا کَانَ کی خبر کَانَ کے داخل ہونے کے بعد مسند ہوتی ہے تو اشکال یہ ہوتا ہے کہ یہ کَانَ کی جو تعریف ہے یہ دخولِ غیر سے مانع نہیں، تعریف تو ایسی ہونی چاہیے جو جامع ہو اور مانع ہو کوئی غیر اس کے اندر داخل نہ ہو سکے اور کوئی اپنا فرد اس سے باہر نہ رہے بھئی تو یہاں پر یہ قَائِمٌ جو ہے اس پر کَانَ کی خبر کی تعریف صادق آرہی ہے۔ توجہ ہے؟ کس طرح صادق آرہی ہے دیکھو أَبُوْہُ قَائِمٌ، أَبُوْہُ کو کیا بنایا؟ مبتدا۔ قَائِمٌ کو کیا بنایا؟ اس مبتدا کی خبر اور خبر کیا ہوتی ہے مسند، کیا ہوتی ہے مسند تو لہٰذا دیکھو اب کَانَ زَیْدٌ أَبُوْہُ قَائِمٌ اس کے اندر یہ جو قَائِمٌ آرہا ہے کَانَ کے داخل ہونے کے بعد یہ مسند ہے اور کَانَ کے داخل ہونے کے بعد جو مسند ہو اس کو کیا کہتے ہیں کَانَ کی خبر تو اس کو بھی کَانَ کی خبر کہنا چاہیے لیکن کیا صرف قَائِمٌ یہ کَانَ کی خبر ہے؟ نہیں، کَانَ کی خبر تو کیا ہے أَبُوْہُ قَائِمٌ پورا جملہ ہے صرف قَائِمٌ نہیں۔ تو اعتراض سمجھ میں آیا انہوں نے کیا کہا کَانَ کی خبر کَانَ کے داخل ہونے کے بعد مسند ہوتی ہے یہاں پر بھی کَانَ داخل ہوا اور کَانَ کے داخل ہونے کے بعد قَائِمٌ مسند ہے اور أَبُوْہُ مسند الیہ ہے اس کے لیے لیکن بہرحال یہ بات مسند کی چل رہی ہے خبر کی چل رہی ہے تو قَائِمٌ کَانَ کے داخل ہونے کے بعد مسند ہے لہٰذا اس کو بھی کیا کہنا چاہیے کَانَ کی خبر کیونکہ آپ نے ہمیں کیا بتایا کَانَ کی خبر کَانَ کے داخل ہونے کے بعد مسند ہوتی ہے تو یہ بھی تعریف اس پر صادق آرہی ہے لیکن یہ کَانَ کی خبر نہیں، کَانَ کی خبر تو أَبُوْہُ قَائِمٌ ہے تو آپ کی تعریف دخولِ غیر سے مانع نہیں آپ تعریف کر رہے تھے کَانَ کی خبر کی اور اس کے اندر یہ والا قَائِمٌ داخل ہو گیا حالانکہ یہ تو بالاتفاق کَانَ کی خبر نہیں ہے۔ اعتراض سمجھ میں آیا؟

جی اسی طرح دیکھیے، اسی طرح دیکھیے اس سے ایک دو لفظ ماقبل ایک اور مثال ہے کَانَ زَیْدٌ یَضْرِبُ أَبُوْہُ یہاں بھی اسی طرح ہے کَانَ فعل از افعالِ ناقصہ، زَیْدٌ مرفوع لفظاً یہ کَانَ کا اسم اور آگے یَضْرِبُ أَبُوْہُ پورا جملہ آرہا ہے اور یہ پورا جملہ کَانَ کی خبر ہے یَضْرِبُ أَبُوْہُ پورا جملہ یہ کَانَ کی خبر ہے تو اس کے اندر دیکھو یَضْرِبُ فعل، فعل اور فعل کے لیے کیا چاہیے فاعل تو أَبُوْہُ اس کے اندر یہ أَبُوْ مرفوع لفظاً مضاف، مرفوع کیوں؟ کیونکہ یہ فاعل ہے یَضْرِبُ کے لیے اور ہٗ ضمیر مجرور محلاً مضاف الیہ مضاف اپنے مضاف الیہ سے مل کر یہ فاعل ہوا یَضْرِبُ کے لیے اور یہ أَبُوْہُ کی ہٗ ضمیر راجع ہے کَانَ کے اسم زَیْدٌ کی طرف تو اس نے ربط دے دیا تو یَضْرِبُ فعل اپنے فاعل سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر یہ کَانَ کی خبر ہوئی تو معلوم ہوا کَانَ کی خبر کیا ہے صرف یَضْرِبُ ہے یا یَضْرِبُ أَبُوْہُ ہے؟ یَضْرِبُ أَبُوْہُ پورا جملہ ہے اور اس جملے کے اندر دیکھو یہ جو فعل ہوتا

ہے یہ ہوتا ہے مسند اور فاعل کیا ہوتا ہے مسند الیہ تو اب یہ یَضْرِبُ ہے اس پر تعریف صادق آرہی ہے آپ نے ہمیں کیا بتایا کَانَ کی خبر کیا ہوتی ہے کَانَ کے داخل ہونے کے بعد مسند ہوتی ہے یہ یَضْرِبُ بھی کَانَ کے داخل ہونے کے بعد مسند ہے اس کو کَانَ کی خبر کہنا چاہیے لیکن یہ اکیلا کَانَ کی خبر نہیں کَانَ کی خبر یَضْرِبُ أَبُوْہُ پورا جملہ ہے تو آپ نے جو کَانَ کی خبر کی تعریف کی وہ دخولِ غیر سے مانع نہیں اس کے اندر یہ والا یَضْرِبُ بھی داخل ہوا حالانکہ یہ کَانَ کی خبر نہیں کَانَ کی خبر یَضْرِبُ أَبُوْہُ پورا جملہ ہے اور نیز اس تعریف کے اندر کَانَ زَیْدٌ أَبُوْہُ قَائِمٌ یہ قَائِمٌ بھی داخل ہو گیا کیونکہ یہ بھی مسند ہے لیکن یہ بھی کَانَ کی خبر نہیں ہے بھئی بات سمجھ میں آگئی۔

پھر سنو پھر سنو توجہ سے سنو باریک سی بات ہے کَانَ کی خبر مسند ہوتی ہے کَانَ کے داخل ہونے کے بعد اس پر اشکال ہوا کہ کَانَ زَیْدٌ یَضْرِبُ أَبُوْہُ یہ یَضْرِبُ بھی مسند ہے کَانَ کے داخل ہونے کے بعد اسے بھی کَانَ کی خبر کہنا چاہیے لیکن یہ کَانَ کی خبر نہیں اسی طرح کَانَ زَیْدٌ أَبُوْہُ قَائِمٌ یہ قَائِمٌ بھی کَانَ کے داخل ہونے کے بعد مسند ہے اس کو بھی کَانَ کی خبر کہنا چاہیے لیکن یہ کَانَ کی خبر نہیں تو جواب دے رہے ہیں صاحبِ جامی کہ بھئی کَانَ کے داخل ہونے کے بعد مسند ہونے کا مطلب یہ ہے کہ کَانَ کے داخل ہونے کے بعد اس کا اسناد ہونا چاہیے پہلے سے اسناد نہیں ہونا چاہیے۔ کَانَ کے داخل ہونے کے بعد اسناد ہونا چاہیے یعنی اس کے اسم کی طرف، اسناد کس کی طرف ہو؟ کَانَ کی خبر کا اسناد ہو کس کی طرف کَانَ کے اسم کی طرف یہ کَانَ کے داخل ہونے کے بعد ہونا چاہیے اور یہ تب ہی ہوگا جب پہلے یہ تو طے ہو جائے کہ کَانَ کا اسم کیا ہے اور کَانَ کی خبر کیا ہے تو کَانَ کی خبر کا اسناد ہوتا ہے کَانَ کے اسم کی طرف لیکن یہ اس کے بعد ہی ہوگا جب پہلے یہ طے تو ہو جائے یہ متعین تو ہو جائے کَانَ کا اسم کیا ہے اور کَانَ کی خبر کیا ہے جب اسم بھی متعین ہو جائے گا خبر بھی متعین ہو جائے گی تو اس کے بعد پھر خبر کا اسناد ہو جائے گا کس کی طرف کَانَ کے اسم کی طرف۔ توجہ ہے؟ جبکہ یَضْرِبُ أَبُوْہُ یہ جو یَضْرِبُ کا اسناد ہو رہا ہے أَبُوْہُ کی طرف یہ تو کَانَ کی خبر بننے سے پہلے ہی ہے یہ جو یَضْرِبُ کا اسناد ہے دیکھو پھر سنو دیکھو مثلاً آپ، آپ کَانَ لے آئے پہلے پھر اس کے بعد کَانَ کا اسم کیا لے آئے زَیْدٌ اس کو کیا بنایا کَانَ کا اسم پھر یَضْرِبُ أَبُوْہُ آپ پورا جملہ لے آئے اس پورے جملے کو آپ نے کیا بنایا کَانَ کی خبر اور جو کَانَ کی خبر ہے اس کا اسناد کس کی طرف ہوتا ہے تو اب اس پورے جملے کا اسناد ہو گیا زَیْدٌ کی طرف اور وہ جو اس جملے کے اندر ایک اسناد پہلے سے موجود تھا یَضْرِبُ کا اسناد تھا کس کی طرف أَبُوْہُ کی طرف وہ اسناد تو کَانَ کے داخل ہونے سے پہلے موجود تھا اور ہم نے کیا کہا وہ اسناد کَانَ کے داخل ہونے کے بعد ہونا چاہیے بھئی بات سمجھ میں آگئی۔ اسی طرح کَانَ زَیْدٌ أَبُوْہُ قَائِمٌ ہم کَانَ لے آئے زَیْدٌ کو کَانَ کے لیے کیا بنایا اسم آگے أَبُوْہُ قَائِمٌ پورا جملہ اب ہم اس کو کیا بنانا چاہتے ہیں کَانَ کی خبر تو یہ ہم کَانَ کی خبر بنائی تو اس پورے جملے کا اسناد کس کی طرف ہو گیا زَیْدٌ کی طرف تو دیکھو پہلے أَبُوْہُ قَائِمٌ متعین ہوا کہ یہ ہے کَانَ کی خبر پھر اس کا اسناد ہوا کس کی طرف کَانَ کے اسم کی طرف تو یہ اسناد کَانَ کے داخل ہونے کے بعد آیا ہے اور وہ جو أَبُوْہُ قَائِمٌ کے اندر خود اسناد تھا أَبُوْہُ بتدا تھا اور قَائِمٌ

کا اس کی طرف اسناد تھا وہ اسناد تو کَانَ کے داخل ہونے سے پہلے تھا بھئی لہٰذا یہ تعریف میں داخل نہیں کیونکہ ہم نے کیا کہا کَانَ کی خبر وہ ہے جو مسند ہو یعنی اس کا اسناد کیا جائے بَعْدَ دُخُوْلِهَا ان افعال کے داخل ہونے کے بعد اسناد ہونا چاہیے بھئی بات سمجھ میں آگئی۔

اب دیکھیے اسی کو صاحبِ جامی بیان کریں گے کہتے ہیں وَالْمُرَادُ بِبَعْدِيَّةِ الْمُسْنَدِ لِدُخُوْلِهَا، بَعْدِيَّة بعد میں ہونا میں نے بتایا تھا کسی اسم سے مصدر بنانا ہو تو اس کے آخر میں یائے مشدد اور گول تا جوڑ دیتے ہیں تو بَعْدِيَّة کا کیا معنیٰ بعد میں ہونا تو کہتے ہیں وَالْمُرَادُ بِبَعْدِيَّةِ الْمُسْنَدِ اور مسند کا بعد میں ہونے سے مراد یہ ہے مسند کا بعد میں ہونا لِدُخُوْلِهَا، کَانَ کے داخل ہونے سے دیکھیے بَعْدِيَّة کا کیا معنیٰ بعد میں ہونا بِبَعْدِيَّةِ الْمُسْنَدِ مسند کا بعد میں ہونا یعنی بعد میں مسند ہو پہلے مسند نہ ہو کس کے بعد میں ہونا لِدُخُوْلِهَا، کَانَ کے داخل ہونے کے تو مسند کا کَانَ کے داخل ہونے کے بعد ہونے کا مطلب یہ ہے، توجہ ہے؟ معنیٰ سمجھ میں آگیا۔ تو کہتے ہیں وَالْمُرَادُ بِبَعْدِيَّةِ الْمُسْنَدِ لِدُخُوْلِهَا اور مسند کا کَانَ کے داخل ہونے کے بعد ہونے سے مراد جو ہے وہ یہ ہے کہ أَنْ يَكُوْنَ إِسْنَادُهُ إِلَى اسْمِهَا کہ کَانَ کی خبر کا اسناد جو ہے اس کے اسم کی طرف وَاقِعاً بَعْدَ دُخُوْلِهَا وہ اس کَانَ کے داخل ہونے کے بعد ہو، کس پر داخل ہونے کے بعد؟ عَلَى اسْمِهَا وَخَبَرِهَا کَانَ کے اسم اور خبر پر۔ کَانَ کے اسم اور خبر پر کَانَ کے داخل ہونے کے بعد وہ اسناد ہونا چاہیے۔ کس کے بعد؟ کَانَ کے اسم اور خبر پر کَانَ کے داخل ہونے کے بعد وہ اسناد ہونا چاہیے بات سمجھ میں آگئی۔ پھر ترجمہ دیکھیے کہتے ہیں وَالْمُرَادُ بِبَعْدِيَّةِ الْمُسْنَدِ لِدُخُوْلِهَا اور مسند کا کَانَ کے داخل ہونے کے بعد میں ہونا اس سے مراد یہ ہے کہ أَنْ يَكُوْنَ إِسْنَادُهُ إِلَى اسْمِهَا کہ کَانَ کی خبر کا اسناد جو ہے کَانَ کے اسم کی طرف وَاقِعاً بَعْدَ دُخُوْلِهَا عَلَى اسْمِهَا وَخَبَرِهَا یہ اسناد واقع ہو بَعْدَ دُخُوْلِهَا بعد اس کے کہ جب کَانَ یا اس کے اخوات داخل ہو جائیں عَلَى اسْمِهَا وَخَبَرِهَا اپنے اسم اور خبر پر بات سمجھ میں آگئی۔ تو حاصل کیا ہوا انہوں نے کیا کہا کَانَ کی خبر کَانَ کے داخل ہونے کے بعد مسند ہوتی ہے یہ بعد میں ہونے کا کیا مطلب ہے مسند بعد میں ہوگا معنیٰ یہ ہے کہ یہ اسناد کَانَ کے داخل ہونے کے بعد آئے گا کَانَ کی خبر کا اسناد کَانَ کے اسم کی طرف۔

کہتے ہیں وَلَا شَكَّ اور اس بات میں کوئی شک نہیں ہے أَنَّ ذٰلِكَ إِنَّمَا يُتَصَوَّرُ کہ اس کا تصور کیا جا سکتا ہے بَعْدَ تَقَرُّرِ الِاسْمِ وَالْخَبَرِ، تَقَرُّر کا معنیٰ ہے طے ہونا متعین ہونا اسم اور خبر کے متعین ہونے کے بعد۔ توجہ ہے؟ انہوں نے کیا کہا کَانَ کی خبر کا اسناد ہوتا ہے کس کی طرف کَانَ کے اسم کی طرف کہتے ہیں یہ اس کے بعد ہی ہو سکتا ہے نا پہلے یہ تو طے ہو جائے یہ ہے کَانَ کا اسم اور یہ ہے کَانَ کی خبر پھر خبر کا اسناد ہو سکتا ہے کس کی طرف کَانَ کے اسم کی طرف اگر ابھی یہ کَانَ کا اسم نہیں اور وہ کَانَ کی خبر نہیں تو یہ اس سے پہلے تو اسناد نہیں ہو سکتا انہوں نے کیا کہا کَانَ کی خبر کا اسناد ہوگا کس کی طرف کَانَ کے اسم کی طرف یہ تب ہی ہوگا جب پہلے تو یہ طے تو ہو جائے یہ ہے کَانَ کا اسم اور یہ ہے کَانَ کی خبر تو جب اب طے ہو گیا یہ کَانَ کا اسم ہے یہ خبر ہے پھر ہی خبر کا اسناد کس کی طرف ہو سکتا ہے؟ پھر ہی کَانَ کی خبر کا اسناد ہو سکتا ہے کَانَ کے اسم

کی طرف اگر یہ ابھی متعین ہی نہیں ہے یہ كَانَ کا اسم ہے اور یہ خبر ہے تو پھر تو دو لفظوں کا آپس میں اسناد تو آپ کہہ سکتے ہیں کہ ان دو لفظوں میں اسناد ہے لیکن یہ تو نہیں کہہ سکتے كَانَ کی خبر کا اسناد ہے کس کی طرف كَانَ کے، كَانَ کا اسم یا كَانَ کی خبر تب ہی کہیں گے جب پہلے یہ متعین ہو جائیں کہ یہ كَانَ کا اسم ہے اور یہ كَانَ کی خبر ہے بات سمجھ میں آگئی۔ تو کہتے ہیں وَلَا شَكَّ أَنَّ ذٰلِكَ إِنَّمَا يُتَصَوَّرُ بَعْدَ تَقَرُّرِ الِاسْمِ وَالْخَبَرِ اور اس بات میں کوئی شک نہیں ہے کہ اس کا تصور جو ہے كَانَ کے اسم اور خبر کے متعین ہو جانے کے بعد ہی ہو سکتا ہے کہ كَانَ کی خبر کا اسناد کس کی طرف کیا جائے كَانَ کے اسم کی طرف یہ کب ہو سکتا ہے جب پہلے یہ تو طے ہو جائے یہ ہے كَانَ کا اسم اور یہ ہے كَانَ کی خبر پھر ہی كَانَ کی خبر کا اسناد كَانَ کے اسم کی طرف ہو سکتا ہے۔

کہتے ہیں فَالْإِسْنَادُ الْوَاقِعُ بَيْنَ أَجْزَاءِ الْخَبَرِ الْمُقَدَّمُ عَلٰى تَقَرُّرِهِ لَا يَكُوْنُ بَعْدَ دُخُوْلِهَا بَلْ يَكُوْنُ قَبْلَهُ۔ فَالْإِسْنَادُ الْوَاقِعُ، الْإِسْنَادُ ہے موصوف الْوَاقِعُ بَيْنَ أَجْزَاءِ الْخَبَرِ یہ ہے اس کی صفت۔ الْوَاقِعُ بَيْنَ أَجْزَاءِ الْخَبَرِ یہ ہے إِسْنَاد کے لیے صفتِ اول اور الْمُقَدَّمُ عَلٰى تَقَرُّرِهِ یہ ہے صفتِ ثانی اور صفت پر وہی اعراب آتا ہے جو موصوف پر ہو تو الْإِسْنَادُ مرفوع ہے بتدا ہے تو الْوَاقِعُ پر بھی رفع پڑھنا اور الْمُقَدَّمُ پر بھی رفع پڑھنا۔ توجہ ہے؟ تو کہتے ہیں فَالْإِسْنَادُ الْوَاقِعُ بَيْنَ أَجْزَاءِ الْخَبَرِ تو پس وہ اسناد جو خبر کے اجزا کے بیچ میں ہے، وہ اسناد جو خبر کے اجزا کے بیچ میں ہے یعنی أَبُوْهُ اور قَائِمٌ کے بیچ میں جو اسناد ہے الْمُقَدَّمُ عَلٰى تَقَرُّرِهِ جو مقدم ہے عَلٰى تَقَرُّرِهِ خبر کے متعین ہونے پر۔ توجہ ہے؟ آپ کس کو خبر بنانا چاہتے ہیں ادھر دیکھیے آپ خبر کس کو بنانا چاہتے ہیں أَبُوْهُ قَائِمٌ اس سارے کو، یہ پورے جملے کو آپ خبر بنانا چاہتے ہیں یہ پورا جملہ ہے تو اس کے اندر تو پہلے سے اسناد آچکا ہے ابھی كَانَ بھی داخل نہیں ہوا ابھی آپ اس کو طے کر رہے ہیں کہ یہ بنائیں گے خبر تو ان کے اندر جو اسناد ہے وہ تو كَانَ کے داخل ہونے سے پہلے ہی آچکا ہے تو یہ اسناد جو خبر کے اجزا میں آیا ہے خبر کیا ہے أَبُوْهُ قَائِمٌ یہ أَبُوْهُ قَائِمٌ خبر کے اجزا ہیں نا بتدا خبر مل کر خبر بنیں گے تو یہ خبر کے اجزا تو خبر کے اجزا کے اندر جو اسناد آرہا ہے یہ تو خبر بننے سے پہلے ہی ہے یہ تو ابھی كَانَ کی خبر نہیں بنی پہلے اس کے اندر اسناد موجود ہے اور ہم نے کیا کہا وہ اسناد خبر بننے کے بعد كَانَ کے اسم کی طرف ہونا چاہیے۔ نہیں سمجھ میں آرہی بات؟ بھئی دیکھو اشکال یہ ہوتا ہے کہ كَانَ زَيْدٌ أَبُوْهُ قَائِمٌ یہ أَبُوْهُ قَائِمٌ پورا جملہ ہے یہ خبر ہے كَانَ کی اور كَانَ کی خبر کی کیا تعریف کی کہ كَانَ کی خبر مسند ہوتی ہے كَانَ کے داخل ہونے کے بعد تو یہ أَبُوْهُ قَائِمٌ یہ پورا جملہ خبر ہے لیکن اس جملے کے اندر ایک بتدا ہے ایک خبر ہے اور خبر کا اسناد ہو رہا ہے کس کی طرف بتدا کی طرف تو اب اس جملے کے اندر یہ قَائِمٌ یہ بھی تو مسند ہے تو كَانَ زَيْدٌ أَبُوْهُ قَائِمٌ تو یہ قَائِمٌ بھی كَانَ کے داخل ہونے کے بعد مسند ہے اس کو بھی کیا کہنا چاہیے كَانَ کی خبر حالانکہ یہ تو كَانَ کی خبر نہیں كَانَ کی خبر تو أَبُوْهُ قَائِمٌ ہے تو کہتے ہیں بھئی یہ اسناد خبر بننے سے پہلے کا ہے یعنی أَبُوْهُ قَائِمٌ کو ابھی آپ نے خبر نہیں بنایا تھا۔ آپ ایک جملہ بنانا چاہتے ہیں تو آپ كَانَ لے آئے پھر میں نے کہا اس کا اسم کسے بنانا چاہتے ہو آپ نے کہا یہ زَيْدٌ کو میں اس کا اسم بنانا چاہتا ہوں پھر میں نے کہا

اس کی خبر کسے بنانا چاہتے ہو آپ نے کہا أَبُوْهُ قَائِمٌ کو میں خبر بنانا چاہتا ہوں ابھی بنائی ہے خبر کہ ابھی نہیں بنائی؟ ابھی تو خبر نہیں بنائی لیکن أَبُوْهُ قَائِمٌ آپ جوڑ چکے ہیں یعنی دونوں کو پہلے سے ہی اسناد لا چکے ہیں یا نہیں تو خبر کے اجزا میں پہلے سے اسناد آچکا ہے حالانکہ ابھی اس کو خبر بنایا نہیں تو معلوم ہوا یہ اسناد تو كَانَ کے داخل ہونے سے پہلے کا ہے اور ہم نے کیا کہا وہ اسناد کب آنا چاہیے كَانَ کے داخل ہونے کے بعد اور كَانَ کے داخل ہونے کے بعد اسناد تب ہی آئے گا جب پہلے كَانَ کا اسم بھی متعین ہو جائے پھر كَانَ کی خبر بھی، اب آپ زَيْدٌ کو بھی لے آئے أَبُوْهُ قَائِمٌ کو بھی لے آئے کہ یہ ہے كَانَ کی خبر اور پھر اس أَبُوْهُ قَائِمٌ پورے جملے کا اسناد آپ نے کس کی طرف کر دیا زَيْدٌ کی طرف تو یہ جو پورا جملہ ہے یہ ہے كَانَ کی خبر اس کا جو اسناد ہوا ہے زَيْدٌ کی طرف یہ كَانَ کے داخل ہونے کے بعد ہوا ہے اور اس کے اجزا کے اندر جو اسناد تھا یعنی أَبُوْهُ اور قَائِمٌ کے درمیان وہ تو كَانَ کے داخل ہونے سے پہلے کا تھا۔ توجہ ہے؟ تو ہم نے کیا کہا كَانَ کی خبر مسند ہوتی ہے كَانَ کے داخل ہونے کے بعد یعنی اس کا اسناد كَانَ کے اسم کی طرف كَانَ کے داخل ہونے کے بعد ہونا چاہیے پہلے نہیں تو لہٰذا اب آپ قَائِمٌ کو لے کر اعتراض نہیں کر سکتے كَانَ زَيْدٌ أَبُوْهُ قَائِمٌ، كَانَ کے داخل ہونے کے بعد بھی قَائِمٌ مسند ہے لیکن اس کا جو اسناد ہے وہ كَانَ کے داخل ہونے سے پہلے تھا لہٰذا وہ تعریف سے نکل گیا بات سمجھ میں آگئی۔

تو کہتے ہیں فَالْإِسْنَادُ الْوَاقِعُ بَيْنَ أَجْزَاءِ الْخَبَرِ تو وہ اسناد جو خبر کے اجزا کے درمیان ہے الْمُقَدَّمُ عَلٰى تَقَرُّرِهِ جو کہ خبر کے متعین ہونے پر مقدم ہے، وہ اسناد جو خبر کے اجزا کے درمیان ہے اور خبر کے متعین ہونے پر مقدم ہے لَا يَكُوْنُ بَعْدَ دُخُوْلِهَا وہ كَانَ کے داخل ہونے کے بعد نہیں ہے وہ اسنادبَلْ يَكُوْنُ قَبْلَهُ بلکہ اس کے داخل ہونے سے پہلے کا ہے بھئی بات سمجھ میں آگئی۔ پھر ایک دفعہ ترجمہ دیکھ لیجیے تو کہتے ہیں فَالْإِسْنَادُ الْوَاقِعُ بَيْنَ أَجْزَاءِ الْخَبَرِ الْمُقَدَّمُ عَلٰى تَقَرُّرِهِ پس وہ اسناد جو خبر کے اجزا کے درمیان ہے جو کہ كَانَ کی خبر کے متعین ہونے پر مقدم ہے پس وہ اسناد جو خبر کے اجزا کے درمیان ہے اور كَانَ کی خبر کے متعین ہونے پر مقدم ہے یعنی كَانَ کی خبر کا ابھی تعین ہی نہیں ہوا کہ یہ ہے كَانَ کی خبر اس سے پہلے ہی کا ہے وہ اسناد مقدم ہے وہ اسناد جو مقدم ہے توجہ ہے؟ تو کہتے ہیں وہ اسناد جو خبر کے اجزا کے درمیان ہے اور جو مقدم ہے كَانَ کی خبر کے تقرر پر اس کے متعین ہونے پر وہ اسنادلَا يَكُوْنُ بَعْدَ دُخُوْلِهَا وہ تو كَانَ کے داخل ہونے کے بعد نہیں ہوگا بَلْ يَكُوْنُ قَبْلَهُ بلکہ اس سے پہلے ہوگا لہٰذا اس کو لے کر آپ اعتراض نہیں کر سکتے۔

فَلَا يَنْتَقِضُ التَّعْرِيْفُ تو لہٰذا یہ تعریف ٹوٹتی نہیں ہے اِنْتَقَضَ کا معنیٰ ٹوٹنا مراد ہے اعتراض یعنی تعریف پر اعتراض نہیں کیا جا سکتا۔ فَلَا يَنْتَقِضُ التَّعْرِيْفُ بِمِثْلِ تو تعریف پر اعتراض نہیں کیا جا سکتا اس قسم کی مثالوں سے كَانَ زَيْدٌ يَضْرِبُ أَبُوْهُ وَلَا بِمِثْلِ كَانَ زَيْدٌ أَبُوْهُ قَائِمٌ اور نہ اس جیسی مثالوں کے ذریعے یعنی ان کے ذریعے بھی تعریف نہیں ٹوٹتی یعنی اس پر اعتراض نہیں کیا جا سکتا۔ بِأَنْ يُقَالَ بایں صورت کہ یوں کہا جائے، توجہ ہے؟ فَلَا اس کو اس سے فَلَا يَنْتَقِضُ التَّعْرِيْفُ سے جوڑو پس تعریف نہیں ٹوٹتی یعنی تعریف پر اعتراض نہیں کیا جا سکتا بِأَنْ يُقَالَ بایں صورت کہ یہ کہا جائے یہ صورت بتلا رہے ہیں کہ اعتراض یوں نہیں کیا جا سکتا کیا اعتراض بِأَنْ يُقَالَ کہ یوں کہا جائے يَصْدُقُ عَلٰى يَضْرِبُ وَقَائِمٌ فِيْ هٰذَيْنِ الْمِثَالَيْنِ

کہ صادق آتا ہے یَضْرِبُ پر بھی اور قَائِمٌ پر بھی فِيْ هٰذَيْنِ الْمِثَالَيْنِ ان دو مثالوں کے اندر کیا صادق آتا ہے؟ الْمُعَرِّفُ یعنی تعریف۔ ایک ہے مُعَرَّف جس کی تعریف کی جائے اور ایک ہے مُعَرِّف جو تعریف ہے، مُعَرَّف کیا ہے كَانَ کی خبر کس کی تعریف کر رہے ہیں كَانَ کی خبر اور تعریف کیا کی هُوَ الْمُسْنَدُ بَعْدَ دُخُوْلِهَا تو یہ تعریف ہے یہ ہے مُعَرِّف۔ تو یہ جو تعریف ہے هُوَ الْمُسْنَدُ بَعْدَ دُخُوْلِهَا یہ جو ان دو مثالوں میں یَضْرِبُ اور قَائِمٌ آئے ان پر صادق آ رہی ہے۔ اعتراض ذکر کر رہے ہیں نا کہتے ہیں اب آپ یہ اعتراض نہیں کر سکتے کہ كَانَ کی یہ خبر کی تعریف یَضْرِبُ پر بھی صادق آ رہی ہے اور قَائِمٌ پر بھی صادق آ رہی ہے تو ان کو كَانَ کی خبر کہنا چاہیے حالانکہ یہ تو كَانَ کی خبر نہیں یہ تو مُعَرَّف نہیں ہیں كَانَ کی خبر نہیں ہیں یہ اعتراض نہیں کیا جا سکتا بات سمجھ میں آ گئی۔ تو مُعَرِّف کسے کہتے ہیں تعریف اور مُعَرَّف جس کی تعریف کی جائے تو مُعَرَّف کیا ہے كَانَ کی خبر اور مُعَرِّف کیا ہے هُوَ الْمُسْنَدُ بَعْدَ دُخُوْلِهَا یہ تعریف ہے۔ اب ذرا پھر ترجمہ دیکھیں کہتے ہیں فَلَا يَنْتَقِضُ التَّعْرِيْفُ بِمِثْلِ كَانَ زَيْدٌ يَضْرِبُ أَبُوْهُ وَلَا بِمِثْلِ كَانَ زَيْدٌ أَبُوْهُ قَائِمٌ تو تعریف ٹوٹتی نہیں ہے یعنی تعریف پر اعتراض نہیں کیا جا سکتا ان جیسی مثالوں کے ذریعے بِأَنْ يُقَالَ بایں صورت کہ یوں کہا جائے کہ يَصْدُقُ عَلٰى يَضْرِبُ وَقَائِمٌ فِيْ هٰذَيْنِ الْمِثَالَيْنِ الْمُعَرِّفُ کہ صادق آ رہا ہے یَضْرِبُ پر اور قَائِمٌ پر ان دو مثالوں کے اندر کیا صادق آ رہا ہے الْمُعَرِّفُ تعریف ان پر صادق آ رہی ہے وَلَيْسَا مِنْ أَفْرَادِ الْمُعَرَّفِ یہ واو حالیہ ہے اور حال یہ ہے کہ لَيْسَا مِنْ أَفْرَادِ الْمُعَرَّفِ کہ یہ دونوں تو مُعَرَّف یعنی كَانَ کی خبر کے افراد میں سے نہیں یہ يَضْرِبُ اور قَائِمٌ تو كَانَ کی خبر کے افراد میں سے نہیں یہ تو كَانَ کی خبر نہیں ہیں۔ یہ ایک جواب ہو گیا بات سمجھ میں آ گئی کیونکہ ہم نے کیا بتایا کہ كَانَ کی خبر مسند ہوتی ہے كَانَ کے داخل ہونے کے بعد یعنی وہ اسناد جو ہے كَانَ کے داخل ہونے کے بعد آئے گا اس سے پہلے نہیں۔

وَيُمْكِنُ أَنْ يُقَالَ جی اب دوسرا جواب ذکر کر رہے ہیں دوسرا جواب۔ دوسرا جواب کیا؟ ایک مثال ذرا اپنے سامنے لکھیے اپنے سامنے ایک مثال لکھیے بھئی إِنَّ زَيْداً أَبُوْهُ قَائِمٌ، إِنَّ زَيْداً أَبُوْهُ قَائِمٌ وہی مثال ہے جو پہلے گزری تھی كَانَ زَيْدٌ أَبُوْهُ قَائِمٌ اب کیا ہے إِنَّ زَيْداً أَبُوْهُ قَائِمٌ۔ كَانَ اپنے اسم کو رفع دیتا ہے اور خبر کو نصب لیکن إِنَّ اپنے اسم کو نصب دیتا ہے اور خبر کو رفع تو اس لیے إِنَّ زَيْداً آپ نے لکھا۔ دیکھو یہ جہاں إِنَّ کی بحث آئی تھی إِنَّ کی خبر کی جہاں بھئی مرفوعات کا جہاں ذکر چل رہا تھا مرفوعات میں إِنَّ کی خبر بھی مرفوع ہے تو وہاں پر بھی بالکل ایسا ہی یہی اعتراض ہوا تھا کس طرح دیکھو ذرا یہ ترکیب سنو إِنَّ حرف از حروفِ مشبہ بالفعل، زَيْداً منصوب لفظاً یہ إِنَّ کا اسم ہے اور أَبُوْهُ قَائِمٌ یہ پورا جملہ إِنَّ کی خبر ہے اور جب یہ پورا جملہ ہے تو پھر اس کے اندر مبتدا اور خبر آ گئے أَبُوْهُ یہ مضاف مضاف الیہ مل کر مبتدا اور یہ هُ ضمیر کس کو راجع إِنَّ کے اسم کو کیونکہ جب جملہ خبر بنے تو عائد ہونا ضروری ہے ربط چاہیے بھئی تو قَائِمٌ یہ مرفوع لفظاً یہ کیا بن جائے گی یہ خبر بن جائے گی أَبُوْهُ کے لیے قَائِمٌ صیغہ اسمِ فاعل اس کے اندر هُوَ ضمیر فاعل جو ہے یہ أَبُوْهُ کو راجع ہے تو أَبُوْهُ مبتدا قَائِمٌ اس کی خبر مبتدا خبر مل کر یہ پورا جملہ اسمیہ یہ خبر ہوئی إِنَّ کی تو إِنَّ اپنے اسم اور خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا إِنَّ زَيْداً أَبُوْهُ قَائِمٌ بے شک

زید کہ اس کا باپ کھڑا ہے۔ اب دیکھو اس جملے کے اندر یہ أَبُوْهُ قَائِمٌ یہ پورا جملہ إِنَّ کی خبر ہے۔ توجہ ہے؟ اب یہی اشکال وہاں بھی ہوا تھا إِنَّ کی خبر کی تعریف انہوں نے کی تھی کہ إِنَّ کی خبر کسے کہتے ہیں جو إِنَّ کے داخل ہونے کے بعد مسند ہو تو اشکال ہوتا ہے کہ یہاں پر بھی دیکھو یہ قَائِمٌ مسند ہے اس کا اسناد کس کی طرف ہے أَبُوْهُ کی طرف تو یہ إِنَّ کے داخل ہونے کے بعد مسند ہے تو اس کو إِنَّ کی خبر کہنا چاہیے لیکن إِنَّ کی خبر قَائِمٌ نہیں ہے بلکہ أَبُوْهُ قَائِمٌ پورا جملہ ہے۔ آپ نے کیا کہا إِنَّ کی خبر مسند ہوتی ہے إِنَّ کے داخل ہونے کے بعد اور یہاں پر بھی یہ قَائِمٌ مسند ہے إِنَّ کے داخل ہونے کے بعد تو اس کو إِنَّ کی خبر کہنا چاہیے لیکن یہ إِنَّ کی خبر نہیں ہے تو وہاں جواب دیا تھا ادھر دیکھیے إِنَّ کے داخل ہونے کا یہ معنیٰ نہیں کہ إِنَّ صرف لفظوں پر داخل ہو بلکہ إِنَّ کے داخل ہونے کا معنیٰ یہ ہے کہ إِنَّ لفظوں میں یا معنیٰ میں اپنا اثر بھی دے، إِنَّ لفظوں میں یا معنیٰ میں اپنا اثر بھی دے بھئی اور یہ جو قَائِمٌ ہے یہ مرفوع ہے کس وجہ سے یہ أَبُوْهُ کی خبر ہے اور أَبُوْهُ ہے مبتدا اور قَائِمٌ اس کی خبر اور مبتدا میں عامل کیا ہوتی ہے ابتدا اور اسی طرح قَائِمٌ کے اندر بھی عامل کیا ہے ابتدا معلوم ہوا یہ جو قَائِمٌ پر رفع آیا یہ إِنَّ نے نہیں دیا إِنَّ نے لفظوں میں اس میں کوئی عمل نہیں کیا، إِنَّ نے لفظوں میں اس میں کوئی عمل نہیں کیا اور نیز إِنَّ جو ہے وہ جو خبر کا اسناد ہو رہا ہوتا ہے إِنَّ کے اسم کی طرف إِنَّ اس میں تاکید پیدا کرتا ہے لفظوں میں کیا خبر کو رفع دیتا ہے اور معنیٰ کے اندر اس اسناد میں تاکید پیدا کرتا ہے آپ کہتے نہیں إِنَّ زَيْداً قَائِمٌ بے شک زید کھڑا ہے یا یقیناً زید کھڑا ہے تو یہ بے شک اور یقیناً یہ تاکید کا معنیٰ کس نے دیا إِنَّ نے، کس میں تاکید پیدا کرتا ہے وہ جو إِنَّ کی خبر کا اسناد ہو رہا ہے کس کی طرف إِنَّ کے اسم کی طرف تو إِنَّ لفظوں میں بھی اثر دیتا ہے اور معنیٰ میں بھی لیکن یہ جو قَائِمٌ ہے اس کے اندر إِنَّ نے لفظوں میں بھی کوئی عمل نہیں کیا یہ قَائِمٌ کا رفع ابتدا کی وجہ سے ہے إِنَّ کی وجہ سے نہیں اور نیز یہ قَائِمٌ کا اسناد ہے أَبُوْهُ کی طرف تو اس اسناد میں إِنَّ نے کوئی تاکید پیدا نہیں کی بلکہ أَبُوْهُ قَائِمٌ پورے جملے کا جو اسناد ہو رہا ہے زید کی طرف اس اسناد میں إِنَّ نے تاکید پیدا کی ہے تو معلوم ہوا یہ جو قَائِمٌ ہے اس میں نہ لفظوں کے اندر إِنَّ نے کوئی اثر کیا اور نہ معنیٰ کے اندر اثر کیا یعنی نہ اعراب دیا اور نہ تاکید پیدا کی تو یہ تعریف سے خارج ہے تو داخل ہونے کا یہ معنیٰ نہیں کہ إِنَّ لفظوں میں داخل ہو جائے لفظوں کے اعتبار سے تو ٹھیک ہے إِنَّ داخل ہو رہا ہے لیکن داخل ہونے کا یہ معنیٰ نہیں بلکہ داخل ہونے کا کیا معنیٰ کہ إِنَّ لفظوں میں یا معنیٰ میں اپنا اثر دے اور یہ جو قَائِمٌ ہے اس کے اندر نہ إِنَّ نے لفظوں میں کوئی اثر دیا ہے اور نہ معنیٰ میں کوئی اثر دیا ہے تو یہ تعریف سے خارج ہے۔ تو یہاں یہ اب دوسرا جواب دیں گے کہ كَانَ کے اندر بھی یہی جواب آپ دے سکتے ہیں پہلا جواب ہم نے کیا کہا؟ پہلا جواب کیا تھا کہ وہ اسناد كَانَ کے داخل ہونے کے بعد ہونا چاہیے۔ دوسرا جواب یہ کہ كَانَ کے داخل ہونے کا مطلب یہ ہے كَانَ لفظوں میں اور معنیٰ میں اس کو اثر دے۔ توجہ ہے؟ اور وہ جو پیچھے مثال آئی تھی كَانَ زَيْدٌ أَبُوْهُ قَائِمٌ یہ جو قَائِمٌ پر رفع آیا یہ كَانَ نے نہیں دیا کیونکہ كَانَ کی خبر تو منصوب ہوتی ہے تو لفظوں میں قَائِمٌ کے اندر كَانَ نے کوئی اثر نہیں کیا اور معنیٰ کے اندر بھی كَانَ نے کوئی اثر نہیں کیا كَانَ ماضی کا اثر دے دیتا ہے یا یہ جو افعالِ ناقصہ ہیں اپنے معنیٰ کا اثر دے دیتے ہیں تو كَانَ ماضی کے معنیٰ کا اثر دیتا ہے اور یہاں پر یہ كَانَ نے یہ جو قَائِمٌ کا اسناد ہو رہا ہے أَبُوْهُ کی طرف اس

میں کوئی ماضی کا معنیٰ پیدا نہیں کیا بلکہ أَبُوْهُ قَائِمٌ پورے جملے کا جب اسناد ہوگا کس کی طرف زید کی طرف اس میں كَانَ اپنا اثر دے گا تو قَائِمٌ کے اندر اور يَضْرِبُ کے اندر كَانَ نہ لفظوں میں اپنا اثر دیتا ہے اور نہ معنیٰ کے اندر لہٰذا اس لیے یہ كَانَ کی خبر ان پر صادق نہیں آتی بات سمجھ میں آگئی۔ تو یہ دو جواب ہو گئے پہلا جواب کیا کہ كَانَ کی خبر كَانَ کے داخل ہونے کے بعد مسند ہوتی ہے یعنی پہلے یہ طے ہو جائے کہ یہ كَانَ کا اسم ہے اور یہ خبر ہے اور اس کے بعد پھر اس کا اسناد ہو بات سمجھ میں آگئی تو خبر کے اجزا کے اندر جو اسناد ہوتا ہے وہ تو كَانَ کے داخل ہونے سے پہلے کا ہے لہٰذا وہ كَانَ کی خبر کی تعریف پر ان کو لے کر اعتراض نہیں کیا جا سکتا اور دوسرا جواب یہ کہ كَانَ کی خبر ہونے کا معنیٰ یہ ہے کہ كَانَ لفظوں میں یا معنیٰ کے اندر اپنا اثر دے اور كَانَ زَيْدٌ أَبُوْهُ قَائِمٌ یہ جو قَائِمٌ ہے اس میں كَانَ نے نہ لفظوں میں کوئی اثر دیا ہے اور نہ معنیٰ کے اندر اس کو اپنے ماضی والا اثر دیا ہے تو لہٰذا ان کو لے کر آپ كَانَ کی خبر پر اعتراض نہیں کر سکتے بھئی یہ تعریف میں داخل ہی نہیں ہے کیونکہ داخل ہونے کا کیا معنیٰ تھا كَانَ لفظوں میں یا معنیٰ میں اثر دے اور ان کو تو نہ لفظوں میں كَانَ اثر دے رہا ہے نہ معنیٰ میں اثر دے رہا ہے تو یہ تو تعریف میں داخل ہی نہیں ہیں تو ان کو لے کر آپ كَانَ کی خبر کی تعریف پر اعتراض نہیں کر سکتے۔ تو کہتے ہیں وَيُمْكِنُ أَنْ يُقَالَ فِيْ جَوَابِ هٰذَا النَّقْضِ اور یہ بھی ممکن ہے کہ یوں کہا جائے اس اعتراض کے جواب میں، نَقْض کس کو کہتے ہیں اعتراض تو کہتے ہیں وَيُمْكِنُ أَنْ يُقَالَ فِيْ جَوَابِ هٰذَا النَّقْضِ اور یہ بھی ممکن ہے کہ یوں کہا جائے اس اعتراض کے جواب میں کہ إِنَّ الْمُرَادَ بِدُخُوْلِهَا کہ كَانَ اور اس کے اخوات کے داخل ہونے سے مراد جو ہے وُرُوْدُهَا لِلْعَمَلِ، وُرُوْد کا معنیٰ بھی داخل ہونا وُرُوْدُهَا لِلْعَمَلِ ان کا داخل ہونا عمل کے لیے کہ اس میں عمل بھی کریں یعنی لفظوں یا معنیٰ میں تو وہ کہ ان کے داخل ہونے سے مراد جو ہے وُرُوْدُهَا لِلْعَمَلِ وہ عمل کے لیے ان کا داخل ہونا ہے فِيْمَا وَرَدَتْ عَلَيْهِ جس پر یہ داخل ہوں، جس پر یہ داخل ہوں اس پر عمل کے لیے داخل ہوں بھئی یہ مراد ہے داخل ہونے سے۔ كَمَا سَبَقَتِ الْإِشَارَةُ إِلَيْهِ جیسے اس بات کی طرف اشارہ گزر چکا ہے فِيْ خَبَرِ إِنَّ وَأَخَوَاتِهَا، إِنَّ اور اس کے اخوات کی خبر کے اندر وہاں یہ بات گزر چکی ہے اور وہاں پر یاد رکھو وہاں پر صاحبِ جامی نے صراحتاً ذکر کیا تھا باقاعدہ لفظوں کے اندر لیکن یہاں کیا فرما رہے ہیں كَمَا سَبَقَتِ الْإِشَارَةُ إِلَيْهِ جیسے کہ اس بات کی طرف اشارہ گزر چکا ہے ایک ہے اشارہ ایک ہے صراحت تو دیکھو صاحبِ جامی نے تو وہاں صراحتاً کہا تھا اور یہاں کیا فرما رہے ہیں کہ اس کی طرف اشارہ گزر چکا ہے معلوم ہوا کبھی کبھار صریح کو بھی اشارہ کہہ دیا جاتا ہے معلوم ہوا صریح بات ہوتی ہے اس کے لیے بھی اشارہ کا لفظ بول دیا جاتا ہے تو کہتے ہیں كَمَا سَبَقَتِ الْإِشَارَةُ إِلَيْهِ جیسے کہ اس بات کی طرف اشارہ گزر چکا ہے فِيْ خَبَرِ إِنَّ وَأَخَوَاتِهَا، إِنَّ اور اس کے اخوات کی خبر کے اندر۔

مِثْلُ كَانَ زَيْدٌ قَائِماً تو دیکھو یہ زَيْدٌ كَانَ کا اسم ہے اور قَائِماً كَانَ کی خبر ہے بھئی۔ بات سمجھ میں آگئی یہ حل ہو گیا سارا چلیے بس بھئی هٰذَا هُوَ الْمَرَامُ وَاللّٰهُ أَعْلَمُ بِحَقِيْقَةِ الْكَلَامِ۔

سبق نمبر ۱۷۰: خبرِ کان و اخواتہا (۲): خبرِ کان کے اقسام و احکام اور تقدمِ خبر کے قواعد

شرحِ ملا جامی صفحہ: ۱۵۲ — بتاریخ: ۶ جولائی ۲۰۲۲ء

▪ تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث

آگے سبق دیکھیے بھائی۔ وَأَمْرُهُ أَيْ أَمْرُ خَبَرِ كَانَ وَأَخَوَاتِهَا كَأَمْرِ خَبَرِ الْمُبْتَدَأِ فِي أَقْسَامِهِ وَأَحْكَامِهِ وَشَرَائِطِهِ عَلَى مَا سَبَقَ فِي بَحْثِ الْمُبْتَدَأِ وَالْخَبَرِ، وَلَكِنَّهُ يَتَقَدَّمُ عَلَى اسْمِهَا حَالَ كَوْنِهِ مَعْرِفَةً حَقِيقَةً أَوْ حُكْمًا كَالنَّكِرَةِ الْمُخَصَّصَةِ.

بھائی گزشتہ سبق میں ہم نے كَانَ اور اس کے اخوات کی جو خبر ہے اس کے بارے میں پڑھنا شروع کیا۔ منصوبات کی بحث چل رہی ہے اور كَانَ کی خبر جو ہے وہ بھی منصوبات میں سے ہے۔ تو صاحبِ کافیہ نے آپ کو بتلایا کہ كَانَ کی خبر جو ہے، هُوَ الْمُسْنَدُ بَعْدَ دُخُوْلِهَا، وہ كَانَ کے داخل ہونے کے بعد مسند ہوتی ہے۔ كَانَ یا اخوات میں سے کسی ایک کے داخل ہونے کے بعد وہ خبر مسند ہوتی ہے۔ پھر یہاں پر اشکال ہوا تھا کہ كَانَ زَيْدٌ أَبُوْهُ قَائِمٌ۔ یہ زَيْدٌ جو ہے یہ كَانَ کا اسم ہے اور أَبُوْهُ قَائِمٌ یہ بتدا خبر مل کر یہ پورا جملہ اسمیہ ہے كَانَ کی خبر۔

تو یہاں أَبُوْهُ قَائِمٌ پورا جملہ یہ ہے كَانَ کی خبر، لیکن اعتراض یہ ہوتا ہے کہ یہ أَبُوْهُ قَائِمٌ کے اندر یہ قَائِمٌ، یہ ہے خبر أَبُوْهُ کے لیے، یہ بھی مسند ہے، تو اس پر بھی كَانَ کی خبر کی تعریف صادق آ رہی ہے، حالانکہ یہ كَانَ کی خبر نہیں، یہ تو بتدا کی خبر ہے۔ کیونکہ كَانَ کی خبر کی کیا تعریف کی؟ جو كَانَ کے داخل ہونے کے بعد مسند ہوتی ہے۔ اور یہ قَائِمٌ بھی كَانَ کے داخل ہونے کے بعد مسند ہے، اس کا اسناد ہو رہا ہے أَبُوْهُ کی طرف، تو اس کو بھی كَانَ کی خبر کہنا چاہیے، حالانکہ یہ كَانَ کی خبر نہیں، كَانَ کی خبر تو أَبُوْهُ قَائِمٌ پورا جملہ ہے۔

تو صاحبِ جامی نے آپ کو بتلایا تھا کہ كَانَ کے داخل ہونے کے بعد مسند ہونے کا معنی یہ ہے کہ وہ اسناد جو ہے كَانَ کی خبر کا كَانَ کے اسم کی طرف، وہ كَانَ کے داخل ہونے کے بعد ہو۔ وہ جو اسناد ہو رہا ہے كَانَ کی خبر کا کس کی طرف؟ كَانَ کے اسم کی طرف، یہ كَانَ کے داخل ہونے کے بعد یہ اسناد ہونا چاہیے۔ اور یہ تبھی ہو سکے گا جب پہلے یہ تو متعین ہو جائے کہ كَانَ کا اسم کیا ہے اور كَانَ کی خبر کیا ہے، تو لہٰذا ہم كَانَ کو لے کر آئے، اب كَانَ کا اسم کیسے بنانا ہے؟ آپ نے کہا زَيْدٌ

کو کَانَ کا اسم بنانا ہے، تو زید کو ہم لے آئے، یہ ہے کَانَ کا اسم۔ پھر کَانَ کی خبر کسے بنانا ہے؟ تو آپ نے کہا أَبُوْهُ قَائِمٌ اس پورے جملے کو کیا کرنا ہے؟ کَانَ کی خبر بنانا ہے، تو اب اس پورے جملے کا اسناد کر دیں گے کس کی طرف؟ کَانَ کے اسم یعنی زید کی طرف۔ تو أَبُوْهُ قَائِمٌ یہ پورا جملہ کَانَ کی خبر ہے۔ توجہ ہے؟ تو اس جملے کے اندر جو اسناد موجود ہے کہ قَائِمٌ کا اسناد ہو رہا ہے أَبُوْهُ کی طرف، یہ اسناد تو خبر بننے سے پہلے کا ہے۔

توجہ ہے؟ کَانَ زَيْدٌ أَبُوْهُ قَائِمٌ۔ انہوں نے کیا کہا؟ کَانَ کی خبر کا اسناد ہو گا کَانَ کے اسم کی طرف کَانَ کے داخل ہونے کے بعد۔ کَانَ کے داخل ہونے کے بعد مسند ہونے کا کیا معنی؟ یعنی پہلے یہ تو طے ہو جائے، یہ تو متعین ہو جائے کہ کَانَ کا اسم کیا ہے اور کَانَ کی خبر کیا ہے، تو آپ نے کیا کہا؟ کَانَ کا اسم کیا ہے؟ زَيْدٌ، اور کَانَ کی خبر کیا ہے؟ أَبُوْهُ قَائِمٌ۔ صرف قَائِمٌ کہا یا أَبُوْهُ قَائِمٌ کہا؟ أَبُوْهُ قَائِمٌ، اس پورے جملے کو آپ نے کہا یہ ہے کَانَ کی خبر۔ یہ پورا جملہ آپ اٹھا کر لے آئے، جب یہ پورا جملہ آپ اٹھا کر لے آئے، تو معلوم ہوا اس کے اندر تو اسناد پہلے سے ہی موجود ہے۔ کَانَ کے داخل ہونے سے پہلے ہی أَبُوْهُ مبتدا ہے اور قَائِمٌ اس کی خبر، اور آپ اس پورے جملے کو آپ اٹھا کر لے آئے اور آپ نے کہا یہ ہے کَانَ کی خبر۔ تو جس وقت آپ اس کو کَانَ کی خبر بنا رہے ہیں ان دونوں کے درمیان تو اسناد پہلے سے ہی موجود ہے، اور ہم نے تو کیا کہا تھا؟ وہ اسناد کَانَ کے داخل ہونے کے بعد ہونا چاہیے، لیکن یہاں أَبُوْهُ اور قَائِمٌ کے اندر جو اسناد ہے وہ کَانَ کے داخل ہونے سے پہلے ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو لہٰذا یہ قَائِمٌ کو لے کر اس تعریف پر اعتراض نہیں کیا جا سکتا۔ جواب سمجھ میں آیا؟

اور دوسرا جواب انہوں نے یہ دیا تھا کہ اس اعتراض کا یہ بھی جواب دیا جا سکتا ہے وہ جو ہم نے إِنَّ کی خبر کے اندر ہم نے جواب دیا تھا۔ وہاں بھی یہی تعریف کی تھی کہ إِنَّ کی خبر وہ إِنَّ کے داخل ہونے کے بعد مسند ہوتی ہے۔ إِنَّ کے داخل ہونے کے بعد مسند ہوتی ہے، تو اشکال تو اعتراض ہوتا ہے، إِنَّ زَيْدًا أَبُوْهُ قَائِمٌ۔ إِنَّ زَيْدًا أَبُوْهُ قَائِمٌ، تو اس کے اندر بھی یہ زَيْدًا یہ ہے إِنَّ کا اسم اور أَبُوْهُ قَائِمٌ یہ پورا جملہ کیا ہے؟ إِنَّ کی خبر۔ تو اب إِنَّ کی خبر کی تعریف یہ قَائِمٌ پر صادق آ رہی ہے، إِنَّ زَيْدًا أَبُوْهُ قَائِمٌ، کیونکہ إِنَّ کے داخل ہونے کے بعد یہ قَائِمٌ کیا ہے؟ مسند ہو رہا ہے اور آپ نے بھی کیا کہا تھا؟ إِنَّ کی خبر إِنَّ کے داخل ہونے کے بعد مسند ہوتی ہے۔

تو جواب یہ دیا تھا کہ بھائی إِنَّ کے داخل ہونے کا یہ معنی نہیں کہ إِنَّ لفظوں کے اندر اس پر داخل ہو جائے، اس اعتبار سے تو واقعی إِنَّ اس پر داخل ہو رہا ہے، لیکن داخل ہونے کا معنی یہ ہے کہ إِنَّ لفظوں میں یا معنی کے اندر اس کو اپنا اثر دے دے۔ اور یہاں پر یہ إِنَّ زَيْدًا أَبُوْهُ قَائِمٌ، یہ جو قَائِمٌ ہے نہ تو إِنَّ نے اس پر لفظوں میں کوئی عمل کیا اور نہ معنی کے اندر۔ لفظوں کے اندر عمل کیا کرتا ہے؟ إِنَّ اپنی خبر کو رفع دیتا ہے، لیکن یہ جو قَائِمٌ پر رفع آیا یہ إِنَّ کی وجہ سے نہیں آیا۔ کیونکہ إِنَّ کی خبر تو أَبُوْهُ قَائِمٌ پورا جملہ ہے، صرف قَائِمٌ نہیں ہے، تو یہ پورا جملہ أَبُوْهُ قَائِمٌ یہ پورا جملہ محلاً مرفوع ہے، یہ ہے إِنَّ کی خبر۔ جب تو قَائِمٌ پر جو رفع آیا وہ إِنَّ کی وجہ سے نہیں آیا وہ تو ابتدا کی وجہ سے آیا ہے کیونکہ أَبُوْهُ قَائِمٌ، أَبُوْهُ ہے مبتدا اور قَائِمٌ ہے اس کی

خبر، اور بتدا میں عامل کیا؟ ابتدا، اور قَائِمٌ میں بھی عامل کیا؟ ابتدا۔ تو ان کے اندر جو رفع آیا ہے بتدا اور خبر میں وہ تو ابتدا کی وجہ سے آیا ہے، إِنَّ کی وجہ سے نہیں آیا، معلوم ہوا قَائِمٌ میں إِنَّ نے لفظوں کے اندر کوئی عمل نہیں کیا۔

اور نیز معنی کے اندر بھی کوئی اثر نہیں کیا إِنَّ نے۔ إِنَّ کیا فائدہ دیتا ہے؟ إِنَّ جو ہے وہ اسناد میں تاکید پیدا کر دیتا ہے۔ إِنَّ اسناد میں تاکید پیدا کر دیتا ہے، اور یہ جو قَائِمٌ کا اسناد ہو رہا ہے أَبُوْهُ کی طرف، اس کے اندر إِنَّ نے کوئی تاکید پیدا نہیں کی۔ توجہ ہے؟ إِنَّ اسناد میں تاکید پیدا کرتا ہے، کون سا اسناد؟ جو إِنَّ کی خبر کا ہو رہا ہو إِنَّ کے اسم کی طرف، تو یہ جو قَائِمٌ کا اسناد ہے أَبُوْهُ کی طرف، یہ تو إِنَّ کی خبر کا اسناد نہیں ہے، بلکہ یہ أَبُوْهُ قَائِمٌ پورے جملے کا جو اسناد زید کی طرف ہو رہا ہے اس اسناد میں إِنَّ نے تاکید پیدا کر دی۔ تو معلوم ہوا جو قَائِمٌ ہے اس کے اندر إِنَّ نے نہ لفظوں میں عمل کیا اور نہ معنی کے اندر وہاں پر إِنَّ نے کوئی عمل کیا، کوئی تاکید وغیرہ اس اسناد میں پیدا نہیں کی۔ تو معلوم ہوا وہ إِنَّ کی خبر نہیں ہے بھائی۔ بات سمجھ میں آ گئی؟ إِنَّ کی خبر کسے کہتے ہیں؟ جس پر إِنَّ داخل ہو، داخل ہونے کا کیا معنی؟ یعنی لفظوں میں یا معنی میں کوئی اثر دے اور قَائِمٌ کے اندر نہ إِنَّ نے لفظوں میں کوئی اثر دیا اور نہ معنی کے اندر کوئی اثر دیا بھائی۔

تو كَانَ کی خبر کے اندر بھی یہی جواب ہے کہ كَانَ کی خبر كَانَ کے داخل ہونے کے بعد مسند ہوتی ہے، تو داخل ہونے سے مراد كَانَ کا لفظوں میں داخل ہونا مراد نہیں ہے، بلکہ داخل ہونے سے مراد یہ ہے کہ كَانَ لفظوں میں یا معنی میں اپنا اثر دے دے۔ لفظوں میں كَانَ کیا اثر دیتا ہے؟ اپنی خبر کو نصب دیتا ہے، اور معنی میں کیا اثر دیتا ہے؟ اپنے زمانے کا اثر دے دیتا ہے۔ جیسے زَيْدٌ قَائِمٌ کا مطلب ہے زید کھڑا ہے اور كَانَ زَيْدٌ قَائِمًا کا کیا معنی؟ زید کھڑا تھا۔ دیکھو زمانہ ماضی والا اثر دے دیا۔ تو یہاں پر كَانَ زَيْدٌ أَبُوْهُ قَائِمٌ، تو یہ جو قَائِمٌ ہے اس میں نہ كَانَ نے لفظوں میں کوئی اثر کیا، كَانَ کی خبر تو منصوب ہوتی ہے اور قَائِمٌ تو مرفوع ہے، اور نیز كَانَ نے اپنے معنی کا اثر بھی اس کو نہیں دیا، لہٰذا معلوم ہوا یہ كَانَ کی خبر نہیں ہے۔ بات سمجھ میں آ گئی؟

آگے دیکھیے بھائی آج کا سبق۔ کہتے ہیں، وَأَمْرُهُ أَيْ أَمْرُ خَبَرِ كَانَ وَأَخَوَاتِهَا كَأَمْرِ خَبَرِ الْمُبْتَدَأِ فِي أَقْسَامِهِ وَأَحْكَامِهِ وَشَرَائِطِهِ۔ بھائی گزشتہ سبق میں ہم نے یہ متن پڑھ لیا تھا، صاحبِ کافیہ نے آپ کو بتلایا تھا دیکھو متن متن، وَأَمْرُهُ كَأَمْرِ خَبَرِ الْمُبْتَدَأِ، کہ كَانَ کی خبر جو ہے اس کا معاملہ، كَأَمْرِ خَبَرِ الْمُبْتَدَأِ، وہ بتدا کی خبر کے معاملے کی طرح ہے۔ كَانَ کی خبر بھی کس کی طرح ہے؟ بتدا کی خبر کی طرح ہے، یعنی وہی احکام وغیرہ اور تفصیل اس کے اندر بھی ہے جو بتدا کی خبر میں تھی۔ لیکن آگے کہا، وَيَتَقَدَّمُ مَعْرِفَةً، لیکن كَانَ کی خبر جو ہے وہ معرفہ ہونے کی حالت میں بھی كَانَ کے اسم پر مقدم ہو جاتی ہے۔ بتدا کی خبر تو جب معرفہ ہو تو بتدا پر مقدم نہیں ہو سکتی۔ وجہ یہ کہ بتدا اور خبر دونوں پر رفع آتا ہے، تو وہاں پر جب خبر اور بتدا اور خبر دونوں معرفہ ہوں گے تو وہاں اور کوئی چیز ہمیں بتلانے والی نہیں ہے کہ بتدا کیا ہے اور خبر کیا ہے، کیونکہ دونوں پر رفع آ رہا ہے۔ تو صرف تقدیم کے ذریعے ہمیں پتہ چلتا ہے، جو مقدم ہوتا ہے ہم اس کو بناتے ہیں بتدا اور جو مؤخر ہوتا ہے ہم اس کو خبر بناتے ہیں۔

تو اگر آپ خبر جو معرفہ ہے اس کو بتدا پر مقدم کر دیں گے تو اس صورت میں کسی کو پتہ نہیں چلے گا کہ یہ جو مقدم ہے یہ خبر ہے اور بتدا جو ہے مؤخر ہے، بلکہ سننے والا جو بھی سنے گا وہ یہی سمجھے گا کہ جو مقدم ہے وہ ہے بتدا اور جو مؤخر ہے وہ خبر۔ مثلاً دیکھو، زَیْدٌ اور الْعَالِمُ اس کی خبر بھی معرفہ لے آئے، زَیْدٌ الْعَالِمُ زید ہی عالم ہے۔ سننے والے کا خیال تھا زید بھی عالم ہے اور عمر بھی عالم، آپ اس کو کہتے ہیں زَیْدٌ الْعَالِمُ زید ہی عالم ہے۔ اب زید ہے بتدا اور الْعَالِمُ ہے اس کی خبر۔ تو اب یہاں پر دونوں پر رفع آرہا ہے، اگر آپ الْعَالِمُ کو مقدم کر دیں اور یوں کہیں، الْعَالِمُ زَیْدٌ، تو سننے والا کبھی بھی اس سننے والے کو پتہ نہیں چلے گا کہ یہ الْعَالِمُ خبر ہے جو مقدم ہے اور زید جو بتدا ہے وہ مؤخر ہے۔ وہ یہی سمجھے گا کہ الْعَالِمُ جو ہے جو مقدم ہے یہ ہے بتدا اور زَیْدٌ ہے اس کی خبر۔ تو وہاں اور کوئی قرینہ نہیں ہوتا بتدا خبر کے اندر، تو بتدا خبر کے اندر جب خبر معرفہ ہو تو پھر اس وقت بتدا کو مقدم کرنا واجب ہے۔

لیکن کَانَ کی خبر کے اندر ایسا نہیں ہے، کَانَ کی خبر کے اندر اعراب الگ الگ ہے۔ کَانَ کا اسم مرفوع ہے اور کَانَ کی خبر منصوب ہے، تو اعراب کے ذریعے فرق ہو جائے گا۔ تو جب کَانَ کے اسم اور خبر پر لفظی اعراب آرہا ہو، کون سا؟ لفظی۔ میں نے دیکھو آپ کو بتایا تھا اعراب تین قسم پر ہے، کبھی اعراب لفظاً ہوتا ہے، کبھی اعراب تقدیراً ہوتا ہے، کبھی اعراب محلاً ہوتا ہے۔ لفظاً اعراب کا معنی یہ ہے آپ اس اعراب پر باقاعدہ تلفظ کرتے ہیں، یعنی سننے سے ہی پتہ چل جاتا ہے کہ آپ کون سا اعراب پڑھ رہے ہیں۔ مثلاً دیکھو زَیْدٌ میں نے کیا پڑھا؟ رفع پڑھا، دیکھو سننے سے ہی آپ کو پتہ چل گیا، زَیْدًا میں نے کیا پڑھا؟ نصب، سننے سے ہی آپ کو پتہ چل گیا، تلفظ سے ہی آپ کو پتہ چل گیا، تو اس کو کیا کہتے ہیں؟ اعرابِ لفظی۔ اور ایک اعرابِ تقدیری ہے، یعنی فرض کر لو رفع آگیا ہے، نصب آگیا ہے، تو یہ اعرابِ لفظی اور تقدیری یہ معرب میں آتا ہے۔ معرب میں اعراب کبھی لفظاً ہو گا یعنی تلفظ سے ہی پتہ چل جائے گا اور کبھی اعراب تقدیراً ہو گا، جبکہ مبنی کے اندر اعراب محلاً آتا ہے۔ تو کَانَ کی خبر جب معرفہ ہو تو اس کو کَانَ کے اسم پر مقدم کر سکتے ہیں، یہ اس وقت ہے جب دونوں کا اعراب لفظی ہو یا دونوں میں سے ایک کا اعراب لفظی ہو۔

مثلاً دیکھو جیسے یہ مثال دی ہے انہوں نے، ایک ڈیڑھ سطر کے بعد آرہا ہے، کَانَ الْمُنْطَلِقَ زَیْدٌ۔ مثال مل گئی بھائی؟ ایک دو سطروں کے بعد آرہی ہے، کَانَ الْمُنْطَلِقَ زَیْدٌ۔ دیکھو یہاں الْمُنْطَلِقَ اس پر نصب ہے اور زَیْدٌ اس پر کیا ہے؟ رفع ہے، تو اب اعراب سے ہی پتہ چل رہا ہے کہ الْمُنْطَلِقَ یہ جو منصوب ہے یہ کَانَ کی خبر ہے اگرچہ اس کو مقدم کر دیا گیا ہے، اور زَیْدٌ جو مرفوع ہے وہ کَانَ کا اسم ہے اگرچہ اس کو مؤخر کر دیا گیا ہے۔ تو دیکھو دونوں پر اعراب لفظی ہے، کَانَ الْمُنْطَلِقَ زَیْدٌ۔ تو الْمُنْطَلِقَ پر کیا آیا؟ نصب آیا، لفظاً آیا، ہم اس پر باقاعدہ تلفظ کر رہے ہیں، اور زَیْدٌ پر رفع آیا اور اس پر بھی ہم تلفظ کر رہے ہیں۔ تو دیکھو دونوں کا اعراب لفظی ہے اس سے پتہ چل گیا کہ کَانَ کا اسم کیا ہے اور کَانَ کی خبر کیا ہے۔ یا دونوں

میں سے کسی ایک میں اعراب لفظی ہو تب بھی پتہ چل جائے گا، جیسے اسی کے آگے اگلی مثال ہے، کَانَ هَذَا زَيْدٌ۔ کَانَ هَذَا زَيْدٌ۔ اب دیکھو، کَانَ هَذَا زَيْدٌ، اب مجھے بتائیے کَانَ کی خبر کیا اور کَانَ کا اسم کیا؟ کَانَ هَذَا زَيْدٌ، جلدی جلدی بتائیے بھائی۔ کَانَ کا اسم کیا اور کَانَ کی خبر کیا؟ کَانَ کا اسم هَذَا اور زَيْدٌ کَانَ کی خبر، اور کَانَ کی خبر کیا ہوتی ہے؟ منصوب۔ تو یہاں تو ہے کَانَ هَذَا زَيْدٌ، زَيْدٌ کے بعد کوئی الف ہے؟ نصب ہوتا تو پھر تو الف بھی آتا، زَيْدًا ہوتا، الف بھی لکھا جاتا ہے۔ یہاں الف ہے؟ نہیں، تو کَانَ هَذَا زَيْدٌ، هَذَا تو مبنی ہے اس پر تو اعراب محلاً ہے اعراب ظاہر نہیں ہو رہا، لیکن زَيْدٌ پر تو اعراب ظاہر ہو رہا ہے اور زَيْدٌ کے بعد الف نہیں ہے، معلوم ہوا اس پر کیا پڑھنا ہے؟ رفع پڑھنا ہے۔ تو کَانَ هَذَا زَيْدٌ، اب مجھے بتائیے کَانَ کا اسم کیا؟ زَيْدٌ، کیونکہ کَانَ کا اسم مرفوع ہوتا ہے۔ اگر یہ زید کَانَ کی خبر ہوتا تو پھر تو زَيْدًا ہونا چاہیے تھا اس کے ساتھ الف بھی لکھنا چاہیے تھا۔ توجہ ہے؟ تو اب دیکھو هَذَا اور زید دو لفظ کَانَ کے بعد آئے، دونوں میں سے ایک پر اعراب محلاً ہے اور ایک پر اعراب لفظاً ہے، لیکن اس ایک پر بھی اعراب لفظاً آئے گا اس سے آپ کو پتہ چل جائے گا کہ یہ کَانَ کا اسم ہے یا کَانَ کی خبر۔ اگر اس پر رفع ہوا تو اس کو کیا بنائیں گے؟ کَانَ کا اسم، اور دوسرے کو بنا دیں گے کَانَ کی خبر۔ اور اگر اس پر نصب ہوا تو اس کو کیا بنائیں گے؟ کَانَ کی خبر، اور دوسرے کو کیا بنا دیں گے؟ کَانَ کا اسم بنا دیں گے۔

بات سمجھ میں آگئی؟ تو کَانَ کی خبر معرفہ ہونے کی حالت میں بھی کَانَ پر مقدم اس کو کر دیا جاتا ہے، وجہ یہ کہ اعراب کے ذریعے فرق ہو جائے گا۔ کَانَ کا اسم کیا ہوتا ہے؟ مرفوع۔ کَانَ کی خبر کیا ہوتی ہے؟ منصوب۔ تو دونوں میں سے اگر دونوں پر اعراب لفظاً ہو پھر بھی پتہ چل جائے گا، جیسے کَانَ الْمُنْطَلِقَ زَيْدٌ۔ الْمُنْطَلِقَ پر کیا آرہا ہے؟ نصب، اور یہ نصب بتلا رہا ہے یہ کَانَ کی خبر ہے، کَانَ کی خبر منصوب ہوتی ہے اسم نہیں منصوب ہوتا۔ اور کَانَ الْمُنْطَلِقَ زَيْدٌ، زَيْدٌ کا رفع کیا بتلا رہا ہے؟ کہ یہ کَانَ کا اسم ہے کیونکہ کَانَ کا اسم مرفوع ہوتا ہے کَانَ کی خبر مرفوع نہیں ہوتی۔ تو دونوں پر اعراب لفظی آئے یا دونوں میں سے ایک پر اعراب لفظاً آجائے تو بھی اس سے پتہ لگ جائے گا، اگر اس پر رفع ہوا تو ہم اسے کَانَ کا اسم بنا دیں گے اور اگر اس پر نصب ہوا تو ہم اسے کَانَ کی خبر بنا دیں گے۔

ہاں اگر کَانَ کے اسم اور خبر دونوں میں سے کسی ایک پر بھی اعرابِ لفظی نہیں آرہا، جیسے کَانَ الْفَتَى هَذَا، یہ ایک دو سطروں کے بعد ایک اور مثال آرہی ہے۔ ایک دو سطروں کے بعد ہے کَانَ الْفَتَى هَذَا، مل گئی مثال؟ دیکھو اس کے اندر، الْفَتَى یہ اسم مقصور ہے اس کے آخر میں الفِ مقصورہ ہے اور اسم مقصور پر اعراب تقدیراً آتا ہے تینوں حالتوں میں۔ اور آگے هَذَا ہے، هَذَا مبنی ہے اس پر اعراب محلاً آتا ہے، تو دونوں میں سے کسی ایک پر بھی اعراب لفظاً نہیں ہے، کَانَ الْفَتَى هَذَا۔ تو جب اعراب منتفی ہو جائے اب ہمیں پتہ نہیں چلے گا کہ کَانَ کا اسم کیا ہے، کَانَ کی خبر کیا ہے، لہٰذا اب کَانَ کے اسم کو مقدم رکھنا اور کَانَ کی خبر کو مؤخر رکھنا واجب ہے۔ توجہ ہے؟ کَانَ کی خبر ویسے معرفہ آئے تو اس کو کَانَ کے اسم پر مقدم کر سکتے ہیں جب دونوں پر یا دونوں میں سے ایک پر اعراب لفظی ہو۔ اور اگر دونوں میں سے کسی ایک پر بھی اعراب

لفظی نہیں ہے پھر كَانَ کے اسم کو مقدم رکھنا اور كَانَ کی خبر کو مؤخر رکھنا واجب ہے بھائی۔ تو كَانَ الْفَتَى هَذَا اس کے اندر دیکھو الْفَتَى مقدم ہے تو اسی کو كَانَ کا اسم بنائیں گے اور هَذَا مؤخر ہے تو اس کو كَانَ کی خبر بنائیں گے، كَانَ الْفَتَى هَذَا۔ فَتًى کہتے ہیں جوان کو، كَانَ الْفَتَى هَذَا وہ جوان یہ تھا۔ كَانَ الْفَتَى هَذَا وہ جوان یہ تھا۔

اب آئیے اس کو شرح کے ساتھ دیکھیں سارے کو۔ کہتے ہیں، وَأَمْرُهُ أَيْ أَمْرُ خَبَرِ كَانَ وَأَخَوَاتِهَا كَأَمْرِ خَبَرِ الْمُبْتَدَأِ فِي أَقْسَامِهِ وَأَحْكَامِهِ وَشَرَائِطِهِ۔ متن میں آیا وَأَمْرُهُ اور اس کا معاملہ، یہ ہا ضمیر کس کو راجع ہے؟ صاحبِ جامی فرما رہے ہیں، أَيْ أَمْرُ خَبَرِ كَانَ وَأَخَوَاتِهَا، یہ كَانَ اور اس کے اخوات کی جو خبر ہے اس کی طرف یہ ضمیر راجع ہے بھائی۔ توجہ ہے؟ وہ جو شروع میں آیا تھا خَبَرُ كَانَ وَأَخَوَاتِهَا۔ تو کہتے ہیں، وَأَمْرُهُ أَيْ أَمْرُ خَبَرِ كَانَ وَأَخَوَاتِهَا، اور كَانَ اور اس کے اخوات کی خبر کا جو معاملہ ہے كَأَمْرِ خَبَرِ الْمُبْتَدَأِ وہ بتدا کی خبر کے معاملے کی طرح ہے۔ اس کا معاملہ کس کی طرح ہے؟ بتدا کی خبر کے معاملے کی طرح ہے۔ بھائی کس چیز میں اس کی طرح ہے؟ آگے تفصیل بیان کر رہے ہیں، کہتے ہیں فِي أَقْسَامِهِ اپنی اقسام کے اندر بھی، وَأَحْكَامِهِ اور اپنے احکام کے اندر بھی، وَشَرَائِطِهِ اور اپنی شرائط کے اندر بھی۔ یعنی كَانَ کی خبر کی جو اقسام ہیں بعینہ اسی طرح ہیں جس طرح بتدا کی خبر کی اقسام ہیں۔ اور كَانَ کی خبر کے جو احکام ہیں بعینہ اسی طرح ہیں جو بتدا کی خبر کے احکام ہیں، اور كَانَ کی خبر کی جو شرائط ہیں بعینہ اسی طرح ہیں جیسے بتدا کی خبر کی شرائط ہیں۔

توجہ ہے؟ اقسام بھائی دیکھو جیسے بتدا کی خبر کبھی آپ نے پڑھا ہے مفرد آتی ہے، زَيْدٌ قَائِمٌ، زَيْدٌ ہے بتدا اور قَائِمٌ ہے اس کی خبر اور قَائِمٌ دیکھو مفرد ہے جملہ نہیں ہے۔ تو بتدا کی خبر کیا ہوتی ہے؟ کبھی مفرد، اور کبھی بتدا کی خبر جملہ ہوتی ہے، جیسے آپ کہتے ہیں زَيْدٌ يَضْرِبُ، زَيْدٌ ہے بتدا اور يَضْرِبُ فعل با فاعل ہے یہ فعل اپنے فاعل سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر یہ کیا بنا؟ بتدا کے لیے خبر۔ توجہ ہے؟ تو معلوم ہوا بتدا کی خبر کبھی مفرد ہوتی ہے اور کبھی جملہ۔ اسی طرح بتدا کی خبر کبھی معرفہ ہوتی ہے اور کبھی نکرہ، اسی طرح كَانَ کی خبر میں بھی ہے، کبھی كَانَ کی خبر مفرد آئے گی کبھی پورا جملہ آئے گی، کبھی كَانَ کی خبر معرفہ آئے گی اور کبھی نکرہ آئے گی۔ یہ تھا اقسام کے اندر۔

اسی طرح احکام بھی، جو بتدا کی خبر کے احکام ہیں وہی كَانَ کی خبر کے بھی احکام ہیں۔ مثلاً دیکھو بتدا کی خبر کبھی مؤخر ہوتی ہے اور کبھی مقدم، اسی طرح كَانَ کی خبر بھی کبھی كَانَ کے اسم سے مؤخر ہو گی اور کبھی اس پر مقدم ہو گی۔ نیز اسی طرح بتدا کی خبر کبھی اس کو ذکر کرتے ہیں کبھی اس کو حذف کرتے ہیں، اسی طرح كَانَ کی خبر جو ہے اس کو بھی کبھی ذکر کرتے ہیں اور کبھی حذف کرتے ہیں، اور نیز اسی طرح توجہ ہے؟ بتدا کی خبر کبھی ایک ہی خبر آتی ہے اور کبھی ایک بتدا کی

کئی خبریں آتی ہیں، تو كَانَ کے اندر بھی اسی طرح ہے، كَانَ کے اسم کی کبھی ایک ہی خبر آئے گی اور کبھی کئی خبریں آئیں گی۔ تو معلوم ہوا احکام کے اندر بھی اسی طرح ہے۔ اور اسی طرح شرائط کے اندر بھی اسی طرح ہے، یعنی بتدا کی خبر کی جو شرائط ہیں وہی كَانَ کی خبر کی بھی شرائط ہیں۔ مثلاً بتدا کی خبر میں شرط ہے کہ جب بھی وہ جملہ ہو گی، جب بھی جملہ ہو گی، آپ پورے جملے کو بتدا کی خبر بنانا چاہتے ہیں اور آپ نے ضابطہ پڑھا ہے کہ جملہ یا شبہ جملہ کو جب بھی کسی چیز سے جوڑنا ہو درمیان میں ربط ضروری ہے، تو اس میں عائد ہونا چاہیے کوئی ضمیر وغیرہ ہونی چاہیے جو کس کی طرف لوٹے؟ بتدا کی طرف۔ اسی طرح كَانَ کی خبر کے اندر بھی ہے، كَانَ کی خبر بھی اگر جملہ ہو تو اس کے اندر عائد ہونا چاہیے جو كَانَ کے اسم کی طرف لوٹے۔ اور نیز وہ عائد اگر معلوم ہو تو اس کو حذف کرنا بھی جائز ہے، بتدا کی خبر اگر جملہ ہو تو اس میں عائد ضرور ہونا چاہیے اور بعض اوقات عائد معلوم ہو تو اس کو لفظوں سے حذف کر لیتے ہیں اگرچہ تقدیراً موجود ہوتا ہے، اسی طرح كَانَ کی خبر کے اندر بھی جب وہ جملہ ہو تو عائد کا ہونا ضروری ہے اور اگر وہ عائد معلوم ہے قرینہ موجود ہے تو اس کو حذف کرنا بھی جائز ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟

تو کہتے ہیں، كَانَ کی خبر کا معاملہ بھی بتدا کی خبر کے معاملے کی طرح ہے فِي أَقْسَامِهِ اپنی اقسام کے اندر کہ کبھی مفرد ہو گی کبھی جملہ کبھی معرفہ اور کبھی نکرہ، اور اپنے احکام کے اندر یعنی کبھی مقدم ہو گی کبھی مؤخر ہو گی کبھی محذوف ہو گی کبھی مذکور ہو گی کبھی ایک خبر آئے گی کبھی کئی خبریں آئیں گی، وَشَرَائِطِهِ اور اسی طرح اپنی شرائط کے اندر بھی كَانَ کی خبر بتدا کی خبر کی طرح ہے کہ اس میں عائد ہونا چاہیے اگر وہ جملہ ہو بھائی۔

تو کہتے ہیں فِي أَقْسَامِهِ وَأَحْكَامِهِ وَشَرَائِطِهِ اپنی اقسام میں، كَانَ کی خبر اپنی اقسام میں کس کی طرح ہے؟ بتدا کی خبر کی طرح۔ تو اپنی اقسام کے اندر وَأَحْكَامِهِ اور اپنے احکام میں وَشَرَائِطِهِ اور اپنی شرائط کے اندر عَلَى مَا سَبَقَ فِي بَحْثِ الْمُبْتَدَأِ وَالْخَبَرِ اسی طریقے پر جو گزر گیا بتدا اور خبر کی بحث میں۔ جو وہاں گزرا تھا بتدا کی خبر کی جو اقسام تھیں جو احکام تھے جو شرائط تھیں وہ ساری یہاں پر بھی جاری ہوں گی بھائی۔

آگے دیکھیے وَلَكِنَّهُ يَتَقَدَّمُ عَلَى اسْمِهَا حَالَ كَوْنِهِ مَعْرِفَةً۔ جی متن میں آیا تھا وَيَتَقَدَّمُ مَعْرِفَةً، اور كَانَ کی خبر مقدم ہو جاتی ہے مَعْرِفَةً کس حال میں؟ معرفہ ہونے کی حالت میں۔ صاحبِ جامی نے واؤ کے بعد لَكِنَّ نکال لیا، وَلَكِنَّهُ يَتَقَدَّمُ۔ بتلانا یہ چاہتے ہیں کہ یہ ماقبل سے استدراک ہے۔ ماقبل سے استدراک ہے، استدراک کہتے ہیں ماقبل کلام سے ایک وہم پیدا ہو اس وہم کو دور کرنا۔ ماقبل کلام سے ایک وہم پیدا ہو اور اس وہم کو لَكِنَّ وغیرہ کے ذریعے دور کیا جاتا ہے اس کو کہتے ہیں استدراک۔ تو ماقبل میں بتایا کہ كَانَ کی خبر کا معاملہ بتدا کی خبر کے معاملے کی طرح ہے، تو اس سے وہم پیدا ہوا کہ شاید تمام

معاملات میں اسی طرح ہے دونوں میں کوئی فرق ہے ہی نہیں، لیکن بتایا نہیں ایک فرق ہے دونوں میں۔ وہ کیا؟ کہتے ہیں وَلَكِنَّهُ يَتَقَدَّمُ عَلَى اسْمِهَا مگر یہ کہ جو كَانَ کی خبر ہے وہ مقدم ہو جاتی ہے عَلَى اسْمِهَا كَانَ کے اسم پر، حَالَ كَوْنِهِ مَعْرِفَةً معرفہ ہونے کی حالت میں۔ كَانَ کی خبر كَانَ کے اسم پر مقدم ہو جاتی ہے معرفہ ہونے کی حالت میں، حالانکہ بتدا کی خبر معرفہ ہونے کی حالت میں بتدا پر مقدم نہیں ہو سکتی۔ اور نیز مَعْرِفَةً منصوب آیا تھا متن میں وَيَتَقَدَّمُ مَعْرِفَةً، یہ منصوب کیوں ہے؟ صاحبِ جامی نے بتلا دیا، أَيْ حَالَ كَوْنِهِ مَعْرِفَةً معرفہ ہونے کی حالت میں، بتلا دیا کہ یہ حال ہے اور حال منصوب ہوتا ہے۔

تو کہتے ہیں، وَلَكِنَّهُ يَتَقَدَّمُ عَلَى اسْمِهَا لیکن كَانَ کی خبر وہ كَانَ کے اسم پر مقدم ہو جاتی ہے حَالَ كَوْنِهِ مَعْرِفَةً معرفہ ہونے کی حالت میں۔ حَقِيقَةً أَوْ حُكْمًا یہ ایک اعتراض کا جواب دے رہے ہیں۔ یہ ایک اعتراض کا جواب دے رہے ہیں۔ یہ ذرا اپنے سامنے ذرا لکھیے عبارت بھائی۔ لکھیے بھائی، زَيْدٌ الْعَالِمُ۔ توجہ ہے؟ دیکھو یہ زَيْدٌ ہے بتدا اور الْعَالِمُ اس کی خبر معرفہ آ گئی، اور جب بتدا کی خبر معرفہ آجائے تو پھر بتدا کو مقدم رکھنا اور خبر کو مؤخر ہی رکھنا واجب ہے، اس خبر کو اس الْعَالِمُ کو آپ زید پر مقدم نہیں کر سکتے۔ اسی کے آگے ایک اور جملہ لکھیے، رَجُلٌ عَالِمٌ خَيْرٌ مِنْ جَاهِلٍ۔ رَجُلٌ عَالِمٌ خَيْرٌ مِنْ جَاهِلٍ۔ رَجُلٌ عَالِمٌ عالم آدمی خَيْرٌ مِنْ جَاهِلٍ وہ جاہل سے بہتر ہے، عالم آدمی جاہل سے بہتر ہے۔ اب دیکھو اس کے اندر یہ رَجُلٌ یہ ہے بتدا اور یہ عَالِمٌ اس کی صفت ہے، توجہ ہے؟ اور یہ خَيْرٌ یہ ہے خبر اور یہ مِنْ جَاهِلٍ یہ جار مجرور متعلق ہے خَيْرٌ سے۔ جار مجرور آپ نے پڑھا ہے کہ وہ آٹھ چیزوں سے متعلق ہوتا ہے، یا وہ فعل سے متعلق ہو گا، یا مصدر سے، یا اسم فاعل، یا اسم مفعول، یا صفتِ مشبہ، یا اسم تفضیل، یا مبالغہ کا صیغہ، یا اسم فعل۔ تو دیکھو اس کے اندر ایک اسم تفضیل بھی آیا، اور آپ پڑھ چکے ہیں کہ یہ خَيْرٌ کیا ہے؟ اسم تفضیل ہے اور اسم تفضیل کے استعمال کے کتنے طریقے ہیں؟ تین طریقے ہیں، کبھی وہ مِنْ کے ساتھ ہو گا، کبھی الف لام کے ساتھ اور کبھی اضافت کے ساتھ، تو یہاں یہ مِنْ کے ساتھ استعمال ہو رہا ہے، تو یہ جار مجرور خَيْرٌ کے ساتھ متعلق ہیں۔ اب دیکھو رَجُلٌ ہے بتدا لیکن وہ نکرہ ہے، وہ نکرہ ہے۔ نیز دیکھیے خَيْرٌ مِنْ جَاهِلٍ، یہ خَيْرٌ ہے خبر اور یہ بھی نکرہ ہے، توجہ ہے؟ لیکن دونوں کے اندر تخصیص ہے بھائی، دونوں کے اندر تخصیص ہے۔ رَجُلٌ کی صفت کیا آئی؟ عَالِمٌ۔ معلوم ہوا رَجُلٌ سے ہر آدمی نہیں مراد بلکہ کون سا آدمی مراد ہے؟ رجلِ عالم مراد ہے۔ یاد رکھو نکرہ کی جب صفت آجائے تو اس میں تخصیص آجاتی ہے، نکرہ کی صفت آجائے تو اس میں تخصیص آجاتی ہے۔ دیکھو کس طرح، ادھر دیکھو، جب میں نے کہا رَجُلٌ یہ دنیا کے ہر رجل پر صادق آ رہا ہے چاہے وہ عالم ہو چاہے عالم نہ ہو، لیکن جب میں اس کی صفت لے آیا رَجُلٌ عَالِمٌ اب یہ صرف اس رجل پر صادق آئے گا جو عالم ہو گا جو غیر عالم ہو گا اس پر صادق نہیں۔ تو دیکھو افراد کم ہو گئے، فرض کرو مثلاً پہلے یہ تین ارب لوگوں پر صادق آ رہا تھا اب یہ چند لاکھ لوگوں پر صادق آ گیا۔ تو دیکھو افراد کم ہو گئے، اس کو کہتے ہیں تخصیص۔ کیا کہتے ہیں؟ تخصیص۔ تو معلوم ہوا یہ رَجُلٌ نکرہ مخصصہ ہے، معرفہ

نہیں ہے۔ معرفہ نہیں، تو بتدا بھی نکرہ مخصصہ اور یاد رکھو یہ خَيْرٌ یہ بھی نکرہ ہے اور یہ بھی نکرہ مخصصہ ہے۔ کیونکہ خَيْرٌ کا کیا معنی؟ بہتر۔ بھائی کس چیز سے بہتر؟ بتلایا مِنْ جَاهِلٍ جاہل سے بہتر، تو یہ جار مجرور جب خیر سے جڑ گئے اس کے اندر بھی تخصیص آ گئی۔ کیا آ گئی؟ تخصیص آ گئی، اس نے بتلا دیا کہ ہر چیز سے بہتر یہاں مراد نہیں ہے بلکہ جاہل سے بہتر مراد ہے، تو کیا آ گئی؟ تخصیص۔ تو بتدا بھی نکرہ مخصصہ اور خبر بھی نکرہ مخصصہ۔ یاد رکھو ادھر دیکھیے صاحبِ کافیہ نے جہاں یہ ضابطہ بیان کیا تھا وہاں بتدا اور خبر کی بحث میں انہوں نے کہا تھا کہ بتدا اور خبر جب دونوں معرفہ ہوں یا دونوں متساویین ہوں یعنی برابر ہوں کس چیز میں؟ تخصیص کے اندر، تو اس وقت بتدا کو مقدم رکھنا اور خبر کو مؤخر رکھنا واجب ہے۔ جیسے اس مثال کے اندر ہے رَجُلٌ عَالِمٌ خَيْرٌ مِنْ جَاهِلٍ، رَجُلٌ بتدا ہے لیکن یہ نکرہ مخصصہ ہے اور خَيْرٌ یہ بھی نکرہ ہے لیکن یہ نکرہ مخصصہ ہے، تو دونوں نکرہ مخصصہ ہونے میں برابر ہو گئے۔ بتدا بھی نکرہ مخصصہ، خبر بھی نکرہ مخصصہ، تو اس قسم کے موقع پر بھی بتدا کو مقدم رکھنا اور خبر کو مؤخر رکھنا واجب ہے۔ توجہ ہے؟ اس لیے کیونکہ دونوں کا اعراب ایک جیسا ہے، اگر آپ خَيْرٌ مِنْ جَاهِلٍ کو مقدم کر دیں گے اور رَجُلٌ عَالِمٌ بتدا کو مؤخر کر دیں گے، تو کسی کو پتہ نہیں چلے گا کہ یہ جو مقدم ہے یہ خبر ہے، وہ یہی سمجھے گا جو مقدم ہے یہ بتدا ہے کیونکہ یہ بھی نکرہ مخصصہ ہے اور وہ جو مؤخر ہے وہ خبر ہے کیونکہ وہ بھی نکرہ مخصصہ ہے۔ حاصلِ کلام کیا؟ کہ بتدا اور خبر کے اندر اگر دونوں معرفہ ہوں تب بھی بتدا کو مقدم رکھنا واجب، اور اگر دونوں نکرہ مخصصہ ہوں بتدا اور خبر تو بھی بتدا کو مقدم رکھنا واجب ہے۔ جبکہ كَانَ کی خبر اگر معرفہ آ گئی تو بھی اس خبر کو كَانَ کے اسم پر مقدم کر سکتے ہیں، جبکہ دونوں میں یا دونوں میں سے ایک پر اعراب لفظی ہو کیونکہ اعراب سے پتہ چل جائے گا، رفع جس پر بھی آ رہا ہو گا پتہ چل جائے گا یہ ہے كَانَ کا اسم اور نصب جس پر آ رہا ہو گا پتہ چل جائے گا یہ ہے كَانَ کی خبر۔ تو كَانَ کی خبر جب معرفہ ہو تو اس کو كَانَ کے اسم پر مقدم کرنا جائز، تو اسی طرح كَانَ کا اسم اگر نکرہ مخصصہ ہو اور كَانَ کی خبر بھی نکرہ مخصصہ ہو تو اس کو بھی كَانَ کے اسم پر مقدم کرنا جائز ہے۔ توجہ ہے؟ تو اس کو تو صاحبِ کافیہ نے ذکر نہیں کیا۔ نہیں توجہ؟ صاحبِ کافیہ نے کیا فرمایا تھا بتدا خبر کی بحث میں؟ اگر بتدا اور خبر دونوں معرفہ ہوں یا دونوں متساویین ہوں یعنی دونوں نکرہ مخصصہ ہوں تو بتدا کی خبر کو بتدا پر مقدم نہیں کر سکتے۔ اور كَانَ کی خبر میں کیا کہہ رہے ہیں؟ کہ كَانَ کی خبر مقدم ہو جاتی ہے معرفہ ہونے کی حالت میں، بھئی نکرہ مخصصہ ہونے کی حالت بھی تو ساتھ قید لگائیں، معرفہ ہونے کی حالت میں بھی مقدم ہو جاتی ہے اور نکرہ مخصصہ ہونے کی حالت میں بھی مقدم ہو جاتی ہے اپنے اسم پر، تو اس کو تو صاحبِ کافیہ نے ذکر نہیں کیا، انہوں نے تو صرف مَعْرِفَةً کہا، حالانکہ اس کو بھی ذکر کرنا چاہیے تھا۔ تو صاحبِ جامی اس کا جواب دے رہے ہیں کہ بھئی معرفہ ہونا عام ہے، چاہے حقیقتاً معرفہ ہو چاہے حکماً معرفہ ہو، تو جب معرفہ ہونا ہم نے عام کر دیا چاہے حقیقتاً ہو چاہے حکماً، تو نکرہ مخصصہ وہ بھی حکماً معرفہ ہوتا ہے۔ کیا ہوتا ہے؟ یعنی معرفہ کے حکم میں ہوتا ہے بھئی، جیسے بتدا میں اصل کیا ہے؟ معرفہ ہونا چاہیے، نکرہ مخصصہ بھی اسی کے حکم میں ہے وہ بھی بتدا بن سکتا ہے۔ توجہ ہے؟ بتدا میں اصل کیا ہے؟ معرفہ ہونا چاہیے،

اور نکرہ مخصصہ بھی بتدا بن سکتا ہے یا نہیں؟ نکرہ مخصصہ ابھی مثال آپ نے لکھی، رَجُلٌ عَالِمٌ یہ کیا بن رہا ہے؟ بتدا بن رہا ہے، تو معلوم ہوا نکرہ مخصصہ اس کا بھی وہی حکم ہے جو معرفہ کا ہے، اور معرفہ تو بتدا بن سکتا ہے تو نکرہ مخصصہ بھی بتدا بن سکتا ہے۔ تو نکرہ مخصصہ حقیقتاً تو نہیں معرفہ لیکن حکم کے اعتبار سے یہ بھی کس کی طرح ہے؟ معرفہ کی طرح ہے۔ تو یہاں جو معرفہ کا لفظ آیا وہ عام ہے، معرفہ چاہے حقیقتاً ہو اور چاہے حکماً ہو جیسے نکرہ مخصصہ ہوتا ہے۔ تو کہتے ہیں، مَعْرِفَةً حَقِيقَةً أَوْ حُكْمًا، وہ معرفہ چاہے حقیقتاً ہو یا حکماً ہو، كَالنَّكِرَةِ الْمُخَصَّصَةِ۔ یہ معرفہ حکماً کی مثال ذکر کر رہے ہیں کہ معرفہ حکماً ہو جیسے كَالنَّكِرَةِ الْمُخَصَّصَةِ، جیسے وہ نکرہ جس میں تخصیص لائی گئی ہو بھئی، جس میں تخصیص ہو۔

بھئی کیوں؟ یہ كَانَ کی خبر کو كَانَ کے اسم پر کیوں مقدم کر سکتے ہیں؟ میں نے پوری تقریر کر دی ہے وہی ساری تقریر صاحبِ جامی بھی کریں گے۔ کیوں مقدم کر سکتے ہیں؟ کیونکہ دونوں کا اعراب الگ الگ ہے، اعراب سے فرق ہو جائے گا۔ وہی بیان کر رہے ہیں، کہتے ہیں لِاخْتِلَافِ اسْمِهَا وَخَبَرِهَا فِي الْإِعْرَابِ، اس وجہ سے کہ كَانَ کا اسم اور كَانَ کی خبر وہ مختلف ہوتے ہیں اعراب میں، فَلَا يَلْتَبِسُ أَحَدُهُمَا بِالْآخَرِ، تو لہٰذا التباس نہیں ہوگا ان دونوں میں سے ایک کا دوسرے کے ساتھ۔ ایک کا دوسرے کے ساتھ التباس اور اشتباہ نہیں ہوگا، اعراب سے پتہ چل جائے گا۔

وَذَلِكَ إِذَا كَانَ الْإِعْرَابُ، بھئی یہ کس وقت؟ جب دونوں میں اعراب لفظی ہو یا دونوں میں سے ایک میں اعراب لفظی ہو۔ وہی بیان کر رہے ہیں، وَذَلِكَ إِذَا كَانَ الْإِعْرَابُ فِيهِمَا، کہ جس وقت اعراب ان دونوں میں أَوْ فِي أَحَدِهِمَا یا دونوں میں سے ایک کے اندر لَفْظِيًّا، اعراب کون سا ہو؟ لفظی ہو یعنی ہم اس پر تلفظ کریں، نَحْوُ كَانَ الْمُنْطَلِقَ زَيْدٌ۔ یہاں دونوں میں اعراب لفظی ہے، الْمُنْطَلِقَ پر نصب کا میں تلفظ کر رہا ہوں اور زَيْدٌ پر میں رفع کا تلفظ کر رہا ہوں، اعراب سے پتہ چل رہا ہے کہ الْمُنْطَلِقَ یہ كَانَ کی خبرِ مقدم ہے اور زَيْدٌ یہ كَانَ کا اسمِ مؤخر ہے۔ أَوْ كَانَ هَذَا زَيْدٌ۔ یہ ہے جس کے اندر ایک کے اندر اعراب لفظی ہے، هَذَا یہ تو اسمِ اشارہ ہے یہ مبنی ہے، تو اس پر اعراب محلاً ہے، اور زَيْدٌ اس پر اعراب لفظی ہے، لیکن ایک پر بھی اعراب لفظی آئے اس سے پتہ چل جائے گا، زَيْدٌ پر میں کیا پڑھ رہا ہوں؟ رفع، اس نے بتا دیا کہ یہ کیا ہے كَانَ کا اسم کیونکہ كَانَ کا اسم مرفوع ہوتا ہے خبر تو منصوب ہوتی ہے۔ اور اگر اس زید پر میں نصب پڑھتا، تو یہ نصب بتلا دیتا کہ یہ كَانَ کی خبر ہے اور دوسرا لفظ جو ہے وہ كَانَ کا اسم ہے۔ تو کہتے ہیں دونوں میں اعراب لفظی ہو جیسے كَانَ الْمُنْطَلِقَ زَيْدٌ، یا دونوں میں سے ایک میں اعراب لفظی ہو جیسے كَانَ هَذَا زَيْدٌ۔ جی الْمُنْطَلِقُ کا معنی چلنے والا۔ كَانَ الْمُنْطَلِقَ زَيْدٌ، زید جو تھا چلنے والا تھا یعنی زید چل رہا تھا۔ ترتیب درست کر لیں، اس وقت تو خبر کو مقدم کیا ہے خبر کو مؤخر کر دیں، كَانَ زَيْدٌ الْمُنْطَلِقَ، زید، اور پھر حصر بھی لے آئیں کیونکہ خبر معرفہ ہو تو حصر آجاتا ہے، زید ہی چل رہا تھا۔ زید ہی چل رہا تھا۔ جی، أَوْ كَانَ هَذَا زَيْدٌ، اور زید یہ تھا۔

آگے دیکھیے، بِخِلَافِ الْمُبْتَدَأِ وَالْخَبَرِ، بخلاف بتدا اور خبر کے، وہاں خبر جب معرفہ ہو یا نکرہ مخصصہ ہو تو اس کو بتدا پر

مقدم نہیں کر سکتے جب دونوں نکرہ مخصصہ ہوں۔ تو کہتے ہیں، بخلاف مبتدا اور خبر کے، فَإِنَّ الْإِعْرَابَ فِيهِمَا لَا يَصْلُحُ لِلْقَرِيْنَةِ، اس لیے کیونکہ ان دونوں کے اندر جو اعراب ہے وہ قرینہ ہونے کی صلاحیت نہیں رکھتا۔ بھئی كَانَ کے اسم اور خبر میں فرق کس کے ذریعے ہو گا؟ اعراب کے ذریعے، تو اعراب قرینہ بن جائے گا۔ قرینہ کسے کہتے ہیں؟ میں کئی دفعہ بتلا چکا ہوں، الْقَرِيْنَةُ هُوَ أَمْرٌ يُشِيْرُ إِلَى الْمَطْلُوْبِ، جو چیز بھی مطلوب اور مقصود کی طرف اشارہ کر دے اسے کیا کہتے ہیں؟ قرینہ۔ مثلاً میں نے کہا كَانَ الْمُنْطَلِقَ زَيْدٌ، آپ کو پتہ چل گیا کہ الْمُنْطَلِقَ كَانَ کی خبرِ مقدم ہے اور زَيْدٌ كَانَ کا اسم، تو اس نے میرے مقصود یعنی متکلم کا مقصود مخاطب کو پتہ چل گیا کہ متکلم زید کو كَانَ کا اسم بنا رہا ہے اور الْمُنْطَلِقُ جو مقدم ہے اس کو كَانَ کی خبر، تو جو بھی چیز متکلم کے مقصود اور ارادے کو ظاہر کر دے اس کو قرینہ کہتے ہیں۔ تو مبتدا اور خبر میں تو دونوں پر رفع آرہا ہے، تو وہاں وہ رفع جو ہے وہ قرینہ نہیں بن سکتا کیونکہ دونوں پر رفع ہے بھئی، تو پھر اس کے علاوہ کوئی اور قرینہ چاہیے ہو گا، اور اور قرینہ تو عموماً نہیں ہوتا، ہاں اگر کوئی اور قرینہ موجود ہو پھر وہاں مقدم کر سکتے ہیں۔

تو کہتے ہیں فَإِنَّ الْإِعْرَابَ فِيهِمَا لَا يَصْلُحُ لِلْقَرِيْنَةِ، اس لیے کیونکہ ان دونوں کے اندر اعراب جو ہے یعنی مبتدا اور خبر میں اعراب جو ہے، لَا يَصْلُحُ لِلْقَرِيْنَةِ وہ صلاحیت نہیں رکھتا قرینہ ہونے کی، لِاتِّفَاقِهِمَا فِيْهِ، اس لیے کیونکہ ان دونوں کا اتفاق ہے، کس کا اتفاق ہے؟ مبتدا اور خبر کا۔ لِاتِّفَاقِهِمَا اس لیے کیونکہ ان دونوں کا مبتدا اور خبر دونوں کا اتفاق ہے، فِيْهِ أَيْ فِي الْإِعْرَابِ کس کے اندر؟ اعراب میں۔ اعراب قرینہ نہیں بن سکتا کیونکہ اعراب میں تو دونوں کا اتفاق ہے دونوں پر رفع آرہا ہے، بَلْ لَا بُدَّ مِنْ قَرِيْنَةٍ رَافِعَةٍ لِلَّبْسِ، بلکہ ضروری ہے ایسے قرینے کا ہونا رَافِعَةٍ لِلَّبْسِ، لبس کہتے ہیں اشتباہ کو بھئی، اشتباہ اور شک، شک و شبہ۔ بَلْ لَا بُدَّ مِنْ قَرِيْنَةٍ بلکہ ضروری ہے ایسا قرینہ رَافِعَةٍ لِلَّبْسِ جو اشتباہ کو دور کر دے۔ دونوں پر رفع ہے، اس رفع سے تو پتہ نہیں چلے گا کون مبتدا ہے اور کون خبر، توجہ ہے؟ تو لہٰذا کوئی اور قرینہ چاہیے جو التباس کو دور کر دے، تو اگر کوئی اور قرینہ ہو تو پھر اس وقت مبتدا کی خبر معرفہ ہونے کے باوجود آپ مقدم کر سکتے ہیں۔

وَكَذَلِكَ إِذَا انْتَفَى الْإِعْرَابُ فِي اسْمِ كَانَ وَخَبَرِهَا جَمِيْعًا، اور اسی طرح ہے جب اعراب منتفی ہو جائے یعنی اعرابِ لفظی جو ہے منتفی ہو جائے فِي اسْمِ كَانَ وَخَبَرِهَا جَمِيْعًا كَانَ کے اسم اور خبر دونوں میں۔ جب اعرابِ لفظی كَانَ کے اسم میں بھی منتفی ہے اور كَانَ کی خبر میں بھی منتفی ہے، تو اب یہاں پر بھی کوئی قرینہ نہیں جو یہ بتلائے کہ كَانَ کی خبر کیا ہے اور كَانَ کا اسم کیا ہے، تو اس صورت میں بھی كَانَ کی خبر کو كَانَ کے اسم پر مقدم نہیں کر سکتے۔ یہ معنی ہے وَكَذَلِكَ إِذَا انْتَفَى الْإِعْرَابُ فِي اسْمِ كَانَ وَخَبَرِهَا جَمِيْعًا، اور اسی طرح ہے جب اعراب منتفی ہو جائے یعنی اعرابِ لفظی منتفی ہو جائے كَانَ کے اسم اور كَانَ کی خبر میں جَمِيْعًا یعنی اکٹھا یعنی دونوں کے اندر، وَلَا قَرِيْنَةَ هُنَاكَ اور وہاں کوئی اور قرینہ بھی نہ ہو، فَلَا يَجُوْزُ تَقْدِيْمُ الْخَبَرِ تو اس وقت اس كَانَ کی خبر کو مقدم کرنا جائز نہیں، نَحْوُ مثال کے طور پر كَانَ الْفَتَى هَذَا۔ تو دیکھو الْفَتَى کے اندر بھی اعراب تقدیری یہ اسمِ مقصور ہے جس کے آخر میں الفِ مقصورہ آتا ہے، اور هَذَا یہ تو مبنی ہے اس کے اندر

بھی اعراب محلاً آتا ہے، تو لفظی اعراب دونوں میں منتفی ہوا، تو اب كَانَ کی خبر کو كَانَ کے اسم پر مقدم کرنا جائز نہیں ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو معلوم ہوا كَانَ الْفَتَى هَذَا، الْفَتَى یہ ہے كَانَ کا اسم اور هَذَا یہ ہے كَانَ کی خبر ہے بھئی۔ فَتًى میں نے بتایا جوان کو کہتے ہیں، كَانَ الْفَتَى هَذَا وہ جوان یہ تھا۔ مثلاً کسی شخص نے بہادری دکھائی تھی کسی موقع پر اور پوچھنے والا پوچھتا ہے کہ وہ جوان کون تھا بھئی جس نے بہادری دکھائی؟ تو آپ کہتے ہیں كَانَ الْفَتَى هَذَا وہ جوان یہ تھا۔

آگے دیکھیے بھائی متن متن پہلے دیکھیے۔ کہتے ہیں وَقَدْ يُحْذَفُ عَامِلُهُ، اور کبھی کبھار كَانَ کی خبر کے عامل کو حذف کر لیا جاتا ہے۔ کس کی بات چل رہی ہے؟ كَانَ کی خبر کی، تو کیا کہا؟ عَامِلُهُ، اس کا عامل یعنی كَانَ کی خبر کا جو عامل ہے اس کو حذف کر لیا جاتا ہے۔ بھئی كَانَ کی خبر کے اندر عامل کیا ہوگا؟ كَانَ ہی تو ہے، کون ہے؟ كَانَ عامل ہے، توجہ ہے؟ تو کہتے ہیں وَقَدْ يُحْذَفُ عَامِلُهُ اور کبھی کبھار كَانَ کی خبر کے عامل کو حذف کر لیا جاتا ہے یعنی كَانَ کو حذف کر لیا جاتا ہے، فِي مِثْلِ اس جیسی مثالوں میں، النَّاسُ مَجْزِيُّوْنَ بِأَعْمَالِهِمْ إِنْ خَيْرًا فَخَيْرٌ وَإِنْ شَرًّا فَشَرٌّ۔ النَّاسُ مَجْزِيُّوْنَ بِأَعْمَالِهِمْ، مَجْزِيٌّ جَزَى يَجْزِي سے ہے، جَزَى يَجْزِي کا معنی بدلہ دینا اور یہ اسی سے اسم مفعول ہے۔ جیسے آپ نے پڑھا ہے رَمَى يَرْمِي رَمْيًا فَهُوَ رَامٍ وَرُمِيَ يُرْمَى رَمْيًا فَذَاكَ مَرْمِيٌّ، یہ مَرْمِيٌّ اسم مفعول ہے، یہاں بھی اسی طرح ہے مَجْزِيٌّ، اور اسی کی پھر جمع واؤ نون کے ساتھ بنا لی مَجْزِيُّوْنَ، تو مَجْزِيٌّ جس کو بدلہ دیا جائے۔ تو کہتے ہیں النَّاسُ مَجْزِيُّوْنَ بِأَعْمَالِهِمْ لوگوں کو بدلہ دیا جائے گا ان کے اعمال کے ساتھ، یعنی جس طرح کے اعمال ہوں گے اسی طرح لوگوں کو بدلہ دیا جائے گا۔ إِنْ خَيْرًا فَخَيْرٌ اگر ان کے اعمال اچھے ہوئے تو بدلہ بھی اچھا ہوگا، وَإِنْ شَرًّا فَشَرٌّ اور اگر ان کے اعمال برے ہوئے تو بدلہ بھی برا ہوگا۔ معنی سمجھ میں آگیا؟ تو اس قسم کی مثالوں میں دیکھو اب کیا آیا؟ إِنْ خَيْرًا، اصل میں کیا ہے؟ إِنْ كَانَ عَمَلُهُمْ خَيْرًا، تو یہ خَيْرًا كَانَ کی خبر ہے اور كَانَ کی خبر منصوب ہوتی ہے، اور اس كَانَ کو حذف کر لیا گیا۔ إِنْ خَيْرًا فَخَيْرٌ دیکھو یہاں سے كَانَ کو حذف کر لیا گیا۔

تو کہتے ہیں، وَقَدْ يُحْذَفُ عَامِلُهُ اور کبھی کبھار كَانَ کی خبر کے عامل کو حذف کر لیا جاتا ہے، فِي مِثْلِ اس جیسی مثالوں میں، النَّاسُ مَجْزِيُّوْنَ بِأَعْمَالِهِمْ لوگوں کو بدلہ دیا جائے گا ان کے اعمال کے ساتھ یعنی لوگوں کو ان کے اعمال کے مطابق بدلہ دیا جائے گا، إِنْ خَيْرًا فَخَيْرٌ وَإِنْ شَرًّا فَشَرٌّ اگر ان کے اعمال اچھے ہوئے تو اچھا بدلہ ملے گا اور اگر ان کے اعمال برے ہوئے تو برا بدلہ ملے گا۔ وَيَجُوْزُ فِي مِثْلِهَا أَرْبَعَةُ أَوْجُهٍ اور جائز ہے اس جیسی مثالوں میں أَرْبَعَةُ أَوْجُهٍ چار وجہیں۔ اس جیسی مثالوں میں چار وجہیں جائز ہیں، یعنی چار طرح اس کو پڑھنا جائز ہے۔ کس طرح دیکھو؟ إِنْ خَيْرًا فَخَيْرٌ، آگے آ رہا ہے وَإِنْ شَرًّا فَشَرٌّ۔ جو ترکیب إِنْ خَيْرًا فَخَيْرٌ میں ہوگی وہی إِنْ شَرًّا فَشَرٌّ میں ہوگی، لہٰذا اس کو تو چھوڑ دیں، صرف إِنْ خَيْرًا فَخَيْرٌ کو دیکھیں۔ اس میں دیکھو پہلا خَيْرًا منصوب ہے اور دوسرا خَيْرٌ مرفوع ہے، تو یہاں چار وجہیں جائز ہیں۔ ایک یہ صورت کہ پہلا لفظ کیا ہو؟ منصوب اور دوسرا مرفوع۔ دوسری صورت دونوں پر نصب پڑھیں، إِنْ خَيْرًا فَخَيْرًا، دونوں پر

نصب پڑھیں۔ تیسری صورت دونوں پر رفع پڑھیں، إِنْ خَيْرٌ فَخَيْرٌ۔ اور چوتھی صورت یہ ہے اس کے برعکس کر دیں جو کتاب میں ہے، کتاب میں پہلا منصوب ہے اور دوسرا مرفوع، آپ پہلے کو مرفوع کر دیں اور دوسرے کو منصوب، إِنْ خَيْرٌ فَخَيْرًا۔ تو یہ چار وجہیں جائز ہیں، کون سی وجہیں؟ پہلی وجہ کیا؟ إِنْ خَيْرًا فَخَيْرٌ، دوسری وجہ کیا؟ دونوں پر نصب پڑھیں، إِنْ خَيْرًا فَخَيْرًا، دونوں پر رفع پڑھیں، إِنْ خَيْرٌ فَخَيْرٌ، پہلے پر رفع پڑھیں دوسرے پر نصب، إِنْ خَيْرٌ فَخَيْرًا، یہ چار وجہیں پڑھنا جائز ہیں۔

یہاں تک بات سمجھ میں آگئی؟ اب آئیے اس کو شرح کے ساتھ دیکھیے۔ کہتے ہیں وَقَدْ يُحْذَفُ عَامِلُهُ أَيْ عَامِلُ خَبَرِ كَانَ، اور کبھی کبھار كَانَ کی خبر کے عامل کو حذف کر لیا جاتا ہے۔ یاد رکھو یہ جو عَامِلُهُ کی ہا ضمیر ہے، یہ راجع ہے ماقبل میں جو خبر آیا تھا، خَبَرَ كَانَ وَأَخَوَاتِهَا، كَانَ اور اس کے اخوات کی جو خبر ہے، گویا عبارت یوں بن گئی: وَقَدْ يُحْذَفُ عَامِلُ خَبَرِ كَانَ وَأَخَوَاتِهَا، كَانَ اور اس کے اخوات کے خبر کے عامل کو حذف کرنا جائز ہے۔ اور عامل کیا ہے؟ كَانَ اور اس کے اخوات، کیونکہ ان کی خبر ہے تو وہی عامل ہوں گے نا؟ تو حاصلِ کلام کیا ہوا؟ معلوم ہوا کہ كَانَ اور اس کے اخوات کو حذف کرنا جائز ہے۔ حالانکہ اور شارحین یہاں اعتراض کرتے ہیں کہ صاحبِ کافیہ کا مطلقاً عَامِلُهُ کی ہا ضمیر کو خَبَرَ كَانَ وَأَخَوَاتِهَا کی طرف لوٹانا صحیح نہیں، کیونکہ صرف كَانَ کو حذف کرنا جائز ہے، كَانَ کے اخوات کو حذف کرنا جائز نہیں۔ توجہ ہے؟ عَامِلُهُ کی ہا ضمیر کس کو لوٹائی؟ خَبَرَ كَانَ وَأَخَوَاتِهَا، كَانَ اور اس کے اخوات کی خبر کا جو عامل ہے اس کو حذف کرنا جائز، اور وہ تو کیا ہے؟ كَانَ ہے اور اس کے اخوات، تو اس سے پتہ چلا سب کو حذف کر سکتے ہیں، حالانکہ سب کو نہیں حذف کر سکتے، صرف كَانَ کو حذف کرنا جائز ہے اس کے اخوات کو حذف کرنا جائز نہیں۔ تو صاحبِ جامی اس کا جواب دیں گے کہ بھئی یہ عَامِلُهُ کی ہا ضمیر یہ صرف خبرِ كَانَ کو آپ لوٹائیں، اس کے اخوات کی خبر کی طرف نہ لوٹائیں، توجہ ہے؟ تو اس سے صرف كَانَ کی خبر مراد ہے۔ بھئی کیا قرینہ ہے؟ كَانَ کی خبر کا الگ تو ذکر آیا ہی نہیں، كَانَ اور اس کے اخوات کی خبر کا ذکر آیا ہے، تو آپ صرف كَانَ کی خبر کی طرف کیسے اس ضمیر کو لوٹا سکتے ہیں؟ تو اس کا جواب دیتے ہیں محشی حضرات کہ یہاں قرینہ موجود ہے، قرینہ یہ کہ یہ جو مثال آئی، النَّاسُ مَجْزِيُّوْنَ بِأَعْمَالِهِمْ إِنْ خَيْرًا فَخَيْرٌ وَإِنْ شَرًّا فَشَرٌّ، یہاں پر اس میں صرف كَانَ حذف ہے، كَانَ کے اخوات حذف نہیں۔ تو مثال سے پتہ چل رہا تھا کہ یہاں سب کی خبروں کی بات نہیں ہو رہی بلکہ صرف کس کی خبر کی بات ہو رہی ہے؟ كَانَ کی خبر کی بات ہو رہی ہے کہ كَانَ کی خبر کا جو عامل ہے یعنی كَانَ، اس کو حذف کرنا جائز ہے۔ کس نے پتہ چلا؟ یہ جو آگے مثال ذکر کی، یہ اس پر قرینہ ہے۔

تو کہتے ہیں، وَقَدْ يُحْذَفُ عَامِلُهُ أَيْ عَامِلُ خَبَرِ كَانَ، یعنی كَانَ کی خبر کا جو عامل ہے اس کو حذف کرنا جائز ہے۔ بھئی كَانَ کی خبر کا عامل کیا ہے؟ کہتے ہیں، وَهُوَ كَانَ، وہ خود كَانَ ہے بھئی۔ كَانَ کی خبر کا عامل، كَانَ کی خبر کو نصب کون دیتا ہے؟ كَانَ۔ تو وہ خود كَانَ ہے، وَحْدَهَا صرف اکیلا كَانَ۔ وَحْدَهَا یعنی كَانَ کے ساتھ اس کے اخوات شامل نہیں ہیں، صرف كَانَ کو حذف کرنا جائز ہے۔ دُوْنَ أَخَوَاتِهَا، اس کے اخوات کو نہیں، اس کے اخوات کے علاوہ۔ تو معلوم ہوا صرف كَانَ کا حذف کرنا

جائز ہے، اس کے اخوات کو حذف کرنا جائز نہیں ہے۔ وَلِذَلِكَ اور اسی لیے، یعنی اس لیے کہ صرف كَانَ کو حذف کرنا جائز ہے اس کے اخوات کو حذف کرنا جائز نہیں، لَمْ يَقُلْ عَامِلُهُنَّ، تو انہوں نے عَامِلُهُنَّ نہیں فرمایا بلکہ کیا فرمایا؟ عَامِلُهُ، واحد ضمیر لے کر آئے بھئی، یا ہاں یوں کہہ لو کہ اس ضمیر کا مرجع صرف خبرِ كَانَ ہے، عَامِلُهُ کے اندر ہا ضمیر کا مرجع صرف خبرِ كَانَ ہے نہ کہ خبرِ كَانَ اور اس کے اخوات دونوں۔ تَوَجُّہ ہے؟ تو بس اتنا ہی سبق ہے، باقی آگے تقریر لمبی ہے وہ کل پڑھ لیں گے، آج سبق اتنا ہی کافی ہے، دعا پڑھ لو بھائی۔ اَللّٰهُمَّ ارْزُقْنَا فَهْمَ النَّبِيِّيْنَ وَحِفْظَ الْمُرْسَلِيْنَ وَإِلْهَامَ الْمَلَائِكَةِ الْمُقَرَّبِيْنَ، وَصَلَّى اللّٰهُ عَلَى خَيْرِ خَلْقِهِ مُحَمَّدٍ وَّآلِهِ وَصَحْبِهِ أَجْمَعِيْنَ، بِرَحْمَتِكَ يَا أَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ۔

دیتا ہے؟ كَانَ ہی تو دیتا ہے۔ تو کہتے ہیں، وَهُوَ كَانَ، اور وہ كَانَ کی خبر کا عامل جو ہے وہ كَانَ ہے، لَا خَبَرِ كَانَ وَأَخَوَاتِهَا یعنی كَانَ اور اس کے اخوات کی خبر کا عامل مراد نہیں ہے۔ متن میں آیا وَقَدْ يُحْذَفُ عَامِلُهُ، اور کبھی کبھار اس کے عامل کو حذف کر لیا جاتا ہے۔ کس کے عامل کو؟ بتلایا أَيْ عَامِلُ خَبَرِ كَانَ، كَانَ کے خبر کے عامل کو، آگے آیا لَا خَبَرِ كَانَ وَأَخَوَاتِهَا كَانَ اور اس کے اخوات کی خبر کا عامل مراد نہیں ہے، یعنی سب کا عامل مراد نہیں ہے، صرف کس کا عامل مراد ہے؟ كَانَ کی خبر کا عامل مراد ہے۔ عبارت سمجھ میں آگئی؟ تو کہتے ہیں لَا خَبَرِ كَانَ وَأَخَوَاتِهَا كَانَ اور اس کے اخوات کی خبر کا عامل نہیں، بھئی وہ مراد نہیں ہے۔ لِأَنَّهُ لَا يُحْذَفُ مِنْ هَذِهِ الْأَفْعَالِ إِلَّا كَانَ اس لیے کیونکہ ان افعال میں سے حذف نہیں کیا جاتا إِلَّا كَانَ سوائے كَانَ کے، صرف كَانَ کو حذف کیا جاتا ہے۔

بھئی سوال: كَانَ کو کیوں حذف کرتے ہیں؟ کہتے ہیں کثرتِ استعمال کی وجہ سے۔ كَانَ کثیر الاستعمال ہے۔ ایک لفظ کثرت سے آپ استعمال کرتے ہیں، تو کثرت چاہتی ہے کہ لفظ کو ہلکا ہونا چاہیے تاکہ جلدی سے ادا ہو جائے، تو تخفیف کے لیے حذف کر لیا جاتا ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو كَانَ کو کیوں حذف کرتے ہیں؟ کثرتِ استعمال کی وجہ سے کیونکہ کثرتِ استعمال خفت کا تقاضا کرتی ہے کہ لفظ کو ہلکا ہونا چاہیے، زبان پر جلدی سے ادا ہو جائے بھئی۔ تو کہتے ہیں وَإِنَّمَا اخْتَصَّتْ بِهَذَا الْحَذْفِ، اور كَانَ جو ہے وہ اس حذف کے ساتھ خاص ہے، اخْتَصَّتْ پڑھ لیں چاہے أُخْتُصَّتْ فعلِ مجہول پڑھ لیں۔ اِخْتَصَّ کا معنی خاص ہونا بھی اور اِخْتَصَّ کا معنی خاص کرنا بھی۔ توجہ ہے؟ تو اگر آپ خاص ہونا فعلِ لازم بناتے ہیں پڑھتے ہیں اس کو، تو پھر اِخْتَصَّتْ پڑھیں، إِنَّمَا اخْتَصَّتْ كَانَ کہ كَانَ خاص ہے بِهَذَا الْحَذْفِ کس کے ساتھ؟ اس حذف کے ساتھ۔ اور آپ اگر اس کو فعلِ مجہول سے پڑھتے ہیں، اِخْتَصَّ کا معنی خاص کرنا، تو أُخْتُصَّ، أُخْتُصَّ جس کو خاص کیا گیا ہے، تو پھر اس کو مجہول پڑھیں، وَإِنَّمَا اخْتُصَّتْ بِهَذَا الْحَذْفِ كَانَ کو خاص کیا گیا ہے اس حذف کے ساتھ، لِكَثْرَةِ اسْتِعْمَالِهَا اس کے کثرتِ استعمال کی وجہ سے، فِي مِثْلِ اس جیسی مثالوں میں، النَّاسُ مَجْزِيُّوْنَ بِأَعْمَالِهِمْ لوگ بدلہ دیے جائیں گے اپنے اعمال کے مطابق، إِنْ خَيْرًا فَخَيْرٌ اگر ان کے اعمال اچھے ہوئے تو اچھا بدلہ ملے گا، وَإِنْ شَرًّا فَشَرٌّ اور اگر اعمال ان کے برے ہوئے تو برا بدلہ ملے گا۔

یاد رکھیے بعض علماء لکھتے ہیں کہ یہ حدیث ہے بھئی، یہ حدیث ہے الفاظ کا تھوڑا سا فرق ہے۔ حدیث میں آیا ہے، اَلْمَرْءُ

مَجْزِيٌّ بِعَمَلِهِ إِنْ خَيْرًا فَخَيْرٌ وَإِنْ شَرًّا فَشَرٌّ۔ تو حدیث میں النَّاسُ مَجْزِيُّوْنَ جمع کا ذکر نہیں ہے، اَلْمَرْءُ مَجْزِيٌّ بِعَمَلِهِ، مَرْءٌ آدمی، اَلْمَرْءُ مَجْزِيٌّ بِعَمَلِهِ آدمی کو اس کے عمل کے مطابق بدلہ دیا جائے گا، إِنْ خَيْرًا فَخَيْرٌ وَإِنْ شَرًّا فَشَرٌّ۔ تو بعضوں نے یہ ذکر کیا کہ یہ حدیث ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جبکہ دیگر علماء فرماتے ہیں کہ یہ حدیثِ موقوف ہے بھئی، یعنی حضرت ابنِ عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا یہ قول ہے، حضور کا قول نہیں ہے بلکہ حضرت ابنِ عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا قول ہے، انہوں نے فرمایا اَلْمَرْءُ مَجْزِيٌّ بِعَمَلِهِ إِنْ خَيْرًا فَخَيْرٌ وَإِنْ شَرًّا فَشَرٌّ۔ تو یہ حدیثِ موقوف ہے، کیا ہے؟ حدیثِ موقوف۔ یاد رکھنا حدیث تین قسم پر ہے، ایک حدیثِ مرفوع، ایک حدیثِ موقوف، اور ایک حدیثِ مقطوع۔ حدیثِ مرفوع کہتے ہیں حضور علیہ السلام کا جو قول ہو، اس کو کہتے ہیں حدیثِ مرفوع ہے۔ اگر صحابی کا قول ہے پھر حدیثِ مرفوع نہیں کہتے بلکہ کہتے ہیں حدیثِ موقوف ہے۔ توجہ ہے؟ اور اگر تابعی کا قول ہو تو پھر کہتے ہیں یہ حدیثِ مقطوع ہے۔ مَقْطُوْعٌ، قاف دو نقطوں والا ہے، طا ہے، طا ظا، اور واؤ اور عین، مَقْطُوْعٌ۔ تو حدیثِ مرفوع حضور علیہ السلام کا قول، حدیثِ موقوف صحابی کا قول، اور حدیثِ مقطوع تابعی کے قول کو کہتے ہیں، تو علماء فرماتے ہیں کہ یہ حدیثِ موقوف ہے حدیثِ مرفوع نہیں ہے بھئی۔

آگے دیکھیے، کہتے ہیں وَيَجُوْزُ فِي مِثْلِهَا، اور اس جیسی مثالوں میں جائز ہیں۔ اس جیسی مثالوں سے کیا مراد ہے؟ وہ اب صاحبِ جامی بیان کر رہے ہیں، کہتے ہیں أَيْ فِي مِثْلِ هَذِهِ الصُّوْرَةِ اس جیسی صورت میں، اس جیسی یعنی اس جیسی صورت جن جملوں میں آئے ان میں جائز ہے۔ بھئی اس جیسی صورت سے کیا مراد ہے؟ کہتے ہیں وَهِيَ أَنْ يَّجِيْءَ بَعْدَ إِنِ اسْمٌ، اور وہ یہ کہ إِنْ کے بعد ایک اسم آئے، ثُمَّ فَاءٌ بَعْدَهَا اسْمٌ، پھر فَاءٌ آئے ایسی فَاءٌ جس کے بعد کوئی اسم ہو۔ توجہ ہے؟ دیکھو إِنْ خَيْرًا فَخَيْرٌ۔ إِنْ آیا، إِنْ کے بعد خَيْرًا ایک اسم آیا، پھر اس کے بعد فا آئی اور پھر فا کے بعد ایک اسم آیا۔ تو اس جیسی مثالوں میں، صورتوں میں جہاں إِنْ کے بعد ایک اسم آئے اور پھر فا آئے اور فا کے بعد ایک اسم آئے اس جیسی مثالوں میں، اس جیسی صورتوں میں چار وجہیں پڑھنا جائز ہیں۔ یا دونوں پر رفع پڑھو یا دونوں پر نصب پڑھو، یا اول پر رفع دوسرے پر نصب یا اول پر نصب اور دوسرے پر رفع پڑھو بھئی۔

تو کہتے ہیں أَيْ فِي مِثْلِ هَذِهِ الصُّوْرَةِ اس جیسی صورت میں، وَهِيَ أَنْ يَّجِيْءَ بَعْدَ إِنِ اسْمٌ، دیکھو أَنْ يَّجِيْءَ بَعْدَ إِنْ اسْمٌ، کیا آئے إِنْ کے بعد؟ اِسْمٌ، کیسے پڑھیں گے؟ أَنْ يَّجِيْءَ بَعْدَ إِنِ اسْمٌ، شاباش اِنِ اسْمٌ، یہ کہ إِنْ کے بعد اسم آئے، ثُمَّ فَاءٌ، دیکھو فَاءٌ ہے نکرہ، فَاءٌ ہے نکرہ، اور اس کے بعد آرہا ہے بَعْدَهَا اسْمٌ۔ بَعْدَهَا اسْمٌ، یہ بَعْدَهَا یہ ہے خبرِ مقدم۔ تو یہ بَعْدَهَا یہ ہے خبرِ مقدم، یہ خبرِ مقدم ہے اور بَعْدَ مضاف ہے اور ہا ضمیر مضاف الیہ ہے اور مضاف مضاف الیہ مل کر آپ نے پڑھا ہے یہ قَبْلُ بَعْدُ کیا واقع ہوتے ہیں؟ یہ مفعول فیہ واقع ہوتے ہیں اور مفعول فیہ کے لیے عامل چاہیے، تو ان کے لیے عامل ثَابِتٌ نکالیں گے، جیسے زَيْدٌ فِي الدَّارِ، ترکیب کیسے کرتے ہیں آپ؟ زَيْدٌ مبتدا اور فِي الدَّارِ جار مجرور مل کر کس سے متعلق؟ ثَابِتٌ سے اور وہ خبر بن جاتی ہے۔ تو یہاں پر بھی اسی طرح ہے، یہ بَعْدَهَا یہ ظرف ہے مضاف مضاف الیہ مل کر ظرف ہے

مفعول فیہ ہے ثَابِتٌ کے لیے، اور ثَابِتٌ صیغہ اسم فاعل اس کے اندر ھُوَ ضمیر فاعل جو کس کو راجع؟ بتدا کو، خبر کو کس سے جوڑتے ہیں؟ بتدا سے، اور اِسْمٌ جو آگے آرہا ہے وہ ہے بتدا مؤخر۔ تو بَعْدَھَا ہے خبرِ مقدم اور اِسْمٌ ہے بتدا مؤخر، اور بتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ ہوا، اور یہ فَاءٌ کے بعد جملہ اسمیہ آیا۔ فَاءٌ کے بعد، اور میں نے آپ کو بتلایا تھا نکرہ کے بعد جملہ اسمیہ آئے تو وہ عموماً اس کے لیے کیا بنتا ہے؟ صفت، تو یہاں پر بھی یہ بَعْدَھَا اسْمٌ یہ پورا جملہ فَاءٌ کے لیے صفت بنے گا، اور موصوف صفت کا ترجمہ کیسے کرتے ہیں؟ موصوف سے پہلے ایسا یا ایسی کا لفظ لے آتے ہیں۔ تو دیکھو، کہتے ہیں ثُمَّ فَاءٌ پھر ایسی فا، پھر پیچھے کیا تھا؟ وَھِيَ أَنْ يَّجِيْءَ بَعْدَ إِنِ اسْمٌ اور وہ یہ کہ إِنْ کے بعد اسم آئے، ثُمَّ فَاءٌ بَعْدَھَا اسْمٌ پھر ایسی فا آئے جس کے بعد اسم ہو، پھر ایسی فا آئے جس کے بعد اسم ہو۔

تو کہتے ہیں اس کے اندر جائز ہیں أَرْبَعَةُ أَوْجُهٍ چار وجہیں۔ پہلی وجہ کیا جو متن میں ہے؟ کیا تھی؟ إِنْ خَيْرًا فَخَيْرٌ۔ پہلے پر نصب ہے اور دوسرے پر رفع، وہی بیان کر رہے ہیں کہ اس میں چار وجہیں جائز ہیں، نَصْبُ الْأَوَّلِ وَرَفْعُ الثَّانِيْ پہلے کا نصب اور دوسرے کا رفع، وَھُوَ أَقْوَاھَا اور یہ ان وجوہ میں سب سے قوی وجہ ہے۔ یعنی سب سے قوی ہے، سب سے اعلیٰ ہے۔ بھئی یاد رکھنا چار وجہیں تو جائز ہیں لیکن سب ایک درجے کی نہیں ہیں، بلکہ ان میں حذف کو دیکھا جائے گا، جتنا حذف جس میں زیادہ ہو گا اتنی ہی وہ ضعیف ہو گی وہ کمزور ہو گی وہ ترکیب بھئی، اور جتنا حذف کم ہو گا وہ اتنی ہی اعلیٰ درجے کی ترکیب ہو گی وہ اعلیٰ صورت ہو گی۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو دارومدار کس پر ہے؟ حذف پر ہے، حذف کم ہو گا تو وہ اعلیٰ صورت ہے اور حذف زیادہ ہو گا تو وہ ادنیٰ صورت ہے بھئی۔ تو کہتے ہیں وَھُوَ أَقْوَاھَا اور یہ صورت جو ہے یعنی اول پہ نصب ہے اور دوسرے پہ رفع ہے وَھُوَ أَقْوَاھَا یہ ان تمام صورتوں میں سب سے قوی صورت ہے۔

اب ترکیب ذکر کر رہے ہیں، ترکیب کیا ہے دیکھو بھئی۔ متن میں کیا آیا تھا؟ إِنْ خَيْرًا فَخَيْرٌ۔ بھئی پہلے سمجھ لو یہ إِنْ خَيْرًا فَخَيْرٌ پہ ذرا نظر رکھو۔ یاد رکھو إِنْ کے بعد تو ہم نے ہر حال میں كَانَ کو نکالنا ہے، کیونکہ إِنْ حرفِ شرط ہے اور حرفِ شرط جو ہے یہ ہمیشہ فعل پر داخل ہوتا ہے اسم پر داخل نہیں ہوتا۔ تو یہاں پر تو ہے إِنْ خَيْرًا یہ خَيْرًا پر إِنْ داخل ہو رہا ہے، حالانکہ اسم پر تو إِنْ داخل نہیں ہوتا، تو إِنْ کے بعد ہم نے ہر حال میں كَانَ کو نکالنا ہے۔ اور پھر إِنْ کے بعد اگر منصوب ہوا، توجہ ہے؟ تو پھر اس کو كَانَ کی خبر بنائیں گے، جیسے ہے إِنْ خَيْرًا، إِنْ کے بعد کیا نکالا؟ كَانَ، اور یہ خَيْرًا کو کیا بنانا ہے؟ كَانَ کی خبر، تو پھر كَانَ کو بھی نکالنا پڑے گا اور كَانَ کے اسم کو بھی محذوف نکالنا پڑے گا۔ تو إِنْ کے بعد كَانَ ہم نے ہر حال میں نکالنا ہے۔ تو اگر إِنْ کے بعد منصوب ہے تو پھر محذوف کس کو نکالیں گے؟ كَانَ کو بھی نکالیں گے اور كَانَ کے اسم کو بھی نکالیں گے۔ اور یہ جو فا ہے نا، فا کے بعد كَانَ نکالنے کی کوئی حاجت نہیں، تو اگر فا کے بعد مرفوع ہے، مرفوع ہے تو پھر بس اس کے لیے بتدا محذوف نکال لو۔ توجہ ہے؟ اور اگر فا کے بعد بھی منصوب ہے، تو پھر وہاں پر بھی کیا کرنا پڑے گا آپ کو؟ كَانَ کو بھی نکالنا پڑے گا اور كَانَ کے اسم کو بھی کیونکہ جو منصوب ہے وہ تو كَانَ کی وجہ سے منصوب ہے۔ توجہ ہے؟

پھر دہراؤ بھئی، پھر دہراؤ۔ إنْ کے بعد ہم نے ہر حال میں کانَ نکالنا ہے کیونکہ إنْ فعل پر داخل ہوتا ہے اسم پر داخل نہیں ہوتا۔ اس کے بعد دیکھیں گے إنْ کے بعد جو آگے اسم ہے وہ مرفوع ہے یا منصوب۔ اگر وہ منصوب ہے تو اسے کیا بنا دو؟ کانَ کی خبر، اور کانَ اور اس کے اسم کو محذوف نکال لو۔ اور اگر إنْ کے بعد والا مرفوع ہے، تو اس مرفوع کو کیا بنا دو؟ اس کو بنا دو کانَ کا اسم، اور کانَ اور کانَ کی خبر کو محذوف نکال لو۔ توجہ ہے؟ اور فا کے بعد کیا دیکھو؟ فا کے بعد اگر مرفوع ہے تو پھر وہاں کانَ نکالنے کی ضرورت نہیں، وہاں صرف بتدا نکالو اور اس کو اس کی خبر بنا دو۔ اور اگر فا کے بعد منصوب ہے، تو منصوب تو کانَ کی خبر ہوتی ہے تو پھر وہاں پر بھی کانَ اور کانَ کے اسم کو محذوف نکالنا پڑے گا۔ صورت سمجھ میں آگئی؟

دیکھیے بھئی، کہتے ہیں أَرْبَعَةُ أَوْجُهٍ اس میں چار وجہیں جائز ہیں، نَصْبُ الْأَوَّلِ وَرَفْعُ الثَّانِيْ اول کا نصب اور دوسرے کا رفع، وَهُوَ أَقْوَاهَا اور یہ ان وجوہ میں سب سے قوی وجہ ہے، أَيْ إنْ كَانَ عَمَلُهُ خَيْرًا فَجَزَاؤُهُ خَيْرٌ۔ متن میں کیا تھا؟ إنْ خَيْرًا فَخَيْرٌ۔ بس ذرا کاپی پہ لکھیں بھئی ایسے آپ کو مشکل لگے گا، کاپی پہ لکھیں جلدی کریں۔ جلدی جلدی لکھیے، لکھیے إنْ خَيْرًا فَخَيْرٌ۔ إنْ خَيْرًا فَخَيْرٌ، اس کو شروع میں ایک نمبر بھی دے دیجیے، یہ پہلی صورت ہے، إنْ خَيْرًا فَخَيْرٌ۔ یہ إنْ کے بعد خَيْرًا منصوب ہے اس کو کیا بنائیں گے؟ کانَ کی خبر، تو کیا محذوف نکالیں گے؟ کانَ بھی اور کانَ کا اسم بھی، تو آگے لکھیے إنْ كَانَ عَمَلُهُ خَيْرًا۔ إنْ كَانَ عَمَلُهُ خَيْرًا۔ لکھ لیا؟ إنْ كَانَ عَمَلُهُ خَيْرًا۔ دیکھو کانَ کو بھی محذوف نکال لیا اور عَمَلُهُ کانَ کا جو اسم ہے اس کو بھی محذوف نکال لیا اور خَيْرًا کو کانَ کی خبر بنا دیا۔ اور فا کے بعد کیا ہے؟ فَخَيْرٌ، تو وہاں پر کانَ نکالنے کی کوئی حاجت نہیں اس کے لیے صرف بتدا محذوف نکال لیں گے، تو آگے لکھیے فَجَزَاؤُهُ خَيْرٌ۔ فَجَزَاؤُهُ خَيْرٌ۔ دیکھو فَجَزَاؤُهُ، یہ جَزَاؤُهُ بتدا کو ہم نے محذوف نکال لیا اور خَيْرٌ کو اس کے لیے خبر بنا دیا۔ توجہ ہے؟ اب اس دیکھو اس جملے کے اندر کتنے محذوف ہیں بھئی؟ إنْ كَانَ عَمَلُهُ خَيْرًا فَجَزَاؤُهُ خَيْرٌ، کیا کیا محذوف نکالا؟ کانَ کو بھی محذوف نکالا اور کانَ کا اسم بھی، دو ہو گئے، اور اگلے فا کے بعد بتدا کو محذوف نکالا، تو کل تین محذوف نکال لیے۔ یہاں چھوٹا سا تین لکھ لیں تاکہ یاد رہے، اس کے اندر ہم نے تین محذوف نکالے ہیں پہلی صورت میں، کون سی والی؟ إنْ خَيْرًا فَخَيْرٌ اس کے اندر، پہلے پر نصب دوسرے پر رفع۔

اب دوسری صورت نیچے لکھیے، دو نمبر دیجیے۔ لکھیے إنْ خَيْرًا فَخَيْرًا، دونوں پر نصب ہے، إنْ خَيْرًا فَخَيْرًا۔ لکھ لیا؟ یہ إنْ خَيْرًا یہ تو اسی طرح ہے جیسے پہلے میں تھا، تو اسی کے آگے اب تفصیل میں لکھیے إنْ كَانَ عَمَلُهُ خَيْرًا۔ إنْ كَانَ عَمَلُهُ خَيْرًا۔ دیکھو کانَ اور اس کے اسم کو محذوف نکال لیا اور خَيْرًا کو اس کی خبر بنا دیا، اور فا کے بعد کیا ہے؟ فَخَيْرًا۔ توجہ ہے؟ یہ منصوب ہے اور نصب بتدا کی خبر پر تو نصب نہیں آتا، معلوم ہوا یہاں بھی کیا نکالنا پڑے گا؟ کانَ اور پھر کانَ کا اسم بھی ساتھ نکالنا پڑے گا اور اس کو کانَ کی خبر بنائیں گے، تو آگے لکھیے فَكَانَ جَزَاؤُهُ خَيْرًا۔ فَكَانَ جَزَاؤُهُ خَيْرًا۔ لکھ لیا؟ اب دیکھو شرط کے اندر بھی ہم نے کانَ اور اس کے اسم کو محذوف نکالا اور جزا کے اندر بھی ہم نے کانَ اور اس کے اسم کو

محذوف نکالا، تو کتنے محذوف ہو گئے اس میں؟ چار ہو گئے، تو بس یہاں چھوٹا سا کہیں چار کا عدد ایک طرف لکھ لیں آپ کو یاد رہے اس میں چار محذوف ہیں بھئی۔

جی، اگلی مثال لکھیے، دونوں پر رفع پڑھیے، تین نمبر بھئی، تین نمبر۔ إِنْ خَيْرٌ فَخَيْرٌ، إِنْ خَيْرٌ فَخَيْرٌ۔ اب دیکھو إِنْ کے بعد خَيْرٌ آیا مرفوع، معلوم ہوا یہ كَانَ کا اسم بنے گا اور كَانَ کی خبر ہمیں محذوف نکالنا پڑے گی۔ تو لکھیے آگے إِنْ كَانَ فِي عَمَلِهِ خَيْرٌ۔ إِنْ كَانَ فِي عَمَلِهِ خَيْرٌ۔ إِنْ كَانَ فِي عَمَلِهِ خَيْرٌ، توجہ ہے؟ إِنْ کے بعد کیا تھا؟ خَيْرٌ، تو اب ہمیں کیا نکالنا ہے؟ كَانَ بھی اور كَانَ کا یہ خَيْرٌ کو کیا بنائیں گے؟ اس کو كَانَ کا اسم بنائیں گے کیونکہ یہ مرفوع ہے، تو اب ہمیں كَانَ بھی محذوف نکالنا ہے اور كَانَ کی خبر بھی محذوف نکالنی ہے، تو كَانَ بھی ہم نے محذوف نکالا اور خبر کیا نکالی؟ فِي عَمَلِهِ جار مجرور نکالا، جار مجرور نکالا۔ اور آپ نے پڑھا ہے جار مجرور یہ مسند الیہ نہیں بن سکتے، یہ مسند تو بن سکتے ہیں مسند الیہ نہیں بن سکتے، یعنی یہ جیسے یہ مبتدا کے لیے خبر تو بن سکتے ہیں لیکن خود مبتدا نہیں بن سکتے، تو یہاں جار مجرور ہم نے نکال دیا، تو یہ ہے كَانَ کی خبرِ مقدم اور خَيْرٌ ہے اس کا اسمِ مؤخر۔ اچھا فا کے بعد کیا ہے؟ یہ تیسری صورت میں، إِنْ خَيْرٌ فَخَيْرٌ، تو فا کے بعد رفع آئے تو پھر صرف اس کے لیے مبتدا محذوف نکالتے ہیں، تو آگے لکھیے فَجَزَاؤُهُ خَيْرٌ۔ فَجَزَاؤُهُ خَيْرٌ۔ اب دیکھو اس جملے میں کتنے محذوف ہیں؟ كَانَ کو بھی محذوف نکالا، جار اور مجرور ان کو بھی محذوف نکالا، فِي جارہ اور عَمَلِهِ مجرور، کتنے ہو گئے؟ تین۔ كَانَ، فِي، عَمَلِهِ، كَانَ ایک لفظ، فِي دوسرا لفظ، عَمَلِهِ تیسرا لفظ، اور جزا کے اندر کیا نکالا؟ صرف مبتدا کو محذوف نکالا، تو اس کے اندر بھی کل چار محذوف ہو گئے۔ ایک كَانَ، اور جار مجرور، اور جزا کے اندر مبتدا محذوف نکالا، تو اس میں بھی کتنے محذوف ہو گئے؟ چار۔

چوتھی صورت لکھیے، پہلی صورت کے برعکس ہو گی بھئی۔ إِنْ خَيْرٌ فَخَيْرًا، چار نمبر دیجیے، إِنْ خَيْرٌ فَخَيْرًا۔ اچھا بھئی، إِنْ خَيْرٌ اوپر بھی آیا تھا تو ہم نے کیا نکالا تھا؟ إِنْ خَيْرٌ، خَيْرٌ کو كَانَ کا اسم بنائیں گے، تو لکھیں إِنْ كَانَ فِي عَمَلِهِ خَيْرٌ۔ إِنْ كَانَ فِي عَمَلِهِ خَيْرٌ۔ اور جزا کیا تھی؟ فَخَيْرًا، تو پھر یہاں كَانَ اور كَانَ کا اسم دونوں نکالنے پڑیں گے، فَكَانَ جَزَاؤُهُ خَيْرًا۔ فَكَانَ جَزَاؤُهُ خَيْرًا۔ کیا لکھا؟ إِنْ كَانَ فِي عَمَلِهِ خَيْرٌ فَكَانَ جَزَاؤُهُ خَيْرًا۔ تو دیکھو شرط کے اندر كَانَ بھی محذوف ہے، جار اور مجرور دو یہ محذوف ہیں، تو تین محذوف ہو گئے شرط کے اندر، اور جزا کے اندر كَانَ اور كَانَ کا اسم دو محذوف ہیں، تو کل کتنے ہو گئے؟ پانچ محذوف ہو گئے۔ کتنے محذوف ہو گئے؟ پانچ۔ تو دیکھیے سب سے کم محذوف کس صورت میں ہیں؟ پہلی صورت میں جو کتاب میں مذکور ہے، إِنْ خَيْرًا فَخَيْرٌ، تو یہ سب سے قوی صورت ہے، اور سب سے زیادہ حذف کس کے اندر ہے؟ آخری صورت کے اندر اس میں پانچ حذف ہیں، تو وہ سب سے ضعیف صورت ہے، اور باقی دونوں کے اندر چار چار حذف ہیں تو وہ متوسط صورتیں ہیں بھئی۔

دیکھیے بھئی اب کتاب پر۔ کہتے ہیں وَهُوَ أَقْوَاهَا اور یہ پہلی صورت جو ہے جس میں اول پر نصب ہے اور ثانی پر رفع ہے یہ سب سے قوی ہے، أَيْ إِنْ كَانَ عَمَلُهُ خَيْرًا فَجَزَاؤُهُ خَيْرٌ۔ وَنَصْبُهُمَا یا دونوں پر نصب ہو گا، نَحْوُ مثال کے طور پر إِنْ خَيْرًا

فَخَيْرًا دونوں پر نصب ہے، عَلَى مَعْنَى إِنْ كَانَ عَمَلُهُ خَيْرًا فَكَانَ جَزَاؤُهُ خَيْرًا یہ اس معنی میں ہے۔ معنی سمجھ میں آیا؟ وَرَفْعُهُمَا یا دونوں پر رفع آئے گا، نَحْوُ إِنْ خَيْرٌ فَخَيْرٌ أَيْ إِنْ كَانَ فِي عَمَلِهِ خَيْرٌ فَجَزَاؤُهُ خَيْرٌ۔ صورت سمجھ میں آرہی ہے؟ یہ وہی صورتیں جو میں نے لکھوائی ہیں بھئی۔ وَعَكْسُ الْأَوَّلِ، جی یہ چوتھی صورت آگئی، وَعَكْسُ الْأَوَّلِ پہلی صورت کا برعکس بھئی، نَحْوُ إِنْ خَيْرٌ فَخَيْرًا أَيْ إِنْ كَانَ فِي عَمَلِهِ خَيْرٌ فَكَانَ جَزَاؤُهُ خَيْرًا۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ کہتے ہیں وَقُوَّةُ هَذِهِ الْوُجُوْهِ وَضَعْفُهَا اور ان وجوہ کا قوی ہونا وَضَعْفُهَا اور ان کا ضعیف ہونا بِحَسَبِ قِلَّةِ الْحَذْفِ وَكَثْرَتِهِ وہ قلتِ حذف اور کثرتِ حذف کے اعتبار سے ہے۔ جس میں حذف قلیل وہ اقویٰ ہے اور جس میں حذف زیادہ ہے وہ اضعف صورت ہے بھئی۔ بات سمجھ میں آگئی؟

آگے دیکھیے بھئی۔ وَيَجِبُ الْحَذْفُ أَيْ حَذْفُ عَامِلِهِ يَعْنِي كَانَ فِي مِثْلِ أَمَّا أَنْتَ مُنْطَلِقًا انْطَلَقْتُ۔ پہلے متن دیکھیے، کہتے ہیں وَيَجِبُ الْحَذْفُ اور حذف واجب ہے۔ پچھلی صورت میں تو تھا كَانَ کا حذف جائز ہے واجب نہیں ہے، اور کبھی کبھی حذف واجب ہوتا ہے یعنی كَانَ کو وجوباً حذف کرتے ہیں، فِي مِثْلِ اس جیسی مثالوں میں، أَمَّا أَنْتَ مُنْطَلِقًا انْطَلَقْتُ۔ توجہ ہے؟ آگے متن میں ہے أَيْ لِأَنْ كُنْتَ۔ لِأَنْ كُنْتَ۔ دیکھو یہ اصل میں کیا تھا؟ اصل میں کیا تھا؟ صاحبِ جامی کی عبارت دیکھیے: أَيْ لِأَنْ كُنْتَ مُنْطَلِقًا انْطَلَقْتُ۔ عبارت مل گئی؟ ترکیب سمجھو۔ لِأَنْ كُنْتَ مُنْطَلِقًا، لام جارہ ہے اور جار مجرور کے لیے متعلق چاہیے، یہ کس سے متعلق ہیں؟ تو یاد رکھو لِأَنْ كُنْتَ مُنْطَلِقًا یہ سارا مل کر یہ متعلق ہو جائے گا انْطَلَقْتُ سے۔ یہ سارا کس سے متعلق ہے؟ انْطَلَقْتُ سے، وہ ہے متعلق اور لِأَنْ كُنْتَ مُنْطَلِقًا یہ ہے متعلق بھئی یہ جار مجرور ہیں بھئی۔ تو أَمَّا أَنْتَ مُنْطَلِقًا انْطَلَقْتُ، أَمَّا دیکھو ہمزہ پر فتحہ میں پڑھ رہا ہوں، أَمَّا۔ یہ اصل میں کیا تھا؟ لِأَنْ كُنْتَ مُنْطَلِقًا انْطَلَقْتُ۔ پھر کیا ہوا؟ توجہ سے سنو بھئی ترکیب کی بات ہے۔ لِأَنْ كُنْتَ مُنْطَلِقًا انْطَلَقْتُ۔ یہاں لام جارہ تھا، تو پھر لام جارہ کو حذف کر لیا گیا کیونکہ یہ أَنْ پر داخل ہو رہا ہے، أَنْ سے لام جارہ کو عام حذف کر لیا جاتا ہے کلامِ عرب میں۔ أَنْ سے لام جارہ کو عام حذف کر لیا جاتا ہے۔ تو لہٰذا لام جارہ کو حذف کیا، پھر کیا رہ گیا؟ أَنْ كُنْتَ۔ پھر كُنْتَ میں سے كَانَ کو حذف کر لیا، اور كُنْتَ کے اندر ایک كَانَ تھا اور ایک تا ضمیر تھی مخاطب والی، تو كَانَ تو حذف ہوا لیکن تا ضمیر رہ گئی اور وہ ضمیر پہلے متصل تھی اب منفصل بن گئی، تو تا کی جگہ کیا لے آئے؟ تا کی جگہ کیا رہ گیا؟ أَنْتَ۔ تا اکیلا تو نہیں رہ سکتا کیونکہ كَانَ تو حذف ہو گیا، تو ضمیرِ متصل لانے کی صورت نہ رہی، تو پھر وہی ضمیر لے آئے لیکن کون سی صورت میں لائے؟ منفصل والی، تو کیا بن گیا؟ أَنْ أَنْتَ۔ أَنْ أَنْتَ مُنْطَلِقًا انْطَلَقْتُ، توجہ ہے؟ پھر یہ جو كَانَ کو حذف کیا تھا اس کی جگہ مَا لے آئے، کیا کیا؟ كَانَ کو حذف کیا تھا اس کی جگہ مَا لے آئے، تو كَانَ کی جگہ چونکہ مَا آگیا ہے اب كَانَ کو نہیں لا سکتے، اسی لیے یہاں كَانَ کا حذف واجب ہے کیونکہ كَانَ کا عوض آگیا۔ آپ پڑھ چکے ہیں کہ عوض اور معوض میں سے ایک وقت میں ایک چیز آسکتی ہے، كَانَ چلا گیا اور اس کا آپ عوض لے آئے تو اب كَانَ نہیں آسکتا، اگر كَانَ لانا ہے تو یہ عوض نہیں ہونا چاہیے دونوں میں سے ایک وقت میں ایک آسکتا ہے۔ تو كَانَ کو حذف کیا اور اس کے عوض کیا لے آئے؟ مَا لے آئے تو یہ مَا عوض ہے، تو اسی لیے كَانَ کا حذف یہاں واجب ہے کیونکہ اس کا عوض آچکا

ہے۔ تو کیا بن گیا؟ لام بھی حذف ہو چکا، کَانَ بھی حذف ہوا اس کی جگہ کیا آگیا؟ مَا، اور تا ضمیر متصل تھی اس کی جگہ کیا آ گئی؟ أَنْتَ آگئی، تو کیا بن گیا؟ أَنْ مَا أَنْتَ۔ أَنْ مَا أَنْتَ، اور پھر أَنْ کے اندر نون ساکن ہے اور آگے میم آرہا ہے، اور آپ نے يَرْمِلُوْنَ کا ضابطہ پڑھا ہے کہ نونِ ساکن کے بعد اگر يَرْمِلُوْنَ میں سے کوئی حرف آجائے یعنی یا، را، میم، لام، واؤ اور نون، تو نون کو بھی اسی کی جنس سے بدل کر اس میں ادغام کرتے ہیں۔ تو أَنْ میں کیا آیا؟ نونِ ساکن، آگے کیا آیا؟ میم، اور میم کس میں سے ہے؟ حروفِ يَرْمِلُوْنَ کے اندر میم بھی ہے، تو اس نون کو بھی میم کر کے میم میں ادغام کیا تو کیا بن گیا؟ أَمَّا، تو عبارت کیا بن گئی؟ أَمَّا أَنْتَ مُنْطَلِقًا انْطَلَقْتُ۔ دیکھو متن میں یہی آیا تھا، أَمَّا أَنْتَ مُنْطَلِقًا انْطَلَقْتُ۔

ترجمہ کیا ہے؟ ترجمہ وہی لِأَنْ كُنْتَ مُنْطَلِقًا انْطَلَقْتُ، اس سے ترجمہ آپ کو سمجھ میں آرہا ہے۔ لام کس لیے آتا ہے؟ علت اور سبب بیان کرنے کے لیے، لِأَنْ كُنْتَ مُنْطَلِقًا اس وجہ سے کہ آپ چل رہے تھے، انْطَلَقْتُ میں بھی چل پڑا۔ ترجمہ سمجھ میں آرہا ہے؟ ضَرَبْتُهُ لِلتَّأْدِيْبِ میں نے اس کی پٹائی کس لیے کی؟ ادب سکھانے کے لیے، دیکھا یہ لام کے ذریعے وجہ بیان کی جاتی ہے سبب بیان کیا جاتا ہے، تو یہاں پر بھی لام آیا لِأَنْ كُنْتَ مُنْطَلِقًا اس وجہ سے کہ آپ چل رہے تھے، انْطَلَقْتُ میں بھی چلا، تو میں کیوں چلا؟ آپ کے چلنے کی وجہ سے۔ تو أَمَّا أَنْتَ مُنْطَلِقًا انْطَلَقْتُ، چونکہ آپ چل رہے تھے اس لیے میں بھی چل پڑا۔ ترکیب سمجھ میں آگئی؟ کہ أَمَّا أَنْتَ مُنْطَلِقًا انْطَلَقْتُ اصل میں کیا تھا؟ جی توجہ سے پھر سنو، أَمَّا أَنْتَ مُنْطَلِقًا انْطَلَقْتُ اصل میں کیا تھا؟ لِأَنْ كُنْتَ مُنْطَلِقًا انْطَلَقْتُ۔ لِأَنْ كُنْتَ اس لام جارہ کو حذف کر لیا کیونکہ أَنْ مصدریہ سے لام جارہ کا حذف قیاسی ہے، عام حذف کر لیا جاتا ہے کلامِ عرب میں، تو لام حذف ہوا کیا رہ گیا؟ أَنْ كُنْتَ، أَنْ كُنْتَ۔ پھر اس كَانَ کو حذف کر لیا، كَانَ کو حذف کیا تو وہ ضمیر باقی رہ گئی، اب وہ متصل نہیں رہ سکتی تو کیا کیا؟ اس کو ضمیرِ منفصل سے بدل دیا، کیا بن گیا؟ أَنْ أَنْتَ، أَنْ أَنْتَ مُنْطَلِقًا انْطَلَقْتُ۔ پھر وہ جو كَانَ حذف کیا تھا أَنْ کے بعد اس كَانَ کے عوض کیا لے آئے؟ مَا لے آئے، کیا بن گیا؟ أَنْ مَا أَنْتَ مُنْطَلِقًا انْطَلَقْتُ۔ پھر اس کے بعد یہ نون کا میم میں ادغام کر دیا تو کیا بن گیا؟ أَمَّا أَنْتَ مُنْطَلِقًا انْطَلَقْتُ۔ تو یہ مُنْطَلِقًا کیوں منصوب ہے؟ یہ وہ كَانَ کی خبر ہے جس کو آپ نے حذف کر دیا جس کے عوض آپ مَا لے آئے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو اس جیسی مثالوں کے اندر كَانَ کو حذف کرنا واجب ہے، کیوں واجب ہے؟ کیونکہ آپ اس کا عوض مَا لے آئے ہیں۔ یہاں تک بات سمجھ میں آگئی؟ اب آئیے اس کو شرح کے ساتھ دیکھیے۔

تو کہتے ہیں وَيَجِبُ الْحَذْفُ أَيْ حَذْفُ عَامِلِهِ، اور كَانَ کی خبر کے عامل کو حذف کرنا واجب ہے، يَعْنِي كَانَ یعنی کہ كَانَ، كَانَ کو حذف کرنا واجب ہے، فِي مِثْلِ اس جیسی مثالوں میں، أَمَّا أَنْتَ مُنْطَلِقًا انْطَلَقْتُ کہ چونکہ آپ چل رہے تھے تو میں بھی چل پڑا، تو اس کے اندر كَانَ کا حذف واجب ہے۔ أَيْ لِأَنْ كُنْتَ، اصل میں یہ کیا تھا؟ لِأَنْ كُنْتَ مُنْطَلِقًا انْطَلَقْتُ تھا۔ اب وہی تفصیل یہ بیان کریں گے جو میں نے بیان کر دی، کہتے ہیں فَأَصْلُ أَمَّا أَنْتَ کہتے ہیں أَمَّا أَنْتَ کی اصل جو ہے لِأَنْ كُنْتَ، کیا تھی؟ لِأَنْ كُنْتَ اس کی اصل تھی۔ حُذِفَتِ اللَّامُ قِيَاسًا لام کو حذف کر لیا گیا قیاسی طور پر، لام کو حذف کر لیا گیا قِيَاسًا

کیونکہ أَنْ سے لام کو قِيَاسًا حذف کر لیا جاتا ہے۔ فَأَصْلُ أَمَّا أَنْتَ لِأَنْ كُنْتَ، کہتے ہیں أَمَّا أَنْتَ کی اصل جو تھی وہ لِأَنْ كُنْتَ تھی، حُذِفَتِ اللَّامُ قِيَاسًا لام کو قِيَاسًا حذف کر لیا گیا یعنی أَنْ سے لام کا حذف قیاسی ہے اس کو حذف کر لیا جاتا ہے، ثُمَّ حُذِفَتْ كَلِمَةُ كَانَ اخْتِصَارًا پھر کلمہ كَانَ کو حذف کر لیا گیا اختصار کی وجہ سے تاکہ کلام کیا ہو جائے؟ مختصر ہو جائے، فَانْقَلَبَ الضَّمِيْرُ الْمُتَّصِلُ مُنْفَصِلًا تو وہ ضمیرِ متصل جو ہے وہ پلٹ گئی منفصل ہو کر، وہ بدل گئی کس کے ساتھ؟ ضمیرِ منفصل کے ساتھ کیونکہ اب اتصال کی کوئی صورت نہ رہی، كَانَ تو حذف ہو چکا ہے، وَزِيْدَتْ لَفْظَةُ مَا بَعْدَ أَنْ اور بڑھا دیا گیا مَا کا لفظ أَنْ کے بعد، فِي مَوْضِعِ كَانَ کس کی جگہ میں؟ كَانَ کی جگہ میں، عِوَضًا عَنْهُ بطورِ عوض کے كَانَ سے، وَأُدْغِمَتِ النُّوْنُ فِي الْمِيْمِ اور ادغام کر دیا گیا نون کا میم میں، وَأُبْقِيَ الْخَبَرُ عَلَى حَالِهِ اور خبر کو باقی رکھا گیا اپنے حال پر۔ لِأَنْ كُنْتَ مُنْطَلِقًا، یہ مُنْطَلِقًا کیا تھی؟ كَانَ کی خبر تھی اس لیے منصوب تھی، تو كَانَ کو تو حذف کر لیا گیا لیکن كَانَ کی خبر کو اسی طرح اپنی نصب والی حالت پر برقرار رکھا۔

تاکید نہیں ہے بلکہ زید کے باپ کا کھڑا ہونا یہ زید کی نسبت بیان کر رہا ہے کہ اس کا باپ کھڑا ہے، یہ بے شک کا معنی تو زید کی نسبت میں آ رہا ہے۔ تو لفظوں میں بھی کوئی عمل نہیں کیا اور معنی میں بھی کوئی اثر نہیں کیا، تو لہٰذا یہاں إِنَّ داخل ہی نہیں ہے۔ کس پر داخل نہیں؟ أَبُوْهُ پر داخل ہی نہیں، داخل تو کس پر ہے؟ زید پر داخل ہے بھئی۔

تو کہتے ہیں وَبِمَا عَرَفْتَ مِنْ مَعْنَى الْبَعْدِيَّةِ وَالدُّخُوْلِ، اور جو کچھ آپ نے جان لیا بَعْدِيَّة اور دُخُوْل کے معنی سے یعنی جو ہم نے پچھلی فصل میں بیان کر دیا تھا، خَرَجَ مِثْلُ أَبُوْهُ مِنْ قَوْلِنَا، تو خارج ہو جائے گا أَبُوْهُ کی مثل ہمارے اس قول سے، إِنَّ زَيْدًا أَبُوْهُ قَائِمٌ، یعنی إِنَّ زَيْدًا أَبُوْهُ قَائِمٌ میں سے یہ جو أَبُوْهُ ہے یہ ان کی تعریف سے خارج ہو جائے گا، فَإِنَّ إِسْنَادَ قَائِمٌ إِلَى أَبُوْهُ، کیونکہ قَائِمٌ کی اسناد أَبُوْهُ کی طرف مُقَدَّمٌ عَلَى دُخُوْلِ إِنَّ وہ إِنَّ کے داخل ہونے پر مقدم ہے، پہلے ہو چکی ہے إِنَّ کے داخل ہونے سے، وَلَمْ يُؤَثِّرْ دُخُوْلُهَا فِيْهِ لَفْظًا وَلَا مَعْنًى، اور إِنَّ کے داخل ہونے نے اس أَبُوْهُ میں اثر نہیں کیا نہ لفظاً اور نہ معنًی۔ یہ دونوں جواب ہو گئے جو میں نے بیان کر دیے۔

آگے دیکھیے بھئی، متن: وَتُلْحَقُ بِهِ، پہلے پڑھ لیں متن پہلے، وَتُلْحَقُ بِهِ، اور اس کے ساتھ یعنی إِنَّ کے اسم کے ساتھ ملایا جاتا ہے لَا الَّتِيْ لِنَفْيِ الْجِنْسِ، اس لَا کے اسم کو بھی جو نفیِ جنس کے لیے ہوتا ہے۔ یعنی إِنَّ کا اسم وہ بھی منصوب ہوتا ہے اور لَا نفیِ جنس کا اسم بھی منصوب ہوتا ہے، تو گویا کہ اس کو بھی اس کے ساتھ ملا لیا۔ وَتُلْحَقُ بِهِ اور اس کے ساتھ یعنی إِنَّ کے اسم کے ساتھ ملایا جاتا ہے، کس کو؟ لَا الَّتِيْ لِنَفْيِ الْجِنْسِ، اس لَا کے اسم کو جو نفیِ جنس کے لیے ہوتا ہے۔ مِثْلُ لَا غُلَامَ رَجُلٍ ظَرِيْفٌ، جیسے لَا غُلَامَ رَجُلٍ ظَرِيْفٌ، کوئی آدمی کا غلام عقلمند نہیں، ظریف کہتے ہیں عقلمند کو، ہوشیار کو بھئی۔ لَا غُلَامَ رَجُلٍ ظَرِيْفٌ، کوئی آدمی کا غلام عقلمند نہیں ہے بھئی۔

آگے دیکھیے، بھئی یہاں ابھی لَا نفیِ جنس کی بحث شروع نہیں کر رہے، یہاں صرف اتنا بیان کر دیا کہ بھئی لَا نفیِ جنس کا

اسم بھی إنَّ کے اسم کے ساتھ ملایا جاتا ہے، یہ دونوں ایک ہی حکم میں ہیں۔ لَا نفیِ جنس کا جو اسم ہے وہ بھی منصوب ہوتا ہے، تفصیل ان شاء اللہ تعالیٰ وہ آگے ذکر کریں گے کہ کب اس پر نصب آتا ہے، کب نصب نہیں آتا کب فتحہ پر مبنی ہوتا ہے، تو وہ ساری تفصیل آگے آرہی ہے۔

آگے دیکھتے ہیں، یہ عبارت مکمل کر لو، کہتے ہیں وَتُلْحَقُ بِهِ أَيْ بِاسْمِ إِنَّ وَأَخَوَاتِهَا، اور إنَّ اور اس کے اخوات کے اسم کے ساتھ ملایا جاتا ہے، اِسْمُ لَا الَّتِيْ لِنَفْيِ الْجِنْسِ اس لَا کے اسم کو جو نفیِ جنس کے لیے ہوتا ہے۔ یہ ایک مضاف کو محذوف نکالا بھئی کیونکہ متن میں کیا آیا تھا؟ وَتُلْحَقُ بِهِ لَا الَّتِيْ لِنَفْيِ الْجِنْسِ، بھئی کیا إنَّ کے اسم کے ساتھ لَا نفیِ جنس کو ملایا جاتا ہے یا لَا نفیِ جنس کے اسم کو؟ لَا نفیِ جنس کے اسم کو، تو اس لیے مضاف محذوف نکالا اِسْمُ لَا الَّتِيْ لِنَفْيِ الْجِنْسِ، اس لَا کے اسم کو جو نفیِ جنس کے لیے ہوتا ہے۔ یعنی وہ بھی ان کی مثل منصوب ہوتا ہے، كَمَا مَرَّ فِيْ الْمَرْفُوْعَاتِ أَنَّ خَبَرَهَا مُلْحَقٌ بِخَبَرِ إِنَّ، جیسا کہ مرفوعات میں گزر چکا ہے کہ لَا نفیِ جنس کی خبر کو إنَّ کی خبر کے ساتھ ملایا جاتا ہے، ایسے ہی یہاں لَا نفیِ جنس کے اسم کو إنَّ کے اسم کے ساتھ ملایا جاتا ہے۔ سَيَأْتِيْ تَفْصِيْلُهُ فِيْ بَابِهِ، عنقریب اس کی تفصیل آئے گی اس کے اپنے باب میں، یعنی لَا نفیِ جنس کی مستقل بحث آگے آرہی ہے، عنقریب اس میں اس کی تفصیل آئے گی۔ مِثْلُ لَا غُلَامَ رَجُلٍ ظَرِيْفٌ، جیسے لَا غُلَامَ رَجُلٍ ظَرِيْفٌ، وَعِنْدَهُمَا نَصْبُهُ بِهَا، اور ان دونوں کے نزدیک، یعنی صاحبِ کافیہ اور صاحبِ جامی کے نزدیک لَا نفیِ جنس کا اسم منصوب ہوتا ہے کس کی وجہ سے؟ لَا کی وجہ سے۔ نَصْبُهُ، اس کا نصب یعنی لَا نفیِ جنس کے اسم کا نصب بِهَا یعنی بِ لَا، لَا کی وجہ سے ہے۔ یہ آگے لَا نفیِ جنس کی بحث کے اندر آپ کو پتہ چلے گا، بعض کہتے ہیں لَا کا اسم یہ لَا کی وجہ سے منصوب ہے، اور بعض کہتے ہیں نہیں بھئی یہ إنَّ کے اسم کی طرح نہیں ہے، وہ آگے لَا نفیِ جنس کی بحث میں یہ ساری تفصیل ان شاء اللہ تعالیٰ بیان کر دیں گے۔ چلو بھائی آج اتنا ہی کافی ہے، دعا پڑھ لو بھائی۔ اَللّٰهُمَّ ارْزُقْنَا فَهْمَ النَّبِيِّيْنَ وَحِفْظَ الْمُرْسَلِيْنَ وَإِلْهَامَ الْمَلَائِكَةِ الْمُقَرَّبِيْنَ، وَصَلَّى اللّٰهُ عَلَى خَيْرِ خَلْقِهِ مُحَمَّدٍ وَّآلِهِ وَصَحْبِهِ أَجْمَعِيْنَ، بِرَحْمَتِكَ يَا أَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ۔

سبق نمبر ۱۷۱: اسمِ لائے نفیِ جنس (۱): «اَلْمَنْصُوبُ بِلَا الَّتِیْ لِنَفْیِ الْجِنْسِ» کی تعریف و شرائط

شرحِ ملا جامی صفحہ: ۱۵۳ — بتاریخ: ۲۵ جولائی ۲۰۲۲ء

▪ تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث

آگے سبق دیکھیے بھائی:[1]

اَلْمَنْصُوْبُ بِلَا الَّتِيْ لِنَفْيِ الْجِنْسِ أَيْ لِنَفْيِ صِفَةِ الْجِنْسِ وَحُكْمِهِ وَإِنَّمَا لَمْ يَقُلْ اِسْمُ لَا لِأَنَّهُ لَيْسَ كُلُّهُ وَلَا أَكْثَرُهُ مِنَ الْمَنْصُوْبَاتِ فَلَا يَصِحُّ جَعْلُهُ مُطْلَقًا مِنَ الْمَنْصُوْبَاتِ لَا حَقِيْقَةً وَلَا مَجَازًا بَلِ الْمَنْصُوْبُ مِنْهُ أَقَلُّ مِمَّا عَدَاهُ فَلَا بُدَّ مِنَ التَّعْبِيْرِ عَنْهُ بِالْمَنْصُوْبِ بِهَا۔

گزشتہ سبق میں صاحبِ کافیہ نے آپ کو بتلایا تھا کہ منصوبات میں سے کَانَ کی خبر بھی ہے اور کَانَ کی خبر بھی مبتدا کی خبر کی طرح ہے اپنی اقسام کے اعتبار سے بھی، اپنے احکام کے اعتبار سے بھی اور اپنی شرائط کے اعتبار سے بھی۔ جیسے مبتدا کی خبر کبھی مفرد آتی ہے اور کبھی جملہ، اسی طرح کَانَ کی خبر بھی کبھی مفرد آئے گی اور کبھی جملہ۔ اسی طرح مبتدا کی خبر کبھی نکرہ ہوتی ہے اور کبھی معرفہ، اسی طرح کَانَ کی خبر بھی کبھی نکرہ ہوگی اور کبھی معرفہ۔

[1] جدول — لائے نفیِ جنس کی شرائطِ عمل اور اسمِ لا کے تین احوال:

حالتِ اسمِ لا	اعراب و بناء	مثال
۱۔ مفرد نکرہ	مبنی بر علامتِ نصب (فتحہ)	لَا رَجُلَ فِي الدَّارِ
۲۔ مضاف	منصوب لفظاً	لَا غُلَامَ رَجُلٍ ظَرِيْفٌ
۳۔ شبیہ بالمضاف	منصوب مع تنوین	لَا طَالِعًا جَبَلًا حَاضِرٌ

تنبیہ: شرط: اسم و خبر دونوں نکرہ ہوں اور اسم متصل بلا فاصلہ ہو۔

اسی طرح احکام کے اندر بھی کَانَ کی خبر بتدا کی خبر کی طرح ہے۔ جیسے بتدا کی خبر کو کبھی مقدم کرتے ہیں بتدا پر، کبھی مؤخر رکھتے ہیں، اسی طرح کَانَ کی خبر بھی ہے، اس کو کبھی کَانَ کے اسم پر مقدم کرتے ہیں اور کبھی مؤخر کرتے ہیں۔ نیز بتدا کی خبر کبھی محذوف ہوتی ہے، کبھی مذکور ہوتی ہے، اسی طرح کَانَ کی خبر بھی ہے۔ اسی طرح بتدا کی خبر کبھی ایک ہی خبر ہوتی ہے، کبھی ایک بتدا کی کئی خبریں آجاتی ہیں، تو کَانَ کی خبر بھی اسی طرح کبھی ایک ہی خبر آئے گی، کبھی کئی خبریں آئیں گی۔

اور نیز شرائط کے اندر بھی کَانَ کی خبر بتدا کی خبر کی طرح ہے۔ یعنی بتدا کی خبر جب جملہ واقع ہو تو اس کے اندر عائد کا ہونا ضروری ہے کیونکہ جملہ مِنْ حَیْثُ الْجُمْلَة مستقل ہوتا ہے، آپ اس کو کسی چیز سے جوڑنا چاہتے ہیں جیسے خبر کو بتدا سے جوڑتے ہیں، تو یہ جملہ جو خبر بن رہا ہے آپ اس کو بتدا سے جوڑنا چاہتے ہیں تو اس میں عائد کا ہونا ضروری ہے۔ اسی طرح کَانَ کی خبر کو بھی کَانَ کے اسم سے جوڑنے کے لیے عائد چاہیے جب کَانَ کی خبر جملہ ہو بھائی۔

اور نیز اس عائد کو کبھی کبھار جب معلوم ہو تو حذف بھی کر لیا جاتا ہے، اسی طرح کَانَ کی خبر کے اندر بھی جب وہ جملہ ہو کبھی کبھار عائد کو حذف کر لیا جاتا ہے جب وہ معلوم ہو۔ لیکن ایک فرق ہے بھائی کہ بتدا کی خبر جب معرفہ ہو اس کو بتدا پر مقدم نہیں کر سکتے۔ اس لیے کیونکہ بتدا بھی معرفہ ہے اور خبر بھی معرفہ ہے اور دونوں پر رفع آرہا ہے۔ اب اگر آپ خبر کو مقدم کریں گے تو سننے والے کو پتا نہیں چلے گا کہ یہ جو مقدم ہے یہ خبر ہے، وہ اس کو جو مقدم ہے اس کو بتدا ہی سمجھے گا۔ لہٰذا بتدا کی خبر جب معرفہ ہو تو اس کو مقدم نہیں کر سکتے۔ لیکن کَانَ کی خبر کا چونکہ اعراب الگ ہوتا ہے، کَانَ کا اسم مرفوع ہوتا ہے اور کَانَ کی خبر منصوب ہوتی ہے، تو یہاں اعراب سے پتا چل جائے گا۔

لہٰذا جب اعراب دونوں پر لفظی ہو، یعنی کَانَ کے اسم پر بھی اور کَانَ کی خبر پر بھی، یا دونوں میں سے کسی ایک پر اعراب لفظی ہو، تو بھی کَانَ کی خبر جب معرفہ ہو اس کو کَانَ کے اسم پر مقدم کرنا جائز ہے۔ کیونکہ اعراب بتلا دے گا۔ اگر دونوں پر اعراب لفظی ہے تو ایک پر نصب ہوگا ایک پر رفع ہوگا، تو نصب سے پتا چل جائے گا یہ کَانَ کی خبر ہے اور رفع سے پتا چل جائے گا یہ کَانَ کا اسم ہے۔ اور اگر دونوں میں سے صرف ایک پر اعراب لفظی ہے، دوسرے پر اعراب تقدیراً ہے یا محلاً ہے، تو بھی اس ایک پر اگر رفع آرہا ہو تو پتا چل جائے گا یہ کَانَ کا اسم ہے اور اگر اس پر نصب آرہا ہو تو پتا چل جائے گا یہ کَانَ کی خبر ہے۔ تو یہاں پر چونکہ اعراب کے ذریعے دونوں میں فرق ہو جاتا ہے، اس لیے ہم کَانَ کی خبر معرفہ ہونے کے باوجود اس کو کَانَ کے اسم پر مقدم کر سکتے ہیں جبکہ دونوں پر اعراب لفظی ہو یا دونوں میں سے ایک پر اعراب لفظی ہو۔ اور اگر دونوں میں سے ایک پر بھی اعراب لفظی نہیں ہے تو پھر اس صورت میں کَانَ کی خبر کو بھی کَانَ کے اسم پر مقدم نہیں

کر سکتے۔

پھر انہوں نے آپ کو یہ بھی بتلایا کہ کبھی کبھار كَانَ کی خبر کے عامل کو حذف کر لیا جاتا ہے اور یہ حذف جوازی ہے یعنی واجب نہیں۔ کبھی كَانَ کی خبر کے عامل کو، كَانَ کی خبر کا عامل کیا ہے؟ وہ خود كَانَ ہی ہے، تو اس کو حذف کرنا جائز ہے۔ جیسے اس کی مثال ذکر کی تھی: اَلنَّاسُ مَجْزِيُّوْنَ بِأَعْمَالِهِمْ إِنْ خَيْرًا فَخَيْرٌ وَإِنْ شَرًّا فَشَرٌّ، کہ لوگ جو ہیں وہ بدلہ دیے جائیں گے اپنے اعمال کے مطابق، اگر اعمال اچھے ہوئے تو جزا بھی اچھی ہوگی اور اگر اعمال برے ہوئے تو جزا بھی بری ہوگی۔ اس کے اندر دیکھو إِنْ خَيْرًا فَخَيْرٌ اور وَإِنْ شَرًّا فَشَرٌّ۔ جو ترکیب إِنْ خَيْرًا فَخَيْرٌ کی ہے وہی ترکیب وَإِنْ شَرًّا فَشَرٌّ کی ہے۔ تو دونوں میں سے ایک کی ترکیب آپ کو سمجھ میں آجائے گی، مثلاً إِنْ خَيْرًا فَخَيْرٌ کی ترکیب آپ کو سمجھ میں آگئی تو آپ وَإِنْ شَرًّا فَشَرٌّ کی بھی اسی طرح ترکیب آسانی سے کر سکتے ہیں۔

اور اس کے اندر انہوں نے آپ کو بتلایا تھا إِنْ خَيْرًا فَخَيْرٌ۔ یہاں پر دیکھو چار صورتیں ہیں اس میں بھائی، چار صورتیں۔ ایک تو یہ صورت جو کتاب میں لکھی ہے إِنْ خَيْرًا فَخَيْرٌ، یعنی پہلا منصوب ہے اور دوسرا مرفوع۔ یا دونوں پر نصب پڑھیں: إِنْ خَيْرًا فَخَيْرًا، دونوں پر نصب۔ یا دونوں پر رفع پڑھیں: إِنْ خَيْرٌ فَخَيْرٌ۔ یا اس یہ جو صورت لکھی ہوئی ہے پہلا منصوب ہے اور دوسرا مرفوع، اس کا عکس کر دیں: پہلے کو مرفوع کر دیں اور دوسرے کو منصوب، یعنی إِنْ خَيْرٌ فَخَيْرًا وَإِنْ شَرٌّ فَشَرًّا۔ تو کل کتنی صورتیں ہو گئیں؟ چار صورتیں۔ پہلی صورت کیا؟ إِنْ خَيْرًا فَخَيْرٌ۔ دوسری صورت: إِنْ خَيْرًا فَخَيْرًا۔ تیسری صورت: إِنْ خَيْرٌ فَخَيْرٌ، دونوں پر رفع۔ اور چوتھی صورت اس پہلی صورت کے برعکس کہ إِنْ خَيْرٌ فَخَيْرًا بھائی۔

میں نے آپ کو بتلایا تھا کہ یہ جو إِنْ ہے یہ حرفِ شرط ہے اور یہ ہمیشہ فعل پر داخل ہوتا ہے اور یہاں پر تو إِنْ خَيْرًا، چاہے آپ خَيْرًا پڑھیں یا خَيْرٌ پڑھیں، خَيْر یہ تو اسم ہے بھائی، اسمِ تفضیل ہے۔ تو لہٰذا یہاں پر كَانَ کو محذوف نکالنا پڑے گا ہر حال میں، چاہے آپ خَيْرًا پڑھیں چاہے خَيْرٌ پڑھیں، كَانَ نکالیں گے إِنْ كَانَ خَيْرًا۔ تو یہ إِنْ داخل ہو گیا كَانَ پر اور اس كَانَ کو حذف کر لیا گیا۔ توجہ ہے؟ تو إِنْ کے بعد ہر حال میں كَانَ نکالنا ہے۔ اور جزا جو ہے فَخَيْرٌ، اس جزا کے میں اگر خَيْر پر رفع پڑھیں گے تو پھر كَانَ نکالنے کی ضرورت نہیں جزا میں۔ جزا میں كَانَ نکالنے کی ضرورت نہیں۔ لیکن اگر جزا کے اندر بھی آپ فَخَيْرًا منصوب پڑھیں گے تو پھر وہاں بھی كَانَ نکالنا پڑے گا۔ توجہ ہے؟

تو کیا ترکیب تھی دیکھو، پہلی صورت کیا تھی إِنْ خَيْرًا فَخَيْرٌ؟ إِنْ کے بعد كَانَ نکالنا ہے اور آگے خَيْرًا آرہا ہے اور یہ منصوب ہے، معلوم ہوا یہ كَانَ کی خبر بنے گی۔ تو كَانَ بھی محذوف ہے یہاں اور كَانَ کا اسم بھی محذوف ہے، أَيْ إِنْ كَانَ عَمَلُهُ خَيْرًا۔ كَانَ، كَانَ کو بھی محذوف اور عَمَلُهُ جو كَانَ کا اسم ہے وہ بھی محذوف، اگر اس کا عمل اچھا ہوا تو اس کی جزا بھی اچھی ہے۔ تو إِنْ كَانَ عَمَلُهُ خَيْرًا، اور فَخَيْرٌ، اس خَيْرٌ کو جو جزا میں ہے اس کو خبر بنا دیں، اس کے لیے مبتدا محذوف نکال لیں: فَجَزَاؤُهُ خَيْرٌ۔ تو کتنے محذوف نکالنے پڑے؟ تین بھائی۔ كَانَ اور كَانَ کا اسم، یہ ہے شرط کے اندر، اور جزا کے

اندر صرف بتدا محذوف ہے، تو کل کتنے محذوف ہوئے؟ تین محذوف ہوئے۔ یاد رکھو یہ صورت جو ہے یہ سب سے اعلیٰ ہے کیونکہ اس کے اندر حذف سب سے کم ہے اور باقی صورتوں کے اندر حذف زیادہ ہے لہٰذا وہ صورتیں، وہ جتنا حذف زیادہ ہوگا اتنی ہی صورت ضعیف ہوتی چلی جائے گی۔ تو یہ سب سے اعلیٰ صورت ہے۔ تو إِنْ خَيْرًا فَخَيْرٌ اصل میں کلام کیا ہے: إِنْ كَانَ عَمَلُهُ خَيْرًا فَجَزَاؤُهُ خَيْرٌ۔

دوسری صورت بھائی، کہ دونوں پر نصب پڑھیں، دونوں پر نصب: إِنْ خَيْرًا فَخَيْرًا۔ تو پھر إِنْ کے بعد تو اسی طرح ہوگا إِنْ كَانَ عَمَلُهُ خَيْرًا اور آگے فَخَيْرًا منصوب آرہا ہے تو پھر وہاں پر، وہاں پر كَانَ بھی نکالیں گے اور كَانَ کا اسم بھی نکالیں گے، تو فَكَانَ جَزَاؤُهُ خَيْرًا۔ إِنْ كَانَ عَمَلُهُ خَيْرًا فَكَانَ جَزَاؤُهُ خَيْرًا۔ تو پہلے جملے کے اندر بھی كَانَ اور اس کا اسم محذوف، دوسرے جملے میں بھی كَانَ اور اس کا اسم محذوف ہے، تو چار چیزیں محذوف ہیں، تو یہ پہلی صورت کے مقابلے میں ضعیف ہے بھائی۔

تیسری صورت یہ دونوں پر رفع پڑھیں: إِنْ خَيْرٌ فَخَيْرٌ۔ پھر جزا میں تو وہی صورت ہوگی، فَخَيْرٌ کے لیے ہم نے کیا کیا تھا؟ صرف بتدا محذوف نکالا تھا فَجَزَاؤُهُ خَيْرٌ۔ لیکن اگر إِنْ خَيْرٌ آپ پڑھیں گے تو پھر یہاں پر اس خَيْرٌ کو، یہاں تو كَانَ ضرور نکالنا ہے، تو اس خَيْرٌ کو كَانَ کا اسم بنائیں گے اور اس سے ماقبل میں جار مجرور نکالیں گے، کیونکہ جار مجرور میں نے آپ کو بتایا یہ مسند تو بن سکتے ہیں مسند الیہ نہیں بن سکتے۔ تو جب جار مجرور نکالیں گے وہ پھر كَانَ کی خبر بن جائیں گے اور یہ خَيْرٌ کیا بن جائے گا كَانَ کا اسم۔ تو کلام کیا بن جائے گا: إِنْ كَانَ فِيْ عَمَلِهِ خَيْرٌ۔ إِنْ كَانَ فِيْ عَمَلِهِ خَيْرٌ۔ یہ فِيْ عَمَلِهِ جار مجرور ہے اور یہ ثَابِتًا سے متعلق ہو کر كَانَ کی خبر بنے گا کیونکہ كَانَ کی خبر منصوب ہوتی ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ اور خَيْرٌ جو ہے وہ اسمِ مؤخر ہو جائے گا۔ اور فَخَيْرٌ جو جزا ہے وہاں اسی طرح بتدا محذوف نکال لیں گے فَجَزَاؤُهُ خَيْرٌ۔ تو یہاں کتنے حذف ہو گئے؟ كَانَ بھی حذف، فِيْ جارہ بھی حذف اور مجرور عَمَلِهِ یہ بھی محذوف، تو شرط کے اندر تین محذوف ہوئے اور جزا کے اندر بتدا محذوف ہے، تو اس میں بھی چار چیزیں محذوف ہیں، تو یہ بھی پہلی صورت کے مقابلے میں ضعیف ہے بھائی۔

اور چوتھی صورت یہ ہے کہ اس کا برعکس کر دیں: إِنْ خَيْرٌ فَخَيْرًا۔ پہلا مرفوع دوسرا منصوب۔ تو اس صورت میں پھر تقدیرِ عبارت کیا ہے: إِنْ كَانَ فِيْ عَمَلِهِ خَيْرٌ، خَيْرٌ مرفوع ہے نا تو كَانَ اور اس کی خبر کو محذوف نکالیں گے، إِنْ كَانَ فِيْ عَمَلِهِ خَيْرٌ، اور آگے ہے فَخَيْرًا تو وہاں پر بھی كَانَ پھر نکالنا پڑے گا فَكَانَ جَزَاؤُهُ خَيْرًا۔ تو یہاں شرط کے اندر تین محذوف ہیں كَانَ بھی، فِيْ بھی اور مجرور بھی، اور جزا کے اندر كَانَ اور كَانَ کا اسم محذوف ہے، تو کل پانچ محذوف ہو گئے، تو یہ صورت سب سے ضعیف ہے بھائی۔

اور پھر بتلایا تھا کہ کبھی کبھار كَانَ کی خبر کے عامل کو یعنی كَانَ کو حذف کرنا واجب ہو جاتا ہے اور یہ وہ مقام ہے جہاں پر اس کا کوئی قائم مقام لے آئیں۔ جب آپ كَانَ کو حذف کر کے آپ نے کسی دوسری چیز کو اس کا قائم مقام بنا دیا تو اب

ایک وقت میں ایک ہی آسکتا ہے، یا عوض آسکتا ہے یا معوض آسکتا ہے۔ تو جب كَانَ کا عوض آگیا تو اب كَانَ خود نہیں آسکتا، تو معلوم ہوا اس کا حذف واجب ہے۔ اور وہ اس قسم کی مثالوں میں ہے جیسے: أَمَّا أَنْتَ مُنْطَلِقًا اِنْطَلَقْتُ۔ أَمَّا أَنْتَ مُنْطَلِقًا اِنْطَلَقْتُ۔ اصل میں کیا تھا؟ لِأَنْ كُنْتَ مُنْطَلِقًا۔ یہ مُنْطَلِقًا جو ہے یہ كَانَ کی خبر تھی اس لیے منصوب تھا۔ لِأَنْ كُنْتَ مُنْطَلِقًا اِنْطَلَقْتُ۔ لِأَنْ كُنْتَ مُنْطَلِقًا، چونکہ آپ چل رہے تھے اِنْطَلَقْتُ اس لیے میں بھی چلا۔ لام کس لیے آتا ہے؟ علت بیان کرنے کے لیے۔ لِأَنْ كُنْتَ مُنْطَلِقًا چونکہ آپ چل رہے تھے اِنْطَلَقْتُ میں بھی چلا۔ تو یہ لام جارہ ہے اور یہ اسی اِنْطَلَقْتُ سے متعلق ہوگا۔ توجہ ہے؟ لِأَنْ كُنْتَ مُنْطَلِقًا لام جارہ ہے، أَنْ كُنْتَ مُنْطَلِقًا یہ سارا جو ہے مجرور ہونے کے بعد یہ متعلق کس سے ہوگا اِنْطَلَقْتُ سے، آخر میں جو آرہا ہے اِنْطَلَقْتُ۔ تو چونکہ آپ چل رہے تھے اس لیے میں بھی چل پڑا۔

تو کیا تھا اصل میں لِأَنْ كُنْتَ، لِأَنْ دیکھیے یہ أَمَّا أَنْتَ مُنْطَلِقًا اِنْطَلَقْتُ اسی کے آگے پوری ترکیب دی ہوئی ہے: أَيْ لِأَنْ كُنْتَ مُنْطَلِقًا اِنْطَلَقْتُ۔ پھر اس لام کو حذف کر دیا گیا أَنْ سے کیونکہ یہ أَنْ مصدریہ سے لام کو قیاساً حذف کر دیا کرتے ہیں، کلامِ عرب کے اندر عام ہوتا رہتا ہے، تو اس لام کو حذف کر دیا گیا تو کیا رہ گیا: أَنْ كُنْتَ مُنْطَلِقًا اِنْطَلَقْتُ۔ پھر یہ كُنْتَ میں سے كَانَ کو حذف کر لیا گیا اختصار کے لیے۔ توجہ ہے؟ كَانَ کو حذف کر لیا، كَانَ تو حذف ہوا لیکن اس کے ساتھ جو ضمیرِ متصل تھی یعنی كَانَ کا اسم وہ ضمیرِ منفصل بن گئی أَنْتَ۔ تو کیا رہ گیا: أَنْ أَنْتَ مُنْطَلِقًا اِنْطَلَقْتُ۔ توجہ ہے؟ پھر اس کے بعد جو كَانَ حذف کیا تھا اس کے عوض مَا لے آئے، تو کلام کیا بن گیا: أَنْ مَا أَنْتَ مُنْطَلِقًا اِنْطَلَقْتُ۔ پھر أَنْ کے آخر میں نونِ ساکن ہے اور آگے مَا ہے تو يَرْمِلُوْنَ والا ضابطہ لگا کہ يَا، رَا، مِيْم، لَام، وَاو، نُوْن ان حروف سے پہلے اگر نونِ ساکن آئے تو اسی کی جنس سے بدل کر اس میں کیا کرتے ہیں؟ ادغام کرتے ہیں۔ تو لہٰذا اس نون کو بھی میم کر کے میم میں ادغام کر دیا تو کیا بن گیا: أَمَّا أَنْتَ مُنْطَلِقًا اِنْطَلَقْتُ۔ ترکیب سمجھ میں آگئی؟ تو یہ۔

أَمَّا أَنْتَ مُنْطَلِقًا اِنْطَلَقْتُ اس کے اندر كَانَ کو حذف کرنا واجب ہے کیونکہ آپ اس کا عوض مَا لے آئے ہیں۔

اس کے بعد إِنَّ کے اسم کے بارے میں صاحبِ کافیہ نے آپ کو بتلایا تھا کہ إِنَّ کا اسم بھی منصوبات میں سے ہے۔ اور صاحبِ کافیہ نے آپ کو بتلایا کہ إِنَّ کا اسم مسند الیہ ہوتا ہے إِنَّ کے داخل ہونے کے بعد۔ إِنَّ کا اسم مسند الیہ ہوتا ہے إِنَّ کے داخل ہونے کے بعد، جیسے إِنَّ زَيْدًا قَائِمٌ۔ یہ زَيْدًا کیا ہے؟ إِنَّ کا اسم ہے، یہ منصوب ہے اور یہ مسند الیہ ہے إِنَّ کے داخل ہونے کے بعد۔

اس پر پھر اشکال ہوتا ہے کہ آپ نے ہمیں کیا کہا؟ إِنَّ کا اسم مسند الیہ ہوتا ہے إِنَّ کے داخل ہونے کے بعد۔ اس پر اشکال ہوتا ہے جیسے كَانَ وغیرہ کے اندر بھی اشکال ہوا تھا کہ یہ إِنَّ زَيْدًا أَبُوْهُ قَائِمٌ۔ یہ إِنَّ حرف از حروفِ مشبہ بالفعل ہے، زَيْدًا یہ ہے اس کا اسم، اور أَبُوْهُ قَائِمٌ یہ پورا جملہ إِنَّ کی خبر ہے بھائی۔ توجہ ہے؟ یہ بالکل آخر میں آرہا ہے، اَلْمَنْصُوْب سے پہلے یہ مثال ہے: إِنَّ زَيْدًا أَبُوْهُ قَائِمٌ۔ یہ زَيْدًا إِنَّ کا اسم اور أَبُوْهُ قَائِمٌ یہ پورا جملہ اس کی خبر۔ تو یہ أَبُوْهُ قَائِمٌ پورے جملے کے

اندر یہ أَبُوْهُ یہ ہے مبتدا اور قَائِمٌ ہے اس کی خبر، اور مبتدا کیا ہوتا ہے؟ وہ بھی مسند الیہ ہوتا ہے۔ تو إِنَّ کے اسم کی جو تعریف کی وہ اس پر بھی صادق آرہی ہے۔ توجہ ہے؟ إِنَّ زَيْدًا أَبُوْهُ قَائِمٌ یہ زَيْدًا إِنَّ کے داخل ہونے کے بعد مسند الیہ ہے لہٰذا یہ إِنَّ کا اسم ہے، لیکن اسی کے اندر أَبُوْهُ یہ بھی تو مسند الیہ ہے، تو إِنَّ کے داخل ہونے کے بعد یہ بھی مسند الیہ ہے تو اس کو بھی کیا کہنا چاہیے؟ إِنَّ کا اسم کہنا چاہیے حالانکہ یہ تو بالاتفاق إِنَّ کا اسم نہیں ہے۔ توجہ ہے؟

تو اس کا جواب دیا تھا صاحبِ جامی نے کہ بھائی ہم نے کہا إِنَّ کے داخل ہونے کے بعد مسند الیہ ہو، إِنَّ کے یعنی وہ اسناد إِنَّ کے داخل ہونے کے بعد ہونا چاہیے۔ اور آپ نے، آپ سے میں نے پوچھا إِنَّ کا اسم کیا؟ آپ نے کہا زَيْدًا۔ پھر میں نے کہا إِنَّ کی خبر کیا؟ آپ نے کہا أَبُوْهُ قَائِمٌ۔ تو یہ أَبُوْهُ قَائِمٌ پورے جملے کو آپ اٹھا کر لائے اور آپ نے اس کو إِنَّ کی خبر بنایا۔ تو اس کے اندر تو أَبُوْهُ پہلے سے ہی مسند الیہ تھا إِنَّ کے داخل ہونے سے۔ توجہ ہے؟ آپ ایک جملہ بنانا چاہتے ہیں اور إِنَّ لانا چاہتے ہیں۔ میں نے آپ سے کہا بھائی إِنَّ کا اسم کیسے بناؤ گے؟ آپ نے کہا زَيْد کو میں کیا بناؤں گا إِنَّ کا اسم۔ میں نے پوچھا إِنَّ کی خبر کیسے بناؤ گے؟ آپ نے کیا کہا أَبُوْهُ قَائِمٌ کو میں اس کی۔ بھائی أَبُوْهُ قَائِمٌ کو آپ إِنَّ کی خبر بنائیں گے، گویا ابھی خبر بنایا نہیں اور پہلے سے ہی اس کے اندر اسناد موجود ہے۔ پہلے سے ہی یہ پورا ایک جملہ ہے اور أَبُوْهُ مسند الیہ ہے۔ تو یہ تو إِنَّ کے داخل ہونے سے پہلے مسند الیہ ہے اور ہم نے تو کیا کہا تھا کہ إِنَّ کے داخل ہونے کے بعد وہ مسند الیہ ہونا چاہیے۔ لہٰذا یہ أَبُوْهُ کو لے کر آپ اعتراض نہیں کر سکتے، یہ إِنَّ کے داخل ہونے کے بعد مسند الیہ نہیں ہوا بلکہ یہ تو پہلے سے ہی مسند الیہ ہے بھائی۔ إِنَّ کے داخل ہونے کے بعد تو زَيْدًا جو ہے یہ مسند الیہ بنا ہے، یہ ہے إِنَّ کا اسم۔ بات سمجھ میں آگئی؟

یا دوسرا جواب یہ کہ بھائی إِنَّ کے داخل ہونے کا معنی یہ ہے کہ إِنَّ اس میں لفظوں میں اور معنی میں اثر دے۔ کس میں؟ لفظوں میں اور معنی میں اثر دے۔ لفظوں میں کیا اثر دے؟ نصب دے۔ اور أَبُوْهُ یہ تو مرفوع ہے، إِنَّ نے اس میں لفظوں میں کوئی عمل نہیں کیا، نصب نہیں دیا۔ اور معنی میں کیا اثر دیتا ہے؟ کہ وہ جو اسناد اس کی طرف ہو رہا ہوتا ہے اس میں إِنَّ تاکید پیدا کر دیتا ہے۔ جیسے دیکھو زَيْدٌ قَائِمٌ زید کھڑا ہے، اور میں نے کہا إِنَّ زَيْدًا قَائِمٌ اس کا کیا معنی؟ بے شک زید کھڑا ہے، یقیناً زید کھڑا ہے، تو دیکھو إِنَّ نے وہ جو قَائِمٌ کا اسناد ہو رہا تھا زید کی طرف اس میں کیا پیدا کر دی؟ تاکید پیدا کر دی۔ لیکن یہاں پر أَبُوْهُ قَائِمٌ کے اندر جو اسناد ہے یہ تو إِنَّ کے داخل ہونے سے پہلے کا ہے، یہ إِنَّ کی خبر ہے، إِنَّ نے اس کے اندر کوئی تاکید پیدا نہیں کی۔ ہاں أَبُوْهُ قَائِمٌ پورے جملے کا جو اسناد زید کی طرف ہو رہا ہے اس کے اندر إِنَّ نے تاکید پیدا کر دی ہے۔ توجہ ہے؟ تو دوسرا جواب میں ذکر کر رہا تھا، إِنَّ کے داخل ہونے کا معنی یہ ہے، انہوں نے کیا کہا؟ إِنَّ کا اسم مسند الیہ ہوتا ہے إِنَّ کے داخل ہونے کے بعد۔ بھائی داخل ہونے کا معنی یہ ہے کہ إِنَّ اس میں لفظوں میں یا معنی میں کوئی اثر دے، اور یہ أَبُوْهُ قَائِمٌ کے اندر جو أَبُوْهُ ہے اس میں نہ إِنَّ نے لفظوں میں کوئی عمل کیا یعنی نصب بھی نہیں دیا، اور معنی کے اندر اس کی طرف جو اسناد ہو رہا ہے اس میں تاکید بھی پیدا نہیں کی، لہٰذا آپ اس کو لے کر اعتراض نہیں کر سکتے کہ یہ إِنَّ کے اسم کی

تعریف میں داخل ہو رہا ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟

جی اب آئیے آج کے سبق پر:

اَلْمَنْصُوْبُ بِلَا الَّتِيْ لِنَفْيِ الْجِنْسِ أَيْ لِنَفْيِ صِفَةِ الْجِنْسِ وَحُكْمِهِ وَإِنَّمَا لَمْ يَقُلْ اِسْمُ لَا لِأَنَّهُ لَيْسَ كُلُّهُ وَلَا أَكْثَرُهُ مِنَ الْمَنْصُوْبَاتِ فَلَا يَصِحُّ جَعْلُهُ مُطْلَقًا مِنَ الْمَنْصُوْبَاتِ لَا حَقِيْقَةً وَلَا مَجَازًا بَلِ الْمَنْصُوْبُ مِنْهُ أَقَلُّ مِمَّا عَدَاهُ فَلَا بُدَّ مِنَ التَّعْبِيْرِ عَنْهُ بِالْمَنْصُوْبِ بِهَا۔

بھائی پہلے متن متن دیکھیے:

اَلْمَنْصُوْبُ بِلَا الَّتِيْ لِنَفْيِ الْجِنْسِ هُوَ الْمُسْنَدُ إِلَيْهِ بَعْدَ دُخُوْلِهَا يَلِيْهَا نَكِرَةً مُضَافًا أَوْ مُشَبَّهًا بِهِ مِثْلُ لَا غُلَامَ رَجُلٍ وَلَا عِشْرِيْنَ دِرْهَمًا لَكَ فَإِنْ كَانَ مُفْرَدًا فَهُوَ مَبْنِيٌّ عَلَى مَا يُنْصَبُ بِهِ فَإِنْ كَانَ مَعْرِفَةً أَوْ مَفْصُوْلًا بَيْنَهُ وَبَيْنَ لَا وَجَبَ الرَّفْعُ وَالتَّكْرِيْرُ۔

مل گئی ساری عبارت بھائی؟

بھائی دیکھیے لائے نفی جنس کا اسم ہمیشہ منصوب نہیں ہوتا بلکہ بعض صورتوں میں منصوب ہوتا ہے، اس لیے صاحبِ جامی نے یہ نہیں کہا اِسْمُ لَا، لائے نفی جنس کا اسم جو ہے، بلکہ کیا کہا اَلْمَنْصُوْبُ بِلَا الَّتِيْ لِنَفْيِ الْجِنْسِ، وہ جو منصوب ہوتا ہے لائے نفی جنس کی وجہ سے۔ توجہ ہے؟ لائے نفی جنس کا اسم ہمیشہ منصوب نہیں ہوتا، اگر ہمیشہ منصوب ہوتا تو یوں کہتے اِسْمُ لَا الَّتِيْ لِنَفْيِ الْجِنْسِ، اس لَا کا اسم جو نفی جنس کے لیے ہوتا ہے، تو کہا اَلْمَنْصُوْبُ بِلَا الَّتِيْ۔ بھائی دیکھیے یہ عبارت پہ نظر رکھیں، یہ اَلْمَنْصُوْبُ بِلَا یہ با جارہ ہے اور لَا، لَا سے لفظِ لَا مراد ہے، لَا سے کیا مراد ہے؟ لفظِ لَا مراد ہے، اور جب لفظ بول کر لفظ کا ارادہ کیا جائے تو آپ جانتے ہیں وہ عَلَم کے درجے میں ہوتا ہے، وہ معرفہ ہوتا ہے، تو یہ لَا بھی معرفہ ہے۔ اور الَّتِيْ لِنَفْيِ الْجِنْسِ یہ الَّتِيْ اسمِ موصول ہے اور لِنَفْيِ الْجِنْسِ یہ اس کا صلہ ہے، تو موصول صلہ مل کر یہ صفت ہوئی لَا کی۔ یہ کس کی؟ لَا کی، کیونکہ موصوف معرفہ ہو تو صفت بھی کیا لاتے ہیں؟ معرفہ، تو لَا خود کیا ہے؟ معرفہ، تو الَّتِيْ اسمِ موصول جو اس کی صفت آئی وہ بھی معرفہ ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟

تو ترجمہ کیسے ہوگا؟ اَلْمَنْصُوْبُ وہ جو منصوب ہوتا ہے بِلَا اس لَا کی وجہ سے الَّتِيْ لِنَفْيِ الْجِنْسِ جو نفی جنس کے لیے ہوتا ہے۔ وہ لَا جو کس لیے آتا ہے؟ نفی جنس کے لیے آتا ہے اس کی وجہ سے جو منصوب ہو۔ تو کہتے ہیں اَلْمَنْصُوْبُ بِلَا الَّتِيْ لِنَفْيِ الْجِنْسِ وہ جو منصوب ہوتا ہے اس لَا کی وجہ سے جو نفی جنس کے لیے ہو۔ یاد رکھو یہ جو لائے نفی جنس ہے نا یہ جنس کی نفی کے لیے نہیں آتا بلکہ یہ جنس سے صفت کی نفی کرتا ہے۔ یہ جنس سے صفت کی نفی کرتا ہے۔ مثلاً میں نے کہا لَا رَجُلَ

قَائِمٌ، کوئی آدمی کھڑا نہیں ہے۔ لَا رَجُلَ قَائِمٌ کوئی آدمی کھڑا نہیں ہے۔ اب دیکھو اس کے اندر یہ رَجُل یہ لائے نفی جنس کا اسم ہے اور قَائِمٌ اس کی خبر ہے۔ لَا رَجُلَ قَائِمٌ کوئی آدمی کھڑا نہیں ہے، تو مجھے بتائیے کیا میں نے جنسِ رَجُل کے ہونے کی نفی کی کہ جنسِ رَجُل کا وجود ہی نہیں ہے، یا میں نے جنسِ رَجُل سے قیام کی نفی کی ہے؟ قیام کی، یعنی ایک صفت کی نفی کی ہے کہ جنسِ رَجُل میں سے کوئی بھی اس وقت قائم نہیں ہے، کسی کے لیے قیام ثابت نہیں۔ تو یہ لائے نفی جنس جو ہوتا ہے یہ جنس کی نفی نہیں کرتا بلکہ جنس سے صفت کی نفی کرتا ہے۔ جیسے میں کہتا ہوں لَا رَجُلَ فِي الدَّارِ کوئی آدمی اس گھر میں نہیں ہے۔ تو دیکھو اس کے اندر میں نے جنسِ رَجُل کی نفی نہیں کی کہ جنسِ رَجُل میں سے کسی کا وجود ہی نہیں ہے، بلکہ اس کے فِي الدَّار ہونے کی نفی کی ہے کہ اس گھر کے اندر اس میں سے کوئی نہیں ہے۔ تو یہ جو لائے نفی جنس ہے یہ جنس کی نفی کے لیے نہیں آتا بلکہ جنس سے صفت کی نفی کرتا ہے۔ تو سوال یہاں تو عبارت میں آرہا ہے وہ لَا الَّتِيْ لِنَفْيِ الْجِنْسِ جو کس لیے آتا ہے؟ جنس کی نفی کے لیے آتا ہے، حالانکہ یہ تو جنس کی نفی نہیں کرتا، تو آپ کو صاحبِ جامی بتلائیں گے کہ بھائی یہ یہاں مضاف محذوف ہے أَيْ لِنَفْيِ صِفَةِ الْجِنْسِ۔ یہ لَا کس لیے آتا ہے؟ صفتِ جنس کی نفی کے لیے آتا ہے، جنس کی نفی کے لیے نہیں آتا، لیکن مختصراً اس کو نفی جنس کہہ دیا جاتا ہے۔ تو یہ لَا جو ہے جنس سے صفت کی نفی کے لیے آتا ہے۔

تو کہتے ہیں اَلْمَنْصُوْبُ بِلَا الَّتِيْ لِنَفْيِ الْجِنْسِ وہ جو منصوب ہوتا ہے اس لَا کی وجہ سے جو جنس کی صفت کی نفی کے لیے آتا ہے، هُوَ الْمُسْنَدُ إِلَيْهِ بَعْدَ دُخُوْلِهَا وہ مسند الیہ ہوتا ہے بَعْدَ دُخُوْلِهَا لَا کے داخل ہونے کے بعد۔ وہ جو منصوب ہے لائے نفی جنس کی وجہ سے وہ مسند الیہ ہوتا ہے لَا کے داخل ہونے کے بعد۔ لیکن یاد رکھو اس کے اندر تین شرطیں ہیں پھر وہ منصوب ہوگا۔ توجہ ہے؟ یہ تعریف کس کی کر رہے ہیں؟ لائے نفی جنس کے اسم کی تعریف نہیں کر رہے بلکہ وہ جو لائے نفی جنس کی وجہ سے منصوب ہوتا ہے اس کی تعریف کر رہے ہیں۔ میں نے بتایا آپ کو لائے نفی جنس کا اسم ہمیشہ منصوب نہیں ہوتا، ابھی تفصیل آرہی ہے یہ متن کے اندر ہی تفصیل آجائے گی، لائے نفی جنس کا اسم ہمیشہ منصوب نہیں ہوتا بلکہ کبھی مبنی علی الفتح ہوتا ہے، کبھی مرفوع ہوتا ہے۔ توجہ ہے؟ تو معلوم ہوا ہمیں لائے نفی جنس کا اسم ہمیشہ منصوب نہیں۔ لیکن یہاں بات چل رہی ہے صرف منصوبات کی، تو اس کے اندر اس کو بھی ذکر کیا لیکن یہ نہیں کہا لائے نفی جنس کا اسم، بلکہ کیا کہا اَلْمَنْصُوْبُ بِلَا الَّتِيْ لِنَفْيِ الْجِنْسِ وہ جو منصوب ہوتا ہے لائے نفی جنس کی وجہ سے۔ اب اس کی تعریف کر رہے ہیں تو کہتے ہیں هُوَ الْمُسْنَدُ إِلَيْهِ بَعْدَ دُخُوْلِهَا کہ وہ جو منصوب ہے وہ مسند الیہ ہوتا ہے لَا کے داخل ہونے کے بعد۔

لیکن اس میں پھر تین شرطیں ہیں بھائی، ادھر دیکھیے: پہلی شرط یہ کہ وہ لائے نفی جنس کا اسم لَا کے ساتھ ملا ہوا ہو، درمیان میں فصل نہ ہو۔ دوسری شرط یہ ہے کہ وہ نکرہ ہونا چاہیے، معرفہ نہیں ہونا چاہیے۔ اور تیسری شرط یہ ہے کہ وہ مضاف یا مشابہ مضاف ہونا چاہیے۔ کتنی شرطیں ہیں؟ تین۔ پہلی شرط کیا؟ وہ اسم لائے نفی جنس کے ساتھ ملا ہوا ہو۔ دوسری شرط کیا؟ وہ

نکرہ ہو معرفہ نہ ہو۔ اور تیسری شرط یہ کہ وہ مضاف یا مشابہ مضاف ہونا چاہیے۔ مثلاً میں کہتا ہوں لَا غُلَامَ رَجُلٍ قَائِمٌ۔ لَا غُلَامَ رَجُلٍ قَائِمٌ، کسی شخص کا کوئی غلام قائم نہیں ہے، کسی شخص کا کوئی غلام کھڑا نہیں ہے۔ اب دیکھو لَا غُلَامَ رَجُلٍ یہ غُلَام، غُلَامَ رَجُلٍ یہ غُلَام جو ہے یہ لائے نفی جنس کا اسم ہے اور دیکھو تینوں شرطیں پوری ہیں: یہ لَا کے ساتھ ملا ہوا ہے، درمیان میں کوئی اور لفظ نہیں لَا غُلَامَ رَجُلٍ۔ اور دوسری شرط یہ کہ نکرہ ہے، کیونکہ غُلَام اگرچہ مضاف ہو رہا ہے رَجُل کی طرف لیکن نکرہ کی اضافت جب نکرہ کی طرف ہو تو وہ نکرہ ہی رہتا ہے، اس میں تخصیص تو آجاتی ہے لیکن وہ رہتا نکرہ ہی ہے۔ توجہ ہے؟ تو غُلَامِ رَجُل جب کہا تو غُلَامِ اِمْرَأَة نکل گئے لیکن تعیین ابھی بھی نہیں، یہ تو دنیا کے ہر غُلَامِ رَجُل پر یہ لفظ صادق آرہا ہے اور نکرہ تو اسے کہتے ہیں جو کسی معین ذات پر صادق آئے۔ تو یہ ابھی بھی نکرہ ہے۔ تو پہلی شرط بھی پوری کہ یہ لَا کے ساتھ ملا ہوا ہے، دوسری شرط بھی پوری کہ یہ نکرہ ہے، اور تیسری شرط یہ تھی کہ یہ مضاف یا مشابہ مضاف ہونا چاہیے اور اس کے اندر بھی دیکھو لَا غُلَامَ رَجُلٍ یہ غُلَام کیا ہے رَجُل کی طرف مضاف ہو رہا ہے، تو اس لیے یہ منصوب ہے لَا غُلَامَ رَجُلٍ، یہ غُلَام پر آپ نصب پڑھیں گے، لَا غُلَامَ رَجُلٍ قَائِمٌ۔ توجہ ہے؟

تو تین شرطیں ہو گئیں۔ دیکھیے بھائی کتاب پر: کہتے ہیں اَلْمَنْصُوْبُ بِلَا الَّتِيْ لِنَفْيِ الْجِنْسِ وہ جو منصوب ہوتا ہے لائے نفی جنس کی وجہ سے، هُوَ الْمُسْنَدُ إِلَيْهِ بَعْدَ دُخُوْلِهَا وہ مسند الیہ ہوتا ہے لَا کے داخل ہونے کے بعد، يَلِيْهَا اس حال میں کہ وہ ملا ہو، يَلِي وَلِيَ يَلِي کا معنی ساتھ ہونا، ملا ہوا ہونا، يَلِيْهَا یہ هَا ضمیر راجع ہے لَا کی طرف۔ هَا ضمیر کس کو راجع ہے؟ لَا، اور لَا حرف ہے اور میں نے بتایا حروف عربی زبان میں مذکر بھی استعمال ہوتے ہیں مؤنث بھی لیکن زیادہ تر مؤنث استعمال ہوتے ہیں اس لیے واحد مؤنث کی ضمیر اس کی طرف لوٹائی۔ يَلِيْهَا کہ وہ لائے نفی جنس کا اسم جو ہے وہ لَا کے ساتھ ملا ہوا ہو، اس کے ساتھ جڑا ہوا ہو، نَكِرَةً اور اس حال میں کہ وہ کیا ہو نکرہ ہو، اور مُضَافًا أَوْ مُشَبَّهًا بِهِ اور مضاف ہو یا مشابہ مضاف ہو۔ مضاف تو آپ جانتے ہیں غُلَامُ رَجُلٍ یہ غُلَام کیا ہے؟ مضاف ہے رَجُل کی طرف۔ مشابہ مضاف کسے کہتے ہیں؟ یہ بات پہلے بھی گزر چکی ہے، وہ منادیٰ کی بحث میں انہوں نے آپ کو بتلایا تھا، مشابہ مضاف اسے کہتے ہیں جو کسی دوسرے لفظ کا محتاج ہوتا ہے، جس کے بغیر اس کا معنی پورا نہیں ہوتا۔ جیسے مُضَاف محتاج ہوتا ہے مُضَافٌ إِلَيْهِ کا، مُضَافٌ إِلَيْهِ کے بغیر اس کا معنی پورا نہیں۔ توجہ ہے؟ میں آپ کو بتلانا چاہتا ہوں زید کے غلام کے بارے میں۔ تو اگر میں صرف غلام کہوں گا تو آپ کے ذہن میں زید کا غلام آئے گا؟ صرف غلام کہا۔ غلام تو دنیا کے ہر غلام پر صادق آرہا ہے، لیکن جب میں مضاف الیہ بھی ساتھ ذکر کروں گا، اب آپ کو بات سمجھ میں آئے گی: غُلَامُ زَيْدٍ، کس کا غلام؟ زید کا غلام۔ تو اگر یہ مضاف الیہ میں نہ لاتا تو آپ کے ذہن میں زید کا غلام آتا؟ نہیں، بلکہ دنیا کا ہر غلام جو ہے اس پر یہ لفظ صادق آتا بھائی۔

تو لہٰذا معلوم ہوا مضاف کا معنی ہی پورا نہیں ہوتا جب تک آپ اس کے ساتھ مضاف الیہ نہ ملائیں۔ یا جیسے یہاں پر ہے غُلَامُ رَجُلٍ۔ بھائی صرف غلام کہوں یہ تو دنیا کے ہر غلام پر صادق آئے گا، چاہے کسی مرد کا غلام ہو چاہے کسی عورت

کا غلام ہو۔ لیکن میں خاص طور پر مرد کے غلام کو ذکر کرنا چاہتا ہوں، تو کیا کہوں گا؟ غُلَامُ رَجُلٍ۔ اگر رَجُلٍ کو یہاں سے میں ہٹا دوں تو غلام کا معنی اب پورا نہیں، میں بتانا کیا چاہتا ہوں؟ مرد کا غلام، اور غلام کا تو صرف کیا معنی ہے؟ مطلق کوئی بھی غلام ہو۔ تو مضاف ہمیشہ کس کا محتاج ہوتا ہے؟ مضاف الیہ کا، اس کے بغیر اس کا معنی پورا نہیں ہوتا۔

اسی طرح یہ جو مشابہ مضاف ہے، یہ مضاف تو نہیں ہوتا لیکن یہ محتاج ہوتا ہے، اس کا معنی پورا نہیں ہوتا جب تک اس کے ساتھ کوئی اور لفظ نہ ملایا جائے۔ جیسے وہاں مثال آئی تھی منادیٰ کے اندر: یَا طَالِعًا جَبَلًا، اے پہاڑ پر چڑھنے والے۔ اب صرف یَا طَالِعًا کہا جائے، تو طَالِعًا چڑھنے والا، بھائی درخت پر چڑھنے والا، دیوار پر چڑھنے والا یا طلوع ہونے والا، معنی واضح؟ معنی پورا نہیں۔ لیکن جب جَبَلًا ساتھ اس کے مفعول بہ کو ملا دیا تو اب معنی پورا ہو گیا۔ یہ جَبَلًا کیا ہے؟ یہ مفعول بہ ہے طَالِعًا کے لیے، طَالِعًا چڑھنے والا کس پر؟ جَبَلًا پہاڑ پر۔

یا جیسے میں کہتا ہوں عِشْرُوْنَ دِرْهَمًا، بیس بھائی۔ عِشْرُوْنَ کا معنی پورا نہیں جب تک دِرْهَمًا اس کے ساتھ نہیں جوڑیں گے کیونکہ بیس، بیس سے کیا مراد ہے بھائی؟ کتابیں مراد ہیں، قلم مراد ہیں، طلبہ مراد ہیں، درہم مراد ہیں یا دینار مراد ہیں؟ صرف عِشْرُوْنَ کہنے سے پتا نہیں چلتا۔ لیکن آگے جب تمیز آ جاتی ہے عِشْرُوْنَ دِرْهَمًا اب پتا چل گیا کہ عِشْرُوْنَ سے کیا مراد ہیں؟ درہم مراد ہیں۔ توجہ ہے؟ تو یہ عِشْرُوْنَ دِرْهَمًا یہ مثال کس کی ہے؟ مشابہ مضاف کی ہے کہ عِشْرُوْنَ محتاج ہے آگے اپنی تمیز کا۔ یا جیسے میں نے مثال ذکر کی یَا طَالِعًا جَبَلًا یہ طَالِعًا محتاج ہے جَبَلًا کا، اس کے ساتھ ملے گا تو یہ معنی اس کا پورا ہوگا۔

یا اسی طرح جو جار مجرور ہوتے ہیں، یاد رکھو کسی لفظ کے ساتھ جب جار مجرور استعمال ہوتے ہیں تو وہ جار مجرور اس کا صلہ کہلاتے ہیں۔ کیا کہلاتے ہیں؟ صلہ کہلاتے ہیں، اور وہ اپنے صلے کے ساتھ ملے گا تو اس کا معنی پورا ہوگا، اس کے بغیر اس کا معنی پورا نہیں۔ توجہ ہے؟ مثلاً میں کہتا ہوں خَيْرٌ مِنْ زَيْدٍ۔ خَيْرٌ مِنْ زَيْدٍ یہ خَيْر اسمِ تفضیل ہے اور اسمِ تفضیل کے استعمال کے کتنے طریقے ہیں؟ تین طریقے ہیں: الف لام کے ساتھ، یا اضافت کے ساتھ، یا مِنْ کے ساتھ۔ تو یہاں یہ مِنْ زَيْدٍ یہ کس سے متعلق ہے؟ خَيْرٌ سے۔ اگر میں صرف خَيْرٌ کہوں تو پھر تو پتا نہیں چلا کہ کس سے بہتر مراد ہے، لیکن جب میں نے مِنْ زَيْدٍ کہا معلوم ہوا کس کے مقابلے میں بہتری کو میں بیان کر رہا ہوں زید کے مقابلے میں۔ تو دیکھو یہ مِنْ زَيْدٍ خَيْر سے جڑے گا تو اس کا معنی پورا ہوگا۔ یعنی اس کا صلہ اس کے ساتھ جڑے گا۔ تو یہ بھی کس کی مثال ہے؟ مشابہ مضاف۔

توجہ ہے؟ میں مشابہ مضاف کا معنی بیان کر رہا ہوں، مشابہ مضاف وہ لفظ جو مضاف تو نہیں لیکن مضاف کے مشابہ ہے، کس طرح مشابہ ہے؟ یعنی جیسے مضاف محتاج ہوتا ہے مضاف الیہ کا، اس کے بغیر مضاف کا معنی پورا نہیں ہوتا، اسی طرح بعض اوقات ایک لفظ ہوتا ہے آگے جب تک اس کے ساتھ دوسرا لفظ نہ ملایا جائے اس کا معنی پورا نہیں ہوتا، جیسے عِشْرُوْنَ دِرْهَمًا یہاں دِرْهَمًا کے بغیر عِشْرُوْنَ پورا نہیں، یا طَالِعًا جَبَلًا یہاں جَبَلًا کے بغیر طَالِعًا پورا نہیں، یا خَيْرٌ مِنْ زَيْدٍ یہاں مِنْ زَيْدٍ کے بغیر خَيْرٌ پورا نہیں، تو یہ سب کس کی مثالیں ہیں؟ مشابہ مضاف کی مثالیں ہیں۔ توجہ ہے؟

تو حاصلِ کلام کیا ہوا؟ کہ لائے نفی جنس کا اسم منصوب ہوگا، کتنی شرطیں ہیں؟ تین شرطیں۔ پہلی شرط کیا؟ کہ وہ اس کے، لَا کے ساتھ وہ ملا ہوا ہو وہ اسم، درمیان میں فاصلہ نہ ہو، درمیان میں کوئی اور لفظ نہ ہو۔ دوسری شرط کیا؟ وہ نکرہ ہو معرفہ نہ ہو۔ اور تیسری شرط یہ ہے کہ وہ مضاف یا مشابہ مضاف ہونا چاہیے۔ جب یہ تینوں شرطیں پوری ہوں گی تو لائے نفی جنس کا اسم منصوب ہوگا، جیسے لَا غُلَامَ رَجُلٍ قَائِمٌ۔ یہ غُلَامَ رَجُلٍ کیا ہے؟ لائے نفی جنس کا اسم ہے اور منصوب ہے، تینوں شرطیں پوری ہیں: لَا غُلَامَ رَجُلٍ درمیان میں دیکھو غُلَام اور لَا کے درمیان کوئی لفظ نہیں، دوسری شرط بھی پوری ہے یہ غُلَامَ رَجُلٍ نکرہ ہے کیونکہ نکرہ کی اضافت نکرہ کی طرف ہو جائے وہ پھر بھی نکرہ ہی رہتا ہے، اور تیسری شرط بھی پوری ہے یہ کیا ہے اس وقت مضاف ہو رہا ہے، تو یہ اس لیے منصوب ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟

تو کہتے ہیں يَلِيْهَا اس حال میں کہ وہ لَا کے ساتھ ملا ہوا ہو، نَكِرَةً نکرہ ہو، مُضَافًا أَوْ مُشَبَّهًا بِهِ اور مضاف ہو یا مشابہ مضاف ہو، مِثْلُ مثال کے طور پر لَا غُلَامَ رَجُلٍ وَلَا عِشْرِيْنَ دِرْهَمًا لَكَ۔ لَا غُلَامَ رَجُلٍ یہ دیکھو لائے نفی جنس کا اسم ہے اور یہ مضاف کی مثال ہے، کس کی؟ مضاف کی۔ وَلَا عِشْرِيْنَ دِرْهَمًا یہ عِشْرِيْنَ لائے نفی جنس کا اسم ہے اور یہ مشابہ مضاف ہے، اس میں بھی تینوں شرطیں پوری ہیں: یہ لَا کے ساتھ ملا ہوا ہے اور نیز یہ نکرہ ہے عِشْرِيْنَ اور نیز یہ مشابہ مضاف ہے، تو دو مثالیں ذکر کر دیں اور دونوں کی ایک ہی خبر آگے اکٹھی ذکر کر دی لَكَ۔ توجہ ہے؟ تو لہٰذا یہ لَكَ دونوں کے لیے خبر ہے، تو پہلی مثال گویا یوں ہو گئی لَا غُلَامَ رَجُلٍ لَكَ، کسی آدمی کا کوئی غلام آپ کے لیے نہیں ہے، وَلَا عِشْرِيْنَ دِرْهَمًا لَكَ، آپ کے لیے کوئی بیس درہم نہیں ہیں۔ بات سمجھ میں آگئی؟

جی پھر دہرائیے: لائے نفی جنس کا اسم منصوب ہوگا کتنی شرطیں؟ تین۔ پہلی شرط کیا؟ کہ وہ لَا کے ساتھ وہ ملا ہوا ہو۔ دوسری شرط؟ نکرہ ہو۔ اور تیسری شرط؟ مضاف یا مشابہ مضاف ہو۔ اب یاد رکھو ان میں سے اگر یہ تیسری شرط نہ ہوئی پوری، پہلی دو پوری ہیں، ساتھ بھی ملا ہوا ہے درمیان میں فصل نہیں ہے، اور نکرہ بھی ہے، لیکن مضاف یا مشابہ مضاف نہیں ہے، تو اس صورت میں یاد رکھو لائے نفی جنس کا اسم مبنی علی الفتح ہوگا۔ کیا ہوگا؟ مبنی علی الفتح ہوگا، جیسے لَا رَجُلَ فِي الدَّارِ۔ لَا رَجُلَ فِي الدَّارِ، اب اس رَجُل میں دیکھو یہ لَا کے ساتھ جڑا بھی ہوا ہے درمیان میں فصل نہیں، اور نیز یہ نکرہ بھی ہے، لیکن تیسری شرط کیا تھی کہ مضاف یا مشابہ مضاف ہو، وہ یہاں پوری نہیں اس لیے یہ لَا رَجُلَ یہ رَجُل کیا ہے مبنی علی الفتح، توجہ ہے؟ لَا رَجُلَ فِي الدَّارِ یا لَا رَجُلَ قَائِمٌ۔ اس کو ہم نے کیا کہا؟ مبنی کہا ہے، مبنی علی الفتح، یہ منصوب نہیں ہے، لَا غُلَامَ رَجُلٍ وہ غُلَام منصوب تھا، لَا رَجُلَ یہ منصوب نہیں۔

بھائی کیا وجہ؟ دونوں میں فرق کیوں؟ اس پر بھی زبر آرہا ہے اس پر بھی زبر آرہا ہے، یا یوں کہو اس پر بھی فتحہ ہے غُلَام پر بھی اور رَجُل پر بھی فتحہ ہے، ایک کو آپ کیا کہہ رہے ہیں منصوب ایک کو کیا کہہ رہے ہیں مبنی علی الفتح؟ وجہ یہ کہ میں وجہ

ذکر کر چکا ہوں پہلے بھی کئی مرتبہ کہ یہ لَا رَجُلَ پر تنوین نہیں آرہی، یہ تنوین کا نہ آنا بتلا رہا ہے کہ یہ مبنی ہو چکا ہے۔ کیونکہ یہ معرب ہے رَجُل، اور اس پر تنوین آتی ہے: جَاءَنِيْ رَجُلٌ، رَأَيْتُ رَجُلًا، مَرَرْتُ بِرَجُلٍ، اور مانعِ تنوین دو چیزیں ہیں: یا الف لام آئے یا اضافت ہو جائے، اور لَا رَجُلَ نہ تو اس رَجُل پر الف لام ہے اور نہ اس کی اضافت ہو رہی ہے۔ جبکہ پچھلے جملے میں لَا غُلَامَ رَجُلٍ وہاں تنوین اس لیے نہیں آئی تھی کہ وہاں اضافت ہو رہی تھی بھائی، تو وہاں مانعِ تنوین موجود تھا لہٰذا وہ منصوب تھا، لیکن یہاں مانعِ تنوین نہیں پھر بھی تنوین نہیں آرہی معلوم ہوا یہ کیا بن چکا ہے مبنی ہو چکا ہے۔ تنوین تو تمکن کی علامت ہے کہ یہ اسم اعراب کو جگہ دیتا ہے بھائی، اور مبنی وہ تو ضد ہے بھائی معرب کی بھائی، اسمِ معرب کو اسمِ متمکن کہتے ہیں کیونکہ وہ جگہ دیتا ہے اعراب کو اور اس پر تنوینِ تمکن آتی ہے، اور مبنی پر یہ تنوین نہیں آتی، تو لَا رَجُلَ یہاں پر تنوین نہیں آئی اس نے بتلا دیا کہ یہ مبنی ہو چکا ہے بھائی۔

بات سمجھ میں آگئی؟ تو تیسری شرط پوری نہیں، پہلی بھی پوری ہے دوسری بھی پوری لیکن تیسری شرط پوری نہیں، تو تیسری شرط جب پوری نہ ہو پہلی دونوں شرطیں پوری ہوں تو پھر لائے نفی جنس کا اسم مبنی علی الفتح ہوتا ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ دیکھیے بھائی کتاب پر، متن متن دیکھیے:

کہتے ہیں فَإِنْ كَانَ مُفْرَدًا، اگر لائے نفی جنس کا اسم مفرد ہوا، کیا ہوا؟ مفرد ہوا، فَهُوَ مَبْنِيٌّ عَلَى مَا يُنْصَبُ بِهِ، تو وہ مبنی ہوگا عَلَى مَا اس علامت پر يُنْصَبُ بِهِ جس کے ساتھ اس کو نصب دیا جاتا ہے۔ تو وہ مبنی ہوگا اس علامت پر جس پر اس کو نصب دیا جاتا ہے۔

انہوں نے کیا کہا فَإِنْ كَانَ مُفْرَدًا، اگر لائے نفی جنس کا اسم کیا ہو مفرد ہو، مفرد ہو۔ بھائی میں نے آپ کو بتلایا تھا کہ یہ جو مفرد کا لفظ ہے علمِ نحو کے اندر چار چیزوں کے مقابلے میں آتا ہے: کبھی مفرد بول کر مرکب کو نکال دیتے ہیں، مفرد کا کیا معنی؟ یعنی مرکب نہیں ہے؛ کبھی مفرد جملے کے مقابلے میں آتا ہے، جب کہہ دیا جائے یہ مفرد ہے تو جملے کو نکالنا مقصد ہوتا ہے کہ یہ جملہ نہیں ہے؛ اور کبھی مفرد جو آتا ہے وہ تثنیہ اور جمع کے مقابلے میں آتا ہے، جب کہہ دیتے ہیں یہ دیکھو کتاب یہ مفرد ہے کیا بتلانا مقصد ہے کہ یہ تثنیہ اور جمع نہیں ہے؛ اور کبھی مفرد جو ہے وہ مضاف اور مشابہ مضاف کے مقابلے میں آتا ہے، تو یہاں پر بھی یہ مفرد کس کے مقابلے میں آیا ہے؟ مضاف یا مشابہ مضاف، یعنی لائے نفی جنس کا اسم ساتھ بھی ملا ہوا ہے نکرہ بھی ہے لیکن مضاف یا مشابہ مضاف نہیں ہے بلکہ مفرد ہے۔ توجہ ہے؟ تو کہتے ہیں فَإِنْ كَانَ مُفْرَدًا اگر وہ مسند الیہ جو ہے وہ مفرد ہو فَهُوَ مَبْنِيٌّ عَلَى مَا يُنْصَبُ بِهِ تو وہ مبنی ہوگا اس علامت پر جس پر اس کو نصب دیا جاتا ہے۔

یہاں سوال پیدا ہوتا ہے آپ ہمیں کیا کہہ رہے ہیں؟ وہ مبنی ہوتا ہے، اور آگے کہہ رہے ہیں عَلَى مَا يُنْصَبُ بِهِ جس کے ساتھ اس کو نصب دیا جاتا ہے۔ توجہ ہے؟ بھائی انہوں نے کہا فَهُوَ مَبْنِيٌّ عَلَى مَا يُنْصَبُ بِهِ، یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ

ایک طرف آپ کہہ رہے ہیں مبنی ہوتا ہے، دوسری طرف کہتے ہیں عَلَى مَا يُنْصَبُ بِهِ جس کے ساتھ اس کو نصب دیا جاتا ہے، بھائی نصب تو معرب پر آتا ہے، مبنی کہا تو پتا چلا یہ مبنی ہوگا اور آگے کہا عَلَى مَا يُنْصَبُ بِهِ اس سے تو کیا پتا چل رہا ہے یہ معرب ہے، حالانکہ یہ تو نہیں ہو سکتا ایک لفظ ایک وقت میں یا معرب ہوتا ہے یا مبنی ہوتا ہے، تو یہ دونوں کیسے جمع ہو سکتے ہیں؟ تو صاحبِ جامی اس کا بھی جواب دیں گے اور آپ کو بتلائیں گے کہ بھائی اس وقت تو مبنی ہے، اس وقت لَا رَجُلَ فِي الدَّارِ اس وقت یہ رَجُل مبنی ہے، لیکن یہ مبنی اس علامت پر ہوگا جس کے ساتھ اس کو نصب دیا جاتا ہے۔ دیکھو اس وقت یہ لَا کی وجہ سے مبنی ہے لیکن ویسے تو یہ رَجُل کا لفظ مبنی نہیں یہ تو معرب ہے، تو عام احوال کے اندر جس طرح اس پر نصب آتا ہے اسی صورت پر یہ یہاں مبنی بن جائے گا۔ عام احوال جب یہ معرب ہوتا ہے تو جس طرح کا نصب اس پر آتا ہے اسی نصب کے ساتھ اس کو کیا بنا دیں گے؟ مبنی بنا دیں گے۔ توجہ ہے؟

بھائی نصب کی کتنی صورتیں ہیں؟ نصب دیکھو کبھی کبھار نصب آتا ہے فتحہ کے ساتھ: رَأَيْتُ زَيْدًا، یہ زَيْدًا پر فتحہ آیا نصب ہے۔ کبھی نصب آتا ہے کسرہ کی صورت میں: رَأَيْتُ مُسْلِمَاتٍ، جمع مؤنث سالم کا نصب آتا ہی کسرہ کی صورت میں ہے۔ تو کبھی نصب کس صورت میں آئے گا؟ فتحہ کی صورت میں؛ کبھی نصب کس صورت میں آئے گا؟ کسرہ کی صورت میں؛ کبھی نصب آتا ہے الف کے ساتھ: اسمائے ستہ مکبرہ موحدہ مضافہ الیٰ غیر یائے متکلم، اس میں رفع واؤ کے ساتھ، نصب الف کے ساتھ اور جر یا کے ساتھ، جَاءَنِي أَبُوْكَ، رَأَيْتُ أَبَاكَ، مَرَرْتُ بِأَبِيْكَ، تو دیکھو یہاں نصب آیا الف کے ساتھ۔ تو کتنی صورتیں ہو گئیں نصب کی؟ تین: کبھی نصب فتحہ کے ساتھ، کبھی کسرہ کے ساتھ، کبھی الف کے ساتھ۔ اور کبھی نصب آئے گا یا ما قبل مفتوح کے ساتھ، اور وہ تثنیہ میں ہے: جَاءَنِي رَجُلَانِ، رَأَيْتُ رَجُلَيْنِ دیکھو یا ما قبل فتحہ ہے۔ اور کبھی نصب آئے گا یا ما قبل کسرہ کے ساتھ اور وہ جمع مذکر سالم میں ہے: جَاءَنِي مُسْلِمُوْنَ، رَأَيْتُ مُسْلِمِيْنَ دیکھو یا ما قبل کسرہ ہے۔

تو نصب کی گویا پانچ صورتیں ہو گئیں۔ پہلی صورت کیا؟ فتحہ کے ساتھ رَأَيْتُ زَيْدًا؛ کبھی نصب کس کے ساتھ آئے گا؟ کسرہ کے ساتھ رَأَيْتُ مُسْلِمَاتٍ؛ کبھی نصب کس کے ساتھ آئے گا؟ الف کے ساتھ اسمائے ستہ مکبرہ موحدہ مضافہ الیٰ غیر یائے متکلم رَأَيْتُ أَبَاكَ؛ اور کبھی نصب کس کے ساتھ آئے گا؟ یا ما قبل مفتوح کے ساتھ وہ تثنیہ میں ہے رَأَيْتُ رَجُلَيْنِ؛ اور کبھی نصب کس کے ساتھ آئے گا؟ یا ما قبل مکسور جمع مذکر سالم میں رَأَيْتُ مُسْلِمِيْنَ۔ تو جس طرح بھی اس لفظ پر نصب آتا ہو اسی پر اس کو مبنی بنا دیں گے، اسی پر کیا بنا دیں گے؟ مبنی بنا دیں گے۔ جیسے لَا رَجُلَ فِي الدَّارِ یہ رَجُل کا نصب کس کے ساتھ آتا تھا؟ فتحہ کے ساتھ رَأَيْتُ رَجُلًا، تو اسی فتحہ پر اس کو مبنی بنا دیں گے، تنوینِ تمکن اس سے گرا دیں گے کیونکہ یہ اب معرب نہ رہا بلکہ کیا بن گیا؟ مبنی۔ تو کیا کہیں گے؟ لَا رَجُلَ فِي الدَّارِ۔ اور اگر وہ نصب کسرہ کے ساتھ آتا تھا جیسے رَأَيْتُ مُسْلِمَاتٍ تو

یہاں اسی پر اس کو مبنی بنا دیں گے: لَا مُسْلِمَاتِ فِي الدَّارِ۔ توجہ ہے؟ اور اگر یا ما قبل مفتوح کے ساتھ آتا ہے تو اسی پر مبنی بنا دیں گے: لَا رَجُلَيْنِ فِي الدَّارِ۔ اور اگر یا ما قبل مکسور کے ساتھ آتا ہے تو اسی پر مبنی بنا دیں گے: لَا مُسْلِمِيْنَ فِي الدَّارِ۔ توجہ ہے؟ لَا رَجُلَ فِي الدَّارِ یہ رَجُل کیا ہے؟ مبنی ہے مبنی علی الفتح، اس وقت مبنی ہو چکا ہے۔ لَا مُسْلِمَاتِ فِي الدَّارِ یہ مُسْلِمَاتِ اس وقت کیا ہے؟ مبنی ہو چکا ہے مبنی علی الکسر۔ اور لَا رَجُلَيْنِ فِي الدَّارِ یہ رَجُلَيْنِ کیا ہے اس وقت؟ یا ما قبل مفتوح پر مبنی ہو چکا ہے۔ اور لَا مُسْلِمِيْنَ فِي الدَّارِ اس وقت یہ بھی کیا ہو چکا؟ مبنی ہو چکا ہے۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ تو اسی علامت، جس علامت کے ساتھ اس کا نصب آتا ہے، اسی پر اس کو مبنی بنا دیں گے۔ تنوینِ تمکن ہوگی تو وہ گر جائے گی۔

اس پر آپ کے ذہن میں اشکال آئے گا کہ ایک فتحہ الف کے ساتھ بھی تو آتا تھا، آپ نے سب کی مثالیں ذکر کر دیں الف والی مثال ذکر نہیں کی۔ لَا رَجُلَ فِي الدَّارِ فتحہ کی مثال بھی ذکر کر دی، لَا مُسْلِمَاتِ فِي الدَّارِ کسرہ کی مثال بھی ذکر کر دی، لَا رَجُلَيْنِ فِي الدَّارِ یا ما قبل مفتوح کی مثال بھی ذکر کر دی، اور لَا مُسْلِمِيْنَ فِي الدَّارِ یا ما قبل مکسور کی بھی مثال ذکر کر دی، الف والی مثال ذکر نہیں کی کہ مبنی ہو جائے کس پر؟ الف پر۔ تو اس کی مثال صاحبِ جامی ذکر نہیں کریں گے، وجہ یہ کہ وہ اسمائے ستہ مکبرہ موحدہ مضافہ الیٰ غیر یائے متکلم وہ اضافت کے ساتھ ہوتا ہے۔ کس کے ساتھ؟ اضافت کے ساتھ ہوتا ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو وہ اضافت، اور یہاں انہوں نے تو کہا کہ وہ لائے نفی جنس کا اسم جب مفرد ہو یعنی مضاف یا مشابہ مضاف نہ ہو، اس لیے اس کی مثال یہاں انہوں نے ذکر نہیں۔ بات بھی سمجھ میں آئی کہ نہیں؟ نصب کی کتنی صورتیں تھیں؟ پانچ۔ پانچ میں سے چار کی مثالیں ذکر کریں گے صاحبِ جامی، پانچویں قسم یعنی الف کے ساتھ جو فتحہ ہے اس کی مثال ذکر نہیں کریں گے۔ تو اس کی وجہ کیا؟ میں نے وجہ ذکر کر دی کہ انہوں نے کیا کہا فَإِنْ كَانَ مُفْرَدًا وہ لائے نفی جنس کا اسم کیا ہو مفرد ہو یعنی مضاف یا مشابہ مضاف نہ ہو، اور اسمائے ستہ مکبرہ کے اندر تو شرط ہے کہ ان کا فتحہ الف کے ساتھ تب آئے گا جب وہ یا کے علاوہ کسی اور کی طرف مضاف ہوں گے، بغیر اضافت کے الف نہیں آئے گا۔

تو کہتے ہیں فَإِنْ كَانَ مُفْرَدًا اگر لائے نفی جنس کا اسم جو ہے وہ مفرد ہو، یعنی پہلی دو شرطیں تو پوری ہیں، ساتھ بھی ملا ہوا ہے نکرہ بھی ہے لیکن مضاف یا مشابہ مضاف نہیں ہے، فَهُوَ مَبْنِيٌّ عَلَى مَا يُنْصَبُ بِهِ تو وہ مبنی ہوگا اسی علامت پر جس پر اس کو نصب دیا جاتا ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟

آگے دیکھیے متن متن: فَإِنْ كَانَ مَعْرِفَةً أَوْ مَفْصُوْلًا بَيْنَهُ وَبَيْنَ لَا۔ ہاں اگر پہلی دو شرطوں میں سے کوئی شرط پوری نہیں، یعنی توجہ ہے ادھر دیکھیے، پہلی شرط کیا تھی؟ ساتھ ملا ہوا ہو، اگر یہ شرط پوری نہیں ہے یعنی درمیان میں فصل ہے، لَا کا اسم لَا کے ساتھ جڑا ہوا نہیں درمیان میں فصل ہے، یا دوسری شرط جو ہے نکرہ وہ نکرہ، یہ شرط پوری نہ ہو بلکہ وہ معرفہ ہو، تو اس صورت میں یاد رکھنا رفع بھی آئے گا۔ کیا آئے گا؟ لائے نفی جنس کے اسم پر رفع آجائے گا اور نیز تکرارِ لَا بھی ہوگا اور تکرارِ اسم بھی ہوگا۔ جیسے میں کہتا ہوں: لَا زَيْدٌ فِي الدَّارِ وَلَا عَمْرٌو۔ لَا زَيْدٌ فِي الدَّارِ وَلَا عَمْرٌو، دیکھو لائے نفی جنس کا اسم زید آیا

اور یہ ساتھ ملا تو ہوا ہے لیکن دوسری شرط وہ نکرہ والی شرط پوری نہیں، وہ یہ کیا ہے؟ معرفہ ہے، تو اس صورت میں اس پر کیا پڑھنا واجب ہے؟ رفع پڑھنا واجب ہے، اسی لیے میں نے کہا لَا زَيْدٌ فِي الدَّارِ۔ رفع پڑھنا بھی واجب اور نیز تکرارِ لَا بھی ہوگا اور ایک اور تکرارِ اسم بھی ہوگا: لَا زَيْدٌ فِي الدَّارِ وَلَا عَمْرٌو، دیکھو آگے ایک اور لَا بھی لانا پڑے گا اور آگے ایک اور اسم بھی اس کا لانا پڑے گا۔

توجہ ہے؟ کیا؟ اگر پہلی دو شرطوں میں سے کوئی ایک پوری نہ ہو یا چاہے دونوں پوری نہ ہوں، تیسری شرط کو نہیں دیکھنا وہ پوری ہو یا نہ ہو اس سے قطعِ نظر، پہلی دو شرطوں میں سے کوئی ایک پوری نہ ہو یا دونوں پوری نہ ہوں تو اس صورت میں لائے نفی جنس کے اسم پر رفع پڑھیں گے، اور نیز تکرارِ لَا بھی ہوگا، ایک اور دفعہ لَا کو بھی لانا پڑے گا اور لَا کا ایک اور اسم بھی لانا پڑے گا۔ لَا زَيْدٌ فِي الدَّارِ وَلَا عَمْرٌو کون سی شرط پوری نہیں؟ دوسری شرط پوری نہیں، نکرہ نہیں ہے بلکہ معرفہ ہے، ساتھ تو جڑا ہوا ہے لیکن معرفہ ہے، تو اب اس پر ہم نے کیا پڑھا؟ رفع پڑھا، اور نیز تکرارِ لَا بھی آیا، لَا زَيْدٌ فِي الدَّارِ وَلَا عَمْرٌو ایک اور لَا بھی لانا پڑے گا اور اس کا ایک اور اسم بھی لانا پڑے گا۔

یہ تو تھا معرفہ، اگر آپ فصل کریں پہلی شرط پوری نہ کریں، مثلاً یوں کہیں لَا فِي الدَّارِ رَجُلٌ۔ لَا فِي الدَّارِ، اب دیکھو رَجُلٌ نکرہ تو ہے لیکن پہلی شرط ساتھ نہیں جڑا ہوا درمیان میں فصل آگیا، تو اب اس پر رفع بھی واجب ہے: لَا فِي الدَّارِ رَجُلٌ، رفع پڑھیں گے، اور نیز ایک اور لَا بھی لانا پڑے گا اور اس کا ایک اور اسم بھی لانا پڑے گا، اور یوں کہیں گے: لَا فِي الدَّارِ رَجُلٌ وَلَا امْرَأَةٌ۔

حاصلِ کلام کیا ہوا؟ کہ لائے نفی جنس کا اسم منصوب ہوگا کتنی شرطیں ہیں؟ تین شرطیں ہیں: پہلی شرط کیا کہ وہ اسم لَا کے ساتھ جڑا ہوا ہو؛ دوسری شرط کیا وہ نکرہ ہو؛ تیسری شرط کیا کہ وہ مضاف یا مشابہ مضاف ہو، تو منصوب ہوگا جیسے لَا غُلَامَ رَجُلٍ فِي الدَّارِ یا لَا غُلَامَ رَجُلٍ قَائِمٌ یا لَا عِشْرِيْنَ دِرْهَمًا لَكَ۔ اور اگر تیسری شرط پوری نہیں ہے یعنی مضاف یا مشابہ مضاف نہیں ہے، پہلی دو شرطیں پوری ہیں، تو پھر اس صورت میں لائے نفی جنس کا اسم مبنی ہوگا علامتِ نصب پر، جیسے لَا رَجُلَ فِي الدَّارِ، یہ رَجُل لَا کے ساتھ جڑا بھی ہوا ہے نکرہ بھی ہے لیکن مضاف یا مشابہ مضاف نہیں ہے۔ اور اگر پہلی دو شرطوں میں سے کوئی شرط پوری نہیں ہے، یعنی ساتھ جڑا ہوا نہ ہو بلکہ مفصول ہو درمیان میں فصل ہو، یا معرفہ ہو، تو پھر لائے نفی جنس کا اسم مرفوع ہوگا اور نیز تکرارِ لَا بھی کرنا پڑے گا اور ایک اور اسم بھی لانا پڑے گا: لَا زَيْدٌ فِي الدَّارِ وَلَا عَمْرٌو، یا لَا فِي الدَّارِ رَجُلٌ وَلَا امْرَأَةٌ۔

تقریر سمجھ میں آگئی؟ تو دیکھیے یہ ترجمہ دیکھ لیجیے متن کا: فَإِنْ كَانَ مَعْرِفَةً أَوْ مَفْصُوْلًا بَيْنَهُ وَبَيْنَ لَا، اور اگر وہ لائے نفی جنس کا اسم جو ہے وہ معرفہ ہو، أَوْ مَفْصُوْلًا بَيْنَهُ وَبَيْنَ لَا اور یا فصل کیا گیا ہو اس لَا کے اسم اور لَا کے درمیان، تو پھر وَجَبَ الرَّفْعُ تو اس صورت میں رفع واجب ہے، وَالتَّكْرِيْرُ اور نیز تکرار، یعنی تکرارِ اسم بھی ہوگا اور تکرارِ لَا بھی ہوگا۔

بات سمجھ میں آگئی؟ حل ہو گیا؟ ایک دفعہ پھر یہ متن متن کا سارے کا ترجمہ دیکھ لیجیے: کہتے ہیں اَلْمَنْصُوْبُ بِلَا الَّتِيْ لِنَفْيِ

الْجِنْسِ هُوَ الْمُسْنَدُ إِلَيْهِ بَعْدَ دُخُوْلِهَا، وہ جو منصوب ہوتا ہے لائے نفی جنس کی وجہ سے وہ مسند الیہ ہوتا ہے لَا کے داخل ہونے کے بعد، يَلِيْهَا اس حال میں کہ وہ لائے نفی جنس کے ساتھ ملا ہوا ہو، نَكِرَةً اور اس حال میں کہ وہ نکرہ ہو، مُضَافًا أَوْ مُشَبَّهًا بِهِ اور مضاف یا مشابہ مضاف ہو، مِثْلُ لَا غُلَامَ رَجُلٍ وَلَا عِشْرِيْنَ دِرْهَمًا لَكَ۔ فَإِنْ كَانَ مُفْرَدًا اگر لائے نفی جنس کا اسم مفرد ہو، فَهُوَ مَبْنِيٌّ عَلَى مَا يُنْصَبُ بِهِ تو وہ مبنی ہوگا اس علامت پر جس کے ساتھ اس کو نصب دیا جاتا ہے۔ فَإِنْ كَانَ مَعْرِفَةً أَوْ مَفْصُوْلًا بَيْنَهُ وَبَيْنَ لَا اور اگر وہ لائے نفی جنس کا اسم جو ہے وہ معرفہ ہو یا مَفْصُوْلًا بَيْنَهُ وَبَيْنَ لَا اس اسم اور لَا کے درمیان فصل کیا گیا ہو، تو وَجَبَ الرَّفْعُ وَالتَّكْرِيْرُ تو اس لائے نفی جنس کے اسم پر رفع بھی واجب ہے وَالتَّكْرِيْرُ اور تکرارِ اسم بھی لازم ہے یعنی لَا کے ساتھ تکرارِ اسم بھی ہوگا۔

بات سمجھ میں آگئی؟ حل ہو گیا؟ جی یہ بار بار میں ذکر کر رہا ہوں تاکہ آپ کے ذہن میں ساری بحث اچھی طرح بیٹھ جائے کیونکہ آگے پوری تفصیل اس کی وہ ذکر کریں گے بھائی۔ اصل مسئلہ آپ کے ذہن میں ہوگا تو تفصیل بھی آپ کو سمجھ آتی رہے گی بھائی۔ چلیے بس بھائی، هٰذَا هُوَ الْمَرَامُ، وَاللّٰهُ أَعْلَمُ بِحَقِيْقَةِ الْكَلَامِ۔

سبق نمبر ۱۷۲: اسمِ لائے نفیِ جنس (۲): مفرد معرفہ اور نکرہ کے مبنی بر فتح یا منصوب ہونے کی وجہ

شرحِ ملا جامی صفحہ: ۱۵۳ — بتاریخ: ۲۶ جولائی ۲۰۲۲ء

▪ تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث

دیکھیے بھئی آگے سبق، الْمَنْصُوْبُ بِلاَ الَّتِيْ لِنَفْيِ الْجِنْسِ أَيْ لِنَفْيِ صِفَةِ الْجِنْسِ وَحُكْمِهِ، وَإِنَّمَا لَمْ يَقُلْ اسْمُ لاَ لِأَنَّهُ لَيْسَ كُلُّهُ وَلاَ أَكْثَرُهُ مِنَ الْمَنْصُوْبَاتِ، فَلاَ يَصِحُّ جَعْلُهُ مُطْلَقاً مِنَ الْمَنْصُوْبَاتِ لاَ حَقِيْقَةً وَلاَ مَجَازاً، بَلِ الْمَنْصُوْبُ مِنْهُ أَقَلُّ مِمَّا عَدَاهُ، فَلاَ بُدَّ مِنَ التَّعْبِيْرِ عَنْهُ بِالْمَنْصُوْبِ بِهَا۔

گزشتہ سبق میں ہم نے لائے نفی جنس کے اسم کے بارے میں پڑھا تھا اور صاحبِ کافیہ نے آپ کو بتلایا تھا کہ لائے نفی جنس کا اسم بھی بعض اوقات منصوب ہوتا ہے، تو اس لیے اس کو منصوبات میں سے شمار کیا۔ اور لائے نفی جنس کے اسم کے بارے میں تین صورتیں ہم نے پڑھیں بھئی کہ کبھی لائے نفی جنس کا اسم جو ہے وہ منصوب ہوتا ہے، کبھی لائے نفی جنس کا اسم مبنی علی الفتح ہوتا ہے اور کبھی لائے نفی جنس کا اسم جو ہے وہ مرفوع ہوتا ہے۔

تفصیل یہ تھی کہ انہوں نے آپ کو بتلایا کہ لائے نفی جنس کا اسم منصوب ہوگا، تین شرطیں ہیں بھئی۔ پہلی شرط یہ کہ وہ اسم لا کے ساتھ ملا ہوا ہو، یعنی درمیان میں فصل نہ ہو بھئی۔ دوسری شرط یہ ہے کہ وہ نکرہ ہونا چاہیے۔ اور تیسری شرط یہ ہے کہ وہ مضاف یا مشابہِ مضاف ہو۔ جیسے لاَ غُلاَمَ رَجُلٍ فِي الدَّارِ، کسی مرد کا کوئی غلام اس گھر میں نہیں ہے۔ تو اس میں دیکھو غُلاَمَ رَجُلٍ یہ لائے نفی جنس کا اسم ہے یہ غلام، اور یہ لا کے ساتھ ملا ہوا ہے اور نیز یہ نکرہ ہے کیونکہ نکرہ کی اضافت نکرہ کی طرف ہو جائے تو بھی وہ نکرہ ہی رہتا ہے۔ اگرچہ اس میں تخصیص آجاتی ہے، احتمالات کم ہو جاتے ہیں، لیکن وہ معرفہ نہیں بنتا نکرہ ہی رہتا ہے۔ تو غُلاَمَ رَجُلٍ رجل کی طرف اضافت کے باوجود یہ غلام کا لفظ نکرہ ہی ہے، تو دوسری شرط بھی پوری۔ اور تیسری شرط یہ تھی کہ وہ مضاف یا مشابہِ مضاف ہو اور یہاں پر بھی غلام کا لفظ رجل کی طرف مضاف ہو رہا ہے، تو یہ منصوب ہے لاَ غُلاَمَ رَجُلٍ فِي الدَّارِ، تو یہ غُلاَمَ پر اسی لیے نصب پڑھا گیا۔ بات سمجھ میں آگئی؟

اور اگر ان تین شرطوں میں سے مضاف یا مشابہِ مضاف نہ ہو، البتہ پہلی دو شرطیں پوری ہونی چاہئیں کہ لا کا اسم لا کے ساتھ جڑا ہوا بھی ہو اور نکرہ بھی ہو، ہاں البتہ مضاف یا مشابہِ مضاف نہ ہو، تو اس صورت میں لائے نفی جنس کا اسم جو ہے وہ مَبْنِيٌّ عَلَى الْفَتْحِ ہوگا۔ جیسے لاَ رَجُلَ فِي الدَّارِ۔ اب دیکھو رَجُلَ یہ لا کے ساتھ ملا ہوا ہے، نکرہ ہے، دونوں شرطیں پوری، لیکن تیسری شرط مضاف یا مشابہِ مضاف نہیں ہے اس لیے یہ مَبْنِيٌّ عَلَى الْفَتْحِ ہے۔ اور علامت کیا ہے مبنی ہونے کی؟ میں نے بتایا کہ اس پر تنوین نہیں آرہی، ورنہ تو ویسے یہ رَجُل پر تنوین آتی ہے رَجُلٌ، رَجُلاً، رَجُلٍ، حالتِ رفعی، نصبی، جری تینوں حالتوں میں۔ اور مانعِ تنوین دو چیزیں ہیں، الف لام اور اضافت۔ اوریہاں لاَ رَجُلَ اس پر الف لام بھی نہیں ہے اور نیز آگے اس کی اضافت بھی نہیں ہو رہی، تو مانعِ تنوین کوئی بھی چیز نہیں، پھر بھی اس پر تنوین نہیں آرہی، معلوم ہوا یہ مبنی ہو چکا ہے، تو لاَ رَجُلَ فِي الدَّارِ۔ تو تیسری شرط پوری نہ ہو تو لائے نفی جنس کا اسم مبنی ہوتا ہے علامتِ نصب پر۔ یعنی عام احوال میں نصب جس طرح آتا ہے اسی علامت پر وہ منصوب ہو جاتا ہے۔

اور نصب کی کئی صورتیں ہیں، کبھی نصب آتا ہے فتحہ کے ساتھ رَأَيْتُ زَيْداً، رَأَيْتُ رَجُلاً دیکھو نصب فتحہ کے ساتھ آرہا ہے۔ اور کبھی نصب جو ہے کسرہ کی صورت میں آتا ہے، جیسے رَأَيْتُ مُسْلِمَاتٍ یہ جمع مؤنث سالم جو ہے اس کا نصب آتا ہی کسرہ کی صورت میں ہے۔ تو رَأَيْتُ مُسْلِمَاتٍ یہ اس وقت منصوب ہے اور منصوب بھی لفظاً ہے، یعنی لفظاً ہم اس نصب پر تلفظ کر رہے ہیں۔ نصب پر۔ تو یہ نہ آپ کہیں کہ یہاں شاید نصب تقدیراً ہے، نہیں نہیں، اس کا نصب آتا ہی کسرہ کے ساتھ ہے اور آپ اس وقت اس کسرہ پر تلفظ کر رہے ہیں، تو یہ اس وقت رَأَيْتُ مُسْلِمَاتٍ یہ مُسْلِمَاتٍ کا اعراب کیسے بتائیں گے؟ یہ منصوب ہے لفظاً، یعنی اعراب پر یعنی نصب پر ہم باقاعدہ تلفظ کر رہے ہیں جو کسرہ کی صورت میں ہے۔ اور کبھی نصب جو ہے وہ یاء ماقبل مفتوح کے ساتھ آتا ہے، جیسے تثنیہ ہے، تثنیہ کا رفع الف کے ساتھ آتا ہے اور نصب اور جر یاء ماقبل مفتوح کے ساتھ، جَاءَنِي رَجُلاَنِ الف کے ساتھ رفع آیا، رَأَيْتُ رَجُلَيْنِ وَمَرَرْتُ بِرَجُلَيْنِ نصب کس کے ساتھ آیا؟ یاء ماقبل مفتوح کے ساتھ۔ اور کبھی کبھار نصب جو ہے یاء ماقبل مکسور کے ساتھ آتا ہے اور یہ جمع مؤنث سالم میں ہے۔ جیسے رَأَيْتُ مُسْلِمِيْنَ، تو یہ یاء ماقبل کسرہ کے ساتھ نصب آرہا ہے۔ اور کبھی نصب جو ہے وہ الف کے ساتھ بھی آتا ہے، وہ اسمائے ستہ مکبرہ موحدہ مضافہ الی غیر یاء المتکلم، لیکن اس کو صاحبِ جامی ذکر نہیں فرمائیں گے، وجہ یہ کہ یہ وہ صورت ذکر ہو رہی ہے جہاں تیسری شرط پوری نہ ہو یعنی مضاف یا مشابہِ مضاف نہ ہو، اور اسمائے ستہ مکبرہ کا اعراب الف واو اور یاء کے ساتھ تب آتا ہے جب وہ مضاف ہو رہے ہوں یائے متکلم کے علاوہ کی طرف، وہاں کئی شرطیں تھیں، اسمائے ستہ ہوں، مکبرہ ہوں یعنی تصغیر نہ ہو، موحدہ ہوں یعنی تثنیہ یا جمع نہ ہوں، اور نیز مضاف ہوں لیکن غیرِ یاء کی طرف ہوں مضاف، یعنی یاء کی طرف مضاف نہ ہوں، لیکن یہاں تو کہہ دیا کہ تیسری شرط یعنی مضاف یا مشابہِ مضاف نہیں ہونا چاہیے، تو اس کی مثال صاحبِ جامی ذکر نہیں فرمائیں گے۔

اور پھر بتلایا تھا کہ اگر پہلی دو شرطوں میں سے کوئی شرط پوری نہ ہوئی، یعنی لا کا اسم لا کے ساتھ ملا ہوا نہ ہوا بلکہ درمیان میں فصل ہوا، یا دوسری شرط پوری نہ ہوئی یعنی لا کا اسم جو ہے وہ نکرہ نہ ہوا بلکہ معرفہ، تو ان دونوں صورتوں میں لا کے اسم پر رفع واجب ہے۔ جیسے لاَ زَيْدٌ فِي الدَّارِ وَلاَ عَمْرٌو، رفع بھی واجب ہے اور تکرارِ لا مع تکرارِ اسم بھی ہوگا، لاَ زَيْدٌ فِي الدَّارِ وَلاَ عَمْرٌو تو زَيْدٌ پر رفع بھی آیا اور آگے ایک اور لا اور اس کا اسم بھی آیا۔ یا درمیان میں فصل آجائے لاَ فِي الدَّارِ رَجُلٌ وَلاَ امْرَأَةٌ۔ تو یہ لا اس کے بعد فِي الدَّارِ جار مجرور آیا اور آپ نے پڑھا ہے جار مجرور کبھی بھی مسند الیہ نہیں بنتا، یہ مسند تو بن سکتا ہے لیکن مسند الیہ نہیں، تو لا کے بعد فِي الدَّارِ آیا تو یہ لا کی خبر تو بن سکتا ہے لا کا اسم نہیں بن سکتا، تو اور آگے رَجُلٌ آ رہا ہے وہ بنے گا لا کا اسم، تو درمیان میں فصل آگیا تو اب اس پر رفع پڑھیں گے لاَ فِي الدَّارِ رَجُلٌ، اور نیز تکرارِ لا بھی ہوگا مع تکرارِ اسم کے وَلاَ امْرَأَةٌ، لاَ فِي الدَّارِ رَجُلٌ وَلاَ امْرَأَةٌ۔ بات سمجھ میں آگئی؟

تو معلوم ہوا لا کا اسم کبھی منصوب ہوتا ہے، کبھی مبنی علی الفتح ہوتا ہے اور کبھی مرفوع ہوتا ہے۔ یہ سارا متن ہم حل کر چکے تھے، اب آئیے اس سارے کو شرح کے ساتھ حل کرتے ہیں، آئیے بھئی آج کا سبق بھئی۔

الْمَنْصُوْبُ بِلاَ الَّتِيْ لِنَفْيِ الْجِنْسِ۔ میں نے آپ کو بتلایا تھا کہ یہ لا جو ہے لا سے لفظِ لا مراد ہے، اور لفظ بول کر جب لفظ کا ارادہ کیا جائے تو وہ معرفہ ہوتا ہے۔ لہذا اسی لیے اس کی صفت الَّتِيْ اسم موصول یعنی معرفہ لے کر آئے۔ الْمَنْصُوْبُ وہ جو منصوب ہوتا ہے بِلاَ اس لا کے ذریعے۔ دیکھو بعض طلباء پھر پریشان ہوتے ہیں کہ ہمیں پتہ کیسے چلے گا کہ لفظ بول کر لفظ کا ارادہ ہے؟ اس کی نشانی یہ ہے کہ اس کا پھر ترجمہ نہیں کیا جاتا، ترجمہ نہیں کیا جاتا۔ یہاں پر بھی دیکھو الْمَنْصُوْبُ بِلاَ، اس لا کا ہم ترجمہ نہیں کریں گے حالانکہ لا کا تو کیا معنی ہے؟ نہیں، لیکن یہاں ترجمہ نہیں کریں گے۔ الْمَنْصُوْبُ بِلاَ وہ جو منصوب ہوتا ہے لا کی وجہ سے۔ توجہ ہے؟ تو یہ علامت ہے، ترجمے سے آپ کو فوراً پتہ چل جائے گا۔

تو وہ جو منصوب ہوتا ہے بِلاَ اس لا کی وجہ سے الَّتِيْ لِنَفْيِ الْجِنْسِ جو کس لیے آتا ہے؟ نفیِ جنس کے لیے۔ میں نے آپ کو بتلایا تھا کہ الْجِنْسِ سے پہلے مضاف جو ہے محذوف ہے أَيْ لِنَفْيِ صِفَةِ الْجِنْسِ وہ لا جو کس لیے آتا ہے؟ جنس کی صفت کی نفی کے لیے آتا ہے، جنس سے صفت کی نفی کرتا ہے۔ لاَ رَجُلَ قَائِمٌ کوئی آدمی کھڑا نہیں ہے، دیکھو میں اس میں آدمی کے نہ ہونے کو ذکر نہیں کر رہا کہ کسی آدمی کا وجود ہی نہیں ہے، کوئی آدمی ہے ہی نہیں، بلکہ میں رجل سے قیام کی صفت کی نفی کر رہا ہوں کہ کوئی آدمی کھڑا نہیں ہے۔ تو معلوم ہوا یہ لا جو ہے یہ جنس کی نفی نہیں کرتا بلکہ جنس کی صفت کی نفی کرتا ہے۔ تو الْجِنْسِ سے پہلے صفت کا لفظ مضاف محذوف ہے، وہی صاحبِ جامی آگے بیان فرما رہے ہیں أَيْ لِنَفْيِ صِفَةِ الْجِنْسِ وہ لا جو کس لیے آتا ہے؟ جنس کی صفت کی نفی کے لیے آتا ہے وَحُكْمِهِ یہ حکم کا عطف ہو رہا ہے صفت پر، صِفَةِ الْجِنْسِ وَحُكْمِ الْجِنْسِ، صِفَةِ الْجِنْسِ وَحُكْمِهِ، تو یعنی أَيْ لِنَفْيِ صِفَةِ الْجِنْسِ وَلِنَفْيِ حُكْمِ الْجِنْسِ وہ لا جو کس لیے آتا ہے؟ جنس

کی صفت کی نفی کے لیے اور جنس کے حکم کی نفی کے لیے، یعنی جنس سے کسی حکم کی آپ نفی کرتے ہیں۔ مثلاً میں کہتا ہوں لاَ رَجُلَ قَائِمٌ تو میں نے رجل سے کس کی نفی کی؟ صفتِ قیام کی نفی کی، یا یوں کہو میں نے جنسِ رجل سے یہ جو قائم کا حکم ہے اس قائم کے اس قیام کے حکم کی نفی کر دی، تو صفت کی نفی کہہ لو یا حکم کی نفی کہہ لیں بھئی۔ تو کہتے ہیں أَيْ لِنَفْيِ صِفَةِ الْجِنْسِ وَحُكْمِهِ وہ جو جنس کی صفت کی نفی کے لیے اور اس کے حکم کی نفی کے لیے آتا ہے۔ تو جہ ہے؟ ترجمہ پھر دیکھ لیں۔ الْمَنْصُوْبُ بِلاَ الَّتِيْ لِنَفْيِ الْجِنْسِ أَيْ لِنَفْيِ صِفَةِ الْجِنْسِ وَحُكْمِهِ وہ جو منصوب ہوتا ہے اس لا کی وجہ سے جو جنس کی صفت کی نفی کے لیے اور اس کے حکم کی نفی کے لیے آتا ہے، اس جنس کے حکم کی نفی کے لیے آتا ہے۔

وَإِنَّمَا لَمْ يَقُلْ اسْمُ لاَ، بھئی ماتن نے الْمَنْصُوْبُ بِلاَ کہا، جبکہ اس سے ماقبل كَانَ کی بات آئی تھی تو کہا تھا خَبَرُ كَانَ اور پہلے إِنَّ کے اسم کی بات آئی تو کہا اِسْمُ إِنَّ تو یہاں کہنا چاہیے تھا اِسْمُ لاَ لائے نفی جنس کا اسم جو ہے وہ منصوب ہوتا ہے منصوبات میں سے، لیکن صاحبِ جامی بتائیں گے نہیں بھئی، اسم اس لیے نہیں کہا کہ لائے نفی جنس کا اسم ہمیشہ منصوب نہیں ہوتا۔ ابھی بتایا تین صورتیں ہیں وہاں، کبھی کیا ہوگا؟ منصوب ہوگا جب تینوں شرطیں پوری ہوں، جیسے لاَ غُلاَمَ رَجُلٍ فِي الدَّارِ۔ اور کبھی مَبْنِيٌّ عَلَى الْفَتْحِ ہوگا جب تیسری شرط پوری نہ ہو لاَ رَجُلَ فِي الدَّارِ یہ مبنی علی الفتح ہے یہ منصوب نہیں ہے۔ اور تیسری صورت کیا تھی کہ اگر معرفہ ہو یا مفصول ہو درمیان میں فصل ہو تو پھر مرفوع ہوگا۔ تو کتنی صورتیں ہو گئیں لائے نفی جنس کے اسم میں؟ تین صورتیں۔ تین میں سے ایک صورت میں نصب آرہا ہے، دو صورتوں کے اندر نصب نہیں ہے۔ تو اگر یوں کہہ دیتے اِسْمُ لاَ، لا کا اسم تو پڑھنے والا کیا سمجھتا؟ شاید لا کا اسم ہمیشہ منصوب ہوتا ہے، لیکن لا کا اسم تو ہمیشہ منصوب نہیں ہوتا۔ تو لائے نفی جنس کے اسم کی تین صورتیں بن گئیں، ایک صورت میں منصوب ہے، ایک صورت میں مبنی علی الفتح ہے اور ایک صورت میں مرفوع ہے، تو کل تین صورتیں ہوئیں بھئی، تین صورتیں۔ تو لہذا اگر کہہ دیتے اِسْمُ لاَ تو پھر پڑھنے والا طالب علم سمجھتا شاید لا کا اسم ہمیشہ منصوب ہوتا ہے حالانکہ ہمیشہ منصوب نہیں ہوتا۔ بلکہ، بلکہ غور کریں تین صورتیں ہیں بھئی، کبھی منصوب ہوگا، کبھی مبنی علی الفتح اور کبھی مرفوع ہوگا، تو گویا اکثر صورتوں کے اندر منصوب نہیں ہے۔ تو جہ ہے؟ تین میں سے دو صورتوں میں منصوب نہیں ہے۔ اگر اکثر صورتوں میں منصوب ہوتا یعنی تین میں سے کم از کم دو صورتوں میں منصوب ہوتا تو بھی ہم کہہ سکتے تھے کہ اِسْمُ لاَ یعنی حقیقتاً تو نہیں لیکن مجازاً کہہ سکتے تھے کیونکہ آپ نے ضابطہ پڑھا ہے لِلْأَكْثَرِ حُكْمُ الْكُلِّ۔ تو جہ ہے؟ لِلْأَكْثَرِ حُكْمُ الْكُلِّ۔ تو تین میں سے اگر کم از کم دو صورتوں میں بھی کیا ہوتا؟ منصوب، تب بھی مجازاً ہم کہہ سکتے ہیں اس میں لا کیا ہوتا ہے؟ منصوب ہوتا ہے۔ مجازاً کیسے؟ یعنی اکثر صورتوں میں۔ نہیں تو جہ؟ دیکھو پھر سمجھو، پھر سمجھو۔

یہاں منصوبات کی بحث چل رہی ہے اور صاحبِ کافیہ نے فرمایا الْمَنْصُوْبُ بِلاَ کہ منصوبات میں سے ایک وہ ہے جو

منصوب ہوتا ہے لا کی وجہ سے۔ بھئی کہنا تو یوں چاہیے تھا اِسْمُ لاَ کہ منصوبات میں سے کیا ہے؟ اسمِ لا ہے، لیکن اسمِ لا نہیں کہا بلکہ کہا الْمَنْصُوْبُ بِلاَ وہ جو منصوب ہوتا ہے لا کی وجہ سے۔ تو اس کی کیا وجہ ہے؟ صاحبِ کافیہ نے اِسْمُ لاَ کیوں نہیں کہا؟ تو صاحبِ جامی نے آپ کو بتلایا کہ لائے نفی جنس کا اسم ہمیشہ منصوب نہیں ہوتا۔ لائے نفی جنس کے اسم کی تین صورتیں ہیں بھئی، کبھی وہ منصوب ہوگا اور کبھی وہ مَبْنِيٌّ عَلَى الْفَتْحِ ہوگا اور کبھی وہ مرفوع ہوگا۔ تو تین صورتوں میں سے صرف ایک صورت کے اندر وہ منصوب ہے، تو اگر تینوں صورتوں میں منصوب ہوتا تو بھی صاحبِ کافیہ کہہ دیتے اِسْمُ لاَ، تو اس صورت میں صاحبِ کافیہ کا کلام حقیقت پر مبنی ہوتا۔ بھئی دیکھو ایک ہے حقیقت اور ایک ہے مجاز۔ حقیقت یہ ہے کہ لفظ کو جس معنی کے لیے وضع کیا گیا ہو اسی میں اس کو استعمال کیا جائے، یہ کیا ہے؟ حقیقت۔ اور مجاز کیا ہے؟ کہ لفظ کو معنیِ غیرِ موضوع لہٗ میں استعمال کیا جائے۔ جیسے شیر کا لفظ وضع ہے ایک جنگلی درندے کے لیے، تو اگر شیر کا لفظ بولیں اور آپ جنگلی درندے کے معنی کا ارادہ کریں تو یہ ہے حقیقت، اور اگر آپ شیر کا لفظ بولیں اور اس سے بہادر آدمی کا ارادہ کریں تو یہ اس کو کہتے ہیں مجاز۔

تو اگر تینوں صورتوں میں لا کا اسم کیا ہوتا؟ منصوب ہوتا، توجہ ہے؟ تو پھر بھی صاحبِ کافیہ کہہ سکتے تھے کہ اسمِ لا منصوبات میں سے ہے، تو اس صورت میں صاحبِ کافیہ کا کلام حقیقت پر مبنی ہوتا کیونکہ حقیقت میں بھی لا کا اسم ہمیشہ کیا ہوتا ہے؟ منصوب۔ یا، یا تین میں سے کم از کم دو صورتوں کے اندر بھی دو صورتوں کے اندر بھی اگر لا کا اسم منصوب ہوتا تو بھی صاحبِ کافیہ کہہ سکتے تھے کہ اسمِ لا منصوب ہوتا ہے، کیونکہ لِلْأَكْثَرِ حُكْمُ الْكُلِّ۔ لِلْأَكْثَرِ حُكْمُ الْكُلِّ۔ تو تین میں سے دو صورتیں اکثر ہیں، نصف سے زائد ہیں، تو کم از کم دو صورتوں میں بھی لا کا اسم منصوب ہوتا تو صاحبِ کافیہ کہہ سکتے تھے کہ اسمِ لا کیا ہوتا ہے؟ منصوب ہوتا ہے، اور اس صورت میں صاحبِ کافیہ کا کلام حقیقت تو نہ ہوتا، حقیقت پر تو مبنی نہیں لیکن مجاز پر مبنی ہے۔ کس طرح؟ کیونکہ تین میں سے کتنی صورتوں میں منصوب ہوتا؟ فرض کرو اگر تین میں سے دو صورتوں میں، اور وہ تو کیا کہہ رہے ہیں؟ کہ اسمِ لا منصوب ہوتا ہے، اس سے تو کیا پتہ چل رہا ہے؟ تمام صورتوں میں منصوب ہوتا ہے، اور تمام صورتوں میں تو وہ حقیقتاً منصوب نہیں، تو بھی اس صورت میں بات چل جاتی، کس ضابطے پر؟ کہ لِلْأَكْثَرِ حُكْمُ الْكُلِّ تو یہ مجاز پر کلام محمول ہو جاتا۔ لیکن نہ تو صاحبِ کافیہ حقیقتاً کہہ سکتے ہیں کہ اسمِ لا منصوب ہوتا ہے اور نہ مجازاً کیونکہ اکثر احوال میں بھی وہ منصوب نہیں ہوتا۔ بات سمجھ میں آگئی؟

تو کہتے ہیں وَإِنَّمَا لَمْ يَقُلْ اسْمُ لاَ کہتے ہیں صاحبِ کافیہ نے اِسْمُ لاَ نہیں کہا لِأَنَّهُ لَيْسَ كُلُّهُ وَلاَ أَكْثَرُهُ مِنَ الْمَنْصُوْبَاتِ اس لیے کیونکہ لائے نفی جنس کا اسم جو ہے نہ تو وہ سارا یعنی ہر ایک، نہ تو وہ ہر ایک منصوبات میں سے ہے اور نہ اس میں سے اکثر جو ہیں وہ منصوبات میں سے ہیں۔ لِأَنَّهُ لَيْسَ كُلُّهُ وَلاَ أَكْثَرُهُ مِنَ الْمَنْصُوْبَاتِ اس لیے کیونکہ لائے نفی جنس کے اسم میں سے

نہ تو سارے اور نہ ہی اکثر جو ہیں وہ منصوبات میں سے ہیں، فَلاَ يَصِحُّ جَعْلُهُ مُطْلَقاً مِنَ الْمَنْصُوْبَاتِ لہذا لا کے اسم کو مطلقاً منصوبات میں سے قرار دینا صحیح نہیں ہے، لاَ حَقِيْقَةً وَلاَ مَجَازاً نہ تو حقیقتاً اور نہ مجازاً۔ اگر تمام صورتوں میں منصوب ہوتا تو پھر ہم کہہ سکتے تھے اسمِ لا منصوب ہوتا ہے اور یہ کلام حقیقت پر مبنی ہوتا، یا اکثر صورتوں میں منصوب ہوتا تو بھی صاحبِ کافیہ کہہ سکتے تھے کہ لا کا اسم منصوب ہوتا ہے اور پھر یہ کلام مجاز پر محمول ہوتا، اور لِلْأَكْثَرِ حُكْمُ الْكُلِّ کے ضابطے کے تحت بھئی۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو لیکن یہاں پر نہ اس کو حقیقتاً منصوبات میں سے قرار دیا جا سکتا ہے اور نہ مجازاً۔

تو صاحبِ کافیہ فرماتے ہیں فَلاَ يَصِحُّ جَعْلُهُ مُطْلَقاً مِنَ الْمَنْصُوْبَاتِ لاَ حَقِيْقَةً وَلاَ مَجَازاً تو صحیح نہیں ہے کہ اس لائے نفی جنس کے اسم کو مطلقاً منصوبات میں سے قرار دیا جائے، لاَ حَقِيْقَةً وَلاَ مَجَازاً نہ تو حقیقتاً اور نہ مجازاً، یعنی نہ تو حقیقتاً لائے نفی جنس کے اسم کو منصوبات میں سے قرار دیا جا سکتا ہے اور نہ مجازاً بھئی۔ بَلِ الْمَنْصُوْبُ مِنْهُ أَقَلُّ مِمَّا عَدَاهُ بلکہ اس میں سے جو منصوب ہے وہ تو کم ہے مِمَّا عَدَاهُ اس کے مقابلے میں جو اس کے علاوہ ہے۔ جو منصوب کے علاوہ، منصوب قلیل ہے اس کے مقابلے میں جو منصوب کے علاوہ ہے۔ بَلِ الْمَنْصُوْبُ مِنْهُ بلکہ اس لائے نفی جنس کے اسم میں سے جو منصوب ہے أَقَلُّ وہ زیادہ کم ہے مِمَّا عَدَاهُ اس کے مقابلے میں جو منصوب کے علاوہ ہیں۔ فَلاَ بُدَّ مِنَ التَّعْبِيْرِ عَنْهُ بِالْمَنْصُوْبِ بِهَا لہذا ضروری ہے کہ اس کو تعبیر کرنا بِالْمَنْصُوْبِ بِهَا وہ جو منصوب ہوتا ہے بِهَا کس کے ذریعے؟ لا کے ذریعے، ہا ضمیر لا کو راجع ہے۔ تو یہاں اِسْمُ لاَ نہیں کہہ سکتے بلکہ اس کو کس کے ساتھ؟ مَنْصُوْبٌ بِلاَ کے ساتھ اس کو تعبیر کرنا ضروری ہے۔ ترجمہ سمجھ میں آیا؟ تو کہتے ہیں فَلاَ بُدَّ مِنَ التَّعْبِيْرِ عَنْهُ لہذا ضروری ہے کہ اس کو تعبیر کیا جائے یعنی اس کو ذکر کیا جائے بِالْمَنْصُوْبِ بِهَا کس کے ذریعے؟ وہ جو منصوب ہوتا ہے لا کے ذریعے۔

بِخِلاَفِ مَا عَدَاهُ مِنَ الْمَنْصُوْبَاتِ، بخلاف اس کے علاوہ جو منصوبات ہیں، بھئی باقیوں کے اندر میں نے جیسے ذکر کیا، اوپر کیا کہا تھا؟ اِسْمُ إِنَّ کیونکہ إِنَّ کا اسم ہمیشہ منصوب ہوتا ہے۔ اس سے پہلے کہا خَبَرُ كَانَ، كَانَ کی خبر کیونکہ وہ ہمیشہ منصوب ہوتی ہے۔ توجہ ہے؟ تو باقی جو منصوبات گزرے وہ سارے جو ہیں وہ ہمیشہ منصوب ہوتے ہیں یا ان میں سے اکثر منصوب ہوتے ہیں اکثر صورتوں میں، جیسے مستثنیٰ ہے۔ مستثنیٰ منصوبات کے اندر مستثنیٰ کا بھی ذکر آیا تھا لیکن مستثنیٰ ہمیشہ نہیں منصوب ہوتا آپ نے پڑھا ہے، مستثنیٰ کبھی کیا ہوگا؟ منصوب، کبھی مستثنیٰ مجرور ہوتا ہے، غَيْرٌ، سِوٰى، سَوَاءٌ اور حَاشَا کی وجہ سے مجرور ہوتا ہے، اور کبھی مستثنیٰ بدل بنتا ہے اور کبھی مستثنیٰ عَلٰى حَسَبِ الْعَوَامِلِ۔ تو مستثنیٰ میں تو چار صورتیں ہیں لیکن نصب والی صورتیں سب سے زیادہ ہیں، اس لیے آپ کہیں مستثنیٰ منصوب ہوتا ہے، یہ حقیقتاً تو ایسا نہیں ہے لیکن مجازاً ایسا ہی ہے کیونکہ لِلْأَكْثَرِ حُكْمُ الْكُلِّ تو آپ نے مجازاً کہہ دیا کہ مستثنیٰ کیا ہوتا ہے؟ ہمیشہ منصوب۔ وہی اکثر کا حکم کل پر ہی آپ نے لگا دیا۔ تو کہتے ہیں بِخِلاَفِ مَا عَدَاهُ مِنَ الْمَنْصُوْبَاتِ بخلاف اس کے جو اس کے علاوہ ہیں مِنَ الْمَنْصُوْبَاتِ یعنی کہ

منصوبات۔ یہ مِنَ الْمَنْصُوْبَاتِ بیان ہے مَا کا۔ وہ جو اس کے علاوہ ہیں، بھئی اس کے علاوہ کیا مراد ہیں؟ مِنَ الْمَنْصُوْبَاتِ یعنی کہ منصوبات۔ لہذا اس مَا کی جگہ ذرا منصوبات کو لے آئیں اور پھر ترجمہ کریں، بِخِلَافِ مَا عَدَاهُ مِنَ الْمَنْصُوْبَاتِ بخلاف اس کے علاوہ جو منصوبات ہیں۔ طریقہ سمجھ میں آرہا ہے؟ بخلاف اس کے علاوہ جو منصوبات ہیں، فَإِنَّ بَعْضَهَا اس لیے کیونکہ ان میں سے بعض جو ہیں وَإِنْ لَمْ يَكُنْ كُلُّهُ مِنَ الْمَنْصُوْبَاتِ اگرچہ وہ سارے کے سارے منصوبات میں سے نہیں ہیں لَكِنَّ أَكْثَرَهُ مِنْهَا لیکن ان میں سے اکثر کس میں سے ہیں؟ منصوبات میں سے ہیں، فَأُعْطِيَ لِلْأَكْثَرِ حُكْمَ الْكُلِّ تو اکثر کو کل والا حکم دے دیا گیا، جیسے میں نے مستثنیٰ کی مثال ذکر کی۔ مستثنیٰ میں تو کئی اعراب آتے ہیں لیکن مطلقاً کیا کہہ دیا؟ مستثنیٰ منصوب ہوتا ہے۔ یہ حقیقتاً ہے یا مجازاً ہے؟ مجازاً ہے، حقیقتاً تو ہمیشہ نہیں منصوب ہوتا لیکن لِلْأَكْثَرِ حُكْمَ الْكُلِّ کے ضابطے کے تحت یوں مطلقاً کہہ دیا کہ مستثنیٰ منصوب ہوتا ہے۔ تو کہتے ہیں فَأُعْطِيَ لِلْأَكْثَرِ حُكْمَ الْكُلِّ تو اکثر کو کل کا حکم دے دیا گیا فَعُدَّ الْكُلُّ مِنْهَا تَجَوُّزاً تو شمار کیا گیا تم سب کو مِنْهَا کس میں سے؟ منصوبات میں سے تَجَوُّزاً یعنی مجازاً بھئی۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو سب کو ہی مجازاً منصوبات میں سے شمار کر لیا گیا۔ بات بھی سمجھ میں آرہی ہے کہ نہیں؟ مستثنیٰ کے بارے میں کیا کہتے ہیں؟ مستثنیٰ کس میں سے ہے؟ منصوبات میں سے ہے۔ یہ حقیقتاً نہیں ہے بلکہ مجازاً ہے کیونکہ تمام مستثنیٰ منصوب نہیں ہوتے بلکہ بعض مجرور ہوتے ہیں یا بدل ہوتے ہیں یا عَلٰى حَسَبِ الْعَوَامِلِ ان پر اعراب آتا ہے۔

وَلَا يَبْعُدُ أَنْ يُقَالَ اسْمُ لَا هُوَ الْمَنْصُوْبُ بِهَا لَفْظاً۔ آگے صاحبِ جامی ایک اور بھی جواب دے رہے ہیں۔ انہوں نے کیا کہا کہ صاحبِ کافیہ نے الْمَنْصُوْبُ بِلَا کیوں کہا، اِسْمُ لَا کیوں نہیں کہا؟ وجہ ذکر کر دی کیونکہ اکثر صورتوں میں یہ منصوب نہیں ہوتا۔ آگے صاحبِ جامی بتائیں گے کہ آپ یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ لائے نفی جنس کا اسم ہمیشہ منصوب ہوتا ہے۔ لائے نفی جنس کا اسم ہمیشہ منصوب ہوتا ہے، آپ یوں بھی کہہ سکتے ہیں۔ بھئی کیسے کہہ سکتے ہیں؟ لائے نفی جنس کے اسم میں تو تین صورتیں ہیں کبھی منصوب ہوگا، کبھی مبنی علی الفتح ہوگا اور کبھی مرفوع ہوگا، تو صاحبِ جامی آپ کو بتلائیں گے نہیں بھئی، آپ یوں بھی کہہ سکتے ہیں لائے نفی جنس کا اسم ہمیشہ منصوب ہوتا ہے۔ بھئی وہ کس طرح؟ کہتے ہیں دیکھو، یہ جو لائے نفی جنس کا اسم جو ایک پہلی صورت کیا تھی؟ منصوب ہوتا ہے، ایک صورت تو ہے ہی منصوب۔ دوسری صورت میں کیا ہے؟ وہ مبنی علی الفتح ہے۔ یہ مبنی ہے، مبنی علی الفتح ہے، اور مبنی کا بھی اعراب بتایا جاتا ہے یا نہیں بتایا جاتا؟ جَاءَ هَذَا کیا ترکیب ہوگی؟ جَاءَ فعل، هَذَا اس کا فاعل ہے، اور فاعل کا کیا اعراب ہوتا ہے؟ مرفوع، کون سا مرفوع ہے؟ لفظاً، تقدیراً یا محلاً؟ محلاً۔ تو مبنی کا اعراب محلاً بتلایا جاتا ہے، تو جَاءَ هَذَا کے اندر هَذَا مرفوع ہے محلاً فاعل ہے۔ توجہ ہے؟ اسی طرح لَا رَجُلَ فِي الدَّارِ اس کے اندر جو لائے نفی جنس کا اسم ہے مبنی علی الفتح ہے لیکن یہ محلاً منصوب ہے۔ کیونکہ مبنی کا اعراب کیسے بتاتے ہیں؟ محلاً بتلاتے ہیں۔ تو دیکھو معلوم ہوا لائے نفی جنس کا اسم کبھی کبھار لفظاً منصوب ہوگا، جب تینوں شرطیں

پوری ہوں لاَ غُلاَمَ رَجُلٍ فِي الدَّارِ دیکھو یہ غلام کیا ہے؟ منصوب ہے لفظاً۔ اور کبھی لائے نفی جنس کا اسم منصوب ہوگا محلاً، لاَ رَجُلَ فِي الدَّارِ رَجُلَ کیا ہے؟ مبنی علی الفتح ہے لیکن محلاً منصوب ہے، توجہ ہے؟ تو دیکھو یہ دونوں صورتوں میں لا کا اسم منصوب ہے۔ اور تیسری صورت کیا تھی کہ لائے نفی جنس کا اسم مرفوع ہو؟ یاد رکھو آگے صاحبِ جامی بھی آپ کو بتلائیں گے، جب لائے نفی جنس کا اسم معرفہ آجائے یا درمیان میں فصل آجائے تو اس پر رفع پڑھیں گے اور یہ رفع بتدا ہونے کی وجہ سے ہے۔ کس کی وجہ سے؟ بتدا ہونے کی وجہ سے ہے لاَ زَيْدٌ فِي الدَّارِ وَلاَ عَمْرٌو۔ اب آپ سے کوئی ترکیب پوچھے تو آپ کہیں گے یہ لائے نفی جنس ہے لیکن یہ ملغٰی عن العمل ہے، یہ عمل نہیں کر رہا اس وقت۔ کیوں عمل نہیں کر رہا؟ کیونکہ اس کا اسم معرفہ آگیا اور یہ معرفہ کے اندر عمل نہیں کرتا۔ وہ دوسری شرط پوری نہیں اس کا اسم کیا ہونا چاہیے تھا؟ نکرہ، یہ تو معرفہ آگیا۔ تو اب اس کے اندر لا عمل نہیں کر رہا، جب لا عمل نہیں کر رہا تو اب یہ بتدا ہے مرفوع ہے۔ بتدا کیا ہوتا ہے؟ مرفوع، اور کس وجہ سے مرفوع ہوتا ہے؟ اس میں ابتدا عامل ہوتی ہے، لائے نفی جنس عامل نہیں ہوتا۔ تو لہذا وہ صورتیں جس میں لائے نفی جنس کا اسم مرفوع ہے وہ مرفوع ہے بتدا ہونے کی وجہ سے، تو لا تو اس کے اندر عمل ہی نہیں کر رہا، تو گویا وہ لائے نفی جنس کا اسم ہے ہی نہیں حقیقت میں، ویسے اس کو صورتاً کہہ دیتے ہیں یہ لائے نفی جنس کا اسم ہے، لیکن حقیقت میں وہ لائے نفی جنس کا اسم ہے ہی نہیں کیونکہ لائے نفی جنس کا اسم ہوتا لا اس کے اندر عمل کرتا بھئی، اور یہاں تو لا کوئی عمل نہیں کر رہا۔ تو کل کتنی صورتیں تھیں؟ تین صورتیں، ایک صورت میں لائے نفی جنس کا اسم منصوب تھا، دوسری صورت میں مبنی علی الفتح تھا، تیسری صورت میں مرفوع ہے۔ تو ان میں سے، ان میں سے پہلی صورت تو منصوب ہے، دوسری صورت مبنی علی الفتح وہ محلاً وہ بھی محلاً منصوب ہے، اور تیسری صورت وہ تو لائے نفی جنس کا اسم ہے ہی نہیں، وہ تو بتدا ہے، تو لائے نفی جنس کی دو ہی صورتیں بنیں اور وہ دونوں منصوب ہیں، ایک لفظاً منصوب ہے ایک محلاً منصوب ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ لہذا صاحبِ جامی آپ کو بتلائیں گے کہ آپ یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ لائے نفی جنس کا اسم ہمیشہ منصوب ہوتا ہے، کبھی لفظاً اور کبھی محلاً۔

تو کہتے ہیں وَلاَ يَبْعُدُ اور یہ بات بھی بعید نہیں ہے أَنْ يُقَالَ کہ یوں کہا جائے اسْمُ لاَ هُوَ الْمَنْصُوْبُ بِهَا کہ لا کا اسم جو ہے وہ منصوب ہوتا ہے لا کی وجہ سے لَفْظاً کبھی وہ منصوب کیا ہوگا؟ لفظاً كَالْمُضَافِ وَشِبْهِهِ جیسے کہ مضاف ہے اور شبہِ مضاف ہے، أَوْ مَحَلّاً یا لائے نفی جنس کا اسم محلاً منصوب ہوگا كَمَا هُوَ مَبْنِيٌّ مِنْهُ عَلَى الْفَتْحِ جیسے کہ وہ جو اس میں سے مبنی ہوتا ہے کس پر؟ فتحہ پر، وہ کیا ہے؟ محلاً منصوب ہے۔ وَأَمَّا مَا هُوَ مَرْفُوْعٌ اور باقی وہ جو مرفوع ہے فَلَيْسَ اسْماً لَهَا وہ لا کا اسم نہیں ہے لِعَدَمِ عَمَلِهَا فِيْهِ اس لیے کیونکہ لا اس کے اندر عمل نہیں کر رہا۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو دو جواب ہو گئے بھئی۔ ایک صورت کیا؟ کہ منصوب کیوں کہا کیونکہ لا کا اسم ہمیشہ منصوب نہیں ہوتا اور نہ ہی اکثر صورتوں میں منصوب ہوتا ہے، اور

ایک جواب یہ دیا کہ آپ یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ ہمیشہ منصوب ہوتا ہے لیکن کبھی لفظاً ہوگا اور کبھی محلاً، اور وہ صورت جو رفع والی ہے اس صورت میں وہ لا کا اسم ہی نہیں کیونکہ لا اس میں عمل ہی نہیں کر رہا۔

آگے دیکھیے بھئی۔ کہتے ہیں هُوَ الْمُسْنَدُ إِلَيْهِ بَعْدَ دُخُوْلِهَا۔ اب دیکھو لائے نفی جنس کے اسم کی تعریف کر رہے ہیں، کس کی؟ لائے نفی جنس کے اسم کی تعریف۔ لائے نفی جنس کا اسم کسے کہتے ہیں؟ کہتے ہیں هُوَ الْمُسْنَدُ إِلَيْهِ وہ جو مسند الیہ ہوتا ہے بَعْدَ دُخُوْلِهَا لا کے داخل ہونے کے بعد۔ لا کے داخل ہونے کے بعد۔ دیکھیے آگے ایک مثال آ رہی ہے دو تین لفظوں کے بعد، لاَ غُلاَمَ رَجُلٍ أَبُوْهُ قَائِمٌ۔

لاَ غُلاَمَ رَجُلٍ أَبُوْهُ قَائِمٌ۔ توجہ سے سنو، یہ لا لائے نفی جنس ہے، غُلاَمَ رَجُلٍ یہ مضاف مضاف الیہ مل کر یہ لا کا اسم ہے اور یہ منصوب ہے، تینوں شرطیں پوری ہیں۔ اور أَبُوْهُ قَائِمٌ یہ پورا جملہ یہ ہے لائے نفی جنس کی خبر۔ توجہ ہے؟ یہ وہی اعتراض ہے جو پیچھے إِنَّ کے اسم میں بھی اور كَانَ کی خبر میں بھی ہوا تھا۔ تو أَبُوْهُ قَائِمٌ یہ پورا جملہ یہ لائے نفی جنس کی خبر ہے۔ لیکن یہ پورا جملہ ہے، اس جملے کے اندر أَبُوْهُ یہ ہے مبتدا اور قَائِمٌ ہے اس کی خبر۔ تو أَبُوْهُ یہ ہوا مسند الیہ۔ یہ کیا ہوا؟ مسند الیہ۔ تو اب یہ بھی لائے نفی جنس کے اسم کی تعریف میں داخل ہو رہا ہے، کیونکہ انہوں نے کیا کہا؟ هُوَ الْمُسْنَدُ إِلَيْهِ بَعْدَ دُخُوْلِهَا لائے نفی جنس کا اسم وہ مسند الیہ ہوتا ہے لا کے داخل ہونے کے بعد، تو یہ أَبُوْهُ یہ بھی لا کے داخل ہونے کے بعد مسند الیہ ہے، لہذا اس کو بھی کیا کہنا چاہیے؟ لائے نفی جنس کا اسم، لیکن یہ تو لائے نفی جنس کا اسم نہیں ہے یہ تو مبتدا ہے اور قَائِمٌ اس کی خبر ہے، مبتدا خبر مل کر پورا جملہ اور پھر اس پورے جملے کا اسناد ہو گیا غُلاَمَ رَجُلٍ کی طرف، یہ ہے لا کی خبر۔ توجہ ہے؟

تو اشکال کیا؟ آپ نے کیا کہا لائے نفی جنس کا اسم لا کے داخل ہونے کے بعد مسند الیہ ہوتا ہے، تو یہ أَبُوْهُ بھی لا کے داخل ہونے کے بعد مسند الیہ ہے لہذا اس کو بھی لائے نفی جنس کا اسم کہنا چاہیے۔ تو جواب پیچھے گزر چکا کہ بھئی لا کے داخل ہونے کے بعد مسند الیہ ہو، یعنی وہ اسناد لا کے داخل ہونے کے بعد آنا چاہیے، پہلے نہیں۔ اور جبکہ یہاں پر أَبُوْهُ اور قَائِمٌ کے اندر جو اسناد ہے یہ تو لا کے داخل ہونے سے پہلے کا ہے۔ لا کے داخل ہونے سے۔ مثلاً میں نے کہا آپ سے، آپ ایک جملہ بنانا چاہتے ہیں، میں نے آپ سے، آپ لا لے آئے کہ بھئی میں لا کے ساتھ ایک جملہ بنانا چاہتا ہوں، میں نے پوچھا بھئی اس کا اسم کس کو بناؤ گے؟ آپ لے آئے غُلاَمَ رَجُلٍ کہ یہ ہے لا کا اسم، پھر میں نے کہا اس کی خبر کسے بناؤ گے؟ آپ أَبُوْهُ قَائِمٌ کو لے آئے کہ یہ ہوگی لا کی خبر۔ تو جب آپ اس کو لائے ہیں ابھی لا کی خبر نہیں بنایا، پہلے سے ہی یہ پورا جملہ ہے اس کے اندر ایک مسند ہے اور ایک مسند الیہ، تو دیکھو یہ تو پہلے سے ہی مسند الیہ ہے لا کے داخل ہونے سے پہلے، اور ہم نے تو کیا کہا لا کے داخل ہونے کے بعد وہ مسند الیہ ہوگا۔ توجہ ہے؟ لہذا یہ أَبُوْهُ کو لے کر آپ اعتراض نہیں کر سکتے۔

یا دوسرا جواب جو گزرا تھا کہ بھئی داخل ہونے کا یہ معنی نہیں کہ لفظوں میں اس پر داخل ہو۔ لفظوں میں، بلکہ داخل

ہونے کا معنی یہ ہے کہ یہ لا جو ہے لفظوں میں یا معنی میں اپنا اثر بھی دے۔ لفظوں میں یا معنی میں اپنا اثر بھی دے۔ اور یہاں پر یہ لا جو ہے اس نے أَبُوْهُ کے اندر نہ تو لفظوں میں کوئی عمل کیا، لفظوں میں کوئی عمل نہیں کیا، اور نیز معنی کے اندر بھی اثر نہیں کیا۔ معنی کے اندر لا کیا اثر کرتا ہے؟ کہ نفی کا فائدہ دیتا ہے، کیا فائدہ دیتا ہے؟ نفی۔ لیکن یہاں پر یہ جو قَائِمٌ کا اسناد ہو رہا ہے أَبُوْهُ کی طرف اس کے اندر نفی نہیں آئی، بلکہ یہ أَبُوْهُ قَائِمٌ پورے جملے کا اسناد جو غُلَامَ رَجُلٍ کی طرف ہو رہا ہے اس کے اندر نفی آئی ہے۔ توجہ ہے؟ تو معلوم ہوا لا نے نہ لفظوں میں کوئی عمل کیا ہے أَبُوْهُ کے اندر اور نہ ہی اس کے، اس کا جو اسناد ہے اس میں کوئی معنی کے اندر اثر کیا ہے، لہذا یہ تعریف کے اندر داخل نہیں بھئی۔ تو یہ تعریف میں داخل نہیں اور اس کو داخل بھی نہیں ہونا چاہیے کیونکہ یہ لا کا اسم نہیں ہے۔

دوبارہ دیکھیے بھئی متن، کہتے ہیں هُوَ الْمُسْنَدُ إِلَيْهِ بَعْدَ دُخُوْلِهَا لائے نفی جنس کا اسم جو ہے وہ مسند الیہ ہوتا ہے بَعْدَ دُخُوْلِهَا لا کے داخل ہونے کے بعد۔ تو کہتے ہیں خَرَجَ بِهِ مِثْلُ أَبُوْهُ کہتے ہیں اس کے ذریعے أَبُوْهُ جیسے الفاظ نکل گئے فِيْ لاَ غُلاَمَ رَجُلٍ أَبُوْهُ قَائِمٌ اس جیسی مثالوں میں۔ اس جیسی مثالوں کے اندر یہ جو أَبُوْهُ کا لفظ آ رہا ہے وہ اس تعریف سے نکل گئے لِمَا عَرَفْتَ اس وجہ سے جو آپ جان چکے ہیں، یعنی وہ جو ہم نے پیچھے ذکر کر دیا تھا بھئی۔

وَهَذَا الْقَدْرُ كَافٍ فِيْ حَدِّ اسْمِهَا مُطْلَقاً، اور اتنی مقدار، اب توجہ سے سنو بھئی۔ میں نے آپ کو کیا کہا؟ هُوَ الْمُسْنَدُ إِلَيْهِ بَعْدَ دُخُوْلِهَا یہ کس کی تعریف کر رہے ہیں؟ لائے نفی جنس کے اسم کی۔ لیکن لائے نفی جنس کے مطلق اسم کی تعریف کر رہے ہیں یا اس میں سے جو منصوب ہوتا ہے اس کی تعریف کر رہے ہیں؟ منصوب ہوتا ہے، کیونکہ پیچھے منصوب کی بات آئی تھی الْمَنْصُوْبُ بِلاَ الَّتِيْ لِنَفْيِ الْجِنْسِ۔ تو اگر مطلق لائے نفی جنس کے اسم کی تعریف مقصود ہوتی کہ لائے نفی جنس کا اسم کسے کہتے ہیں؟ تو آپ کہہ دیتے وہ جو مسند الیہ ہوتا ہے لا کے داخل ہونے کے بعد، لیکن یہاں مطلق اس لائے نفی جنس کے اسم کی تعریف مقصود نہیں ہے بلکہ وہ جو اس میں سے منصوب ہوتا ہے اس کی تعریف کر رہے ہیں، اور اس کے اندر تو مسند الیہ ہونے کے ساتھ ساتھ تین شرطیں بھی ہونی چاہئیں کہ ساتھ بھی ملا ہوا ہو اور نکرہ بھی ہو اور مضاف یا مشابہِ مضاف ہو، تو اس لیے اب وہ بھی آگے ذکر کریں گے۔

کہتے ہیں وَهَذَا الْقَدْرُ كَافٍ فِيْ حَدِّ اسْمِهَا مُطْلَقاً کہتے ہیں اتنی مقدار کافی ہے فِيْ حَدِّ اسْمِهَا لائے نفی جنس کے اسم کی تعریف میں، حد کہتے ہیں جامع مانع تعریف۔ جامع مانع تعریف۔ اور اتنی مقدار کافی ہے یعنی جتنی یہ جو تعریف کر دی هُوَ الْمُسْنَدُ إِلَيْهِ بَعْدَ دُخُوْلِهَا اتنی مقدار تعریف کی یہ کافی ہے کس چیز میں؟ فِيْ حَدِّ اسْمِهَا مُطْلَقاً مطلقاً لائے نفی جنس کے اسم کی تعریف میں، مطلقاً لائے نفی جنس کے اسم کی اگر آپ تعریف کرنا چاہیں، منصوب ہوگا یا مبنی علی الفتح ہوگا یا مرفوع ہوگا اس کو چھوڑ دیں، مطلقاً لائے نفی جنس کے اسم کی آپ تعریف کرنا چاہیں تو اتنی تعریف کافی ہے یہ سب پر صادق آ رہی ہے۔ توجہ ہے؟ لیکن مصنف یہاں وہ جو اس میں سے منصوب ہوتا ہے اس کی تعریف کرنا چاہتے ہیں اس لیے آگے شرطیں

بھی ذکر کریں گے۔ تو کہتے ہیں وَهَذَا الْقَدْرُ كَافٍ فِيْ حَدِّ اسْمِهَا مُطْلَقاً اور اتنی مقدار تعریف کی یہ کافی ہے مطلقاً لائے نفی جنس کے اسم کی تعریف کے اندر، لَكِنَّهُ لَمَّا أَرَادَ حَدَّ الْمَنْصُوْبِ مِنْهُ لیکن جب مصنف نے ارادہ کیا، کس چیز کا ارادہ کیا؟ حَدَّ الْمَنْصُوْبِ مِنْهُ اس میں سے جو منصوب ہوتا ہے اس کی تعریف کا، زَادَ عَلَيْهِ قَوْلَهُ يَلِيْهَا تو اس پر اپنا یہ قول بڑھا دیا يَلِيْهَا۔

توجہ ہے؟ اب وہ شرطیں بڑھائیں گے، یہ بڑھا دیں شرطیں يَلِيْهَا۔ بھئی يَلِيْ فعل ہے وَلِيَ يَلِيْ، اس کا معنی ہے ساتھ ملا ہوا ہونا، ساتھ جڑا ہوا ہونا، توجہ ہے؟ ملنا، جڑنا، وَلِيَ يَلِيْ۔ يَلِيْ اصل میں کیا تھا؟ يَوْلِيْ، توجہ ہے؟ فعلِ مضارع يَوْلِيْ پھر، جیسے وَعَدَ يَعِدُ، يَعِدُ اصل میں کیا تھا؟ يَوْعِدُ اور آپ نے ضابطہ پڑھا ہے کہ فعلِ مضارع کے اندر اگر فاء کی جگہ واو آجائے اور اس سے ماقبل فتحہ ہو اور مابعد کسرہ ہو تو اس واو کو گرا دیتے ہیں، تو اس لیے يَوْعِدُ سے کیا بن گیا؟ يَعِدُ۔ تو اسی طرح يَوْلِيْ یہ واو گر گیا کیا بن گیا؟ يَلِيْ، اور پھر آخر میں یاء پر ضمہ تھا اور ضمہ تو یاء پر ثقیل ہے وہ گر گیا تو کیا بن گیا؟ يَلِيْ، وَلِيَ يَلِيْ۔ تو يَلِيْ فعل ہے اور اس کے اندر هُوَ ضمیر فاعل ہے، توجہ ہے؟ اور یہ جو هَا ضمیر ساتھ جڑی ہوئی ہے نا يَلِيْهَا، یہ هَا ضمیر مفعول بہ کی ہے۔ تو يَلِيْ کے اندر ضمیرِ مستتر ہے هُوَ، توجہ ہے؟ اور یہ جو هَا ضمیر ہے ساتھ ملی ہوئی یہ ضمیرِ بارز ہے۔ ضمیرِ بارز کسے کہتے ہیں؟ جو ظاہر ہوتی ہے جس پر انسان کیا کرتا ہے؟ تلفظ کرتا ہے۔ تو يَلِيْ کے اندر هُوَ ضمیر وہ مستتر ہے اس پر ہم تلفظ نہیں کر رہے، لیکن یہ هَا ضمیر بارز ہے ظاہر ہے۔ تو اب یہ هُوَ ضمیر کس کو راجع ہے وہ ضمیرِ مستتر جو يَلِيْ کے اندر ہے؟ اور یہ هَا ضمیر یہ ضمیرِ بارز کس کو راجع ہے؟ تو صاحبِ جامی آپ کو بتلائیں گے۔ آگے دیکھیے أَيْ يَلِيْ الْمُسْنَدُ إِلَيْهِ معلوم ہوا يَلِيْ کے اندر هُوَ ضمیر کس کو راجع ہے؟ پیچھے جو مسند الیہ کا ذکر آیا تھا کہ وہ مسند الیہ ملا ہوا ہو۔ اور هَا بھئی کس کے ساتھ ملا ہوا ہو؟ یہ هَا ضمیر کس کو راجع ہے؟ آگے بتلایا لَفْظَةَ لاَ کس کے ساتھ ملا ہوا ہو؟ لفظِ لا کے ساتھ جڑا ہوا ہو۔

بھئی تین شرطیں تھیں، پہلی شرط کیا تھی کہ لائے نفی جنس کا اسم لا کے ساتھ ملا ہوا ہو، توجہ ہے؟ تو يَلِيْ کے اندر هُوَ ضمیر کس کو راجع؟ مسند الیہ کو، لہذا اسی لیے میں نے پڑھا أَيْ يَلِيْ الْمُسْنَدُ إِلَيْهِ اس پر میں نے رفع پڑھا، رفع کیوں پڑھا؟ کیونکہ یہ يَلِيْ کے لیے فاعل ہے یہ وہ ضمیر کا مرجع بتلایا۔ اور آگے میں نے پڑھا لَفْظَةَ لاَ یہاں تا پر میں نے زبر پڑھا، کیوں؟ کیونکہ یہ يَلِيْ کے لیے مفعول بہ بن رہا ہے، وہی يَلِيْهَا أَيْ يَلِيْ لَفْظَةَ لاَ، توجہ ہے؟ تو یہ اس لیے منصوب ہے۔ پھر یہ یاد رکھنا یہ هَا ضمیر راجع ہے لا کو، اور لا کیا ہے؟ حرف۔ اور حرف عربی میں مذکر بھی استعمال ہوتے ہیں اور مؤنث بھی، لیکن زیادہ استعمال کس طرح ہے؟ مؤنث ہے، تو اس لیے مؤنث کی ضمیر راجع کر دی کیونکہ یہ لا کیا ہے؟ حرف۔ یا یہ لا کو کلمہ کی تاویل میں لے لیں، لا بھی کیا ہے؟ کلمہ ہے۔ اسم، فعل، حرف سب کیا ہیں؟ کلمہ ہیں، کلمہ کسے کہتے ہیں؟ وہ لفظ جس کا کوئی معنی ہو، بامعنی لفظ کو کہتے ہیں، تو لا بھی نفی کے لیے آتا ہے اس کا معنی ہے، تو یہ کلمہ ہے۔ تو هَا ضمیر لا کو راجع کر دیں یا تو کس تاویل میں؟ کہ یہ حرف ہے، یا کس تاویل میں؟ کہ یہ کلمہ ہے اور کلمہ کے ساتھ بھی گول تا جڑی ہوئی ہے تانیث والی، توجہ ہے؟ لیکن صاحبِ جامی نے کیا کہا؟ لَفْظَةَ لاَ، کیا کہا؟ بطورِ تفنن کے بھئی کہ یہ هَا ضمیر حرف یا کلمہ کے بجائے لَفْظَة کی تاویل میں بھی آپ اس

کی طرف لوٹا سکتے ہیں۔ ایک ہے لفظ، ایک ہے لَفْظَةٌ گول تا کے ساتھ۔ لفظ جو ہے مصدر ہے، لفظ کیا ہے؟ مصدر، اور آپ نے پڑھا ہے مصدر اسمِ جنس ہے اس کا اطلاق قلیل اور کثیر سب پر ہوتا ہے، ایک لفظ ہو وہ بھی لفظ ہے، ہزار لفظ ہوں وہ بھی کیا ہیں؟ لفظ ہیں، جیسے ایک انسان ہو وہ بھی کیا ہے؟ انسان، ہزار ہوں وہ بھی کیا ہیں؟ انسان، توجہ ہے؟ بھئی ایک ہوتا ہے مفرد، ایک تثنیہ، ایک جمع۔ ایک کتاب ہو تو ہم کہیں گے کتاب عربی میں، دو ہوں تو کیا کہیں گے؟ کِتَابَانِ تثنیہ کے لیے عربی میں الگ لفظ ہے، اور ایک ہے جمع تین یا تین سے زیادہ ہوں تو کیا کہیں گے؟ کُتُبٌ۔ توجہ ہے؟ تو ایک کے لیے کتاب ہے، دو کے لیے کِتَابَانِ اور جمع کے لیے کُتُبٌ، لیکن اسمِ جنس ایسا ہوتا ہے اس کا اطلاق قلیل اور کثیر پر اسی ایک لفظ کا اطلاق سب پر ہوتا ہے، وہاں تثنیہ جمع بنانے کی ضرورت نہیں، ایک انسان ہو تب بھی وہ انسان ہے، دو یا زیادہ ہوں تب بھی وہ کیا ہیں؟ انسان ہیں۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو یہاں پر اسی طرح یہ لفظ کیا ہے؟ مصدر ہے اور مصدر اسمِ جنس ہے اور اسمِ جنس کا اطلاق قلیل پر بھی ہوتا ہے اور کثیر پر بھی ہوتا ہے، توجہ ہے؟ لیکن بالخصوص اگر آپ ایک لفظ کا ارادہ کرنا چاہتے ہیں تو پھر گول تا ساتھ جوڑ دیتے ہیں۔ لفظ کا اطلاق کیا ہے؟ قلیل پر بھی ہو سکتا ہے اور کثیر پر بھی، ایک لفظ ہو وہ بھی لفظ ہے ہزار ہوں وہ بھی لفظ، لیکن آپ بالخصوص ایک لفظ کا ارادہ کرنا چاہیں تو پھر اس کے ساتھ گول تا جوڑ دیں گے یہ تا وحدت والی ہے، جو ایک فرد پہ دلالت کرتی ہے، لَفْظَةٌ کا کیا معنی؟ ایک لفظ، توجہ ہے؟ ایک لفظ۔ تو یہ تا وحدت والی ہے لیکن بہرحال ہے تو گول تا، تو لہذا اس جب لَفْظَةٌ تا کی تاویل میں بھی ضمیر لوٹائیں گے تو پھر کون سی لوٹانی پڑے گی؟ مؤنث والی۔ توجہ ہے؟ میں نے کیا بتلایا؟ کہ یہ هَا ضمیر کس کو راجع؟ لا کی طرف۔ یا تو وہ حرف ہے اس تاویل میں راجع کر لیں، یا وہ کلمہ ہے اور کلمہ کے ساتھ بھی گول تا جڑی ہوئی ہے تو اس کی طرف بھی مؤنث ضمیر راجع کریں گے، یا کس تاویل میں؟ لَفْظَةٌ کی تاویل میں کہ یہ ایک لفظ جو ہے، اور لَفْظَةٌ میں تا وحدت کی ہے لیکن یہ بہرحال ہے تو گول تا، تو اس کی طرف بھی مؤنث کی ضمیر راجع کریں گے۔

تو کہتے ہیں أَيْ يَلِيْ الْمُسْنَدُ إِلَيْهِ لَفْظَةَ لاَ یعنی وہ مسند الیہ ملا ہوا ہو لا کے لفظ کے ساتھ۔ بھئی لا کے لفظ کے ساتھ ملا ہوا ہو کیا معنی؟ معنی بیان کر رہے ہیں أَيْ يَقَعُ بَعْدَهَا بِلاَ فَاصِلَةٍ یعنی وہ مسند الیہ لا کے بعد واقع ہو بِلاَ فَاصِلَةٍ بغیر کسی فاصلے کے، درمیان میں کوئی فصل نہ ہو، يَلِيْهَا کا کیا معنی؟ اس کے ساتھ جڑا ہوا ہو یعنی درمیان میں کوئی فصل نہ ہو بھئی۔ بات سمجھ میں آگئی؟ آگے دیکھیے نَكِرَةً اور نیز وہ اسم کیا ہو؟ وہ جو مسند الیہ ہے لائے نفی جنس کا جو اسم ہے، نَكِرَةً وہ نکرہ ہو۔ مُضَافاً أَوْ مُشَبَّهاً بِهِ اور مضاف ہو یا مشبہِ مضاف ہو یعنی مشابہِ مضاف ہو، توجہ ہے؟ مُشَبَّهاً بِهِ یا اس کے مشابہ ہو۔ یہ بِهِ ضمیر کس کو راجع ہے؟ صاحبِ جامی بتلا رہے ہیں أَيْ بِالْمُضَافِ، مُضَافاً أَوْ مُشَبَّهاً بِالْمُضَافِ مضاف ہو یا مشابہِ مضاف ہو بھئی۔ بھئی کس چیز میں مشابہ ہو؟ مشابہت کے لیے کوئی وجہ چاہیے ہوتی ہے نا، تو بتلا رہے ہیں کہ بھئی یہ جو مشابہِ مضاف ہے یہ مضاف کے مشابہ ہے اس چیز کے اندر جیسے مضاف محتاج ہوتا ہے مضاف الیہ کا، مضاف الیہ کے بغیر مضاف کا

معنی پورا نہیں ہوتا۔ میں آپ سے کہنا چاہتا ہوں زید کا غلام، تو کیسے کہوں گا؟ غُلَامُ زَيْدٍ۔ صرف غلام کہوں تو کیا آپ کے ذہن میں زید کا غلام آئے گا؟ نہیں، غلام تو عام ہے وہ تو ہر غلام پر صادق آرہا ہے، تو مضاف کا معنی بغیر مضاف الیہ کے پورا ہی نہیں ہوتا۔ تو لہذا جیسے مضاف محتاج ہوتا ہے اپنے معنی کے پورا ہونے میں مضاف الیہ کا، اسی طرح مشابہِ مضاف اس کو کہتے ہیں جو مضاف تو نہیں لیکن اس کا معنی پورا نہیں ہوتا جب تک آپ اس کے ساتھ اور لفظ نہ جوڑیں گے۔ جیسے یہ میں نے کل مثالیں ذکر کی تھیں يَا طَالِعاً جَبَلاً اے پہاڑ پر چڑھنے والے، تو یہ طَالِعاً کا معنی پورا نہیں ہوتا جب تک اس کے ساتھ جَبَلاً نہیں ملائیں گے۔ طَالِعاً کا معنی چڑھنے والا، بھئی کس چیز پر چڑھنے والا؟ درخت پر چڑھنے والا، پہاڑ پر چڑھنے والا، دیوار پر چڑھنے والا، سیڑھی پر چڑھنے والا یا طلوع ہونے والا؟ کیا معنی، معنی پورا نہیں ہوتا جب تک جبل یا جدار وغیرہ اس کے ساتھ نہیں ملائیں گے، تو يَا طَالِعاً جَبَلاً یہ طَالِعاً یہ مشابہِ مضاف ہے، مضاف تو نہیں ہو رہا، آگے مضاف الیہ تو نہیں آ رہا لیکن جَبَلاً کے بغیر اس کا معنی پورا نہیں۔

اسی طرح میں نے بتایا تھا یہ جو حروفِ جارہ جن لفظوں کے ساتھ جڑتے ہیں، میں نے بتایا تھا جار مجرور آٹھ چیزوں سے متعلق ہوتے ہیں، یہ جب موجود ہوں تو یہ جڑیں گے تو اس لفظ کا معنی پورا ہوگا یہ جب تک جڑیں گے نہیں اس کا معنی پورا نہیں۔ مثلاً میں آپ کو کہتا ہوں عَمْرٌو خَيْرٌ مِنْ زَيْدٍ، عَمْرٌو خَيْرٌ مِنْ زَيْدٍ عمر بہتر ہے زید سے، یہ خَيْرٌ اسمِ تفضیل ہے اور مِنْ زَيْدٍ کس سے متعلق ہے؟ یہ خَيْرٌ اسمِ تفضیل سے متعلق ہے۔ اسمِ تفضیل کے استعمال کے کتنے طریقے ہیں؟ تین، الف لام، اضافت یا مِنْ کے ساتھ، یہاں مِنْ کے ساتھ ہے۔ تو یہاں جب تک یہ مِنْ زَيْدٍ کو خَيْرٌ سے نہیں جوڑیں گے خَيْرٌ کا معنی پورا نہیں، اگر یہ مِنْ زَيْدٍ کو ہٹا دیں عَمْرٌو خَيْرٌ عمر بہتر ہے، تو پوچھنے والا فوراً کہے گا بھئی کس سے بہتر ہے؟ بات تو پوری کریں آپ کی بات نہیں پوری بھئی۔ یہ جو جار مجرور یہ صلہ کہلاتے ہیں، تو جو یہ صلہ ہے اس کے بغیر وہ لفظ کا معنی پورا نہیں، تو اس کو بھی مشابہِ مضاف کہیں گے خَيْرٌ مِنْ زَيْدٍ، اس میں سے یہ جو خَيْرٌ ہے یہ کیا ہے؟ مشابہِ مضاف ہے، مضاف تو نہیں ہے لیکن مشابہِ مضاف ہے اس کے ساتھ جب تک یہ مِنْ زَيْدٍ وغیرہ نہیں جوڑیں گے اس کا معنی پورا نہیں۔ یا اسی طرح عِشْرُوْنَ دِرْهَماً میں نے مثال ذکر کی تھی، عِشْرُوْنَ کا معنی بیس، لیکن کیا چیز بیس ہے؟ جب تک آگے دِرْهَماً وغیرہ کوئی لفظ نہیں جوڑیں گے، آگے جو تمیز آتی ہے تمیز نہیں لائیں گے اس کا معنی پورا نہیں، تو ان کو کیا کہتے ہیں؟ مشابہِ مضاف۔ معلوم ہوا مضاف تو ہمیں پتہ ہے، دوسرا ہے مشابہِ مضاف، مشابہِ مضاف وہ جو مضاف کے مشابہ ہے، بھئی کس چیز میں مشابہ ہے؟ اپنے معنی کے پورا ہونے میں، جیسے مضاف محتاج تھا مضاف الیہ کا یہ بھی اپنے معنی کے پورا ہونے میں کسی اور لفظ کا محتاج ہوتا ہے۔

یہی آگے بیان کر رہے ہیں دیکھو مُضَافاً أَوْ مُشَبَّهاً بِهِ أَيْ بِالْمُضَافِ مضاف ہو یا مشابہِ مضاف ہو۔ کس چیز میں یہ مشابہ ہے مضاف کے ساتھ؟ کہتے ہیں فِيْ تَعَلُّقِهِ بِشَيْءٍ ایک ایسی چیز کے ساتھ تعلق میں، بِشَيْءٍ نکرہ ہے، شَيْءٍ کیا ہے؟ نکرہ،

اور نکرہ کے بعد هُوَ مِنْ تَمَامِ مَعْنَاهُ یہ پورا جملہ اسمیہ آیا۔ اور نکرہ کے بعد فعل آئے تو اس کے لیے کیا بنتا ہے؟ صفت، کیونکہ فعل اپنے فاعل یا نائب فاعل سے مل کر جملہ بنے گا اور جملہ کس کے حکم میں؟ نکرہ کے حکم میں، تو نکرہ کے بعد نکرہ آئے تو وہ پھر کیا بنتے ہیں؟ موصوف صفت۔ تو یہاں پر بھی شَيْءٍ نکرہ آیا اور هُوَ مِنْ تَمَامِ مَعْنَاهُ یہ هُوَ ہے مبتدا اور مِنْ تَمَامِ مَعْنَاهُ یہ اس کی خبر ہے اور مبتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ اور نکرہ شَيْءٍ کے بعد یہ جملہ اسمیہ آیا تو یہ اس کے لیے صفت بنے گا، بِشَيْءٍ ایسی چیز هُوَ مِنْ تَمَامِ مَعْنَاهُ جو اس کے تمامِ معنی میں سے ہے، یعنی اس کے ساتھ اس کا معنی پورا ہوتا ہے، یعنی اس کے ساتھ اس کا معنی پورا ہوتا ہے۔ دیکھو اب بتلا رہے ہیں کہ مشابہِ مضاف انہوں نے کہا وہ جو مضاف کے مشابہ ہو، بھئی کس چیز میں مشابہ ہو؟ فِيْ کے ساتھ بتلا رہے ہیں، کہتے ہیں مشابہ ہے فِيْ تَعَلُّقِهِ بِشَيْءٍ هُوَ مِنْ تَمَامِ مَعْنَاهُ اس چیز میں مشابہ ہے کہ اس کا تعلق، جیسے بھئی آپ کہتے ہیں ادھر دیکھو، میں کہتا ہوں زَيْدٌ كَالْأَسَدِ زید کس کی طرح ہے؟ شیر کی طرح ہے، زَيْدٌ كَالْأَسَدِ زید شیر جیسا ہے۔ آپ کہیں گے بھئی کس چیز میں شیر جیسا ہے؟ تو آگے میں وجہِ تشبیہ فِيْ کے ساتھ بیان کروں گا، فِي الشَّجَاعَةِ شجاعت میں، توجہ ہے؟ تو یہاں بھی یہ فِيْ کے ساتھ کس کو بیان کیا جا رہا ہے؟ وجہِ تشبیہ میں، کس چیز میں یہ مضاف کے مشابہ ہے؟ کس چیز میں؟ فِيْ تَعَلُّقِهِ بِشَيْءٍ اس چیز میں کہ اس کا تعلق ہے بِشَيْءٍ ایک ایسی چیز کے ساتھ هُوَ مِنْ تَمَامِ مَعْنَاهُ جو اس کے تمامِ معنی میں سے ہے، یعنی اس کے ساتھ اس کا معنی پورا ہوتا ہے اس کے بغیر اس کا معنی پورا نہیں ہوتا۔ جیسے ادھر دیکھو خَيْرٌ مِنْ زَيْدٍ یہ مِنْ زَيْدٍ کے بغیر خَيْرٌ کا معنی پورا نہیں، عِشْرُوْنَ دِرْهَماً یہ دِرْهَماً کے بغیر عِشْرُوْنَ کا معنی پورا نہیں، یا اسی طرح يَا طَالِعاً جَبَلاً یہ جَبَلاً کے بغیر طَالِعاً کا معنی پورا نہیں، تو اس کو کہیں گے مشابہِ مضاف، یعنی یہ طَالِعاً کا تعلق ایک ایسے چیز سے ہے کہ جس کے بغیر اس کا معنی پورا نہیں، یہ خَيْرٌ کا جو لفظ ہے اس کا تعلق ایک ایسی چیز کے ساتھ ہے جس کے بغیر اس کا معنی پورا نہیں، یہ عِشْرُوْنَ جو ہے اس کا تعلق ایک ایسی چیز کے ساتھ ہے جس کے بغیر اس کا معنی پورا نہیں، تو یہی بیان کر رہے ہیں کہ وہ جو مشابہ ہے مضاف کے ساتھ فِيْ تَعَلُّقِهِ بِشَيْءٍ اس چیز میں کہ اس کا تعلق ایک ایسی چیز کے ساتھ ہے هُوَ مِنْ تَمَامِ مَعْنَاهُ جو اس کے تمامِ معنی میں سے ہے، یعنی اس کے، اس کے ساتھ اس کا معنی پورا ہوتا ہے اس کے بغیر اس کا معنی پورا نہیں ہوتا۔

یہاں تک بات سمجھ میں آگئی؟ اب صاحبِ جامی آپ کو ترکیب بتلائیں گے کہ يَلِيْهَا نَكِرَةً مُضَافاً أَوْ مُشَبَّهاً بِهِ یہ ترکیب میں کیا واقع ہو رہے ہیں؟ دیکھو نَكِرَةً اس کو ہم منصوب پڑھ رہے ہیں، مُضَافاً اس پر بھی کیا پڑھ رہے ہیں؟ نصب پڑھ رہے ہیں، أَوْ مُشَبَّهاً بِهِ اس پر بھی کیا پڑھ رہے ہیں؟ نصب پڑھ رہے ہیں، تو صاحبِ جامی آپ کو بتلائیں گے کہ یہ حال ہیں۔ یہ سب کیا ہیں؟ حال۔ کون کون سے؟ يَلِيْهَا یہ بھی حال ہے، نَكِرَةً یہ بھی حال ہے، مُضَافاً أَوْ مُشَبَّهاً بِهِ یہ بھی کیا ہے؟ حال ہے۔ یہ سب حال واقع ہو رہے ہیں اور حال کے لیے ذوالحال چاہیے، یہ کس سے حال واقع ہو رہے ہیں؟ تو ذرا دیکھیے یہ ترکیب پہ نظر رکھیے، ایک صورت یہ ہے

هُوَ الْمُسْنَدُ إِلَيْهِ وہ جو متن میں آیا تھا هُوَ الْمُسْنَدُ إِلَيْهِ بَعْدَ دُخُوْلِهَا، یہاں اس میں ذرا غور کرو۔ الْمُسْنَدُ إِلَيْهِ، الْمُسْنَدُ اس پر الف لام داخل ہے، اور الْمُسْنَدُ کون سا صیغہ ہے؟ اسمِ مفعول ہے۔ اور اسمِ مفعول پر جو الف لام آئے وہ کس معنی میں ہوتا ہے؟ الَّذِيْ کے، وہ دراصل کیا ہے؟ اسمِ موصول الَّذِيْ ہے۔ تو الْمُسْنَدُ کس معنی میں ہوا؟ الَّذِيْ يُسْنَدُ إِلَيْهِ، الَّذِيْ يُسْنَدُ إِلَيْهِ۔ اور يُسْنَدُ فعلِ مجہول ہے، اور فعلِ مجہول کے لیے کیا چاہیے؟ نائب فاعل چاہیے۔ یا یوں کہو الْمُسْنَدُ یہ مسند کیا ہے؟ اسمِ مفعول ہے، اسمِ مفعول کے لیے کیا چاہیے؟ نائب فاعل، وہ کیا ہے؟ تو إِلَيْهِ یہ جار مجرور اس کا نائب فاعل ہے۔ میں نے ترکیب ذکر کی تھی کہ نحو کی کتابوں میں آپ کو اس طرح ملے گا کہ کہہ دیتے ہیں یہ جار مجرور اس کا نائب فاعل ہے، حقیقت میں وہ جار مجرور نائب فاعل سارا نہیں ہوتا، وہ جو مجرور ہوتا ہے وہ نائب فاعل ہوتا ہے حقیقت میں۔ تو یہاں پر بھی إِلَيْهِ یہ جار مجرور کو کہیں گے یہ نائب الفاعل ہے مسند کے لیے، یا الَّذِيْ يُسْنَدُ کھول لیں اس کو، الْمُسْنَدُ کس معنی میں؟ الَّذِيْ يُسْنَدُ، تو یہ يُسْنَدُ کے لیے إِلَيْهِ جار مجرور نائب فاعل کہیں گے۔ لیکن حقیقت میں یہ سارا نائب فاعل نہیں ہے بلکہ وہ جو مجرور یہ جو هَا ضمیر ہے آخر میں یہ ہے نائب فاعل۔ تو یہ ترکیب کیسے میں نے بتلایا تھا کہ إِلَيْهِ جار مجرور ہے اور جار مجرور کے لیے کوئی نہ کوئی متعلق چاہیے، تو یہ الْمُسْنَدُ سے متعلق ہوں گے۔ آپ نے پڑھا ہے نا جار مجرور فعل سے بھی متعلق ہو سکتے ہیں، مصدر سے بھی، اسمِ فاعل، اسمِ مفعول، صفتِ مشبہ، اسمِ تفضیل وغیرہ، توجہ ہے؟ تو یہ إِلَيْهِ جار مجرور کس سے متعلق ہوں گے؟ الْمُسْنَدُ یہ جو اسمِ مفعول ہے اس کے ساتھ متعلق ہو جائیں گے۔ اور یہ هَا ضمیر، کہ یہ اس کا دو محل ہیں، محلِ قریب تو یہ ہے کہ یہ مجرور ہے إِلٰی کی وجہ سے، حرفِ جر کی وجہ سے، لیکن محلِ بعید کیا ہے؟ مرفوع ہے یہ نائب الفاعل ہے الْمُسْنَدُ کے لیے۔ تو جار مجرور کو نائب الفاعل یا فاعل کہہ دیتے ہیں لیکن حقیقت میں وہ مجرور نائب الفاعل ہوتا ہے، اور کیوں کہتے ہیں جار مجرور کو؟ وجہ یہ کہ جار مجرور میں اتصال بڑا شدید ہے۔ جار مجرور میں اتصال بڑا شدید ہے لہذا اس پورے مجموعے کو ہی کیا کہہ دیتے ہیں؟ یہ نائب الفاعل ہے یا یہ فاعل ہے موقع کے مطابق۔

اور آپ نے پڑھا ہے کہ حال جو ہے صاحبِ کافیہ نے بتلایا تھا وہ فاعل یا مفعول بہ کی حالت بیان کرتا ہے۔ تو یہ ساری تقریر میں نے اس لیے کی کیونکہ یہ إِلَيْهِ لفظوں کے اندر، لفظوں کے اعتبار سے بظاہر اگرچہ یہ مجرور ہے لیکن معنی کے اعتبار سے مرفوع نائب الفاعل ہے، اور نائب الفاعل ہے تو لہذا یہ ذوالحال بن سکتا ہے۔ حال بھی کس سے آتا ہے؟ فاعل سے یا مفعول بہ سے، اور نائب الفاعل بھی فاعل کی طرح ہوتا ہے اسی کا نائب ہے۔ تو یہ إِلَيْهِ کی هَا ضمیر ہوئی ذوالحال۔ یہ ہوئی ذوالحال۔ اور بِلَيْهَا یہ اس سے حالِ اول آیا، نَكِرَةً اس سے حالِ ثانی آیا، اور مُضَافاً أَوْ مُشَبَّهاً بِهِ یہ حالِ ثالث آیا۔ یا چار حال کہہ لیں لیکن چونکہ آخری دو کے اندر أَوْ ہے تو اس لیے ان دونوں کو ہم نے اکٹھا کر لیا کہ دونوں میں سے ایک وقت میں ایک آئے گا۔ تو بہرحال یہ چاروں حال ہیں کس سے؟ إِلَيْهِ کی هَا ضمیر سے۔ اور ایک ہی ذوالحال سے کئی حال آجائیں تو ان کو کہتے ہیں احوالِ مترادفہ۔ ایک ہی ذوالحال ہو اور کئی حال آجائیں تو ان احوال کو آپ کیا کہتے ہیں؟ یہ احوالِ مترادفہ ہیں۔ تو کتابوں میں آپ کو بعض جگہ ملے گا کہ یہ حال ہے فلاں سے اور آگے آجائے گا یہ سب احوالِ مترادفہ ہیں، تو آپ

سمجھ جائیں معلوم ہوا یہ سارے اسی ایک ذوالحال سے حال بن رہے ہیں۔ اس کو احوالِ مترادفہ کہتے ہیں۔ اور ایک ہے احوالِ متداخلہ، احوالِ متداخلہ اسے کہتے ہیں کہ ایک ذوالحال ہوتا ہے اس سے ایک حال آتا ہے، پھر اس حال کے اندر کوئی ضمیر جو ہوتی ہے وہ پھر ذوالحال بنتی ہے اور اس سے آگے پھر حال آتا ہے۔ تو گویا حال سے حال آگیا۔ کیا آگیا؟ پہلے ایک ذوالحال آیا اس سے کیا آیا؟ حال، پھر اس حال کے اندر کوئی ضمیر تھی وہ ذوالحال بن گئی اور آگے پھر اس سے کیا آگیا؟ حال، تو گویا حال سے حال آیا۔ تو اس طرح کے جو احوال ہوں ان کو احوالِ متداخلہ کہتے ہیں، کیا کہتے ہیں؟ احوالِ متداخلہ کہ ایک حال دوسرے حال میں داخل ہو رہا ہے۔

تو ایک صورت ہم نے کیا کی؟ کہ إِلَيْهِ کی هَا ضمیر ذوالحال، اور يَلِيْهَا اور نَكِرَةً اور مُضَافاً أَوْ مُشَبَّهاً بِهِ یہ سب اس سے حال، تو یہ کون سے احوال ہوئے؟ احوالِ مترادفہ، شاباش۔ دوسری صورت یہ ہے کہ يَلِيْهَا اس کو حال بنائیں إِلَيْهِ کی هَا ضمیر سے، توجہ ہے؟ اور پھر اس يَلِيْهَا کے اندر هُوَ ضمیر بھی وہ بھی تو اسی مسند الیہ کو راجع ہے، يَلِيْهَا کے اندر هُوَ ضمیر جو ابھی بتلایا تھا أَيْ يَلِيْ الْمُسْنَدُ إِلَيْهِ تو اس کے اندر جو هُوَ ضمیر ہے وہ بھی اسی مسند الیہ کو راجع ہے، تو اس هُوَ ضمیر کو پھر ذوالحال بنا لیں اور آگے نَكِرَةً اور مُضَافاً أَوْ مُشَبَّهاً بِهِ کو اس سے حال بنا دیں۔ پھر دہرائیے بھئی۔ پہلی ترکیب کیا تھی؟ کہ هُوَ الْمُسْنَدُ إِلَيْهِ جو آیا تھا هَا ضمیر کو ذوالحال بنائیں اور يَلِيْهَا اور نَكِرَةً اور مُضَافاً أَوْ مُشَبَّهاً بِهِ سب کو اسی سے حال بنا دیں تو یہ کیا بن گئے؟ احوالِ مترادفہ۔ دوسری صورت کیا؟ کہ یہ جو يَلِيْهَا ہے اس کو اسی إِلَيْهِ کی هَا ضمیر سے حال بنائیں اور پھر اس يَلِيْهَا کے اندر هُوَ ضمیر جو ہے فاعل کی اس کو ذوالحال بنا دیں اور آگے نَكِرَةً مُضَافاً أَوْ مُشَبَّهاً بِهِ ان کو اس ضمیر سے حال بنا دیں تو یہ کیا بن جائیں گے؟ احوالِ متداخلہ بن جائیں گے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ حاصلِ کلام پھر بھئی، صاحبِ جامی ذکر کریں گے اس لیے میں بار بار تکرار کروا رہا ہوں، توجہ سے، کہ یا تو ان سب کو کیا بنائیں؟ احوالِ مترادفہ، یعنی یوں کہو یہ چار حال ہیں چلو أَوْ کو بھی چھوڑ دو بس، کتنے حال ہیں؟ چار، اور یہ چاروں حال کس سے ہیں؟ إِلَيْهِ کی هَا ضمیر سے یعنی احوالِ مترادفہ۔ دوسری صورت کیا ہے؟ کہ پہلا والا يَلِيْهَا اس کو تو حال بنائیں إِلَيْهِ کی هَا ضمیر سے اور باقیوں کو حال بنائیں کس سے؟ يَلِيْهَا کے اندر هُوَ ضمیر سے۔ توجہ ہے؟ تو اس صورت میں یہ کیا بن گئے؟ احوالِ متداخلہ۔ یہ ہو گئیں دو ترکیبیں۔

تیسری ترکیب یہ ہے کہ یہ جو يَلِيْهَا ہے اس کو دُخُوْلِهَا کی هَا ضمیر سے حال بنا لیں، کس سے؟ دُخُوْلِهَا۔ اور دُخُوْلِهَا، دُخُوْلُ مضاف اور هَا ضمیر مضاف الیہ۔ توجہ ہے؟ هُوَ الْمُسْنَدُ إِلَيْهِ بَعْدَ دُخُوْلِهَا یا اس هَا ضمیر سے حال بنائیں کس کو؟ يَلِيْهَا کو۔ بھئی حال کس سے آتا ہے؟ حال کے لیے کیا چاہیے؟ ذوالحال، لیکن ذوالحال ہمیشہ کیا ہوگا؟ فاعل یا مفعول بہ۔ تو دُخُوْلِهَا یہ هَا ضمیر تو مضاف الیہ ہے۔ یہ هَا ضمیر تو کیا؟ مضاف الیہ ہے۔ تو جواب یہ کہ لفظوں کے اعتبار سے یہ اگرچہ مضاف الیہ ہے لیکن معنی کے اعتبار سے یہ فاعل ہے دُخُوْل مصدر کے لیے۔ ذرا معنی پہ غور کرو کہ لائے نفی جنس کا اسم هُوَ الْمُسْنَدُ إِلَيْهِ وہ مسند الیہ ہوتا ہے بَعْدَ دُخُوْلِهَا اس کے داخل ہونے کے بعد یعنی لا کے داخل ہونے کے بعد، تو دُخُوْلِهَا هَا ضمیر کس کو راجع؟

لا کو راجع، تو کس کا داخل ہونا ذکر ہوا؟ لا کا، معلوم ہوا لا کیا ہے؟ وہ فاعل بن رہا ہے معنی کے اعتبار سے، فاعل ہے دُخُوْل مصدر کے لیے۔ بات بھی سمجھ میں آئی کہ نہیں؟ دُخُوْلِهَا کی هَا ضمیر کیا ہے؟ لفظوں میں مضاف الیہ ہے لیکن معنی کے اعتبار سے یہ فاعل ہے دُخُوْل مصدر کے لیے۔ داخل ہونا، بھئی کس کا داخل ہونا؟ بَعْدَ دُخُوْلِهَا اس کے داخل ہونے کے بعد، کس کے داخل ہونے کے بعد؟ لا کے داخل ہونے کے بعد، توجہ ہے؟ دیکھو داخل ہونے والا کون ہے؟ داخل ہونے والا لا ہے تو وہ فاعل بن رہا ہے۔ تو یہ دُخُوْلِهَا یہ هَا ضمیر لفظوں کے اعتبار سے اگر مضاف الیہ ہے مجرور ہے لیکن معنی کے اعتبار سے یہ دُخُوْل مصدر کے لیے فاعل ہے بھئی، اور اس سے بھی حال آسکتا ہے، تو اس سے یہ يَلِيْهَا کو حال بنا لیں۔

اور حال اور ذوالحال میں یاد رکھو ربط چاہیے۔ تو اس يَلِيْهَا کے اندر يَلِيْهَا اس کو ہم إِلَيْهِ کی هَا ضمیر سے بھی حال بنا سکتے ہیں اور دُخُوْلِهَا کی هَا ضمیر سے بھی۔ وجہ یہ کہ اس میں دونوں ضمیریں ہیں يَلِيْهَا کے اندر، يَلِيْ کے اندر هُوَ ضمیر بھی موجود ہے جو اس مسند الیہ کو لوٹ رہی ہے، اور اس کے ساتھ یہ هَا ضمیر بھی جڑی ہوئی ہے جو کس کو لوٹ رہی ہے؟ لا کو، کس کو؟ لا کو۔ تو لہذا آپ إِلَيْهِ سے بھی حال بنا سکتے ہیں اور دُخُوْلِهَا سے بھی۔ بات بھی سمجھ میں آئی کہ نہیں؟ حال کے لیے ہمیشہ ربط چاہیے کس کے ساتھ؟ ذوالحال کے ساتھ۔ اور جب پورا جملہ حال واقع ہو تو کبھی ربط واو کے ذریعے دیتے ہیں آپ پڑھ چکے ہیں واوِ حالیہ جو ہے، اور کبھی ضمیر کے ذریعے ربط دیتے ہیں اور کبھی دونوں کے ذریعے ربط دیتے ہیں۔ تو یہاں پر بھی هُوَ الْمُسْنَدُ إِلَيْهِ اس هَا ضمیر سے يَلِيْهَا کو حال بنایا، کیا بنایا؟ حال بنایا، تو حال کا ربط چاہیے کس سے؟ ذوالحال سے، اور یہ پورا جملہ ہے يَلِيْهَا فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر جملہ ہے، اور جملہ جب بھی حال واقع ہو تو ربط کے لیے کیا چاہیے؟ واو یا ضمیر، تو یہاں پر واو تو نہیں ہے لیکن اس کے اندر هُوَ ضمیر ہے جو اسی إِلَيْهِ کی هَا ضمیر کو راجع ہے۔ توجہ ہے؟ اور آپ چاہیں تو دُخُوْلِهَا کی هَا ضمیر سے بھی اس کو حال بنا سکتے ہیں، دُخُوْلِهَا کی هَا ضمیر کس کو راجع؟ لا کو، اس سے کیا مراد ہے؟ لا، اور يَلِيْهَا کی هَا ضمیر بھی کس کو راجع ہے؟ لا کو۔ توجہ ہے؟ تو یوں کہو يَلِيْهَا کو حال بنایا دُخُوْلِهَا کی هَا ضمیر سے، اور یہ يَلِيْهَا کی هَا ضمیر اسی ضمیر کی طرف راجع کر دی کیونکہ حال کے لیے ربط چاہیے کس سے؟ ذوالحال سے، تو اب یوں نہ کہیں کہ هَا ضمیر هَا ضمیر کو راجع ہے یہ تعبیر اچھی نہیں، یوں کہیں هَا ضمیر ذوالحال کو راجع ہے جو بھی ہے ہماری اس سے بحث نہیں۔ دُخُوْلِهَا میں کیا ہے هَا؟ ذوالحال، اور يَلِيْهَا کے اندر هَا ضمیر کس کو راجع؟ ذوالحال کو، تو ربط آگیا۔ تو یہ يَلِيْهَا دونوں سے حال بن سکتا ہے۔ لیکن یہ جو آگے حال آرہے ہیں نا نَكِرَةً مُضَافاً أَوْ مُشَبَّهاً بِهِ یہ دُخُوْلِهَا کی هَا ضمیر سے حال نہیں بن سکتے۔ کیوں؟ کیونکہ دُخُوْلِهَا کس کا داخل ہونا؟ لا کا داخل ہونا، توجہ ہے؟ لا کا داخل ہونا، تو یہ يَلِيْهَا اس کا تو ربط آجائے گا دُخُوْلِهَا کی هَا ضمیر سے لیکن اس حال میں کہ وہ نکرہ ہو۔ بھئی وہ نکرہ لا ہوگا یا لا کا اسم نکرہ ہوگا؟ لا کا اسم نکرہ ہوگا، لا تو حرف ہے وہ تو نکرہ معرفہ نہیں ہوتا بھئی، لہذا یہ نکرہ یہ دُخُوْلِهَا کی هَا ضمیر سے حال نہیں بن سکتا کیونکہ اگر اس سے آپ حال بنائیں گے تو اس کا معنی یہ ہوا کہ وہ لا نکرہ ہونا چاہیے، دُخُوْلِهَا هَا ضمیر کس کو راجع؟ لا کو، وہ لا داخل ہو اس حال میں کہ وہ لا کیا ہونا چاہیے؟ نکرہ، یہ تو

معنی سارا خراب ہو گیا۔ لہذا یہ نَكِرَةً اس کو دُخُوْلِهَا کی هَا ضمیر سے حال نہیں بنا سکتے۔ اسی طرح مُضَافاً أَوْ مُشَبَّهاً وہ اسم مضاف ہونا چاہیے یا مشابہِ مضاف ہونا چاہیے، یہ بھی اس دُخُوْلِهَا کی هَا ضمیر سے حال نہیں بن سکتے۔ بات سمجھ میں آگئی؟

تو حاصلِ کلام کیا ہوا؟ حاصلِ کلام یہ یہاں تین ترکیبیں ہو سکتی ہیں۔ یا تو یہ سارے احوالِ مترادفہ بنا دو کس سے؟ الْمُسْنَدُ إِلَيْهِ کی هَا ضمیر سے۔ یا يَلِيْهَا اس کو حال بنائیں إِلَيْهِ کی هَا ضمیر سے اور مابقیہ کو کس سے بنا دیں؟ يَلِيْهَا کی هُوَ ضمیر سے۔ یا تیسری صورت یہ ہے کہ يَلِيْهَا کو حال بنا دیں دُخُوْلِهَا کی هَا ضمیر سے اور آگے جو احوال آرہے ہیں اس کو يَلِيْ کے هُوَ ضمیر سے حال بنا دیں۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ دیکھیے اب یہی صاحبِ جامی بیان کریں گے۔

کہتے ہیں هَذِهِ أَحْوَالٌ مُتَرَادِفَةٌ مِنَ الضَّمِيْرِ الْمَجْرُوْرِ فِيْ إِلَيْهِ یہ احوالِ مترادفہ ہیں اس ضمیر سے جو مجرور ہے فِيْ إِلَيْهِ کس کے اندر؟ إِلَيْهِ کے اندر۔ أَوِ الْأُوْلٰى مِنْهُ یا ان میں سے پہلا حال جو ہے وہ اس ضمیرِ مجرور سے ہے، پہلا حال يَلِيْهَا کس سے ہے؟ إِلَيْهِ کی هَا ضمیرِ مجرور سے۔ أَوْ مِنَ الضَّمِيْرِ الْمَجْرُوْرِ فِيْ دُخُوْلِهَا، یاد رکھو اس کا عطف جو ہے أَوْ مِنَ الضَّمِيْرِ الْمَجْرُوْرِ اس کا عطف پیچھے جو آیا نا أَوِ الْأُوْلٰى مِنْهُ یہ مِنْهُ پر عطف ہے۔ یا پہلا حال مِنْهُ کس میں سے ہوگا؟ إِلَيْهِ کی هَا ضمیر سے، یا وہ پہلا جو ہے أَوْ مِنَ الضَّمِيْرِ الْمَجْرُوْرِ فِيْ دُخُوْلِهَا یہ پہلا حال کس سے ہوگا؟ دُخُوْلِهَا کی ضمیرِ مجرور سے۔ وَمَا بَقِيَ مِنَ الضَّمِيْرِ الْمَرْفُوْعِ فِيْ يَلِيْهَا اور مابقی جو احوال ہیں وہ جو ضمیرِ مرفوع ہے فِيْ يَلِيْهَا کس کے اندر؟ يَلِيْهَا کے اندر، يَلِيْهَا کے اندر دیکھو هُوَ ضمیر مرفوع ہے اور یہ جو هَا ضمیر ساتھ جڑی ہوئی ہے یہ تو منصوب ہے بھئی۔ تو کیا ترکیبیں بیان کیں صاحبِ جامی نے؟ کہ یا تو یہ سارے احوالِ مترادفہ ہیں، پھر دیکھو ترجمہ هَذِهِ أَحْوَالٌ مُتَرَادِفَةٌ مِنَ الضَّمِيْرِ الْمَجْرُوْرِ فِيْ إِلَيْهِ یا تو یہ سارے احوالِ مترادفہ ہیں کس سے؟ وہ جو ضمیرِ مجرور ہے إِلَيْهِ کے اندر۔ أَوِ الْأُوْلٰى یا ان میں سے جو پہلا ہے، پہلا کون سا؟ يَلِيْهَا، توجہ ہے؟ يَلِيْهَا، یا تو وہ حال ہے مِنْهُ اسی ضمیرِ مجرور سے أَوْ مِنَ الضَّمِيْرِ الْمَجْرُوْرِ فِيْ دُخُوْلِهَا یا وہ جو دُخُوْلِهَا کے اندر ضمیرِ مجرور ہے اس سے، یہ جو پہلا والا ہے۔ اور باقی وَمَا بَقِيَ اور وہ جو باقی کے احوال ہیں مِنَ الضَّمِيْرِ الْمَرْفُوْعِ فِيْ يَلِيْهَا وہ جو ضمیرِ مرفوع ہے

يَلِيْهَا کے اندر اس سے حال ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟

مِثْلُ لاَ غُلاَمَ رَجُلٍ، جیسے کہ لاَ غُلاَمَ رَجُلٍ۔ یہ کس کی مثال ہے؟ لاَ غُلاَمَ رَجُلٍ، لائے نفی جنس کا اسم منصوب ہے اور تینوں شرطیں پوری، ساتھ ملا ہوا ہے اور نکرہ ہے اور مضاف ہے، مشابہِ مضاف کی مثال آگے آرہی ہے وَلاَ عِشْرِيْنَ دِرْهَماً لَكَ، تو یہ مضاف کی مثال ہے۔ تو کہتے ہیں مِثْلُ لاَ غُلاَمَ رَجُلٍ مِثَالٌ لِمَا يَلِيْهَا نَكِرَةً مُضَافاً یہ مثال ہے اس لائے نفی جنس کے اسم کی جو اس کے ساتھ ملا ہوا ہے، نکرہ ہے اور مضاف ہے۔ وَفِيْ بَعْضِ النُّسَخِ، بھئی اس نسخے میں تو صرف یہ آیا، متن متن ذرا دیکھو مِثْلُ لاَ غُلاَمَ رَجُلٍ وَلاَ عِشْرِيْنَ دِرْهَماً لَكَ۔ ایک ہی خبر دونوں جملوں کی نکال دی لَكَ آخر میں۔ تو اصل میں یہ دو جملے ہیں لاَ غُلاَمَ رَجُلٍ لَكَ وَلاَ عِشْرِيْنَ دِرْهَماً لَكَ، لیکن پہلے میں سے لَكَ کو حذف کر لیا وہ دوسرے پر اکتفا کرتے ہوئے کہ

طالب علم اس سے سمجھ جائے گا۔ یہ مشہور نسخے اسی طرح ہیں لیکن بعض کافیہ کے نسخوں میں لاَ غُلاَمَ رَجُلٍ ظَرِيْفٌ فِيْهَا اس کی خبر بھی ساتھ ہی ذکر ہے، لاَ غُلاَمَ رَجُلٍ ظَرِيْفٌ فِيْهَا۔

تو کہتے ہیں وَفِيْ بَعْضِ النُّسَخِ اور کافیہ کے بعض نسخوں میں لاَ غُلاَمَ رَجُلٍ ظَرِيْفٌ فِيْهَا یہ مثال اس طرح ہے بھئی۔ وَقَدْ عَرَفْتَ فِي الْمَرْفُوْعَاتِ بھئی دیکھیے مرفوعات میں یہ مثال ذکر ہوئی تھی لاَ غُلاَمَ رَجُلٍ ظَرِيْفٌ فِيْهَا، وہاں ذکر ہوا تھا لائے نفی جنس کی خبر کس میں سے ہے؟ مرفوعات میں سے ہے۔ وہاں یہ مثال ذکر ہوئی تھی لاَ غُلاَمَ رَجُلٍ ظَرِيْفٌ فِيْهَا یعنی وہاں ظَرِيْفٌ فِيْهَا خبر آئی تھی۔ وہاں میں نے آپ کو بتلایا تھا صاحبِ جامی نے ذکر کیا تھا کہ ظَرِيْفٌ صفتِ مشبہ ہے، ظَرِيْفٌ کیا ہے؟ صفتِ مشبہ، اور آگے فِيْهَا جار مجرور آرہا ہے تو اور آپ نے پڑھا ہے جار مجرور آٹھ چیزوں سے متعلق ہو سکتے ہیں اور وہ کون سی آٹھ چیزیں ہیں؟ یا فعل ہوگا، یا مصدر، یا اسمِ فاعل، یا اسمِ مفعول، یا صفتِ مشبہ، یا اسمِ تفضیل، یا مبالغے کے صیغے، یا اسمِ فعل، تو ان میں دیکھو صفتِ مشبہ بھی ہے۔ تو یہ فِيْهَا جار مجرور کو ظَرِيْفٌ صفتِ مشبہ سے نہ جوڑنا، بلکہ یہ خبرِ ثانی ہے۔ بھئی کیوں اس کے ساتھ کیوں نہیں جوڑ سکتے؟ کہتے ہیں وجہ یہ کہ اس صورت میں معنی خراب ہو جائے گا، معنی یہ ہو جائے گا کہ ظَرِيْفٌ فِيْهَا گھر کے اندر خوش طبع ہو، فِيْهَا ظَرِيْفٌ خوش طبع ہے کس میں؟ گھر میں، معلوم ہوا گھر سے باہر خوش طبع نہیں۔ حالانکہ ظرافت یعنی خوش طبعی خوش مزاجی جو ہے وہ کسی جگہ سے مقید نہیں ہوتی، ایک آدمی خوش مزاج ہے ہنسی مذاق کرنے والا ہے تو اس کی طبیعت ہر جگہ اسی طرح رہے گی۔ یہ نہیں ہو سکتا گھر کے اندر جائے تو خوش طبع، گھر سے باہر جائے تو خوش طبع نہیں۔ توجہ ہے؟ آپ یہ نہ کہیں بھئی ہو سکتا ہے ایک آدمی گھر جا کے ہنسی مذاق کرتا ہو باہر کرتا ہی نہیں ہے، نہیں بھئی کرنے نہ کرنے کی بات نہیں ہو رہی مزاج کی بات ہو رہی ہے، مزاج تو اس کا وہی رہے گا چاہے وہ کرے یا نہ کرے۔ توجہ ہے؟ تو یہاں ایک آدمی کا خوش مزاج ہونا وہ مقید ہو کہ گھر کے اندر خوش مزاج ہے اور گھر سے باہر خوش مزاج نہیں، ایسا نہیں ہو سکتا۔ یہ جو ظرافت ہے یہ جو خوش طبعی ہے یہ مقید نہیں ہو سکتی کسی جگہ کے ساتھ۔ بات سمجھ میں آگئی؟ یعنی بالفعل خوش طبعی کرنا یہاں مراد نہیں ہے بلکہ طبیعت کی بات ہو رہی ہے، طبیعت تو وہی رہے گی چاہے وہ ہنسی مذاق کرے یا نہ کرے۔ تو لہذا ظرافت خوش طبعی کسی جگہ کے ساتھ مقید نہیں ہو سکتی، لہذا فِيْهَا کو ظَرِيْفٌ کے ساتھ نہیں جوڑ سکتے یہ اس کو خبرِ ثانی بنائیں گے۔ لاَ غُلاَمَ رَجُلٍ یہ غُلاَمَ رَجُلٍ یہ لائے نفی جنس کا اسم ہے، ظَرِيْفٌ اس کی خبرِ اول ہے، اور فِيْهَا یہ ثَابِتٌ سے متعلق ہو کر خبرِ ثانی ہے۔

تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ پھر یہ دو خبریں کیوں لائے؟ ایک ہی لے آتے۔ تو وہاں صاحبِ جامی نے ذکر کیا تھا کہ اگر ایک خبر لاتے تو پھر جھوٹ لازم آتا، لاَ غُلاَمَ رَجُلٍ ظَرِيْفٌ کسی آدمی کا کوئی غلام خوش طبع نہیں ہے خوش مزاج نہیں ہے، اور یہ تو جھوٹ لازم آئے گا یہ کیسے ہو سکتا ہے دنیا میں کسی آدمی کا کوئی بھی غلام خوش مزاج نہ ہو بھئی۔ لہذا فِيْهَا ساتھ ایک اور خبر بھی جوڑ دی کہ خوش طبع بھی ہو اور اس گھر کے اندر بھی ہو ایسا نہیں ہے، اور یہ تو عین ممکن ہے کوئی ایک گھر ہے اس

کے اندر کسی آدمی کا کوئی خوش مزاج غلام نہ ہو۔ بات سمجھ میں آ رہی ہے؟ تو لہذا اس لیے خبرِ تو ہاں دیکھو ہمارے اکابر جھوٹ، ہنسی مذاق اور مثالوں کے اندر بھی جھوٹ سے اپنے آپ کو بچاتے ہیں، اور افسوس آج ہمارا یہ حال ہے بچہ بچہ جھوٹ بولتا ہے اور پرواہ ہی نہیں بھئی۔ تو اللہ ہم سب کی اصلاح فرمائے۔

تو کہتے ہیں وَفِيْ بَعْضِ النُّسَخِ اور کافیہ کے بعض نسخوں میں لاَ غُلاَمَ رَجُلٍ ظَرِيْفٌ فِيْهَا یہ مثال ذکر ہے۔ وَقَدْ عَرَفْتَ فِي الْمَرْفُوْعَاتِ تَحْقِيْقَ قَوْلِهِ فِيْهَا اور تحقیق آپ جان چکے ہیں مرفوعات کی بحث کے اندر تَحْقِيْقَ قَوْلِهِ فِيْهَا صاحبِ کافیہ کا قول جو فِيْهَا ہے اس کی تحقیق کہ یہ دوسری خبر کیوں لائے؟ جھوٹ سے بچنے کے لیے لائے بھئی۔

وَلاَ عِشْرِيْنَ دِرْهَماً لَكَ، جی دیکھو یہ کس کی مثال ہے؟ مشابہِ مضاف کی۔ لائے نفی جنس کا اسم ساتھ بھی ملا ہوا ہے نکرہ بھی ہے اور مشابہِ مضاف ہے۔ تو کہتے ہیں مِثَالٌ لِمَا يَلِيْهَا نَكِرَةً مُشَبَّهاً بِالْمُضَافِ یہ مثال ہے اس لائے نفی جنس کے اسم کی جو اس کے ساتھ ملا ہوا ہو نکرہ ہو اور مشابہِ مضاف ہو۔ وَقَوْلُهُ لَكَ عَلَى النُّسَخِ الْمَشْهُوْرَةِ مِنْ تَتِمَّةِ الْمِثَالَيْنِ كِلَيْهِمَا اور یہ ماتن کا قول جو لَكَ آیا متن میں عَلَى النُّسَخِ الْمَشْهُوْرَةِ یہ مشہور نسخوں کی بنا پر مِنْ تَتِمَّةِ الْمِثَالَيْنِ كِلَيْهِمَا یہ دونوں مثالوں کا تتمہ ہے، یعنی اس پر دونوں مثالیں پوری ہو رہی ہیں، یعنی یہ لَكَ کا تعلق دونوں سے ہے لاَ غُلاَمَ رَجُلٍ لَكَ اور لاَ عِشْرِيْنَ دِرْهَماً لَكَ، یہ مشہور نسخے کے مطابق یعنی اس کے اندر یہ ظَرِيْفٌ فِيْهَا نہیں ہے اس کے مطابق یہ لَكَ تتمہ ہے دونوں مثالوں کا، دونوں کے لیے یہ خبر بنے گی۔

بات سمجھ میں آگئی؟ جی حل ہو گیا؟ چلیے بس بھئی۔ هَذَا هُوَ الْمَرَامُ وَاللّٰهُ أَعْلَمُ بِحَقِيْقَةِ الْكَلاَمِ.

سبق نمبر ۱۷۳: اسمِ لائے نفیِ جنس (۳): شبیہ بالمضاف اور مضاف کے منصوب ہونے کا بیان

شرحِ ملا جامی صفحہ: ۱۵۴ — بتاریخ: ۲۷ جولائی ۲۰۲۲ء

▪ تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث

آگے دیکھیے بھئی سبق: فَإِنْ كَانَ أَيِ الْمُسْنَدُ إِلَيْهِ بَعْدَ دُخُولِهَا غَيْرَ وَاقِعٍ عَلَى الْأَحْوَالِ الْمَذْكُورَةِ بَلْ كَانَ مُفْرَدًا بِانْتِفَاءِ الشَّرْطِ الْأَخِيرِ فَقَطْ وَهُوَ كَوْنُهُ مُضَافًا أَوْ مُشَبَّهًا بِهِ أَنْ يَّلِيَهَا نَكِرَةً غَيْرَ مُضَافٍ وَّلَا مُشَبَّهٍ بِهِ لِيَتَرَتَّبَ عَلَيْهِ قَوْلُهُ فَهُوَ مَبْنِيٌّ عَلَى مَا يُنْصَبُ بِهِ۔

لائے نفی جنس کے اسم کی بحث چل رہی ہے۔ اور صاحبِ کافیہ نے آپ کو بتلایا کہ لائے نفی جنس کا اسم بھی منصوبات میں سے ہے لیکن اس کے اندر تین شرطیں پوری ہوں پھر یہ منصوب ہوگا بھئی۔ پہلی شرط یہ ہے کہ وہ اسم جو ہے لا کے ساتھ ملا ہوا ہو یعنی درمیان میں فصل نہ ہو۔ دوسری شرط یہ ہے کہ وہ اسم نکرہ ہونا چاہیے۔ اور تیسری شرط یہ ہے کہ وہ اسم مضاف یا مشابہ مضاف ہو تو تب وہ منصوب ہوگا۔ جیسے لَا غُلَامَ رَجُلٍ فِي الدَّارِ۔ اب یہ غُلَامَ رَجُلٍ یہ لائے نفی جنس کا اسم ہے بھئی۔ اور دیکھو یہ غلام کا لفظ لا کے ساتھ ملا ہوا ہے۔ اور نیز یہ نکرہ ہے کیونکہ اگرچہ یہ اس وقت مضاف ہو رہا ہے لیکن نکرہ کی طرف مضاف ہے اور نکرہ جب نکرہ کی طرف مضاف ہو تو وہ نکرہ ہی رہتا ہے۔ تو یہ نکرہ بھی ہے اور تیسری شرط کہ مضاف ہونا چاہیے وہ بھی یہاں پر پوری ہے تو اس لیے یہ منصوب ہے آپ اس پر نصب پڑھیں گے اور یوں پڑھیں گے: لَا غُلَامَ رَجُلٍ فِي الدَّارِ۔ یا جیسے مشابہ مضاف ہو: لَا عِشْرِينَ دِرْهَمًا لَّكَ۔ یہ عِشْرُونَ کا رفع کس کے ساتھ آتا ہے؟ واوٗ کے ساتھ۔ اور نصب اور جر یا کے ساتھ۔ تو اس کو لَا عِشْرِينَ دِرْهَمًا لَّكَ پڑھیں گے یعنی نصب کے ساتھ پڑھیں گے۔

پھر اس کے بعد مزید تفصیل بھی ہم نے متن متن حل کیا تھا میں نے آپ کو بتلایا تھا۔ کہ لائے نفی جنس کا اسم جو ہے اس میں یہ تین شرطیں ہوں تو منصوب ہوگا اور اگر یہ شرطیں منتفی ہوں تو پھر کیا حکم ہوگا تو تفصیل بیان کی تھی کہ اگر صرف آخری شرط منتفی ہو جائے یعنی ساتھ بھی ملا ہوا ہے نکرہ بھی ہے لیکن مضاف یا مشابہ مضاف نہیں ہے تو اس صورت میں وہ مبنی ہوگا علامتِ نصب پر۔ یعنی جس چیز کے ساتھ اس پر نصب آتا ہے اسی پر وہ مبنی ہو جائے گا۔ جیسے لَا رَجُلَ فِي

الدَّارِ۔ اب یہ رَجُلَ کا لفظ لا کے ساتھ ملا ہوا ہے، نکرہ ہے، لیکن تیسری شرط جو ہے مضاف یا مشابہ مضاف ہو وہ شرط پوری نہیں ہے تو اس لیے یہ مبنی علی الفتح ہے بھئی۔ اور اگر پہلی دو شرطوں میں سے کوئی شرط منتفی ہوئی یعنی ساتھ نہ ملا ہوا یا نکرہ نہ ہوا تو پھر اس صورت میں اس اسم پر رفع پڑھیں گے اور نیز تکرارِ اسم بھی ہوگا تکرارِ لا کے ساتھ۔ جیسے لَا زَيْدٌ فِي الدَّارِ وَلَا عَمْرٌو۔ یا لَا فِي الدَّارِ رَجُلٌ وَّلَا امْرَأَةٌ۔

تو دیکھو یہاں منصوبات کی بحث چل رہی ہے اور صاحبِ کافیہ نے فرمایا اَلْمَنْصُوبُ بِلَا کہ منصوبات میں سے ایک وہ ہے جو منصوب ہوتا ہے لا کی وجہ سے۔ بھئی کہنا تو یوں چاہیے تھا اِسْمُ لَا کہ منصوبات میں سے کیا ہے؟ اسمِ لا ہے، لیکن اسمِ لا نہیں کہا بلکہ کہا اَلْمَنْصُوبُ بِلَا وہ جو منصوب ہوتا ہے لا کی وجہ سے۔ تو اس کی کیا وجہ ہے؟ صاحبِ کافیہ نے اِسْمُ لَا کیوں نہیں کہا؟ تو صاحبِ جامی نے آپ کو بتلایا کہ لائے نفی جنس کا اسم ہمیشہ منصوب نہیں ہوتا۔ لائے نفی جنس کے اسم کی تین صورتیں ہیں بھئی۔ کبھی وہ منصوب ہوگا اور کبھی وہ مبنی علی الفتح ہوگا اور کبھی وہ مرفوع ہوگا۔ تو تین صورتوں میں سے صرف ایک صورت کے اندر وہ منصوب ہے۔ تو اگر تینوں صورتوں میں منصوب ہوتا تو بھی صاحبِ کافیہ کہہ دیتے اِسْمُ لَا۔ تو اس صورت میں صاحبِ کافیہ کا کلام حقیقت پر مبنی ہوتا۔

بھئی دیکھو ایک ہے حقیقت اور ایک ہے مجاز۔ حقیقت یہ ہے کہ لفظ کو جس معنی کے لیے وضع کیا گیا ہو اسی میں اس کو استعمال کیا جائے، یہ کیا ہے؟ حقیقت۔ اور مجاز کیا ہے؟ کہ لفظ کو معنیٰ غیرِ موضوع لہ میں استعمال کیا جائے۔ جیسے شیر کا لفظ وضع ہے ایک جنگلی درندے کے لیے، تو اگر شیر کا لفظ بولیں اور آپ جنگلی درندے کے معنی کا ارادہ کریں تو یہ ہے حقیقت۔ اور اگر آپ شیر کا لفظ بولیں اور اس سے بہادر آدمی کا ارادہ کریں تو اس کو کہتے ہیں مجاز۔

تو اگر تینوں صورتوں میں لا کا اسم کیا ہوتا؟ منصوب ہوتا، توجہ ہے؟ تو پھر بھی صاحبِ کافیہ کہہ سکتے تھے کہ اسمِ لا منصوبات میں سے ہے تو اس صورت میں صاحبِ کافیہ کا کلام حقیقت پر مبنی ہوتا کیونکہ حقیقت میں بھی لا کا اسم ہمیشہ کیا ہوتا ہے؟ منصوب۔ یا تین میں سے کم از کم دو صورتوں کے اندر بھی اگر لا کا اسم منصوب ہوتا تو بھی صاحبِ کافیہ کہہ سکتے تھے کہ اسمِ لا منصوب ہوتا ہے کیونکہ لِلْأَكْثَرِ حُكْمُ الْكُلِّ۔ لِلْأَكْثَرِ حُكْمُ الْكُلِّ۔ تو تین میں سے دو صورتیں اکثر ہیں، نصف سے زائد ہیں، تو کم از کم دو صورتوں میں بھی لا کا اسم منصوب ہوتا تو صاحبِ کافیہ کہہ سکتے تھے کہ اسمِ لا کیا ہوتا ہے؟ منصوب ہوتا ہے اور اس صورت میں صاحبِ کافیہ کا کلام حقیقت تو نہ ہوتا، حقیقت پر تو مبنی نہیں لیکن مجاز پر مبنی ہے۔ کس طرح؟ کیونکہ تین میں سے کتنی صورتوں میں منصوب ہوتا؟ فرض کرو اگر تین میں سے دو صورتوں میں۔ اور وہ تو کیا کہہ رہے ہیں کہ اسمِ لا منصوب ہوتا ہے، اس سے تو کیا پتہ چل رہا ہے؟ تمام صورتوں میں منصوب ہوتا ہے اور تمام صورتوں میں تو وہ حقیقتاً منصوب نہیں۔ تو بھی اس صورت میں بات چل جاتی کس ضابطے پر؟ کہ لِلْأَكْثَرِ حُكْمُ الْكُلِّ، تو یہ مجاز پر کلام محمول ہو جاتا۔ لیکن نہ تو صاحبِ کافیہ حقیقتاً کہہ سکتے ہیں کہ اسمِ لا منصوب ہوتا ہے اور نہ مجازاً کیونکہ اکثر احوال میں بھی وہ منصوب نہیں

ہوتا۔ بات سمجھ میں آگئی؟

تو یہ معنی ہے فَلَا يَصِحُّ جَعْلُهُ مُطْلَقًا مِّنَ الْمَنْصُوبَاتِ۔ لہٰذا لا کے اسم کو مطلقاً منصوبات میں سے قرار دینا صحیح نہیں ہے لَا حَقِيقَةً وَّلَا مَجَازًا نہ تو حقیقتاً اور نہ مجازاً۔ اگر تمام صورتوں میں منصوب ہوتا تو پھر ہم کہہ سکتے تھے اسمِ لا منصوب ہوتا ہے اور یہ کلام حقیقت پر مبنی ہوتا۔ یا اکثر صورتوں میں منصوب ہوتا تو بھی صاحبِ کافیہ کہہ سکتے تھے کہ لا کا اسم منصوب ہوتا ہے اور پھر یہ کلام مجاز پر محمول ہوتا لِلْأَكْثَرِ حُكْمُ الْكُلِّ کے ضابطے کے تحت بھئی۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو لیکن یہاں پر نہ اس کو حقیقتاً منصوبات میں سے قرار دیا جا سکتا ہے اور نہ مجازاً۔ تو صاحبِ کافیہ فرماتے ہیں فَلَا يَصِحُّ جَعْلُهُ مُطْلَقًا مِّنَ الْمَنْصُوبَاتِ لَا حَقِيقَةً وَّلَا مَجَازًا۔ تو صحیح نہیں ہے کہ اس لائے نفی جنس کے اسم کو مطلقاً منصوبات میں سے قرار دیا جائے لَا حَقِيقَةً وَّلَا مَجَازًا نہ تو حقیقتاً اور نہ مجازاً۔ یعنی نہ تو حقیقتاً لائے نفی جنس کے اسم کو منصوبات میں سے قرار دیا جا سکتا ہے اور نہ مجازاً بھئی۔ بات سمجھ میں آگئی۔

پھر صاحبِ جامی نے ایک اور جواب بھی دیا کہ بھئی آپ یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ لائے نفی جنس کا اسم مطلقاً منصوب ہوتا ہے۔ مطلقاً منصوب ہوتا ہے۔ ہاں وہ کبھی منصوب ہوگا لفظاً اور کبھی منصوب ہوگا محلاً کیونکہ تین صورتیں ہیں۔ ایک صورت میں جب تینوں شرطیں پوری ہوں تو لا کا اسم کیا ہوتا ہے؟ منصوب ہوتا ہے لفظاً یعنی لفظوں کے اعتبار سے ہم اس کے اسم کے نصب پر تلفظ کرتے ہیں۔ اور جب تیسری شرط پوری نہ ہو تو لائے نفی جنس کا اسم مبنی ہوتا ہے، لَا رَجُلَ فِي الدَّارِ۔ لیکن مبنی کا اعراب کیسے بتایا جاتا ہے؟ محلاً بتلایا جاتا ہے، تو اس صورت میں بھی ہم کہہ سکتے ہیں کہ لَا رَجُلَ فِي الدَّارِ یہ لائے نفی جنس کا اسم منصوب ہے محلاً۔ جبکہ تیسری صورت جس میں لائے نفی جنس کا اسم مرفوع ہوتا ہے تو وہ تو حقیقت میں لائے نفی جنس کا اسم ہے ہی نہیں کیونکہ لا اس کے اندر عمل ہی نہیں کر رہا۔ اس پر جو رفع آرہا ہے وہ ابتدا کی وجہ سے ہے وہ بتدا ہے، وہ لائے نفی جنس کا اسم نہیں۔ تو لہٰذا یوں بھی کہہ سکتے ہیں آپ کہ لائے نفی جنس کا اسم ہمیشہ منصوب ہوتا ہے، البتہ کبھی لفظاً منصوب ہوگا اور کبھی محلاً منصوب ہوگا۔

اس کے بعد صاحبِ کافیہ نے تعریف کی تھی کہ لائے نفی جنس کا اسم وہ ہے جو لائے نفی جنس کے داخل ہونے کے بعد مسند الیہ ہوتا ہے۔ اگر صرف لائے نفی جنس کے اسم کی تعریف مقصود ہوتی تو اتنی ہی تعریف کافی تھی۔ کہ لائے نفی جنس کا اسم کسے کہتے ہیں؟ وہ جو لائے نفی جنس کے داخل ہونے کے بعد مسند الیہ ہو، وہ ہے لائے نفی جنس کا اسم۔ لیکن یہاں وہ مطلق اسم کی تعریف نہیں کرنا چاہتے بلکہ لائے نفی جنس کے اس اسم کی تعریف کرنا چاہتے ہیں جو منصوب بھی ہو۔ تو اسی لیے آگے پھر تین شرطیں بھی ذکر کیں کہ يَلِيهَا ملا ہوا ہو ساتھ، نَكِرَةً اور نکرہ ہو، اور مضاف ہو یا مشابہ مضاف ہو۔

پھر اس کے اندر ترکیب ذکر کی تھی صاحبِ جامی نے اور بتلایا تھا کہ يَلِيهَا، نَكِرَةً اور مُضَافًا أَوْ مُشَبَّهًا بِهِ یہ تینوں حال ہیں۔ اور اس میں یا تو ان کو آپ احوالِ مترادفہ بنائیں هُوَ الْمُسْنَدُ إِلَيْهِ یہ إِلَيْهِ کی هَا ضمیر سے تینوں کو حال بنا دیں تو یہ احوالِ مترادفہ ہو جائیں گے۔ اور آپ چاہیں تو یہ جو پہلا حال ہے يَلِيهَا، یہ جو پہلا حال ہے يَلِيهَا اس کو یا تو إِلَيْهِ کی هَا ضمیر سے حال بنا دیں یا دُخُولِهَا کی هَا ضمیر سے کیا کر دیں؟ حال بنا دیں۔ اور میں نے بتایا تھا حال کس سے آتا ہے؟ حال کس کی حالت بیان کرتا ہے؟ فاعل یا مفعول بہ کی۔ اور إِلَيْهِ کی هَا ضمیر جو ہے یہ بھی نائب الفاعل ہے الْمُسْنَدُ کے لیے۔ توجہ ہے؟ یہ جار مجرور کیا ہے؟ نائب الفاعل ہے تو اس سے حال آسکتا ہے۔ اور دُخُولِهَا کی هَا ضمیر یہ بھی معنی کے اعتبار سے فاعل ہے دُخُول مصدر کے لیے۔ داخل ہونا، بھئی کس کا داخل ہونا؟ بَعْدَ دُخُولِهَا اس کے داخل ہونے کے بعد، کس کے داخل ہونے کے بعد؟ لا کے داخل ہونے کے بعد۔ توجہ ہے؟ دیکھو داخل ہونے والا کون ہے؟ داخل ہونے والا لا ہے تو وہ فاعل بن رہا ہے۔ تو یہ دُخُولِهَا یہ هَا ضمیر لفظوں کے اعتبار سے اگر مضاف الیہ ہے مجرور ہے لیکن معنی کے اعتبار سے یہ دُخُول مصدر کے لیے فاعل ہے بھئی اور اس سے بھی حال آسکتا ہے۔ تو یہ يَلِيهَا یہ جو پہلا حال ہے یا تو اس کو إِلَيْهِ کی هَا ضمیر سے حال بنا دیں یا دُخُولِهَا کی هَا ضمیر سے۔ اور آگے جو حال آرہے ہیں نَكِرَةً، مُضَافًا أَوْ مُشَبَّهًا بِهِ ان کو يَلِيهَا کے اندر جو هُوَ ضمیر فاعل کی ہے اس سے حال بنا دیں۔ توجہ ہے؟ تو کل کتنی ترکیبیں ہو گئیں؟ تین ترکیبیں ہو گئیں۔ پہلی ترکیب کیا؟ کہ سارے حال کس سے بنا دیں؟ إِلَيْهِ کی هَا ضمیر سے۔ دوسری ترکیب کیا؟ کہ يَلِيهَا کو إِلَيْهِ کی هَا ضمیر سے حال بنائیں اور اگلے احوال کو اس يَلِي کے اندر هُوَ ضمیر سے حال بنا دیں۔ اور تیسری ترکیب یہ ہے کہ دُخُولِهَا کی هَا ضمیر سے یہ يَلِيهَا کو حال بنا دیں اور اگلے احوال اس يَلِيهَا کے اندر اسی هُوَ ضمیر سے بنا دیں۔ بات سمجھ میں آگئی۔

اب آئیے آج کے سبق پر۔ فَإِنْ كَانَ أَيِ الْمُسْنَدُ إِلَيْهِ بَعْدَ دُخُولِهَا غَيْرَ وَاقِعٍ عَلَى الْأَحْوَالِ الْمَذْكُورَةِ بَلْ كَانَ مُفْرَدًا بِانْتِفَاءِ الشَّرْطِ الْأَخِيرِ فَقَطْ وَهُوَ كَوْنُهُ مُضَافًا أَوْ مُشَبَّهًا بِهِ أَنْ يَلِيَهَا نَكِرَةٌ غَيْرُ مُضَافٍ وَلَا مُشَبَّهٍ بِهِ لِيَتَرَتَّبَ عَلَيْهِ قَوْلُهُ فَهُوَ مَبْنِيٌّ عَلَى مَا يُنْصَبُ بِهِ۔ فَإِنْ كَانَ، پہلے متن دیکھ لیجیے ہم ایک دفعہ حل کر چکے ہیں بس صرف ترجمہ دیکھ لیجیے۔ فَإِنْ كَانَ مُفْرَدًا اگر لائے نفی جنس کا اسم کیا ہو؟ مفرد ہو یعنی تیسری شرط پوری نہ ہو، مضاف یا مشابہ مضاف نہ ہو۔ میں نے آپ کو بتلایا تھا کہ مفرد کا لفظ علمِ نحو میں چار چیزوں کے مقابلے میں آتا ہے۔ کبھی مفرد بول کر مرکب کو نکال دیتے ہیں۔ کبھی کبھار مفرد جو ہے جملے کے مقابلے میں آتا ہے، مفرد کہہ کر جملے کو نکال دیتے ہیں۔ کبھی مفرد کا لفظ تثنیہ اور جمع کے مقابلے میں آتا ہے، جب مفرد کہہ دیا جائے تو معنی یہ ہے کہ تثنیہ اور جمع یہاں مراد نہیں۔ اور کبھی کبھار مفرد کا لفظ مضاف یا مشابہ مضاف کے مقابلے میں آتا ہے، تو یہاں پر جو مفرد کا لفظ آیا یہ مضاف یا مشابہ مضاف کے مقابلے میں ہے۔ تو لائے نفی جنس کا اسم اگر مفرد ہو یعنی تیسری شرط پوری نہیں ہے مضاف یا مشابہ مضاف نہیں ہے لیکن پہلی دو شرطیں پوری ہونی چاہئیں۔ پہلی دو شرطوں کا پورا ہونا ضروری ہے تو اس صورت میں فَهُوَ مَبْنِيٌّ عَلَى مَا يُنْصَبُ بِهِ تو لائے نفی جنس کا اسم مبنی ہوگا علامتِ نصب پر۔ علامتِ نصب پر۔ جیسے لَا رَجُلَ فِي الدَّارِ۔ یہ رَجُلَ کیا ہے؟ اس میں پہلی دونوں شرطیں پوری ہیں، ساتھ بھی ملا ہوا

ہے نکرہ بھی ہے لیکن مضاف یا مشابہ مضاف نہیں ہے، تیسری شرط پوری نہیں ہے تو اس لیے یہ کیا ہے مبنی علی الفتح۔ اور مبنی ہونے کی علامت کیا ہے؟ اس پر تنوین نہیں آ رہی حالانکہ مانعِ تنوین یہاں کوئی چیز موجود نہیں بھئی۔

آگے تفصیل دیکھنے سے پہلے حاشیے میں ایک دو آیتیں اور ان پر ہونے والے اعتراض جواب کو ذکر کیا گیا ہے وہ بھی سمجھ لیں بھئی۔ انہوں نے کیا کہا؟ کہ جب تین شرطیں پوری ہوں تو لائے نفی جنس کا اسم منصوب ہوگا۔ اس پر اشکال ہوتا ہے قرآن میں اللہ فرماتے ہیں۔ دیکھیے یہ حاشیے میں اگر آپ کو آیت مل جائے، یہ حاشیہ ہے جی اوپر جو متن میں آیا تھا نا میری کتاب میں نَكِرَةً مُضَافًا أَوْ مُشَبَّهًا بِهِ اس پر حاشیہ لگا ہوگا اور وہاں نیچے حاشیے کے اندر آیت ہے بھئی۔ قرآن میں اللہ فرماتے ہیں: لَا تَثْرِيبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ۔ لَا تَثْرِيبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ۔ آج کے دن تم پر کوئی ملامت نہیں ہے۔ تثریب کا کیا معنی؟

ملامت۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائیوں کو معاف کرتے ہوئے کیا فرمایا؟ لَا تَثْرِيبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ، آج کے دن تم پر کوئی ملامت نہیں ہے۔ اب دیکھو اس آیت کے اندر اشکال ہوتا ہے، اشکال یہ کہ لَا تَثْرِيبَ یہ تو مبنی علی الفتح ہے۔ حالانکہ یہ مشابہ مضاف ہے۔ یہ کیا ہے؟ مشابہ مضاف کسے کہتے تھے؟ جو مضاف تو نہیں ہے لیکن جیسے مضاف محتاج ہوتا ہے مضاف الیہ کا اس کے بغیر اس کا معنی پورا نہیں ہوتا، اسی طرح کوئی بھی لفظ جو کسی اور لفظ کا محتاج ہے اس کے بغیر اس کا معنی پورا نہیں ہوتا تو اس کو کیا کہتے ہیں؟ مشابہ مضاف۔ تو یہاں دیکھو لَا تَثْرِيبَ یہ تَثْرِيب مصدر ہے اور عَلَيْكُمْ یہ جار مجرور یہ اس کے ساتھ جڑ رہے ہیں اور یہ صلہ کہلاتا ہے، کیا کہلاتا ہے اس کا؟ صلہ۔ اور بغیر صلے کے اس لفظ کا معنی پورا نہیں ہوتا۔ تو یہ معلوم ہوا یہ تَثْرِيب محتاج ہے عَلَيْكُمْ کا، وہ اس کے ساتھ جڑے گا تو اس کا معنی پورا ہوگا اس کے بغیر اس کا معنی پورا نہیں۔ تو یہ تو مشابہ مضاف ہوا جب مشابہ مضاف ہے تو اس کو تو منصوب ہونا چاہیے تھا۔ کیا ہونا چاہیے تھا؟ منصوب یعنی معرب ہو اور نصب آئے اور تَثْرِيب اس پر ذرا رفع پڑھیں: تَثْرِيبٌ۔ تنوین آئے گی یا نہیں؟ رفع پڑھا میں نے، نصب پڑھیں: تَثْرِيبًا، جر پڑھیں: تَثْرِيبٍ۔ تو اس پر تو تینوں اعراب حرکت کے ساتھ آئیں گے اور تنوین ساتھ ہوگی لیکن آیت میں کیا ہے؟ لَا تَثْرِيبَ عَلَيْكُمْ یہاں تو یہ مبنی علی الفتح ہے۔ حالانکہ یہاں تینوں شرطیں پوری ہیں، یہ لا کے ساتھ ملا بھی ہوا ہے، نیز نکرہ بھی ہے اور مشابہ مضاف بھی ہے۔ تو اشکال ہوتا ہے کہ اے نحویو آپ کا ضابطہ تو اس آیت سے ٹوٹ رہا ہے۔ اشکال سمجھ میں آیا؟ دوسری اس سے اگلی سطر میں ایک اور آیت ذکر ہے: لَا عَاصِمَ الْيَوْمَ مِنْ أَمْرِ اللهِ۔ لَا عَاصِمَ الْيَوْمَ آج کے دن کوئی بچانے والا نہیں ہے مِنْ أَمْرِ اللهِ اللہ کے حکم سے۔ یہ حضرت نوح علیہ السلام نے فرمایا تھا بھئی اپنے بیٹے سے، بات سمجھ میں آ رہی ہے؟

تو اب اس کے اندر دیکھو عَاصِم یہ لائے نفی جنس کا اسم ہے اور آگے مِنْ أَمْرِ اللهِ یہ جار مجرور اسی عَاصِم سے متعلق ہیں، عَاصِمٌ مِنْ أَمْرِ اللهِ کس سے بچانے والا؟ اللہ کے حکم سے یعنی اللہ کی پکڑ اور اللہ کی سزا سے آج کوئی بچانے والا نہیں ہے۔ تو یہ مِنْ أَمْرِ اللهِ کس سے متعلق ہے؟ عَاصِم سے۔ تو لہٰذا یہ کیا ہوا؟ مشابہ مضاف۔ تینوں شرطیں پوری ہیں یہ عَاصِم کا

لفظ لا کے ساتھ ملا بھی ہوا ہے، نکرہ بھی ہے اور مشابہ مضاف ہے، تو اس کو منصوب ہونا چاہیے تھا۔ کیسے ہوتا؟ لَا عَاصِمًا ہونا چاہیے تھا۔ اسی طرح گزشتہ آیت میں لَا تَثْرِيبًا ہونا چاہیے تھا تنوین کے ساتھ منصوب بھئی۔ لیکن یہ دونوں لفظ آیت کے اندر مبنی علی الفتح ہیں۔ مانعِ تنوین کوئی چیز نہیں لیکن پھر بھی ان پر تنوین نہیں آرہی، معلوم ہوا یہ کیا ہیں؟ مبنی۔ اشکال بھی سمجھ میں آیا کہ نہیں؟ کیا اشکال ہوا؟ لَا تَثْرِيبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ اس کو کس طرح ہونا چاہیے تھا؟ لَا تَثْرِيبًا عَلَيْكُمْ ہونا چاہیے تھا، منصوب ہونا چاہیے تھا تینوں شرطیں پوری ہیں۔ اور لَا عَاصِمَ الْيَوْمَ مِنْ أَمْرِ اللهِ اس کو کس طرح ہونا چاہیے تھا؟ لَا عَاصِمًا۔ توجہ ہے؟ تو لہٰذا تو اس کا جواب دیتے ہیں نحوی حضرات۔

پہلے لَا تَثْرِيبَ عَلَيْكُمْ کو دیکھیں۔ اس کا جواب یہ دیتے ہیں کہ جب مصدر مسند الیہ ہو یعنی مبتدا ہو اور آگے اس کا صلہ آ رہا ہو تو اس مصدر کے صلے کو اس کے لیے خبر بنانا جائز ہے۔ یہ عَلَيْكُمْ کس سے جڑ رہا ہے؟ تَثْرِيب سے اور یہ تَثْرِيب مصدر ہے اور مصدر کیا بن رہا ہے؟ مسند الیہ ہے یعنی لا کا اسم ہے یعنی مبتدا کی طرح ہے، توجہ ہے؟ اور اس مصدر کا صلہ، مصدر جب مسند الیہ ہو یعنی مبتدا ہو اور آگے اس کا صلہ آرہا ہو تو اس صلے کو خبر بنانا جائز ہے۔ یہ عَلَيْكُمْ کو تَثْرِيب سے نہ جوڑیں، اس کو خبر بنا دیں۔ کیا بنا دیں؟ اور جار مجرور براہِ راست خبر بنتی ہے یا متعلق چاہیے اس کے لیے؟ متعلق چاہیے، تو گویا کلام یوں کا ہو گیا: لَا تَثْرِيبَ ثَابِتٌ عَلَيْكُمْ۔ اب اشکال ختم ہوا۔ اشکال کیا تھا کہ یہ عَلَيْكُمْ تَثْرِيب سے جڑ رہا ہے تو یہ کیا ہوا؟ مشابہ مضاف۔ ہم نے بتا دیا کہ یہ عَلَيْكُمْ تَثْرِيب سے نہیں جڑ رہا، تَثْرِيب میں تیسری شرط پوری نہیں ہو رہی۔ یہ عَلَيْكُمْ کو خبر بنا دو۔ تیسری شرط کیا تھی؟ کہ مضاف یا مشابہ مضاف ہو، یہاں تَثْرِيب کے ساتھ اور کوئی لفظ جڑ ہی نہیں رہا۔ یہ عَلَيْكُمْ کو ہم نے اس کے ساتھ جوڑا ہی نہیں، اگر جوڑیں گے تو یہ مشابہ مضاف بن جائے گا، اگر نہیں جوڑیں گے تو اب یہ مشابہ مضاف نہیں ہے۔ تو اب یہ تیسری شرط پوری نہیں ہے اور جب تیسری شرط پوری نہ ہو مضاف یا مشابہ مضاف نہ ہو تو لا کا اسم کیا ہوتا ہے؟ مبنی علی الفتح۔ اس لیے یہ بھی مبنی علی الفتح ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو تَثْرِيب یہ کیا ہے؟ لائے نفی جنس کا اسم ہے، مبنی علی الفتح ہے اور منصوب محلاً ہے اور عَلَيْكُمْ یہ جار مجرور کس سے متعلق؟ ثَابِتٌ سے متعلق ہے اور تو معلوم ہوا جار مجرور کا متعلق جو ہے محذوف ہے اور جار مجرور کا متعلق محذوف ہو تو اس کو کیا کہتے ہیں؟ ظرفِ مستقر۔ معلوم ہوا یہ عَلَيْكُمْ ظرفِ مستقر ہے۔ توجہ ہے؟ اور آگے جو الْيَوْمَ آرہا ہے وہ مفعول فیہ بن جائے گا اسی ثَابِتٌ کے لیے۔ وہ جو عَلَيْكُمْ کے لیے آپ نے ثَابِتٌ نکالا ہے اسی کے لیے الْيَوْمَ کیا بن جائے گا؟ مفعول فیہ۔

تو دیکھو عَلَيْكُمْ یہ جار مجرور ہے، اس کو بھی ظرف کہتے ہیں۔ الْيَوْمَ یہ تو ظرفِ حقیقی ہے، عَلَيْكُمْ ظرفِ مجازی ہے اور الْيَوْمَ کیا ہے؟ ظرفِ حقیقی ہے۔ تو دیکھو دو ظرف آگئے۔ دو ظرف آگئے۔ اب ان میں سے کون سا ظرفِ لغو ہے اور کون سا ظرفِ مستقر ہے؟ ظرفِ مستقر کسے کہتے ہیں؟ جس کا متعلق محذوف ہو۔ ظرفِ لغو کسے کہتے ہیں؟ جس کا متعلق مذکور ہو۔ تو عَلَيْكُمْ کس سے متعلق ہوا؟ ثَابِتٌ سے۔ اور مجھے بتائیے میں نے آپ کو پہلے بھی بتلایا تھا ثَابِتٌ یہاں موجود ہے یا حذف

ہو چکا؟ ثَابِتٌ کیا ہے؟ حذف ہو چکا اور اس کی جگہ عَلَيْكُمْ نے پکڑ لی ہے اور میں نے آپ کو بتلایا تھا کہ بھئی یہ طلبہ کو سمجھانے کے لیے کہتے ہیں کہ یہاں ثَابِتٌ موجود ہے، ثَابِتٌ یہاں تھا لیکن جا چکا ہے اب اس کی جگہ کس نے پکڑ لی؟ عَلَيْكُمْ نے۔ اور وہ سارا عمل جو ثَابِتٌ کر رہا تھا اب وہ کون کر رہا ہے؟ عَلَيْكُمْ کر رہا ہے۔ ثَابِتٌ کے اندر ایک هُوَ ضمیر تھی جو کس کو لوٹ رہی تھی؟ لائے نفی جنس کے اسم کی طرف کیونکہ لائے نفی جنس کی خبر کو کس سے جوڑتے ہیں؟ لائے نفی جنس کے اسم کے ساتھ، توجہ ہے؟ چلو پہلے ذرا ترکیب کر لیں پھر آپ دیکھیے۔ یہ لَا جو ہے لائے نفی جنس ہے۔ تَثْرِيبَ یہ مبنی علی الفتح ہے اور منصوب ہے محلاً یہ لائے نفی جنس کا اسم۔ مبنی کا اعراب محلاً بتلاتے ہیں نا، تو یہ منصوب محلاً ہے۔ اور عَلَيْكُمْ جار مجرور یہ متعلق ہوئے ثَابِتٌ سے۔ توجہ ہے؟ ثَابِتٌ، اور یہ الْيَوْمَ یہ مفعول فیہ بن جائے گا اسی ثَابِتٌ کے لیے۔ اور ثَابِتٌ صیغہ اسمِ فاعل میں نے مرفوع نکالا، ثَابِتٌ، ثَابِتًا یا ثَابِتٍ میں نے نہیں کہا۔ ثَابِتٌ کیوں کہا؟ کیونکہ یہ لائے نفی جنس کی خبر ہے اور لائے نفی جنس کی خبر کیا ہوتی ہے؟ مرفوع ہوتی ہے تو ثَابِتٌ نکالا۔ تو ثَابِتٌ صیغہ اسمِ فاعل اس کے اندر هُوَ ضمیر مرفوع محلاً جو کس کو راجع ہے؟ تَثْرِيب کو کیونکہ لائے نفی جنس کی خبر کو لائے نفی جنس کے اسم کے ساتھ جوڑتے ہیں، تو اس کے اندر هُوَ ضمیر جو راجع ہے تَثْرِيب مصدر کو۔ تو ثَابِتٌ صیغہ اسمِ فاعل اپنے فاعل جو هُوَ ضمیر ہے اس کے اندر، تو ثَابِتٌ صیغہ اسمِ فاعل اپنے فاعل اور متعلق یہ جو عَلَيْكُمْ ہے اور الْيَوْمَ یہ جو مفعول فیہ ہے، ان سب سے مل کر شبہ جملہ ہو کر خبر ہوئی لائے نفی جنس کی۔ اور لائے نفی جنس اپنے اسم اور خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔

اب دیکھو میں نے آپ کو بتلایا یہ عَلَيْكُمْ یہ بھی ظرف ہے اور الْيَوْمَ یہ بھی ظرف لیکن عَلَيْكُمْ اس کو مجازاً ظرف کہتے ہیں یہ حقیقت میں یہ ظرف نہیں ہے، جبکہ الْيَوْمَ یہ حقیقت میں ظرف ہے۔ اور ظرف کا متعلق مذکور ہو تو اس کو ظرفِ لغو کہتے ہیں اور متعلق محذوف ہو تو ظرفِ مستقر کہتے ہیں۔ اور میں نے آپ کو یہ بھی بتلایا تھا کہ یہ طلبہ کو سمجھانے کے لیے کہتے ہیں یہاں ثَابِتٌ تھا، اب ثَابِتٌ جا چکا اس کی جگہ کس نے پکڑ لی؟ ظرف نے پکڑ لی۔ تو جو عمل وہ ثَابِتٌ کر رہا تھا اب وہ سارا عمل کون کرے گا؟ یہ عَلَيْكُمْ جس نے اس کی جگہ پکڑی ہے۔ ثَابِتٌ کیا عمل کر رہا تھا؟ وہ اپنے اندر هُوَ ضمیر کو رفع دے رہا تھا، وہ ثَابِتٌ تو چلا گیا لیکن هُوَ ضمیر عَلَيْكُمْ کے اندر چھپ گئی۔ اب اس هُوَ ضمیر کو رفع کون دے رہا ہے؟ یہ عَلَيْكُمْ یہ ظرفِ مستقر۔ اور ثَابِتٌ کیا کر رہا تھا؟ الْيَوْمَ کو نصب بھی دے رہا تھا، تو اب الْيَوْمَ کو یہ عَلَيْكُمْ نصب دے رہا ہے۔ تو وہ سارے کام جو ثَابِتٌ کر رہا تھا وہ سارے عمل اب کون کر رہا ہے؟ عَلَيْكُمْ۔ تو عَلَيْكُمْ کا متعلق تو محذوف ہے، یہ تو ہو گیا ظرفِ مستقر۔ اور الْيَوْمَ کو اب نصب کون دے رہا ہے؟ یہ عَلَيْكُمْ۔ تو الْيَوْمَ کا عامل محذوف ہے یا مذکور ہے؟ مذکور ہے، لہٰذا الْيَوْمَ ظرفِ لغو ہے۔ عَلَيْكُمْ کیا ہے؟ ظرفِ مستقر اور الْيَوْمَ کیا ہے؟ ظرفِ لغو ہے۔ بات سمجھ میں آ گئی؟

اور آپ اس کا عکس بھی کر سکتے ہیں۔ آپ اس کا عکس بھی کر سکتے ہیں، آپ نے عَلَيْكُمْ کو خبر بنایا، آپ عَلَيْكُمْ کو خبر نہ بنائیں بلکہ الْيَوْمَ جو ظرفِ حقیقی ہے اس کو خبر بنا دیں۔ لَا تَثْرِيبَ الْيَوْمَ اور یہ تو مفعول فیہ ہے اور مفعول فیہ کے لیے کیا

چاہیے؟ کس نے نصب دیا اس کو؟ کوئی عامل تو چاہیے، تو وہ یہاں پھر ثَابِتٌ نکالیں گے۔ تو ثَابِتٌ کس کے لیے نکالا؟ الْيَوْمَ کے لیے۔ تو ثَابِتٌ صیغہ اسمِ فاعل باقی ساری ترکیب اسی طرح ہوگی اب لیکن آپ غور کرنا ذرا۔ اب ثَابِتٌ صیغہ اسمِ فاعل، اس کے اندر هُوَ ضمیر مرفوع محلاً اس کا فاعل جو کس کو راجع؟ تَثْرِيب کو۔ اور الْيَوْمَ اس کے لیے کیا بن گیا؟ مفعول فیہ۔ اور یہ ثَابِتٌ آپ نے کس کے لیے نکالا؟ الْيَوْمَ کے لیے، توجہ ہے؟ تو عَلَيْكُمْ اسی ثَابِتٌ سے متعلق ہو جائے گا۔ پھر آپ نے اس ثَابِتٌ کو حذف کیا اور الْيَوْمَ کو اس کا قائم مقام کر دیا۔ اب وہ سارا کام جو ثَابِتٌ کر رہا تھا اب کون کر رہا ہے؟ الْيَوْمَ۔ تو الْيَوْمَ کیا ہوا؟ ظرفِ مستقر۔ اسی کے اندر هُوَ ضمیر جو کیا بن رہی ہے؟ فاعل ہے اس کو بھی یہ الْيَوْمَ رفع دے رہا ہے۔ اور پہلے عَلَيْكُمْ کس سے متعلق تھا؟ ثَابِتٌ سے۔ اب اس کی جگہ کون آگیا؟ الْيَوْمَ، تو عَلَيْكُمْ اب کس سے متعلق ہوگا؟ الْيَوْمَ اس ظرفِ مستقر سے۔ کس سے؟ ظرفِ مستقر سے۔ تو اب عَلَيْكُمْ ظرفِ لغو بن گیا اور الْيَوْمَ کیا بن گیا؟ ظرفِ مستقر۔ صورت طریقہ سمجھ میں آگیا؟ تو آپ چاہیں تو عَلَيْكُمْ کو خبر بنائیں، آپ چاہیں تو الْيَوْمَ کو خبر بنائیں، جس کو بھی خبر بنائیں گے وہ کیا بن جائے گا؟ ظرفِ مستقر، اس کے لیے ثَابِتٌ نکالیں گے اور وہ جو دوسرا ہے وہ کیا بن جائے گا؟ ظرفِ لغو بن جائے گا۔ صورت سمجھ میں آگئی؟

یہ تو تھی لَا تَثْرِيبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ کی ترکیب بھئی۔ دوسری آیت تھی لَا عَاصِمَ الْيَوْمَ مِنْ أَمْرِ اللهِ۔ اس کے اندر دیکھو، بھئی پچھلے جملے میں تَثْرِيب کے بعد عَلَيْكُمْ کو ہم نے کیا بنایا تھا؟ خبر۔ مصدر کے بعد اس کا صلہ ہے اس کو خبر بنا سکتے ہیں۔ لیکن اسمِ فاعل کے بعد جار مجرور آئے اس کا صلہ آئے اس کو خبر نہیں بنا سکتے۔ توجہ ہے؟ تو یہاں جو ہے نا لَا عَاصِمَ الْيَوْمَ مِنْ أَمْرِ اللهِ یہاں پر بھی اگرچہ صورت اسی طرح ہے، الْيَوْمَ ایک ظرفِ حقیقی ہے اور مِنْ أَمْرِ اللهِ ایک ظرفِ مجازی ہے، لیکن یہاں الْيَوْمَ ہی کو خبر بنانا پڑے گا۔ مِنْ أَمْرِ اللهِ کو عَاصِم کے لیے خبر نہیں بنا سکتے۔ مصدر اگر مبتدا ہو تو اس کے صلے کو اس کے لیے خبر بنا سکتے ہیں لیکن اسمِ فاعل وغیرہ ہوں تو ان کے لیے جو صلہ ہو اس کو ان کے لیے خبر نہیں بنا سکتے، تو پھر الْيَوْمَ اسی کو خبر بنانا پڑے گا۔ تو لَا عَاصِمَ، تو اب مِنْ أَمْرِ اللهِ کو ہم نے عَاصِم سے جوڑا ہی نہیں لہٰذا وہ مشابہ مضاف نہ ہوا، تیسری شرط پوری نہیں، جب تیسری شرط پوری نہیں تو وہ مبنی علی الفتح ہے۔ الْيَوْمَ اس کی خبر ہے اسی طرح ثَابِتٌ الْيَوْمَ۔ اور مِنْ أَمْرِ اللهِ جو ہے یہ جار مجرور پھر اس کا کیا کریں گے؟ کہتے ہیں بھئی یہ فعلِ محذوف سے جڑ جائے گا۔ بھئی کون سا فعلِ محذوف؟ کہتے ہیں جو مدلولِ کلام ہے، جس پہ کلام دلالت کر رہا ہے۔ لَا عَاصِمَ الْيَوْمَ سے کیا پتہ چل رہا ہے؟ أَيْ لَا يَعْصِمُ مِنْ أَمْرِ اللهِ۔ تو آگے کیا نکال لیں گے؟ لَا يَعْصِمُ نکال لیں گے جو لَا عَاصِمَ سے سمجھ میں آرہا ہے۔ تو مدلولِ کلام سے ایک فعل سمجھ میں آرہا ہے وہ آگے محذوف نکال لیں گے اور مِنْ أَمْرِ اللهِ اس سے متعلق ہو جائے گا۔ تو گویا کلام یوں ہے: لَا عَاصِمَ الْيَوْمَ لَا يَعْصِمُ مِنْ أَمْرِ اللهِ کوئی نہیں بچا سکتا اللہ کے حکم سے، اللہ کی پکڑ سے بھئی۔ معنی سمجھ میں آگیا؟

اب آئیے کتاب پر بھئی متن پر۔ دیکھیے بھئی اب یہ متن کو شرح کے ساتھ دیکھیے۔ فَإِنْ كَانَ أَيِ الْمُسْنَدُ إِلَيْهِ بَعْدَ دُخُولِهَا غَيْرَ

وَاقِعٍ عَلَى الْأَحْوَالِ الْمَذْكُورَةِ، پس اگر وہ جو مسند الیہ ہے جو کس کے بعد آیا ہے؟ وہ جو مسند الیہ ہے وہ جو لا کا اسم ہے، کہتے ہیں فَإِنْ كَانَ أَيِ الْمُسْنَدُ إِلَيْهِ اگر وہ جو مسند الیہ ہے بَعْدَ دُخُولِهَا لا کے داخل ہونے کے بعد غَيْرَ وَاقِعٍ عَلَى الْأَحْوَالِ الْمَذْكُورَةِ اگر وہ احوالِ مذکورہ پر واقع نہ ہوا یعنی مضاف یا مشابہ مضاف نہ ہوا۔ ترجمہ سمجھ میں آرہا ہے؟ اگر وہ احوالِ مذکورہ پر واقع نہ ہوا وہ جو مسند الیہ ہے لا کے داخل ہونے کے بعد، بَلْ كَانَ مُفْرَدًا بلکہ وہ کیا تھا؟ مفرد تھا، کیا معنی؟ بِانْتِفَاءِ الشَّرْطِ الْأَخِيرِ فَقَطْ یہ با تصویر یہ ہے، صورت بتلا رہے ہیں مفرد ہونے کی کیا صورت ہے کہ بِانْتِفَاءِ الشَّرْطِ الْأَخِيرِ فَقَطْ کہ صرف آخری شرط منتفی ہو، آخری شرط نہ ہو، تیسری شرط نہ ہو بھئی۔ بھئی وہ تیسری شرط کون سی ہے؟ کہتے ہیں وَهُوَ...

وَهُوَ كَوْنُهُ مُضَافًا أَوْ مُشَبَّهًا بِهِ، وہ اس کا مضاف یا مشابہ مضاف ہونا ہے، یعنی یہ شرط منتفی ہو جائے۔ أَنْ يَلِيَهَا نَكِرَةً غَيْرَ مُضَافٍ وَلَا مُشَبَّهٍ بِهِ، یعنی أَنْ يَلِيَهَا ساتھ بھی ملا ہوا ہو، نَكِرَةً نکرہ بھی ہو، لیکن غَيْرَ مُضَافٍ وَلَا مُشَبَّهٍ بِهِ لیکن مضاف یا مشابہ مضاف نہ ہو بھئی۔ لِيَتَرَتَّبَ عَلَيْهِ قَوْلُهُ فَهُوَ مَبْنِيٌّ عَلَى مَا يُنْصَبُ بِهِ، تاکہ اس پر مرتب ہو سکے ماتن کا یہ قول فَهُوَ مَبْنِيٌّ عَلَى مَا يُنْصَبُ بِهِ تو وہ مبنی ہوگا اس علامت پر جس پر اس کو نصب دیا جاتا ہے۔ بھئی یہ ذرا عبارت سمجھ لو، متن کیا تھا؟ فَإِنْ كَانَ مُفْرَدًا فَهُوَ مَبْنِيٌّ عَلَى مَا يُنْصَبُ بِهِ، اگر لائے نفی جنس کا اسم کیا ہو؟ مفرد ہو یعنی مضاف یا مشابہ مضاف نہ ہو تو پھر کیا ہوگا؟ وہ مبنی علی الفتح۔ مجھے بتائیے صرف مفرد ہونے پر ہی وہ مبنی ہو جائے گا یا پہلی دو شرطوں کا ہونا بھی ضروری ہے؟ پہلی دو شرطوں کا تو ہونا بھی ضروری ہے لیکن صاحبِ کافیہ نے تو یہاں ذکر نہیں کیا، انہوں نے تو صرف اتنا کہا فَإِنْ كَانَ مُفْرَدًا اگر وہ کیا ہو؟ مفرد ہو یعنی مضاف یا مشابہ مضاف نہ ہو تو وہ مبنی ہوگا علامتِ نصب پر۔ تو بات پوری نہیں تھی تو صاحبِ جامی نے بتلایا کہ تیسری شرط منتفی ہونی چاہیے اور باقی دونوں شرطیں ہونی چاہئیں اس کے بعد ہی وہ مبنی ہوگا علامتِ نصب پر۔

یہ بات سمجھ میں آگئی؟ پھر عبارت دیکھو، اسی لیے انہوں نے کہا أَنْ يَلِيَهَا یعنی ساتھ بھی ملا ہوا ہو، نَكِرَةً نکرہ بھی ہو اور غَيْرَ مُضَافٍ وَلَا مُشَبَّهٍ بِهِ اور مضاف یا مشابہ مضاف نہ ہو، صرف یہ والی شرط منتفی ہو، یہ تینوں چیزیں ہونی چاہئیں۔ لِيَتَرَتَّبَ عَلَيْهِ قَوْلُهُ تاکہ صاحبِ کافیہ کا قول اس پر مرتب ہو سکے۔ صرف اگر یوں کہا جائے فَإِنْ كَانَ مُفْرَدًا، لائے نفی جنس کا اسم کیا ہو؟ مفرد ہو تو فَهُوَ مَبْنِيٌّ عَلَى مَا يُنْصَبُ بِهِ یہ تو اس پر مرتب ہی نہیں ہوتا۔ صرف مفرد ہونے پر تو وہ مبنی علی الفتح نہیں ہوگا بلکہ باقی دو شرط مفرد ہو یعنی مضاف یا مشابہ مضاف نہ ہو لیکن باقی دونوں شرطیں ہونی چاہئیں۔ بات سمجھ میں آ گئی؟ مفرد ہونے کا کیا معنی؟ مضاف یا مشابہ مضاف نہ ہو۔ تو یہاں جزا شرط کے مطابق نہیں تھی، فَإِنْ كَانَ مُفْرَدًا اگر کیا ہو؟ مفرد ہو فَهُوَ مَبْنِيٌّ عَلَى مَا يُنْصَبُ بِهِ تو پھر وہ مبنی ہوگا علامتِ نصب پر۔ ادھر دیکھیے، مفرد ہونے کا کیا معنی؟ مضاف یا مشابہ مضاف نہ ہو، تو یہاں پر جزا جو ہے فَهُوَ مَبْنِيٌّ عَلَى مَا يُنْصَبُ بِهِ یہ شرط کے مطابق نہیں۔ انہوں نے کیا کہا لائے نفی جنس کا اسم جب مفرد ہو تو وہ کیا ہوگا؟ مبنی ہوگا علامتِ نصب پر۔ ہم آپ کو دکھاتے ہیں مفرد ہے لیکن مبنی نہیں ہے علامتِ نصب پر، جیسے زَيْدٌ۔ لَا...

لَا زَيْدٌ فِي الدَّارِ وَلَا عَمْرٌو۔ اب دیکھو یہ زَيْدٌ کیا ہے؟ یہ نہ مضاف ہے اور نہ مشابہ مضاف تو یہ مفرد ہوا۔ اور آپ نے کیا کہا تھا؟ جب مفرد ہو تو مبنی ہوگا علامتِ نصب پر، لیکن یہ تو مرفوع ہے لَا زَيْدٌ فِي الدَّارِ وَلَا عَمْرٌو۔ تو چونکہ یہاں پر جزا جو تھی وہ شرط کے مطابق نہیں تھی، صرف مفرد ہونا کافی نہیں ہے بلکہ پہلی دونوں شرطیں بھی پوری ہونی چاہئیں۔ اور لَا زَيْدٌ فِي الدَّارِ وَلَا عَمْرٌو یہاں تو پہلی دو شرطیں پوری نہیں ہیں، پہلی شرط کیا تھی؟ ساتھ ملا ہوا ہو اور دوسری کیا تھی؟ نکرہ ہو اور زَيْدٌ یہ تو نکرہ نہیں۔ تو معلوم ہوا صرف مفرد ہونا کافی نہیں بلکہ پہلی دو شرطوں کا ہونا بھی ضروری ہے۔ اسی لیے صاحبِ جامی نے درمیان میں عبارت نکالی اور بتلایا کہ ساتھ بھی ملا ہوا ہو، نکرہ بھی ہو اور پھر اس کے بعد وہ مفرد بھی ہو یعنی مضاف یا مشابہ مضاف نہ ہو، تو پھر اس صورت میں وہ مبنی ہوگا علامتِ نصب پر بھئی۔ تو کہتے ہیں فَهُوَ مَبْنِيٌّ عَلَى مَا يُنْصَبُ بِهِ تو پھر اس صورت میں وہ مبنی ہوگا عَلَى مَا اس علامت پر يُنْصَبُ بِهِ جس کے ساتھ اس کو نصب دیا جاتا ہے۔ تو پہلی دو شرطوں کا ہونا ضروری ہے صرف آخری شرط کا انتفا نہیں کافی بلکہ پہلی دو شرطوں کا ہونا ضروری ہے۔ اگر پہلی دو شرطیں بھی نہ ہوئیں یا ان میں سے کوئی ایک نہ ہوئی تو پھر اس کا حکم ہی الگ ہے، پھر اس صورت میں تو آپ نے پڑھا وہ رفع پڑھنا بھی واجب اور تکرارِ لا مع تکرارِ اسم بھی ہوگا۔ وہی بیان کر رہے ہیں فَإِنَّهُ لَوْ كَانَ مُفْرَدًا کہ اگر لائے نفی جنس کا اسم اگر مفرد ہو لیکن مَعْرِفَةً ساتھ کیا ہو؟ معرفہ بھی ہو، أَوْ مَفْصُولًا یا مفرد بھی ہے لیکن ساتھ کیا ہے؟ مفصول بھی ہے، فَحُكْمُهُ غَيْرُ ذٰلِكَ تو اس کا حکم اس کے علاوہ ہے بھئی، پھر وہ مبنی علی الفتح نہیں ہوگا بھئی۔ عبارت سمجھ میں آگئی؟ تو کہتے ہیں فَإِنَّهُ لَوْ كَانَ مُفْرَدًا مَّعْرِفَةً أَوْ مَفْصُولًا اس لیے کیونکہ اگر لائے نفی جنس کا اسم مفرد اور معرفہ ہو یا مفصول ہو، فَحُكْمُهُ غَيْرُ ذٰلِكَ تو اس کا حکم اس کے علاوہ ہے۔

وَقَوْلُهُ عَلَى مَا يُنْصَبُ بِهِ۔ یہ دیکھو، میں نے اس اعتراض ذکر کیا تھا، متن میں کیا کہا تھا؟ فَهُوَ مَبْنِيٌّ، اس سے کیا پتہ چلا؟ کہ مبنی ہوگا۔ اور آگے کہا عَلَى مَا يُنْصَبُ بِهِ اس علامت پر جس پر جس کے ساتھ نصب دیا جاتا ہے، اور نصب تو معرب پر آتا ہے، تو اس سے تو پتہ چلا وہ معرب ہوگا۔ فَهُوَ مَبْنِيٌّ سے پتہ چلا وہ مبنی ہوگا اور عَلَى مَا يُنْصَبُ بِهِ سے پتہ چلا وہ معرب ہوگا کیونکہ نصب کس پر آتا ہے؟ معرب پر آتا ہے، تو یہ تو کلام کے اندر تعارض بظاہر لگ رہا ہے، تو صاحبِ جامی بتائیں گے بھئی کہ اس وقت تو مبنی ہے اور لا کے داخل ہونے سے پہلے جس طرح اس پر نصب آتا تھا اس علامت پر ہی کیا ہو جائے گا؟ مبنی ہو جائے گا۔ لا کے داخل ہونے سے پہلے جس علامت کے ساتھ اس پر نصب آتا تھا اسی علامت کے ساتھ یہ کیا ہو جائے گا؟ مبنی ہو جائے گا یعنی اس وقت یہ معرب نہیں ہے مبنی ہے لیکن مبنی اسی علامت پر ہوگا جس کے ساتھ اس کا پہلے نصب آتا تھا۔ تو کہتے ہیں وَقَوْلُهُ عَلَى مَا يُنْصَبُ بِهِ اور ماتن کا قول جو ہے عَلَى مَا يُنْصَبُ بِهِ، أَيْ عَلَى مَا كَانَ يُنْصَبُ بِهِ الْمُفْرَدُ قَبْلَ دُخُولِ لَا عَلَيْهِ یعنی اس علامت پر جس کے ساتھ اس مفرد کو نصب دیا جاتا تھا قَبْلَ دُخُولِ لَا عَلَيْهِ اس پر لا کے داخل ہونے سے پہلے بھئی۔

وَهُوَ الْفَتْحُ، اب وہ صورتیں بتلا رہے ہیں کہ نصب کتنی صورتوں کے ساتھ آتا ہے جن پر وہ مبنی ہو جائے گا۔ میں نے

ذکر کیا تھا نصب کی کتنی صورتیں ہیں؟ کبھی نصب آئے گا فتحہ کے ساتھ رَأَيْتُ زَيْدًا، کبھی نصب کسرہ کے ساتھ آئے گا رَأَيْتُ مُسْلِمَاتٍ، کبھی نصب الف کے ساتھ آئے گا رَأَيْتُ أَبَاكَ، کبھی نصب یا ماقبل مفتوح کے ساتھ آئے گا رَأَيْتُ رَجُلَيْنِ تثنیہ کے اندر، اور کبھی نصب جو ہے یا ماقبل مکسور کے ساتھ آئے گا جمع مذکر سالم میں رَأَيْتُ مُسْلِمِينَ۔ تو پانچ صورتیں ہیں نصب کی لیکن یہاں پر وہ الف والی صورت کو ذکر نہیں کریں گے۔ کیوں؟ میں ذکر کر چکا کیونکہ اسمائے ستہ مکبرہ کا نصب الف کے ساتھ کب آتا ہے؟ جب وہ مضاف ہوں اور یہاں تو بات چل رہی ہے فَإِنْ كَانَ مُفْرَدًا یعنی مضاف یا مشابہ مضاف نہیں ہونا چاہیے بھئی۔ تو کہتے ہیں وَهُوَ الْفَتْحُ فِي الْمُوَحَّدِ اور وہ نصب کی علامت جو ہے فتحہ ہے فِي الْمُوَحَّدِ أَيِ الْمُفْرَدِ کس کے اندر؟ موحد کا کیا معنی؟ جو مفرد ہے یعنی تثنیہ جمع نہیں ہے، تثنیہ اور جمع میں تو یا ماقبل مفتوح یا یا ماقبل مکسور آگے بیان کریں گے۔ تو کہتے ہیں وَهُوَ الْفَتْحُ فِي الْمُوَحَّدِ اور وہ فتحہ ہے فِي الْمُوَحَّدِ أَيِ الْمُفْرَدِ مفرد میں، نَحْوُ لَا رَجُلَ فِي الدَّارِ۔ دیکھو رَجُل کا نصب کس کے ساتھ آتا تھا؟ فتحہ کے ساتھ رَأَيْتُ رَجُلًا تو اسی پر اس کو مبنی بنا دیں گے لَا رَجُلَ فِي الدَّارِ۔ تو موحد کے ذریعے کیا مراد ہے؟ مفرد۔ جمع مکسر کا بھی یہی حکم ہے: لَا رِجَالَ فِي الدَّارِ۔ تو انہوں نے تو کہا وَهُوَ الْفَتْحُ فِي الْمُوَحَّدِ مفرد جو ہے اس کے اندر علامتِ نصب کیا ہے؟ فتحہ۔ حالانکہ جمع کے اندر بھی آتی ہے رَأَيْتُ رِجَالًا۔ تو جواب یہ کہ یہ جمع مکسر ہے اور جمع مکسر بھی وہی مفرد کے حکم میں ہوتی ہے۔ کس کے حکم میں؟ مفرد کے حکم میں تو اس موحد کے اندر وہ بھی داخل ہو گئی۔

کہتے ہیں وَالْكَسْرُ اور کبھی کبھار وہ علامتِ نصب جو ہے وہ کسرہ ہوگا فِي جَمْعِ الْمُؤَنَّثِ السَّالِمِ کس کے اندر؟ جمع مؤنث سالم میں بِلَا تَنْوِينٍ بغیر تنوین کے، نَحْوُ مثال کے طور پر لَا مُسْلِمَاتِ فِي الدَّارِ۔ یہاں تنوین نہیں پڑھنی بھئی، لَا مُسْلِمَاتِ فِي الدَّارِ۔ اب یہ مُسْلِمَاتِ اس وقت کیا ہے؟ یہ مبنی علی الکسرہ ہے، یہ مبنی علی الکسر کیونکہ مُسْلِمَات جمع مؤنث سالم ہے اور جمع مؤنث سالم کا نصب آتا ہی کس کے ساتھ ہے؟ کسرہ کے ساتھ آتا ہے۔ اور اس پر تنوین نہیں آئے گی بھئی لَا مُسْلِمَاتِ فِي الدَّارِ۔ یاد رکھو یہ تفصیل پہلے بھی گزر چکی ہے کہ یہ جو جمع مؤنث سالم کے اندر جو تنوین آتی ہے یہ تنوینِ تمکن نہیں ہے، یہ عوض ہے جمع مذکر سالم، جمع مذکر سالم کا اعراب کس کے ساتھ آتا ہے؟ واؤ یا یا کے ساتھ، واؤ یا رفع واؤ کے ساتھ نصب اور جر یا کے ساتھ، لیکن آگے نون بھی ایک آتا ہے۔ تو جب جمع مذکر سالم میں اعراب کے ساتھ ساتھ ایک اور حرف کا بھی اضافہ ہے تو لہٰذا یہ جو جمع مؤنث سالم ہے اس کا رفع کس کے ساتھ؟ ضمہ کے ساتھ، نصب اور جر کسرہ کے ساتھ، لیکن پھر ساتھ اس کو تنوین بھی دے دی گئی اور یاد رکھو یہ تنوینِ تمکن نہیں ہے۔ تنوینِ تمکن کون سی ہوتی ہے؟ تنوینِ تمکن وہ جو معرب پر آتی ہے، کس پر آتی ہے؟ معرب پر آتی ہے منصرف پر آتی ہے، لیکن یہ جو تنوین ہے یہ تنوینِ تمکن نہیں ہے یہ تنوینِ عوض ہے، کس کا عوض ہے؟ یہ وہ جو جمع مذکر سالم میں نون دیا تھا تو جمع مؤنث سالم میں کیا دے دی؟ تنوین دے دی۔ تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ پھر تو یہ تنوین نہیں گرنی چاہیے کیونکہ مبنی پر تنوینِ تمکن نہیں آسکتی۔ مبنی پر، اور یہ تو تنوینِ تمکن

ہے ہی نہیں یہ تو تنوینِ عوض ہے، اس کو تو رہنا چاہیے۔

یاد رکھو جب آپ مبنی بناتے ہیں نا تو تنوینِ تمکن گرا دیتے ہیں کیونکہ تنوینِ تمکن معرب کی علامت ہے اور آپ تو اس کو کیا بنانا چاہتے ہیں؟ مبنی بنانا چاہتے ہیں تو تنوینِ تمکن کو گراتے ہیں اور کسی تنوین کو نہیں گراتے تو لہٰذا یہاں پر بھی مُسْلِمَاتٍ کے اندر جو تنوین ہے وہ تو تنوینِ تمکن ہے ہی نہیں وہ تو تنوینِ عوض ہے، اس کو تو باقی رہنا چاہیے اور یوں پڑھنا چاہیے: لَا مُسْلِمَاتٍ فِي الدَّارِ۔ اور کہیں گے ہے اس وقت یہ بھی مبنی، کیا ہے؟ مبنی ہے اور بھئی یہ تنوین؟ بھئی یہ تنوینِ تمکن ہے ہی نہیں بلکہ یہ تنوینِ عوض ہے بھئی۔ بات سمجھ میں آگئی؟ چنانچہ بعض علماء فرماتے ہیں اس کو اسی طرح تنوین کے ساتھ پڑھیں گے جب لا بھی آجائے: لَا مُسْلِمَاتٍ فِي الدَّارِ اور کیا کہیں گے؟ یہ مبنی ہے، مبنی ہے، توجہ ہے؟ مبنی علی الکسر ہے، کسرہ پر مبنی ہے۔ جبکہ امام مازنی فرماتے ہیں کہ اس کو لَا مُسْلِمَاتَ فِي الدَّارِ پڑھیں گے، یہاں کسرہ پڑھیں گے ہی نہیں، جیسے لَا رَجُلَ فِي الدَّارِ تھا لائے نفی جنس کا اسم جب اس میں تیسری شرط پوری نہ ہو تو وہ کیا ہوتا ہے مبنی علی الفتح، تو اس کو بھی مبنی علی الفتح یوں پڑھیں گے لَا مُسْلِمَاتَ فِي الدَّارِ۔ لیکن جمہور علمائے نحو فرماتے ہیں نہیں، نہ تو اس پر تنوین پڑھیں گے نہ اس پر فتحہ پڑھیں گے بھئی۔ تو سوال پیدا ہوتا ہے پھر اس کی تنوین کیوں گرائی؟ یہ تو تنوینِ تمکن ہے ہی نہیں یہ تو تنوینِ عوض ہے، کہتے ہیں بے شک یہ تنوینِ عوض ہے لیکن اس کی صورت کس کی طرح ہے؟ تنوینِ تمکن کی طرح ہے تو یہ اس کے مشابہ ہے، لہٰذا جب تنوینِ تمکن کو گراتے ہیں تو جو اس کے مشابہ تنوین تھی اس کو بھی کیا کر دیا؟ گرا دیا، لہٰذا اس کو بغیر تنوین کے پڑھیں گے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ اسی لیے کہا وَالْكَسْرُ فِي جَمْعِ الْمُؤَنَّثِ السَّالِمِ بِلَا تَنْوِينٍ، اور علامتِ نصب وہ جو ہے وہ کسرہ ہے فِي جَمْعِ الْمُؤَنَّثِ السَّالِمِ کس کے اندر؟ جمع مؤنث سالم کے اندر بِلَا تَنْوِينٍ بغیر تنوین کے، نَحْوُ لَا مُسْلِمَاتِ فِي الدَّارِ۔

آگے دیکھیے: وَالْيَاءُ الْمَفْتُوحُ مَا قَبْلَهَا فِي الْمُثَنَّى، اور نیز علامتِ نصب کیا ہے؟ اَلْيَاءُ الْمَفْتُوحُ وہ یا جو ہے، اَلْمَفْتُوحُ مَا قَبْلَهَا جس کا ماقبل مفتوح ہے۔ توجہ سے یہ عبارت سمجھ لو: اَلْيَاءُ ہے موصوف اور اَلْمَفْتُوحُ ہے اس کی صفت۔ اور یہ یاد رکھو یہ صفت بحالِ متعلقہ ہے۔ صفت بحالہ کسے کہتے ہیں؟ جو ایسے معنی پر دلالت کرتی ہے جو موصوف کے اندر ہی پایا جائے اور صفت بحالِ متعلقہ ایسے معنی پر دلالت کرتی ہے جو موصوف میں نہیں ہوتا بلکہ موصوف کے متعلق میں ہوتا ہے۔ اَلْيَاءُ الْمَفْتُوحُ، اَلْيَاءُ ہے موصوف اَلْمَفْتُوحُ ہے اس کی صفت، لیکن مجھے بتائیے کیا وہ یا مفتوح ہوتی ہے؟ رَأَيْتُ رَجُلَيْنِ، یہ رَجُلَيْنِ کے اندر یہ یا مفتوح ہے یا یا کا ماقبل مفتوح ہے؟ یا کا ماقبل مفتوح ہے تو اَلْمَفْتُوحُ لفظوں میں صفت ہے یا کی لیکن معنی کے اندر صفت ہے اس کے ماقبل کی۔ تو کہتے ہیں وَالْيَاءُ الْمَفْتُوحُ مَا قَبْلَهَا۔ تو یہ جو مَا قَبْلَهَا ہے نا موصول صلہ، مَا موصولہ اور قَبْلَهَا اس کا صلہ۔ اور صلہ جملہ ہوتا ہے لہٰذا یہاں ثَبَتَ نکال لیں گے مَا ثَبَتَ قَبْلَهَا۔ یہ قَبْلَ کیا ہے؟ ظرف واقع ہوتا ہے نا اور ظرف کے لیے کیا چاہیے؟ عامل، اور عامل آپ چاہے ثَبَتَ نکال لیں چاہے ثَابِتٌ لیکن یہاں ثَبَتَ نکالیں گے

کیونکہ ہمیں جملہ چاہیے کیونکہ اس نے صلہ بننا ہے مَا کا۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو پھر یہ مَا ثَبَتَ قَبْلَهَا یہ موصول صلہ مل کر یہ نائب الفاعل بنے گا اَلْمَفْتُوحُ کے لیے۔ مَفْتُوحُ اسمِ مفعول ہے نا اور اسمِ مفعول کے لیے کیا چاہیے؟ نائب الفاعل چاہیے یا نہیں؟ فعل کے لیے جیسے ہمیشہ فاعل یا نائب فاعل چاہیے اسی طرح صفت کے صیغوں کے لیے بھی ہمیشہ کیا چاہیے؟ فاعل یا نائب فاعل، تو یہ مَا قَبْلَهَا یہ نائب الفاعل ہے کس کے لیے؟ اَلْمَفْتُوحُ اسمِ مفعول کے لیے۔ تو دیکھو اب ترجمہ سنو: وَالْيَاءُ الْمَفْتُوحُ مَا قَبْلَهَا، نصب کی علامت جو ہے وہ یا ہے اَلْمَفْتُوحُ مَا قَبْلَهَا جس کا ماقبل مفتوح ہے فِي الْمُثَنَّى کس کے اندر؟ تثنیہ کے اندر۔

وَالْمَكْسُورُ مَا قَبْلَهَا فِي جَمْعِ الْمُذَكَّرِ السَّالِمِ، اور اس مَكْسُورُ کا عطف ہے اَلْمَفْتُوحُ پر۔ اب نصب کی آخری علامت ذکر کر رہے ہیں، نصب کی آخری علامت کیا ہے؟ اَلْمَفْتُوحُ کو اٹھائیں اور اس کی جگہ اَلْمَكْسُورُ کو لے آئیں: وَالْيَاءُ الْمَكْسُورُ مَا قَبْلَهَا، وہ یا کہ مکسور ہے مَا قَبْلَهَا اس کا ماقبل۔ بات سمجھ میں آرہی ہے؟ تو یہ جو اَلْمَكْسُورُ ہے اس میں بھی وہی ترکیب، اَلْمَكْسُورُ کون سا صیغہ ہے؟ اسمِ مفعول۔ اور یہ مَا قَبْلَهَا أَيْ مَا ثَبَتَ قَبْلَهَا یہ موصول صلہ مل کر اس کا نائب الفاعل ہے اور اسمِ مفعول اپنے نائب فاعل سے مل کر یہ الف لام کے لیے صلہ بنے گا اور موصول صلہ مل کر پھر یہ صفت ہوئی کس کے لیے؟ اَلْيَاءُ کے لیے۔ تو کہتے ہیں اور نصب کی علامت جو ہے اَلْيَاءُ الْمَفْتُوحُ مَا قَبْلَهَا فِي الْمُثَنَّى وہ یا ہے کہ جس کا ماقبل مفتوح ہوتا ہے تثنیہ میں، وَالْمَكْسُورُ مَا قَبْلَهَا فِي جَمْعِ الْمُذَكَّرِ السَّالِمِ اور وہ یا کہ جس کا ماقبل مکسور ہو جمع مذکر سالم میں، نَحْوُ مثال کے طور پر لَا مُسْلِمَيْنِ وَلَا مُسْلِمِينَ لَكَ۔ دونوں کی ایک ہی خبر نکال دی لَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ وَلَا مُسْلِمِينَ لَكَ۔ لَا مُسْلِمَيْنِ یہ تثنیہ ہے جو پہلا لفظ ہے اور وَلَا مُسْلِمِينَ یہ دوسرا لفظ یہ جمع ہے، اور یہ دونوں یاد رکھو اس وقت مبنی ہیں۔ کیوں؟ پہلی دو شرطیں تو پوری ہیں ساتھ بھی ملے ہوئے ہیں، نکرہ بھی ہیں، لیکن تیسری شرط کہ مضاف یا مشابہ مضاف ہو وہ یہاں پوری نہیں اور اس صورت میں لائے نفی جنس کا اسم کیا ہوتا ہے؟ مبنی ہوتا ہے علامتِ نصب پر، تو اس وقت یہ دونوں مبنی ہیں بھئی۔

آگے دیکھیے: وَيَعْنِي بِالْمُفْرَدِ مَا لَيْسَ بِمُضَافٍ وَّلَا مُضَارِعٍ لَّهُ۔ بھئی پیچھے ذکر کیا تھا مفرد سے کیا مراد ہے؟ فَإِنْ كَانَ مُفْرَدًا، کہ مضاف یا مشابہ مضاف نہ ہو۔ تو وہی صاحبِ جامی آگے بتلانا چاہتے ہیں کہ انہوں نے جب کہا نا مفرد تو آپ یہ نہ سمجھیں کہ یہ مفرد تثنیہ اور جمع کے مقابلے میں ہے بلکہ یہ مفرد کس کے مقابلے میں ہے؟ مضاف اور مشابہ مضاف، تو مفرد ہونے کا معنی یہ ہے کہ وہ اسم مضاف یا مشابہ مضاف نہ ہو۔ تو تثنیہ اور جمع ہو تو وہ بھی اس کے اندر داخل ہو گئے۔ وہ بھی کیا ہوئے اس کے اندر؟ یعنی وہ بھی جیسے ابھی لَا مُسْلِمَيْنِ اور لَا مُسْلِمِينَ دیکھو یہ تثنیہ اور جمع کیا ہیں مبنی ہیں علامتِ نصب پر بھئی۔ کہتے ہیں وَيَعْنِي بِالْمُفْرَدِ مَا لَيْسَ بِمُضَافٍ وَّلَا مُضَارِعٍ لَّهُ یا یوں کہہ لیں کہ یہ ایک اعتراض کا جواب دینا چاہ رہے ہیں، اعتراض یہ ہوتا ہے آپ نے تو ہمیں کہا تھا کہ لائے نفی جنس کا اسم جب مفرد ہو تب وہ کیا ہوگا مبنی ہوگا علامتِ نصب پر اور...

آگے مثالیں آپ نے جو دو ذکر کیں لَا مُسْلِمَيْنِ وَلَا مُسْلِمِينَ یہ تو تثنیہ اور جمع کی مثالیں ذکر کر دیں۔ تو جواب دینے لگے کہ

بھئی تثنیہ اور جمع اس کے اندر داخل ہے کیونکہ یہ مفرد تثنیہ اور جمع کے مقابلے میں نہیں آیا بلکہ کس کے مقابلے میں آیا ہے؟ مضاف اور مشابہ مضاف کے مقابلے میں ہے۔ تو کہتے ہیں وَيَعْنِي بِالْمُفْرَدِ مَا لَيْسَ بِمُضَافٍ وَّلَا مُضَارِعٍ لَّهُ، عَنَى يَعْنِي کا معنی ارادہ کرنا، اور ارادہ کیا صاحبِ کافیہ نے بِالْمُفْرَدِ مفرد کے ذریعے مَا لَيْسَ بِمُضَافٍ وَّلَا مُضَارِعٍ اس اسم کا جو نہ مضاف ہو اور نہ مشابہ مضاف ہو۔ مُضَارِع کا معنی بھی مشابہ ہے۔ فعلِ مضارع کو فعلِ مضارع کیوں کہتے ہیں؟ کیونکہ اسمِ فاعل کے مشابہ ہوتا ہے۔ کس کے؟ اسمِ فاعل کے مشابہ ہوتا ہے عددِ حروف وغیرہ میں، جتنے ایک میں حروف ہوتے ہیں اتنے ہی دوسرے میں۔ ضَارِبٌ میں کتنے حروف؟ چار، يَضْرِبُ میں بھی کتنے؟ چار۔ يُكْرِمُ میں کتنے حروف؟ چار، مُكْرِمٌ میں بھی کتنے حروف؟ چار۔ مُسْتَخْرِجٌ کتنے حروف؟ چھ، اور يَسْتَخْرِجُ فعلِ مضارع میں بھی کتنے؟ چھ۔ تو عددِ حروف وغیرہ میں چونکہ فعلِ مضارع یہ مشابہ ہے کس کے ساتھ؟ اسمِ فاعل کے ساتھ، اس لیے اس کو فعلِ مضارع کہتے ہیں۔ تو مضارع کا کیا معنی؟ مشابہ۔ تو کہتے ہیں وَيَعْنِي بِالْمُفْرَدِ مَا لَيْسَ بِمُضَافٍ وَّلَا مُضَارِعٍ لَّهُ اور ارادہ کیا صاحبِ کافیہ نے مفرد کے ذریعے اس اسم کا جو نہ مضاف ہو اور نہ مشابہ مضاف ہو، فَيَدْخُلُ فِيهِ الْمُثَنَّى وَالْمَجْمُوعُ تو اس کے اندر تثنیہ اور جمع دونوں داخل ہو گئے۔

وَإِنَّمَا بُنِيَ، جی اب آگے آپ کو بتلائیں گے کہ یہ مبنی علامتِ نصب پر کیوں ہوتا ہے، اس کی وجہ کیا ہے؟ تو صاحبِ جامی آپ کو بتلائیں گے کہ بھئی وجہ یہ کہ یہ متضمن ہے مِنْ کو، یہ متضمن ہے مِنْ کے معنی کو۔ کس کے معنی کو؟ مِنْ کے معنی کو۔ یا یوں کہو آسان لفظوں میں کہ اس کے اندر مِنْ چھپ گیا۔ اس لَا رَجُلَ فِي الدَّارِ اصل میں تھا لَا مِنْ رَجُلٍ فِي الدَّارِ۔ لَا رَجُلَ یہ اصل میں کیا تھا؟ لَا مِنْ رَجُلٍ۔ دیکھو لَا رَجُلَ فِي الدَّارِ کوئی آدمی گھر میں نہیں ہے، دیکھو تمام افراد کی نفی ہو گئی۔ اسی طرح ایک مِنْ ہے مِنْ بھی استغراق کے لیے آتا ہے، منِ استغراقیہ کہتے ہیں، وہ نکرہ پر داخل ہوتا ہے اور اس کے تمام افراد کا کیا کر لیتا ہے؟ احاطہ کر لیتا ہے، اس کو منِ استغراقیہ کہتے ہیں۔ تو کہتے ہیں یہ دراصل، یہاں پر دراصل مِنْ تھا بھئی اور اس مِنْ کو حذف کر لیا گیا۔ تو لَا رَجُلَ فِي الدَّارِ اصل میں کیا تھا؟ لَا مِنْ رَجُلٍ فِي الدَّارِ، پھر اس مِنْ کو تخفیفاً حذف کر لیا گیا۔ تو مِنْ کا معنی اس کے اندر اس رَجُل کے اندر مِنْ کا معنی آگیا اور مِنْ تو ہے حرف، حرف اور حرف کیا ہیں؟ تمام حروف مبنیات ہیں۔ توجہ ہے؟ ادھر دیکھو بھئی، آپ نے پڑھا ہے کہ مبنی الاصل تین چیزیں ہیں۔ وہ چیزیں جو اپنی ذات کے اعتبار سے ہی مبنی ہیں وہ تین چیزیں ہیں: تمام حروف، فعلِ ماضی اور فعلِ امر۔ پھر دہرائیں: مبنی الاصل کتنی چیزیں؟ تین: تمام حروف، فعلِ ماضی اور فعلِ امر۔ دیکھو اس کے اندر اسم کا تو ذکر ہی نہیں ہے، معلوم ہوا اسم مبنی الاصل نہیں۔ اسم اصل کے اعتبار سے معرب ہے اس پر کیا آنا چاہیے؟ اعراب۔ لیکن اسم بعض مبنی ہوتے ہیں جیسے سارے اسمائے اشارہ بھی مبنی ہیں، اسمائے موصولہ بھی مبنی ہیں، ضمیریں بھی مبنی ہیں۔ تو اسم بھی بعض اوقات مبنی ہو جاتے ہیں تو وہ کیسے مبنی ہوتے ہیں؟ یہ بات پہلے بھی ذکر ہو چکی ہے کہ اسم مبنی ہوگا جب اس کی مشابہت آجائے مبنی الاصل کے ساتھ۔ اسم کی

جب مشابہت یعنی کوئی مناسبت آجائے کس کے ساتھ؟ مبنی الاصل یعنی حروف کے ساتھ کوئی مناسبت آجائے یا فعلِ ماضی کے ساتھ مناسبت آجائے یا فعلِ امر کے ساتھ تو پھر اس صورت میں اسم بھی مبنی ہو جائے گا۔ اور ان مناسبتوں میں سے ایک مناسبت یہ ہے کہ کوئی حرف اس اسم کے اندر چھپ جائے اور حرف تو کیا ہے؟ مبنی الاصل، تو جب مبنی الاصل اسم کے اندر چھپ گیا تو وہ اسم کو بھی کیا بنا دے گا؟ مبنی بنا دے گا۔

جیسے أَحَدَ عَشَرَ اصل میں کیا تھا؟ أَحَدٌ وَعَشَرٌ درمیان میں واؤ تھا اور واؤ حرف ہے اور پھر یہ واؤ چھپ گیا عَشَرٌ کے اندر تو اس نے اس کو کیا بنا دیا؟ مبنی بنا دیا، أَحَدَ عَشَرَ۔ أَحَدَ کیوں مبنی ہوا؟ کیونکہ وہ درمیان میں آگیا اور درمیان میں اعراب نہیں آتا۔ اور عَشَرَ کیوں مبنی ہوا؟ کیونکہ اس کے اندر واؤ چھپ گیا۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو اس لیے مبنی ہوا۔ اسی طرح أَمْسِ، أَمْسِ کہتے ہیں گزشتہ کل کو، جو کل کا دن گزر گیا اس کو عربی میں کیا کہتے ہیں؟ أَمْسِ۔ یہ أَمْسِ یہ بھی مبنی علی الکسر ہے، کیوں مبنی ہے؟ کیونکہ یہ اصل میں تھا اَلْأَمْسِ، کیا تھا؟ اَلْأَمْسِ، اس پر الف لام تھا پھر یہ الف لام اس کے اندر چھپ گیا، تو کیا بن گیا؟ أَمْسِ۔ اب یہ مبنی بن گیا کیونکہ الف لام حرف ہے جو اس کے اندر چھپ گیا۔ اسی طرح یہاں پر بھی اصل میں تھا لَا مِنْ رَجُلٍ فِي الدَّارِ، یہ مِنْ کس کے اندر چھپ گیا؟ رَجُل کے اندر چھپ گیا اور مِنْ کیا ہے حرف، وہ مبنی تھا تو اس نے رَجُل کو بھی کیا بنا دیا؟ مبنی بنا دیا۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو یوں کہہ لو جو تعبیر آپ کو پسند ہو یوں کہہ لو کہ حرف ان کے اندر چھپ گیا ہے یا یوں کہہ لو کہ حرف کا معنی ان کے اندر موجود ہے، حرف تو چلا گیا حذف ہو گیا لیکن اس کا معنی ان کے اندر آگیا۔ جب معنی آیا تو ان کی مشابہت آگئی حروف کے ساتھ تو یہ بھی کیا بن گئے؟ مبنی۔ أَحَدَ عَشَرَ اس کے اندر واؤ کا معنی آگیا تو یہ مبنی بن گیا، اَلْأَمْسِ کے اندر الف لام کا معنی آگیا تو وہ مبنی بن گیا، اور لَا رَجُلَ فِي الدَّارِ اس رَجُل کے اندر مِنْ کا معنی آگیا تو اس لیے یہ بھی کیا بن گیا؟ مبنی بن گیا۔ صورت سمجھ میں آگئی؟

تو کہتے ہیں وَإِنَّمَا بُنِيَ لِتَضَمُّنِهِ مَعْنَى مِنْ اور اس کو مبنی بنایا گیا اس لیے کیونکہ یہ متضمن ہے مِنْ کے معنی کو کیونکہ اس کے اندر کس کا معنی موجود ہے اس لائے نفی جنس کے اسم کے اندر؟ مِنْ والا معنی موجود ہے، إِذْ مَعْنَى لَا رَجُلَ فِي الدَّارِ اس لیے کیونکہ لَا رَجُلَ فِي الدَّارِ کا معنی یہ ہے: لَا مِنْ رَجُلٍ فِيهَا کوئی آدمی اس گھر میں نہیں ہے۔ لِأَنَّهُ جَوَابٌ، بھئی یہ مِنْ کہاں سے آیا لَا مِنْ رَجُلٍ؟ تو آپ کو بتائیں گے کہ بھئی یہ ایک سوال کا جواب ہے، سوال میں مِنْ تھا تو جواب بھی اس کے مطابق ہونا چاہیے۔ مثلاً کسی نے آپ سے سوال کیا: هَلْ مِنْ رَجُلٍ فِي الدَّارِ کیا کوئی آدمی ہے اس گھر کے اندر؟ تو جواب بھی کیا ہونا چاہیے؟ مِنْ کے ساتھ ہونا چاہیے: لَا مِنْ رَجُلٍ فِي الدَّارِ۔ اس پر آپ کے ذہن میں آئے گا کہ بھئی سوال تو کسی نے نہیں پوچھا، کوئی بات ویسے کر رہا ہے وہ ویسے کہہ دیتا ہے لَا رَجُلَ فِي الدَّارِ، تو جواب یہ کہ یہ سوال یا تو کبھی حقیقتاً موجود ہوتا ہے اگر حقیقتاً نہیں ہے تو سوال کو فرض کر لیا جاتا ہے۔ یعنی یا تو یہ سوالِ محقق کا جواب ہوگا جو حقیقتاً وہاں موجود ہو یا سوالِ مقدر، مقدر کا کیا معنی؟ جس کو فرض کر لیا گیا ہو۔ تو یہ سوالِ مقدر کا جواب ہے یا سوالِ محقق کا اور اس میں مِنْ موجود تھا

لہٰذا جواب میں بھی کیا ہونا چاہیے؟ مِنْ، لیکن پھر اس مِنْ کو حذف کر لیا گیا تو یہ جو لا کا اسم آیا یہ مِنْ کے معنی کو متضمن ہے اور مِنْ تو حرف ہے مبنی الاصل ہے تو اب یہ لا کا اسم بھی کیا ہو جائے گا؟ مبنی ہو جائے گا۔ تو کہتے ہیں لِأَنَّهُ جَوَابٌ لِّمَنْ يَّقُولُ اس لیے کیونکہ یہ جواب ہے اس شخص کا جو یہ کہتا ہے: هَلْ مِنْ رَجُلٍ فِي الدَّارِ یہ جو شخص یہ کہتا ہے حَقِيقَةً أَوْ تَقْدِيرًا یعنی یہ جواب ہوگا اس قسم کے سوال کا حقیقتاً یا تقدیراً یعنی حقیقتاً سوال ہوگا یا تقدیراً ہوگا یعنی فرض کر لیا جائے گا۔ فَحُذِفَتْ مِنْ تَخْفِيفًا تو مِنْ کو کیا کر لیا گیا؟ حذف کر لیا گیا تخفیف کرنے کے لیے تاکہ لفظ مختصر ہو جائیں، کلام مختصر ہو جائے، زبان پر ادائیگی آسان ہو جائے۔ تو کہتے ہیں فَحُذِفَتْ مِنْ تَخْفِيفًا تو مِنْ کو حذف کر لیا گیا تخفیف کرنے کے لیے۔

وَإِنَّمَا بُنِيَ عَلَى مَا، تو پھر سوال پیدا ہوا کہ بھئی جب مبنی بنایا گیا تو مبنی علامتِ نصب پر ہی کیوں بنایا؟ علامتِ رفع یا علامتِ جر پر کیوں نہیں مبنی بنایا؟ تو اس کا بھی جواب دینے لگے ہیں کہ بھئی تاکہ بنا اور اعراب والی حالتوں میں موافقت آ جائے۔ بنا اور یعنی معرب اور مبنی والی حالتوں میں موافقت آ جائے۔ لا کا اسم کیا ہوتا ہے؟ منصوب ہوتا ہے لفظاً اس پر نصب آتا ہے، کیا آتا ہے؟ لفظاً نصب آتا ہے تو لہٰذا اس کو بھی مبنی کیا گیا علامتِ نصب پر ہی تاکہ بنا اور اعراب والی حالتوں میں موافقت ہو جائے، بنا اور اعراب والی حالتوں میں موافقت ہو جائے بھئی۔ توجہ ہے؟ یہ جو لائے نفی جنس ہے اس کا اسم کیا ہوتا ہے؟ منصوب ہوتا ہے، ایک صورت میں منصوب ہوتا ہے اور دوسری صورت میں مبنی ہوتا ہے تو مبنی بھی مبنی علی الفتح کیا یعنی وہ جو نصب والی صورت تھی اسی پر مبنی کر دیا تاکہ اس کی جو معرب ہونے کی صورت ہے اس لائے نفی جنس کے اسم کی اور اس کے مبنی ہونے کی صورت ہے دونوں کے اندر موافقت ہو جائے، دونوں ایک دوسرے جیسی ہو جائیں۔ اعراب بھی آتا ہے تو کون سا؟ نصب، اور مبنی بھی بنائیں گے تو کس پر؟ اسی علامتِ نصب پر، تو دیکھو دونوں میں موافقت ہو گئی دونوں ایک جیسے ہو گئے مبنی ہونے والی حالت بھی اور معرب ہونے والی حالت بھی، موافقت رہے دونوں ایک جیسی رہیں بھئی۔

تو کہتے ہیں وَإِنَّمَا بُنِيَ عَلَى مَا يُنْصَبُ بِهِ اور کہتے ہیں اس کو علامتِ نصب پر ہی مبنی بنایا گیا لِيَكُونَ الْبِنَاءُ عَلَى حَرَكَةٍ أَوْ حَرْفٍ اسْتَحَقَّهَا النَّكِرَةُ فِي الْأَصْلِ قَبْلَ الْبِنَاءِ تاکہ یہ تاکہ یہ جو بنا ہے عَلَى حَرَكَةٍ، بھئی دیکھو بعض صورتوں میں مبنی ہے حرکت پر اور بعض صورتوں میں مبنی ہے حرف پر جیسے وہ جو پیچھے مثالیں گزری تھیں: لَا رَجُلَ فِي الدَّارِ، لَا مُسْلِمَاتِ فِي الدَّارِ، لَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ وَلَا مُسْلِمِينَ لَكَ۔ اب دیکھو لَا رَجُلَ فِي الدَّارِ یہ مبنی ہے حرکت پر، لَا مُسْلِمَاتِ فِي الدَّارِ یہ بھی کیا ہے؟ مبنی ہے حرکت پر، اور لَا مُسْلِمَيْنِ یہ مبنی ہے حرف پر، اس میں رفع کس کے ساتھ آتا ہے؟ حرکت کے ساتھ نہیں آتا بلکہ یہ واؤ اور یا کے ساتھ آتا ہے تو یہ مبنی ہے حرف پر، اور اسی طرح لَا مُسْلِمِينَ یہ بھی کیا ہے؟ مبنی ہے حرف پر بھئی۔ تو اسی لیے کہا لِيَكُونَ الْبِنَاءُ عَلَى حَرَكَةٍ أَوْ حَرْفٍ تاکہ بنا جو ہے اسی حرکت اور حرف پر ہو جائے، مبنی ہونا لِيَكُونَ الْبِنَاءُ عَلَى حَرَكَةٍ أَوْ حَرْفٍ تاکہ مبنی ہونا اسی حرکت یا حرف پر ہو جائے اسْتَحَقَّهُمَا النَّكِرَةُ فِي الْأَصْلِ کہ جن کا نکرہ مستحق تھا اصل میں۔ لَا رَجُلَ فِي الدَّارِ لا کا اسم کیا ہوتا ہے؟ منصوب، اور یہ رَجُل کا نصب کس کے ساتھ آتا ہے؟ فتحہ کے ساتھ تو لَا رَجُلًا ہونا چاہیے تھا،

تو جس کا یہ اصل میں مستحق تھا اسی پر کیا بنا دیا؟ مبنی، تاکہ اعراب اور بنا کیا ہو جائیں ایک دوسرے کے موافق ہو جائیں۔ دوبارہ ترجمہ دیکھیے: لِيَكُونَ الْبِنَاءُ عَلَى حَرَكَةٍ أَوْ حَرْفٍ تاکہ اس اسم کا مبنی ہونا عَلَى حَرَكَةٍ أَوْ حَرْفٍ اسی حرکت یا اسی حرف پر ہو، اسْتَحَقَّهُمَا النَّكِرَةُ فِي الْأَصْلِ قَبْلَ الْبِنَاءِ کہ جس کا یہ نکرہ اصل میں مستحق تھا قَبْلَ الْبِنَاءِ مبنی ہونے سے پہلے۔ مبنی ہونے سے پہلے جس حرکت یا حرف کا یہ مستحق تھا اسی پر کیا بنا دو؟ مبنی۔ بات سمجھ میں آگئی؟

وَلَمْ يُبْنَ الْمُضَافُ وَلَا الْمُضَارِعُ لَهُ۔ اب سوال پیدا ہوتا ہے آپ نے ہمیں کیا کہا یہ لَا رَجُلَ فِي الدَّارِ یہ رَجُل کیوں مبنی ہے؟ کیونکہ یہ متضمن ہے مِنْ کو۔ مِنْ کو، تو پھر ذرا تیسری شرط بھی پوری کر دیں: لَا غُلَامَ رَجُلٍ فِي الدَّارِ، لَا غُلَامَ، پھر تو یہاں پر بھی مِنْ موجود تھا لَا مِنْ غُلَامِ رَجُلٍ فِي الدَّارِ۔ تو لہٰذا اس کو بھی تو پھر مبنی ہونا چاہیے لیکن آپ نے کہا اگر تینوں شرطیں پوری ہوں تو پھر وہ منصوب ہوگا۔ تو پھر تو اس کو بھی مبنی کہنا چاہیے تھا لیکن آپ نے کیا کہا؟ وہ منصوب، تو جواب دیں گے آپ کو کہ بھئی دیکھیے کہ اس صورت میں اضافت ہو رہی ہے، کیا ہو رہی ہے؟ اور یاد رکھنا یہ اضافت اسم کے بڑے خاصوں میں سے ایک خاصہ ہے، اسم کے بڑے خاصوں میں سے خاصہ ہے۔ بھئی صاحبِ کافیہ نے شروع میں بتلایا تھا اسم کے کئی خاصے ہیں، کہ اسم مسند الیہ بنتا ہے فعل اور حرف مسند الیہ نہیں بنتے، اسم جو ہے اس پر جر آتا ہے فعل اور حرف پر جر نہیں آتا، نیز اسم جو ہے اس پر تنوین آتی ہے فعل اور حرف پر تنوین نہیں آتی، اسی طرح اسم پر الف لام آتا ہے، اسی طرح اسم جو ہے مضاف ہوتا ہے، تو یہ اسم کے خاصے ہیں کافی خاصے علماء نے ذکر فرمائے ہیں۔ لیکن ان میں سے یاد رکھو یہ الف لام اور اضافت یہ اسم کے بڑے خاصے شمار ہوتے ہیں۔ الف لام اور اضافت یہ اسم کے بڑے خاصے شمار ہوتے ہیں اور علماء نے بعض نے اس کی پھر وجہ لکھی کہ وجہ یہ کہ یہ اسم کے مدلول کو بدل دیتے ہیں اس لیے یہ اسم کے بڑے خاصے کہلاتے ہیں۔ الف لام اور اضافت کیا کرتے ہیں؟ اسم کے مدلول کو بدل دیتے ہیں، وہ چیز جس پر اسم دلالت کر رہا تھا وہی بدل جاتا ہے، اس لیے ان دونوں کو اسم کے بڑے خاصے کہتے ہیں۔ مثلاً دیکھو غُلَام کا کیا معنی؟ مطلق کوئی بھی غلام دنیا کا ہو، لیکن ذرا میں اس پر الف لام لے آؤں: اَلْغُلَامُ، اب کیا معنی؟ اب معلوم ہوا کوئی خاص غلام ہے اس کی طرف اشارہ ہو رہا ہے، تو مدلول بدل گیا یا نہیں؟ غُلَام کا معنی تھا مطلق کوئی بھی غلام اور اَلْغُلَامُ کا معنی ہے وہ غلام کوئی خاص غلام مراد ہے، تو اسم کا مدلول بدل گیا جس پہ اسم دلالت کر رہا تھا۔ اور اسی طرح اگر میں کہوں غُلَامُ زَيْدٍ، دیکھو اضافت میں نے کر دی تو غُلَام کا کیا معنی تھا؟ مطلق کوئی غلام، لیکن جب میں نے اضافت کر دی غُلَامُ زَيْدٍ اب ہر غلام اس سے مراد نہیں ہے بلکہ خاص زید کا غلام مراد ہے۔ تو دیکھو اضافت سے بھی کیا ہوا؟ مدلولِ اسم بدل گیا اب یہ ہر غلام پہ دلالت نہیں کر رہا بلکہ زید کے غلام پر دلالت کر رہا ہے۔

تو الف لام اور اضافت کو اسم کے بڑے خاصے کیوں کہتے ہیں؟ کیونکہ یہ اسم کے مدلول کو بدل دیتے ہیں۔ تو لہٰذا توجہ

سے سنو اشکال کیا تھا؟ کہ لَا غُلَامَ رَجُلٍ فِي الدَّارِ یہ غُلَامَ رَجُلٍ کو آپ نے منصوب کہا حالانکہ اس کے اندر بھی مِنْ چھپ گیا ہے یا یہاں یہ بھی مِنْ کے معنی کو متضمن ہے، اس کو بھی مبنی کہنا چاہیے۔ کہتے ہیں ہاں آپ کی بات ٹھیک ہے یہ بھی مِنْ کے معنی کو متضمن ہے لیکن اس کی اضافت ہو رہی ہے، اس غُلَام کی کیا ہو رہی ہے؟ اضافت ہو رہی ہے اور اضافت اسم کے بڑے خاصوں میں سے ہے تو اسم کا جب بڑا خاصہ اس کے اندر آگیا تو اب یہ مبنی نہیں بنے گا۔ توجہ سے پھر سنو: مِنْ اس کے اندر چھپ گیا تھا یا مِنْ کا معنی اس کے اندر آگیا لہٰذا اب یہ کیا تقاضا کر رہا ہے؟ اس کو کیا ہونا چاہیے؟ مبنی ہونا چاہیے، لیکن دوسری طرف اس کی اضافت ہو رہی ہے اور اضافت کیا تقاضا کر رہی ہے؟ کہ اس کو اتنی اصل پہ برقرار رکھو معرب ہی رکھو، اس کو مبنی نہ بناؤ۔ تو لہٰذا اسم کا بڑا خاصہ چونکہ آگیا اب اس لیے اس مِنْ کے معنی کو متضمن ہونے کے باوجود یہ مبنی نہیں بنے گا۔ کیا بات ہوئی؟ کہ اس لَا غُلَامَ رَجُلٍ فِي الدَّارِ یہ مِنْ کے معنی کو متضمن ہے اور یہ مناسبت اور یہ مشابہت کیا تقاضا کر رہی ہے کہ اس کو بھی کیا ہونا چاہیے؟ مبنی ہونا چاہیے لیکن اس کے ساتھ اسم کا ایک بڑا خاصہ آگیا کہ اس غُلَام کی اضافت ہو رہی ہے، اور جب اسم کا بڑا خاصہ آگیا تو وہ جو حرف کے ساتھ مشابہت تھی وہ کیا ہو گئی؟ کمزور پڑ گئی۔ جب کمزور پڑ گئی اب اس لیے یہ مبنی نہ بنا۔ بات سمجھ میں آگئی؟

دیکھیے بھئی، کہتے ہیں: وَلَمْ يُبْنَ الْمُضَافُ وَلَا الْمُضَارِعُ لَهُ اور مبنی نہیں بنایا گیا مضاف کو اور نہ مشابہ مضاف کو، لِأَنَّ الْإِضَافَةَ تُرَجِّحُ جَانِبَ الِاسْمِيَّةِ اس لیے کیونکہ اضافت وہ ترجیح دے دیتی ہے اسم والی جانب کو، اسم ہونے کی جانب کو وہ ترجیح دے دیتی ہے، فَيَصِيرُ الِاسْمُ بِهَا، یہ يَصِيرُ کا یہاں ترجمہ کر لیں أَيْ فَيَرْجِعُ، فَيَصِيرُ الِاسْمُ بِهَا تو اسم لوٹے گا اس کی اضافت کی وجہ سے، إِلَى مَا يَسْتَحِقُّهُ فِي الْأَصْلِ اسی چیز کی طرف جس کا یہ اصل میں مستحق ہے۔ اور اسم اصل کس چیز کا مستحق ہے؟ اسے معرب ہونا چاہیے یا مبنی؟ معرب، تو وہ لہٰذا اعراب کی طرف لوٹے گا اس پر اعراب آجائے گا۔ تو کہتے ہیں فَيَصِيرُ الِاسْمُ بِهَا تو اس کی وجہ سے اس اضافت کی وجہ سے اسم لوٹے گا إِلَى مَا يَسْتَحِقُّهُ فِي الْأَصْلِ اسی چیز کی طرف جس کا وہ اصل میں مستحق ہے، أَعْنِي الْإِعْرَابَ یعنی کہ اعراب بھئی۔

اچھا بھئی چلیے بس کریں باقی انشاء اللہ پھر اگلے سبق میں پڑھیں گے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ حل ہو گیا؟ چلیے بس بھئی هٰذَا هُوَ الْمَرَامُ وَاللهُ أَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْكَلَامِ.

سبق نمبر ۱۷۴: اسمِ لائے نفیِ جنس (۴): شرائط کے مفقود ہونے پر «لَا» کا غیرِ عامل اور تکرار کا وجوب

شرحِ ملا جامی صفحہ: ۱۵۵ — بتاریخ: ۲۸ جولائی ۲۰۲۲ء

▪ تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث

آگے سبق دیکھیے بھئی: فَإِنْ كَانَ أَيِ الْمُسْنَدُ إِلَيْهِ بَعْدَ دُخُولِهَا مَعْرِفَةً بِانْتِفَاءِ شَرْطِ النَّكَارَةِ أَوْ مَفْصُولًا بَيْنَهُ أَيْ بَيْنَ ذٰلِكَ الْمُسْنَدِ إِلَيْهِ وَبَيْنَ لَا بِانْتِفَاءِ شَرْطِ الِاتِّصَالِ عَلَى سَبِيلِ مَنْعِ الْخُلُوِّ سَوَاءٌ كَانَ مَعَ انْتِفَاءِ شَرْطِ كَوْنِهِ مُضَافًا أَوْ مُشَبَّهًا بِهِ أَوْ لَا.

لائے نفی جنس کے اسم کی بحث چل رہی ہے۔ صاحبِ کافیہ نے آپ کو بتلایا کہ لائے نفی جنس کا اسم اگر اس میں تین شرطیں پوری ہوں تو پھر وہ منصوب ہوگا۔ اور تین شرطیں کیا تھیں؟ کہ وہ اسم لا کے ساتھ ملا ہوا ہو، اور نکرہ ہو، اور مضاف یا مشابہ مضاف ہو۔ تو یہ تین شرطیں پوری ہوں گی تو لائے نفی جنس کا اسم منصوب ہوگا۔

اس پر اعتراض ہوتا تھا کہ بھئی قرآن میں اللہ فرماتے ہیں: لَا تَثْرِيبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ۔ اور اسی طرح قرآن میں ہے: لَا عَاصِمَ الْيَوْمَ مِنْ أَمْرِ اللّٰهِ۔ اب ان دونوں آیتوں کے اندر لَا تَثْرِيبَ یہ تو مبنی علی الفتح ہے بھئی، حالانکہ اس کے اندر تینوں شرطیں پوری ہیں: یہ لا کے ساتھ ملا بھی ہوا ہے، نکرہ بھی ہے، اور نیز یہ مشابہ مضاف بھی ہے، کیونکہ عَلَيْكُمْ یہ اس کا صلہ ہے بھئی۔ اور کسی لفظ کے ساتھ جب صلہ آتا ہے تو صلے کے بغیر اس کا معنی پورا نہیں ہوتا بھئی۔ تو لہٰذا یہاں تو لَا تَثْرِيبًا ہونا چاہیے تھا، منصوب ہونا چاہیے تھا، لیکن اس پر تنوین نہیں آ رہی، حالانکہ مانعِ تنوین یہاں کوئی چیز نہیں ہے۔ مانعِ تنوین میں نے بتایا تھا دو چیزیں ہیں: ایک الف لام اور ایک اضافت۔ تو یہ تثریب، نہ تو اس پر الف لام داخل ہے اور نہ اس کی اضافت ہو رہی ہے، لہٰذا اس پر نصب آنا چاہیے تھا لَا تَثْرِيبًا عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ۔ لیکن قرآن کے اندر تو یہ مبنی علی الفتح ہے۔

اسی طرح لَا عَاصِمَ الْيَوْمَ مِنْ أَمْرِ اللّٰهِ، یہاں پر بھی یہ جو عَاصِمَ ہے، یہ مبنی علی الفتح ہے اور یہاں تینوں شرطیں پوری ہیں: یہ لا کے ساتھ ملا بھی ہوا ہے، نکرہ بھی ہے، اور مشابہ مضاف ہے کیونکہ مِنْ أَمْرِ اللّٰهِ اس کا صلہ آگے آ رہا ہے۔ اور آپ جانتے ہیں کہ صلے کے بغیر کسی لفظ کا معنی پورا نہیں ہوتا، تو بایں اعتبار یہ بھی کیا ہے؟ مشابہ مضاف ہے بھئی۔

تو اس کا جواب دیا تھا کہ یہ جو پہلی آیت جو ہے لَا تَثْرِيبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ، اس کے اندر یہ عَلَيْكُمْ کو تثریب سے نہ جوڑیں۔ اس کو تثریب سے جوڑیں گے تو پھر ساری خرابی اور اعتراض لازم آتا ہے۔ بلکہ اس عَلَيْكُمْ کو تثریب کے لیے خبر بنا دیں۔ اور ضابطہ یہ ہے کہ مصدر مبتدا یا مسند الیہ ہو اور آگے اس کا صلہ آرہا ہو تو اس صلے کو اس کے لیے خبر بنانا جائز ہے۔ اسمِ فاعل یا اسمِ مفعول میں تو ایسا جائز نہیں کہ صلے کو اس کے لیے خبر بنا دیا جائے، لیکن مصدر میں جائز ہے۔ تو لہٰذا یہ لا کا اسم صرف تَثْرِيبَ ہے، تو اس کے اندر اب پہلی شرط بھی پوری کہ ساتھ ملا ہوا ہے، دوسری شرط بھی پوری کہ نکرہ ہے، لیکن تیسری شرط پوری نہیں ہے کہ یہ مضاف یا مشابہ مضاف نہیں ہے۔ اور اس صورت میں لائے نفی جنس کا اسم مبنی ہوتا ہے علامتِ نصب پر، اسی لیے یہ بھی مبنی ہے علامتِ نصب پر۔

اور باقی میں نے بتلایا تھا کہ عَلَيْكُمْ یہ جار مجرور، یہ بھی ظرف کہلاتا ہے، لیکن یہ ظرف ہے مجازاً، حقیقت میں نہیں۔ اور آگے الْيَوْمَ آرہا ہے، وہ تو حقیقت میں ظرف ہے۔ ظرف کسے کہتے ہیں؟ جس میں زمانے یا جگہ کا معنی ہو بھئی۔ تو اب ان دونوں ظرفوں میں سے آپ جس کو چاہیں خبر بنا دیں۔ یا تو عَلَيْكُمْ کو خبر بنا دیں اور عَلَيْكُمْ سے پہلے ثَابِتٌ نکال لیں، اور یہ الْيَوْمَ یہ مفعول فیہ بن جائے گا اسی ثَابِتٌ کے لیے۔ تو یہ عَلَيْكُمْ یہ ہو جائے گا ظرفِ مستقر، کیونکہ اس کا عامل محذوف ہے۔ لیکن وہ عامل جا چکا، اب یہ سارا عمل یہ عَلَيْكُمْ کر رہا ہے، اسی کے اندر وہ ضمیر بھی چھپ گئی، اس کو بھی یہ خود رفع دے رہا ہے، اور آگے الْيَوْمَ کو بھی اب یہی نصب دے رہا ہے۔ تو عَلَيْكُمْ کا عامل ہوا محذوف، یا یوں کہو عَلَيْكُمْ کا متعلق جو ہے وہ ہے محذوف، اور الْيَوْمَ کا عامل جو ہے وہ تو مذکور ہے، تو وہ ظرفِ لغو ہوا۔ عَلَيْكُمْ کیا ہے؟ ظرفِ مستقر، اور الْيَوْمَ ظرفِ لغو ہوا۔

آپ اس کا برعکس بھی کر سکتے ہیں کہ الْيَوْمَ اس کے لیے ثَابِتٌ نکال کر اس کو مفعول فیہ بنا دیں، اور عَلَيْكُمْ کو پھر اسی ثَابِتٌ سے جوڑ دیں۔ اور وہ ثَابِتٌ تو چلا گیا اور الْيَوْمَ نے اس کی جگہ پکڑ لی، تو یہ ظرفِ مستقر کیا ہوا؟ یہ اب وہ سارے عمل کر رہا ہے جو ثَابِتٌ کر رہا تھا۔ اسی الْيَوْمَ کے اندر هُوَ ضمیر چھپ گئی بھئی۔ تو یہ اس کو رفع بھی دے رہا ہے، اور عَلَيْكُمْ بھی اسی سے متعلق ہے، اس کے اندر بھی یہی عمل کر رہا ہے۔ تو اس صورت میں پھر الْيَوْمَ یہ ظرفِ مستقر ہے، خبر بنے گا، اور عَلَيْكُمْ یہ اس کے اندر یہی الْيَوْمَ عامل ہے تو یہ ظرفِ لغو ہو جائے گا۔

اور لَا عَاصِمَ الْيَوْمَ مِنْ أَمْرِ اللهِ، یہاں پر بھی الْيَوْمَ اس کو ثَابِتٌ سے متعلق کر کے خبر بنا دیں گے۔ تو یہ الْيَوْمَ مفعول فیہ ہو جائے گا ثَابِتٌ کے لیے، اور ثَابِتٌ کے اندر هُوَ ضمیر جو عَاصِمَ کو راجع ہے، اور پھر وہ ثَابِتٌ چلا گیا، اب سارا عمل کون کر رہا ہے؟ الْيَوْمَ۔ تو اسی کے اندر هُوَ ضمیر چھپ گئی، تو یہ ظرفِ مستقر یہ خبر ہو گئی عَاصِمَ کے لیے۔ توجہ ہے؟ اور مِنْ أَمْرِ اللهِ، اس کو اب عَاصِمَ سے نہیں جوڑ سکتے کیونکہ اس کو جوڑنے سے ہی تو خرابی لازم آرہی تھی۔ تو پھر اس کا کیا کریں؟ کہتے ہیں بھئی اس کو خبر نہیں بنا سکتے جیسے پچھلی آیت کے اندر تھا، تو پھر اس کے لیے فعلِ محذوف نکال لیں گے اور اس سے اس کو متعلق کر دیں گے۔ فعلِ محذوف، وہ فعلِ محذوف جس پر ماقبل کا کلام دلالت کر رہا ہے، أَيْ لَا يَعْصِمُ مِنْ أَمْرِ اللهِ۔ پچھلے

کلام سے کیا معلوم ہوا؟ لَا عَاصِمَ الْيَوْمَ، آج کوئی بچانے والا نہیں۔ تو اسی مدلولِ کلام سے فعل نکال لیں گے: لَا يَعْصِمُ مِنْ أَمْرِ اللهِ، اللہ کے حکم سے کوئی بچانے والا نہیں ہے بھئی۔

اور پھر آپ نے پڑھا تھا کہ لائے نفی جنس کا اسم جو ہے جب وہ مفرد ہو تو پھر وہ مبنی ہوگا علامتِ نصب پر۔ مفرد ہونے کا کیا معنی؟ مضاف یا مشابہ مضاف نہ ہو۔ تو یہاں جزا شرط کے مطابق نہیں تھی: فَإِنْ كَانَ مُفْرَدًا، اگر کیا ہو؟ مفرد ہو، فَهُوَ مَبْنِيٌّ عَلَى مَا يُنْصَبُ بِهِ، تو پھر وہ مبنی ہوگا علامتِ نصب پر۔ ادھر دیکھیے، مفرد ہونے کا کیا معنی؟ مضاف یا مشابہ مضاف نہ ہو۔ تو یہاں پر جزا جو ہے فَهُوَ مَبْنِيٌّ عَلَى مَا يُنْصَبُ بِهِ، یہ شرط کے مطابق نہیں۔ جی، انہوں نے کیا کہا؟ لائے نفی جنس کا اسم جب مفرد ہو تو وہ کیا ہوگا؟ مبنی ہوگا علامتِ نصب پر۔ ہم آپ کو دکھاتے ہیں مفرد ہے، لیکن مبنی نہیں ہے علامتِ نصب پر، جیسے زَيْدٌ: لَا زَيْدٌ فِي الدَّارِ وَلَا عَمْرٌو۔ اب دیکھو یہ زَيْدٌ کیا ہے؟ یہ نہ مضاف ہے اور نہ مشابہ مضاف، تو یہ مفرد ہوا، اور آپ نے کیا کہا تھا جب مفرد ہو تو مبنی ہوگا علامتِ نصب پر، لیکن یہ تو مرفوع ہے لَا زَيْدٌ فِي الدَّارِ وَلَا عَمْرٌو۔ تو چونکہ یہاں پر جزا جو تھی وہ شرط کے مطابق نہیں تھی، صرف مفرد ہونا کافی نہیں ہے، بلکہ پہلی دونوں شرطیں بھی پوری ہونی چاہئیں۔ اور لَا زَيْدٌ فِي الدَّارِ وَلَا عَمْرٌو یہاں تو پہلی دو شرطیں پوری نہیں ہیں: پہلی شرط کیا تھی ساتھ ملا ہوا ہو، اور دوسری کیا تھی نکرہ ہو، اور زَيْدٌ یہ تو نکرہ نہیں۔ تو معلوم ہوا صرف مفرد ہونا کافی نہیں، بلکہ پہلی دو شرطوں کا ہونا بھی ضروری ہے۔ اسی لیے صاحبِ جامی نے درمیان میں عبارت نکالی اور بتلایا کہ ساتھ بھی ملا ہوا ہو، نکرہ بھی ہو، اور پھر اس کے بعد وہ مفرد بھی ہو، یعنی مضاف یا مشابہ مضاف نہ ہو، تو پھر اس صورت میں وہ مبنی ہوگا علامتِ نصب پر بھئی۔ اس کے بعد سب کی مثالیں بھی انہوں نے ذکر کیں، اور پھر یہ بھی بتلایا کہ یہ مفرد جو ہے مضاف اور مشابہ مضاف کے مقابلے میں آیا ہے، اس لیے تثنیہ اور جمع اس کے اندر داخل ہیں بھئی۔ تو یہ مفرد تثنیہ جمع کے مقابلے میں نہیں ہے بھئی۔

پھر یہ بھی صاحبِ جامی نے بتلایا کہ یہ مبنی کیوں ہوتا ہے؟ وجہ ذکر کی تھی کہ یہ متضمن ہے مِنْ کو۔ کس کو؟ مِنْ کو متضمن ہے، یا یوں کہیے مِنْ کے معنی کو متضمن ہے، کیونکہ لَا رَجُلَ فِي الدَّارِ یہ اصل میں ہے لَا مِنْ رَجُلٍ فِي الدَّارِ بھئی۔ اور پھر اس مِنْ کو تخفیفاً حذف کر لیا گیا تو یہ رَجُلَ متضمن ہوا مِنْ کے معنی کو، یا یوں کہیں اس کے اندر مِنْ چھپ گیا۔ اور مِنْ حرف ہے اور مبنی الاصل ہے، تو اور جس کے اندر مبنی الاصل چھپ جائے وہ بھی کیا بن جاتا ہے؟ مبنی۔ تو لہٰذا اس لیے یہ مبنی بن گیا۔ اسی طرح میں نے بتایا تھا جیسے أَحَدَ عَشَرَ، اس کے اندر واو چھپ گیا تو یہ مبنی بن گیا۔ اسی طرح أَمْسِ جو ہے، اس کے اندر الف لام اصل میں تھا اَلْأَمْسِ، تو اس کے اندر الف لام چھپ گیا تو اس لیے یہ مبنی ہے بھئی۔

اور پھر یہ بھی بتلایا تھا کہ بھئی یہ مبنی جب بنایا تو مبنی علی النصب کیوں بنایا؟ مبنی علی الرفع بنا دیتے یا مبنی علی الجر بنا دیتے؟ تو جواب دیا تاکہ یہ جو لائے نفی جنس ہے اس کا اسم کیا ہوتا ہے؟ منصوب ہوتا ہے۔ ایک صورت میں منصوب ہوتا ہے اور دوسری صورت میں مبنی ہوتا ہے۔ تو مبنی بھی مبنی علی الفتح کیا، یعنی وہ جو نصب والی صورت تھی اسی پر مبنی کر دیا، تاکہ اس

کی جو معرب ہونے کی صورت ہے اس لائے نفی جنس کے اسم کی، اور اس کے مبنی ہونے کی صورت ہے، دونوں کے اندر موافقت ہو جائے، دونوں ایک دوسرے جیسی ہو جائیں۔ اعراب بھی آتا ہے تو کون سا؟ نصب۔ اور مبنی بھی بنائیں گے تو کس پر؟ اسی علامتِ نصب پر۔ تو دیکھو دونوں میں موافقت ہو گئی، دونوں ایک جیسے ہو گئے: مبنی ہونے والی حالت بھی اور معرب ہونے والی حالت بھی۔

اس پر پھر اشکال ہوا کہ بھئی آپ نے کہا لَا رَجُلَ فِي الدَّارِ یہ متضمن ہے مِنْ کو، تو پھر وہ منصوب صورت جو تھی وہ بھی تو مِنْ کو متضمن ہے، جیسے لَا غُلَامَ رَجُلٍ فِي الدَّارِ۔ تو یہ بھی تو اصل میں کیا ہے؟ لَا مِنْ غُلَامِ رَجُلٍ فِي الدَّارِ۔ تو لہٰذا اس کو بھی تو پھر مبنی ہونا چاہیے، لیکن آپ نے کہا اگر تینوں شرطیں پوری ہوں تو پھر وہ منصوب ہوگا۔ تو پھر تو اس کو بھی مبنی کہنا چاہیے تھا، لیکن آپ نے کیا کہا وہ منصوب؟ تو اس کا بھی جواب دیا کہ ہاں یہ بھی متضمن ہے مِنْ کے معنی کو، لیکن یہاں پر یہ غلام کی اضافت ہو رہی ہے اور یہ اضافت اسم کے بڑے خاصوں میں سے ہے۔ تو جب اس کے اندر مِنْ کا معنی آگیا، یا یوں کہیں اس کے اندر جب مِنْ چھپ گیا، تو اس کی مشابہت کس سے آگئی؟ حرف کے ساتھ، اور یہ کیا تقاضا کر رہا ہے اس کو کیا بنا دو؟ مبنی بنا دو۔ لیکن دوسری طرف اس کی اضافت ہو رہی ہے اور اضافت اسم کا بڑا خاصہ ہے، یہ مدلولِ اسم کو باقاعدہ بدل دیتا ہے۔ تو لہٰذا جب اسم کا بڑا خاصہ اس کے اندر آگیا تو وہ جو حرف کے ساتھ مشابہت تھی وہ مشابہت کیا ہو گئی؟ کمزور پڑ گئی، وہ جہت کمزور پڑ گئی، تو لہٰذا اس لیے اس کو پھر مبنی نہیں بنایا گیا۔

اب آئیے بھئی آج کے سبق پر۔ دیکھیے بھئی کتاب پر: فَإِنْ كَانَ أَيِ الْمُسْنَدُ إِلَيْهِ بَعْدَ دُخُولِهَا مَعْرِفَةً بِانْتِفَاءِ شَرْطِ النَّكَارَةِ أَوْ مَفْصُولًا بَيْنَهُ أَيْ بَيْنَ ذٰلِكَ الْمُسْنَدِ إِلَيْهِ وَبَيْنَ لَا بِانْتِفَاءِ شَرْطِ الِاتِّصَالِ عَلَى سَبِيلِ مَنْعِ الْخُلُوِّ سَوَاءٌ كَانَ مَعَ انْتِفَاءِ شَرْطِ كَوْنِهِ مُضَافًا أَوْ مُشَبَّهًا بِهِ أَوْ لَا.

بھئی پہلے متن دیکھ لیجیے، متن ہم حل کر چکے ہیں، بس صرف ترجمہ دیکھ لیجیے: فَإِنْ كَانَ مَعْرِفَةً، اگر لائے نفی جنس کا اسم معرفہ ہو، أَوْ مَفْصُولًا بَيْنَهُ وَبَيْنَ لَا، اور یا فصل کیا گیا ہو اس اسم کے درمیان اور لا کے درمیان، تو وَجَبَ الرَّفْعُ وَالتَّكْرِيرُ، تو اس صورت میں رفع بھی واجب ہے اور تکرار بھی واجب ہے بھئی۔ جیسے لَا زَيْدٌ فِي الدَّارِ وَلَا عَمْرٌو۔ دیکھو یہاں یہ لَا زَيْدٌ فِي الدَّارِ یہاں یہ نکرہ نہیں ہے، تو نکرہ ہونے والی شرط کیا ہو گئی؟ منتفی ہو گئی، تو اس صورت میں رفع بھی واجب ہے، لَا زَيْدٌ اس پر رفع پڑھیں گے، اور نیز تکرارِ لا بھی ہوگا مع تکرارِ اسم کے: لَا زَيْدٌ فِي الدَّارِ وَلَا عَمْرٌو۔ اور یا درمیان میں فصل آجائے، جیسے لَا فِي الدَّارِ رَجُلٌ وَلَا امْرَأَةٌ۔ تو یہ لا کے بعد فِي الدَّارِ یہ خبرِ مقدم آگئی، اور جو اسم تھا وہ مؤخر ہو گیا، تو اس صورت میں بھی اس اسم پر رفع پڑھیں گے لَا فِي الدَّارِ رَجُلٌ، اور تکرار بھی ہوگا وَلَا امْرَأَةٌ۔ صورت سمجھ میں آگئی؟

جی اب اس سارے کو شرح کے ساتھ دیکھیے۔ کہتے ہیں: فَإِنْ كَانَ أَيِ الْمُسْنَدُ إِلَيْهِ بَعْدَ دُخُولِهَا مَعْرِفَةً۔ جی، إِنْ كَانَ، كَانَ کے اندر ضمیر بتلا رہے ہیں کس کو راجع ہے؟ متن میں ہے فَإِنْ كَانَ مَعْرِفَةً اگر وہ معرفہ ہو۔ تو صاحبِ جامی بتلا رہے ہیں فَإِنْ

كَانَ أَيِ الْمُسْنَدُ إِلَيْهِ بَعْدَ دُخُولِهَا مَعْرِفَةً کہ كَانَ کے اندر هُوَ ضمیر کس کو راجع ہے؟ وہ جو مسند الیہ ہے لا کے داخل ہونے کے بعد، یعنی لا کا اسم مراد ہے۔ فَإِنْ كَانَ أَيِ الْمُسْنَدُ إِلَيْهِ بَعْدَ دُخُولِهَا مَعْرِفَةً، تو اگر وہ مسند الیہ جو ہے لا کے داخل ہونے کے بعد معرفہ ہو۔ بھئی معرفہ؟ معرفہ ہو، اس کی کیا صورت ہے؟ آگے بائے تصویریہ کے ساتھ صورت بتلا رہے ہیں: بِانْتِفَاءِ شَرْطِ النَّكَارَةِ. نَكَارَت کا معنی ہے نکرہ ہونا۔ بِانْتِفَاءِ شَرْطِ النَّكَارَةِ، نکرہ ہونے کی شرط کے منتفی ہوتے ہوئے۔ نکرہ ہونے کی شرط کیا ہو جائے؟ منتفی ہو جائے، یعنی نکرہ نہیں ہے بلکہ معرفہ ہے۔ تو معلوم ہوا یہ دوسری شرط دیکھو منتفی ہو جائے۔

أَوْ مَفْصُولًا بَيْنَهُ أَيْ بَيْنَ ذٰلِكَ الْمُسْنَدِ إِلَيْهِ۔ بھئی متن میں آیا أَوْ مَفْصُولًا بَيْنَهُ وَبَيْنَ لَا، تو یہ بَيْنَهُ کی هَا ضمیر کس کو راجع ہے؟ کس چیز اور لا کے درمیان فصل ہوگا؟ بتلایا: بَيْنَهُ أَيْ بَيْنَ ذٰلِكَ الْمُسْنَدِ إِلَيْهِ، کہ بَيْنَهُ کی هَا ضمیر بھی کس کو راجع ہے؟ وہ جو مسند الیہ ہے، یعنی وہ جو لا کا اسم ہے۔ کہتے ہیں: أَوْ مَفْصُولًا بَيْنَهُ أَيْ بَيْنَ ذٰلِكَ الْمُسْنَدِ إِلَيْهِ وَبَيْنَ لَا، اور یا یہ کہ فصل کیا گیا ہو اس مسند الیہ اور لا کے درمیان، ان کے درمیان فصل کیا گیا ہو۔ اب اس کی صورت بتلا رہے ہیں بائے تصویریہ کے ساتھ: بِانْتِفَاءِ شَرْطِ الِاتِّصَالِ، بایں صورت کہ اتصال کی شرط منتفی ہو جائے۔ بِانْتِفَاءِ شَرْطِ الِاتِّصَالِ، بایں صورت کہ اتصال کی شرط جو ہے وہ منتفی ہو جائے، اتصال کی شرط کیا ہو جائے؟ جب اتصال کی شرط منتفی ہو جائے گی، اتصال نہیں ہوگا، تو درمیان میں معلوم ہوا کیا آچکا ہے؟ فصل آچکا ہے بھئی۔

عَلَى سَبِيلِ مَنْعِ الْخُلُوِّ، منعِ خلو کے طریقے پر۔ کس طریقے پر؟ منعِ خلو کے طریقے پر۔ خُلُوٌّ کا معنی ہے خالی ہونا، خلو، خالی ہونا۔ تو یاد رکھو یہاں پر أَوْ آیا: فَإِنْ كَانَ مَعْرِفَةً أَوْ مَفْصُولًا بَيْنَهُ وَبَيْنَ لَا، یہ أَوْ آیا۔ اور أَوْ آتا ہے دو چیزوں کے درمیان انفصال اور جدائی کو بیان کرنے کے لیے، کہ یعنی یہ چیز ہے یا یہ چیز ہے۔ تو لہٰذا یہ جو أَوْ آتا ہے یہ انفصال کے لیے آتا ہے۔ اور یاد رکھو دو چیزوں کے درمیان انفصال کی تین صورتیں ہو سکتی ہیں: یا تو وہ انفصالِ حقیقی ہوگا، یا وہ انفصال جو ہے مانعۃ الجمع کے طریقے پر ہوگا، یا وہ انفصال مانعۃ الخلو کے طریقے پر ہوگا۔

انفصالِ حقیقی یہ ہے کہ دو چیزوں میں جدائی بیان کی گئی، ان کے درمیان أَوْ کو لایا گیا، اور وہ دو ایسی چیزیں ہیں کہ وہ دونوں جمع بھی نہیں ہو سکتیں اور دونوں اٹھ بھی نہیں سکتیں، دونوں سے وہ چیز خالی بھی نہیں ہو سکتی۔ مثلاً میں آپ سے کہتا ہوں کہ یہ جو چیز ہے یہ یا تو انسان ہے یا لا انسان ہے۔ دیکھو درمیان میں مَیں أَوْ لے آیا: هٰذَا إِنْسَانٌ أَوْ لَا إِنْسَانٌ، یہ أَوْ میں لایا، یہ انسان ہے یا لا انسان۔ اب یہ جو انسان اور لا انسان ہے، ان کے درمیان انفصالِ حقیقی ہے بھئی۔ انفصالِ حقیقی: یہ دونوں جمع نہیں ہو سکتیں، دنیا کی کوئی ایک بھی چیز ایسی آپ کو نہیں ملے گی جو انسان بھی ہو اور لا انسان بھی ہو۔ اگر وہ انسان ہے تو پھر لا انسان نہیں، اور اگر وہ لا انسان ہے تو پھر وہ انسان نہیں ہے۔ تو یہ دو چیزیں جو انسان اور لا انسان ہیں، یہ دونوں جمع بھی نہیں ہو سکتیں اور دونوں اٹھ بھی نہیں سکتیں، دنیا کی کوئی ایک چیز ایسی نہیں ہے جو انسان بھی نہ ہو اور لا انسان بھی نہ ہو، دونوں میں سے ایک ضرور ہوگی۔ دونوں میں سے ایک ضرور ہوگی، تو یہ ہے انفصالِ حقیقی۔ کسے کہتے

ہیں انفصالِ حقیقی؟ کہ دو ایسی چیزیں جو جمع بھی نہیں ہو سکتیں اور اٹھ بھی نہیں سکتیں۔

یا دوسری مثال لے لو، آپ کہتے ہیں یہ عدد یا تو طاق ہے یا جفت۔ جفت وہ عدد جس کے جوڑے بن سکیں، جو دو سے تقسیم ہوتا ہو، جیسے دو، چار، چھ، آٹھ وغیرہ۔ اور طاق کہتے ہیں وہ عدد جس کے جوڑے نہ بن سکیں، جو دو پر تقسیم نہ ہوتا ہو، جیسے تین، پانچ، سات، نو وغیرہ بھئی۔ جی، جیسے آپ کہتے ہیں یہ عدد یا تو جفت ہے یا طاق ہے۔ اب دیکھو عدد یا تو جفت ہوگا یا طاق، دونوں میں سے ایک ہوگا، دونوں اکٹھے نہیں ہو سکتے۔ اور دونوں اٹھ بھی نہیں سکتے، کوئی عدد ایسا بھی نہیں ہے جو جفت بھی نہ ہو اور طاق بھی نہ ہو۔ تو طاق اور جفت کے درمیان انفصالِ حقیقی ہے بھئی۔

اور کبھی وہ انفصال جو ہوگا وہ مانعۃ الجمع کے طریقے پر ہوگا۔ مثلاً میں کہتا ہوں یہ چیز یا تو پتھر ہے یا انسان ہے۔ یہ چیز یا تو پتھر ہے یا انسان۔ اب دیکھو پتھر اور انسان یہ جمع نہیں ہو سکتے، مانعۃ الجمع، ان کا جمع ہونا منع ہے بھئی، یہ جمع نہیں ہو سکتے۔ تو یہ مانعۃ الجمع ہیں۔ ہاں دونوں اٹھ سکتے ہیں کہ مثلاً وہ چیز نہ پتھر ہو نہ انسان ہو، بلکہ ہو سکتا ہے وہ درخت ہو۔ جب وہ درخت ہے تو نہ وہ انسان ہے اور نہ وہ پتھر ہے۔ تو انسان اور پتھر جمع تو نہیں ہو سکتے لیکن دونوں اٹھ سکتے ہیں، تو اس کو کیا کہیں گے؟ ان میں انفصال کون سا ہے؟ مانعۃ الجمع والا ہے۔

اور تیسری صورت ہے کہ انفصال جو ہے مانعۃ الخلو کے طریقے پر ہو، یعنی دو چیزیں ہیں، دو میں سے ایک ہو، دونوں اٹھ تو نہیں سکتیں، دونوں سے خالی تو وہ چیز نہیں ہو سکتی، لیکن دونوں جمع ہو سکتی ہیں۔ جیسے مثلاً میں کہتا ہوں: یا تو زید پانی میں ہے یا ڈوب نہیں رہا۔ یا تو زید پانی میں ہے یا ڈوب نہیں رہا۔ اب دیکھو یہ دونوں اٹھ نہیں سکتیں، دونوں میں سے ایک ضرور صادق آئے گا زید پر۔ یا تو زید کہاں ہوگا؟ پانی میں، یا ڈوب نہیں رہا۔ زید کی کوئی حالت مجھے بتا دو جو ان دو سے خالی ہو۔ زید کی کوئی حالت ان دو سے خالی نہیں ہو سکتی: یا تو وہ پانی میں ہوگا یا ڈوب نہیں رہا۔ ہاں یہ دونوں جمع ہو سکتے ہیں، کہ زید پانی میں بھی ہو اور ڈوب بھی نہ رہا ہو، بلکہ کشتی میں بیٹھا ہو یا تیر رہا ہو۔ تو یہ کیا ہے؟ مانعۃ الخلو ہے، ان دونوں سے چیز خالی نہیں ہو سکتی، البتہ یہ دونوں جمع ہو سکتی ہیں۔

تو یہاں پر بھی آیا کہ وہ لا کا اسم جو ہے یا تو وہ معرفہ ہوگا یا مفصول ہوگا۔ تو درمیان میں أَوْ آیا، تو اب یہ أَوْ کون سا ہے؟ صاحبِ جامی بتلا رہے ہیں کہ یہ جو أَوْ ہے یہ منعِ خلو کے طریقے پر ہے۔ یہ دو شرطیں جو ہیں کس طریقے پر ہیں؟ منعِ خلو کے طریقے پر ہیں، یعنی دونوں میں سے ایک شرط ضرور ہونی چاہیے، پھر ہی رفع بھی واجب ہوگا اور تکرار بھی واجب ہوگا۔ تو دونوں میں سے ایک ضرور ہونی چاہیے، دونوں سے خالی نہیں ہو سکتا، تو یہ منعِ خلو کے طریقے پر ہے۔ ہاں دونوں جمع ہو سکتی ہیں، جمع ہونا ان کا منع نہیں ہے۔ جمع ہونا کہ ایک اسم کیا ہو لائے نفی جنس کا؟ معرفہ بھی ہو اور درمیان میں فصل بھی ہو۔ مثلاً میں کہتا ہوں: لَا فِي الدَّارِ زَيْدٌ وَلَا عَمْرٌو۔ لَا فِي الدَّارِ زَيْدٌ وَلَا عَمْرٌو، تو دیکھو زَيْدٌ یہ لا کا اسم ہے اور یہ معرفہ بھی ہے،

اور درمیان میں فِي الدَّارِ کا فصل بھی آ رہا ہے۔

تو یہ معنی ہے، کہتے ہیں عَلَى سَبِيلِ مَنْعِ الْخُلُوِّ، کہ یہ دو جو شرطیں ہیں یہ منعِ خلو کے طریقے پر ہیں۔ باقی تیسری شرط؟ کہتے ہیں تیسری شرط چاہے ہو یا نہ ہو، اس سے کوئی اثر نہیں پڑتا۔ تو پہلی دو شرطوں میں سے کوئی ایک بھی منتفی ہو جائے تو پھر اس صورت میں رفع بھی واجب ہے اور تکرار بھی واجب ہے، اور دونوں منتفی ہو جائیں تو۔ تو گویا کل تین صورتیں یہاں بن گئیں۔ ایک صورت یہ کہ کبھی صرف پہلی شرط منتفی ہوگی، ساتھ نہیں ملا ہوا ہوگا۔ کبھی دوسری شرط جو ہے وہ منتفی ہوگی، کہ نکرہ نہیں ہوگا۔ اور کبھی دونوں ہوں گی، کہ فصل بھی ہوگا اور نکرہ بھی نہیں ہوگا۔ بات سمجھ میں آ گئی؟ تو کل تین صورتیں بن گئیں۔ پھر دہراؤ، کل کتنی صورتیں؟ تین صورتیں، پہلی دو شرطوں کی بات چل رہی ہے: کبھی صرف پہلی شرط منتفی ہوگی، کبھی دوسری شرط منتفی ہوگی، اور کبھی دونوں شرطیں منتفی ہوں گی۔ تین صورتیں بن گئیں، اور ہر صورت کے اندر، ہر صورت کے اندر پھر وہ یا تو وہ مضاف یا مشابہ مضاف ہوگا یا نہیں ہوگا، اس سے کوئی اثر نہیں پڑتا، چاہے مضاف یا مشابہ مضاف ہو یا نہ ہو، تو کل چھ صورتیں یہ ذکر کریں گے۔ کتنی صورتیں؟ چھ صورتیں۔ پھر دہراؤ: ایک صورت کیا؟ صرف پہلی شرط منتفی ہو؛ دوسری صورت؟ دوسری شرط منتفی ہو؛ تیسری صورت؟ دونوں شرطیں منتفی ہوں پہلی دونوں؛ اور ان تینوں صورتوں کے اندر یا تو وہ مضاف یا مشابہ مضاف ہوگا یا نہیں ہوگا، تو کل کتنی صورتیں بن گئیں؟ چھ صورتیں بن گئیں بھئی۔

دیکھیے بھئی کتاب پر، کہتے ہیں: سَوَاءٌ كَانَ مَعَ انْتِفَاءِ شَرْطِ كَوْنِهِ مُضَافًا أَوْ مُشَبَّهًا بِهِ أَوْ لَا، برابر ہے کہ وہ یہ جو مضاف یا مشابہ مضاف ہونے کی شرط ہے اس کے انتفا کے ساتھ ہو یا نہ ہو۔ ترجمہ سمجھ میں آ رہا ہے؟ سَوَاءٌ كَانَ، برابر ہے کہ وہ جو ہے مَعَ انْتِفَاءِ شَرْطِ كَوْنِهِ مُضَافًا أَوْ مُشَبَّهًا بِهِ أَوْ لَا، کہ وہ جو تیسری شرط تھی مضاف یا مشابہ مضاف ہونے والی، اس کے انتفا کے ساتھ یہ ہو یا نہ ہو، یعنی وہ شرط منتفی ہو یا منتفی نہ ہو بھئی۔

وَهِيَ سِتُّ صُوَرٍ، سِتَّةٌ کا کیا معنی؟ چھ۔ صُوَرٌ صَاد کے ساتھ یہ جمع ہے صورت کی۔ وَهِيَ سِتُّ صُوَرٍ، اور یہ چھ صورتیں ہیں۔ اب وہ چھ صورتیں بیان کریں گے، کون سی چھ صورتیں؟ ادھر دیکھیے: ایک صورت کیا؟ پہلی شرط منتفی؛ دوسری؟ دوسری شرط منتفی؛ اور تیسری صورت؟ دونوں منتفی؛ اور پھر ان میں سے ہر ایک کے اندر یا تو وہ مضاف یا مشابہ مضاف ہوگا یا نہیں ہوگا، تو چھ صورتیں بنتی ہیں بھئی۔

دیکھیے بھئی، کہتے ہیں: نَحْوُ مثال کے طور پر لَا زَيْدٌ فِي الدَّارِ وَلَا عَمْرٌو۔ لَا زَيْدٌ فِي الدَّارِ وَلَا عَمْرٌو، یہاں پہلی دو شرطوں میں سے صرف دوسری شرط منتفی ہے۔ پہلی شرط پوری ہے: لَا زَيْدٌ ساتھ تو ملا ہوا ہے، لیکن نکرہ نہیں ہے بلکہ معرفہ ہے، تو دوسری شرط منتفی ہو گئی۔ اور تیسری شرط، اس کا ہونا نہ ہونا برابر ہے، تو لہٰذا یہاں پر جو زَيْدٌ آیا دیکھو یہ نہ مضاف ہے اور نہ مشابہ مضاف، تو تیسری شرط منتفی ہے۔ اگلی مثال دیں گے اس میں تیسری شرط ہوگی۔ کون سی صورت ہے یہ؟ لَا زَيْدٌ فِي الدَّارِ وَلَا عَمْرٌو، پہلی دو شرطوں میں سے کون سی شرط منتفی ہے؟ دوسری شرط منتفی ہے، اور اس کی دو مثالیں ذکر کریں گے

جس میں دوسری شرط منتفی ہوگی، اور دو مثالوں کے اندر ایک کے اندر وہ مضاف یا مشابہ مضاف ہوگا اور ایک میں مضاف یا مشابہ مضاف نہیں ہوگا۔ تو اس کے اندر دیکھو لَا زَيْدٌ فِي الدَّارِ وَلَا عَمْرٌو، یہ دوسری شرط نکرہ والی منتفی ہے اور تیسری شرط بھی منتفی ہے۔

اگلی میں تیسری شرط موجود ہوگی: وَلَا غُلَامُ زَيْدٍ فِي الدَّارِ وَلَا عَمْرٌو۔ وَلَا غُلَامُ زَيْدٍ فِي الدَّارِ وَلَا عَمْرٌو، اب دیکھو غُلَامُ زَيْدٍ یہ لا کا اسم ہے اور یہ معرفہ ہے، تو نکرہ ہونے والی دوسری شرط کیا ہو گئی؟ منتفی۔ لیکن تیسری شرط یہاں موجود ہے کہ یہ مضاف ہو رہا ہے غُلَامُ زَيْدٍ۔ تو اس صورت میں بھی اس پر رفع آئے گا: لَا غُلَامُ زَيْدٍ فِي الدَّارِ وَلَا عَمْرٌو۔

اگلی میں فصل آگیا، یعنی صرف پہلی شرط منتفی ہے: وَلَا فِي الدَّارِ رَجُلٌ وَلَا امْرَأَةٌ۔ دیکھو لا کے بعد فِي الدَّارِ خبر آگئی اور رَجُلٌ یہ اسمِ مؤخر ہے۔ اور یہ پہلی شرط پوری نہیں، ملا نہیں ہوا ساتھ؛ دوسری شرط نکرہ والی پوری ہے، رَجُلٌ کیا ہے؟ نکرہ ہے، توجہ ہے؛ اور تیسری شرط بھی منتفی ہے، یہ مضاف یا مشابہ مضاف بھی نہیں ہے۔ تو اس صورت میں بھی رفع پڑھیں گے: لَا فِي الدَّارِ رَجُلٌ وَلَا امْرَأَةٌ۔ یہ چھ کی چھ صورتوں میں رفع آئے گا بھئی۔

اگلی مثال دیکھیے: وَلَا فِي الدَّارِ رَجُلٌ تھا نا، اس میں پہلی شرط بھی منتفی تھی اور تیسری شرط بھی منتفی۔ اب اگلی مثال آئے گی کہ پہلی شرط تو منتفی ہے لیکن تیسری شرط منتفی نہیں بلکہ مضاف یا مشابہ مضاف ہوگا، جیسے: وَلَا فِي الدَّارِ غُلَامُ رَجُلٍ وَلَا امْرَأَةٌ۔ اب دیکھو غُلَامُ رَجُلٍ یہ مضاف ہو رہا ہے اور فصل بھی ہے بھئی۔

اب آخری دو مثالیں، اس میں دونوں شرطیں منتفی ہیں بھئی: ساتھ بھی نہیں ملا ہوا اور نکرہ بھی نہیں ہے۔ اور پھر اس کے اندر یہ کبھی ہو سکتا ہے مضاف ہو، ہو سکتا ہے مضاف نہ ہو، تو دو مثالیں اس کی ہو جائیں گی۔ دیکھیے بھئی، کہتے ہیں: وَلَا فِي الدَّارِ زَيْدٌ وَلَا عَمْرٌو۔ وَلَا فِي الدَّارِ زَيْدٌ، دیکھو زَيْدٌ یہ ساتھ بھی نہیں ملا ہوا، اور نیز یہ نکرہ بھی نہیں، تو دونوں شرطیں پوری، اور اضافت یہاں نہیں ہے۔ تو کہتے ہیں وَلَا فِي الدَّارِ زَيْدٌ وَلَا عَمْرٌو۔ اگلی مثال میں دیکھو اضافت بھی ہوگی: وَلَا فِي الدَّارِ غُلَامُ زَيْدٍ وَلَا عَمْرٌو۔ یہاں پہلی شرط بھی منتفی ہے لَا فِي الدَّارِ غُلَامُ زَيْدٍ، ساتھ بھی نہیں ملا ہوا اور نیز نکرہ بھی نہیں ہے، غُلَامُ زَيْدٍ معرفہ ہے، اور تیسری شرط اضافت والی یہاں پوری ہے بھئی۔

تو صاحبِ جامی نے چھ مثالیں ذکر فرمائیں۔ پھر سمجھ لو بھئی ان مثالوں کو، پھر سمجھ لو۔ حاصلِ کلام پھر سنو۔ دیکھو یہاں تین صورتیں بنتی ہیں۔ صاحبِ کافیہ نے کیا فرمایا کہ اگر لا کا اسم معرفہ ہو یا مفصول ہو تو رفع بھی واجب ہے اور تکرار بھی واجب ہے۔ تو صرف پہلی دو شرطوں کے انتفا کی بات کر رہے ہیں صاحبِ کافیہ۔ پہلی شرط کیا تھی؟ کہ لا کا اسم لا کے ساتھ ملا ہوا ہو، اگر ملا ہوا نہ ہو بلکہ فصل آجائے۔ اور دوسری شرط تھی کہ نکرہ ہو، تو نکرہ کی نفی کر دیں کہ نکرہ نہ ہو۔ تو ان دو شرطوں کے انتفا کی بات کر رہے ہیں صاحبِ کافیہ کہ اگر یہ دو شرطیں منتفی ہوں گی تو پھر رفع بھی واجب اور تکرار بھی واجب ہے۔ یاد رکھو یہاں اس اعتبار سے تین صورتیں بنتی ہیں یہ پہلی دو شرطوں کے انتفا کے اعتبار سے۔ ایک صورت یہ: صرف

پہلی شرط منتفی ہو، دوسری شرط موجود ہو۔ توجہ ہے؟ تیسری شرط کو آپ نے نہیں دیکھنا۔ تو پہلی شرط منتفی ہے اور دوسری شرط موجود ہے، ایک صورت۔ دوسری صورت یہ: دوسری شرط منتفی ہے اور پہلی شرط موجود ہے، ساتھ ملا ہوا ہے۔ اور تیسری صورت یہ ہے کہ دونوں شرطیں منتفی ہیں، ساتھ بھی نہیں ملا ہوا اور نکرہ بھی نہیں ہے بلکہ معرفہ، دونوں شرطیں اکٹھی منتفی ہو رہی ہیں۔ تو تین صورتیں بنتی ہیں، تو صاحبِ جامی ان تینوں کی مثال ذکر کرنا چاہتے ہیں، تو کل کتنی مثالیں ذکر کرنی چاہیے تھیں؟ تین مثالیں: ایک مثال اس میں جس میں صرف پہلی شرط منتفی، دوسری مثال جس میں صرف دوسری شرط منتفی، اور تیسری مثال جس میں دونوں شرطیں منتفی۔ تو لیکن صاحبِ جامی ہر ایک کی دو دو مثالیں ذکر کریں گے، توجہ ہے؟ وہ دو دو مثالیں کیوں ذکر کریں گے وہ میں بیان کرتا ہوں۔ پہلے ذرا دیکھیے پھر دوبارہ متن پر:

لَا زَيْدٌ فِي الدَّارِ وَلَا عَمْرٌو، اس کے اندر دیکھو زَيْدٌ لا کے ساتھ ملا ہوا ہے پہلی شرط پوری ہے، لیکن نکرہ والی دوسری شرط منتفی ہے زَيْدٌ معرفہ آگیا، لَا زَيْدٌ فِي الدَّارِ وَلَا عَمْرٌو۔ اور اسی طرح وَلَا غُلَامُ زَيْدٍ فِي الدَّارِ وَلَا عَمْرٌو، یہاں پر بھی غُلَامُ زَيْدٍ یہ لا کے ساتھ ملا ہوا ہے تو پہلی شرط پوری ہے، لیکن یہ نکرہ نہیں ہے بلکہ معرفہ ہے دوسری شرط منتفی ہے...

تو یہ جو پہلی دونوں مثالیں ہیں، ان میں دوسری شرط منتفی ہے، نکرہ والی شرط منتفی ہے۔ تو دیکھو یہ دونوں مثالیں ہیں جس میں صرف دوسری شرط منتفی ہے۔ پھر بھئی دو مثالیں کیوں ذکر کیں؟ وجہ یہ کہ ایک میں لا کا اسم صرف معرفہ ہے اور مضاف نہیں، اور دوسری میں لا کا اسم معرفہ بھی ہے اور مضاف بھی ہے بھئی۔ یعنی بتلانا یہ چاہتے ہیں تیسری شرط کے ہونے یا نہ ہونے سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ توجہ ہے؟ تو اس لیے دو مثالیں ذکر کیں۔ ایک میں دیکھو لَا زَيْدٌ فِي الدَّارِ یہ زَيْدٌ یہ معرفہ تو ہے، مضاف نہیں ہے۔ اور اگلی میں وَلَا غُلَامُ زَيْدٍ فِي الدَّارِ وَلَا عَمْرٌو اس کے اندر یہ مضاف ہو رہا ہے۔

اسی طرح اگلی دونوں مثالوں میں فصل ہے، لیکن ایک میں ہے وَلَا فِي الدَّارِ رَجُلٌ یہ مضاف نہیں ہے، اور اگلی میں ہے وَلَا فِي الدَّارِ غُلَامُ رَجُلٍ یہ مضاف ہے، یعنی چاہے مضاف ہو یا نہ ہو اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ اور آخری دونوں مثالوں کے اندر بھی اسی طرح ہے: وَلَا فِي الدَّارِ زَيْدٌ وَلَا عَمْرٌو اس کے اندر فصل بھی ہے اور معرفہ بھی ہے، دونوں شرطیں منتفی ہیں، لیکن ایک وَلَا فِي الدَّارِ زَيْدٌ یہ مضاف نہیں ہے، اور اگلی میں ہے وَلَا فِي الدَّارِ غُلَامُ زَيْدٍ وَلَا عَمْرٌو یہاں پر یہ مضاف ہے۔ تو فصل بھی ہے اور معرفہ بھی ہے، اور پھر تیسری شرط ہو یا نہ ہو اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا، اس لیے دو دو مثالیں سب کی ذکر کیں۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو ان تمام چھ کی چھ صورتوں میں لائے نفی جنس کے اسم پر رفع پڑھیں گے اور تکرار بھی اس کا ہوگا۔

آگے دیکھیے، کہتے ہیں: وَجَبَ فِي جَمِيعِ هٰذِهِ الصُّوَرِ السِّتِّ الرَّفْعُ عَلَى الِابْتِدَاءِ، اور واجب ہے ان تمام چھ صورتوں کے اندر رفع، عَلَى الِابْتِدَاءِ کس وجہ سے؟ ابتدا کی وجہ سے بھئی۔ بنا بر ابتدا کے۔ یہ عَلٰی میں نے بتلایا تھا کبھی تعلیل کے لیے آتا ہے، علت بیان کرتا ہے۔ تو کہتے ہیں وَجَبَ فِي جَمِيعِ هٰذِهِ الصُّوَرِ السِّتِّ الرَّفْعُ عَلَى الِابْتِدَاءِ، تو ان تمام چھ صورتوں

میں رفع واجب ہے ابتدا کی وجہ سے، یعنی اب یہ بتدا ہے، ابتدا اس کے اندر عمل کر رہی ہے، اب یہ لا کا اسم ہے ہی نہیں بھئی۔

اب وجہ ذکر کر رہے ہیں کہ کیا وجہ ہے؟ لائے نفی جنس کا اسم اگر معرفہ آجائے وہ کیوں اس میں عمل نہیں کرتا یا فصل آجائے تو کیوں نہیں عمل کرتا؟ اب وہ وجہ بیان کر رہے ہیں۔ کہتے ہیں: أَمَّا فِي الْمَعْرِفَةِ، تو معرفہ جو ہے، فَلِامْتِنَاعِ أَثَرِ لَا النَّافِيَةِ لِلْجِنْسِ فِيهَا۔ فَلِامْتِنَاعِ أَثَرِ لَا، اس لیے کیونکہ لا کا اثر ممتنع ہے، لا اثر نہیں کر سکتا۔ کون سا لا؟ النَّافِيَةِ لِلْجِنْسِ، جو جنس کی نفی کرنے والا ہے۔ فِيهَا أَيْ فِي الْمَعْرِفَةِ، کس میں؟ معرفہ میں۔ دیکھو بتلا دیا لَا النَّافِيَةِ لِلْجِنْسِ، وہ لا جو کس کی نفی کرتا ہے؟ جنس کی نفی کرتا ہے، وہ معرفہ میں اثر نہیں کر سکتا۔ علت سمجھ میں آرہی ہے یا نہیں؟ بھئی یہ لا نام ہی کیا ہے اس کا؟ نافیہ للجنس ہے، یہ لا کس لیے آتا ہے؟ نفیِ جنس کے لیے آتا ہے، اور معرفہ وہ تو جنس نہیں ہے۔ تو لہٰذا یہ اس کے اندر عمل بھی نہیں کرے گا۔ یہ معنی ہے، کہتے ہیں أَمَّا فِي الْمَعْرِفَةِ تو معرفہ جو ہے اس کے اندر فَلِامْتِنَاعِ أَثَرِ لَا النَّافِيَةِ لِلْجِنْسِ فِيهَا اس وجہ سے کہ لائے نافیہ للجنس کا اثر ممتنع ہے اس معرفہ میں، وہ اس میں عمل نہیں کرتا۔

بھئی فصل والی صورت میں کیوں نہیں عمل کرتا؟ وجہ اس کی ذکر کریں گے، وجہ یہ کہ لا عاملِ ضعیف ہے۔ لا عاملِ ضعیف ہے: اس کا اسم اس کے ساتھ ملا ہوا ہو پھر تو یہ عمل کرتا ہے، لیکن درمیان میں فصل آجائے اور اسم دور چلا جائے تو وہ دور ہونے کی وجہ سے اب اس میں عمل نہیں کر سکتا۔ تو کہتے ہیں: وَأَمَّا فِي الْمَفْصُولِ، اور باقی مفصول کے اندر، یعنی اس کے اندر کیوں یہ رفع واجب ہے؟ کہتے ہیں فَلِضَعْفِ لَا عَنِ التَّأْثِيرِ مَعَ الْفَصْلِ، اس لیے کیونکہ لا جو ہے ضعیف ہے عَنِ التَّأْثِيرِ اس بات سے کہ وہ اثر ڈالے مَعَ الْفَصْلِ کس کے ساتھ؟ فصل جدائی کے ساتھ۔ جدائی کے ساتھ اثر ڈالنے سے لا ضعیف ہے، وہ اثر نہیں ڈال سکتا جدائی کے ساتھ۔ تو کہتے ہیں وَأَمَّا فِي الْمَفْصُولِ تو وہ جو مفصول ہے اس میں یعنی اس میں رفع واجب ہے فَلِضَعْفِ لَا عَنِ التَّأْثِيرِ مَعَ الْفَصْلِ بوجہ لا کے ضعیف ہونے کے اس بات سے کہ وہ اثر ڈالے فصل کے ساتھ۔

وَالتَّكْرِيرُ، اور نیز کیا واجب ہے؟ رفع کے ساتھ تقریر بھی واجب ہے۔ أَيْ وَجَبَ تَكْرِيرُ اسْمِهَا، یعنی لا کے اسم کا تکرار واجب ہے۔ تقریر بمعنی تکرار کے ہے بھئی، لا کے اسم کا تکرار واجب ہے۔ لٰكِنْ مُطْلَقًا لَا بِعَيْنِهِ، لیکن مطلقاً تکرار واجب ہے لَا بِعَيْنِهِ وہی بعینہ اسی اسم کا تکرار نہیں۔ بھئی دیکھیے لَا زَيْدٌ فِي الدَّارِ، لا کا اسم کیا ہے؟ معرفہ، تو اس صورت میں تکرارِ اسم ہوگا لَا زَيْدٌ فِي الدَّارِ وَلَا عَمْرٌو۔ اب دیکھو یہ لا کے اسم کا تکرار ہوا، لیکن کیا بعینہ وہی پہلا اسم دوبارہ لانا پڑا یا مطلقاً کوئی بھی اسم لے آؤ؟ مطلقاً کوئی بھی اسم لے آؤ لیکن تکرار ہونا چاہیے۔ تو لَا زَيْدٌ فِي الدَّارِ وَلَا زَيْدٌ دوبارہ اسی کو نہیں لائیں گے، بلکہ مطلقاً کوئی بھی اسم لے آئیں بھئی۔ بات سمجھ میں آگئی؟ یہ معنی ہے لٰكِنْ مُطْلَقًا لَا بِعَيْنِهِ، لیکن یہ تکرارِ اسم مطلقاً ہوگا، بعینہ وہی پہلا اسم اس کا تکرار نہیں ہوگا۔

أَمَّا فِي الْمَعْرِفَةِ، اب وجہ ذکر کرنے لگے ہیں کہ بھئی یہ تکرار کی کیا وجہ ہے؟ رفع کی وجہ تو ذکر کر دی، رفع کی کیا وجہ ذکر کی؟ کہ لا معرفہ میں اثر نہیں کر سکتا، وہ تو نفیِ جنس کے لیے ہے۔ اور نیز فصل کی صورت میں بھی یہ عمل نہیں کر سکتا کیونکہ وہ لا عاملِ ضعیف ہے، وہ قریب تو عمل کر سکتا ہے، دور عمل نہیں کر سکتا۔ اب یہ تکرار کی کیا وجہ ہے؟ جب فصل آجائے تو یا معرفہ آجائے تو یہ تکرار کیوں ضروری ہے؟ تو وجہ ذکر کریں گے۔ ادھر دیکھیے پہلے وجہ سمجھ لیجیے۔ کہتے ہیں اس لیے کیونکہ یہ لا ہے نفیِ جنس کے لیے۔ اور جہاں نفیِ جنس ہوگی وہاں تعدد ہوگا نفی کے اندر، توجہ سے، جہاں نفیِ جنس ہوگی وہاں نفی میں تعدد ہوگا۔ کیا ہوگا؟ نفیِ جنس کے ساتھ لازم ہے کہ نفی میں تعدد ہوگا۔ مثلاً میں نے کہا، ادھر دیکھو، میں نے کہا لَا رَجُلَ فِي الدَّارِ، اس گھر میں کوئی آدمی نہیں ہے۔ لَا رَجُلَ کا کیا معنی؟ لَا زَيْدٌ فِي الدَّارِ وَلَا عَمْرٌو فِي الدَّارِ وَلَا خَالِدٌ فِي الدَّارِ وَلَا بَكْرٌ فِي الدَّارِ، دیکھو تعدد آگیا یا نہیں؟ ہر ایک کی نفی ہو گئی۔ تو جہاں بھی نفیِ جنس ہوگی وہاں نفی کے اندر تعدد ہوگا۔ تو یہ لا تو وضع ہے نفیِ جنس کے لیے، اور نفیِ جنس کے اندر کیا ہوتا ہے؟ تعدد ہوتا ہے۔ اور اب یہاں پر کیا آگیا؟ معرفہ آگیا۔ معرفہ کے اندر تو تعدد نہیں ہے، لہٰذا تعدد کی کمی کو پورا کرنے کے لیے ایک اور لا اور اس کا اسم آگے لایا جائے گا، اب تعدد آگیا۔ اب کیا آگیا؟ تعدد آگیا۔ تو یہ لا ہے بھی نفی میں تعدد کے لیے اور یہاں پر بھی پھر تعدد آگیا بھئی۔ تو کہتے ہیں: أَمَّا فِي الْمَعْرِفَةِ لِيَكُونَ كَالْعِوَضِ، باقی معرفہ کے اندر جو تکرار ہے، لِيَكُونَ كَالْعِوَضِ تاکہ یہ تکرار جو ہے یہ عوض کی طرح ہو جائے، عَمَّا فِي التَّنْكِيرِ اس چیز سے جو تنکیر کے اندر تھی یعنی نکرہ لانے میں تھی، مِنْ مَعْنَى نَفْيِ الْآحَادِ یعنی افراد کی نفی کا معنی۔ نکرہ لانے میں کیا تھا؟ افراد کی نفی والا معنی تھا کہ اس کے اندر افراد کی نفی تھی۔ تو اس کے عوض کے طور پر یہاں پر بھی کیا کر دیا گیا؟ دو کم از کم دو افراد لے آئے بھئی، تکرار لے آئے بھئی تاکہ یہ اس کے لیے عوض کی طرح ہو جائے بھئی۔

ترجمہ سمجھ میں آیا؟ دیکھو پھر سنو۔ یہ عَمَّا فِي التَّنْكِيرِ یہ مَا موصولہ ہے اور فِي التَّنْكِيرِ یہ اس کا صلہ ہے ثَبَتَ سے متعلق ہو کر۔ اور یہ مِنْ مَعْنَى نَفْيِ الْآحَادِ یہ بیان ہے مَا کا، کیونکہ ابھی بھی مَا کا پتہ نہیں چلا کہ یہ كَالْعِوَضِ عَمَّا فِي التَّنْكِيرِ تاکہ یہ عوض کی طرح ہو عَمَّا فِي التَّنْكِيرِ اس چیز سے جو نکرہ لانے میں ہے۔ بھئی نکرہ لانے میں کیا چیز ہے؟ ابھی بھی پتہ نہیں چلا، ابہام تھا، تو مِنْ کے ساتھ بیان کر دیا مِنْ مَعْنَى نَفْيِ الْآحَادِ یعنی افراد کی نفی کا معنی۔ تو یہ مِنْ مَعْنَى نَفْيِ الْآحَادِ کس کا بیان ہے؟ عَمَّا، یہ جو مَا ہے اس مَا کا بیان ہے۔ لہٰذا ترجمہ کرتے ہوئے اس مَا کو ہٹا دیں اور اس کی جگہ یہ مَعْنَى نَفْيِ الْآحَادِ لے آئیں، اب دیکھیے ترجمہ کیسے ہوگا۔ کہتے ہیں أَمَّا فِي الْمَعْرِفَةِ تو معرفہ کے اندر تکرار جو ہے، لِيَكُونَ كَالْعِوَضِ تاکہ یہ تکرار عوض کی طرح ہو عَمَّا فِي التَّنْكِيرِ مِنْ مَعْنَى نَفْيِ الْآحَادِ وہ جو نکرہ لانے میں افراد کی نفی کا معنی ہوتا ہے، تاکہ یہ اس سے کیا ہو جائے؟ عوض ہو جائے۔ تو یہ لائے نفی جنس جو ہے یہ جنس کی نفی کے لیے آتا ہے، اور جہاں بھی جنس کی نفی ہو وہاں نفی کے اندر تکرار ہوتا ہے یعنی افراد کی نفی ہوتی ہے۔ تو جنس کی نفی کے اندر افراد کی نفی والا معنی ہوتا ہے۔ جب میں نے کہا لَا رَجُلَ فِي الدَّارِ کوئی آدمی اس گھر میں نہیں ہے، تو میرے کہنے کا مطلب کیا ہے؟ لَا زَيْدٌ فِي الدَّارِ وَلَا عَمْرٌو فِي الدَّارِ وَلَا خَالِدٌ

فِي الدَّارِ وَلَا بَكْرٌ فِي الدَّارِ، یعنی ہر ہر فرد کی نفی ہو گئی۔ تو جہاں بھی نفیِ جنس ہوگی وہاں کیا ہوگا؟ وہاں افراد کی نفی ہوگی۔ تو یہ لائے نفی جنس جو ہے یہ جنس کی نفی کے لیے آتا ہے، اور جہاں جنس کی نفی ہو وہاں افراد کی نفی والا معنی پایا جاتا ہے۔ تو جب لا کا اسم معرفہ ہوا، توجہ ہے، تو جب لا کا اسم معرفہ ہوا تو تکرار کو واجب کر دیا گیا بطورِ عوض کے۔ بطورِ عوض کہ اگر نکرہ ہوتا پھر تو افراد کی نفی تھی، معرفہ آگیا ہے اب افراد کی نفی نہیں ہو رہی، تو لہٰذا کم از کم ایک اور معرفہ لے آؤ تاکہ کم از کم کتنے افراد کی نفی ہو جائے؟ دو افراد کی نفی ہو جائے۔ تو دیکھو یہاں پر بھی تعدد آگیا۔ صورت سمجھ میں آگئی؟

وَأَمَّا فِي النَّكِرَةِ، اور باقی نکرہ کے اندر بھئی کیوں تکرار ہوتا ہے؟ جیسے نکرہ لائیں اسم لیکن فصل کر دیں: لَا فِي الدَّارِ رَجُلٌ وَلَا امْرَأَةٌ۔ یہ وَلَا امْرَأَةٌ یہ تکرار کیوں لایا گیا؟ یہ لانا کیوں ضروری ہے؟ تو اب اس کی وجہ ذکر کر رہے ہیں۔ کہتے ہیں: وَأَمَّا فِي النَّكِرَةِ، اور وہ جو تکرار واجب ہے نکرہ کے اندر، لِيَكُونَ مُطَابِقًا لِمَا هُوَ جَوَابٌ لَهُ، تاکہ یہ مطابق ہو جائے لِمَا مَا سے مراد ہے سوال، تاکہ یہ مطابق ہو جائے اس سوال کے هُوَ جَوَابٌ لَهُ جس کا یہ جواب ہے۔ یعنی یہ ایک سوال کا جواب ہے بھئی۔ یہ جو نکرہ میں تکرار لاتے ہیں وجہ کیا ہے؟ یہ ایک سوال کا جواب، اور سوال کے اندر تکرار موجود تھا۔ آپ کہیں گے یہاں تو کوئی سوال موجود نہیں؟ تو جواب یہ کہ سوال کبھی محقق ہوگا، لفظوں میں موجود ہوگا، اور کبھی فرض کر لیا جائے گا تقدیراً سوال ہوگا، اور اس سوال کے اندر تو تکرار تھا۔ مثلاً سوال یہ تھا: أَفِي الدَّارِ رَجُلٌ أَمِ امْرَأَةٌ؟ أَفِي الدَّارِ رَجُلٌ أَمِ امْرَأَةٌ؟ تو دیکھو سوال کے اندر تکرار ہے، تو جب سوال کے اندر تکرار ہے تو جواب بھی سوال کے مطابق ہونا چاہیے، تو اس میں بھی ہم کیا لائیں گے؟ تکرار لائیں گے کہ لَا فِي الدَّارِ رَجُلٌ وَلَا امْرَأَةٌ۔

تو کہتے ہیں وَأَمَّا فِي النَّكِرَةِ اور جو نکرہ ہے اس کے اندر تکرار واجب ہے، لِيَكُونَ مُطَابِقًا تاکہ یہ مطابق ہو جائے لِمَا هُوَ جَوَابٌ لَهُ اس سوال کے جس کا یہ جواب ہے۔ بھئی میں نے کیا بتایا مَا سے کیا مراد ہے؟ سوال۔ لیکن انہوں نے تو بیان نہیں کیا، تو مِنْ کے ساتھ آگے بیان کر رہے ہیں: مِنْ مِثْلِ قَوْلِ السَّائِلِ، یعنی کہ کسی پوچھنے والے کے اس قول کے مثل۔ کسی پوچھنے والے کے اس قول... تاکہ یہ مطابق ہو جائے اس چیز کے جس کا یہ جواب ہے۔ بھئی کون سی چیز ہے جس کا یہ جواب ہے؟ کہتے ہیں مِنْ مِثْلِ قَوْلِ السَّائِلِ جیسے کہ کسی پوچھنے والے کا یہ قول: أَفِي الدَّارِ رَجُلٌ أَمِ امْرَأَةٌ؟ کیا اس گھر میں کوئی مرد ہے یا عورت ہے بھئی؟

تو ادھر دیکھیے، معرفہ میں کیا وجہ ذکر کی تکرار کیوں واجب ہے؟ وجہ یہ کہ لا وضع ہے نفیِ جنس کے لیے، اور یہ کس پر داخل ہوتا ہے؟ نکرہ پر داخل ہوتا ہے، اور نکرہ کے اندر افراد کی نفی والا معنی ہے۔ تو معرفہ کے اندر تو یہ افراد کی نفی والا معنی نہیں، لہٰذا وہاں پر بھی تعدد پیدا کرنے کے لیے اس لا کا تکرار اور اس کے اسم کا تکرار لازم قرار دیا گیا۔ اور نکرہ کے اندر تکرار کیوں ضروری؟ کہتے ہیں وجہ یہ کیونکہ یہ جواب ہے ایک سوالِ مقدر کا، تو یہ جواب جو ہے وہ سوال کے مطابق ہونا چاہیے بھئی۔

آگے دیکھیے: وَهٰذَا التَّعْلِيلُ جَارٍ فِي الْمَعْرِفَةِ أَيْضًا، اور یہی تعلیل جو ہے معرفہ کے اندر بھی جاری ہو سکتی ہے۔ تعلیل کہتے ہیں علت بیان کرنا۔ نکرہ کے اندر تکرار کیوں ہے؟ کیونکہ یہ سوالِ مقدر کا جواب ہے اور سوال میں تکرار تھا تو جواب بھی کیسا ہونا چاہیے؟ سوال کے مطابق ہونا چاہیے۔ کہتے ہیں یہی علت آپ معرفہ میں بھی بیان کر سکتے ہیں۔ ہم نے تو معرفہ میں اور علت بیان کی کہ معرفہ کے اندر بھی تاکہ تعدد آجائے، کیا آجائے؟ تعدد آجائے جیسے نکرہ کے اندر تعدد تھا۔ لیکن یہی جواب آپ معرفہ میں بھی دے سکتے ہیں کہ معرفہ میں کیوں تکرار ضروری؟ کیونکہ یہ ایک سوالِ مقدر کا جواب ہے، اور سوال کے اندر تکرار تھا تو جواب میں بھی کیا ہونا چاہیے؟ تکرار۔ جیسے آپ یوں کہتے ہیں: کوئی آپ سے پوچھتا ہے أَفِي الدَّارِ زَيْدٌ أَمْ عَمْرٌو؟ کیا گھر میں زید ہے یا عمر ہے؟ آپ جواب میں کہتے ہیں: لَا فِي الدَّارِ زَيْدٌ وَلَا عَمْرٌو۔ تو یہ تعلیل، یہ علت جو ہے معرفہ میں بھی جاری ہو سکتی ہے بھئی۔ بات سمجھ میں آگئی؟

آگے دیکھیے بھئی، متن متن دیکھیے۔ کہتے ہیں: وَنَحْوُ قَضِيَّةٌ وَلَا أَبَا حَسَنٍ لَهَا مُتَأَوَّلٌ، اور اس جیسی مثالیں قَضِيَّةٌ وَلَا أَبَا حَسَنٍ لَهَا مُتَأَوَّلٌ ان میں تاویل کی گئی ہے۔ ان کے اندر تاویل کی گئی ہے۔ بھئی یہاں قَضِيَّةٌ، قضیہ کہتے ہیں ایسا معاملہ جس میں جھگڑا ہو، جس میں اختلاف ہو، یعنی اختلافی معاملہ، نزاعی معاملہ یا مسئلہ۔ اور یہ خبر ہے، مبتدا محذوف ہے أَيْ هٰذِهِ قَضِيَّةٌ، یہ ایک معاملہ ہے وَلَا أَبَا حَسَنٍ لَهَا اور اس کے لیے کوئی ابو الحسن نہیں ہے۔ یاد رکھو یہ ابو الحسن کنیت ہے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بھئی۔ اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اللہ نے ملکہ دیا تھا، صلاحیت دی تھی، آپ مشکل سے مشکل مسئلہ بھی لمحوں میں حل فرما دیا کرتے تھے۔ تو یہ صحابہ کا قول ہے: صحابہ کو کبھی کوئی مشکل مسئلہ پیش آتا اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ وہاں پر نہ ہوتے تو وہ کہتے تھے: قَضِيَّةٌ وَلَا أَبَا حَسَنٍ لَهَا، ایک نزاعی مسئلہ ہے، ایک نزاعی معاملہ ہے، اور اس کے لیے کوئی ابو الحسن نہیں، یعنی اس کا کوئی فیصلہ کرنے والا نہیں ہے۔

تو یہاں پر اشکال یہ ہوتا ہے، اشکال یہ کہ آپ نے ابھی ہمیں بتایا کہ لائے نفی جنس کا اسم جب معرفہ ہو تو وہ مرفوع ہوگا اور نیز وہاں تکرار بھی ہوگا۔ لیکن یہاں ہے وَلَا أَبَا حَسَنٍ لَهَا، یہ أَبَا حَسَنٍ یہ کنیت ہے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی، تو یہ معرفہ ہے۔ تو لا کا اسم معرفہ آیا، اور لا کا اسم معرفہ ہو تو مرفوع ہوتا ہے، لیکن یہ تو ہے أَبَا حَسَنٍ یہ تو منصوب ہے۔ اَبَا کس میں سے ہے؟ اسمائے ستہ مکبرہ میں سے ہے، اور اس کا نصب الف کے ساتھ آتا ہے اور رفع واو کے ساتھ آتا ہے، اور یہاں پر الف ہے بھئی۔ تو اعتراض کیا؟ کہ لائے نفی جنس کا اسم معرفہ ہو تو رفع بھی واجب اور تکرار بھی واجب، اور نہ یہاں پر رفع ہے اور نہ تکرار ہے۔ اعتراض سمجھ میں آیا؟

تو آپ کو صاحبِ کافیہ جواب دیں گے کہ اس جیسی مثالوں کے اندر تاویل کی گئی ہے۔ دو جواب ذکر کریں گے صاحبِ جامی۔ تاویل کیا کی گئی ہے؟ ایک یہ کہ یہاں مِثْلَ کا لفظ مضاف محذوف نکال لیں: قَضِيَّةٌ یہ ایک معاملہ ہے وَلَا مِثْلَ أَبِي

حَسَنٍ لَهَا، اور کوئی ابو الحسن کے مثل، ابو الحسن جیسا نہیں ہے اس کے لیے۔ تو مِثلَ کا لفظ یہاں مضاف محذوف ہے۔ اور آپ جانتے ہیں کوئی لفظ معرفہ کی طرف مضاف ہو جائے تو وہ معرفہ بن جاتا ہے، لیکن کچھ لفظ ایسے ہیں کہ وہ معرفہ کی طرف مضاف ہو جائیں پھر بھی وہ معرفہ نہیں بنتے، ان کے اندر اتنا زیادہ ابہام ہوتا ہے۔ جیسے مِثْلٌ ہے، شِبْهٌ ہے، أَحَدٌ ہے، غَيْرٌ ہے۔ تو مِثْلٌ، شِبْهٌ، غَيْرٌ، أَحَدٌ وغیرہ یہ کچھ لفظ ہیں یہ معرفہ کی طرف بھی مضاف ہو جائیں پھر بھی معرفہ نہیں بنتے۔ معرفہ کسے کہتے ہیں؟ جو کسی معین ذات پر دلالت کرے، اور نکرہ کسے کہتے ہیں؟ جو کسی غیر معین ذات پر دلالت کرے۔ مثلاً دیکھو زید، زید ایک معین ذات پر دلالت کرتا ہے، لیکن میں کہتا ہوں مِثْلُ زَيْدٍ زید جیسا۔ کوئی آپ کے ذہن میں متعین شخص آیا؟ نہیں۔ مِثْلُ زَيْدٍ وہ تو خالد بھی ہو سکتا ہے، وہ تو بکر بھی ہو سکتا ہے، وہ تو عمر بھی ہو سکتا ہے، وہ تو کوئی اور فرد بھی ہو سکتا ہے۔ تو مِثْلُ زَيْدٍ اس میں مِثل کی اضافت ہو رہی ہے زید معرفہ کی طرف لیکن پھر بھی یہ نکرہ ہے، یہ کسی معین ذات پر دلالت نہیں کر رہا۔ اسی طرح میں کہتا ہوں غَيْرُ زَيْدٍ زید کے علاوہ، اب دیکھو غَيْر لفظ اس کی اضافت ہو گئی زید معرفہ کی طرف لیکن پھر بھی یہ نکرہ کا نکرہ ہے، غَيْرُ زَيْدٍ کا کیا معنی؟ زید کے علاوہ، مثلاً ہر فرد جو زید کے علاوہ ہے وہ اس کے اندر داخل ہو گیا، تو دیکھو اس میں عموم ہے بھئی حالانکہ معرفہ کے اندر تو عموم نہیں ہوتا وہ تو متعین افراد پر دلالت کرتا ہے۔ یا اور دیکھ لیں شِبْهُ زَيْدٍ، شِبْهُ زَيْدٍ کا بھی وہی معنی زید جیسا، تو زید جیسا وہ تو عمر بھی ہو سکتا ہے بکر بھی ہو سکتا ہے خالد کوئی بھی ہو سکتا ہے، تو شِبْهُ زَيْدٍ کہنے سے کوئی متعین شخص آپ کے ذہن میں نہیں آتا۔ اور اسی طرح أَحَدٌ ہے، مثلاً آپ کے دس ساتھی ہیں، آپ دوسرے کو بتلاتے ہیں جَاءَنِي أَحَدُهُمْ میرے پاس ان میں سے کوئی ایک آیا تھا۔ تو أَحَدُهُمْ، أَحَد کی اضافت هُمْ ضمیر کی طرف ہو رہی ہے، اور ضمیر معرفہ ہے، اور معرفہ کی طرف جو لفظ مضاف ہو جائے وہ بھی کیا بن جاتا ہے معرفہ، لیکن یہاں پر أَحَد کا لفظ معرفہ نہیں بنا۔ أَحَدُهُمْ ان میں سے ایک، کوئی پتہ چل رہا ہے سننے والے کو کہ ان دس میں سے کون سا والا ایک مراد ہے؟ کوئی پتہ نہیں چل رہا۔ تو دیکھو یہ مِثْلٌ، شِبْهٌ، غَيْرٌ، أَحَدٌ وغیرہ جیسے الفاظ یہ معرفہ کی طرف مضاف ہو جائیں پھر بھی معرفہ نہیں بنتے۔

تو یہاں پر بھی مِثلَ کا لفظ مضاف محذوف ہے أَيْ وَلَا مِثْلَ أَبِي حَسَنٍ لَهَا۔ تو اب دیکھو شرطیں دیکھو: کتنی شرطیں تھیں؟ ساتھ ملا ہوا ہو، وَلَا مِثْلَ أَبِي حَسَنٍ لَهَا یہ مِثْلَ کا لفظ لا کے ساتھ ملا ہوا ہے۔ دوسری شرط کیا تھی؟ نکرہ ہونا چاہیے، تو یہ نکرہ بھی ہے۔ اور تیسری شرط کیا تھی؟ مضاف یا مشابہ مضاف ہو، یہ مِثْلَ کا لفظ بھی أَبِي حَسَنٍ کی طرف مضاف ہو رہا ہے۔ تو تینوں شرطیں پوری، اور اس صورت میں لا کا اسم کیا ہوتا ہے؟ منصوب ہوتا ہے، اس لیے لَا مِثْلَ أَبِي حَسَنٍ یہ مِثْلَ کیا ہے؟ منصوب۔ پھر ادھر دیکھیے، پھر اس مِثْلَ کو حذف کر دیا گیا اور آگے جو اس کا مضاف الیہ تھا أَبِي حَسَنٍ، اس أَبِي کو وہی مِثْلَ والا اعراب دے دیا گیا۔ جب کسی لفظ کو حذف کرتے ہیں دوسرے کو اس کا قائم مقام کرتے ہیں تو اس کو اسی کا اعراب دے دیتے ہیں۔ توجہ ہے؟ مضاف کو حذف کیا اور مضاف الیہ کو اس کا قائم مقام کر دیا تو اس پر وہی اعراب

آئے گا جو اس پر تھا: مِثْلَ پر کیا تھا؟ نصب۔ اس کو حذف کیا اور أَبَا حَسَنٍ کو اس کا قائم مقام بنایا تو اس پر بھی کیا آگیا؟ نصب آگیا۔ یہ تو ایک جواب ہے، یعنی یہ نکرہ ہی ہے معرفہ نہیں، مِثْلَ کا لفظ یہاں مضاف محذوف ہے۔

اور دوسرا جواب یہ کہ یہاں حضرت علی کی کنیت ذکر ہے لیکن ان کی ذات مراد نہیں ہے، بلکہ ان کا وصف مراد ہے۔ بلکہ ان کا وصف، حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں نے بتلایا فیصلہ بڑی جلدی کرتے تھے اور بہترین فیصلہ فرماتے تھے۔ تو یہ أَبَا حَسَنٍ بمعنی فَیْصَلٍ کے ہے، فَیْصَل کا کیا معنی؟ فیصلہ کرنے والا۔ تو گویا کلام یوں ہے: قَضِیَّةٌ وَلَا فَیْصَلَ لَهَا، ایک معاملہ ہے لیکن اس کا کوئی فیصلہ کرنے والا نہیں ہے۔ تو ابو الحسن کس معنی میں ہوا؟ فَیْصَل کے معنی میں ہوا، اور فَیْصَل تو نکرہ ہے۔ فَیْصَل کیا ہے؟ نکرہ ہے۔ تو یہ فَیْصَل یعنی نکرہ کے معنی میں ہے، تو أَبَا حَسَنٍ لفظوں کے اعتبار سے اگرچہ معرفہ لگ رہا ہے لیکن یہ کس معنی میں ہے؟ نکرہ کے معنی میں ہے، اور جب نکرہ کے معنی میں ہے تو یہ ساتھ بھی ملا ہوا ہے، نکرہ بھی ہے، اور مضاف بھی ہے تو کیا ہوگا؟ منصوب ہی ہونا چاہیے۔ بات سمجھ میں آگئی؟

جی اب اس سارے کو شرح کے ساتھ دیکھیے۔ کہتے ہیں: وَنَحْوُ قَضِیَّةٌ أَيْ هٰذِهِ قَضِیَّةٌ۔ دیکھو متن میں صرف آیا تھا قَضِیَّةٌ، آگے صاحبِ جامی فرما رہے ہیں أَيْ هٰذِهِ قَضِیَّةٌ، کیا بتلانا چاہتے ہیں؟ کہ یہ قَضِیَّةٌ خبر ہے اور اس کا مبتدا هٰذِهِ محذوف ہے۔ أَيْ هٰذِهِ قَضِیَّةٌ یہ ایک معاملہ ہے وَلَا أَبَا حَسَنٍ لَهَا اور اس کے لیے کوئی فیصلہ کرنے والا نہیں ہے۔ أَيْ لِهٰذِهِ الْقَضِیَّةِ، هَا ضمیر کا مرجع بتلا رہے ہیں وَلَا أَبَا حَسَنٍ لَهَا أَيْ لِهٰذِهِ الْقَضِیَّةِ اور کوئی ابو حسن نہیں ہے اس معاملے کے لیے۔ کہتے ہیں: هٰذَا جَوَابُ دَخْلٍ مُقَدَّرٍ عَلٰى قَوْلِهِ: وَإِنْ كَانَ مَعْرِفَةً وَجَبَ الرَّفْعُ وَالتَّكْرِيرُ۔ کہتے ہیں هٰذَا جَوَابُ دَخْلٍ مُقَدَّرٍ یہ ایک دخلِ مقدر کا جواب ہے۔ کس کا؟ دخلِ مقدر۔ یاد رکھو دَخْل کا معنی ہے خلل اور خرابی، دَخْل کا کیا معنی؟ خلل اور خرابی، اور یہاں مراد ہے اعتراض بھئی، یہ ایک اعتراضِ مقدر کا جواب ہے جو عبارت پر ہوتا ہے۔ عبارت کیا تھی؟ صاحبِ کافیہ نے کیا کہا تھا؟ وَإِنْ كَانَ مَعْرِفَةً وَجَبَ الرَّفْعُ وَالتَّكْرِيرُ، اگر لا کا اسم معرفہ ہو وَجَبَ الرَّفْعُ وَالتَّكْرِيرُ تو رفع بھی واجب اور تکرار بھی واجب۔ تو اس پر اشکال ہوتا ہے وَلَا أَبَا حَسَنٍ لَهَا اس کے اندر یہ لا کا اسم معرفہ ہے اور نہ اس پر رفع آیا ہے اور نہ اس کا تکرار ہے۔ تو کہتے ہیں هٰذَا جَوَابُ دَخْلٍ مُقَدَّرٍ عَلٰى قَوْلِهِ یہ ایک اعتراضِ مقدر کا جواب ہے ماتن کے اس قول پر، یہ جو ماتن نے کہا تھا وَإِنْ كَانَ مَعْرِفَةً وَجَبَ الرَّفْعُ وَالتَّكْرِيرُ، اس پر یہ ایک دخلِ مقدر کا جواب ہے۔ فَإِنَّ اسْمَ لَا فِيهِ مَعْرِفَةٌ، اس لیے کیونکہ اس جملے کے اندر یہ جو وَلَا أَبَا حَسَنٍ لَهَا ہے اس کے اندر لا کا اسم جو ہے وہ معرفہ ہے، لِأَنَّ أَبَا حَسَنٍ كُنْيَةُ عَلِيٍّ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ۔ کنیت، اس میں یاد رکھنا یہ کاف پر ضمہ ہے نون ساکن ہے اور یا پر فتحہ ہے، مشدد نہیں ہے۔ اردو میں جو رائج ہے کُنْیَت کہتے ہیں، اردو میں کیا بولتے ہیں عموماً؟ کُنْیَت بولتے ہیں، عربی سے آیا ہے لیکن اردو میں اسی طرح رائج ہو گیا ہے۔ لیکن عربی کے اندر یہ یا مشدد نہیں ہے: كُنْيَةٌ۔

یاد رکھو کنیت کسی شخص کا وہ نام جس کے شروع میں أَبٌ، أُمٌّ، اِبْنٌ، بِنْتٌ، أَخٌ اور اس جیسے لفظ آجائیں۔ توجہ ہے؟ أَبُو

زَيْدٍ دیکھو شروع میں أَبٌ آرہا ہے، أُمُّ زَيْدٍ، بِنْتُ زَيْدٍ، أَخُو زَيْدٍ، تو یہ سب کیا ہیں؟ کنیت۔ یہ علم کے درجے میں ہی ہوتا ہے، یہ اس معین ذات یا شخص پر دلالت کرتا ہے، اور عرب یہ کنیت بہت استعمال کرتے تھے، اور یہ معزز لوگوں کی علامت تھی۔ کس کی؟ معزز لوگوں کے اظہارِ عظمت اور شان کے لیے کنیت وہ استعمال کرتے تھے۔

تو کہتے ہیں: لِأَنَّ أَبَا حَسَنٍ كُنْيَةُ عَلِيٍّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، اس لیے کیونکہ أَبَا حَسَنٍ جو ہے یہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی کنیت ہے۔ وَلَا رَفْعَ فِيهِ وَلَا تَكْرِيرَ، اور نہ تو اس کے اندر رفع ہے اور نہ تکرار ہے۔ بَلْ هُوَ مَنْصُوبٌ غَيْرُ مُكَرَّرٍ، بلکہ یہ منصوب ہے اور غیر مکرر ہے۔ اس کو تو مرفوع اور مکرر ہونا چاہیے تھا، لیکن یہ منصوب ہے اور غیر مکرر ہے، اس میں تکرار نہیں ہے۔

فَأَجَابَ، تو صاحبِ کافیہ نے اس کا جواب دیا: بِأَنَّهُ مُتَأَوَّلٌ بِالنَّكِرَةِ، کہ اس کی تاویل کی گئی ہے نکرہ کے ساتھ۔ إِمَّا بِتَقْدِيرِ الْمِثْلِ، یا تو مثل کی تقدیر کے ساتھ کہ یہاں مِثْلَ کا لفظ مضاف محذوف ہے۔ تو کہتے ہیں إِمَّا بِتَقْدِيرِ الْمِثْلِ یا تو مثل کی تقدیر کے ساتھ، أَيْ وَلَا مِثْلَ أَبِي حَسَنٍ لَهَا، یعنی اس تقدیر کے ساتھ ہے کلام: وَلَا مِثْلَ أَبِي حَسَنٍ لَهَا۔ فَإِنَّ مِثْلًا، اس لیے کیونکہ مِثْلًا جو ہے لِتَوَغُّلِهِ فِي الْإِبْهَامِ، تَوَغُّل کا معنی سمجھ لو بھئی: تَوَغُّل فِي الشَّيْءِ کا معنی ہے کسی چیز کے اندر داخل ہو جانا، دور تک اس کے اندر چلے جانا، اس کو کیا کہتے ہیں تَوَغُّل۔ یا اسی طرح کہتے ہیں تَوَغَّلَ فِي الْعِلْمِ، زَيْدٌ تَوَغَّلَ فِي الْعِلْمِ، یعنی زید علم کے اندر خوب داخل ہو گیا، یعنی اس نے علم میں خوب ترقی کر لی، یا یوں کہیں اس نے علم میں خوب مضبوطی اور پختگی حاصل کر لی، اس کا علم بڑا مضبوط اور پختہ ہے۔ تو یہاں پر توغل کا معنی کر لیں مضبوطی اور پختگی۔ فَإِنَّ مِثْلًا، کہتے ہیں اس لیے کیونکہ یہ جو مِثْلَ کا لفظ ہے، لِتَوَغُّلِهِ فِي الْإِبْهَامِ اس وجہ سے کہ ابہام کے اندر یہ پختہ ہے اور مضبوط ہے، ابہام کے اندر پختہ اور مضبوط ہونے کی وجہ سے لَا يَتَعَرَّفُ بِالْإِضَافَةِ إِلَى الْمَعْرِفَةِ یہ معرفہ نہیں ہوتا معرفہ کی طرف اضافت سے۔ یہ معرفہ کی طرف اضافت سے بھی معرفہ نہیں ہوتا۔

پھر ترجمہ دیکھ لیجیے: فَإِنَّ مِثْلًا، یہ مِثْلًا سے مثل کا لفظ مراد ہے۔ فَإِنَّ مِثْلًا لِتَوَغُّلِهِ فِي الْإِبْهَامِ، اس لیے کیونکہ مثل کا جو لفظ ہے ابہام کے اندر پختہ اور مضبوط ہونے کی وجہ سے لَا يَتَعَرَّفُ بِالْإِضَافَةِ إِلَى الْمَعْرِفَةِ یہ معرفہ نہیں ہوتا معرفہ کی طرف اضافت سے بھی۔ یہ ایک تاویل تھی۔

أَوْ بِتَأْوِيلِهِ بِفَيْصَلٍ بَيْنَ الْحَقِّ وَالْبَاطِلِ۔ کیا کہا تھا؟ مُتَأَوَّلٌ بِالنَّكِرَةِ إِمَّا بِتَقْدِيرِ الْمِثْلِ أَوْ بِتَأْوِيلِهِ بِفَيْصَلٍ بَيْنَ الْحَقِّ وَالْبَاطِلِ، یا اس کی تاویل کی گئی ہے بِفَيْصَلٍ بَيْنَ الْحَقِّ وَالْبَاطِلِ حق اور باطل کے درمیان فیصلہ کرنے والے کے ساتھ۔ حق اور باطل کے درمیان فیصلہ کرنے والے کے ساتھ، لِاشْتِهَارِهِ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ بِهٰذِهِ الصِّفَةِ، اشتہار کا معنی مشہور ہونا، لِاشْتِهَارِهِ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ اس وجہ سے کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہرت تھی بِهٰذِهِ الصِّفَةِ اس صفت کے ساتھ۔ اس صفت کے ساتھ وہ مشہور تھے، تو یہاں ذکر تو کنیت ہے لیکن ان کی صفت مراد ہے۔ فَكَأَنَّهُ قِيلَ، تو گویا کہ

یوں کہا گیا: لَا فَيْصَلَ لَهَا، ایک معاملہ ہے لیکن کوئی اس کا فیصلہ کرنے والا نہیں ہے۔

کہتے ہیں: وَيُقَوِّي هٰذَا التَّأْوِيلَ إِيرَادُ حَسَنٍ بِحَذْفِ اللَّامِ۔ بھئی یاد رکھو، کنیت ہے حضرت علی کی أَبُو الْحَسَنِ، أَبُو الْحَسَنِ الف لام ہے، الف لام ہے الْحَسَنِ پر، لیکن یہاں پر حسن پر الف لام نہیں لایا گیا: قَضِيَّةٌ وَلَا أَبَا حَسَنٍ لَهَا۔ تو الف لام کو ہٹایا تو حَسَنٍ پر کیا آگئی؟ تنوین آگئی۔ کیا آگئی؟ تنوین آگئی: أَبَا حَسَنٍ۔ اور یاد رکھو یہ تنوین مختلف معانی کے لیے عربی میں لاتے ہیں۔ کبھی کبھار تنوین لاتے ہیں تعظیم کے لیے، کسی چیز کی عظمت بیان کرنے کے لیے، کسی چیز کو عظیم بتلانے کے لیے۔ مثلاً میں کہتا ہوں عِنْدِي مَالٌ، عِنْدِي مَالٌ اب یہ مَالٌ یہ دیکھو مبتدا ہے، مبتدا مؤخر، عِنْدِي خبرِ مقدم اور مَالٌ مبتدا مؤخر، اور میں اس کو نکرہ لایا، اس پر تنوین لایا کس لیے؟ تعظیم کے لیے، أَيْ عِنْدِي مَالٌ عَظِيمٌ میرے پاس بہت بڑا مال ہے، بہت زیادہ مال ہے۔ اور کبھی کبھار یہ تنوین تحقیر کے لیے لائی جاتی ہے: عِنْدِي شَيْءٌ أَيْ شَيْءٌ حَقِيرٌ، میرے پاس ایک حقیر سی چیز ہے۔ تو یہ موقع محل کے مطابق ہوتا ہے: ایک لفظ پر تنوین آئے گی وہاں علمائے بلاغت اس میں غور کرتے ہیں اور پھر بتلاتے ہیں کہ یہاں پر تنوین اس معنی کے لیے ہے، یہاں پر تنوین اس معنی کے لیے لائی گئی ہے۔ جیسے قرآن میں اللہ فرماتے ہیں: وَرِضْوَانٌ مِنَ اللهِ أَكْبَرُ، رِضْوَانٌ یہ نکرہ لایا گیا اس پر تنوین لائی گئی، توجہ ہے، تنوین لائی گئی، یہاں یہ جو تنوین ہے یہ تقلیل کے لیے ہے۔ کس لیے ہے؟ تقلیل۔ یہاں تنوین تقلیل کے لیے ہے، اور معنی یہ ہے: تھوڑی سی بھی رضامندی اللہ کی طرف سے مل جائے یہ بہت بڑی چیز ہے بھئی۔ بات سمجھ میں آگئی؟

تو یہ تنوین مختلف معانی کے لیے آتی ہے۔ اب صاحبِ جامی آپ کو بتلائیں گے کہ أَبَا حَسَنٍ سے الف لام کو گرا کر اس پر تنوین لائی گئی، اور یہ تنوین تنکیر کے لیے ہے، اس کو نکرہ بنانے کے لیے ہے۔ تنوین مختلف معانی کے لیے آتی ہے نا؟ کبھی تکثیر کے لیے آتی ہے یعنی کثرت بیان کرنے کے لیے، کبھی تقلیل کے لیے آتی ہے یعنی قلت بیان کرنے کے لیے، کبھی تعظیم کے لیے آتی ہے یعنی عظمت بیان کرنے کے لیے، کبھی تحقیر کے لیے آئی ہے یعنی حقیر بیان کرنے کے لیے، اور کبھی کبھار تنوین کس لیے آتی ہے؟ تنکیر کے لیے، ایک لفظ کو نکرہ بنانے کے لیے۔ تنوین اور بھی معانی کے لیے آتی ہے، لیکن یہاں جو ظاہر یہی ہے کہ أَبَا حَسَنٍ پر جو تنوین لائی گئی وہ تنکیر کے لیے ہے، اس کو نکرہ بنانے کے لیے۔ ویسے أَبُو الْحَسَنِ کنیت کس کی؟ حضرت علی کی، اور یہ معرفہ ہے نکرہ ہے؟ معرفہ ہے۔ یہ حضرت علی کی کنیت ہے اور کنیت بولتے ہی وہ شخص ذہن میں آتا ہے، تو یہ ایک معین ذات پر دلالت کر رہی ہے تو یہ کیا ہے؟ معرفہ۔ معرفہ، لیکن اس سے الف لام ختم کر کے اس پر تنوین لائی گئی، کس لیے؟ نکرہ بنانے کے لیے، یہ بیان کرنے کے لیے کہ حضرت علی اس سے مراد نہیں ہیں بلکہ ان کی صفت جو ہے وہ یہاں مراد ہے۔ بات بھی سمجھ میں آئی کہ نہیں؟ دوسری تاویل کیا کی تھی؟ کہ یہاں حضرت علی

خود کی ذات مراد نہیں ہے بلکہ ان کا وصفِ مشہور یہاں مراد ہے۔ اور یہ تنوین سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے، یہ تنوین بھی یہاں ظاہر یہی ہے کس لیے ہے؟ تنکیر کے لیے ہے، نکرہ بنانے کے لیے ہے، یہ بتلانے کے لیے کہ یہاں جو ابو حسن کہا گیا اس سے حضرت علی خود مراد نہیں ہیں بلکہ یہ عام ہے، فیصلہ کرنے والا مراد ہے، جو بھی حق اور باطل کے درمیان اچھا فیصلہ کرنے والا ہو وہ مراد ہے۔ قَضِيَّةٌ یہ ایک معاملہ ہے وَلَا أَبَا حَسَنٍ لَهَا لیکن اس کے لیے کوئی اچھا فیصلہ کرنے والا نہیں ہے۔ اب بات سمجھ میں آگئی؟ تو اچھا فیصلہ کرنے والا دیکھو یہ تو عام ہے، جو بھی اچھا فیصلہ کرے گا وہ اس کے اندر داخل ہے بھئی۔ تو یہ تنوین کس لیے ہے؟ ظاہر یہی ہے کہ یہ تنکیر کے لیے ہے۔

تو کہتے ہیں: وَيُقَوِّي هٰذَا التَّأْوِيلَ إِيرَادُ حَسَنٍ بِحَذْفِ اللَّامِ، اور تقویت دیتا ہے، قوت دیتا ہے هٰذَا التَّأْوِيلَ اس تاویل کو یہ جو دوسری تاویل کی اس تاویل کو قوت دیتا ہے، إِيرَادُ حَسَنٍ ایراد کا معنی لانا، حَسَن کے لفظ کو لانا بِحَذْفِ اللَّامِ لام کے حذف کے ساتھ۔ یہ جو حَسَن کے لفظ کو لام کے حذف کے ساتھ لایا گیا ہے، اس پر الف لام کو نہیں لایا گیا، تو یہ حَسَن کو حذفِ لام کے ساتھ لانا یہ اس دوسری تاویل کو قوت دیتا ہے، اس سے یہ دوسری تاویل کی تائید ہوتی ہے بھئی۔ تو کہتے ہیں وَيُقَوِّي هٰذَا التَّأْوِيلَ إِيرَادُ حَسَنٍ بِحَذْفِ اللَّامِ اور قوت دیتا ہے اس تاویل کو إِيرَادُ حَسَنٍ حَسَن کے لفظ کو لانا بِحَذْفِ اللَّامِ لام کے حذف کے ساتھ۔ لِأَنَّ الظَّاهِرَ، کیونکہ ظاہر یہی ہے کہ أَنَّ تَنْوِينَهُ لِلتَّنْكِيرِ کہ اس کی جو تنوین ہے وہ تنکیر کے لیے ہے، نکرہ بنانے کے لیے ہے بھئی۔ بات سمجھ میں آگئی؟

تو حاصلِ کلام کیا ہوا؟ کہ قَضِيَّةٌ وَلَا أَبَا حَسَنٍ لَهَا، اس پر اشکال ہوتا تھا کہ لا کا اسم معرفہ ہے لیکن نہ تو یہاں اس پر رفع آیا ہے اور نہ اس میں تکرار ہے۔ تو دو جواب ذکر کر دیے: ایک جواب یہ کہ یہاں مِثْلَ کا لفظ مضاف محذوف ہے، اور مِثْلَ کا لفظ جب مضاف محذوف ہے تو اب یہ معرفہ نہیں نکرہ ہے۔ جب نکرہ ہے تو اس کو حذف کر لیا اور أَبَا حَسَنٍ کو اس کا قائم مقام بنا دیا تو یہ بھی اسی کے درجے میں ہے، وہ نکرہ تھا یہ بھی کیا ہے؟ نکرہ ہے، تو یہاں تینوں شرطیں پوری ہیں: ساتھ بھی ملا ہوا ہے، نکرہ بھی ہے، اور مضاف بھی ہے، اور اس صورت میں منصوب ہوتا ہے، اسی لیے أَبَا حَسَنٍ منصوب لایا گیا۔ اور دوسری تاویل یہ کہ یہ ابو حسن کس معنی میں ہے؟ فَيْصَل کے معنی میں ہے، فَيْصَلٍ بَيْنَ الْحَقِّ وَالْبَاطِلِ وہ جو فیصلہ کرنے والا ہے حق اور باطل کے درمیان۔ تو جب یہ فَيْصَل کے معنی میں ہے تو یہ معرفہ نہیں بلکہ یہ نکرہ ہے، جب یہ نکرہ ہے تو پھر اب تینوں شرطیں پوری ہیں: ساتھ بھی ملا ہوا ہے، نکرہ بھی ہے، اور مضاف بھی ہے، لہٰذا اس کو کیا ہونا چاہیے؟ منصوب ہونا چاہیے، تو یہ منصوب ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟

بھئی یہاں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ذکر آیا: قَضِيَّةٌ وَلَا أَبَا حَسَنٍ لَهَا، کہ ایک معاملہ ہے اور کوئی اس کا فیصلہ کرنے والا نہیں۔ میں نے بتایا حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اللہ نے عجیب ملکہ نصیب فرمایا تھا کہ مشکل سے مشکل مسئلہ بھی آپ چٹکیوں میں حل فرما دیتے تھے۔ چنانچہ روایات میں آتا ہے کہ ایک مرتبہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نماز کے لیے

مسجد کی طرف تشریف لے جا رہے تھے، راستے میں ایک یہودی ملا اور اس یہودی نے سوال کیا کہ حضرت یہ بتائیے کون سے جانور بچے دیتے ہیں اور کون سے جانور انڈے دیتے ہیں؟ تو مقصد یہ تھا کہ حضرت علی تفصیل بیان کرنا شروع کر دیں گے کہ گائے بچے دیتی ہے، بکری بچے دیتی ہے، مرغی انڈے دیتی ہے وغیرہ، ایک ایک جانور کی تفصیل بیان کریں گے اور اس میں دیر لگ جائے گی اور تب تک ان کی جماعت نکل جائے گی۔ تو شرارت کے ارادے سے اس نے سوال کیا راستے میں کہ حضرت بتائیے کون سے جانور بچے دیتے ہیں اور کون سے جانور انڈے دیتے ہیں؟ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ بھئی جن جانوروں کے کان باہر ہیں وہ بچے دیتے ہیں، اور جن کے کان اندر ہیں وہ انڈے دیتے ہیں، اور یہ فرمایا اور چل پڑے بھئی۔ عجیب جواب دیا! آپ بھی غور کر لیں، جن جانوروں کے کان ہمیں نظر آتے ہیں وہ بچے دیتے ہیں: جیسے گائے کے کان ہمیں نظر آتے ہیں وہ بچے دیتی ہے، بھینس کے کان ہمیں نظر آتے ہیں وہ بچے دیتی ہے، بلی کے کان ہمیں نظر آتے ہیں وہ بچے دیتی ہے، بکری کے کان ہمیں نظر آتے ہیں وہ بچے دیتی ہے۔ اور جن جانوروں کے کان ہمیں نظر نہیں آتے وہ انڈے دیتے ہیں: جیسے مرغی کے کان نظر نہیں آتے وہ انڈے دیتی ہے، بطخ کے کان نظر نہیں آتے وہ انڈے دیتی ہے، اور اسی طرح کبوتر چڑیا وغیرہ دیکھ لیں یا اسی طرح یہ چھپکلی وغیرہ دیکھ لیں یہ سب کیا ہیں؟ ان کے کان نظر نہیں آتے تو یہ انڈے دیتے ہیں بھئی۔ عجیب جواب دیا حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے۔

اسی طرح ایک شخص حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس آیا اور اس نے سوال کیا کہ حضرت انسان کو اللہ نے کتنا اختیار دیا ہے اور کتنا وہ مجبور ہے؟ وہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سامنے کھڑا تھا، حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان سے فرمایا: اپنی ایک ٹانگ اٹھاؤ۔ انہوں نے کھڑے کھڑے ایک ٹانگ زمین سے اٹھا لی۔ پھر فرمایا دوسری بھی ٹانگ اٹھاؤ۔ اس نے کہا حضرت دوسری ٹانگ تو میں نہیں اٹھا سکتا، کھڑے کھڑے انسان تو ایک وقت میں ایک ہی ٹانگ اٹھا سکتا ہے۔ تو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرمانے لگے: بس اسی طرح ہے، کچھ انسان کو اللہ نے اختیار دیا ہے اور کچھ باتوں کے اندر اختیار نہیں دیا بھئی۔

اسی طرح بھئی ایک مرتبہ حضرت عمر اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے ساتھ تشریف لے جا رہے تھے، حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قد کچھ نسبتاً کچھ چھوٹا تھا، تو ایک طرف حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ چل رہے ہیں اور دوسری طرف حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ، اور درمیان میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔ تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے چلتے چلتے بطورِ مزاح کے فرمایا کہ اے علی آپ ہم دونوں کے درمیان اسی طرح ہیں جیسے لَنَا کا نون ہوتا ہے۔ لَنَا لفظ آپ دیکھیں بھئی، لَنَا لکھیں تو ایک طرف لام لمبا ہے، دوسری طرف الف لمبا ہے، درمیان میں نون کا دندانہ چھوٹا ہے۔ تو یعنی آپ ہمارے درمیان لَنَا کے نون کی طرح ہیں۔ تو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فوراً جواب دیا: اور اگر میں درمیان سے نکل گیا تو آپ دونوں لَا ہو جائیں گے۔ آپ دونوں لَا ہو جائیں گے! لَا، لَا کا کیا معنی؟ نہیں ہے، نفی ہے، یعنی وجود ہی نہ رہے گا۔ تو عجیب جواب دیا۔

اسی طرح بھئی ایک مرتبہ صحابہ کے ساتھ بیٹھ کر حضور علیہ السلام کھجوریں کھا رہے تھے، حضور کے ساتھ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیٹھے ہوئے تھے، کھجوریں کھا رہے ہیں اور ہر شخص کھجوریں کھا رہا ہے اپنے سامنے گٹھلیاں ڈالتا جا رہا ہے۔ حضور علیہ السلام کے ساتھ حضرت علی تھے، حضور علیہ السلام گٹھلیاں اپنے سامنے ڈالنے کے بجائے وہی حضرت علی کی گٹھلیوں میں ڈالتے جا رہے ہیں۔ تو حضور کے سامنے اب کوئی گٹھلی نہیں ہے اور حضرت علی کے سامنے گٹھلیاں ڈال رہے ہیں۔ تو کھاتے کھاتے حضور علیہ السلام نے بطورِ مزاح کے فرمایا: بھئی دیکھو کس نے سب سے زیادہ کھجوریں کھائی ہیں؟ اب حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی گٹھلیاں تو دوگنی تھیں بھئی۔ تو حضرت علی فوراً بول اٹھے: اور یہ بھی دیکھو گٹھلیوں سمیت کون کھا رہا ہے؟ تو حضور علیہ السلام مسکرا دیے بھئی۔ تو بڑے حاضر جواب تھے اور عجیب اللہ نے ذہانت دی تھی۔

اسی طرح حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے میں ایک مرتبہ ایک عورت پر زنا کا الزام ثابت ہو گیا، وہ شادی شدہ تھی، اس نے اقرار کر لیا زنا کا، تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسے رجم کرنے کا حکم دیا، اور وہ حاملہ تھی۔ تو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فوراً کہا کہ حضرت کہ عورت کا تو قصور ہے اس کو تو سزا ملنی چاہیے، لیکن اس کے جو پیٹ میں حمل ہے اس کا تو کوئی قصور نہیں، رجم سے تو وہ بھی ہلاک ہو جائے گا۔ تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فوراً چونک اٹھے اور آپ نے وہ تاریخی جملہ ارشاد فرمایا: لَوْلَا عَلِيٌّ لَهَلَكَ عُمَرُ، اگر علی نہ ہوتے تو آج تو عمر ہلاک ہی ہو گیا تھا، میری وجہ سے ایک جان چلی جاتی، قیامت کے دن میں اللہ کو کیا جواب دیتا بھئی۔ چنانچہ پھر اس عورت کو مہلت دی گئی بھئی۔

اسی طرح بھئی حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نام کے ساتھ آپ کَرَّمَ اللّٰهُ وَجْهَهُ پڑھتے ہیں، اور صحابہ کے ساتھ یہ لفظ نہیں ملے گا، لیکن حضرت علی کے نام کے ساتھ کَرَّمَ اللّٰهُ وَجْهَهُ پڑھتے ہیں۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ حضرت علی کے زمانے میں خوارج کا فتنہ تھا، اور حضرت علی مسجدِ نبوی کے اندر بیان فرما رہے ہوتے جمعہ وغیرہ کی تقریر یا کوئی اور بات صحابہ سے کر رہے ہوتے تھے، امیر المؤمنین تھے، تو یہ خوارج بھی وہاں موجود ہوتے اور یہ درمیان میں کھڑے ہو جاتے اور نعرہ لگاتے: سَوَّدَ اللّٰهُ وَجْهَكَ، اللہ آپ کے چہرے کو سیاہ کرے۔ دیکھو خلیفہ راشد ہیں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ، اور ایک اشارے پر گردنیں اڑائی جا سکتی ہیں، لیکن یہ پیغمبر کے شاگرد تھے، آپ ان کو کوئی تکلیف نہیں دیتے تھے بھئی۔ تو اس کے مقابلے میں پھر صحابہ جو ہے وہ کہتے تھے کَرَّمَ اللّٰهُ وَجْهَهُ، اللہ آپ کے چہرے کو مکرم فرمائے، معزز فرمائے۔ تو اس لیے حضرت علی کے نام کے ساتھ یہ کَرَّمَ اللّٰهُ وَجْهَهُ مشہور ہے۔

اسی طرح حضرت علی کے نام کے ساتھ کرار کا لفظ آتا ہے: حضرت علی حیدرِ کرار۔ تو یہ کَرَّ یَکِرُّ، اس کا معنی ہے پلٹ کر حملہ کرنا، پلٹ کر حملہ کرنا۔ تو یہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی جنگ کا کوئی خاص طریقہ تھا، وہ پلٹ پلٹ کر حملے کرتے تھے، اس لیے ان کو کیا کہتے ہیں؟ حیدرِ کرار۔ یا کَرَّ یَکِرُّ کا ایک معنی ہے کسی پر ٹوٹ پڑنا، ٹوٹ پڑنا، تو شاید ان کی حضرت علی

کی جنگ کا طریقہ یہ ہو کہ وہ دشمن پر ٹوٹ پڑتے تھے بھئی، یعنی اس کو موقع ہی نہیں دیتے تھے سنبھلنے کا، تابڑ توڑ حملے مسلسل کرتے کہ بالآخر اس کو ختم کر دیتے تھے بھئی۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو اس لیے ان کو حیدرِ کرار کہتے ہیں: تو یا تو وہ پلٹ پلٹ کر حملہ کرتے تھے یا ٹوٹ پڑتے تھے، اس کو سنبھلنے کا موقع ہی نہیں دیتے تھے۔

اور یاد رکھو صحابہ کے درمیان آپس میں بڑی محبت تھی۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ چوتھے خلیفہ راشد ہیں بھئی، اور باقی خلفائے راشدین وغیرہ صحابہ سے بڑی محبت تھی۔ شیعہ عجیب لوگ ہیں بھئی، صحابہ کو برا بھلا کہتے ہیں، صحابہ کو برا بھلا کہتے ہیں، اللہ ان کو ہدایت نصیب فرمائے۔ حالانکہ حضرت علی کی صحابہ کے ساتھ اتنی محبت جسے لفظوں میں بیان نہیں کیا جا سکتا۔ اور شیعہ کہتے ہیں کہ حضرت علی جو خلفائے راشدین کے پیچھے سالہا سال تک نمازیں پڑھتے رہے یہ وہ تقیہ کرتے تھے۔ تقیہ کہتے ہیں دل میں کچھ اور ہو اور ظاہر میں کچھ اور کرنا، یعنی یوں کہو جھوٹ بولنا اور دکھلاوے کے لیے کوئی عمل کرنا۔ تو یہ تو حضرت علی کی شان... حضرت علی وہ تو حیدرِ کرار ہیں بھئی، ایک عام بہادر آدمی یہ برداشت نہیں کر سکتا کہ وہ دشمنوں اور مخالفوں کے ساتھ ملتا رہے اور دشمنی دل میں رکھے۔ نہیں بھئی، بہادر آدمی کبھی دل کے اندر بات نہیں رکھتا، وہ کھل کر بات کرتا ہے ہر بات۔ تو یہ حضرت علی پر الزام ہے۔ حضرت علی کو تو خلفائے راشدین سے کتنی محبت تھی آپ اندازہ لگائیے کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی ایک بیٹی حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نکاح میں دی تھی۔ دیکھو بیٹی کسی کو دینا، دشمن کو تو کوئی بیٹی نہیں دے سکتا، تو حضرت علی نے اپنی ایک بیٹی حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نکاح میں دی تھی بھئی۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ حالانکہ حضرت علی سے عمر میں بڑے ہیں بھئی، پھر بھی ان کو ایک بیٹی دی، اتنی زیادہ محبت تھی بھئی، اتنی زیادہ۔ اور اسی طرح حضرت علی کے، حضرت فاطمہ سے تو دو بیٹے ہیں حضرت حسن اور حسین، لیکن اس کے علاوہ ان کے بیٹے جو ہیں ان میں سے ایک بیٹے کا نام انہوں نے ابوبکر رکھا، ایک بیٹے کا نام انہوں نے عمر رکھا، ایک بیٹے کا نام انہوں نے عثمان رکھا بھئی، یعنی خلفائے راشدین کے ناموں پر اپنے بچوں کے نام رکھے۔ اور یہ انتہائی محبت کی علامت ہے، کسی سے انتہائی محبت ہو تبھی انسان اس کے نام پر اپنے بچوں کے نام رکھتا ہے۔ لیکن شیعہ کہتے ہیں کہ یہ جو نام... عجیب جواب دیتے ہیں، انسان حیران ہوتا ہے اللہ ان کو ہدایت دے بھئی، کہ یہ حضرت علی نے جو نام رکھے تھے اپنے بچوں کے ابوبکر، عمر اور عثمان، یہ ان تین خلفائے راشدین کی نسبت سے نہیں رکھے تھے، یہ کسی اور کی نسبت سے رکھے تھے۔ اب یہ عجیب بات ہے! یعنی ان تین سے تو ان کی دشمنی تھی، بھئی جب کسی سے دشمنی ہو تو اس جیسا نام بھی انسان پسند نہیں کرتا اپنے بچوں کے لیے، کسی اور کی نسبت سے بھی انسان نہیں رکھ سکتا اپنے بچوں کا نام اپنے دشمنوں کی طرح۔ تو یہ ویسے ہی باتیں پھیلائی گئیں۔

حتیٰ کہ روایات میں آتا ہے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک مرتبہ بیٹھے ہوئے تھے اور آپ نے ایک پرانا بوسیدہ سا

پھٹا ہوا کمبل اوڑھا ہوا تھا۔ حضرت ابو مریم رحمہ اللہ حضرت علی کے ساتھی تھے بھئی، تو وہ تشریف لائے، دوست تھے خادم تھے وہ تشریف لائے۔ تو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دیکھا بیٹھے ہوئے ہیں اور پھٹا ہوا کمبل اوڑھا ہوا ہے، اور یہ زمانہ تھا حضرت علی کی خلافت کا، حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ امیر المؤمنین ہیں اس وقت بھئی۔ بے تکلف ساتھی تھے تو کہنے لگے کہ حضرت یہ پرانا پھٹا ہوا کمبل یہ بدل لیں، کوئی اور کمبل لے لیں یہ تو پھٹا ہوا ہے۔ تو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگ پڑے۔ تو وہ پریشان ہو گئے اور کہنے لگے اگر مجھے علم ہوتا کہ میری بات سے آپ کو اتنی تکلیف ہوگی تو میں کبھی ایسی بات نہ کرتا۔ تو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرمانے لگے: کیا تمہیں پتہ ہے مجھے یہ کمبل کس نے اوڑھایا تھا؟ کس نے یہ پہنایا تھا؟ تو وہ کہنے لگا نہیں۔ تو حضرت علی فرمانے لگے: یہ کمبل مجھے میرے خلیل عمر نے پہنایا تھا، یعنی حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی یاد آرہی تھی حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اپنی خلافت کے زمانے میں اور وہ ان کا کمبل اوڑھ کر آنسو بہا رہے تھے ان کے غم میں بھئی۔ تو ان صحابہ کے درمیان اتنی محبت تھی، الحمد للہ اللہ نے ہمیں صحابہ کی محبت نصیب فرمائی ہے۔ صحابہ کی محبت، صحابہ ان کی وجہ سے ہی تو ہمیں دین پہنچا ہے، اگر صحابہ ہی مشکوک ہو جائیں پھر تو سارا دین ہی مشکوک ہو گیا، کیونکہ حضور علیہ السلام کا دین پہنچا ہی کس کے واسطے سے ہے؟ صحابہ کے واسطے سے۔ صحابہ کا واسطہ نکال دیں تو پھر تو یہ دین سارا ہی مشکوک ہو جاتا ہے۔ نیز صحابہ اگر مشکوک ہو گئے، صحابہ تو شاگرد ہیں حضور علیہ السلام کے، یہ تو گویا حضور علیہ السلام پر براہِ راست الزام ہے کہ آپ ان کی صحیح تربیت نہیں کر سکے۔ تو شیعہ عجیب ہیں، ان کا مذہب عجیب ہے، ساری دین کی دیواریں یہ گراتا ہوا چلا جاتا ہے۔ جی، تو الحمد للہ اللہ نے ہمیں صحابہ کی محبت نصیب فرمائی ہے، اللہ تعالیٰ ہم سب کو آخرت میں صحابہ کے ساتھ جمع فرمائے بھئی، آمین۔

چلیے بس بھئی۔ تو حاصلِ کلام یہ کہ صاحبِ کافیہ فرماتے ہیں کہ اس قسم کی مثالوں کے اندر تاویل کر کے ان کو نکرہ بنایا گیا ہے۔ کیا بنایا گیا ہے؟ بھئی سارا اشکال ہی کیا تھا؟ کہ لائے نفی جنس کا اسم معرفہ آرہا ہے، لہٰذا رفع بھی ہونا چاہیے اور تکرار بھی ہونا چاہیے۔ تو صاحبِ کافیہ نے آپ کو بتلایا کہ اس کو تاویل کر کے نکرہ بنا لیا گیا۔ تو دیکھنے میں یہ معرفہ ہے لیکن حقیقت میں کیا ہے؟ نکرہ۔ جب نکرہ ہے تو سارا اعتراض ہی ختم۔ اعتراض ہی صرف معرفہ ہونے کی بنا پر ہو رہا تھا کہ رفع بھی ہونا چاہیے اور تکرار بھی، جب یہ نکرہ ہے پھر تو یہ اشکال نہیں ہوتا۔ لائے نفی جنس کا اسم جب نکرہ ہو اور ساتھ ملا ہوا ہو اور مضاف ہو تو پھر وہ منصوب ہوتا ہے، اور یہاں بھی تینوں شرطیں پوری ہیں اسی لیے یہ أَبَا حَسَنٍ منصوب ہے بھئی۔ بات سمجھ میں آگئی؟ حل ہو گیا سارا۔ چلیے بس بھئی۔ هٰذَا هُوَ الْمَرَامُ وَاللّٰهُ أَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْكَلَامِ.

سبق نمبر ۱۷۵: اسمِ لائے نفیِ جنس (۵): «لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللهِ» میں پانچ وجوہِ اعراب

شرحِ ملا جامی صفحہ: ۱۵۶ — بتاریخ: ۳۰ جولائی ۲۰۲۲ء

▪ تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث

آگے سبق دیکھیے بھائی: ﴿ وَفِي مِثْلِ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللهِ ﴾ أَيْ فِيمَا كُرِّرَتْ فِيهِ لَا عَلَى سَبِيلِ الْعَطْفِ وَكَانَ عَقِيبَ كُلٍّ مِنْهُمَا نَكِرَةٌ بِلَا فَصْلٍ يَجُوزُ خَمْسَةُ أَوْجُهٍ بِحَسَبِ اللَّفْظِ لَا بِحَسَبِ التَّوْجِيهِ، فَإِنَّهَا بِحَسَبِ التَّوْجِيهِ تَزِيدُ عَلَيْهَا.

بھائی گزشتہ سبق میں لائے نفی جنس کے اسم کی بحث چل رہی تھی اور آپ نے پڑھا کہ لائے نفی جنس کا اسم جو ہے وہ منصوب ہوگا جب اس میں تین شرطیں پائی جائیں۔ ایک تو یہ کہ وہ لَا کے ساتھ ملا ہوا ہو، اور دوسری شرط یہ ہے کہ وہ نکرہ ہو، اور تیسری شرط یہ کہ وہ مضاف یا مشابہ مضاف ہو، جیسے لَا غُلَامَ رَجُلٍ فِي الدَّارِ۔ یہ غُلَامَ رَجُلٍ، یہ لائے نفی جنس کا اسم ہے اور یہ لَا کے ساتھ ملا ہوا ہے اور نکرہ ہے اور نیز مضاف ہے تو تینوں شرطیں پوری، اس لیے یہ منصوب ہے۔

اور اگر آخری شرط پوری نہ ہو یعنی مضاف یا مشابہ مضاف نہ ہو اور پہلی دو شرطیں پوری ہوں یعنی ساتھ ملا ہوا ہو اور نکرہ بھی ہو، تو اس صورت میں لائے نفی جنس کا اسم مبنی ہوتا ہے علامتِ نصب پر، جیسے لَا رَجُلَ فِي الدَّارِ۔ اب اس پر تنوین نہیں آرہی حالانکہ مانعِ تنوین کوئی چیز موجود نہیں، معلوم ہوا یہ مبنی ہو چکا ہے بھائی۔

یہ تو وہ صورت تھی کہ آخری شرط پوری نہ ہو تو مبنی ہو جاتا ہے۔ اور اگر پہلی دو شرطوں میں سے کوئی شرط پوری نہ ہوئی یعنی لَا کا اسم لَا کے ساتھ نہ ملا ہوا ہو بلکہ درمیان میں فصل ہوا یا لَا کا اسم نکرہ نہ ہوا بلکہ معرفہ ہوا، تو ان دو شرطوں میں سے کوئی شرط منتفی ہو جائے تو پھر اس صورت میں لَا کے اسم پر رفع واجب اور نیز لَا کے اسم کا تکرار بھی واجب ہے۔ رفع بھی واجب اور تکرار بھی واجب ہے۔ لَا کا بھی تکرار ہوگا اور اس کے اسم کا بھی تکرار ہوگا، جیسے لَا زَيْدٌ فِي الدَّارِ وَلَا عَمْرٌو۔ اب یہ زَيْدٌ معرفہ ہے، یہ لَا کے ساتھ ملا ہوا ہے، پہلی شرط تو پوری لیکن دوسری شرط جو ہے نکرہ ہونے کی وہ پوری نہیں، تیسری شرط کی طرف نہیں دیکھنا، اس سے قطع نظر، مضاف ہو یا مشابہ مضاف ہو اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ تو لَا زَيْدٌ فِي الدَّارِ وَلَا عَمْرٌو، تو دیکھو رفع بھی پڑھیں گے اور تکرارِ لَا مع تکرارِ اسم ہوگا۔

یا درمیان میں فصل آجائے، معرفہ نہ ہو صرف فصل آئے، لَا فِي الدَّارِ رَجُلٌ وَلَا امْرَأَةٌ۔ تو دیکھو لَا کے بعد فِي الدَّارِ جار مجرور آیا تو یہ لَا کے لیے خبرِ مقدم بن جائے گی اور رَجُلٌ یہ لَا کے ساتھ ملا نہیں ہوا تو صرف پہلی شرط منتفی ہے باقی یہ نکرہ ہے بھائی، تو اس صورت میں بھی اس پر رفع ہوگا اور تکرار ہوگا: لَا فِي الدَّارِ رَجُلٌ وَلَا امْرَأَةٌ۔

اور چاہے دونوں شرطیں منتفی ہوں، جیسے آپ کہتے ہیں لَا فِي الدَّارِ زَيْدٌ وَلَا عَمْرٌو۔ دیکھو فِي الدَّارِ درمیان میں آیا تو زَيْدٌ دور چلا گیا تو فصل بھی آگیا اور نیز زَيْدٌ معرفہ بھی ہے تو پہلی دونوں شرطیں منتفی ہیں، ساتھ بھی نہیں ملا ہوا اور نکرہ بھی نہیں ہے، تو اس صورت میں بھی اسی طرح ہوگا کہ رفع بھی واجب ہوگا اور تکرار بھی واجب ہوگا بھائی۔

اور پھر اس کی وجہ بھی ذکر کی تھی صاحبِ جامی نے کہ کیا وجہ ہے، رفع کیوں واجب ہوگا؟ تو بتلایا تھا کہ جب لَا کا اسم معرفہ آجائے تو یہ لَا یہ تو وضع ہے جنس کی نفی کے لیے، جنس کی نفی کے لیے، تو لہٰذا یہ معرفہ کے اندر عمل نہیں کر سکتا بھائی۔ جنس پر نکرہ دلالت کرتا ہے، معرفہ دلالت نہیں کرتا۔ اور جب فصل آجائے پھر بھی یہ عمل نہیں کرے گا کیونکہ لَا عاملِ ضعیف ہے، یہ اپنے قریب میں تو عمل کر سکتا ہے اور جب فصل آجائے تو پھر عمل نہیں کر سکتا بھائی۔ اور میں نے آپ کو یہ بھی بتلایا تھا کہ یہ جو رفع آئے گا یہ ابتدا کی وجہ سے آئے گا۔ کس کی وجہ سے؟ ابتدا کی وجہ سے آئے گا بھائی، اور یہ لَا جو ہے اس کے عمل کو لغو کر دیا گیا یعنی اب یہ عمل نہیں کر رہا، یہ لائے نفی جنس تو ہے لیکن عمل نہیں کر رہا، بات سمجھ میں آگئی؟ تو یہ جو رفع آئے گا یہ ابتدا کی وجہ سے، یہ بتدا ہے بھائی۔

اور پھر یہ بھی صاحبِ جامی نے وجہ ذکر کی تھی کہ یہ تکرار کیوں واجب ہے؟ تکرار کیوں واجب ہے؟ کہتے ہیں جب اس کا اسم معرفہ ہو جائے تو اس صورت میں بھی رفع بھی واجب اور تکرار بھی واجب۔ وجہ یہ کہ یہ لَا جو ہے یہ جنس کی نفی کے لیے آتا ہے اور جہاں بھی جنس کی نفی ہو وہاں نفی کے اندر تکرار ہوتا ہے یعنی افراد کی نفی ہوتی ہے۔ تو جنس کی نفی کے اندر افراد کی نفی والا معنی ہوتا ہے۔ جب میں نے کہا لَا رَجُلَ فِي الدَّارِ کوئی آدمی اس گھر میں نہیں ہے تو میرے کہنے کا مطلب کیا ہے؟ لَا زَيْدٌ فِي الدَّارِ وَلَا عَمْرٌو فِي الدَّارِ وَلَا خَالِدٌ فِي الدَّارِ وَلَا بَكْرٌ فِي الدَّارِ یعنی ہر ہر فرد کی نفی ہو گئی۔ تو جہاں بھی نفیِ جنس ہوگی وہاں کیا ہوگا؟ وہاں افراد کی نفی ہوگی۔ تو یہ لائے نفی جنس جو ہے یہ جنس کی نفی کے لیے آتا ہے اور جہاں جنس کی نفی ہو وہاں افراد کی نفی والا معنی پایا جاتا ہے۔ تو جب لَا کا اسم معرفہ ہوا، توجہ ہے، تو جب لَا کا اسم معرفہ ہوا تو تکرار کو واجب کر دیا گیا بطورِ عوض کے، بطورِ عوض، کہ اگر نکرہ ہوتا پھر تو افراد کی نفی تھی، معرفہ آگیا ہے اب افراد کی نفی نہیں ہو رہی تو لہٰذا کم از کم ایک اور معرفہ لے آؤ تاکہ کم از کم کتنے افراد کی نفی ہو جائے؟ دو افراد کی نفی ہو جائے، تو دیکھو یہاں پر بھی تعدد آگیا، صورت سمجھ میں آگئی؟

اور نکرہ کے اندر کیوں تکرار ضروری ہے؟ تو بتلایا تھا کیونکہ یہ جواب ہے ایک سوالِ مقدر کا اور سوال کے اندر تکرار تھا، مثلاً کسی نے پوچھا: أَفِي الدَّارِ رَجُلٌ أَمِ امْرَأَةٌ؟ کیا اس گھر میں مرد ہے یا عورت؟ تو سوال کے اندر تکرار تھا اور جواب کا

سوال کے مطابق ہونا بھی اہم چیز ہے، اسی لیے یہاں پر یہ چونکہ جواب تھا تو اس کے اندر تکرار لایا گیا۔ اور صاحبِ جامی نے یہ بھی بتلایا تھا کہ یہ تعلیل معرفہ میں بھی جاری ہو سکتی ہے کہ معرفہ میں ایک جواب تو ہم نے ذکر کر دیا۔ کیا جواب ہم نے ذکر کیا کہ معرفہ کے اندر تکرار کیوں ضروری ہوتا ہے؟ تاکہ وہ جو جنس کی نفی کے اندر افراد کی نفی والا معنی تھا اس کا عوض ہو جائے، یہاں کم از کم کتنے افراد کی نفی ہو جائے؟ دو افراد کی، تو یہاں بھی افراد کی نفی والا معنی آجائے۔ لیکن یہی جواب معرفہ میں بھی چل سکتا ہے کہ معرفہ میں تکرار کیوں لائے؟ کیونکہ یہ بھی ایک سوالِ مقدر کا جواب ہے اور سوال میں تکرار تھا اس لیے جواب میں بھی تکرار لے آئے۔ سوال کیا تھا مثلاً؟ أَزَيْدٌ فِي الدَّارِ أَمْ عَمْرٌو؟ سوال کے اندر تکرار تھا معرفہ کے اندر تو آپ جواب میں بھی کیا لے آئے؟ تکرار لے آئے کہ لَا زَيْدٌ فِي الدَّارِ وَلَا عَمْرٌو بھائی۔

اور پھر آگے صاحبِ کافیہ نے آپ کو بتلایا تھا کہ ﴿ وَنَحْوُ قَضِيَّةٌ وَلَا أَبَا حَسَنٍ لَهَا مُتَأَوَّلٌ ﴾ کہ اس جیسی مثالیں جو ہیں ان میں تاویل کی گئی ہے۔ یہ دراصل ایک اعتراض ہوتا ہے صاحبِ کافیہ کی عبارت پر۔ اعتراض یہ کہ اے صاحبِ کافیہ! آپ نے ہمیں بتلایا تھا کہ لائے نفی جنس کا اسم معرفہ آجائے تو اس پر رفع بھی واجب اور تکرار بھی واجب، اور یہاں پر وَلَا أَبَا حَسَنٍ لَهَا یہ أَبُو الْحَسَن کنیت ہے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تو یہ لَا کا اسم معرفہ آیا أَبَا حَسَنٍ، لیکن نہ تو اس پر رفع پڑھا گیا اور نہ ہی اس میں تکرار ہے، ایک ہی دفعہ لَا آیا ہے۔ تو اس کا جواب دیا تھا صاحبِ کافیہ نے کہ اس جیسی مثالوں کے اندر تاویل کی گئی ہے یعنی تاویل کر کے ان کو نکرہ بنایا گیا ہے۔ تو سارا اشکال ہی کس وجہ سے ہو رہا تھا؟ توجہ ہے؟ تو حاصلِ کلام یہ کہ صاحبِ کافیہ فرماتے ہیں کہ اس قسم کی مثالوں کے اندر تاویل کر کے ان کو نکرہ بنایا گیا ہے۔ کیا بنایا گیا ہے؟ بھائی سارا اشکال ہی کیا تھا کہ لائے نفی جنس کا اسم معرفہ آرہا ہے لہٰذا رفع بھی ہونا چاہیے اور تکرار بھی ہونا چاہیے، تو صاحبِ کافیہ نے آپ کو بتلایا کہ اس کو تاویل کر کے نکرہ بنا لیا گیا، تو دیکھنے میں یہ معرفہ ہے لیکن حقیقت میں کیا ہے؟ نکرہ۔ جب نکرہ ہے تو سارا اعتراض ہی ختم۔ اعتراض ہی صرف معرفہ ہونے کی بنا پر ہو رہا تھا کہ رفع بھی ہونا چاہیے اور تکرار بھی، جب یہ نکرہ ہے پھر تو یہ اشکال نہیں ہوتا۔ لائے نفی جنس کا اسم جب نکرہ ہو اور ساتھ ملا ہوا ہو اور مضاف ہو تو پھر وہ منصوب ہوتا ہے اور یہاں بھی تینوں شرطیں پوری ہیں، اسی لیے یہ أَبَا حَسَنٍ منصوب ہے بھائی۔

اور دو تاویلیں ذکر کی تھیں صاحبِ جامی نے۔ ایک یہ کہ یہاں مِثل کا لفظ مضاف محذوف نکال لیں، أَيْ وَلَا مِثْلَ أَبِي حَسَنٍ لَهَا، اور مِثل کا لفظ معرفہ کی طرف بھی مضاف ہو جائے یہ پھر بھی نکرہ ہی رہتا ہے، پھر اس مِثل کو حذف کر لیا گیا اور أَبَا حَسَنٍ کو اس کا قائم مقام کر دیا گیا تو یہ نکرہ ہے بھائی۔ اور دوسری تاویل یہ کی کہ یہاں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ذات نہیں مراد بلکہ ان کا وصفِ مشہور مراد ہے اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ مشہور تھے فیصلہ کرنے کے اعتبار سے کہ وہ بہترین فیصلہ کرتے تھے، تو یہاں أَبَا حَسَنٍ کس تاویل میں ہے؟ فَيَصَلٌ بَيْنَ الْحَقِّ وَالْبَاطِلِ وہ جو حق اور باطل کے درمیان فیصلہ کرنے والا ہو اور وہ تو کوئی بھی ہو سکتا ہے، زید بھی ہو سکتا ہے، عمر بھی ہو سکتا ہے، بکر بھی ہو سکتا ہے، تو دیکھو جب

أَبَا حَسَنٍ کس تاویل میں کر لیا؟ فَيْصَلٌ بَيْنَ الْحَقِّ وَالْبَاطِلِ کی تاویل میں کر لیا تو یہ نکرہ بن گیا اور سارا اعتراض ختم ہوا۔ اور نیز صاحبِ جامی نے یہ بھی فرمایا تھا کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی کنیت تو أَبُو الْحَسَنِ ہے، الف لام کے ساتھ ہے، لیکن یہاں الف لام ختم کر کے أَبَا حَسَنٍ، حَسَنٍ پر تنوین لائی گئی اور ظاہر یہی ہے کہ یہ تنوین تنکیر کے لیے ہے، نکرہ بنانے کے لیے ہے تاکہ یہ معرفہ نہ رہے بلکہ کیا بن جائے؟ نکرہ ہو جائے۔ جب نکرہ ہو گیا تو اعتراض اور اشکال ہی ختم ہوا، بات سمجھ میں آگئی۔

اب آئیے آج کے سبق پر بھائی: ﴿ وَفِي مِثْلِ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللهِ ﴾ أَيْ فِيمَا كُرِّرَتْ فِيهِ لَا عَلَى سَبِيلِ الْعَطْفِ وَكَانَ عَقِيبَ كُلٍّ مِنْهُمَا نَكِرَةٌ بِلَا فَصْلٍ يَجُوزُ خَمْسَةُ أَوْجُهٍ۔

جی، اب پہلے ذرا متن متن دیکھ لیجیے۔ صاحبِ کافیہ فرماتے ہیں: ﴿ وَفِي مِثْلِ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللهِ خَمْسَةُ أَوْجُهٍ:فَتْحُهُمَا وَنَصْبُ الثَّانِي وَرَفْعُهُ وَرَفْعُهُمَا وَرَفْعُ الْأَوَّلِ عَلَى ضَعْفٍ وَفَتْحُ الثَّانِي ﴾ سارا متن مل گیا؟ پھر دیکھیے متن: ﴿ وَفِي مِثْلِ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللهِ خَمْسَةُ أَوْجُهٍ:فَتْحُهُمَا وَنَصْبُ الثَّانِي وَرَفْعُهُ وَرَفْعُهُمَا وَرَفْعُ الْأَوَّلِ عَلَى ضَعْفٍ وَفَتْحُ الثَّانِي ﴾ یہ دور دور متن آرہا ہے ایک ایک دو دو سطروں بعد۔

دیکھیے بھائی، صاحبِ کافیہ فرماتے ہیں کہ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللهِ جیسی مثالوں میں پانچ وجہیں پڑھنا جائز ہیں، اس کو پانچ طرح پڑھنا جائز ہے۔ بھائی لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللهِ جیسی مثالوں میں، بھائی اس سے کس قسم کی مثالیں مراد ہیں؟ تو آپ کو صاحبِ جامی بتلائیں گے کہ اس سے مراد اس قسم کی مثالیں ہیں جن میں لَا کا تکرار ہو اور ہر لَا کے بعد نکرہ آرہا ہو بلا فصل کے یعنی درمیان میں فصل نہ ہو۔ تو لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللهِ جیسی مثالوں میں پانچ وجہیں پڑھنا جائز ہیں۔ بھائی اس جیسی مثالوں سے کیا مراد؟ یعنی وہ مثالیں جن میں لَا کا تکرار ہو اور ان دونوں کے بعد نکرہ آرہا ہو بغیر فصل کے یعنی ساتھ ملا ہوا ہو۔ تو دیکھو لَا حَوْلَ، لَا کے بعد حَوْل نکرہ آرہا ہے اور ساتھ ملا ہوا ہے، اور دوسرے لَا کے بعد بھی وَلَا قُوَّةَ ایک دوسرا نکرہ آرہا ہے اور وہ اس کے ساتھ ملا ہوا ہے۔ تو اس قسم کی مثالوں میں پانچ وجہیں پڑھنا جائز ہیں بھائی۔

تو کہتے ہیں: ﴿ وَفِي مِثْلِ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللهِ خَمْسَةُ أَوْجُهٍ ﴾ اور لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللهِ جیسی مثالوں میں پانچ وجہیں جائز ہیں۔ ﴿ فَتْحُهُمَا ﴾ ایک تو یہ کہ دونوں پر فتحہ ہو۔ بھائی میں نے آپ کو بتلایا تھا کہ یہاں تین قسم کے نام ہیں: رَفْعٌ، نَصْبٌ، جَرٌّ، اور دوسرا ہے ضَمٌّ، فَتْحٌ، كَسْرٌ بغیر گول تا کے، اور تیسرا گول تا کے ساتھ ہے ضَمَّةٌ، فَتْحَةٌ، كَسْرَةٌ۔ تو اس میں سے جو رَفْعٌ، نَصْبٌ، جَرٌّ یہ خاص ہیں معرب کے ساتھ، یہ معرب کے لیے استعمال ہوتے ہیں۔ اور ضَمٌّ، فَتْحٌ، كَسْرٌ بغیر گول تا کے، یہ خاص ہیں مبنی کے ساتھ۔ اور ضَمَّةٌ، فَتْحَةٌ، كَسْرَةٌ گول تا کے ساتھ جو ہیں یہ عام ہیں، یہ معرب کے ساتھ بھی استعمال ہوتے ہیں اور مبنی کے ساتھ بھی۔ تو کیا کہا؟ فَتْحُهُمَا دونوں پر فتحہ ہو، دیکھو فَتْحٌ لفظ سے کیا پتہ چلا؟ فَتْحٌ کس کے لیے استعمال ہوتا ہے؟ مبنی کے لیے، معلوم ہوا دونوں مبنی ہوں گے، اور مبنی یہاں کیسے آئے گا؟ اس پر تنوین نہیں آئے گی:

لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللهِ۔ تو لَا حَوْلَ اس پر بھی تنوین نہیں آ رہی اگرچہ مانعِ تنوین کوئی چیز نہیں، نہ اس پر الف لام ہے اور نہ اس کی اضافت ہو رہی ہے۔ وَلَا قُوَّةَ دیکھو اس پر بھی تنوین نہیں آ رہی اگرچہ مانعِ تنوین یہاں بھی کوئی چیز نہیں، معلوم ہوا یہ معرب نہیں ہیں

بلکہ کیا ہو چکے؟ مبنی ہو چکے۔ تو ایک تو صورت یہ ہے دونوں پر فتحہ پڑھا جائے: لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللهِ بغیر تنوین کے۔

اور دوسری صورت: ﴿ وَنَصْبُ الثَّانِي ﴾ دوسرے پر نصب آئے۔ پہلے کو نہیں بیان کیا، پہلے کو ایک دفعہ بیان کر چکے دونوں پر کیا آئے؟ فتحہ، وہاں سے پتہ چل گیا تھا کہ پہلے پر کیا آنا چاہیے؟ فتحہ۔ اب صرف فرق آ رہا ہے کہ جو وَلَا قُوَّةَ، اس پر نصب پڑھیں گے، اور نصب کس کے لیے بولا جاتا ہے؟ معرب کے لیے، تو لہٰذا اس کو معرب پڑھیں اور معرب جب پڑھیں گے تو وَلَا قُوَّةَ یوں نہیں پڑھیں گے بلکہ کیسے پڑھیں گے؟ وَلَا قُوَّةٌ تنوین کے ساتھ پڑھیں گے کیونکہ یہاں کوئی مانعِ تنوین نہیں ہے بھائی۔ تو کیسے پڑھیں گے دوسری صورت؟ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةً إِلَّا بِاللهِ۔ تو لَا حَوْلَ جو پہلا ہے وہ اسی طرح مبنی علی الفتح رہے گا بھائی۔

آگے دیکھیے متن: ﴿ وَرَفْعُهُ ﴾ أَيْ رَفْعُ الثَّانِي، یہ ہا ضمیر ثانی کو راجع ہے۔ تیسری صورت یہ ہے کہ ثانی پر رفع پڑھیں، پہلے پر اسی طرح فتحہ پڑھیں لَا حَوْلَ اور دوسرے پر کیا پڑھیں؟ رفع پڑھیں، اور رفع کس میں بولتے ہیں معرب میں یا مبنی میں؟ معرب میں، اور معلوم ہوا ثانی معرب ہے اور اس پر رفع پڑھیں گے یعنی تنوین کے ساتھ پڑھیں گے، تو کیسے پڑھیں گے؟ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةٌ إِلَّا بِاللهِ، لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةٌ إِلَّا بِاللهِ۔ تو یہ تین صورتیں دیکھو، لَا حَوْلَ اسی طرح آئے گا تینوں میں، البتہ اگلا جو ہے وَلَا، پہلی صورت کیا؟ وَلَا قُوَّةَ، دوسری صورت کیا؟ وَلَا قُوَّةً، تیسری صورت کیا؟ وَلَا قُوَّةٌ۔ فرق سمجھ میں آ رہا ہے؟ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ ایک صورت، لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةً دوسری صورت، لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةٌ تیسری صورت۔

جی آگے دیکھیے: ﴿ وَرَفْعُهُمَا ﴾ چوتھی صورت یہ ہے دونوں پر رفع پڑھیں اور رفع کس کے ساتھ بولا جاتا ہے؟ معرب کے ساتھ، معلوم ہوا معرب ہوگا۔ تو پڑھیں ذرا بھائی دونوں پر رفع پڑھیں۔ شاباش، لَا حَوْلٌ وَلَا قُوَّةٌ إِلَّا بِاللهِ۔ رفع پڑھیں گے، مبنی نہیں ہے، تنوین آئے گی بھائی کیونکہ مانعِ تنوین کوئی چیز نہیں ہے۔ تو چوتھی صورت کیا ہو گئی؟ لَا حَوْلٌ وَلَا قُوَّةٌ إِلَّا بِاللهِ۔

اور پانچویں صورت جو ہے: ﴿ وَرَفْعُ الْأَوَّلِ عَلَى ضَعْفٍ وَفَتْحُ الثَّانِي ﴾ پہلے پر رفع پڑھیں گے عَلَى ضَعْفٍ ضعف کے ساتھ یعنی اس پر رفع پڑھنا ضعیف ہے۔ یہ پانچویں صورت ہے بھائی، پہلے پر کیا پڑھیں گے؟ وَرَفْعُ الْأَوَّلِ عَلَى ضَعْفٍ، پہلے پر رفع پڑھیں گے ضعف کے ساتھ، وَفَتْحُ الثَّانِي اور ثانی پر فتحہ پڑھیں گے۔ رَفْعُ الْأَوَّلِ پہلے پر رفع پڑھیں گے، اس رفع کہنے سے کیا پتہ چلا؟ پہلا معرب ہوگا یا مبنی؟ معرب ہوگا، معلوم ہوا اس پر رفع پڑھیں گے تنوین کے ساتھ۔ اور آگے کہا وَفَتْحُ الثَّانِي دوسرے پر فتحہ پڑھیں گے، اس سے کیا پتہ چلا؟ وہ مبنی ہوگا۔ تو پڑھیے بھائی کیسے پڑھیں گے؟ شاباش، لَا حَوْلٌ وَلَا قُوَّةَ

إِلَّا بِاللهِ۔

پھر پڑھیے، اب پھر شروع سے سارے مجھے سنائیے۔ فَتْحُهُمَا کیسے پڑھیں گے؟ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللهِ، شاباش۔ اور وَنَصْبُ الثَّانِي یہ کیسے پڑھیں گے؟ پہلے پر اسی طرح فتحہ برقرار رکھیں، صرف دوسرے میں تبدیلی آئی ہے نَصْبُ الثَّانِي اس پر نصب، جی؟ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللهِ، شاباش۔ وَرَفْعُهُ اسی دوسرے پر رفع پڑھیں گے، یہ رَفْعُهُ کی ہا ضمیر الثَّانِي کو ہی راجع ہے، پڑھیے بھائی تیسری صورت: لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةٌ إِلَّا بِاللهِ، شاباش۔ وَرَفْعُهُمَا دونوں پر رفع پڑھیں گے: لَا حَوْلٌ وَلَا قُوَّةٌ إِلَّا بِاللهِ، شاباش۔ وَرَفْعُ الْأَوَّلِ عَلَى ضَعْفٍ وَفَتْحُ الثَّانِي پڑھیے بھائی: شاباش، لَا حَوْلٌ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللهِ۔ اچھا جی بات سمجھ میں آگئی ساری؟

اب اس سارے کو شرح کے ساتھ دیکھیے۔ کہتے ہیں: ﴿ وَفِي مِثْلِ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللهِ ﴾، لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللهِ جیسی مثالوں میں۔ بھائی اس جیسی مثالوں میں کیا مراد ہے اس سے؟ میں نے آپ کو بتلا دیا، کیا مراد ہے؟ کہ جس میں لَا کا تکرار ہو اور لَا کے بعد فوراً اس کے ساتھ ملا ہوا نکرہ آجائے۔ تو وہی بیان کر رہے ہیں: أَيْ فِيمَا كُرِّرَتْ فِيهِ لَا عَلَى سَبِيلِ الْعَطْفِ، یعنی اس قسم کی مثالوں میں جس میں لَا کا تکرار ہو عَلَى سَبِيلِ الْعَطْفِ کس طریقے پر؟ عطف کے طریقے پر، درمیان میں حرفِ عطف بھی آئے گا بھائی لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ یہ واو بھی آئے گا۔ تو کہتے ہیں: أَيْ فِيمَا اس قسم کی مثالوں میں كُرِّرَتْ فِيهِ لَا کہ جس کے اندر لَا کا تکرار کیا جائے عَلَى سَبِيلِ الْعَطْفِ عطف کے طریقے پر، وَكَانَ عَقِيبَ كُلٍّ مِنْهُمَا نَكِرَةٌ بِلَا فَصْلٍ اور ان دونوں میں سے، یہ جو دو لَا ہیں، ان دونوں میں سے ہر ایک کے بعد نَكِرَةٌ بِلَا فَصْلٍ ایسا نکرہ ہو جو بغیر فصل کے ہو، درمیان میں فصل نہ ہو، اس لَا کے ساتھ ملا ہوا نکرہ ہو، تو اس قسم کی مثالوں میں يَجُوزُ خَمْسَةُ أَوْجُهٍ پانچ وجہیں پڑھنا جائز ہیں بِحَسَبِ اللَّفْظِ لَا بِحَسَبِ التَّوْجِيهِ۔

اس کو اچھی طرح سمجھ لیں، پانچ وجہیں جائز ہیں بِحَسَبِ اللَّفْظِ لفظ کے اعتبار سے یعنی تلفظ کے اعتبار سے، لفظ کے اعتبار سے یعنی تلفظ کے اعتبار سے۔ دیکھو آپ نے جو پانچ وجہیں پڑھیں تلفظ کے اعتبار سے پانچ صورتیں بنتی ہیں۔ اور توجیہ، توجیہ کہتے ہیں کسی چیز کی وجہ بیان کرنا، وجہ ذکر کرنا۔ تو ان پر یہ اعراب کیوں آرہے ہیں؟ لَا حَوْلَ یہ مبنی علی الفتح کیوں ہے؟ وَلَا قُوَّةَ یہ مبنی علی الفتح کیوں ہے؟ یا آپ پڑھتے ہیں لَا حَوْلٌ وَلَا قُوَّةٌ إِلَّا بِاللهِ یہ حَوْلٌ کیوں پڑھا، قُوَّةٌ کیوں پڑھا؟ تو یہ جو اعراب کی وجہیں ذکر کی جاتی ہیں وہ پانچ سے زیادہ ہیں۔ اعراب کتنی قسم کا بنے گا، صورت کتنی بنے گی تلفظ کے اعتبار سے؟ پانچ قسمیں، تلفظ کے اعتبار سے پانچ صورتیں بنیں گی لیکن اعراب کی وجہ ذکر کی جائے تو وہ پانچ سے زیادہ صورتیں بن جائیں گی۔ آگے تفصیل آئے گی وہاں بھی میں ان شاء اللہ ذکر کر دوں گا۔ تو بہرحال اتنا یاد رکھیے، بھائی دیکھیے نا کسی لفظ میں رفع آتا ہے، رفع کبھی فاعل ہونے کی بنا پر آتا ہے، کبھی رفع مبتدا ہونے کی وجہ سے آتا ہے، کبھی رفع خبر ہونے کی وجہ سے آتا ہے۔ تو ایک لفظ ہے اس لفظ کے بارے میں مثلاً ایک نحوی کہتا ہے اس پہ رفع اس لیے آیا کہ یہ فاعل ہے، دوسرا کہتا ہے رفع اس لیے آیا کہ یہ مبتدا ہے، تیسرا کہتا ہے رفع اس لیے آیا کہ یہ خبر ہے مثلاً، ویسے ایک میں مثال ذکر کر رہا ہوں۔ تو دیکھو

تلفظ تو تینوں صورتوں میں ایک ہی ہے مثلاً زَيْدٌ، تینوں صورتوں میں کیا پڑھنا ہے؟ زَيْدٌ۔ ہاں یہ اعراب اس پر رفع کیوں آیا؟ مثلاً ایک نحوی کیا کہتا ہے یہ فاعل ہے، اور ایک نحوی کیا کہتا ہے یہ مبتدا ہے۔ مثلاً میں کہتا ہوں فِي الدَّارِ زَيْدٌ۔ فِي الدَّارِ کیا ہے؟ خبرِ مقدم، اور زَيْدٌ مبتدا، تو یہ زید پر رفع کیوں آیا؟ مبتدا ہونے کی وجہ سے۔ بعض علمائے نحو فرماتے ہیں یہ فاعل ہے فِي الدَّارِ ظرف کے لیے، فِي الدَّارِ جار مجرور ہے اور جار مجرور کے لیے آگے کیا آسکتا ہے فاعل اسمِ ظاہر آسکتا ہے تو یہ زَيْدٌ اس کے لیے فاعل ہے اور پھر وہ اس کو جملہ ظرفیہ بناتے ہیں۔ یہاں توجیہ جو ہے وہ اعراب کی جو وجہ ہے کہ یہ اعراب کیوں آیا یا یہ حرکت کیوں آئی بھائی۔

تو کہتے ہیں: يَجُوزُ خَمْسَةُ أَوْجُهٍ بِحَسَبِ اللَّفْظِ ان کے اندر پانچ وجہیں جائز ہیں لفظ یعنی تلفظ کے اعتبار سے، لَا بِحَسَبِ التَّوْجِيهِ نہ کہ توجیہ کے اعتبار سے پانچ وجہیں نہیں ہیں، اس اعتبار سے زیادہ بن جاتی ہیں۔ فَإِنَّهَا بِحَسَبِ التَّوْجِيهِ تَزِيدُ عَلَيْهَا اس لیے کیونکہ یہ وجہیں توجیہ کے اعتبار سے بڑھ جاتی ہیں پانچ پر، توجیہ کے اعتبار سے فَإِنَّهَا بِحَسَبِ التَّوْجِيهِ تَزِيدُ عَلَيْهَا اس لیے کیونکہ یہ وجہیں جو ہیں توجیہ کے اعتبار سے پانچ سے بڑھ جاتی ہیں۔

اب وہ وجہیں ذکر کر رہے ہیں: الْأَوَّلُ پہلی قسم جو ہے، پہلی وجہ جو ہے: فَتْحُهُمَا کہ دونوں پر فتحہ ہو أَيْ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللهِ۔ اب ترکیب ذکر کریں گے بھائی لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللهِ۔ بھائی پہلے آپ ترکیب سمجھ لیں۔ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللهِ پڑھا۔ لَا حَوْلَ کیوں پڑھا؟ کیونکہ یہ لائے نفی جنس ہے اور لائے نفی جنس کا اسم اس کے ساتھ ملا ہوا ہو اور نکرہ ہو لیکن مضاف یا مشابہ مضاف نہ ہو تو وہ کیا ہوتا ہے؟ مبنی علی الفتح۔ اس لیے یہ حَوْلَ کیا ہے؟ مبنی علی الفتح۔ اسی طرح وَلَا قُوَّةَ یہ لَا بھی کیا ہے؟ لائے نفی جنس، اور قُوَّةَ یہ کیا ہے؟ اس کا اسم ہے مبنی علی الفتح ہے، ساتھ بھی ملا ہوا ہے، نکرہ بھی ہے لیکن مضاف یا مشابہ مضاف نہیں ہے۔

پھر اس کے اندر یاد رکھو، لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللهِ یہاں آپ عطفِ مفرد علی المفرد بھی کر سکتے ہیں اور آپ عطفِ جملہ علی الجملہ بھی کر سکتے ہیں۔ عطفِ جملہ علی الجملہ یوں ہوگا کہ ہر لَا کی الگ خبر نکال لیں: لَا حَوْلَ مَوْجُودٌ، اور دوسرے کے لیے الگ نکالیں: وَلَا قُوَّةَ مَوْجُودٌ، لَا حَوْلَ مَوْجُودٌ وَلَا قُوَّةَ مَوْجُودٌ۔ تو دیکھو لَا حَوْلَ مَوْجُودٌ یہ ایک پورا جملہ ہے، ایک لَا کا اسم ہے ایک لَا کی خبر۔ اور آگے کیا ہے؟ وَلَا قُوَّةَ مَوْجُودٌ، ایک لَا کا اسم ہے اور ایک لَا کی خبر، اور إِلَّا بِاللهِ یہ جار مجرور اس کے اندر تنازع ہے، لَا حَوْلَ کے لیے جو مَوْجُودٌ نکالا وہ چاہتا ہے یہ إِلَّا بِاللهِ میرے ساتھ جڑے، اور وَلَا قُوَّةَ کے لیے جو مَوْجُودٌ خبر نکالی وہ چاہتی ہے کہ یہ میرے ساتھ جڑے تو اس میں تنازع ہے دونوں خبروں کا، توجہ ہے؟ تو پھر جس سے آپ جوڑ دیں گے دوسرے کے لیے محذوف نکال لیں گے۔ اگر آپ پہلے سے جوڑ دیتے ہیں اس کو تو دوسرے کے لیے إِلَّا بِاللهِ محذوف نکال لیں گے، اور اگر آپ اس کو دوسرے کے ساتھ جوڑتے ہیں تو پھر پہلے کے لیے محذوف نکال لیں گے۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ تو اب دیکھو دونوں کے لیے جب ہم نے الگ الگ خبر نکال لی تو دو جملے ہو گئے اور درمیان میں واو

حرفِ عطف آرہا تھا وَلَا قُوَّةَ، یہ واو آرہا ہے، تو ایک جملے کا عطف ہو گیا دوسرے جملے پر۔

اور ایک صورت یہ ہے کہ دونوں کی ایک ہی خبر آپ اکٹھی نکالیں: لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ مَوْجُودَانِ إِلَّا بِاللهِ۔ لَا حَوْلَ ایک چیز حَوْل ہو گئی اور وَلَا قُوَّةَ دوسری چیز قُوَّة ہو گئی، دو چیزیں ہو گئیں تو اکٹھی ایک ہی خبر نکال لو: لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ مَوْجُودَانِ إِلَّا بِاللهِ۔ تو اس صورت میں پھر عطفِ مفرد علی المفرد ہو جائے گا۔ کیا ہو جائے گا؟ عطفِ مفرد علی المفرد، کیونکہ جملہ ہے ہی نہیں، جملہ تو ایک ہی بن رہا ہے، ہاں وَلَا قُوَّةَ کا عطف کس پر ہو گیا؟ لَا حَوْلَ پر ہو گیا اور دونوں کے آگے پھر ایک ہی خبر آگئی، جیسے میں کہتا ہوں زَيْدٌ وَعَمْرٌو قَائِمَانِ۔ زَيْدٌ وَعَمْرٌو، تو عَمْر کا عطف زَيْد پر ہوا اور دونوں کی ایک ہی خبر آگے قَائِمَانِ آگئی۔ تو دیکھو یہاں معلوم ہوا عطفِ جملہ علی الجملہ والی صورت بھی جائز ہے اور عطفِ مفرد علی المفرد والی صورت بھی جائز ہے۔

بھائی اس کا ترجمہ سمجھ لیں۔ حَوْل کا معنی ہے پھرنا اور پلٹنا، کسی چیز سے واپس ہونا۔ تو لَا حَوْلَ نہیں ہے پلٹنا عَنِ الْمَعَاصِي گناہوں سے، کہ ہم گناہوں سے پلٹ نہیں سکتے، ہم گناہوں سے بچ نہیں سکتے مگر اللہ کی مدد سے۔ وَلَا قُوَّةَ أَيْ وَلَا قُوَّةَ عَلَى الطَّاعَةِ اور ہمیں اللہ کی اطاعت کی قوت اور قدرت نہیں ہے إِلَّا بِاللهِ مگر اللہ کی مدد کے ساتھ۔ یاد رکھو ہم جو بھی نیکی کرتے ہیں یہ اللہ کی توفیق سے ہوتی ہے، اگر اللہ توفیق نہ دیتے تو ہم ایک بھی نیکی نہیں کر سکتے تھے۔ اور ہم جتنے بھی گناہوں سے بچتے ہیں یہ بھی اللہ کی توفیق سے ہوتا ہے، اگر اللہ توفیق نہ دیتے تو ہم کسی گناہ سے نہیں بچ سکتے۔ تو لہٰذا کسی گناہ سے بچنا یہ بھی اللہ کی توفیق سے ہے اور کوئی نیکی کرنا یہ بھی اللہ کی توفیق سے ہے، لہٰذا اسی لیے اپنے نیک اعمال کو دیکھ کر کبھی ذہن میں تکبر کا احساس نہیں آنا چاہیے کہ میں تو بڑی نیکیاں کرنے والا ہوں۔ آپ جو بھی نیکی کر رہے ہیں وہ اللہ کی توفیق سے کر رہے ہیں اور آپ جس گناہ سے بھی بچتے ہیں وہ اللہ کی توفیق سے بچتے ہیں، تو یہ سارا اللہ کا فضل ہے آپ کے اوپر، اس میں آپ کا اپنا کوئی کمال نہیں ہے لہٰذا کسی بھی لحاظ سے ذہن میں تکبر کا خیال نہ آئے بھائی، بات سمجھ میں آگئی۔

تو لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللهِ أَيْ لَا حَوْلَ عَنِ الْمَعَاصِي وَلَا قُوَّةَ عَلَى الطَّاعَةِ إِلَّا بِاللهِ أَيْ إِلَّا بِإِعَانَةِ اللهِ۔ لَا حَوْلَ عَنِ الْمَعَاصِي نہ تو گناہوں سے پلٹنا ہے وَلَا قُوَّةَ عَلَى الطَّاعَةِ اور نہ ہی اللہ کی اطاعت پر قوت اور قدرت ہے إِلَّا بِاللهِ مگر اللہ کی مدد سے۔

دیکھیے بھائی دوبارہ: فَتْحُهُمَا پہلی وجہ یہ ہے فَتْحُهُمَا کہ دونوں پر فتحہ پڑھا جائے أَيْ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللهِ، عَلَى أَنْ تَكُونَ لَا فِي كُلٍّ مِنْهُمَا لِنَفْيِ الْجِنْسِ بنا بر اس کے، یہ عَلَى میں نے بتایا علت اور وجہ بیان کرنے کے لیے آتا ہے، اس وجہ سے، بنا بر اس کے کہ لَا جو ہے فِي كُلٍّ مِنْهُمَا دونوں کے اندر لِنَفْيِ الْجِنْسِ وہ کس لیے ہے؟ نفیِ جنس کے لیے ہے۔ وَلَا قُوَّةَ عَطْفًا عَلَى لَا اور وَلَا قُوَّةَ کا عطف ہے لَا پر، توجہ ہے؟ وَلَا قُوَّةَ عَطْفًا۔ بھائی یہ پیچھے كَانَ آیا تھا، عَلَى أَنْ تَكُونَ لَا فِي كُلٍّ مِنْهُمَا لِنَفْيِ الْجِنْسِ، اس کے اندر یہ جو أَنْ تَكُونَ لَا یہ ہے كَانَ کا اسم اور لِنَفْيِ الْجِنْسِ یہ ہے كَانَ کی خبر کہ لَا ان دونوں کے اندر نفیِ جنس

کے لیے ہے۔ آگے آیا وَلَا قُوَّةَ عَطْفًا عَلَى لَا حَوْلَ، تو یہ جو ہے یہ وَلَا قُوَّةَ اس کا عطف ہے پیچھے كَانَ کے اسم پر، اور عَطْفًا عَلَى لَا

حَوْلَ اس کا عطف ہے كَانَ کی خبر پر بھائی، اور كَانَ کی خبر کیا ہوتی ہے؟ منصوب، اسی لیے عَطْفًا عَلَى لَا حَوْلَ یہ بھی منصوب آیا، بات سمجھ میں آگئی؟ اور آگے آرہا ہے عَطْفَ مُفْرَدٍ عَلَى مُفْرَدٍ، یہ بدل ہے ماقبل میں جو عَطْفًا آیا تھا۔ ماقبل میں کیا آیا؟ وَلَا قُوَّةَ عَطْفًا عَلَى لَا حَوْلَ، اسی عَطْفًا سے بدل ہے عَطْفَ مُفْرَدٍ عَلَى مُفْرَدٍ۔ تو عَطْفًا ہے مبدل منہ اور عَطْفَ مُفْرَدٍ عَلَى مُفْرَدٍ یہ ہے بدل، اور بدل پر وہی اعراب آتا ہے جو مبدل منہ پر ہو، البتہ مبدل منہ پر تنوین تھی کیونکہ وہاں مانعِ تنوین کوئی چیز نہیں جبکہ عَطْفَ مُفْرَدٍ یہاں تنوین نہیں اس لیے کیونکہ عَطْف کی اضافت ہو رہی ہے مُفْرَد کی طرف بھائی۔

اب سنیں ترجمہ بھائی۔ کہتے ہیں: وَلَا قُوَّةَ عَطْفًا عَلَى لَا حَوْلَ، اور وَلَا قُوَّةَ جو ہے یہ عطف ہے لَا حَوْلَ پر، عَطْفَ مُفْرَدٍ عَلَى مُفْرَدٍ یعنی مفرد کا عطف ہے مفرد پر، یعنی مفرد کا عطف ہے مفرد پر۔ وَخَبَرُهَا مَحْذُوفٌ اور لَا کی خبر محذوف ہے، أَيْ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ مَوْجُودٌ إِلَّا بِاللهِ۔ بھائی مفرد کا عطف مفرد پر کر دیا، دونوں کی ایک ہی خبر نکال لی: لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ مَوْجُودٌ إِلَّا بِاللهِ۔ میں نے خبر نکالی تھی مَوْجُودَانِ، لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ مَوْجُودَانِ کیونکہ دو چیزیں ہو گئیں، ایک حَوْل اور ایک قُوَّة، تو اس لیے خبر اس کے مطابق مَوْجُودَانِ نکال لیں۔ لیکن صاحبِ جامی نے مَوْجُودٌ مفرد خبر نکال لی، مفرد خبر لانا بھی صحیح ہے: لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ مَوْجُودٌ، أَيْ كُلُّ وَاحِدٍ ان میں سے ہر ایک۔ مَوْجُودٌ کے اندر هُوَ ضمیر ہے اور مَوْجُودَانِ کے اندر هُمَا ضمیر تھی، هُمَا ضمیر چاہیے کیونکہ پیچھے دو چیزیں ہیں، لیکن صاحبِ جامی مَوْجُودٌ لائے اس میں هُوَ ضمیر ہے، تو یہ هُوَ ضمیر راجع ہے پیچھے دونوں کو كُلُّ وَاحِدٍ کی تاویل میں۔ تو أَيْ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ مَوْجُودٌ إِلَّا بِاللهِ، یہاں تک بات سمجھ میں آگئی؟

بھائی یہاں ایک اور بات سمجھ لیں۔ دونوں کی ایک ہی خبر نکالی اور دونوں لائے نفی جنس ہیں، اور ہر لائے نفی جنس اپنی خبر چاہتا ہے۔ ہر لائے نفی جنس کیا چاہتا ہے؟ اپنی خبر۔ آپ نے ایک ہی کو دونوں کے لیے خبر بنا دیا، تو ایک ہی خبر میں دو عامل آگئے حالانکہ ایک ہی معمول کے اندر دو عامل نہیں ہو سکتے۔ اشکال سمجھ میں آیا؟ ایک ہی معمول کے اندر دو عامل عمل نہیں کر سکتے، لیکن یہاں جائز ہے وجہ یہ کہ دونوں عامل ایک دوسرے کے مثل ہیں، ایک جیسے ہی ہیں، ایک بھی لائے نفی جنس ہے دوسرا بھی لائے نفی جنس ہے تو گویا عامل ایک ہی ہے یوں سمجھیں۔ اگر عامل مختلف ہوتے پھر یہ جائز نہیں تھا۔ تو چونکہ یہ دونوں ایک دوسرے کے مثل ہیں، دونوں لائے نفی جنس ہیں لہٰذا گویا یوں سمجھو ایک ہی عامل ہے، تو دونوں جو ایک دوسرے کے مثل ہیں، جب دونوں ایک دوسرے کے مثل ہوئے تو یہ شے واحد کی طرح ہوئے یعنی عاملِ واحد کی طرح ہو گئے تو ان کے لیے ایک ہی خبر لے آئے بھائی۔

آگے دیکھیے۔ یہ تو تھا عطفِ مفرد علی المفرد۔ أَوْ عَطْفَ جُمْلَةٍ عَلَى جُمْلَةٍ، اس کا عطف وہ ماقبل میں جو آیا تھا عَطْفَ مُفْرَدٍ عَلَى مُفْرَدٍ پر ہے اور وہ منصوب تھا بدل ہونے کی وجہ سے تو اس پر بھی نصب پڑھیں گے۔ أَوْ عَطْفَ جُمْلَةٍ عَلَى جُمْلَةٍ، یا یہ جملے کا عطف جملے پر ہے، أَيْ لَا حَوْلَ إِلَّا بِاللهِ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللهِ۔ لَا حَوْلَ إِلَّا بِاللهِ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللهِ۔ بھائی وَلَا قُوَّةَ کے

بعد تو إِلَّا بِاللهِ موجود تھا، لَا حَوْلَ کے لیے بھی خبر إِلَّا بِاللهِ محذوف نکال لی۔ تو کلام کیا بن گیا؟ لَا حَوْلَ إِلَّا بِاللهِ پورا جملہ، وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللهِ پورا جملہ، اور جملے کا عطف جملے پر ہو جائے گا۔ تو کس کی خبر محذوف تھی؟ لَا حَوْلَ یعنی پہلے کی خبر محذوف تھی، دوسرے کی خبر تو مذکور ہے۔ تو کہتے ہیں: فَحُذِفَ خَبَرُ الْجُمْلَةِ الْأُولَى تو پہلے جملے کی خبر حذف کر لی گئی اسْتِغْنَاءً عَنْهُ بِخَبَرِ الْجُمْلَةِ الثَّانِيَةِ اسْتِغْنَاءً عَنْهُ اس سے بے نیازی ہونے کی وجہ سے بِخَبَرِ الْجُمْلَةِ الثَّانِيَةِ جملہ ثانیہ کی خبر کی وجہ سے۔ دوسرے جملے کی خبر کی وجہ سے پہلے جملے کی خبر سے بے نیازی حاصل ہو گئی تھی یعنی اس کی حاجت نہ رہی تھی، ضرورت نہ رہی تھی، اس لیے اس کو حذف کر لیا گیا۔ جب ایک کی خبر إِلَّا بِاللهِ موجود ہے تو اسی سے دوسرے کی خبر بھی خود بخود سمجھ میں آجاتی ہے۔ تو لَا حَوْلَ کے لیے جو إِلَّا بِاللهِ خبر تھی اس کو کیا کر لیا گیا؟ حذف، کیونکہ وَلَا قُوَّةَ کے لیے إِلَّا بِاللهِ موجود تھا، بات سمجھ میں آگئی؟ یہ معنی ہے، دوبارہ دیکھیے ترجمہ: فَحُذِفَ خَبَرُ الْجُمْلَةِ الْأُولَى تو جملہ اولی کی خبر کو حذف کر لیا گیا اسْتِغْنَاءً عَنْهُ اس سے بے نیازی حاصل ہونے کی وجہ سے۔ بھائی بے نیازی کیوں حاصل ہوئی؟ کہتے ہیں بِخَبَرِ الْجُمْلَةِ الثَّانِيَةِ جملہ ثانیہ کی خبر کی وجہ سے کہ جملہ ثانیہ کے لیے تو إِلَّا بِاللهِ آرہا تھا۔ یہاں تک بات سمجھ میں آگئی؟

بھائی دیکھیے یہاں آپ کے ذہن میں اشکال آئے گا کہ پیچھے صاحبِ جامی نے ترکیب ذکر کی اور یوں کہا کہ خبر محذوف ہے، أَيْ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ مَوْجُودٌ إِلَّا بِاللهِ، اور یہاں پر مَوْجُودٌ نہیں نکالا اسی إِلَّا بِاللهِ کو خبر بنا دیا اور پہلے لَا حَوْلَ کے لیے ایک إِلَّا بِاللهِ، ایک خبر محذوف نکال لی۔ تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ إِلَّا بِاللهِ تو پہلے بھی موجود تھا، وہاں مَوْجُودٌ نکالنے کی کیا ضرورت تھی؟ اسی إِلَّا بِاللهِ کو خبر بنا دیتے۔ اعتراض سمجھ میں آیا؟ کیا اعتراض؟ کہ خبر محذوف ہے أَيْ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ مَوْجُودٌ إِلَّا بِاللهِ، صاحبِ جامی نے کہا یہاں خبر محذوف ہے۔ اور آگے جب کہا عَطْفَ جُمْلَةٍ عَلَى جُمْلَةٍ وہاں کہتے ہیں أَيْ لَا حَوْلَ إِلَّا بِاللهِ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللهِ، اسی إِلَّا بِاللهِ کو خبر بنا دیا۔ تو وہ إِلَّا بِاللهِ تو یہاں بھی موجود تھا، یہ مَوْجُودٌ نکالنے کی کیا ضرورت تھی؟ یوں کہہ دیتے لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللهِ، یہ دونوں کی إِلَّا بِاللهِ خبر ہے۔ لیکن یہاں کیا کیا؟ مَوْجُودٌ نکالا اور وہاں پر اسی إِلَّا بِاللهِ کو خبر قرار دے دیا۔ اعتراض اور اشکال سمجھ میں آیا؟

تو یاد رکھیے بھائی، حقیقت کے اعتبار سے خبر مَوْجُودٌ ہی ہے۔ حقیقت کے اعتبار سے خبر مَوْجُودٌ ہی ہے۔ مَوْجُودٌ ہی ہے، اور تقدیرِ کلام یوں ہے: لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ مَوْجُودٌ إِلَّا بِاللهِ، یہ مَوْجُودٌ خبر ہے یا مَوْجُودَانِ نکال لیں، مَوْجُودَانِ خبر ہے، اور إِلَّا بِاللهِ یہ إِلَّا حرفِ استثنا ہے اور بِاللهِ جار مجرور مل کر اسی مَوْجُودٌ یا مَوْجُودَانِ سے متعلق ہو جائیں گے، پھر اس مَوْجُودٌ یا مَوْجُودَانِ کو حذف کر لیا گیا اور یہ بِاللهِ ظرفِ مستقر ہو گیا، اس نے اپنے عامل کی جگہ قرار پکڑ لیا، تو اب یہ خبر بن گیا۔ تو صاحبِ جامی نے جہاں مَوْجُودٌ ذکر کیا وہ حقیقت کے اعتبار سے کلام کیا کہ حقیقت کے اعتبار سے خبر کیا ہے؟ محذوف ہے جو مَوْجُودٌ ہے، اور اس وقت ظاہر کے اعتبار سے دیکھیں تو مَوْجُودٌ جا چکا، إِلَّا بِاللهِ نے اس کی جگہ پکڑ لی، تو ظاہر کے اعتبار سے اب إِلَّا بِاللهِ خبر ہے۔ تو دونوں باتیں ان کی صحیح ہیں، آپ چاہیں یوں کہہ دیں کہ مَوْجُودٌ خبر محذوف ہے اور یہ کس اعتبار سے ہے؟ حقیقت کے اعتبار سے کیونکہ حقیقت میں خبر مَوْجُودٌ ہی ہے، لیکن پھر اس کو حذف کر کے بِاللهِ

کو کیا کر دیا گیا؟ اس کا قائم مقام، تو لہٰذا آپ یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ یہ کیا ہے إِلَّا بِاللهِ خبر ہے، تو دونوں صورتیں صحیح ہیں، بات سمجھ میں آگئی؟

پھر یہاں ایک اشکال آپ کے ذہن میں آئے گا۔ اشکال یہ کہ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللهِ یہ إِلَّا کی وجہ سے لَا کی نفی ٹوٹ چکی ہے تو اس کا عمل تو لغو ہونا چاہیے، لیکن یہ پھر بھی عمل کر رہا ہے۔ انہوں نے آپ کو بتلایا تھا مستثنیٰ کے اندر کہ مَا اور لَا مشابہ بِلَيْسَ جب ان کی نفی ٹوٹ جائے إِلَّا کی وجہ سے تو پھر وہ عمل نہیں کرتے۔ تو قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ یہاں پر بھی لَا کے بعد إِلَّا آ رہا ہے: لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللهِ اور اس إِلَّا کی وجہ سے لَا کی نفی ٹوٹ چکی ہے، اس کو عمل نہیں کرنا چاہیے۔ لیکن یاد رکھو نہیں، یہ لائے نفی جنس کی نفی إِلَّا سے ٹوٹ جائے پھر بھی یہ عمل کرے گا۔ وجہ یہ کہ لَا کے ملغیٰ کرنے کی تین ہی صورتیں علما نے لکھی ہیں: لَا کا عمل ملغیٰ ہوگا تین صورت میں، ایک تو یہ کہ لَا کا اسم معرفہ آجائے لَا زَيْدٌ فِي الدَّارِ وَلَا عَمْرٌو، یا درمیان میں فصل آجائے لَا کے اور اس کے اسم کے درمیان لَا فِي الدَّارِ رَجُلٌ وَلَا امْرَأَةٌ، اور تیسری صورت یہ ہے کہ لَا کا تکرار آجائے۔ لَا کا تکرار آجائے جیسے آگے ذکر کریں گے: لَا حَوْلٌ وَلَا قُوَّةٌ إِلَّا بِاللهِ، یہاں لَا کا تکرار آیا اس لیے اس کا عمل ملغیٰ کر دیا گیا اور لَا حَوْلٌ وَلَا قُوَّةٌ یہ حَوْلٌ اور قُوَّةٌ یہ مبتدا ہونے کی وجہ سے مرفوع ہیں، یہ لَا ان میں عمل نہیں کر رہا۔ تو لَا کا عمل ملغیٰ ہوگا کتنی صورتوں میں؟ تین صورتوں میں، جب لَا کا اسم کیا آجائے؟ معرفہ، یا لَا کے اسم اور لَا کے درمیان فصل آجائے، یا لَا کا تکرار آجائے، تو ان تین صورتوں میں لَا کا عمل ملغیٰ ہوتا ہے۔ معلوم ہوا إِلَّا کی وجہ سے لَا کا عمل ملغیٰ نہیں ہوگا، وہ صرف کس میں ہوگا؟ لَا اور مَا مشابہ بِلَيْسَ کے اندر۔ ان کا عمل ملغیٰ ہوتا ہے تو وہ نحوی ذکر کرتے ہیں، لائے نفی جنس کا عمل إِلَّا کی وجہ سے ملغیٰ نہیں ہوتا اس لیے کہیں بھی یہ ذکر نہیں کیا۔ چنانچہ اسی لیے صاحبِ جامی نے فرمایا کہ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللهِ کے إِلَّا بِاللهِ کو خبر قرار دے دیا، بات سمجھ میں آگئی؟

آگے دیکھیے: ﴿ وَالثَّانِي ﴾ اور دوسری وجہ جو ہے، دوسری توجیہ جو ہے اس کے اندر: ﴿ فَتْحُ الْأَوَّلِ وَنَصْبُ الثَّانِي ﴾ کہ اول پر اسی طرح فتحہ ہو وَنَصْبُ الثَّانِي اور دوسرے میں کیا آئے؟ نصب، أَيْ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللهِ۔ اب اس میں ترکیب بتائیں گے بھائی کیا وجہ ہے لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ کیوں ہے؟ وہاں کیا وجہ تھی لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ؟ دونوں میں لائے نفی جنس تھا۔ غور سے سمجھنا بھائی یہ دونوں لَا بدلیں گے، لَا کہ یہ والا لَا ہے یا فلاں لَا ہے۔ وہاں دونوں لَا لائے نفی جنس تھے، دونوں کا اپنا اپنا اسم تھا اور خبر چاہے ایک نکال لو چاہے دونوں کی الگ الگ نکال لو۔ اور یہاں پر اول میں فتحہ ہے ثانی میں نصب ہے، آپ کو صاحبِ جامی بتلائیں گے کہ پہلا لَا جو ہے، پہلا لَا، لَا حَوْلَ یہ لائے نفی جنس ہے، لائے نفی جنس اور حَوْلَ اس کا اسم ہے، اور یہ جو دوسرا لَا ہے یہ لَا زائد ہے تاکیدِ نفی کے لیے۔ یہ دوسرا لَا کیا ہے؟ زائد ہے تاکیدِ نفی کے لیے۔ وہی نفی جو پچھلے لَا سے سمجھ میں آ رہی تھی اسی میں یہ صرف تاکید پیدا کر رہا ہے اور کوئی فائدہ نہیں دے رہا، یہ زائد ہے۔ آپ نے بھی پڑھا ہے بعض اوقات حروف زائد آتے ہیں کلامِ عرب کے اندر۔ زائد ہونے کا کیا معنی؟ وہ اپنے معنی کا فائدہ نہیں دیتے، ہاں

کلام میں تاکید پیدا کرتے ہیں۔ کیا پیدا کرتے ہیں؟ تاکید۔ تو یہ بھی لَا جو ہے اسی نفی میں تاکید پیدا کر رہا ہے، اپنی نفی کا فائدہ نہیں دے رہا۔ جیسے مثلاً آپ کہتے ہیں: مَا جَاءَنِي زَيْدٌ وَلَا عَمْرٌو۔ مَا جَاءَنِي زَيْدٌ، مَا حرفِ نفی ہے، مَا جَاءَنِي زَيْدٌ میرے پاس زید نہیں آیا، وَلَا عَمْرٌو اور نہ ہی عمرو۔ تو یہ جو لَا ہے یہ لَا زائد ہے، یہ لَا زائد ہے۔ بھائی کیوں، کیوں زائد ہے؟ وجہ یہ اگر آپ اس لَا کو زائد قرار نہیں دیں گے تو ماقبل میں ایک نفی آچکی ہے، یہ دوبارہ نفی آگئی، اور نفی پر نفی داخل ہو تو وہ کس چیز کا فائدہ دیتی ہے؟ اثبات کا فائدہ دیتی ہے۔ تو پھر اگر اس لَا کو آپ زائد نہیں مانتے پھر تو معنی ہو جائے گا: مَا جَاءَنِي زَيْدٌ میرے پاس زید نہیں آیا وَلَا عَمْرٌو اور عمرو آیا ہے، کیونکہ نفی پر نفی داخل ہو تو کس چیز کا فائدہ دیتی ہے؟ اثبات کا۔ جیسے دیکھو مثلاً میں آپ سے کہتا ہوں زید میرے پاس نہیں آیا، زید کے آنے کی نفی کی میں نے یا اثبات کیا؟ زید میرے پاس نہیں آیا، نفی کی ہے۔ اب اس پر ذرا ایک اور نفی لے آؤ: ایسا نہیں ہے کہ زید میرے پاس نہیں آیا۔ کیا معنی؟ معلوم ہوا زید آیا ہے۔ تو دیکھو نفی پر جب نفی آئے تو وہ اثبات کا فائدہ دیتی ہے، تو لہٰذا آپ کہتے ہیں مَا جَاءَنِي زَيْدٌ وَلَا عَمْرٌو نہ تو میرے پاس زید آیا اور نہ عمرو۔ اگر آپ اس لائے ثانی کو زائد قرار نہیں دیتے تو پھر کلام کا معنی ہی غلط ہو جائے گا کہ نفی پر نفی داخل ہو جائے گی اور وہ پھر اثبات کا فائدہ دے گی، معلوم ہوا آپ زید کے آنے کی نفی کر رہے ہیں اور عمرو کے آنے کا اثبات کر رہے ہیں، حالانکہ یہاں یہ تو مقصود نہیں ہے۔ تو پھر اس صورت میں علمائے نحو کیا فرماتے ہیں؟ یہ لائے ثانی زائد ہے، اسی پہلے لَا سے جو نفی معلوم ہو رہی تھی اسی میں تاکید پیدا کر رہا ہے۔

پھر سنو: لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللهِ۔ پہلا لَا کون سا؟ لائے نفی جنس، اور دوسرا لَا زائد ہے تاکیدِ نفی کے لیے۔ دیکھیے بھائی، کہتے ہیں: أَيْ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللهِ۔ أَمَّا فَتْحُ الْأَوَّلِ تو اول کا، پہلے اسم کا جو فتحہ ہے فَلِأَنَّ لَا الْأُولَى لِنَفْيِ الْجِنْسِ اس لیے کیونکہ پہلا لَا جو ہے وہ نفیِ جنس کے لیے ہے۔ وَأَمَّا نَصْبُ الثَّانِي اور باقی دوسرے اسم کا جو نصب ہے وَلَا قُوَّةَ جو آیا، تنوین نصب کیوں آیا؟ کہتے ہیں فَلِأَنَّ لَا الثَّانِيَةَ مَزِيدَةٌ لِتَأْكِيدِ النَّفْيِ اس لیے کیونکہ دوسرا لَا جو ہے وہ زائد ہے نفی کی تاکید کے لیے۔ وَالثَّانِي مَعْطُوفٌ عَلَى الْأَوَّلِ اور ثانی اسم معطوف ہے پہلے اسم پر، پہلے اسم پر۔ تو پہلا لَا جو ہے نفیِ جنس کے لیے ہے اور دوسرا لَا زائد ہے۔

تو پھر سوال پیدا ہوا کہ پہلا اسم تو مبنی علی الفتح ہے، تو دوسرے کو بھی مبنی علی الفتح ہونا چاہیے لیکن اس پر آپ تنوین پڑھ رہے ہیں، لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةً پڑھ رہے ہیں۔ تو جواب اس کا دیں گے کہ بھائی یہ اس کا عطف ہے پہلے لَا کے اسم پر اور اس پر فتحہ آرہا ہے۔ لَا حَوْلَ یہ اس وقت مبنی ہے اور مبنی علی الفتح ہے لیکن کیا یہ ہمیشہ مبنی علی الفتح ہوتا ہے یا اس وقت لَا کی وجہ سے یہ حَوْل کا لفظ مبنی بن گیا ہے؟ لَا کی وجہ سے مبنی بنا ہے، تو یہ جو فتحہ ہے یہ بھی اعراب یعنی نصب کی طرح ہی ہے جو لَا کی وجہ سے آیا ہے، ویسے تو حَوْل کا لفظ مبنی نہیں ہے۔ تو حَوْل جو مبنی علی الفتح ہوا، اس پر جو فتحہ آیا وہ فتحہ بھی کس کی طرح ہوا؟ نصب جیسا ہی ہوا کہ جیسے نصب عامل کی وجہ سے آتا ہے، یہ فتحہ بھی کس کی وجہ سے آیا ہے؟ عامل کی وجہ سے

آیا ہے، تو لہٰذا اس کے لفظوں پر حمل کرتے ہوئے اسی جیسا اعراب لے آئے، وَلَا قُوَّةَ پر ویسا ہی اعراب

اعراب لے آئے جیسے کہ لَا حَوْلَ پر حرکت تھی یعنی فتحہ تھا اور وہ فتحہ بھی کس کی طرح تھا؟ اعراب کی طرح تھا، اس لیے آگے اس پر اعراب لے آئے۔

تو کہتے ہیں: وَالثَّانِي مَعْطُوفٌ عَلَى الْأَوَّلِ اور دوسرا اسم جو ہے وہ معطوف ہے پہلے اسم پر، فَيَكُونُ مَنْصُوبًا تو وہ منصوب ہوگا حَمْلًا عَلَى لَفْظِهِ پہلے اسم کے لفظوں پر حمل کرتے ہوئے، پہلے اسم کے یعنی حَوْلَ پر حمل کرتے ہوئے۔ بھائی حَوْلَ تو مبنی ہے، تو جواب دے رہے ہیں: لِمُشَابَهَةِ حَرَكَتِهِ حَرَكَةَ الْإِعْرَابِ اس لیے کیونکہ اس پہلے کی جو حرکت ہے وہ مشابہ ہے، کس کے مشابہ ہے؟ حَرَكَةَ الْإِعْرَابِ اعراب کی حرکت کے مشابہ ہے۔ کیونکہ لَا حَوْلَ اس پر حرکت آرہی ہے، اعراب تو نہیں آرہا لیکن یہ حرکت بھی کس جیسی ہے؟ اعرابی حرکت کی طرح ہے کیونکہ لَا کی وجہ سے آرہی ہے۔ یا ایک وجہ آپ یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ اس کے محل پر حمل کرتے ہوئے، اور محل کے اعتبار سے حَوْلَ یہ منصوب ہے کیونکہ لائے نفی جنس کا اسم ہے اور لائے نفی جنس کا اسم منصوب ہوتا ہے، تو اس پر جس کا عطف کیا جائے گا وہ بھی منصوب ہوگا۔

جی آگے دیکھیے: وَيَجُوزُ أَنْ يُقَدَّرَ لَهُمَا خَبَرٌ وَاحِدٌ اور یہ بھی جائز ہے کہ مقدر نکالی جائے ان دونوں کے لیے ایک ہی خبر، ایک ہی خبر مَوْجُودٌ یا مَوْجُودَانِ نکال لیں، وَأَنْ يُقَدَّرَ لِكُلٍّ مِنْهُمَا خَبَرٌ عَلَى حِدَةٍ اور یہ بھی جائز ہے کہ مقدر نکالی جائے ان دونوں میں سے ہر ایک کے لیے علیحدہ خبر بھائی۔ دونوں کے لیے ایک ہی خبر بھی نکال سکتے ہیں اور دونوں کے لیے علیحدہ خبر بھی نکال سکتے ہیں۔ اگر ایک ہی خبر نکالیں تو یہ عطفِ مفرد علی المفرد ہو جائے گا، اگر دونوں کی الگ الگ خبر نکالیں تو پھر دونوں جملے ہیں تو عطفِ جملہ علی الجملہ ہو جائے گا۔

اگلی وجہ دیکھیے۔ کہتے ہیں: ﴿ وَالثَّالِثُ فَتْحُ الْأَوَّلِ وَرَفْعُهُ ﴾ اور تیسری توجیہ یہ ہے: فَتْحُ الْأَوَّلِ کہ پہلے اسم پر فتحہ ہو وَرَفْعُهُ أَيْ رَفْعُ الثَّانِي اور دوسرے اسم پر رفع ہو۔ کیسے پڑھیں گے؟ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةٌ إِلَّا بِاللهِ۔ نَحْوُ مثال کے طور پر: لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةٌ إِلَّا بِاللهِ۔

اب وجہ ذکر کریں گے۔ ادھر دیکھیے: پہلے پر فتحہ، معلوم ہوا پہلا لَا کس لیے ہے؟ نفیِ جنس کے لیے ہے۔ اور دوسرے پر رفع ہے، تو یہ کہتے ہیں یہ جو دوسرا لَا ہے یہ زائد ہے، اسی طرح تاکید کے لیے ہے۔ اور یہ وَلَا قُوَّةٌ جو آرہا ہے یہ قُوَّةٌ کا عطف ہے حَوْلَ پر، اور حَوْلَ محل کے اعتبار سے مرفوع ہے، بتدا ہے۔ کیا ہے؟ مرفوع ہے، بتدا ہے۔ بھائی آپ کہیں گے ابھی آپ نے بتایا کہ یہ محل کے اعتبار سے منصوب ہے کیونکہ لَا کا اسم کیا ہوتا ہے؟ منصوب ہوتا ہے، اور اب آپ کہہ رہے ہیں کہ یہ مرفوع ہے محل کے اعتبار سے؟ تو یاد رکھو یہ جو حَوْلَ ہے محل کے اعتبار سے مرفوع ہے۔ محل کے اعتبار سے مرفوع ہے کیونکہ لائے نفی جنس کس پر داخل ہوتا ہے؟ بتدا اور خبر پر، تو یوں کہو اصل کے اعتبار سے، کس کے اعتبار سے؟ اصل کے اعتبار سے یہ حَوْلَ مرفوع ہے، بتدا ہے۔ بتدا ہے، تو اس کے محل پر حمل کرتے ہوئے وَلَا قُوَّةٌ اس پر بھی رفع پڑھا

گیا۔ اس پر آپ کے ذہنوں میں اشکال آئے گا کہ ابھی آپ نے ہمیں بتایا تھا کہ لَا حَوْلَ کیا ہے؟ وہ محلاً منصوب ہے، لائے نفی جنس کا اسم ہے، اور اب آپ کیا کہہ رہے ہیں؟ کہ یہ حَوْلَ مرفوع ہے، بتدا ہے۔ تو جواب یاد رکھنا کہ بھائی یہ حَوْلَ جو ہے اس کے دو محلِ اعراب ہیں۔ اس کے دو محلِ اعراب ہیں: ایک اس کا محلِ قریب ہے، یہ لَا کی وجہ سے منصوب ہے، منصوب المحل ہے؛ اور ایک اس کا محلِ بعید ہے کہ یہ اصل میں کیا تھا لَا کے داخل ہونے سے پہلے؟ بتدا تھا، تو یہ مرفوع بھی ہے۔ تو یہ مرفوع بھی ہے محلاً اور منصوب بھی ہے محلاً۔ البتہ منصوب ہے محلِ قریب کے اعتبار سے کہ لَا کا یہ اسم ہے، اور مرفوع ہے محلِ بعید کے اعتبار سے کہ اصل میں یہ کیا تھا؟ بتدا تھا جس پر لائے نفی جنس داخل ہوا۔ تو معلوم ہوا اس لَا حَوْلَ کے، یہ جو حَوْلَ ہے اس کے دو محلِ اعراب ہو گئے: ایک محلِ قریب اور ایک محلِ بعید۔ تو یہاں پر اس کے محلِ بعید پر حمل کرتے ہوئے عطف کیا گیا۔ وَلَا قُوَّةٌ اس قُوَّةٌ کا عطف کس پر ہے؟ حَوْلَ پر اور کس پر حمل کرتے ہوئے؟ اس کے محلِ بعید پر حمل کرتے ہوئے، اور وہ مرفوع ہے بتدا ہے تو اس لیے وَلَا قُوَّةٌ اس پر بھی رفع پڑھا گیا کیونکہ معطوف پر وہی اعراب آتا ہے جو معطوف علیہ پر ہو بھائی، بات سمجھ میں آگئی؟

تو کیا ترکیب ہوئی؟ پہلا لَا، لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللهِ، پہلا لَا نفیِ جنس کے لیے اور دوسرا لَا زائد ہے نفی کی تاکید کے لیے، اور وَقُوَّةٌ کا عطف کس پر ہے؟ پہلے اسم کے محل پر ہے کیونکہ محل کے اعتبار سے وہ مرفوع ہے بتدا ہے۔ کہتے ہیں: أَمَّا فَتْحُ الْأَوَّلِ فَلِأَنَّ لَا الْأُولَى لِنَفْيِ الْجِنْسِ، کہتے ہیں باقی پہلے کا فتحہ جو ہے وہ اس لیے کیونکہ پہلا لَا جو ہے نفیِ جنس کے لیے ہے۔ وَأَمَّا رَفْعُ الثَّانِي اور دوسرے اسم کا جو رفع ہے، فَلِأَنَّ لَا زَائِدَةٌ کیونکہ دوسرا لَا زائدہ ہے نفی کی تاکید کے لیے، وَالثَّانِي مَعْطُوفٌ عَلَى مَحَلِّ الْأَوَّلِ اور دوسرا اسم وہ معطوف ہے پہلے اسم کے محل پر، لِأَنَّهُ مَرْفُوعٌ بِالِابْتِدَاءِ اس لیے کیونکہ وہ مرفوع ہے، لَا حَوْلَ یہ حَوْلَ مرفوع ہے محل کے اعتبار سے کس کی وجہ سے؟ ابتدا کی وجہ سے کیونکہ یہ بتدا ہے۔ کہتے ہیں: لِأَنَّهُ مَرْفُوعٌ بِالِابْتِدَاءِ کیونکہ وہ مرفوع ہے ابتدا کی وجہ سے، عَطْفُ مُفْرَدٍ عَلَى مُفْرَدٍ۔ یہ عَطْفُ مُفْرَدٍ عَلَى مُفْرَدٍ اس پر رفع پڑھیں بھائی، اس کو خبر بنا لیں بتدا محذوف کے لیے، أَيْ هُوَ عَطْفُ مُفْرَدٍ عَلَى مُفْرَدٍ۔ انہوں نے کیا کہا کہ وَالثَّانِي مَعْطُوفٌ عَلَى مَحَلِّ الْأَوَّلِ کہ دوسرا جو ہے اول کے محل پر معطوف ہے، وَلَا قُوَّةٌ جو ہے، وَلَا قُوَّةٌ یہ اول کے محل پر معطوف ہے، لِأَنَّهُ مَرْفُوعٌ بِالِابْتِدَاءِ کیونکہ اول کیا ہے؟ وہ ابتدا کی وجہ سے مرفوع ہے۔ تو عَطْفُ مُفْرَدٍ عَلَى مُفْرَدٍ أَيْ هُوَ عَطْفُ مُفْرَدٍ عَلَى مُفْرَدٍ یہ ثانی جو ہے یہ عطفِ مفرد علی المفرد ہے، بِأَنْ يُقَدَّرَ لَهُمَا خَبَرٌ وَاحِدٌ بایں صورت کہ ان دونوں کے لیے ایک ہی خبر مقدر نکالی جائے، أَوْ عَطْفُ جُمْلَةٍ عَلَى جُمْلَةٍ یا یہ جملے کا عطف جملے پر ہے بِأَنْ يُقَدَّرَ لِكُلٍّ مِنْهُمَا خَبَرٌ عَلَى حِدَةٍ بایں صورت کہ ان دونوں میں سے ہر ایک کے لیے علیحدہ خبر مقدر نکالی جائے۔

﴿ وَالرَّابِعُ ﴾ چوتھی صورت یہ ہے، چوتھی توجیہ یہ ہے: ﴿ رَفْعُهُمَا بِالِابْتِدَاءِ ﴾ کہ دونوں اسموں پر کیا پڑھا جائے؟ رفع پڑھا جائے بِالِابْتِدَاءِ کس کی وجہ سے؟ ابتدا کی وجہ سے، جیسے نَحْوُ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللهِ۔ تو دیکھو دونوں پر رفع پڑھا تنوین کے ساتھ: لَا حَوْلٌ وَلَا قُوَّةٌ إِلَّا بِاللهِ۔

تو سوال یہاں پر رفع کیوں پڑھا گیا؟ تو وجہ ذکر کر رہے ہیں، کہتے ہیں یہ ایک سوالِ مقدر کا جواب ہے، اور جواب کیا ہونا چاہیے؟ سوال کے مطابق ہونا چاہیے، اور سوال کے اندر دونوں اسموں پر رفع تھا تو لہٰذا جواب میں بھی دونوں اسموں پر رفع لایا گیا۔ سوال کیا تھا؟ وہ خود ذکر کر رہے ہیں، کہتے ہیں: لِأَنَّهُ جَوَابُ قَوْلِهِمْ اس لیے کیونکہ یہ عربوں کے اس قول کا جواب ہے یعنی اس قسم کے سوال کا جواب ہے: أَبِغَيْرِ اللهِ حَوْلٌ وَلَا قُوَّةٌ؟ کیا اللہ کے علاوہ گناہ سے پلٹنا اور نیکی کرنے کی قوت ہے؟ أَبِغَيْرِ اللهِ حَوْلٌ وَلَا قُوَّةٌ؟ تو یہاں پر دیکھو حَوْلٌ اور قُوَّةٌ مرفوع تھے، تو جواب میں بھی کیا کہا گیا؟ لَا حَوْلٌ وَلَا قُوَّةٌ إِلَّا بِاللهِ۔ فَجَاءَ بِالرَّفْعِ فِيهِمَا تو جواب جو ہے وہ رفع کے ساتھ آیا فِيهِمَا ان دونوں لفظوں کے اندر مُطَابَقَةً لِلسُّؤَالِ تاکہ یہ سوال کے، سوال کے ساتھ مطابقت کرنے کے لیے، مُطَابَقَةً لِلسُّؤَالِ۔ لِلسُّؤَالِ یاد رکھو سین پر ضمہ ہے اور یہ، یہ ہمزہ پر فتحہ ہے سُؤَال، اور آپ نے صرف کے اندر ضابطہ پڑھا ہے کہ اگر ہمزہ مفتوحہ سے ماقبل ضمہ آجائے تو اس ہمزہ کو واو سے بدلنا بھی جائز ہے، تو اس کو سُؤَال بھی پڑھ سکتے ہیں اور سُوَال بھی بھائی واو کے ساتھ بدل کر سُوَال بھی۔ البتہ اردو میں سَوَال ہے سین کے فتحہ کے ساتھ، یہ وہی لفظ ہے جو عربی سے آیا ہے لیکن اردو میں سین کے فتحہ کے ساتھ رائج ہو گیا ہے بھائی، تو اردو میں سین کے فتحہ کے ساتھ ہی پڑھا جائے گا۔ مُطَابَقَةً لِلسُّؤَالِ سوال کی مطابقت کے لیے۔ تو کہتے ہیں: فَجَاءَ بِالرَّفْعِ فِيهِمَا تو جواب بھی جو ہے رفع کے ساتھ آیا ان دونوں کے اندر مُطَابَقَةً لِلسُّؤَالِ سوال کے ساتھ مطابقت کرنے کے لیے۔ وَيَجُوزُ الْأَمْرَانِ هَاهُنَا أَيْضًا اور یہاں پر بھی دونوں امر جائز ہیں یعنی آپ چاہیں تو مفرد کا عطف مفرد پر کر لیں، ایک ہی خبر نکال لیں، اور آپ چاہیں تو جملے کا عطف جملے پر کر لیں کہ دونوں کے لیے الگ الگ خبر نکال لیں۔

اور یاد رکھو اس صورت میں، اس صورت میں یہ جو لَا ہے یہ ملغیٰ عن العمل ہے۔ یہ لَا کیا ہے؟ ملغیٰ عن العمل۔ ادھر دیکھیے لَا حَوْلٌ وَلَا قُوَّةٌ رفع پڑھا، اب آپ سے کوئی پوچھے یہ لَا کون سا ہے؟ تو آپ کہیں گے یہ جو پہلا لَا ہے یہ لَا، لائے نفی جنس ہے لیکن اس کو عمل سے روک دیا گیا۔ بھائی کیوں روک دیا گیا؟ تو آپ کو بتائیں گے کیونکہ لَا کے الغا کی دو شرطیں ہیں: لائے نفی جنس کا عمل لغو ہو جاتا ہے دو شرطیں پوری ہوں۔ پہلی شرط کیا؟ کہ لَا کا تکرار آئے۔ لَا کا تکرار، اور یہاں پر بھی لَا حَوْلٌ وَلَا قُوَّةٌ لَا کا تکرار ہے؛ اور نیز دونوں اسموں پر ایک جیسا اعراب ہو: لَا حَوْلٌ حَوْلٌ پر بھی رفع اور قُوَّةٌ پر بھی رفع۔ تو دونوں اسم جو ہیں اعراب میں بھی موافق ہوں اور لَا کا تکرار ہو، یہ دونوں شرطیں جب پوری ہوں گی تو لَا کے عمل کو لغو کرنا جائز۔ آپ چاہیں تو لغو کر دیں لَا حَوْلٌ وَلَا قُوَّةٌ کہہ دیں، اور آپ چاہیں تو عامل بنا دیں لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللهِ۔

جی دہرائیے ذرا، بتائیے بھائی لَا کے عمل کو لغو کرنے کی کتنی شرطیں؟ دو۔ پہلی شرط کیا کہ تکرارِ لَا ہو، اور دوسرا یہ کہ دونوں اسموں کا اعراب ایک دوسرے کے موافق ہو بھائی۔ اور پھر اس میں یاد رکھنا ادھر دیکھیے، آپ چاہیں تو یہ جو دونوں لَا ہیں یہ لائے نفی جنس کے لیے بنا دیں لَا حَوْلٌ وَلَا قُوَّةٌ اور ملغیٰ عن العمل کر دیں، اور خبر چاہے ایک ہی نکالیں چاہے دونوں کی الگ الگ نکال لیں؛ اور آپ چاہیں تو پہلے لَا کو کس لیے بنا دیں؟ نفیِ جنس والا، اور دوسرا لَا زائد ہے اسی نفی کی تاکید کے

لیے، اس کو لائے نفی جنس بنائیں ہی نہ۔ توجہ ہے؟ لائے نفی جنس ملغیٰ عن العمل وہ بھی کوئی عمل نہیں کرتا اور لائے زائدہ وہ بھی کوئی عمل نہیں کرتا، تو دوسرے لَا میں آپ اس کو چاہیں تو لائے نفی جنس قرار دے دیں لیکن ملغیٰ عن العمل ہے، اور چاہیں تو آپ اس کو لائے زائدہ قرار دے دیں۔ تو یہ لَا کے عمل کو لغو کرنا جائز ہے کیونکہ یہ لَا عمل کے اندر ضعیف ہے، تو لہٰذا آپ چاہیں تو اس کے عمل کو لغو کر دیں، آپ اس کو عامل بنائیں ہی نہ۔ کیوں نہ بنائیں؟ کیونکہ یہ عاملِ ضعیف ہے، تو آپ لغو کر سکتے ہیں لیکن اس کے لیے دو شرطیں ہیں وہ پوری کر لیں تو پھر آپ لغو بھی کر سکتے ہیں اور عامل بھی بنا سکتے ہیں: لَا حَوْلٌ وَلَا قُوَّةٌ إِلَّا بِاللهِ آپ چاہیں تو لغو کر دیں، آپ چاہیں تو عامل بنائیں لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللهِ۔ وجہ سمجھ میں آ گئی؟ حل ہو گیا؟

چلیے بس کریں باقی کل پڑھیں گے۔ حاصلِ کلام پھر سمجھ لیجیے: انہوں نے آپ کو بتلایا لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللهِ اس کے اندر پانچ وجہیں پڑھنا جائز ہیں: لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللهِ؛ اور دوسری صورت کیا کہ دوسرے اسم پر نصب پڑھیں لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللهِ؛ تیسری صورت یہ کہ دوسرے اسم پر رفع پڑھیں لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةٌ إِلَّا بِاللهِ؛ اور چوتھی صورت یہ کہ دونوں پر رفع پڑھیں لَا حَوْلٌ وَلَا قُوَّةٌ إِلَّا بِاللهِ؛ اور پانچویں صورت یہ ہے کہ پہلے پر رفع پڑھیں اور دوسرے پر فتحہ لَا حَوْلٌ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللهِ اور یہ ضعیف ہے بھائی۔

تو پہلی صورت میں دونوں میں لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللهِ یہ لائے نفی جنس ہے، لائے نفی جنس۔ چاہے تو ایک ہی خبر نکال لیں اور چاہے تو الگ الگ خبریں نکال لیں۔ ایک خبر نکالیں تو پھر اعتراض ہوتا ہے کہ بھائی یہ تو دو عامل ہو گئے اور ایک معمول ہوا، جواب یہ کہ دونوں عامل ایک دوسرے کے مثل ہیں، ایک دوسرے جیسے ہیں تو یہ شے واحد کی طرح یعنی یوں کہیں عاملِ واحد کی طرح ہو گئے تو گویا ایک ہی عامل اس میں عمل کر رہا ہے۔ اور پھر اس کے بعد جو دوسری وجہ تھی لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اس کے اندر یہ جو لائے اولیٰ ہے یہ نفیِ جنس کے لیے ہے اور دوسرا لَا زائد ہے تاکیدِ نفی کے لیے ہے، اور یہ وَقُوَّةً پر جو نصب آیا یہ معطوف ہے حَوْلَ پر اور اس کے لفظوں پر حمل کرتے ہوئے کیونکہ اس پر جو بنا اولاً فتحہ آیا ہے یہ فتحہ بھی اعراب کی طرح ہے یعنی نصب کی طرح ہے کیونکہ عامل کی وجہ سے آیا ہے، تو لہٰذا اس کے لفظوں پر حمل کرتے ہوئے وَلَا قُوَّةً پڑھا گیا بھائی اس پر عطف کرتے ہوئے۔ اور تیسری صورت یہ ہے لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةٌ إِلَّا بِاللهِ، اس صورت میں وَقُوَّةٌ کا عطف کس پر ہے؟ حَوْلَ پر اور وہ مرفوع المحل ہے مبتدا ہے، تو لہٰذا اس صورت میں بھی یہ پہلا لَا نفیِ جنس کے لیے ہے اور دوسرا لَا زائد ہے۔ اور چوتھی صورت یہ تھی کہ دونوں پر آپ رفع پڑھیں، اس صورت میں آپ چاہیں تو دونوں لَا کو نفیِ جنس کے لیے بنا لیں

یا پہلے کو نفیِ جنس کے لیے بنا لیں اور ثانی کو زائد بنا لیں۔ لیکن بہرحال ہے یہ ملغیٰ عن العمل چاہے آپ دونوں کو بنائیں چاہے ایک کو، ملغیٰ عن العمل ہے، عمل اس کا کیا ہے؟ لغو کر دیا گیا ہے۔ بھائی کیوں روکا گیا عمل سے؟ وجہ یہ کہ لَا کے ملغیٰ کرنے کی دو شرطیں ہیں: ایک شرط یہ کہ لَا کا تکرار ہونا چاہیے اور دوسری شرط یہ ہے کہ دونوں اسموں کا اعراب ایک جیسا ہونا

چاہیے، اور لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ دیکھو دونوں کا اعراب کیا ہے؟ ایک جیسا ہے اور لَا کا تکرار بھی ہے، تو لہٰذا اس لَا کو ملغیٰ کر دیا گیا۔ تو آپ چاہیں دونوں لَا کس لیے بنا لیں؟ نفیِ جنس کے لیے لیکن ملغیٰ عن العمل ہیں، اور آپ چاہیں تو پہلے کو نفیِ جنس کے لیے بنا لیں جو ملغیٰ عن العمل ہے اور دوسرے لَا کو زائد بنا لیں تاکیدِ نفی کے لیے۔

بات سمجھ میں آگئی؟ حل ہو گیا؟ چلیے بس بھائی، هَذَا هُوَ الْمَرَامُ وَاللهُ أَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْكَلَامِ.

سبق نمبر ۱۷۶: اسمِ لائے نفیِ جنس (٦): پانچویں وجہ (رفعِ اول بضعف) اور تمام وجوہ کا خلاصہ

شرحِ ملا جامی صفحہ: ۱۵۷ — بتاریخ: ۳۱ جولائی ۲۰۲۲ء

▪ تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث

آگے سبق دیکھیے بھئی، وَالْخَامِسُ رَفْعُ الْأَوَّلِ عَلَى أَنَّ لَا بِمَعْنَى لَيْسَ عَلَى ضَعْفٍ، فَإِنَّ عَمَلَ لَا بِمَعْنَى لَيْسَ قَلِيلٌ، وَفَتْحُ الثَّانِي، نَحْوُ لَا حَوْلٌ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ، عَلَى أَنْ تَكُونَ لَا لِنَفْيِ الْجِنْسِ، وَضُعِّفَ وَجْهُ ضَعْفِ رَفْعِ الْأَوَّلِ بِأَنَّهُ يَجُوزُ أَنْ يَكُونَ رَفْعُهُ لِإِلْغَاءِ عَمَلِ لَا بِالتَّكْرِيرِ لَا لِكَوْنِهَا بِمَعْنَى لَيْسَ.

گزشتہ سبق میں صاحبِ کافیہ نے آپ کو بتلایا کہ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ جیسی مثالوں میں پانچ وجہیں جائز ہیں بھئی۔ صاحبِ جامی نے آپ کو بتلایا کہ یہ جو پانچ وجہیں ہیں یہ تلفظ کے اعتبار سے ہیں، ورنہ توجیہ کے اعتبار سے وجہیں زیادہ بن جاتی ہیں۔ توجیہ میں نے بتلایا تھا کسی چیز کی وجہ بیان کرنا، علت بیان کرنا۔ تو ان پر یہ جو اعراب آرہا ہے، اس کی جو وجہ ذکر کی جاتی ہے تو وہ پانچ سے زیادہ ہو جاتی ہیں۔ میں نے مثال سے وضاحت کی تھی مثلاً آپ کے پاس ایک جملہ ہے: فِي الدَّارِ زَيْدٌ۔ تو بعض علماء کیا کہتے ہیں کہ یہ فِي الدَّارِ خبرِ مقدم ہے اور زَيْدٌ مبتدا ہے، اور مبتدا مرفوع ہوتا ہے تو زَيْدٌ پر جو رفع ہے وہ ابتدا کی وجہ سے ہے۔ اور بعض علماء کیا فرماتے ہیں کہ فِي الدَّارِ جو ہے یہ ظرف ہے اور ظرف کے لیے فاعل چاہیے تو یہ زَيْدٌ اس کے لیے فاعل ہے، تو زَيْدٌ پر جو رفع آرہا ہے وہ فاعل ہونے کی وجہ سے ہے اور وہ فِي الدَّارِ عمل کر رہا ہے۔ تو دیکھو ایک ہی رفع کے اندر دو توجیہ ہو گئیں بھئی۔ بعض کیا کہتے ہیں یہ رفع ابتدا کی وجہ سے ہے اور بعض کیا کہتے ہیں یہ رفع فاعل ہونے کی وجہ سے ہے بھئی۔ تو اسی طرح صاحبِ جامی نے آپ کو بتلایا کہ یہاں پر یہ جو پانچ قسمیں ہیں یہ تلفظ کے اعتبار سے ہیں۔ تلفظ کے اعتبار سے پانچ صورتیں بنتی ہیں اور توجیہ یعنی اعراب کی علت اور اعراب کے سبب کو جب بیان کیا جاتا ہے تو وہ پانچ سے زیادہ صورتیں بن جاتی ہیں بھئی۔

تو لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ جیسی مثالوں میں پانچ وجہیں جائز ہیں بھئی۔ اس جیسی مثالوں میں، اس سے کس قسم کی مثالیں مراد ہیں؟ تو صاحبِ جامی نے آپ کو بتلایا تھا کہ اس قسم کی مثالیں جن میں لَا کا تکرار ہوتا ہے عطف کے ساتھ، اور

دونوں لَا جو ہیں ان کے ساتھ نکرہ ملا ہوا آتا ہے۔ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ، دیکھو لَا کا تکرار ہے عطف کے ساتھ، درمیان میں واوٴ آ رہا ہے، لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ۔ اور نیز دونوں لَا جو ہیں ان کے ساتھ نکرۂ غیر مفصول جڑا ہوا ہے۔ نکرہ ہے لَا حَوْلَ، یہ بھی نکرہ ہے اور لَا کے ساتھ جڑا ہوا ہے۔ وَلَا قُوَّةَ، یہ قُوَّةَ بھی لَا کے ساتھ جڑا ہوا ہے اور نکرہ ہے بھئی۔ تو اس قسم کی مثالوں میں پانچ وجہیں پڑھنا جائز ہیں بھئی۔

اور پھر بتلایا تھا وہ وجہیں کون سی ہیں۔ پہلی صورت ذکر کی تھی فَتْحُهُمَا، کہ دونوں پر فتحہ پڑھیں، دونوں پر فتحہ پڑھیں۔ میں نے بتلایا تھا یہ حرکات کے نام ذکر کیے تھے بھئی، کہ ایک ہے رَفْعٌ نَصْبٌ جَرٌّ، اور یہ معرب کے اندر آتا ہے۔ اور ایک ہے ضَمٌّ فَتْحٌ کَسْرٌ بغیر گول تا کے، یہ مبنی کے لیے آتا ہے۔ اور ایک ہے ضَمَّةٌ فَتْحَةٌ کَسْرَةٌ گول تا کے ساتھ، یہ معرب اور مبنی دونوں کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ تو یہاں کہا فَتْحُهُمَا، دونوں پر فتحہ ہوگا۔ اور یہ فَتْحٌ تو کس کے لیے آتا ہے؟ مبنی کے لیے، معلوم ہوا دونوں مبنی ہیں، لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ۔ اب دیکھو کیسے پتہ چلا یہ مبنی ہیں؟ کیونکہ ان پر تنوین نہیں آ رہی، حالانکہ مانعِ تنوین کوئی چیز نہیں۔ مانعِ تنوین تو دو چیزیں ہیں، الف لام، لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ دیکھو ان پر الف لام بھی نہیں ہے، اور نیز مانعِ تنوین اضافت ہے اور ان دونوں کی اضافت بھی نہیں ہو رہی۔ تو مانعِ تنوین کوئی چیز نہیں پھر بھی تنوین نہیں آ رہی، معلوم ہوا یہ کیا بن چکے ہیں؟ مبنی ہو چکے ہیں، لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ۔

اور پھر اس کے اندر بتلایا تھا کہ یہ لَا کون سے ہیں؟ تو صاحبِ جامی نے بتلایا تھا کہ یہ دونوں لائے نفیِ جنس ہیں، اور لائے نفیِ جنس کا اسم جب اس میں پہلی دو شرطیں تو پوری ہوں لیکن تیسری شرط اضافت والی نہ ہو تو وہ مبنی علی الفتح ہوتا ہے۔ تو یہ جی لَا حَوْلَ، یہ لَا کون سا ہے؟ لائے نفیِ جنس، اور اس کا اسم ساتھ ملا بھی ہوا ہے، نکرہ بھی ہے، لیکن مضاف یا مشابہ مضاف نہیں ہے تو اس لیے یہ مبنی ہے۔ تو یہ دونوں لَا کون سے ہوئے؟ لائے نفیِ جنس کے، اور یہ ان کا اسم ہے۔ پھر آگے آپ چاہیں تو ان کی دونوں کی ایک ہی خبر نکال لیں: لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ مَوْجُودٌ إِلَّا بِاللّٰهِ۔ اور یہ إِلَّا بِاللّٰهِ کس سے جڑ جائے گا؟ مَوْجُودٌ کے ساتھ جڑ جائے گا۔ إِلَّا حرفِ استثنا ہے اور بِاللّٰهِ جار مجرور جو ہے یہ مَوْجُودٌ کے ساتھ جڑ جائے گا، کیونکہ جار مجرور کے لیے کوئی نہ کوئی متعلق ضرور چاہیے۔ تو آپ چاہیں دونوں کی ایک ہی خبر نکال لیں، یا آپ چاہیں تو دونوں کی الگ الگ خبر نکال لیں: لَا حَوْلَ مَوْجُودٌ وَلَا قُوَّةَ مَوْجُودٌ إِلَّا بِاللّٰهِ۔ اور إِلَّا بِاللّٰهِ کے اندر تنازع ہے دونوں کا، تو جس کے ساتھ بھی اس کو متعلق کر دیں گے، چاہے پہلے مَوْجُودٌ سے متعلق کر دیں چاہے دوسرے سے، تو دوسرے کے لیے پھر الگ نکال لیں گے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو لَا حَوْلَ مَوْجُودٌ إِلَّا بِاللّٰهِ وَلَا قُوَّةَ مَوْجُودٌ إِلَّا بِاللّٰهِ۔

اور پھر البتہ یہاں جب عطفِ مفرد علی المفرد ہو، یعنی ایک ہی خبر دونوں کی نکالیں: لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ مَوْجُودَانِ إِلَّا بِاللّٰهِ، یہاں آپ مَوْجُودَانِ تثنیہ بھی خبر نکال سکتے ہیں کیونکہ دو چیزیں پیچھے ذکر ہیں، اور آپ چاہیں تو صرف مَوْجُودٌ نکال لیں اور پھر هُوَ ضمیر انہی دو کی طرف راجع ہے كُلُّ وَاحِدٍ کی تاویل میں۔ تو لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ مَوْجُودَانِ إِلَّا بِاللّٰهِ، تو یہ خبر محذوف ہے بھئی، خبر محذوف ہے۔ اس پر پھر اشکال ہوتا تھا کہ جب دونوں کے لیے ایک ہی خبر نکالی تو خبر کے اندر عامل لَا ہے اور لَا

تو ہیں دو، تو گویا عامل دو ہو گئے اور معمول ایک ہے، اور ایک ہی معمول میں دو عامل ہو جائیں یہ درست نہیں۔ تو میں نے جواب ذکر کیا تھا کہ یہ اگر عامل مختلف ہوتے پھر تو یہ جائز نہیں تھا، لیکن یہ دونوں ایک ہی جیسے عامل ہیں، دونوں لائے نفیِ جنس ہیں۔ جب یہ دونوں ایک دوسرے جیسے ہیں تو یوں سمجھو گویا ایک ہی عامل جو ہے وہ مَوْجُودٌ کے اندر عمل کر رہا ہے، لہٰذا اس لیے یہ جائز ہے، اگر عامل مختلف ہوتے تو یہ جائز نہ ہوتا۔ تو یہ تو تھا عطفِ مفرد علی المفرد کی صورت میں، اور عطفِ جملہ علی الجملہ کی صورت میں ہر ایک کے لیے الگ خبر نکال لیں گے۔

اس کے اندر پھر صاحبِ جامی نے آپ کو بتلایا تھا کہ یہ جو إِلَّا بِاللّٰهِ ہے، اس کو دوسرے کے لیے خبر بنا دو، أَيْ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ، اور إِلَّا بِاللّٰهِ یہ إِلَّا تو حرفِ استثنا ہے اور بِاللّٰهِ جار مجرور ہے اور جار مجرور کے لیے متعلق چاہیے تو یہ ظرفِ مستقر ہو کر کیا بنے گا؟ خبر بن جائے گا اس لَا قُوَّةَ کے لیے۔ اور پہلے کے لیے ایک إِلَّا بِاللّٰهِ الگ نکال لیں گے تو گویا کلام یوں ہے:

لَا حَوْلَ إِلَّا بِاللّٰهِ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ۔ تو لَا حَوْلَ کے لیے إِلَّا بِاللّٰهِ یہ ظرفِ مستقر خبر بن گئی اور وَلَا قُوَّةَ کے لیے إِلَّا بِاللّٰهِ یہ والا ظرفِ مستقر خبر بن گیا، تو پہلے کے لیے خبر کو حذف کر لیا، پہلے کے لیے لَا حَوْلَ کے لیے إِلَّا بِاللّٰهِ کو کیا کر لیا؟ حذف کر لیا، اس لیے کیونکہ وہی خبر دوسرے کے لیے بھی آ رہی تھی تو اسی سے پتہ چل رہا تھا کہ پہلے کے لیے بھی یہی خبر ہے۔ تو لَا حَوْلَ کی خبر محذوف ہے اور وَلَا قُوَّةَ کی خبر موجود ہے۔ تو دونوں کی خبریں الگ نکال لیں تو یہ دونوں دو جملے ہو گئے اور درمیان میں واؤ عاطفہ ہے تو ایک جملے کا عطف ہو گیا دوسرے جملے پر۔

پھر یہاں یہ اشکال ہوا تھا، میں نے اشکال ذکر کیا تھا کہ جہاں عطفِ مفرد علی المفرد کو ذکر کیا وہاں کہا لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ مَوْجُودٌ إِلَّا بِاللّٰهِ، اس إِلَّا بِاللّٰهِ کو خبر نہیں بنایا بلکہ کیا کہا؟ خبر محذوف ہے اور وہ مَوْجُودٌ نکالی، أَيْ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ مَوْجُودٌ إِلَّا بِاللّٰهِ۔ تو مَوْجُودٌ نکالا اور کیا کہا خبر محذوف ہے یہ جو مَوْجُودٌ ہے، معلوم ہوا یہ إِلَّا بِاللّٰهِ کو انہوں نے خبر نہیں بنایا بھئی۔ اور یہاں پر جب عطفِ جملہ علی الجملہ کو ذکر کیا تو یہاں پر کہا لَا حَوْلَ إِلَّا بِاللّٰهِ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ، یہاں مَوْجُودٌ نہیں نکالا، بلکہ صرف کیا کہا کہ صرف پہلے کی خبر محذوف ہے، یعنی اسی إِلَّا بِاللّٰهِ کو وَلَا قُوَّةَ کے لیے خبر بنا دیا، ورنہ تو اس میں بھی کہنا چاہیے تھا کہ اس إِلَّا بِاللّٰهِ سے پہلے خبر مَوْجُودٌ محذوف ہے، تو پھر تو دونوں کی خبر محذوف ہوئی۔ وَلَا حَوْلَ کے لیے بھی مَوْجُودٌ یہاں نہیں ہے اور وَلَا قُوَّةَ کے لیے بھی یہاں مَوْجُودٌ نہیں ہے، تو یوں کہنا چاہیے تھا دونوں کی خبر محذوف ہے لیکن وہ کیا فرما رہے ہیں کہ صرف پہلے کی خبر إِلَّا بِاللّٰهِ محذوف نکال لو، معلوم ہوا یہاں پر انہوں نے ظرفِ مستقر کو خبر بنا دیا ہے۔ تو یہ کیا وجہ ہے کہ وہاں مَوْجُودٌ محذوف نکالا اور یہاں مَوْجُودٌ نہیں نکالا، اسی إِلَّا بِاللّٰهِ کو ظرفِ مستقر بنا کر خبر بنا دیا؟ اگر وہاں محذوف نکالا تو یہاں بھی محذوف نکالنا چاہیے اور اگر یہاں نہیں نکالا تو وہاں بھی محذوف نہیں نکالنا چاہیے۔ تو میں نے جواب ذکر کیا تھا کہ یہ جو مَوْجُودٌ صاحبِ جامی نے نکالا یہ حقیقت کے اعتبار سے ہے، حقیقت میں خبر مَوْجُودٌ تھی، کلام کیا ہے؟ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ مَوْجُودٌ إِلَّا بِاللّٰهِ، پھر اس مَوْجُودٌ کو حذف کر دیا گیا اور إِلَّا بِاللّٰهِ ظرفِ مستقر اس کا قائم مقام ہوا۔ تو آپ یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ اصل خبر محذوف ہے مَوْجُودٌ، وہ حقیقت کے اعتبار سے، اور آپ یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ إِلَّا

بِاللّٰہِ خبر ہے کیونکہ اب یہ اس کی جگہ پکڑ چکا ہے تو یہ ظرفِ مستقر ہو کر اس کا قائم مقام ہو چکا ہے، تو دونوں صورتیں ٹھیک ہیں۔ بات سمجھ میں آگئی؟

اور پھر میں نے یہ بھی ذکر کیا تھا کہ آپ کے ذہن میں یہ اشکال نہ آئے کہ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰہِ، کہ یہ لَا کی نفی تو إِلَّا کی وجہ سے ٹوٹ چکی ہے لہٰذا اس کو عمل نہیں کرنا چاہیے۔ تو جواب میں نے بتلایا تھا کہ لَا کی نفی إِلَّا کی وجہ سے ٹوٹ بھی جائے یہ پھر بھی عمل کرے گا، اور وہ جو نفی ٹوٹنے سے عمل باطل ہوتا ہے وہ لَا اور مَا مشابہ بِ لَیْسَ کے اندر ہے، تو وہ علماء نے ذکر کیا ہے، لیکن یہ لائے نفیِ جنس کے اندر اس إِلَّا کی وجہ سے اس کا عمل ملغیٰ ہو جائے یہ ذکر نہیں کیا، بلکہ لَا کا عمل ملغیٰ ہو سکتا ہے تین صورتیں ہیں: یا تو لائے نفیِ جنس کا اسم معرفہ آجائے، لَا زَیْدٌ فِي الدَّارِ وَلَا عَمْرٌو، یا لَا اور اس کے اسم کے درمیان فصل آجائے، لَا فِي الدَّارِ رَجُلٌ وَلَا امْرَأَةٌ، یا لَا کا تکرار آجائے جیسے لَا حَوْلٌ وَلَا قُوَّةٌ إِلَّا بِاللّٰہِ۔ تو ان تین صورتوں میں لَا کا عمل ملغیٰ ہوتا ہے، إِلَّا کی وجہ سے لَا کا عمل، لائے نفیِ جنس کا عمل ملغیٰ نہیں ہوگا۔ بات سمجھ میں آگئی؟

یہ تو تھا وہ پہلی صورت۔ دوسری صورت تھی کہ پہلے پر اسی طرح فتحہ آئے اور دوسرے پر نصب آئے: لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰہِ۔ اور اس میں کیا تھا؟ پہلا لَا وہی لائے نفیِ جنس والا ہے اور حَوْلَ اس کا اسم ہے، اور دوسرا لَا جو ہے زائد ہے جو نفی کی تاکید کے لیے بڑھایا گیا ہے۔ نفی کی تاکید کے لیے کبھی لَا بڑھاتے ہیں؟ جیسے قرآن میں بھی اللہ فرماتے ہیں: غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ۔ دیکھو وَلَا الضَّالِّينَ، یہ جو لَا آیا ہے یہ زائد ہے نفی کی تاکید کے لیے ہے۔ توجہ ہے؟ جیسے اور دوسری مثال لے لیں، آپ کہتے ہیں: مَا جَاءَنِي زَيْدٌ وَلَا عَمْرٌو، نہ تو میرے پاس زید آیا اور نہ عمرو۔ یہ جو وَلَا عَمْرٌو آگے آرہا ہے یہ لَا زائد ہے۔ وجہ یہ کہ اگر آپ اس کو زائد نہیں مانیں گے پھر تو نفی پر نفی داخل ہو جائے گی، اور نفی پر نفی داخل ہو تو وہ اثبات کا فائدہ دیتی ہے۔ جیسے میں مثال ذکر کرتا ہوں کہ میں کہتا ہوں زید میرے پاس نہیں آیا، دیکھو نفی ہے، زید میرے پاس نہیں آیا۔ اس پر ذرا ایک اور نفی داخل کرو: ایسا نہیں ہے کہ زید میرے پاس نہیں آیا، کیا معنی؟ معلوم ہوا وہ آیا ہے۔ دیکھو نفی پر نفی داخل ہوئی تو اس نے کس کا فائدہ دیا؟ اثبات کا۔ تو اس لیے یہاں پر بھی یہ جو لَا ہے، پہلا لَا جو ہے نفیِ جنس کے لیے ہے، وہ نفی کا فائدہ دے رہا ہے، وَلَا قُوَّةَ اور یہ والا جو لَا ہے یہ زائد ہے تاکید کے لیے۔

اور پھر یہ وَلَا قُوَّةَ، یہ قُوَّةَ پر نصب کیوں ہے؟ تو صاحبِ جامی نے بتلایا تھا کہ یہ قُوَّةَ کا عطف ہے حَوْلَ پر، اور حَوْلَ پر یہ جو فتحہ ہے یہ فتحہ بھی اعراب کی طرح ہے۔ یہ فتحہ بھی کس کی طرح ہے؟ اعراب کی طرح ہے، کیونکہ لَا کی وجہ سے آیا ہے، جیسے عامل کی وجہ سے نصب آتا ہے اسی طرح یہ بنا والا فتحہ بھی کس کی وجہ سے آیا؟ عامل کی وجہ سے۔ تو یہ ہے تو فتحہ لیکن یہ کس کی طرح ہے؟ نصب کی طرح ہے، تو اس کے لفظوں پر حمل کرتے ہوئے اس کا جو معطوف ہے اس پر نصب پڑھا گیا۔ یا یہ بھی آپ کہہ سکتے ہیں کہ جمہور کے نزدیک لَا حَوْلَ یہ حَوْلَ کیا ہے؟ مبنی ہے اور منصوب المحل ہے، منصوب المحل، تو اس کے محل پر حمل کرتے ہوئے وَلَا قُوَّةَ اس کا عطف اس لَا حَوْلَ پر کیا گیا، اور تو اس پر بھی نصب پڑھ دیا گیا۔ اور

یہاں پر بھی آپ دونوں کے لیے ایک ہی خبر بھی نکال سکتے ہیں اور دونوں کے لیے الگ الگ خبر بھی نکال سکتے ہیں، کیونکہ دوسرا لَا عامل ہے ہی نہیں، وہی معطوف اور معطوف علیہ ملا کر ان کے لیے ایک ہی خبر بنا نکال لیں آگے، یا دونوں کے لیے الگ الگ خبر نکال لیں تو عطفِ جملہ علی الجملہ ہو جائے گا۔

اور تیسری صورت یہ تھی کہ پہلے پر فتحہ پڑھیں اور دوسرے پر رفع پڑھیں: لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةٌ إِلَّا بِاللّٰهِ۔ اور اس صورت میں پہلا لَا وہی لائے نفیِ جنس ہے اور دوسرا لَا زائد ہے تاکید کے لیے۔ اور پھر یہ وَلَا قُوَّةٌ، یہ قُوَّةٌ پر رفع کیوں آیا؟ تو صاحبِ جامی نے بتلایا کہ یہ اس کا عطف ہے لَا حَوْلَ کے محل پر، اور حَوْلَ مرفوع ہے محل کے اعتبار سے کیونکہ یہ بتدا ہے، کیونکہ لائے نفیِ جنس کس پر داخل ہوتا ہے؟ بتدا اور خبر پر، تو اصل کے اعتبار سے یہ حَوْلَ مرفوع المحل ہے۔ تو گویا اس حَوْلَ کے دو محلِ اعراب ہو گئے، ایک کیا؟ ایک محلِ قریب اور ایک محلِ بعید۔ اول اصل کے اعتبار سے یہ بتدا تھا تو اس اعتبار سے یہ کیا ہے؟ مرفوع، اور پھر لَا داخل ہوا اور یہ مبنی بنا اور لَا کا اسم کیا ہوتا ہے؟ منصوب، تو اس کے لَا کے اعتبار سے یہ منصوب المحل ہے۔ تو لَا حَوْلَ کے دو محلِ اعراب ہو گئے: ایک محلِ قریب ہے لَا کی وجہ سے منصوب ہے، اور ایک محلِ بعید ہے کہ اصل کے اندر بتدا تھا اور بتدا ہونے کے اعتبار سے یہ مرفوع المحل ہے۔ تو وَلَا قُوَّةٌ کا عطف کیا گیا حَوْلَ پر اس کے محلِ بعید پر حمل کرتے ہوئے، اور محلِ بعید کے اعتبار سے حَوْلَ مرفوع المحل ہے تو لہٰذا وَلَا قُوَّةٌ اس پر بھی رفع پڑھا گیا کیونکہ معطوف علیہ پر وہی اعراب آتا ہے جو معطوف پر ہوتا ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو اس کے محل پر حمل کرتے ہوئے عطف کیا گیا تو قُوَّةٌ پڑھا گیا۔ اور یہاں پر بھی اسی طرح ہے، یہ دوسرا لَا تاکید کے لیے زائد ہے تو آپ عطفِ مفرد علی المفرد بھی کر سکتے ہیں، ایک ہی خبر دونوں کے لیے نکال لیں، اور آپ چاہیں تو دونوں کے لیے الگ الگ خبریں نکال کر عطفِ جملہ علی الجملہ بھی کر سکتے ہیں۔

اور چوتھی صورت یہ تھی کہ دونوں پر رفع پڑھا جائے، رفع۔ صاحبِ جامی نے بتلایا تھا کہ یہاں پر لَا حَوْلٌ وَلَا قُوَّةٌ دونوں پر رفع پڑھا گیا کیونکہ یہ جواب ہے ایک سوالِ مقدر کا، تو جواب سوال کے مطابق ہونا چاہیے، سوال کے اندر دونوں پر رفع تھا تو جواب میں بھی رفع پڑھا گیا۔ مثلاً سوال کیا تھا: أَبِغَيْرِ اللّٰهِ حَوْلٌ وَقُوَّةٌ، کیا اللہ کی مدد کے بغیر بھی گناہوں سے پلٹنا اور نیکی کی توفیق ہے؟ تو جواب میں کہا گیا: لَا حَوْلٌ وَلَا قُوَّةٌ إِلَّا بِاللّٰهِ، اللہ کی مدد کے بغیر نہ تو انسان گناہوں سے بچ سکتا ہے اور نہ ہی نیکی کر سکتا ہے۔ انسان جتنے گناہوں سے بچتا ہے وہ بھی اللہ کی توفیق سے، اور جو نیکیاں کرتا ہے وہ بھی اللہ کی توفیق سے، تو یہ سب اللہ کا فضل ہے بھئی۔ یہاں لَا حَوْلٌ وَلَا قُوَّةٌ إِلَّا بِاللّٰهِ، یہاں پر بھی دونوں صورتیں جائز ہیں یعنی عطفِ مفرد علی المفرد بھی کر سکتے ہیں، دونوں کے لیے ایک ہی خبر نکال لیں، اور آپ چاہیں تو عطفِ جملہ علی الجملہ بھی کر سکتے ہیں، دونوں کے لیے الگ الگ خبریں نکال لیں۔ اور اس صورت میں میں نے یہ بھی بتایا تھا کہ یہ جو دونوں لَا ہیں یہ لائے نفیِ جنس والے ہیں، کون سے لَا ہیں؟ لَا حَوْلٌ یہ بھی لائے نفیِ جنس، دوسرا بھی لائے نفیِ جنس، اور یہ ملغیٰ عن العمل ہیں، عمل سے روک دیے گئے ہیں، ان کے عمل کو لغو کر دیا گیا ہے۔ اور اس کی دو شرطیں ہیں، لَا کے عمل کو ملغیٰ کرنے کی دو شرطیں ہیں: ایک

شرط یہ کہ لَا کے اندر تکرار ہونا چاہیے اور یہاں بھی لَا میں تکرار ہے لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ، اور نیز دونوں اسموں کا اعراب بھی ایک جیسا ہونا چاہیے اور یہاں بھی لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ دونوں پر رفع آرہا ہے۔ تو لَا کے عمل کو لغو کرنے کی کتنی شرطیں ہیں؟ دو، ایک تو یہ کہ لَا کے اندر تکرار ہو اور دوسرا دونوں اسموں پر اعراب ایک جیسا ہو۔ تو وہ دونوں شرطیں یہاں پوری اس لیے لَا کو عمل سے لغو کر دیا گیا۔ توجہ ہے؟ لہٰذا لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ، جو دونوں لَا ہیں یہ لائے نفیِ جنس والے ہیں، کون سے لَا ہیں؟ لَا حَوْلَ یہ بھی لائے نفیِ جنس، دوسرا بھی لائے نفیِ جنس، اور یہ ملغیٰ عن العمل ہیں، عمل سے روک دیے گئے ہیں، ان کے عمل کو لغو کر دیا گیا ہے۔ یا آپ چاہیں تو پہلے لَا کو لائے نفیِ جنس بنا دیں اور دوسرے لَا کو آپ زائد بھی بنا سکتے ہیں جو پہلے لَا کی تاکید کے لیے آرہا ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟

اب آئیے آج کے سبق پر۔ کہتے ہیں: وَالْخَامِسُ رَفْعُ الْأَوَّلِ عَلَى أَنَّ لَا بِمَعْنَى لَيْسَ عَلَى ضَعْفٍ، فَإِنَّ عَمَلَ لَا بِمَعْنَى لَيْسَ قَلِيلٌ، وَفَتْحُ الثَّانِي، نَحْوُ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ۔ پانچویں صورت آگئی بھئی۔ پانچویں صورت میں پہلے اسم پر رفع پڑھیں گے، لَا حَوْلَ، اور دوسرے اسم پر فتحہ پڑھیں گے، وَلَا قُوَّةَ، تو لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ۔ اور صاحبِ کافیہ نے آپ کو بتلایا کہ یہ لَا حَوْلَ پڑھنا ضعیف ہے، یعنی یہ وجہ کیا ہے؟ ضعیف ہے عربی زبان کے اعتبار سے۔ وجہ کیا؟ وجہ اس کی یہ آپ کو بتلائیں گے۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ یہ پہلا لَا جو ہے اس کو لَا مشابہ بِ لَيْسَ بنایا گیا، لَا مشابہ بِ لَيْسَ۔ لَا مشابہ بِ لَيْسَ کیا عمل کرتا ہے؟ اپنے اسم کو رفع دیتا ہے اور خبر کو نصب دیتا ہے۔ تو یہ لَا مشابہ بِ لَيْسَ ہے، تو یہ ضعیف ہے، وجہ یہ کہ لَا کا عمل لَيْسَ کے معنی میں نہایت قلیل آیا ہے عربی زبان میں۔ یعنی یوں کہو یہ لَا مشابہ بِ لَيْسَ عربی زبان میں نہایت قلیل استعمال ہوا ہے۔ چنانچہ علماء فرماتے ہیں کہ عام کلام کے اندر آپ اس طرح کا کلام نہیں بنا سکتے۔ آپ ایک جملہ بنانا چاہتے ہیں اس میں لَا مشابہ بِ لَيْسَ کو لانا چاہتے ہیں اور اس کے لیے اس کے اسم پر رفع اور خبر پر نصب پڑھنا چاہتے ہیں، آپ نہیں کر سکتے، بلکہ یہ سماع پر موقوف ہے، جہاں جہاں عربوں نے اس کو استعمال کیا ہے آپ بھی وہی جملے استعمال کر سکتے ہیں، اپنی طرف سے نیا کلام نہیں بنا سکتے۔ کیونکہ ضابطے جو ہیں وہ عام اور کثیر استعمال پر مبنی ہوتے ہیں، جو قلیل اور نادر استعمالات ہوں ان پر ضابطوں کی بنیاد نہیں رکھی جاتی بھئی۔

دیکھیے بھئی، کہتے ہیں: وَالْخَامِسُ رَفْعُ الْأَوَّلِ اور پانچویں وجہ جو ہے اول کا رفع ہے، عَلَى أَنَّ لَا بِمَعْنَى لَيْسَ بنا بر اس کے کہ لَا جو ہے وہ لَيْسَ کے معنی میں ہے، یہ لَا کس معنی میں ہے؟ لَا مشابہ بِ لَيْسَ ہے، یہ لَيْسَ کے معنی میں ہے۔ عَلَى أَنَّ میں بار بار بتلا رہا ہوں کہ یہ عَلَى کبھی کبھار علت بیان کرنے کے لیے لایا جاتا ہے، تو یہاں جگہ جگہ صاحبِ جامی استعمال کرتے ہیں عَلَى کو علت بتلانے کے لیے۔ کہ رَفْعُ الْأَوَّلِ پہلے پر رفع ہے، بھئی کس وجہ سے؟ وجہ ذکر کر رہے ہیں، عَلَى أَنَّ لَا بِمَعْنَى لَيْسَ بنا بر اس کے یعنی اس وجہ سے کہ لَا بمعنی لَيْسَ ہے۔ عَلَى ضَعْفٍ، اور یہ اول پر رفع عَلَى ضَعْفٍ، ضعف پر ہے، یعنی اول پر رفع پڑھنا ضعیف ہے۔ بھئی کیا وجہ؟ وجہ ذکر کر رہے ہیں، کہتے ہیں: فَإِنَّ عَمَلَ لَا بِمَعْنَى لَيْسَ قَلِيلٌ، اس لیے کیونکہ لَا

کا عمل لَیْسَ کے معنی میں قلیل ہے، کلامِ عرب میں بہت کم ایسا آیا ہے۔ وَفَتْحُ الثَّانِي، اور ثانی پر فتحہ ہے، نَحْوُ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ۔ دیکھو ثانی پر فتحہ ہے، معلوم ہوا وہ مبنی ہے، اس پر تنوین نہیں پڑھنی بھئی۔ اب بتلائیں گے کہ ثانی پر فتحہ کیوں ہے؟ کہتے ہیں: عَلَى أَنْ تَكُونَ لَا لِنَفْيِ الْجِنْسِ، بنا بر اس کے کہ جو لَا ہے وہ نفیِ جنس کے لیے ہے۔ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ، لَا حَوْلَ کے اندر لَا کون سا ہے؟ لَا مشابہ بِ لَیْسَ، اور وَلَا قُوَّةَ یہ لَا کون سا ہے؟ لائے نفیِ جنس ہے، یہ معنی ہے عَلَى أَنْ تَكُونَ لَا لِنَفْيِ الْجِنْسِ کہ یہ جو دوسرا لَا ہے یہ نفیِ جنس کے لیے ہے۔

تو صاحبِ کافیہ نے اس میں لَا حَوْلَ، یہ حَوْلَ پر رفع پڑھنے کو ضعیف قرار دیا۔ آگے صاحبِ جامی فرماتے ہیں: وَضُعِّفَ وَجْهُ ضَعْفِ رَفْعِ الْأَوَّلِ، ضُعِّفَ یہ بابِ تفعیل سے پڑھیں، اس کا معنی ہے ضعیف قرار دینا۔ اور وَجْهُ ضَعْفِ رَفْعِ الْأَوَّلِ یہ اس کا نائب الفاعل بنے گا۔ وَضُعِّفَ اور ضعیف قرار دیا گیا ہے، بھئی کس چیز کو ضعیف قرار دیا گیا ہے؟ وَجْهُ ضَعْفِ رَفْعِ الْأَوَّلِ، ترجمہ آخر سے ہو گا، وَجْهُ ضَعْفِ رَفْعِ الْأَوَّلِ، پہلے اسم کے رفع کے ضعیف ہونے کی جو وجہ ہے، پہلے اسم میں جو رفع آیا تھا اس کو ضعیف قرار دیا، کیوں؟ کیونکہ وہ لَا مشابہ بِ لَیْسَ کا اسم ہے۔ کہتے ہیں وہ جو پہلے اسم پر جو رفع آیا ہے اس کو جو ضعیف قرار دینے کی وجہ ہے اس وجہ کو ضعیف قرار دیا گیا ہے کہ یہ وجہ قوی نہیں ہے بھئی، یعنی اس کو رد کیا ہے، یوں کہیں کیا کیا ہے اس کو؟ رد کیا ہے بھئی۔ اور یہ کس نے رد کیا؟ تو یہ بین السطور لکھا ہوا ہے وَالْمُضَعِّفُ الرَّضِيُّ، یہ علامہ رضی ہیں انہوں نے ضعیف قرار دیا ہے، کہ صاحبِ کافیہ نے جو اس اول کے اندر رفع کو ضعیف قرار دینے کی وجہ ذکر کی ہے وہ وجہ ضعیف ہے بھئی۔ تو یہ علامہ رضی میں نے بتلایا تھا جنہوں نے اس کافیہ کی بڑی زبردست شرح لکھی ہے، اور کافیہ کی دو شروحات سب سے زیادہ مشہور ہیں بھئی: ایک علامہ رضی کی شرح ہے اور دوسری صاحبِ جامی کی شرح جو ہم پڑھ رہے ہیں۔

تو کہتے ہیں: وَضُعِّفَ وَجْهُ ضَعْفِ رَفْعِ الْأَوَّلِ اور پہلے اسم کے رفع کے ضعیف ہونے کی جو وجہ ہے اس کو ضعیف قرار دیا ہے، اس کو ضعیف قرار دیا ہے، بِأَنَّهُ، یہ با سببیہ ہے، اس وجہ سے کہ أَنَّهُ يَجُوزُ کیونکہ یہ جائز ہے أَنْ يَكُونَ رَفْعُهُ لِإِلْغَاءِ عَمَلِ لَا بِالتَّكْرِيرِ کیونکہ یہ بھی جائز ہے کہ اس کا رفع لَا کے عمل کو لغو کر دینے کی وجہ سے ہو بِالتَّكْرِيرِ بوجہ تکرار کے، لَا لِكَوْنِهَا بِمَعْنَى لَيْسَ نہ کہ اس وجہ سے کہ وہ لَیْسَ کے معنی میں ہے۔ بھئی ادھر دیکھیے پہلے تفصیل سمجھ لیجیے۔ علامہ رضی فرماتے ہیں، علامہ رضی فرماتے ہیں کہ آپ نے پہلے لَا کو کون سا لَا بنایا؟ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ، یہ لَا حَوْلَ کے اندر آپ نے لَا مشابہ بِ لَیْسَ بنایا اور چونکہ لَا مشابہ بِ لَیْسَ تو کلامِ عرب میں بہت قلیل استعمال ہوتا ہے اس لیے آپ نے اس رفع کو ضعیف قرار دے دیا، حالانکہ اس رفع کے لیے اور بھی وجہ ذکر کی جا سکتی ہے۔ یہ رفع لَا مشابہ بِ لَیْسَ کی وجہ سے نہیں ہے بلکہ یوں کہو یہ رفع لَا کو لغو کر دینے کی وجہ سے ہے، یہ جو پہلا لَا ہے یہ بھی لائے نفیِ جنس بنا دیں، یہ بھی کیا بنا دیں؟ لائے نفیِ جنس بنا دیں اور پھر اس کے عمل کو لغو کر دیا گیا۔ بھئی کیوں لغو کیا گیا؟ اس کو لغو کرنے کی تو دو شرطیں تھیں، لَا کے عمل کو لغو کر سکتے تھے، اس کو عمل سے روک سکتے ہیں، کتنی شرطیں ہیں؟ دو: ایک تو لَا کے اندر تکرار ہونا چاہیے اور نیز دونوں اسموں

کا اعراب بھی ایک جیسا ہونا چاہیے لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ کے اندر جیسے آپ پڑھ چکے ہیں چوتھی وجہ میں، توجہ ہے؟ تو علامہ رضی فرماتے ہیں کہ نہیں، لَا کو ملغیٰ کرنے کے لیے دو شرطیں نہیں ہیں بلکہ صرف پہلی شرط ہے لَا کا تکرار۔ لَا کے عمل کو ملغیٰ کرنے کے لیے صرف تکرارِ لَا ہونا چاہیے، دونوں اسموں کا اعراب کے اندر موافق ہونا ضروری نہیں ہے۔ توجہ ہے؟ تو یہاں پر بھی لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ، یہاں آپ نے، صاحبِ کافیہ نے لَا کو کون سا لَا قرار دیا؟ لَا مشابہ بِ لَیْسَ۔ نہیں بھئی، اس کو لَا مشابہ بِ لَیْسَ نہ بنائیں، اس کو لَا، لائے نفیِ جنس ہی قرار دے دیں۔ ہاں اس کے عمل کو لغو کر دیا گیا کیونکہ اس کے عمل کو لغو کرنے کی شرط پوری ہے اور وہ کیا ہے؟ تکرارِ لَا، یہاں پر بھی کیا ہے؟ تکرارِ لَا موجود ہے۔ اور دوسرے دونوں اسموں کا اعراب کے اندر موافق ہونا، کہتے ہیں نہیں وہ شرط نہیں ہے۔ اور صاحبِ جامی جو ہے وہ بھی تائید کر رہے ہیں علامہ رضی کی کہ لَا کے عمل کو ملغیٰ کرنے کے لیے دونوں چیزوں کو شرط قرار دینا صحیح نہیں ہے، لَا کا صرف تکرار ضروری ہے دونوں اسموں کا آپس میں اعراب کے اندر موافق ہونا ضروری نہیں۔

چنانچہ دیکھیے، اب دیکھیے بھئی، عجیب توجیہ کی جو اور بھی صورتوں کو شامل ہو گئی۔ کیا وجہ ذکر کی؟ ادھر توجہ سے سنو، لَا کے عمل کو ملغیٰ کرنے کی صرف ایک ہی شرط ہے اور وہ کیا ہے؟ تکرارِ لَا۔ جب بھی تکرارِ لَا آجائے آپ لَا کو عمل سے ملغیٰ کر سکتے ہیں، ملغیٰ کر سکتے ہیں۔ پھر آپ چاہیں تو دونوں کو ملغیٰ کریں، چاہیں تو صرف پہلے کو ملغیٰ کریں، چاہیں تو صرف دوسرے کو ملغیٰ کریں۔ چاہیں تو آپ دونوں کو ملغیٰ کر دیں جب تکرارِ لَا ہو، جیسے ابھی چوتھی وجہ میں تھا: لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ، دونوں لَا کیا تھے؟ ملغیٰ عن العمل تھے۔ اور آپ چاہیں تو صرف پہلے کو ملغیٰ کر دیں جیسے ابھی ہم پانچویں وجہ پڑھ رہے ہیں: لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ۔ اور آپ چاہیں تو صرف دوسرے لَا کو ملغیٰ کر دیں جیسے وہ تیسری وجہ کے اندر آیا تھا: لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ۔ بتلایا تھا وَلَا قُوَّةَ کا عطف کس پر ہے؟ لَا حَوْلَ کے محل پر ہے، لیکن آپ یہ توجیہ وہاں بھی جاری ہو جائے گی کہ وہ بھی لائے نفیِ جنس ہے، وہ کوئی عطف نہیں ہے بلکہ وہ بھی لائے نفیِ جنس ہے لیکن وہ ملغیٰ عن العمل ہے۔ توجہ ہے؟ تو لَا کے عمل کو ملغیٰ کرنے کی کتنی شرطیں ہیں؟ عام علماء فرماتے ہیں دو شرطیں ہیں: کہ تکرارِ لَا بھی ہونا چاہیے اور دونوں اسم باہم ایک دوسرے کے موافق ہونے چاہئیں اعراب کے اندر، لیکن علامہ رضی فرماتے ہیں نہیں، صرف تکرارِ لَا کافی ہے، دونوں اسموں کے اعراب کے اندر موافق ہونے کا اس میں کوئی دخل نہیں، بس جہاں بھی تکرارِ لَا آئے تو آپ کیا کر سکتے ہیں؟ لَا کے عمل کو ملغیٰ کر سکتے ہیں۔ اور آپ چاہیں تو دونوں کو ملغیٰ کر دیں جیسے چوتھی وجہ میں تھا، یا آپ چاہیں تو صرف پہلے کے عمل کو ملغیٰ کر دیں جیسے پانچویں وجہ میں ہے، یا آپ چاہیں تو دوسرے لَا کے عمل کو ملغیٰ کر دیں جیسے کہ تیسری وجہ میں تھا۔ تقریر سمجھ میں آگئی؟

دیکھیے بھئی، تو کہتے ہیں: وَضُعِّفَ وَجْهُ ضَعْفِ رَفْعِ الْأَوَّلِ، تو کہتے ہیں پہلے اسم کے اندر رفع کے ضعیف ہونے کی جو وجہ ہے اس کو ضعیف قرار دیا گیا ہے، بِأَنَّهُ يَجُوزُ اس وجہ سے کیونکہ یہ جائز ہے أَنْ يَكُونَ رَفْعُهُ لِإِلْغَاءِ عَمَلِ لَا بِالتَّكْرِيرِ کہ وہ اس

کا رفع جو ہے وہ لَا کے عمل کو لغو کر دینے کی وجہ سے ہو بِالتَّكْرِيرِ بوجہ تکرار کے، لَا لِكَوْنِهَا بِمَعْنَى لَيْسَ نہ کہ اس وجہ سے کہ وہ لَيْسَ کے معنی میں ہے۔ لَا حَوْلٌ کے اندر یہ لَا مشابہ بِ لَيْسَ نہ بناؤ بلکہ کیا کرو؟ اس کو لائے نفیِ جنس ہی قرار دے دو، البتہ یہ ملغیٰ عن العمل ہے، تو اب یہ رفع کیوں آیا؟ کیونکہ لَا کے عمل کو لغو کیا گیا ہے، یہ لَا بمعنی لَيْسَ کے نہیں ہے بھئی۔ لِأَنَّ شَرْطَ صِحَّةِ إِلْغَائِهَا التَّكْرِيرُ فَقَطْ، اس لیے کیونکہ، لِأَنَّ شَرْطَ صِحَّةِ إِلْغَائِهَا، کیونکہ لَا کو لغو کرنے کی صحت کی جو شرط ہے، لِأَنَّ شَرْطَ صِحَّةِ إِلْغَائِهَا، اس لیے کیونکہ لَا کو لغو کرنے کی صحیح ہونے کی جو شرط ہے کہ اس کو لغو کرنا صحیح ہو، اس کو لغو کرنا صحیح ہو، اس کی شرط جو ہے التَّكْرِيرُ فَقَطْ، وہ صرف تکرار ہے، وَقَدْ حَصَلَ هٰهُنَا، اور وہ تکرار تو یہاں پر حاصل ہے بھئی۔ لَا حَوْلٌ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ، اس میں تکرار تو حاصل ہے۔ وَلَا دَخْلَ فِيهَا لِتَوَافُقِ الِاسْمَيْنِ بَعْدَهَا فِي الْإِعْرَابِ، اور کوئی دخل نہیں ہے اس کے اندر یعنی اس لَا کے عمل کو لغو کر دینے میں کوئی دخل نہیں ہے کس چیز کا؟ لِتَوَافُقِ الِاسْمَيْنِ بَعْدَهَا فِي الْإِعْرَابِ، کہ اس کے بعد آنے والے دونوں اسم جو ہیں اعراب کے اندر باہم موافق ہوں، ان کا اعراب ایک جیسا ہو اس کا کوئی دخل نہیں ہے۔

فَهٰذَا عَلَى التَّوْجِيهِ الْأَوَّلِ مُتَعَيَّنٌ لِعَطْفِ جُمْلَةٍ عَلَى جُمْلَةٍ، تو یہ جو ہے، یہ جو پانچویں وجہ ہے کون سی؟ لَا حَوْلٌ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ، تو یہ پہلی توجیہ جو صاحبِ کافیہ نے کی کہ پہلے لَا کو کس لیے بنایا؟ مشابہ بِ لَيْسَ، اور دوسرے لَا کو کس لیے بنائیں گے؟ لائے نفیِ جنس، تو اس صورت میں پھر صرف عطفِ جملہ علی الجملہ ہی ہو سکتا ہے، عطفِ مفرد علی المفرد نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ دونوں لَا الگ الگ قسم کے ہیں اور دونوں اپنی اپنی خبر چاہتے ہیں۔ لَا مشابہ بِ لَيْسَ کیا عمل کرتا ہے؟ اپنے اسم کو رفع دیتا ہے اور خبر کو نصب دیتا ہے۔ اور لائے نفیِ جنس جو ہے وہ اپنی خبر کو رفع دیتا ہے۔ تو اگر ایک ہی خبر آپ دونوں کے لیے إِلَّا بِاللَّهِ کو بنا لیں گے، تو لَا مشابہ بِ لَيْسَ جو ہے لَا حَوْلٌ یہ اس کو کیا دے گا إِلَّا بِاللَّهِ کو؟ نصب دے گا۔ اور لائے نفیِ جنس جو ہے یعنی لَا قُوَّةَ یہ اس إِلَّا بِاللَّهِ کو رفع دے گا۔ تو ایک ہی معمول جو ہے ایک ہی وقت میں مرفوع بھی ہو اور منصوب بھی ہو یہ نہیں ہو سکتا بھئی۔ لہٰذا دونوں کے لیے ایک خبر نہیں ہو سکتی، دونوں کے لیے الگ الگ خبریں نکالیں گے۔ جب دونوں کے لیے الگ خبریں نکالیں گے تو پھر یہ عطفِ جملہ علی الجملہ ہو جائے گا۔ تو یہ معنی ہے: فَهٰذَا عَلَى التَّوْجِيهِ الْأَوَّلِ، تو یہ جو پانچویں صورت ہے پہلی توجیہ پر، مُتَعَيَّنٌ لِعَطْفِ جُمْلَةٍ عَلَى جُمْلَةٍ، یہ متعین ہے عطفِ جملہ علی الجملہ کے لیے، یعنی اس میں عطفِ جملہ علی الجملہ ہی ہو گا، أَيْ لَا حَوْلٌ إِلَّا بِاللَّهِ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ، یعنی دونوں کے لیے إِلَّا بِاللَّهِ الگ الگ خبر ہو گی۔

وَإِلَّا، اور اگر ایسا نہ ہو یعنی اگر آپ عطفِ جملہ علی الجملہ نہیں کرنا چاہتے، عطفِ مفرد علی المفرد کرنا چاہتے ہیں، تو پھر خرابی لازم آئے گی۔ کیا خرابی؟ سنیے بھئی، کہتے ہیں: وَإِلَّا اور اگر ایسا نہ ہو یعنی عطفِ جملہ علی الجملہ نہ ہو، فَيَلْزَمُ أَنْ يَكُونَ قَوْلُهُ إِلَّا بِاللَّهِ مَنْصُوبًا وَمَرْفُوعًا، تو لازم آئے گا کہ ماتن کا قول إِلَّا بِاللَّهِ جو ہے مَنْصُوبًا وَمَرْفُوعًا منصوب بھی ہو اور مرفوع بھی ہو بھئی، اور یہ تو نہیں ہو سکتا بھئی۔ وَعَلَى التَّوْجِيهِ الثَّانِي، اور دوسری توجیہ پر بھئی، دوسری توجیہ کیا ذکر کی تھی؟ دوسری

توجیہ وہ جو علامہ رضی کی ذکر کی کہ یہ پہلے لَا کو بھی کون سا لَا بنا دو؟ لائے نفیِ جنس، لیکن یہ ملغیٰ عن العمل ہے، اور دوسرا لَا تو ہے ہی لائے نفیِ جنس، تو لہٰذا جب دونوں لائے نفیِ جنس ہیں تو دونوں کے لیے ایک ہی خبر بھی نکال سکتے ہیں۔ تو لہٰذا اس دوسری توجیہ پر یہ عطفِ مفرد علی المفرد کی قبیل سے بھی ہو سکتا ہے دونوں کے لیے ایک ہی خبر نکال لیں، اور دونوں کے لیے الگ خبریں نکال لیں تو یہ عطفِ جملہ علی الجملہ کی قبیل سے بھی ہو سکتا ہے۔ تو کہتے ہیں: وَعَلَى التَّوْجِيهِ الثَّانِي يَحْتَمِلُ أَنْ يَكُونَ مِنْ قَبِيلِ عَطْفِ مُفْرَدٍ عَلَى مُفْرَدٍ، اور دوسری توجیہ کی بنا پر یہ احتمال رکھتا ہے کہ یہ عطفِ مفرد علی المفرد کی قبیل سے ہو، أَوْ عَطْفِ جُمْلَةٍ عَلَى جُمْلَةٍ، یا یہ عطفِ جملہ علی الجملہ کی قبیل سے ہو، كَمَا لَا يَخْفَى، جیسے کہ یہ بات پوشیدہ نہیں ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟

اب یاد رکھو، صاحبِ کافیہ نے آپ کو بتلایا تھا کہ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ میں پانچ وجوہ جائز ہیں، پانچ وجہیں جائز ہیں۔ صاحبِ جامی نے پھر بتلایا کہ تلفظ کے اعتبار سے پانچ وجہیں ہیں اور توجیہ کے اعتبار سے پانچ سے زیادہ ہیں بھئی۔ توجیہ یعنی وہ رفع یا نصب کس وجہ سے آیا وہ وجہیں جو ہیں وہ پانچ سے زیادہ ہیں۔ تو اب دیکھو وہ کس طرح، وہ اب آپ سمجھ لیجیے۔ تو صاحبِ جامی نے بتلایا کہ یہ پانچ وجہیں تلفظ کے اعتبار سے ہیں اور توجیہ کے اعتبار سے کہ ان پر یہ اعراب کیوں پڑھ رہے ہیں اس اعتبار سے زیادہ وجہیں بن جاتی ہیں۔ تلفظ کے اعتبار سے تو پانچ وجہیں ہیں، کون سی؟ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ، پھر دوسرے پر نصب پڑھیں: لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ، تیسری صورت میں کہ دوسرے پر رفع پڑھیں: لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةٌ إِلَّا بِاللَّهِ، اور چوتھی صورت یہ ہے کہ دونوں پر رفع پڑھیں: لَا حَوْلٌ وَلَا قُوَّةٌ إِلَّا بِاللَّهِ، اور پانچویں صورت یہ ہے کہ پہلے پر رفع اور دوسرے کو مبنی علی الفتح: لَا حَوْلٌ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ۔ یہ پانچ وجہیں ہیں تلفظ کے اعتبار سے۔

اور پھر ان میں سے ہر ایک کی وجہ بھی ذکر کی صاحبِ جامی نے کہ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ یہ دونوں کو مبنی علی الفتح کیوں پڑھا؟ کیونکہ دونوں لائے نفیِ جنس ہیں اور ان کے اسم میں جب تینوں شرطیں پوری ہوں تو یہ مبنی علی الفتح ہوتے ہیں۔ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ، دوسری جو وجہ تھی اس میں وَلَا قُوَّةَ کیوں پڑھا؟ کیونکہ یہ اول لَا جو ہے لائے نفیِ جنس ہے لَا حَوْلَ، اس لیے اس کا اسم مبنی علی الفتح ہے، وَلَا قُوَّةَ اور دوسرا لَا زائد ہے تاکیدِ نفی کے لیے، اور یہ قُوَّةَ کا عطف ہے لَا حَوْلَ پر اس کے لفظوں پر حمل کرتے ہوئے۔ دیکھو اس کی یہ وجہِ اعراب ذکر کر دی۔ اور تیسری صورت کیا تھی؟ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةٌ۔ وہاں کیا کہا تھا کہ پہلا لَا حَوْلَ، یہ لَا کیا ہے؟ لائے نفیِ جنس، اور وَلَا قُوَّةٌ کیوں پڑھا؟ کہ یہ لَا زائد ہے تاکیدِ نفی کے لیے اور رفع پڑھا لَا حَوْلَ کے محلِ بعید پر حمل کرتے ہوئے۔ توجہ ہے؟ اور چوتھی صورت کیا تھی؟ لَا حَوْلٌ وَلَا قُوَّةٌ۔ اس کے اندر یہ دونوں لائے نفیِ جنس ہیں لیکن ملغیٰ عن العمل ہیں، کیونکہ لَا عاملِ ضعیف ہے اور اس کے عمل کو لغو کیا جا سکتا ہے لیکن اس کے لغو کرنے کی کیا شرط ہے کہ لَا کا بھی تکرار ہو اور اس کے اسم پر اعراب بھی ایک جیسا پڑھا جائے، تو لَا حَوْلٌ وَلَا قُوَّةٌ یہ دونوں لَا کیا ہیں؟ لائے نفیِ جنس ہیں اور ملغیٰ عن العمل ہیں بھئی۔ اور پانچویں صورت یہ تھی کہ لَا حَوْلٌ وَلَا قُوَّةَ، لَا حَوْلٌ میں لَا مشابہ بِ لَيْسَ ہے اور وَلَا قُوَّةَ یہ لَا کیا ہے؟ لائے نفیِ جنس۔ تو یہ پانچ وجہیں ہو گئیں، پانچ تلفظ کے اعتبار سے بھی پانچ

قسمیں اور توجیہ یعنی اعراب ان پر یہ کیوں آیا اس کی بھی پانچ وجہیں ہو گئیں۔

لیکن پھر آخر میں صاحبِ جامی نے علامہ رضی کا قول ذکر کیا کہ وہ فرماتے ہیں کہ لَا کے عمل کو ملغیٰ کرنے کے لیے صرف تکرارِ لَا شرط ہے، دونوں اسموں کا اعراب میں موافق ہونا شرط نہیں۔ اور تکرارِ لَا جب یہ پانچویں وجہ ہے لَا حَوْلٌ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ، تو اس لَا کو لَا مشابہ بِ لَيْسَ قرار نہ دیں بلکہ یہ وہی لائے نفیِ جنس ہے لیکن ملغیٰ عن العمل ہے۔ دیکھو یہ دو وجہیں ہو گئیں اس کی، دو وجہیں، ایک کیا؟ لَا حَوْلٌ کیوں پڑھا؟ کہ لَا مشابہ بِ لَيْسَ ہے۔ اور دوسرا لَا حَوْلٌ کیوں پڑھا؟ کہ یہ لَا وہی لائے نفیِ جنس ہے البتہ ملغیٰ عن العمل ہے۔ اور پھر یہ بھی بتلایا تھا میں نے آپ کو کہ پھر چاہے آپ دونوں کو ملغیٰ کر دیں عمل سے چاہے ایک کو ملغیٰ عن العمل کریں۔ تو لَا حَوْلٌ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ، تو اس کے اندر صرف پہلے کو ملغیٰ عن العمل کیا گیا، اور لَا حَوْلٌ وَلَا قُوَّةٌ دونوں پر رفع پڑھیں تو دونوں کو ملغیٰ عن العمل کیا گیا، اور لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةٌ جو تیسری وجہ تھی اس میں صرف دوسرے کو ملغیٰ عن العمل کیا گیا۔ توجہ ہے؟ تو ان میں دیکھو دو دو وجہیں آ گئیں۔ کس طرح؟ پھر سنو، لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ، اس کے اندر صاحبِ جامی نے کیا بتلایا تھا؟ پہلا لَا نفیِ جنس کے لیے اور ثانی لَا تاکیدِ نفی کے لیے زائد ہے، لیکن اسی لَا کو لائے نفیِ جنس بھی بنا سکتے ہیں جو ملغیٰ عن العمل ہے، تو دیکھو دو وجہیں آ گئیں۔ نیز لَا حَوْلٌ وَلَا قُوَّةٌ اس کے اندر بھی دو وجہیں آ گئیں، کیا؟ کہ آپ چاہیں تو دونوں لَا ملغیٰ عن العمل قرار دے دیں، یا پہلے کو ملغیٰ عن العمل قرار دے دیں اور دوسرے لَا کو آپ نفی کی تاکید کے لیے زائد بھی بنا سکتے ہیں، تو دیکھو اس میں دو وجہیں آ گئیں۔ اور آخری کے اندر بھی دیکھو لَا حَوْلٌ، یہ لَا مشابہ بِ لَيْسَ بھی بنا سکتے ہیں اور لَا ملغیٰ عن العمل بھی، تو دیکھو کئی وجہیں ہو گئیں اعراب کی۔ بات سمجھ میں آ گئی؟ تو یہ معنی تھا صاحبِ جامی کے قول کا کہ یہ جو پانچ وجہیں ہیں لفظوں کے اعتبار سے ہیں، توجیہ کے اعتبار سے نہیں ہیں کیونکہ توجیہ کے اعتبار سے وجہیں اس سے زیادہ ہیں۔ بات سمجھ میں آ گئی؟ چلیے بس بھئی، هٰذَا هُوَ الْمَرَامُ، وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْكَلَامِ۔

سبق نمبر ۱۷۷: اسمِ لائے نفیِ جنس (۷): «لَا» پر ہمزۂ استفہام کے داخل ہونے کے احکام

شرحِ ملا جامی صفحہ: ۱۵۷ — بتاریخ: ۱ اگست ۲۰۲۲ء

▪ تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث

دیکھیے بھائی آگے سبق: وَإِذَا دَخَلَتِ الْهَمْزَةُ عَلَى لَا الَّتِي لِنَفْيِ الْجِنْسِ لَمْ يَتَغَيَّرِ الْعَمَلُ، أَيْ عَمَلُ لَا، أَيْ تَأْثِيرُهَا فِي مَدْخُولِهَا إِعْرَابًا وَبِنَاءً؛ لِأَنَّ الْعَامِلَ لَا يَتَغَيَّرُ عَمَلُهُ لِدُخُولِ كَلِمَةِ الِاسْتِفْهَامِ، وَمَعْنَاهَا أَيْ مَعْنَى الْهَمْزَةِ الدَّاخِلَةِ عَلَى لَا الَّتِي لِنَفْيِ الْجِنْسِ إِمَّا الِاسْتِفْهَامُ حَقِيقَةً فَتَقُولُ: أَلَا رَجُلَ فِي الدَّارِ مُسْتَفْهِمًا.

بھائی گزشتہ سبق میں لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ کی بحث چل رہی تھی۔ صاحبِ کافیہ نے بتلایا کہ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ میں پانچ وجہیں پڑھنا جائز ہیں بھائی۔ ایک صورت یہ کہ دونوں اسم جو ہیں وہ مَبْنِي عَلَى الْفَتْحِ ہوں، جیسے لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ۔ اور دوسری صورت یہ کہ دوسرا اسم منصوب ہو یعنی اس پر تنوین آئے، جیسے لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةً إِلَّا بِاللّٰهِ۔ تیسری صورت یہ کہ دوسرا اسم مرفوع ہو بھائی، لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةٌ إِلَّا بِاللّٰهِ۔ چوتھی صورت یہ کہ دونوں پر رفع پڑھیں، لَا حَوْلٌ وَلَا قُوَّةٌ إِلَّا بِاللّٰهِ۔ اور پانچویں صورت یہ ہے کہ پہلے اسم پر رفع اور دوسرا مَبْنِي عَلَى الْفَتْحِ ہو، لَا حَوْلٌ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ۔

اور اس پانچویں قسم کی تفصیل ہم نے پڑھی تھی۔ اس میں صاحبِ کافیہ نے آپ کو بتلایا کہ یہ لَا جو ہے مُشَابِه بِ لَيْسَ ہے اور اس کا اسم مرفوع ہوتا ہے اور خبر منصوب۔ تو یہ لَا مُشَابِه بِ لَيْسَ ہے اور یہ اپنے اسم کو رفع دیتا ہے اس لیے لَا حَوْلٌ یہ مرفوع ہے۔ البتہ اس کو صاحبِ کافیہ نے ضعیف قرار دیا تھا اس لیے کیونکہ لَا بِمَعْنَى لَيْسَ کے بہت قلیل عمل کرتا ہے۔ لَا بِمَعْنَى لَيْسَ کے بہت قلیل یعنی کلامِ عرب میں بہت کم ایسا آیا ہے کہ لَا کو عمل دیا گیا ہو بِمَعْنَى لَيْسَ کے۔ تو پھر اس میں صاحبِ جامی نے آپ کو بتلایا یہ کہ پہلا لَا تو لَا مُشَابِه بِ لَيْسَ ہے اور دوسرا لَا جو ہے وہ لَا نَفْيِ جِنْس ہے اسی لیے اس کا اسم مَبْنِي عَلَى الْفَتْحِ ہے، لَا حَوْلٌ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ۔

پھر آگے صاحبِ جامی نے ذکر فرمایا کہ یہ جو ضعف کی وجہ ذکر کی گئی ہے اس ضعف کی وجہ کو ضعیف قرار دیا گیا ہے۔ کس چیز کو؟ اس رفع کے، اس پر رفع کیوں آیا، اس رفع کی جو وجہ ذکر کی گئی ہے اور اس کو ضعیف قرار دیا گیا ہے، تو اس

ضعف کی وجہ کو ضعیف قرار دیا گیا ہے کہ یہ رفع کی یہ وجہ نہیں ہے بلکہ رفع کی یہاں ایک صورت اور بھی ہے اور وہ یہ کہ اس لَا کو بھی لَا نَفْيِ جِنْس ہی قرار دے دیں البتہ یہ مُلْغًى عَنِ الْعَمَلِ ہے۔ اور لَا نَفْيِ جِنْس کے مُلْغًى ہونے کے عمل صرف تکرارِ لَا ہے جو یہاں پر موجود ہے، اور باقی دونوں اسموں کا اعراب کے اندر باہم موافق ہونا، ایک دوسرے جیسا ہونا، کہتے ہیں اس کا کوئی دخل نہیں ہے لَا کے مُلْغًى کرنے میں۔

بھائی میں نے بتایا تھا کہ یہ جو لَا ہے یہ عاملِ ضعیف ہے لہٰذا آپ چاہیں تو اس کے عمل کو لغو بھی کر سکتے ہیں کہ یہ عمل کرے ہی نہ۔ لیکن اس کی شرط کیا ہے؟ کہ لَا کا تکرار ہونا چاہیے اور نیز وہ دو جو اسم ہیں ان پر دونوں اسموں کا اعراب ایک جیسا ہونا چاہیے۔ لیکن علامہ رضی فرماتے ہیں کہ نہیں، دونوں اسموں کے اعراب کا ایک جیسا ہونا اس کا لَا کے مُلْغًى کر دینے میں کوئی عمل نہیں ہے۔ لَا کے مُلْغًى کرنے کی صرف ایک ہی شرط ہے اور وہ ہے تکرارِ لَا، اور تکرارِ لَا یہاں موجود ہے۔

اور صاحبِ جامی نے بھی علامہ رضی کی تائید کی ہے کہ ان کی وجہ کو یہاں پر ذکر فرمایا کہ صاحبِ کافیہ نے اوّل کے اندر رفع کو جو ضعیف قرار دیا تھا اس کو علامہ رضی نے ضعیف قرار دیا ہے، اس کو صاحبِ جامی نے ذکر فرمایا بھائی۔ تو اوّل پر رفع کس لیے آیا؟ کہ یہ لَا بھی کون سا بناؤ؟ یہ لَا بھی وہی نفیِ جنس ہے البتہ مُلْغًى عَنِ الْعَمَلِ ہے اور لَا کے مُلْغًى عَنِ الْعَمَلِ کے لیے کیا شرط ہے؟ صرف ایک ہی شرط ہے کہ تکرارِ لَا ہونا چاہیے اور وہ یہاں پر موجود ہے۔ اور پھر میں نے تفصیل بیان کی تھی کہ بھائی لَا عاملِ ضعیف ہے، آپ چاہیں تو اس کے عمل کو لغو کر سکتے ہیں۔ یہ عاملِ ضعیف ہے آپ چاہیں اس کو عامل بنائیں ہی نہ، لیکن اس کے عمل کو مُلْغًى کرنے کی ایک ہی شرط ہے اور وہ یہ کہ لَا کا تکرار ہونا چاہیے۔ پھر چاہے تو آپ دونوں لَا جو ہیں، تو آپ چاہیں تو دونوں کے عمل کو کیا کر دیں؟ مُلْغًى کر دیں، اور آپ چاہیں تو صرف پہلے کے اندر عمل کو مُلْغًى کر دیں، اور آپ چاہیں تو صرف دوسرے کے اندر عمل کو مُلْغًى کر دیں۔

جیسے آخری تینوں وجہوں میں آپ غور کر لیں۔ چوتھی وجہ کے اندر لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ، یہاں پر بھی دونوں لَا کون سے ہیں؟ لَا نَفْيِ جِنْس قرار دے کر آپ دونوں کو مُلْغًى عَنِ الْعَمَلِ کر سکتے ہیں۔ اور آپ چاہیں تو صرف دوسرے کو مُلْغًى عَنِ الْعَمَلِ کر دیں جیسے تیسری وجہ میں تھا، لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ، وہاں صرف دوسرے کو مُلْغًى کر دیا گیا عمل سے۔ اور آپ چاہیں تو صرف پہلے کو مُلْغًى عَنِ الْعَمَلِ کر دیں اور وہ جیسے پانچویں وجہ میں ہے، لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ، تو یہ پہلے لَا کو لَا نَفْيِ جِنْس بھی قرار دیا جا سکتا ہے جو مُلْغًى عَنِ الْعَمَلِ ہو بھائی۔ تفصیل سمجھ میں آ گئی؟

اور پھر صاحبِ جامی نے بتلایا تھا کہ اگر وہ توجیہ کی جائے جو صاحبِ کافیہ نے ذکر کی ہے کہ یہ لَا مُشَابِه بِ لَيْسَ ہے تو اس صورت میں پھر یہ عطفِ جُمْلَة عَلَى الْجُمْلَةِ ہو گا، اس لیے کیونکہ لَا مُشَابِه بِ لَيْسَ اپنی الگ خبر چاہتا ہے، وہ اس کو نصب دینا چاہتا ہے، اور لَا نَفْيِ جِنْس جو ہے لَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ یہ اپنی خبر کو رفع دینا چاہتا ہے، تو لہٰذا آپ دونوں کی ایک ہی خبر نہیں بنا سکتے کہ آپ إِلَّا بِاللّٰهِ کو دونوں کے لیے خبر بنا دیں۔ بھائی اس صورت میں تو إِلَّا بِاللّٰهِ جو خبر ہے وہ مرفوع بھی ہو

گی اور منصوب بھی ہو گی۔ لَا مُشَابِهِ بِ لَيْسَ وہ نصب دے گا اور لَا نَفْيِ جِنْس وہ رفع دے گا۔ تو ایک ہی خبر مرفوع بھی ہو جائے، منصوب بھی ہو جائے یہ نہیں ہو سکتا، بات سمجھ میں آگئی؟ تو لہٰذا دونوں کے لیے الگ خبر نکالیں گے، اور جب دونوں کے لیے الگ خبر نکالیں گے تو یہ عطفِ جُمْلَة عَلَى الْجُمْلَةِ ہو جائے گا۔

اور اگر دوسری توجیہ لی جائے جو علامہ رضی نے بیان کی ہے کہ پہلے لَا کو بھی لَا نَفْيِ جِنْس بنائیں البتہ مُلْغًى عَنِ الْعَمَلِ کر دیں تو اس صورت میں دونوں لَا نَفْيِ جِنْس ہیں، لہٰذا آپ دونوں کی ایک ہی خبر بھی نکال سکتے ہیں اور آپ چاہیں تو دونوں کی الگ الگ خبریں نکال لیں، تو یہاں عطفِ مُفْرَد عَلَى الْمُفْرَدِ بھی جائز ہے اور عطفِ جُمْلَة عَلَى الْجُمْلَةِ بھی جائز ہے بھائی۔

اب آئیے آج کے سبق پر۔ کہتے ہیں: وَإِذَا دَخَلَتِ الْهَمْزَةُ عَلَى لَا الَّتِي لِنَفْيِ الْجِنْسِ لَمْ يَتَغَيَّرِ الْعَمَلُ۔ بھائی پہلے متن متن دیکھ لیجیے: وَإِذَا دَخَلَتِ الْهَمْزَةُ لَمْ يَتَغَيَّرِ الْعَمَلُ وَمَعْنَاهَا الِاسْتِفْهَامُ وَالْعَرْضُ وَالتَّمَنِّي۔

وَإِذَا دَخَلَتِ الْهَمْزَةُ لَمْ يَتَغَيَّرِ الْعَمَلُ۔ جی، یہاں سے آپ کو صاحبِ کافیہ بتلائیں گے کہ لَا نَفْيِ جِنْس پر ہمزہ استفہام داخل ہو جائے تو اس کا عمل بدلتا نہیں ہے۔ لَا نَفْيِ جِنْس پر ہمزہ استفہام داخل ہو جائے تو اس کا عمل نہیں بدلے گا، مثلاً لَا رَجُلَ فِي الدَّارِ۔ لَا رَجُلَ فِي الدَّارِ، اس گھر میں کوئی شخص نہیں ہے۔ اور اس مثال میں دیکھو لَا کا اسم مَبْنِي عَلَى الْفَتْحِ ہے کیونکہ اس میں پہلی دو شرطیں پوری ہیں، تیسری شرط پوری نہیں۔ لَا رَجُلَ فِي الدَّارِ، لَا کا اسم لَا کے ساتھ ملا ہوا ہے درمیان میں فصل نہیں اور نیز نکرہ بھی ہے، البتہ مضاف یا مشابہِ مضاف نہیں ہے اور اس صورت میں یہ مَبْنِي عَلَى الْفَتْحِ ہوتا ہے۔

تو لَا رَجُلَ فِي الدَّارِ اس پر آپ ہمزہ استفہام لے آئے: أَلَا رَجُلَ فِي الدَّارِ؟ کیا اس گھر میں کوئی آدمی نہیں ہے؟ تو دیکھو ہمزہ کے لانے کے بعد بھی لَا کے عمل میں کوئی فرق نہیں پڑا۔ لَا کا اسم پہلے بھی کیا تھا مَبْنِي عَلَى الْفَتْحِ، ہمزہ کے لانے کے بعد بھی کیا ہے مَبْنِي عَلَى الْفَتْحِ، أَلَا رَجُلَ فِي الدَّارِ۔ اور یہاں اب سوال پوچھا جا رہا ہے: أَلَا رَجُلَ فِي الدَّارِ، کیا اس گھر میں کوئی آدمی نہیں ہے؟

اور اگر لَا کا اسم منصوب ہو تو بھی اسی طرح رہے گا یعنی ہمزہ کے لانے سے لَا کے عمل میں تبدیلی نہیں آئے گی، جیسے اسم کو مضاف بھی کر دیں، نکرہ بھی ہو اور مضاف بھی ہو اور ساتھ بھی ملا ہوا ہو، تو اس صورت میں وہ منصوب ہوتا ہے جیسے لَا غُلَامَ رَجُلٍ فِي الدَّارِ۔ لَا غُلَامَ رَجُلٍ فِي الدَّارِ، اب دیکھو یہ لَا کا اسم منصوب ہے، اب اس پر ہمزہ لے آئیں: أَلَا غُلَامَ رَجُلٍ فِي الدَّارِ۔ اب بھی لَا کا اسم منصوب ہے۔ تو ہمزہ کے داخل ہونے سے لَا کے عمل میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔

دیکھیے بھائی متن متن۔ کہتے ہیں: وَإِذَا دَخَلَتِ الْهَمْزَةُ لَمْ يَتَغَيَّرِ الْعَمَلُ، اور جب ہمزہ داخل ہو جائے یعنی لَا نَفْيِ جِنْس پر، لَمْ يَتَغَيَّرِ الْعَمَلُ تو اس کا عمل بدلتا نہیں ہے، جیسے اس کا عمل ہمزہ کے داخل ہونے سے پہلے تھا ہمزہ کے داخل ہونے کے بعد بھی اسی طرح اس کا عمل رہے گا۔ یعنی اگر اس کا اسم پہلے مبنی تھا تو ہمزہ کے داخل ہونے کے بعد بھی مبنی رہے گا اور

اگر پہلے معرب تھا تو ہمزہ کے داخل ہونے کے بعد بھی معرب ہی رہے گا۔

وَمَعْنَاهَا۔ بھائی اس کا پھر معنی کیا ہو گا جب ہمزہ اس پر داخل ہو جائے؟ تو آپ کو بتلائیں گے: وَمَعْنَاهَا الِاسْتِفْهَامُ وَالْعَرْضُ وَالتَّمَنِّي۔ ہمزہ کے داخل ہونے کے بعد پھر اب اس کا معنی جو ہے وہ یا تو استفہام ہو گا یا عرض ہو گی، عرض کہتے ہیں درخواست کو، گزارش کو، تو پھر اس کا معنی استفہام ہو گا یا عرض یعنی درخواست ہو گی وَالتَّمَنِّي اور یا تمنی ہو گی۔ یا تمنی ہو گی۔

استفہام کی مثال جیسے میں نے ابھی دونوں مثالیں ذکر کیں بھائی، أَلَا رَجُلَ فِي الدَّارِ۔ پہلے کیا تھا؟ لَا رَجُلَ فِي الدَّارِ، اس گھر میں کوئی آدمی نہیں ہے۔ اب آپ اس پر ہمزہ لے آئے، أَلَا رَجُلَ فِي الدَّارِ، اب آپ سوال پوچھ رہے ہیں کسی سے، أَلَا رَجُلَ فِي الدَّارِ، کیا اس گھر میں کوئی آدمی نہیں ہے؟ تو یہ استفہام ہے، ایک بات آپ دوسرے سے پوچھ رہے ہیں۔

اور کبھی کبھار یہ ہمزہ جو ہے پھر عرض کا فائدہ دے گا، کس کا فائدہ دے گا؟ عرض کا فائدہ دے گا، عرض کا معنی میں نے بیان کیا درخواست کرنا، گزارش کرنا۔ آپ کسی اپنے ساتھی سے کہتے ہیں: أَلَا نُزُولَ لَكَ عِنْدَنَا؟ أَلَا نُزُولَ لَكَ عِنْدَنَا؟ دیکھو نُزُولَ لَا نَفْيِ جِنْس کا اسم ہے اور ساتھ بھی ملا ہوا ہے، نکرہ ہے اور تیسری شرط پوری نہیں، مضاف یا مشابہِ مضاف نہیں تو یہ مَبْنِي عَلَى الْفَتْحِ ہے بھائی۔ تو ہمزہ کے آنے سے لَا کے عمل میں کوئی فرق نہیں پڑا۔ أَلَا نُزُولَ لَكَ عِنْدَنَا، نُزُول کا معنی ہے نازل ہونا، آنا۔ أَلَا نُزُولَ لَكَ عِنْدَنَا، کیا آپ کا نزول نہیں ہے ہمارے پاس؟ یعنی کیا آپ ہمارے پاس نہیں آتے، یعنی آپ ہمارے پاس تشریف نہیں لاتے؟ فَنُحْسِنَ إِلَيْكَ، تو ہم آپ کے ساتھ احسان کرتے یعنی نیکی کرتے، آپ کا اکرام کرتے۔ أَلَا نُزُولَ لَكَ عِنْدَنَا، کیا آپ ہمارے پاس تشریف نہیں لاتے فَنُحْسِنَ إِلَيْكَ تو ہم آپ کے ساتھ احسان کرتے، آپ کے ساتھ اچھا سلوک کرتے یعنی ہم آپ کا اکرام کرتے۔ تو دیکھو یہ آپ اپنے کسی ساتھی سے گزارش اور درخواست کر رہے ہیں۔ یہ سوال نہیں پوچھ رہے آپ اس سے کہ کیا آپ ہمارے پاس نہیں آتے، بات سمجھ میں آگئی؟ یہ آپ اس سے کیا کر رہے ہیں؟ آپ اس سے درخواست اور گزارش کر رہے ہیں کہ آپ ہمارے پاس تشریف لائیے، ہم آپ کا اکرام کریں گے، آپ کی عزت کریں گے۔ أَلَا نُزُولَ لَكَ عِنْدَنَا، کیا آپ ہمارے پاس نازل نہیں ہوتے، ہمارے پاس تشریف نہیں لاتے فَنُحْسِنَ إِلَيْكَ، تو اگر آپ آئیں گے تو ہم آپ کے ساتھ احسان کریں گے۔ تو دیکھو یہاں پر ہمزہ آیا، لَا پر داخل ہوا اور یہ کس چیز کا فائدہ دے رہا ہے؟ عرض کا فائدہ دے رہا ہے، اب یہاں استفہام نہیں۔ استفہام نہیں۔

یا کبھی تمنی کا فائدہ دے گا یہ ہمزہ۔ جیسے کوئی جگہ ہے جہاں پر پانی نہیں ہے اور پانی ملنے کی امید بھی نہیں ہے وہاں پر، اس مقام پر کوئی شخص کہتا ہے: أَلَا مَاءَ فَأَشْرَبَهُ۔ أَلَا مَاءَ کیا پانی نہیں ہے، فَأَشْرَبَهُ تو میں اس کو پی لیتا۔ یعنی یہ تمنا کر رہا ہے کاش کہ یہاں پانی ہوتا تو میں اس کو پی لیتا۔ أَلَا مَاءَ فَأَشْرَبَهُ۔ توجہ ہے؟ تو یہاں یہ ہمزہ کس چیز کا فائدہ دے رہا ہے؟ تمنا کا فائدہ

دے رہا ہے۔ یہاں وہ کوئی سوال نہیں کر رہا کہ کیا پانی نہیں موجود، کیونکہ اس کو پتہ ہے یہاں پانی نہیں ہے اور یہاں پانی ملنے کی امید بھی نہیں ہے۔ تو ایک چیز جس کے ملنے کی امید بھی نہ ہو اس کو طلب کرنا یہ تمنا ہے، یہ کیا ہے؟ یاد رکھو تمنا بعض اوقات کی جاتی ہے کسی ایسی چیز کی جو ممکن ہی نہیں ہوتی، ممکن ہی نہیں ہوتی۔ جیسے کوئی بوڑھا شخص کہتا ہے کاش کہ میں جوان ہو جاتا۔ اب دیکھو جوانی واپس نہیں آسکتی، ممکن ہی نہیں ہے، تو دیکھو اس میں جوانی جو ہے اس کا واپس آنا ممکن ہی نہیں ہے۔ اور ایک صورت یہ ہے کہ ایک چیز اس کا ہونا ممکن تو ہے لیکن امید نہیں ہے اس کے ملنے کی، تو اس کو بھی تمنا ہی کہتے ہیں۔ تو أَلَا مَاءَ یعنی پانی کی امید ہی نہیں ہے، اس مقام پر ایک آدمی کیا کہتا ہے: أَلَا مَاءَ فَأَشْرَبَهُ، کاش کہ پانی ہوتا تو میں اس کو پی لیتا، بات سمجھ میں آگئی؟

تو دیکھو ہمزہ جب آئے گا تو اس سے لَا کے عمل میں کوئی فرق نہیں پڑے گا اور وہ ہمزہ کبھی استفہام کے لیے ہو گا، کبھی عرض کے لیے ہو گا اور کبھی تمنی کے لیے ہو گا۔ اور استفہام کے لیے ہو تو یہ تو ہمزہ کا حقیقی معنی ہے، یہ ہمزہ ہے بھی کس لیے؟ استفہام کے لیے، اور لایا بھی کس لیے گیا ہے؟ أَلَا رَجُلَ فِي الدَّارِ، یہاں استفہام ہی مقصود ہے تو یہاں ہمزہ اپنے حقیقی معنی میں ہے۔ اور کبھی کبھار استفہام وہاں نہیں ہو گا بلکہ عرض یا تمنا ہو گی، اور عرض اور یہ تمنا، یہ ہمزہ تو عرض یا تمنا کے لیے وضع نہیں ہے تو معلوم ہوا یہ ہمزہ یہاں مجازی معنی میں استعمال ہو رہا ہے۔ حقیقی معنی کسے کہتے ہیں؟ جس کے لیے لفظ کو وضع کیا گیا ہو۔ تو اگر ہمزہ استفہام کے لیے ہو گا تو یہ حقیقی معنی ہے، اور اگر ہمزہ عرض یا تمنی کے لیے ہے تو یہ اس کا حقیقی معنی نہیں تو اس صورت میں پھر یہ ہمزہ جو ہے مجازی معنی میں استعمال ہو رہا ہے۔

پھر سنو، پھر سنو۔ پہلی صورت کیا تھی؟ أَلَا رَجُلَ فِي الدَّارِ، کیا اس گھر میں کوئی آدمی نہیں ہے؟ آپ سوال کر رہے ہیں، آپ کو چونکہ علم نہیں تھا اس لیے آپ نے کہا أَلَا رَجُلَ فِي الدَّارِ، کیا کوئی آدمی اس گھر میں نہیں ہے؟ تو یہ استفہام کے لیے ہے، جب آپ کو ایک چیز کا علم نہ ہو تو آپ اس کے بارے میں پوچھتے ہیں۔ اور باقی دونوں کے اندر ہمزہ کو استفہام کے لیے نہیں بنا سکتے کیونکہ وہاں آپ کو علم ہے بھائی۔ ہم نے وہاں عرض کے لیے بنایا یا تمنا کے لیے بنایا، کیوں عرض یا تمنا کے لیے بنایا؟ کیونکہ وہاں حقیقی معنی کے لیے وہ نہیں ہو سکتا بھائی۔ کیوں نہیں ہو سکتا؟ وجہ یہ کہ وہاں آپ نے کیا کہا؟ أَلَا تُزُولَ لَكَ عِنْدَنَا، کیا آپ ہمارے پاس تشریف نہیں لاتے فَنُحْسِنَ إِلَيْكَ، تو ہم آپ کے ساتھ احسان کرتے۔ اب یہاں سوال پوچھنا مقصد نہیں ہے۔ دیکھو وہ آپ کے پاس آیا ہے یا نہیں آیا، آپ کو پتہ ہے یا نہیں؟ آپ ہی کے پاس تو آنے کی بات ہو رہی ہے، کسی اور کے پاس آنے کی بات تو نہیں، متکلم کے پاس ہی آنے کی بات ہو رہی ہے، کسی اور کے پاس آنے کی تو بات نہیں ہو رہی۔ تو متکلم کو تو پتہ ہے کہ وہ شخص اس کے پاس نہیں آیا۔ متکلم کو علم ہے کہ یہ جس سے بات کر رہا ہے یہ اس متکلم کے پاس نہیں آیا، پھر بھی وہ کہہ رہا ہے: أَلَا تُزُولَ لَكَ عِنْدَنَا۔ تو اگر آپ استفہام بنائیں تو معنی یہ ہو

جائے گا: کیا آپ ہمارے پاس تشریف نہیں لائے؟ اور متکلم ہی تو سب سے زیادہ جانتا ہے کہ یہ شخص اس کے پاس نہیں آیا، اپنے پاس آنے کی بات کر رہا ہے نا، تو جو اپنے پاس آنے کی بات کر رہا ہو اس کو علم ہو گا یا نہیں کہ یہ اس کے پاس آیا ہے یا نہیں آیا؟ اس کو علم ہے، اس کو علم ہے کہ اس کے پاس وہ شخص نہیں آیا، تو لہٰذا یہاں استفہام والا معنی درست ہی نہیں بنتا: أَلَا نُزُولَ لَكَ عِنْدَنَا، کیا آپ ہمارے پاس نہیں آئے؟ تو یہ تو گویا اگر آپ استفہام کے لیے بنائیں گے تو پھر معنی صحیح نہیں رہتا، یہ استفہام کے لیے نہیں ہو سکتا۔

اور نیز دوسری جگہ: أَلَا مَاءَ، کیا پانی نہیں ہے؟ یہاں بھی استفہام کے لیے نہیں بنا سکتے اس لیے کیونکہ متکلم کو بھی پتہ ہے یہاں پانی نہیں ہے اور اس کو یہ بھی پتہ ہے کہ یہاں پانی کی امید بھی نہیں ہے، تو جب اس کو پتہ ہے یہاں پانی کی امید نہیں ہے پھر بھی وہ کہہ رہا ہے کہ کیا پانی نہیں ہے؟ تو یہ استفہام نہیں ہو سکتا۔ استفہام تو کب ہوتا ہے جب ایک چیز کا آپ کو علم نہ ہو، میرا خیال بات نہیں سمجھ میں آئی؟ استفہام کب ہوتا ہے؟ جب ایک چیز کا متکلم کو علم نہ ہو پھر وہ سوال پوچھتا ہے۔ لیکن مخاطب اس کے پاس آیا ہے یا نہیں آیا یہ تو اس کو پتہ ہے، پھر أَلَا نُزُولَ لَكَ عِنْدَنَا یہ استفہام پر مبنی نہیں ہو سکتا، یہ استفہام نہیں ہو سکتا۔ اور اسی طرح ایک جگہ ہے وہاں اس کو پتہ ہے یہاں پانی کی امید ہی نہیں ہے، پھر وہ کہہ رہا ہے أَلَا مَاءَ، کیا پانی نہیں ہے؟ یہ استفہام نہیں ہو سکتا کیونکہ اس کو بھی پتہ ہے کہ یہاں پانی نہیں ہے بھائی۔ تو اس لیے پھر یہ عرض یا تمنی کے لیے ہو گا۔ تو کہتے ہیں: وَمَعْنَاهَا الِاسْتِفْهَامُ وَالْعَرْضُ وَالتَّمَنِّي، اور اس پھر ہمزہ کا معنی جو ہے وہ استفہام ہو گا یا عرض ہو گی یعنی درخواست ہو گی وَالتَّمَنِّي اور تمنی ہو گی بھائی۔

اب اس سارے کو شرح کے ساتھ دیکھیے۔ کہتے ہیں: وَإِذَا دَخَلَتِ الْهَمْزَةُ عَلَى لَا الَّتِي لِنَفْيِ الْجِنْسِ، اور جب داخل ہو جائے ہمزہ استفہام جو ہے لَا نَفْيِ جِنْس پر، لَمْ يَتَغَيَّرِ الْعَمَلُ أَيْ عَمَلُ لَا، الْعَمَلُ سے کیا مراد ہے؟ عَمَلُ لَا، کہ یعنی الْعَمَلُ سے خاص عمل مراد ہے اور وہ کس کا عمل ہے؟ لَا کا عمل۔ تو لَمْ يَتَغَيَّرِ الْعَمَلُ أَيْ عَمَلُ لَا، تو پھر لَا کا عمل بدلتا نہیں ہے۔ أَيْ تَأْثِيرُهَا فِي مَدْخُولِهَا، لَا کے عمل سے مراد لَا کی تاثیر ہے۔ لَا کے عمل سے کیا مراد ہے؟ لَا کی تاثیر ہے۔ وجہ یہ، وجہ یہ کہ یہ لَا کا اسم کبھی مبنی ہوتا ہے تو ہم کہیں گے یہ لَا کا اثر ہے، لَا کا عمل نہیں۔ کیا کہیں گے؟ لَا رَجُلَ فِي الدَّارِ، یہ رَجُلَ کیا ہے اس وقت؟ مَبْنِي عَلَى الْفَتْحِ ہے اور ہم اب یہ نہیں کہیں گے یہ لَا نے عمل کر کے اس کو مبنی بنایا بلکہ ہم کہیں گے یہ لَا کا اثر ہے۔ یاد رکھو عمل جو ہے، عمل کا لفظ اصطلاحِ نحو میں، علمِ نحو کے اندر جب یہ کہا جائے اس چیز کا یہ عمل ہے تو مطلب ہوتا ہے یہ اس قسم کا اعراب دیتا ہے اپنے مدخول کو۔ یہ اس قسم کا اعراب دیتا ہے، اور لَا رَجُلَ یہ رَجُلَ تو مبنی ہے، یہ تو اعراب ہے ہی نہیں، تو اس کو لَا کا اثر تو کہہ سکتے ہیں، لَا کا عمل نہیں کہہ سکتے۔ یہ مبنی کیوں ہوا؟ لَا کے داخل ہونے کی وجہ سے۔ تو کیا کہیں گے؟ یہ لَا نے عمل کیا یا یہ لَا کا اثر ہے؟ لَا کا اثر کہیں گے کیونکہ عمل کا معنی کیا ہوتا ہے؟ عمل کا معنی ہوتا ہے کہ وہ اس کو اعراب دے رہا ہے۔ کیا دے رہا ہے؟ اعراب۔

ہاں، ادھر دیکھیے اس کی، اسی کی اضافت بھی کر دیں: لَا غُلَامَ رَجُلٍ فِي الدَّارِ۔ اب لَا کے اسم میں تینوں شرطیں پوری ہیں: یہ لَا کے ساتھ جڑا بھی ہوا ہے، فصل نہیں درمیان میں، اور نکرہ بھی ہے، نکرہ کی اضافت نکرہ کی طرف ہو تو بھی وہ نکرہ ہی رہتا ہے، اور تیسری شرط یہ تھی کہ مضاف یا مشابہِ مضاف ہو، اور یہ غُلَام بھی کیا ہے رَجُلٍ کی طرف مضاف ہے۔ تو جب تینوں شرطیں پوری ہوں تو لَا کا اسم منصوب ہوتا ہے، تو لَا غُلَامَ رَجُلٍ، یہاں ہم کہیں گے یہ لَا نے عمل کیا ہے اور غُلَامَ رَجُلٍ کو نصب دیا۔ تو عمل کا لفظ کس لیے استعمال ہوتا ہے علمِ نحو کے اندر؟ اعراب کے لیے استعمال ہوتا ہے کہ یہ والا اعراب اس نے دیا ہے۔ اور لَا رَجُلَ فِي الدَّارِ یہ تو رَجُلُ تو مَبْنِي عَلَى الْفَتْحِ ہے، یہ تو معرب ہے ہی نہیں، تو یوں کہیں گے یہ لَا کا اثر ہے بھائی۔ بات سمجھ میں آ گئی؟ تو یہاں کیا آیا: أَيْ لَمْ يَتَغَيَّرِ الْعَمَلُ أَيْ عَمَلُ لَا، لَا کا عمل بدلتا نہیں ہے۔ بتلا دیا کہ الْعَمَلُ سے مراد أَيْ تَأْثِيرُهَا، لَا کی تاثیر مراد ہے، أَيْ تَأْثِيرُهَا فِي مَدْخُولِهَا، یعنی لَا کی جو تاثیر ہے فِي مَدْخُولِهَا، اپنے مدخول میں یعنی جس پر وہ داخل ہوا ہے، إِعْرَابًا وَبِنَاءً، معرب اور مبنی ہونے کے اعتبار سے۔ اعراب اور بنا کے اعتبار سے، معرب اور مبنی ہونے کے اعتبار سے، تو اس کی جو تاثیر ہے اپنے مدخول میں یعنی اس کا مدخول کبھی معرب ہوتا ہے اور کبھی اس کا مدخول مبنی ہوتا ہے، تو وہ تاثیر مراد ہے عملِ لَا سے۔

پھر دیکھیے ترجمہ۔ کہتے ہیں: وَإِذَا دَخَلَتِ الْهَمْزَةُ عَلَى لَا الَّتِي لِنَفْيِ الْجِنْسِ لَمْ يَتَغَيَّرِ الْعَمَلُ، اور جب ہمزہ داخل ہو جائے لَا نَفْيِ جِنْس پر تو لَمْ يَتَغَيَّرِ الْعَمَلُ تو وہ عمل بدلتا نہیں ہے، أَيْ عَمَلُ لَا یعنی لَا کا عمل جو ہے وہ بدلتا نہیں، اور عملِ لَا سے کیا مراد ہے؟ أَيْ تَأْثِيرُهَا فِي مَدْخُولِهَا إِعْرَابًا وَبِنَاءً، اس سے مراد اس لَا کی تاثیر ہے اس کے مدخول کے اندر اعراب اور بنا کے اعتبار سے۔ لِأَنَّ الْعَامِلَ لَا يَتَغَيَّرُ عَمَلُهُ لِدُخُولِ كَلِمَةِ الِاسْتِفْهَامِ، اس لیے کیونکہ جو عامل ہوتا ہے، وہ جو عامل ہوتا ہے، لَا يَتَغَيَّرُ عَمَلُهُ اس کا عمل بدلتا نہیں ہے لِدُخُولِ كَلِمَةِ الِاسْتِفْهَامِ کلمۂ استفہام کے داخل ہونے سے۔ کوئی بھی عامل ہو اس کا عمل کلمۂ استفہام کے داخل ہونے سے بدلتا نہیں۔

وَمَعْنَاهَا أَيْ مَعْنَى الْهَمْزَةِ الدَّاخِلَةِ عَلَى لَا الَّتِي لِنَفْيِ الْجِنْسِ۔ وَمَعْنَاهَا، مَعْنَى مضاف ہے اور هَا ضمیر مضافٌ الیہ۔ اس ضمیر کا مرجع کیا ہے؟ اس سے کیا مراد ہے؟ صاحبِ جامی بتلا رہے ہیں کہ یہ هَا ضمیر ہمزہ کو راجع ہے: وَمَعْنَاهَا أَيْ مَعْنَى الْهَمْزَةِ، اور اس ہمزہ کا معنی، کون سا ہمزہ؟ الدَّاخِلَةِ عَلَى لَا الَّتِي لِنَفْيِ الْجِنْسِ، وہ ہمزہ جو داخل ہوا ہے لَا نَفْيِ جِنْس پر، اس کا جو معنی ہے إِمَّا الِاسْتِفْهَامُ، یا تو استفہام ہو گا حَقِيقَةً، یا تو کیا ہو گا؟ استفہام ہو گا حقیقتاً یعنی وہ ہمزہ لایا ہی استفہام کے لیے گیا ہو گا اور کبھی عرض اور تمنی کے لیے بھائی۔ تو کہتے ہیں: وَمَعْنَاهَا أَيْ مَعْنَى الْهَمْزَةِ الدَّاخِلَةِ عَلَى لَا الَّتِي لِنَفْيِ الْجِنْسِ إِمَّا الِاسْتِفْهَامُ، تو اس ہمزہ کا معنی جو ہے وہ یا تو استفہام ہو گا حَقِيقَةً فَتَقُولُ، پس آپ مثلاً کہتے ہیں: أَلَا رَجُلَ فِي الدَّارِ مُسْتَفْهِمًا، اس حال میں کہ آپ سوال کر رہے ہیں، أَلَا رَجُلَ فِي الدَّارِ مُسْتَفْهِمًا اس حال میں کہ آپ کیا کر رہے ہیں؟ سوال کر رہے ہیں بھائی۔

بھائی دیکھیے ایک اور قیمتی بات بھائی۔ یہ مسئلے کو صاحبِ کافیہ نے یہاں ذکر کیوں فرمایا؟ کہ ہمزہ استفہام جب لَا پر داخل

ہو گا اس کا عمل نہیں بدلے گا اور اس کے بعد پھر کلام کا معنی یا تو استفہام ہو گا یا تمنی ہو گی یا عرض ہو گا۔ سوال یہ کہ صاحبِ کافیہ کو یہ مسئلہ یہاں ذکر کرنے کی کیا ضرورت تھی؟ یہ بات تو ظاہر سی ہے، صاحبِ جامی نے بھی بتا دیا کہ کلمۂ استفہام جو ہے جب کسی عامل پر داخل ہو جائے تو اس سے اس کا عمل بدلتا نہیں، ابھی بتایا کہ لِأَنَّ الْعَامِلَ لَا يَتَغَيَّرُ عَمَلُهُ لِدُخُولِ كَلِمَةِ الِاسْتِفْهَامِ، اس لیے کیونکہ وہ جو عامل ہوتا ہے اس کا عمل بدلتا نہیں کلمۂ استفہام کے داخل ہونے سے۔ تو پھر یہاں کیا ضرورت تھی؟ کس وجہ سے صاحبِ کافیہ نے اس کو یہاں ذکر فرمایا؟

تو وجہ یاد رکھنا، وجہ یہ کہ مآل اور حاصل کے اعتبار سے دیکھیں تو اب لَا نفی کا فائدہ نہیں دے رہا۔ مآل کہتے ہیں نتیجے کو، نتیجے۔ نتیجے اور مآل کے اعتبار سے کلام نفی پر دلالت نہیں کر رہا، تو یہ لَا نفی کا فائدہ نہیں دے رہا۔ بھائی کس طرح نفی کا فائدہ نہیں دے رہا؟ نفی تو ابھی بھی موجود ہے، أَلَا رَجُلَ فِي الدَّارِ، کیا ترجمہ ہو گا أَلَا رَجُلَ فِي الدَّارِ؟ نفی کے ساتھ ترجمہ کرو: أَلَا رَجُلَ فِي الدَّارِ، کیا اس گھر میں کوئی آدمی نہیں ہے؟ دیکھو نہیں تو ابھی بھی آ رہا ہے۔ أَلَا تُنْزِلُ لَكَ عِنْدَنَا، کیا آپ ہمارے پاس تشریف نہیں لاتے؟ نفی تو ابھی بھی اس کے اندر موجود ہے۔ تو جواب یاد رکھنا کہ بھائی مآل کے اعتبار سے، کس کے اعتبار سے؟ حاصلِ کلام کے اعتبار سے دیکھیں تو دیکھو ویسے لَا نفی کا فائدہ دیتا ہے، وہ جملہ خبریہ میں اس میں نفی آ جاتی ہے۔ مثلاً میں نے کیا کہا: لَا رَجُلَ فِي الدَّارِ، اس گھر میں کوئی آدمی نہیں، میں سننے والے اپنے مخاطب کو بتلانا چاہتا ہوں لَا رَجُلَ فِي الدَّارِ، اس گھر میں کوئی آدمی نہیں ہے۔ لیکن جب ہمزہ استفہام آ گیا، اب دیکھو نفی کے ساتھ خبر نہیں، اب یا تو وہ استفہام ہو رہا ہے، کیا ہو رہا ہے؟ استفہام۔ تو دیکھو مآلِ کلام، حاصلِ کلام کے اعتبار سے کلام اب نفی کے لیے نہیں لایا گیا، دوسرے کو کسی چیز کی نفی کی خبر نہیں دی جا رہی بلکہ سوال پوچھا جا رہا ہے۔ نفی کے، لَا کس لیے وضع ہے؟ نفی کی خبر دینے کے لیے، لیکن یہ نفی کی خبر نہیں دے رہا بلکہ اب یہاں استفہام ہے، سوال پوچھا جا رہا ہے، اس کے ذریعے کیا کیا جاتا ہے؟ کسی دوسرے سے سوال پوچھا جاتا ہے۔ یا أَلَا تُنْزِلُ لَكَ عِنْدَنَا، اب دیکھو حاصلِ کلام کے اعتبار سے یہ کلام نفی کی خبر نہیں دے رہا بلکہ یہ، یہ اس کے اندر درخواست اور گزارش کی جا رہی ہے۔ اور أَلَا مَاءَ فَأَشْرَبَهُ اس کے اندر دیکھو یہ مآل اور حاصل کے اعتبار سے یہ کلام تمنا کا فائدہ دے رہا ہے۔ اس سے کیا معلوم ہو رہی ہے؟ تمنا معلوم ہو رہی ہے۔ تو لَا تو کس لیے وضع تھا؟ اس کے ذریعے نفی کی خبر دی جاتی ہے لیکن اب کلام کے اندر اس میں نفی کی خبر نہیں ہے بلکہ وہ یا تو استفہام کے لیے ہو جائے گا یا تمنی کے لیے یا عرض کے لیے۔ معلوم ہوا لَا وہ تو نفی کی خبر دینے کے لیے وضع تھا، نفیِ جنس کے لیے وضع تھا، اب مآل اور نتیجے کے اعتبار سے وہ فائدہ حاصل نہیں ہو رہا۔ اور یہ لَا عمل ہی کس وجہ سے کرتا ہے؟ نفی کی وجہ سے۔ یہ لَا اپنے اسم اور خبر میں عمل کرتا ہے کس لیے؟ کیونکہ یہ لَا نفی کا فائدہ دے رہا ہے، اور آپ پڑھ چکے ہیں مستثنیٰ کی بحث میں کہ جب لَا کی نفی ٹوٹ جائے مثلاً إِلَّا آ جائے تو پھر لَا عمل نہیں کرتا بھائی۔ تو یہاں پر بھی مآلِ کلام کے اعتبار سے دیکھیں تو

یہ کلام نفی کے لیے نہیں ہے بلکہ استفہام کے لیے ہے یا عرض کے لیے ہے یا تمنی کے لیے ہے، تو گویا یوں سمجھو لَا کی نفی ختم ہو چکی ہے۔ لَا کی نفی ختم ہو چکی ہے اور جب لَا کی نفی ختم ہو گئی تو ذہن میں سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ لَا کی نفی تو ختم ہو چکی ہے تو کیا اب بھی یہ عمل کرے گا یا نہیں کرے گا؟ ماقبل میں بتایا تھا کہ إِلَّا کے ذریعے نفی ٹوٹ جائے تو پھر وہ عمل نہیں کرتا، تو صاحبِ کافیہ آپ کو بتلانا چاہتے ہیں کہ ہمزہ کے آنے کے بعد اگرچہ نتیجے اور مآل کے اعتبار سے کلام اب نفی کا فائدہ نہیں دے رہا بلکہ استفہام، تمنی اور عرض کا فائدہ دے رہا ہے لیکن پھر بھی لَا عمل کرے گا۔ پھر بھی لَا عمل کرے گا، وجہ سمجھ میں آگئی؟ میں مآل اور حاصلِ کلام کہہ رہا ہوں بار بار، توجہ ہے؟ کیونکہ ویسے تو لَا نفی کا فائدہ ابھی بھی دے رہا ہے، أَلَا رَجُلَ فِي الدَّارِ دیکھو ترجمہ کرو: کیا اس گھر میں کوئی آدمی نہیں ہے؟ دیکھو نہیں تو آپ ابھی بھی لا رہے ہیں، لیکن کیا اس نفی کے ذریعے آپ دوسرے کو ایک چیز کی نفی بتلا رہے ہیں یا سوال پوچھ رہے ہیں؟ سوال پوچھ رہے ہیں، اور حالانکہ لَا تو کس لیے وضع ہے؟ اس کے ذریعے تو نفی کی خبر دی جاتی ہے۔ تو مآل کے اعتبار سے اب کلام نفی کا فائدہ نہیں دے رہا بلکہ استفہام، تمنی یا عرض کا فائدہ دے رہا ہے لیکن پھر بھی لَا عمل کرے گا، بات سمجھ میں آگئی؟

تو کہتے ہیں: إِمَّا الِاسْتِفْهَامُ، یا تو اس ہمزہ کا معنی استفہام ہو گا حَقِيقَةً فَتَقُولُ أَلَا رَجُلَ فِي الدَّارِ مُسْتَفْهِمًا، پس آپ کہتے ہیں: کیا اس گھر میں کوئی آدمی نہیں ہے؟ سوال پوچھتے ہوئے۔ وَإِمَّا الْعَرْضُ

یا اس ہمزہ کا معنی عرض یعنی درخواست اور گزارش ہو گی۔ مثلاً، مثال کے طور پر: أَلَا نُزُولَ عِنْدِي؟ یعنی کیا آپ کا نزول نہیں ہے ہمارے پاس؟ أَيْ أَلَا نُزُولَ لَكَ عِنْدِي؟

مخاطب کے نزول کی بات ہو رہی ہے نا، تو جار مجرور محذوف نکال لیں گے۔ أَلَا نُزُولَ عِنْدِي؟ کیا ہمارے پاس، ہمارے پاس تشریف آپ نہیں لاتے؟ وَلَمْ يَذْكُرْ سِيبَوَيْهِ أَنَّ حَالَ لَا فِي الْعَرْضِ كَحَالِهِ قَبْلَ الْهَمْزَةِ۔ بھائی امام سیبویہ رحمہ اللہ نے یہ ذکر نہیں فرمایا کہ جب ہمزہ آجائے اور وہ عرض کا فائدہ دے، کس کا؟ عرض کا فائدہ دے، تو پھر بھی لَا کا عمل اسی طرح ہو گا جیسے ہمزہ سے پہلے تھا۔ جیسے کہ۔ امام سیبویہ نے ذکر نہیں فرمایا۔ استفہام کو تو انہوں نے ذکر فرمایا ہے کہ ہمزہ جب آجائے لَا نَفْيِ جِنْس پر تو لَا اسی طرح عمل کرے گا، لیکن یہ ہمزہ اگر عرض کا فائدہ دے رہا ہو تو پھر اس صورت میں بھی لَا کا عمل اسی طرح رہے گا امام سیبویہ نے یہ بات ذکر نہیں کی بھائی۔

تو کہتے ہیں: وَلَمْ يَذْكُرْ سِيبَوَيْهِ، اور امام سیبویہ رحمہ اللہ نے یہ بات ذکر نہیں کی کہ أَنَّ حَالَ لَا فِي الْعَرْضِ كَحَالِهِ قَبْلَ الْهَمْزَةِ، کہ لَا کا حال جو ہے عرض کی صورت میں بھی كَحَالِهِ قَبْلَ الْهَمْزَةِ اسی طرح ہو گا جیسے کہ لَا کا حال تھا ہمزہ سے پہلے۔ امام سیبویہ نے یہ بات ذکر نہیں کی۔ بَلْ ذَكَرَهُ السِّيرَافِيُّ، بلکہ یہ امام سیرافی رحمہ اللہ نے ذکر فرمایا ہے۔ امام سیرافی کا ذکر پہلے گزر چکا ہے، میں نے آپ کو بتلایا تھا کہ یہ ابو سعید سیرافی رحمہ اللہ بہت بڑے نحوی گزرے ہیں بھائی اور یہ پچاس سال تک بغداد کے اندر قاضی رہے بھائی، اور تمام علوم کے یہ ماہر تھے بھائی، بہت بڑے عالمِ دین تھے بھائی۔ تو کہتے ہیں امام سیبویہ

نے تو ذکر نہیں فرمایا البتہ امام سیرافی نے اس کو ذکر فرمایا ہے۔ امام سیرافی کی وفات ہوئی ہے تین سو اڑسٹھ ہجری میں، تین سو اڑسٹھ ہجری میں، تین چھ آٹھ بھائی، تین سو اڑسٹھ ہجری میں۔

تو کہتے ہیں: بَلْ ذَكَرَهُ السِّيرَافِيُّ، بلکہ اس کو امام سیرافی نے ذکر فرمایا ہے کہ عرض کی صورت میں بھی لَا اسی طرح عمل کرے گا۔ وَتَبِعَهُ الْجَزُولِيُّ وَالْمُصَنِّفُ، وَتَبِعَهُ اور امام سیرافی کا اتباع کیا ہے الْجَزُولِيُّ وَالْمُصَنِّفُ علامہ جزولی نے بھی اور مصنفِ کافیہ علامہ ابنِ حاجب نے بھی۔ یہ بات امام سیبویہ نے ذکر نہیں کی۔ صاحبِ کافیہ جو ہیں اس کافیہ کے اندر اکثر وہ مسائل ذکر فرماتے ہیں جو امام سیبویہ نے ذکر فرمائے ہیں، اور یہاں انہوں نے عرض کو بھی ذکر کیا لیکن یاد رکھنا امام سیبویہ نے یہ بات ذکر نہیں کی، یہ کس نے ذکر کی ہے؟ امام سیرافی نے، اور پھر علامہ جزولی نے بھی ان کا اتباع کیا، انہوں نے بھی اس کو اسی طرح ذکر کیا، اور صاحبِ کافیہ نے بھی اس کو ذکر کیا ہے۔ تو کہتے ہیں: وَتَبِعَهُ الْجَزُولِيُّ وَالْمُصَنِّفُ، اور امام سیرافی کا اتباع کیا ہے علامہ جزولی نے اور مصنفِ کافیہ نے۔

علامہ جزولی بھائی یاد رکھو، علامہ جزولی ان کا نام ابو موسیٰ عیسیٰ جزولی ہے۔ ابو موسیٰ عیسیٰ جزولی ہے اور یہ بہت بڑے نحوی گزرے ہیں۔ ان کی وفات ہوئی ہے چھ سو سات ہجری، چھ سو سات ہجری، چھ صفر سات بھائی، چھ سو سات ہجری میں ان کی وفات ہوئی ہے بھائی۔ اور ان کا زمانہ تقریباً وہی صاحبِ کافیہ والا زمانہ ہے۔ صاحبِ کافیہ کی وفات ہوئی ہے چھ سو چھیالیس ہجری میں، چھ سو چھیالیس ہجری میں، یعنی تقریباً ان کے چالیس سال بعد صاحبِ کافیہ کا انتقال ہوا ہے۔ یعنی یوں کہو یہ علامہ جزولی کا انتقال ہوا ہے صاحبِ کافیہ کی جوانی کے ایام میں۔ تو تقریباً ایک زمانہ ہے، قریب قریب ہے۔

تو کہتے ہیں اس کو امام سیرافی نے ذکر کیا ہے اور علامہ جزولی، جزولی میں یاد رکھنا جیم پر فتحہ پڑھنا ہے اور زا پر ضمہ۔ بعض لوگ اس کو جُزولی پڑھتے ہیں جیم پر بھی ضمہ اور زا پر بھی ضمہ، لیکن علامہ ابنِ خلکان جو ہیں وہ فرماتے ہیں کہ یہ جیم کے فتحہ کے ساتھ صحیح ہے بھائی۔ علامہ ابنِ خلکان یہ بہت بڑے عالم گزرے ہیں اور ان کا نام خلکان اس لیے پڑ گیا کیونکہ یہ خَلَّ اور كَانَ کا لفظ بہت زیادہ استعمال کرتے تھے۔ خَلَّ اور كَانَ، تو ان کا نام ہی کیا پڑ گیا؟ خلکان پڑ گیا۔ یہ اسی طرح ہے جیسے بوڑھے کو جو ہے عربی زبان میں كُنْتِيٌّ کہتے ہیں۔ بوڑھے کا نام كُنْتِيٌّ مشہور ہے بھائی کیونکہ بوڑھا شخص عموماً کیا کہتا ہے؟ میں ایسا تھا اور میں ایسا تھا اور میں نے ایسا کیا، كُنْتُ كَذَا وَكُنْتُ كَذَا وَكُنْتُ كَذَا، تو نام ہی کیا پڑ گیا اس کا؟ كُنْتِيٌّ۔ یہ اسی طرح ہے جیسے طالب علم کا نام قدیم زمانے میں مَا تَقُولُ مشہور ہو گیا۔ طالب علم کو مَا تَقُولُ کہتے تھے۔ وجہ یہ کہ جو بھی طالب علم کسی کے ساتھ بیٹھتا تو فوراً ہی سوال کرتا، ایک دوسرے سے آپس میں تکرار کرتے: مَا تَقُولُ فِي هٰذِهِ الْمَسْأَلَةِ؟ آپ اس مسئلے میں کیا کہتے ہیں؟ دوسرا کہتا: مَا تَقُولُ فِي هٰذِهِ الْمَسْأَلَةِ؟ آپ اس مسئلے میں کیا کہتے ہیں؟ تو دیکھو وہ ایک لفظ جو کثیر الدوران تھا ان کی زبانوں پر، وہی ان کا نام بن گیا۔ تو طالب علم کا نام ہی کیا پڑ گیا؟ مَا تَقُولُ بھائی۔ تو علامہ ابنِ

خلکان جو ہیں وہ ذکر فرماتے ہیں کہ یہ صحیح لفظ جَزُولِي جیم کے فتحہ کے ساتھ ہے۔

تو کہتے ہیں علامہ سیرافی نے اس کو ذکر کیا ہے اور علامہ جزولی اور علامہ ابنِ حاجب نے اس کا اتباع کیا ہے۔ وَرَدَّ ذٰلِكَ الْأَنْدَلُسِيُّ، یہ أَنْدَلُس، أَنْدَلُس اس کے اندر یاد رکھنا یہ ملک کا نام ہے، یہ کس کا نام ہے؟ عام أندلس پڑھا جاتا ہے لیکن یاد رکھنا أَنْدَلُس، ہمزہ پر بھی فتحہ ہے، نون ساکن ہے، دال پر بھی فتحہ ہے اور لام پر ضمہ ہے، أَنْدَلُس۔ تو یہ کہاں کے رہنے والے تھے؟ اندلس کے، تو علامہ اندلسی۔ کہتے ہیں: وَرَدَّ ذٰلِكَ الْأَنْدَلُسِيُّ، اور اس کو علامہ اندلسی نے رد کیا ہے۔ تو یہ اندلس یہ ایک ملک کا نام تھا تو اسی کی طرف نسبت ہے۔ اور یہ علامہ اندلسی یاد رکھو، یہ بہت بڑے نحوی گزرے ہیں اور ان کا نام ہے ابو محمد قاسم اندلسی بھائی۔ ابو محمد قاسم اندلسی، اور ان کی وفات ہوئی ہے چھ سو اکسٹھ ہجری میں۔ ان کی وفات ہوئی ہے چھ سو اکسٹھ ہجری میں یعنی ان کا اور صاحبِ کافیہ کا زمانہ تقریباً ایک ہی ہے۔ صاحبِ کافیہ کی وفات ہوئی ہے چھ سو چھیالیس ہجری میں اور ان کی وفات ہوئی ہے چھ سو اکسٹھ ہجری میں، اور انہوں نے اس کو رد کیا ہے کہ یہ غلط ہے۔

تو کہتے ہیں: وَرَدَّ ذٰلِكَ الْأَنْدَلُسِيُّ، اور اس کو علامہ اندلسی نے رد فرمایا ہے وَقَالَ اور وہ فرماتے ہیں: هٰذَا خَطَأٌ یہ غلطی ہے، لِأَنَّهَا إِذَا كَانَتْ عَرْضًا اس لیے کیونکہ لَا جب عرض کے لیے ہو، کس لیے ہو؟ جب اس پر ہمزہ آگیا اور اب یہ کس لیے بن گیا؟ عرض کے لیے ہو گیا، تو كَانَتْ مِنْ حُرُوفِ الْأَفْعَالِ تو اس وقت پھر یہ حروفِ افعال میں سے ہو گا۔ بھائی آپ نے پڑھا ہے بعض حروف ایسے ہیں وہ ہمیشہ فعل پر ہی داخل ہوتے ہیں، اسم پر داخل نہیں ہوتے، جیسے إِنْ۔ إِنْ حرفِ شرط ہے یہ ہمیشہ کس پر داخل ہوتا ہے؟ فعل پر۔ اگر اسم پر بظاہر داخل ہو بھی رہا ہو وہاں آپ کو فعل مقدر نکالنا پڑے گا بھائی۔ بات سمجھ میں آگئی؟ اسی طرح لَوْ ہے، اسی طرح حروفِ تحضیض ہیں۔ حروفِ تحضیض جیسے أَلَا اور هَلَّا وغیرہ، جو کسی کام پر ابھارنے کے لیے آتے ہیں۔ حَضَّضَ يُحَضِّضُ تَحْضِيض ضاد کے ساتھ ہے، اس کا معنی ہے کسی کو کسی چیز پر ابھارنا۔ آپ کسی شخص سے کہتے ہیں: هَلَّا تَضْرِبُ زَيْدًا؟ آپ زید کی پٹائی کیوں نہیں کرتے؟ معنی ہے آپ اس کو ابھار رہے ہیں کہ تمہیں زید کی پٹائی کرنی چاہیے۔ تو اس کے لیے عربی میں کیا لاتے ہیں؟ أَلَا اور هَلَّا، یہ حروفِ تحضیض کہلاتے ہیں اور یہ فعل پر داخل ہوتے ہیں ہمیشہ، کیونکہ فعل پر ابھارا جاتا ہے۔ هَلَّا تَضْرِبُ زَيْدًا۔

تو کہتے ہیں: لِأَنَّهَا إِذَا كَانَتْ عَرْضًا اس لیے کیونکہ لَا جب وہ عرض کے لیے ہو، كَانَتْ مِنْ حُرُوفِ الْأَفْعَالِ تو وہ حروفِ افعال میں سے ہو گا یعنی وہ حروف جو افعال پر داخل ہوتے ہیں، مِثْلُ إِنْ وَلَوْ وَحُرُوفِ التَّحْضِيضِ جیسے کہ إِنْ ہے اور لَوْ ہے اور حروفِ تحضیض ہیں۔ فَيَجِبُ انْتِصَابُ الِاسْمِ بَعْدَهَا، تو واجب ہے اسم کا منصوب ہونا اس کے بعد، یعنی جب لَا کس لیے ہو جائے، اس پر ہمزہ داخل ہوا اور یہ کس لیے ہوا؟ عرض کے لیے ہوا، تو اس صورت میں یہ حروفِ افعال میں سے ہے، ہمیشہ افعال پر داخل ہو گا، اور اس کے بعد اسم اگر آ بھی جائے تو وہ اسم منصوب ہو گا۔ وہ اسم منصوب ہو گا۔

فَيَجِبُ انْتِصَابُ الِاسْمِ بَعْدَهَا تو واجب ہو گا اسم کا منصوب ہونا اس کے بعد، نَحْوُ مثال کے طور پر أَلَا زَيْدًا تُكْرِمُهُ۔ أَلَا زَيْدًا تُكْرِمُهُ، دیکھو یہاں أَلَا آیا، کس لیے آیا؟ عرض کے لیے آیا اور اس صورت میں یہ صرف فعل پر داخل ہوتا ہے، تو یہاں پر فعل محذوف نکال لیں گے: أَلَا تُكْرِمُ زَيْدًا تُكْرِمُهُ۔ تو اس پہلے تُكْرِمُ کا حذف کر لیا گیا اور دوسرا تُكْرِمُ لا کر اس کی تفسیر کر دی گئی۔ تو یہ مَا أُضْمِرَ عَامِلُهُ عَلَى شَرِيطَةِ التَّفْسِيرِ کی قبیل سے ہے۔ مَا أُضْمِرَ عَامِلُهُ عَلَى شَرِيطَةِ التَّفْسِيرِ، مَا وہ اسم أُضْمِرَ عَامِلُهُ جس کے عامل کو مقدر کر لیا گیا، یہ زَيْدًا ایسا اسم ہے جس کے عامل تُكْرِمُ کو مقدر کر لیا گیا عَلَى شَرِيطَةِ التَّفْسِيرِ کس شرط پر کہ اس کی تفسیر آ رہی ہے۔ تو یہاں پر بھی دیکھو تُكْرِمُهُ یہ تفسیر آ گئی۔ دیکھو تُكْرِمُهُ یہ هُ ضمیر زید کو راجع، تو یہ زَيْدًا مَا أُضْمِرَ عَامِلُهُ عَلَى شَرِيطَةِ التَّفْسِيرِ کی قبیل سے ہے۔ وہ کسے کہتے ہیں؟ کہ ایسا اسم جس کے بعد فعل یا شبہِ فعل آئے اور وہ فعل یا شبہِ فعل اس کی ضمیر میں مشغول ہو، اور یہاں پر بھی زَيْدًا کے بعد تُكْرِمُ فعل آ رہا ہے اور وہ اس زید کی ضمیر کے اندر مشغول ہے اس کو نصب دے رہا ہے، تُكْرِمُ کے لیے ایک مفعول چاہیے اور یہ تُكْرِمُهُ یہ هُ ضمیر کو نصب دے رہا ہے تو اب یہ زَيْدًا میں عمل نہیں کر سکتا۔ پھر دیکھیے: زَيْدًا کیا ہے مَا أُضْمِرَ عَامِلُهُ عَلَى شَرِيطَةِ التَّفْسِيرِ، یہ کسے کہتے ہیں؟ ایسا اسم کہ جس کے بعد فعل یا شبہِ فعل آئے اور وہ فعل یا شبہِ فعل اس کی ضمیر میں مشغول ہونے کی وجہ سے اس میں عمل نہیں کر سکتا، وہ اس زَيْدًا کو نصب نہیں دے سکتا، وہ تو اس کی ضمیرهُ کے اندر مشغول ہے، اس طور پر کہ اسی فعل کو یا اس کے مناسب کو اس ماقبل والے اسم پر مسلط کیا جائے تو وہ اس کو نصب دے سکے، اور یہاں ایک اور تُكْرِمُ نکالا جائے تو وہ زید کو نصب دے سکتا ہے۔ تو علامہ اندلسی کیا فرماتے ہیں؟ کہ یہ لَا جب کس لیے ہو جائے؟ عرض کے لیے ہو جائے تو اس صورت میں یہ ہمیشہ فعل پر داخل ہو گا، یا وہ فعل لفظوں میں ہو گا یا تقدیراً ہو گا اور اگر کوئی اسم اس کے بعد آ گیا تو وہ منصوب ہو گا بھائی مَا أُضْمِرَ عَامِلُهُ عَلَى شَرِيطَةِ التَّفْسِيرِ کی قبیل سے ہو گا۔

آگے دیکھیے: وَإِمَّا التَّمَنِّي، یا پھر وہ ہمزہ جو ہے تمنا کے لیے ہو گا، نَحْوُ أَلَا مَاءَ أَشْرَبُهُ، أَلَا مَاءَ أَشْرَبُهُ، کاش کہ پانی ہوتا کہ میں اس کو پی لیتا، حَيْثُ لَا يُرْجَى مَاءٌ، جہاں پانی کی امید نہ ہو۔ حَيْثُ یہ یہاں ظرف کے معنی میں ہے، جگہ کے لیے آیا ہے، یعنی اس جگہ لَا يُرْجَى مَاءٌ جہاں پانی کی امید نہیں ہے۔ پھر ترجمہ دیکھیے: وَإِمَّا التَّمَنِّي یا وہ ہمزہ جو ہے اس کا معنی تمنی ہو گا، نَحْوُ أَلَا مَاءَ أَشْرَبُهُ کاش کہ پانی ہوتا کہ میں اس کو پی لیتا، حَيْثُ لَا يُرْجَى مَاءٌ اس جگہ جہاں پانی کی امید نہ ہو۔ اس جگہ جہاں پانی کی امید نہ ہو، اس لیے کیونکہ اگر پانی کی امید ہے ایک جگہ پر پھر آپ کہتے ہیں أَلَا مَاءَ تو پھر تو آپ پانی کے بارے میں سوال کر رہے ہیں کہ پانی ہے یا پانی نہیں ہے، لہٰذا ایسی جگہ جہاں پانی کی امید بھی نہ ہو پھر یہ تمنا کے لیے ہو جائے گا۔

وَأَمَّا قَوْلُهُ: أَلَا رَجُلًا جَزَاهُ اللهُ خَيْرًا، اور باقی یہ شاعر کا قول جو ہے، یہ آگے جو آ رہا ہے یہ ایک شاعر کا قول ہے، شعر کا مصرع ہے: أَلَا رَجُلًا جَزَاهُ اللهُ خَيْرًا، أَلَا رَجُلًا کاش کہ کوئی آدمی ہوتا، کاش کہ کوئی آدمی ہوتا، جَزَاهُ اللهُ خَيْرًا اللہ اس کو جزائے خیر دے۔ یہ ایک شاعر ہے بھائی، اس کو اپنی عاشقہ کے گھر کے راستے کی خبر نہیں تو اب وہ کہتا ہے: أَلَا رَجُلًا

کاش کہ کوئی آدمی ہوتا، مجھے اپنی عاشِقہ کے گھر کے راستے کا بتلا دیتا، جَزَاهُ اللّٰهُ خَيْرًا اللہ اس کو جزائے خیر دے بھائی۔ تو اب یہاں دیکھو، آپ نے ہمیں کیا کہا؟ کہ لَا پر ہمزہ داخل ہو جائے تو اس کا عمل بدلتا نہیں ہے لیکن یہاں دیکھو أَلَا رَجُلًا یہ عمل بدل گیا۔ یہ ہونا تو کیا چاہیے تھا؟ أَلَا رَجُلَ۔ ساتھ بھی ملا ہوا ہے، نکرہ بھی ہے لیکن مضاف یا مشابہِ مضاف نہیں، تو اس صورت میں تو مَبْنِي عَلَى الْفَتْحِ ہونا چاہیے تھا، لیکن یہاں اس پر نصب آیا، أَلَا رَجُلًا، تو ایک فصیح شاعر أَلَا رَجُلًا کہہ رہا ہے، معلوم ہوا ہمزہ جب لَا پر داخل ہو تو اس کا عمل بدل جاتا ہے۔

اعتراض سمجھ میں آیا؟ تو اس کا جواب دیں گے۔ کہتے ہیں: وَأَمَّا قَوْلُهُ اور باقی کسی شاعر کا یہ قول جو ہے، أَلَا رَجُلًا جَزَاهُ اللّٰهُ خَيْرًا، جَزَاهُ اللّٰهُ خَيْرًا أَيْ جَزَاهُ اللّٰهُ جَزَاءً خَيْرًا، یہ خَيْرًا کیا ہے؟ یہ مفعولِ مطلق ہے بھائی باعتبارِ موصوفِ محذوف کے، جَزَاءً خَيْرًا۔ تو کسی شاعر کا یہ جو قول ہے تو اس کے دو جواب ذکر کریں گے صاحبِ جامی۔ ایک تو جواب یہ ذکر کریں گے کہ امام خلیل ابن احمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ جو أَلَا آیا یہ وہ لَا نَفْيِ جِنْس نہیں ہے جس پر ہمزہ داخل ہوا ہو، بلکہ یہ الگ حرف ہے جو تحضیض کے لیے ہے ابھارنے کے لیے ہے، جیسے ابھارنے کے لیے أَلَّا اور هَلَّا ہے اسی طرح أَلَا بھی ہے۔ تو یہ کون جواب دے رہے ہیں؟ امام خلیل ابن احمد۔ یاد رکھو بھائی امام خلیل ابن احمد، ان کی وفات ہوئی ہے ایک سو ستر ہجری میں بھائی۔ ایک سو ستر ہجری میں، اور یہ استاذ ہیں امام سیبویہ کے بھائی، اور انہوں نے ہی علمِ عروض کی بنیاد رکھی۔ انہوں نے اللہ سے دعا کی تھی: اے اللہ! مجھے کوئی ایسا علم عطا فرما جو اس سے پہلے آپ نے کسی کو عطا نہ فرمایا ہو۔ تو چنانچہ اللہ نے ان کو علمِ عروض نصیب فرمایا۔ یہ لوہاروں کے بازار میں سے گزر رہے تھے، اور لوہار جو ہیں وہ لوہے کو آگ پر گرم کر کے اس کو ہتھوڑوں سے کوٹ کر اس کی شکل بدلتے ہیں۔ تو وہ بازار کے اندر ہتھوڑے چل رہے تھے اور ان کے اندر ایک خاص روانی تھی۔ ہتھوڑے ایک ترتیب سے چل رہے تھے، کیا تھی ان کے اندر ایک خاص روانی تھی۔ یعنی دو اکٹھے ہتھوڑے لگے پھر تھوڑا وقفہ آیا، پھر دو اکٹھے ہتھوڑے لگے پھر وقفہ آیا، پھر دو اکٹھے ہتھوڑے لگے۔ تو دیکھو جتنے بھی ہوں گے جو بھی ترتیب ہو گی ان میں، تو یعنی بار بار اسی طرح ہو رہا تھا، بار بار۔ تو اس وقت اللہ نے ان کے ذہن میں یہ علم ڈالا اور اشعار کے وزن بھائی۔ تو انہوں نے اشعار کے وزن پھر نکالنا شروع کیے۔ تو یہ تمام اشعار کے خاص اوزان ہوتے ہیں۔ ایک حرف ادھر ادھر ہو جائے، ایک حرکت ادھر ادھر ہو جائے پورے شعر کا وزن خراب ہو جاتا ہے۔ تو یہ علمِ عروض جو ہے اس کے موجد جو ہیں امام خلیل ابن احمد ہیں۔

تو کہتے ہیں: فَهٰذِهِ عِنْدَ الْخَلِيلِ لَيْسَتْ لَا الدَّاخِلَةَ عَلَيْهَا حَرْفُ الِاسْتِفْهَامِ۔ اس لیے کیونکہ یہ والا جو لَا ہے یہ امام خلیل ابن احمد رحمہ اللہ کے نزدیک لَيْسَتْ لَا یہ وہ والا لَا نہیں ہے، الدَّاخِلَةَ عَلَيْهَا حَرْفُ الِاسْتِفْهَامِ جس پر حرفِ استفہام داخل ہوا ہو۔ یہ جو أَلَا رَجُلًا کے اندر لَا آ رہا ہے یہ وہ والا لَا نہیں ہے جس پر کیا داخل ہوا ہو؟ ہمزۂ استفہام، بلکہ یہ تحضیض کے لیے ایک الگ حرف ہے۔ یہ أَلَا پورا ایک ہی حرف ہے، ایسا نہیں ہے کہ لَا الگ تھا اور پھر اس پر ہمزہ داخل ہوا۔ دو حرف نہیں

ہیں بلکہ یہ ایک ہی حرف ہے مستقلاً اور یہ کس لیے وضع کیا گیا ہے؟ تحضیض کے لیے، ابھارنے کے لیے۔

تو کہتے ہیں: فَهٰذِهِ عِنْدَ الْخَلِيلِ لَيْسَتْ لَا الدَّاخِلَةَ عَلَيْهَا حَرْفُ الِاسْتِفْهَامِ، اس لیے کیونکہ یہ والا لَا جو ہے امام خلیل ابن احمد کے نزدیک لَيْسَتْ لَا یہ وہ والا لَا نہیں ہے، الدَّاخِلَةَ عَلَيْهَا حَرْفُ الِاسْتِفْهَامِ جس پر حرفِ استفہام داخل ہوا ہو۔ وَلٰكِنَّهُ حَرْفٌ مَوْضُوعٌ لِلتَّحْضِيضِ بِرَأْسِهِ، لیکن یہ ایک ایسا حرف ہے مَوْضُوعٌ جس کو وضع کیا گیا ہے لِلتَّحْضِيضِ ابھارنے کے لیے بِرَأْسِهِ مستقلاً۔ اس کو مستقلاً ابھارنے کے لیے، تحضیض کے لیے وضع کیا گیا ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟

بھائی میں نے عبارت پڑھی: لَيْسَتْ لَا الدَّاخِلَةَ عَلَيْهَا حَرْفُ الِاسْتِفْهَامِ. اس کی وجہِ اعراب سن لیجیے بھائی۔ یہ لَيْسَ کیا چاہتا ہے؟ ایک اسم اور ایک خبر۔ تو اس کے اندر هِيَ ضمیر ہے جو راجع ہے پیچھے هٰذِهِ کی طرف۔ تو یہ لَيْسَتْ اس کے اندر هِيَ ضمیر ہے جو راجع ہے پیچھے جو هٰذِهِ آیا ہے ابتدا۔ اور یہ هٰذِهِ کے ذریعے اشارہ ہے وہ جو پیچھے شعر کے اندر آیا تھا أَلَا رَجُلًا۔ کہ یہ جو أَلَا رَجُلًا کے اندر لَا آیا ہے، یہ والا لَا لَيْسَتْ لَا الدَّاخِلَةَ عَلَيْهَا حَرْفُ الِاسْتِفْهَامِ یہ وہ والا لَا نہیں ہے جس پر حرفِ استفہام داخل ہوا ہو۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو لَيْسَتْ کے اندر هِيَ ضمیر کس کو راجع؟ هٰذِهِ کو، اور هٰذِهِ کے ذریعے اشارہ کس کو ہے؟ أَلَا رَجُلًا کے اندر جو لَا آرہا ہے۔ تو ہاں مختصراً یوں کہہ لو کہ لَيْسَتْ کی هِيَ ضمیر اسی لَا کو راجع ہے جو کس کے اندر ہے؟ أَلَا رَجُلًا کے اندر ہے۔ یہ والا جو لَا ابھی أَلَا رَجُلًا کے اندر لَا آیا، یہ والا جو لَا ہے اس کی طرف راجع ہے۔ تو یہ والا لَا نہیں ہے، کیا نہیں ہے؟ یہ لَا الدَّاخِلَةَ یہ خبر آرہی ہے، اور لَيْسَ کی خبر منصوب ہوتی ہے، تو یہ لَا جو ہے منصوب ہے: لَيْسَتْ لَا یہ وہ والا لَا نہیں ہے، اور الدَّاخِلَةَ اس کی صفت ہے، اور صفت پر وہی اعراب آتا ہے جو موصوف پر ہو، تو یہ لَا منصوب ہے تو الدَّاخِلَةَ اس کی صفت بھی منصوب۔ اور نیز آگے جو آیا نا حَرْفُ الِاسْتِفْهَامِ وہ اس دَاخِلَة کا فاعل ہے۔ وہ اس دَاخِلَة کا فاعل ہے۔ لَا داخل ہوا ہے ہمزہ پر یا ہمزہ داخل ہوا ہے لَا پر؟ ہمزہ داخل ہوا ہے، تو الدَّاخِلَة صفت ہے لفظوں میں لَا کی اور معنی میں یہ صفت ہے آگے جو حَرْفُ الِاسْتِفْهَام آرہا ہے اس کے لیے۔

تو امام خلیل فرماتے ہیں: لَيْسَتْ لَا الدَّاخِلَةَ عَلَيْهَا حَرْفُ الِاسْتِفْهَامِ، یہ والا لَا جو ہے وہ لَا نہیں ہے جس پر حرفِ استفہام داخل ہوا ہو۔ وَلٰكِنَّهُ حَرْفٌ مَوْضُوعٌ لِلتَّحْضِيضِ بِرَأْسِهِ، لیکن یہ ایسا حرف ہے جس کو تحضیض کے لیے وضع کیا گیا ہے بِرَأْسِهِ مستقلاً بھائی۔ فَكَأَنَّهُ قَالَ، گویا کہ شاعر نے یوں کہا: أَلَا تُرُونَنِي رَجُلًا، أَلَا تُرُونَنِي رَجُلًا کیا آپ مجھے ایک ایسا آدمی نہیں دکھائیں گے؟ یعنی آپ کو مجھے ایک ایسا آدمی دکھانا چاہیے جو کیا کرے میری عاشقہ کے گھر کے راستے تک میری رہنمائی کر دے۔ بات سمجھ میں آگئی؟

تو أَلَا تُرُونَنِي، أَلَا تُرُونَنِي یہ أَرَى يُرِي سے ہے، أَرَى يُرِي۔ آپ نے يَسْأَلُ کا قانون پڑھا ہے۔ يَسْأَلُ کے اندر آپ نے پڑھا ہے يَسَلُ پڑھنا بھی جائز ہے، اور قانون کیا ہے کہ ہمزۂ متحرکہ سے ماقبل حرفِ صحیح ساکن آجائے تو ہمزہ کی حرکت ماقبل کو نقل کر کے ہمزہ کو حذف کرنا جائز ہے۔ تو يَسْأَلُ دیکھو ہمزۂ متحرک ہے اس پر فتحہ ہے، اور ماقبل میں سین کیا ہے ساکن، تو

ہمزہ کی حرکت یعنی فتحہ سین کو دے دیا اور ہمزہ کو حذف کر دیا تو کیا بن گیا؟ یَسَلْ۔ تو یہ جوازی قانون ہے وجوبی نہیں ہے، آپ یَسْأَلُ بھی پڑھ سکتے ہیں اور آپ یَسَلُ بھی پڑھ سکتے ہیں۔ لیکن آپ نے پڑھا ہے کہ رَأَی یَرَی اور أَرَی یُرِي کے اندر یہ قانون وجوبی ہے۔ رَأَی یَرَی رُؤْیَةً دیکھنا، آنکھوں سے دیکھنا، اس کا مصدر کیا ہے؟ رُؤْیَة بھائی۔ تو رَأَی یَرَی، یَرَی اصل میں کیا تھا؟ یَرْأَیُ، یَرْأَیُ، یَفْتَحُ، پھر کیا کیا گیا؟ ہمزہ کی حرکت را کو دے دی اور ہمزہ کو گرا دیا اور پھر یا پر ضمہ ثقیل تھا وہ گرا دیا، کیا بن گیا؟ یَرَی۔ اور یہ واجب ہے، آپ یہاں یَرْأَی نہیں پڑھ سکتے بلکہ کیا پڑھنا پڑے گا؟ یَرَی ہی پڑھنا پڑے گا۔ اسی طرح بابِ افعال میں لے گئے اسی رَأَی یَرَی کو: أَرَی یُرِي، یُرِي اصل میں کیا تھا؟ یُرْئِيُ، یُکْرِمُ، ہمزہ متحرک ماقبل را ساکن، تو ہمزہ کی حرکت را کو دے دی اور ہمزہ کو حذف کر دیا، کیا بن گیا؟ یُرِيُ، اور پھر یا پر ضمہ ثقیل تھا وہ گرا دیا تو یُرِي ہوا۔ اور یہ قانون وجوبی ہے یہاں پر، آپ یُرْئِيُ نہیں پڑھ سکتے بلکہ یُرِي ہی پڑھنا پڑے گا۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو یُرِي کی گردان پڑھیں: یُرِي یُرِیَانِ یُرُونَ، تُرِي تُرِیَانِ یُرِینَ، تُرِي تُرِیَانِ تُرُونَ، تو یہ تُرُونَ صیغہ ہے، أَلَا تُرُونَ، أَلَا تُرُونَنِي۔ بات سمجھ میں آگئی؟ أَلَا تُرُونَنِي، أَرَی یُرِي کا کیا معنی ہے؟ دکھانا۔ أَلَا تُرُونَنِي رَجُلًا تم کیوں مجھے ایک آدمی نہیں دکھاتے؟ ابھار رہا ہے، یعنی تمہیں ایک آدمی مجھے دکھانا چاہیے جو میری رہنمائی کرے۔

تو فَکَأَنَّهُ قَالَ تو گویا کہ شاعر نے کہا: أَلَا تُرُونَنِي رَجُلًا یَعْنِي هَلَّا تُرُونَنِي رَجُلًا، کیوں تم مجھے کوئی آدمی نہیں دکھاتے جو میری رہنمائی کرے۔ وَلِذٰلِكَ نُصِبَ وَنُوِّنَ، اور اسی لیے رَجُلًا جو ہے اس کو نصب دیا گیا۔ شعر میں کیا تھا؟ أَلَا رَجُلًا جَزَاهُ اللّٰهُ خَیْرًا۔ اسی لیے یہ جو أَلَا کے بعد رَجُل آیا اسی کو نصب بھی دیا گیا وَنُوِّنَ اور تنوین بھی دی گئی۔ جیسے دیکھو هَلَّا تُرُونَنِي رَجُلًا، یہ هَلَّا کیا ہے؟ حرفِ تحضیض ہے، یہ کس پر داخل ہوتا ہے؟ فعل، اور مابعد منصوب ہوتا ہے، تو یہاں بھی اسی طرح تُرُونَنِي فعل یہاں محذوف ہے اور رَجُلًا منصوب ہے، یہ مَبْنِي عَلَى الْفَتْحِ نہیں ہے بھائی، تو یہ رَجُلًا کو تُرُونَنِي فعل نصب دے رہا ہے۔ تو أَلَا رَجُلًا کے اندر یہ رَجُلًا یہ منصوب ہے، یہ تُرُونَنِي فعل کے لیے مفعولِ ثانی ہے۔ أَرَی یُرِي بھائی، أَرَی یُرِي دو مفعول چاہتا ہے۔ أَرَیْتُ زَیْدًا عَمْرًا، أَرَیْتُ میں نے دکھایا زَیْدًا زید کو، کیا دکھایا؟ عَمْرًا۔ تو یہ دیکھو دو مفعول چاہتا ہے۔ تو یہاں پر بھی تُرُونَنِي یہ جو یا ضمیر ہے یہ مفعولِ اول ہے اور رَجُلًا مفعولِ ثانی ہے بھائی۔ تو یہ اس لیے رَجُلًا منصوب ہے کہ فعلِ مقدر تُرُونَنِي کے لیے یہ مفعولِ ثانی بن رہا ہے۔

تو کہتے ہیں: وَلِذٰلِكَ نُصِبَ وَنُوِّنَ، اور اسی لیے اس رَجُلًا کا لفظ جو ہے اس کو نصب دیا گیا وَنُوِّنَ اور تنوین دی گئی۔ وَهِيَ عِنْدَ یُونُسَ لَا الَّتِي دَخَلَتْ عَلَیْهَا هَمْزَةُ الِاسْتِفْهَامِ، جبکہ یونس نحوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ نہیں، یہ وہی لَا نَفْيِ جِنْس ہے اور اس پر ہمزۂ استفہام داخل ہوا ہے۔ بھائی وہ تو اس صورت میں تو أَلَا رَجُلَ مَبْنِي عَلَى الْفَتْحِ ہونا چاہیے تھا، یہ تو منصوب ہے، تو وہ جواب دیتے ہیں کہ بھائی یہاں پر جو تنوین اس پر لائی گئی وہ ضرورتِ شعری کی وجہ سے ہے۔ میں نے بتایا شعر کے اپنے مخصوص اوزان ہوتے ہیں، ایک حرف یا ایک حرکت بھی بدل جائے تو پورے شعر کا وزن خراب ہو جاتا ہے، تو یہاں پر اگر بغیر تنوین کے ہو أَلَا رَجُلَ تو پھر شعر کا وزن خراب ہو جاتا ہے، تو شعر کے وزن کو برقرار رکھنے کے لیے یہاں

تنوین کی ضرورت تھی اس لیے شاعر اس پر تنوین لے آیا، ورنہ یہ وہی لَا نَفْيِ جِنْس ہے اور یہ رجل حقیقت میں کیا ہے؟ مَبْنِي عَلَى الْفَتْحِ ہے، تو جو تنوین جو آئی ہے وہ ضرورتِ شعری کی وجہ سے آئی ہے۔ یاد رکھیے یہ جو یونس نحوی ہیں ان کا انتقال ہوا ہے ایک سو بیاسی ہجری میں، یعنی ان کا اور امام خلیل ابن احمد رحمہم اللہ دونوں کا زمانہ ایک ہی ہے بھائی۔

تو کہتے ہیں: وَهِيَ عِنْدَ يُونُسَ لَا الَّتِي دَخَلَتْ عَلَيْهَا هَمْزَةُ الِاسْتِفْهَامِ بِمَعْنَى التَّمَنِّي، اور یہ جو لَا ہے یونس نحوی کے نزدیک لَا الَّتِي دَخَلَتْ عَلَيْهَا هَمْزَةُ الِاسْتِفْهَامِ یہ وہی لَا ہے جس پر ہمزۂ استفہام داخل ہوا ہے بِمَعْنَى التَّمَنِّي اور یہ کس معنی میں ہے ہمزہ؟ تمنا کے معنی میں ہے یہاں پر۔ فَكَانَ الْقِيَاسُ أَلَا رَجُلَ، تو قیاس جو تھا وہ أَلَا رَجُلَ تھا کہ یہاں أَلَا رَجُلَ ہونا چاہیے تھا، وَلٰكِنَّهُ نَوَّنَهُ لِضَرُورَةِ الشِّعْرِ، لیکن شاعر نے اس کو تنوین دی لِضَرُورَةِ الشِّعْرِ کس کی وجہ سے؟ ضرورتِ شعری کی وجہ سے۔

بات سمجھ میں آگئی؟ حاصلِ کلام یہ کہ آج صاحبِ کافیہ نے آپ کو بتلایا کہ ہمزۂ استفہام جب لَا نَفْيِ جِنْس پر داخل ہو جائے تو اس کے عمل میں کوئی تبدیلی نہیں آتی، اور اس صورت میں پھر یہ جو ہمزہ آیا ہے کبھی تو یہ حقیقتاً استفہام کے لیے ہی ہوگا، کبھی عرض کے لیے ہوگا اور کبھی تمنی کے لیے ہوگا۔ تو لَا کا عمل اس ہمزہ کے داخل ہونے سے نہیں بدلتا۔ پھر صاحبِ جامی نے آپ کو بتلایا کہ یہ جو صاحبِ کافیہ نے فرمایا کہ جب یہ ہمزہ عرض کے لیے ہو تب بھی لَا کا عمل نہیں بدلے گا، کہتے ہیں یہ بات امام سیبویہ رحمہ اللہ نے ذکر نہیں کی بھائی، بلکہ یہ امام سیرافی رحمہ اللہ نے ذکر فرمائی ہے، اور انہی کا اتباع کیا ہے علامہ جزولی اور علامہ ابنِ حاجب رحمہم اللہ نے بھائی۔ اور اس کو علامہ اندلسی نے رد فرمایا ہے اور فرماتے ہیں کہ یہ غلط ہے، اس لیے کیونکہ جب یہ لَا عرض کے لیے ہو جائے گا تو اس صورت میں پھر یہ حروفِ افعال میں سے ہوگا جو صرف فعل پر داخل ہوتے ہیں، لہٰذا وہاں لفظوں میں یا تقدیراً فعل کا ہونا ضروری ہے، تو اگر یہ اسم پر داخل بھی ہوگا تو وہاں اسم پر نصب پڑھیں گے اور وہاں فعل مقدر ہوگا جو اس کو نصب دے رہا ہوگا جیسے أَلَا زَيْدًا تُكْرِمُهُ۔ اور جب یہ ہمزہ تمنا کے لیے ہو تو اس صورت میں بھی لَا کے عمل میں کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ اس پر اشکال ہوتا ہے کہ عرب کا ایک فصیح و بلیغ شاعر کہتا ہے أَلَا رَجُلًا جَزَاهُ اللهُ خَيْرًا، تو یہاں أَلَا یہ اس پر ہمزۂ استفہام آیا اور یہ تمنا کا فائدہ دے رہا ہے اور اس صورت میں لَا کا عمل نہیں بدلنا چاہیے تھا لیکن رَجُلًا پر تنوین آرہی ہے، معلوم ہوا لَا کا عمل ہمزہ کے داخل ہونے سے بدل گیا۔ تو اس کے دو جواب دیے صاحبِ جامی نے۔ ایک جواب امام خلیل ابن احمد رحمہ اللہ کا ذکر فرمایا ہے کہ یہ وہ لَا نہیں ہے جس پر ہمزۂ استفہام داخل ہوا ہو بلکہ یہ پورا أَلَا یہ مستقلاً ایک حرف ہے جو تحضیض کے لیے ہے ابھارنے کے لیے ہے، تو یہ أَلَا کس معنی میں ہے؟ هَلَّا کے معنی میں ہے، اور یہ کس پر داخل ہوتا ہے ہمیشہ؟ فعل پر داخل ہوتا ہے کیونکہ یہ حروفِ تحضیض میں سے ہے، اور لہٰذا یہاں فعل محذوف ہے اور کلام اصل میں یوں ہے أَلَا تُرُونَنِي رَجُلًا أَيْ هَلَّا تُرُونَنِي رَجُلًا، تم کیوں مجھے کوئی آدمی نہیں دکھاتے جو میری رہنمائی کر دے، تو یہ رَجُلًا کو تُرُونَنِي فعل نصب دے رہا ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ اور

دوسرا جواب جو ہے امام یونس رحمہ اللہ کا ذکر فرمایا کہ وہ فرماتے ہیں کہ یہ وہی لَا ہے جو نفیِ جنس کے لیے ہوتا ہے اور اس پر ہمزۂ استفہام داخل ہوا ہے، لیکن یہ جو رَجُلًا تنوین پڑھی شاعر نے یہ ضرورتِ شعری کی وجہ سے ہے کیونکہ اگر اس پر بغیر تنوین کے فتحہ پڑھا جائے تو پھر شعر کا وزن خراب ہو جاتا ہے، تو اصل میں تو یہ أَلَا رَجُلَ ہی ہے لیکن جو تنوین شاعر نے اس پر پڑھی وہ ضرورتِ شعری کی وجہ سے پڑھی۔ بات سمجھ میں آگئی؟ حل ہو گیا؟ چلیے بس بھائی، هٰذَا هُوَ الْمَرَامُ وَاللّٰهُ أَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْكَلَامِ.

سبق نمبر ۱۷۸: اسمِ لائے نفیِ جنس (۸): اسمِ «لَا» مبنی کی صفت کا اعراب

شرحِ ملا جامی صفحہ: ۱۵۸ — بتاریخ: ۳ اگست ۲۰۲۲ء

▪ تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث

آگے سبق دیکھیے بھئی: وَنَعْتُ اسْمِ لَا الْمَبْنِيِّ؛لَا نَعْتُ اسْمِهَا الْمُعْرَبِ اِحْتِرَازٌ عَنْ نَحْوِ: لَا غُلَامَ رَجُلٍ ظَرِيفًا، الْأَوَّلُ بِالرَّفْعِ صِفَةٌ لِلنَّعْتِ أَيْ لَا الثَّانِي وَمَا بَعْدَهُ، اِحْتِرَازٌ عَنْ مِثْلِ: لَا رَجُلَ ظَرِيفَ كَرِيمٌ فِي الدَّارِ، مُفْرَدًا حَالٌ مِنْ ضَمِيرِ مَبْنِيٍّ وَالْعَامِلُ فِيهِ مَبْنِيٌّ، اِحْتِرَازٌ عَنْ مِثْلِ: لَا رَجُلَ حَسَنَ الْوَجْهِ، يَلِيهِ حَالٌ بَعْدَ حَالٍ أَوْ صِفَةٌ مُفْرَدًا، اِحْتِرَازٌ عَنِ الْمَفْصُولِ نَحْوُ: لَا غُلَامَ فِيهَا ظَرِيفٌ.

بھئی گزشتہ سبق میں صاحبِ کافیہ نے آپ کو بتلایا تھا کہ لائے نفیِ جنس پر جب ہمزۂ استفہام داخل ہو جائے تو لَا کا عمل نہیں بدلتا۔ یعنی ہمزہ کے داخل ہونے سے پہلے جیسے بعض صورتوں میں لَا کا اسم مَبْنِيٌّ عَلَى الْفَتْحِ ہوتا ہے اور بعض صورتوں میں لَا کا اسم منصوب ہوتا ہے، تو ہمزہ کے داخل ہونے کے بعد بھی لَا اسی طرح عمل کرے گا۔ جیسے لَا رَجُلَ فِي الدَّارِ۔ اب یہ لَا کا اسم مَبْنِيٌّ عَلَى الْفَتْحِ ہے کیونکہ یہ مضاف یا مشابہِ مضاف نہیں ہے۔ پہلی دو شرطیں تو پوری ہیں، ساتھ بھی ملا ہوا ہے اور نکرہ بھی ہے، لیکن مضاف یا مشابہِ مضاف نہیں تو یہ مَبْنِيٌّ عَلَى الْفَتْحِ ہے بھئی۔ تو اس پر اگر آپ ہمزہ لے آئیں أَلَا رَجُلَ فِي الدَّارِ تو اب بھی یہ مبنی ہی رہے گا۔ اور اگر لَا کا اسم منصوب ہو یعنی مضاف بھی ہو تیسری شرط بھی پوری ہو، لَا غُلَامَ رَجُلٍ فِي الدَّارِ۔ یہ غُلَامَ رَجُلٍ منصوب ہے۔ تو اس پر اگر ہمزۂ استفہام داخل کریں گے تو اب بھی لَا اسی طرح عمل کرے گا: أَلَا غُلَامَ رَجُلٍ فِي الدَّارِ۔

اور صاحبِ جامی نے وجہ ذکر کی تھی کہ بھئی جب کلمۂ استفہام داخل ہو جائے کسی عامل پر، تو اس کلمۂ استفہام کے داخل ہونے سے اس عامل کا عمل بدلتا نہیں۔ تو یہاں پر بھی لَا پر ہمزہ داخل ہوا ہے تو لَا کا عمل نہیں بدلے گا۔ اور پھر کلام کا معنی کیا ہوگا؟ تو صاحبِ کافیہ نے بتلایا تھا کہ پھر کلام کا معنی یا تو استفہام ہی ہوگا، متکلم کوئی بات پوچھنا چاہ رہا ہے، جیسے أَلَا رَجُلَ فِي الدَّارِ۔ یہاں پر وہ حقیقتاً استفہام کر رہا ہے، ایک بات پوچھ رہا ہے۔ یہ ہمزہ ہے بھی کس لیے؟ استفہام کے لیے۔ اور متکلم بھی کیا کر رہا ہے؟ اس کے ذریعے استفہام ہی کر رہا ہے، سوال پوچھ رہا ہے، أَلَا رَجُلَ فِي الدَّارِ، کیا کوئی

آدمی اس گھر میں نہیں ہے؟

اور کبھی کبھار یہ ہمزہ جو آئے گا تو پھر یہ عرض کا فائدہ دے گا، أَلَا نُزُولَ لَكَ عِنْدَنَا، کیا آپ ہمارے پاس تشریف نہیں لاتے؟ فَنُحْسِنَ إِلَيْكَ، تو ہم احسان کرتے۔ اب یہاں پر یاد رکھو یہ جو ہمزۂ استفہام آیا ہے، یہ وضع تو استفہام کے لیے ہے لیکن یہاں پر اب یہ استفہام کا فائدہ نہیں دے رہا بلکہ عرض کا فائدہ دے رہا ہے۔ بھئی استفہام کا فائدہ کیوں نہیں دے رہا؟ وجہ یہ ہے کہ أَلَا نُزُولَ لَكَ عِنْدَنَا، کیا آپ ہمارے پاس تشریف نہیں لائے؟ دیکھو، یہ تو اپنے پاس آنے کا پوچھ رہا ہے متکلم، اور متکلم کو یہ علم ہے کہ نہیں کہ یہ مخاطب اس کے پاس نہیں آیا؟ متکلم کو تو علم ہے، تو پھر اس صورت میں یہ سوال نہیں ہو سکتا بھئی، سوال اس چیز کے بارے میں ہوتا ہے، متکلم کو علم ہے کہ یہ مخاطب میرے پاس نہیں آیا۔ جب اس کو علم ہے پھر یہ سوال کرنے کا کیا معنی؟ أَلَا نُزُولَ لَكَ عِنْدَنَا، کیا آپ ہمارے پاس تشریف نہیں لائے؟ تو کیونکہ جب ایک چیز کا جب انسان کو علم ہو تو اس کے بارے میں وہ سوال نہیں کرتا بھئی۔ تو یہ یہاں پر جو ہے یہ ہمزہ عرض کا فائدہ دے رہا ہے، متکلم مخاطب سے درخواست اور گزارش کر رہا ہے کہ آپ ہمارے پاس تشریف لائیں، ہم آپ کا اکرام کریں گے، آپ کو ہمارے پاس آنا چاہیے۔ تو یہاں پر یہ ہمزہ جو ہے عرض کا فائدہ دے گا۔

یا کبھی کبھار یہ ہمزہ جو وضع تو ہے استفہام کے لیے، لیکن جب لائے نفیِ جنس پر داخل ہوگا تو پھر یہ تمنا کا فائدہ دے گا، أَلَا مَاءَ فَأَشْرَبَهُ۔ ایک ایسی جگہ جہاں پر پانی نہیں ہے، اور وہاں پانی ملنے کی امید بھی نہیں ہے، اب متکلم کہتا ہے أَلَا مَاءَ، کیا پانی موجود نہیں ہے؟ یہ اب استفہام نہیں ہو سکتا، کیونکہ اس کو بھی پتا ہے یہاں پانی نہیں ہے اور پانی ملنے کی امید بھی نہیں ہے۔ تو جب ایک چیز کا علم ہے پھر اس کے بارے میں سوال نہیں ہو سکتا۔ ہاں اگر ایسی جگہ ہے جہاں پانی ملنے کی امید ہے، پھر یہ تمنا کے لیے نہیں ہوگا، أَلَا مَاءَ، پھر پانی کے بارے میں وہ پوچھ رہا ہے کہ کیا پانی موجود نہیں ہے؟ تو لہٰذا یہ ہمزہ جب لائے نفیِ جنس پر داخل ہو جائے تو کبھی یہ حقیقتاً استفہام کے لیے ہوگا، اور کبھی کبھار پھر یہ مجازاً جو ہے عرض یا تمنی کے لیے ہوگا۔

اس پر پھر اشکال ہوتا ہے کہ صاحبِ کافیہ نے یہ مسئلہ یہاں کیوں ذکر فرمایا؟ کیونکہ یہ بات تو واضح ہے کہ عامل پر جب ہمزۂ استفہام داخل ہو جائے تو اس کا عمل بدلتا نہیں، تو پھر کیا ضرورت تھی یہ کہنے کی کہ لائے نفیِ جنس پر ہمزہ داخل ہو جائے تو بھی اس کا عمل نہیں بدلتا؟ وجہ یہ کہ اس صورت میں حاصلِ معنی بدل رہا ہے۔ کیا بدل رہا ہے؟ حاصلِ معنی بدل رہا ہے، یا یوں کہیں مآل کے اعتبار سے کلام بدل رہا ہے۔ مآل کہتے ہیں نتیجے کو، نتیجے۔ نتیجے اور مآل کے اعتبار سے کلام نفی پر دلالت نہیں کر رہا۔ لَا رَجُلَ فِي الدَّارِ، اس گھر میں کوئی آدمی نہیں ہے۔ اب اس وقت تو یہ نفی پر دلالت کر رہا ہے یہ کلام۔ لیکن اگر آپ ہمزہ لے آئیں گے أَلَا رَجُلَ فِي الدَّارِ، اب یہ، اب لَا نفی کا فائدہ تو ابھی بھی دے رہا ہے، لیکن حاصلِ کلام کے اعتبار

سے آپ دیکھیں تو یہ اس وقت سوال پوچھا جا رہا ہے۔ یہ نفی کی کوئی خبر نہیں دی جا رہی۔ پہلے جب آپ نے کہا تھا لَا رَجُلَ فِي الدَّارِ کوئی آدمی اس گھر میں نہیں ہے، تو آپ خبر دے رہے تھے دوسرے کو۔ اور اب آپ کیا کر رہے ہیں؟ استفہام کر رہے ہیں۔ تو مآل کے اعتبار سے چونکہ کلام بدل گیا، اب وہ نفی کے معنی کا فائدہ نہیں دے رہا، بلکہ یا تو اس میں استفہام ہے، یا عرض ہے یا تمنی ہے، تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ مآل کے اعتبار سے اب یہاں لَا نفی کا فائدہ نہیں دے رہا، تو کیا اب بھی یہ لائے نفیِ جنس عمل کرے گا یا نہیں کرے گا؟ کیونکہ اس کی نفی تو ختم ہو چکی ہے بھئی، کیونکہ مآل کے اعتبار سے کلام نفی کا فائدہ نہیں دے رہا۔ تو صاحبِ کافیہ اس لیے یہ مسئلہ یہاں بتلانے کے لیے لائے کہ ہمزہ کے داخل ہونے کے بعد بھی لَا عمل کرے گا، اگرچہ وہاں سے نفی کا معنی ختم ہو چکا ہے۔

پھر اس کے بعد صاحبِ جامی نے آپ کو یہ بھی بتلایا تھا کہ جب لَا عرض کے لیے ہو جائے، ہمزۂ استفہام اس پر داخل ہو گیا اور اب کس چیز کا فائدہ دے رہا ہے یہ کلام؟ عرض کا۔ تو جب لَا عرض کے لیے ہو جائے تو پھر اس وقت بھی لَا اسی طرح عمل کرے گا جیسے کس طرح عمل کرتا تھا؟ ہمزہ کے داخل ہونے سے پہلے۔ یہ مسئلہ امام سیبویہ نے ذکر نہیں فرمایا۔ صاحبِ کافیہ جو ہیں اس کافیہ کے اندر اکثر وہ مسائل ذکر فرماتے ہیں جو امام سیبویہ نے ذکر فرمائے ہیں۔ تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ امام سیبویہ رحمہ اللہ نے تو یہ عرض کی صورت میں نہیں فرمایا کہ لَا اسی طرح عمل کرے گا جیسے ہمزہ کے داخل ہونے سے پہلے عمل کرتا تھا، یہ امام سیبویہ نے ذکر نہیں فرمایا۔ تو صاحبِ جامی نے آپ کو بتلایا کہ یہ امام سیرافی رحمہ اللہ نے ذکر فرمایا ہے۔ اور انہی کا اتباع کیا ہے علامہ جزولی نے بھی اور علامہ ابنِ حاجب یعنی صاحبِ کافیہ رحمہما اللہ نے بھی بھئی۔ لیکن علامہ اندلسی نے ان دونوں کو رد کیا ہے، اور فرمایا ہے کہ نہیں یہ غلط ہے بھئی، اس لیے کیونکہ جب لَا عرض کے لیے ہو جائے تو اس وقت پھر یہ حروفِ افعال میں سے بن جاتا ہے۔ کس میں سے؟ حروفِ افعال۔ حروفِ افعال وہ حروف جو ہمیشہ فعل پر داخل ہوتے ہیں، جیسے إِنْ ہے، لَوْ ہے، اور حروفِ تحضیض ہیں جو کسی کو ابھارنے کے لیے آتے ہیں، تو یہ ہمیشہ افعال پر داخل ہوتے ہیں۔ وہاں ہمیشہ لفظوں میں فعل ہوگا، اگر لفظوں میں نہیں ہے تو تقدیراً آپ کو نکالنا پڑتا ہے بھئی۔ تو یہاں پر بھی جب لَا عرض کے لیے ہو جائے تو یہ بھی، یہ حروفِ افعال میں سے ہو جائے گا، لہٰذا اس کے بعد لفظوں میں یا تقدیراً فعل ہونا چاہیے۔ اور اگر اسم اس کے بعد آئے گا بھی تو وہ اسم منصوب ہوگا اور وہ فعلِ محذوف اس کو نصب دے رہا ہوگا، جیسے أَلَا زَيْدًا تُكْرِمُهُ۔ تو یہ أَلَا کے بعد فعل آنا چاہیے تھا کیونکہ یہ حروفِ افعال میں سے اب ہو چکا ہے، لیکن وہ فعل حذف کر دیا گیا اور یہ زَيْدًا منصوب ہے، اس کو وہ فعلِ محذوف نصب دے رہا ہے۔

اور پھر اس کے بعد تمنا کی بھی مثال ذکر کی اور آگے ذکر کیا کہ تمنا کی صورت میں بھی دیکھو لَا کا عمل نہیں بدل رہا۔ تو اس پر اشکال ہوتا ہے کہ عربی کے ایک فصیح شاعر نے کہا ہے: أَلَا رَجُلًا جَزَاهُ اللَّهُ خَيْرًا۔ تو اس کے اندر دیکھو أَلَا رَجُلًا، یہ لَا کا عمل بدل گیا۔ ہونا تو کیا چاہیے تھا؟ أَلَا رَجُلَ، کیونکہ اس میں پہلی دو شرطیں تو پوری ہیں، رَجُلٌ کا لفظ لَا کے ساتھ ملا بھی

ہوا ہے درمیان میں فصل نہیں، اور نکرہ بھی ہے، لیکن یہ مضاف یا مشابہِ مضاف نہیں، تو اس کو تو بنی ہونا چاہیے تھا مَبْنِيٌّ عَلَى الْفَتْحِ، أَلَا رَجُلَ یوں ہونا چاہیے تھا، لیکن وہ عربی کا فصیح شاعر کیا کہتا ہے؟ أَلَا رَجُلًا۔ اور یاد رکھو یہ تمنا کے لیے ہے یہاں، یہاں یہ تمنا کے لیے ہے، شاعر کہتا ہے کاش کہ کوئی آدمی ہوتا، کہ کاش کوئی آدمی ہوتا اور میری معشوقہ کے گھر کے راستے تک وہ میری رہنمائی کر دیتا تو اللہ اس کو جزائے خیر دیتے۔ تو یہاں پر یہ تمنا کے لیے ہے، دیکھو تمنا کی صورت میں لَا کا عمل بدل گیا۔

تو صاحبِ جامی نے اس کے دو جواب ذکر کیے، ایک امام خلیل ابنِ احمد رحمہ اللہ اور ایک امام یونس رحمہ اللہ، ان کا جواب ذکر کیا۔ امام خلیل ابنِ احمد میں نے بتایا کہ یہ استاد ہیں امام سیبویہ کے اور ایک سو ستر ہجری میں ان کا انتقال ہوا ہے۔ یہ فرماتے ہیں کہ یہ جو أَلَا ہے یہ وہ لائے نفیِ جنس نہیں ہے جس پر ہمزہ داخل ہوا ہو، بلکہ یہ أَلَا پورا ایک ہی حرف ہے۔ ایسا نہیں ہے کہ لَا الگ تھا اور ہمزہ اس پر الگ داخل ہوا، نہیں، یہ أَلَا پورا ایک ہی حرف ہے اور یہ تحضیض کے لیے ہے بھئی۔ اس کو وضع ہی کس لیے کیا گیا ہے؟ تحضیض کے لیے، ابھارنے کے لیے۔ تو اصل میں کلام یوں ہے: أَلَا تُرُونَنِي رَجُلًا، أَلَا تُرُونَنِي رَجُلًا، اور یہ کس معنی میں ہے؟ هَلَّا تُرُونَنِي رَجُلًا، تم لوگ کیوں مجھے کوئی آدمی نہیں دکھاتے جو میری رہنمائی کرے۔ تو امام خلیل ابنِ احمد رحمہ اللہ کیا فرماتے ہیں کہ یہ أَلَا مستقلاً تحضیض کے لیے وضع ہے۔

جبکہ یونس نحوی رحمہ اللہ وہ فرماتے ہیں کہ یہ وہی لائے نفیِ جنس ہے اور اس پر ہمزۂ استفہام داخل ہوا ہے۔ تو پھر سوال پیدا ہوا پھر تو أَلَا رَجُلَ ہونا چاہیے تھا بغیر تنوین کے، اور یہاں تو أَلَا رَجُلًا تنوین کے ساتھ ہے؟ تو وہ جواب دیتے ہیں کہ یہ جو تنوین اس پر لائی گئی، یہ ضرورتِ شعری کی بنا پر ہے۔ اصل میں حقیقت میں رَجُلٌ مَبْنِيٌّ عَلَى الْفَتْحِ ہی ہے، أَلَا رَجُلَ، لیکن پھر تنوین لانا پڑی شاعر کو کیونکہ اس کے ساتھ شعر کا وزن صحیح نہیں بن رہا تھا۔ تو یہ جو تنوین آئی ہے یہ ضرورتِ شعری کی بنا پر ہے۔ اور معلوم ہوا لَا ابھی بھی اسی طرح عمل کر رہا ہے جیسے کہ ہمزہ کے داخل ہونے سے پہلے عمل کر رہا تھا۔ ہمزہ کے داخل ہونے سے پہلے لَا رَجُلَ یہ مَبْنِيٌّ عَلَى الْفَتْحِ ہونا چاہیے تھا، ابھی بھی مَبْنِيٌّ عَلَى الْفَتْحِ ہے لیکن تنوین کس لیے لائی گئی؟ ضرورتِ شعری، تو حقیقت میں یہ مَبْنِيٌّ عَلَى الْفَتْحِ ہی ہے بھئی۔ اور یہ میں نے بتایا أَلَا تُرُونَنِي رَجُلًا، یہ بابِ افعال سے ہے أَرَى يُرِي سے، أَرَى يُرِي سے۔ تُرُونَ، تُرُونَ یہ جمع مخاطب کا صیغہ ہے، جمع مذکر مخاطب کا۔ يُرِي يُرِيَانِ يُرُونَ، تُرِي تُرِيَانِ يُرِينَ، تُرِي تُرِيَانِ تُرُونَ، اور اسی کے ساتھ نونِ وقایہ اور یا ضمیر جڑ گئی تو تُرُونَنِي۔

اب آئیے آج کے سبق پر۔ کہتے ہیں: وَنَعْتُ اسْمِ لَا الْمَبْنِيِّ، لَا نَعْتُ اسْمِهَا الْمُعْرَبِ اِحْتِرَازٌ عَنْ نَحْوِ: لَا غُلَامَ رَجُلٍ ظَرِيفًا۔ پہلے متن متن دیکھ لیجیے بھئی۔ کہتے ہیں: وَنَعْتُ الْمَبْنِيِّ الْأَوَّلُ مُفْ، توجہ سے بھئی، وَنَعْتُ الْمَبْنِيِّ الْأَوَّلُ مُفْرَدًا يَلِيهِ مَبْنِيٌّ وَمُعْرَبٌ رَفْعًا وَنَصْبًا نَحْوُ: لَا رَجُلَ ظَرِيفَ وَظَرِيفٌ وَظَرِيفًا وَإِلَّا فَالْإِعْرَابُ۔ متن مل گیا سارا؟

بھئی اب یہ لائے نفیِ جنس کے توابع ہیں ان کو بیان کرنے لگے ہیں۔ لائے نفیِ جنس کے جو توابع ہیں ان کو بیان کرنے

لگے ہیں۔ یہ میں پہلے بھی ذکر کر چکا ہوں کہ باقی جو معمولات اب تک ذکر ہوئے ان پر براہِ راست عامل داخل ہوتا ہے اور ان کو رفع، نصب یا جر دیتا ہے۔ لیکن کچھ چیزیں ایسی ہیں کہ عامل ان میں براہِ راست عمل نہیں کرتا بلکہ وہ ماقبل کے تابع ہوتی ہیں۔ تو یہ جو توابع ہیں یہ پانچ ہیں بھئی۔ کتنے ہیں؟ جو ماقبل کے تابع ہوتے ہیں، عامل براہِ راست ان میں عمل نہیں کرتا۔ مثلاً جیسے دیکھو صفت ہے۔ صفت پر وہی اعراب آتا ہے جو موصوف پر ہو۔ صفت اپنے موصوف کے تابع ہوتی ہے، تو صفت کہلائے گی تابع اور موصوف کہلائے گا متبوع۔ تو جو پہلے آئے وہ کہلائے گا متبوع اور جو بعد میں آئے وہ تابع۔ تو صفت توابع میں سے ہے۔ عامل براہِ راست صفت کو رفع، نصب یا جر نہیں دیتا بلکہ صفت اپنے موصوف کے تابع ہوتی ہے۔ موصوف پر رفع آئے گا تو صفت پر بھی رفع، موصوف پر نصب یا جر آئے گا تو صفت پر بھی نصب یا جر۔ تو صفت کس میں سے ہے؟ توابع میں سے، اور توابع کل پانچ ہیں۔ نمبر ایک صفت، نمبر دو ہے تاکید بھئی۔ تاکید پر وہی اعراب آتا ہے جو مؤکد پر آتا ہے، تو تاکید بھی کس میں سے؟ توابع میں سے۔ اسی طرح معطوف بحرف جو ہے، معطوف پر وہی اعراب آتا ہے جو معطوفٌ علیہ پر ہو، تو معطوف بحرف بھی توابع

میں سے ہے۔ اسی طرح بدل جو ہے، بدل پر وہی اعراب آتا ہے جو مبدل منہ پر ہو۔ اور اسی طرح عطفِ بیان ہے، عطفِ بیان پر وہی اعراب آتا ہے جو معطوفٌ علیہ پر آئے بھئی۔ تو یہ پانچ کیا ہیں؟ توابع۔ کون کون سے؟ صفت ہے، تاکید ہے، بدل ہے، معطوف بحرف ہے اور عطفِ بیان ہے۔ یہ آگے مجرورات کا بیان آئے گا اور پھر اس کے بعد ان سب کو تفصیل سے بیان کریں گے، سارے توابع کو۔

تو عام توابع وہاں سارے بیان کریں گے، لیکن یہ لائے نفیِ جنس، اس کے توابع کو بالخصوص یہاں ذکر کر رہے ہیں۔ وجہ اس کی یہ کہ اس کے توابع کا حکم ذرا مختلف ہے بھئی۔ عام توابع سے کیا ہے؟ اس کا حکم ذرا مختلف ہے، اس لیے کیونکہ لائے نفیِ جنس کا اسم بعض صورتوں میں مبنی ہوتا ہے، بعض صورتوں میں معرب ہوتا ہے۔ مبنی ہو تو کس طرح توابع کو پڑھیں گے؟ اور معرب ہو تو توابع پر کون سا اعراب آئے گا؟ باقی عام توابع سے ان کا حکم کچھ مختلف ہے، اس لیے اب اس کو یہیں پر بیان کر رہے ہیں۔ بات سمجھ میں آگئی؟

اب یاد رکھیے بھئی یاد رکھیے کہ لائے نفیِ جنس کا اسم جو ہے اس میں دو صورتیں ہیں آپ نے پڑھا۔ کبھی وہ مبنی ہوگا، لَا رَجُلَ فِي الدَّارِ، یہ رَجُلَ کیا ہے؟ مَبْنِيٌّ عَلَى الْفَتْحِ ہے۔ اور کبھی لائے نفیِ جنس کا اسم منصوب ہوگا، جب اس میں تینوں شرطیں پوری ہوں، لَا کے ساتھ بھی ملا ہوا ہو، نکرہ بھی ہو اور مضاف یا مشابہِ مضاف بھی ہو، جیسے لَا غُلَامَ رَجُلٍ فِي الدَّارِ۔ اب یہ غُلَامَ رَجُلٍ یہ منصوب ہے۔ تو لائے نفیِ جنس کا اسم کبھی مَبْنِيٌّ عَلَى الْفَتْحِ ہوتا ہے اور کبھی معرب ہوتا ہے، منصوب ہوتا ہے۔

تو صاحبِ کافیہ آپ کو بتلائیں گے کہ بھئی لائے نفیِ جنس کا وہ اسم جو مبنی ہوتا ہے اس کی جو صفت ہے آپ چاہیں تو

اس کو بھی مبنی بنا لیں اور آپ چاہیں تو اس کو معرب رکھیں۔ جب آپ صفت کو بھی مبنی بنائیں گے تو اس پر وہی حرکت آجائے گی جو ماقبل لَا کے اسم پر تھی، جیسے لَا کا اسم مَبْنِيٌّ عَلَى الْفَتْحِ تھا اسی طرح صفت بھی کیا ہوگی مَبْنِيٌّ عَلَى الْفَتْحِ۔ اور آپ چاہیں تو معرب بھی بنا سکتے ہیں، اور پھر معرب ہونے کی صورت میں آپ اس صفت پر رفع بھی پڑھ سکتے ہیں اور نصب بھی پڑھ سکتے ہیں۔

دیکھیے کتاب پر بھئی، یہ دوسری سطر میں آرہا ہے، یہ جہاں سے آج کا سبق شروع کیا اس کی دوسری سطر میں ہے: لَا رَجُلَ ظَرِيفَ كَرِيمٌ فِي الدَّارِ، یہ مثال مل گئی؟ جی۔ اب دیکھو لَا رَجُلَ یہ لائے نفیِ جنس کا اسم ہے اور مَبْنِيٌّ عَلَى الْفَتْحِ ہے۔ تو یہ جو اسم جو مَبْنِيٌّ عَلَى الْفَتْحِ ہے اس کی صفت، اس کی جو پہلی صفت ہے، جیسے رَجُلَ کے بعد ایک صفت ظَرِيفٌ آرہی ہے اور ایک صفت كَرِيمٌ آرہی ہے، اور یہ فِي الدَّارِ خبر ہے لَا کی۔ تو ظَرِيفٌ صفتِ اول اور كَرِيمٌ صفتِ ثانی۔ تو یاد رکھنا، جب لائے نفیِ جنس کا اسم مَبْنِيٌّ عَلَى الْفَتْحِ ہو، تو اس کی صفت جو ہے وہ مبنی بھی ہو سکتی ہے اور معرب بھی، کب؟ جب وہ پہلی صفت ہو۔ تو یہاں دیکھو ظَرِيفٌ یہ کیا ہے؟ پہلی صفت ہے۔ اس کو آپ مبنی بھی پڑھ سکتے ہیں اور معرب بھی پڑھ سکتے ہیں۔ اور پھر جب معرب پڑھیں تو پھر اس پر رفع بھی پڑھ سکتے ہیں اور نصب بھی۔ لیکن اس صفت کے اندر پھر تین شرطیں ضروری ہیں بھئی، پھر ہی آپ اس کو مَبْنِيٌّ عَلَى الْفَتْحِ پڑھ سکتے ہیں۔ ایک شرط یہ کہ یہ پہلی صفت ہونی چاہیے۔ جیسے ظَرِيفٌ یہ پہلی صفت ہے اور كَرِيمٌ دوسری صفت ہے، تو ظَرِيفٌ اس میں پہلی شرط پوری ہے، یہ پہلی صفت ہے۔ دوسری شرط کہ وہ صفت مفرد ہونی چاہیے، یعنی مضاف یا مشابہِ مضاف نہ ہو۔ یہ ظَرِيفٌ بھی کیا ہے؟ مضاف یا مشابہِ مضاف نہیں ہے۔ اور تیسری شرط یہ ہے کہ یہ صفت جو ہے اس اسم کے ساتھ ملی ہوئی ہو، درمیان میں فصل نہ ہو، اور یہاں پر بھی یہ ظَرِيفٌ جو ہے رَجُلَ کے ساتھ ملی ہوئی ہے، درمیان میں فصل نہیں۔ تو اس قسم کی جو صفت ہے جو پہلی صفت ہو، مفرد ہو، مضاف یا مشابہِ مضاف نہ ہو، اور اس مبنی کے ساتھ ملی ہوئی ہو، تو اس کو مبنی بھی پڑھ سکتے ہیں اور معرب بھی۔ مبنی پڑھیں گے تو اسی کی طرح، جیسے رَجُلَ مَبْنِيٌّ عَلَى الْفَتْحِ ہے، اسی طرح اس صفت کو بھی مَبْنِيٌّ عَلَى الْفَتْحِ آپ پڑھ سکتے ہیں: لَا رَجُلَ ظَرِيفَ كَرِيمٌ فِي الدَّارِ۔ لَا رَجُلَ ظَرِيفَ، رَجُلَ مَبْنِيٌّ عَلَى الْفَتْحِ ہے تو ظَرِيفَ صفتِ اول کو بھی آپ مَبْنِيٌّ عَلَى الْفَتْحِ پڑھ سکتے ہیں، بشرطیکہ یہ تینوں شرطیں پوری ہوں: پہلی صفت ہو، مفرد ہو مضاف یا مشابہِ مضاف نہ ہو، اور اس کے ساتھ ملی ہوئی ہو درمیان میں فصل نہ ہو۔

اور آپ چاہیں تو اس ظَرِيفٌ پر نصب بھی پڑھ سکتے ہیں۔ کیا پڑھ سکتے ہیں؟ یعنی ظَرِيفًا بھی پڑھ سکتے ہیں، ظَرِيفًا۔ اور اس صورت میں یہ محمول ہے رَجُلَ کے لفظوں پر۔ کس پر؟ رَجُلَ کے لفظوں پر حمل کرتے ہوئے ظَرِيفًا اس پر نصب بھی پڑھ سکتے ہیں۔ بھئی لفظوں پر حمل کرنے کا کیا معنی؟ لفظوں کے اعتبار سے تو رَجُلَ مبنی ہے، تو ظَرِيفًا اس کو آپ معرب بھی پڑھ رہے ہیں اور نصب پڑھ رہے ہیں، تو لفظوں پر کیسے محمول؟ تو جواب پیچھے گزر چکا ہے بھئی، لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ، لَا حَوْلَ وَلَا

قُوَّةً۔ یہ قُوَّةً پر نصب کیوں پڑھا تھا؟ اس کا عطف تھا حَوْلَ پر اس کے لفظوں پر حمل کرتے ہوئے۔ اور لفظوں کے اعتبار سے حَوْلَ پر جو فتحہ آیا تھا وہ فتحہ بھی نصب جیسا تھا، وہ فتحہ بھی نصب جیسا تھا کیونکہ وہ لَا کی وجہ سے آیا تھا۔ یعنی وہ جو بنا والی حرکت آئی تھی لَا حَوْلَ پر وہ کس کی وجہ سے آئی تھی؟ لَا کی وجہ سے آئی تھی، جیسے کہ عامل کی وجہ سے نصب آتا ہے۔ تو یہ فتحہ بھی کس کی طرح تھا؟ نصب کی طرح۔ تو اسی پر عطف کرتے ہوئے وَلَا قُوَّةَ، اس قُوَّةً پر بھی نصب پڑھا گیا۔ تو یہاں پر بھی اسی طرح ہے کہ لَا رَجُلَ اس پر فتحہ ہے، لیکن یہ فتحہ بھی کس کی طرح ہے؟ نصب یعنی اعرابی حرکت کی طرح ہے، کیونکہ یہ لَا کی وجہ سے آیا ہے جیسے عامل کی وجہ سے نصب آتا ہے۔ تو اسی کے لفظوں پر حمل کرتے ہوئے اس پر فتحہ ہے تو اسی جیسا اعراب ظَرِيفًا پڑھ دیا، کیونکہ صفت موصوف کے تابع ہوتی ہے، صفت موصوف کے، تو موصوف پر فتحہ تھا تو اس پر اسی جیسا اعراب یعنی نصب پڑھ دیا گیا۔ تو لَا رَجُلَ ظَرِيفًا۔ تو ظَرِيفًا پر نصب کیوں پڑھا گیا؟ لَا رَجُلَ کے لفظوں پر حمل کرتے ہوئے، کیونکہ وہ اس کی وہ جو حرکت ہے وہ بھی کس کی طرح ہے؟ اعراب جیسی ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟

اور آپ چاہیں تو یوں کہیں کہ یہ ظَرِيفًا منصوب ہے، یہ صفت ہے رَجُلَ کی، تو یہ اس کے محل پر حمل کرتے ہوئے منصوب ہے، اور محل کے اعتبار سے تو رَجُلَ منصوب ہے کیونکہ لَا کا اسم ہے۔ مبنی کا اعراب کیسے بتاتے ہیں؟ محلاً۔ جَاءَ هٰذَا۔ جَاءَ هٰذَا، جَاءَ فعل ہے اور هٰذَا اس کے لیے فاعل۔ تو ترکیب کیسے ہوگی؟ جَاءَ فعل، هٰذَا یہ مرفوع محلاً۔ یہ مرفوع محلاً کیوں کہا آپ نے؟ کیونکہ هٰذَا مبنی ہے، تو مبنی کا اعراب کیسے بتاتے ہیں؟ محلاً۔ تو لہٰذا یہاں پر بھی یہ رَجُلَ اس وقت تو مبنی ہے لیکن محلاً منصوب ہے کیونکہ لائے نفیِ جنس کا اسم ہے بھئی۔ تو جب یہ محلاً منصوب ہے تو صفت بھی اسی طرح اس کے محل پر حمل کرتے ہوئے صفت منصوب لائیں گے: لَا رَجُلَ ظَرِيفًا۔ تو نصب کی دو وجہیں ذکر ہو گئیں، ظَرِيفًا صفت جو ہے اس پر نصب پڑھ سکتے ہیں کس پر حمل کرتے ہوئے؟ رَجُلَ کے لفظوں پر حمل کرتے ہوئے، یا رَجُلَ کے محل پر حمل کرتے ہوئے۔

اور نیز ظَرِيفٌ کے اندر آپ رفع بھی پڑھ سکتے ہیں: لَا رَجُلَ ظَرِيفٌ، اسی رَجُلَ کے محلِ بعید پر حمل کرتے ہوئے، کیونکہ یہ لائے نفیِ جنس کس پر داخل ہوتا ہے؟ مبتدا اور خبر پر، تو یہ رَجُلَ اصل کے اعتبار سے مبتدا ہے۔ اصل کے اعتبار سے مبتدا۔ تو گویا اس رَجُلَ کے دو محل ہو گئے، ایک ہے محلِ قریب لَا کی وجہ سے یہ منصوب المحل ہے، اور ایک محلِ بعید ہے کہ اصل میں یہ کیا تھا؟ مبتدا تھا، تو اس اعتبار سے اس کا محل کیا ہے؟ رفع۔ تو لہٰذا ظَرِيفٌ اس پر رفع بھی پڑھ سکتے ہیں۔

تفصیل سمجھ میں آئی؟ پھر دہرائیں بھئی، پھر یہ ساری بحث اسی کے بارے میں ہے تاکہ آپ کو بات اچھی طرح سمجھ میں آجائے۔ صاحبِ کافیہ آپ کو بتلائیں گے کہ لائے نفیِ جنس کا وہ اسم جو مبنی ہو، اس کی جو صفت آتی ہے، تو صفت میں تین شرطیں پوری ہوں، کون سی؟ کہ صفت کون سی ہونی چاہیے؟ پہلی۔ نیز صفت مفرد ہو یعنی مضاف یا مشابہِ مضاف نہ ہو۔ اور نیز صفت اس کے ساتھ جڑی ہوئی ہو درمیان میں فصل نہ ہو۔ تو اس صفت کو مبنی پڑھنا بھی جائز اور معرب

پڑھنا بھی جائز۔ مبنی پڑھیں اسی کی طرح اس پر بھی فتحہ پڑھ دیں: لَا رَجُلَ ظَرِيفَ۔ اور آپ چاہیں تو معرب بنائیں اس کو، اور معرب پڑھیں گے تو پھر اس پر آپ رفع بھی پڑھ سکتے ہیں اور نصب بھی: لَا رَجُلَ ظَرِيفًا اور لَا رَجُلَ ظَرِيفٌ، دونوں طرح پڑھ سکتے ہیں۔ نصب کی کیا وجہ؟ نصب اس پر نصب پڑھتے ہیں لَا حَوْلَ کے لفظوں پر حمل کرتے ہوئے کیونکہ اس پر جو فتحہ آرہا ہے وہ تو بنا والا ہے لیکن یہ بنا والا فتحہ بھی کس کی طرح ہے؟ اعراب کی طرح ہے کیونکہ یہ لَا کی وجہ سے آیا ہے، تو لہٰذا اسی جیسی صورت والا اعراب یعنی نصب دے دیا۔ یا اس کے محلِ قریب پر حمل کرتے ہوئے کہ لَا رَجُلَ مبنی ہے اور مبنی کے لیے محلِ اعراب ہوتا ہے، اور جمہور کے نزدیک یہ کیا ہے؟ منصوب المحل ہے کیونکہ لَا نصب دیتا ہے اپنے اسم کو، تو یہ محلاً منصوب ہے تو اس کی صفت بھی کیا آئے گی؟ منصوب، اسی لیے اس پر نصب پڑھ سکتے ہیں۔ اور رفع کیوں پڑھ سکتے ہیں؟ اس کے محلِ بعید پر حمل کرتے ہوئے کیونکہ اس کا محلِ بعید کیا ہے؟ یہ اصل میں مبتدا ہے اور مبتدا کیا ہوتا ہے؟ مرفوع۔ معلوم ہوا اس رَجُلَ کے دو محل ہیں، ایک محلِ قریب ہے لَا کی وجہ سے، اور ایک محلِ بعید ہے اصل کی وجہ سے۔ لَا کی وجہ سے محلِ قریب کیا؟ یہ منصوب ہے، منصوب المحل ہے۔ اور اصل کے اعتبار سے یہ مرفوع ہے، مرفوع المحل ہے، مبتدا ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ لہٰذا لَا رَجُلَ ظَرِيفَ مبنی بھی پڑھ سکتے ہیں، لَا رَجُلَ ظَرِيفًا نصب بھی پڑھ سکتے ہیں، اور لَا رَجُلَ ظَرِيفٌ رفع بھی پڑھ سکتے ہیں۔

کتنی شرطیں ہیں؟ تین شرطیں۔ کون سی؟ کہ پہلی صفت ہو۔ دوسری شرط؟ وہ صفت مفرد ہو، مضاف یا مشابہِ مضاف نہ ہو۔ اور تیسری شرط؟ اس کے ساتھ ملی ہوئی ہو، صفت اور موصوف کے درمیان فصل نہ ہو بھئی۔ اور اگر ان میں سے کوئی شرط پوری نہ ہوئی تو پھر اعراب آئے گا۔ کیا آئے گا؟ پھر مبنی نہیں بنا سکتے۔ لَا رَجُلَ ظَرِيفَ، اس ظَرِيفٌ میں کتنی صورتیں تھیں؟ تین۔ تین صورتیں۔ تو اگر ان میں سے کوئی شرط پوری نہ ہوئی یا ساری ہی شرطیں پوری نہ ہوئیں تو پھر یہ مبنی والی صورت نکال دو، باقی کتنی رہ گئیں؟ دو۔ تو پھر باقیوں میں دو طرح پڑھنا جائز ہے۔ باقی صفات پر رفع بھی پڑھنا جائز محلِ بعید پر حمل کرتے ہوئے، اور نصب بھی جائز ہے لفظوں پر حمل کرتے ہوئے یا محلِ قریب پر حمل کرتے ہوئے۔ بات سمجھ میں آگئی؟

معلوم ہوا، دیکھیے پھر کتاب پر وہ جو مثال تھی، لَا رَجُلَ ظَرِيفَ، اس کے اندر تین طرح پڑھنا جائز ہے: ظَرِيفَ، ظَرِيفًا اور ظَرِيفٌ۔ اور آگے جو كَرِيمٌ آیا، دیکھو یہ اب دوسری صفت آگئی۔ کیا آگئی؟ دوسری صفت آگئی اور نیز ملی بھی نہیں ہوئی، یہ فصل بھی آرہا ہے، تو بہرحال اس میں وہ تینوں شرطیں پوری نہیں، جب تینوں شرطیں پوری نہیں لہٰذا اس کو مَبْنِيٌّ عَلَى الْفَتْحِ نہیں پڑھ سکتے، كَرِيمَ یوں نہیں پڑھ سکتے۔ ہاں كَرِيمٌ بھی پڑھ سکتے ہیں اور كَرِيمًا بھی پڑھ سکتے ہیں۔ یہ بھی صفت ہے کس کی؟ رَجُلَ کی، تو كَرِيمًا پڑھیں گے کس پر حمل کرتے ہوئے؟ رَجُلَ کے لفظوں پر حمل کرتے ہوئے یا اس کے محلِ قریب پر حمل کرتے ہوئے، اور كَرِيمٌ پڑھیں گے رَجُلَ کے محلِ بعید پر حمل کرتے ہوئے۔ بات سمجھ میں آگئی؟

تو یہ دیکھو كَرِيمٌ یہ صفتِ ثانی آگئی۔ کیا آگئی؟ اور ہم نے کہا تھا پہلی صفت ہونی چاہیے۔ اسی سے نچلی سطر میں دیکھیں:

لَا رَجُلَ حَسَنَ الْوَجْهِ۔ یہ حَسَنَ الْوَجْهِ حَسَن مضاف ہے الْوَجْهِ مضافٌ الیہ، اور یہ بھی صفت ہے رَجُلَ کی، اور خبر فِي الدَّارِ محذوف ہے۔ تو اس میں دیکھو حَسَنَ الْوَجْهِ یہ پہلی صفت بھی ہے اور ساتھ بھی ملی ہوئی ہے، لیکن مفرد نہیں ہے بلکہ مضاف ہو رہی ہے، تو جب مضاف ہو رہی ہے تو اس کو مَبْنِيٌّ عَلَى الْفَتْحِ نہیں پڑھ سکتے، باقی سب میں وہ رفع اور نصب دونوں پڑھ سکتے ہیں، تو یہاں بھی حَسَنَ الْوَجْهِ بھی پڑھ سکتے ہیں اور حَسَنُ الْوَجْهِ بھی پڑھ سکتے ہیں۔ حَسَنَ الْوَجْهِ پڑھیں گے کس پر حمل کرتے ہوئے؟ لَا رَجُلَ کے لفظوں پر حمل کرتے ہوئے یا اس کے محلِ قریب پر حمل کرتے ہوئے، اور حَسَنُ الْوَجْهِ پڑھیں گے لَا رَجُلَ کے محلِ بعید پر حمل کرتے ہوئے۔ توجہ ہے؟ جی۔

یہاں تک بات سمجھ میں آگئی؟ آج آپ کو ایک نیا فائدہ معلوم ہوا کہ کبھی کبھار صفت بھی مبنی ہو جاتی ہے، کبھی کبھار صفت بھی مبنی ہو جاتی ہے۔ آج تک تو آپ نے ہمیشہ یہی پڑھا تھا کہ صفت جو ہے متبوع کے تابع ہوتی ہے اعراب کے اندر، مبنی ہونے میں اس کے تابع نہیں ہوتی۔ لیکن آج آپ نے پڑھا کہ صفت بھی کبھی کبھار مبنی ہوتی ہے بھئی۔ لیکن اس میں چار شرائط ہونی چاہئیں۔ ایک تو وہ صفت کس کی ہو؟ لائے نفیِ جنس کا وہ اسم جو مبنی ہو۔ پہلی شرط وہ صفت کس کی ہونی چاہیے؟ لائے نفیِ جنس کا وہ اسم جو مبنی ہو۔ اور نیز دوسری شرط وہ صفت پہلی صفت ہونی چاہیے، دوسری یا تیسری نہیں۔ نیز وہ صفت مفرد ہونی چاہیے، مضاف یا مشابہِ مضاف نہیں ہونی چاہیے۔ اور چوتھی شرط یہ ہے کہ وہ صفت لائے نفیِ جنس کے اس اسم کے ساتھ جو مبنی ہے ملی ہوئی ہو، درمیان میں فصل نہ ہو بھئی۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو کتنی شرطیں ہیں صفت کے مبنی ہونے کی؟ چار: کہ وہ صفت کس کی ہو؟ لائے نفیِ جنس کا وہ اسم جو مبنی ہو۔ دوسری شرط کیا؟ کہ وہ صفت پہلی ہونی چاہیے، دوسری یا تیسری نہیں۔ تیسری شرط کیا؟ کہ وہ صفت مفرد ہونی چاہیے، مضاف یا مشابہِ مضاف نہیں ہونی چاہیے اور چوتھی شرط یہ ہے کہ وہ صفت اپنے موصوف کے ساتھ ملی ہوئی ہو، درمیان میں فصل نہ ہو بھئی۔ یہ تو تھا مبنی کی صفت میں، مبنی کی صفت میں۔

ایک صورت رہ گئی بھئی اگر لائے نفی جنس کا اسم معرب ہو، کیا ہو؟ معرب ہو۔ لائے نفی جنس کا اسم منصوب ہوتا ہے جب تین شرطیں پوری ہوں۔ لَا غُلَامَ رَجُلٍ فِي الدَّارِ، لَا غُلَامَ رَجُلٍ، دیکھو اب یہ اس میں تینوں شرطیں پوری ہیں، غُلَامَ رَجُلٍ لائے نفی جنس کا اسم ہے، یہ اس کے ساتھ ملا بھی ہوا ہے اور نکرہ بھی ہے اور نیز مضاف بھی ہے۔ تو جب تینوں شرطیں پوری ہوں تو لائے نفی جنس کا اسم منصوب ہوتا ہے آپ پڑھ چکے ہیں۔ تو یہ لَا غُلَامَ رَجُلٍ منصوب ہے۔ ابھی پہلے کس کی صفات ذکر ہوئی تھیں؟ وہ جو لائے نفی جنس کا اسم مبنی ہوتا ہے، اب لَا غُلَامَ رَجُلٍ یہ تو لائے نفی جنس کا اسم ہے اور معرب ہے، منصوب ہے، اگر اس کی صفت آئے تو اس پر کیا پڑھیں گے؟

تو اس میں یاد رکھیے بعض نحوی فرماتے ہیں کہ اس کی صفت کے اندر بھی دونوں وجہیں جائز ہیں۔ لَا غُلَامَ رَجُلٍ ظَرِيفٌ اور ظَرِيفًا دونوں طرح جائز ہے، لیکن صاحبِ کافیہ اور بعض نحوی حضرات کا مذہب یہ ہے کہ یہاں پر لَا غُلَامَ رَجُلٍ، یہ غُلَامَ

رَجُلٍ منصوب ہے تو صفت پر بھی نصب ہی پڑھنا ہے، یہاں محل پر حمل کرتے ہوئے رفع نہیں پڑھ سکتے۔ جی کس کا مذہب ہے یہ؟ یہ صاحبِ کافیہ اور بعض نحوی حضرات کا مذہب ہے۔ تو دیکھو یہ جو پہلی سطر میں مثال آرہی ہے جہاں آج کا سبق شروع ہوا ہے، جہاں سے آج کا سبق شروع ہوا اس کی پہلی سطر میں ہے لَا غُلَامَ رَجُلٍ ظَرِيفًا، لَا غُلَامَ رَجُلٍ ظَرِيفًا۔ یہ غُلَامَ رَجُلٍ یہ لَا کا اسم ہے اور منصوب ہے، تو اس کی جو صفت ظَرِيفًا آرہی ہے بعض نحوی فرماتے ہیں یہاں پر بھی دونوں پڑھ سکتے ہیں ظَرِيفًا بھی اور ظَرِيفٌ بھی۔ ظَرِيفًا کیوں پڑھیں گے؟ کیونکہ اس کا موصوف لفظاً منصوب ہے تو یہ بھی کیا صفت بھی کیا ہوگی؟ منصوب ہوگی۔ اور ظَرِيفٌ کیوں پڑھیں گے؟ اس غُلَامَ رَجُلٍ کے محل پر حمل کرتے ہوئے کیونکہ محل کے اعتبار سے یہ مبتدا ہے۔ لیکن صاحبِ کافیہ اور بعض دیگر علمائے نحو کا مذہب یہ ہے کہ نہیں یہ لَا کا اسم جو منصوب ہے جب یہ خود منصوب ہے تو صفت بھی منصوب ہی آئے گی۔ لَا غُلَامَ رَجُلٍ ظَرِيفًا ہی پڑھ سکتے ہیں، یہاں ظَرِيفٌ نہیں پڑھ سکتے۔ اور علامہ جامی نے بھی انہی کی تائید کی ہے۔ علامہ جامی نے بھی انہی کی تائید کی ہے۔ کس چیز میں؟ لائے نفی جنس کا وہ اسم جو منصوب ہوتا ہے تو اس کی صفت بھی کیا ہوگی؟ منصوب ہوگی۔ صاحبِ کافیہ کا یہ مذہب ہے اور علامہ جامی نے بھی اسی کی تائید کی ہے۔

اگرچہ یہاں پر ذکر نہیں ہے لیکن دیکھیے وہ جہاں لائے نفی جنس کی خبر کی بات آئی تھی بھئی۔ نکالیں ذرا یہ کتاب میں بھئی، مبتدا کے بعد، مبتدا کی بحث جہاں مرفوعات شروع ہوئے تھے۔ ہاں مرفوعات شروع سے نکال لیا، اس میں تھوڑا آگے جائیں گے نا اسی مرفوعات میں لائے نفی جنس کی خبر کا ذکر آئے گا، لائے نفی جنس کی خبر، خَبَرُ لَا الَّتِي لِنَفْيِ الْجِنْسِ متن آرہا ہے۔ کافی آگے ہے خَبَرُ لَا الَّتِي لِنَفْيِ الْجِنْسِ، مبتدا خبر کے بعد یہ بحث آئے گی۔ مل گیا؟ خَبَرُ لَا الَّتِي لِنَفْيِ الْجِنْسِ جی، اسی کے اندر دو تین سطروں کے بعد آگے آرہا ہے متن ہے نَحْوُ لَا غُلَامَ رَجُلٍ ظَرِيفٌ، مل گئی مثال؟ لَا غُلَامَ رَجُلٍ ظَرِيفٌ یہ مثال مل گئی؟ اسی کے اندر دوسری سطر میں ہے لِأَنَّ غُلَامَ رَجُلٍ مُعْرَبٌ مَنْصُوبٌ، اس لیے کیونکہ غُلَامَ رَجُلٍ کیا ہے یہ لَا کا جو اسم ہے معرب ہے اور منصوب ہے، لَا يَجُوزُ ارْتِفَاعُ صِفَتِهِ عَلَى مَا هُوَ الظَّاهِرُ، اس کی صفت کا مرفوع ہونا جائز نہیں بنا بر ظاہر کے، اس کی صفت منصوب ہی ہونی چاہیے۔ ظاہر کے اعتبار سے یہ ہے، ورنہ اگرچہ یہاں رفع کا بھی احتمال ہے کہ آپ محل پر حمل کر لیں، لیکن ظاہر یہی ہے کہ جو معرب ہوتا ہے اس کی صفت اس کے اعراب کے تابع ہوتی ہے اس کے محل کے تابع نہیں ہوتی، تو ظاہر یہی ہے کہ یہ لَا غُلَامَ رَجُلٍ معرب ہے اور منصوب ہے تو اس کی صفت بھی منصوب ہونی چاہیے، اس میں رفع جائز نہیں ہونا چاہیے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ جی اب آئیے آج کے سبق پر۔

جی اب متن متن دیکھیے بھئی۔ کہتے ہیں وَنَعْتُ الْمَبْنِيِّ، اور لائے نفی جنس کا وہ اسم جو مبنی ہوتا ہے اس کی جو نعت ہے یعنی صفت ہے۔ یاد رکھو ایک لفظ ہے نعت، یہ میں پہلے بھی ذکر کر چکا ہوں، ایک لفظ ہے نعت، ایک ہے صفت، ایک ہے وصف۔ تو نعت کہہ لیں یا صفت کہہ لیں یا وصف کہہ لیں تینوں کا ایک ہی معنی ہے۔ البتہ کوفہ کے جو نحوی ہیں وہ

نعت کا لفظ بولتے ہیں، صفت کو وہ کیا کہتے ہیں؟ نَعْتٌ، اور موصوف کو کہتے ہیں مَنْعُوتٌ بھئی، نعت اور منعوت۔ اور جبکہ بصرہ کے جو نحوی ہیں وہ صفت کا لفظ بھی بولتے ہیں اور وصف کا لفظ بھی بولتے ہیں، تو یہ صفت اور وصف کا لفظ بولتے ہیں اور موصوف کا لفظ بولتے ہیں۔ تو بات ایک ہی ہے، صفت کہہ لیں یا نعت کہہ لیں۔

تو کہتے ہیں وَنَعْتُ الْمَبْنِيِّ، اور لائے نفی جنس کا وہ اسم جو مبنی ہوتا ہے اس کی جو صفت ہے، بھئی نَعْتُ ہے مضاف الْمَبْنِيِّ ہے مضاف الیہ، اور نَعْتُ اس پر رفع پڑھیں گے کیونکہ یہ ہے مبتدا، اور الْمَبْنِيِّ پر جر پڑھیں گے کیونکہ یہ ہے مضاف الیہ۔ اور آگے متن میں ہے الْأَوَّلُ، یاد رکھو اس پر رفع پڑھنا ہے کیونکہ یہ نعت کی صفت ہے۔ یہ الْمَبْنِيِّ کی صفت نہیں۔ الْمَبْنِيِّ کی صفت ہو تو ترجمہ ہوگا نَعْتُ الْمَبْنِيِّ الْأَوَّلِ، پہلے مبنی کی صفت۔ پہلے مبنی کی صفت، لیکن یہاں یہ مقصود نہیں ہے بلکہ یہ الْأَوَّلُ کس کی صفت ہے؟ نعت کی، اور اس پر رفع ہے تو صفت الْأَوَّلُ پر بھی کیا پڑھیں گے؟ رفع پڑھیں گے۔ تو ترجمہ ہوگا مبنی کی وہ صفت الْأَوَّلُ جو پہلی ہو، پہلے مبنی کی بات نہیں ہو رہی بلکہ مبنی کی پہلی صفت کی بات ہو رہی ہے۔ تو کہتے ہیں وَنَعْتُ الْمَبْنِيِّ الْأَوَّلُ، تو لائے نفی جنس کا وہ اسم جو مبنی ہوتا ہے اس کی جو پہلی صفت ہے، مُفْرَدًا يَلِيهِ مَبْنِيٌّ، جی یہ مُفْرَدًا اور يَلِيهِ یہ حال ہے، آگے آ رہا ہے مَبْنِيٌّ وَمُعْرَبٌ، مَبْنِيٌّ وَمُعْرَبٌ۔

توجہ ہے؟ پھر دیکھیے متن: وَنَعْتُ الْمَبْنِيِّ الْأَوَّلُ، اور لائے نفی جنس کا وہ اسم جو مبنی ہوتا ہے اس کی جو پہلی صفت ہے، آگے آ رہا ہے مَبْنِيٌّ وَمُعْرَبٌ، متن متن دیکھنا صرف، مَبْنِيٌّ وَمُعْرَبٌ، یہ صفت کیا ہوتی ہے؟ مبنی بھی ہوتی ہے وَمُعْرَبٌ اور معرب بھی ہوتی ہے۔ لیکن مبنی کب ہوگی؟ تین شرطیں تھیں۔ جی کیا؟ پہلی صفت ہو اور مفرد ہو اور ساتھ ملی ہوئی ہو۔ تو اسی مَبْنِيٌّ سے حال آیا پیچھے مُفْرَدًا بھی اور يَلِيهِ بھی۔ اسی مبنی سے کیا آیا؟ حال آیا مُفْرَدًا بھی اور يَلِيهِ بھی۔ مَبْنِيٌّ کون سا صیغہ ہے؟ اسمِ مفعول ہے مَرْمِيٌّ کے وزن پر، اور اس اسمِ مفعول کے لیے کیا چاہیے؟ نائب الفاعل، تو اس کے اندر ہُوَ ضمیر مَبْنِيٌّ کے اندر ہُوَ ضمیر نائب الفاعل ہے، اور وہی ذوالحال بھی ہے۔ وہی ذوالحال بھی ہے، تو مبنی ہوگی۔ یہ کس کی بات ہو رہی ہے؟ وہ صفت، وہ صفت مَبْنِيٌّ وَمُعْرَبٌ، وہ صفت کبھی کیا ہوگی؟ مبنی ہوگی اور کبھی وہ صفت معرب ہوگی۔ تو مَبْنِيٌّ کے اندر ہُوَ ضمیر نعت کو راجع ہے، کس کو؟ نعت کو، تو وہ نعت کبھی مبنی ہوگی اور کبھی معرب۔ تو یہ ہُوَ ضمیر جو مبنی کے اندر ہے یہ بنائیں گے ذوالحال، اور یہ جو ماقبل میں آیا نا مُفْرَدًا اور يَلِيهِ ان دونوں کو حال بنائیں گے۔ وہ نعت مبنی ہوگی وہ صفت مبنی ہوگی اس حال میں کہ وہ صفت کیا ہو؟ مفرد ہو، مضاف یا مشابہ مضاف نہ ہو، اور اس حال میں کہ يَلِيهِ کہ وہ صفت اس مبنی کے ساتھ جڑی ہوئی ہو۔ يَلِيهِ، يَلِي کے اندر ہُوَ ضمیر ہے، يَلِي کے اندر ہُوَ ضمیر ہے وہ ذوالحال کو راجع ہے کیونکہ ذوالحال سے بھی تو ربط چاہیے۔ جیسے مُفْرَدًا ہے، مُفْرَدًا حال ہے نا؟ توجہ بھی ہے کہ نہیں؟ یہ مَبْنِيٌّ وَمُعْرَبٌ آگے خبر آ رہی ہے۔ تو اسی مبنی کے اندر ہُوَ ضمیر ذوالحال ہے، اور یہ مُفْرَدًا اس ہُوَ ضمیر سے حالِ اول ہے اور يَلِيهِ اس سے حالِ ثانی ہے، اور حال کو کس سے جوڑتے ہیں؟ ذوالحال سے۔ تو لہٰذا مُفْرَدًا کون سا صیغہ ہے؟ اسمِ مفعول ہے، مُفْرَدٌ، أَفْرَدَ يُفْرِدُ

إِفْرَادًا فَهُوَ مُفْرِدٌ وَأُفْرِدَ يُفْرَدُ إِفْرَادًا فَذَاكَ مُفْرَدٌ، تو یہ اسمِ مفعول ہے تو اس کے اندر ہُوَ ضمیر وہ کس کو راجع ہے؟ ذوالحال کو، وہ ذوالحال مفرد ہوگا۔ اور يَلِيهِ اس کے اندر بھی ہُوَ ضمیر ہے وہ بھی ذوالحال کو راجع ہے کہ وہ صفت جو ہے ملی ہوئی ہو، اور یہ جو آخر میں يَلِيهِ کے ساتھ یہ ہَا ضمیر ضمیرِ منصوب ہے یہ مبنی کو راجع ہے، کون سا مبنی؟ وہ جو پیچھے آیا تھا وَنَعْتُ الْمَبْنِيِّ، لائے نفی جنس کا وہ اسم جو مبنی ہو، يَلِيهِ یہ صفت اس کے ساتھ جڑی ہوئی ہو۔ یہ صفت اس کے ساتھ جڑی ہوئی ہو۔ بات سمجھ میں آ رہی ہے؟

اچھا اب مجھے ایک بات بتائیے کہ یہ مُفْرَدًا اور يَلِيهِ یہ کس، پہلے تو یہ بتائیے یہ مُفْرَدًا اور يَلِيهِ یہ حال ہیں کس سے؟ مَبْنِيٌّ کے اندر جو ہُوَ ضمیر ہے نائب الفاعل وہ ذوالحال ہے۔ اب مجھے بتائیے یہ مُفْرَدًا اور يَلِيهِ ان میں عامل کیا ہے؟ یہ نصب کس نے دیا یہ مُفْرَدًا کو اور اسی طرح يَلِيهِ یہ بھی محلاً منصوب ہے؟ یہ جو حال ہیں ان کو نصب کس نے دیا؟ کئی دفعہ یہ بات ذکر ہو چکی، بھئی میں نے آپ کو بتلایا تھا کہ جو عامل ہوتا ہے ذوالحال میں وہی عامل ہوتا ہے حال میں بھی، تو ذوالحال کیا ہے؟ مَبْنِيٌّ کے اندر ہُوَ ضمیر اور وہ نائب الفاعل ہے، اس کو رفع کس نے دیا؟ اسی مَبْنِيٌّ نے۔ توجہ ہے؟ تو اس ذوالحال کے اندر یہ مَبْنِيٌّ لفظ عامل ہے، تو مُفْرَدًا اور يَلِيهِ کے اندر بھی یہی مَبْنِيٌّ عامل ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ ضابطہ کیا ہے؟ حال اور ذوالحال دونوں کا عامل ایک ہونا ضروری ہے۔

اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ مَبْنِيٌّ سے حال آ گئے دو: مُفْرَدًا بھی اور يَلِيهِ بھی، تو ان کو ذوالحال پر کیوں مقدم کیا؟ ذوالحال تو مَبْنِيٌّ کے اندر ہُوَ ضمیر ہے لیکن دونوں حال مقدم کر دیے مُفْرَدًا بھی اور يَلِيهِ بھی۔ وجہ یہ، وجہ یہ کیونکہ بات چل رہی ہے مبنی کی صفت کی، تاکہ تینوں قیدیں اکٹھی ہو جائیں۔ جی وہ نعت کیسی ہو؟ الْأَوَّلُ، پہلی صفت ہونی چاہیے، اور مُفْرَدًا وہ نعت کیسی ہو؟ مفرد ہو، اور وہ يَلِيهِ وہ نعت کیسی ہو؟ موصوف کے ساتھ ملی ہوئی ہو، تاکہ تینوں قیدیں اکٹھی ہو جائیں بھئی۔

اب پھر ترجمہ دیکھیے: وَنَعْتُ الْمَبْنِيِّ الْأَوَّلُ، اور لائے نفی جنس کا وہ اسم جو مبنی ہوتا ہے اس کی نعت یعنی اس کی صفت جو ہے الْأَوَّلُ اس کی جو پہلی صفت ہے مَبْنِيٌّ وہ مبنی ہوتی ہے اس حال میں کہ وہ صفت کیا ہو؟ مفرد ہو اور اس حال میں کہ وہ صفت اس موصوف کے ساتھ ملی ہوئی ہو، جڑی ہوئی ہو، وَمُعْرَبٌ اور نیز وہ صفت کبھی کیا ہوگی؟ معرب ہوگی، رَفْعًا وَنَصْبًا مرفوع ہوتے ہوئے اور منصوب ہوتے ہوئے، یعنی اس پر رفع بھی پڑھ سکتے ہیں کس پر حمل کرتے ہوئے...

ہوئے، لائے نفی جنس کے وہ اسم جو مبنی ہے اس کی صفت مبنی بھی ہو سکتی ہے اور معرب بھی۔ معرب ہو تو پھر رفع بھی آ سکتا ہے اور نصب بھی۔ رفع کیوں آئے گا؟ اس کے محلِ بعید پر حمل کرتے ہوئے کیونکہ وہ مبتدا ہے محل کے اعتبار سے۔ اور نصب کیوں آئے گا؟ اس کے لفظوں پر حمل کرتے ہوئے کیونکہ یہ فتحہ بھی کس کی طرح ہے؟ نصب جیسا

ہی ہے، یا اس کے محلِ قریب پر حمل کرتے ہوئے کیونکہ محلِ قریب کیا ہے لائے نفی جنس کی وجہ سے یہ اسم منصوب المحل ہے، ہے تو مبنی لیکن محل کے اعتبار سے منصوب ہے۔ تو یہ معنی ہے وَمُعْرَبٌ رَفْعًا وَنَصْبًا اور وہ صفت جو ہے معرب ہوگی اس حال میں کہ وہ مرفوع ہوگی اور منصوب ہوگی، نَحْوُ مثال کے طور پر لَا رَجُلَ ظَرِيفَ وَظَرِيفٌ وَظَرِيفًا تینوں طرح پڑھ سکتے ہیں۔ لَا رَجُلَ ظَرِيفَ، دیکھو یہ ظَرِيفَ مبنی علی الفتح ہے صفت بھئی، اور ظَرِيفٌ یہ مرفوع ہے، اور ظَرِيفًا یہ منصوب ہے۔

آگے دیکھیے وَإِلَّا، اور اگر ایسا نہ ہو یعنی صفت ایسی نہ ہو اس میں یہ تینوں شرطیں پوری نہ ہوں، فَالْإِعْرَابُ، تو پھر اس کا حکم اعراب ہی ہے یعنی اس پر اعراب ہی پڑھیں گے، اور پھر اعراب بھی دونوں پڑھ سکتے ہیں رفع بھی پڑھ سکتے ہیں اور نصب بھی۔ رفع پڑھیں گے کس کی وجہ سے؟ محلِ بعید پر حمل کرتے ہوئے، اور نصب کیوں پڑھیں گے؟ لفظوں پر حمل کرتے ہوئے یا محلِ قریب پر حمل کرتے ہوئے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ اب اس سارے کو دیکھیے شرح کے ساتھ بھئی۔

کہتے ہیں وَنَعْتُ اسْمِ لَا الْمَبْنِيِّ، بھئی متن میں تھا وَنَعْتُ الْمَبْنِيِّ، مبنی کی صفت۔ درمیان میں صاحبِ جامی نے کیا نکالا اسْمِ لَا، بتلانا یہ چاہتے ہیں کہ الْمَبْنِيِّ صفت ہے اور اس کا موصوف محذوف ہے، مبنی کون ہے؟ وہ لَا کا اسم جو ہے اس کی بات ہو رہی ہے۔ تو کہتے ہیں وَنَعْتُ اسْمِ لَا الْمَبْنِيِّ، اور صفت اس لَا کے اسم کی الْمَبْنِيِّ جو مبنی ہوتا ہے، لَا نَعْتُ اسْمِهَا الْمُعْرَبِ، وہ لَا کا اسم جو معرب ہوتا ہے اس کی صفت نہیں، وہ یہاں مراد نہیں ہے۔ صرف اس اسمِ لَا کے صفت کی بات ہو رہی ہے جو مبنی ہوتا ہے۔ عبارت سمجھ میں آگئی؟ پھر دیکھو کہتے ہیں وَنَعْتُ اسْمِ لَا الْمَبْنِيِّ لَا نَعْتُ اسْمِهَا الْمُعْرَبِ، اور لائے نفی جنس کا وہ اسم جو مبنی ہوتا ہے اس کی صفت، نہ کہ لائے نفی جنس کا وہ اسم جو معرب ہوتا ہے اس کی صفت نہیں، احْتِرَازٌ عَنْ نَحْوِ یہ احتراز ہے عَنْ نَحْوِ اس جیسی مثالوں سے لَا غُلَامَ رَجُلٍ ظَرِيفًا، لَا غُلَامَ رَجُلٍ ظَرِيفًا۔ یہ دیکھو لَا غُلَامَ رَجُلٍ یہ غُلَامَ رَجُلٍ لائے نفی جنس کا اسم ہے اور یہ مبنی ہے یا معرب ہے؟ یہ تو معرب ہے، منصوب ہے، اور متن میں انہوں نے کیا کہا لائے نفی جنس کا وہ اسم جو مبنی ہو۔ تو یہ معرب کو نکالنے کے لیے وہ مبنی کی قید لگائی۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو یہ معنی ہے احْتِرَازٌ عَنْ نَحْوِ لَا غُلَامَ رَجُلٍ ظَرِيفًا، تو یہ لَا غُلَامَ رَجُلٍ ظَرِيفًا جیسی مثالوں سے احتراز کے لیے ہے یہ قید۔

الْأَوَّلُ بِالرَّفْعِ، الْأَوَّلُ کو کس کے ساتھ پڑھنا ہے؟ رفع کے ساتھ، صِفَةٌ لِلنَّعْتِ یہ صفت ہے نعت کی، یعنی پہلی صفت مراد ہے۔ اور نعت مرفوع تھا تو الْأَوَّلُ پر بھی کیا پڑھیں گے؟ رفع۔ اسی لیے کہا الْأَوَّلُ بِالرَّفْعِ، اَول کا لفظ جو ہے رفع کے ساتھ ہے، صِفَةٌ لِلنَّعْتِ یہ صفت ہے نعت کی، تو یعنی پہلی صفت مراد ہے، أَيِ لَا الثَّانِي نہ کہ دوسری وَمَا بَعْدَهُ اور نہ اس کے بعد والی۔ نہ تو دوسری صفت ہے اور نہ اس کے مابعد والی یعنی تیسری اور چوتھی بھی مراد نہیں صرف کون سی صفت مراد ہے؟ پہلی صفت۔ کہتے ہیں احْتِرَازٌ عَنْ مِثْلِ، یہ قید جو بڑھا دی اول والی اس کے ذریعے احتراز ہے اس جیسی مثالوں سے لَا رَجُلَ ظَرِيفَ كَرِيمٌ فِي الدَّارِ۔ یہ جو كَرِيمٌ آیا یہ پہلی صفت نہیں ہے اور انہوں نے تو قید کیا بڑھائی تھی کہ پہلی صفت ہونی چاہیے، تو یہ كَرِيمٌ جیسی صفات سے احتراز ہے۔

مُفْرَدًا حَالٌ مِنْ ضَمِيرِ مَبْنِيٍّ، یہ مُفْرَدًا یہ حال ہے مبنی کی ضمیر سے۔ کون سا مبنی؟ ایک تو شروع میں آیا تھا وَنَعْتُ الْمَبْنِيِّ، یہ والا مبنی نہیں مراد بلکہ آگے جو خبر مَبْنِيٌّ آرہی ہے اس سے یہ کیا ہے؟ حال ہے اس کے اندر جو ضمیر ہے۔ تو کہتے ہیں مُفْرَدًا حَالٌ مِنْ ضَمِيرِ مَبْنِيٍّ کہ مفرد جو ہے یہ حال ہے مبنی کی ضمیر سے، وَالْعَامِلُ فِيهِ مَبْنِيٌّ، اور اس مُفْرَدًا کے اندر عامل کیا ہے؟ وہی مبنی ہے کیونکہ حال اور ذوالحال کا عامل ایک ہی ہوتا ہے۔ تو کہتے ہیں وَالْعَامِلُ فِيهِ مَبْنِيٌّ اور اس کے اندر عامل کیا ہے؟ مبنی ہے، احْتِرَازٌ عَنْ مِثْلِ لَا رَجُلَ حَسَنَ الْوَجْهِ۔ کہتے ہیں یہ احتراز ہے اس جیسی مثالوں سے لَا رَجُلَ حَسَنَ الْوَجْهِ، اب یہ لَا رَجُلَ تو مبنی ہے لیکن اس کی صفت جو ہے وہ پہلی صفت تو ہے لیکن مفرد نہیں ہے بلکہ مضاف ہے، تو مُفْرَدًا کی قید کے ذریعے اس قسم کی حَسَنَ الْوَجْهِ جیسی صفات سے احتراز ہے۔ تو اس پر آپ حَسَنَ الْوَجْهِ بھی پڑھ سکتے ہیں اور حَسَنُ الْوَجْهِ بھی، لیکن اس کو مبنی نہیں آپ پڑھ سکتے بھئی۔

یہ آگے دیکھیے يَلِيهِ، اس حال میں کہ وہ صفت وہ صفت ملی ہوئی ہو، يَلِيهِ ہَا ضمیر وہ پیچھے جو مبنی آیا تھا اس کو راجع ہے وہ جو موصوف ہے، کہ وہ صفت اس موصوف مبنی کے ساتھ ملی ہوئی ہو۔ کہتے ہیں حَالٌ بَعْدَ حَالٍ، یہ ایک حال کے بعد دوسرا حال ہے، تو يَلِيهِ کو بھی کیا بنا دیں؟ حال، أَوْ صِفَةٌ لِمُفْرَدًا یا یہ مُفْرَدًا کی صفت ہے۔ یہ يَلِيهِ کو حال نہ بناؤ دوسری ترکیب ذکر کر رہے ہیں، مُفْرَدًا کو بناؤ موصوف اور يَلِيهِ ہے اس کی صفت، اور موصوف صفت مل کر حال بنا دو مَبْنِيٌّ سے، یعنی ایک ہی حال بنا دو، ایک ہی حال۔ تو معنی پھر بھی اسی طرح رہے گا کہ وہ صفت جو پہلی ہو مَبْنِيٌّ مبنی ہوگی اس حال میں کہ وہ صفت ایسا مفرد ہو يَلِيهِ جو اس مبنی کے ساتھ ملی ہوئی ہو۔ ترجمہ سمجھ میں آرہا ہے بھئی؟ موصوف سے پہلے کیا لاتے ہیں؟ ایسا یا ایسی۔ تو مُفْرَدًا موصوف ہے اور يَلِيهِ صفت ہے تو موصوف سے پہلے ایسا کا لفظ لے آئیں گے۔ دیکھو وہ صفت مَبْنِيٌّ کیا ہوگی؟ وہ پہلی صفت مبنی ہوگی مُفْرَدًا يَلِيهِ اس حال میں کہ وہ ایسی مفرد صفت ہو جو اس مبنی کے ساتھ ملی ہوئی ہو۔ تو کہتے ہیں یہ حَالٌ بَعْدَ حَالٍ یا تو یہ ایک حال کے بعد دوسرا حال ہے أَوْ صِفَةٌ لِمُفْرَدًا یا یہ صفت ہے مُفْرَدًا کی، احْتِرَازٌ عَنِ الْمَفْصُولِ، یہ جو يَلِيهِ کی قید لگائی یہ احتراز ہے اس صفت سے جو مفصول ہو یعنی درمیان میں کیا آرہا ہو؟ فصل، نَحْوُ لَا غُلَامَ فِيهَا ظَرِيفٌ۔ اب اس کے اندر دیکھو ظَرِيفٌ یہ لَا غُلَامَ کی صفت ہے لیکن درمیان میں فصل آرہا ہے، تو انہوں نے کیا کہا فصل نہیں ہونا چاہیے۔

تو کہتے ہیں وَهَذَا الْقَيْدُ يُغْنِي عَنِ الْأَوَّلِ، وَهَذَا الْقَيْدُ اور یہ والی جو قید ہے یہ جو يَلِيهِ والی ہے يُغْنِي یہ بے نیاز کر دیتی ہے عَنِ الْأَوَّلِ أَيْ عَنِ الْقَيْدِ الْأَوَّلِ یہ بے نیاز کر دیتی ہے پہلی قید سے، کس سے؟ تو یہاں القید موصوف نکال لو اور الْأَوَّلِ اس کی صفت بنا لو۔ لیکن ایک اور طرح بھی آپ عبارت پڑھ سکتے ہیں کہ آپ یہاں القید موصوف نہ نکالیں بلکہ الْأَوَّلُ سے الْأَوَّلُ کا لفظ مراد لے لیں۔ جی کیا مراد لے لیں؟ وہ اوپر جو الْأَوَّلُ کا لفظ آیا تھا، پہلی قید سے بھی وہی مراد، تو یہاں جو عَنِ الْأَوَّلِ آیا اس سے وہی لفظ مراد لے لو، اور اس پر کیا تھا؟ رفع۔ تو یہاں پر بھی رفع پڑھو اعرابِ حکائی پڑھ لو، اعرابِ حکائی۔ تو یوں پڑھ لو: وَهَذَا الْقَيْدُ اور یہ جو تیسری قید ہے يُغْنِي عَنِ الْأَوَّلُ یہ اس الْأَوَّلُ کے لفظ سے کیا کر دیتی ہے؟ بے نیاز کر دیتی ہے، وہ

جو الْأَوَّلُ کا لفظ آیا تھا پہلے اس سے یہ کیا کر دیتی ہے؟ تو دونوں طرح ترجمہ بہترین ہو جاتا ہے۔ بات سمجھ میں آئی؟ کہ یہ والی قیدیوں کہو پہلی قید سے بے نیاز کر دیتی ہے یوں بھی آپ کہہ سکتے ہیں، یا یہ والی قید الْأَوَّلُ کا لفظ جو آیا اس الْأَوَّلُ کے لفظ سے بے نیاز کر دیتی ہے۔ تو کہتے ہیں وَہٰذَا الْقَیْدُ یُغْنِي عَنِ الْأَوَّلِ، تو یہ والی قید جو ہے بے نیاز کر دیتی ہے عَنِ الْقَیْدِ الْأَوَّلِ پہلی قید سے یعنی الْأَوَّلُ کے لفظ سے، یا یوں پڑھیں وَہٰذَا الْقَیْدُ یُغْنِي عَنِ الْأَوَّلُ اور یہ والی قید بے نیاز کر دیتی ہے الْأَوَّلُ کے لفظ سے۔

مَبْنِيٌّ عَلَی الْفَتْحِ، تو یہ جو صفت ہے جس میں یہ تینوں شرطیں پوری ہوں گی مَبْنِيٌّ عَلَی الْفَتْحِ یہ کیا ہوگی؟ مبنی علی الفتح ہوگی۔ بھئی کیوں مبنی علی الفتح کیوں ہوگی؟ کہتے ہیں حَمْلًا عَلَی الْمَنْعُوتِ موصوف پر حمل کرتے ہوئے۔ موصوف لَا رَجُلَ وہ بھی مبنی علی الفتح ہے تو صفت بھی کیا ہوگی؟ صفت موصوف کے مطابق ہوتی ہے تو اس کے لفظوں پر حمل کرتے ہوئے صفت بھی مبنی علی الفتح۔ تو کہتے ہیں مَبْنِيٌّ عَلَی الْفَتْحِ یہ صفت جو ہے جس میں یہ تینوں شرطیں پوری ہوں گی مبنی علی الفتح ہوگی حَمْلًا عَلَی الْمَنْعُوتِ موصوف پر محمول کرتے ہوئے، لِمَکَانِ الِاتِّحَادِ بَیْنَہُمَا وَالِاتِّصَالِ، لِمَکَانِ یہ مکان مصدر ہے یاد رکھو بمعنی وجود کے، أَيْ لِوُجُودِ الِاتِّحَادِ بَیْنَہُمَا وَالِاتِّصَالِ، اس لیے کیونکہ صفت اور موصوف کے درمیان اتحاد بھی ہوتا ہے اور اتصال بھی ہوتا ہے۔ موصوف اور صفت میں اتحاد بھی ہوتا ہے اور اتصال۔ اتحاد ہوتا ہے یعنی دونوں کا مصداق ایک ہی چیز ہوتی ہے۔ مثلاً میں نے کہا جَاءَنِي رَجُلٌ عَالِمٌ، میرے پاس ایک عالم آدمی آیا، تو رَجُلٌ موصوف اور عَالِمٌ صفت۔ اب مجھے بتائیے رَجُل اور عَالِم کوئی الگ الگ ہیں یا جو رَجُل ہے وہی عَالِم ہے؟ جو رَجُل ہے وہی، میرے پاس عالم آدمی آیا معلوم ہوا رَجُل بھی وہی ذات ہے اور عَالِم بھی وہی ذات ہے۔ تو دیکھا دونوں کا مصداق ایک ہوتا ہے، اس اعتبار سے دونوں میں اتحاد ہے، یا یوں کہو دونوں ایک ہی چیز ہیں۔ یا یوں کہو معنی کے اعتبار سے دونوں میں اتحاد ہوتا ہے یعنی دونوں شے واحد ہی ہیں بھئی۔ وہی ذات رَجُل بھی ہے اور وہی ذات عَالِم بھی ہے، تو معنی کے اعتبار سے دونوں میں کیا ہے؟ اتحاد، یا یوں کہو مصداق کے اندر دونوں میں اتحاد ہے جس پر رَجُل صادق آ رہا ہے اسی پر عَالِم بھی صادق آ رہا ہے۔ اور نیز دونوں کے درمیان لفظوں کے اندر بھی اتصال ہے، معنی کے اندر بھی اتحاد اور لفظوں میں بھی اتصال۔ موصوف کے فوراً بعد کیا لائی جاتی ہے؟ صفت، دونوں کو اکٹھا رکھتے ہیں دونوں میں انفصال نہیں کرتے إِلَّا نَادِرًا، بہت کم ہی ہوتا ہے کہ موصوف صفت میں انفصال آ جائے ورنہ تو دونوں میں کیا ہوتا ہے؟ اتصال۔ تو لفظوں کے اعتبار سے اتصال ہوتا ہے موصوف صفت میں اور معنی کے اعتبار سے دونوں میں اتحاد ہوتا ہے۔

توجہ ہے؟ تو گویا توجہ سے سنو، وہ جو مثال تھی لَا رَجُلَ ظَرِیفَ، لَا رَجُلَ ظَرِیفَ، تو دیکھو یہ ظَرِیف اور رَجُل ان میں معنی کے اعتبار سے بھی اتحاد ہے اور لفظوں کے اندر بھی اتصال ہے، تو گویا یوں سمجھو یہ لَا براہِ راست ظَرِیف پر ہی داخل ہو رہا ہے اور درمیان میں جو رَجُل کا فصل بھی ہے یہ بھی لافصل کی طرح ہے کیونکہ دونوں میں اتحاد بھی ہے اور اتصال بھی ہے۔ تو گویا یہ لَا براہِ راست اس صفت پر ہی داخل ہو رہا ہے اور وہ صفت وہ لَا کے ساتھ ملی بھی ہوئی ہے، نکرہ بھی ہے

اور مضاف یا مشابہ مضاف بھی نہیں، تو اس صورت میں وہ جیسے لَا کا اسم مبنی ہوتا ہے یہ صفت بھی کیا ہو گئی؟ مبنی ہو گئی کیونکہ اس میں بھی وہ شرطیں پوری ہیں۔ بات سمجھ میں آئی یہ صفت کیوں مبنی ہے؟ کیونکہ یوں سمجھو لَا اس پر براہِ راست داخل ہو رہا ہے۔ بھئی براہِ راست کہاں سے داخل ہو رہا ہے درمیان میں رَجُل ہے؟ کہتے ہیں نہیں بھئی اگرچہ رَجُل ہے لیکن یہ بھی لافصل کی طرح ہے کیونکہ صفت اور موصوف یہ معنی کے اعتبار سے شے واحد ہوتے ہیں اور نیز لفظوں میں بھی اتصال ہے، تو لہٰذا یہ فصل بھی لافصل کی طرح ہوا، گویا لَا براہِ راست ظَرِيف پر داخل ہو رہا ہے، اور جب رَجُل پر براہِ راست داخل ہوا تھا تو وہ مبنی علی الفتح تھا تو ظَرِيف پر جب براہِ راست گویا داخل ہو رہا ہے تو وہ بھی کیا ہوگی؟ مبنی علی الفتح ہوگی۔

یہ معنی ہے کہ لِمَكَانِ الِاتِّحَادِ بَيْنَهُمَا وَالِاتِّصَالِ، بوجہ اتحاد کے پائے جانے کے ان دونوں کے درمیان اور اتصال کے پائے جانے کے، یعنی ان دونوں کے درمیان اتحاد اور اتصال پایا جاتا ہے موصوف اور صفت میں، وَتَوَجُّهِ النَّفْيِ إِلَيْهِ أَيْ إِلَى النَّعْتِ حَقِيقَةً، یہ تَوَجُّہ کا عطف کر دیں لِمَكَانِ پر، لِمَكَانِ الِاتِّحَادِ وَلِتَوَجُّهِ النَّفْيِ، اور نیز...

اس لیے کیونکہ نفی متوجہ ہو رہی ہے إِلَيْهِ صفت کی طرف، إِلَيْهِ أَيْ إِلَى النَّعْتِ حَقِيقَةً، صفت کی طرف حقیقتاً متوجہ ہو رہی ہے۔ بھئی دیکھیے، یاد رکھو، یہ جو صفت ہے نا یہ موصوف کے لیے قید ہوا کرتی ہے۔ یہ صفت کیا ہوتی ہے؟ موصوف کے لیے قید ہوا کرتی ہے۔ مثلاً آپ کہتے ہیں جَاءَنِي رَجُلٌ عَالِمٌ، رَجُلٌ موصوف اور عَالِمٌ صفت، اور یہ صفت رَجُلٌ کے لیے قید ہے۔ اس سے پتا چلا آپ کے پاس جو آدمی آیا ہے وہ رجلِ عالم ہے، یعنی غیرِ عالم نہیں ہے۔ یہ قید بن گئی یا نہیں؟ تو یہ صفت قید ہوا کرتی ہے موصوف کے لیے اور موصوف ہو گیا مقید۔ موصوف کیا ہوا؟ مقید۔ اور یاد رکھو مقید پر جب نفی داخل ہوتی ہے تو نفی قید کی طرف متوجہ ہوتی ہے، مقید کی طرف نہیں۔ پھر دہرائیے، صفت کیا ہوتی ہے؟ قید، اور موصوف کیا بن گیا؟ مقید۔ اور اس مقید پر جب نفی داخل ہوگی، یہ مقید جس کے ساتھ قید ہے، اس پر جب نفی داخل ہوگی تو نفی قید کی طرف متوجہ ہوگی، یعنی قید کی نفی ہوگی، مقید کی نفی نہیں ہوگی۔

دیکھو مثال سے اور بات سمجھ میں آئے گی۔ آپ کا ایک ساتھی کہتا ہے لَا آكُلُ خُبْزًا بَارِدًا، لَا آكُلُ خُبْزًا بَارِدًا۔ خُبْزًا موصوف اور بَارِدًا اس کی صفت۔ خُبْز کہتے ہیں روٹی کو۔ لَا آكُلُ خُبْزًا بَارِدًا، میں ٹھنڈی روٹی نہیں کھاؤں گا۔ اب اس کا کیا معنی؟ کیا اس نے مطلقاً روٹی کھانے سے انکار کیا ہے یا ٹھنڈی روٹی کھانے سے انکار کیا ہے؟ ٹھنڈی روٹی کھانے سے انکار کیا ہے۔ تو دیکھو لَا آكُلُ خُبْزًا بَارِدًا، یہ خُبْزًا مقید ہے اور اس پر لَا داخل ہوا لَا آكُلُ، تو یہ مقید یعنی روٹی کی نفی نہیں ہوئی کہ روٹی نہیں کھاؤں گا بلکہ بَارِدًا ٹھنڈی کی نفی ہوئی ہے کہ ٹھنڈی نہیں کھاؤں گا۔ بات سمجھ میں آ گئی؟ یا دوسری مثال لے لو۔ آپ کہتے ہیں لَا رَجُلَ ظَرِيفَ فِي الدَّارِ، لَا رَجُلَ ظَرِيفَ فِي الدَّارِ، کوئی خوش مزاج آدمی اس گھر میں نہیں ہے۔ تو لَا رَجُلَ ظَرِيفَ فِي الدَّارِ، رَجُل ہے موصوف اور ظَرِيفَ ہے اس کی صفت، اور صفت کیا ہوتی ہے؟ قید۔ تو رَجُل ہوا مقید اور ظَرِيف ہوئی

قید، اور اس پر لَا آگیا، لَا رَجُلَ ظَرِيفَ فِي الدَّارِ، اس گھر میں کوئی خوش مزاج آدمی نہیں ہے۔ آپ نے رَجُل کی نفی کی گھر کے اندر ہونے سے یا خوش طبع کی نفی کی؟ خوش طبع کی نفی کی ہے، ہو سکتا ہے غیرِ خوش طبع وہاں موجود ہو بھئی۔ تو معلوم ہوا کہ جب مقید پر نفی داخل ہو تو وہ کس کی طرف متوجہ ہوتی ہے؟ وہ نفی قید کی طرف متوجہ ہوتی ہے، صفت کی طرف متوجہ ہوتی ہے، موصوف کی طرف متوجہ نہیں ہوتی۔ تو یہاں بھی یہی کہہ رہے ہیں، کہتے ہیں وَتَوَجُّهِ النَّفْيِ إِلَيْهِ، اور نیز اس لیے کیونکہ یہ جو نفی داخل ہوئی ہے، یہ متوجہ ہے إِلَيْهِ أَيْ إِلَى النَّعْتِ اس صفت کی طرف حَقِيقَةً۔

بات سمجھ میں آگئی؟ بات یہ چل رہی ہے کہ لَا رَجُلَ ظَرِيفَ، یہ ظَرِيفَ پر بنی، اس کو بنی کیوں پڑھا؟ تو دو وجہیں ذکر کر دیں صاحبِ جامی نے۔ ایک تو وجہ یہ کہ یہ جو لَا ہے، یہ لَا یہ ظَرِيف پر بھی داخل ہو رہا ہے، اور یہ درمیان میں جو رَجُل کا فصل آرہا ہے یہ بھی لا فصل کی طرح ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ کیونکہ دونوں میں معنی کے اعتبار سے بھی اتحاد اور لفظوں کے اعتبار سے بھی اتحاد۔ تو گویا یہ رَجُل کا فصل بھی لا فصل کی طرح ہے۔ اور نیز دوسری وجہ یہ ہے کہ یہ جو نفی ہے، یہ رَجُل کی طرف متوجہ ہی نہیں ہے، بلکہ یہ تو وہ ظَرِيف کی طرف متوجہ ہو رہی ہے۔ تو گویا یوں سمجھو ظَرِيف پر براہِ راست لَا داخل ہو رہا ہے۔ تو جب ظَرِيف پر براہِ راست لَا داخل ہوا تو اس کے اندر دیکھو، ظَرِيف لَا کے ساتھ ملا بھی ہوا ہے، اور ظَرِيف نکرہ بھی ہے، اور تیسری شرط تھی مضاف یا مشابہ مضاف نہ ہو، اگر ہوتا تو پھر تو منصوب ہوتا ہے لیکن لائے نفی جنس کے اسم میں آپ نے کیا پڑھا؟ کہ وہ بنی ہوتا ہے کب؟ جب ساتھ بھی ملا ہو، نکرہ بھی ہو اور مضاف یا مشابہ مضاف نہ ہو۔ تو ظَرِيف بھی اسی طرح ہو گیا۔ لَا گویا اس پر براہِ راست داخل ہوا، یہ لَا کے ساتھ بھی ملا ہوا ہے اور نکرہ بھی ہے اور مضاف اور مشابہ مضاف نہیں ہے، تو لہٰذا اس کو بنی پڑھنا بھی جائز ہے۔

تو یہ معنی ہے لِمَكَانِ الِاتِّحَادِ بَيْنَهُمَا وَالِاتِّصَالِ، بوجہ اس کے کہ ان دونوں کے درمیان یعنی موصوف صفت کے درمیان اتحاد ہے معنی کے اعتبار سے اور اتصال بھی ہے لفظوں کے اعتبار سے، اور نیز وَتَوَجُّهِ النَّفْيِ إِلَيْهِ، اور اس لیے کیونکہ یہ نفی متوجہ ہو رہی ہے إِلَيْهِ أَيْ إِلَى النَّعْتِ اس صفت کی طرف ہی حَقِيقَةً، حقیقتاً اس کی طرف متوجہ ہو رہی ہے، مجازاً ہم نہیں کہہ رہے، حقیقتاً نفی اسی کی طرف متوجہ ہے کیونکہ مقید پر جب نفی داخل ہو تو قید کی نفی ہوتی ہے۔

وَالْمَبْنِيُّ فِي قَوْلِهِ وَنَعْتُ الْمَبْنِيِّ إِشَارَةٌ۔ بھئی دیکھیے یہاں ایک ڈیڑھ سطر بعد ایک مثال آرہی ہے لَا مَاءَ مَاءَ بَارِدًا۔ مثال مل گئی؟ ایک ڈیڑھ دو سطروں کے بعد ہے لَا مَاءَ مَاءَ بَارِدًا۔ یاد رکھو یہ لائے نفی جنس ہے جس کی بحث چل رہی ہے، اور یہ مَاءِ اول جو ہے یہ اس کا اسم ہے، اور یہ اس کے اندر تینوں شرطیں پوری ہیں: یہ نکرہ بھی ہے، یہ لَا کے ساتھ ملا بھی ہوا ہے، درمیان میں فصل نہیں ہے، اور نیز یہ مضاف یا مشابہ مضاف بھی نہیں ہے۔ اور اس قسم کا لَا کا جو اسم ہوتا ہے وہ بنی علی الفتح ہوتا ہے۔ تو اس لیے لَا مَاءَ، یہ کیا ہے؟ بنی علی الفتح۔ اور آگے جو دوسرا مَاء آرہا ہے، یاد رکھو یہ اس کی تاکید ہے۔ آپ جانتے ہیں آپ نے پڑھا ہے کہ ایک ہی لفظ کو دوبارہ لایا جائے تو وہ اول کے لیے تاکید بنتا ہے۔ تو یہ مَاءِ ثانی کیا ہے؟

مَاءِ اول کے لیے تاکید ہے۔ اور یہ جو مَاءِ ثانی ہے، اس کے اندر بھی اسی طرح اس پر نصب پڑھنا بھی جائز، مَاءَ، لَا مَاءَ مَاءَ بَارِدًا، تو یہ مَاءِ ثانی کو بھی مبنی علی الفتح پڑھنا جائز۔ نیز اس پر رفع بھی پڑھ سکتے ہیں لَا مَاءَ مَاءٌ بَارِدًا، اور نیز اس پر نصب بھی پڑھ سکتے ہیں لَا مَاءَ مَاءً بَارِدًا۔ تو یہ جو مَاءِ ثانی جو ہے جو تاکید ہے اول کے لیے، اس میں اس مَاءِ اول کی طرح اس کو مبنی پڑھنا بھی جائز اور معرب پڑھنا بھی جائز۔ اور معرب پڑھیں گے تو رفع بھی پڑھ سکتے ہیں محلِ بعید پر حمل کرتے ہوئے، اور اس پر نصب بھی پڑھ سکتے ہیں اس کے مَاء کے لفظوں پر حمل کرتے ہوئے یا اس کے محلِ قریب پر حمل کرتے ہوئے، کیونکہ لَا کا اسم منصوب ہوتا ہے۔ لیکن اس وقت یہاں ہماری بحث چل رہی ہے جب مَاءِ ثانی پر بھی فتحہ پڑھا جائے یعنی اس کو بھی مبنی پڑھا جائے اور یوں پڑھا جائے لَا مَاءَ مَاءَ بَارِدًا۔

مثال، بات سمجھ میں آگئی؟ معنی ہے لَا مَاءَ مَاءَ بَارِدًا، کوئی پانی ٹھنڈا نہیں ہے۔ بَارِد کا معنی ٹھنڈا۔ اب دیکھو یہاں پر یہ جو بَارِدًا صفت آ رہی ہے، یہ مَاءِ ثانی کی صفت ہے۔ یہ بَارِدًا صفت ہے مَاءِ ثانی کی اور اس صفت کے اندر اس پر صرف رفع اور نصب جائز ہے، اس کو مبنی علی الفتح پڑھنا جائز نہیں۔ بَارِدًا بھی پڑھ سکتے ہیں، بَارِدٌ بھی پڑھ سکتے ہیں، لیکن اس کو بَارِدَ مبنی علی الفتح پڑھنا جائز نہیں۔ تو اس پر اشکال ہوتا ہے۔ اشکال یہ کہ متن میں کیا کہا تھا اوپر جہاں متن شروع ہوا تھا: وَنَعْتُ الْمَبْنِيِّ، اور مبنی کی صفت جو ہے، اور یہ لَا مَاءَ مَاءَ بَارِدًا، یہ مَاءِ ثانی کو بھی آپ نے کیا پڑھا؟ مبنی، اور بَارِدًا اس کی صفت ہے، تو دیکھو یہ مبنی کی صفت ہے۔ اور پھر اس صفت کے اندر تین شرطیں ذکر کی تھیں کہ وہ صفت کیا ہونی چاہیے؟ پہلی صفت ہو، یہ بَارِدًا بھی مَاءِ ثانی کی پہلی صفت ہے۔ دوسری شرط یہ تھی کہ وہ صفت مفرد ہو یعنی مضاف یا مشابہ مضاف نہ ہو، یہ بَارِدًا بھی مفرد ہے، یہ بھی مضاف یا مشابہ مضاف نہیں ہے۔ اور تیسری شرط یہ ذکر کی تھی کہ وہ صفت مبنی کے ساتھ یعنی موصوف کے ساتھ ملی ہوئی ہو درمیان میں فصل نہ ہو، اور یہ بَارِدًا بھی اپنے موصوف مَاءِ ثانی کے ساتھ ملا ہوا ہے درمیان میں فصل نہیں۔ تو لہٰذا اس پر جو مصنف نے کہا، مصنف نے کیا کہا تھا؟ ادھر دیکھیے: نَعْتُ الْمَبْنِيِّ الْأَوَّلُ مُفْرَدًا يَلِيهِ، لائے نفی جنس کا وہ اسم جو مبنی ہو اس کی جو پہلی صفت ہے اس حال میں کہ مفرد بھی ہو اور ساتھ ملی بھی ہوئی ہو، یہ ساری باتیں اس بَارِدًا پر صادق آ رہی ہیں۔ لہٰذا اس میں بھی فتحہ جائز ہونا چاہیے لیکن علمائے نحو کیا فرماتے ہیں؟ اس میں فتحہ جائز نہیں۔

اشکال سمجھ میں آیا؟ کہ آپ نے جتنی شرطیں ذکر کی تھیں کہ مبنی کی صفت ہو وہ شرط بھی پوری ہے یہاں، اور پہلی صفت ہو وہ شرط بھی پوری ہے، اور مفرد ہو یہ شرط بھی پوری ہے، اور ساتھ ملی ہوئی ہو یہ شرط بھی پوری۔ لہٰذا اس بَارِدًا کو مبنی علی الفتح پڑھنا جائز ہونا چاہیے، لیکن اس کو تو مبنی علی الفتح پڑھنا جائز نہیں، اس پر یا صرف آپ رفع پڑھ سکتے ہیں تنوین کے ساتھ یا نصب پڑھ سکتے ہیں بھی تنوین کے ساتھ۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ تو مبنی علی الفتح یعنی بغیر تنوین کے اس کو پڑھنا صحیح نہیں۔

تو صاحبِ جامی اس کا اب جواب دینے لگے ہیں کہ متن میں جو آیا تھا نا نَعْتُ الْمَبْنِيِّ، مبنی کی صفت، کہتے ہیں اس مبنی سے

مراد وہ مبنی ہے جو اصالتاً مبنی ہو، اصل کے اعتبار سے مبنی ہو، جو تبعاً مبنی ہو وہ مراد نہیں۔ اور یہاں پر بھی لَا مَاءَ مَاءَ بَارِدًا، میں نے آپ کو بتایا یہ مَاءِ اول یہ ہے لَا کا اصل میں اسم، تو یہ اصل کے اعتبار سے مبنی ہے، اور مَاءِ ثانی جو مبنی ہے وہ اول کے تابع ہونے کی وجہ سے مبنی ہے کیونکہ وہ اول کے لیے تاکید ہے۔ تو مؤکد جو پہلی یعنی جو پہلا مَاء ہے وہ ہے اصالتاً مبنی، اور جو مَاءِ ثانی ہے وہ ہے تبعاً مبنی۔ تو متن میں کیا آیا تھا جہاں متن ہم جہاں سے ہم نے آج سبق شروع کیا: وَنَعْتُ الْمَبْنِيِّ، مبنی کی صفت، اس مبنی سے وہ والا مبنی مراد ہے جو اصالتاً مبنی ہو، جو تبعاً مبنی ہو وہ مراد نہیں۔ تو لہٰذا یہ جو مَاءَ بَارِدًا، یہ مَاءِ ثانی اس سے نکل گیا۔ لہٰذا اس کی جو صفت ہے وہ اس کے اندر جو اوپر متن میں تعریف کی شرطیں ہوں گی تو مبنی بھی پڑھ سکتے ہو اور معرب بھی، وہ تعریف اب اس پر صادق نہیں آ رہی کیونکہ مبنی سے کون سا مبنی مراد ہے؟ جو اصالتاً یعنی اپنی اصل ہونے کے اعتبار سے مبنی ہو۔ اصالتاً یعنی اصل ہونا، تو اصل ہونے کے اعتبار سے جو مبنی ہے، اور مَاءِ اول جو ہے وہ اصل ہونے کے اعتبار سے مبنی ہے، مَاءِ ثانی اصل ہونے کے اعتبار سے مبنی نہیں وہ تو تابع ہے، تاکید ہے بھئی۔ تاکید تو اپنے متبوع مؤکد کے مطابق اس پر اعراب وغیرہ آتا ہے۔

تو یہی بیان کر رہے ہیں، کہتے ہیں وَالْمَبْنِيُّ فِي قَوْلِهِ، اور مبنی کا لفظ جو آیا ماتن کے اس قول میں وَنَعْتُ الْمَبْنِيِّ، عبارت مل گئی؟ کہتے ہیں وَالْمَبْنِيُّ فِي قَوْلِهِ وَنَعْتُ الْمَبْنِيِّ، کہ ماتن کا جو قول آیا تھا نا اوپر وَنَعْتُ الْمَبْنِيِّ، اس کے اندر جو مبنی کا لفظ ہے إِشَارَةٌ یہ اشارہ ہے إِلَى مَا يُبْنَى عَلَى الْفَتْحِ بِالْأَصَالَةِ، یہ اشارہ ہے اس اسم کی طرف جو مبنی علی الفتح ہوتا ہے بالاصالت اصل ہونے کے اعتبار سے، لَا بِالتَّبَعِيَّةِ تابع ہونے کے اعتبار سے جو مبنی ہو وہ مراد نہیں ہے۔ فَإِنَّهُ الْمَذْكُورُ سَابِقًا، اس لیے کیونکہ وہی مذکور ہے سابقاً ماقبل کے اندر۔ بھئی لائے نفی جنس کا اسم کبھی مبنی ہوتا ہے، تو اس اسم کی بات ہوئی ہے پیچھے کہ لائے نفی جنس کا کیا اسم کیا ہوتا ہے کبھی مبنی، اور اس کی تاکید بھی مبنی پڑھ سکتے ہیں لیکن پیچھے تو کہیں تاکید کی بات نہیں کی۔ پیچھے تو تاکید کی بات نہیں کی وہ تو پیچھے جس مبنی کی بات ہوئی ہے وہ والا مبنی ہے جو اصالتاً مبنی ہوتا ہے۔ وہ جو تاکید مبنی ہوتی ہے اس کا تو پیچھے کہیں ذکر ہی نہیں۔ تو الْمَبْنِيِّ پر الف لام عہدِ خارجی کا ہے، وہ والا مبنی جو پیچھے گزرا تھا اور پیچھے کون سا مبنی گزرا ہے؟ جو اصالتاً مبنی ہے، جو تبعاً مبنی ہے یعنی تاکید ہے اس کا تو ذکر ہی نہیں ہوا۔ یہ معنی ہے۔

تو کہتے ہیں فَإِنَّهُ الْمَذْكُورُ سَابِقًا اس لیے کیونکہ وہی جو اصالتاً مبنی ہوتا ہے وہی ماقبل کے اندر مذکور ہوا ہے۔ فَلَا يَرِدُ اب وہ اشکال ذکر کریں گے۔ اشکال کیا ہوا تھا؟ کہ آپ نے ہمیں کیا کہا کہ مبنی کی پہلی صفت ہو، مفرد ہو اور ساتھ ملی ہوئی ہو تو اس پر فتحہ پڑھنا جائز ہے۔ اب وہی اشکال سارا ذکر کریں گے کہ دیکھو یہ تعریف تو لَا مَاءَ مَاءَ بَارِدًا اس بَارِدًا پر بھی صادق آ رہی ہے۔ کہتے ہیں فَلَا يَرِدُ تو یہ اعتراض وارد نہیں ہوتا أَنَّهُ إِذَا كُرِّرَ الْمَبْنِيُّ کہ جب مبنی کو مکرر لایا جائے، لَا مَاءَ مَاءَ بَارِدًا اس میں مَاءِ ثانی کو مکرر لایا گیا ہے، تو پھر مکرر لایا جائے وَبُنِيَ عَلَى الْفَتْحِ اور پھر اس کو مبنی کیا جائے فتح پر، اس میں بھی مَاءِ ثانی کو فتح پر مبنی کیا گیا ہے، ثُمَّ جِيءَ بِنَعْتٍ پھر اس کی صفت لائی جائے، تو لَا يَجُوزُ بِنَاؤُهُ تو اس صفت کی تو بنا جائز نہیں،

اس کو تو مبنی علی الفتح پڑھنا جائز نہیں جیسے لَا مَاءَ مَاءَ بَارِدًا، مَعَ أَنَّهُ يَصْدُقُ عَلَيْهِ باوجود اس کے کہ اس پر صادق آ رہی ہے مصنف کی یہ بات أَنَّهُ نَعْتُ الْمَبْنِيِّ الْأَوَّلُ مُفْرَدًا يَلِيهِ، یہ بھی مبنی کی صفت ہے، پہلی صفت ہے، مفرد ہے اور ساتھ، باوجود اس کے یہ سارا کچھ اس پر صادق آ رہا ہے پھر بھی اس کی بنا جائز نہیں۔ کیوں؟ کہتے ہیں فَإِنَّ بَارِدًا فِي هَذَا الْمِثَالِ نَعْتٌ لِلتَّابِعِ لَا لِلْمَتْبُوعِ كَمَا هُوَ ظَاهِرٌ، اس لیے کیونکہ بَارِدًا کا جو لفظ آیا اس مثال کے اندر وہ تابع کی صفت ہے یعنی مَاءِ ثانی کی، لَا لِلْمَتْبُوعِ یعنی متبوع یعنی مَاءِ اول کی صفت نہیں ہے كَمَا هُوَ ظَاهِرٌ جیسے کہ یہی ظاہر ہے۔

اشکال سمجھ میں آیا؟ ترجمہ ذرا ایک دفعہ پھر دیکھ لیجیے۔ کہتے ہیں فَلَا يَرِدُ أَنَّهُ إِذَا كُرِّرَ الْمَبْنِيُّ وَبُنِيَ عَلَى الْفَتْحِ، لہٰذا یہ اعتراض وارد نہیں ہوتا کہ جب ایک مبنی کا تکرار کیا جائے وَبُنِيَ عَلَى الْفَتْحِ اور اس کو مبنی بنایا جائے فتح پر، یہ اعتراض وارد نہیں ہوتا أَنَّهُ إِذَا كُرِّرَ...

كُرِّرَ الْمَبْنِيُّ کہ مکرر لایا جائے اس مبنی کو یعنی جو پہلے اسم مبنی تھا اس کو مکرر لایا جائے وَبُنِيَ عَلَى الْفَتْحِ اور پھر اس کو مبنی علی الفتح کیا جائے، ثُمَّ جِيءَ بِنَعْتٍ پھر اس کی صفت لائی جائے تو لَا يَجُوزُ بِنَاؤُهُ اس کی بنا تو جائز نہیں، آپ نے تو ہمیں کیا کہا تھا بنا جائز ہے، اس میں ساری شرطیں حالانکہ پوری ہیں لیکن اس کی بنا تو جائز نہیں، مِثْلُ لَا مَاءَ مَاءَ بَارِدًا، مَعَ أَنَّهُ يَصْدُقُ عَلَيْهِ باوجود اس کے کہ اس صفت پر یہ بات صادق آ رہی ہے، کیا بات صادق آ رہی ہے؟ أَنَّهُ نَعْتُ الْمَبْنِيِّ الْأَوَّلُ مُفْرَدًا يَلِيهِ، کہ یہ بھی مبنی کی پہلی صفت ہے اس حال میں کہ مفرد ہے اور اس حال میں کہ اس کے ساتھ ملی ہوئی ہے، یہ ساری چیزیں اس پر صادق آ رہی ہیں لیکن اس کی تو بنا جائز نہیں۔ کہتے ہیں فَإِنَّ بَارِدًا فِي هَذَا الْمِثَالِ نَعْتٌ لِلتَّابِعِ لَا لِلْمَتْبُوعِ كَمَا هُوَ ظَاهِرٌ، اس لیے کیونکہ بَارِدًا کا لفظ جو اس مثال کے اندر آیا، نَعْتٌ لِلتَّابِعِ یہ تابع کی صفت ہے یعنی مَاءِ ثانی کی صفت ہے، لَا لِلْمَتْبُوعِ یہ متبوع یعنی مَاءِ اول کی صفت نہیں ہے، تو یہ تابع کی صفت ہے اور تابع وہ تو اصالتاً مبنی نہیں ہے بلکہ وہ تو تبعاً مبنی ہے، كَمَا هُوَ ظَاهِرٌ جیسے کہ یہی ظاہر ہے کہ یہ تابع کی صفت ہے متبوع کی نہیں۔

وَلَوْ جُعِلَ نَعْتًا لِلْمَتْبُوعِ، اور اگر اس کو متبوع یعنی مَاءِ اول کی صفت قرار دیا جائے فَلَيْسَ مِمَّا يَلِيهِ تو پھر یہ ان صفات میں سے نہیں ہے جو ساتھ ملی ہوئی ہوں۔ بھئی اگر یہ بَارِدًا کو مَاءِ اول کے لیے صفت بنا دیں تو پھر باقی شرطیں تو پوری ہیں: یہ بَارِدًا مبنی کی صفت ہے، پہلی صفت ہے، مفرد بھی ہے، لیکن ساتھ نہیں ملی ہوئی کیونکہ درمیان میں مَاءِ ثانی آ رہا ہے۔ تو لہٰذا اس وجہ سے بھی اگر مَاءِ اول کے لیے صفت بنائیں پھر تو اعتراض ہی نہیں ہوتا۔ اور بظاہر یہ ہے کہ مَاءِ ثانی کے لیے صفت ہے، لیکن اس صورت میں بھی ہم نے جواب دے دیا کہ مبنی سے وہ والا مبنی مراد ہے جو اصالتاً مبنی ہو، جو تبعاً مبنی ہو وہ مراد نہیں۔ تو کہتے ہیں وَلَوْ جُعِلَ نَعْتًا لِلْمَتْبُوعِ فَلَيْسَ مِمَّا يَلِيهِ اور اگر اس کو متبوع کے لیے یعنی مَاءِ اول کے لیے صفت بنا دیا جائے فَلَيْسَ مِمَّا يَلِيهِ تو یہ ان صفات میں سے نہیں جو اس کے ساتھ ملی ہوئی ہوں یعنی یہاں شرطیں پوری نہیں، لِتَوَسُّطِ التَّابِعِ بَيْنَهُمَا اس لیے کیونکہ تابع جو ہے یعنی مَاءِ ثانی جو ہے وہ ان دونوں کے بیچ میں آ گیا۔

وَمُعْرَبٌ، یہ عطف ہے پیچھے جو مَبْنِيٌّ آیا۔ وَنَعْتُ، دیکھو متن کو متن سے جوڑیں، انہوں نے کہا تھا وَنَعْتُ الْمَبْنِيِّ الْأَوَّلُ مُفْرَدًا

يَلِيهِ مَبْنِيٌّ وَمُعْرَبٌ کہ لائے نفی جنس کا وہ اسم جو مبنی ہو اس کی جو پہلی صفت ہے مفرد ہونے اور ساتھ ملے ہوئے ہونے کی حالت میں، مَبْنِيٌّ کیا ہوگی؟ مبنی ہوگی، وَمُعْرَبٌ اور معرب ہوگی، اور پھر معرب ہونے کی صورت میں اس پر رفع بھی پڑھ سکتے ہیں اور نصب بھی۔ تو کہتے ہیں وَمُعْرَبٌ اور معرب بھی ہوگی لِأَنَّ الْأَصْلَ فِي التَّوَابِعِ کیونکہ توابع کے اندر اصل یہ ہے تَبَعِيَّتُهَا لِمَتْبُوعَاتِهَا فِي الْإِعْرَابِ دُونَ الْبِنَاءِ، کیونکہ توابع کے اندر اصل یہ ہے کہ وہ تابع ہوتے ہیں اپنے متبوع کے اعراب کے اندر دُونَ الْبِنَاءِ نہ کہ بنا میں۔ مثلاً آپ کہتے ہیں جَاءَ هَذَا، یہ هَذَا کیا ہے؟ فاعل، اور یہ هَذَا اسمِ اشارہ ہے مبنی ہے۔ اور اس کی آپ صفت لاتے ہیں الرَّجُلُ، تو اس پر رفع پڑھیں گے۔ اس پر کیا پڑھیں گے؟ رفع، کیونکہ هَذَا محل کے اعتبار سے یعنی محلِ اعراب اس کا جو ہے رفع ہے، اور مبنی کا جو تابع ہوتا ہے وہ اس کے محلِ اعراب کے تابع ہوتا ہے، اس کے، اس کی بنا کے تابع نہیں۔ تو هَذَا کی صفت الرَّجُل لائے اب یہ معنی نہیں کہ الرَّجُل بھی مبنی ہو گیا، نہیں نہیں۔ مبنی کی جو صفت لائی جاتی ہے وہ اس کے اعراب میں اس کے تابع ہوتی ہے، اس کے بنا میں اس کے اندر اس کی تابع نہیں ہوتی۔ یا دوسری مثال لے لیں: جَاءَ هَؤُلَاءِ، جَاءَ هَؤُلَاءِ، هَؤُلَاءِ اسمِ اشارہ ہے قریب کے لیے، هَؤُلَاءِ یہ سب، جَاءَ هَؤُلَاءِ یہ سب آئے، جَاءَنِي هَؤُلَاءِ یہ سب میرے پاس آئے۔ اب هَؤُلَاءِ دیکھو اسمِ اشارہ ہے اور یہ مبنی علی الکسر ہے، اس کے آخر میں کسرہ آرہا ہے، جَاءَ هَؤُلَاءِ۔ اب اس کی صفت میں لاتا ہوں الْكِرَامُ، جَاءَ هَؤُلَاءِ الْكِرَامُ۔ تو دیکھو هَؤُلَاءِ یہ محل کے اعتبار سے، اعراب کے اعتبار سے فاعل ہے، مرفوع ہے محلاً، تو اس کی صفت جو لائیں گے الْكِرَامُ اس پر بھی رفع پڑھیں گے۔ ورنہ اگر بنا کے اندر اس کے تابع ہوتی تو یوں کہنا چاہیے تھا جَاءَ هَؤُلَاءِ الْكِرَامِ، لیکن الْكِرَامِ نہیں پڑھتے بلکہ کیا پڑھتے ہیں؟ الْكِرَامُ۔ تو مبنی کی جو صفت آتی ہے وہ اس کے اعراب کے اندر اس کے تابع ہوتی ہے جو محلِ اعراب ہوتا ہے اس کا، بنا کے اندر اس کے تابع نہیں ہوتی۔

پھر دیکھیے ترجمہ وَمُعْرَبٌ اور یہ صفت معرب بھی ہوگی لِأَنَّ الْأَصْلَ فِي التَّوَابِعِ کیونکہ توابع کے اندر اصل یہ ہے کہ تَبَعِيَّتُهَا لِمَتْبُوعَاتِهَا کہ یہ تابع ہوتے ہیں اپنے متبوعات کے فِي الْإِعْرَابِ دُونَ الْبِنَاءِ اعراب کے اندر اپنے متبوع کے تابع ہوتے ہیں، بنا کے اندر ان کے تابع نہیں ہوتے۔ رَفْعًا، اور یہ صفت معرب ہوگی رَفْعًا أَيْ مَرْفُوعًا۔ آپ چاہیں تو رَفْعًا کو کیا بنا دیں؟ حال بنا دیں۔ مُعْرَبٌ کے اندر هُوَ ضمیر کس کو راجع؟ مَبْنِيٌّ وَمُعْرَبٌ، یہ کس کی بات ہو رہی ہے؟ صفت کی۔ تو مُعْرَبٌ کے اندر هُوَ ضمیر نائب الفاعل ہے، وہ صفت کو راجع، اور اسی سے رَفْعًا حال بنا دیں، وہ صفت معرب ہوگی رَفْعًا أَيْ مَرْفُوعًا اس حال میں کیا ہوگی؟ مرفوع، وَّنَصْبًا وَمَنْصُوبًا مرفوع بھی ہو سکتی ہے اور منصوب بھی۔ اور آپ چاہیں تو اس کو مفعولِ مطلق بنا لیں یہ رَفْعًا اور نَصْبًا کو۔ پہلے میں نے کیا کہا رَفْعًا اور نَصْبًا کو حال بنائیں، حال منصوب ہوتا ہے اس لیے یہ منصوب ہیں۔ لیکن یہ ایک مصدر ہے اور مصدر کا حمل تو ذات پر نہیں ہو سکتا تو رَفْعًا بمعنی مَرْفُوعًا اسمِ مفعول کے لے لیں اور نَصْبًا بمعنی مَنْصُوبًا کے لے لیں۔ اور آپ چاہیں تو اس کو مفعولِ مطلق بنا لیں یہ مُعْرَبٌ کے لیے، أَيْ مُعْرَبٌ إِعْرَابَ رَفْعٍ وَإِعْرَابَ نَصْبٍ۔ مفعولِ مطلق کیا ہوتا ہے؟ وہ مصدر جو ماقبل فعل کے معنی میں ہو۔ تو إِعْرَاب مصدر آیا اور ماقبل میں مُعْرَب صفت کا صیغہ آگیا، تو یہ مصدر ہوا ماقبل صفت کے صیغے کے مطابق تو یہ مفعولِ مطلق ہے، اور مفعولِ مطلق کیا ہوتا ہے؟ منصوب

ہوتا ہے، اسی لیے إِعْرَابَ رَفْعٍ میں نے نصب پڑھا اور اضافت ہو رہی ہے رَفْع کی طرف، إِعْرَابَ رَفْعٍ وَإِعْرَابَ نَصْبٍ، وہ معرب ہوگا اعرابِ رفع اور اعرابِ نصب کے ساتھ۔ پھر وہ جو مفعولِ مطلق إِعْرَاب تھا اس کو حذف کر دیا اور مضاف الیہ کو اس کا قائم مقام کر دیا، اور وہ منصوب تھا تو یہ مضاف الیہ بھی اب اس کے قائم مقام ہو کر کیا بن گیا؟ منصوب۔

تو کہتے ہیں رَفْعًا حَمْلًا عَلَى مَحَلِّهِ الْبَعِيدِ وہ صفت مرفوع ہوگی اس موصوف کے محلِ بعید پر حمل کرتے ہوئے، بات سمجھ میں آ رہی ہے؟ وَنَصْبًا اور وہ صفت اس حال میں منصوب ہوگی حَمْلًا عَلَى اللَّفْظِ اس مبنی کے لفظوں پر حمل کرتے ہوئے أَوْ عَلَى مَحَلِّهِ الْقَرِيبِ یا اس کے محلِ قریب پر حمل کرتے ہوئے۔ نَحْوُ مثال کے طور پر لَا رَجُلَ ظَرِيفَ، دیکھو یہ ظَرِيفَ بِالْفَتْحِ کس کے ساتھ آیا؟ فتح کے ساتھ مبنی ہے، وَظَرِيفٌ بِالرَّفْعِ اور ظَرِيفٌ رفع کے ساتھ آیا یہ حمل ہے محلِ بعید پر، وَظَرِيفًا بِالنَّصْبِ اور یہ نصب کے ساتھ، تینوں طرح آپ پڑھ سکتے ہیں: لَا رَجُلَ ظَرِيفَ، لَا رَجُلَ ظَرِيفٌ اور لَا رَجُلَ ظَرِيفًا۔

وَإِلَّا، میں نے بتایا تھا إِلَّا سے پہلے وَاو آ جائے تو یہ حرفِ استثنا نہیں ہوتا بلکہ یہ إِنْ اور لَا سے مرکب ہوتا ہے، أَيْ وَإِنْ لَمْ يَكُنْ كَذَلِكَ اگر ایسا نہ ہو۔ تو کہتے ہیں وَإِلَّا أَيْ وَإِنْ لَمْ يَكُنِ النَّعْتُ كَذَلِكَ اور اگر صفت ایسی نہ ہو فَالْإِعْرَابُ أَيْ فَحُكْمُهُ الْإِعْرَابُ، فَحُكْمُهُ الْإِعْرَابُ۔ توجہ سے سنو ترکیب بیان کر رہے ہیں صاحبِ جامی۔ متن میں آیا وَإِلَّا فَالْإِعْرَابُ، صاحبِ جامی نے بتلایا کہ فَحُكْمُهُ الْإِعْرَابُ، بتلایا کہ إِعْرَاب کو خبر بناؤ اور اس کے لیے مبتدا محذوف نکال لو فَحُكْمُهُ الْإِعْرَابُ۔ تو اس صفت کا حکم کیا ہے جو ایسی نہ ہو؟ ان کے علاوہ کوئی بھی صفت ہو فَحُكْمُهُ تو اس کا حکم جو ہے الْإِعْرَابُ، اعراب ہی ہے، حصر آ گیا۔ مبتدا کیا نکالا؟ فَحُكْمُهُ مبتدا، مضاف مضاف الیہ مل کر مبتدا، اور الْإِعْرَابُ خبر بھی معرفہ، اور مبتدا خبر جب دونوں معرفہ ہوں تو وہ حصر کا فائدہ دیتے ہیں۔ فَحُكْمُهُ الْإِعْرَابُ، تو اس قسم کی صفت جس میں یہ شرطیں نہ ہوں تو اس کا حکم اعراب ہی ہے یعنی وہاں اس کو مبنی نہیں پڑھ سکتے۔ بات سمجھ میں آ گئی؟ تو کہتے ہیں فَالْإِعْرَابُ أَيْ فَحُكْمُهُ الْإِعْرَابُ تو اس کا حکم اعراب ہی ہے لَا غَيْرُ اس کے علاوہ نہیں۔ یہ لَا غَيْرُ کیوں لائے صاحبِ جامی؟ بتلانا یہ چاہتے ہیں کہ یہ حصر کا فائدہ دے رہی ہے یہ ترکیب فَحُكْمُهُ الْإِعْرَابُ، مبتدا اور خبر جب دونوں معرفہ ہوں کس چیز کا فائدہ دیتے ہیں؟ حصر کا۔ اور حصر کسے کہتے ہیں؟ ایک چیز کے لیے اثبات ہے تو دوسری چیز سے اس کی نفی ہے۔ مخاطب کا خیال تھا کہ اس صورت میں بھی معرب اور مبنی دونوں ہو سکتا ہے، تو بتلایا نہیں اگر یہ شرطیں پوری نہیں فَحُكْمُهُ الْإِعْرَابُ تو اس صفت کا حکم اعراب ہی ہے یعنی اس کو مبنی نہیں بنا سکتے۔ تو کہتے ہیں فَحُكْمُهُ الْإِعْرَابُ لَا غَيْرُ تو اس صفت کا حکم جو ہے وہ اعراب ہی ہے لَا غَيْرُ اس کے علاوہ نہیں۔ رَفْعًا اور پھر اس پر اعراب پھر رفع بھی آ سکتا ہے اور نصب بھی۔ رفع کیوں آئے گا؟ کہتے ہیں رَفْعًا مرفوع بھی ہو سکتا ہے حَمْلًا عَلَى الْمَحَلِّ الْبَعِيدِ اس کے محلِ بعید پر حمل کرتے ہوئے کیونکہ وہ مبتدا ہے، وَنَصْبًا اور نصب بھی ہو سکتا ہے حَمْلًا عَلَى اللَّفْظِ اس مبنی کے لفظوں پر حمل کرتے ہوئے أَوِ الْمَحَلِّ الْقَرِيبِ یا اس کے محلِ قریب، کیونکہ لَا کا اسم منصوب المحل ہوتا ہے۔ وَقَدْ مَرَّتْ أَمْثِلَتُهُ فِي بَيَانِ فَوَائِدِ الْقُيُودِ اور تحقیق ان کی مثالیں گزر چکی ہیں فِي بَيَانِ فَوَائِدِ الْقُيُودِ فوائدِ قیود، جہاں

ہم نے قیود کے فائدے ذکر کیے تھے کہ الْمَبْنِيِّ کی قید کیوں لائے، الْأَوَّلِ کی قید کیوں لائے، مُفْرَدًا کی قید کیوں لائے اور يَلِيهِ کی قید کیوں لائے، وہاں ہم نے سب کی مثالیں بھی ذکر کر دی تھیں۔ بات سمجھ میں آگئی؟ حل ہو گیا۔

اچھا، حاصلِ کلام پھر سن لیں۔ لائے نفی جنس کا اسم کبھی مبنی ہوتا ہے اور کبھی معرب۔ جب معرب ہو، معرب ہو تو پھر اس کی صفت کے اندر تو صاحبِ کافیہ کے نزدیک نصب ہی پڑھیں گے کیونکہ موصوف منصوب ہے تو صفت پر بھی نصب، جبکہ بعض نحوی فرماتے ہیں اس کے اندر بھی رفع اور نصب دونوں جائز ہیں، نصب پڑھیں گے لفظوں پر حمل کرتے ہوئے اور رفع پڑھیں گے محل پر حمل کرتے ہوئے۔ لیکن اس کی بات یہاں صاحبِ کافیہ نے نہیں کی۔ صاحبِ کافیہ بات کر رہے ہیں لائے نفی جنس کا وہ اسم جو مبنی ہو، اس کی جو صفت ہے اگر اس میں تین شرطیں پائی جائیں کہ وہ پہلی صفت ہو، مفرد ہو اور ساتھ ملی ہوئی ہو، تو اس کو آپ مبنی بھی پڑھ سکتے ہیں اور معرب بھی۔ مبنی بھی پڑھ سکتے ہیں لَا رَجُلَ ظَرِيفَ، اور رفع بھی پڑھ سکتے ہیں ظَرِيفٌ کیونکہ رَجُل کیا ہے محلِ بعید کے اعتبار سے مبتدا ہے مرفوع ہے، اور لَا رَجُلَ ظَرِيفًا نصب بھی پڑھ سکتے ہیں رَجُل کے لفظوں پر حمل کرتے ہوئے یا اس کے محلِ قریب پر حمل کرتے ہوئے۔ اور جس میں یہ شرطیں پوری نہ ہوں تو اس کو مبنی تو نہیں پڑھ سکتے، البتہ اس پر رفع اور نصب دونوں پڑھ سکتے ہیں۔ بات سمجھ میں آگئی؟ حل ہو گیا؟ چلیے بس بھئی، هَذَا هُوَ الْمَرَامُ وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْكَلَامِ.

سبق نمبر ۱۷۹: اسمِ لائے نفیِ جنس (۹): اسمِ «لَا» پر نکرہ کے عطف (بلا تکرار و مع تکرار) کا حکم

شرحِ ملا جامی صفحہ: ۱۵۸ — بتاریخ: ۶ اگست ۲۰۲۲ء

▪ تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث

آگے سبق دیکھیے بھئی۔ «وَالْعَطْفُ عَلَى اسْمِ لَا الْمَبْنِيِّ إِذَا كَانَ الْمَعْطُوفُ نَكِرَةً بِلَا تَكْرِيرٍ لَا فِي الْمَعْطُوفِ، فَإِنَّهُ إِذَا كَانَ الْمَعْطُوفُ مَعْرِفَةً وَجَبَ رَفْعُهُ نَحْوَ: لَا غُلَامَ لَكَ وَالْفَرَسُ، وَإِذَا كَانَ لَا مُكَرَّرًا فِي الْمَعْطُوفِ فَحُكْمُهُ مَا عُلِمَ فِي قَوْلِهِ: لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ، فِيمَا سَبَقَ بِأَنْ يُحْمَلَ عَلَى اللَّفْظِ أَيْ لَفْظِ اسْمِ لَا الْمَبْنِيِّ وَيُجْعَلَ مَنْصُوبًا، وَبِأَنْ يُحْمَلَ عَلَى الْمَحَلِّ وَيُجْعَلَ مَرْفُوعًا جَائِزٌ، وَلَا يَجُوزُ فِيهِ الْبِنَاءُ لِمَكَانِ الْفَصْلِ بِالْعَاطِفِ»۔

بھئی گزشتہ سبق میں لائے نفی جنس کا وہ اسم جو مبنی ہوتا ہے، اس کے توابع کے بارے میں صاحب کافیہ نے تفصیل شروع کی تھی۔ صاحب کافیہ نے آپ کو بتلایا کہ لائے نفی جنس کا وہ اسم جو مبنی ہوتا ہے، اس کی پہلی صفت مبنی ہوگی اس حال میں کہ وہ مفرد ہو یعنی مضاف یا مشابہ مضاف نہ ہو، اور نیز وہ اس موصوف کے ساتھ یعنی مبنی کے ساتھ وہ صفت ملی ہوئی ہو، مبنی ہوگی۔ اور نیز کبھی کبھار وہ صفت معرب ہوگی اور معرب ہونے کی صورت میں اس پر رفع بھی پڑھ سکتے ہیں اور نصب بھی پڑھ سکتے ہیں۔ رفع پڑھیں گے اس کے محل بعید پر حمل کرتے ہوئے کیونکہ لائے نفی جنس کا اسم اصل میں مبتدا تھا۔ اور نصب پڑھیں گے اس لائے نفی جنس کے لفظوں پر حمل کرتے ہوئے کیونکہ اس وقت اگرچہ اس پر فتحہ ہے، لیکن یہ فتحہ بھی نصب کی طرح ہے کیونکہ یہ عامل کی وجہ سے آیا ہے، تو اس کے لفظوں پر حمل کرتے ہوئے صفت پر نصب بھی جائز ہے، یا اس کے محل قریب پر حمل کرتے ہوئے صفت میں نصب جائز ہے۔ کیونکہ محل قریب کیا ہے؟ لا کا اسم لا کی وجہ سے منصوب ہوتا ہے، لا نصب دیتا ہے۔

تو معلوم ہوا، حاصل کلام یہ ہوا کہ لائے نفی جنس کا وہ اسم جو مبنی ہوتا ہے، اس کی صفت کو مبنی پڑھنا بھی جائز اور اس کو معرب پڑھنا بھی جائز۔ مبنی تب ہوگی جب اس میں تین شرطیں پوری ہوں۔ پہلی شرط یہ کہ وہ پہلی صفت ہونی چاہیے،

دوسری یا تیسری صفت نہیں ہونی چاہیے۔ دوسری شرط یہ ہے کہ وہ صفت مفرد ہونی چاہیے یعنی مضاف یا مشابہ مضاف نہیں ہونی چاہیے۔ اور تیسری شرط یہ ہے کہ وہ صفت اپنے موصوف یعنی اس لائے نفی جنس کا وہ اسم جو مبنی ہے اس کے ساتھ ملی ہوئی ہو، درمیان میں فصل نہ ہو بھئی۔

تو اس صورت میں اس پہلی صفت کو مبنی پڑھنا بھی جائز ہے۔ لہٰذا «لَا رَجُلَ ظَرِيفَ فِي الدَّارِ»، تو «لَا رَجُلَ ظَرِيفَ»، دیکھو ظریف کو مبنی علی الفتح بھی پڑھنا جائز ہے۔ اور اس کو معرب بھی پڑھ سکتے ہیں، تو اس صورت میں «لَا رَجُلَ ظَرِيفٌ» بھی پڑھ سکتے ہیں اور «لَا رَجُلَ ظَرِيفًا» بھی پڑھ سکتے ہیں۔

تو اس کو مبنی کیوں پڑھا جائے گا؟ تو صاحب جامی نے اس کی وجہ بیان کی تھی۔ وجہ یہ کہ یہ موصوف کے لفظوں پر حمل کرتے ہوئے، موصوف کے لفظوں پر حمل کرتے ہوئے، اس لیے کیونکہ یہ صفت ہے مبنی کی۔ اور موصوف صفت کے درمیان معنی کے اعتبار سے بھی اتحاد ہوتا ہے اور لفظوں کے اعتبار سے بھی اتصال ہوتا ہے۔ معنی کے اعتبار سے اتحاد کا یہ معنی ہے کہ دونوں شے واحد کے، دونوں ایک ہی شے سے عبارت ہیں۔ جیسے مثلاً میں کہتا ہوں «جَاءَنِي رَجُلٌ عَالِمٌ»، تو «رَجُلٌ» موصوف ہے اور «عَالِمٌ» اس کی صفت، اور یہ دونوں شے واحد ہی ہیں۔ جو رجل ہے وہی عالم بھی ہے۔ ایسا نہیں ہے کہ رجل کی ذات اور ہے اور عالم کی ذات اور، تو دونوں کا مصداق ایک ہی ہے، دونوں ایک ہی ذات پر صادق آتے ہیں۔ تو گویا دونوں شے واحد ہوئے، دونوں میں اتحاد آگیا موصوف اور صفت میں۔ اور نیز لفظوں میں بھی اتصال ہوتا ہے کہ موصوف کے ساتھ متصلاً جو ہے صفت لائی جاتی ہے اور نہایت ہی نادر ہے کہ موصوف صفت کے درمیان فصل کر دیا جائے۔

تو موصوف صفت میں معنی کے اعتبار سے بھی اتحاد ہے اور لفظوں کے اعتبار سے بھی اتصال ہے، اور نیز اس لیے کیونکہ یہ جو نفی داخل ہوئی ہے موصوف پر یہ حقیقت میں اس صفت ہی کی طرف متوجہ ہے، کیونکہ میں نے آپ کو ضابطہ بتلایا تھا کہ مقید پر جب نفی داخل ہو تو وہ قید کی طرف متوجہ ہوتی ہے۔ مثلاً آپ کہتے ہیں «لَا آكُلُ خُبْزًا بَارِدًا»، «خُبْزًا» موصوف ہے اور «بَارِدًا» اس کی صفت۔ «لَا آكُلُ خُبْزًا بَارِدًا»، میں ٹھنڈی روٹی نہیں کھاؤں گا۔ تو اب دیکھو اس کے اندر مطلقاً روٹی کھانے کی نفی نہیں ہو رہی، یعنی وہ جو مقید ہے خبز اس کی نفی نہیں ہو رہی، بلکہ اس کی جو صفت ہے اس کی نفی ہو رہی ہے کہ ٹھنڈی روٹی نہیں کھاؤں گا۔ معلوم ہوا ٹھنڈی نہ ہو تو کھا لوں گا۔ معنی سمجھ میں آیا؟ یا اسی طرح آپ کہتے ہیں «لَا رَجُلَ ظَرِيفَ فِي الدَّارِ»، کوئی خوش مزاج آدمی اس گھر میں نہیں ہے۔ اب رجل موصوف ہے اور ظریف اس کی صفت ہے اور یہاں لا داخل ہوا، تو یہ لا یعنی جو نفی ہے یہ متوجہ ہوئی ظریف کی طرف، تو آپ کے کہنے کا یہ مطلب ہے کہ اس گھر میں کوئی خوش مزاج نہیں ہے، آپ کے کہنے کا یہ معنی نہیں ہے کہ اس گھر میں کوئی آدمی ہی نہیں ہے۔ تو آپ نے خوش مزاج آدمی کے ہونے کی نفی کی ہے، مطلقاً آدمی کے ہونے کی نفی نہیں کی۔ تو دیکھو معلوم ہوا یہ جو نفی داخل ہوئی ہے موصوف پر یہ حقیقت میں اس صفت ہی کی طرف متوجہ ہے۔ تو موصوف صفت میں معنی اور لفظوں کے اعتبار سے اتحاد و اتصال

بھی ہے اور نفی بھی صفت کی طرف متوجہ ہے، تو لہٰذا اس صفت کو بھی مبنی علی الفتح پڑھ سکتے ہیں۔ جیسے موصوف پر نفی داخل ہوئی ہے اور وہ ساتھ بھی ملا ہوا ہے، نکرہ بھی ہے اور مضاف یا مشابہ مضاف نہیں ہے تو وہ مبنی علی الفتح ہے، تو یہی چیز ساری چیزیں اب صفت میں بھی ہیں۔ موصوف پر نفی داخل ہے تو یوں سمجھو صفت پر ہی داخل ہے، اور نیز صفت نکرہ بھی ہے ظریف، اور نیز صفت کیا ہے، مضاف یا مشابہ مضاف بھی نہیں، تو تینوں شرطیں پوری ہوئیں۔ لہٰذا اس کو بھی مبنی علی الفتح پڑھ سکتے ہیں اور یوں کہہ سکتے ہیں «لَا رَجُلَ ظَرِيفَ فِي الدَّارِ»۔

پھر یہاں پر ایک اشکال ہوتا تھا «لَا مَاءَ مَاءَ بَارِدًا»۔ دیکھو اس کے اندر یہ مائے اول جو ہے یہ لائے نفی جنس کا اسم ہے، یہ نکرہ بھی ہے ساتھ بھی ملا ہوا ہے لیکن مضاف یا مشابہ مضاف نہیں اس لیے یہ مبنی علی الفتح ہے۔ اور آگے مائے جو ہے یہ اس کی تاکید لائی گئی، اور تاکید پر وہی اعراب آتا ہے جو مؤکد پر آتا ہے۔ تو لہٰذا «لَا مَاءَ مَاءَ بَارِدًا» اس کے اندر یہ جو مائے ثانی ہے یہ اول کی تاکید ہے۔ اس کو اول کی طرح مبنی علی الفتح بھی پڑھ سکتے ہیں «لَا مَاءَ مَاءَ بَارِدًا»، اور آپ چاہیں اس پر رفع پڑھ دیں «لَا مَاءَ مَاءٌ بَارِدًا»، اور آپ چاہیں تو اس پر نصب پڑھ دیں «لَا مَاءَ مَاءً بَارِدًا»۔ توجہ ہے؟ جیسے صفت کے اندر تین صورتیں تھیں، پہلی صفت کے اندر تین صورتیں تھیں، جب وہ ساتھ بھی ملی ہوئی ہو، مفرد بھی ہو اور پہلی صفت ہو، تو پھر اس کو مبنی بھی پڑھ سکتے ہیں اور رفع اور نصب بھی۔ اسی طرح یہ جو نکرہ تاکید آگئی «لَا مَاءَ مَاءَ بَارِدًا»، اس مائے ثانی کے اندر بھی مَاءَ بھی پڑھنا صحیح، مَاءٌ پڑھنا بھی صحیح اور مَاءً پڑھنا بھی صحیح، اور یہ تاکید ہے۔ تو اصل میں لائے نفی جنس کا اثر جو ہے وہ مائے اول کے اندر ہے، مائے اول ہے متبوع اور مائے ثانی کیا ہے تابع، تابع بھئی۔ اور آگے جو بَارِدًا آئی یہ صفت آئی ہے مائے ثانی کی یعنی تابع کی صفت ہے، اور اس صفت کے اندر صرف رفع اور نصب جائز ہے۔ آپ بَارِدًا بھی پڑھ سکتے ہیں بَارِدٌ بھی پڑھ سکتے ہیں، لیکن اس کو مبنی علی الفتح نہیں بنا سکتے۔ توجہ ہے؟ یہ بَارِدًا صفت ہے مائے ثانی کی یعنی تابع کی، اور اس کے اوپر آپ رفع بھی پڑھ سکتے ہیں نصب بھی پڑھ سکتے ہیں لیکن اس کو مبنی علی الفتح نہیں بنا سکتے۔

تو یہاں اشکال ہوتا ہے کہ دیکھو اس بَارِدًا کے اندر تینوں شرطیں جو آپ نے ذکر کی تھیں متن کے اندر، وہ ساری شرطیں یہاں پوری ہیں۔ صاحب کافیہ نے شروع میں کیا فرمایا؟ «نَعْتُ الْمَبْنِيِّ»، وہ صفت کس کی ہونی چاہیے؟ مبنی کی، اور یہ مائے ثانی کو آپ نے مبنی پڑھا ہے تو یہ بَارِدًا مبنی کی صفت ہوئی۔ اور نیز کہا تھا وہ پہلی صفت ہو، تو یہ بَارِدًا بھی ماء کی پہلی صفت ہے۔ اور نیز کہا تھا وہ مفرد ہو یعنی مضاف یا مشابہ مضاف نہ ہو، یہ بَارِد بھی اسی طرح ہے۔ اور نیز کہا تھا کہ ساتھ ملی ہوئی ہو وہ صفت موصوف کے، اور یہاں بھی بَارِدًا مَاءَ کے ساتھ یہ صفت ملی ہوئی ہے۔ تو دیکھو یہ ساری چیزیں یہ سارا کچھ تو اس پر صادق آرہا ہے، ساری شرطیں اس کے اندر پوری ہیں، تو اس کے اندر بھی فتحہ جائز ہونا چاہیے تھا لیکن علمائے نحو کیا فرماتے ہیں؟ اس بَارِدًا کے اندر رفع اور نصب تو جائز ہے لیکن فتحہ جائز نہیں ہے۔ تو اس کا بھی جواب دیا صاحب جامی نے کہ یہ جو انہوں نے کہا شروع میں «وَنَعْتُ الْمَبْنِيِّ» مبنی کی صفت، اس سے وہ والا مبنی مراد ہے جو اصالۃً مبنی ہو یعنی جو

اصل کے اعتبار سے مبنی ہے، تابع ہونے کے اعتبار سے جو مبنی ہے وہ مراد نہیں۔ تو پہلا ماء جو ہے وہ ہے لائے نفی جنس کا اسم، وہ اصالۃً مبنی ہے، وہ اصل کے اعتبار سے مبنی ہے، لائے اس میں اپنا اثر دکھایا ہے۔ اور جو مائے ثانی ہے وہ تو تبعاً یعنی وہ اول کا تابع ہے۔ تو متن جہاں شروع ہوا تھا «وَنَعْتُ الْمَبْنِيِّ» وہ مبنی کی صفت، اس مبنی سے کون سا مبنی مراد ہے؟ وہ مبنی جو اصالۃً مبنی ہو، تبعاً مبنی مراد نہیں ہے۔ اور یہاں پر یہ مائے ثانی یہ تو اصالۃً مبنی نہیں ہے یہ تو تبعاً مبنی ہے، لہٰذا اس کی صفت تعریف سے نکل گئی بھئی، یہ صفت مراد نہیں ہے۔ اور نیز اگر اس بَارِدًا کو مائے اول کی صفت بنا دیں، کس کی؟ مائے اول کی صفت بنا دیں تو بھی اس پر فتحہ نہیں پڑھ سکتے، اس لیے کیونکہ پھر تو درمیان میں فصل آگیا۔ کیا آگیا؟ مائے ثانی کا درمیان میں فصل آگیا۔ دیکھو اگر اس کو مائے اول کی صفت بنائیں تو پھر بھی یہ مبنی کی صفت ہے، پہلی بات بھی پوری۔ دوسری، یہ پہلی صفت ہے۔ تیسری بات کہ یہ مفرد ہے مضاف یا مشابہ مضاف نہیں، یہ بات بھی پوری ہو، یہ شرط بھی پوری ہے۔ اور لیکن چوتھی شرط یہ تھی کہ یلیہ اس کے ساتھ ملی ہوئی ہو، یہ شرط پوری نہیں۔ تو لہٰذا تو اگر اول کے لیے بھی صفت بنا دیں تو بھی اس پر فتحہ نہیں پڑھ سکتے۔

تو وہ لائے نفی جنس جو مبنی ہوتا ہے، اس کی پہلی صفت ہو، مفرد ہو اور ساتھ ملی ہوئی ہو تو اس کو مبنی بھی پڑھ سکتے ہیں اور اس کو معرب بھی پڑھ سکتے ہیں۔ اور معرب پڑھیں گے تو رفع بھی پڑھ سکتے ہیں اس کے محل بعید پر حمل کرتے ہوئے، اور نصب بھی پڑھ سکتے ہیں اس کے لفظوں پر حمل کرتے ہوئے یا اس کے محل قریب پر حمل کرتے ہوئے۔ جیسے «لَا رَجُلَ ظَرِيفَ» اور «لَا رَجُلَ ظَرِيفٌ» اور «لَا رَجُلَ ظَرِيفًا» تینوں طرح پڑھ سکتے ہیں۔ اور اگر ایسا نہ ہو یعنی صفت ایسی نہ ہو، یعنی اس میں یہ تینوں شرطیں پوری نہ ہوں، پہلی صفت نہ ہو یا مفرد نہ ہو یا ساتھ ملی ہوئی نہ ہو، تو اس صورت میں پھر اس پر اعراب ہی پڑھیں گے، اس کو مبنی علی الفتح نہیں پڑھ سکتے۔ اور اعراب کی پھر وہی دو صورتیں ہیں، رفع بھی پڑھ سکتے ہیں محل بعید پر حمل کرتے ہوئے اور نصب بھی پڑھ سکتے ہیں لفظوں پر حمل کرتے ہوئے یا محل قریب پر حمل کرتے ہوئے۔

اور میں نے آپ کو پھر یہ بھی بتلایا تھا کہ یہ جو صفت کی بات چل رہی ہے یہ اس لائے نفی جنس کے اسم کی صفت ہے جو مبنی ہوتا ہے۔ اور لائے نفی جنس کا اسم کبھی منصوب بھی ہوتا ہے، منصوب، جیسے «لَا غُلَامَ رَجُلٍ»۔ «لَا غُلَامَ رَجُلٍ»، یہ غُلَام مضاف رَجُلٍ مضاف الیہ۔ یہ لا کا اسم منصوب ہے۔ آپ نے پڑھا تھا لائے نفی جنس کے اسم میں تین شرطیں پائی جائیں تو وہ منصوب ہوتا ہے، کہ وہ لا کے ساتھ ملا ہوا ہو، نکرہ ہو اور مضاف یا مشابہ مضاف ہو تو وہ منصوب ہوتا ہے۔ «لَا غُلَامَ رَجُلٍ»، یہ غُلَام بھی کیا ہے؟ لا کے ساتھ ملا ہوا ہے، نکرہ بھی ہے کیونکہ نکرہ کی اضافت نکرہ کی طرف ہو تو بھی وہ نکرہ ہی رہتا ہے، اور نیز مضاف بھی ہے تو یہ منصوب ہے۔ اس کی اگر آپ صفت لائیں گے تو یاد رکھو صاحب کافیہ کا مذہب یہ ہے کہ یہ اسم جب خود منصوب ہے تو صفت پر بھی صرف نصب ہی جائز ہے کیونکہ معرب کی صفت اس کے اعراب کے تابع ہوتی ہے، اعراب کے مطابق ہوتی ہے۔ فاعل کیا ہوتا ہے؟ مرفوع، تو صفت بھی کیا ہوتی ہے؟ مرفوع۔ مفعول منصوب ہوتا ہے تو صفت بھی کیا ہوتی ہے؟ منصوب۔ تو جو معرب ہوتا ہے اس کی صفت اس کے اعراب کے اندر اس

کے تابع ہوتی ہے، لہٰذا «لَا غُلَامَ رَجُلٍ ظَرِيفًا فِي الدَّارِ»، یہاں ظَرِيفًا ہی پڑھ سکتے ہیں ظَرِيفٌ نہیں پڑھ سکتے۔ جبکہ اور نحوی علماء فرماتے ہیں کہ نہیں، اس کے اندر بھی ظَرِيفٌ اور ظَرِيفًا دونوں پڑھ سکتے ہیں۔ «لَا غُلَامَ رَجُلٍ ظَرِيفٌ ظَرِيفًا» اور «فِي الدَّارِ» آگے خبر آجائے گی۔ لیکن صاحب کافیہ کا مذہب یہی ہے کہ یہ چونکہ یہ اسم منصوب ہے تو صفت بھی منصوب ہی آئے گی، اور اسی کو ترجیح دی ہے صاحب جامی نے بھی۔ بات سمجھ میں آگئی؟

اب آئیے آج کے سبق پر۔ دیکھیے بھئی، کہتے ہیں «وَالْعَطْفُ عَلَى اسْمِ لَا الْمَبْنِيِّ إِذَا كَانَ الْمَعْطُوفُ نَكِرَةً بِلَا تَكْرِيرِ لَا فِي الْمَعْطُوفِ»۔ بھئی پہلے متن متن دیکھیے۔ کہتے ہیں

«وَالْعَطْفُ عَلَى اللَّفْظِ وَعَلَى الْمَحَلِّ جَائِزٌ، مِثْلُ:لَا أَبَا وَابْنًا وَابْنٌ»۔ مل گیا متن بھئی؟

«وَالْعَطْفُ عَلَى اللَّفْظِ وَعَلَى الْمَحَلِّ جَائِزٌ»۔ بھئی لائے نفی جنس کا وہ اسم جو مبنی ہوتا ہے، اس کے توابع کی بات چل رہی ہے۔ تو لائے نفی جنس کا وہ اسم جو مبنی ہوتا ہے، اس کے توابع کا حکم باقی توابع سے ذرا الگ تھا، اس لیے صاحب کافیہ اس کو یہاں بیان کر رہے ہیں۔ صفت کا بیان گزر گیا۔ لائے نفی جنس کا اسم مبنی علی الفتح ہو، اس کی صفت کو کیسے پڑھنا ہے تفصیل گزر گئی۔ اب لائے نفی جنس کا اسم جب مبنی ہو اور اس پر جب عطف کیا جائے تو اس کو کس طرح پڑھیں گے؟

جیسے آپ کہتے ہیں «لَا غُلَامَ وَفَرَسَ»، فرس کا میں عطف کرنا چاہتا ہوں غلام پر۔ تو «لَا غُلَامَ» یہ تو مبنی علی الفتح ہے، اور فرس کا اس پر عطف کرنا چاہتا ہوں۔ تو یاد رکھو آپ کو صاحب کافیہ بتلائیں گے کہ یہاں فرس کے لفظوں پر حمل کرتے ہوئے نصب پڑھنا بھی جائز «لَا غُلَامَ وَفَرَسًا لَكَ»، اور آپ چاہیں تو محل پر حمل کرتے ہوئے «وَفَرَسٌ» بھی پڑھ سکتے ہیں «لَا غُلَامَ وَفَرَسٌ»۔ توجہ ہے؟ تو جب لائے نفی جنس کا اسم مبنی ہو اور اس پر آپ عطف کرنا چاہتے ہوں، تو لفظوں پر حمل کرتے ہوئے نصب پڑھنا بھی جائز اور محل پر حمل کرتے ہوئے رفع بھی جائز ہے۔ «لَا غُلَامَ» یہ تو غلام تو ہے مبنی علی الفتح، اور آگے «وَفَرَسًا» «وَفَرَسٌ» دونوں طرح پڑھ سکتے ہیں۔

جیسے آگے متن میں مثال بھی آئے گی «لَا أَبَا وَابْنًا وَابْنٌ»۔ دیکھو، دیکھو «لَا أَبَا» یہ اب کیا ہے؟ لائے نفی جنس کا اسم ہے۔ اس پر آپ عطف کرنا چاہتے ہیں ابن کا، تو «اِبْنٌ» رفع کے ساتھ بھی پڑھ سکتے ہیں اور «اِبْنًا» نصب کے ساتھ بھی پڑھ سکتے ہیں۔ «اِبْنٌ» رفع پڑھیں گے کیوں؟ لائے نفی جنس کا جو اسم ہے اس کے محل بعید پر حمل کرتے ہوئے کیونکہ وہ مبتدا ہے اصل کے اعتبار سے۔ اور نصب پڑھیں گے کس پر حمل کرتے ہوئے؟ اس لائے نفی جنس کے اسم کے لفظوں پر حمل کرتے ہوئے یا یوں کہیں اس کے محل قریب پر حمل کرتے ہوئے نصب بھی پڑھ سکتے ہیں۔ تو «لَا أَبَا وَابْنٌ» بھی پڑھ سکتے ہیں اور «لَا أَبَا وَابْنًا» بھی پڑھ سکتے ہیں۔ توجہ ہے؟ ابن کا ہمزہ وصلی ہے تو درمیان عبارت میں گر جائے گا، تو ملا کریوں

پڑھیں گے «لَا أَبَا وَابْنًا»، «لَا أَبَا وَابْنًا»، یہ میں نے نصب پڑھا، اور آپ چاہیں تو رفع پڑھ لیں «لَا أَبَا وَابْنٌ»۔ طریقہ سمجھ میں آگیا؟

اب دیکھیے ذرا متن متن۔ کہتے ہیں «وَالْعَطْفُ عَلَى اللَّفْظِ وَعَلَى الْمَحَلِّ جَائِزٌ»، اور لائے نفی جنس کا وہ اسم جو مبنی ہوتا ہے اس پر عطف کرنا «عَلَى اللَّفْظِ» لفظوں پر حمل کرتے ہوئے «وَعَلَى الْمَحَلِّ» اور محل پر حمل کرتے ہوئے «جَائِزٌ» جائز ہے۔ لفظوں پر حمل کرتے ہوئے نصب بھی جائز اور محل پر حمل کرتے ہوئے رفع بھی جائز ہے بھئی۔ تو کہتے ہیں «وَالْعَطْفُ عَلَى اللَّفْظِ وَعَلَى الْمَحَلِّ جَائِزٌ»، اور لائے نفی جنس کا وہ اسم جو مبنی ہوتا ہے اس کے لفظوں پر حمل کرتے ہوئے اور اس کے محل پر حمل کرتے ہوئے عطف جائز ہے، عطف جائز ہے، «مِثْلُ:لَا أَبَا وَابْنًا وَابْنٌ»۔ «لَا أَبَا وَابْنًا» بھی پڑھ سکتے ہیں اور «لَا أَبَا وَابْنٌ» بھی آپ پڑھ سکتے ہیں بھئی۔

اب اس سارے کو شرح کے ساتھ دیکھیے۔ کہتے ہیں «وَالْعَطْفُ عَلَى اسْمِ لَا الْمَبْنِيِّ إِذَا كَانَ الْمَعْطُوفُ»، ہاں صاحب جامی آپ کو بتائیں گے۔ صاحب کافیہ نے کیا بتلایا کہ لائے نفی جنس کا اسم جب مبنی ہو اور آپ اس پر عطف کرنا چاہتے ہیں، تو لفظوں پر حمل کرتے ہوئے اس معطوف پر نصب پڑھنا بھی جائز اور محل پر حمل کرتے ہوئے اس معطوف پر رفع پڑھنا بھی جائز ہے۔ صاحب جامی آپ کو بتلائیں گے کہ اس میں دو شرطوں کا آپ نے خیال رکھنا ہے، دو شرطیں ہیں۔ ایک شرط یہ ہے کہ معطوف نکرہ ہونا چاہیے، معطوف نکرہ ہونا چاہیے معرفہ نہیں، کیونکہ اگر معطوف معرفہ ہوا تو پھر اس میں نصب اور رفع دونوں نہیں جائز، اس میں پھر صرف رفع پڑھیں گے۔ مثلاً آپ کہتے ہیں «لَا غُلَامَ لَكَ وَالْفَرَسُ»۔ تو دیکھو «الْفَرَسُ» کا عطف کس پر ہے؟ غلام پر ہے لیکن «الْفَرَسُ» معرفہ ہے، اور ہم نے تو کیا کہا کہ نکرہ ہونا چاہیے۔ تو اس کے اندر نکرہ والی شرط پوری نہیں ہے، لہٰذا «وَالْفَرَسُ» یہاں صرف رفع ہی پڑھیں گے «لَا غُلَامَ لَكَ وَالْفَرَسُ»۔ فرس معرفہ ہے نا؟ توجہ ہے؟ معرفہ ہے، تو لہٰذا اس پر رفع ہی پڑھیں گے بھئی۔ لفظوں پر حمل نہیں کر سکتے کیونکہ لائے نفی جنس ہے بھئی، یہ معرفہ کے اندر عمل کرتا ہی نہیں ہے۔ بھئی لائے نفی جنس ہے وہ عمل ہی کس میں کرتا ہے؟ نکرہ میں کرتا ہے معرفہ میں نہیں۔ جب معرفہ آجائے لا کا اسم تو وہاں آپ نے پڑھا ہے اس پر رفع بھی پڑھیں گے اور تکرار لا بھی ہوگا «لَا زَيْدٌ فِي الدَّارِ وَلَا عَمْرٌو»۔ تو جیسے وہاں پر معرفہ کے اندر اس کا عمل ظاہر نہیں ہوتا تھا، یہاں بے شک تابع ہے لیکن پھر بھی ہے تو معرفہ، لہٰذا اس پر کیا پڑھیں گے؟ رفع ہی پڑھیں گے۔

اور نیز دوسری شرط آپ کو یہ بتلائیں گے کہ تکرار لا نہیں ہونا چاہیے۔ پھر سنو مسئلہ بھئی۔ لائے نفی جنس کا اسم جب مبنی علی الفتح ہو تو اس پر عطف کرنا لفظوں پر حمل کرتے ہوئے بھی جائز ہے اور محل پر حمل کرتے ہوئے بھی عطف جائز ہے، لیکن دو شرطیں ہیں۔ ایک شرط یہ کہ وہ لا کا اسم نکرہ ہونا چاہیے، پھر لفظوں اور محل دونوں پر حمل جائز ہے، اگر معرفہ ہوا پھر رفع ہی پڑھیں گے وہاں۔ اور دوسرا یہ تکرار لا نہیں ہونا چاہیے، کیونکہ اگر تکرار لا ہوا تو پھر وہی صورت بن جائے گی جو

«لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ» میں تھی، اور وہاں کتنی صورتیں جائز تھیں؟ پانچ صورتیں، تو وہ پھر یہاں بھی جائز ہو جائیں گی۔

تو کہتے ہیں «وَالْعَطْفُ عَلَى اسْمِ لَا الْمَبْنِيِّ» اور عطف کرنا لائے نفی جنس کے اس اسم پر جو مبنی ہو «إِذَا كَانَ الْمَعْطُوفُ نَكِرَةً» جب کہ معطوف کیا ہو؟ نکرہ ہو، اور «بِلَا تَكْرِيرِ لَا فِي الْمَعْطُوفِ» اور نیز معطوف کے اندر لا کا تکرار بھی نہیں ہونا چاہیے، جب یہ دونوں شرطیں پوری ہوں۔ اب وجہ بھی ذکر کر رہے ہیں کہ یہ دونوں شرطیں کیوں ہونی چاہئیں؟ کہتے ہیں «فَإِنَّهُ إِذَا كَانَ الْمَعْطُوفُ مَعْرِفَةً» اس لیے کیونکہ جب معطوف معرفہ ہوگا تو «وَجَبَ رَفْعُهُ» تو اس میں رفع واجب ہے، وہاں آپ لفظوں پر حمل نہیں کر سکتے، نصب نہیں پڑھ سکتے۔ تو کہتے ہیں «فَإِنَّهُ إِذَا كَانَ الْمَعْطُوفُ مَعْرِفَةً» اس لیے کیونکہ جب معطوف معرفہ ہوگا تو «وَجَبَ رَفْعُهُ» تو اس کا رفع واجب ہے، «نَحْوَ: لَا غُلَامَ لَكَ وَالْفَرَسُ»۔ یہاں «وَالْفَرَسُ» پر رفع ہی پڑھنا ہے۔

«وَإِذَا كَانَ لَا مُكَرَّرًا فِي الْمَعْطُوفِ» اور دوسری کیا شرط تھی کہ لا مکرر نہیں ہونا چاہیے۔ لا مکرر؟ کہتے ہیں اس لیے کیونکہ لا مکرر ہوگا تو وہ «لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ» کی طرح بن جائے گا تو وہاں پانچ صورتیں پھر جائز ہیں بھئی۔ تو کہتے ہیں «وَإِذَا كَانَ لَا مُكَرَّرًا فِي الْمَعْطُوفِ» اور جب لا مکرر ہو معطوف کے اندر تو «فَحُكْمُهُ مَا عُلِمَ فِي قَوْلِهِ» تو اس کا حکم وہ ہے جو معلوم ہو چکا ہے صاحب کافیہ کے قول «لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ» میں «فِيمَا سَبَقَ» وہ جو ماقبل میں گزر گیا۔

تو یہ لائے نفی جنس کا وہ اسم جو مبنی ہو، اس اسم پر جب آپ عطف کرنا چاہیں اور دو شرطیں ہونی چاہئیں کہ وہ جو معطوف ہے وہ نکرہ ہونا چاہیے اور نیز معطوف کے اندر لا کا تکرار نہیں ہونا چاہیے، جب یہ دونوں شرطیں پوری ہوں گی تو لائے نفی جنس کا یہ اسم، اس پر جو عطف ہے وہ اس کے لفظوں پر حمل کرتے ہوئے بھی جائز ہے اور اس کے محل پر حمل کرتے ہوئے بھی جائز ہے۔ تو کہتے ہیں لائے نفی جنس کا وہ اسم جو مبنی ہوتا ہے اس پر عطف جو ہے «بِأَنْ يُحْمَلَ عَلَى اللَّفْظِ» بایں صورت کہ اس کے لفظوں پر حمل کیا جائے «أَيْ لَفْظِ اسْمِ لَا الْمَبْنِيِّ» یعنی اس لائے نفی جنس کا وہ اسم جو مبنی ہے اس کے لفظوں پر حمل کرتے ہوئے عطف کیا جائے «وَيُجْعَلَ مَنْصُوبًا» اور معطوف کو کیا پڑھا جائے؟ اس کو منصوب کر دیا جائے، «وَبِأَنْ يُحْمَلَ عَلَى الْمَحَلِّ» اور بایں صورت کہ اس لائے نفی جنس کے اسم کے محل پر حمل کیا جائے «وَيُجْعَلَ مَرْفُوعًا» اور اس معطوف کو مرفوع کر دیا جائے «جَائِزٌ» یہ جائز ہے، جائز ہے۔

«وَلَا يَجُوزُ فِيهِ الْبِنَاءُ»۔ بھئی جب لائے نفی جنس کی پہلی صفت آتی تھی تو اس کے اندر رفع بھی جائز تھا، نصب بھی جائز تھا اور مبنی پڑھنا بھی جائز۔ لیکن یہ جو معطوف ہے اس کے اندر اس کو بنا جائز نہیں، مبنی پڑھنا جائز نہیں۔ اس لیے کیونکہ وہاں پر ایک شرط یہ تھی کہ وہ صفت جو ہے مبنی کے ساتھ ملی ہوئی ہو اور یہاں پر تو درمیان میں حرف عطف آ چکا ہے، فصل آ گیا ہے۔ تو فصل آنے کی وجہ سے رفع اور نصب تو یہاں معطوف پر جائز ہے لیکن اس کو مبنی پڑھنا جائز نہیں۔ یہ معنی ہے «وَلَا يَجُوزُ فِيهِ الْبِنَاءُ» اور اس معطوف کے اندر بنا جائز نہیں ہے یعنی اس کو مبنی پڑھنا جائز نہیں ہے «لِمَكَانِ الْفَصْلِ بِالْعَاطِفِ»۔ مَكَان مصدر ہے بھئی كَانَ يَكُونُ سے بمعنی وجود کے، أَيْ لِوُجُودِ الْفَصْلِ بِالْعَاطِفِ، اس وجہ سے کہ فصل

پایا گیا ہے «بِالْعَاطِفِ» کس کی وجہ سے؟ وہ جو حرف عطف ہے بھئی۔ عاطف وہ حرف عطف بھئی جس کے ذریعے عطف کیا جاتا ہے۔ تو کہتے ہیں «وَلَا يَجُوزُ فِيهِ الْبِنَاءُ» اس معطوف کے اندر بنا جائز نہیں ہے یعنی اس کو مبنی پڑھنا جائز نہیں ہے «لِمَكَانِ الْفَصْلِ بِالْعَاطِفِ» بوجہ فصل یعنی جدائی پائے جانے کے عاطف یعنی حرف عطف کی وجہ سے۔

«وَلَمْ يُجْعَلْ فِي حُكْمِ الْمُتَّصِلِ»۔ بھئی یہاں مثلاً دیکھو بھئی «لَا أَبَا وَابْنًا» «وَابْنٌ» لیکن «لَا أَبَا وَابْنَ» اس کو بھی آپ مبنی پڑھ لیں یہ جائز نہیں۔ تو سوال پیدا ہوتا ہے ایک حرف واو ہی کا تو درمیان میں فصل آیا، باقی حروف عاطفہ ہیں ثُمَّ حَتَّى وغیرہ ان میں تو زیادہ حروف ہوتے ہیں، لیکن جب واو آجائے واو تو صرف ایک حرف ہے تو اس فصل کو بھی لا فصل قرار دیتے ہوئے اس کو بھی مبنی پڑھنا جائز قرار دینا چاہیے، «لَا أَبَا وَابْنَ» پڑھنا بھی جائز ہونا چاہیے کیونکہ صرف ایک واو ہی کا تو فصل آیا ہے۔ تو اس کا بھی جواب دیں گے کہ اس کو ہم متصل کے حکم میں نہیں بنا سکتے۔ وجہ یہ کہ یہ جو منفی ہوتا ہے یعنی جس پر حرف نفی داخل ہوا ہے، «لَا أَبَا» یہ لا تو حرف نفی ہے اور اب یہ ہے منفی، جس پر حرف نفی داخل ہو اس کو کیا کہتے ہیں؟ منفی۔ آپ کو بتلائیں گے اس لیے کیونکہ جو منفی ہوتا ہے اس پر جب عطف کیا جاتا ہے تو معطوف کے اندر بھی بسا اوقات حرف نفی لے آتے ہیں۔ جیسے «لَا حَوْلَ»، حول کیا ہے؟ منفی ہے، اور اس پر آگے قوت کا عطف ہو رہا ہے تو اس میں بھی دیکھو حرف نفی لے آئے ہیں۔ تو منفی پر جب عطف کیا جاتا ہے تو وہاں پر بھی معطوف کے اندر بھی عموماً حرف نفی لے آتے ہیں۔ بات سمجھ میں آرہی ہے؟ عرب عام کلام میں استعمال کرتے ہیں، مثلاً کہتا ہے «مَا جَاءَنِي زَيْدٌ وَلَا عَمْرٌو»، «وَلَا عَمْرٌو» دیکھو عمر کے ساتھ بھی لا ایک الگ لے آئے، یا جیسے «لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ»، «لَا حَوْلَ» کے بعد «وَلَا قُوَّةَ» کے ساتھ بھی لا لے آئے بھئی۔ تو منفی پر جب عطف کیا جاتا ہے تو معطوف کے ساتھ بھی لا لے آتے ہیں۔

تو شبہ یہ آیا تھا کہ ایک واو کا ہی تو فصل ہے اس کو آپ متصل والا حکم دے دیں، کہتے ہیں نہیں ہم اس کو متصل والا حکم نہیں دے سکتے اس لیے کیونکہ یہ جو حرف عطف ہے اس کے بعد بسا اوقات لا کو بڑھا دیا جاتا ہے، لہٰذا اس فصل کو لا فصل ہم قرار نہیں دے سکتے کیونکہ یہ لا کے آنے کا مقام ہے، لا اکثر اس جگہ بڑھایا جاتا ہے۔ دیکھیے بھئی صاحب جامی اس کو اور بہتر انداز میں بیان کریں گے۔ کہتے ہیں «وَلَمْ يُجْعَلْ فِي حُكْمِ الْمُتَّصِلِ» اور اس معطوف کو جو ہے متصل کے حکم میں قرار نہیں دیا گیا «لِمَظَنَّةِ الْفَصْلِ بِلَا الْمُؤَكِّدَةِ»۔ مَظَنَّة، ظَنَّ يَظُنُّ کا معنی گمان کرنا اور مَظَنَّة یہ ظرف کا صیغہ ہے، «لِمَظَنَّةِ الْفَصْلِ» کیونکہ یہ جائے گمان ہے فصل کی، یہ جائے گمان ہے یہ جو حرف عطف آیا ہے جس کے ذریعے منفی پر عطف کیا جا رہا ہے یہ جائے گمان ہے فصل کی، گمان ہوتا ہے کہ یہاں فصل کیا جائے گا کس کے ذریعے؟ لا کے ذریعے۔ چاہے لایا جائے یا نہ لایا جائے وہ الگ بات ہے لیکن سنتے ہی جیسے ہی «لَا حَوْلَ وَ» جیسے ہی واو آتا ہے گمان ہوتا ہے اب کیا آئے گا شاید؟ حرف نفی دوبارہ آئے گا بھئی۔

یہ معنی ہے «وَلَمْ يُجْعَلْ فِي حُكْمِ الْمُتَّصِلِ» اور اس معطوف کو متصل کے حکم میں قرار نہیں دیا گیا «لِمَظَنَّةِ الْفَصْلِ بِلَا الْمُؤَكِّدَةِ» اس لیے کیونکہ یہ فصل کی جائے گمان ہے، یہاں فصل ہونے کا گمان ہوتا ہے «بِلَا الْمُؤَكِّدَةِ» اس لا کے ذریعے جو پہلے لا کی تاکید کرتا ہے، جو پہلے لا کی؟ اور یہ یاد رکھنا یہ جو دوسرا لا آتا ہے یہ پہلے لا کی تاکید ہوتا ہے، یہ خود نفی کا فائدہ نہیں دیتا ورنہ تو نفی پر نفی داخل ہوگی وہ تو اثبات کا فائدہ دے دے گی۔ نفی پر نفی داخل ہو کس چیز کا فائدہ دیتی ہے؟ اثبات کا۔ جیسے دیکھو، میرے پاس زید نہیں آیا

نفی ہے یا اثبات ہے؟ نفی ہے۔ اس پر ایک اور نفی لے آؤ۔ ایسا نہیں ہے کہ زید میرے پاس نہیں آیا۔ کیا مطلب؟ معلوم ہوا میرے پاس آیا ہے، تو نفی پر نفی داخل ہو تو وہ اثبات کا فائدہ دیتی ہے۔ لہٰذا یہ جو لا آئے گا یہ اول لا کی تاکید ہوگا، یہ نفی کا فائدہ نہیں دے رہا ورنہ تو اس کے مابعد کلام مثبت ہو جائے گا بھئی۔

تو کہتے ہیں، پھر ترجمہ دیکھ لیجیے: «وَلَمْ يُجْعَلْ فِي حُكْمِ الْمُتَّصِلِ لِمَظَنَّةِ الْفَصْلِ بِلَا الْمُؤَكِّدَةِ»، اور اس معطوف کو متصل کے حکم میں قرار نہیں دیا گیا «لِمَظَنَّةِ الْفَصْلِ» اس وجہ سے کیونکہ یہ فصل کی جائے گمان ہے، یہاں فصل ہونے کا گمان ہوتا ہے «بِلَا الْمُؤَكِّدَةِ» اس لا کے ذریعے جو تاکید کرنے والا ہے، وہ لا جو تاکید پیدا کرتا ہے اس لا کے ذریعے یہاں فصل کا گمان ہوتا ہے۔ «إِذِ الْمَعْطُوفُ عَلَى الْمَنْفِيِّ يُزَادُ فِيهِ لَا كَثِيرًا» اس لیے کیونکہ وہ جس کا عطف کیا جاتا ہے منفی پر، تو «يُزَادُ فِيهِ لَا كَثِيرًا» اس معطوف کے اندر لا کو اکثر اوقات بڑھا دیا جاتا ہے، «نَحْوُ: لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ» جیسے اس کے اندر ہے دیکھو لا کو بڑھا دیا گیا ہے۔ صورت سمجھ میں آگئی بھئی؟

آگے دیکھیے: «مِثْلُ: لَا أَبَا وَابْنًا وَابْنٌ فِي قَوْلِ الشَّاعِرِ» ایک شاعر کے اس قول میں، «وَلَا» آگے شعر ہے بھئی: «وَلَا أَبَا وَابْنًا مِثْلُ مَرْوَانَ وَابْنِهِ إِذْ هُوَ بِالْمَجْدِ ارْتَدَى وَتَأَزَّرَا»۔ یہ ایک عربی کا فصیح و بلیغ شاعر ہے بھئی فرزدق، فرزدق یہ اس کا شعر ہے اور اس کے اندر وہ خلیفہ مروان ابن الحکم اور اس کے بیٹے عبدالملک کی تعریف کر رہا ہے۔ اور اس کے اندر دیکھو «وَلَا أَبَا» لائے نفی جنس آیا اور اس کا اسم اَب جو ہے مبنی علی الفتح ہے، اور اس پر اس نے اِبْن کا عطف کیا تو اس پر نصب پڑھا، اور اس میں رفع بھی جائز ہے، «وَابْنًا» بھی صحیح اور «وَابْنٌ» پڑھنا بھی صحیح ہے ابھی آپ نے پڑھ لیا۔

تو کہتے ہیں «وَلَا أَبَا وَابْنًا مِثْلُ مَرْوَانَ وَابْنِهِ»، کوئی باپ اور کوئی بیٹا نہیں ہے «مِثْلُ مَرْوَانَ وَابْنِهِ» مروان اور اس کے بیٹے کے مثل۔ کوئی باپ اور کوئی بیٹا خلیفہ مروان اور اس کے بیٹے عبدالملک جیسا نہیں ہے۔ «إِذْ هُوَ بِالْمَجْدِ»، مَجد کہتے ہیں عظمت کو، عظمت، بزرگی بھئی، عظمت اور بزرگی۔ «اِرْتَدَى»، اِرْتَدَى ہے رِدَاء سے بھئی رِدَاء۔ رِدَاء چادر کو کہتے ہیں۔ انسان بدن کے اوپر والا حصہ ڈھانپنے کے لیے جو کپڑا استعمال کرتا ہے اس کو کیا کہتے ہیں؟ رِدَاء۔ اور نیچے جو نچلے بدن کو ڈھانپنے کے لیے جو چادر باندھتا ہے اس کو اِزَار کہتے ہیں عربی میں، کیا کہتے ہیں؟ تو بدن کے اوپر والے حصے کو ڈھانپنے کے

لیے جو کپڑا استعمال کیا جائے اسے کیا کہتے ہیں؟ رِدَاء، اسی سے ہے اِرْتَدَى فعل۔ اور بدن کے نچلے حصے کو ڈھانپنے کے لیے جو چادر باندھی جاتی ہے اس کو کیا کہتے ہیں؟ اِزَار کہتے ہیں، بات سمجھ میں آگئی؟ اسی سے تَأَزَّرَ فعل ہے۔ «إِذْ هُوَ بِالْمَجْدِ» اس لیے کیونکہ مروان ابن الحکم جو ہے، اس نے «بِالْمَجْدِ ارْتَدَى» اس نے عظمت کی چادر اوڑھی ہے «وَتَأَزَّرَا» اور اس نے عظمت کا اِزَار باندھا ہے۔ اس نے، اس نے جو چادر اوڑھی ہے وہ بھی عظمت والی ہے اور اس نے جو اِزَار باندھا ہے وہ بھی عظمت والا ہے، یعنی سر سے پاؤں تک وہ، ان کے پورے بدن سے عظمت ہی عظمت ظاہر ہوتی ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟

تو کہتے ہیں «وَلَا أَبَا وَابْنًا مِثْلُ مَرْوَانَ وَابْنِهِ» اور کوئی باپ اور بیٹا مروان اور اس کے بیٹے کی طرح کا نہیں ہے «إِذْ هُوَ بِالْمَجْدِ ارْتَدَى وَتَأَزَّرَا» اس لیے کیونکہ اس نے بزرگی کی چادر اوڑھی ہے اور اس نے بزرگی کا اِزَار باندھا ہے۔ اِزَار جس کو اردو میں تہبند کہتے ہیں اور یا اسی طرح لنگی بھی کہتے ہیں۔ اور یاد رکھو «تَأَزَّرَا» اس کے آخر میں الف بھی پڑھنا ہے بھئی «إِذْ هُوَ بِالْمَجْدِ ارْتَدَى وَتَأَزَّرَا»، اور یہ تثنیہ کا صیغہ نہیں ہے یہ جو الف آیا، یہ الف اِشباع کے لیے ہے، کس لیے ہے؟ اِشباع کے لیے۔ اِشباع کہتے ہیں آواز کو لمبا کرنا، یعنی فتحہ کو لمبا کرکے الف بنا لیتے ہیں، ضمہ کو لمبا کرکے واو بنا لیتے ہیں اور کسرہ کو لمبا کرکے یا بنا لیتے ہیں، یعنی حرفِ مدہ وہاں بنا لیتے ہیں۔ چونکہ اشعار کے اندر ترنم کیا جاتا ہے تو آخر میں آواز کو ذرا لمبا کیا جاتا ہے، تو یہاں پر بھی «تَأَزَّرَ» کے آخر میں یہ جو را کو کھینچ کر لمبا کیا گیا یہ اِشباع کی وجہ سے ہے۔ اِشباع کسے کہتے ہیں؟ آخری حرکت کو کھینچ کر لمبا کر دینا اور اسے حرفِ مدہ بنا لینا۔ ترجمہ سمجھ میں آگیا؟

آگے دیکھیے۔ کہتے ہیں «وَسَائِرُ التَّوَابِعِ لَا نَصَّ عَنْهُمْ فِيهَا»، اور باقی جو توابع ہیں ان کے بارے میں علمائے نحو سے کوئی تصریح نہیں ہے، «لَا نَصَّ عَنْهُمْ» علمائے نحو سے کوئی تصریح نہیں ہے «فِيهَا» ان باقی توابع میں۔ بھئی دیکھیے بات چل رہی ہے لائے نفی جنس کا وہ اسم جو مبنی علی الفتح ہو، اس کے توابع کے بارے میں صاحب کافیہ نے بیان کرنا شروع کیا۔ اور توابع تو ہیں پانچ، لیکن صاحب کافیہ نے صرف صفت کو ذکر کیا اور صرف معطوف کو ذکر کیا۔ اور جبکہ تاکید، عطف بیان اور بدل کو ذکر نہیں فرمایا۔ تو توابع تو وہ بھی ہیں ان کو بھی ذکر کرنا چاہیے تھا۔ تو صاحب جامی اس کا عذر ذکر فرما رہے ہیں کہ یہ جو لائے نفی جنس کا وہ اسم جو مبنی ہوتا ہے اس کے یہ جو دو توابع صاحب کافیہ نے ذکر کر دیے صفت اور معطوف، ان کا حکم تو ائمہ سے منقول ہے، لیکن باقی جو توابع ہیں تاکید، عطف بیان اور بدل ان کے بارے میں کوئی صراحت ائمہ نحو سے منقول نہیں، انہوں نے ان کے بارے میں کوئی تصریح نہیں کی اس لیے صاحب کافیہ نے بھی ان کے بارے میں ذکر نہیں کیا۔

تو کہتے ہیں «وَسَائِرُ التَّوَابِعِ» اور باقی توابع جو ہیں «لَا نَصَّ عَنْهُمْ»۔ نص کہتے ہیں تصریح یعنی صراحتاً کوئی بات کرنا کہ اس طرح ہے، تو «لَا نَصَّ عَنْهُمْ فِيهَا» کوئی تصریح نہیں ہے ان ائمہ سے «فِيهَا» ان کے بارے میں۔ «لَكِنْ يَنْبَغِي أَنْ يَكُونَ

حُكْمُهَا حُكْمَ تَوَابِعِ الْمُنَادَى كَذَا ذَكَرَهُ الْأَنْدَلُسِيُّ»، لیکن مناسب یہ ہے کہ ان باقی توابع کا حکم جو ہے وہ «حُكْمَ تَوَابِعِ الْمُنَادَى» وہی حکم ہو جیسے کہ منادیٰ کے توابع کا حکم ہے، «كَذَا ذَكَرَهُ الْأَنْدَلُسِيُّ» جیسے کہ ذکر کیا ہے علامہ اندلسی نے۔

علامہ اندلسی میں نے ذکر کیا تھا یہ صاحب کافیہ ہی کے زمانے کے بہت بڑے عالم گزرے ہیں بھئی۔ اور وہ بھی ذکر فرماتے ہیں کہ ان کے بارے میں ائمہ سے کوئی صراحت نہیں آئی یہ جو بدل ہے، عطف بیان ہے اور تاکید، لیکن مناسب یہ ہے ان کا بھی وہی حکم ہونا چاہیے جیسا کہ وہ منادیٰ جو مبنی علی الضم ہوتا تھا اس کے توابع کا حکم جو پیچھے گزر چکا ہے، جو صاحب کافیہ نے ذکر کر دیا۔ بھئی دیکھیے یہاں کس کی بات چل رہی ہے؟ لائے نفی جنس کا وہ اسم جو مبنی ہے اس کے توابع کی بات چل رہی ہے۔ اسی طرح منادیٰ بھی بعض اوقات مبنی ہوتا ہے، آپ نے پڑھا ہے «يَا زَيْدُ»، یہ زید کیا ہے؟ مبنی علی الضم ہے، اور پتہ کیسے چلا یہ مبنی ہے؟ کہ اس پر تنوین نہیں آ رہی اگرچہ مانع تنوین کوئی چیز نہیں۔ تو منادیٰ جب مفرد ہو یعنی مضاف یا مشابہ مضاف نہ ہو اور معرفہ ہو تو وہ مبنی علی الضم ہوتا ہے «يَا زَيْدُ»، «يَا عَمْرُو»، «يَا رَجُلُ»۔ تو یہ سب کیا ہیں؟ مبنی علی الضم۔ اور اس منادیٰ کی بحث پیچھے آئی تھی اور اس کے توابع بھی صاحب کافیہ نے ذکر فرمائے تھے اور وہاں انہوں نے بتلایا تھا کہ منادیٰ مبنی علی الضم جو ہے اس کے جو توابع ہیں ان میں سے ایک بدل اور ایک وہ والا معطوف جس پر الف لام داخل ہو سکے، یہ دو ان کا حکم تو مستقل منادیٰ والا ہے۔ ان کا حکم مستقل منادیٰ والا ہے۔ مثلاً آپ عمر کو بھی ساتھ ملانا چاہتے ہیں اس کو بھی ندا دینا چاہتے ہیں تو «يَا زَيْدُ وَعَمْرُو»، عمر مستقل منادیٰ کی طرح ہے اور عمر مستقل منادیٰ ہو تو کیسے پڑھیں گے؟ «يَا عَمْرُو» مبنی علی الضم پڑھیں گے، تو یہاں پر بھی کیسے پڑھیں گے؟ «يَا زَيْدُ وَعَمْرُو» اس کو مبنی علی الضم مستقل منادیٰ کی طرح پڑھیں گے۔ اور اگر توابع میں سے تاکید ہو یا عطف بیان ہو یا صفت ہو یا اسی طرح وہ معطوف جو معرف باللام ہے، تو ان کے اندر رفع بھی جائز تھا اور نصب بھی جائز تھا۔ جیسے مثلاً «يَا زَيْدُ» یہ منادیٰ مفرد معرفہ مبنی علی الضم ہے تو اس کی آپ صفت لانا چاہتے ہیں، تو صفت پر آپ رفع بھی پڑھ سکتے ہیں «يَا زَيْدُ الْعَاقِلُ»۔ «يَا زَيْدُ الْعَاقِلُ»، یہ رفع کیوں پڑھا؟ زید کے لفظوں پر حمل کرتے ہوئے کیونکہ اس پر ضمہ آیا ہے لیکن یہ ضمہ بھی کس کی طرح ہے؟ رفع کی طرح ہے یا کی وجہ سے آیا ہے، تو لہٰذا اسی جیسا اعراب دے دیا۔ اور «يَا زَيْدُ الْعَاقِلَ» نصب بھی جائز ہے کیونکہ یہ محلاً یہ زید کیا ہے؟ مفعول بہ ہے، منصوب ہے۔ تو «يَا زَيْدُ الْعَاقِلُ» اور «يَا زَيْدُ الْعَاقِلَ» دونوں پڑھنا جائز ہے، تو رفع پڑھنا بھی جائز لفظوں پر حمل کرتے ہوئے اور نصب پڑھنا بھی جائز ہے محل پر حمل کرتے ہوئے۔ تو کہتے ہیں یہاں پر بھی یہ لائے نفی جنس کا اسم جو ہے وہ مبنی علی الفتح ہے تو اس کے توابع میں بھی اسی طرح ہونا چاہیے، رفع بھی جائز ہونا چاہیے اور نصب بھی جائز ہونا چاہیے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ نصب کیوں جائز ہو؟ لفظوں پر حمل کرتے ہوئے، اور رفع کیوں جائز ہو؟ محل بعید پر حمل کرتے ہوئے۔

تو کہتے ہیں «لَكِنْ يَنْبَغِي أَنْ يَكُونَ حُكْمُهَا حُكْمَ تَوَابِعِ الْمُنَادَى» لیکن مناسب یہ ہے کہ یہ باقی توابع ان کا حکم جو ہے «حُكْمَ تَوَابِعِ الْمُنَادَى» وہی حکم ہونا چاہیے جیسے کہ منادیٰ کے توابع کا حکم تھا «كَذَا ذَكَرَهُ الْأَنْدَلُسِيُّ» جیسے کہ ذکر کیا ہے علامہ اندلسی نے۔

بات سمجھ میں آگئی؟ اور نیز وہ فرماتے ہیں، نیز وہ فرماتے ہیں کہ اگر بدل جو ہے بدل، مفرد ہو اور نکرہ ہو، مفرد ہو اور نکرہ ہو تو اس کو بھی بنی پڑھنا جائز ہے، رفع بھی جائز، نصب بھی جائز اور بنی پڑھنا بھی جائز۔ اسی طرح تاکید لفظی کے اندر بھی ہے جیسے گزشتہ سبق میں مثال بھی آئی تھی «لَا مَاءَ مَاءَ بَارِدًا»، میں نے بتلایا تھا یہ مائے ثانی اول کے لیے کیا ہے؟ تاکید، اور وہ ماء بنی علی الفتح ہے تو ثانی کو بھی آپ بنی علی الفتح بھی پڑھ سکتے ہیں اور «لَا مَاءَ مَاءُ» رفع بھی پڑھ سکتے ہیں اور «لَا مَاءَ مَاءً» نصب بھی پڑھ سکتے ہیں۔ تو علامہ اندلسی فرماتے ہیں کہ بدل کے اندر بنا بھی جائز ہے اگر وہ مفرد ہو اور نکرہ ہو۔ اور تاکید، تاکید لفظی کے اندر بھی اسی طرح ہے، تاکید لفظی اس میں آپ بنی بھی پڑھ سکتے ہیں، رفع بھی، نصب بھی، اور عطف بیان کا بھی وہی حکم ہے جو بدل کا ہوتا ہے۔ توجہ ہے؟ کتنے توابع رہ گئے تھے؟ بدل، عطف بیان اور تاکید۔ بدل میں بتلا دیا کہ بدل اگر مفرد معرفہ ہو تو بنی پڑھنا بھی جائز، اور ویسے اس کے اندر رفع بھی جائز اور نصب بھی جائز۔ اسی طرح تاکید اگر تاکید لفظی ہے تو اس کو بھی بنی پڑھنا بھی جائز، رفع جائز، نصب جائز۔ اور عطف بیان کا وہی حکم ہے جو بدل کا تھا۔ تو تینوں کا حکم معلوم ہو گیا۔ بات سمجھ میں آگئی؟ حل ہو گیا؟ چلیے بس بھئی، هَذَا هُوَ الْمَرَامُ، وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْكَلَامِ۔

سبق نمبر ۱۸۰: اسمِ لائے نفیِ جنس (۱۰): «لَا أَبَا لَہٗ» اور «لَا غُلَامَیْ لَہٗ» میں اضافت و لام کا بیان

شرحِ ملا جامی صفحہ: ۱۵۹ — بتاریخ: ۱۳ اگست ۲۰۲۲ء

▪ تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث

آگے سبق دیکھیے بھائی، وَمِثْلُ لَا أَبَا لَهُ وَلَا غُلَامَيْ لَهُ أَيْ كُلُّ تَرْكِيبٍ يَكُونُ فِيهِ بَعْدَ اسْمِ لَا الَّتِي لِنَفْيِ الْجِنْسِ لَامُ الْإِضَافَةِ وَأُجْرِيَ عَلَى ذَلِكَ الِاسْمِ أَحْكَامُ الْإِضَافَةِ مِنْ إِثْبَاتِ الْأَلِفِ فِي نَحْوِ أَبَا وَحَذْفِ النُّونِ مِنْ نَحْوِ غُلَامَيْنِ جَائِزٌ۔

بھائی گزشتہ سبق میں لائے نفی جنس کا اسم جب مبنی ہو تو اس پر عطف کیسے کیا جائے گا، وہ صاحبِ کافیہ نے بتلایا تھا۔ صاحبِ کافیہ نے آپ کو بتلایا کہ لائے نفی جنس کا اسم جب مبنی علی الفتح ہو تو اس پر عطف کرتے ہوئے محل پر حمل کرنا اور مرفوع پڑھنا معطوف کو، یہ بھی جائز ہے، اور لفظوں پر حمل کرتے ہوئے اس معطوف کو منصوب پڑھنا یہ بھی جائز ہے بھائی۔ البتہ اس کے اندر اس معطوف کو مبنی پڑھنا جائز نہیں ہے کیونکہ درمیان میں واؤ کا یا حرفِ عطف کا فصل آگیا ہے۔ اور نیز اس انفصال کو ہم اتصال والا حکم بھی نہیں دے سکتے اگرچہ صرف ایک حرف واؤ کا انفصال آیا ہے، لیکن ہم اس انفصال کو اتصال والا حکم نہیں دے سکتے۔ اس لیے کیونکہ اس واؤ کے بعد اکثر اوقات لائے مؤکدہ کو یعنی ایسا لا جو ماقبل والے لا کی، ماقبل والی نفی کی تاکید کر رہا ہوتا ہے، تو اس قسم کا لا واؤ کے بعد اکثر بڑھا دیا جاتا ہے۔ تو یوں کہو یہ واؤ کے بعد فصل کی جائے گمان ہے لا کے ذریعے، یعنی گمان ہوتا ہے کہ یہاں بھی کس کے ذریعے فصل کر دیا جائے گا؟ لا کے ذریعے۔ اگرچہ چاہے لایا جائے یا نہ لایا جائے وہ الگ بات ہے، لیکن گمان ہوتا ہے کیونکہ بسا اوقات اس واؤ کے بعد اس حرفِ لا کو زائد لے آتے ہیں۔ تو اس لیے ہم اس انفصال کو اتصال والا حکم نہیں دے سکتے کیونکہ یہاں کبھی کبھی لا کو بھی بڑھا دیا جاتا ہے۔ تو لہٰذا لَا أَبَ اس أَبَ پر آپ عطف کرنا چاہتے ہیں تو نصب بھی جائز ہے لفظوں پر حمل کرتے ہوئے اور محل پر حمل کرتے ہوئے رفع بھی جائز ہے۔ لَا أَبَ وَابْنًا اور لَا أَبَ وَابْنٌ دونوں طرح جائز ہے بھائی۔

اور باقی توابع جو ہیں ان کے بارے میں صاحبِ جامی نے آپ کو بتلایا کہ باقی بھی تو توابع ہیں یعنی تاکید ہے، بدل ہے

اور عطفِ بیان۔ صاحبِ کافیہ نے ان تینوں کو بیان نہیں کیا، صرف صفت کو بیان کیا۔ وہ لائے نفی جنس جو مبنی ہوتا ہے اس کی صفت کو بھی بیان کیا اور اس پر معطوف کو بھی بیان کیا، لیکن بدل، تاکید اور عطفِ بیان کو ذکر نہیں کیا۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ یہ جو باقی توابع ہیں ان کے بارے میں جو اس علمِ نحو کو مدون کرنے والے ہیں، اس علمِ نحو کے جو ائمہ ہیں ان سے ان کے بارے میں کوئی تصریح منقول نہیں ہے۔ البتہ علامہ اندلسی وغیرہ لکھتے ہیں کہ مناسب یہی ہے کہ یہ لائے نفی جنس کا اسم جب مبنی ہوتا ہے، اس کے توابع کی بات چل رہی ہے، تو ان کا بھی وہی حکم ہونا چاہیے جب کبھی کبھار منادیٰ مبنی ہو جاتا ہے۔ تو اس منادیٰ مبنی کے توابع کا جو حکم ہے وہی اس مبنی کے توابع کا بھی حکم ہونا چاہیے۔ وہاں پر بھی منادیٰ مبنی ہوا کس کی وجہ سے؟ یَا یعنی ایک عامل کی وجہ سے، یعنی اس عامل کا اثر تھا۔ یہاں پر بھی یہ جو لائے نفی جنس کا اسم مبنی ہوا ہے وہ اس لا کی وجہ سے ہوا، یعنی لا کا یہ اثر ہے۔ تو دونوں عامل کی وجہ سے گویا مبنی ہو رہے ہیں، لہٰذا ایک کے جو توابع کا حکم ہے وہی دوسرے کے توابع کا بھی حکم ہو گا۔ اور منادیٰ جب مبنی ہو تو اس کے اندر جو توابع تھے ان میں رفع بھی جائز تھا اور نصب بھی جائز تھا، یَا زَیْدُ الْعَاقِلُ اور یَا زَیْدُ الْعَاقِلَ۔ تو یہاں پر بھی اسی طرح ہونا چاہیے۔ چنانچہ وہ فرماتے ہیں پھر کہ یہ جو بدل ہے اس کے اندر رفع بھی جائز، نصب بھی جائز، اور اگر بدل نکرہ ہو تو مبدل منہ مبنی ہے تو پھر اس بدل کو بھی مبنی پڑھنا جائز ہے۔ مبدل کیا ہے؟ مبنی ہے، تو آگے بدل کو بھی مبنی پڑھنا جائز ہے بشرطیکہ وہ مفرد ہو یعنی مضاف یا مشابہ مضاف نہ ہو اور نکرہ ہو۔ اور عطفِ بیان کا بھی وہی حکم ہے، یعنی عطفِ بیان میں بھی یہ تینوں صورتیں جائز ہیں، اس میں بھی مفرد اور نکرہ ہو تو مبنی بھی بنا سکتے ہیں اور باقی صورتوں میں رفع بھی پڑھ سکتے ہیں اور نصب بھی۔ اور اسی طرح تاکید کا بھی یہی حکم ہے، تاکیدِ لفظی ہو جیسے مثال پیچھے آئی تھی لَا مَاءَ مَاءَ بَارِدًا، تو وہاں پر جیسے مائے ثانی کو مبنی پڑھنا بھی جائز اور رفع اور نصب بھی اس پر پڑھنا جائز ہے تنوین کے ساتھ۔ بات سمجھ میں آ گئی۔

اب آئیے آگے آج کے سبق پر۔ کہتے ہیں وَمِثْلُ لَا أَبَا لَهُ وَلَا غُلَامَيْ لَهُ أَيْ كُلُّ تَرْكِيبٍ يَكُونُ فِيهِ بَعْدَ اسْمِ لَا الَّتِي لِنَفْيِ الْجِنْسِ لَامُ الْإِضَافَةِ۔ بھائی پہلے متن متن دیکھ لیجیے۔ متن ذرا دور دور ہے ذرا پہلے سارے متن کو دیکھ لیں۔ کہتے ہیں وَمِثْلُ لَا أَبَا لَهُ وَلَا غُلَامَيْ لَهُ جَائِزٌ تَشْبِيهًا لَهُ بِالْمُضَافِ لِمُشَارَكَتِهِ لَهُ فِي أَصْلِ مَعْنَاهُ۔ وَمِنْ ثَمَّ لَمْ يَجُزْ لَا أَبَا فِيهَا وَلَيْسَ بِمُضَافٍ لِفَسَادِ الْمَعْنَى خِلَافًا لِسِيبَوَيْهِ۔ سارا متن مل گیا بھائی؟ جی۔ پہلے اس متن کو ہم حل کر لیتے ہیں۔

کہتے ہیں وَمِثْلُ لَا أَبَا لَهُ وَلَا غُلَامَيْ لَهُ جَائِزٌ۔ یاد رکھیے یہ جو دو ترکیبیں آپ دیکھ رہے ہیں لَا أَبَا لَهُ وَلَا غُلَامَيْ لَهُ، اصل میں یوں ہونا چاہیے لَا أَبَ لَهُ، لَا أَبَ لَهُ بغیر الف کے۔ لَا أَبَ لَهُ کیونکہ أَبَ کیا ہے؟ لائے نفی جنس کا اسم ہے اور لائے نفی جنس کے اسم میں تین شرطیں پوری ہوتی تھیں: ساتھ بھی ملا ہوا ہو، نکرہ بھی ہو اور مضاف یا مشابہ مضاف ہو تو اس کو منصوب پڑھتے ہیں۔ اور اگر اضافت والی یعنی تیسری شرط پوری نہ ہو تو وہ مبنی علی الفتح ہوتا ہے۔ یعنی ساتھ بھی ملا ہو، نکرہ بھی ہو لیکن مضاف یا مشابہ مضاف نہ ہو تو وہ مبنی علی الفتح ہوتا ہے۔ چنانچہ یہاں پر بھی لَا أَبَ لَهُ، یہ أَبَ کیا ہے؟ لا کے ساتھ ملا

ہوا ہے اور نیز نکرہ ہے اور تیسری شرط جو ہے مضاف یا مشابہ مضاف نہیں ہونا چاہیے وہ بھی یہاں پوری ہے، تو یہ مبنی علی الفتح ہو گا۔ تو کیسے پڑھیں گے؟ لَا أَبَ لَهُ، اس کے لیے جنسِ اب ہی نہیں ہے۔ لَا أَبَ لَهُ یا ہا ضمیر کی جگہ کوئی نام لے آئیں لَا أَبَ لَهُ کہہ لیں یا لَا أَبَ لِزَيْدٍ۔ کوئی شخص مثلاً زید کی مذمت کرتا ہے کہ زید کے لیے جنسِ باپ ہی نہیں ہے، لَا أَبَ لِزَيْدٍ۔ یعنی، یعنی مذمت وغیرہ اس کی کرتا ہے کہ کسی نے اس کی تربیت کی ہی نہیں، اس کے اندر نہ اخلاق ہیں نہ اچھی عادات ہیں، تو اس کی مذمت کرتے ہوئے کیا کہتا ہے؟ لَا أَبَ لَهُ، اس کے لیے جنسِ باپ ہی نہیں، کسی نے اس کی تربیت نہیں کی، اچھے اخلاق وغیرہ اس کو نہیں سکھائے۔ بات سمجھ میں آگئی۔

یا اسی طرح، یا اسی طرح کسی کے لیے کوئی شخص کہتا ہے لَا غُلَامَيْنِ لَهُ۔ آپ نے پڑھا، ابھی میں نے ضابطہ ذکر کیا کہ لائے نفی جنس کا اسم ساتھ بھی ملا ہو اور نکرہ بھی ہو اور مضاف یا مشابہ مضاف نہ ہو یعنی پہلی دو شرطیں پوری ہوں اور تیسری شرط پوری نہ ہو تو وہ مبنی ہوتا ہے علامتِ نصب پر، علامتِ نصب پر۔ تو یہاں پر مثلاً تثنیہ اور جمع، تثنیہ کا رفع کس کے ساتھ آتا ہے؟ الف کے ساتھ اور نصب اور جر یا ماقبل مفتوح۔ تو اس صورت میں یہ مبنی ہو گا علامتِ نصب پر۔ تو مثلاً کہتا ہے کوئی شخص لَا غُلَامَيْنِ لَهُ۔ اب یہ غُلَامَيْنِ مبنی ہے بھائی۔ یہ اس وقت کیا ہے؟ مبنی ہے مبنی۔ اور اسی طرح لَا أَبَ لَهُ جیسے یہ أَبَ کیا تھا؟ مبنی۔ جمع لے آؤ، مثلاً لَا مُسْلِمُونَ لَهُ۔ اس کے اندر بھی دیکھ لیں ساتھ بھی ملا ہوا ہے، نکرہ بھی ہے اور تیسری شرط نہیں ہونی چاہیے مضاف یا مشابہ مضاف یہ نہیں ہے، تو یہ بھی اس وقت مبنی ہے بھائی۔ تو لَا أَبَ لَهُ یہ بھی مبنی ہے، لَا غُلَامَيْنِ لَهُ یہ غُلَامَيْنِ بھی کیا ہے؟ مبنی ہے، اور لَا مُسْلِمُونَ لَهُ یہ مُسْلِمُونَ بھی کیا ہے؟ مبنی ہے۔ صورت سمجھ میں آرہی ہے؟ تو لائے نفی جنس کا اسم جب لا کے ساتھ ملا ہو، نکرہ ہو، البتہ مضاف یا مشابہ مضاف نہ ہو تو پھر وہ مبنی ہوتا ہے علامتِ نصب پر۔ جو، جس طرح بھی اس پر نصب آتا ہو اسی پر وہ مبنی ہو جائے گا۔

تو اب کوئی شخص کسی کے بارے میں کہتا ہے لَا غُلَامَيْنِ لَهُ، اس کے لیے دو جنسِ غلام نہیں ہیں بھائی۔ اس سے دو جنسِ غلام ہونے کی نفی کر دیتا ہے، یعنی وہ اتنا مالدار نہیں ہے، ایک غلام تو اس کے لیے ہو سکتا ہے لیکن اتنا مالدار نہیں ہے کہ اس کے لیے دو غلام بھی ہو جائیں۔ تو کیا کہے گا، کیسے کہے گا؟ لَا غُلَامَيْنِ لَهُ۔ اور باپ کی نفی کرنی ہے تو کیسے کہے گا؟ لَا أَبَ لَهُ، اس کے لیے جنسِ باپ ہی نہیں ہے۔ اور اکثر عربی میں یہ اسی طرح استعمال ہوتے ہیں۔ أَبَ کیا ہے؟ مبنی علی الفتح اور غُلَامَيْنِ یا مُسْلِمُونَ کیا ہو گا؟ وہ بھی مبنی۔ لیکن اس قسم کی ترکیبیں جن میں لائے نفی جنس کا اسم أَبٌ یا أَخٌ وغیرہ ہو یا تثنیہ اور جمع ہو، توجہ ہے؟ لائے نفی جنس کا اسم کیا ہو؟ أَبٌ یا أَخٌ یا وہ جو اسمائے ستہ تھے، اسمائے ستہ میں سے سوائے ذُو کے، کیونکہ ذُو کے، ذُو اضافت سے نہیں کٹ سکتا، وہ ہمیشہ اضافت کے ساتھ ہی استعمال ہوتا ہے۔ تو باقی جو اسمائے ستہ ہیں تو ان کے اندر اور اسی طرح تثنیہ اور جمع کے اندر، ان کے اندر یاد رکھو جب یہ لائے نفی جنس کا اسم بن جائیں اور آگے جو ہے لامِ اضافت یعنی لامِ اختصاص آرہا ہو، تو وہاں پر جمہور نحوی فرماتے ہیں، امام سیبویہ ہیں، امام خلیل ابن احمد

ہیں اور جمہور نحوی اسی طرح علامہ زمخشری وغیرہ سب فرماتے ہیں کہ اس صورت میں جب لا کا اسم یہ أَبٌ یا أَخٌ ہو یا تثنیہ اور جمع ہو اور آگے لامِ اختصاص آرہا ہو، تو اس وقت یہ اس کو مضاف کی صورت میں پڑھنا بھی جائز ہے۔ کس صورت میں؟ مضاف کی صورت میں بھی پڑھنا جائز ہے۔ تو لَا أَبَ لَهُ اس میں وہ کہتے ہیں لَا أَبَا لَهُ الف کے ساتھ۔

لَا أَبَا لَهُ۔ بھائی أَبَا، أَبٌ کس میں سے ہے؟ اسمائے ستہ مکبرہ میں سے اور اسمائے ستہ کا رفع کس کے ساتھ آتا ہے؟ رفع واؤ کے ساتھ، نصب الف کے ساتھ اور جر یا کے ساتھ آتا ہے۔ لیکن وہاں آپ نے شرطیں پڑھی ہیں، وہ شرطیں پوری ہوں گی پھر اس کا اعراب واؤ، الف اور یا کے ساتھ آئے گا۔ وہ کیا شرطیں تھیں؟ کہ اسمائے ستہ ہوں، مکبرہ ہوں یعنی ان کی تصغیر نہ ہو، موحدہ ہوں یعنی وہ مفرد ہوں تثنیہ جمع نہ ہوں، اور نیز وہ مضاف ہوں اور مضاف بھی یائے متکلم کے علاوہ کی طرف ہوں، یا کی طرف نہ مضاف ہوں۔ تو یہ چاروں شرطیں پوری ہوتی ہیں تو پھر اس کے بعد اسمائے ستہ کا رفع واؤ کے ساتھ، نصب الف کے ساتھ اور جر یا کے ساتھ آتا ہے۔ تو یہاں دیکھو لَا أَبَا لَهُ، اس کے اندر تو اضافت ہو ہی نہیں رہی، اس کے بعد تو لام آرہا ہے، یہاں تو مضاف الیہ آگے آ ہی نہیں رہا، تو لہٰذا اس میں اضافت نہیں ہو رہی۔ لیکن جمہور نحوی فرماتے ہیں کہ نہیں، اس کی اس وقت اس ہا ضمیر کی طرف مضاف، اضافت ہو رہی ہے یا جو بھی لام کا، لامِ اختصاص کا مجرور ہو گا۔ لیکن ہونا معرفہ چاہیے نکرہ نہیں، چاہے ضمیر ہو چاہے اسمِ ظاہر ہو، لَا أَبَا لَهُ یا لَا أَبَا لِزَيْدٍ، معرفہ ہونا چاہیے۔ تو جب بھی لائے نفی جنس کا اسم أَبٌ یا أَخٌ وغیرہ میں سے آجائے اور یا تثنیہ یا جمع آجائے اور آگے لامِ اختصاص آئے اور لامِ اختصاص کس پر داخل ہو؟ کسی معرفہ پر چاہے ضمیر ہو چاہے اسمِ ظاہر، تو اس صورت میں اس پر اس کو اضافت والی صورت کے ساتھ پڑھنا بھی جائز ہے۔ جیسے أَبٌ کی جب اضافت ہو تو کیسے پڑھتے ہیں؟ اس کا نصب کس کے ساتھ پڑھتے ہیں؟ الف کے ساتھ۔ جیسے أَبَاهُ، نصب کیسے پڑھیں گے؟ رَأَيْتُ أَبَاهُ، تو اس میں اضافت ضروری ہے، توجہ ہے؟

جمہور کہتے ہیں جب اس کے آگے لامِ اختصاص آرہا ہو تو اس کو مضاف کی طرح الف کے ساتھ پڑھنا جائز ہے۔ اور نیز تثنیہ اور جمع کی جب اضافت کی جاتی ہے تو آپ جانتے ہیں نونِ تثنیہ اور نونِ جمع گر جاتا ہے۔ مثلاً غُلَامَانِ لِزَيْدٍ، غُلَامَانِ لِزَيْدٍ۔ اب آپ اضافت کریں تو لام کو مقدر کر دیں گے اور کیسے پڑھیں گے؟ غُلَامَا زَيْدٍ حالتِ رفعی میں، غُلَامَا زَيْدٍ۔ جَاءَنِي غُلَامَا زَيْدٍ۔ اور حالتِ نصبی میں کیسے پڑھیں گے؟ غُلَامَيْنِ لِزَيْدٍ اس، اور اس میں نون پھر اضافت سے گر جائے گا، لام بھی مقدر ہو جائے گا، کیسے پڑھیں گے؟ رَأَيْتُ غُلَامَيْ زَيْدٍ میں نے زید کے دو غلام دیکھے۔ تو یہاں پر بھی اب اس کے اندر دیکھو ان کے بعد لامِ اختصاص آرہا ہے لیکن جمہور نحوی فرماتے ہیں کہ یہاں پر بھی اس کو اضافت کی طرح پڑھنا جائز ہے۔ لَا أَبَ لَهُ میں لَا أَبَا لَهُ پڑھنا بھی جائز اور لَا غُلَامَيْنِ لَهُ اس کی اضافت میں نون کیا ہونا چاہیے؟ گرنا چاہیے، تو لَا غُلَامَيْ لَهُ پڑھنا جائز ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ یاد رکھو یہ عربوں سے اس طرح مسموع ہے کیونکہ آپ جانتے ہیں یہ نحو کے ضابطے کلامِ عرب

کے ہیں، جس طرح عربوں سے ہم نے کلام سنا ہے، البتہ علمائے نحو نے محنت کر کے ایسے ضابطے بیان کر دیے، یوں معلوم ہوتا ہے ضابطے پہلے بنائے گئے اور زبان اس کے بعد بنائی گئی حالانکہ زبان پہلے ہے اور ضابطے بعد میں۔ تو یہاں پر بھی یاد رکھو، اصل تو اسی طرح اکثر عربی میں اسی طرح استعمال ہوتا ہے لَا أَبَ لَهُ اور لَا غُلَامَيْنِ لَهُ، لیکن قلیل یوں بھی آیا ہے لَا أَبَا لَهُ، لَا غُلَامَيْ لَهُ، لَا مُسْلِمِي لَهُ، جمع کے اندر نون گرا دو لَا مُسْلِمِي لَهُ۔ توجہ ہے؟ تو علما فرماتے ہیں یہ قلیل آیا ہے عربی میں اور اتنا زیادہ قلیل بھی نہیں ہے کہ شاذ کی حد تک پہنچ جائے۔ ایک تو شاذ ہوتا ہے جو بڑا ہی نادر ہوتا ہے۔ شاذ بھی نہیں ہے، شاذ سے زیادہ یہ آیا ہے عربی زبان کے اندر، بہت سے شعرا اس کو نقل کرتے ہیں اسی طرح اپنے اشعار کے اندر۔ لیکن بہرحال کثیر نہیں ہے۔ کثیر کس طرح آیا ہے؟ لَا أَبَ لَهُ اور لَا غُلَامَيْنِ لَهُ اور یا لَا مُسْلِمُونَ لَهُ کی طرح آیا ہے۔

تو یہ کیوں اس طرح آیا؟ تو اب جمہور فرماتے ہیں، سنو بھائی، جمہور فرماتے ہیں کہ یہ لَا أَبَا لَهُ، یہ أَبَا اصل میں مضاف ہے ہا ضمیر کی طرف، مضاف ہے، توجہ ہے؟ اور لائے نفی جنس کا اسم، لائے نفی جنس کا اسم جب لا کے ساتھ ملا ہوا ہو اور نکرہ ہو اور مضاف یا مشابہ مضاف ہو تو وہ منصوب ہوتا ہے۔ تو یہاں تینوں شرطیں پوری، اسی لیے لَا أَبَا لَهُ الف کے ساتھ۔ توجہ ہے؟ تو یہ اصل میں مضاف ہو رہا ہے کس کی طرف؟ ہا ضمیر کی طرف یا ہا کی جگہ اگر مثلاً زید اسمِ ظاہر لے آئیں لَا أَبَا لِزَيْدٍ۔ تو یہ کیوں منصوب ہے، کیا وجہ ہے؟ پھر دہرائیں بھائی جلدی جلدی کہ یہ لا کا اسم ہے، ساتھ ملا ہوا ہے، نکرہ ہے اور مضاف ہو رہا ہے لہٰذا اس صورت میں یہ منصوب ہی ہوتا ہے، تینوں شرطیں پوری ہیں تو یہ منصوب آیا ہے۔ اور اسی طرح لَا غُلَامَيْنِ لَهُ، یہ بھی مضاف ہو رہا ہے لَهُ کی ہا ضمیر کی طرف اور یہاں بھی تینوں شرطیں پوری ہیں: غُلَامَيْنِ لا کے ساتھ ملا ہوا ہے، نکرہ ہے اور مضاف ہو رہا ہے تو اس لیے یہ منصوب ہے اور اضافت کی وجہ سے نون بھی گر گیا۔

تو جمہور فرماتے ہیں یہ حقیقتاً مضاف ہے ہا ضمیر کی طرف یا یوں کہو لام کے مدخول کی طرف، یہ حقیقتاً مضاف ہے۔ اس پر اشکال ہوتا ہے کہ بھائی اضافت، اضافت کے اندر تو ہم نے کبھی لام نہیں دیکھا، اضافت میں تو لام ہمیشہ مقدر ہوتا ہے، لفظوں میں نہیں آتا۔ غُلَامُ زَيْدٍ، آپ سے کوئی پوچھے یہ اصل میں کیا تھا؟ تو آپ کہتے ہیں غُلَامٌ لِزَيْدٍ، لیکن پھر لام کو کیا کر لیا گیا؟ مقدر کر لیا گیا اور غلام کی اضافت کر دی گئی زید کی طرف غُلَامُ زَيْدٍ۔ تو اضافت کے اندر تو لام ہمیشہ مقدر ہوتا ہے لیکن یہاں تو لام لفظوں میں موجود ہے۔ تو جمہور فرماتے ہیں کہ لام یہاں بھی مقدر ہی ہے، لام یہاں بھی مقدر ہی ہے، اور یہ جو آپ لفظوں میں لام دیکھ رہے ہیں یہ وہ والا لام نہیں ہے، وہ لام مقدر ہو چکا، اس کو حذف کر لیا گیا۔ یہ اس لامِ محذوف کی تاکید کے لیے ایک اور لام لایا گیا ہے، یہ ایک اس لامِ محذوف کی تاکید کے لیے ایک اور لام لایا گیا ہے، وہ اضافت والا لام یہاں محذوف ہے۔ بات سمجھ میں آ گئی۔

پھر سوال پیدا ہوا کہ بھائی کیا ضرورت تھی اس دوسرے لام کو لانے کی یہاں پر؟ تو وہ جواب دیتے ہیں کہ مقصد یہاں یہ تھا ایک تو اس اسم کو منصوب پڑھنا چاہتے تھے۔ اس اسم پر کیا پڑھنا چاہتے ہیں عرب؟ نصب پڑھنا چاہتے تھے۔ اور نیز،

نیز اس میں تکرار بھی نہیں چاہتے تھے تخفیف کے لیے، کیونکہ آپ جانتے ہیں لام کا مدخول کیا ہے؟ لام کس پر داخل ہے؟ ضمیر پر یا کسی اسمِ ظاہر پر یعنی معرفہ پر، کس پر؟ معرفہ پر۔ اور معرفہ کی طرف جب کوئی لفظ مضاف ہو جائے وہ بھی کیا بن جاتا ہے؟ معرفہ۔ تو اگر یہاں پر، اگر یہاں پر اگر یہ لام نہ ہوتا تو یہ أَبٌ یا غُلَامٌ کی اضافت لفظوں میں اس کی طرف ہوتی اور یہ کیا بن جاتا؟ معرفہ۔ اور آپ نے پڑھا ہے جب لائے نفی جنس معرفہ پر داخل ہو تو وہاں اس معرفہ پر رفع بھی پڑھیں گے اور نیز تکرار بھی ہو گا لا کے اسم کا: لَا زَيْدٌ فِي الدَّارِ وَلَا عَمْرٌو۔ توجہ ہے؟ لا کا اسم، لا کا اسم جب معرفہ آئے تو لا اس میں عمل نہیں کرتا، اس پر کیا پڑھتے ہیں؟ رفع پڑھتے ہیں اور نیز وہاں تکرارِ لا بھی ہوتا ہے: لَا زَيْدٌ فِي الدَّارِ وَلَا عَمْرٌو۔ تو اس پر نصب پڑھنے کے لیے اور نیز تاکہ تکرار نہ کرنا پڑے کیونکہ تکرار سے بات لمبی ہو جائے گی اور تخفیف کس میں ہے؟ غیرِ تکرار میں ہے۔ تو لہٰذا اس پر نصب پڑھنا چاہتے تھے اور نیز اس کا تکرار نہیں چاہتے تھے اس لیے اس لام کو لے آئے۔ اس لام کا فائدہ یہ ہوا کہ اب لَا أَبَا لَهُ یہ أَبَا معرفہ نہیں بنا۔ معرفہ بن جاتا تو کیا پڑھنا پڑتا؟ رفع اور نیز کیا ضروری ہوتا؟ تکرارِ اسم ہوتا مع تکرارِ لا۔ تو دیکھو اس لام کے لانے سے دونوں مسئلے حل ہو گئے۔ تو وہ جمہور فرماتے ہیں یہ حقیقت میں مضاف ہے لیکن معنیٰ کے اعتبار سے مضاف ہے، لفظوں کے اعتبار سے مضاف نہیں۔ لفظوں کے اعتبار سے اسی لیے لام لائے ہیں تاکہ وہ تینوں شرطیں بھی پوری ہو جائیں: ساتھ بھی ملا ہوا ہے لا کے ساتھ یہ اسم، نکرہ بھی ہے اور مضاف یا مشابہ مضاف ہو تو کیا ہوتا ہے؟ منصوب، تینوں شرطیں اس میں پوری ہیں۔ تو نصب بھی پڑھنا چاہتے تھے اس لیے اضافت بھی کر دی اور نیز درمیان میں لام بھی لے آئے تاکہ یہ معرفہ بھی نہ بنے، ورنہ تو پھر رفع پڑھنا پڑے گا اور تکرارِ لا اور تکرارِ اسم بھی ہو گا۔ تقریر سمجھ میں آگئی۔

کیا وجہ ہوئی؟ جمہور کیا فرماتے ہیں کہ یہ لَا أَبَا لَهُ، یہ أَبَا حقیقت میں ہا ضمیر کی طرح مضاف ہے۔ یعنی جو بھی لام کا مدخول ہے چاہے اسمِ ظاہر ہو چاہے ضمیر ہو۔ اور لَا غُلَامَيْ لَهُ یہ بھی حقیقت میں کیا ہے؟ مضاف۔ لیکن کہتے ہیں معنیٰ کے اعتبار سے مضاف ہے لفظوں کے اعتبار سے مضاف نہیں، کیونکہ اگر لفظوں کے اعتبار سے مضاف ہو گا تو پھر کیا بن جائے گا؟ یہ تو معرفہ بن جائے گا، پھر ہم اس پر نصب بھی نہیں پڑھ سکتے اور نیز پھر اس کا تکرار بھی کرنا پڑے گا۔ تو عرب کیا پڑھنا چاہتے تھے؟ نصب بھی پڑھنا چاہتے تھے اور تکرار بھی نہیں چاہتے تھے، اس لیے اس میں ایک اور لام انہوں نے پڑھا، اور یہ وہ لامِ اختصاص نہیں ہے بلکہ وہ لام حذف ہو چکا ہے اور یہ اسی لام کی تاکید دوسرا لام لایا گیا۔ یہ کس کے نزدیک ہے؟ جمہور نحویوں کے نزدیک۔ بات سمجھ میں آگئی۔

تو دیکھیے بھائی، کہتے ہیں وَمِثْلُ لَا أَبَا لَهُ وَلَا غُلَامَيْ لَهُ جَائِزٌ، اور اس جیسی مثالیں جیسے لَا أَبَا لَهُ اور لَا غُلَامَيْ لَهُ یہ جائز ہیں۔ بھائی اس جیسی مثالوں سے کس قسم کی مثالیں مراد ہیں؟ میں نے بتلایا کہ جس میں لائے نفی جنس کا اسم کیا ہو؟ أَبٌ یا

أَخٌ وغیرہ ہو اور یا تثنیہ اور جمع ہو اور اس کے بعد کیا آرہا ہو؟ لامِ اختصاص۔ لَا أَبَا لَهُ لام آرہا ہے یا نہیں آگے؟ تو لا کا اسم پھر دہراؤ زبان سے لا کا اسم کیا ہو؟ أَبٌ یا أَخٌ وغیرہ اسمائے ستہ ہوں سوائے ذُو کے، اور یا تثنیہ اور جمع ہوں اور اس کے بعد کیا آ رہا ہو؟ لامِ اختصاص ہو، تو پھر اس صورت کے اندر اس پر اضافت والے احکام جاری کرنا جائز ہے بھائی۔ بات سمجھ میں آگئی؟ یہ لَا أَبَا لَهُ، یہ الف تو ویسے نہیں آتا أَبٌ کے ساتھ، یہ کب آئے گا جب مضاف ہو تب اس وقت اس کا نصب الف کے ساتھ آتا ہے۔ اور غُلَامَيْ کا نون ویسے تو نہیں گرتا، جب یہ مضاف ہو تب ہی گرتا ہے، تو ان پر اضافت کے احکام جاری کرنا جائز ہے بھائی۔ یہ معنیٰ ہے وَمِثْلُ لَا أَبَا لَهُ وَلَا غُلَامَيْ لَهُ جَائِزٌ، اور اس جیسی مثالیں لَا أَبَا لَهُ وَلَا غُلَامَيْ لَهُ یہ جائز ہیں۔ اور اصل میں یہ کیا ہے؟ لَا أَبَ لَهُ اور لَا غُلَامَيْنِ لَهُ، لیکن قلیل اس طرح بھی آیا ہے بھائی۔

آگے دیکھیے متن بھائی: تَشْبِيهًا لَهُ بِالْمُضَافِ۔ یہ اب صاحبِ کافیہ کی تقریر شروع ہوگی۔ جمہور نے کیا کہا؟ لَا أَبَا لَهُ یا لَا أَبَا لِزَيْدٍ، یہ أَبَا کی حقیقت میں اضافت ہو رہی ہے کس کی طرف؟ لام کے مدخول کی طرف، لیکن معنیٰ کے اعتبار سے ہے لفظوں کے اعتبار سے نہیں ہے۔ صاحبِ کافیہ جمہور کے مذہب کو رد کریں گے، کہیں گے نہیں یہ مضاف نہیں ہے۔ یہ مضاف نہیں ہے، ہاں مضاف جیسی صورت ان کو دے دی گئی ہے۔ لَا أَبَا لَهُ، یہ أَبٌ کے ساتھ تو الف اضافت کے وقت آتا ہے جب یہ مضاف ہوتا ہے تب الف آتا ہے ویسے نہیں آتا، تو اس کو مضاف والی صورت دے دی ہے۔ اور اسی طرح لَا غُلَامَيْ لَهُ، اس کے اندر تو نون آنا چاہیے لیکن اس کو صورت کون سی دے دی ہے؟ مضاف والی صورت دے دی ہے کیونکہ اضافت میں نون گرتا ہے ویسے نون نہیں گرتا۔ تو صاحبِ کافیہ کیا فرماتے ہیں؟ یہ حقیقت میں مضاف نہیں۔ جمہور کیا فرماتے ہیں؟ یہ حقیقت میں مضاف ہیں لیکن معنیٰ کے اعتبار سے ہیں لفظوں کے اعتبار سے مضاف نہیں۔ صاحبِ کافیہ آپ کو بتلائیں گے نہیں یہ مضاف ہیں ہی نہیں، صرف مضاف جیسی صورت ان کو دی گئی ہے، مضاف کے ان کو مشابہ بنایا گیا ہے۔ مضاف کے مشابہ بنایا گیا ہے۔ بھائی کیوں مضاف کے، مضاف کیوں نہیں؟ کہتے ہیں اگر آپ مضاف اس کو مانیں گے تو معنیٰ خراب ہو جائے گا۔ بات سمجھ میں آگئی؟ وہ کیسے خراب ہوگا وہ آگے بیان کریں گے، لیکن یہاں یہ بیان کریں گے کہ اس کو مضاف کے مشابہ بنانے کے لیے مضاف کی صورت دی گئی۔

بھائی مضاف کے مشابہ مضاف کی صورت کیوں دی گئی؟ کہتے ہیں اس لیے کیونکہ دونوں کی مشارکت ہے مضاف کے اصلِ معنیٰ میں یعنی اختصاص کے اندر۔ دونوں کی مشارکت ہے۔ بھائی دیکھو اضافت جو ہے نا اضافت اختصاص کا فائدہ دیتی ہے، توجہ ہے؟ غُلَامُ زَيْدٍ کیا معنیٰ؟ زید کا غلام۔ معلوم ہوا یہ غلام اس کا، یہ خاص ہے زید کے ساتھ، یہ زید کا غلام ہے عمر یا بکر کا غلام نہیں۔ اسی طرح أَبُو زَيْدٍ کیا معنیٰ؟ یہ باپ خاص ہے زید کا۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو اضافت جیسے اختصاص کا فائدہ دیتی ہے، اس ترکیب کے اندر بھی آگے لامِ اختصاص آرہا ہے تو یہ بھی اختصاص کا فائدہ دے رہی ہے۔ تو اس ترکیب کی مشارکت آگئی مضاف کے ساتھ یا یوں کہو، یوں کہو یہ جو لا کا اسم ہے، یہ جو لا کا اسم یہاں پر ہے اس کی مشارکت

آگئی کس کے ساتھ؟ مضاف کے ساتھ۔ جیسے مضاف میں اختصاص ہوتا ہے اس کے اندر بھی کیا ہے؟ اختصاص ہے۔ دیکھو لَا أَبَا لَهُ یا یوں کہو لَا أَبَا لِزَيْدٍ، کس کی نفی کی جا رہی ہے؟ جنسِ اب کی، لیکن مطلقاً یا زید کے جنسِ اب کی نفی کی جا رہی ہے؟ زید کے جنسِ اب کی نفی کی جا رہی ہے لَا أَبَا لِزَيْدٍ۔ دیکھا معلوم ہوا یہاں بھی اختصاص ہے، جس چیز کی نفی کی جا رہی ہے اس کا اختصاص ہے کس کے ساتھ؟ زید کے ساتھ۔ یا لَا غُلَامَيْ لِزَيْدٍ، یہاں پر بھی دیکھو یہ غُلَامَيْنِ ان کا اختصاص ہے جن کی نفی کی جا رہی ہے کس کے ساتھ؟ زید کے ساتھ کہ زید کے لیے جنسِ غلام ہی نہیں ہیں۔ بات سمجھ میں آ رہی ہے؟ اس جیسی ترکیبوں میں ان کو مضاف جیسی صورت دی گئی۔ کیوں مضاف جیسی صورت دی گئی؟ یعنی ان کو مضاف کے مشابہ بنایا گیا، اس جیسی صورت دی گئی۔ کیوں مشابہ بنایا گیا؟ کیونکہ اس لا کے اسم کی مشارکت ہے مضاف کے ساتھ، جیسے مضاف میں اختصاص ہوتا ہے غُلَامُ زَيْدٍ یہ غلام کس کا ہے؟ زید کا، أَبُو زَيْدٍ یہ باپ کس کا ہے؟ زید کا، تو جیسے مضاف کا اختصاص ہوتا ہے مضاف الیہ کے ساتھ، یہاں پر بھی کیا ہے؟ اس ترکیب کے اندر بھی لامِ اختصاص ہے جو ماقبل کا اختصاص بیان کر رہا ہے لام کے مدخول کے ساتھ۔ دونوں میں کیا ہے؟ اختصاص۔

یہاں ایک اور بات سمجھ لو۔ یاد رکھو یہ جو اضافت ہے نا اس کا اصلِ معنیٰ اختصاص ہے، یہ اختصاص کا فائدہ دیتی ہے۔ ہاں بعض خاص مادوں کے اندر یہ تعریف کا بھی فائدہ دے دیتی ہے۔ ابھی اضافت کی بحث آنے والی ہے مجرورات کی بحث کے اندر۔ ایک صورت کیا ہے؟ دیکھو ادھر دیکھو آپ نکرہ کی اضافت کرتے ہیں نکرہ کی طرف: غُلَامُ رَجُلٍ۔ دیکھو نکرہ کی اضافت جب نکرہ کی طرف ہو تو یہ صرف تخصیص کا فائدہ دیتی ہے یعنی احتمالات کم ہو جاتے ہیں۔ پہلے غلام کا لفظ عام تھا چاہے مردوں کا غلام ہو چاہے عورتوں کا، سب پر یہ لفظ بولا جا سکتا تھا: غُلَامٌ۔ مرد کا غلام وہ بھی کیا ہے؟ غلام، عورت کا غلام وہ بھی کیا ہے؟ غلام۔ لیکن جب آپ نے نکرہ کی طرف اضافت کر دی غُلَامُ رَجُلٍ تو اب اس غلام کا اختصاص ہو گیا کس کے ساتھ؟ رَجُلٍ کے ساتھ، صرف جو مردوں کے غلام ہیں ان کو تو آپ یہ غُلَامُ رَجُلٍ کہہ سکتے ہیں، جو عورتوں کے غلام ہیں ان پر یہ لفظ صادق نہیں۔ تو دیکھو اضافت اختصاص کا فائدہ دیتی ہے، ایک چیز خاص ہو جاتی ہے دوسری چیز کے ساتھ، جیسے غُلَامُ رَجُلٍ جیسے غلام خاص ہو گیا رَجُلٍ کے ساتھ۔ اور کبھی خاص مادوں کے اندر یہ اضافت تعریف کا بھی فائدہ دیتی ہے اگر مضاف الیہ معرفہ ہو، اگر مضاف الیہ... جیسے مضاف الیہ ابھی رَجُلٌ نکرہ تھا اب معرفہ زید لے آؤ غُلَامُ زَيْدٍ۔ غُلَامُ زَيْدٍ کا کیا معنیٰ؟ زید کا غلام، اب یہ غلام معرفہ بن گیا، کیا بن گیا؟ معرفہ۔ توجہ سے سنو بھائی۔ یہ اضافت نکرہ کی اضافت نکرہ کی طرف ہو تو وہ تخصیص کا فائدہ دیتی ہے، وہ معرفہ نہیں بنتا۔ غُلَامُ رَجُلٍ کیا یہ غلام کوئی معین ہو گیا؟ نہیں۔ کسی مرد کا کوئی غلام، دیکھو اس کا ترجمہ یہ ہو گا، تو اس میں تعریف نہیں آئی۔ لیکن اگر یہی غلام کا لفظ معرفہ کی طرف مضاف کر دو غُلَامُ زَيْدٍ زید کا غلام، اب یہ معرفہ بن گیا۔ معلوم ہوا وہ جو زید کا متعین غلام ہے آپ اس کی بات کر رہے ہیں کسی اور کے غلام

کی بات نہیں کر رہے۔ تو اضافت، نکرہ کی اضافت نکرہ کی طرف ہو تو کس چیز کا فائدہ دیتی ہے؟ تخصیص یا یوں کہو اختصاص کا، کس چیز کا؟ اختصاص کا۔ اور نکرہ کی اضافت معرفہ کی طرف ہو تو وہ بھی اختصاص کا فائدہ دیتی ہے، البتہ وہاں تعریف بھی آجاتی ہے۔

یا یوں کہو، نکرہ کی نکرہ کی طرف اضافت ہو تو وہ اختصاص کا فائدہ دیتی ہے، اور نکرہ کی معرفہ کی طرف اضافت ہو تو وہ تعریف کا فائدہ دیتی ہے، لیکن جہاں تعریف ہو گی وہاں بھی کیا ہو گا؟ اختصاص ضرور ہو گا۔ تو معلوم ہوا اضافت کا اصلِ معنیٰ اختصاص ہے۔ اضافت کا اصلِ معنیٰ اختصاص ہے۔ اور کبھی جب مضاف الیہ معرفہ ہو تو پھر تعریف بھی آجاتی ہے، وہ لفظ معرفہ بھی بن جاتا ہے، لیکن تعریف ایک زائد چیز ہے، اضافت کا اصل معنیٰ کیا ہے؟ اختصاص۔ پھر دہراؤ، پھر دہراؤ۔ نکرہ کی نکرہ کی طرف اضافت ہو تو وہ تخصیص کا فائدہ دیتی ہے، اور نکرہ کی اضافت معرفہ کی طرف ہو تو وہ تعریف کا فائدہ دیتی ہے، وہ لفظ معرفہ بن جاتا ہے، لیکن جہاں تعریف ہو گی وہاں بھی کیا ہو گا؟ اختصاص ہو گا کہ ایک چیز دوسری چیز کے ساتھ خاص ہے، غُلَامُ زَيْدٍ یہ غلام خاص ہے کس کے ساتھ؟ زید کے ساتھ۔ تو معلوم ہوا اضافت جو بھی آپ کریں گے اس میں اختصاص ضرور آئے گا، چاہے نکرہ کی طرف اضافت کریں چاہے معرفہ کی طرف۔ ہاں معرفہ میں تعریف بھی آجاتی ہے، لیکن تعریف زائد چیز ہے۔ جو، تعریف زائد چیز ہے جو صرف معرفہ کی طرف اضافت میں آتی ہے، نکرہ کی طرف اضافت میں نہیں آتی۔ تو اضافت کا اصلِ معنیٰ کیا ہے؟ اختصاص ہے۔ اضافت اختصاص بیان کرتی ہے کہ ایک چیز دوسری چیز کے ساتھ خاص ہے۔ بات سمجھ میں آگئی۔

تو اب یہاں پر بھی دیکھو، یہاں پر بھی لامِ اختصاص آیا، جیسے اضافت اختصاص کا فائدہ دیتی ہے: لَا أَبَا لَهُ، یا یوں کہو لَا أَبَ لَهُ، لَا أَبَ لَهُ۔ اس کے اندر بھی جس جنسِ باپ کی نفی ہو رہی ہے اس کا اختصاص ہے کس کے ساتھ؟ یہ لام کے مدخول، جو بھی ہے مثلاً زید ہے، عمرو، بکر جو بھی ہے جس کی طرف یہ ضمیر راجع ہے، یا اس کا نام لے آؤ: لَا أَبَ لِزَيْدٍ۔ اس کے اندر جنسِ اب کی نفی ہو رہی ہے لیکن کس جنسِ اب کی؟ عمرو یا بکر سے یا زید سے؟ زید سے۔ تو دیکھو اس کا بھی اختصاص ہے، جس اب کی نفی ہو رہی ہے اس کا اختصاص ہے لام کے مدخول کے ساتھ۔ تو جیسے اضافت اختصاص کا فائدہ دیتی ہے یہ ترکیب جس کے اندر لام موجود ہے یہ بھی اختصاص کا فائدہ دیتا ہے، تو جیسے مضاف میں اختصاص ہوتا ہے اس لام کے اسم میں بھی کیا آگیا ہے؟ اختصاص۔ لہٰذا اس کو مضاف والی صورت دے دی اور اضافت کی صورت میں تو أَبٌ کا نصب کس کے ساتھ آتا ہے؟ الف کے ساتھ، تو الف اس کے ساتھ ملا دیا۔ اور اضافت کی صورت میں غُلَامَيْنِ تثنیہ کا نون گر جاتا ہے تو وہ نون گرا دیا گیا۔ بات سمجھ میں آگئی؟ حل ہو گیا اچھی طرح؟

دیکھو بھائی، کہتے ہیں تَشْبِيهًا لَهُ، متن متن، تَشْبِيهًا لَهُ بِالْمُضَافِ۔ جی ترجمہ کیجیے: تَشْبِيهًا لَهُ۔ لَهُ ضمیر راجع ہے اس لا کے

اسم کو۔ تَشْبِيهًا لَهُ بِالْمُضَافِ۔ یاد رکھو یہ تَشْبِيهًا جو ہے یہ مفعول لہ ہے۔ مفعول لہ وہ مصدر جو ماقبل فعل کی علت بیان کرتا ہے: ضَرَبْتُهُ تَأْدِيبًا، میں نے اس کی پٹائی کی تَأْدِيبًا کس لیے؟ ادب سکھانے کے لیے۔ تو یہاں بھی فرما رہے ہیں کہ اس جیسی ترکیبیں جائز ہیں تَشْبِيهًا لَهُ، لَهُ ہا ضمیر راجع ہے لائے نفی جنس کا یہ جو اسم ہے، اس لائے نفی جنس کے اسم کو تشبیہ دینے کے لیے بِالْمُضَافِ کس کے ساتھ؟ مضاف کے ساتھ، نہیں یہ ترجمہ نہ کرنا بھائی، تشبیہ دینے کے لیے بلکہ یوں کہو مشابہ بنانے کے لیے، کس لیے؟ مشابہ بنانے کے لیے۔ ہاں یہ الف کے اثبات اور نون کے حذف کے ساتھ کیوں پڑھا جاتا ہے؟ تَشْبِيهًا لَهُ بِالْمُضَافِ، اس لائے نفی جنس کے اسم کو مشابہ بنانے کے لیے بِالْمُضَافِ کس کے ساتھ؟ مضاف کے ساتھ، کہ اس کے مشابہ ہو جائے۔

بھائی کیوں؟ کہتے ہیں لِمُشَارَكَتِهِ لَهُ فِي أَصْلِ مَعْنَاهُ۔ لِمُشَارَكَتِهِ اس لیے کیونکہ یہ جو لا کا اسم ہے، یہ اس کی مشارکت آگئی، لِمُشَارَكَتِهِ اس لیے کیونکہ اس کی مشارکت آگئی لَهُ أَيْ لِلْمُضَافِ کس کے ساتھ؟ مضاف کے ساتھ مشارکت آگئی۔ بھائی کس چیز میں؟ کہتے ہیں فِي أَصْلِ مَعْنَاهُ، مضاف کے اصل معنیٰ میں، مضاف کے اصلِ معنیٰ میں۔ مضاف کا اصلِ معنیٰ کیا؟ یعنی مضاف ہونے کے اعتبار سے اس میں اختصاص آیا ہے۔ بھائی دیکھو غُلَامُ رَجُلٍ، یہ غُلَامٌ مضاف ہے اور رَجُلٍ مضاف الیہ۔ غلام کا تو اپنا معنیٰ ہے مملوک بھائی۔ غلام جو ہوتا ہے وہ شخص، وہ شخص بنی آدم میں سے جو مذکر ہے اور کسی کا مملوک ہے اس کو غلام کہتے ہیں۔ تو یہ والا معنیٰ مراد نہیں ہے کہ اس لفظ کا اصل معنیٰ، بلکہ مضاف ہونے کی حیثیت سے جو اس کا اصل معنیٰ ہے، اور مضاف ہونے کی حیثیت سے اس غلام میں اختصاص آگیا ہے، کیا آگیا ہے؟ اختصاص آگیا ہے۔ تو جیسے، جیسے اضافت کے اندر اختصاص آجاتا ہے اسی طرح اس لائے نفی جنس کا جو اسم ہے اس میں بھی کیا آگیا؟ اس کے بعد لامِ اختصاص آرہا ہے، تو اس کے اندر بھی اختصاص والا معنیٰ ہے بھائی۔ تو یہ مضاف کے ساتھ اس کی مشارکت ہو گئی۔ دونوں اختصاص والے معنیٰ میں شریک ہو گئے۔ جب شریک ہو گئے تو اس کو اس مضاف کا ہم شکل بنانا، اس کے مشابہ بنانا جائز ہے بھائی۔

پھر دیکھیے، کہتے ہیں تَشْبِيهًا لَهُ بِالْمُضَافِ، لائے نفی جنس کے اس اسم کو مضاف کے مشابہ بنانے کے لیے، لِمُشَارَكَتِهِ لَهُ، اس وجہ سے کہ لائے نفی جنس کے اس اسم کی مشارکت ہے لَهُ أَيْ لِلْمُضَافِ کس کے ساتھ؟ مضاف کے ساتھ مشارکت ہے، فِي أَصْلِ مَعْنَاهُ۔ مَعْنَاهُ کی ہا ضمیر مضاف کو راجع ہے۔ فِي أَصْلِ مَعْنَاهُ مضاف کے اصل معنیٰ میں، اور مضاف کا اصل معنیٰ کیا ہے؟ اصل معنیٰ اس میں اضافت والا ہے یعنی اختصاص ہے اس کے اندر بھائی۔ تو دونوں کے اندر اختصاص تھا تو لہٰذا اس کو اضافت والی صورت دے دی۔ بات سمجھ میں آگئی۔

آگے دیکھیے: وَمِنْ ثَمَّ اور اسی وجہ سے لَمْ يَجُزْ لَا أَبَا فِيهَا، اور اسی وجہ سے لَا أَبَا فِيهَا یہ جائز نہیں۔ لَا أَبَا فِيهَا جائز نہیں اس کے اندر أَبٌ کے ساتھ آپ الف پڑھ دیں لَا أَبَا فِيهَا یہ جائز نہیں۔ کیوں نہیں جائز؟ کیونکہ اس کی، اس کی مشارکت نہیں

ہے بھائی، کیونکہ اس کے اندر لَا أَبَا فِيهَا یہاں فِي آرہا ہے اور وہاں کیا تھا؟ لام۔ لَا أَبَا لَهُ، وہاں لام تھا اور لام اختصاص کا فائدہ دیتا ہے، فِي تو اختصاص کا فائدہ نہیں دیتا۔ توجہ ہے؟ اس ترکیب میں کیا تھا؟ لَا أَبَا لَهُ یا لَا غُلَامَيْ لَهُ، تو وہاں لام اختصاص کا فائدہ دے رہا تھا اور اضافت میں بھی کیا ہوتا ہے؟ اختصاص۔ تو اس لا کے اسم کی مشارکت آگئی کس کے ساتھ؟ مضاف کے ساتھ اصل معنیٰ یعنی اختصاص کے اندر، تو اس جیسی صورت دینا جائز ہوا۔ لیکن یہاں تو لام ہے ہی نہیں، لَا أَبَا فِيهَا یہ کہنا جائز نہیں بلکہ لَا أَبَ فِيهَا کہیں گے، کیا کہیں گے؟ لَا أَبَ فِيهَا۔ تو یوں تو کہہ سکتے ہیں، لَا أَبَا فِيهَا نہیں کہہ سکتے کیونکہ یہاں لام نہیں۔ تو اس کی مشارکت نہ ہوئی مضاف کے ساتھ۔ جب مشارکت نہیں تو اس جیسی صورت دینا بھی جائز نہیں، لہٰذا یہاں الف نہیں پڑھ سکتے۔ بات سمجھ میں آگئی۔ تو کہتے ہیں وَمِنْ ثَمَّ اور اسی وجہ سے لَمْ يَجُزْ لَا أَبَا فِيهَا، یہ لَا أَبَا فِيهَا جائز نہیں ہے۔

آگے دیکھیے متن: وَلَيْسَ بِمُضَافٍ لِفَسَادِ الْمَعْنَى، اور یہ مضاف نہیں ہے معنیٰ کے خراب ہو جانے کی وجہ سے، خِلَافًا لِسِيبَوَيْهِ بخلاف امام سیبویہ کے، یعنی وہ فرماتے ہیں کہ مضاف ہے۔ میں نے ابھی آپ کو بتلایا بھائی جمہور کیا فرماتے ہیں؟ لَا أَبَا لَهُ یہ أَبَا حقیقت میں مضاف ہے لام کے مدخول کی طرف چاہے اسمِ ظاہر ہو چاہے ضمیر ہو، لیکن ہونا معرفہ چاہیے۔ تو یہ مضاف ہے حقیقتاً بھائی۔ امام سیبویہ کا بھی یہی مذہب، امام خلیل ابن احمد رحمہ اللہ یہ امام سیبویہ کے استاذ ہیں اور قرائے سبعہ میں سے ہیں ان کا بھی یہی مذہب ہے، علامہ زمخشری کا بھی یہی مذہب ہے، جمہور کا بھی یہی مذہب ہے بھائی۔ تو وہ فرماتے ہیں یہ حقیقتاً مضاف ہے، البتہ معنیٰ کے اعتبار سے مضاف ہے لفظوں کے اعتبار سے نہیں۔ اگر لفظوں کے اعتبار سے مضاف ہوتا تو اس نے معرفہ بن جانا تھا، اور معرفہ ہو جاتا تو پھر ہم نصب نہیں پڑھ سکتے تھے، پھر رفع بھی پڑھنا تھا اور تکرارِ اسم بھی ہونا تھا۔ تو اسی لیے لفظوں کے اعتبار سے لام لائے ہیں۔ لیکن صاحبِ کافیہ فرماتے ہیں نہیں، یہ مضاف نہیں ہے بھائی، اس لیے کیونکہ اگر اس کو آپ مضاف بنائیں گے، مضاف اس کو مانیں گے تو پھر معنیٰ فاسد ہو جائے گا، معنیٰ خراب ہو جائے گا۔

توجہ ہے؟ کس طرح معنیٰ کس طرح خراب ہو گا؟ ایک خرابی تو یہ، دیکھو صاحبِ جامی آپ کو بتلائیں گے: لَا أَبَا لَهُ یہ پورا جملہ ہے۔ لَا أَبَا لَهُ کا کیا معنیٰ؟ لَهُ کی جگہ نام لے آؤ لَا أَبَ لِزَيْدٍ، زید کے لیے جنسِ باپ ہی نہیں ہے، اس سے جنسِ باپ ہی کی نفی کرنا مقصود ہے اور یہ جملہ پورا ہے، دیکھو اس میں بات پوری ہے: لَا أَبَ لِزَيْدٍ زید کے لیے جنسِ باپ نہیں ہے، اور لَا غُلَامَيْ لَهُ أَيْ لَا غُلَامَيْ لِزَيْدٍ زید کے لیے جنسِ دو غلام نہیں، اس میں بات پوری ہے۔ یعنی یہ مستقل کلام ہے یعنی یہاں خبر وغیرہ محذوف نہیں ہے۔ أَبَ یا غُلَامَيْ یہ لا کا اسم ہے اور لَهُ کیا ہے؟ لا کی خبر ہے۔ لیکن اگر اضافت مان لی جائے تو پھر اس صورت کے اندر پھر یہ لَا أَبَا لَهُ یہ کس معنیٰ میں ہو جائے گا؟ لَا أَبَاهُ کے معنیٰ میں ہو جائے گا اور پھر آگے خبر بھی چاہیے ہو گی: لَا أَبَاهُ مَوْجُودٌ۔ اور لَا غُلَامَيْ لَهُ کس معنیٰ میں ہو جائے گا؟ لَا غُلَامَيْهِ مَوْجُودٌ، آگے خبر نکالنا پڑے گی۔ تو ایک تو یہ

خرابی لازم آئے گی کہ لَا أَبَا لَهُ اور لَا غُلَامَيْ لَهُ پورا جملہ ہے، مستقل کلام ہے، اس میں کسی جز کو محذوف نکالنے کی حاجت نہیں یا یوں کہو یہاں خبر محذوف نہیں۔ لیکن اگر آپ کہیں گے کہ یہ حقیقتاً مضاف ہیں تو پھر خبر علیحدہ نکالنا پڑے گی۔

اور نیز دوسری خرابی یہ ہے کہ اس ترکیب کے ذریعے مقصود یہ ہے لَا أَبَا لَهُ یا یوں کہو لَا أَبَ لِزَيْدٍ کہ زید کے لیے جنسِ باپ ہی نہیں ہے، زید کے لیے جنسِ باپ ہی نہیں ہے، لَا غُلَامَيْ لِزَيْدٍ زید کے لیے جنسِ دو غلام ہی نہیں ہیں۔ اور اگر آپ اضافت کر دیں گے تو اضافت سے لفظ کیا بن جاتا ہے؟ معرفہ بن گیا، کیا بن گیا؟ معرفہ بن گیا اور معرفہ کسے کہتے ہیں؟ جو کسی متعین اور معلوم ذات پر دلالت کرے۔ تو لَا أَبَا لَهُ اصل میں کیا کس معنیٰ میں ہو گیا کلام؟ لَا أَبَاهُ مَوْجُودٌ، لَا أَبَاهُ مَوْجُودٌ۔ اور أَبَاهُ کا کیا ترجمہ کریں گے؟ أَبَا مضاف ہے ہا ضمیر مضاف الیہ، اور معرفہ کی طرف جو لفظ مضاف ہو وہ بھی کیا بن جاتا ہے؟ معرفہ بن جاتا ہے، تو أَبَاهُ کہہ لو یا أَبَا زَيْدٍ ذرا کہہ لو بات اور واضح ہو جائے گی: لَا أَبَا زَيْدٍ مَوْجُودٌ۔ تو معلوم ہوا أَبَا زَيْدٍ یہ کیا ہے؟ معرفہ، اور معرفہ کسے کہتے ہیں؟ جو کسی متعین اور معلوم ذات پر دلالت کرے، تو معنیٰ کلام کا یہ ہو جائے گا لَا أَبَا زَيْدٍ کہ زید کا وہ جو معلوم باپ ہے، لَا مَوْجُودٌ اس کا وجود نہیں ہے۔ لَا أَبَا زَيْدٍ مَوْجُودٌ، زید کا وہ جو معلوم باپ ہے وہ موجود نہیں ہے، یعنی وہ غائب ہے اس وقت کہیں گیا ہوا ہے یا وہ مر چکا ہے دنیا سے جا چکا ہے، تو زید کا وہ جو معلوم باپ ہے وہ موجود نہیں ہے، زید کا وہ جو معلوم باپ ہے وہ موجود نہیں ہے۔ معلوم ہوا باپ ہے لیکن موجود نہیں، حالانکہ اس کے ذریعے تو یہ تو مقصود نہیں ہے کہ وہ جو معلوم باپ ہے وجود تو ہے لیکن موجود اس وقت نہیں ہے، بلکہ مقصد کیا ہوتا ہے؟ لَا أَبَا لَهُ فلاں کے لیے جنسِ باپ ہے ہی نہیں۔ یہ تو جو آپ کا معنیٰ مراد تھا جس کا آپ ارادہ کرنا چاہتے تھے یہ تو اس کے خلاف ہو گیا۔ آپ کیا کہنا چاہتے تھے؟ لَا أَبَ لِزَيْدٍ زید کے لیے جنسِ باپ ہی نہیں ہے، آپ یہ کہنا چاہتے تھے۔ اور اگر آپ اضافت مان لیں تو پھر کیا معنیٰ بن جائے گا؟ لَا أَبَاهُ مَوْجُودٌ زید کا وہ جو معلوم باپ ہے وہ موجود نہیں ہے، یا وہ مر چکا ہے یا اس وقت غائب ہے کہیں گیا ہوا ہے۔ توجہ ہے؟ تو آپ کا جو معنیٰ مراد تھا جو آپ کہنا چاہتے تھے جس کا آپ نے ارادہ کیا تھا وہ فاسد ہو گیا۔ آپ نے تو یہ ارادہ نہیں کیا، آپ نے تو یہ ارادہ کیا تھا کہ زید کے لیے جنسِ باپ ہی نہیں ہے، زید کی کس نے تربیت ہی نہیں کی، زید کو کس نے اخلاق ہی نہیں سکھائے، آپ تو یہ کہنا چاہتے تھے، اور معنیٰ کیا بن گیا اگر اضافت مان لی جائے تو معنیٰ یہ ہے زید کا وہ جو معلوم باپ ہے آپ سب کو معلوم ہے بھائی معرفہ ہے معرفہ کسے کہتے ہیں؟ معین ذات، معلوم ہوا زید کا معلوم باپ بھائی وہ جو آپ سب کو پتہ ہے وہ اس وقت موجود نہیں ہے، حالانکہ یہ تو کہنے کا مقصد نہیں ہے۔

یا دوسری مثال لے لو لَا غُلَامَيْنِ لِزَيْدٍ، لَا غُلَامَيْنِ لِزَيْدٍ آپ کا کیا مقصود ہے؟ کہ زید کے لیے جنسِ دو غلام ہیں ہی نہیں، کبھی اس کے لیے جنسِ دو غلام ہوئے ہی نہیں۔ اور اگر آپ اضافت مان لیں تو کیا معنیٰ بنے گا؟ أَيْ لَا غُلَامَيْهِ مَوْجُودَانِ، غُلَامَيْنِ تثنیہ ہے تو خبر بھی اس کے مطابق تثنیہ نکالیں گے بھائی: لَا غُلَامَيْهِ مَوْجُودَانِ۔ زید کے وہ جو دو معلوم اور متعین غلام

ہیں وہ اس وقت موجود نہیں ہیں، وہ کہیں غائب ہیں گئے ہوئے ہیں۔ تو اس میں تو آپ نے اثبات کر دیا اس کے لیے، آپ کے مقصد تھا دو غلاموں کی جنس کی نفی اور آپ نے کیا کر دیا دو غلاموں کا اثبات، دو غلام موجود تو ہیں متعین بھی ہیں آپ کو بھی پتہ ہے لیکن اس وقت وہ موجود نہیں ہیں کہیں گئے ہوئے ہیں بھائی۔ اور نیز آپ کا مقصد تھا جنسِ اب کی نفی کرنی تھی کہ اس کا باپ ہے ہی نہیں، اور آپ نے کیا کہا لَا أَبَاهُ مَوْجُودٌ اس کا وہ جو معلوم باپ ہے آپ کو بھی پتہ ہے معلوم ہے وہ اس وقت موجود نہیں۔ تو یہ تو آپ نے معلوم باپ اور معلوم غلاموں کی نفی کر دی حالانکہ یہ مقصد نہیں تھا بلکہ جنسِ اب اور جنسِ غلاموں کی نفی کرنا مقصود تھا۔ بات سمجھ میں آگئی؟ حل ہو گیا؟ تو کہتے ہیں وَلَيْسَ بِمُضَافٍ لِفَسَادِ الْمَعْنَى، اور یہ جو لائے نفی جنس کا اسم جو ہے اس جیسی ترکیبوں میں وہ مضاف نہیں ہے حقیقتاً، لِفَسَادِ الْمَعْنَى معنیٰ کے فاسد ہو جانے کی وجہ سے، خِلَافًا لِسِيبَوَيْهِ بخلاف امام سیبویہ کے اور جمہور کے نزدیک کہ ان کے نزدیک یہ معنیٰ کے اعتبار سے مضاف ہے اور لام کو کس لیے لایا گیا؟ تاکہ لفظوں کے اندر معرفہ نہ بنے، معنیٰ میں مضاف ہے لفظوں میں مضاف نہیں اسی لیے لام لایا گیا ورنہ تو پھر ہم نصب بھی نہیں پڑھ سکتے تھے اور نیز ہمیں لا کے اسم کا بھی تکرار کرنا پڑتا، لَا زَيْدٌ فِي الدَّارِ وَلَا عَمْرٌو کی طرح بھائی۔ بات سمجھ میں آگئی۔

جی اب پھر ذرا ترجمہ ترجمہ صرف متن کا دیکھ لیجیے۔ کہتے ہیں وَمِثْلُ لَا أَبَا لَهُ وَلَا غُلَامَيْ لَهُ جَائِزٌ، کہتے ہیں لَا أَبَا لَهُ اور لَا غُلَامَيْ لَهُ جیسی ترکیبیں جائز ہیں، یعنی جن میں لائے نفی جنس کا اسم کیا ہو؟ أَبٌ یا أَخٌ ہو یا تثنیہ اور جمع ہو اور اس کے بعد کیا آرہا ہو؟ لامِ اختصاص اور وہ کس پر داخل ہو رہا ہو؟ کسی معرفہ پر چاہے ضمیر ہو چاہے اسمِ ظاہر ہو۔ تو اس جیسی ترکیبوں پر اضافت والے احکام جاری کرنا یعنی تثنیہ اور جمع سے نون گرا دینا اور أَبٌ اور أَخٌ کے آخر میں الف پڑھ دینا یہ جائز ہے۔ جمہور کیا فرماتے ہیں؟ یہ اس وقت معنیٰ کے اعتبار سے حقیقتاً مضاف ہو رہا ہے، تو اس پر اشکال ہوتا ہے کہ پھر تو لام کو گرا دیتے ہیں، کہتے ہیں وہ اصل لامِ اختصاص گر چکا ہے، یہ اس کی تاکید کے لیے دوسرا لام لایا گیا ہے، اور کہتے ہیں یہ مضاف ہے اور مضاف ہے اور اسی لیے اس پر نصب ہے۔ لائے نفی جنس کے اسم میں جب تینوں شرطیں پوری ہوں: نکرہ بھی ہو، ساتھ بھی ملا ہوا ہو اور مضاف ہو تو اس کو منصوب پڑھتے ہیں، اور اس میں بھی لَا أَبَا لَهُ اور لَا غُلَامَيْ لَهُ یہاں تینوں شرطیں پوری ہیں کیونکہ أَبٌ مضاف ہے لَهُ کی ہا ضمیر کی طرف اور غُلَامَيْنِ مضاف ہے لَهُ کی ہا ضمیر کی طرف۔ تو اس پر نصب پڑھنا مقصد تھا لہٰذا تینوں شرطیں پوری ہوئیں نصب بھی پڑھیں گے اس پر، لیکن معرفہ بن رہا تھا اور معرفہ بنتے تو پھر اس پر نصب ہم نہیں پڑھ سکتے، رفع پڑھیں گے اور نیز تکرارِ اسم بھی ہو گا، تو اس کے حل کے لیے کیا لایا گیا؟ درمیان میں ایک اور لام کو لے آئے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ وہ جو لامِ محذوف تھا اس کے عوض میں اس کی تاکید کے لیے ایک اور لام لے آئے۔ تو لہٰذا اب یہ معرفہ بھی نہ بنا اور نصب بھی پڑھ لیا، مسئلہ حل ہوا۔ تو مقصد کیا تھا؟ نصب بھی پڑھا جائے اور لا کے اسم کا تکرار بھی نہ کرنا پڑے، کلام ہلکا رہے آسانی سے ادا ہو سکے بھائی، مختصر رہے کلام۔

لیکن صاحبِ کافیہ فرماتے ہیں نہیں، یہ حقیقت میں مضاف نہیں، اس کو صرف مضاف جیسی صورت دی گئی ہے۔ توجہ ہے؟ چنانچہ وہ فرماتے ہیں یہ ترکیب جائز ہے تَشْبِيهًا لَهُ بِالْمُضَافِ، یہ اب صاحبِ کافیہ کی بات چل رہی ہے۔ کہتے ہیں اس لائے نفی جنس کے اسم کو مشابہ بنانے کے لیے بِالْمُضَافِ، مضاف کے ساتھ مشابہ بنانے کے لیے الف کو پڑھا گیا اور نون کو گرا دیا گیا، یہ حقیقت میں مضاف نہیں ہیں۔ کیوں، بھائی کیوں اس کو مشابہ بنایا گیا مضاف کے ساتھ؟ کہتے ہیں لِمُشَارَكَتِهِ لَهُ، اس لیے کیونکہ یہ جو لائے نفی جنس کا اسم ہے اس کی مشارکت ہے کس کے ساتھ؟ مضاف کے ساتھ، فِي أَصْلِ مَعْنَاهُ مضاف کے اصل معنیٰ میں یعنی وہ جو اس کے اندر اختصاص آتا ہے۔ میں نے بتایا اضافت کا اصل معنیٰ کیا ہے؟ اختصاص۔ اضافت بتلاتی ہے کہ یہ جو مضاف ہے اس کا اختصاص ہے مضاف الیہ کے ساتھ۔ اور کبھی کبھی اس میں تعریف بھی آجاتی ہے جب مضاف الیہ معرفہ ہو تو مضاف بھی کیا بن جاتا ہے؟ معرفہ، تو اختصاص کے ساتھ تعریف بھی آجاتی ہے لیکن تعریف ایک زائد چیز ہے، تعریف کیا ہے؟ زائد چیز۔ اختصاص ہمیشہ آئے گا چاہے آپ اضافت نکرہ کی طرف کریں چاہے معرفہ کی طرف کریں، اختصاص ہمیشہ آئے گا لیکن تعریف جب آپ معرفہ کی طرف اضافت کریں گے صرف تب آئے گی۔ تو معلوم ہوا اضافت کا اصل معنیٰ کیا ہے؟ اختصاص ہے، وہ ایک چیز کی دوسری چیز کے ساتھ اختصاص کو بیان کرتی ہے۔ تو دونوں کے اصل معنیٰ میں کیا تھا؟ جیسے اضافت کے اندر اختصاص ہوتا ہے اس ترکیب کے اندر بھی اس لائے نفی جنس کے اسم کے بعد لام آرہا ہے اور یہ کس چیز کا فائدہ دے رہا ہے؟ اختصاص کا، اس لیے اس کو مضاف جیسی صورت دے دی گئی، مضاف کے اس کو مشابہ بنا دیا گیا۔

بھائی مضاف کیوں نہیں ہے حقیقتاً؟ صاحبِ کافیہ فرماتے ہیں وَلَيْسَ بِمُضَافٍ لِفَسَادِ الْمَعْنَى، کہتے ہیں اس جیسی ترکیبیں حقیقت کے اندر مضاف نہیں لِفَسَادِ الْمَعْنَى معنیٰ کے خراب ہونے کی وجہ سے، معنیٰ کے فاسد ہونے کی وجہ سے۔ معنیٰ کیسے خراب ہوگا؟ وہ فرماتے ہیں کہ یہاں پر جب ایک تو آپ اضافت کریں گے تو پھر اس کا مطلب ہے کہ یہ اس کے لیے خبر الگ نکالنا پڑے گی۔ یہ تو صرف کلام کا ایک جز بنے گا، دوسرا جز آپ کو محذوف نکالنا پڑے گا، تو لَا أَبَا لَهُ کس معنیٰ میں ہوا؟ لَا أَبَاهُ کے معنیٰ میں ہوا اور آگے مَوْجُودٌ خبر نکالنا پڑے گی: لَا أَبَاهُ مَوْجُودٌ، لَا غُلَامَيْهِ مَوْجُودَانِ، حالانکہ کوئی مَوْجُودٌ نکالنے کی ضرورت نہیں، لَا أَبَا لَهُ مستقل پورا کلام ہے، لَا غُلَامَيْ لَهُ مستقل پورا کلام ہے۔ اور نیز دوسری خرابی یہ، دوسری خرابی یہ کہ اس قسم کی ترکیب کے ذریعے مقصد یہ ہوتا ہے مثلاً آپ کہتے ہیں لَا أَبَ لِزَيْدٍ تو آپ زید سے جنسِ اب کی نفی کرنا چاہتے ہیں۔ اور اگر آپ اس کو اضافت مان لیں لَا أَبَا زَيْدٍ، أَبٌ کی اضافت زید کی طرف ہو گئی اور جب اسم کی اضافت معرفہ کی طرف ہو جائے تو وہ بھی کیا بن جاتا ہے؟ معرفہ، اور معرفہ کسے کہتے ہیں؟ جو کسی معلوم اور متعین ذات پر دلالت کرے، تو پھر تو کلام کا معنیٰ بن جائے گا لَا أَبَا زَيْدٍ مَوْجُودٌ، وہ زید کا وہ جو معلوم باپ ہے وہ اس وقت موجود نہیں ہے، موجود نہیں۔ آپ چاہتے کیا تھے؟ جنسِ اب کی نفی کرنا، اور معنیٰ تو یہ بن گیا وہ زید کا جو معلوم باپ، معلوم ہوا زید کا باپ ہے اس کلام

سے تو یہ ثابت ہو گیا، اس وقت موجود نہیں ہے لیکن باپ اس کا ہے۔ اور اسی طرح لَا غُلَامَيْ لَهُ آپ کہنا کیا چاہتے تھے؟ فلاں کے لیے جنسِ دو غلام ہی نہیں ہیں یعنی اتنا مالدار نہیں ہے کہ دو غلام وہ رکھ سکے، تو آپ جنسِ دو غلاموں کی اس سے نفی کرنا چاہتے تھے، لیکن اگر آپ یہاں اضافت مان لیں گے تو معنیٰ بن جائے گا لَا غُلَامَيْهِ مَوْجُودَانِ، لَا غُلَامَيْهِ مَوْجُودَانِ، تو یہ غُلَامَيْهِ اضافت ہو گئی معرفہ کی طرف یا غُلَامَيْ زَيْدٍ، زید کے وہ جو دو متعین اور معلوم غلام ہیں وہ موجود نہیں ہیں، وہ غائب ہیں اس وقت۔ تو آپ کیا کرنا چاہتے تھے؟ جنسِ دو غلاموں کی نفی کرنا چاہتے تھے اور اس سے تو اثبات ہو گیا کہ زید کے وہ جو دو معلوم غلام ہیں جن کو آپ بھی جانتے ہیں، جو معلوم ہیں متعین ہیں، وہ اس وقت موجود نہیں، ہیں تو لیکن اس وقت موجود نہیں ہیں بھائی۔ تو یہ دیکھو معنیٰ خراب ہو گیا۔ لیکن خِلَافًا لِسِيبَوَيْهِ بخلاف امام سیبویہ کے اور جمہور نحویوں کے، وہ فرماتے ہیں کہ یہ حقیقت میں مضاف ہیں۔ بات سمجھ میں آگئی؟ حل ہو گیا سارا؟ چلیے بس بھائی، هَذَا هُوَ الْمَرَامُ وَاللهُ أَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْكَلَامِ۔

سبق نمبر ۱۸۱: اسمِ لائے نفیِ جنس (۱۱): «لَا أَبَا لَہٗ» کے اعراب میں نحویوں کے مذاہب

شرحِ ملا جامی صفحہ: ۱۵۹ — بتاریخ: ۱۴ اگست ۲۰۲۲ء

▪ تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث

دیکھیے بھئی آگے سبق: وَمِثْلُ لَا أَبَا لَهُ وَلَا غُلَامَيْ لَهُ أَيْ كُلُّ تَرْكِيبٍ يَكُونُ فِيهِ بَعْدَ اسْمِ لَا الَّتِي لِنَفْيِ الْجِنْسِ لَامُ الْإِضَافَةِ وَأُجْرِيَ عَلَى ذَلِكَ الِاسْمِ أَحْكَامُ الْإِضَافَةِ مِنْ إِثْبَاتِ الْأَلِفِ فِي نَحْوِ أَبَا وَحَذْفِ النُّونِ مِنْ نَحْوِ غُلَامَيْنِ جَائِزٌ.

بھئی گزشتہ سبق میں یہ مسئلہ ہم نے پڑھنا شروع کیا تھا، صاحب کافیہ نے آپ کو بتلایا کہ لَا أَبَا لَهُ۔ لَا أَبَا لَهُ اس میں لَا أَبَا لَهُ پڑھنا بھی جائز ہے یعنی الف کے اثبات کے ساتھ۔ اور لَا غُلَامَيْنِ لَهُ اس کے اندر لَا غُلَامَيْ لَهُ یعنی حذفِ نون کے ساتھ بھی اس کو پڑھنا جائز ہے بھئی۔ اور اس سے کس قسم کی ترکیبیں مراد ہیں؟ میں نے آپ کو بتلایا تھا جس میں لائے نفی جنس کا اسم جو ہے وہ أَبٌ یا أَخٌ یا اسمائے ستہ میں سے ہو علاوہ ذُو کے، اور یا تثنیہ اور جمع مذکر سالم ہو بھئی۔ تو لَا کا اسم جب یہ أَبٌ أَخٌ وغیرہ یا تثنیہ جمع وغیرہ ہو اور اس کے بعد آگے لامِ اختصاص آ رہا ہو اور وہ لامِ اختصاص داخل ہو رہا ہو کسی معرفہ پر چاہے وہ ضمیر ہو چاہے اسمِ ظاہر ہو۔ تو اس کے اندر لَا کا اسم جو ہے وہ تو مبنی ہونا چاہیے علامتِ نصب پر، لیکن اس لَا پر اضافت کے احکام جاری کرنا یعنی الف کا اثبات کر دینا أَبٌ أَخٌ وغیرہ میں، اور تثنیہ اور جمع سے نون کو گرا دینا یہ جائز ہے، یہ جائز ہے۔ میں نے بتایا تھا لَا أَبَا لَهُ اصل میں ہے لَا أَبَ لَهُ، اور لَا غُلَامَيْ لَهُ یہ اصل میں کیا ہے؟ لَا غُلَامَيْنِ لَهُ۔ تو یہ مبنی ہیں علامتِ نصب پر اور زیادہ تر عربی میں اسی طرح آیا ہے، لیکن قلیل جو ہے لَا أَبَا لَهُ یا لَا أَخَا لَهُ یا اسی طرح لَا غُلَامَيْ لَهُ بھی آیا ہے یعنی اس لَا کے اسم پر مضاف والے احکام جاری کر دیے گئے بھئی۔

جمہور کہتے ہیں کہ یہ حقیقت کے اندر مضاف ہو رہا ہے لام کے مدخول کی طرف، لیکن معنیٰ کے اعتبار سے مضاف ہے، لفظوں کے اعتبار سے مضاف نہیں۔ اس پر اشکال ہوتا ہے کہ اضافت کے اندر تو لام مقدر ہوتا ہے غُلَامٌ لِزَيْدٍ اور پھر جب آپ اضافت کریں گے تو لام مقدر ہو جائے گا غُلَامُ زَيْدٍ، زید کا غلام۔ تو یہاں پر تو لام لفظوں کے اندر موجود ہے، تو یہ کیسی

اضافت ہے کہ لفظوں کے اندر لام موجود ہے؟ تو وہ جواب دیتے ہیں جمہور کہ وہ لامِ اضافت جو ہے وہ لام یہاں پر بھی مقدر ہی ہے، اور یہ دوسرا لام ہے لامِ زائد جو اس پہلے لام کی تاکید کے لیے لایا گیا ہے۔ تو وہ لامِ اضافت یہاں بھی مقدر ہے۔

پھر سوال پیدا ہوا کہ جب وہ لامِ اضافت مقدر ہے تو یہ دوسرا لام لانے کی کیا حاجت تھی، کیا ضرورت تھی؟ تو وہ جواب دیتے ہیں کہ عرب اس پر نصب پڑھنا چاہتے تھے۔ عرب اس پر نصب پڑھنا چاہتے تھے اس لیے اس کی اضافت کر دی۔ تو اب لَا کے اسم کی تینوں شرطیں پوری ہیں، اصل میں تو ہے لَا أَبَ لَهُ، لَا أَبَ لَهُ، لیکن اس کی اضافت کر دی آگے لَهُ میں جو ہا ضمیر ہے یا آگے اگر کوئی اسم ہے اسمِ ظاہر لَا أَبَا لِزَيْدٍ تو اس کی طرف اضافت کر دی۔ تو اب اس أَبٌ کے اندر تینوں شرطیں پوری ہو گئیں: ایک تو یہ لَا کے ساتھ ملا ہوا ہے، نیز نکرہ ہے، اور نمبر تین مضاف ہے، اور اس صورت میں لَا کا اسم منصوب ہوتا ہے، تو اس لیے اس کو منصوب پڑھا لَا أَبَا لَهُ، لَا غُلَامَيْ لَهُ، منصوب پڑھا، منصوب پڑھا، تینوں شرطیں پوری ہو گئیں۔ اور نیز لام کو مجبوراً لانا پڑا۔ وجہ یہ کہ اگر لام کو نہیں لائیں گے تو پھر یہ أَبٌ کا لفظ ضمیر یعنی یہ جو لَا کا اسم ہے، یہ جب لام کا مدخول جو کہ معرفہ ہے اس کی طرف جب یہ مضاف ہو گا تو یہ بھی معرفہ بن جائے گا۔ اور لَا جب بھی معرفہ پر داخل ہوتا ہے تو لَا کا عمل ملغیٰ ہو جاتا ہے وہ عمل نہیں کرتا، پھر اس اسم پر رفع بھی پڑھنا پڑتا ہے اور نیز تکرارِ اسم بھی کرنا پڑتا ہے، تو لَا زَيْدٌ فِي الدَّارِ وَلَا عَمْرٌو۔ تو لہٰذا رفع بھی آ رہا تھا اور نیز تکرارِ لَا بھی تھا۔ تو اس سے بچنے کے لیے کہ نصب بھی پڑھیں رفع نہ پڑھیں، نصب پڑھیں اور نیز تاکہ تکرارِ لَا اور تکرارِ اسم سے بھی ہم بچ جائیں، کلام میں تخفیف ہو کلام مختصر رہے، تو اس لیے یہاں پر کیا کیا؟ یہاں پر اس لام کو لفظوں کے اندر لے آئے تاکید کے لیے۔ بات سمجھ میں آ گئی؟ تو لام لانے سے دونوں مسئلے حل ہو گئے: اضافت کی وجہ سے نصب کا پڑھنا بھی جائز ہو گیا اضافت ہو رہی ہے، اور نیز لَا کا اسم معرفہ بھی نہیں بنا۔ بات سمجھ میں آ گئی؟ تو یہ جمہور کا مذہب ہے، اسی طرح امام سیبویہ اور امام خلیل ابن احمد اور ان سب کا یہی مذہب ہے۔ تو دونوں مسئلے حل ہو گئے: نصب بھی پڑھ لیا اور معرفہ بھی نہ بنا بھئی۔

جبکہ صاحب کافیہ فرماتے ہیں کہ نہیں، یہ مضاف نہیں ہے۔ لَا أَبَا لَهُ یہ أَبَا کا لفظ ہا ضمیر کی طرف مضاف نہیں، اور لَا غُلَامَيْ لَهُ یہ غُلَامَيْ کا لفظ لَهُ کی ہا ضمیر کی طرف مضاف نہیں ہے۔ ہاں اس کو مضاف جیسی صورت دی گئی ہے۔ اس لیے کیونکہ یہ جو لَا کا اسم ہے اس کی مشارکت آ گئی مضاف کے ساتھ، یعنی جیسے مضاف کے اندر اختصاص آ جاتا ہے اس لَا کے اسم میں بھی کیا آ گیا؟ اختصاص آ گیا۔ تو اختصاص کے معنیٰ میں یہ مضاف کے ساتھ شریک ہو گیا۔ اور جب یہ اس کے ساتھ شریک ہو گیا، اس جیسا ہو گیا تو اس جیسی صورت ہی اس کو دے دی، اس کو مضاف جیسی صورت دی ہے، مضاف جیسے کے مشابہ اس کو بنایا گیا ہے یہ حقیقت میں مضاف نہیں ہے اور کیوں مشابہ بنایا گیا؟ کیونکہ یہ مضاف کے ساتھ شریک ہے اختصاص کے اندر، جیسے اضافت اختصاص کا فائدہ دیتی ہے اس ترکیب کے اندر بھی لام موجود ہے جو کس چیز کا فائدہ دے رہا ہے؟ اختصاص کا فائدہ دے رہا ہے۔

دیکھو یاد رکھو، یاد رکھو میں نے آپ کو بتلایا تھا کہ کبھی کبھار نکرہ کی اضافت نکرہ کی طرف ہوتی ہے اور کبھی نکرہ کی اضافت معرفہ کی طرف ہوتی ہے۔ نکرہ کی اضافت جب نکرہ کی طرف ہو تو وہاں تخصیص آجاتی ہے، اس مضاف میں اختصاص آجاتا ہے وہ خاص ہو جاتا ہے، جیسے غُلَامٌ، یہ دنیا کے ہر غلام پر یہ لفظ بولا جا سکتا ہے لیکن اگر آپ اس غلام کی اضافت کر دیں رَجُلٍ نکرہ کی طرف غُلَامُ رَجُلٍ اب معلوم ہوا غُلَامُ رَجُلٍ جو ہے اب یہ صرف مردوں کے غلام پر یہ لفظ بولا جا سکتا ہے، عورتوں کے غلام پر یہ لفظ صادق نہیں آئے گا۔ تو دیکھو اختصاص آگیا، کیا آگیا؟ اختصاص آگیا، یہ غلام اب خاص ہو گیا مردوں کے ساتھ۔ تو یہ تھی نکرہ کی طرف اضافت جب نکرہ کی کی جائے تو اس میں تخصیص آتی ہے یا یوں کہو اس میں اختصاص آتا ہے۔ اور جب نکرہ کی اضافت معرفہ کی طرف ہو تو وہاں تعریف آجاتی ہے غُلَامُ زَيْدٍ، دیکھو غلام کی اضافت زید کی طرف کی تو یہ کیا بن گیا؟ معرفہ بن گیا۔ نکرہ کی اضافت نکرہ کی طرف ہو تو اختصاص، نکرہ کی اضافت معرفہ کی طرف ہو تو تعریف۔ لیکن جہاں تعریف آتی ہے وہاں بھی اختصاص ہوتا ہے غُلَامُ زَيْدٍ، یہاں غلام کا لفظ معرفہ بن گیا لیکن ساتھ اختصاص بھی آگیا کہ یہ کس کا غلام ہے؟ زید کا ہے عمرو، بکر یا خالد کا نہیں ہے۔ معلوم ہوا اختصاص ہر صورت میں اضافت کے اندر آئے گا چاہے اضافت نکرہ کی طرف کریں چاہے اضافت معرفہ کی طرف۔ معلوم ہوا اضافت اصل میں اختصاص کا فائدہ دیتی ہے۔ معلوم ہوا اضافت کا اصل معنیٰ کیا ہے؟ اختصاص ہے، یہ اصل میں اختصاص کا فائدہ دیتی ہے۔ ہاں کبھی کبھار تعریف کا بھی فائدہ دے دے گی لیکن وہ خاص خاص مادوں میں، کبھی کبھی اضافت تعریف کا بھی فائدہ دے گی لیکن وہ خاص مادوں کے اندر جب آپ معرفہ کی طرف اضافت کریں گے، لیکن وہاں بھی اختصاص ضرور آئے گا۔ تو اضافت جونسی بھی ہو وہ ہمیشہ اختصاص کا فائدہ دیتی ہے۔ معلوم ہوا اضافت کا اصل معنیٰ کیا ہے؟ اختصاص بھئی اختصاص۔ اور یہاں پر بھی لامِ اختصاص موجود ہے تو اس ترکیب کے اندر بھی اختصاص آیا لام کی وجہ سے، اس میں بھی کیا آگیا؟ اختصاص آگیا۔ تو یہ مضاف کے ساتھ شریک ہو گیا اختصاص کے معنیٰ میں، تو اس کو مضاف کے مشابہ بنا دیا گیا، اس جیسی صورت دے دی گئی۔ بات سمجھ میں آگئی؟

اور پھر آگے آپ کو بتلایا تھا کہ یہ حقیقتاً مضاف نہیں ہو سکتا صاحب کافیہ فرماتے ہیں، اس لیے فرق سمجھ میں آرہا ہے؟ جمہور کے نزدیک یہ حقیقتاً لَا أَبَا لَهُ یہ أَبَا حقیقتاً مضاف ہے لام کے مدخول کی طرف، اور جبکہ صاحب کافیہ فرماتے ہیں کہ نہیں یہ حقیقتاً مضاف نہیں صرف مضاف جیسی صورت دی گئی ہے کیونکہ یہ مضاف کے ساتھ شریک ہے اختصاص کے معنیٰ میں۔ صاحب کافیہ فرماتے ہیں کہ اگر آپ یہاں اضافت مانیں گے تو پھر معنیٰ خراب ہو جائے گا، اس لیے کیونکہ لَا أَبَا لَهُ اس کا معنیٰ ہو جائے گا لَا أَبَاهُ، تو اس کے لیے خبر الگ نکالنا پڑے گی لَا أَبَاهُ مَوْجُودٌ۔ اسی طرح لَا غُلَامَيْهِ مَوْجُودَانِ خبر الگ نکالنا پڑے گی، حالانکہ بالاتفاق یہ کلام پورا ہے یہاں کوئی خبر نکالنے کی ضرورت نہیں لَا أَبَا لَهُ یہ کلام پورا ہے، مستقل

جملہ ہے پورا، اور یہ کسی اور لفظ کا محتاج نہیں۔ لیکن اگر جمہور کی بات لی جائے اور اضافت کو مان لیا جائے تو پھر معنیٰ خراب ہو گا، کس طرح معنیٰ خراب ہو گا؟ ایک تو خبر محذوف نکالنا پڑے گی اس کے بغیر چارہ نہیں۔ اور نیز دوسرا یہ کہ جو معنیٰ مقصود ہے اس کے اندر بھی خرابی آجائے گی۔ لَا أَبَا لَهُ مقصدیہ ہے متکلم کسی کے بارے میں کہنا یہ چاہتا ہے کہ اس کے لیے جنسِ باپ ہی نہیں ہے۔ اس کی مذمت کر رہا ہے کہ اس کے لیے جنسِ باپ ہی نہیں ہے یعنی کسی نے اس کی تربیت نہیں کی، کسی نے اس کو اچھے اخلاق نہیں سکھائے، کسی نے اس کو اچھی عادات نہیں سکھائیں، تو یہاں مذمت مقصود ہے، تو اس سے جنسِ اب کی نفی کرنا مقصود ہے۔ اور اگر آپ اضافت مان لیں گے تو کلام کا معنیٰ کیا بن جائے گا؟ لَا أَبَاهُ مَوْجُودٌ۔ أَبَا کی اضافت ہو گئی ہا ضمیر یا معرفہ کی طرف، تو وہ بھی کیا بن گیا؟ معرفہ، اور معرفہ کسے کہتے ہیں؟ جو کسی متعین اور معلوم ذات پر دلالت کرے، تو کلام کا معنیٰ یہ ہو گا لَا أَبَاهُ مَوْجُودٌ اس کا وہ جو معلوم اور متعین باپ ہے اس کا وجود نہیں ہے۔ تو دیکھو معلوم اور متعین باپ، یہ تو آپ نے اس کے لیے باپ کا اثبات کر دیا کہ جو معلوم ہے متعین ہے سب کو اس کا پتہ ہے بھئی۔ تو مقصد کیا تھا؟ اس سے جنسِ باپ کی نفی کرنا، اور اگر آپ اضافت مان لیں گے تو پھر تو اس کے لیے معلوم اور متعین باپ کا ثبوت آجائے گا، یہ تو مقصود کے خلاف ہو گیا۔ متکلم کا تو یہ ارادہ اور یہ مقصود نہیں ہے۔

اسی طرح لَا غُلَامَيْ لَهُ مقصدیہ ہے فلاں کے لیے جنسِ دو غلام ہی نہیں ہیں یعنی وہ اتنا مالدار نہیں ہے کہ اس کے لیے دو غلام ہو سکیں۔ ایک غلام تو ہو سکتا ہے لیکن دو غلام اس کے لیے نہیں ہو سکتے، اتنا مالدار نہیں ہے، تو لَا غُلَامَيْ لَهُ کا مقصدیہ ہے۔ تو آپ اس سے دو غلاموں کی نفی کرنا چاہتے ہیں لیکن اگر اضافت مان لی جائے تو لَا غُلَامَيْهِ مَوْجُودَانِ اس کے وہ جو دو معلوم اور متعین غلام ہیں وہ موجود نہیں ہیں، وہ جو دو متعین اور معلوم غلام ہیں، معلوم ہوا سب کو معلوم ہے اس کے وہ دو متعین اور معلوم غلام۔ تو آپ تو کرنا چاہتے تھے کہ اس کے لیے دو غلام ہو ہی نہیں سکتے، اور آپ اگر اضافت مان لیں تو پھر تو آپ کے معنیٰ ہے دو غلام ہیں اور سب کو ان کا علم بھی ہے البتہ اس وقت وہ موجود نہیں ہیں۔ تو یہ تو آپ نے دو غلاموں کا اس کے لیے اثبات کر دیا حالانکہ آپ اس سے دو غلاموں کی نفی کرنا چاہتے تھے۔ بات سمجھ میں آئی؟ تو معنیٰ مقصود کیا ہو جائے گا؟ خراب ہو جائے گا، اس لیے یہاں پر حقیقتاً اضافت نہیں ہو سکتی بھئی۔ تو مضاف جیسی صورت ہے حقیقت میں یہ مضاف نہیں ہے بھئی۔

تو چنانچہ کہتے ہیں اسی لیے لَا أَبَا فِيهَا کہنا جائز نہیں، لَا أَبَا لَهُ الف کے ساتھ کہنا تو جائز ہے جب لام ہو، لیکن جب فِی وغیرہ کوئی اور حرفِ جر ہے وہاں پر آپ الف کے اثبات کے ساتھ نہیں کہہ سکتے لَا أَبَا فِيهَا۔ تو یہاں پر فِی یا اور کوئی حرفِ جر ہو تو پھر یہ نہیں کہہ سکتے، وجہ یہ کیونکہ یہاں پر لامِ اختصاص نہیں ہے۔ تو لَا أَبَا فِيهَا نہیں کہہ سکتے کیونکہ اس کے اندر لامِ اختصاص موجود نہیں ہے اور نیز اب کی جب اضافت کی جاتی ہے کسی چیز کی طرف تو وہاں یہ بتلانا مقصود ہوتا ہے کہ یہ ابوت خاص ہے اس کے ساتھ اور فِيهَا کی ہا ضمیر دَار کو راجع ہے اور دَار کے ساتھ تو ابوت کا اختصاص نہیں ہو سکتا بھئی۔ تو اس

لیے لَا أَبَا فِيهَا کہنا جائز نہیں بلکہ لَا أَبَ فِيهَا کہہ سکتے ہیں آپ۔ بات سمجھ میں آگئی؟

جی یہ تو تھا گزشتہ سبق کا خلاصہ اور پورے مسئلے کی تفصیل بھئی۔ اب آئیے اس سارے کو ہم شرح کے ساتھ حل کریں گے بھئی۔ تفصیل تو پوری بیان ہو گئی اب صرف نفسِ ترجمہ باقی ہے بھئی۔ کہتے ہیں: وَمِثْلُ لَا أَبَا لَهُ وَلَا غُلَامَيْ لَهُ اس جیسی جو ترکیبیں ہیں أَيْ كُلُّ تَرْكِيبٍ يَكُونُ فِيهِ بَعْدَ اسْمِ لَا الَّتِي لِنَفْيِ الْجِنْسِ لَامُ الْإِضَافَةِ یعنی ہر ایسی ترکیب جس کے اندر لائے نفی جنس کے بعد جو ہے لامِ اضافت آرہا ہو لَا أَبَا لَهُ اس میں دیکھو لَا نفی جنس کے اسم کے بعد کیا آرہا ہے؟ لامِ اضافت۔ تو کہتے ہیں: أَيْ كُلُّ تَرْكِيبٍ يَكُونُ فِيهِ بَعْدَ اسْمِ لَا الَّتِي لِنَفْيِ الْجِنْسِ لَامُ الْإِضَافَةِ یعنی ہر ایسی ترکیب جس کے اندر لائے نفی جنس کے اسم کے بعد لامِ اضافت ہو وَأُجْرِيَ عَلَى ذَلِكَ الِاسْمِ اور جاری کیا جائے اس اسم پر، وہ جو لائے نفی جنس کا اسم ہے اس پر جاری کیا جائے أَحْكَامُ الْإِضَافَةِ اضافت والے احکام جاری کیے جائیں، مِنْ کے ساتھ بیان ہے بھئی کس قسم کے احکام؟ کہتے ہیں مِنْ إِثْبَاتِ الْأَلِفِ فِي نَحْوِ أَبَا جیسے الف کا اثبات ہے أَبَا جیسے لفظ میں وَحَذْفِ النُّونِ مِنْ نَحْوِ غُلَامَيْنِ اور جیسے حذفِ نون ہے غُلَامَيْنِ جیسے لفظ سے جَائِزٌ یہ جائز ہے۔ يَعْنِي أَنَّ الْأَصْلَ فِي مِثْلِ هَذَيْنِ التَّرْكِيبَيْنِ أَنْ يُقَالَ یعنی کہ اصل یہ ہے کہ اس جیسی ترکیبوں میں یوں کہا جائے لَا أَبَ لَهُ وَلَا غُلَامَيْنِ لَهُ، لَا أَبَ لَهُ کہا جائے اور لَا غُلَامَيْنِ لَهُ کہا جائے۔ لَا أَبَ لَهُ بغیر الف کے اور لَا غُلَامَيْنِ مَعَ نون کے کہا جائے یعنی یہ مبنی ہیں علامتِ نصب پر۔ فَيَكُونُ اسْمُ لَا فِيهِمَا مَبْنِيًّا عَلَى مَا يُنْصَبُ بِهِ تو ان کے اندر لائے نفی جنس کا جو اسم ہے وہ مبنی ہے علامتِ نصب پر وَالْجَارُّ مَعَ الْمَجْرُورِ خَبَرًا لَهَا اور جار مجرور کے ساتھ مل کر یہ اس لَا کے لیے خبر ہے۔ یہ اس لَا کے لیے خبر ہے اور لَا کا اسم مبنی ہے علامتِ نصب پر۔

وَقَدْ جَاءَ عَلَى قِلَّةٍ اور تحقیق آیا ہے عَلَى قِلَّةٍ قلیل بھئی، قلت پر آیا ہے یعنی بہت کم آیا ہے مِثْلُ لَا أَبَا لَهُ الف کے ساتھ وَلَا غُلَامَيْ لَهُ نون کے اسقاط کے ساتھ یہ بھی آیا ہے۔ تو کہتے ہیں: وَقَدْ جَاءَ عَلَى قِلَّةٍ مِثْلُ لَا أَبَا لَهُ وَلَا غُلَامَيْ لَهُ اور تحقیق قلت پر آیا ہے عربی زبان کے اندر لَا أَبَا لَهُ اور لَا غُلَامَيْ لَهُ بِزِيَادَةِ الْأَلِفِ فِي مِثْلِ أَبَا أَبَا جیسے لفظوں میں الف کی زیادتی کے ساتھ وَإِسْقَاطِ النُّونِ فِي مِثْلِ غُلَامَيْنِ اور نون کے اسقاط کے ساتھ غُلَامَيْنِ جیسے لفظوں میں كَمَا فِي حَالِ الْإِضَافَةِ جیسے کہ اضافت کی حالت میں ہوتا ہے، جیسے کہ اضافت کی حالت میں ہوتا ہے۔

تَشْبِيهًا لَهُ تَشْبِيهًا لَهُ مشابہ بنانے کے لیے لَهُ اس لَا کے اسم کو، یہ لَا أَبَا یہ أَبَا کیا ہے؟ لَا کا اسم، اور لَا غُلَامَيْنِ یہ غُلَامَيْنِ کیا ہے؟ لَا کا اسم، اس کو مضاف کے مشابہ بنانے کے لیے، توجہ ہے؟ تو تَشْبِيهًا لَهُ کا کیا ترجمہ کرنا ہے؟ تشبیہ دینے کے لیے یہ ترجمہ نہ کرنا بلکہ مشابہ بنانے کے لیے، تَشْبِيهًا مشابہ بنانے کے لیے لَهُ أَيْ لِاسْمِ لَا لَا کے اسم کو، کس کو مشابہ بنانا ہے؟ لَا کے اسم کو۔ توجہ سے سنو بھئی یہ تَشْبِيهًا لَهُ یہ لَهُ کی ہا ضمیر لَا کے اسم کو راجع ہے، توجہ ہے؟ آگے صاحب جامی ایک اور ترکیب کریں گے اس میں ہا ضمیر کے مرجع کو وہ بدل دیں گے، لیکن اس وقت ایک ترکیب کے مطابق کیا لَهُ کی ہا ضمیر کس کو لوٹ

رہی ہے؟ لَا کے اسم کو۔ تَشْبِيهًا لَهُ أَيْ لِاسْمِ لَا مشابہ بنانے کے لیے لَا کے اسم کو فِي هَذَيْنِ التَّرْكِيبَيْنِ ان دو ترکیبوں میں مَعَ أَنَّهُ لَيْسَ بِمُضَافٍ باوجود اس کے کہ یہ مضاف نہیں ہے، باوجود اس کے کہ یہ لَا کا اسم ان ترکیبوں میں مضاف نہیں ہے اس کو مشابہ بنانے کے لیے بِالْمُضَافِ کس کے ساتھ؟ مضاف کے ساتھ وَإِجْرَاءً لِأَحْكَامِ الْمُضَافِ عَلَيْهِ اور اس پر مضاف کے احکام جاری کرنے کے لیے بِإِثْبَاتِ الْأَلِفِ وَحَذْفِ النُّونِ الف کے اثبات اور نون کے حذف کے ساتھ بھئی۔ فَيَكُونُ مُعْرَبًا تو اس صورت میں اب یہ لَا کا اسم کیا ہو گا؟ معرب۔ ادھر دیکھو: لَا أَبَ لَهُ لَا کا اسم مبنی ہے، لَا غُلَامَيْنِ لَهُ لَا کا اسم مبنی ہے، لیکن اس کو مضاف کے ساتھ تشبیہ دے کر الف کے ساتھ پڑھنا اور حذفِ نون کے ساتھ پڑھنا یعنی لَا أَبَا لَهُ اور لَا غُلَامَيْ لَهُ پڑھنا جائز ہے، اور اس صورت میں یاد رکھو یہ معرب ہے۔ لَا أَبَا لَهُ جب الف کے ساتھ آپ پڑھ رہے ہیں اب یہ کیا ہے؟ معرب ہے منصوب ہے، اور لَا غُلَامَيْ لَهُ اس وقت یہ بھی کیا ہے؟ معرب ہے منصوب ہے۔ تو کہتے ہیں: وَإِجْرَاءً لِأَحْكَامِ الْمُضَافِ عَلَيْهِ اور اس پر مضاف کے احکام جاری کرنے کے لیے بِإِثْبَاتِ الْأَلِفِ وَحَذْفِ النُّونِ الف کے اثبات اور نون کے حذف کے ساتھ فَيَكُونُ مُعْرَبًا تو یہ معرب ہو گا۔

وَذَلِكَ التَّشْبِيهُ إِنَّمَا هُوَ لِمُشَارَكَتِهِ اور یہ تشبیہ جو ہے وہ اس لیے ہے کہ لِمُشَارَكَتِهِ أَيْ مُشَارَكَةِ اسْمِ لَا یہ لِمُشَارَكَتِهِ کی ہا ضمیر جو ہے یہ بھی لَا کے اسم کو راجع ہے، کہ اس لَا کے ادھر دیکھیے اس لَا کے اسم کی مشارکت ہے اگرچہ لام موجود ہے، اگرچہ لام موجود ہے لام ظاہر ہے، لیکن پھر بھی اس کی مشارکت ہے کس کے ساتھ؟ مضاف کے ساتھ۔ یہ معنیٰ ہے کہتے ہیں: وَذَلِكَ التَّشْبِيهُ إِنَّمَا هُوَ لِمُشَارَكَتِهِ اور یہ جو تشبیہ ہے یہ جو مشابہ بنانا ہے یہ لِمُشَارَكَتِهِ أَيْ لِمُشَارَكَةِ اسْمِ لَا وہ اسمِ لَا کی مشارکت کی وجہ سے ہے، اسمِ لَا کی مشارکت ہے حِينَ يُضَافُ بِإِظْهَارِ اللَّامِ بَيْنَهُ وَبَيْنَ مَا يُضَافُ إِلَيْهِ جس وقت کہ اس کی اضافت کی جائے لام کے اظہار کے ساتھ، لام کو ظاہر کرتے ہوئے لَا أَبَا لَهُ دیکھو لام درمیان میں ہے، لیکن جمہور کیا فرماتے ہیں کہ یہ مضاف ہو رہا ہے حقیقتاً بھئی، مضاف ہو رہا ہے۔ کہتے ہیں حِينَ يُضَافُ بِإِظْهَارِ اللَّامِ بَيْنَهُ وَبَيْنَ مَا يُضَافُ إِلَيْهِ جس وقت کہ اس کی نسبت کی جائے اضافت کی جائے حِينَ يُضَافُ جس وقت اس کی نسبت کی جائے بِإِظْهَارِ اللَّامِ یا یوں کہو اس کی اضافت کی جائے بِإِظْهَارِ اللَّامِ بَيْنَهُ وَبَيْنَ مَا يُضَافُ إِلَيْهِ لام کو ظاہر کرتے ہوئے اس کے درمیان اور جس کی طرف اس کی اضافت کی جا رہی ہے ان کے درمیان، تو اس کی مشارکت ہے اس اسمِ لَا کی۔ توجہ سے سنو ادھر، یہ اسمِ لَا جس کے ساتھ لام ظاہر ہے اور لام کے اظہار کے ساتھ اس کی اضافت کی جا رہی ہے کس کی طرف؟ مضاف الیہ کی طرف، تو اس کی مشارکت ہے لَهُ أَيْ لِلْمُضَافِ کس کے ساتھ؟ مضاف کے ساتھ مشارکت ہے فِي أَصْلِ مَعْنَاهُ، مَعْنَاهُ کی ہا ضمیر بھی مضاف کو راجع ہے أَيْ فِي أَصْلِ مَعْنَى الْمُضَافِ مضاف کے اصل معنیٰ میں اس کے ساتھ اس کی مشارکت ہے۔ توجہ ہے؟

تو کہتے ہیں: فِي أَصْلِ مَعْنَاهُ أَيْ مَعْنَى الْمُضَافِ مضاف کے اصل معنیٰ میں مِنْ حَيْثُ هُوَ مُضَافٌ اس حیثیت سے کہ وہ

مضاف ہے، اس حیثیت سے کہ وہ مضاف ہے۔ دیکھو ادھر دیکھو لَا أَبَا لَهُ، لَا أَبَا لَهُ اس میں کیا پڑھنا جائز؟ لَا أَبَا لَهُ۔ دیکھو اس أَبٌ کی ذرا اضافت کرو ہا ضمیر کی طرف یا زید کی طرف کر دو أَبُو زَيْدٍ یا أَبُوهُ کہہ لو یا أَبُو زَيْدٍ کہہ لو۔ جی أَبُو زَيْدٍ کا کیا معنیٰ؟ زید کا باپ یعنی معلوم ہوا اس باپ کا اختصاص ہے زید کے ساتھ۔ ویسے تو أَبٌ کا کیا معنیٰ؟ تو دیکھو ویسے أَبُو زَيْدٍ، أَبٌ کا کیا معنیٰ ہے؟ أَبٌ کہتے ہیں جس کی کوئی اولاد ہو اس کو باپ کہتے ہیں۔ تو انہوں نے کیا کہا؟ مضاف کا اصل معنیٰ، مضاف کا یہ مضاف کے اصل معنیٰ میں اس کے ساتھ شریک ہے، تو اصل معنیٰ جو مضاف کا مضاف ہونے کی حیثیت سے ہے، خود اس لفظ کا اصل معنیٰ مراد نہیں، أَبٌ کا تو معنیٰ ہے جس کی اولاد ہو بھئی لیکن یہاں یہ معنیٰ مراد نہیں بلکہ جب اس أَبٌ کی اضافت کر دی آگے، تو اب اس أَبٌ کے اندر اختصاص والا معنیٰ آگیا کہ یہ اپنے مدخول کے ساتھ خاص، اس کی ابوت مدخول کے ساتھ خاص ہے۔ تو لہٰذا مضاف کا اصل معنیٰ سے کیا مراد ہے؟ مضاف ہونے کی حیثیت سے اس کا اصل معنیٰ مراد ہے خود اس کا اپنا لغوی معنیٰ مراد نہیں ہے۔

تو کہتے ہیں: فِي أَصْلِ مَعْنَاهُ أَيْ مَعْنَى الْمُضَافِ مِنْ حَيْثُ هُوَ مُضَافٌ یعنی مضاف کا معنیٰ مضاف ہونے کی حیثیت سے يَعْنِي الْإِضَافَةَ یعنی کہ مصنف نے کس کا ارادہ کیا؟ اضافت کا ارادہ کیا ہے یعنی مضاف کا اصل معنیٰ کیا ہے؟ اضافت ہے وَهُوَ الِاخْتِصَاصُ اور وہ اختصاص ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟

اب أَوِ الْمَعْنَى یہاں سے اب دوسری توجیہ کریں گے۔ ادھر دیکھیے، متن متن پہ نظر رکھو، توجہ سے سنو صرف ضمیروں کا مرجع بدلے گا۔ تَشْبِيهًا لَهُ یہ لَهُ کی ہا ضمیر کس کو راجع کی تھی؟ لَا کے اسم کو۔ توجہ ہے؟ پھر غور سے دیکھو: تَشْبِيهًا لَهُ یہ لَهُ ضمیر کس کو راجع کی تھی؟ لَا کے اسم کو، توجہ ہے؟ تو لَا کے اسم کو مشابہ بنایا گیا تھا بِالْمُضَافِ کس کے ساتھ؟ مضاف کے ساتھ۔ اب دوسری توجیہ کریں گے صاحب جامی، معنیٰ اس کا بھی وہی ہے، اس ترکیب سے بھی ماحاصلِ معنیٰ وہی نکلے گا لیکن صرف ضمیروں کا مرجع بدلیں گے اور مضاف کا معنیٰ بدلیں گے۔ تو اب یوں کریں گے صاحب جامی، کہ تَشْبِيهًا لَهُ یہ لَهُ کی ہا ضمیر کس کو راجع کی تھی؟ لَا کے اسم کو، مضاف سے کیا مراد ہے؟ مضاف سے مضاف مراد ہے، توجہ ہے؟ آگے دیکھو: لِمُشَارَكَتِهِ یہ مُشَارَكَتِهِ کی ہا ضمیر کس کو راجع کی تھی؟ یہ بھی لَا کے اسم کو۔ تَشْبِيهًا لَهُ کی ہا ضمیر بھی کس کو راجع کی تھی؟ لَا کے اسم کو، اور لِمُشَارَكَتِهِ کی ہا ضمیر بھی کس کو راجع کی تھی؟ لَا کے اسم کو۔ اب دوسری توجیہ کریں گے صاحب جامی، معنیٰ اس کا بھی وہی ہے، اس ترکیب سے بھی ماحاصلِ معنیٰ وہی نکلے گا لیکن صرف ضمیروں کا مرجع بدلیں گے اور مضاف کا معنیٰ بدلیں گے۔ تو اب یوں کریں گے صاحب جامی، مضاف سے مراد لیں گے وہ ترکیب جس میں اضافت ہو۔ مضاف سے کیا مراد لیں گے؟ مضاف سے مضاف نہ مراد لو بلکہ وہ ترکیب جس میں مضاف ہو یعنی اضافت والی ترکیب۔ اور اسی طرح تَشْبِيهًا لَهُ اور لِمُشَارَكَتِهِ یہ دونوں جو غائب کی ضمیریں ہیں یہ لَا کے اسم کو نہ لوٹاؤ بلکہ اس کو لوٹا دو اس جیسی ترکیبیں جو پیچھے گزر گئیں، اس جیسی کس جیسی ترکیبیں؟ جن میں لَا کا اسم أَبٌ أَخٌ وغیرہ یا تثنیہ اور جمع مذکر سالم ہو اور آگے کیا آرہا ہو؟ لامِ

اختصاص، اس جیسی ترکیبیں۔ تو ایک ترکیب ہے اضافت والی جس میں اضافت ہو، اور ایک ترکیب وہ ہے جو اس جیسی ہو جس میں لامِ اختصاص تو آرہا ہے لیکن اضافت نہیں ہے۔ توجہ ہے؟

جی اب دیکھو متن ذرا حل کر لیں: تَشْبِيهًا لَهُ مشابہ بنانے کے لیے اس جیسی ترکیبوں کو یہ لَا أَبَا لَهُ اور لَا غُلَامَيْ لَهُ اس جیسی ترکیبیں جس میں أَبَا اور غُلَامَ مضاف نہیں ہیں، ان جیسی ترکیبوں کو مشابہ بنا، متن متن دیکھنا بھئی: تَشْبِيهًا لَهُ ان جیسی ترکیبوں کو مشابہ بنانے کے لیے بِالْمُضَافِ کس کے ساتھ؟ مضاف سے کیا مراد ہے؟ وہ ترکیبیں جن میں اضافت ہے۔ تو ان جیسی ترکیبوں کو مشابہ بنانے کے لیے کن کے ساتھ؟ ان ترکیبوں کے ساتھ جن میں اضافت ہے۔ بھئی کیوں؟ یہ مشابہ کیوں بنایا گیا ان جیسی ترکیبوں کو اضافت والی ترکیبوں کے ساتھ؟ کہتے ہیں لِمُشَارَكَتِهِ اس وجہ سے کہ اس جیسی ترکیبیں جو ہیں ان کی مشارکت ہے لَهُ کس کے ساتھ؟ لِلْمُضَافِ اور مضاف سے کیا مراد ہے؟ وہ ترکیبیں جن میں اضافت، اس وجہ سے کہ ان جیسی ترکیبوں کی جن میں لام ظاہر ہے ان کی مشارکت ہے مضاف کے ساتھ یعنی ان ترکیبوں کے ساتھ جن میں اضافت ہو رہی ہے فِي أَصْلِ مَعْنَاهُ کس چیز میں مشارکت ہے؟ مضاف کے اصل معنیٰ میں یعنی اضافت والی ترکیبوں کے اصل معنیٰ میں۔ توجہ ہے؟ جہاں مضاف کا لفظ آئے وہاں اضافت والی ترکیبیں مراد لے لو، اور دو جگہ تَشْبِيهًا لَهُ اور لِمُشَارَكَتِهِ ان میں ہا ضمیر پہلے کس کو راجع کی تھی؟ لَا کے اسم کو، اب لَا کے اسم کو راجع نہ کرو بلکہ اس جیسی ترکیبیں مراد لے لو۔ اب پھر دیکھو ترجمہ ذرا: تَشْبِيهًا لَهُ بِالْمُضَافِ اس جیسی ترکیبوں کو مشابہ بنانے کے لیے بِالْمُضَافِ ان ترکیبوں کے ساتھ جن میں اضافت ہوتی ہے، بھئی کیوں؟ لِمُشَارَكَتِهِ لَهُ اس لیے کیونکہ ان جیسی ترکیبوں کی مشارکت ہے ان ترکیبوں کے ساتھ جن میں اضافت ہوتی ہے فِي أَصْلِ مَعْنَاهُ ان ترکیبوں کے اصل معنیٰ یعنی اضافت کے اندر، جیسے ان میں اختصاص تھا ان میں بھی کیا ہے؟ اختصاص ہے۔ تو مآل اور حاصل ایک ہی ہے، صرف ضمیروں کا مرجع بدلا اور مضاف سے مضاف مراد نہیں لیا بلکہ مضاف والی ترکیبیں مراد لے لیں جن میں اضافت ہوتی ہے۔

دیکھیے بھئی کہتے ہیں: أَوِ الْمَعْنَى یا کلام کا معنیٰ یہ ہے کہ أَنَّ مِثْلَ لَا أَبَا لَهُ اب دیکھو بھئی وہی متن والی عبارت صاحب جامی شروع کرنے لگے ہیں: أَوِ الْمَعْنَى یا کلام کا معنیٰ یہ ہے أَنَّ مِثْلَ لَا أَبَا لَهُ وَلَا غُلَامَيْ لَهُ جَائِزٌ تَشْبِيهًا لَهُ کہ اس لَا أَبَا لَهُ اور لَا غُلَامَيْ لَهُ جیسی ترکیبیں جائز ہیں تَشْبِيهًا لَهُ مشابہ بنانے کے لیے لَهُ أَيْ لِمِثْلِ هَذَيْنِ التَّرْكِيبَيْنِ ان جیسی ترکیبوں کو مشابہ بنانے کے لیے حَيْثُ لَا إِضَافَةَ فِيهِ اس حیثیت سے کہ ان میں کوئی اضافت نہیں ہے کیونکہ ان میں لام موجود ہے، تو ان ترکیبوں کو مشابہ بنانے کے لیے بِالْمُضَافِ کس کے ساتھ؟ مضاف کے ساتھ أَيْ بِتَرْكِيبٍ يَشْتَمِلُ عَلَى الْإِضَافَةِ دیکھا مضاف کا کیا معنیٰ کر رہے ہیں؟ یعنی وہ ترکیب جو مشتمل ہو اضافت پر لِمُشَارَكَتِهِ دیکھو اب لِمُشَارَكَتِهِ ضمیر کا مرجع بدلیں گے أَيْ لِمُشَارَكَةِ مِثْلِ هَذَيْنِ التَّرْكِيبَيْنِ لَهُ، اس لیے کیونکہ اس جیسی ترکیبوں کی مشارکت ہے لَهُ أَيْ لِمَا يَشْتَمِلُ عَلَى الْإِضَافَةِ ان ترکیبوں سے

جو اضافت پر مشتمل ہوتی ہیں فِي أَصْلِ مَعْنَاهُ ان کے اصل معنیٰ میں أَيْ مَعْنَى مَا يَشْتَمِلُ عَلَى الْإِضَافَةِ یعنی وہ معنیٰ جن پر وہ اضافت والی ترکیبیں مشتمل ہوتی ہیں وَهُوَ الِاخْتِصَاصُ اور وہ اختصاص ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟

ہاں آگے صاحب جامی فرماتے ہیں: إِلَّا أَنَّ بَيْنَ الِاخْتِصَاصَيْنِ تَفَاوُتًا مگر یہ بات ہے کہ دونوں اختصاصوں میں فرق ہے۔ أَنَّ بَيْنَ الِاخْتِصَاصَيْنِ تَفَاوُتًا، تَفَاوُت کا معنیٰ ہے فرق، دونوں اختصاصوں میں فرق ہے۔ ایک ہے لَا أَبَا لَهُ اس کے اندر بھی اب کا اختصاص آرہا ہے لام کی وجہ سے، اور ایک ہے لَا أَبَاهُ اضافت کر دی جائے اس کے اندر بھی اختصاص آرہا ہے۔ تو دیکھو توجہ سے سننا، فرق بیان کر رہے ہیں کہتے ہیں لَا أَبَا لَهُ اس کے اندر بھی لامِ اختصاص ہے تو اس اب کا بھی اختصاص ہو رہا ہے لَهُ کے لام کے مدخول کے ساتھ، اور أَبَاهُ جب براہِ راست اضافت کر دی جائے اس کا بھی اختصاص ہے۔ یا ذرا لفظ زید لے آؤ اور وضاحت ہو جائے گی: لَا أَبَا لِزَيْدٍ زید کے لیے جنسِ باپ ہی نہیں ہے، تو یہاں پر بھی یہ اب کی کا اختصاص ہے زید کے ساتھ اس کی نفی کی جا رہی ہے۔ اور أَبَا زَيْدٍ براہِ راست اضافت کر دو لام مقدر کر دو، تو اس میں بھی اختصاص ہے لیکن دونوں اختصاصوں میں فرق ہے۔ فرق یہ کہ بغیر لام کے أَبَا زَيْدٍ یہ اب کا لفظ معرفہ بن گیا، اور أَبَا لِزَيْدٍ اس کے اندر یہ اب کا لفظ معرفہ نہیں بنا۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو ایک کے اندر اختصاص اعلیٰ درجے کا ہے کہ وہ معرفہ بن گیا ہے، اور ایک میں اختصاص کم درجے کا ہے کہ وہ معرفہ نہیں بنا۔

تو کہتے ہیں: إِلَّا أَنَّ بَيْنَ الِاخْتِصَاصَيْنِ تَفَاوُتًا مگر یہ کہ دونوں اختصاصوں میں تفاوت ہے فَإِنَّ الِاخْتِصَاصَ الْمَفْهُومَ مِنَ التَّرْكِيبِ الْإِضَافِيِّ اس لیے کیونکہ وہ اختصاص جو مفہوم ہوتا ہے ترکیبِ اضافی سے یعنی جس میں اضافت ہوتی ہے أَتَمُّ وہ زیادہ تام ہے مِمَّا يُفْهَمُ مِنْ غَيْرِهِ اس اختصاص سے جو اس کے علاوہ سے سمجھ میں آئے۔

ایک وہ اختصاص ہے جو اضافت میں سمجھ میں آرہا ہے اور ایک اضافت کے علاوہ لام کے اظہار کے ساتھ سمجھ میں آرہا ہے، دونوں میں فرق ہے۔ وہ اختصاص جو اضافت والا ہے وہ زیادہ تام ہے، وہ تعریف کے درجے تک پہنچ جاتا ہے، مضاف معرفہ بن جاتا ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟

وَمِنْ ثَمَّ، جی متن پہلے دیکھیے: وَمِنْ ثَمَّ لَمْ يَجُزْ لَا أَبَا فِيهَا اور اسی لیے لَا أَبَا فِيهَا جائز نہیں ہے۔ یہ لَا أَبَا جائز نہیں اسی وجہ سے، کس وجہ سے؟ کہ یہ جو لَا أَبَا لَهُ اور لَا غُلَامَيْ لَهُ اس جیسی ترکیبیں جائز تھیں کیونکہ ان کو مشابہ بنایا گیا تھا کس کے ساتھ؟ مضاف کے ساتھ۔ کیوں؟ اختصاص کا معنیٰ دونوں میں پایا جا رہا تھا۔ اور یہاں پر لَا أَبَا فِيهَا اس کے اندر کوئی اختصاص نہیں اس لیے یہ ترکیب جائز نہیں۔ تو کہتے ہیں: وَمِنْ ثَمَّ أَيْ لِأَجْلِ أَنَّ جَوَازَ مِثْلِ هَذَيْنِ التَّرْكِيبَيْنِ کہ اس وجہ سے کہ اس جیسی ترکیبوں کا جائز ہونا إِنَّمَا هُوَ بِتَشْبِيهِ غَيْرِ الْمُضَافِ بِالْمُضَافِ وہ غیر مضاف کو مضاف کے مشابہ بنانے کے لیے ہے فِي مَعْنَى الِاخْتِصَاصِ کس میں؟ اختصاص کے معنیٰ میں۔ تو کہتے ہیں پھر ترجمہ دیکھیے کہتے ہیں أَيْ لِأَجْلِ أَنَّ جَوَازَ مِثْلِ هَذَيْنِ التَّرْكِيبَيْنِ

اور اس وجہ سے کہ اس جیسی ترکیبوں کا جائز ہونا إِنَّمَا هُوَ بِتَشْبِيهِ غَيْرِ الْمُضَافِ بِالْمُضَافِ وہ صرف غیر مضاف کو مضاف کے ساتھ تشبیہ دینے کی وجہ سے ہے فِي مَعْنَى الِاخْتِصَاصِ کس چیز میں؟ اختصاص کے معنیٰ میں۔ غیر مضاف کو مضاف کے ساتھ تشبیہ دینے کی وجہ سے ہے فِي مَعْنَى الِاخْتِصَاصِ کس چیز میں تشبیہ ہے؟ اختصاص کے معنیٰ میں تشبیہ ہے۔ تو لَمْ يَجُزْ تَرْكِيبُ لَا أَبَا فِيهَا جائز نہیں ہے لَا أَبَا فِيهَا کی ترکیب أَيْ فِي الدَّارِ، ضمیر کا مرجع بتلایا کہ فِيهَا کی ہا ضمیر کس کو راجع ہے؟ دَار کو۔ کہتے ہیں لِعَدَمِ الِاخْتِصَاصِ کیونکہ اس ترکیب میں اختصاص نہیں ہے۔ فَإِنَّ الِاخْتِصَاصَ الْمَفْهُومَ مِنْ إِضَافَةِ الْأَبِ إِلَى شَيْءٍ إِنَّمَا هُوَ بِأُبُوَّتِهِ لَهُ کہتے ہیں اس لیے، ادھر دیکھیے، کہتے ہیں اس لیے کیونکہ جب أَبٌ کی اضافت کسی چیز کی طرف کی جاتی ہے تو وہاں اس سے یہ اختصاص سمجھ میں آتا ہے کہ اس کی ابوت اس چیز کے ساتھ خاص ہے، أَبُو زَيْدٍ أَبٌ کی اضافت میں نے زید کی طرف کی تو اس سے کیا پتہ چلا کہ اس شخص کی ابوت خاص ہے کس کے ساتھ؟ زید کے ساتھ۔ تو جب أَبٌ، توجہ ہے؟ جب أَبٌ کی اضافت کسی چیز کی طرف کی جائے تو اس سے کیا اختصاص سمجھ میں آتا ہے؟ کہ یہ ابوت جو بیان ہو رہی ہے یہ اس مضاف الیہ کے ساتھ خاص ہے، جبکہ دَار کے ساتھ تو أَبٌ کی اضافت اس طرح نہیں، دَار کے ساتھ تو أَبٌ کا اختصاص نہیں ہو سکتا کہ دَار کا باپ ہو، گھر کا باپ ہو، یہاں تو اختصاص نہیں ہو سکتا۔

کہتے ہیں: فَإِنَّ الِاخْتِصَاصَ الْمَفْهُومَ مِنْ إِضَافَةِ الْأَبِ إِلَى شَيْءٍ اس لیے کیونکہ وہ اختصاص جو أَبٌ کی کسی چیز کی طرف اضافت کرنے سے سمجھ میں آتا ہے إِنَّمَا هُوَ بِأُبُوَّتِهِ لَهُ وہ اس اعتبار سے ہوتا ہے کہ اس کی ابوت اس کے لیے خاص ہے اس کے ساتھ خاص ہے، وَهَذَا الِاخْتِصَاصُ غَيْرُ ثَابِتٍ لِلْأَبِ بِالنِّسْبَةِ إِلَى الدَّارِ اور یہ اختصاص تو باپ کے لیے ثابت نہیں ہے گھر کی طرف نسبت کرتے ہوئے، باپ کا اختصاص تو گھر کے ساتھ نہیں ہو سکتا کہ وہ گھر کا باپ ہو۔ فَلَا يَصِحُّ إِضَافَتُهُ إِلَى الدَّارِ لہٰذا أَبٌ کی اضافت دَار کی طرف صحیح نہیں ہے فَكَيْفَ يُشْبِهُ تَرْكِيبُ لَا أَبَا فِيهَا بِتَرْكِيبٍ يُضَافُ فِيهِ الْأَبُ إِلَى الدَّارِ تو کیسے تشبیہ دی جا سکتی ہے لَا أَبَا فِيهَا کی ترکیب کو اس ترکیب کے ساتھ جس میں أَبٌ کی اضافت کس کی طرف ہو؟ دَار کی طرف، اس کے ساتھ تشبیہ نہیں دی جا سکتی کیونکہ اختصاص نہیں ہے بھئی۔

تو کہتے ہیں پھر ترجمہ دیکھیے: فَكَيْفَ يُشْبِهُ تَرْكِيبُ لَا أَبَا فِيهَا بِتَرْكِيبٍ يُضَافُ فِيهِ الْأَبُ إِلَى الدَّارِ تو کیسے مشابہ ہو سکتی ہے لَا أَبَا فِيهَا کی ترکیب بِتَرْكِيبٍ يُضَافُ فِيهِ الْأَبُ إِلَى الدَّارِ اس ترکیب کے ساتھ جس میں أَبٌ کی اضافت ہو رہی ہو دَار کی طرف؟ یہ ترکیب اس ترکیب کے مشابہ نہیں ہو سکتی، کس اعتبار سے؟ لِمُشَارَكَتِهِ لَهُ فِي أَصْلِ مَعْنَاهُ کہ اس کی مشارکت ہو اس کے ساتھ اصل معنیٰ میں، یہاں مشابہت نہیں ہو سکتی کہ آپ یوں کہیں کہ اس کی مشارکت ہے اس کے ساتھ اصل معنیٰ میں، نہیں بھئی اصل معنیٰ اختصاص یہاں ہے ہی نہیں کیونکہ باپ کی جب اضافت کسی چیز کی طرف کی جائے تو کیا اختصاص سمجھ میں آتا ہے؟ کہ اس کا باپ ہونا خاص ہے اس کے ساتھ، اور دَار کی طرف تو باپ ہونا خاص نہیں ہو سکتا۔ یہ آخری عبارت کا ترجمہ بھی سمجھ میں آیا یا نہیں؟ دیکھو پوری بات پہلے عبارت پوری دیکھو: فَكَيْفَ يُشْبِهُ تَرْكِيبُ لَا

أَبَا فِيهَا اس ترکیب کو کیسے تشبیہ دی جا سکتی ہے بِتَرْكِيبٍ يُضَافُ فِيهِ الْأَبُ إِلَى الدَّارِ اس ترکیب کے ساتھ جس میں أَبٌ کی اضافت ہو رہی ہو دَار کی طرف، اس کے ساتھ کیسے تشبیہ دی جا سکتی ہے لِمُشَارَكَتِهِ لَهُ فِي أَصْلِ مَعْنَاهُ اس چیز میں کہ اس کی مشارکت ہے اس کے ساتھ اصل معنیٰ میں؟ تشبیہ دیں اور آپ یہ کہیں کہ اس کی مشارکت ہے اس کے ساتھ اصل معنیٰ میں بھئی کہاں سے مشارکت ہے اصل معنیٰ کے اندر؟ اختصاص ہی نہیں ہے یہاں پر تو مشارکت کہاں سے آگئی؟ تو آپ یہ کہیں کہ لَا أَبَا فِيهَا پڑھنا بھی جائز ہے جیسے اضافت کے اندر ہوتا ہے کیونکہ اس کی اس کے ساتھ مشارکت ہے، آپ یوں نہیں کہہ سکتے بھئی، یوں اضافت نہیں کر سکتے کیونکہ مشارکت نہیں ہے اصل معنیٰ میں بھئی۔

وَلَيْسَ أَيْ مِثْلُ هَذَيْنِ التَّرْكِيبَيْنِ بِمُضَافٍ حَقِيقَةً اور اس جیسی ترکیبیں جو ہیں وہ حقیقت میں مضاف نہیں ہیں لِفَسَادِ الْمَعْنَى معنیٰ کے فاسد ہونے کی وجہ سے۔ آگے صاحب جامی فرما رہے ہیں معنیٰ کے بعد الْمُرَادِ الْمُفَادِ بِهِمَا عَلَى تَقْدِيرِ الْإِضَافَةِ، الْمُرَادِ یعنی وہ معنیٰ جس کا ارادہ کیا جائے الْمُفَادِ بِهِمَا۔ أَفَادَ يُفِيدُ إِفَادَةً کا معنیٰ ہے دوسرے کو فائدہ دینا، مُفِید کسے کہیں گے؟ جو دوسرے کو فائدہ دے، اور مُفَاد وہ جو دوسرے کو فائدہ دیا جائے، وہ جو دوسرے کو فائدہ پہنچایا جائے وہ ہے مُفَاد بھئی۔ مثلاً آپ کو پتہ نہیں تھا کہ زید آچکا ہے، میں نے آکر آپ کو بتلایا زید آچکا ہے، دیکھو اب آپ کو ایک فائدہ حاصل ہوا، ایک نئی بات کا پتہ چلا جس کا آپ کو پہلے پتہ نہیں تھا، تو یہ جو آپ کو پتہ چلا زید آگیا یہ ہے مُفَاد بھئی جس کا آپ کو فائدہ پہنچایا گیا جو آپ کو فائدہ حاصل ہوا۔ تو یہاں پر بھی کہہ رہے ہیں لِفَسَادِ الْمَعْنَى معنیٰ کے فاسد ہونے کی وجہ سے یہ حقیقت میں مضاف نہیں، توجہ ہے؟ صاحب کافیہ نے کیا کہا؟ کہ لَيْسَ بِمُضَافٍ لِفَسَادِ الْمَعْنَى کہ یہ مضاف حقیقت میں مضاف لَا أَبَا لَهُ یہ أَبٌ حقیقت میں مضاف نہیں لِفَسَادِ الْمَعْنَى معنیٰ کے فاسد ہونے کی وجہ سے۔ آگے صاحب جامی بتلا رہے ہیں کہ یہ مطلب نہیں ہے کہ لغوی معنیٰ خراب ہو گیا، لغوی اعتبار سے کلام کا معنیٰ ٹھیک ہے لیکن جس معنیٰ کا متکلم ارادہ کرتا ہے جو فائدہ اس کلام سے مخاطب کو دیا جاتا ہے اس میں خرابی آگئی۔ آپ کہنا چاہتے ہیں لَا أَبَا لَهُ آپ کے کہنے کا کیا مقصد ہے؟ کہ فلاں کے لیے جنسِ باپ ہی نہیں ہے، آپ یہ کہنا چاہتے ہیں آپ نے اس کا ارادہ کیا ہے، یہ ہے معنیٰ مُفَاد بھئی جس کا فائدہ پہنچایا گیا۔ توجہ ہے؟ کہ فلاں کے لیے جنسِ باپ ہی نہیں ہے، اور اگر آپ اضافت مان لیں تو معنیٰ ہو جائے گا لَا أَبَاهُ مَوْجُودٌ فلاں کا وہ معلوم باپ موجود نہیں، معلوم ہوا باپ اس کا معلوم ہے متعین ہے، تو آپ تو جنسِ باپ کی نفی کرنا چاہتے تھے اور اس صورت میں کیا لازم آئے گا؟ اس فلاں کا باپ اس کا معلوم اور متعین ہے، فلاں کا باپ ہے۔ آپ کا ارادہ کیا تھا؟ لَا أَبَا لَهُ فلاں کا باپ ہی نہیں، اور اضافت مان لیں تو معنیٰ کیا ہو گا؟ باپ تو ہے لیکن اس وقت موجود نہیں ہے، دیکھو آپ کے معنیٰ مراد آپ نے جس کا ارادہ کیا تھا جو آپ دوسرے کو فائدہ پہنچانا چاہتے تھے جو خبر دینا چاہتے تھے اس میں خرابی آگئی۔ بات سمجھ میں آئی؟ لغوی معنیٰ نہیں خراب، لغوی اعتبار سے تو بات ٹھیک ہو گئی لَا أَبَاهُ مَوْجُودٌ اس کا وہ جو معلوم باپ ہے اس وقت موجود نہیں ہے یا وہ غائب ہے یا وہ مر چکا ہے، تو لغوی اعتبار سے تو معنیٰ ٹھیک ہے لیکن

متکلم جب یہ لَا أَبَا فِيهَا کہتا ہے اس کا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ فلاں کا معلوم باپ موجود نہیں ہے بلکہ مقصد ہوتا ہے اس کے لیے جنسِ باپ ہے ہی نہیں۔ اسی طرح لَا غُلَامَيْ لَهُ اس کے ذریعے مقصد کیا ہوتا ہے؟ فلاں اتنا غریب فلاں کے دو غلام ہو ہی نہیں سکتے۔ اور اگر آپ اضافت مان لیں تو خبر محذوف نکالنا پڑے گی لَا غُلَامَيْهِ مَوْجُودَانِ فلاں کے وہ جو معلوم غلام ہیں وہ اس وقت موجود نہیں ہیں، آپ تو کہنا چاہتے تھے اس کے لیے دو غلام ہو ہی نہیں سکتے اور اب معنیٰ کیا بن گیا؟ کہ اس کے لیے دو غلام ہیں سب کو معلوم ہیں لیکن اس وقت وہ موجود نہیں، دیکھو معنیٰ مفاد اور معنیٰ مراد کیا ہو گیا؟ خراب ہو گیا۔

یہ معنیٰ ہے لِفَسَادِ الْمَعْنَى الْمُرَادِ الْمُفَادِ بِهِمَا اس لیے کیونکہ وہ معنیٰ جو اس کا جس کا اس کلام کے ذریعے ارادہ کیا جائے الْمُفَادِ بِهِمَا اور جو ان ترکیبوں سے جو فائدہ ہو رہا ہے عَلَى تَقْدِيرِ الْإِضَافَةِ کس تقدیر پر؟ اضافت کی تقدیر پر وہ معنیٰ جو ہے وہ فاسد ہو جائے گا۔ جی اور وہ معنیٰ کیا ہے؟ وہ خود بیان کر رہے ہیں: وَهُوَ نَفْيُ ثُبُوتِ جِنْسِ الْأَبِ أَوِ الْغُلَامَيْنِ لِمَرْجِعِ الضَّمِيرِ الْمَجْرُورِ بِالِاسْتِقْلَالِ۔ وَهُوَ نَفْيُ ثُبُوتِ جِنْسِ الْأَبِ وہ جنسِ أَبٌ کے ثبوت کی نفی کرنا ہے کہ فلاں کے لیے جنسِ أَبٌ کا ثبوت ہی نہیں ہے، فلاں کے لیے جنسِ أَبٌ ہی نہیں ہے أَوِ الْغُلَامَيْنِ یا فلاں کے لیے جنسِ غُلَامَيْنِ کا ثبوت ہی نہیں ہے۔ تو کہتے ہیں وَهُوَ نَفْيُ ثُبُوتِ جِنْسِ الْأَبِ أَوِ الْغُلَامَيْنِ کہ جنسِ أَبٌ یا جنسِ غُلَامَيْنِ کے ثبوت کی نفی ہے لِمَرْجِعِ الضَّمِيرِ الْمَجْرُورِ وہ جو ضمیرِ مجرور کا مرجع ہے یعنی جس کو بھی ضمیر لوٹ رہی ہے چاہے وہ زید ہے، عمرو ہے یا بکر ہے لَا أَبَا لَهُ یہ ہا ضمیر جو مجرور ہے لام کی وجہ سے اس سے أَبٌ اور جنسِ غُلَامَيْنِ کی کیا کرنی ہے؟ نفی مقصود ہے بھئی۔ اور بِالِاسْتِقْلَالِ اور یہ نفی کیسی ہے؟ استقلال کے ساتھ ہے یعنی یہ کلام مستقل ہے، یہاں کسی کوئی جز محذوف نکالنے کی حاجت نہیں لَا أَبَا لَهُ لَا غُلَامَيْ لَهُ یہ لَا أَبَا یہ أَبَا کیا ہے؟ لَا کا اسم، اور لَهُ کیا ہے؟ لَا کی خبر، تو یہاں خبر لفظوں میں موجود ہے لیکن اگر اضافت مان لی جائے تو پھر خبر کو محذوف نکالنا پڑے گا۔

پھر دیکھیے بھئی کہتے ہیں: وَلَيْسَ بِمُضَافٍ اور یہ ترکیبیں حقیقت میں مضاف نہیں ہیں لِفَسَادِ الْمَعْنَى الْمُرَادِ الْمُفَادِ بِهِمَا عَلَى تَقْدِيرِ الْإِضَافَةِ اس لیے کیونکہ وہ معنیٰ جس کا ارادہ کیا جاتا ہے اور وہ معنیٰ جس کا فائدہ پہنچایا گیا ہے ان دو ترکیبوں کے ذریعے وہ معنیٰ خراب ہو جاتا ہے عَلَى تَقْدِيرِ الْإِضَافَةِ اضافت کی تقدیر پر۔ بھئی وہ معنیٰ کیا ہے؟ کہتے ہیں وَهُوَ نَفْيُ ثُبُوتِ جِنْسِ الْأَبِ أَوِ الْغُلَامَيْنِ لِمَرْجِعِ الضَّمِيرِ الْمَجْرُورِ بِالِاسْتِقْلَالِ اور وہ جنسِ أَبٌ اور جنسِ غُلَامَيْنِ کی ثبوت کی نفی کرنا ہے ضمیرِ مجرور کے مرجع سے بِالِاسْتِقْلَالِ مستقلاً۔ مستقلاً کیا ہے؟ ضمیرِ مجرور کے مرجع سے نفی کرنا ہے جنسِ أَبٌ اور جنسِ غُلَامَيْنِ کی مستقلاً بِالِاسْتِقْلَالِ یعنی استقلال کے ساتھ نفی ہے یہاں پر، یہاں پر کلام کا کوئی جز محذوف نہیں ہے۔ تو کہتے ہیں وہ جنسِ أَبٌ یا جنسِ غُلَامَيْنِ کی نفی کرنا ہے مرجع ضمیرِ مجرور کے مرجع سے بِالِاسْتِقْلَالِ استقلال کے ساتھ مِنْ غَيْرِ احْتِيَاجٍ إِلَى تَقْدِيرِ خَبَرٍ بغیر کسی تقدیرِ خبر کی حاجت کے، تقدیرِ خبر کی یہاں کوئی حاجت نہیں یہ لَهُ ہی خبر ہے۔

وَهَذَا الْمَعْنَى يَفْسُدُ عَلَى تَقْدِيرِ الْإِضَافَةِ مِنْ وَجْهَيْنِ اور یہ والا معنیٰ جو ہے فاسد ہو جاتا ہے اضافت کی تقدیر پر، اگر یہاں کیا فرض کرلی جائے؟ اضافت فرض کرلی جائے تو یہ معنیٰ فاسد ہو جائے گا مِنْ وَجْهَيْنِ دو وجہ سے۔ أَمَّا أَوَّلًا اولاً تو اس لیے فَلِأَنَّ مَعْنَى هَذَيْنِ التَّرْكِيبَيْنِ اس لیے کیونکہ ان دو ترکیبوں کا معنیٰ جو ہے عَلَى تَقْدِيرِ الْإِضَافَةِ اضافت کی تقدیر پر وہ یہ ہو گا لَا أَبَاهُ وَلَا غُلَامَيْهِ دیکھو لام کو گرا دیا براہِ راست لَهُ کی ہا ضمیر کی طرف اضافت کر دی تو کیا بن گیا؟ لَا أَبَاهُ وَلَا غُلَامَيْهِ یہ تقدیرِ کلام بن گئی وَهَذَا لَا يَتِمُّ إِلَّا بِتَقْدِيرِ خَبَرٍ اور یہ کلام تو پھر پورا نہیں ہوتا مگر تقدیرِ خبر کے ساتھ کہ خبر یہاں مقدر نکالی جائے أَيْ لَا أَبَاهُ مَوْجُودٌ وَلَا غُلَامَيْهِ مَوْجُودَانِ۔ تو ایک تو یہ ترکیبی اعتبار سے خرابی لازم آ رہی ہے اگرچہ یہ کلام بالاستقلال اس بات پر دلالت کر رہا تھا اس میں کسی چیز کو محذوف نکالنے کی، کسی خبر کو محذوف نکالنے کی حاجت نہیں تھی لیکن اگر اضافت کی تقدیر مان لی جائے جیسا جمہور کہتے ہیں تو پھر اس صورت میں خبر محذوف نکالنا پڑے گی۔ تو ایک وجہ تو یہ ہو گئی۔

وَأَمَّا ثَانِيًا اور دوسری وجہ کہتے ہیں فَلِأَنَّ الْمُرَادَ نَفْيُ ثُبُوتِ جِنْسِ الْأَبِ أَوِ الْغُلَامَيْنِ لَهُ اور دوسرا اس لیے کیونکہ مراد جو ہے یعنی جس کا ارادہ کیا گیا ہے وہ جنسِ أَبٌ یا جنسِ غُلَامَيْنِ کی ثبوت کی نفی کا ارادہ کیا گیا ہے لَهُ اس شخص کے لیے جو ضمیرِ مجرور جس کی طرف راجع ہے۔ بات سمجھ میں آ گئی؟ اب یہاں ادھر دیکھیے: اس جیسی ترکیب لَا أَبَا لَهُ مقصود کیا ہے؟ فلاں کے لیے جنسِ باپ ہی نہیں، لَا غُلَامَيْ لَهُ فلاں کے لیے جنسِ دو غلام ہی نہیں، لیکن اگر اضافت مان لی جائے تو معنیٰ یہ ہو گا کہ اس کا وہ جو معلوم باپ ہے اس کا وجود نہیں ہے، معلوم ہوا باپ تو ہے لیکن اس وقت موجود۔ نہیں، تو مقصد تو تھا جنسِ باپ کی نفی لیکن آپ نے تو باپ کو ثابت کر دیا اس میں۔ اور مقصد تھا لَا غُلَامَيْ لَهُ فلاں کے لیے دو جنسِ غلام ہی نہیں ہیں، لیکن لَا غُلَامَيْهِ مَوْجُودَانِ کا معنیٰ تو پھر بن جائے گا کہ فلاں کے دو معلوم غلام ہیں تو، لیکن اس وقت موجود نہیں، یہ تو آپ اس کے لیے دو غلاموں کا اثبات کر دیں گے بھئی، تو دیکھو معنیٰ مراد کیا ہو گیا؟ خراب۔

کہتے ہیں: وَأَمَّا ثَانِيًا اور دوسری وجہ جس کی وجہ سے یہ خراب ہو جاتا ہے معنیٰ کہتے ہیں فَلِأَنَّ الْمُرَادَ نَفْيُ ثُبُوتِ جِنْسِ الْأَبِ أَوِ الْغُلَامَيْنِ لَهُ کیونکہ مراد جو ہے اس کے ذریعے جنسِ باپ کے ثبوت کی نفی یا دو غلاموں کے جنس کی ثبوت کی نفی ہے لَهُ اس شخص کے لیے لَا نَفْيُ الْوُجُودِ عَنْ أَبِيهِ الْمَعْلُومِ أَوْ غُلَامَيْهِ الْمَعْلُومَيْنِ نہ کہ یہ مقصود نہیں ہے کہ وجود کی نفی کی جائے عَنْ أَبِيهِ الْمَعْلُومِ اس کے معلوم باپ سے أَوْ غُلَامَيْهِ الْمَعْلُومَيْنِ یا اس کے دو معلوم غلاموں سے، کہ معلوم باپ سے وجود کی نفی کی جائے یا اس کے دو معلوم غلاموں سے وجود کی نفی کی جائے یہ یہاں مقصود نہیں ہے بھئی۔

خِلَافًا لِسِيبَوَيْهِ وَالْخَلِيلِ وَجُمْهُورِ النُّحَاةِ کہتے ہیں بخلاف امام سیبویہ کے اور امام خلیل ابن احمد کے اور جمہور نحویوں کے۔ بخلاف ان کے، کہ یہ کہتے ہیں یہ حقیقت میں مضاف ہیں، لَا أَبَا یہ أَبَا حقیقت میں مضاف ہے لَهُ کی ہا ضمیر کی طرف، اور غُلَامَيْ یہ حقیقت میں مضاف ہے لَهُ کی ہا ضمیر کی طرف۔ اور یہ اختلاف صرف امام سیبویہ نہیں فرماتے، امام سیبویہ بھی،

امام خلیل ابن احمد بھی اور جمہور نحوی یہ سب اختلاف کرتے ہیں، وہ سب کہتے ہیں یہ حقیقتاً مضاف ہے معنیٰ کے اعتبار سے۔

تو یہ معنیٰ ہے خِلَافًا لِسِيبَوَيْهِ وَالْخَلِيلِ وَجُمْهُورِ النُّحَاةِ۔ وَإِنَّمَا خَصَّ سِيبَوَيْهِ، سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب سب اختلاف کرتے ہیں، امام سیبویہ بھی، امام خلیل ابن احمد بھی اور جمہور بھی، تو ماتن نے صاحب کافیہ نے تو صرف یہ فرمایا خِلَافًا لِسِيبَوَيْهِ بخلاف امام سیبویہ کے، تو صرف امام سیبویہ کا ذکر کیوں فرمایا؟ باقیوں کا ذکر کیوں نہیں فرمایا؟ تو اس کا جواب دیں گے چونکہ امام سیبویہ ان میں سب سے زیادہ مشہور ہیں اور ان میں سب سے اعلیٰ ہیں، عمدہ ہیں اس لیے ان کو ذکر فرما دیا، ورنہ یہ سب اختلاف کرتے ہیں۔ کہتے ہیں: وَإِنَّمَا خَصَّ سِيبَوَيْهِ بِهَذَا الْخِلَافِ اور خاص کیا امام سیبویہ کو اس اختلاف کے ساتھ یعنی انہی کا نام ذکر کیا لِأَنَّهُ الْعُمْدَةُ فِيمَا بَيْنَهُمْ اس لیے کیونکہ امام سیبویہ ان کے درمیان عمدہ ہیں یعنی اعلیٰ ہیں، امام سیبویہ ان کے اندر عمدہ اور اعلیٰ ہیں۔ أَوْ لِأَنَّ الْمَقْصُودَ بَيَانُ الْخِلَافِ لَا تَعْيِينُ الْمُخَالِفِينَ یا اس لیے کیونکہ مقصد جو ہے اختلاف کو بیان کرنا ہے، مخالفین کی تعیین مقصود یہاں نہیں۔ صاحب کافیہ صرف اختلاف بتلانا چاہتے تھے کہ اس مسئلے میں اختلاف ہے، کس کس نے اختلاف کیا ہے یہ بتلانا یہاں مقصد نہیں، تو ایک کا ذکر کر دیا تو اس سے بھی پتہ چل گیا کہ اس میں اختلاف ہے بھئی۔ یہ معنیٰ ہے أَوْ لِأَنَّ الْمَقْصُودَ بَيَانُ الْخِلَافِ لَا تَعْيِينُ الْمُخَالِفِينَ اور اس لیے کیونکہ مقصود جو ہے وہ اختلاف کو بیان کرنا ہے مخالفین کی تعیین نہیں یعنی وہ مقصود نہیں ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟

یہاں پر بعض محشی حضرات نے اعتراض کیا۔ اعتراض یہ کرتے ہیں کہ صاحب جامی نے کیا کہا؟ ادھر دیکھیے، اشکال یہ تھا کہ امام سیبویہ کا ذکر کیوں کیا باقیوں کا ذکر کیوں نہیں کیا، باقی بھی تو اختلاف کرتے ہیں؟ تو ایک وجہ یہ ذکر کی کہ یہ سب سے اعلیٰ ہیں چونکہ امام سیبویہ اس لیے ان کو ذکر کیا، یا دوسرا جواب یہ دیا کہ چونکہ صرف اختلاف بتلانا مقصد تھا مخالفین کو متعین کرنا مقصد نہیں تھا اس لیے صرف امام سیبویہ کا ذکر کیا۔ اس پر بعض محشی حضرات نے اعتراض کیا ہے کہ پہلا جواب کیا دیا؟ کہ امام سیبویہ کو کیوں ذکر فرمایا؟ کیونکہ وہ ان میں عمدہ ہیں، اعلیٰ ہیں۔ کہتے ہیں نہیں ان میں عمدہ جو ہیں وہ امام خلیل ابن احمد ہیں بھئی، وہ کیا ہیں؟ امام خلیل ابن احمد ہیں، کیونکہ امام خلیل ابن احمد یاد رکھو یہ امام سیبویہ کے استاذ ہیں بھئی، اور نیز یہ قراءِ سبعہ میں سے ہیں بھئی۔ کس میں سے ہیں؟ قراءِ سبعہ میں سے ہیں اور ظاہر سی بات ہے قراءِ سبعہ کا مقام عام نحوی حضرات سے بلند ہے بھئی۔ تو پھر صاحب جامی نے کیسے کہہ دیا لِأَنَّهُ الْعُمْدَةُ فِيمَا بَيْنَهُمْ کہ امام سیبویہ ان میں عمدہ ہیں؟ تو پھر جواب دیا کہ بھئی عمدہ سے مراد یا تو مشہور مراد لے لیں کہ امام سیبویہ کی شہرت زیادہ ہے، علماء و طلبائے نحو کے اندر زیادہ شہرت کس کی ہے؟ امام سیبویہ کی ہے اس لیے۔ یا عمدہ سے مراد یہ ہے کہ بصرہ کے جو نحوی ہیں ان میں عمدہ امام سیبویہ ہیں۔ کن میں عمدہ ہیں؟ علمائے بصرہ میں۔ میں نے بتایا تھا علماء کے دو گروہ ہیں: ایک علمائے کوفہ اور ایک علمائے بصرہ، اور یہ تقریباً کوئی ایک سو دس کے لگ بھگ مسائل میں اختلاف کرتے ہیں اور ان میں بڑے بڑے علم کے پہاڑ گزرے ہیں، تو

بصرہ والوں کے اندر سب سے اونچا مقام کس کا ہے؟ امام سیبویہ کا ہے اس لیے ان کو ذکر فرما دیا بھئی۔

آگے دیکھیے کہتے ہیں: فَمَذْهَبُ سِيبَوَيْهِ وَالْخَلِيلِ وَجُمْهُورِ النُّحَاةِ تو امام سیبویہ اور امام خلیل اور جمہور نحویوں کا مذہب یہ ہے کہ أَنَّ مِثْلَ هَذَا التَّرْكِيبِ مُضَافٌ حَقِيقَةً بِاعْتِبَارِ الْمَعْنَى کہ اس قسم کی ترکیب جو ہے وہ مضاف ہے حقیقتاً بِاعْتِبَارِ الْمَعْنَى، کس اعتبار سے؟ معنیٰ کے اعتبار سے مضاف ہے لفظوں کے اعتبار سے مضاف نہیں۔ وَإِقْحَامُ اللَّامِ إِقْحَامٌ کا معنیٰ ہے داخل کرنا وَإِقْحَامُ اللَّامِ بَيْنَ الْمُضَافِ وَالْمُضَافِ إِلَيْهِ اور جو لام کا داخل کرنا ہے مضاف اور مضاف الیہ کے درمیان لَا أَبَا لَهُ لَا غُلَامَيْ لَهُ مضاف اور مضاف الیہ کے درمیان کیا لایا گیا؟ لام، تو کہتے ہیں یہ جو لام کا داخل کرنا ہے بَيْنَ الْمُضَافِ وَالْمُضَافِ إِلَيْهِ مضاف اور مضاف الیہ کے درمیان تَأْكِيدٌ لِلَّامِ الْمُقَدَّرَةِ یہ تاکید ہے کس کے لیے؟ لامِ مقدرہ کے لیے۔ یہ جو لام لایا گیا یہ وہ لامِ اضافت نہیں ہے، لامِ اضافت حذف ہو چکا وہ مقدر ہے، اس کی تاکید کے لیے یہ لامِ زائد لایا گیا ہے، اس کی تاکید کے لیے یہ لام زائد لایا گیا ہے تاکہ یہ لَا کا اسم معرفہ نہ بن جائے، اگر معرفہ بن گیا تو پھر رفع بھی پڑھنا پڑے گا اور تکرارِ اسم بھی ہو گا۔ تو اس پر نصب پڑھنا مقصد تھا اور تکرار سے بچنا مقصد تھا۔ بات سمجھ میں آ رہی ہے؟ تو کہتے ہیں: وَحَكَمَ الْمُصَنِّفُ بِفَسَادِهِ اور مصنف یعنی صاحب کافیہ نے فیصلہ فرمایا بِفَسَادِهِ اس کے فاسد ہونے کا لِمَا عَرَفْتَ اس وجہ سے جو آپ نے جان لیا، کہ یہ اضافت کی صورت میں معنیٰ مراد کیا ہو جائے گا؟ فاسد ہو جائے گا۔ بات سمجھ میں آ گئی؟

بھئی یہاں لفظ آیا تَأْكِيدٌ لِلَّامِ الْمُقَدَّرَةِ۔ وَإِقْحَامُ اللَّامِ بَيْنَ الْمُضَافِ وَالْمُضَافِ إِلَيْهِ تَأْكِيدٌ لِلَّامِ الْمُقَدَّرَةِ، توجہ ہے؟ یہاں پر دیکھو بھئی یہ تَأْكِيد کے بعد ایک الف ہونا چاہیے، کیا ہونا چاہیے؟ تَأْكِيدٌ کیونکہ لام ہے اور لام سے ہر لام مراد ہے یا خاص لام مراد ہے جو محذوف ہے لامِ اضافت؟ وہ خاص لام، تو اس لیے اس پر الف لام آیا اللَّامِ الْمُقَدَّرَةِ کیا ہے؟ وہ لام جو مقدر ہے اور اس پر تَأْكِيد کی اضافت کر دی تو کیسے پڑھیں گے؟ تَأْكِيدُ اللَّامِ الْمُقَدَّرَةِ، توجہ ہے؟ تو تَأْكِيد کی اضافت ہو رہی ہے اللَّامِ الْمُقَدَّرَةِ کی طرف تو یہاں الف لام والا الف لکھنا چاہیے۔ ہاں ایک صورت یہ ہے کہ اگر اللَّام تھا پھر اس پر لامِ جارہ بھی داخل کر دیا گیا اضافت کے بغیر پڑھو، اضافت کی صورت میں تو وہ لام حذف ہو جاتا ہے، اور اگر آپ اضافت نہیں کرتے یوں بھی پڑھ سکتے ہیں تَأْكِيدٌ لِلَّامِ الْمُقَدَّرَةِ، اس صورت میں پھر تین لام لکھنے چاہئیں: ایک لام کا لام، پھر ایک الف لام والا ال جو اس کے اوپر آیا، پھر ایک لامِ جارہ جو اس پر آیا، تو تَأْكِيدٌ لِلَّامِ الْمُقَدَّرَةِ۔ تو ایک صورت یہ ہے کہ یہاں ایک اور لام کا اضافہ کر دیں اور بغیر اضافت کے پڑھیں تَأْكِيدٌ لِلَّامِ الْمُقَدَّرَةِ، اور آپ چاہیں تو اضافت کر دیں صرف الف بیچ میں لگا دیں الف لام کا الف، تو تَأْكِيدُ اللَّامِ الْمُقَدَّرَةِ بھی آپ پڑھ سکتے ہیں۔

آگے دیکھیے: وَيُحْذَفُ اسْمُ لَا حَذْفًا كَثِيرًا فِي مِثْلِ لَا عَلَيْكَ أَيْ لَا بَأْسَ عَلَيْكَ اور حذف کر لیا جاتا ہے لَا کے اسم کو حَذْفًا كَثِيرًا یعنی کثرت کے ساتھ فِي مِثْلِ لَا عَلَيْكَ اس جیسی مثالوں میں لَا عَلَيْكَ جیسی مثالوں میں أَيْ لَا بَأْسَ عَلَيْكَ، لَا

بَأْسَ عَلَيْكَ أَيْ لَا حَرَجَ عَلَيْكَ۔ یاد رکھو یہ کسی کو تسلی دینے کے لیے عربی میں کہتے ہیں لَا عَلَيْكَ یا لَا بَأْسَ عَلَيْكَ، توجہ ہے؟ آپ چاہیں بَأْس کو حذف کر دیں چاہے اس کو ذکر کر دیں لَا عَلَيْكَ یا لَا بَأْسَ عَلَيْكَ، یعنی کوئی شخص پریشان ہو تو اس کو تسلی دینے کے لیے کہتے ہیں یا اس سے مثلاً کوئی غلطی ہو گئی یا کچھ ہو گیا اب وہ پریشان اور نادم بیٹھا ہے آپ اس کو کہتے ہیں بھئی لَا بَأْسَ عَلَيْكَ کوئی حرج نہیں بھئی کوئی حرج نہیں أَيْ لَا حَرَجَ عَلَيْكَ کوئی حرج آپ پر نہیں یعنی پریشان نہ ہو بھئی، تو آپ تسلی دیتے ہیں۔ تو اس میں چاہے آپ لَا کے اسم کو ذکر کریں چاہے حذف کریں دونوں جائز ہیں۔ بات سمجھ میں آ گئی؟ تو کہتے ہیں: وَيُحْذَفُ اسْمُ لَا حَذْفًا كَثِيرًا فِي مِثْلِ لَا عَلَيْكَ أَيْ لَا بَأْسَ عَلَيْكَ اور لَا کے اسم کو کثرت سے حذف کر لیا جاتا ہے لَا عَلَيْكَ جیسی مثالوں میں أَيْ لَا بَأْسَ عَلَيْكَ۔ بات سمجھ میں آ گئی؟

بھئی لیکن یاد رکھو جب بھی کوئی لفظ حذف ہو اس پر قرینہ ضرور چاہیے، تو یہاں قرینہ کیا ہے؟ کہتے ہیں لَا عَلَيْكَ لام داخل ہو رہا ہے عَلَيْكَ جار مجرور پر، حالانکہ لام تو جار مجرور پر داخل نہیں ہوتا وہ اسم اور خبر پر داخل ہوتا ہے توجہ ہے؟ تو لہٰذا یہاں اسم محذوف نکال لیں گے۔ تو کہتے ہیں لَا عَلَيْكَ أَيْ لَا بَأْسَ عَلَيْكَ۔ وَلَا يُحْذَفُ إِلَّا مَعَ وُجُودِ الْخَبَرِ اور اس اسم کو حذف نہیں کیا جاتا مگر خبر کے پائے جاتے وقت۔ ادھر دیکھیے: ایک لائے نفی جنس کا اسم ہے، ایک اس کی خبر ہے لَا بَأْسَ عَلَيْكَ، پھر بَأْسَ کو حذف کر دیا لَا عَلَيْكَ تو دیکھو خبر ابھی بھی موجود ہے۔ تو اسم کو تب ہی حذف کریں گے جب خبر موجود ہو اور خبر کو تب ہی حذف کریں گے جب لَا کا اسم موجود ہو، دونوں کو نہیں حذف کریں گے۔ دونوں کو نہیں حذف کریں گے کیونکہ اگر آپ نے دونوں حذف کر دیے، ایک مسند ہے اس کو بھی حذف کر دیا ایک مسند الیہ ہے اس کو بھی حذف کر دیا تو گویا آپ نے تو کلام کو پورا ہلاک کر دیا۔ کلام کے تو دو ہی حصے ہوتے ہیں ایک مسند اور ایک مسند الیہ، تو اگر دونوں حذف کر دیں گے یہ تو آپ نے کلام کو گویا تباہ کر دیا برباد کر دیا اس کو ہلاک کر دیا، لہٰذا دونوں کو حذف نہیں کریں گے۔ خبر کو حذف کیا ہے تو اسم ہونا چاہیے اور اسم حذف کرنا چاہتے ہیں تو خبر ہونی چاہیے۔ تو کہتے ہیں وَلَا يُحْذَفُ إِلَّا مَعَ وُجُودِ الْخَبَرِ اور لَا کے اسم کو حذف نہیں کیا جاتا مگر خبر کے وجود کے وقت لِئَلَّا يَكُونَ إِجْحَافًا تاکہ کہیں یہ اجحاف نہ ہو جائے۔ إِجْحَاف ہلاک کرنا، سخت نقصان پہنچانا، لِئَلَّا يَكُونَ إِجْحَافًا تاکہ کہیں ہلاک کرنا نہ ہو جائے یہ یعنی آپ نے تو پورے کلام کو ہی کیا کر دیا؟ ہلاک کر دیا مسند اور مسند الیہ دونوں کو حذف کر دیا، تو لہٰذا ایک کو حذف کریں گے دونوں کو نہیں۔

تو یہاں پر دیکھو انہوں نے بتایا لَا کے اسم کو کبھی حذف بھی کر لیتے ہیں۔ اور وہاں مرفوعات کے اندر وہاں پر بھی لائے نفی جنس کی بات کی تھی، تو لائے نفی جنس کا اسم منصوب ہوتا ہے اور خبر مرفوع، اور وہاں صاحب جامی نے بتلایا تھا آپ کو کہ لائے نفی جنس کی خبر کو بسا اوقات حذف کر لیتے ہیں، کہاں بتلایا تھا؟ مرفوعات میں کہ اس کی خبر کو حذف کر لیتے ہیں۔ اور یہاں لائے نفی جنس کے اسم کی بات چل رہی تھی تو یہاں صاحب جامی نے آپ کو بتلایا کہ لائے نفی جنس کے اسم کو

بھی بسا اوقات حذف کر لیتے ہیں۔ تو کہیں طالب علم کے ذہن میں یہ شبہ نہ آئے کہ پیچھے بتایا تھا خبر کو حذف کر لیتے ہیں اکثر اوقات، یہاں بتایا اسم کو حذف کر لیتے ہیں اکثر اوقات معلوم ہوا دونوں کو ہی حذف کر لیتے ہیں دونوں کو اکٹھا حذف کر سکتے ہیں، تو صاحب جامی نے بتلایا کہ نہیں بھئی ایک وقت میں ایک کو حذف کریں گے دونوں کو حذف نہیں کریں گے اس لیے کیونکہ لَا کا اسم وہ ہے مسند الیہ اور لَا کی خبر کیا ہے؟ مسند ہے، تو ایک وقت میں ایک کو حذف کیا جاتا ہے دونوں کو نہیں کیونکہ کلام کے دو ہی جز ہیں ایک مسند الیہ اور ایک مسند انہی دونوں سے مل کر کلام بنتا ہے، تو اگر آپ نے دونوں کو حذف کر دیا تو گویا آپ نے تو کلام کو جڑ سے ہی کاٹ ڈالا اس کو بالکل ہلاک ہی کر دیا اس کو ختم ہی کر دیا، لہٰذا دونوں کو حذف نہیں کریں گے ایک وقت میں ایک کو حذف کریں گے۔ بات سمجھ میں آگئی؟

وَقَوْلُهُمْ لَا كَزَيْدٍ اب لَا كَزَيْدٍ کی ترکیب بتا رہے ہیں توجہ سے سمجھ لو بھئی۔ دیکھو لَا كَزَيْدٍ یہ لائے نفی جنس ہے بھئی، كَزَيْدٍ یاد رکھو یہ جو کاف ہے یہ حرفِ جر ہے یہ، لیکن یہ کبھی کبھار اسم بھی ہوتا ہے مِثْلَ کے معنیٰ میں، یہ کیا ہوتا ہے؟ اسم۔ تو یہ کاف آپ چاہیں تو اس کو کافِ جارہ بنا دیں کافِ جارہ بھی مِثْلَ کے معنیٰ میں ہے، لیکن ایک کاف اسم ہی آتا ہے ہے ہی اسم وہ بھئی، تو اس میں آپ چاہیں تو کیا کریں؟ اس کاف کو کافِ جارہ بنا دیں اور لَا کے لیے اسم محذوف نکال لیں کیونکہ كَزَيْدٍ جار مجرور ہمیشہ خبر بنتے ہیں مسند الیہ نہیں بنتے، تو کلام گویا یوں ہوا لَا أَحَدَ كَزَيْدٍ، لَا أَحَدَ كَزَيْدٍ اور كَزَيْدٍ جار مجرور کس سے متعلق ہوں گے؟ ثَابِتٌ سے لَا أَحَدَ۔ ثَابِتٌ كَزَيْدٍ، توجہ ہے؟ اور آپ چاہیں تو اس کاف کو اسم قرار دے دیں کہ یہ حرف ہے ہی نہیں یہ اسم ہے، پھر كَزَيْدٍ پھر یہ جار مجرور نہیں ہے پھر یہ مضاف اور مضاف الیہ ہیں، یہ کیا ہیں آپس میں پھر؟ مضاف اور مضاف الیہ ہے، اور کس معنیٰ میں ہے؟ مِثْل کے معنیٰ میں، کس معنیٰ میں؟ مِثْل کے معنیٰ میں۔ لہٰذا کاف کو ہٹاؤ مِثْل لے آؤ ذرا: لَا مِثْلَ زَيْدٍ۔ اب اس کو کیا بنائیں لَا کے لیے؟ کہتے ہیں آپ چاہیں خبر بنا لو چاہے اسم بنا لو۔ اسم بناؤ تو پھر کیسے پڑھو گے؟ لَا مِثْلَ زَيْدٍ اور خبر مَوْجُودٌ محذوف نکال لیں گے: لَا مِثْلَ، لَا کا اسم ہے لَا کے ساتھ ملا ہوا ہے، نکرہ بھی ہے کیونکہ مِثْل کی اضافت معرفہ کی طرف کر دو پھر بھی وہ نکرہ ہی رہتا ہے، اور نیز مضاف بھی ہے، تینوں شرطیں پوری، اور اس صورت میں لَا کا اسم منصوب ہوتا ہے تو لَا مِثْلَ زَيْدٍ اور مَوْجُودٌ خبر نکال لو۔ یا آپ اس کو خبر بنا دو اور اسم محذوف نکال لو: لَا أَحَدَ مِثْلُ زَيْدٍ، أَحَدَ مبنی علی الفتح ہو جائے گا، لَا أَحَدَ مِثْلُ زَيْدٍ کوئی ایک بھی زید کا مثل نہیں ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟

تو حاصلِ کلام کیا؟ یہ کاف کیا ہے؟ اسم بھی ہو سکتا ہے اور حرفِ جر بھی، اور اسم بنائیں تو پھر آپ اس کو چاہیں خبر بنا دیں اور لَا کا اسم محذوف نکال لیں اور آپ چاہیں تو اس کو لَا کی خبر بنا دیں اور لَا کا اسم محذوف نکال لیں۔

وَقَوْلُهُمْ لَا كَزَيْدٍ اور عربوں کا قول لَا كَزَيْدٍ إِنْ جَعَلْنَا الْكَافَ اسْمًا اگر ہم کاف کو اسم قرار دے دیں جَازَ أَنْ يَكُونَ كَزَيْدٍ

اسْمًا **تو جائز ہے** كَزَيْدٍ **یہ اسم ہو جائے یعنی** لَا **کا اسم** وَالْخَبَرُ مَحْذُوفًا **اور خبر محذوف ہو** أَيْ لَا مِثْلُهُ مَوْجُودٌ **زید کا مثل موجود نہیں،** وَجَازَ أَنْ يَكُونَ خَبَرًا **اور یہ بھی جائز ہے کہ یہ خبر ہو جائے** أَيْ لَا أَحَدَ مِثْلُ زَيْدٍ **کوئی ایک بھی زید کا مثل نہیں۔** وَإِنْ جَعَلْنَاهُ حَرْفًا **اور اگر ہم اس کاف کو حرف قرار دے دیں** فَالِاسْمُ مَحْذُوفٌ **تو پھر لَا کا اسم محذوف ہو گا** أَيْ لَا أَحَدَ كَزَيْدٍ أَيْ لَا أَحَدَ ثَابِتٌ كَزَيْدٍ۔

بات سمجھ میں آگئی؟ حل ہو گیا؟ چلیے بس بھئی، هَذَا هُوَ الْمَرَامُ وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْكَلَامِ۔

سبق نمبر ۱۸۲: خبرِ مَا و لَا مشبہتین بلیس: شرائطِ عمل، بطلانِ عمل بالًا اور خبر پر باء کا دخول

شرحِ ملا جامی صفحہ: ۱۶۱ — بتاریخ: ۱۶ اگست ۲۰۲۲ء

▪ تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث

آگے سبق دیکھیے بھائی:

خَبَرُ مَا وَلَا الْمُشَبَّهَتَيْنِ فِي النَّفْيِ وَالدُّخُوْلِ عَلَى الْجُمْلَةِ الْاِسْمِيَّةِ بِلَيْسَ هُوَ الْمُسْنَدُ بَعْدَ دُخُوْلِهِمَا أَيْ دُخُوْلِ مَا وَلَا، وَهِيَ أَيْ خَبَرِيَّةُ خَبَرِ مَا وَلَا لَهُمَا وَكَذَا اسْمِيَّةُ اسْمِهِمَا لَهُمَا لُغَةٌ حِجَازِيَّةٌ.

بھائی گزشتہ سبق میں بحث چل رہی تھی کہ لَا أَبَ لَهُ اور لَا غُلَامَيْنِ لَهُ اس جیسی مثالوں میں لَا أَبَا لَهُ اور لَا غُلَامَيْ لَهُ پڑھنا جائز ہے، یعنی مضاف والے احکام ان پر جاری کرتے ہوئے لَا کے اسم پر۔ اور میں نے بتلایا تھا اس سے مراد ایسی ترکیبیں ہیں جن میں لَا کا اسم أَبٌ یا أَخٌ ہو یا اسمائے ستہ میں سے ہو علاوہ ذُوْ کے، کیونکہ ذُوْ بغیر اضافت کے استعمال نہیں ہوتا۔ تو لَا کا اسم أَبٌ یا أَخٌ ہو یا تثنیہ ہو یا جمع مذکر سالم ہو، اور اس کے بعد لامِ اختصاص آرہا ہو، اور لامِ اختصاص کسی معرفہ پر داخل ہو رہا ہو، چاہے وہ ضمیر ہو چاہے اسمِ ظاہر۔ تو اس جیسی ترکیبوں کے اندر یہ جو لَا کا اسم ہے، اس پر اضافت کے احکام جاری کرنا یعنی أَبٌ کو الف کے ساتھ لَا أَبَا پڑھنا اور اسی طرح تثنیہ اور جمع میں نون کو گرا دینا جیسے اضافت میں گر جاتا ہے، تو لَا غُلَامَيْنِ لَهُ کے بجائے کیا پڑھنا؟ لَا غُلَامَيْ لَهُ یا لَا مُسْلِمِيْ لَهُ، اس طرح پڑھنا جائز ہے بھائی۔ تو جمہور کہتے ہیں کہ یہ حقیقتاً مضاف ہے۔

اس پر اشکال ہوتا ہے کہ حقیقتاً مضاف کے اندر تو لام نہیں آتا، یہاں تو لام موجود ہے، تو وہ کہتے ہیں وہ لام حذف ہو چکا اور یہ اس لام کی تاکید کے لیے ایک اور لام لایا گیا ہے۔ اور یہاں حقیقتاً لَا کا اسم مضاف ہو رہا ہے لام کے مدخول کی طرف، البتہ یہ اضافت معنیٰ کے اعتبار سے ہے، لفظوں کے اعتبار سے نہیں۔ وجہ یہ کہ عرب اس پر نصب پڑھنا چاہتے تھے اور نیز اس لَا کے اندر تکرار نہیں چاہتے تھے۔ کیونکہ لَا کا اسم جب ساتھ بھی ملا ہوا ہو، نکرہ بھی ہو اور مضاف یا مشابہ مضاف ہو تو وہ منصوب ہوتا ہے، تو اس لیے یہاں پر اضافت کر دی۔ تو مضاف ہو گیا۔ تو جب مضاف ہوا تو اس کو

منصوب پڑھیں گے، لیکن ساتھ وہ معرفہ ہو رہا تھا، تو معرفہ ہونے سے بچانے کے لیے درمیان میں کیا لے آئے؟ ایک اور لام لے آئے تاکہ یہ معرفہ نہ بنے، کیونکہ اگر معرفہ بن گیا پھر تو نصب بھی نہیں پڑھ سکتے بلکہ پھر تو رفع پڑھنا پڑے گا اور نیز تکرارِ لَا بھی ہو گا اور تکرارِ اسم بھی ہو گا، جیسے آپ کہتے ہیں لَا زَيْدٌ فِي الدَّارِ وَلَا عَمْرٌو۔ تو اس سے بچنے کے لیے وہ درمیان میں لام لے آئے۔ اب دیکھو اضافت بھی ہے اور معرفہ بھی نہ بنا تو تینوں شرطیں پوری ہیں، لَا کا اسم نکرہ بھی ہے، ساتھ بھی ملا ہوا ہے اور مضاف بھی ہے، تو اس لیے اس پر نصب پڑھا۔ جبکہ صاحبِ کافیہ فرماتے ہیں کہ نہیں یہ مضاف نہیں ہے، بلکہ اس کو مضاف جیسی صورت دی گئی ہے اس لیے کیونکہ یہ مضاف کے ساتھ یہ لَا کا اسم شریک ہے اضافت کے اصلِ معنیٰ میں یعنی کہ اس کے اندر بھی اختصاص ہے۔ جیسے اضافت کے اندر اختصاص آتا ہے اس کی ترکیب کے اندر بھی کیا موجود ہے؟ اختصاص موجود ہے، جیسے لَا أَبَا لِزَيْدٍ۔ تو آپ دیکھو زید سے أَبٌ کی نفی کر رہے ہیں، اس أَبٌ کا اختصاص ہے کس کے ساتھ؟ زید کے ساتھ جس کی آپ نفی کر رہے ہیں۔ تو جیسے اضافت والی ترکیب میں اختصاص ہوتا ہے اس میں بھی اختصاص تھا، تو لہٰذا اس کو اس کے مشابہ بنانے کے لیے وہی مضاف والے احکام اس پر جاری کیے گئے، حقیقت میں یہ مضاف نہیں ہے۔

تو اس وقت یہ بالاتفاق جو ہے یہ معرب ہے، مبنی نہیں۔ حالانکہ لائے نفی جنس کا اسم تو کیا ہوتا ہے؟ نکرہ ہو اور ساتھ ملا ہوا ہو اور مضاف یا مشابہ مضاف نہ ہو تو وہ تو مبنی ہوتا ہے، تو صاحبِ کافیہ بھی فرماتے ہیں کہ یہ مضاف نہیں ہے، اس کو مبنی ہونا چاہیے تھا، لیکن مضاف کے ساتھ یہ شریک ہوا اصلِ معنیٰ میں، اضافت کے اصلِ معنیٰ میں اور وہ اختصاص ہے وہ یہاں پایا گیا، تو مضاف جیسی صورت دے دی گئی اور اسی کی طرح معرب پڑھ دیا گیا اس کو۔ اور خرابی کیوں لازم آتی ہے؟ کہتے ہیں خرابی اس وجہ سے کیونکہ اگر یہ حقیقتاً مضاف ہو گا تو پھر لَا أَبَا لَهُ یہ کس معنیٰ میں ہو جائے گا؟ لَا أَبَاهُ کے معنیٰ میں ہو جائے گا، تو یہ تو لَا کا اسم بن جائے گا تو پھر لَا کے لیے خبر محذوف نکالنا پڑے گی۔ اگرچہ لَا أَبَا لَهُ یہ کلام مستقل ہے اور یہ نفی کا فائدہ دے رہا ہے، اس کے لیے کسی جز کو محذوف نکالنے کی ضرورت نہیں، لیکن اگر جمہور کی بات مان لی جائے تو پھر اس کے لیے خبر محذوف نکالنا پڑے گی۔ لَا أَبَاهُ مَوْجُوْدٌ اور لَا غُلَامَيْهِ مَوْجُوْدَانِ، وہ خبر الگ نکالنا پڑے گی، اور حالانکہ یہ کلام مستقل ہے، تو ایک تو یہ خرابی لازم آئے گی کہ خبر الگ نکالنا پڑے گی، اور دوسری خرابی یہ لازم آئے گی کہ جو مقصود تھا وہ معنیٰ مقصود ہی خراب ہو جائے گا۔ اس طرح کہ مقصد کیا تھا؟ لَا أَبَا لَهُ فلاں کے لیے جنسِ باپ ہی نہیں ہے، اور جب یہ لَا أَبَاهُ مَوْجُوْدٌ ہو گیا تو أَبَاهُ تو معرفہ بن گیا، معلوم ہوا کہ اس کا وہ جو فلاں معلوم باپ ہے وہ اس وقت موجود نہیں۔ یہ تو مقصد تو تھا اس سے جنسِ أَبٌ کی نفی کرنا اور آپ نے تو اس کے لیے باپ کا اثبات کر دیا کہ اس کا باپ ہے، متعین ہے، سب کو معلوم ہے، البتہ اس وقت وہ موجود نہیں ہے۔ اسی طرح لَا غُلَامَيْ لَهُ اس کے اندر مقصد کیا تھا؟ فلاں سے جنسِ دو غلاموں کی نفی کرنا مقصود تھا، لیکن اگر اضافت کر دیں گے لَا غُلَامَيْهِ تو یہ معرفہ بن گیا اور معرفہ کسے کہتے ہیں؟ جو کسی

متعین اور معلوم ذات پر دلالت کرے، پھر تو معنیٰ یہ ہو جائے گا فلاں کے وہ جو دو معلوم اور متعین غلام ہیں وہ موجود نہیں ہیں۔ تو مقصد تو تھا دو غلاموں کی نفی اور آپ نے تو کیا کر دیا؟ دو غلاموں کا اثبات کر دیا۔

لیکن جمہور کہتے ہیں کہ یہاں معنیٰ کے اعتبار سے حقیقتاً اضافت موجود ہے اور لام کو اس لیے لایا گیا ہے تاکہ معرفہ نہ بن جائے بھائی وہ لَا کا اسم بھائی۔ اور پھر انہوں نے آپ کو یہ بھی بتلایا کہ لَا کے اسم کو بسا اوقات حذف بھی کر دیا جاتا ہے اس جیسی مثالوں میں جیسے لَا عَلَيْكَ، اصل میں کیا ہے؟ لَا بَأْسَ عَلَيْكَ أَيْ لَا حَرَجَ عَلَيْكَ آپ پر کوئی حرج نہیں۔ کسی کو تسلی دیتے ہوئے اس طرح کہا جاتا ہے لَا بَأْسَ عَلَيْكَ أَيْ لَا حَرَجَ عَلَيْكَ آپ پر کوئی حرج نہیں یعنی آپ فکر نہ کریں، آپ پریشان نہ ہوں، تو اس وقت یوں کہتے ہیں۔ اور میں نے آپ کو بتلایا تھا کہ جب کلام کا کوئی جز حذف کیا جائے تو محذوف پر کسی قرینے کا ہونا ضروری ہے ورنہ سننے والے کو کیا پتا چلے گا؟ تو یہاں کیا قرینہ ہے؟ قرینہ یہ ہے کہ لَا جو ہے جار مجرور پر داخل ہو رہا ہے حالانکہ لَا تو کس پر داخل ہوتا ہے؟ اسم پر داخل ہوتا ہے، یہ قرینہ ہے کہ یہاں لَا کا اسم محذوف ہے۔

تو یہاں تک دیکھو، انہوں نے بتایا لَا کے اسم کو کبھی حذف بھی کر لیتے ہیں۔ اور وہاں مرفوعات کے اندر، وہاں پر بھی لائے نفی جنس کی بات کی تھی۔ تو لائے نفی جنس کا اسم منصوب ہوتا ہے اور خبر مرفوع، اور وہاں صاحبِ جامی نے بتلایا تھا آپ کو کہ لائے نفی جنس کی خبر کو بسا اوقات حذف کر لیتے ہیں۔ کہاں بتلایا تھا؟ مرفوعات میں، اس کی خبر کو حذف کر لیتے ہیں۔ اور یہاں لائے نفی جنس کے اسم کی بات چل رہی تھی، تو یہاں صاحبِ جامی نے آپ کو بتلایا کہ لائے نفی جنس کے اسم کو بھی بسا اوقات حذف کر لیتے ہیں۔ تو کہیں طالب علم کے ذہن میں یہ شبہ نہ آئے کہ پیچھے بتایا تھا خبر کو حذف کر لیتے ہیں اکثر اوقات، یہاں بتایا اسم کو حذف کر لیتے ہیں اکثر اوقات، معلوم ہوا دونوں کو ہی حذف کر لیتے ہیں، دونوں کو اکٹھا حذف کر سکتے ہیں۔ تو صاحبِ جامی نے بتلایا کہ نہیں بھائی، ایک وقت میں ایک کو حذف کریں گے، دونوں کو حذف نہیں کریں گے، اس لیے کیونکہ لَا کا اسم وہ ہے مسند الیہ اور لَا کی خبر کیا ہے؟ مسند ہے۔ تو ایک وقت میں ایک کو حذف کیا جاتا ہے دونوں کو نہیں، کیونکہ کلام کے دو ہی جز ہیں، ایک مسند الیہ اور ایک مسند، انہی دونوں سے مل کر کلام بنتا ہے، تو اگر آپ نے دونوں کو حذف کر دیا تو گویا آپ نے تو کلام کو جڑ سے ہی کاٹ ڈالا، اس کو بالکل ہلاک ہی کر دیا، اس کو ختم ہی کر دیا، لہٰذا دونوں کو حذف نہیں کریں گے، ایک وقت میں ایک کو حذف کریں گے، بات سمجھ میں آگئی۔

پھر اس کے بعد آپ کو ترکیب بتلائی تھی لَا كَزَيْدٍ۔ لَا كَزَيْدٍ یہ ترکیب، اس میں میں نے آپ کو بتلایا تھا کہ یہ جو کاف جارہ ہے یہ حرفِ جر کے طور پر بھی استعمال ہوتا ہے اور اسم کے طور پر بھی استعمال ہوتا ہے۔ کیسے استعمال ہوتا ہے؟ اسم کے طور پر بھی استعمال ہوتا ہے۔ چنانچہ، چنانچہ ہدایت النحو میں وہ شعر بھی انہوں نے ذکر کیا ہے: يَضْحَكْنَ عَنْ كَالْبَرَدِ۔ يَضْحَكْنَ عَنْ كَالْبَرَدِ، یہ کاف ہے اور اس پر عَنْ داخل ہوا اور عَنْ تو حرفِ جر ہے اور حرفِ جر تو ہمیشہ اسم پر داخل ہوتا ہے، حروفِ جارہ کس پر داخل ہوتے ہیں؟ ہمیشہ اسم پر داخل ہوتے ہیں، تو یہ عَنْ کا کاف پر داخل ہونا بتلا رہا ہے کہ یہ کاف

اسم ہے مِثل کے معنیٰ میں۔ تو کاف حرفِ جر کے طور پر بھی استعمال ہوتا ہے اور اسم کے طور پر بھی استعمال ہوتا ہے۔ تو لَا كَزَيْدٍ، آپ چاہیں تو اس کاف کو جارہ ہی بنا دیں اور اس کے لیے اسم محذوف نکال لیں: لَا أَحَدَ كَزَيْدٍ، لَا أَحَدَ كَزَيْدٍ۔ اور جار مجرور کے لیے متعلق چاہیے تو ثَابِتٌ خبر نکال لیں گے: لَا أَحَدَ ثَابِتٌ كَزَيْدٍ، یہ وہ صورت ہے جب کاف کو آپ جارہ ہی رکھیں، حرف ہی رکھیں۔ اور اگر آپ چاہیں تو کاف کو اسم بنا لیں، پھر كَزَيْدٍ، پھر یہ جار مجرور نہیں ہے، پھر یہ مضاف اور مضاف الیہ ہیں۔ یہ کیا ہیں آپس میں پھر؟ مضاف اور مضاف الیہ ہے، اور پھر آپ چاہیں تو اس كَزَيْدٍ مضاف مضاف الیہ کو آپ چاہیں تو لَا کا اسم بنا دیں اور خبر محذوف نکال لیں: لَا مِثْلَ زَيْدٍ مَوْجُوْدٌ۔ یہ کاف کس معنیٰ میں ہے؟ مِثل۔ یہ حرف ہو تب بھی مِثل کے معنیٰ میں لیکن وہ اس وقت حرف ہوتا ہے، وہ جار مجرور ہیں ان کے لیے متعلق چاہیے، اور جب یہ اسم ہے تب بھی یہ مِثل کے معنیٰ میں ہے لیکن پھر یہ آپس میں کیا بنیں گے؟ مضاف مضاف الیہ۔ تو كَزَيْدٍ، کاف مضاف زَيْدٍ مضاف الیہ جب یہ اسم ہو، اور پھر اس کو آپ چاہیں لَا کا اسم بنا دیں اور خبر محذوف نکال لیں أَيْ لَا مِثْلَ زَيْدٍ مَوْجُوْدٌ، خبر کو آپ نے محذوف نکال لیا۔ اور آپ چاہیں تو اس مِثْلَ زَيْدٍ کو لَا کی خبر بنا دیں اور اسم محذوف نکال لیں: لَا أَحَدَ مِثْلُ زَيْدٍ، کوئی ایک بھی زید کے مثل نہیں ہے، تو دونوں طرح آپ کر سکتے ہیں، بات سمجھ میں آگئی۔

اب آئیے آج کے سبق پر۔ کہتے ہیں: خَبَرُ مَا وَلَا الْمُشَبَّهَتَيْنِ فِي النَّفْيِ وَالدُّخُوْلِ عَلَى الْجُمْلَةِ الْاِسْمِيَّةِ بِلَيْسَ هُوَ الْمُسْنَدُ بَعْدَ دُخُوْلِهِمَا، جی پہلے متن متن دیکھ لیجیے بس بھائی۔ خَبَرُ مَا وَلَا الْمُشَبَّهَتَيْنِ بِلَيْسَ هُوَ الْمُسْنَدُ بَعْدَ دُخُوْلِهِمَا وَهِيَ لُغَةٌ حِجَازِيَّةٌ۔ مل گیا متن بھائی؟ تو کہتے ہیں خَبَرُ مَا وَلَا الْمُشَبَّهَتَيْنِ، بھائی منصوبات کا بیان چل رہا ہے اور منصوبات میں سے آخری منصوب آج صاحبِ کافیہ ذکر فرمائیں گے اور اس کے بعد ان شاء اللہ پھر مجرورات کی بحث شروع ہو جائے گی۔ تو منصوبات میں سے آخری جو ہے مَا اور لَا، وہ مَا اور لَا الْمُشَبَّهَتَيْنِ بِلَيْسَ جو مشابہ ہیں لَيْسَ کے ساتھ، ان کی خبر ہے۔ توجہ ہے؟ خَبَرُ مَا وَلَا الْمُشَبَّهَتَيْنِ بِلَيْسَ، دیکھو مَا، مَا سے لفظِ مَا مراد ہے تو یہ معرفہ ہے یہ علم کے درجے میں ہے۔ لَا سے لفظِ لَا مراد ہے تو یہ بھی معرفہ ہے، تو دو معرفہ آگئے تو آگے ان کی صفت ہے الْمُشَبَّهَتَيْنِ، وہ بھی دیکھو معرفہ لائے کیونکہ صفت اور موصوف میں تعریف و تنکیر میں مطابقت ہوتی ہے۔ تو خَبَرُ مَا وَلَا الْمُشَبَّهَتَيْنِ، اس مَا اور لَا کی خبر الْمُشَبَّهَتَيْنِ بِلَيْسَ جو دونوں لَيْسَ کے مشابہ ہیں، ان کی خبر بھی کس میں سے ہے؟ منصوبات میں سے ہے۔

صاحبِ جامی آپ کو بتلائیں گے کہ یہ لَيْسَ کے مشابہ کیسے ہیں، مَا اور لَا لَيْسَ کے مشابہ کیسے ہیں؟ یہ بات وہ پہلے بھی ذکر کر چکے ہیں مرفوعات کے اندر لیکن چونکہ بہت پیچھے بات گزری تھی اس لیے دوبارہ یہاں ذکر کریں گے اور آپ کو بتلائیں گے کہ یہ دونوں لَيْسَ کے ساتھ مشابہ ہیں دو چیزوں میں۔ ایک تو جیسے لَيْسَ نفی کا فائدہ دیتا ہے یہ مَا اور لَا بھی نفی کا فائدہ دیتے ہیں، اور نیز جیسے لَيْسَ مبتدا اور خبر پر داخل ہوتا ہے اسی طرح یہ مَا اور لَا بھی مبتدا اور خبر پر داخل ہوتے ہیں اور پھر ایک کو ان کا اسم کہتے ہیں اور دوسرے کو ان کی خبر کہتے ہیں۔ تو کہتے ہیں خَبَرُ مَا وَلَا الْمُشَبَّهَتَيْنِ بِلَيْسَ وہ مَا اور لَا جو لَيْسَ کے مشابہ ہیں ان

کی خبر هُوَ الْمُسْنَدُ بَعْدَ دُخُوْلِهِمَا ان کی خبر جو ہے مسند ہوتی ہے ان دونوں کے داخل ہونے کے بعد۔ آگے کہتے ہیں وَهِيَ لُغَةٌ حِجَازِيَّةٌ اور یہ جو خبر کو مَا اور لَا کی خبر قرار دینا اور اسم کو لَا اور مَا کا اسم کہنا، یاد رکھو یہ اہلِ حجاز کی لغت ہے۔ یہ کس کی لغت ہے؟ اہلِ حجاز کی لغت ہے۔ حجاز عرب کے اندر ایک بڑے علاقے کا نام ہے، مکہ بھی اسی کے اندر آتا ہے اور مدینہ بھی، تو یہ جو حجاز والے ہیں یہ مَا اور لَا کو عامل بناتے ہیں۔ چنانچہ مَا اور لَا کے اسم پر رفع پڑھتے ہیں اور خبر پر نصب پڑھتے ہیں، جیسے زَيْدٌ قَائِمٌ، یہ مبتدا اور خبر ہیں، اس پر مَا کو لے آئے مَا زَيْدٌ قَائِماً، جیسے لَيْسَ زَيْدٌ قَائِماً، لَيْسَ کیا عمل کرتا ہے؟ اپنے اسم کو رفع دیتا ہے اور خبر کو نصب، تو پہلے کیا تھا زَيْدٌ قَائِمٌ، اب کیا بن گیا لَيْسَ زَيْدٌ قَائِماً، اب خبر کو منصوب کر دیں گے، اب یہ لَيْسَ کی خبر بن چکی۔ اسی طرح مَا بھی عمل کرے گا مَا زَيْدٌ قَائِماً بھائی۔ تو مَا نکرہ اور معرفہ دونوں میں عمل کرتا ہے یہ بات پیچھے گزر چکی ہے جبکہ لَا نکرہ کے اندر عمل کرتا ہے، اور میں نے آپ کو یہ بھی بتایا تھا کہ لَا جو ہے، اس لَا کا عمل لَيْسَ کی طرح کلامِ عرب میں نہایت قلیل آیا ہے، یہاں تک کہ علماء فرماتے ہیں کہ یہ شاذ ہے، یہ کیا ہے؟ لَا کو کس جیسا عمل دیا گیا ہو؟ لَيْسَ جیسا، یہ شاذ ہے لہٰذا آپ اپنے کلام کے اندر لَا کو استعمال کرتے ہوئے اس کے اسم پر رفع اور خبر پر نصب پڑھنا چاہتے ہیں، آپ نہیں کر سکتے۔ آپ ایسا نہیں کر سکتے کیونکہ یہ نہایت قلیل آیا ہے کلامِ عرب میں، یہ شاذ ہے اور جو ضابطے بنائے جاتے ہیں وہ عام استعمالات پر بنائے جاتے ہیں، جو نادر اور قلیل استعمال ہوں ان پر ضابطے نہیں بنائے جاتے۔

تو، تو یہ مَا اور لَا اپنے اسم کو رفع دیتے ہیں اور خبر کو نصب، اور یہ کس کی لغت ہے؟ اہلِ حجاز کی لغت ہے۔ کس کی؟ اہلِ حجاز، حجاز والوں کی لغت ہے۔ جبکہ بنو تمیم عرب کا ایک بڑا قبیلہ ہے، وہ اس مَا اور لَا کو عامل بناتے ہی نہیں۔ تو مَا اور لَا کے آنے سے پہلے جیسے وہ مبتدا اور خبر تھے، مَا اور لَا کے آنے کے بعد بھی وہ مبتدا اور خبر ہی رہیں گے، جیسے زَيْدٌ قَائِمٌ، زید مبتدا تھا اور قَائِمٌ اس کی خبر، تو مَا کے آنے کے بعد بھی بنو تمیم والے اسی طرح پڑھیں گے مَا زَيْدٌ قَائِمٌ۔ مَا زَيْدٌ قَائِمٌ، وہ اس مَا کو عامل بناتے ہی نہیں، وہ لَا کو عامل بناتے ہی نہیں، زَيْدٌ ابھی بھی مبتدا ہے۔ یہ مَا نفی کے لیے ہے لیکن زَيْدٌ اسی طرح مبتدا ہے اور قَائِمٌ اسی طرح اس کی خبر ہے بھائی۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو بنو تمیم والے مَا اور لَا کو عامل نہیں بناتے۔ تو لہٰذا، لہٰذا یہ جو مَا اور لَا کے لیے آگے اسم اور خبر آتے ہیں یہ کس کی لغت ہے؟ اہلِ حجاز کی۔ تو اس خبر کا خبر ہونا مَا اور لَا کے لیے، یہ کس کی لغت ہے؟ اہلِ حجاز کی، اور اس اسم کا مَا اور لَا کے لیے اسم ہونا یہ کس کی لغت ہے؟ اہلِ حجاز کی، جبکہ بنو تمیم والے تو عامل بناتے ہی نہیں، وہ تو اس کو اس کا اسم یا اس کی خبر نہیں کہتے، وہ کہتے ہیں وہ مبتدا اور خبر ہی ہیں۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو معلوم ہوا خبر کا مَا اور لَا کے لیے خبر ہونا اور اسم کا مَا اور لَا کے لیے اسم ہونا یہ کس کی لغت ہے؟ اہلِ حجاز کی لغت ہے، تو یہی کہہ رہے ہیں وَهِيَ لُغَةٌ حِجَازِيَّةٌ اور یہ لغتِ حجازی ہے، حجاز والوں کی لغت، ان کی زبان ہے بھائی۔ بات سمجھ میں آگئی؟

اب اس کو ذرا شرح کے ساتھ دیکھیے بھائی، کہتے ہیں: خَبَرُ مَا وَلَا الْمُشَبَّهَتَيْنِ فِي النَّفْيِ وَالدُّخُوْلِ عَلَى الْجُمْلَةِ الْاِسْمِيَّةِ، بھائی میں نے آپ کو بتلایا مَا اور لَا مشابہ ہیں لَيْسَ کے ساتھ، کس چیز میں مشابہ ہیں؟ نفی کے اندر اور جملہ اسمیہ پر داخل ہونے میں کہ یہ مبتدا اور خبر پر داخل ہوتے ہیں جیسے لَيْسَ کس پر داخل ہوتا ہے؟ مبتدا اور خبر پر۔ لَيْسَ کس کا فائدہ دیتا ہے؟ نفی کا بھی فائدہ دیتا ہے اور یہ بھی نفی کا فائدہ دیتے ہیں۔ نیز لَيْسَ کس پر داخل ہوتا ہے؟ جملہ اسمیہ پر، یہ بھی کس پر داخل ہوتے ہیں؟ جملہ اسمیہ پر، تو یہ لَيْسَ کے مشابہ ہوئے۔ تو وہی مشابہت صاحبِ جامی بیان کر رہے ہیں، متن میں تو کیا آیا؟ خَبَرُ مَا وَلَا الْمُشَبَّهَتَيْنِ وہ مَا اور لَا جو مشابہ ہیں لَيْسَ کے ساتھ ان کی خبر۔ بھائی کس چیز میں مشابہ ہیں؟ بتلا رہے ہیں الْمُشَبَّهَتَيْنِ فِي النَّفْيِ وَالدُّخُوْلِ عَلَى الْجُمْلَةِ الْاِسْمِيَّةِ، نفی کے اندر اور جملہ اسمیہ پر داخل ہونے میں مشابہ ہیں بِلَيْسَ، کس کے ساتھ؟ لَيْسَ کے ساتھ۔ تو یہ جو مَا اور لَا جو مشابہ بِلَيْسَ ہیں ان کی جو خبر ہے هُوَ الْمُسْنَدُ بَعْدَ دُخُوْلِهِمَا، وہ مسند ہوتی ہے ان کے داخل ہونے کے بعد، أَيْ دُخُوْلِ مَا وَلَا، یعنی مَا اور لَا کے داخل ہونے کے بعد۔ ضمیر کا مرجع بتلایا دُخُوْلِهِمَا، یہ هُمَا ضمیر کس کو راجع؟ مَا اور لَا کو، أَيْ دُخُوْلِ مَا وَلَا مَا اور لَا کے داخل ہونے کے بعد۔

وَهِيَ، جی متن میں آیا تھا وَهِيَ لُغَةٌ حِجَازِيَّةٌ اور یہ اہلِ حجاز کی لغت ہے، اب یہ هِيَ ضمیر کس کو راجع ہے؟ تو صاحبِ جامی بتلائیں گے أَيْ خَبَرِيَّةُ خَبَرِ مَا وَلَا لَهُمَا، مَا اور لَا کی خبر کا، دیکھو مَا اور لَا سے ترجمہ پیچھے کی طرف میں کروں گا۔ أَيْ خَبَرِيَّةُ خَبَرِ مَا وَلَا، مَا اور لَا کی خبر کا خبر ہونا، خَبَرِيَّة کا کیا ترجمہ؟ خبر ہونا۔ تو دیکھو پھر سنو، وَهِيَ أَيْ خَبَرِيَّةُ خَبَرِ مَا وَلَا، مَا اور لَا کی خبر کا خبر ہونا لَهُمَا ان کے لیے، مَا اور لَا کی خبر کا خبر ہونا کس کے لیے؟ مَا اور لَا کے لیے۔ مَا اور لَا کی خبر کا خبر ہونا مَا اور لَا کے لیے، یہ کس کی لغت ہے؟ اہلِ حجاز کی، بنو تمیم والوں کے نزدیک یہ ان کے لیے خبر نہیں ہے۔ ترجمہ سمجھ میں آیا؟ تو یہ هِيَ ضمیر کس کو راجع ہے؟ یہ خَبَرِيَّة کو راجع ہے، خبر ہونا، پیچھے خَبَر کا ذکر آیا تھا یا نہیں؟ اسی کے مصدر کی طرف راجع کر دیا اسے۔ تو کہتے ہیں وَهِيَ أَيْ خَبَرِيَّةُ خَبَرِ مَا وَلَا لَهُمَا یعنی مَا اور لَا کے لیے ان کی خبر کا خبر ہونا یہ وَكَذَا اسْمِيَّةُ اسْمِهِمَا لَهُمَا اور اسی طرح مَا اور لَا کے اسم کا ان دونوں کے لیے اسم ہونا لُغَةٌ حِجَازِيَّةٌ یہ کیا ہے؟ اہلِ حجاز کی لغت ہے۔ ترجمہ بھی سمجھ میں آیا یا نہیں؟ ادھر دیکھیے، مَا اور لَا کی خبر کا مَا اور لَا کے لیے خبر ہونا، اور مَا اور لَا کے اسم کا مَا اور لَا کے لیے اسم ہونا یہ کس کی لغت ہے؟ اہلِ حجاز کی۔ پھر ترجمہ دیکھو، کہتے ہیں: وَهِيَ أَيْ خَبَرِيَّةُ خَبَرِ مَا وَلَا لَهُمَا اور یہ یعنی کہ مَا اور لَا کی خبر کا ان کے لیے خبر ہونا وَكَذَا اسْمِيَّةُ اسْمِهِمَا لَهُمَا اور اسی طرح مَا اور لَا کے اسم کا ان کے لیے اسم ہونا۔ یہ جو لَهُمَا آرہا ہے نا آخر میں، توجہ ہے؟ اس لَهُمَا کو جوڑیں خَبَرِيَّة سے، خبر ہونا لَهُمَا کس کے لیے؟ ان دونوں کے لیے۔ توجہ ہے؟ تو خَبَرِيَّةُ خَبَرِ مَا وَلَا، مَا اور لَا کی خبر کا خبر ہونا لَهُمَا ان دونوں کے لیے، وَكَذَا اسْمِيَّةُ اسْمِهِمَا اور اسی طرح ان دونوں کے اسم کا اسم ہونا لَهُمَا ان دونوں کے لیے، مَا اور لَا کے لیے یہ لُغَةٌ حِجَازِيَّةٌ یہ کیا ہے؟ اہلِ حجاز کی لغت ہے بھائی۔

وَخَصَّ الْخَبَرِيَّةَ، اچھا تو هِيَ ضمیر کس کو راجع؟ مَا اور لَا کی خبر کا ان کے لیے خبر ہونا، تو یہ خبر ہونے کی طرف ضمیر راجع

ہے۔ حالانکہ ادھر دیکھو، مَا اور لَا کی خبر کا ان کے لیے خبر ہونا تو جیسے خبر ہونا اہلِ حجاز کی لغت ہے، اسی طرح مَا اور لَا کے اسم کا اسم ہونا بھی تو اہلِ حجاز کی لغت ہے۔ صرف خبر بناتے ہیں یا اسم بھی بناتے ہیں اس کے لیے؟ اسم بھی بناتے ہیں۔ تو پھر هِيَ ضمیر صرف خَبَرِيَّة کو کیوں راجع کی؟ خَبَرِيَّة اور اِسْمِيَّة دونوں کو راجع کرتے، تثنیہ کی ضمیر لے کر آتے۔ کون سی ضمیر؟ تثنیہ کی ضمیر لاتے یا دونوں کو کم از کم ذکر کرتے، صرف خَبَرِيَّة کو ذکر کیا، توجہ ہے؟ تو اسی لیے آگے کہا وَكَذَا اسْمِيَّةُ اسْمِهِمَا لَهُمَا اور اسی طرح ان کے اسم کا ان کے لیے اسم ہونا بھی ہے۔ یہ تو صاحبِ جامی بیچ میں لے آئے وَكَذَا اسی طرح ہے، وہ بھی اسی طرح ہے، اسم کا ان کے لیے اسم ہونا بھی اسی طرح ہے جیسے صاحبِ کافیہ نے خَبَرِيَّة کو ذکر کیا۔ تو سوال پیدا ہوتا ہے صاحبِ کافیہ نے صرف خبر کو کیوں ذکر کیا؟ خبر ہونا، مَا اور لَا کی خبر کا ان کے لیے خبر ہونا یہ اہلِ حجاز کی لغت ہے، مَا اور لَا کے اسم کا ان کے لیے اسم ہونا یہ بھی تو اہلِ حجاز کی لغت ہے، اس کو تو ذکر نہیں کیا، اس کو تو صاحبِ جامی نے ذکر کیا وَكَذَا اسْمِيَّةُ اسْمِهِمَا لَهُمَا اور اسی طرح ان کے لیے ان کا اسم بھی ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو جواب وہ دیں گے صاحبِ جامی کہ بھائی دیکھیے، اصل میں یہ مَا اور لَا کے اسم اور خبر ہیں اس کا پتا ہی خبر سے چلتا ہے۔ مثلاً پہلے کیا تھا؟ زَيْدٌ قَائِمٌ، زید تھا مبتدا اور قَائِمٌ اس کی خبر، مبتدا پر بھی رفع خبر پر بھی رفع۔ اب اس پر ذرا مَا لے آؤ، اب کیسے پڑھیں گے؟ مَا زَيْدٌ قَائِماً۔ مَا زَيْدٌ قَائِماً، تو زَيْدٌ تو اسی طرح مرفوع ہے جیسے پہلے مبتدا ہوتے وقت مرفوع تھا، اب یہ مَا کا اسم بن چکا ہے اب مَا کے اسم ہونے کی وجہ سے مرفوع ہے، لیکن مبتدا ہونے کی حالت میں بھی اس پر کیا تھا؟ رفع، اب بھی کیا ہے؟ رفع، تو اس سے تو پتا نہیں چل رہا کہ مَا نے اس میں عمل کیا ہے یا نہیں، پتا چلا ہی کس سے؟ آگے جو قَائِماً خبر منصوب آئی اس سے پتا چلا کہ مَا عمل کر رہا ہے۔ جب خبر میں عمل کر رہا ہے معلوم ہوا اسم میں بھی عمل کر رہا ہے، اسم کو بھی اب یہ مَا رفع دے رہا ہے، یہ مبتدا ہونے کی وجہ سے مرفوع نہیں۔ تو لہٰذا معلوم ہوا مَا اور لَا کے اسم اور خبر کا پتا کس سے چلتا ہے؟ خبر سے پتا چلتا ہے اس کے عمل کا، اسی لیے خاص طور پر خبر کو ذکر کیا اور اسم کو ذکر نہیں کیا اگرچہ دونوں کا حکم ایک ہی ہے۔ مَا اور لَا کی خبر کا ان کے لیے خبر ہونا یہ بھی اہلِ حجاز کی لغت ہے اور مَا اور لَا کے اسم کا ان کے لیے اسم ہونا یہ بھی کس کی لغت ہے؟ اہلِ حجاز کی، لیکن خاص طور پر کس کو ذکر کیا؟ خبر کو ذکر کیا کیونکہ خبر کے ذریعے خبر کا خبر ہونا پتا چلتا ہے اور اسم کا اسم ہونا پتا چلتا ہے کیونکہ خبر پر نصب آگیا۔ جب مبتدا کی خبر تھی تب تو اس پر رفع تھا، اب اس پر نصب آ گیا، معلوم ہوا یہ نصب خود نہیں آیا یہ مبتدا کی خبر پر تو نصب نہیں آتا، یہ نصب کس نے دیا ہے؟ مَا اور لَا نے نصب دیا ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟

تو کہتے ہیں وَخَصَّ الْخَبَرِيَّةَ بِالذِّكْرِ اور مصنف نے خاص طور پر خبر ہونے کو ذکر کیا لِأَنَّ إِعْمَالَهُمَا اس لیے کیونکہ مَا اور لَا کو عمل دینا، ان کو عامل بنانا وَجَعْلَ اسْمِهِمَا وَخَبَرِهِمَا اسْماً وَخَبَراً لَهُمَا، وَجَعْلَ اسْمِهِمَا وَخَبَرِهِمَا اور ان کے اسم اور خبر

کو بنانا اسماً وَخَبَراً لَهُمَا ان کے لیے اسم اور خبر، اس لیے کہ ان کو عامل بنانا، لِأَنَّ إِعْمَالَهُمَا وَجَعْلَ اسْمِهِمَا وَخَبَرِهِمَا اسْماً وَخَبَراً لَهُمَا، اس لیے کیونکہ ان کو عامل بنانا اور ان کے اسم اور خبر کو ان کے لیے اسم اور خبر بنانا إِنَّمَا يَظْهَرُ بِاعْتِبَارِ الْخَبَرِ وہ خبر کے اعتبار سے ہی ظاہر ہوتا ہے، خبر سے ہی پتا چلتا ہے۔ بنو تمیم والے خبر پر بھی رفع پڑھتے ہیں، وہ کہتے ہیں مَا زَيْدٌ قَائِمٌ، پہلے بھی تھا زَيْدٌ قَائِمٌ اب بھی کیا ہے مَا زَيْدٌ قَائِمٌ، اس سے پتا چلا کہ وہ مَا کو عامل نہیں بناتے۔ اور اہلِ حجاز والے مَا زَيْدٌ قَائِماً پڑھتے ہیں یہ خبر پر جو نصب آگیا اس سے پتا چلا کہ اہلِ حجاز کیا کرتے ہیں اس مَا اور لَا کو عامل بناتے ہیں۔ تو عامل بننا اور خبر کا خبر اور اسم کا اسم ہونا یہ کس سے پتا چلتا ہے؟ خبر سے، اس لیے اس کو ذکر کیا بھائی۔

پھر ترجمہ دیکھ لیجیے، کہتے ہیں لِأَنَّ إِعْمَالَهُمَا اس لیے کیونکہ مَا اور لَا کا عامل ہونا، ان کو عامل بنانا وَجَعْلَ اسْمِهِمَا وَخَبَرِهِمَا اور ان دونوں کا جو اسم اور ان دونوں کی جو خبر ہے اس کو قرار دینا، کیا قرار دینا؟ اسماً وَخَبَراً لَهُمَا ان دونوں کے لیے اسم اور خبر، ان کے اسم اور خبر کو ان کے لیے اسم اور خبر قرار دینا إِنَّمَا يَظْهَرُ بِاعْتِبَارِ الْخَبَرِ یہ خبر کے اعتبار سے ظاہر ہوتا ہے۔ فَجَعْلُ الْخَبَرِ خَبَراً لَهُمَا تو خبر کو ان کے لیے خبر قرار دینا إِنَّمَا هُوَ فِيْ لُغَةِ أَهْلِ الْحِجَازِ وہ کس کی لغت میں ہے؟ اہلِ حجاز کی لغت میں ہے۔ وَأَمَّا بَنُوْ تَمِيْمٍ اور باقی بنو تمیم والے، فَحَيْثُ لَا يَذْهَبُوْنَ إِلَى إِعْمَالِهِمَا، یہاں حَيْثُ علت کے لیے ہے، فَحَيْثُ تو چونکہ لَا يَذْهَبُوْنَ إِلَى إِعْمَالِهِمَا وہ ان دونوں کے عامل بنانے کی طرف نہیں جاتے، وہ ان دونوں کو عامل بنانے کی طرف نہیں جاتے۔ تو کہتے ہیں وَأَمَّا بَنُوْ تَمِيْمٍ اور باقی بنو تمیم والے فَحَيْثُ لَا يَذْهَبُوْنَ إِلَى إِعْمَالِهِمَا تو چونکہ وہ ان دونوں کو عامل بنانے کی طرف نہیں جاتے تو لَا يَجْعَلُوْنَ الْخَبَرَ خَبَراً لَهُمَا وہ اس خبر کو ان دونوں کے لیے خبر نہیں بناتے، وَلَا الْاِسْمَ اسْماً لَهُمَا، دیکھو وَلَا ہے، آگے الْاِسْمَ ہے اور آگے اسْماً لَهُمَا، وَلَا الْاِسْمَ اور نہ وہ اسم کو بناتے ہیں اسْماً لَهُمَا ان کے لیے اسم۔ تو البتہ اِسْم کا ہمزہ وصلی ہے تو پھر پڑھیں گے کیسے؟ وَلَا الاِسْمَ اسْماً لَهُمَا۔ وَلَا، لَا کا الف بھی گر جائے گا کیونکہ آگے لام جو ہے وہ حقیقت میں ساکن ہے بھائی اس وقت اگرچہ متحرک ہے۔ تو پھر ترجمہ دیکھیے: وَأَمَّا بَنُوْ تَمِيْمٍ فَحَيْثُ لَا يَذْهَبُوْنَ إِلَى إِعْمَالِهِمَا تو بنو تمیم والے چونکہ ان کو عامل بنانے کی طرف نہیں جاتے تو لَا يَجْعَلُوْنَ الْخَبَرَ خَبَراً لَهُمَا تو وہ خبر کو ان دونوں کے لیے خبر نہیں بناتے وَلَا الْاِسْمَ اسْماً لَهُمَا اور نہ اسم کو وہ ان دونوں کے لیے اسم بناتے ہیں، بَلْ هُمَا مُبْتَدَأٌ وَخَبَرٌ بلکہ وہ مبتدا اور خبر ہوتے ہیں عَلَى مَا كَانَا عَلَيْهِ قَبْلَ دُخُوْلِهِمَا عَلَيْهِمَا، بَلْ هُمَا مُبْتَدَأٌ وَخَبَرٌ بلکہ وہ دونوں کیا ہوتے ہیں بنو تمیم کے نزدیک؟ ان کے داخل ہونے کے بعد بھی مبتدا اور خبر ہوتے ہیں عَلَى مَا كَانَا عَلَيْهِ جس حالت پر وہ دونوں پہلے تھے۔ مَا اور لَا کس پر داخل ہوئے؟ مبتدا اور خبر پر، تو ابھی بھی وہ کیا ہیں؟ مبتدا اور خبر ہی ہیں جیسے ان کے داخل ہونے سے پہلے تھے، تو کہتے ہیں عَلَى مَا كَانَا عَلَيْهِ اسی حالت پر جس پر وہ دونوں پہلے تھے۔ قَبْلَ دُخُوْلِهِمَا ان دونوں کے داخل ہونے سے پہلے۔ قَبْلَ دُخُوْلِهِمَا ان دونوں کے داخل ہونے سے پہلے، کس دونوں کے داخل ہونے سے پہلے؟ مَا اور لَا کے۔ عَلَيْهِمَا کس پر؟ مبتدا اور خبر پر۔ مبتدا اور خبر پر ان دونوں کے داخل ہونے سے پہلے وہ جس حالت پر تھے یعنی مبتدا اور خبر تھے ابھی

بھی وہ کیا ہیں؟ مبتدا اور خبر ہیں۔ تو دُخُوْلِهِمَا یہ هُمَا ضمیر راجع کریں مَا اور لَا کو، اور عَلَيْهِمَا یہ هُمَا ضمیر راجع کریں مبتدا اور خبر کو۔ تو کہتے ہیں بَلْ هُمَا مُبْتَدَأٌ وَخَبَرٌ بلکہ وہ مبتدا اور خبر ہی ہیں عَلَى مَا كَانَا عَلَيْهِ اسی حالت پر جس پر وہ دونوں پہلے تھے قَبْلَ دُخُوْلِهِمَا عَلَيْهِمَا قبل اس کے کہ مَا اور لَا داخل ہوئے تھے عَلَيْهِمَا اس مبتدا اور خبر پر۔ تو کہتے ہیں لُغَةُ أَهْلِ الْحِجَازِ هِيَ الَّتِيْ جَاءَ عَلَيْهِ التَّنْزِيْلُ، اہلِ حجاز کی جو لغت ہے اسی پر قرآن آیا ہے۔ تَنْزِيْل کسے کہتے ہیں؟ قرآن کو۔ تَنْزِيْل، نَزَّلَ يُنَزِّلُ تَنْزِيْلٌ بابِ تفعیل ہے، تَنْزِيْل کا معنیٰ ہے، تَنْزِيْل بابِ تفعیل ہو تو اس کا معنیٰ ہے کسی چیز کا تدریجاً اتارنا، تھوڑا تھوڑا کر کے۔ أَنْزَلَ کا معنیٰ ہے فوراً نازل کرنا، أَنْزَلَ میں تدریج نہیں لیکن نَزَّلَ بابِ تفعیل کے اندر کیا ہے؟ تدریج ہے، تدریج ہے۔ بات سمجھ میں آرہی ہے؟ یعنی تھوڑا تھوڑا کر کے نازل کرنا ایک چیز کو، تھوڑا تھوڑا کر کے اتارنا، اور آپ جانتے ہیں کہ قرآن جو ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر تئیس سال کے عرصے میں تھوڑا تھوڑا کر کے نازل ہوتا رہا، تو یہ قرآن کیا ہے؟ مُنَزَّل ہے، کیا ہے؟ تو یہاں تَنْزِيْل بمعنیٰ مُنَزَّل کے ہے یعنی وہ قرآن جس کو تھوڑا تھوڑا کر کے نازل کیا گیا۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تَنْزِيْل کس معنیٰ میں ہے؟ مصدر ہے نا اور مصدر کا حمل تو ذات پر صحیح نہیں، تو تَنْزِيْل کس معنیٰ میں ہے؟ مُنَزَّل کے معنیٰ میں ہے، اسمِ مفعول ہے بھائی یعنی وہ قرآن جس کو تھوڑا تھوڑا کر کے نازل کیا گیا۔ تو کہتے ہیں لُغَةُ أَهْلِ الْحِجَازِ هِيَ الَّتِيْ جَاءَ عَلَيْهَا التَّنْزِيْلُ کہ اہلِ حجاز کی جو زبان ہے یہ یہی ہے وہ جس پر قرآن نازل ہوا ہے۔ قَالَ اللهُ تَعَالَى اللہ تعالیٰ قرآن میں فرماتے ہیں: مَا هٰذَا بَشَراً۔ مَا هٰذَا بَشَراً، دیکھو هٰذَا مَا کا اسم اور بَشَراً یہ مَا کی خبر ہے اور منصوب ہے، معلوم ہوا یہ مَا نے نصب دیا ہے اس کو۔ وَمَا هُنَّ أُمَّهَاتِهِمْ، یہ بھی پھر دیکھیے مَا مشابہ بِلَيْسَ ہے، هُنَّ اس کا اسم ہے اور أُمَّهَاتِهِمْ یہ اس کی خبر ہے، اور یہ منصوب ہے کیونکہ یہ جمع مؤنث سالم ہے اور جمع مؤنث سالم کا نصب آتا ہی کسرہ کے ساتھ ہے، تو اسی لیے مَا هُنَّ أُمَّهَاتِهِمْ، تو یہ دیکھو قرآن میں منصوب آیا ہے، مَا کی خبر منصوب آئی ہے معلوم ہوا مَا عمل کرتا ہے اور یہ کس کی لغت ہے؟ اہلِ حجاز کی لغت ہے بھائی۔

آگے دیکھیے بھائی، آگے متن متن دیکھیے۔ کہتے ہیں: وَإِذَا زِيْدَتْ إِنْ مَعَ مَا أَوِ انْتَقَضَ النَّفْيُ بِإِلَّا أَوْ تَقَدَّمَ الْخَبَرُ بَطَلَ الْعَمَلُ۔ مل گیا متن سارا؟ وَإِذَا زِيْدَتْ إِنْ مَعَ مَا، اب تین صورتیں بتائیں گے، بعض صورتوں میں یہ مَا کا عمل لغو ہو جاتا ہے، باطل ہو جاتا ہے۔ ایک صورت یہ کہ مَا کے بعد إِنْ آجائے۔ زَيْدٌ قَائِمٌ اس پر آپ مَا لے آئے مَا زَيْدٌ قَائِماً، توجہ ہے؟ مَا زَيْدٌ قَائِماً، یہ قَائِماً کو نصب کس نے دیا؟ مَا نے۔ اب اس مَا کے بعد اگر آپ إِنْ لے آئیں مَا إِنْ، تو یاد رکھو مَا کا عمل لغو ہو جائے گا، باطل ہو جائے گا، اب مَا عمل نہیں کر سکتا۔ اب کیسے پڑھیں گے؟ اسی طرح مرفوع پڑھیں گے مَا إِنْ زَيْدٌ قَائِمٌ، اب بھی وہ مبتدا اور خبر ہی ہیں۔ مَا مشابہ بِلَيْسَ آیا ہے لیکن اس کے بعد کیا آگیا؟ إِنْ آگیا اور اس نے کیا کیا؟ مَا کے عمل کو لغو کر دیا، باطل کر دیا، تو اسی طرح مبتدا اور خبر پڑھیں گے مَا إِنْ زَيْدٌ قَائِمٌ، توجہ ہے؟ اچھا اور یاد رکھو یہ إِنْ بھی نفی کے لیے آتا ہے، کس لیے آتا ہے؟ نفی کے لیے، آپ پڑھ چکے ہوں گے کہ کبھی کبھار نفی کے لیے إِنْ بھی استعمال ہوتا ہے مَا بھی، لَا

بھی اور إِنْ بھی، تو مَا بھی نفی کے لیے اور اس کے بعد یہ إِنْ زائد آگیا تو اب یہ مَا کا عمل باطل ہو جائے گا۔ اور یہ إِنْ زائد ہے یاد رکھنا، یہ إِنْ کیا ہے؟ زائد ہے، حرفِ زائد کسے کہتے ہیں؟ جو اپنے معنیٰ کا فائدہ نہ دے، کلام میں بعض اوقات وہ حسن پیدا کرتا ہے اور کلام میں وہ تاکید پیدا کرتا ہے لیکن اپنے معنیٰ کا فائدہ نہیں دیتا، کیونکہ اگر معنیٰ کا فائدہ دے گا تو مَا بھی نفی کا فائدہ دے رہا ہے، آگے إِنْ بھی نفی کا فائدہ دے رہا ہے اور نفی پر نفی داخل ہو تو وہ کس چیز کا فائدہ دیتی ہے؟ اثبات کا فائدہ دیتی ہے، پھر تو یہاں اثبات آجائے گا حالانکہ یہاں اثبات نہیں ہے تو یہ إِنْ زائد ہے، بات سمجھ میں آگئی؟ تو کہتے ہیں وَإِذَا زِيْدَتْ إِنْ مَعَ مَا اور جب إِنْ کو بڑھا دیا جائے مَا کے ساتھ، أَوِ انْتَقَضَ النَّفْيُ بِإِلَّا یا اس مَا کی نفی ٹوٹ جائے إِلَّا کی وجہ سے۔ ادھر دیکھیے، زَيْدٌ قَائِمٌ اس پر مَا لے آئیں مَا زَيْدٌ قَائِماً، مَا زَيْدٌ قَائِماً، اب درمیان میں إِلَّا لے آئیں: مَا زَيْدٌ إِلَّا قَائِمٌ۔ اب بھی آپ رفع پڑھیں گے، اب آپ قَائِماً نہیں پڑھ سکتے إِلَّا، کیوں؟ وجہ یہ کہ إِلَّا نے آکر مَا کی نفی توڑ دی اور یہ مَا عمل ہی کس کی وجہ سے کر رہا تھا؟ نفی کی وجہ سے، تو جب مَا کی خبر إِلَّا کے بعد آئے تو پھر إِلَّا کی وجہ سے مَا کی نفی ٹوٹ جاتی ہے، پھر وہ عمل نہیں کرتا، اب یہ مبتدا اور خبر ہیں۔ مَا زَيْدٌ إِلَّا قَائِمٌ، کوئی آپ سے ترکیب پوچھے تو آپ کہیں گے مَا مشابہ بِلَيْسَ ملغیٰ عن العمل ہے کس کی وجہ سے؟ إِلَّا کی وجہ سے، اور زَيْدٌ ہے مبتدا، إِلَّا حرفِ استثنا اور قَائِمٌ ہے اس کی خبر ہے بھائی۔ تو کہتے ہیں أَوِ انْتَقَضَ النَّفْيُ بِإِلَّا یا اس مَا کی نفی ٹوٹ جائے إِلَّا کی وجہ سے، أَوْ تَقَدَّمَ الْخَبَرُ یا خبر مقدم ہو جائے۔ مَا کے بعد مَا کا اسم آنا چاہیے پھر مَا کی خبر، لیکن اگر مَا کی خبر مَا کے اسم پر مقدم ہو جائے، مثلاً جملہ کیا تھا؟ زَيْدٌ قَائِمٌ، پھر مَا داخل ہوا تو مَا زَيْدٌ قَائِماً، مَا زَيْدٌ قَائِماً، اب آپ خبر کو ذرا مقدم کریں اور اسم کو مؤخر کریں تو مَا کا عمل لغو ہو جائے گا۔ اب آپ مَا قَائِماً زَيْدٌ یوں نہیں کہیں گے۔ مَا قَائِماً زَيْدٌ نہیں کہیں گے، کیوں؟ کیونکہ مَا کی خبر جب مقدم ہو جائے پھر تو مَا عمل نہیں کرتا بھائی، تو پھر آپ نصب کیسے پڑھ رہے ہیں؟ تو اب آپ رفع ہی پڑھیں گے مَا قَائِمٌ زَيْدٌ۔ مَا قَائِمٌ زَيْدٌ اور مَا کا عمل ملغیٰ ہو گیا معلوم ہوا یہ قَائِمٌ خبر ہے مبتدا کی اور زَيْدٌ کیا ہے؟ مبتدا ہے۔ توجہ ہے؟ جب مَا کا عمل ملغیٰ ہو گیا تو اب یہ مبتدا اور خبر بن جائیں گے۔ تو ان تینوں صورتوں میں جب إِنْ آجائے تب بھی مبتدا خبر، إِلَّا کی وجہ سے نفی ٹوٹ جائے تب بھی مبتدا اور خبر، اور یا خبر اسم پر مقدم ہو جائے تو بھی مَا کا عمل کیا ہو جائے گا؟ لغو ہو جائے گا۔ تو کہتے ہیں أَوْ تَقَدَّمَ الْخَبَرُ یا خبر کیا ہو جائے؟ مقدم ہو جائے بَطَلَ الْعَمَلُ تو ان تمام صورتوں میں مَا کا عمل باطل ہو جائے گا۔ پھر ذرا متن متن دیکھ لیجیے، کہتے ہیں وَإِذَا زِيْدَتْ إِنْ مَعَ مَا اور جب مَا کے ساتھ إِنْ بڑھا دیا جائے أَوِ انْتَقَضَ النَّفْيُ بِإِلَّا یا اس کی نفی ٹوٹ جائے إِلَّا کی وجہ سے أَوْ تَقَدَّمَ الْخَبَرُ یا اس کی خبر مقدم ہو جائے اس کے اسم پر بَطَلَ الْعَمَلُ تو مَا کا عمل باطل ہو جائے گا۔

سوال: مَا کا عمل ذکر کیا، لَا کا نہیں ذکر کیا؟ تو جواب یہ کہ مَا کی مشابہت لَيْسَ کے ساتھ زیادہ ہے، ادھر دیکھیے مَا اور لَا دونوں کس کے مشابہ ہیں؟ لَيْسَ، لیکن مَا کی مشابہت زیادہ ہے اس لیے کیونکہ لَيْسَ جو ہے نفیِ حالی کے لیے آتا ہے، زمانہ حال میں کسی چیز کی نفی کرتا ہے، لَيْسَ زَيْدٌ قَائِماً کیا معنیٰ؟ زید اس وقت کھڑا نہیں ہے۔ اور مَا بھی نفیِ حالی کے لیے آتا

ہے یعنی زمانہ حال میں نفی کرتا ہے، جبکہ لَا مطلق نفی کرتا ہے، زمانہ حال میں نہیں بلکہ مطلق، تو لہذا کس کی مشابہت زیادہ ہے لَیْسَ کے ساتھ؟ مَا کی کیونکہ لَیْسَ بھی نفیِ حالی کے لیے آتا ہے اور مَا بھی نفیِ حالی، تو جب مَا کے اندر ان چیزوں سے عمل اس کا باطل ہو جاتا ہے تو لَا کی مشابہت تو کم ہے، اس کا عمل بطریقِ اولیٰ کیا ہو گا؟ باطل ہو گا۔

اب شرح کے ساتھ اس سارے کو دیکھیے، کہتے ہیں: وَإِذَا زِيْدَتْ إِنْ مَعَ مَا اور جب إِنْ کو بڑھا دیا جائے مَا کے ساتھ نَحْوُ مَا إِنْ زَيْدٌ قَائِمٌ، دیکھو إِنْ آیا تو مَا کا عمل باطل ہو گیا اب زَيْدٌ قَائِماً نہیں پڑھ رہے بلکہ کیا پڑھ رہے ہیں؟ زَيْدٌ قَائِمٌ پڑھ رہے ہیں۔ کہتے ہیں نَحْوُ مَا إِنْ زَيْدٌ قَائِمٌ، قِيْلَ إِنَّمَا اخْتَصَّتْ مَا بِالذِّكْرِ، کہتے ہیں یہاں پر مَا کو خاص طور پر کیوں ذکر کیا؟ کہ جب إِنْ کو مَا کے ساتھ بڑھا دیا جائے، توجہ ہے؟ وَإِذَا زِيْدَتْ إِنْ مَعَ مَا جب إِنْ کو بڑھا دیا جائے کس کے ساتھ؟ مَا کے ساتھ، اس کو کیوں، مَا کو کیوں ذکر کیا؟ لَا کو کیوں نہیں ساتھ ذکر کیا؟ کہتے ہیں اس لیے کیونکہ یہ جو إِنْ ہے یہ لَا کے ساتھ نہیں بڑھاتے، کس کے ساتھ بڑھاتے ہیں؟ یہ مَا ہی کے ساتھ بڑھاتے ہیں۔ کہتے ہیں قِيْلَ إِنَّمَا اخْتَصَّتْ مَا بِالذِّكْرِ کہ مَا کو خاص کیا گیا ذکر کے ساتھ یعنی مَا کو ذکر کیا متن میں، متن میں کیا کہا؟ وَإِذَا زِيْدَتْ إِنْ مَعَ مَا تو یہ مَا کو خاص طور پر ذکر کیا گیا لِأَنَّهَا لَا تُزَادُ مَعَ لَا فِيْ اسْتِعْمَالِهِمْ اس لیے کیونکہ یہ جو إِنْ ہے اس کو نہیں بڑھایا جاتا لَا کے ساتھ فِيْ اسْتِعْمَالِهِمْ عربوں کے استعمال میں۔ وَهِيَ زَائِدَةٌ عِنْدَ الْبَصْرِيِّيْنَ وَنَافِيَةٌ مُؤَكِّدَةٌ عِنْدَ الْكُوْفِيِّيْنَ، اب فرق سمجھو بھائی یہ جو إِنْ آیا ہے مَا کے بعد، علمائے بصرہ فرماتے ہیں یہ إِنْ زائد ہے، توجہ ہے؟ ادھر دیکھیے مَا إِنْ زَيْدٌ قَائِمٌ، بصرہ والے نحوی کیا فرماتے ہیں یہ إِنْ زائد اور ابھی میں نے بتایا حرفِ زائد کسے کہتے ہیں؟ جو اپنے معنیٰ کا فائدہ نہ دے، کلام میں تو تاکید پیدا کرے گا، کلام میں حسن بھی پیدا کرے گا لیکن اپنے معنیٰ کا فائدہ نہیں دے گا، معلوم ہوا یہ نفی کا فائدہ نہیں دے رہا، نفی کا فائدہ صرف مَا دے رہا ہے، ایک ہی نفی یہاں موجود ہے مَا إِنْ زَيْدٌ قَائِمٌ صرف مَا نفی دے رہا ہے إِنْ کی نفی نہیں ہے۔ تو بصرہ والوں کے مذہب کے مطابق تو بات ٹھیک بن گئی، لیکن کوفہ والے کہتے ہیں وَنَافِيَةٌ کہ یہ إِنْ بھی نفی کا فائدہ دے رہا ہے، یہ إِنْ بھی... تو اس پر اشکال ہوتا ہے کہ مَا بھی نفی کا فائدہ دے إِنْ بھی کس کا فائدہ دے؟ نفی کا، تو پھر تو نفی پر نفی داخل ہوئی اور نفی پر نفی داخل ہو وہ تو اثبات کا فائدہ دیتی ہے، جیسے مثلاً دیکھو میں کہتا ہوں زید میرے پاس نہیں آیا، دیکھو نفی ہے زید میرے پاس نہیں آیا، اس پر ایک اور نفی داخل کر دو: ایسا نہیں ہے کہ زید میرے پاس نہیں آیا، کیا معنیٰ؟ معلوم ہوا وہ آیا ہے، تو دیکھو نفی پر نفی داخل ہو تو وہ اثبات کا فائدہ دیتی ہے۔ تو کوفہ والے کہتے ہیں یہ جو إِنْ ہے، یہ مَا بھی نفی کا فائدہ دے رہا ہے اور إِنْ بھی نفی کا فائدہ دے رہا ہے، تو ان پر اشکال ہوتا ہے کہ یہ تو نفی پر نفی داخل ہو رہی ہے، تو پھر وہ جواب دیتے ہیں کہ بھائی یہ کوئی الگ نفی نہیں ہے، یہ اسی نفی میں تاکید پیدا کر رہا ہے، جیسے آپ کہتے ہیں جَاءَنِيْ زَيْدٌ زَيْدٌ، جَاءَنِيْ زَيْدٌ زَيْدٌ یہ دوسرا زید اسی زید کو پکا کر رہا ہے اسی کی تاکید ہے، یہ کوئی نیا معنیٰ نہیں دے رہا۔ تو یہاں پر بھی یہ جو إِنْ آیا یہ اسی نفی کی تاکید، ہے تو نفی کے لیے لیکن کوئی الگ نفی نہیں ہے بلکہ اسی نفی کی تاکید ہے، اگر یہ الگ نفی ہوتی تو پھر تو اس صورت میں خرابی لازم آنی تھی، الگ نفی ہوتی تو پھر نفی پر نفی داخل

ہوتی اور اثبات کا فائدہ ہوتا، لیکن یہ تو اسی نفی میں تاکید پیدا کر رہا ہے، اسی کو پختہ کر رہا ہے بھائی۔ تو کہتے ہیں وَهِيَ زَائِدَةٌ عِنْدَ الْبَصْرِيِّيْنَ یہ إنْ زائدہ ہے علمائے بصرہ کے نزدیک وَنَافِيَةٌ مُؤَكِّدَةٌ عِنْدَ الْكُوْفِيِّيْنَ اور یہ إنْ جو ہے نافیہ ہے یعنی نفی کا فائدہ دے رہا ہے اور مُؤَكِّدَةٌ اور تاکید پیدا کرنے والا ہے عِنْدَ الْكُوْفِيِّيْنَ کن کے نزدیک؟ علمائے کوفہ کے نزدیک۔ أَوِ انْتَقَضَ النَّفْيُ بِإِلَّا یا اس مَا کی نفی ٹوٹ جائے إلَّا کی وجہ سے نَحْوُ مَا زَيْدٌ إِلَّا قَائِمٌ، دیکھو قَائِماً نہیں پڑھا بلکہ إِلَّا قَائِمٌ، أَوْ تَقَدَّمَ الْخَبَرُ عَلَى الْاِسْمِ یا وہ مَا کی خبر مقدم ہو جائے عَلَى الْاِسْمِ اس کے اسم پر نَحْوُ مثال کے طور پر مَا قَائِمٌ زَيْدٌ، دیکھو قَائِماً نہیں پڑھنا اب کیا پڑھنا ہے؟ مَا قَائِمٌ زَيْدٌ، بَطَلَ الْعَمَلُ أَيْ عَمَلُ مَا تو اس صورت میں مَا کا عمل باطل ہو جائے گا إِذَا كَانَ مَعَ وَاحِدٍ مِّنْ هٰذِهِ الْأُمُوْرِ الثَّلَاثَةِ جب مَا جو ہے ان امورِ ثلاثہ میں سے کسی ایک کے ساتھ ہو، ان تین چیزوں میں سے کسی ایک کے ساتھ مَا آجائے تو اس کا عمل کیا ہو جائے گا؟ باطل ہو جائے گا، اگر إنْ بڑھا دیں یا إلَّا سے نفی ٹوٹ جائے یا خبر مقدم ہو جائے۔

أَمَّا إِذَا زِيْدَتْ إِنْ، اب وجہ ذکر کریں گے کہ عمل باطل کیوں ہوتا ہے؟ وجہ سمجھ لو، کہتے ہیں اس لیے کیونکہ جب إنْ بڑھا دیا تو یہ مَا عمل کرتا تھا، یہ مَا کس کی وجہ سے عمل کر رہا تھا؟ لَيْسَ کے مشابہ ہونے کی وجہ سے، تو جب آپ نے إنْ بڑھا دیا تو مَا اور اس کے معمول کے درمیان فصل آگیا، جب فصل آگیا اب یہ عمل نہیں کرے گا، یا إلَّا کی وجہ سے بھی اب عمل نہیں کرے گا اگر إلَّا آجائے، وجہ یہ کہ یہ مَا عمل کر رہا تھا نفی کی وجہ سے اور إلَّا نے آکر اس کی نفی توڑ دی تو اس لیے بھی یہ عمل نہیں کرے گا، اور نیز جب خبر اس کے اسم پر مقدم ہو جائے یہ پھر بھی عمل نہیں کرے گا، وجہ یہ کہ یہ عاملِ ضعیف ہے، اس کے معمول ترتیب سے آئیں تو یہ ان میں عمل کرتا ہے، ترتیب بدل جائے ان کی تو پھر یہ ان کے اندر عمل نہیں کرتا۔ تو کہتے ہیں أَمَّا إِذَا زِيْدَتْ إِنْ تو جب إنْ کو بڑھایا جائے فَلِأَنَّ مَا عَامِلٌ ضَعِيْفٌ اس لیے کیونکہ مَا عاملِ ضعیف ہے عَمِلَ لِشَبَهِ لَيْسَ تو یہ عمل کرتا ہے لَيْسَ کی مشابہت کی وجہ سے، کس کی وجہ سے؟ لَيْسَ کی مشابہت کی وجہ سے عمل کرتا ہے، فَلَمَّا فُصِلَ بَيْنَهَا وَبَيْنَ مَعْمُوْلِهَا لَمْ تَعْمَلْ تو جب فصل کر دیا گیا اس کے اور اس کے معمول کے درمیان لَمْ تَعْمَلْ تو پھر یہ عمل نہیں کرتا۔ وَأَمَّا إِذَا انْتَقَضَ النَّفْيُ بِإِلَّا اور باقی جب اس کی نفی إلَّا کی وجہ سے ٹوٹ جائے تو پھر یہ کیوں عمل نہیں کرتا؟ کہتے ہیں فَلِأَنَّ عَمَلَهَا لِمَعْنَى النَّفْيِ اس لیے کیونکہ اس کا عمل نفی کے معنیٰ کی وجہ سے ہے فَلَمَّا انْتَقَضَ پس جب وہ نفی ٹوٹ گئی بَطَلَ الْعَمَلُ تو اس کا عمل باطل ہو گیا۔ وَأَمَّا إِذَا تَقَدَّمَ الْخَبَرُ اور باقی وہ صورت جب اس کی خبر مقدم ہو جائے تو اس وقت بھی یہ عمل نہیں کرتا، کیوں وجہ کیا ہے؟ کہتے ہیں فَلِتَغَيُّرِ التَّرْتِيْبِ ترتیب کے بدل جانے کی وجہ سے مَعَ ضَعْفِهَا فِي الْعَمَلِ ساتھ اس کے عمل کے اندر ضعیف ہونے کے، عمل میں ضعیف ہونے کے ساتھ ساتھ اب ترتیب بدل گئی تو اب یہ عمل نہیں کر سکتا۔ بات سمجھ میں آگئی؟

آگے دیکھیے: وَإِذَا عُطِفَ عَلَيْهِ أَيْ عَلَى خَبَرِهِمَا بِمُوْجِبٍ، وَإِذَا عُطِفَ عَلَيْهِ أَيْ عَلَى خَبَرِهِمَا، یہاں سے اب الگ مسئلہ بیان کر رہے ہیں: جب آپ عطف کریں یہ مَا اور لَا کی خبر پر، مَا اور لَا کی خبر پر عطف کریں اور عطف کریں آپ ایسا حرفِ

عطف جو ایجاب کا فائدہ دے، جو کس کا فائدہ دے؟ ایجاب کا فائدہ دے، تو اس صورت میں بھی ان کی خبر تو منصوب ہے لیکن اگر آپ عطف ایسے لفظ کے ذریعے عطف کرتے ہیں جو ایجاب کا فائدہ دے رہا ہے یعنی ان کی نفی کو توڑ رہا ہے، تو اس صورت میں بھی معطوف پر رفع ہی پڑھیں گے۔ معطوف پر... جیسے دیکھو مَا زَيْدٌ قَائِماً، مَا زَيْدٌ... توجہ ہے؟ مَا زَيْدٌ قَائِماً اب آپ اس قَائِماً پر عطف کرتے ہیں، اگر واؤ وغیرہ کے ذریعے کریں پھر تو اسی طرح عطف ہو گا یہ خبر منصوب ہے تو آگے معطوف بھی کیا ہو گا؟ منصوب۔ لیکن بات چل رہی ہے ایسا حرفِ عطف آپ لاتے ہیں جو ان کی نفی کو توڑ دیتا ہے، جو ایجاب کا فائدہ دیتا ہے، جیسے بَلْ ہے اور لٰكِنْ۔ بَلْ اور لٰكِنْ، یاد رکھو نفی کے بعد جب بَلْ آئے تو اس کی نفی توڑ دیتا ہے، اسی طرح نفی کے بعد جب لٰكِنْ آئے تو وہ اس کی نفی کو توڑ دیتا ہے، مثلاً میں کہتا ہوں مَا زَيْدٌ قَائِماً بَلْ قَاعِدٌ۔ مَا زَيْدٌ قَائِماً زید کھڑا نہیں ہے بَلْ قَاعِدٌ بلکہ بیٹھا ہوا ہے۔ توجہ ہے؟ یہ بَلْ قَاعِدٌ یہ بَلْ کیا ہے؟ حرفِ عطف، اور یہ قَاعِدٌ کا عطف کس پر ہے؟ قَائِماً پر ہے۔ معطوف علیہ ہے منصوب اور آگے معطوف پر میں رفع پڑھ رہا ہوں۔ پھر سنو، مَا زَيْدٌ قَائِماً بَلْ قَاعِدٌ، یہاں قَاعِداً نہیں پڑھنا، کیوں نہیں پڑھنا؟ وجہ یہ کہ بَلْ کی وجہ سے نفی ٹوٹ چکی ہے، مَا زَيْدٌ قَائِماً زید کھڑا نہیں ہے بَلْ قَاعِدٌ بلکہ بیٹھا ہوا ہے، تو دیکھو بیٹھنے کا اثبات ہو رہا ہے، تو بَلْ اور لٰكِنْ کی وجہ سے کیا ہوتی ہے؟ اس کی نفی ٹوٹ جاتی ہے تو لہٰذا جب اس بَلْ اور لٰكِنْ کے ذریعے جب عطف کریں گے تو معطوف پر رفع پڑھیں گے۔

تو کہتے ہیں وَإِذَا عُطِفَ عَلَيْهِ أَيْ عَلَى خَبَرِهِمَا اور جب عطف کیا جائے عَلَيْهِ أَيْ عَلَى خَبَرِهِمَا مَا اور لَا کی خبر پر بِمُوْجِبٍ، بِمُوْجِبٍ بِكَسْرِ الْجِيْمِ صاحبِ جامی بتلا رہے ہیں کہ مُوْجِبٍ کو جیم کے کسرہ کے ساتھ پڑھنا بھائی، بِمُوْجِبٍ أَيْ مُثْبِتٍ مُوْجِبٍ کس معنیٰ میں؟ مُثْبِتٍ یعنی ایسا حرفِ عطف جو اثبات کا فائدہ دے، نفی کا فائدہ نہ دے۔ کہتے ہیں وَإِذَا عُطِفَ عَلَيْهِ أَيْ عَلَى خَبَرِهِمَا بِمُوْجِبٍ اور جب عطف کیا جائے مَا اور لَا کی خبر پر بِمُوْجِبٍ کسی مُثْبِت کے ذریعے بِكَسْرِ الْجِيْمِ، أَيْ بِعَاطِفٍ يُفِيْدُ الْإِيْجَابَ بَعْدَ النَّفْيِ یعنی ایسا حرفِ عطف جو ایجاب کا فائدہ دے بَعْدَ النَّفْيِ کس کے بعد؟ نفی کے بعد۔ وَهُوَ بَلْ وَلٰكِنْ اور وہ کیا ہیں وہ لفظ جو نفی کے بعد ایجاب کا فائدہ دیتے ہیں؟ وہ بَلْ اور لٰكِنْ ہیں۔ نَحْوُ مثال کے طور پر: مَا زَيْدٌ مُقِيْماً بَلْ مُسَافِرٌ، زید مقیم نہیں ہے بلکہ مسافر ہے، تو دیکھو یہ مُسَافِرٌ کا عطف کس پر ہے؟ مُقِيْماً پر ہے اور مُقِيْماً تو منصوب ہے لیکن یہ عطف بَلْ کے ذریعے آیا ہے اور بَلْ کیا کر دیتا ہے؟ ماقبل کی نفی کو توڑ دیتا ہے تو آگے مسافر کا اثبات ہو رہا ہے کہ زید مسافر ہے مقیم نہیں ہے بلکہ مسافر، تو بَلْ نے نفی توڑ دی لہٰذا اب معطوف پر رفع پڑھیں گے بَلْ مُسَافِرٌ نہیں پڑھیں گے بلکہ کیا پڑھیں گے؟ بَلْ مُسَافِرٌ۔ مَا زَيْدٌ مُقِيْماً بَلْ مُسَافِرٌ زید مقیم نہیں ہے بلکہ مسافر ہے۔ اب یہ تو بَلْ کی مثال تھی اب لٰكِنْ کی مثال دیں گے: وَمَا عَمْرٌو قَائِماً لٰكِنْ قَاعِدٌ، مَا عَمْرٌو قَائِماً عمرو کھڑا نہیں ہے لٰكِنْ قَاعِدٌ لیکن بیٹھا ہے، تو دیکھو یہ قَاعِدٌ کا عطف کس پر ہے؟ قَائِماً پر ہے توجہ ہے؟ اور قَائِماً منصوب ہے لیکن یہ لٰكِنْ نے نفی توڑ دی ہے مَا کی، لہٰذا اب عطف کیا ہو گا؟ رفع کے ساتھ ہو گا۔

آگے دیکھیے کہتے ہیں فَالرَّفْعُ أَيْ فَحُكْمُ الْمَعْطُوْفِ الرَّفْعُ لَا غَيْرُ تو معطوف کا حکم رفع ہو گا لَا غَيْرُ اس کے علاوہ نہیں یعنی

نصب نہیں پڑھ سکتے کیونکہ نفی ٹوٹ چکی ہے لِكَوْنِهِمَا بِمَنْزِلَةِ إِلَّا فِيْ نَقْضِ النَّفْيِ اس لیے کیونکہ یہ دونوں یعنی بَلْ اور لٰكِنْ جو ہیں یہ إِلَّا کے درجے میں ہیں فِيْ نَقْضِ النَّفْيِ نفی کے توڑنے میں۔ لِكَوْنِهِمَا بِمَنْزِلَةِ إِلَّا اس لیے کیونکہ یہ بَلْ اور لٰكِنْ کس کے درجے میں ہیں؟ إِلَّا کے درجے میں ہیں فِيْ نَقْضِ النَّفْيِ نفی کے توڑنے میں، جیسے إِلَّا نفی کو توڑ دیتا تھا تو مَا کا عمل لغو ہو جاتا تھا تو یہاں پر بھی یہ بَلْ اور لٰكِنْ نے کیا کیا؟ ماقبل کی نفی کو توڑ دیا لہٰذا ان پر جو معطوف ہو گا وہ اس پر نصب نہیں پڑھیں گے بلکہ رفع پڑھیں گے۔ بات سمجھ میں آ گئی؟ حاصلِ کلام یہ، انہوں نے آج آپ کو بتایا کہ مَا اور لَا مشابہ بِلَيْسَ جو ہیں ان کی خبر بھی منصوبات میں سے ہے اور یہ اہلِ حجاز کی لغت ہے کہ وہ مَا اور لَا کو عامل بناتے ہیں کہ یہ اپنے اسم کو رفع دیتے ہیں اور خبر کو نصب دیتے ہیں، اور اسی لغت پر قرآن بھی نازل ہوا ہے مَا هٰذَا بَشَراً اور مَا هُنَّ أُمَّهَاتِهِمْ، جبکہ بنو تمیم والے مَا اور لَا کو عامل نہیں بناتے، ان کے نزدیک مَا اور لَا کے داخل ہونے کے بعد بھی وہ بتدا اور خبر جیسے پہلے بتدا اور خبر تھے اب بھی کیا ہیں؟ بتدا اور خبر۔ پھر انہوں نے بتایا آپ کو کہ تین صورتوں میں مَا کا عمل باطل ہو جاتا ہے، وہ کیا؟ اگر مَا کے بعد إِنْ آ جائے تو فصل آ گیا اب یہ عمل نہیں کرے گا، یا إِلَّا سے اس کی نفی ٹوٹ جائے تو بھی یہ عمل نہیں کرے گا، یا اس کی خبر اس کے اسم پر مقدم ہو جائے تو اس صورت میں بھی یہ عمل نہیں کرے گا کیونکہ یہ عاملِ ضعیف ہے بھائی۔ اور پھر بتایا تھا کہ جب اس مَا اور لَا کی خبر جو کہ منصوب ہے اس پر جب آپ کسی ایسے حرفِ عطف کے ذریعے عطف کریں جو ایجاب کا فائدہ دے رہا ہو یعنی نفی کو توڑ رہا ہو تو پھر اس صورت میں معطوف پر رفع پڑھنا واجب ہے، اس پر آپ نصب نہیں پڑھ سکتے کیونکہ اس صورت میں وہ حرف ان کی نفی توڑ دیتے ہیں جیسے إِلَّا نے نفی توڑ دی تھی، اور وہ دو حرف بَلْ اور لٰكِنْ ہیں، لہٰذا مَا اور لَا کی خبر پر آپ بَلْ اور لٰكِنْ کے ذریعے جب عطف کریں تو معطوف پر رفع ہی پڑھنا واجب ہے آپ وہاں نصب نہیں پڑھ سکتے۔ بات سمجھ میں آ گئی؟ حل ہو گیا؟ چلیے بس بھائی هٰذَا هُوَ الْمَرَامُ وَاللهُ أَعْلَمُ بِحَقِيْقَةِ الْكَلَامِ۔

الْبَابُ الْعَاشِرُ: الْمَجْرُورَاتُ وَمَبَاحِثُ الْإِضَافَةِ

مجرورات اور مباحثِ اضافت: اضافتِ معنویہ و لفظیہ، الضارب زیدٍ، موصوف و صفت کی اضافت اور یائے متکلم کی طرف اضافت — اسباق ۱۸۳ تا ۱۹۶

سبق نمبر ۱۸۳: المجرورات (۱): تعریفِ مجرورات اور حروفِ جر و اضافت کا اجمالی تعارف

شرحِ ملا جامی صفحہ: ۱۶۲ — بتاریخ: ۱۸ اگست ۲۰۲۲ء

▪ تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث

دیکھیے بھئی آگے سبق: اَلْمَجْرُوْرَاتُ، هُوَ مَا اشْتَمَلَ أَيِ اسْمٌ اشْتَمَلَ لِتَخْرُجَ الْحُرُوْفُ الْأَوَاخِرُ الَّتِيْ هِيَ مَحَالُّ الْإِعْرَابِ فَإِنَّهُ لَا يُطْلَقُ عَلَيْهَا الْمَرْفُوْعَاتُ وَالْمَنْصُوْبَاتُ وَالْمَجْرُوْرَاتُ اصْطِلَاحًا لِأَنَّهَا أَقْسَامُ الِاسْمِ،عَلٰى عَلَمِ الْمُضَافِ إِلَيْهِ أَيْ عَلَامَةِ الْمُضَافِ إِلَيْهِ مِنْ حَيْثُ هُوَ مُضَافٌ إِلَيْهِ يَعْنِي الْجَرَّ سَوَاءٌ كَانَ بِالْكَسْرَةِ أَوِ الْفَتْحَةِ أَوِ الْيَاءِ لَفْظًا أَوْ تَقْدِيْرًا۔[1]

بھئی گزشتہ سبق میں منصوبات میں سے آخری منصوب وہ مَا اور لَا جو لَیْسَ کے مشابہ ہیں، ان کی خبر کے بارے میں ہم نے پڑھا تھا، اور صاحبِ کافیہ نے آپ کو بتلایا کہ مَا اور لَا مشابہ بِ لَیْسَ جو ہیں ان کی خبر وہ ہے جو مُسْنَد ہوتی ہے ان دونوں کے داخل ہونے کے بعد۔ اور نیز یہ اہلِ حجاز کی لغت ہے، یعنی وہ مَا اور لَا کے داخل ہونے کے بعد مبتدا اور خبر جو ہیں ان کو مَا کے لیے اسم اور خبر بناتے ہیں۔ اور انہیں کی لغت پر قرآن بھی ہے: مَا هٰذَا بَشَرًا، تو یہاں دیکھو هٰذَا، مَا کا اسم ہے

[1]

نقشۂ نحوی (۸): مجرورات — اضافتِ معنویہ اور اضافتِ لفظیہ کا تقابلی شجرہ:



اور بَشَرًا، مَا کی خبر ہے اور یہ منصوب آئی ہے قرآن کے اندر۔ معلوم ہوا یہ اہلِ حجاز کی لغت پر ہے کیونکہ اہلِ حجاز والے مَا کی خبر پر نصب پڑھتے ہیں۔

اور جبکہ بنو تمیم والے وہ مَا اور لَا کو عامل بناتے ہی نہیں، یعنی مَا اور لَا ابتدا اور خبر پر داخل ہوتے ہیں اور ان کے داخل ہونے کے بعد بھی وہ ابتدا اور خبر ہی رہتے ہیں۔ ابتدا پر اسی طرح رفع اور اس کی خبر پر بھی اسی طرح رفع پڑھتے ہیں بھئی۔

اور پھر انہوں نے آپ کو بتلایا تھا کہ اگر مَا کے بعد إنْ کو بڑھا دیا جائے یا إلَّا کے ذریعے مَا کی نفی ٹوٹ جائے یا مَا کی خبر کو مَا کے اسم پر مقدم کر دیا جائے تو ان صورتوں کے اندر مَا کا عمل باطل ہو جائے گا، اس لیے کیونکہ مَا عاملِ ضعیف ہے۔ بات سمجھ میں آ رہی ہے؟

اور پھر آخر میں انہوں نے آپ کو یہ بھی بتلایا تھا کہ جب مَا اور لَا کی خبر پر ایسے حرفِ عطف کے ذریعے عطف کیا جائے جو ایجاب کا فائدہ دے یعنی ان کی نفی کو توڑ دے، اور وہ دو حرف ہیں بَلْ اور لٰکِنْ۔ تو جب بھی مَا اور لَا کی خبر پر بَلْ اور لٰکِنْ کے ذریعے عطف کیا جائے گا تو جو معطوف ہو گا اس پر رفع پڑھنا واجب ہے۔ وجہ یہ کہ بَلْ اور لٰکِنْ کی وجہ سے مَا اور لَا کی نفی ٹوٹ چکی ہے بھئی، مَا اور لَا کی نفی ٹوٹ چکی ہے، لہٰذا اب معطوف پر نصب نہیں پڑھیں گے بلکہ اس پر رفع ہی پڑھیں گے۔

اور نیز یہ بھی یاد رکھنا شیخ عبد القاہر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس صورت میں اس کے لیے ابتدا محذوف نکالیں گے۔ کیا کریں گے جب، جب بَلْ اور لٰکِنْ کے ذریعے مَا اور لَا کی خبر پر عطف کیا جائے، تو پھر اس صورت میں وہاں ابتدا بھی محذوف نکالیں گے۔ مثلاً جیسے یہ پیچھے مثالیں انہوں نے ذکر کیں: مَا زَيْدٌ مُقِيمًا بَلْ مُسَافِرٌ، بَلْ مُسَافِرٌ۔ اب یہ مُسَافِرٌ کا عطف کس پر تھا؟ پیچھے مُقِيمًا پر ہو رہا تھا، خبر پر عطف ہو رہا تھا، تو اب رفع پڑھنا واجب ہے۔ اور شیخ عبد القاہر فرماتے ہیں کہ پھر یہاں ابتدا بھی محذوف نکالیں گے: مَا زَيْدٌ مُقِيمًا بَلْ هُوَ مُسَافِرٌ، بَلْ هُوَ مُسَافِرٌ۔ اور اسی طرح وَمَا عَمْرٌو قَائِمًا لٰكِنْ قَاعِدٌ، تو یہاں پر بھی لٰكِنْ هُوَ قَاعِدٌ بھئی، تو یہ آپس میں ابتدا اور خبر بنیں گے، اور ابتدا بھی مرفوع ہوتا ہے اور اس کی خبر بھی مرفوع ہوتی ہے تو یہ عطفِ جملہ علی الجملہ ہو جائے گا۔ صورت سمجھ میں آ گئی؟

اب آئیے آج کے سبق پر بھئی۔ آج ہم مجرورات کی بحث شروع کریں گے بھئی۔ مرفوعات بھی مکمل ہوئے، منصوبات بھی مکمل ہوئے، اور اب مجرورات کی بحث آج صاحبِ کافیہ بیان کریں گے۔ بھئی دیکھیے، پہلے متن متن دیکھ لیجیے، کہتے ہیں: اَلْمَجْرُوْرَاتُ، هُوَ مَا اشْتَمَلَ عَلٰى عَلَمِ الْمُضَافِ إِلَيْهِ، وَالْمُضَافُ إِلَيْهِ كُلُّ اسْمٍ نُسِبَ إِلَيْهِ شَيْءٌ بِوَاسِطَةِ حَرْفِ الْجَرِّ لَفْظًا أَوْ تَقْدِيْرًا مُرَادًا، فَالتَّقْدِيْرُ شَرْطُهُ أَنْ يَّكُوْنَ الْمُضَافُ اسْمًا مُجَرَّدًا عَنْهُ تَنْوِيْنُهُ لِأَجْلِهَا۔ متن مل گیا سارا بھئی؟

اَلْمَجْرُوْرَاتُ بھئی۔ اَلْمَجْرُوْرَاتُ، ترکیب بھئی اس کی وہی ترکیب ہو گی جو اَلْمَرْفُوْعَاتُ میں بیان ہوئی تھی۔ یا تو یہ مرفوع ہے اور اس کو خبر بنا لیں اور ابتدا محذوف ہے أَيْ هٰذِهِ الْمَجْرُوْرَاتُ۔ هٰذِهِ ابتدا اور اَلْمَجْرُوْرَاتُ اس کی خبر اور خبر مرفوع

ہوتی ہے۔ یا اس کو بتدا بنا لیں اور خبر محذوف نکال لیں: اَلْمَجْرُوْرَاتُ هٰذِهِ۔ تو یہ مرفوع ہے بھئی چاہے بتدا بنا لیں چاہے خبر۔ اور آپ چاہیں تو اس سے پہلے مضاف محذوف نکال لیں: هٰذَا بَحْثُ الْمَجْرُوْرَاتِ، یا هٰذَا بَيَانُ الْمَجْرُوْرَاتِ، یا هٰذَا ذِكْرُ الْمَجْرُوْرَاتِ، جو بھی لفظ آپ کو مناسب لگے۔ توجہ ہے؟ هٰذَا بَحْثُ الْمَجْرُوْرَاتِ یا ذِكْرُ الْمَجْرُوْرَاتِ یا هٰذَا بَيَانُ الْمَجْرُوْرَاتِ، جس، جو بھی لفظ آپ مضاف محذوف نکال لیں۔ تو ترکیب پھر کیا ہوئی؟ هٰذَا بتدا ہے مرفوع محلاً، اور بَيَانُ مرفوع لفظاً مضاف، اور اَلْمَجْرُوْرَاتِ مجرور لفظاً مضاف الیہ۔ مضاف اپنے مضاف الیہ سے مل کر خبر ہوئی هٰذَا کے لیے۔ توجہ ہے؟ پھر اس کے بعد اس بَيَانُ مضاف کو حذف کر لیا گیا اور اس کی جگہ مضاف الیہ یعنی اَلْمَجْرُوْرَاتُ کو قائم مقام کر دیا گیا، اور وہ مرفوع تھا تو اس پر بھی کیا پڑھیں گے؟ رفع۔ تو لہٰذا اس صورت میں بھی یہ مرفوع ہی ہے۔ اس صورت میں بھی یہ... اصل میں تو یہ مضاف الیہ تھا، مجرور تھا، لیکن اب یہ کس کی جگہ پکڑ چکا ہے؟ مضاف کی جگہ پکڑ چکا ہے، اور مضاف خبر تھی بَيَانُ الْمَجْرُوْرَاتِ، تو وہ خبر تھی اور مرفوع تھی تو یہ بھی کیا ہے؟ مرفوع۔ یا اسی طرح اس کو بتدا بنا دیں: بَيَانُ الْمَجْرُوْرَاتِ هٰذَا، بَيَانُ الْمَجْرُوْرَاتِ... اس صورت میں بَيَانُ مرفوع تھا اور اَلْمَجْرُوْرَاتِ مضاف الیہ مجرور تھا، لیکن پھر بَيَانُ مضاف کو حذف کر دیا اور اَلْمَجْرُوْرَاتِ کو اس کا قائم مقام کر دیا تو اب اس پر رفع پڑھیں گے۔ اس پر رفع پڑھیں گے۔ تو چار ترکیبیں میں نے ذکر کر دیں، چاروں کے اندر یہ مرفوع ہے بھئی۔ یہ آپ یہ نہ کہیں یہ مضاف الیہ ہونے کی وجہ سے مجرور ہے۔ بات سمجھ میں آ رہی ہے؟ مضاف الیہ تھا لیکن یہ اب کس کی جگہ پکڑ چکا ہے؟ مضاف کی جگہ، اور جو مضاف پر اعراب تھا وہی اعراب اس پر ہو گا۔ تو یہ چاروں صورتوں میں اس پر رفع ہی آئے گا، چاہے اس کو آپ براہِ راست بتدا یا خبر بنائیں، چاہے آپ اس کو بِحَذْفِ الْمُضَافِ بتدا یا خبر بنائیں، ہر صورت میں اس پر رفع آئے گا۔

ہاں، ایک صورت ہے اس پر آپ نصب بھی پڑھ سکتے ہیں اَلْمَجْرُوْرَاتِ، نصب پڑھیں اور اس کو مفعول بہ بنائیں اِقْرَأْ فعل کے لیے: اِقْرَأِ الْمَجْرُوْرَاتِ، کہ آپ مجرورات پڑھ لیجیے۔ بات سمجھ میں آ گئی؟ اِقْرَأْ فعلِ امر، أَنْتَ ضمیر اس کے اندر فاعل، اور اَلْمَجْرُوْرَاتِ منصوب لفظاً ہے کیونکہ یہ جمع مؤنث سالم ہے اور جمع مؤنث سالم کا نصب آتا ہی کس کے ساتھ ہے؟ کسرہ کے ساتھ ہے۔ جی، تو اس پر رفع بھی پڑھ سکتے ہیں چاہے بتدا بنائیں چاہے خبر: اَلْمَجْرُوْرَاتُ، اور نصب بھی پڑھ سکتے ہیں اَلْمَجْرُوْرَاتِ، صورت سمجھ میں آ گئی؟ لیکن جر نہیں آئے گا اس پر، جر نہیں، بات سمجھ میں آ گئی؟ اور چوتھی صورت یہ ہے کہ کوئی ترکیب نہیں ہے، اس کو مبنی علی السکون پڑھیں گے: کوئی ترکیب نہیں، بس یہ عنوان ہے: اَلْمَجْرُوْرَاتُ۔ نہ رفع پڑھ سکتے ہیں نہ نصب نہ جر، کیونکہ ترکیب ہی نہیں ہے، عامل ہی کوئی نہیں ہے۔ رفع نصب جر تو خود نہیں آتا، اس کے لیے تو ہمیشہ کوئی نہ کوئی عامل چاہیے بھئی۔ تو تین صورتیں میں نے ذکر کر دیں: آپ چاہیں اس کو مرفوع پڑھیں اَلْمَجْرُوْرَاتُ، آپ چاہیں اس کو منصوب پڑھیں اَلْمَجْرُوْرَاتِ، اور آپ چاہیں تو اس کو مبنی علی السکون پڑھیں اَلْمَجْرُوْرَاتْ۔ بات سمجھ میں آ گئی؟ ہاں، مجرور نہیں پڑھ سکتے آپ اس کو۔ مجرور تھا لیکن اس نے کس کی مضاف کی جگہ پکڑ لی اور وہ بتدا یا خبر تھا اور مرفوع تھا تو یہ بھی کیا بن جائے گا؟ مرفوع۔ تو یہ تین صورتیں ہیں اس کے پڑھنے کی بھئی۔

اور نیز پھر اس کے اندر اسی طرح وہی بحث ہوگی جو آپ نے مرفوعات کے اندر پڑھی تھی۔ مرفوعات کے اندر صاحبِ جامی نے آپ کو بتلایا تھا کہ مرفوعات مَرْفُوْعَةٌ کی جمع نہیں ہے مَرْفُوْعٌ کی جمع ہے۔ کس کی؟ کیونکہ یہ اسم کی صفت ہے اور اسم مذکر ہے تو اس کی صفت مَرْفُوْعٌ بھی کیا آئے گی؟ مذکر صفت آئے گی، اور یہ اس کی جمع ہے۔ تو یہاں پر بھی اسی طرح ہے کہ یہ مَجْرُوْرَاتٌ، مَجْرُوْرٌ کی جمع ہے مَجْرُوْرَةٌ کی جمع نہیں۔ پھر اشکال ہوا تھا کہ اگر یہ مذکر کی جمع ہے، مَجْرُوْرٌ کی جمع ہے یا مَرْفُوْعٌ کی جمع تھی جیسے وہاں پر، تو پھر یہ الف تا کے ساتھ کیوں آئی؟ تو جواب بھی دیا تھا صاحبِ جامی نے کہ مذکرِ لا یعقل جو ہوتا ہے، مذکرِ لا یعقل یعنی غیرِ ذوی العقول میں سے، میں نے بتایا تھا ذوی العقول انسان، جنات اور فرشتے ہیں۔ ان کے علاوہ کوئی بھی مذکر ہو اس کی جو صفت ہے وہ عربی زبان میں عام طور پر اس کی جمع مؤنث استعمال ہوتی ہے یعنی جمع مؤنث سالم بھئی۔ بات سمجھ میں آگئی؟ جیسے وہاں انہوں نے مثال بھی دی تھی صَافِنَاتٌ بھئی، صَافِنَاتٌ۔ حالانکہ وہ خیل کی صفت ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو وہی ساری بحثیں یہاں پر بھی ہوں گی، اس لیے صاحبِ جامی ان کو ذکر نہیں فرمائیں گے۔

جی، دیکھیے متن متن بھئی، تو کہتے ہیں: اَلْمَجْرُوْرَاتُ، هُوَ مَا اشْتَمَلَ عَلٰى عَلَمِ الْمُضَافِ إِلَيْهِ۔ مَا سے مراد ہے اسم، هُوَ مَا وہ اسم ہے اِشْتَمَلَ عَلٰى عَلَمِ الْمُضَافِ إِلَيْهِ جو کس پر مشتمل ہو؟ مضاف الیہ کی علامت پر مشتمل ہو۔ عَلَم بمعنی علامت کے ہے۔ بھئی انہوں نے آپ کو بتلایا تھا کہ ایک ہے رفع، ایک ہے نصب، ایک ہے جر۔ رفع فاعل کی علامت ہے، نصب مفعول کی علامت ہے اور جر مضاف الیہ کی علامت ہے بھئی۔ اور پھر یہاں پر انہوں نے یہ بحث بھی کی تھی وہاں مرفوعات کے اندر کہ یہ هُوَ ضمیر کس کو راجع ہے؟ کس کو راجع ہے؟ تو جواب دیا تھا وہاں پر کہ یہ مَرْفُوْعٌ کو راجع ہے، کیونکہ اَلْمَرْفُوْعَاتُ جمع ہے اور جمع کے ضمن میں مفرد بھی آجاتا ہے، کیونکہ مَرْفُوْعَاتٌ کا کیا معنی؟ مَرْفُوْعٌ وَمَرْفُوْعٌ وَمَرْفُوْعٌ، تو تین افراد کم از کم، تو یہاں پر بھی هُوَ ضمیر مَجْرُوْرٌ کو راجع ہے کہ مجرور جو ہے، اور نیز یہ ضمیر راجع ہے مَجْرُوْرٌ کو اور مراد جنسِ مجرور ہے، فردِ مجرور مراد نہیں کیونکہ تعریف افراد کی نہیں ہوتی بلکہ جنس اور ماہیت کی ہوتی ہے۔ تو جنسِ مجرور کسے کہتے ہیں؟ هُوَ مَا اشْتَمَلَ عَلٰى عَلَمِ الْمُضَافِ إِلَيْهِ، جنسِ مجرور وہ اسم ہے جو مضاف الیہ کی علامت پر مشتمل ہو۔ اور مضاف الیہ کی علامت کیا ہے؟ جر ہے۔ توجہ ہے؟ مضاف الیہ کی علامت کیا ہے؟ جر ہے، اور جر کی کئی صورتیں آپ نے پڑھی ہیں۔

کبھی کبھار جر آتا ہے کسرہ کی صورت میں، غُلَامُ زَيْدٍ۔ یہ زَيْدٍ دیکھو مضاف الیہ ہے اور اس پر کیا آرہا ہے؟ کسرہ۔ تو کبھی جر کس شکل میں آتا ہے؟ کسرہ کی صورت میں۔ کبھی جر فتحہ کی صورت میں آتا ہے جب غیر منصرف ہو، کیونکہ غیر منصرف پر کسرہ اور تنوین نہیں آتے، غُلَامُ أَحْمَدَ، غُلَامُ أَحْمَدَ۔ اب یہ أَحْمَدَ مضاف الیہ ہے اور مجرور ہے، لیکن اس کا جر آتا ہی کس کے ساتھ ہے؟ فتحہ کے ساتھ۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو کبھی جر کس شکل میں آئے گا؟ کسرہ کی صورت میں، اور کبھی جر کس

صورت میں آئے گا؟ فتحہ کی صورت میں۔

اور پھر کبھی جر یا کے ساتھ آتا ہے، جی، کبھی جر یا کے ساتھ آتا ہے۔ اسمائے ستہ مکبرہ موحدہ مضافہ الی غیر یاء المتکلم، اس کا رفع واو کے ساتھ، نصب الف کے ساتھ اور جر یا کے ساتھ آتا ہے۔ اسی طرح تثنیہ کا نصب اور جر بھی کس کے ساتھ آتا ہے؟ یا کے ساتھ، جمع مذکر سالم کا بھی نصب اور جر کس کے ساتھ آتا ہے؟ یا کے ساتھ۔ تو مثلاً اسمائے ستہ مکبرہ میں سے کوئی ایک لے آؤ: غُلَامُ أَبِيْكَ، غُلَامُ، غُلَامُ أَبِيْكَ۔ یہ غُلَامُ مضاف ہے اور أَبِيْ مضاف الیہ، اور دیکھو اس کا جر کس کے ساتھ آرہا ہے؟ یا کے ساتھ۔ کس کے ساتھ ہے؟ یا کے ساتھ آرہا ہے۔ تو اسمائے ستہ جب وہ مکبرہ ہوں یعنی تصغیر نہ ہو، اور أَبِيْكَ یہ بھی مکبر ہے تصغیر نہیں ہے أَبٌ کا لفظ۔ اور نیز موحد ہوں، مفرد ہوں، تثنیہ یا جمع نہ ہوں، اور أَبِيْكَ یہ أَبٌ بھی مفرد ہے تثنیہ یا جمع نہیں ہے۔ اور نیز مضاف ہو یاء متکلم کے علاوہ کی طرف، اور أَبِيْكَ یہ بھی اس وقت مضاف ہے لیکن یا کے علاوہ یعنی کاف کی طرف، ضمیر کی طرف مضاف ہے۔ تو اس کا، اسمائے ستہ مکبرہ موحدہ مضافہ الی غیر یاء المتکلم یہ ساری شرطیں جب پوری ہوں اسمائے ستہ کے اندر، وہ مکبر بھی ہوں، مفرد بھی ہوں اور مضاف ہو غیر یاء متکلم کی طرف، تو اس کا رفع کس کے ساتھ آتا ہے؟ واو کے ساتھ، جَاءَنِيْ أَبُوْكَ، نصب آتا ہے الف کے ساتھ رَأَيْتُ أَبَاكَ، اور جر آتا ہے یا کے ساتھ مَرَرْتُ بِأَبِيْكَ۔ تو اسمائے ستہ مکبرہ موحدہ مضافہ الی غیر یاء المتکلم تو اس وقت ان کا جر یا کے ساتھ آتا ہے۔ نیز تثنیہ کا جر بھی کس کے ساتھ آتا ہے؟ یا کے ساتھ آتا ہے، غُلَامَانِ اور حالتِ نصبی جری میں کیا کہیں گے؟ غُلَامَيْنِ۔ اور جمع مذکر سالم اس کا رفع واو کے ساتھ آتا ہے اور نصب اور جر اس کا بھی یا کے ساتھ: مُسْلِمُوْنَ اور مُسْلِمِيْنَ۔ تو معلوم ہوا جر کے آنے کی تین صورتیں ہیں، توجہ ہے؟ کبھی جر کسرہ کے ساتھ آئے گا: غُلَامُ زَيْدٍ، یہ زَيْدٍ کیا ہے؟ مضاف الیہ ہے اور اس پر کسرہ آرہا ہے۔ اور کبھی جر فتحہ کے ساتھ آئے گا: غُلَامُ أَحْمَدَ، یہ أَحْمَدَ مضاف الیہ ہے اور یہ اس وقت مجرور ہے لیکن اس کا جر آتا ہی کس کے ساتھ ہے؟ فتحہ کے ساتھ کیونکہ یہ غیر منصرف ہے اور غیر منصرف پر کسرہ اور تنوین نہیں آتے۔ اور کبھی جر یا کے ساتھ آئے گا جیسے غُلَامُ أَبِيْكَ، یا غُلَامُ رَجُلَيْنِ، یا غُلَامُ مُسْلِمِيْنَ۔ دیکھو ان سب کا جر کس کے ساتھ آرہا ہے؟ یا کے ساتھ۔ تو جر کے آنے کی کتنی صورتیں ہیں؟ تین: کسرہ کے ساتھ، یا فتحہ کے ساتھ، یا یا کے ساتھ۔

تو کہتے ہیں: اَلْمَجْرُوْرَاتُ هُوَ مَا اشْتَمَلَ عَلٰى عَلَمِ الْمُضَافِ إِلَيْهِ، کہ مجرور وہ ہے جو مشتمل ہو مضاف الیہ کی علامت پر، مضاف الیہ کی علامت پر مشتمل ہو، یعنی اس پر جر آرہا ہو، اور جر یا کسرہ کے ساتھ آئے گا، یا فتحہ کے ساتھ، یا یا کے ساتھ۔

آگے دیکھیے متن متن بھئی: وَالْمُضَافُ إِلَيْهِ، اب مضاف الیہ کسے کہتے ہیں وہ بیان کرنے لگے ہیں۔ کہتے ہیں: وَالْمُضَافُ إِلَيْهِ كُلُّ اسْمٍ نُسِبَ إِلَيْهِ شَيْءٌ بِوَاسِطَةِ حَرْفِ الْجَرِّ لَفْظًا أَوْ تَقْدِيْرًا مُرَادًا۔ کہتے ہیں مضاف الیہ، مضاف الیہ ہر ایسا اسم ہے، وَالْمُضَافُ إِلَيْهِ كُلُّ اسْمٍ، مضاف الیہ ہر ایسا اسم ہے نُسِبَ إِلَيْهِ شَيْءٌ جس کی طرف کسی چیز کی نسبت کی جائے، جس کی

طرف کسی چیز کی نسبت کی جائے، بِوَاسِطَةِ حَرْفِ الْجَرِّ کس کے واسطے سے؟ حرفِ جر کے واسطے سے، لَفْظًا أَوْ تَقْدِيْرًا اور وہ حرفِ جر لفظاً ہو گا یعنی ملفوظ ہو گا، یا تقدیراً ہو گا یعنی مقدر ہو گا۔ تو لَفْظًا بمعنی مَلْفُوْظٍ کے ہے اور تَقْدِيْرًا بمعنی مُقَدَّرٍ کے ہے اسمِ مفعول۔ کیا تعریف کی؟ مضاف الیہ ہر وہ ایسا اسم ہے جس کی طرف کسی چیز کی نسبت کی جائے بواسطہ حرفِ جر کے، اور وہ حرفِ جر یا لفظاً ہو گا یا تقدیراً ہو گا، مُرَادًا اور اس کا ارادہ بھی کیا گیا ہو گا۔ وہ مراد بھی ہو گا یعنی اگرچہ وہ تقدیراً ہو گا لیکن اس کا اثر باقی ہو گا یعنی جر آئے گا اس لفظ پر۔

جیسے دیکھو بھئی: غُلَامُ زَيْدٍ، غُلَامُ زَيْدٍ اصل میں کیا تھا؟ غُلَامٌ لِزَيْدٍ۔ پھر اس لام کو حذف کر لیا گیا تو کیا بن گیا؟ غُلَامُ زَيْدٍ۔ اب دیکھو حرفِ جر مقدر ہے، حرفِ جر مقدر ہے، توجہ ہے؟ کس کی تعریف کر رہے ہیں؟ مضاف الیہ کی۔ غُلَامُ زَيْدٍ، ان میں سے مضاف الیہ کون سا کس لفظ ہے؟ زید ہے، توجہ ہے؟ یہ جو زید ہے یہ مضاف الیہ ہے۔ تو یہاں پر یہ حرفِ جر تقدیراً ہے، البتہ مراد ہے یعنی اس کا اثر ابھی بھی نظر آ رہا ہے کہ جر آ رہا ہے زید کے اوپر۔ اور کبھی کبھار وہ حرفِ جر لفظوں میں ہو گا، جیسے مَرَرْتُ بِزَيْدٍ، مَرَرْتُ، مَرَرْتُ فعل با فاعل، تَا ضمیر اس کے اندر فاعل ہے، اور بِزَيْدٍ با جارہ زَيْدٍ مجرور۔ اس ترکیب کے اندر بھی یاد رکھو یہ زَيْدٍ یہ مضاف الیہ ہے، اور اس کی طرف اس مَرَرْتُ کی نسبت کی جا رہی ہے بواسطہ حرفِ جر با کے۔ توجہ ہے؟ مَرَرْتُ بِزَيْدٍ یہ زَيْدٍ کیا ہے؟ مضاف الیہ ہے، اس کی طرف یہ مَرَرْتُ کی نسبت ہو رہی ہے کس کے واسطے سے؟ اس با حرفِ جر کے واسطے سے، اور با لفظوں میں موجود ہے۔ غُلَامُ زَيْدٍ وہاں لام مقدر تھا اور یہاں حرفِ جر لفظوں میں موجود ہے۔ تو حرفِ جر کبھی لفظوں میں ہو گا اور کبھی مقدر ہو گا۔

پھر دہرائیے تعریف: مضاف الیہ کسے کہتے ہیں؟ مضاف الیہ ہر وہ ایسا اسم جس کی طرف کسی چیز کی نسبت کی جائے، غُلَامُ زَيْدٍ یہ زید کی طرف کس کی نسبت کی گئی؟ غُلَام کی، اور مَرَرْتُ بِزَيْدٍ یہاں زید کی طرف کس کی نسبت کی گئی؟ مَرَرْتُ کی۔ توجہ ہے؟ تو ہر ایسا اسم ہے جس کی طرف کسی چیز کی نسبت کی جائے بواسطہ حرفِ جر کے، اور وہ حرفِ جر کبھی لفظوں میں ہو گا جیسے مَرَرْتُ بِزَيْدٍ، اور کبھی وہ حرفِ جر مقدر ہو گا جیسے غُلَامُ زَيْدٍ۔ لیکن وہ حرفِ جر جب مقدر ہو تب بھی مراد ہو گا، اس کا ارادہ ہو گا یعنی اس کا اثر نظر آئے گا، جر نظر آئے گا۔ اس کا اثر نظر آئے گا۔

یاد رکھو یہ جو تعریف کی عام، جمہور نحوی جو مضاف الیہ کی تعریف کرتے ہیں انہوں نے، صاحبِ کافیہ نے وہ تعریف نہیں کی، بلکہ یہ وہ تعریف کی جو امام سیبویہ کا مذہب ہے۔ کس کا مذہب ہے؟ امام سیبویہ کا مذہب ہے۔ جمہور نحویوں کے نزدیک غُلَامُ زَيْدٍ یہ زَيْدٍ یہ تو مضاف الیہ ہے، توجہ ہے؟ جب حرفِ جر مقدر ہو تب اس کو مضاف الیہ کہتے ہیں، غُلَامُ زَيْدٍ یہاں دیکھو لفظوں میں لام نہیں ہے تو یہ زید مضاف الیہ کہلاتا ہے۔ لیکن انہوں نے کیا کہا؟ مضاف الیہ کبھی مقدر ہو گا کبھی لفظوں میں ہو گا، مَرَرْتُ بِزَيْدٍ اس زَيْدٍ کو بھی مضاف الیہ کہہ دیا، حالانکہ اصطلاح میں اس کو مضاف الیہ نہیں کہتے، جب

حرفِ جر لفظوں میں ہو تو اس کو جار مجرور کہتے ہیں، جی، کیا کہتے ہیں؟ جار مجرور کہتے ہیں۔ تو نحویوں کے نزدیک مضاف الیہ وہ ہے جہاں ایک اسم کی نسبت کی جاتی ہے دوسرے اسم کی طرف اور حرفِ جر وہاں مقدر ہوتا ہے جیسے غُلَامُ زَيْدٍ، یہاں دیکھو زید کی طرف غُلَام اسم کی نسبت ہو رہی ہے اور حرفِ جر مقدر ہے تو یہ زید مضاف الیہ کہلاتا ہے۔ اور اگر حرفِ جر لفظوں میں ہو مَرَرْتُ بِزَيْدٍ، یہاں با حرفِ جر لفظوں میں ہے تو اس کو نحوی حضرات مضاف الیہ نہیں کہتے۔ مَرَرْتُ بِزَيْدٍ میں یہ جو زید آیا اس کو وہ مضاف الیہ نہیں کہتے، یہاں تو حرفِ جر لفظوں میں ہے اس کو وہ جار مجرور کہتے ہیں۔ تو صاحبِ کافیہ نے عام، جمہور نحویوں کی تعریف چھوڑ کر کس کے مذہب کے مطابق مضاف الیہ کی تعریف کی؟ امام سیبویہ کے نزدیک۔ امام سیبویہ کے نزدیک جہاں حرفِ جر لفظوں میں موجود ہو وہ بھی مضاف الیہ ہے، جی، وہ بھی مضاف الیہ ہے۔ مضاف الیہ دیکھو لفظوں کے معنی پہ ذرا غور کر لو: مُضَافٌ إِلَيْهِ، مُضَافٌ نسبت کی گئی ہے إِلَيْهِ اس کی طرف، نسبت کی گئی ہے اس کی طرف۔ غُلَامُ زَيْدٍ یہ غُلَام کی نسبت کس کی طرف کی گئی ہے؟ زید کی طرف، اور مَرَرْتُ بِزَيْدٍ یہ مَرَرْتُ کی نسبت کس کی طرف کی گئی ہے؟ زید کی طرف۔ تو دونوں مضاف الیہ ہیں، امام سیبویہ کے نزدیک یہ دونوں مضاف الیہ ہیں لیکن عام نحوی علماء کے نزدیک دونوں مضاف الیہ نہیں کہلاتے۔ بات سمجھ میں آگئی؟

پھر دیکھیے تعریف: کہتے ہیں وَالْمُضَافُ إِلَيْهِ کہ مضاف الیہ جو ہے كُلُّ اسْمٍ ہر ایسا اسم ہے نُسِبَ إِلَيْهِ شَيْءٌ کہ جس کی طرف کسی چیز کی نسبت کی جائے۔ ادھر دیکھیے، عام نحوی کیا فرماتے ہیں؟ مضاف الیہ کسے کہتے ہیں؟ جس کی طرف کسی اسم کی نسبت کی جائے، غُلَامُ زَيْدٍ یہ غُلَام اسم ہے اس کی نسبت کی جا رہی ہے زید کی طرف، اور یہ حرفِ جر، نیز وہاں حرفِ جر کیا ہو گا؟ مقدر۔ دو شرطیں ہیں جب عام نحوی جو استعمال کرتے ہیں: وہ کہتے ہیں مضاف اسم ہو گا، مضاف اسم ہو گا، جبکہ امام سیبویہ کی تعریف کے مطابق مَرَرْتُ بِزَيْدٍ، مَرَرْتُ کی نسبت ہو رہی ہے کس کی طرف؟ زید کی طرف، تو یہ مَرَرْتُ مضاف ہے۔ نسبت کس کی کی جا رہی ہے؟ مَرَرْتُ فعل کی۔ معلوم ہوا امام سیبویہ کے نزدیک چاہے فعل کی نسبت کی جائے چاہے اسم کی نسبت کی جائے، لیکن عام نحویوں کے نزدیک مضاف ہمیشہ کیا ہو گا؟ اسم ہو گا۔ تو انہوں نے کیا کہا كُلُّ اسْمٍ، یہ نہیں کہا كُلُّ اسْمٍ نُسِبَ إِلَيْهِ اسْمٌ، ہر وہ اسم ہے جس کی طرف اسم کی نسبت کی جائے بلکہ کیا کہا؟ ہر وہ اسم ہے جس کی طرف کسی چیز کی نسبت کی جائے چاہے وہ اسم ہو چاہے فعل ہو۔ اور بِوَاسِطَةِ حَرْفِ الْجَرِّ کس کے واسطے سے؟ حرفِ جر کے واسطے سے، لَفْظًا أَوْ تَقْدِيْرًا یہ دوسرا فرق آگیا کہ وہ حرفِ جر لفظوں میں بھی ہو سکتا ہے جبکہ عام نحویوں کے نزدیک حرفِ جر لفظوں میں نہیں۔ نُسِبَ إِلَيْهِ شَيْءٌ، شَيْءٌ کے بجائے یہاں کیا ہونا چاہیے؟ اِسْمٌ ہونا چاہیے تھا عام نحویوں کے نزدیک، اور نیز یہاں لَفْظًا کی قید نہیں ہونی چاہیے تھی۔ بات بھی سمجھ میں آ رہی ہے کہ نہیں؟ عام نحویوں کے نزدیک مضاف ہمیشہ کیا ہوتا ہے؟ اسم، اس کی نسبت کی جاتی ہے مضاف الیہ کی طرف، جبکہ امام سیبویہ کے نزدیک کسی بھی چیز کی نسبت کی

جائے یعنی چاہے فعل ہو چاہے اسم ہو۔ اور نیز عام نحویوں کے نزدیک مضاف الیہ کے لیے وہ حرفِ جر ہمیشہ مقدر ہو گا، لفظوں میں کبھی بھی نہیں ہو گا، جبکہ امام سیبویہ کے نزدیک لفظوں میں بھی ہو سکتا ہے، اسی لیے کہا حَرْفِ الْجَرِّ لَفْظًا أَوْ تَقْدِيْرًا، لفظوں میں بھی ہو سکتا ہے، لیکن عام نحویوں کے نزدیک مضاف الیہ کے لیے حرفِ جر جو ہو گا وہ مقدر تو ہو سکتا ہے لفظوں میں نہیں ہو سکتا۔

تو کہتے ہیں: وَالْمُضَافُ إِلَيْهِ كُلُّ اسْمٍ نُسِبَ إِلَيْهِ شَيْءٌ کہ مضاف الیہ ہر ایسا اسم ہے کہ اس کی طرف کسی چیز کی نسبت کی جائے بِوَاسِطَةِ حَرْفِ الْجَرِّ بواسطہ حرفِ جر کے لَفْظًا أَوْ تَقْدِيْرًا اور وہ حرفِ جر لفظاً ہو یا تقدیراً ہو، مُرَادًا اور وہ مراد بھی ہونا چاہیے۔ وہ حرفِ جر مراد یعنی اس کا ارادہ بھی ہو، یعنی اس کا عمل باقی رہے۔ وہ حرف غُلَامٌ لِزَيْدٍ، غُلَامٌ، پھر آپ نے لام کو مقدر کر دیا کیا بن گیا؟ غُلَامُ زَيْدٍ، لیکن وہ لام ابھی بھی مراد ہے بھئی، کیسے مراد ہے؟ کہتے ہیں دیکھتے نہیں اس کا جر ابھی بھی باقی ہے۔ یہ جر کس نے دیا تھا؟ لام نے، یہ جر کس نے دیا تھا؟ تو وہ لام تو مقدر ہو گیا لیکن یہ جر ابھی بھی باقی ہے، معلوم ہوا وہ حرفِ جر جو مقدر ہے ابھی بھی مراد ہے، اس کا ارادہ ہے۔

تو دراصل یہ قید لگا کر یہ جو مُرَادًا کی قید لگائی نا، یہ مفعول فیہ اور مفعول لہ کو نکالنا چاہتے ہیں۔ کس کو؟ مفعول فیہ اور مفعول لہ۔ مفعول فیہ کسے کہتے ہیں؟ وہ زمانہ یا جگہ جس میں فعل کیا جائے، ضَرَبْتُهُ يَوْمَ الْجُمُعَةِ، ضَرَبْتُهُ يَوْمَ الْجُمُعَةِ، اور آپ نے پڑھا ہے یہاں فِيْ مقدر ہے، ضَرَبْتُهُ يَوْمَ الْجُمُعَةِ أَيْ ضَرَبْتُهُ فِيْ يَوْمِ الْجُمُعَةِ، جی۔ توجہ ہے؟ تو فِيْ تو یہاں بھی مقدر ہے لیکن مراد نہیں ہے، کیوں؟ کیونکہ اگر فِيْ مراد ہوتا تو پھر فِيْ کو تو حذف کر دیا، فِيْ تو مقدر ہے لیکن پھر اس کا اثر تو باقی ہونا چاہیے تھا، عمل تو باقی ہونا چاہیے تھا، يَوْمِ الْجُمُعَةِ پڑھنا چاہیے تھا، لیکن آپ يَوْمِ الْجُمُعَةِ نہیں پڑھتے بلکہ کیا پڑھتے ہیں؟ يَوْمَ الْجُمُعَةِ نصب پڑھتے ہیں بھئی۔ جی، تو دیکھو یہاں پر بھی يَوْمَ الْجُمُعَةِ جو ہے اس کی طرف ضَرَبْتُ کی فعل کی نسبت ہو رہی ہے اور حرفِ جر مقدر ہے لیکن مراد نہیں ہے، لہٰذا اس يَوْمَ الْجُمُعَةِ کو مضاف الیہ نہیں کہیں گے، یہ مفعول فیہ ہے، یہ ظرف ہے۔ بات سمجھ میں آئی کیا بات ہوئی؟ مفعول فیہ، کہ مفعول فیہ جو ہے وہاں بھی فِيْ مقدر ہوتا ہے لیکن مراد نہیں ہوتا، کیونکہ اگر مراد ہوتا تو فِيْ کو تو بے شک حذف کر لیا مقدر ہے لیکن اس کا عمل تو باقی رہنا چاہیے تھا، جیسے غُلَامُ زَيْدٍ اصل میں کیا تھا غُلَامٌ لِزَيْدٍ، لام تو مقدر کر لیا لیکن اس کا جر ابھی بھی باقی ہے، اور وہاں پر فِيْ مقدر ہو گیا لیکن اس کا اثر باقی نہیں، جب اثر باقی نہیں معلوم ہوا وہ مراد بھی نہیں ہے۔ اور نیز مفعول لہ بھی اسی طرح ہے، مفعول لہ کسے کہتے ہیں؟ وہ مصدر جو ماقبل فعل کی علت بیان کرے، ضَرَبْتُهُ تَأْدِيْبًا، اور علت کے لیے تو عربی میں لام آتا ہے تو اصل میں کیا تھا ضَرَبْتُهُ لِلتَّأْدِيْبِ، تو دیکھو لام کو مقدر کر لیا اور کیسے پڑھا؟ ضَرَبْتُهُ تَأْدِيْبًا۔ تو دیکھو ضَرَبْتُهُ تَأْدِيْبًا، لیکن لام مقدر تو ہے لیکن مراد نہیں ہے، اگر مراد ہوتا تو اس کا عمل ابھی بھی باقی رہتا اور آپ جر ہی پڑھتے، لیکن آپ جر پڑھتے ہیں یا ضَرَبْتُهُ تَأْدِيْبًا نصب پڑھتے ہیں؟ نصب، تو معلوم ہوا حرف لام مقدر تو ہے لیکن مراد نہیں ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو اسی لیے کہا کہ وہ حرفِ

جر لفظوں میں ہو یا تقدیراً ہو اور مُرَادًا مراد بھی ہو یعنی اس کا ارادہ بھی ہو، یعنی اس کا عمل باقی رہے، جر باقی رہے۔ جیسے غُلَامُ زَيْدٍ کے اندر زید پر جر باقی ہے اگرچہ لام حذف ہو چکا ہے۔

آگے دیکھیے متن متن، کہتے ہیں: فَالتَّقْدِيْرُ شَرْطُهُ أَنْ يَّكُوْنَ الْمُضَافُ اسْمًا مُجَرَّدًا عَنْهُ تَنْوِيْنُهُ لِأَجْلِهَا۔ فَالتَّقْدِيْرُ أَيْ تَقْدِيْرُ الْحَرْفِ، تو تقدیرِ حرف کے لیے شرط بیان کر رہے ہیں۔ جی، انہوں نے کیا کہا کہ مضاف الیہ وہ ہے جس کی طرف کسی چیز کی نسبت کی جائے کس کے واسطے سے؟ حرفِ جر کے واسطے سے، اور وہ حرفِ جر کبھی لفظوں میں ہو گا اور کبھی مقدر ہو گا۔ مقدر ہونے کی شرط کیا ہے؟ کہاں پر حرفِ جر کو مقدر کریں گے؟ اب وہ بیان کرنے لگے ہیں۔ تو بتائیں گے، ادھر دیکھیے، کہ حرفِ جر کو مقدر کرنے کی شرط یہ ہے کہ مضاف جو ہے اسم ہونا چاہیے، فعل نہیں۔ مَرَرْتُ بِزَيْدٍ یہاں مَرَرْتُ فعل کی نسبت ہو رہی ہے کس کی طرف؟ زید کی طرف کس کے واسطے سے؟ حرفِ جر، لہٰذا یہاں با کو مقدر نہیں کر سکتے۔ جب مضاف کیا ہو؟ فعل ہو، پھر حرفِ جر کو مقدر نہیں کر سکتے۔ ہاں، مضاف اسم ہو، پھر حرفِ جر کو مقدر کر سکتے ہیں، جیسے غُلَامٌ لِزَيْدٍ، یہاں زید مضاف الیہ ہے اس کی طرف کس کی نسبت کی گئی؟ غُلَام کی، اور غُلَام اسم ہے، تو لہٰذا یہاں پر لام کو مقدر کر سکتے ہیں اور آپ کہہ سکتے ہیں غُلَامُ زَيْدٍ۔ تو حرفِ جر کو مقدر کرنے کی کیا شرط ہے؟ کہ مضاف اسم ہونا چاہیے، توجہ ہے؟ اسم ہونا چاہیے۔

تو کہتے ہیں: فَالتَّقْدِيْرُ تو تقدیر جو ہے یعنی تقدیرِ حرف جو ہے، شَرْطُهُ شرط اس کی یہ ہے أَنْ يَّكُوْنَ الْمُضَافُ اسْمًا کہ مضاف جو ہے وہ ایسا اسم ہو مُجَرَّدًا عَنْهُ تَنْوِيْنُهُ کہ اس سے الگ ہو تَنْوِيْنُهُ اس کی تنوین، اس کی تنوین کو اس سے کیا کیا گیا ہو؟ الگ کر دیا گیا ہو لِأَجْلِهَا أَيْ لِأَجْلِ الْإِضَافَةِ اضافت کی وجہ سے۔ کس کی وجہ سے؟ یاد رکھو آپ پڑھ چکے ہیں کہ جب اضافت کی جائے تو مضاف سے تنوین اور قائم مقامِ تنوین ساقط ہو جاتے ہیں۔ غُلَامٌ اس پر تنوین ہے لیکن جب آپ زید کی طرف اضافت کریں گے غُلَامُ زَيْدٍ تو تنوین گر جائے گی۔ اور اگر تنوین کے بجائے تنوین کا قائم مقام ہوا، تنوین کا قائم مقام کیا ہے؟ نونِ تثنیہ اور نونِ جمع، وہ بھی اضافت کے وقت گر جائیں گے، جیسے غُلَامَانِ اب آپ اس غُلَامَانِ کی نسبت کریں زید کی طرف تو کیسے کہیں گے؟ غُلَامَا زَيْدٍ، یہ نونِ تثنیہ گر گیا۔ یا مُسْلِمُوْنَ اس کی اضافت کریں آپ زید کی طرف: مُسْلِمُوْ زَيْدٍ۔ تو دیکھو اضافت کی وجہ سے تنوین بھی گر جاتی ہے اور نونِ تثنیہ اور جمع بھی گر جاتے ہیں۔

تو یہی بیان کر رہے ہیں: تقدیرِ حرف کی شرط کیا ہے؟ کہ مضاف کیا ہونا چاہیے؟ اسم ہونا چاہیے، اور نیز تنوین اور قائم مقامِ تنوین اس سے گر گئی ہو، کس کی وجہ سے گری ہو؟ اضافت کی وجہ سے گری ہو۔ کس کی وجہ سے؟ اضافت کی وجہ سے گری ہو۔ اگر اس پر تنوین موجود تھی تو اضافت کی وجہ سے اب گر جائے بھئی، اور یا اس پر نونِ تثنیہ یا جمع موجود تھا تو اضافت کی وجہ سے وہ گر گیا ہو بھئی۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو تقدیرِ حرف کی شرط کیا ہے؟ کہ مضاف اسم ہونا چاہیے اور نیز

وہ تنوین یا قائم مقامِ تنوین سے خالی ہو یعنی وہ تنوین یا قائم مقامِ تنوین اضافت کی وجہ سے اس سے گر چکی ہو بھئی۔

پھر دیکھیے کہتے ہیں: فَالتَّقْدِيْرُ شَرْطُهُ تقدیرِ حرف کی شرط یہ ہے کہ أَنْ يَّكُوْنَ الْمُضَافُ اسْمًا کہ مضاف جو ہے وہ ایسا اسم ہونا چاہیے مُجَرَّدًا عَنْهُ تَنْوِيْنُهُ کہ الگ ہو عَنْهُ اس اسم سے تَنْوِيْنُهُ اس کی تنوین یا جو اس کے قائم مقام ہے وہ اس سے الگ ہو چکی ہو لِأَجْلِهَا أَيْ لِأَجْلِ الْإِضَافَةِ کس کی وجہ سے؟ اضافت کی وجہ سے۔

حاصلِ کلام کیا ہوا؟ انہوں نے سب سے پہلے آپ کو بتلایا کہ مجرور وہ اسم ہے جو مضاف الیہ کی علامت پر مشتمل ہو، توجہ ہے؟ مجرور کسے کہتے ہیں؟ جو مضاف الیہ کی علامت پر مشتمل ہو، اور مضاف الیہ کی علامت کیا ہے؟ جر، اور جر کی کتنی صورتیں ہیں؟ تین صورتیں: کبھی کسرہ کے ساتھ، کبھی فتحہ کے ساتھ اور کبھی یا کے ساتھ۔ پھر انہوں نے آپ کو بتلایا کہ مضاف الیہ کسے کہتے ہیں؟ اور عام نحویوں کی تعریف نہیں کی بلکہ وہ تعریف کی جو امام سیبویہ کا مذہب ہے، کہ مضاف الیہ ہر ایسا اسم ہے کہ جس کی طرف کسی چیز کی نسبت کی جائے، یہ نہیں کہا جس کی طرف اسم کی نسبت کی جائے، جس کی طرف کسی چیز کی نسبت کی جائے چاہے فعل کی نسبت ہو چاہے اسم کی نسبت ہو، اور کس کے واسطے سے ہو؟ حرفِ جر کے واسطے سے ہو، اور وہ حرفِ جر لفظوں میں بھی ہو سکتا ہے اور تقدیراً بھی ہو سکتا ہے، حالانکہ عام نحویوں کے نزدیک حرفِ جر لفظاً نہیں ہو سکتا مضاف الیہ کے لیے بلکہ ہمیشہ تقدیراً ہو گا اور مضاف بھی ہمیشہ اسم ہو گا فعل نہیں۔ تو مضاف الیہ امام سیبویہ کے نزدیک مضاف الیہ وہ اسم ہے جس کی طرف کسی چیز کی نسبت کی جائے بواسطہ حرفِ جر کے، اور وہ حرفِ جر لفظوں میں بھی ہو سکتا ہے اور تقدیراً بھی ہو سکتا ہے، لیکن اگر تقدیراً بھی ہو گا تو وہ مراد ہو گا، اس کا ارادہ ہو گا یعنی وہ حرف تو مقدر ہو چکا لیکن اس کا اثر یعنی اس کا عمل ابھی بھی باقی ہو گا، جر نظر آئے گا۔ جیسے غُلَامُ زَيْدٍ کے اندر لام مقدر ہو گیا لیکن اس کا عمل جر ابھی بھی باقی ہے زید پر۔

اور پھر بتلایا تھا کہ اس کے مقدر کرنے کی کیا شرط ہے حرفِ جر کو؟ حرفِ جر کو مقدر کرنے کی شرط یہ ہے کہ مضاف اسم ہونا چاہیے، فعل نہیں۔ فعل ہو تو حرفِ جر لفظوں میں ہمیشہ باقی رہے گا۔ تو حرفِ جر کو مقدر کرنے کی شرط کیا ہے مضاف الیہ سے؟ کہ مضاف اسم ہونا چاہیے اور نیز وہ تنوین اور قائم مقامِ تنوین سے خالی ہو اس اضافت کی وجہ سے۔ بات سمجھ میں آ گئی؟

اب یہاں پر یاد رکھو، یہاں پر یاد رکھو، اضافتِ لفظی بھی سمجھ لو اور اضافتِ معنوی بھی سمجھ لو۔ اضافتِ لفظی اور اضافتِ معنوی، یہ آگے صاحبِ کافیہ بھی ذکر کریں گے لیکن یہیں سمجھ لیں ابھی ہم یہ شرح حل کریں گے وہاں حاجت پیش آئے گی آپ کو، اس کے بغیر بات آپ کو پوری طرح سمجھ میں نہیں آئے گی۔

اضافتِ لفظیہ اسے کہتے ہیں کہ صیغہ صفت کا ہو اور مضاف ہو رہا ہو اپنے معمول کی طرف۔ دہرائیے زبان سے: اضافتِ

لفظی کسے کہتے ہیں؟ کہ صیغہ صفت کا ہو اور مضاف ہو اپنے معمول کی طرف۔ صفت کے صیغے آپ جانتے ہیں: اسمِ فاعل ہے، اسمِ مفعول ہے، صفتِ مشبہ ہے، اسمِ تفضیل۔ لیکن ان میں سے صرف یہ تین مراد ہیں یہاں، سارے صفت کے صیغے نہیں مراد: اسمِ فاعل، اسمِ مفعول اور صفتِ مشبہ۔ کیا کیا مراد ہیں؟ اسمِ فاعل، اسمِ مفعول اور صفتِ مشبہ۔ باقی صفت کے صیغے یہاں مراد نہیں۔ تو صیغہ صفت کا ہو یعنی اسمِ فاعل، اسمِ مفعول یا صفتِ مشبہ ہو اور مضاف ہو اپنے معمول کی طرف، جی، کس کی طرف؟ اپنے معمول کی طرف۔ اور معمول آپ نے پڑھا ہے بھئی فعل فاعل میں بھی عمل کرتا ہے فاعل بھی اس کا معمول ہوتا ہے، مفعول بہ بھی اس کا معمول ہوتا ہے، مفعول فیہ بھی اس کا معمول ہوتا ہے، حال بھی اس کا معمول ہوتا ہے وغیرہ یہ سارے جو پیچھے گزر گئے، ان سب میں کیا کرتا ہے فعل عمل کرتا ہے، لیکن معمول سے یہاں صرف فاعل اور مفعول بہ مراد ہیں، فاعل اور مفعول۔ تو صیغہ صفت کا ہو اور مضاف ہو اپنے معمول کی طرف۔ صفت کے صیغے سے کون سا صیغہ مراد؟ اسمِ فاعل، اسمِ مفعول اور صفتِ مشبہ۔ اور معمول سے کیا مراد ہے؟ فاعل اور مفعول بہ مراد ہیں، باقی مفعول یا حال وغیرہ مراد نہیں ہیں۔

بھئی آپ نے پڑھا ہے کہ صفت کے صیغے بھی فعل جیسا عمل کرتے ہیں۔ جیسے فعلِ معروف کے لیے فاعل چاہیے اور فعلِ مجہول کے لیے نائب فاعل چاہیے، اسی طرح صفت کے صیغوں کے لیے بھی فاعل یا نائب فاعل چاہیے۔ اسمِ فاعل ہو تو اس کے لیے کیا چاہیے؟ فاعل چاہیے۔ اسمِ فاعل جانتے ہو؟ اسمِ فاعل وہ صیغے جو آپ نے گردانوں میں پڑھے ہیں ضَارِبٌ، فَاتِحٌ، مُکْرِمٌ، مُسْتَخْرِجٌ یہ کیا ہے؟ اسمِ فاعل۔ اور ایک کیا ہوتا ہے فاعل، فاعل کسے کہتے ہیں؟ جس کو فعل رفع دیتا ہے، ضَرَبَ زَیْدٌ یہ زید کیا ہے؟ فاعل ہے۔ اسی طرح ایک ہے مفعول اور ایک ہے اسمِ مفعول۔ مفعول کسے کہتے ہیں؟ جس کو فعل نصب دیتا ہے، ضَرَبْتُ زَیْدًا یہ زیداً کیا ہے؟ مفعول۔ اور اسمِ مفعول کسے کہتے ہیں؟ وہ جو گردانوں میں مخصوص صیغے آپ نے پڑھے ہیں مَضْرُوْبٌ، مَفْتُوْحٌ، مُکْرَمٌ، مُسْتَخْرَجٌ وغیرہ۔ تو لہٰذا جیسے فعل کے لیے فاعل یا نائب فاعل ضرور چاہیے، اسی طرح صفت کے صیغوں کے لیے بھی فاعل یا نائب فاعل ضرور چاہیے۔ ضَارِبٌ اسمِ فاعل ہے، اس کے لیے کیا چاہیے؟ فاعل چاہیے۔ اور جیسے آپ نے پڑھا ہے فعل کے لیے فاعل اسمِ ظاہر بھی آسکتا ہے اور ضمیر بھی آسکتی ہے، اسی طرح یہ صفت کے صیغوں کے لیے بھی فاعل یا نائب فاعل ضمیر بھی آسکتی ہے اور اسمِ ظاہر بھی۔ ضَرَبَ زَیْدٌ یہ زَیْدٌ کیا ہے ضَرَبَ کے لیے؟ فاعل۔ اور اگر یہ زید یہاں نہ ہوتا تو پھر ضَرَبَ کے اندر ھُوَ ضمیر ہم نکال لیتے کیونکہ ضَرَبَ کے لیے فاعل ضرور چاہیے۔ اور ضُرِبَ عَمْرٌو یہ ضُرِبَ فعلِ مجہول ہے اور عَمْرٌو اس کے لیے نائب فاعل ہے اسمِ ظاہر ہے۔ لیکن اگر یہ عَمْرٌو نہ ہوتا تو پھر ضُرِبَ کے اندر ہم ھُوَ ضمیر نائب فاعل ضرور نکالتے۔ تو معلوم ہوا صفت کے صیغے بھی اپنے فعل جیسا عمل کرتے ہیں۔ اگر وہ فعلِ لازم سے بنے ہوں اور فعلِ لازم صرف فاعل کو رفع دیتا ہے مفعول کا تقاضا نہیں کرتا، اور اگر صفت کے صیغے فعلِ متعدی سے بنے ہوں، فعلِ متعدی فاعل کو رفع بھی دیتا ہے اور مفعول کو نصب

بھی دیتا ہے، تو صفت کے صیغے بھی اسی طرح عمل کریں گے: اپنے فاعل کو رفع دیں گے اور مفعول کو نصب دیں گے۔

جیسے ضَرَبَ، ضَرَبَ فعلِ متعدی ہے: ضَرَبَ زَيْدٌ عَمْرًا، دیکھو فاعل کو رفع بھی دے رہا ہے اور عَمْرًا مفعول بہ کو نصب بھی دے رہا ہے تو یہ فعلِ متعدی ہے۔ تو اسی سے صفت کا صیغہ ضَارِبٌ بنا لیا، تو ضَارِبٌ بھی ضَرَبَ کی طرح عمل کرے گا: ایک فاعل کو رفع دے گا اور ایک مفعول کو نصب دے گا۔ توجہ ہے؟ اب دیکھو بھئی، مثلاً میں کہتا ہوں: زَيْدٌ ضَارِبٌ عَمْرًا، زَيْدٌ ضَارِبٌ عَمْرًا۔ تو زَيْدٌ بتدا، ضَارِبٌ مرفوع صیغہ اسمِ فاعل، اور اسمِ فاعل کے لیے کیا چاہیے؟ فاعل چاہیے، اور آگے عَمْرًا وہ تو منصوب آرہا ہے، تو پھر اسی کے اندر ہم ضمیر نکال لیں گے: اس کے اندر هُوَ ضمیر مرفوع محلاً اس کا فاعل جو کس کو راجع؟ زید یعنی بتدا کو راجع۔ کس کو راجع؟ تو ضَارِبٌ کے اندر هُوَ ضمیر مرفوع محلاً اس کا فاعل، اور عَمْرًا یہ منصوب ہے، اس کو نصب کس نے دیا؟ اسی ضَارِبٌ نے دیا، یہ اسی کے لیے مفعول بہ ہے۔ جیسے ضَرَبَ مفعول بہ کو نصب دیتا ہے اس سے بننے والا صفت کا صیغہ بھی مفعول بہ کو نصب دے گا۔ توجہ ہے؟ تو زَيْدٌ ضَارِبٌ عَمْرًا یہ عَمْرًا کو نصب کس نے دیا؟ ضَارِبٌ نے۔ ضَارِبٌ صیغہ اسمِ فاعل، اس کے اندر جو هُوَ ضمیر فاعل ہے، تو یہ اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر شبہ جملہ ہو کر یہ خبر ہوئی زید کے لیے۔ یہ شبہ جملہ ہو کر خبر ہوئی۔ فعل ہوتا تو پھر وہ جملہ بنتا، لیکن صفت کا صیغہ تو جملہ نہیں تو پھر وہاں کیا کہتے ہیں؟ شبہ جملہ ہے۔ تو توجہ ہے؟ زَيْدٌ ضَارِبٌ عَمْرًا تو یہ ضَارِبٌ شبہ جملہ ہو کر خبر ہوئی زید کے لیے۔ تو ضَارِبٌ نے کس کس میں عمل کیا؟ ایک تو هُوَ ضمیر میں عمل کیا اس کو رفع دیا، اور نیز عَمْرًا میں عمل کیا اس کو نصب دیا، تو یہ عَمْرًا معمول ہے ضَارِبٌ اسمِ فاعل کا۔ اس کو نصب کون دے رہا ہے؟ ضَارِبٌ کا صیغہ نصب دے رہا ہے۔ تو اس وقت تو اضافت نہیں ہے زَيْدٌ ضَارِبٌ عَمْرًا، تو پھر میں اس ضَارِبٌ سے اسمِ فاعل کی اضافت کر دیتا ہوں اپنے معمول عَمْر کی طرف اور یوں کہتا ہوں: زَيْدٌ ضَارِبُ عَمْرٍ، زَيْدٌ ضَارِبُ عَمْرٍ۔ اب دیکھو صیغہ صفت کا ہے اسمِ فاعل، اور مضاف ہو رہا ہے اپنے معمول کی طرف۔ یاد رکھو یہ ہے اضافتِ لفظی، یہ کیا ہے؟ اضافتِ لفظی۔ اب پھر دہرائیے: اضافتِ لفظی کسے کہتے ہیں؟ کہ صیغہ صفت کا ہو اور مضاف ہو رہا ہو اپنے معمول کی طرف یعنی جس میں وہ عمل کر رہا تھا۔ اور صفت کے صیغے سے کون سا صیغہ مراد ہے؟ اسمِ فاعل، اسمِ مفعول اور صفتِ مشبہ، ان تین میں سے کوئی صیغہ ہونا چاہیے، اور وہ مضاف ہو رہا ہو اپنے معمول کی طرف۔ اور معمول سے کیا مراد ہے؟ اپنے فاعل یا اپنے مفعول کی طرف مضاف ہو، اور یہاں بھی ضَارِبٌ اپنے مفعول کی طرف مضاف ہو رہا ہے: زَيْدٌ ضَارِبُ عَمْرٍ۔ پھر دہرائیے: اضافتِ لفظی کسے کہتے ہیں؟ کہ صیغہ صفت کا ہو اور مضاف ہو اپنے معمول کی طرف۔ صفت کے صیغے سے کون سا صیغہ مراد ہے؟ اسمِ فاعل، اسمِ مفعول اور صفتِ مشبہ۔ اور معمول سے کون سا معمول مراد ہے؟ فاعل یا مفعول، باقی معمولات مراد نہیں، مفعول فیہ یا حال وغیرہ ان میں بھی یہ عمل کرتے ہیں لیکن وہ مراد نہیں۔ تو صفت کا صیغہ ہو اور مضاف ہو اپنے معمول یعنی فاعل یا مفعول کی طرف، یہ ہے اضافتِ لفظی۔

اور یاد رکھو یہ جو اضافتِ لفظی ہے یہ صرف لفظوں میں تخفیف کا فائدہ دیتی ہے، صرف لفظوں میں تخفیف۔ پہلے تھا

ضَارِبٌ عَمْرًا، ضَارِبٌ پر تنوین آ رہی تھی، جب اضافت کی تو وہ تنوین گر گئی بس: زَيْدٌ ضَارِبُ عَمْرٍ، صرف ضَارِبٌ سے تنوین گری ہے۔ باقی آپ نے پڑھا ہے جب کوئی اسم نکرہ کی طرف مضاف ہو تو اس میں تخصیص آتی ہے اور معرفہ کی طرف مضاف ہو تو اس میں تعریف آتی ہے۔ غُلَام کا لفظ ہے ادھر دیکھیے، غُلَام کا لفظ ہے اس کی اضافت میں معرفہ کی طرف کرتا ہوں: غُلَامُ زَيْدٍ، تو اب غُلَام کا لفظ بھی کیا بن گیا؟ معرفہ بن گیا کیونکہ جب کوئی اسم معرفہ کی طرف مضاف ہو تو وہ معرفہ بن جاتا ہے۔ اور اگر نکرہ کی اضافت نکرہ کی طرف کریں تو وہاں پھر تخصیص آجاتی ہے: غُلَامُ رَجُلٍ، اب اس غُلَام میں کیا آ گئی؟ تخصیص۔ پہلے غُلَام کا لفظ عام تھا: غُلَام، چاہے عورتوں کا غلام ہو چاہے مردوں کا غلام ہو، سب پر یہ غلام کا لفظ بولا جا سکتا تھا۔ لیکن جب آپ نے اضافت کر دی غُلَامُ رَجُلٍ، کسی آدمی کا کوئی غلام، اب یہ صرف آدمیوں کے غلام پر بولا جا سکتا ہے عورتوں کے غلام پر نہیں بولا جا سکتا تو دیکھو تخصیص آ گئی، احتمالات کم ہو گئے۔ توجہ ہے؟ تو نکرہ کی اضافت جب معرفہ کی طرف کی جائے تو وہ کیا بن جاتا ہے؟ معرفہ۔ نہیں توجہ ہوئی۔ جب نکرہ کی اضافت معرفہ کی طرف کی جائے تو وہ نکرہ کیا بن جاتا ہے؟ معرفہ۔ اور نکرہ کی اضافت نکرہ کی طرف کی جائے تو وہ اس میں تخصیص آجاتی ہے۔ یاد رکھو یہ اضافتِ معنوی میں ہوتا ہے۔ کس میں؟ اضافتِ معنوی میں ہوتا ہے۔

تو اضافتِ معنوی کے اندر تخفیف بھی آتی ہے، تخفیف آ گئی مضاف سے تنوین یا قائم مقامِ تنوین بھی گر جاتا ہے، اور نیز اس میں تخصیص یا تعریف بھی آجاتی ہے۔ نکرہ کی اضافت نکرہ کی طرف ہو تو صرف تخصیص آئے گی، نکرہ کی اضافت معرفہ کی طرف ہو تو اس میں تعریف آئے گی۔ تو اضافتِ معنوی کے اندر تخفیف بھی آتی ہے اور ساتھ ساتھ تخصیص یا تعریف بھی آجاتی ہے۔ بات سمجھ میں آ گئی؟

جبکہ، جبکہ یہ جو اضافتِ لفظی ہے جس میں صفت کا صیغہ مضاف ہوتا ہے اپنے معمول کی طرف، یہاں نہ تعریف آتی ہے نہ تخصیص آتی ہے، صرف لفظوں میں تخفیف آئے گی۔ زَيْدٌ ضَارِبُ عَمْرٍ، یہ ضَارِب کی اضافت جو عَمْر کی طرف کی تو صرف ضَارِبٌ سے تنوین گری بس، باقی ضَارِبٌ نے، توجہ سے سنو، ضَارِبٌ نے دیکھو ضَارِب کی اضافت ہو رہی ہے آگے عَمْر کی طرف جو معرفہ ہے، لیکن ضَارِب جیسے پہلے نکرہ تھا ابھی بھی نکرہ کا نکرہ ہے، ضَارِب جیسے پہلے نکرہ تھا اسی طرح اب بھی نکرہ ہے۔ معرفہ کی طرف اضافت کے باوجود اس میں نہ تعریف آئی اور نہ ہی تخصیص آئی، تخصیص بھی نہیں آئی اس کے اندر بھئی، تخصیص بھی نہیں آئی۔ زَيْدٌ ضَارِبٌ عَمْرًا ذرا اضافت توڑ دو، زَيْدٌ ضَارِبٌ عَمْرًا، ضَارِبٌ نکرہ محض ہے، ضَارِبٌ نکرہ کیونکہ اضافت ہی نہیں ہے۔ پھر آپ نے اضافت کر دی زَيْدٌ ضَارِبُ عَمْرٍ، اب بھی یہ نکرہ محض ہی ہے اگرچہ آپ نے اضافت کر دی ہے لیکن یہ اضافت کون سی ہے؟ اضافتِ لفظی۔ اضافتِ لفظی کسے کہتے ہیں؟ کہ صیغہ صفت کا ہو اور مضاف ہو اپنے معمول کی طرف۔ اس صورت میں صرف لفظوں میں تخفیف آتی ہے، مضاف نہ تعریف اخذ کرتا ہے مضاف الیہ

سے اور نہ تخصیص اخذ کرتا ہے۔ اور یہ تقدیر انفصال میں ہے، کس تقدیر میں ہے؟ انفصال، یعنی یوں سمجھو ابھی بھی الگ الگ ہی ہیں، جی، ابھی بھی الگ الگ۔ اور جب الگ تھے ضَارِبٌ عَمْرًا تو اس وقت ضَارِبٌ نکرہ محض تھا، نکرہ محض کیونکہ اضافت ہی نہیں ہو رہی، جب اضافت نہیں ہے تو نہ تعریف ہے نہ تخصیص ہے، لیکن جب اضافت کر دی پھر بھی یہ اسی طرح نکرہ کا نکرہ ہی ہے، نہ اس میں تخصیص آئی اور نہ تعریف آئی کیونکہ یہ اضافتِ لفظی ہے۔ تو اضافتِ لفظی نہ تعریف کا فائدہ دیتی ہے اور نہ تخصیص کا فائدہ دیتی ہے۔

چنانچہ اس کی مثال قرآن میں بھی ہے بھئی، قرآن میں ہے: هٰذَا عَارِضٌ مُّمْطِرُنَا، هٰذَا عَارِضٌ مُّمْطِرُنَا۔ عَارِضٌ موصوف اور مُّمْطِرُنَا، مُمْطِر اسمِ فاعل ہے اور نَا ضمیر مضاف الیہ ہے۔ مضاف مضاف الیہ مل کر یہ صفت ہو گئی عَارِض کی۔ آپ کے ذہن میں اشکال آئے گا عَارِضٌ تو نکرہ ہے اور مُمْطِرُنَا، مُمْطِر کی اضافت نَا ضمیر معرفہ کی طرف ہو رہی ہے تو یہ کیا بن گیا؟ معرفہ، اور موصوف صفت میں تو حالانکہ مطابقت ضروری ہے تنکیر و تعریف میں۔ تو اب آپ کو جواب سمجھ میں آگیا کہ مُمْطِرُنَا کہ مُمْطِر کی جو اضافت نَا ضمیر کی طرف ہو رہی ہے یہ کون سی اضافت ہے؟ اضافتِ لفظی، یہ تعریف یا تخصیص کا فائدہ نہیں دیتی، تو مُمْطِر جیسے اضافت سے پہلے نکرہ تھا اب بھی نکرہ ہے تو یہ عَارِض کی صفت بن جائے گا۔ بات سمجھ میں آگئی؟

تو اضافتِ لفظی کسے کہتے ہیں؟ کہ صیغہ صفت کا ہو اور مضاف ہو اپنے معمول کی طرف۔ اور اس کے علاوہ جو ہو گا وہ اضافتِ معنوی ہے۔ میں نے بتایا اضافت دو قسم پر ہے: ایک اضافتِ لفظی، ایک اضافتِ معنوی۔ اضافتِ لفظی کسے کہتے ہیں؟ صیغہ صفت کا ہو اور مضاف ہو اپنے معمول کی طرف۔ میں بار بار تکرار کروا رہا ہوں کیونکہ آگے بڑی لمبی بحث آئے گی بس ساری باتیں اسی کے گرد چلیں گی۔ تو اضافتِ لفظی کسے کہتے ہیں؟ صیغہ صفت کا ہو، مضاف ہو اپنے معمول کی طرف۔ اور اضافتِ لفظی نہ تعریف کا فائدہ دیتی ہے نہ تخصیص کا، یہ صرف تخفیف کا فائدہ دیتی ہے کہ مضاف سے تنوین یا قائم مقامِ تنوین گر جاتا ہے۔ اور اس کے علاوہ جو اضافتیں ہوں گی وہ ساری اضافتِ معنوی ہیں۔ اس کے علاوہ جو ہوں گی وہ کیا ہیں؟ اضافتِ معنوی ہیں، اور اضافتِ معنوی میں تعریف آئے گی یا تخصیص آئے گی۔ نکرہ کی اضافت نکرہ کی طرف ہو گی تو تخصیص آجائے گی، اور نکرہ کی اضافت معرفہ کی طرف ہو گی تو تعریف آجائے گی۔ توجہ ہے؟

تو اس میں پھر دو صورتیں آگئیں، اضافتِ معنوی میں دو صورتیں آگئیں: ایک صورت یہ کہ مضاف صیغہ صفت کا ہو ہی نا، مضاف صیغہ صفت کا ہو... اضافتِ لفظی میں تو کیا ضروری تھا؟ مضاف کیا ہونا چاہیے؟ صفت کا صیغہ ہو، ضَارِبُ عَمْرٍو یہ مضاف ضَارِب کیا ہے؟ صفت کا صیغہ ہونا ضروری ہے، جبکہ اضافتِ معنوی میں چاہے مضاف صفت کا صیغہ ہو یا نہ ہو دونوں صورتیں آگئیں۔ مثلاً دیکھو غُلَامُ زَيْدٍ، غُلَام کی اضافت میں نے کس کی طرف کی؟ زید کی طرف، اور غُلَام یہ صفت کا صیغہ ہے؟ نہیں، صفت کا صیغہ ہی نہیں۔ یہ بھی کیا ہے معلوم ہوا اضافتِ معنوی ہے لفظی نہیں کیونکہ لفظی میں

تو مضاف صفت کا صیغہ ہونا ضروری۔ دوسری صورت اضافتِ معنوی میں: مضاف صیغہ تو صفت ہی کا ہو گا لیکن اپنے معمول کی طرف یعنی فاعل یا مفعول کی طرف مضاف نہیں، جیسے میں کہتا ہوں: كَرِيْمُ الْبَلَدِ، كَرِيْم صفتِ مشبہ ہے، كَرِيْمُ الْبَلَدِ اس شہر کا سخی آدمی، اس شہر کا سخی آدمی۔ تو كَرِيْم مضاف ہے اور الْبَلَدِ مضاف الیہ، تو مضاف صفت کا صیغہ تو ہے لیکن یہ اپنے فاعل یا مفعول کی طرف مضاف نہیں ہو رہا۔ اپنے فاعل یا مفعول کی طرف مضاف نہیں ہو رہا، تو لہٰذا یہ بھی اضافتِ معنوی ہے۔ تو اضافتِ لفظی میں دونوں شرطیں ہونی چاہئیں: صیغہ کون سا ہو؟ صفت، اور نیز مضاف ہو کس کی طرف؟ اپنے معمول کی طرف۔ تو دونوں شرطیں ہوں گی تو اضافتِ لفظی، دونوں میں سے ایک نہ ہوئی یا دونوں نہ ہوئیں تو پھر یہ اضافتِ معنوی ہے۔ جیسے دیکھو كَرِيْمُ الْبَلَدِ، صیغہ تو صفت کا ہے لیکن الْبَلَد کی طرف مضاف ہے جو نہ اس کے لیے، سخی کوئی آدمی ہو گا شہر تو نہیں ہو سکتا سخی، تو كَرِيْمُ الْبَلَدِ یہ صفت کا صیغہ اپنے فاعل یا مفعول کی طرف مضاف نہیں ہے تو یہ بھی اضافتِ معنوی ہے، یہ بھی اضافتِ معنوی ہے۔ یا دوسری مثال لے لو اس سے اور بات واضح ہو گی: مُصَارِع، مُصَارِع کا معنی ہے، صَارَعَ يُصَارِعُ کا معنی پچھاڑنا، گرانا۔ کشتیوں کا جو کھیل ہے، کشتیوں کو عربی زبان میں مُصَارَعَة کہتے ہیں۔ کیا کہتے ہیں؟ مُصَارَعَة، جس میں دو پہلوان مقابلہ کرتے ہیں اور تو اس کھیل کو کیا کہتے ہیں؟ مُصَارَعَة۔ اس میں دیکھو ایک دوسرے کو پچھاڑنا ہوتا ہے ایک دوسرے کو گرانا ہوتا ہے، تو جو گرانے والا ہے، پچھاڑنے والا جو ہے وہ ہے مُصَارِع یعنی پہلوان کہہ لو، پہلوان۔ اب مثلاً میں کہتا ہوں: مُصَارِعُ زَيْدٍ، مُصَارِعُ زَيْدٍ زید کو پچھاڑنے والا۔ تو مُصَارِع صیغہ کون سا؟ اسمِ فاعل، صفت کا صیغہ ہے۔ اور مثلاً عمر ہے اس نے پچھاڑا تھا تو میں عمر کے بارے میں کیا کہتا ہوں: عَمْرٌو مُصَارِعُ زَيْدٍ، تو مُصَارِع صیغہ کون سا؟ صفت کا، اور کس کی طرف مضاف ہے؟ معمول کی طرف جس کو عمر نے پچھاڑا تھا یہ جو مفعول تھا اس کی طرف، تو مُصَارِعُ زَيْدٍ یہ کون سی اضافت ہوئی؟ اضافتِ لفظی۔ لیکن اگر میں مفعول کی جگہ ہٹا کر یہاں شہر لے آتا ہوں: مُصَارِعُ مِصْرٍ، شہر کا جو پہلوان ہے۔ اب یہ کون سی اضافت بن گئی؟ ہاں معنوی، کیونکہ صیغہ بے شک صفت کا ہے لیکن اپنے معمول کی طرف مضاف نہیں، اور معمول سے ہر معمول نہیں مراد کون سا معمول مراد ہے؟ فاعل یا مفعول بہ مراد ہے۔ تو معلوم ہوا اضافتِ لفظی میں کیا ضروری؟ صیغہ صفت کا ہو اور مضاف ہو اپنے معمول کی طرف، اور اضافتِ معنوی جو ایسی نہ ہو، چاہے صیغہ ہی صفت کا نہ ہو سرے سے جیسے غُلَامُ زَيْدٍ یہ بھی اضافتِ معنوی ہے، یا صیغہ تو صفت کا ہو لیکن اپنے معمول کی طرف مضاف نہ ہو جیسے مُصَارِعُ مِصْرٍ، مِصْر شہر کو کہتے ہیں، تو کسی شہر کا کوئی پہلوان تو یہ بھی اضافتِ معنوی ہے۔ بات سمجھ میں آ گئی؟ تو اضافتِ لفظی کس چیز کا فائدہ دیتی ہے؟ صرف لفظوں میں تخفیف کا فائدہ دیتی ہے، تعریف یا تخصیص کا فائدہ نہیں۔ جبکہ اضافتِ معنوی کس چیز کا فائدہ دیتی ہے؟ وہ تعریف یا تخصیص کا فائدہ دیتی ہے، اور وہاں تخفیف بھی آئے گی لفظوں میں لیکن اصل مقصود تعریف یا تخصیص ہوتی ہے وہاں پر اس لیے اس کو ذکر کرتے ہیں۔ بات سمجھ میں آ گئی؟

اب آئیے بھئی اس سارے کو شرح کے ساتھ حل کریں۔ کہتے ہیں: اَلْمَجْرُوْرَاتُ هُوَ مَا اشْتَمَلَ أَيِ اسْمٌ اشْتَمَلَ۔ متن

میں آیا: هُوَ مَا اشْتَمَلَ، هُوَ مَا اشْتَمَلَ۔ صاحبِ جامی فرما رہے ہیں: أَيِ اسْمٌ اشْتَمَلَ، بتلایا کہ مَا سے کیا مراد ہے؟ اسم، اسم ہے۔ اور معلوم ہوا یہ مَا موصوفہ ہے موصولہ نہیں، کیونکہ مَا موصولہ تو معرفہ ہوتا ہے تو اس صورت میں تو أَيِ اسْمٌ نہیں کہنا چاہیے تھا أَيِ الِاسْمُ الف لام کے ساتھ کہنا چاہیے تھا۔ میں نے بتایا تھا ایک مَا موصولہ ہوتا ہے وہ معرفہ ہوتا ہے اور ایک مَا موصوفہ ہوتا ہے وہ نکرہ ہوتا ہے۔ اور نیز یہ هُوَ مَا اشْتَمَلَ یہ مَا خبر ہے اور خبر کے اندر اصل کیا ہے؟ وہ نکرہ ہونی چاہیے، اس لیے اس کو مَا موصوفہ بنایا۔ اور نیز آپ کو بتائیں گے کہ بھئی مَا سے اسم کیوں مراد لیا؟ تو وجہ یہ کہ یہ اسم کی بحث چل رہی ہے: کون سے مرفوعات مراد تھے؟ اسم، اور اسی طرح منصوبات بھی کون سے مراد تھے؟ اسم، اور مجرورات بھی کون سے مراد ہیں؟ اسم، تو وہ اسم جو مرفوع، مجرور یا منصوب ہوتے ہیں ان کی بحث چل رہی ہے تو مَا سے مراد اسم ہے۔ اور نیز اس لیے کیونکہ وہ جو آخری حروف آتے ہیں کسی کلمے کے جن پر اعراب آتا ہے، عربی زبان کے اعتبار سے آپ ان کو بھی مرفوع، منصوب یا مجرور کہہ سکتے ہیں۔ مثلاً میں کہتا ہوں زَيْدٌ، تو عربی زبان کے اعتبار سے آپ کہہ سکتے ہیں یہ دال کیا ہے؟ اس وقت مرفوع ہے۔ زَيْدًا اس وقت یہ دال کیا ہے؟ منصوب ہے، یا زَيْدٍ اس وقت یہ دال کیا ہے؟ مجرور ہے۔ تو عربی زبان کے اعتبار سے تو آپ یہ جو آخری حرف ہوتے ہیں جن پر اعراب آتا ہے ان کو مرفوع، منصوب یا مجرور کہہ سکتے ہیں لیکن علمِ نحو کے اعتبار سے نہیں۔ علمِ نحو کے اندر مرفوع، منصوب اور مجرور یہ اسم کی صفت ہوتی ہے۔ آپ یوں نہیں کہیں گے زَيْدٌ کے اندر دال مرفوع ہے، بلکہ علمِ نحو میں آپ کہیں گے یہ زید کا پورا لفظ کیا ہے؟ مرفوع ہے، تو یہ زید کا لفظ مرفوع ہے۔ یا زَيْدًا یہ زید منصوب ہے، یا زَيْدٍ یہ زید کیا ہے؟ مجرور ہے۔ تو جب کہا هُوَ مَا اشْتَمَلَ، مَا کا مصداق بتلا دیا کہ مَا سے کیا مراد ہے؟ اسم، تو اس سے وہ حروف بھی نکل گئے جو آخر میں آتے ہیں۔ توجہ ہے؟ عربی زبان کے اعتبار سے زَيْدٌ آپ کہہ سکتے ہیں یہ دال کیا ہے؟ مرفوع ہے۔ یا زَيْدٍ یہ دال کیا ہے؟ مجرور ہے۔ تو آخری حرف جو محلِ اعراب ہوتا ہے اس کو بھی مرفوع، منصوب یا مجرور کہہ سکتے ہیں۔ لیکن جب بتلا دیا هُوَ مَا اشْتَمَلَ کہ مجرور وہ اسم ہے جو علامتِ مضاف الیہ پر مشتمل ہو۔ جب اسم کہا تو یہ آخری حروف نکل گئے تعریف سے۔ اور ان کو نکلنا ہی چاہیے کیونکہ علمِ نحو کی اصطلاح میں ان کو مرفوع، منصوب، مجرور نہیں کہتے۔ بات سمجھ میں آگئی؟

تو کہتے ہیں: هُوَ مَا اشْتَمَلَ أَيِ اسْمٌ اشْتَمَلَ یعنی وہ اسم جو مشتمل ہو لِتَخْرُجَ الْحُرُوْفُ الْأَوَاخِرُ تاکہ نکل جائیں وہ آخر کے حروف، وہ حروف جو آخر میں آتے ہیں، الَّتِيْ هِيَ مَحَلُّ الْإِعْرَابِ وہ جو اعراب کا محل ہوتے ہیں۔ وہ آخری حروف جو اعراب کا محل ہوتے ہیں تاکہ وہ نکل جائیں اس لیے مَا کا مصداق اسم ہے، اس سے ہر چیز مراد نہیں ہے۔ فَإِنَّهُ لَا يُطْلَقُ عَلَيْهَا الْمَرْفُوْعَاتُ وَالْمَنْصُوْبَاتُ وَالْمَجْرُوْرَاتُ اصْطِلَاحًا اس لیے کیونکہ وہ جو آخری حروف ہوتے ہیں ان پر مرفوعات، منصوبات اور مجرورات کا اطلاق نہیں کیا جاتا اصْطِلَاحًا اصطلاح میں یعنی علمِ نحو کی اصطلاح میں ان کو مرفوع، منصوب یا مجرور نہیں کہتے۔ ہاں عربی زبان کے اعتبار سے آپ کہہ سکتے ہیں، جی۔ تو لہٰذا ان کو مرفوع، منصوب اور مجرور نہیں کہتے

تو ان کو نکالنا ضروری ہے۔ تو جب ہم نے بتلا دیا کہ مَا کا مصداق اسم ہے، مَا سے مراد اسم ہے، تو اب وہ نکل گئے کیونکہ وہ تو اسم نہیں ہیں وہ تو حروف ہیں بھئی۔ تو کہتے ہیں فَإِنَّهُ لَا يُطْلَقُ عَلَيْهَا الْمَرْفُوْعَاتُ وَالْمَنْصُوْبَاتُ وَالْمَجْرُوْرَاتُ اصْطِلَاحًا اس لیے کیونکہ ان پر مرفوعات، منصوبات اور مجرورات کا اطلاق نہیں کیا جاتا اصطلاح کے اندر لِأَنَّهَا أَقْسَامُ الِاسْمِ اس لیے کیونکہ وہ کس کی اقسام ہیں؟ اسم کی اقسام ہیں۔ مرفوعات، منصوبات اور مجرورات یہ تو اسم کی اقسام ہیں حروف کی اقسام نہیں ہیں بھئی۔

عَلٰى عَلَمِ الْمُضَافِ إِلَيْهِ أَيْ عَلَامَةِ الْمُضَافِ إِلَيْهِ، بتلا دیا عَلَم سے کیا مراد ہے؟ علامت۔ یعنی جو مشتمل ہو أَيْ عَلَامَةِ الْمُضَافِ إِلَيْهِ مضاف الیہ کی علامت پر مِنْ حَيْثُ هُوَ مُضَافٌ إِلَيْهِ اس حیثیت سے کہ وہ مضاف الیہ ہو۔ توجہ سے سنو: مجرور وہ ہے جو مضاف الیہ کی علامت پر مشتمل ہو، اور مضاف الیہ کی علامت سے کیا مراد ہے؟ وہ علامت جو مضاف الیہ پر مضاف الیہ ہونے کے اعتبار سے آتی ہے اس کی ذات کے اعتبار سے نہیں۔ جیسے مَرَرْتُ بِزَيْدٍ، یا جیسے غُلَامُ زَيْدٍ۔ غُلَامُ زَيْدٍ، یہ زید کیا ہے؟ مجرور ہے، توجہ ہے؟ اور اس پر یہ جو جر آیا ہے یہ کس وجہ سے آیا ہے؟ مضاف الیہ ہونے کی حیثیت سے آیا ہے۔ غُلَامُ زَيْدٍ، یہ زید ہر جگہ اس پر جر آتا ہے یا یہاں پر اس پر جر آیا ہے؟ یہاں جر آیا ہے۔ کیوں جر آیا ہے؟ مضاف الیہ ہونے کی حیثیت سے کیونکہ یہ مضاف الیہ ہے بھئی۔ تو بتلایا مضاف الیہ کی علامت، مضاف الیہ کی علامت یہ کہ یعنی اس کی ذات کی علامت مراد نہیں ہے بلکہ مضاف الیہ ہونے کے اعتبار سے اس کی علامت مراد ہے۔ بات سمجھ میں آ رہی ہے؟ آگے میں اور تفصیل بھی کرتا ہوں دیکھیے بھئی۔

کہتے ہیں: أَيْ عَلَامَةِ الْمُضَافِ إِلَيْهِ مِنْ حَيْثُ هُوَ مُضَافٌ إِلَيْهِ یعنی مضاف الیہ کی علامت اس حیثیت سے کہ وہ مضاف الیہ ہو يَعْنِي الْجَرَّ، مضاف الیہ کی علامت کیا ہے؟ مضاف الیہ کی علامت مضاف الیہ ہونے کے اعتبار سے وہ جر ہے، سَوَاءٌ كَانَ بِالْكَسْرَةِ برابر ہے کہ وہ جر کس کے ساتھ آئے؟ کسرہ کے ساتھ آئے، أَوِ الْفَتْحَةِ یا فتحہ کے ساتھ آئے، أَوِ الْيَاءِ یا یا کے ساتھ آئے، لَفْظًا أَوْ تَقْدِيْرًا اور چاہے لفظاً ہو چاہے تقدیراً ہو۔ توجہ سے سمجھو بھئی: تو وہ جر جو ہے کبھی کسرہ کے ساتھ آئے گا، کبھی فتحہ کے ساتھ اور کبھی یا کے ساتھ۔ جر کی تین ہی صورتیں ہیں۔ لَفْظًا أَوْ تَقْدِيْرًا اور یہ تینوں پھر کبھی لفظاً ہوں گے اور کبھی تقدیراً ہوں گے۔ یہ توجہ سے سمجھ لو: لفظاً کبھی ہوں گے یعنی ان پر باقاعدہ تلفظ ہو گا، اور کبھی یہ تقدیراً ہوں گے۔ یہ کسرہ، فتحہ اور یا کبھی کیا ہوں گے؟ تقدیراً، کبھی لفظاً ہوں گے اور کبھی تقدیراً۔ دیکھو غُلَامُ زَيْدٍ، غُلَام مضاف زَيْدٍ مضاف الیہ، اور مضاف الیہ پر کسرہ ہے اور لفظاً ہے، میں اس پر تلفظ کر رہا ہوں۔ اور کبھی یہ کسرہ تقدیراً ہو گا: غُلَامُ عِيْسٰى، عِيْسٰى کیا ہے؟ اسمِ مقصور ہے، اور اسمِ مقصور پر رفع، نصب، جر تینوں تقدیراً آتے ہیں۔ تو غُلَامُ عِيْسٰى یہ عِيْسٰى کیا ہے؟ مضاف الیہ ہے، مجرور ہے اور کسرہ کے ساتھ مجرور ہے لیکن یہ کسرہ تقدیراً ہے۔ تو کسرہ کبھی لفظاً آئے گا جیسے غُلَامُ

زَيْدٍ، اور کسرہ کبھی تقدیراً آئے گا جیسے غُلَامُ عِيْسٰى۔ یا دوسری مثال لے لو: غُلَامُ الْقَاضِيْ، غُلَامُ الْقَاضِيْ، قَاضِيْ پر رفع بھی تقدیراً آتا ہے اور جر بھی تقدیراً، تو الْقَاضِيْ مضاف الیہ ہے اور کسرہ تقدیراً ہے۔

اب فتحہ کی مثال سمجھ لو: فتحہ کبھی لفظاً ہو گا جیسے غُلَامُ أَحْمَدَ، یا یوں کہو غُلَامُ عُمَرَ، غُلَامُ عُمَرَ، یا عمر مضاف الیہ ہے مجرور ہے لیکن اس کا جر آتا ہی کس کے ساتھ ہے؟ فتحہ کے ساتھ، تو یہ فتحہ لفظوں میں ہے۔ اور کبھی یہ فتحہ تقدیراً ہو گا جیسے غُلَامُ حُبْلٰى، حُبْلٰى کا معنی حاملہ، حاملہ عورت بھئی۔ غُلَامُ حُبْلٰى حاملہ عورت کا غلام۔ اور یہ حُبْلٰى کیا ہے؟ یہ غیر منصرف ہے، یہ غیر منصرف ہے کیونکہ آپ نے پڑھا ہے کہ یہ جو الفِ تانیث ہے یہ دو سببوں کے قائم مقام ہوتا ہے چاہے الفِ ممدودہ ہو چاہے الفِ مقصورہ، تو یہ خود دو سببوں کے قائم مقام ہے، تو حُبْلٰى کے اندر یہ تانیث والا الف آگیا تو یہ حُبْلٰى کیا ہے؟ غیر منصرف ہے یہ دو سببوں کے قائم مقام ہے۔ اور غیر منصرف پر جر کس کے ساتھ آتا ہے؟ فتحہ کے ساتھ، اور یہاں فتحہ تقدیراً آرہا ہے لفظاً نہیں ہے۔ تو فتحہ کبھی لفظاً ہو گا جیسے غُلَامُ عُمَرَ، اور کبھی فتحہ تقدیراً ہو گا جیسے غُلَامُ حُبْلٰى۔

اور کبھی کبھار جر یا کے ساتھ آئے گا، اور وہ یا لفظوں میں ہو گی جیسے غُلَامُ أَبِيْكَ، یا أَبِيْ کیا ہے؟ اسمائے ستہ مکبرہ موحدہ مضافہ الی غیر یاء المتکلم، لہٰذا اس کا جر یا کے ساتھ آیا، غُلَامُ أَبِيْكَ دیکھو یا پڑھ رہا ہوں میں، تو یہ یا لفظوں میں ہے میں اس پر تلفظ کر رہا ہوں۔ غُلَامُ أَبِيْكَ، اگر یا نہ ہوتی تو میں کیسے پڑھتا؟ غُلَامُ أَبِكَ، أَبِكَ، لیکن میں کیا پڑھ رہا ہوں؟ أَبِيْكَ دیکھو یا کو پڑھ رہا ہوں، تو یہ یا لفظاً ہے۔ اور کبھی یہی یا تقدیراً ہو گی جب آپ اسی اسمائے ستہ مکبرہ موحدہ مضافہ الی غیر یاء المتکلم اس میں مضاف الیہ آپ معرف باللام لے آئیں، معرف باللام لے آؤ الْحَسَن لے آؤ: غُلَامُ أَبِي الْحَسَنِ، غُلَامُ أَبِي الْحَسَنِ، غُلَام مضاف أَبِيْ مضاف الیہ ہے، اور أَبِيْ کی اضافت کس کی طرف ہو رہی ہے؟ الْحَسَنِ معرف باللام کی طرف۔ اور دیکھو اس صورت میں یہ یا گر گئی اجتماعِ ساکنین کی وجہ سے، کیونکہ أَبِيْ کے آخر میں یا بھی ساکن، الْحَسَنِ کے شروع سے ہمزہ وصلی ہے وہ تو گر جائے گا آگے لام بھی ساکن، یا بھی ساکن اور لام بھی ساکن، تو اجتماعِ ساکنین علی غیر حدہ آیا، اور اجتماعِ ساکنین علی غیر حدہ میں اگر اول حرفِ مدہ ہو وہ گر جاتا ہے، اور حرفِ مدہ کسے کہتے ہیں؟ کہ الف سے پہلے فتحہ ہو، واو سے پہلے ضمہ ہو، یا سے پہلے کسرہ، تو یہاں بھی أَبِيْ یہ یا کیا ہے؟ حرفِ مدہ ہے تو یہ گر گئی، تو کیسے پڑھیں گے؟ أَبِي الْحَسَنِ، غُلَامُ أَبِي الْحَسَنِ۔ اگر یا کے اوپر تلفظ کریں تو کیسے کریں گے؟ أَبِيْ لْحَسَنِ، لیکن میں أَبِيْ لْحَسَنِ تو نہیں پڑھ رہا میں تو أَبِ الْحَسَنِ پڑھ رہا ہوں یا گر چکی ہے: غُلَامُ أَبِ الْحَسَنِ۔ تو اب یہ أَبِيْ مجرور ہے، مجرور ہے یا کے ساتھ اور یا اس وقت گر چکی ہے تو یا تقدیراً ہے یہاں۔ تو یہ مجرور ہے تقدیر یا کے ساتھ: غُلَامُ أَبِ الْحَسَنِ۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ غُلَامُ أَبِيْكَ یہ یا لفظاً ہے اور غُلَامُ أَبِ الْحَسَنِ یہ یا تقدیراً ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو یہ معنی ہے کہ سَوَاءٌ كَانَ بِالْكَسْرَةِ أَوِ الْفَتْحَةِ أَوِ الْيَاءِ کہ وہ جر چاہے کسرہ کے ساتھ ہو یا فتحہ کے ساتھ ہو یا یا کے ساتھ ہو لَفْظًا أَوْ تَقْدِيْرًا اور چاہے لفظاً ہو یا تقدیراً۔

وَإِنَّمَا قُلْنَا مِنْ حَيْثُ هُوَ مُضَافٌ إِلَيْهِ، صاحبِ جامی فرماتے ہیں کہ ہم نے مضاف الیہ کے ساتھ مِنْ حَيْثُ هُوَ مُضَافٌ إِلَيْهِ کی قید لگائی۔ ادھر دیکھیے، انہوں نے کیا کہا تھا صاحبِ کافیہ نے؟ مجرور وہ ہے جو مضاف الیہ کی علامت پر مشتمل ہو۔ اور صاحبِ جامی نے بتلایا مضاف الیہ کی علامت، مضاف الیہ ہونے کی حیثیت سے۔ مضاف الیہ کی علامت مضاف الیہ ہونے کی حیثیت سے جو ہے وہ علامت۔ وجہ یہ کہ یہ جو مضاف الیہ پر جر آتا ہے یہ مضاف الیہ ہونے کی حیثیت سے آتا ہے، اس کی ذات کے اعتبار سے نہیں۔ جیسے دیکھو غُلَامُ هٰؤُلَاءِ، غُلَامُ هٰؤُلَاءِ، غُلَام مضاف هٰؤُلَاءِ مضاف الیہ، اور هٰؤُلَاءِ اسمِ اشارہ ہے قریب کے لیے جمع کے لیے۔ هٰؤُلَاءِ یہ سب، غُلَامُ هٰؤُلَاءِ ان سب کا غلام۔ تو هٰؤُلَاءِ دیکھو اس پر بھی کسرہ آرہا ہے، یہ مبنی علی الکسر ہے، یہ اسمِ اشارہ ہے اور اسمِ اشارہ کس میں سے ہے؟ مبنیات میں سے۔ لہٰذا آپ اس کو جہاں بھی لے جائیں جہاں بھی استعمال کر لیں، چاہے مقامِ رفع ہو، چاہے مقامِ نصب ہو، چاہے مقامِ جر ہو، ہر جگہ اس پر یہ کسرہ ہی آئے گا: جَاءَ هٰؤُلَاءِ اس وقت فاعل ہے هٰؤُلَاءِ، جَاءَ هٰؤُلَاءِ لیکن پھر بھی کسرہ ہے؛ رَأَيْتُ هٰؤُلَاءِ اس وقت مفعول ہے لیکن پھر بھی کسرہ ہے؛ اور مَرَرْتُ بِهٰؤُلَاءِ اس وقت مجرور ہے پھر بھی کیا ہے؟ کسرہ۔ تو یہ جو کسرہ ہے یہ اس کی ذات کی علامت ہے بھئی، یہ اس کے ذات کے ساتھ ہی جڑا ہوا ہے، یہ کوئی مضاف الیہ ہونے کی حیثیت سے اس پر نہیں آیا۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو یہ کسرہ نہیں ہے جو کسی کی ذات کا حصہ ہو، بلکہ مراد وہ کسرہ ہے جو کس حیثیت سے آئے؟ مضاف الیہ ہونے کی حیثیت سے آئے۔ جیسے زید، اب زید پر رفع بھی آتا ہے، نصب بھی آتا ہے، جر بھی آتا ہے، تو اس پر جو جر آتا ہے وہ کس اعتبار سے آتا ہے؟ مضاف الیہ ہونے کی حیثیت سے آتا ہے: غُلَامُ زَيْدٍ، یہ جو جر آیا زید پر یہ جو کسرہ آیا یہ مضاف الیہ ہونے کی حیثیت سے آیا ہے اس کی اپنی ذات کی حیثیت سے نہیں، اگر اس کی ذات کی حیثیت سے ہوتا پھر تو ہر جگہ اس پر کسرہ ہوتا لیکن ہر جگہ تو کسرہ نہیں ہوتا، فاعل ہو پھر تو رفع ہوتا ہے: جَاءَ زَيْدٌ، مفعول ہو تو منصوب ہوتا ہے: رَأَيْتُ زَيْدًا، ہاں مضاف الیہ ہو تب اس پر کسرہ آتا ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو ہم نے کیا کہا؟ وہ جو مضاف الیہ کی علامت ہے اس کی ذات کے اعتبار سے نہیں بلکہ اس کے مضاف الیہ ہونے کی حیثیت سے جو اس کی علامت ہے۔ تو کہتے ہیں وَإِنَّمَا قُلْنَا مِنْ حَيْثُ هُوَ مُضَافٌ إِلَيْهِ اور کہتے ہیں ہم نے مِنْ حَيْثُ هُوَ مُضَافٌ إِلَيْهِ کہا لِأَنَّ الْجَرَّ لَيْسَ عَلَامَةً لِذَاتِ الْمُضَافِ إِلَيْهِ اس لیے کیونکہ جر جو ہے وہ مضاف الیہ کی ذات کی علامت نہیں ہے، بَلْ لِحَيْثِيَّةِ كَوْنِهِ مُضَافًا إِلَيْهِ بلکہ اس حیثیت سے کہ وہ مضاف الیہ ہے، اس حیثیت سے جر اس پر آتا ہے، اس حیثیت سے اس کی علامت ہے کہ وہ اس صفت کے ساتھ موصوف ہے بھئی۔

آگے دیکھیے: وَالْمُضَافُ إِلَيْهِ وَإِنْ كَانَ مُخْتَصًّا بِمَا عَرَّفَهُ بِهِ لٰكِنَّ الْمُشْتَمِلَ عَلٰى عَلَامَتِهِ أَعَمُّ مِنْهُ وَمِمَّا هُوَ مُشَبَّهٌ بِهِ. بھئی دیکھیے، ابھی آگے آپ نے مضاف الیہ کی تعریف پڑھی۔ صاحبِ کافیہ نے کیا بتلایا؟ مضاف الیہ وہ اسم ہے جس کی طرف کسی چیز کی نسبت کی جائے کس کے واسطے سے؟ حرفِ جر کے واسطے سے، اور وہ حرفِ جر کبھی لفظوں میں ہوگا اور کبھی تقدیراً ہوگا لیکن مراد ہوگا اس کا ارادہ کیا گیا ہوگا۔ اور یاد رکھو یہ جو حرفِ جر یہاں ذکر ہوا اس سے حرفِ جر زائد نہیں مراد،

وہ حرفِ جر ہے جو اپنے معنی کا فائدہ بھی دے، وہ حرفِ جر ہے جو اپنے معنی کا فائدہ بھی دے۔ بعض اوقات حرفِ جر زائد آجاتا ہے کلام کے اندر، وہ صرف کلام میں تاکید پیدا کرتا ہے اور حسن پیدا کرتا ہے، وہ اپنے معنی کا فائدہ نہیں دیتا۔ جیسے كَفٰى بِاللّٰهِ، كَفٰى بِاللّٰهِ۔ یاد رکھو كَفٰى فعل ہے اور با جارہ زائدہ ہے، اور لفظِ اللہ یہ كَفٰى کے لیے فاعل ہے بھئی، لفظِ اللہ كَفٰى کے لیے فاعل ہے۔ تو یہ جو با ہے یہ جارہ ہے زائدہ ہے، یہ لفظِ اللہ کو جر تو دے رہی ہے لیکن محلاً یہ لفظِ اللہ مرفوع ہے، فاعل ہے۔ تو یہاں با نے اپنے معنی کا کوئی فائدہ دیا؟ یہاں با نے اپنے معنی کا کوئی فائدہ نہیں دیا۔ یا دوسری مثال لے لو جس میں با زائدہ نہ ہو، مثلاً میں کہتا ہوں: ضَرَبْتُ زَيْدًا بِالْعَصَا، ضَرَبْتُ زَيْدًا بِالْعَصَا۔ ضَرَبْتُ زَيْدًا میں نے زید کی پٹائی کی بِالْعَصَا کس کے ذریعے؟ لاٹھی کے ذریعے۔ یہاں یہ با اپنے معنی کا فائدہ دے رہی ہے، ضَرَبْتُ فعل کی نسبت ہو رہی ہے اس الْعَصَا کی طرف کس کے واسطے سے؟ با کے واسطے سے۔ کس کے واسطے سے؟ با کے واسطے سے۔ اگر یہ با نہ ہو یہاں تو الْعَصَا کو ہم ضَرَبْتُ سے جوڑ ہی نہیں سکتے، تو میں الْعَصَا کی طرف ضَرَبْتُ کی نسبت کرنا چاہتا تھا، براہِ راست نسبت کر نہیں سکتا تھا کیونکہ ضَرَبْتُ ایک مفعول چاہتا ہے اور زَيْدًا ضَرَبْتُ زَيْدًا ایک مفعول پیچھے آچکا ہے، لیکن میں الْعَصَا کو بھی مفعول بنانا چاہتا تھا میں اس کے ساتھ بھی ضَرَبْتُ کو جوڑنا چاہتا تھا تو پھر حروفِ جارہ کا سہارا لیتے ہیں۔ تو پھر جب میں براہِ راست الْعَصَا کو ضَرَبْتُ سے نہیں جوڑ سکتا تھا تو پھر میں نے با کا سہارا لیا اور کیا کہا؟ ضَرَبْتُ زَيْدًا بِالْعَصَا، تو دیکھو اب ضَرَبْتُ کا معنی الْعَصَا تک پہنچ گیا کس کے واسطے سے؟ با کے واسطے سے۔ تو یہ جو الْعَصَا ہے یہ ہے وہ جو تعریف کی تھی مضاف الیہ وہ ہے: ضَرَبْتُ بِالْعَصَا، ذرا اس الْعَصَا پہ نظر رکھنا: الْعَصَا وہ اسم ہے كُلُّ اسْمٍ نُسِبَ إِلَيْهِ شَيْءٌ، یہ وہ اسم ہے جس کی طرف ایک چیز یعنی ضَرَبْتُ کی نسبت کی جا رہی ہے بِوَاسِطَةِ حَرْفِ الْجَرِّ کس کے واسطے سے؟ حرفِ جر کے واسطے سے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو یہ اس وقت ہوگا جب حرفِ جر اپنے معنی کا فائدہ دے رہا ہو۔ اور اگر زائد ہے پھر تو زائد تو زائد ہوتا ہے اس کو آپ نکال بھی سکتے ہیں، ہٹا بھی سکتے ہیں، جیسے كَفٰى بِاللّٰهِ، یہ با زائد ہے آپ چاہیں اس کو ہٹا دیں: كَفَى اللّٰهُ، آپ یوں بھی کہہ سکتے ہیں، جی۔ ہاں، معلوم ہوا با نے کوئی فائدہ دیا؟ كَفٰى کا معنی لفظِ اللہ تک پہنچانے کا فائدہ دیا یا اس کے بغیر بھی اسناد ہو سکتا تھا؟ اس کے بغیر بھی اسناد ہو سکتا ہے۔

تو یہ جو حروفِ جارہ زائدہ ہیں یاد رکھو یہ اس تعریف مضاف الیہ کی تعریف میں داخل نہیں، یہ مضاف الیہ نہیں، یہ مضاف الیہ نہیں۔ کیونکہ مضاف الیہ تو کسے کہتے ہیں؟ ہر وہ اسم جس کی طرف کسی چیز کی نسبت کی جائے کس کے واسطے سے؟ حرفِ جر کے واسطے سے، اور یہاں حرفِ جر کی ضرورت ہی نہیں ہے ویسے ہی لے کر آئے ہیں: كَفَى اللّٰهُ آپ کہہ سکتے ہیں۔ توجہ ہے؟ تو لہٰذا یہ با جو حروفِ جارہ زائدہ ہیں، انہوں نے جو تعریف کی مضاف الیہ کسے کہتے ہیں؟ ہر وہ اسم جس کی طرف کسی چیز کی نسبت کی جائے بواسطہ حرفِ جر کے، اس تعریف سے یہ جن پر حروفِ جارہ زائدہ داخل ہوتے ہیں وہ نکل گئے: كَفٰى بِاللّٰهِ، یہ لفظِ اللہ کی طرف جو كَفٰى کی نسبت ہو رہی ہے کس کے واسطے سے؟ با، کہتے ہیں یہ با کوئی فائدہ نہیں دے رہا، اس با کی کوئی حاجت نہیں ہے، آپ براہِ راست بھی نسبت کر سکتے ہیں۔ اور یہاں تو مضاف الیہ میں کیا ضروری

تھا؟ حرفِ جر ضروری ہے یا لفظاً ہو یا تقدیراً ہو اور وہ اپنے معنی کا بھی فائدہ دے رہا ہو، لیکن یہاں پر یہ اپنے معنی کا فائدہ نہیں دے رہا، لہٰذا یہ جو انہوں نے تعریف کی اس کے مطابق یہ مضاف الیہ نہیں۔ كَفٰى بِاللّٰهِ، یہ لفظِ اللہ مضاف الیہ نہیں اس تعریف کے مطابق کیونکہ یہ با کیا ہے؟ زائدہ ہے، یہ نسبت کا فائدہ نہیں دے رہی۔

كَفٰى بِاللّٰهِ یہ با کس پر داخل ہوئی ہے؟ فاعل پر۔ دوسری مثال لے لو با جارہ زائدہ کی: بِحَسْبِكَ دِرْهَمٌ، بِحَسْبِكَ دِرْهَمٌ، یہ با جارہ زائدہ ہے اور یہ مبتدا پر داخل ہو رہی ہے۔ بِحَسْبِكَ، اصل میں یوں ہے: حَسْبُكَ دِرْهَمٌ، حَسْبُكَ آپ کے لیے کافی ہے دِرْهَمٌ ایک درہم۔ آپ کسی کو ایک درہم دیتے ہوئے کیا کہتے ہیں؟ حَسْبُكَ دِرْهَمٌ آپ کے لیے ایک درہم کافی ہے۔ لیکن عربی میں کبھی اس پر با جارہ زائدہ بھی لے آتے ہیں اور کیا کہہ دیتے ہیں؟ بِحَسْبِكَ دِرْهَمٌ، یہ با جارہ زائدہ ہے، یہ فائدہ نہیں دے رہی، یہ صرف کلام میں حسن پیدا کر رہی ہے اور تاکید پیدا کر رہی ہے۔ تو مضاف الیہ کی تعریف سے یہ نکل گئے، وہ جو مجرور ہیں حروفِ جارہ زائدہ کے ذریعے وہ کیا ہو گئے؟ اس مضاف الیہ کی تعریف سے نکل گئے، یہ مضاف الیہ نہیں ہیں جن پر با داخل ہوئی ہے۔ كَفٰى بِاللّٰهِ یہ لفظِ اللہ مضاف الیہ نہیں، بِحَسْبِكَ یہ حَسْبُكَ یہ مضاف الیہ نہیں۔ ہاں ان کو مشابہ مضاف الیہ کہتے ہیں، یہ مضاف الیہ کے مشابہ ہیں: جیسے مضاف الیہ پر بھی حروفِ جارہ داخل ہوتے ہیں ان پر بھی کیا داخل ہیں؟ حروفِ جارہ داخل ہیں، تو یہ مضاف الیہ کے مشابہ ہیں۔ بات سمجھ میں آگئی؟ معلوم ہوا یہ مضاف الیہ کی تعریف میں یہ جو حروفِ جارہ زائدہ جن لفظوں پر داخل ہوتے ہیں وہ مضاف الیہ نہیں بلکہ وہ کیا ہیں؟ مشابہ مضاف الیہ ہیں، مضاف الیہ کے مشابہ تو ہیں لیکن مضاف الیہ نہیں۔

اسی طرح یاد رکھو آپ نے پڑھا اضافت دو قسم پر ہے: ایک اضافتِ لفظی اور ایک اضافتِ معنوی۔ یاد رکھو اضافتِ معنوی کے اندر تو حرفِ جر مقدر ہوتا ہے، توجہ سے سن لو گہری بات کر رہا ہوں: اضافتِ معنوی میں تو حرفِ جر مقدر ہوتا ہے: غُلَامُ زَيْدٍ اصل میں کیا ہے؟ غُلَامٌ لِزَيْدٍ، اور غُلَامُ رَجُلٍ اصل میں کیا ہے؟ غُلَامٌ لِرَجُلٍ، تو اضافتِ معنوی کے اندر تو لام حرفِ جر مقدر ہوتا ہے۔ لیکن اضافتِ لفظی کے اندر حرفِ جر مقدر نہیں ہوتا۔ ابھی مثال آپ کے سامنے میں نے ذکر کی: زَيْدٌ ضَارِبُ عَمْرًا، زَيْدٌ ضَارِبُ عَمْرًا، تو ضَارِبُ عَمْرًا کے اندر عمل کر رہا ہے، اور براہِ راست عمل کر رہا ہے، درمیان میں کسی حرفِ جر کی ضرورت... حرفِ جر کی ضرورت تو تب پیش آتی ہے نا جب فعل یا شبہ فعل ایک چیز میں براہِ راست عمل نہ کر سکے: ضَرَبْتُ زَيْدًا بِالْعَصَا، یہ ضَرَبْتُ کو میں عامل بنانا چاہتا تھا الْعَصَا میں، براہِ راست عمل نہیں ہو سکتا تھا تو میں نے کس کی مدد لے لی؟ با حرفِ جر کی۔ توجہ ہے؟ تو حرفِ جر کی مدد تو تب لی جاتی ہے جب کوئی فعل یا شبہ فعل کسی چیز میں براہِ راست عمل نہ کر سکے بھئی۔ تو یہاں پر زَيْدٌ ضَارِبُ عَمْرًا یہ ضَارِبُ تو براہِ راست عَمْرًا کے اندر عمل کر رہا ہے، لہٰذا کسی حرفِ جر کی ضرورت ہے؟ کسی حرفِ جر کی ضرورت نہیں، اور پھر اسی کی طرف آپ نے اضافت بھی کر دی: زَيْدٌ ضَارِبُ عَمْرٍو، تو اضافت کر دی تو یہاں کوئی حرفِ جر مقدر نہیں ہے، یہاں... معلوم ہوا اضافتِ معنوی میں تو حرفِ جر مقدر

ہوتا ہے لیکن اضافتِ لفظی کے اندر حرفِ جر مقدر نہیں ہوتا۔ تو وہ بھی مضاف الیہ کی تعریف سے نکل گیا کیونکہ مضاف الیہ کی تعریف کیا کی انہوں نے؟ کہ جہاں حرفِ جر لفظوں میں ہو گا یا تقدیراً ہو گا، اور یہاں تو حرفِ جر تقدیراً بھی نہیں ہے۔ توجہ ہے؟

کیا بات ہوئی؟ کہ انہوں نے کہا کہ مجرور وہ ہے جو کس کی علامت پر مشتمل ہو؟ مضاف الیہ کی علامت پر مشتمل ہو۔ اور مضاف الیہ کی تعریف کیا کی؟ کہ مضاف الیہ وہ اسم ہے کہ جس کی طرف کسی چیز کی نسبت کی جائے کس کے واسطے سے؟ حرفِ جر کے واسطے سے، اور وہ کبھی لفظوں میں ہو گا اور کبھی تقدیراً ہو گا، تو وہ حرفِ جر اپنے معنی کا فائدہ دے رہا ہوتا ہے۔ تو حروفِ جارہ زائدہ جن لفظوں پر داخل ہوتے ہیں جیسے كَفٰى بِاللّٰهِ اس لفظِ اللہ پر با جارہ داخل ہے لیکن یہ با جارہ زائدہ ہے، یہ اپنے معنی کا فائدہ نہیں دے رہا، یہ كَفٰى کا معنی لفظِ اللہ تک نہیں پہنچا رہا، یہ نہ ہوتا پھر بھی كَفٰى کا اسناد لفظِ اللہ کی طرف صحیح تھا، لہٰذا یہ لفظِ اللہ اس پر حرفِ جر داخل تو ہے لیکن یہ مضاف الیہ نہیں۔ اسی طرح بِحَسْبِكَ دِرْهَمٌ یہ حَسْبُكَ پر با جارہ داخل ہے لیکن یہ اپنے معنی کا فائدہ نہیں دے رہی لہٰذا یہ بھی مضاف الیہ کی تعریف سے خارج۔ تو میں نے بتایا یہ کیا ہیں؟ مشابہ مضاف الیہ تو ہیں لیکن مضاف الیہ نہیں۔ اور نیز اضافتِ لفظی بھی اس سے خارج ہو گئی کیونکہ مضاف الیہ میں کیا کہا تھا؟ مضاف الیہ وہ ہے کہ جہاں لفظوں میں حرفِ جر ہو گا یا تقدیراً ہو گا، اور اضافتِ لفظی کے اندر ضَارِبُ عَمْرٍ یہاں پر کوئی حرفِ جر تقدیراً نہیں تو یہ بھی مضاف الیہ کی تعریف سے خارج ہو گیا۔ بات سمجھ میں آگئی؟ معلوم ہوا مجرور، مجرور مضاف الیہ بھی مجرور ہوتا ہے، توجہ ہے؟ مضاف الیہ بھی کیا ہوتا ہے جو آگے انہوں نے تعریف کر کی تھی؟ وہ بھی مجرور ہوتا ہے، مشابہ مضاف الیہ بھی کیا ہوتا ہے؟ مجرور، اور جو مضاف الیہ ہے ہی نہیں سرے سے یعنی مضاف الیہ باضافتِ لفظی وہ بھی مجرور ہوتا ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ معلوم ہوا یہ سب مجرور ہیں۔

تو اسی لیے، اسی لیے صاحبِ کافیہ نے کیا تعریف کی مجرور کی؟ کیا تعریف کی؟ هُوَ مَا اشْتَمَلَ عَلٰى عَلَمِ الْمُضَافِ إِلَيْهِ، مجرور وہ ہے جو مضاف الیہ کی علامت پر مشتمل ہو۔ وہ یوں بھی کہہ سکتے تھے ادھر دیکھو، صاحبِ کافیہ یوں بھی کہہ سکتے تھے: مجرور کیا ہے؟ وہ کہتے مضاف الیہ ہے، مجرور کیا ہے؟ اور مجھے بتائیے صرف مضاف الیہ مجرور ہے یا اور بھی چیزیں مجرور ہیں؟ لہٰذا اس لیے یہ نہیں کہا کہ مجرور وہ ہے جو مضاف الیہ ہو، بلکہ وہ ہے جو مضاف الیہ کی علامت پر مشتمل ہو، چاہے مضاف الیہ ہو یا نہ ہو۔ تو اس میں وہ جو جن پر حروفِ جارہ زائدہ ہیں وہ بھی داخل ہو گئے اور وہ جو مضاف الیہ ہے باضافتِ لفظی وہ بھی داخل ہو گیا۔ بات سمجھ میں آگئی؟ دیکھیے بھئی۔

تو کہتے ہیں: وَالْمُضَافُ إِلَيْهِ اور مضاف الیہ جو ہے وَإِنْ كَانَ مُخْتَصًّا بِمَا عَرَّفَهُ بِهِ اگرچہ مضاف الیہ وہ خاص ہے اس کے ساتھ جس کے ساتھ مصنف نے اس کی تعریف کی، مصنف نے جو آگے تعریف کی مضاف الیہ کسے کہتے ہیں؟ ہر وہ اسم جس کی طرف کسی چیز کی نسبت کی جائے بواسطہ حرفِ جر کے، لفظاً ہو گا یا تقدیراً۔ اگرچہ مضاف الیہ وہ خاص ہے

اس کے ساتھ جس کے ساتھ مصنف نے اس کی تعریف کی ہے، لٰكِنَّ الْمُشْتَمِلَ عَلٰى عَلَامَتِهِ أَعَمُّ مِنْهُ لیکن وہ جو مشتمل ہوتا ہے مضاف الیہ کی علامت پر أَعَمُّ مِنْهُ وہ مضاف الیہ سے عام ہے وَمِمَّا هُوَ مُشَبَّهٌ بِهِ اور نیز وہ عام ہے اس سے جو مشابہ مضاف الیہ ہو۔ ادھر دیکھیے: ایک ہے مضاف الیہ وہ جس میں حرفِ جر لفظوں میں ہو یا تقدیراً، اور ایک مشابہ مضاف الیہ ہے، توجہ ہے؟ اور ایک وہ مضاف الیہ ہے جو باضافتِ لفظی ہے۔ تو دیکھیے یہ جو جر ہے یہ صرف مضاف الیہ کے ساتھ خاص نہیں وہ جو آگے انہوں نے تعریف کی، بلکہ یہ علامت عام ہے، یہ علامت عام: یہ مضاف الیہ میں بھی پائی جاتی ہے، مشابہ مضاف الیہ میں بھی پائی جاتی ہے، اور وہ جو مضاف الیہ ہوتا ہے باضافتِ لفظی اس میں بھی پائی جاتی ہے، یہی بیان کر رہے ہیں۔

کہتے ہیں: لٰكِنَّ الْمُشْتَمِلَ عَلٰى عَلَامَتِهِ لیکن وہ اسم جو مضاف الیہ کی علامت پر مشتمل ہوتا ہے أَعَمُّ مِنْهُ وہ مضاف الیہ سے بھی عام ہے وَمِمَّا هُوَ مُشَبَّهٌ بِهِ اور وہ جو مشابہ مضاف الیہ ہے اس سے بھی عام ہے، فَيَدْخُلُ فِيْ تَعْرِيْفِ الْمَجْرُوْرِ لہٰذا مجرور کی تعریف میں داخل ہو گئے مِثْلُ بِحَسْبِكَ دِرْهَمٌ اس کے اندر یہ جو با جارہ زائدہ مبتدا پر داخل ہو رہی ہے یہ بھی اس کے اندر، یہ بِحَسْبِكَ مجرور تو ہے اگرچہ مضاف الیہ نہیں۔ اسی طرح وَكَفٰى بِاللّٰهِ اس میں بھی لفظِ اللہ مجرور ہے اگرچہ مضاف الیہ نہیں۔ تو کہتے ہیں فَيَدْخُلُ فِيْ تَعْرِيْفِ الْمَجْرُوْرِ تو مجرور کی تعریف میں داخل ہو گئے مِثْلُ بِحَسْبِكَ دِرْهَمٌ وَكَفٰى بِاللّٰهِ، بِحَسْبِكَ دِرْهَمٌ اور كَفٰى بِاللّٰهِ جیسی مثالیں بھی مجرور کی تعریف میں داخل ہو گئیں۔ وَكَذَا الْمُضَافُ إِلَيْهِ بِالْإِضَافَةِ اللَّفْظِيَّةِ اور اسی طرح مضاف الیہ بالاضافۃ اللفظیہ بھی مجرور کی تعریف میں داخل ہو گیا وَإِنْ لَّمْ يَكُنْ دَاخِلًا فِيْ تَعْرِيْفِهِ اگرچہ یہ مضاف بالاضافۃ اللفظیہ مضاف الیہ کی تعریف میں داخل نہیں ہے، کیونکہ اس کے اندر کوئی حرفِ جر نہیں ہے نہ لفظوں میں ہے اور نہ تقدیراً ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ حل ہو گیا؟ چلیے بس بھئی، هٰذَا هُوَ الْمَرَامُ وَاللّٰهُ أَعْلَمُ بِحَقِيْقَةِ الْكَلَامِ۔

سبق نمبر ۱۸۴: الاضافۃ(۱): مضاف اور مضاف الیہ کی تعریف اور عاملِ جر کی تحقیق

شرحِ ملا جامی صفحہ: ۱۶۲ — بتاریخ: ۲۰ اگست ۲۰۲۲ء

▪ تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث

آگے سبق دیکھیے بھئی: وَالْمُضَافُ إِلَيْهِ وَهُوَ هَاهُنَا غَيْرُ مَا هُوَ الْمُصْطَلَحُ الْمَشْهُورُ بَيْنَهُمْ وَذَهَبَ فِي ذَلِكَ إِلَى مَذْهَبِ سِيبَوَيْهِ حَيْثُ أَطْلَقَ الْمُضَافَ إِلَيْهِ عَلَى الْمَنْسُوبِ إِلَيْهِ بِحَرْفِ الْجَرِّ لَفْظًا أَيْضًا.

گزشتہ سبق میں ہم نے مجرورات کے بارے میں پڑھنا شروع کیا تھا، اور صاحبِ کافیہ نے آپ کو بتلایا کہ مجرور جو ہے وہ اسم ہے جو مضاف الیہ کی علامت پر مشتمل ہو۔ اور صاحبِ جامی نے پھر بتلایا کہ مضاف الیہ کی علامت مضاف الیہ ہونے کی حیثیت سے، یعنی اس کی ذات کے اعتبار سے نہیں بلکہ مضاف الیہ ہونے کے اعتبار سے اس پر جو علامت آتی ہے، اس پر مجرور مشتمل ہوتا ہے، اور وہ علامت جو ہے جر ہے۔ اور آپ نے پڑھا کہ یہ جر کبھی کسرہ کی صورت میں آتا ہے، کبھی فتحہ کی صورت میں آتا ہے اور کبھی یا کی صورت میں آتا ہے۔ پھر یہ کسرہ یا فتحہ یا یا تینوں لفظاً بھی ہو سکتے ہیں اور تقدیراً بھی ہو سکتے ہیں۔

غُلَامُ زَيْدٍ، دیکھو کسرہ لفظاً ہے ہم اس پر تلفظ کر رہے ہیں۔ اور غُلَامُ عِيسَى، یہاں پر کسرہ تقدیراً ہے اس پر ہم تلفظ نہیں کر رہے۔ اسی طرح فتحہ بھی کبھی لفظاً ہوگا جیسے غُلَامُ عُمَرَ، یہ عُمَرُ غیرِ منصرف ہے اور مجرور ہے، مضاف الیہ ہے، لیکن اس کا جر آتا ہی فتحہ کی صورت میں ہے۔ اور کبھی یہ فتحہ غیرِ منصرف پر تقدیراً آئے گا جیسے غُلَامُ حُبْلَى، یہ حُبْلَى، حُبْلَى کا معنی ہے حاملہ عورت بھئی، اس کے آخر میں الفِ تانیث ہے بھئی اور آپ نے پڑھا ہے کہ الفِ تانیث جو ہے دو سببوں کے قائم مقام ہے۔ تو یہ حُبْلَى لفظ غیرِ منصرف ہے اور غیرِ منصرف کا جر فتحہ کے ساتھ آتا ہے تو یہ فتحہ اس پر تقدیراً ہے اس وقت تلفظ ہم نہیں کر رہے اس پر۔ اور اسی طرح یہ جو یا ہے، یہ بھی کبھی کبھار لفظاً ہوگی جیسے غُلَامُ أَبِيكَ، اور کبھی کبھار یہ

یا جو ہے تقدیراً ہوگی جیسے غُلَامُ أَبِي الْحَسَنِ، تو أَبِي الْحَسَنِ کے اندر یہ جو یا ہے تقدیراً ہے کیونکہ یہ یا اجتماعِ ساکنین کی وجہ سے گر چکی ہے۔

اور پھر اس کے بعد صاحبِ کافیہ نے مضاف الیہ کی تعریف کی تھی کہ مضاف الیہ کسے کہتے ہیں۔ ایک تعریف مضاف الیہ کی وہ ہے جو عام نحوی علما کرتے ہیں، جمہور کرتے ہیں، اور وہ یہ کہ مضاف الیہ وہ اسم ہے کہ جس کی طرف کسی اسم کی نسبت کی جائے اور وہاں حرفِ جر مقدر ہوتا ہے، جیسے غُلَامُ زَيْدٍ۔ اس غُلَامُ زَيْدٍ کے اندر یہ جو زَيْدٌ ہے یہ ہے مضاف الیہ بھئی، اور اس کی طرف غُلَامٌ اسم کی نسبت کی جا رہی ہے اور حرفِ جر یہاں مقدر ہے، اصل میں کیا تھا؟ غُلَامٌ لِزَيْدٍ، پھر لام کو مقدر کر لیا گیا۔ تو عام نحوی حضرات اس کو مضاف الیہ کہتے ہیں۔ کسے کہتے ہیں مضاف الیہ؟ ذرا دہرائیے۔ غُلَامُ زَيْدٍ، اس زید پر نظر رکھو یہ ہے مضاف الیہ، کہ مضاف الیہ وہ اسم ہے جس کی طرف کسی دوسرے اسم کی نسبت کی جائے، یعنی غُلَامُ زَيْدٍ دیکھو غلام کی نسبت کی جا رہی ہے زید کی طرف اور حرفِ جر مقدر ہے۔

لیکن صاحبِ کافیہ نے جمہور کی تعریف یا عام نحوی حضرات کی تعریف کو چھوڑ کر امام سیبویہ کی تعریف کی۔ امام سیبویہ کے نزدیک جس پر لفظوں کے اندر حرفِ جر داخل ہو وہ اس کو بھی مضاف الیہ کہتے ہیں، تو حرفِ جر چاہے لفظاً ہو چاہے تقدیراً ہو، اور نیز مضاف اسم ہو یا غیرِ اسم ہو۔ تو امام سیبویہ کے نزدیک غُلَامُ زَيْدٍ، یہ زید بھی مضاف الیہ ہے اس کی طرف غلام اسم کی نسبت کی جا رہی ہے اور حرفِ جر مقدر ہے، اور مَرَرْتُ بِزَيْدٍ، اس میں یہ زید پر نظر رکھیں، یہ مَرَرْتُ بِزَيْدٍ کے اندر یہ زید بھی مضاف الیہ ہے کیونکہ اس کی طرف مَرَرْتُ فعل کی نسبت کی جا رہی ہے بواسطہ حرفِ جر کے جو لفظوں میں ہے۔ تو حرفِ جر چاہے لفظوں میں ہی کیوں نہ ہو پھر بھی وہ اس کو کیا کہتے ہیں؟ مضاف الیہ کہتے ہیں امام سیبویہ رحمہ اللہ۔

تو صاحبِ کافیہ نے امام سیبویہ والی تعریف کی کہ مضاف الیہ ہر ایسا اسم ہے جس کی طرف کسی چیز کی نسبت کی جائے۔ دیکھو یہ نہیں کہا کہ، توجہ ہے؟ غُلَامُ زَيْدٍ اس میں یہ زید مضاف الیہ ہے، مَرَرْتُ بِزَيْدٍ اس میں زید کیا ہے؟ مضاف الیہ ہے۔ تو امام سیبویہ کے نزدیک مضاف الیہ وہ اسم ہے جس کی طرف کسی چیز کی نسبت کی جائے، یہ نہیں کہا کسی اسم کی نسبت کی جائے بلکہ کیا کہا؟ کسی چیز کی نسبت کی جائے، تاکہ غُلَامُ زَيْدٍ یہ غلام بھی اس میں داخل ہو جائے اور مَرَرْتُ بِزَيْدٍ یہ مَرَرْتُ بھی اس کے اندر داخل ہو جائے، اسم بھی اور فعل بھی۔ تو اس لیے انہوں نے کہا کہ مضاف الیہ وہ اسم ہے جس کی طرف کسی چیز کی نسبت کی جائے بواسطہ حرفِ جر کے، اور وہ حرفِ جر لفظاً بھی ہو سکتا ہے اور تقدیراً بھی ہو سکتا ہے، اور نیز وہ حرفِ جر تقدیراً بھی ہو تو مراد ہوگا، یعنی اس کا ارادہ کیا گیا ہوگا۔ کیا معنی اس کا ارادہ؟ معنی یہ ہے کہ وہ حرفِ جر تو مقدر ہے لیکن اس کا عمل یعنی جر ابھی بھی باقی ہونا چاہیے، جیسے غُلَامُ زَيْدٍ، اصل میں کیا تھا؟ غُلَامٌ لِزَيْدٍ، وہ لام مقدر ہو گیا لیکن زید پر ابھی بھی جر موجود ہے، غُلَامُ زَيْدٍ دیکھو زید پر آپ جر پڑھ رہے ہیں، تو دیکھو وہ حرفِ جر مقدر ہے لیکن مراد ابھی

بھی ہے، اس کا ارادہ ابھی بھی ہے، اور کس سے پتہ چل رہا ہے؟ یہ جو آگے اس کا اثر یعنی اس کا جو عمل جر ابھی بھی باقی ہے۔

اور میں نے بتایا تھا یہ قید اس لیے لگائی تھی تاکہ تعریف سے مفعول فیہ اور مفعول لہ نکل جائیں، اس لیے کیونکہ مفعول فیہ جیسے میں کہتا ہوں ضَرَبْتُ زَيْدًا يَوْمَ الْجُمُعَةِ، تو میں نے زید کی پٹائی کی يَوْمَ الْجُمُعَةِ، تو یہاں دراصل فِي مقدر ہے أَيْ ضَرَبْتُ زَيْدًا فِي يَوْمِ الْجُمُعَةِ، جمعے کے دن میں میں نے اس کی پٹائی کی ہے، لیکن وہ فِي مراد نہیں ہے، چنانچہ اسی لیے آپ يَوْمَ الْجُمُعَةِ اس کو منصوب پڑھتے ہیں، مفعول فیہ اس کو بناتے ہیں، مجرور نہیں پڑھتے اس کو۔ معلوم ہوا یہاں حرفِ جر مقدر تو ہے لیکن مراد نہیں۔ اسی طرح مفعول لہ وہ مصدر جو ماقبل فعل کی علت بیان کرے، ضَرَبْتُهُ تَأْدِيبًا، اصل میں کیا تھا؟ ضَرَبْتُهُ لِلتَّأْدِيبِ، کیونکہ علت بیان کرنے کے لیے عربی میں لام استعمال کرتے ہیں، لام وضع ہے، تو پھر اس لام کو مقدر کر لیا گیا اور اس پر پھر نصب پڑھ لیا گیا ضَرَبْتُهُ تَأْدِيبًا، اب دیکھو یہاں لام مقدر تو ہے لیکن مراد نہیں کیونکہ اس کا عمل باقی نہیں ہے، آپ تَأْدِيبِ نہیں پڑھ رہے بلکہ کیا پڑھ رہے ہیں؟ تَأْدِيبًا منصوب پڑھ رہے ہیں۔ تو حرفِ جر وہ مراد ہو یعنی اس کا عمل باقی ہونا چاہیے، بات سمجھ میں آگئی؟ تو لہٰذا مفعول فیہ بھی نکل گیا وہ بھی مضاف الیہ نہیں، اور مفعول لہ بھی نکل گیا وہ بھی مضاف الیہ نہیں، کیونکہ وہاں اگرچہ حرفِ جر مقدر ہے لیکن وہ حرفِ جر مراد نہیں اس کا عمل باقی نہیں ہے بھئی۔

اور پھر اس کے بعد صاحبِ کافیہ نے آپ کو بتلایا تھا کہ تقدیرِ حرف کی شرط یہ ہے کہ مضاف اسم ہونا چاہیے، غُلَامُ زَيْدٍ دیکھو یہ غلام کیا ہے؟ اسم۔ تو دیکھو انہوں نے بتایا کبھی حرفِ جر لفظوں میں ہوگا اور کبھی حرفِ جر مقدر ہوگا، تو تقدیرِ حرفِ جر کی شرط یہ ہے کہ مضاف اسم ہونا چاہیے فعل نہیں، کیونکہ مَرَرْتُ بِزَيْدٍ یہاں مضاف مَرَرْتُ فعل ہے تو یہاں آپ حرفِ جر کو مقدر نہیں کر سکتے۔ تو تقدیرِ حرف کے لیے شرط کیا ہے؟ کہ مضاف اسم ہونا چاہیے اور نیز وہ تنوین اور قائم مقامِ تنوین سے خالی کیا گیا ہو اس اضافت کی وجہ سے۔ ویسے اس پر تنوین یا قائم مقامِ تنوین ہو یعنی نونِ تثنیہ یا نونِ جمع، لیکن اضافت کی وجہ سے یہ اس سے ساقط ہوں اس سے گرا دیے گئے ہوں۔ تو یہ ہے تقدیرِ حرف کی شرط بھئی کہ مضاف اسم بھی ہونا چاہیے اور نیز وہ تنوین اور قائم مقامِ تنوین سے بھی خالی ہونا چاہیے۔

اور یہاں پھر، یہاں شروع میں جہاں انہوں نے کہا تھا کہ مجرور وہ ہے جو مضاف الیہ کی علامت پر مشتمل ہو، صاحبِ کافیہ نے یہ نہیں کہا کہ مجرور وہ ہے جو مضاف الیہ ہو۔ مجرور وہ ہے جو مضاف الیہ ہو یوں بھی کہہ سکتے تھے، لیکن اس طرح صاحبِ کافیہ نے نہیں فرمایا۔ وجہ یہ کہ مجرور صرف مضاف الیہ نہیں ہوتا بلکہ مضاف الیہ کے علاوہ اور چیزیں بھی مجرور ہوتی ہیں۔ جیسے میں نے اس کی مثال ذکر کی تھی کہ وہ لفظ جس پر حرفِ جارہ زائدہ داخل کر دیا جائے، وہ اسم جس پر حرفِ جر زائدہ داخل کر دیا جائے جیسے كَفَى بِاللَّهِ۔ كَفَى بِاللَّهِ اس میں یہ با جارہ زائدہ ہے اور لفظِ اللہ مجرور لفظاً ہے با کی وجہ سے لیکن مرفوع ہے محلاً یہ فاعل ہے كَفَى کے لیے۔ تو یہ با کیا ہے؟ زائد ہے۔ تو جب یہ با زائد ہے تو یہ اپنے معنی کا فائدہ نہیں

دے رہی اور کَفَی کی نسبت لفظِ اللہ کی طرف یعنی یوں کہو فاعل کی طرف، کَفَی کی نسبت فاعل کی طرف کرنے کے لیے کسی حرفِ جر کی ضرورت نہیں ہے۔ تو دیکھو یہاں پر کَفَی جو ہے کَفَی کی نسبت ہو رہی ہے فاعل کی طرف، اور بواسطہ حرفِ جر ہے یا بغیر حرفِ جر کے ہی یہ نسبت صحیح ہے؟ ہاں؟ بغیر، فاعل ہے نا، یہ با زائد ہے، یہ کوئی اپنے معنی کا فائدہ نہیں دے رہی، تو کَفَی بِاللّٰہِ آپ یوں بھی کہہ سکتے ہیں کَفَی اللّٰہُ۔ تو مجھے بتائیے اب جس لفظِ اللہ کی طرف ہم نے کَفَی کی نسبت کرنی ہے تو کیا حرفِ جر کی ضرورت ہوگی یا اس کے بغیر بھی نسبت ہو سکتی ہے؟ اس کے بغیر بھی نسبت ہو سکتی ہے۔ تو یہ تو مضاف الیہ کی تعریف سے نکل گیا۔ مضاف الیہ تو کسے کہتے تھے؟ وہ اسم جس کی طرف کسی چیز کی نسبت کی جائے بواسطہ حرفِ جر کے، معلوم ہوا حرفِ جر کے بغیر نسبت نہیں ہو سکتی، اور یہاں تو بغیر حرفِ جر کے بھی نسبت صحیح ہے، یہ زائد ہے اپنے معنی کا فائدہ نہیں دے رہا یہاں پر حرفِ جر۔ اور وہاں جو مضاف الیہ میں حرفِ جر آیا تھا یاد رکھو وہ حرفِ جر ہے جو اپنے معنی کا بھی فائدہ دے، جیسے ضَرَبْتُ زَیْدًا بِالْعَصَا، یہ بِالْعَصَا میں ساتھ جوڑنا چاہتا تھا ضَرَبْتُ کے ساتھ اور ضَرَبْتُ تو صرف ایک مفعول چاہتا ہے دوسرے مفعول کو وہ نصب نہیں دے سکتا تو پھر میں نے با حرفِ جر کی مدد لی، اور اس کے بغیر ضَرَبْتُ کی نسبت الْعَصَا کی طرف نہیں ہو سکتی تھی۔ تو بِالْعَصَا یہ جو الْعَصَا ہے اس کو آپ مضاف الیہ کہہ سکتے ہیں جو انہوں نے تعریف کی امام سیبویہ کے نزدیک یہ مضاف الیہ ہے، لیکن کَفَی بِاللّٰہِ میں لفظِ اللہ جو ہے مضاف الیہ نہیں۔ ہاں اس کو مشابہِ مضاف الیہ کہتے ہیں۔ کیا کہتے ہیں؟ مشابہِ مضاف الیہ، کہ جیسے مضاف الیہ پر حرفِ جر داخل ہوتا ہے مَرَرْتُ بِزَیْدٍ، اس زید پر کیا داخل ہے؟ با۔ اسی طرح کَفَی بِاللّٰہِ میں لفظِ اللہ پر بھی لفظِ با داخل ہے لیکن چونکہ یہ زائد ہے تو لفظِ اللہ مضاف الیہ تو نہیں ہاں مضاف الیہ کے مشابہ ہے، مضاف الیہ کے مشابہ ہے۔

اور نیز اسی طرح اضافت کی دو قسمیں بھی میں نے بیان کی تھیں کہ اضافت دو قسم پر ہے، ایک اضافتِ لفظی اور ایک اضافتِ معنوی۔ اضافتِ لفظی اسے کہتے ہیں کہ صیغہ صفت کا ہو اور مضاف ہو اپنے معمول کی طرف۔ صیغہ صفت کا ہو اور مضاف ہو اپنے معمول کی طرف۔ آپ کو میں نے بتایا ہے کہ صفت کے صیغے بھی اپنے فعل جیسا عمل کرتے ہیں۔ فعل جیسے اپنے فاعل کو رفع دیتا ہے اور مفعول کو نصب دیتا ہے، اسی طرح صفت کے صیغے بھی ہیں۔ یا یوں کہیں فعل جیسے اپنے فاعل یا نائب فاعل کو رفع دیتا ہے، اسی طرح صفت کے صیغے بھی اپنے فاعل یا نائب فاعل کو رفع دیتے ہیں، اور جیسے فعل فاعل یا نائب فاعل کے بغیر نہیں آ سکتا اسی طرح یہ صفت کے صیغے بھی اپنے فاعل یا نائب فاعل کے بغیر نہیں آ سکتے، اور نیز جیسے فعل جو ہے وہ اپنے مفعول کو نصب دیتا ہے تو اس فعل سے بننے والا صفت کا صیغہ بھی وہ اپنے مفعول کو نصب دے گا، اور نیز فعل کا فاعل یا نائب فاعل ضمیر بھی ہو سکتی ہے اور اسمِ ظاہر بھی، اسی طرح صفت کے صیغوں کا فاعل یا نائب فاعل بھی ضمیر بھی ہو سکتی ہے اور اسمِ ظاہر بھی۔ ضَرَبَ اس کے اندر ھُوَ ضمیر ہے لیکن اگر ضَرَبَ زَیْدٌ کہیں اب ضَرَبَ کے اندر ضمیر نہیں اب زَیْدٌ اسمِ ظاہر اس کا فاعل بن رہا ہے۔ اسی طرح ضَرَبَ سے جو ضَارِبٌ صفت کا صیغہ

بنا اسمِ فاعل، اس کے لیے بھی ایک فاعل چاہیے، تو وہ آگے اگر اسمِ ظاہر نہ ہوا تو اسی کے اندر ھُوَ ضمیر نکال لیں گے۔ اور نیز ضَرَبَ جیسے مفعول کو نصب دیتا ہے ضَرَبْتُ زَیْدًا اسی طرح یہ ضَارِبٌ زَیْدًا یہ ضَارِبٌ بھی کیا کرے گا؟ زَیْدًا مفعول کو نصب دے گا۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو اضافتِ لفظی کسے کہتے ہیں؟ کہ صیغہ صفت کا ہو اور مضاف ہو اپنے معمول کی طرف۔ صفت کے صیغوں سے تمام صفت کے صیغے نہیں مراد بلکہ صرف اسمِ فاعل، اسمِ مفعول اور صفتِ مشبہ مراد ہے۔ اسمِ فاعل جیسے ضَارِبٌ، فَاتِحٌ، مُکْرِمٌ وغیرہ، اسمِ مفعول یعنی جیسے مَضْرُوبٌ، مَفْتُوحٌ، مُکْرَمٌ، مُسْتَخْرَجٌ اسمِ مفعول مراد ہے، اور صفتِ مشبہ ہے جیسے شَرِیفٌ، حَسَنٌ وغیرہ۔ تو صفت کے صیغے سے کون سے صیغے مراد ہیں؟ اسمِ فاعل، اسمِ مفعول اور صفتِ مشبہ، اور ان کی اضافت اپنے معمول کی طرف کی جائے اور معمول سے مراد ان کے فاعل یا مفعول بہ ہیں، اور معمول نہیں مراد۔ اور بھی تو معمول ہوتے ہیں، مفعول لہ بھی ہوتا ہے، مفعول معہ بھی ہوتا ہے، مفعول فیہ بھی ہوتا ہے، حال بھی ہوتا ہے، ان کو بھی فعل اور شبہ فعل نصب دیتے ہیں، لیکن باقی معمول یہاں مراد نہیں، صرف کون سے معمول مراد ہیں؟ فاعل یا مفعول۔ تو اضافتِ لفظی کسے کہتے ہیں؟ کہ صیغہ صفت کا ہو یعنی اسمِ فاعل، اسمِ مفعول یا صفتِ مشبہ ہو اور مضاف ہو کس کی طرف؟ اپنے معمول کی طرف۔ اور معمول سے کون سے معمول مراد ہیں؟ فاعل یا مفعول بہ مراد ہیں اور معمول مراد نہیں۔ تو صیغہ صفت کا ہو اور مضاف ہو اپنے معمول کی طرف اسے اضافتِ لفظی کہتے ہیں۔

جیسے میں نے مثال ذکر کی تھی زَیْدٌ ضَارِبٌ عَمْرًا، زَیْدٌ ضَارِبٌ عَمْرًا، یہ زَیْدٌ مرفوع لفظاً مبتدا، ضَارِبٌ مرفوع لفظاً صیغہ اسمِ فاعل، اور اسمِ فاعل کے لیے کیا چاہیے؟ فاعل۔ آگے عَمْرًا منصوب آرہا ہے، آگے تو کوئی مرفوع اسم نہیں، تو اسی کے اندر ھُوَ ضمیر فاعل کی نکال لیں گے۔ تو ضَارِبٌ کے اندر ھُوَ ضمیر مرفوع محلاً اس کا فاعل جو کس کو راجع ہے؟ جو پیچھے زید کو راجع ہے کیونکہ یہ خبر ہے اور خبر کو کس سے جوڑتے ہیں؟ مبتدا سے۔ تو اس کے اندر ھُوَ ضمیر زید مبتدا کو راجع ہے۔ اور آگے عَمْرًا یہ منصوب ہے یہ مفعول بہ ہے ضَارِبٌ کے لیے، جیسے ضَرَبَ کے لیے مفعول بہ آتا ہے اسی طرح ضَارِبٌ کے لیے بھی مفعول بہ آتا ہے۔ تو یہ عَمْرًا کو نصب کس نے دیا؟ ضَارِبٌ نے۔ تو ضَارِبٌ صیغہ ہے صفت کا دیکھو اسمِ فاعل ہے، اور آگے عَمْرًا اس کا معمول ہے مفعول بہ ہے۔ تو اب اس کی طرف ضَارِبٌ کی اضافت کر دو، زَیْدٌ ضَارِبُ عَمْرٍ، زَیْدٌ ضَارِبُ عَمْرٍ۔ تو دیکھو ضَارِبُ صفت کا صیغہ اپنے مفعول کی طرف مضاف ہو گیا، اور یہ اضافتِ لفظی کہلاتی ہے۔

اور اضافتِ لفظی صرف تخفیف کا فائدہ دیتی ہے، ضَارِبٌ سے تنوین گر گئی، البتہ نہ ضَارِبٌ کے اندر تخصیص آئی نہ تعریف آئی۔ نہ تخصیص آئی نہ تعریف آئی۔ میں نے آپ کو بتلایا تھا کہ اضافت یا تو تخصیص کا فائدہ دیتی ہے یا تعریف کا۔ اگر آپ نکرہ کی اضافت نکرہ کی طرف کریں گے تو وہ تخصیص کا فائدہ دے گی۔ غُلَامُ رَجُلٍ، غلام نکرہ تھا، دنیا کے ہر غلام پر یہ صادق آرہا ہے یہ لفظ چاہے مرد کا غلام ہو چاہے عورت کا، لیکن جب میں نے اضافت کر دی رَجُلٍ کی طرف، غُلَامُ رَجُلٍ، کسی مرد کا کوئی غلام، تو اب یہ صرف مردوں کے غلام پر یہ لفظ صادق آئے گا عورتوں کے غلام پر صادق نہیں۔ تو یہ معرفہ تو نہ

بنا البتہ تخصیص آگئی، یہ خاص ہو گیا مردوں کے غلام کے ساتھ یہ لفظ۔ تو معلوم ہوا نکرہ کی اضافت نکرہ کی طرف کی جائے تو وہ تخصیص کا فائدہ دیتی ہے۔ اور اگر نکرہ کی اضافت معرفہ کی طرف کر دی جائے تو پھر یہ تعریف کا فائدہ دیتی ہے، غُلَامُ زَيْدٍ۔ اب دیکھو غُلَامُ زَيْدٍ یہ اب ایک معین غلام جو زید کا ہے اس پر ہی صادق آئے گا اور کسی غلام پر نہیں۔ تو معلوم ہوا نکرہ کی اضافت نکرہ کی طرف کریں تو وہ تخصیص کا فائدہ دیتی ہے، اور نکرہ کی اضافت معرفہ کی طرف کریں تو وہ تعریف کا فائدہ دیتی ہے۔

لیکن یاد رکھنا یہ اضافتِ معنوی میں ہے، کس میں ہے؟ اضافتِ معنوی میں ہے، جبکہ اضافتِ لفظی جو میں نے ابھی بیان کی کہ صیغہ صفت کا ہو یعنی اسمِ فاعل، اسمِ مفعول یا صفتِ مشبہ اور مضاف ہو اپنے معمول یعنی فاعل یا مفعول کی طرف، جیسے زَيْدٌ ضَارِبُ عَمْرٍو یہ ضَارِبُ عَمْرٍو اس میں ضارب کی اضافت عَمْرٍو معرفہ کی طرف ہو رہی ہے، لیکن یہ اضافت کون سی ہے؟ اضافتِ لفظی ہے۔ لہٰذا یہ نہ تعریف کا فائدہ دے رہی ہے نہ تخصیص کا۔ اضافت سے پہلے ضَارِبٌ جیسے نکرہ محض تھا ابھی بھی ضَارِبٌ کیا ہے؟ نکرہ محض ہے بھئی۔ تو یہ تقدیرِ انفصال میں ہے، کس میں ہے؟ تقدیرِ انفصال۔ بھئی اضافت اتصال کا تقاضا کرتی ہے۔ غُلَامُ زَيْدٍ، غُلَامُ زَيْدٍ، دیکھو معلوم ہوا ہر غلام نہیں مراد کس کا غلام مراد ہے؟ زید کا غلام، تو مضاف الیہ ساتھ ملتا ہے پھر مضاف کا معنی پورا ہوتا ہے۔ لیکن یہ تقدیرِ انفصال میں ہے یہ جو اضافتِ لفظی ہے، یعنی اضافت سے پہلے جیسے الگ تھے ابھی بھی کیا ہیں؟ الگ ہی ہیں۔ صرف کیا فائدہ ہوا؟ اضافتِ لفظی سے صرف تخفیف آ گئی، ضَارِبٌ سے تنوین گر گئی بس۔ تو تنوین یا قائم مقامِ تنوین یعنی نونِ تثنیہ اور نونِ جمع وہ گر جاتے ہیں اضافتِ لفظی کی وجہ سے، اور کوئی فائدہ نہیں۔ اضافتِ لفظی سے نہ تو تخصیص آتی ہے نہ تعریف آتی ہے مضاف کے اندر۔

تو یہ ہے اضافتِ لفظی۔ پھر دہرائیے بھئی، اضافتِ لفظی کسے کہتے ہیں؟ صیغہ صفت کا ہو اور مضاف ہو اپنے معمول کی طرف اور یہ اضافت صرف تخفیف کا فائدہ دیتی ہے لفظوں میں اور نہ تعریف کا فائدہ دیتی ہے اور نہ تخصیص، یعنی یوں کہو، اضافتِ لفظی کو اضافتِ لفظی اس لیے کہتے ہیں یہ صرف لفظوں میں تخفیف کا فائدہ دیتی ہے، اور اضافتِ معنوی کو معنوی اس لیے کہتے ہیں کہ وہ معنی کے اندر فائدہ دیتی ہے، معنی کے اندر تعریف آجاتی ہے یا تخصیص آجاتی ہے۔ تو اب اس میں یاد رکھنا یہ جو اضافتِ لفظی ہے اس کے اندر حرفِ جر مقدر نہیں ہوتا۔ اضافتِ معنوی میں تو لام یا فِي یا مِنْ ہو سکتا ہے کوئی حرفِ جر مقدر ہوگا لیکن اضافتِ لفظی میں کوئی حرفِ جر مقدر نہیں ہوتا۔ تو معلوم ہوا وہ جو مضاف الیہ ہے اضافتِ لفظی کے ساتھ ضَارِبُ عَمْرٍو، ضَارِبُ عَمْرٍو، ابھی انہوں نے مضاف الیہ کی تعریف کی، مضاف الیہ کسے کہتے ہیں؟ ہر وہ اسم جس کی طرف کسی چیز کی نسبت کی جائے اور وہاں حرفِ جر لفظوں میں ہو یا تقدیراً ہو۔ لیکن یہ جو اضافتِ لفظی ہے اس کے اندر تو نہ حرفِ جر لفظوں میں ہے نہ تقدیراً ہے ضَارِبُ عَمْرٍو، لہٰذا یہ مضاف الیہ سے خارج ہو گیا، یہ مضاف الیہ نہیں۔ مضاف الیہ نہیں۔ تو انہوں نے کیا کہا؟ کہ مجرور کسے کہتے ہیں؟ مجرور وہ ہے جو مضاف الیہ کی علامت پر مشتمل ہو۔

مضاف الیہ کی علامت پر مشتمل ہو۔ تو اس کے اندر وہ جو حروفِ جارہ زائدہ جن لفظوں پر داخل ہوتے ہیں وہ بھی داخل ہو گئے کیونکہ وہ مضاف الیہ تو نہیں، كَفَى بِاللّٰهِ یہ لفظِ اللہ مضاف الیہ تو نہیں لیکن مضاف الیہ کے مشابہ ہے کہ اس پر حرفِ جر داخل ہوا ہے۔ اور اسی طرح ضَارِبُ عَمْرٍو یہ عَمْرٌ جو ہے یہ مضاف الیہ تو نہیں کیونکہ یہاں حرفِ جر مقدر ہی نہیں ہے، لیکن بہرحال یہ مضاف الیہ کی علامت پر مشتمل ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو انہوں نے مجرور کی کیا تعریف کی؟ مجرور وہ ہے جو مضاف الیہ کی علامت پر مشتمل ہو۔ بات سمجھ میں آرہی ہے؟ پھر سنیں، صاحبِ کافیہ نے یہ نہیں کہا کہ مجرور وہ ہے جو مضاف الیہ ہو، کیونکہ صرف مضاف الیہ نہیں مجرور ہوتا بلکہ جو مضاف الیہ کے مشابہ ہوتا ہے یعنی جس پر حرفِ جر زائد داخل ہوتا ہے وہ بھی مجرور ہوتا ہے، اور مضاف الیہ جو ہوتا ہے اضافتِ لفظی میں وہ بھی مجرور ہوتا ہے، لیکن وہ بھی مضاف الیہ حقیقت میں جو تعریف کی اس کے مطابق وہ بھی مضاف الیہ نہیں۔ تو لہٰذا معلوم ہوا مضاف الیہ خاص اور جر عام ہے۔ جر مضاف الیہ پہ بھی آسکتا ہے، مشابہِ مضاف الیہ پر بھی آسکتا ہے جس میں حرفِ جر زائد ہوتا ہے، اور نیز وہ جو مضاف الیہ ہوتا ہے باضافتِ لفظی اس پر بھی جر آسکتا ہے۔ تو یہ تھا گزشتہ سبق کا خلاصہ بھئی۔

اب آئیے آج کے سبق پر بھئی۔ دیکھیے بھئی، کہتے ہیں: وَالْمُضَافُ إِلَيْهِ وَهُوَ هَاهُنَا غَيْرُ مَا هُوَ الْمُصْطَلَحُ الْمَشْهُورُ بَيْنَهُمْ. جی، اب یاد رکھیے یہ سارا ہم حل کر چکے ہیں، صرف ترجمہ ہے، صرف ترجمہ۔ جی، دیکھیے بھئی، بلکہ پہلے متن ایک دفعہ پھر دیکھ لیں بھئی مضاف الیہ کا متن دیکھ لیں، یہ مضاف الیہ کی جو تعریف کر رہے ہیں پھر صرف آگے ترجمہ رہ جائے گا۔ کہتے ہیں: وَالْمُضَافُ إِلَيْهِ كُلُّ اسْمٍ نُسِبَ إِلَيْهِ شَيْءٌ بِوَاسِطَةِ حَرْفِ الْجَرِّ لَفْظًا أَوْ تَقْدِيرًا مُرَادًا، کہ مضاف الیہ ہر ایسا اسم ہے نُسِبَ إِلَيْهِ شَيْءٌ کہ اس کی طرف کسی چیز کی نسبت کی جائے بِوَاسِطَةِ حَرْفِ الْجَرِّ بواسطہ حرفِ جر کے اور وہ حرفِ جر یا تو لفظاً ہوگا أَوْ تَقْدِيرًا یا تقدیراً ہوگا مُرَادًا اس حال میں کہ وہ مراد ہوگا، یعنی تقدیراً ہونے کی حالت میں مراد ہوگا۔ توجہ ہے؟ تو امام سیبویہ کی جو تعریف ہے مضاف الیہ کی وہ عام نحویوں کی تعریف سے مختلف ہے دو اعتبار سے، کتنے اعتبار سے؟ دو اعتبار سے۔ عام نحویوں کے نزدیک مضاف کا اسم ہونا ضروری ہے۔ کس کا؟ مضاف الیہ نہیں، تعریف مضاف الیہ کی ہو رہی ہے، مضاف الیہ کسے کہتے ہیں؟ كُلُّ اسْمٍ نُسِبَ إِلَيْهِ شَيْءٌ ہر ایسا اسم ہے جس کی طرف کسی چیز کی نسبت کی جائے۔ بھئی دیکھو غُلَامُ زَيْدٍ اس میں یہ زید پہ نظر رکھنا یہ ہے مضاف الیہ اور اس کی طرف غلام اسم کی نسبت ہو رہی ہے اور یہاں حرفِ جر مقدر ہے۔ اور مَرَرْتُ بِزَيْدٍ اس کے اندر یہ زید پر نظر رکھنا یہ بھی کیا ہے؟ مضاف الیہ۔ غُلَامُ زَيْدٍ میں بھی یہ زَيْدٍ کیا ہے؟ مضاف الیہ اور یہاں حرفِ جر مقدر ہے، اور مَرَرْتُ بِزَيْدٍ اس کے اندر یہ زَيْدٍ کیا ہے؟ مضاف الیہ اور یہاں حرفِ جر لفظوں میں ہے۔ لیکن یہاں پر مَرَرْتُ بِزَيْدٍ اس زید کی طرف کس چیز کی نسبت ہو رہی ہے؟ مَرَرْتُ فعل کی، کس کے؟ مَرَرْتُ کی۔ تو عام نحوی فرماتے ہیں کہ مضاف کا اسم ہونا ضروری ہے، لیکن امام سیبویہ کے نزدیک مضاف الیہ وہ اسم ہے جس کی طرف کسی چیز کی نسبت کی جائے چاہے وہ اسم ہو چاہے فعل ہو، تو غُلَامُ زَيْدٍ یہ زَيْدٍ بھی داخل ہوا اور مَرَرْتُ بِزَيْدٍ یہ

والا زَيْدٌ بھی داخل ہوا اس کی طرف فعل کی نسبت ہے۔ تو ایک فرق یہ کہ امام سیبویہ کے نزدیک مضاف کا اسم ہونا ضروری نہیں۔ اور دوسرا فرق یہ ہے کہ عام نحویوں کے نزدیک وہاں پر حرفِ جر مقدر ہوگا، اضافت کے اندر حرفِ جر مقدر ہوگا، جبکہ امام سیبویہ کے نزدیک وہ لفظاً بھی ہو سکتا ہے، چنانچہ مَرَرْتُ بِزَيْدٍ یہ با جارہ زائدہ ہے لیکن ملفوظ ہے مقدر نہیں ہے، لیکن پھر بھی وہ اس زید کو کیا کہتے ہیں؟ مضاف الیہ کہتے ہیں۔ فرق سمجھ میں آگیا؟ کیا دو فرق ہوئے؟ پہلا فرق کہ مضاف کا عام نحویوں کے نزدیک مضاف کا اسم ہونا ضروری اور نیز حرفِ جر کا مقدر ہونا ضروری ہے اور جبکہ امام سیبویہ کے نزدیک کوئی بھی چیز ہو جس کی نسبت کی جائے چاہے اسم ہو چاہے فعل ہو، اور نیز دوسرا فرق یہ کہ حرفِ جر کا مقدر ہونا ضروری نہیں بلکہ ملفوظ بھی ہو سکتا ہے۔

بات سمجھ میں آگئی؟ دیکھیے بھئی اب اس کو شرح کے ساتھ، کہتے ہیں: وَالْمُضَافُ إِلَيْهِ وَهُوَ هَاهُنَا غَيْرُ مَا هُوَ الْمُصْطَلَحُ الْمَشْهُورُ بَيْنَهُمْ، اور مضاف الیہ وَهُوَ هَاهُنَا اور وہ یہاں پر غَيْرُ مَا هُوَ الْمُصْطَلَحُ الْمَشْهُورُ علاوہ ہے اس کے جو اصطلاح مشہور ہے، علاوہ اس کے جو، علاوہ اس کے ہے جو اصطلاح مشہور ہے، عام نحویوں کی اصطلاح میں مضاف الیہ کسے کہتے ہیں؟ غُلَامُ زَيْدٍ اس زید پہ ذرا نظر رکھو، مضاف الیہ وہ اسم ہے جس کی طرف کسی دوسرے اسم کی نسبت کی جائے اور درمیان میں حرفِ جر کیا ہو؟ مقدر ہونا چاہیے۔ مضاف الیہ وہ اسم ہے جس کی طرف کسی دوسرے اسم کی نسبت کی جائے، کسی دوسری چیز کی نہیں بلکہ مضاف کا بھی اسم ہونا ضروری۔ توجہ ہے؟ غُلَامُ زَيْدٍ میں کس کی تعریف ہم کر رہے ہیں؟ زید کی، یہ جو مضاف الیہ ہے۔ مضاف الیہ وہ اسم ہے جس کی طرف کسی دوسرے اسم کی اضافت کی جائے اور حرفِ جر کیا ہو؟ مقدر ہو، یہ عام نحوی فرماتے ہیں۔ ان کے نزدیک غُلَامُ زَيْدٍ یہ زید مضاف الیہ ہے، مَرَرْتُ بِزَيْدٍ یہ زید مضاف الیہ نہیں کیونکہ ایک تو اس پر حرفِ جر لفظوں میں ہے اور نیز یہاں مضاف فعل ہے اسم نہیں ہے۔ تو عام نحوی جہاں حرفِ جر لفظوں میں ہوتا ہے مَرَرْتُ بِزَيْدٍ، یہ اس کو وہ جار مجرور کہتے ہیں مضاف مضاف الیہ نہیں کہتے۔

تو کہتے ہیں: وَالْمُضَافُ إِلَيْهِ وَهُوَ هَاهُنَا غَيْرُ مَا هُوَ الْمُصْطَلَحُ الْمَشْهُورُ بَيْنَهُمْ، کہ مضاف الیہ یہاں پر علاوہ اس کے ہے وہ جو اصطلاح مشہور ہے نحویوں کے درمیان اس کے علاوہ ہے۔ وَذَهَبَ فِي ذَلِكَ إِلَى مَذْهَبِ سِيبَوَيْهِ، اور اس کے اندر مصنف رحمہ اللہ گئے ہیں امام سیبویہ کے مذہب کی طرف، یعنی مصنف یعنی صاحبِ کافیہ اس تعریف کے اندر کس کے مذہب کی طرف گئے ہیں؟ امام سیبویہ کے، یعنی مضاف الیہ کی وہ تعریف کی ہے جو امام سیبویہ نے کی ہے جو عام نحوی کرتے ہیں وہ تعریف نہیں کی۔ تو کہتے ہیں: وَذَهَبَ فِي ذَلِكَ إِلَى مَذْهَبِ سِيبَوَيْهِ اور مصنف یعنی صاحبِ کافیہ اس کے اندر امام سیبویہ کے مذہب کی طرف گئے ہیں، حَيْثُ أَطْلَقَ الْمُضَافَ إِلَيْهِ اس طور پر کہ صاحبِ کافیہ نے اطلاق کیا ہے مضاف الیہ کا عَلَى الْمَنْسُوبِ إِلَيْهِ بِحَرْفِ الْجَرِّ لَفْظًا أَيْضًا، اس پر بھی کہ جس کی طرف نسبت کی جاتی ہے حرفِ جر کے ذریعے

لفظاً۔ جس کی طرف لفظاً حرفِ جر کے ذریعے کسی چیز کی نسبت کی جائے جیسے مَرَرْتُ بِزَيْدٍ، اس زَيْدٍ کی طرف لفظاً حرفِ جر جو با موجود ہے اس کے ذریعے مَرَرْتُ کی نسبت کی گئی ہے، اس کو بھی اس تعریف کے اندر داخل کیا ہے اور اس کو بھی مضاف الیہ کہا ہے بھئی، حالانکہ عام نحوی مَرَرْتُ بِزَيْدٍ اس زید کو مضاف الیہ نہیں کہتے بلکہ جار مجرور کہتے ہیں بھئی۔ تو کہتے ہیں حَيْثُ أَطْلَقَ الْمُضَافَ إِلَيْهِ اس طور پر کہ صاحبِ کافیہ نے اطلاق کیا ہے مضاف الیہ کا عَلَى الْمَنْسُوبِ إِلَيْهِ وہ جس کی طرف نسبت کی جائے بِحَرْفِ الْجَرِّ لَفْظًا أَيْضًا حرفِ جر کے ساتھ لفظاً یعنی اس کو بھی اس تعریف میں داخل کیا ہے۔ اور فرماتے ہیں: كُلُّ اسْمٍ حَقِيقَةً أَوْ حُكْمًا، ہر اسم، انہوں نے کیا تعریف کی؟ ہر اسم جس کی طرف کسی چیز کی نسبت کی جائے، صاحبِ جامی كُلُّ اسْمٍ کے اندر عموم پیدا کر رہے ہیں کہ اسم سے مراد عام ہے، چاہے حقیقتاً اسم ہو چاہے حکماً اسم ہو، اس لیے کیونکہ بعض اوقات مضاف الیہ جملہ ہوتا ہے۔ بعض اوقات مضاف الیہ جملہ ہوتا ہے، دیکھو آگے مثال آرہی ہے اسی سطر میں، قرآن میں اللہ فرماتے ہیں: يَوْمَ يَنْفَعُ الصَّادِقِينَ صِدْقُهُمْ، يَوْمَ يَنْفَعُ الصَّادِقِينَ صِدْقُهُمْ، جس دن کہ سچوں کو ان کا سچ نفع دے گا۔ اب دیکھو يَوْمَ مضاف ہے، کس کی طرف؟ يَنْفَعُ الصَّادِقِينَ صِدْقُهُمْ یہ پورا جملہ فعلیہ ہے۔ يَنْفَعُ فعل، الصَّادِقِينَ مفعول بہ منصوب ہے، اور صِدْقُهُمْ یہ مضاف مضاف الیہ مل کر فاعل ہے، کیا فائدہ دے گا؟ سچ جو ہے وہ سچوں کو فائدہ دے گا۔ اب یہ يَنْفَعُ الصَّادِقِينَ صِدْقُهُمْ یہ پورا جملہ ہے، اس کی طرف يَوْمَ لفظ مضاف ہو رہا ہے۔ تو مضاف الیہ یہاں تو جملہ ہے، اور آپ نے مضاف الیہ کی تعریف کیا کی؟ كُلُّ اسْمٍ، ہر ایسا اسم جس کی طرف کسی چیز کی نسبت کی جائے، تو یہاں تو مضاف الیہ اسم نہیں ہے بلکہ یہ تو جملہ ہے۔ تو صاحبِ جامی بتلا رہے ہیں کہ بھئی اسم ہونا عام ہے، چاہے حقیقتاً اسم ہو چاہے حکماً۔ حقیقتاً اسم جیسے غُلَامُ زَيْدٍ، یہ زید حقیقتاً اسم ہے یہ مضاف الیہ ہے۔ اور يَنْفَعُ الصَّادِقِينَ صِدْقُهُمْ، یہ حکماً اسم ہے کیونکہ یہ مصدر کے معنی میں ہے۔ یہ کس معنی میں ہے؟ مصدر، تو يَنْفَعُ سے مصدر بنا لو: يَوْمَ نَفْعِ الصَّادِقِينَ صِدْقُهُمْ، يَوْمَ نَفْعِ۔ تو یاد رکھو، جب بھی مضاف الیہ جب جملہ ہو تو اس کو مصدر کے معنی میں کر لیتے ہیں۔ اس کو مصدر، تو یہاں پر بھی يَنْفَعُ فعل کا مصدر کیا ہے؟ نَفْعٌ، تو اس کی طرف يَوْمَ کی اضافت کر دو: يَوْمَ نَفْعِ الصَّادِقِينَ صِدْقُهُمْ، اور مصدر کے لیے بھی آپ جانتے ہیں کہ فاعل اور مفعول آسکتے ہیں، تو یہاں پر بھی مصدر کی اضافت الصَّادِقِينَ اپنے مفعول کی طرف ہو جائے گی، اور صِدْقُهُمْ آگے مرفوع رہے گا اسی طرح یہ فاعل ہے مصدر کے لیے۔ تو معلوم ہوا اسم ہونا عام ہے چاہے حقیقتاً اسم ہو چاہے حکماً اسم ہو، یعنی وہ جو مضاف الیہ ہے، وہ حقیقتاً بھی اسم ہو سکتا ہے اور حکماً بھی۔

تو کہتے ہیں: كُلُّ اسْمٍ حَقِيقَةً أَوْ حُكْمًا، ہر اسم چاہے حقیقتاً ہو یا حکماً ہو، لِيَشْمَلَ الْجُمَلَ الَّتِي يُضَافُ إِلَيْهَا، تاکہ یہ تعریف شامل ہو جائے الْجُمَلَ الَّتِي يُضَافُ إِلَيْهَا ان جملوں کو بھی جو جن کی طرف اضافت کی جاتی ہے، تاکہ یہ تعریف ان کو بھی شامل ہو یہ اسم ان کو بھی شامل ہو جائے، نَحْوُ مثال کے طور پر يَوْمَ يَنْفَعُ الصَّادِقِينَ صِدْقُهُمْ، فَإِنَّهَا فِي حُكْمِ الْمَصَادِرِ، اس

لیے کیونکہ یہ جملے جو مضاف الیہ ہوتے ہیں یہ اپنے یہ مصادر کے حکم میں ہوتے ہیں۔

آگے کہتے ہیں: نُسِبَ إِلَيْهِ شَيْءٌ، مضاف الیہ ہر ایسا اسم ہے نُسِبَ إِلَيْهِ شَيْءٌ جس کی طرف کسی چیز کی نسبت کی جائے، اسْمًا كَانَ نَحْوُ غُلَامُ زَيْدٍ، چاہے وہ اسم ہو جیسے غُلَامُ زَيْدٍ، أَوْ فِعْلًا مِثْلُ مَرَرْتُ بِزَيْدٍ، یا فعل ہو جیسے مَرَرْتُ بِزَيْدٍ۔ دیکھو غُلَامُ زَيْدٍ تعریف کس کی کر رہے ہیں؟ مضاف الیہ کی۔ اور غُلَامُ زَيْدٍ میں مضاف الیہ کیا ہے؟ زید ہے۔ اس کی طرف دیکھو اسم کی نسبت یعنی غلام کی نسبت کی جا رہی ہے۔ اور مَرَرْتُ بِزَيْدٍ اس کے اندر مضاف الیہ کیا ہے؟ زید، اس کی طرف فعل کی نسبت کی جا رہی ہے۔ تو صاحبِ کافیہ نے یہ نہیں کہا نُسِبَ إِلَيْهِ اسْمٌ، مضاف الیہ وہ ہے جس کی طرف اسم کی نسبت کی جائے، بلکہ کیا کہا؟ جس کی طرف کسی چیز کی نسبت کی جائے تاکہ یہ اسم کو بھی شامل ہو جائے اور فعل کو بھی شامل ہو جائے۔ پھر دیکھیے، کہتے ہیں ہر ایسا اسم ہے نُسِبَ إِلَيْهِ شَيْءٌ کہ جس کی طرف کسی چیز کی نسبت کی جائے اسْمًا كَانَ نَحْوُ چاہے وہ اسم ہو جیسے غُلَامُ زَيْدٍ، أَوْ فِعْلًا مِثْلُ مَرَرْتُ بِزَيْدٍ، یا وہ فعل ہو جیسے مَرَرْتُ بِزَيْدٍ۔

بھئی دیکھیے، یہاں میں نے پڑھا اسْمًا كَانَ نَحْوُ غُلَامُ زَيْدٍ۔ توجہ ہے؟ حالانکہ نَحْوُ مضاف ہے اور آگے غُلَامُ زَيْدٍ اس کے لیے کیا بن رہا ہے؟ مضاف الیہ۔ تو آپ کسرہ کے ساتھ بھی پڑھ سکتے ہیں نَحْوُ غُلَامِ زَيْدٍ۔ غلام پر جر کیوں پڑھا؟ کیونکہ نَحْوُ مضاف ہے اور غُلَامِ آگے مضاف الیہ ہے اس کے لیے اور پھر آگے زید کے لیے پھر وہ مضاف ہے۔ توجہ ہے؟ اور آپ چاہیں تو اعرابِ حکائی پڑھ لیں، یعنی یوں پڑھ لیں نَحْوُ غُلَامُ زَيْدٍ، یعنی کسی حکایت میں، کسی جملے میں مرفوع تھا، آپ نے یہاں پر بھی کیا پڑھ دیا؟ مرفوع پڑھ دیا۔ تو آپ دونوں طرح پڑھ سکتے ہیں نَحْوُ غُلَامُ زَيْدٍ اور غُلَامِ زَيْدٍ پڑھ سکتے ہیں۔ تو آگے بھی اسی طرح مثالیں آئیں گی وہاں پر بھی آپ رفع بھی پڑھ سکتے ہیں اعرابِ حکائی کے طور پر، ہے مجرور ہی لیکن رفع پڑھیں گے اعرابِ حکائی کے طور پر کہ کسی جملے میں مرفوع تھا وہی اعراب آپ نے یہاں پڑھ دیا، اور آپ چاہیں تو کسرہ بھی پڑھ دیں بھئی۔

آگے دیکھیے کہ وہ اسم ہے جس کی طرف کسی چیز کی نسبت کی جائے، چاہے وہ اسم ہو جس کی نسبت کی گئی ہے یا فعل ہو، بِوَاسِطَةِ حَرْفِ الْجَرِّ لَفْظًا أَوْ تَقْدِيرًا، کس کے واسطے سے؟ حرفِ جر کے واسطے سے لَفْظًا أَوْ تَقْدِيرًا، اور وہ حرفِ جر لفظاً ہوگا یا تقدیراً۔ أَيْ مَلْفُوظًا كَانَ ذَلِكَ الْحَرْفُ، یعنی بتلانا یہ چاہتے ہیں کہ یہ لَفْظًا بمعنی مَلْفُوظًا کے ہے یہاں اور تَقْدِيرًا بمعنی مُقَدَّرًا کے ہے، اور نیز اس کو کیا بنایا؟ كَانَ کی خبر بنایا۔ بِوَاسِطَةِ حَرْفِ الْجَرِّ آگے کیا ہے؟ لَفْظًا أَوْ تَقْدِيرًا۔ آگے صاحبِ جامی بتلا رہے ہیں أَيْ مَلْفُوظًا كَانَ ذَلِكَ الْحَرْفُ، کہ وہ حرف کیا ہو چاہے؟ ملفوظ۔ تو دیکھو كَانَ ذَلِكَ الْحَرْفُ، یہ ذَلِكَ الْحَرْفُ كَانَ کا اسم ہے اور مَلْفُوظًا مقدم کر دیا یہ كَانَ کی خبرِ مقدم ہے۔ تو لَفْظًا کس معنی میں؟ ملفوظ۔ وجہ یہ کہ یہ کس کی بات چل رہی ہے؟ وہ حرفِ جر کی، اور وہ حرفِ جر لفظ ہے یا ملفوظ ہے؟ ہاں؟ وہ حرفِ جر لفظ، وہی ملفوظ کے معنی میں ہے نا، لفظ کو لفظ کیوں کہتے ہیں؟ کیونکہ ہم اس پر تلفظ کرتے ہیں وہ ملفوظ ہوتا ہے۔ تو مصدر ہے، مصدر کا حمل تو ذات پر صحیح

نہیں، تو اسی طرح تقدیراً، وہ حرفِ جر تقدیر نہیں ہے بلکہ مقدر ہے بھئی۔ تو کہتے ہیں: بِوَاسِطَةِ حَرْفِ الْجَرِّ لَفْظًا أَوْ تَقْدِيرًا أَيْ مَلْفُوظًا كَانَ ذَلِكَ الْحَرْفُ، یعنی وہ حرف یا تو ملفوظ ہوگا، كَمَا فِي مِثْلِ مَرَرْتُ بِزَيْدٍ، جیسے کہ مَرَرْتُ بِزَيْدٍ، اس میں حرفِ جر ملفوظ ہے ہم اس پر تلفظ کر رہے ہیں یہ با جارہ جو ہے، أَوْ مُقَدَّرًا، اور یا حرفِ جر کیا ہوگا؟ مقدر ہوگا، حَالَ كَوْنِ ذَلِكَ الْمُقَدَّرِ مُرَادًا، اس حال میں کہ وہ مقدر حرفِ جر مُرَادًا کیا ہوگا؟ مراد ہوگا، مِنْ حَيْثُ الْعَمَلِ، کس اعتبار سے؟ عمل کے اعتبار سے، بِإِبْقَاءِ أَثَرِهِ، اس کے اثر کو باقی رکھتے ہوئے، وَهُوَ الْجَرُّ، اور اس کا عمل کیا ہے؟ جر ہے بھئی۔ اصل میں تھا غُلَامٌ لِزَيْدٍ، پھر لام کو مقدر کر دیا لیکن جر ابھی بھی آپ پڑھ رہے ہیں غُلَامُ زَيْدٍ۔

کہتے ہیں آگے دیکھیے: مِثْلُ غُلَامُ زَيْدٍ وَخَاتَمُ فِضَّةٍ وَضَرْبُ الْيَوْمِ. جی، تین مثالیں ذکر کر دیں صاحبِ جامی نے۔ آگے تفصیل بتلائیں گے کہ یہ اضافتِ معنویہ کے اندر کبھی لام مقدر ہوتا ہے، کبھی فِي مقدر ہوتا ہے اور کبھی مِنْ۔ غُلَامُ زَيْدٍ، اصل میں کیا تھا؟ غُلَامٌ لِزَيْدٍ، یہاں لام مقدر تھا۔ اسی طرح اگلی مثال دیکھیے: خَاتَمُ فِضَّةٍ، اصل میں ہے خَاتَمٌ مِنْ فِضَّةٍ۔ دیکھو خَاتَمُ مضاف، فِضَّةٍ مضاف الیہ، جب مضاف الیہ جنس ہو مضاف کے لیے، یعنی اس سے مضاف بنا ہوا ہو، یہ انگوٹھی کس سے بنی ہے؟ چاندی سے، تو یہ فِضَّة اس کے لیے جنس ہوئی، اور اس طرح کی اضافت میں مِنْ مقدر ہوتا ہے أَيْ خَاتَمٌ مِنْ فِضَّةٍ۔ اور آگے ہے ضَرْبُ الْيَوْمِ، اس کے اندر دیکھو الْيَوْمِ یہ ظرف ہے ضرب کے لیے، وہ ضرب کس وقت لگی؟ دن میں لگی تھی، تو یہاں فِي مقدر ہے ضَرْبٌ فِي الْيَوْمِ۔ تو اضافتِ معنوی اس کے اندر کبھی لام مقدر ہوگا، کبھی مِنْ اور کبھی فِي۔ تو بہرحال چاہے لام ہو، مِنْ ہو یا فِي، وہ مقدر ہیں لیکن ان کا عمل ابھی بھی باقی ہے، غُلَامُ زَيْدٍ دیکھو آپ جر پڑھ رہے ہیں، خَاتَمُ فِضَّةٍ آپ جر پڑھ رہے ہیں مضاف الیہ پر، اور ضَرْبُ الْيَوْمِ تو دیکھو الْيَوْمِ مضاف الیہ پر آپ جر پڑھ رہے ہیں بھئی۔ یہاں پھر اسی طرح ہے، عبارت دیکھیے: وَهُوَ الْجَرُّ مِثْلُ غُلَامِ زَيْدٍ وَخَاتَمِ فِضَّةٍ وَضَرْبِ الْيَوْمِ، چاہے تو آپ اسی طرح اعراب پڑھیں یعنی جر ہی پڑھیں، اور آپ چاہیں تو یوں پڑھیں مِثْلُ غُلَامُ زَيْدٍ وَخَاتَمُ فِضَّةٍ وَضَرْبُ الْيَوْمِ، بات سمجھ میں آ رہی ہے؟ یہ اعرابِ حکائی ہو جائے گا، تو جو جیسے آپ پڑھنا چاہیں۔

بِخِلَافِ قُمْتُ يَوْمَ الْجُمُعَةِ، بخلاف قُمْتُ يَوْمَ الْجُمُعَةِ کے۔ دیکھو قُمْتُ فعل ہے، قُمْتُ میں نے قیام کیا، میں کھڑا ہوا يَوْمَ الْجُمُعَةِ، کس دن؟ جمعے والے دن۔ اب یہ يَوْمَ الْجُمُعَةِ یہ ظرف ہے اور یہاں کیا مقدر ہوتا ہے؟ ظرفیت کے لیے کون سا حرف ہے؟ فِي، تو یہاں فِي مقدر ہے، تو اصل میں ہے قُمْتُ فِي يَوْمِ الْجُمُعَةِ، پھر وہ فِي کو کیا کر لیا گیا؟ مقدر کر لیا گیا، اور وہ یہاں مراد نہیں ہے، اگر وہ مراد ہوتا تو پھر يَوْمِ الْجُمُعَةِ اس کا عمل باقی رہنا چاہیے تھا، لیکن اس کا عمل بھی باقی نہیں۔ وہی بات کر رہے ہیں جو میں نے ذکر کی تھی کہ یہ مُرَادًا قید کس لیے لگائی؟ مفعول فیہ اور مفعول لہ کو نکالنے کے لیے، تو یہ مفعول فیہ کی مثال دے دی کہ یہاں مراد نہیں ہے حرفِ جر۔ بِخِلَافِ قُمْتُ يَوْمَ الْجُمُعَةِ فَإِنَّهُ وَإِنْ نُسِبَ إِلَيْهِ الْقِيَامُ بِالْحَرْفِ الْمُقَدَّرِ، اس لیے کیونکہ یہاں پر یہ يَوْمَ الْجُمُعَةِ جو ہے اگرچہ اس کی طرف نسبت کی گئی ہے قیام کی بِالْحَرْفِ الْمُقَدَّرِ،

کس کے ذریعے؟ حرفِ مقدر کے ذریعے، وَهُوَ فِي، اور وہ حرفِ مقدر فِي ہے، لَكِنَّهُ غَيْرُ مُرَادٍ، لیکن وہ فِي حرفِ جر جو ہے مقدر یہاں مراد نہیں، إِذْ لَوْ أُرِيدَ، اس لیے کیونکہ اگر اس کا ارادہ کیا جاتا لَانْجَرَّ بِهِ، تو اس کی وجہ سے یہ ظرف مجرور ہوتا بھئی۔

فَالتَّقْدِيرُ أَيْ تَقْدِيرُ الْحَرْفِ، اب بیان کرنے لگے ہیں کہ تقدیرِ حرف کی شرط کیا ہے؟ تقدیرِ حرف کی شرط کہ حرف کو مقدر کہاں کریں گے؟ تو میں نے بتلایا کہ مضاف اسم ہونا چاہیے، مضاف کیا ہونا چاہیے؟ اسم، غُلَامُ زَيْدٍ، یہ غلام اسم ہے اس لیے لام مقدر ہے۔ اور مَرَرْتُ بِزَيْدٍ، یہاں مَرَرْتُ فعل ہے اس لیے با کو مقدر نہیں کر سکتے۔ تو حرف کے مقدر کرنے کی شرط کیا ہے؟ مضاف کیا ہونا چاہیے؟ اسم ہونا چاہیے اور نیز اس کو تنوین اور قائم مقامِ تنوین سے خالی کیا جائے اس اضافت کی وجہ سے۔ اصل میں کیا تھا؟ غُلَامٌ لِزَيْدٍ، پھر غلام سے تنوین گر گئی غُلَامُ زَيْدٍ۔ تو کہتے ہیں: فَالتَّقْدِيرُ أَيْ تَقْدِيرُ الْحَرْفِ، تو تقدیرِ حرف جو ہے شَرْطُهُ أَنْ يَكُونَ الْمُضَافُ اسْمًا، تو اس کی شرط یہ ہے کہ مضاف اسم ہونا چاہیے، إِذْ لَوْ كَانَ فِعْلًا اس لیے کیونکہ اگر مضاف فعل ہو لَا بُدَّ مِنْ أَنْ يُتَلَفَّظَ بِالْحَرْفِ، تو ضروری ہے کہ حرف پر تلفظ کیا جائے، مَرَرْتُ بِزَيْدٍ پھر آپ اس با کو مقدر نہیں کر سکتے پھر تو حرف پر تلفظ ضروری ہے یعنی اس کا لفظوں میں ہونا ضروری ہے۔ تو کہتے ہیں: إِذْ لَوْ كَانَ فِعْلًا لَا بُدَّ مِنْ أَنْ يُتَلَفَّظَ بِالْحَرْفِ، اس لیے کیونکہ اگر مضاف فعل ہوگا تو ضروری ہے کہ اس حرفِ جر پر تلفظ کیا جائے، نَحْوُ مَرَرْتُ بِزَيْدٍ، جیسے مَرَرْتُ بِزَيْدٍ۔

مُجَرَّدًا أَيْ مُنْسَلِخًا عَنْهُ تَنْوِينُهُ، مُجَرَّدًا، مجرد کا معنی ہے خالی کرنا یعنی یوں کہو الگ کرنا، الگ کرنا۔ اور جس چیز کو آپ الگ کریں گے تو وہ الگ ہو جائے گی۔ توجہ ہے؟ ہاں، تو الگ کرنے کے ساتھ لازم ہے الگ ہونا۔ آپ ایک چیز کو دوسری چیز سے کیا کریں گے؟ الگ کریں گے، تو وہ کیا ہو جائے گی؟ الگ ہو جائے گی، توجہ ہے؟ تو الگ کرنے کے ساتھ کیا لازم ہے؟ الگ ہونا، الگ کرو گے تو کیا ہو جائے گی؟ الگ ہو جائے گی، توجہ ہے؟ الگ کرنا متعدی ہے اس کے لیے مفعول چاہیے، الگ کیا میں نے اس چیز کو دوسری چیز سے الگ کیا، اور الگ ہونا یہ لازمی ہے ایک چیز دوسری چیز سے الگ ہو گئی۔ تو جہاں الگ کرنا ہوگا اس کے ساتھ لازم ہے وہ الگ ہو جائے گی۔ تو یہاں پر بھی مُجَرَّدًا کا معنی کیا ہے؟ الگ کرنا، اور مُنْسَلِخًا، صاحبِ جامی بتلا رہے ہیں کہ مُجَرَّدًا بمعنی مُنْسَلِخًا کے ہے یعنی الگ ہونے کے معنی میں ہے، مُنْسَلِخ کا معنی الگ ہونا، الگ ہونا۔ تو یہاں الگ ہونے کے معنی میں ہے، توجہ ہے؟ اب دیکھو ترجمہ سنو: مُجَرَّدًا عَنْهُ، الگ ہو، مُجَرَّدًا کا معنی الگ کرنا نہیں بلکہ الگ ہونا۔

مُجَرَّدًا أَيْ مُنْسَلِخًا، الگ ہو، عَنْهُ اس اسم سے، وہ جو مضاف ہے اس اسم سے الگ ہو تَنْوِينُهُ اس کی تنوین، اس اسم سے اس کی تنوین الگ ہو، لِأَجْلِهَا آگے متن آرہا ہے، اس اضافت کی وجہ سے یعنی اضافت کی وجہ سے تنوین یا قائم مقامِ تنوین الگ ہو جائے، گر جائے۔ بات سمجھ میں آگئی؟

معلوم ہوا یہاں مُجَرَّدًا اپنے حقیقی معنی میں نہیں استعمال بلکہ مجازی معنی میں استعمال ہے، یعنی ملزوم بول کر لازم

کا ارادہ کیا گیا ہے۔ الگ کرنے کے ساتھ لازم کیا ہے؟ الگ ہونا۔ تو الگ کرنا ہوا ملزوم اور اس کے ساتھ لازم کیا ہے؟ الگ ہونا۔ تو مُجَرَّدًا بول کر الگ کرنا یعنی حقیقی معنی نہیں مراد بلکہ اس کا لازم یعنی مجازی معنی مراد ہے۔ تو صاحبِ جامی بتلانا چاہتے ہیں مُجَرَّدًا أَيْ مُنْسَلِخًا، کہ مُجَرَّدًا اپنے حقیقی معنی میں یہاں استعمال نہیں ہے، تو کہتے ہیں: مُجَرَّدًا أَيْ مُنْسَلِخًا عَنْهُ تَنْوِينُهُ، کہ یعنی کہ الگ ہو، عَنْهُ اس اسم سے، اس مضاف سے تَنْوِينُهُ اس کی تنوین الگ ہو۔

تو شارحِ جامی فرماتے ہیں کہ مُجَرَّدًا ملزوم بول کر لازم کا ارادہ ہے یعنی یہ مجازی معنی میں استعمال ہے۔ اور شارحین یہاں فرماتے ہیں کہ یہاں پر قلب ہے۔ کیا ہے؟ قلب۔ قلب اسے کہتے ہیں کہ فاعل کو آپ مفعول کی جگہ لے جائیں اور مفعول کو فاعل کی جگہ، یعنی جگہ بدل دیں لفظوں کی ایک دوسرے کی جگہ، اس کو کہتے ہیں قلب۔ جیسے دیکھو یہاں پر اب ذرا لفظوں کے مطابق دیکھو: مُجَرَّدًا عَنْهُ تَنْوِينُهُ، مُجَرَّدًا خالی کیا گیا ہو، خالی کیا گیا ہو۔ کس کو خالی کیا گیا ہو؟ آگے تَنْوِينُهُ اس کا نائب الفاعل آرہا ہے۔ خالی کیا گیا ہو کس کو؟ اس مضاف کی تنوین کو۔ خالی کیا گیا ہو اس مضاف کی تنوین کو عَنْهُ اس اسم سے، اس مضاف سے۔ مضاف کی تنوین کو مضاف سے خالی کیا گیا ہو۔ توجہ ہے؟ مجھے بتائیے مضاف کو تنوین سے خالی کرتے ہیں یا تنوین کو مضاف سے خالی کرتے ہیں؟ غُلَامٌ، غلام سے تنوین کو خالی کریں گے یا تنوین سے مضاف، غلام کا لفظ ہٹا دیں گے؟ غلام سے تنوین کو ہٹائیں گے نا، تنوین سے تو غلام کا لفظ نہیں ہٹا دیں گے۔ توجہ ہے؟ تو لہٰذا یہاں اب دیکھو معنی خراب ہو رہا ہے۔ مُجَرَّدًا عَنْهُ تَنْوِينُهُ، خالی کر دیا گیا ہو، کس کو؟ تَنْوِينُهُ، نائب فاعل ہے، کس کو خالی کیا گیا ہو؟ مضاف کی تنوین کو خالی کیا گیا ہو، عَنْهُ، کس سے خالی کیا ہے؟ مضاف سے، تو یہ تو بات ہی نہیں بنتی۔ اس کو قلب کہتے ہیں، یہ عربی زبان میں استعمال ہوتی ہے، ایک تو یہ کلام میں حسن پیدا کرتی ہے، اور نیز بعض اوقات اس میں کوئی نکتہ بھی ہوتا ہے۔ مثلاً جیسے بلاغت کی کتابوں میں آپ پڑھتے ہیں، دیکھو ایک ہوتی ہے دیوار، دیوار اینٹوں کی بنائی جاتی ہے اور پھر اس کے اوپر سیمنٹ کا پلستر کیا جاتا ہے، پلستر کیا جاتا ہے۔ تو کہنا تو یوں چاہیے میں نے دیوار پر پلستر کر دیا، لیکن عربی میں کبھی کہتے ہیں میں نے پلستر پر دیوار کر دی، میں نے پلستر پر دیوار کر دی، یعنی پلستر کو اصل بنا دیا اور دیوار کو اس کے تابع بنا دیا حالانکہ پلستر تابع ہوتا ہے دیوار کے۔ تو وہاں نکتہ یہ کہ بتلانا یہ چاہتا ہے کہ بڑا ہی موٹا پلستر کیا اس پر، اتنا موٹا کیا پلستر یوں سمجھو پلستر اصل تھا اور دیوار اس کے تابع تھی بھئی۔ تو یہاں پر بھی شارحین کیا فرماتے ہیں یہ قلب ہوا ہے، اور قلب کیا جاتا ہے بعض اوقات میں نے بتایا کوئی نکتہ ہوتا ہے بعض اوقات ویسے ہی کلام میں حسن پیدا کرنے کے لیے، لذت پیدا کرنے کے لیے ایک نئے انداز میں کلام لانے کے لیے قلب کیا جاتا ہے، تو یہاں پر بھی اور شارحین کیا فرماتے ہیں؟ قلب ہے۔ کیا ہے؟ قلب۔ خالی کیا جاتا ہے تنوین کو اس اسم سے، اصل میں کیا ہے؟ خالی کیا جاتا ہے اس اسم کو کس سے؟ تنوین سے۔ تو عَنْهُ کی ہا ضمیر اسم کو راجع کی حالانکہ یہاں تنوین ہونا چاہیے تھا عَنِ التَّنْوِينِ، کس سے خالی کیا جاتا ہے؟ تنوین سے، اور کس کو خالی کیا جاتا ہے؟ اس مضاف کو، تو جگہ بدل دی۔ عَنْهُ کی ہا ضمیر اور تنوین کی جگہ بدل دیں تو پھر بات ٹھیک بن

جاتی ہے، تو وہ فرماتے ہیں قلب ہے۔ لیکن صاحبِ جامی فرماتے ہیں کہ یہ مُجَرَّدًا مجازی معنی میں ہے، ملزوم بول کر لازم کا ارادہ ہے یہاں یعنی الگ ہونے کے معنی میں ہے، تو اس صورت میں بھی کلام بہترین بن جاتا ہے اور کوئی قلب یہاں ماننے کی حاجت نہیں ہے بھئی۔

تو کہتے ہیں: مُجَرَّدًا أَيْ مُنْسَلِخًا عَنْهُ تَنْوِينُهُ، یعنی الگ ہو عَنْهُ اس اسم سے تَنْوِينُهُ اس کی تنوین، أَوْ مَا قَامَ مَقَامَهُ، یا جو تنوین کے قائم مقام ہو، مِنْ نُونَيِ التَّثْنِيَةِ وَالْجَمْعِ، اصل میں تھا مِنْ نُونَيْنِ، دو نون جو ہیں، تثنیہ ہے، پھر اضافت کی وجہ سے یہ آخر کا نون گر گیا، تنوین الگ ہو جائے یا جو تنوین کا قائم مقام ہے مِنْ نُونَيِ التَّثْنِيَةِ وَالْجَمْعِ یعنی تثنیہ اور جمع کے جو دو نون ہیں، یہ کیا ہیں؟ تنوین کے قائم مقام ہیں، یہ الگ ہو جائیں۔ لِأَجْلِهَا أَيْ لِأَجْلِ الْإِضَافَةِ، ضمیر کا مرجع بتلا دیا کہ أَجْلِهَا کی ہا ضمیر کس کو راجع؟ اضافت کو راجع ہے۔ تو یہ تنوین کو کیوں الگ کیا جائے؟ لِأَجْلِهَا أَيْ لِأَجْلِ الْإِضَافَةِ، اضافت کی وجہ سے۔ اضافت کی وجہ سے تنوین اس سے الگ ہو جائے۔ لِأَنَّ التَّنْوِينَ أَوِ النُّونَ دَلِيلٌ عَلَى تَمَامِ مَا هِيَ فِيهِ، اس لیے کیونکہ تنوین یا جو نون ہے جو نونِ جمع یا تثنیہ ہے دَلِيلٌ یہ دلیل ہے عَلَى تَمَامِ مَا هِيَ فِيهِ، اس اسم کے پورا ہونے پر جس کے اندر یہ موجود ہوں۔ یہ دَلِيلٌ عَلَى تَمَامِ مَا، یہ دلیل ہیں عَلَى تَمَامِ مَا، مَا سے مراد ہے اسم، یہ اس اسم کے تام ہونے، پورا ہونے کی دلیل ہے هِيَ فِيهِ جس کے اندر یہ تنوین یا نون موجود ہوں۔

بھئی دیکھو، یہ جو تنوین اور نون کسی اسم کے آخر میں آجائیں اس کا مطلب ہے وہ اسم پورا ہو گیا ہے، معلوم ہوا آگے کوئی مضاف الیہ نہیں آرہا۔ غُلَامٌ، جب میں نے تنوین پڑھی معلوم ہوا یہ پورا ہے آگے کوئی مضاف الیہ نہیں۔ یا غُلَامَانِ، یہ نونِ تثنیہ آیا، یا مُسْلِمُونَ نونِ جمع آیا، معلوم ہوا یہ لفظ پورے ہیں آگے کوئی مضاف الیہ نہیں۔ لیکن جب عرب یہ ارادہ کرتے ہیں کہ دو کلموں کو ملا دیں، دو کلموں کو ملا دیں، اس طرح ملائیں کہ اول کلمہ، تخفیف آجائے اس میں اول کے اندر یا تخصیص آجائے یا تعریف آجائے، تو پھر اس صورت میں وہ پھر پہلے کلمے سے تنوین یا قائم مقامِ تنوین کو گرا دیتے ہیں، اور دوسرے کلمے کے ذریعے اس کو پھر پورا کر دیتے ہیں۔ پہلے کلمہ کس کے ذریعے پورا ہو رہا تھا؟ تنوین یا نونِ تثنیہ یا نونِ جمع کے ذریعے، اب جب دوسرے کلمے کے ساتھ ملا دیا تو اب کس کے ذریعے پورا ہوگا؟ اب وہ دوسرے کلمے کے ذریعے یہ پہلا کلمہ پورا ہوگا۔ جیسے غُلَامٌ، غُلَامٌ پہلے تنوین کے ذریعے پورا ہو رہا تھا، اب جب آپ نے زید اس کے ساتھ ملا دیا غُلَامُ زَيْدٍ، اب غلام کا لفظ کس کے ذریعے پورا ہو رہا ہے؟ زید کے لفظ کے ذریعے۔ توجہ ہے؟ یا غُلَامَانِ، پہلے یہ نونِ تثنیہ کے ذریعے پورا ہو رہا تھا، پھر اب آگے زید ملا دیا غُلَامَا زَيْدٍ، اب یہ زید کے ذریعے پورا ہو رہا ہے۔ یا مُسْلِمُونَ، یہ پہلے نون کے ذریعے تام ہو رہا تھا، پھر اس کے بعد آپ نے مصر ساتھ جوڑ دیا مُسْلِمُو مِصْرٍ، کسی شہر کے مسلمان، اب یہ مُسْلِمُونَ نون کے ذریعے نہیں پورا ہو رہا بلکہ مضاف الیہ کے ذریعے پورا ہو رہا ہے۔ اور مقصد کیا ہوتا ہے؟ یہ تنوین کو یا قائم مقامِ تنوین کو ہٹا کر دوسرے اسم کو کیوں ملایا جاتا ہے؟ تاکہ یہ پہلا اسم، پہلا اسم دوسرے اسم سے کیا اخذ کر لے؟ تخفیف یا تخصیص یا تعریف۔ توجہ ہے؟

تو کہتے ہیں: لِأَنَّ التَّنْوِينَ أَوِ النُّونَ دَلِيلٌ عَلَى تَمَامِ مَا هِيَ فِيهِ، اس لیے کیونکہ تنوین یا نون جو ہے یہ دلیل ہے اس اسم کے پورا ہونے کی جس کے اندر یہ آجائیں۔ فَلَمَّا أَرَادُوا بس جب عربوں نے ارادہ کیا أَنْ يَمْزُجُوا الْكَلِمَتَيْنِ، کہ وہ ملا دیں دو کلموں کو، مَزَجَ يَمْزُجُ کے معنی ہیں ملانا، جوڑنا، کہ جب عربوں نے یہ ارادہ کیا أَنْ يَمْزُجُوا الْكَلِمَتَيْنِ کہ وہ ملا دیں دو کلموں کو مَزْجًا تَكْتَسِبُ، مَزْجًا دیکھو نکرہ ہے یہ مفعولِ مطلق ہے، وہ مصدر جو ماقبل فعل کے معنی میں ہو اسے کیا کہتے ہیں؟ مفعولِ مطلق، اور آگے تَكْتَسِبُ یہ نکرہ کے بعد فعل آیا تو یہ اس کے لیے کیا بنے گا؟ صفت۔ جب عربوں نے یہ ارادہ کیا کہ وہ دو کلموں کو ملا دیں مَزْجًا ایسا ملانا تَكْتَسِبُ بِهِ الْأُولَى کہ اس کے ذریعے حاصل کرلے پہلا کلمہ مِنَ الثَّانِيَةِ کس سے حاصل کرے؟ دوسرے کلمے سے حاصل کرلے، کیا حاصل کرے؟ التَّعْرِيفَ أَوِ التَّخْصِيصَ أَوِ التَّخْفِيفَ، تعریف حاصل کرلے یا تخصیص حاصل کر لے یا تخفیف حاصل کرلے، جب انہوں نے یہ ارادہ کیا کہ دو کلموں کو اس طرح ملائیں کہ پہلا کلمہ دوسرے کلمے سے تعریف، تخصیص یا تخفیف حاصل کرلے، فَحَذَفُوا مِنَ الْأُولَى عَلَامَةَ تَمَامِ الْكَلِمَةِ، تو انہوں نے حذف کر لیا پہلے کلمے سے کلمے کے پورا ہونے کی علامت کو، یعنی تنوین یا نونِ تثنیہ و جمع کو اس سے حذف کر لیا، وَتَمَّمُوهَا بِالثَّانِيَةِ، اور پھر اس کو پورا کر دیا کس کے ذریعے؟ دوسرے کلمے کے ذریعے۔ پہلے کس سے پورا ہو رہا تھا؟ تنوین یا نون کے ذریعے، اب کس سے پورا ہو رہا ہے؟ دوسرے کلمے کے ذریعے پورا ہو رہا ہے، اور اس کو کیوں ملایا، کیوں پورا کیا اس کے ذریعے؟ تاکہ اس کے اندر پہلے کلمے کے اندر تعریف یا تخصیص یا تخفیف آجائے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ اور یہ بھی یاد رکھنا کہ یہ منع الخلو کے طریقے پر ہے۔ اضافتِ لفظی میں صرف تخفیف آتی ہے تعریف یا تخصیص نہیں، لیکن اضافتِ معنوی میں تعریف اور تخصیص کے ساتھ ساتھ تخفیف بھی آجاتی ہے، ان میں بھی تنوین یا نون گر جاتا ہے، لیکن وہاں تو اصل مقصود تخفیف نہیں ہوتی وہاں تعریف یا تخصیص اصل مقصود ہوتی ہے اس لیے اس کو ذکر کرتے ہیں۔

آگے دیکھیے بھئی: ثُمَّ الْمُتَبَادِرُ مِنْ هَذَا التَّعْرِيفِ نَظَرًا إِلَى كَلَامِ الْقَوْمِ حَيْثُ لَيْسُوا قَائِلِينَ بِتَقْدِيرِ حَرْفِ الْجَرِّ فِي الْإِضَافَةِ اللَّفْظِيَّةِ أَنَّهُ غَيْرُ شَامِلٍ لِلْمُضَافِ إِلَيْهِ بِالْإِضَافَةِ اللَّفْظِيَّةِ۔ یہاں سے اب صاحبِ جامی فرما رہے ہیں کہ بھئی دیکھیے عام نحوی حضرات کیا فرماتے ہیں؟ اضافتِ لفظیہ میں حرفِ جر مقدر نہیں ہوتا۔ توجہ ہے؟ اضافتِ لفظیہ میں حرفِ جر مقدر نہیں ہوتا۔ اضافتِ لفظیہ کسے کہتے ہیں؟ کہ صیغہ صفت کا ہو اور مضاف ہو اپنے معمول کی طرف۔ صفت کے صیغے سے کون سے صیغے مراد ہیں؟ اسمِ فاعل، اسمِ مفعول اور صفتِ مشبہ، بس یہ تین مراد ہیں۔ اور معمول سے کون سے معمول مراد ہیں؟ فاعل اور مفعول، باقی معمول مراد نہیں۔ تو یہ جو اضافتِ لفظیہ ہے عام نحوی علما کے نزدیک اس میں حرفِ جر مقدر نہیں ہوتا۔ جب اس میں حرفِ جر مقدر نہیں ہوتا تو ضَارِبُ عَمْرٍو یہ عَمْرٍو مضاف الیہ نہیں ہے۔ ضَارِبُ عَمْرٍو یہ کون سی اضافت ہے؟ اضافتِ لفظی ہے۔ اور ابھی انہوں نے مضاف الیہ کی تعریف کی، مضاف الیہ کسے کہتے ہیں؟ جہاں حرفِ جر لفظوں میں ہوگا یا تقدیراً ہوگا، اور ضَارِبُ عَمْرٍو میں تو نہ حرفِ جر لفظوں میں ہے اور نہ تقدیراً ہے۔ معلوم ہوا یہ مضاف الیہ نہیں۔ جس

مضاف الیہ کی ابھی پیچھے تعریف کی اس کے اندر یہ مضاف الیہ باضافتِ لفظی داخل نہیں۔ بات سمجھ میں آگئی؟ کہتے ہیں عام نحوی علما کے کلام سے یہی معلوم ہوتا ہے، اور پیچھے جو تعریف بھی کر دی کہ اس میں حرفِ جر لفظاً ہوگا یا تقدیراً ہوگا اس سے بھی پتہ چل گیا کہ مضاف الیہ باضافتِ لفظی وہ اس تعریف میں داخل نہیں۔ لیکن صاحبِ کافیہ کے کلام سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے مضاف الیہ باضافتِ لفظی کو بھی اس میں داخل کیا ہے، مضاف الیہ باضافتِ لفظی کو بھی اس کے اندر داخل کیا ہے۔ اس میں داخل کیا ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ دیکھیے بھئی کتاب پر۔

کہتے ہیں: ثُمَّ الْمُتَبَادِرُ مِنْ هَذَا التَّعْرِيفِ، تبادر، تبادر کا معنی ہے کسی بات کا فوراً ذہن میں آنا۔ ایک بات ہے مثلاً آپ، کوئی دوسرا تکلم کرتا ہے تو سنتے ہی فوراً ذہن میں جو بات آئے اس کو کہیں گے متبادر ہے یہ بات، اور ایک ہے کہ ذرا غور وغیرہ کرو اور پھر کوئی اور بات سمجھ میں آئے تو وہ متبادر نہیں۔ تو یہ جو تعریف کی پیچھے، پیچھے جو تعریف کی اس تعریف سے کیا متبادر ہوتا ہے؟ کیا بات فوراً سمجھ میں آتی ہے؟ کہ اس میں مضاف الیہ باضافتِ لفظی داخل نہیں کیونکہ اس کے اندر تو حرفِ جر لفظاً یا تقدیراً ہونا ضروری ہے اور عام نحویوں کے نزدیک اس میں حرفِ جر نہ لفظاً ہوتا ہے اور نہ تقدیراً۔ تو متبادر کیا ہوا اس گزشتہ تعریف سے؟ کہ اس میں مضاف الیہ باضافتِ لفظی داخل نہیں ہے بھئی۔ کہتے ہیں: ثُمَّ الْمُتَبَادِرُ مِنْ هَذَا التَّعْرِيفِ، پھر وہ بات جو ذہن کی طرف سبقت کرتی ہے اس تعریف سے یہ جو پیچھے مضاف الیہ کی تعریف کی متبادر ہوتی ہے، آگے ایک سطر بعد آرہا ہے أَنَّهُ غَيْرُ شَامِلٍ لِلْمُضَافِ إِلَيْهِ بِالْإِضَافَةِ اللَّفْظِيَّةِ، کہ یہ تعریف مضاف الیہ باضافتِ لفظیہ کو شامل نہیں ہے۔ عبارت سمجھ میں آرہی ہے؟ کتاب پہ دیکھیں: ثُمَّ الْمُتَبَادِرُ مِنْ هَذَا التَّعْرِيفِ، یہ ثُمَّ الْمُتَبَادِرُ یہ ہے مبتدا، اور آگے ایک سطر بعد آرہا ہے أَنَّهُ غَيْرُ شَامِلٍ لِلْمُضَافِ إِلَيْهِ بِالْإِضَافَةِ اللَّفْظِيَّةِ یہ ہے خبر۔ پھر اس تعریف سے یہ بات متبادر ہوتی ہے یہ بات ذہن میں آتی ہے کہ یہ مضاف الیہ بالاضافۃ اللفظیہ کو شامل نہیں۔ کیوں نہیں شامل؟ آگے وہ درمیان میں بیان کیا: نَظَرًا إِلَى كَلَامِ الْقَوْمِ، الْقَوْمِ سے نحوی مراد ہیں، خاص لوگ یعنی نحوی، نَظَرًا إِلَى كَلَامِ الْقَوْمِ، نحویوں کے کلام کی طرف نظر کرتے ہوئے حَيْثُ لَيْسُوا قَائِلِينَ بِتَقْدِيرِ حَرْفِ الْجَرِّ کہ وہ قائل نہیں ہیں حرفِ جر کی تقدیر کے فِي الْإِضَافَةِ اللَّفْظِيَّةِ کس میں؟ اضافتِ لفظیہ میں۔ تو نحویوں کے کلام کی طرف نظر کرتے ہوئے کہ وہ اضافتِ لفظیہ میں تقدیرِ حرفِ جر کے قائل نہیں ہیں، اس تعریف سے یہی بات متبادر ہوتی ہے کہ یہ بھی مضاف الیہ بالاضافۃ اللفظی کو شامل نہیں ہے بھئی۔

آگے دیکھیے: لَكِنَّ الظَّاهِرَ مِنْ كَلَامِ الْمُصَنِّفِ فِي الْمَتْنِ وَالصَّرِيحَ فِي شَرْحِهِ لَهُ، وَالصَّرِيحَ، اس کا عطف ہے الظَّاهِرَ پر۔ لَكِنَّ الظَّاهِرَ اور لَكِنَّ الصَّرِيحَ۔

ادھر دیکھیے، عام نحویوں کے کلام سے یہی ظاہر ہوتا ہے کہ مضاف الیہ باضافتِ لفظی وہ اس تعریف کے اندر داخل نہیں۔ لیکن صاحبِ کافیہ کے متن سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ اس میں داخل ہے، وہ اس کو داخل کرتے ہیں اس میں۔ کس سے ظاہر ہوتا ہے؟ صاحبِ کافیہ کے اس کافیہ کے متن سے۔ کس طرح؟ دیکھو آگے متن آرہا ہے، متن متن دیکھو: وَهِيَ مَعْنَوِيَّةٌ

وَلَفْظِيَّةٌ، وَهِيَ مَعْنَوِيَّةٌ وَلَفْظِيَّةٌ۔ یہ هِيَ ضمیر پیچھے آیا تھا، پیچھے جو اضافت آئی تھی بِتَقْدِيرِ حَرْفِ الْجَرِّ، اضافت، پیچھے بتایا تھا نا فَالتَّقْدِيرُ شَرْطُهُ أَنْ يَكُونَ الْمُضَافُ اسْمًا، کون سی اضافت کی بات کی؟ حرفِ جر کے مقدر ہونے کی بات کی کہ حرفِ جر مقدر ہونے کی کیا شرط ہے؟ کہ مضاف اسم ہونا چاہیے اور تنوین سے خالی ہونا چاہیے۔ آگے اسی کی تقسیم کر رہے ہیں وَهِيَ مَعْنَوِيَّةٌ وَلَفْظِيَّةٌ، یہ جو اضافت جو تقدیرِ حرف کے ساتھ ہوتی ہے یہ دو قسم پر ہے: لفظیہ اور معنویہ۔ تو معلوم ہوا یہ هِيَ ضمیر بظاہر اسی اضافت بتقدیرِ حرفِ جر کو راجع ہے جو ابھی پیچھے اضافت گزری اضافت میں کبھی کیا ہوگا؟ حرفِ جر مقدر ہوگا، اسی کی طرف راجع ہے اور اسی کی تقسیم کر رہے ہیں کہ وہ معنویہ ہوگی یا لفظیہ۔ معلوم ہوا معنویہ کے اندر بھی حرفِ جر مقدر ہوگا اور لفظیہ میں بھی حرفِ جر مقدر ہوگا۔ توجہ ہے؟ کس کی تقسیم کر رہے ہیں؟ پیچھے کیا کہا؟ حرفِ جر کے مقدر ہونے کی شرط کیا ہے؟ مضاف کیا ہونا چاہیے؟ اسم ہونا چاہیے، اسم ہونا چاہیے۔ تو لہٰذا آگے تقسیم کر رہے ہیں وَهِيَ مَعْنَوِيَّةٌ وَلَفْظِيَّةٌ، اور یہ والی جو اضافت ہے، کون سی اضافت؟ یہ جو ابھی پیچھے بات گزری، ہاں جو اضافت تقدیرِ لام کے ساتھ ہوتی ہے یہ معنوی بھی ہے اور لفظی، معلوم ہوا دونوں میں حرفِ جر مقدر ہے، حالانکہ باقی نحوی تو کہتے ہیں اضافتِ لفظی میں حرفِ جر مقدر ہی نہیں، لیکن صاحبِ کافیہ کی عبارت سے ظاہر یہی ہوتا ہے کہ ان کے نزدیک اضافتِ لفظی میں بھی حرفِ جر مقدر ہوتا ہے، انہوں نے اسی طرح تقسیم کی ہے۔ فرق سمجھ میں آرہا ہے؟

یہ تو تھا صاحبِ کافیہ کا متن اس سے ظاہر ہو رہا ہے، اور صاحبِ کافیہ نے اس کافیہ کی ایک شرح بھی لکھی ہے، اس شرح کے اندر تو انہوں نے صاف لفظوں میں لکھا ہے کہ وہ اضافت جو تقدیرِ حرف کے ساتھ ہوتی ہے وہ دو قسم پر ہے: لفظی اور معنوی۔ کون سی اضافت؟ وہ اضافت جو تقدیرِ حرف کے ساتھ، وہاں انہوں نے صاف لفظوں میں لکھا ہے کہ وہ اضافت جو تقدیرِ حرف کے ساتھ ہوتی ہے وہ معنوی ہوگی یا لفظی، معلوم ہوا دونوں کے اندر حرفِ جر مقدر ہے، معنوی میں بھی اور لفظی کے اندر بھی۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو کافیہ کی عبارت سے ظاہر ہے کہ اضافتِ لفظی میں حرفِ جر مقدر ہے اور اس کی شرح میں انہوں نے صراحتاً صاف لفظوں میں اس کو ذکر کیا ہے بھئی۔

بات سمجھ میں آگئی؟ لیکن صاحبِ جامی فرماتے ہیں، ادھر دیکھیے، صاحبِ جامی فرماتے ہیں صاحبِ کافیہ کی عبارت سے یہ ظاہر ہے کہ اضافتِ لفظی میں بھی حرفِ جر مقدر ہوتا ہے، لیکن وہ حرفِ جر کون سا مقدر ہوتا ہے اور کس طرح مقدر ہوتا ہے اس کو صاحبِ کافیہ نے کہیں بیان نہیں کیا، نہ تو کافیہ کی شرح میں بیان کیا ہے نہ اپنی اور تصانیف میں کہیں بیان کیا ہے۔ عام نحوی کیا فرماتے ہیں؟ اضافتِ لفظی میں حرفِ جر مقدر نہیں، لیکن صاحبِ کافیہ فرماتے ہیں حرفِ جر مقدر ہے۔ کس طرح مقدر ہے اور کون سا حرفِ جر مقدر ہے؟ کہیں انہوں نے اس کو ذکر نہیں فرمایا۔

دیکھیے بھئی، کہتے ہیں: لَكِنَّ الظَّاهِرَ مِنْ كَلَامِ الْمُصَنِّفِ فِي الْمَتْنِ، لیکن ظاہر یہی ہے مصنف کے کلام سے فِي الْمَتْنِ کس

کے اندر؟ اس کافیہ کے متن میں، وہ کون سا متن ہے؟ وہ جو آگے آرہا ہے میں نے بتایا وَهِيَ مَعْنَوِيَّةٌ وَلَفْظِيَّةٌ، اس سے ظاہر ہے۔ تو کہتے ہیں لَكِنَّ الظَّاهِرَ مِنْ كَلَامِ الْمُصَنِّفِ فِي الْمَتْنِ لیکن ظاہر یہی ہے مصنف کے کلام سے متن کے اندر وَالصَّرِيحَ فِي شَرْحِهِ لَهُ اور صریح ہے یعنی صاف لفظوں میں ہے فِي شَرْحِهِ جو اس مصنف کی شرح ہے لَهُ اسی متن کی، شَرْحِهِ کی ہا ضمیر مصنف کو راجع کریں جو مصنف یعنی صاحبِ کافیہ کی جو شرح ہے، لَهُ، لَهُ کی ہا ضمیر اس متن کو راجع کریں، اور صاحبِ کافیہ یعنی اسی مصنف کی جو شرح ہے اسی متن کی اس میں یہ بات صریح ہے کہ أَنَّ التَّقْسِيمَ إِلَى الْإِضَافَةِ الْمَعْنَوِيَّةِ وَاللَّفْظِيَّةِ کہ یہ جو تقسیم ہے اضافتِ معنویہ اور لفظیہ کی طرف إِنَّمَا هُوَ لِلْإِضَافَةِ بِتَقْدِيرِ حَرْفِ الْجَرِّ، یہ اس اضافت کی تقسیم ہے جو تقدیرِ حرفِ جر کے ساتھ ہوتی ہے۔ لَكِنَّهُ لَمْ يُبَيِّنْ تَقْدِيرَ الْحَرْفِ فِيهَا، لیکن صاحبِ کافیہ نے اس اضافت کے اندر، اضافتِ لفظی کے اندر تقدیرِ حرف کو بیان نہیں فرمایا، لَا فِي الْمَتْنِ وَلَا فِي شَرْحِهِ نہ تو اس متن میں اور نہ اس کی شرح میں، وَلَمْ يُنْقَلْ عَنْهُ شَيْءٌ فِيهِ اور نہ ہی صاحبِ کافیہ سے کوئی چیز نقل کی گئی ہے فِيهِ اس بارے میں مِنْ سَائِرِ مُصَنَّفَاتِهِ ان کی باقی تصنیفات سے، یعنی صاحبِ کافیہ کی باقی تصنیفات سے بھی کسی نے یہ بات نقل نہیں کی کہ انہوں نے یوں لکھا ہے کہ کون سا حرف مقدر ہوتا ہے۔ تو کہتے ہیں: وَلَمْ يُنْقَلْ عَنْهُ شَيْءٌ فِيهِ اور نہ ہی اس بارے میں صاحبِ کافیہ سے کوئی چیز نقل کی گئی ہے مِنْ سَائِرِ مُصَنَّفَاتِهِ ان کی باقی تصانیف میں سے۔

وَقَدْ تَكَلَّفَ بَعْضُهُمْ فِي إِضَافَةِ الصِّفَةِ إِلَى مَفْعُولِهَا، بعضوں نے تکلف کیا ادھر دیکھیے، بعضوں نے تکلف کیا کہ یہ جو مفعول کی طرف اضافت ہے یہاں لام مقدر ہے اور جو فاعل کی طرف اضافت ہے وہاں مِنْ مقدر ہے۔ ادھر دیکھیے: زَيْدٌ ضَارِبٌ عَمْرًا، زَيْدٌ ضَارِبٌ عَمْرًا، ضَارِبٌ اسمِ فاعل ہے اور عَمْرًا اس کے لیے مفعول ہے، پھر آپ نے ضَارِبٌ کی اضافت کر دی مفعول کی طرف تو کیا بن گیا؟ زَيْدٌ ضَارِبُ عَمْرٍو۔ تو یہ اضافتِ لفظی ہے، یہ اضافتِ لفظی ہے اور صاحبِ کافیہ کے مطابق اس میں بھی حرفِ جر مقدر ہوتا ہے۔ تو اب وہ کس طرح مقدر ہے؟ تو بعض نحویوں نے تکلف کر کے جواب دیا۔ بعض نحویوں نے تکلف کہتے ہیں بات بنانا، بات بن نہ رہی ہو زور لگا کر بات کو بنانا، بناوٹ سے کام لینا، زور لگانا۔ تو بعض علما نے تکلف سے کام لیا اور انہوں نے کہا، ادھر دیکھیے، کہ زَيْدٌ ضَارِبُ عَمْرٍو یہ ضارب کی اضافت کس کی طرف ہے؟ مفعول کی طرف۔ جب صفت کے صیغے کی اضافت اپنے مفعول کی طرف ہو تو وہاں لام مقدر ہوگا۔ کیا مقدر ہوگا؟ لام مقدر ہوگا۔ بھئی کیوں؟ یہ لام کیوں مقدر ہوگا؟ بھئی دیکھیے یہ حرفِ جر کیوں لاتے ہیں مجھے وجہ بتائیے؟ بعض اوقات فعل یا شبہ فعل ایک اسم میں براہِ راست عمل نہیں کر سکتا تو ہم کس کی مدد لیتے ہیں؟ حرفِ جر کی۔ ضَرَبْتُ زَيْدًا، میں نے زید کی پٹائی کی، اب میں اس کے ساتھ الْعَصَا بھی جوڑنا چاہتا ہوں کہ میں نے لاٹھی کے ساتھ زید کی پٹائی کی، لیکن الْعَصَا کو میں ضَرَبْتُ کے ساتھ براہِ راست نہیں جوڑ سکتا، ضَرَبْتُ اس کو نصب نہیں دے سکتا، کیوں نہیں دے سکتا؟ کیونکہ وہ ایک مفعول چاہتا ہے اور وہ زَيْدًا مفعول آچکا ہے ضَرَبْتُ زَيْدًا۔ لیکن میں الْعَصَا کو بھی جوڑنا چاہتا ہوں، تو پھر جب فعل یا شبہ فعل ایک اسم میں براہِ

راست عمل نہ کر سکے تو پھر حرفِ جر کی مدد لیتے ہیں، تو اب میں بالے آؤں گا: ضَرَبْتُ زَيْدًا بِالْعَصَا، اب بات ٹھیک بن گئی، ضَرَبْتُ زَيْدًا بِالْعَصَا۔ تو دیکھو حروفِ جارہ تب لاتے ہیں جب کوئی فعل یا شبہ فعل براہِ راست ایک اسم میں عمل نہ کر سکے، جیسے مَرَرْتُ بِزَيْدٍ، جیسے مَرَرْتُ بِزَيْدٍ، مَرَرْتُ میں گزرا، یہ تو فعلِ لازم ہے یہ مَرَرْتُ کیا ہے؟ فعلِ لازم ہے، اور آپ اس کو زید سے جوڑنا چاہتے ہیں تو اب دیکھو پھر درمیان میں بالانا پڑی مَرَرْتُ بِزَيْدٍ، آپ مَرَرْتُ زَيْدًا نہیں کہہ سکتے کیونکہ مَرَرْتُ مفعول کو نصب دیتا ہی نہیں، تو لہٰذا اب کس کی مدد لی؟ حرفِ جر کی، تو کیا کہا مَرَرْتُ بِزَيْدٍ۔

پھر دہرائیے، حروفِ جارہ کا سہارا کیوں لیا جاتا ہے؟ جب فعل یا شبہ فعل ایک اسم میں براہِ راست عمل نہ کر سکے۔ تو یہاں تو بات کیا چل رہی تھی؟ بعض نے جواب دیا، کہتے ہیں یہ جو زَيْدٌ ضَارِبُ عَمْرٍو یہ جو ضَارِبُ عَمْرٍو کی اضافت ہو رہی ہے مفعول کی طرف، یہاں لام مقدر ہے، یہاں لام مقدر ہے۔ تو سوال پیدا ہوتا ہے کیسے لام مقدر ہے؟ یہ ضارب تو عمر میں براہِ راست عمل کر رہا تھا، کسی حرفِ جر کی ضرورت نہیں تھی، اصل میں کیا تھا؟ ضَارِبٌ عَمْرًا۔ توجہ ہے؟ توجہ سے سنو بھئی گہری بات ہے۔ ضَارِبٌ عَمْرًا، ضَارِبٌ عَمْرًا کو نصب دے رہا تھا یا نہیں؟ دے رہا تھا، اور کسی حرفِ جر کی ضرورت تھی؟ نہیں۔ جب کسی حرفِ جر کی ضرورت نہیں تھی تو پھر آپ کیسے کہتے ہو ضَارِبُ عَمْرٍو میں کوئی حرفِ جر مقدر ہے؟ تو وہ کہتے ہیں ہاں آپ کی بات ٹھیک ہے، یہ ضارب براہِ راست اپنے مفعول میں عمل کرتا ہے، یہاں کسی لام کی ویسے ضرورت نہیں، لیکن ویسے ایک لام لے آئے اس کے عمل کو قوت دینے کے لیے، وہ براہِ راست بھی عمل کر رہا تھا لیکن لام بھی لے آئے تاکہ مزید اس کا عمل کیا ہو جائے؟ قوی ہو جائے۔ تو وہ کیا کہتے ہیں؟ ضَارِبُ زَيْدٍ اصل میں ہے ضَارِبٌ لِزَيْدٍ، یعنی عامل کے عمل کو قوت دینے کے لیے لایا گیا ہے، اس کے عمل کو قوی بنانے کے لیے لایا گیا ہے، اور یاد رکھو یہ لامِ تقویت بھی کلامِ عرب میں استعمال ہوتا ہے، جیسے رَدِفَ لَكُمْ، رَدِفَ لَكُمْ، یہ رَدِفَ یہ براہِ راست مفعول بہ کو نصب دیتا ہے لیکن دیکھو یہاں پر رَدِفَ لَكُمْ یہ كُمْ جو مفعول بہ ہے اس پر لامِ تقویت داخل کیا گیا۔ تو کبھی کبھار ایک فعل جو مفعول بہ کو براہِ راست بھی نصب دے سکتا ہے پھر بھی لام لے آتے ہیں اس کے عمل میں قوت پیدا کرنے کے لیے۔ تو چنانچہ بعض علما نے کہا کہ یہاں پر بھی ضَارِبٌ اگرچہ براہِ راست مفعول بہ میں عمل کر سکتا ہے لیکن لام مقدر ہے اور وہ لامِ تقویت ہے جو اس کے عمل کو قوت دینے کے لیے لایا گیا۔

توجہ ہے؟ پھر سنو، صاحبِ کافیہ نے نہیں بیان کیا کہ اضافتِ لفظی میں کیسے حرفِ جر مقدر ہوتا ہے، لیکن بعضوں نے تکلف سے کام لیا اور انہوں نے کیا کہا؟ کہ جب صفت کا صیغہ اپنے مفعول کی طرف، توجہ ہے میں فاعل کی بات نہیں کر رہا مفعول کی بات کر رہا ہوں، صفت کا صیغہ جب اپنے مفعول کی طرف مضاف ہوگا تو وہاں لام مقدر ہوتا ہے۔ تو سوال پیدا ہوا لام کہاں سے مقدر ہے؟ لام کی ضرورت تو تب پیش آئے گی اگر وہ براہِ راست اس میں عمل نہ کر سکے۔ تو جواب

دیتے ہیں کہ ہاں آپ کی بات ٹھیک ہے براہِ راست بھی اس میں عمل کر سکتا ہے لیکن پھر بھی لام لے آئے اس کے عمل کو قوت دینے کے لیے تاکہ اس کے عمل میں اور قوت پیدا ہو جائے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو یہاں لام مقدر ہے۔ تو دیکھو تکلف سے کام لینا پڑا، لام کی تو یہاں کوئی ضرورت نہیں تھی اور نیز تکلف اس لیے بھی ہے کہ لام اگر تقویت کے لیے لائے ہیں تو پھر تو وہ لفظوں میں ہونا چاہیے، ہے تو پھر بھی وہ مقدر ہی، وہ تو لفظوں میں ہے ہی نہیں، تو تقویت کے لیے اگر آپ لام لائے تھے تو اس کو تو لفظوں میں ہونا چاہیے تھا اور آپ تو بتلا رہے ہیں ہمیں کہ یہاں مقدر ہے بھئی، تو لہٰذا یہ تکلف ہے بھئی۔ بات سمجھ میں آگئی؟

دیکھیے بھئی، کہتے ہیں: وَقَدْ تَكَلَّفَ بَعْضُهُمْ فِي إِضَافَةِ الصِّفَةِ إِلَى مَفْعُولِهَا، اور تحقیق بعض علمائے نحو نے تکلف کیا ہے فِي إِضَافَةِ الصِّفَةِ إِلَى مَفْعُولِهَا، کس چیز میں؟ جب صفت کی اضافت ہو اپنے مفعول کی طرف، مِثْلُ ضَارِبُ زَيْدٍ، جیسے کہ ضَارِبُ زَيْدٍ ہے، بِتَقْدِيرِ اللَّامِ، اس میں تکلف سے کام لیا ہے کس کے ساتھ؟ بِتَقْدِيرِ اللَّامِ، لام کی تقدیر کے ساتھ، تَقْوِيَةً لِلْعَمَلِ، اس کے عمل کو قوت دینے کے لیے، أَيْ ضَارِبٌ لِزَيْدٍ، أَيْ ضَارِبٌ لِزَيْدٍ۔ بات سمجھ میں آگئی؟ لیکن صاحبِ جامی نے وَقَدْ تَكَلَّفَ اس کو تکلف قرار دے دیا۔ توجہ ہے؟ اس کو تکلف قرار دیا۔ تکلف کیوں قرار دیا؟ کیونکہ اگر لام تقویت کے لیے لانا تھا تو پھر اس کو تو لفظوں میں ہونا چاہیے تھا، مقدر کرنے کا کیا معنی؟

آگے دیکھیے: وَفِي إِضَافَتِهَا إِلَى فَاعِلِهَا، دیکھو وَفِي إِضَافَتِهَا کا عطف ہے پیچھے آیا تھا فِي إِضَافَةِ الصِّفَةِ، مل گئی عبارت بھئی؟ وَتَكَلَّفَ بَعْضُهُمْ فِي إِضَافَتِهَا إِلَى فَاعِلِهَا، اور بعض علما نے تکلف کیا کہ اس صفت کی جب اضافت ہو اپنے فاعل کی طرف، مِثْلُ مثال کے طور پر الْحَسَنُ الْوَجْهِ، الْحَسَنُ مضاف، الْوَجْهِ مضاف الیہ۔ بھئی پہلے اس کو سمجھ لو، یہ الْحَسَنُ یہ ہے صفتِ مشبہ، اور الْوَجْهِ یہ اصل میں تھا مثلاً بھئی، لکھو بھئی اپنے سامنے ذرا ایک جملہ لکھیے، جلدی کیجیے بھئی، جی بس ایک جملہ ہے: جَاءَنِي زَيْدٌ الْحَسَنُ وَجْهُهُ، لکھ لیا بھئی؟ جَاءَنِي زَيْدٌ الْحَسَنُ وَجْهُهُ۔ وَجْهٌ چہرے کو کہتے ہیں تو ایک ہا تو وَجْهٌ کی اپنی ہے اور ایک آخر میں ضمیر ہے۔ جَاءَنِي زَيْدٌ میرے پاس وہ زید آیا الْحَسَنُ کہ اچھا ہے وَجْهُهُ اس کا چہرہ۔ تو الْحَسَنُ یہ صفتِ مشبہ ہے، اور صفت کے صیغے کے لیے بھی کیا چاہیے؟ فاعل یا نائب فاعل چاہیے، تو الْحَسَنُ کے لیے یہ وَجْهُهُ فاعل ہے۔ وَجْهُهُ مضاف هَا ضمیر مضاف الیہ، اور مضاف مضاف الیہ مل کر یہ فاعل ہوا الْحَسَنُ کے لیے۔ تو الْحَسَنُ صفتِ مشبہ اپنے فاعل سے مل کر یہ شبہ جملہ ہو کر یہ صفت ہوئی کس کے لیے؟ زید کے لیے۔ توجہ ہے؟ اور آپ کو میں نے بتایا تھا جملہ یا شبہ جملہ کو جب بھی کسی چیز سے جوڑنا ہو ربط ضروری ہے، تو یہاں پر بھی یہ وَجْهُهُ کے آخر میں یہ جو هَا ضمیر ہے یہ راجع ہے زید کو۔ ترجمہ سمجھ میں آیا؟ جَاءَنِي آیا میرے پاس زَيْدٌ وہ زید الْحَسَنُ وَجْهُهُ کہ اچھا ہے اس کا چہرہ، میرے پاس وہ زید آیا جس کا چہرہ اچھا ہے، جس کا چہرہ حسین ہے۔

اب دیکھو الْحَسَنُ یہ صفت ہے زید کی، اور زید معرفہ اس لیے الْحَسَنُ بھی کیا لائے؟ معرفہ، الف لام اس پر ہے، اور یہ

وَجْهُهُ اس کے لیے فاعل ہے، اور آپ نے پڑھا ہے کہ فعل کے لیے فاعل اسمِ ظاہر بھی آسکتا ہے اور ضمیر بھی لیکن آئے گا ایک ہی۔ تو یہاں پر بھی الْحَسَنُ اس کے آگے وَجْهُهُ فاعل آرہا ہے لہٰذا الْحَسَنُ کے اندر کوئی ضمیر نہیں، جب اس کے اندر کوئی ضمیر نہیں تو ربط تو چاہیے ہمیں تو آگے وَجْهٌ کے ساتھ هَا ضمیر جوڑ دی گئی۔ پھر کیا کیا گیا؟ الْحَسَنُ کی اضافت کر دی گئی، یہ جو وَجْهُهُ فاعل تھا الْحَسَنُ کے لیے پھر اس کی طرف الْحَسَنُ کی اضافت کر دی گئی۔ توجہ ہے؟ جب اضافت کر دی تو کیا بن گیا؟ الْحَسَنُ وَجْهِهِ، کیا بن گیا؟ الْحَسَنُ وَجْهِهِ بن گیا نا۔ لیکن اب الْحَسَنُ کے اندر هُوَ ضمیر آگئی۔ کیوں آئی؟ کیونکہ الْحَسَنُ کے لیے فاعل تو ضرور چاہیے، فاعل ضرور چاہیے اور فاعل کیا ہوتا ہے؟ مرفوع ہوتا ہے۔ اب پہلے وَجْهُهُ مرفوع تھا الْحَسَنُ کے لیے فاعل تھا لیکن اب آپ نے مضاف الیہ بنا دیا تو اب فاعل تو وہ نہ رہا تو اس کے اندر ہمیں هُوَ ضمیر نکالنا پڑے گی۔ جب هُوَ ضمیر اس کے اندر آگئی اب زید کے ساتھ ربط اسی سے آجائے گا لہٰذا اب وَجْهُهُ کے آخر سے اس ضمیر کو ختم کر دیں گے۔ کیا کریں گے؟ ختم، اور چونکہ وَجْهُهُ معرفہ تھا تو اس پر اب الف لام لے آئیں گے تاکہ اب بھی معرفہ رہے، تو کیا بن جائے گا؟ الْحَسَنُ الْوَجْهِ۔ وہ ضمیر کیوں ختم کی؟ کیونکہ ایک ضمیر چاہیے تھی وہ الْحَسَنُ کے اندر آگئی، ربط آگیا اب اس ضمیر کی کوئی ضرورت نہیں۔ اور وَجْهُهُ سے کس کا چہرہ مراد تھا؟ زید کا، تو الْوَجْهُ اس سے بھی دیکھو الْوَجْهُ کیا معنی؟ وہ چہرہ، کوئی خاص چہرہ مراد ہے اس سے بھی وہی زید کا چہرہ مراد ہے۔ تو لہٰذا اس لیے اب اس سے ضمیر ہٹا دی تو کیا بن گیا؟ الْحَسَنُ الْوَجْهِ۔ تو اب الْحَسَنُ کے اندر ضمیر ہے بھئی۔ بات سمجھ میں آگئی؟

پھر سنو، جب صفت کی اضافت مفعول کی طرف کی تھی اضافتِ لفظی میں تو وہاں بعضوں نے تکلف کر کے کیا کہا تھا؟ کیا مقدر ہے؟ وہاں لام مقدر تھا، ضَارِبُ زَيْدٍ کس معنی میں تھا؟ ضَارِبٌ لِزَيْدٍ، یہ لام تقویت کے لیے لائے بس تکلف کر کے جواب دیا ورنہ بات بنتی نہیں ہے۔ اور اگر صفت کی اضافت اپنے فاعل کی طرف ہو الْحَسَنُ الْوَجْهِ، الْحَسَنُ صفت ہے اور الْوَجْهِ اس کے لیے مفعول ہے یا فاعل ہے؟ پہلے یہ کیا تھا؟ فاعل، تو یہاں صفت کی اضافت اب فاعل کی طرف ہو رہی ہے، تو کہتے ہیں اس وقت پھر یہاں مِنْ مقدر ہے، مِنْ بیانیہ جس کے ذریعے کسی چیز سے ابہام کو دور کرتے ہیں اس کو بیان کرتے ہیں۔ تو کہتے ہیں جب صفت کی اضافت فاعل کی طرف ہو تو یہ تمیز کے درجے میں ہے، کس درجے میں ہے؟ تمیز کے، تو گویا وہاں مِنْ مقدر ہے، تو جب کہا گیا کہ زَيْدٌ الْحَسَنُ زید اچھا ہے تو ابہام تھا کہ زید کس اعتبار سے اچھا ہے؟ اپنے علم کے اعتبار سے اچھا ہے، اپنی صورت کے اعتبار سے اچھا ہے، اپنے مال کے اعتبار سے اچھا ہے، کس اعتبار سے اچھا ہے؟ تو پھر آگے مِنْ کے ساتھ بیان کر دیا گیا مِنَ الْوَجْهِ أَيْ مِنْ حَيْثُ الْوَجْهُ وہ کس اعتبار سے اچھا ہے؟ چہرے کے اعتبار سے اچھا ہے۔ معلوم ہوا جب صفت کی اضافت فاعل کی طرف ہو تو وہاں مِنْ مقدر ہوتا ہے یعنی وہ آکر اس ابہام کو دور کر دیتا ہے، یعنی وہ جو آگے مضاف الیہ ہوتا ہے وہ تمیز کے درجے میں ہوتا ہے، کس کے درجے میں؟ تمیز کے درجے میں ہوتا ہے۔

دیکھیے بھئی اب کتاب پر، صاحبِ جامی اس کو اور بہترین انداز میں ذکر فرمائیں گے۔ کہتے ہیں: وَفِي إِضَافَتِهَا إِلَى فَاعِلِهَا، اور یہ جو صفت کی اضافت ہوتی ہے اپنے فاعل کی طرف اس کے اندر بعضوں نے تکلف کیا کہ مِثْلُ الْحَسَنُ الْوَجْهِ جیسے کہ الْحَسَنُ الْوَجْهِ ہے اس میں بعضوں نے تکلف کیا بِتَقْدِيرِ مِنَ الْبَيَانِيَّةِ کس کے ساتھ؟ مِنْ بیانیہ کی تقدیر کے ساتھ کہ اس میں مِنْ بیانیہ مقدر ہے۔ فَإِنَّ ذِكْرَ الْوَجْهِ فِي قَوْلِنَا جَاءَنِي زَيْدٌ الْحَسَنُ الْوَجْهِ، اس لیے کیونکہ الْوَجْهُ کا جو ذکر ہے ہمارے اس قول کے اندر: جَاءَنِي زَيْدٌ الْحَسَنُ الْوَجْهِ، اضافت کے ساتھ پڑھنا بھئی، جَاءَنِي زَيْدٌ الْحَسَنُ، زَيْدٌ مرفوع ہے، الْحَسَنُ اس کی صفت بھی مرفوع اور الْوَجْهِ مضاف الیہ ہے اضافتِ لفظی ہے، تو جَاءَنِي زَيْدٌ الْحَسَنُ الْوَجْهِ بِمَنْزِلَةِ التَّمْيِيزِ، یہ الْوَجْهِ کس درجے میں ہے؟ تمیز کے درجے میں ہے۔ فَإِنَّ فِي إِسْنَادِ الْحَسَنِ إِلَى زَيْدٍ إِبْهَامًا، اس لیے کیونکہ جو الْحَسَنُ کی اسناد ہو رہی تھی زید کی طرف إِبْهَامًا اس میں کیا تھا؟ ابہام۔ دیکھو نا الْحَسَنُ کے اندر هُوَ ضمیر ہے، جَاءَنِي زَيْدٌ الْحَسَنُ اچھا ہے وہ، هُوَ وہ زید اچھا ہے، کس اعتبار سے اچھا ہے؟ تو آگے الْوَجْهِ مضاف الیہ لا کر ابہام کو دور کر دیا گیا۔ فَإِنَّ فِي إِسْنَادِ الْحَسَنِ إِلَى زَيْدٍ إِبْهَامًا اس لیے کیونکہ الْحَسَنُ کا جو اسناد تھا زید کی طرف اس میں ابہام تھا، فَإِنَّهُ لَا يُعْلَمُ أَنَّهُ أَيُّ شَيْءٍ مِنْهُ حَسَنٌ، اس لیے کیونکہ یہ معلوم نہیں ہے کہ اس میں سے کون سی چیز حسن ہے، زید میں سے کون سی چیز حسن ہے کون سی چیز اچھی ہے یا حسین ہے، فَإِذَا ذُكِرَ الْوَجْهُ تو جب الْوَجْهُ کو ذکر کر دیا گیا فَكَأَنَّهُ قَالَ تو گویا کہ یوں کہا گیا مِنْ حَيْثُ الْوَجْهُ کہ زید اچھا ہے چہرے کے اعتبار سے۔

بات سمجھ میں آئی؟ پھر دہرائیں۔ جب صفت کی اضافت مفعول کی طرف ہو تو بعضوں نے تکلف کر کے کیا کہا؟ کہ وہاں کیا مقدر ہوگا؟ لام، اور یہ لام تقویت کے لیے لایا گیا ہے اگرچہ وہ براہِ راست بھی اس میں عمل کر رہا تھا۔ تو اس کو بھی صاحبِ جامی نے تکلف قرار دیا، اس لیے کیونکہ لامِ تقویت اگر لایا گیا تھا تو اس کو تو لفظوں میں ہونا چاہیے تھا، آپ نے تو اس کو بھی کیا کر دیا؟ مقدر کر دیا ہے، لہٰذا یہ جواب بھی تکلف سے خالی نہیں۔ اور بعضوں نے کہا کہ جب صفت کی اضافت اپنے فاعل کی طرف ہو تو وہاں مِنْ مقدر ہوتا ہے، وہاں مِنْ مقدر ہوتا ہے۔ لیکن اس کو بھی صاحبِ جامی نے تکلف کہا کہ یہ جواب بھی تکلف سے خالی نہیں ہے، اس لیے کیونکہ فعل یا صفت کا اسناد فاعل کی طرف جب ہو تو وہاں کبھی بھی حرفِ جر مقدر نہیں ہوتا۔ توجہ ہے؟ بھئی دیکھیے ادھر دیکھیے، میں نے ابھی آپ کو بتایا کہ بعض اوقات فعل براہِ راست مفعول میں عمل نہیں کر سکتا تو پھر ہم کس کا سہارا لیتے ہیں؟ حرفِ جر کا۔ ضَرَبْتُ زَيْدًا، یہ زَيْدًا کو تو ضَرَبْتُ نے نصب دیا لیکن میں الْعَصَا کو بھی ساتھ جوڑنا چاہتا ہوں تو پھر کس کی مدد لوں گا؟ حرفِ جر کی، تو ضَرَبْتُ زَيْدًا بِالْعَصَا۔ ادھر دیکھیے، ضَرَبْتُ فعل براہِ راست بھی مفعول بہ کو نصب دیتا ہے اور بواسطہ حرفِ جر کے بھی مفعول بہ میں عمل کرتا ہے۔ میں نے آپ کو بتلایا تھا کہ یہ حروفِ جارہ جن لفظوں پر داخل ہوتے ہیں یہ بھی دراصل مفعول بہ ہیں، البتہ ان کو مفعول بہ غیرِ صریح کہتے ہیں۔ ایک مفعول بہ صریح ہے، صاف لفظوں میں ہے جس کو فعل نصب دیتا ہے ضَرَبْتُ زَيْدًا، یہ زَيْدًا کیا

ہے؟ مفعول بہ صریح ہے۔ توجہ ہے؟ اور ضَرَبْتُ زَيْدًا بِالْعَصَا، یہ عَصَا بھی مفعول بہ ہے لیکن غیرِ صریح ہے، صاف لفظوں میں یہ مفعول بہ نہیں ہے بلکہ صاف لفظوں میں تو یہ جار مجرور ہے۔ تو جس پر حرفِ جر داخل ہو وہ بھی کیا ہوتا ہے؟ مفعول بہ۔ ایک مفعول بہ صریح جس کو فعل نصب دیتا ہے، ایک مفعول بہ غیرِ صریح جو کس کے واسطے سے ہوتا ہے؟ حرفِ جر۔ معلوم ہوا فعل اور صفت کے صیغے مفعول پر حرفِ جر کے واسطے سے بھی کبھی کبھی عمل کرتے ہیں۔ فعل اور صفت کے صیغے مفعول بہ میں کبھی تو براہِ راست عمل کرتے ہیں اور کبھی بواسطہ حرفِ جر کے عمل کرتے ہیں۔ لہٰذا ضَارِبُ زَيْدٍ، یہاں تو آپ نے لام نکال لیا کیونکہ صفت کا صیغہ کس میں عمل کر رہا ہے؟ مفعول میں، اور مفعول میں وہ کبھی کبھی کس کے ذریعے عمل کرتا ہے؟ حرفِ جر کے ذریعے، تو یہاں آپ نے بھی کیا نکال لیا؟ لام نکال لیا، اگرچہ یہاں ضرورت نہیں تھی لیکن آپ نے کہا یہ لام تقویت کے لیے لایا گیا ہے، اور ٹھیک ہے چلیے بات ٹھیک ہے کہ کبھی کبھار صفت کے صیغے بواسطہ حرفِ جر کے عمل کرتے ہیں اپنے مفعول میں۔ لیکن فاعل کے اندر تو کبھی حرفِ جر بیچ میں نہیں آتا، فاعل کے درمیان میں حرفِ جر، ضَرَبَ زَيْدٌ، یہ زَيْدٌ سے پہلے کوئی حرفِ جر کی ضرورت ہی نہیں ہے، فعل ہمیشہ فاعل یا نائب فاعل میں براہِ راست عمل کرتا ہے۔ مفعول میں کبھی براہِ راست عمل کرتا ہے اور کبھی بواسطہ حرفِ جر کے لیکن فاعل میں ہمیشہ براہِ راست عمل کرتا ہے۔ لہٰذا آپ کا یہ کہنا کہ جب صفت کے صیغے کی اضافت ہو اپنے فاعل کی طرف تو وہاں مِنْ مقدر ہوتا ہے، آپ کی یہ بات تکلف سے خالی نہیں کیونکہ فاعل کی طرف نسبت کرتے ہوئے کبھی بھی حرفِ جر مقدر نہیں ہوتا۔ بات سمجھ میں آگئی؟

اب اس پر اشکال ہوتا ہے۔ اشکال یہ کہ جب حرفِ جر مقدر ہے تو یہاں تو تخصیص آگئی، کیا آگئی؟ زَيْدٌ الْحَسَنُ الْوَجْهِ، زید اچھا ہے، بھئی کس اعتبار سے اچھا ہے؟ مِنْ حَيْثُ الْوَجْهِ، کس اعتبار سے؟ چہرے کے اعتبار سے اچھا ہے، تو الْحَسَنُ میں تخصیص آگئی۔ توجہ سے سنو بھئی، توجہ سے، الْحَسَنُ میں کیا آگئی؟ تخصیص آگئی۔ پہلے اچھا ہونا عام تھا، آپ نے کہا زید اچھا ہے، ہو سکتا ہے علم کے اعتبار سے اچھا ہو، ہو سکتا ہے اپنے مال کے اعتبار سے اچھا ہو، ہو سکتا ہے اپنے اخلاق کے اعتبار سے اچھا ہو، ہو سکتا ہے اپنے چہرے کے اعتبار سے اچھا ہو، اس میں عموم تھا، کیا تھا؟ عموم تھا۔ لیکن جب اضافت کر دی الْحَسَنُ الْوَجْهِ، اب پتہ چل گیا اچھا کس اعتبار سے ہے؟ چہرے کے اعتبار سے، تو تخصیص آگئی یا نہیں آ گئی؟ کیا آگئی؟ تخصیص۔ اور آپ نے تو کہا تھا اضافتِ لفظی تخصیص کا فائدہ نہیں دیتی، یہ تو تخصیص کا فائدہ دے رہی ہے زَيْدٌ الْحَسَنُ الْوَجْهِ۔ اشکال سمجھ میں آیا؟ کیا اشکال؟ آپ نے کہا تھا اضافتِ لفظی صرف لفظوں میں تخفیف کا فائدہ دیتی ہے، تخصیص یا تعریف کا فائدہ نہیں دیتی لیکن یہاں آپ نے جو تقریر کی اس سے پتہ چلا کہ الْحَسَنُ کے اندر ابہام تھا اور الْوَجْهِ مضاف الیہ نے آکر اس ابہام کو کیا کر دیا؟ دور کر دیا، تو یہ تو تخصیص آگئی، کیا آگئی؟ تخصیص آگئی بھئی۔ تو یہ

تو تخصیص آگئی اور آپ نے تو ہمیں کیا کہا تھا؟ اضافتِ لفظی صرف تخفیف کا فائدہ دیتی ہے، تخصیص یا تعریف کا فائدہ نہیں دیتی۔ تو اس کا جواب دیں گے صاحبِ جامی، صاحبِ جامی، کہ بھئی یہ تخصیص اضافت سے پہلے ہی آچکی تھی، یہ تخصیص اضافت سے پہلے آچکی تھی، اضافت کی وجہ سے یہ تخصیص نہیں آئی۔ کس طرح؟ ادھر دیکھو، ادھر دیکھو، یہ گہری بات ہے سمجھ لو یہ تخصیص اضافت سے پہلے کیسے آئی تھی بھئی؟ دیکھو زَيْدٌ الْحَسَنُ کیا تھا پہلے؟ زَيْدٌ الْحَسَنُ وَجْهُهُ تھا، چلو آپ الْوَجْهُ کر لیں، زَيْدٌ الْحَسَنُ الْوَجْهُ، زید اچھا ہے الْوَجْهُ، کیا چیز اچھی ہے؟ اس کا چہرہ۔ الْوَجْهُ، ترکیب پہ نظر ہے؟ زَيْدٌ موصوف ہے، الْحَسَنُ صفت ہے اور الْوَجْهُ مرفوع ہے الْحَسَنُ کا فاعل ہے، الْحَسَنُ کا فاعل ہے اور معنی کرو: زید کہ اس کا چہرہ اچھا ہے۔ ابھی اضافت کی ہے آپ نے؟ ابھی تو اضافت ہی نہیں کی، ابھی تو آپ الْوَجْهُ یا وَجْهُهُ مرفوع پڑھ رہے ہیں اور مرفوع ہونے کے باوجود تخصیص آچکی یا نہیں کہ زید کا چہرہ اچھا ہے؟ تو یہ تخصیص تو اضافت سے پہلے کی آچکی ہے بھئی، اضافت سے کوئی تخصیص نہیں آئی، وہ پہلے ہی الْحَسَنُ وَجْهُهُ تھا، پتہ چل رہا تھا، توجہ ہے؟ زَيْدٌ موصوف، الْحَسَنُ اس کی صفت اور وَجْهُهُ اس کا فاعل۔ اضافت ہوئی ابھی؟ ابھی اضافت نہیں کی، اضافت سے پہلے ہی پتہ چل رہا ہے اچھی کیا چیز ہے زید کی؟ اس کا چہرہ اچھا ہے۔ اضافت سے پہلے ہی تخصیص آچکی ہے کہ الْحَسَنُ سے اس کا اچھا چہرہ مراد ہے کوئی اور علم دولت وغیرہ مراد نہیں۔ تو معلوم ہوا یہ جو تخصیص آپ کہہ رہے ہیں کہ بھئی اضافت سے تو تخصیص آرہی ہے، یہ تخصیص اضافت سے پہلے کی آچکی ہے، اضافت کی وجہ سے کوئی تخصیص نہیں آئی صرف لفظوں میں تخفیف آجاتی ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟

اور اس میں پھر یہ بھی یاد رکھنا، انہوں نے کیا کہا؟ یہاں دیکھو الْحَسَنُ الْوَجْهِ، انہوں نے کیا کہا تھا؟ کہ اضافت کی وجہ سے تنوین یا قائم مقامِ تنوین گر جاتا ہے، لیکن یہاں الْحَسَنُ الْوَجْهِ، الْحَسَنُ پر تو الف لام ہے اس پر تو تنوین یا قائم مقامِ تنوین کوئی چیز تھی ہی نہیں، تو جواب اس کا علما یہ دیتے ہیں، بعض یہ جواب دیتے ہیں کہ بھئی ہر جگہ پر تنوین کا گرنا ضروری نہیں، اکثر جگہوں میں اسی طرح ہوگا تنوین یا قائم مقامِ تنوین گرے گا، بعض میں نہ بھی گرے تو کوئی حرج نہیں۔ اور بعض یہ جواب دیتے ہیں، وہ اور زیادہ بہتر جواب ہے، وہ کہتے ہیں اگر تنوین ہوتی تو گر جاتی، تنوین ہے ہی نہیں تو وہ تو الگ بات ہے۔ ہم نے کیا کہا تھا؟ تنوین یا قائم مقامِ تنوین ہو تو اضافت سے گر جائے گی، یہ اس وقت ہے اگر تنوین یا قائم مقامِ تنوین موجود ہو بھئی۔ یہاں الف لام کی وجہ سے وہ پہلے ہی گر چکی ہے، اگر نہ گری ہوتی تو پھر اضافت کی وجہ سے گر جاتی۔ بات سمجھ میں آگئی؟ اشکال کیا ہوا؟ کہ اس میں تو تخصیص آگئی۔

تو جواب دیا کہ یہ تخصیص اضافت سے پہلے ہی آچکی تھی بھئی۔

فَإِنْ قُلْتَ هَذَا فِي الْحَقِيقَةِ تَخْصِيصٌ، اگر آپ یہ کہیں کہ یہ تو حقیقت میں تخصیص ہے کہ چہرے میں ابہام تھا پھر مِنْ

حَيْثُ الْوَجْهُ کے ذریعے کیا ہوا؟ ابہام دور ہوا تو یہ تو تخصیص ہے، فَلَا يَصِحُّ أَنَّ الْإِضَافَةَ اللَّفْظِيَّةَ لَا تُفِيدُ إِلَّا تَخْفِيفًا فِي اللَّفْظِ، تو پھر تو یہ بات صحیح نہیں ہے کہ اضافتِ لفظیہ فائدہ نہیں دیتی مگر صرف لفظوں میں تخفیف کا، پھر تو یہ بات صحیح نہیں رہتی یہ تو تخصیص کا بھی فائدہ دے رہی ہے، قُلْنَا تو ہم کہتے ہیں كَانَ هَذَا التَّخْصِيصُ وَاقِعًا قَبْلَ الْإِضَافَةِ، کہ یہ تخصیص اضافت سے پہلے واقع تھی، فَلَا يَكُونُ مِمَّا تُفِيدُهُ الْإِضَافَةُ، لہٰذا یہ ان چیزوں میں سے نہیں ہے، یہ تخصیص ان چیزوں میں سے نہیں ہے جس کا فائدہ یہ اضافت دے رہی ہے، فَلَيْسَتْ فَائِدَةُ الْإِضَافَةِ إِلَّا التَّخْفِيفَ فِي اللَّفْظِ، تو اس اضافت کا اور کوئی فائدہ نہیں ہے مگر یہ کہ لفظوں میں تخفیف ہی دیتی ہے۔

بات سمجھ میں آگئی؟ حل ہو گیا؟ چلیے بس بھئی، هَذَا هُوَ الْمَرَامُ، وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْكَلَامِ.

سبق نمبر ۱۸۵: الاضافۃ(۲): اضافتِ معنویہ (بمعنی لام، مِن اور فی) کی تعریف اور مثالیں

شرحِ ملا جامی صفحہ: ۱۶۴ — بتاریخ: ۲۱ اگست ۲۰۲۲ء

▪ تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث

دیکھیے بھائی آگے سبق: وَهِيَ أَيِ الْإِضَافَةُ بِتَقْدِيرِ حَرْفِ الْجَرِّ مَعْنَوِيَّةٌ أَيْ مَنْسُوبَةٌ إِلَى الْمَعْنَى لِأَنَّهَا تُفِيدُ مَعْنًى فِي الْمُضَافِ تَعْرِيفًا أَوْ تَخْصِيصًا، وَلَفْظِيَّةٌ أَيْ مَنْسُوبَةٌ إِلَى اللَّفْظِ فَقَطْ دُونَ الْمَعْنَى لِعَدَمِ سِرَايَتِهَا إِلَيْهِ۔[1]

بھائی گزشتہ سبق میں صاحبِ کافیہ نے آپ کو مضاف الیہ کے بارے میں بتلایا تھا، اور صاحبِ کافیہ نے مضاف الیہ کی وہ تعریف کی جو امام سیبویہ کے مذہب کے مطابق ہے۔ امام سیبویہ اور باقی نحوی جو ہیں، ان میں فرق ہے مضاف الیہ کی تعریف میں۔ عام نحوی حضرات کے نزدیک یاد رکھیے مضاف الیہ وہ ہے جس کا مضاف ہمیشہ اسم ہو گا۔ مضاف الیہ، غُلَامُ زَيْدٍ، یہ زَيْدٍ ہے مضافٌ الیہ، اس کی تعریف کر رہے ہیں کہ مضاف الیہ وہ اسم ہے جس کی طرف کسی، یہ عام نحویوں کے نزدیک، جس کی طرف کسی دوسرے اسم کی نسبت کی جائے، جیسے غُلَامُ زَيْدٍ، دیکھو غُلَام کی نسبت زَيْد کی طرف کی جا رہی ہے، اور نیز وہاں حرفِ جر مقدر ہو گا۔ جبکہ امام سیبویہ کا مذہب یہ ہے کہ مضاف کا اسم ہونا ضروری نہیں، مضاف اسم بھی ہو سکتا ہے اور فعل بھی ہو سکتا ہے، اور نیز وہ فرماتے ہیں کہ حرفِ جر کا مقدر ہونا ضروری نہیں بلکہ حرفِ جر مقدر بھی ہو سکتا ہے اور لفظوں میں بھی ہو سکتا ہے۔ لہٰذا عام نحویوں کے نزدیک غُلَامُ زَيْدٍ، یہ آپس میں مضاف اور مضاف

[1]

جدول — اضافتِ معنویہ کی تین اقسام (لامیہ، بیانیہ، ظرفیہ):

قسم	تقدیرِ حرفِ جر	مثال
۱۔ اضافتِ لامیہ	حرفِ لام بمعنی ملک یا اختصاص	غُلَامُ زَيْدٍ (أَي غُلَامٌ لِزَيْدٍ)
۲۔ اضافتِ بیانیہ	حرفِ مِنْ (جب مضاف الیہ اصل ہو)	خَاتَمُ فِضَّةٍ (أَي خَاتَمٌ مِنْ فِضَّةٍ)
۳۔ اضافتِ ظرفیہ	حرفِ فِيْ (جب مضاف الیہ ظرف ہو)	ضَرْبُ الْيَوْمِ (أَي ضَرْبٌ فِي الْيَوْمِ)

الیہ ہیں، جبکہ مَرَرْتُ بِزَیْدٍ یہ آپس میں مضاف اور مضاف الیہ نہیں، بلکہ یہ بِزَیْدٍ یہ جار مجرور ہے بھائی۔ جبکہ امام سیبویہ کے نزدیک غُلَامُ زَیْدٍ یہ زَیْدٍ بھی مضاف الیہ ہے اور مَرَرْتُ بِزَیْدٍ یہ والا زَیْدٍ بھی مضاف الیہ ہے بھائی۔

اور پھر انہوں نے آپ کو بتلایا تھا کہ اضافت کے اندر کبھی حرفِ جر مقدر ہوتا ہے، اور اس حرفِ جر کے مقدر ہونے کی شرط یہ ہے کہ مضاف اسم ہونا چاہیے اور اس کو تنوین یا قائم مقامِ تنوین سے خالی کیا گیا ہو اس اضافت کی وجہ سے۔ تو صاحبِ جامی نے پھر تشریح کی تھی اور بتلایا تھا کہ حرفِ جر کی تقدیر میں مضاف کا اسم ہونا ضروری اس لیے، کیونکہ اگر مضاف فعل ہو گا تو پھر حرفِ جر کا ظاہر کرنا ضروری ہے، جیسے مَرَرْتُ بِزَیْدٍ۔ اور نیز یہ جو تنوین یا قائم مقامِ تنوین ہے، یاد رکھو قائم مقامِ تنوین جو ہے یہ نونِ تثنیہ اور نونِ جمع کو کہتے ہیں، یہ قائم مقامِ تنوین ہیں۔ تو یہ جو تنوین ہوتی ہے اور یہ جو نون ہے جو تنوین کا قائم مقام ہے، یہ کسی اسم کے تام ہونے کی علامت ہوتی ہے۔ تنوین کے ذریعے یا اس نون کے ذریعے کوئی اسم تام ہو جاتا ہے اور پتہ چل جاتا ہے کہ اس کی آگے کسی اور اسم کی طرف اضافت نہیں ہو رہی۔ لیکن جب عرب ارادہ کرتے ہیں کہ دو کلموں کو ملا کر اس طور پر کہ پہلا کلمہ جو ہے وہ دوسرے کلمے سے تعریف اخذ کر لے یا تخصیص اخذ کر لے یا اس میں تخفیف آجائے، تو جب عرب ان دو کلموں کو اس مقصد کے لیے ملانے کا ارادہ کرتے ہیں تو پھر اس سے تنوین اور قائم مقامِ تنوین جو ہے، اس کو پہلے کلمے سے گرا دیتے ہیں اور اس کو پھر اس دوسرے کلمے کے ذریعے اس کو مکمل کرتے ہیں، یعنی اس دوسرے کلمے کے ذریعے اس کو تام کرتے ہیں۔ تو وہ اسم جو پہلے تنوین اور قائم مقامِ تنوین کے ذریعے تام ہو رہا تھا، اب دوسرے اسم کے ذریعے تام ہوتا ہے۔ اور مقصد کیا ہوتا ہے؟ اس تنوین کو ہٹا کر دوسرے اسم کے ذریعے کیوں تام کیا؟ تاکہ یہ پہلا اسم دوسرے اسم سے تعریف، تخصیص یا تخفیف جو ہے وہ اخذ کر لے، اس کے لفظوں میں تخفیف آ جائے بھائی۔

پھر اس کے بعد صاحبِ جامی نے آپ کو بتلایا کہ عام نحوی جو ہیں ان کے نزدیک یہ جو اضافتِ لفظی ہوتی ہے، اس کے اندر حرفِ جر مقدر نہیں ہوتا۔ میں نے آپ کو بتلایا تھا اضافت دو قسم پر ہے: ایک اضافتِ لفظی اور ایک اضافتِ معنوی۔ اضافتِ لفظی یہ ہے کہ صیغہ صفت کا ہو اور مضاف ہو اپنے معمول کی طرف۔ دو شرطیں ہیں: پہلی شرط یہ کہ مضاف جو ہے وہ صفت کا صیغہ ہونا چاہیے، اور صفت کے صیغے سے مراد صرف تین صیغے ہیں، یعنی اسمِ فاعل، اسمِ مفعول اور صفتِ مشبہ۔ تو یہ صفت کا صیغہ ہو اور مضاف ہو اپنے معمول کی طرف، اور معمول سے مراد صرف فاعل اور مفعول ہیں، باقی معمول مراد نہیں ہیں۔ تو صیغہ صفت کا ہو اور مضاف ہو اپنے معمول کی طرف، یہ اضافتِ لفظی ہے۔ یعنی دونوں شرطیں اس میں ہونی چاہئیں۔ اور اگر ایسا نہ ہو تو پھر وہ اضافتِ معنوی ہے، چاہے صیغہ صفت کا ہی نہ ہو سرے سے، یا صیغہ تو صفت کا ہو لیکن اپنے معمول کی طرف مضاف نہ ہو، تو یہ سب اضافتِ معنوی ہے۔

تو اضافتِ لفظی کی مثال جیسے ضَارِبُ زَیْدٍ، اصل میں کیا تھا؟ ضَارِبٌ زَیْدًا، یہ زَیْدًا مفعول بہ ہی تھا۔ پھر اس زَیْد کی طرف

ضَارِب کی اضافت کر دی گئی: ضَارِبُ زَيْدٍ۔ تو یہ ضَارِب اسمِ فاعل ہے یعنی صفت کا صیغہ ہے اور مضاف ہو رہا ہے اپنے معمول یعنی اپنے مفعول بہ کی طرف، تو یہ اضافتِ لفظی ہے۔ اور اس کے علاوہ جو ہیں وہ اضافتِ معنوی ہیں، چاہے وہ صیغہ ہی صفت کا نہ ہو سرے سے، جیسے غُلَامُ زَيْدٍ۔ یہ غُلَام یہ صفت کا صیغہ ہی نہیں، نہ یہ اسمِ فاعل ہے، نہ اسمِ مفعول ہے اور نہ صفتِ مشبہ۔ یا صیغہ تو صفت کا ہو لیکن اپنے معمول کی طرف مضاف نہ ہو، جیسے مُصَارِعُ مِصْرٍ، کسی شہر کا پہلوان۔ میں نے بتلایا تھا آپ کو مُصَارَعَة کہتے ہیں یہ جو کشتیوں کا کھیل ہے اس کو کیا کہتے ہیں؟ مُصَارَعَة بھائی۔ اور اس میں ایک دوسرے کو پچھاڑا جاتا ہے، ایک دوسرے کو گرایا جاتا ہے۔ تو یہ جو پچھاڑنے والا ہے، گرانے والا ہے اس کو کہتے ہیں مُصَارِع۔ تو مثلاً زَيْد اور عَمْرو کا مقابلہ ہے، تو عَمْرو نے زَيْد کو گرایا تو ہم کہیں گے: عَمْرٌو مُصَارِعُ زَيْدٍ، عَمْرٌو مُصَارِعُ زَيْدٍ کہ عَمْرو نے زَيْد کو پچھاڑ دیا، زَيْد کو گرا دیا۔ تو اصل میں کیا تھا؟ عَمْرٌو مُصَارِعٌ زَيْدًا، مُصَارِعٌ اسمِ فاعل اور زَيْدًا اس کے لیے مفعول بہ۔ پھر اس کی طرف اضافت کر دی گئی تو مُصَارِعُ زَيْدٍ۔ یہ مُصَارِع صیغہ بھی صفت کا ہے اور مضاف ہے اپنے معمول کی طرف، تو یہ اضافتِ لفظی ہوئی۔ لیکن اگر یہ مفعول بہ کی جگہ ہم کوئی اور لفظ لے آئیں تو پھر صیغہ تو صفت کا رہے گا لیکن پھر اپنے معمول کی طرف مضاف نہیں ہو گا، تو پھر یہ اضافتِ لفظی نہ رہے گی بلکہ اضافتِ معنوی بن جائے گی۔ مثلاً مُصَارِعُ زَيْدٍ کے بجائے آپ کہتے ہیں مُصَارِعُ مِصْرٍ۔ اب مِصْر شہر یہ تو ظرف ہے، جگہ ہے، تو یہ تو مُصَارِع کے لیے نہ فاعل ہے اور نہ مفعول بہ ہے، تو مُصَارِعُ مِصْرٍ یہ اضافتِ معنوی ہو گئی۔ صیغہ صفت کا ہی ہے لیکن اپنے معمول کی طرف مضاف نہیں۔

تو صاحبِ جامی نے آپ کو بتلایا تھا کہ یہ جو اضافتِ لفظی ہے اس کے اندر نحویوں کے نزدیک حرفِ جر مقدر نہیں ہوتا۔ تو معلوم ہوا یہ جو مُصَارِعُ زَيْدٍ، یا ضَارِبُ زَيْدٍ کہیں، ضَارِبُ زَيْدٍ کہیں یا مُصَارِعُ زَيْدٍ، یہ جو اضافتِ لفظی ہے اس میں جو مضاف الیہ ہے یعنی زَيْد، مُصَارِعُ زَيْدٍ یا ضَارِبُ زَيْدٍ، اس کے اندر جو مضاف الیہ ہے ماقبل میں جو مضاف الیہ کی تعریف کی یہ اس سے خارج ہے۔ کیونکہ اس مضاف الیہ کی کیا تعریف کی؟ کہ اس کے لیے ہمیشہ حرفِ جر یا لفظوں میں ہو گا یا مقدر ہو گا، اور یہاں تو حرفِ جر نہ لفظوں میں ہے اور نہ مقدر ہے بھائی۔ تو یہ تعریف اس کو شامل نہیں۔ لیکن صاحبِ کافیہ نے جو آگے تقسیم کی وَهِيَ مَعْنَوِيَّةٌ وَلَفْظِيَّةٌ، اس سے بظاہر یہی ہوتا ہے کہ یہ هِيَ ضمیر وہ جو اضافت بتقدیرِ حرف ہے اس کی طرف راجع ہے۔ انہوں نے کیا کہا تھا؟ کہ اضافت بتقدیرِ حرف کی شرط کیا ہے؟ کہ مضاف اسم ہونا چاہیے۔ تو یہ ضمیر اس کو راجع ہے اور اس کی تقسیم کر رہے ہیں آگے معنویہ اور لفظیہ کی۔ اس کا مطلب ہے صاحبِ کافیہ کے نزدیک اضافتِ لفظی میں بھی حرفِ جر مقدر ہوتا ہے۔ اور یہاں پر تو صرف کلام ظاہر یہ ہے، لیکن جبکہ اس کی جو شرح لکھی کافیہ کی علامہ ابنِ حاجب نے خود، اس کے اندر تو انہوں نے صاف لفظوں میں کہا ہے کہ وہ اضافت جو تقدیرِ حرف کے ساتھ ہوتی ہے وہ دو قسم پر ہے: ایک لفظیہ اور ایک معنویہ۔ وہاں تو صاف لفظوں میں کہہ دیا کہ یہ اضافت بتقدیرِ حرف ہی کی قسم ہے یہ اضافتِ لفظیہ۔ تو معلوم ہوا صاحبِ کافیہ کے نزدیک اضافتِ لفظیہ میں بھی حرفِ جر مقدر ہوتا ہے۔ لیکن صاحبِ کافیہ نے کہیں پر یہ بیان

نہیں کیا کہ کون سا حرفِ جر مقدر ہوتا ہے اضافتِ لفظیہ میں اور کس طرح مقدر ہوتا ہے، اس کو انہوں نے کہیں بھی بیان نہیں کیا۔ ہاں بعض علماء نے تکلف کرتے ہوئے پھر اس کا جواب دینے کی کوشش کی، اور انہوں نے کہا کہ جب صفت کے صیغے کی اضافت ہو اپنے مفعول کی طرف تو وہاں لام مقدر ہوگا۔ کیا ہوگا؟ لام۔ تو ضَارِبُ زَيْدٍ کس معنی میں ہے؟ ضَارِبٌ لِزَيْدٍ کے معنی میں ہے۔ اور یہ لام کیوں لایا گیا؟ بھائی ضَارِب تو براہِ راست زَيْد میں عمل کر سکتا ہے، ضَارِبٌ زَيْدًا یہ تو براہِ راست زَيْدًا کو نصب دے رہا ہے۔ میں نے بتلایا تھا کہ یہ جو فعل ہیں یہ بعض اوقات براہِ راست مفعول بہ میں عمل کرتے ہیں اور اس کو نصب دیتے ہیں، اور بعض اوقات براہِ راست عمل نہیں کر سکتے تو پھر حرفِ جر کا سہارا لیا جاتا ہے۔ اور جس پر حرفِ جر داخل ہو وہ بھی مفعول بہ ہے، البتہ اس کو مفعول بہ غیرِ صریح کہتے ہیں، جیسے ضَرَبْتُ زَيْدًا بِالْعَصَا۔ یہ زَيْدًا یہ بھی مفعول بہ اور بِالْعَصَا یہ جو عَصَا ہے یہ بھی مفعول بہ۔ البتہ ایک میں ضَرَبْتُ نے براہِ راست عمل کیا اور نصب دیا، یہ ہے مفعول بہ صریح۔ صریح کا کیا معنی؟ صاف لفظوں میں، یعنی صاف لفظوں میں اس کو فعل نصب دے رہا ہے، یہ اس کا مفعول بہ ہے۔ اور ایک ضَرَبْتُ زَيْدًا بِالْعَصَا، یہ الْعَصَا بھی ضَرَبْتُ کے لیے مفعول بہ ہے لیکن یہ غیرِ صریح ہے، یعنی صاف لفظوں میں یہ مفعول بہ نہیں، صاف لفظوں میں تو یہ جار مجرور ہیں لیکن حقیقت میں یہ کیا ہے؟ مفعول بہ ہی ہے۔ معلوم ہوا کہ فعل اور صفت کے صیغے مفعول بہ میں کبھی براہِ راست عمل کرتے ہیں اور کبھی بواسطہ حرفِ جر کے عمل کرتے ہیں۔ لیکن حرفِ جر تب لاتے ہیں جب براہِ راست عمل نہ کر سکیں۔ اور ضَارِبٌ زَيْدًا یہاں تو ضَارِبٌ براہِ راست زَيْدًا مفعول بہ کو نصب دے رہا ہے اور اسی کی طرف پھر آپ نے اضافت کر دی ضَارِبُ زَيْدٍ، تو لہٰذا یہاں کوئی حرف مقدر نہیں۔ لیکن بعض علماء فرماتے ہیں لام مقدر ہے۔ بھائی لام کیسے مقدر ہے، یہ تو براہِ راست زَيْد کے اندر عمل کر سکتا ہے، مفعول بہ میں عمل کر سکتا ہے؟ تو وہ جواب دیتے ہیں کہ یہاں پر حرفِ جر لام مقدر ہے جس کو عامل کی تقویت کے لیے لایا گیا ہے۔ یعنی عامل کے عمل کو قوت دینے کے لیے لایا گیا ہے، اس کے عمل کو قوی بنانے کے لیے لایا گیا ہے۔ اور یاد رکھو یہ لامِ تقویت بھی کلامِ عرب میں استعمال ہوتا ہے، جیسے رَدِفَ لَكُمْ۔ رَدِفَ لَكُمْ، یہ رَدِفَ یہ براہِ راست مفعول بہ کو نصب دیتا ہے لیکن دیکھو یہاں پر رَدِفَ لَكُمْ، یہ كُمْ جو مفعول بہ ہے اس پر لامِ تقویت داخل کیا گیا۔ تو کبھی کبھار ایک فعل جو مفعول بہ کو براہِ راست بھی نصب دے سکتا ہے پھر بھی لام لے آتے ہیں اس کے عمل میں قوت پیدا کرنے کے لیے۔ تو چنانچہ بعض علماء نے کہا کہ یہاں پر بھی ضَارِبٌ اگرچہ براہِ راست مفعول بہ میں عمل کر سکتا ہے لیکن لام مقدر ہے اور وہ لامِ تقویت ہے جو اس کے عمل کو قوت دینے کے لیے لایا گیا۔ لیکن بہرحال یہ ہے تکلف ہی، صاحبِ جامی فرماتے ہیں۔ اور تکلف کی وجہ یہ لکھتے ہیں محشی حضرات کہ بھائی اگر لامِ تقویت لایا گیا تھا تو اس کو تو لفظوں میں ظاہر ہونا چاہیے تھا، جیسے رَدِفَ لَكُمْ، دیکھو لامِ تقویت ہے لیکن لفظوں میں ظاہر ہے۔ اور آپ کیا کہہ رہے ہیں کہ وہ لام یہاں پر مقدر ہے بھائی؟ تو بہرحال یہ تکلف ہی ہے۔ تکلف کسے کہتے ہیں؟ بات بنانا، بات بن نہ رہی ہو لیکن زور لگا کر بناوٹی طور پر بات کو بنانے کی کوشش کرنا۔ تو یہ بہرحال

ہے تکلف ہی بھائی۔

تو معلوم ہوا جب صفت کی اضافت مفعول کی طرف ہو تو وہاں لام مقدر ہوتا ہے بعض نے کہا اضافتِ لفظی ہیں۔ اور اگر صفت کی اضافت اپنے فاعل کی طرف ہو جیسے الْحَسَنُ الْوَجْهِ، میں نے تفصیل بیان کی تھی کہ یہ اصل میں کیا تھا؟ مثلاً جَاءَنِي زَيْدٌ الْحَسَنُ وَجْهُهُ، الْحَسَنُ وَجْهُهُ، زَيْدٌ موصوف ہے اور معرفہ ہے تو الْحَسَنُ اس کی صفت بھی معرفہ لائی گئی الف لام کے ساتھ، اور آگے وَجْهُهُ یہ اس کا فاعل ہے۔ اور آپ نے پڑھا ہے کہ جیسے فعل کے لیے فاعل یا نائب فاعل ضرور چاہیے، صفت کے صیغے کے لیے بھی فاعل یا نائب فاعل ضرور چاہیے، لیکن فاعل یا نائب فاعل ایک ہی آئے گا یا ضمیر آئے گی یا اسمِ ظاہر۔ تو یہاں پر الْحَسَنُ کا فاعل اسمِ ظاہر وَجْهُهُ آگیا، لہٰذا معلوم ہوا اب اس کے اندر ضمیر...

نہیں ہے۔ ورنہ تو فاعل دو بن جائیں گے: الْحَسَنُ کے اندر هُوَ ضمیر کو بھی فاعل بنائیں، آگے وَجْهُهُ کو بھی فاعل بنائیں، یہ تو دو فاعل ہو جائیں گے اور فاعل دو نہیں ہو سکتے بھائی۔ فعل ایک ہی فاعل یا نائب فاعل کو رفع دیتا ہے۔ تو جب الْحَسَنُ کے لیے وَجْهُهُ آگے فاعل آگیا تو اب الْحَسَنُ کے اندر ضمیر نہیں ہے۔ اور الْحَسَنُ صفت کس کی ہے؟ زَيْد کی۔ تو الْحَسَنُ صفتِ مشبہ اپنے فاعل سے مل کر شبہ جملہ ہو کر یہ صفت ہو رہی ہے زَيْد کے لیے۔ اور فعل اور شبہ فعل کو، یا جملہ یا شبہ جملہ کو جب بھی کسی چیز سے ربط دینا ہو درمیان میں ربط ضروری ہے۔ تو اسی لیے وَجْهُهُ کے آخر میں ہا ضمیر لائی گئی۔ اس کے ذریعے ربط آرہا ہے۔ الْحَسَنُ کے اندر تو کوئی ضمیر نہیں، تو وَجْهُهُ کے ساتھ ہا ضمیر جوڑ دی گئی جو زَيْد کو راجع ہے بھائی۔ بات سمجھ میں آگئی۔

تو پھر اس کے بعد اس کی طرف اضافت کا ارادہ کیا گیا، تو الْحَسَنُ وَجْهِهِ، تو صفت کی اضافت ہو گئی کس کی طرف؟ اپنے فاعل کی طرف۔ توجہ ہے؟ اور جب اضافت ہو گئی تو اب الْحَسَنُ کے لیے فاعل تو ضرور چاہیے، وَجْهُهُ تو مضاف الیہ بن گیا۔ تو اب فاعل ضرور چاہیے تو اسی کے اندر هُوَ ضمیر آگئی۔ یعنی کوئی ایسا اسم جس کو صفت یا فعل رفع دے، اور الْحَسَنُ وَجْهِهِ یہ وَجْهِهِ کو تو یہ رفع نہیں دے رہا، یہ تو مضاف الیہ بن چکا ہے، تو ایک اسم چاہیے جس کو یہ فعل یا صفت کا صیغہ رفع دیا کرے اور وہ اس کے لیے فاعل بنے۔ تو لہٰذا پھر اس کے اندر هُوَ ضمیر نکال لی۔ جب هُوَ ضمیر نکال لی تو یہ ضمیر اب زَيْد کو راجع ہے، اب ربط آگیا۔ تو اب وَجْهُهُ کے آخر میں ہا ضمیر کی ضرورت نہ رہی تو اس کو ختم کر دیا۔ اور وَجْهُهُ سے کس کا چہرہ مراد تھا؟ زَيْد کا چہرہ، اور وہ معرفہ تھا، تو جب آپ نے اضافت ختم کی تو وَجْهُهُ کو کس سے بدل دیا؟ الْوَجْهُ سے بدل دیا، کیونکہ الْوَجْهُ پر بھی الف لام داخل ہے یہ معرفہ ہے، اور الف لام کے ذریعے بھی کسی چیز کی طرف اشارہ ہوتا ہے، تو یہاں پر بھی الْوَجْهُ سے کس کا چہرہ مراد ہے؟ زَيْد کا چہرہ مراد ہے۔ تو یہ مضاف الیہ بن گیا: جَاءَنِي زَيْدٌ الْحَسَنُ الْوَجْهِ. جَاءَنِي زَيْدٌ الْحَسَنُ الْوَجْهِ، دیکھو الْوَجْهِ یہ مضاف الیہ بن گیا۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ تو یہ صفت کی اضافت ہے اپنے فاعل کی طرف۔

تو اس کے اندر صاحبِ جامی نے آپ کو بتلایا کہ بعض علماء نے تکلف کر کے کہا کہ یہاں پر مِنْ بیانیہ محذوف ہے، یہ اضافت مِنْ کے ساتھ ہے۔ کیونکہ جَاءَنِي زَيْدٌ الْحَسَنُ، آیا میرے پاس وہ زَیْد کہ الْحَسَنُ جو اچھا ہے۔ تو اس اچھا ہونے میں ابہام تھا کہ زَیْد کس اعتبار سے اچھا ہے؟ علم کے اعتبار سے اچھا ہے، دولت کے اعتبار سے اچھا ہے، اخلاق کے اعتبار سے اچھا ہے یا چہرے کے اعتبار سے اچھا ہے؟ تو اس میں ابہام تھا، تو آگے الْوَجْهِ نے آکر کیا کر دیا؟ ابہام کو دور کر دیا۔ تو گویا الْحَسَنُ الْوَجْهِ کس معنی میں ہے؟ الْحَسَنُ مِنْ حَيْثُ الْوَجْهُ، چہرے کے اعتبار سے اچھا ہے۔ اس پر پھر بعض نے اشکال کیا کہ معلوم ہوا الْحَسَنُ میں پہلے ابہام تھا، پھر الْوَجْهِ کے ذریعے وہ ابہام کیا ہو گیا؟ دور ہو گیا، تو یہ تو اس کے اندر تخصیص آگئی۔ کیا آگئی؟ تخصیص آگئی، جیسے غُلَامُ رَجُلٍ، غُلَام پہلے عام تھا لیکن جب رَجُلٍ نکرہ کی طرف اضافت کی تو معرفہ تو نہ بنا لیکن تخصیص اس میں آگئی۔ تو یہاں بھی الْحَسَنُ عام تھا، پھر الْوَجْهِ کے ذریعے اس میں کیا آگئی؟ تخصیص آ گئی۔ تو اس کا تو مطلب ہے کہ آپ نے تو ہمیں بتایا تھا کہ اضافتِ لفظیہ نہ تعریف کا فائدہ دیتی ہے اور نہ تخصیص کا۔ اس کا مطلب ہے نحویوں کی یہ بات درست نہیں ہے، کیونکہ الْحَسَنُ الْوَجْهِ کے اندر آپ نے خود بیان کر دیا کہ یہ الْوَجْهِ تخصیص پیدا کر رہا ہے الْحَسَنُ کے اندر۔ تو اس کا جواب بھی دیا تھا صاحبِ جامی نے کہ بھائی یہ تخصیص اضافت سے پہلے ہی آچکی ہے، اضافت نے کوئی نئی تخصیص کا فائدہ نہیں دیا۔ کس طرح تخصیص آچکی ہے؟ کہ ذرا اضافت توڑ دیں، ذرا پہلے والی صورت پر لے آئیں: جَاءَنِي زَيْدٌ الْحَسَنُ وَجْهُهُ، میرے پاس زَیْد آیا الْحَسَنُ وَجْهُهُ کہ اچھا ہے اس کا چہرہ۔ ابھی دیکھو آپ نے اضافت نہیں کی۔ وَجْهُهُ فاعل ہے الْحَسَنُ کے لیے، اضافت ابھی نہیں کی، لیکن اس وقت بھی تخصیص آچکی ہے کہ الْحَسَنُ سے زَیْد اچھا ہے، کیا چیز اچھی ہے زَیْد کی؟ وَجْهُهُ اس کا چہرہ۔ تو دیکھو اضافت سے پہلے ہی الْحَسَنُ کے اندر تخصیص آچکی ہے، تو جب اضافت کی تو کوئی نئی تخصیص نہیں آئی۔ معلوم ہوا اضافتِ لفظی صرف لفظوں میں تخفیف کا فائدہ دیتی ہے، وہ تخصیص وغیرہ کا کوئی فائدہ نہیں دیتی۔

اب آئیے آج کے سبق پر بھائی۔ دیکھیے بھائی آگے، کہتے ہیں: وَهِيَ أَيِ الْإِضَافَةُ بِتَقْدِيرِ حَرْفِ الْجَرِّ مَعْنَوِيَّةٌ أَيْ مَنْسُوبَةٌ إِلَى الْمَعْنَى لِأَنَّهَا تُفِيدُ مَعْنًى فِي الْمُضَافِ تَعْرِيفًا أَوْ تَخْصِيصًا، وَلَفْظِيَّةٌ أَيْ مَنْسُوبَةٌ إِلَى اللَّفْظِ فَقَطْ دُونَ الْمَعْنَى لِعَدَمِ سِرَايَتِهَا إِلَيْهِ۔

اب بیان کرنے لگے ہیں اضافتِ معنویہ اور اضافتِ لفظیہ کو بھائی۔ سب سے پہلے وجہِ تسمیہ ذکر فرما رہے ہیں صاحبِ جامی۔ صاحبِ کافیہ تقسیم کریں گے کہ دیکھو متن صرف کیا ہے؟ وَهِيَ مَعْنَوِيَّةٌ وَلَفْظِيَّةٌ۔ اور یہ اضافت جو بتقدیرِ حرف ہوتی ہے جہاں حرفِ جر مقدر ہوتا ہے، یہ یا معنویہ ہو گی یا لفظیہ ہو گی۔ یہ ہے صاحبِ کافیہ کی عبارت۔ لیکن درمیان میں صاحبِ جامی وجہ ذکر فرما رہے ہیں کہ اضافتِ معنویہ کو معنویہ کیوں کہتے ہیں اور لفظیہ کو لفظیہ کیوں کہتے ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں کہ مَعْنَوِيَّةٌ جو ہے اس کے اندر یہ جو یا ہے یہ نسبت والی ہے، جیسے لاہور کی طرف کسی چیز کی نسبت کرنی ہو تو آپ کہتے ہیں

لَاهُورِيٌّ، لَاهُورِيٌّ یعنی لاہور والا، لاہور کی طرف منسوب۔ اور مؤنث ذات ہو تو آپ کہتے ہیں لَاهُورِيَّةٌ، لَاهُورِيَّةٌ۔ تو یہاں پر بھی یہ جو اضافت ہے اس کے ساتھ گول تا جڑی ہوئی ہے، یہ مؤنث ہے، تو یہ مَعْنَوِيَّةٌ اور لَفْظِيَّةٌ اس اضافت کی صفت ہے، اور یہ مَعْنَوِيَّةٌ اس کے اندر یا نسبت والی ہے۔ الْإِضَافَةُ الْمَعْنَوِيَّةُ، وہ اضافت جو معنیٰ کی طرف منسوب ہے۔ جیسے لَاهُورِيَّةٌ کا کیا معنیٰ تھا؟ وہ چیز جو لاہور کی طرف منسوب ہے۔ تو الْإِضَافَةُ الْمَعْنَوِيَّةُ، تو اضافتِ معنویہ یعنی وہ اضافت جو معنیٰ کی طرف منسوب ہے۔ اور الْإِضَافَةُ اللَّفْظِيَّةُ، وہ اضافت جو لفظوں کی طرف منسوب ہے۔

تو اضافتِ معنویہ کو معنویہ اس لیے کہتے ہیں کہ اس اضافت کی وجہ سے معنیٰ کے اندر فائدہ حاصل ہوتا ہے تعریف یا تخصیص کا۔ غُلَامٌ نکرہ محض تھا، نہ اس میں تعریف ہے نہ تخصیص، لیکن جب ہم نے زَيْد کی طرف اضافت کی تو غُلَامُ زَيْدٍ، تو یہ غُلَام کا لفظ بھی کیا بن گیا؟ معرفہ بن گیا۔ دیکھو اس معنیٰ کے اندر فائدہ آگیا۔ اور نیز اگر نکرہ کی طرف اضافت کریں نکرہ کی، جیسے غُلَامُ رَجُلٍ، غُلَامٌ پہلے عام تھا دنیا کے ہر غلام پر صادق آرہا تھا، لیکن غُلَامُ رَجُلٍ جب کہا تو اب صرف مردوں کے غلام پر یہ لفظ صادق آئے گا، عورتوں کے غلام پر صادق نہیں آئے گا۔ تو دیکھو اس غُلَام کے اندر تخصیص آگئی۔ تو اضافتِ معنویہ جو ہے مضاف کے معنیٰ میں تعریف یا تخصیص کا فائدہ دیتی ہے۔ تو یہ تعریف یا تخصیص کے معنیٰ کا فائدہ دیتی ہے، اس لیے اس کو کیا کہتے ہیں؟ اضافتِ معنویہ۔ اور جبکہ اضافتِ لفظیہ وہ معنیٰ کے اندر کوئی فائدہ نہیں دیتی، وہ صرف لفظوں کے اندر تخفیف کا فائدہ دیتی ہے کہ مضاف سے تنوین یا قائم مقامِ تنوین یعنی نونِ تثنیہ اور جمع گر جاتے ہیں۔ اس لیے اس کو کیا کہتے ہیں؟ اضافتِ لفظیہ، کہ وہاں اضافت صرف لفظوں کے اندر فائدہ دے رہی ہے، معنیٰ میں کوئی فائدہ نہیں، معنیٰ میں نہ تعریف آرہی ہے اور نہ تخصیص آرہی ہے۔ جبکہ اضافتِ معنویہ میں مضاف کے معنیٰ کے اندر جو ہے تعریف یا تخصیص آجاتی ہے۔

تو کہتے ہیں: وَهِيَ أَيِ الْإِضَافَةُ بِتَقْدِيرِ حَرْفِ الْجَرِّ۔ هِيَ ضمیر کا مرجع بتلا رہے ہیں کہ هِيَ ضمیر کس کو راجع ہے؟ اضافت بتقدیرِ حرفِ جر جو پیچھے بیان کی اس کو راجع ہے۔ تو کہتے ہیں: وَهِيَ أَيِ الْإِضَافَةُ بِتَقْدِيرِ حَرْفِ الْجَرِّ، یعنی وہ اضافت جو تقدیرِ حرفِ جر کے ساتھ ہو۔ مَعْنَوِيَّةٌ أَيْ مَنْسُوبَةٌ إِلَى الْمَعْنَى، وہ کس کی طرف منسوب ہے؟ یعنی وہ جو منسوب ہے معنیٰ کی طرف، لِأَنَّهَا تُفِيدُ مَعْنًى فِي الْمُضَافِ، اس لیے کیونکہ یہ جو اضافت ہے یہ فائدہ دیتی ہے مَعْنًى ایک معنیٰ کا فِي الْمُضَافِ مضاف کی ذات میں۔ مضاف کی ذات میں ایک معنیٰ کا فائدہ دیتی ہے۔ بھائی کون سے معنیٰ کا؟ کہتے ہیں: تَعْرِيفًا أَوْ تَخْصِيصًا، تعریف کا یا تخصیص کا فائدہ دیتی ہے۔ تو چونکہ یہ معنیٰ کے اندر فائدہ دیتی ہے لہٰذا اس لیے اس کو کیا کہتے ہیں؟ اضافتِ معنوی۔ وَلَفْظِيَّةٌ، اور دوسری اضافتِ لفظیہ ہے جو تقدیرِ حرفِ جر کے ساتھ ہو۔ أَيْ مَنْسُوبَةٌ إِلَى اللَّفْظِ فَقَطْ، یعنی وہ جو صرف لفظوں کی طرف منسوب ہے، دُونَ الْمَعْنَى، معنیٰ کی طرف منسوب نہیں ہے، لِعَدَمِ سِرَايَتِهَا إِلَيْهِ۔ سِرَايَتِهَا کی ہا ضمیر راجع کریں اضافت کو: لِعَدَمِ سِرَايَتِهَا، اس لیے کیونکہ یہ اضافت سرایت نہیں کرتی۔ سرایت کا معنیٰ ہے پہنچنا، پہنچنا۔ لِعَدَمِ

سِرَايَتِهَا، کیونکہ یہ اضافت پہنچتی نہیں ہے إِلَيْهِ أَيْ إِلَى الْمَعْنَى، إِلَيْهِ کی ہا ضمیر کس کو راجع کریں؟ معنیٰ کو۔ کیونکہ یہ اضافت، یہ جو اضافتِ لفظیہ ہے، یہ معنیٰ تک نہیں پہنچتی یعنی اس کا فائدہ معنیٰ تک نہیں پہنچتا۔ اس کا فائدہ معنیٰ تک نہیں پہنچتا، معنیٰ کے اندر کوئی فائدہ نہیں حاصل ہوتا، صرف لفظوں کے تک ہی یہ محدود رہتی ہے۔ کیونکہ یہاں اتصال صرف لفظوں کے اعتبار سے ہے، معنیٰ کے اعتبار سے اتصال آیا ہی نہیں۔ میں نے بتایا تھا یہ تقدیرِ انفصال میں ہے: ضَارِبُ زَيْدٍ یوں سمجھو ابھی بھی ضَارِبٌ زَيْدًا ہی ہے، ضَارِبٌ زَيْدًا بغیر اضافت ہی کے ہے یوں سمجھو، صرف لفظوں میں تخفیف آئی۔ تو جب اتصال صرف لفظی ہے تو معنیٰ کے اندر کوئی فائدہ بھی نہیں ہو گا، کیونکہ جس قسم کا اتصال ہے فائدہ بھی اسی قسم کا۔ تو اضافتِ لفظی میں اتصال بھی صرف کس اعتبار سے ہوتا ہے؟ لفظوں کے اعتبار سے ہوتا ہے، معنیٰ کے اعتبار سے اتصال نہیں ہوتا، جبکہ اضافتِ معنوی میں معنیٰ کے اعتبار سے اتصال ہوتا ہے، مضاف کے معنیٰ کے اندر کیا آجاتا ہے؟ تعریف آ جاتی ہے یا تخصیص آجاتی ہے۔ تو کہتے ہیں لِعَدَمِ سِرَايَتِهَا إِلَيْهِ، اس لیے کیونکہ یہ جو اضافتِ لفظیہ ہے یہ معنیٰ تک نہیں پہنچتی یعنی اس کا فائدہ جو ہے وہ معنیٰ تک نہیں پہنچتا۔

آگے دیکھیے، کہتے ہیں: فَالْمَعْنَوِيَّةُ عَلَامَتُهَا أَنْ يَكُونَ الْمُضَافُ۔ جی پہلے متن متن صرف دیکھ لیجیے، کہتے ہیں: فَالْمَعْنَوِيَّةُ أَنْ يَكُونَ الْمُضَافُ غَيْرَ صِفَةٍ مُضَافَةٍ إِلَى مَعْمُولِهَا۔ توجہ ہے؟ اضافتِ معنویہ جو ہے کہ أَنْ يَكُونَ الْمُضَافُ کہ مضاف جو ہے غَيْرَ صِفَةٍ مُضَافَةٍ إِلَى مَعْمُولِهَا۔ یہاں ترجمہ توجہ سے سن لینا بھائی۔ عموماً یہاں طلباء ترجمے میں غلطی کرتے ہیں۔ دیکھو عبارت دیکھیے: أَنْ يَكُونَ الْمُضَافُ غَيْرَ صِفَةٍ مُضَافَةٍ إِلَى مَعْمُولِهَا۔ یہ صفت پر غَيْرَ کا لفظ داخل ہے، تو طلباء عموماً ترجمہ یہ کرتے ہیں کہ اضافتِ معنویہ وہ ہے کہ مضاف غیرِ صفت ہو یعنی صفت نہ ہو۔ یعنی صفت نہ ہو، حالانکہ میں نے بیان کیا گزشتہ سبق میں بھی آیا تھا، ابھی میں نے خلاصے میں بھی ذکر کیا کہ اضافتِ معنوی کے اندر مضاف صفت کا صیغہ ہو سکتا ہے، جیسے مُصَارِعُ مِصْرٍ۔ اب یہ مُصَارِع یہ اسمِ فاعل صفت کا صیغہ ہے لیکن اپنے فاعل یا مفعول کی طرف مضاف نہیں ہے بلکہ ظرف کی طرف مضاف ہے، تو یہ اضافتِ لفظی نہیں ہے۔ اضافتِ لفظی میں تو کیا ضروری؟ دو چیزیں: صیغہ بھی صفت کا ہو اور مضاف ہو اپنے معمول یعنی فاعل یا مفعول کی طرف۔ اور یہ مُصَارِعُ مِصْرٍ یہ مُصَارِع صیغہ تو صفت کا ہے لیکن اپنے معمول یعنی فاعل یا مفعول کی طرف مضاف نہیں، تو یہ اضافتِ معنوی ہے مُصَارِعُ مِصْرٍ۔ تو طلباء کیا ترجمہ کرتے ہیں؟ أَنْ يَكُونَ الْمُضَافُ غَيْرَ صِفَةٍ، کہ مضاف صفت کے غیر ہو یعنی مضاف صفت نہ ہو۔ لیکن یہ تو درست نہیں ہے، مضاف صفت بھی ہو سکتا ہے جیسے مُصَارِعُ مِصْرٍ، یہ اضافتِ معنویہ ہے۔ بات سمجھ میں آ گئی؟ تو پھر کیسے ترجمہ کریں گے؟ دیکھو ذرا عبارت سمجھ لو: یہ غَيْرَ کا لفظ ذرا ہٹا دیں، صِفَةٍ مُضَافَةٍ إِلَى مَعْمُولِهَا، غَيْرَ کا لفظ ہٹا دیں: صِفَةٍ صفت ہو مُضَافَةٍ إِلَى مَعْمُولِهَا اور مضاف ہو رہی ہو اپنے معمول کی طرف۔ یہ کون سی اضافت ہے؟ لفظی۔ صِفَةٍ مُضَافَةٍ إِلَى مَعْمُولِهَا، صفت کا صیغہ ہو اور مضاف ہو اپنے معمول کی طرف، یہ ہے اضافتِ لفظی۔ اور اس سارے پر غَيْرَ داخل کر دو: اس کے علاوہ جو بھی ہے۔ صفت کا صیغہ اپنے معمول کی طرف مضاف ہو، اس کے علاوہ ہونا چاہیے مضاف۔ بات سمجھ میں آ گئی؟ یا

یوں دیکھو، سنو ترجمہ بھائی: أَنْ يَكُونَ الْمُضَافُ غَيْرَ صِفَةٍ، تو یوں ترجمہ نہ کریں کہ مضاف صفت کے غیر ہو، مضاف صفت نہ ہو، بلکہ یوں کہو: مضاف ایسی صفت نہ ہو مُضَافَةٍ إِلَى مَعْمُولِهَا جو اپنے معمول کی طرف مضاف ہو رہی ہو۔ اضافتِ معنویہ کسے کہتے ہیں؟ کہ مضاف ایسی صفت نہ ہو جو اپنے معمول کی طرف مضاف ہو۔ اب اس میں ساری صورتیں آگئیں، چاہے سرے سے صفت ہی نہ ہو، یا صفت تو ہو لیکن اپنے معمول کی طرف مضاف نہ ہو، وہ بھی اس کے اندر آگیا۔ پھر دیکھیے ترجمہ: فَالْمَعْنَوِيَّةُ تو اضافتِ معنویہ جو ہے أَنْ يَكُونَ...

الْمُضَافُ غَيْرَ صِفَةٍ مُضَافَةٍ إِلَى مَعْمُولِهَا، کہ مضاف ہو ایسی صفت نہ ہو جو مضاف ہو رہی ہو اپنے معمول کی طرف۔

اب اس کو شرح کے ساتھ دیکھیں: فَالْمَعْنَوِيَّةُ عَلَامَتُهَا أَنْ يَكُونَ الْمُضَافُ فِيهَا غَيْرَ صِفَةٍ۔ بھائی، فَالْمَعْنَوِيَّةُ، متن کی عبارت تھی فَالْمَعْنَوِيَّةُ أَنْ يَكُونَ الْمُضَافُ۔ الْمَعْنَوِيَّةُ یہ ہے بتدا، توجہ ہے؟ اور أَنْ يَكُونَ الْمُضَافُ یہ ہے اس کی خبر، لیکن یہاں تو بتدا خبر میں مطابقت ہی نہیں ہے، خبر کا حمل بتدا پر صحیح ہی نہیں ہے۔ کس طرح؟ معنویہ کس کی بات ہو رہی ہے؟ اضافت کی، معنویہ کیا ہوتی ہے؟ اضافت ہوتی ہے، توجہ ہے؟ اور اضافت نہ مضاف کو کہتے ہیں نہ مضاف الیہ کو کہتے ہیں بلکہ مضاف اور مضاف الیہ کے درمیان جو جوڑ اور ربط ہے اس کو کیا کہتے ہیں؟ اضافت۔ تو بتدا کیا ہے؟ فَالْمَعْنَوِيَّةُ، بتدا میں اضافت کی بات ہو رہی ہے یعنی اضافتِ معنویہ، توجہ ہے؟ اور خبر میں کیا کہا؟ أَنْ يَكُونَ الْمُضَافُ غَيْرَ صِفَةٍ، کہ مضاف ایسی صفت نہ ہو۔ بتدا کیا؟ اضافت، اضافتِ معنویہ کی بات چل رہی ہے نا، تو بتدا کون ہے؟ اضافتِ معنویہ، اور خبر میں کس کی بات شروع کر دی؟ مضاف کی بات شروع کر دی۔ تو مجھے بتائیے کیا اضافت مضاف کا نام ہے؟ یا اضافت مضاف الیہ کا نام ہے؟ یا اضافت دونوں کے درمیان جوڑ کا نام ہے؟ اضافت مضاف اور مضاف الیہ کے درمیان جوڑ کا نام ہے، توجہ ہے؟ تو لہٰذا اضافت نہ تو وہ مضاف کو کہتے ہیں نہ مضاف الیہ کو کہتے ہیں بلکہ مضاف کی جو مضاف الیہ کی طرف نسبت ہوتی ہے اب اس کو اضافت کہتے ہیں۔ تو معلوم ہوا فَالْمَعْنَوِيَّةُ یہ ہے بتدا، اس سے کیا مراد ہے؟ اضافت، اضافتِ معنویہ۔ توجہ ہے؟ اور خبر میں کیا کہا؟ أَنْ يَكُونَ الْمُضَافُ، خبر کے اندر مضاف کی بات شروع کر دی۔ تو اضافت تو مضاف نہیں ہے۔ تو لہٰذا یہاں خبر کا حمل بتدا پر صحیح نہیں ہو رہا تھا، تو صاحبِ جامی نے بتلایا کہ یہ فَالْمَعْنَوِيَّةُ جو ہے اس بتدا کی خبر أَنْ يَكُونَ نہیں ہے، بلکہ یہاں ایک اور بتدا محذوف ہے۔ ایک اور بتدا، اور عَلَامَتُهَا یہ ہے بتدا اور أَنْ يَكُونَ الْمُضَافُ یہ اس کے لیے خبر ہے، اور پھر یہ پورا جملہ عَلَامَتُهَا أَنْ يَكُونَ الْمُضَافُ یہ پورا جملہ آخر تک جو جا رہا ہے، یہ پورا جملہ مل کر یہ خبر بن رہا ہے بتدا کے لیے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ اور بتدا اور خبر میں کیا چاہیے؟ ربط چاہیے کیونکہ خبر جملہ ہے۔ تو اسی لیے کہا عَلَامَتُهَا، اس اضافتِ معنویہ کی علامت، تو یہ ہا ضمیر اس معنویہ کو راجع ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو ربط آ گیا۔ تو کہتے ہیں فَالْمَعْنَوِيَّةُ تو اضافتِ معنویہ جو ہے عَلَامَتُهَا اس کی علامت یہ ہے کہ أَنْ يَكُونَ الْمُضَافُ فِيهَا غَيْرَ صِفَةٍ، کہ اس کے اندر مضاف جو ہے وہ ایسی صفت نہ ہو۔ اس کے اندر مضاف ایسی صفت نہ ہو۔ صفت سے میں نے بتلایا تھا

کون سی صفتیں مراد ہیں اضافتِ لفظی میں؟ اسمِ فاعل، اسمِ مفعول اور صفتِ مشبہ۔ وہی بیان کر رہے ہیں: غَيْرَ صِفَةٍ كَاسْمِ الْفَاعِلِ وَالْمَفْعُولِ وَالصِّفَةِ الْمُشَبَّهَةِ، یعنی جیسے کہ اسمِ فاعل ہے اور اسمِ مفعول ہے اور صفتِ مشبہ ہے، یعنی ایسی صفت نہ ہو مُضَافَةٍ إِلَى مَعْمُولِهَا، جو مضاف ہو رہی ہو اپنے معمول کی طرف۔ اور معمول سے کیا بتلایا تھا کیا مراد ہے؟ فاعل اور مفعول۔ وہی بیان کر رہے ہیں: ایسی صفت نہ ہو جو اپنے معمول کی طرف مضاف ہو، یعنی کے فَاعِلِهَا أَوْ مَفْعُولِهَا قَبْلَ الْإِضَافَةِ، یعنی وہ جو اس صفت کا فاعل ہے یا اس صفت کا جو مفعول ہے قَبْلَ الْإِضَافَةِ، اضافت سے پہلے۔ اضافت سے پہلے جو فاعل یا مفعول تھا اس کی طرف اس صفت کی اضافت نہ ہو رہی ہو۔

بھائی دیکھیے کیا تعریف کی صاحبِ کافیہ نے؟ کہ اضافتِ معنویہ کسے کہتے ہیں، اس کی علامت کیا ہے؟ کہ مضاف ایسی صفت نہ ہو جو مضاف ہو رہی ہو اپنے معمول کی طرف۔ اور آگے صاحبِ جامی تفسیر کر رہے ہیں کہ معمول سے کیا مراد ہے؟ فاعل اور مفعول قَبْلَ الْإِضَافَةِ، اضافت سے پہلے۔ یہ تفسیر اس لیے کرنے کی ضرورت پیش آئی کہ دیکھیے غُلَامُ زَيْدٍ۔ غُلَامُ، غُلَام مضاف، زَيْدٍ مضافٌ الیہ۔ تو عام طور پر اسی طرح کہتے ہیں کہ غُلَام نے یہ زَيْد کو جر دیا ہے، یہ مضاف نے مضاف الیہ کو جر دیا ہے۔ تو مضاف الیہ پر جر تو ضرور آتا ہے۔ تو جب مضاف اس کو جر دے رہا ہے تو مضاف ہمیشہ عامل ہو گا مضاف الیہ میں، اس کو جر دے گا۔ مضاف کیا ہو گا؟ ہمیشہ عامل ہو گا مضاف الیہ میں۔ تو معلوم ہوا مضاف الیہ ہمیشہ مضاف کے لیے معمول ہو گا۔ مضاف الیہ ہمیشہ مضاف کے لیے معمول ہو گا کیونکہ مضاف اس کو جر دے رہا ہے۔ تو لہٰذا ذہن میں شبہ آتا تھا مُضَافَةٍ إِلَى مَعْمُولِهَا کہ صفت اپنے معمول کی طرف مضاف ہو رہی ہو، یہ تو ہمیشہ ہو گا کیونکہ ہر مضاف الیہ کیا ہو گا؟ مجرور ہو گا، تو وہ تو اس کا معمول بن گیا۔ تو صاحبِ جامی بتلا رہے ہیں کہ نہیں یہ معمول مراد نہیں ہے کہ مضاف وہ اپنے مضاف الیہ کو جو جر دیتا ہے، بلکہ اضافت سے پہلے وہ اس کا معمول ہو یعنی فاعل یا مفعول ہو۔ جیسے ضَارِبُ زَيْدٍ، اصل میں کیا تھا؟ ضَارِبٌ زَيْدًا تھا، دیکھو اضافت سے پہلے یہ اس کو نصب دے رہا تھا۔ یا الْحَسَنُ الْوَجْهِ، الْحَسَنُ الْوَجْهِ اصل میں کیا تھا؟ الْحَسَنُ وَجْهُهُ، الْحَسَنُ اس وَجْهُهُ کو رفع دے رہا تھا۔ تو اضافت سے پہلے وہ اس صفت کا معمول ہو یعنی فاعل ہو یا مفعول ہو، وہ مراد ہے، اس معمول کی طرف یہ صفت کی اضافت نہیں ہونی چاہیے، پھر یہ اضافتِ معنویہ ہو گی۔

تو کہتے ہیں کہ فَاعِلِهَا أَوْ مَفْعُولِهَا قَبْلَ الْإِضَافَةِ، یعنی اس صفت کا فاعل یا اس کا مفعول جو ہے اضافت سے پہلے۔ سَوَاءٌ لَمْ يَكُنْ صِفَةً۔ جی میں نے کیا بتایا؟ اضافتِ لفظی کسے کہتے ہیں؟ کہ صیغہ صفت کا ہو اور مضاف ہو اپنے معمول کی طرف۔ اور جو بھی ایسا نہیں ہو گا وہ کیا ہے؟ اضافتِ معنوی ہے۔ اسی لیے انہوں نے غَيْرَ صِفَةٍ، تو یہ غَيْرَ توجہ ہے؟ یہ غَيْرَ کا لفظ صرف صفت پر نہیں داخل بلکہ صِفَةٍ مُضَافَةٍ إِلَى مَعْمُولِهَا اس سارے پر غَيْرَ کا لفظ داخل ہے۔ صِفَةٍ مُضَافَةٍ إِلَى مَعْمُولِهَا ایسی صفت جو اپنے معمول کی طرف مضاف ہو رہی ہو، اس پر اب غَيْرَ داخل کر دیں، اس کے علاوہ ہو تو وہ اضافتِ معنوی ہے۔ معلوم ہوا اضافتِ معنوی میں چاہے مضاف سرے سے صفت کا صیغہ ہی نہ ہو، یا صفت کا صیغہ ہو لیکن

اپنے معمول یعنی فاعل یا مفعول کی طرف مضاف نہ ہو، دونوں صورتیں اس میں آجاتی ہیں۔ وہی بیان کر رہے ہیں: سَوَاءٌ لَمْ يَكُنْ صِفَةً، برابر ہے کہ وہ مضاف صفت ہی نہ ہو، كَغُلَامِ زَيْدٍ، جیسے کہ غُلَامِ زَيْدٍ کے اندر یہ غُلَام صفت کا صیغہ ہی نہیں ہے۔

میں نے بتایا تھا كَغُلَامِ زَيْدٍ، یہ مثالیں بیچ میں آرہی ہیں، آپ چاہیں اس پر اعرابِ لفظی پڑھیں جو آرہا ہے کاف جارہ ہے تو غُلَامِ زَيْدٍ پڑھیں، اور آپ چاہیں تو اعرابِ حکائی پڑھ لیں كَغُلَامُ زَيْدٍ، جیسے کہ غُلَامُ زَيْدٍ ہے۔ مثلاً کسی جملے سے آپ نے غُلَام لے لیا اور وہاں کیا تھا رفع تھا تو یہاں پر بھی آپ نے وہی اعرابِ حکائی پڑھ دیا۔ تو یہ جتنی مثالیں آرہی ہیں سب میں اسی طرح آپ پڑھ سکتے ہیں، آپ چاہیں اعرابِ حکائی کے ساتھ رفع پڑھ لیں اور آپ چاہیں موقع کے مطابق جو اعراب آ رہا ہے وہ پڑھ لیں۔ تو یہاں کاف جارہ داخل ہے تو كَغُلَامِ زَيْدٍ بھی پڑھ سکتے ہیں اور اعرابِ حکائی كَغُلَامُ زَيْدٍ بھی پڑھ سکتے ہیں۔

تو کہتے ہیں: سَوَاءٌ لَمْ يَكُنْ صِفَةً، برابر ہے کہ وہ مضاف صفت ہی نہ ہو، كَغُلَامِ زَيْدٍ، جیسے غُلَامُ زَيْدٍ۔ أَوْ كَانَ صِفَةً، یا مضاف صفت تو ہو، وَلَكِنْ غَيْرَ مُضَافَةٍ إِلَى مَعْمُولِهَا، لیکن وہ اپنے معمول کی طرف مضاف نہ ہو رہا ہو، بَلْ إِلَى غَيْرِهِ، بلکہ غیرِ معمول کی طرف مضاف ہو، كَمُصَارِعِ مِصْرٍ، جیسے کہ شہر کا پہلوان جو ہے، وَكَرِيمِ الْبَلَدِ، اور شہر کا سخی۔ تو اب دیکھو كَرِيم صفتِ مشبہ ہے اور اس کی اضافت الْبَلَد کی طرف ہو رہی ہے، اور الْبَلَد نہ تو یہ كَرِيم کے لیے فاعل ہے اور نہ مفعول ہے، تو صیغہ تو صفت کا ہے لیکن اپنے معمول کی طرف مضاف نہیں، تو یہ اضافتِ معنوی ہے بھائی۔ تو کہتے ہیں وَاحْتَرَزَ بِهِ، اور احتراز کیا اس قید کے ذریعے، کون سی قید؟ غَيْرَ صِفَةٍ مُضَافَةٍ إِلَى مَعْمُولِهَا، یہ جو متن میں قید آئی تھی اس کے ذریعے احتراز کیا، عَنْ نَحْوِ ضَارِبِ زَيْدٍ وَحَسَنِ الْوَجْهِ، ضَارِبُ زَيْدٍ اور حَسَنُ الْوَجْهِ جیسی مثالوں سے۔ کیونکہ ضَارِبُ زَيْدٍ اس کے اندر صیغہ صفت کا ہے اور مضاف ہے اپنے معمول یعنی مفعول کی طرف، تو یہ اضافتِ لفظیہ ہے اضافتِ معنویہ نہیں ہے، تو یہ تعریف سے نکل گیا۔ اور وَحَسَنِ الْوَجْهِ، یہ حَسَنُ الْوَجْهِ اس کے اندر بھی حَسَن کی اضافت کس کی طرف ہے؟ اپنے فاعل کی طرف اپنے معمول کی طرف ہے، تو حَسَن صیغہ بھی صفت کا ہے اور مضاف ہے اپنے معمول کی طرف، تو یہ بھی اضافتِ معنویہ سے خارج ہو گیا کیونکہ یہ اضافتِ لفظی ہے حَسَنُ الْوَجْهِ۔

آگے متن متن دیکھیے، کہتے ہیں: وَهِيَ إِمَّا بِمَعْنَى اللَّامِ فِيمَا عَدَا جِنْسَ الْمُضَافِ وَظَرْفَهُ، وَإِمَّا بِمَعْنَى مِنْ فِي جِنْسِ الْمُضَافِ، وَإِمَّا بِمَعْنَى فِي فِي ظَرْفِهِ۔

میں نے آپ کو بتلایا تھا کہ اضافتِ معنویہ کے اندر تین حروفِ جارہ میں سے کوئی ایک مقدر ہوتا ہے: یا لام، یا مِنْ، یا فِي۔ یا لام، یا مِنْ، یا فِي۔ اب بتلانے لگے ہیں کہاں فِي ہو گا، کہاں مِنْ ہو گا اور کہاں لام ہو گا۔ تو یاد رکھیں: اگر مضاف الیہ مضاف کے لیے ظرف ہو، توجہ ہے؟ مضاف الیہ مضاف کے لیے ظرف ہو یعنی وہ جو بعد میں آرہا ہے وہ ماقبل کے لیے ظرف ہو، تو وہاں فِي مقدر ہو گا کیونکہ ظرفیّت کے لیے فِي آتا ہے، جیسے ضَرْبُ الْيَوْمِ۔ ضَرْب پٹائی کرنا، اور الْيَوْم یہ کیا ہے؟

دن کو کہتے ہیں، توجہ ہے؟ تو ضَرْبُ الْيَوْمِ، تو دیکھو یہ جو الْيَوْم ہے یہ ضَرْب کے لیے مفعول فیہ ہے، ضَرْب اس دن میں لگی ہے، تو یہ اضافت کس کے ساتھ ہوئی؟ فِي کے ساتھ، أَيْ ضَرْبٌ فِي الْيَوْمِ یا ضَرْبٌ وَاقِعٌ فِي الْيَوْمِ، توجہ ہے؟ تو اگر مضاف الیہ مضاف کے لیے کیا ہو؟ ظرف، تو وہاں کیا مقدر ہو گا؟ فِي۔ زبان سے دہراؤ: اگر مضاف الیہ ظرف کے لیے کیا ہو... اگر مضاف الیہ مضاف کے لیے ظرف ہو تو وہاں فِي مقدر ہو گا۔ اور اگر مضاف الیہ مضاف کے لیے جنس ہو یعنی مضاف اس سے بنا ہو، تو وہاں مِنْ مقدر ہو گا، جیسے خَاتَمُ فِضَّةٍ، چاندی کی انگوٹھی۔ تو یہاں دیکھو یہ خَاتَم مضاف ہے اور فِضَّةٍ جو ہے مضافٌ الیہ، اور یہ انگوٹھی کس سے بنی ہے؟ چاندی سے بنی ہے، تو یہاں مضاف الیہ خَاتَم کے لیے جنس ہے، اس سے یہ انگوٹھی بنی ہے، تو یہاں مِنْ مقدر ہو گا، أَيْ خَاتَمٌ مِنْ فِضَّةٍ۔ اور اگر مضاف الیہ مضاف کے لیے نہ ظرف ہو نہ جنس ہو، تو پھر وہاں لام مقدر ہو گا۔ وہاں لام۔ ضابطہ سمجھ میں آگیا؟ اضافتِ معنویہ کے اندر یا لام مقدر ہو گا یا مِنْ مقدر ہو گا یا فِي مقدر ہو گا۔ فِي کب مقدر ہو گا؟ دہرائیے بھائی زبان سے، فِي کب مقدر ہو گا؟ جب مضاف الیہ مضاف کے لیے ظرف ہو تو وہاں فِي مقدر ہو گا۔ اور مِنْ کب مقدر ہو گا؟ جب مضاف الیہ مضاف کے لیے جنس ہو یعنی مضاف اس سے بنا ہو، جیسے خَاتَمُ فِضَّةٍ۔ اور اگر ان کے علاوہ ہو یعنی مضاف الیہ مضاف کے لیے نہ ظرف ہے نہ جنس ہے تو پھر وہاں لام مقدر ہو گا بھائی۔ تو اگر مضاف الیہ مضاف کے لیے نہ جنس ہے اور نہ ظرف ہے تو پھر وہاں لام مقدر ہو گا۔ ضابطہ سمجھ میں آ گیا؟

اب ایک اور بات یاد رکھنا، میں نے بتایا جنس وہ ہے جس سے کوئی چیز بنی ہو: خَاتَمُ فِضَّةٍ، یہ انگوٹھی کس سے بنی ہے؟ چاندی سے بنی ہے، تو یہ فِضَّة یعنی مضاف الیہ جنس ہے مضاف یعنی خَاتَم کے لیے۔ لیکن یہ اور تعریف کریں گے، یہ آپ کو بتائیں گے جنس وہ ہے جو مضاف میں بھی پائی جائے اور غیرِ مضاف میں بھی پائی جائے۔ اور یہاں پر بھی اسی طرح ہے: خَاتَمُ فِضَّةٍ، یہ چاندی انگوٹھی میں بھی ہے مضاف میں بھی ہے اور مضاف کے علاوہ بھی چاندی پائی جاتی ہے۔ چاندی سے اور زیور بھی بنتے ہیں، چاندی سے برتن بھی بنتے ہیں اور چیزیں بھی بنتی ہیں، تو معلوم ہوا چاندی وہ اس انگوٹھی میں بھی پائی جا رہی ہے اور اس کے غیر میں بھی تو یہ اس کے لیے جنس ہے۔ تو جنس کی تعریف یہ کیا کریں گے؟ جو مضاف میں بھی پائی جائے اور غیرِ مضاف میں بھی پائی جائے، وہ اس کے لیے جنس کہلاتی ہے۔ ضابطہ کیا ہوا؟ اگر مضاف الیہ مضاف کے لیے ظرف ہو تو فِي مقدر، اگر مضاف الیہ مضاف کے لیے جنس ہو تو پھر وہاں مِنْ مقدر، اور اس کے علاوہ باقی صورتوں میں لام مقدر ہو گا۔ دیکھیے بھائی۔

کہتے ہیں: وَهِيَ اور یہ جو اضافتِ معنویہ ہے، إِمَّا بِمَعْنَى اللَّامِ، یا تو یہ لام کے معنیٰ میں ہو گی، فِيمَا عَدَا جِنْسَ الْمُضَافِ وَظَرْفَهُ، متن دیکھ رہے ہیں بھائی، صرف متن متن: إِمَّا بِمَعْنَى اللَّامِ یہ اضافتِ معنویہ یا تو لام کے معنیٰ میں ہو گی فِيمَا اس مضاف الیہ میں عَدَا جِنْسَ الْمُضَافِ وَظَرْفَهُ جو مضاف کی جنس اور اس کے ظرف کے علاوہ ہو، یعنی مضاف...

الیہ جو ہے، وہ نہ مضاف کے لیے جنس ہو نہ اس کے لیے ظرف ہو تو وہاں اضافت لام کے معنیٰ کے ساتھ ہو گی۔ پھر دیکھیے، کہتے ہیں: وَهِيَ إِمَّا بِمَعْنَى اللَّامِ، یہ اضافتِ معنویہ یا تو لام کے معنیٰ کے ساتھ ہو گی، فِيمَا عَدَا جِنْسَ الْمُضَافِ وَظَرْفَهُ، اس مضاف الیہ کے علاوہ جو مضاف کے لیے جنس ہو یا اس کے لیے ظرف ہو، اس کے علاوہ میں یہ لام کے معنیٰ میں ہو گی۔ وَإِمَّا بِمَعْنَى مِنْ فِي جِنْسِ الْمُضَافِ، یا یہ اضافتِ معنویہ مِنْ کے معنیٰ میں ہو گی فِي جِنْسِ الْمُضَافِ کس کے اندر؟ مضاف کے جنس میں یعنی جب مضاف الیہ مضاف کے لیے جنس ہو۔ وَإِمَّا بِمَعْنَى فِي، یا یہ اضافتِ معنویہ جو ہے فِي کے معنیٰ میں ہو گی، فِي ظَرْفِهِ، کس میں؟ مضاف کے ظرف میں یعنی مضاف الیہ مضاف کے لیے ظرف ہو۔ بات سمجھ میں آگئی؟ اب اس سارے کو شرح کے ساتھ دیکھیے۔

تو کہتے ہیں: وَهِيَ أَيِ الْإِضَافَةُ الْمَعْنَوِيَّةُ بِحُكْمِ الْاِسْتِقْرَاءِ، کہ یہ اضافتِ معنویہ جو ہے بِحُكْمِ الْاِسْتِقْرَاءِ استقراء کے حکم سے۔ استقراء کا معنیٰ ہے تلاش اور جستجو کرنا۔ تلاش اور جستجو کرنا۔ تو یہ جو انہوں نے کہا نا کہ یہ اضافتِ معنویہ میں یا لام مقدر ہو گا، یا مِنْ مقدر ہو گا، یا فِي مقدر ہو گا، بھائی یہ حکم آپ نے کیسے لگایا؟ اس کے لیے کیا ضابطہ ہے؟ تو بتلا رہے ہیں کہ بھائی ہم نے پورے کلامِ عرب میں تلاش کی، جستجو کی، تو ہمیں جتنی بھی اضافتیں ملیں وہاں یا تو لام مقدر بنتا تھا یا مِنْ یا فِي، اس کے علاوہ اور ہمیں کوئی اضافت نہیں ملی جہاں کوئی اور حرفِ جر مقدر ہو۔ تو یہ جو حکم ہم نے لگایا ہے یہ استقراء کے ذریعے لگایا ہے۔

تو کہتے ہیں: وَهِيَ أَيِ الْإِضَافَةُ الْمَعْنَوِيَّةُ بِحُكْمِ الْاِسْتِقْرَاءِ، تو یہ جو اضافتِ معنویہ ہے استقراء کے حکم سے، إِمَّا بِمَعْنَى اللَّامِ، یا تو یہ لام کے معنیٰ میں ہو گی، فِيمَا أَيْ فِي الْمُضَافِ إِلَيْهِ۔ دیکھیے متن میں آیا تھا: فِيمَا عَدَا جِنْسَ الْمُضَافِ وَظَرْفَهُ۔ توجہ ہے؟ یہاں یہ عَدَا فعل ہے۔ فِيمَا، یہ مَا موصولہ ہے، مَا موصولہ۔ اور میں نے بتایا کہ یہ جو اسمائے موصولہ ہوتے ہیں ان کے مدلولات ہوتے ہیں، یہ کسی چیز پر دلالت کرتے ہیں، کوئی چیز ان سے مراد ہوتی ہے۔ تو یہاں مَا سے کیا مراد ہے؟ آگے صاحبِ جامی بتلا رہے ہیں: أَيْ فِي الْمُضَافِ إِلَيْهِ، مَا سے کیا مراد ہے؟ مضاف الیہ۔ یعنی اضافتِ معنویہ لام کے معنیٰ میں ہو گی فِيمَا اس مضاف الیہ میں عَدَا جِنْسَ الْمُضَافِ وَظَرْفَهُ وہ مضاف الیہ جو مضاف کی جنس اور ظرف کے علاوہ ہو، یعنی وہ مضاف الیہ جو مضاف کے لیے جنس اور ظرف نہ ہو اس کے اندر یہ لام کے معنیٰ میں ہو گی۔ توجہ ہے؟

تو یہاں دیکھیے میں عبارت ذکر کر رہا تھا: یہ مَا جو ہے یہ موصولہ ہے اور اس سے مراد کیا ہے؟ مضاف الیہ، صاحبِ جامی نے بیان کر دیا۔ اور عَدَا یہ آپ نے پڑھا ہے مستثنیٰ کی بحث میں کہ خَلَا اور عَدَا، اور اسی طرح مَا خَلَا اور مَا عَدَا یہ استثناء کے لیے استعمال ہوتے ہیں۔ تو وہاں آپ نے پڑھا تھا کہ یہ جو عَدَا اور خَلَا ہیں یہ افعال ہیں اور ان کے مابعد جو ہے لفظ منصوب ہو گا وہ جو مستثنیٰ منصوب ہو گا وہ مفعول بہ ہونے کی وجہ سے۔ لیکن کبھی کبھار یہ خَلَا اور عَدَا حروفِ جارہ کے

طور پر بھی استعمال ہو جاتے ہیں، حروفِ جارہ کے طور پر بھی استعمال ہو جاتے ہیں۔ لیکن جب ان پر مَا داخل ہو جائے: مَا خَلَا اور مَا عَدَا، پھر یہ فعل ہی ہیں متعین ہیں، پھر یہ جر نہیں دیں گے، کیونکہ اس صورت میں یہ جو مَا ہے یہ مَا مصدریہ ہے۔ مَا مصدریہ کسے کہتے ہیں؟ جو فعل پر داخل ہو کر اس کو مصدر کے معنیٰ میں کر دیتا ہے، جیسے أَنْ مصدریہ ہے یہ فعل پر داخل ہو کر اس کو کس معنیٰ میں کر دیتا ہے؟ مصدر کے معنیٰ میں۔ تو مَا عَدَا اور مَا خَلَا پر جو مَا داخل ہوتا ہے وہ ہمیشہ مَا مصدریہ ہوتا ہے۔ تو یہاں پر بھی عبارت میں کیا آیا تھا؟ فِيمَا عَدَا جِنْسَ الْمُضَافِ وَظَرْفَهُ. تو بظاہر شبہ ہوتا تھا کہ شاید یہ مَا عَدَا کے اندر یہ جو مَا ہے یہ مَا مصدریہ ہے، کیونکہ عَدَا پر جو مَا داخل ہوتا ہے وہ کون سا ہوتا ہے؟ مَا مصدریہ۔ تو صاحبِ جامی نے بتلایا: فِيمَا أَيْ فِي الْمُضَافِ إِلَيْهِ، بتلا دیا کہ یہ مَا مصدریہ نہیں ہے بلکہ یہ مَا موصولہ ہے، یہ مَا موصولہ ہے بھائی۔ اور آگے جِنْسَ الْمُضَافِ وَظَرْفَهُ یہ مفعول بہ ہے بھائی، جِنْسَ الْمُضَافِ مفعول بہ ہے اور وَظَرْفَهُ کا اسی پر عطف ہے بھائی، اور ظَرْفَهُ کی ہا ضمیر اسی مضاف کو راجع ہے: جِنْسَ الْمُضَافِ وَظَرْفَهُ أَيْ ظَرْفَ الْمُضَافِ.

تو کہتے ہیں یہ جو اضافتِ معنویہ ہے: إِمَّا بِمَعْنَى اللَّامِ فِيمَا أَيْ فِي الْمُضَافِ إِلَيْهِ، اس مضاف الیہ کے اندر، عَدَا جِنْسَ الْمُضَافِ وَظَرْفَهُ، جو مضاف کی جنس اور اس کے ظرف کے علاوہ ہو یعنی مضاف کے لیے نہ جنس ہو اور نہ ظرف ہو۔ بھائی میں نے کیا بتلایا؟ جنس کسے کہتے ہیں؟ جو مضاف پر بھی صادق آئے اور اس کے علاوہ پر بھی صادق آئے۔ وہی بیان کر رہے ہیں: أَيْ لَا يَكُونُ صَادِقًا عَلَى الْمُضَافِ وَغَيْرِهِ، یعنی وہ جو مضاف الیہ ہے ایسا نہ ہو کہ وہ صادق آئے مضاف پر بھی اور غیرِ مضاف پر بھی، یعنی اس کے لیے جنس بھی نہ ہو، وَلَا ظَرْفًا لَهُ، اور اس کے لیے ظرف بھی نہ ہو۔ نَحْوُ، مثال کے طور پر: غُلَامُ زَيْدٍ، جیسے غُلَامُ زَيْدٍ۔ اس کے اندر دیکھو یہ جو زَيْد ہے نہ یہ غُلَام کے لیے جنس ہے اور نہ یہ غُلَام کے لیے ظرف ہے۔ تو کہتے ہیں نَحْوُ غُلَامِ زَيْدٍ جیسے غُلَامُ زَيْدٍ، فَإِنَّ زَيْدًا لَيْسَ جِنْسًا لِلْغُلَامِ، اس لیے کیونکہ اس کے اندر لفظِ زَيْد جو ہے وہ لَيْسَ جِنْسًا لِلْغُلَامِ، کہ یہ غُلَام کے لیے جنس نہیں ہے، صَادِقًا عَلَيْهِ جو اس پر صادق آئے۔ اس میں تو زَيْد غُلَام پر صادق ہی نہیں آ رہا۔ اور جنس تو کس کو کہتے تھے؟ جو مضاف پر بھی صادق آئے اور غیر پر بھی صادق آئے۔ تو جب یہ زَيْد غُلَام پر صادق ہی نہیں آ رہا، معلوم ہوا یہ اس کے لیے جنس بھی نہیں ہے۔ تو کہتے ہیں فَإِنَّ زَيْدًا لَيْسَ جِنْسًا لِلْغُلَامِ صَادِقًا عَلَيْهِ، اس لیے کیونکہ اس غُلَامُ زَيْدٍ کے اندر یہ جو زَيْدًا کا لفظ ہے یہ غُلَام کے لیے جنس نہیں ہے صَادِقًا عَلَيْهِ جو اس پر صادق آئے، وَلَا ظَرْفَهُ اور یہ اس کے لیے ظرف بھی نہیں ہے۔ فَإِضَافَةُ الْغُلَامِ إِلَيْهِ، تو یہ جو غُلَام کی اضافت ہو رہی ہے إِلَيْهِ أَيْ إِلَى زَيْدٍ کس کی طرف؟ زَيْد کی طرف، بِمَعْنَى اللَّامِ، یہ کس معنیٰ میں ہے؟ لام کے معنیٰ میں ہے، أَيْ غُلَامٌ لِزَيْدٍ.

تو یہ غُلَامُ زَيْدٍ کس معنیٰ میں ہے؟ غُلَامٌ لِزَيْدٍ کے معنیٰ میں ہے، یہاں لام مقدر ہے۔

وَإِمَّا بِمَعْنَى مِنْ الْبَيَانِيَّةِ فِي جِنْسِ الْمُضَافِ، یا یہ اضافتِ معنویہ بِمَعْنَى مِنْ الْبَيَانِيَّةِ، یہ مِنْ بیانیہ کے معنیٰ میں ہو گی، فِي جِنْسِ الْمُضَافِ، کس کے اندر؟ مضاف کی جنس میں یعنی مضاف الیہ جب مضاف کے لیے جنس ہو۔ الصَّادِقِ عَلَيْهِ وَعَلَى

غَيْرِهِ، یعنی کہ مضاف الیہ جو ہے صادق آرہا ہو عَلَيْهِ مضاف پر بھی وَعَلَى غَيْرِهِ اور اس کے علاوہ پر بھی۔ لیکن بِشَرْطِ أَنْ يَكُونَ الْمُضَافُ أَيْضًا صَادِقًا عَلَى غَيْرِ الْمُضَافِ إِلَيْهِ۔ اچھا ادھر دیکھیے، اضافت مِنْ کے ساتھ کب ہوگی؟ جب مضاف الیہ مضاف کے لیے جنس ہو۔ کیا معنیٰ جنس ہو؟ یعنی مضاف الیہ مضاف پر بھی صادق آئے اور غیرِ مضاف پر بھی صادق آئے۔ خَاتَمُ فِضَّةٍ، یہ فِضَّة خَاتَم یعنی انگوٹھی پر بھی صادق آرہی ہے اور اس کے علاوہ پر بھی۔ لیکن ساتھ ایک اور شرط بھی ہے، صاحبِ جامی فرما رہے ہیں، وہ شرط یہ ہے کہ مضاف بھی ایسا ہونا چاہیے وہ بھی اس مضاف الیہ پر بھی صادق آئے اور اس کے علاوہ پر بھی صادق آئے۔ یعنی مضاف بھی ایسا ہو، جیسے انگوٹھی، انگوٹھی بھی اسی طرح ہے، یہ چاندی کی بھی ہو سکتی ہے، چاندی پر بھی صادق آسکتی ہے اور چاندی کے علاوہ لوہے یا سونے وغیرہ کی بھی ہو سکتی ہے۔ توجہ ہے؟ مِنْ کہاں مقدر ہوگا؟ جب مضاف الیہ جنس ہو کس کے لیے؟ مضاف کے لیے، اور یعنی مضاف الیہ مضاف پر بھی صادق آئے اور اس کے علاوہ پر بھی، لیکن شرط یہ ہے مضاف بھی ایسا ہونا چاہیے وہ مضاف الیہ پر بھی صادق آئے اور مضاف الیہ کے علاوہ پر بھی۔ انگوٹھی جو ہے اگر چاندی کی ہو تو یہ مضاف یعنی دیکھو خَاتَمُ فِضَّةٍ، خَاتَم صادق آرہا ہے کس پر؟ چاندی پر بھی صادق آرہا ہے کہ انگوٹھی پڑی ہے چاندی کی ہے آپ کہہ سکتے ہیں یہ چاندی ہے، آپ کہہ سکتے ہیں یہ انگوٹھی ہے۔ صورت سمجھ میں آگئی؟ اور چاندی کے علاوہ بھی یہ انگوٹھی ہوتی ہے یعنی سونے کی یا لوہے یا پیتل وغیرہ کی۔ تو مضاف الیہ بھی کیا ہونا چاہیے؟ مضاف میں بھی پایا جائے اور غیرِ مضاف میں بھی پایا جائے، اور مضاف بھی اسی طرح ہونا چاہیے مضاف الیہ میں بھی پایا جائے اور غیرِ مضاف الیہ میں بھی پایا جائے، یعنی دونوں میں عموم و خصوص من وجہ کی نسبت ہونی چاہیے۔ کون سی؟ عموم و خصوص من وجہ آپ نے پڑھا ہے۔ آگے تفصیل بھی آرہی ہے کہ عموم و خصوص من وجہ یہ ہے کہ دونوں کلیاں، دو کلیاں ہوں بھائی، ایک کلی پہلی کلی کے بعض افراد پر صادق آئے بعض پر صادق نہ آئے اور دوسری کلی بھی پہلی کلی کے بعض افراد پر صادق آئے بعض پر صادق نہ آئے، جیسے حَيَوَان اور أَبْيَض۔ بعض اوقات صرف حَيَوَان ہوگا، أَبْيَض یعنی سفید نہیں ہوگا۔ بعض اوقات ایک چیز صرف أَبْيَض ہوگی لیکن حَيَوَان نہیں ہوگی، اور بعض اوقات ایک ہی چیز حَيَوَان بھی ہوگی اور أَبْيَض بھی ہوگی۔ تو اس کو کیا کہتے ہیں؟ عموم و خصوص من وجہ۔ میں ابھی آگے اور بھی مزید تفصیل بیان کرتا ہوں کہ کلیوں میں کون کون سی نسبتیں ہوتی ہیں، آگے صاحبِ جامی بھی ذکر کرنے والے ہیں۔ تو لہٰذا بس اتنا یاد رکھیے کہ اضافت بمعنیٰ مِنْ کے تب ہوگی جب مضاف اور مضاف الیہ میں کون سی نسبت ہو؟ عموم و خصوص من وجہ کی نسبت ہو بھائی۔

تو کہتے ہیں: وَإِمَّا بِمَعْنَى مِنْ الْبَيَانِيَّةِ، یا اضافتِ معنویہ جو ہے یہ مِنْ بیانیہ کے معنیٰ میں ہوگی، فِي جِنْسِ الْمُضَافِ، کس کے اندر؟ مضاف کی جنس میں یعنی مضاف الیہ جب مضاف کے لیے جنس ہو، الصَّادِقِ عَلَيْهِ وَعَلَى غَيْرِهِ، یعنی مضاف الیہ اس مضاف پر بھی صادق آئے وَعَلَى غَيْرِهِ اور اس کے علاوہ پر بھی، بِشَرْطِ أَنْ يَكُونَ الْمُضَافُ أَيْضًا صَادِقًا عَلَى غَيْرِ الْمُضَافِ إِلَيْهِ، بایں شرط کہ مضاف بھی صادق آئے عَلَى غَيْرِ الْمُضَافِ إِلَيْهِ کس پر؟ مضاف الیہ کے علاوہ پر، فَيَكُونُ بَيْنَهُمَا

عُمُومٌ وَخُصُوصٌ مِنْ وَجْهٍ، تو ان دونوں کے درمیان جو ہے عموم و خصوص من وجہ کی نسبت ہوگی، پھر وہاں مِنْ بیانیہ مقدر ہوگا۔

وَإِمَّا بِمَعْنَى فِي، یا اضافتِ معنویہ بمعنیٰ فِي کے ہوگی، فِي ظَرْفِهِ أَيْ ظَرْفِ الْمُضَافِ، کس کے اندر؟ مضاف کے ظرف میں یعنی جب مضاف الیہ مضاف کے لیے ظرف ہو۔

بات سمجھ میں آگئی؟ وَالْحَاصِلُ، اب یہاں سے حاصلِ بحث بتلا رہے ہیں کہ اضافت کی بحث کا حاصل یہ ہے۔ ادھر سنو بھائی توجہ سے، دیکھیے ادھر آپ نے منطق میں پڑھا ہے کہ دو کلیاں جو ہیں ان کے اندر چار نسبتوں میں سے کوئی ایک نسبت ضرور پائی جائے گی۔ دو کلی، کلی کسے کہتے ہیں؟ جو کثیرین پر صادق آئے جیسے یہ کتاب، کتاب جو ہے یہ کلی ہے، آپ کے سامنے جو ہے یہ بھی کتاب، دوسرے ساتھی کے سامنے ہے یہ بھی کتاب، تیسرے کے سامنے ہے یہ بھی کتاب، تو کتاب ایک کلی ہے جو کثیرین پر صادق آتی ہے۔ تو دو کلیوں کے درمیان چار نسبتوں میں سے ایک نسبت ضرور پائی جائے گی: یا تو ان دو کلیوں میں تساوی کی نسبت ہوگی، یا تباین کی نسبت ہوگی، یا عموم و خصوص مطلق کی نسبت ہوگی، یا عموم و خصوص من وجہ کی نسبت ہوگی۔

تساوی، تساوی کا معنیٰ برابری کہ دو کلیوں میں سے دونوں کلیاں ایک دوسرے کے برابر ہیں، یعنی ایک کلی دوسری کے ہر ہر فرد پر صادق آرہی ہے اور دوسری کلی پہلی کے ہر ہر فرد پر صادق آرہی ہے، جیسے اِنْسَان اور نَاطِق۔ جو بھی دنیا کا اِنْسَان ہے وہ نَاطِق ہے، اور جو بھی نَاطِق ہے وہ اِنْسَان ہے، تو دیکھو ان دونوں میں تساوی کی نسبت ہے۔ جس پر اِنْسَان صادق آئے گا اس پر نَاطِق ضرور صادق آئے گا اور جس پر نَاطِق صادق آئے گا اس پر اِنْسَان ضرور صادق آئے گا، تو ان دو کلیوں میں کون سی نسبت ہے؟ تساوی کی ہے۔

دوسری نسبت ہے تباین کی، کہ پہلی کلی دوسری کے کسی فرد پر صادق نہ آئے اور دوسری کلی پہلی کے کسی فرد پر صادق نہ آئے، جیسے اِنْسَان اور فَرَس۔ کوئی بھی اِنْسَان فَرَس نہیں اور کوئی بھی فَرَس اِنْسَان نہیں ہے۔ فَرَس کیا معنیٰ؟ گھوڑا۔ یا اِنْسَان اور حَجَر یعنی اِنْسَان اور پتھر، کوئی بھی اِنْسَان پتھر نہیں اور کوئی بھی پتھر اِنْسَان نہیں، کہیں بھی یہ دونوں اکٹھے نہیں ہوتے کہ ایک ہی چیز پر اِنْسَان بھی صادق آجائے اور حَجَر بھی صادق آجائے۔ تو یہ ہے تباین کی نسبت۔

تیسری صورت یہ ہے نسبت کی کہ ایک کلی دوسری کلی کے ہر فرد پر صادق آئے، لیکن دوسری کلی پہلی کلی کے ہر فرد پر صادق نہ آئے، بعض پر صادق آئے بعض پر صادق نہ آئے، جیسے حَیَوَان اور اِنْسَان۔ حَیَوَان اِنْسَان کے ہر ہر فرد پر صادق آئے گا کیونکہ ہر اِنْسَان حَیَوَانِ نَاطِق ہے، تو جو بھی اِنْسَان ہوگا وہ حَیَوَان ضرور ہوگا۔ تو دیکھو ایک کلی دوسری کے ہر ہر فرد پر صادق آرہی ہے، لیکن دوسری کلی پہلی کے ہر فرد پر صادق نہیں آئے گی، اِنْسَان جو ہے وہ حَیَوَان کے ہر فرد پر صادق نہیں آئے گا بلکہ حَیَوَان کے بعض افراد جو حَیَوَانِ نَاطِق ہیں ان پر تو اِنْسَان صادق آئے گا، جو حَیَوَانِ نَاطِق نہیں ہیں اور حَیَوَانَات ہیں گائے، بیل، بکری وغیرہ، ان پر اِنْسَان کا لفظ صادق نہیں۔ توجہ ہے؟ تو ایک پہلی کلی دوسری کے ہر فرد پر صادق آئے اور دوسری

پہلی کے ہر فرد پر صادق نہ آئے، اس نسبت کو کہتے ہیں عموم و خصوص مطلق۔ عموم و خصوص مطلق۔ ان میں سے ایک کلی اَعَمّ مطلق ہے، وہ دوسری کے مقابلے میں مطلقاً زیادہ عام ہے، اور دوسری کلی اَخَصّ مطلق ہے یعنی وہ مطلقاً دوسری کلی کے مقابلے میں اَخَصّ ہے۔ اَعَمّ دیکھو اسمِ تفضیل ہے، اسمِ تفضیل جس میں کوئی صفت دوسرے کے مقابلے میں بیان کی جاتی ہے: زَیْدٌ أَضْرَبُ مِنْ عَمْرٍو، کیا معنیٰ؟ زَیْد عَمْرِو کے مقابلے میں زیادہ پٹائی کرنے والا ہے۔ تو یہاں پر بھی عموم و خصوص مطلق کے اندر ایک کلی اَعَمّ مطلق ہوگی، اَعَمّ دیکھو اسمِ تفضیل ہے، اَعَمّ زیادہ عام ہے ایک کلی دوسری کے مقابلے میں، حَیَوَان زیادہ عام ہے کس کے مقابلے میں؟ اِنْسَان کے مقابلے میں، تو یہ اَعَمّ ہے مطلقاً۔ اور اِنْسَان جو ہے وہ زیادہ خاص ہے کس کے مقابلے میں؟ پہلی کلی کے مقابلے میں، تو اِنْسَان اَخَصّ مطلقاً ہوا بھائی۔ تو یہ اَعَمّ اور اَخَصّ کیا ہیں؟ اسمِ تفضیل ہیں جہاں دوسرے کے مقابلے میں عموم اور خصوص ذکر ہو رہا ہے۔ یہ تھا عموم و خصوص مطلق۔

اور چوتھی نسبت یہ ہے کہ دو کلیوں کے درمیان عموم و خصوص من وجہ کی نسبت ہو، اور وہ یہ کہ پہلی کلی دوسری کے بعض افراد پر صادق آئے بعض پر صادق نہ آئے، اور دوسری کلی بھی اسی طرح پہلی کلی کے بعض افراد پر صادق آئے بعض پر صادق نہ آئے، جیسے حَیَوَان اور أَبْیَض۔ أَبْیَض کا معنیٰ سفید، تو حَیَوَان اور أَبْیَض: بعض اوقات ایک چیز حَیَوَان تو ہوگی لیکن أَبْیَض نہیں ہوگی جیسے کالی بھینس، اب دیکھو بھینس حَیَوَان تو ہے لیکن أَبْیَض نہیں ہے، یا اور گائے لے لو کسی اور رنگ والی تو یہ اب حَیَوَان تو ہے لیکن أَبْیَض نہیں۔ اور بعض اوقات دوسری کلی الگ پائی جائے گی جیسے سفید کاغذ، اب یہ أَبْیَض تو ہے لیکن حَیَوَان نہیں۔ تو پہلی کلی دوسری کلی کے بغیر پائی جا رہی ہے اور دوسری کلی پہلی کے بغیر پائی جا رہی ہے۔ اور بعض چیزوں میں دونوں اکٹھی ہو جائیں گی جیسے سفید بطخ، اب دیکھو یہ حَیَوَان بھی ہے اور أَبْیَض بھی ہے، یا سفید بکری، یہ حَیَوَان بھی ہے اور أَبْیَض بھی ہے۔ تو دیکھو دونوں کلیاں بعض جگہ اکٹھی ہوتی ہیں اور بعض جگہ الگ، یعنی پہلی کلی دوسری کلی کے بعض افراد پر صادق آتی ہے بعض پر صادق نہیں، اور دوسری کلی بھی پہلی کلی کے بعض افراد پر صادق آتی ہے اور بعض پر صادق نہیں آتی، تو یہ عموم و خصوص من وجہ ہے۔ اور اس کے اندر ہمیشہ تین مادے ہوتے ہیں عموم و خصوص من وجہ میں، تین مادے: ایک مادہ وہ جہاں صرف پہلی کلی پائی جائے گی دوسری نہیں ہوگی، ایک مادہ وہ جہاں صرف دوسری کلی پائی جائے گی پہلی کلی نہیں، اور ایک مادہ وہ ہوگا جہاں دونوں پائی جائیں گی۔ مثلاً میں نے مثالیں ذکر کر دیں: ایک مادہ جہاں صرف پہلی کلی ہو جیسے صرف حَیَوَان ہو جیسے کالی بھینس، اب یہ حَیَوَان تو ہے لیکن أَبْیَض نہیں، یہ صرف پہلی کلی پائی جا رہی ہے۔ یا دوسری صورت ہے صرف دوسری کلی پائی جائے پہلی نہ ہو جیسے سفید کپڑا، اب یہ سفید تو ہے لیکن حَیَوَان نہیں، سفید کاغذ یہ سفید تو ہے لیکن حَیَوَان نہیں، تو صرف دوسری کلی پائی جا رہی ہے پہلی نہیں۔ اور بعض جگہ یہ دونوں پائی جائیں گی جیسے سفید بطخ یا سفید بکری، تو یہ حَیَوَان بھی ہے اور أَبْیَض بھی ہیں۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو دو کلیوں میں کتنی نسبتیں ہو سکتی ہیں؟ چار: یا تساوی، یا تباین، یا عموم و خصوص مطلق، یا عموم و خصوص من وجہ۔

اب صاحبِ جامی آپ کو بتائیں گے، تفصیل بیان کریں گے کہ دیکھیے توجہ سے سنو بھائی، بات چل رہی ہے اضافت کی اور اضافت کس کے درمیان ہوتی ہے؟ مضاف اور مضاف الیہ کے درمیان۔ تو یہ جو مضاف اور مضاف الیہ ہیں: یا تو ان میں تباین کی نسبت ہوگی، یا ان میں تساوی کی نسبت ہوگی، یا ان میں عموم و خصوص مطلق کی نسبت ہوگی، یا عموم و خصوص من وجہ کی نسبت ہوگی۔ اب وہ بیان کریں گے آپ کو بتلائیں گے کہ اگر مضاف اور مضاف الیہ میں تساوی کی نسبت ہو تو یہ اضافت ممتنع ہے، یہ جائز نہیں۔ مضاف اور مضاف الیہ میں اگر تساوی کی نسبت ہو تو یہ اضافت جائز نہیں۔ جیسے شیر کو، شیر کو لَیْثٌ بھی کہتے ہیں لام، یا اور ثا: لَیْثٌ، اور شیر کو أَسَدٌ بھی کہتے ہیں۔ تو آپ لَیْثٌ کہہ دیں یا أَسَدٌ کہہ دیں۔ تو اب یہاں آپ دیکھو جو أَسَد ہے وہ لَیْث ہے اور جو لَیْث ہے وہ أَسَد ہے۔ اب یہاں آپ اضافت کرتے ہیں: لَیْثُ أَسَدٍ یا أَسَدُ لَیْثٍ، یہ تو آپ مضاف اور مضاف الیہ دونوں کیا ہیں؟ ان میں تساوی کی نسبت ہے، یہ اضافت جائز نہیں۔ توجہ ہے؟ کیوں نہیں جائز؟ کیونکہ اضافتِ معنویہ میں مضاف مضاف الیہ سے تعریف یا تخصیص اخذ کرتا ہے۔ اور جب آپ نے دو برابر چیزوں میں سے ایک کو مضاف بنایا دوسرے کو مضاف الیہ، تو جیسے لَیْثُ أَسَدٍ، لَیْث کی اضافت کس کی طرف کی؟ أَسَد کی طرف، تو أَسَد تو اس کے برابر ہے۔ تو اس سے نہ اس نے تعریف اخذ کی اور نہ تخصیص اخذ کی۔ توجہ ہے؟ اضافتِ معنوی کسے کہتے ہیں؟ جس میں مضاف مضاف الیہ سے تعریف یا تخصیص اخذ کرتا ہے۔ تو لَیْثُ أَسَدٍ کہنے سے کیا لَیْث میں کوئی تخصیص آئی؟ لَیْث کا معنیٰ بھی شیر، أَسَد کا معنیٰ بھی شیر، کوئی لَیْث کے اندر تخصیص نہیں آئی۔ شیر کا شیر، بھائی کیا معنیٰ شیر کا شیر؟ کوئی فائدہ ہو رہا ہے؟ نہیں۔ توجہ ہے؟ تو یہاں نہ تخصیص آ رہی ہے مضاف میں اور نہ تعریف۔ لہٰذا جب مضاف اور مضاف الیہ میں تساوی کی نسبت ہو تو یہ اضافت ممتنع ہے، جائز نہیں۔

توجہ ہے؟ کل کتنی نسبتیں ہیں؟ چار۔ تساوی کو میں نے بیان کر دیا: تساوی والی نسبت ہو مضاف اور مضاف الیہ میں تو یہ جائز نہیں۔ باقی تین صورتیں رہ گئیں، ان سب میں دو دو صورتیں بنیں گی۔ کس طرح؟ اگر مضاف اور مضاف الیہ میں تباین کی نسبت ہو، مضاف اور مضاف الیہ میں اگر تباین کی نسبت ہو تو پھر دیکھو توجہ سے سنو: تو پھر دیکھو کہ مضاف الیہ مضاف کے لیے ظرف ہے یا نہیں۔ مضاف الیہ مضاف کے لیے ظرف ہے یا نہیں۔ اگر ظرف ہے تو وہاں اضافت فِي کے معنیٰ میں ہوگی، اور اگر ظرف نہیں ہے تو وہاں اضافت لام کے معنیٰ میں ہوگی۔ مضاف اور مضاف الیہ میں کون سی نسبت ہو؟ تباین والی، توجہ ہے؟ مضاف اور مضاف الیہ میں تباین والی نسبت ہے، مضاف الگ ہے مضاف الیہ الگ ہے یہ ایک جگہ اکٹھے نہیں ہیں، تو پھر دو صورتیں: کہ مضاف الیہ مضاف کے لیے ظرف ہوگا یا ظرف نہیں ہوگا، دو ہی صورتیں بنتی ہیں۔ اگر ظرف ہے تو پھر اضافت فِي کے ساتھ ہوگی، اور اگر ظرف نہیں تو پھر اضافت لام کے ساتھ ہو گی۔ پھر دہراؤ: اگر مضاف اور مضاف الیہ میں تساوی کی نسبت ہو تو پھر اضافت ممتنع ہے۔ اور اگر مضاف اور مضاف الیہ میں تباین کی نسبت ہو تو پھر... دہراتے نہیں بھائی زبان سے کیوں نہیں دہراتے؟ جی۔ اگر مضاف اور مضاف الیہ میں

تساوی کی نسبت ہو تو پھر اضافت ممتنع۔ اور اگر مضاف اور مضاف الیہ میں تباین کی نسبت ہو تو پھر وہاں...

تو پھر مضاف الیہ یا تو مضاف کے لیے ظرف ہو گا یا ظرف نہیں ہو گا۔ اگر ظرف ہے تو اضافت فِي کے ساتھ، اور اگر ظرف نہیں تو اضافت لام کے ساتھ۔ توجہ ہے؟ جیسے غُلَامُ زَيْدٍ۔ غُلَامُ زَيْدٍ: غُلَام دیکھو غُلَام اور ہے اور زَيْد کی ذات اور ہے، تو دونوں میں کون سی نسبت؟ تباین۔ اب پھر دیکھ لو کہ کیا مضاف الیہ مضاف کے لیے ظرف ہے یا نہیں۔ مجھے بتائیے یہ زَيْد مضاف کے لیے یعنی غُلَام کے لیے ظرف ہے یا ظرف نہیں؟ ظرف نہیں ہے، زَيْد تو ظرف کا نام نہیں ہے، زَيْد تو ایک شخص کا نام ہے۔ تو یہ اضافت کس کے ساتھ ہے؟ لام کے ساتھ۔ اور اگر ظرف ہو جیسے ضَرْبُ الْيَوْمِ۔ دیکھو ضَرْب اور الْيَوْم ان میں کون سی نسبت ہے؟ تباین کی، ضَرْب فعل کا نام ہے الْيَوْم زمانے کا نام ہے، تو دونوں میں تباین ہے۔ اب جب دونوں میں تباین کی نسبت ہو تو پھر کیا دیکھیں گے؟ کہ مضاف مضاف الیہ کے لیے ظرف ہے یا ظرف نہیں۔ ہم نے دیکھا ضَرْبُ الْيَوْمِ ان میں تباین کی نسبت ہے اور الْيَوْم جو مضاف الیہ ہے وہ ظرف ہے کس کے لیے؟ مضاف کے لیے، تو پھر یہ اضافت کس معنیٰ میں ہے؟ فِي کے معنیٰ میں ہے۔ توجہ ہے؟ فِي کے معنیٰ میں ہے۔ بات سمجھ میں آ گئی۔

تیسری صورت دیکھیے: اگر مضاف اور مضاف الیہ میں عموم و خصوص مطلق کی نسبت ہو، یعنی ایک اَعَمّ مطلق ہو اور دوسرا اَخَصّ مطلق ہو، تو پھر اس میں دو صورتیں بنتی ہیں۔ توجہ سے سنو۔ ایک صورت یہ کہ مضاف اَخَصّ ہو اور مضاف الیہ اَعَمّ ہو۔ مضاف اَخَصّ ہو اور مضاف الیہ اَعَمّ ہو، یہ بھی جائز نہیں۔ کیونکہ آپ خاص کی اضافت کس کی طرف کر رہے ہیں؟ عام کی طرف۔ تو یہ اضافتِ معنویہ ہے اور اضافتِ معنویہ کس چیز کا فائدہ دیتی ہے؟ تخصیص یا تعریف کا۔ تو آپ خاص کی اضافت عام کی طرف کر رہے ہیں، تو مضاف تو پہلے ہی خاص ہے، مضاف الیہ تو زیادہ عام ہے، تو نہ یہ اس سے تعریف اخذ کر سکتا ہے اور نہ تخصیص، لہٰذا یہ جائز نہیں۔ جیسے أَحَدُ الْيَوْمِ۔ أَحَد، أَحَد اتوار کے دن کو کہتے ہیں، يَوْمُ الْأَحَدِ کسے کہتے ہیں؟ اتوار کا دن۔ تو أَحَد کی اضافت آپ نے کر دی الْيَوْم کی طرف: أَحَدُ الْيَوْمِ۔ تو أَحَد کا کیا معنیٰ؟ اتوار، اور الْيَوْم یہ تو عام ہے ہفتہ بھی ہو سکتا ہے، اتوار، پیر، منگل ہر دن کیا ہے؟ يَوْم ہے۔ تو یہ أَحَد خاص کی اضافت آپ نے کس کی طرف کر دی؟ عام کی طرف کر دی، یعنی اَخَصّ کی اضافت کر دی اَعَمّ کی طرف۔ تو یہ جو أَحَد ہے اس نے الْيَوْم سے نہ تعریف اخذ کی اور نہ تخصیص اخذ کی، لہٰذا یہ بھی جائز نہیں۔ جب مضاف، مضاف الیہ میں عموم و خصوص مطلق کی نسبت ہو تو پھر وہاں دو صورتیں بنتی ہیں: یا تو مضاف اَخَصّ ہو گا اور مضاف الیہ اَعَمّ، یا اس کا برعکس ہو گا: مضاف جو ہے وہ اَعَمّ ہو گا اور مضاف الیہ اَخَصّ۔ تو اگر پہلی صورت دیکھو، توجہ ہے؟ مضاف نے مضاف الیہ سے کیا اخذ کرنا ہے؟ تخصیص یا تعریف۔ لہٰذا مضاف الیہ کو اَخَصّ ہونا چاہیے، مضاف الیہ کو اَخَصّ ہونا چاہیے، لہٰذا اگر مضاف الیہ اَعَمّ ہوا اور مضاف اَخَصّ ہوا تو یہ اضافت جائز نہیں، لہٰذا أَحَدُ الْيَوْمِ کہنا جائز نہیں۔ توجہ ہے؟ اور اگر مضاف اَعَمّ ہے اور مضاف الیہ اَخَصّ ہے تو پھر

یہ جائز ہے، جیسے یَوْمُ الْأَحَدِ۔ یَوْم کیا ہے؟ عام ہے، ہر دن کو یَوْم کہتے ہیں، اور الْأَحَد کیا ہے؟ اتوار والا دن وہ اَخَصّ ہے۔ توجہ ہے؟ تو یہاں پر یَوْمُ الْأَحَدِ کہنا صحیح ہے، کیونکہ اس میں یَوْم اَعَمّ تھا اور جب أَحَد کی طرف اس کی اضافت ہوئی تو اس سے تخصیص اخذ کر لی، تو یَوْمُ الْأَحَدِ سے خاص اتوار کا دن مراد ہے۔ بات بھی سمجھ میں آئی کہ نہیں؟

پھر دہرائیے، پھر دہرائیے: اگر مضاف اور مضاف الیہ میں تساوی کی نسبت ہو تو پھر یہ اضافت ممتنع ہے، کیونکہ مضاف نہ تعریف اخذ کر سکتا ہے مضاف الیہ سے اور نہ تخصیص، کیونکہ دونوں برابر ہیں۔ اور اگر دونوں میں تباین کی نسبت ہو مضاف اور مضاف الیہ میں، تو پھر دیکھو کہ یہ مضاف الیہ مضاف کے لیے ظرف ہے یا ظرف نہیں۔ اگر ظرف ہے تو فِي مقدر ہو گا، ورنہ لام مقدر ہو گا۔ اور اگر مضاف اور مضاف الیہ میں عموم و خصوص مطلق کی نسبت ہے تو پھر دیکھیں گے کہ مضاف الیہ اَعَمّ ہے یا اَخَصّ۔ اگر مضاف الیہ اَعَمّ ہے تو پھر یہ اضافت جائز نہیں، اور اگر مضاف الیہ اَخَصّ ہے تو پھر اس سے مضاف تخصیص اخذ کر سکتا ہے، پھر یہ جائز ہے بھائی۔ لہٰذا أَحَدُ الْيَوْمِ یہ تو جائز نہیں لیکن یَوْمُ الْأَحَدِ یہ جائز ہے۔ اور اگر مضاف اور مضاف الیہ میں عموم و خصوص من وجہ کی نسبت ہو تو پھر اس میں، توجہ سے سنو، اگر مضاف الیہ مضاف کے لیے اصل ہو یعنی مضاف الیہ سے مضاف بنا ہو تو وہاں مِنْ ہو گا، جیسے خَاتَمُ فِضَّةٍ۔ ان دونوں خَاتَم اور فِضَّة میں کون سی نسبت ہے؟ عموم و خصوص من وجہ ہے۔ ہو سکتا ہے خَاتَم ہو اور فِضَّة نہ ہو، ہو سکتا ہے فِضَّة ہو اور خَاتَم نہ ہو، اور ہو سکتا ہے خَاتَم بھی ہو اور فِضَّة بھی ہو۔ تو دونوں میں عموم و خصوص من وجہ ہے۔ اس کے اندر خَاتَم کی اضافت فِضَّة کی طرف بھی ہو سکتی ہے اور فِضَّة کی اضافت خَاتَم کی طرف بھی ہو سکتی ہے۔ تو اگر مضاف الیہ اصل ہے مضاف کے لیے: خَاتَمُ فِضَّةٍ۔ خَاتَمُ فِضَّةٍ، جی مضاف الیہ کون؟ فِضَّة، اور یہ مضاف کے لیے کیا ہے؟ اصل ہے، مضاف اسی سے بنا ہے، تو پھر یہاں اضافت مِنْ کے معنیٰ میں ہو گی۔ توجہ ہے؟ اور اگر اس کا برعکس ہو: فِضَّةُ خَاتَمٍ، انگوٹھی کی چاندی۔ فِضَّةُ خَاتَمٍ، اب مجھے بتائیے یہ خَاتَم فِضَّة کے لیے اصل ہے؟ فِضَّةُ خَاتَمٍ، انگوٹھی کی چاندی، اب دیکھو یہ فِضَّة مضاف اور خَاتَمٍ مضافٌ الیہ، اور مجھے بتائیے یہ انگوٹھی چاندی کے لیے اصل ہے؟ نہیں۔ چاندی تو انگوٹھی کے لیے اصل ہے لیکن انگوٹھی تو چاندی کے لیے اصل نہیں۔ تو جب مضاف الیہ اصل ہو مضاف کے لیے وہاں مِنْ ہو گا، اور اگر ایسا نہ ہو تو پھر وہاں بھی لام ہو گا۔ وہاں بھی لام ہو گا۔ پھر دہرائیے: اگر مضاف اور مضاف الیہ میں کون سی نسبت ہو؟ عموم و خصوص من وجہ، تو پھر وہاں مِنْ بھی ہو سکتا ہے اور لام بھی۔ مِنْ کب ہو گا؟ اگر مضاف الیہ مضاف کے لیے اصل ہو، خَاتَمُ فِضَّةٍ یہ فِضَّة خَاتَم کے لیے اصل ہے تو اب یہاں مِنْ ہے: خَاتَمٌ مِنْ فِضَّةٍ۔ اور اگر اس کا برعکس ہے فِضَّةُ خَاتَمٍ ہے، تو پھر مضاف الیہ مضاف کے لیے اصل نہیں ہے تو اس صورت میں یہاں لام ہو گا: أَيْ فِضَّةٌ لِخَاتَمٍ۔

بات سمجھ میں آ گئی؟ پھر جلدی جلدی دہرا لیں: مضاف اور مضاف الیہ میں اگر تساوی کی نسبت ہو تو اضافت ممتنع۔ مضاف اور مضاف الیہ میں اگر تباین کی نسبت ہے تو پھر دیکھیں گے مضاف الیہ مضاف کے لیے ظرف ہے یا ظرف

نہیں۔ اگر ظرف ہے تو اضافت بمعنیٰ فِي، اور اگر ظرف نہیں تو پھر اضافت بمعنیٰ لام۔ اور اگر مضاف اور مضاف الیہ میں عموم و خصوص مطلق کی نسبت ہے تو پھر دیکھیں گے کہ مضاف الیہ اَعَمّ ہے یا اَخَصّ۔ اگر مضاف الیہ اَعَمّ ہے تو پھر یہ اضافت جائز نہیں، اور اگر مضاف الیہ اَخَصّ ہے تو پھر اس سے مضاف تخصیص اخذ کر سکتا ہے، پھر یہ جائز ہے بھائی۔ لہٰذا أَحَدُ الْيَوْمِ یہ تو جائز نہیں لیکن يَوْمُ الْأَحَدِ یہ جائز ہے۔ اور اگر مضاف اور مضاف الیہ میں عموم و خصوص من وجہ کی نسبت ہو تو وہاں اضافت لام کے معنیٰ میں بھی ہو سکتی ہے اور مِنْ کے معنیٰ میں بھی۔ مِنْ کے معنیٰ میں کب ہو گی؟ جب مضاف الیہ اصل ہو مضاف کے لیے، تو پھر وہاں مِنْ ہو گا، اور اگر اصل نہ ہو تو پھر وہاں لام ہو گا۔ بات سمجھ میں آ گئی؟ اب دیکھیے بھائی۔

کہتے ہیں: وَالْحَاصِلُ، اور حاصل یہ ہے یعنی اضافت کی بحث کا حاصل یہ ہے، أَنَّ الْمُضَافَ إِلَيْهِ إِمَّا مُبَايِنٌ لِلْمُضَافِ، کہ مضاف الیہ یا تو مضاف کے مبائن ہو گا۔ پھر اس میں کتنی صورتیں تھیں؟ دو: یا فِي ہو گا یا لام۔ تو مضاف الیہ یا تو مضاف کے مبائن ہو گا، وَحِينَئِذٍ إِنْ كَانَ ظَرْفًا لَهُ، تو اس وقت اگر مضاف الیہ مضاف کے لیے ظرف ہوا، فَالْإِضَافَةُ بِمَعْنَى فِي، تو وہ اضافت بمعنیٰ فِي کے ہو گی۔ وَإِلَّا، اور اگر ایسا نہ ہو یعنی مضاف الیہ مضاف کے لیے ظرف نہ ہو، فَهِيَ بِمَعْنَى اللَّامِ، تو یہ اضافت بمعنیٰ لام کے ہو گی۔

وَإِمَّا مُسَاوٍ لَهُ، یا مضاف الیہ مساوی ہو گا مضاف کے لیے، كَلَيْثِ أَسَدٍ، جیسے کہ لَيْثِ أَسَدٍ۔ لَيْث کا معنیٰ بھی شیر، أَسَد کا معنیٰ بھی شیر۔ وَإِمَّا أَعَمُّ مُطْلَقًا، یا مضاف الیہ جو ہے اَعَمّ مطلق ہو گا، كَأَحَدِ الْيَوْمِ، جیسے کہ أَحَدِ الْيَوْمِ۔ الْيَوْم کیا ہے؟ اَعَمّ ہے، لہٰذا یہ اضافت بھی جائز نہیں۔ تو کہتے ہیں فَالْإِضَافَةُ عَلَى التَّقْدِيرَيْنِ مُمْتَنِعَةٌ، تو اضافت دونوں تقدیروں پر ممتنع ہے، کون سی دو تقدیریں؟ جب مضاف اور مضاف الیہ میں تساوی ہو یا مضاف الیہ اَعَمّ ہو، تو ان دونوں صورتوں میں۔

وَإِمَّا أَخَصُّ مُطْلَقًا، یا مضاف الیہ کیا ہو گا؟ اَخَصّ مطلق ہو گا، كَيَوْمِ الْأَحَدِ وَعِلْمِ الْفِقْهِ وَشَجَرِ الْأَرَاكِ۔ يَوْمُ الْأَحَدِ اتوار کا دن، عِلْمُ الْفِقْهِ فقہ کا علم، وَشَجَرُ الْأَرَاكِ بھائی، أَرَاك یہ پیلو کا درخت بھائی جس سے مسواکیں بنائی جاتی ہیں، تو شَجَرُ الْأَرَاكِ بھائی۔ تو کہتے ہیں فَالْإِضَافَةُ حِينَئِذٍ بِمَعْنَى اللَّامِ، تو اضافت اس وقت پھر کس معنیٰ میں ہے؟ لام کے معنیٰ میں ہے۔ توجہ ہے؟ میں نے کیا بتایا تھا کہ اگر دو کلیوں میں عموم و خصوص مطلق کی نسبت ہو تو اگر مضاف الیہ اَعَمّ مطلق ہوا تو یہ جائز نہیں، اور اگر اَخَصّ ہوا تو پھر یہ جائز ہے اور اس صورت میں بھی یہ اضافت لام کے معنیٰ میں ہو گی۔

وَإِمَّا أَخَصُّ مِنْ وَجْهٍ، یا مضاف الیہ جو ہے مضاف سے اَخَصّ من وجہ ہو گا، تو فَإِنْ كَانَ الْمُضَافُ إِلَيْهِ أَصْلًا لِلْمُضَافِ، تو اگر مضاف الیہ اصل ہوا مضاف کے لیے، فَالْإِضَافَةُ بِمَعْنَى مِنْ، تو اضافت مِنْ کے معنیٰ میں ہو گی۔ وَإِلَّا، اور اگر ایسا نہ ہو یعنی مضاف الیہ مضاف کے لیے اصل نہ ہو اور نسبت کون سی ہو عموم و خصوص من وجہ والی، فَهِيَ أَيْضًا بِمَعْنَى اللَّامِ، تو اس وقت بھی یہ اضافت لام کے معنیٰ میں ہو گی۔ فَإِضَافَةُ خَاتَمٍ إِلَى فِضَّةٍ بَيَانِيَّةٌ، تو یہ جو اضافت ہے خَاتَم کی فِضَّة کی

طرف یہ بیانیہ ہے: خَاتَمُ فِضَّةٍ یہ اصل میں کیا ہے؟ خَاتَمٌ مِنْ فِضَّةٍ، تو دیکھو اس کے اندر مِنْ بیانیہ ہے، تو یعنی یہ فِضَّة بیان کر رہا ہے خَاتَم کا کہ کس چیز سے بنی ہے۔ تو کہتے ہیں فَإِضَافَةُ خَاتَمٍ إِلَى فِضَّةٍ بَيَانِيَّةٌ، تو یہ جو خَاتَم کی اضافت ہے فِضَّة کی طرف یہ بیانیہ ہے۔ وَإِضَافَةُ فِضَّةٍ إِلَى خَاتَمٍ بِمَعْنَى اللَّامِ، اور فِضَّة کی اضافت خَاتَم کی طرف یہ لام کے معنیٰ میں ہے، كَمَا يُقَالُ، جیسے کہا جاتا ہے: فِضَّةُ خَاتَمِكَ، آپ کی انگوٹھی کی چاندی، فِضَّةُ خَاتَمِكَ، ترجمہ آخر سے ہوگا: آپ کی انگوٹھی کی چاندی خَيْرٌ مِنْ فِضَّةِ خَاتَمِي، وہ میری انگوٹھی کی چاندی سے بہتر ہے۔ ایک آپ کی انگوٹھی کی چاندی ہے اور ایک میری انگوٹھی کی چاندی ہے، آپ کی انگوٹھی کی چاندی میری انگوٹھی کی چاندی سے بہتر ہے۔ تو دیکھو اس میں فِضَّة کی اضافت ہو رہی ہے خَاتَم کی طرف، تو مضاف اور مضاف الیہ میں عموم و خصوص من وجہ ہے لیکن مضاف الیہ مضاف کے لیے اصل نہیں ہے، تو یہاں اضافت بمعنیٰ لام کے ہے۔

وَاعْلَمْ أَنَّهُ لَا يَلْزَمُ فِيمَا هُوَ بِمَعْنَى اللَّامِ أَنْ يَصِحَّ التَّصْرِيحُ بِهَا۔ یہاں سے صاحبِ جامی ایک قیمتی ضابطہ بیان فرما رہے ہیں، یاد رکھو یہ جو اوپر مثالیں بیان کیں: يَوْمُ الْأَحَدِ، عِلْمُ الْفِقْهِ، وَشَجَرُ الْأَرَاكِ، اس کے اندر دیکھو يَوْم توجہ سے دیکھو يَوْم اَعَمّ مطلق ہے، دن کوئی بھی ہو سکتا ہے، اور الْأَحَد کیا ہے؟ اَخَصّ مطلق ہے، الْأَحَد ایک خاص دن ہے۔ جیسے حَيَوَان اور اِنْسَان، ہر اِنْسَان حَيَوَان ہے لیکن ہر حَيَوَان اِنْسَان نہیں، یہاں پر بھی يَوْم اور الْأَحَد اسی طرح ہے: ہر أَحَد وہ يَوْم تو ہے لیکن ہر يَوْم الْأَحَد نہیں۔ اسی طرح عِلْمُ الْفِقْهِ بھی ہے: فِقْه عِلْم تو ہے لیکن ہر عِلْم فِقْه نہیں۔ اسی طرح شَجَرُ الْأَرَاكِ بھی اسی طرح ہے: ہر أَرَاك وہ شَجَر تو ہے لیکن ہر شَجَر أَرَاك نہیں ہے۔ تو ان کے اندر جو ہے اَعَمّ کی اضافت ہو رہی ہے کس کی طرف؟ اَخَصّ کی طرف۔ توجہ ہے؟ لیکن اس کے اندر یاد رکھو، انہوں نے کہا یہ اضافت لام کے معنیٰ میں ہے، کس معنیٰ میں ہے؟ لام، لیکن یہاں لام لفظوں میں اس کو ظاہر نہیں کر سکتے۔ يَوْمُ الْأَحَدِ آپ یوں نہیں کہہ سکتے: يَوْمٌ لِلْأَحَدِ۔

عِلْمُ الْفِقْهِ آپ یوں نہیں کہہ سکتے: عِلْمٌ لِلْفِقْهِ۔ شَجَرُ الْأَرَاكِ آپ یوں نہیں کہہ سکتے: شَجَرٌ لِلْأَرَاكِ۔ توجہ ہے؟ کیونکہ عربی میں اس طرح استعمال نہیں ہوتے۔ تو یہ اضافت تو لام کے معنیٰ میں ہے، لیکن ان میں لام کا اظہار صحیح نہیں، لام کو ظاہر نہیں کر سکتے۔ تو بعض اضافتیں، توجہ سے سنو، بعض اضافتیں ایسی ہیں کہ جو لام کے معنیٰ میں ہیں، کیا معنیٰ لام کے معنیٰ میں ہیں؟ یعنی جیسے لام اختصاص کا فائدہ دیتا ہے وہاں پر بھی اختصاص آرہا ہے۔ يَوْمُ الْأَحَدِ، توجہ سے سنو: يَوْم کیا تھا؟ عام تھا، ہر دن کو يَوْم کہتے ہیں، الْأَحَد کی وجہ سے اس میں کیا آگیا؟ اختصاص آگیا، اب يَوْمُ الْأَحَدِ سے اتوار کا دن مراد ہے اور دن مراد نہیں۔ اسی طرح عِلْمُ الْفِقْهِ، عِلْم کا لفظ عام ہے، ہر علم پر بولا جا سکتا ہے، لیکن جب الْفِقْهِ کی طرف اس کی اضافت ہو گئی تو اس میں تخصیص آگئی، اب یہ ہر علم پر نہیں بولا جا سکتا، عِلْمُ الْفِقْهِ یہ خاص علم کا نام ہو گیا۔ اسی طرح شَجَرُ الْأَرَاكِ، یہ شَجَر کا لفظ کیا تھا؟ عام تھا، ہر درخت پر یہ شَجَر کا لفظ بولا جا سکتا ہے، لیکن الْأَرَاك کی طرف جب اضافت ہوئی تو اس میں کیا آگئی؟ تخصیص آگئی۔ تو ان میں دیکھو اختصاص آرہا ہے، معلوم ہوا یہ اضافت لام کے معنیٰ میں ہے، یہ اضافت

لام، لیکن لام کا ان میں اظہار صحیح نہیں۔ عِلْمُ الْفِقْهِ آپ عِلْمٌ لِلْفِقْهِ نہیں کہہ سکتے کیونکہ عربی میں اس طرح استعمال نہیں ہوتا۔ اور شَجَرُ الْأَرَاكِ، شَجَرٌ لِلْأَرَاكِ یہ استعمال نہیں ہوتا۔ اور یَوْمُ الْأَحَدِ، یَوْمٌ لِلْأَحَدِ یہ عربی میں استعمال نہیں۔ جیسے دیکھو غُلَامُ زَيْدٍ، غُلَامُ زَيْدٍ بھی عربی میں استعمال ہوتا ہے، اور لام کے اظہار کے ساتھ غُلَامٌ لِزَيْدٍ یوں بھی استعمال ہوتا ہے۔ تو وہاں غُلَامُ زَيْدٍ میں تو لام کا اظہار جائز تھا، لام کو آپ ظاہر کر سکتے ہیں، لیکن ان کے اندر جب عام کی اضافت ہو اَخَصّ کی طرف تو لام کا اظہار نہیں کر سکتے۔ یا اسی طرح بعض لفظ ایسے ہیں کہ وہ لازم الاضافت ہیں، وہ اضافت سے آپ ان کو کاٹ ہی نہیں سکتے، تو وہاں لام کا اظہار صحیح نہیں ہوتا کیونکہ آپ اضافت سے کاٹ ہی نہیں سکتے، اضافت سے کاٹیں گے تو لام لائیں گے، جیسے غُلَامُ زَيْدٍ، غُلَام کو اضافت سے کاٹیں گے تو لام لائیں گے: غُلَامٌ لِزَيْدٍ۔ لیکن کچھ لفظ کیا ہوتے ہیں؟ لازم الاضافت۔ پھر سنو، پھر سنو توجہ سے: کچھ لفظ لازم الاضافت ہوتے ہیں، ہم ان کو اضافت سے کاٹ ہی نہیں سکتے، تو وہاں لام کا اظہار صحیح نہیں، کیونکہ لام تب ہی آپ ظاہر کریں گے جب آپ اضافت کو توڑ دیں، اور وہ تو اضافت کے بغیر عربی میں استعمال ہی نہیں ہوتے۔ اور نیز جب عام کی اضافت کس کی طرف ہو رہی ہو؟ اَخَصّ کی طرف، تو وہاں بھی اضافت علمائے نحو فرماتے ہیں یہ اضافت لام کے معنیٰ میں ہے، لیکن وہاں لام کا اظہار صحیح نہیں، آپ لام لائیں گے یَوْمٌ لِلْأَحَدِ یا عِلْمٌ لِلْفِقْهِ یا شَجَرٌ لِلْأَرَاكِ تو یہ عربی اعتبار سے صحیح نہیں، عربی میں یوں استعمال نہیں ہوتا۔

معلوم ہوا کچھ اضافتیں جو لام کے معنیٰ میں ہوتی ہیں، لیکن ان میں لام کا اظہار صحیح نہیں، تو پھر علماء تاویل کرتے ہیں۔ چنانچہ وہ کہتے ہیں: عِلْمُ الْفِقْهِ یہ بمعنیٰ ہے عِلْمٌ مَخْصُوصٌ بِالْفِقْهِ، دیکھو کتنی لمبی تاویل کی۔ عِلْمُ الْفِقْهِ کس معنیٰ میں ہے؟ عِلْمٌ مَخْصُوصٌ بِالْفِقْهِ، دیکھو عِلْمٌ مَخْصُوصٌ، اختصاص آگیا یا نہیں علم میں؟ توجہ ہے؟ تو یہ اضافت اختصاص کا تو فائدہ دے رہی ہے۔ یا شَجَرُ الْأَرَاكِ کہتے ہیں شَجَرٌ مَخْصُوصٌ بِالْأَرَاكِ۔ یا یَوْمُ الْأَحَدِ: یَوْمٌ مَخْصُوصٌ بِالْأَحَدِ۔ تو دیکھو تاویل کرنا پڑتی ہے ان کو، لام کو نہیں لا سکتے۔ توجہ ہے؟ مَخْصُوصٌ کا لفظ لانا پڑتا ہے ان کو۔ یا اسی طرح كُلُّ رَجُلٍ، كُلُّ رَجُلٍ اب كُلّ لازم الاضافت ہے وہ ہمیشہ کس کے ساتھ استعمال ہوتا ہے؟ اضافت کے ساتھ، اگر مضاف الیہ کو حذف بھی کریں اس پر بھی تنوین لے کر آتے ہیں اور وہاں مضاف الیہ مراد ہوتا ہے۔ تو لہٰذا اب كُلُّ رَجُلٍ، اب اس کے اندر بھی لام کا اظہار نہیں کر سکتے، آپ یوں نہیں کہہ سکتے كُلٌّ لِرَجُلٍ۔ تو بعض اضافتیں جو بمعنیٰ لام کے ہوتی ہیں ان میں لام کا اظہار صحیح نہیں رہتا، پھر علماء تاویل کر کے اس کی کوئی نہ کوئی صورت بناتے ہیں۔ جیسے میں نے مثال ذکر کر دی: كُلُّ رَجُلٍ میں کہتے ہیں كُلُّ فَرْدٍ لِرَجُلٍ، دیکھو فَرْدٍ کا لفظ بیچ میں لے آئے، كُلُّ فَرْدٍ لِرَجُلٍ۔ اور عِلْمُ الْفِقْهِ میں کیا کہتے ہیں؟ عِلْمٌ مَخْصُوصٌ بِالْفِقْهِ کہتے ہیں۔ تو علماء تاویل کے محتاج ہو جاتے ہیں، بڑی دور دراز کی تاویلات کرنا پڑتی ہیں ان کو، پھر جا کر بات بنتی ہے۔ صاحبِ جامی آپ کو بتائیں گے کہ نہیں بھائی، کوئی تاویل کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ کوئی تاویل کرنے کی ضرورت نہیں

ہے۔ اضافت لام کے معنیٰ میں وہاں ہو گی جہاں بھی مضاف کے اندر اختصاص آجائے۔ جہاں بھی مضاف کے اندر اختصاص آجائے، چاہے لام کا اظہار درست نہ ہو پھر بھی کہیں گے کہ یہ اضافت کس معنیٰ میں ہے؟ لام کے معنیٰ میں ہے، وہاں اختصاص آنا چاہیے۔ وہاں اختصاص، اوریہاں اختصاص آیا ہے: عِلْمُ الْفِقْهِ یہ علم کیا تھا؟ عام تھا، اب الفِقْهِ کی طرف اضافت کی تو اس میں تخصیص آگئی کہ یہ کون سا علم مراد ہے؟ فقہ والا، اور علم مراد نہیں۔ شَجَرُ الْأَرَاكِ، شَجَرٌ عام تھا، الْأَرَاك کی طرف نسبت کی تو تخصیص آگئی، معلوم ہوا خاص شجرِ اراک مراد ہے اور درخت مراد نہیں۔ اسی طرح يَوْمُ الْأَحَدِ يَوْم کا لفظ عام تھا، الْأَحَد سے اس میں تخصیص آگئی کہ يَوْمُ الْأَحَدِ مراد ہے اور کوئی دن مراد نہیں۔ تو کہتے ہیں بس اختصاص کا معنیٰ وہاں ہونا چاہیے، لام کا لفظوں میں ظاہر کرنا بے شک صحیح نہ ہو تو لام کو ظاہر کرنا وہاں ضروری نہیں ہے۔ ضابطہ سمجھ میں آیا؟

دیکھیے بھائی: وَاعْلَمْ أَنَّهُ لَا يَلْزَمُ فِيمَا هُوَ بِمَعْنَى اللَّامِ أَنْ يَصِحَّ التَّصْرِيحُ بِهَا۔ تو جان لے أَنَّهُ لَا يَلْزَمُ فِيمَا هُوَ بِمَعْنَى اللَّامِ، لَا يَلْزَمُ لازم نہیں ہے فِيمَا اس اضافت کے اندر هُوَ بِمَعْنَى اللَّامِ جو کس معنیٰ میں ہو؟ لام کے معنیٰ میں۔ جو اضافت لام کے معنیٰ میں ہو اس میں یہ لازم نہیں ہے کہ أَنْ يَصِحَّ التَّصْرِيحُ بِهَا، کہ لام کی تصریح بھی صحیح ہو، لام کو صراحتاً لفظوں میں بھی لانا صحیح ہو یہ لازم نہیں ہے۔ بَلْ يَكْفِي إِفَادَةُ الِاخْتِصَاصِ الَّذِي هُوَ مَدْلُولُ اللَّامِ، بلکہ کافی ہے إِفَادَةُ الِاخْتِصَاصِ اس اختصاص کا فائدہ دینا، الَّذِي هُوَ مَدْلُولُ اللَّامِ جو لام کا مدلول ہے۔ بس وہ اضافت اختصاص کا فائدہ دینے والی ہو، جیسے يَوْمُ الْأَحَدِ یہ يَوْم میں کیا آیا؟ اختصاص۔ شَجَرُ الْأَرَاكِ شجر میں کیا آیا؟ اختصاص۔ عِلْمُ الْفِقْهِ علم میں کیا آگیا؟ اختصاص۔ تو بس وہ اختصاص آنا چاہیے جو لام کا مدلول ہے تو ہم کہیں گے یہ اضافت بمعنیٰ لام کے ہے، چاہے لام کا لفظوں میں ظاہر کرنا صحیح نہ ہو۔ پھر دیکھیے: کہتے ہیں وَاعْلَمْ أَنَّهُ لَا يَلْزَمُ فِيمَا هُوَ بِمَعْنَى اللَّامِ أَنْ يَصِحَّ التَّصْرِيحُ بِهَا، اور تو جان لے کہ یہ لازم نہیں ہے اس اضافت کے اندر جو لام کے معنیٰ میں ہو کہ لام کی تصریح اس کے اندر صحیح بھی ہو، بَلْ يَكْفِي إِفَادَةُ الِاخْتِصَاصِ، بلکہ اس اختصاص کا فائدہ دینا کافی ہے کہ وہ اضافت کیا دے؟ اس اختصاص کا فائدہ دے، الَّذِي هُوَ مَدْلُولُ اللَّامِ جو کہ لام کا مدلول ہے۔ فَقَوْلُكَ، پس آپ کا یہ جو قول ہے: يَوْمُ الْأَحَدِ وَعِلْمُ الْفِقْهِ وَشَجَرُ الْأَرَاكِ بِمَعْنَى اللَّامِ، یہ اضافت کس معنیٰ میں ہے؟ لام کے معنیٰ میں ہے، وَلَا يَصِحُّ إِظْهَارُ اللَّامِ فِيهِ، اور اس کے اندر لام کا اظہار صحیح نہیں ہے، اس کے اندر لام کا اظہار صحیح نہیں ہے کیونکہ عربی میں لام کے ساتھ یہ استعمال نہیں ہوتے۔ غُلَامُ زَيْدٍ وہ تو استعمال ہو جاتا ہے لام کے ساتھ، غُلَامٌ لِزَيْدٍ بھی کبھی کبھی کہہ دیتے ہیں موقع کے مطابق، توجہ ہے؟ ہاں لیکن اس صورت میں غُلَامٌ لِزَيْدٍ غُلَام معرفہ نہیں بنے گا، اور لام کا اظہار نہیں کریں گے غُلَامُ زَيْدٍ تو پھر غُلَام کیا بن جائے گا؟ معرفہ۔

کہتے ہیں: وَلِهٰذَا قَالَ الْمُصَنِّفُ رَحِمَهُ اللَّهُ بِمَعْنَى اللَّامِ وَلَمْ يَقُلْ بِتَقْدِيرِ اللَّامِ۔ اور اسی لیے مصنف نے بِمَعْنَى اللَّامِ کہا

وَلَمْ يَقُلْ بِتَقْدِيرِ اللَّامِ اور بِتَقْدِيرِ اللَّامِ نہیں کہا۔ بھائی پیچھے ذرا متن میں آئیے جہاں انہوں نے لام کا بیان شروع کیا تھا کہ اضافت بمعنیٰ لام ہو گی۔ انہوں نے کیا کہا تھا؟ دیکھیے متن میں آیا: وَهِيَ إِمَّا بِمَعْنَى اللَّامِ، کہ اضافتِ معنویہ کبھی لام کے معنیٰ میں ہو گی۔ کہتے ہیں مصنف نے یہ نہیں کہا کہ یہ اضافتِ معنویہ کبھی تقدیرِ لام کے ساتھ ہو گی۔ تقدیرِ لام یعنی تقدیرِ لام نہیں کہا، معنیٰ لام کہا اسی لیے کیونکہ ہر جگہ لام کا مقدر ہونا اور پھر اس کو ظاہر کرنا صحیح نہیں بنتا۔ تو کہتے ہیں وَلِهٰذَا قَالَ الْمُصَنِّفُ رَحِمَهُ اللَّهُ بِمَعْنَى اللَّامِ وَلَمْ يَقُلْ بِتَقْدِيرِ اللَّامِ، اور اسی لیے مصنف نے بِمَعْنَى اللَّامِ کہا وَلَمْ يَقُلْ بِتَقْدِيرِ اللَّامِ اور بِتَقْدِيرِ اللَّامِ نہیں کہا۔ وَبِهٰذَا الْأَصْلِ يَرْتَفِعُ الْإِشْكَالُ عَنْ كَثِيرٍ مِنْ مَوَادِّ الْإِضَافَةِ اللَّامِيَّةِ۔ کہتے ہیں ہمارا یہ جواب لے لیں، اس سے بہت سے اشکالات جہاں اضافتِ لامیہ ہے وہاں وہ اشکالات حل ہو جائیں گے۔ کیونکہ میں نے بتایا کہ بہت سی اضافتِ لامیہ ہوتی ہیں جن میں علماء لکھتے ہیں کہ یہ اضافتِ لامیہ ہے، لیکن وہاں پر لام کا اظہار صحیح نہیں ہوتا۔ تو بتلا دیا کہ بھائی لام کا اظہار ضروری ہے ہی نہیں، بس وہاں لام کا مدلول یعنی اختصاص آنا چاہیے۔ اختصاص، جب اختصاص آ رہا ہے تو ہم کہیں گے یہ اضافت بمعنیٰ لام کے ہے، اگرچہ لام کا لفظوں میں ظاہر کرنا وہاں صحیح نہ ہو بھائی۔

تو کہتے ہیں وَبِهٰذَا الْأَصْلِ، اصل کہتے ہیں ضابطے اور قانون کو، کہتے ہیں وَبِهٰذَا الْأَصْلِ اور اس قانون کے ذریعے يَرْتَفِعُ الْإِشْكَالُ اشکال دور ہو جاتا ہے عَنْ كَثِيرٍ مِنْ مَوَادِّ الْإِضَافَةِ اللَّامِيَّةِ اضافتِ لامیہ کے بہت سے مادوں میں سے، اس قانون کے ذریعے اشکال دور ہو جاتا ہے عَنْ كَثِيرٍ مِنْ مَوَادِّ الْإِضَافَةِ اللَّامِيَّةِ اضافتِ لامیہ کے بہت سے مادوں میں سے۔ وَلَا يُحْتَاجُ فِيهِ إِلَى التَّكَلُّفَاتِ الْبَعِيدَةِ، اور احتیاج نہیں ہوتی ان میں تکلفاتِ بعیدہ کی، دور دور کے تکلفات کرنے کی وہاں حاجت نہیں، جیسے عِلْمُ الْفِقْهِ وہاں کیا کہنا پڑتا ہے؟ عِلْمٌ مَخْصُوصٌ بِالْفِقْهِ، دیکھو لام نہیں لا سکتے تو مَخْصُوصٌ کا لفظ لے آتے ہیں۔ اور كُلُّ رَجُلٍ تو کیا کہنا پڑتا ہے؟ كُلُّ فَرْدٍ لِرَجُلٍ، تو فَرْد لانا پڑتا ہے۔ تو دور دور کے تکلفات کرنے کی پھر کوئی حاجت نہیں جب یہ ضابطہ لے لیا جائے کہ لام کا معنیٰ یعنی اختصاص اس اضافت میں ہونا چاہیے، لام کا لفظوں میں ظاہر کرنا چاہے صحیح نہ ہو بھائی۔ تو کہتے ہیں وَلَا يُحْتَاجُ فِيهِ إِلَى التَّكَلُّفَاتِ الْبَعِيدَةِ، اور احتیاج نہیں ہوتی ان میں تکلفاتِ بعیدہ کی، مِثْلُ كُلُّ رَجُلٍ وَكُلُّ وَاحِدٍ، جیسے كُلُّ رَجُلٍ اور كُلُّ وَاحِدٍ۔ یہ اضافتِ لامیہ ہے لیکن یہاں لام کا اظہار نہیں ہو سکتا، بات صحیح نہیں رہتی، تو اس میں تکلفات کرنے کی حاجت نہیں بس اختصاص آنا چاہیے۔ یہاں بھی اختصاص ہے: كُلٌّ کے اندر عموم تھا، كُلّ سارا کا سارا یہ کوئی بھی چیز ہو سکتی تھی، لیکن آگے رَجُلٍ نے آ کر بتلا دیا کہ یہ سارے کس کے افراد مراد ہیں؟ رَجُل کے مراد ہیں کسی اور چیز کے نہیں، تو یہاں دیکھو اختصاص آ گیا، تو یہ اضافت بمعنیٰ لام کے ہے بھائی۔

کہتے ہیں وَهُوَ، دیکھیے متن متن دیکھیے، کہتے ہیں: وَهُوَ قَلِيلٌ، اور یہ قلیل ہے۔ بھائی پیچھے سب سے آخر میں متن میں آیا تھا: وَإِمَّا بِمَعْنَى فِي فِي ظَرْفِهِ، یا اضافت فِي کے معنیٰ میں ہو گی جب مضاف الیہ مضاف کے لیے کیا ہو؟ ظرف ہو۔ صاحبِ کافیہ آگے فرما رہے ہیں متن متن میں: وَهُوَ قَلِيلٌ، یہ جو اضافت فِي کے معنیٰ میں ہے یہ عربی زبان میں قلیل ہے، یہ عربی زبان میں

عربوں کے استعمال میں قلیل ہے۔ چنانچہ آپ کو بتائیں گے کہ یہ جو اضافت بمعنیٰ فِي ہے یہ عربی زبان میں قلیل الاستعمال ہے، لہٰذا اکثر نحوی اس اضافت بمعنیٰ فِي کو لوٹاتے ہیں اضافت بمعنیٰ لام کی طرف۔ کس کی طرف؟ جیسے ضَرْبُ الْيَوْمِ یہ اصل میں کیا ہے؟ ضَرْبٌ فِي الْيَوْمِ۔ تو یہ جو اضافت فِي کے ساتھ ہے یہ عربوں کے استعمال میں قلیل ہے، لہٰذا اکثر نحوی اس اضافت بمعنیٰ فِي کو لوٹا کر کیا بنا لیتے ہیں؟ اضافت بمعنیٰ لام بنا لیتے ہیں، تاکہ اضافت کی قسمیں کم ہو جائیں، اضافت کی قسمیں کم۔ ویسے تو اگر فِي کو بھی شمار کریں گے تو تین قسمیں بن جائیں گی: کوئی بمعنیٰ لام کے ہے، کوئی بمعنیٰ مِنْ کے ہے اور کوئی بمعنیٰ فِي کے۔ اور اگر آپ فِي کو لوٹا دیں گے کس کی طرف؟ لام کی طرف، تو پھر صرف دو قسمیں ہو جائیں گی: یا تو اضافت بمعنیٰ لام یا اضافت بمعنیٰ مِنْ ہو گی۔ فِي والی تو لوٹا دی کس کی طرف؟ لام کی طرف۔ تو قسمیں کم کرنے کے لیے نحوی حضرات یہ اضافت بمعنیٰ فِي کو کس کی طرف لوٹاتے ہیں؟ اضافت بمعنیٰ لام کی طرف۔ کیوں لوٹاتے ہیں؟ کیونکہ اضافت بمعنیٰ فِي قلیل ہے، تھوڑی سی آئی ہے تو اس کو کیا کر دو؟ کسی ایک میں داخل کر دو تاکہ قسمیں کم ہو جائیں، تین نہ بنیں بلکہ دو بن جائیں۔

اس پر اشکال ہوتا ہے کہ تاویل کر کے اگر آپ اضافت بمعنیٰ فِي کو کس میں داخل کر دیتے ہیں؟ اضافت بمعنیٰ لام میں، تو پھر تو تاویل کر کے آپ اضافت بمعنیٰ مِنْ کو بھی کس میں داخل کر سکتے ہیں؟ اضافت بمعنیٰ لام میں داخل کر سکتے ہیں۔ توجہ ہے؟ تو جواب دیں گے صاحبِ جامی کہ بھائی اضافت بمعنیٰ مِنْ کے عربی میں کثیر الاستعمال ہے، لہٰذا کثرتِ استعمال تقاضا کرتی ہے کہ اس کو ایک الگ باقاعدہ قسم بناؤ بھائی، کیونکہ کثیر الاستعمال ہے۔ اور ایک قسم قلیل ہے تو وہاں بہتر یہی ہے کہ اس کو کیا کر دو؟ کسی ایک قسم میں داخل کر دو تاکہ قسمیں کیا ہو جائیں؟ کم ہو جائیں۔ بات سمجھ میں آگئی؟ دیکھیے بھائی۔

کہتے ہیں: وَهُوَ أَيْ كَوْنُ الْإِضَافَةِ بِمَعْنَى فِي قَلِيلٌ فِي اسْتِعْمَالَاتِهِمْ، اور اضافت کا فِي کے معنیٰ میں ہونا قلیل ہے عربوں کے استعمال میں۔ وَرَدَّهَا أَكْثَرُ النُّحَاةِ إِلَى الْإِضَافَةِ بِمَعْنَى اللَّامِ، اور یہ اضافت بمعنیٰ فِي جو ہے اس کو لوٹایا ہے اکثر نحویوں نے اضافت بمعنیٰ لام کی طرف۔ فَإِنَّ مَعْنَى ضَرْبِ الْيَوْمِ، دیکھو ضَرْبُ الْيَوْمِ، آپ نے کیا کہا تھا ضَرْبُ الْيَوْمِ کس معنیٰ میں ہے؟ ضَرْبٌ فِي الْيَوْمِ۔

سبق نمبر ۱۸۶: الاضافۃ(۳): اضافتِ معنویہ کا فائدہ (تعریف یا تخصیص) اور شرائط

شرحِ ملا جامی صفحہ: ۱۶۵ — بتاریخ: ۳۱ اگست ۲۰۲۲ء

▪ تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث

آگے سبق دیکھیے بھئی۔ وَتُفِيدُ أَيِ الْإِضَافَةُ الْمَعْنَوِيَّةُ تَعْرِيفًا أَيْ تَعْرِيفَ الْمُضَافِ مَعَ الْمُضَافِ إِلَيْهِ الْمَعْرِفَةِ لِأَنَّ الْهَيْئَةَ التَّرْكِيبِيَّةَ فِي الْإِضَافَةِ الْمَعْنَوِيَّةِ مَوْضُوعَةٌ لِلدَّلَالَةِ عَلَى مَعْلُومِيَّةِ الْمُضَافِ، لَا أَنَّ نِسْبَةَ أَمْرٍ إِلَى مُعَيَّنٍ يَسْتَلْزِمُ مَعْلُومِيَّةَ الْمَنْسُوبِ وَمَعْهُودِيَّتَهُ فَإِنَّ ذٰلِكَ غَيْرُ لَازِمٍ كَمَا لَا يَخْفَى۔

بھئی گزشتہ سبق میں آپ نے اضافت معنویہ اور اضافت لفظیہ کے بارے میں پڑھا تھا۔ میں نے آپ کو بتلایا تھا کہ اضافت لفظیہ اسے کہتے ہیں کہ صیغہ صفت کا ہو اور وہ مضاف ہو رہا ہو اپنے معمول کی طرف، یہ ہے اضافت لفظیہ۔ تو صیغہ ہو صفت کا اور مضاف ہو کس کی طرف؟ اپنے معمول کی طرف۔ اور صفت کے صیغے سے ہر صفت کا صیغہ نہیں مراد، بلکہ اسم فاعل، اسم مفعول اور صفت مشبہ مراد ہے، اور یہ مضاف ہو اپنے معمول کی طرف۔ اور معمول سے ہر معمول نہیں مراد، بلکہ فاعل اور مفعول مراد ہیں۔ یعنی صفت کا صیغہ ہو اور اپنے فاعل یا اپنے مفعول کی طرف مضاف ہو تو اس کو اضافت لفظیہ کہتے ہیں۔ جیسے آپ کہتے ہیں زَيْدٌ ضَارِبٌ عَمْرًا، تو یہ ضَارِبٌ صفت کا صیغہ ہے اور عَمْرًا اس کے لیے مفعول ہے اور پھر آپ اس کی طرف اضافت کر دیتے ہیں ضَارِبُ عَمْرٍو۔ تو یہ ضَارِبُ عَمْرٍو یہ اضافت لفظیہ ہے اور یہ صرف لفظوں میں تخفیف کا فائدہ دیتی ہے کہ ضَارِبٌ سے تنوین یا قائم مقام تنوین گر جاتا ہے۔ اور اس کے علاوہ یہ تعریف یا تخصیص کا فائدہ نہیں دیتی بھئی۔

جبکہ اس کے علاوہ اور جتنی اضافتیں ہیں وہ اضافت معنویہ ہیں اور وہ تعریف یا تخصیص کا فائدہ دیتی ہیں۔ اگر نکرہ کی اضافت نکرہ کی طرف کی جائے تو وہ تخصیص کا فائدہ دیتی ہے، جیسے غُلَامُ رَجُلٍ۔ غُلَامٌ عام تھا لیکن رَجُلٍ کی طرف جب اضافت کر دی تو اب اس سے خاص غُلَامِ رَجُل ہی مراد ہو سکتا ہے، غُلَامِ اِمْرَأَة مراد نہیں ہو سکتا۔ اور اگر اضافت معنوی کے اندر معرفہ کی طرف اضافت ہو تو پھر وہ تعریف کا فائدہ دیتی ہے، یعنی مضاف بھی معرفہ بن جاتا ہے۔ جیسے غُلَامُ زَيْدٍ۔

غُلَامٌ نکرہ تھا اور زَيْدٌ معرفہ ہے تو غُلَامٌ کی اضافت معرفہ کی طرف کی تو اس نے تعریف کا فائدہ دیا۔ تو اضافت معنویہ کے اندر بھی تخفیف آئے گی، اس کے اندر بھی تخفیف آئے گی لیکن وہاں تخفیف مقصود نہیں ہوتی، مقصود تخصیص یا تعریف ہوتی ہے۔ جبکہ اضافت لفظیہ وہاں صرف لفظوں میں تخفیف آتی ہے، معنی کے اندر تخصیص یا تعریف کا فائدہ حاصل نہیں ہوتا۔ اسی لیے اس کو اضافت لفظیہ کہتے ہیں کہ وہ صرف لفظوں میں تخفیف کا فائدہ دے رہی ہے، اور اضافت معنویہ کو اضافت معنویہ کہتے ہیں کہ وہ معنی کے اندر تخصیص یا تعریف کا فائدہ دیتی ہے۔

تو اضافت لفظیہ کسے کہتے ہیں؟ صیغہ صفت کا ہو اور مضاف ہو اپنے معمول کی طرف۔ جیسے ضَارِبُ عَمْرٍو، یہ اضافت لفظیہ ہے، ضَارِبٌ اسم فاعل ہے جو اپنے معمول یعنی مفعول کی طرف مضاف ہے۔ اور یا فاعل کی طرف مضاف ہوگا جیسے اَلْحَسَنُ الْوَجْهِ۔ اَلْحَسَنُ الْوَجْهِ یہ اضافت لفظیہ ہے، اَلْحَسَنُ کی اضافت کس کی طرف ہو رہی ہے؟ اپنے فاعل کی طرف ہو رہی ہے بھئی۔ اور جبکہ اضافت معنویہ ایسی نہیں ہوگی، یعنی اس میں صفت کا صیغہ اپنے معمول کی طرف مضاف نہیں ہوگا۔ تو اس میں پھر دو صورتیں آگئیں: یا تو وہ سرے سے صفت کا صیغہ ہی نہ ہو، جیسے غُلَامُ زَيْدٍ۔ یہ بھی اضافت معنویہ ہے، کیونکہ غُلَامٌ صفت کا صیغہ نہیں۔ اور دوسری صورت یہ ہے کہ صیغہ تو صفت کا ہو لیکن اپنے معمول کی طرف مضاف نہ ہو، جیسے كَرِيمُ الْبَلَدِ۔ اب یہ كَرِيمٌ صفت مشبہ ہے اور یہ الْبَلَدِ ظرف کی طرف مضاف ہو رہی ہے، اپنے فاعل یا مفعول کی طرف نہیں مضاف ہو رہی، تو یہ بھی اضافت معنویہ ہے۔ كَرِيمُ الْبَلَدِ صیغہ تو صفت کا لیکن اپنے معمول کی طرف مضاف نہیں۔ تو دونوں شرطیں ہونی چاہئیں: صیغہ بھی صفت کا ہو اور مضاف ہو اپنے معمول یعنی فاعل یا مفعول کی طرف۔

اور پھر انہوں نے آپ کو بتلایا تھا کہ یہ اضافت معنویہ یا تو لام کے معنی میں ہوگی، یا مِن کے معنی میں ہوگی، یا فِي کے معنی میں ہوگی۔ پھر کیسے پتا چلے گا کہاں وہ لام کے معنی میں ہے، کہاں فِي کے معنی میں اور کہاں مِن کے معنی میں؟ تو صاحب کافیہ نے آپ کو بتلایا تھا کہ اگر مضاف الیہ، اگر مضاف الیہ وہ مضاف کے لیے نہ تو ظرف ہو اور نہ جنس ہو تو پھر یہ اضافت لام کے معنی میں ہوگی۔ جیسے غُلَامُ زَيْدٍ۔ یہ زَيْدٌ جو مضاف الیہ ہے یہ غُلَامٌ کے لیے نہ تو ظرف ہے اور نہ اس کے لیے جنس ہے، تو یہ اضافت لام کے معنی میں ہے أَيْ غُلَامٌ لِزَيْدٍ۔ اور اگر مضاف الیہ جو ہے وہ مضاف کے لیے جنس ہو، جیسے خَاتَمُ فِضَّةٍ، یہ فِضَّةٌ کیا ہے؟ خَاتَمٌ کے لیے جنس ہے، تو پھر یہ اضافت مِن کے معنی میں ہوگی أَيْ خَاتَمٌ مِنْ فِضَّةٍ۔

اور صاحب جامی نے بتلایا تھا آپ کو کہ جنس اسے کہتے ہیں جو مضاف پر بھی صادق آئے اور غیر پر بھی صادق آئے۔ تو یہ فِضَّةٌ اس انگوٹھی پر بھی صادق آرہا ہے اور انگوٹھی کے علاوہ بھی فِضَّةٌ یعنی چاندی پائی جاتی ہے۔ نیز صاحب جامی نے یہ بھی بتلایا تھا کہ اس صورت میں عموم و خصوص من وجہ کی نسبت ہونی چاہیے۔ یعنی جیسے مضاف الیہ، خَاتَمُ فِضَّةٍ، جیسے یہ مضاف الیہ یعنی فِضَّةٌ مضاف کے بغیر پایا جاتا ہے، اسی طرح یہ خَاتَمٌ جو ہے یعنی مضاف یہ بھی مضاف الیہ کے

علاوہ پائی جائے بھئی۔ یعنی لوہے کی یا سونے کی انگوٹھی ہے، اب دیکھو خَاتَمٌ تو ہے لیکن فِضَّةٌ نہیں، تو دونوں میں عموم و خصوص من وجہ کی نسبت ہو۔ اور اگر مضاف الیہ مضاف کے لیے ظرف ہو، مضاف الیہ، جیسے ضَرْبُ الْيَوْمِ۔ یہ الْيَوْمِ مضاف الیہ ضَرْبٌ کے لیے کیا ہے؟ ظرف ہے، اس کے اندر ضرب واقع ہوئی ہے، تو لہٰذا اس صورت میں اضافت بمعنی فِي کے ہوگی أَيْ ضَرْبٌ فِي الْيَوْمِ۔ یا جیسے صَلَاةُ اللَّيْلِ۔ اب یہ لَيْلٌ کیا ہے؟ صَلَاةٌ کے لیے ظرف ہے، تو یہ اضافت بمعنی فِي کے ہوگی أَيْ صَلَاةٌ فِي اللَّيْلِ۔ بات سمجھ میں آ رہی ہے؟ پھر دہرائیں: اگر مضاف الیہ مضاف کے لیے جنس یا ظرف نہ ہو تو پھر وہ اضافت بمعنی لام کے ہوگی، اور اگر مضاف الیہ مضاف کے لیے جنس ہو تو اضافت بمعنی مِن کے ہوگی، اور اگر مضاف الیہ مضاف کے لیے ظرف ہو تو پھر اضافت بمعنی فِي کے ہوگی۔

اس کے بعد پھر صاحب جامی نے حاصل بحث بتلائی تھی اضافت کی۔ اضافت کی بحث کا حاصل انہوں نے بتلایا تھا کہ دیکھو یہ جو مضاف اور مضاف الیہ ہیں ان دونوں میں سے چار نسبتوں میں سے کون سی نسبت ہے وہ دیکھ لیں: یا تو تساوی کی نسبت ہوگی، یا تباین کی نسبت ہوگی، یا عموم و خصوص مطلق کی نسبت ہوگی، یا عموم و خصوص من وجہ۔ ان چار نسبتوں میں سے کوئی ایک نسبت ہوگی۔ اگر مضاف اور مضاف الیہ میں تساوی کی نسبت ہو تو یہ جائز نہیں۔ جیسے لَيْثٌ کا معنی بھی شیر، لام یا ثاء، اور أَسَدٌ کا معنی بھی شیر۔ تو لَيْثُ أَسَدٍ، آپ نے لَيْثٌ کی اضافت کر دی کس کی طرف؟ أَسَدٍ کی طرف، حالانکہ یہ دونوں مساوی ہیں۔ جس پر لَيْثٌ صادق آتا ہے اسی پر أَسَدٌ صادق آتا ہے، لَيْثٌ کا معنی بھی شیر اور أَسَدٌ کا معنی بھی شیر ہے۔ تو اب آپ نے کہا لَيْثُ أَسَدٍ۔ تو لَيْثٌ نے أَسَدٍ سے نہ تعریف اخذ کی اور نہ تخصیص اخذ کی کیونکہ دونوں ایک دوسرے جیسے ہیں، ایک دوسرے کے مساوی ہیں بھئی۔ شیر کا شیر، دیکھو اس میں تو کوئی تخصیص نہیں آئی۔ تو آپ لَيْثٌ استعمال کر لیں یا أَسَدٌ استعمال کر لیں بات ایک ہی ہے۔ لیکن اضافت کریں گے تو یہ اضافت جائز نہیں کیونکہ دونوں میں تساوی کی نسبت ہے، تو اس صورت میں مضاف جو ہے وہ مضاف الیہ سے نہ تعریف اخذ کرتا ہے اور نہ تخصیص، لہٰذا یہ جائز نہیں بھئی۔

اور اگر مضاف اور مضاف الیہ میں تباین کی نسبت ہو، یعنی مضاف مضاف الیہ پر صادق نہیں آ رہا اور مضاف الیہ مضاف پر صادق نہیں آ رہا، دونوں میں کون سی نسبت ہو؟ تباین کی ہو، تو پھر دیکھو کہ مضاف الیہ جو بعد میں آ رہا ہے، وہ جو مضاف الیہ ہے وہ مضاف کے لیے ظرف ہے یا ظرف نہیں۔ جیسے غُلَامُ زَيْدٍ اور ضَرْبُ الْيَوْمِ۔ غُلَامُ زَيْدٍ، غلام کی ذات اور زید کی ذات اور، تو دونوں میں کون سی نسبت؟ تباین۔ اور ضَرْبُ الْيَوْمِ، ضَرْبٌ کا کیا معنی؟ پٹائی کرنا، اور الْيَوْمِ کسے کہتے ہیں؟ دن کو کہتے ہیں، تو دونوں میں کیا نسبت ہے؟ تباین ہے۔ ضَرْبُ الْيَوْمَ نہیں ہو سکتا اور الْيَوْمُ ضَرْبٌ نہیں ہو سکتا، بات سمجھ میں آ رہی ہے؟ تو غُلَامُ زَيْدٍ، یہاں بھی مضاف مضاف الیہ میں تباین کی نسبت، اور ضَرْبُ الْيَوْمِ کے اندر بھی مضاف اور مضاف الیہ میں تباین کی نسبت ہے۔ تو جب دونوں میں تباین کی نسبت ہو تو پھر یہاں دو صورتیں بنیں گی۔ اگر مضاف الیہ مضاف کے لیے ظرف ہے تو اضافت بمعنی فِي کے ہوگی، اور اگر ظرف نہیں تو اضافت بمعنی لام کے ہوگی۔ غُلَامُ

زَيْدٍ ان میں بھی تباین، ضَرْبُ الْيَوْمِ ان میں بھی تباین۔ اب دیکھیں گے کہ بعد والا پہلے کے لیے ظرف ہے یا نہیں، تو ہم نے دیکھا ضَرْبُ الْيَوْمِ یہ الْيَوْمِ کیا ہے؟ ضَرْبٌ کے لیے ظرف ہے، تو پھر اضافت بمعنی فِي کے ہوگی۔ اور اگر ظرف نہیں ہے تو پھر اضافت بمعنی لام کے ہوگی جیسے غُلَامُ زَيْدٍ أَيْ غُلَامٌ لِزَيْدٍ۔ توجہ ہے؟ پھر دہرائیں: اگر مضاف مضاف الیہ میں تباین کی نسبت ہو پھر کیا دیکھیں گے کہ مضاف الیہ مضاف کے لیے ظرف ہے یا ظرف نہیں۔ اگر ظرف ہے تو اضافت بمعنی فِي، ورنہ اضافت بمعنی لام کے ہوگی۔ توجہ ہے؟

پھر اس کے بعد اگر مضاف مضاف الیہ میں عموم و خصوص مطلق کی نسبت ہے، یعنی ایک اعم مطلق ہے اور ایک اخص مطلق ہے، جیسے حیوان اور انسان۔ جو بھی انسان ہے وہ حیوان ضرور ہے، لیکن جو بھی حیوان ہے اس کا انسان ہونا ضروری نہیں، وہ گائے بھی ہو سکتی ہے، بکری بھی ہو سکتی ہے، فرس بھی ہو سکتا ہے۔ تو اگر مضاف اور مضاف الیہ میں کون سی نسبت ہے؟ عموم و خصوص مطلق کی، ایک اعم مطلق ہے اور ایک اخص مطلق ہے، تو پھر یہاں دو صورتیں بنیں گی: یا تو مضاف اخص ہوگا اور مضاف الیہ اعم، یا اس کا برعکس ہوگا: مضاف اعم ہوگا اور مضاف الیہ اخص۔ توجہ ہے؟ تو اگر مضاف جو ہے وہ اخص ہوا اور مضاف الیہ اعم ہوا، اگر مضاف اخص ہوا اور مضاف الیہ اعم ہوا، جیسے أَحَدُ الْيَوْمِ۔ اَلْأَحَدُ اتوار کے دن کو کہتے ہیں، أَحَدٌ کسے کہتے ہیں؟ اتوار کے دن، اور يَوْمٌ وہ تو عام ہے، ہر دن کو يَوْمٌ کہتے ہیں۔ توجہ ہے؟ تو يَوْمٌ کیا ہوا؟ اعم، اور اَلْأَحَدُ کیا ہوا؟ اخص۔ أَحَدٌ کیا ہوا؟ اخص۔ توجہ ہے؟ أَحَدٌ اخص ہے، وہ ایک خاص دن کا نام ہے، اتوار کا دن بھئی۔ أَحَدٌ کس کا نام ہے؟ اتوار کے دن کو کہتے ہیں، اور يَوْمٌ عام ہے، تو ایک اخص ہے ایک اعم ہے۔ اب یا تو أَحَدٌ کو مضاف بنائیں گے اور الْيَوْمِ کو مضاف الیہ، یا يَوْمٌ جو ہے اس کو مضاف بنائیں گے اور الْأَحَدِ کو مضاف الیہ، دو صورتیں بنتی ہیں نا۔ تو اس کے اندر اگر مضاف جو ہے وہ اخص رکھا آپ نے اور مضاف الیہ کو اعم رکھا تو یہ بھی جائز نہیں۔ جیسے أَحَدُ الْيَوْمِ، أَحَدٌ کیا ہے؟ اخص، أَحَدٌ خاص دن ہے، اتوار کا دن۔ اور الْيَوْمِ کیا ہے؟ عام ہے، ہر دن کو يَوْمٌ کہتے ہیں، تو آپ نے اخص کی نسبت کس کی طرف کر دی؟ اعم کی طرف۔ اور مضاف مضاف الیہ سے کیا اخذ کرتا ہے؟ تخصیص یا تعریف۔ یہاں پر مضاف خود خاص ہے اور مضاف الیہ عام ہے تو وہ اس سے تخصیص اخذ کر ہی نہیں سکتا بھئی۔ تو جب تخصیص اخذ نہیں کر سکتا تو یہ اضافت بھی جائز نہیں ہے۔ تو یہ جب مضاف اخص ہو اور مضاف الیہ اعم ہو۔ ہاں، اس کا برعکس ہو اگر مضاف کو اعم رکھیں اور مضاف الیہ کو اخص، جیسے يَوْمُ الْأَحَدِ، اب يَوْمٌ جو ہے الْأَحَدِ سے تخصیص اخذ کر لے گا اور اس سے اب کون سا دن مراد ہو جائے گا؟ خاص اتوار کا دن۔ یہ جائز ہے۔

بات سمجھ میں آ رہی ہے؟ کیا کہ اگر مضاف اور مضاف الیہ میں عموم و خصوص مطلق کی نسبت ہو تو یا تو مضاف اعم ہوگا یا اخص۔ اگر مضاف اخص ہو تو پھر تو یہ پہلے ہی اخص ہے، اس نے مضاف الیہ سے کیا تخصیص اخذ کرنی ہے؟ لہٰذا

یہ جائز نہیں۔ اور اگر مضاف اعم ہے اور مضاف الیہ اخص جیسے یَوْمُ الْأَحَدِ، اتوار کا دن۔ یَوْمٌ عام تھا لیکن الْأَحَدِ سے اس نے کیا اخذ کرلی؟ تخصیص اخذ کرلی، معلوم ہوا اب یَوْمُ الْأَحَدِ سے خاص اتوار کا دن مراد ہے۔ تو یہ پھر جائز ہے اور یہ اضافت لام کے معنی میں ہوگی۔ کس معنی میں ہوگی؟ لام کے معنی میں ہوگی، جیسے یَوْمُ الْأَحَدِ یا عِلْمُ الْفِقْهِ۔ عِلْمٌ عام ہے، ہر علم کو عِلْمٌ کہتے ہیں اور فِقْهٌ

کیا ہے؟ خاص ہے، تو یہ اعم کی اضافت ہوئی کس کی طرف؟ اخص کی طرف، یہ جائز ہے۔ اعم کی اضافت اخص، تو یہ اس سے تخصیص اخذ کرلے گا۔ اس نے بعد والے سے تخصیص لینی ہے نا، تو بعد والے کو اخص ہونا چاہیے۔ اور اسی طرح شَجَرُ الْأَرَاكِ، اَرَاك میں نے بتایا پیلو کا درخت بھئی، جس سے مسواکیں بنائی جاتی ہیں۔ تو شَجَرُ الْأَرَاكِ، شَجَرٌ عام ہے، ہر درخت کو شَجَرٌ کہتے ہیں، اور الْأَرَاكِ خاص درخت کا نام ہے، تو یہ اعم کی اضافت کس کی طرف ہو گئی؟ اخص کی طرف، تو یہ اس سے تخصیص اخذ کرلے گا، تو یہ بھی جائز ہے۔ توجہ ہے؟ تو جب مضاف اور مضاف الیہ میں عموم و خصوص مطلق کی نسبت ہو تو پھر مضاف کو دیکھیں گے وہ اخص ہے یا اعم۔ اگر اخص ہے تو یہ جائز نہیں، اور اگر وہ اعم ہے تو پھر وہ بعد والے سے تخصیص اخذ کر سکے گا، تو یہ جائز ہے۔

اور چوتھی صورت یہ ہے کہ مضاف اور مضاف الیہ میں عموم و خصوص من وجہ کی نسبت ہو۔ جیسے خَاتَمُ فِضَّةٍ، چاندی کی انگوٹھی۔ اب انگوٹھی اور چاندی دیکھو ایک ہی چیز انگوٹھی بھی ہے اور چاندی بھی ہے۔ اور کبھی ایسا ہوگا صرف انگوٹھی ہوگی لوہے یا سونے کی، دیکھو چاندی نہیں ہے۔ اور کبھی صرف چاندی ہوگی یعنی کوئی اور زیور ہوگا وہ انگوٹھی نہیں۔ تو دیکھو ان میں تین مادے ہوتے ہیں جہاں عموم و خصوص من وجہ ہو۔ ایک مادہ اجتماع کا ہوتا ہے جہاں دونوں اکٹھے ہوتے ہیں، اور دو مادے افتراق کے ہوتے ہیں، ایک کے اندر ایک پایا جاتا ہے دوسرا نہیں، اور دوسری صورت میں صرف دوسرا پایا جائے گا پہلا نہیں پایا جائے گا۔ تو خَاتَمُ فِضَّةٍ، تو خَاتَمٌ اور فِضَّةٌ میں کون سی نسبت؟ عموم و خصوص من وجہ۔ بعض اوقات ایک ہی چیز خَاتَمٌ بھی ہے اور کس سے بنی ہے؟ چاندی سے بھی، تو خَاتَمٌ بھی ہے اور فِضَّةٌ بھی ہے۔ اور بعض اوقات صرف خَاتَمٌ ہوگا فِضَّةٌ نہیں جیسے لوہے کی انگوٹھی بھئی۔ اور بعض اوقات صرف فِضَّةٌ ہوگا خَاتَمٌ نہیں جیسے کوئی اور زیور ہے چاندی کا بھئی۔

تو جب عموم و خصوص من وجہ کی نسبت ہو تو پھر یاد رکھو، مضاف الیہ اگر مضاف کے لیے اصل ہے یعنی مضاف الیہ سے مضاف بنا ہے، تو پھر اس صورت میں اضافت بمعنی مِن کے ہوگی، جیسے خَاتَمُ فِضَّةٍ۔ اب یہ فِضَّةٌ کیا ہے خَاتَمٌ کے لیے؟ اصل ہے، یہ انگوٹھی کس سے بنی ہے؟ چاندی سے، چاندی سے۔ توجہ ہے؟ اگر مضاف اور مضاف الیہ میں کون سی نسبت ہو؟ عموم و خصوص من وجہ، تو پھر دیکھیں گے کہ آپ یوں بھی کہہ سکتے ہیں خَاتَمُ فِضَّةٍ اور فِضَّةُ خَاتَمٍ۔ توجہ ہے؟

خَاتَمُ فِضَّةٍ بھی کہہ سکتے ہیں اور فِضَّةُ خَاتَمٍ بھی کہہ سکتے ہیں۔ تو اس صورت میں اگر مضاف الیہ یعنی جو بعد میں آرہا ہے اس سے مضاف بنا ہے، وہ اس کے لیے اصل ہے، تو یہ اضافت بمعنی مِن کے ہوگی، جیسے خَاتَمُ فِضَّةٍ۔ یہ خَاتَمٌ کس سے بنی ہے؟ فِضَّةٌ سے، فِضَّةٌ اس کے لیے اصل ہے، تو یہ اضافت مِن کے معنی میں ہوگی أَيْ خَاتَمٌ مِنْ فِضَّةٍ۔ اور اگر ایسا نہ ہو، جیسے مثال ذکر کی صاحب جامی نے: فِضَّةُ خَاتَمِكَ خَيْرٌ مِنْ فِضَّةِ خَاتَمِي، آپ کی انگوٹھی کی چاندی میری انگوٹھی کی چاندی سے بہتر ہے۔ تو یہاں دیکھو فِضَّةٌ کی اضافت خَاتَمٌ کی طرف ہو رہی ہے، اور دونوں میں کون سی نسبت؟ عموم و خصوص من وجہ، اور خَاتَمٌ فِضَّةٌ کے لیے اصل نہیں۔ فِضَّةُ خَاتَمِي، مضاف الیہ مضاف کے لیے اصل نہیں، جب اصل نہیں تو یہ اضافت بمعنی لام کے ہوگی۔

بات سمجھ میں آگئی؟ پھر دہرائیے بھئی: اگر مضاف اور مضاف الیہ میں تساوی کی نسبت ہو تو یہ اضافت جائز نہیں۔ اگر تباین کی نسبت ہو تو پھر دیکھیں گے مضاف الیہ مضاف کے لیے ظرف ہے یا ظرف نہیں۔ اگر ظرف ہے تو یہ اضافت بمعنی فِي کے، ورنہ اضافت بمعنی لام کے۔ اور اگر مضاف اور مضاف الیہ میں عموم و خصوص مطلق کی نسبت ہے، تو اگر مضاف اخص ہوا تو پھر یہ جائز نہیں، اور اگر مضاف اعم ہوا تو یہ جائز ہے اور یہ اضافت بمعنی لام کے ہوگی۔ اور اگر مضاف اور مضاف الیہ میں عموم و خصوص من وجہ کی نسبت ہو، تو پھر اس صورت میں اگر مضاف الیہ اصل ہے مضاف کے لیے جیسے خَاتَمُ فِضَّةٍ، تو یہ اضافت بمعنی مِن کے ہے۔ اور اگر مضاف الیہ مضاف کے لیے اصل نہیں ہے جیسے فِضَّةُ خَاتَمِي، یہ خَاتَمٌ فِضَّةٌ کے لیے اصل نہیں، تو پھر یہ اضافت بمعنی لام کے ہوگی۔

اور اس کے بعد صاحب جامی نے ایک قیمتی ضابطہ ذکر فرمایا تھا کہ بعض اوقات اضافت بمعنی لام کے ہوتی ہے لیکن وہاں لام کا اظہار جائز نہیں ہوتا، تو علماء وہاں تاویل کرتے ہیں اور پھر تاویل کر کے وہاں بیان کرتے ہیں کہ یہ اضافت بمعنی لام کے ہے۔ تو صاحب جامی نے آپ کو ضابطہ بتایا کہ جو اضافت لام کے معنی میں ہو وہاں لام کا لفظوں میں اظہار ضروری نہیں کہ لمبی لمبی تاویلیں کر کے، دور دور کی تاویلیں کر کے لام کا لفظوں میں اظہار کیا جائے، بلکہ وہاں صرف لام کا معنی یعنی لام کا جو، لام کس لیے آتا ہے؟ اختصاص کے لیے، تو وہاں بس اختصاص والا معنی پایا جائے کافی ہے، وہاں لام کا اظہار لفظوں میں ضروری نہیں۔ جیسے يَوْمُ الْأَحَدِ، يَوْمُ الْأَحَدِ یہ اضافت لام کے معنی میں ہے لیکن یہاں لام کا اظہار لفظوں میں صحیح نہیں۔ يَوْمٌ لِلْأَحَدِ ہم نہیں کہہ سکتے، یہ عربی میں اس طرح استعمال نہیں ہوتا۔ تو پھر علماء کیا کرتے ہیں؟ اس میں تاویل کرتے ہیں۔ کیا کرتے ہیں؟ تو صاحب جامی فرماتے ہیں کوئی دور کی تاویلات کرنے کی ضرورت نہیں، بس جو اضافت لام کے معنی میں ہو وہاں اختصاص والا معنی ہونا چاہیے، چاہے لام کا لفظوں میں اظہار صحیح نہ ہو بھئی۔ تو يَوْمُ الْأَحَدِ یہاں دیکھو يَوْمٌ عام تھا اور الْأَحَدِ کی طرف اضافت کی وجہ سے اس میں کیا آگیا؟ اختصاص آگیا کہ کون سا دن ہے؟ اتوار والا دن ہے، کوئی اور دن مراد نہیں، تو بس لام کا معنی یعنی لام کا مدلول یعنی اختصاص کا معنی وہاں ہونا چاہیے، وہ اضافت اختصاص

کا فائدہ دے رہی ہو چاہے لام کا لفظوں میں اظہار جائز نہ ہو۔ یا عِلْمُ الْفِقْهِ، عِلْمٌ عام ہے اور الْفِقْهُ کیا ہے؟ خاص ہے، تو عِلْمُ الْفِقْهِ یہاں یہ اضافت اختصاص کا فائدہ دے رہی ہے، عِلْمٌ کے اندر کیا آگیا فقہ کی وجہ سے؟ اختصاص آگیا، تو اگرچہ یہاں لام کا اظہار صحیح نہیں عِلْمٌ لِلْفِقْهِ اس طرح عربی میں استعمال نہیں ہوتا، تو یہاں لام کا لفظوں میں اظہار درست نہیں لیکن یہاں اختصاص ہے اس اضافت کے اندر، تو لہٰذا ہم کیا کہیں گے کہ یہ اضافت بمعنی لام کے ہے۔ یا شَجَرُ الْأَرَاكِ، یہاں پر بھی یہ اضافت کیا ہے؟ اختصاص کا فائدہ دے رہی ہے، اگرچہ لفظوں میں لام کا اظہار صحیح نہیں ہے۔ تو کہتے ہیں اگر آپ یہ ضابطہ لے لیں گے کہ لام کا اظہار لفظوں میں ضروری نہیں، تو پھر آپ بہت سے تکلفات بعیدہ کی آپ کو حاجت پیش نہیں آئے گی جہاں پر لام کا اظہار لفظوں میں صحیح نہیں ہوتا اور علماء کیا کرتے ہیں؟ پھر تاویلات کرتے ہیں، اس کی پھر حاجت پیش نہیں آئے گی۔ تو جو اضافت لام کے معنی میں ہو وہاں اختصاص ہونا چاہیے، اگرچہ لام کا لفظوں میں اظہار صحیح نہ ہو بھئی۔ كُلُّ رَجُلٍ وَكُلُّ وَاحِدٍ، تو كُلُّ دیکھو مضاف الیہ چاہتا ہے۔ كُلّ کا معنی سب کے سب یا سارا کا سارا، اور یہ مضاف الیہ چاہتا ہے، تو یہاں پر بھی دیکھو اختصاص آگیا كُلُّ رَجُلٍ۔ كُلّ عام تھا، کوئی بھی چیز ساری کی ساری ہو سکتی ہے لیکن رَجُلٌ نے آکر بتلا دیا کہ كُلّ سے کس کے سارے افراد مراد ہیں؟ رَجُلٌ کے سارے افراد مراد ہیں۔

اور پھر آخر میں صاحب کافیہ نے آپ کو بتلایا کہ وہ اضافت جو بمعنی فِي کے ہوتی ہے وہ عربی میں نہایت قلیل الاستعمال ہے، لہٰذا اس کو اکثر نحوی جو ہیں اضافت بمعنی لام کی طرف لوٹا دیتے ہیں۔ کس کی طرف؟ لام کی طرف، تاکہ اضافت معنویہ کی قسمیں کم ہو جائیں، ورنہ تو تین قسمیں بنیں گی یا تو لام ہوگا یا فِي یا مِن۔ تو چونکہ وہ اضافت جو فِي کے معنی میں ہوتی ہے وہ قلیل الاستعمال ہے، لہٰذا اکثر نحوی اس کو کس میں داخل کر دیتے ہیں؟ اضافت بمعنی لام میں داخل کر دیتے ہیں تاکہ قسمیں کم ہو جائیں بھئی۔ جیسے ضَرْبُ الْيَوْمِ، اصل میں کیا ہے؟ ضَرْبٌ فِي الْيَوْمِ، تو یہ اضافت فِي کے معنی میں ہے، یا جیسے صَلَاةُ اللَّيْلِ، یہ صَلَاةُ اللَّيْلِ کس معنی میں ہے؟ صَلَاةٌ فِي اللَّيْلِ۔ تو یہاں مضاف الیہ جو ہے وہ ظرف ہے مضاف کے لیے، تو یہ اضافت بمعنی فِي کے ہے۔ لیکن اکثر نحوی اس کو اضافت بمعنی لام کے اندر داخل کر دیتے ہیں تاکہ اضافت معنوی کی قسمیں کم ہو جائیں، تین کے بجائے کتنی ہو جائیں؟ دو، یا تو بمعنی لام ہوگی یا بمعنی مِن، اور فِي والی بھی کس میں داخل ہو گئی؟ لام میں، تو تین کے بجائے دو قسمیں رہ جائیں گی۔ اور کس طرح؟ جیسے ضَرْبُ الْيَوْمِ، اصل میں کیا تھا ضَرْبٌ فِي الْيَوْمِ، وہ اس کو لوٹاتے ہیں لام کی طرف کس طرح؟ کہ ضَرْبٌ لَهُ اخْتِصَاصٌ بِالْيَوْمِ، یہ ضَرْبٌ کیا ہے اس کا اس دن کے ساتھ اختصاص ہے، بھئی کس طرح اختصاص ہے؟ بمعنی کہ یہ اس کے اندر واقع ہوئی ہے اس دن کے اندر یہ ضَرْبٌ بھئی۔ یا صَلَاةُ اللَّيْلِ، یہ اصل میں کیا تھا صَلَاةٌ فِي اللَّيْلِ، لیکن اس کو بھی نحوی اضافت بمعنی لام کی طرف لوٹاتے ہیں أَيْ صَلَاةٌ لَهَا اخْتِصَاصٌ بِاللَّيْلِ، وہ نماز جس کا اختصاص ہے رات کے ساتھ یعنی اس میں وہ واقع ہوتی ہے۔ تو یہ قسمیں کم کرنے کے لیے نحوی حضرات اضافت

بمعنی فِي اس کو اضافت بمعنی لام میں داخل کرتے ہیں، کیونکہ اضافت بمعنی فِي عربی زبان میں قلیل ہے، جب قلیل ہے تو اس کو الگ قسم شمار کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ اس کو اضافت بمعنی لام ہی میں داخل کر دو بھئی۔

اب آیئے آج کے سبق پر: وَتُفِيدُ أَيِ الْإِضَافَةُ الْمَعْنَوِيَّةُ تَعْرِيفًا أَيْ تَعْرِيفَ الْمُضَافِ مَعَ الْمُضَافِ إِلَيْهِ الْمَعْرِفَةِ لِأَنَّ الْهَيْئَةَ التَّرْكِيبِيَّةَ فِي الْإِضَافَةِ الْمَعْنَوِيَّةِ مَوْضُوعَةٌ لِلدَّلَالَةِ عَلَى مَعْلُومِيَّةِ الْمُضَافِ.

بھئی پہلے متن متن دیکھ لیجیے۔ کہتے ہیں وَتُفِيدُ تَعْرِيفًا مَعَ الْمَعْرِفَةِ۔ متن مل گیا؟ وَتُفِيدُ تَعْرِيفًا، اور یہ جو اضافت معنویہ ہے یہ تعریف کا فائدہ دیتی ہے، مَعَ الْمَعْرِفَةِ معرفہ کے ساتھ۔ میں نے آپ کو بتلایا کہ اضافت لفظی صرف لفظوں میں تخفیف کا فائدہ دیتی ہے، جبکہ اضافت معنوی تعریف یا تخصیص کا فائدہ دے گی۔ اگر مضاف الیہ معرفہ ہو تو مضاف بھی کیا بن جائے گا؟ معرفہ بن جائے گا۔ اور اگر مضاف الیہ نکرہ ہو تو پھر مضاف معرفہ تو نہیں بنے گا لیکن اس میں تخصیص آجائے گی۔ توجہ ہے؟ ایک ہے مضاف دوسرا ہے مضاف الیہ۔ مضاف الیہ سے مضاف نے تعریف یا تخصیص اخذ کرنی ہے، کیونکہ اضافت معنویہ فائدہ ہی کس چیز کا دیتی ہے؟ تعریف یا تخصیص کا۔ تو اگر مضاف الیہ معرفہ ہوا تو مضاف بھی اس سے تعریف اخذ کرلے گا۔ جیسے غُلَامٌ یہ نکرہ ہے، اس کی اضافت کر دو زَيْدٌ کی طرف، زَيْدٌ دیکھو معرفہ ہے، غُلَامُ زَيْدٍ زید کا غلام، تو اب یہ غلام بھی کیا بن گیا؟ معرفہ بن گیا، اس نے زید سے تعریف اخذ کرلی۔ اور اگر مضاف الیہ نکرہ ہو تو پھر وہاں تعریف تو نہیں آئے گی، ہاں اختصاص آجائے گا۔ جیسے غُلَامٌ کی اضافت آپ رَجُلٌ کی طرف کر دیں۔ غُلَامٌ نکرہ ہے اور آپ نے اضافت بھی رَجُلٌ یعنی نکرہ کی طرف کر دی، غُلَامُ رَجُلٍ کسی آدمی کا کوئی غلام۔ تو پہلے غلام عام تھا، چاہے مرد کا غلام ہو چاہے عورت کا غلام ہو، سب پر وہ صادق آرہا تھا، لیکن جب آپ نے رَجُلٌ کی طرف اضافت کر دی اب یہ صرف کس پر صادق آئے گا؟ رَجُلٌ کے غلام پر صادق آئے گا، اِمْرَأَة یعنی عورت کے غلام پر یہ صادق نہیں آئے گا، تو دیکھو تقلیل شرکاء لازم آئی، جو اس میں شریک تھے وہ کیا ہو گئے؟ کم ہو گئے، اور اسی کو اختصاص کہتے ہیں۔ احتمالات کم ہو گئے، کیا ہو گئے؟ احتمالات اس کے اندر کم ہو گئے تو یہ اختصاص ہے۔ تو حاصل کلام کیا؟ کہ اضافت معنویہ یا تعریف کا فائدہ دے گی یا تخصیص کا۔ اگر معرفہ کی طرف اضافت ہو تو تعریف کا فائدہ دے گی، مضاف بھی معرفہ بن جائے گا، اور اگر نکرہ کی طرف اضافت ہوئی تو وہ، تو تخصیص آجائے گی مضاف کے اندر۔

بات سمجھ میں آگئی؟ دیکھیے متن۔ کہتے ہیں وَتُفِيدُ تَعْرِيفًا مَعَ الْمَعْرِفَةِ، اور اضافت معنویہ تعریف کا فائدہ دیتی ہے معرفہ کے ساتھ، یعنی جب مضاف الیہ معرفہ ہو۔ آگے متن دیکھیے: وَتَخْصِيصًا مَعَ النَّكِرَةِ، اور اضافت معنویہ تخصیص کا فائدہ دیتی ہے نکرہ کے ساتھ، یعنی جب مضاف الیہ نکرہ ہو تو مضاف میں تخصیص آجائے گی۔ بات سمجھ میں آگئی؟ اب اس سارے کو شرح کے ساتھ دیکھیے۔ کہتے ہیں وَتُفِيدُ أَيِ الْإِضَافَةُ الْمَعْنَوِيَّةُ کہ اضافت معنویہ فائدہ دیتی ہے تَعْرِيفًا، تعریف کا فائدہ دیتی

ہے بھئی کس چیز کی تعریف؟ صاحب جامی نے بتلایا أَيْ تَعْرِيفَ الْمُضَافِ، مضاف کی تعریف کا فائدہ دیتی ہے۔ متن میں تھا مَعَ الْمَعْرِفَةِ، کس کے ساتھ؟ معرفہ کے ساتھ۔ صاحب جامی نے بتلا دیا مَعَ الْمُضَافِ إِلَيْهِ الْمَعْرِفَةِ، کہ مضاف الیہ جب معرفہ ہو تو اس وقت یہ مضاف میں تعریف کا فائدہ دے گی۔ بھئی تعریف کا فائدہ کیوں دے گی؟ کہتے ہیں لِأَنَّ الْهَيْئَةَ التَّرْكِيبِيَّةَ فِي الْإِضَافَةِ الْمَعْنَوِيَّةِ مَوْضُوعَةٌ لِلدَّلَالَةِ عَلَى مَعْلُومِيَّةِ الْمُضَافِ۔ ادھر دیکھیے، کہتے ہیں اس لیے کیونکہ یہ جو ہیئت ترکیبیہ ہے اضافت معنویہ میں، اضافت معنویہ میں کیا کیا جاتا ہے؟ ایک لفظ ہوتا ہے مضاف اور آگے کیا آئے گا؟ مضاف الیہ، تو مضاف کو کس کے ساتھ جوڑ دیا؟ مضاف الیہ کے ساتھ، تو دیکھو ترکیب آگئی، ترکیب کا کیا معنی ہے؟ جوڑنا۔ تو یہ جو ہیئت ترکیبیہ ہے، یہ جو صورت ہے ترکیب والی، یہ اضافت معنویہ کے اندر اس کو وضع ہی اس لیے کیا گیا ہے تاکہ یہ مضاف کے معلوم ہونے پر دلالت کرے۔

جب مضاف الیہ معرفہ ہو۔ جب مضاف الیہ۔ بھئی اضافت معنویہ کی بات چل رہی ہے۔ اضافت معنویہ میں مضاف الیہ معرفہ بھی ہو سکتا ہے اور نکرہ بھی۔ اگر مضاف الیہ معرفہ ہوا تو مضاف کیا اخذ کر لے گا اس سے؟ تعریف۔ اور اگر مضاف الیہ نکرہ ہوا تو مضاف اس سے کیا اخذ کرے گا؟ تخصیص۔ تو یہ جو اضافت معنویہ ہے جب مضاف الیہ کیا ہو؟ معرفہ، تو یہ جو اضافت معنویہ ہے جب اس کے اندر مضاف کی اضافت معرفہ کی طرف ہو رہی ہو، تو اس کو وضع ہی اس لیے کیا گیا ہے تاکہ یہ مضاف کے معلوم اور متعین ہونے پر دلالت کرے۔

غلام عام تھا، نکرہ تھا۔ آپ نے زید کی طرف اس کی اضافت کر دی، غُلَامُ زَيْدٍ، زید کا غلام۔ اب دیکھو زید کا ایک غلام ہے دیکھو، اب یہ غُلَامُ زَيْدٍ اب اس ایک متعین غلام پر دلالت کر رہا ہے۔ توجہ ہے؟ غُلَامٌ کیا تھا؟ عام تھا، دنیا کے ہر غلام پر صادق آ رہا تھا، لیکن جب آپ نے زید کی طرف یعنی معرفہ کی طرف اس کی اضافت کر دی اب اس نے اس زید کے متعین جو ایک اس کا غلام ہے اس پر یہ دلالت کر رہا ہے۔ تو مضاف بھی کیا ہو گیا؟ معلوم اور متعین۔ پہلے معلوم اور متعین نہیں تھا، دنیا کے ہر غلام پر یہ لفظ صادق آ رہا تھا، اور اب جب آپ نے معرفہ کی طرف اضافت کی تو اس نے کس پر دلالت کی؟ ایک معلوم اور متعین غلام پر اس نے دلالت کی۔ تو یہ جو دلالت معنویہ ہے اس کو وضع ہی اس لیے کیا گیا ہے، اس کا، اس کا مقصد ہی یہ ہے کہ یہ مضاف کے معلوم ہونے پر دلالت کرے۔ کس پر؟ مضاف کے معلوم اور متعین ہونے پر دلالت کرے، اس کی وضع کا مقصد ہی یہ ہے، اس کو بنایا ہی اس لیے گیا ہے۔ کب؟ جب کہ مضاف الیہ بھی معرفہ ہو۔ جب مضاف الیہ معرفہ ہوگا تو مضاف بھی کیا ہو جائے گا؟ معرفہ ہو جائے گا، کیونکہ اس کو وضع ہی اس مقصد کے لیے، اس اضافت کی وضع کا مقصد ہی یہ ہے، یہ معرفہ کی طرف اضافت کی ہی اس لیے گئی ہے تاکہ یہ مضاف بھی متعین اور معلوم ہو جائے۔

تو کہتے ہیں: لِأَنَّ الْهَيْئَةَ التَّرْكِيبِيَّةَ فِي الْإِضَافَةِ الْمَعْنَوِيَّةِ، اس لیے کیونکہ یہ جو ہیئت ترکیبیہ ہے، ہیئت کا معنی صورت،

اَلتَّرْكِيبِيَّة وہ صورت جس میں ترکیب ہے یعنی مضاف اور مضاف الیہ آپس میں مل رہے ہیں، مضاف کو آپ جوڑ رہے ہیں مضاف الیہ کے ساتھ۔ تو یہ جو ہیئت ترکیبیہ ہے فِي الْإِضَافَةِ الْمَعْنَوِيَّةِ کس کے اندر؟ اضافت معنویہ کے اندر، مَوْضُوعَةٌ اس کو وضع کیا گیا ہے، لِلدَّلَالَةِ تا کہ یہ دلالت کرے، عَلَى مَعْلُومِيَّةِ الْمُضَافِ مضاف کے معلوم اور متعین ہونے پر۔ یہ کب ہے؟ جب مضاف الیہ معرفہ ہو، مضاف الیہ معرفہ ہو۔

بھئی دیکھیے۔ اضافت معنویہ اس کو کس لیے وضع کیا گیا ہے؟ تا کہ یہ مضاف کے معلوم اور متعین ہونے پر دلالت کرے، جب مضاف الیہ معرفہ ہو۔ اب آپ نے جب کہا غُلَامُ زَيْدٍ، تو اس سے زید کا ایک متعین غلام مراد ہے، زید کا ایک ہی مثلاً غلام ہے۔ تو جب آپ نے غُلَامُ زَيْدٍ کہا تو اس نے اب اس زید کے اس متعین اور معلوم غلام پر دلالت کر دی، اور اس کو وضع بھی اسی مقصد کے لیے کیا گیا ہے اس اضافت معنویہ کو۔ یا دوسری صورت یہ ہے زید کے کئی غلام ہیں، ایک غلام نہیں ہے بلکہ زید کے کئی غلام ہیں، لیکن ان میں سے ایک غلام جو ہے اس کا زید کے ساتھ زیادہ اختصاص ہے، زیادہ تعلق ہے، یا اس کی زیادہ شہرت ہے، وہ زید کی زیادہ اچھے طریقے سے خدمت کرتا ہے، زید کو بھی وہ محبوب ہے کہ وہ زید کا بہت زیادہ خیال رکھتا ہے۔ تو جب آپ نے غُلَامُ زَيْدٍ کہا، جب آپ نے غُلَامُ زَيْدٍ کہا تو یہ اب وہ زید کا جو غلام ہے جو اس کے غلاموں میں زیادہ خاص ہے، یا جس کے جو زید کے غلاموں میں سے بڑا ہے اپنی صفات اور کمالات کی وجہ سے، تو دیکھو فوراً وہ والا غلام ذہن میں آئے گا۔ وہ والا غلام ذہن میں آئے گا۔ اور اگر زید کا کوئی غلام ایسا نہیں ہے، یا چلو یا ہے تو، لیکن آپ اور مخاطب زید کے کسی اور غلام کے بارے میں بات کر رہے تھے، کسی اور غلام کے بارے میں۔ تو یہاں پر بھی جب میں نے غُلَامُ زَيْدٍ کہا تو دیکھو ایک اور غلام ہے زید کا، ہم اس کے بارے میں بات کر رہے ہیں، تو اب جب میں غُلَامُ زَيْدٍ کہوں گا تو آپ کے ذہن میں فوراً یہ والا غلام آئے گا جس کے بارے میں بات چل رہی ہے۔ تو دیکھو اس نے ایک معلوم اور متعین غلام پر دلالت کی۔ کس پر؟ توجہ ہے؟ اس دلالت کو وضع ہی کس لیے کیا گیا ہے؟ کہ مضاف کیا ہے معلوم اور متعین، اس کی پھر اتنی صورتیں ہیں: یا تو غلام ہی ایک ہوگا، تو جب میں غُلَامُ زَيْدٍ کہوں گا تو ایک ہی تو غلام ہے اس کا، وہی مراد ہو جائے گا۔ یا غلام تو زیادہ ہیں لیکن ان میں سے ایک کا زید کے ساتھ زیادہ تعلق ہے، اس کی زیادہ خدمت کرنے والا ہے یا وہ زیادہ مشہور ہے، یا میرے اور آپ کے درمیان کوئی ایک غلام کے بارے میں بات چل رہی ہے، تو فوراً وہی والا مراد ہو جائے گا یا وہ جو مشہور ہے وہ مراد لے لیں گے، مراد ہوگا یا جو میرے اور آپ کے درمیان جس کی بات چل رہی ہے موقع کے مطابق۔ کسی وقت جب غُلَامُ زَيْدٍ کہا جائے گا تو وہ اس کا مشہور غلام مراد ہوگا، باقی غلام مراد نہیں، تو دیکھو اس نے بھی غلام کے معلوم اور متعین ہونے پر دلالت کی۔ یا زید کا ایک مشہور غلام بھی ہے لیکن میرے اور آپ کے درمیان ایک اور غلام کی بات چل رہی تھی، تو اب جب میں آپ سے بات کرتے ہوئے غُلَامُ زَيْدٍ کہوں گا تو آپ سمجھ جائیں گے کہ اسی غلام کی بات ہو رہی ہے جو ابھی ذکر ہو رہا تھا بھئی۔

بات سمجھ میں آگئی؟ تو لہٰذا یہ اضافت معنویہ اس کو وضع ہی کس لیے کیا گیا ہے تا کہ یہ مضاف کے معلوم اور متعین ہونے پر دلالت کرے۔ پھر دیکھیے ترجمہ، کہتے ہیں: لِأَنَّ الْهَيْئَةَ التَّرْكِيبِيَّةَ فِي الْإِضَافَةِ الْمَعْنَوِيَّةِ، اس لیے کیونکہ یہ جو ہیئت ترکیبیہ ہے اضافت معنویہ کے اندر، مَوْضُوعَةٌ لِلدَّلَالَةِ عَلَى مَعْلُومِيَّةِ الْمُضَافِ، اس کو وضع کیا گیا ہے تا کہ یہ دلالت کرے مضاف کے معلوم اور متعین ہونے پر۔ اس کو وضع اس لیے کیا گیا ہے۔

لَا أَنَّ نِسْبَةَ أَمْرٍ إِلَى مُعَيَّنٍ يَسْتَلْزِمُ مَعْلُومِيَّةَ الْمَنْسُوبِ وَمَعْهُودِيَّتَهُ فَإِنَّ ذٰلِكَ غَيْرُ لَازِمٍ كَمَا لَا يَخْفَى۔ بعض نحوی حضرات فرماتے ہیں کہ غُلَامُ زَيْدٍ، جب آپ نے غلام کی اضافت کس کی طرف کی؟ زید کی طرف، یہ کون سی اضافت ہے؟ اضافت معنویہ۔ انہوں نے اور تقریر کی۔ وہ فرماتے ہیں کہ جب آپ کسی چیز کی نسبت کریں کسی معین کی طرف، جب آپ کسی چیز کی نسبت کریں کسی متعین کی طرف، تو یہ مستلزم ہے اس کے متعین اور معہود ہونے کو۔ یعنی معلوم ہوا وہ منسوب وہ بھی کیا ہے؟ وہ بھی معلوم اور متعین ہے۔ نہیں توجہ؟ صاحب جامی نے تو کیا فرمایا؟ کہ اضافت معنویہ کو وضع ہی کس لیے کیا گیا ہے؟ کہ یہ مضاف کے معلوم ہونے پر دلالت کرے گی اور معہود ہونے پر جب اضافت کس کی طرف ہو؟ معرفہ کی طرف ہو۔ بعض نحوی حضرات نے اور تقریر کی اس مقام کی۔ انہوں نے کہا کہ جب کسی چیز کی نسبت کی جائے کس کی طرف؟ متعین چیز کی طرف، غُلَامُ زَيْدٍ، غُلَامٌ نکرہ ہے لیکن آپ نے اس کی نسبت کس کی طرف کر دی؟ زید کی طرف۔ دوسرے نحوی حضرات کی تقریر چل رہی ہے۔ وہ فرماتے ہیں: جب کسی چیز کی نسبت کسی معین چیز کی طرف کی جائے، تو اس سے وہ جس کی نسبت کی گئی ہے وہ بھی متعین ہو جاتا ہے۔ وہ بھی متعین ہو جاتا ہے۔ کیا بات ہوئی؟ جب کسی چیز کی نسبت کی جائے کس کی طرف؟ کہ جب کسی چیز کی نسبت کی جائے کس کی طرف؟ غُلَامُ زَيْدٍ، غُلَامٌ کی نسبت کس کی طرف کی؟ زید کی طرف اور زید کیا ہے؟ معین۔ تو جب کسی چیز کی نسبت معین کی طرف کی جائے تو اس کے ساتھ لازم ہے کہ جس چیز کی نسبت کی جا رہی ہے وہ بھی معلوم اور متعین ہوگی۔ غُلَامٌ کی نسبت کس کی طرف کی؟ زید کی طرف، تو یہ غُلَامٌ بھی معلوم ہوا معلوم اور متعین ہوگا۔

صاحب جامی فرماتے ہیں نہیں، یہ صحیح نہیں ہے بھئی۔ کسی غیر معین چیز کی نسبت آپ متعین کی طرف کر دیں تو اس سے اس کے ساتھ لازمی نہیں ہے کہ وہ غیر متعین بھی کیا ہو جائے؟ متعین ہو جائے۔ جیسے دیکھو، غُلَامٌ لِزَيْدٍ۔ غُلَامٌ لِزَيْدٍ، اب دیکھو غُلَامٌ لِزَيْدٍ، اب اس کے اندر غلام کی نسبت کس کی طرف کی جا رہی ہے؟ زید کی طرف کی جا رہی ہے لیکن غُلَامٌ نکرہ ہے، کیونکہ درمیان میں لام موجود ہے، اضافت نہیں کر رہے ہم، بلکہ غلام کی نسبت کر رہے ہیں کس کی طرف؟ زید کی طرف۔ توجہ ہے؟ غلام کی نسبت ہم کس کی طرف کر رہے ہیں؟ زید کی طرف کر رہے ہیں، لیکن ابھی بھی غلام معرفہ نہیں، غلام نکرہ ہے کیونکہ غُلَامٌ لِزَيْدٍ غلام پر کیا آ رہی ہے؟ تنوین آ رہی ہے، نہ اس پر الف لام ہے نہ اس کی اضافت ہو رہی ہے،

تو یہ اسی طرح نکرہ کا نکرہ ہے۔ معنی کیا ہوگا؟ غُلَامٌ لِزَيْدٍ زید کا کوئی ایک غلام۔ زید کا کوئی ایک غلام۔ تو اب غلام کی نسبت کس کی طرف ہوئی؟ زید کی طرف اور زید کیا ہے؟ متعین ہے، لیکن اس کے ساتھ لازم نہیں کہ جس کی نسبت کی جا رہی ہے وہ بھی کیا ہو جائے؟ متعین، یہاں غلام

متعین نہیں ہوا۔ نیز دوسری مثال دیکھ لیجیے: یاد رکھو یہ جو معرفہ اور نکرہ ہونا ہے یہ صرف اسم ہوتا ہے۔ یہ کس میں ہوگا؟ صرف اسم میں ہوگا، اسم کبھی معرفہ ہوتا ہے اور کبھی نکرہ۔ فعل، وہ وہاں تعریف وتنکیر جاری نہیں ہوتی۔ فعل کبھی معرفہ نہیں ہوتا۔ اسی طرح حروف بھی معرفہ نہیں ہوتے، تو تعریف وتنکیر کی یہ تقسیم کس کے اندر ہے؟ اسم کے اندر ہے، حروف اور فعل کے اندر نہیں ہے۔ تو اب دیکھو ضَرَبَ زَيْدٌ، ضَرَبَ فعل کی ہم نے کس کی طرف نسبت کر دی؟ زید کی طرف۔ اور آپ نے، نحوی حضرات نے ضابطہ کیا بتلایا تھا؟ کہ جب بھی کسی چیز کی نسبت کسی معین کی طرف کر دی جائے تو یہ کس چیز پر دلالت کرتی ہے کہ یہ جس کی نسبت کی جا رہی ہے یہ معلوم اور متعین ہے، تو ضَرَبَ زَيْدٌ، ضَرَبَ فعل کی نسبت زید یعنی ایک متعین ذات کی طرف کی جا رہی ہے، لیکن یہ ضَرَبَ فعل معرفہ نہیں بنا، کیونکہ فعل تو معرفہ ہوتا ہی نہیں۔

پھر سنو، صاحب جامی نے کیا فرمایا؟ کہ یہ جو اضافت معنویہ ہے اس کو وضع ہی کس لیے کیا گیا ہے؟ کہ یہ مضاف کے معلوم اور متعین ہونے پر دلالت کرے جب اضافت کس کی طرف ہو؟ معرفہ کی طرف ہو۔ جبکہ بعض نحوی حضرات نے اور تعریف کی، انہوں نے کہا اضافت معنویہ تعریف کا فائدہ اس لیے دیتی ہے کہ اس کے اندر ایک چیز کی اضافت ہو رہی ہے کس کی طرف؟ متعین کی طرف، غُلَامُ زَيْدٍ، غلام کی نسبت کس کی طرف ہو رہی ہے؟ متعین کی طرف، اور جب بھی کسی چیز کی متعین کی طرف آپ نسبت کریں گے تو وہ جس کی نسبت کی جا رہی ہے وہ بھی کیا ہوگا؟ معلوم اور متعین ہوگا۔ صاحب جامی فرماتے ہیں نہیں، نہیں، کسی چیز کی نسبت متعین کی طرف کرنے سے اس کا معلوم اور متعین ہونا لازم نہیں آتا۔ جیسے غُلَامٌ لِزَيْدٍ، یہ غلام کی نسبت کس کی طرف ہے؟ زید کی طرف کی جا رہی ہے، لیکن یہ غلام معرفہ نہیں بنا کیونکہ اضافت نہیں ہے، درمیان میں لام موجود ہے۔ اور یا ضَرَبَ زَيْدٌ، یہ ضَرَبَ فعل کی نسبت کس کی طرف ہے؟ زید کی طرف ہے، تو دیکھو ایک متعین کی طرف ضَرَبَ کی نسبت ہو رہی ہے، لیکن یہ ضَرَبَ معرفہ نہیں بنا۔ معلوم ہوا کسی چیز کی نسبت معرفہ کی طرف ہو، متعین کی طرف ہو، تو اس چیز کا معلوم اور معہود ہونا لازمی نہیں ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟

تو یہی بیان کر رہے ہیں دیکھیے۔ کہتے ہیں: لَا أَنَّ نِسْبَةَ أَمْرٍ إِلَى مُعَيَّنٍ، کہ ایسا نہیں ہے کہ کسی چیز کی جب نسبت کی جائے إِلَى مُعَيَّنٍ کسی معین کی طرف، يَسْتَلْزِمُ تو یہ مستلزم ہے، یہ مستلزم ہے یعنی اس کے ساتھ لازم ہے، اس کے ساتھ لازم ہے، کس چیز کو یہ مستلزم ہے؟ مَعْلُومِيَّةَ الْمَنْسُوبِ اس منسوب کا معلوم ہونا، وَمَعْهُودِيَّتَهُ اور اس کا متعین ہونا۔ معہود کا

معنی متعین بھئی، معہود کا کیا معنی؟ متعین اور مقررہ، تو جو معلوم ہوگا وہ متعین ہوگا، وہ معہود ہوگا۔ توجہ ہے؟ یَسْتَلْزِمُ کا کیا معنی؟ ادھر دیکھیے، ایک چیز کی آپ نے نسبت کی متعین کی طرف تو یہ مستلزم ہے یعنی اس کے ساتھ لازم ہے، کیا لازم ہے؟ جب بھی آپ ایک چیز کی نسبت کریں گے متعین کی طرف تو اس کے ساتھ لازم ہے کہ وہ جو منسوب ہے جس کی نسبت کی جا رہی ہے وہ معلوم ہے اور معہود ہے، متعین ہے۔ بات سمجھ میں آ گئی؟ پھر ترجمہ دیکھیے: لَا أَنَّ نِسْبَةَ أَمْرٍ إِلَى مُعَيَّنٍ ایسا نہیں ہے کہ کسی بھی چیز کی جب نسبت کی جائے کسی معین کی طرف، يَسْتَلْزِمُ مَعْلُومِيَّةَ الْمَنْسُوبِ تو یہ مستلزم ہو منسوب کے معلوم ہونے کو، وَمَعْهُودِيَّتَهُ اور اس کے معہود ہونے کو، اس کے متعین ہونے کو، یہ مستلزم نہیں ہے۔ فَإِنَّ ذٰلِكَ غَيْرُ لَازِمٍ اس لیے کیونکہ یہ لازم نہیں ہے، كَمَا لَا يَخْفَى جیسے کہ یہ بات پوشیدہ نہیں ہے، یہ بات ظاہر ہے بھئی۔

بات سمجھ میں آ گئی؟ فَإِنْ قُلْتَ، جی اب اشکال ذکر کریں گے۔ اشکال یہ ہے، ادھر دیکھیے: آپ نے ہمیں کیا کہا کہ اضافت معنویہ اس کو کس لیے وضع کیا گیا ہے؟ کہ یہ مضاف کے معلوم ہونے پر، دہراؤ بھئی زبان سے، اضافت معنویہ کو کس لیے وضع کیا گیا ہے؟ کہ یہ مضاف کے معلوم ہونے پر دلالت کرے گی جب مضاف الیہ کیا ہو؟ معرفہ ہو۔ اب کہتے ہیں بھئی بعض اوقات غُلَامُ زَيْدٍ اضافت معنویہ لے آتے ہیں لیکن کسی معین غلام کی طرف اشارہ نہیں ہوتا۔ کسی، زید کے مثلاً کئی غلام ہیں، میں آپ سے باتیں کرتے ہوئے ذکر کرتا ہوں جَاءَنِي غُلَامُ زَيْدٍ، میرے پاس زید کا ایک غلام آیا تھا۔ اب دیکھو غُلَامُ زَيْدٍ، غلام کی اضافت معرفہ کی طرف ہو رہی ہے اور اے صاحب جامی آپ نے ہمیں کیا بتایا؟ کہ اضافت معنویہ کو وضع ہی کس لیے کیا گیا ہے کہ یہ مضاف کے معلوم اور متعین ہونے پر دلالت کرتی ہے، لیکن میں نے کہا جَاءَنِي غُلَامُ زَيْدٍ میرے پاس زید کا ایک غلام آیا تھا، اب یہاں پر، یہاں پر مخاطب کو پتا نہیں چلا کہ کون سا غلام آیا تھا، کیونکہ میرے اور اس کے درمیان کوئی پہلے زید کے غلام کی بات نہیں چل رہی تھی اور زید کے کئی غلام ہیں، اب میں اس سے کہتا ہوں جَاءَنِي غُلَامُ زَيْدٍ میرے پاس زید کا ایک غلام آیا تھا۔ آپ نے تو ہمیں کیا کہا کہ اضافت معنویہ کس لیے وضع ہے؟ کہ یہ مضاف کے معلوم ہونے پر دلالت کرتی ہے جب معرفہ کی طرف ہو، اور یہاں پر معرفہ کی طرف اضافت ہو رہی ہے لیکن غلام متعین اور معلوم نہیں ہے۔

تو اس کا جواب دیں گے صاحب جامی کہ بھئی دیکھیے اس اضافت معنویہ کو وضع تو اسی لیے کیا گیا ہے، لیکن بعض اوقات استعمال کر لیا جاتا ہے غیر معین کے لیے۔ تو وضع اور چیز ہے، استعمال اور چیز ہے۔ تو وضع تو ہے یہ کسی معین کے لیے، لیکن استعمال کبھی کس کے لیے کر لیتے ہیں؟ غیر معین کے لیے۔ توجہ ہے؟ پھر دہرائیں: وضع کس لیے ہے؟ معین کے لیے کہ مضاف معین ہے، اور استعمال کبھی کس میں کر لیتے ہیں؟ کہ مضاف غیر معین ہے۔ تو وضع ہے یہ معین کے

لیے اور استعمال کبھی کس لیے کر لیتے ہیں؟ غیر معین کے لیے۔ یہ اسی طرح ہے جیسے الف لام۔ الف لام وضع تو ہے کسی معین کے لیے، لیکن کبھی اس کو غیر معین کے لیے بھی استعمال کر لیتے ہیں۔ وضع کس لیے؟ معین کے لیے، لیکن کبھی کس لیے استعمال کر لیتے ہیں؟ غیر معین کے لیے۔ جیسے قرآن میں حضرت یعقوب علیہ السلام کا قول ذکر ہوتا ہے، تو وہ فرماتے ہیں: إِنِّي أَخَافُ أَنْ يَأْكُلَهُ الذِّئْبُ، مجھے خوف ہے کہ ان کو یعنی حضرت یوسف علیہ السلام کو بھیڑیا کھا جائے گا۔ تو أَنْ يَأْكُلَهُ الذِّئْبُ، الذِّئْبُ، ذِئْبٌ کسے کہتے ہیں؟ بھیڑیے کو، اور اس پر الف لام آیا۔ اور الف لام تو وضع ہے کس لیے؟ کسی معین چیز کی طرف اشارہ کرنے کے لیے، لیکن یہاں پر یہ الف لام کسی معین بھیڑیے کی طرف اشارہ نہیں کر رہا، یہ الف لام عہد ذہنی ہے بھئی۔ تو یہ الذِّئْبُ لفظوں کے اعتبار سے تو معرفہ بن گیا، لیکن معنی کے اعتبار سے یہ ابھی بھی نکرہ ہے، اور اس کا نکرہ والا ہی ترجمہ کریں گے: إِنِّي أَخَافُ مجھے خوف ہے أَنْ يَأْكُلَهُ الذِّئْبُ کہ ان کو کوئی بھیڑیا کھا جائے گا۔ ذِئْبٌ کا معنی کوئی بھیڑیا یا کوئی ایک بھیڑیا، اور الذِّئْبُ کا بھی وہی معنی ہے۔ تو صاحب جامی فرماتے ہیں کہ جیسے الف لام وضع تو معین کے لیے ہے لیکن اس کو استعمال کبھی غیر معین کے لیے بھی کر لیا جاتا ہے، تو اسی طرح یہاں پر یہ اضافت معنویہ جب معرفہ کی طرف ہو اضافت، تو یہ وضع کس لیے ہے؟ کہ مضاف معلوم اور متعین ہوگا، لیکن کبھی اس کو غیر معلوم اور غیر متعین کے لیے بھی استعمال کر لیا جاتا ہے۔

بات سمجھ میں آگئی؟ دیکھیے بھئی۔ کہتے ہیں فَإِنْ قُلْتَ، اگر آپ یہ کہیں یعنی یہ اعتراض کریں: قَدْ يُقَالُ کبھی کہا جاتا ہے جَاءَنِي غُلَامُ زَيْدٍ، کبھی عربی میں یوں کہہ دیتے ہیں جَاءَنِي غُلَامُ زَيْدٍ مِنْ غَيْرِ إِشَارَةٍ إِلَى وَاحِدٍ مُعَيَّنٍ بغیر اشارہ کیے کسی واحد معین کی طرف۔ غُلَامُ زَيْدٍ استعمال کر لیا اور کسی معین کی طرف اشارہ نہیں ہوتا۔ فَلَا يَكُونُ هَيْئَةُ التَّرْكِيبِ الْإِضَافِيِّ مَوْضُوعَةً لِمَعْلُومِيَّةِ الْمُضَافِ، تو یہاں پر تو ہیئت ترکیب اضافی جو ہے، یہ یہاں پر تو مضاف کے معلوم ہونے کے لیے وضع نہیں ہے، یعنی مضاف کے معلوم ہونے پر یہ دلالت نہیں کر رہی۔ اشکال سمجھ میں آیا؟

تو قُلْنَا ہم کہتے ہیں: ذٰلِكَ یہ اسی طرح ہے كَمَا أَنَّ الْمُعَرَّفَ بِاللَّامِ فِي أَصْلِ الْوَضْعِ لِمُعَيَّنٍ، کہ جیسے کہ معرف باللام یعنی وہ لفظ جس پر کیا داخل کر دیا جائے؟ الف لام، کہ جیسے معرف باللام جو ہے فِي أَصْلِ الْوَضْعِ لِمُعَيَّنٍ اصل وضع میں تو یہ معرف باللام معین کے لیے ہے، ثُمَّ قَدْ يُسْتَعْمَلُ بِلَا إِشَارَةٍ إِلَى مُعَيَّنٍ، لیکن پھر کبھی اس معرف باللام کو استعمال کر لیا جاتا ہے بغیر اشارہ کیے کسی معین کی طرف، یعنی غیر معین کے لیے استعمال کر لیا جاتا ہے۔ كَمَا فِي قَوْلِهِ جیسے کہ ایک شاعر کے قول میں ہے: وَلَقَدْ أَمُرُّ عَلَى اللَّئِيمِ يَسُبُّنِي۔ وَلَقَدْ أَمُرُّ عَلَى اللَّئِيمِ يَسُبُّنِي، اب اس کے اندر اللَّئِيمِ اس پر الف لام داخل ہے، یہ معرف باللام ہے۔ اور معرف باللام اصل وضع میں کس لیے ہے؟ کسی معین کے لیے۔ توجہ ہے؟ رَجُلٌ کا

معنی کوئی آدمی، لیکن اس پر الف لام لے آؤ، اَلرَّجُلُ معلوم ہوا کوئی خاص اور معین آدمی ہے جس کی طرف آپ اشارہ کر رہے ہیں، وہ آدمی۔ توجہ ہے؟ لیکن یہاں پر جو اللَّئِیمِ آیا تو یہ معرف باللام ہے لیکن یہ کسی معین کے لیے استعمال نہیں ہوا بلکہ غیر معین کے لیے، یعنی یہ الف لام عہد ذہنی ہے۔ الف لام عہد ذہنی ہے۔ ترجمہ سنو بھئی: وَلَقَدْ أَمُرُّ، مَرَّ یَمُرُّ کا معنی گزرنا، أَمُرُّ متکلم کا صیغہ ہے، وَلَقَدْ أَمُرُّ اور تحقیق میں گزرتا ہوں عَلَى اللَّئِیمِ، لَئِیمٌ کا معنی کمینہ شخص، گھٹیا آدمی۔ وَلَقَدْ أَمُرُّ عَلَى اللَّئِیمِ کہ تحقیق جب میں گزرتا ہوں کسی ایسے، دیکھو اللَّئِیمِ، اللَّئِیمِ اس پر الف لام کون سا ہے؟ عہد ذہنی کا ہے۔ توجہ ہے؟ اور الف لام عہد ذہنی جس لفظ پر داخل ہو یہ میں پہلے بیان کر چکا ہوں، لفظوں کے اعتبار سے یہ اللَّئِیمِ معرفہ بن گیا، لیکن معنی کے اعتبار سے یہ نکرہ کا نکرہ ہی ہے۔ جیسے وہ قرآن میں الذِّئْبُ آیا تھا لیکن وہ بمعنی ذِئْبٌ کے ہے، لفظوں کے اعتبار سے الذِّئْبُ معرفہ ہے لیکن معنی کے اعتبار سے وہ نکرہ ہے۔ تو یہاں پر بھی اللَّئِیمِ لفظوں کے اعتبار سے معرفہ ہے لیکن معنی کے اعتبار سے نکرہ ہے۔ اور آگے یَسُبُّنِي، سَبَّ یَسُبُّ کا معنی ہے گالی دینا، گالی دینا۔ تو یہ نکرہ کے بعد فعل آگیا۔ کس کے بعد؟ نکرہ کے بعد۔ اللَّئِیمِ نکرہ ہے معنی کے اعتبار سے اور اس کے بعد فعل آگیا، تو یہ اس کے لیے صفت بنے گا۔ یہ کیا بنے گا؟ صفت۔ میں نے بتایا اللَّئِیمِ لفظوں کے اعتبار سے معرفہ ہے لیکن یہاں اس کی صفت یَسُبُّنِي لائی گئی معنی کا لحاظ کرتے ہوئے۔ آپ جانتے ہیں کہ بعض اوقات لفظوں کا لحاظ رکھا جاتا ہے اور بعض اوقات معنی کا لحاظ رکھا جاتا ہے، تو لفظوں کو دیکھا جائے تو یَسُبُّنِي اس کے لیے صفت نہیں بن سکتا، لیکن معنی کا لحاظ کرتے ہوئے یہ اس کے لیے صفت بن سکتا ہے۔ تو موصوف اور صفت دونوں نکرہ ہیں، اور پھر ترجمہ کیسے کرتے ہیں؟ موصوف سے پہلے ایسا یا ایسی کا لفظ لاتے ہیں۔ اب سنو ترجمہ: وَلَقَدْ أَمُرُّ عَلَى اللَّئِیمِ یَسُبُّنِي اور تحقیق جب میں گزرتا ہوں کسی ایسے کمینے شخص پر جو مجھے گالیاں دیتا ہے۔ جو مجھے، جب میں کسی ایسے کمینے شخص پر گزرتا ہوں جو مجھے گالیاں دیتا ہے، اگلا مصرع ہے: فَمَضَیْتُ ثُمَّتَ قُلْتُ لَا یَعْنِینِي۔ فَمَضَیْتُ تو میں گزر جاتا ہوں، ثُمَّتَ قُلْتُ پھر میں کہتا ہوں، لَا یَعْنِینِي، عَنَى یَعْنِي کا معنی ہے ارادہ کرنا، لَا یَعْنِینِي کہ اس نے میرا ارادہ نہیں کیا۔ جب میں کسی ایسے کمینے شخص کے پاس سے گزرتا ہوں جو مجھے گالیاں نکال رہا ہوتا ہے تو میں خاموشی سے اس کے پاس سے گزر جاتا ہوں، اور دل میں کہتا ہوں یہ مجھے نہیں گالیاں نکال رہا یہ کسی اور کو گالیاں نکال رہا ہے۔ یہ شاعر اپنے حلم اور بردباری اور اپنی برداشت کی تعریف کر رہا ہے کہ میں بڑا بردبار آدمی ہوں، میں ہر قسم کی، ہر قسم کی بد زبانی جو ہے اس کا خندہ پیشانی سے مقابلہ کرتا ہوں اور پروا ہی نہیں کرتا، میری قوت برداشت بہت زیادہ ہے۔ توجہ ہے؟ تو مجھے کوئی گالیاں بھی نکال رہا ہو میں پروا ہی نہیں کرتا، میں اس کے پاس سے گزر جاتا ہوں اور یوں دل میں کہتا ہوں کہ یہ مجھے گالیاں نہیں دے رہا یہ تو کسی اور کو گالیاں دے رہا ہے۔ حالانکہ گالی کوئی کسی کو نکالے دوسرا فوراً لڑنے کو تیار ہو جاتا ہے، لیکن میرا حلم اور میری بردباری اور میری برداشت بہت زیادہ ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟

تو کہتے ہیں وَلَقَدْ أَمُرُّ عَلَى اللَّئِیمِ یَسُبُّنِي فَمَضَیْتُ ثُمَّتَ قُلْتُ لَا یَعْنِینِي، تو میں گزر جاتا ہوں، ثُمَّتَ قُلْتُ۔ ثُمَّتَ، ثُمَّتَ وہی

ثُمَّ ہے بھئی حروف عاطفہ، ثُمَّ کس میں سے ہے؟ حروف عاطفہ، اسی کے ساتھ کبھی تا بھی جوڑ دیتے ہیں۔ فَمَضَيْتُ تو میں گزر جاتا ہوں، ثُمَّتَ قُلْتُ تو پھر میں کہتا ہوں لَا يَعْنِينِي کہ اس نے میرا ارادہ نہیں کیا۔

اب دیکھیے آپ نے پڑھا ہے الف لام کی قسمیں پڑھی ہیں۔ توجہ ہے؟ میں نے آپ کو بتلایا تھا کہ الف لام جو ہے، الف لام دو قسم پر ہے: ایک الف لام اسمی، ایک الف لام حرفی۔ الف لام اسمی کسے کہتے ہیں؟ جو اسم فاعل اور اسم مفعول کے صیغوں پر آئے، اور یہ دراصل اسم موصول ہے بمعنی الَّذِي کے ہے۔ تو اَلضَّارِبُ کس معنی میں؟ اَلَّذِي يَضْرِبُ۔ اور اَلْمَضْرُوبُ کس معنی میں؟ اَلَّذِي يُضْرَبُ۔ تو یہ اسم موصول ہے اس لیے اس کو الف لام اسمی کہتے ہیں، یعنی اسم والا الف لام، یعنی یہ اسم ہے۔ اور دوسرا الف لام حرفی ہے۔ تو اس کے علاوہ جو الف لام ہیں وہ حرفی ہیں، یعنی وہ حرف ہے۔ اور الف لام حرفی جب کسی لفظ پر داخل ہوتا ہے اس کو معرفہ بنا دیتا ہے۔ اور اس کے ذریعے، یا توجہ سے سنو، الف لام حرفی کے ذریعے کسی چیز کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے۔ تو اشارہ کبھی کسی چیز کی جنس اور ماہیت کی طرف ہوتا ہے اور کبھی اس کے افراد کی طرف اشارہ ہوتا ہے۔ اگر ماہیت اور جنس کی طرف اشارہ ہو، تو اس کو الف لام جنسی کہتے ہیں۔ جیسے اَلرَّجُلُ خَيْرٌ مِنَ الْمَرْأَةِ، جنسِ رجل بہتر ہے کس سے؟ جنسِ امراۃ سے۔ افراد نہیں مراد، کیونکہ افراد تو بعض اوقات ایک نیک عورت ہے اور ایک فاسق آدمی ہے، تو نیک عورت اس سے بہتر ہے بھئی۔ تو اگر افراد مراد ہوں پھر تو یہ بات درست نہیں رہتی، تو یہاں کیا مراد ہے؟ جنس۔ توجہ ہے؟ اَلرَّجُلُ خَيْرٌ مِنَ الْمَرْأَةِ، جنسِ رجل بہتر ہے کس سے؟ جنسِ امراۃ سے۔ اس دنیا کے اندر مرد کو اللہ نے فوقیت دی ہے بھئی، مرد کو فوقیت نصیب فرمائی ہے، تو یہ معنی ہے جنسِ رجل بہتر ہے جنسِ امراۃ سے۔ تو اَلرَّجُلُ اور اَلْمَرْأَةِ آیا، اس کے ذریعے کس کی طرف اشارہ ہے؟ جنس اور ماہیت کی طرف، افراد کی طرف اشارہ نہیں۔

اور کبھی کبھار افراد کی طرف اشارہ ہوگا، تو پھر تمام افراد کی طرف اشارہ ہوگا یا بعض کی طرف۔ اگر تمام کی طرف اشارہ ہو تو یہ الف لام استغراقی ہے۔ جیسے قرآن میں اللہ فرماتے ہیں: وَالْعَصْرِ، قسم ہے زمانے کی، إِنَّ الْإِنْسَانَ لَفِي خُسْرٍ، یقیناً تمام انسان خسارے میں ہیں۔ اَلْإِنْسَانَ پر الف لام آیا اور یہ الف لام استغراقی ہے، اس کا معنی تمام اور کُل کے ساتھ کیا جاتا ہے، تمام انسان خسارے میں ہیں۔ توجہ ہے؟ تو یہ اگر تمام افراد کو اشارہ ہو تو یہ الف لام استغراقی۔

اور اگر بعض کی طرف اشارہ ہے، تو پھر وہ بعض معین ہوں گے یا معین نہیں۔ بعض معین ہوں گے یا معین نہیں۔ تو اگر وہ متعین ہیں، تو پھر اس کو الف لام عہدِ خارجی کہتے ہیں۔ جیسے میں آپ سے کہتا ہوں جَاءَنِي رَجُلٌ أَمْسِ، گزشتہ کل میرے پاس ایک آدمی آیا تھا۔ رَجُلٌ نکرہ میں لایا کیونکہ آپ اس کو نہیں جانتے۔ لیکن ایک دفعہ جب ذکر ہو گیا اب چیز متعین

ہو گئی۔ اب میں آپ سے کہتا ہوں تو میں نے اس آدمی کا اکرام کیا، تو میں کہوں گا فَأَكْرَمْتُ الرَّجُلَ، میں نے اس آدمی کا اکرام کیا۔ دیکھو ایک دفعہ چیز ذکر ہو گئی تو متعین ہو گئی، یعنی مخاطب سمجھ رہا ہے کس آدمی کی بات ہو رہی ہے۔ تو فَأَكْرَمْتُ الرَّجُلَ یہ اَلرَّجُلَ پر الف لام کون سا ہے؟ عہدِ خارجی کا ہے، خارج میں ایک متعین رجل ہے اس کی طرف اشارہ ہو رہا ہے۔ اور اگر ایسا نہ ہو، خارج میں کسی متعین کی طرف اشارہ نہ ہو، تو اس کو الف لام عہدِ ذہنی کہتے ہیں۔ جیسے قرآن میں مثال ہے: إِنِّي أَخَافُ أَنْ يَأْكُلَهُ الذِّئْبُ۔ اَلذِّئْبُ کے ذریعے اشارہ ہے کس کی طرف؟ ذِئْبٌ کے، کسی ایک بھیڑیے کا تصور کر لیا ذہن میں اور اس کی طرف الف لام کے ذریعے اشارہ کر دیا، تو یہ اَلذِّئْبُ بمعنی ذِئْبٌ کے ہے بھئی، یہ نکرہ ہے بھئی۔ بات سمجھ میں آگئی؟

پھر سنو بحث۔ الف لام دو قسم پر ہے: یا الف لام اسمی ہوگا یا الف لام حرفی۔ الف لام اسمی وہ ہے جو اسمِ فاعل اور اسمِ مفعول کے صیغوں پر داخل ہو اور یہ بمعنی الَّذِي کے ہوتا ہے۔ جبکہ الف لام حرفی وہ ہے جب کسی لفظ پر داخل ہوتا ہے اس کو معرفہ بنا دیتا ہے، اور یہ چار قسم پر ہے: یا الف لام جنسی ہوگا، یا استغراقی ہوگا، یا عہدِ خارجی ہوگا، یا عہدِ ذہنی۔ توجہ ہے؟ تو الف لام حرفی کی تقسیم پھر سنو۔ الف لام حرفی، اس کے ذریعے کسی چیز کی طرف اشارہ ہوتا ہے، تو اشارہ یا تو جنس اور ماہیت کی طرف ہوگا یا افراد کی طرف۔ اگر ماہیت اور جنس کی طرف اشارہ ہے تو یہ الف لام جنسی۔ اگر افراد کی طرف اشارہ ہے پھر دیکھیں گے، اس میں غور کریں گے کہ تمام افراد کو اشارہ ہے یا بعض کو۔ اگر تمام کو اشارہ ہو تو یہ الف لام استغراقی ہے۔ اگر بعض کو اشارہ ہے پھر دیکھیں گے کہ وہ بعض خارج میں متعین ہیں یا متعین نہیں۔ اگر وہ متعین ہیں، تو پھر یہ الف لام عہدِ خارجی ہے، اور اگر خارج میں وہ بعض متعین نہیں تو یہ الف لام عہدِ ذہنی ہے۔ تمام کو اشارہ ہوگا یا بعض کو۔ آپ یہ نہ کہیں تمام کو اشارہ ہوگا یا ایک کو۔ نہیں، ایک نہیں بھئی، بعض۔ ایک بھی ہو سکتا ہے، دو بھی ہو سکتے ہیں، زیادہ بھی ہو سکتے ہیں۔ اَلرَّجُلُ، دیکھو ایک آدمی کی طرف اشارہ ہے، وہ آدمی۔ اَلرَّجُلَانِ، کتنے کی طرف اشارہ ہے؟ وہ دو متعین آدمی۔ اَلرِّجَالُ، وہ کئی متعین آدمی۔ تو اشارہ یا تمام کو ہوگا یا بعض کو، وہ بعض ایک بھی ہو سکتا ہے، دو بھی ہو سکتے ہیں، زیادہ بھی ہو سکتے ہیں۔ توجہ ہے؟ تو اشارہ ہوگا تمام افراد کی طرف یا بعض کی طرف، پھر وہ بعض خارج میں متعین ہوں گے یا متعین نہیں۔ اگر متعین ہیں تو وہ الف لام عہدِ خارجی، اور اگر متعین نہیں تو وہ الف لام عہدِ ذہنی ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟

اب ہم دیکھتے ہیں وَلَقَدْ أَمُرُّ عَلَى اللَّئِيمِ يَسُبُّنِي، یہ اَللَّئِيمِ میں کون سا الف لام ہے؟ کون سا الف لام ہے؟ تو دیکھو یہ الف لام حرفی ہے، کیونکہ لَئِيمٌ یہ تو صفتِ مشبہ ہے، تو یہ الف لام اسمی نہیں ہے بلکہ الف لام حرفی، اسمِ فاعل یا اسمِ مفعول ہوتا تو پھر یہ الف لام اسمی ہوتا۔ تو یہ الف لام حرفی ہے۔ پھر الف لام حرفی کے ذریعے کسی چیز کی طرف اشارہ

ہوتا ہے، تو یہاں جنس کی طرف اشارہ نہیں ہو سکتا، جب میں کسی کمینے اور گھٹیا آدمی کی جنس پر گزروں تو وہ مجھے گالیاں دیتا ہے۔ جنس، بھئی جنس کا معنی جس سے وہ چیز، اس کی جو ماہیت ہے، حقیقت ہے، یعنی اس کا جو میٹیریل ہے جس سے وہ بنا ہے۔ تو مجھے بتائیے کہ کمینے اور گھٹیا آدمی کی ماہیت اور حقیقت گالیاں نکالنے والی ہوگی یا اس کے فرد گالیاں نکالنے والا ہوگا؟ اس کا فرد جو خارج میں ہے۔ تو یہاں الف لام جنسی نہیں ہے۔ معلوم ہوا جنس کی طرف اشارہ نہیں، تو افراد کی طرف اشارہ ہوگا۔ تو یہ الف لام استغراقی بھی نہیں ہو سکتا، کہ میں جب گزرتا ہوں تمام دنیا کے گھٹیا لوگوں پر، تمام دنیا کے گھٹیا لوگوں پر تو کوئی گزر ہی نہیں سکتا، کوئی کس جگہ ہے کوئی کس جگہ ہے۔ لہٰذا معلوم ہوا یہ الف لام جنسی بھی نہیں اور الف لام استغراقی بھی نہیں۔ پھر اس کے بعد یا الف لام عہدِ خارجی کا ہوگا یا عہدِ ذہنی کا۔ عہدِ خارجی کا بھی نہیں ہو سکتا، کہ وہ والا جو گھٹیا آدمی ہے جب میں اس کے پاس سے گزرتا ہوں اور مجھے گالیاں دیتا ہے تو میں خاموشی سے گزر جاتا ہوں، کوئی معین گھٹیا آدمی بھی یہاں مراد نہیں۔ بھئی کیوں نہیں مراد ہو سکتا کوئی معین؟ کہتے ہیں وجہ اس کی یہ ہے کہ شاعر اپنی، اپنے حلم، اپنی بردباری کی تعریف کر رہا ہے، اور مجھے بتائیے حلم اور بردباری اس شخص میں زیادہ ہوگی جو کسی ایک کی گالیاں برداشت کرے، یا حلم اور بردباری اس میں زیادہ ہوگی جو سب کی گالیاں آرام سے برداشت کرے؟ جو سب کی گالیاں برداشت کرے۔ لہٰذا معلوم ہوا اَللَّئِیمِ سے کوئی ایک متعین شخص مراد نہیں ہے۔ تو لہٰذا یہ الف لام عہدِ ذہنی کا لیں گے، اور یہ معنی کے اعتبار سے نکرہ ہے، میں کسی کمینے کے پاس سے گزرتا ہوں اور وہ مجھے گالیاں دیتا ہے تو میں گزر جاتا ہوں اور اس کی پروا بھی نہیں کرتا اور دل میں یہ کہتا ہوں کہ یہ میرا ارادہ نہیں ہے یہ کسی اور کو گالیاں نکال رہا ہے۔

تو دیکھو اس کے اندر الف لام آیا اور الف لام وضع ہے کس کے لیے؟ معین کی طرف اشارہ کرنے کے لیے، لیکن یہاں کس کے لیے استعمال کیا گیا؟ غیر معین کے لیے۔ اسی طرح اضافتِ معنویہ وضع تو ہے معین کے لیے، لیکن کبھی کبھار اس کو غیر معین کے لیے بھی استعمال کر لیا جاتا ہے، جیسے آپ کہتے ہیں جَاءَنِي غُلَامُ زَيْدٍ اور کسی معین غلام کا آپ نے ارادہ نہیں کیا بھئی۔ بات سمجھ میں آگئی؟

پھر دیکھیے، کہتے ہیں: قُلْنَا ہم کہتے ہیں ذٰلِكَ كَمَا أَنَّ الْمُعَرَّفَ بِاللَّامِ فِي أَصْلِ الْوَضْعِ لِمُعَيَّنٍ، کہ یہ اسی طرح ہے جیسے کہ معرف باللام جو ہے وہ اصل وضع میں تو کسی معین کے لیے ہے، ثُمَّ قَدْ يُسْتَعْمَلُ بِلَا إِشَارَةٍ إِلَى مُعَيَّنٍ، پھر اس کو کبھی کبھار استعمال کر لیا جاتا ہے کسی معین کی طرف اشارہ کیے بغیر ہی، كَمَا فِي قَوْلِهِ جیسے کہ شاعر کے اس قول میں ہے: وَلَقَدْ أَمُرُّ عَلَى اللَّئِيمِ يَسُبُّنِي، اور تحقیق جب میں گزرتا ہوں کسی ایسے کمینے شخص پر جو مجھے گالیاں نکالتا ہے۔ تو یہ اَللَّئِیمِ کے اندر الف لام معین کے لیے استعمال نہیں ہوا بھئی۔ وَذٰلِكَ عَلَى خِلَافِ وَضْعِهِ، اور یہ اس کی وضع کے خلاف ہے۔ معرف

باللام تو کس کے لیے وضع ہے؟ معین کے لیے، لیکن کبھی غیر معین کے لیے بھی استعمال کر لیا جاتا ہے تو یہ اس کی وضع کے خلاف ہے۔

آگے دیکھیے: وَلَيْسَ يَجْرِي هٰذَا الْحُكْمُ فِي نَحْوِ غَيْرٍ وَمِثْلٍ۔ صاحب جامی فرما رہے ہیں کہ اضافت معنویہ کو کس لیے وضع کیا گیا ہے؟ کہ یہ مضاف کے معلوم ہونے پر دلالت کرے، کہ یہ مضاف کیا ہے؟ معلوم اور متعین ہے۔ لیکن یاد رکھنا، یہ حکم مِثْلٌ اور غَيْرٌ جیسے لفظوں میں جاری نہیں ہوگا۔ میں نے آپ کو بتلایا تھا کچھ لفظ ایسے ہیں کہ جو معرفہ کی طرف مضاف ہو جائیں پھر بھی معرفہ نہیں بنتے، جیسے مِثْلٌ، غَيْرٌ، شِبْهٌ، أَحَدٌ وغیرہ۔ یہ معرفہ کی طرف مضاف ہو جائیں پھر بھی معرفہ نہیں بنتے۔ مثلاً میں آپ سے کہتا ہوں جَاءَنِي غَيْرُكَ، آپ کے علاوہ ایک آدمی میرے پاس آیا تھا۔ جَاءَنِي غَيْرُكَ، تو غَيْرُ کی اضافت کاف ضمیر کی طرف ہو رہی ہے اور ضمیر معرفہ ہے، لیکن اس کے باوجود یہ غَيْرُ نکرہ کا نکرہ ہے۔ معرفہ کسے کہتے ہیں؟ جو کسی متعین ذات پر دلالت کرے۔ میں نے کہا زَيْدٌ، فوراً آپ کے ذہن میں زید کی صورت آگئی۔ میں نے کہا غُلَامُ زَيْدٍ، آپ کے ذہن میں فوراً زید کے غلام کی صورت آگئی۔ لیکن جب میں نے کہا جَاءَنِي غَيْرُكَ میرے پاس آپ کے علاوہ ایک آدمی آیا تھا، تو غَيْرُكَ، آپ کے علاوہ، کوئی معین آپ کے ذہن میں آیا؟ آپ کے علاوہ، آپ کے علاوہ تو زید بھی ہو سکتا ہے، عمرو، بکر، خالد کوئی بھی دنیا کا آدمی ہو سکتا ہے، تو دیکھو یہ متعین پر دلالت نہیں کر رہا۔ تو غَيْرٌ، یہ معرفہ کی طرف مضاف ہو جائے پھر بھی یہ معرفہ نہیں بنتا۔ یا مِثْلٌ کا لفظ دیکھ لو، میں آپ سے کہتا ہوں جَاءَنِي مِثْلُكَ، کہ میرے پاس آپ کے مثل ایک شخص آیا تھا۔ کیا آپ کو پتا چلا میں نے کس کی بات کی؟ نہیں، کیونکہ مِثْلٌ آپ کا مثل، آپ جیسا، کس چیز میں مثل ہے؟ آپ کی جتنی صفات ہیں کسی کی بھی آپ کے ساتھ مشابہت ہو وہ سب آپ کے مثل ہیں بھئی، تو پتا نہیں چلے گا کہ کون شخص یہاں مراد ہے بھئی۔ یا مثلاً وہاں دس آدمی ہیں، دس آدمی کھڑے ہیں، میں آپ سے کہتا ہوں جَاءَنِي أَحَدُهُمْ، میرے پاس ان میں سے کوئی ایک آیا تھا۔ کیا آپ کو پتا چلا کون سا والا ایک آیا ہے؟ نہیں، کسی متعین کا پتا نہیں چلا، اگرچہ أَحَدٌ کی اضافت هُمْ ضمیر کی طرف ہو رہی ہے۔ تو معلوم ہوا یہ مِثْلٌ، غَيْرٌ، شِبْهٌ، أَحَدٌ وغیرہ جیسے لفظ جو ہیں یہ معرفہ کی طرف مضاف ہو جائیں پھر بھی یہ معرفہ نہیں بنتے، نکرہ ہی رہتے ہیں۔ تو صاحب جامی کیا فرما رہے تھے؟ کہ اضافت معنویہ وضع ہے کس لیے؟ کہ یہ مضاف کے معلوم ہونے پر دلالت کرتی ہے جب اضافت کس کی طرف ہو؟ معرفہ کی طرف۔ لیکن غَيْرٌ اور مِثْلٌ جیسے الفاظ اس ضابطے سے مستثنیٰ ہیں، وہ معرفہ نہیں ہوتے۔

تو کہتے ہیں: وَلَيْسَ يَجْرِي هٰذَا الْحُكْمُ فِي نَحْوِ غَيْرٍ وَمِثْلٍ، کہتے ہیں لیکن یہ حکم جاری نہیں ہوتا غَيْرٌ اور مِثْلٌ جیسے لفظوں میں۔ فَإِنَّ إِضَافَتَهُمَا لَا تُفِيدُ التَّعْرِيفَ، اس لیے کیونکہ ان کی اضافت جو ہے وہ تعریف کا فائدہ نہیں دیتی، مضاف معرفہ نہیں بنتا، وَإِنْ كَانَ مَعَ الْمُضَافِ إِلَيْهِ الْمَعْرِفَةِ، اگرچہ یہ کس کے ساتھ آجائیں؟ ایسے مضاف الیہ کے ساتھ جو معرفہ ہو اس کے ساتھ ہی کیوں نہ آجائیں، لِتَوَغُّلِهِمَا فِي الْإِبْهَامِ، بوجہ ان کے ابہام میں پختہ ہونے کے۔ میں نے آپ کو بتلایا تھا تَوَغُّل کا معنی

ہے کسی چیز میں گھستے چلے جانا، دور تک چلے جانا، اور اسی طرح تَوَغُّل کا معنی ہے کسی چیز میں مضبوط اور پختہ ہونا، تو یہاں اس معنی میں ہے۔ لِتَوَغُّلِهِمَا فِي الْإِبْهَامِ یہ معنی نہ کرو کیونکہ یہ ابہام میں دور تک نکل گئے ہیں، بلکہ معنی کیا ہے لِتَوَغُّلِهِمَا فِي الْإِبْهَامِ کیونکہ یہ ابہام میں پختہ ہیں، مضبوط ہیں، ابہام میں پختہ اور مضبوط ہیں یعنی ان میں جو ابہام ہے وہ بڑا پختہ اور مضبوط ہے، معرفہ کی طرف اضافت کر دیں پھر بھی وہ ابہام ختم نہیں ہوتا۔ تو کہتے ہیں لِتَوَغُّلِهِمَا فِي الْإِبْهَامِ بوجہ ان کے ابہام کے اندر پختہ اور مضبوط ہونے کے۔

إِلَّا أَنْ يَكُونَا، جی اب یہاں سے آپ کو صاحب جامی ایک بڑی قیمتی بات بتلائیں گے کہ بھئی کبھی کبھی غَيْرٌ یہ بھی معرفہ بن جاتا ہے، کبھی کبھی مِثْلٌ بھی معرفہ بن جاتا ہے۔ بھئی کیسے؟ آپ کو بتائیں گے کہ بعض اوقات ایک چیز کی ایک ہی ضد ہوتی ہے، ایک چیز کی ایک ہی ضد ہوتی ہے، ایک ہی چیز اس کے مخالف ہوتی ہے، تو وہاں پر غَيْرٌ بھی معرفہ بن جائے گا جب اس کی اضافت اس کی ضد کی طرف کر دی جائے۔ جیسے یہ آگے ایک سطر کے بعد آ رہا ہے: عَلَيْكَ بِالْحَرَكَةِ غَيْرِ السُّكُونِ۔ عبارت پر نظر رکھیے: عَلَيْكَ بِالْحَرَكَةِ غَيْرِ السُّكُونِ، آپ حرکت کو لازم پکڑیں غَيْرِ السُّكُونِ سکون کے علاوہ۔ اب اس کے اندر دیکھو، ادھر دیکھیے: حرکت کی ضد کیا؟ سکون۔ اور سکون کی ضد کیا؟ حرکت۔ تو حرکت کی ایک ہی ضد ہے سکون، اور سکون کی ایک ہی ضد ہے حرکت۔ تو جب آپ ایک پر غَيْرٌ کا لفظ داخل کریں گے تو وہ دوسرا مراد ہو جائے گا تو معرفہ ہو گیا۔ غَيْرُ الْحَرَكَةِ کا کیا معنی؟ سکون، دیکھو، دیکھو متعین ہے یا نہیں؟ اور غَيْرُ السُّكُونِ کا کیا معنی؟ حرکت، تو دیکھو تو یہ بھی متعین ہے۔ تو جہاں ایک چیز کی ایک ہی ضد ہو، وہاں غَيْرٌ کی اضافت جب آپ کریں گے تو وہ معرفہ بن جائے گا۔

توجہ ہے؟ تو یہاں اس ترکیب میں دیکھو: عَلَيْكَ بِالْحَرَكَةِ، اَلْحَرَكَة یہ موصوف ہے۔ عبارت پر نظر ہے؟ عَلَيْكَ بِالْحَرَكَةِ، یہ اَلْحَرَكَة لفظ کیا ہے؟ معرفہ ہے اور یہ موصوف ہے، غَيْرِ السُّكُونِ یہ مضاف مضاف الیہ مل کر اس کی صفت بن رہے ہیں۔ تو غَيْرِ السُّكُونِ دیکھو غَيْرُ معرفہ کی صفت بن رہا ہے، اور موصوف صفت کا اعراب ایک ہوتا ہے، تو اَلْحَرَكَةِ مجرور ہے تو غَيْرِ السُّكُونِ یہ غَيْرِ بھی کیا ہے؟ مجرور۔ توجہ ہے؟ غَيْرُ ویسے تو معرفہ نہیں بنتا، تو ویسے تو یہ معرفہ کی صفت نہیں بنے گا، لیکن جب کسی چیز کی ایک ہی ضد ہو اور، تو پھر وہاں پر وہ معرفہ بن جائے گا، تو یہاں بھی غَيْرِ السُّكُونِ مضاف مضاف الیہ مل کر کیا بن گئے؟ معرفہ، لہٰذا یہ معرفہ کی اَلْحَرَكَةِ کی صفت بن جائیں گے۔ بات سمجھ میں آ گئی؟

تو کہتے ہیں، اب پیچھے عبارت دیکھیے: کہتے ہیں إِلَّا أَنْ يَكُونَ لِلْمُضَافِ إِلَيْهِ ضِدٌّ وَاحِدٌ، مگر یہ کہ مضاف الیہ کی ایک ہی ایسی ضد ہو يُعْرَفُ بِغَيْرِيَّتِهِ کہ اس ضد کو جانا جاتا ہے بِغَيْرِيَّتِهِ مضاف الیہ کے غیر ہونے کے ذریعے۔ عبارت دیکھ لو بھئی مشکل ہے عبارت۔ ادھر دیکھیے، اس عبارت میں آؤ: عَلَيْكَ بِالْحَرَكَةِ غَيْرِ السُّكُونِ۔ مضاف الیہ کون ہے؟ اَلسُّكُونُ۔ یہ اَلسُّكُونُ۔ اس اَلسُّكُونُ کی ایک ہی ضد ہے، توجہ ہے؟ اس مضاف الیہ کی ایک ہی ضد ہے، اور وہ ضد کس کے ذریعے جانی جائے گی؟

اس سے غیر ہونے کے ذریعے۔ جو اس سکون سے غیر ہوگا اس کے علاوہ ہے وہ کیا ہے؟ حرکت ہے، وہ اس کی ضد ہے۔ نہیں توجہ؟ سکون کی ضد کیا؟ حرکت ہے، ایک ہی ضد ہے اس کی۔ تو یہ غَيْرِ السُّكُونِ، غَيْرِ مضاف اَلسُّكُونِ مضاف الیہ، اس مضاف الیہ کی ایک ہی ضد ہے اور اس کو جانا جائے گا، وہ پہچانی جاتی ہے، کس طرح پہچانی جاتی ہے؟ اس کے غیر ہونے سے۔ جب آپ غَيْرِ السُّكُونِ کہہ دیں گے تو اس کی ضد حرکت پہچانی جاتی ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو یہ ترجمہ پھر دیکھیے: إِلَّا أَنْ يَكُونَ لِلْمُضَافِ إِلَيْهِ ضِدٌّ وَاحِدٌ، لیکن یہ کہ اس مضاف الیہ کی ایک ہی ایسی ضد ہو کہ يُعْرَفُ کہ اس ضد کو جانا جاتا ہو، پہچانا جاتا ہو بِغَيْرِيَّتِهِ مضاف الیہ کے غیر ہونے کے ذریعے، مضاف الیہ کے غیر ہونے کے ذریعے ہی اس کو جان لیا جاتا ہے۔ غَيْرِ السُّكُونِ جب کہہ دیا تو آپ کے ذہن میں فوراً کیا آگیا؟ کہ اس سے کیا مراد ہے؟ حرکت مراد ہے بھئی۔ كَقَوْلِكَ جیسے کہ آپ کا یہ قول ہے: عَلَيْكَ بِالْحَرَكَةِ غَيْرِ السُّكُونِ۔ یہاں تک عبارت سمجھ میں آگئی؟ اَلْحَرَكَةِ موصوف ہے اور غَيْرِ السُّكُونِ مضاف مضاف الیہ مل کر اس کی صفت، اور اَلْحَرَكَةِ معرفہ اور معرفہ کی صفت بھی کیا ہوتی ہے؟ معرفہ، تو یہ یہاں غَيْرُ کا لفظ معرفہ ہو چکا ہے۔

وَكَذٰلِكَ إِذَا كَانَ لِلْ... اچھا، یہ دیکھا اس صورت میں کبھی کبھار غَيْرٌ بھی معرفہ بن جاتا ہے جب مضاف الیہ کی ایک ہی ضد ہو، تو اس صورت میں وہ غَيْرٌ کا لفظ معرفہ بن جائے گا۔ اسی طرح یاد رکھو مِثْلٌ، مِثْلٌ کا لفظ بھی کبھی کبھار معرفہ بن جائے گا، جب ایک چیز دوسری چیز کے مثل ہونے میں مشہور ہو، ایک چیز دوسری چیز کے مثل ہونے میں مشہور ہو۔ جیسے زید بہت بڑا عالم ہے اور بکر بھی علم کے اندر اس کے مثل ہونے میں مشہور ہے، زید مثلاً کیا ہے؟ بہت بڑا عالم ہے اور بکر اس کے مثل ہونے میں مشہور ہے، اب میں آپ سے کہتا ہوں جَاءَنِي مِثْلُ زَيْدٍ، میرے پاس زید کا مثل آیا تھا، اور زید کا مثل کے اندر کون مشہور ہے؟ بکر مشہور ہے علم کے اندر اس کے مثل ہونے میں، تو اب میں نے کہا جَاءَنِي مِثْلُ زَيْدٍ تو اب یہ مثل بھی کیا ہو گیا؟ معرفہ ہو گیا اور اس سے وہ بکر مراد ہے۔ توجہ ہے؟ مِثْلٌ کا لفظ بھی معرفہ کب ہوگا؟ جب اس سے ایک ایسی چیز مراد لی جائے جو کسی کے مثل ہونے میں مشہور ہے۔

کہتے ہیں: وَكَذٰلِكَ اور اسی طرح ہے إِذَا كَانَ لِلْمُضَافِ إِلَيْهِ مِثْلٌ جب مضاف الیہ کے لیے کوئی ایسا مثل ہو اِشْتَهَرَ بِمُمَاثَلَتِهِ جو مشہور ہے اس کے مماثل ہونے میں فِي شَيْءٍ مِنَ الْأَشْيَاءِ چیزوں میں سے کسی چیز میں، جو اس کے مثل ہے چیزوں میں سے کسی چیز میں یعنی کسی صفت میں اس کے مثل ہے، كَالْعِلْمِ وَالشَّجَاعَةِ جیسے علم کے اندر یا شجاعت بہادری میں، کوئی شخص کسی دوسرے کے مثل ہونے میں مشہور ہے۔ یا دوسری مثال دیکھو، زید بڑا بہادر ہے، زید کی شہرت ہے اور بکر بھی کیا ہے؟ شجاعت میں زید کے مثل ہے، تو اب میں آپ سے کہتا ہوں جَاءَنِي مِثْلُ زَيْدٍ میرے پاس زید کا مثل آیا تھا یعنی شجاعت کے اندر میں ارادہ کرتا ہوں، تو اب اس سے وہ بکر مراد ہوگا۔ دیکھو مِثْلُ زَيْدٍ یہاں مِثْلٌ کا لفظ معرفہ ہو گیا۔

تو کہتے ہیں فَقِيلَ لَهُ تو اسے کہا جاتا ہے جَاءَ مِثْلُكَ، مخاطب کسی چیز میں مشہور ہے اور کوئی دوسرا اس کے مثل ہے، تو اب میں کہتا ہوں جَاءَ مِثْلُكَ، كَانَ مَعْرِفَةً تو یہ جو مِثْلٌ کا لفظ ہے یہ معرفہ ہوگا إِذَا قُصِدَ الَّذِي يُمَاثِلُهُ فِي الشَّيْءِ الْفُلَانِيِّ جب ارادہ کیا جائے اس کا جو اس کے مماثل ہے اس فلانی شے میں یعنی بہادری میں یا علم میں۔ بات بھی سمجھ میں آئی یا نہیں؟ کبھی کبھار غَيْرٌ کا لفظ بھی کیا ہوگا؟ معرفہ، جب مضاف الیہ کا ایک ہی ضد ہو، غَيْرٌ جس پر داخل ہو رہا ہے جو غَيْرٌ کا مضاف الیہ ہے جب اس کی ایک ہی ضد ہو تو یہاں غَيْرٌ بھی معرفہ بن جائے گا۔ اور اسی طرح مِثْلٌ کا لفظ بھی کبھی معرفہ بنے گا، مِثْلٌ مضاف ہے اور آگے کیا آئے گا مضاف الیہ، جب کوئی چیز اس مضاف الیہ کے ساتھ یا کوئی شخص اس مضاف الیہ کے ساتھ مثل ہونے میں مشہور ہے کسی خاص وصف میں، تو جب آپ اس کی طرف اضافت کرتے ہیں جَاءَنِي مِثْلُكَ اور یہاں اس خاص چیز کے اندر مثل مراد لیتے ہیں، آپ خاص چیز کے اندر اس کا مثل مراد لیتے ہیں، تو یہاں مِثْلٌ کا لفظ کیا بن گیا؟ معرفہ بن گیا، اس سے وہی متعین شخص مراد ہے یعنی مثلاً بکر ہے بھئی۔ بات سمجھ میں آگئی؟

آگے دیکھیے: وَتُفِيدُ الْإِضَافَةُ الْمَعْنَوِيَّةُ، جی آگے آسان ہے۔ اضافت معنویہ، ادھر دیکھیے: اضافت معنویہ میں معرفہ کی طرف اضافت ہو تو وہ تعریف کا فائدہ دے گی اور نکرہ کی طرف اضافت ہو تو وہ تخصیص کا، وہی بیان کر رہے ہیں۔ وَتُفِيدُ الْإِضَافَةُ الْمَعْنَوِيَّةُ تَخْصِيصًا اور اضافت معنویہ تخصیص کا فائدہ دیتی ہے، أَيْ تَخْصِيصَ الْمُضَافِ یعنی مضاف کی تخصیص کا، مَعَ الْمُضَافِ إِلَيْهِ النَّكِرَةِ کس کے ساتھ؟ جب مضاف الیہ نکرہ ہو۔ نَحْوُ غُلَامُ رَجُلٍ جیسے غُلَامُ رَجُلٍ بھئی۔ فَإِنَّ التَّخْصِيصَ تَقْلِيلُ الشُّرَكَاءِ اس لیے کیونکہ تخصیص جو ہے وہ تَقْلِيلُ الشُّرَكَاءِ شرکاء کو کم کرنا، وہ جو شریک ہیں جن پر یہ لفظ صادق آرہا ہے ان کو کم کرنا۔ غلام پہلے دنیا کے ہر غلام پر صادق آرہا تھا، چاہے مرد کا غلام ہو چاہے عورت کا، لیکن جب میں نے رَجُلٌ کی طرف اضافت کر دی غُلَامُ رَجُلٍ تو اب یہ صرف مرد کے غلاموں پر تو صادق آئے گا عورت کے غلاموں پر صادق نہیں آئے گا، تو دیکھو شرکاء کم ہو گئے، تو یہ تخصیص ہے بھئی۔

کہتے ہیں فَإِنَّ التَّخْصِيصَ تَقْلِيلُ الشُّرَكَاءِ اس لیے کیونکہ تخصیص جو ہے وہ شرکاء کو کم کرنا ہے، وَلَا شَكَّ أَنَّ الْغُلَامَ قَبْلَ إِضَافَتِهِ إِلَى رَجُلٍ اور اس بات میں کوئی شک نہیں کہ غلام کا جو لفظ ہے رَجُلٌ کی طرف اس کی اضافت کرنے سے پہلے یہ جو لفظ ہے كَانَ مُشْتَرَكًا بَيْنَ غُلَامِ رَجُلٍ وَغُلَامِ امْرَأَةٍ یہ مشترک تھا غلامِ رجل کے اندر بھی اور غلامِ امراۃ بھی۔ صرف غلام کا لفظ بولو تو یہ غلامِ رجل پر بھی بولا جائے گا اور غلامِ امراۃ پر بھی، یہ سب کے اندر مشترک تھا۔ پھر فَلَمَّا أُضِيفَ إِلَى رَجُلٍ پھر جب اس کی اضافت کر دی گئی رَجُلٌ کی طرف خَرَجَ عَنْهُ غُلَامُ امْرَأَةٍ تو اب اس سے غلامِ امراۃ نکل گئے، اب یہ غُلَامُ رَجُلٍ کا لفظ غلامِ امراۃ پر نہیں بولا جا سکتا۔ وَقَلَّتِ الشُّرَكَاءُ فِيهِ اور اس کے اندر شرکاء کم ہو گئے، اور یہی تخصیص ہے۔ شرکاء کو کم کرنا یہ کیا ہے؟ تخصیص ہے۔ تو یہ معنی ہے، کہتے ہیں فَلَمَّا أُضِيفَ إِلَى رَجُلٍ جب اس غلام کے لفظ کی اضافت کر دی گئی

رَجُلٌ کے لفظ کی طرف خَرَجَ عَنْهُ غُلَامُ امْرَأَةٍ تو اس سے غلامِ امراۃ نکل گئے، وَقَلَّتِ الشُّرَكَاءُ فِيهِ اور اس میں شرکاء قلیل ہو گئے۔

بات سمجھ میں آ گئی؟ تو جب نکرہ کی اضافت معرفہ کی طرف ہو تو مضاف کیا بن جائے گا؟ معرفہ۔ اور جب نکرہ کی اضافت نکرہ کی طرف ہو تو وہ معرفہ تو نہیں بنے گا لیکن اس میں تخصیص آ جائے گی یعنی شرکاء کم ہو جائیں گے۔ جی، چلیے بس کریں بھئی، یہاں تک حل ہو گیا سارا؟ چلیے بس بھئی، هٰذَا هُوَ الْمَرَامُ وَاللّٰهُ أَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْكَلَامِ۔

سبق نمبر ۱۸۷: الاضافۃ(۴): اضافتِ معنویہ میں مضاف کا تنوین و ال سے مجرد ہونا

شرحِ ملا جامی صفحہ: ۱۶۶ — بتاریخ: ۳ ستمبر ۲۰۲۲ء

▪ تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث

دیکھیے بھئی سبق آگے: وَشَرْطُهَا أَيْ شَرْطُ الْإِضَافَةِ الْمَعْنَوِيَّةِ تَجْرِيْدُ الْمُضَافِ إِذَا كَانَ مَعْرِفَةً مِنَ التَّعْرِيْفِ، فَإِنْ كَانَ ذَا اللَّامِ حُذِفَ لَامُهُ، وَإِنْ كَانَ عَلَمًا نُكِّرَ بِأَنْ يُجْعَلَ وَاحِدًا مِنْ جُمْلَةِ مَنْ سُمِّيَ بِذٰلِكَ الِاسْمِ، وَإِنْ لَمْ يَكُنْ مَعْرِفَةً فَلَا حَاجَةَ إِلَى التَّجْرِيْدِ بَلْ لَا يُمْكِنُ.

بھئی گزشتہ سبق میں آپ نے پڑھا تھا کہ اضافتِ معنویہ وہ معرفہ کے ساتھ تعریف کا فائدہ دیتی ہے، یعنی جب آپ نکرہ کی اضافت معرفہ کی طرف کرتے ہیں تو پھر اس صورت میں وہ نکرہ بھی یعنی وہ جو مضاف ہے وہ بھی معرفہ بن جائے گا۔ اور جب کہ نکرہ کے ساتھ اضافتِ معنویہ تخصیص کا فائدہ دیتی ہے، یعنی جب مضاف نکرہ ہے اور آپ اس کی اضافت نکرہ کی طرف کرتے ہیں تو وہ تخصیص کا فائدہ دے گی، یعنی وہاں اشتراک کم ہو جائے گا، افراد کیا ہو جائیں گے اس کے کم۔ جیسے غُلَامٌ یہ دنیا کے ہر غلام پر صادق ہے، لیکن جب آپ اس کی اضافت کر دیں گے رَجُلٌ کی طرف، رَجُلٌ بھی نکرہ ہے، غُلَامُ رَجُلٍ، تو اس سے غُلَامِ اِمْرَأَةٍ نکل گئے، اب ان پر یہ لفظ صادق نہیں آئے گا، تو دیکھو شرکاء قلیل ہو گئے، تو اس کو کیا کہتے ہیں تخصیص۔ تو حاصلِ کلام کیا ہوا کہ اضافتِ معنویہ معرفہ کے ساتھ تعریف کا فائدہ دیتی ہے اور نکرہ کے ساتھ تخصیص کا فائدہ دیتی ہے۔

پھر اس کے بعد صاحبِ جامی نے آپ کو بتلایا تھا کہ یہ جو اضافتِ معنویہ ہے اس کو وضع ہی اس لیے کیا گیا ہے تا کہ یہ مضاف کے معلوم اور متعین ہونے پر دلالت کرے، جب یہ اضافت کس کی طرف ہو رہی ہو؟ معرفہ کی طرف۔ جب معرفہ کی طرف اضافت ہو رہی ہو تو یہ والی اضافتِ معنویہ اس کو وضع ہی اس لیے کیا گیا ہے کہ یہ مضاف کے معلوم اور متعین ہونے پر دلالت کرے۔ جیسے غُلَامُ زَيْدٍ یہ اضافتِ معنویہ ہے۔ اب غلام عام تھا دنیا کے ہر غلام پر صادق آتا ہے، لیکن جب آپ نے اس کی اضافت کس کی طرف کر دی؟ زید یعنی معرفہ کی طرف، تو یہ اضافت وضع ہی کس لیے ہے کہ یہ

اس غلام کے معہود اور متعین ہونے پر دلالت کرے۔ معلوم ہوا غُلَامُ زَیْدٍ یہ زید کا کوئی متعین غلام ہے، اس کی بات ہو رہی ہے۔

اور پھر میں نے بتایا تھا یہاں ایک صورت تو یہ ہے زید کا غلام ہی ایک ہے، تو جب غُلَامُ زَیْدٍ کہیں گے تو وہ متعین غلام مراد ہوا۔ دیکھو مضاف اب متعین ہے۔ وہ یہ غلام کیا ہے؟ اب متعین ہے جب زید کی طرف اضافت ہو گئی کیونکہ زید کا ایک ہی غلام ہے۔ یا اگر زید کے زیادہ غلام ہیں اور ان میں سے کوئی ایک غلام جو ہے اس کا اختصاص زید کے ساتھ زیادہ ہے، زید کے ساتھ اس کا تعلق زیادہ ہے یا وہ زیادہ مشہور ہے، زید کی وہ زیادہ خدمت کرتا ہے یا وہ زیادہ سمجھدار ہے، وہ مشہور ہے زید کے غلاموں میں سے، تو جب غُلَامُ زَیْدٍ کہیں گے تو فوراً وہ والا متعین مشہور غلام مراد ہو گا۔ یا ہو سکتا ہے زید کے کئی غلام ہیں، چاہے مشہور ان میں کوئی ہے یا نہیں ہے، لیکن آپ کے اور مخاطب کے درمیان زید کا ایک متعین غلام مثلاً عمرو ہے، کوئی ایک بھی غلام اس کا، اس کا نام کیا ہے عمرو، اس کے بارے میں آپ کے اور مخاطب کے درمیان بات چل رہی تھی۔ تو جب آپ غُلَامُ زَیْدٍ کہیں گے تو اس سے یہ والا متعین غلام مراد ہو گا جس کا ابھی ذکر چل رہا تھا۔ تو بہرحال جو بھی صورت آپ بنا لیں چاہے ایک غلام ہو یا زیادہ غلام ہوں، جب غُلَامُ زَیْدٍ آپ بولیں گے تو اس سے کیا مراد ہو گا؟ کوئی ایک معلوم اور متعین غلام مراد ہو گا۔

جبکہ بعض شارحین نے یہاں اور تقریر کی تھی۔ انہوں نے کہا تھا کہ جب کسی چیز کی نسبت کی جائے معلوم اور متعین کی طرف، جب کسی چیز کی نسبت کی جائے کسی معلوم اور متعین کی طرف یعنی معرفہ کی طرف نسبت کی جائے تو وہ جو منسوب ہے، جس کی نسبت کی جا رہی ہے، وہ بھی معلوم اور متعین ہو گا۔ صاحبِ جامی نے تو کیا فرمایا کہ معرفہ کی طرف جو اضافتِ معنویہ ہے یہ وضع ہی کس لیے ہے کہ مضاف بھی معلوم اور متعین ہو گا، اس پر وہ دلالت، مضاف کے معلوم اور متعین ہونے پر دلالت کرے گی۔ جبکہ بعضوں نے یہ اور تقریر کی، انہوں نے کہا کہ دیکھو غُلَامُ زَیْدٍ یہ غلام کی نسبت کس کی طرف ہو رہی ہے؟ زید کی طرف۔ تو جب بھی کسی چیز کی نسبت کسی معین کی طرف کی جائے گی تو اس کے ساتھ لازم ہے کہ وہ جو منسوب ہے وہ بھی معلوم اور متعین ہو گا۔ کیا بات ہوئی؟ بعض شارحین نے کہا کہ غُلَامُ زَیْدٍ یہ غلام کی نسبت ہو رہی ہے کس کی طرف؟ زید کی طرف۔ تو جب بھی کسی چیز کی نسبت کی جائے کسی معلوم اور متعین کی طرف تو اس کے ساتھ لازم ہے کہ وہ جو منسوب ہے وہ بھی کیا ہو گا معلوم اور متعین ہو گا۔

تو صاحبِ جامی فرماتے ہیں نہیں یہ ضروری نہیں۔ اور اس کی مثال پھر محشی حضرات ذکر فرماتے ہیں جیسے دیکھو غُلَامٌ لِزَیْدٍ۔ اضافت نہ کرو بلکہ لام کو ظاہر کر دو غُلَامٌ لِزَیْدٍ۔ اب دیکھو اس غلام کی نسبت بھی کس کی طرف ہو رہی ہے؟ زید کی طرف، اور بعض شارحین نے کیا کہا تھا جب کسی چیز کی نسبت کسی معلوم اور متعین کی طرف ہو تو اس کے ساتھ لازم

ہے وہ جو منسوب ہے وہ بھی کیا ہو گا معلوم اور متعین، حالانکہ یہاں غلام نکرہ ہے کوئی معلوم اور متعین نہیں غُلَامٌ لِزَيْدٍ۔ غُلَامُ زَيْدٍ اضافت کرو پھر تو معلوم اور متعین ہے، جب اضافت نہیں کرو گے پھر تو معلوم اور متعین نہیں حالانکہ نسبت ہو رہی ہے، آپ نے کیا کہا تھا جب کسی معلوم اور متعین کی طرف کسی چیز کی نسبت ہو گی تو منسوب بھی کیا ہو گا معلوم اور متعین۔ غُلَامٌ لِزَيْدٍ اس غلام کی نسبت کس کی طرف ہے؟ زید کی طرف، لیکن یہ غُلَامٌ ابھی بھی نکرہ ہے، یہ معلوم اور متعین نہیں۔ یا دوسری مثال جیسے میں نے ذکر کی تھی ضَرَبَ زَيْدٌ، ضَرَبَ فعل ہے اور اس کی نسبت کس کی طرف ہو رہی ہے؟ زید کی طرف جو معلوم اور متعین ہے، اور آپ نے ہمیں کیا کہا جب بھی کسی چیز کی نسبت معلوم اور متعین کی طرف ہو گی تو وہ جو منسوب ہے وہ بھی کیا ہو گا معلوم اور متعین، حالانکہ تعریف و تنکیر میں نے بتایا تھا یہ تقسیم صرف اسم کے اندر ہے، جو حروف ہیں اور فعل جو ہیں وہ معرفہ نہیں ہوتے کبھی بھی، وہاں یہ تعریف اور تنکیر والی تقسیم نہیں۔ تو اب ضَرَبَ زَيْدٌ، ضَرَبَ فعل کی نسبت کس کی طرف ہو رہی ہے؟ زید کی طرف، اور آپ نے ہمیں کیا کہا جب بھی کسی چیز کی نسبت کسی معلوم اور متعین کی طرف ہو گی تو جو منسوب ہو گا وہ بھی کیا بن جائے گا معلوم اور متعین، لیکن ضَرَبَ زَيْدٌ میں یہ ضَرَبَ معلوم اور متعین نہیں ہوا، اس میں تعریف نہیں آئی۔ معلوم ہوا آپ کا یہ ضابطہ ہر جگہ صحیح نہیں ہوتا۔ تو بات وہی جو صاحبِ جامی نے ذکر کی کہ اضافتِ معنوی کو وضع ہی اس لیے کیا گیا ہے تا کہ یہ مضاف کے معلوم اور متعین ہونے پر دلالت کرے جب مضاف الیہ معرفہ ہو بھئی۔

اس پر پھر اشکال ہوا تھا کہ کبھی کبھار غُلَامُ زَيْدٍ کا لفظ مثلاً بول دیتے ہیں، معرفہ کی طرف ایک لفظ کی اضافت کر دیتے ہیں، لیکن وہ معلوم اور متعین پر دلالت نہیں کرتا۔ مثلاً زید کے کئی غلام ہیں اور آپ مخاطب کو بتلاتے ہیں کہ میرے پاس زید کا کوئی ایک غلام آیا تھا تو آپ کیا کہتے ہیں؟ جَاءَنِيْ غُلَامُ زَيْدٍ۔ اب اس سے کوئی متعین غلام زید کا مراد نہیں، کوئی ایک غلام میرے پاس زید کا آیا تھا۔ حالانکہ آپ نے ہمیں کیا بتایا معرفہ کی طرف جب اضافتِ معنوی کی جائے تو یہ وضع ہی کس لیے ہے؟ تعریف کے لیے کہ مضاف بھی کیا ہوتا ہے معلوم اور متعین، لیکن کبھی کبھار غُلَامُ زَيْدٍ جیسا لفظ بول دیا جاتا ہے یعنی معرفہ کی طرف اضافت کر دی جاتی ہے اور وہاں حالانکہ مضاف کوئی متعین اور معلوم نہیں ہوتا۔ تو صاحبِ جامی نے اس کا جواب دیا کہ بھئی یہ استعمال کے اعتبار سے ہے، وضع اور چیز ہے استعمال اور چیز۔ یہ اضافتِ معنویہ جب معرفہ کی طرف اضافت ہو تو یہ وضع اسی لیے ہے کہ مضاف بھی کیا ہے معلوم اور متعین، لیکن کبھی کبھار غیر معلوم اور غیر متعین کے لیے بھی یہ استعمال کر لیتے ہیں۔ تو یہ استعمال ہے، استعمال اور چیز ہے وضع اور چیز ہے، وضع تو وہ معلوم اور متعین کے لیے ہے لیکن کبھی استعمال غیر معلوم اور غیر متعین کے لیے بھی کر لیتے ہیں، یہ اسی طرح ہے جیسے الف لام۔ الف

لام کس لیے وضع ہے؟ کہ اس کے ذریعے اشارہ ہوتا ہے کسی معلوم اور متعین کی طرف لیکن کبھی کبھار غیر معلوم اور غیر متعین کے لیے بھی اس کو استعمال کر لیتے ہیں جیسے الف لام عہدِ ذہنی ہے۔

الف لام عہدِ ذہنی میں نے بتایا تھا کہ یہ جس لفظ پر داخل ہوتا ہے وہ لفظوں کے اعتبار سے معرفہ بن جاتا ہے لیکن معنی کے اعتبار سے ابھی بھی وہ نکرہ کا نکرہ ہے۔ جیسے قرآن میں ہے: إِنِّي أَخَافُ أَنْ يَأْكُلَهُ الذِّئْبُ۔ تو الذِّئْبُ پر الف لام داخل ہے لیکن یہ الف لام کون سا ہے؟ عہدِ ذہنی ہے، اور یہ لفظوں میں تو معرفہ بن گیا لیکن معنی کے اعتبار سے ابھی بھی نکرہ ہے۔ اور جیسے دوسری مثال صاحبِ جامی نے ذکر کی کہ ایک شاعر کہتا ہے: وَلَقَدْ أَمُرُّ عَلَى اللَّئِيْمِ يَسُبُّنِي۔ تو اللَّئِيْمِ پر یہ الف لام عہدِ ذہنی کا ہے، اور تحقیق جب میں گزرتا ہوں کسی کمینے پر، کسی گھٹیا آدمی پر، يَسُبُّنِيْ جو مجھے گالیاں دیتا ہے۔ جب میں کسی ایسے گھٹیا آدمی پر گزرتا ہوں جو مجھے گالیاں دیتا ہے، فَمَضَيْتُ ثُمَّتَ قُلْتُ لَا يَعْنِيْنِيْ، تو میں گزر جاتا ہوں اور کہتا ہوں کہ اس نے میرا ارادہ نہیں کیا، یعنی یہ کسی اور کو گالیاں دے رہا ہے۔ تو یہاں شاعر اپنی بردباری اور اپنے حلم کی تعریف کر رہا ہے کہ میں بڑا بردبار آدمی ہوں۔ کوئی کسی کو گالی نکالے تو دوسرا لڑنے کو تیار ہو جاتا ہے، لیکن مجھے کوئی بھی گالیاں نکالے میں پرواہ ہی نہیں کرتا۔ تو یہاں اللَّئِيْمِ کے اندر کوئی متعین کمینہ یا گھٹیا آدمی نہیں مراد، کیونکہ پھر اس کے اندر حلم اور بردباری زیادہ نہیں ہو گی۔ اگر ایک آدمی کی گالیوں پر آپ صبر کرتے ہیں باقی کسی اور پر صبر نہیں کرتے، یہ تو زیادہ بردباری نہیں ہے۔ زیادہ بردباری کب ہے کہ آپ ہر شخص کی گالیوں پر کیا کر لیں بردباری کا مظاہرہ کریں، صبر کر لیں۔ تو یہاں اللَّئِيْمِ یہ اس پر الف لام عہدِ ذہنی ہے، اور یہ لفظوں کے اعتبار سے تو معرفہ لیکن معنی کے اعتبار سے کیا ہے نکرہ۔ جب معنی کے اعتبار سے نکرہ ہے تو يَسُبُّنِيْ یہ فعل جملہ نکرہ کے بعد فعل آگیا اور نکرہ کے بعد فعل آئے تو اس کے لیے کیا بنتا ہے صفت۔ تو یہ معنی کے اعتبار سے لَئِيْمِ کے لیے صفت بن جائے گا، اگر لفظوں کو دیکھیں پھر صفت نہیں بن سکتا، لیکن یہاں معنی کا لحاظ رکھا گیا۔ آپ جانتے ہیں کبھی لفظوں کا لحاظ رکھا جاتا ہے کسی جگہ اور کسی جگہ معنی کا لحاظ رکھا جاتا ہے، تو یہاں معنی کا لحاظ رکھتے ہوئے يَسُبُّنِيْ فعل صفت لائی گئی اللَّئِيْمِ کے لیے۔

اور پھر صاحبِ جامی نے آپ کو یہ بھی بتلایا تھا کہ یہ حکم، یہ جو ہم نے بیان کیا کہ اضافتِ معنوی کو وضع ہی کس لیے کیا گیا ہے کہ مضاف کے معلوم اور متعین ہونے پر دلالت کرتی ہے، یہ ضابطہ غَيْرٌ اور مِثْلٌ میں جاری نہیں ہوتا یا ان جیسے جو الفاظ ہیں شِبْهٌ، أَحَدٌ وغیرہ ان میں جاری نہیں ہوتا، اس لیے کہ ان کی اضافت معرفہ کی طرف بھی کر دیں پھر بھی یہ نکرہ کے نکرہ ہی رہتے ہیں، اس لیے کیونکہ ان کے اندر جو ابہام ہے وہ بڑا پختہ ہے، بڑا مضبوط ہے، معرفہ کی طرف اضافت سے بھی وہ ابہام ختم نہیں ہوتا بھئی۔ مثلاً غَيْرُ زَيْدٍ، غَيْرُ زَيْدٍ۔ دیکھو میں نے کہا غَيْرُ زَيْدٍ، غَيْرُ کی اضافت کر دی زید کی طرف، زید کے علاوہ کوئی معین آپ کے ذہن میں نہیں آیا کیونکہ زید کے علاوہ تو عمرو بھی ہو سکتا ہے، بکر بھی ہو سکتا ہے، خالد، سارے

اس کے اندر آ گئے، تو دیکھو اس نے کسی متعین پر دلالت نہیں کی۔ یا مِثْلُ زَيْدٍ، یا مخاطب کو دیکھ لیں غَيْرُكَ۔ میں آپ سے کہتا ہوں جَاءَنِيْ غَيْرُكَ، میرے پاس آپ کے علاوہ ایک اور آدمی آیا تھا، تو دیکھو غَيْرُكَ کہنے سے کوئی متعین آپ کے ذہن میں آیا کہ کون آیا تھا؟ نہیں، کچھ پتہ نہیں چلا۔ اور اسی طرح میں مثلاً آپ سے کہتا ہوں جَاءَنِيْ مِثْلُكَ، میرے پاس آپ جیسا ایک آدمی آیا تھا، اب بھی دیکھو کوئی متعین آپ کے ذہن میں نہیں آیا کہ آپ جیسا بھئی آپ جیسا کس چیز میں؟ آپ علم میں آپ جیسا، قد میں آپ جیسا، یا لباس میں آپ جیسا، یا کس چیز میں آپ جیسا، ہر صفت میں آپ کا مثل کوئی بھی ہو سکتا ہے۔ تو لہٰذا مِثْلُكَ کہنے سے بھی مِثْل کا لفظ معرفہ نہیں بنتا یعنی مضاف معرفہ کی طرف مضاف ہونے سے بھی غَيْرٌ اور مِثْلٌ جیسے لفظ معرفہ نہیں ہوتے۔

ہاں پھر اس کے بعد صاحبِ جامی نے ایک اور قیمتی فائدہ آپ کو بتلایا تھا کہ کبھی کبھار غَيْرُ کا لفظ معرفہ بھی بن جاتا ہے۔ کب؟ جب مضاف الیہ کی ایک ہی ضد ہو۔ جیسے سکون کی ضد کیا ہے حرکت، اور حرکت کی ضد کیا ہے سکون۔ تو جب آپ غَيْر کی اضافت سکون کی طرف کر دیں تو غَيْرُ السُّكُوْنِ۔ غَيْر مضاف، السُّكُوْنِ مضاف الیہ۔ تو یہ جو مضاف الیہ ہے السُّكُوْنِ، اس کا غَيْر وہ صرف حرکت ہی ہے، تو غَيْرُ السُّكُوْنِ معرفہ بن گیا، اس نے کس پر دلالت کر دی حرکت پر کیونکہ کوئی دوسری چیز ہے ہی نہیں یہاں اس کی ضد۔ یا میں کہتا ہوں غَيْرُ الْحَرَكَةِ، حرکت کے علاوہ، تو غَيْرُ الْحَرَكَةِ حرکت کی ضد تو کیا ہے سکون ہی ہے، تو غَيْرُ کی اضافت جب حرکت کی طرف کر دی تو یہ جو مضاف الیہ ہے الْحَرَكَةِ اس کی ضد تو ایک ہی چیز ہے اور وہ سکون ہے، تو غَيْرُ الْحَرَكَةِ سے فوراً ذہن میں کیا آ گیا؟ سکون آ گیا، دیکھو اس نے ایک متعین پر دلالت کر دی۔ تو بعض اوقات یہ غَيْر کا لفظ بھی معرفہ بن جاتا ہے جب اس کی اضافت ایک ایسی چیز کی طرف کی جائے کہ اس مضاف الیہ کی ایک ہی ضد ہو، تو اس کے مغایرت سے اس کو جان لیا جاتا ہے۔ اور اسی طرح مِثْلُ کا لفظ بھی کبھی کبھار معرفہ بن جاتا ہے، جب کوئی شخص کسی دوسرے کے ساتھ مثل ہونے میں مشہور ہو کسی صفت میں۔ مثلاً زید بڑا بہادر ہے اور عمرو بھی اس کی طرح بہادر مشہور ہے، زید بھی مشہور ہے اور عمرو بھی اس کے مثل ہونے میں مشہور ہے، تو اب جب آپ زید سے کہتے ہیں جَاءَنِيْ مِثْلُكَ، میرے پاس آپ کے مثل آیا تھا اور ارادہ کرتے

کس چیز میں؟ اسی بہادری میں۔ تو دیکھو مِثْلُكَ آپ کا مثل، وہ کون زیادہ مشہور ہے؟ عمرو۔ تو فوراً مِثْلُكَ سے ذہن میں کون آئے گا؟ عمرو آ جائے گا۔ تو اب اس صورت میں یہ مثل کا لفظ بھی معرفہ کی طرف مضاف ہوا تو معرفہ بن گیا کیونکہ اس نے ایک متعین پر دلالت کر دی۔ یہ اسی وقت ہے جب کوئی کسی وصف میں کسی کے مثل ہونے میں مشہور ہو بھئی، اگر مشہور نہ ہو پھر ایسا نہیں ہو گا۔

اب آئیے آج کے سبق پر۔ کہتے ہیں وَشَرْطُهَا أَيْ شَرْطُ الْإِضَافَةِ الْمَعْنَوِيَّةِ تَجْرِيْدُ الْمُضَافِ إِذَا كَانَ مَعْرِفَةً مِنَ التَّعْرِيْفِ۔ پہلے متن متن دیکھ لیجیے: وَشَرْطُهَا تَجْرِيْدُ الْمُضَافِ مِنَ التَّعْرِيْفِ۔ اضافتِ معنویہ کی شرط ذکر کر رہے ہیں صاحبِ کافیہ۔ اضافتِ

معنویہ۔ انہوں نے بتایا اضافتِ معنویہ معرفہ کی طرف ہو تو تعریف کا فائدہ دے گی اور نکرہ کی طرف ہو تو تخصیص کا فائدہ دے گی۔ اب اس اضافتِ معنویہ کی شرط کیا ہے؟ کہتے ہیں شرط یہ ہے تَجْرِيْدُ الْمُضَافِ، جَرَّدَ يُجَرِّدُ تَجْرِيْدٌ کا معنی ہے خالی کرنا، تَجْرِيْدُ الْمُضَافِ مضاف کو خالی کرنا مِنَ التَّعْرِيْفِ کس چیز سے؟ تعریف سے۔ مضاف کو تعریف سے خالی کرنا ہو گا، پھر ہی آپ اضافتِ معنویہ کر سکتے ہیں۔ شرط ہے تو مشروط ہے، شرط نہیں تو مشروط بھی نہیں۔ تو لہٰذا اضافتِ معنویہ کے لیے کیا شرط ہے؟ مضاف کو کس سے خالی کرنا پڑے گا؟ تعریف سے خالی کرنا پڑے گا۔ یعنی اگر اس مضاف پر الف لام ہے اس الف لام کو ہٹا دو اور پھر اس کی اضافت کر دو۔ جیسے اَلْغُلَامُ، آپ اَلْغُلَامُ کی اضافت کرنا چاہتے ہیں زید کی طرف، تو یہ معرف باللام ہے یہ تو معرفہ ہے، لہٰذا الف لام کو ہٹا دو اور پھر اضافت کر دو: غُلَامُ زَيْدٍ۔ یا اگر آپ علم کی اضافت کرنا چاہتے ہیں، تو علم، علم تو معین ذات پر دلالت کرتا ہے، تو پھر اس علم کو نکرہ بنا دو۔ کیسے نکرہ بنائیں گے؟ کہ ایک پوری جماعت جو ہے وہ اس نام کے ساتھ موصوف ہے، ان میں سے کسی ایک کا آپ ارادہ کر لیتے ہیں۔ زید اگر ایک آدمی کا نام ہے پھر تو زید بولتے ہی آپ کے ذہن میں فوراً یہ شخص آئے گا، یہ تو معرفہ ہے۔ لیکن فرض کریں پانچ چھ آدمیوں کی ایک جماعت ہے، اس جماعت میں سے ہر ایک کا نام کیا رکھ دیا آپ نے؟ زید رکھ دیا۔ تو جب ان کا نام زید رکھ دیا تو اب زید نکرہ بن گیا۔ مثلاً میں آپ سے کہتا ہوں جَاءَنِيْ زَيْدٌ، کوئی آپ کو پتہ چلا کون سا والا زید آیا تھا؟ نہیں، اب تو وہ پانچ کے پانچ ہیں ان میں سے ہر ایک کا نام زید ہے، تو اب جَاءَنِيْ زَيْدٌ کہنے سے زید کا پتہ نہیں چلے گا۔ اب یہ نکرہ بن چکا ہے، اب آپ اس کی اضافت کر سکتے ہیں۔ تو معرف باللام کو نکرہ بنانے کا کیا طریقہ؟ الف لام ہٹا دو۔ اور علم کو نکرہ بنانے کا کیا طریقہ؟ کہ ایک پوری جماعت جو اس نام کے ساتھ موسوم ہے ان میں سے ایک کا ارادہ کر لو۔

اور باقی بھی معرفہ ہیں ان کو صاحبِ جامی ذکر نہیں کریں گے۔ توجہ ہے؟ انہوں نے کیا کہا صاحبِ کافیہ نے کہ اضافتِ معنویہ کی کیا شرط ہے؟ مضاف سے تعریف ختم کر دو یعنی اس کو نکرہ بنا دو۔ اور نکرہ بنانے کے طریقے ذکر کر رہے ہیں صاحبِ جامی آگے، آپ کو بتائیں گے معرف باللام کو کیسے نکرہ بنانا ہے: الف لام ختم کر دو۔ اور علم کو کیسے نکرہ بنانا ہے: کہ پوری جماعت جو اس نام کے ساتھ موسوم ہے ان میں سے ایک فرد کا کیا کر لو ارادہ کر دو، تو وہ علم بھی کیا بن جائے گا نکرہ کیونکہ اب پتہ نہیں چلے گا کون سا والا آیا ہے۔ لیکن باقی معرفہ یعنی ضمیر اس کو کیسے نکرہ بنا کر اس کی اضافت کریں گے؟ اسمِ اشارہ کو کیسے نکرہ بنا کر اس کی اضافت کریں گے؟ اضافت کی بات ہو رہی ہے نا مضاف کو تعریف سے کیا ہونا چاہیے خالی، تو ضمیر کو تعریف سے کیسے خالی کر کے اس کی اضافت کریں گے؟ اسمِ اشارہ کو تعریف سے کیسے خالی کر کے اس کی اضافت کریں گے؟ اسمِ موصول سے تعریف کو ختم کر کے اس کی کیسے اضافت کریں گے؟ یہ نہیں بیان کریں گے۔ ضمیر، اسمِ اشارہ اور اسمِ موصول کو ذکر نہیں کریں گے، وجہ یہ کہ وہ نکرہ نہیں بنتے۔ معرف باللام تو نکرہ بن سکتا ہے آپ الف لام ختم کر دیں،

اَلرَّجُلُ سے رَجُلٌ بنایا، رَجُلٌ کیا بن گیا نکرہ۔ زید معرفہ تھا ایک آدمی کا نام تھا لیکن آپ پوری جماعت کا نام زید رکھ دیں اب زید کیا بن گیا نکرہ۔ لیکن ضمیر، اسمِ اشارہ اور اسمِ موصول یہ نکرہ نہیں بنتے، لہٰذا ان کی اضافت بھی جائز نہیں ہے کیونکہ شرط پوری نہیں۔ شرط ہے نکرہ ہونا چاہیے بھئی اضافتِ معنوی کے اندر۔ ضابطہ سمجھ میں آگیا؟

تو بھئی پھر متن دیکھ لیجیے، کہتے ہیں وَشَرْطُهَا اور اضافتِ معنویہ کی شرط جو ہے تَجْرِيْدُ الْمُضَافِ مضاف کا خالی کرنا مِنَ التَّعْرِيْفِ تعریف سے، اس کو تعریف سے خالی کرنا پڑے گا بھئی۔

اب شرح کے ساتھ اس سارے کو دیکھیے، کہتے ہیں وَشَرْطُهَا أَيْ شَرْطُ الْإِضَافَةِ الْمَعْنَوِيَّةِ۔ متن میں آیا تھا وَشَرْطُهَا، اور صاحبِ جامی کیا فرما رہے ہیں أَيْ شَرْطُ الْإِضَافَةِ الْمَعْنَوِيَّةِ، کیا بتلانا چاہتے ہیں؟ ضمیر کا مرجع، کہ یہ ہا ضمیر جو ہے مؤنث والی یہ اضافتِ معنویہ کو راجع ہے، کہ اضافتِ معنویہ کی شرط جو ہے تَجْرِيْدُ الْمُضَافِ مضاف کو خالی کرنا إِذَا كَانَ مَعْرِفَةً جب وہ کیا ہو؟ معرفہ ہو، کیونکہ معرفہ ہوگا تب ہی آپ اس کو تعریف سے خالی کر سکتے ہیں۔ اگر وہ نکرہ ہے، مثلاً رَجُلٌ، رَجُلٌ تو پہلے ہی نکرہ ہے، اس کو تو آپ تعریف سے خالی نہیں کر سکتے کیونکہ تعریف اس میں ہوتی تو آپ خالی بھی کرتے، تعریف تو اس میں ہے ہی نہیں۔ تو کہتے ہیں تَجْرِيْدُ الْمُضَافِ مضاف کو خالی کرنا إِذَا كَانَ مَعْرِفَةً جب وہ معرفہ ہو اس کو خالی کرنا مِنَ التَّعْرِيْفِ کس سے؟ تعریف سے۔

تو اب کیسے خالی کریں گے وہ بیان کر رہے ہیں، کہتے ہیں فَإِنْ كَانَ ذَا اللَّامِ اگر وہ مضاف جو ہے ذُو اللَّام ہوا یعنی اس پر لامِ تعریف داخل ہوا، فَحُذِفَ لَامُهُ — حُذِفَ لَامُهُ اس کے لام کو حذف کر لیا جائے گا۔ وَإِنْ كَانَ عَلَمًا اور اگر وہ مضاف کیا ہوا؟ علم ہوا تو نُكِّرَ تو اس کو نکرہ بنایا جائے گا بِأَنْ يُجْعَلَ وَاحِدًا مِنْ جُمْلَةِ مَنْ سُمِّيَ بِذٰلِكَ الِاسْمِ، بِأَنْ يُجْعَلَ کہ بنا دیا جائے گا اس علم کو وَاحِدًا کوئی ایک فرد، اس علم کو کیا بنا دیں گے کوئی ایک فرد، مِنْ جُمْلَةِ مَنْ سُمِّيَ بِذٰلِكَ الِاسْمِ، مِنْ جُمْلَةِ ان جملہ میں سے، اس مجموعے میں سے مَنْ سُمِّيَ بِذٰلِكَ الِاسْمِ جو اس نام کے ساتھ موسوم ہیں، وہ لوگ جو اس نام کے ساتھ موسوم ہیں ان میں سے ایک فرد کو بنا دیں گے۔ میں نے جیسے بتایا پوری ایک جماعت ہے پانچ افراد کی، ہر ایک کا نام کیا رکھ دیا زید۔ اب جب میں آپ سے کہتا ہوں جَاءَنِيْ زَيْدٌ اب آپ کو پتہ نہیں چلا کون سا والا زید آیا ہے کیونکہ زید کیا بن چکا ہے نکرہ بن چکا ہے۔ ترجمہ پھر دیکھ لیں وَإِنْ كَانَ عَلَمًا اور اگر وہ مضاف جو ہے علم ہو نُكِّرَ اس کو نکرہ بنائیں گے۔ بھئی کیسے نکرہ؟ آگے با تصویر یہ ہے، صورت بتلا رہے ہیں: بِأَنْ يُجْعَلَ وَاحِدًا مِنْ جُمْلَةِ کہ اس کو بنا دیا، اس علم کو بنا دیا جائے کوئی ایک فرد اس جملہ میں سے اس مجموعے میں سے مَنْ سُمِّيَ بِذٰلِكَ الِاسْمِ جو اس اسم کے ساتھ موسوم ہو رہے ہیں، جو اس اسم کے ساتھ موسوم ہو رہے ہیں یعنی جن کا یہ نام ہے ان میں سے ایک فرد قرار دے دیا جائے، تو اب یہ بھی کیا بن چکا نکرہ بن چکا نکرہ کیونکہ ان میں سے ایک فرد ہے اور کون سا والا ہے متعین نہیں۔ دیکھو معرف باللام کو نکرہ کیسے بنانا ہے یہ بیان کر دیا کہ اس

کے لام کو حذف کر دو، اور علم کو کیسے نکرہ بنانا ہے کہ جملہ افراد میں سے ایک جماعت جو اس نام کے ساتھ موسوم ہیں ان جملہ میں سے ایک فرد کو قرار دے دو۔ باقیوں کو ذکر نہیں کیا۔ میں نے بتلا دیا کیونکہ باقی ضمیر، اسمِ اشارہ اور اسمِ موصول ان کی اضافت جائز نہیں کیونکہ وہ نکرہ ہی نہیں ہوتے، اور حالانکہ انہوں نے بتلا دیا کہ اضافتِ معنویہ کی شرط کیا ہے کہ مضاف کو کیا بنانا پڑے گا؟ نکرہ بنانا پڑے گا، تعریف سے خالی کرنا پڑے گا۔

وَإِنْ لَمْ يَكُنْ مَعْرِفَةً اور اگر مضاف معرفہ نہ ہو فَلَا حَاجَةَ إِلَى التَّجْرِيْدِ تو پھر کوئی ضرورت نہیں ہے اس کو خالی کرنے کی یعنی تعریف سے خالی کرنے کی، بَلْ لَا يُمْكِنُ بلکہ پھر ممکن ہی نہیں ہے۔ مضاف اگر معرفہ نہیں ہے پھر تعریف سے اس کو خالی کرنے کی کوئی ضرورت نہیں بلکہ پھر ممکن ہی نہیں ہے اس کو تعریف سے خالی کرنا کیونکہ خالی کرنا وہاں ہو گا جہاں ایک چیز پائی تو جائے۔ جب ایک چیز پائی ہی نہیں تعریف اس میں پائی ہی نہیں جا رہی، تعریف اس میں موجود ہی نہیں ہے تو اس کو آپ خالی کیسے کریں گے تعریف سے؟ یہ معنی ہے وَإِنْ لَمْ يَكُنْ مَعْرِفَةً اور اگر مضاف معرفہ نہ ہو فَلَا حَاجَةَ إِلَى التَّجْرِيْدِ بَلْ لَا يُمْكِنُ تو پھر کوئی حاجت نہیں ہے اس کو تعریف سے خالی کرنے کی بلکہ پھر ممکن ہی نہیں ہے تعریف سے خالی کرنا۔

أَوِ الْمُرَادُ، اب دوسرا معنی کریں گے۔ پہلے کیا معنی کیا؟ متن میں کیا آیا تھا تَجْرِيْدُ الْمُضَافِ مضاف کو خالی کرنا مِنَ التَّعْرِيْفِ کس سے؟ تعریف سے۔ تعریف سے تبھی خالی کریں گے جب تعریف پائی جائے۔ تعریف پائی جائے۔ اب دوسرا معنی کریں گے کہ خالی کرنا تجرید بول کر تجرد مراد ہے۔ تجرید بول کر تجرد مراد ہے۔ تجرید کا معنی ہے خالی کرنا، بابِ تفعیل ہے، اور تجرد کا معنی ہے خالی ہونا، یہ لازم ہے۔ تو یعنی جب آپ، توجہ سے سنو، جب آپ ایک چیز کو ایک لفظ کو مثلاً اَلرَّجُلُ ہے، اَلرَّجُلُ یہ کیا ہے معرفہ، ہم اس کی کیا، یا یوں کہو اَلْغُلَامُ، اَلْغُلَامُ کیا ہے معرفہ، ہم اس کی اضافت کرنا چاہتے ہیں اضافتِ معنوی، تو کیا ضروری؟ اس کو خالی کر لو۔ تو آپ نے اس سے الف لام ہٹا دیا تو آپ نے اس کو تعریف سے کیا کر دیا؟ خالی کر دیا۔ غُلَامٌ رہ گیا نا صرف غُلَامٌ، الف لام ختم ہوا۔ تو آپ نے اس کو تعریف سے خالی کر دیا۔ جب آپ نے خالی کیا تو یہ خالی ہو گیا۔ اب غلام کا لفظ کیا ہے؟ تعریف سے خالی ہے۔ توجہ ہے؟ تو خالی کرنا یہ ہے متعدی اور خالی ہونا یہ کیا ہے لازم، اور جب آپ ایک چیز کو خالی کریں گے تو وہ کیا ہو جائے گی؟ خالی ہو جائے گی۔ معلوم ہوا خالی کرنے کے ساتھ خالی ہونا لازم ہے۔ خالی کرنے کے ساتھ خالی ہونا لازم ہے۔ ہاں جب آپ ایک چیز کو خالی کریں گے وہ خالی ہو جائے گی۔ تو یہاں تجرید بولا اور مراد تجرد ہے۔ یہ کیونکہ تجرید کے ساتھ کیا لازم ہے؟ تجرد لازم ہے، تو ملزوم بول کر لازم کا ارادہ کیا یعنی معلوم ہوا تجرید یہاں اپنے حقیقی معنی میں استعمال نہیں۔ تو پہلے کیا ترجمہ کیا تھا؟ پہلے تجرید کا تجرید ہی معنی کیا تھا کہ خالی کرنا پڑے گا مضاف کو اگر اس میں کیا ہو تعریف ہو۔ اور اب معنی کر رہے ہیں کہ خالی کرنا نہ کرو ترجمہ، تَجْرِيْدُ الْمُضَافِ أَيْ تَجَرُّدُ الْمُضَافِ مضاف کا خالی ہونا۔ اضافتِ معنوی کی کیا شرط ہے؟ تَجَرُّدُ الْمُضَافِ مِنَ التَّعْرِيْفِ مضاف کا

خالی، مضاف کو خالی ہونا چاہیے تعریف سے۔ تو تجرید میں کیا ضروری تھا کہ پہلے تعریف ہو گی پھر آپ اس کو کیا کریں گے تعریف سے خالی، اور تجرد کا کیا معنی تعریف سے خالی ہونا چاہیے، چاہے پہلے سے ہی خالی ہو یا پہلے تو خالی نہیں تھا تعریف تھی آپ نے اس کو خالی کر دیا، دونوں صورتوں میں تجرد پایا جائے گا۔ تجرد کی کتنی صورتیں ہیں؟ دو۔ دو صورتیں۔ غُلَامٌ دیکھو یہ تو پہلے سے ہی خالی ہے تو یہاں بھی تجرد ہے، اور ایک تھا اَلْغُلَامُ آپ نے الف لام کو ہٹا دیا تو یہ اب غُلَامٌ بھی کیا ہو گیا؟ یہ بھی تعریف سے خالی ہو گیا۔ تو تعریف سے خالی ہونا چاہے پہلے سے ہی خالی ہو یا آپ تعریف کو دور کر کے یہ کیا ہو جائے تعریف سے خالی ہو جائے بھئی۔

دیکھیے بھئی کتاب پر، کہتے ہیں أَوِ الْمُرَادُ بِالتَّجْرِيْدِ تَجَرُّدُهُ یا تجرید سے مراد تَجَرُّدُهُ أَيْ تَجَرُّدُ الْمُضَافِ مضاف کا خالی ہونا ہے، وَخُلُوُّهُ یہ عطفِ تفسیری ہے، یہ عطفِ تفسیری۔ بھئی میں نے آپ کو بتلایا تھا کہ معطوف غیر ہوتا ہے معطوف علیہ سے۔ عطف مغایرت کا تقاضا کرتا ہے کہ معطوف اور معطوف علیہ دونوں ایک دوسرے سے غیر ہیں، الگ ہیں۔ مثلاً میں کہتا ہوں جَاءَنِيْ زَيْدٌ وَعَمْرٌو، جَاءَنِيْ زَيْدٌ وَعَمْرٌو، آپ نے زید اور عمرو کے درمیان یہ واو لے آئے، یہ واو بتلا رہا ہے زید کوئی اور ذات ہے اور عمرو کوئی اور ذات ہے۔ اگر یہ ایک ہی ذات ہوتی تو آپ درمیان میں واو نہ لاتے۔ مثلاً آپ کہتے ہیں جَاءَنِيْ ابْنُ عَمْرٍو زَيْدٌ، جَاءَنِيْ ابْنُ عَمْرٍو میرے پاس عمرو کا بیٹا زَيْدٌ کون آیا زید، اسی عمرو کے بیٹے کا نام زید ہے، تو جب دونوں ایک ہی ذات پر دلالت کر رہے ہیں تو آپ درمیان میں واو نہیں لائیں گے۔ جَاءَنِيْ ابْنُ عَمْرٍو، ابْنُ عَمْرٍو سے بھی کون مراد زید اور آگے زید کا لفظ بھی آپ خود لے آئے، تو درمیان میں واو نہیں لائے کیونکہ یہ دونوں کیا ہیں ایک ہی ہیں۔ لیکن جب دونوں الگ الگ ہوتے ہیں پھر آپ واو لاتے ہیں جَاءَنِيْ زَيْدٌ وَعَمْرٌو۔ تو عطف یاد رکھو عطف مغایرت پر دلالت کرتا ہے کہ معطوف کی ذات اور ہے اور معطوف علیہ اور ہے، دونوں الگ الگ ہیں۔ لیکن کبھی کبھار معطوف اور معطوف علیہ ایک ہی ہوتے ہیں اور وہ یہ عطفِ تفسیری میں ہے۔ عطفِ تفسیری اس کو کہتے ہیں کہ ایک لفظ کا معنی عطف کی صورت میں بیان کر دیا جاتا ہے۔ تَجَرُّدُهُ تَجَرُّدُهُ اس کا کیا معنی ہے؟ ایک صورت یہ تھی کہ علامہ جامی یوں فرما دیتے تَجَرُّدُهُ أَيْ خُلُوُّهُ، حرفِ أَيْ کے ساتھ لے آتے۔ حرفِ أَيْ کس لیے آتا ہے؟ تفسیر بیان کرنے کے لیے آتا ہے، لیکن انہوں نے کس کے ساتھ بیان کر دیا؟ واو کے ساتھ۔ تو یہ عطفِ تفسیری ہے، یہ معطوف جو ہے جو خُلُوُّهُ ہے یہ معنی بیان کر رہا ہے تَجَرُّدُهُ کا۔ تَجَرُّدُهُ کا کیا معنی؟ خُلُوُّهُ اس کا مضاف کا خالی ہونا۔ بات سمجھ میں آ گئی؟

کہتے ہیں أَوِ الْمُرَادُ بِالتَّجْرِيْدِ

بِالتَّجْرِيْدِ، یا تجرید جو متن میں آیا اس سے مراد جو ہے تَجَرُّدُهُ وَخُلُوُّهُ مِنَ التَّعْرِيْفِ وہ مضاف کا خالی ہونا ہے تعریف سے عِنْدَ الْإِضَافَةِ اضافت کے وقت۔ اور سَوَاءٌ كَانَ نَكِرَةً فِيْ نَفْسِهِ برابر ہے کہ چاہے وہ نکرہ ہو اپنی ذات کے اعتبار سے ہی مِنْ غَيْرِ تَجْرِيْدٍ بغیر کسی تجرید، وہاں تجرید کی ضرورت ہی نہیں، وہ پہلے سے ہی خالی ہے تعریف سے۔ أَوْ كَانَ مَعْرِفَةً یا دوسری صورت ہے وہ معرفہ تھا لیکن جُرِّدَتْ عَنِ التَّعْرِيْفِ اس کو خالی کر دیا گیا تعریف سے۔ توجہ ہے؟ پھر سمجھو، پھر

سمجھو اس جگہ کو۔ دیکھو متن میں آیا وَشَرْطُهَا تَجْرِيْدُ الْمُضَافِ مِنَ التَّعْرِيْفِ کہ اضافتِ معنویہ کی شرط یہ ہے کہ مضاف کو خالی کیا جائے مِنَ التَّعْرِيْفِ کس سے؟ تعریف سے۔ تو تجرید کا لفظ آیا، خالی کرنا، اور خالی کرنا کب ہو گا؟ جب تعریف ایک چیز میں پائی جائے پھر اس سے کیا کر دیا جائے؟ خالی۔ تو بعض میں تعریف جب آپ اضافت ایک لفظ کی کرنے لگے ہیں، تو بعض اوقات اس میں تعریف ہو گی تو آپ کو تعریف سے خالی کر کے پھر اضافت کرنا پڑے گی۔ اور اگر اس میں پہلے سے تعریف ہے ہی نہیں پھر تو وہاں تجرید نہیں ہو سکتی۔ پھر تو وہاں تجرید نہیں ہو سکتی، تو وہ اس میں پھر ویسے ہی اضافت اسی طرح اضافت کریں گے، وہاں تجرید وہاں نہیں ہو سکے گی۔ یا تجرید بول کر تجرد یعنی خالی کرنا نہیں بلکہ خالی ہونا، یعنی تجرید بول کر تجرد مراد ہے، ملزوم بول کر لازم مراد ہے کیونکہ تجرید کے ساتھ تجرد لازم ہے، جب آپ خالی کریں گے تو وہ کیا ہو جائے گا خالی۔ تو یہاں تجرید بول کر کیا مراد ہے؟ تجرد۔ تو اضافتِ معنویہ کی کیا شرط؟ کہ مضاف کو تعریف سے خالی ہونا چاہیے۔ عبارت سمجھ میں آ رہی ہے؟ مضاف کو تعریف سے خالی ہونا چاہیے، چاہے آپ نے خالی کیا ہے چاہے پہلے سے خالی ہے لیکن اس کو کیا ہونا چاہیے؟ خالی ہونا چاہیے۔ فرق سمجھ میں آیا؟

جی، آگے دیکھیے وَإِنَّمَا يَجِبُ التَّجْرِيْدُ۔ اب وجہ ذکر کر رہے ہیں کہ بھئی کیا وجہ ہے مضاف کو تعریف سے کیوں خالی ہونا چاہیے؟ ادھر دیکھیے۔ بھئی دیکھیے جب آپ ایک لفظ کی اضافت کرتے ہیں دوسرے لفظ کی طرف، تو اگر مضاف پہلے سے ہی معرفہ ہے، پہلے سے ہی معرفہ، تو پھر آپ اس کی اضافت جس کی طرف کر رہے ہیں وہ نکرہ ہو گا یا معرفہ ہو گا، دو ہی صورتیں ہیں نا؟ تو اگر آپ معرفہ کی اضافت کس کی طرف کریں؟ نکرہ کی طرف، اور نکرہ کی طرف اضافت کس چیز کا فائدہ دیتی تھی؟ تخصیص کا۔ کس کا؟ تخصیص کا۔ تو جب آپ معرفہ کی اضافت نکرہ کی طرف کر رہے ہیں تو اس سے تو اس میں تخصیص آئے گی۔ اور تخصیص اعلیٰ ہے یا تعریف اعلیٰ ہے؟ تعریف اعلیٰ ہے، تخصیص میں تو صرف افراد کم ہوتے ہیں، اور تعریف میں تو ایک متعین ذات پر دلالت ہوتی ہے۔ غُلَامُ الرَّجُلِ پہلے غلام کا لفظ غُلَامُ رَجُلٍ پر بھی صادق آ رہا تھا اکیلا غلام کا لفظ ہو، تو وہ مردوں کے غلام کو بھی وہ بھی غلام ہیں اور عورتوں کے غلام بھی کیا ہیں غلام، سب پہ صادق آ رہا ہے۔ لیکن جب غُلَامُ رَجُلٍ کہا اب اس میں شرکاء کم ہو گئے اب یہ غُلَامُ رَجُلٍ صرف کس پر صادق آئے گا؟ مردوں کے غلام پر صادق آئے گا، عورتوں کے غلام پر صادق نہیں آئے گا، تو افراد کیا ہو گئے کم۔ اور معرفہ کی صورت میں تو بالکل تعین ہو جاتی ہے: غُلَامُ زَيْدٍ۔ غلام پہلے دنیا کے ہر غلام پر صادق آ رہا تھا، اب غُلَامُ زَيْدٍ اب زید کے متعین غلام پر یہ بولا جا رہا ہے۔ تو کیا اعلیٰ ہے؟ تعریف اعلیٰ ہے کہ وہ ایک متعین ذات پر دلالت کرتی ہے۔ اور تخصیص؟ تخصیص میں تو افراد کم ہوں گے لیکن مدلول متعین نہیں ہو گا۔ تو کیا اعلیٰ؟ تعریف۔ اور تخصیص کیا ہے؟ ادنیٰ۔ انہوں نے کیا شرط لگائی؟ مضاف کو تعریف سے خالی ہونا چاہیے۔ وجہ یہ کہ اگر مضاف معرفہ ہوا اور آپ اس کی اضافت کر رہے ہیں یا تو نکرہ کی طرف اضافت کریں گے یا معرفہ کی طرف۔ اگر نکرہ کی طرف اضافت کرتے ہیں اس معرفہ کی تو نکرہ سے وہ کیا اخذ کرتا ہے مضاف؟ تخصیص،

تو یہ نکرہ سے تخصیص اخذ کرے گا اور حالانکہ خود یہ معرفہ ہے۔ تو گویا مضاف ادنیٰ چیز کو طلب کر رہا ہے اعلیٰ کے ہوتے ہوئے۔ یہ خود تو معرفہ ہے اور نکرہ سے کیا اخذ کرنا چاہتا ہے؟ تخصیص۔ تو اعلیٰ چیز کے ہوتے ہوئے ادنیٰ کی طلب لازم آئے گی اور اس کا تو کوئی فائدہ نہیں۔ اور اگر آپ معرفہ کی معرفہ کی طرف اضافت کریں گے، تو معرفہ جب مضاف الیہ ہو تو مضاف کیا اخذ کرتا ہے؟ تعریف۔ معرفہ سے مضاف کیا اخذ کرتا ہے؟ تعریف۔ تو یہ تو خود ہی پہلے سے معرفہ ہے۔ تو یہ تو تحصیلِ حاصل لازم آئے گی بھئی۔ ایک ایسی چیز کو حاصل کرنا چاہتا ہے جو پہلے سے ہی اس کو حاصل ہے۔ حاصل تو وہ چیز آپ کر سکتے ہیں جو آپ کے پاس نہیں ہے۔ تو معرفہ کی اضافت معرفہ کی طرف کریں گے تو تحصیلِ حاصل لازم آئے گی، یا یوں کہو تعریفِ معرف لازم آئے گا۔ کیا؟ تعریفِ معرف۔ تعریف کا کیا معنی؟ معرفہ بنانا۔ اور معرف جو معرفہ ہے پہلے سے ہی معرفہ بنایا ہوا ہے۔

توجہ ہے؟ پھر سمجھو۔ دیکھو اَلْغُلَامُ معرفہ ہے، میں اس کی اضافت نکرہ رَجُلٌ کی طرف کرنا چاہتا ہوں۔ تو مضاف کی جب اضافت نکرہ کی طرف کی جائے اس سے کیا اخذ کرتا ہے؟ تخصیص۔ دیکھو اَلْغُلَامُ کا لفظ ہے، میں اس کی اضافت کرنا چاہتا ہوں، اب یہ معرفہ ہے، صاحبِ کافیہ نے کیا کہا اس کو تعریف سے خالی کرو۔ وجہ کیا ہے؟ وجہ یہ کہ اگر آپ خالی نہیں کریں گے تو دو خرابیوں میں سے ایک خرابی ضرور لازم آئے گی۔ مثلاً اَلْغُلَامُ ہے میں اس کو اسی طرح تعریف کے ساتھ اس کی اضافت کرنا چاہتا ہوں، تو آگے نکرہ کی طرف اضافت کروں گا یا معرفہ کی۔ اگر نکرہ کی طرف اضافت کرو تو نکرہ کی طرف اضافت کس چیز کا فائدہ دیتی تھی؟ تخصیص کا۔ تو گویا اَلْغُلَامُ رَجُلٍ سے تخصیص اخذ کرنا چاہتا ہے

حالانکہ اَلْغُلَامُ تو معرفہ ہے، اس کے پاس اعلیٰ چیز کے ہوتے ہوئے وہ ادنیٰ کو طلب کر رہا ہے اور اس کا تو کوئی فائدہ نہیں۔ جب خود معرفہ ہے تو تخصیص سے تو اعلیٰ درجہ اس کے پاس پہلے ہی موجود ہے بھئی، یہ معرفہ ہے بھئی۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو لہٰذا اس صورت میں تخصیص کا طلب کرنا لازم آئے گا اور یہ صحیح نہیں۔ اور اگر آپ اَلْغُلَامُ کی اضافت زید کی طرف کرتے ہیں تو زید سے اس نے کیا اخذ کرنی تھی؟ تعریف۔ اَلْغُلَامُ تو خود ہی پہلے معرفہ ہے تو یہ تو تحصیلِ حاصل، ایک چیز اس کو پہلے ہی حاصل ہے یہ اس کو حاصل کرنا چاہتا ہے تو یہ نہیں ہو سکتا۔ تحصیل اسی چیز کی ہو سکتی ہے جو آپ کے پاس نہیں، جو آپ کے پاس پہلے ہی حاصل ہے اس کی تحصیل نہیں ہو سکتی۔ تو اَلْغُلَامُ پہلے ہی معرفہ ہے، یہ زید سے تعریف نہیں لے سکتا کیونکہ تعریف پہلے ہی اس میں موجود ہے۔ یا یوں کہو اس صورت میں تعریفِ معرف لازم آئے گا۔ کیا؟ تعریفِ معرف۔ کیسے؟ اَلْغُلَامُ معرفہ ہے، کیا ہے؟ اَلْغُلَامُ، اور کس کی طرف اضافت کر رہے ہیں؟ زید کی طرف۔ تو اَلْغُلَامُ یہ معرف ہے اور تعریف کا کیا معنی؟ عَرَّفَ یُعَرِّفُ، تعریف کا معنی معرفہ بنانا۔ کیا معنی ہے؟ معرفہ بنانا۔ تو اس صورت میں کیا لازم آئے گا؟ یہ جو معرف اَلْغُلَامُ ہے اس کو معرفہ بنانا لازم آئے گا۔ آپ زید کی طرف اضافت کیوں کر رہے ہیں؟ معرفہ کی طرف اضافت کیوں کی جاتی ہے؟ معرفہ بنانے کے لیے۔ بھئی یہ تو پہلے ہی معرفہ ہے، یہ تو آپ تعریفِ

معرف کر رہے ہیں، ایک چیز جو پہلے ہی معرفہ ہے آپ اس کو معرفہ بنانے کی کوشش کر رہے ہیں، بھئی یہ تو نہیں ہو سکتا۔ معرفہ آپ اس کو بنا سکتے ہیں جو پہلے معرفہ نہ ہو بھئی، جو پہلے سے ہی معرفہ ہے وہ کیسے معرفہ بنائیں گے اس کو؟

بات بھی سمجھ میں آئی یا نہیں؟ پھر سمجھو، پھر سمجھو۔ انہوں نے کیا کہا اگر آپ اضافتِ معنویہ کرنا چاہتے ہیں تو مضاف کو تعریف سے خالی ہونا چاہیے۔ اگر یہ معرفہ ہوا جیسے اَلْغُلَامُ ہے اور آپ مثلاً اس کی رجل کی طرف اضافت نکرہ کی طرف اضافت کرتے ہیں، تو نکرہ سے مضاف کیا اخذ کرتا ہے؟ تخصیص۔ اور حالانکہ اس کے پاس تو اعلیٰ درجے کی چیز یعنی تعریف موجود ہے تو تعریف کے ہوتے ہوئے ادنیٰ کا طلب کرنا لازم آئے گا اور یہ صحیح نہیں۔ اور اگر آپ اَلْغُلَامُ کی اضافت زید یعنی معرفہ کی طرف کرنا چاہتے ہیں، تو اس صورت میں کیا لازم آئے گا؟ تعریفِ معرف لازم آئے گا۔ کیا؟ تعریفِ معرف۔ یعنی اَلْغُلَامُ یہ معرف ہے یہ پہلے سے ہی معرفہ ہے، اس کا معرفہ بنانا لازم آئے گا۔ تعریف تو اس کی ہو سکتی ہے یعنی معرفہ تو آپ اس کو بنا سکتے ہیں جو پہلے نکرہ ہو بھئی۔ یہ تو پہلے سے ہی معرفہ ہے تو یہ کیا خرابی لازم آئے گی؟ تعریفِ معرف یا یوں کہو تحصیلِ حاصل، ایک چیز پہلے سے ہی حاصل ہے اس کو حاصل کرنا لازم آئے گا اور یہ تو محال ہے نہیں ہو سکتا بھئی۔ توجہ ہے؟ لفظوں پہ ذرا غور کرو: حاصل وہ چیز جو حاصل ہے اس کو پہلے سے ہی، اور تحصیل کا معنی حاصل کرنا، تو حاصل کرنا تو اس چیز کا ہو گا جو پہلے حاصل نہیں ہے۔ اور اَلْغُلَامُ تو پہلے سے ہی کیا ہے؟ معرفہ، تو اس کو تعریف حاصل ہے۔ اب یہ زید سے تعریف حاصل نہیں کر سکتا ورنہ تو کیا خرابی لازم آئے گی؟ تحصیلِ حاصل، ایک حاصل چیز کی تحصیل، یا تعریفِ معرف، ایک لفظ پہلے ہی معرفہ ہے آپ اس کو معرفہ بنانا چاہتے ہیں بھئی۔ بھئی وہ تو پہلے ہی معرفہ ہے معرفہ بنانے کا کیا مطلب؟ تو تعریفِ معرف صحیح نہیں ہے۔

تو کہتے ہیں وَإِنَّمَا يَجِبُ التَّجْرِيْدُ کہ تجرید یعنی مضاف کو تعریف سے خالی کرنا واجب ہے لِأَنَّ الْمَعْرِفَةَ لَوْ أُضِيْفَتْ إِلَى النَّكِرَةِ اس لیے کیونکہ معرفہ جو ہے اگر اس کی اضافت کر دی جائے نکرہ کی طرف لَكَانَ طَالِبًا لِلْأَدْنَى تو اس صورت میں یہ معرفہ جو ہے ادنیٰ چیز کو طلب کرنے والا ہو گا، یہ جو مضاف ہے اور معرفہ ہے یہ ادنیٰ کو طلب کرنے والا، تو یہ ادنیٰ کا طلب کرنا ہو گا وَهُوَ التَّخْصِيْصُ اور وہ ادنیٰ چیز کیا ہے؟ تخصیص، جب اس کے پاس تعریف موجود ہے تو ادنیٰ کی طلب درست نہیں۔ تو وَهُوَ التَّخْصِيْصُ مَعَ حُصُوْلِ الْأَعْلَى باوجود اس کے کہ اعلیٰ چیز حاصل ہے وَهُوَ التَّعْرِيْفُ اور وہ تعریف ہے۔ وَلَوْ أُضِيْفَتْ إِلَى الْمَعْرِفَةِ اور اگر اضافت کی جائے معرفہ کی طرف یعنی مضاف بھی معرفہ اور اضافت کس کی طرف کر دی؟ معرفہ کی طرف، لَكَانَ تَحْصِيْلَ الْحَاصِلِ تو اس صورت میں کیا خرابی لازم آئے گی؟ تحصیلِ حاصل لازم آئے گی۔ فَتَضِيْعُ الْإِضَافَةُ تو اس صورت میں اضافت ضائع ہو جائے گی حَيْثُ لَا تُفِيْدُ تَعْرِيْفًا وَلَا تَخْصِيْصًا اس طور پر کہ نہ تو یہ تعریف کا فائدہ دے گی اور نہ تخصیص کا۔ جب مضاف پہلے ہی معرفہ ہے تو پھر اس صورت میں اگر آپ چاہیں نکرہ کی طرف اضافت کریں چاہیں معرفہ کی طرف تو اضافت کی اضافت ضائع چلی جائے گی، نہ وہ تعریف کا فائدہ دے گی کیونکہ تعریف تو پہلے حاصل ہے،

اور نہ وہ تخصیص کا فائدہ دے گی کیونکہ تخصیص سے اعلیٰ چیز تعریف پہلے سے ہی حاصل ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟

فَإِنْ قِيْلَ لَا فَرْقَ بَيْنَ إِضَافَةِ الْمَعْرِفَةِ وَبَيْنَ جَعْلِهَا عَلَمًا فِيْ نَحْوِ النَّجْمِ وَالثُّرَيَّا وَالصَّعِقِ وَابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُمَا فِيْ لُزُوْمِ تَعْرِيْفِ الْمُعَرَّفِ۔یہاں سے ایک اعتراض اور اس کا جواب پھر صاحبِ جامی ذکر کریں گے۔ اعتراض یہ ہوتا ہے کہ بعض اوقات ایک معرفہ کسی کا علم بنا دیا جاتا ہے، بعض اوقات کیا کر دیا جاتا ہے؟ کوئی معرفہ ہوتا ہے اس کو کسی کا علم بنا دیا جاتا ہے۔ جیسے نَجْمٌ، نَجْمٌ ستارے کو کہتے ہیں عربی زبان میں، اس پر الف لام داخل کیا گیا اَلنَّجْمُ، تو یہ کیا بن گیا؟ معرفہ۔ پھر اس کو ستاروں کا ایک مجموعہ ہے اور اس کا نام رکھ دیا گیا اَلنَّجْمُ، جس کو اردو میں ثریا بھی کہتے ہیں اور پروین بھی کہتے ہیں، یہ چھوٹے چھوٹے ستاروں کا ایک مجموعہ ہے جو گچھے کی صورت میں اکٹھے ہیں اور بڑے باریک چھوٹے چھوٹے ستارے ہیں۔ اور عرب اس کے ذریعے نظر کی تیزی کا امتحان لیتے تھے کہ کس کی نظر تیز ہے اس کو اس مجموعے میں کتنے ستارے نظر آتے ہیں بھئی۔ تو اَلنَّجْمُ، تو یہ نجم پہلے نکرہ تھا پھر اس پر الف لام داخل کیا گیا تو یہ کیا بن گیا؟ معرفہ، اور پھر اس کو علم بنا دیا گیا۔ پھر اس کو علم بنا دیا گیا، حالانکہ اَلنَّجْمُ یہ بھی کیا ہے؟ معرفہ، اور علم بنا دیا پھر بھی کیا ہے؟ معرفہ۔ تو آپ نے ہمیں کہا تھا کہ مضاف جب معرفہ ہو تو پھر اس کی اضافت نہیں کرتے، ابھی بتایا یا نہیں آپ کو؟ جب مضاف کیا ہو؟ معرفہ ہو تو اس کی اضافت نہیں کرتے، ورنہ کیا خرابی لازم آتی ہے؟ تحصیلِ حاصل یا یوں کہو تعریفِ معرف لازم آتا ہے جو پہلے سے ہی معرفہ ہے اس کا معرفہ بنانا لازم آتا ہے اور وہ تو نہیں ہو سکتا۔ تو نحوی حضرات نے معرفہ کی اضافت تو جائز قرار نہیں دی، کیوں نہیں جائز قرار دی؟ تعریفِ معرف کی وجہ سے کیونکہ تعریفِ معرف جائز نہیں۔ اور اَلنَّجْمُ، اَلنَّجْمُ پہلے کیا تھا صرف نَجْمٌ نکرہ تھا پھر اس پر کیا لے آئے؟ الف لام، اب یہ کیا بن گیا؟ معرفہ، اور علم بھی کیا ہوتا ہے؟ معرفہ۔ تو اَلنَّجْمُ پہلے الف لام کے ساتھ معرفہ تھا اور پھر اس کے بعد اس کو علم بنا دیا گیا تو اس میں بھی دیکھو تعریفِ معرف لازم آرہا ہے۔ کیا لازم آرہا ہے؟ تعریف۔ اَلنَّجْمُ پہلے سے ہی معرفہ تھا الف لام کے ساتھ، تو معرف باللام وہ بھی معرفہ، اور علم بھی کیا ہوتا ہے؟ معرفہ ہوتا ہے۔ تو وہاں معرفہ کی اضافت تو آپ نے جائز قرار نہیں دی تعریفِ معرف کی وجہ سے حالانکہ یہی تعریفِ معرف یہاں بھی لازم آرہی ہے، اَلنَّجْمُ بھی معرفہ تھا جب علم بنایا علم بھی کیا ہوتا ہے معرفہ، تو یہ کیا خرابی لازم آئی؟ تعریفِ معرف لازم آیا۔

یا دوسری مثال لے لو اَلثُّرَيَّا، وہی اَلنَّجْمُ کو اَلثُّرَيَّا بھی کہتے ہیں، اردو میں بھی ثریا کہتے ہیں۔ اَلثُّرَيَّا یاد رکھو یہ پہلے تھا ثُرَيَّا، ثُرَيَّا یاد رکھو یہ تصغیر ہے ثَرْوٰی کی، کس کی؟ ثَرْوٰی، اور ثَرْوٰی مؤنث ہے ثَرْوَانُ کی۔ اور ثَرِيَ يَثْرٰی کا معنی ہوتا ہے کسی آدمی کا مالدار ہونا، اس کے پاس مال کا کثیر ہونا۔ اسی سے صفتِ مشبہ کیا ہے؟ ثَرْوَانُ، ثَرْوَانُ کا معنی ہے مالدار، مالدار۔ عورت ہو تو کہیں گے ثَرْوٰی، مؤنث اس کی کیا ہے؟ ثَرْوٰی۔ جیسے عَطْشَانُ کا کیا معنی؟ پیاسا، اور مؤنث کیا ہے؟ عَطْشٰی۔ تو جیسے عَطْشَانُ کی مؤنث عَطْشٰی اسی طرح ثَرْوَانُ کا معنی مالدار اس کی مؤنث کیا؟ ثَرْوٰی، اور اس ثَرْوٰی کی تصغیر آتی ہے ثُرَيْوٰی۔ کیا آتی

ہے؟ ثُرَیْوٰی، یا اور واو اکٹھے ہوئے تو واو کو بھی یا کر کے یا میں ادغام کیا تو کیا بن گیا؟ ثُرَیَّا۔ تو یہ ثُرَیَّا تصغیر ہے ثَرْوٰی کی اور پھر اس پر الف لام داخل کر دیا گیا تو کیا بن گیا؟ اَلثُّرَیَّا، یہ معرف باللام ہے۔ پھر اس ستاروں کے مجموعے کا نام اَلثُّرَیَّا رکھ دیا، تو دیکھو اس میں بھی تعریفِ معرف ہے۔ اَلثُّرَیَّا الف لام کی وجہ سے پہلے ہی معرفہ تھا پھر اس کو علم بنایا گیا تو یہ تو کیا لازم آئی؟ تعریفِ معرف۔ بات سمجھ میں آ رہی ہے؟

اسی طرح اَلصَّعِقُ بھئی، صَعِقٌ یہ لفظ پہلے بھی گزرا تھا منادیٰ کی بحث میں، میں نے آپ کو بتلایا تھا صَعِقٌ کا معنی ہے وہ شخص جس پر آسمانی بجلی گرے اور وہ بے ہوش ہو جائے اس کو کہتے ہیں صَعِقٌ بھئی۔ اسی طرح چیخنے والا جو ہے اس کو بھی صَعِقٌ کہتے ہیں، عربی میں کہتے ہیں صَعِقَ الرَّجُلُ جب اس پر آسمانی بجلی گرے اور بے ہوش ہو جائے تو کیا کہتے ہیں صَعِقَ الرَّجُلُ، یا کوئی چیخنے چلانے لگے تو کیا کہتے ہیں صَعِقَ الرَّجُلُ۔ تو یہ عرب کا ایک بڑا مشہور شہسوار تھا، بڑا ماہر گھڑ سوار تھا بھئی، پورے عرب میں اس کی شہرت تھی اور اس کا نام تھا خویلد ابنِ نفیل الکلابی، خویلد ابنِ نفیل کلابی اس کا نام تھا۔ یہ اس پر کہتے ہیں آسمانی بجلی گری اور یہ پھر بے ہوش ہو گیا۔ اس کے بعد جب بھی آسمانی بجلی گرتی یا کوئی زوردار کڑکدار آواز یہ سنتا تھا تو اس پر دورہ پڑتا یا یہ بے ہوش ہو جاتا ہو گا کیونکہ بے ہوش کو بھی کیا کہتے ہیں صَعِقٌ، یا یہ چیخنے لگتا ہو گا چیخنے والے کو بھی کیا کہتے ہیں صَعِقٌ۔ تو جب بھی کڑکدار آواز آتی تو پھر اسی طرح اس پر یہ کیفیت طاری ہو جاتی، یا یہ بے ہوش ہو جاتا ہو گا یا چیخنے لگتا ہو گا، تو اس کا نام ہی صَعِقٌ پڑ گیا: اَلصَّعِقُ۔ کیا پڑ گیا؟ اَلصَّعِقُ الف لام کے ساتھ۔ اب عام عرب کے اندر جب بھی اَلصَّعِقُ ذکر ہوتا یہ والا شخص مراد ہوتا تھا۔ تو دیکھو اس کے اندر بھی صَعِقٌ پہلے صَعِقٌ کیا معنی؟ صفتِ مشبہ ہے، پھر اس پر کیا آیا؟ الف لام تو یہ معرفہ بن گیا، پھر اس کو کیا بنا دیا گیا؟ علم، تو علم بھی معرفہ تو کیا خرابی لازم آئی؟ تعریفِ معرف کی خرابی لازم آئی، ایک لفظ پہلے ہی معرفہ ہے آپ اس کو علم بنا کر معرفہ بنا رہے ہیں۔

اسی طرح ابْنُ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُمَا، حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارہ بیٹے تھے لیکن ان میں سے ابْنُ عَبَّاسٍ کہا جائے تو مراد عبد اللہ ابنِ عباس ہوتے ہیں، کون ہوتے ہیں؟ عبد اللہ ابنِ عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما مراد ہوتے ہیں۔ تو گویا یہ ابْنُ عَبَّاسٍ ان کے لیے علم بن گیا، کیا بن گیا؟ علم۔ اب جب بھی حدیث، تفسیر وغیرہ کتابوں میں جب بھی ذکر ہوتا ہے ابْنُ عَبَّاسٍ تو باقی بیٹے نہیں مراد ہوتے، کون مراد ہوتے ہیں؟ عبد اللہ ابنِ عباس، تو یہ ابْنُ عَبَّاسٍ یہ ان کے لیے علم بن گیا۔ کیا بن گیا؟ علم۔ اب دیکھو اس کے اندر ابْنٌ کی اضافت ہے عَبَّاسٍ کی طرف اور عَبَّاسٍ کیا ہے؟ نام ہے تو یہ معرفہ ہے، اور معرفہ کی طرف جو لفظ مضاف ہو جائے وہ بھی کیا بن جاتا ہے؟ معرفہ۔ توجہ ہے؟ تو ابْنٌ کی اضافت جب عَبَّاسٍ کی طرف ہوئی ابْنُ عَبَّاسٍ، اب یہ ابْنٌ کا لفظ بھی کیا بن گیا؟ معرفہ، اب یہ معرفہ ہے اب اس کو ان کے لیے نام قرار دے دیا۔ تو یہ کیا خرابی لازم آئی؟ تعریفِ معرف، ایک لفظ پہلے ہی معرفہ ہے آپ اس کو علم بنا کر معرفہ بنا رہے ہیں۔ باقیوں میں تعریف تھی الف لام کے ذریعے: اَلنَّجْمُ، اَلثُّرَیَّا، اَلصَّعِقُ، تو وہاں تعریف کس کے ذریعے تھی؟ الف لام کے ذریعے اور

پھر کیا بنا دیا؟ علم، تو کیا خرابی لازم آئی؟ تعریفِ معرف۔ اور ابْنُ عَبَّاسٍ کے اندر جو تعریف آئی وہ کون سی ہے؟ اضافت کی وجہ سے، ابْنُ مضاف عَبَّاسٍ مضاف الیہ، اس کی وجہ سے ابْنٌ بھی کیا بن گیا؟ معرفہ، پھر اس کو کیا بنا دیا گیا؟ علم، علم کے درجے میں یہ ہو گیا ان سے وہی مراد ہوتے ہیں، تو اس میں بھی کیا خرابی لازم آئی؟ تعریفِ معرف کی خرابی لازم آئی۔

تو اب اشکال یہ کریں گے کہ کیا بات ہے نحوی حضرات، توجہ سے سنو، معرفہ کی اضافتِ معنوی تو جائز قرار نہیں دیتے، کس کی؟ معرفہ کی اضافتِ معنوی، ابھی اوپر بتایا کہ اضافتِ معنوی کی کیا شرط ہے؟ مضاف کو تعریف سے خالی ہونا چاہیے۔ تو معرفہ کی تو وہ اضافتِ معنوی جائز قرار نہیں دیتے، کیوں نہیں جائز قرار دیتے؟ کیونکہ کیا خرابی لازم آتی ہے؟ تعریفِ معرف۔ لیکن معرفہ کو وہ علم بنانا جائز قرار دیتے ہیں حالانکہ وہاں بھی تعریفِ معرف کی خرابی لازم آ رہی ہے۔ اشکال سمجھ میں آ گیا؟ دونوں جگہ تعریفِ معرف ہے، معرفہ کی اضافت کریں تب بھی تعریفِ معرف اور معرفہ کو علم بنائیں تب بھی تعریفِ معرف۔ لیکن ایک جو ہے اس کو وہ جائز نہیں کہتے کہ مضاف کا معرفہ ہونا یہ جائز نہیں ہے کیونکہ اس میں تعریفِ معرف، اور دوسری جگہ معرفہ کو علم بنائیں وہاں بھی تعریفِ معرف ہے اس کو وہ جائز کہتے ہیں۔ اشکال سمجھ میں آیا؟

دیکھیے بھئی پہلے اشکال، کہتے ہیں فَإِنْ قِيْلَ اگر یہ کہا جائے لَا فَرْقَ بَيْنَ إِضَافَةِ الْمَعْرِفَةِ وَبَيْنَ جَعْلِهَا عَلَمًا کوئی فرق نہیں ہے معرفہ کی اضافت کرنے میں وَبَيْنَ جَعْلِهَا عَلَمًا اور معرفہ کو علم بنانے میں۔ معرفہ کی اضافت کرنے میں اور معرفہ کے علم بنانے میں کوئی فرق نہیں ہے۔ بھئی کس اعتبار سے؟ آخر میں آ رہا ہے اسی سطر کے: فِيْ لُزُوْمِ تَعْرِيْفِ الْمُعَرَّفِ کہ اس میں تعریفِ معرف

لازم آتا ہے۔ دونوں صورتوں میں کیا لازم آتا ہے؟ تعریفِ معرف لازم آتا ہے۔ فَمَا بَالُهُمْ جَوَّزُوْا هٰذَا دُوْنَ ذٰلِكَ، بال کہتے ہیں دل کو، کس کو؟ اور اسی طرح بال شان اور حالت کو بھی کہتے ہیں۔ یہاں بال بمعنی شان اور حالت کے ہے۔ فَمَا بَالُهُمْ تو نحویوں کی کیا حالت ہے، کیا شان ہے؟ یعنی نحوی حضرات کو کیا ہو گیا ہے؟ جَوَّزُوْا هٰذَا اس کو تو جائز قرار دیتے ہیں یعنی معرفہ کو علم بنانا، دُوْنَ ذٰلِكَ نہ کہ اس کو جائز نہیں قرار دیا۔ یعنی معرفہ کی اضافت تو جائز قرار نہیں دیتے اور معرفہ کو علم بنانا جائز قرار دیتے ہیں؟ اشکال سمجھ میں آیا؟

جی، اب پھر ذرا ترجمہ دیکھ لیجیے: فَإِنْ قِيْلَ اگر یہ کہا جائے لَا فَرْقَ بَيْنَ إِضَافَةِ الْمَعْرِفَةِ وَبَيْنَ جَعْلِهَا عَلَمًا کہ معرفہ کی اضافت کرنے میں اور معرفہ کو علم بنانے میں کوئی فرق نہیں ہے فِيْ نَحْوِ اس جیسی مثالوں میں جیسے النَّجْمِ وَالثُّرَيَّا وَالصَّعِقِ وَابْنِ عَبَّاسٍ، ان سب میں دیکھو تعریف ہے پھر ان کو علم بنایا گیا، تو معرفہ کی اضافت میں اور اس کو علم بنانے میں کوئی فرق نہیں ہے فِيْ لُزُوْمِ تَعْرِيْفِ الْمُعَرَّفِ اس بات کے اندر کہ اس میں تعریفِ معرف لازم آتی ہے، ان دونوں میں دونوں صورتوں میں تعریفِ معرف ہے چاہے معرفہ کی اضافت کریں چاہے معرفہ کو علم بنائیں۔ فَمَا بَالُهُمْ تو نحوی حضرات کو کیا ہوا ہے کہ جَوَّزُوْا هٰذَا انہوں نے اس کو تو جائز قرار دیا ہے دُوْنَ ذٰلِكَ اس کو جائز نہیں قرار دیا، یعنی معرفہ کا علم بنانا تو جائز

قرار دیا ہے اور معرفہ کی اضافت جائز قرار نہیں دی حالانکہ خرابی دونوں میں ایک ہی ہے کہ تعریفِ معرف لازم آتا ہے۔

قِيْلَ تو کہا گیا ہے — جہاں جواب دیں گے اب صاحبِ جامی۔ ادھر دیکھیے، جواب یہ کہ معرفہ کی اضافت کرتے ہیں تو تعریفِ معرف لازم آتا ہے، لیکن معرفہ کو جب علم بناتے ہیں پھر تعریفِ معرف نہیں لازم آتا۔ جب معرفہ کی اضافت کریں پھر تو کیا لازم آتا ہے؟ تعریفِ معرف اور یہ جائز نہیں، لیکن جب معرفہ کو علم بناتے ہیں جیسے النَّجْمُ کو علم بنایا، ابْنُ عَبَّاسٍ کو علم بنایا، معرفہ کو جب علم بناؤ تو تعریفِ معرف لازم نہیں آتا۔ بھئی کس طرح لازم نہیں آتا؟ کہتے ہیں اس وقت ایک تعریف چلی جاتی ہے اور دوسری تعریف آجاتی ہے۔ پہلے النَّجْمُ میں کون سی تعریف تھی؟ الف لام والی، اور الف لام کے ذریعے کسی کی طرف اشارہ ہوتا ہے تو النَّجْمُ کے ذریعے مثلاً کسی معین ستارے کی طرف اشارہ تھا، اب وہ اشارہ چلا گیا الف لام والا، اب یہ علم بن گیا۔ وہ والی تعریف چلی گئی الف لام والی اور یہ اور تعریف آگئی علم والی۔ بات سمجھ میں آرہی ہے؟ وہ تعریف چلی گئی الف لام والی اور اور تعریف علم والی آگئی۔ یا اسی طرح الثُّرَيَّا اس کے اندر بھی الف لام والی تعریف چلی گئی اور علم والی تعریف آگئی۔ اور اسی طرح الصَّعِقُ میں بھی الف لام والی تعریف چلی گئی، الف لام کے ذریعے اشارہ ہوتا ہے نا کسی چیز کی طرف، وہ الف لام کے ذریعے یہاں اشارہ نہیں ہو رہا اب یہ نام کے درجے میں ہے یہ علم کے درجے میں ہے۔ اسی طرح ابْنُ عَبَّاسٍ اس کے اندر اضافت والی تعریف چلی گئی اور علم والی تعریف آ گئی۔ تو یہاں تعریفِ معرف نہیں ہے بلکہ تعریف کے ایک طریقے کو چھوڑ کر دوسرے تعریف کے طریقے کو حاصل کرنا ہے۔ تعریف کے ایک طریقے کو ختم کر کے دوسرے طریقے کو حاصل کرنا ہے۔

دیکھیے بھئی، کہتے ہیں قِيْلَ کہا گیا ہے لَا نُسَلِّمُ ہمیں یہ بات تسلیم نہیں ہے کہ أَنَّ فِيْ هٰذِهِ الْأَمْثِلَةِ تَعْرِيْفَ الْمُعَرَّفِ کہ ان مثالوں کے اندر تعریفِ معرف ہے۔ یہ جو النَّجْمُ، الثُّرَيَّا، الصَّعِقُ اور ابْنُ عَبَّاسٍ آئے ان مثالوں کے اندر ہمیں یہ بات تسلیم نہیں کہ تعریفِ معرف لازم آرہی ہے۔ بَلْ فِيْهَا زَوَالُ تَعْرِيْفٍ بلکہ اس کے اندر ایک تعریف کا زوال ہے یعنی ایک تعریف ختم ہو رہی ہے، وہ کون سی؟ کہتے ہیں وَهُوَ التَّعْرِيْفُ الْحَاصِلُ بِاللَّامِ أَوِ الْإِضَافَةِ اور وہ وہ والی تعریف ہے جو لام یا اضافت کی وجہ سے حاصل ہو رہی ہے، وہ اس تعریف کا زوال ہے، وَحُصُوْلُ تَعْرِيْفٍ آخَرَ اور دوسری تعریف کا حصول ہے وَهُوَ التَّعْرِيْفُ بِالْعَلَمِيَّةِ اور وہ تعریف ہے جو علم ہونے کی وجہ سے ہے۔ فَإِنَّهَا حِيْنَ صَارَتْ أَعْلَامًا اس لیے کیونکہ یہ جو مثالیں ہیں یہ جب علم بن گئیں لَمْ يَبْقَ فِيْهَا الْإِشَارَةُ إِلَى مَعْلُوْمِيَّتِهَا بِاللَّامِ أَوِ الْإِضَافَةِ تو لَمْ يَبْقَ فِيْهَا ان کے اندر باقی نہ رہا الْإِشَارَةُ إِلَى مَعْلُوْمِيَّتِهَا کہ اشارہ ہو رہا ہو ان کے معلوم ہونے کی طرف بِاللَّامِ أَوِ الْإِضَافَةِ لام کے ذریعے یا اضافت کے ذریعے۔ بھئی ادھر دیکھیے نا: غُلَامٌ، غُلَامٌ عام تھا، اب جب میں نے زید کی طرف اضافت کر دی غُلَامُ زَيْدٍ، اب یہ جو غلام کی اضافت زید کی طرف ہو رہی ہے اس اضافت میں اشارہ ہو رہا ہے کہ یہ متعین غلام ہے۔ اشارہ کس کے ذریعے ہو رہا ہے؟ اضافت

کی وجہ سے، یہ جو غلام کی اضافت کس کی طرف ہے؟ زید کی طرف۔ اگر یہ اضافت نہ ہوتی تو غُلَامٌ متعین غلام پہ دلالت کرتا؟ پھر نہ کرتا۔ تو یہ اضافت کی وجہ سے اشارہ ہو رہا ہے، جیسے میں کہتا ہوں اَلْغُلَامُ، غلام پر میں کیا لے آیا؟ الف لام، تو جیسے الف لام کے ذریعے ایک معین غلام کی طرف اشارہ ہے اسی طرح غُلَامُ زَيْدٍ میں بھی یہ اضافت کے ذریعے ایک متعین غلام کی طرف اشارہ ہے۔ تو بتلا رہے ہیں کہ جب ان کو النَّجْمُ، الصَّعِقُ اور ابْنُ عَبَّاسٍ ان کو جب علم بنایا گیا تو اب ان میں جو الف لام اور اضافت ہو رہی ہے اس کے ذریعے اشارہ نہیں ہو رہا، وہ والا اشارہ چلا گیا، اب یہ علم بن گئے۔ تو وہ الف لام والا اشارہ اب فائدہ نہیں دے رہا اور اضافت بھی تعریف کا فائدہ نہیں دے رہی، معلوم ہوا وہ والی تعریف ختم ہو چکی ہے اب نئی تعریف علمیت والی آچکی ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ یہ معنی ہے فَإِنَّهَا حِيْنَ صَارَتْ أَعْلَامًا اس لیے کیونکہ یہ لفظ جب علم بن گئے تو لَمْ يَبْقَ فِيْهَا الْإِشَارَةُ إِلَى مَعْلُوْمِيَّتِهَا تو باقی نہ رہا ان کے اندر اشارہ ان کے معلوم ہونے کی طرف کہ یہ کسی معلوم اور متعین پر دلالت کر رہے ہیں، تو ان کے معلوم ہونے کی طرف ان میں اشارہ باقی نہ رہا کس کے ذریعے؟ بِاللَّامِ أَوِ الْإِضَافَةِ الف لام کے ذریعے یا اضافت کے ذریعے ان کے معلوم ہونے کی طرف اشارہ اب باقی نہ رہا، وہ تعریف چلی گئی۔ فَلَا يَلْزَمُ فِيْهَا تَعْرِيْفُ الْمُعَرَّفِ تو اس کے اندر تعریفِ معرف لازم نہیں آتا، بَلْ تَبْدِيْلُ تَعْرِيْفٍ بِتَعْرِيْفٍ آخَرَ بلکہ ایک تعریف تبدیل ہو گئی دوسری تعریف کے ساتھ۔ جواب سمجھ میں آیا؟ کہ اب اس میں تعریفِ معرف نہیں بلکہ تَبْدِيْلُ تَعْرِيْفٍ بِتَعْرِيْفٍ آخَرَ ایک تعریف چلی گئی اور دوسری تعریف آگئی، جب کہ اضافت کی صورت میں ایسا نہیں ہوتا، تو وہاں تعریفِ معرف لازم آتا ہے اور یہاں تعریفِ معرف لازم نہیں آتا۔ یاد رکھو یہ جو اعلام ہوتے ہیں نا ان میں وضعِ ثانی ہوتی ہے، کیا ہوتی ہے؟ وضعِ ثانی، یعنی ایک لفظ کا ایک معنی تھا پھر جب آپ نے کسی چیز کا علم بنا دیا تو گویا آپ نے اس لفظ کو اس ذات کے لیے الگ وضع کر دیا، اب وہ معنی کی طرف ارادہ نہیں۔ جیسے عَبْدُ اللهِ، عَبْدٌ مضاف ہے اور لفظِ اللہ مضاف الیہ، عَبْدُ اللهِ کا کیا معنی عربی زبان میں؟ اللہ کا بندہ۔ تو عَبْدٌ ایک معنی کے لیے وضع تھا اور لفظِ اللہ ذاتِ باری تعالیٰ کے لیے وضع ہے، لیکن جب آپ کسی کا نام رکھتے ہیں عَبْدُ اللهِ تو اب ایک آپ نے نئی وضع کر دی، کیا کر دی؟ اب یہ عَبْدُ اللهِ کا لفظ ایک نئی ذات ایک نئے بچے کے لیے آپ نے وضع کر دیا مقرر کر دیا، تو اب وہ پچھلی وضع کا اس میں دخل نہیں ہے۔ تو یہاں پر بھی النَّجْمُ کے اندر تعریف تھی الف لام کی وجہ سے، لیکن اب اس کو ستاروں کے ایک مجموعے کے لیے الگ سے علم کے طور پر وضع کر دیا، تو اب پہلی وضع کا یہاں دخل نہیں، پہلی وضع کا معنی یہاں ملحوظ نہیں۔ النَّجْمُ پہلے بھی معرفہ تھا الف لام کی وجہ سے لیکن اب کیا آگئی وضعِ ثانی، جب وضعِ ثانی آگئی تو وضعِ اول یہاں ملحوظ نہیں ہے، وہ پہلی تعریف چلی گئی یہ نئی تعریف آگئی۔ تو اعلام کے اندر وضعِ ثانی ہوتی ہے، تو ان سب کے اندر وضعِ ثانی ہے تو وضعِ اول والی تعریف ختم ہو چکی ہے بھئی۔

آگے دیکھیے، متن متن آگے دیکھیے بھئی: وَمَا أَجَازَهُ الْكُوْفِيُّوْنَ مِنَ الثَّلَاثَةِ الْأَثْوَابِ وَشِبْهِهِ مِنَ الْعَدَدِ ضَعِيْفٌ۔ انہوں نے آپ کو بتلا دیا ضابطہ۔ ضابطہ کیا بتلایا؟ کہ معرفہ کی اضافتِ معنوی جائز نہیں۔ بتلا دیا نا مضاف کو تعریف سے کیا ہونا چاہیے؟ خالی ہونا چاہیے، معلوم ہوا مضاف جب معرفہ ہو تو آپ اس کی اضافتِ معنوی نہیں کر سکتے۔ توجہ ہے؟ پھر دہراؤ: مضاف اگر کیا ہو؟ معرفہ ہو تو اس کی اضافتِ معنوی جائز نہیں۔ لیکن کوفہ والے نحوی کہتے ہیں کہ عدد کے اندر یہ جائز ہے۔ جیسے دیکھو الثَّلَاثَةُ الْأَثْوَابِ تین کپڑے بھئی، الثَّلَاثَةُ عدد ہے اور آگے الْأَثْوَابِ معدود ہے یعنی جس چیز کی تعداد بیان ہو رہی ہے، اور کوفہ والے نحوی فرماتے ہیں کہ جب عدد کی اضافت ہو رہی ہو معدود کی طرف تو وہاں عدد کو معرفہ لانا بھی جائز۔ دیکھو الثَّلَاثَةُ اس پر الف لام ہے حالانکہ یہ مضاف ہے، اور الْأَثْوَابِ مضاف الیہ، تو یہاں مضاف بھی معرفہ ہے، حالانکہ صاحبِ کافیہ نے کیا بتلایا کہ اضافتِ معنوی کی شرط کیا ہے؟ مضاف کو تعریف سے خالی ہونا چاہیے وہ معرفہ نہیں ہونا چاہیے۔ لیکن کوفہ کے نحوی کیا فرماتے ہیں؟ کہ عدد کی جب اضافت ہو معدود کی طرف تو عدد پر الف لام کا لانا جائز ہے، چنانچہ یہ الثَّلَاثَةُ الْأَثْوَابِ، الثَّلَاثَةُ مضاف اور الْأَثْوَابِ مضاف الیہ، اور مضاف پر الف لام داخل ہے، تو عدد کے اندر کوفہ والے نحوی فرماتے ہیں یہ جائز ہے۔

تو کہتے ہیں وَمَا أَجَازَهُ الْكُوْفِيُّوْنَ اور وہ چیز جس کی کوفہ کے نحوی علماء نے اجازت دی ہے مِنَ الثَّلَاثَةِ الْأَثْوَابِ یعنی کہ الثَّلَاثَةُ الْأَثْوَابِ جیسی مثالیں وَشِبْهِهِ اور اس کے جو مثل ہیں یعنی جن میں بھی عدد کی اضافت ہو رہی ہے کس کی طرف؟ معدود کی طرف، مِنَ الْعَدَدِ عدد میں سے، ضَعِيْفٌ یہ کیا ہے؟ ضعیف ہے۔ یہ جس کی اجازت کوفہ والے نحوی حضرات نے دی ہے کہ معدود معرفہ بھی جائز ہے، یہ ضعیف ہے۔ اچھا، تو یہ ضعیف ہے بھئی، یہ کیا ہے؟ صاحبِ کافیہ فرماتے ہیں یہ ضعیف ہے جو کوفہ والے نحوی حضرات فرماتے ہیں کہ عدد کی جب اضافت ہو رہی ہو معدود کی طرف تو عدد کا معرفہ لانا بھی جائز ہے، یہ ترکیب ضعیف ہے، یہ ترکیب ضعیف ہے۔ دیکھیے پھر ترجمہ، کہتے ہیں وَمَا أَجَازَهُ الْكُوْفِيُّوْنَ مِنَ الثَّلَاثَةِ الْأَثْوَابِ وَشِبْهِهِ مِنَ الْعَدَدِ ضَعِيْفٌ اور وہ جس کی کوفہ والے نحویوں نے اجازت دی یعنی الثَّلَاثَةُ الْأَثْوَابِ اور اس کے مثل جو ہیں عدد میں سے ضَعِيْفٌ یہ ترکیب ضعیف ہے بھئی۔

اب شرح کے ساتھ دیکھیے، کہتے ہیں وَمَا أَجَازَهُ الْكُوْفِيُّوْنَ مِنْ تَرْكِيْبِ الثَّلَاثَةِ الْأَثْوَابِ۔ متن میں آیا تھا مِنَ الثَّلَاثَةِ الْأَثْوَابِ، صاحبِ جامی نے مِنْ تَرْكِيْبِ الثَّلَاثَةِ الْأَثْوَابِ نکال کر بتلایا کہ الثَّلَاثَةُ الْأَثْوَابِ سے یہ لفظ نہیں مراد کہ یہ لفظ ضعیف ہیں اس طرح، بلکہ یہ والی ترکیب ضعیف ہے جس میں عدد پر بھی کیا آ جائے؟ الف لام آ جائے۔ کہ مِنْ تَرْكِيْبِ الثَّلَاثَةِ الْأَثْوَابِ وَشِبْهِهِ اور جو اس کے مثل اور ترکیبیں ہیں جن کے اندر عدد کس کی طرف مضاف ہو رہا ہو؟ معدود کی طرف، مِنَ الْعَدَدِ الْمُعَرَّفِ بِاللَّامِ یعنی کہ ایسا عدد جو معرف باللام ہو الْمُضَافِ إِلَى مَعْدُوْدِهِ اور مضاف ہو رہا ہو اپنے معدود کی طرف، نَحْوُ مثال کے طور پر الْخَمْسَةُ الدَّرَاهِمِ، الْخَمْسَةُ مضاف اور الدَّرَاهِمِ مضاف الیہ، وَالْمِائَةُ الدِّيْنَارِ، الْمِائَةُ مضاف الدِّيْنَارِ مضاف الیہ، اور آپ دیکھ رہے ہیں یہاں مضاف پر بھی یعنی عدد پر بھی الف لام داخل ہے تو کوفہ کے نحوی فرماتے ہیں عدد میں ایسا

جائز ہے۔ صاحبِ کافیہ فرماتے ہیں ضَعِيْفٌ یہ ضعیف ہے قِيَاسًا وَاسْتِعْمَالًا قیاساً بھی ضعیف ہے اور استعمالاً بھی ضعیف ہے۔ کہتے ہیں أَمَّا قِيَاسًا فَلِمَا ذُكِرَ مِنْ لُزُوْمِ تَحْصِيْلِ الْحَاصِلِ، کہتے ہیں قیاساً تو اس وجہ سے جو لِمَا ذُكِرَ وہ جو ذکر کر دی گئی مِنْ لُزُوْمِ تَحْصِيْلِ الْحَاصِلِ یعنی وہ جو تحصیلِ حاصل لازم آتا ہے۔ ابھی جو پیچھے تقریر گزری کہ مضاف معرفہ ہو تو یہ اضافتِ معنوی جائز نہیں، کیونکہ مضاف نے مضاف الیہ سے تخصیص اخذ کرنی ہے یا تعریف۔ تو اگر مضاف جب معرفہ ہے تو پھر تو تخصیص تو اس سے ادنیٰ درجے کی چیز ہے اور اس کے پاس خود کیا موجود ہے؟ تعریف موجود ہے، تو ادنیٰ کی طلب لازم آئے گی اور یہ درست نہیں۔ اور اگر معرفہ کی طرف اضافت کرتے ہیں معرفہ کی، تو پھر معرفہ سے تو اس نے مضاف نے تعریف اخذ کرنی تھی اور یہ تو پہلے ہی معرفہ ہے تو یہ تو کیا لازم آئے گا؟ تعریفِ معرف یا تحصیلِ حاصل کہہ لو، تو قیاساً بھی ضعیف ہے، اور استعمالاً بھی ضعیف ہے کیونکہ عرب کے جو فصیح شعراء ہیں وہ جب عدد کی اضافت کرتے ہیں معدود کی طرف تو اس کو الف لام سے خالی کر کے اضافت کرتے ہیں، تو استعمال کے اعتبار سے بھی عدد پر الف لام لانا اضافت کے وقت ضعیف ہے اور قیاس کے اعتبار سے بھی ضعیف ہے۔

تو کہتے ہیں ضَعِيْفٌ قِيَاسًا وَاسْتِعْمَالًا قیاساً بھی ضعیف ہے اور استعمالاً بھی۔ أَمَّا قِيَاسًا فَلِمَا ذُكِرَ مِنْ لُزُوْمِ تَحْصِيْلِ الْحَاصِلِ قیاساً جو ہے ضعیف ہونا تو اس وجہ سے جو ذکر کر دی گئی مِنْ لُزُوْمِ تَحْصِيْلِ الْحَاصِلِ یعنی تحصیلِ حاصل کے لازم ہونے کی وجہ سے۔ وَأَمَّا اسْتِعْمَالًا اور استعمالاً بھی ضعیف ہے، وہ

اس وجہ سے؟ کہتے ہیں فَلِمَا ثَبَتَ مِنَ الْفُصَحَاءِ پس اس وجہ سے جو عرب کے فصیح لوگوں سے ثابت ہے، عرب کے فصیح لوگوں سے ثابت ہے مِنْ تَرْكِ اللَّامِ یعنی کہ لام کا ترک کرنا، وہ عدد پر لام کو ترک کر دیتے ہیں، قَالَ ذُو الرُّمَّةِ عرب کا ایک فصیح شاعر ذو الرمہ جو ہے وہ کہتا ہے: ثَلَاثُ الْأَثَافِيِّ وَالدِّيَارُ الْبَلَاقِعُ۔ ثَلَاثُ الْأَثَافِيِّ وَالدِّيَارُ الْبَلَاقِعُ، دیکھو یہاں ثَلَاثُ عدد کی اضافت ہو رہی ہے الْأَثَافِيِّ کی طرف اور ثَلَاثُ پر الف لام داخل نہیں ہے بھئی۔ تو عرب کے فصیح لوگ کیا کرتے ہیں؟ عدد کی جب اضافت معدود کی طرف کرتے ہیں تو عدد کو الف لام سے خالی کر لیتے ہیں۔ تو معلوم ہوا استعمال بھی بغیر الف لام کے ہی ثابت ہے عربوں سے بھئی۔ تو کہتے ہیں ذو الرمہ شاعر کہتا ہے ثَلَاثُ الْأَثَافِيِّ وَالدِّيَارُ الْبَلَاقِعُ۔

جی اس کا معنی سمجھ لیں: الْأَثَافِيُّ جمع ہے أُثْفِيَّةٌ کی، أَثَافِيُّ جمع أُثْفِيَّةٌ، ثاء کے ساتھ ہے أُثْفِيَّةٌ۔ أُثْفِيَّةٌ جو ہے یہ چولہے کے طور پر تین پتھر استعمال کیے جاتے ہیں بھئی۔ عرب جو تھے وہ خانہ بدوش لوگ تھے، جہاں پانی اور سبزہ ہوتا وہاں خیمے لگا لیتے، پھر جب وہاں پر پانی ختم ہوتا تو وہاں سے کوچ کر جاتے اور کسی دوسری جگہ جہاں پانی ہوتا وہاں پڑاؤ ڈال لیتے۔ تو سادہ زندگی ہوتی تھی، خیمے ہوتے، کچھ جانور مویشی رکھے ہوتے، اور یہ جو چولہے کے لیے پھر جیسے دیہات میں بھی استعمال ہوتا ہے تین پتھر رکھ لیتے، چولہے کے طور پر ان کو استعمال کرتے۔ تو یہ جو تین پتھر ہوتے چولہے کے لیے جن کو استعمال

کیا جاتا ان میں سے ہر ایک کو أُثْفِيَّةٌ کہتے ہیں، ایک پتھر کو کیا کہتے ہیں أُثْفِيَّةٌ اور جمع کیا ہے؟ أَثَافِيُّ۔ وہ پتھر جو آگ جلانے کے لیے ہانڈی کے نیچے تین پتھر رکھے جاتے ہیں اور ان پر پھر ہانڈی کو رکھ کر پکایا جاتا ہے، تو وہ جو تین پتھر جو چولہے کا کام دے رہے ہیں اور پھر ان کے درمیان آگ جلائی جاتی ہے وہ چولہے کا جو پتھر ہے وہ کیا کہلاتا ہے؟ أُثْفِيَّةٌ اور اس کی جمع کیا ہے؟ أَثَافِيُّ۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو چولہے کے تین پتھر مراد ہیں۔ وَالدِّيَارُ الْبَلَاقِعُ، دِيَارٌ جمع ہے دَارٌ کی، دِيَارٌ جمع ہے دَارٌ کی، الْبَلَاقِعُ، بَلَاقِعُ جمع ہے بَلْقَعٌ کی، با، لام، قاف، عین بھئی بَلْقَعٌ، بَلْقَعٌ کہتے ہیں خالی اور ویران بھئی۔ تو الدِّيَارُ الْبَلَاقِعُ وہ گھر جو خالی اور ویران ہیں یعنی غیر آباد ہیں۔ یہ شاعر بھئی ذو الرمہ یہ کسی مقام سے گزرا اور کسی زمانے میں وہاں اس کی معشوقہ رہتی تھی بھئی، جو اس کے خاندان والے قبیلے والے تھے معشوقہ کے، وہ کسی جگہ انہوں نے خیمے لگائے ہوئے تھے پڑاؤ ڈالا ہوا تھا اور بعد میں وہاں سے وہ کوچ کر کے چلے گئے کسی اور جگہ۔ تو بعد میں پھر یہ ذو الرمہ وہاں سے کسی زمانے میں گزرا تو اس نے وہی پتھر وہ چولہے والے پتھر پڑے ہوئے دیکھے اور اس طرح کی کچھ نشانیاں دیکھیں کہ وہ خیمے کے گرد وہ پتھروں کی منڈیر سی بنا لیتے تاکہ خیمے میں پانی وغیرہ بارش کا نہ آئے، تو اس نے وہ نشانیاں دیکھیں تو اس کو وہ گزشتہ زمانہ یاد آگیا۔ تو اس جگہ کو وہ خطاب کرتے ہوئے ان کو سلام کرتا ہے کہ اے سلمیٰ کے گھرو تم پر السلام علیکم، اور کیا وہ گزرا ہوا زمانہ پھر واپس آسکتا ہے؟ اور کیا میرے سلام کا کوئی جواب دے گا یا مجھے میری معشوقہ کے حال سے میں بے خبر ہوں کوئی مجھے اس کے حال کی خبر دے گا؟ یعنی یہ جو تین پتھر ہیں یا یہ جو خالی ویران گھر پڑے ہوئے ہیں، کیا یہ جو خالی اور ویران گھر پڑے ہیں یا یہ جو پتھر پڑے ہیں کیا یہ مجھے میرے سلام کا جواب دیں گے اور کیا مجھے یہ میری معشوقہ کے حال کی کچھ خبر دیں گے؟ تو یہ شاعر کے وہ اشعار ہیں ان میں سے ایک مصرعہ یہاں ذکر فرمایا صاحبِ جامی نے کہ ذو الرمہ کہتا ہے ثَلَاثُ الْأَثَافِيِّ وَالدِّيَارُ الْبَلَاقِعُ کہ یہ جو تین پتھر ہیں جن پر ہانڈیاں پکائی جاتی تھیں وَالدِّيَارُ الْبَلَاقِعُ اور یہ جو خالی اور غیر آباد گھر ہیں کیا یہ مجھے میرے سلام کا جواب دیں گے اور کیا یہ مجھے میری معشوقہ کے کچھ خبر اور حال احوال مجھ سے ذکر کریں گے؟

وَأَمَّا مَا جَاءَ فِي الْحَدِيْثِ مِنْ قَوْلِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ بِالْأَلْفِ الدِّيْنَارِ فَعَلَى الْبَدَلِ دُوْنَ الْإِضَافَةِ۔ یہاں ایک اور اعتراض کا جواب دے رہے ہیں صاحبِ جامی۔ اعتراض یہ ہوتا ہے کہ صاحبِ کافیہ نے الثَّلَاثَةُ الْأَثْوَابِ اس کے اندر عدد پر جو الف لام آیا ہے اس کو ضعیف قرار دیا ہے قیاس کے اعتبار سے بھی اور استعمال کے اعتبار سے بھی، لیکن اس طرح تو حدیث میں بھی ذکر آیا ہے بھئی، حدیث میں آتا ہے بِالْأَلْفِ الدِّيْنَارِ، بِالْأَلْفِ الدِّيْنَارِ، تو أَلْفٌ کیا ہوتا ہے؟ مضاف ہوتا ہے اپنے ما بعد کی طرف، تو الْأَلْفُ مضاف ہے الدِّيْنَارِ مضاف الیہ، اور یہاں پر أَلْفٌ پر الف لام داخل ہے بھئی۔ تو اس کا جواب صاحبِ جامی دے رہے ہیں کہ بھئی یہ اضافت پر محمول نہیں ہے کہ حدیث میں جو آیا ہے، بلکہ یہ أَلْفٌ کو مبدل منہ بنائیں گے اور الدِّيْنَارِ کو اس سے بدل بنائیں گے، تو یہ مضاف مضاف الیہ نہیں ہیں آپس میں بلکہ بدل اور مبدل منہ ہیں، لہٰذا حدیث کے ذریعے بھی آپ اعتراض نہیں کر سکتے۔ تو کہتے ہیں وَأَمَّا مَا جَاءَ فِي الْحَدِيْثِ مِنْ قَوْلِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ بِالْأَلْفِ الدِّيْنَارِ اور باقی

وہ جو حدیث کے اندر آیا ہے یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا قولِ مبارک جو بِالْأَلْفِ الدِّيْنَارِ آیا ہے فَعَلَى الْبَدَلِ تو یہ بدل ہونے پر محمول ہے دُوْنَ الْإِضَافَةِ نہ کہ اضافت پر، تو یہ بدل بنائیں گے اس کو یہاں اضافت نہیں ہے بھئی۔ بات سمجھ میں آگئی؟ چلیے بس بھئی، هٰذَا هُوَ الْمَرَامُ وَاللهُ أَعْلَمُ بِحَقِيْقَةِ الْكَلَامِ۔

سبق نمبر ۱۸۸: الاضافۃ(۵): اضافتِ لفظیہ کی علامت، تعریف اور فائدہ (تخفیف فقط)

شرحِ ملا جامی صفحہ: ۱۶۷ — بتاریخ: ۴ ستمبر ۲۰۲۲ء

▪ تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث

آگے دیکھیے سبق بھئی، وَالْإِضَافَةُ اللَّفْظِيَّةُ عَلَامَتُهَا أَنْ يَكُونَ الْمُضَافُ صِفَةً، اِحْتِرَازٌ عَمَّا إِذَا لَمْ يَكُنْ صِفَةً نَحْوُ غُلَامُ زَيْدٍ، مُضَافَةً إِلَى مَعْمُولِهَا، اِحْتِرَازٌ عَمَّا إِذَا كَانَتْ مُضَافَةً إِلَى غَيْرِ مَعْمُولِهَا نَحْوُ مُصَارِعُ الْبَلَدِ وَكَرِيمُ الْعَصْرِ.

گزشتہ سبق میں اضافت معنویہ کے بارے میں ہم پڑھ رہے تھے بھئی۔ صاحب قافیہ نے آپ کو بتلایا کہ اضافت معنویہ وہ ہے جس میں صفت کا صیغہ اپنے معمول کی طرف مضاف نہ ہو بھئی، چاہے صیغہ ہی صفت کا نہ ہو یا صیغہ تو صفت کا ہو لیکن اپنے معمول یعنی فاعل یا مفعول کی طرف مضاف نہ ہو بھئی۔ اور پھر انہوں نے آپ کو بتلایا تھا کہ یہ اضافت معنویہ جب معرفہ کی طرف اضافت کی جائے تو یہ تعریف کا فائدہ دیتی ہے، اور اگر نکرہ کی طرف اضافت کی جائے تو یہ تخصیص کا فائدہ دیتی ہے۔ اور پھر اس کی شرط ذکر کی تھی اضافت معنویہ کی کہ اضافت معنویہ کی شرط یہ ہے کہ مضاف جو ہے اس کو تعریف سے خالی ہونا چاہیے۔ اس کو تعریف سے خالی ہونا چاہیے، تو اگر وہ پہلے معرفہ ہے تو اس کو آپ نکرہ بنا لیں، اور اگر نکرہ ہے پہلے سے ہی تو وہ تو تعریف سے خالی ہے پھر اس کی اضافت آپ کر سکتے ہیں۔ تو شرط کیا ہوئی اضافت معنویہ کی کہ مضاف کو تعریف سے خالی ہونا چاہیے، اور اگر خالی نہیں ہے تو پھر اس کو خالی کر دیں تعریف سے۔

اور پھر دو معرفہ ان کے بارے میں صاحب جامی نے بتلایا تھا ان کو نکرہ کیسے بنائیں گے۔ ایک معرف باللام کہ جیسے الْغُلَامُ، آپ اس کی اضافت کرنا چاہتے ہیں تو اس سے الف لام کو ختم کر دیں تو اس کی تعریف ختم ہو گئی اب اس کی اضافت آپ کر دیں بھئی۔ اور اگر آپ علم کی اضافت کرنا چاہتے ہیں تو پھر پوری ایک جماعت کو اس علم کے ساتھ موسوم کر دیا گیا، اب اس جماعت کا ہر فرد اس نام کے ساتھ موسوم ہے، تو جب آپ نام ذکر کریں گے تو یہ علم اب نکرہ بن گیا کیونکہ جب آپ اس کو ذکر کریں گے تو اس سے پتا نہیں چلے گا کہ اس جماعت میں سے کون سا شخص مراد ہے۔ مثلاً پوری

جماعت کا نام زید رکھ دیا گیا، اب میں آپ سے کہتا ہوں کہ میرے پاس زید آیا تھا تو آپ کو کچھ پتا نہیں چلا کہ کون سا والا زید مراد ہے، مثلاً پانچ یا دس افراد کی جماعت ہے ان میں سے ہر ایک زید کے نام سے موسوم ہے۔

تو دو معرفہ کے بارے میں تو بتلا دیا کہ ان کو نکرہ کیسے بنائیں گے، لیکن باقی جو معرفہ ہیں ضمیریں ہیں، اسمائے اشارہ ہیں، اسمائے موصولہ ہیں، ان کو کیسے نکرہ بنا کر ان کی اضافت کریں گے؟ اس کو صاحب جامی نے ذکر نہیں فرمایا، وجہ یہ کہ ان کو نکرہ نہیں بنایا جا سکتا۔ لہٰذا جب ان کو نکرہ نہیں بنا سکتے تو ان کی اضافت بھی جائز نہیں، تو لہٰذا آپ ضمیر کو بھی مضاف نہیں بنا سکتے، آپ اسم اشارہ کو بھی مضاف نہیں بنا سکتے، اور آپ اسم موصول کو بھی مضاف نہیں بنا سکتے، کیونکہ مضاف کے لیے نکرہ ہونا شرط ہے اضافت معنوی میں۔

اور پھر اس کے بعد صاحب جامی نے آپ کو یہ بھی بتلایا تھا کہ مضاف کا تعریف سے خالی ہونا کیوں ضروری ہے۔ وجہ یہ کہ اگر آپ مضاف کو معرفہ ہی رکھیں گے تو پھر یا تو مضاف الیہ سے یہ تخصیص اخذ کرتا ہے یا تعریف۔ نکرہ کی طرف اضافت کریں گے تو تخصیص اخذ کرے گا، اور معرفہ کی طرف اضافت کریں گے تو تعریف اخذ کرے گا۔ تو اگر آپ مضاف معرفہ لائیں اور اضافت کس کی طرف کریں نکرہ کی طرف تو یہ نکرہ سے کیا اخذ کرے گا؟ تخصیص۔ تو حالانکہ یہ تو خود معرفہ ہے، تو اعلیٰ کے ہوتے ہوئے ادنیٰ چیز کو طلب کرنا اس کا تو کوئی فائدہ نہیں۔ جب ایک لفظ معرفہ ہے تو جب اس کے اندر تعریف موجود ہے، اعلیٰ درجہ موجود ہے تو ادنیٰ کے حاصل کرنے کا کوئی فائدہ نہیں، لہٰذا اس لیے معرفہ کی اضافت نکرہ کی طرف نہیں جائز۔ اور معرفہ کی اضافت معرفہ کی طرف بھی نہیں جائز، کیونکہ معرفہ سے جو ہے مضاف تعریف اخذ کرتا ہے اور مضاف تو پہلے ہی معرفہ ہے، تو اس صورت میں جب وہ پہلے ہی معرفہ ہے تو اضافت والی تعریف تو ضائع چلی جائے گی بھئی۔ تو اس صورت میں تحصیل حاصل لازم آتا ہے یعنی تعریف معرف۔ کیا لازم آتا ہے؟ تعریف معرف۔ ایک لفظ پہلے ہی معرفہ ہے آپ اس کو معرفہ بنانا چاہتے ہیں؟ بھئی وہ تو پہلے ہی معرفہ ہے، معرفہ تو اس کو بنایا جاتا ہے جو پہلے معرفہ نہ ہو بھئی۔ لہٰذا تعریف معرف صحیح نہیں۔

اس پر پھر اشکال ہوا تھا کہ بعض اوقات عربی زبان میں کوئی معرفہ ہوتا ہے اور اس کو علم بنا دیا جاتا ہے کسی چیز کے لیے، جیسے النَّجْمُ بھئی۔ نَجْمٌ الف لام کے بغیر ہو تو یہ عام ستارے کو کہتے ہیں، پھر اس پر الف لام داخل کیا گیا النَّجْمُ اور پھر اس کو علم بنا دیا گیا ثریا کے لیے جو ستاروں کا ایک مجموعہ ہے بھئی۔ تو اب دیکھو النَّجْمُ پہلے الف لام کی وجہ سے معرفہ تھا، اور اب اس کو آپ نے کیا بنا دیا؟ علم بنا دیا۔ تو یہ معرف باللام تھا اور معرف باللام بھی کیا ہوتا ہے؟ معرفہ، اور علم بھی کیا ہے؟ معرفہ۔ تو آپ معرف باللام کو علم بنا رہے ہیں یہ تو تعریف معرف ہے، کہ ایک لفظ جو پہلے ہی معرفہ ہے آپ اس کو علم بنا کر معرفہ بنانا چاہ رہے ہیں، تو یہ تو تعریف معرف ہے اور آپ نے ابھی ہمیں بتایا تعریف معرف جائز نہیں کیونکہ یہ تو تحصیل حاصل ہے، معرفہ تو اس کو بنائیں گے جو نکرہ ہو بھئی معرفہ ہی کو کیسے معرفہ آپ بنا سکتے ہیں؟ تو اس کا

بھی صاحب جامی نے جواب دیا کہ بھئی اس قسم کی مثالیں جہاں معرفہ کو پھر علم کا درجہ دے دیا گیا وہاں تعریف معرف نہیں ہے بلکہ وہاں تعریف کے ایک طریقے کو چھوڑ کر تعریف کے دوسرے طریقے کو اختیار کرنا ہے۔ النَّجْمُ پہلے الف لام کے ذریعے معرفہ تھا، الف لام کے ذریعے کسی متعین ستارے کی طرف اشارہ تھا، اور اب اس کو کیا بنا دیا گیا؟ علم بنا دیا گیا، تو وہ جو الف لام والی تعریف ہے وہ چلی گئی اور اب یہ کیا بن گیا؟ علم بن گیا۔ تو یہ ایک تعریف کو بدل دیا گیا دوسری تعریف کے ساتھ، تو یہاں تعریف معرف نہیں بلکہ تَبْدِيلُ تَعْرِيفٍ بِتَعْرِيفٍ آخَرَ ہے، ایک تعریف کو بدلنا دوسری تعریف کے ساتھ۔ بات سمجھ میں آگئی۔

اس کے بعد صاحب قافیہ نے بتلایا تھا کہ علمائے کوفہ جو ہیں عدد کی جب اضافت کی جاتی ہے معدود کی طرف تو اس عدد کو معرفہ لانا بھی جائز ہے، جیسے الثَّلَاثَةُ الْأَثْوَابِ۔ اس کے اندر دیکھو الثَّلَاثَةُ کیا ہے؟ معرف باللام ہے اور اس کی اضافت جائز ہے الْأَثْوَابِ مضاف الیہ کی طرف، حالانکہ صاحب قافیہ نے تو کیا ضابطہ بتلایا تھا کہ اضافت معنوی کی شرط کیا ہے کہ مضاف کو تعریف سے خالی ہونا چاہیے، لیکن علمائے کوفہ عدد کے اندر معرفہ کی اضافت بھی معدود کی طرف جائز قرار دیتے ہیں۔ تو صاحب قافیہ نے فرمایا تھا کہ علمائے کوفہ یہ جو اجازت دیتے ہیں اس جیسی عدد کی اضافت معدود کی طرف ہو تو اس میں معرفہ بھی جائز ہے تو یہ ضعیف ہے، استعمال کے اعتبار سے بھی ضعیف ہے اور قیاس کے اعتبار سے بھی ضعیف ہے۔ قیاس کے اعتبار سے اس طرح ضعیف ہے کہ ابھی ہم نے بیان کر دیا کہ اس صورت میں کیا خرابی لازم آئے گی؟ تعریف معرف لازم آئے گا اور تعریف معرف تو صحیح نہیں، یہ تو جائز نہیں، یہ تو تحصیل حاصل ہے۔ اور استعمال کے اعتبار سے بھی ضعیف ہے اس لیے کیونکہ عرب کے جو فصیح و بلیغ شعراء ہیں ان کا جو عام استعمال ہے وہ عدد کی جب اضافت کرتے ہیں معدود کی طرف تو عدد کو تعریف سے خالی کر دیتے ہیں۔ جیسے اس کی مثال میں ذوالرمہ ایک عرب کا فصیح و بلیغ شاعر ہے اس کے شعر کا ایک مصرعہ ذکر کیا جس میں وہ کہتا ہے: ثَلَاثُ الْأَثَافِي وَالدِّيَارُ الْبَلَاقِعُ۔ ثَلَاثُ الْأَثَافِي تو دیکھو ثَلَاثَة کی اضافت کر دی الْأَثَافِي کی طرف تو ثَلَاثَة پر الف لام وہ نہیں لے کر آیا۔ اور میں نے اس شعر کا معنی بھی ذکر کیا تھا کہ الْأَثَافِي جمع ہے أُثْفِيَّةٌ کی، اور أُثْفِيَّة وہ پتھر جو آگ جلانے کے لیے ہانڈی کے نیچے تین پتھر رکھے جاتے ہیں اور ان پر پھر ہانڈی کو رکھ کر پکایا جاتا ہے، تو وہ جو تین پتھر جو چولہے کا کام دے رہے ہیں اور پھر ان کے درمیان آگ جلائی جاتی ہے ان میں سے ہر ایک پتھر وہ أُثْفِيَّة کہلاتا ہے۔ وہ چولہے کا جو پتھر ہے وہ کیا کہلاتا ہے؟ أُثْفِيَّة، اور اس کی جمع کیا ہے؟ أَثَافِي۔ تو ذوالرمہ شاعر جو ہے وہ کسی مقام سے گزرا جہاں کسی زمانے میں اس کی معشوقہ اور اس کا قبیلہ آباد تھا تو اس کو وہ گزرا ہوا زمانہ یاد آگیا، تو اس نے ان غیر آباد مکانوں کو سلام کیا اور کہا کہ کیا وہ گزرا ہوا زمانہ واپس آسکتا ہے اور کیا میرے سلام کا کوئی جواب دے گا یہاں پر مجھے اور کیا مجھے میری معشوقہ کے حال کی کوئی خبر دے گا جس کے بارے میں مجھے کچھ پتا نہیں ہے۔

پھر اس کے بعد اشکال ہوا تھا کہ اے صاحب قافیہ! آپ نے تو الثَّلَاثَةُ الْأَثْوَابِ کو ضعیف قرار دیا حالانکہ یہ تو حدیث

میں بھی آیا ہے۔ حدیث میں آیا ہے بِالْأَلْفِ الدِّينَارِ، أَلف کی اضافت ہو رہی ہے دِينَار کی طرف اور أَلف پر الف لام داخل ہے بِالْأَلْفِ الدِّينَارِ، یہاں پر بھی دیکھو عدد جو ہے اس کو معرفہ لایا گیا ہے معدود کی طرف اضافت کرتے وقت۔ تو صاحب جامی نے اس کا بھی جواب دیا تھا کہ بھئی یہ اضافت پر محمول نہیں ہے جو حدیث میں آیا ہے بلکہ یہ بِالْأَلْفِ یہ مبدل منہ ہے اور الدِّينَارِ اس سے بدل ہے، تو یہ مبدل منہ اور بدل ہیں آپس میں مضاف اور مضاف الیہ نہیں، لہٰذا اس سے بھی آپ استدلال نہیں کر سکتے، یا اس کو بھی آپ دلیل کے طور پر پیش نہیں کر سکتے، یا یوں کہیں آپ اس کو لے کر اعتراض نہیں کر سکتے۔ بات سمجھ میں آگئی۔

اب آئیے آج کے سبق پر۔ دیکھیے بھئی کہتے ہیں: وَالْإِضَافَةُ اللَّفْظِيَّةُ عَلَامَتُهَا أَنْ يَكُونَ الْمُضَافُ صِفَةً۔ جی پہلے متن متن دیکھ لیجیے بھئی، کہتے ہیں: وَاللَّفْظِيَّةُ أَنْ يَكُونَ الْمُضَافُ صِفَةً مُضَافَةً إِلَى مَعْمُولِهَا مِثْلُ ضَارِبُ زَيْدٍ وَحَسَنُ الْوَجْهِ۔ بھئی اب اضافت لفظیہ کو بیان کریں گے۔ میں نے پہلے ہی بیان کر دیا تھا کہ اضافت لفظیہ کسے کہتے ہیں؟ کہ صیغہ صفت کا ہو اور مضاف ہو اپنے معمول کی طرف بھئی۔ اور صفت کے صیغے سے کون سا صیغہ مراد ہے؟ اسم فاعل، اسم مفعول اور صفت مشبہ، صرف یہ تین صیغے مراد ہیں باقی مراد نہیں۔ اور یہ اپنے معمول کی طرف مضاف ہوں۔ معمول سے کیا مراد ہے؟ جو ان کا فاعل یا مفعول ہو یعنی اضافت سے پہلے جو ان کا فاعل اور مفعول تھا۔ اور یاد رکھنا بھئی یہ اضافت لفظیہ، یہ ہمیشہ یاد رکھنا یہ ترکیب کے اندر بعض اوقات طلباء کے لیے بڑی پریشانی کا باعث بنتی ہے۔ کتاب میں آپ عبارت پڑھ رہے ہوتے ہیں اور کہیں نکرہ آجاتا ہے اور نکرہ کے بعد آگے اس کی جو صفت آرہی ہوتی ہے وہاں مضاف اور مضاف الیہ ہوتے ہیں اور بظاہر لگتا ہے کہ یہ تو اس نکرہ کی صفت معرفہ آرہی ہے، تو طلباء پریشان ہوتے ہیں، تو آپ نے ہمیشہ یاد رکھنا ہے کہ ایسے مقام پر پھر وہ اضافت لفظی ہوا کرتی ہے کیونکہ اضافت لفظی نہ تعریف کا فائدہ دیتی ہے اور نہ تخصیص کا فائدہ دیتی ہے، وہ صرف اور صرف لفظوں میں تخفیف کا فائدہ دیتی ہے، تو وہ نکرہ کے لیے پھر صفت بن سکتی ہے اگر مضاف نکرہ ہو بھئی، اگر مضاف نکرہ ہو بھئی۔

تو کہتے ہیں دیکھیے بھئی، کہتے ہیں: وَاللَّفْظِيَّةُ اور اضافت لفظیہ جو ہے، أَنْ يَكُونَ الْمُضَافُ صِفَةً کہ مضاف جو ہے وہ ایسی صفت ہو، مُضَافَةً إِلَى مَعْمُولِهَا جو مضاف ہو رہی ہو اپنے معمول کی طرف، مِثْلُ ضَارِبُ زَيْدٍ وَحَسَنُ الْوَجْهِ۔ ضَارِبُ زَيْدٍ اصل میں کیا تھا؟ ضَارِبٌ زَيْدًا، یہ زَيْدًا اس کا مفعول ہے اور پھر اس کی طرف اضافت کر دی ضَارِبُ زَيْدٍ، تو یہ ضَارِب اسم فاعل ہے صفت کا صیغہ ہے اور یہ مضاف ہو رہا ہے اپنے معمول یعنی مفعول بہ کی طرف، تو یہ کون سی اضافت ہوئی؟ اضافت لفظی۔ اور اضافت لفظی یاد رکھو صرف تخفیف کا فائدہ دیتی ہے، ضَارِبٌ سے تنوین گر گئی بس ضَارِبُ زَيْدٍ، اور حالانکہ زَيْدٍ مضاف الیہ معرفہ ہے لیکن اس سے یہ ضَارِب کا لفظ نہ تعریف اخذ کر رہا ہے اور نہ تخصیص، تو ضَارِب کا لفظ جیسے اضافت سے پہلے نکرہ تھا اب بھی اسی طرح نکرہ کا نکرہ ہے، نہ اس میں تخصیص ہے اور نہ اس کے اندر تعریف ہے، ضَارِبُ زَيْدٍ۔ توجہ ہے؟ جَاءَنِي رَجُلٌ ضَارِبُ زَيْدٍ، رَجُلٌ موصوف ضَارِبُ زَيْدٍ اس کی صفت۔ توجہ ہے؟ رَجُلٌ موصوف اور

ضَارِبُ زَيْدٍ اس کی صفت۔ تو طلباء کے ذہن میں فوراً اشکال آتا ہے کہ ضَارِب نکرہ ہے اور زَيْدٍ کیا ہے؟ معرفہ ہے اور نکرہ کی اضافت معرفہ کی طرف کریں تو وہ کس چیز کا فائدہ دیتی ہے؟ تعریف کا، تو رَجُل تو نکرہ ہے اور ضَارِبُ زَيْدٍ تو معرفہ ہے، تو جواب میں نے ذکر کر دیا کہ بھئی یہ اضافت لفظی ہے۔ ضَارِبُ زَيْدٍ کیا ہے؟ اضافت لفظی ہے، اس نے صرف ضَارِب سے تنوین گرائی ہے، اس کے اندر اس نے کوئی تعریف پیدا نہیں کی، کوئی تخصیص پیدا نہیں کی، تو جیسے رَجُل نکرہ محض ہے اسی طرح یہ ضَارِبُ زَيْدٍ کے اندر جو ضَارِب ہے یہ بھی نکرہ محض ہے بھئی۔ تو ضَارِبُ زَيْدٍ اس میں صفت کا صیغہ مضاف ہو رہا ہے کس کی طرف؟ اپنے مفعول کی طرف۔ وَحَسَنُ الْوَجْهِ۔ حَسَنُ الْوَجْهِ یہ بھی اضافت لفظی ہے، حَسَن صفت مشبہ ہے اور یہ مضاف ہو رہی ہے اپنے فاعل کی طرف۔ ضَارِبُ زَيْدٍ کس کی مثال ہے؟ صفت کا صیغہ مضاف ہے اپنے مفعول کی طرف، اور حَسَنُ الْوَجْهِ یہ صفت مشبہ ہے، صفت مشبہ کے لیے تو مفعول نہیں آتا اس کے لیے تو فاعل آتا ہے، تو حَسَنُ الْوَجْهِ یہ صفت مشبہ مضاف ہو رہی ہے اپنے فاعل کی طرف۔ تو دونوں کی مثالیں ذکر کر دیں کہ صفت کا صیغہ اپنے مفعول کی طرف مضاف ہو اس کی بھی مثال ذکر کر دی ضَارِبُ زَيْدٍ، اور صفت کا صیغہ اپنے فاعل کی طرف مضاف ہو اس کی بھی مثال ذکر کر دی کہ وہ حَسَنُ الْوَجْهِ ہے بھئی۔

اب دیکھیے سارے کو شرح کے ساتھ۔ کہتے ہیں: وَالْإِضَافَةُ اللَّفْظِيَّةُ عَلَامَتُهَا أَنْ يَكُونَ الْمُضَافُ صِفَةً، اور اضافت لفظیہ کی علامت یہ ہے کہ مضاف جو ہے وہ صفت ہو۔ مضاف کیا ہو؟ صفت ہو۔ اِحْتِرَازٌ عَمَّا إِذَا لَمْ يَكُنْ صِفَةً، یہ احتراز ہے اس سے جب مضاف صفت نہ ہو۔ نَحْوُ غُلَامُ زَيْدٍ، جیسے غُلَامُ زَيْدٍ۔ اب دیکھو غُلَامُ زَيْدٍ کے اندر غُلَام صفت ہی نہیں ہے سرے سے۔ تو معلوم ہوا غُلَامُ زَيْدٍ یہ اضافت لفظی نہیں ہے۔

جی اور نیز مُضَافَةً إِلَى مَعْمُولِهَا، اور وہ صفت جو ہے مضاف ہو رہی ہو اپنے معمول کی طرف۔ اِحْتِرَازٌ عَمَّا إِذَا كَانَتْ مُضَافَةً إِلَى غَيْرِ مَعْمُولِهَا، یہ احتراز ہے اس صورت سے جبکہ صفت کا صیغہ مضاف ہو رہا ہو لیکن اپنے معمول کے علاوہ کی طرف یعنی فاعل یا مفعول کی طرف مضاف نہ ہو بھئی۔ جیسے نَحْوُ مُصَارِعُ الْبَلَدِ۔ مُصَارِع میں نے بتلایا تھا صَارَعَ يُصَارِعُ مُصَارَعَةً، یہ جو کشتیوں کا کھیل آپ دیکھتے ہیں یہ اس کو مُصَارَعَة کہتے ہیں۔ کیا کہتے ہیں؟ مُصَارَعَة، اور یہ جو پہلوان ہے اس کو مُصَارِع کہتے ہیں۔ مُصَارِع کا معنی پچھاڑنے والا، گرانے والا، چونکہ کشتی میں بھی یہی مقابلہ ہوتا ہے کون دوسرے کو گراتا ہے تو مُصَارِع کا کیا معنی؟ پچھاڑنے والا، گرانے والا۔ تو اب دیکھو مُصَارِع اسم فاعل ہے اور اس کی اضافت ہو رہی ہے الْبَلَدِ کی طرف، اور الْبَلَدِ یہ تو مُصَارِع کے لیے نہ فاعل ہے نہ مفعول ہے بلکہ یہ تو ظرف ہے۔ پچھاڑنے والا زید، عمر یا بکر ہوگا اور پچھاڑا بھی کس کو ہوگا زید، عمر یا بکر میں سے، لیکن یہاں مُصَارِعُ الْبَلَدِ شہر، بھئی شہر تو شہر کو تو نہیں پچھاڑا جاتا، شہر کو تو نہیں گرایا جاتا، تو یہ مُصَارِع اسم فاعل ہے اور اضافت کس کی طرف ہو رہی ہے؟ ظرف کی طرف ہو رہی ہے، نہ اپنے فاعل کی طرف اضافت ہے نہ اپنے مفعول کی طرف، لہٰذا یہ اضافت لفظی نہیں ہے۔ اضافت لفظی میں تو صیغہ صفت

کا بھی ہو، اور یہاں مُصَارِعُ الْبَلَدِ صیغہ تو صفت کا ہے لیکن اپنے معمول یعنی فاعل یا مفعول کی طرف مضاف نہیں، تو یہ اضافت لفظی نہیں ہے۔

اسی طرح وَكَرِيمُ الْعَصْرِ۔ عَصْر زمانے کو کہتے ہیں، كَرِيمُ الْعَصْرِ زمانے کا سخی، اور مُصَارِعُ الْبَلَدِ شہر کا پہلوان۔ تو كَرِيمُ الْعَصْرِ اس کے اندر كَرِيم صفت کا صیغہ ہے لیکن یہ کس کی طرف مضاف ہے؟ الْعَصْر زمانے کی طرف یعنی ظرف کی طرف مضاف ہے، تو یہ بھی پہلی شرط تو پوری ہے كَرِيمُ الْعَصْرِ میں صفت کا صیغہ ہے لیکن اپنے معمول یعنی فاعل یا مفعول کی طرف مضاف نہیں بلکہ زمانے کی طرف مضاف ہے، تو اس لیے یہ بھی اضافت لفظی نہیں۔ اضافت لفظی میں تو دونوں شرطیں ضروری ہیں، کیا؟ صیغہ بھی صفت کا ہو اور مضاف ہو اپنے فاعل یا مفعول کی طرف۔ تو یہ مُصَارِعُ الْبَلَدِ وَكَرِيمُ الْعَصْرِ اس میں صیغہ تو صفت کا ہے پہلی شرط تو پوری ہے لیکن دوسری شرط پوری نہیں، اپنے فاعل یا مفعول کی طرف مضاف نہیں بلکہ ظرف کی طرف مضاف ہے بھئی۔

آگے دیکھیے مِثْلُ ضَارِبُ زَيْدٍ۔ میں نے بتایا ضَارِبُ زَيْدٍ کس کی مثال ہے؟ صفت کا صیغہ ہے اور مضاف ہو رہا ہے اپنے مفعول کی طرف، یہی بیان کر رہے ہیں۔ کہتے ہیں مِنْ قَبِيلِ إِضَافَةِ اسْمِ الْفَاعِلِ إِلَى مَفْعُولِهِ، یہ اسم فاعل کی اضافت اپنے مفعول کی طرف ہے یہ اس قبیل سے ہے۔ وَحَسَنُ الْوَجْهِ، اس میں کس کی طرف اضافت ہے صفت مشبہ کی؟ اپنے فاعل کی طرف، تو وہی بیان کر رہے ہیں۔ کہتے ہیں وَحَسَنُ الْوَجْهِ مِنْ قَبِيلِ إِضَافَةِ الصِّفَةِ الْمُشَبَّهَةِ إِلَى فَاعِلِهَا، یہ صفت مشبہ کی اضافت ہے اپنے فاعل کی طرف اس قبیل سے ہے۔

آگے دیکھیے بھئی، پہلے متن متن دیکھیے: وَلَا تُفِيدُ إِلَّا تَخْفِيفًا فِي اللَّفْظِ۔ وَلَا تُفِيدُ اور اضافت لفظیہ فائدہ نہیں دیتی، إِلَّا تَخْفِيفًا مگر تخفیف کا۔ اضافت لفظیہ صرف تخفیف کا فائدہ دیتی ہے، نہ تعریف کا اور نہ تخصیص کا، تو یہ صرف تخفیف کا فائدہ دیتی ہے فِي اللَّفْظِ لفظوں کے اندر۔ یعنی لفظوں کے اندر تخفیف آتی ہے، معنی کے اندر تخفیف نہیں آتی۔ معنی کے اندر تخفیف نہیں آتی یعنی معنی نہیں بدلتا کہ پہلے مدلولات زیادہ تھے اور پھر مدلول کم ہو گئے ایسا نہیں۔ مثلاً دیکھو، مثلاً دیکھو غُلَامٌ۔ غُلَامٌ مثلاً فرض کرو دنیا میں ایک لاکھ غلام ہیں، پچاس ہزار مردوں کے غلام ہیں اور پچاس ہزار عورتوں کے غلام ہیں، تو جب میں نے کہا غُلَامٌ تو یہ ان سب کے سب پر صادق آ رہا ہے، ان میں سے ہر ایک غُلَام ہے، تو کتنے احتمالات ہیں اس غُلَام میں؟ ایک لاکھ احتمالات۔ تو جب میں نے اس کی اضافت زید کی طرف کر دی غُلَامُ زَيْدٍ، اب یہ ایک معین زید کے غلام پر بولا جا رہا ہے، باقی احتمالات کیا ہو گئے؟ ساقط ہو گئے۔ دیکھا معنی کے اندر فرق آگیا۔ معنی کے اندر کیا آیا؟ فرق آگیا، باقی مدلولات ختم اب ایک ہی مدلول اس کا رہ گیا۔ اور اسی طرح اگر میں نکرہ کی طرف اضافت کروں غُلَامُ رَجُلٍ، پہلے غُلَام کا لفظ سب کے سب غلام جو ہیں ایک لاکھ ان میں سے ہر ایک پر صادق آ رہا تھا، اب جب میں نے رَجُل کی طرف اضافت کر دی اب ان میں سے جو رَجُل کے غلام ہیں یعنی پچاس ہزار اب یہ صرف ان پر صادق آ رہا ہے، تو دیکھو معنی

کے اندر تخفیف آگئی یا نہیں؟ پہلے اس کے مدلول زیادہ تھے اب مدلول کیا ہو گئے؟ کم ہو گئے۔ یعنی یوں کہو پہلے اس میں احتمالات زیادہ تھے اب احتمالات کم ہو گئے۔ لیکن یہ جو اضافت لفظیہ ہے یہ صرف لفظوں میں تخفیف آئے گی، معنی کے اندر کوئی تخفیف نہیں، معنی کے اعتبار سے مدلولات میں کوئی فرق نہیں پڑے گا۔

تو کہتے ہیں وَلَا تُفِيدُ إِلَّا تَخْفِيفًا فِي اللَّفْظِ، اور اضافت لفظیہ فائدہ نہیں دیتی مگر صرف لفظوں میں تخفیف کا۔ بھئی یہ تو لَا اور إِلَّا کے ساتھ میں نے ترجمہ کیا۔ دیکھو لَا اور إِلَّا حصر کا فائدہ دیتے ہیں یا مَا اور إِلَّا کہہ لو، مَا جَاءَنِي إِلَّا زَيْدٌ۔ مَا جَاءَنِي میرے پاس نہیں آیا، إِلَّا زَيْدٌ سوائے زید کے۔ دیکھو میں مَا اور إِلَّا کے ساتھ ترجمہ کر رہا ہوں، مَا حرف نفی ہے تو میں بھی نفی کے ساتھ ترجمہ کر رہا ہوں، مَا جَاءَنِي میرے پاس نہیں آیا، إِلَّا زَيْدٌ مگر زید۔ یہ مَا اور إِلَّا حصر کا فائدہ دیتے ہیں۔ اب ذرا مَا اور إِلَّا کو ہٹا دو، اس کے بغیر ترجمہ کرو، یعنی ترجمے میں نہیں اور مگر کو نہ لاؤ، بامحاورہ ترجمہ کرو۔ پہلے کیا ترجمہ تھا؟ مَا جَاءَنِي میرے پاس نہیں آیا، إِلَّا زَيْدٌ مگر زید۔ اب اس کا دیکھو یاد رکھو بامحاورہ ترجمہ یوں ہوگا: میرے پاس صرف زید آیا۔ میرے پاس صرف زید آیا۔ یا یوں بھی آپ کہہ سکتے ہیں: میرے پاس زید ہی آیا۔ میرے پاس زید ہی آیا، یہ ہی حصر کا فائدہ دے رہا ہے۔ میرے پاس زید ہی آیا، معلوم ہوا عمر یا بکر وغیرہ نہیں آئے۔ یا یوں کہہ لو میرے پاس صرف زید آیا، اس کا بھی یہی معنی ہے کہ معلوم ہوا صرف زید آیا ہے، عمر یا بکر نہیں آئے۔

تو یہ مَا اور إِلَّا، یہاں دیکھو لَا اور إِلَّا ہے، تو لَا اور إِلَّا کہہ لو یا مَا اور إِلَّا کہہ لو یہ حصر کا فائدہ دیتے ہیں، اور حصر کسے کہتے ہیں؟ مذکور کے لیے ایک چیز کا اثبات ہو تو غیر مذکور سے اس کی نفی ہو۔ مذکور کے لیے ایک چیز کا اثبات ہو تو غیر مذکور سے اس کی نفی ہو، اور اگر مذکور سے ایک چیز کی نفی ہے تو غیر مذکور کے لیے اس کا اثبات ہوگا۔ یعنی مذکور کے لیے جو چیز ہے غیر مذکور کے لیے اس کا عکس ہوگا۔ مذکور کے لیے اگر اثبات تو غیر مذکور کے لیے نفی، اور اگر مذکور سے نفی ہے تو غیر مذکور کے لیے اثبات ہوگا۔ توجہ ہے؟ ایک ہے نفی اور ایک ہے اثبات۔ مذکور کے لیے یا نفی ہوگی یا اثبات، تو جو غیر مذکور ہے اس کے لیے وہ اس کا برعکس ہوگا۔ مثلاً مخاطب کا خیال تھا کہ میرے پاس زید اور عمر دونوں آئے ہیں، تو میں نے کیا کہا؟ مَا جَاءَنِي إِلَّا زَيْدٌ، میرے پاس صرف زید آیا، تو اس میں زید کے لیے آنے کا اثبات ہے تو عمر سے آنے کی نفی ہو گئی، اگرچہ وہ لفظوں میں ذکر نہیں ہے لیکن حصر کا معنی ہی یہ ہوتا ہے کہ مذکور کے لیے اثبات ہے تو غیر مذکور سے نفی ہو جائے گی، اور اگر مذکور سے نفی ہے تو غیر مذکور کے لیے اثبات ہو جائے گا۔ بات سمجھ میں آگئی، اس کو کہتے ہیں حصر۔ حصر کسے کہتے ہیں؟ مذکور کے لیے اثبات ہو تو غیر مذکور سے نفی اور مذکور سے نفی ہو تو غیر مذکور کے لیے اثبات۔

تو یہاں پر بھی دیکھیے وَلَا تُفِيدُ إِلَّا تَخْفِيفًا، اضافت لفظیہ فائدہ نہیں دیتی مگر صرف تخفیف کا۔ یہاں تین چیزیں تھیں: ایک تخفیف، لفظوں میں تخفیف آجائے، تنوین یا قائم مقام تنوین گر جائے۔ یا مضاف کی ذات میں تخصیص آجاتی ہے کبھی

کبھار اضافت کی وجہ سے، اور کبھی مضاف میں تعریف آجاتی ہے وہ معرفہ بن جاتا ہے۔ تو کتنی چیزوں کا فائدہ دیتی ہے اضافت؟ تین: یا تعریف آئے گی، یا تخصیص، یا لفظوں میں تخفیف آئے گی۔ تو جب انہوں نے کہا کہ اضافت لفظیہ صرف تخفیف کا فائدہ دیتی ہے، تو تخفیف کا اثبات ہو گیا، تخفیف کا فائدہ دیتی ہے، تو کس چیز کی نفی ہوئی؟ تعریف اور تخصیص کی، معلوم ہوا یہ اضافت لفظیہ تعریف اور تخصیص کا فائدہ نہیں دیتی۔ حصر سمجھ میں آرہا ہے؟ تو یہ میں حصر بیان کر رہا تھا، جب انہوں نے کیا کہا اضافت لفظیہ صرف کس چیز کا فائدہ دیتی ہے؟ تخفیف کا، تو تخفیف کا اثبات ہوا تو کس کی نفی ہو گئی؟ تعریف اور تخصیص کی نفی ہو گئی کہ اس کا فائدہ نہیں ہوا۔

اور ایک اور بات یاد رکھو: صراحتاً کس کا اثبات ہوا؟ دیکھو یہاں دو چیزیں ہیں: تخفیف کا اثبات ہے، توجہ سے سنو، تو تعریف اور تخصیص کی نفی ہے، لیکن لفظوں میں صرف کس کو ذکر کیا ہے؟ تخفیف کو۔ تو صراحتاً کس کا ذکر ہے؟ تخفیف کا، یعنی یوں کہو صراحتاً تخفیف کا اثبات ہے، اور تعریف اور تخصیص کی نفی ہے لیکن وہ ضمناً ہے صراحتاً نہیں، وہ ضمناً ہے کیونکہ یہاں حصر کا معنی ہی یہ ہوتا ہے کہ مذکور کے لیے اثبات ہے تو غیر مذکور سے کیا ہو جائے گی؟ نفی۔ تو صراحتاً صاف لفظوں میں تو صرف یہ ہے وَلَا تُفِيدُ إِلَّا تَخْفِيفًا، لفظوں میں تو صرف تخفیف کا ذکر ہے، تو صراحتاً اثبات ہوا کس کا؟ تخفیف کا، اور نفی کس کی ہو گئی؟ تعریف اور تخصیص کی، لیکن وہ لفظوں میں ذکر ہے؟ نہیں، تو وہ ضمناً نفی ہوئی ہے۔ تو صراحتاً کس کا اثبات؟ تخفیف کا، یا یوں کہو تخفیف کا ذکر صراحتاً ہے اور وہ جو تعریف اور تخصیص کی نفی ہے وہ ضمناً ہے۔ بات سمجھ میں آگئی۔

تو کہتے ہیں وَلَا تُفِيدُ إِلَّا تَخْفِيفًا فِي اللَّفْظِ، اور اضافت لفظیہ فائدہ نہیں دیتی مگر تخفیف کا لفظوں میں۔ جی اب اس سارے کو شرح کے ساتھ دیکھیے بھئی۔ کہتے ہیں: وَلَا تُفِيدُ الْإِضَافَةُ اللَّفْظِيَّةُ فَائِدَةً إِلَّا تَخْفِيفًا، اور اضافت لفظیہ کوئی فائدہ نہیں دیتی إِلَّا تَخْفِيفًا مگر تخفیف کا۔ لَا تَعْرِيفًا وَلَا تَخْصِيصًا، لَا تَعْرِيفًا وَلَا تَخْصِيصًا نہ تو تعریف کا فائدہ دیتی ہے اور نہ تخصیص کا۔ دیکھا یہ وہ حصر کا معنی بیان کر رہے ہیں کہ مذکور کے لیے اثبات ہے تو غیر مذکور سے نفی ہے، وہ اب بیان کر دی صاحب جامی نے کہ تخفیف کے فائدے کا اثبات ہے تو لَا تَعْرِيفًا وَلَا تَخْصِيصًا تعریف اور تخصیص کی ضمناً کیا ہو گئی؟ نفی ہو گئی۔ لِكَوْنِهَا فِي تَقْدِيرِ الْانْفِصَالِ، اس لیے کیونکہ یہ تقدیر انفصال میں ہے۔ یہ اضافت لفظیہ کیا ہوتی ہے؟ تقدیر انفصال میں ہے۔ ادھر دیکھیے اصل میں تھا ضَارِبٌ زَيْدًا، ضَارِبٌ اسم فاعل تھا اور زَيْدًا کو یہ نصب دے رہا تھا یہ اس کے لیے مفعول تھا، پھر ضَارِبُ زَيْدٍ آپ نے کیا کر دی؟ اضافت کر دی، تو ضَارِبٌ سے تنوین گر گئی اور زَيْدٍ مضاف الیہ بن گیا ضَارِبُ زَيْدٍ۔ آپ نے اضافت کر دی ہے لیکن ابھی بھی یہ تقدیر انفصال میں ہے، گویا ابھی بھی ایک دوسرے سے جدا جدا ہی ہیں، ابھی بھی کیا ہیں؟ ایک دوسرے سے جدا ہیں، اسی لیے تو ضَارِب زید سے نہ تعریف اخذ کر رہا ہے اور نہ تخصیص اخذ کر رہا ہے۔ یہ کس

میں ہے؟ تقدیر انفصال، انفصال کا معنی جدائی، ابھی بھی کیا ہیں؟ تقدیر انفصال میں ہیں یعنی تقدیراً منفصل ہی ہیں ایک دوسرے سے۔ یعنی یہ اتصال صرف لفظوں کے اعتبار سے آیا ہے، معنی کے اعتبار سے اتصال نہیں ہے۔ یہ معنی ہے لِكَوْنِهَا فِي تَقْدِيرِ الْإِنْفِصَالِ بوجہ اس کے تقدیر انفصال میں ہونے کے، یعنی یہ اضافت لفظیہ تقدیر انفصال میں ہے۔ فِي اللَّفْظِ، یہ فائدہ دیتی ہے تخفیف کا کس چیز میں؟ لفظوں میں، لَا فِي الْمَعْنَى، معنی کے اندر تخفیف کا فائدہ نہیں دیتی۔ معنی میں تخفیف کیا تھی میں نے جیسے ابھی بیان کی، غُلَام کا لفظ ایک لاکھ پر صادق آرہا تھا، آپ نے رَجُل کی طرف اضافت کی غُلَامُ رَجُلٍ، تو معنی کے اندر کیا آگئی؟ کچھ معنی، کچھ مدلولات ختم ہوگئے یا نہیں، کچھ احتمالات کیا ہوگئے؟ ختم ہوگئے۔ لیکن یہ اضافت لفظی اس کے اندر معنی کے اندر کوئی تخفیف نہیں آتی، یعنی لفظوں میں تخفیف آئی ہے مثلاً ضَارِبُ زَيْدٍ، ضَارِبٌ سے کیا گر گئی؟ تنوین گر گئی، جب ضَارِبٌ سے تنوین گری ہے لفظوں میں تخفیف آئی ہے تو آپ خیال کریں کہ کچھ معنی کے اندر بھی تخفیف آئی ہوگی، کچھ معانی بھی کیا ہوگئے ہوں گے اس کے ساقط ہوگئے ہوں گے، کہتے ہیں ایسا نہیں ہے۔ بات سمجھ میں آگئی۔ یہ معنی ہے کہ فِي اللَّفْظِ یہ لفظوں میں تخفیف کا فائدہ دیتی ہے لَا فِي الْمَعْنَى معنی کے اندر نہیں۔ معنی کے اندر تخفیف کیسے؟ اس کی صورت بتلا رہے ہیں: بِأَنْ يَسْقُطَ بَعْضُ الْمَعَانِي بایں صورت کہ کچھ معانی بھی ساقط ہو جائیں، عَنْ مُلَاحَظَةِ الْعَقْلِ عقل کے ملاحظہ کرنے سے، عقل کے ملاحظہ کرنے سے عقل کی توجہ کرنے سے، بِإِزَاءِ مَا يَسْقُطُ مِنَ اللَّفْظِ، إِزَاء کا معنی ہے مقابلے میں، بِإِزَاءِ مَا يَسْقُطُ مِنَ اللَّفْظِ وہ جو لفظ سے ساقط ہوا ہے اس کے مقابلے میں۔

بھئی دیکھیے ادھر، یہ عبارت ذرا مشکل ہے بس اس کو سمجھ لیں۔ اضافت لفظیہ کس چیز کا فائدہ دیتی ہے؟ لفظوں میں تخفیف کا فائدہ دیتی ہے، تو آپ یہ خیال کریں کہ لفظوں میں جیسے تنوین گری ہے معنی کے اندر بھی اس کے اندر کیا آگئی ہوگی؟ کچھ نہ کچھ تخفیف آگئی ہوگی، اور جیسے لفظوں سے کچھ حصہ ساقط ہوا ہے معنی میں سے بھی کچھ مدلولات یا کچھ احتمالات کیا ہوگئے ہوں گے؟ ساقط ہوگئے ہوں گے۔ ایسا نہیں ہے۔ یہ معنی ہے، پھر ترجمہ دیکھیے: فِي اللَّفْظِ کہ لفظوں میں تخفیف کا فائدہ دیتی ہے، لَا فِي الْمَعْنَى معنی میں تخفیف کا فائدہ نہیں دیتی۔ بھئی معنی میں تخفیف کی کیا صورت ہو سکتی تھی؟ وہ بائے تصویریہ سے بیان کر رہے ہیں: بِأَنْ يَسْقُطَ بَعْضُ الْمَعَانِي بایں صورت کہ کچھ معانی بھی ساقط ہو جائیں عَنْ مُلَاحَظَةِ الْعَقْلِ عقل کے ملاحظہ کرنے سے، عقل کیا کرے عقل کے ملاحظہ کرنے سے کچھ معانی بھی ساقط ہو جائیں بِإِزَاءِ مَا يَسْقُطُ مِنَ اللَّفْظِ وہ جو لفظوں سے ساقط ہوا ہے اس کے مقابلے میں۔ وہ جو لفظوں سے ساقط ہوا ہے اس کے مقابلے میں کچھ معانی بھی کیا ہو جائیں ساقط ہو جائیں عقل کے ملاحظہ کرنے سے، یعنی عقل ملاحظہ کرے کہ کچھ معانی بھی کیا ہو گئے ہیں ساقط ہو گئے ہیں۔ ایسا نہیں ہے۔ بَلِ الْمَعْنَى عَلَى مَا كَانَ عَلَيْهِ قَبْلَ الْإِضَافَةِ، بلکہ معنی جو ہے اسی طور پر ہوگا جیسے کہ وہ اضافت سے پہلے تھا۔ معنی اسی طرح پر ہوگا جیسے کہ اضافت سے پہلے تھا۔

وَالتَّخْفِيفُ اللَّفْظِيُّ إِنَّمَا فِي لَفْظِ الْمُضَافِ فَقَطْ۔ جی اب تخفیف لفظی بیان کریں گے بھئی بڑی قیمتی بات صاحب

جامی آپ کو بتلائیں گے۔ توجہ سے سنو، دیکھو اضافت لفظی میں ایک ہے مضاف ایک ہے مضاف الیہ۔ صاحب جامی آپ کو بتلائیں گے کہ اضافت لفظیہ یہ لفظوں میں تخفیف کا فائدہ دیتی ہے اور کبھی تخفیف صرف مضاف کے اندر آئے گی، کبھی تخفیف صرف مضاف الیہ میں آئے گی، اور کبھی تخفیف دونوں میں آئے گی۔ تخفیف آنی چاہیے، اگر تخفیف نہیں آتی تو اضافت لفظیہ جائز نہیں کیونکہ اس نے فائدہ ہی کس چیز کا دینا ہے؟ تخفیف کا۔ تو لہٰذا تخفیف ہونی چاہیے، چاہے وہ تخفیف صرف کس میں آجائے؟ مضاف میں، یا صرف کس میں آجائے؟ مضاف الیہ میں، یا کس میں آجائے؟ دونوں میں آجائے۔ توجہ ہے؟ تو اضافت لفظی سے تخفیف آئے گی، کبھی صرف مضاف میں تخفیف آئے گی، کبھی مضاف الیہ میں تخفیف آئے گی اور کبھی دونوں میں۔

اب ہر ایک کی مثالوں سے وضاحت بھی کریں گے، ادھر دیکھیے پہلے سمجھ لیجیے۔ ضَارِبُ زَيْدٍ پہلے کیا تھا؟ ضَارِبٌ زَيْدًا۔ اب میں نے اضافت کی تو ضَارِبٌ مضاف سے تنوین گر گئی ضَارِبُ زَيْدٍ، تو کس میں تخفیف آئی؟ مضاف میں۔ کس میں؟ مضاف میں تخفیف آئی۔ اور کبھی مضاف الیہ میں تخفیف آئے گی، جیسے الْحَسَنُ الْوَجْهِ۔ یہ اصل میں کیا تھا؟ الْحَسَنُ کی اضافت کس کی طرف ہو رہی ہے؟ الْوَجْهِ کی طرف، اور وہ اس کے لیے کیا تھا؟ فاعل تھا، اور فاعل کیا ہوتا ہے؟ مرفوع، لہٰذا اس کو ذرا مرفوع کرو، الْحَسَنُ الْوَجْهُ۔ الْحَسَنُ یہ تو صفت ہے یہ تو موقع محل کے مطابق الْحَسَنُ پر اعراب آئے گا، الْحَسَنُ پر اعراب کیا آئے گا؟ بھئی جَاءَنِي زَيْدٌ، رَأَيْتُ زَيْدًا، مَرَرْتُ بِزَيْدٍ، تو یہ زید کی صفت میں الْحَسَنُ لانا چاہتا ہوں، تو زید مرفوع ہوگا تو الْحَسَنُ بھی کیا ہوگا؟ مرفوع، اگر زید منصوب ہے تو الْحَسَنُ بھی کیا ہوگا؟ منصوب، اور زید مجرور ہوگا تو الْحَسَنُ بھی کیا ہوگا؟ مجرور۔ تو یہ جو الْحَسَنُ پہلا لفظ ہے اس پر تو اعراب جو ہے وہ عامل کے مطابق آئے گا یا اپنے متبوع کے مطابق آئے گا، لیکن یہ جو الْوَجْهُ ہے یہ فاعل ہے کس کے لیے؟ الْحَسَنُ کے لیے، فاعل کیا ہوتا ہے؟ مرفوع۔ اب دیکھیے ترکیب سنو: جَاءَنِي زَيْدٌ الْحَسَنُ الْوَجْهُ۔ زید مرفوع ہے لہٰذا اس کی صفت الْحَسَنُ بھی کیا ہوگی؟ مرفوع۔ توجہ سے سنو بھئی ترکیب کی باتیں ہیں۔ جَاءَنِي زَيْدٌ الْحَسَنُ الْوَجْهُ، زید مرفوع ہے لہٰذا اس کی صفت الْحَسَنُ بھی کیا ہوگی؟ مرفوع، تو الْحَسَنُ کیوں مرفوع ہے کیونکہ اس کا موصوف مرفوع۔ اب آپ سے کوئی پوچھے الْوَجْهُ کیوں مرفوع ہے آپ کیا کہیں گے؟ یہ الْحَسَنُ کے لیے کیا ہے؟ فاعل ہے۔ الْحَسَنُ صفت مشبہ ہے اس کے لیے کیا چاہیے؟ فاعل، اور آپ نے پڑھا ہے کہ فعل کے لیے فاعل یا نائب فاعل ایک ہی آسکتا ہے ایک سے زیادہ نہیں، اور وہ ضمیر بھی ہو سکتی ہے اور اسم ظاہر بھی۔ تو اس وقت الْحَسَنُ کے اندر ضمیر نہیں ہے کیونکہ آگے اسم ظاہر الْوَجْهُ اس کے لیے فاعل آرہا ہے۔ توجہ ہے؟ اور یہ صفت الْحَسَنُ یہ صفت مشبہ اپنے فاعل سے مل کر شبہ جملہ ہو کر یہ صفت بنے گی کس کے لیے؟ زید کے لیے۔ توجہ ہے؟ اور جیسے جملے کو کسی چیز سے جوڑنے کے لیے ربط ضروری، شبہ جملہ کو بھی کسی چیز سے جوڑنے کے لیے کیا ضروری؟ ربط ضروری، اور یہاں تو

کوئی ضمیر نہیں ہے، اَلْحَسَنُ کے اندر ضمیر ہے؟ نہیں، کیوں نہیں؟ کیونکہ اَلْوَجْهُ اس کا فاعل اسم ظاہر آرہا ہے۔ بات سمجھ میں آرہی ہے؟

چنانچہ علمائے نحو فرماتے ہیں کہ اَلْحَسَنُ الْوَجْهُ یہ اصل میں تھا اَلْحَسَنُ وَجْهُهُ۔ اَلْحَسَنُ وَجْهُهُ،یہاں ضمیر موجود تھی کیونکہ ربط چاہیے یا نہیں چاہیے موصوف کے ساتھ؟ تو یہ کیا تھا؟ وَجْهُهُ۔ اَلْحَسَنُ اچھا ہے وَجْهُهُ اس کا چہرہ یعنی زید کا چہرہ، یہ ہا ضمیر کس کو راجع ہے؟ زید کو راجع ہے۔ تو اصل میں کیا تھا؟ اَلْحَسَنُ وَجْهُهُ تھا، یہ وَجْهُهُ فاعل تھا اَلْحَسَنُ کا اور وَجْهُهُ کے آخر میں ضمیر تھی جو ربط دے رہی تھی ماقبل کے ساتھ۔ پھر اب اضافت کرنا چاہتے ہیں، پھر یوں کیا اَلْحَسَنُ کی اضافت کر دی وَجْهُهُ کی طرف تو کیا بن گیا؟ اَلْحَسَنُ وَجْهِهِ۔ توجہ ہے؟ تو اب اَلْحَسَنُ کے اندر ضمیر آگئی، کیوں ضمیر آئی؟ کیونکہ اَلْحَسَنُ صفت مشبہ ہے، صفت مشبہ کے لیے فاعل تو ضرور چاہیے اور فاعل کیا ہوتا ہے؟ مرفوع، اور آگے وَجْهِهِ تو مجرور ہے وہ تو فاعل نہیں بن سکتا۔ تو لہٰذا وَجْهِهِ کے آخر سے ہا ضمیر ختم کی اور وہ ضمیر کس کے اندر آکر چھپ گئی؟ اَلْحَسَنُ کے اندر آ کر چھپ گئی۔ بات سمجھ میں آگئی۔ پھر وَجْهِهِ اس کے آخر سے جب ضمیر ختم کی تو یہ تو نکرہ بن گیا، اور وَجْهُهُ سے کس کا چہرہ مراد تھا؟ زید کا چہرہ، اب ضمیر ختم ہو گئی وَجْهٌ رہ گیا تو وَجْهٌ تو کوئی بھی چہرہ ہو سکتا ہے نکرہ بن گیا، تو پھر اس کو معرفہ بنایا الف لام اس پر لے آئے اَلْوَجْهُ۔ اب اَلْوَجْهُ سے خاص کس کا چہرہ مراد ہے؟ زید کا، تو لہٰذا اب اَلْوَجْهُ کی طرف اضافت ہو گئی اَلْحَسَنُ الْوَجْهِ۔ تو اب وہ ضمیر کس کے اندر آکر چھپ گئی؟ اَلْحَسَنُ کے اندر آکر چھپ گئی جو پہلے کس کے ساتھ جڑی ہوئی تھی؟ وَجْهُهُ کے ساتھ جڑی ہوئی تھی۔

تو اَلْحَسَنُ الْوَجْهِ یہ اَلْحَسَنُ کی اضافت ہے کس کی طرف؟ اَلْوَجْهِ اپنے فاعل کی طرف، اور اب اَلْحَسَنُ کے اندر ضمیر موجود ہے۔ تو اب دیکھیے اَلْحَسَنُ اس کے اندر اضافت کی وجہ سے کوئی تخفیف آئی؟ نہیں، اَلْحَسَنُ پر تو الف لام اضافت سے پہلے ہی داخل تھا تو آخر میں تنوین پہلے ہی گر چکی تھی اضافت سے پہلے۔ توجہ ہے؟ آپ ذرا اضافت پھر ختم کریں: اَلْحَسَنُ وَجْهُهُ۔ جی اَلْحَسَنُ اس پر کوئی تنوین ہے؟ نہیں، ابھی حالانکہ ہم نے اضافت نہیں کی۔ اب اضافت کر دو اَلْحَسَنُ اَلْوَجْهِ، تو اَلْحَسَنُ میں کوئی فرق آیا؟ نہیں، اس سے کوئی تنوین وغیرہ نہیں گری کیونکہ تنوین تھی ہی نہیں اس کے اوپر، وہ الف لام کی وجہ سے پہلے ہی گر چکی ہے۔ معلوم ہوا مضاف کے اندر اضافت لفظی سے یہاں کوئی تخفیف نہیں آئی، لیکن مضاف الیہ میں تخفیف آچکی ہے کہ اس سے وہ ضمیر گر گئی، تخفیف آگئی یا نہیں؟ تو لہٰذا دیکھو یہ وہ مثال ہے اَلْحَسَنُ الْوَجْهِ کہ جہاں اضافت لفظیہ ہے اور مضاف کے اندر تخفیف نہیں آئی بلکہ کس کے اندر آئی ہے؟ مضاف الیہ کے اندر، لہٰذا یہ اضافت لفظی جائز ہے۔ اضافت لفظی میں تخفیف ضرور آنی چاہیے اس کے بغیر وہ جائز نہیں، وہ تخفیف یا صرف مضاف میں آئے گی یا مضاف الیہ میں آئے گی یا دونوں میں آئے گی۔ مضاف کی مثال میں نے ذکر کر دی ضَارِبُ زَيْدٍ، ضَارِبٌ سے کیا گری ہے؟ تنوین گری ہے تو یہاں تخفیف آگئی، اور مضاف الیہ میں تخفیف آجائے اَلْحَسَنُ الْوَجْهِ یہاں اَلْوَجْهِ مضاف

الیہ جو ہے اس سے ضمیر گر گئی ہے تو تخفیف آ گئی۔

اور کبھی کبھار دونوں میں تخفیف آئے گی، کبھی کبھار دونوں میں تخفیف آئے گی، جیسے قَائِمُ الْغُلَامِ۔ قَائِمُ الْغُلَامِ، دیکھو وہی مثال بن گئی قَائِمُ الْغُلَامِ، قَائِمُ مضاف الْغُلَامِ مضاف الیہ۔ یہ اصل میں تھا قَائِمٌ غُلَامُهُ۔ قَائِمٌ غُلَامُهُ، کیونکہ قَائِمٌ فعل لازم ہے نا اس کے لیے تو مفعول نہیں چاہیے آگے فاعل چاہیے، تو کیا تھا؟ قَائِمٌ غُلَامُهُ۔ قَائِمٌ صیغہ اسم فاعل ہے اور غُلَامُهُ مضاف مضاف الیہ مل کر اس کے لیے فاعل۔ جب فاعل ہے تو قَائِمٌ کے اندر کوئی ضمیر نہیں، اور قَائِمٌ صیغہ صفت کا ہے اور صفت کا صیغہ اپنے فاعل وغیرہ سے مل کر کیا بنتا ہے؟ شبہ جملہ، اور شبہ جملہ کو بھی ماقبل سے جوڑنے کے لیے کیا ضروری؟ ربط ضروری، اور قَائِمٌ کے اندر تو کوئی ضمیر نہیں تو آگے غُلَامُهُ کے ساتھ وہ ضمیر جڑی ہوئی ہے۔ توجہ ہے؟ تو یہ غُلَامُهُ فاعل ہے قَائِمٌ کے لیے، قَائِمٌ کے اندر کوئی ضمیر نہیں۔ پھر اب اس قَائِمٌ کی اضافت کر دی غُلَامُهُ کی طرف تو کیا بن گیا؟ قَائِمُ غُلَامِهِ۔ قَائِمٌ سے تنوین گر گئی، قَائِمٌ غُلَامُهُ تھا نا قَائِمٌ سے کیا گر گئی؟ تنوین۔ اور پھر اب قَائِمٌ کی جب اضافت کر دی غُلَامِهِ کی طرف تو قَائِمٌ کے اندر ضمیر آ گئی۔ توجہ ہے؟ کون سی ضمیر؟ وہی جو غُلَامِهِ کے آخر میں تھی اس کو گرا دیا کیونکہ قَائِمٌ کے لیے فاعل تو ضرور چاہیے تو وہ ضمیر اب اس کے اندر آ کر چھپ گئی۔ اور غُلَامُهُ معرفہ تھا تو جب ضمیر ختم کی تو غُلَامٌ نکرہ رہ گیا، تو پھر اس کو معرفہ بنانے کے لیے اس پر الف لام لے آئے تو کیا بن گیا؟ قَائِمُ الْغُلَامِ، زَيْدٌ قَائِمُ الْغُلَامِ۔ تو قَائِمُ الْغُلَامِ یہ اضافت لفظیہ ہے اور یہاں مضاف میں بھی تخفیف آئی ہے اور مضاف الیہ میں بھی۔ مضاف قَائِمٌ میں کیا تخفیف آئی؟ تنوین گر گئی، پہلے کیا تھا قَائِمٌ غُلَامُهُ، اور مضاف الیہ میں کیا تخفیف آئی؟ ضمیر گر گئی اس سے، تو دونوں میں تخفیف آ گئی۔ بات سمجھ میں آ گئی۔ تو اضافت لفظیہ کس چیز کا فائدہ دیتی ہے؟ تخفیف کا۔ جہاں تخفیف آئے گی اضافت لفظیہ جائز ہے، جہاں تخفیف نہیں آئے گی اضافت لفظیہ نہیں جائز، اور تخفیف کبھی صرف کس میں آئے گی؟ مضاف میں، کبھی صرف مضاف الیہ میں اور کبھی دونوں میں آئے گی۔

اب دیکھیے بھئی، کہتے ہیں: وَالتَّخْفِيفُ اللَّفْظِيُّ، اور تخفیف لفظی جو ہے، إِمَّا فِي لَفْظِ الْمُضَافِ فَقَطْ یا تو وہ صرف مضاف کے لفظ میں ہوگی، بِحَذْفِ التَّنْوِينِ حَقِيقَةً حقیقتاً تنوین کو حذف کرنے کی وجہ سے کہ اس سے حقیقتاً تنوین کیا ہو جائے گی؟ حذف ہو جائے گی، مِثْلُ ضَارِبُ زَيْدٍ۔ اصل میں کیا تھا ضَارِبٌ زَيْدًا، پھر اضافت کر دی تو مضاف جو ضَارِبٌ تھا اس سے تنوین حذف ہوئی، اور حکماً حذف ہوئی ہے یا حقیقتاً حذف ہوئی ہے؟ حقیقتاً حذف ہوئی ہے، توجہ ہے؟ حقیقتاً تنوین موجود تھی اور پھر وہ گر گئی۔ اگلی مثال آئے گی وہاں حقیقتاً تنوین نہیں ہوگی، حکماً تنوین ساقط ہوگی، بات سمجھ میں آ گئی۔ تو کہتے ہیں ضَارِبُ زَيْدٍ اس کے اندر تنوین حذف ہوئی ہے حقیقتاً، أَوْ حُكْمًا یا تنوین حکماً حذف ہوگی، مِثْلُ حَوَاجُّ بَيْتِ اللهِ، بیت اللہ کا حج کرنے والے۔ حَوَاجُّ جمع ہے حَاجٌّ کی، کس کی؟ حَاجٌّ، یہ جیم مشدد ہے، تو حَوَاجُّ اس کے اندر بھی جیم مشدد

ہے، اور یہ حَوَاجٌّ یہ غیر منصرف ہے کیونکہ یہ جمع منتہی الجموع کا وزن ہے، الف جمع کے بعد جیم مشدد ہے یعنی دو حرف ہیں۔ جمع منتہی الجموع کسے کہتے تھے؟ کہ الف جمع کے بعد دو حرف آئیں یا ایک حرف مشدد آجائے یا تین حرف آئیں اور درمیان والا ساکن ہو، تو یہاں بھی الف جمع کے بعد جیم مشدد آگیا اور حرف مشدد دراصل کتنے حرف ہوتے ہیں؟ دو حرف ہوتے ہیں، تو یہ غیر منصرف ہے کیونکہ جمع منتہی الجموع دو سببوں کے قائم مقام ہے، تو یہ غیر منصرف ہے اور غیر منصرف پر تو تنوین آتی ہی نہیں، کسرہ بھی نہیں آتا اور تنوین بھی نہیں آتی۔ تو حَوَاجُّ کی اضافت ہوئی بَیْتِ اللہِ کی طرف۔ حَوَاجُّ کی اضافت ہوئی بَیْتِ اللہِ کی طرف، اور حَوَاجُّ اسم فاعل ہے، حَاجٌّ کی جمع ہے نا، اسم فاعل کی جمع ہے، تو یہ اسم فاعل ہے، اور حج کرنے والا، کس کا حج کرنے والا؟ بیت اللہ کا، تو آگے مفعول کا ذکر ہو رہا ہے، تو یہ اسم فاعل ہے یعنی جمع، اور یہ مضاف ہو رہا ہے اپنے معمول یعنی مفعول کی طرف۔ اور یہاں حَوَاجُّ سے حکماً تنوین گری ہے، حقیقتاً نہیں، کیونکہ حقیقتاً یہاں تنوین موجود نہیں تھی البتہ حکماً موجود تھی وہ حکماً بھی اب کیا ہو گئی؟ ساقط ہو گئی۔ یا تنوین حکماً ساقط ہوئی ہے مِثْلُ حَوَاجُّ بَیْتِ اللہِ، تو اس پر تنوین نہیں تھی لیکن اس پر بھی حکم لگا دیا گیا کہ اس سے بھی تنوین کیا ہوئی ہے؟ حذف ہوئی ہے، لیکن حقیقتاً نہیں ہے بلکہ حکماً ہے یہ حکم اس پر لگا دیا گیا، کیونکہ اس پر جو تنوین نہیں آئی تھی وہ غیر منصرف ہونے کی وجہ سے تنوین نہیں آرہی تھی۔

بات چل رہی ہے کہ اضافت لفظی تخفیف کا فائدہ دے گی۔ یہ تخفیف کبھی صرف مضاف میں آئے گی، جیسے مضاف سے یا تو حقیقتاً تنوین ساقط ہوگی یا حکماً تنوین ساقط ہو جائے گی، یا اگر مضاف تثنیہ تھا تو نون تثنیہ گر جائے گا، اور اگر وہ جمع تھا تو نون جمع گر جائے گا۔ تو دیکھو نون تثنیہ گرا تخفیف آگئی مضاف میں، یا نون جمع گرا تو تخفیف آگئی۔ جیسے دیکھو، کہتے ہیں: أَوْ بِحَذْفِ نُونَيِ التَّثْنِيَةِ وَالْجَمْعِ، یا تثنیہ اور جمع کے دونوں نونوں کے حذف کی وجہ سے تخفیف آئے گی، مِثْلُ مثال کے طور پر ضَارِبَا زَيْدٍ۔ ضَارِبَا زَيْدٍ اصل میں کیا تھا؟ ضَارِبَانِ زَيْدًا۔ عَمْرٌو وَبَكْرٌ ضَارِبَانِ زَيْدًا، عمر اور بکر دونوں پٹائی کرنے والے ہیں کس کی؟ زید کی، وہ دونوں زید کی پٹائی کر رہے ہیں۔ اب ضَارِبَانِ صیغہ اسم فاعل ہے، تثنیہ ہے، اور آگے زَيْدًا مفعول تھا، اس کی طرف تثنیہ کی اضافت کی تو نون تثنیہ گر گیا ضَارِبَا زَيْدٍ۔ یا اسی طرح ضَارِبُو زَيْدٍ اصل میں کیا تھا؟ ضَارِبُونَ زَيْدًا، تو دیکھو صیغہ صفت کا ہے اور مضاف ہے اپنے معمول کی طرف اور اس میں تخفیف آگئی کہ نون تثنیہ اور نون جمع ان میں سے گر گئے۔

یہ تھی تخفیف آئی تھی مضاف میں۔ اب مثال ذکر کریں گے مضاف الیہ میں تخفیف آئے گی، اور وہ کیسے آئے گی؟ میں نے بتایا کہ وہاں سے مضاف الیہ سے ضمیر گر جاتی ہے، اب اس کو بیان کر رہے ہیں دیکھیے بھئی۔ کہتے ہیں: وَإِمَّا فِي لَفْظِ الْمُضَافِ إِلَيْهِ فَقَطْ، یا وہ جو تخفیف لفظی ہے صرف مضاف الیہ کے لفظ میں آئے گی، بِحَذْفِ الضَّمِيرِ وَاسْتِتَارِهِ فِي الصِّفَةِ، ضمیر کے حذف ہونے اور صفت کے اندر اس کے چھپنے کی وجہ سے۔ ضمیر کیا ہو جائے گی؟ آخر مضاف الیہ سے

ضمیر گرے گی اور کس کے اندر چھپ جائے گی؟ صفت کے اندر چھپ جائے گی، جیسے الْحَسَنُ الْوَجْهِ، تو وَجْهُهُ کے آخر سے ضمیر حذف ہوئی اور کس کے اندر چھپ گئی؟ الْحَسَنُ صفت کے اندر چھپ گئی۔ تو کہتے ہیں وَإِمَّا فِي لَفْظِ الْمُضَافِ إِلَيْهِ فَقَطْ، اور وہ تخفیف لفظی یا تو صرف مضاف الیہ کے لفظ میں آئے گی، بِحَذْفِ الضَّمِيرِ وَاسْتِتَارِهِ فِي الصِّفَةِ ضمیر کے حذف ہونے اور صفت کے اندر اس کے چھپنے کی وجہ سے، كَالْقَائِمِ الْغُلَامِ۔ الْقَائِمِ مضاف ہے اور الْغُلَامِ مضاف الیہ ہے، كَانَ أَصْلُهُ اس کی اصل جو ہے الْقَائِمُ غُلَامُهُ ہے، الْقَائِمُ غُلَامُهُ ہے۔ پھر حُذِفَ الضَّمِيرُ مِنْ غُلَامِهِ غُلَامِهِ سے ضمیر حذف کر دی گئی، وَاسْتَتَرَ فِي الْقَائِمِ اور وہ ضمیر کس میں چھپ گئی؟ الْقَائِمِ کے اندر چھپ گئی، وَأُضِيفَ الْقَائِمُ إِلَيْهِ اور پھر الْقَائِمِ کی اس کی طرف اضافت کر دی گئی، لِلتَّخْفِيفِ فِي الْمُضَافِ إِلَيْهِ فَقَطْ صرف مضاف الیہ میں تخفیف کے لیے۔ طریقہ سمجھ میں آگیا، تو کیا بن گیا؟ الْقَائِمُ الْغُلَامِ۔

وَإِمَّا فِي الْمُضَافِ وَالْمُضَافِ إِلَيْهِ مَعًا، یا وہ تخفیف لفظی مضاف اور مضاف الیہ دونوں میں اکٹھی آئے گی، نَحْوُ زَيْدٌ قَائِمُ الْغُلَامِ۔ یہ قَائِمُ مضاف الْغُلَامِ مضاف الیہ۔ أَصْلُهُ اصل میں یہ تھا قَائِمٌ غُلَامُهُ۔ قَائِمٌ پر تنوین تھی، وہ تنوین گرے گی مضاف سے، اور غُلَامُهُ مضاف الیہ سے یہ ہا ضمیر گر جائے گی، تو مضاف میں بھی تخفیف آئے گی اور مضاف الیہ میں بھی۔ تو کہتے ہیں نَحْوُ زَيْدٌ قَائِمُ الْغُلَامِ، أَصْلُهُ قَائِمٌ غُلَامُهُ اصل میں یہ قَائِمٌ غُلَامُهُ تھا۔ فَالتَّخْفِيفُ فِي الْمُضَافِ بِحَذْفِ التَّنْوِينِ، وَفِي الْمُضَافِ إِلَيْهِ بِحَذْفِ الضَّمِيرِ وَاسْتِتَارِهِ فِي الصِّفَةِ۔ تو یہ جو تخفیف آئی مضاف کے اندر بِحَذْفِ التَّنْوِينِ وہ تنوین کے حذف کرنے کی وجہ سے آئی ہے۔ قَائِمُ الْغُلَامِ یہ قَائِمٌ اصل میں کیا تھا؟ قَائِمٌ غُلَامُهُ، تو قَائِمٌ سے کیا گر گئی؟ تنوین گر گئی، تو مضاف میں تخفیف آئی بِحَذْفِ التَّنْوِينِ تنوین کے حذف ہونے کی وجہ سے، وَفِي الْمُضَافِ إِلَيْهِ اور مضاف الیہ میں تخفیف آئی بِحَذْفِ الضَّمِيرِ وَاسْتِتَارِهِ فِي الصِّفَةِ ضمیر کے حذف ہونے اور صفت کے اندر چھپنے کی وجہ سے۔

وَمِنْ ثَمَّ أَيْ مِنْ جِهَةِ وُجُوبِ إِفَادَةِ الْإِضَافَةِ اللَّفْظِيَّةِ التَّخْفِيفَ۔ آگے صرف متن متن دیکھیے بھئی، کہتے ہیں: وَمِنْ ثَمَّ جَازَ مَرَرْتُ بِرَجُلٍ حَسَنِ الْوَجْهِ وَامْتَنَعَ بِزَيْدٍ حَسَنِ الْوَجْهِ، وَجَازَ الضَّارِبَا زَيْدٍ وَالضَّارِبُو زَيْدٍ وَامْتَنَعَ الضَّارِبُ زَيْدٍ۔ متن مل گیا سارا بھئی؟ وَمِنْ ثَمَّ، ثَمَّ اسم اشارہ ہے، وَمِنْ ثَمَّ اور اسی وجہ سے، اور اسی وجہ سے جَازَ یہ ترکیب تو جائز ہے: مَرَرْتُ بِرَجُلٍ حَسَنِ الْوَجْهِ، یہ ترکیب جائز ہے، وَامْتَنَعَ اور یہ ترکیب ممتنع ہے یعنی جائز نہیں ہے: بِزَيْدٍ حَسَنِ الْوَجْهِ أَيْ مَرَرْتُ بِزَيْدٍ حَسَنِ الْوَجْهِ، یہ ترکیب جائز نہیں۔ اور اسی طرح جَازَ الضَّارِبَا زَيْدٍ وَالضَّارِبُو زَيْدٍ، الضَّارِبَا زَيْدٍ بھی جائز ہے اور الضَّارِبُو زَيْدٍ بھی جائز ہے، لیکن وَامْتَنَعَ الضَّارِبُ زَيْدٍ، لیکن الضَّارِبُ زَيْدٍ ممتنع ہے یہ جائز نہیں ہے بھئی۔

دیکھیے بھئی اس کو سمجھ لیجیے۔ کہتے ہیں وَمِنْ ثَمَّ اور اسی وجہ سے، کس وجہ سے؟ ابھی جو بیان کیا، یہ جو حصر ذکر کر دیا کہ اضافت لفظیہ صرف تخفیف کا فائدہ دیتی ہے، تعریف اور تخصیص کا فائدہ نہیں دیتی، اسی لیے مَرَرْتُ بِرَجُلٍ حَسَنِ الْوَجْهِ یہ ترکیب جائز ہے، اور مَرَرْتُ بِزَيْدٍ حَسَنِ الْوَجْهِ یہ ترکیب جائز نہیں کیونکہ یہ تعریف کا فائدہ نہیں دے رہی۔ دیکھو بھئی ترکیب

سنو: مَرَرْتُ فعل با فاعل، تا ضمیر مرفوع محلاً فاعل۔ ترکیب پہ نظر ہے؟ مَرَرْتُ فعل با فاعل، تا ضمیر مرفوع محلاً فاعل، با جارہ، رَجُلٍ مجرور لفظاً اور یہ ہے موصوف، اور حَسَنِ الْوَجْهِ یہ ہے اس کی صفت۔ اس کی ترکیب سنو: حَسَنِ الْوَجْهِ، حَسَن صفت مشبہ مضاف اور اس کے اندر ہُوَ ضمیر مرفوع محلاً اس کا فاعل جو کس کو راجع ہے؟ رَجُل کو، کیونکہ صفت کو کس سے جوڑتے ہیں؟ موصوف سے، اور الْوَجْهِ یہ مجرور لفظاً مضاف الیہ۔ تو حَسَن صفت اپنے فاعل اور مضاف الیہ سے مل کر شبہ جملہ ہو کر یہ صفت ہوئی کس کے لیے؟ رَجُل کے لیے۔ اور موصوف صفت مل کر با جارہ کے لیے مجرور، جار مجرور مل کر متعلق ہوئے مَرَرْتُ فعل کے ساتھ، مَرَرْتُ فعل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہوا۔ مَرَرْتُ بِرَجُلٍ حَسَنِ الْوَجْهِ، میں گزرا ایک ایسے آدمی پر کہ وہ اچھے چہرے والا تھا یعنی حسین چہرے والا تھا۔ اب یہ رَجُلٍ دیکھو نکرہ ہے، اور حَسَنِ الْوَجْهِ یہ حَسَن مضاف ہے الْوَجْهِ مضاف الیہ، اور یہ کون سی اضافت ہے؟ حَسَنِ الْوَجْهِ اضافت لفظیہ، اور اضافت لفظیہ تعریف کا فائدہ نہیں دیتی، جب تعریف کا فائدہ نہیں تو حَسَنِ الْوَجْهِ ابھی بھی نکرہ ہے، جب یہ نکرہ ہے تو یہ رَجُلٍ نکرہ کے لیے صفت بن سکتا ہے، بات سمجھ میں آگئی۔ اس لیے یہ ترکیب جائز ہے کہ آپ نے رَجُل نکرہ کے لیے حَسَنِ الْوَجْهِ کو صفت بنا دیا۔

لیکن یہ ترکیب ممتنع ہے مَرَرْتُ بِزَيْدٍ حَسَنِ الْوَجْهِ۔ وجہ یہ کہ اس کے اندر زید جو موصوف ہے وہ ہے معرفہ، اور حَسَنِ الْوَجْهِ وہ کیا ہے؟ وہ نکرہ ہے کیونکہ اضافت کون سی ہے؟ اضافت لفظیہ۔ جب اضافت لفظیہ ہے وہ تو تعریف کا فائدہ ہی نہیں دیتی، جب تعریف کا فائدہ نہیں دے رہی تو حَسَنِ الْوَجْهِ ابھی بھی کیا ہے؟ نکرہ ہے، حَسَن کا لفظ ابھی بھی نکرہ ہے، اور نکرہ تو معرفہ کے لیے صفت نہیں بن سکتا۔ موصوف صفت میں مطابقت ضروری ہے، موصوف اگر نکرہ ہو تو صفت بھی نکرہ، موصوف اگر معرفہ ہو تو صفت بھی معرفہ۔ بات سمجھ میں آگئی، تو اضافت لفظی تعریف کا فائدہ نہیں دیتی، اس لیے مَرَرْتُ بِرَجُلٍ حَسَنِ الْوَجْهِ یہ ترکیب جائز ہے اور مَرَرْتُ بِزَيْدٍ حَسَنِ الْوَجْهِ یہ ترکیب جائز نہیں، کیونکہ حَسَنِ الْوَجْهِ اضافت لفظی ہے اس نے کوئی تعریف کا فائدہ نہیں دیا، جب تعریف کا فائدہ نہیں دیا تو حَسَن نکرہ ہے، اور صفت نکرہ ہو موصوف معرفہ ہو یہ جائز نہیں، اس لیے یہ ترکیب جائز نہیں۔

آگے متن دیکھیے: وَجَازَ اور جائز ہے الضَّارِبَا زَيْدٍ۔ الضَّارِبَا زَيْدٍ اصل میں کیا تھا؟ الضَّارِبَانِ زَيْدًا، تو یہاں اضافت کی وجہ سے نون گر گیا، تخفیف آگئی۔ الضَّارِبُو زَيْدٍ اصل میں کیا تھا؟ الضَّارِبُونَ زَيْدًا، پھر اضافت کی تو نون جمع گر گیا، تو تخفیف آگئی۔ اور یہ اضافت لفظی ہے، الضَّارِبَا زَيْدٍ صیغہ صفت کا ہے اسم فاعل ہے اور مضاف ہو رہا ہے اپنے معمول یعنی مفعول کی طرف۔ الضَّارِبُو زَيْدٍ بھی اسی طرح ہے، الضَّارِبُو صیغہ کون سا ہے؟ صفت کا ہے اسم فاعل کی جمع ہے اور یہ مضاف ہو رہا ہے اپنے معمول کی طرف، تو یہ اضافت لفظی ہے، اور اضافت لفظی کس چیز کا فائدہ دیتی ہے؟ تخفیف کا، اور یہاں تخفیف آئی ہے کہ نون تثنیہ اور نون جمع گر گئے ہیں، لہٰذا یہ اضافت جائز ہے۔

لیکن الضَّارِبُ زَيْدٍ یہ جائز نہیں۔ الضَّارِبُ زَيْدٍ یہ جائز نہیں، کیوں نہیں جائز؟ یہ اصل میں کیا تھا؟ الضَّارِبُ زَيْدًا تھا، کیا

تھا؟ مفعول بنا لو نا آگے منصوب لے آؤ الضَّارِبُ زَيْدًا تھا۔ پھر آپ نے اضافت کر دی الضَّارِبُ زَيْدٍ۔ جی مضاف میں کوئی تخفیف آئی الضَّارِبُ میں؟ نہیں، اس کی تنوین تو پہلے ہی الف لام کی وجہ سے گری تھی، اضافت کی وجہ سے تو نہیں گری۔ اور کیا مضاف الیہ میں کوئی تخفیف آئی؟ زید میں کوئی تخفیف آئی کوئی ضمیر وغیرہ گری؟ نہیں، تو نہ مضاف میں تخفیف آئی نہ مضاف الیہ میں تخفیف آئی، حالانکہ اضافت لفظی کے ذریعے مقصود ہی کیا ہوتا ہے؟ تخفیف۔ تو نہ مضاف میں تخفیف نہ مضاف الیہ میں تخفیف، اس لیے الضَّارِبُ زَيْدٍ یہ جائز نہیں۔ جبکہ الضَّارِبَا زَيْدٍ اور الضَّارِبُو زَيْدٍ جائز ہیں کہ وہاں نون تثنیہ اور نون جمع گر گئے ہیں، مضاف میں تخفیف آگئی ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟

تو کہتے ہیں وَجَازَ اور جائز ہے الضَّارِبَا زَيْدٍ وَالضَّارِبُو زَيْدٍ یہ دونوں ترکیبیں تو جائز ہیں، وَامْتَنَعَ الضَّارِبُ زَيْدٍ اور الضَّارِبُ زَيْدٍ یہ ترکیب ممتنع ہے، جائز نہیں ہے بھئی۔ بات سمجھ میں آگئی؟ چلیے بس بھئی۔ هَذَا هُوَ الْمَرَامُ، وَاللهُ أَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْكَلَامِ۔

سبق نمبر ۱۸۹: الاضافۃ(٦): اضافتِ لفظیہ پر تفریعات («مَرَرْتُ بِرَجُلٍ حَسَنِ الْوَجْهِ» و «اَلضَّارِبَا زَيْدٍ»)

شرحِ ملا جامی صفحہ: ۱٦۸ — بتاریخ: ۵ ستمبر ۲۰۲۲ء

▪ تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث

آگے دیکھیے بھائی سبق۔ کہتے ہیں: وَمِنْ ثَمَّ أَيْ مِنْ جِهَةِ وُجُوبِ إِفَادَةِ الْإِضَافَةِ اللَّفْظِيَّةِ التَّخْفِيفَ وَانْتِفَاءِ كُلِّ وَاحِدٍ مِنَ التَّعْرِيفِ وَالتَّخْصِيصِ جَازَ تَرْكِيبُ مَرَرْتُ بِرَجُلٍ حَسَنِ الْوَجْهِ بِإِضَافَةِ الصِّفَةِ إِلَى مَعْمُولِهَا وَجَعْلِهَا صِفَةً لِلنَّكِرَةِ فَمِنْ جِهَةِ أَنَّهَا لَمْ تُفِدْ تَعْرِيفًا جَازَ هٰذَا التَّرْكِيبُ وَامْتَنَعَ تَرْكِيبُ مَرَرْتُ بِزَيْدٍ حَسَنِ الْوَجْهِ۔

بھائی گزشتہ سبق میں صاحبِ کافیہ نے آپ کو اضافتِ لفظیہ کے بارے میں بتلانا شروع کیا تھا۔ اور انہوں نے بتلایا کہ اضافتِ لفظیہ اسے کہتے ہیں کہ صیغہ صفت کا ہو اور مضاف ہو رہا ہو اپنے معمول کی طرف۔

صفت کا صیغہ آپ پڑھ چکے ہیں کہ وہ اسمِ فاعل، اسمِ مفعول اور صفتِ مشبہ یہ تین صیغے مراد ہیں۔ اور معمول سے مراد فاعل اور مفعول ہیں، یعنی وہ جو اضافت سے پہلے اس صفت کے صیغے کے لیے فاعل یا مفعول تھے، ان کی طرف اس صفت کے صیغے کی اضافت ہو جائے تو اسے اضافتِ لفظیہ کہتے ہیں۔ تو اضافتِ لفظیہ میں دو شرطیں ہیں: ایک تو یہ شرط کہ مضاف جو ہے وہ صفت کا صیغہ ہونا چاہیے، اور دوسری شرط یہ ہے کہ مضاف الیہ جو ہے اس کا معمول ہونا چاہیے۔ تو دونوں شرطیں پوری ہوں گی تو پھر اضافتِ لفظیہ ہوگی، اور اگر ان میں سے ایک بھی شرط منتفی ہو گئی تو پھر وہ اضافتِ لفظیہ نہیں ہے بلکہ اضافتِ معنویہ ہے۔ جیسے غُلَامُ زَيْدٍ۔ غُلَامُ مضاف اور زَيْدٍ مضاف الیہ۔ اس میں جو مضاف ہے غُلَامُ وہ صفت کا صیغہ ہی نہیں، لہٰذا یہ اضافتِ لفظی نہیں بلکہ اضافتِ معنوی ہے۔ یا مضاف صفت کا صیغہ تو ہو لیکن اگر اپنے معمول کی طرف مضاف نہ ہو، کسی اور چیز کی طرف مضاف ہو تو بھی یہ اضافتِ معنوی ہے، جیسے كَرِيمُ الْبَلَدِ۔ یہ كَرِيمُ صفت کا صیغہ تو ہے لیکن یہ مضاف اپنے معمول یعنی فاعل یا مفعول کی طرف مضاف نہیں ہو رہا بلکہ ظرف کی طرف مضاف ہو رہا ہے، تو یہ بھی اضافتِ معنوی ہے۔

تو اضافتِ لفظی میں دونوں شرطیں پوری ہونی چاہئیں: صیغہ بھی صفت کا ہو اور جو مضاف الیہ ہے وہ اس کا معمول یعنی فاعل یا مفعول ہونا چاہیے۔ تو ضَارِبُ زَيْدٍ اس میں دونوں شرطیں پوری ہیں: صیغہ بھی صفت کا ہے اور زید کی طرف

مضاف ہو رہا ہے جو اس کا معمول یعنی مفعول ہے، تو ضَارِبُ زَيْدٍ یہ اضافتِ لفظیہ ہے۔ اسی طرح الْحَسَنُ الْوَجْهِ یہ بھی اضافتِ لفظیہ ہے۔ الْحَسَنُ صفتِ مشبہ ہے جو اپنے معمول الْوَجْهِ کی طرف مضاف ہو رہا ہے اور یہ الْوَجْهُ جو ہے یہ اس کا فاعل تھا۔

اور پھر صاحبِ کافیہ نے آپ کو یہ بھی بتلایا کہ اضافتِ لفظیہ صرف تخفیف کا فائدہ دیتی ہے لفظوں میں۔ یعنی لفظوں میں تخفیف آئے گی، معنیٰ کے اندر کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ اور لفظوں میں تخفیف کیسے آئے گی؟ تو صاحبِ جامی نے تفصیل بیان کی تھی کہ اضافتِ لفظی میں تخفیف ضرور آنی چاہیے، چاہے صرف مضاف میں تخفیف آجائے، چاہے مضاف الیہ میں تخفیف آجائے، چاہے دونوں کے اندر تخفیف آجائے مضاف میں بھی اور مضاف الیہ میں بھی۔

مضاف میں تخفیف کی صورت بتلائی تھی صاحبِ جامی نے کہ کبھی وہاں سے حقیقتاً تنوین جو ہے ساقط ہوگی، جیسے ضَارِبُ زَيْدٍ۔ اصل میں کیا تھا؟ ضَارِبٌ زَيْدًا۔ یہ زَيْدًا اس کے لیے مفعول بہ تھا، تو جب ضَارِبٌ کی اضافت زید کی طرف کی تو ضَارِبٌ سے تنوین گر گئی۔ تو یہ حقیقتاً تنوین کے حذف کی وجہ سے تخفیف آگئی۔ اور کبھی تخفیف آئے گی حکماً تنوین کے حذف کی وجہ سے، جیسے حَوَاجُّ بَيْتِ اللهِ، بیت اللہ کا حج کرنے والے۔ اب یہاں حَوَاجُّ یہ تو غیر منصرف ہے، اس پر تو تنوین تھی ہی نہیں، لیکن اس پر حکم لگا دیا گیا کہ اس سے تنوین حذف ہوئی ہے۔ کہ تنوین حقیقتاً تو یہاں موجود نہیں تھی لیکن حکماً موجود تھی اور وہ حکماً تنوین کیا ہوگئی؟ حذف ہوگئی، تو یہاں حکماً تخفیف آگئی۔ حقیقتاً نہیں بلکہ حکم لگا دیا گیا کہ یہاں بھی تخفیف آگئی ہے۔ اور کبھی کبھار مضاف سے نونِ تثنیہ یا نونِ جمع ساقط ہو جائے گا، تو اس صورت میں بھی دیکھو مضاف کے اندر تخفیف آگئی۔

اور کبھی تخفیف صرف مضاف الیہ میں آئے گی کہ اس سے ضمیر ساقط ہو جائے گی، جیسے الْحَسَنُ الْوَجْهِ۔ اصل میں کیا تھا؟ الْحَسَنُ وَجْهُهُ تھا۔ پھر وَجْهُهُ کی طرف اضافت کرنی تھی تو وَجْهُهُ کے آخر سے ضمیر غائب ہوئی اور وہ ضمیر الْحَسَنُ کے اندر چھپ گئی، اور پھر وَجْهٌ نکرہ رہ گیا تو پھر اس کو دوبارہ معرفہ بنایا الف لام کے ذریعے اور اس کی طرف اضافت کردی الْحَسَنُ الْوَجْهِ۔ تو دیکھو مضاف الیہ میں تخفیف آگئی کہ اس سے ضمیر ساقط ہوگئی۔

اور کبھی کبھار دونوں کے اندر تخفیف آئے گی۔ کس کے اندر؟ دونوں کے اندر تخفیف آئے گی، جیسے حَسَنُ الْوَجْهِ۔ پہلے کیا تھا؟ الْحَسَنُ الْوَجْهِ۔ الْحَسَنُ بھی معرفہ تھا اور الْوَجْهِ بھی مضاف الیہ۔ اب حَسَنٌ کو ذرا نکرہ کرلو: حَسَنٌ الْوَجْهِ۔ اصل میں کیا تھا؟ حَسَنٌ وَجْهُهُ۔ حَسَنٌ وَجْهُهُ، یہ وَجْهُهُ فاعل تھا حَسَنٌ کے لیے، اور حَسَنٌ پر تنوین تھی کیونکہ اس پر الف لام نہیں ہے۔ پھر جب اضافت کی تو حَسَنٌ سے تنوین گر گئی اور وَجْهُهُ سے ضمیر گر گئی، تو کیا بن گیا؟ حَسَنُ الْوَجْهِ۔ تو وہ ضمیر گر گئی اور وہ چھپ گئی حَسَنٌ کے اندر۔ تو مضاف میں بھی تخفیف آئی کہ تنوین ساقط ہوئی، اور مضاف الیہ میں بھی تخفیف آئی

کہ وہاں سے ضمیر گر گئی۔

تو حاصل یہ کہ اضافتِ لفظی میں تخفیف کا آنا واجب ہے اس لیے کیونکہ یہ فائدہ ہی تخفیف کا دیتی ہے۔ اگر تخفیف نہیں آرہی تو پھر یہ اضافتِ لفظی جائز بھی نہیں۔ اور پھر اس پر تفریع کی آگے۔ تفریع کی صاحبِ کافیہ نے اور فرمایا کہ اسی وجہ سے مَرَرْتُ بِرَجُلٍ حَسَنِ الْوَجْهِ یہ ترکیب تو جائز ہے اور مَرَرْتُ بِزَيْدٍ حَسَنِ الْوَجْهِ یہ ترکیب جائز نہیں۔ وجہ یہ کہ مَرَرْتُ بِرَجُلٍ، میں گزرا ایک ایسے آدمی پر حَسَنِ الْوَجْهِ کہ اس کا چہرہ اچھا تھا، اس کا چہرہ حسین تھا۔ تو رَجُلٍ ہے نکرہ، اور حَسَنِ الْوَجْهِ یہ کون سی اضافت ہے؟ اضافتِ لفظی ہے۔ اور اضافتِ لفظی نہ تعریف کا فائدہ دیتی ہے اور نہ تخصیص کا۔ تو حَسَنِ الْوَجْهِ جیسے اضافت سے پہلے حَسَنٌ کا لفظ نکرہ تھا ابھی بھی نکرہ ہے، نہ اس کے اندر تعریف آئی اور نہ تخصیص آئی۔ تو جب اس میں تعریف نہیں آئی تو یہ نکرہ ہے، تو یہ نکرہ کے لیے صفت بن سکتا ہے۔ لہٰذا مَرَرْتُ بِرَجُلٍ حَسَنِ الْوَجْهِ یہ ترکیب جائز ہے کہ رَجُلٍ کو موصوف بنائیں اور حَسَنِ الْوَجْهِ کو اس کی صفت بنائیں۔ جبکہ مَرَرْتُ بِزَيْدٍ حَسَنِ الْوَجْهِ یہ ترکیب جائز نہیں کہ آپ زید کو موصوف بنائیں اور حَسَنِ الْوَجْهِ کو اس کے لیے صفت بنائیں۔ وجہ یہ کہ زَيْدٍ موصوف ہے معرفہ، علم ہے، اور حَسَنِ الْوَجْهِ اس میں یہ حَسَنٌ کا لفظ اسی طرح نکرہ کا نکرہ ہے کیونکہ یہ اضافتِ لفظی ہے، حَسَنٌ نے نہ الْوَجْهِ سے تعریف اخذ کی ہے اور نہ تخصیص۔ تو اگر آپ حَسَنِ الْوَجْهِ کو صفت بنانا چاہتے ہیں زید کے لیے تو یہ تو آپ معرفہ کے لیے صفت جو ہے نکرہ کو بنا رہے ہیں، حالانکہ موصوف صفت میں تعریف و تنکیر میں مطابقت ضروری ہے: موصوف معرفہ ہو تو صفت بھی معرفہ، موصوف نکرہ ہو تو صفت بھی نکرہ۔ تو یہاں مَرَرْتُ بِزَيْدٍ یہ جو زید موصوف ہے یہ تو ہے معرفہ، اور حَسَنِ الْوَجْهِ صفت جو ہے نکرہ، لہٰذا یہ ترکیب جائز نہیں۔ تو اضافتِ لفظیہ چونکہ تعریف کا فائدہ نہیں دیتی اس لیے مَرَرْتُ بِرَجُلٍ حَسَنِ الْوَجْهِ یہ ترکیب تو جائز ہے کیونکہ حَسَنٌ میں کوئی تعریف نہیں آئی، اور مَرَرْتُ بِزَيْدٍ حَسَنِ الْوَجْهِ یہ ترکیب جائز نہیں کیونکہ حَسَنٌ میں تعریف نہیں آئی۔

اور پھر نیز یہ بھی بتلایا تھا کہ اضافتِ لفظیہ کے اندر چونکہ تخفیف کا آنا واجب ہے، وہ فائدہ ہی تخفیف کا دیتی ہے لفظوں کے اندر، لہٰذا الضَّارِبَا زَيْدٍ یہ تو جائز ہے۔ اصل میں کیا تھا؟ الضَّارِبَانِ اور زَيْدًا یہ مفعول بہ تھا، پھر اضافت کردی تو نونِ تثنیہ گر گیا الضَّارِبَا زَيْدٍ، تو تخفیف آگئی لہٰذا یہ جائز ہے۔ اور اسی طرح الضَّارِبُو زَيْدٍ یہ اصل میں کیا تھا؟ الضَّارِبُونَ زَيْدًا یہ مفعول بہ تھا، اس کی طرف اضافت کردی تو الضَّارِبُو زَيْدٍ، تو دیکھو نونِ جمع گر گیا اضافت کی وجہ سے، تو یہ تخفیف آگئی لفظوں میں، تو الضَّارِبَا زَيْدٍ بھی جائز اور الضَّارِبُو زَيْدٍ بھی جائز ہے کیونکہ تخفیف آگئی ہے۔ لیکن الضَّارِبُ زَيْدٍ مفرد اسمِ فاعل لے کر آئیں تو یہ ترکیب جائز نہیں۔ وجہ یہ کہ یہاں پر کوئی تخفیف نہیں آئی۔ الضَّارِبُ زَيْدٍ اصل میں کیا تھا؟ الضَّارِبُ زَيْدًا۔ تو الضَّارِبُ پر تنوین تو پہلے ہی گر چکی ہے الف لام کی وجہ سے، تو پھر جب آپ نے اضافت کردی الضَّارِبُ زَيْدٍ تو الضَّارِبُ میں بھی کوئی تخفیف نہیں آئی، کوئی تنوین گری نہیں کیونکہ تنوین تھی ہی نہیں الف لام کی وجہ سے پہلے ہی گر چکی تھی، اور زید سے بھی کوئی ضمیر وغیرہ ساقط نہیں ہوئی، تو نہ مضاف میں تخفیف آئی ہے اور نہ مضاف الیہ میں، اس لیے الضَّارِبُ زَيْدٍ ممتنع ہے، یہ

ترکیب جائز نہیں، یہ اضافت جائز نہیں، کیونکہ اس میں کوئی تخفیف نہیں آرہی نہ مضاف میں اور نہ مضاف الیہ میں۔ بات سمجھ میں آگئی؟

اب آئیے آج کے سبق پر۔ بھائی یہ متن ہم حل کر چکے تھے وَمِنْ ثَمَّ جَازَ مَرَرْتُ بِرَجُلٍ حَسَنِ الْوَجْهِ وَامْتَنَعَ بِزَيْدٍ حَسَنِ الْوَجْهِ۔ اب اس سارے کو شرح کے ساتھ دیکھیے۔ کہتے ہیں: وَمِنْ ثَمَّ أَيْ مِنْ جِهَةِ وُجُوبِ إِفَادَةِ الْإِضَافَةِ اللَّفْظِيَّةِ التَّخْفِيفَ وَانْتِفَاءِ كُلٍّ وَاحِدٍ مِنَ التَّعْرِيفِ وَالتَّخْصِيصِ جَازَ تَرْكِيبُ مَرَرْتُ بِرَجُلٍ حَسَنِ الْوَجْهِ۔ وَمِنْ ثَمَّ اور اسی وجہ سے، ثَمَّ اسمِ اشارہ ہے بھائی، ثَمَّ اسمِ اشارہ ہے بعید کے لیے جیسے ذٰلِكَ ہے بھائی۔ اور اسی وجہ سے، یہ جو پیچھے حصر ذکر ہوا تھا کہ اضافتِ لفظیہ صرف تخفیف کا فائدہ دیتی ہے، اور اس حصر سے کتنی باتیں معلوم ہوئی تھیں؟ تین چیزیں معلوم ہوئی تھیں، کیا؟ ایک تو یہ کہ اضافتِ لفظیہ صرف تخفیف کا فائدہ دیتی ہے، اور دوسرا کیا؟ تعریف کا اور تخصیص کا فائدہ نہیں دیتی۔ تو تین چیزیں گویا حصر کے اندر آگئیں: ایک کا ذکر ہوا صراحتاً اور دو کا ذکر ہوگیا ضمناً۔ صراحتاً کس کا ذکر ہے؟ تخفیف کا کہ اضافتِ لفظیہ صرف تخفیف کا فائدہ دیتی ہے۔ توجہ ہے؟ صراحتاً توجہ ہے بھائی؟ پھر ذرا متن دیکھیے: وَلَا تُفِيدُ إِلَّا تَخْفِيفًا۔ دیکھو صراحتاً لفظوں کے اندر صرف تخفیف کا ذکر ہے، لیکن میں نے بتایا تھا کہ حصر کسے کہتے ہیں؟ کہ مذکور کے لیے اثبات ہو تو غیرِ مذکور کے لیے نفی ہوگی، تو یہاں تخفیف کا اثبات ہے کہ اضافتِ لفظیہ صرف تخفیف کا فائدہ دیتی ہے تو غیرِ مذکور یعنی تعریف اور تخصیص کی نفی ہوگئی۔ تو تین چیزیں گویا حصر میں آگئیں: ایک کیا کہ اضافتِ لفظیہ میں تخفیف کا آنا واجب ہے، اور نیز اضافتِ لفظیہ میں تعریف بھی منتفی ہوگی اور تخصیص بھی منتفی ہوگی، تو وَمِنْ ثَمَّ کے ذریعے اس سارے مجموعے کی طرف اشارہ ہے، یہ جو تین چیزیں تین باتیں مفہوم ہوئیں اس سارے مجموعے کی طرف اشارہ ہے، ان تینوں امور کی طرف اشارہ ہے۔ اسی کو آگے ذکر فرما رہے ہیں: وَمِنْ ثَمَّ اور اسی وجہ سے، أَيْ مِنْ جِهَةِ وُجُوبِ إِفَادَةِ الْإِضَافَةِ اللَّفْظِيَّةِ التَّخْفِيفَ، اس جہت سے اس وجہ سے کہ اضافتِ لفظیہ کا تخفیف کا فائدہ دینا واجب ہے۔ اس وجہ سے کہ اضافتِ لفظیہ کا تخفیف کا فائدہ دینا واجب ہے، اور نیز وَانْتِفَاءِ كُلٍّ وَاحِدٍ مِنَ التَّعْرِيفِ وَالتَّخْصِيصِ، اور اس وجہ سے کہ اضافتِ لفظیہ میں تعریف اور تخصیص دونوں میں سے ہر ایک منتفی ہوگی۔ ہر ایک منتفی ہوگی، اس وجہ سے جَازَ تَرْكِيبُ مَرَرْتُ بِرَجُلٍ حَسَنِ الْوَجْهِ وَامْتَنَعَ بِزَيْدٍ حَسَنِ الْوَجْهِ۔ اب پھر ذرا ایک دفعہ ترجمہ دیکھ لیجیے: وَمِنْ ثَمَّ اور اسی وجہ سے، أَيْ مِنْ جِهَةِ وُجُوبِ إِفَادَةِ الْإِضَافَةِ اللَّفْظِيَّةِ التَّخْفِيفَ، اور اس وجہ سے کہ اضافتِ لفظیہ کا تخفیف کے فائدہ دینے کا واجب ہونا، وَانْتِفَاءِ كُلٍّ وَاحِدٍ مِنَ التَّعْرِيفِ وَالتَّخْصِيصِ، اور تعریف اور تخصیص میں سے ہر ایک کا منتفی ہونا، کس کے اندر؟ اضافتِ لفظیہ میں۔ جَازَ تَرْكِيبُ، یہ ترکیب تو جائز ہے مَرَرْتُ بِرَجُلٍ حَسَنِ الْوَجْهِ، یہ ترکیب جائز ہے کہ رَجُلٍ کو موصوف بنایا اور حَسَنِ الْوَجْهِ کو اس کی صفت بنایا کیونکہ حَسَنٌ نے الْوَجْهُ سے نہ تعریف اخذ کی ہے اور نہ تخصیص بھائی۔ تو کہتے ہیں: بِإِضَافَةِ الصِّفَةِ إِلَى مَعْمُولِهَا، صفت کا معمول کی طرف اضافت کرنے کی وجہ سے، وَجَعْلِهَا صِفَةً لِلنَّكِرَةِ، اور پھر اس صفت کے صیغے کو نکرہ کے لیے صفت بنانا۔ فَمِنْ جِهَةِ أَنَّهَا لَمْ تُفِدْ تَعْرِيفًا،

تو اس جہت سے اس وجہ سے کہ أَنَّهَا لَمْ تُفِدْ تَعْرِيفًا اس اضافت نے تعریف کا فائدہ نہیں دیا، جَازَ هٰذَا التَّرْكِيبُ، تو یہ والی ترکیب جائز ہے، یہ مَرَرْتُ بِرَجُلٍ حَسَنِ الْوَجْهِ یہ ترکیب جائز ہے، وَامْتَنَعَ تَرْكِيبُ مَرَرْتُ بِزَيْدٍ حَسَنِ الْوَجْهِ۔ اور مَرَرْتُ بِزَيْدٍ حَسَنِ الْوَجْهِ والی ترکیب ممتنع ہے، کیونکہ اضافت نے تعریف کا فائدہ نہیں دیا، لہٰذا حَسَنِ الْوَجْهِ کو آپ زید یعنی معرفہ کے لیے صفت نہیں بنا سکتے۔

کہتے ہیں: فَلَوْ أَفَادَتْ تَعْرِيفًا، اگر یہ اضافت تعریف کا فائدہ دیتی، اگر یہ اضافت تعریف کا فائدہ دیتی تو پھر پہلی ترکیب جائز نہ ہوتی: مَرَرْتُ بِرَجُلٍ حَسَنِ الْوَجْهِ، یہ ترکیب جائز نہ ہوتی کیونکہ رَجُلٍ ہے نکرہ اور حَسَنِ الْوَجْهِ کیا ہو جاتا؟ معرفہ، اگر یہ ترکیب کس چیز کا فائدہ دیتی؟ تعریف کا۔ توجہ ہے؟ اگر یہ ترکیب تعریف کا فائدہ دیتی تو مَرَرْتُ بِرَجُلٍ حَسَنِ الْوَجْهِ جائز نہ ہوتا کیونکہ رَجُلٍ موصوف جو ہے وہ تو نکرہ ہوتا اور حَسَنِ الْوَجْهِ وہ کیا ہوتا؟ معرفہ ہوتا، پھر تو یہ ترکیب جائز نہ ہوتی۔ اور نیز مَرَرْتُ بِزَيْدٍ حَسَنِ الْوَجْهِ یہ ترکیب جائز ہوتی کیونکہ زَيْدٍ ہے معرفہ، اور یہ ترکیب بھی اگر تعریف کا فائدہ دیتی تو حَسَنِ الْوَجْهِ، یہ حَسَنُ بھی کیا بن جاتا؟ معرفہ، اور اس کا معرفہ کے لیے صفت ہونا ٹھیک ہوتا، لیکن ایسا نہیں ہے۔ ایسا نہیں ہے۔

تو کہتے ہیں: فَلَوْ أَفَادَتْ تَعْرِيفًا، اگر یہ اضافت تعریف کا فائدہ دیتی، لَمْ يَجُزِ الْأَوَّلُ، تو پہلی ترکیب جائز نہ ہوتی لِلُزُومِ كَوْنِ الْمَعْرِفَةِ صِفَةً لِلنَّكِرَةِ، اس وجہ سے کہ اس صورت میں لازم آتا کہ معرفہ جو ہے وہ صفت ہو رہی ہے نکرہ کے لیے۔ وَلَجَازَ الثَّانِي، اور دوسری ترکیب جو ہے وہ جائز ہوتی اگر یہ اضافت تعریف کا فائدہ دیتی، وَلَجَازَ الثَّانِي تو دوسری ترکیب جائز ہوتی لِكَوْنِ الْمَعْرِفَةِ إِذًا صِفَةً لِلْمَعْرِفَةِ، بوجہ معرفہ کے اس وقت معرفہ کے لیے صفت ہونے کے۔ کہ اس وقت پھر معرفہ کے لیے معرفہ صفت ہو جاتی، بات سمجھ میں آگئی۔

وَالْمُرَادُ، بھائی دیکھیے پیچھے حصر میں تین چیزیں ذکر تھیں: کہ اضافتِ لفظیہ اس میں تخفیف کا آنا واجب، اور نیز وہاں تعریف اور تخصیص نہیں آتے۔ ان میں سے صرف ایک بات، اس پر یہ تفریع کی ہے کہ اضافتِ لفظیہ تعریف کا فائدہ نہیں دیتی۔ اضافتِ لفظیہ تعریف کا فائدہ نہیں دیتی، اس لیے مَرَرْتُ بِرَجُلٍ حَسَنِ الْوَجْهِ جائز ہے اور مَرَرْتُ بِزَيْدٍ حَسَنِ الْوَجْهِ جائز نہیں۔ اگر یہ تعریف کا فائدہ دیتی تو پھر پہلی ترکیب نہ جائز ہوتی اور دوسری جائز ہوتی، لیکن ایسا نہیں ہے بلکہ پہلی جائز ہے کیونکہ یہ تعریف کا فائدہ نہیں دے رہی۔ معلوم ہوا یہ تفریع کس پر ہے؟ تعریف کے انتفاء پر ہے۔ یہ جو مثالیں ذکر کی ہیں یہ صرف کس پر تفریع کی ہے؟ دیکھو تفریع کہتے ہیں، فَرَّعَ يُفَرِّعُ تَفْرِيعٌ کا معنیٰ ہے ایک قانون یا ضابطے وغیرہ پر آگے مسائل مرتب کرنا۔ اصل میں فَرْعٌ، فرع جو ہے وہ شاخ کو کہتے ہیں، جیسے ایک تنے سے کئی شاخیں نکلتی ہیں اسی طرح ایک قانون اور ضابطہ ہوتا ہے اس پر پھر کئی مسائل مرتب ہوتے ہیں۔ تو یہاں پر بھی پیچھے حصر ذکر کر دیا اور حصر میں کتنی چیزیں تھیں؟ دو، اور اس پر پھر آگے تفریع کی، لیکن تفریع ان میں سے صرف ایک چیز پر ہے کہ اضافتِ لفظیہ تعریف کا فائدہ نہیں دیتی، اس لیے مَرَرْتُ بِرَجُلٍ حَسَنِ الْوَجْهِ جائز ہے اور مَرَرْتُ بِزَيْدٍ حَسَنِ الْوَجْهِ جائز نہیں ہے۔

تو صاحبِ جامی نے وَمِنْ ثَمَّ، میں نے بتایا ثَمَّ اسمِ اشارہ ہے، اس کے ذریعے اشارہ کیا پیچھے جو حصر ذکر تھا اور حصر میں کتنی چیزیں تھیں؟ تین، تو ان تینوں کی طرف اشارہ قرار دیا اس کو۔ صاحبِ جامی نے تینوں کی طرف اشارہ قرار دیا۔ توجہ ہے؟ حالانکہ اشکال ہوتا ہے کہ آگے جو تفریع کی ہے، اس پر یہ جو مسئلہ نکالا ہے اس قانون اور ضابطے پر، تو یہ تو ان تینوں پر مرتب نہیں ہو رہا۔ یہ تفریع تو ان تینوں پر نہیں ہو رہی، یہ تو ان میں سے صرف ایک بات پر تفریع ہو رہی ہے۔ باتیں کتنی تھیں؟ تین۔ پہلی کیا؟ کہ اضافتِ لفظیہ تخفیف کا فائدہ دینا واجب ہے۔ دوسرا کیا؟ کہ وہ تعریف کا فائدہ نہیں دیتی۔ اور تیسری بات یہ کہ اضافتِ لفظیہ تخصیص کا فائدہ بھی نہیں دیتی۔ لیکن صرف ایک بات، اس پر یہ تفریع ہے، کون سی ایک بات؟ کہ اضافتِ لفظیہ تعریف کا فائدہ نہیں دیتی، اس لیے یہ مَرَرْتُ بِرَجُلٍ حَسَنِ الْوَجْهِ جائز ہے اور مَرَرْتُ بِزَيْدٍ حَسَنِ الْوَجْهِ جائز نہیں۔ تو تفریع تو صرف ایک بات پر کی ہے اور صاحبِ جامی اشارہ کس کی طرف قرار دے رہے ہیں؟ تینوں کی طرف۔

چنانچہ اسی وجہ سے بعض شارحین نے پھر کہا کہ وَمِنْ ثَمَّ کے ذریعے جو اشارہ ہے تینوں کی طرف نہیں اشارہ، بلکہ ان تین میں سے صرف ایک چیز کی طرف اشارہ ہے جو مفہوم ہو رہی ہے کلام سے کہ اضافتِ لفظیہ تعریف کا فائدہ نہیں دیتی، اور اس پر پھر تفریع کر دی۔ اس پر کیا کر دی؟ تفریع۔ لیکن صاحبِ جامی کیا فرماتے ہیں؟ کہ صرف ایک بات کی طرف اشارہ نہیں ہے بلکہ تینوں کے مجموعے کی طرف اشارہ ہے۔ تو اشکال ہوتا ہے کہ اشارہ تینوں کی طرف ہے اور تفریع ان میں سے صرف ایک پر ہو رہی ہے، تو جب تفریع ایک پر ہو رہی ہے تو اشارہ بھی تو ایک کی طرف ہونا چاہیے، تینوں کی طرف اشارے کی کیا حاجت ہے؟ تینوں پر تو تفریع نہیں ہو رہی، ایک پر تفریع ہو رہی ہے۔ تو صاحبِ جامی آپ کو بتلائیں گے کہ جب مجموعے پر کوئی چیز مرتب کی جائے، پیچھے مجموعہ تین چیزیں تھیں ان پر ایک یہ تفریع مرتب کی، یہ تفریع ان پر، تو مجموعے پر جب کوئی چیز مرتب کی جائے تو اس میں مجموعے کے ہر ہر جز کا دخل ہونا ضروری نہیں، مجموعے کے کسی ایک جز کا بھی دخل ہو جائے تو کافی ہے۔ جب آپ کیا کریں؟ ایک مجموعے پر ایک چیز مرتب کریں، ایک چیز کی تفریع کریں تو اس مجموعے کے ہر ہر جز کا اس تفریع میں دخل ضروری نہیں ہے، ایک کا بھی دخل آجائے تو کافی ہے۔ اور یہاں بھی اشارہ تو مجموعے کی طرف ہے، مجموعے پر یہ سارا مرتب ہو رہا ہے، لیکن مجموعے میں سے صرف ایک چیز کا دخل ہے یہ بھی کافی ہے۔ مجموعے کا دخل آگیا یا نہیں؟ جب مجموعے کے ایک جز کا دخل آیا تو مجموعے کا بھی گویا دخل۔ پورا مجموعہ ہے تینوں چیزوں کا، دخل ایک کا ہوا، تو جب مجموعے پر کوئی تفریع کی جائے یا مجموعے پر کوئی چیز مرتب کی جائے تو مجموعے کے ہر ہر جز کا اس میں دخل ضروری نہیں ہے بلکہ کسی ایک جز کا دخل بھی ہو جائے تو وہ کافی ہے۔

کہتے ہیں: وَالْمُرَادُ، اب یہی بیان کرنے لگے ہیں۔ کہتے ہیں: وَالْمُرَادُ اور مراد یعنی ماتن صاحبِ کافیہ کی مراد جو ہے: أَنَّ الْمُشَارَ إِلَيْهِ بِثَمَّ، کہ وہ جو مشار الیہ ہے ثَمَّ کے ذریعے، ثَمَّ کیا ہے؟ اسمِ اشارہ۔ اسمِ اشارہ کے لیے کیا چاہیے؟ مشار الیہ۔ ثَمَّ کا معنیٰ وہ، بھائی وہ سے کیا چیزیں مراد ہیں؟ وہ چیزیں، ان کی وجہ سے، تو وہ مشار الیہ بعضوں نے کہا ایک چیز ہے، صاحبِ جامی فرما رہے ہیں: نہیں، تینوں چیزیں ہیں، یہ مشار الیہ اس کی تینوں چیزیں ہیں۔ کہتے ہیں: وَالْمُرَادُ اور صاحبِ کافیہ کی مراد یہ ہے

کہ أَنَّ الْمُشَارَ إِلَيْهِ بِثَمَّ کہ وہ جو مشار الیہ ہے ثَمَّ کے ذریعے یعنی ثَمَّ کے ذریعے جس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے، وَهُوَ مَجْمُوعُ الْأُمُورِ الثَّلَاثَةِ، وہ تینوں امور کا مجموعہ ہے، تینوں چیزوں کا مجموعہ ہے۔ وہ تین چیزیں کون سی ہیں؟ کہتے ہیں: وُجُوبُ إِفَادَةِ الْإِضَافَةِ اللَّفْظِيَّةِ التَّخْفِيفَ، ایک تو یہ کہ اضافتِ لفظیہ کا تخفیف کا فائدہ دینے کا واجب ہونا، اور دوسرا: وَانْتِفَاءُ التَّعْرِيفِ، اور تعریف کا منتفی ہونا کہ اضافتِ لفظیہ تعریف کا فائدہ نہیں دیتی، وَانْتِفَاءُ التَّخْصِيصِ، اور اسی طرح تخصیص کا منتفی ہونا۔ یہ تینوں چیزیں جو ہیں يَسْتَلْزِمُ جَوَازَ التَّرْكِيبِ الْأَوَّلِ، ان کو مستلزم ہے۔ یہ تینوں چیزوں کو مستلزم ہے یعنی ان کے ساتھ لازم ہے۔ یہ تین چیزیں آئیں گی تو پہلی ترکیب جائز ہو جائے گی مَرَرْتُ بِرَجُلٍ حَسَنِ الْوَجْهِ، اور مَرَرْتُ بِزَيْدٍ حَسَنِ الْوَجْهِ کیا ہو جائے گی؟ ممتنع ہو جائے گی۔ تو ان تینوں چیزوں کے ساتھ یہ لازم ہے: پہلی ترکیب کا جائز ہونا اور دوسری کا ممتنع ہونا۔ تو يَسْتَلْزِمُ کا کیا معنیٰ؟ یعنی ان کے ساتھ لازم ہے۔ ان تین چیزوں کے ساتھ لازم ہے۔ کیا لازم ہے؟ پہلی ترکیب کا جائز ہونا اور دوسری ترکیب کا ممتنع ہونا۔

تو کہتے ہیں: يَسْتَلْزِمُ یہ جو تینوں چیزیں ہیں، يَسْتَلْزِمُ جَوَازَ التَّرْكِيبِ الْأَوَّلِ، یہ مستلزم ہیں پہلی ترکیب کے جائز ہونے کو، یعنی ان کے ساتھ پہلی ترکیب کا جائز ہونا لازم ہے، وَامْتِنَاعَ الثَّانِي، اور دوسری ترکیب کا ممتنع ہونا یہ ان کے ساتھ لازم ہے۔ وَلَا يَلْزَمُ مِنْ ذٰلِكَ، اور اس سے یہ لازم نہیں آتا أَنْ يَكُونَ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِنْ تِلْكَ الْأُمُورِ، کہ ان چیزوں میں سے ہر ایک جو ہے دَخْلٌ فِي ذٰلِكَ الِاسْتِلْزَامِ، ان میں سے ہر ایک کا دخل ہو اس استلزام میں۔ اس استلزام میں ان میں سے ہر ایک کا دخل ہو یہ ضروری نہیں۔ پھر ترجمہ دیکھیے، کہتے ہیں: وَلَا يَلْزَمُ مِنْ ذٰلِكَ اور اس سے یہ بات لازم نہیں آتی کہ أَنْ يَكُونَ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِنْ تِلْكَ الْأُمُورِ دَخْلٌ فِي ذٰلِكَ الِاسْتِلْزَامِ، کہ ان چیزوں میں سے ہر ایک کا دخل ہو اس استلزام میں۔ بَلْ يَجُوزُ أَنْ يَكُونَ بِاعْتِبَارِ بَعْضِهَا، بلکہ یہ بھی جائز ہے کہ وہ استلزام بعض کے اعتبار سے ہو۔ یہاں پر بھی پہلی ترکیب کا جائز ہونا اور دوسری کا ممتنع ہونا وہ ان تین میں سے صرف ایک کے ساتھ مستلزم ہے اور وہ کیا؟ کہ اضافتِ لفظیہ تعریف کا فائدہ نہیں دیتی، اس لیے پہلی ترکیب جائز اور دوسری ممتنع ہے بھائی۔ بَلْ يَجُوزُ أَنْ يَكُونَ بِاعْتِبَارِ بَعْضِهَا، بلکہ یہ بھی جائز ہے کہ ان میں سے بعض کے اعتبار سے وہ استلزام ہو۔

فَلَا يَرِدُ أَنَّهُ لَا دَخْلَ فِي ذٰلِكَ الِاسْتِلْزَامِ لِانْتِفَاءِ التَّخْصِيصِ، تو وہ اعتراض ہوا تھا نا! کیا اعتراض؟ بعض شارحین نے کہا تھا وَمِنْ ثَمَّ کے ذریعے اشارہ صرف کس کی طرف ہے؟ ایک بات کی، ایک چیز کی طرف اشارہ ہے، کیونکہ اگر تینوں کی طرف اشارہ ہوگا تو یہ تو تینوں پر تفریع نہیں ہو سکتی، اس میں دخل صرف کس کا ہے؟ کہ اضافتِ لفظیہ تعریف کا فائدہ نہیں دیتی، اس لیے یہ مَرَرْتُ بِرَجُلٍ حَسَنِ الْوَجْهِ جائز ہے اور مَرَرْتُ بِزَيْدٍ حَسَنِ الْوَجْهِ جائز نہیں۔ تو تفریع تو صرف ایک بات پر کی ہے۔ بھائی دیکھیے: پہلی تفریع کس پر کی؟ کہ اضافتِ لفظیہ تعریف کا فائدہ نہیں دیتی، اس پر تفریع کی، اس لیے مَرَرْتُ بِرَجُلٍ حَسَنِ الْوَجْهِ جائز ہے اور مَرَرْتُ بِزَيْدٍ حَسَنِ الْوَجْهِ جائز نہیں۔ اور اگلی مثال آرہی ہے: جَازَ الضَّارِبَا زَيْدٍ وَالضَّارِبُو زَيْدٍ

وَامْتَنَعَ الضَّارِبُ زَيْدٍ، یہ کس پر تفریع ہے؟ الضَّارِبَا زَيْدٍ اور الضَّارِبُو زَيْدٍ یہ تو جائز ہیں اور الضَّارِبُ زَيْدٍ ممتنع ہے، یہ کس پر تفریع ہے؟ کہ اضافتِ لفظیہ میں تخفیف کا آنا واجب ہے۔ تو ان دو الضَّارِبَا زَيْدٍ اور الضَّارِبُو زَيْدٍ میں تو تخفیف آرہی ہے، نونِ تثنیہ بھی گر رہا ہے اور نونِ جمع بھی، لیکن الضَّارِبُ زَيْدٍ میں تو تخفیف نہیں آرہی لہٰذا یہ جائز نہیں۔ تو دیکھو ایک وہ تفریع کی تھی مَرَرْتُ بِرَجُلٍ حَسَنِ الْوَجْهِ والی اور ایک یہ تفریع کی ہے: وہ تفریع کس پر تھی؟ وہ انتفاءِ تعریف پر تھی، کس پر؟ انتفاءِ تعریف پر کہ اضافتِ لفظیہ میں تعریف نہیں آتی۔ اور یہ تفریع ہے کس پر؟ کہ تخفیف کا آنا واجب ہے۔ معلوم ہوا دونوں تفریعات میں تخصیص کا کوئی دخل نہیں ہے۔ دونوں تفریعات میں تخصیص کا کوئی دخل نہیں ہے، لہٰذا تینوں کی طرف اشارہ نہیں ہونا چاہیے، یا تو ایک کی طرف اشارہ ہو یا دو کی طرف اشارہ ہو دونوں صورتوں میں، بات سمجھ میں آرہی ہے؟ تو تخصیص کا تو کوئی دخل نہیں ہے، تو لہٰذا اس کی طرف اشارے کی نہیں ہونا چاہیے۔ لیکن صاحبِ جامی نے بتلا دیا کہ نہیں، اب یہ اعتراض نہیں ہو سکتا، یہ تفریع کس پر ہے؟ پورے مجموعے پر ہے اور پورے مجموعے پر جب تفریع کی جائے تو مجموعے کے ہر جز کا اس میں دخل ضروری نہیں ہے، لہٰذا تخصیص کا دخل نہیں بھی ہے تو کوئی حرج نہیں، مجموعے کے بعض اجزاء کا بھی دخل ہو جائے وہ کافی ہے۔ تو پہلے میں ایک جز کا دخل ہے، دوسری تفریع میں دوسرے جز کا دخل ہے، اگر ایک جز کا دخل نہیں بھی ہے تو کوئی حرج نہیں۔ وَمِنْ ثَمَّ کے ذریعے بہرحال اشارہ کس کی طرف ہے؟ پورے مجموعے کی طرف ہے۔

تو کہتے ہیں: فَلَا يَرِدُ تو لہٰذا یہ اعتراض وارد نہیں ہوتا کہ أَنَّهُ لَا دَخْلَ فِي ذٰلِكَ الِاسْتِلْزَامِ لِانْتِفَاءِ التَّخْصِيصِ، کہ کوئی دخل نہیں ہے اس استلزام میں انتفاءِ تخصیص کا۔ انتفاءِ تخصیص کا تو اس میں کوئی دخل نہیں، لہٰذا اس کی طرف اشارے کی تو کوئی حاجت نہیں۔ تو بتایا: نہیں، مجموعے میں سے بعض پر بھی تفریع ہو جائے تو بھی کافی ہے، مجموعے کے ہر جز کا اس تفریع میں دخل ضروری نہیں ہے۔

آگے دیکھیے: وَمِنْ جِهَةِ أَنَّهَا تُفِيدُ تَخْفِيفًا جَازَ تَرْكِيبُ الضَّارِبَا زَيْدٍ وَالضَّارِبُو زَيْدٍ۔ اور اس جہت سے کہ اضافتِ لفظیہ جو ہے وہ تخفیف کا فائدہ دیتی ہے، جَازَ تَرْكِيبُ، تو یہ ترکیب تو جائز ہے: الضَّارِبَا زَيْدٍ وَالضَّارِبُو زَيْدٍ، کہ ان میں نونِ تثنیہ اور جمع گر گئے ہیں۔

لِحُصُولِ التَّخْفِيفِ، اس وجہ سے کہ تخفیف حاصل ہو گئی ہے بِحَذْفِ النُّونِ نون کے حذف کی وجہ سے۔ وَامْتَنَعَ الضَّارِبُ زَيْدٍ، اور الضَّارِبُ زَيْدٍ یہ ترکیب ممتنع ہے لِعَدَمِ التَّخْفِيفِ، لِعَدَمِ التَّخْفِيفِ کیونکہ اس میں تخفیف نہیں آئی۔ بھائی تخفیف کیوں نہیں آئی تھی الضَّارِبُ زَيْدٍ میں؟ کیونکہ الضَّارِبُ سے پہلے ہی تنوین گر چکی تھی الف لام کی وجہ سے، اضافت سے پہلے ہی یہ تنوین گر چکی تھی الف لام کی وجہ سے، تو اضافت سے کوئی تخفیف نہیں آئی۔ کہتے ہیں: لِأَنَّ التَّنْوِينَ الضَّارِبُ إِنَّمَا سَقَطَ لِلْأَلِفِ وَاللَّامِ لَا لِلْإِضَافَةِ، اس لیے کیونکہ الضَّارِبُ کی جو تنوین ہے وہ الف اور لام کی وجہ سے ساقط ہوئی ہے، لَا لِلْإِضَافَةِ اضافت کی وجہ سے ساقط نہیں ہوئی۔ وَلَا شَكَّ أَنَّهُ لَا دَخْلَ فِي هٰذَا التَّفْرِيعِ لِانْتِفَاءِ التَّعْرِيفِ وَلَا لِانْتِفَاءِ التَّخْصِيصِ.

اچھا بھائی، اس تفریع میں کس چیز کا دخل ہے؟ پہلی تفریع میں تو صرف انتفاءِ تعریف کا دخل تھا۔ اس تفریع میں صرف وجوبِ تخفیف کا دخل ہے کہ تخفیف واجب ہے۔ یہاں انتفاءِ تعریف یا انتفاءِ تخصیص کا کوئی دخل نہیں۔ الضَّارِبُ زَيْدٍ کیوں ممتنع؟ کیونکہ تخفیف نہیں آئی۔ اور الضَّارِبَا زَيْدٍ اور الضَّارِبُو زَيْدٍ کیوں جائز؟ کیونکہ تخفیف آئی ہے۔ تو یہ تفریع صرف کس پر ہے؟ وجوبِ تخفیف پر ہے۔ انتفاءِ تعریف یا انتفاءِ تخصیص کا اس میں کوئی دخل نہیں۔ تو یہی بیان کر رہے ہیں: وَلَا شَكَّ اور اس بات میں کوئی شک نہیں کہ أَنَّهُ لَا دَخْلَ فِي هٰذَا التَّفْرِيعِ، بات سمجھ میں آگئی؟ بلکہ یوں کریں، بلکہ یوں کریں یہ جو پیچھے آیا تھا فَلَا يَرِدُ أَنَّهُ لَا دَخْلَ فِي ذٰلِكَ الِاسْتِلْزَامِ لِانْتِفَاءِ التَّخْصِيصِ، کہ اس استلزام میں انتفاءِ تخصیص کا کوئی دخل نہیں، یہ جو ابھی پیچھے آیا تھا ایک ڈیڑھ سطر پہلے، اس کو صرف پہلی تفریع کے ساتھ جوڑ دیں۔ پہلی تفریع میں انتفاءِ تعریف کا تو دخل ہے، انتفاءِ تخصیص کا کوئی دخل نہیں ہے۔

اب آئیے پھر اس سبق پر۔ کہتے ہیں: وَلَا شَكَّ اور اس بات میں کوئی شک نہیں أَنَّهُ لَا دَخْلَ فِي هٰذَا التَّفْرِيعِ کہ اس تفریع میں کوئی دخل نہیں ہے لِانْتِفَاءِ التَّعْرِيفِ وَلَا لِانْتِفَاءِ التَّخْصِيصِ، نہ تو انتفاءِ تعریف کا اور نہ انتفاءِ تخصیص کا۔ دونوں کا کوئی دخل نہیں ہے، بَلْ يَكْفِي فِيهِ وُجُوبُ التَّخْفِيفِ فَقَطْ، بلکہ اس کے اندر صرف وجوبِ تخفیف کافی ہے، اسی پر یہ تفریع ہے۔ وَعَلٰى هٰذَا اور اس وجہ سے كَانَ الْأَنْسَبُ زیادہ مناسب یہ تھا تَقْدِيمَ هٰذَا الْفَرْعِ کہ اس فرع کو، اس فرع کو مقدم کیا جاتا، لٰكِنَّهُ أَخَّرَهُ لیکن صاحبِ کافیہ نے اس تفریع کو مؤخر کیا لِكَثْرَةِ لَوَاحِقِهِ اس کے کثرتِ لواحق کی وجہ سے۔ اس کے کثرتِ لواحق کی وجہ سے۔

لَوَاحِق جمع ہے لَاحِق اور لَاحِقَةٌ کی۔ لَاحِق کہتے ہیں کسی چیز کے پیچھے آنے والی، کسی کے بعد آنے والی۔ مراد یہاں اس سے متعلقہ بحثیں ہیں۔ لَوَاحِق جو اس کے ساتھ جڑی ہوئی بحثیں ہیں۔ تو صاحبِ جامی فرما رہے ہیں: توجہ سے سنو، پہلی تفریع میں، پہلی تفریع میں کس کا دخل تھا؟ انتفاءِ تعریف کا۔ اور دوسری تفریع میں کس کا دخل ہے؟ وجوبِ تخفیف کا۔ لہٰذا اس کو پہلے لاتے اور اس والی کو بعد میں لاتے۔ لیکن اس کو مؤخر کر دیا۔ لیکن اس کو صاحبِ کافیہ نے، کرنا مقدم چاہیے تھا لیکن اس دوسری تفریع کو صاحبِ کافیہ نے مؤخر کیا کیونکہ اس سے متعلقہ بحثیں زیادہ ہیں، آگے اسی سے متعلقہ بحثیں چل رہی ہیں، تو اس لیے اس کو مؤخر کر دیا۔ بات سمجھ میں آگئی۔

اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ مقدم کیوں کرنا چاہیے تھا؟ وجہ کیا ہے؟ صاحبِ جامی فرما رہے ہیں صاحبِ کافیہ کو اس تفریعِ ثانی کو تفریعِ اول پر مقدم کرنا چاہیے تھا، لیکن کیوں مؤخر کیا؟ کیونکہ اس کی بحثیں ہیں، آگے اس سے متعلقہ اور بحثیں آ رہی ہیں۔ بھائی کیوں مقدم کرنا چاہیے تھا؟ وجہ یہ: وہ حصر پہ آئیے ذرا، ادھر حصر پہ آئیے ذرا۔ حصر کیا تھا؟ وَلَا تُفِيدُ إِلَّا تَخْفِيفًا، اضافتِ لفظیہ صرف کس چیز کا فائدہ دیتی ہے؟ تخفیف کا۔ یہاں حصر ہے، اور مذکور کا اثبات ہو تو غیرِ مذکور کی نفی، تخفیف کا فائدہ دیتی ہے اور تعریف اور تخصیص کا فائدہ نہیں دیتی۔ توجہ ہے؟ تو صراحتاً کیا مذکور ہے؟ تخفیف صراحتاً مذکور ہے،

تخفیف کا فائدہ دیتی ہے۔ اور ضمناً کیا سمجھ میں آرہا ہے؟ کہ تعریف اور تخصیص کا فائدہ نہیں دیتی۔ تو ایک چیز صراحتاً مذکور ہے اور ایک چیز ضمناً سمجھ میں آرہی ہے، تو لہٰذا جو تفریع صراحتاً بات پر ہے اس کو مقدم ہونا چاہیے تھا، اور جو تفریع ضمناً بات پر ہے اس کو بعد میں لانا چاہیے تھا۔ صراحتاً کیا مذکور ہے؟ کہ تخفیف کا فائدہ دیتی ہے، کہ اضافتِ لفظیہ تخفیف۔ اور اسی پر یہ مرتب ہے کہ اسی تخفیف کی وجہ سے الضَّارِبَا زَيْدٍ اور الضَّارِبُو زَيْدٍ جائز ہے اور الضَّارِبُ زَيْدٍ ممتنع۔ یہ کس پر تفریع ہے؟ جو چیز صراحتاً مذکور تھی۔ اور یہ جو پہلی تفریع تھی کہ مَرَرْتُ بِرَجُلٍ حَسَنِ الْوَجْهِ یہ جائز ہے اور مَرَرْتُ بِزَيْدٍ حَسَنِ الْوَجْهِ یہ ممتنع ہے، یہ کس پر تفریع ہے؟ جو ضمناً بات سمجھ میں آرہی تھی، لفظوں میں تو ذکر نہیں تھا کہ یہ تخصیص کا یا تعریف کا فائدہ نہیں دیتی لیکن وہ ضمناً سمجھ میں آرہا تھا، تو جو چیز صراحتاً مذکور تھی اس پر تفریع پہلے ہونی چاہیے اور جو چیز ضمناً سمجھ میں آ رہی تھی اس پر تفریع بعد میں ہونی چاہیے تھی۔ بات سمجھ میں آگئی۔

جبکہ بعضوں نے اور تقریر کی بعض شارحین نے، انہوں نے کہا کہ یہ جو بعد والی تفریع ہے اس میں صرف تخفیف کا دخل ہے۔ یہ جو بعد والی تفریع کی کہ الضَّارِبَا زَيْدٍ اور الضَّارِبُو زَيْدٍ یہ جائز ہیں اور الضَّارِبُ زَيْدٍ جائز نہیں، کس وجہ سے؟ تخفیف کی وجہ سے۔ تو اس تفریع میں صرف تخفیف کا دخل ہے۔ اور پہلی تفریع میں دو چیزوں کا دخل ہے: ایک تو انتفاءِ تعریف کا دخل ہے، کس کا؟ انتفاءِ تعریف کا، اور نیز وہاں تخفیف کا بھی دخل ہے۔ مَرَرْتُ بِرَجُلٍ حَسَنِ الْوَجْهِ، یہ حَسَن سے تنوین گری ہے یا نہیں؟ تو یہاں تخفیف بھی آئی، تخفیف آئی اور تعریف نہیں آئی۔ بات سمجھ میں آرہی ہے؟ تو یہاں کتنی چیزوں کا دخل؟ دو چیزوں کا دخل ہے: اضافتِ لفظیہ تخفیف کا فائدہ دیتی ہے اور تعریف کا فائدہ نہیں دیتی، تو دو چیزوں پر یہ تفریع کی ہے۔ اور جو دوسری تفریع ہے اس میں صرف ایک چیز کا دخل ہے۔ توجہ ہے؟ تو جس میں ایک کا دخل ہے وہ مفرد کے درجے میں ہے، اور جس میں دو کا دخل ہے وہ مرکب کے درجے میں ہے، اور مفرد مقدم ہوتا ہے مرکب پر، پہلے مفرد کو لاتے ہیں پھر مرکب کو، لہٰذا اس بعد والی تفریع کو پہلے لانا چاہیے تھا اور پہلے والی کو بعد میں لانا چاہیے تھا۔ بعضوں نے یہ تقریر کی ہے۔ تو بہرحال صاحبِ جامی فرماتے ہیں کہ ثانی تفریع کو پہلے ہونا چاہیے تھا، لیکن چونکہ اس سے متعلقہ بحثیں زیادہ ہیں اس لیے صاحبِ کافیہ نے اس کو مؤخر کیا۔

تو کہتے ہیں: وَعَلٰى هٰذَا اور اس وجہ سے كَانَ الْأَنْسَبُ تَقْدِيمَ هٰذَا الْفَرْعِ، زیادہ مناسب یہ تھا کہ اس فرع کو مقدم کیا جاتا، لٰكِنَّهُ أَخَّرَهُ لِكَثْرَةِ لَوَاحِقِهِ، لیکن صاحبِ کافیہ نے اس کو مؤخر کیا اس کے کثرتِ لواحق کی وجہ سے کہ اس سے متعلقہ بحثیں کثیر ہیں۔

خِلَافًا لِلْفَرَّاءِ۔ جی متن متن اب صرف دیکھیے بھائی: خِلَافًا لِلْفَرَّاءِ، بخلاف امام فراء کے۔ بخلاف امام فراء کے۔ جی، پہلے ذرا متن متن دیکھ لیجیے بھائی: خِلَافًا لِلْفَرَّاءِ وَضَعُفَ الْوَاهِبُ الْمِائَةِ الْهِجَانِ وَعَبْدِهَا، آگے ایک صفحے بعد متن آرہا ہے: وَإِنَّمَا جَازَ الضَّارِبُ الرَّجُلِ حَمْلًا عَلَى الْمُخْتَارِ فِي الْحَسَنِ الْوَجْهِ وَالضَّارِبُكَ وَشِبْهُهُ فِيمَنْ قَالَ إِنَّهُ مُضَافٌ حَمْلًا عَلٰى ضَارِبِكَ۔ یہ

سارا متن مل گیا؟ پھر ایک دفعہ دیکھو بھائی۔

خِلَافًا لِلْفَرَّاءِ وَضَعُفَ الْوَاهِبُ الْمِائَةِ الْهِجَانِ وَعَبْدِهَا، وَإِنَّمَا جَازَ الضَّارِبُ الرَّجُلِ حَمْلًا عَلَى الْمُخْتَارِ فِي الْحَسَنِ الْوَجْهِ، وَالضَّارِبُكَ وَشِبْهُهُ فِيمَنْ قَالَ إِنَّهُ مُضَافٌ حَمْلًا عَلٰى ضَارِبِكَ.

متن مل گیا سارا بھائی؟ اب اس متن کو ہم پہلے حل کریں گے، اس کے بعد پھر یہ مسئلہ آپ کو سمجھ میں آئے گا، بڑا طویل مسئلہ ہے بھائی۔

خِلَافًا لِلْفَرَّاءِ، بخلاف امام فراء کے۔ صاحبِ کافیہ نے آپ کو بتلا دیا: الضَّارِبُ زَيْدٍ جائز نہیں۔ الضَّارِبُ زَيْدٍ جائز نہیں۔ کیوں نہیں جائز؟ کیونکہ اضافتِ لفظیہ میں تخفیف کا آنا واجب ہے۔ اور الضَّارِبُ زَيْدٍ یہ بھی اضافتِ لفظیہ ہے، لیکن یہاں کوئی تخفیف نہیں آرہی کیونکہ الضَّارِبُ سے اضافت سے پہلے ہی تنوین گر چکی ہے الف لام کی وجہ سے۔ تو اس میں تخفیف نہیں، نہ مضاف میں تخفیف نہ مضاف الیہ میں، لہٰذا الضَّارِبُ زَيْدٍ کہنا جائز نہیں۔ جبکہ امام فراء فرماتے ہیں: جائز ہے۔ الضَّارِبُ زَيْدٍ جائز ہے۔ توجہ ہے؟ تو یہ معنیٰ ہے خِلَافًا لِلْفَرَّاءِ بخلاف امام فراء کے۔

وَضَعُفَ الْوَاهِبُ الْمِائَةِ الْهِجَانِ وَعَبْدِهَا، اور ضعیف ہے الْوَاهِبُ الْمِائَةِ الْهِجَانِ وَعَبْدِهَا، یہ ترکیب ضعیف ہے۔ یہ ترکیب ضعیف ہے۔ یہ ایک شاعر کا شعر ہے اس کا مصرع ہے۔ ترجمہ سمجھیے بھائی۔ الْوَاهِبُ الْمِائَةِ الْهِجَانِ وَعَبْدِهَا: الْوَاهِبُ یہ تو اسمِ فاعل ہے وَهَبَ يَهَبُ سے، عطا کرنے والا، بخشنے والا، دینے والا۔ الْوَاهِبُ عطا کرنے والا۔ الْمِائَةِ الْهِجَانِ، مِائَةٌ کا معنیٰ سو۔ الْهِجَانِ، ہجان کہتے ہیں سفید اونٹنی کو۔ ہجان کسے کہتے ہیں؟ سفید اونٹنی۔ یہ مفرد کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے جمع کے لیے بھی۔ ایک اونٹنی ہو وہ بھی ہجان، ایک سے زیادہ ہوں وہ بھی ہجان، تو سفید اونٹنی کو ہجان کہتے ہیں۔ وَعَبْدِهَا۔ جی۔ تو کہتے ہیں: وَضَعُفَ یہ ترکیب ضعیف ہے۔ ترجمہ کیا؟ کہتے ہیں الْوَاهِبُ الْمِائَةِ الْهِجَانِ وَعَبْدِهَا، أَيْ هُوَ الْوَاهِبُ۔ الْوَاهِبُ خبر ہے اور هُوَ مبتدا محذوف ہے۔ وہ جو ہے، هُوَ، وہ جو میرا ممدوح ہے جس کی شاعر تعریف کر رہا ہے، وہ الْوَاهِبُ وہ عطا کرنے والا ہے، وہ بخشنے والا ہے۔ کیا چیز؟ الْمِائَةِ الْهِجَانِ سو سفید اونٹنیاں۔ وہ اتنا سخی آدمی ہے سو سفید اونٹنیاں بھی عطا کرتا ہے وَعَبْدِهَا اور ان کا غلام بھی۔ وہ اتنا سخی ہے کہ وہ سو اونٹنیاں بھی عطا کرنے والا ہے اور ان کا غلام بھی وہ عطا کرتا ہے۔

وَعَبْدِهَا یہ هَا ضمیر راجع ہے الْهِجَانِ کو، ان اونٹنیوں کا غلام۔ وہ اونٹنیاں بھی ہبہ کرتا ہے اور ان کا غلام بھی۔ تو سوال پیدا ہوتا ہے بھائی غلام تو انسانوں کے ہوتے ہیں، اونٹنیوں کا تو کوئی غلام نہیں ہوتا۔ تو جواب یہ کہ مراد ہے چرواہا۔ ان اونٹنیوں کا چرواہا مراد ہے، لیکن اس چرواہے کو ہی ان کا غلام کہہ دیا۔ وجہ یہ کہ جیسے غلام ہر وقت اپنے آقا کی خدمت کے لیے تیار رہتا ہے، ہر وقت آقا کی خدمت میں مصروف رہتا ہے، اسی طرح یہ جو چرواہا ہے وہ ہر وقت اپنے ان جانوروں کی حفاظت میں مشغول رہتا ہے۔ تو چرواہا بھی کس کی طرح ہوا؟ ان کے غلام کی طرح ہوا کہ وہ ہر وقت ان کی خدمت میں مصروف ہے، اس لیے اس کو عَبْد کہہ دیا۔ تو الْوَاهِبُ الْمِائَةِ الْهِجَانِ وَعَبْدِهَا وہ سو سفید اونٹنیاں بخشنے والا ہے وَعَبْدِهَا اور

ان کا چرواہا بھی، اور وہ سو سفید اونٹنیاں اور ان کا چرواہا بخشنے والا ہے۔

اب سنو بھائی۔ الْوَاهِبُ یہ ہے مضاف۔ پہلے تو یہ دیکھ لیں الْمِائَةِ الْهِجَانِ۔ الْمِائَةِ الْهِجَانِ، الْمِائَةِ ہے مضاف الْهِجَانِ ہے مضاف الیہ۔ تو آپ کے ذہن میں اشکال آئے گا کہ یہاں پر تو مضاف پر بھی الف لام داخل ہے۔ مضاف پر بھی الف لام۔ تو جواب یہ کہ یہ مبنی ہے کوفہ والوں کے مذہب پر۔ کوفہ والوں کی مثال پچھلے سبق میں گزری تھی: الثَّلَاثَةُ الْأَثْوَابِ۔ وہ کیا کہتے تھے؟ جب عدد کی اضافت معدود کی طرف ہو تو عدد پر الف لام کا داخل کرنا بھی جائز۔ تو یہاں پر بھی الْمِائَةِ الْهِجَانِ مائۃ کی اضافت کس کی طرف ہو رہی تھی؟ الْهِجَانِ کی طرف، تو اس عدد پر الف لام کا داخل کرنا جائز ہے۔ یہ کس کے مذہب کے مطابق؟ کوفہ والوں کے۔ لیکن یاد رکھو جمہور کے نزدیک یہ مضاف مضاف الیہ نہیں ہیں۔ جمہور کے مطابق یہ آپس میں موصوف صفت ہیں۔ جمہور کے نزدیک بھائی آپ کو صاحبِ کافیہ نے بتلایا تھا کہ کوفہ والے جو معرف باللام عدد کی اضافت جائز قرار دیتے ہیں معدود کی طرف یہ ضعیف ہے۔ یہ ضعیف۔ تو لہٰذا جمہور کے نزدیک یہ الْمِائَةِ الْهِجَانِ یہ آپس میں مضاف مضاف الیہ نہیں ہیں بلکہ یہ آپس میں موصوف صفت ہیں۔ الْمِائَةِ موصوف ہے اور الْهِجَانِ اس کی صفت ہے، اور موصوف صفت میں تعریف و تنکیر میں مطابقت ہوتی ہے اور دونوں معرفہ ہیں۔ یا الْمِائَةِ کو بنا دیں مبدل منہ اور الْهِجَانِ کو اس سے بنا دیں بدل: وہ سو۔ بھائی وہ سو کیا ہیں؟ یعنی کہ اونٹنیاں ہیں۔ تو جمہور کے نزدیک یہ آپس میں مضاف مضاف الیہ نہیں ہیں بلکہ آپس میں موصوف صفت ہیں یا مبدل منہ اور بدل ہیں۔

اور پھر یہ الْوَاهِبُ جو ہے یہ اسمِ فاعل ہے اور یہ مِائَةَ الْهِجَانِ یہ اس کے لیے مفعول تھا اصل میں، وہ عطا کرتا ہے، کیا عطا کرتا ہے؟ الْمِائَةَ الْهِجَانَ سو اونٹنیاں۔ تو یہ کیا تھا؟ جیسے ضَارِبُ زَيْدٍ اصل میں کیا تھا؟ ضَارِبٌ زَيْدًا، زَيْدًا مفعول تھا۔ تو یہاں بھی الْمِائَةَ یہ کیا تھا؟ الْمِائَةَ الْهِجَانَ یہ مفعول تھا الْوَاهِبُ کے لیے، اور پھر اس کی طرف اضافت کر دی تو کیا بن گیا؟ الْوَاهِبُ الْمِائَةِ الْهِجَانِ۔ تو الْوَاهِبُ ہوا مضاف، اور الْمِائَةِ یہ ماقبل کے لیے مضاف الیہ اور مابعد کے لیے کیا بنے گا؟ موصوف، اور الْهِجَانِ اس کی صفت تو دونوں کا اعراب ایک۔ یا الْمِائَةِ کیا بنے گا؟ مبدل منہ اور الْهِجَانِ کیا بنے گا؟ بدل، اور مبدل منہ اور بدل کا اعراب بھی ایک ہوتا ہے۔ تو جمہور کے نزدیک یہ مضاف مضاف الیہ نہیں ہیں لیکن کوفہ والوں کے نزدیک آپ ان کو مضاف مضاف الیہ بھی بنا سکتے ہیں۔

اب آپ کے ذہن میں اشکال آئے گا، توجہ سے سنو۔ الْوَاهِبُ الْمِائَةِ کہ الْمِائَةَ الْهِجَانَ یہ مفعول بہ تھا، پھر الْوَاهِبُ کی اضافت کر دی تو کیا بن گیا؟ الْوَاهِبُ الْمِائَةِ الْهِجَانِ۔ اس پر آپ کے ذہن میں فوراً اشکال آئے گا کہ یہ تو اضافتِ لفظی ہے کیونکہ الْوَاهِبُ اسمِ فاعل ہے اور الْمِائَةِ اس کے لیے کیا تھا؟ مفعول تھا۔ تو یہ کون سی اضافت ہوئی؟ اضافتِ لفظی کہ الْوَاهِبُ صیغہ صفت کا ہے اور مضاف ہو رہا ہے اپنے معمول کی طرف۔ اور اضافتِ لفظیہ کس چیز کا فائدہ دیتی ہے؟ تخفیف کا، اور یہاں کوئی تخفیف نہیں آئی۔ الْوَاهِبُ اس سے اضافت کی وجہ سے کوئی تنوین ساقط نہیں ہوئی، اس کی تنوین تو اضافت سے پہلے ہی الف لام کی وجہ سے ساقط ہو چکی تھی۔ تو لہٰذا یہ اضافتِ لفظی ہے، یہ تو جائز نہیں ہونی چاہیے کیونکہ

یہ تخفیف کا فائدہ نہیں دے رہی۔ تو اس کا جواب یاد رکھنا، الْوَاهِبُ الْمِائَةِ کہ یہ اضافتِ لفظی ہے، توجہ ہے؟ اضافتِ لفظی ہے اور مضاف اور مضاف الیہ دونوں معرف باللام ہیں۔ یہ جائز ہے، کس پر محمول ہے؟ اگلے متن میں آرہا تھا: وَإِنَّمَا جَازَ الضَّارِبُ الرَّجُلِ۔ اگلا متن مل گیا؟ وَإِنَّمَا جَازَ الضَّارِبُ الرَّجُلِ۔ الضَّارِبُ الرَّجُلِ جائز ہے۔ الضَّارِبُ مضاف الرَّجُلِ مضاف الیہ، اور یہ اضافتِ لفظیہ ہے اور اس میں آپ دیکھ لیں کہ اسمِ فاعل مضاف ہو رہا ہے اپنے مفعول کی طرف اور دونوں پر الف لام داخل ہے، دونوں معرف باللام ہیں۔ یہ جائز ہے، توجہ ہے؟ اور یہ کیوں جائز ہے وہ آگے بحث آئے گی۔ آگے بحث آئے گی۔ تو جب الضَّارِبُ الرَّجُلِ جائز ہے تو الْوَاهِبُ الْمِائَةِ بھی بالکل اسی کی طرح ہے۔ الْوَاهِبُ الْمِائَةِ بھی اسی کی طرح ہے کہ اس میں، کہ اضافتِ لفظی ہے اور مضاف اور مضاف الیہ دونوں پر الف لام داخل ہے، الْوَاهِبُ پر بھی الف لام اور الْمِائَةِ پر بھی الف لام ہے۔ تو یہ اس پر محمول ہے لہٰذا یہ بھی جائز ہے۔ ترکیب سمجھ میں آرہی ہے؟ لہٰذا الْوَاهِبُ الْمِائَةِ آپ کے ذہن میں اشکال نہ آئے کہ یہ تو اضافتِ لفظی ہے اور یہاں تو کوئی تخفیف نہیں آرہی لہٰذا اس کو جائز نہیں ہونا چاہیے۔ میں نے آپ کو بتلا دیا کہ الْوَاهِبُ الْمِائَةِ کس پر محمول ہے؟ الضَّارِبُ الرَّجُلِ پر، اور وہ جائز ہے تو یہ بھی جائز ہے بھائی۔

توجہ سے سنیں: وَضَعُفَ الْوَاهِبُ الْمِائَةِ الْهِجَانِ وَعَبْدِهَا، لیکن الْوَاهِبُ الْمِائَةِ الْهِجَانِ وَعَبْدِهَا یہ ضعیف ہے۔ صاحبِ کافیہ اس کو کیا قرار دے رہے ہیں؟ ضعیف قرار دے رہے ہیں۔ یاد رکھو الْوَاهِبُ الْمِائَةِ اس کے اعتبار سے نہیں ضعیف قرار دے رہے کہ الْوَاهِبُ کی اضافت کس کی طرف ہو رہی ہے؟ الْمِائَةِ کی طرف۔ نہیں، اس کی طرف، اس کی وجہ سے ضعیف نہیں قرار دے رہے۔ یہ تو میں نے بتلا دیا کہ یہ کس کی طرح ہے؟ الضَّارِبُ الرَّجُلِ کی طرح ہے اور وہ جائز ہے تو یہ بھی جائز ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ بلکہ یہیں سمجھ لیں کہ یہ اس کی طرح کیسے ہے؟ یہ اس کی طرح کیسے ہے؟ بھائی دیکھیے: الْوَاهِبُ الْمِائَةِ اس میں مضاف اسمِ فاعل ہے، اور الضَّارِبُ الرَّجُلِ اس میں بھی مضاف کیا ہے؟ اسمِ فاعل ہے، الضَّارِبُ، ضارب کون سا صیغہ ہے؟ اسمِ فاعل، اور مضاف ہے اسمِ جنس کی طرف۔ کس کی طرف؟ اسمِ جنس۔ اسمِ جنس کہتے ہیں جو ذاتِ مبہم پر دلالت کرے، یعنی نکرہ مراد ہے۔ نکرہ کسی معین پہ دلالت کرتا ہے یا مبہم پر؟ مبہم پر دلالت کرتا ہے۔ تو یہاں پر بھی دیکھو الْمِائَةِ اس سے ذرا الف لام ہٹاؤ، مِائَةٌ۔ مِائَةٌ کا کیا معنیٰ؟ سو۔ کچھ پتہ چلا کیا چیزیں سو ہیں؟ لہٰذا یہ، تو یہ بھی کیا ہے؟ اسمِ جنس۔ اور وہاں پر الرَّجُلِ اس سے بھی ذرا الرَّجُلِ سے بھی الف لام ہٹا دو: رَجُلٌ، کچھ پتہ چلا کون سا آدمی ہے؟ نہیں۔ تو دیکھو یہ دونوں اضافتوں کے اندر مضاف جو ہے صفت کا صیغہ ہے اور مضاف الیہ اسمِ جنس ہے، اور دونوں معرف باللام ہیں، اور دونوں کے اندر تنوین اضافت سے پہلے ہی گر چکی ہے۔ دونوں کیا ہیں؟ پھر سنو، دونوں ایک دوسرے جیسے ہیں، کیسے ایک دوسرے جیسے ہیں؟ دونوں کے اندر مضاف کیا ہے؟ اسمِ فاعل، اور مضاف الیہ کیا ہے؟ اسمِ جنس، اور دونوں کیا ہیں؟ معرف باللام، اور دونوں میں مضاف سے تنوین اضافت سے پہلے ہی گر چکی ہے۔ الضَّارِبُ

سے بھی تنوین اضافت سے پہلے ہی الف لام کی وجہ سے گر چکی ہے، اور الْوَاهِبُ کے اندر بھی واهب سے تنوین اضافت سے پہلے ہی الف لام کی وجہ سے گر چکی ہے۔ تو یہ دونوں کیا ہوئے؟ ایک دوسرے جیسے ہوئے، تو جب وہ جائز ہے تو یہ بھی جائز ہے۔

تو بہر حال صاحبِ کافیہ فرما رہے ہیں کہ یہ الْوَاهِبُ الْمِائَةِ الْهِجَانِ وَعَبْدِهَا یہ ترکیب ضعیف ہے۔ تو اب یہ الْوَاهِبُ الْمِائَةِ کے اعتبار سے اس کو ضعیف قرار نہیں دے رہے بلکہ، بلکہ اس اعتبار سے کہ اس پر عطف ہے وَعَبْدِهَا کا۔ اس پر عطف ہے وَعَبْدِهَا کا، یہ الْمِائَةِ الْهِجَانِ پر عطف ہے وَعَبْدِهَا کا۔ تو یہ وَعَبْدِهَا یہ ہے معطوف، اور معطوف کا وہی حکم ہوتا ہے جو معطوف علیہ کا ہوتا ہے۔ لہٰذا معطوف علیہ جو الْمِائَةِ الْهِجَانِ ہے اس کو ذرا ہٹا دو اور اس کی جگہ ذرا عَبْدِهَا لے آؤ۔ تو عبارت کیا بن گئی؟ الْوَاهِبُ عَبْدِهَا۔ وَعَبْدِهَا کا عطف کس پر ہے؟ الْمِائَةِ الْهِجَانِ پر ہے۔ اور معطوف کا وہی حکم ہوتا ہے جو کس کا ہو؟ معطوف علیہ کا ہے۔ تو معطوف علیہ کو ذرا ہٹاؤ اور اس کی جگہ عَبْدِهَا کو لے آؤ، تو کیا بن گئی عبارت؟ الْوَاهِبُ عَبْدِهَا۔ اور الْوَاهِبُ عَبْدِهَا یہ بالکل الضَّارِبُ زَيْدٍ کی طرح ہے۔ الْوَاهِبُ عَبْدِهَا کس کی طرح ہے؟ الضَّارِبُ زَيْدٍ۔ ابھی صاحبِ کافیہ نے بتلایا تھا کہ الضَّارِبَا زَيْدٍ جائز، الضَّارِبُو زَيْدٍ جائز لیکن الضَّارِبُ زَيْدٍ جائز نہیں کیونکہ اس کے اندر کوئی تخفیف نہیں آئی۔ تو یہاں پر بھی الْوَاهِبُ عَبْدِهَا یہ کس کی طرح ہوا؟ الضَّارِبُ زَيْدٍ کی طرح ہوا۔ کس طرح اس کی طرح ہوا الضَّارِبُ زَيْدٍ؟ توجہ ہے؟ دیکھو الضَّارِبُ زَيْدٍ اس کے اندر دیکھو الضَّارِبُ اسمِ فاعل ہے اور اضافت سے پہلے ہی اس سے تنوین گر چکی ہے، اور آگے زَيْدٍ جو ہے اس میں بھی کسی قسم کی تخفیف نہیں آئی۔ تو مضاف میں بھی کوئی تخفیف نہیں اور مضاف الیہ میں بھی کوئی تخفیف نہیں۔ اسی طرح الْوَاهِبُ عَبْدِهَا اس کے اندر بھی الْوَاهِبُ صفت کا صیغہ ہے اور اس سے تنوین جو ہے وہ اضافت سے پہلے ہی گر چکی ہے الف لام کی وجہ سے تو مضاف میں بھی کوئی تخفیف نہیں آئی، اور عَبْدِهَا اس کے اندر بھی کوئی تخفیف نہیں آئی۔ تو دونوں کیا ہوئے؟ ایک دوسرے جیسے ہوئے، اسی لیے الضَّارِبُ زَيْدٍ جیسے ممتنع تھا، توجہ ہے؟ تو الضَّارِبُ زَيْدٍ ممتنع تھا تو الْوَاهِبُ عَبْدِهَا یہ کیا ہے؟ ضعیف ہے۔ یہ کیا ہے؟ ضعیف ہے۔ اس پر آپ کے ذہنوں میں اشکال آئے گا کہ وہ ممتنع تھا، اس کو آپ کہتے تھے جائز ہی نہیں ہے، اور الْوَاهِبُ عَبْدِهَا اس کے بارے میں آپ کہتے ہیں یہ ضعیف ہے صرف۔ بھائی اس کو بھی ممتنع کہو!

وہ ممتنع ہے الضَّارِبُ زَيْدٍ۔ تو الْوَاهِبُ عَبْدِهَا بھی کیا ہونا چاہیے؟ ممتنع ہونا چاہیے، لیکن آپ اس کو تو ممتنع کہتے ہیں الضَّارِبُ زَيْدٍ کو، اور اس الْوَاهِبُ عَبْدِهَا کو آپ صرف ضعیف کہتے ہیں۔

اعتراض سمجھ میں آیا؟ تو اس کا جواب یاد رکھنا۔ جواب یہ کہ یہ اگر الْوَاهِبُ براہِ راست مضاف ہوتا عَبْدِهَا کی طرف، تو پھر یہ ہم کہتے کہ یہ بھی ممتنع ہے، لیکن یہ براہِ راست عَبْدِهَا کی طرف مضاف نہیں ہے الْوَاهِبُ، بلکہ عَبْدِهَا معطوف ہے۔ کیا ہے؟ معطوف ہے۔ اور بہت سی ایسی چیزیں جن کی معطوف علیہ میں گنجائش نہیں ہوتی، معطوف میں ان کی گنجائش نکل

آتی ہے کچھ نہ کچھ۔

جیسے دیکھو، جیسے دیکھو الْحَارِث یہ نام ہے، اس پر الف لام داخل ہے۔ میں اس کو ندا دینا چاہتا ہوں۔ تو کیا میں یَا الْحَارِث کہہ سکتا ہوں؟ نہیں، کیونکہ یَا بھی آلہِ تعریف، الْحَارِث پر الف لام بھی کیا ہے؟ آلہِ تعریف۔ دونوں تعریف کا فائدہ دیتے ہیں، اور دو آلہِ تعریف کا جمع ہونا جائز نہیں، لہٰذا یَا الْحَارِث میں نہیں کہہ سکتا بلکہ پھر مجھے أَیُّھَا درمیان میں لانا پڑے گا: یَا أَیُّھَا الْحَارِثُ۔ تو الْحَارِث پر یَا کا براہِ راست داخل کرنا جائز نہیں، لیکن اسی الْحَارِث کو آپ معطوف بنا دیں تو پھر جائز ہو جائے گا۔ جیسے میں کہتا ہوں: یَا زَیْدُ وَالْحَارِثُ۔ یَا زَیْدُ وَالْحَارِثُ۔ دیکھو الْحَارِث کو میں نے معطوف بنا دیا، اور معطوف کا بھی وہی حکم ہوتا ہے جو کس کا ہے؟ معطوف علیہ کا، اور معطوف علیہ پر یَا داخل ہو رہی ہے تو گویا الْحَارِث پر بھی کیا داخل ہو رہی ہے؟ یَا۔ تو لہٰذا اگر براہِ راست آپ یَا کو داخل کرتے الْحَارِث پر تو یہ تو جائز نہیں تھا، لیکن معطوف ہونے کی صورت میں اب جائز ہے، تو یَا زَیْدُ وَالْحَارِثُ کہنا جائز ہے۔ تو ایک چیز جس کی گنجائش براہِ راست نہیں تھی، معطوف میں اس کی گنجائش نکل آئی۔

اسی طرح یاد رکھو، آگے صاحبِ جامی بھی مثال ذکر کریں گے: رُبَّ شَاۃٍ وَسَخْلَتِھَا۔ رُبَّ شَاۃٍ وَسَخْلَتِھَا۔ رُبَّ، رُبَّ یہ کثرت بیان کرنے کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ وضع تو ہے تقلیل کے لیے، لیکن اب استعمال کس میں ہوتا ہے زیادہ؟ کثرت بیان کرنے کے لیے۔ اور یہ حروفِ جارہ میں سے ہے آپ پڑھ چکے ہیں، یہ جر دیتا ہے اپنے مدخول کو۔ اور یاد رکھو یہ رُبَّ ہمیشہ نکرہ پر داخل ہوتا ہے، یہ معرفہ پر داخل ہی نہیں ہو سکتا۔ اسی لیے رُبَّ شَاۃٍ یہ شَاۃٍ کیا ہے دیکھو؟ نکرہ۔ اور شَاۃ، یہ گول تا کے ساتھ ہے شَاۃ، شَاۃ بھیڑ بکریوں کو کہتے ہیں۔ بھیڑ، بھیڑ بکریوں کو کہتے ہیں۔ طلبہ عموماً اس کا ترجمہ بکری کے ساتھ کرتے ہیں، نہیں، شَاۃ صرف بکری کو نہیں کہتے، شَاۃ بھیڑ بکریوں کو کہتے ہیں۔ جیسے غَنَم، غَنَم کا لفظ بھیڑ بکریوں دونوں کے لیے استعمال ہوتا ہے اسی طرح شَاۃ بھی کیا ہے؟ بھیڑ بکریوں دونوں کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ اور وَسَخْلَتِھَا، سَخْلَۃٌ کہتے ہیں بھیڑ بکریوں کے جو بچے ہیں۔ سَخْلَۃٌ گول تا ہے آخر میں، بھیڑ بکریوں کے بچے۔ تو دیکھو رُبَّ شَاۃٍ بہت سی بھیڑ بکریاں وَسَخْلَتِھَا، یہ ھَا ضمیر شَاۃ کو راجع ہے، اور ان کے بچے۔ رُبَّ شَاۃٍ وَسَخْلَتِھَا بہت سی بھیڑ بکریاں اور ان کے بچے۔ اب رُبَّ کے بارے میں میں نے کیا بتایا؟ یہ نکرہ پر داخل ہوتا ہے، معرفہ پر داخل نہیں ہو سکتا۔ لہٰذا آپ رُبَّ شَاۃٍ تو کہہ سکتے ہیں، رُبَّ سَخْلَتِھَا نہیں کہہ سکتے۔ کیا؟ رُبَّ شَاۃٍ تو کہہ سکتے ہیں کیونکہ شَاۃ نکرہ ہے، لیکن رُبَّ سَخْلَتِھَا نہیں کہہ سکتے کیونکہ سَخْلَۃ مضاف ہے ھَا ضمیر کی طرف، اور ضمیر کس میں سے ہے؟ معرفہ میں سے ہے، اور معرفہ کی طرف جو مضاف ہو جائے وہ بھی کیا بن جاتا ہے؟ معرفہ، تو سَخْلَتِھَا یہ معرفہ ہے۔ تو اب آپ رُبَّ سَخْلَتِھَا نہیں کہہ سکتے کیونکہ رُبَّ معرفہ پر داخل نہیں ہوتا۔ تو رُبَّ ہمیشہ نکرہ پر داخل ہوتا ہے، معرفہ پر داخل نہیں ہوتا۔ آپ رُبَّ شَاۃٍ تو کہہ سکتے ہیں، رُبَّ سَخْلَتِھَا نہیں کہہ سکتے۔ لیکن اسی سَخْلَتِھَا کو معطوف بنائیں تو پھر جائز ہے: رُبَّ شَاۃٍ وَسَخْلَتِھَا، بہت سی بھیڑ بکریاں اور ان کے بچے۔ اب یہ کہنا جائز ہے۔ حالانکہ

اس کے اندر وَسَخْلَتِهَا یہ معطوف ہے، اور معطوف کا وہی حکم ہے جو کس کا ہوتا ہے؟ معطوف علیہ کا۔ لہٰذا معطوف علیہ کو ذرا ہٹاؤ اور اس کی جگہ سَخْلَة لے آؤ، أَيْ رُبَّ سَخْلَتِهَا۔ تو دیکھو گویا رُبَّ کس پر داخل ہو رہا ہے؟ معرفہ پر داخل ہو رہا ہے، لیکن چونکہ براہِ راست نہیں داخل ہو رہا بلکہ وہ معطوف ہے، اور معطوف کے اندر ان چیزوں کی گنجائش نکل آتی ہے جن کی گنجائش براہِ راست نہیں ہوتی، اس لیے یہ جائز ہے۔

تو یہاں پر بھی اسی طرح ہے: الْوَاهِبُ الْمِائَةِ الْهِجَانِ وَعَبْدِهَا، الْوَاهِبُ براہِ راست عَبْدِهَا پر داخل ہوتا تو یہ ترکیب ممتنع تھی، لیکن یہ اس پر براہِ راست داخل نہیں ہے بلکہ عَبْدِهَا کیا ہے؟ معطوف ہے، اس لیے اس کو ممتنع نہیں کہیں گے بلکہ کیا کہیں گے؟ ضعیف ہے، یہ ترکیب ضعیف ہے۔ توجہ ہے؟ تو صاحبِ کافیہ نے کیا بتلایا؟ وَضَعُفَ الْوَاهِبُ الْمِائَةِ الْهِجَانِ وَعَبْدِهَا، یہ ترکیب ضعیف ہے۔ کس اعتبار سے ضعیف ہے؟ الْوَاهِبُ الْمِائَةِ کے اعتبار سے ضعیف ہے یا الْوَاهِبُ عَبْدِهَا کے اعتبار سے ضعیف ہے؟ الْوَاهِبُ عَبْدِهَا کے اعتبار سے ضعیف کہا ہے، الْوَاهِبُ الْمِائَةِ کے اعتبار سے ضعیف نہیں کہا کیونکہ الْوَاهِبُ الْمِائَةِ تو الضَّارِبُ الرَّجُلِ کی طرح ہے اور وہ جائز تو یہ بھی جائز ہے۔

آگے دیکھیے متن بھائی: وَإِنَّمَا جَازَ الضَّارِبُ الرَّجُلِ حَمْلًا عَلَى الْمُخْتَارِ فِي الْحَسَنِ الْوَجْهِ۔ کہتے ہیں: الضَّارِبُ الرَّجُلِ یہ اضافتِ لفظیہ جائز ہے حَمْلًا محمول کرتے ہوئے عَلَى الْمُخْتَارِ مختار طریقے پر یعنی پسندیدہ طریقے پر فِي الْحَسَنِ الْوَجْهِ الْحَسَنُ الْوَجْهِ کے اندر۔ دیکھو ادھر سنیے: الْحَسَنُ الْوَجْهِ، الْحَسَنُ مضاف الْوَجْهِ مضاف الیہ۔ یاد رکھو یہاں تین طرح پڑھنا جائز ہے۔ تین طرح پڑھنا جائز ہے۔ ایک تو یہ کہ الْوَجْهُ پر رفع پڑھیں، دوسرا یہ کہ الْوَجْهَ اس پر نصب پڑھیں، تیسری صورت یہ ہے کہ الْوَجْهِ پر جر پڑھیں۔ الْحَسَنُ الْوَجْهُ، ایک صورت؛ الْحَسَنُ الْوَجْهَ، دوسری صورت؛ الْحَسَنُ الْوَجْهِ، تیسری صورت۔ تو تین طرح اس کو پڑھنا جائز ہے۔ یعنی الْحَسَنُ پر تو جو بھی اعراب آنا ہے وہ ماقبل کو دیکھ کر اعراب آئے گا، عامل کے مطابق اعراب آئے گا، لیکن جو آگے الْوَجْهُ ہے اس پر رفع بھی جائز، نصب بھی جائز اور جر بھی۔ الْحَسَنُ الْوَجْهُ، الْحَسَنُ الْوَجْهَ، الْحَسَنُ الْوَجْهِ، تین طرح پڑھنا جائز ہے۔ لیکن ان میں مختار اور پسندیدہ جو ہے وہ جر ہے اضافت کے ساتھ: الْحَسَنُ الْوَجْهِ۔ یہ الْوَجْهِ پر جر کیوں آیا؟ اضافت کی وجہ سے کہ یہ مضاف الیہ ہے۔ تو یہ جر پڑھنا، یہ پسندیدہ ہے الْحَسَنُ الْوَجْهِ کے اندر، اور نصب اور رفع پڑھنا پسندیدہ نہیں۔

اب یہ رفع اور نصب کیوں پڑھیں گے وہ بھی سمجھ لیں۔ الْحَسَنُ الْوَجْهُ، یہ رفع پڑھیں گے۔ رفع کی وجہ تو آپ کو معلوم ہے۔ کیوں پڑھیں گے رفع الْوَجْهُ پر؟ کیونکہ یہ فاعل ہے الْحَسَنُ کے لیے۔ الْحَسَنُ کون سا صیغہ؟ صفت، اور صفت کے صیغے کے لیے بھی کیا چاہیے؟ فاعل چاہیے، تو الْوَجْهُ اس کے لیے فاعل ہے اور فاعل مرفوع ہوتا ہے۔ اسی طرح آپ نصب بھی پڑھ سکتے ہیں: الْحَسَنُ الْوَجْهَ، یہ الْحَسَنُ نے الْوَجْهَ کو نصب دیا۔ لیکن یہ منصوب کیوں ہے؟ یاد رکھو یہ منصوب ہے مشابہِ مفعول ہونے کی وجہ سے۔ یہ منصوب ہے مشابہِ مفعول۔ دیکھو یہ آج ایک نئی چیز آپ کو پتہ چل گئی، آپ نے آج تک

مفعول بہ تو پڑھا تھا، مشابہِ مفعول بہ نہیں پڑھا تھا، یہ مشابہِ مفعول بہ ہے۔ بھائی کیا وجہ ہے اس کو مشابہِ مفعول بہ کیوں کہتے ہیں؟ مفعول بہ کیوں نہیں کہہ دیتے؟ وجہ یہ کہ الْحَسَنُ صفتِ مشبہ ہے، صفتِ مشبہ فعلِ لازم سے بنتی ہے، اور فعلِ لازم کے لیے صرف فاعل چاہیے ہوتا ہے، وہ مفعول کو نصب نہیں دے سکتا۔ تو الْحَسَنُ بھی صفتِ مشبہ ہے، یہ اس کے لیے فاعل تو آسکتا ہے، مفعول بہ نہیں آسکتا۔ لیکن ہم نے دیکھا ہے بعض جگہ عرب اس کے ذریعے نصب دیتے ہیں، تو نحوی مجبور ہو گئے۔ اب اس کو مفعول بہ تو کہہ نہیں سکتے، تو پھر انہوں نے اس کا نام کیا رکھا؟ مشابہِ مفعول بہ۔ یہ عربی زبان میں آیا تو ہے، عرب نے اس طرح استعمال تو کیا ہے، اور اس کو مفعول بہ تو نہیں کہہ سکتے، تو پھر اس کو وہ کیا کہتے ہیں؟ مشابہِ مفعول بہ۔ توجہ ہے؟

تو تین وجہیں پڑھنا جائز ہیں: اور رفع آئے گا فاعل ہونے کی وجہ سے، نصب آئے گا مشابہِ مفعول بہ ہونے کی وجہ سے، اور جر آئے گا مضاف الیہ ہونے کی وجہ سے۔ اور ان میں پسندیدہ صورت جو ہے جر والی ہے کہ اضافت کے ساتھ ہو۔ بھائی باقی دو صورتیں کیوں نہیں پسندیدہ؟ اس کی بھی وجہ سمجھ لیں۔ وجہ یہ، وجہ یہ کہ الْحَسَنُ الْوَجْهُ جب آپ فاعل بنائیں گے تو اب الْحَسَنُ کے اندر کوئی ضمیر نہیں کیونکہ فاعل ایک آتا ہے۔ یا تو الْحَسَنُ کے اندر ضمیر کو فاعل بنائیں یا الْوَجْهُ کو فاعل بنائیں۔ آپ نے الْوَجْهُ کو فاعل بنا دیا تو الْحَسَنُ کے اندر کوئی ضمیر نہیں، اور الْوَجْهُ کے ساتھ بھی کوئی ضمیر نہیں، اور حالانکہ صفت کے صیغے کو جب بھی کسی چیز سے جوڑنا ہو درمیان میں کیا ضروری؟ ربط کے لیے ضمیر کا ہونا ضروری، تو الْحَسَنُ الْوَجْهُ میں کوئی ضمیر نہیں، اس لیے یہ پسندیدہ نہیں۔ اور نیز الْحَسَنُ الْوَجْهَ، نصب بھی پسندیدہ نہیں، وجہ یہ کہ اس صورت میں آپ کو اس کو مشابہِ مفعول قرار دینا پڑتا ہے۔ مشابہِ مفعول قرار دینا پڑتا ہے حالانکہ الْحَسَنُ تو فعلِ لازم سے بنی ہے، جب فعلِ لازم سے بنی ہے اس کے لیے تو مفعول نہیں آنا چاہیے بھائی۔ بات سمجھ میں آرہی ہے؟ تو رفع بھی پسندیدہ نہیں کیونکہ اس صورت میں ضمیر نہیں، اور نصب بھی پسندیدہ نہیں کیونکہ اس صورت میں آپ کو اسے کیا قرار دینا پڑتا ہے؟ مشابہِ مفعول قرار دینا پڑتا ہے کہ یہ صفتِ مشبہ ہے اور نصب دیتی تو ہے، عرب سے ثابت تو ہے، لیکن عربی زبان میں بھی یہ بہت قلیل آیا ہے، تو مشابہِ مفعول بنانا بھی پسندیدہ نہیں، لہٰذا پسندیدہ صورت یہی ہے کہ اضافت کر دی جائے: الْحَسَنُ الْوَجْهِ بھائی۔

تو الْحَسَنُ الْوَجْهِ جیسے یہ جائز ہے، اور یہاں پر تخفیف آئی یا نہیں آئی؟ آپ تخفیف پڑھ چکے ہیں کہ اصل میں کیا تھا؟ الْحَسَنُ وَجْهُهُ، وَجْهُهُ کے آخر میں ضمیر تھی، پھر آپ نے ضمیر کو وہاں سے حذف کیا اور اس کی طرف اضافت کر دی اور وہ ضمیر کس کے اندر آکر چھپ گئی؟ الْحَسَنُ کے اندر آکر چھپ گئی، گزشتہ سبق میں آپ نے پڑھا تھا بھائی۔ تو دیکھو مضاف الیہ میں تخفیف آگئی، تو الْحَسَنُ الْوَجْهِ جائز ہے۔ تو اسی پر حمل کرتے ہوئے الضَّارِبُ الرَّجُلِ بھی جائز ہے۔ الْحَسَنُ الْوَجْهِ پر حمل کرتے ہوئے الضَّارِبُ الرَّجُلِ بھی جائز ہے۔ بھائی ویسے تو الضَّارِبُ الرَّجُلِ جائز نہیں ہونا چاہیے تھا کیونکہ یہ اضافتِ لفظی ہے اور اضافتِ لفظی کس چیز کا فائدہ دیتی ہے؟ تخفیف کا، اور الضَّارِبُ الرَّجُلِ نہ تو الضَّارِبُ میں اضافت کی وجہ سے

کوئی تخفیف آئی نہ الرَّجُلِ میں۔ الضَّارِبُ کے اندر کیوں نہیں تخفیف آئی؟ کیونکہ اس پر تنوین تھی ہی نہیں، تنوین تو الف لام کی وجہ سے پہلے ہی گر چکی تھی۔ تو الضَّارِبُ میں بھی تخفیف نہیں الرَّجُلِ میں بھی تخفیف نہیں تو یہ تو جائز نہیں ہونا چاہیے تھا، لیکن الْحَسَنُ الْوَجْهِ کے اندر جو پسندیدہ صورت ہے اس پر حمل کرتے ہوئے الضَّارِبُ الرَّجُلِ جائز ہے۔ اس پر حمل کرتے ہوئے، کیونکہ یہ، کیونکہ یہ اس جیسا ہے۔ کس طرح اس جیسا ہے؟ کہ جیسے الْحَسَنُ الْوَجْهِ میں مضاف صفت کا صیغہ ہے اور مضاف الیہ اسمِ جنس ہے اور دونوں معرف باللام ہیں۔ اسی طرح الضَّارِبُ الرَّجُلِ اس کے اندر بھی مضاف کیا ہے؟ صفت کا صیغہ ہے، اور مضاف الیہ کیا ہے؟ اسمِ جنس ہے، اور دونوں معرف باللام ہیں۔ اسمِ جنس میں نے بتایا کسے کہتے ہیں؟ جو ذاتِ مبہم پہ دلالت کرے، الرَّجُلِ سے ذرا الف لام ہٹاؤ: رَجُلٌ، دیکھو ذاتِ مبہم پر دلالت کر رہا ہے۔ الْوَجْهِ سے الف لام ہٹاؤ تو وَجْهٌ، دیکھو ذاتِ مبہم پر دلالت کر رہا ہے، مبہم چہرے پر، بات سمجھ میں آگئی۔ تو لہٰذا یہ دونوں ایک دوسرے جیسے ہیں، تو جب الْحَسَنُ الْوَجْهِ جائز ہے تو اسی پر حمل کرتے ہوئے الضَّارِبُ الرَّجُلِ بھی جائز ہے۔ یہ معنیٰ ہے: وَإِنَّمَا جَازَ الضَّارِبُ الرَّجُلِ حَمْلًا عَلَى الْمُخْتَارِ فِي الْحَسَنِ الْوَجْهِ۔ کہتے ہیں: الضَّارِبُ الرَّجُلِ جائز ہے حمل کرتے ہوئے اس کو الْحَسَنُ الْوَجْهِ کے اندر پسندیدہ صورت پر۔

آگے دیکھیے: وَالضَّارِبُكَ وَشِبْهُهُ فِيمَنْ قَالَ إِنَّهُ مُضَافٌ حَمْلًا عَلَى ضَارِبِكَ۔ اسی طرح الضَّارِبُكَ یہ بھی جائز ہے ضَارِبُكَ پر حمل کرتے ہوئے۔ توجہ ہے؟ ایک ہے الضَّارِبُكَ، الف لام داخل ہے مضاف پر، اور ایک نیچے آرہا ہے ضَارِبُكَ، اس، وہ بغیر الف لام کے ہے۔ وہ بغیر الف لام کے ہے۔ یاد رکھو یہ جو بغیر الف لام کے ہے ضَارِبُكَ، ضَارِبُكَ، یہ آپ کو صاحبِ جامی بتلائیں گے کہ اسمِ فاعل اور اسمِ مفعول کا صیغہ جب بغیر الف لام کے ہو، جب، جب بغیر الف لام کے ہو، اور ان کے ساتھ اس کا مفعول ضمیرِ متصل کی صورت میں آکر جڑ جائے، ضَارِبُكَ آپ کی پٹائی کرنے والا، تو ضَارِبُ کون سا صیغہ؟ اسمِ فاعل، اور یہ كَاف ضمیر ہے یہ جو مخاطب ہے وہ کیا ہے؟ اس کی پٹائی کی گئی ہے، آپ کی پٹائی کرنے والا معلوم ہوا مخاطب کی کیا کی گئی ہے؟ پٹائی۔ تو ضَارِبُ کون سا صیغہ؟ اسمِ فاعل، اور اس کے ساتھ کس کو جوڑ دیا؟ ضمیرِ متصل کو، اور وہ ضمیر کیا واقع ہو رہی ہے؟ مفعول واقع ہو رہی ہے۔ تو اسمِ فاعل اور اسمِ مفعول دونوں کا یہی حکم ہے کہ جب ان کے ساتھ ان کے مفعول ضمیر...

سبق نمبر ۱۹۰: الاضافۃ(۷): «اَلضَّارِبُ زَیْدٍ» کے عدمِ جواز پر امام فراء سے اختلاف

شرحِ ملا جامی صفحہ: ۱۶۸ — بتاریخ: ۷ ستمبر ۲۰۲۲ء

▪ تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث

آگے سبق دیکھیے بھائی: خِلَافًا لِلْفَرَّاءِ فَإِنَّهُ يُجَوِّزُ تَرْكِيبَ الضَّارِبُ زَيْدٍ إِمَّا لِأَنَّهُ تَوَهَّمَ أَنَّ دُخُولَ لَامِ التَّعْرِيفِ إِنَّمَا هُوَ بَعْدَ الْإِضَافَةِ فَحَصَلَ التَّخْفِيفُ بِحَذْفِ التَّنْوِينِ بِسَبَبِ الْإِضَافَةِ، ثُمَّ عُرِّفَ بِاللَّامِ، وَأَجَابَ الْمُصَنِّفُ عَنْهُ فِي شَرْحِهِ بِأَنَّهُ غَيْرُ مُسْتَقِيمٍ.

بھائی گزشتہ سبق میں صاحبِ کافیہ نے تفریع ذکر کی تھی ماقبل کے حصر پر۔ ماقبل میں حصر ذکر ہوا تھا کہ اضافتِ لفظیہ جو ہے وہ تخفیف کا فائدہ تو دیتی ہے، البتہ وہ تعریف اور تخصیص کا فائدہ نہیں دیتی۔ تو اسی پر تفریع کرتے ہوئے صاحبِ کافیہ نے فرمایا تھا کہ اسی وجہ سے مَرَرْتُ بِرَجُلٍ حَسَنِ الْوَجْهِ یہ ترکیب تو جائز ہے اور مَرَرْتُ بِزَيْدٍ حَسَنِ الْوَجْهِ یہ ترکیب جائز نہیں۔ وجہ یہ کہ مَرَرْتُ بِرَجُلٍ یہ رَجُلٌ نکرہ ہے اور آگے حَسَنِ الْوَجْهِ اس کے لیے صفت بن رہی ہے، اور یہ صفت کے اندر اضافتِ لفظیہ ہے، اور اضافتِ لفظیہ وہ تعریف کا فائدہ نہیں دیتی، اس لیے حَسَنِ الْوَجْهِ کے اندر لفظِ حَسَنٌ جو ہے وہ ابھی بھی نکرہ ہے۔ جب یہ نکرہ ہے تو یہ رَجُلٌ کے لیے صفت بن سکتا ہے۔ اور اسی وجہ سے مَرَرْتُ بِزَيْدٍ حَسَنِ الْوَجْهِ یہ ترکیب جائز نہیں، اس لیے کیونکہ اس کے اندر زَيْدٍ جو ہے موصوف وہ تو معرفہ ہے، لیکن حَسَنِ الْوَجْهِ جو آگے صفت ہے وہ نکرہ ہے، اور معرفہ کے لیے صفت معرفہ تو آسکتی ہے لیکن نکرہ نہیں آسکتی، اس لیے یہ ترکیب جائز نہیں۔

اور یہ جو تفریع کی وَمِنْ ثَمَّ، میں نے بتلایا تھا ثَمَّ اسمِ اشارہ ہے، اس کے ذریعے ماقبل میں جو حصر ذکر ہوا تھا اس کی طرف اشارہ ہے، اور حصر میں تو تین چیزیں تھیں۔ تو صاحبِ جامی نے آپ کو بتلایا کہ ان تینوں کی طرف اشارہ ہے۔ جب کہ بعض شارحین نے یہاں یہ تقریر کی کہ وَمِنْ ثَمَّ کے ذریعے سارے مجموعے کی طرف اشارہ نہیں ہے، بلکہ صرف اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اضافتِ لفظیہ تعریف کا فائدہ نہیں دیتی، اس لیے مَرَرْتُ بِرَجُلٍ حَسَنِ الْوَجْهِ جائز ہے اور مَرَرْتُ بِزَيْدٍ حَسَنِ الْوَجْهِ جائز نہیں۔ تو معلوم ہوا ان شارحین کے نزدیک یہ اشارہ سارے مجموعے کی طرف نہیں ہے بلکہ مجموعے میں سے صرف ایک چیز کی طرف اشارہ ہے کہ اضافتِ لفظیہ تعریف کا فائدہ نہیں دیتی۔

جب کہ صاحبِ جامی فرماتے ہیں کہ نہیں، یہ پورے مجموعے کی طرف اشارہ ہے۔ صاحبِ جامی نے اس کی وجہ ذکر فرمائی کہ مجموعے پر جب کوئی تفریع کی جائے تو اس کے ساتھ یہ لازم نہیں ہے کہ مجموعے کے ہر ہر جزکا اس تفریع میں دخل ہو، بلکہ اس مجموعے کے کسی ایک جزکا بھی تفریع پر دخل آجائے تو یہ درست ہے بھائی۔ تو مجموعے پر جب بھی تفریع کی جائے تو مجموعے کے ہر ہر جزکا اس تفریع میں دخل ضروری نہیں ہے۔

اور پھر ایک اور تفریع آگے اسی پر کی تھی کہ اضافتِ لفظیہ چونکہ تخفیف کا فائدہ دیتی ہے تو الضَّارِبَا زَیْدٍ اور الضَّارِبُو زَیْدٍ، جس میں تثنیہ اور جمع کی اضافت ہو رہی ہے اسمِ فاعل کی، اور اضافت کی وجہ سے نونِ تثنیہ اور نونِ جمع گر گئے تو تخفیف آ گئی، اس لیے یہ الضَّارِبَا زَیْدٍ اور الضَّارِبُو زَیْدٍ یہ ترکیبیں جائز ہیں۔ جب کہ الضَّارِبُ زَیْدٍ یہ ترکیب جائز نہیں، کیونکہ یہ اضافتِ لفظیہ ہے اور اضافتِ لفظیہ تخفیف کا فائدہ دیتی ہے، اور یہاں کسی قسم کی کوئی تخفیف نہیں آئی بھائی، تو یہ ترکیب جائز نہیں۔

اور پھر صاحبِ جامی نے آپ کو یہ بھی بتلایا تھا کہ مناسب یہ تھا کہ اس تفریع کو مقدم کیا جاتا۔ اور اس کی وجہ کیا ہے؟ میں نے بتلایا تھا کہ پیچھے جو حصر ذکر کیا، وہاں کیا فرمایا صاحبِ کافیہ نے کہ وَلَا تُفِيدُ إِلَّا تَخْفِيفًا فِي اللَّفْظِ، کہ اضافتِ لفظیہ فائدہ نہیں دیتی مگر صرف تخفیف کا۔ تو تخفیف کا ذکر وہاں تھا صراحتاً کہ تخفیف کا فائدہ دیتی ہے، اور تعریف اور تخصیص کا فائدہ نہیں دیتی وہ ضمناً سمجھ میں آرہا تھا۔ تو جو چیز صراحتاً مذکور ہے اس پر جو تفریع کی، یعنی تخفیف صراحتاً مذکور ہے اور اس پر یہ دوسری تفریع مرتب کی ہے، تو اس کو مقدم ہونا چاہیے تھا، اور جو چیز ضمناً سمجھ میں آرہی تھی اس کی تفریع کو بعد میں ہونا چاہیے تھا۔

جب کہ بعض شارحین فرماتے ہیں کہ دوسری تفریع میں صرف تخفیف کا دخل ہے، جب کہ پہلی تفریع جو ہے وہ وجوبِ تخفیف اور انتفائے تعریف یعنی دو چیزوں پر مبنی ہے۔ اس لیے کیونکہ حَسَنِ الْوَجْهِ یہاں حَسَنٌ سے تنوین بھی گری ہے اور نیز تعریف نہیں آئی، تو تخفیف آئی ہے اور تعریف نہیں آئی ہے، تو یہاں دو چیزوں پر یہ تفریع ہے، اور بعد والی تفریع ایک چیز پر ہے۔ تو جو ایک چیز پر تفریع ہے وہ مفرد کے درجے میں ہے، اور جو دو چیزوں پر تفریع ہے وہ مرکب کے درجے میں ہے، لہٰذا مفرد کو مقدم ہونا چاہیے تھا اور مرکب کو مؤخر ہونا چاہیے تھا۔ تو اس لیے اس بعد والی کو مقدم ہونا چاہیے تھا۔ لیکن صاحبِ جامی نے بتلایا کہ اس کو صاحبِ کافیہ نے اس لیے مؤخر کیا کیونکہ اس کے لواحقات یعنی اس سے متعلقہ بحثیں زیادہ ہیں، اور وہ آگے بحثیں اسی سے متعلقہ بحثیں شروع ہو رہی ہیں، اس لیے صاحبِ کافیہ نے اس ثانی تفریع کو مؤخر رکھا، ورنہ اس کو کیا کرنا چاہیے تھا؟ مقدم کرنا چاہیے تھا۔ وجہ سمجھ میں آگئی؟

اور پھر اس کے بعد آگے جو متن ہے وہ متن بھی ہم نے حل کیا تھا۔ صاحبِ کافیہ نے کیا بتلایا کہ الضَّارِبُ زَیْدٍ یہ ترکیب جائز نہیں، کیونکہ یہ اضافتِ لفظی ہے اور اضافتِ لفظی تخفیف کا فائدہ دیتی ہے، اور یہاں پر نہ مضاف میں کوئی تخفیف آئی ہے اور نہ مضاف الیہ میں۔ الضَّارِبُ زَیْدٍ اصل میں کیا تھا؟ الضَّارِبُ زَیْدًا۔ تو الضَّارِبُ اس کی تنوین تو اضافت سے پہلے ہی گر

چکی ہے، تو الضَّارِبُ زَیْدٍ جب آپ نے اضافت کی تو نہ مضاف میں کوئی تخفیف آئی اور نہ مضاف الیہ میں کوئی تخفیف آئی، تو لہذا اس لیے یہ جائز نہیں بھائی۔ بخلاف امام فراء کے، وہ فرماتے ہیں کہ یہ جائز ہے، الضَّارِبُ زَیْدٍ جائز ہے بھائی۔

اور پھر آگے صاحبِ کافیہ نے دو تین اور الگ مسئلے ذکر فرمائے جو اسی قسم کے تھے۔ ایک تو یہ فرمایا کہ وَضَعُفَ الْوَاهِبُ الْمِئَةِ الْهِجَانِ وَعَبْدِهَا۔ میں نے آپ کو بتلایا تھا کہ الْمِئَةِ الْهِجَانِ یہاں تین ترکیبیں ہو سکتی ہیں۔ یا تو الْمِئَةَ کو بناؤ موصوف، الْهِجَانِ کو بناؤ صفت، اور موصوف صفت کا ایک ہی اعراب ہوتا ہے، تو جو اعراب الْمِئَةَ پر آئے گا وہی اعراب الْهِجَانِ پر بھی آئے گا۔ دوسری ترکیب یہ کہ الْمِئَةَ کو بناؤ مبدل منہ اور الْهِجَانِ کو بناؤ بدل، اور مبدل منہ اور بدل کا اعراب بھی ایک ہوتا ہے۔ اور تیسری صورت یہ ہے کہ الْمِئَةِ الْهِجَانِ ان کو آپس میں مضاف مضاف الیہ مان لیں، اور یہ اسی قبیل سے ہو جائے گا وہ جو کوفہ والے نحوی جائز قرار دیتے ہیں الثَّلَاثَةُ الْأَثْوَابِ، کہ عدد کی اضافت جب معدود کی طرف ہو تو عدد کو معرف باللام لانا بھی جائز ہے، اور یہاں پر بھی الْمِئَةِ الْهِجَانِ، مِئَةٌ عدد ہے اور اس کی اضافت ہو رہی ہے معدود کی طرف تو عدد پر الف لام کا لانا جائز ہے، لیکن صاحبِ کافیہ نے اس ترکیب کو ضعیف قرار دیا تھا بھائی۔

اور پھر یہ الْمِئَةِ الْهِجَانِ یہ سارا مجموعہ یہ مفعول بہ ہے الْوَاهِبُ کے لیے۔ تو الْوَاهِبُ الْمِئَةَ الْهِجَانَ، الْوَاهِبُ اسمِ فاعل ہے اور الْمِئَةَ الْهِجَانَ یہ اس کے لیے کیا ہے مفعول بہ، اور پھر اضافت کر دی گئی تو الْوَاهِبُ الْمِئَةِ الْهِجَانِ۔ اور میں نے اس کا معنی بیان کیا تھا کہ یہاں پر هُوَ مبتدا محذوف ہے: هُوَ الْوَاهِبُ الْمِئَةِ الْهِجَانِ وَعَبْدِهَا۔ شاعر کسی کی تعریف کر رہا ہے اور کہتا ہے کہ هُوَ الْوَاهِبُ کہ وہ جو میرا ممدوح ہے جس کی میں مدح کر رہا ہوں، جس کی میں تعریف کر رہا ہوں، وہ عطا کرنے والا ہے الْمِئَةِ الْهِجَانِ سو سفید اونٹنیاں۔ هِجَانٌ سفید اونٹنی کو کہتے ہیں، مذکر کو بھی مؤنث کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے اور مفرد کے لیے بھی اور جمع کے لیے بھی، مفرد بھی هِجَانٌ ہے اور جمع بھی هِجَانٌ۔ تو وہ میرا ممدوح جو ہے وہ سو سفید اونٹنیاں ہبہ کرنے والا ہے، سو سفید اونٹنیاں عطا کرنے والا ہے، وَعَبْدِهَا یہ عَبْدِهَا کا عطف ہے الْمِئَةِ پر، اور الْمِئَةُ مضاف الیہ تھا الْوَاهِبُ کے لیے تو عَبْدِهَا بھی کیا ہے مضاف الیہ، تو یہ مجرور ہے۔

تو وہ میرا ممدوح جو ہے وہ سفید سو اونٹنیاں بھی ہبہ کرنے والا ہے وَعَبْدِهَا اور ان اونٹنیوں کا غلام بھی، یعنی ان کا غلام بھی عطا کرنے والا ہے۔ اس پر آپ کے ذہن میں اشکال آئے گا کہ عَبْدِهَا کہ یہ غلام، غلام تو انسانوں کے ہوتے ہیں، اونٹنیوں کے غلام کا کیا معنی؟ میں نے بتلایا تھا کہ عَبْدِهَا سے مراد ان اونٹنیوں کا چرواہا ہے، اور اس چرواہے کو ان کا غلام کہا کیونکہ جیسے غلام اپنے آقا کی خدمت کے لیے ہر وقت کمر بستہ رہتا ہے، اسی طرح وہ چرواہا بھی ہر وقت اپنے مویشیوں کی حفاظت میں اور ان کی خدمت میں مصروف ہوتا ہے۔

تو یہاں پر آپ کے ذہن میں اشکال آئے گا کہ الْوَاهِبُ الْمِئَةِ، الْوَاهِبُ مضاف، الْمِئَةِ مضاف الیہ، تو یہ تو اضافتِ لفظیہ ہے اور اضافتِ لفظیہ تخفیف کا فائدہ دیتی ہے، اور یہاں پر بھی الْوَاهِبُ پر سے تنوین اضافت سے پہلے ہی گر چکی، تو لہذا یہ

بھی جائز نہیں ہونی چاہیے۔ تو میں نے بتلایا تھا کہ الْوَاهِبُ الْمِئَةِ یہ جائز ہے، آگے آرہا ہے الضَّارِبُ الرَّجُلِ، الضَّارِبُ الرَّجُلِ یہ الضَّارِبُ الرَّجُلِ آپس میں مضاف مضاف الیہ ہیں اور یہ جائز ہے تو الْوَاهِبُ الْمِئَةِ بھی جائز ہے، جس میں مضاف اور مضاف الیہ دونوں معرف باللام ہیں، مضاف صفت کا صیغہ ہے اور مضاف الیہ اسمِ جنس ہے اور دونوں معرف باللام ہیں یعنی مضاف بھی اور مضاف الیہ بھی۔ تو الضَّارِبُ الرَّجُلِ جب جائز ہے تو الْوَاهِبُ الْمِئَةِ بھی جائز ہے۔

لیکن صاحبِ کافیہ نے جو اس ترکیب کو کمزور قرار دیا اور ضعیف قرار دیا وہ الْوَاهِبُ الْمِئَةِ کی وجہ سے نہیں، بلکہ الْوَاهِبُ عَبْدِهَا کی وجہ سے۔ وجہ یہ کہ عَبْدِهَا معطوف ہے اور معطوف کا وہی حکم ہوتا ہے جو معطوف علیہ کا، لہٰذا معطوف علیہ الْمِئَةِ الْهِجَانِ کو ہٹائیں اور اس کی جگہ ذرا عَبْدِهَا کو رکھ دیں، تو عبارت کیا بن گئی؟ الْوَاهِبُ عَبْدِهَا۔ اور الْوَاهِبُ عَبْدِهَا یہ بالکل الضَّارِبُ زَیْدٍ کی طرح ہے، یعنی یہاں کسی قسم کی کوئی تخفیف نہیں آئی۔ جب تخفیف نہیں آئی تو اس کو بھی ممتنع ہونا چاہیے، کیا ہونا چاہیے؟ ممتنع ہونا چاہیے۔ لیکن صاحبِ کافیہ نے اس کو ضعیف قرار دیا۔ تو آپ کے ذہن میں آئے گا کہ الضَّارِبُ زَیْدٍ اس کو تو صاحبِ کافیہ نے ممتنع قرار دیا، اور الْوَاهِبُ عَبْدِهَا یہ بھی اسی جیسی ترکیب بن جاتی ہے، لیکن اسے صاحبِ کافیہ نے صرف ضعیف قرار دیا، اسے بھی ممتنع قرار دینا چاہیے تھا۔ تو میں نے جواب دیا تھا اس کا کہ بھائی چونکہ الْوَاهِبُ براہِ راست عَبْدِهَا کی طرف مضاف نہیں ہے بلکہ عَبْدِهَا معطوف ہے بھائی۔ اگر یہ معطوف علیہ ہوتا، براہِ راست الْوَاهِبُ عَبْدِهَا ہوتا پھر تو یہ ممتنع ہوتا، لیکن چونکہ یہ معطوف ہے اور بہت سی ایسی چیزیں جن کی گنجائش معطوف علیہ میں نہیں ہوتی معطوف میں ان کی گنجائش نکل آتی ہے۔ تو اس لیے اس کو ممتنع قرار نہیں دیا بلکہ ضعیف قرار دیا ہے۔

بہت سی ایسی چیزیں ہیں جن کی گنجائش معطوف علیہ میں نہیں ہوتی، معطوف میں ان کی گنجائش ہوتی ہے۔ جیسے دیکھو یَا حرفِ ندا ہے، اب کوئی معرف باللام ہے اس کو میں یَا کے ساتھ ندا دینا چاہتا ہوں جیسے الْحَارِثُ یا الْحَسَنُ۔ تو اب میں یَا الْحَارِثُ یا یَا الْحَسَنُ نہیں کہہ سکتا کیونکہ یَا بھی آلہ تعریف ہے، یہ جس لفظ پر داخل ہوتا ہے اس کو معرفہ بنا دیتا ہے، الف لام بھی آلہ تعریف ہے، جس لفظ پر داخل ہوتا ہے اس کو معرفہ بنا دیتا ہے۔ تو اگر میں یَا الْحَسَنُ کہوں گا تو یہ تو دو آلہ تعریف کا جمع ہونا لازم آئے گا اور دو آلہ تعریف کا جمع ہونا درست نہیں، لہٰذا پھر درمیان میں أَیُّهَا لے آتے ہیں مذکر کے لیے اور مؤنث کے لیے أَیَّتُهَا لے آتے ہیں، تو یَا أَیُّهَا الْحَارِثُ، یَا أَیُّهَا الْحَسَنُ یوں کہیں گے۔ تو معلوم ہوا معرف باللام پر یَا کا براہِ راست داخل کرنا جائز نہیں، لیکن اسی کو اگر آپ معطوف بنا دیں تو پھر جائز ہو جائے گا۔ مثلاً میں کہتا ہوں یَا زَیْدُ وَالْحَارِثُ، اب جائز ہے۔ حالانکہ معطوف کا وہی حکم ہوتا ہے جو معطوف علیہ کا ہوتا ہے۔ تو یَا زَیْدُ وَالْحَارِثُ اسی طرح ہے جیسے یَا براہِ راست الْحَارِثُ پر داخل ہو رہی ہو، لیکن چونکہ یہ معطوف ہے اس لیے یہ جائز ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟

یا جیسے اسی کی دوسری مثال میں نے ذکر کی تھی جو صاحبِ جامی بھی ذکر کریں گے: رُبَّ شَاةٍ وَسَخْلَتِهَا۔ شَاةٌ میں نے بتایا بھیڑ بکری کو کہتے ہیں، دونوں پر یہ لفظ بولا جاتا ہے، اور سَخْلَةٌ یہ بھیڑ بکری کے بچے کو کہتے ہیں۔ رُبَّ شَاةٍ وَسَخْلَتِهَا بہت

سی بھیڑ بکریاں اور ان کے بچے۔ اب یہ رُبَّ یاد رکھو ہمیشہ نکرہ پر داخل ہوتا ہے، یہ معرفہ پر داخل نہیں ہو سکتا۔ لہٰذا رُبَّ شَاۃٍ دیکھو یہ نکرہ پر داخل ہوا۔ تو رُبَّ سَخْلَتِھَا آپ نہیں کہہ سکتے کیونکہ سَخْلَتِھَا یہ

سَخْلَۃٌ مضاف ہو رہا ہے ھَا ضمیر کی طرف، اور ضمیر معرفہ ہے اور معرفہ کی طرف جو لفظ مضاف ہو جائے وہ بھی کیا بن جاتا ہے؟ معرفہ۔ تو سَخْلَتِھَا اضافت کی وجہ سے معرفہ بن چکا ہے، اب آپ براہِ راست رُبَّ سَخْلَتِھَا نہیں کہہ سکتے۔ لیکن معطوف کی صورت میں یہ جائز ہو جائے گا، آپ کہتے ہیں رُبَّ شَاۃٍ وَسَخْلَتِھَا، اب دیکھو سَخْلَتِھَا یہ معطوف ہے اور معطوف کا وہی حکم ہے جو معطوف علیہ کا ہوتا ہے، تو گویا رُبَّ براہِ راست سَخْلَتِھَا پر داخل ہو رہا ہے، لیکن یہ جائز ہے اس لیے کیونکہ سَخْلَتِھَا وہ معطوف کی صورت میں آیا ہے، براہِ راست اس پر رُبَّ داخل نہیں ہوا۔ تو اس لیے یہاں پر بھی الْوَاھِبِ عَبْدِھَا جو ہے، چونکہ عَبْدِھَا معطوف کی صورت میں آیا ہے اس لیے یہ ترکیب جائز ہے، البتہ ضعیف ہے بھائی۔

پھر اس کے بعد صاحبِ کافیہ نے فرمایا تھا کہ الضَّارِبُ الرَّجُلِ یہ ترکیب بھی جائز ہے۔ وجہ یہ کہ یہ محمول ہے الْحَسَنُ الْوَجْہِ کی جو مختار اور پسندیدہ صورت ہے اس پر محمول ہے۔ الْحَسَنُ الْوَجْہِ کے اندر میں نے بتایا تھا یہاں تین صورتیں ہیں: الْوَجْہُ پر آپ رفع بھی پڑھ سکتے ہیں، نصب بھی اور جر بھی۔ الْحَسَنُ الْوَجْہُ، الْحَسَنُ الْوَجْہَ، الْحَسَنُ الْوَجْہِ۔ تینوں صورتیں جائز ہیں، لیکن ان میں پسندیدہ صورت جو ہے الْحَسَنُ الْوَجْہِ اضافت والی ہے۔ اور رفع کیوں پڑھیں گے؟ میں نے بتایا تھا الْحَسَنُ الْوَجْہُ، یہ الْوَجْہُ پر رفع اس لیے پڑھیں گے کہ یہ الْحَسَنُ کے لیے فاعل ہے، اور فاعل کیا ہوتا ہے؟ مرفوع۔ تو الْحَسَنُ نے الْوَجْہُ کو رفع دیا، یہ اس کے لیے فاعل ہے، اور اب اس صورت میں الْحَسَنُ کے اندر کوئی ضمیر نہیں ہے کیونکہ فاعل ایک ہی آ سکتا ہے، اگر الْحَسَنُ کے اندر ضمیر کو فاعل بنایا تو الْوَجْہُ کو آپ فاعل نہیں بنا سکتے، اور اگر الْوَجْہُ کو فاعل بنایا ہے تو الْحَسَنُ کے اندر کوئی ضمیر نہیں ہے۔ تو لہٰذا الْحَسَنُ الْوَجْہُ اس صورت میں الْحَسَنُ کے اندر کوئی ضمیر نہیں اور الْوَجْہُ کے ساتھ بھی کوئی ضمیر نہیں جڑی ہوئی، لہٰذا یہ پسندیدہ نہیں، کیونکہ صفت کا صیغہ اپنے فاعل وغیرہ سے مل کر شبہِ جملہ بنتا ہے، اور جیسے جملہ کو کسی چیز سے جوڑنے کے لیے ربط ضروری اسی طرح شبہِ جملہ کو بھی جوڑنے کے لیے ربط ضروری ہے، اور یہاں پر کوئی ضمیر نہیں جس کے ذریعے ماقبل سے اس کو ربط دیا جائے، تو اس لیے الْحَسَنُ الْوَجْہُ یہ ترکیب ضعیف ہے۔

اور نیز الْحَسَنُ الْوَجْہَ یہ منصوب ہے الْوَجْہَ، یہ شبیہِ مفعول ہے یا یوں کہیں یہ مشابہِ مفعول ہے بھائی۔ مشابہِ مفعول اس کو قرار دیا، وجہ یہ کہ کلامِ عرب میں ہمیں اس طرح کی مثالیں بعض ملتی ہیں کہ صفتِ مشبہ آگے نصب دے رہی ہے، حالانکہ صفتِ مشبہ وہ تو فعلِ لازم سے بنتی ہے، فعلِ لازم کے لیے تو مفعول بہ آتا ہی نہیں ہے، تو پھر یہ الْحَسَنُ الْوَجْہَ یہ نصب کیسے دے رہی ہے؟ تو اس کو ہم مفعول بہ تو نہیں بنا سکتے، تو پھر علمائے نحو مجبور ہوئے اور انہوں نے اس کا نام مشابہِ مفعول رکھا کہ یہ کیا ہے؟ مشابہِ مفعول ہے، جیسے مفعول بہ منصوب ہوتا ہے یہ بھی صفت کی وجہ سے منصوب ہے، تو یہ مشابہِ مفعول ہے۔ اور یہ ترکیب بھی پسندیدہ نہیں کیونکہ اس صورت کے اندر آپ کو وہ جو منصوب ہے اس کو مشابہِ

مفعول قرار دینا پڑے گا، لہٰذا پسندیدہ صورت کیا ہے؟ اَلْحَسَنُ الْوَجْهِ جر کے ساتھ پڑھا جائے۔ تو جیسے اَلْحَسَنُ الْوَجْهِ جائز ہے، اسی پر حمل کرتے ہوئے اَلضَّارِبُ الرَّجُلِ بھی جائز ہے۔

کیونکہ دونوں ایک جیسے ہیں، دونوں میں مضاف صفت کا صیغہ ہے، اَلْحَسَنُ الْوَجْهِ اس میں حَسَنٌ صفتِ مشبہ ہے اور اَلضَّارِبُ الرَّجُلِ اس کے اندر اسمِ فاعل صفت ہے بھائی۔ تو دونوں کے اندر صفت کا صیغہ مضاف ہے اور آگے مضاف الیہ اسمِ جنس ہے۔ اسمِ جنس کسے کہتے ہیں؟ جو ذاتِ مبہم پر دلالت کرے، اور یہ اَلرَّجُلُ جو ہے اَلضَّارِبُ الرَّجُلِ یہ اَلرَّجُلُ سے الف لام ہٹائیں تو رَجُلٌ اسمِ جنس ہے، یہ ذاتِ مبہم پر دلالت کرتا ہے یعنی کسی غیرِ معین رَجُلٌ پر دلالت کر رہا ہے۔ اور اسی طرح اَلْحَسَنُ الْوَجْهِ کے اندر جو اَلْوَجْهُ ہے اس سے الف لام ہٹا دیں تو وَجْهٌ یہ بھی غیرِ معین وَجْهٌ پر دلالت کر رہا ہے۔ تو اس کو کیا کہتے ہیں؟ اسمِ جنس جو ذاتِ مبہم پر دلالت کرے۔ تو دونوں کے اندر اَلْحَسَنُ الْوَجْهِ اور اَلضَّارِبُ الرَّجُلِ دونوں کے اندر مضاف صفت کا صیغہ ہے اور مضاف الیہ اسمِ جنس ہے اور دونوں معرف باللام ہیں مضاف بھی اور مضاف الیہ بھی۔ تو جب اَلْحَسَنُ الْوَجْهِ جائز ہے تو اسی پر حمل کرتے ہوئے اَلضَّارِبُ الرَّجُلِ بھی جائز ہے کیونکہ وہ بھی اسی جیسا ہے۔

پھر اس کے بعد ایک تیسرا مسئلہ ذکر کیا صاحبِ کافیہ نے کہ ضَارِبُكَ اس پر حمل کرتے ہوئے اَلضَّارِبُكَ بھی جائز ہے اضافت کے ساتھ بعض علمائے نحو کے نزدیک یعنی امام سیبویہ اور ان کے جو متبعین ہیں بھائی۔ یاد رکھو ایک اَلضَّارِبُكَ الف لام کے ساتھ ہے اور ایک ضَارِبُكَ بغیر الف لام کے ہے۔ یہ جو بغیر الف لام کے ہے یہ بالاتفاق مضاف اور مضاف الیہ ہیں۔ علمائے نحو جب بھی اسمِ فاعل اور اسمِ مفعول اس کے ساتھ ضمیرِ متصل آجائے مفعول بہ بھائی، جب بھی اسمِ فاعل اور اسمِ مفعول کے ساتھ ضمیرِ متصل مفعول بہ بن کر آکر ساتھ جڑ جائے تو علمائے نحو ان کے درمیان اضافت کو لازم قرار دیتے ہیں۔ اضافت کو لازم قرار دیتے ہیں اگرچہ یہاں پر اضافت کی وجہ سے کوئی تخفیف نہیں آئی۔ توجہ ہے؟ تو ضَارِبُكَ یہ ضَارِبٌ مضاف ہے اور كَ ضمیر مضاف الیہ، تو یہ محلاً مجرور ہے۔ پہلے یہ کیا تھی؟ مفعول بہ۔ ضَارِبٌ اسمِ فاعل ہے اور كَ ضمیر ساتھ آکر ضمیرِ متصل جڑی تو یہ مفعول بہ ہے، منصوب ہے محلاً، اور پھر اس کی طرف اضافت کو لازم قرار دیتے ہیں علمائے نحو، تو اب یہ مجرور محلاً ہے اضافت کی وجہ سے۔ تو جیسے ضَارِبُكَ اس کے اندر کوئی تخفیف نہیں آئی پھر بھی علمائے نحو اس کے اندر اضافت کو لازم قرار دیتے ہیں، تو امام سیبویہ اور ان کے متبعین فرماتے ہیں اَلضَّارِبُكَ یہ بھی بالکل ضَارِبُكَ جیسا ہی ہے کہ دونوں کے اندر مضاف کیا ہے؟ اسمِ فاعل یا اسمِ مفعول ہے اور آگے ضمیرِ متصل ساتھ جڑی ہوئی ہے جو مفعول بہ ہے۔ تو جب ضَارِبُكَ کے اندر اضافت جائز ہے تو اَلضَّارِبُكَ کے اندر بھی اضافت جائز ہے، تو یہ دونوں آپس میں مضاف مضاف الیہ ہیں، اور جیسے ضَارِبُكَ کے اندر اضافت کی وجہ سے کوئی تخفیف نہیں آئی، اَلضَّارِبُكَ کے اندر بھی اضافت کی وجہ سے کوئی تخفیف نہیں آئی۔

تو باقی عام علمائے نحو جو ہیں وہ اَلضَّارِبُكَ اس کو مضاف مضاف الیہ نہیں بناتے، یہ جس میں اسمِ فاعل معرف باللام

ہے، بلکہ وہ ضمیرِ متصل کو مفعول بہ قرار دیتے ہیں یعنی وہ منصوب ہے محلاً۔ الضَّارِبُكَ تو یہ كَ ضمیر کیا ہے؟ منصوب ہے محلاً۔ اور الضَّارِبُ اسمِ فاعل ہے اور اسمِ فاعل پر یہاں الف لام داخل ہے، اور آپ نے پڑھا ہے اسمِ فاعل پر جو الف لام داخل ہو وہ بمعنی الَّذِي کے ہوتا ہے یعنی اسمِ موصول، تو الضَّارِبُكَ کس معنی میں ہوا؟ الَّذِي يَضْرِبُكَ۔ تو یہ كَ ضمیر کیا ہے؟ منصوب محلاً ہے عام علمائے نحو کے نزدیک، لیکن امام سیبویہ وغیرہ کے نزدیک یہ آپس میں مضاف مضاف الیہ ہیں بھائی، یہ كَ مجرور محلاً ہے، وہ اس کو محمول کرتے ہیں ضَارِبُكَ پر اور ضَارِبُكَ کے اندر تو بالاتفاق یہ آپس میں مضاف مضاف الیہ ہیں، تو الضَّارِبُكَ بھی اس جیسا ہے۔ کس اعتبار سے اس جیسا ہے؟ کہ دونوں میں مضاف کیا ہے؟ صفت کا صیغہ، اور ساتھ مفعول بہ کیا ہے؟ ضمیرِ متصل ہے، اور دونوں کے اندر مضاف سے تنوین اضافت سے پہلے ہی گر چکی ہے۔

تو یہ تین مسئلے بھی صاحبِ کافیہ نے ذکر فرمائے۔ پہلا مسئلہ کیا ذکر فرمایا؟ کہ الضَّارِبُ زَيْدٍ یہ ترکیب ممتنع ہے کیونکہ اضافتِ لفظی ہے اور اضافتِ لفظی کے اندر تخفیف کا آنا واجب ہے۔ اور نیز پھر امام فراء کا اختلاف بھی ذکر فرمایا کہ ان کے نزدیک الضَّارِبُ زَيْدٍ جائز ہے۔ اور پھر اس کے بعد صاحبِ کافیہ نے یہ مسئلہ بھی بتلایا کہ الْوَاهِبُ الْمِئَةِ الْهِجَانِ وَعَبْدِهَا اس کے اندر عَبْدِهَا معطوف ہے اور الْوَاهِبُ عَبْدِهَا والی صورت یہاں بن گئی، اور یہ بالکل الضَّارِبُ زَيْدٍ جیسی ہے، اور الضَّارِبُ زَيْدٍ تو ممتنع تھا، لہٰذا الْوَاهِبُ عَبْدِهَا جو ہے اس کو بھی ممتنع ہونا چاہیے، لیکن چونکہ یہ معطوف کے اندر یہ صورت آئی ہے اس لیے یہ ممتنع تو نہیں، جائز تو ہے لیکن یہ ترکیب ضعیف ہے۔ اور پھر اس کے بعد صاحبِ کافیہ نے بتلایا الضَّارِبُ الرَّجُلِ یہ بھی اضافتِ لفظیہ ہے اور یہاں بھی اضافت کی وجہ سے کوئی تخفیف نہیں آئی، لہٰذا اس کو بھی جائز نہیں ہونا چاہیے تھا لیکن یہ الْحَسَنُ الْوَجْهِ کی مختار صورت پر حمل کرتے ہوئے جائز ہے۔ اور اسی طرح الضَّارِبُكَ یہ بھی بعض علمائے نحو امام سیبویہ وغیرہ کے نزدیک یہ آپس میں مضاف اور مضاف الیہ ہیں اور یہ اضافتِ لفظی ہے اور اس کو جائز نہیں ہونا چاہیے تھا لیکن یہ ضَارِبُكَ بغیر الف لام کے جو اضافت ہے اس پر حمل کرتے ہوئے یہ جائز ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟

اب آئیے آج کے سبق پر۔ بھائی متن تو ہم حل کر چکے تھے اب اس کو شرح کے ساتھ دیکھیے: خِلَافًا لِلْفَرَّاءِ فَإِنَّهُ يُجَوِّزُ تَرْكِيبَ الضَّارِبُ زَيْدٍ إِمَّا لِأَنَّهُ تَوَهَّمَ أَنَّ دُخُولَ لَامِ التَّعْرِيفِ إِنَّمَا هُوَ بَعْدَ الْإِضَافَةِ فَحَصَلَ التَّخْفِيفُ بِحَذْفِ التَّنْوِينِ بِسَبَبِ الْإِضَافَةِ ثُمَّ عُرِّفَ بِاللَّامِ. بھائی میں نے آپ کو بتلایا کہ صاحبِ کافیہ نے کیا بتلایا؟ الضَّارِبُ زَيْدٍ ممتنع ہے، البتہ امام فراء اختلاف فرماتے ہیں، وہ فرماتے ہیں یہ جائز۔ اس کے بعد صاحبِ کافیہ نے ایک الگ مسئلہ ذکر فرمایا کہ الْوَاهِبُ الْمِئَةِ الْهِجَانِ وَعَبْدِهَا یہ ترکیب ضعیف ہے۔ اس کے بعد ایک مسئلہ ذکر فرمایا کہ الضَّارِبُ الرَّجُلِ جائز ہے الْحَسَنُ الْوَجْهِ پر حمل کرتے ہوئے۔ اور پھر ایک مسئلہ ذکر فرمایا الضَّارِبُكَ جو علماء ان کو مضاف مضاف الیہ بناتے ہیں وہ اس کا حمل کرتے ہیں ضَارِبُكَ بغیر الف لام والی صورت پر۔ تو تین مسئلے ذکر کر دیے صاحبِ کافیہ نے۔ پہلے کیا ذکر کیا؟ کہ الضَّارِبُ زَيْدٍ ممتنع ہے، پھر اس کے بعد امام فراء کا اختلاف ذکر کیا اور آگے تین اور اضافتِ لفظی سے متعلق مسئلے ذکر کر دیے۔ تو آپ چاہیں تو یہ جو تین مسئلے اختلاف کے بعد ذکر کیے، چاہیں تو ان کو الگ الگ مسئلے بنا لیں، اور آپ چاہیں تو ان سب کو امام فراء کا جواب بنا

دیں۔ آپ چاہیں تو ان سب کو امام فراء کا جواب بھی بنا سکتے ہیں، اور صاحبِ جامی بھی یہ بات ذکر کریں گے۔

نیز یاد رکھنا اس کے علاوہ صاحبِ کافیہ نے اپنی شرح کے اندر اس کا ایک اور جواب بھی دیا ہے۔ میں نے آپ کو بتلایا تھا کہ صاحبِ کافیہ نے اپنی کتاب کافیہ کی خود بھی ایک شرح لکھی ہے، تو اس کے اندر صاحبِ کافیہ نے امام فراء کو ایک اور جواب بھی دیا ہے۔ تو وہ جواب بھی ملا لیں اور یہ تین جواب بھی ملا لیں تو کل چار جواب ہو جائیں گے امام فراء کو۔ تو آپ چاہیں تو ان سب کو جواب بنا دیں اور آپ چاہیں تو ان تینوں کو وَضَعُفَ الْوَاهِبُ الْمِئَةِ الْهِجَانِ وَعَبْدِهَا سے لے کر آگے تک ان سب کو الگ الگ مسئلے بنا لیں۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو الگ الگ مسئلے کیسے بنیں گے وہ تو میں نے بیان کر دیا کہ ہر ایک کے اندر اضافتِ لفظی ہے، وہاں پر صاحبِ کافیہ نے بتلایا کہ یہ اضافتِ لفظی جائز ہے، یا تو معطوف کے اندر چونکہ یہ آ رہی ہے اس لیے جائز ہے، یا ایک چیز دوسری چیز پر محمول ہونے کی وجہ سے اضافتِ لفظی جائز ہے اگرچہ وہ تخفیف کا فائدہ نہیں دے رہی۔ اور آپ چاہیں تو امام فراء کے لیے جواب بنا دیں، اور وہ ایک جواب جو صاحبِ کافیہ نے اپنی شرح میں دیا ہے وہ صاحبِ جامی بھی ذکر کریں گے۔

پہلا جواب یہ دیں گے کہ صاحبِ کافیہ نے کیا کہا؟ الضَّارِبُ زَیْدٍ ترکیب ممتنع۔ امام فراء کیا فرماتے ہیں؟ الضَّارِبُ زَیْدٍ ترکیب جائز ہے۔ توجہ ہے؟ صاحبِ کافیہ نے کیوں کہا کہ ممتنع ہے؟ کیونکہ الضَّارِبُ زَیْدٍ میں کوئی تخفیف نہیں آئی۔ اور امام فراء فرماتے ہیں کہ یہ جائز ہے۔ کہتے ہیں شاید امام فراء کا یہ خیال ہے کہ یہ جو الضَّارِبُ زَیْدٍ کے اندر الف لام آیا ہے یہ اضافت کے بعد آیا ہے۔ اصل میں تھا ضَارِبٌ زَیْدًا بغیر الف لام کے، ضَارِبٌ زَیْدًا، تو زَیْدًا مفعول بہ تھا، پھر ضَارِبٌ کی اس کی طرف اضافت کی تو ضَارِبٌ سے تنوین گر گئی ضَارِبُ زَیْدٍ، اور ضَارِبُ زَیْدٍ چونکہ ضَارِبٌ ابھی بھی نکرہ ہے لہٰذا اس پر پھر الف لام بھی داخل کر دیا تو کیا بن گیا؟ الضَّارِبُ زَیْدٍ۔ تو یہ اضافتِ لفظی ہے لیکن اس کے اندر الف لام کے داخل ہونے سے پہلے ہی تخفیف آچکی ہے تنوین کے گرنے کی وجہ سے، لہٰذا یہ جائز ہے۔ شاید امام فراء کا یہ خیال ہے کہ یہ الف لام اضافت کے بعد آیا ہے، اس لیے انہوں نے اس کو جائز قرار دیا ہے، لیکن صاحبِ کافیہ نے اپنی شرح کے اندر اس کو رد کیا ہے کہ نہیں یہ بات ظاہر کے خلاف ہے۔ ظاہر یہی ہے کہ الف لام پہلے آیا ہے اور اضافت بعد میں ہوئی ہے۔ جب الف لام پہلے آیا تو تنوین تو الف لام کی وجہ سے گر گئی، تو اضافت نے کسی قسم کی تخفیف کا فائدہ نہیں دیا، لہٰذا یہ جائز نہیں۔

پہلی دلیل اور اس کا رد سمجھ میں آیا؟ دلیل امام فراء نے ذکر نہیں فرمائی لیکن یہ فرماتے ہیں کہ شاید ان کا یہ خیال ہے یہ الف لام اضافت کے بعد آیا ہے، لیکن یہ ان کا کہتے ہیں محض دعویٰ ہی ہے، اس کی کوئی ان کے پاس دلیل موجود نہیں۔ تو یہ ایک دلیل امام فراء کی ذکر کی کہ شاید ان کا یہ خیال ہے، اور اس کو پھر رد بھی کیا۔ دوسری دلیل یہ ذکر کریں گے کہ امام فراء فرماتے ہیں الضَّارِبُ زَیْدٍ جائز ہے، شاید انہوں نے یہ جو شاعر کا شعر ہے الْوَاهِبُ الْمِئَةِ الْهِجَانِ وَعَبْدِهَا، شاید انہوں نے اس سے استدلال کیا ہے۔ اب

الْوَاهِبُ الْمِئَةِ الْهِجَانِ وَعَبْدِهَا اس میں ابھی آپ نے تفصیل پڑھی کہ یہ وَعَبْدِهَا کا عطف کس پر ہے؟ الْمِئَةِ الْهِجَانِ پر۔ اس کو ذرا ہٹائیں اور اس کی جگہ عَبْدِهَا لے آئیں، تو کیا بن گیا؟ الْوَاهِبُ عَبْدِهَا۔ اور الْوَاهِبُ عَبْدِهَا بالکل الضَّارِبُ زَيْدٍ جیسی صورت ہے، جیسے الضَّارِبُ زَيْدٍ میں اضافت کے باوجود کوئی تخفیف نہیں آئی اسی طرح الْوَاهِبُ عَبْدِهَا میں بھی اضافت کی وجہ سے کوئی تخفیف نہیں آئی، لیکن یہ تو ایک عرب کا فصیح و بلیغ شاعر ہے اپنے شعر کے اندر اس کو ذکر کر رہا ہے، اور جب یہ جائز ہے تو الضَّارِبُ زَيْدٍ بھی جائز ہے، وہ بھی اسی کی طرح ہے۔ تو کہتے ہیں شاید امام فراء نے اس شاعر کے اس شعر سے استدلال کیا ہے، لیکن بتلا دیا صاحبِ کافیہ نے کہ نہیں بھائی یہ ترکیب ضعیف ہے، یہ ترکیب فصاحت کے اعتبار سے اتنی قوت والی نہیں ہے کہ آپ اس سے استدلال کر سکیں، لہٰذا امام فراء اس سے بھی استدلال کر کے نہیں کہہ سکتے کہ الضَّارِبُ زَيْدٍ جائز ہے۔

یا تیسری دلیل کہ شاید امام فراء کا یہ خیال ہے کہ الضَّارِبُ زَيْدٍ جائز ہے کیونکہ یہ الضَّارِبُ الرَّجُلِ کی طرح ہے۔ کس کی طرح ہے؟ وہ جو تیسری بات آگے ذکر ہوئی تھی، الضَّارِبُ الرَّجُلِ جو محمول تھا کس پر؟ الْحَسَنُ الْوَجْهِ پر۔ تو شاید امام فراء کا خیال ہے کہ الضَّارِبُ زَيْدٍ اس لیے جائز ہے کیونکہ الضَّارِبُ الرَّجُلِ جائز ہے، اور الضَّارِبُ الرَّجُلِ کے اندر تو اضافت کی وجہ سے کوئی تخفیف نہیں آئی اور پھر بھی وہ جائز ہے، تو الضَّارِبُ زَيْدٍ بھی جائز ہے۔ تو اس کا بھی جواب دے دیا کہ نہیں بھائی کہ الضَّارِبُ زَيْدٍ کو آپ الضَّارِبُ الرَّجُلِ پر محمول نہیں کر سکتے۔ کیوں نہیں کر سکتے؟ اس لیے کیونکہ دونوں ایک جیسے نہیں ہیں بھائی۔ الضَّارِبُ الرَّجُلِ کے اندر جو مضاف الیہ ہے وہ اسمِ جنس ہے الرَّجُلُ، مضاف الیہ کیا ہے؟ اسمِ جنس ہے اور نیز وہ معرف باللام ہے، جب کہ الضَّارِبُ زَيْدٍ کے اندر تو مضاف الیہ زَيْدٌ ہے جو اسمِ جنس نہیں ہے بلکہ علم ہے اور نیز وہ معرف باللام بھی نہیں ہے۔ تو الضَّارِبُ زَيْدٍ یہ الضَّارِبُ الرَّجُلِ کی طرح نہیں، جب یہ اس کی طرح نہیں تو اس کا حکم بھی اس کو نہیں دے سکتے، وہ تو جائز ہے لیکن یہ جائز نہیں۔

چوتھا جواب یہ دیں گے کہ شاید امام فراء کا یہ خیال ہے کہ الضَّارِبُ زَيْدٍ یہ الضَّارِبُكَ، وہ جو ضمیرِ متصل آئی تھی اور وہ صفت کا صیغہ معرف باللام تھا، الضَّارِبُكَ اس کے اندر امام سیبویہ اور ان کے متبعین کیا فرماتے ہیں؟ کہ یہ آپس میں مضاف اور مضاف الیہ ہیں، تو شاید امام فراء کا یہ خیال ہے کہ جیسے الضَّارِبُكَ اس کے اندر اضافت کی وجہ سے کوئی تخفیف نہیں آئی لیکن پھر بھی امام سیبویہ وغیرہ فرماتے ہیں الضَّارِبُكَ کے اندر اضافتِ لفظی ہے اور یہ جائز ہے، تو الضَّارِبُ زَيْدٍ بھی اسی طرح ہے، اس میں بھی کوئی تخفیف نہیں آئی اور یہ بھی جائز۔ تو اس کا بھی جواب دے دیا کہ نہیں الضَّارِبُ زَيْدٍ آپ اس کو الضَّارِبُكَ پر محمول نہیں کر سکتے، کیونکہ الضَّارِبُكَ یہ تو محمول ہے کس پر؟ ضَارِبُكَ بغیر الف لام کے جو ہے اضافت اس پر محمول ہے اور نیز وہ دونوں ایک جیسے ہیں، ضَارِبُكَ اور الضَّارِبُكَ دونوں کے اندر مضاف صفت کا صیغہ ہے اور آگے مضاف الیہ جو ہے وہ ضمیرِ متصل ہے اور دونوں کے اندر اضافت سے پہلے ہی تنوین گر چکی ہے، لیکن الضَّارِبُ زَيْدٍ تو ایسا نہیں،

اس کے اندر تو مضاف الیہ جو ہے وہ ضمیرِ متصل نہیں ہے، تو لہٰذا اس پر بھی محمول نہیں کر سکتے۔

بات سمجھ میں آگئی؟ آپ چاہیں تو وَضَعُفَ الْوَاهِبُ الْمِئَةِ الْهِجَانِ وَعَبْدِهَا اس کو الگ مسئلہ بنا لیں، وَإِنَّمَا جَازَ الضَّارِبُ الرَّجُلِ حَمْلًا عَلَى الْمُخْتَارِ فِي الْحَسَنِ الْوَجْهِ اس کو الگ مسئلہ بنا لیں، اور وَالضَّارِبُكَ وَشِبْهُهُ فِيمَنْ قَالَ إِنَّهُ مُضَافٌ حَمْلًا عَلَى ضَارِبِكَ آپ ان تینوں کو چاہیں تو الگ الگ مسئلے بنا لیں، اور آپ چاہیں تو ان تینوں کو جواب بنا دیں امام فراء کے لیے، اور ایک جواب وہ ہے جو صاحبِ کافیہ نے اپنی شرح کے اندر ذکر کیا تو کل کتنے جواب ہو جائیں گے؟ چار جواب ہو جائیں گے امام فراء کے۔ لہٰذا ان میں سے کسی صورت میں بھی کسی بھی چیز سے امام فراء استدلال نہیں کر سکتے کہ الضَّارِبُ زَیْدٍ جائز ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟

اب دیکھیے شرح کے ساتھ اس سارے کو۔ کہتے ہیں خِلَافًا لِلْفَرَّاءِ بخلاف امام فراء کے، فَإِنَّهُ يُجَوِّزُ تَرْكِيبَ الضَّارِبُ زَيْدٍ اس لیے کیونکہ وہ جائز قرار دیتے ہیں الضَّارِبُ زَيْدٍ کی ترکیب کو، إِمَّا اب وہ وجہ ذکر کریں گے، دیکھو إِمَّا یا تو اس وجہ سے، إِمَّا لِأَنَّهُ تَوَهَّمَ یا تو اس وجہ سے وہ اس کو جائز کہتے ہیں کہ انہوں نے یہ وہم کیا کہ أَنَّ دُخُولَ لَامِ التَّعْرِيفِ إِنَّمَا هُوَ بَعْدَ الْإِضَافَةِ کہ یہ لامِ تعریف جو الضَّارِبُ زَيْدٍ پر داخل ہوا ہے وہ اضافت کے بعد داخل ہوا ہے، فَحَصَلَ التَّخْفِيفُ بِحَذْفِ التَّنْوِينِ تو تخفیف حاصل ہو چکی ہے تنوین حذف ہونے کی وجہ سے بِسَبَبِ الْإِضَافَةِ بسببِ اضافت کے۔ شاید امام فراء کا کیا خیال ہے؟ الضَّارِبُ زَيْدٍ بغیر الف لام کے تھا یعنی اصل میں تھا ضَارِبٌ زَيْدًا، پھر اضافت کی تو تنوین اضافت کی وجہ سے گر گئی۔ یہ معنی ہے فَحَصَلَ التَّخْفِيفُ بِحَذْفِ التَّنْوِينِ بِسَبَبِ الْإِضَافَةِ تو اضافت کی وجہ سے تنوین کے حذف کرنے سے تخفیف حاصل ہو گئی، ثُمَّ عُرِّفَ بِاللَّامِ پھر اس اسمِ فاعل کو معرف باللام کر دیا گیا یعنی اس پر الف لام داخل کر دیا گیا۔ وَأَجَابَ الْمُصَنِّفُ عَنْهُ فِي شَرْحِهِ اور اس کا جواب دیا ہے مصنف نے اپنی شرح کے اندر جو انہوں نے کافیہ کی شرح لکھی ہے بِأَنَّهُ غَيْرُ مُسْتَقِيمٍ کہ یہ بات درست نہیں ہے، لِأَنَّ الْقَوْلَ بِتَأَخُّرِ اللَّامِ الْمُتَقَدِّمَةِ حِسًّا عَلَى الْإِضَافَةِ مُجَرَّدُ ادِّعَاءٍ مُخَالِفٌ لِلظَّاهِرِ، لِأَنَّ الْقَوْلَ بِتَأَخُّرِ اللَّامِ اس لیے کیونکہ یہ قول کرنا کہ لام مؤخر ہے، الْمُتَقَدِّمَةِ حِسًّا وہ لام جو حِسًّا یعنی ظاہری طور پر، وہ لام جو ظاہری اعتبار سے مقدم ہے یعنی لفظوں کے اعتبار سے مقدم ہے بھائی۔ دیکھو الضَّارِبُ زَيْدٍ الف لام شروع میں آرہا ہے تو ظاہر کے اعتبار سے اور لفظوں کے اعتبار سے کیا ہے؟ الف لام مقدم ہے اور نیز وہ لفظوں میں موجود ہے اور اضافت وہ تو ایک معنوی چیز ہے درمیان میں جو ربط موجود ہے۔ تو لہٰذا لِأَنَّ الْقَوْلَ بِتَأَخُّرِ اللَّامِ اس لیے کیونکہ یہ قول کہ لام مؤخر ہے وہ لام الْمُتَقَدِّمَةِ حِسًّا عَلَى الْإِضَافَةِ جو ظاہری طور پر اضافت پر مقدم ہے، حِسّی طور پر وہ لام کیا ہے؟ اضافت پر مقدم ہے۔ تو یہ قول کرنا کہ یہ لام جو ظاہری طور پر اضافت سے مقدم ہے اس لام کے بارے میں یہ کہنا کہ یہ لام مؤخر ہے مُجَرَّدُ ادِّعَاءٍ یہ محض ایک دعویٰ ہی ہے، مُخَالِفٌ لِلظَّاهِرِ جو ظاہر کے مخالف ہے۔ ظاہر یہی ہے کہ الف لام پہلے آتا ہے اور اضافت بعد میں کی جاتی ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟

پھر ترجمہ دیکھ لیجیے، کہتے ہیں لِأَنَّ الْقَوْلَ بِتَأَخُّرِ اللَّامِ الْمُتَقَدِّمَةِ حِسًّا عَلَى الْإِضَافَةِ اس لیے کیونکہ وہ لام جو اضافت پر حِسًّا مقدم ہے اس کے مؤخر ہونے کا قول مُجَرَّدُ ادِّعَاءٍ یہ محض ایک دعویٰ ہی ہے، مُخَالِفٌ لِلظَّاهِرِ اور یہ ظاہر کے مخالف ہے۔ جی یہ پہلی دلیل کا جواب ہو گیا، شاید ان کا خیال تھا کہ یہ الف لام اضافت کے بعد آیا ہے لیکن یہ محض ان کا ایک دعویٰ ہے، ظاہر یہی ہے کہ الف لام مقدم ہے۔

وَإِمَّا اب دوسری دلیل ذکر کریں گے، وَإِمَّا لِمَا وَقَعَ فِي شِعْرِ الْأَعْشَى اور یا امام فراء نے اس ترکیب کو جائز قرار دیا ہے کس لیے؟ لِمَا وَقَعَ فِي شِعْرِ الْأَعْشَى جو اعشیٰ شاعر کے شعر میں واقع ہوا ہے۔ امام فراء نے اس ترکیب کو جائز قرار دیا ہے یا تو اس وجہ سے جو پہلے گزری، وَإِمَّا لِمَا وَقَعَ فِي شِعْرِ الْأَعْشَى یا اس وجہ سے جو اعشیٰ کے شعر میں واقع ہوا ہے مِنْ قَوْلِهِ یعنی کہ اس کا یہ قول الْوَاهِبُ الْمِئَةِ الْهِجَانِ وَعَبْدِهَا یہ والے قول کے اندر۔ اس کے اندر کون سی ترکیب آئی ہے؟ الْوَاهِبُ عَبْدِهَا والی جو ترکیب آ رہی ہے۔ فَإِنَّ قَوْلَهُ اس لیے کیونکہ اعشیٰ کا جو قول ہے وَعَبْدِهَا بِالْجَرِّ جر کے ساتھ مَعْطُوفٌ عَلَى الْمِئَةِ یہ کس پر معطوف ہے؟ الْمِئَةِ پر معطوف ہے، فَصَارَ الْمَعْنَى بِاعْتِبَارِ الْعَطْفِ تو عطف کے اعتبار سے معنی ہو گیا الْوَاهِبُ عَبْدِهَا۔ الْوَاهِبُ عَبْدِهَا ہو گیا، فَهُوَ مِنْ بَابِ الضَّارِبُ زَيْدٍ تو یہ بھی الضَّارِبُ زَيْدٍ کے باب سے ہے یعنی جیسے الضَّارِبُ زَيْدٍ میں اضافت سے کوئی تخفیف نہیں آئی الْوَاهِبُ عَبْدِهَا میں بھی اضافت سے کوئی تخفیف نہیں آئی تو یہ اسی کے باب سے ہوا۔ تو فَكَمَا لَا يَمْتَنِعُ ذَلِكَ حَيْثُ أَتَى بِهِ بَعْضُ الْبُلَغَاءِ لَا يَمْتَنِعُ هَذَا۔ فَكَمَا لَا يَمْتَنِعُ ذَلِكَ تو جیسے وہ ممتنع نہیں ہے کیا؟ الْوَاهِبُ عَبْدِهَا، تو جیسے وہ ممتنع نہیں ہے، حَيْثُ بھائی کیوں، کیسے ممتنع نہیں ہے؟ کہتے ہیں حَيْثُ أَتَى بِهِ بَعْضُ الْبُلَغَاءِ کیونکہ لائے ہیں اس کو بعض بلیغ شعراء، اس کو اپنے کلام کے اندر اپنے اشعار کے اندر لائے ہیں بعض بلیغ شعراء، تو لَا يَمْتَنِعُ هَذَا تو الضَّارِبُ زَيْدٍ یہ بھی ممتنع نہیں ہے۔ عبارت سمجھ میں آ گئی؟ دیکھو حَيْثُ یہ علت بیان کرنے کے لیے بعض اوقات آتا ہے اس کو حَيْثُ تَعْلِيلِيَّة کہتے ہیں، علت بیان کرتا ہے، اور اس کا ترجمہ چونکہ یا کیونکہ کے ساتھ کریں گے۔ اور أَتَى بِهِ، أَتَى يَأْتِي کا معنی ہے آنا اور آپ نے پڑھا ہے کبھی فعل کو متعدی بنانے کے لیے ب لاتے ہیں، تو یہ أَتَى بِهِ یہ ب اس کو متعدی کرنے کے لیے لائی گئی، أَتَى کا معنی آنا اور أَتَى بِهِ کا معنی لانا۔ فَكَمَا لَا يَمْتَنِعُ ذَلِكَ تو کہتے ہیں جیسے الْوَاهِبُ عَبْدِهَا ممتنع نہیں ہے،

حَيْثُ أَتَى بِهِ بَعْضُ الْبُلَغَاءِ کیونکہ بعضے بلیغ اس کو لے کر آئے ہیں یعنی اپنے کلام میں اس کو لے کر آئے ہیں، تو لَا يَمْتَنِعُ هَذَا تو یہ الضَّارِبُ زَيْدٍ یہ بھی ممتنع نہیں کیونکہ یہ بھی الْوَاهِبُ عَبْدِهَا کی طرح ہے۔

فَأَجَابَ الْمُصَنِّفُ عَنْهُ بِقَوْلِهِ تو جواب دیا مصنف نے امام فراء کی اس بات سے بِقَوْلِهِ اپنے اس قول کے ذریعے: وَضَعُفَ الْوَاهِبُ الْمِئَةِ الْهِجَانِ وَعَبْدِهَا، کہتے ہیں کہ ضعیف ہے یہ والی ترکیب۔ یہ والی ترکیب ضعیف ہے۔ يَعْنِي أَنَّ هَذَا الْقَوْلَ ضَعِيفٌ یعنی یہ والا قول یعنی یہ والی ترکیب ضعیف ہے، لَا يَقْوَى فِي الْفَصَاحَةِ یہ قوت والی نہیں ہے فصاحت کے اندر بِحَيْثُ يُسْتَدَلُّ بِهِ اس طور پر کہ اس سے استدلال کیا جائے۔ یعنی یہ جو ترکیب ہے یہ فصاحت کے اندر اتنی قوت والی نہیں

ہے کہ آپ اس سے استدلال کر سکیں، آپ اس کو دلیل بنا سکیں۔ لِمَا عَرَفْتَ مِنِ امْتِنَاعِ مِثْلِ الضَّارِبُ زَيْدٍ جیسے کہ آپ جان چکے ہیں یعنی الضَّارِبُ زَيْدٍ جیسے ترکیبوں کا ممتنع ہونا، الضَّارِبُ زَيْدٍ جیسی ترکیبوں کے ممتنع ہونے کو جیسے کہ آپ جان چکے ہیں اور یہی ترکیب کس کے اندر آگئی؟ اس شعر کے اندر بھی آگئی۔ تو لہٰذا یہ شعر بھی کیا ہے؟ فصاحت کے اعتبار سے کمزور ہے، زیادہ قوت والا نہیں ہے، لہٰذا آپ اس سے استدلال نہیں کر سکتے۔

بات بھی سمجھ میں آرہی ہے یا نہیں؟ اس کے بارے میں صاحبِ جامی اب آگے کچھ اور تفصیل بیان کریں گے۔ دوسری دلیل کیا؟ کہ شاید امام فراء نے الْوَاهِبُ الْمِئَةِ الْهِجَانِ وَعَبْدِهَا اس سے استدلال کیا ہے کیونکہ اس کے اندر الْوَاهِبُ عَبْدِهَا آرہا ہے، الْوَاهِبُ عَبْدِهَا کی ترکیب اس کے اندر آرہی ہے، تو صاحبِ کافیہ نے اس کا جواب دیا کہ آپ اس شعر سے استدلال نہیں کر سکتے۔ کیوں نہیں کر سکتے؟ کیونکہ یہ ترکیب ضعیف ہے۔ کیوں ضعیف ہے؟ کیونکہ الضَّارِبُ زَيْدٍ جیسے ممتنع ہے تو الْوَاهِبُ عَبْدِهَا بھی اسی کی طرح ہے، یہ بھی کیا ہے؟ اس کو بھی ممتنع ہونا چاہیے لیکن چونکہ یہ معطوف کے اندر ہے یہ معاملہ، اس لیے یہ ممتنع تو نہیں البتہ ضعیف ضرور ہے، لہٰذا آپ اس شعر سے بھی استدلال نہیں کر سکتے۔

یہ معنی ہے، ذرا ترجمہ پھر دیکھ لیجیے: يَعْنِي أَنَّ هَذَا الْقَوْلَ ضَعِيفٌ اس لیے کیونکہ یہ قول جو ہے یہ شاعر کا یہ ضعیف ہے، لَا يَقْوَى فِي الْفَصَاحَةِ بِحَيْثُ يُسْتَدَلُّ بِهِ یہ اتنی قوت والا نہیں ہے فصاحت میں کہ اس سے استدلال کیا جائے، لِمَا عَرَفْتَ مِنِ امْتِنَاعِ مِثْلِ الضَّارِبُ زَيْدٍ اس وجہ سے جو آپ جان چکے ہیں یعنی الضَّارِبُ زَيْدٍ جیسی ترکیبوں کا ممتنع ہونا، اس وجہ سے یہ شعر کیا ہے؟ ضعیف ہے کیونکہ اس کے اندر بھی ایسی ہی ترکیب ہے۔ لِعَدَمِ الْفَائِدَةِ فِي الْإِضَافَةِ اس لیے کیونکہ ان میں اضافت کوئی فائدہ نہیں دے رہی، الضَّارِبُ زَيْدٍ میں اضافت کوئی فائدہ نہیں دے رہی یعنی کوئی تخفیف حاصل نہیں ہو رہی۔

وَلَا يَخْفَى أَنَّ فِيهِ شَوْبَ مُصَادَرَةٍ عَلَى الْمَطْلُوبِ۔ یہ مشکل مقام ہے ذرا توجہ سے سمجھ لیں۔ وَلَا يَخْفَى صاحبِ جامی فرماتے ہیں اور یہ بات آپ پر پوشیدہ نہیں، یہ بات آپ پر مخفی نہیں أَنَّ فِيهِ شَوْبَ مُصَادَرَةٍ عَلَى الْمَطْلُوبِ۔ شَوْبٌ کہتے ہیں آمیزش، ایک چیز کو دوسری چیز کے ساتھ ملا دینا، تو یہ جو آمیزش ہے اس کو کیا کہتے ہیں؟ شَوْبٌ۔ اور مُصَادَرَةٌ عَلَى الْمَطْلُوبِ، یاد رکھو مُصَادَرَةٌ عَلَى الْمَطْلُوبِ بھئی یہ علمِ مناظرہ کی اصطلاح ہے بھئی۔ صَادَرَ يُصَادِرُ مُصَادَرَةً کا معنی ہے کہ اصرار کے ساتھ کسی چیز کا مطالبہ کرنا، کسی چیز کے مطالبے پر اصرار کرنا، یہ ہے مُصَادَرَةٌ۔ تو یہ تو لفظی معنی میں نے بیان کیا۔ اصطلاح کے اندر مُصَادَرَةٌ عَلَى الْمَطْلُوبِ اسے کہتے ہیں کہ آپ کی جو دلیل ہے وہی آپ کا دعویٰ بھی ہے۔ یعنی آپ نے دعویٰ ہی کو دلیل بنا دیا۔ بھئی دیکھیے ایک ہوتا ہے دعویٰ اور ایک ہے دلیل۔ دعویٰ اور ہوتا ہے، دلیل اور۔ دعوے کو دلیل کے ذریعے ثابت کیا جاتا ہے۔ لیکن اگر آپ ایک دعویٰ کریں اور پھر جب آپ سے دلیل مانگی جائے، دلیل میں بھی آپ اسی دعوے کو ذکر کر دیں، تو اس کو کیا کہتے ہیں؟ مُصَادَرَةٌ عَلَى الْمَطْلُوبِ بھئی۔

تو اس میں یاد رکھو چار صورتیں ہیں بھئی، چار صورتیں۔ ایک صورت یہ ہے کہ دعوے ہی کو دلیل بنا دیا جائے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ دعوے کو دلیل نہ بنائیں بلکہ دلیل کا جز بنا دیں۔ پہلی صورت کیا؟ دعوے کو ہی دلیل بنا دیں۔ دوسری صورت؟ دعوے کو دلیل کا جز بنا دیں۔ تیسری صورت، دلیل ایسی لے کر آئیں کہ وہ دلیل خود موقوف ہے دعوے پر۔ دعویٰ موقوف تھا کس پر؟ دلیل پر۔ اب آپ نے جو دلیل پیش کی وہ دلیل خود کس پر موقوف ہو گئی؟ دعوے پر موقوف ہو گئی۔ یہ تیسری صورت۔ چوتھی صورت یہ ہے کہ دلیل تو دعوے پر نہیں موقوف لیکن دلیل کا ایک جز دعوے پر موقوف ہے۔ توجہ ہے؟ تو کل کتنی صورتیں؟ چار۔ ایک صورت یہ کہ دعوے ہی کو دلیل بنا دیں۔ دوسری صورت یہ ہے کہ دعوے کو دلیل کا جز بنا دیں۔ تیسری صورت یہ ہے کہ دلیل دعوے پر موقوف ہو جائے۔ چوتھی صورت یہ ہے کہ دلیل کا جز دعوے پر موقوف ہو جائے۔

یہ آپ کے حاشیے میں تفصیل دی ہوئی ہے، وہاں بھی دیکھ لیجیے گا۔ اور یاد رکھو یہ مُصَادَرَةٌ عَلَى الْمَطْلُوبِ باطل ہے کیونکہ اس صورت میں دور لازم آتا ہے۔ اس صورت میں کیا لازم آتا ہے؟ دور۔ دور کہتے ہیں تَوَقُّفُ الشَّيْءِ عَلَى مَا يَتَوَقَّفُ عَلَى ذَلِكَ الشَّيْءِ، ایک شے اس چیز پر موقوف ہو جائے کہ وہ شے خود اس پر موقوف ہے۔ تَوَقُّفُ الشَّيْءِ عَلَى مَا يَتَوَقَّفُ عَلَى ذَلِكَ الشَّيْءِ۔ اور اس میں یاد رکھو پھر کسی ایک چیز کا بھی پتا نہیں چلتا۔ مثلاً پہلی چیز کا پتا تب چلے گا جب دوسری چیز کا پتا چلے، اور دوسری چیز کا پتا تب چلے گا جب پہلی چیز کا پتا چلے، تو اس کو دور کہتے ہیں۔ جیسے کوئی شخص کسی سے پوچھتا ہے کہ زید کا گھر کہاں ہے؟ وہ دوسرا جواب دیتا ہے کہ بکر کے گھر کے سامنے۔ وہ پھر پہلا پوچھتا ہے بکر کا گھر کہاں ہے؟ تو وہ کہتا ہے زید کے گھر کے سامنے۔ اب دیکھو اس میں ایک بھی چیز کا پتا نہیں چل سکتا، نہ زید کے گھر کا پتا چل سکتا ہے اور نہ بکر کے گھر کا۔ اس لیے کیونکہ زید کا گھر کہاں ہے؟ بکر کے گھر کے سامنے، اور بکر کا گھر کہاں ہے؟ زید کے گھر کے سامنے۔ دیکھو اب ایک کا بھی پتا نہیں چل سکتا، زید کے گھر کا تب پتا چلے گا جب آپ کو بکر کے گھر کا پتا چلے، اور بکر کے گھر کا آپ کو تب پتا چلے گا جب آپ کو زید کے گھر کا پتا چلے، تو ایک کا بھی پتا نہیں چل سکتا۔ زید کے گھر کا پتا موقوف ہو گیا بکر کے گھر پر اور بکر کے گھر کا پتا موقوف ہو گیا زید کے گھر پر، تو ایک کا بھی پتا نہیں چل سکتا بھئی۔ بات سمجھ میں آ گئی؟ تو اس کو دور کہتے ہیں۔ تو یہ جو مُصَادَرَةٌ عَلَى الْمَطْلُوبِ ہے اس میں دور لازم آتا ہے اس لیے یہ باطل ہے۔ اور لفظی معنی میں نے بیان کر دیا مُصَادَرَةٌ عَلَى الْمَطْلُوبِ، مطلوب کہتے ہیں وہ دعویٰ جو ہے۔ مُصَادَرَةٌ عَلَى الْمَطْلُوبِ دعوے پر اصرار کرنا، متکلم کیا کر رہا ہے؟ اپنے دعوے پر اصرار کر رہا ہے، اور دلیل مانگو تو دلیل میں یا وہی دعویٰ ذکر کرتا ہے یا وہ دعویٰ دلیل کا جز ہوتا ہے یا وہ دلیل ایسی ذکر کرتا ہے جو خود اس دعوے پر موقوف ہے یا اس دلیل کا جز جو ہے وہ دعوے پر موقوف ہوتا ہے، تو چاروں صورتوں میں دور لازم آتا ہے۔

تو صاحبِ جامی فرما رہے ہیں: وَلَا يَخْفَى أَنَّ فِيهِ شَوْبَ مُصَادَرَةٍ عَلَى الْمَطْلُوبِ، اور یہ بات مخفی نہیں ہے کہ اس کے اندر مُصَادَرَةٌ عَلَى الْمَطْلُوبِ کی آمیزش ہے۔ اس جواب کے اندر، یہ جو ذکر کیا وَضَعْفُ الْوَاهِبُ الْمِئَةِ الْهِجَانِ وَعَبْدِهَا، اس

جواب کے اندر مُصَادَرَةٌ عَلَى الْمَطْلُوبِ کی آمیزش ہے۔ یعنی مُصَادَرَةٌ عَلَى الْمَطْلُوبِ تو نہیں ہے لیکن اس کی آمیزش ہے اس جواب کے اندر۔ وہ کس طرح ہے؟ اس کو سمجھنے کے لیے ذرا اپنے سامنے لکھیے بھئی، یہ اپنے سامنے ایک صورت بنا لیں پھر آپ کو بات سمجھ میں آجائے گی۔

لکھیے جی ایک نمبر لکھیے ایک، اور اس کے گرد دائرہ لگا دیجیے۔ ایک لکھیے اور اس کے گرد دائرہ لگا دیجیے، اور اس کے ساتھ لکھ لیجیے دعویٰ۔ دعویٰ۔ اس سے دو تین انچ دور لکھ لیجیے دو نمبر لکھیے۔ دو نمبر اور اس کے گرد بھی دائرہ لگا لیجیے، اور اس کے ساتھ لکھیے نقیضِ دعویٰ۔ نقیضِ دعویٰ۔ نقیضِ دعویٰ لکھ لیں یا خلافِ دعویٰ لکھ لیں جو آپ کو آسان لگے۔ بھئی دعویٰ مثلاً کیا ہے صاحبِ کافیہ کا؟ کہ الضَّارِبُ زَیْدٍ ممتنع ہے۔ توجہ ہے؟ اور امام فراء کیا کہتے ہیں؟ کہ الضَّارِبُ زَیْدٍ جائز ہے۔ تو ان کا جو دعویٰ ہے وہ صاحبِ کافیہ کے دعوے کی نقیض ہے۔ تو نمبر ایک کیا ہے؟ فرض کرو یہ صاحبِ کافیہ کا دعویٰ ہے اور یہ کیا؟ الضَّارِبُ زَیْدٍ ممتنع ہے۔ اور نمبر دو امام فراء کا دعویٰ ہے اور وہ خلافِ دعویٰ ہے یعنی صاحبِ کافیہ کے دعوے کے خلاف ہے یعنی وہ فرماتے ہیں الضَّارِبُ زَیْدٍ جائز ہے۔

اب یہ جو آپ نے نقیضِ دعویٰ لکھا اس سے کوئی ایک دو سطریں نیچے چھوڑ کر لکھیے دلیل بھئی۔ دلیل۔ اور اس کو تین نمبر دے دیجیے، اس دلیل کو تین نمبر دے دیجیے۔ اور جو ایک نمبر دعویٰ لکھا تھا اس کے نیچے بھی دو تین سطریں چھوڑ کر نیچے لکھ لیجیے دلیل بھئی، اور اس کو چار نمبر دے دیجیے۔ اب یہ جو ایک نمبر دعویٰ ہے اس سے لکیر کھینچیں چار نمبر دلیل تک۔ اسی طرح دو نمبر جو نقیضِ دعویٰ ہے اس سے لکیر کھینچیے تین نمبر دلیل تک۔ بات سمجھ میں آگئی؟ یہ ہر دعوے کے نیچے اس کی دلیل آگئی۔

پھر سمجھ لیں مُصَادَرَةٌ عَلَى الْمَطْلُوبِ کسے کہتے ہیں؟ ایک نمبر ذرا دعوے پہ نظر رکھیں اور اس کے نیچے چار نمبر دلیل پہ نظر رکھیں۔ مُصَادَرَةٌ عَلَى الْمَطْلُوبِ اسے کہتے ہیں کہ جو آپ کا دعویٰ ہو اسی کو آپ کیا بنا دیں؟ دلیل بھی بنا دیں یا اس کو دلیل کا جز بنا دیں یا آپ نے دعوے کے لیے جو دلیل ذکر کی وہ دلیل خود موقوف ہے دعوے پر، دعویٰ موقوف تھا کس پر؟ دلیل پر، اور دلیل خود موقوف ہے دعوے پر یا دلیل کا ایک جز جو ہے وہ موقوف ہے دعوے پر، یہ ہے مُصَادَرَةٌ عَلَى الْمَطْلُوبِ۔

اب دیکھیے بھئی تو اب یہ دو نمبر جو نقیضِ دعویٰ ہے یہ امام فراء کا مذہب ہے، وہ کیا فرماتے ہیں؟ الضَّارِبُ زَیْدٍ جائز ہے۔ اور انہوں نے کیا دلیل ذکر کی؟ الْوَاهِبُ الْمِئَةِ الْهِجَانِ وَعَبْدِهَا، مثلاً انہوں نے یہ دلیل ذکر کی ہے۔ تو یہاں توجہ سے دیکھو یہ جو نمبر ایک دعویٰ ہے صاحبِ کافیہ کا، توجہ ہے؟ یہ کب ثابت ہوگا؟ جب صاحبِ کافیہ یہ جو تین نمبر دلیل ہے اس کو باطل کر دیں گے۔ یہ دلیل کس کی ہے؟ نقیضِ دعویٰ کی یعنی امام فراء کے مذہب کی۔ جب یہ دلیل باطل ہو جائے گی تو ان کا دعویٰ بھی کیا ہو جائے گا؟ باطل ہو جائے گا اور صاحبِ کافیہ کا دعویٰ ثابت ہو جائے گا۔ بات سمجھ میں آگئی؟ پھر سنو، یہاں پر

ایک نمبر جو دعویٰ ہے صاحبِ کافیہ کا یعنی الضَّارِبُ زَیْدٍ ممتنع ہے یہ تب ثابت ہو گا جب تین نمبر جو دلیل ہے یعنی نقیضِ دعویٰ کی، وہ نقیضِ دعویٰ کی جب دلیل باطل ہو گی تو نقیضِ دعویٰ یعنی الضَّارِبُ زَیْدٍ کا جواز بھی کیا ہو جائے گا؟ باطل ہو جائے گا اور صاحبِ کافیہ کا مذہب ثابت ہو جائے گا۔

تو یہاں دیکھو بھئی دلیل کیا تھی؟ الْوَاهِبُ الْمِئَةِ، یہ یعنی تین نمبر پہ نظر رکھیں، یہ الْوَاهِبُ الْمِئَةِ الْهِجَانِ وَعَبْدِهَا، اور کیا کہا؟ یہ ضعیف ہے۔ کیوں ضعیف ہے؟ کیونکہ الْوَاهِبُ عَبْدِهَا کی صورت بن گئی اور الْوَاهِبُ عَبْدِهَا کی صورت ضعیف ہے، کیوں ضعیف ہے؟ کیونکہ یہ الضَّارِبُ زَیْدٍ جیسی ہے۔ تو دلیل کو باطل کرنے کے لیے اپنے دعوے کو دلیل بنا دیا۔ ان کی دلیل کو باطل کرنے کے لیے اپنے دعوے کو دلیل بنا دیا، تو دیکھو اس میں مُصَادَرَةٌ عَلَى الْمَطْلُوبِ کی آمیزش ہے۔ مُصَادَرَةٌ عَلَى الْمَطْلُوبِ تو نہیں، مُصَادَرَةٌ عَلَى الْمَطْلُوبِ تو تب لازم آتا جب اپنے دعوے کو ثابت کرنے کے لیے اسی دعوے کو دلیل بناتے یا دلیل کا جز بناتے وغیرہ۔ لیکن اپنے دعوے کو ثابت کرنے کے لیے دلیل نہیں بنایا بلکہ مخالف کا جو دعویٰ تھا اس کی دلیل کو، اس کی دلیل کو جو تین نمبر ہے جو مخالف کی دلیل ہے، اس کو باطل کرنے کے لیے اپنے دعوے کو دلیل بنا دیا۔ بات سمجھ میں آگئی؟

اس کے نیچے ذرا دو چار لائنیں بھی لکھ لیجیے تاکہ بات پوری آپ کے ذہن میں رہے۔ نیچے لکھیے: دعویٰ تب ثابت ہو گا، دعویٰ تب ثابت ہو گا جب نقیضِ دعویٰ کی دلیل باطل ہو گی۔ جب نقیضِ دعویٰ کی دلیل باطل ہو گی۔ لکھ لیا؟ پھر دیکھیے: دعویٰ تب ثابت ہو گا جب نقیضِ دعویٰ کی دلیل باطل ہو گی، اور یہاں اور یہاں نقیضِ دعویٰ کی دلیل کو، اور یہاں نقیضِ دعویٰ کی دلیل کو باطل کرنے کے لیے، کو باطل کرنے کے لیے خود دعویٰ کو ہی دلیل بنا دیا گیا۔ خود دعویٰ کو ہی دلیل بنا دیا گیا۔ یعنی، یعنی اپنے دعوے کے ذریعے، یعنی اپنے دعوے کے ذریعے مخالف کی دلیل کو

باطل کر کے، مخالف کی دلیل کو باطل کر کے اپنے دعوے کو ثابت کیا گیا۔ اپنے دعوے کو ثابت کیا گیا۔

بات سمجھ میں آگئی؟ دعویٰ کب ثابت ہو گا ایک نمبر؟ جب تین نمبر دلیل کیا ہو جائے گی؟ باطل۔ جب تین نمبر دلیل باطل ہو گی تو دو نمبر دعویٰ بھی کیا ہو جائے گا؟ باطل۔ جب وہ باطل ہو جائے گا تو ایک نمبر دعویٰ کیا ہو جائے گا؟ ثابت۔ توجہ ہے؟ پھر نقشے پہ نظر رکھو۔ ایک نمبر دعویٰ کب ثابت ہو گا؟ جب دوسرے دعوے کی جو دلیل ہے یعنی تین نمبر دلیل ہے، یہ دلیل جب باطل ہو جائے گی تو دو نمبر یعنی نقیضِ دعویٰ کیا ہو جائے گا؟ وہ بھی باطل۔ جب وہ باطل ہو گا تو ایک نمبر دعویٰ کیا ہو جائے گا؟ ثابت ہو جائے گا۔ لیکن یہاں پر اس تین نمبر دلیل کو باطل کرنے کے لیے کس کو دلیل بنایا؟ اپنے ہی دعوے کو دلیل بنا دیا۔ کہ یہ الْوَاهِبُ الْمِئَةِ الْهِجَانِ وَعَبْدِهَا کیوں ضعیف ہے؟ کیونکہ یہ الضَّارِبُ زَیْدٍ جیسا ہے۔ بھائی یہی تو آپ کا دعویٰ تھا آپ باطل کیسے کر سکتے ہیں دوسرے کی دلیل کو اس کے ذریعے؟ بات سمجھ میں آگئی؟ تو دیکھو اپنے دعوے کے ذریعے مخالف کی دلیل کو باطل کر کے اپنے دعوے کو کیا کر دیا گیا؟ ثابت کر دیا گیا۔ تو یہ مُصَادَرَةٌ عَلَى الْمَطْلُوبِ تو نہیں لیکن اس میں مُصَادَرَةٌ عَلَى الْمَطْلُوبِ کی آمیزش ہے۔ مُصَادَرَةٌ عَلَى الْمَطْلُوبِ کب ہوتا؟ مُصَادَرَةٌ عَلَى الْمَطْلُوبِ تب ہوتا

اگر اپنے دعوے کے اثبات کے لیے جو چار نمبر دلیل ہے وہ عینِ دعویٰ ہوتی یا دعوے کا جز ہوتی یا دعوے پر موقوف ہوتی یا اس کا جزدعوے پر موقوف ہوتا، پھر ہونا تھا مُصَادَرَةٌ عَلَى الْمَطْلُوبِ۔ تو یہاں یہ چار نمبر دلیل کی وجہ سے ہوتا تو پھر تو مُصَادَرَةٌ ہونا تھا، لیکن یہ دلیل کیسے بنائی؟ کہ تین نمبر جو مخالف کی دلیل ہے اس کو باطل کیا اپنے دعوے کے ذریعے، تو مُصَادَرَةٌ عَلَى الْمَطْلُوبِ تو نہیں لیکن مُصَادَرَةٌ عَلَى الْمَطْلُوبِ کی آمیزش ہے اس کے اندر۔ بات اچھی طرح سمجھ میں آگئی؟ یہ مشکل مقام تھا چلیے حل ہوا بھائی۔

تو کہتے ہیں وَلَا يَخْفَى أَنَّ فِيهِ شَوْبَ مُصَادَرَةٍ عَلَى الْمَطْلُوبِ اور یہ بات پوشیدہ نہیں ہے کہ اس کے اندر مُصَادَرَةٌ عَلَى الْمَطْلُوبِ کی آمیزش ہے۔ اللَّهُمَّ إِلَّا أَنْ يُقَالَ۔ اللَّهُمَّ إِلَّا أَنْ يُقَالَ کے ذریعے کمزور جواب ذکر کیا جاتا ہے، انتہائی کمزور جواب اس کو اللَّهُمَّ إِلَّا أَنْ يُقَالَ کے ذریعے ذکر کیا جاتا ہے، اور تقدیرِ عبارت یوں ہے: اللَّهُمَّ لَا مَخْلَصَ لِي عَنْ هَذَا الِاعْتِرَاضِ، اے اللہ میرے لیے اس اعتراض سے چھٹکارے کی کوئی صورت نہیں إِلَّا أَنْ يُقَالَ مگر یہ کہ یوں کہا جائے۔ یوں کہہ کر اب آگے کمزور سا جواب ذکر کر دیں گے اور کوئی جواب نہیں اس کا۔ تو اللَّهُمَّ إِلَّا أَنْ يُقَالَ کے ذریعے بھی کمزور جواب ذکر ہوتا ہے، وَقَدْ يُجَابُ اس کے ذریعے بھی کمزور جواب ذکر ہوتا ہے۔ تو اب صاحبِ جامی جواب دیں گے: اللَّهُمَّ إِلَّا أَنْ يُقَالَ مگر یہ کہ یوں کہا جائے الْمُرَادُ بِهِ کہ مراد یہ ہے یعنی صاحبِ کافیہ کی مراد یہ ہے کہ أَنَّهُ ضَعِيفٌ فِي الِاسْتِدْلَالِ بِهِ کہ یہ جو اعشیٰ، یہ جو شاعر کا شعر ہے اس سے استدلال کرنا ضعیف ہے۔

پیچھے آئیے۔ یہ جو متن آیا تھا: وَضَعُفَ الْوَاهِبُ الْمِئَةِ الْهِجَانِ وَعَبْدِهَا۔ وَضَعُفَ اور ضعیف ہے، کیا بتلایا تھا؟ یہ ترکیب ضعیف ہے۔ یہ ترکیب ضعیف ہے، یہ پہلا جواب تھا اور اس میں مُصَادَرَةٌ عَلَى الْمَطْلُوبِ کی آمیزش تھی۔ اور کیوں ضعیف ہے؟ کیوں کمزور ہے یہ ترکیب؟ کہتے ہیں کیونکہ یہ الضَّارِبُ زَيْدٍ جیسی ہے۔ اور دوسرا جواب اب دینے لگے ہیں صاحبِ جامی، وہ فرماتے ہیں ضَعُفَ کا یہ معنی نہیں ہے کہ یہ ترکیب ضعیف ہے۔ یہ ترکیب ٹھیک ہے، یوں کہو، دوسرا جواب سنو: یہ ترکیب ٹھیک ہے لیکن اس سے استدلال ضعیف ہے۔ یہ ترکیب ٹھیک ہے لیکن اس سے استدلال ضعیف ہے بھائی۔ فرق سمجھ میں آگیا دونوں میں؟ کہتے ہیں: اللَّهُمَّ إِلَّا أَنْ يُقَالَ مگر یہ کہ یوں کہا جائے الْمُرَادُ بِهِ کہ یہ جو ضَعُفَ ذکر کیا گیا اس سے مراد یہ ہے کہ أَنَّهُ ضَعِيفٌ فِي الِاسْتِدْلَالِ بِهِ کہ یہ شعر ضعیف ہے اس بات میں کہ اس سے استدلال کیا جائے۔ معلوم ہوا ترکیب کے اعتبار سے ضعیف نہیں بلکہ استدلال کے اعتبار سے ضعیف ہے، اس سے استدلال نہیں کر سکتے۔

کیوں؟ کہتے ہیں إِذْ لَا نَصَّ فِيهِ عَلَى الْجَرِّ اس لیے کیونکہ اس کے اندر کوئی نص نہیں ہے جر پر، کوئی نص نہیں ہے جر پر یعنی، یعنی یہ جو وَعَبْدِهَا آیا ہے یہ عَبْدِ کے جر پر کوئی نص کوئی صراحت نہیں ہے بھائی کوئی تصریح نہیں کی علماء نے۔ تو یہ جواب دیا جا سکتا ہے کہ إِذْ لَا نَصَّ فِيهِ عَلَى الْجَرِّ کہ یہ وَعَبْدِهَا پر جر کی کوئی تصریح نہیں ہے، فَإِنَّهُ يَحْتَمِلُ النَّصْبَ کیونکہ یہ نصب کا بھی احتمال رکھتا ہے کہ وَعَبْدِهَا نہ ہو وَعَبْدَهَا ہو دال پر فتحہ ہو۔ فَإِنَّهُ يَحْتَمِلُ النَّصْبَ یہ نصب کا بھی احتمال رکھتا ہے حَمْلًا عَلَى الْمَحَلِّ محل پر حمل کرتے ہوئے۔ بھائی میں نے بتلایا تھا الْوَاهِبُ الْمِئَةِ الْهِجَانِ اصل میں تھا الْوَاهِبُ الْمِئَةَ

الْهِجَانَ، یہ الْمِئَةَ الْهِجَانَ مفعول بہ ہے، اور پھر اس کی طرف الْوَاهِبُ کی اضافت کر دی گئی تو الْوَاهِبُ الْمِئَةِ الْهِجَانِ ہو گیا۔ تو الْمِئَةِ الْهِجَانِ لفظوں کے اعتبار سے مجرور ہے مضاف الیہ ہے لیکن محلاً منصوب ہے کیونکہ یہ مفعول بہ ہے الْوَاهِبُ کے لیے، صفت کا صیغہ مضاف ہو رہا ہے اپنے معمول یعنی مفعول بہ کی طرف، تو الْمِئَةَ الْهِجَانَ یہ کیا ہے؟ محل کے اعتبار سے منصوب ہے مفعول بہ ہے اور لفظوں کے اعتبار سے مجرور ہے مضاف الیہ ہے۔ تو وَعَبْدَهَا اس کو بھی منصوب پڑھیں کس پر حمل کرتے ہوئے؟ الْمِئَةِ الْهِجَانِ کے محل پر حمل کرتے ہوئے۔ محل کے اعتبار سے وہ منصوب ہے مفعول بہ ہے۔ تو یہ معنی ہے کیونکہ فَإِنَّهُ يَحْتَمِلُ یہ جو وَعَبْدِهَا ہے یہ احتمال رکھتا ہے النَّصْبَ نصب کا بھی حَمْلًا عَلَى الْمَحَلِّ اس الْمِئَةِ الْهِجَانِ کے محل پر حمل کرتے ہوئے۔ أَوْ عَلَى أَنَّهُ مَفْعُولٌ مَعَهُ یا یہ منصوب ہے اس بات پر حمل کرتے ہوئے کہ یہ مفعول معہ ہے۔ وَعَبْدَهَا کیا ہے؟ مفعول معہ۔ مفعول معہ کسے کہتے ہیں؟ جو واو بمعنی مَعَ کے بعد آئے اور منصوب ہوتا ہے، جَاءَنِي زَيْدٌ وَعَمْرًا، جَاءَنِي زَيْدٌ وَعَمْرًا أَيْ جَاءَنِي زَيْدٌ مَعَ عَمْرٍو، تو یہ واو بمعنی مَعَ کے بعد جو آتا ہے اسے مفعول معہ کہتے ہیں اور منصوب ہوتا ہے آپ پڑھ چکے ہیں۔ کہتے ہیں أَوْ عَلَى أَنَّهُ مَفْعُولٌ مَعَهُ یا یہ محمول ہے مفعول معہ ہونے پر یعنی یہ منصوب ہے۔

أَوْ لِأَنَّهُ قَدْ يُتَحَمَّلُ یہ تیسری وجہ ذکر کر رہے ہیں۔ ایک جواب کیا دیا؟ کہ اس کے اندر جر کی کوئی تصریح ہی نہیں ہے ہو سکتا ہے یہ کیا ہو وَعَبْدِهَا مجرور نہ ہو بلکہ منصوب ہو۔ یا یہ کہہ سکتے ہیں آپ کہ یہ مجرور تو ہے وَعَبْدِهَا لیکن یہ معطوف ہے، یہ کیا ہے؟ یہ معطوف ہے اور معطوف کے اندر ان چیزوں کی گنجائش ہوتی ہے جس کی معطوف علیہ میں گنجائش نہیں۔ لہٰذا الْوَاهِبُ عَبْدِهَا بن گیا لیکن کیا یہ براہِ راست بنا یا معطوف کے طور پر بنا؟ معطوف کے طور پر بنا، تو معطوف کے طور پر تو اس میں گنجائش نکل آئی الْوَاهِبُ عَبْدِهَا لیکن الضَّارِبُ زَيْدٍ یہاں تو عطف نہیں ہے یہاں تو براہِ راست الضَّارِبُ زَيْدٍ پر داخل ہو رہا ہے، تو الْوَاهِبُ عَبْدِهَا کی تو گنجائش نکل آتی ہے لیکن الضَّارِبُ زَيْدٍ کی تو گنجائش نہیں نکلتی۔ جی، بات سمجھ میں آ گئی؟ أَوْ لِأَنَّهُ قَدْ يُتَحَمَّلُ فِي الْمَعْطُوفِ مَا لَا يُتَحَمَّلُ فِي الْمَعْطُوفِ عَلَيْهِ یا اس لیے کیونکہ معطوف کے اندر برداشت کر لیا جاتا ہے مَا لَا يُتَحَمَّلُ فِي الْمَعْطُوفِ عَلَيْهِ جس کو معطوف علیہ میں برداشت نہیں کیا جاتا، یا یوں ترجمہ کر لیں: أَوْ لِأَنَّهُ قَدْ يُتَحَمَّلُ فِي الْمَعْطُوفِ مَا لَا يُتَحَمَّلُ فِي الْمَعْطُوفِ عَلَيْهِ یا اس لیے کیونکہ معطوف کے اندر گنجائش ہوتی ہے اس چیز کی جس کی معطوف علیہ میں گنجائش نہیں ہوتی۔ بات سمجھ میں آ گئی؟ بامحاورہ ترجمہ، ورنہ تَحَمُّل کا معنی ہے برداشت کرنا، تو معطوف میں وہ چیز برداشت کر لی جاتی ہے جس کو معطوف علیہ میں برداشت نہیں کیا جاتا۔ كَمَا فِي رُبَّ شَاةٍ وَسَخْلَتِهَا، رُبَّ شَاةٍ وَسَخْلَتِهَا بہت سی بھیڑ بکریاں اور ان کے بچے۔ حَيْثُ جَازَ هَذَا التَّرْكِيبُ کیونکہ یہ ترکیب جائز ہے وَلَمْ يَجُزْ رُبَّ سَخْلَتِهَا اور رُبَّ سَخْلَتِهَا جائز نہیں ہے بِإِدْخَالِ رُبَّ عَلَى سَخْلَتِهَا بایں صورت کہ رُبَّ کو ہی سَخْلَتِهَا پر داخل کر دیا جائے بِدُونِ الْعَطْفِ بغیر عطف کے، کیونکہ رُبَّ ہمیشہ کس پر داخل ہوتا ہے؟ نکرہ پر داخل ہوتا ہے معرفہ پر داخل نہیں ہوتا، تو رُبَّ کو سَخْلَتِهَا پر براہِ راست داخل نہیں کر سکتے۔

وَالْبَيْتُ بِتَمَامِهِ اور پورا شعر یوں ہے: الْوَاهِبُ الْمِئَةِ الْهِجَانِ وَعَبْدِهَا ... عُوذًا يُزَجِّي خَلْفَهَا أَطْفَالَهَا۔ توجہ ہے؟ پھر دیکھیے: الْوَاهِبُ الْمِئَةِ الْهِجَانِ وَعَبْدِهَا ... عُوذًا يُزَجِّي خَلْفَهَا أَطْفَالَهَا۔ شعر کا معنی یہیں سمجھ لیں: الْوَاهِبُ الْمِئَةِ الْهِجَانِ وَعَبْدِهَا اور میرا جو ممدوح ہے وہ سفید سو اونٹنیاں بھی ہبہ کرنے والا ہے وَعَبْدِهَا اور ان کا غلام بھی۔ عُوذًا، عُوذٌ جمع ہے عَائِذٌ کی بھائی، اور آپ کو بتلائیں گے صاحبِ جامی کہ عَائِذٌ وہ اونٹنی جو نئے بچوں والی ہو یعنی جس نے نیا نیا بچوں کو جنم دیا ہو، اس کو کیا کہتے ہیں؟ عَائِذٌ۔ اور اس کی جمع کیا ہے؟ عُوذٌ۔ اور یہ حال واقع ہو رہا ہے الْمِئَةِ سے، اور الْمِئَةِ معنی کے اعتبار سے کیا ہے؟ مفعول بہ ہے، اور حال بھی کس کی حالت بیان کرتا ہے؟ فاعل کی یا مفعول کی۔ تو یہ عُوذًا اس حال میں کہ وہ جو اونٹنیاں ہیں وہ نئے بچوں والیاں ہیں، وہ اونٹنیاں نئے بچوں والیاں ہیں۔ زَجَّى يُزَجِّي، زَجَّى يُزَجِّي کا معنی ہوتا ہے نرمی سے ہانکنا۔ جانوروں کے ریوڑ کو ہانکا جاتا ہے تو نرمی سے جانوروں کے ریوڑ کو آرام سے ہانکنا اس کو کیا کہتے ہیں؟ زَجَّى يُزَجِّي۔ اور يُزَجِّي غائب کا صیغہ ہے، واحد مذکر غائب کا صیغہ ہے اور اس کے اندر ضمیر جو ہے وہ عَبْدٌ کو لوٹ رہی ہے۔ يُزَجِّي وہ غلام جو ہے ان کو ہانک رہا ہے خَلْفَهَا ان اونٹنیوں کے پیچھے، وہ غلام ہانک رہا ہے خَلْفَهَا ان اونٹنیوں کے پیچھے کس چیز کو ہانک رہا ہے؟ أَطْفَالَهَا ان کے بچوں کو۔ وہ غلام ان اونٹنیوں کے پیچھے ان کے بچوں کو ہانک رہا ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ پھر ترجمہ دیکھیے: الْوَاهِبُ الْمِئَةِ الْهِجَانِ وَعَبْدِهَا میرا ممدوح جو ہے وہ سو سفید اونٹنیاں اور ان کا چرواہا جو ہے وہ عطا کرنے والا ہے، عُوذًا اس حال میں کہ وہ جو اونٹنیاں ہیں وہ نئے بچوں والیاں ہیں، يُزَجِّي خَلْفَهَا أَطْفَالَهَا اور وہ جو چرواہا ہے وہ جو ان کا غلام ہے وہ ان اونٹنیوں کے بچوں کو ان اونٹنیوں کے پیچھے نرمی سے ہانک رہا ہے۔ ترجمہ سمجھ میں آگیا؟ جی، يُزَجِّي یہ واحد مذکر غائب کا صیغہ ہے اور ضمیر کس کو راجع؟ عَبْدٌ کو۔ کون ہانک رہا ہے؟ توجہ ہے؟ کون ہانک رہا ہے؟ وہ غلام، اور کس کو ہانک رہا ہے؟ أَطْفَالَهَا یہ أَطْفَالَهَا مفعول بہ ہے۔ اور آگے صاحبِ جامی بتلائیں گے کہ یہ يُزَجِّي بھی ہو سکتا ہے اور ہو سکتا ہے یہ مؤنث مجہول کا صیغہ ہو تُزَجَّى ہانکا جا رہا ہے کس کو؟ أَطْفَالَهَا ان اونٹنیوں کے بچوں کو۔ تو اس صورت میں تُزَجَّى فعلِ مجہول ہو گا اور أَطْفَالُهَا اس کے لیے نائب فاعل بن جائے گا۔ توجہ ہے؟ پہلے يُزَجِّي کے اندر ضمیر کس کو راجع؟ فاعل کون ہے؟ وہ عَبْدٌ بھائی۔ اور أَطْفَالَهَا اس کے لیے کیا بن رہا تھا؟ مفعول۔ اور اگر اس کو تُزَجَّى پڑھا جائے پھر؟ پھر أَطْفَالُهَا اس کے لیے نائب الفاعل بنے گا، پھر کیا ترجمہ ہو گا؟ کہ تُزَجَّى خَلْفَهَا أَطْفَالُهَا ان اونٹنیوں کے پیچھے ان کے بچوں کو ہانکا جا رہا ہے۔

دیکھیے اب یہ ساری تشریح کریں گے صاحبِ جامی: أَيْ مَمْدُوحُهُ الْوَاهِبُ الْمِئَةِ الْهِجَانِ یعنی شاعر کا جو ممدوح ہے جس کی وہ مدح کر رہا ہے وہ سفید سو اونٹنیاں ہبہ کرنے والا ہے، جی الْهِجَانِ کا کیا معنی ہے؟ أَيِ الْبِيضِ مِنَ النُّوقِ، بِيضٌ جمع ہے أَبْيَضُ کی، نُوقٌ جمع ہے نَاقَةٌ کی، الْمِئَةِ الْهِجَانِ کا ترجمہ کر رہے ہیں: أَيِ الْبِيضِ مِنَ النُّوقِ یعنی کہ سفید مِنَ النُّوقِ اونٹنیوں میں سے، يَسْتَوِي فِيهِ الْجَمْعُ وَالْوَاحِدُ اور اس هِجَانٌ کے اندر جمع اور واحد برابر ہیں یعنی مفرد بھی هِجَانٌ اور جمع بھی هِجَانٌ۔ وَالْهِجَانُ صِفَةٌ لِلْمِئَةِ أَوْ بَدَلٌ عَنْهَا میں نے آپ کو تین ترکیبیں بتائی تھیں: الْمِئَةِ الْهِجَانِ، مِئَةٌ کو بناؤ موصوف، الْهِجَانِ کو بناؤ اس کی صفت؛ دوسری ترکیب کیا؟ مِئَةٌ کو بناؤ مبدل منہ اور الْهِجَانِ کو بناؤ بدل؛ اور تیسری ترکیب کیا تھی؟ کہ یہ الثَّلَاثَةِ الْأَثْوَابِ

کی قبیل سے ہے، آپس میں مضاف اور مضاف الیہ ہیں۔ تو کہتے ہیں وَالْهِجَانُ صِفَةٌ لِلْمِئَةِ أَوْ بَدَلٌ عَنْهَا اور یہ الْهِجَانِ کا لفظ یہ مِئَةٌ کے لیے صفت ہے أَوْ بَدَلٌ عَنْهَا یا اس سے بدل ہے، أَوْ مِنْ قَبِيلِ الثَّلَاثَةِ الْأَثْوَابِ كَمَا هُوَ مَذْهَبُ الْكُوفِيَّةِ اور یا یہ الثَّلَاثَةِ الْأَثْوَابِ کی قبیل سے ہے جیسے کہ کوفہ والوں کا مذہب ہے۔ كُوفِيَّةِ اس کے اندر یہ یا مشدد ہے نسبت والی ہے، توجہ ہے؟

لاہوری اور لاہوریت، اسی طرح کوفی اور کوفیت، كَمَا هُوَ مَذْهَبُ الْكُوفِيَّةِ جیسے کہ کوفہ والوں کا مذہب ہے۔ جیسے کہ کوفہ والوں کا مذہب ہے۔ اور ان کی طرف دیکھو جمع ہے اور جمع بتاویلِ جماعت کس کے حکم میں ہوتی ہے؟ واحد مؤنث، اسی لیے الْكُوفِيَّةِ کہا، یہ هِيَ ضمیر تمام کوفہ والے علمائے نحو کی طرف راجع کر دی، تو جمع بتاویلِ جماعت کس کے حکم میں؟ واحد مؤنث تو ان کی طرف واحد مؤنث کی ضمیر راجع کی، کیونکہ میں نے بتایا تھا کہ یہ جو اسمِ منسوب ہوتا ہے اس کے اندر بھی ضمیر ہوتی ہے۔ یہ اسمِ منسوب ہے دیکھو مفعول وزن پر، تو اس کے لیے نائب فاعل چاہیے، تو لاہوری کے اندر لاہوری اسمِ منسوب ہے اور اس کے اندر هُوَ ضمیر نائب الفاعل ہے، اور لاہوریت یہ مؤنث ہے اس کے اندر هِيَ ضمیر نائب الفاعل ہے، تو اسی طرح الْكُوفِيَّةِ اس کے اندر بھی هِيَ ضمیر نائب الفاعل ہے بھائی۔ كَمَا هُوَ مَذْهَبُ الْكُوفِيَّةِ جیسے کہ کوفہ والوں کا مذہب ہے۔

وَعَبْدِهَا أَيْ رَاعِيهَا، میں نے بتایا تھا عَبْدِهَا ان اونٹنیوں کا غلام، غلام تو اونٹنیوں کا نہیں ہوتا غلام تو انسانوں کا ہوتا ہے، تو جواب دیا تھا کہ غلام سے کیا مراد ہے؟ ان کا چرواہا، وہی ذکر کر رہے ہیں: وَعَبْدِهَا أَيْ رَاعِيهَا یعنی ان کا چرواہا، تَشْبِيهًا لَهُ بِالْعَبْدِ اس چرواہے کو تشبیہ دیتے ہوئے غلام کے ساتھ لِقِيَامِهِ بِحَقِّ خِدْمَتِهَا اس وجہ سے کہ وہ ان کی خدمت کے حق کے لیے کھڑا رہتا ہے۔ چرواہا جانوروں کی خدمت کے حق میں کھڑا رہتا ہے جیسے کہ غلام آقا کی خدمت کے لیے تیار رہتا ہے۔ أَوْ عَبْدِهَا حَقِيقَةً یا یہ عَبْدِهَا یہ حقیقتاً ہے یعنی حقیقتاً ان کا غلام ہے۔ حقیقتاً ان کے غلام کا کیا معنی؟ یعنی، یعنی وہ متعین ہی ان کی خدمت کے لیے ہے۔ توجہ ہے؟ دیکھو پہلی صورت میں عَبْدِهَا معلوم ہوا عَبْدٌ بول کر رَاعٍ مراد ہے یعنی حقیقی معنی میں عَبْدٌ استعمال نہیں، دوسری صورت میں عَبْدٌ بول کر عَبْدٌ ہی مراد ہے یعنی حقیقت میں وہ ان اونٹنیوں کا غلام ہے۔ بھائی حقیقت میں کیسے غلام ہے؟ کہتے ہیں معنی یہ ہے کہ وہ متعین ہی ان کی خدمت کے لیے ہے اور کسی کی خدمت وہ کرتا ہی نہیں، تو گویا وہ حقیقت میں ہی ان کا غلام ہے۔ وہ غلام تو ان اونٹنیوں کے مالک کا ہے لیکن اس کو اس نے متعین ہی ان اونٹنیوں کی خدمت اور حفاظت کے لیے کر دیا ہے، تو ان اونٹنیوں کے ساتھ بھی اس غلام کا تعلق آگیا، لہٰذا ان کے غلام کہنا بھی صحیح ہوا۔ وہ غلام تو اونٹنیوں کے مالک کا ہے لیکن مالک نے متعین ہی کس لیے کیا ہے؟ اونٹنیوں کے لیے متعین کیا ہے، تو اونٹنیوں کے ساتھ بھی اس غلام کا تعلق آگیا یا نہیں آگیا؟ لہٰذا انہی کا غلام کہنا بھی ٹھیک ہو گیا۔ بات سمجھ میں آ گئی؟ کہتے ہیں: أَوْ عَبْدِهَا حَقِيقَةً یا حقیقتاً ان کا غلام جو ہے وہ مراد ہے بِإِضَافَتِهِ لِأَدْنَى مُلَابَسَةٍ کہ اس کی اضافت کی گئی ہے

ادنیٰ ملابست کی وجہ سے، ادنیٰ کا معنی کچھ تھوڑا سا، تھوڑا، اور ملابست تعلق، ادنیٰ تعلق کی وجہ سے اس کی اضافت کر دی گئی۔ جیسے میں نے بیان کیا غلام تو کس کا ہے؟ آقا کا ہے لیکن اس کو اس نے مقرر ہی کس لیے کیا ہے؟ ان اونٹنیوں کے لیے مقرر کیا ہے، تو اونٹنیوں کے ساتھ بھی ادنیٰ ملابست اور ادنیٰ تعلق آگیا یا نہیں آگیا؟ تو گویا انہی کا غلام ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو اس صورت میں عَبْدٌ کا لفظ اپنے حقیقی معنی میں ہے، پہلی صورت میں عَبْدٌ بمعنی رَاعٍ اور دوسری صورت میں عَبْدٌ اپنے حقیقی معنی میں۔

آگے دیکھیے بھائی: عُوذًا بِالذَّالِ الْمُعْجَمَةِ جَمْعُ عَائِذٍ أَيْ حَدِيثَاتِ النَّتَائِجِ۔ عُوذًا میں نے آپ کو بتلایا عُوذٌ جمع ہے عَائِذٍ کی اور عَائِذٌ وہ اونٹنی جو نئے بچے والی ہو یعنی جس نے نئے نئے ابھی بچوں کو جنم دیا ہو۔ تو کہتے ہیں عُوذًا بِالذَّالِ الْمُعْجَمَةِ کہ عُوذًا ذالِ معجمہ کے ساتھ ہے۔ عَجَمَ يَعْجُمُ کے معنی ہوتے ہیں نقطہ لگانا، یعنی یہ ذالِ معجم کے ساتھ ہے، نقطے والے ذال کے ساتھ ہے۔ ایک ہے دال وہ بغیر نقطے کے ہے اور ذال کیا ہے؟ نقطے والا۔ تو بعض اوقات بھئی ہمارے علماء کا طریقہ ہے جب کسی لفظ کے اشتباہ کا خطرہ ہو، ایک میں نقطہ آتا ہے ایک میں نقطہ نہیں آتا، تو وہاں لفظوں میں اس کی صراحت کر دیتے ہیں۔ مثلاً جیسے دال وہ بغیر نقطے کے ہے اور ذال وہ نقطے کے ساتھ ہے، تو پھر اب جب ذال لکھیں گے تو وہاں لفظوں میں لکھ دیں گے کہ یہ نقطے کے ساتھ ہے، اور اگر دال لکھنا ہو جہاں اشتباہ کا خطرہ ہو تو وہاں وہ لفظوں میں لکھ دیتے ہیں یہ بغیر نقطے کے ہے، تاکہ اگر کاتب غلطی سے نقطہ ڈالنا چاہیے تھا وہ نہیں ڈالتا یا وہ نقطہ نہیں ڈالنا چاہیے تھا وہ غلطی سے نقطہ ڈال دیتا ہے تو پڑھنے والے کو پتا چل جائے۔ تو یہاں مُعْجَمٌ کا کیا معنی؟ نقطے والا۔ اسی طرح را اور زا، دیکھو را بغیر نقطے کے ہے اور زا نقطے کے ساتھ ہے، تو جہاں اشتباہ کا خطرہ ہو لفظ را کے ساتھ ہے تو پھر وہاں وہ لکھ دیتے ہیں کہ یہ بغیر نقطے کے ہے، یا زا ہے وہ نقطے والی ہے اور اشتباہ کا خطرہ ہے کہ کوئی را نہ پڑھ دے اس کو یا کوئی کاتب نقطہ بھول جائے، تو وہاں پھر وہ لکھ دیتے ہیں کہ نقطے والا ہے۔ اب اگر وہ نقطہ بھول بھی جائے، یہ الْمُعْجَمَةِ نقطے والا یہ پورا لفظ جب آگے آگیا تو پڑھنے والا سمجھ جائے گا کہ یہ دال نہیں ہے بلکہ ذال ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو اسی لیے کہا: عُوذًا بِالذَّالِ الْمُعْجَمَةِ کہ یہ ذالِ معجم کے ساتھ ہے یعنی نقطے والے ذال کے ساتھ ہے، یہ دال نہیں ہے بھائی۔ کہتے ہیں بِالذَّالِ الْمُعْجَمَةِ جَمْعُ عَائِذٍ یہ عَائِذٌ کی جمع ہے أَيْ حَدِيثَاتِ النَّتَائِجِ یعنی حَدِيثَاتُ النَّتَائِجِ۔ حَدِيثٌ کا معنی ہے نیا، کوئی نئی چیز ہو اس کو کیا کہتے ہیں؟ حَدِيثٌ۔ اور نَتَائِجُ جمع ہے نَتِيجَةٌ کی، اور نَتِيجَةٌ کا ایک معنی آتا ہے اونٹنی کا بچہ۔ حَدِيثَاتُ النَّتَائِجِ جو نئی بچوں والیاں ہیں بھائی۔ أَيْ حَدِيثَاتِ النَّتَائِجِ، حَالٌ مِنَ الْمِئَةِ یہ حال ہے الْمِئَةِ سے۔

يُزَجِّي بِالزَّايِ الْمُعْجَمَةِ اور يُزَجِّي جو ہے یہ زائے معجمہ کے ساتھ ہے یعنی زا کے ساتھ ہے را کے ساتھ نہیں ہے، وَالْجِيمِ اور جیم کے ساتھ ہے، عَلَى صِيغَةِ الْمَعْلُومِ الْمُذَكَّرِ اور یہ معلوم مذکر کا صیغہ ہے یعنی يُزَجِّي ہے، أَيْ يَسُوقُ میں نے بتلایا تھا زَجَّى يُزَجِّي کا کیا معنی ہے؟ ہانکنا، نرمی سے ہانکنا۔ أَيْ يَسُوقُ یعنی ہانک رہا ہے، وَفَاعِلُهُ ضَمِيرُ الْعَبْدِ اور فاعل اس کا جو ہے وہ عَبْدٌ کی ضمیر ہے اس کے اندر، وَأَطْفَالَهَا مَنْصُوبٌ عَلَى الْمَفْعُولِيَّةِ اور أَطْفَالَهَا منصوب ہے مفعول ہونے کی وجہ

سے۔ أَوْ عَلَى صِيغَةِ الْمَجْهُولِ الْمُؤَنَّثِ یا یہ جو يُزَجِّي ہے یہ مجہول مؤنث کے صیغے پر ہے یعنی يُزَجِّي نہیں ہے بلکہ تُزَجَّى ہے، صیغہ کون سا ہے؟ مؤنث کا اور مجہول ہے، تو تُزَجَّى۔ أَوْ عَلَى صِيغَةِ الْمَجْهُولِ الْمُؤَنَّثِ یا یہ مجہول مؤنث کے صیغے پر ہے وَأَطْفَالُهَا مَرْفُوعٌ عَلَى أَنَّهُ مَفْعُولُ مَا لَمْ يُسَمَّ فَاعِلُهُ اور أَطْفَالُهَا مرفوع ہے اس بنا پر کہ یہ اس کے لیے مفعول ما لم یسم فاعلہ ہے یعنی نائب الفاعل ہے۔

وَحَقِيقَةُ الْأَمْرِ لَا تَنْكَشِفُ إِلَّا بَعْدَ مَعْرِفَةِ حَرَكَةِ حَرْفِ الرَّوِيِّ مِنَ الْقَصِيدَةِ۔ صاحبِ جامی نے آپ کو بتلایا کہ یا تو يُزَجِّي ہے واحد مذکر غائب کا صیغہ ہے اور أَطْفَالُهَا اس کے لیے مفعول ہے، اور یا تُزَجَّى ہے واحد مؤنث غائب کا مجہول کا صیغہ ہے اور أَطْفَالُهَا اس کے لیے نائب الفاعل ہے۔ آگے فرما رہے ہیں صاحبِ جامی کہ حقیقتِ حال کا پورا پتا نہیں چل سکتا جب تک قصیدے کا جو حرفِ روی ہے اس کی حرکت کا پتا نہ چل جائے، جب تک قصیدے کا جو حرفِ روی... قصیدے کے اندر ہر شعر کا جو آخری متحرک حرف ہے اس کو حرفِ روی کہتے ہیں، اور اسی پر قصیدے کی بنیاد ہوتی ہے، اگر آخر میں دال آرہا ہے تو اس کو قصیدہ دالیہ کہتے ہیں، اگر آخر میں لام ہے تو اس کو قصیدہ لامیہ کہتے ہیں۔ بات سمجھ میں آگئی؟ اور پھر اس کا شاعر اہتمام کرتا ہے، قصیدے کے آغاز میں حرفِ روی جو آرہا ہے تمام اشعار میں وہ اسی وزن پر وہی حرف لے کر آتا ہے، تمام اشعار میں اسی وزن پر اور وہی حرف وہ ہر شعر کے آخر میں لے کر آتا ہے۔ تو یہاں پر أَطْفَالُهَا ہے یا أَطْفَالُهَا ہے؟ أَطْفَالُهَا ہے تو پیچھے يُزَجِّي پڑھنا پڑے گا، اور أَطْفَالُهَا ہے تو پیچھے تُزَجَّى پڑھنا پڑے گا۔ تو کیا پڑھیں گے یہاں پر؟ تو صاحبِ جامی فرما رہے ہیں جب تک حرفِ روی جو قصیدے کا آخری حرف ہے اس کی حرکت کا پتا نہیں چلتا قصیدے میں سے تب تک یہ فیصلہ نہیں ہو سکتا کہ یہ أَطْفَالُهَا ہے یا أَطْفَالُهَا ہے۔ تو یہاں پر حرفِ روی جو ہے نا لَهَا ہے لَهَا، اب یہ لَهَا ہے تو ہر شعر جس قصیدے سے یہ شعر لیا گیا ہے اس کے ہر شعر کے آخر میں لَهَا آئے گا، اور اگر حرفِ روی جو ہے وہ لُهَا ہے یعنی لام کے ضمہ کے ساتھ ہے تو پھر قصیدے کے تمام اشعار میں اس طرح ہو گا تو یہاں بھی پھر اسی طرح، تو یہ قصیدے کے باقی اشعار سے پتا چل سکتا ہے۔ معلوم ہوا یہ شعر جس قصیدے سے لیا گیا وہ قصیدہ صاحبِ جامی کی نظر میں نہیں آیا یا اس کو کس نے ذکر عام نہیں کیا، تو اس لیے انہوں نے کہا دونوں احتمال ہیں دونوں میں ذکر کر دیتا ہوں، لیکن حقیقتِ امر کا پتا نہیں چل سکتا جب تک قصیدے کے حرفِ روی کی حرکت کا پتا نہ چل جائے۔

تو کہتے ہیں: وَحَقِيقَةُ الْأَمْرِ لَا تَنْكَشِفُ، اِنْكَشَفَ يَنْكَشِفُ کا معنی ہے کھلنا، ظاہر ہونا، وَحَقِيقَةُ الْأَمْرِ لَا تَنْكَشِفُ اور معاملے کی حقیقت نہیں کھل سکتی إِلَّا بَعْدَ مَعْرِفَةِ حَرَكَةِ حَرْفِ الرَّوِيِّ مِنَ الْقَصِيدَةِ مگر بعد اس کے کہ جب جان لیا جائے قصیدے میں سے حرفِ روی کی حرکت کو، پھر اس کے بعد ہی پتا چل سکتا ہے کہ أَطْفَالُهَا پڑھنا ہے یا أَطْفَالُهَا پڑھنا ہے۔ أَطْفَالُهَا پڑھنا ہے تو پیچھے يُزَجِّي پڑھنا پڑے گا، اور أَطْفَالُهَا پڑھنا ہے تو پیچھے تُزَجَّى پڑھنا پڑے گا مجہول کا صیغہ۔ بات سمجھ میں آگئی؟ حل ہو گیا۔ چلیے بس بھائی هَذَا هُوَ الْمَرَامُ وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْكَلَامِ۔

سبق نمبر ۱۹۱: الاضافۃ(۸): «اَلضَّارِبُ الرَّجُلِ» اور «اَلضَّارِبُکَ» کے جواز کی توجیہ

شرحِ ملا جامی صفحہ: ۱۷۰ — بتاریخ: ۱۲ ستمبر ۲۰۲۲ء

▪ تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث

آگے سبق دیکھیے بھائی: وَإِمَّا لِأَنَّهُ قَاسَهُ عَلَى الضَّارِبِ الرَّجُلِ وَالضَّارِبِكَ فَأَجَابَ الْمُصَنِّفُ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَى عَنْهُ بِقَوْلِهِ، وَإِنَّمَا جَازَ الضَّارِبُ الرَّجُلِ يَعْنِي كَانَ الْقِيَاسُ عَدَمَ جَوَازِهِ لِانْتِفَاءِ التَّخْفِيفِ لِزَوَالِ التَّنْوِينِ بِاللَّامِ،لَكِنَّهُ جَازَ حَمْلًا عَلَى الْوَجْهِ الْمُخْتَارِ فِي الْحَسَنُ الْوَجْهِ وَهُوَ جَرُّ الْوَجْهِ بِالْإِضَافَةِ۔

بھائی بحث یہ چل رہی تھی کہ صاحبِ کافیہ نے بتلایا تھا کہ اضافتِ لفظیہ جو ہے تخفیف کا فائدہ دیتی ہے، وہ تعریف اور تخصیص کا فائدہ نہیں دیتی۔ تو اضافتِ لفظیہ چونکہ صرف تخفیف کا فائدہ دیتی ہے، تو اضافتِ لفظیہ میں تخفیف کا ہونا واجب ہے، کیونکہ اور تو یہ کوئی فائدہ ہی نہیں دیتی، صرف تخفیف ہی کا تو فائدہ دے رہی ہے، تو تخفیف کا ہونا واجب ہے۔ تخفیف ہوگی تو اضافتِ لفظیہ جائز ہے، تخفیف نہیں تو اضافتِ لفظیہ بھی جائز نہیں۔ چنانچہ پھر صاحبِ کافیہ نے بتلایا کہ الضَّارِبَا زَيْدٍ اور الضَّارِبُو زَيْدٍ یہ جائز ہیں، کیونکہ یہاں اضافتِ لفظی ہے اور اضافت کی وجہ سے نونِ تثنیہ اور نونِ جمع گر گئے ہیں۔ لیکن الضَّارِبُ زَيْدٍ جائز نہیں کیونکہ یہ اضافتِ لفظی ہے اور یہاں کسی قسم کی کوئی تخفیف نہیں آئی، نہ مضاف میں تخفیف آئی ہے اور نہ مضاف الیہ میں۔ اور پھر آگے ذکر کیا کہ امام فراء اس کے اندر اختلاف کرتے ہیں، وہ فرماتے ہیں الضَّارِبُ زَيْدٍ جائز ہے۔

اور پھر آگے صاحبِ کافیہ نے تین الگ مسئلے ذکر فرمائے۔ ایک مسئلہ تو یہ ذکر فرمایا کہ الْوَاهِبُ الْمِائَةِ الْهِجَانِ وَعَبْدِهَا، اس کے اندر وَعَبْدِهَا کا عطف الْمِائَةِ الْهِجَانِ پر ہے، اور معطوف کا وہی حکم ہوتا ہے جو معطوف علیہ کا۔ تو معطوف علیہ کو ذرا ہٹائیں اور اس کی جگہ معطوف لے آئیں، تو معنی کے اعتبار سے گویا عبارت یوں ہو گئی: الْوَاهِبُ عَبْدِهَا۔ تو یہ بالکل الضَّارِبُ زَيْدٍ جیسی صورت بن گئی۔ تو چنانچہ یہ صورت جو ہے، یہ، یہ جو شعر ہے یہ ترکیب کے اعتبار سے ضعیف ہے۔ تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ الضَّارِبُ زَيْدٍ تو ممتنع تھا، تو یہ الْوَاهِبُ عَبْدِهَا اس کو بھی ممتنع ہونا چاہیے، لیکن صاحبِ کافیہ نے اس کو

ضعیف قرار دیا۔ تو جواب میں نے ذکر کیا تھا کہ اگر یہ براہِ راست مضاف الیہ ہوتا عَبْدِهَا، پھر تو یہ ممتنع ہوتا، لیکن یہ بواسطہ عطف کے ہے، یہ بواسطہ عطف کے ہے۔ تو معطوف کے اندر بہت سی ایسی چیزوں کی گنجائش نکل آتی ہے جن کی گنجائش معطوف علیہ میں نہیں ہوتی۔ تو یہاں پر بھی یہ وَعَبْدِهَا معطوف ہے، اور اس کی وجہ سے صورت بن رہی ہے الضَّارِبُ زَيْدٍ کی، تو لہٰذا اس لیے اس کو صاحبِ کافیہ نے ممتنع قرار نہیں دیا بلکہ ضعیف قرار دیا ہے۔ تو یہ ایک مسئلہ ذکر فرمایا کہ یہ ترکیب کیا ہے؟ ضعیف ہے اگرچہ اس کے اندر بھی الضَّارِبُ زَيْدٍ جیسی صورت بن رہی ہے۔

اور پھر بتلایا کہ الضَّارِبُ الرَّجُلِ یہاں پر بھی اضافتِ لفظی ہے اور اس کو بھی جائز نہیں ہونا چاہیے تھا، کیونکہ یہاں الف لام کی وجہ سے ضَارِبٌ سے تنوین گری ہے، اضافت کی وجہ سے کوئی تخفیف نہیں آئی نہ مضاف میں اور نہ مضاف الیہ میں۔ تو الضَّارِبُ الرَّجُلِ اس کو جائز نہیں ہونا چاہیے تھا، لیکن یہ الْحَسَنُ الْوَجْهِ پر حمل کرتے ہوئے جائز ہے، اس کی مختار صورت پر حمل کرتے ہوئے جائز ہے۔ کہ یہ بھی اسی کی طرح ہے، جیسے الْحَسَنُ الْوَجْهِ میں مضاف صفت کا صیغہ ہے اور مضاف الیہ اسمِ جنس ہے، اور دونوں معرف باللام ہیں مضاف بھی اور مضاف الیہ بھی۔ تو الضَّارِبُ الرَّجُلِ بھی اسی طرح ہے، مضاف صفت کا صیغہ ہے اور مضاف الیہ اسمِ جنس ہے اور دونوں معرف باللام ہیں، تو اس لیے یہ جائز ہے۔

اور نیز پھر ایک اور مسئلہ بتلایا کہ الضَّارِبُكَ، ایک الف لام کے ساتھ ہے الضَّارِبُكَ، اور ایک بغیر الف لام کے ہے ضَارِبُكَ، جس میں صفت کے صیغے پر الف لام نہیں ہے۔ یاد رکھو جو صفت کے صیغے پر جب الف لام نہ ہو اور اس کے ساتھ مفعول کی ضمیرِ متصل جڑی ہوئی ہو، تو وہاں نحوی حضرات جو ہے وہ لازم قرار دیتے ہیں اضافت کو۔ تو وہ کہتے ہیں یہ ضَارِبُكَ، ضَارِبٌ مضاف ہے اور كَاف ضمیر جو مفعول کی ضمیرِ متصل ہے، یہ اس کی طرف ضَارِبٌ کی اضافت ہو گئی تو یہ اب کیا ہے مجرور محلاً ہے، یہ مضاف الیہ ہے۔ وہ اس کے اندر یہ نہیں دیکھتے کہ تخفیف آئی ہے یا تخفیف نہیں آئی۔ چنانچہ ضَارِبُكَ اس کے اندر اضافت کی وجہ سے کوئی تخفیف نہیں آئی۔ اضافتِ لفظی ہے اور اضافت کی وجہ سے کوئی تخفیف نہیں آئی کیونکہ تنوین تو ضمیرِ متصل کی وجہ سے گری ہے، اضافت کی وجہ سے نہیں گری۔ پہلے ضَارِبٌ صفت کا صیغہ اور اس کے ساتھ مفعول کی ضمیرِ متصل آکر جڑ گئی، ابھی آپ نے اضافت نہیں کی، ضمیرِ متصل کے آتے ہی تنوین گر گئی۔ تو ضَارِبُكَ، ضَارِبٌ اسمِ فاعل ہے اور كَاف ضمیر مفعول بہ ہے، منصوب ہے محلاً، اور پھر نحویوں نے اس کی طرف اضافت لازم قرار دے دی تو اب اضافت ہوئی تو تنوین تو اضافت سے پہلے ہی گر چکی ہے ضمیرِ متصل کے ملنے کی وجہ سے۔ تو یہ تمام نحویوں کے نزدیک یہ آپس میں مضاف مضاف الیہ ہیں۔

اور اسی پر بعض نحوی علماء الضَّارِبُكَ جو الف لام کے ساتھ ہے اس کا حمل کرتے ہیں، یعنی امام سیبویہ اور ان کے متبعین۔ عام نحوی علماء تو فرماتے ہیں الضَّارِبُكَ یہاں اضافت ہے ہی نہیں، الضَّارِبُ اسمِ فاعل ہے، صفت کا صیغہ ہے، معرف باللام ہے، اور آگے ضمیر كَاف جو ہے وہ منصوب المحل ہے، مفعول بہ ہے، یہاں کوئی اضافت نہیں۔ عام نحوی

حضرات یہ فرماتے ہیں۔ لیکن امام سیبویہ اور ان کے متبعین کیا فرماتے ہیں کہ یہاں پر بھی اضافت ہے، کیونکہ الضَّارِبُكَ یہ بالکل ضَارِبُكَ کی طرح ہے، اور ضَارِبُكَ کے اندر تو اضافت ہے تو الضَّارِبُكَ کے اندر بھی اضافت ہے، تو دونوں ایک جیسے ہیں، کیونکہ دونوں میں مضاف صفت کا صیغہ ہے اور مضاف الیہ ضمیرِ متصل ہے، اور تنوین اضافت سے پہلے ہی گر چکی ہے ضمیرِ متصل آنے کی وجہ سے، کیونکہ جیسے ہی ضمیرِ متصل آئے گی اضافت سے پہلے ہی تنوین گر چکی ہے۔ تو دونوں ایک جیسے ہیں۔ تو الضَّارِبُكَ کے اندر بعض علماء، امام سیبویہ وغیرہ، اضافت کے قائل ہیں اور یہ اضافتِ لفظی ہے، اس کو تو جائز نہیں ہونا چاہیے تھا لیکن اس کو، یہ جائز ہے ضَارِبُكَ جو بغیر الف لام کے ہے اس پر حمل کرتے ہوئے۔

پھر سنیں، صاحبِ کافیہ نے بتلایا الضَّارِبُ زَيْدٍ یہ ترکیب ممتنع ہے۔ پھر اسی سے متعلقہ تین مسئلے ذکر کیے کہ الْوَاهِبُ عَبْدِهَا یہ ترکیب ضعیف ہے، ممتنع تو نہیں کہہ سکتے کیونکہ یہ عطف کی صورت میں ترکیب آ رہی ہے، تو یہ البتہ ضعیف ہے اگرچہ یہاں بھی اضافت کی وجہ سے کوئی تخفیف نہیں آئی اور یہ اضافتِ لفظی ہے۔ اور اسی طرح الضَّارِبُ الرَّجُلِ یہ بھی جائز نہیں ہونا چاہیے تھا کیونکہ اضافتِ لفظی ہے اور تخفیف نہیں آئی کہیں بھی، نہ مضاف میں نہ مضاف الیہ میں، لیکن یہ بھی جائز ہے الْحَسَنُ الْوَجْهِ کی مختار صورت پر حمل کرتے ہوئے۔ اور نیز الضَّارِبُكَ اس کے اندر بھی بعض علماء اضافت کے قائل ہیں اور یہ اضافتِ لفظی ہے، یہ بھی جائز نہیں ہونی چاہیے تھی، لیکن وہ اس کو محمول کرتے ہیں کس پر؟ ضَارِبُكَ جو بغیر الف لام کے ہے۔

بات سمجھ میں آ گئی؟ تو لہٰذا یہ تین الگ مسئلے ذکر کر دیے صاحبِ کافیہ نے۔ اور میں نے بتلایا تھا کہ آپ چاہیں تو ان سب کو امام فراء کا جواب بھی بنا سکتے ہیں۔ یہ تین مسئلوں کو امام فراء کا جواب بھی بنا سکتے ہیں۔ اور نیز ایک اور جواب بھی ذکر کیا تھا امام فراء کا صاحبِ کافیہ نے اپنی شرح کے اندر، جو انہوں نے کافیہ کی شرح لکھی، اس کو بھی صاحبِ جامی نے ذکر کر دیا۔ تو گویا امام فراء کے چار جواب ذکر ہو گئے۔ ایک وہ جو انہوں نے شرح میں ذکر کیا اور تین یہ، ان کو بھی آپ جواب بنا سکتے ہیں۔ وہ کیسے؟ وہ بھی میں نے بتلایا تھا کہ دیکھو وہ جو جواب شرح میں دیا تھا وہ جواب یہ تھا کہ امام فراء فرماتے ہیں الضَّارِبُ زَيْدٍ جائز ہے۔ شاید ان کا یہ خیال ہے کہ یہ جو الضَّارِبُ زَيْدٍ پر الف لام آیا ہے یہ اضافت کے بعد آیا ہے۔ کس کے بعد؟ پہلے کیا تھا؟ ضَارِبٌ زَيْدًا۔ ضَارِبٌ پر تنوین تھی اور آگے زَيْدًا مفعول بہ تھا۔ پھر اس ضَارِبٌ کی اضافت کر دی زَيْدٍ کی طرف تو ضَارِبٌ سے تنوین گر گئی، تخفیف آ گئی: ضَارِبُ زَيْدٍ، بغیر الف لام کے، توجہ ہے؟ تو اب ضَارِبُ کی زَيْدٍ کی طرف جب اضافت کی تو ضَارِبٌ جیسے پہلے نکرہ تھا ابھی بھی کیا ہے؟ نکرہ، تو اس پر الف لام لے آئے الضَّارِبُ زَيْدٍ، تو یہاں تخفیف آ چکی ہے کیونکہ یہ اضافت مقدم ہے اور الف لام کا داخل ہونا مؤخر ہے، وہ بعد میں الف لام آیا ہے۔ تو کہتے ہیں شاید امام فراء کا یہ خیال ہے کہ اضافت مقدم ہے اور الف لام بعد میں آیا ہے۔ کہتے ہیں نہیں، امام فراء کی یہ بات جو ہے اس کی

کوئی دلیل ان کے پاس موجود نہیں کہ اضافت پہلے تھی اور الف لام بعد میں آیا، بلکہ ظاہر یہی ہے کہ یہ الف لام کیا ہے؟ اضافت سے پہلے آیا ہے۔ جب اضافت سے الف لام پہلے آیا ہے تو الف لام کی وجہ سے تنوین گر گئی، تو الضَّارِبُ زَيْدًا ہوا، پھر اضافت کی تو الضَّارِبُ زَيْدٍ ہوا، تو اضافت سے کوئی تخفیف نہیں آئی، تو لہٰذا یہ جائز نہیں۔ تو امام فراء کا اس بات سے استدلال کرنا کہ یہ الف لام اضافت کے بعد آیا ہے، اس کی ان کے پاس کوئی دلیل نہیں، لہٰذا ایک جواب تو یہ ہو گیا ان کا۔

دوسرا جواب انہوں نے دیا تھا کہ شاید امام فراء جو فرماتے ہیں الضَّارِبُ زَيْدٍ جائز ہے، وہ شاید اس کو محمول کرتے ہیں اعشیٰ شاعر کا شعر ہے وہ، الْوَاهِبُ الْمِائَةِ الْهِجَانِ وَعَبْدِهَا پر، اس پر محمول کرتے ہیں کہ اس کے اندر الْوَاهِبُ عَبْدِهَا بن گیا اور الْوَاهِبُ عَبْدِهَا کی صورت کس کی طرح ہے؟ الضَّارِبُ زَيْدٍ کی طرح ہے، تو لہٰذا یہ جائز ہے۔ جب الْوَاهِبُ عَبْدِهَا جائز ہے تو یہ تو بالکل الضَّارِبُ زَيْدٍ جیسی صورت بن گئی، جب یہ جائز ہے، ایک عرب کا ایک فصیح و بلیغ شاعر اپنے شعر کے اندر الْوَاهِبُ عَبْدِهَا والی صورت لے کر آ رہا ہے، تو یہ بالکل الضَّارِبُ زَيْدٍ جیسی ہے، تو جب یہ جائز تو وہ بھی جائز ہے۔ تو اس کا بھی جواب دیا صاحبِ کافیہ نے کہ نہیں بھائی، یہ جو شعر ہے اعشیٰ کا الْوَاهِبُ الْمِائَةِ الْهِجَانِ وَعَبْدِهَا، یہ فصاحت کے اعتبار سے ضعیف ہے، یہ کمزور ترکیب ہے، یہ اس درجے کی ترکیب نہیں ہے کہ اس سے آپ استدلال کر سکیں، اس کو اپنے لیے کیا بنائیں؟ دلیل بنا لیں۔ بات سمجھ میں آ گئی؟ بھئی کیوں، دلیل کیوں نہیں بنا سکتے؟ کہتے ہیں اس لیے کیونکہ اس کے اندر الْوَاهِبُ عَبْدِهَا یہ بالکل الضَّارِبُ زَيْدٍ جیسی صورت بن گئی۔ کس جیسی صورت بن گئی؟ الضَّارِبُ زَيْدٍ جیسی صورت بن گئی، اور الضَّارِبُ زَيْدٍ تو ممتنع تھا، تو الْوَاهِبُ عَبْدِهَا اس کو بھی ممتنع ہونا چاہیے، لیکن چونکہ یہ صورت معطوف میں بن رہی ہے، ممتنع تو نہیں البتہ ضعیف ضرور ہے۔ تو لہٰذا آپ اس شعر سے بھی استدلال نہیں کر سکتے کیونکہ یہ فصاحت کے اعتبار سے اتنا قوی شعر نہیں ہے بھئی، ضعیف شعر، یہ ترکیب ضعیف ہے۔

اور پھر تیسرا جواب دیا کہ شاید امام فراء کا خیال یہ ہے کہ الضَّارِبُ زَيْدٍ جائز ہے کس پر حمل کرتے ہوئے؟ الضَّارِبُ الرَّجُلِ پر۔ کس پر؟ الضَّارِبُ الرَّجُلِ تو جائز ہے۔ ہم نے بتایا تھا الضَّارِبُ الرَّجُلِ کیوں جائز ہے؟ الْحَسَنُ الْوَجْهِ کی مختار صورت پر حمل کرتے ہوئے۔ تو اس استدلال کا بھی جواب دے دیا کہ نہیں بھائی، الضَّارِبُ الرَّجُلِ تو اس لیے جائز ہے کہ وہ الْحَسَنُ الْوَجْهِ پر محمول ہے، جبکہ الضَّارِبُ زَيْدٍ اس کو الْحَسَنُ الْوَجْهِ پر محمول نہیں کر سکتے۔ کیوں نہیں کر سکتے؟ کیونکہ الضَّارِبُ الرَّجُلِ یہ تو الْحَسَنُ الْوَجْهِ جیسا تھا، دونوں میں مضاف کیا تھا؟ صفت کا صیغہ، کس میں؟ الْحَسَنُ الْوَجْهِ اور الضَّارِبُ الرَّجُلِ، دونوں میں مضاف صفت کا صیغہ ہے اور مضاف الیہ اسمِ جنس ہے اور دونوں معرف باللام ہیں مضاف بھی اور مضاف الیہ بھی۔ لیکن، لیکن الضَّارِبُ زَيْدٍ یہ تو الْحَسَنُ الْوَجْهِ جیسا نہیں ہے۔ اس میں تو جو مضاف الیہ ہے وہ اس کے اندر تو زید ہے، اسمِ جنس نہیں ہے۔ اسمِ جنس تو وہ ہے جو ذاتِ مبہم پر دلالت کرے، اور زید یہ تو ذاتِ معین پر دلالت کر رہا ہے۔ تو الضَّارِبُ زَيْدٍ کو الْحَسَنُ الْوَجْهِ پر محمول نہیں کر سکتے کیونکہ الْحَسَنُ الْوَجْهِ کے اندر مضاف الیہ اسمِ جنس ہے اور وہ معرف

باللام ہے، جبکہ الضَّارِبُ زَيْدٍ کے اندر زید اسمِ جنس بھی نہیں ہے اور نیز وہ معرف باللام بھی نہیں ہے۔ لہٰذا اس پر بھی حمل کر کے اس کو امام فراء جائز قرار نہیں دے سکتے الضَّارِبُ زَيْدٍ کو، کس پر حمل کرتے ہوئے؟ اَلْحَسَنُ الْوَجْهِ پر حمل کرتے ہوئے الضَّارِبُ زَيْدٍ کو وہ جائز قرار نہیں دے سکتے۔

اور نیز چوتھا پھر استدلال کا جواب دیا تھا کہ ہو سکتا ہے امام فراء کا یہ خیال ہو کہ الضَّارِبُ زَيْدٍ جائز ہے کیونکہ یہ الضَّارِبُكَ کی طرح ہے۔ اور الضَّارِبُكَ وہ تو جائز ہے، اس کے اندر بھی اضافت سے پہلے ہی تنوین گر چکی ہے الف لام کی وجہ سے، اور الضَّارِبُ زَيْدٍ کے اندر بھی اضافت سے پہلے ہی الف لام کی وجہ سے تنوین گر چکی ہے۔ تو اس کا بھی جواب دے دیا کہ نہیں، الضَّارِبُكَ یہ تو محمول ہے ضَارِبُكَ پر، کیونکہ دونوں کے اندر مضاف صفت کا صیغہ ہے اور آگے ضمیرِ متصل ہے جس کی طرف وہ مضاف ہو رہا ہے، جبکہ الضَّارِبُ زَيْدٍ کے اندر تو زید جو ہے وہ ضمیرِ متصل نہیں ہے، تو یہ اس جیسا بھی نہیں ہے۔ تو الضَّارِبُ زَيْدٍ کو ضَارِبُكَ پر بھی حمل نہیں کر سکتے۔ الضَّارِبُكَ کا حمل تو ضَارِبُكَ پر ہو سکتا ہے لیکن الضَّارِبُ زَيْدٍ کا حمل تو ضَارِبُكَ پر نہیں ہو سکتا کیونکہ دونوں ایک جیسے نہیں ہیں۔

بات سمجھ میں آگئی؟ تو لہٰذا یہ تینوں مسئلے الگ الگ رکھیں ان کو، کہ صاحبِ کافیہ اضافتِ لفظی سے متعلقہ تین الگ مسئلے بتلا رہے ہیں کہ یہ کیوں جائز ہے، یہ کیوں جائز ہے، یہ کیوں جائز ہے، اور آپ چاہیں تو ان سب کو امام فراء کے لیے جواب بھی قرار دے سکتے ہیں۔ بات سمجھ میں آگئی؟ اور پھر یہاں جو کافیہ کے اندر جو پہلا جواب ذکر ہوا

کہ الْوَاهِبُ الْمِائَةِ الْهِجَانِ وَعَبْدِهَا یہ ترکیب کیا ہے؟ ضعیف ہے، کیونکہ الْوَاهِبُ عَبْدِهَا کس کی طرح ہے؟ الضَّارِبُ زَيْدٍ کی طرح ہے، اور وہ ممتنع تھا تو اس کو بھی ممتنع ہونا چاہیے تھا، لیکن چونکہ یہ مسئلہ معطوف کے اندر تھا اس لیے اس کو ممتنع تو نہیں کہا، لیکن یہ ضعیف ہے۔ یہ جو پہلا جواب کافیہ میں ذکر ہوا امام فراء کے استدلال کا، اس پر صاحبِ جامی نے فرمایا تھا کہ اس کے اندر مُصَادَرَة عَلَى الْمَطْلُوب کی آمیزش ہے۔ اس کے اندر مُصَادَرَة عَلَى الْمَطْلُوب کی آمیزش ہے۔ مُصَادَرَة عَلَى الْمَطْلُوب اسے کہتے ہیں میں نے بتلایا تھا کہ جو آپ کا دعویٰ ہے اسی کو آپ دلیل بھی بنا دیں۔ دعویٰ الگ ہوتا ہے، دلیل اس کی الگ ہوتی ہے، دلیل کے ذریعے دعوے کو ثابت کیا جاتا ہے۔ لیکن مُصَادَرَة عَلَى الْمَطْلُوب اسے کہتے ہیں کہ آپ کی جو دلیل ہے بعینہ وہی ہے جو آپ کا دعویٰ تھا، اور یا آپ دعوے کو دلیل کا جز بنا دیتے ہیں، یا آپ کی دلیل موقوف ہوتی ہے دعوے پر۔ دعویٰ موقوف ہوا دلیل پر اور دلیل موقوف ہو گئی کس پر؟ دعوے پر، یہ دور لازم آتا ہے۔ یا دلیل کا ایک جز دعوے پر موقوف ہے، تو چار صورتیں بنتی ہیں مُصَادَرَة عَلَى الْمَطْلُوب کی۔ کون سی چار صورتیں؟ دلیل جو ہے یا تو وہ عینِ دعویٰ ہو، یا دعویٰ جو ہے دلیل کا جز ہو، یا عینِ دلیل موقوف ہو دعوے پر، یا دلیل کا جز موقوف ہو دعوے پر۔ پھر دہراؤ، مُصَادَرَة عَلَى الْمَطْلُوب کسے کہتے ہیں؟ کہ دلیل جو ہے وہ عینِ دعویٰ ہو، یا دعویٰ جو ہے دلیل کا جز ہو، یا دلیل موقوف ہو دعوے پر، یا دلیل کا جز موقوف ہو دعوے پر۔ یہ چار صورتیں ہیں اور یہ چاروں جائز نہیں ہیں، اس لیے کیونکہ اس

صورت میں دور لازم آتا ہے۔ دور کہتے ہیں ایک چیز کا موقوف ہونا اس چیز پر کہ وہ چیز خود اس پہلی چیز پر موقوف ہے۔ پہلی چیز موقوف ہے دوسری چیز پر اور دوسری موقوف ہے پہلی پر، اس کو کہتے ہیں دور، اور اس میں ایک بھی چیز کا پتہ نہیں چلتا، جیسے میں نے اس کی مثال سے وضاحت کی تھی۔ کسی سے آپ نے پوچھا کہ زید کا گھر کہاں ہے؟ اس نے کہا بکر کے گھر کے سامنے۔ پھر آپ نے پوچھا بکر کا گھر کہاں ہے؟ تو اس نے کہا زید کے گھر کے سامنے۔ دیکھو، اب ایک کا بھی پتہ نہیں چل سکتا۔ زید کے گھر کا تب پتہ چلے گا جب آپ کو بکر کے گھر کا پتہ چلے، اور بکر کے گھر کا آپ کو تب پتہ چلے گا جب آپ کو زید کے گھر کا پتہ چلے، تو ایک کا بھی پتہ نہیں چل سکتا۔ زید کے گھر کا پتہ موقوف ہو گیا بکر کے گھر پر اور بکر کے گھر کا پتہ موقوف ہو گیا زید کے گھر پر، تو ایک کا بھی پتہ نہیں چل سکتا بھائی۔ بات سمجھ میں آ گئی؟ تو یہاں پر بھی دور لازم آتا ہے، تو اس کو مُصَادَرَة عَلَى الْمَطْلُوب کہتے ہیں۔ میں نے لغوی معنی بھی بیان کیا تھا، صَادَرَ يُصَادِرُ مُصَادَرَةً کا معنی کسی چیز پر اصرار کرنا، زور لگانا، کہ یہ بات ایسی ہی ہے۔ تو اس کو کیا کہتے ہیں؟ مُصَادَرَة۔ اور مَطْلُوب کہتے ہیں نتیجے کو اور دعوے کو۔ مُصَادَرَة عَلَى الْمَطْلُوب کا معنی ہے نتیجے پر اصرار کرنا کہ بات ایسی ہی ہے بھائی، بات ایسی ہی ہے۔ اور دلیل آپ سے پوچھتے ہیں تو دلیل میں وہی دعویٰ ذکر کرتے ہو، یا دلیل کے اندر دعوے کو جز بنا دیتے ہو، یا دلیل ایسی ذکر کرتے ہو کہ وہ دلیل خود دعوے پر موقوف ہو گئی، یا دلیل کا ایک جز کیا ہے دعوے پر موقوف ہو گیا، تو یہ چاروں صورتیں، یہ تو دور لازم آ رہا ہے۔ دعویٰ تب ثابت ہو گا جب دلیل ثابت ہو گی، اور دلیل کب ثابت ہو گی جب دعویٰ ثابت ہو گا۔ تو دونوں ایک دوسرے پر موقوف ہو گئے، تو اس سے دعویٰ ثابت نہیں ہو سکتا۔

تو صاحبِ جامی نے بتلایا تھا کہ یہاں مُصَادَرَة عَلَى الْمَطْلُوب تو لازم نہیں آتا، ہاں مُصَادَرَة عَلَى الْمَطْلُوب کی آمیزش ہے اس جواب کے اندر، یہ جو پہلا جواب دیا۔ صاحبِ کافیہ فرماتے ہیں الضَّارِبُ زَيْدٍ جائز نہیں، اور امام فراء فرماتے ہیں الضَّارِبُ زَيْدٍ جائز ہے، اور وہ مثلاً استدلال کس سے کرتے ہیں؟ وہ استدلال کرتے ہیں الْوَاهِبُ عَبْدِهَا سے۔ الْوَاهِبُ عَبْدِهَا سے استدلال کرتے ہیں۔ ان کی دلیل الْوَاهِبُ عَبْدِهَا ہے۔ تو صاحبِ کافیہ ان کی دلیل کو باطل کرتے ہیں اپنے ہی دعوے کے ذریعے۔ توجہ ہے؟ ادھر پھر سمجھ لو مُصَادَرَة عَلَى الْمَطْلُوب یہاں کیسے ہے۔ دیکھو ایک طرف ہے صاحبِ کافیہ کا مذہب، ایک طرف ہے امام فراء کا مذہب۔ صاحبِ کافیہ کیا فرماتے ہیں؟ الضَّارِبُ زَيْدٍ جائز نہیں، الضَّارِبُ زَيْدٍ جائز نہیں۔ اور امام فراء کیا فرماتے ہیں؟ الضَّارِبُ زَيْدٍ جائز ہے۔ کہتے ہیں شاید امام فراء نے استدلال کس سے کیا ہے؟ کس کو دلیل بنایا ہے؟ الْوَاهِبُ عَبْدِهَا کو۔ تو امام فراء کا دعویٰ کیا؟ الضَّارِبُ زَيْدٍ جائز ہے۔ توجہ سے سنو۔ امام فراء کا دعویٰ کیا؟ الضَّارِبُ زَيْدٍ جائز ہے۔ اور دلیل کیا؟ الْوَاهِبُ عَبْدِهَا۔ دلیل کیا؟ الْوَاهِبُ عَبْدِهَا۔ تو اگر الْوَاهِبُ عَبْدِهَا ثابت ہو جائے گا تو امام فراء کا مذہب بھی ثابت ہو جائے گا، اور اگر الْوَاهِبُ عَبْدِهَا باطل کر دیں گے آپ تو امام فراء کا مذہب بھی کیا ہو جائے گا؟ باطل ہو جائے گا اور آپ، صاحبِ کافیہ کا مذہب ثابت ہو جائے گا۔ توجہ ہے؟ تو لہٰذا صاحبِ کافیہ نے امام فراء کی جو دلیل تھی الْوَاهِبُ

عَبْدِهَا اس کو باطل کر دیا، اس کو باطل کر دیا۔ کس طرح باطل کیا؟ اپنے دعوے سے ہی باطل کر دیا۔ آپ نے کیسے امام فراء کے مذہب کو باطل کیا؟ کہ آپ نے اپنے ہی دعوے کے ذریعے امام فراء کی دلیل کو باطل کر دیا۔ کہ امام فراء کی دلیل باطل ہے، ضعیف ہے، کیوں ضعیف ہے؟ کیونکہ یہ الضَّارِبُ زَيْدٍ جیسی ہے، اور الضَّارِبُ زَيْدٍ تو جائز نہیں تھا تو وہ بھی... تو آپ نے اپنے ہی دعوے کے ذریعے کیا کیا؟ امام فراء کی دلیل کو باطل کیا اور جب امام فراء کی دلیل باطل ہوئی تو امام فراء کا مذہب بھی کیا ہو گیا؟ باطل۔ جب ان کا مذہب باطل ہوا تو آپ کا دعویٰ ثابت ہو گیا۔ آپ نے اپنے دعوے الضَّارِبُ زَيْدٍ کے ذریعے کس کو باطل کیا؟ امام فراء کی دلیل کو، اور جب امام فراء کی دلیل باطل ہوئی تو امام فراء کا مذہب بھی کیا ہو گیا؟ باطل، اور جب امام فراء کا مذہب باطل ہوا تو آپ کا دعویٰ ثابت ہو گیا۔ تو آپ نے اپنے ہی دعوے کے ذریعے ان کی دلیل کو باطل کر کے اپنا دعویٰ ثابت کیا ہے۔ تو یہ کیا ہے؟ مُصَادَرَة عَلَى الْمَطْلُوب کی اس میں آمیزش ہے دیکھو۔ بات سمجھ میں آگئی؟ مُصَادَرَة عَلَى الْمَطْلُوب تو تب ہوتا جب آپ اپنے دعوے کے لیے اسی دعوے کو دلیل بناتے یا دلیل کا جز بناتے یا دلیل اس پر، دعوے پر موقوف ہوتی یا دلیل کا جز اس دعوے پر موقوف ہوتا، پھر تو مُصَادَرَة عَلَى الْمَطْلُوب تھا۔ لیکن یہاں آپ نے اپنے دعوے کے لیے یہی اسی دعوے کو دلیل نہیں بنایا بلکہ اپنے دعوے کے ذریعے مخالف کی دلیل کو باطل کیا ہے، اور اس کے ذریعے پھر اپنے دعوے کو ثابت کیا ہے، تو بہرحال یہ بھی مُصَادَرَة عَلَى الْمَطْلُوب تو نہیں لیکن اس جیسی صورت ہی ہے، اس کی آمیزش ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟

تو صاحبِ جامی نے فرمایا یہ جو جواب دیا نا کہ الْوَاهِبُ الْمِائَةِ الْهِجَانِ وَعَبْدِهَا یہ ضعیف ہے، یہ ترکیب ضعیف ہے، اس کے اندر مُصَادَرَة عَلَى الْمَطْلُوب کی آمیزش ہے۔ پھر آگے جواب ذکر کیا تھا کہ ہاں ایک کمزور سا جواب اس کا یہ دیا جا سکتا ہے اَللّٰهُمَّ إِلَّا أَنْ يُقَالَ کے ذریعے۔ میں نے بتایا تھا اَللّٰهُمَّ إِلَّا أَنْ يُقَالَ کے ذریعے کمزور جواب ذکر کیا جاتا ہے۔ اسی طرح قَدْ يُجَابُ اس کے ذریعے بھی انتہائی کمزور جواب ذکر کیا جاتا ہے۔ تو اَللّٰهُمَّ إِلَّا أَنْ يُقَالَ اصل میں تقدیرِ عبارت یوں ہے: اَللّٰهُمَّ لَا مَخْلَصَ لِي عَنْ هٰذَا الِاعْتِرَاضِ، اے اللہ میرے لیے تو اس اعتراض سے چھٹکارے کی کوئی صورت نہیں۔ صاحبِ کافیہ نے کیا کہا الْوَاهِبُ عَبْدِهَا کی ترکیب ضعیف ہے، تو یہ تو کیا بن گیا مُصَادَرَة عَلَى الْمَطْلُوب جیسی صورت ہی بن گئی، تو اب اس اعتراض کا میرے پاس اور کوئی جواب نہیں، البتہ ایک کمزور سا جواب ہم یوں دے سکتے ہیں کہ صاحبِ کافیہ یہ نہیں کہنا چاہتے یہ ترکیب کمزور ہے، بلکہ وہ کہنا یہ چاہتے ہیں کہ اس شعر سے استدلال کرنا ضعیف ہے۔ یہ شعر تو فصاحت میں قوی ہے، یہ شعر تو فصاحت میں... پہلا جواب تو کیا تھا یہ، یہ شعر فصاحت کے اعتبار سے ہے ہی کمزور، اس سے استدلال صحیح نہیں، لیکن ہم یہ جواب دے سکتے ہیں بڑا ہی کمزور جواب کہ بھائی اس شعر سے استدلال ضعیف ہے، فصاحت میں یہ قوی لیکن استدلال ضعیف ہے، اس لیے کیونکہ وَعَبْدِهَا کے جر پر کوئی روایت نہیں۔ یوں کہیں ہم کہ عَبْدِهَا کے جر پر کوئی روایت نہیں، بلکہ یہ وَعَبْدَهَا منصوب ہے، یہ الْمِائَةِ الْهِجَانِ کے محل پر عطف ہے، اور الْمِائَةِ الْهِجَانِ وہ اصل میں مفعول بہ

تھے پھر مضاف الیہ بن گئے۔ تو محلاً یہ ابھی بھی منصوب ہیں مفعول بہ ہیں، اگرچہ اضافت کی وجہ سے یہ مجرور ہو چکے ہیں۔ اصل میں کیا تھا؟ اَلْوَاهِبُ، وہ عطا کرنے والا ہے، کیا عطا کرتا ہے؟ اَلْمِائَةَ الْهِجَانَ، سو اونٹنیاں۔ تو یہ مفعول بہ تھا۔ پھر اسی کی طرف اَلْوَاهِبُ کی اضافت کر دی تو اَلْوَاهِبُ الْمِائَةِ الْهِجَانِ، تو اَلْمِائَةِ الْهِجَانِ اس وقت تو مجرور ہیں لیکن اصل میں یہ کیا تھے؟ مفعول بہ تھے، منصوب تھے، تو محلاً یہ منصوب ہیں، لفظاً مجرور اور محلاً منصوب، تو ان کے محل پر حمل کرتے ہوئے وَعَبْدَهَا یہ بھی منصوب ہے۔ لفظوں پر حمل نہیں کیا عطف میں بلکہ کس پر حمل کیا؟ محل پر، کس کے؟ اَلْمِائَةِ الْهِجَانِ کے۔ توجہ ہے؟ وَعَبْدِهَا کا عطف کرنا ہے کس پر؟ اَلْمِائَةِ الْهِجَانِ پر، اور اَلْمِائَةِ الْهِجَانِ لفظوں کے اعتبار سے مجرور ہیں مضاف الیہ ہیں، لیکن محلاً منصوب ہیں مفعول بہ ہیں، تو وَعَبْدَهَا اس کو اَلْمِائَةِ الْهِجَانِ کے محل پر حمل کرتے ہوئے منصوب، یہ منصوب ہے، کیونکہ اس کے اندر جر والی کوئی روایت وَعَبْدِهَا میں جر والی روایت نہیں۔ یا یہ مفعول معہ ہے وَعَبْدَهَا۔ مفعول معہ کسے کہتے ہیں؟ جو وَاو بمعنی مَعَ کے بعد آتا ہے، جَاءَنِي زَيْدٌ وَعَمْرًا، وَعَمْرًا أَيْ مَعَ عَمْرٍو، میرے پاس زید آیا عمرو کے ساتھ۔ تو یہ مفعول معہ جو وَاو بمعنی مَعَ کے بعد آتا ہے اور منصوب ہوتا ہے، مفعول معہ کہلاتا ہے۔ تو یہاں بھی وَعَبْدَهَا پڑھیں اس کو مفعول معہ بنائیں۔ اور اس کو کمزور جواب کہا صاحبِ کافیہ نے وجہ یہ کہ جر کی روایت موجود ہے۔ وَعَبْدِهَا میں کون سی روایت ہے؟ جر والی ہی روایت ہے، تو یہ کہا جا سکتا ہے کہ نہیں بھائی وہ اتنی قوی روایت نہیں ہے، یوں سمجھو کوئی جر والی روایت ہی نہیں ہے۔ وَعَبْدَهَا جو ہے یہ منصوب ہے یا تو اَلْمِائَةِ الْهِجَانِ کے محل پر حمل کرتے ہوئے منصوب ہے یا یہ مفعول معہ ہونے کی وجہ سے منصوب ہے، تو اس صورت میں پھر اَلضَّارِبُ زَيْدٍ جیسی صورت بنتی ہی نہیں ہے۔ تو لہٰذا اس سے استدلال کمزور ہے، اگر وَعَبْدِهَا کی اسمیں... وَعَبْدِهَا کی صرف روایت ہوتی پھر تو استدلال ہوتا، لیکن یہاں تو وَعَبْدِهَا کی کوئی پکی روایت نہیں۔ لیکن بہرحال میں نے بتایا یہ کمزور جواب ہے۔

یا اس لیے یہ اس سے استدلال کرنا کمزور ہے کہ اَلْوَاهِبُ عَبْدِهَا یہ معطوف میں صورت بن رہی ہے اور معطوف میں بعض ان چیزوں کی گنجائش ہوتی ہے جس کی معطوف علیہ میں گنجائش نہیں ہوتی، تو اَلضَّارِبُ زَيْدٍ اس کے اندر تو زید معطوف نہیں ہے، وہ تو براہِ راست مضاف الیہ ہے اس لیے یہ تو جائز نہیں، اور اَلْوَاهِبُ عَبْدِهَا اس میں معطوف کے اندر صورت بن رہی ہے اس لیے یہ جائز ہے۔ تو یہ جواب دیا جا سکتا ہے کہ یہ شعر فصاحت کے اعتبار سے تو ضعیف نہیں ہے البتہ استدلال کے اعتبار سے ضعیف ہے کہ اس سے استدلال کرنا ضعیف ہے بھائی۔

اور پھر اس کے بعد معنی اس شعر کا بیان کیا تھا صاحبِ جامی نے۔ پورا شعر ذکر کیا تھا کہ: اَلْوَاهِبُ الْمِائَةِ الْهِجَانِ وَعَبْدِهَا عُوذًا يُزَجِّي خَلْفَهَا أَطْفَالَهَا۔ اَلْوَاهِبُ، أَيْ هُوَ الْوَاهِبُ، هُوَ **مبتدا محذوف ہے**۔ شاعر کہتا ہے: هُوَ الْوَاهِبُ الْمِائَةِ الْهِجَانِ وَعَبْدِهَا، کہ میرا جو ممدوح ہے وہ سو سفید اونٹنیاں اور ان کا غلام ہبہ کرنے والا ہے، عطا کرنے والا ہے، عُوذًا، عُوذًا جمع ہے عَائِذٌ کی اور عَائِذٌ کہتے ہیں وہ اونٹنیاں جن کے نئے نئے بچے ہوئے ہوں، یعنی نئے بچوں والی اونٹنیاں۔ تو اس حال میں کہ وہ نئے بچوں والی اونٹنیاں ہیں، يُزَجِّي، ان کے پیچھے ہانک رہا ہے، يُزَجِّي کے اندر ضمیر راجع ہے عَبْد کو، وہ جو غلام ہے وہ ہانک رہا

ہے خَلْفَهَا ان اونٹنیوں کے پیچھے أَطْفَالَهَا ان کے بچوں کو۔ اس حال میں کہ وہ نئے بچوں والی اونٹنیاں ہیں کہ جن کے پیچھے ان کے بچوں کو وہ غلام ہانک رہا ہے۔

اور پھر صاحبِ جامی نے یہ بھی بتلایا تھا کہ یہ يُزَجِّي بھی پڑھ سکتے ہیں اور تُزَجَّى بھی۔ يُزَجِّي پڑھیں تو اس کے اندر فاعل کی، کہ وہ ہانک رہا ہے، کون ہانک رہا ہے؟ وہ غلام، وَعَبْدِهَا جو پیچھے غلام کا ذکر آیا تھا، اور أَطْفَالَهَا اس کے لیے مفعول بہ بن جائے گا، تو أَطْفَالَهَا یہاں لَام پر نصب پڑھیں گے کیونکہ یہ مفعول بہ ہے۔ اور آپ چاہیں تو اس کو تُزَجَّى بھی پڑھ سکتے ہیں یعنی مؤنث مجہول کا صیغہ، تُزَجَّى، ہانکا جا رہا ہے، اس صورت میں أَطْفَالُهَا اس کے لیے نائب الفاعل بنے گا، اب تُزَجَّى کے اندر کوئی ضمیر نہیں۔ تُزَجَّى خَلْفَهَا أَطْفَالُهَا، ہانکا جا رہا ہے ان اونٹنیوں کے پیچھے أَطْفَالُهَا ان کے بچوں کو۔ تو اس صورت میں أَطْفَالُهَا یہ لَام پر رفع پڑھیں گے۔ تو صاحبِ جامی نے پھر بتلایا تھا کہ حقیقتِ حال کا پتہ نہیں چل سکتا کہ یہ يُزَجِّي ہے لہٰذا أَطْفَالَهَا پڑھیں، یا تُزَجَّى ہے تو أَطْفَالُهَا پڑھیں، جب تک حرفِ رَوِي کی حرکت کا پتہ نہ چل جائے۔ حرفِ رَوِي وہ حرف جس پر قصیدے کی بنیاد ہوتی ہے، جس کا شاعر اہتمام کرتا ہے۔ یاد رکھو شاعر عربی زبان کے اندر جو اشعار ہوں گے وہ ایک، پہلے شعر کے آخر میں جو حرف، حرفِ متحرک آتا ہے شاعر پورے قصیدے میں اس کا اہتمام کرتا ہے، اسی وزن پر وہی حرف وہ اسی حرکت کے ساتھ لاتا ہے۔ اسی حرکت کے ساتھ لاتا ہے، مثلاً اگر پہلے شعر کے آخر میں لَامِ مکسور ہے، لَامِ مکسور ہے تو اگلے شعر کے آخر میں بھی لَام مکسور ہو گا، اس سے اگلے شعر میں بھی لَام مکسور ہو گا پورے قصیدے میں

اسی طرح رہے گا۔ تو یہ جو آخری حرفِ متحرک آتا ہے اس کو کہتے ہیں حرفِ رَوِي۔ تو یہاں حرفِ رَوِي جو ہے یہ لَهَا ہے، کیا ہے؟ لَهَا۔ اب یہاں اس کو لَهَا پڑھنا ہے یا لُهَا پڑھنا ہے اس کا پتہ باقی اشعار سے چلے گا، اور باقی اشعار یہاں پر موجود نہیں، لہٰذا حقیقتِ حال کا پتہ بھی نہیں چل سکتا۔ اگر باقی اشعار میں لَهَا آ رہا ہے تو پھر یہاں يُزَجِّي پڑھیں گے اور أَطْفَالَهَا مفعول بہ منصوب ہو گا، اور اگر باقی اشعار میں لُهَا آ رہا ہے تو پھر یہاں تُزَجَّى پڑھیں گے اور أَطْفَالُهَا نائب الفاعل بنے گا۔ بات سمجھ میں آ گئی؟

اب آئیے آج کے سبق پر۔ کہتے ہیں: وَإِمَّا لِأَنَّهُ قَاسَهُ عَلَى الضَّارِبِ الرَّجُلِ وَالضَّارِبِكَ فَأَجَابَ الْمُصَنِّفُ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَى عَنْهُ بِقَوْلِهِ، وَإِنَّمَا جَازَ الضَّارِبُ الرَّجُلِ۔ یہ تیسرا جواب ذکر کر رہے ہیں۔ بھئی دیکھیے شروع میں بتلایا آپ کو کہ امام فراء کیا فرماتے ہیں؟ الضَّارِبُ زَيْدٍ جائز ہے۔ شاید ان کا خیال یہ ہے کہ یہ الضَّارِبُ زَيْدٍ پر جو الف لام آیا ہے یہ اضافت کے بعد آیا ہے۔ فرمایا نہیں، ان کے پاس اس بات کی کوئی دلیل نہیں۔ دوسرا کہ شاید انہوں نے استدلال کیا ہے الْوَاهِبُ عَبْدِهَا سے، بتلایا کہ اس سے بھی استدلال وہ نہیں کر سکتے کیونکہ وہ ترکیب ضعیف ہے یا اس سے استدلال کرنا ان کا ضعیف ہے، بات سمجھ میں آ گئی؟ اب تیسری بات ذکر کرنے لگے ہیں کہ شاید انہوں نے الضَّارِبُ زَيْدٍ جو ہے اس کو قیاس کیا ہے الضَّارِبُ الرَّجُلِ پر۔ کس پر؟ اور الضَّارِبُ الرَّجُلِ تو میں اضافتِ لفظی ہے اور یہاں اضافت سے پہلے ہی تنوین گر چکی ہے الف لام کی وجہ سے،

الضَّارِبُ الرَّجُلِ۔ تو یہاں بھی تنوین اضافت سے پہلے ہی گر چکی ہے، اور جب یہ جائز ہے تو الضَّارِبُ زَيْدٍ بھی جائز ہے۔ تو امام فراء نے کس پر قیاس کیا الضَّارِبُ زَيْدٍ کو؟ الضَّارِبُ الرَّجُلِ پر۔ کہتے ہیں نہیں، اس پر قیاس نہیں کر سکتے، کیونکہ الضَّارِبُ الرَّجُلِ یہ محمول ہے کس پر؟ الْحَسَنُ الْوَجْهِ پر، اور دونوں ایک جیسے ہیں، دونوں میں مضاف صفت کا صیغہ ہے اور مضاف الیہ اسمِ جنس ہے اور دونوں مضاف اور مضاف الیہ دونوں معرف باللام ہیں، جبکہ الضَّارِبُ زَيْدٍ کے اندر ایسا نہیں ہے، زید نہ اسمِ جنس ہے اور نہ یہ معرف باللام ہے۔ تو اس کو آپ الْحَسَنُ الْوَجْهِ پر قیاس نہیں کر سکتے۔ الضَّارِبُ الرَّجُلِ وہ تو کس پر قیاس تھا؟ الْحَسَنُ الْوَجْهِ پر، لیکن الضَّارِبُ زَيْدٍ تو الْحَسَنُ الْوَجْهِ جیسا نہیں، اس کو اس پر قیاس نہیں کر سکتے۔ توجہ ہے؟ تو تیسرا جواب کیا ہوا؟ کہ شاید امام فراء نے الضَّارِبُ زَيْدٍ کو جو جائز کہا، انہوں نے اس کو کس پر قیاس کیا؟ الضَّارِبُ الرَّجُلِ پر۔ کہتے ہیں نہیں، اس پر قیاس نہیں کر سکتے کیونکہ وہ بھی جائز نہیں ہونا چاہیے تھا، وہ بھی الْحَسَنُ الْوَجْهِ پر قیاس کرتے ہوئے جائز ہوا ہے، لیکن الضَّارِبُ زَيْدٍ کو الْحَسَنُ الْوَجْهِ پر قیاس نہیں کر سکتے۔ دیکھیے بھائی، کہتے ہیں: وَإِمَّا لِأَنَّهُ قَاسَهُ عَلَى الضَّارِبِ الرَّجُلِ، اور یا اس وجہ سے امام فراء اس کو جائز قرار دیتے ہیں کہ انہوں نے الضَّارِبُ زَيْدٍ کو قیاس کیا ہے الضَّارِبُ الرَّجُلِ پر، وَالضَّارِبِكَ اور کس پر قیاس کیا ہے؟ الضَّارِبُكَ پر۔ توجہ ہے؟ فَأَجَابَ الْمُصَنِّفُ رَحِمَهُ اللهُ عَنْهُ، پس مصنف رحمہ اللہ نے ان کے استدلال سے جواب دیا بِقَوْلِهِ اپنے اس قول کے ساتھ۔ کہتے ہیں: وَإِنَّمَا جَازَ الضَّارِبُ الرَّجُلِ، کہ الضَّارِبُ الرَّجُلِ جائز ہے، يَعْنِي كَانَ الْقِيَاسُ عَدَمَ جَوَازِهِ، یعنی قیاس تو یہ تھا کہ یہ بھی جائز نہیں ہونا چاہیے۔ الضَّارِبُ الرَّجُلِ بھی جائز نہیں ہونا چاہیے کیونکہ اضافتِ لفظی ہے، صفت کا صیغہ مضاف ہو رہا ہے اپنے معمول کی طرف، اور اضافتِ لفظی صرف کس چیز کا فائدہ دیتی ہے؟ تخفیف کا، اور یہاں کوئی تخفیف نہیں آئی۔ الضَّارِبُ سے تنوین اضافت سے پہلے ہی الف لام کی وجہ سے گر چکی ہے، تو اضافت کی وجہ سے کوئی تخفیف نہیں آئی۔ تو کہتے ہیں: يَعْنِي كَانَ الْقِيَاسُ عَدَمَ جَوَازِهِ، یعنی قیاس تو یہ تھا کہ یہ الضَّارِبُ الرَّجُلِ یہ ترکیب بھی جائز نہیں ہونی چاہیے تھی کیونکہ یہ اضافتِ لفظی ہے اور اضافتِ لفظی کس چیز کا فائدہ دیتی ہے؟ تخفیف کا، اور یہاں کوئی تخفیف نہیں آئی۔ الضَّارِبُ الرَّجُلِ، الضَّارِبُ سے تنوین اضافت سے پہلے ہی الف لام کی وجہ سے گر چکی ہے تو اضافت کی وجہ سے کوئی تخفیف نہیں آئی، تو لہٰذا یہ اضافتِ لفظی جائز نہیں ہونی چاہیے تھی۔ تو کہتے ہیں: يَعْنِي كَانَ الْقِيَاسُ عَدَمَ جَوَازِهِ، یعنی قیاس تو یہ تھا کہ یہ بھی جائز نہ ہو لِانْتِفَاءِ التَّخْفِيفِ لِزَوَالِ التَّنْوِينِ بِاللَّامِ. لِانْتِفَاءِ التَّخْفِيفِ، کیونکہ تخفیف منتفی ہے، یہاں کسی قسم کی تخفیف اضافت کی وجہ سے نہیں آئی، لِزَوَالِ التَّنْوِينِ بِاللَّامِ، اس لیے کیونکہ تنوین جو ہے وہ لام کی وجہ سے زائل ہوئی ہے، تنوین الف لام کی وجہ سے زائل ہوئی ہے۔ لَكِنَّهُ جَازَ، لیکن یہ الضَّارِبُ الرَّجُلِ یہ جائز ہے، حَمْلًا عَلَى الْوَجْهِ الْمُخْتَارِ فِي الْحَسَنُ الْوَجْهِ، الْحَسَنُ الْوَجْهِ کے اندر جو پسندیدہ صورت ہے۔ میں نے بتایا تھا الْحَسَنُ الْوَجْهِ یہاں الْوَجْهَ کے اندر تین صورتیں جائز ہیں: رفع بھی، نصب بھی، جر بھی۔ الْحَسَنُ الْوَجْهُ، دیکھو الْوَجْهُ پر رفع ہے۔ الْحَسَنُ الْوَجْهَ، دیکھو یہاں نصب ہے۔ اور الْحَسَنُ الْوَجْهِ۔ اور ان تین میں سے پسندیدہ صورت

الْحَسَنُ الْوَجْهِ جر کے ساتھ ہے، اور یہ جر اضافت کی وجہ سے آرہا ہے، الْحَسَنُ مضاف اور الْوَجْهِ مضاف الیہ۔ جبکہ رفع آیا الْحَسَنُ الْوَجْهُ، وہ فاعل ہے الْوَجْهُ الْحَسَنُ صفت کے لیے، کیونکہ صفت کے صیغے کے لیے بھی کیا چاہیے؟ فاعل، اور فاعل اسی کے اندر ضمیر بھی ہو سکتی ہے اور آگے اسمِ ظاہر بھی ہو سکتا ہے لیکن آئے گا ایک ہی۔ تو الْحَسَنُ الْوَجْهُ جب الْوَجْهُ کو آپ نے الْحَسَنُ کے لیے فاعل بنایا تو اب الْحَسَنُ کے اندر کوئی ضمیر نہیں، تو الْحَسَنُ صفت اور الْوَجْهُ اس کے لیے فاعل، تو نہ الْحَسَنُ کے اندر کوئی ضمیر ہے اور نہ الْوَجْهُ کے ساتھ کوئی ضمیر ہے، اور حالانکہ صفت کے صیغے کو جب بھی کسی چیز سے جوڑنا ہو تو ربط ضروری ہے، اور وہ ربط یا ضمیر کے ذریعے دیا جاتا ہے اور یہاں کوئی ضمیر نہیں، لہٰذا اس لیے یہ پسندیدہ نہیں۔ الْحَسَنُ الْوَجْهُ پسندیدہ نہیں۔ اور الْحَسَنُ الْوَجْهَ آپ الْوَجْهَ پر نصب بھی پڑھ سکتے ہیں اور اس صورت میں یہ شبیہِ مفعول کہلائے گا۔ کیا کہلائے گا؟ شبیہِ مفعول یا مشابہِ مفعول کہہ لیں، یہ مفعول کے مشابہ ہے۔ یہ میں نے بتایا تھا کہ یہ آپ نے نئی چیز پڑھی ہے کہ کچھ کبھی کبھار نصب مشابہِ مفعول ہونے کی وجہ سے بھی آتا ہے۔ یاد رکھو یہ صرف صفتِ مشبہ میں ہے۔ ہم نے دیکھا کہ کلامِ عرب کے اندر بعض اوقات صفتِ مشبہ نصب بھی دیتی ہے۔ تو اب نحوی حیران ہوئے کہ صفتِ مشبہ ہے، یہ کیسے نصب دے رہی ہے؟ صفتِ مشبہ تو فعلِ لازم سے بنتی ہے، اور فعلِ لازم کے لیے تو مفعول آتا ہی نہیں، تو صفتِ مشبہ کے لیے بھی مفعول بہ نہیں آسکتا، لیکن یہ نصب دیتی ہے بعض بعض جگہ ہم نے کلامِ عرب میں دیکھا ہے۔ تو پھر مجبور ہو گئے نحوی حضرات، یہ جو منصوب ہے اس کو مفعول بہ تو کہہ نہیں سکتے، تو پھر اس کو مشابہِ مفعول بہ کہتے ہیں۔ کیا کہتے ہیں؟ مشابہِ مفعول بہ کہتے ہیں۔ تو الْحَسَنُ الْوَجْهَ بھی آپ پڑھ سکتے ہیں اور یہ الْوَجْهَ منصوب ہے مشابہِ مفعول بہ ہونے کی وجہ سے۔ لیکن یہ بھی پسندیدہ نہیں، کیونکہ اس کے اندر بھی دیکھو آپ کو مشابہِ مفعول بہ کا اعتبار کرنا پڑتا ہے، اور یہ کلامِ عرب میں قلیل آیا ہے، لیکن آیا ہے تو بہرحال آپ کو کیا کہنا پڑتا ہے؟ یہ کیوں منصوب ہے؟ مشابہِ مفعول بہ قرار دینا پڑتا ہے اس کو۔ لہٰذا سب سے بہترین صورت اس میں یہ ہے کہ الْحَسَنُ الْوَجْهِ پڑھیں، اس صورت میں الْحَسَنُ کے اندر ضمیر بھی آگئی، ضمیر بھی آگئی اور نیز جر کی وجہ بھی اضافت آگئی، الْحَسَنُ الْوَجْهِ۔ الْوَجْهِ پر جر کیوں آیا؟ مضاف الیہ ہونے کی وجہ سے۔ اور الْحَسَنُ کے اندر کیا آگئی؟ ضمیر، تو اب یہاں پر کوئی ہمیں مشابہِ مفعول بنانے کی ضرورت نہیں ہے، یہاں کوئی ہمیں فاعل بنانے کی اور پھر ضمیر کے بغیر رکھنے کی ضرورت نہیں ہے، بلکہ ضمیر بھی آگئی اور جر کی وجہ بھی بہترین ہو گئی۔ بات سمجھ میں آ گئی؟ تو یہ معنی ہے: حَمْلًا عَلَى الْوَجْهِ الْمُخْتَارِ فِي الْحَسَنُ الْوَجْهِ، محمول کرنے کے لیے وہ جو مختار صورت ہے الْحَسَنُ الْوَجْهِ کے اندر۔ وَهُوَ جَرُّ الْوَجْهِ بِالْإِضَافَةِ، اور مختار صورت الْحَسَنُ الْوَجْهِ میں کیا ہے؟ کہتے ہیں: وَهُوَ جَرُّ الْوَجْهِ بِالْإِضَافَةِ، اور وہ الْوَجْهِ کا جر ہے اضافت کی وجہ سے، یہ پسندیدہ صورت ہے۔ وَفِيهِ وَجْهَانِ آخَرَانِ، اور اس الْوَجْهُ کے اندر دو اور وجہیں بھی ہیں: رَفْعُهُ عَلَى الْفَاعِلِيَّةِ، کہ آپ الْوَجْهُ، اس پر رفع پڑھا جائے عَلَى الْفَاعِلِيَّةِ فاعل ہونے کی بنا پر، وَنَصْبُهُ عَلَى

التَّشْبِيهِ بِالْمَفْعُولِ، اور اس کا نصب ہو تشبیہ بالمفعول، مشابہِ مفعول ہونے کی وجہ سے، مفعول کے ساتھ تشبیہ دینے کی وجہ سے۔

وَوَجْهُ الْحَمْلِ اشْتِرَاكُهُمَا۔ اچھا انہوں نے کیا بتایا؟ الضَّارِبُ الرَّجُلِ یہ جائز ہے کس پر حمل کرتے ہوئے؟ الْحَسَنُ الْوَجْهِ پر حمل کرتے ہوئے۔ توجہ ہے؟ بھئی اس پر حمل کیوں کیا؟ میں نے وجہ ذکر کی تھی کہ دونوں میں مضاف کیا ہیں؟ صفت کے صیغے، اور مضاف الیہ کیا ہیں؟ اسمِ جنس، اور دونوں معرف باللام ہیں مضاف بھی اور مضاف الیہ بھی، وہی بیان کر رہے ہیں۔ کہتے ہیں: وَوَجْهُ الْحَمْلِ، کہ حمل کی وجہ جو ہے، اشْتِرَاكُهُمَا، اس بات میں دونوں کا اشتراک ہے، فِي كَوْنِ الْمُضَافِ صِفَةً کہ مضاف کیا ہے؟ صفت، وَالْمُضَافِ إِلَيْهِ جِنْسًا اور مضاف الیہ جنس ہے، مُعَرَّفَيْنِ بِاللَّامِ، اس حال میں کہ دونوں کیا ہیں؟ معرف باللام۔ تو دونوں کا اشتراک ہے۔ دونوں میں مضاف صفت کے صیغے، اور مضاف الیہ اسمِ جنس، اور دونوں معرف باللام ہیں مضاف بھی معرف باللام اور مضاف الیہ بھی معرف باللام۔ الْحَسَنُ الْوَجْهِ میں بھی دیکھو دونوں معرف باللام ہیں، اور الضَّارِبُ الرَّجُلِ میں بھی دونوں معرف باللام ہیں۔

وَهٰذَا الِاشْتِرَاكُ مَفْقُودٌ بَيْنَ الضَّارِبُ زَيْدٍ وَالْحَسَنُ الْوَجْهِ، اور یہ اشتراک مفقود ہے، مفقود کا معنی یعنی موجود نہیں ہے۔ فَقد کا معنی نہ ہونا، نہ ہونا۔ وَهٰذَا الِاشْتِرَاكُ مَفْقُودٌ، اور یہ اشتراک مفقود ہے یعنی موجود نہیں ہے بَيْنَ الضَّارِبُ زَيْدٍ وَالْحَسَنُ الْوَجْهِ، الضَّارِبُ زَيْدٍ اور الْحَسَنُ الْوَجْهِ میں۔ الضَّارِبُ الرَّجُلِ اس کا حمل کیا کس پر؟ الْحَسَنُ الْوَجْهِ پر، کیونکہ دونوں کا اشتراک تھا کہ دونوں میں مضاف صفت کے صیغے، دونوں میں مضاف الیہ اسمِ جنس ہیں، اور دونوں مضاف اور مضاف الیہ دونوں کے اندر معرف باللام ہیں۔ جبکہ الضَّارِبُ زَيْدٍ اس کو الْحَسَنُ الْوَجْهِ پر محمول نہیں کر سکتے کیونکہ یہاں اشتراک نہیں ہے۔ مضاف تو دونوں میں صفت کا صیغہ ہے الضَّارِبُ زَيْدٍ اور الْحَسَنُ الْوَجْهِ، مضاف تو دونوں میں صفت کا صیغہ ہے، لیکن مضاف الیہ الضَّارِبُ زَيْدٍ کے اندر تو زید ہے، وہ تو اسمِ جنس بھی نہیں اور وہ معرف باللام بھی نہیں، تو دونوں میں اشتراک نہیں، لہٰذا الضَّارِبُ الرَّجُلِ اس کو تو ہم الْحَسَنُ الْوَجْهِ پر محمول کر سکتے ہیں لیکن الضَّارِبُ زَيْدٍ کو الْحَسَنُ الْوَجْهِ پر محمول نہیں کر سکتے، اس کو جائز قرار نہیں دے سکتے۔ تو کہتے ہیں: وَهٰذَا الِاشْتِرَاكُ مَفْقُودٌ بَيْنَ الضَّارِبُ زَيْدٍ وَالْحَسَنُ الْوَجْهِ، اور یہ اشتراک مفقود ہے الضَّارِبُ زَيْدٍ اور الْحَسَنُ الْوَجْهِ میں، فَقِيَاسُهُ عَلَيْهِ قِيَاسٌ مَعَ الْفَارِقِ، تو الضَّارِبُ زَيْدٍ کو قیاس کرنا الْحَسَنُ الْوَجْهِ پر یہ قیاس مع الفارق ہے، یہ کیا ہے؟ قیاس مع الفارق ہے۔ مختلف چیزوں کو ایک دوسرے پر قیاس نہیں کرتے، ایک جیسی چیزوں کو ایک دوسرے پر قیاس کرتے ہیں۔ تو الضَّارِبُ الرَّجُلِ یہ تو الْحَسَنُ الْوَجْهِ جیسا ہے اس کو تو اس پر قیاس کر سکتے ہیں، الْحَسَنُ الْوَجْهِ جائز تو الضَّارِبُ الرَّجُلِ بھی جائز، لیکن الضَّارِبُ زَيْدٍ یہ تو الْحَسَنُ الْوَجْهِ جیسا نہیں، تو لہٰذا اس کو اس پر قیاس نہیں کر سکتے۔ اگر آپ قیاس کریں گے تو یہ قیاس مع الفارق ہو جائے گا۔ فَارِق کا کیا معنی؟ مختلف، مختلف۔ قِيَاسٌ مَعَ الْفَارِقِ، قیاس کیا مَعَ الْفَارِق کس کے ساتھ؟ مختلف چیز کے ساتھ۔ قیاس تو ایک جیسی چیز کے ساتھ کیا جاتا ہے، مختلف چیز کے ساتھ قیاس نہیں کیا جاتا، تو فَارِق کا کیا معنی؟ مختلف بھائی۔ تو کہتے ہیں: فَقِيَاسُهُ عَلَيْهِ، تو الضَّارِبُ زَيْدٍ کو قیاس کرنا

الْحَسَنُ الْوَجْهِ پر قِيَاسٌ مَعَ الْفَارِقِ، یہ قیاس مع الفارق ہے یعنی مختلف چیز پر قیاس کرنا ہے، لہٰذا ان کا یہ قیاس بھی صحیح نہیں۔

اسی طرح: وَالضَّارِبُكَ يَعْنِي إِنَّمَا جَازَ الضَّارِبُكَ، میں نے بتایا الضَّارِبُكَ یہ جو معرف باللام ہے صفت کا صیغہ، اس کے اندر عام نحوی کیا فرماتے ہیں؟ یہ كَاف ضمیر منصوب ہے مفعول بہ ہے، یہاں اضافت نہیں ہے۔ الضَّارِبُكَ، عام نحوی کیا فرماتے ہیں؟ یہاں اضافت نہیں ہے، یہ الضَّارِبُ صفت کا صیغہ ہے اور آگے جو كَاف ضمیر ہے وہ منصوب المحل ہے، وہ مضاف الیہ ہے ہی نہیں، یہاں اضافت نہیں ہے۔ تو یہ كَاف ضمیر کیا ہوئی؟ منصوب المحل مفعول بہ ہے الضَّارِبُ کے لیے، الضَّارِبُ کے لیے مفعول۔ لیکن امام سیبویہ وغیرہ فرماتے ہیں یہ یہاں اضافت ہے اور وہ اس کو محمول کرتے ہیں ضَارِبُكَ پر۔ تو عام نحویوں پر تو کوئی اعتراض ہوتا ہی نہیں، الضَّارِبُكَ یہاں اضافت ہی نہیں ہے۔ جبکہ امام سیبویہ پر اعتراض ہوتا ہے کہ یہ تو اضافتِ لفظی ہے اور اضافتِ لفظی تو تخفیف کا فائدہ دیتی ہے، اور الضَّارِبُكَ یہاں تو کسی قسم کی کوئی تخفیف نہیں آئی، کیونکہ تنوین الف لام کی وجہ سے گر چکی ہے۔ تو وہ جواب دے رہے ہیں کہ یہ الضَّارِبُكَ کو وہ محمول کرتے ہیں کس پر؟ ضَارِبُكَ جو بغیر الف لام کے ہے۔ اور وہاں بھی اضافت کی وجہ سے جیسے وہاں کوئی تخفیف نہیں آئی تھی، یہاں بھی کوئی تخفیف نہیں آئی، اور نیز دونوں ایک جیسے ہیں، مضاف صفت کا صیغہ ہے اور مضاف الیہ ضمیرِ متصل ہے، ضمیرِ ضَارِبُكَ اس کے اندر بھی كَاف ضمیرِ متصل ہے جب بغیر الف لام کے ہے، اور الضَّارِبُكَ اس کے اندر بھی كَاف ضمیر مضاف الیہ ضمیرِ متصل ہے، تو دونوں ایک جیسے ہیں، تو اس لیے وہ اس کو محمول کرتے ہیں۔ تو، تو شاید، شاید امام فراء نے الضَّارِبُ زَيْدٍ کو قیاس کیا کس پر؟ الضَّارِبُكَ پر۔ کس پر؟ الضَّارِبُكَ پر قیاس کیا کہ جیسے الضَّارِبُكَ کے اندر اضافتِ لفظی ہے اور کوئی تخفیف نہیں آئی، تو جیسے الضَّارِبُكَ جائز ہے الضَّارِبُ زَيْدٍ بھی جائز ہے اس میں اضافت کی وجہ سے کوئی تخفیف نہیں آئی۔ تو اس کا بھی جواب دیا کہ نہیں، الضَّارِبُكَ پر آپ حمل نہیں کر سکتے، کیونکہ الضَّارِبُكَ تو ویسے جائز نہیں تھا، وہ کس پر حمل کر کے جائز قرار دیا ہے؟ ضَارِبُكَ پر۔ تو الضَّارِبُكَ یہ ضَارِبُكَ جیسا ہے، لیکن الضَّارِبُ زَيْدٍ وہ تو ضَارِبُكَ جیسا نہیں ہے، وہاں تو الضَّارِبُ زَيْدٍ کے اندر، وہاں تو مضاف الیہ ضمیرِ متصل نہیں ہے، لہٰذا اس کا حمل ضَارِبُكَ پر نہیں ہو سکتا۔ بات سمجھ میں آگئی؟

تو کہتے ہیں: وَالضَّارِبُكَ يَعْنِي إِنَّمَا جَازَ الضَّارِبُكَ، کہتے ہیں الضَّارِبُكَ جائز ہے مَعَ أَنَّ الْقِيَاسَ عَدَمُ جَوَازِهِ، باوجود اس کے کہ قیاس تو اس کے عدمِ جواز کا ہے، کہ قیاس تو یہ تقاضا کرتا ہے اس کو جائز نہیں ہونا چاہیے، لِمَا عَرَفْتَ، اس وجہ سے جو آپ جان چکے ہیں، کہ اضافتِ لفظی ہے اور اضافتِ لفظی یہاں میں یہاں کوئی تخفیف نہیں آ رہی تو یہ جائز نہیں ہونا چاہیے۔ وَكَذَا شِبْهُهُ، اور اسی طرح جو الضَّارِبُكَ کے مشابہ ہیں، متن میں کیا آیا کہ الضَّارِبُكَ وَشِبْهُهُ، یہ شِبْهُهُ سے کیا مراد ہے؟ تو صاحبِ جامی بتلا رہے ہیں: وَهُوَ ضَارِبِي وَضَارِبُهُ، وہ الضَّارِبُكَ جیسوں سے مراد یہ ہے الضَّارِبُكَ، توجہ ہے؟ اس کے ساتھ الضَّارِبُ کے ساتھ کون سی ضمیر ملی ہوئی ہے؟ واحد مذکر مخاطب کی۔ تو اس کے جو مثل ہیں، یعنی اور بھی کوئی ضمیرِ متصل آجائے صفت کے صیغے کے ساتھ، چاہے مفرد کی ہو، چاہے تثنیہ کی ہو، چاہے جمع کی ہو، چاہے مخاطب کی ہو، چاہے متکلم کی ہو،

چاہے غائب کی ہو، جو بھی صورت چودہ ضمیریں ہیں، الضَّارِبُكَ میں تو ایک ضمیر ہے، تو باقی ضمیریں بھی اگر ساتھ مل جائیں گی ان سب کا بھی یہی حکم ہے۔ صرف الضَّارِبُكَ اس کا یہ حکم نہیں ہے بلکہ اس جیسے جو ہیں جن میں صفت کا صیغہ معرف باللام ہو اور اس کے ساتھ ضمیرِ متصل مفعول کی جڑی ہو، تو امام سیبویہ اور ان کے متبعین کہتے ہیں ان سب میں اضافت ہے بھائی۔ وَكَذَا شِبْهُهُ، اور اسی طرح جو اس کے مشابہ ہیں، الضَّارِبُكَ کے جو مشابہ ہیں، وَهُوَ الضَّارِبِي وَالضَّارِبُهُ، اور وہ کیا ہیں؟ الضَّارِبِي، دیکھو مخاطب کی ضمیر کے بجائے متکلم کی ضمیر لے آئے، وَالضَّارِبُهُ، دیکھو مخاطب کی ضمیر کے بجائے غائب کی ضمیر لے آئے، وَغَيْرُهُمَا، اور ان کے علاوہ اور بھی کوئی ضمیر ہو، تثنیہ کی ہو یا جمع کی ہو، جو بھی ضمیر لے آئیں، تو فِيمَنْ قَالَ۔

فِيمَنْ قَالَ، دیکھو متن میں آیا تھا وَالضَّارِبُكَ وَشِبْهُهُ فِيمَنْ قَالَ إِنَّهُ مُضَافٌ، اور الضَّارِبُكَ وَشِبْهُهُ، اور جو اس کے مشابہ ہیں، فِيمَنْ قَالَ أَيْ فِي قَوْلِ مَنْ قَالَ۔ یہاں میں نے بتلایا تھا فِي کے بعد قَوْل کا لفظ محذوف ہے، أَيْ فِي قَوْلِ مَنْ قَالَ، تو یہاں مضاف محذوف نکالنا پڑے گا، پھر ہی بات صحیح بنتی ہے۔ تو وہی صاحبِ جامی اب آپ کو بتلائیں گے: فِيمَنْ قَالَ أَيْ فِي قَوْلِ مَنْ قَالَ، یعنی ان کے قول کے مطابق۔ بھئی وہ کون ہیں جنہوں نے یہ کہا ہے؟ کہتے ہیں: يَعْنِي سِيبَوَيْهِ وَأَتْبَاعَهُ، یعنی امام سیبویہ اور ان کے متبعین جو ہیں، ان کے نزدیک، وہ جو جنہوں نے یہ کہا ہے إِنَّهُ، متن میں کیا آیا إِنَّهُ مُضَافٌ کہ یہ کیا ہے؟ مضاف ہے۔ بھئی کیا مضاف ہے؟ بتلایا ادھر دیکھیے: الضَّارِبُكَ، اس کے اندر جو الضَّارِبُ آ رہا ہے نا یہ مضاف ہے، الضَّارِبُ جو صفت ہے وہ مضاف ہے، تو إِنَّهُ کی ہَا ضمیر کا مرجع بتلا رہے ہیں کہ إِنَّهُ أَيِ الضَّارِبُ، یہ جو الضَّارِبُ کا لفظ آیا ہے فِي الضَّارِبُكَ، کس کے اندر؟ الضَّارِبُكَ کے اندر مُضَافٌ، یہ مضاف ہے۔ یہ ان کے قول کے مطابق یہ محمول ہے کس پر؟ ضَارِبُكَ پر۔ جنہوں نے کہا ہے کہ یہ الضَّارِبُ مضاف ہے كَاف ضمیر کی طرف، انہوں نے اس کو محمول کیا ہے کس پر؟ ضَارِبُكَ پر۔ جبکہ باقی نحوی تو اس کو كَاف ضمیر کو مفعول بہ بناتے ہیں مضاف الیہ نہیں بناتے، ان کے نزدیک یہ منصوب ہے تو ان پر تو کوئی اعتراض ہی نہیں ہوتا۔ چنانچہ اسی لیے کہا کہ ان کے نزدیک یہ مضاف ہے، دُونَ مَنْ قَالَ إِنَّهُ غَيْرُ مُضَافٍ، علاوہ ان کے جنہوں نے، جن نحویوں نے یہ کہا ہے کہ یہ مضاف نہیں ہے، وَالْكَافُ مَنْصُوبُ الْمَحَلِّ عَلَى الْمَفْعُولِيَّةِ، اور جو فرماتے ہیں کہ كَاف ابھی بھی منصوب المحل ہے عَلَى الْمَفْعُولِيَّةِ مفعول ہونے کی بنا پر۔ كَاف ابھی بھی کیا ہے؟ الضَّارِبُكَ، عام نحوی کیا فرماتے ہیں؟ یہاں کوئی اضافت نہیں، الضَّارِبُ صفت کا صیغہ ہے اور كَاف اس کا مفعول بہ ہے اور منصوب المحل ہے۔ جبکہ امام سیبویہ فرماتے ہیں یہ مجرور المحل ہے، کیونکہ مبنی کا اعراب کیسے بتاتے ہیں؟ محلاً بتلاتے ہیں نا، كَاف ضمیر مبنی ہے، تو امام سیبویہ کے نزدیک یہ مجرور ہے كَاف ضمیر مضاف الیہ ہے، لیکن کون سا مجرور ہے؟ محلاً۔ اور ان کے نزدیک یہ كَاف ضمیر منصوب ہے محلاً، کیونکہ یہ مبنی ہے بھائی۔ تو کہتے ہیں: وَالْكَافُ مَنْصُوبُ... یا یوں کر لیں كَاف کا عطف کر لیں إِنَّهُ کی ہَا ضمیر پر۔ جنہوں نے یہ کہا ہے کہ یہ الضَّارِبُ غیرِ مضاف ہے وَالْكَافَ مَنْصُوبُ الْمَحَلِّ عَلَى الْمَفْعُولِيَّةِ اور كَاف جو ہے وہ منصوب المحل ہے مفعول ہونے کی بنا پر، وَالتَّنْوِينَ مَحْذُوفٌ لِاتِّصَالِ الضَّمِيرِ لَا لِلْإِضَافَةِ، اور جو تنوین ہے وہ محذوف ہے ضمیر کے

جڑنے کی وجہ سے لَا لِلْإِضَافَةِ نہ کہ اضافت کی وجہ سے۔ فَإِنَّهُ لَا يَحْتَاجُ جَوَازُهُ إِلَى حَمْلٍ، اس لیے کیونکہ یہ قول جو ہے، یہ جو جنہوں نے یہ کہا ہے کہ یہ مضاف نہیں ہے، وہاں حمل کی کوئی حاجت نہیں۔ الضَّارِبُكَ اس کو ضَارِبُكَ پر حمل کرنے کی کوئی حاجت نہیں، کیونکہ ضَارِبُكَ کے اندر تو اضافت ہے اور باقی نحوی کیا فرماتے ہیں الضَّارِبُكَ کے اندر کوئی اضافت نہیں، تو لہٰذا حمل کے بھی وہ محتاج نہیں۔ یہ معنی ہے: فَإِنَّهُ لَا يَحْتَاجُ جَوَازُهُ إِلَى حَمْلٍ، اس لیے کیونکہ اس ترکیب کا جواز جو ہے وہ حمل کا محتاج نہیں ہے، حمل کا محتاج نہیں ہے۔

حَمْلًا أَيْ لِمَحْمُولِيَّتِهِ عَلَى ضَارِبِكَ فَاتَّحَدَ، جی۔ حَمْلًا، حَمْلًا أَيْ لِمَحْمُولِيَّتِهِ بوجہ اس کو محمول کرنے کے عَلَى ضَارِبِكَ، کس پر؟ ضَارِبُكَ پر محمول کرتے ہوئے۔ توجہ ہے؟ یہاں جتنی درمیان میں لفظ آرہے ہیں میں نے بتلایا ان پر آپ اعرابِ حکائی بھی پڑھ سکتے ہیں اور موقع کے مطابق جو اعراب ہے وہ بھی پڑھ سکتے ہیں۔ تو عَلَى ضَارِبُكَ، یہ ضَارِبُكَ اس پر عَلَى جارہ داخل ہے لیکن آپ اس پر اعرابِ حکائی پڑھیں کسی ترکیب میں جہاں اس پر رفع آیا تھا آپ نے بھی وہی یہاں اعراب پڑھ دیا عَلَى ضَارِبُكَ، تو یہ محلاً ابھی بھی مجرور ہے لیکن لفظاً آپ نے مرفوع پڑھا وہ اعرابِ حکائی کی وجہ سے۔ اور آپ چاہیں تو عَلَى کا جر اس پر باقاعدہ پڑھ دیں عَلَى ضَارِبِكَ یوں بھی پڑھ سکتے ہیں، دونوں طرح پڑھ سکتے ہیں جتنی یہ الضَّارِبُ الرَّجُلِ اور الْحَسَنُ الْوَجْهِ وغیرہ لفظ جتنے آرہے ہیں ان سب پر بھائی۔ حَمْلًا أَيْ لِمَحْمُولِيَّتِهِ عَلَى ضَارِبِكَ، تو ان کے نزدیک یہ الضَّارِبُكَ مضاف ہے اور حَمْلًا عَلَى ضَارِبِكَ محمول کرتے ہوئے اس کو ضَارِبُكَ پر، اس کو ضَارِبُكَ پر محمول کرتے ہوئے، فَاتَّحَدَ فَاعِلُ الْمَفْعُولِ لَهُ وَالْفِعْلِ الْمُعَلَّلِ بِهِ أَعْنِي جَازَ، تو اس صورت میں متحد ہو گیا مفعول لہ اور فعلِ معلل بہ کا فاعل۔ بھئی اس جگہ کو سمجھ لیں۔ یہ بات پہلے بھی گزر چکی ہے کہ عربی زبان میں علت بتلانے کے لیے لَام وضع ہے۔

ضَرَبْتُهُ لِلتَّأْدِيبِ، میں نے اس کی پٹائی کی ادب سکھانے کے لیے۔ لیکن کبھی کبھار اس لَام کو حذف کر دیتے ہیں اور آگے جو مصدر ہوتا ہے اس پر نصب پڑھ دیتے ہیں: ضَرَبْتُهُ تَأْدِيبًا۔ پہلے کیا تھا؟ ضَرَبْتُهُ لِلتَّأْدِيبِ، میں نے اس کی پٹائی کی ہے ادب سکھانے کے لیے۔ لیکن پھر کبھی کبھار اس لَام کو حذف کر دیتے ہیں اور اس مصدر کو منصوب پڑھ دیتے ہیں: ضَرَبْتُهُ تَأْدِيبًا۔ اور اس تَأْدِيبًا کو اب مفعول لہ کہتے ہیں۔ پہلے جار مجرور تھا لِلتَّأْدِيبِ، اب آپ نے لَام کو حذف کر دیا تو تَأْدِيبًا، وہ مصدر جو ماقبل کے فعل کی علت بیان کرے اس کو کیا کہتے ہیں؟ مفعول لہ کہتے ہیں، تو پھر اس کو مفعول لہ بنا دیتے ہیں۔ لیکن اس کے لیے شرط ذکر ہوئی تھی کہ لَام کو حذف کر کے مصدر پر نصب پڑھنا تب جائز ہے جب ماقبل میں جو فعل ہے اور یہ جو مصدر ہے دونوں کا فاعل ایک ہی ہو۔ ماقبل میں جو فعل، جو بھی فعل ذکر ہو جملے کے اندر، اور یہ جو مصدر ہے دونوں کا فاعل ایک ہو تب اس لَام کو حذف کرنا جائز ہے، ویسے جائز نہیں۔ تو دیکھو یہاں ضَرَبْتُهُ میں نے اس کی پٹائی کی تَأْدِيبًا ادب سکھانے کے لیے، تو یہ ضَرْب بھی کس نے لگائی؟ متکلم نے، اور یہ تَأْدِيب یعنی ادب بھی کس نے سکھایا؟ متکلم نے، تو دونوں کا فاعل ایک ہے، لہٰذا لَام کو حذف کر کے تَأْدِيبًا پڑھنا جائز ہے۔ لیکن اگر فاعل الگ الگ ہو گا پھر لَام کو آپ حذف

نہیں کر سکتے۔ اور یاد رکھو عَلَّلَ یُعَلِّلُ تَعْلِیلًا کا معنی ہوتا ہے علت بیان کرنا۔ تو تَأْدِیبًا یہ بھی کیا کر رہا ہے؟ ماقبل کی علت اور وجہ بیان کر رہا ہے، توجہ ہے؟ تو لہٰذا یہ تَأْدِیبًا ماقبل والے فعل کی علت بیان کر رہا ہے، تو ماقبل والے فعل کو کہیں گے فعلِ معلل بہ۔ عَلَّلَ یُعَلِّلُ تَعْلِیلًا کا کیا معنی؟ علت بیان کرنا۔ مُعَلِّل، مُعَلِّل کا کیا معنی؟ علت بیان کرنے والا، وہ تو متکلم ہو گا۔ اور مُعَلَّل، جس کی علت بیان کی جائے، جس کی، جس کی علت... تو ماقبل میں جو فعل ہے یہ ہے فعلِ معلل بہ، یعنی وہ فعل جس کی علت بیان کی گئی ہے اس مفعول لہ کے ساتھ۔ تو کیا شرط ہے کہ اس لَام کو حذف کر کے مصدر پر نصب پڑھنا کب جائز ہے؟ جب فعلِ معلل بہ اور مفعول لہ دونوں کا فاعل ایک ہی ہو۔ پھر بولو، یہ لَام کو حذف کرنا کب جائز ہے؟ جب ماقبل والے فعلِ معلل بہ اور یہ مفعول لہ دونوں کا فاعل ایک ہی ہو، ورنہ جائز نہیں، لَام کو لفظوں میں لانا پڑے گا۔ تو یہاں اشکال ہوتا تھا۔ دیکھو حَمْلًا، پیچھے آیا تھا جَازَ الضَّارِبُكَ، الضَّارِبُكَ جائز ہے۔ متن پہ نظر ہے؟ وہ جو متن میں آیا تھا وَالضَّارِبُكَ اس کا عطف کس پر ہے؟ وہ جو پیچھے آیا تھا الضَّارِبُ الرَّجُلِ متن میں۔ اور وہاں عبارت کیا تھی؟ وَإِنَّمَا جَازَ الضَّارِبُ الرَّجُلِ، تو جَازَ فعل ہے اور الضَّارِبُ الرَّجُلِ اس کا فاعل ہے، یہ جائز ہے۔ الضَّارِبُ الرَّجُلِ، اور الضَّارِبُكَ کا عطف الضَّارِبُ الرَّجُلِ پر ہے، اور معطوف کا وہی حکم ہوتا ہے جو معطوف علیہ کا، تو معلوم ہوا الضَّارِبُكَ یہ بھی فاعل ہے جَازَ کے لیے۔ الضَّارِبُكَ بھی جائز ہے، تو یہ بھی جَازَ کے لیے کیا ہوا؟ فاعل ہوا، توجہ ہے؟ اور آگے علت بیان کر دی، یہ کیوں جائز ہے؟ یہ الضَّارِبُكَ کیوں جائز ہے؟ حَمْلًا عَلَى ضَارِبِكَ، اس کا حمل ہے کس پر؟ ضَارِبُكَ پر، اور یہ حَمْلًا یہ مفعول لہ ہے۔ یہ ماقبل کی علت بیان کر رہا ہے۔ کیوں جائز ہے؟ ضَارِبُكَ پر حمل کرنے کی وجہ سے۔ الضَّارِبُكَ جائز ہے قَعَدْتُ عَنِ الْحَرْبِ جُبْنًا، یہ مفعول لہ ہے۔ قَعَدْتُ عَنِ الْحَرْبِ، میں جنگ سے بیٹھا یعنی جنگ میں نہیں گیا، جنگ میں شرکت نہیں کی، جُبْنًا کس وجہ سے؟ بزدلی کی وجہ سے۔ تو جنگ سے بیٹھنا بھی متکلم کا فعل اور بزدلی بھی کس کا فعل؟ متکلم کا فعل، تو دونوں کا فاعل ایک ہی ہے، توجہ ہے؟ اور اس ترجمہ کیسے کریں گے؟ میں جنگ سے بیٹھا بزدلی کی وجہ سے۔ ترجمہ مفعول لہ ہے نا، تو اس کا ترجمہ اس طرح کرتے ہیں: ضَرَبْتُهُ تَأْدِیبًا، میں نے اس کی پٹائی کی ادب سکھانے کے لیے، تو مفعول لہ کا ترجمہ کبھی «کے لیے» کے ساتھ کرتے ہیں کبھی «کی وجہ سے»۔ سمجھ میں آیا؟ ضَرَبْتُهُ تَأْدِیبًا میں نے اس کی پٹائی کی ادب سکھانے کے لیے، یا یوں ترجمہ کریں گے میں نے اس کی پٹائی کی ادب سکھانے کی وجہ سے۔ تو یہاں پر بھی حَمْلًا کا ترجمہ کس کے ساتھ کریں گے؟ «کی وجہ سے»، حمل کرنے کی وجہ سے۔ تو الضَّارِبُكَ جائز ہے کس پر حمل کرنے کی وجہ سے؟ ضَارِبُكَ پر حمل کرنے کی وجہ سے۔ ترجمہ سمجھ میں آگیا؟ تو یہ حَمْلًا کیا ہے؟ مفعول لہ جو ماقبل فعل کی علت بیان کرتا ہے۔ ماقبل میں کون سا فعل ہے؟ جائز ہونا، جَازَ الضَّارِبُكَ، یہ جائز ہے۔ اس پر اشکال ہوتا ہے: جَازَ کا فاعل الضَّارِبُكَ، توجہ ہے؟ اور کس لیے؟ حمل کرنے کے لیے ضَارِبُكَ پر۔ اور یہ حمل کس نے کیا؟ متکلم نے۔ حمل کون کرتا ہے؟ متکلم کرے گا نا ایک لفظ کا دوسرے لفظ پر حمل تو متکلم کرے گا وہ حمل کرتا ہے یا نہیں کرتا۔ جو بھی حمل کرے گا وہ کون کرے گا؟ متکلم کرے گا جو بھی کلام کرنے والا ہے۔ تو جَازَ کا فاعل کون؟

الضَّارِبُكَ، یہ لفظ جائز ہے۔ تو الضَّارِبُكَ توجہ ہے؟ جائز قرار دیا ہے، یوں نہیں ہے بات، جائز قرار دے گا وہ بھی کوئی متکلم ہوگا، کوئی نحوی ہوگا، لیکن یہاں ہے جَازَ الضَّارِبُكَ، الضَّارِبُكَ جائز ہے، تو جَازَ فعل الضَّارِبُكَ اس کے لیے فاعل۔ اور حَمْلًا یہ حمل کس نے کیا ہے؟ متکلم نے، تو اس کا فاعل تو متکلم ہو گیا۔ تو فعل کا فاعل کچھ اور ہے اور مفعول لہ کا فاعل کچھ اور ہے، لہٰذا یہاں تو لَام کا حذف نہیں کر سکتے آپ، آپ کو لَام لفظوں میں لانا پڑے گا: لِحَمْلٍ عَلَى ضَارِبِكَ، یوں ہونا چاہیے تھا۔ تو اس کا جواب دیا صاحبِ جامی نے: أَيْ لِمَحْمُولِيَّتِهِ۔ أَيْ لِمَحْمُولِيَّتِهِ، بتلایا کہ یہ حَمْلًا مصدر ہے اور مصدر کبھی مبنی للفاعل ہوتا ہے، کبھی مبنی للمفعول۔ عموماً طلبہ اس کا ترجمہ کرتے ہیں مبنی، مصدر مبنی للفاعل کا ترجمہ کرتے ہیں وہ مصدر جو اسمِ فاعل کے معنی میں ہو۔ نہیں نہیں، یہ معنی نہیں ہے۔ مصدر مبنی للفاعل کا معنی ہے مصدرِ معروف، اور مصدرِ مبنی للمفعول کا کیا معنی؟ مصدرِ مجہول۔ میں پہلے بھی بیان کر چکا ہوں، یہ گردانوں میں بھی جو آپ دو دفعہ مصدر پڑھتے ہیں: ضَرَبَ يَضْرِبُ ضَرْبًا، ایک دفعہ ضَرْبًا پڑھا، پھر آگے پھر آرہا ہے وَضُرِبَ يُضْرَبُ ضَرْبًا، دوبارہ ضَرْبًا آرہا ہے۔ حالانکہ یہ تو صرفِ صغیر ہے، چھوٹی گردان ہے، اس میں تو دوبارہ ذکر نہیں کرا اس میں تو پوری پوری گردان کی طرف ایک لفظ سے اشارہ کرتے ہیں تو مصدر کو دوبارہ کیوں لائے؟ تو جواب میں نے بتلایا تھا کہ بھئی یہاں پر یہ جو مصدرِ اول ہے یہ فعلِ معروف کے بعد آیا ہے تو یہ مصدرِ معروف ہے، اور دوسرا مصدر فعلِ مجہول کے بعد آیا ہے تو وہ مصدرِ مجہول ہے۔ توجہ ہے؟ تو حَمْلًا یہ مصدر معروف بھی ہو سکتا ہے اور مجہول بھی۔ تو یہاں پر یہ حَمْلًا صاحبِ جامی بتلانا یہ چاہتے ہیں: أَيْ لِمَحْمُولِيَّتِهِ، کہ یہ مصدر مبنی للمفعول ہے۔ جیسے دیکھو، ضَرْبٌ، ضَرْبٌ مصدرِ معروف ہو تو کیا ترجمہ ہوگا؟ پٹائی کرنا۔ پٹائی کرنا۔ اور مصدرِ مجہول ہو تو پٹائی کیے جانا، پٹائی کیے جانا، یا یوں کہو پٹائی ہونا۔ ایک ہے پٹائی کرنا، ایک ہے پٹائی ہونا۔ دیکھو فرق ہے یا نہیں؟ پٹائی کرنے والا اور ہوگا اور جس کی پٹائی ہوئی وہ اور ہوگا یا جس کی پٹائی کی گئی وہ اور ہوگا۔ اسی طرح ایک ہے کھانا کھانا، أَكْلٌ، أَكْلٌ کا معنی کھانا، یہ اگر معروف ہو، اور اگر مجہول ہو تو کھایا جانا۔ تو کھانا کھانا یہ مصدرِ معروف ہے، اور کھانے کا کھایا جانا یہ کیا ہے مصدرِ مجہول ہے۔ پینا یہ مصدرِ معروف ہے اور پیا جانا مصدرِ مجہول ہے۔ تو یہاں پر بھی حَمْلًا یہ مصدرِ مجہول ہے۔ مصدرِ... تو حَمْلًا اگر مصدرِ معروف ہو تو کیا معنی ہوگا؟ حمل کرنا۔ توجہ ہے؟ حَمْل اگر مصدرِ معروف ہو تو کیا معنی ہوگا؟ حمل کرنا، اور حمل کرنا کس کا کام ہے؟ وہ متکلم کا کام ہے، وہ حمل کرتا ہے۔ اور اگر مصدرِ مجہول ہو تو اس کا کیا معنی؟ حمل کیا جانا۔ یعنی وہ چیز جس کا حمل کیا جاتا ہے، حمل کیا جانا، توجہ ہے؟ تو یہ الضَّارِبُكَ، یہ حمل کرنے والا ہے یا اس کا حمل کیا جاتا ہے؟ اس کا حمل کیا جاتا ہے۔ تو یہ مصدرِ مجہول ہے، یعنی محمول ہونا، محمول ہونا۔ اور محمول ہونا، محمول کیا ہے؟ وہ الضَّارِبُكَ ہے۔ حمل کرنے والا متکلم ہے اور جس کو محمول کیا گیا وہ کیا ہے؟ الضَّارِبُكَ ہے۔ تو جَازَ فعل کا فاعل بھی کیا؟ الضَّارِبُكَ۔ اور مصدر بھی کون سا ہوا؟ مصدرِ مجہول، اور مصدرِ مجہول کے لیے کیا چاہیے؟ نائب الفاعل، جس کا حمل کیا گیا، اور کس کا حمل کیا گیا ہے؟ الضَّارِبُكَ کا، تو دیکھو نائب فاعل بھی وہی بن گیا۔ جَازَ کا جو فاعل ہے اور حَمْلًا کا جو نائب فاعل ہے وہ دونوں ایک

ہی ہیں۔ تو اس لیے کہا: حَمْلًا أَيْ لِمَحْمُولِيَّتِهِ بوجہ اس کے محمول ہونے کے عَلَى ضَارِبِكَ کس پر؟ ضَارِبُكَ پر، فَاتَّحَدَ فَاعِلُ الْمَفْعُولِ لَهُ تو متحد ہو گیا مفعول لہ کا فاعل، وَالْفِعْلِ الْمُعَلَّلِ بِهِ اور فعلِ معلل بہ کا بھی فاعل، دونوں کا فاعل ایک ہی بن گیا۔ بھئی وہ فعلِ معلل بہ کیا ہے؟ کہتے ہیں: أَعْنِي جَازَ یعنی کہ جَازَ کا جو فعل ہے۔

اب سنو بھائی، میں نے کیا بیان کیا تھا؟ ضَارِبُكَ بغیر الف لام کے، یہ کیوں جائز ہے؟ کیونکہ علمائے نحو نے لازم پکڑا ہے کہ جب اسمِ فاعل اور اسمِ مفعول ان کے ساتھ مفعول کی ضمیرِ متصل آجائے تو اس میں اضافت کو لازم پکڑتے ہیں، لازم قرار دیتے ہیں اگرچہ کوئی تخفیف نہ آئے۔ وہی بیان کریں گے: وَبَيَانُهُ بیان اس کا یہ ہے کہ أَنَّهُمْ إِذَا وَصَلُوا أَسْمَاءَ الْفَاعِلِينَ وَالْمَفْعُولِينَ، کہ جب نحوی ملاتے ہیں اسمائے فاعلین اور اسمائے مفعولین ان کو ملاتے ہیں مُجَرَّدَةً عَنِ اللَّامِ، اس حال میں کہ یہ لام سے خالی ہوں، دیکھو ضَارِبُكَ یہ بھی ضَارِبٌ کیا ہے؟ لام سے خالی ہے، کہ جب ان کو ملاتے ہیں اس حال میں کہ یہ لام سے خالی ہوں، کن کے ساتھ ملاتے ہیں؟ بِمَفْعُولَاتِهَا اپنے مفعول کے ساتھ، وَكَانَتْ مُضْمَرَاتٍ مُتَّصِلَاتٍ اور اس حال میں کہ وہ مفعول ضمیرِ متصل ہوتے ہیں۔ توجہ سے پھر سنو، نحویوں نے لازم پکڑا ہے کیا؟ کہ جب اسمِ فاعل اور اسمِ مفعول یہ الف لام سے خالی ہوں اور یہ مل جائیں کس کے ساتھ؟ اپنے مفعول کے ساتھ، اور مفعول بھی کیا ہو؟ ضمیرِ متصل ہو، تو اِلْتَزَمُوا الْإِضَافَةَ، تو انہوں نے اضافت کو لازم پکڑا ہے۔ بات سمجھ میں آئی کہ نہیں؟ پھر ترجمہ دیکھیے۔ کہتے ہیں: وَبَيَانُهُ بیان اس کا یہ ہے کہ أَنَّهُمْ إِذَا وَصَلُوا أَسْمَاءَ الْفَاعِلِينَ وَالْمَفْعُولِينَ، کہ نحوی حضرات جب ملاتے ہیں اسمائے فاعل اور اسمائے مفعول کو مُجَرَّدَةً عَنِ اللَّامِ اس حال میں کہ جب یہ لام یعنی الف لام سے خالی ہوں، جب وہ ان کو ملاتے ہیں بِمَفْعُولَاتِهَا ان کے اپنے مفعولوں کے ساتھ، وَكَانَتْ مُضْمَرَاتٍ مُتَّصِلَاتٍ اور اس حال میں کہ وہ ان کے جو مفعول ہیں وہ ضمیرِ متصل ہوں، تو اِلْتَزَمُوا الْإِضَافَةَ، تو ان نحویوں نے اضافت کو لازم پکڑا ہے۔ وَلَمْ يَنْظُرُوا إِلَى تَحَقُّقِ تَخْفِيفٍ، اور انہوں نے تخفیف کے تحقق کی یعنی تخفیف کے پائے جانے کی طرف نظر نہیں کی۔ وہ تخفیف کے پائے جانے کی طرف نہیں دیکھتے کہ تخفیف آئی ہے یا نہیں آئی ہے، جب بھی اسمِ فاعل اور اسمِ مفعول کے بعد مفعول آئے اور وہ ضمیرِ متصل کی صورت میں ہو، اور یہ اسمِ فاعل اور اسمِ مفعول پر الف لام نہ ہو، تو پھر وہ اس میں اضافت کو لازم قرار دیتے ہیں اور یہ نہیں دیکھتے کہ یہاں کوئی تخفیف آئی ہے یا تخفیف نہیں آئی۔ یہ معنی ہے: وَلَمْ يَنْظُرُوا إِلَى تَحَقُّقِ تَخْفِيفٍ، اور انہوں نے نظر نہیں کی تخفیف کے پائے جانے کی طرف، فَقَالُوا ضَارِبُكَ، پس انہوں نے کیا کہا؟ ضَارِبُكَ کہا، یعنی اس میں اضافت کے قائل ہوئے۔ وَإِنْ لَمْ يَحْصُلِ التَّخْفِيفُ بِالْإِضَافَةِ، اگرچہ تخفیف حاصل نہیں ہوئی ہے اضافت کی وجہ سے، بَلْ بِنَفْسِ اتِّصَالِ الضَّمِيرِ، بلکہ نفسِ ضمیر کے متصل ہونے سے تخفیف آئی ہے۔ ضمیرِ متصل آئی، آپ چاہے اضافت کریں یا نہ کریں تنوین تو گر جائے گی۔ ضمیرِ متصل کہتے ہی کسے ہیں؟ جو ساتھ جڑ جائے، جب ضمیر آکر جڑے گی تو تنوین تو خود ہی گر جائے گی۔ تو چاہے اضافت ہو یا اضافت نہ ہو، تو یہ تنوین اضافت سے پہلے ہی گر چکی ہے اس ضمیرِ متصل کی وجہ سے۔ ثُمَّ لَمَّا لَمْ يَعْتَبِرُوا التَّخْفِيفَ فِي ضَارِبِكَ، پھر جب نحوی حضرات نے ضَارِبُكَ کے اندر تخفیف کا اعتبار نہیں کیا، وَجَوَّزُوهُ بِدُونِهِ، اور اس کو انہوں نے بغیر

تخفیف کے ہی جائز قرار دیا ہے، تو حَمَلُوا الضَّارِبَكَ عَلَيْهِ، تو الضَّارِبُكَ جو الف لام کے ساتھ ہے اس کو بھی اسی پر محمول کر دیا، لِأَنَّهُمَا مِنْ بَابٍ وَاحِدٍ، اس لیے کیونکہ یہ دونوں ایک ہی باب سے ہیں۔ بھئی کس طرح دونوں ایک باب سے ہیں؟ کہتے ہیں: حَيْثُ كَانَ كُلٌّ مِنْهُمَا اسْمَ فَاعِلٍ اس حیثیت سے کہ ان دونوں کے اندر ایسا اسمِ فاعل ہے مُضَافًا إِلَى مُضْمَرٍ مُتَّصِلٍ جو مضاف ہو رہا ہے ضمیرِ متصل کی طرف

مَحْذُوفًا تَنْوِينُهُ، اور جس کی تنوین کو حذف کر دیا گیا ہے قَبْلَ الْإِضَافَةِ اضافت سے پہلے ہی، لَا لِلْإِضَافَةِ اضافت کی وجہ سے نہیں۔ ان دونوں کے اندر، ادھر سنو، ان دونوں کے اندر الضَّارِبُكَ اور ضَارِبُكَ، دونوں کے اندر ایسا اسمِ فاعل آ رہا ہے جو مضاف ہو رہا ہے ضمیرِ متصل کی طرف، اور اس اسمِ فاعل کی تنوین اضافت سے پہلے ہی گر چکی ہے، اضافت کی وجہ سے نہیں گری، ضمیرِ متصل آنے کی وجہ سے گری ہے۔ بات سمجھ میں آ گئی؟ پھر ترجمہ دیکھ لیجیے۔ دیکھو حَيْثُ كَانَ كُلٌّ مِنْهُمَا اسْمَ فَاعِلٍ، یہ اسْمَ فَاعِلٍ یہ كَانَ کی خبر ہے اور كَانَ کی خبر کیا ہوتی ہے؟ منصوب، اور یہ نکرہ ہے تو آگے مُضَافًا إِلَى مُضْمَرٍ مُتَّصِلٍ یہ اس کی صفتِ اول، اور مَحْذُوفًا تَنْوِينُهُ یہ اس کی صفتِ ثانی ہے، تو اور موصوف صفت کا ترجمہ نکرہ میں کیسے کرتے ہیں؟ موصوف سے پہلے «ایسا» یا «ایسی» کا لفظ لاتے ہیں، تو اسْمَ فَاعِلٍ سے پہلے میں «ایسا» یا «ایسی» کا لفظ لاؤں گا، دیکھیے پھر ترجمہ۔ کیونکہ لِأَنَّهُمَا مِنْ بَابٍ وَاحِدٍ، اس لیے کیونکہ یہ دونوں ایک ہی باب سے ہیں یعنی ضَارِبُكَ اور الضَّارِبُكَ یہ دونوں ایک ہی باب سے ہیں، حَيْثُ كَانَ كُلٌّ مِنْهُمَا اسْمَ فَاعِلٍ، کیونکہ ان میں سے ہر ایک جو ہے وہ ایسا اسمِ فاعل ہے مُضَافًا إِلَى مُضْمَرٍ مُتَّصِلٍ، جو مضاف ہو رہا ہے ضمیرِ متصل کی طرف، اور وہ اسمِ فاعل ایسا ہے مَحْذُوفًا تَنْوِينُهُ قَبْلَ الْإِضَافَةِ لَا لِلْإِضَافَةِ، کہ اس کی تنوین محذوف ہوئی ہے اضافت سے پہلے ہی، لَا لِلْإِضَافَةِ نہ کہ اضافت کی وجہ سے۔

وَلَمْ يَحْمِلُوا الضَّارِبُ زَيْدٍ عَلَيْهِ، توجہ سے ادھر دیکھو، الضَّارِبُكَ اس کو محمول کیا کس پر؟ ضَارِبُكَ پر، کیونکہ دونوں ایک جیسے ہیں۔ لیکن الضَّارِبُ زَيْدٍ اس کو ضَارِبُكَ پر محمول نہیں کر سکتے کیونکہ یہ دونوں ایک جیسے نہیں ہیں، کیونکہ الضَّارِبُ زَيْدٍ میں جو مضاف الیہ ہے وہ ضمیرِ متصل نہیں ہے بھئی۔ وَلَمْ يَحْمِلُوا الضَّارِبُ زَيْدٍ عَلَيْهِ، اور الضَّارِبُ زَيْدٍ کو ضَارِبُكَ پر محمول نہیں کیا لِأَنَّهُمَا لَيْسَا مِنْ بَابٍ وَاحِدٍ، اس لیے کیونکہ یہ دونوں ایک باب سے نہیں ہیں۔ توجہ ہے؟

وَالدَّلِيلُ عَلَى، اچھا بھئی، اس بات کی کیا دلیل ہے کہ تنوین اضافت سے پہلے گری ہے؟ ضَارِبُكَ، الضَّارِبُكَ اس کے اندر تو ٹھیک ہے الف لام آیا ہے الضَّارِبُ پر، کیا آیا ہے؟ اور الف لام کی وجہ سے تنوین تو پہلے گر گئی اضافت سے پہلے ہی گر گئی، لیکن ضَارِبُكَ اس کے اندر اضافت سے پہلے تنوین گری ہے اس کی کیا دلیل ہے؟ تو آپ کو بتائیں گے کہ بھئی بات ظاہر ہے کہ ضمیرِ متصل آئی ہے، ضمیرِ متصل، اور ضمیرِ متصل کے ہوتے ہوئے یہاں تنوین کی کوئی صورت ہی نہیں، ضَارِبٌ كَ، دیکھو تنوین کے ساتھ۔ کہتے ہیں اس طرح عربی میں کہیں ہم نے نہ سنا ہے نہ کبھی استعمال ہوتا ہے کہ اسمِ فاعل تنوین کے ساتھ ہو اور آگے ضمیرِ متصل بھی آ رہی ہو۔ ضمیرِ متصل جب بھی آتی ہے تنوین کو کیا کر دیتی ہے؟ گرا دیتی ہے، جیسے

ہی ضمیرِ متصل آکر جڑے گی تنوین گر جائے گی۔ تو ضَارِبُكَ دلیل ذکر کر رہے ہیں کہ یہ تنوین اضافت سے پہلے ہی گری ہے، کیونکہ اضافت سے پہلے تنوین کے ساتھ ضمیرِ متصل بھی آجائے اور آپ یوں کہیں ضَارِبٌ كَ، اس کی کوئی عربی میں مثال اور کوئی صورت نہیں ہے۔ کہتے ہیں: وَالدَّلِيلُ عَلَى أَنَّ سُقُوطَ التَّنْوِينِ فِي ضَارِبِكَ، اور اس بات کی دلیل کہ جو تنوین کا ساقط ہونا ہے ضَارِبُكَ کے اندر، لِاتِّصَالِ الْكَافِ لَا لِلْإِضَافَةِ، یہ اتصالِ کاف کی وجہ سے ہے اضافت کی وجہ سے نہیں ہے، ضمیر کے ساتھ ملنے کی وجہ سے یہ تنوین گری ہے اضافت کی وجہ سے نہیں گری ہے، اس کی دلیل یہ ہے کہ أَنَّهَا لَوْ سَقَطَتْ بِالْإِضَافَةِ، کہ اگر یہ تنوین اضافت کی وجہ سے گری ہوتی لَكَانَ يَنْبَغِي، تو مناسب یہ تھا أَنْ يُتَصَوَّرَ ذٰلِكَ أَوَّلًا عَلَى وَجْهٍ، کہ اس کا تصور بھی کیا جا سکتا پہلے عَلَى وَجْهٍ ایسے طریقے پر يَكُونُ الضَّمِيرُ مَنْصُوبًا بِالْمَفْعُولِيَّةِ، کہ ضمیر جو ہے وہ منصوب ہوتی مفعول ہونے کی بنا پر۔ پہلے اس کا تصور تو کیا جا سکتا کہ ضمیر منصوب ہو ضمیرِ متصل، اور تنوین بھی موجود ہو ضَارِبٌ كَ، حالانکہ اس کا تو تصور ہی نہیں کیا جا سکتا۔ ضمیرِ متصل جب بھی آئے گی اضافت نہ ہو لیکن تنوین کو وہ گرا دے گی۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو دلیل کس کی ذکر کر رہے ہیں کہ یہ تنوین کس کی وجہ سے گری ہے؟ ضمیر کے ساتھ جڑنے کی وجہ سے گری ہے، اضافت کی وجہ سے نہیں گری۔ اگر اضافت کی وجہ سے گری ہوتی تو پھر اضافت سے پہلے کوئی صورت تو ہوتی جس میں تنوین بھی باقی رہتی اور ضمیر بھی ساتھ متصل مفعول والی ہوتی، جیسے ضَارِبٌ كَ، لیکن اس کی تو کوئی مثال عربی میں نہیں ہے۔ یہ معنی ہے کہ أَنَّهَا لَوْ سَقَطَتْ بِالْإِضَافَةِ اگر یہ تنوین جو ہے اضافت کی وجہ سے ساقط ہوئی ہے، تو لَكَانَ يَنْبَغِي تو مناسب یہ تھا کہ أَنْ يُتَصَوَّرَ ذٰلِكَ أَوَّلًا کہ پہلے اس کا تصور تو ہو سکتا عَلَى وَجْهٍ ایسے طریقے پر یعنی تنوین کا تصور تو ہو سکتا ایسے طریقے پر يَكُونُ الضَّمِيرُ مَنْصُوبًا بِالْمَفْعُولِيَّةِ، کہ وہ ضمیر منصوب ہوتی مفعول ہونے کی وجہ سے، جیسے میں نے بتایا ضَارِبٌ كَ اس کا تصور ہو سکتا، ضَارِبٌ كَ پر تنوین بھی آرہی ہوتی اور کاف ضمیرِ متصل ساتھ منصوب بھی آرہی ہوتی، لیکن اس کا تو کوئی تصور نہیں ہے۔ ثُمَّ يُضَافُ، پھر اس کے بعد اضافت کی جاتی اور تنوین گر جاتی، نہیں ایسا نہیں، بات بھی سمجھ میں آرہی ہے کہ نہیں؟ وَيُقَالُ ضَارِبُكَ، اور پھر اضافت کے بعد کہا جاتا ضَارِبُكَ، كَمَا يُتَصَوَّرُ ضَارِبٌ زَيْدًا، جیسے ضَارِبٌ زَيْدًا کے اندر ہم تنوین کا تصور کر سکتے ہیں، ضَارِبٌ زَيْدًا پھر اضافت کر دی تو کیا بن گیا؟ ضَارِبُ زَيْدٍ، لیکن ضَارِبٌ كَ یوں تو اس کا تصور نہیں کیا جا سکتا۔ كَمَا يُتَصَوَّرُ ضَارِبٌ زَيْدًا، جیسے کہ تصور کیا جا سکتا ہے ضَارِبٌ زَيْدًا کا، ثُمَّ يُضَافُ پھر اضافت کی جاتی ہے وَيُقَالُ ضَارِبُ زَيْدٍ اور پھر ضَارِبُ زَيْدٍ کہا جاتا ہے، وَلَنْ يُتَصَوَّرَ ضَارِبٌ كَ، لیکن ضَارِبٌ كَ کا تصور نہیں کیا جا سکتا، فَعُلِمَ تو یہ بات معلوم ہو گئی کہ أَنَّهَا سَقَطَتْ لِاتِّصَالِ الْكَافِ لَا لِلْإِضَافَةِ، کہ یہ تنوین اتصالِ کاف کی وجہ سے گری ہے اضافت کی وجہ سے نہیں گری۔ بات سمجھ میں آگئی؟

اس آخری بات کا حاصل سن لو۔ کہتے ہیں اس بات کی کیا دلیل ہے کہ ضَارِبُكَ کے اندر تنوین جو ہے اضافت سے پہلے ہی گری ہے، اضافت کی وجہ سے نہیں گری؟ کہتے ہیں بھئی یہ دلیل اس کی یہ ہے کہ اضافت کے بغیر ضمیرِ متصل مفعول والی بھی آجائے اور آپ اس صفت کے صیغے پر تنوین بھی پڑھ لیں اس کی کوئی صورت نہیں ہے، جیسے ضَارِبٌ کے ساتھ

آپ كَاف ضمیر لائے، یہ كَاف ضمیر کون سی ہے؟ ضمیرِ متصل، اور یہ مفعول ہے، اور آپ یوں کہہ سکیں ضَارِبٌ كَ تنوین کے ساتھ، اس کی کوئی صورت نہیں ہے۔ جب اس کی کوئی صورت نہیں معلوم ہوا کہ ضَارِبٌ کے ساتھ كَاف ضمیر جیسے ہی آکر جڑے گی ساتھ ہی تنوین گر جائے گی، جب تنوین گر گئی اب اس کے بعد اضافت کرتے ہیں، تو دیکھو تنوین اضافت سے پہلے ہی گر چکی ہے، اضافت کی وجہ سے نہیں گری۔ بات سمجھ میں آگئی؟ چلیے بس بھئی هٰذَا هُوَ الْمَرَامُ وَاللهُ أَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْكَلَامِ۔

سبق نمبر ۱۹۲: الاضافۃ(۹): «ضَارِبُکَ» کی اصل اور صفت کی اپنے معمول کی طرف اضافت

شرحِ ملا جامی صفحہ: ۱۷۱ — بتاریخ: ۱۳ ستمبر ۲۰۲۲ء

▪ تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث

آگے سبق دیکھیے بھائی: وَلِقَائِلٍ أَنْ يَقُولَ لِمَ لَا يَجُوزُ أَنْ يَكُونَ أَصْلُ ضَارِبُكَ ضَارِبٌ إِيَّاكَ لِلْفَصْلِ بِالتَّنْوِينِ ثُمَّ لَمَّا أُضِيفَ حُذِفَ التَّنْوِينُ وَصَارَ الضَّمِيرُ الْمُنْفَصِلُ مُتَّصِلًا فَصَارَ ضَارِبُكَ وَحَصَلَ التَّخْفِيفُ جِدًّا.

بھائی گذشتہ سبق میں امام فراء کے استدلال کے جوابات چل رہے تھے۔ امام فراء فرماتے ہیں الضَّارِبُ زَيْدٍ جائز ہے۔ صاحبِ کافیہ اور جمہور نحوی تو فرماتے ہیں الضَّارِبُ زَيْدٍ جائز نہیں کیونکہ اس کے اندر اضافتِ لفظی ہے، اور اضافتِ لفظی صرف تخفیف کا فائدہ دیتی ہے۔ وہ نہ تعریف کا فائدہ دیتی ہے اور نہ تخصیص کا، صرف تخفیف کا فائدہ دیتی ہے۔ تو لہٰذا اضافتِ لفظی میں تخفیف کا آنا واجب ہے۔ جہاں تخفیف نہیں وہاں اضافتِ لفظی بھی جائز نہیں۔ اور الضَّارِبُ زَيْدٍ کے اندر تو الضَّارِبُ پر الف لام آگیا تو اضافت سے پہلے ہی تنوین اس سے گر گئی۔ تو پھر جب اضافت کی الضَّارِبُ زَيْدٍ تو کوئی تخفیف نہیں آئی اضافت کی وجہ سے، لہٰذا یہ اضافتِ لفظی جائز نہیں۔ جبکہ امام فراء فرماتے ہیں الضَّارِبُ زَيْدٍ جائز ہے۔

ان کے جوابات چل رہے تھے۔ ایک جواب یہ ذکر ہوا کہ شاید امام فراء کا خیال یہ ہے کہ الضَّارِبُ زَيْدٍ یہ اصل میں ضَارِبٌ زَيْدًا تھا۔ اضافت سے پہلے کیا تھا؟ ضَارِبٌ زَيْدًا یعنی بغیر الف لام کے ضَارِبٌ تھا۔ پھر اضافت کی تو تخفیف آگئی، ضَارِبٌ سے تنوین گر گئی ضَارِبُ زَيْدٍ۔ اور پھر اس کے بعد اس پر الف لام آیا۔ تو معلوم ہوا الف لام بعد میں آیا ہے، اضافت کی وجہ سے تخفیف پہلے ہی حاصل ہو چکی ہے۔ کہتے ہیں شاید ان کا یہ خیال ہو، لیکن یہ ان کی بات صحیح نہیں اس لیے کیونکہ اس کی ان کے پاس کوئی دلیل موجود نہیں۔

یا شاید امام فراء نے الضَّارِبُ زَيْدٍ کو اس لیے جائز قرار دیا اس لیے کیونکہ اعشی جو کہ عرب کا ایک فصیح و بلیغ شاعر گزرا ہے، وہ اپنے ایک شعر میں کہتا ہے: الْوَاهِبُ الْمِائَةِ الْهِجَانِ وَعَبْدِهَا۔ اس کے اندر وَعَبْدِهَا کا عطف ہے الْمِائَةِ الْهِجَانِ پر۔

اور معطوف کا وہی حکم ہوتا ہے جو معطوفٌ علیہ کا۔ تو گویا یہاں پر معنیٰ کے اعتبار سے صورت بن گئی الْوَاهِبُ عَبْدِهَا۔ اور الْوَاهِبُ عَبْدِهَا یہ تو بالکل الضَّارِبُ زَيْدٍ کی طرح ہے۔ جیسے الضَّارِبُ زَيْدٍ کے اندر الف لام کی وجہ سے ضَارِبٌ سے پہلے ہی تنوین گر چکی ہے، تو الْوَاهِبُ عَبْدِهَا کے اندر بھی الْوَاهِبُ سے تنوین الف لام کی وجہ سے پہلے ہی گر چکی ہے۔ تو جب الْوَاهِبُ عَبْدِهَا جائز ہے کہ عرب کا ایک فصیح و بلیغ شاعر اس کو اپنے شعر میں لا رہا ہے، تو الضَّارِبُ زَيْدٍ بھی جائز ہے۔

تو صاحبِ کافیہ نے اس کا جواب دیا تھا کہ بھائی یہ ترکیب ضعیف ہے۔ یہ جس کے اندر الْوَاهِبُ عَبْدِهَا آرہا ہے یہ ترکیب ضعیف ہے۔ کیوں ضعیف ہے؟ اس لیے کیونکہ یہ الضَّارِبُ زَيْدٍ جیسی صورت بن گئی اور الضَّارِبُ زَيْدٍ تو ممتنع ہے۔ تو اس کو بھی ممتنع ہونا چاہیے تھا، لیکن چونکہ یہ صورت معطوف کے اندر بن رہی ہے اور معطوف کے اندر بعض اوقات ان چیزوں کی گنجائش ہوتی ہے جس کی گنجائش معطوفٌ علیہ میں نہیں ہوتی، لہٰذا اس ترکیب کو ممتنع ہونا چاہیے تھا لیکن ممتنع نہیں کہا انہوں نے اس کو ضعیف کہا ہے۔ تو لہٰذا جب یہ ترکیب ضعیف ہے تو اس سے ان کا استدلال کرنا صحیح نہیں۔ یہ شعر فصاحت میں اتنا قوی نہیں ہے کہ اس سے استدلال کیا جا سکے۔

اور پھر صاحبِ جامی نے بتلایا تھا کہ بھائی اس کے اندر یہ جو صاحبِ کافیہ نے رد کیا ہے امام فراء کے مذہب کو اور الْوَاهِبُ عَبْدِهَا کی ترکیب کو ضعیف قرار دیا ہے، اس کے اندر مُصَادَرَةٌ عَلَى الْمَطْلُوبِ ہے۔ مُصَادَرَةٌ عَلَى الْمَطْلُوبِ میں نے بتایا اسے کہتے ہیں کہ دعوے کے لیے جو دلیل پیش کی جائے، دلیل میں اسی دعوے ہی کو ذکر کر دیا جائے، یا دعوے کو دلیل کا جزبنا دیا جائے، یا دلیل جو ہے وہ ایسی ذکر کی جائے کہ وہ خود دعوے پر موقوف ہے۔ تو دعویٰ موقوف ہوا دلیل پر اور دلیل موقوف ہو گئی دعوے پر۔ یا دلیل تو نہیں موقوف دعوے پر، لیکن دلیل کا ایک جز موقوف ہے کس پر؟ دعوے پر۔ تو ان تمام صورتوں میں دور لازم آتا ہے۔ یعنی دعویٰ موقوف ہو جائے گا دلیل پر اور دلیل موقوف ہو جائے گی دعوے پر، تو اس میں ایک کا بھی پتہ نہیں چل سکتا، تو یہ مُصَادَرَةٌ عَلَى الْمَطْلُوبِ ہے۔

اور یہ جو جواب دیا اس میں فرمایا کہ یہ مُصَادَرَةٌ عَلَى الْمَطْلُوبِ تو نہیں لیکن مُصَادَرَةٌ عَلَى الْمَطْلُوبِ کی اس میں آمیزش ہے۔ کس طرح؟ کہ اپنے دعوے کو دلیل بنایا امام فراء کی دلیل کو باطل کرنے کے لیے۔ امام فراء کا مذہب کیا تھا؟ کہ الضَّارِبُ زَيْدٍ جائز ہے۔ اور دلیل کیا تھی؟ الْوَاهِبُ الْمِائَةِ الْهِجَانِ وَعَبْدِهَا۔ تو جب یہ دلیل باطل ہو جائے گی تو امام فراء کا مذہب بھی کیا ہو جائے گا؟ باطل، کیونکہ یہ ان کی دلیل ہے۔ دلیل باطل تو مذہب بھی باطل۔ اور اس دلیل کو باطل کس سے کیا؟ اپنے ہی مذہب سے۔ آپ نے کہا الضَّارِبُ زَيْدٍ ممتنع ہے، اسی لیے الْوَاهِبُ عَبْدِهَا بھی کیا ہوا؟ ممتنع ہوا۔ جب یہ ممتنع ہوا یا یوں کہیں جب یہ ضعیف ہوا تو امام فراء کا مذہب کیا ہو گیا؟ باطل ہو گیا۔ جب باطل ہو گیا تو ہمارا مذہب ثابت ہو گیا۔ تو اپنے مذہب کو ثابت کرنے کے لیے اپنے ہی دعوے کے ذریعے ان کی دلیل کو باطل کر دیا، تو اس میں مُصَادَرَةٌ عَلَى الْمَطْلُوبِ کی آمیزش ہے۔ اور پھر کہا تھا کہ ہاں، اس کا اور کوئی جواب نہیں دیا جا سکتا۔

ہاں ایک کمزور جواب پھر ذکر کیا کہ اگر آپ یہ کہتے ہیں کہ الْوَاهِبُ عَبْدِهَا یہ ترکیب ضعیف ہے پھر تو مُصَادَرَةٌ عَلَى الْمَطْلُوبِ ہے۔ ہاں یوں تقریر ہم کر سکتے ہیں کہ صاحبِ کافیہ یہ نہیں فرما رہے کہ الْوَاهِبُ عَبْدِهَا کی ترکیب ضعیف ہے، یہ نہیں کہنا چاہ رہے۔ یہ ترکیب تو فصیح ہے۔ ہاں اس سے استدلال کرنا ضعیف ہے۔ ترکیب ضعیف نہیں، پہلا جواب کیا تھا یہ ترکیب ضعیف ہے، لہٰذا جب ترکیب ضعیف ہے تو آپ استدلال کیسے کرتے ہیں؟ اور دوسرا جواب یہ کہ نہیں، ترکیب ضعیف نہیں ہے۔ ہاں اس سے دلیل بنانا کیا ہے؟ ضعیف ہے۔ وجہ یہ کہ وَعَبْدِهَا کے اندر جر کی کوئی روایت نہیں آئی۔ وَعَبْدِهَا مضاف الیہ بن رہا تھا نا، مضاف الیہ پر عطف ہے تو یہ وَعَبْدِهَا مجرور ہے، تو اس کے اندر جر والی کوئی روایت نہیں ہے۔ اس کے اندر نصب کا بھی احتمال ہے۔ نصب کا بھی احتمال ہے کہ وَعَبْدَهَا پڑھا جائے اور یہ عطف ہے الْمِائَةِ الْهِجَانِ پر اس کے محل پر حمل کرتے ہوئے، کیونکہ محل کے اعتبار سے الْمِائَةِ الْهِجَانِ مفعول بہ ہے، وہ مفعول بہ ہے، یا یہ مفعول معہ ہے۔ تو بہرحال یہ استدلال اس سے ضعیف ہو گیا۔ یہ تو استدلال تب بنتا اگر وَعَبْدِهَا قطعی طور پر مجرور ہی ہوتا۔ لیکن اس کے اندر احتمال کیا ہے؟ منصوب ہونے کا نہیں منصوب ہونے کا بھی احتمال آگیا۔ اور یا دوسرا جواب یہ دیا کہ ایک کمزور جواب یہ بھی دیا جا سکتا ہے کہ الْوَاهِبُ عَبْدِهَا یہ ترکیب تو جائز ہے کیونکہ یہ معطوف ہے اور معطوف کے اندر ان چیزوں کی گنجائش ہوتی ہے جس کی معطوفٌ علیہ کے اندر گنجائش نہیں۔ تو لہٰذا الْوَاهِبُ عَبْدِهَا کو تو جائز قرار دیا جا سکتا ہے، لیکن الضَّارِبُ زَيْدٍ اس کے اندر تو براہِ راست زَيْدٌ مضاف الیہ بن رہا ہے، اس میں یہ جائز نہیں ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟

پھر اس کے بعد یہ بھی بتلایا تھا کہ دوسرا اور تیسرا جواب دیا تھا کہ امام فراء نے الضَّارِبُ زَيْدٍ کو جائز قرار دیا، شاید انہوں نے الضَّارِبُ زَيْدٍ کو قیاس کیا ہے الضَّارِبُ الرَّجُلِ پر، یا الضَّارِبُكَ پر۔ لیکن ان دونوں پر قیاس کرنا صحیح نہیں، کیونکہ الضَّارِبُ الرَّجُلِ یہ تو خود جائز نہیں ہونا چاہیے تھا، یہ الْحَسَنُ الْوَجْهِ پر حمل کرتے ہوئے جائز ہے۔ یہ الضَّارِبُ الرَّجُلِ یہ الْحَسَنُ الْوَجْهِ جیسا ہے۔ دونوں کے اندر الْحَسَنُ الْوَجْهِ اور الضَّارِبُ الرَّجُلِ، دونوں کے اندر مضاف صفت کا صیغہ ہے اور مضاف الیہ اسمِ جنس ہے، اور دونوں مضاف اور مضاف الیہ دونوں کیا ہیں؟ معرف باللام ہیں، الْحَسَنُ الْوَجْهِ میں بھی اور الضَّارِبُ الرَّجُلِ میں بھی۔ جبکہ الضَّارِبُ زَيْدٍ ایسا نہیں ہے۔ اس کے اندر مضاف الیہ جو ہے وہ زَيْدٌ وہ اسمِ جنس نہیں ہے وہ تو معرفہ ہے، اور نیز وہ معرف باللام بھی، زَيْدٌ معرف باللام بھی نہیں۔ لہٰذا اس کو الْحَسَنُ الْوَجْهِ پر قیاس نہیں کیا جا سکتا۔

اور نیز شاید انہوں نے قیاس کیا ہو الضَّارِبُ زَيْدٍ کو الضَّارِبُكَ پر، جو معرف باللام ہے الضَّارِبُكَ۔ تو اس کا بھی بتایا کہ بھائی قیاس کے اعتبار سے یہ بھی جائز نہیں ہونا چاہیے تھا، لیکن بعض نحوی علماء نے امام سیبویہ وغیرہ نے اس کو جائز قرار دیا ہے۔ وہ الضَّارِبُكَ اس کو قیاس کرتے ہیں ضَارِبُكَ بغیر الف لام کے جو ہے۔ اور بغیر الف لام کے ضَارِبُكَ یہ تو بالاتفاق جائز ہے، کیونکہ نحوی حضرات جو ہیں وہ جب اسمِ فاعل اور اسمِ مفعول کے ساتھ آگے مفعول کی ضمیرِ متصل آجائے، تو وہاں اضافت کو لازم قرار دیتے ہیں۔ وہاں اضافت کو لازم قرار دیتے ہیں اور اگرچہ وہاں کوئی تخفیف نہیں آئی اضافت کی

وجہ سے، لیکن پھر بھی وہ اس کو لازم قرار دیتے ہیں۔ تو جب ضَارِبُكَ جائز ہے تو اسی پر حمل کرتے ہوئے الضَّارِبُكَ یہ بھی جائز ہے کہ دونوں کے اندر مضاف جو ہے صفت کا صیغہ ہے اور مضاف الیہ ضمیرِ متصل ہے، اور دونوں کے اندر مضاف سے تنوین اضافت سے پہلے ہی ساقط ہو چکی ہے۔ الضَّارِبُكَ اس کے اندر بھی تنوین ساقط ہو چکی ہے الف لام کی وجہ سے، اور ضَارِبُكَ اس کے اندر تنوین ساقط ہو چکی ہے ضمیرِ متصل کی وجہ سے۔ ضمیرِ متصل جیسے ہی جڑے گی، ابھی آپ نے اضافت بھی نہیں کی، پہلے ہی تنوین کیا ہو گی؟ گر جائے گی۔ دونوں میں مضاف صفت کا صیغہ اور مضاف الیہ ضمیرِ متصل، اور دونوں کے اندر تنوین اضافت سے پہلے ہی گر چکی ہے۔ الضَّارِبُكَ میں تنوین پہلے کیوں گری؟ کیونکہ الف لام ہے۔ اور ضَارِبُكَ کے اندر تنوین پہلے کیوں گری؟ کیونکہ ضمیرِ متصل آکر ساتھ جڑ گئی۔ ضمیرِ متصل بھی آئے اور تنوین بھی رہے کہتے ہیں یہ نہیں ہو سکتا۔

بات سمجھ میں آگئی؟ دلیل انہوں نے ذکر کی تھی کہ دیکھو ضَارِبُكَ اس کے اندر تنوین اضافت سے پہلے گر چکی ہے، بھائی کیسے پہلے گری ہے؟ کہتے ہیں کہ اس کی دلیل یہ ہے کہ اضافت سے پہلے کوئی صورت ایسی نہیں ہے کہ تنوین کا تصور کیا جائے۔ جیسے ضَارِبُنْكَ، تنوین بھی پڑھیں اور ضمیرِ متصل بھی لائیں ضَارِبُنْكَ، کہتے ہیں ہم نے ایسا کہیں کلامِ عرب میں نہ دیکھا اور نہ اس کا تصور کیا جا سکتا ہے۔ ضمیرِ متصل تو آتی ہی، وہ تو اتصال کا تقاضا کرتی ہے وہ آتے ہی ساتھ جڑتی ہے، اور جیسے ہی ساتھ جڑے گی تنوین تو گر جائے گی۔ تو تنوین باقی رہے اور ضمیر بھی کون سی ہو؟ متصل ہو، یہ تو نہیں ہو سکتا۔ جیسے کیسے پڑھا جائے ضَارِبُنْكَ؟ ضَارِبٌ پر تنوین بھی پڑھی جائے اور ضمیرِ متصل بھی ہو، اس کی کوئی صورت نہیں ہے۔ تو معلوم ہوا جیسے ہی ضمیرِ متصل آئی تھی تنوین گر گئی تھی، اس کے بعد اضافت کی گئی۔ تو جب اضافت کی گئی تو تنوین تو پہلے ہی گر چکی ہے، تو اضافت کی وجہ سے کوئی تخفیف نہیں آئی۔ بات سمجھ میں آگئی؟ اب آگے دیکھیے بھائی۔

وَلِقَائِلٍ أَنْ يَقُولَ لِمَ لَا يَجُوزُ أَنْ يَكُونَ أَصْلُ ضَارِبُكَ ضَارِبٌ إِيَّاكَ لِلْفَصْلِ بِالتَّنْوِينِ۔ یہاں سے صاحبِ جامی ذکر فرما رہے ہیں، ادھر دیکھیے۔ ضَارِبُكَ اس کے اندر انہوں نے بتایا تنوین اضافت سے پہلے ہی گر چکی ہے۔ تنوین، کیونکہ تنوین بھی رہے اور ضمیرِ متصل بھی رہے اس کا تصور نہیں کیا جا سکتا۔ ہم نے کہیں عرب کلام میں نہیں سنا ضَارِبُنْكَ، اس جیسی کوئی صورت ہم نے نہیں سنی۔ ہاں کوئی معترض یہ اعتراض کر سکتا ہے کہ ضَارِبُنْكَ، ضَارِبٌ پر آپ تنوین لائے اور كَاف ضمیرِ متصل لائے، اور تنوین بھی ہے اور ضمیرِ متصل بھی ہے، ٹھیک ہے اس کا تصور تو نہیں ہو سکتا، لیکن ضمیرِ متصل کے بجائے ضمیرِ منفصل لے آؤ نا، ضَارِبٌ پر تنوین بھی رہے اور ضمیرِ منفصل بھی آجائے ضَارِبٌ إِيَّاكَ۔ ضَارِبٌ إِيَّاكَ۔ إِيَّاكَ یہ بھی وہی مخاطب کی ضمیر ہے، لیکن وہ جو كَاف تھی وہ تھی ضمیرِ متصل، وہ اکیلی نہیں رہتی وہ کسی لفظ کے ساتھ جڑ کر رہے گی۔ جبکہ إِيَّاكَ یہ وہی ضمیرِ منصوب ہے لیکن یہ منفصل ہے، یہ کسی کے ساتھ جڑنے کی محتاج نہیں۔ تو یہ ضَارِبُكَ اصل میں کیا تھا؟ کوئی معترض کہتا ہے، اعتراض کرتا ہے کہ ٹھیک ہے ضَارِبُكَ کے اندر تو آپ کہتے ہیں کہ ضَارِبُنْكَ، تنوین اور ضمیرِ متصل

دونوں کا اکٹھا تصور نہیں ہو سکتا، لیکن ضمیرِ متصل کا تصور کیوں کرتے ہو؟ ضمیرِ منفصل لے آؤ۔ اب تنوین بھی رہے گی اور ضمیرِ منفصل بھی رہے گی، کہ ضَارِبُكَ اصل میں تھا ضَارِبٌ إِيَّاكَ۔ متصل ضمیر نہیں تھی بلکہ کون سی تھی؟ منفصل تھی۔ اب ضَارِبٌ پر تنوین بھی موجود ہے اور إِيَّاكَ ضمیرِ منفصل بھی موجود ہے۔ پھر اس کے بعد اضافت کا ارادہ کیا گیا۔ توجہ ہے؟

یاد رکھو، ضمیریں جو ہیں تین قسم پر ہیں۔ کچھ ضمیریں مرفوع ہوتی ہیں، تو جو رفع والا مقام ہو وہاں ضمیرِ مرفوع استعمال کریں گے۔ کچھ ضمیریں منصوب ہوتی ہیں، جہاں نصب والا مقام ہو وہاں ضمیرِ منصوب استعمال کریں گے۔ اور کچھ ضمیریں مجرور ہوتی ہیں، جو جر والا مقام ہو وہاں ضمیرِ مجرور استعمال کریں گے۔ وہی ضمیر ہے، مثلاً متکلم کی، متکلم کی ضمیرِ مرفوع ہے أَنَا۔ جب میں نے اپنے بارے میں بات کرنی ہے تو میں کیا کہوں گا؟ أَنَا، لیکن یہ مرفوع ہے، یہ کیا ہے؟ مرفوع ہے۔ اور اگر میں متکلم کی ضمیرِ منصوب استعمال کرنا چاہتا ہوں، کون سی؟ ضمیرِ منصوب۔ تو اب میں أَنَا نہیں لاؤں گا کیونکہ أَنَا تو مرفوع ہے۔ مثلاً میں کہنا چاہتا ہوں اس نے میری پٹائی کی، تو میں کہوں گا ضَرَبَنِي۔ ضَرَبَ اس نے پٹائی کی، ضَرَبَنِي یہ نون وقایہ کا ہے، تو یہ یاء ضمیر لایا، اور یہ یاء ضمیر کون سی ہے؟ یہ ضمیر یہ بھی متکلم کی ہے لیکن یہ منصوب ہے اور متصل ہے، توجہ ہے؟

تو وہی أَنَا متکلم کے لیے أَنَا مرفوع صورت میں لاؤں گا، اور منصوب ہو تو یاء ضمیر لاؤں گا یا إِيَّايَ لاؤں گا۔ مَا ضَرَبَ زَيْدٌ إِلَّا إِيَّايَ، زید نے پٹائی نہیں کی إِلَّا إِيَّايَ مگر صرف میری۔ تو یہ إِيَّايَ دیکھو مفعول واقع ہو رہا ہے، پٹائی کس نے کی ہے زید نے، اور کس کی کی ہے متکلم کی کی ہے، تو یہ إِيَّايَ ضمیرِ منصوب ہے۔ یہاں میں یوں نہیں کہہ سکتا مَا ضَرَبَ زَيْدٌ إِلَّا أَنَا۔ أَنَا، أَنَا بھی متکلم کی ضمیر ہے لیکن یہاں مفعول چاہیے بھائی، تو مفعول أَنَا نہیں کہوں گا بلکہ کیا کہوں گا؟ إِيَّايَ کہوں گا۔ توجہ ہے؟ اور اگر ضمیرِ مجرور ہو تو ضمیرِ مجرور، تو پھر جیسے مثلاً میں کہتا ہوں كِتَابِي۔ كِتَابِي، یہ كِتَاب مضاف اور یاء ضمیر مضافٌ الیہ، اور مضاف الیہ کیا ہوتا ہے؟ مجرور۔ تو یہ ضمیرِ مجرور، ضمیرِ مجرور ہے۔ توجہ ہے؟ جی۔

پھر سنو تفصیل بھائی۔ دیکھو یاد رکھو یہ ضمیریں جو ہیں تین قسم پر ہیں۔ یا مرفوع ہو گی یا منصوب یا مجرور۔ پھر یاد رکھو مرفوع دو قسم پر ہے۔ مرفوع متصل بھی ہو سکتی ہے منفصل بھی۔ مرفوع متصل بھی ہو سکتی ہے اور منفصل بھی۔ اسی طرح منصوب جو ہے وہ بھی متصل بھی ہو سکتی ہے اور منفصل بھی۔ لیکن مجرور صرف متصل ہوتی ہے۔ تو گویا کل پانچ قسم کی ضمیریں ہو گئیں: مرفوع متصل، مرفوع منفصل، منصوب متصل، منصوب منفصل اور مجرور متصل۔ یہ پانچ قسمیں ہیں اور ہر ایک میں چودہ چودہ ضمیریں ہیں۔ چھ غائب کی، چھ مخاطب کی اور دو متکلم کی۔ توجہ ہے؟ تو یہ چودہ چودہ ضمیریں ہیں، چودہ پنجے ستر، تو یہ ستر ضمیریں ہو گئیں بھائی، یہ صرف ستر ضمیریں ہیں۔ متکلم دیکھو جیسے میں نے مثال بیان کر دی، أَنَا ضمیر کیا ہے؟ مرفوع ہے، لیکن یہ منفصل ہے۔ اگر میں ضمیرِ متصل لانا چاہتا ہوں متکلم کی، تو وہ ضَرَبْتُ۔ یہ ضَرَبْتُ کون

سا صیغہ ہے؟ واحد متکلم، اور یہ تَاء ضمیر کیا ہے؟ فاعل ہے، اور اس سے کون مراد ہے؟ متکلم مراد ہے۔ تو یہ ضمیر کون سی ہے؟ مرفوع متصل ہے۔ توجہ ہے؟ تو ضَرَبْتُ کے ساتھ یہ تَاء ضمیر کیا ہے؟ مرفوع متصل ہے۔ اور أَنَا کیا ہے؟ متکلم کی مرفوع منفصل ہے۔ پھر دہراؤ۔ ضَرَبْتُ کے ساتھ کون سی ضمیر ہے؟ فاعل کی، اور کون سی ہے؟ متکلم کی، تو یہ متصل مرفوع ہے، فاعل مرفوع ہوتا ہے، مرفوع متصل۔ اور أَنَا مرفوع منفصل۔ اور ضَرَبَنِي، یہ یاء کیا ہے؟ مفعول، اور یہ منصوب متصل ہے۔ منصوب متصل۔ اور منصوب منفصل کیا ہے؟ مَا ضَرَبَ زَيْدٌ إِلَّا إِيَّايَ۔ مَا ضَرَبَ زَيْدٌ إِلَّا إِيَّايَ، یہ إِيَّايَ یہ وہی ضمیرِ منصوب ہے لیکن منفصل ہے۔ اور مجرور وہ صرف متصل ہوتی ہے: كِتَابِي، قَلَمِي، یہ یاء کیا ہے؟ مجرور متصل ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ یہ سب متکلم کی ضمیریں میں نے ذکر کیں۔

تو یہاں پر بھی، تو یہاں پر بھی ضَارِبُكَ اصل میں کیا تھا؟ کوئی معترض اعتراض کرتا ہے۔ آپ نے کہا ضَارِبُكَ یہاں پر تنوین اضافت سے پہلے گری ہے کیونکہ ضَارِبُنْكَ اس کا تصور نہیں ہو سکتا کہ تنوین بھی ہو اور ضمیرِ متصل بھی ہو۔ کہتے ہیں ضمیرِ متصل تو ٹھیک ہے نہیں ہو سکتا، لیکن ضمیرِ منفصل میں تو یہ تصور ہو سکتا ہے۔ تو كَاف ضمیر نہ لاؤ إِيَّاكَ لے آؤ منفصل لے آؤ، اب تنوین بھی ہے اور ضمیرِ منفصل بھی ہے: ضَارِبٌ إِيَّاكَ۔ ضَارِبٌ إِيَّاكَ۔ اب اضافت کا ارادہ کیا گیا ضَارِبٌ کا کس کی طرف؟ إِيَّاكَ کی طرف۔ اور جب اس کو اضافت کریں گے تو کون سی ضمیر، مضاف الیہ کیا ہوتا ہے؟ مجرور۔ تو إِيَّاكَ ضمیر یہ تو تھی منصوب، اب ہم مجرور لانا پڑے گی۔ اور مجرور میں تو ایک ہی صورت ہے، متصل آسکتی ہے منفصل نہیں۔ تو ضَارِبُكَ کہنا پڑا۔ کیا کہنا پڑا؟ ضَارِبُكَ، کیونکہ اب یہ كَاف ضمیر کیا ہے؟ مضاف الیہ ہے، مجرور ہے، اور ضمیرِ مجرور منفصل ہوتی ہی نہیں۔ تو جب اضافت کا ارادہ کیا گیا تو إِيَّاكَ ضمیرِ منصوب منفصل کو بدل دیا کس سے؟ مجرور متصل کے ساتھ۔ پھر دہراؤ۔ اصل میں کیا تھا؟ ضَارِبٌ إِيَّاكَ۔ پھر کیا ارادہ کیا گیا؟ اضافت کا۔ جب اضافت کا ارادہ کیا تو ضمیرِ منصوب کی جگہ کون سی لانی پڑے گی؟ ضمیرِ مجرور کیونکہ مضاف الیہ مجرور ہوتا ہے، اور جب ضمیرِ مجرور لائیں گے وہ تو صرف کون سی ہے؟ متصل ہے، تو متصل ساتھ جوڑنا پڑی۔ جب ساتھ جوڑنا پڑی تو اب کیسے کہیں گے؟ ضَارِبُكَ۔ تنوین گر گئی یا نہیں؟ اور تنوین اضافت کی وجہ سے گری ہے کیونکہ آپ جو كَاف ضمیر لائے وہ لائے ہی کس لیے ہیں؟ اضافت کرنے کے لیے۔ ضمیرِ مجرور اسی لیے لائے کیونکہ مضاف الیہ مجرور ہوتا ہے۔ تو تنوین کس کی وجہ سے گری؟ اضافت کی وجہ سے۔ اور نیز یہ تو مضاف میں تخفیف آگئی ضَارِبٌ سے ضَارِبُ ہو گیا، اور مضاف الیہ میں بھی تخفیف آگئی، وہ پہلے إِيَّاكَ تھا اب كَاف رہ گیا ضَارِبُكَ۔ تو مضاف میں بھی تخفیف آگئی تنوین گر گئی، اور مضاف الیہ کے اندر بھی تخفیف آگئی کہ منفصل سے وہ بدل گیا متصل کی طرف۔ تو دیکھو بہت زیادہ تخفیف آگئی، مضاف میں بھی اور مضاف الیہ میں بھی دونوں میں تخفیف آگئی۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو کوئی معترض یہ اعتراض کر سکتا ہے کہ آپ نے ہمیں کیا کہا؟

پھر سنو۔ یہ ضَارِبُكَ اس میں انہوں نے کیا کہا تھا یہ تنوین کیوں گری ہے؟ یہ اضافت کی وجہ سے نہیں گری، یہ ضمیرِ

متصل کے آنے کی وجہ سے گری ہے، یہ پہلی تقریر چل رہی ہے۔ کیونکہ تنوین کا تصور ضمیرِ متصل کے ساتھ نہیں ہو سکتا، ضَارِبُنْكَ اس کا تصور نہیں ہو سکتا۔ تو کوئی معترض کہتا ہے کہ ضَارِبُنْكَ اس کا تو تصور نہیں ہو سکتا، لیکن ضَارِبٌ إِيَّاكَ اس کا تو تصور ہو سکتا ہے۔ تو پہلے یہ کیا تھا؟ ضَارِبٌ إِيَّاكَ۔ پھر اس کے بعد اضافت کا ارادہ کیا گیا تو ضمیرِ منفصل کو کس سے بدلنا پڑا؟ متصل سے۔ اور نیز جب متصل ضمیر آئی تو اضافت کرتے ہوئے تنوین بھی گر گئی، تو دونوں میں تخفیف آ گئی۔ مضاف میں تنوین گر گئی اور مضاف الیہ منفصل سے بدل گیا متصل کی طرف۔ بات سمجھ میں آ گئی؟

کہتے ہیں: وَلِقَائِلٍ أَنْ يَقُولَ اور کسی کہنے والے کے لیے جائز ہے کہ وہ یوں کہے، لِمَ لَا يَجُوزُ أَنْ يَكُونَ أَصْلُ ضَارِبُكَ ضَارِبٌ إِيَّاكَ کہ یہ کیوں نہیں جائز کہ ضَارِبُكَ کی جو اصل ہے وہ ضَارِبٌ إِيَّاكَ ہو؟ لِلْفَصْلِ بِالتَّنْوِينِ تنوین کی وجہ سے فصل کے لیے۔ تنوین کی وجہ سے فصل کے لیے، کہ جب متصل آئے گی تنوین تو گر جائے گی، تو تنوین کو برقرار رکھنے کے لیے ضروری ہے کہ ضمیرِ متصل نہ لائی جائے بلکہ کون سی لائی جائے؟ ضمیرِ منفصل۔ جب منفصل لائی گئی تو ضَارِبٌ إِيَّاكَ، تنوین بھی باقی ہے اور ضمیرِ منفصل بھی باقی ہے۔ پھر دیکھیے ترجمہ۔ کہتے ہیں: وَلِقَائِلٍ أَنْ يَقُولَ اور کسی کہنے والے کے لیے جائز ہے کہ وہ یوں کہے، یعنی مطلب یہ ہے کہ کوئی معترض یہ اعتراض کر سکتا ہے، یوں کہہ سکتا ہے کہ لِمَ لَا يَجُوزُ أَنْ يَكُونَ أَصْلُ ضَارِبُكَ کہ یہ کیوں نہیں جائز کہ ضَارِبُكَ کی جو اصل ہے ضَارِبٌ إِيَّاكَ، یہ کیا ہو؟ ضَارِبٌ إِيَّاكَ ہو، لِلْفَصْلِ بِالتَّنْوِينِ جدائی کے لیے تنوین کی وجہ سے۔ ضمیرِ منفصل کیوں لائی جائے؟ تاکہ تنوین باقی ہو، اضافت سے پہلے تنوین باقی ہو۔ تو یہ لِلْفَصْلِ بِالتَّنْوِينِ تنوین کی وجہ سے فصل کے لیے، یعنی ضمیرِ متصل نہ ہو بلکہ منفصل ہو اصل میں۔ ثُمَّ لَمَّا أُضِيفَ پھر جب اس ضَارِبٌ کی اضافت کی گئی إِيَّاكَ کی طرف۔ توجہ ہے؟ ثُمَّ لَمَّا أُضِيفَ پھر جب اس ضَارِبٌ کی اضافت کی گئی، حُذِفَ التَّنْوِينُ تو تنوین کو حذف کر لیا گیا، وَصَارَ الضَّمِيرُ الْمُنْفَصِلُ مُتَّصِلًا اور وہ ضمیرِ منفصل کیا بن گئی؟ متصل۔ کیوں متصل بنی؟ کیونکہ مجرور منفصل ہوتی نہیں ہے۔ جب اضافت کرنی ہے تو ضمیر کو مضاف الیہ بنانا ہے۔ جب مضاف الیہ بنانا ہے تو وہ قطعی طور پر مجرور ہو گی۔ اور جب مجرور ہے تو اس کی تو ایک ہی صورت ہے متصل ہی ہو سکتی ہے منفصل نہیں ہو سکتی۔ تو یہ معنیٰ ہے: وَصَارَ الضَّمِيرُ الْمُنْفَصِلُ مُتَّصِلًا اور وہ ضمیرِ منفصل جو ہے وہ متصل ہو گئی، فَصَارَ ضَارِبُكَ تو ضَارِبُكَ ہو گیا، وَحَصَلَ التَّخْفِيفُ جِدًّا اور بہت زیادہ تخفیف حاصل ہو گئی۔ یعنی مضاف میں بھی اور مضاف الیہ میں بھی۔

ثُمَّ حُمِلَ الضَّارِبُكَ عَلَيْهِ۔ تو یہ ضَارِبُكَ بن گیا، کیا بن گیا؟ ضَارِبُكَ۔ پھر اس ضَارِبُكَ پر حُمِلَ الضَّارِبُكَ عَلَيْهِ اس پر کس کا حمل کر دیا گیا؟ الضَّارِبُكَ جو معرف باللام ہے۔ کہتے ہیں: ثُمَّ حُمِلَ الضَّارِبُكَ عَلَيْهِ پھر الضَّارِبُكَ جو معرف باللام ہے اس کو محمول کر دیا گیا اس ضَارِبُكَ پر جو بغیر الف لام کے ہے، لِأَنَّهُمَا مِنْ بَابٍ وَاحِدٍ اس لیے کیونکہ یہ دونوں ایک ہی باب سے ہیں۔ اس لیے کیونکہ یہ دونوں ایک ہی باب سے ہیں۔ کیسے ایک باب سے ہیں؟ ادھر دیکھیے۔ ضَارِبُكَ اس کے اندر مضاف کیا ہے؟ صفت کا صیغہ، اور مضاف الیہ کیا ہے؟ ضمیرِ متصل۔ اور تنوین اضافت سے پہلے گری ہے یا اضافت کی وجہ سے

گری ہے؟ ابھی بیان ہوا اضافت کی وجہ سے گری ہے۔ ابھی بتایا ضَارِبُكَ اصل میں کیا تھا؟ ضَارِبٌ إِيَّاكَ، پھر اضافت کے وقت تنوین گری ہے۔ توجہ ہے؟ پھر دیکھو، پھر دیکھو۔ الضَّارِبُكَ اس کا حمل کس پر کیا گیا؟ ضَارِبُكَ پر۔ ایک معرف باللام ہے الضَّارِبُكَ، اس کا حمل کس پر کیا گیا؟ ضَارِبُكَ پر۔ اور ضَارِبُكَ کیا ہے؟ اس میں مضاف صفت کا صیغہ ہے ضَارِبٌ اور اس کی اضافت ہو رہی ہے کس کی طرف؟ ضمیرِ متصل کی طرف، اور اس کی تنوین اضافت کی وجہ سے گری ہے۔ توجہ ہے؟ اور الضَّارِبُكَ اس کے اندر کیا ہے؟ اس میں الضَّارِبُ اس میں بھی مضاف کیا ہے؟ صفت کا صیغہ ہے، اور مضاف الیہ کیا ہے؟ ضمیرِ متصل ہے۔ لیکن الضَّارِبُكَ کے اندر تنوین اضافت سے پہلے ہی گری ہے الف لام کی وجہ سے۔ تو ضَارِبُكَ میں تنوین گری ہے اضافت کی وجہ سے اور الضَّارِبُكَ میں تنوین گری ہے اضافت سے پہلے، باقی دونوں ایک جیسے ہیں۔ دونوں میں مضاف صفت کا صیغہ ہے اور مضاف الیہ ضمیرِ متصل ہے۔ تو لہٰذا الضَّارِبُكَ اس کا حمل کیا گیا کس پر؟ ضَارِبُكَ پر۔ کس وجہ سے؟ کیونکہ دونوں میں مضاف صفت کا صیغہ ہے اور مضاف الیہ ضمیرِ متصل ہے، بغیر اس بات کی طرف نظر کرتے ہوئے کہ تنوین اضافت سے گری ہے یا اضافت سے پہلے گری ہے، کیونکہ اس تنوین کے اعتبار سے بھی تو دونوں ایک جیسے نہیں ہیں۔ الضَّارِبُكَ کی تنوین اضافت سے پہلے گری ہے الف لام کی وجہ سے، اور ضَارِبُكَ کی تنوین تو اضافت کی وجہ سے گری ہے۔ تو دونوں میں اشتراک صرف کس چیز میں ہے؟ دونوں میں مضاف صفت کا صیغہ ہے اور مضاف الیہ ضمیرِ متصل ہے، باقی تنوین کے گرنے نہ گرنے میں اشتراک نہیں ہے۔ ایک کی تنوین اضافت سے پہلے گری ہے، ایک کی تنوین اضافت کی وجہ سے گری ہے۔ تو یہ معنیٰ ہے۔

کہتے ہیں: ثُمَّ حُمِلَ الضَّارِبُكَ عَلَيْهِ پھر الضَّارِبُكَ جو ہے اس کا حمل ضَارِبُكَ پر کیا گیا، لِأَنَّهُمَا مِنْ بَابٍ وَاحِدٍ اس لیے کیونکہ یہ دونوں ایک ہی باب سے ہیں۔ بھائی کس طرح ایک ہی باب سے ہیں؟ دیکھیے بھائی۔ کہتے ہیں: حَيْثُ كَانَ كُلٌّ مِنْهُمَا اسْمَ فَاعِلٍ کیونکہ ان میں سے ہر ایک جو ہے وہ ایسا اسمِ فاعل ہے مُضَافًا إِلَى مُضْمَرٍ مُتَّصِلٍ جو مضاف ہو رہا ہے ضمیرِ متصل کی طرف۔ بات سمجھ میں آگئی؟ ان دونوں میں کیا ہے؟ مضاف ایسا اسمِ فاعل ہے جو مضاف ہو رہا ہے ضمیرِ متصل کی طرف۔ اور یہ جو آگے آرہا ہے مِنْ غَيْرِ اعْتِبَارِ حَذْفِ تَنْوِينِهِمَا قَبْلَ الْإِضَافَةِ لَا لِلْإِضَافَةِ بغیر اس بات کا اعتبار کیے، مِنْ غَيْرِ اعْتِبَارِ حَذْفِ تَنْوِينِهِمَا بغیر اس بات کا اعتبار کیے کہ ان دونوں کی تنوین حذف ہوئی ہے قَبْلَ الْإِضَافَةِ اضافت سے پہلے لَا لِلْإِضَافَةِ نہ کہ اضافت کی وجہ سے۔ اس کا اعتبار نہیں کیا کیونکہ اگر اس کا اعتبار کرتے ہیں پھر تو ایک میں اضافت سے پہلے گری ہے تنوین، ایک میں اضافت کی وجہ سے گری ہے، پھر تو دونوں مختلف ہو جاتے ہیں، تو اس کا اعتبار نہیں کیا گیا۔ تو لہٰذا یہ جو مِنْ غَيْرِ اعْتِبَارٍ آیا، یاد رکھو یہ جار مجرور ہے مِنْ غَيْرِ اعْتِبَارِ حَذْفِ تَنْوِينِهِمَا قَبْلَ الْإِضَافَةِ لَا لِلْإِضَافَةِ، اس ساری عبارت یہ جو جار مجرور ہے اس کو جوڑیں گے یہ جو پچھلی سطر میں آیا تھا ثُمَّ حُمِلَ الضَّارِبُكَ عَلَيْهِ، پھر الضَّارِبُكَ اس کو محمول کیا گیا کس پر؟ ضَارِبُكَ پر مِنْ غَيْرِ اعْتِبَارِ حَذْفِ، بغیر اس بات کا اعتبار کیے کہ ان دونوں کی تنوین اضافت سے پہلے ہی گری

ہے نہ کہ اضافت کی وجہ سے۔ اس کا اعتبار کیے بغیر ہی حمل کیا گیا۔ اور کس طرح درمیان میں بتایا؟ لِأَنَّهُمَا مِنْ بَابٍ وَاحِدٍ اس لیے کیونکہ یہ دونوں ایک ہی باب سے ہیں، حَيْثُ كَانَ كُلٌّ مِنْهُمَا اسْمَ فَاعِلٍ مُضَافًا إِلَى مُضْمَرٍ مُتَّصِلٍ کیونکہ دونوں جو ہیں وہ ایسے اسمِ فاعل ہیں جو مضاف ہو رہے ہیں ضمیرِ متصل کی طرف۔ عبارت سمجھ میں آگئی؟ تو یہ ہے صرف اشتراک ان کے اندر، ضمیر کا گرنے میں اشتراک نہیں ہے۔

آگے دیکھیے: وَلَمْ يُحْمَلِ الضَّارِبُ زَيْدٍ عَلَيْهِ اور الضَّارِبُ زَيْدٍ اس کو محمول نہیں کیا ضَارِبُكَ پر۔ الضَّارِبُ زَيْدٍ وہ جو امام فراء جس میں اختلاف کرتے تھے الضَّارِبُ زَيْدٍ، اس کو ضَارِبُكَ پر محمول نہیں کیا گیا۔ الضَّارِبُكَ اس کو تو محمول کیا گیا کس پر؟ ضَارِبُكَ پر، لیکن الضَّارِبُ زَيْدٍ کو ضَارِبُكَ پر محمول نہیں کیا گیا کیونکہ دونوں ایک جیسے نہیں ہیں۔ کیونکہ الضَّارِبُ زَيْدٍ میں صفت کا صیغہ ضمیر کی طرف مضاف نہیں ہو رہا۔ بات سمجھ میں آگئی؟

فرق سمجھ میں آیا؟ تو کہتے ہیں: وَلَمْ يَحْمِلُوا الضَّارِبُ زَيْدٍ عَلَيْهِ اور الضَّارِبُ زَيْدٍ کو نحویوں نے ضَارِبُكَ پر محمول نہیں کیا، لِأَنَّهُمَا لَيْسَا مِنْ بَابٍ وَاحِدٍ اس لیے کیونکہ یہ دونوں ایک باب سے نہیں ہیں بھائی۔

یہاں تک بات سمجھ میں آگئی؟ پھر سمجھ لو، حاصلِ کلام یہاں تک یہ ہوا کہ انہوں نے کہا تھا کہ یہ الضَّارِبُكَ یہ محمول ہے ضَارِبُكَ پر۔ اور پہلی تقریر یہ کی تھی کہ الضَّارِبُكَ اس کے اندر بھی تنوین اضافت سے پہلے ہی الف لام کی وجہ سے گری ہے، اور ضَارِبُكَ کے اندر بھی تنوین پہلے ہی گری ہے ضمیرِ متصل ہونے کی وجہ سے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو دونوں میں مضاف صفت کا صیغہ ہے اور مضاف الیہ ضمیرِ متصل ہے، اور دونوں میں تنوین اضافت سے پہلے گر چکی ہے۔ اس پر صاحبِ جامی نے آگے بتلایا کہ کوئی معترض یہ اعتراض کر سکتا ہے کہ یہ جو ضَارِبُكَ ہے اس کی تنوین اضافت کی وجہ سے گری ہے، کہ اصل میں یہ ضَارِبُكَ اصل میں کیا تھا؟ ضَارِبٌ إِيَّاكَ تھا۔ بات سمجھ میں آگئی؟

آگے دیکھیے: وَاعْلَمْ أَنَّا حَمَلْنَا قَوْلَهُ وَضَعْفَ الْوَاهِبُ الْمِائَةِ الْهِجَانِ وَعَبْدِهَا وَقَوْلَهُ الضَّارِبُ الرَّجُلِ وَالضَّارِبُكَ حَمْلًا عَلَى نَظِيرَيْهِمَا عَلَى الْأَجْوِبَةِ.یہاں سے پھر وہی بات کر رہے ہیں۔ میں نے آپ کو بتلایا تھا کہ یہ جو صاحبِ کافیہ نے فرمایا کہ الْوَاهِبُ الْمِائَةِ الْهِجَانِ وَعَبْدِهَا یہ ترکیب ضعیف ہے، اور پھر کہا تھا کہ الضَّارِبُ الرَّجُلِ، الضَّارِبُ الرَّجُلِ یہ جائز ہے کس پر حمل کرتے ہوئے؟ الْحَسَنُ الْوَجْهِ پر حمل کرتے ہوئے۔ اور الضَّارِبُكَ جنہوں نے اس کو مضاف قرار دیا ہے اس میں الضَّارِبُ کو، انہوں نے اس کو کس پر محمول کیا ہے؟ ضَارِبُكَ پر۔ کس پر محمول کیا ہے؟ چاہیں تو آپ ان تینوں کو، میں نے بتایا تھا آپ چاہیں تو ان تینوں کو الگ الگ مسئلے بنا لیں، اور آپ چاہیں تو ان سب کو امام فراء کے استدلال کا جواب بنا دیں۔ امام فراء نے جو دلیل بنائی اس کا جواب بھی بنا سکتے ہیں اور ان کو الگ الگ مسئلے بھی بنا سکتے ہیں۔ اب صاحبِ جامی اب آگے آپ کو بتائیں گے، وہی تقریر جو میں کر چکا اب بیان کریں گے، کہ بھائی ہم نے ان تینوں کو جواب بنایا، ان

سب کو جواب بنایا امام فراء کے لیے۔ کیوں؟ کیونکہ کہتے ہیں بعض شارحین نے جواب بنایا تھا تو ہم نے بھی کیا کیا ان تینوں کو جواب بنا دیا۔ اور آپ چاہیں تو ان کو الگ الگ مسئلے بھی بنا سکتے ہیں کہ ان سب کا تعلق الضَّارِبُ زَيْدٍ سے ہے۔ کس سے؟ یعنی جیسے الضَّارِبُ زَيْدٍ پر ہم نے حکم لگایا کہ الضَّارِبُ زَيْدٍ جائز نہیں۔ امام فراء فرماتے ہیں جائز ہے۔ ہم نے کیا کہا؟ الضَّارِبُ زَيْدٍ جائز نہیں۔ تو اسی کی مناسبت سے آگے الگ تین مسئلے بھی ذکر کر دیے۔

تو آپ چاہیں تو ان کو الگ مسئلے بھی بنا سکتے ہیں، جواب نہ بنائیں بلکہ الگ مسئلہ بنائیں کہ الضَّارِبُ زَيْدٍ ممتنع ہے کیونکہ یہ اضافتِ لفظی ہے اور اس میں کوئی تخفیف نہیں آئی۔ اور اسی طرح اعشی شاعر کا شعر ہے: الْوَاهِبُ الْمِائَةِ الْهِجَانِ وَعَبْدِهَا۔ اس کے اندر یہ وَعَبْدِهَا کا عطف ہو رہا ہے الْمِائَةِ الْهِجَانِ پر، اور معطوف کا وہی حکم ہوتا ہے جو معطوفٌ علیہ کا۔ تو معطوفٌ علیہ کو ہٹاؤ اور اس کی جگہ معطوف کو لے آؤ تو کیا بن گیا؟ الْوَاهِبُ عَبْدِهَا۔ تو یہ صورت یہ بھی کس کی طرح ہوا؟ الضَّارِبُ زَيْدٍ کی طرح۔ اور الضَّارِبُ زَيْدٍ ممتنع تھا تو اس کو بھی ممتنع ہونا چاہیے تھا، لیکن یہ ممتنع تو نہیں کیونکہ یہ صورت معطوف میں بن رہی ہے اور معطوف میں ان چیزوں کی گنجائش ہوتی ہے جس کی گنجائش معطوفٌ علیہ میں نہیں۔ لہٰذا اس کو ہم ممتنع تو نہیں کہہ سکتے، البتہ یہ ترکیب ضعیف ضرور ہے کیونکہ یہ الضَّارِبُ زَيْدٍ جیسی صورت ہے۔ اور دوسرا کہ الضَّارِبُ الرَّجُلِ یہ بھی اضافتِ لفظی ہے، اور جیسے الضَّارِبُ زَيْدٍ جائز نہیں تھا تو الضَّارِبُ الرَّجُلِ بھی جائز نہیں ہونا چاہیے، لیکن یہ الْحَسَنُ الْوَجْهِ پر حمل کرتے ہوئے جائز ہے بھائی۔ اسی طرح تیسرا مسئلہ بتایا کہ جیسے الضَّارِبُ زَيْدٍ جائز نہیں ہے کیونکہ اس میں تخفیف نہیں آئی، تو الضَّارِبُكَ اس کے اندر بھی بعض علماء اضافت کا اعتبار کرتے ہیں، تو یہ ترکیب جائز نہیں ہونی چاہیے کیونکہ یہ اضافتِ لفظی ہے اور یہاں بھی کوئی تخفیف نہیں آئی اضافت کی وجہ سے، لیکن وہ اس کو محمول کرتے ہیں ضَارِبُكَ پر۔ بات سمجھ میں آ گئی؟ تو تین الگ الگ مسئلے بھی آپ ان کو بنا سکتے ہیں۔

کہتے ہیں: وَاعْلَمْ تو جان لے أَنَّا حَمَلْنَا قَوْلَهُ کہ ہم نے مصنف کا یہ جو قول ہے: وَضَعُفَ الْوَاهِبُ الْمِائَةِ الْهِجَانِ وَعَبْدِهَا، اس قول کو ہم نے محمول کیا، اس قول کو ہم نے محمول کیا، اسی طرح وَقَوْلَهُ مصنف کا یہ جو قول ہے: الضَّارِبُ الرَّجُلِ وَالضَّارِبُكَ، اس کو بھی ہم نے محمول کیا حَمْلًا عَلَى نَظِيرَيْهِمَا کس پر؟ ان کی نظیروں پر۔ ہم نے ان سب کو کس پر محمول کیا؟ ان کی نظیروں پر محمول کیا۔ عَلَى الْأَجْوِبَةِ عَنِ اسْتِدْلَالَاتِ الْفَرَّاءِ امام فراء کے استدلالات سے جواب دیتے ہوئے عَلَى جَوَازِ الضَّارِبُ زَيْدٍ، الضَّارِبُ زَيْدٍ کے جواز پر جو امام فراء نے استدلالات کیے ہیں ان کے جواب دیتے ہوئے ہم نے ان کو ان کی نظیروں پر محمول کیا، عَنْ جَانِبِ الْمُصَنِّفِ مصنف کی طرف سے، عَلَى مُوَافَقَةِ بَعْضِ الشَّارِحِينَ بعض شارحین کی موافقت کرتے ہوئے۔ میں نے بتایا کہ کافیہ کی ایک عظیم شرح یہ جیسے شرحِ جامی ہے، اسی طرح کافیہ کی ایک اور عظیم شرح جو ہے وہ علامہ رضی نے لکھی ہے۔ تو علامہ رضی نے ان سب کو امام فراء کے استدلال کا جواب بنایا ہے۔ تو صاحبِ جامی بھی کیا فرما رہے ہیں؟ کہ ہم نے بھی ان کی موافقت کر دی، یعنی علامہ رضی کی موافقت کرتے ہوئے انہوں نے

جواب بنایا تھا ہم نے بھی ان سب کو جواب بنا دیا۔ لیکن آگے ذکر کریں گے اگر آپ چاہیں تو ان سب کو علیحدہ مسئلہ بھی بنا سکتے ہیں۔ بات سمجھ میں آگئی؟ پھر دیکھیے ترجمہ۔

کہتے ہیں: وَاعْلَمْ أَنَّا حَمَلْنَا قَوْلَهُ وَضَعْفُ الْوَاهِبُ الْمِائَةِ الْهِجَانِ وَعَبْدِهَا وَقَوْلَهُ الضَّارِبُ الرَّجُلِ وَالضَّارِبُكَ حَمْلًا عَلَى نَظِيرَيْهِمَا، اور تو جان لے کہ ہم نے مصنف کے قول وَضَعْفُ الْوَاهِبُ الْمِائَةِ الْهِجَانِ وَعَبْدِهَا اس قول کو بھی، اور اسی طرح مصنف کا جو قول ہے الضَّارِبُ الرَّجُلِ اور الضَّارِبُكَ، ان کو ہم نے محمول کیا ان کی نظیروں پر، کن پر؟ ان کی نظیروں پر محمول کیا عَلَى الْأَجْوِبَةِ عَنِ اسْتِدْلَالَاتِ الْفَرَّاءِ عَلَى جَوَازِ الضَّارِبُ زَيْدٍ، وہ جو الضَّارِبُ زَيْدٍ کے جواز پر امام فراء کے استدلالات تھے ان کا جواب دیتے ہوئے عَنْ جَانِبِ الْمُصَنِّفِ کس کی طرف سے؟ مصنف کی طرف سے۔ یہ جو ہم نے ان کو نظیروں پر محمول کیا جواب بناتے ہوئے، عَلَى مُوَافَقَةِ بَعْضِ الشَّارِحِينَ یہ بعض شارحین کی موافقت کی وجہ سے ہے کہ ہم نے ان کی موافقت کرتے ہوئے ایسا کیا ہے۔ ان سب کو ان کی نظیروں پر محمول کیا۔ کیسے؟ الْوَاهِبُ الْمِائَةِ الْهِجَانِ وَعَبْدِهَا اس کے اندر کون سی صورت بن رہی تھی؟ الْوَاهِبُ عَبْدِهَا بن رہا تھا۔ اور الْوَاهِبُ عَبْدِهَا یہ کس کی نظیر ہے؟ الضَّارِبُ زَيْدٍ کی نظیر ہے۔ تو الضَّارِبُ زَيْدٍ ممتنع تھا تو الْوَاهِبُ عَبْدِهَا کو بھی کیا ہونا چاہیے؟ ممتنع۔ لیکن اس کو ضعیف کیوں کہا؟ کیونکہ یہ صورت معطوف میں تھی، جائز تو ہے لیکن ضعیف ہے۔ اور الضَّارِبُ الرَّجُلِ اس کو بھی جائز نہیں ہونا چاہیے تھا کیونکہ یہ بھی الضَّارِبُ زَيْدٍ جیسا ہے، لیکن ہم نے اس کو محمول کیا کس پر؟ الْحَسَنُ الْوَجْهِ پر۔ اور نیز الضَّارِبُكَ اس کے اندر بھی بعض علماء اضافت کے قائل ہیں، تو ہم نے اس کو بھی محمول کیا کس پر؟ ضَارِبُكَ پر محمول کیا۔ تو یہ سب جوابات ہم نے دیے تھے کس کے؟ امام فراء کے استدلال کے۔

وَلَكَ أَنْ تَجْعَلَ كُلَّ وَاحِدَةٍ مِنْهَا إِشَارَةً إِلَى مَسْأَلَةٍ عَلَى حِدَةٍ، اور آپ کے لیے یہ بھی جائز ہے کہ أَنْ تَجْعَلَ كُلَّ وَاحِدَةٍ مِنْهَا کہ آپ ان میں سے ہر ایک کو بنا دیں إِشَارَةً إِلَى مَسْأَلَةٍ عَلَى حِدَةٍ علیحدہ مسئلے کی طرف اشارہ۔ آپ کے لیے یہ بھی جائز ہے کہ آپ ان میں سے ہر ایک کو علیحدہ مسئلے کی طرف اشارہ بنا دیں، مُنَاسِبَةً لِلْحُكْمِ بِامْتِنَاعِ الضَّارِبُ زَيْدٍ وہ جو الضَّارِبُ زَيْدٍ پر ہم نے ممتنع ہونے کا حکم لگایا تھا اس کے مناسب مسئلے کی طرف۔ دیکھو یہ سب اس کے مناسب ہیں۔ الضَّارِبُ زَيْدٍ جائز نہیں۔ کیوں نہیں جائز؟ کیونکہ اضافتِ لفظی ہے، اور اضافتِ لفظی کے اندر تخفیف کا آنا واجب، اور الضَّارِبُ زَيْدٍ میں کوئی تخفیف نہیں آئی۔ پھر ہم نے کہا کہ الْوَاهِبُ الْمِائَةِ الْهِجَانِ وَعَبْدِهَا یہ ترکیب بھی ضعیف ہے۔ کیوں؟ کیونکہ اس کے اندر بھی الْوَاهِبُ عَبْدِهَا یہ الضَّارِبُ زَيْدٍ جیسی صورت بن رہی ہے۔ اور پھر آگے ہم نے کیا کہا؟ الضَّارِبُ الرَّجُلِ اس کو بھی ممتنع ہونا چاہیے کیونکہ یہ بھی اضافتِ لفظی ہے اور اضافتِ لفظی تخفیف کا فائدہ دیتی ہے، اور یہاں کوئی تخفیف نہیں آ رہی، تو ہم نے کہا اس کو بھی جائز نہیں ہونا چاہیے تھا لیکن یہ الْحَسَنُ الْوَجْهِ پر محمول کرتے ہوئے جائز ہے۔ پھر اسی طرح الضَّارِبُ زَيْدٍ جیسا ایک اور مسئلہ ذکر کیا کہ الضَّارِبُكَ اس میں بعض علماء اضافت کے قائل ہیں، تو یہ بھی الضَّارِبُ زَيْدٍ جیسا

ہے کیونکہ یہاں الضَّارِبُكَ کے اندر بھی اضافت سے کوئی تخفیف نہیں آئی، لہٰذا اس کو بھی جائز نہیں ہونا چاہیے، لیکن اس کو بعض علماء نے جائز قرار دیا ہے ضَارِبُكَ پر حمل کرتے ہوئے۔ تو یہ سارے الگ مسئلے ہیں، وہ جو الضَّارِبُ زَيْدٍ پر ممتنع ہونے کا حکم لگایا تھا کہ وہ ممتنع ہے تو یہ سارے اس کے مناسب ہیں۔ یہ سارے مسئلے اس کے، ان سب کی اس کے ساتھ مناسبت ہے کہ ان سب کے اندر بھی جواز نہیں ہونا چاہیے تھا، لیکن کوئی ضعیف ہے اور کوئی کسی پر حمل کرتے ہوئے جائز ہے بھائی۔ یہ معنیٰ ہے، پھر ترجمہ دیکھ لیجیے۔

کہتے ہیں: وَلَكَ أَنْ تَجْعَلَ كُلَّ وَاحِدَةٍ مِنْهَا إِشَارَةً إِلَى مَسْأَلَةٍ عَلَى حِدَةٍ مُنَاسِبَةً لِلْحُكْمِ بِامْتِنَاعِ الضَّارِبُ زَيْدٍ، اور آپ کے لیے یہ بھی جائز ہے کہ آپ ان میں سے ہر ایک کو ایک علیحدہ مسئلے کی طرف اشارہ بنا دیں، ایسا مسئلہ جو الضَّارِبُ زَيْدٍ پر جو ممتنع ہونے کا حکم لگایا تھا اس کے مناسب ہے، ان میں سے ہر مسئلہ اس کے مناسب ہے۔

فَمَعْنَى قَوْلِهِ: وَضَعْفُ الْوَاهِبُ الْمِائَةِ الْهِجَانِ وَعَبْدِهَا، تو مصنف کا جو قول آیا نا وَضَعْفُ الْوَاهِبُ الْمِائَةِ الْهِجَانِ وَعَبْدِهَا، اس قول کا معنیٰ یہ ہے: اب دیکھو اب الگ مسئلہ بنائیں گے۔ اب یہ استدلال کا جواب نہیں بنائیں گے بلکہ کیا کریں گے؟ الگ مسئلہ بنائیں گے۔ کس طرح الگ مسئلہ بنائیں گے دیکھیے پہلے سمجھ لیجیے، آگے عبارت ذرا مشکل ہے۔ دیکھو: فَمَعْنَى قَوْلِهِ: وَضَعْفُ الْوَاهِبُ الْمِائَةِ الْهِجَانِ وَعَبْدِهَا، یہ اس پہ ذرا نظر رکھیں یہ متن انہوں نے پھر ذکر کیا۔ متن میں آیا تھا: وَضَعْفُ الْوَاهِبُ الْمِائَةِ الْهِجَانِ وَعَبْدِهَا۔ اب دیکھیے وَعَبْدِهَا یہ ہے معطوف۔ اور یہ معرف باللام ہے کہ نہیں ہے؟ یہ معرف باللام نہیں تو یہ مُجَرَّدٌ عَنِ اللَّامِ ہے۔ یہ کیا ہے؟ یہ عَبْدِهَا یہ معطوف جو ہے مُجَرَّدٌ عَنِ اللَّامِ ہے۔ اور اس کا عطف کس پر کیا گیا؟ الْمِائَةِ الْهِجَانِ پر۔ اور یہ الْمِائَةِ الْهِجَانِ جو معطوفٌ علیہ ہے اور یہ معرف باللام ہے۔ یہ کیا ہے؟ معرف باللام۔ اس کو یاد رکھیں، معرف باللام بھی کہہ سکتے ہیں آپ، مُحَلًّى بِاللَّامِ بھی کہہ سکتے ہیں۔ کیا؟ مُحَلًّى بِاللَّامِ بھی۔ حَلَّى يُحَلِّي تَحْلِيَةً، حَلَّى آخر میں یاء ہے بھائی یاء جو الف سے بدل گئی ہے۔ حَلَّى يُحَلِّي تَحْلِيَةً کا معنیٰ ہے کسی کو زیور پہنانا۔ حَلْيٌ اور حِلْيَةٌ یہ زیور کو کہتے ہیں۔ تو دیکھو جیسے رَجُلٌ ہے، رَجُلٌ پر کیا لے آئے؟ الف لام، تو کیا بن گیا؟ الرَّجُلُ۔ تو یہ الرَّجُلُ کا لفظ اس وقت معرف باللام ہے، یا یوں کہو یہ مُحَلًّى بِاللَّامِ ہے، اس کو لام کا زیور پہنایا گیا ہے، لام کے ساتھ اس کو آراستہ کیا گیا ہے۔ تو معرف باللام کا کیا معنیٰ؟ جس پر الف لام ہو، اور مُحَلًّى بِاللَّامِ کا بھی کیا معنیٰ؟ جس پر الف لام ہو، یعنی وہی معرف باللام۔

پھر دیکھیے وَعَبْدِهَا یہ کیا ہے؟ مُجَرَّدٌ عَنِ اللَّامِ، اور اس کا عطف کس پر ہے؟ الْمِائَةِ الْهِجَانِ جو مُحَلًّى بِاللَّامِ ہے۔ اور یہ جو مُحَلًّى بِاللَّامِ ہے الْمِائَةِ الْهِجَانِ، یہ مضاف الیہ ہے، یہ کس کے لیے؟ الْوَاهِبُ صفت کے لیے۔ اور یہ جو وَاهِب کی صفت ہے، یہ کس سے شروع ہو رہی ہے؟ الف لام سے، اس کے اوپر بھی الف لام لایا گیا ہے۔ اس پر بھی، وَاهِب پر الف لام لایا گیا یا نہیں؟ تو آگے صاحبِ جامی بتائیں گے کہ دیکھو وَضَعْفُ الْوَاهِبُ الْمِائَةِ الْهِجَانِ وَعَبْدِهَا اس کے اندر صاحبِ

کافیہ آپ کو یہ بتانا چاہتے ہیں کہ جب بھی وَعَبْدِهَا یہ جو مُجَرَّدٌ عَنِ اللَّامِ ہے جب آپ اس کا عطف کریں کس پر؟ مُحَلًّى بِاللَّامِ پر، اور وہ مُحَلًّى بِاللَّامِ ایسا ہے کہ جس کی طرف ایک ایسی صفت مضاف ہو رہی ہے جو خود معرف باللام ہے، تو یہ ضعیف ہے۔ یعنی معطوفٌ علیہ وہ معرف باللام ہے، اور معطوف کیا ہے؟ غیرِ معرف باللام۔ وَعَبْدِهَا یہ معطوف کیا ہے؟ یہ غیرِ معرف باللام اور معطوفٌ علیہ کیا ہے؟ معرف باللام ہے۔ اور اس معطوفٌ علیہ پر، اس کی طرف اضافت ہو رہی ہے ایسی صفت کی کہ وہ صفت کیا ہے؟ اس کے شروع میں الف لام ہے یعنی وہ معرف باللام ہے۔ اس قسم کی ترکیب ضعیف ہوتی ہے۔ اس قسم کی ترکیب ضعیف ہوتی ہے، جب آپ مُجَرَّدٌ عَنِ اللَّامِ کا عطف کر دیں ایسے مُحَلًّى بِاللَّامِ پر جس کی طرف ایک ایسی صفت مضاف ہو رہی ہے جو خود کیا ہے؟ معرف باللام ہے۔ تو اس طرح کا عطف ضعیف ہے۔ کیونکہ الْوَاهِبُ عَبْدِهَا یہ بالکل الضَّارِبُ زَيْدٍ جیسی صورت بن گئی۔ لیکن الضَّارِبُ زَيْدٍ تو ممتنع تھا، یہ الْوَاهِبُ عَبْدِهَا یہ ضعیف ہے، یہ ممتنع نہیں ہے کیونکہ یہ صورت معطوف میں بن رہی ہے اور معطوف میں بعض اوقات ان چیزوں کی گنجائش ہوتی ہے جن کی گنجائش معطوفٌ علیہ میں نہیں ہوتی۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو یہ پہلا مسئلہ ذکر کیا۔

آگے دیکھیے: کہتے ہیں فَمَعْنَى قَوْلِهِ: وَضَعُفَ الْوَاهِبُ الْمِائَةِ الْهِجَانِ وَعَبْدِهَا، تو مصنف کا قول جو آیا وَضَعُفَ الْوَاهِبُ الْمِائَةِ الْهِجَانِ وَعَبْدِهَا اس کا معنیٰ یہ ہے: أَنَّهُ ضَعُفَ عَطْفُ الْمُجَرَّدِ عَنِ اللَّامِ کہ ضعیف ہے عطف کرنا مُجَرَّدٌ عَنِ اللَّامِ کا۔ مُجَرَّدٌ عَنِ اللَّامِ یعنی عَبْدِهَا کا عطف کرنا ضعیف ہے کس پر؟ عَلَى الْمُحَلَّى بِهِ وہ جو مُحَلًّى بِاللَّامِ ہے اس پر۔ وہ مُحَلًّى بِاللَّامِ الْمُضَافِ إِلَيْهِ کہ اس کی طرف اضافت کی گئی ہے صِفَةٌ مُصَدَّرَةٌ بِاللَّامِ ایسی صفت کی جو مُصَدَّرٌ بِاللَّامِ ہے، یعنی جس کے شروع میں الف لام ہے۔ ترجمہ سمجھ میں آیا؟ مُجَرَّدٌ عَنِ اللَّامِ سے کون مراد ہے یہاں؟ وَعَبْدِهَا۔ اور مُحَلًّى بِاللَّامِ جو ہے اس سے کیا مراد ہے؟ الْمِائَةِ الْهِجَانِ۔ اور یہ الْمِائَةِ الْهِجَانِ یہ مضاف الیہ بن رہا ہے کس کے لیے؟ الْوَاهِبُ کے لیے جو ایسی صفت ہے مُصَدَّرَةٌ بِاللَّامِ جو لام سے، جس کے شروع میں الف لام ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟

پھر دیکھ لو ترجمہ۔ کہ مصنف کی اس عبارت کا معنیٰ یہ ہے کہ أَنَّهُ ضَعُفَ عَطْفُ الْمُجَرَّدِ عَنِ اللَّامِ کہ ضعیف ہے مُجَرَّدٌ عَنِ اللَّامِ کا عطف کرنا عَلَى الْمُحَلَّى بِهِ مُحَلًّى بِاللَّامِ پر۔ مُجَرَّدٌ عَنِ اللَّامِ کا عطف اس، یوں کہو، اس مُحَلًّى بِاللَّامِ پر اس کا عطف ضعیف ہے کہ وہ مُحَلًّى بِاللَّامِ جو ہے الْمُضَافِ إِلَيْهِ کہ اس کی طرف اضافت کی گئی ہو، اضافت کی گئی ہو، کس کی اضافت کی گئی ہو؟ صِفَةٌ مُصَدَّرَةٌ بِاللَّامِ ایسی صفت جس کے شروع میں الف لام ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ جی۔ معنیٰ سارا سمجھ میں آگیا۔ تو یہ یاد رکھو، الْمُحَلَّى بِهِ یہ ہے موصوف۔ الْمُحَلَّى یہ معرف باللام ہے اور یہ اس پر عَلَى داخل ہے، یہ مجرور ہے۔ الْمُحَلَّى کیا ہے؟ مجرور ہے تقدیراً کیونکہ اس کے آخر میں الف ہے نا الْمُحَلَّى، جیسے مُوسَى: جَاءَنِي مُوسَى، رَأَيْتُ مُوسَى، مَرَرْتُ بِمُوسَى، تینوں حالتوں میں اعراب تقدیری۔ تو عَلَى داخل ہے الْمُحَلَّى پر اور یہ اسمِ مقصور ہے، اس کے آخر میں الفِ مقصورہ ہے، تو یہ مجرور ہے تقدیراً۔ اور الْمُضَافِ إِلَيْهِ یہ اس کی صفت ہے، ایسا مُحَلًّى بِاللَّامِ الْمُضَافِ

إِلَيْهِ جو کیا ہے؟ مضاف الیہ ہے۔ لیکن یہاں ترجمہ یوں نہ کرنا، ترجمہ یوں ہوگا: وہ مُحَلًّى بِاللَّامِ الْمُضَافِ إِلَيْهِ کہ اس کی طرف اضافت کی گئی ہے، کس کی اضافت کی گئی ہے؟ صِفَةٌ مُصَدَّرَةٌ بِاللَّامِ ایسی صفت کی جو شروع ہو رہی ہے لام کے ساتھ۔ اور پھر یاد رکھو یہ صِفَةٌ کو میں نے مرفوع پڑھا، صِفَةٌ موصوف ہے اور مُصَدَّرَةٌ اس کی صفت ہے، اور موصوف صفت کا اعراب ایک ہوتا ہے۔ تو یہ صِفَةٌ پر میں نے رفع اس لیے پڑھا کہ یہ جو پیچھے آیا نا الْمُضَافِ إِلَيْهِ، یہ الْمُضَافِ کون سا صیغہ ہے؟ الْمُضَافِ اسمِ مفعول ہے۔ أَضَافَ يُضِيفُ إِضَافَةً فَهُوَ مُضِيفٌ، وَأُضِيفَ يُضَافُ إِضَافَةً فَذَاكَ مُضَافٌ۔ تو یہ مُضَافٌ کیا ہے؟ اسمِ مفعول ہے، اور اسمِ مفعول کے لیے ہمیشہ کیا چاہیے؟ نائبِ فاعل۔ تو یہ صِفَةٌ اس کے لیے نائبِ فاعل ہے۔ ایسا مُحَلًّى بِاللَّامِ الْمُضَافِ إِلَيْهِ کہ اس کی طرف اضافت کی گئی ہے، کس کی اضافت کی گئی ہے؟ صِفَةٌ مُصَدَّرَةٌ بِاللَّامِ ایسی صفت جو مُصَدَّرٌ بِاللَّامِ ہے۔

آگے دیکھیے: لِأَنَّهُ بِتَوَسُّطِ الْعَطْفِ يَصِيرُ مِثْلَ الضَّارِبُ زَيْدٍ، اس لیے کیونکہ یہ عطف کے توسط سے اسی طرح ہو گیا جیسے الضَّارِبُ زَيْدٍ ہے، كَمَا عَرَفْتَ جیسے کہ آپ جان چکے ہیں۔ یہ الْوَاهِبُ عَبْدِهَا کس کی طرح ہو گیا؟ الضَّارِبُ زَيْدٍ کی طرح۔ اور الضَّارِبُ زَيْدٍ تو ممتنع تھا، اس کو بھی ممتنع ہونا چاہیے تھا، لیکن اس کو ضعیف قرار دیا کیونکہ یہ صورت کس میں بن رہی ہے؟ معطوف میں۔ تو یہ معنیٰ ہے لِأَنَّهُ بِتَوَسُّطِ الْعَطْفِ يَصِيرُ مِثْلَ الضَّارِبُ زَيْدٍ، اس لیے کیونکہ اس قسم کی ترکیب جو ہے وہ عطف کے ذریعے سے الضَّارِبُ زَيْدٍ کے مثل ہو جائے گی كَمَا عَرَفْتَ جیسے کہ آپ جان چکے ہیں۔

وَإِنَّمَا لَمْ يَحْكُمْ عَلَيْهِ بِالِامْتِنَاعِ۔ بھئی الضَّارِبُ زَيْدٍ تو ممتنع ہے، تو الْوَاهِبُ عَبْدِهَا کو بھی کیا کہنا چاہیے؟ ممتنع۔ لیکن اس کو کیوں ممتنع نہیں کہا؟ کیونکہ وہ معطوف میں صورت بن رہی ہے۔ یہی بیان کر رہے ہیں: وَإِنَّمَا لَمْ يَحْكُمْ عَلَيْهِ بِالِامْتِنَاعِ اور اس پر حکم نہیں لگایا ممتنع ہونے کا بَلْ بِالضَّعْفِ بلکہ ضعیف ہونے کا حکم لگایا، لِأَنَّهُ قَدْ يُتَحَمَّلُ فِي الْمَعْطُوفِ اس لیے کیونکہ تحقیق برداشت کر لیا جاتا ہے معطوف کے اندر مَا لَا يُتَحَمَّلُ فِي الْمَعْطُوفِ عَلَيْهِ اس چیز کو جس کو برداشت نہیں کیا جاتا معطوفٌ علیہ میں۔ یعنی معطوف میں ان چیزوں کی گنجائش ہوتی ہے جن کی معطوفٌ علیہ میں گنجائش نہیں ہوتی۔

وَحِينَئِذٍ يَنْدَفِعُ مَا فِيهِ مِنْ تَوَهُّمِ شَائِبَةِ الْمُصَادَرَةِ عَلَى الْمَطْلُوبِ عَلَى التَّقْدِيرِ الْأَوَّلِ۔ وَحِينَئِذٍ اور اس وقت یعنی جب آپ اس کو الگ مسئلہ بنا لیں گے۔ بھئی دیکھیے، ادھر دیکھیے، امام فراء کے لیے جب آپ اس کو جواب بناتے تھے تو اس میں مُصَادَرَةٌ عَلَى الْمَطْلُوبِ لازم آتا تھا، کہ آپ نے امام فراء کی دلیل کو اپنے ہی دعوے کے ذریعے باطل کر کے ان کے دعوے کو رد کر دیا اور اپنے دعوے کو ثابت۔ تو ان کی دلیل کو اپنے ہی دعوے سے باطل کیا، یہ تو مُصَادَرَةٌ عَلَى الْمَطْلُوبِ کی آمیزش آ گئی۔ لیکن اگر آپ اس کو الگ مسئلہ بنا لیں گے، امام فراء کا جواب بنائیں گے ہی نہیں، تو پھر اب مُصَادَرَةٌ عَلَى الْمَطْلُوبِ بھی اس کے اندر نہیں رہے گا۔ مُصَادَرَةٌ عَلَى الْمَطْلُوبِ کیوں بنتا تھا؟ کیونکہ آپ اس کو امام فراء کا جواب بنا رہے تھے، اپنے ہی دعوے کے ذریعے ان کی دلیل کو رد کرتے تھے۔ لیکن جب آپ اس کو الگ مسئلہ بنائیں گے، امام

فراء کے لیے جواب نہیں بنائیں گے، تو پھر اس میں مُصَادَرَةٌ عَلَى الْمَطْلُوبِ بھی نہیں رہے گا۔ یہ معنیٰ ہے: وَحِينَئِذٍ اور اس وقت یعنی جس وقت آپ اس کو الگ مسئلہ بنا لیں گے يَنْدَفِعُ دور ہو جائے گا مَا فِيهِ وہ جو اس کے اندر تھا، بھئی کیا تھا؟ مِنْ سے بیان ہے: مِنْ تَوَهُّمِ شَائِبَةِ الْمُصَادَرَةِ عَلَى الْمَطْلُوبِ یعنی مُصَادَرَةٌ عَلَى الْمَطْلُوبِ کی آمیزش کا جو وہم تھا وہ دور ہو جائے گا، عَلَى التَّقْدِيرِ الْأَوَّلِ وہ جو پہلی تقدیر پر لازم آتا تھا۔ جب آپ اس کو جواب بناتے تھے اس وقت لازم آتا تھا، لیکن اس وقت جب آپ اس کو الگ مسئلہ بنائیں گے تو پھر وہ اعتراض بھی دور ہو جائے گا۔

وَإِرْجَاعُ كُلٍّ مِنَ الصُّورَتَيْنِ الْأَخِيرَتَيْنِ إِلَى مَسْأَلَةٍ ظَاهِرٌ، اور لوٹانا، وَإِرْجَاعُ كُلٍّ مِنَ الصُّورَتَيْنِ الْأَخِيرَتَيْنِ اور آخری دو صورتوں میں سے ہر ایک کو لوٹانا إِلَى مَسْأَلَةٍ الگ مسئلے کی طرف ظَاهِرٌ یہ ظاہر ہے۔ آخری دونوں کو بھی آپ الگ مسئلے بنا سکتے ہیں، امام فراء کا جواب نہ بنائیں۔ کہ اشکال یہ ہوتا ہے ادھر دیکھیے، الضَّارِبُ الرَّجُلِ یہ بھی کس کی طرح ہے؟ الضَّارِبُ زَيْدٍ کی طرح۔ تو جیسے الضَّارِبُ زَيْدٍ میں اضافتِ لفظی ہے اور کوئی تخفیف نہیں آئی، الضَّارِبُ الرَّجُلِ میں بھی اضافتِ لفظی ہے اور اضافت سے کوئی تخفیف نہیں آئی، تو اس کو جائز نہیں ہونا چاہیے، لیکن اس کو جائز قرار دیا کس بنا پر؟ اس کو جائز قرار دیا الْحَسَنُ الْوَجْهِ پر حمل کرتے ہوئے۔ اسی طرح الضَّارِبُكَ اس کے اندر جو علماء اضافت کے قائل ہیں، تو یہ اضافت بھی جائز نہیں ہونی چاہیے، لیکن یہ بھی جائز ہے کس پر حمل کرتے ہوئے؟ ضَارِبُكَ پر۔ تو دیکھو یہ دو الگ الگ مسئلے ہو گئے، جواب نہ بنائیں۔ کہتے ہیں: وَإِرْجَاعُ كُلٍّ مِنَ الصُّورَتَيْنِ الْأَخِيرَتَيْنِ اور آخری دونوں صورتوں میں سے ہر ایک کو لوٹانا إِلَى مَسْأَلَةٍ، إِلَى مَسْأَلَةٍ عَلَى حِدَةٍ علیحدہ مسئلے کی طرف لوٹانا ظَاهِرٌ یہ ظاہر ہے۔

وَيَتَضَمَّنُ الرَّدَّ عَلَى الْفَرَّاءِ، اور ان میں سے ہر ایک متضمن ہے يَتَضَمَّنُ الرَّدَّ عَلَى الْفَرَّاءِ امام فراء پر رد کا۔ یعنی دونوں کے الگ الگ مسئلے بنا لیں، پھر بھی امام فراء پر رد آجائے گا لیکن ضمناً آئے گا۔ تو یہ معنیٰ ہے: وَيَتَضَمَّنُ الرَّدَّ عَلَى الْفَرَّاءِ اور ان میں سے ہر ایک مسئلہ جو ہے وہ متضمن ہے امام فراء پر رد کو بھی، یعنی ان کے ضمن میں امام فراء پر بھی رد ہو جائے گا فِي الِاسْتِدْلَالِ بِهِمَا ان سے استدلال کرنے میں۔ اگر وہ ان سے استدلال کرتے ہیں تو ان پر بھی رد ہو جائے گا کہ آپ ان سے استدلال نہیں کر سکتے، کیونکہ الضَّارِبُكَ اس لیے جائز ہے کیونکہ یہ ضَارِبُكَ جیسا ہے، لیکن الضَّارِبُ زَيْدٍ تو اس جیسا نہیں۔ الضَّارِبُ زَيْدٍ تو ضَارِبُكَ جیسا نہیں۔ اور اگر آپ استدلال کرتے ہیں کہ الضَّارِبُ زَيْدٍ، الضَّارِبُ الرَّجُلِ جیسا ہے، تو وہ بھی ہم نے بتایا الضَّارِبُ الرَّجُلِ بھی الْحَسَنُ الْوَجْهِ جیسا ہے، لیکن الضَّارِبُ زَيْدٍ یہ تو الْحَسَنُ الْوَجْهِ جیسا نہیں، تو ضمناً ان کا بھی رد ہو جائے گا۔

بات سمجھ میں آگئی؟ حل ہو گیا؟ تو آپ چاہیں تو ان سب کو امام فراء کے استدلال کا جواب بنا دیں، اور آپ چاہیں تو ان تینوں مسئلوں کو الگ الگ قرار دے دیں۔ لیکن ضمناً اس میں، ان سب میں امام فراء کا بھی رد ہو جائے گا کہ وہ ان میں سے کسی سے استدلال نہیں کر سکتے۔ ان میں سے کسی سے استدلال نہیں کر سکتے کیونکہ وجہ ذکر ہو گئی بھائی ہر ایک کی۔ بات سمجھ میں آگئی؟ چلیے بس بھائی۔ هٰذَا هُوَ الْمَرَامُ، وَاللّٰهُ أَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْكَلَامِ۔

سبق نمبر ۱۹۳: الاضافۃ(۱۰): موصوف کی صفت کی طرف اور صفت کی موصوف کی طرف اضافت کی ممانعت

شرحِ ملا جامی صفحہ: ۱۷۲ — بتاریخ: ۱۴ ستمبر ۲۰۲۲ء

▪ تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث

دیکھیے بھائی آگے سبق، وَلَا يُضَافُ مَوْصُوْفٌ إِلٰى صِفَتِهٖ مَعَ بَقَاءِ الْمَعْنَى الْمُفَادِ بِالتَّرْكِيْبِ الْوَصْفِيِّ بِحَالِهٖ لِأَنَّ لِكُلٍّ مِنْ هَيْئَتَيِ التَّرْكِيْبِ الْوَصْفِيِّ وَالْإِضَافِيِّ مَعْنًى آخَرَ لَا يَقُوْمُ أَحَدُهُمَا مَقَامَ الْآخَرِ، وَلِهٰذَا الْمَعْنٰى بِعَيْنِهٖ لَا تُضَافُ الصِّفَةُ إِلٰى مَوْصُوْفِهَا۔

بھائی گذشتہ سبق میں بحث چل رہی تھی کہ صاحبِ کافیہ نے آپ کو بتلایا تھا کہ یہ جو اَلضَّارِبُكَ ہے الف لام کے ساتھ اَلضَّارِبُكَ، یہ محمول ہے ضَارِبُكَ پر۔ اَلضَّارِبُكَ عام نحوی علماء تو فرماتے ہیں یہ آپس میں مضاف اور مضاف الیہ نہیں ہیں، اَلضَّارِبُ اسمِ فاعل ہے اور كَافْ ضمیر مفعول ہے اور یہ مَنْصُوْبُ الْمَحَلِّ ہے یہاں کوئی اضافت نہیں، لیکن امام سِيْبَوَيْهِ اور ان کے متبعین جو نحوی حضرات ہیں وہ فرماتے ہیں کہ اَلضَّارِبُكَ اس کے اندر بھی اضافت ہے، اَلضَّارِبُ مضاف ہے اور كَافْ ضمیر مضافٌ الیہ۔ تو اس پر اشکال ہوتا ہے کہ یہ تو اضافتِ لفظی ہے اور اضافتِ لفظی تخفیف کا فائدہ دیتی ہے، اور اَلضَّارِبُكَ کے اندر کوئی تخفیف نہیں آئی کیونکہ اَلضَّارِبُ سے تنوین الف لام کی وجہ سے اضافت سے پہلے ہی گر چکی ہے، تو اضافت نے کسی قسم کی تخفیف کا فائدہ نہیں دیا لہٰذا اس کو جائز نہیں ہونا چاہیے۔ لیکن وہ اس کو محمول کرتے ہیں ضَارِبُكَ پر، اور ضَارِبُكَ اس کے اندر اسمِ فاعل کے ساتھ ضمیرِ متصل آرہی ہے مفعول بہ کی، اور نحوی حضرات جو ہیں جب اسمِ فاعل اور اسمِ مفعول کے ساتھ مفعول کی ضمیرِ متصل آجائے تو وہاں پر وہ اضافت کو لازم قرار دیتے ہیں اور یہ نہیں دیکھتے کہ اس کی وجہ سے کوئی تخفیف آرہی ہے یا نہیں آرہی۔ تو ضَارِبٌ اسمِ فاعل تھا اور اس کے ساتھ كَافْ ضمیر جو ہے مفعول کی آکر جڑی، ابھی اضافت نہیں کی پہلے ہی تنوین گر گئی ضمیرِ متصل کی وجہ سے، اور پھر اس کے بعد اضافت کر دی گئی تو یہاں بھی اضافت کی وجہ سے کوئی تخفیف نہیں آئی۔ تو امام سِيْبَوَيْهِ وغیرہ فرماتے ہیں جیسے ضَارِبُكَ کے اندر کوئی تخفیف نہیں آئی پھر بھی اضافتِ لفظی جائز ہے وہاں پر، تو اَلضَّارِبُكَ یہ بھی بالکل اسی جیسا ہے۔ یعنی دونوں ایک جیسے ہیں، دونوں

میں مضاف جو ہے وہ اسمِ فاعل ہے اور مضاف الیہ جو ہے وہ ضمیرِ متصل ہے، اور دونوں کے اندر تنوین اضافت سے پہلے ہی گر چکی ہے۔ ضَارِبُكَ اس کے اندر تنوین گری ہے اضافت سے پہلے ہی ضمیرِ متصل کی وجہ سے، اور اَلضَّارِبُكَ کے اندر تنوین اضافت سے پہلے ہی گری ہے الف لام کی وجہ سے، تو دونوں بالکل ایک جیسے ہیں۔ چنانچہ جب ضَارِبُكَ جائز ہے تو اسی پر حمل کرتے ہوئے وہ کہتے ہیں اَلضَّارِبُكَ بھی جائز ہے اور یہ اضافتِ لفظی ہے۔

اور پھر صاحبِ جامی نے بتلایا تھا کہ ضَارِبُكَ اس کے اندر تنوین اضافت سے پہلے ہی گر چکی ہے ضمیرِ متصل ہونے کی وجہ سے، اس لیے کیونکہ ضمیرِ متصل کے ہوتے ہوئے تنوین کا یہاں تصور نہیں کیا جا سکتا۔ مثلاً یہاں تنوین بھی لے آئیں اور ضمیرِ متصل بھی ہو اور یوں ہو کلام ضَارِبُنْكَ، ضَارِبُنْكَ، تو ضمیرِ متصل بھی ہو اور تنوین بھی ہو اس کا تصور نہیں کیا جا سکتا، کہیں ہم نے کلامِ عرب میں نہ ایسا دیکھا ہے اور نہ سنا ہے یہ ممکن ہی نہیں ہے۔ جب تنوین ہے تو ضمیرِ متصل نہیں آسکتی اور جب ضمیرِ متصل ہو تو تنوین نہیں آسکتی، کیونکہ ضمیرِ متصل نے ساتھ جڑنا ہے، اگر وہ نہیں جڑے گی پھر تو وہ متصل نہ رہے گی بلکہ کیا بن جائے گی؟ منفصل بن جائے گی بھائی۔ تو لہٰذا ضمیرِ متصل کے ہوتے ہوئے تنوین نہیں آسکتی، تو جیسے ہی ضمیرِ متصل آئی تنوین گر گئی، ابھی اضافت بھی نہیں کی تو دیکھو تنوین اضافت سے پہلے ہی گر گئی اور پھر اضافت کر دی گئی۔

ہاں پھر اس پر گذشتہ سبق میں کہا تھا کہ ہاں کوئی معترض یہ اعتراض کر سکتا ہے کہ آپ نے کہا کہ ضَارِبُكَ کے اندر اضافت سے پہلے بھی تنوین نہیں تھی، تو کوئی کہتا ہے کہ نہیں بھائی اضافت سے پہلے تنوین کا یہاں تصور کیا جا سکتا ہے بایں طور کہ آپ یوں کہیں کہ ضَارِبُكَ اس کی اصل ضَارِبٌ إِيَّاكَ ہے، یعنی ضمیرِ منفصل تھی اصل میں یہاں پر۔ اب یہاں دیکھو تنوین بھی ہے اور ضمیرِ منفصل بھی ہے، اور ضمیرِ منفصل کے ساتھ تو تنوین آسکتی ہے کیونکہ وہ لفظ کے ساتھ جڑتی نہیں ہے، الگ رہتی ہے، تو ضَارِبٌ إِيَّاكَ۔ بات سمجھ میں آگئی؟ انہوں نے کیا کہا تھا؟ کہ ضَارِبُكَ کے اندر تنوین اضافت سے پہلے ہی گر گئی۔ کوئی معترض کہہ سکتا ہے کہ ضَارِبُكَ کی اصل ضَارِبٌ إِيَّاكَ تھی، لہٰذا اس پہلے تنوین موجود تھی اور پھر جب اضافت کی تو تنوین گر گئی، تو یوں بھی تو کہہ سکتا ہے کوئی نہ کوئی معترض یہ اعتراض کر سکتا ہے۔ اور پھر میں نے یہاں آپ کو یہ بتلایا تھا کہ یہ ضَارِبٌ إِيَّاكَ اب ہم اضافت کرنے لگے ہیں، کیا کرنے لگے ہیں؟ اضافت سے پہلے دیکھو تنوین موجود ہے، پھر جب ہم اضافت کریں گے تو تنوین گر جائے گی۔

اور پھر میں نے تفصیل بتلائی تھی کہ دیکھو ضمیریں پانچ قسم پر ہیں، پہلے ابتدائی طور پر تین قسمیں ہیں: یا ضمیر مرفوع ہو گی یا منصوب ہو گی یا مجرور ہو گی۔ پھر یہ جو مرفوع ہے یہ دو قسم پر ہے: متصل بھی ہو سکتی ہے اور منفصل بھی۔ اسی طرح منصوب بھی دو قسم پر ہے: منفصل بھی ہو سکتی ہے اور متصل بھی ہو سکتی ہے۔ جبکہ مجرور صرف متصل ہے، مجرور

منفصل ضمیر ہے ہی نہیں۔ تو کل گویا پانچ قسم کی ضمیریں ہو گئیں: مرفوع متصل اور مرفوع منفصل، اور منصوب متصل اور منصوب منفصل، اور مجرور صرف متصل ہی ہے، اور ہر ایک کی چودہ چودہ صورتیں ہیں۔ کیونکہ جیسے آپ نے پڑھا ہے هُوَ هُمَا هُمْ، هِيَ هُمَا هُنَّ، أَنْتَ أَنْتُمَا أَنْتُمْ، أَنْتِ أَنْتُمَا أَنْتُنَّ، أَنَا نَحْنُ، تو دیکھو یہ چودہ صورتیں بنتی ہیں۔ چھ ضمیریں کس کی؟ غائب کی، جس میں سے تین مذکر کی ہیں اور تین مؤنث کی۔ پھر چھ ضمیریں مخاطب کی ہیں، تین مذکر کی اور تین مؤنث کی، اور متکلم کی دو ضمیریں ہیں، تو کل چودہ ہیں۔ تو یہ پانچوں کے اندر یہ چودہ صورتیں آئیں گی، تو چودہ پنجے ستر، تو یہ ستر ضمیریں ہیں کل بھائی، کل کیا ہیں؟ ستر ضمیریں۔ مرفوع متصل کی مثال میں نے ذکر کی تھی جیسے ضَرَبْتُ، یہ ضَرَبْتُ کے اندر تَاءْ ضمیر کس کی ہے؟ متکلم کی ہے اور یہ مرفوع ہے، مرفوع کیوں؟ کیونکہ یہ فاعل ہے اور فاعل کیا ہوتا ہے؟ مرفوع، تو دیکھو یہ مرفوع ہے اور متصل ہے ساتھ جڑی ہوئی ہے۔ اور مرفوع منفصل جیسے أَنَا، جب رفع والا مقام ہو اور ضمیرِ متکلم آپ استعمال کرنا چاہتے ہیں اور منفصل لانا چاہتے ہیں تو أَنَا لے کر آئیں گے۔ اور اگر نصب والا مقام ہو تو پھر یہ أَنَا نہیں لائیں گے کیونکہ یہ تو مرفوع ہے، تو پھر وہاں پر اگر آپ نصب والا مقام ہے اور ضمیرِ متصل لانا چاہتے ہیں متکلم کی تو پھر وہاں يَاءْ لے کر آئیں گے۔ کیا لے کر آئیں گے؟ جیسے ضَرَبَنِيْ اس نے میری پٹائی کی، تو یہ يَاءْ ضمیر مفعول کی ہے اور مفعول کیا ہوتا ہے؟ منصوب، اور یہ متصل ہے ضَرَبَ کے ساتھ جڑی ہوئی ہے۔ اور اگر آپ منصوب منفصل لانا چاہتے ہیں تو وہ إِيَّايَ ہے، إِيَّايَ إِيَّانَا إِيَّاكَ إِيَّاكُمَا إِيَّاكُمْ آپ نے ضمیریں پڑھی ہیں، تو یہ جو إِيَّايَ ہے یہ ضمیر منصوب ہے، تو جہاں نصب والا مقام ہو اور آپ متکلم کی ضمیرِ منفصل لانا چاہیں تو پھر إِيَّايَ لائیں گے۔ اور اس کے بعد جو مجرور ہے وہ صرف متصل ہوتی ہے، جیسے كِتَابِيْ، یہ يَاءْ ضمیر کیا ہے؟ مضاف الیہ ہے اور مضاف الیہ کیا ہوتا ہے؟ مجرور، اور یہ متصل ہے۔ یا اسی طرح عَلَيَّ، عَلٰی کے ساتھ يَاءْ ضمیر آگئی اور عَلٰی کیا ہے؟ حرفِ جر، یہ جر دیتا ہے، تو یہ جو يَاءْ ضمیر ساتھ جڑ گئی اور پھر يَاءْ کا يَاءْ میں ادغام ہو گیا، تو یہ جو يَاءْ ضمیر ساتھ آکر جڑی یہ کون سی ہے؟ مجرور متصل۔ مجرور دو ہی ہیں نا، ایک جس پر حرفِ جر داخل ہو اور ایک جو مضاف الیہ ہو، تو عَلَيَّ یہ ضمیرِ مجرور متصل ہے اور اس پر حرفِ جر داخل ہے۔ اور كِتَابِيْ یا غُلَامِيْ یہ کیا ہے؟ یہ ضمیرِ، یہ بھی ضمیرِ مجرور متصل ہے اور یہ مضاف الیہ ہے۔

بات سمجھ میں آگئی؟ تو اصل میں تھا ضَارِبٌ إِيَّاكَ۔ اب اضافت کا ارادہ کیا گیا۔ جب اضافت کا ارادہ کیا گیا تو اب إِيَّاكَ ضمیر ہے، یہ تو منصوب ہے، اس کو بدلنا پڑے گا کس سے؟ مجرور سے کیونکہ مضاف الیہ کیا ہوتا ہے؟ مجرور، اور مجرور تو صرف کون سی ہے؟ متصل ہے، منفصل ہے ہی نہیں۔ تو جب وہ متصل آپ اضافت کرتے ہوئے لا رہے ہیں تو وہ ساتھ جڑے گی، اضافت ہو گی، اور تنوین بھی ضَارِبٌ سے گر جائے گی۔ تو دیکھو اضافت کی وجہ سے ضَارِبٌ سے تنوین گر گئی اور إِيَّاكَ کس سے بدل گئی؟ كَافْ سے بدل گئی، منفصل یعنی متصل سے بدل گئی، تو دونوں میں تخفیف آگئی۔ مضاف میں بھی تخفیف آئی اس سے تنوین گر گئی، اور مضاف الیہ میں بھی تخفیف آئی کہ وہ منفصل سے بدل گیا ضمیرِ متصل کی

طرف۔ بات سمجھ میں آگئی؟

اور پھر اس کے بعد یہ کوئی معترض اعتراض کر رہا ہے کہ بھئی ضَارِبُكَ کی اصل ضَارِبٌ إِيَّاكَ بھی تو ہو سکتی ہے، اور پھر اس کے بعد حمل کیا گیا اَلضَّارِبُكَ کا کس پر؟ اس ضَارِبُكَ پر، یہ ضَارِبُكَ جس کی اصل کیا تھی؟ ضَارِبٌ إِيَّاكَ تھی، اس پر حمل کیا گیا اَلضَّارِبُكَ کا، اور دونوں میں اشتراک ہے کس چیز میں؟ کہ دونوں میں مضاف اسمِ فاعل ہے، اَلضَّارِبُكَ میں بھی اور ضَارِبُكَ میں بھی، اور دونوں میں مضاف الیہ جو ہے وہ ضمیرِ متصل ہے، اور حذفِ تنوین کا اعتبار نہیں کیا گیا، اس لیے کیونکہ حذفِ تنوین ضَارِبُكَ میں اضافت کی وجہ سے ہوئی ہے اور اَلضَّارِبُكَ میں حذفِ تنوین اضافت سے پہلے ہوئی ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟

جی، اس کے بعد پھر صاحبِ جامی نے آپ کو بتلایا تھا کہ یہ جو مصنف کا قول آیا تھا ماتن کا وَضَعُفَ الْوَاهِبُ الْمِائَةِ الْهِجَانِ اور اسی طرح جو ماتن کا قول آیا تھا اَلضَّارِبُ الرَّجُلِ اور اَلضَّارِبُكَ، ان سب کو ہم نے ان کی نظیروں پر محمول کرتے ہوئے جواب بنایا تھا امام فَرَّاءْ کے استدلال کا، کس کی طرف سے؟ صاحبِ کافیہ کی طرف سے، کہ گویا صاحبِ کافیہ یہاں امام فَرَّاءْ کے جو استدلال ہیں ان کے جواب دے رہے ہیں۔ وَضَعُفَ الْوَاهِبُ الْمِائَةِ الْهِجَانِ اس کے ذریعے بھی جواب دیا اور اَلضَّارِبُ الرَّجُلِ اور اَلضَّارِبُكَ اس کے ذریعے بھی صاحبِ کافیہ کیا کرنا چاہ رہے ہیں؟ جواب دینا چاہ رہے ہیں امام فَرَّاءْ کے استدلال کا۔ اور آپ چاہیں تو ان کو الگ الگ مسئلے بھی بنا سکتے ہیں۔ جو ما قبل میں اَلضَّارِبُ زَيْدٍ آیا تھا اس سے اس کی مناسبت سے صاحبِ کافیہ نے تین الگ مسئلے ذکر کیے، آپ چاہیں تو ان کو الگ مسئلے بنا دیں۔ کس طرح کہ صاحبِ کافیہ نے جب ذکر آگیا کہ اَلضَّارِبُكَ یہ جائز نہیں کیونکہ اس کے اندر اضافتِ لفظی ہو رہی ہے، اضافتِ لفظی ہو رہی ہے، تو پھر اس پر اشکال ہوتا ہے کہ دیکھو اَعْشٰی شاعر کا شعر ہے اور اس میں وہ کہتا ہے اَلْوَاهِبُ الْمِائَةِ الْهِجَانِ وَعَبْدِهَا، تو اس کے اندر اس نے عَبْدِهَا کا عطف کیا ہے الْمِائَةِ الْهِجَانِ پر، اور الْمِائَةِ الْهِجَانِ کو ہٹائیں اور اس کی جگہ عَبْدِهَا رکھ دیں تو عبارت گویا کیا بن گئی؟ اَلْوَاهِبُ عَبْدِهَا۔ یہ تو بالکل اَلضَّارِبُ زَيْدٍ جیسی صورت بن گئی، تو جیسے اَلضَّارِبُ زَيْدٍ ممتنع تھا اس کو بھی کیا ہونا چاہیے؟ ممتنع ہونا چاہیے۔ تو صاحبِ کافیہ فرما رہے ہیں کہ اس قسم کی ترکیب ضعیف ہے۔ اس کو ضعیف کہا ممتنع نہیں کہا کیونکہ یہ صورت معطوف میں بن رہی ہے، اس قسم کی ترکیب کیا ہے؟ ضعیف ہے۔ کس قسم کی ترکیب؟ جس میں پھر اب ترکیب پہ نظر رکھنا، اَلْوَاهِبُ الْمِائَةِ الْهِجَانِ وَعَبْدِهَا، یہ عَبْدِهَا کا عطف کس پر ہے؟ الْمِائَةِ الْهِجَانِ پر، تو صاحبِ کافیہ بتلانا یہ چاہتے ہیں جب آپ عطف کریں غیرِ مُعَرَّفْ بِاللَّامْ کا، کس پر؟ مُعَرَّفْ بِاللَّامْ پر، اور وہ مُعَرَّفْ بِاللَّامْ ایسا ہو کہ اس کی طرف ایک ایسی صفت مضاف ہو رہی ہے کہ وہ صفت بھی کیا ہے؟ مُعَرَّفْ بِاللَّامْ ہے، تو یہ عطف ضعیف ہے کیونکہ اس میں کس جیسی صورت بنے گی؟ اَلضَّارِبُ زَيْدٍ جیسی صورت بنے گی۔ بات سمجھ میں آگئی؟

اور اس کے بعد پھر صاحبِ کافیہ نے آپ کو بتلایا کہ بھئی جیسے اَلضَّارِبُ زَيْدٍ جائز نہیں اسی طرح اَلضَّارِبُ الرَّجُلِ یہ بھی

جائز نہیں ہونا چاہیے ضابطے کے مطابق، قیاس کے مطابق، لیکن یہ جائز ہے اَلْحَسَنُ الْوَجْهِ کی مختار صورت پر حمل کرتے ہوئے۔ اور پھر آگے ایک اور مسئلہ ذکر فرمایا کہ جیسے اَلضَّارِبُ زَيْدٍ نہیں جائز، اسی طرح اَلضَّارِبُكَ اس کو بھی بعض نحوی حضرات نے مضاف مضاف الیہ قرار دیا ہے، یہ بھی جائز نہیں ہونا چاہیے، لیکن وہ نحوی حضرات اس کو کس پر محمول کرتے ہیں؟ ضَارِبُكَ پر محمول کرتے ہیں۔ تو آپ ان تینوں کو چاہیں تو الگ الگ مسئلے بھی بنا سکتے ہیں، اور جب آپ الگ مسئلے بنائیں گے تو پھر بھی ضمناً امام فَرَّاءْ کے استدلال کا جواب ہو جائے گا کہ امام فَرَّاءْ ان میں سے کسی سے استدلال نہیں کر سکتے، کیونکہ ان سب کے اندر ہم نے ذکر کر دیا کہ ایک صورت میں تو ترکیب ضعیف ہے اور باقی دو صورتوں میں وہ اپنی نظیروں پر محمول ہونے کی وجہ سے جائز ہیں ورنہ وہ ویسے جائز نہ ہوتے، جبکہ اَلضَّارِبُ زَيْدٍ اس کی نظیروں جیسا نہیں لہٰذا اس کو محمول نہیں کر سکتے۔ تو ضمناً امام فَرَّاءْ پر بھی رد ہو گیا، لیکن الگ الگ مسئلے بھی آپ بنا سکتے ہیں۔ بات سمجھ میں آ گئی؟

اب آئیے آج کے سبق پر۔ کہتے ہیں وَلَا يُضَافُ مَوْصُوْفٌ إِلٰى صِفَتِهٖ مَعَ بَقَاءِ الْمَعْنَى الْمُفَادِ بِالتَّرْكِيْبِ الْوَصْفِيِّ بِحَالِهٖ۔ بھائی یوں کریں پہلے صرف متن متن پہ ذرا نظر رکھیں، کہتے ہیں وَلَا يُضَافُ مَوْصُوْفٌ إِلٰى صِفَتِهٖ وَلَا صِفَةٌ إِلٰى مَوْصُوْفِهَا وَمِثْلُ مَسْجِدِ

الْجَامِعِ وَجَانِبُ الْغَرْبِيِّ وَصَلَاةُ الْأُوْلٰى وَبَقْلَةُ الْحَمْقَاءِ مُتَأَوَّلٌ، وَمِثْلُ جَرْدُ قَطِيْفَةٍ وَأَخْلَاقُ ثِيَابٍ مُتَأَوَّلٌ۔ متن مل گیا سارا بھائی؟ جی۔ ہاں پھر دیکھ لیں ایک دفعہ پھر دیکھ لیں متن ذرا دور دور ہے ایک دو صفحوں میں آ رہا ہے۔ وَلَا يُضَافُ مَوْصُوْفٌ إِلٰى صِفَتِهٖ وَلَا صِفَةٌ إِلٰى مَوْصُوْفِهَا وَمِثْلُ مَسْجِدُ الْجَامِعِ وَجَانِبُ الْغَرْبِيِّ وَصَلَاةُ الْأُوْلٰى وَبَقْلَةُ الْحَمْقَاءِ مُتَأَوَّلٌ، وَمِثْلُ جَرْدُ قَطِيْفَةٍ وَأَخْلَاقُ ثِيَابٍ مُتَأَوَّلٌ۔ مل گئی عبارت ساری؟ اب دیکھو پہلے ذرا یہ متن سمجھ لو۔

صاحبِ کافیہ آپ کو بتلائیں گے کہ وَلَا يُضَافُ مَوْصُوْفٌ إِلٰى صِفَتِهٖ، کہ موصوف کی اپنی صفت کی طرف اضافت نہیں کی جاتی۔ ایک ہوتا ہے موصوف آگے اس کی آ رہی ہے صفت، آپ موصوف کی اضافت کرنا چاہتے ہیں صفت کی طرف، کہتے ہیں موصوف کی اضافت صفت کی طرف نہیں کی جا سکتی، یہ جائز نہیں ہے۔ وَلَا صِفَةٌ إِلٰى مَوْصُوْفِهَا، اور نہ ہی صفت کی اضافت موصوف کی طرف کی جا سکتی ہے۔ بھائی دیکھو پہلا ضابطہ یہ ہے، ایک آیا موصوف ایک ہے صفت، موصوف پہلے ہے صفت بعد میں ہے، اب آپ اس موصوف صفت والی ترکیب میں رد و بدل کرتے ہیں اور موصوف کی صفت کی طرف اضافت کرنا چاہتے ہیں، یہ جائز نہیں ہے۔ دوسرا ضابطہ یہ ہے کہ پہلے آیا موصوف بعد میں آئی صفت، اب آپ اس صفت کی اضافت کرنا چاہتے ہیں کس کی طرف؟ موصوف کی طرف، تو آپ صفت کو اٹھا کر شروع میں لے آتے ہیں اور پھر اس صفت کی اضافت کر دیتے ہیں موصوف کی طرف، کہتے ہیں یہ جائز نہیں ہے، یہ جائز نہیں ہے۔ تو کہتے ہیں وَلَا يُضَافُ مَوْصُوْفٌ إِلٰى صِفَتِهٖ نہ تو موصوف کی اضافت کی جاتی ہے صفت کی طرف، وَلَا صِفَةٌ إِلٰى مَوْصُوْفِهَا اور نہ صفت کی اضافت کی جاتی ہے اپنے موصوف کی طرف۔

جبکہ کوفہ والے نحوی فرماتے ہیں، توجہ سے، کوفہ والے نحوی فرماتے ہیں کہ موصوف کی اضافت اپنی صفت کی طرف بھی جائز ہے اور صفت کی اضافت بھی اپنے موصوف کی طرف جائز ہے۔ موصوف کی اضافت صفت کی طرف اور صفت کی اضافت موصوف کی طرف یہ بھی جائز ہے۔ چنانچہ وہ کہتے ہیں کہ ہم نے عربوں سے سنا ہے اَلْمَسْجِدُ الْجَامِعُ، اَلْمَسْجِدُ موصوف اور اَلْجَامِعُ اس کی صفت۔ اَلْمَسْجِدُ الْجَامِعُ وہ مسجد جو جمع کرنے والی ہے یعنی جس میں لوگ سارے جمع ہوتے ہیں جیسے جمعے کی نماز وغیرہ اس میں ادا کی جاتی ہے، یا یوں کہیں جو بڑی مسجد ہے، کیا ہے؟ بڑی مسجد ہے کہ وہ لوگوں کو جمع کرنے والی ہے اس میں زیادہ لوگ جمع ہوتے ہیں۔ تو وہ کہتے ہیں کہ اَلْمَسْجِدُ موصوف ہے مُعَرَّفْ بِاللَّامْ ہے، اور اَلْجَامِعُ یہ بھی مُعَرَّفْ بِاللَّامْ ہے یہ اس کی صفت ہے، لیکن ہم نے عربوں سے سنا ہے وہ اس کے اندر اَلْمَسْجِدُ جو ہے موصوف جو ہے اس کی صفت کی طرف اضافت کر دیتے ہیں۔ کیسے؟ اَلْمَسْجِدُ سے الف لام ہٹا دیا تو یہ نکرہ بن گیا، اور پھر اس کی اضافت کر دی اَلْجَامِعُ کی طرف، تو وہ اَلْمَسْجِدُ الْجَامِعُ میں الف لام کے بغیر یوں کہتے ہیں، پہلے کیا تھا؟ اَلْمَسْجِدُ الْجَامِعُ، جو موصوف کا اعراب وہی صفت کا اعراب، لیکن اب دیکھو اضافت کریں گے الف لام شروع سے مضاف سے ختم کریں گے، مَسْجِدُ الْجَامِعِ۔ ہم نے عربوں سے سنا ہے کہ وہ اَلْمَسْجِدُ الْجَامِعُ کے اندر کیا کہہ دیتے ہیں؟ مَسْجِدُ الْجَامِعِ۔ جب مَسْجِدُ الْجَامِعِ کہا تو یہ آپس میں مضاف مضاف الیہ ہو گئے۔

اور اسی طرح ہم نے عربوں سے سنا ہے کہ وہ صفت کی اضافت بھی موصوف کی طرف کر دیتے ہیں، جیسے ثِيَابٌ أَخْلَاقٌ۔ ثِيَابٌ جمع ہے ثَوْبٌ کی، کپڑے، اور أَخْلَاقٌ جمع ہے خَلَقٌ کی۔ یاد رکھو ایک ہے خَلْقٌ، خَلْقٌ لام ساکن ہے، خَلْقٌ بمعنی مخلوق کے ہے، اور اگر لام پر آپ فتحہ پڑھیں خَلَقٌ، تو خَلَقٌ کا معنی ہے پرانا، خَلَقٌ کا کیا معنی؟ پرانا، تو اس خَلَقٌ کی جمع آتی ہے أَخْلَاقٌ۔ تو ثِيَابٌ موصوف ہے اور أَخْلَاقٌ اس کی صفت ہے، ثِيَابٌ أَخْلَاقٌ ایسے کپڑے جو پرانے ہیں۔ ثِيَابٌ أَخْلَاقٌ، ثِيَابٌ موصوف أَخْلَاقٌ اس کی صفت، تو یہ آپس میں موصوف صفت ہیں، لیکن ہم نے عربوں سے سنا ہے کہ یہ أَخْلَاقٌ کی اضافت کر دیتے ہیں ثِيَابٌ کی طرف، یعنی أَخْلَاقٌ کو اٹھا کر شروع میں لے آئے، کہاں لے آئے؟ شروع میں، کیونکہ مضاف بنانا ہے ہم نے اور مضاف پہلے آتا ہے اور مضاف الیہ بعد میں، تو صفت کو موصوف پر مقدم کر دیتے ہیں اور اضافت کر دیتے ہیں، اور پھر یوں پڑھتے ہیں أَخْلَاقُ ثِيَابٍ۔ اصل میں تو کیا تھا؟ ثِيَابٌ أَخْلَاقٌ، ثِيَابٌ موصوف أَخْلَاقٌ اس کی صفت، پھر اس صفت کو موصوف پر مقدم کر کے موصوف کی طرف اس کی اضافت کر دی تو أَخْلَاقُ ثِيَابٍ کہتے ہیں، اور معنی دونوں میں ایک ہی رہتا ہے، یعنی اضافت سے جو پہلے معنی تھا یعنی ثِيَابٌ أَخْلَاقٌ کیا معنی تھا؟ پرانے کپڑے، اور أَخْلَاقُ ثِيَابٍ کے اندر بھی وہی معنی ہے پرانے کپڑے۔

توجہ ہے؟ صاحبِ کافیہ نے تو کیا بتلایا کہ نہ موصوف کی اضافت جائز ہے صفت کی طرف اور نہ صفت کی اضافت جائز ہے موصوف کی طرف۔ لیکن کوفہ والے نحوی کہتے ہیں کہ صفت کی اضافت بھی موصوف کی طرف جائز اور موصوف کی

اضافت بھی صفت کی طرف جائز، ہم نے عربوں سے سنا ہے۔ پہلا ضابطہ آپ نے کیا بتایا کہ موصوف کی اضافت صفت کی طرف نہیں جائز، اَلْمَسْجِدُ الْجَامِعُ یہ مسجد موصوف ہے اور الْجَامِعُ اس کی صفت، لیکن ہم عربوں سے سنتے ہیں وہ اضافت کر دیتے ہیں اور یوں کہتے ہیں مَسْجِدُ الْجَامِعِ، اور معنی وہی رہتا ہے۔ اَلْمَسْجِدُ الْجَامِعُ کا کیا معنی؟ وہ مسجد جو جمع کرنے والی ہے، اور مَسْجِدُ الْجَامِعِ اضافت کے بعد بھی وہی معنی ہے وہ مسجد جو جمع کرنے والی ہے، اضافت کے بعد بھی وہی معنی ہے دیکھو معنی نہیں بدلے گا، تو موصوف کی اضافت کس کی طرف کر رہے ہیں؟ صفت کی طرف۔ اور نیز دوسرا ضابطہ آپ نے کیا بتایا کہ صفت کی اضافت موصوف کی طرف نہیں جائز، ہم نے عربوں سے سنا ہے کہ وہ صفت کی اضافت موصوف کی طرف کر دیتے ہیں، جیسے ثِيَابٌ أَخْلَاقٌ یہ موصوف صفت ہیں، لیکن پھر أَخْلَاقٌ کو اٹھا کر موصوف پر مقدم کر دیا اور اضافت کر دی تو أَخْلَاقُ ثِيَابٍ ہو گیا اور معنی وہی ہے جو پہلے تھا بھائی۔ بات سمجھ میں آ رہی ہے؟

اور نیز وہ کہتے ہیں، وہ کہتے ہیں کہ دیکھو یہ اضافتِ معنوی ہے۔ آپ نے پڑھا ہے اضافت دو قسم کی ہے: ایک اضافتِ لفظی، ایک اضافتِ معنوی۔ اضافتِ لفظی جس میں صیغہ صفت کا ہوتا ہے اور مضاف ہوتا ہے اپنے معمول کی طرف، اور یہ جو اضافتِ لفظی ہے یہ صرف تخفیف کا فائدہ دیتی ہے، یہ تعریف یا تخصیص کا فائدہ نہیں دیتی۔ جبکہ دوسری اضافتِ معنوی ہے، اضافتِ معنوی کے اندر تخفیف بھی آتی ہے اور اس کے ساتھ ساتھ تعریف یا تخصیص بھی آ جاتی ہے، تعریف یا تخصیص، اور وہی چونکہ مقصود ہوتا ہے لہٰذا اسی کو زیادہ تر ذکر کرتے ہیں کہ اضافتِ معنوی تعریف یا تخصیص کا فائدہ دیتی ہے اگرچہ وہاں تخفیف بھی آتی ہے۔ اور یہاں بھی یہ جو اضافت کی گئی کہتے ہیں یہ اضافتِ معنوی ہے، اور اضافتِ معنوی کس چیز کا فائدہ دیتی ہے؟ تخفیف کا بھی اور تعریف یا تخصیص کا بھی، اور یہاں پر یہ دونوں فائدے موجود ہیں۔ دیکھو مَسْجِدُ الْجَامِعِ، دیکھو مَسْجِدْ سے کیا گر گئی؟ تنوین گر گئی، جب الف لام نہیں ہے تو اس پر کیا آنی تھی؟ تنوین، لیکن اضافت کی وجہ سے وہ تنوین گر گئی تو تخفیف بھی آ گئی، اور نیز تعریف بھی آ گئی کیونکہ مَسْجِدْ ہے نکرہ اور اَلْجَامِعُ کیا ہے؟ معرفہ، اور نکرہ کی اضافت جب معرفہ کی طرف کرو تو وہ نکرہ کیا بن جاتا ہے؟ وہ مضاف بھی معرفہ بن جاتا ہے، جیسے غُلَامُ زَيْدٍ، غُلَامٌ تو نکرہ ہے لیکن زَيْدٍ معرفہ کی طرف اضافت کی تو غُلَامٌ بھی کیا بن گیا؟ معرفہ اور متعین ہو گیا۔ تو یہاں پر بھی مَسْجِدُ الْجَامِعِ، مسجد کی جب اضافت کی تو مسجد سے تنوین گر گئی، تخفیف آ گئی، اور نیز مسجد نے اَلْجَامِعُ سے تعریف بھی اخذ کر لی، تو تعریف بھی آ گئی اور تخفیف بھی آ گئی۔ بات سمجھ میں آ گئی؟

اسی طرح جو دوسری مثال ذکر کی ثِيَابٌ أَخْلَاقٌ، ثِيَابٌ موصوف تھا أَخْلَاقٌ اس کی صفت، پھر اس صفت کو مقدم کر کے اس کی اضافت کر دی موصوف کی طرف تو کیا بن گیا؟ أَخْلَاقُ ثِيَابٍ۔ تو دیکھو أَخْلَاقٌ سے تنوین گر گئی تو تخفیف آ گئی، اور نیز أَخْلَاقٌ بھی نکرہ اور ثِيَابٌ بھی نکرہ، اور نکرہ کی نکرہ کی طرف اضافت ہو تو وہ تخصیص کا فائدہ دیتی ہے، تو یہاں بھی تخصیص آ گئی کہ أَخْلَاقٌ، أَخْلَاقٌ کا کیا معنی؟ پرانا، پرانی کوئی بھی چیز ہو سکتی تھی، پرانی کوئی بھی چیز ہو سکتی تھی لیکن جب ثِيَابٌ کی

طرف اضافت کر دی تو اب پتہ چلا کہ اس أَخْلَاقٌ سے ہر چیز مراد نہیں بلکہ پرانے کپڑے مراد ہیں۔ جیسے دیکھو غُلَامُ رَجُلٍ، غُلَامُ رَجُلٍ، غُلَامٌ دنیا کے ہر غلام پر صادق آتا ہے چاہے مرد کا غلام ہو چاہے عورت کا، لیکن آپ اس کی نکرہ کی طرف اضافت کر دیں غُلَامُ رَجُلٍ، مرد کا غلام، اب یہ صرف مردوں کے غلام پر صادق آئے گا عورتوں کے غلام پر نہیں، تو دیکھو تخصیص آ گئی۔ تو یہاں پر بھی أَخْلَاقُ ثِيَابٍ، أَخْلَاقٌ اکیلا لے آئیں تو یہ ہر پرانی چیز پر آپ بول سکتے ہیں چاہے کپڑے ہوں یا کپڑوں کے علاوہ کوئی اور چیز ہو، لیکن جب ثِيَابٌ کی طرف اضافت کر دی أَخْلَاقُ ثِيَابٍ اب صرف یہ پرانے کپڑوں پر بولا جائے گا اور پرانی چیزوں پر نہیں بولا جائے گا تو دیکھو تخصیص آ گئی۔ تو تخفیف بھی آ گئی أَخْلَاقٌ سے تنوین گر گئی، اور نیز تخصیص بھی آ گئی، اور اضافتِ معنویہ بھی تخفیف کے ساتھ یا تعریف کا فائدہ دیتی ہے یا تخصیص کا، دونوں میں سے ایک فائدہ دیتی ہے: معرفہ کی طرف اضافت ہو تو تعریف کا فائدہ دے گی، نکرہ کی طرف اضافت ہو تو تخصیص کا فائدہ دے گی۔ تو یہاں مَسْجِدُ الْجَامِعِ اس کے اندر تعریف آ گئی اور أَخْلَاقُ ثِيَابٍ اس کے اندر تخصیص آ گئی، اور دونوں کے اندر تخفیف بھی آ گئی کہ تنوین گر گئی مضاف سے۔ بات سمجھ میں آ گئی؟ یہ کس کا مذہب بیان ہو رہا ہے؟ کوفہ والوں کا، اور معنی کہتے ہیں وہی رہے گا جو موصوف صفت والا تھا۔ جو معنی ثِيَابٌ أَخْلَاقٌ کا تھا پرانے کپڑے، أَخْلَاقُ ثِيَابٍ کا بھی وہی معنی پرانے کپڑے۔ اور جو معنی اَلْمَسْجِدُ الْجَامِعُ وہ مسجد جو جمع کرنے والی ہے، تو مَسْجِدُ الْجَامِعِ اضافت کی صورت میں بھی وہی معنی ہے وہ مسجد جو جمع کرنے والی ہے۔

اب پھر کتاب پر دیکھیے۔ تو صاحبِ کافیہ نے دو ضابطے ذکر فرمائے، پہلا ضابطہ کیا؟ وَلَا يُضَافُ مَوْصُوْفٌ إِلٰى صِفَتِهٖ کہ موصوف کی اضافت صفت کی طرف نہیں کی جا سکتی، وَلَا صِفَةٌ إِلٰى مَوْصُوْفِهَا اور نہ صفت کی اضافت کی جا سکتی ہے موصوف کی طرف۔ لیکن صاحبِ کافیہ پر اعتراض ہوتا ہے، کیا اعتراض ہوتا ہے؟ دیکھیے آگے کہتے ہیں وَمِثْلُ مَسْجِدُ الْجَامِعِ کہ اس کے اندر تو دیکھو موصوف کی اضافت ہو رہی ہے کس کی طرف؟ صفت کی طرف، دیکھو مسجد پر الف لام نہیں ہے، الف لام ہوتا تو موصوف صفت ہوتے کیونکہ موصوف صفت میں تعریف و تنکیر میں مطابقت ضروری ہے، موصوف معرفہ ہو تو صفت بھی معرفہ اور موصوف نکرہ ہو تو صفت بھی نکرہ، لیکن یہاں پر دیکھو مَسْجِدُ الْجَامِعِ مسجد پر الف لام نہیں ہے۔ تو دیکھو عرب سے ہم نے سنا ہے مَسْجِدُ الْجَامِعِ وہ کہتے ہیں، تو اس سے تو معلوم ہوا کہ کوفہ والوں کا مذہب صحیح ہے کہ موصوف کی اضافت ہو رہی ہے کس کی طرف؟ صفت کی طرف۔ اسی طرح عرب کہتے ہیں، آگے دیکھیے وَجَانِبُ الْغَرْبِيِّ یعنی مغربی جانب، مغربی جانب، تو اس کے اندر بھی اصل میں ہے اَلْجَانِبُ الْغَرْبِيُّ، اَلْجَانِبُ موصوف ہے اور غَرْبِيٌّ کیا ہے اس کی؟ صفت ہے، لیکن پھر جانب کی اضافت کر دی گئی اَلْغَرْبِيِّ کی طرف، جانب سے الف لام ہٹا دیا اور اضافت کر دی تو کیا بن گیا؟ جَانِبُ الْغَرْبِيِّ، تو اس میں دیکھو موصوف کی اضافت ہو رہی ہے صفت کی طرف یہ بھی ہم نے عربوں سے سنا ہے۔ وَصَلَاةُ الْأُوْلٰى اصل میں تھا اَلصَّلَاةُ الْأُوْلٰى، اَلصَّلَاةُ الف لام کے ساتھ تھا یہ تھا موصوف اور الْأُوْلٰى اس کی

صفت ہے، صَلَاۃٌ مؤنث ہے اس کے ساتھ گول تاء ہے تو الْأُوْلٰی اس کی صفت بھی کیا لائی گئی؟ مؤنث لائی گئی، تو یہ آپس میں موصوف صفت ہیں لیکن ہم نے عربوں سے سنا ہے کہ وہ اس کے اندر صَلَاۃُ الْأُوْلٰی بھی کہتے ہیں، صَلَاۃٌ سے الف لام ختم کر کے الْأُوْلٰی کی طرف اس کی اضافت کر دیتے ہیں۔ صَلَاۃُ الْأُوْلٰی یعنی پہلی نماز، کیا معنی؟ پہلی نماز۔ اور اسی طرح وَبَقْلَۃُ الْحَمْقَاءِ اصل میں ہے اَلْبَقْلَۃُ الْحَمْقَاءُ، اَلْبَقْلَۃُ موصوف ہے اور اَلْحَمْقَاءُ اس کی صفت ہے، لیکن ہم نے عربوں سے سنا ہے کہ وہ موصوف سے یہاں الف لام ختم کر کے اس کی اضافت کر دیتے ہیں اور یوں پڑھتے ہیں بَقْلَۃُ الْحَمْقَاءِ۔ تو اے صاحبِ کافیہ! آپ نے تو ہمیں ضابطہ بتلایا تھا کہ موصوف کی اضافت صفت کی طرف نہیں ہوتی، لیکن ان تمام مثالوں میں ہم دیکھ رہے ہیں کہ موصوف کی اضافت کی گئی ہے صفت کی طرف۔

تو صاحبِ کافیہ اس کا جواب دیتے ہیں، آگے دیکھیے فرماتے ہیں مُتَأَوَّلٌ۔ پھر دیکھو عبارت وَمِثْلُ مَسْجِدُ الْجَامِعِ وَجَانِبُ الْغَرْبِيِّ وَصَلَاۃُ الْأُوْلٰی وَبَقْلَۃُ الْحَمْقَاءِ مُتَأَوَّلٌ، کہ یہ ساری اس جیسی مثالیں جو ہیں ان میں تاویل کی گئی ہے، ان میں کیا کی گئی ہے؟ تاویل کی گئی ہے۔ اسی طرح آگے عبارت دیکھیے وَمِثْلُ جَرْدُ قَطِيْفَۃٍ وَأَخْلَاقُ ثِيَابٍ مُتَأَوَّلٌ۔ دوسرا ضابطہ کیا ذکر کیا تھا صاحبِ کافیہ نے؟ کہ صفت کی اضافت بھی موصوف کی طرف نہیں کرتے۔ لیکن اے صاحبِ کافیہ! ہم نے عربوں سے سنا ہے کہ وہ جَرْدُ قَطِيْفَۃٍ کہتے ہیں، اور یہ اصل میں تھا قَطِيْفَۃٌ جَرْدٌ، یہ اصل میں کیا تھا؟ قَطِيْفَۃٌ جَرْدٌ۔ یاد رکھو قَطِيْفَۃٌ، قَافْ دو نقطوں والا ہے طَاءْ ہے قَطِيْفَۃٌ، تو قَطِيْفَۃٌ جو ہے یہ یاد رکھو مخملی چادر کو کہتے ہیں، کس کو کہتے ہیں؟ مخملی چادر بھائی مخملی چادر۔ مخمل، مخملی کپڑا جانتے ہو بھائی؟ بھائی وہ کپڑا جس پر باریک سے بال ہوتے ہیں، یہ تکیوں وغیرہ پر چڑھایا جاتا ہے اور باریک سے بال ہوتے ہیں یہ ہے مخملی کپڑا۔ تو یہ جو مخملی کپڑا ہے یاد رکھو جب یہ پرانا ہو جاتا ہے تو آہستہ آہستہ

اس کے بال اترتے چلے جاتے ہیں، تو یہ جو بے بال مخملی چادر ہے اس کو کہتے ہیں قَطِيْفَۃٌ جَرْدٌ۔ جَرْدٌ کا معنی بغیر بالوں کے، یعنی جس کے بال گھس گئے ہیں اتر گئے ہیں، تو اس کو کیا کہتے ہیں؟ قَطِيْفَۃٌ جَرْدٌ۔ تو یہ جو چادر ہے مخملی چادر جس کے بال اتر گئے ہیں گھس گئے ہیں اس کو کیا کہتے ہیں؟ قَطِيْفَۃٌ جَرْدٌ۔ قَطِيْفَۃٌ موصوف اس کا معنی مخملی چادر، اور جَرْدٌ کا معنی بغیر بالوں کے یعنی جس کے بال گھس گئے ہیں۔ تو قَطِيْفَۃٌ جَرْدٌ، قَطِيْفَۃٌ ہے موصوف اور جَرْدٌ ہے اس کی صفت، اور پھر ہم نے عربوں سے سنا ہے وہ اس جَرْدٌ کی اضافت کرتے ہیں قَطِيْفَۃٌ کی طرف، جَرْدٌ جو صفت ہے اس کو اٹھا کر موصوف پر مقدم کر دیتے ہیں اور یوں کہتے ہیں جَرْدُ قَطِيْفَۃٍ۔ اور اے صاحبِ کافیہ! آپ نے تو ہمیں کیا بتایا تھا؟ صفت کی اضافت موصوف کی طرف نہیں ہوتی، لیکن ہم نے سنا ہے عربوں سے جَرْدُ قَطِيْفَۃٍ وہ کہتے ہیں۔ اسی طرح ثِيَابٌ أَخْلَاقٌ، ثِيَابٌ موصوف ہے اور أَخْلَاقٌ اس کی صفت، لیکن ہم نے عربوں سے سنا ہے کہ وہ أَخْلَاقٌ جو صفت ہے اس کو اٹھا کر موصوف پر مقدم کر دیتے ہیں اور اضافت کر کے کہتے ہیں أَخْلَاقُ ثِيَابٍ۔ تو آپ کے دوسرا ضابطہ بھی ٹوٹ گیا۔ تو صاحبِ کافیہ اس کا بھی جواب

دے رہے ہیں اور فرماتے ہیں وَمِثْلُ جَرْدُ قَطِيْفَةٍ وَأَخْلَاقُ ثِيَابٍ، اور جَرْدُ قَطِيْفَةٍ اور أَخْلَاقُ ثِيَابٍ جیسی مثالیں جن میں صفت کی اضافت کس کی طرف لگ رہی ہے؟ موصوف کی طرف، مُتَأَوَّلٌ ان میں تاویل کی گئی ہے، ان میں تاویل کی گئی ہے۔

تو اب مَسْجِدُ الْجَامِعِ اور جَانِبُ الْغَرْبِيِّ وغیرہ میں کیا تاویل کی گئی ہے، اور جَرْدُ قَطِيْفَةٍ اور أَخْلَاقُ ثِيَابٍ میں کیا تاویل کی گئی ہے وہ سمجھ لیں۔ صاحبِ کافیہ جواب دیں گے۔ سنو بھائی جواب۔ وہ فرماتے ہیں کہ ایک ترکیب ہے موصوف صفت والی اور ایک ترکیب ہے اضافت والی۔ جو موصوف صفت والی ترکیب ہے یعنی ترکیبِ توصیفی جو ہے وہ اور ہے، اس کا فائدہ اور ہے، اس کا معنی اور ہے، اور ترکیبِ اضافی اور ہے اور اس کا معنی اور ہے۔ لہٰذا ترکیبِ توصیفی کو بدل دیں ترکیبِ اضافی سے اور معنی وہی ترکیبِ توصیفی والا رہے یہ نہیں ہو سکتا۔ ترکیبِ توصیفی جس میں ایک موصوف آتا ہے اور ایک صفت، یاد رکھو موصوف صفت جو ہے یہ ترکیب فائدہ دیتی ہے کہ موصوف اس صفت کے ساتھ متصف ہو رہا ہے، موصوف اس صفت کے ساتھ متصف ہو رہا ہے، مثلاً میں آپ سے کہتا ہوں جَاءَنِيْ رَجُلٌ عَالِمٌ میرے پاس ایک ایسا شخص آیا ایک ایسا آدمی آیا عَالِمٌ جو عالم تھا۔ تو رَجُلٌ موصوف، نکرہ ہے رَجُلٌ موصوف، اور عَالِمٌ اس کی صفت، اور یہ رَجُلٌ عالم ہونے کے ساتھ موصوف ہے کہ یہ رجل عالم ہے۔ تو ترکیبِ توصیفی کس چیز کا فائدہ دیتی ہے؟ کہ ایک چیز دوسری چیز کے ساتھ موصوف ہو رہی ہے، یا میں جیسے میں کہتا ہوں زَيْدٌ الْعَالِمُ، زَيْدٌ موصوف اور الْعَالِمُ اس کی صفت، تو اس ترکیب سے کیا پتہ چلا؟ کہ یہ جو زید ہے یہ عالم ہونے کے ساتھ موصوف ہے۔ تو ترکیبِ توصیفی کس چیز کا فائدہ دیتی ہے؟ اِتِّصَافُ شَيْءٍ بِشَيْءٍ۔ زبان سے دہرائیں، ترکیبِ توصیفی کس چیز کا فائدہ دیتی ہے؟ اِتِّصَافُ شَيْءٍ بِشَيْءٍ کہ ایک چیز دوسری چیز کے ساتھ متصف ہو رہی ہے موصوف ہو رہی ہے۔ اور جبکہ ترکیبِ اضافی جو ہے وہ فائدہ دیتی ہے کہ ایک چیز کی اضافت اور نسبت کی جا رہی ہے دوسری چیز کی طرف، غُلَامُ زَيْدٍ، غُلَامُ مضاف اور زَيْدٍ مضاف الیہ، یہاں غلام زید کے ساتھ کوئی موصوف نہیں ہو رہا بلکہ غلام کی نسبت کی جا رہی ہے کس کی طرف؟ زید کی طرف کہ یہ کسی اور کا غلام نہیں ہے بلکہ کس کا غلام ہے؟ زید کا غلام ہے۔ تو ترکیبِ اضافی کس چیز کا فائدہ دیتی ہے؟ نسبت کا کہ ایک چیز کی نسبت کی جا رہی ہے دوسری چیز کی طرف، اور جبکہ ترکیبِ توصیفی کس چیز کا فائدہ دیتی ہے؟ کہ ایک چیز متصف ہو رہی ہے دوسری چیز کے ساتھ یعنی اِتِّصَافُ شَيْءٍ بِشَيْءٍ، تو یہ ترکیبِ توصیفی فائدہ دیتی ہے، اور ترکیبِ اضافی وہ إِضَافَةُ شَيْءٍ إِلٰى شَيْءٍ کہ ایک چیز کی اضافت اور نسبت کی جا رہی ہے دوسری چیز کی طرف۔ تو دونوں کا فائدہ بالکل الگ الگ ہے، ترکیبِ توصیفی کا فائدہ بالکل الگ اور ترکیبِ اضافی کا فائدہ بالکل الگ، لہٰذا اَلْمَسْجِدُ الْجَامِعُ جب موصوف صفت ہیں اور پھر آپ اضافت بھی کر دیں اور یوں کہیں مَسْجِدُ الْجَامِعِ اور کہیں معنی وہی ہے، نہیں معنی وہی نہیں ہے، وہی معنی نہیں ہے۔ اَلْمَسْجِدُ الْجَامِعُ وہ ترکیب اور، اور مَسْجِدُ الْجَامِعِ یہ ترکیب اور ہے۔ بات سمجھ میں آ رہی ہے؟ یہ وہی موصوف نہیں ہے، اَلْمَسْجِدُ الْجَامِعُ اس میں

تو اَلْمَسْجِدُ موصوف ہے اَلْجَامِعُ اس کی صفت ہے، لیکن مَسْجِدُ الْجَامِعِ اس کے اندر جب آپس میں مضاف مضاف الیہ بن گئے تو اس میں تاویل کی گئی ہے، مسجد کو ہم موصوف نہیں بنائیں گے اور اَلْجَامِعُ کو اس کے لیے صفت نہیں بنائیں گے۔

تو پھر کیا تاویل ہے؟ کہتے ہیں یہاں تاویل یہ ہے کہ یوں کہو مَسْجِدُ الْوَقْتِ الْجَامِعِ، یہاں وَقْتٌ کا لفظ جو ہے مقدر ہے۔ تو مَسْجِدُ الْجَامِعِ اصل میں کیا ہے؟ مَسْجِدُ الْوَقْتِ الْجَامِعِ، پھر دہراؤ۔ مَسْجِدُ الْوَقْتِ الْجَامِعِ، آپ کیا کہہ رہے تھے کہ مسجد موصوف ہے اَلْجَامِعُ صفت ہے اور موصوف کی اضافت ہو رہی ہے کس کی طرف؟ صفت کی طرف، کہتے ہیں نہیں یہ مسجد کی اضافت اَلْجَامِعُ کی طرف نہیں ہو رہی یہاں اَلْوَقْتُ کا لفظ مقدر ہے، تو مسجد کی اضافت اَلْوَقْتُ کی طرف ہو رہی ہے۔ اور نیز آپ نے کیا کہا تھا؟ یہ اَلْجَامِعُ مسجد کی صفت ہے، نہیں یہ اَلْوَقْتُ کی صفت ہے۔ مَسْجِدُ الْوَقْتِ الْجَامِعِ، اَلْوَقْتُ پر بھی الف لام اور اَلْجَامِعُ پر بھی الف لام، تو اَلْوَقْتُ موصوف اَلْجَامِعُ اس کی صفت، تو یہ اَلْجَامِعُ مسجد کی صفت نہیں ہے بلکہ کس کی صفت ہے؟ اَلْوَقْتُ کی صفت ہے، اور نیز یہ اَلْجَامِعُ مسجد کے لیے مضاف الیہ نہیں ہے بلکہ مضاف الیہ اَلْوَقْتُ یہاں مقدر ہے، وہ کیا ہے یہاں پر؟ مقدر ہے۔ تو عبارت گویا یوں ہے مَسْجِدُ الْوَقْتِ الْجَامِعِ، وہ وقت جو جمع کرنے والا ہے لوگوں کو اس کی مسجد، وہ وقت جو لوگوں کو جمع کرنے والا ہے اس کی مسجد یعنی مراد ہے جمعے کا دن۔ وہ وقت جو لوگوں کو جمع کرنے والا ہے وہ کون سا وقت ہے؟ جمعے کا دن ہے، جمعے کے دن تمام لوگ جمع ہوتے ہیں جمعے کی نماز کی ادائیگی کے لیے۔ بات سمجھ میں آ رہی ہے؟ جی جیسے پہلے تھا، اب تو ہر مسجد کے اندر تقریباً جمعہ ہوتا ہے، پہلے تو جمعہ شہر سے باہر اکٹھے ادا کرتے تھے یا پھر بعد میں بڑی مسجد کے اندر جمعہ ہوتا تھا، ہر مسجد کے اندر جمعہ نہیں ہوتا تھا، تو جو بڑی مسجد ہے وہ کیا ہے؟ مَسْجِدُ الْوَقْتِ الْجَامِعِ کہ وہ وقت جو لوگوں کو جمع کرنے والا ہے اس کی مسجد یعنی جمعے کی نماز کی جو مسجد ہے وہ مراد ہے۔ تو اشکال کیا تھا؟ پھر دہرائیں۔ اشکال یہ تھا کہ آپ نے کیا کہا تھا موصوف کی اضافت صفت کی طرف جائز نہیں، اور ہم نے دکھایا کوفہ والے کہتے ہیں کہ موصوف مسجد کی اضافت ہو رہی ہے اَلْجَامِعُ صفت کی طرف۔ صاحبِ کافیہ فرماتے ہیں نہیں، نہ مسجد موصوف ہے نہ اَلْجَامِعُ اس کی صفت ہے، اور یہ موصوف کی اضافت صفت کی طرف نہیں ہو رہی بلکہ یہاں اَلْوَقْتُ کا لفظ مقدر ہے اور تقدیرِ عبارت یوں ہے مَسْجِدُ الْوَقْتِ الْجَامِعِ، تو مسجد کی اضافت اَلْجَامِعُ کی طرف ہوئی یا اَلْوَقْتُ کی طرف ہوئی؟ اَلْوَقْتُ کی طرف، اور اَلْوَقْتُ تو مسجد کی صفت نہیں ہے، اور نیز اَلْجَامِعُ یہ مسجد کی صفت بھی نہیں ہے، تو موصوف کی اضافت صفت کی طرف یہاں نہیں ہے بھائی۔

اور نیز وَجَانِبُ الْغَرْبِيِّ اس کے اندر اَلْمَكَانُ کا لفظ مقدر ہے جَانِبُ الْمَكَانِ الْغَرْبِيِّ، مغربی جانب جو جگہ، مَكَانٌ کا معنی جگہ، مغربی جگہ کی جانب، مغربی جگہ کی جانب۔ تو یہاں پر بھی جانب کی اضافت کس کی طرف ہے؟ غَرْبِيٌّ کی طرف نہیں ہے اَلْمَكَانُ کی طرف ہے، اور اَلْغَرْبِيُّ وہ جانب کی صفت نہیں ہے بلکہ وہ اَلْمَكَانُ کی صفت ہے۔ بات سمجھ میں آ گئی؟

اسی طرح صَلَاةُ الْأُوْلٰى یہ اصل میں ہے صَلَاةُ السَّاعَةِ الْأُوْلٰى، تو صَلَاةٌ کی اضافت الْأُوْلٰى کی طرف نہیں ہو رہی بلکہ

کس کی طرف ہو رہی ہے؟ اَلسَّاعَةُ کی طرف ہو رہی ہے، اور الْأُوْلٰى صَلَاةٌ کی صفت نہیں ہے بلکہ اَلسَّاعَةُ کی صفت ہے۔ سَاعَةٌ کا معنی گھڑی، صَلَاةُ السَّاعَةِ الْأُوْلٰى پہلی گھڑی کی نماز، پہلے گھڑی کی پہلے گھنٹے کی نماز یعنی پہلی گھڑی کی نماز۔ مراد یہ ہے کہ زوال کے بعد پہلی گھڑی کی نماز یعنی ظہر کی نماز مراد ہے، زوال کے بعد صَلَاةُ الْأُوْلٰى کیا معنی؟ صَلَاةُ السَّاعَةِ الْأُوْلٰى پہلی گھڑی کی نماز یعنی سورج کے زوال کے بعد پہلی گھڑی کی جو نماز ہے وہ کون سی ہے؟ ظہر کی نماز ہے وہ مراد ہے، یا معنی یہ ہے صَلَاةُ السَّاعَةِ الْأُوْلٰى ہر وہ باجماعت نماز جو پہلی گھڑی میں ادا کی جاتی ہے، ہر وہ باجماعت نماز جو پہلی گھڑی میں۔ بھائی دیکھو نا جب ظہر کا وقت ہوتا ہے تو ظہر کے وقت جو باجماعت نماز ادا کی جاتی ہے یہ کیا ہے؟ صَلَاةُ السَّاعَةِ الْأُوْلٰى۔ عصر کا وقت آیا تو کون سی نماز ادا کی؟ تو عصر کی نماز ادا کی، تو یہ کیا ہے؟ صَلَاةُ السَّاعَةِ الْأُوْلٰى، عصر کے اندر پہلی گھڑی کے اندر فرض نماز جو ادا کی جا رہی ہے، تو گویا ہر فرض نماز مراد ہو گئی اس سے۔

وَبَقْلَةُ الْحَمْقَاءِ، بَقْلَةُ الْحَمْقَاءِ یہ اصل میں ہے بَقْلَةُ الْحَبَّةِ الْحَمْقَاءِ، بَقْلَةُ الْحَبَّةِ الْحَمْقَاءِ۔ بَقْلَةٌ کا معنی ہے سبزی اور ترکاری، بَقْلَةٌ کا کیا معنی؟ سبزی اور ترکاری، اور یہاں اَلْحَبَّةُ کا لفظ مقدر ہے بَقْلَةُ الْحَبَّةِ الْحَمْقَاءِ، اور اَلْحَبَّةُ کہتے ہیں دانے کو یعنی بیج بیج۔ بَقْلَةُ الْحَبَّةِ الْحَمْقَاءِ، اور حَمْقَاءُ یہ مؤنث ہے أَحْمَقُ کی، حَمْقَاءُ مؤنث ہے أَحْمَقُ کی، جیسے أَحْمَرُ، أَحْمَرُ کی مؤنث کیا؟ حَمْرَاءُ، أَبْيَضُ کی مؤنث کیا؟ بَيْضَاءُ۔ اور میں نے آپ کو بتایا تھا کہ یہ أَحْمَرُ أَبْيَضُ یہ کون سا صیغہ ہے؟ یاد رکھو أَحْمَرُ اور أَبْيَضُ وغیرہ عموماً طلبہ فوراً کہتے ہیں یہ اسمِ تفضیل ہے، وَأَفْعَلُ التَّفْضِيْلِ الْمُذَكَّرُ مِنْهُ أَضْرَبُ دیکھو أَضْرَبُ أَبْيَضُ أَحْمَرُ، تو طلبہ کو اشتباہ ہوتا ہے وہ کہتے ہیں یہ اسمِ تفضیل ہے، لیکن نہیں یاد رکھو یہ جو رنگوں کے نام ہیں یہ سب صفتِ مشبہ ہیں۔ یہ أَفْعَلُ وزن یاد رکھو اسمِ تفضیل میں بھی آتا ہے اور صفتِ مشبہ میں بھی آتا ہے، تو اس کو أَفْعَلُ الصِّفَتِيْ کہتے ہیں، وہ أَفْعَلُ اسمِ تفضیل والا ہے ایک اور یہ أَفْعَلُ وزن کس کا ہے؟ صفت والا ہے تو اس کو أَفْعَلُ الصِّفَتِيْ کہتے ہیں، تو یہ أَحْمَرُ اور أَبْيَضُ، أَبْيَضُ کا کیا معنی؟ سفید، اگر یہ اسمِ تفضیل ہوتا پھر تو معنی ہوتا زیادہ سفید، حالانکہ اس کا معنی زیادہ سفید نہیں بلکہ سفید ہے، معلوم ہوا یہ اسمِ تفضیل نہیں ہے بلکہ یہ صفتِ مشبہ ہے۔ اور نیز اسمِ تفضیل اگر ہوتا اسمِ تفضیل کی تو مؤنث کیا آتی ہے؟ وَأَفْعَلُ التَّفْضِيْلِ الْمُذَكَّرُ مِنْهُ أَضْرَبُ وَالْجَمْعُ أَضَارِبُ وَالْمُؤَنَّثُ مِنْهُ ضُرْبٰى، اسمِ تفضیل کی مؤنث تو ضُرْبٰى آتی ہے، جبکہ أَفْعَلُ الصِّفَتِيْ کے مؤنث فَعْلَاءُ وزن آتی ہے۔ تو دیکھو أَحْمَقُ یہ بھی یاد رکھو صفتِ مشبہ ہے، یہ کیا ہے؟ صفتِ مشبہ اور اس کی مؤنث کیا آتی ہے؟ حَمْقَاءُ، جیسے أَبْيَضُ کا معنی سفید اور مؤنث کیا آئے گی؟ بَيْضَاءُ۔ تو یہ اصل میں ہے بَقْلَةُ الْحَبَّةِ الْحَمْقَاءِ، تو یہ بَقْلَةُ کی اضافت حَمْقَاءُ کی طرف نہیں ہو رہی اَلْحَبَّةُ کی طرف ہو رہی ہے، اور نیز اَلْحَمْقَاءُ یہ بَقْلَةٌ کی صفت نہیں ہے بلکہ یہ اَلْحَبَّةُ کی صفت ہے بھائی۔ بات سمجھ میں آ رہی ہے؟ اور معنی کیا ہے؟ بَقْلَةُ الْحَبَّةِ الْحَمْقَاءِ حماقت والے بیج کی سبزی، حماقت والے بیج کی سبزی، بھائی یہ بس نام ہے کہتے ہیں یہ کوئی سبزی ہے، لغت میں اس کا نام لکھا ہوا ہے خرفے کا ساگ، خرفے کا ساگ، جیسے ساگ ہوتا ہے اسی طرح یہ کوئی سبزی ہو گی اور اس کو پکایا جاتا ہے لیکن اس کا نام بَقْلَةُ

الْحَمْقَاءِ ہے، تو اس کا نام بَقْلَةُ الْحَمْقَاءِ ہے اور یہ نام کیوں اس کا پڑا؟ کہتے ہیں شاید اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ جہاں سیلاب بہتا ہے یہ وہاں اگتی ہے، کہاں اگتی ہے؟ جہاں سیلاب آتا ہے، آپ جانتے ہیں پہاڑوں پر جب بارش ہوتی ہے تو وہ سارا پانی اکٹھا ہو کر پہاڑوں سے نکلتا ہے اور جس طرف کا رخ کرتا ہے تباہی مچا دیتا ہے، تو یہ ہے سیلاب کا پانی بھائی، اور یہ پانی جہاں سے گزرتا ہے یہ سبزی اس جگہ اگتی ہے، اور نیز کہتے ہیں یہ قدموں کی جگہ میں اگتی ہے یعنی راستے وغیرہ کے اندر اگتی ہے، تو دیکھو یوں کہو احمق سبزی ہے کس جگہ اگتی ہے؟ سیلاب والی جگہوں میں اور قدموں والی جگہوں میں جہاں اس کے لیے نقصان ہی نقصان ہے، قدموں تلے روندی جائے گی یا جب بھی بارش کا پانی آئے گا اس کو بہا کر لے جائے گا، تو اس لیے اس کا نام ہی کیا پڑ گیا؟ بَقْلَةُ الْحَمْقَاءِ پڑ گیا بھائی۔

تو تاویلیں سمجھ میں آگئیں؟ اعتراض کیا ہوتا تھا کہ یہ موصوف کی اضافت ہے صفت کی طرف، بتلایا کہ نہیں یہ موصوف کی اضافت صفت کی طرف نہیں ہے بلکہ یہاں لفظ مقدر ہے اور اس کی طرف اضافت ہو رہی ہے، اور جو صفت بھی ہے وہ جو مضاف ہے اس کی صفت نہیں ہے بلکہ وہ جو مقدر ہے یہ سب اس کی صفات ہیں۔ مَسْجِدُ الْوَقْتِ الْجَامِعِ یہ جَامِعٌ وَقْتٌ کی صفت ہے، جَانِبُ الْمَكَانِ الْغَرْبِيِّ یہ غَرْبِيٌّ مَكَانٌ کی صفت ہے، صَلَاةُ السَّاعَةِ الْأُوْلٰى یہ أُوْلٰى اَلسَّاعَةُ کی صفت ہے، اور بَقْلَةُ الْحَبَّةِ الْحَمْقَاءِ یہ حَمْقَاءُ حَبَّةٌ کی صفت ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو ان میں یہ تاویل کی گئی ہے۔

جبکہ یہ دوسرے ضابطے پر اعتراض ہوا تھا کہ آپ نے کہا صفت کی اضافت بھی موصوف کی طرف نہیں کی جاتی تو حالانکہ ہم نے عربوں سے سنا ہے وہ قَطِيْفَةٌ جَرْدٌ، قَطِيْفَةٌ موصوف جَرْدٌ اس کی صفت، لیکن اس کے اندر عرب کہہ دیتے ہیں جَرْدُ قَطِيْفَةٍ۔ اور ثِيَابٌ أَخْلَاقٌ، ثِيَابٌ موصوف أَخْلَاقٌ اس کی صفت، لیکن ہم نے عربوں سے سنا ہے وہ أَخْلَاقُ ثِيَابٍ کہہ دیتے ہیں، معلوم ہوا صفت کی اضافت موصوف کی طرف جائز ہے۔ تو آپ کے ضابطے پر اعتراض ہوتا ہے، تو صاحبِ کافیہ اس کا بھی جواب دے رہے ہیں کہ ان کے اندر بھی تاویل کی گئی ہے، کیا کی گئی ہے؟ تاویل کی گئی ہے۔ کس طرح تاویل کی گئی ہے اس کو بھی ذرا سمجھ لیں بھائی۔ بھائی دیکھیے اصل میں تھا قَطِيْفَةٌ جَرْدٌ، توجہ

قطیفہ موصوف تھا جَرْدٌ اس کی صفت، پھر اس قَطِيْفَةٌ کو حذف کر لیا تو کیا رہ گیا؟ جَرْدٌ، اور جَرْدٌ کا کیا معنی؟ پرانی، اور پرانی تو کوئی بھی چیز ہو سکتی ہے، تو لہٰذا پھر اس کی اضافت کر دی قَطِيْفَةٌ کی طرف۔ یہ کہتے ہیں یہ اسی طرح ہے جیسے خَاتَمٌ، خَاتَمٌ کا کیا معنی؟ انگوٹھی، انگوٹھی تو کسی بھی چیز کی ہو سکتی ہے، لوہے کی بھی ہو سکتی ہے، سونے کی بھی ہو سکتی ہے، چاندی کی بھی ہو سکتی ہے، پیتل کی بھی ہو سکتی ہے، تو صرف خَاتَمٌ کہیں تو پتہ نہیں چلے گا، پھر آگے جب فِضَّةٍ کی طرف اضافت کر دیں خَاتَمُ فِضَّةٍ تو خَاتَمٌ کی جنس کا پتہ چل گیا کہ انگوٹھی کس جنس کی ہے؟ چاندی کی ہے۔ تو یہاں پر بھی اسی طرح تھا قَطِيْفَةٌ جَرْدٌ تھا پہلے، پھر قَطِيْفَةٌ کو کیا کر لیا گیا؟ حذف کر لیا گیا، اور یوں کہو جَرْدٌ کو اسم بنا لیا، کیا بنا لیا؟ اسم یعنی جس کا معنی ہے پرانا۔ یاد رکھو ایک ہوتی ہے صفت ایک ہے اسمِ محض۔ صفت وہ ہے جس کے لیے ہمیشہ موصوف ضرور

چاہیے، صفت کے لیے ہمیشہ موصوف ضرور چاہیے، جیسے جَرْدٌ، جَرْدٌ کا معنی پرانی، تو پرانی کوئی نہ کوئی چیز ہو گی، تو صفت کے لیے ہمیشہ کیا چاہیے؟ موصوف ضرور چاہیے۔ تو یہاں پر بھی قَطِیْفَۃٌ موصوف تھا اور جَرْدٌ اس کی صفت، پھر قَطِیْفَۃٌ کو حذف کر لیا گیا اور جَرْدٌ رہ

گیا اور جَرْدٌ تو کیا تھی؟ صفت تھی پھر اس کو اسم بنا دیا۔ تو اس کو اسم بنا دیا، اس کو کیا بنا دیا؟ اسم یعنی اب اس کے لیے یوں سمجھو اب اس کے لیے موصوف کی ضرورت ہی نہ رہی۔ پہلے قَطِیْفَۃٌ جَرْدٌ تھا، جَرْدٌ صفت تھی اور قَطِیْفَۃٌ موصوف تھا اور صفت کے لیے ہمیشہ کیا چاہیے؟ موصوف چاہیے چاہے لفظوں میں ہو چاہے مقدر ہو موصوف ضرور چاہیے، جیسے میں کہوں بہادر، بہادر کون ہے کوئی نہ کوئی موصوف ضرور چاہیے یا تو لفظوں میں ذکر ہو گا یا مقدر ہو گا۔ تو قَطِیْفَۃٌ جَرْدٌ، قَطِیْفَۃٌ تھا موصوف جَرْدٌ تھی اس کی صفت، پھر قَطِیْفَۃٌ کو حذف کر دیا گیا اور جَرْدٌ کو اسم بنا دیا، اسم بنانے کا معنی یہ ہے اب اس کے لیے کسی موصوف کی ضرورت نہیں۔ یہ صفت نہ رہا بلکہ کیا بنا دیا؟ اسم بنا دیا، معنی وہی ہے پرانا لیکن یوں کہو اب اس کے لیے کسی موصوف کی ضرورت نہیں، تو پرانی تو کوئی بھی چیز ہو سکتی ہے جیسے خَاتَمٌ کا معنی انگوٹھی، انگوٹھی تو کسی بھی جنس کی ہو سکتی ہے، تو پرانی چیز بھی کسی بھی جنس کی ہو سکتی ہے تو اس کی جنس کا پتہ نہیں چل رہا تھا تو پھر اس کی اضافت کر دی قَطِیْفَۃٌ کی طرف، جَرْدُ قَطِیْفَۃٍ، جیسے خَاتَمُ فِضَّۃٍ خَاتَمٌ کا پتہ نہیں چل رہا تھا کہ کس جنس کی ہے فِضَّۃٌ کی طرف اضافت کی تو پتہ چلا یہ خَاتَمٌ کی جنس کیا ہے یہ کس سے بنی ہے؟ چاندی سے بنی ہے، خَاتَمُ فِضَّۃٍ چاندی کی انگوٹھی۔ بات سمجھ میں آگئی؟ بالکل اسی طرح جَرْدٌ میں بھی کیا گیا، جَرْدٌ کا معنی تو تھا پرانا لیکن پتہ نہیں چل رہا اس سے کون سی پرانی چیز ہے اس کی جنس کا نہیں پتہ کہ یہ کپڑے کی جنس سے ہے یا کتابوں کی جنس سے ہے یا قلم کی جنس سے ہے کیا چیز پرانی ہے، تو پھر آگے قَطِیْفَۃٌ کی طرف اضافت کر دی گئی تو اب پتہ چلا کہ یہ پرانی چیز کس جنس سے ہے؟ مخملی چادر کی جنس سے ہے، جیسے خَاتَمٌ کا پتہ نہیں چل رہا تھا فِضَّۃٌ کی طرف اضافت کی تو اس کی جنس کا پتہ چل گیا۔ پھر سنو پھر سنو خَاتَمُ فِضَّۃٍ، خَاتَمٌ اکیلا ہو تو جنس کا پتہ نہیں، فِضَّۃٌ کی طرف اضافت کریں گے تو پتہ چل جائے گا انگوٹھی کی جنس کیا ہے؟ فِضَّۃٌ ہے یہ بنی کس سے ہے؟ چاندی سے۔ اسی طرح قَطِیْفَۃٌ جَرْدٌ تھا، قَطِیْفَۃٌ موصوف تھا جَرْدٌ اس کی صفت، پھر موصوف کو حذف کر لیا کیا رہ گیا؟ جَرْدٌ، یہ کیا تھی؟ صفت، اور صفت کے لیے ہمیشہ کیا چاہیے؟ موصوف، لیکن پھر اس کو اسم بنا دیا۔ جب اسم بنا دیا اب اس کے لیے موصوف کی ضرورت نہیں۔ اس کا معنی کیا؟ پرانا، لیکن اس کی جنس کا پتہ نہیں کہ یہ پرانی چیز کس جنس کی ہے، تو اس کے لیے جیسے خَاتَمٌ میں تخصیص پیدا کرنے کے لیے اس کی اضافت کس کی طرف کی تھی؟ فِضَّۃٌ کی طرف، تو یہاں بھی جَرْدٌ کی اضافت کس کی طرف کر دی؟ قَطِیْفَۃٌ کی طرف، جَرْدُ قَطِیْفَۃٍ، اب پتہ چلا کہ یہ جَرْدٌ کون سی جنس سے ہے؟ قَطِیْفَۃٌ یعنی مخملی چادر کی جنس سے ہے، تو اس کے اندر تخصیص آگئی کیونکہ نکرہ کی اضافت کس کی طرف ہوئی؟ نکرہ کی طرف۔ نکرہ کی اضافت معرفہ کی طرف ہو تو وہ تعریف کا فائدہ دیتی ہے اور نکرہ کی اضافت نکرہ کی طرف ہو تو

وہ تخصیص کا فائدہ دیتی ہے، تو گویا یہ جَرْدٌ یہ قَطِیْفَۃٌ کی صفت ہی نہیں تھی، قَطِیْفَۃٌ کو ہم نے حذف کر کے جَرْدٌ کو اسم بنا دیا اب یہ صفت ہے ہی نہیں، لیکن اس کی جنس میں ابہام تھا کہ پتہ نہیں اس کی جنس کیا ہے، آگے قَطِیْفَۃٌ کی طرف اب اضافت کر کے اس کی جنس کا پتہ چل گیا کہ یہ جَرْدٌ کیا ہے؟ قَطِیْفَۃٌ کی جنس سے ہے، مخملی چادر کی جنس سے ہے پرانی چیز۔ بات سمجھ میں آگئی؟

اسی طرح ثِیَابٌ أَخْلَاقٌ تھا، ثِیَابٌ موصوف تھا اور أَخْلَاقٌ اس کی صفت، اور أَخْلَاقٌ کا کیا معنی؟ پرانے، تو پرانے کپڑے، پھر ثِیَابٌ کو حذف کر دیا اور أَخْلَاقٌ رہ گیا، اور أَخْلَاقٌ تو صفت تھی اور صفت کے لیے ہمیشہ کیا چاہیے؟ موصوف، لیکن ہم نے اس کو اسم بنا دیا۔ جب اسم بنا دیا اب اس کے لیے کوئی موصوف نہیں چاہیے، کسی موصوف کی ضرورت نہیں، بس اس کا معنی ہے پرانا، بھائی یہ پرانی کیا چیز ہے اس کی جنس کا ہمیں پتہ نہیں چل رہا، تو جیسے خَاتَمٌ کی جنس کا پتہ نہیں چل رہا تھا اور فِضَّۃٌ کی طرف اضافت کی تو اس کی جنس کا پتہ چل گیا، تو یہاں پر بھی أَخْلَاقٌ کی جنس کا پتہ نہیں چل رہا کہ کیا چیز پرانی ہے تو اس کے لیے پھر ثِیَابٌ کی طرف اضافت کر دی، أَخْلَاقُ ثِیَابٍ، پتہ چلا یہ أَخْلَاقٌ کس جنس کے ہیں؟ ثِیَابٌ یعنی کپڑوں کی جنس سے ہیں یہ پرانی چیز کپڑوں کی جنس سے ہے اس کے پرانے ہونے کی بات ہو رہی ہے کسی اور چیز کی بات نہیں ہو رہی۔ تو یہ معنی ہے وَمِثْلُ جَرْدُ قَطِیْفَۃٍ وَأَخْلَاقُ ثِیَابٍ مُتَأَوَّلٌ اور کہتے ہیں جَرْدُ قَطِیْفَۃٍ اور أَخْلَاقُ ثِیَابٍ جیسی مثالیں جو ہیں ان میں تاویل کی گئی ہے۔ تاویل سمجھ میں آگئی؟ جی۔ اب آئیے سارے کو شرح کے ساتھ دیکھیں بھائی۔

دیکھیے بھائی کہتے ہیں وَلَا یُضَافُ مَوْصُوْفٌ إِلٰی صِفَتِہٖ مَعَ بَقَاءِ الْمَعْنَی الْمُفَادِ بِالتَّرْکِیْبِ الْوَصْفِيِّ بِحَالِہٖ۔ وَلَا یُضَافُ مَوْصُوْفٌ إِلٰی صِفَتِہٖ، اور موصوف کی اضافت نہیں کی جاتی إِلٰی صِفَتِہٖ اس کی صفت کی طرف، مَعَ بَقَاءِ الْمَعْنَی الْمُفَادِ، بھائی دیکھیے میں نے آپ کو کیا بتلایا تھا؟ کوفہ والے نحوی کیا کہتے ہیں؟ موصوف کی اضافت صفت کی طرف جائز ہے اور اب اضافت ہو گئی ہے لیکن معنی وہی موصوف صفت والا رہے گا، اور صفت کی اضافت بھی موصوف کی طرف جائز ہے اور معنی پھر بھی وہی موصوف صفت والا رہے گا۔ تو صاحبِ جامی بتلا رہے ہیں کہ وہی معنی برقرار رہے یہ جائز نہیں ہے بھائی۔ تو کہتے ہیں وَلَا یُضَافُ مَوْصُوْفٌ إِلٰی صِفَتِہٖ اور اضافت نہیں کی جاتی موصوف کی اپنی صفت کی طرف، مَعَ بَقَاءِ الْمَعْنَی الْمُفَادِ بِالتَّرْکِیْبِ الْوَصْفِيِّ بِحَالِہٖ ساتھ اس کے کہ باقی رہے وہ معنی جو الْمُفَادِ جو حاصل ہو رہا ہے بِالتَّرْکِیْبِ الْوَصْفِيِّ ترکیبِ وصفی سے بِحَالِہٖ وہ اپنے حال پر ہو۔ مَعَ بَقَاءِ الْمَعْنٰی بِحَالِہٖ باوجود اس کے کہ وہ معنی اپنے حال پر رہے۔ توجہ ہے؟ کیا موصوف کی اضافت کس کی طرف کریں؟ صفت کی طرف، تو اب تو اضافت ہو گئی لیکن معنی وہی باقی رکھیں جو کون سا تھا؟ موصوف صفت والا، یہ جائز نہیں۔ یہ معنی ہے کہ مَعَ بَقَاءِ الْمَعْنَی الْمُفَادِ بِالتَّرْکِیْبِ الْوَصْفِيِّ بِحَالِہٖ ساتھ اس کے کہ وہ معنی جو ترکیبِ وصفی سے حاصل ہو رہا تھا وہ اپنے حال پر باقی رہے۔ لِأَنَّ لِکُلٍّ مِنْ ہَیْئَتَيِ التَّرْکِیْبِ الْوَصْفِيِّ وَالْإِضَافِيِّ مَعْنًی آخَرَ اس لیے کیونکہ ہر ایک جو ہے مِنْ ہَیْئَتَيِ التَّرْکِیْبِ، اصل میں کیا تھا؟ مِنْ ہَیْئَتَیْنِ دو ہیئتیں دو صورتیں ہیں بھائی،

کون سی؟ ایک ترکیبِ وصفی ہے اور ایک ترکیبِ اضافی ہے، اور دونوں کا معنی الگ الگ ہے۔ ادھر دیکھیے میں نے کیا کہا تھا آپ کو؟ ترکیبِ وصفی کس چیز کا فائدہ دیتی ہے؟ کہ ایک چیز دوسری چیز سے متصف ہو رہی ہے، اور ترکیبِ اضافی کس چیز کا فائدہ دیتی ہے؟ کہ ایک چیز کی نسبت ہو رہی ہے دوسری چیز کی طرف، تو دونوں ترکیبوں کا فائدہ ہی الگ الگ ہے، لہٰذا ترکیبِ اضافی آئے اور آپ کہیں معنی وہی ترکیبِ وصفی والا ہو گا یہ جائز نہیں ایسا نہیں ہو سکتا۔ کہتے ہیں لِأَنَّ لِكُلٍّ مِنْ هَيْئَتَيِ التَّرْكِيْبِ الْوَصْفِيِّ وَالْإِضَافِيِّ مَعْنًى آخَرَ اس لیے کیونکہ ہر ایک جو ہے دو ہیئتوں میں سے یعنی ترکیبِ وصفی اور ترکیبِ اضافی ان دونوں کے لیے مَعْنًى آخَرَ ان دونوں میں سے ہر ایک کا الگ معنی ہے، لَا يَقُوْمُ أَحَدُهُمَا مَقَامَ الْآخَرِ ان میں سے ایک جو ہے وہ دوسرے کے قائم مقام نہیں ہو سکتا۔ وَلِهٰذَا الْمَعْنٰى بِعَيْنِهٖ اور اسی علت کی وجہ سے بِعَيْنِهٖ، معنی کا یہاں ترجمہ کر لیں سبب، وَلِهٰذَا الْمَعْنٰى بِعَيْنِهٖ اور بعینہٖ اسی سبب سے اسی وجہ سے لَا تُضَافُ الصِّفَةُ إِلٰى مَوْصُوْفِهَا صفت کی اضافت بھی اپنے موصوف کی طرف نہیں کی جاتی۔ صفت کی اضافت بھی موصوف کی طرف نہیں کی جاتی کہ وہی معنی وہ ترکیبِ وصفی والا معنی برقرار رہے، ایسا نہیں ہو سکتا۔ فَلَا يُقَالُ پس نہیں کہا جائے گا مَسْجِدُ الْجَامِعِ بِمَعْنَى الْمَسْجِدِ الْجَامِعِ کہ آپ مَسْجِدُ الْجَامِعِ کہیں اضافت کے ساتھ اور یہ کس معنی میں ہو؟ اَلْمَسْجِدُ الْجَامِعُ کے معنی میں ہو، ایسے آپ نہیں کہہ سکتے۔ تو یہ معنی ہے فَلَا يُقَالُ مَسْجِدُ الْجَامِعِ بِمَعْنَى الْمَسْجِدِ الْجَامِعِ، لہٰذا مَسْجِدُ الْجَامِعِ نہیں کہہ سکتے کہ وہ اَلْمَسْجِدُ الْجَامِعُ یعنی موصوف صفت کے معنی میں ہو۔ پھر سنو فَلَا يُقَالُ مَسْجِدُ الْجَامِعِ لہٰذا مَسْجِدُ الْجَامِعِ اضافت کے ساتھ آپ نہیں کہہ سکتے بِمَعْنَى الْمَسْجِدِ الْجَامِعِ کہ وہ بمعنی اَلْمَسْجِدُ الْجَامِعُ یعنی موصوف صفت کے معنی میں ہو۔ اسی طرح وَجَرْدُ قَطِيْفَةٍ بِمَعْنٰى قَطِيْفَةِ جَرْدٍ اور آپ جَرْدُ قَطِيْفَةٍ اضافت کے ساتھ نہیں کہہ سکتے کہ یہ بمعنی قَطِيْفَةٌ جَرْدٌ یعنی ترکیبِ وصفی کے معنی کے ساتھ ہو، آپ ایسا نہیں کہہ سکتے۔ خِلَافًا لِلْكُوْفِيَّةِ بخلاف کوفہ والوں کے، فَإِنَّ مَسْجِدَ الْجَامِعِ عِنْدَهُمْ بِمَعْنَى الْمَسْجِدِ الْجَامِعِ کیونکہ ان کے نزدیک مَسْجِدُ الْجَامِعِ جو اضافت کے ساتھ ہے وہ ان کے نزدیک اَلْمَسْجِدُ الْجَامِعُ یعنی مرکبِ وصفی کے معنی میں ہے، ترکیبِ وصفی کے معنی میں ہے، وَجَرْدُ قَطِيْفَةٍ بِمَعْنٰى قَطِيْفَةِ جَرْدٍ مِنْ غَيْرِ فَرْقٍ اور اسی طرح ان کے نزدیک جَرْدُ قَطِيْفَةٍ جو ہے یہ قَطِيْفَةٌ جَرْدٌ کے معنی میں ہے مِنْ غَيْرِ فَرْقٍ بغیر کسی فرق کے، جو معنی قَطِيْفَةٌ جَرْدٌ کا ہے وہی جَرْدُ قَطِيْفَةٍ کا بھی ہے وہ کہتے ہیں کوفہ والے، اسی طرح جو معنی اَلْمَسْجِدُ الْجَامِعُ کا ہے وہی معنی مَسْجِدُ الْجَامِعِ کا بھی ہے۔

وَيَرِدُ عَلَى الْقَاعِدَةِ الْأُوْلٰى اور اعتراض وارد ہوتا ہے صاحبِ کافیہ کے پہلے قانون پر، پہلا قانون کیا تھا کہ موصوف کی اضافت صفت کی طرف نہیں ہو سکتی۔ اب آگے مثالیں ذکر کریں گے کہ یہ سارے اعتراض ہوتے ہیں، کیونکہ ہم نے تو عربوں سے سنا ہے وہ تو مَسْجِدُ الْجَامِعِ بھی کہتے ہیں وہ تو جَانِبُ الْغَرْبِيِّ بھی کہتے ہیں وہ تو صَلَاةُ الْأُوْلٰى بھی کہتے ہیں اور وہ بَقْلَةُ الْحَمْقَاءِ بھی کہتے ہیں۔ تو کہتے ہیں وَيَرِدُ عَلَى الْقَاعِدَةِ الْأُوْلٰى اور اعتراض وارد ہوتا ہے صاحبِ کافیہ کے پہلے قانون پر، وَهُوَ قَوْلُهٗ اور وہ صاحبِ کافیہ کا یہ قول ہے لَا يُضَافُ مَوْصُوْفٌ إِلٰى صِفَتِهٖ کہ موصوف کی اضافت صفت کی طرف نہیں ہو

سکتی، اس پر اعتراض وارد ہوتا ہے مِثْلُ مَسْجِدِ الْجَامِعِ وَجَانِبِ الْغَرْبِيِّ وَصَلَاةِ الْأُوْلٰى وَبَقْلَةِ الْحَمْقَاءِ ان کا اعتراض وارد ہوتا ہے۔ فَإِنَّ فِيْ كُلٍّ وَاحِدٍ مِنْ هٰذِهِ التَّرَاكِيْبِ اس لیے کیونکہ ان ترکیبوں میں سے ہر ایک کے اندر أُضِيْفَ مَوْصُوْفٌ إِلٰى صِفَتِهٖ اضافت کی گئی ہے موصوف کی اپنی صفت کی طرف۔ فَإِنَّ الْجَامِعَ صِفَةُ الْمَسْجِدِ اس لیے کیونکہ اَلْجَامِعُ جو ہے وہ مسجد کی صفت ہے بھائی، وَالْغَرْبِيَّ صِفَةُ الْجَانِبِ اسی طرح جو اَلْغَرْبِيُّ آیا جَانِبُ الْغَرْبِيِّ کے اندر یہ اَلْجَانِبُ کی صفت ہے اور پھر اضافت کر دی گئی، وَالْأُوْلٰى صِفَةُ الصَّلَاةِ اور اسی طرح صَلَاةُ الْأُوْلٰى کے اندر جو اَلْأُوْلٰى آ رہا ہے وہ صفت ہے صَلَاةٌ کی، وَالْحَمْقَاءَ صِفَةُ الْبَقْلَةِ اور اسی طرح بَقْلَةُ الْحَمْقَاءِ کے اندر جو اَلْحَمْقَاءُ آ رہا ہے صِفَةُ الْبَقْلَةِ وہ اصل میں کیا ہے؟ بَقْلَةٌ کی صفت ہے، وَقَدْ أُضِيْفَ إِلَيْهَا مَوْصُوْفَاتُهَا اور تحقیق ان صفتوں کی طرف اضافت کی گئی ہے ان کے موصوفوں کی۔ تو یہ اعتراض وارد ہوتا ہے۔

وَأُجِيْبَ اور جواب دیا گیا ہے بِأَنَّ مِثْلَ هٰذِهِ التَّرَاكِيْبِ مُتَأَوَّلٌ کہ اس جیسی جو ترکیبیں ہیں ان میں تاویل کی گئی ہے۔ فَمَسْجِدُ الْجَامِعِ مُتَأَوَّلٌ بِمَسْجِدِ الْوَقْتِ الْجَامِعِ تو مَسْجِدُ الْجَامِعِ جو ہے جو مضاف مضاف الیہ ہیں مُتَأَوَّلٌ ان میں تاویل کی گئی ہے بِمَسْجِدِ الْوَقْتِ الْجَامِعِ کہ یہاں اَلْوَقْتُ کا لفظ کیا ہے؟ مقدر ہے محذوف ہے، تو یہ اس میں تاویل کی گئی ہے بِمَسْجِدِ الْوَقْتِ الْجَامِعِ۔ وَذٰلِكَ يَحْتَمِلُ مَعْنَيَيْنِ اور یہ دو معانی کا احتمال رکھتا ہے۔ انہوں نے کیا کہا؟ مَسْجِدُ الْجَامِعِ یہ کس تاویل میں ہے؟ مَسْجِدُ الْوَقْتِ الْجَامِعِ۔ توجہ ہے؟ اب صاحبِ جامی بتلائیں گے کہ تاویل تو انہوں نے یہ کی ہے لیکن اس تاویل میں دو احتمال ہیں کہ ان کے کہنے کا کیا معنی۔ علمائے نحو کیا فرماتے ہیں بصرہ والے کہ مَسْجِدُ الْجَامِعِ کس معنی میں ہے؟ مَسْجِدُ الْوَقْتِ الْجَامِعِ کے معنی میں ہے، تو انہوں نے یہ تاویل کی ہے، اب اس تاویل کا معنی کیا ہے؟ ایک معنی تو میں نے بیان کر دیا کہ مسجد کی اضافت اَلْجَامِعُ کی طرف نہیں ہے بلکہ کس کی طرف ہے؟ اَلْوَقْتُ کی طرف، اور نیز اَلْجَامِعُ وہ مسجد کی صفت نہیں ہے وہ اَلْوَقْتُ کی صفت ہے۔ توجہ ہے؟ ایک یہ معنی اور ایک اور معنی، دو معنی بیان کریں گے صاحبِ جامی، بلکہ پہلے ان کو سمجھ لو۔ دونوں کو سمجھ لیں۔ دیکھو بھائی صاحبِ جامی آپ کو بتلائیں گے کہ انہوں نے کہا مَسْجِدُ الْجَامِعِ اس کے اندر کیا تاویل کی گئی ہے؟ یہ کس معنی میں ہے؟ مَسْجِدُ الْوَقْتِ الْجَامِعِ، یعنی گویا کہ ان علمائے نحو کے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ وَقْتٌ کا لفظ یہاں مقدر ہے، وَقْتٌ کا لفظ یہاں مقدر ہے اور مسجد کی اضافت اس وقت کی طرف ہو رہی ہے اس اَلْجَامِعُ کی طرف نہیں، تو مضاف الیہ اَلْوَقْتُ ہوا کہ اَلْجَامِعُ ہوا؟ اَلْوَقْتُ ہوا، اور اَلْجَامِعُ وہ مسجد کی صفت ہے یا اَلْوَقْتُ کی صفت ہے؟ اَلْوَقْتُ کی صفت ہے، تو نہ تو موصوف کی اضافت ہوئی صفت کی طرف اور نہ صفت جو ہے وہ مضاف کی صفت ہے وہ تو مقدر کی صفت ہے، تو اس صورت میں یہاں کیا ہے؟ اَلْوَقْتُ کا لفظ مقدر ہے۔ تو دو طریقوں سے گویا اعتراض کا جواب بن گیا، کس طرح؟ دو وجہوں سے۔ اصل میں کیا تھا؟ مَسْجِدُ الْجَامِعِ، مَسْجِدُ مضاف اَلْجَامِعِ مضاف الیہ، لیکن اس میں کیا تاویل کی؟ کہ اصل میں کیا ہے مَسْجِدُ الْوَقْتِ الْجَامِعِ، تو یہاں پر اَلْوَقْتُ کا لفظ مقدر ہے۔ تو معلوم ہوا مسجد کی اضافت اَلْجَامِعُ کی طرف نہیں ہو رہی بلکہ کس کی طرف ہو رہی ہے؟ اَلْوَقْتُ کی طرف، ایک یہ۔ اور دوسرا آپ نے کہا تھا کہ اَلْجَامِعُ

مسجد کی صفت ہے اور صفت کی طرف اضافت ہو رہی ہے، کہ نہیں اَلْجَامِعُ مسجد کی صفت ہے ہی نہیں یہ اَلْوَقْتُ کی صفت ہے۔ تو دو وجہ سے جواب ہو گیا، کس طرح؟ ایک تو جواب یہ کہ مسجد کی اضافت اَلْجَامِعُ کی طرف نہیں ہو رہی بلکہ کس کی طرف ہے؟ اَلْوَقْتُ کی طرف، دوسرا یہ کہ اَلْجَامِعُ آپ نے کہا تھا مسجد کی صفت ہے کہ یہ مسجد کی صفت ہی نہیں ہے یہ تو کس کی صفت ہے؟ اَلْوَقْتُ کی صفت ہے، تو دو طرح سے جواب ہو گیا۔ دیکھیے بھائی پہلے یہ جواب سمجھ لیجیے، کہتے ہیں فَمَسْجِدُ الْجَامِعِ مُتَأَوَّلٌ

بِمَسْجِدِ الْوَقْتِ الْجَامِعِ کہ مَسْجِدُ الْجَامِعِ جو ہے اس میں تاویل کی گئی ہے مَسْجِدُ الْوَقْتِ الْجَامِعِ کے ساتھ، وَذٰلِكَ يَحْتَمِلُ مَعْنَيَيْنِ اور یہ دو معنوں کا احتمال رکھتا ہے، یہ تاویل جو کی یہ دو معنوں کا احتمال رکھتی ہے۔ أَحَدُهُمَا ان میں سے ایک یہ ہے کہ أَنْ يَّكُوْنَ الْوَقْتُ مُقَدَّرًا فِيْ نَظْمِ الْكَلَامِ کہ وَقْتٌ کا لفظ جو ہے وہ مقدر ہے نظمِ کلام میں یعنی کلام کے لفظوں میں، نظم سے کیا مراد ہے؟ لفظ، کہ وَقْتٌ کا لفظ مقدر ہے، توجہ ہے؟ وَقْتٌ کا لفظ مقدر ہے یعنی قَدَّرَ يُقَدِّرُ تقدیر کا کیا معنی؟ فرض کرنا، تو یہاں بھی وَقْتٌ کا لفظ فرض کر لو موجود ہے، وَقْتٌ کا لفظ فرض کر لو موجود ہے، تو ان معنیٰ میں سے أَحَدُهُمَا ان دو معنوں میں سے ایک معنیٰ یہ ہے کہ أَنْ يَّكُوْنَ الْوَقْتُ مُقَدَّرًا فِيْ نَظْمِ الْكَلَامِ کہ وَقْتٌ کا لفظ جو ہے وہ مقدر ہے اس کلام کے الفاظ میں، وَيَكُوْنُ الْمَسْجِدُ مُضَافًا إِلَيْهِ اور یہ مسجد کا لفظ اس وَقْتٌ کی طرف مضاف ہے، وَالْجَامِعُ صِفَةٌ لِّلْوَقْتِ اور وہ اَلْجَامِعُ جو ہے وہ وَقْتٌ کی صفت ہے، فَيَنْدَفِعُ الْإِيْرَادُ بِوَجْهَيْنِ تو وہ جو اعتراض تھا وہ دور ہو گیا بِوَجْهَيْنِ دو وجہ سے۔ دو وجہ سے، کون سی دو وجہیں؟ کہتے ہیں فَإِنَّ الْجَامِعَ لَيْسَ مُضَافًا إِلَيْهِ اس لیے کیونکہ اَلْجَامِعُ مضاف الیہ نہیں ہے، آپ نے تو کہا تھا مسجد مضاف ہے اَلْجَامِعُ مضاف الیہ ہے تو موصوف کی اضافت ہو رہی ہے صفت کی طرف، کوفہ والوں نے کیا کہا تھا؟ کہ مسجد مضاف ہے اَلْجَامِعُ مضاف الیہ، تو بتلا دیا کہ اَلْجَامِعُ مضاف الیہ ہی نہیں ہے، مضاف الیہ اَلْوَقْتُ ہے، اور نیز آپ نے کہا تھا کہ مسجد موصوف ہے اَلْجَامِعُ اس کی صفت ہے اور پھر اضافت کر دی گئی، بتلایا کہ نہیں اَلْجَامِعُ مسجد کی صفت ہی نہیں ہے، تو دو وجہ سے اعتراض رد ہو گیا۔ تو کہتے ہیں فَإِنَّ الْجَامِعَ لَيْسَ مُضَافًا إِلَيْهِ اس لیے کیونکہ اَلْجَامِعُ جو ہے وہ مضاف الیہ نہیں ہے، وَلَا صِفَةً لِّلْمُضَافِ اور نیز اَلْجَامِعُ جو ہے وہ مضاف کی صفت بھی نہیں ہے، وہ تو اَلْوَقْتُ کی صفت ہے۔

وَثَانِيْهِمَا دوسرا معنیٰ بیان کریں گے، ادھر دیکھیے۔ علمائے نحو نے تاویل کی، انہوں نے کیا کہا؟ کہ مَسْجِدُ الْجَامِعِ یہ کس تاویل میں ہے؟ مَسْجِدُ الْوَقْتِ الْجَامِعِ۔ ایک معنیٰ تو بیان کر دیا صاحبِ جامی نے کہ یہاں اَلْوَقْتُ کا لفظ مقدر ہے، اور اس صورت میں دو اعتبار سے جواب بن گیا۔ دو اعتبار سے کس طرح؟ کہ مسجد کی اضافت اَلْجَامِعُ کی طرف ہو ہی نہیں رہی وہ تو اَلْوَقْتُ کی طرف ہو رہی ہے، اور دوسرے یہ کہ اَلْجَامِعُ جو ہے وہ مسجد کی صفت ہی نہیں ہے وہ تو اَلْوَقْتُ کی صفت ہے۔ توجہ ہے؟ اب دوسرا معنیٰ بیان کریں گے۔ وَثَانِيْهِمَا اور ان معنوں میں سے دوسرا معنیٰ یہ ہے کہ أَنْ يَّكُوْنَ الْوَقْتُ مَحْذُوْفًا کہ وَقْتٌ کا لفظ یہاں محذوف ہے، یہاں وَقْتٌ کا لفظ تھا لیکن اس کو حذف کر دیا گیا اور صفت کو اس کا قائم مقام کر دیا گیا۔

پہلی ترکیب کے مطابق وَقْتٌ کا لفظ یہاں مقدر ہے، اور اَلْمُقَدَّرُ کَالْمَلْفُوْظِ مقدر اسی طرح ہوتا ہے جیسے ملفوظ ہے، تو پہلی ترکیب کے مطابق اَلْوَقْتُ کا لفظ مقدر ہے اور مسجد کی اضافت اَلْوَقْتُ کی طرف ہو رہی ہے اَلْجَامِعُ کی طرف نہیں ہو رہی۔ دوسری ترکیب کے مطابق مسجد کی اضافت اَلْجَامِعُ کی طرف ہی ہو رہی ہے لیکن یہاں پہلے تھا مَسْجِدُ الْوَقْتِ الْجَامِعِ پھر اس وَقْتٌ کو حذف کر دیا اور اَلْجَامِعُ صفت کو اس کا قائم مقام بنا دیا، اَلْجَامِعُ کو اس وَقْتٌ کا قائم مقام بنا دیا۔ پہلی ترکیب میں قائم مقام نہیں بنایا تھا، مضاف الیہ اسی وَقْتٌ کو قرار دیا تھا، اب دوسری ترکیب میں کہیں گے وَقْتٌ تھا لیکن وہ جا چکا اور اَلْجَامِعُ نے اس کی جگہ پکڑ لی اور یہ اس کے قائم مقام ہو گیا۔ یہ کیا ہو گیا؟ یہ صفت موصوف کے قائم مقام ہو گئی، یہ اسی طرح ہے یہ اسی طرح ہے جیسے أَسْوَدُ کا معنیٰ کالی چیز، کوئی بھی کالی چیز ہو اس کو کیا کہتے ہیں؟ أَسْوَدُ، لیکن آہستہ آہستہ عربوں کے ہاں ایک کالے رنگ کا سانپ تھا اس کا نام ہی أَسْوَدُ پڑ گیا۔ اس کا نام ہی أَسْوَدُ پڑ گیا، تو اب أَسْوَدُ بول کر وہ کالا سانپ مراد لیتے ہیں، گویا وہ صفت ہی اس کا نام پڑ گئی، صفت ہی، وہ کالے رنگ کا تھا نا لیکن وہی صفت اس کا کیا بن گئی؟ نام بن گئی، اب موصوف کے ذکر کی کوئی حاجت نہیں، یہ صفت اس موصوف کے قائم مقام ہو گئی ہے یہ اس کا نام بن گئی ہے۔ یہاں پر بھی اَلْوَقْتُ الْجَامِعُ تھا، پھر اَلْوَقْتُ حذف ہوا اَلْجَامِعُ کیا بن گئی اس کے؟ قائم مقام بن گئی، تو گویا اَلْجَامِعُ کے اندر ہی وَقْتٌ والا معنیٰ آ گیا، جیسے وہ أَسْوَدُ سانپ کا نام رکھا تھا تو اس کے اندر ہی گویا موصوف آ گیا تھا، وہاں موصوف کو الگ ذکر کرنے کی کوئی حاجت نہیں وہ صفت ہی موصوف کے قائم مقام ہو گئی تھی۔ تو یہاں پر بھی اصل میں تو تھا مَسْجِدُ الْوَقْتِ الْجَامِعِ، لیکن پھر وَقْتٌ کو کیا کر دیا؟ حذف، اور صفت کو کیا کر دیا؟ اس کے قائم مقام، اور یہ صفت اسی طرح اس کے قائم مقام ہو گئی جیسے یہ نام ہی بن گئی۔ اصل میں تھا اَلْوَقْتُ الْجَامِعُ لیکن پھر وَقْتٌ حذف کیا اَلْجَامِعُ کو اس کا قائم مقام بنا دیا، اب اَلْجَامِعُ کہو تو اس کا معنیٰ ہے وَقْتِ جَامِعٍ، اب اَلْجَامِعُ کہو تو کیا معنیٰ؟ وَقْتِ جَامِعٍ، وَقْتٌ تو محذوف ہے لیکن یہ صفت کیا ہے اس کے؟ قائم مقام، جیسے أَسْوَدُ کا معنیٰ کالی چیز تھا لیکن اب أَسْوَدُ بولو تو کیا مراد ہوتا ہے؟ کالا سانپ، تو یہاں بھی اَلْجَامِعُ کہو تو کیا معنیٰ ہوتا ہے؟ اَلْوَقْتُ الْجَامِعُ ہوتا ہے، تو اَلْوَقْتُ کو ذکر ہی نہیں کرتے یہ صفت اس کے قائم مقام ہو گئی ہے یہ اس کے نام کی طرح ہی بن گئی ہے۔ تو اب جب یہ اس کے نام کی طرح بن گئی تو اب اس کی طرف مسجد کی اضافت ہو گئی، تو اب اَلْجَامِعُ مضاف الیہ ہے، اَلْجَامِعُ مضاف الیہ ہے اور وَقْتٌ کا لفظ یہاں محذوف ہے جا چکا ہے ختم ہو چکا ہے۔ پہلی ترکیب میں کیا تھا؟ وَقْتٌ مقدر تھا تو مسجد کی اضافت وَقْتٌ کی طرف ہو رہی تھی اَلْجَامِعُ کی طرف نہیں، لیکن اب مسجد کی اضافت جَامِعٌ کی طرف ہی ہو رہی ہے وَقْتٌ جا چکا ہے یہاں سے حذف ہو چکا ہے، تو اب مسجد کی اضافت کس کی طرف؟ اَلْجَامِعُ کی طرف ہے، لیکن اَلْجَامِعُ مسجد کی صفت نہیں وہ وَقْتِ مَحْذُوْف کی صفت ہے، اَلْجَامِعُ مسجد کی صفت نہیں بلکہ وَقْتِ مَحْذُوْف کی صفت ہے۔ پہلے میں کیا تھا؟ پہلے میں دو چیزیں تھیں کہ مسجد کی اضافت اَلْجَامِعُ کی طرف ہے ہی نہیں اور یہاں مسجد کی اضافت تو اَلْجَامِعُ کی طرف ہی ہے، اور وہاں دوسری چیز یہ تھی کہ اَلْجَامِعُ مسجد کی

صفت نہیں ہے بلکہ اَلْوَقْتُ کی صفت ہے اور وہ بات یہاں بھی موجود ہے کہ اَلْجَامِعُ یہ مسجد کی صفت نہیں ہے بلکہ کس کی ہے؟ اَلْوَقْتُ کی۔ تو وہاں دو چیزیں تھیں: مسجد کی اضافت اَلْجَامِعُ کی طرف نہیں ہے بلکہ اَلْوَقْتُ کی طرف ہے، اور اَلْجَامِعُ صفت نہیں ہے مسجد کی بلکہ اَلْوَقْتُ کی صفت ہے، لیکن یہاں صرف ایک صورت ہے، یہاں مسجد کی اضافت اَلْوَقْتُ کی طرف نہیں ہے بلکہ اَلْجَامِعُ کی طرف ہی ہے دوسرے جواب میں، کس کی طرف؟ مسجد کی اضافت اَلْجَامِعُ کی طرف ہی ہے اَلْوَقْتُ تو جا چکا ہے، ہاں البتہ اَلْجَامِعُ مسجد کی صفت نہیں ہے بلکہ وَقْتِ مَحْذُوْف کی صفت ہے۔ بات سمجھ میں، فرق سمجھ میں آیا؟

تو کہتے ہیں وَثَانِيْهِمَا اور ان دو معنوں میں سے دوسرا جو ہے کہ أَنْ يَّكُوْنَ الْوَقْتُ مَحْذُوْفًا وہ یہ کہ وَقْتٌ جو ہے وہ محذوف ہے، وَالْجَامِعُ قَائِمًا مَقَامَهٗ اور یہ اَلْجَامِعُ کا لفظ اس وَقْتِ مَحْذُوْف کا یعنی اس موصوف کا قائم مقام ہے، مُنْطَوِيًا عَلَيْهِ۔ اِنْطَوٰى يَنْطَوِيْ کا معنیٰ مشتمل ہونا، یعنی مُنْطَوِيًا عَلَيْهِ اور یہ اَلْجَامِعُ اس پر مشتمل ہے۔ بھائی دیکھو نا پہلے کیا تھا؟ اَلْوَقْتُ الْجَامِعُ، پھر اَلْوَقْتُ کو حذف کر دیا اور یہ اَلْجَامِعُ اس کا قائم مقام بن گیا، اب جب اَلْجَامِعُ بولیں تو کیا مراد ہے؟ مراد وہی اَلْوَقْتُ الْجَامِعُ ہے، جیسے وہ سانپ کا نام کیا تھا؟ أَسْوَدُ، أَسْوَدُ تو صفت ہے، أَسْوَدُ کا معنیٰ تو کالی چیز اس کے لیے تو کوئی موصوف چاہیے، لیکن وہ آہستہ آہستہ کیا ہوا اس کالے رنگ کے سانپ کا نام بن گیا، اب أَسْوَدُ بولتے ہیں تو یہاں وہی کالے رنگ کا سانپ مراد ہے۔ یہاں پر بھی اسی طرح پہلے کیا تھا؟ اَلْوَقْتُ الْجَامِعُ، پھر اَلْوَقْتُ چلا گیا اور اَلْجَامِعُ کیا ہوا اس کا؟ قائم مقام، اب جب اَلْجَامِعُ بولا تو اس سے کیا مراد ہے؟ وَقْتِ جَامِعْ، یہ اس کے لیے نام کی طرح بن گیا کس کی طرح بن گیا؟ نام کی طرح بن گیا، تو لہٰذا گویا جب جَامِعٌ کہا تو اسی کے اندر وَقْتٌ بھی آگیا یا نہیں؟ تو گویا یہ جَامِعٌ اس وَقْتٌ یعنی موصوف پر مشتمل ہے، وہ اسی کے اندر آگیا جَامِعٌ کہتے ہی ہمیں پتہ چل گیا کہ وَقْتِ جَامِعْ مراد ہے وَقْتٌ کہنے کی ضرورت نہیں۔ یہ معنیٰ ہے، پھر دیکھو وَثَانِيْهِمَا دوسرا معنیٰ یہ کہ أَنْ يَّكُوْنَ الْوَقْتُ مَحْذُوْفًا کہ وَقْتٌ محذوف ہو، وَالْجَامِعُ قَائِمًا مَقَامَهٗ اور جَامِعٌ جو ہے وہ اس کا قائم مقام ہے، مُنْطَوِيًا عَلَيْهِ جو اس پر مشتمل ہے، مشتمل ہے، فَيَكُوْنُ بِمَنْزِلَةِ الصِّفَاتِ الْغَالِبَةِ تو یہ صفاتِ غالبہ کے درجے میں ہوا، یہ کس کے درجے میں ہو گیا؟ اَلْجَامِعُ، جیسے دیکھو أَسْوَدُ وہ صفتِ غالبہ ہے اس کا نام بن گئی، یہاں بھی اَلْجَامِعُ جو ہے صفتِ غالبہ ہے اس وَقْتٌ کا نام بن گئی۔ تو یہ فَيَكُوْنُ بِمَنْزِلَةِ الصِّفَاتِ الْغَالِبَةِ تو یہ اَلْجَامِعُ جو ہے صفاتِ غالبہ کے درجے میں ہو گیا، فَيُضَافُ الْمَسْجِدُ إِلَيْهِ تو پھر اس کی طرف مسجد کی اضافت کر دی گئی۔ فَيَنْدَفِعُ الْإِيْرَادُ بِوَجْهٍ وَاحِدٍ تو اس صورت میں اعتراض دور ہو گیا ایک ہی وجہ پر، وَهُوَ اور وہ یہ کہ أَنَّ الْجَامِعَ لَيْسَ صِفَةً لِلْمُضَافِ کہ اَلْجَامِعُ جو ہے وہ مضاف کی صفت نہیں، مضاف الیہ تو ہے لیکن مضاف کی صفت نہیں، جبکہ پہلی صورت میں اَلْجَامِعُ مضاف الیہ بھی نہیں تھی اور مضاف کے لیے صفت بھی نہیں تھی، لیکن یہاں مضاف الیہ تو ہے لیکن صفت نہیں۔

تو کہتے ہیں وَعَلٰى هٰذَا الْقِيَاسِ صَلَاةُ الْأُوْلٰى وَبَقْلَةُ الْحَمْقَاءِ مُتَأَوَّلٌ اور اسی قیاس پر صَلَاةُ الْأُوْلٰى اور بَقْلَةُ الْحَمْقَاءِ جو ہیں

ان میں تاویل کی گئی ہے بِصَلَاةِ السَّاعَةِ الْأُوْلٰى کہ یہ کیا ہے؟ صَلَاةُ السَّاعَةِ الْأُوْلٰى، پہلی گھڑی کی نماز، پہلی گھڑی یعنی زوال کے بعد جو پہلی گھڑی ہے یا ہر نماز کے لیے جو پہلی گھڑی ہے جس میں فرض نماز ادا کی جاتی ہے باجماعت بھائی، وَبَقْلَةِ الْحَبَّةِ الْحَمْقَاءِ اور اسی طرح بَقْلَةُ الْحَمْقَاءِ میں تاویل کی گئی ہے بَقْلَةُ الْحَبَّةِ الْحَمْقَاءِ پر، عَلَى الْاِحْتِمَالَيْنِ الْمَذْكُوْرَيْنِ انہی دو مذکورہ احتمالوں پر۔ یعنی ان دونوں میں بھی وہی دونوں احتمال جاری ہوں گے۔ یا تو ایک صورت یہ بناؤ کہ صَلَاةُ الْأُوْلٰى اس کے اندر اَلسَّاعَةُ کا لفظ مقدر نکال لو، تو صَلَاةٌ کا لفظ الْأُوْلٰى کی طرف مضاف ہی نہیں ہے اَلسَّاعَةُ کی طرف مضاف ہے، اور الْأُوْلٰى صَلَاةٌ کی صفت نہیں ہے اَلسَّاعَةُ کی صفت ہے۔ یا دوسری صورت یہ ہے کہ اَلسَّاعَةُ الْأُوْلٰى تھا، اَلسَّاعَةُ موصوف تھا الْأُوْلٰى صفت، پھر اَلسَّاعَةُ کو ختم کر دیا الْأُوْلٰى اس کے قائم مقام ہو گئی اب الْأُوْلٰى سے وہی ساعتِ اولیٰ ہی مراد ہوتی ہے، تو یہ صفاتِ غالبہ کے درجے میں ہوا اور اس صورت میں اس کی طرف اضافت کر دی کس کی؟ صَلَاةٌ کی، تو صَلَاةٌ کی اضافت ہے تو الْأُوْلٰى کی طرف ہی لیکن الْأُوْلٰى صَلَاةٌ کی صفت نہیں ہے بلکہ اَلسَّاعَةُ کی صفت ہے۔ بات سمجھ میں آ گئی؟ یہی دو احتمال بَقْلَةُ الْحَمْقَاءِ میں بھی جاری ہوں گے۔

آگے دیکھیے لٰكِنَّ هٰذَا التَّأْوِيْلَ لَا يَتَمَشّٰى فِيْ جَانِبِ الْغَرْبِيِّ، لیکن یہ والی تاویل جو ہے لَا يَتَمَشّٰى أَيْ لَا يَجْرِيْ یہ تاویل جاری نہیں ہوتی فِيْ جَانِبِ الْغَرْبِيِّ کس کے اندر؟ جَانِبُ الْغَرْبِيِّ میں۔ لیکن یہ تاویل لَا يَتَمَشّٰى فِيْ جَانِبِ الْغَرْبِيِّ یہ تاویل جَانِبُ الْغَرْبِيِّ میں جاری نہیں ہوتی، فَإِنَّهٗ لَا شَكَّ اس لیے کیونکہ اس بات میں کوئی شک نہیں أَنَّ الْمَقْصُوْدَ تَوْصِيْفُ الْجَانِبِ بِالْغَرْبِيَّةِ اس لیے کیونکہ جب ہم کہتے ہیں جَانِبُ الْغَرْبِيِّ، ادھر دیکھیے جَانِبُ الْغَرْبِيِّ اس میں تاویل کیا کی؟ جَانِبُ الْمَكَانِ الْغَرْبِيِّ، لیکن صاحبِ جامی فرما رہے ہیں کہ یہاں پر مَكَانٌ کی صفت غَرْبِيٌّ لانا مقصود نہیں ہے بلکہ جَانِبٌ کی صفت ہی غَرْبِيٌّ لانا مقصود ہے، صاحبِ کافیہ نے تو تاویل ذکر کی، علماء کیا ذکر کرتے ہیں اس میں کیا تاویل کی گئی ہے؟ جَانِبُ الْمَكَانِ الْغَرْبِيِّ، توجہ ہے؟ تو یہاں پر جَانِبٌ کی اضافت غَرْبِيٌّ کی طرف نہیں ہو رہی بلکہ مَكَانٌ کی طرف ہو رہی ہے اور اَلْغَرْبِيُّ مَكَانٌ کی صفت ہے جَانِبٌ کی صفت نہیں، صاحبِ جامی فرما رہے ہیں کہ یہ تاویل جو ہے یہ جَانِبُ الْغَرْبِيِّ میں نہیں چلے گی اس لیے کیونکہ جَانِبُ الْغَرْبِيِّ کے اندر، جَانِبُ الْغَرْبِيِّ کا کیا معنیٰ؟ مغربی جانب یعنی جو جانب مغرب کی طرف ہے وہ مراد ہے، تو جَانِبُ الْغَرْبِيِّ کے اندر یہ جو غَرْبِيٌّ لائی گئی ہے یہ جَانِبٌ ہی کی صفت بنانا مقصود ہے، تو اَلْجَانِبُ ہوا موصوف اَلْغَرْبِيُّ ہوئی صفت تو یہاں صفت کی اضافت کس کی طرف ہو رہی ہے؟ موصوف کی طرف، تو وہ جو تاویلیں باقیوں میں ہم نے ذکر کر دیں وہ اس کے اندر جاری نہیں ہوتیں۔ اگر آپ یوں کہیں جَانِبُ الْمَكَانِ الْغَرْبِيِّ، صاحبِ جامی نے بتا دیا کہ جَانِبُ الْغَرْبِيِّ اس کے اندر اس غَرْبِيٌّ کو کس کی صفت بنانا مقصود ہے؟ جَانِبٌ ہی کی صفت بنانا مقصود ہے، وہ جو مَكَانٌ آپ نے نکالا ہے اس مَكَانٌ کی صفت بنانا مقصود نہیں ہے۔ دیکھو بھائی فَإِنَّهٗ لَا شَكَّ اس بات میں کوئی شک نہیں کہ أَنَّ الْمَقْصُوْدَ تَوْصِيْفُ الْجَانِبِ بِالْغَرْبِيَّةِ کہ مقصود جو ہے وہ جَانِبٌ کو غَرْبِيٌّ کے ساتھ موصوف کرنا ہے، أَنَّ الْمَقْصُوْدَ کہ مقصود جو ہے تَوْصِيْفُ الْجَانِبِ بِالْغَرْبِيَّةِ جَانِبٌ

کو موصوف کرنا ہے غَرْبِيٌّ کے ساتھ، لَا تَوْصِيْفُ مَكَانٍ هُوَ جَانِبُهٗ بِهَا نہ کہ اس مَكَانٌ کو موصوف کرنا ہے کہ وہ جَانِبٌ اس کی مَكَانٌ کی جانب ہے بِهَا اس غَرْبِيَّةٌ کے ساتھ۔ یہ ذرا مشکل عبارت ہے اس کو سمجھ لیں اس کو سمجھ لیں۔ ذرا اپنے سامنے لکھیے بھائی کاپی پر لکھیے بھائی، لکھیے بھائی جَانِبُ الْغَرْبِيِّ، لکھیے بھائی جَانِبُ الْغَرْبِيِّ، یہ دیکھو یہ اضافت کے ساتھ ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ اسی کے آگے تھوڑے سے فاصلے پر لکھ لیں جَانِبُ الْمَكَانِ الْغَرْبِيِّ، جَانِبُ الْمَكَانِ الْغَرْبِيِّ۔ توجہ ہے؟ اب ان لفظوں پہ نظر رکھنا۔ صاحبِ جامی آپ کو بتلائیں گے کہ یہ جو جَانِبُ الْغَرْبِيِّ آیا اس میں کیا تاویل کی گئی؟ جَانِبُ الْمَكَانِ الْغَرْبِيِّ کی تاویل کی گئی، لیکن جو ہم نے پچھلی تقریریں کیں وہ تقریریں یہاں جاری نہیں ہو سکتیں اس لیے

کہ یہاں پر جَانِبٌ ہی جو مضاف ہے اسی کو غَرْبِيٌّ کے ساتھ موصوف کرنا مقصود ہے، جَانِبُ الْغَرْبِيِّ کے اندر یہ جو غَرْبِيٌّ آیا یہ اسی جَانِبٌ کی صفت بنانا مقصود ہے، وہ جو مَكَانٌ آپ نے محذوف نکالا اس کو غَرْبِيٌّ کے ساتھ موصوف کرنا یہاں مقصود نہیں ہے۔ بات سمجھ میں آرہی ہے؟ دیکھو تاویل کیا کی؟ جَانِبُ الْمَكَانِ الْغَرْبِيِّ، ترجمہ کیا ہے؟ مغربی مکان کی جانب، اور جَانِبُ الْغَرْبِيِّ میں مقصود کیا تھا؟ مغربی جانب، وہاں مغربی جانب بتلانا مقصود ہے، مغربی مکان کی جانب مقصود نہیں ہے کہ مغرب کی طرف ایک جگہ ہے اس کی جانب بتلانا مقصود نہیں ہے۔ توجہ سے سمجھو، گہری بات ہے۔ جَانِبُ الْغَرْبِيِّ کیا معنی؟ مغربی جانب یعنی جَانِبٌ کو موصوف کرنا مقصود ہے مغربی کے ساتھ، کہ مثلاً میں کہتا ہوں کہ زید مکان کے مغربی جانب کھڑا ہے، زید مکان کے مغربی جانب کھڑا ہے، تو یہاں اس مکان کی مغربی جانب مراد ہے، میرے کہنے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اس مکان کی جو مغربی جانب جو مکان ہے اس کی جانب مقصود ہے، ایسا نہیں ہے۔ نہیں سمجھ میں آئی؟ نہیں سمجھ میں آئی، مشکل بات ہے گہری بات ہے۔ یہاں مغربی جانب مقصود ہے، ایسا نہیں ہے، ذرا عبارت پہ نظر رکھو، جَانِبُ الْمَكَانِ الْغَرْبِيِّ، غَرْبِيٌّ کس کی صفت بنا دی؟ مَكَانٌ کی، ایسا مکان جو مغربی جانب ہے، ایسا مکان جو مغربی جانب ہے اس کی جانب مقصود نہیں ہے۔ دیکھو یہ مثلاً یہ مسجد میں ہم بیٹھے ہیں، اس مسجد کی ایک مغربی جانب ہے، توجہ ہے؟ تو جب میں نے جَانِبُ الْغَرْبِيِّ کہا تو اس کا کیا مطلب؟ اس مسجد کے مغربی جانب مثلاً زید کھڑا ہے، اور اگر آپ کی تاویل مان لی جائے کہ یہاں مَكَانٌ کا لفظ نکالیں گے تو معنی کیا بن جائے گا؟ جَانِبُ الْمَكَانِ الْغَرْبِيِّ، اس کا مطلب یہ ہے کہ اس مسجد کے مغربی جانب ایک مکان ہے جگہ ہے، مغربی جانب ایک جگہ ہے وہ کیا ہے؟ مکانِ مغربی ہے یا نہیں؟ اس مسجد کا مکانِ مغربی ہے مغربی جانب ہے، اس مکان کی جانب مقصود نہیں ہے، اس مکان کی جانب تو کوئی بھی ہو سکتی ہے شمال والی بھی مشرق والی بھی مغرب والی بھی، مکان کس طرف ہے؟ مغرب کی طرف، اس کی جانب اس کی کون سی جانب؟ مشرق والی مغرب والی شمال والی جنوب والی، تو اس مغربی مکان کی جانب مقصود نہیں ہے۔ سمجھ میں آگئی؟ پھر دوبارہ غور کر لو، پھر سنو۔ میں نے کہا مثلاً یہ مسجد ہے، اس مسجد کی ایک مغربی جانب ہے، مثلاً میں آپ سے کہتا ہوں کہ زید جَانِبِ غَرْبِيْ میں ہے، زید جَانِبِ غَرْبِيْ میں ہے، تو میں نے جَانِبٌ کو مضاف بنایا اور اَلْغَرْبِيُّ کو مضاف الیہ بنایا، میری مراد مغربی جانب ہی ہے یہ جَانِبٌ کی ہی صفت ہے غَرْبِيٌّ بھائی، تو میرا مطلب کیا ہے؟ مسجد کی جو مغربی جانب ہے اس

طرف زید کھڑا ہے، میرے کہنے کا یہ مطلب نہیں ہے یہ جو ترکیب پہ نظر رکھو جَانِبُ الْمَكَانِ الْغَرْبِيِّ، مغربی مکان جو ہے اس کی جانب، مثلاً اس مسجد کے مغربی طرف ایک مکان ہے تو یہ مکان کون سا ہوا؟ غربی، اور اس کی جانب؟ اس کی جانب تو چاروں طرف جو بھی جانب ہے وہ اس کی جانب ہے، تو اس مغربی مکان کی جانب بتلانا مقصود نہیں ہے بلکہ جَانِبٌ ہی کو موصوف کرنا مقصود ہے مغربی کے ساتھ۔ فرق سمجھ میں آیا؟

تو یہ معنی ہے، پھر دیکھیے لٰكِنَّ هٰذَا التَّأْوِيْلَ لَا يَتَمَشّٰى فِيْ جَانِبِ الْغَرْبِيِّ لیکن یہ تاویل جو ہے جَانِبُ الْغَرْبِيِّ میں جاری نہیں ہوتی، فَإِنَّهٗ لَا شَكَّ اس لیے کیونکہ اس بات میں کوئی شک نہیں کہ أَنَّ الْمَقْصُوْدَ تَوْصِيْفُ الْجَانِبِ بِالْغَرْبِيَّةِ کہ جَانِبٌ کو موصوف کرنا مقصود ہے غَرْبِيٌّ کے ساتھ، لَا تَوْصِيْفُ مَكَانٍ، آگے آرہا ہے بِهَا، مَكَانٌ کو اس غَرْبِيٌّ کے ساتھ موصوف کرنا مقصود نہیں ہے، توجہ ہے؟ لَا تَوْصِيْفُ مَكَانٍ، عبارت پہ نظر رکھو، لَا تَوْصِيْفُ مَكَانٍ درمیان میں هُوَ جَانِبُهٗ ہے اس کو ذرا چھوڑ دو، لَا تَوْصِيْفُ مَكَانٍ بِهَا أَيْ بِالْغَرْبِيَّةِ، مَكَانٌ کو غَرْبِيَّةٌ کے ساتھ موصوف کرنا مقصود نہیں ہے، بات سمجھ میں آگئی؟ اور درمیان میں مَكَانٌ کے ذکر کیا هُوَ جَانِبُهٗ، یہ عبارت سمجھ لو بہت مشکل عبارت ہے توجہ سے۔ هُوَ، یہ هُوَ ضمیر راجع ہے اس جَانِبٌ کو، وہ جو جَانِبُ الْغَرْبِيِّ میں جَانِبٌ کا لفظ آیا تھا وہ جو ہے، وہ سے کیا مراد؟ وہ جانب جو ہے، لیکن جانب کا لفظ اب نہیں بولنا، ترجمہ سنو۔ نہ کہ موصوف کرنا ایسا مکان، دیکھو مَكَانٍ نکرہ ہے اور هُوَ جَانِبُهٗ یہ بتدا خبر ہیں آپس میں، هُوَ بتدا جَانِبُهٗ اس کی خبر، اور جَانِبُهٗ کی ہا ضمیر یاد رکھو یہ مَكَانٌ کو راجع ہے کس کو؟ مَكَانٌ کو، پہلی هُوَ ضمیر ہے وہ راجع ہے جَانِبٌ کو اور یہ جَانِبُهٗ کی ہا ضمیر راجع ہے مَكَانٌ کو، تو هُوَ بتدا اور جَانِبُهٗ اس کی خبر، بتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ ہوا اور جملہ اسمیہ نکرہ کے بعد آئے تو اس کے لیے کیا بنتا ہے؟ صفت، تو اور موصوف صفت کا ترجمہ کیسے کرتے ہیں؟ موصوف سے پہلے ایسا یا ایسی، تو مَكَانٌ سے پہلے میں ایسا کا لفظ لاؤں گا۔ لَا تَوْصِيْفُ مَكَانٍ نہ کہ موصوف کرنا ایسے مکان کو کہ وہ اس مکان کی جانب ہے، وہ جانب اس مکان کی جانب ہے، دیکھو مغرب کی طرف ایک مکان ہے تو یہ کیا ہوا؟ مکانِ غربی، مکانِ غربی، اس مکان کی جانب ذرا ذرا ترکیب پہ نظر رکھو جَانِبُ الْمَكَانِ الْغَرْبِيِّ، یہ مکانِ غربی جو ہے اس کی جانب، اس کی جانب، مکانِ غربی تو دیکھو مسجد کی مغربی جانب ایک مکان ہے، اس مغربی مکان کی جانب، تو یہ جانب جو ذکر ہوئی جَانِبُ الْغَرْبِيِّ، یہ جو جانب ذکر ہوا یہ اس مکان کی جانب ہو ایسا نہیں ہے، کیا کیا؟ پھر سمجھو، پھر عبارت پہ نظر رکھو کتاب پر۔ لَا تَوْصِيْفُ مَكَانٍ یہاں یہ مقصود نہیں ہے کہ موصوف کیا جائے مَكَانٍ ایک ایسے مکان کو کہ هُوَ جَانِبُهٗ کہ وہ جو جانب ذکر ہوئی ہے لفظوں کے اندر وہ اس مکان کی جانب ہو، اس مکان کو موصوف کرنا بِهَا غَرْبِيٌّ کے ساتھ یہ مقصود نہیں ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ کہ وہ جو مکان جو غربی میں ہے، یہ جو جَانِبُ الْغَرْبِيِّ میں لفظِ جَانِبٌ ذکر ہوا ہے یہ جانب اس مکان کی جانب ہو اور اس مکان کو غربی سے موصوف کرنا مقصود ہو ایسا نہیں ہے۔ کیا؟ کہ یہ جو جانب ذکر ہوئی لفظوں میں یہ جانب یہ اس مکان کی ایک جانب ہو اور اس مکان کو غربی کے ساتھ موصوف کرنا مقصود ہو ایسا نہیں ہے، یہ جو لفظوں میں جانب ذکر ہوا جَانِبُ الْغَرْبِيِّ آپ نے کیا کہا؟ جَانِبُ الْمَكَانِ الْغَرْبِيِّ، تو یہ جو جانب لفظوں، ادھر دیکھیے یہ جو جانب لفظوں میں ذکر ہوا یہ جانب جو ہے اس جانب

سے کون سی جانب مراد ہے؟ اس مکان کی ایک جانب مراد ہے اور اس مکان کو غربی کے ساتھ موصوف کرنا مقصود ہو ایسا نہیں ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ حل ہو گیا؟ یہ معنی ہے لَا تَوْصِيْفُ مَكَانٍ هُوَ جَانِبُهٗ بِهَا اور یہ مقصود نہیں ہے کہ موصوف کیا جائے ایسے مکان کو کہ وہ جو جانب جو ذکر ہو رہی ہے وہ اس مکان کی ایک جانب ہو، اس مکان کو موصوف کرنا غربی کے ساتھ یہ مقصود نہیں ہے۔

اَللّٰهُمَّ إِلَّا أَنْ يُّقَالَ، جی اب ایک کمزور جواب ذکر کریں گے۔ آپ نے کیا کہا؟ ادھر دیکھیے، جَانِبُ الْغَرْبِيِّ اس میں غربی کے ساتھ جانب ہی کو موصوف کرنا مقصود ہے، وہ مکان جس کی یہ جانب ہے اس مکان کو غربی کے ساتھ موصوف کرنا مقصود نہیں ہے، اب اس کا کیا جواب دیں؟ اب ایک کمزور جواب ذکر کریں گے۔ اَللّٰهُمَّ إِلَّا أَنْ يُّقَالَ کے ساتھ میں نے بتایا تھا کمزور جواب ذکر کیا جاتا ہے، تو صاحبِ جامی جواب دیں گے، بھائی جواب کو سمجھنے کے لیے، جواب یہ کہ بھائی ایک مکان کل کا بنا لیں اور اس کا ایک جزبنا لیں، جیسے دیکھو کاپی پہ ذرا بناؤ بھائی، کاپی پر ایک چوکور ڈبہ بناؤ تین چار انچ لمبا ہو اور تین چار انچ ہی چوڑائی ہو، چوڑائی بھی تین چار انچ اور اونچائی بھی تین چار انچ، یہ ایک ڈبہ بنا لو۔ بنا لیا؟ جی، یہ ہے مکان، یہ ایک جگہ ہے، یہ کیا ہے؟ ایک جگہ، اور یہ ہے کل، یہ ہے کل، اس کے ایک جانب اس ڈبے کے اندر، ادھر دیکھیے یہ جو آپ نے ڈبہ بنایا مثلاً یہ ایک مکان ہے یہ ایک جگہ ہے، مکان کا معنی جگہ، عربی زبان میں مکان کا کیا معنی؟ جگہ، یہ ایک جگہ ہے، یہ کل ہے اور ایک اس کا جز بھی ہے وہ بھی مکان ہے، تو صاحبِ جامی اب جواب دینا چاہتے ہیں کہ ایک مکان کل ہے اور اسی کا ایک جز ہے وہ بھی کیا ہے؟ مکان، مکان کا جز بھی مکان ہی ہو گا نا، تو لہٰذا آپ نے ایک چوکور ڈبہ بنایا یہ ہے کل، یہ ہے وہ مکان یہ جگہ ہے، اس میں دائیں طرف جو لکیر ہے اس لکیر کے ساتھ اندر کی طرف اوپر سے نیچے تک ایک اور لکیر کھینچیں، دونوں لکیروں کے درمیان تھوڑی سی جگہ ہونی چاہیے، تو یہ دیکھو اب یہ جز آگیا، یہ سارا کل ہے اور اس کے اندر ایک جز بھی ہے، یہ کل بھی مکان اور جز بھی مکان، مکان کا جز مکان ہی ہو گا، تو کل بھی مکان اور جز بھی مکان، اب تاویل کرنے لگے ہیں، اور یہ مکان کس جانب ہے؟ یہ جو آپ نے جزبنایا فرض کرو یہ مغربی جانب ہے، یہ جو آپ نے ایک جزبنایا باریک سا یہ کس جانب ہے؟ مغربی جانب ہے، تو یہ ہوا مکانِ غربی، یہ کیا ہے؟ مکانِ غربی، یہ مکانِ غربی ہوا مغربی جانب ہوئی، اب جواب دینا چاہتے ہیں کہ وہاں غربی کے ساتھ جانب کو موصوف کرنا مقصود ہے مکان کو غربی کے ساتھ موصوف کرنا مقصود نہیں، اب اس کا ایک جواب دینے لگے ہیں کمزور سا جواب، کہ دیکھیں یہ جو آپ نے مغربی جانب، یہ اس کے ساتھ لکھیں بھائی، یہ جو چھوٹا سا مکان بنایا یہ ہے مکانِ غربی، مکانِ غربی، یہ مکانِ غربی ہے اور یہ جز ہے، اور ایک مکان ہے وہ کل ہے جس کے اندر یہ داخل ہے سارا، یہ بھی مکان ہے، تو یہ کیا ہے؟ مکانِ غربی، اور یہ اس کل کی ایک جانب ہے یہ کل کی ایک جانب ہے، تو اب اس مکانِ غربی کے شروع میں جانب لکھ دیں، وہی جو آپ نے اضافت لکھی تھی جَانِبُ الْمَكَانِ الْغَرْبِيِّ، تو کیا بن گیا؟ جَانِبُ الْمَكَانِ الْغَرْبِيِّ، تو جَانِبٌ ہوا مضاف اور اَلْمَكَانُ الْغَرْبِيُّ ہوا مضاف الیہ، اور یہ، ادھر دیکھیے، جَانِبٌ کی جو اضافت ہو رہی ہے مکانِ غربی کی طرف یہ اضافتِ بیانیہ ہے، یہ کیا ہے؟ اضافتِ بیانیہ۔ بھائی ہوتا

یہ ہے مضاف اور ہوتا ہے مضاف الیہ اور ہوتا ہے، غُلَامُ زَيْدٍ غلام کی ذات اور ہے زید کی ذات اور، لیکن ایک اضافتِ بیانیہ ہوتی ہے، اضافتِ بیانیہ اسے کہتے ہیں کہ مضاف الیہ بیان کرتا ہے مضاف کا یعنی دونوں ایک ہی چیز ہوتے ہیں، مضاف الیہ جو بعد میں آرہا ہے وہ ماقبل والے مضاف کا بیان کرتا ہے، تو یہاں بھی اضافتِ بیانی بنا لو، تو جَانِبُ الْمَكَانِ الْغَرْبِيِّ وہ جانب یعنی کہ مکانِ غربی، وہ جانب یعنی کہ مکانِ غربی، یعنی جانب اور مکانِ غربی دونوں ایک ہی چیز ہیں، جانب اور مکانِ غربی، جو جانب ہے وہی کیا ہے؟ مکانِ غربی ہے، تو دونوں میں اضافت بیانی ہوئی، اضافت کیا تھی؟ جَانِبُ الْمَكَانِ الْغَرْبِيِّ، بظاہر لگتا ہے جانب اور ہے مکانِ غربی اور ہے لیکن یہ اضافت کون سی ہے؟ بیانی ہے یعنی جانب اور مکانِ غربی دونوں ایک ہی چیز ہیں، وہ جانب کیا ہے؟ مکانِ غربی ہے، تو یہاں پر بھی دیکھ لو یہ جانب ہے یہ جو آپ نے چھوٹا سا ایک جز بنایا یہ جانب ہے اور کون سی جانب ہے؟ یہ مکانِ غربی ہے، بات سمجھ میں آگئی؟ تو یوں کہ صاحبِ جامی فرماتے ہیں یہ جواب ایک کمزور سا دیا جا سکتا ہے کہ انہوں نے کہا کہ جَانِبُ الْغَرْبِيِّ کس معنی میں ہے؟ جَانِبُ الْمَكَانِ الْغَرْبِيِّ، تو ہم یوں کہتے ہیں کہ یہاں مکان ایک کل ہے، ایک کل ہے اور ایک جز ہے، اور یہ جو جانب کی اضافت ہو رہی ہے مکانِ غربی کی طرف یہ اضافت کون سی ہے؟ بیانی ہے، تو وہ جانب وہی جو ہے وہ مکانِ غربی بھی ہے، تو اس صورت میں یہ ہم ایک جواب دے سکتے ہیں لیکن بہرحال یہ بھی کمزور جواب ہے کوئی قوی جواب نہیں ہے، تو کہتے ہیں اَللّٰهُمَّ إِلَّا أَنْ يُّقَالَ، میں نے بتایا تھا اَللّٰهُمَّ إِلَّا أَنْ يُّقَالَ، یہ اصل میں تقدیرِ عبارت کیا ہے؟ اَللّٰهُمَّ لَا مَخْلَصَ لِيْ عَنْ هٰذَا الْإِعْتِرَاضِ إِلَّا أَنْ يُّقَالَ اے اللہ میرے لیے تو اس اعتراض سے چھٹکارے کا کوئی جواب نہیں ہے مگر یہ کہ یوں کہا جائے، هُنَاكَ مَكَانَانِ کہ یہاں دو مکان ہیں، جُزْءٌ وَّكُلٌّ ایک جز ہے وہ بھی مکان، اور ایک کل ہے وہ بھی مکان ہے۔ فَالْمَكَانُ الَّذِيْ أُضِيْفَ إِلَيْهِ الْجَانِبُ پس وہ مکان جس کی طرف جانب کی اضافت کی گئی، جَانِبُ الْمَكَانِ الْغَرْبِيِّ یہ جانب کی اضافت کس کی طرف ہو رہی ہے؟ مکانِ غربی کی طرف، یہ جو جانب کی اضافت مکان کی طرف ہو رہی ہے یہ مکان جز ہے، یہ کیا ہے؟ جز ہے، تو فَالْمَكَانُ الَّذِيْ أُضِيْفَ إِلَيْهِ الْجَانِبُ پس وہ مکان جس کی طرف جانب کی اضافت کی گئی ہے هُوَ الْجُزْءُ وہ جز ہے، وَالْإِضَافَةُ بَيَانِيَّةٌ اور اضافت کیا ہے؟ بیانیہ ہے، یعنی جانب اور مکانِ غربی دونوں ایک ہی چیز ہیں، جو جانب ہے وہی کیا ہے؟ مکانِ غربی بھی ہے۔ وَالْمَكَانُ الَّذِيْ اعْتُبِرَ الْجَانِبُ بِالنِّسْبَةِ إِلَيْهِ اور وہ مکان کہ اعتبار کیا گیا ہے جانب کا بِالنِّسْبَةِ إِلَيْهِ اس کی طرف نسبت کرتے ہوئے، هُوَ الْكُلُّ وہ کیا ہے؟ کل، یہ جو کل بنایا اس کی ایک جانب ہے دیکھو وہ بھی کیا ہے؟ مکان، اور کل بھی کیا ہے؟ مکان۔ تو کہتے ہیں وَالْمَكَانُ الَّذِيْ اعْتُبِرَ الْجَانِبُ بِالنِّسْبَةِ إِلَيْهِ هُوَ الْكُلُّ اور وہ مکان کہ جس کی نسبت سے جانب کا اعتبار کیا گیا ہے وہ کل ہے، فَيَسْتَقِيْمُ الْمَعْنٰى تو اس صورت میں معنی کیا ہو جاتا ہے؟ مستقیم ہو جاتا ہے درست ہو جاتا ہے۔

سبق نمبر ۱۹۴: الاضافۃ (۱۱): «جَرْدُ قَطِيفَةٍ» اور «صَلٰوةُ الْأُوْلٰى» کی تاویلات

شرحِ ملا جامی صفحہ: ۱۷۳ — بتاریخ: ۱۵ ستمبر ۲۰۲۲ء

▪ تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث

آگے سبق دیکھیے بھئی: وَيَرِدُ عَلَى الْقَاعِدَةِ الثَّانِيَةِ وَهُوَ قَوْلُهُ وَلَا صِفَةٌ إِلَى مَوْصُوفِهَا مِثْلُ جَرْدُ قَطِيفَةٍ وَأَخْلَاقُ ثِيَابٍ، فَإِنَّ أَصْلَهُمَا قَطِيفَةٌ جَرْدٌ وَثِيَابٌ أَخْلَاقٌ، قُدِّمَتِ الصِّفَةُ عَلَى الْمَوْصُوفِ وَأُضِيفَ إِلَيْهِ، وَأُجِيبَ عَنْهُ بِأَنَّهُ مُتَأَوَّلٌ۔

بھئی گذشتہ سبق میں صاحبِ کافیہ نے آپ کو دو ضابطے بتلائے تھے۔ پہلا ضابطہ یہ بتلایا تھا کہ موصوف کی اضافت صفت کی طرف جائز نہیں، یعنی کہ ترکیبِ توصیفی والے معنی کو برقرار رکھتے ہوئے موصوف کی اضافت کر دی جائے صفت کی طرف، یہ جائز نہیں۔ اور دوسرا ضابطہ یہ بتلایا تھا کہ صفت کی اضافت بھی موصوف کی طرف جائز نہیں۔ وجہ یہ کہ ایک ترکیبِ توصیفی ہے اور ایک ترکیبِ اضافی ہے۔ ترکیبِ توصیفی کا فائدہ اور، اور ترکیبِ اضافی کا فائدہ اور ہے۔ تو دونوں میں سے ایک ترکیب بھی دوسری ترکیب کے قائم مقام نہیں ہو سکتی۔ ترکیبِ توصیفی اس بات کا فائدہ دیتی ہے کہ ایک چیز دوسری چیز کے ساتھ موصوف ہو رہی ہے، زَيْدٌ الْعَالِمُ، زید موصوف ہے اور اَلْعَالِمُ اس کی صفت ہے، تو یہ زید موصوف ہو رہا ہے اَلْعَالِمُ کے ساتھ۔ اور اسی طرح رَجُلٌ شُجَاعٌ، رَجُلٌ موصوف ہے اور شُجَاعٌ اس کی صفت ہے، تو یہ رَجُلٌ شجاعت کے ساتھ موصوف ہو رہا ہے۔ تو ترکیبِ توصیفی جو ہے وہ اِتِّصَافُ شَيْءٍ بِشَيْءٍ کا فائدہ دیتی ہے۔ جب کہ ترکیبِ اضافی، وہ ایک چیز کی اضافت اور نسبت کا فائدہ دیتی ہے کہ ایک چیز کی نسبت کی جا رہی ہے دوسری چیز کی طرف، جیسے غُلَامُ زَيْدٍ۔ اس میں غُلَامُ مضاف ہے اور زَيْدٍ مضافٌ الیہ، اور اس غلام کی نسبت زید کی طرف کی جا رہی ہے کہ یہ زید کا غلام ہے، یعنی وہ مراد ہے کوئی اور اس سے مراد نہیں ہے بھئی۔ تو لہٰذا جب ترکیبِ توصیفی کا فائدہ اور، اور ترکیبِ اضافی کا فائدہ اور، تو پھر ترکیبِ توصیفی والے معنی کو برقرار رکھتے ہوئے اضافت جائز نہیں، نہ تو موصوف کی اضافت صفت کی طرف اور نہ صفت کی اضافت موصوف کی طرف، کیونکہ دونوں کا فائدہ الگ الگ ہے بھئی۔

جب کہ اس کے مقابلے میں علمائے کوفہ فرماتے ہیں کہ موصوف کی اضافت صفت کی طرف جائز ہے، جیسے اَلْمَسْجِدُ الْجَامِعُ۔ اَلْمَسْجِدُ موصوف ہے اور اَلْجَامِعُ اس کی صفت ہے، لیکن ہم نے عربوں سے سنا ہے کہ اس کے اندر وہ موصوف کی اضافت کر دیتے ہیں صفت کی طرف، موصوف سے الف لام ختم کر دیتے ہیں۔ تو موصوف سے الف لام ختم کر کے اس

کی اضافت کر دی جاتی ہے صفت کی طرف۔ تو چنانچہ اَلْمَسْجِدُ الْجَامِعُ اس کے اندر وہ مَسْجِدُ الْجَامِعِ بھی کہتے ہیں، مَسْجِدُ الْجَامِعِ مضاف مضافٌ الیہ بنا کر۔ اور فائدہ وہی ہوتا ہے، یعنی جو معنی اَلْمَسْجِدُ الْجَامِعُ ترکیبِ توصیفی میں تھا اضافت والی ترکیب میں بھی وہی معنی ہے۔ نیز اسی طرح عربی میں کہتے ہیں جَانِبُ الْغَرْبِيِّ، یہ بھی اصل میں موصوف صفت تھے، اَلْجَانِبُ الْغَرْبِيُّ، پھر اس موصوف کی اضافت کر دی گئی تو جَانِبُ الْغَرْبِيِّ ہوا۔ اسی طرح صَلَاةُ الْأُولَىٰ اصل میں تھا اَلصَّلَاةُ الْأُولَىٰ۔ اَلصَّلَاةُ موصوف تھا اور اَلْأُولَىٰ اس کی صفت، اور پھر اضافت کر دی گئی صَلَاةُ الْأُولَىٰ، اور بعینہٖ اس کا وہی معنی ہے جو موصوف صفت والی ترکیب کا تھا۔ اور اسی طرح اَلْبَقْلَةُ الْحَمْقَاءُ تھا، پھر اس کی اضافت کر دی گئی اور بَقْلَةُ الْحَمْقَاءِ اضافت کے ساتھ کہتے ہیں، اور معنی ابھی بھی وہی ہے جو ترکیبِ توصیفی والا تھا۔ تو صاحبِ کافیہ پر اعتراض ہوتا ہے کہ اے صاحبِ کافیہ آپ نے تو کہا موصوف کی اضافت صفت کی طرف جائز نہیں، جب کہ ہم نے عربوں سے سنا ہے مَسْجِدُ الْجَامِعِ، جَانِبُ الْغَرْبِيِّ، صَلَاةُ الْأُولَىٰ اور بَقْلَةُ الْحَمْقَاءِ وغیرہ جیسی مثالوں میں۔

اور نیز دوسرا ضابطہ آپ نے بتایا تھا کہ صفت کی اضافت موصوف کی طرف نہیں کی جاتی، لیکن ہم نے عربوں سے سنا ہے، جیسے ثِيَابٌ أَخْلَاقٌ یہ آپس میں موصوف صفت تھے، اور أَخْلَاقٌ کا معنی پرانے۔ تو ثِيَابٌ أَخْلَاقٌ ایسے کپڑے جو پرانے ہیں۔ تو اب أَخْلَاقٌ صفت تھی لیکن اس کو موصوف پر مقدم کر کے اس موصوف کی طرف اس صفت کی اضافت کر دی گئی۔ چنانچہ عربوں سے ہم نے سنا ہے وہ أَخْلَاقُ ثِيَابٍ بھی کہتے ہیں۔ اسی طرح قَطِيفَةٌ جَرْدٌ۔ قَطِيفَةٌ مخملی چادر کو کہتے ہیں، وہ کپڑا جس پر چھوٹے چھوٹے باریک بال ہوتے ہیں، اور جَرْدٌ کا معنی ہے بے بال یعنی گھسی ہوئی، جو گھس گئی ہے، بال جس کے اڑ گئے ہیں۔ تو قَطِيفَةٌ جَرْدٌ، قَطِيفَةٌ موصوف تھا اور جَرْدٌ اس کی صفت، لیکن ہم نے عربوں سے سنا ہے کہ یہ جَرْدٌ صفت کو وہ مقدم کر کے موصوف کی طرف اس کی اضافت کر کے جَرْدُ قَطِيفَةٍ کہتے ہیں۔ تو صاحبِ کافیہ پر اعتراض ہوا کہ آپ نے تو کہا صفت کی اضافت موصوف کی طرف جائز نہیں، حالانکہ ہم نے عربوں سے جَرْدُ قَطِيفَةٍ اور أَخْلَاقُ ثِيَابٍ سنا ہے، اور اس قسم کی ترکیبوں میں صفت کی اضافت ہو رہی ہے موصوف کی طرف۔

تو صاحبِ کافیہ نے ان کا جواب دیا تھا کہ ان میں تاویل کی گئی ہے۔ چنانچہ وہ فرماتے ہیں مَسْجِدُ الْجَامِعِ یہ اصل میں ہے مَسْجِدُ الْوَقْتِ الْجَامِعِ، مَسْجِدُ الْوَقْتِ الْجَامِعِ، یعنی وہ وقت جو لوگوں کو جمع کرنے والا ہے یعنی جمعہ کا دن جو ہے اس کی مسجد، یعنی جس میں جمعہ کی نماز ادا کی جاتی ہے۔ اور جَانِبُ الْغَرْبِيِّ اس میں تاویل کی گئی ہے جَانِبُ الْمَكَانِ الْغَرْبِيِّ۔ وَصَلَاةُ الْأُولَىٰ اور اس میں تاویل کی گئی ہے صَلَاةُ السَّاعَةِ الْأُولَىٰ، تو اَلْأُولَىٰ صَلَاةُ کی صفت نہیں ہے بلکہ اَلسَّاعَةُ کی صفت ہے۔ تو معنی ہے صَلَاةُ السَّاعَةِ الْأُولَىٰ، پہلی گھڑی کی نماز، یعنی زوال کے بعد جو پہلی گھڑی ہے مراد ظہر کی نماز ہے، یا اس سے مراد ہر وہ نماز ہے جو اول وقت میں باجماعت ادا کی جاتی ہے۔ اور بَقْلَةُ الْحَمْقَاءِ اس میں تاویل کی گئی ہے بَقْلَةُ الْحَبَّةِ الْحَمْقَاءِ، تو اَلْحَمْقَاءُ بَقْلَةٌ کی صفت نہیں ہے بلکہ اَلْحَبَّةُ کی صفت ہے، اور حَبَّةٌ بیج کو کہتے ہیں۔ اور میں نے بتایا تھا بَقْلَةٌ سبزی اور ترکاری

کو کہتے ہیں، تو بَقْلَةُ الْحَبَّةِ الْحَمْقَاءِ حماقت والے بیج کی ترکاری، چونکہ یہ سیلاب کے بہنے کی جگہوں میں اگتی ہے اور نیز راستے میں قدموں کے روندنے کے مقام میں یہ اگتی ہے، اس لیے اس کو بَقْلَةُ الْحَمْقَاءِ کہتے ہیں، کیونکہ یہ ایسی جگہ اگتی ہے جہاں اس کا نقصان ہی نقصان ہے، قدموں تلے روندی جائے گی یا پھر سیلاب کا پانی آکر اس کو بہا کر لے جائے گا۔ تو میں نے بتایا لغت کی کتابوں میں اردو کے اندر اس کا نام جو ہے خرفے کا ساگ لکھا ہے، تو یہ کوئی خاص ساگ کی قسم ہوگی، تو یہ بَقْلَةُ الْحَمْقَاءِ ہے بھئی۔

تو مَسْجِدُ الْجَامِعِ میں کیا تاویل کی؟ مَسْجِدُ الْوَقْتِ الْجَامِعِ۔ تو یہ اَلْجَامِعُ مسجد کی صفت ہی نہیں ہے، یہ تو اَلْوَقْتُ کی صفت ہے، اور نیز مسجد کی اضافت اَلْجَامِعُ کی طرف ہو ہی نہیں رہی، مسجد کی اضافت تو اَلْوَقْتُ کی طرف ہو رہی ہے۔ تو بہرحال مَسْجِدُ الْجَامِعِ کس تاویل میں ہے؟ مَسْجِدُ الْوَقْتِ الْجَامِعِ۔ اور پھر اس میں صاحبِ جامی نے بتلایا تھا کہ علمائے نحو نے یہ ذکر کیا ہے، اس کے دو معنی ہو سکتے ہیں۔ علمائے نحو نے کیا لکھا ہے کہ مَسْجِدُ الْجَامِعِ یہ کس معنی میں ہے؟ مَسْجِدُ الْوَقْتِ الْجَامِعِ کے معنی میں ہے۔ تو اس کے دو معنی ہو سکتے ہیں۔ ایک معنی یہ کہ یہاں وَقْتٌ کا لفظ مقدر ہے اور اَلْمُقَدَّرُ كَالْمَذْكُورِ، مقدر بھی کس کی طرح ہوتا ہے؟ مذکور کی طرح، گویا یہاں وَقْتٌ کا لفظ مذکور ہے اور پھر اس طرح دو وجہوں سے جواب بن جائے گا۔ اعتراض کیا تھا؟ مَسْجِدُ الْجَامِعِ، موصوف کی اضافت ہو رہی ہے صفت کی طرف، تو جواب یہ کہ مَسْجِدُ الْوَقْتِ الْجَامِعِ، کہ مسجد کی اضافت اَلْجَامِعُ کی طرف ہو ہی نہیں رہی، مسجد کی اضافت تو اَلْوَقْتُ کی طرف ہو رہی ہے، اور نیز اَلْجَامِعُ وہ مسجد کی تو صفت ہی نہیں ہے وہ تو اَلْوَقْتُ کی صفت ہے، تو دو وجہوں سے جواب ہو گیا۔ اور دوسری صورت یہ ہے، دوسرا معنی اس کا یہ ہو سکتا ہے مَسْجِدُ الْوَقْتِ الْجَامِعِ کا، کہ یہاں پر اَلْوَقْتُ کا لفظ محذوف ہے یعنی پہلے تھا اب جا چکا ہے، اور اَلْجَامِعُ نے اس کی جگہ پکڑ لی ہے، اور یہ صفاتِ غالبہ کے درجے میں ہو گیا۔ یہ اَلْجَامِعُ کس کے درجے میں ہو گیا؟ صفاتِ غالبہ، وہ صفتیں جہاں پر موصوف کو ذکر کیے بغیر ہی وہ موصوف پر بھی دلالت کر دیتی ہیں، جیسے أَسْوَدُ کا معنی تھا ہر کالی چیز لیکن میں نے بتایا آہستہ آہستہ یہ کالے رنگ کے سانپ کا نام پڑ گیا، اب صرف أَسْوَدُ کہو تو یہ اس سانپ پر دلالت کر دیتی ہے، یہاں موصوف کو ذکر کرنے کی ضرورت نہیں۔ تو یہاں پر بھی اَلْجَامِعُ کہو تو اس سے اَلْوَقْتُ الْجَامِعُ مراد ہوتا ہے، یعنی یہ اَلْجَامِعُ یہ اَلْوَقْتُ الْجَامِعُ کے قائم مقام ہو گئی، اَلْجَامِعُ سے کیا سمجھ میں آتا ہے؟ اَلْوَقْتُ الْجَامِعُ۔ دیکھو موصوف کو ذکر نہیں کیا لیکن خود بخود اس سے سمجھ میں آجاتا ہے، تو یہ صفت گویا مشتمل ہو گئی موصوف پر بھی۔ پہلے کیا معنی بیان کیا؟ کہ مسجد کی اضافت اَلْوَقْتُ کی طرف ہے، اَلْجَامِعُ کی طرف نہیں، اور دوسرا معنی یہ ہو سکتا ہے کہ اَلْوَقْتُ تھا یہاں وہ جا چکا، اَلْجَامِعُ نے اس کی جگہ پکڑ لی اور مسجد کی اضافت اَلْجَامِعُ کی طرف ہی ہے۔ مسجد کی اضافت اَلْجَامِعُ کی طرف ہی ہے، البتہ اَلْجَامِعُ مسجد کی صفت نہیں ہے بلکہ اَلْوَقْتُ کی صفت ہے۔ تو پہلی صورت میں دو وجہوں سے جواب تھا کہ مسجد کی اضافت اَلْجَامِعُ کی طرف ہے ہی نہیں بلکہ اَلْوَقْتُ کی طرف ہے، لیکن یہاں ایسا نہیں ہے، اس صورت میں مسجد کی اضافت اَلْجَامِعُ کی طرف ہی ہے اور نیز اس میں کہ اَلْجَامِعُ مسجد کی صفت نہیں ہے بلکہ وقت کی صفت ہے اور وہ چیز یہاں پر بھی ہے کہ یہ اَلْجَامِعُ

مسجد کی صفت نہیں ہے، مضافٌ الیہ تو ہے لیکن مسجد کی صفت نہیں بلکہ اَلْوَقْتِ مَحْذُوفٍ کی صفت ہے۔ بات سمجھ میں آگئی۔ اور کہتے ہیں یہی دونوں احتمال جاری ہوں گے بَقْلَةُ الْحَمْقَاءِ میں بھی اور صَلَاةُ الْأُولَىٰ کے اندر بھی۔ بات سمجھ میں آگئی۔

البتہ، البتہ جَانِبُ الْغَرْبِيِّ کے اندر یہ تاویل جاری نہیں ہو سکتی، اس لیے کیونکہ جَانِبُ الْغَرْبِيِّ کے ذریعے مقصود کیا ہے؟ جَانِبٌ کو غَرْبِيٌّ کے ساتھ موصوف کرنا مقصود ہے کہ مغربی جانب۔ کیا معنی ہے جَانِبُ الْغَرْبِيِّ کا؟ مغربی جانب، تو جَانِبٌ کو مغربی کے ساتھ موصوف کرنا مقصود ہے، اور اگر آپ کی تاویل لی جائے تو کیا بن جائے گا؟ جَانِبُ الْمَكَانِ الْغَرْبِيِّ۔ معلوم ہوا مَكَانٌ کو مغربی کے ساتھ موصوف کرنا مقصود ہے اور اس مکان کی ایک جانب جو ہے وہ ذکر ہو رہی ہے۔ کیسے؟ جَانِبُ الْمَكَانِ الْغَرْبِيِّ، ایسا مکان جو مغربی ہے اس کی ایک جانب۔ دیکھو جَانِبُ الْمَكَانِ الْغَرْبِيِّ، مَكَانٌ اور اَلْغَرْبِيٌّ کیا بن گئے؟ موصوف صفت، مغربی مکان، اور اس کی طرف جَانِبٌ مضاف ہو رہا ہے، تو مغربی مکان کی جانب، یعنی ایسا مکان جو مغربی طرف ہے اس کی ایک جانب۔ تو یہاں پر دیکھو جَانِبُ الْغَرْبِيِّ کے اندر اس جانب کو مغربی کے ساتھ موصوف کرنا مقصود ہے، وہ مکان جو ہے جس کی یہ جانب ہے اس مکان کو مغربی کے ساتھ موصوف کرنا مقصود نہیں ہے۔ تو ہاں کہتے ہیں البتہ اس کا ایک کمزور یہ جواب دیا جا سکتا ہے کہ یہاں دو قسم کے مکان ہیں، ایک کل ایک جزء۔ جیسے میں نے وہ مثال سمجھائی تھی آپ کو کہ آپ ایک ڈبہ بنا لیں کاپی پر، یہ ڈبہ مثلاً یہ کل ہے اور اس کل کی مغربی جانب جو ہے ایک اندر ہی کی طرف ایک اور جز بھی آپ بنا لیں، تو یہ کل ہوا اور وہ ایک مغربی طرف کیا ہوا؟ جز ہوا، یہ کل بھی مکان اور یہ جز بھی اس کا مکان، اور یہ جو جز ہے یہ مغربی مکان ہے۔ یہ کیا ہے؟ مغربی طرف ہے نا، تو یہ کل بھی مکان اور وہ جز بھی مکان اور وہ جز کس جانب ہے؟ مغربی طرف ہے، تو یہ مغربی مکان ہوا، اور جانب بھی یہی ہے، یہی، یعنی یہ جو جانب کی دیکھو جَانِبُ الْمَكَانِ الْغَرْبِيِّ، تو آپ نے تاویل کیا کی کہ غَرْبِيٌّ کو جَانِبٌ کی صفت نہیں بنایا بلکہ کس کی صفت بنایا؟ مکان کی۔ معلوم ہوا مکان مغربی ہے، جانب ایسی، جانب مغربی نہیں، تو مکان مغربی ہے اور یہ کل کے اندر یہ جو جز ہے یہ بھی کون سا جز ہے؟ مغربی مکان ہے، مغربی جانب، مغرب کی طرف ہے، تو یہ مغربی مکان ہوا، اور یہ جو جانب کی اضافت ہو رہی ہے نا مکان کی طرف، یہ اضافتِ بیانی ہے۔ جانب کی جو اضافت ہو رہی ہے جَانِبُ الْمَكَانِ الْغَرْبِيِّ، مغربی مکان کی جانب، ترجمہ سمجھ میں آرہا ہے؟ جَانِبُ الْمَكَانِ الْغَرْبِيِّ، مغربی مکان کی جانب۔ تو لہٰذا اس کے اندر یہ جو جانب کی اضافت ہو رہی ہے مکان کی طرف یہ اضافتِ بیانیہ ہے، اور میں نے بتایا تھا اضافتِ بیانیہ کسے کہتے ہیں؟ جس میں مضاف اور مضافٌ الیہ ایک ہی ہوتے ہیں، مضافٌ الیہ مضاف ہی کا بیان کرتا ہے۔ تو معلوم ہوا وہ جو مکانِ غربی ہے وہ جو جز ہے، وہ جو آپ نے مکانِ کل بنایا اور ایک جز، یہ جز کیا ہے؟ یہ مکانِ غربی ہے۔ یہ مکانِ غربی ہے اور یہی جانب بھی ہے، یہ اس کل کی ایک جانب بھی ہے اور مغربی مکان بھی ہے۔ تو ایسی جانب جو کہ مغربی مکان ہے، بات سمجھ میں آگئی۔ تو گویا دو مکان ہو گئے، جز بھی اور کل بھی، اور یہ جز جو ہے یہ مغربی ہے اور یہ یہی وہ جانب بھی ہے بھئی۔ تو بہرحال یہ کمزور سا جواب دیا

صاحبِ جامی نے۔ بات سمجھ میں آگئی۔

اور دوسرا ضابطہ صاحبِ کافیہ کا یہ تھا کہ صفت کی اضافت بھی موصوف کی طرف نہیں کی جا سکتی، اس پر بھی اعتراض ہوتا تھا کہ ہم نے تو عربوں سے سنا ہے کہ وہ جَرْدُ قَطِيفَةٍ کہتے ہیں اور وہ أَخْلَاقُ ثِيَابٍ کہتے ہیں اور اس میں تو صفت

کی اضافت ہو رہی ہے موصوف کی طرف۔ تو اس میں بھی صاحبِ کافیہ نے فرمایا کہ تاویل کی گئی ہے۔ کیا تاویل کی گئی ہے وہ صاحبِ جامی نے بیان کی۔ صاحبِ جامی فرماتے ہیں کہ اصل میں تھا ثِيَابٌ أَخْلَاقٌ، ثِيَابٌ موصوف تھا أَخْلَاقٌ اس کی صفت۔ پھر اس موصوف ثِيَابٌ کو حذف کر لیا گیا اور یہ أَخْلَاقٌ رہ گیا، اور یہ صفت ہے، پھر یہ جو صفت ہے یہ اسم کے درجے میں ہو گئی۔ یہ کس کے درجے میں ہو گئی؟ اسم، بھئی صفت کے لیے موصوف ضرور چاہیے، یا لفظوں میں ہوگا یا مقدر ہوگا، لیکن یہ پھر گویا کس کے درجے میں ہو گئی؟ اسم کے درجے میں ہو گئی۔ تو یہ اب موصوف کا تقاضا نہیں کر رہا۔ لیکن کیا چیز پرانی ہے بھئی، اس کی جنس کا پتا نہیں چل رہا، کوئی چیز ہے جو پرانی ہے لیکن جنس کیا ہے پتا نہیں۔ تو لہٰذا پھر اس کی اضافت ثِيَابٌ کی طرف کر دی، تو اب اس کی جنس کا پتا چل گیا۔ کہتے ہیں یہ اسی طرح ہے جیسے خَاتَمُ فِضَّةٍ، چاندی کی انگوٹھی۔ صرف خَاتَمٌ کہو تو جنس کا پتا نہیں چلتا کہ کس چیز کی ہے یہ انگوٹھی، اور جب فِضَّةٍ کی طرف اضافت کی تو جنس کا پتا چل گیا کہ یہ انگوٹھی چاندی کی ہے۔ یہاں پر بھی جب صرف أَخْلَاقٌ تھا تو پتا نہیں چل رہا تھا یہ پرانی چیز کون سی ہے، تو آگے اس کی اضافت جب ثِيَابٌ کی طرف کر دی تو پتا چلا کہ یہ پرانی جنس کیا ہے؟ کپڑوں کی جنس مراد ہے، کسی اور چیز کی جنس مراد نہیں۔ اسی طرح قَطِيفَةٌ جَرْدٌ، گھسی ہوئی مخملی چادر، یہ بوسیدہ مخملی چادر بھئی۔ اب اس کے اندر بھی قَطِيفَةٌ کو حذف کر دیا گیا اور پھر جَرْدٌ رہ گیا، اور پھر یہ اسم کے درجے میں ہوا۔ جب یہ اسم کے درجے میں ہوا، گھسی ہوئی چیز، بھئی کیا چیز ہے جنس کا پتا نہیں چل رہا، تو پھر اس کی اضافت قَطِيفَةٌ کی طرف کر دی گئی، تو جَرْدُ قَطِيفَةٍ ہوا، اور اب جنس کا پتا چل گیا کہ یہ گھسی ہوئی چیز کس جنس سے ہے؟ مخملی چادر کی جنس سے ہے، یہ بے بال چیز کس جنس سے ہے؟ مخملی چادر کی جنس سے ہے۔ بات سمجھ میں آگئی۔ تو یہ جواب صاحبِ جامی ذکر کریں گے۔ دیکھیے بھئی اب آج کے سبق پر۔

کہتے ہیں وَيَرِدُ عَلَى الْقَاعِدَةِ الثَّانِيَةِ اور اعتراض وارد ہوتا ہے دوسرے قانون پر، وَهُوَ قَوْلُهُ اور وہ صاحبِ کافیہ کا یہ قول ہے، وَلَا صِفَةٌ إِلَى مَوْصُوفِهَا اور صفت کی اضافت بھی موصوف کی طرف نہیں ہو سکتی۔ اس پر اعتراض وارد ہوتا ہے، مِثْلُ جَرْدُ قَطِيفَةٍ وَأَخْلَاقُ ثِيَابٍ، جَرْدُ قَطِيفَةٍ اور أَخْلَاقُ ثِيَابٍ کا اعتراض ہوتا ہے، اس لیے کیونکہ ان کے اندر یہ جَرْدٌ صفت ہے جس کی اضافت قَطِيفَةٌ موصوف کی طرف ہو رہی ہے، اور أَخْلَاقُ ثِيَابٍ میں یہ أَخْلَاقٌ صفت ہے جس کی اضافت ثِيَابٌ موصوف کی طرف ہو رہی ہے۔ تو کہتے ہیں فَإِنَّ أَصْلَهُمَا قَطِيفَةٌ جَرْدٌ وَثِيَابٌ أَخْلَاقٌ، اس لیے کیونکہ ان دونوں کی اصل جو ہے قَطِيفَةٌ جَرْدٌ اور ثِيَابٌ أَخْلَاقٌ ہے۔ دیکھو قَطِيفَةٌ موصوف ہے اور جَرْدٌ اس کی صفت، اسی طرح ثِيَابٌ موصوف ہے

اور أَخْلَاقٌ اس کی صفت۔ پھر قُدِّمَتِ الصِّفَةُ عَلَى الْمَوْصُوفِ، پھر اس صفت کو موصوف پر مقدم کر دیا گیا، وَأُضِيفَ إِلَيْهِ، اور پھر اس صفت کی اس موصوف کی طرف اضافت کر دی گئی۔ وَأُجِيبَ عَنْهُ بِأَنَّهُ مُتَأَوَّلٌ، اور اس اعتراض سے یہ جواب دیا گیا ہے کہ اس میں تاویل کی گئی ہے، بِأَنَّهُمْ حَذَفُوا قَطِيفَةً مِنْ قَوْلِهِمْ قَطِيفَةٌ جَرْدٌ، کہ عربوں نے حذف کر لیا قَطِيفَةٌ کو، مِنْ قَوْلِهِمْ قَطِيفَةٌ جَرْدٌ، قَطِيفَةٌ جَرْدٌ سے۔ توجہ ہے؟ وہی بات جو میں نے ذکر کی تھی بیان کریں گے کہ اصل میں کیا تھا؟ قَطِيفَةٌ جَرْدٌ، پھر قَطِيفَةٌ موصوف کو کیا کر دیا؟ حذف کر دیا تو جَرْدٌ رہ گیا، اور جَرْدٌ کیا ہے؟ صفت ہے، پھر یہ کس کے درجے میں ہو گئی؟ اسم کے درجے میں۔ جب اسم کے درجے میں ہوئی تو اب اتنا تو پتا چل رہا ہے کہ بوسیدہ اور گھسی ہوئی کوئی چیز ہے لیکن کیا چیز ہے جنس کا پتا نہیں، جیسے خَاتَمٌ بولیں تو جنس کا پتا نہیں چلتا، پھر اس کی اب اضافت اس قَطِيفَةٌ کی طرف کر دی وہ جو موصوف حذف کر دیا تھا۔ بات سمجھ میں آگئی اس کی طرف۔ تو کہتے ہیں بِأَنَّهُمْ حَذَفُوا قَطِيفَةً مِنْ قَوْلِهِمْ قَطِيفَةٌ جَرْدٌ، بایں صورت کہ عربوں نے قَطِيفَةٌ کو حذف کر لیا اپنے اس قول قَطِيفَةٌ جَرْدٌ سے، حَتَّىٰ صَارَ كَأَنَّهُ اسْمٌ غَيْرُ صِفَةٍ، تو یہ جَرْدٌ جو ہے ایسے ہی ہو گیا گویا کہ یہ اسم ہو، غَيْرُ صِفَةٍ، صفت نہ ہو۔ فَلَمَّا قَصَدُوا تَخْصِيصَهُ، پس جب پھر جب انہوں نے اس کی تخصیص کا ارادہ کیا، لِكَوْنِهِ صَالِحًا لِأَنْ يَكُونَ قَطِيفَةً وَغَيْرَهَا، اس لیے کیونکہ اس میں صلاحیت ہے کہ یہ ہو سکتا ہے قَطِيفَةٌ ہو یا غیرِ قَطِيفَةٌ ہو، مِثْلَ خَاتَمٍ، جیسے کہ انگوٹھی ہے، فِي كَوْنِهِ صَالِحًا لِأَنْ يَكُونَ فِضَّةً وَغَيْرَهَا، کیونکہ انگوٹھی میں بھی صلاحیت ہے کہ ہو سکتا ہے وہ چاندی ہو یا چاندی کے علاوہ ہو، تو چنانچہ جب انہوں نے تخصیص کا ارادہ کیا تو أَضَافُوهُ إِلَىٰ جِنْسِهِ الَّذِي يَتَخَصَّصُ بِهِ، تو پھر انہوں نے اس جَرْدٌ کی اضافت کر دی اس کی جنس کی طرف اَلَّذِي يَتَخَصَّصُ بِهِ جس کے ذریعے اس میں تخصیص آگئی، كَمَا أَضَافُوا خَاتَمًا إِلَىٰ فِضَّةٍ، جیسے عربوں نے خَاتَمٌ کی اضافت کی فِضَّةٌ کی طرف۔ فَلَيْسَ إِضَافَتُهُ إِلَيْهَا مِنْ حَيْثُ إِنَّهُ صِفَةٌ لَهَا، تو یہ جو جَرْدٌ کی اضافت قَطِيفَةٌ کی طرف ہو رہی ہے یہ اس حیثیت سے اضافت نہیں ہے کہ یہ جَرْدٌ صفت ہے اور قَطِيفَةٌ اس کا موصوف ہے، بلکہ یہ اس حیثیت سے اضافت ہو رہی ہے کہ یہ قَطِيفَةٌ اس کی جنس ہے۔ یہ اس کی جنس ہے، تو یہ معنی ہے۔ کہتے ہیں فَلَيْسَ إِضَافَتُهُ إِلَيْهَا مِنْ حَيْثُ إِنَّهُ صِفَةٌ لَهَا، تو یہ جو جَرْدٌ کی اضافت ہو رہی ہے قَطِيفَةٌ کی طرف یہ اس حیثیت سے نہیں ہے کہ یہ جَرْدٌ اس قَطِيفَةٌ کی صفت ہے، بَلْ مِنْ حَيْثُ إِنَّهُ جِنْسٌ مُبْهَمٌ، بلکہ جَرْدٌ کی اضافت ہو رہی ہے قَطِيفَةٌ کی طرف اس حیثیت سے کہ جَرْدٌ ایک جنسِ مبہم ہے، أُضِيفَ إِلَيْهَا، اس کی اضافت قَطِيفَةٌ کی طرف کر دی گئی، لِيَتَخَصَّصَ، تاکہ یہ تخصیص پا لے، تخصیص حاصل کر لے۔ وَعَلَىٰ هٰذَا الْقِيَاسِ أَخْلَاقُ ثِيَابٍ، اور اسی قیاس پر ہے أَخْلَاقُ ثِيَابٍ بھی۔ بات سمجھ میں آگئی۔

اب آگے دیکھیے بھئی، صرف متن متن دیکھیے۔ کہتے ہیں: وَلَا يُضَافُ اسْمٌ مُمَاثِلٌ لِلْمُضَافِ إِلَيْهِ فِي الْعُمُومِ وَالْخُصُوصِ كَلَيْثٍ وَأَسَدٍ وَحَبْسٍ وَمَنْعٍ لِعَدَمِ الْفَائِدَةِ بِخِلَافِ كُلُّ الدَّرَاهِمِ وَعَيْنُ الشَّيْءِ فَإِنَّهُ يَخْتَصُّ بِهِ۔ عبارت مل گئی بھئی؟ اب دیکھیے ایک اور الگ ضابطہ بیان کر رہے ہیں صاحبِ کافیہ۔ پہلے متن متن دیکھیے، کہتے ہیں وَلَا يُضَافُ اسْمٌ مُمَاثِلٌ لِلْمُضَافِ إِلَيْهِ،

جی بلکہ پہلے سمجھ لیجیے۔ یہاں سے صاحبِ کافیہ آپ کو بتلائیں گے کہ یاد رکھو ایک ہے مضاف اور ایک ہے مضافٌ الیہ۔ یاد رکھو مضاف اور مضافٌ الیہ کو عموم اور خصوص میں برابر نہیں ہونا چاہیے ورنہ اضافت کا کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ مضاف اور مضافٌ الیہ کو عموم اور خصوص میں ایک جیسا نہیں ہونا چاہیے ورنہ اضافت کا کوئی فائدہ نہیں ہوگا، تو یہ اضافت صحیح نہیں اگر دونوں عموم و خصوص میں ایک جیسے ہوں، مضاف میں بھی اتنا ہی عموم ہے جتنا مضافٌ الیہ میں۔ بھئی دیکھیے یہ جو مضاف ہے اس نے مضافٌ الیہ سے یا تعریف اخذ کرنی ہے یا تخصیص اخذ کرنی ہے، تو اگر مضاف اس کے برابر درجے کا ہے تو نہ یہ اس سے تعریف اخذ کر سکتا ہے اور نہ تخصیص۔ جیسے آگے مثال ذکر کریں گے لَيْثٌ وَأَسَدٌ، لَيْثٌ لام یا اور ثا، تو لَيْثٌ کا معنی بھی شیر، أَسَدٌ کا معنی بھی شیر، تو یہ دونوں مترادف ہیں بھئی، یہ دونوں کیا ہیں؟ لَيْثٌ بھی أَسَدٌ کو کہتے ہیں، وہ حیوانِ مفترس جو چیرنے پھاڑنے والا درندہ ہے، اور أَسَدٌ بھی حیوانِ مفترس اس شیر کو کہتے ہیں، اور دونوں میں ایک ہی برابر عموم و خصوص ہے، یعنی جس پر لَيْثٌ صادق آتا ہے اسی پر أَسَدٌ بھی صادق آتا ہے، تو اب ان کی اضافت کا کوئی فائدہ نہیں۔ آپ مثلاً لَيْثٌ کی اضافت کرتے ہیں أَسَدٌ کی طرف، رَأَيْتُ لَيْثَ أَسَدٍ، میں نے ایک شیر کا شیر دیکھا، کوئی فائدہ ہوا؟ شیر کا شیر، بھئی کوئی فائدہ ہی نہیں ہوا۔ آپ یوں کہہ دیں میں نے ایک شیر دیکھا، میں نے ایک شیر دیکھا، اس کا بھی وہی معنی اور رَأَيْتُ لَيْثَ أَسَدٍ، میں نے شیر کا شیر دیکھا، اس کا بھی وہی معنی ہے۔ تو اضافت کا کوئی فائدہ ہی نہیں ہوا، لہٰذا یہ اضافت جائز نہیں۔ تو دو اسم جو ایک دوسرے کے مشابہ ہوں عموم اور خصوص میں، ان میں سے ایک کی اضافت دوسرے کی طرف جائز نہیں ہے۔ جیسے ایک مثال لَيْثٌ اور أَسَدٌ ذکر کریں گے صاحبِ کافیہ، اور ایک مثال ذکر کریں گے حَبْسٌ وَمَنْعٌ۔ حَبْسٌ کا معنی بھی روکنا، مَنْعٌ کا معنی بھی روکنا، تو یہاں اضافت کریں یا نہ کریں بات ایک ہی رہتی ہے۔ آپ صرف حَبْسٌ کہہ دیں اس کا معنی بھی روکنا، آپ صرف مَنْعٌ کہہ دیں اس کا معنی بھی روکنا، اور آپ حَبْسُ مَنْعٍ کہہ دیں روکنے کا روکنا، کوئی نیا فائدہ آیا ہی نہیں، لہٰذا اس طرح کی اضافت جائز نہیں۔

تو دیکھیے اب متن، کہتے ہیں: وَلَا يُضَافُ اسْمٌ مُمَاثِلٌ لِلْمُضَافِ إِلَيْهِ، اور اضافت نہیں کی جائے گی ایسے اسم کی، مُمَاثِلٌ لِلْمُضَافِ إِلَيْهِ، جو مضافٌ الیہ کے مشابہ ہو، فِي الْعُمُومِ وَالْخُصُوصِ، عموم اور خصوص میں، كَلَيْثٍ وَأَسَدٍ، جیسے لَيْثٌ اور أَسَدٌ، لَيْثٌ کا معنی بھی شیر، أَسَدٌ کا معنی بھی شیر، وَحَبْسٍ وَمَنْعٍ، اور جیسے حَبْسٌ اور مَنْعٌ، حَبْسٌ کا معنی بھی منع کرنا اور مَنْعٌ کا معنی بھی منع کرنا۔ بات سمجھ میں آگئی؟ دو قسم کی مثالیں ذکر کر دیں صاحبِ کافیہ نے، ایک لَيْثٌ وَأَسَدٌ کی اور ایک حَبْسٌ وَمَنْعٌ کی۔ لَيْثٌ وَأَسَدٌ جو ہیں وہ عین کی مثال ہیں اور حَبْسٌ وَمَنْعٌ جو ہے وہ معنی کی مثال ہے۔ دیکھو لَيْثٌ اور أَسَدٌ کسے کہتے ہیں؟ شیر کو، اور شیر کا اپنا الگ وجود ہے خارج میں، شیر کا اپنا الگ وجود ہے، تو یہ مثال ہوئی عین کی۔ عین اس چیز کو کہتے ہیں جس کا اپنا الگ وجود ہو، جیسے پتھر، کتاب، پہاڑ، یہ دیکھو جو جو میں ذکر کر رہا ہوں ان کا اپنا الگ وجود ہے۔ پتھر کا بھی اپنا الگ وجود ہے، انسان کا بھی اپنا الگ وجود ہے، درخت کا بھی اپنا الگ وجود ہے، تو یہ سب کیا ہیں؟ عین۔ عین کسے

کہتے ہیں؟ جس کا اپنا الگ وجود ہو۔ اور ایک ہے معنی، معنی جس کا وجود الگ نہیں ہوتا، وہ ذہن میں آنے والی ایک چیز تو ہے لیکن اس کا اپنا الگ کوئی وجود نہیں ہے۔ جیسے دیکھو حَبْسٌ وَمَنْعٌ، حَبْسٌ وَمَنْعٌ معنی کی مثالیں ہیں، یہ دونوں مصدر ہیں۔ حَبْسٌ کا معنی بھی منع کرنا، روکنا، اور مَنْعٌ کا معنی بھی منع کرنا اور روکنا، تو یہ دونوں مصدر ہیں اور یہ میں پہلے بیان کر چکا ہوں کہ مصدر ایک معنی کا نام ہے اس کا خارج میں کوئی وجود نہیں۔ اس کا خارج میں کوئی وجود نہیں، جیسے دیکھو ہنسنا، ہنسنا مصدر ہے، اور آپ کو خارج میں کبھی ہنسنا نظر نہیں آئے گا، کیونکہ یہ کیا ہے؟ ایک معنی ہے۔ ہاں آپ کو جو نظر آئے گا وہ اس ہنسنے کے فعل سے جو صورت حاصل ہوگی وہ نظر آئے گی یعنی آپ کو ہنسی نظر آئے گی۔ ہنسنا نہیں، ہنسنا تو ایک فعل ہے اس کا تو خارج میں وجود ہی نہیں ہے، جب خارج میں وجود ہی نہیں ہے تو نظر کیسے آئے گا؟ ہاں اس ہنسنے کے فعل سے ایک صورت بن گئی اور اس کو کیا کہتے ہیں؟ ہنسی۔ یہ ہے حاصل بالمصدر۔ مصدر سے جو صورت اور ہیئت حاصل ہوئی اس کو کیا کہتے ہیں؟ حاصل بالمصدر۔ تو خارج میں آپ کو ہنسنا نہیں نظر آتا ہنسی نظر آتی ہے، اور وہ مصدر نہیں ہے وہ حاصل بالمصدر ہے۔ اسی طرح خارج میں آپ کو دوڑنا نہیں نظر آتا، خارج میں آپ کو دوڑ نظر آتی ہے، کیونکہ دوڑنا یہ ہے مصدر اور اس دوڑنے کے فعل سے جو صورت بنی اس کو کیا کہتے ہیں؟ دوڑ کہتے ہیں، تو آپ کو دوڑ نظر آرہی ہے خارج میں دوڑنا نظر نہیں آ رہا۔ تو مصدر کا خارج میں کوئی وجود نہیں، لہٰذا مصدر دکھائی نہیں دے گا، ہاں مصدر سے جو ہیئت اور صورت حاصل ہوگی جسے حاصل بالمصدر کہتے ہیں وہ ہمیں خارج میں نظر آتی ہے۔ تو یہاں پر بھی ایک مثال ذکر کی لَيْثٌ وَأَسَدٌ کی، لَيْثٌ وَأَسَدٌ عین ہیں، ان کا اپنا الگ خارج میں وجود ہے، یہ ہمیں آنکھوں سے دکھائی دیتے ہیں، اور ایک ہے حَبْسٌ وَمَنْعٌ، اور حَبْسٌ وَمَنْعٌ یہ تو مصدر ہیں اور مصدر کا تو خارج میں کوئی وجود نہیں، وہ تو صرف معنی کا نام ہے، تو ایک مثال عین کی ذکر کی اور ایک مثال معنی کی ذکر کر دی۔ تو کہتے ہیں كَلَيْثٍ وَأَسَدٍ، جیسے کہ لَيْثٌ اور أَسَدٌ جو ہے، وَحَبْسٍ وَمَنْعٍ، اور جیسے حَبْسٌ اور مَنْعٌ جو ہیں، لِعَدَمِ الْفَائِدَةِ، یہ ایک اسم جب دوسرے اسم کے مشابہ ہو تو اضافت نہیں کی جائے گی، لِعَدَمِ الْفَائِدَةِ، فائدہ نہ ہونے کی وجہ سے۔

بِخِلَافِ كُلُّ الدَّرَاهِمِ وَعَيْنُ الشَّيْءِ فَإِنَّهُ يَخْتَصُّ بِهِ، بخلاف كُلُّ الدَّرَاهِمِ اور عَيْنُ الشَّيْءِ، اس لیے کیونکہ اس کے اندر مضاف جو ہے وہ خاص ہو جاتا ہے مضافٌ الیہ کی وجہ سے یعنی اس میں مضافٌ الیہ کی وجہ سے اختصاص آجاتا ہے۔ جیسے دیکھو كُلُّ الدَّرَاهِمِ، كُلُّ الدَّرَاهِمِ کا کیا معنی؟ سارے درہم، كُلُّ الدَّرَاهِمِ کا معنی سارے درہم۔ اب یہاں دیکھو كُلٌّ کی اضافت ہو رہی ہے اَلدَّرَاهِمُ کی طرف اور كُلٌّ وہ عام ہے، عام ہے۔ كُلٌّ کا معنی سارا کا سارا، بھئی کیا چیز ساری مراد ہے؟ وہ درہم بھی ہو سکتے ہیں، دینار بھی ہو سکتے ہیں، کتابیں بھی ہو سکتی ہیں، قلم بھی ہو سکتے ہیں، تو كُلٌّ جو ہے وہ عام تھا، پھر اَلدَّرَاهِمُ جو ہیں وہ خاص تھے ان کی طرف اضافت کی کہ کس چیز کی ساری مقدار مراد ہے؟ دراہم کی، تو اب اس میں دیکھو اختصاص آگیا، اب كُلٌّ سے ہر چیز مراد نہیں ہے بلکہ دراہم مراد ہیں، دراہم کی ساری مقدار مراد ہے، تو لہٰذا یہ جائز ہے۔ اسی طرح وَعَيْنُ الشَّيْءِ۔ عَيْنُ الشَّيْءِ، دیکھو اَلشَّيْءُ، الف لام اس پر ہے اَلشَّيْءُ پر، کوئی خاص اور معین چیز مراد ہے، اَلشَّيْءُ

سے کیا مراد ہے؟ خاص اور معین چیز مراد ہے، اور عَيْنٌ مضاف ہے،

اور عین کا تو معنی ہے کوئی بھی چیز جس کا وجود ہو۔ تو اس میں عموم تھا لیکن اَلشَّيْءُ خاص ہے، کوئی خاص معین چیز۔ تو اس کی طرف جب اضافت کی تو عَيْنٌ جو ہے اس کے اندر بھی اختصاص آگیا، معلوم ہوا بِعَيْنِهِ وہ شے اس کا وجود مراد ہے، کسی اور شے کا وجود مراد نہیں۔ عَيْنٌ کیا تھا؟ عَيْنٌ کا کیا معنی؟ جس کا اپنا الگ وجود ہو۔ جیسے شیر کا اپنا الگ وجود ہے، پتھر کا اپنا الگ وجود ہے۔ تو عَيْنٌ تو کوئی بھی چیز ہو سکتی ہے جس کا اپنا الگ وجود ہو، درخت بھی ہو سکتا ہے، پتھر بھی ہو سکتا ہے، اور شیر بھی ہو سکتا ہے، انسان بھی ہو سکتا ہے، کوئی اور چیز بھی ہو سکتی ہے، لیکن جب عَيْنٌ کی اضافت کر دی اَلشَّيْءُ کی طرف، معلوم ہوا اس معین شے کا وجود مراد ہے، اور چیزوں کا وجود مراد نہیں۔ تو عَيْنٌ عام تھا اور اَلشَّيْءُ خاص تھا، خاص معین چیز مراد تھی، تو بِعَيْنِهِ یہی چیز یعنی اس کا وجود وہ مراد ہوا، تو اب اس میں کیا آگیا؟ اختصاص آگیا۔ بات سمجھ میں آگئی۔ جیسے كُلٌّ بھی کیا تھا؟ عام تھا، كُلٌّ کوئی بھی چیز ہو سکتی تھی، اَلدَّرَاهِمُ کی طرف اضافت کی تو پتا چلا اس كُلٌّ سے ہر چیز ساری نہیں مراد بلکہ سارے درہم مراد ہیں۔ تو دیکھو اس کے اندر بھی اختصاص آگیا۔

تو کہتے ہیں بِخِلَافِ كُلُّ الدَّرَاهِمِ وَعَيْنُ الشَّيْءِ فَإِنَّهُ يَخْتَصُّ بِهِ، بخلاف جب کہ عام کی اضافت ہو رہی ہو خاص کی طرف جیسے كُلُّ الدَّرَاهِمِ اور عَيْنُ الشَّيْءِ ہے، فَإِنَّهُ يَخْتَصُّ بِهِ، کیونکہ اس کے اندر جو مضاف ہے وہ مضافٌ الیہ کی وجہ سے خاص ہو جاتا ہے۔ کیا ہو جاتا ہے؟ خاص، تو وہ جائز ہے۔ عام کی اضافت تو خاص کی طرف جائز ہے، لیکن دو اسم جو ایک دوسرے کے مشابہ ہوں ان میں سے ایک کی اضافت دوسرے کی طرف جائز نہیں ہے۔

اب اس کو شرح کے ساتھ دیکھیں، کہتے ہیں: وَلَا يُضَافُ اسْمٌ مُمَاثِلٌ أَيْ مُشَابِهٌ لِلْمُضَافِ إِلَيْهِ، اور اضافت نہیں کی جاتی ایسے اسم کی جو مماثل ہو یعنی مشابہ ہو مضافٌ الیہ کے، فِي الْعُمُومِ وَالْخُصُوصِ، کس چیز میں مشابہ ہو؟ عموم اور خصوص میں، اس کی اضافت نہیں کی جاتی، إِلَىٰ ذٰلِكَ الْمُضَافِ إِلَيْهِ، اس مضافٌ الیہ کی طرف، سَوَاءٌ كَانَا مُتَرَادِفَيْنِ، بھئی دیکھیے، عموم اور خصوص میں برابر ہونے کی دو صورتیں ہیں۔ یا تو وہ دونوں لفظ ایک دوسرے کے مترادف ہوں گے، یعنی دونوں کا ایک ہی معنی ہوگا، جیسے لَيْثٌ کا معنی بھی شیر، أَسَدٌ کا معنی بھی شیر۔ تو جو دو لفظ جن کا معنی بالکل ایک جیسا ہو ان کو مترادف کہتے ہیں۔ کیا کہتے ہیں؟ تو لَيْثٌ اور أَسَدٌ کیا ہیں؟ مترادف ہیں۔ اسی طرح حَبْسٌ و مَنْعٌ کیا ہیں؟ مترادف ہیں۔ تو چاہے وہ دونوں عموم و خصوص میں برابر ہیں، چاہے وہ دونوں مترادف ہوں، یا مترادف تو نہیں ہیں، لیکن دونوں متساوی ہیں، دونوں کیا ہیں؟ یعنی ایک جس پر صادق آتا ہے دوسرا بھی اس پر صادق آتا ہے، جیسے اَلْإِنْسَانُ اور نَاطِقٌ۔ اَلْإِنْسَانُ اور نَاطِقٌ یہ مترادف نہیں ہیں۔ انسان کسے کہتے ہیں؟ حیوانِ ناطق کو۔ کس کو؟ حیوانِ ناطق، اس کے دو جز ہیں، ایک حیوان اور ایک ناطق، اور ایک صرف ناطق ہے۔ تو انسان وہ حیوانِ ناطق کو کہتے ہیں، اور ناطق وہ اس انسان کا جز ہے کل نہیں۔ تو انسان اور ناطق دونوں کا معنی ایک نہیں ہے۔ انسان کا معنی حیوانِ ناطق اور ناطق یہ انسان کا ایک جز ہے، تو یہ انسان کے مترادف نہیں

ہے۔ ہاں البتہ صدق میں دونوں مساوی ہیں، جو بھی انسان ہوگا وہ ناطق ضرور ہوگا۔ تو دونوں مترادف تو نہیں، کیونکہ ایک کل ہے اور ایک جز ہے، لیکن دونوں صادق ایک جیسے آتے ہیں۔ جس پر بھی انسان صادق آئے گا دنیا کا کوئی بھی انسان لے آئیں، اس پر ناطق بھی صادق آئے گا کہ وہ ناطق بھی ہے۔ تو دونوں انسان اور ناطق مترادف تو نہیں لیکن دونوں مساوی ہیں، کس چیز میں؟ صدق کے اندر، صادق آنے میں، کس چیز میں؟ صادق آنے میں، جس پر ایک صادق آتا ہے اس پر دوسرا بھی صادق آئے گا، جس پر انسان صادق آئے گا اس پر ناطق بھی صادق آئے گا اور جس پر ناطق صادق آئے گا اس پر انسان بھی صادق آئے گا۔ تو یہ دونوں مترادف تو نہیں، دونوں کا معنی تو ایک نہیں، لیکن صدق کے اندر مساوی ہیں۔ جب کہ، جب کہ لَيْثٌ اور أَسَدٌ وہ تو مترادف ہیں، ان کا تو معنی ہی ایک ہے بھئی، لَيْثٌ کا معنی بھی شیر، أَسَدٌ کا معنی بھی شیر، حَبْسٌ اور مَنْعٌ دونوں مترادف ہیں، حَبْسٌ کا معنی بھی منع کرنا اور مَنْعٌ کا معنی بھی منع کرنا ہے۔ بات سمجھ میں آگئی۔

تو کہتے ہیں سَوَاءٌ كَانَا مُتَرَادِفَيْنِ، برابر ہے کہ وہ دونوں اسم مترادف ہوں، كَلَيْثٍ وَأَسَدٍ فِي الْأَعْيَانِ وَالْجُثَثِ، یہ لَيْثٌ اور أَسَدٌ کس میں سے ہیں؟ اعیان اور جثث میں۔ یہ میں نے بتایا یہ لَيْثٌ اور أَسَدٌ عین کی مثال ہے اور حَبْسٌ اور مَنْعٌ کس کی مثال ہے؟ معنی کی مثال ہے۔ تو فِي الْأَعْيَانِ وَالْجُثَثِ، أَعْيَانٌ جمع ہے عَيْنٌ کی، اور جُثَثٌ جمع ہے جُثَّةٌ کی، جُثَّةٌ جس کا جسم ہو، کیا ہو؟ جسم ہو۔ دیکھو لَيْثٌ اور أَسَدٌ شیر کو کہتے ہیں اور شیر کا جسم ہے، اور حَبْسٌ اور مَنْعٌ وہ تو ایک معنی کا نام ہے اس کا کوئی جسم اور وجود نہیں ہے۔ تو کہتے ہیں كَلَيْثٍ وَأَسَدٍ فِي الْأَعْيَانِ وَالْجُثَثِ، یہ اعیان اور جثث میں سے یہ مثال ہے، وَحَبْسٍ وَمَنْعٍ فِي الْمَعَانِي وَالْأَحْدَاثِ، یہ کس میں سے ہیں؟ معانی اور احداث میں سے یہ مثال ہے۔ مَعَانِي وہی مَعْنًى کی جمع، أَحْدَاثٌ یاد رکھو جمع ہے حَدَثٌ کی۔ أَحْدَاثٌ کس کی جمع؟ حَدَثٌ۔ اور حَدَثٌ، توجہ سے سنو، حَدَثٌ کہتے ہیں وہ معنی جو قائم بالغیر ہو، جس کا اپنا الگ وجود نہ ہو۔ حَدَثٌ وہ معنی جو قائم بالغیر ہو، جو کسی غیر کے ساتھ قائم ہو، اس کا اپنا الگ وجود نہ ہو، اور وہ مصدر ہے، حَدَثٌ کیا ہے؟ مصدر ہے۔ میں نے ابھی بتایا مصدر کا اپنا الگ کوئی وجود نہیں، یہ کسی کی صفت ہوتا ہے، جیسے دیکھو دوڑنا، دوڑنا یہ آپ کو خارج میں نظر نہیں آئے گا، یہ ایک معنی ہے، یہ کسی کی صفت ہوگی، مثلاً زید دوڑ رہا ہے، تو یہ دوڑنا زید کی صفت ہے، اور آپ کو دوڑنا نہیں نظر آئے گا آپ کو دوڑ نظر آئے گی، تو یہ دوڑنا ایک حَدَثٌ ہے، کیا ہے؟ حَدَثٌ کسے کہتے ہیں؟ وہ معنی جو قائم بالغیر ہو، غیر کی صفت ہو، اس کا اپنا الگ کوئی وجود نہ ہو۔ تو دوڑنے کا اپنا الگ کوئی وجود نہیں، یہ زید کی صفت ہے، زید ہے تو دوڑنا بھی ہے، زید نہیں تو یہ والا دوڑنا بھی نہیں ہے۔ اسی طرح ہنسنا، عمرو ہنسا، تو یہ ہنسنا عمرو کی صفت ہے، تو ہنسنا اس کا اپنا الگ کوئی وجود نہیں، اس کے لیے کوئی نہ کوئی موصوف ضرور چاہیے، کوئی ہنسنے والا ہوگا تو ہنسنا بھی ہوگا، کوئی ہنسنے والا نہیں تو ہنسنا بھی نہیں، اور آپ کو ہنسنا خارج میں نظر نہیں آتا بلکہ آپ کو خارج میں حاصل بالمصدر یعنی ہنسی نظر آتی ہے۔ تو یہ جو معنی غیر کے ساتھ قائم ہے یعنی یہ جو مصدر ہے اس کو کیا کہتے ہیں؟ حَدَثٌ کہتے ہیں بھئی۔ تو حَدَثٌ مصدر کو کہتے ہیں اور وہ معنی جو غیر کے ساتھ قائم ہو اور اس کا اپنا الگ وجود نہ ہو، اس کی جمع أَحْدَاثٌ ہے بھئی۔

تو کہتے ہیں وَحَبْسٍ وَمَنْعٍ، اور جیسے کہ حَبْسٌ اور مَنْعٌ ہیں، فِي الْمَعَانِي وَالْأَحْدَاثِ، معانی اور احداث میں، أَوْ غَيْرَ مُتَرَادِفَيْنِ، یا وہ دونوں غیرِ مترادف ہوں، بَلْ مُتَسَاوِيَيْنِ فِي الصِّدْقِ، وہ مترادف تو نہیں بَلْ مُتَسَاوِيَيْنِ فِي الصِّدْقِ بلکہ برابر ہیں صدق کے اندر، كَالْإِنْسَانِ وَالنَّاطِقِ، جیسے اَلْإِنْسَانُ اور اَلنَّاطِقُ، تو اس کے اندر بھی اضافت کا کوئی فائدہ نہیں تو اضافت نہیں کریں گے۔ لِعَدَمِ الْفَائِدَةِ فِي ذِكْرِ الْمُضَافِ إِلَيْهِ، اس لیے کیونکہ اس میں کوئی فائدہ نہیں ہے مضافٌ الیہ کے ذکر کرنے میں۔ آپ اگر آپ کہتے ہیں رَأَيْتُ لَيْثَ أَسَدٍ، تو رَأَيْتُ لَيْثًا کا معنی بھی میں نے شیر دیکھا، اور اگر آپ اضافت کرتے ہیں رَأَيْتُ لَيْثَ أَسَدٍ تو یہ مضافٌ الیہ کے لانے کا کوئی فائدہ نہیں، لہٰذا یہ اضافت جائز نہیں۔ یہ معنی ہے لِعَدَمِ الْفَائِدَةِ فِي ذِكْرِ الْمُضَافِ إِلَيْهِ، اس لیے کیونکہ مضافٌ الیہ کے ذکر میں کوئی فائدہ نہیں، فَإِنَّكَ إِذَا قُلْتَ رَأَيْتُ لَيْثَ أَسَدٍ، اس لیے کیونکہ جب آپ یوں کہیں رَأَيْتُ لَيْثَ أَسَدٍ اضافت کے ساتھ، لَا يُفِيدُ إِلَّا مَا يُفِيدُهُ رَأَيْتُ لَيْثًا، تو یہ فائدہ نہیں دیتا مگر وہی جو فائدہ دیتا ہے رَأَيْتُ لَيْثًا، اس سے جو فائدہ ہے، پہلے جملے سے بھی، رَأَيْتُ لَيْثًا سے کیا پتا چلا؟ میں نے شیر دیکھا، اور رَأَيْتُ لَيْثَ أَسَدٍ اس کے اندر مضافٌ الیہ آپ لے آئے لیکن کوئی فائدہ نہیں، اس کا بھی وہی معنی ہے میں نے شیر دیکھا، تو مضافٌ الیہ لانے کا کوئی فائدہ ہی نہیں ہوا۔ تو کہتے ہیں فَإِنَّكَ إِذَا قُلْتَ رَأَيْتُ لَيْثَ أَسَدٍ، جب آپ یوں کہیں رَأَيْتُ لَيْثَ أَسَدٍ اضافت کے ساتھ، لَا يُفِيدُ إِلَّا مَا يُفِيدُهُ رَأَيْتُ لَيْثًا، تو فائدہ نہیں دیتا یہ کلام مگر وہی جو فائدہ دیتا ہے رَأَيْتُ لَيْثًا جو ہے، بِدُونِ ذِكْرِ الْأَسَدِ وَإِضَافَةِ اللَّيْثِ إِلَيْهِ، بغیر أَسَدٌ کا ذکر کیے اور بغیر لَيْثٌ کی اس کی طرف اضافت کیے۔ بھئی دیکھیے عبارت بس سمجھ لیں۔ رَأَيْتُ لَيْثَ أَسَدٍ اس میں آپ نے لَيْثٌ کے بعد أَسَدٌ کو ذکر کیا یعنی مضافٌ الیہ کو اور اس کی طرف لَيْثٌ کی اضافت کر دی۔ یہ کلام بھی وہی فائدہ دے رہا ہے جو رَأَيْتُ لَيْثًا دے رہا ہے، اور اس لَيْثًا کے اندر آپ نے نہ أَسَدٌ کو ذکر کیا ہے آگے اور نہ اس کی طرف لَيْثًا کی اضافت کی ہے۔ توجہ ہے؟ تو یہ جو رَأَيْتُ لَيْثًا ہے بِدُونِ ذِكْرِ الْأَسَدِ یہ أَسَدٌ کے ذکر کے بغیر ہے، وَإِضَافَةِ اللَّيْثِ إِلَيْهِ اور لَيْثٌ کی اس کی طرف اضافت کے بغیر ہے۔ فَيَكُونُ ذِكْرُ الْأَسَدِ وَإِضَافَةُ اللَّيْثِ لَغْوًا، تو اس صورت میں أَسَدٌ کا ذکر کرنا اور لَيْثٌ کی اس کی طرف اضافت کرنا لَغْوًا یہ بیکار ہوگا، لَا فَائِدَةَ فِيهِ، اس میں کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔

بِخِلَافِ إِضَافَةِ الْعَامِّ إِلَى الْخَاصِّ، بخلاف اس کے کہ عام کی اضافت کی جائے خاص کی طرف، فِي مِثْلِ، اس جیسی مثالوں میں، كُلُّ الدَّرَاهِمِ وَعَيْنُ الشَّيْءِ، تو كُلُّ الدَّرَاهِمِ، دیکھو كُلٌّ کا معنی ساری کی ساری، ساری کوئی بھی چیز ہو سکتی تھی، درہم، دینار، کتابیں، قلم وغیرہ، تو یہ عام تھا اور اَلدَّرَاهِمُ کیا تھے؟ خاص، تو اب كُلٌّ کی اضافت جب اَلدَّرَاهِمُ کی طرف کی تو اس میں بھی اختصاص آگیا، معلوم ہوا كُلٌّ سے سارے کے سارے دراہم ہی مراد ہیں کوئی اور چیز مراد نہیں۔ اسی طرح وَعَيْنُ الشَّيْءِ، عَيْنٌ کا معنی وہ چیز جس کا وجود ہو اور اَلشَّيْءُ اس پر الف لام آیا، یہاں معلوم ہوا کوئی معین چیز مراد ہے، تو عَيْنٌ کا معنی تو وجود، وجود تو زید کا بھی ہو سکتا ہے، عمرو، بکر، خالد کسی بھی چیز کا وجود ہو سکتا ہے، تو یہ عَيْنٌ عام تھا لیکن جب اس کی اضافت اَلشَّيْءُ خاص کی طرف کر دی تو اس عَيْنٌ میں بھی اختصاص آگیا، معلوم ہوا یہ جو اَلشَّيْءُ ہے معین چیز ہے اسی کا وجود مراد ہے، کسی اور چیز کا وجود مراد نہیں۔ تو معلوم ہوا یہ عَيْنُ الشَّيْءِ اس میں جب عَيْنٌ کی اضافت کر دی اَلشَّيْءُ

کی طرف جو خاص ہے تو اب اس عَيْنٌ سے ہر چیز کا وجود نہیں مراد بلکہ اس معین چیز کا وجود مراد ہے بھئی۔

فَإِنَّهُ أَيِ الْمُضَافُ فِيهِمَا يَخْتَصُّ بِهِ، پس اس لیے کیونکہ یہ جو مضاف ہے فِيهِمَا ان دونوں مثالوں کے اندر يَخْتَصُّ بِهِ أَيْ يَصِيرُ خَاصًّا، کہ وہ خاص ہو جاتا ہے، بِسَبَبِ إِضَافَتِهِ إِلَى الْمُضَافِ إِلَيْهِ، بوجہ مضافٌ الیہ کی طرف اضافت کرنے کے۔ ان دونوں مثالوں میں مضاف کیا ہو گیا ہے؟ خاص ہو گیا ہے، کس کی طرف اضافت سے؟ مضافٌ الیہ، یعنی كُلٌّ خاص ہو گیا اَلدَّرَاهِمُ کی طرف اضافت سے اور عَيْنٌ جو ہے یہ خاص ہو گیا اَلشَّيْءُ کی طرف اضافت سے۔ وَلَا يَبْقَىٰ عَلَىٰ عُمُومِهِ، اور پھر یہ مضاف اپنے عموم پر باقی نہ رہا، كُلٌّ اور عَيْنٌ جو ہیں اب اپنے عموم پر باقی نہ رہے۔ تو کہتے ہیں اس صورت میں مضاف جو ہے وہ خاص ہو جاتا ہے وَلَا يَبْقَىٰ عَلَىٰ عُمُومِهِ اور وہ مضاف اپنے عموم پر باقی نہیں رہتا، سَوَاءٌ أَفَادَتِ الْإِضَافَةُ التَّعْرِيفَ أَوِ التَّخْصِيصَ، برابر ہے کہ وہ اضافت تعریف کا فائدہ دے یا تخصیص کا۔ جب بھی ادھر دیکھیے، عام کی اضافت کریں گے خاص کی طرف تو وہ عام جو ہے اس میں بھی اختصاص آجائے گا، اور وہ اختصاص تخصیص کی صورت میں بھی آسکتا ہے اور تعریف کی صورت میں بھی آسکتا ہے۔ معلوم ہوا اوپر جو آیا تھا نا يَخْتَصُّ بِهِ اس سے تخصیص نہیں مراد، آپ نے پڑھا تھا اضافتِ معنوی دو چیزوں کا فائدہ دیتی ہے، یا تعریف کا یا تخصیص کا۔ تو یہاں جو يَخْتَصُّ آیا اس سے تخصیص نہیں مراد، اس کا معنی یہ ہے کہ مضاف خاص ہو جاتا ہے، مضاف، اور خاص ہونا عام ہے، چاہے تعریف کے ساتھ ہو چاہے تخصیص، معلوم ہوا یہ جو اختصاص ہے یہ وہ تخصیص مراد یہاں نہیں ہے۔ بات بھی سمجھ میں آئی کہ نہیں؟ پھر سمجھو، آپ نے پڑھا کہ اضافتِ معنوی کس چیز کا فائدہ دیتی ہے؟ تعریف یا تخصیص کا فائدہ دیتی ہے، تعریف اور چیز ہے تخصیص اور چیز ہے، لیکن یہاں جو آیا کہ مضاف يَخْتَصُّ بِهِ اس مضافٌ الیہ کی وجہ سے مضاف کیا ہو جاتا ہے؟ خاص ہو جاتا ہے، تو اس يَخْتَصُّ سے وہ تخصیص نہیں مراد، کیونکہ صرف تخصیص آتی ہے یا کبھی تعریف بھی آتی ہے؟ تعریف بھی آتی ہے، تو اس يَخْتَصُّ سے صرف وہ تخصیص نہیں مراد بلکہ اس کا معنی ہے خاص ہو جاتا ہے اور وہ خاص ہونا چاہے تعریف کی صورت میں ہو چاہے تخصیص، تو دونوں کو یہ شامل ہے۔ اسی لیے کہا وَلَا يَبْقَىٰ عَلَىٰ عُمُومِهِ اور وہ مضاف پھر اپنے عموم پر باقی نہیں رہتا سَوَاءٌ أَفَادَتِ الْإِضَافَةُ التَّعْرِيفَ أَوِ التَّخْصِيصَ، برابر ہے کہ وہ اضافت تعریف کا فائدہ دے یا تخصیص کا، بس وہ مضاف خاص ہو جائے گا، چاہے خاص ہونا تخصیص کی صورت میں ہو چاہے تعریف کی صورت میں ہو۔

کہتے ہیں وَأَعَمِّيَّةُ الْعَيْنِ عَنِ الشَّيْءِ إِذَا كَانَ اللَّامُ فِيهِ لِلْعَهْدِ ظَاهِرَةٌ، بھئی میں نے بتایا عَيْنٌ، عَيْنٌ کسے کہتے ہیں؟ جس چیز کا وجود ہو، اور یہاں پر اَلشَّيْءُ پر الف لام آیا اور الف لام کے ذریعے کسی معین چیز کی طرف اشارہ ہے، معلوم ہوا الف لام عہدِ خارجی کا ہم نے بنایا، الف لام کون سا بنایا؟ عہدِ خارجی، عہدِ خارجی یعنی جو کسی متعین چیز کی طرف اشارہ کرے۔ تو اَلشَّيْءُ سے کوئی متعین چیز مراد ہے اور اس کی طرف عَيْنٌ کی اضافت کر دی، تو عَيْنٌ کا معنی تھا وجود اور وہ عام تھا، وجود

تو کسی بھی چیز کا ہو سکتا ہے، اور اَلشَّيْءُ سے مراد تھی خاص چیز، تو عَيْنٌ کی اضافت جب اَلشَّيْءُ کی طرف کی تو

تو پتا چلا کہ عَيْنٌ سے اب باقی چیزوں کا وجود نہیں مراد، اس شے کا وجود مراد ہے، تو اس عَيْنٌ میں بھی کیا آگیا؟ اختصاص آگیا۔ تو اس عَيْنٌ میں کیا آگیا؟ اختصاص۔ تو دیکھو ایک ہے مضاف یعنی عَيْنٌ، اور ایک ہے مضافٌ الیہ یعنی اَلشَّيْءُ۔ اور عَيْنٌ کس کو کہتے ہیں؟ عَيْنٌ کا معنی وجود، وہ جس چیز کا وجود ہو، اور اَلشَّيْءُ خاص چیز۔ تو معلوم ہوا عَيْنٌ زیادہ عام ہے کس کے مقابلے میں؟ اَلشَّيْءُ کے مقابلے میں، کیونکہ عَيْنٌ کا کیا معنی؟ کوئی بھی چیز جس کا وجود ہو، اور اَلشَّيْءُ سے کیا مراد ہے؟ ایک معین چیز۔ تو لہٰذا اس صورت میں جب اَلشَّيْءُ کے اندر آپ الف لام عہدِ خارجی کا بنا دیں، تو پھر عَيْنٌ کا زیادہ عام ہونا ظاہر ہے، زیادہ عام ہونا ظاہر ہے۔ یہی بیان کر رہے ہیں: وَأَعَمِّيَّةُ الْعَيْنِ، اور عَيْنٌ کا زیادہ عام ہونا، عَنِ الشَّيْءِ، اس شے سے، إِذَا كَانَ اللَّامُ فِيهِ لِلْعَهْدِ، جب کہ لام جو ہے اس کے اندر عہد کا ہو یعنی عہدِ خارجی کا ہو، ظَاهِرَةٌ، یہ بات ظاہر ہے۔ کہ جب شے کے اندر لام کون سا ہو؟ عہدِ خارجی کا ہو، تو عَيْنٌ کا اس سے زیادہ عام ہونا ظاہر ہے۔ عَيْنٌ عام ہو گئی اور اَلشَّيْءُ خاص ہو گئی، تو اعم کی اضافت کس کی طرف ہوئی؟ اخص کی طرف، تو یہ اضافت جائز ہے۔ ہم نے بتایا تھا دونوں ایک دوسرے کے مشابہ نہیں ہونے چاہئیں عموم و خصوص میں۔ توجہ ہے؟ کیا بتلایا؟ یہاں ایک طرف ہے عَيْنٌ، ایک طرف ہے اَلشَّيْءُ، اور آپ نے عَيْنٌ کی اضافت کرنی ہے شے کی طرف، لیکن انہوں نے بتایا تھا کہ جب دو اسم ایک دوسرے کے مشابہ ہوں عموم و خصوص میں پھر اضافت جائز نہیں، تو اب بتانا یہ چاہتے ہیں کہ عَيْنٌ عام ہے اور اَلشَّيْءُ میں الف لام عہدِ خارجی کا ہے تو شے کیا ہوئی؟ خاص، تو عام کی اضافت کس کی طرف ہو گئی؟ خاص کی طرف، تو اس صورت میں اس عام کے اندر بھی اختصاص آجائے گا اس مضافٌ الیہ کی وجہ سے، تو یہ جائز ہے۔ یہ جائز ہے۔

تو یہ معنی ہے، تو کہتے ہیں: وَأَعَمِّيَّةُ الْعَيْنِ عَنِ الشَّيْءِ، اور عَيْنٌ کا زیادہ عام ہونا عَنِ الشَّيْءِ اس شے سے، إِذَا كَانَ اللَّامُ فِيهِ لِلْعَهْدِ، جب کہ اس شے کے اندر وہ جو لام ہے وہ عہدِ خارجی کے لیے ہو، تو اس صورت میں عَيْنٌ کا زیادہ عام ہونا عَنِ الشَّيْءِ ظَاهِرَةٌ وہ ظاہر ہے۔ وَأَمَّا إِذَا كَانَ لِلْجِنْسِ، اور اگر اَلشَّيْءُ کے اندر الف لام جنس والا ہو، فَفِيهَا خَفَاءٌ، تو پھر اس عام ہونے میں خفا ہے، پھر اس کے اندر خفا ہے، اس میں پوشیدگی ہے، یہ پوری طرح بات ظاہر نہیں۔ یاد رکھو! شے جو ہے نا شے، شے کے اوپر الف لام اگر جنس کے مراد لے آئیں تو معنی ہوگا جنسِ شے۔ پہلے اَلشَّيْءُ کا کیا معنی تھا؟ معین شے، اب اگر آپ الف لام کون سا بنا لیں؟ جنس والا، تو معنی ہو جائے گا جنسِ شے، اور جنسِ شے یاد رکھو بعض کہتے ہیں شے کا اطلاق صرف موجود چیزوں پر ہوتا ہے، اور بعض کہتے ہیں شے کا اطلاق موجود پر بھی ہوتا ہے معدوم پر بھی ہوتا ہے۔ موجود کو بھی شے کہتے ہیں، معدوم کو بھی شے کہتے ہیں۔ انسان وہ بھی شے ہے، پتھر وہ بھی شے ہے، درخت وہ بھی شے ہے، اور اسی طرح کوئی جس چیز کا وجود نہیں ہے، معدوم کو بھی شے کہتے ہیں۔ تو الف لام اگر جنس والا آجائے تو جنسِ شے مراد ہو

گئی، وہ معدوم بھی ہو سکتی ہے اور موجود بھی، اور عَيْنٌ تو کس کو کہتے ہیں؟ صرف موجود کو۔ عَيْنٌ کس کو؟ اور اَلشَّيْءُ سے کون مراد ہو گئے؟ جو موجود ہیں وہ بھی اور معدوم ہیں وہ بھی۔ پھر دہراؤ، عَيْنٌ سے صرف کیا مراد؟ جن کا وجود ہے، اور شے سے کیا مراد؟ جن کا وجود ہے وہ بھی مراد لے سکتے ہیں، جس کا وجود نہیں وہ بھی مراد لے سکتے ہیں۔ تو اس صورت میں تو شے کے اندر زیادہ عموم آگیا۔ عَيْنٌ صرف جن کا وجود، اور شے جو مضافٌ الیہ ہے وہ چاہے وجود ہو یا وجود نہ ہو سب کو شے کہہ دیتے ہیں۔ تو اس صورت میں تو مضاف خاص ہوا وہ صرف وجود والی چیزوں پر عَيْنٌ بولا جاتا ہے، اور شے کیا ہوا؟ عام ہوا، یہ تو خاص کی اضافت ہو گئی عام کی طرف، لہٰذا یہ تو پھر جائز نہیں بنتی۔ یا ایک صورت یہ ہے کہ عَيْنٌ سے بھی مراد لے لیں موجود اور شے اس میں الف لام کون سا لے لیں؟ جنسی، اور شے جو بعض کہتے ہیں شے صرف موجود چیز کو کہیں گے، شے صرف کس کو کہیں گے؟ موجود چیز کو، تو عَيْنٌ کا معنی بھی موجود چیز اور شے کا معنی بھی موجود چیز، تو اب تو دونوں کیا ہو گئے؟ برابر ہو گئے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ لہٰذا یہ جو ہم نے کہا نا عَيْنُ الشَّيْءِ یہ صرف اس صورت میں ہے جب اَلشَّيْءُ پر کون سا الف لام ہو؟ الف لام عہدِ خارجی کا ہو، پھر یہ اضافت جائز ہے، اور اگر الف لام جنس کا ہو تو پھر اس صورت میں اس کے اندر خفا ہے، پھر اس صورت میں یا تو عَيْنٌ اور شے مساوی ہو جائیں گے یا شے جو ہے وہ زیادہ عام ہو جائے گی عَيْنٌ کے مقابلے میں، تو اضافت جائز نہیں ہوگی بھئی۔ بات سمجھ میں آگئی۔

تو کہتے ہیں وَأَمَّا إِذَا كَانَ لِلْجِنْسِ، اور باقی اگر الف لام جو ہے شے کے اوپر وہ جنس کے لیے ہو، فَفِيهَا خَفَاءٌ، تو پھر عَيْنٌ کا زیادہ عام ہونا اس میں خفا ہے، اس میں پوشیدگی ہے، یہ بات پوری طرح ظاہر نہیں کہ کس طرح یہ عام ہے۔ عَيْنٌ عام ہے اور اَلشَّيْءُ خاص کس طرح ہے؟ جب اَلشَّيْءُ پر الف لام کون سا لے لیا؟ جنسی، پھر تو شے کو یا تو عَيْنٌ کے برابر ہونا چاہیے یا شے کو عَيْنٌ سے زیادہ عام ہونا چاہیے بھئی۔ بات سمجھ میں آگئی۔

کہتے ہیں: وَيَرِدُ عَلَىٰ قَوْلِهِمْ لَا يُضَافُ اسْمٌ مُمَاثِلٌ لِلْمُضَافِ إِلَيْهِ فِي الْعُمُومِ وَالْخُصُوصِ۔ بھئی انہوں نے ایک ضابطہ ذکر کیا ابھی، کیا ضابطہ تھا؟ کہ جب دو اسم ایک دوسرے کے مشابہ ہوں تو پھر ایک کی اضافت دوسری کی طرف نہیں کی جاتی۔ ہم آپ کو دکھاتے ہیں، ہم نے عربوں سے سنا ہے، قَوْلُهُمْ سَعِيدُ كُرْزٍ، عربوں کے قول سَعِيدُ كُرْزٍ۔ یاد رکھو سَعِيدٌ یہ ایک آدمی کا نام ہے اور كُرْزٌ اس کا لقب ہے۔ كُرْزٌ اس کا لقب ہے، اسی آدمی کا لقب ہے جو لوگوں کی طرف سے، قوم کی طرف سے کسی کو نام دیا جاتا ہے وہ ہے لقب۔ تو اس کا اپنا نام کیا ہے؟ سَعِيدٌ، اور قوم کی طرف سے اس کو نام کیا دیا گیا؟ كُرْزٌ، تو اب سَعِيدٌ بھی اسی ذات پہ دلالت کر رہا ہے اور كُرْزٌ بولیں تو یہ بھی اسی ذات پہ دلالت کرتا ہے، تو دونوں ایک دوسرے کے مساوی ہو گئے عموم و خصوص میں، اور آپ نے ہمیں بتایا کہ جب دو اسم عموم و خصوص میں ایک دوسرے کے مثل ہوں، ایک دوسرے کے مشابہ ہوں تو پھر اضافت جائز نہیں، لیکن ہم نے عربوں سے سنا ہے وہ کہتے ہیں سَعِيدُ

كُرْزٍ اضافت کے ساتھ۔ یہ تو دونوں اسم ایک دوسرے کے مشابہ ہیں عموم و خصوص میں اور پھر بھی اضافت کی جا رہی ہے، سَعِيدٌ سے بھی وہی شخص مراد، كُرْزٌ سے بھی وہی شخص مراد، تو وہ کہتے ہیں سَعِيدُ كُرْزٍ اضافت کے ساتھ، حالانکہ آپ نے ہمیں کہا پھر تو اضافت جائز نہیں۔

تو اس کا صاحبِ کافیہ اس کا بھی جواب دیتے ہیں کہ اس کے اندر بھی تاویل کی گئی ہے۔ سَعِيدُ كُرْزٍ کے اندر بھی تاویل کی گئی ہے۔ کس طرح تاویل کی گئی ہے؟ دیکھیے بھئی! کہتے ہیں ایک ہے اسم ایک ہے مسمی۔ ایک ہے اسم، ایک ہے مسمی۔ میں نے جیسے ہی کہا زید، آپ کے ذہن میں فوراً آپ کا ایک دوست ہے جس کا نام زید ہے اس کی صورت آگئی۔ تو یہ جو میں نے زبان سے کہا یہ ہے اسم، اور وہ جو آپ کے ذہن میں آیا وہ ہے مسمی جس کا یہ اسم ہے، جس کا یہ نام ہے۔ یا یوں کہو ایک ہے دال ایک ہے مدلول۔ دال دلالت کرنے والا، میں نے جیسے ہی زید کہا تو اس لفظ نے کس پر دلالت کی؟ ذاتِ زید پر، فوراً آپ کے ذہن میں ذاتِ زید کی صورت آگئی۔ تو لہٰذا ایک ہوتا ہے اسم اور ایک ہوتا ہے مسمی، یا یوں کہو ایک ہوتا ہے دال اور ایک ہوتا ہے مدلول۔ یاد رکھو کبھی کبھار اسم بولا جاتا ہے اور مسمی مراد ہوتا ہے۔ مثلاً میں نے کہا جَاءَنِي زَيْدٌ، جَاءَنِي زَيْدٌ، کیا معنی؟ میرے پاس یہ لفظِ زید آیا یا مسمائے زید آیا؟ مسمائے زید آیا، وہ جس کا نام زید ہے وہ میرے پاس آیا، کیونکہ آنے کا فعل یہ لفظ نہیں کر سکتا بلکہ وہ ذات مسمی کر سکتا ہے۔ تو میں نے کہا جَاءَنِي زَيْدٌ، میں نے اسم بولا زید لیکن مراد کون ہے؟ مسمی۔ اور کبھی اسم بول کر اسم ہی مراد ہوتا ہے۔ مثلاً میں آپ سے کہتا ہوں میں نے زید لکھا۔ میں نے زید، اب بھی وہی لفظ میں نے زید بولا ہے، میں نے زید لکھا، تو اس میں یہ زید بول کر زید کا لفظ ہی مراد ہے، یہی لفظ میں نے لکھا ہے اس مسمی کو نہیں لکھا۔ تو کبھی اسم بول کر مسمی مراد ہوتا ہے اور کبھی اسم بول کر اسم ہی مراد ہوتا ہے۔ بات سمجھ میں آگئی۔

تو یہاں پر بھی سَعِيدُ كُرْزٍ اس کے اندر تاویل کی گئی ہے کہ یہ جو سَعِيدٌ ہے اس سے سَعِيدٌ کی ذات مراد لے لیں، اسم نہ مراد لیں بلکہ ذات، وہ مسمی مراد لے لیں، اور كُرْزٌ سے یہی نام، لفظ مراد لے لیں۔ تو سَعِيدُ كُرْزٍ، سَعِيدٌ سے کیا مراد لیا؟ سَعِيدٌ کا مسمی یا مدلول کہہ لیں، وہ ذات جو ہے۔ تو سَعِيدُ كُرْزٍ اور كُرْزٌ سے یہی لفظ مراد لے لیا۔ تو مثلاً میں نے کہا جَاءَنِي سَعِيدُ كُرْزٍ، جَاءَنِي سَعِيدُ كُرْزٍ، اب ترجمہ کرو: میرے پاس كُرْزٌ کا مدلول آیا تھا، میرے پاس كُرْزٌ کی ذات آئی، یہ جو كُرْزٌ نام ہے اس کا مدلول میرے پاس آیا تھا۔ تاویل سمجھ میں آئی کہ نہیں؟ کہ سَعِيدٌ سے پہلے نام سے کیا مراد لے لو؟ وہ مدلول، وہ مسمی۔ یہاں سَعِيدٌ سے اسم سَعِيدٌ نہیں مراد بلکہ مسمی مراد ہے، اور كُرْزٌ سے اسم ہی مراد ہے مسمی مراد نہیں، تو سَعِيدُ كُرْزٍ اب آخر سے ترجمہ کرو جیسے غُلَامُ زَيْدٍ کیسے ترجمہ کرتے ہیں؟ زید کا غلام، تو یہاں پر بھی سَعِيدُ كُرْزٍ كُرْزٌ کا مدلول، میرے پاس كُرْزٌ کا مدلول، یا یوں کہو میرے پاس كُرْزٌ کا مسمی آیا تھا، یا یوں کہو میرے پاس كُرْزٌ کی ذات آئی تھی۔ بات سمجھ میں آگئی،

حل ہو گیا۔

جی اب دیکھیے عبارت دوبارہ، کہتے ہیں: وَيَرِدُ عَلَىٰ قَوْلِهِمْ، اور نحویوں کے اس قول پر وارد ہوتا ہے، یہ جو صاحبِ کافیہ نے ضابطہ ذکر کیا، لَا يُضَافُ اسْمٌ مُمَاثِلٌ لِلْمُضَافِ إِلَيْهِ فِي الْعُمُومِ وَالْخُصُوصِ، کہ ایسا اسم جو مضافٌ الیہ کے مشابہ ہو عموم اور خصوص میں اس کی اضافت نہیں کی جاتی، اس ضابطے پر اعتراض وارد ہوتا ہے، قَوْلُهُمْ سَعِيدُ كُرْزٍ، عربوں کے قول سَعِيدُ كُرْزٍ کا اعتراض وارد ہوتا ہے، فَإِنَّ سَعِيدًا وَكُرْزًا اسْمَانِ لِمُسَمًّى وَاحِدٍ، اس لیے کیونکہ سَعِيدٌ اور كُرْزٌ جو ہیں اسْمَانِ لِمُسَمًّى وَاحِدٍ وہ اسم ہیں ایک ہی مسمی کے، كَلَيْثٍ وَأَسَدٍ، جیسے لَيْثٌ اور أَسَدٌ دونوں شیر کو کہتے ہیں، مَعَ أَنَّهُ أُضِيفَ أَحَدُهُمَا إِلَى الْآخَرِ، باوجود اس کے کہ ان میں سے ایک کی اضافت کی گئی ہے دوسرے کی طرف، فَأُجِيبَ بِأَنَّهُ مُتَأَوَّلٌ، تو اس کا جواب دیا گیا کہ اس کے اندر بھی تاویل کی گئی ہے، بِحَمْلِ أَحَدِهِمَا عَلَى الْمَدْلُولِ، بایں طور کہ ان دونوں میں سے ایک کو محمول کیا گیا ہے مدلول پر کہ سَعِيدٌ سے کیا مراد ہے؟ مدلول یعنی مسمی مراد ہے، وَالْآخَرِ عَلَى اللَّفْظِ، اور دوسرے کو محمول کیا گیا ہے لفظ پر کہ اس سے لفظ ہی مراد ہے، اسم ہی مراد ہے، فَكَأَنَّكَ إِذَا قُلْتَ جَاءَنِي سَعِيدُ كُرْزٍ، تو گویا کہ جب آپ نے یہ کہا جَاءَنِي سَعِيدُ كُرْزٍ، قُلْتَ، تو گویا آپ نے یوں کہا ہے، جَاءَنِي مَدْلُولُ هٰذَا اللَّفْظِ، میرے پاس اس لفظ کا مدلول آیا تھا، یہ جو لفظِ كُرْزٌ ہے اس کا مدلول میرے پاس آیا تھا۔ حل ہو گیا، سمجھ میں آگئی یہ بات؟ میرے پاس اس لفظ، هٰذَا اللَّفْظِ کی جگہ كُرْزٌ لے آئیں تو بات واضح ہو جائے گی، جَاءَنِي مَدْلُولُ كُرْزٍ، میرے پاس كُرْزٌ کا مدلول یعنی اس لفظ کا مدلول آیا تھا۔

وَلَمْ يَقُولُوا، اچھا سوال: سَعِيدُ كُرْزٍ کہا، كُرْزُ سَعِيدٍ کیوں نہیں کہا؟ نام کی اضافت کی لقب کی طرف، بھئی لقب کی اضافت کر دیتے نام کی طرف، کہتے ہیں نہیں، یہاں لقب کو مضاف نہیں بنا سکتے۔ وجہ یہ کہ یہ جو اضافت ہے اس کے ذریعے وضاحت مقصود ہے۔ دیکھو ایک ہوتا ہے نام، ایک ہے لقب۔ نام جو گھر والوں نے رکھا، لقب وہ جو قوم والوں نے رکھا تو وہ زیادہ مشہور ہوتا ہے۔ لقب کیا ہوتا ہے؟ وہ زیادہ مشہور ہوتا ہے، تو لہٰذا جب اضافت کی تاکہ مضافٌ الیہ وضاحت کا فائدہ دے، پہلے سَعِيدٌ کو ذکر کیا، سَعِيدٌ سے اتنی وضاحت نہیں تھی، تو آگے كُرْزٌ کی طرف اضافت کی، اب پتا چل گیا کہ کون سا سَعِيدٌ مراد ہے؟ وہ جو كُرْزٌ ہے، تو بعد والا آکر وضاحت کرے گا پہلے کی، اس لیے بعد والے کو زیادہ واضح ہونا چاہیے اور وہ لقب ہی ہے، لہٰذا اس کو بعد ہی میں لانا پڑے گا۔ کہتے ہیں: وَلَمْ يَقُولُوا كُرْزُ سَعِيدٍ، اور عربوں نے كُرْزُ سَعِيدٍ نہیں کہا، لِأَنَّ قَصْدَهُمْ بِالْإِضَافَةِ التَّوْضِيحُ، اس لیے کیونکہ ان کا ارادہ اضافت کے ذریعے توضیح کا ہے، وضاحت کا ہے، وَاللَّقَبُ أَوْضَحُ مِنَ الِاسْمِ غَالِبًا، اور لقب جو ہوتا ہے وہ اکثر جو ہے، غالباً جو ہے اسم سے زیادہ واضح ہوتا ہے۔ تو کہتے ہیں وَاللَّقَبُ أَوْضَحُ مِنَ الِاسْمِ غَالِبًا، اور لقب جو ہے وہ زیادہ واضح ہوتا ہے اسم کے مقابلے میں غالباً اکثر اوقات، اس لیے اسم کو مضاف بنایا اور لقب کو مضافٌ الیہ تاکہ مضافٌ الیہ سے آکر مضاف کی وضاحت ہو جائے۔ بات سمجھ میں آگئی، حل ہو گیا؟ چلیے بس بھئی، هٰذَا هُوَ الْمَرَامُ وَاللّٰهُ أَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْكَلَامِ.

سبق نمبر ۱۹۵: الاضافۃ (۱۲): یائے متکلم کی طرف اضافت (اسمِ صحیح، مقصور، منقوص، تثنیہ و جمع)

شرحِ ملا جامی صفحہ: ۱۷۴ — بتاریخ: ۱۸ ستمبر ۲۰۲۲ء

▪ تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث

دیکھیے بھائی آگے سبق:[1]

وَإِذَا أُضِيفَ الِاسْمُ الصَّحِيحُ وَهُوَ فِي عُرْفِ النُّحَاةِ مَا لَيْسَ فِي آخِرِهِ حَرْفُ عِلَّةٍ أَوِ الْمُلْحَقُ بِهِ وَهُوَ مَا فِي آخِرِهِ وَاوٌ أَوْ يَاءٌ قَبْلَهُمَا سَاكِنٌ وَإِنَّمَا كَانَ مُلْحَقًا بِالصَّحِيحِ لِأَنَّ حَرْفَ الْعِلَّةِ بَعْدَ السُّكُونِ لَا تَثْقُلُ عَلَيْهَا الْحَرَكَةُ لِمُعَارَضَةِ خِفَّةِ السُّكُونِ ثِقَلَ الْحَرَكَةِ.

بھائی، گذشتہ سبق میں صاحبِ کافیہ نے آپ کو بتلایا تھا کہ دو اسم جب ایک دوسرے کے مماثل ہوں یعنی ایک دوسرے کے مشابہ ہوں عموم و خصوص کے اندر، تو اس صورت میں پھر ایک اسم کی اضافت دوسرے کی طرف نہیں کی جاتی۔ یا یوں کہو جب مضاف مشابہ ہو مضاف الیہ کے ساتھ عموم اور خصوص میں تو پھر اضافت نہیں کی جائے گی۔ یعنی جتنا عموم مضاف میں ہے اتنا ہی عموم مضاف الیہ میں ہے، اور جتنا خصوص مضاف میں ہے اتنا ہی خصوص مضاف الیہ میں ہے، تو پھر اس صورت میں اضافت نہیں کی جائے گی، کیونکہ اس کا کوئی فائدہ ہی نہیں۔ اس اضافت کا کوئی فائدہ ہی نہیں، جیسے اس کی مثال ذکر کی تھی: لَيْثٌ وَأَسَدٌ۔ لَيْثٌ جو ہے یہ بھی شیر کو کہتے ہیں، أَسَدٌ یہ بھی شیر کو کہتے ہیں۔ تو اب یہاں پر لَيْثٌ کی

[1] جدول — یائے متکلم کی طرف اضافت میں مختلف اسماء کا اعراب:

نوعِ اسم	یائے متکلم کے ساتھ صورت	اعراب
صحیح و جاری مجری صحیح	آخر مکسور، یاء مفتوح یا ساکن	غُلَامِيْ / غُلَامِيَ (تینوں اعراب تقدیری)
مقصور و منقوص	الف برقرار، منقوص میں یاء مدغم	عَصَايَ، قَاضِيَّ
تثنیہ و جمع مذکر سالم	الف برقرار (رفع)، واوِ جمع یاء میں مدغم	غُلَامَايَ، غُلَامَيَّ، مُسْلِمِيَّ

اضافت أَسَدٌ کی طرف کریں تو اس کا کوئی فائدہ نہیں۔ میں آپ سے کہتا ہوں رَأَیْتُ أَسَدًا، میں نے ایک شیر دیکھا، اور اگر آپ اس کی اضافت کر دیں رَأَیْتُ أَسَدَ لَیْثٍ یا رَأَیْتُ لَیْثَ أَسَدٍ، تو یہاں اس کلام کا بھی وہی معنیٰ ہے، مضاف الیہ کے لانے کا کوئی فائدہ ہی نہیں ہوا۔ حالانکہ مضاف الیہ کس لیے لایا جاتا ہے؟ مضاف الیہ جو ہوتا ہے مضاف کو خاص بنا دیتا ہے، یعنی مضاف جو ہے مضاف الیہ سے یا تو تعریف اخذ کرتا ہے یا تخصیص اخذ کرتا ہے۔ لیکن یہاں پر جب مضاف الیہ بھی مضاف ہی کی طرح ہے عموم و خصوص کے اندر، تو پھر مضاف نہ مضاف الیہ سے تعریف اخذ کرے گا اور نہ تخصیص۔ لہٰذا آپ کا کہنا رَأَیْتُ لَیْثًا اور آپ کا کہنا رَأَیْتُ لَیْثَ أَسَدٍ، یہ دونوں کا بالکل ایک ہی معنیٰ ہے۔ تو یہ دوسرے جملے میں لَیْث کے بعد أَسَد کے لفظ یعنی مضاف الیہ کے لانے کا کوئی فائدہ نہ ہوا۔ تو لہٰذا جب مضاف الیہ مشابہ ہو مضاف کے عموم اور خصوص میں تو پھر اضافت کا کوئی فائدہ نہیں۔

ہاں، البتہ اگر مضاف جو ہے وہ عام ہے اور مضاف الیہ خاص ہے، تو اس صورت میں اگر مضاف الیہ معرفہ ہو گا تو مضاف اس سے تعریف اخذ کرے گا اور اگر وہ نکرہ ہو گا تو مضاف اس نکرہ سے تخصیص اخذ کر لے گا۔ جیسے کُلُّ الدَّرَاهِمِ اور جیسے عَیْنُ الشَّیْءِ۔ کُلُّ الدَّرَاهِمِ، کُلُّ دیکھو اس کا معنیٰ ہے سارا کا سارا۔ بھائی کیا چیز ساری کی ساری ہے؟ درہم ہیں، دینار ہیں، کتابیں ہیں، قلم ہیں، طلباء ہیں، کیا چیز ساری کی ساری مراد ہے؟ تو کُلٌّ عام ہے، کُلٌّ کیا ہے؟ عام ہے، اور آگے جب اس کی اضافت الدَّرَاهِمِ کی طرف کر دی، تو اس نے کُلٌّ کو خاص بنا دیا۔ تو لہٰذا یہ اضافت جائز ہے، عام کی اضافت کس کی طرف؟ خاص کی طرف۔

اور اسی طرح عَیْنُ الشَّیْءِ۔ عَیْن کہتے ہیں وہ چیز جس کا اپنا الگ وجود ہو، وہ اپنے وجود میں غیر کی محتاج نہ ہو۔ اور عَرَض یعنی صفت، صفت کے لیے ہمیشہ کوئی موصوف چاہیے، صفت کا اپنا الگ کوئی وجود نہیں۔ جیسے زید ہے اور اس کی سخاوت ہے۔ زید جو ہے اس کا اپنا الگ وجود ہے، لیکن سخاوت کا اپنا الگ وجود نہیں، یہ کسی نہ کسی چیز کی صفت ہو گی، تو یہ یہاں مثلاً زید کی صفت ہے۔ تو زید ہے تو اس کی سخاوت بھی ہے، زید نہیں تو اس کی سخاوت بھی نہیں ہے۔ تو جس چیز کا اپنا اب الگ وجود ہے اس کو کیا کہیں گے؟ عَیْن بھائی، کیا کہیں گے؟ عَیْن اس کو کہتے ہیں۔ جیسے آپ دیکھ رہے ہیں یہ کتاب کا اپنا الگ وجود ہے، قلم کا اپنا الگ وجود ہے، پتھر کا الگ وجود ہے، درخت کا اپنا الگ وجود ہے، پہاڑ کا اپنا الگ وجود ہے، تو یہ سب چیزیں کیا کہلاتی ہیں؟ عَیْن بھائی۔ توجہ ہے؟ تو لہٰذا عَیْن کا معنیٰ وہ چیز جس کا اپنا وجود ہے۔ تو عَیْنُ الشَّیْءِ۔ اور الشَّیْءُ، الشَّیْءُ اس پر الف لام آگیا، اور الف لام بھی عہدِ خارجی کا ہے، کوئی متعین شے مراد ہے۔ الشَّیْءُ وہ والی معین شے یا یہ والی معین شے۔ تو الشَّیْءُ کیا ہے؟ خاص، اور عَیْن کیا ہے؟ عام۔ عَیْن پتھر بھی ہو سکتا ہے، کتاب بھی ہو سکتی ہے، قلم بھی ہو سکتا ہے، کوئی بھی چیز جس کا اپنا الگ وجود ہے۔ تو عَیْنُ الشَّیْءِ، عَیْن تھا عام اور الشَّیْءُ کیا ہے؟ خاص۔ تو اب عَیْن کی جب عام کی اضافت خاص کی طرف ہو گئی تو یہ اضافت جائز ہے، کیونکہ اس نے فائدہ دیا کہ پتہ چل گیا کہ عَیْن

سے یہاں ہر چیز کا وجود نہیں مراد، اس معین شے کا وجود مراد ہے۔ اس عَیْن سے اس معین شے کا وجود مراد ہے۔ جیسے کُلّ سے کُلُّ الدَّرَاھِمِ یہاں پر کُلّ سے اب یہ دراہم مراد ہیں، کوئی اور چیز کُلّ مراد نہیں ہے۔ تو لہٰذا عام کی اضافت کی جائے خاص کی طرف، یہ تو جائز ہے، کیونکہ اس صورت میں مضاف جو ہے اس کے اندر اختصاص آجائے گا، وہ بھی خاص ہو جائے گا۔ اور خاص ہونے کی دو صورتیں ہیں، کبھی وہ معرفہ ہو جائے گا اور کبھی اس کے اندر تخصیص آجائے گی، نکرہ مخصوصہ ہو جائے گا۔ بات سمجھ میں آرہی ہے؟

پھر اس کے بعد صاحبِ جامی نے بتلایا تھا کہ عَیْنُ الشَّیْءِ، عَیْن کا معنیٰ وہ چیز جس کا اپنا الگ وجود ہے، اور الشَّیْءُ جو ہے اس کے اندر اگر الف لام عہدِ خارجی کا بنا لو، یعنی کوئی متعین شے کی طرف اشارہ ہو رہا ہے وہ شے مراد ہے، تو اس صورت میں عَیْن اس کا اعم ہونا ظاہر ہے۔ کیونکہ عَیْن کا معنیٰ وجود، وجود تو ہر چیز کا ہوتا ہے، اور الشَّیْءُ سے کیا مراد ہے؟ ایک خاص متعین چیز۔ تو عَیْن کا اعم ہونا اور الشَّیْءُ کا خاص ہونا ظاہر ہے۔ توجہ ہے؟ لیکن عَیْنُ الشَّیْءِ اس کے اندر اگر الشَّیْءُ پر جو الف لام ہے اگر وہ الف لام جنسی ہو، اگر وہ الف لام جنسی ہو، پھر عَیْن کا اعم ہونا الشَّیْءُ کے مقابلے میں اس میں خفا ہے، اس میں پھر بات ظاہر نہیں۔ صاحبِ کافیہ مثال تو اس کی ذکر کر رہے ہیں کہ جس میں عام کی اضافت ہو رہی ہے خاص کی طرف، کُلٌّ عام تھا اور الدَّرَاھِمُ کیا تھے؟ خاص۔ اسی طرح عَیْن ہے عام، الشَّیْءُ کیا ہے؟ خاص، تو عام کی اضافت کس کی طرف ہوئی؟ خاص کی طرف۔ لیکن یہ اس صورت میں ہے عَیْنُ الشَّیْءِ جب اس شے کے اندر الف لام کون سا مراد لیں؟ الف لام عہدِ خارجی، کوئی متعین چیز مراد لیں، پھر تو عَیْن کا اعم ہونا الشَّیْءُ کے مقابلے میں وہ ظاہر ہے۔ بات بھی سمجھ میں آرہی ہے یا نہیں؟ عَیْن کا کیا معنیٰ؟ وجود، ہر وہ چیز جس کا اپنا الگ وجود ہے۔ تو اور الشَّیْءُ کا معنیٰ یہ والی متعین چیز، تو عَیْنُ الشَّیْءِ کا معنیٰ ہو گیا اس معین چیز کا وجود، پہلے عَیْن کا کیا معنیٰ تھا؟ ہر موجود، پتھر بھی ہو سکتا ہے پہاڑ بھی، لیکن اب اس میں اختصاص آگیا کہ اس معین شے کا وجود مراد ہے۔ تو عام میں کیا آگیا؟ اختصاص آگیا اضافت کی وجہ سے۔ لیکن یہ اس وقت ہے جب الشَّیْءُ کے اندر الف لام ہے، یہ الف لام عہدِ خارجی کا ہو، یعنی خارج میں کوئی متعین شے مراد ہو۔ اور اگر الشَّیْءُ کے اندر الف لام جنسی لے لو، تو معنیٰ ہو جائے گا جنسِ شے۔ تو اس صورت میں پھر عَیْن کا زیادہ عام ہونا اس الشَّیْءُ جنسِ شے کے مقابلے میں اس میں خفا ہے، یہ بات ظاہر نہیں۔ وجہ یہ کیونکہ اس صورت میں عَیْن کا معنیٰ وہ چیز جس کا اپنا وجود ہو، اور شے بھی اسی کو کہتے ہیں جس کا اپنا وجود ہو، تو یہ تو دونوں مساوی ہو گئے۔ عَیْن کا معنیٰ بھی وجود اور شے کا معنیٰ بھی وجود ہو گیا، تو یہ تو وہ اس کی مثال بن گئی وہ اسم جو ایک دوسرے کے مشابہ ہیں۔ یا جبکہ بعض کہتے ہیں کہ شے صرف اس کا اطلاق موجود پر نہیں ہوتا، شے کا اطلاق معدوم پر بھی ہوتا ہے۔ شے کا اطلاق معدوم پر بھی ہوتا ہے، تو عَیْن کا معنیٰ ہوا صرف موجود، اور شے کا معنیٰ موجود بھی اور معدوم بھی، تو پھر اس صورت میں تو الشَّیْءُ کیا ہوئی؟ وہ اعم ہوئی اور عَیْن کیا ہوا؟ اخص ہوا، اور اس طرح تو اضافت پھر جائز ہی نہیں بنتی۔ کیونکہ مضاف کیا ہو؟ اخص ہو پہلے

سے ہی، اور مضاف الیہ کیا ہو؟ عام۔ مضاف نے مضاف الیہ سے تعریف یا تخصیص اخذ کرنی ہے، اور اگر مضاف الیہ مضاف سے بھی زیادہ عام ہے، تو پھر وہ اس سے کیسے تعریف یا تخصیص اخذ کر سکتا ہے؟ توجہ ہے؟ مضاف جو پہلے آیا، مضاف الیہ جو بعد میں آیا، اس مضاف نے مضاف الیہ سے کیا اخذ کرنی ہے؟ تعریف یا تخصیص۔ تو یہ جو مضاف الیہ ہے اس کو مضاف کے مقابلے میں خاص ہونا چاہیے۔ لیکن اگر اب برعکس ہو جائے، مضاف ہے خاص اور مضاف الیہ ہے عام، پھر تو یہ پہلے بات گزر چکی ہے کہ یہ اضافت جائز ہی نہیں ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو اس لیے انہوں نے کہا کہ الشَّيْءُ کے اندر اگر الف لام عہدِ خارجی کا ہو پھر تو عَيْن کا اعم ہونا اور الشَّيْءُ کا اخص ہونا یہ ظاہر ہے اور اضافت ٹھیک ہے۔ اور اگر الشَّيْءُ میں الف لام کون سا مراد لے لیں؟ جنسی مراد لے لیں، تو پھر عَيْن کا اعم ہونا اور الشَّيْءُ کا اخص ہونا یہ بات ظاہر نہیں، کس طرح عَيْن اعم ہو سکتا ہے الشَّيْءُ کے مقابلے میں؟ یا تو یہ اس کے مساوی ہے اگر شے سے بھی موجود مراد لیں، اور اگر شے سے موجود اور معدوم دونوں مراد لیں پھر تو شے زیادہ عام ہو گئی اور عَيْن کیا ہو گیا؟ خاص ہو گیا۔ بات سمجھ میں آگئی؟

اور پھر اس کے بعد صاحبِ کافیہ کے ضابطے پر ایک اعتراض ہوا تھا، اعتراض یہ: اے صاحبِ کافیہ، آپ نے ہمیں ضابطہ کیا بتلایا کہ جب دو اسم ایک دوسرے کے مشابہ ہوں عموم اور خصوص میں تو پھر وہاں اضافت نہیں کی جائے گی کیونکہ فائدہ ہی نہیں۔ ہم آپ کو دکھاتے ہیں عرب جو ہیں، عربوں نے اضافت کی ہے، جیسے سَعِيدُ كُرْزٍ۔ سَعِيدُ كُرْزٍ یہ ایک شخص کا نام ہے، اور كُرْز اسی شخص کا لقب ہے، لقب وہ جو قوم وغیرہ کی طرف سے دیا جائے۔ تو سَعِيد اسی شخص کا نام، سَعِيد لفظ بولو یہ بھی اسی پہ دلالت کرتا ہے، كُرْز بولو یہ بھی اسی پر دلالت کرتا ہے، تو یہاں دیکھو سَعِيد اور كُرْز دونوں عموم اور خصوص کے اندر برابر ہو گئے۔ سَعِيد بولو یہ بھی اسی معین شخص پہ دلالت کر رہا ہے، اس میں بھی اتنا ہی خصوص ہے جتنا كُرْز کے اندر ہے وہ بھی اسی شخص پر دلالت کر رہا ہے۔ تو دونوں عموم و خصوص میں برابر ہوئے اور عربوں نے پھر بھی اضافت کی ہے اور عربوں نے کہا، استعمال کرتے ہیں سَعِيدُ كُرْزٍ۔ سَعِيدُ كُرْزٍ، تو اس کا جواب صاحبِ کافیہ نے دیا کہ سَعِيدُ كُرْزٍ اور اس جیسی مثالوں کے اندر جو ہے تاویل کی گئی ہے۔ کیا تاویل کی گئی ہے؟ کہتے ہیں کہ پہلا نام جو آیا اس سے مسمیٰ مراد لے لیں اور دوسرا نام جو آیا اس سے اسم مراد لے لیں۔ یاد رکھو ایک ہوتا ہے اسم، ایک ہوتا ہے مسمیٰ۔ اسم وہ نام، اور مسمیٰ جس کا نام ہے، جس کا نام ہے۔ مثلاً میں نے کہا زید، جیسے ہی میں نے زید کہا فوراً آپ کے ذہن میں آپ کا ایک ساتھی ہے زید اس کی صورت آگئی۔ بات سمجھ میں آگئی؟ اب میں آپ سے کہتا ہوں جَاءَنِي زَيْدٌ، میرے پاس زید آیا تھا۔ میرے پاس زید آیا تھا، اب مجھے بتائیے یہ زید، یہ زید لفظِ زید میرے پاس آیا تھا یا زید کا جو مسمیٰ ہے، جو مدلول ہے، وہ میرے پاس آیا تھا؟ زید کا مسمیٰ آیا تھا، لفظ تو آنے کا فعل نہیں کر سکتا، تو یہاں دیکھو اسم بول کر مسمیٰ مراد ہے۔

جَاءَنِي زَيْدٌ میں لفظ ذکر کیا ہے؟ زید، تو یہ اسم ہے لیکن اسم مراد نہیں ہے بلکہ مسمیٰ۔ تو کبھی اسم کو ذکر کرتے ہیں اور مسمیٰ مراد ہوتا ہے، اور کبھی اسم کو ذکر کرتے ہیں اور اسم ہی مراد ہوتا ہے، مثلاً میں آپ سے کہتا ہوں كَتَبْتُ زَيْدًا، میں نے زید کا لفظ لکھا۔ اب مجھے بتائیے میں نے یہ اسمِ زید لکھا یا مسمائے زید لکھا ہے؟ ظاہر سی بات ہے لفظ کو لکھا جاتا ہے، مسمیٰ کو تو لکھا نہیں جاتا۔ تو یہاں اب دیکھو اسم بول کر اسم مراد ہے، یہاں مسمیٰ مراد نہیں۔ جَاءَنِي زَيْدٌ، یہاں مجیئت والا فعل صرف مسمیٰ کر سکتا ہے، لفظِ زید نہیں کر سکتا۔ تو لہٰذا جَاءَنِي زَيْدٌ میں زید سے مسمیٰ یعنی مدلول مراد ہے، اسم کا مدلول مراد ہے، یہ اسم دال ہے اور وہ ہے مدلول، یا یہاں یہ ہے اسم اور وہ ہے مسمیٰ، تو مسمیٰ مراد ہے یعنی اس کی ذات میرے پاس آئی۔ اور کبھی کبھار اسم بول کر اسم ہی مراد ہوتا ہے جیسے میں نے كَتَبْتُ زَيْدًا میں نے لفظِ زید لکھا، اور یہ لکھا یہ تو لفظ کو لکھا جاتا ہے مسمیٰ کو تو نہیں لکھا جاتا تو یہاں اسم بول کر اسم ہی مراد ہے، مسمیٰ مراد نہیں۔ تو حاصل کیا ہوا؟ کبھی اسم بول کر مسمیٰ مراد ہوتا ہے اور کبھی اسم بول کر اسم ہی مراد ہوتا ہے، یا یوں کہو کبھی اسم بول کر مدلول مراد ہوتا ہے اور کبھی اسم بول کر اسم یعنی دال ہی مراد ہوتا ہے۔ تو یہاں پر بھی یہ تاویل کی گئی ہے جَاءَنِي سَعِيدُ كُرْزٍ، سَعِيد سے مسمیٰ مراد لے لو اور كُرْز سے وہی لفظ مراد لے لو۔ جَاءَنِي سَعِيدُ كُرْزٍ میرے پاس كُرْز کا مدلول آیا تھا، میرے پاس كُرْز کا مسمیٰ یعنی كُرْز کی ذات آئی تھی۔ نہیں بات سمجھ میں آئی؟ جَاءَنِي سَعِيدُ كُرْزٍ، سَعِيد مضاف اور كُرْزٍ مضاف الیہ، اور سَعِيد سے کیا مراد لو؟ مسمیٰ، کون مراد لو؟ مسمیٰ اور وہ مدلول مراد لو، اور كُرْز سے کیا مراد لو؟ اسم، یہی جو كُرْز اسم ہے۔ اب اس کا سَعِيدُ كُرْزٍ جیسے غُلَامُ زَيْدٍ، غُلَامُ زَيْدٍ کا ترجمہ کہاں سے شروع کرتے ہیں اردو میں؟

آخر سے۔ غُلَامُ زَيْدٍ: زید کا غلام۔ یہاں پر بھی اسی طرح کرو: جَاءَنِي سَعِيدُ كُرْزٍ، میرے پاس آیا كُرْز کا مدلول، میرے پاس كُرْز کا مسمیٰ یعنی كُرْز کی ذات آئی تھی۔ كُرْز کی ذات آئی تھی، دیکھو اب معنیٰ ٹھیک ہو گیا یا نہیں؟ تو اس کے اندر یہ تاویل کی گئی ہے کہ پہلے اسم سے جو ہے وہ مدلول مراد لے لیں اور دوسرے سے اسم مراد لے لیں۔ اور اس کا عکس نہیں کیا گیا، یعنی عربوں نے سَعِيدُ كُرْزٍ کہا ہے، كُرْزُ سَعِيدٍ نہیں کہہ سکتے آپ۔ كُرْز کو پہلے لے آئیں اور سَعِيد کو بعد میں لے آئیں، یہ نہیں کر سکتے۔ بھائی کیا وجہ ہے؟ کہتے ہیں وجہ یہ ہے کہ یہاں پر ایک ہے اس کا نام جو اس کے ماں باپ نے اس کا نام رکھا تھا، اور ایک كُرْز لقب ہے جو قوم نے دیا ہے، اور جو لقب قوم نے دیا ہے وہ زیادہ مشہور ہوتا ہے، وہ کیا ہوتا ہے؟ زیادہ مشہور ہوتا ہے، اس کا سب کو پتہ ہوتا ہے کیونکہ لوگوں نے اس کو وہ نام دیا ہے، اپنے اس کے صحیح نام کا چاہے کسی کو پتہ ہو یا پتہ نہ ہو۔ تو لہٰذا سَعِيدُ كُرْزٍ، یہاں جب سَعِيد کے بعد كُرْز آئے گا تو وہ زیادہ وضاحت کا فائدہ دے دے گا۔ سَعِيد میں اتنی وضاحت نہیں تھی لیکن كُرْز آ کر کیا کر دے گا؟ کہ سَعِيد سے کون مراد ہے؟ كُرْز مراد ہے، کوئی اور مراد نہیں، تو وضاحت ہو جائے گی۔ لیکن اگر آپ اس کا برعکس کریں گے، تو كُرْز جب پہلے لائیں گے تو پھر تو پوری وضاحت ہو گئی، پھر تو سَعِيد

کے لانے کا کوئی فائدہ ہی نہ رہے گا، اس لیے سَعِيدُ كُرْزٍ تو کہیں گے لیکن كُرْزُ سَعِيدٍ نہیں کہہ سکتے۔ بات سمجھ میں آگئی؟

اب آئیے آج کے سبق پر۔ کہتے ہیں: وَإِذَا أُضِيفَ الِاسْمُ الصَّحِيحُ وَهُوَ فِي عُرْفِ النُّحَاةِ مَا لَيْسَ فِي آخِرِهِ حَرْفُ عِلَّةٍ أَوِ الْمُلْحَقُ بِهِ وَهُوَ مَا فِي آخِرِهِ وَاوٌ أَوْ يَاءٌ قَبْلَهُمَا سَاكِنٌ۔

بھائی اضافت کی بات چل رہی ہے، اضافت سے متعلقہ کچھ اور قیمتی باتیں صاحبِ کافیہ آپ کو بتلائیں گے۔ پہلے صرف متن متن دیکھ لیجیے، آسان باتیں ہیں، کہتے ہیں: وَإِذَا أُضِيفَ الِاسْمُ الصَّحِيحُ أَوِ الْمُلْحَقُ بِهِ إِلَى يَاءِ الْمُتَكَلِّمِ كُسِرَ آخِرُهُ وَالْيَاءُ مَفْتُوحَةٌ أَوْ سَاكِنَةٌ۔ بھائی دیکھیے اور اضافتیں تو آسان ہیں، اور اضافتیں تو آسان ہیں، مضاف پر وہی اعراب آئے گا جیسے پیچھے عامل ہو گا، جَاءَنِي غُلَامُ زَيْدٍ، غُلَامُ پر تو وہی اعراب آئے گا جو پیچھے عامل کی وجہ سے آیا، اور زَيْدٍ وہ مضاف الیہ ہے وہ کیا ہو گا؟ مجرور۔ تو ان کے پڑھنے میں تو کوئی خفا وغیرہ نہیں۔ لیکن اگر کسی اسم کی اضافت کی جائے یائے متکلم کی طرف، پھر کیسے پڑھیں گے اس کو؟ اس کے اندر کچھ خفا تھا، کچھ اشتباہ تھا، کیونکہ جو اسم آپ یا کے ساتھ جوڑنا چاہتے ہیں، وہ اسمِ صحیح بھی ہو سکتا ہے اور جاری مجرائے صحیح بھی ہو سکتا ہے جیسے دَلْوٌ اور ظَبْيٌ، اور کبھی اس اسم کے آخر میں الف آئے گا عَصًا اور رَحًى، آپ اس کی یا کی طرف اضافت کیسے کریں گے؟ اور نیز کبھی اس اسم کے آخر میں پہلے سے یا ہو گی قَاضِي، اس کی اضافت یائے متکلم کی طرف کیسے کریں گے؟ اور کبھی اس اسم کے آخر میں واو ہو گا مُسْلِمُونَ، نون تو اضافت سے گر جائے گا، اس کی اضافت یا کی طرف کیسے کریں گے؟ تو وہ اب ساری تفصیل بیان کریں گے صاحبِ کافیہ۔

حاصل یہ کہ وہ آپ کو بتائیں گے کہ جب کسی اسم کی اضافت کی جائے یائے متکلم کی طرف، چاہے وہ صحیح ہو، چاہے جاری مجرائے صحیح ہو۔ صحیح آپ جانتے ہیں، ایک صحیح ہے نحو میں۔ نحوی نے بحث کرنی ہے اعراب سے، تو نحوی کے نزدیک صحیح اس کو کہیں گے جس کے آخر میں حرفِ علت نہ ہو۔ زَيْدٌ، زید کے آخر میں دال ہے، اور یہ دال حرفِ علت نہیں، واو الف یا یا نہیں ہے، تو نحویوں کے نزدیک یہ صحیح ہے، کیونکہ اس کے آخر میں کیا ہے حرفِ صحیح آرہا ہے، آخر میں حرفِ علت نہیں آرہا، اس پر تینوں طرح کے اعراب پڑھنا آسان ہیں: جَاءَنِي زَيْدٌ، رَأَيْتُ زَيْدًا، مَرَرْتُ بِزَيْدٍ۔ اور اسی طرح جاری مجرائے صحیح، یعنی جو صحیح کے قائم مقام ہے، صحیح تو نہیں لیکن صحیح کے قائم مقام ہے، جیسے ظَبْيٌ اور دَلْوٌ۔ اس کے ظَبْيٌ کے آخر میں یا ہے، دَلْوٌ کے آخر میں واو ہے، لیکن چونکہ ماقبل میں ساکن آگیا، اس ساکن کی وجہ سے اس پر بھی تینوں حرکتیں آسان ہیں ظَبْيٌ اور دَلْوٌ۔ توجہ ہے؟ ہاں، تو بات چل رہی تھی کہ صحیح جو ہو۔ میں نے بتایا ایک صحیح وہ ہے جو نحویوں کے نزدیک ہے۔ نحویوں نے بحث کس کے بارے میں کرنی ہے؟ اعراب کے بارے میں، لہٰذا جس اسم کے آخر میں حرفِ علت نہ ہو وہ نحویوں کے نزدیک کیا ہے؟ اسمِ صحیح ہے۔ جبکہ علمائے صرف کے نزدیک صحیح اس کو کہتے ہیں کہ جس کے اندر کوئی حرفِ اصلی، حرفِ علت بھی نہ ہو، اور نیز کوئی حرفِ اصلی جو ہے وہ ہمزہ بھی نہ ہو، اور نیز اس کے

اندر تضعیف بھی نہ ہو یعنی دو حرفِ اصلی ایک جنس کے بھی نہ ہوں۔ تو وہاں پر علمائے صرف کے نزدیک صحیح اور ہے، اس میں تین قیدیں ہیں کہ کوئی حرفِ اصلی حرفِ علت بھی نہ ہو، اور ہمزہ بھی نہ ہو، اور اس میں تضعیف بھی نہ ہو یعنی دو حرف ایک جنس کے بھی نہ ہوں۔ لیکن علمائے نحو کے نزدیک صحیح وہ ہے جس کے آخر میں حرفِ علت نہ آئے بھائی، کیونکہ علمائے نحو نے بحث کرنی ہے اعراب سے، اور اعراب آخری حرف پہ آتا ہے، تو صرف اس کو وہ دیکھتے ہیں۔ تو لہٰذا زَيْدٌ، غُلَامٌ یہ سب کیا ہیں؟ صحیح ہیں۔ اور ایک ہے جاری مجرائے صحیح جیسے دَلْوٌ اور ظَبْيٌ جس کے آخر میں حرفِ علت تو ہے لیکن ماقبل حرف ساکن ہے، تو اس پر بھی تینوں اعراب پڑھنا آسان ہے۔

تو ان کی جب اضافت یا کی طرف کی جائے گی، تو یا سے ماقبل جو حرف ہے اس پر کسرہ پڑھ دیں گے۔ جیسے غُلَام کی اضافت یا کی طرف کی تو کیا کہیں گے؟ غُلَامِي، اور غُلَام کا آخری حرف کیا ہے؟ میم، اس پر کسرہ پڑھ دیں گے کیونکہ یا اپنے سے ماقبل کسرہ چاہتی ہے، غُلَامِي۔ اسی طرح دَلْوِي، دَلْوٌ کی اضافت یا کی طرف کی تو دَلْوٌ کے آخر میں کیا ہے؟ واو، اور یہ جب یا کے ساتھ جڑے گا، یا اپنے سے ماقبل کیا چاہتی ہے؟ کسرہ، تو وہ جو ماقبل والے اسم کا آخری حرف ہے اس پہ کسرہ پڑھیں گے، دَلْوِي، ظَبْيِي۔ بات سمجھ میں آگئی؟

دیکھیے متن، کہتے ہیں: وَإِذَا أُضِيفَ الِاسْمُ الصَّحِيحُ أَوِ الْمُلْحَقُ بِهِ، اور جب اضافت کی جائے اس اسم کی جو صحیح ہو، أَوِ الْمُلْحَقُ بِهِ یا اس اسم کی جو ملحق بالصحیح ہے، یعنی جس کو صحیح کے ساتھ ملایا گیا ہے، جاری مجرائے صحیح ہے، تو کہتے ہیں جب ان کی اضافت کی جائے إِلَى يَاءِ الْمُتَكَلِّمِ یائے متکلم کی طرف، كُسِرَ آخِرُهُ تو اس اسم کے آخر کو کیا دے دیں گے؟ کسرہ۔ غُلَام کی اضافت یا کی طرف کرنا چاہتے ہیں تو غُلَام کے آخر یعنی میم کو کسرہ دے دیں گے۔ دَلْوٌ کی اضافت یا کی طرف کرنا چاہتے ہیں تو دَلْوٌ کے آخر یعنی واو کو کسرہ دے دیں گے، دَلْوِي کہیں گے۔ وَالْيَاءُ مَفْتُوحَةٌ أَوْ سَاكِنَةٌ، اور یا مفتوح ہو گی یا ساکن ہو گی۔ یاد رکھو یہ جو متکلم کی یا ہے اس کو ساکن پڑھنا بھی صحیح اور اس پر فتحہ پڑھنا بھی صحیح: غُلَامِي یا کو میں نے ساکن پڑھا، غُلَامِيَ میں نے یا پر فتحہ پڑھا، دونوں طرح پڑھنا صحیح ہے۔ توجہ ہے؟ یہ یائے متکلم جو ہے اس کو ساکن پڑھنا بھی صحیح اور اس پر فتحہ پڑھنا بھی صحیح ہے، تو غُلَامِي اور غُلَامِيَ دونوں طرح پڑھ سکتے ہیں، دَلْوِي اور دَلْوِيَ دونوں طرح آپ پڑھ سکتے ہیں۔ تو یہ معنیٰ ہے: وَالْيَاءُ مَفْتُوحَةٌ أَوْ سَاكِنَةٌ اور وہ جو یائے متکلم ہے وہ مفتوح ہو گی یا ساکن ہو گی۔

اچھا بھائی، اب اس سارے کو شرح کے ساتھ دیکھیے بھائی، کہتے ہیں: وَإِذَا أُضِيفَ الِاسْمُ الصَّحِيحُ، اور جب اضافت کی جائے اسمِ صحیح کی۔ بھائی اسمِ صحیح کسے کہتے ہیں؟ اب وہ بیان کر رہے ہیں صاحبِ جامی، کہتے ہیں: وَهُوَ فِي عُرْفِ النُّحَاةِ مَا لَيْسَ فِي آخِرِهِ حَرْفُ عِلَّةٍ، اسمِ صحیح نحویوں کے عرف میں وہ اسم ہے، مَا لَيْسَ فِي آخِرِهِ حَرْفُ عِلَّةٍ، وہ اسم ہے کہ جس کے آخر میں حرفِ علت نہ ہو۔ أَوِ الْمُلْحَقُ بِهِ یا جب اضافت کی جائے اس اسم کی جو ملحق بالصحیح ہے یعنی جاری مجرائے

صحیح ہے، وہ کسے کہتے ہیں؟ میں نے بتایا تھا کہ آخر میں واو یا یا ہے لیکن ماقبل ساکن ہے، اور میں نے یہ بھی آپ کو بتلایا تھا کہ وہ جو بھی اسم جس کے آخر میں یائے مشدد آجائے یا واوِ مشدد آجائے، تو یہ بھی جاری مجرائے صحیح ہے، لَاهُورِيٌّ۔ یہ لَاهُورِيٌّ کیا ہے؟ جاری مجرائے صحیح، کیونکہ لَاهُورِيٌّ کے آخر میں کیا ہے؟ یائے مشدد، اور حرفِ مشدد دراصل کتنے حروف ہوتے ہیں؟ دو حروف ہوتے ہیں، پہلا ساکن اور ثانی متحرک، لَاهُورِيٌّ، تو یہ ایک یا ساکن ہے اور دوسری یا متحرک ہے، اور جاری مجرائے صحیح میں بھی آخر میں یا آتی ہے وہ متحرک ہوتی ہے اور ماقبل ساکن ہوتا ہے۔ یا اسی طرح مَدْعُوٌّ، آپ سے کوئی پوچھے مَدْعُوٌّ کون سا اسم ہے؟ آپ فوراً اس کو بتلائیں گے کہ یہ جاری مجرائے صحیح ہے۔ تو ضابطہ کیا ہے؟ جس اسم کے آخر میں بھی یائے مشدد آجائے یا واوِ مشدد آجائے وہ تو وہ جاری مجرائے صحیح ہے، اور اس پر تینوں اعراب پڑھنا جائز ہیں کیونکہ تینوں اعراب پڑھنے میں وہاں کوئی رکاوٹ نہیں: جَاءَنِي لَاهُورِيٌّ، رَأَيْتُ لَاهُورِيًّا، مَرَرْتُ بِلَاهُورِيٍّ، اسی طرح جَاءَنِي مَدْعُوٌّ، رَأَيْتُ مَدْعُوًّا، مَرَرْتُ بِمَدْعُوٍّ۔

تو کہتے ہیں أَوِ الْمُلْحَقُ بِهِ یا اضافت کر دی جائے ملحق بہ کی۔ بھائی ملحق بالصحیح کسے کہتے ہیں؟ کہتے ہیں: وَهُوَ مَا فِي آخِرِهِ وَاوٌ أَوْ يَاءٌ، وہ اسم کہ جس کے آخر میں ایسا واو یا ایسی یا ہو، قَبْلَهُمَا سَاكِنٌ کہ جن کا ماقبل ساکن ہو۔ دیکھو وَاوٌ أَوْ يَاءٌ یہ نکرہ ہیں، الف لام کسی پر بھی داخل نہیں، نہ واو پر نہ یا پر، یہ نکرہ ہیں، اور نکرہ کے بعد فعل آتا تھا تو اس کے لیے کیا بنتا تھا؟ صفت، کیونکہ وہ فعل نے جملہ بننا ہے اور جملہ نکرہ کے حکم میں ہوتا ہے تو وہ صفت بنتا ہے۔ اسی طرح اگر جملہ اسمیہ بھی آجائے نکرہ کے بعد تو وہ عموماً اس کے لیے صفت بنتا ہے۔ تو یہاں قَبْلَهُمَا سَاكِنٌ، یہ قَبْلَهُمَا یہ خبرِ مقدم ہے اور سَاكِنٌ یہ مبتدا مؤخر ہے، اور مبتدا خبر مل کر یہ جملہ آیا تو یہ وَاوٌ أَوْ يَاءٌ کے لیے صفت بنے گا۔ تو وہ اسم کہ جس کے آخر میں ایسا واو یا ایسی یا آئے قَبْلَهُمَا سَاكِنٌ کہ جن کا ماقبل ساکن ہو۔

وَإِنَّمَا كَانَ مُلْحَقًا بِالصَّحِيحِ، بھائی اس کو ملحق بالصحیح کیوں کہتے ہیں؟ وجہ کیا ہے؟ اس کو اس کے ساتھ کیوں ملایا گیا ہے؟ کہتے ہیں وجہ یہ ہے کہ ویسے تو حرفِ علت پر جو ہے اس پر حرکت ثقیل ہوتی ہے، حرفِ علت پر حرکت، لیکن یہ ماقبل میں جب سکون آگیا، جب سکون آیا تو یہ اسی طرح ہوا جیسے زبان کو استراحت مل گئی، زبان کو تھوڑا سا آرام مل گیا۔ اب آرام کے بعد آگے ثقل آرہا ہے، تو یہ جو آرام ملا، یہ جو خفت آگئی، یہ اس ثقل کے مقابل آجائے گی اور اس ثقل کو ختم کر دے گی۔ ایک طرف ماقبل میں سکون آرہا ہے، دوسری طرف حرفِ علت پر حرکت آرہی ہے، ماقبل کا سکون وہ خفت پیدا کرے گا اور حرفِ علت پر حرکت ثقل پیدا کرے گی، تو یہ جو خفت آرہی ہے یہ اس ثقل کے معارض ہو جائے گی اور اس ثقل کو کیا کر دے گی؟ ختم کر دے گی۔ جب ختم کر دیا اب اس پر حرکت کا پڑھنا آسان ہو گیا: جَاءَنِي دَلْوٌ، رَأَيْتُ دَلْوًا، مَرَرْتُ بِدَلْوٍ، اب کوئی مشکل نہیں ہے بھائی۔

کہتے ہیں وَإِنَّمَا كَانَ مُلْحَقًا بِالصَّحِيحِ، یہ اسم جو ہے ملحق بالصحیح ہے، لِأَنَّ حَرْفَ الْعِلَّةِ بَعْدَ السُّكُونِ کیونکہ وہ حرفِ علت جو سکون کے بعد آئے، وہ حرفِ علت جو سکون کے بعد آئے، لَا تَثْقُلُ عَلَيْهَا الْحَرَكَةُ اس کے اوپر حرکت ثقیل نہیں ہوتی۔ بھائی کیوں نہیں ثقیل ہوتی حرکت؟ کہتے ہیں لِمُعَارَضَةِ خِفَّةِ السُّكُونِ اس لیے کیونکہ سکون کی جو خفت ہے، سکون کا جو خفیف ہونا ہے، وہ معارض ہو جاتا ہے، وہ مقابل ہو جاتا ہے کس کے؟ ثِقَلَ الْحَرَكَةِ حرکت کے ثقل کے۔ سکون کی جو خفت ہے وہ حرکت کے ثقل کے مقابل ہو جاتی ہے اور ثقل کو ختم کر دیتی ہے۔ تو یہ معنیٰ ہے لِمُعَارَضَةِ خِفَّةِ السُّكُونِ ثِقَلَ الْحَرَكَةِ، اس لیے کیونکہ سکون کی جو خفت ہے وہ مقابل ہو جاتی ہے ثِقَلَ الْحَرَكَةِ حرکت کے ثقل کے۔ وَلِأَنَّ حَرْفَ الْعِلَّةِ بَعْدَ السُّكُونِ اس لیے کیونکہ وہ حرفِ علت، توجہ سے سنو بھائی یہ ترجمہ: لِأَنَّ حَرْفَ الْعِلَّةِ بَعْدَ السُّكُونِ مِثْلُهَا، یہ ہا ضمیر حرفِ علت کو راجع ہے جو پیچھے گزرا لِأَنَّ حَرْفَ الْعِلَّةِ، لِأَنَّ حَرْفَ الْعِلَّةِ بَعْدَ السُّكُونِ اس لیے کیونکہ وہ حرفِ علت جو سکون کے بعد آئے، مِثْلُهَا وہ اس حرفِ علت کے مثل ہے بَعْدَ السُّكُوتِ جو کس کے بعد آئے؟ سکوت کے بعد آئے۔ وہ حرفِ علت جو سکون کے بعد آئے وہ اس حرفِ علت کے مثل ہے بَعْدَ السُّكُوتِ جو کس کے بعد آئے؟ سکوت یعنی خاموشی کے بعد آئے۔ جیسے مثلاً آپ کوئی لفظ بولنے لگے ہیں اور اس لفظ کے شروع میں حرفِ علت ہے، وَعْدٌ۔ وَعْدٌ تو دیکھو یہ بالکل شروع میں آیا ہے، تو لہٰذا یہ گویا زبان کو استراحت مل چکی ہے، خاموشی کی وجہ سے کیا مل چکی ہے زبان کو؟ استراحت۔ بھائی جب آپ خاموش ہیں تو زبان پر کوئی بوجھ ہے؟ نہیں، زبان کو استراحت مل رہی ہے۔ اب آپ وَعْدٌ یا وَجِلٌ کہتے ہیں تو دیکھو اب حرفِ علت پر حرکت ثقیل نہیں کیونکہ زبان کو استراحت مل گئی۔ تو یہاں پر بھی سکون کی وجہ سے زبان کو کیا مل گئی؟ استراحت مل گئی، تو جیسے ابتداء کے اندر استراحت کی وجہ سے وہ حرفِ علت پر حرکت ثقیل نہیں ہوتی، تو یہاں پر بھی جب سکون کی وجہ سے خفت آگئی تو اب حرکت کی وجہ سے جو ثقل تھا وہ ختم ہو گیا۔ کہتے ہیں وَلِأَنَّ حَرْفَ الْعِلَّةِ بَعْدَ السُّكُونِ...

اس لیے کیونکہ حرفِ علت جو سکون کے بعد ہو مِثْلُهَا بَعْدَ السُّكُوتِ وہ اس حرفِ علت کے مثل ہے جو سکوت یعنی خاموشی کے بعد یعنی ابتداء میں آئے۔ یہ والا حرفِ علت جو سکون کے بعد ہے، یہ اس حرفِ علت کے مثل ہے جو سکوت کے بعد ہے، جو، بھائی کس چیز میں یہ اس کے مثل ہے؟ کہتے ہیں فِي الْوُقُوعِ بَعْدَ اسْتِرَاحَةِ اللِّسَانِ، اس بات کے اندر کہ یہ استراحتِ لسان کے بعد واقع ہوا ہے، زبان کو راحت ملنے کے بعد واقع ہوئے ہیں دونوں۔ سکون کے بعد جو آیا وہاں بھی زبان کو راحت مل گئی، اور ابتداء میں جو آیا وہاں بھی زبان کو راحت مل گئی، تو دونوں ایک دوسرے کے مثل ہیں۔ تو یہ معنیٰ ہے کہ یہ دونوں ایک دوسرے کے مثل ہیں فِي الْوُقُوعِ بَعْدَ اسْتِرَاحَةِ اللِّسَانِ، اس بات کے اندر کہ یہ واقع ہوئے ہیں بَعْدَ اسْتِرَاحَةِ اللِّسَانِ زبان کی استراحت کے بعد، زبان کے راحت حاصل کرنے کے بعد۔ وَلَا تَثْقُلُ عَلَيْهَا الْحَرَكَةُ بَعْدَ السُّكُوتِ، اور حرفِ علت پر تو حرکت ثقیل نہیں ہوتی بَعْدَ السُّكُوتِ کس کے بعد؟ سکوت کے بعد حرکت ثقیل نہیں ہوتی، يَعْنِي فِي الِابْتِدَاءِ، سکوت کے بعد سے کیا مراد ہے؟ یعنی ابتداء میں اس پر حرکت ثقیل نہیں ہوتی۔ كَذَا بَعْدَ السُّكُونِ، تو

اسی طرح سکون کے بعد بھی اس پر حرکت ثقیل نہیں ہے۔ تو جب اسمِ صحیح یا ملحق بالصحیح کی اضافت کی جائے إِلَى يَاءِ الْمُتَكَلِّمِ یائے متکلم کی طرف، كُسِرَ آخِرُهُ تو اس کے آخر کو کسرہ دیا جائے گا لِلتَّنَاسُبِ مناسبت کی وجہ سے کہ دونوں میں کیا ہے؟ مناسبت ہے، یعنی کسرہ جو ہے وہ یا کے مناسب ہے نا، تو لہٰذا وہاں کسرہ پڑھیں گے۔ تو کہتے ہیں لِلتَّنَاسُبِ مناسبت کی وجہ سے کہ کسرہ جو ہے وہ یا کے مناسب ہے، مِثْلُ ثَوْبِي وَدَارِي فِي الصَّحِيحِ۔ صحیح کے اندر یوں کہیں گے ثَوْبِي۔ ثَوْبٌ اسمِ صحیح ہے، اس کی اضافت یا کی طرف کر دی، تو اس ثَوْب کے آخر میں جو با تھی اس پر کسرہ پڑھ دیا: ثَوْبِي۔ اسی طرح دَارِي، دَار کے آخر میں را تھی، اس کی اضافت یا کی طرف کی تو را پر کیا پڑھ دیا؟ کسرہ: دَارِي۔ تو کہتے ہیں مِثْلُ ثَوْبِي وَدَارِي فِي الصَّحِيحِ، جیسے کہ ثَوْبِي اور دَارِي ہے اسمِ صحیح میں، وَظَبْيِي وَدَلْوِي فِي الْمُلْحَقِ بِهِ، اور ظَبْيِي اور دَلْوِي جو ہے ملحق بالصحیح میں، اس کے اندر بھی آخر میں جو واو یا یا ہے اس پر کیا پڑھیں گے؟ کسرہ پڑھیں گے جب یا کی طرف اضافت کی جائے۔

وَالْيَاءُ مَفْتُوحَةٌ أَوْ سَاكِنَةٌ، اور وہ یا جو آخر میں یائے متکلم آ رہی ہے وہ مفتوح ہو گی یا ساکن ہو گی۔ وَقَدِ اخْتُلِفَ فِي أَنَّ أَيَّهُمَا الْأَصْلُ، اور اس میں اختلاف کیا گیا ہے کہ ان دونوں میں سے اصل کیا ہے؟ اس یا پر آپ سکون بھی پڑھ سکتے ہیں: غُلَامِي یا کو ساکن پڑھا، غُلَامِيَ یا پر کیا پڑھا؟ فتحہ۔ تو ان میں سے اصل کیا ہے؟ فتحہ اصل ہے یا سکون اصل ہے؟ پڑھ تو دونوں سکتے ہیں آپ۔ توجہ ہے؟ كِتَابِي یا كِتَابِيَ دونوں طرح پڑھ سکتے ہیں، لیکن ان میں اصل کیا ہے؟ تو علمائے نحو کا اختلاف ہے۔ صاحبِ جامی بتلائیں گے کہ صحیح قول یہی ہے کہ حرکت اصل ہے، حرکت اصل ہے، اور سکون بھی پڑھ سکتے ہیں آپ کیونکہ سکون خفیف ہے۔ تو کہتے ہیں وَقَدِ اخْتُلِفَ فِي أَنَّ أَيَّهُمَا الْأَصْلُ، اور تحقیق اس میں اختلاف کیا گیا ہے کہ ان میں سے کون سا اصل ہے، یعنی سکون اور فتحہ میں سے جو آپ یا پر پڑھ رہے ہیں، کیا اصل ہے؟ وَالصَّحِيحُ أَنَّهُ الْفَتْحُ، اور صحیح قول یہ ہے کہ فتحہ جو ہے وہ اصل ہے، إِذِ الْأَصْلُ فِي الْكَلِمَةِ الَّتِي عَلَى حَرْفٍ وَاحِدٍ هُوَ الْحَرَكَةُ، اس لیے کیونکہ اصل جو ہے فِي الْكَلِمَةِ اس کلمہ کے اندر الَّتِي عَلَى حَرْفٍ وَاحِدٍ جو ایک حرف پر مشتمل ہو، هُوَ الْحَرَكَةُ وہ حرکت ہے۔ آپ کو ضابطہ بتلا رہے ہیں صاحبِ جامی، کیونکہ اصل یہ ہے، ضابطہ یہ ہے اس کلمے میں جو صرف ایک حرف پر مشتمل ہو۔ کلمہ کسے کہتے ہیں؟ بامعنیٰ لفظ، جس کا کوئی معنیٰ ہے۔ تو جب ایک کلمہ ایک حرف پر مشتمل ہے تو اس کے اندر اصل جو ہے وہ حرکت ہے، اصل کیا ہے؟ حرکت ہے، وجہ بھی ذکر کریں گے بھائی کیوں اس میں حرکت کیوں اصل ہے؟ تاکہ کہیں ابتداء بالساکن لازم نہ آئے۔ یہ کلمہ اگر شروع میں آ گیا، مثلاً بائے جارہ ہے، یہ ایک کلمہ ہے، اور ایک کلمہ ہے اگر آپ کہیں اس کے اندر سکون اصل ہے، اور پھر آپ پڑھتے ہیں بِسْمِ اللَّهِ، تو با کہاں آ گئی؟ شروع میں۔ اگر با ساکن ہے تو آپ پڑھیں گے کیسے؟ با کو پڑھیں، نہ ضمہ پڑھنا ہے، نہ فتحہ پڑھنا ہے، نہ کسرہ پڑھنا ہے، پھر تو ابتداء بالساکن لازم آئے گی، اور ابتداء بالساکن تو عربی زبان میں نہیں ہو سکتی۔ توجہ ہے؟ اور زبانوں میں ہو سکتی ہے ابتداء بالساکن، لیکن عربی زبان میں ابتداء

بالساکن نہیں ہو سکتی۔ توجہ ہے؟ تو لہٰذا اگر اس با کو، وہ جو کلمہ جو ایک حرف پر مشتمل ہے، اگر اس کی اصل کیا ہو؟ سکون ہو، تو پھر کیا خرابی لازم آئے گی؟ ابتداء بالساکن لازم آئے گی اور ابتداء بالساکن تو محال ہے عربی زبان میں۔ لیکن اور زبانوں میں ہو سکتی ہے، جیسے میں نے اس کی مثال بھی ذکر کی تھی، کیا؟ جیسے دیکھو سکول۔ سکول انگریزی کا لفظ ہے، سکول۔ اب اس میں یہ جو سین ہے یہ ساکن ہے، یہ اس پر فتحہ نہیں ہے، سَکُول میں نہیں کہہ رہا، میں سکول کہہ رہا ہوں۔ تو نہ ضمہ ہے، نہ فتحہ ہے، نہ کسرہ ہے۔ تو اور زبانوں میں ابتداء بالساکن ہو سکتی ہے لیکن عربی زبان میں نہیں ہو سکتی۔ تو کہتے ہیں لِئَلَّا يَلْزَمَ الِابْتِدَاءُ بِالسَّاكِنِ حَقِيقَةً أَوْ حُكْمًا، تاکہ کہیں ابتداء بالساکن لازم نہ آئے حقیقتاً یا حکماً۔ حقیقتاً یا حکماً ابتداء بالساکن لازم نہ آئے۔ حقیقتاً ابتداء بالساکن تب لازم آئے گی جب وہ کلمہ حقیقتاً شروع میں ہو، جیسے بِسْمِ اللَّهِ کی با کیا ہے؟ شروع میں ہے، تو پھر اس صورت میں کیا آئے گا؟ حقیقتاً ابتداء بالساکن، اور وہ تو نہیں ہو سکتا۔ اور یہ جو یا ہے، یائے متکلم والی، یہ تو شروع میں کبھی بھی نہیں آتی، یہ تو شروع میں کبھی بھی نہیں آتی کیونکہ یا تو یہ منصوب ہوتی ہے یا یہ مجرور ہوتی ہے، یہاں مجرور کی بات چل رہی ہے کیونکہ مضاف الیہ ہے، اور مضاف الیہ تو ہمیشہ مضاف کے بعد آتا ہے۔ تو کہتے ہیں یہ اگرچہ شروع میں نہیں آسکتی، لیکن ہے تو الگ کلمہ، ہے تو مستقل کلمہ، تو گویا یہاں پر بھی حکماً ابتداء بالساکن لازم آئے گی۔ توجہ ہے؟ ابتداء بالساکن حقیقتاً کب ہو گی؟ جب وہ کلمہ کہاں آئے؟ ابتداء میں آئے۔ اور یہ یا جو مضاف الیہ ہے یہ تو ابتداء میں نہیں آسکتی، لیکن ہے تو مستقل کلمہ، جب مستقل کلمہ ہے تو یہ بھی اگر ساکن ہو گا تو یوں ہی کہیں گے گویا ابتداء بالساکن اس میں ہو رہی ہے، اس یا میں کیا ہو رہی ہے؟ ابتداء بالساکن ہو رہی ہے۔ توجہ ہے؟ تو یہاں بھی ابتداء بالساکن حقیقتاً تو نہیں ہے لیکن حکماً لازم آئے گی۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو ابتداء بالساکن نہ حقیقتاً جائز ہے اور نہ حکماً جائز ہے۔ جب یہ مستقل کلمہ ہے تو اس کو اگر آپ ساکن قرار دیں گے تو یہاں پر ابتداء بالساکن حکماً لازم آجائے گی۔ بات سمجھ میں آگئی؟ حقیقتاً ابتداء بالساکن کب ہو گی؟ جب وہ ایک کلمہ جو ایک حرف پر مشتمل ہے وہ بالکل کلام کے شروع میں آجائے گا اور آپ نے اس کو ساکن قرار دیا ہے، تو ابتداء بالساکن حقیقتاً لازم آئے گی۔ اور جیسے یائے متکلم، یہ تو مضاف الیہ ہے، اس سے پہلے تو ہمیشہ کیا آئے گا؟ مضاف آئے گا، لیکن یہاں اگر اس کو آپ ساکن کہیں گے کہ اس کی اصل کیا ہے؟ اصل میں یہ ساکن ہے، تو یہاں ابتداء تو نہیں، حقیقت میں تو ابتداء نہیں، لیکن اس کو بھی حکماً ابتداء بالساکن کہیں گے کیونکہ یہ ایک الگ مستقل کلمہ ہے، یہ ایک الگ مستقل کلمہ ہے۔ تو یہاں حقیقتاً تو ابتداء بالساکن نہیں لیکن حکم کیا لگا دیا جائے گا اس پر بھی؟ ابتداء بالساکن کا کہ یہ ایک الگ مستقل کلمہ ہے اور بالکل ساکن ہے، یہ تو ابتداء بالساکن ہی اس کے اندر لازم آ رہی ہے، حقیقت میں نہیں کیونکہ حقیقت میں تو یہ شروع میں نہیں ہے لیکن حکم لگا دیا جائے گا۔ کیونکہ یہ کلمہ الگ کلمہ ہے، مستقل کلمہ ہے، تو اس کو ساکن نہیں ہونا چاہیے۔ بات سمجھ میں آگئی؟

آگے دیکھیے، کہتے ہیں: وَالْأَصْلُ فِيمَا بُنِيَ عَلَى الْحَرَكَةِ الْفَتْحُ۔ اچھا پھر آپ نے کہا یہ یا مفتوح ہو گی غُلَامِيَ، یا یہ ساکن ہو گی غُلَامِي۔ بھائی فتحہ کیوں پڑھیں گے؟ اتنا تو آپ نے بتا دیا کہ وہ کلمہ جو ایک حرف پر مشتمل ہو اصل جو ہے اس کے اندر حرکت ہے، تو حرکتیں تو تین طرح ہو سکتی ہیں: ضمہ بھی، فتحہ بھی، کسرہ بھی، پھر فتحہ ہی کو کیوں پڑھتے ہیں؟ تو جواب دیا کہ اصل یہ ہے کہ وہ اسم جس کو مبنی علی الحرکت بناتے ہیں تو اس کے اندر اصل فتحہ ہے، کہ مبنی علی الفتحہ اس کو بنایا جاتا ہے۔ تو کہتے ہیں: وَالْأَصْلُ فِيمَا بُنِيَ عَلَى الْحَرَكَةِ الْفَتْحُ، اور اصل اس اسم کے اندر جس کو مبنی علی الحرکت بناتے ہیں، وہ اس میں فتحہ ہے۔ وَالسُّكُونُ، بھائی اس یا پر سکون بھی پڑھتے ہیں، سکون کیوں پڑھتے ہیں؟ کہتے ہیں: وَالسُّكُونُ إِنَّمَا هُوَ عَارِضٌ لِلتَّخْفِيفِ، اور سکون جو ہے یہ عارض ہوا ہے تخفیف کی وجہ سے، کیونکہ سکون میں تخفیف ہے اس لیے سکون بھی پڑھ دیتے ہیں، لیکن سکون اصل نہیں ہے یہ عارضی طور پر آیا ہے، تو یہ عارض ہوا ہے اس کو یعنی اس کی صفت بنی ہے۔

آگے دیکھیے، پہلے متن دیکھیے، کہتے ہیں: فَإِنْ كَانَ آخِرُهُ أَلِفًا۔ اگر اس اسم کے آخر میں الف ہے جس کی آپ اضافت کرنا چاہتے ہیں یا کی طرف، عَصًا دیکھو آخر میں الف ہے، اب آپ اس کی یا کی طرف اضافت کرنا چاہتے ہیں، یا رَحًى اس کے آخر میں الف ہے، اس کی آپ یا کی طرف اضافت کرنا چاہتے ہیں، یا غُلَام کی تثنیہ بنائیں غُلَامَانِ، اب آپ اس کی اضافت کرنا چاہتے ہیں یا کی طرف، تو نون تو اضافت سے گر جائے گا، تو غُلَامَا آخر میں الف ہے، اس کی یا کی طرف اضافت کیسے کریں گے؟ تو آپ کو صاحبِ کافیہ بتلائیں گے کہ اس الف کو ثابت رکھیں گے، الف کو ثابت رکھیں گے اور اس کے بعد یا پڑھیں گے۔ عَصًا، عَصًا کی اضافت کریں یا کی طرف: عَصَايَ، اور رَحًى کی اضافت کریں یا کی طرف: رَحَايَ۔ توجہ ہے؟ اسی طرح غُلَامَانِ اس کی اضافت کریں یا کی طرف: غُلَامَايَ۔ توجہ ہے؟ طریقہ سمجھ میں آ رہا ہے کہ جس اسم کے آخر میں الف ہو اور آپ اس کی یا کی طرف اضافت کرنا چاہتے ہیں تو الف کو ثابت رکھیں گے۔ عَصَايَ میری لاٹھی، رَحَايَ میری پن چکی، غُلَامَايَ میرے دو غلام۔ طریقہ سمجھ میں آیا؟ تو کہتے ہیں: فَإِنْ كَانَ آخِرُهُ أَلِفًا، اگر وہ اسم جس کی آپ اضافت کر رہے ہیں یا کی طرف، اس کے آخر میں اگر الف ہو، تُثْبَتُ تو اس الف کو ثابت رکھا جائے گا۔ وَهُذَيْلٌ تَقْلِبُهَا لِغَيْرِ التَّثْنِيَةِ يَاءً، اور قبیلہ ہذیل یہ عرب کا ایک قبیلہ ہے، اور قبیلہ ہذیل والے تَقْلِبُهَا وہ اس الف کو بدل دیتے ہیں لِغَيْرِ التَّثْنِيَةِ تثنیہ کے علاوہ میں يَاءً کس سے بدلتے ہیں؟ یا سے۔ لہٰذا عَصَايَ، قبیلہ ہذیل والے اس الف کو یا سے بدلتے ہیں، اور پھر آگے مضاف الیہ بھی یا آ رہی ہے، تو یا کا یا میں ادغام ہو جائے گا، تو کیسے پڑھیں گے؟ عَصَيَّ۔ عَصًا میں کیسے پڑھیں گے؟ عَصَيَّ قبیلہ ہذیل کے نزدیک، باقی عرب کے نزدیک تو پڑھیں گے عَصَايَ اور قبیلہ ہذیل کے نزدیک عَصَيَّ۔ اور اسی طرح رَحًى کی اضافت کریں یائے متکلم کی طرف، تو عام عرب کے نزدیک کیسے پڑھیں گے؟ رَحَايَ الف ثابت رکھیں گے، اور قبیلہ ہذیل کے نزدیک یہ الف کس سے بدلے گا؟ یا سے اور پھر یا کا یا میں ادغام ہو گا، تو کیسے پڑھیں گے؟ رَحَيَّ۔ توجہ ہے؟ عَصَيَّ اور رَحَيَّ پڑھیں گے۔ جبکہ تثنیہ کے اندر وہ الف کو پھر نہیں بدلتے، تثنیہ کے اندر الف کو نہیں بدلتے۔ جیسے غُلَامَانِ اس کی اضافت یا کی طرف کرنی ہے، تو

غُلَامَانِ تثنیہ ہے، تو نونِ تثنیہ تو اضافت میں گر جاتا ہے، تو عام عرب بھی اس کو غُلَامَايَ پڑھتے ہیں، قبیلہ ہذیل والے یہاں وہ بھی اس کو غُلَامَايَ پڑھتے ہیں۔ کیوں غُلَامَايَ کیوں پڑھتے ہیں؟ آپ کو وجہ بتلائیں گے صاحبِ جامی، اس لیے کیونکہ اگر اس الف کو بھی یا کر کے یا میں ادغام کر دیا جائے تو کیا بن جائے گا؟ غُلَامَيَّ، کیا بن جائے گا؟ تو حالتِ رفعی میں بھی پڑھیں گے غُلَامَيَّ۔ تثنیہ کا اعراب کیا ہے؟ حالتِ رفعی میں الف کے ساتھ اور نصبی جری میں یا کے ساتھ۔ تو حالتِ رفعی میں بھی غُلَامَيَّ بن گیا، اور حالتِ نصبی جری کیا تھی؟ غُلَامَيْنِ۔ اب اس کے اندر اضافت کریں، نون اضافت کی وجہ سے گر جائے گا، اور پھر غُلَامَيْ آخر میں یا آرہی ہے، اور آگے یائے متکلم کی بھی آگئی، تو یا کا یا میں کیا کر دیں گے؟ ادغام، تو کیا بن جائے گا؟ غُلَامَيَّ۔ تو پھر حالتِ رفعی میں بھی ان کے نزدیک غُلَامَيَّ پڑھنا پڑے گا اور حالتِ نصبی جری میں بھی غُلَامَيَّ، پھر تو التباس لازم آئے گا رفعی حالت کا کس کے ساتھ؟ نصبی اور جری حالت کے ساتھ۔ اس لیے وہ تثنیہ کے اندر الف کو نہیں بدلتے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو کہتے ہیں: وَهُذَيْلٌ تَقْلِبُهَا لِغَيْرِ التَّثْنِيَةِ يَاءً، اور قبیلہ ہذیل والے وہ بدل دیتے ہیں الف کو تثنیہ کے علاوہ میں يَاءً کس سے؟ یا سے بدل کر پھر ادغام کرتے ہیں۔

وَإِنْ كَانَ يَاءً، اور اگر وہ اسم جس کی آپ اضافت کر رہے ہیں یائے متکلم کی طرف، اس اسم کے آخر میں اگر پہلے سے ہی یا ہے، جیسے قَاضِي، اب اس کی یا کی طرف اضافت کر رہے ہیں، تو کہتے ہیں اس یا کا یا میں ادغام کر دیں گے: قَاضِيَّ۔ قَاضِي کی اضافت یا کی طرف کریں گے تو کیسے کہیں گے؟ قَاضِيَّ، دیکھو یائے مشدد ہو گئی آخر میں، ایک یا قاضی کی اپنی ہے اور ایک یا متکلم والی ہے۔ اور اسی طرح مُسْلِمِينَ، مُسْلِمِينَ حالتِ رفعی میں کیا ہے؟ مُسْلِمُونَ، اور حالتِ نصبی جری میں مُسْلِمِينَ ہے، تو یہ نونِ جمع آخر میں اضافت کی وجہ سے گر جائے گا، تو مُسْلِمِي رہ گیا، اور پھر یا کی طرف اضافت کر دی، تو یا کا یا میں کیا کر دیں گے؟ ادغام، تو کیسے پڑھیں گے؟ مُسْلِمِيَّ۔ توجہ ہے؟ مُسْلِمِيَّ۔ یا اسی طرح تثنیہ میں جیسے آیا تھا، تثنیہ میں جیسے غُلَامَيْنِ حالتِ نصبی جری میں کہیں گے غُلَامَيْنِ، تو اضافت سے نون تو گر جائے گا تو کیا رہ گیا؟ غُلَامَيْ، اور آگے یا متکلم والی بھی آگئی، تو یہ ایک اسم ہے جس کے آخر میں یا ہے اور آپ اس کی اضافت کرنا چاہتے ہیں کس کی طرف؟ یائے متکلم کی طرف، تو یا کا یا میں ادغام کر دیں گے۔ مضاف کے آخر میں اگر الف آیا تو یائے متکلم کی طرف اضافت کرتے ہوئے وہ الف ثابت رہے گا، اور اگر آخر میں یا آئی تو یا کا یا میں ادغام کر دیں گے۔ یہ معنیٰ ہے: وَإِنْ كَانَ يَاءً، اور اگر اس اسم کے آخر میں یا ہے جس کی آپ اضافت کر رہے ہیں یائے متکلم کی طرف، تو...

أُدْغِمَتْ، تو اس یا کا یا میں ادغام کر دیا جائے گا۔

وَإِنْ كَانَ وَاوًا، اور اگر اس اسم کے آخر میں واو ہو جس کی آپ یا کی طرف اضافت کر رہے ہیں، جیسے مُسْلِمُونَ۔ یہ نون تو اضافت کی وجہ سے گر جائے گا، آگے یا آگئی: مُسْلِمُو يَ۔ تو یہ مُسْلِمُو کی اضافت آپ یا کی طرف کر رہے ہیں، تو جب واو

اور یا جمع ہو جائیں آپ نے ضابطہ پڑھا ہے، واو اور یا جمع ہو جائیں اور اول ان میں سے ساکن ہو، تو واو کو بھی یا کر کے یا میں ادغام کرتے ہیں۔ توجہ ہے؟ کیا ضابطہ؟ واو اور یا جب جمع ہو جائیں اور اول ان میں سے کیا ہو؟ ساکن، چاہے واو پہلے ہو چاہے یا پہلے ہو لیکن پہلے والے کو ساکن ہونا چاہیے، تو پھر اس واو کو یا سے بدلتے ہیں چاہے پہلے واو ہو چاہے بعد میں واو ہو، اور پھر یا کا یا میں کیا کر دیتے ہیں؟ ادغام۔ تو یہاں پر بھی مُسْلِمُو يَ، واو اور یا جمع ہوئے اور پہلا جو ہے واو وہ ساکن ہے، تو واو کو یا کر کے یا میں ادغام کیا تو کیا بن گیا؟ مُسْلِمُيَّ۔ توجہ ہے؟ مُسْلِمُيَّ، اور پھر اس ضمے کو کسرے سے بدل دیں گے: مُسْلِمِيَّ۔ اس ضمے کو کسرے سے بدلیں گے۔ بھائی کیوں؟ اس ضمے کو کسرے سے کیوں بدلا؟ کہتے ہیں اگر اس ضمے کو ہم کسرے سے نہیں بدلیں گے تو یہ ضمہ پھر تقاضا کرے گا کہ وہ جو آپ نے واو کو یا سے بدلا ہے اس یا کو واپس کس سے بدل دو؟ واو سے، کیونکہ ضمہ ما بعد میں واو چاہے گا۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو اس لیے اس ضمے کو کسرے سے بدل دیں گے تو مُسْلِمِيَّ ہو جائے گا۔

تو کہتے ہیں: وَإِنْ كَانَ وَاوًا، اور اگر اس اسم کا آخر واو ہے، قُلِبَتْ يَاءً، تو وہ واو پلٹ جائے گا یا ہو کر، وَأُدْغِمَتْ، اور اس یا کا یا میں ادغام کر دیا جائے گا۔ وَفُتِحَتِ الْيَاءُ لِلسَّاكِنَيْنِ، اور یا کو فتحہ دے دیں گے اجتماعِ ساکنین کی وجہ سے۔ یہ جتنی مثالیں گزریں کہ آخر میں اگر الف ہو یا یا ہو یا واو، تینوں صورتوں میں یا پر فتحہ پڑھنا ہے۔ جیسے عَصَا، توجہ ہے؟ عَصَا کی آپ نے اضافت کی یا کی طرف، تو کیا بن گیا؟ عَصَايَ۔ بھائی یہ یا پر فتحہ کیوں پڑھا؟ کہتے ہیں بھائی اگر فتحہ نہیں پڑھو گے، یا کو ساکن پڑھو گے، تو یا بھی ساکن، ماقبل میں الف بھی ساکن، تو یہ تو اجتماعِ ساکنین لازم آئے گا، لہٰذا اس لیے یا پر فتحہ پڑھیں گے اجتماعِ ساکنین سے بچنے کے لیے، تو عَصَايَ۔ تو ان تمام صورتوں میں جب یا کا یا میں ادغام کیا جائے گا تو یائے ثانی پر فتحہ پڑھیں گے، کس لیے؟ اجتماعِ ساکنین سے بچنے کے لیے۔ اور پھر اجتماعِ ساکنین سے بچنے کے لیے فتحہ ہی کو کیوں پڑھیں گے، ضمہ یا کسرہ کیوں نہیں پڑھتے؟ تو آپ کو بتائیں گے کیونکہ وہ أَخَفُّ الْحَرَكَاتِ ہے، تمام حرکتوں میں سب سے خفیف حرکت کون سی ہے؟ فتحہ کی ہے، اس لیے فتحہ پڑھیں گے۔

اب اس سارے کو شرح کے ساتھ دیکھیے۔ کہتے ہیں: فَإِنْ كَانَ آخِرُهُ أَيْ آخِرُ الِاسْمِ الْمُضَافِ إِلَى يَاءِ الْمُتَكَلِّمِ أَلِفًا، اور اگر اس کے آخر میں یعنی وہ جو اسم مضاف ہو رہا ہے یائے متکلم کی طرف، اس کے آخر میں الف ہو، تُثْبَتُ، تو اس الف کو ثابت رکھا جائے گا۔ أَيِ الْأَلِفُ عَلَى اللُّغَةِ الْفَصِيحَةِ، یعنی اس کو الف ہی باقی رکھا جائے گا لغتِ فصیحہ پر، فصیح لغت کے مطابق، عرب کی فصیح لغت کے مطابق، لِعَدَمِ مُوجِبِ الِانْقِلَابِ، اس لیے کیونکہ کوئی انقلاب کا موجب نہیں ہے، لِعَدَمِ مُوجِبِ الِانْقِلَابِ۔ انقلاب کا معنیٰ پلٹنا۔ جیسے عَصَايَ، یہ الف کو پلٹنے کا کوئی موجب، کوئی مقتضی یہاں پر نہیں ہے جو یہ تقاضا کرے کہ اس الف کو بدلو، تو الف ثابت رکھا جائے گا۔ یہ معنیٰ ہے لِعَدَمِ مُوجِبِ الِانْقِلَابِ، اس لیے کیونکہ کوئی ایسی چیز نہیں پائی گئی جو واجب کرنے والی ہو بدلنے کو۔ نَحْوُ عَصَايَ وَرَحَايَ۔ وَهُذَيْلٌ، اور قبیلہ ہذیل جو ہے، کہتے ہیں وَهِيَ قَبِيلَةٌ مِنَ

الْعَرَبِ، یہ عرب کا ایک قبیلہ ہے، تَقْلِبُهَا أَيِ الْأَلِفَ، بدلتے ہیں أَيِ الْأَلِفَ، کس کو؟ الف کو، بتلایا یہ تَقْلِبُهَا کی ہا ضمیر الف کو راجع ہے۔ تو قبیلہ ہذیل والے بدلتے ہیں أَيِ الْأَلِفَ یعنی الف کو، حَالَ كَوْنِهَا لِغَيْرِ التَّثْنِيَةِ، اس حال میں کہ وہ الف تثنیہ کے علاوہ ہو، اس الف کو وہ بدلتے ہیں يَاءً، کس سے؟ یا سے۔ بھائی کیوں بدلتے ہیں؟ کہتے ہیں لِمُشَاكَلَةِ يَاءِ الْمُتَكَلِّمِ، اس لیے کیونکہ اس الف کی مشاکلت ہے یائے متکلم کے ساتھ۔ رَحَايَ، وہ اس کو کیا پڑھتے ہیں؟ رَحَيَّ۔ عَصَايَ، اس کو وہ کیا پڑھتے ہیں؟ عَصَيَّ۔ الف کو کس سے بدلتے ہیں؟ یا سے۔ بھائی کیوں، الف کو کیوں یا سے بدلتے ہیں؟ کہتے ہیں اس لیے کیونکہ اس الف کی مشاکلت ہے یا کے ساتھ۔ اس الف کی مشاکلت ہے یا کے ساتھ۔ بھائی کس طرح مشاکلت ہے؟ یاد رکھو مشاکلت سے مراد ہے مناسبت۔ اس الف کی مناسبت ہے یا کے ساتھ۔ بھائی کس طرح مناسبت ہے؟ کہتے ہیں اس لیے کیونکہ یہ جو الف ہے یہ یا یا واو سے بدل کر آیا ہے۔ یہ الف کس سے بدل کر آیا ہے؟ یا یا واو سے بدل کر آیا ہے، تو لہٰذا اس کو واپس اس یا میں بدل دیں گے اور یا کا یا میں ادغام کر دیں گے، یا اس کو واپس واو سے بدل دیں گے اور پھر واو کو بھی یا کر کے یا میں ادغام کر دیں گے۔ یہ معنیٰ ہے مناسبت کی وجہ سے کہ یہ بدل کر واو یا الف سے ہی آیا ہے۔ لِمُشَاكَلَةِ يَاءِ الْمُتَكَلِّمِ، یائے متکلم کی مناسبت کی وجہ سے، وَتُدْغَمُ فِي الْيَاءِ، اور پھر اس یا کا ادغام کر دیا جائے گا یا میں، مِثْلُ عَصَيَّ وَرَحَيَّ۔

وَلَا تُقْلَبُ أَلِفُ التَّثْنِيَةِ۔ ہاں الفِ تثنیہ کو کیوں نہیں بدلیں گے؟ اس کی وجہ بیان کر رہے ہیں۔ کہتے ہیں: وَلَا تُقْلَبُ أَلِفُ التَّثْنِيَةِ كَغُلَامَايَ، اور الفِ تثنیہ کو نہیں بدلیں گے جیسے کہ غُلَامَايَ ہے، لِالْتِبَاسِ الْمَرْفُوعِ بِغَيْرِهِ، اس لیے کیونکہ اس صورت میں التباس لازم آئے گا مرفوع کا بِغَيْرِهِ غیرِ مرفوع کے ساتھ۔ حالتِ رفعی میں ہے غُلَامَايَ اور حالتِ نصبی جری میں غُلَامَيَّ، تو حالتِ نصبی جری میں تو ادغام ہونا ہی ہونا ہے، تو اگر حالتِ رفعی میں بھی الف کو یا کر کے ادغام کریں گے تو اس صورت میں بھی غُلَامَيَّ بن جائے گا، تینوں صورتوں میں غُلَامَيَّ بن جائے گا، تو مرفوع کا پتہ نہیں چلے گا، اس کا التباس لازم آئے گا منصوب اور مجرور کے ساتھ۔ یہ معنیٰ ہے لِالْتِبَاسِ الْمَرْفُوعِ بِغَيْرِهِ، اس وجہ سے کہ التباس لازم آئے گا مرفوع کا غیرِ مرفوع کے ساتھ بِسَبَبِ الْقَلْبِ قلب کی وجہ سے۔

وَإِنْ كَانَ آخِرُ الِاسْمِ الْمُضَافِ إِلَى يَاءِ الْمُتَكَلِّمِ يَاءً، اور وہ اسم جو مضاف ہے یائے متکلم کی طرف، اگر اس کا آخر یا ہو، أُدْغِمَتْ فِي يَاءِ الْمُتَكَلِّمِ، تو اس یا کا ادغام کر دیا جائے گا یائے متکلم میں، لِاجْتِمَاعِ الْمِثْلَيْنِ، اس وجہ سے کہ دو ایک جیسے کلمے جمع ہو گئے، وہ بھی یا اور یہ بھی یا، تو لِاجْتِمَاعِ الْمِثْلَيْنِ، کیونکہ دو ایک جیسے کلمے جمع ہو گئے، فِيمَا هُوَ كَالْكَلِمَةِ الْوَاحِدَةِ، اس چیز میں جو ایک ہی کلمے کی طرح ہے، جو دونوں مضاف مضاف الیہ ہیں وہ ایک کلمے کی طرح ہیں۔ مِثْلُ مثال کے طور پر مُسْلِمِينَ، یہ توجہ سے سنو، مِثْلُ مُسْلِمِينَ مُسْلِمَيْنِ، دونوں طرح آپ اس کو پڑھ سکتے ہیں، میم پر کسرہ بھی اور میم پر فتحہ، یعنی تثنیہ بھی پڑھ سکتے ہیں اور جمع بھی۔ مُسْلِمٌ کی تثنیہ کیا؟ مُسْلِمَانِ، حالتِ نصبی جری میں لے جائیں مُسْلِمَيْنِ، اور اضافت کے وقت نون گر جائے گا تو کیا رہ جائے گا؟ مُسْلِمَيْ، اب اس کی اضافت یا کی طرف کرنی ہے اور دیکھو اسم کے آخر میں

یا آرہی ہے، تو کیسے پڑھیں گے؟ مُسْلِمَيَّ، میم پر فتحہ پڑھیں گے، میرے دو مسلمان، میرے دو فرمانبردار۔ اور اگر مُسْلِمِينَ ہے، جمع ہے، حالتِ رفعی میں مُسْلِمُونَ اور حالتِ نصبی جری میں مُسْلِمِينَ، اس کی اضافت کرنی ہے یا کی طرف تو نون گر جائے گا تو مُسْلِمِي رہ گیا، اب اس کی یا کی طرف اضافت کریں تو یا کا یا میں ادغام، تو کیسے پڑھیں گے؟ مُسْلِمِيَّ۔ تو جمع میں پڑھیں گے مُسْلِمِيَّ اور تثنیہ میں پڑھیں گے مُسْلِمَيَّ بھائی۔ تو کہتے ہیں مِثْلُ مُسْلِمِينَ یا مُسْلِمَيْنِ، دونوں طرح آپ اس لفظ کو پڑھ سکتے ہیں۔ کہتے ہیں إِذَا أُضِيفَ إِلَى يَاءِ الْمُتَكَلِّمِ، جب اس کی اضافت کی جائے یائے متکلم کی طرف، وَأُسْقِطَتِ النُّونُ لِلْإِضَافَةِ، اور نون کو ساقط کر دیا جائے اضافت کی وجہ سے، وَأُدْغِمَتِ الْيَاءُ فِي الْيَاءِ، اور یا کا یا میں ادغام کر دیا جائے، فَصَارَ تو یہ ہو گیا مُسْلِمَيَّ، آپ چاہے اس کو تثنیہ پڑھ لیں، یا مُسْلِمِيَّ جمع پڑھ لیں۔ بات سمجھ میں آگئی؟

آگے دیکھیے: وَإِنْ كَانَ آخِرُهُ وَاوًا، اور اگر اس اسم کے آخر میں واو ہو، قُلِبَتِ الْوَاوُ يَاءً، تو پلٹ جائے گا وہ واو یا ہو کر، لِاجْتِمَاعِ الْوَاوِ وَالْيَاءِ، بوجہ اس کے کہ واو اور یا جمع ہو گئے، وَالْأُولَى سَاكِنَةٌ، اس حال میں کہ ان میں سے پہلا کیا ہے؟ ساکن ہے۔ مِثْلُ مُسْلِمُونَ، جیسے کہ مُسْلِمُونَ ہے، إِذَا أُضِيفَ إِلَى يَاءِ الْمُتَكَلِّمِ، جب اس کی اضافت کی جائے یائے متکلم کی طرف، قُلِبَتْ وَاوُهُ يَاءً، تو اس کا واو جو ہے وہ یا ہو کر پلٹ جائے گا، وَأُدْغِمَتِ الْيَاءُ فِي الْيَاءِ، اور یا کا یا میں ادغام کر دیا جائے گا، وَكُسِرَ مَا قَبْلَهَا، اور اس یا کے ماقبل کو کسرہ دے دیا جائے گا۔ یا کے ماقبل کو کسرہ، بھائی کیوں؟ یا کے ماقبل کو کسرہ کیوں دیں گے؟ پھر دیکھیے: مُسْلِمُونَ تھا، نون اضافت سے گر جائے گا تو کیا رہ گیا؟ مُسْلِمُو، اور آگے کیا آرہی ہے؟ یا: مُسْلِمُو يَ۔ تو واو اور یا جمع ہوئے، اول اس میں واو ساکن ہے، تو واو کو یا کر کے یا میں ادغام کیا تو کیا بن گیا؟ مُسْلِمِيَّ۔ تو یا سے ماقبل ضمہ ہے، پھر اس ضمے کو کس سے بدلیں گے؟ کسرے سے۔ کیوں بدلیں گے؟ وجہ میں بتا چکا۔ وجہ یہ ہے کیونکہ اگر یہ ضمہ باقی رہے گا یہ پھر تقاضا کرے گا وہ جو واو کو آپ نے یا سے بدلا ہے اس یا کو واپس واو سے بدلو، تو پھر تو وہ آپ کا اعلال ہی لغو چلا جائے گا، واو کو یا سے بدلا اور پھر یا دوبارہ کس سے واپس بدل گئی؟ واو سے، اس لیے اس حرکت کو بدلنا بھی ضروری ہے، اور کون سی حرکت لائیں گے؟ کسرہ، کیونکہ کسرہ یا کے مناسب ہے بھائی۔

کہتے ہیں: لِأَنَّهَا لَمَّا انْقَلَبَتْ يَاءً سَاكِنَةً، اس لیے کیونکہ وہ واو جب پلٹ گیا یائے ساکنہ ہو کر، يُوجِبُ بَقَاءُ الضَّمَّةِ قَبْلَهَا، تو واجب کرے گا اس سے قبل ضمے کا باقی رہنا۔ اس واو کو آپ نے کس سے بدل دیا؟ یائے ساکنہ، واو ساکن تھا نا، تو یا سے بدل دیا تو یہ یا بھی کیا ہے؟ ساکن۔ تو یہ یائے ساکنہ سے ماقبل اگر ضمہ باقی رہے تو یہ ضمہ پھر تقاضا کرے گا کہ اس یا کو واپس کس سے بدلو؟ واو سے، وہی بیان کر رہے ہیں۔ پھر دیکھیے ترجمہ: لِأَنَّهَا لَمَّا انْقَلَبَتْ يَاءً سَاكِنَةً، اس لیے کیونکہ جب وہ واو پلٹ گیا یائے ساکنہ ہو کر، يُوجِبُ بَقَاءُ الضَّمَّةِ قَبْلَهَا، تو واجب کرے گا بَقَاءُ الضَّمَّةِ قَبْلَهَا اس یا سے، اس یائے ساکنہ سے قبل جو ضمہ ہے اس کا باقی رہنا یہ واجب کرے گا، یا یوں کہیں یہ ثابت کرے گا، تَغَيُّرَهَا کہ اس یا کو کیا کیا جائے؟ بدل دیا جائے، کس سے بدلیں گے؟ واو سے۔ فَحُرِّكَتْ بِالْحَرَكَةِ الْمُنَاسِبَةِ لَهَا، تو اس لیے حرکت دے دی گئی ایسی حرکت جو اس یا کے

مناسب ہے، یعنی کسرہ دے دیا گیا۔ فَقِيلَ مُسْلِمِيَّ، لہٰذا کیا کہیں گے؟ تو مُسْلِمِيَّ کہا گیا۔

وَإِنْ كَانَتْ قَبْلَ الْيَاءِ أَوِ الْوَاوِ فَتْحَةٌ۔ بھائی یہ واو اور یا سے ماقبل اگر فتحہ آئے، پھر کیا کریں گے؟ ضمہ تھا اس کو تو کس سے بدل دیا؟ ضمے کو تو کسرے سے بدل دیا۔ تو اگر ماقبل میں فتحہ آئے پھر؟ کہتے ہیں فتحہ کو برقرار رکھیں گے۔ جیسے ابھی مثالیں گزر گئیں: غُلَامَانِ تثنیہ، حالتِ نصبی جری میں لے جاؤ غُلَامَيْنِ، اب اس کی اضافت کرو یائے متکلم کی طرف، نون گر جائے گا اور یا کا یا میں ادغام ہو جائے گا، کیا بن گیا؟ غُلَامَيَّ، دیکھو اب یا سے ماقبل فتحہ ہے، تو کہتے ہیں فتحہ کو برقرار رکھیں گے، کیونکہ یا سے ماقبل ضمہ ثقیل ہے، فتحہ ثقیل نہیں۔ یہ معنیٰ ہے: وَإِنْ كَانَتْ قَبْلَ الْيَاءِ أَوِ الْوَاوِ فَتْحَةٌ، اور اگر اس یا یا واو سے ماقبل فتحہ ہو، بَقِيَ مَا قَبْلَهَا مَفْتُوحًا، تو باقی رہے گا ماقبل جو ہے مفتوح ہو کر، كَقَوْلِكَ جیسے کہ آپ کا قول ہے، فِي مُسْلِمَيْنِ کس کے اندر؟ مُسْلِمَيْنِ، دیکھو یہ تثنیہ ہے، مُسْلِمَيْنِ اس میں باقی رہے گا مفتوح ہو کر، جیسے فِي مُسْلِمَيْنِ اس میں کیا کہیں گے؟ مُسْلِمَيَّ۔ مُسْلِمَيْنِ میں کیا کہیں گے اضافت کے بعد؟ مُسْلِمَيَّ، اب دیکھو یہاں میم پر فتحہ باقی ہے۔ وَفِي مُصْطَفَوْنَ، دیکھو مُسْلِمَيَّ اس میں یا سے ماقبل فتحہ تھا، اصل میں کیا تھا؟ مُسْلِمَيْنِ، یا سے ماقبل فتحہ تھا۔ اور اگر واو سے ماقبل فتحہ ہو اس کو بھی برقرار رکھیں گے، جیسے مُصْطَفَوْنَ۔ مُصْطَفًى کے آخر میں کیا ہے؟ الفِ مقصورہ ہے۔ مُصْطَفًى کے آخر میں کیا ہے؟ الفِ مقصورہ ہے۔ ذرا اس کی تثنیہ بناؤ: مُصْطَفَيَانِ، اور جمع بناؤ: مُصْطَفَوْنَ، کیا بنائیں گے؟ مُصْطَفَوْنَ۔ اب اس مُصْطَفَوْنَ کی اضافت آپ کرنا چاہتے ہیں یا کی طرف، مُصْطَفًى یعنی چنے ہوئے، تو مُصْطَفَوْنَ جمع ہے چنے ہوئے، تو نون اضافت کی وجہ سے گر جائے گا، اور اب یا جوڑ دیں: مُصْطَفَوْيَ، پھر یہ واو اور یا جمع ہوئے اول ساکن ہے تو اس واو کو بھی یا کر کے یا میں ادغام کیا، کیا بن گیا؟ مُصْطَفَيَّ۔ تو یہ فتحہ جو واو سے ماقبل تھا اسی طرح برقرار رکھیں گے۔ تو کہتے ہیں وَفِي مُصْطَفَوْنَ مُصْطَفَيَّ، اور مُصْطَفَوْنَ کے اندر مُصْطَفَيَّ کہیں گے، وہ فتحہ باقی رہے گا، لِخِفَّةِ الْفَتْحَةِ فتحہ کے خفیف ہونے کی وجہ سے۔ وَفُتِحَتِ الْيَاءُ، اور ان تمام مثالوں میں کہ آخر میں اگر الف تھا یا یا تھی یا واو تھا، آپ اضافت کر رہے ہیں یائے متکلم کی طرف، تو یا پر فتحہ پڑھیں گے۔ کیوں فتحہ پڑھیں گے؟ اجتماعِ ساکنین ورنہ لازم آئے گا۔ وَفُتِحَتِ الْيَاءُ، اور یا کو فتحہ دیا جائے گا، أَيْ يَاءُ الْمُتَكَلِّمِ یعنی یائے متکلم کو فتحہ دیا جائے گا، فِي الصُّوَرِ الثَّلَاثِ ان تینوں صورتوں میں، لِلسَّاكِنَيْنِ ساکنین کی وجہ سے، أَيْ لِلُزُومِ الْتِقَاءِ السَّاكِنَيْنِ اس لیے کیونکہ التقائے ساکنین لازم آئے گا إِنْ لَمْ تُحَرَّكْ اگر اس یا کو حرکت نہ دی جائے۔ وَاخْتِيرَ الْفَتْحُ لِخِفَّتِهِ، اور فتحہ کو اختیار کیا گیا اس کے خفیف ہونے کی وجہ سے۔ رَحَايَ یہاں پر فتحہ کو اختیار کیا گیا یا پر کیونکہ فتحہ خفیف ہے، مُسْلِمَيَّ، مُسْلِمِيَّ، ان سب کے اندر فتحہ کو یا پر پڑھا گیا کیونکہ فتحہ خفیف ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ چلیے بس بھائی، هٰذَا هُوَ الْمَرَامُ، وَاللّٰهُ أَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْكَلَامِ.

سبق نمبر ۱۹۶: الاضافۃ(۱۳): یائے متکلم کی طرف اسمائے ستہ اور «أَخِيْ / أَبِيْ» کا اعراب

شرحِ ملا جامی صفحہ: ۱۷۵ — بتاریخ: ۲۰ ستمبر ۲۰۲۲ء

▪ تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث

دیکھیے بھائی آگے سبق: وَأَمَّا الْأَسْمَاءُ السِّتَّةُ الَّتِيْ مَرَّ الْبَحْثُ عَنْهَا مُضَافَةً إِلٰى غَيْرِ يَاءِ الْمُتَكَلِّمِ فَأَخِيْ وَأَبِيْ، أَيْ فَالْحَالُ فِيْ أَخٍ وَأَبٍ مِنْهَا إِذَا أُضِيْفَ إِلٰى يَاءِ الْمُتَكَلِّمِ أَنْ يُقَالَ أَخِيْ وَأَبِيْ مِثْلَ يَدِيْ وَدَمِيْ بِلَا رَدِّ الْمَحْذُوْفِ لِجَعْلِهِ نَسْيًا مَنْسِيًّا، وَأَجَازَ الْمُبَرِّدُ فِيْهِمَا أَخِيَّ وَأَبِيَّ بِرَدِّ لَامِ الْفِعْلِ فِيْهِمَا۔

بھائی گزشتہ سبق میں صاحبِ کافیہ نے آپ کو بتلایا تھا کہ جب اسمِ صحیح یا مُلْحَق بِالصَّحِيْح کی اضافت کی جائے یائے متکلم کی طرف، تو اس اسم کے آخر کو کسرہ دے دیں گے۔ جیسے غُلَام، یہ اسمِ صحیح ہے۔ اسمِ صحیح نحویوں کے نزدیک وہ ہے جس کے آخر میں حرفِ علت نہ آئے۔ اور اسی طرح مُلْحَق بِالصَّحِيْح وہ ہے جس کے آخر میں حرفِ علت تو ہے، لیکن اس کا ماقبل ساکن ہے، جیسے ظَبْيْ، دَلْوٌ وغیرہ بھائی۔ تو جب یہ اسمِ صحیح یا مُلْحَق بِالصَّحِيْح کی اضافت کی جائے یائے متکلم کی طرف، تو اس اسم کے، یعنی یہ جو مضاف ہے، اس کے آخر کو کسرہ دے دیں گے۔ تو لہٰذا غُلَام کی اضافت جب یا کی طرف کی تو غُلَام کا آخر میم ہے، اس میم کو کسرہ دے دیں گے، غُلَامِيْ۔ اور اسی طرح دَلْوِيْ، ظَبْيِيْ وغیرہ بھائی۔

جبکہ یا جو ہے، اس کو مفتوح بھی پڑھنا جائز اور اس کو ساکن پڑھنا بھی جائز ہے بھائی۔ تو لہٰذا كِتَابِيْ اور كِتَابِيَ، غُلَامِيْ غُلَامِيَ، دَلْوِيْ دَلْوِيَ، آپ دونوں طرح پڑھ سکتے ہیں، عربی زبان میں دونوں طرح آیا ہے۔ تو یہ ہمیشہ یاد رکھنا، طلبہ پریشان ہوتے ہیں عبارت کے اندر بھی، اور اسی طرح قرآن وغیرہ میں بھی آتا ہے، تو حیران ہوتا ہے کہ یا جو مضاف الیہ ہے یہ بعض جگہ ساکن ہے، بعض جگہ اس پر فتحہ ہے، تو یاد رکھیں یہ دونوں جائز ہیں، آپ چاہیں فتحہ پڑھ لیں، آپ چاہیں ساکن پڑھ لیں بھائی۔ اور اس یا کے فتحہ اور سکون میں سے بتلایا تھا کہ اصل جو ہے وہ حرکت ہے بھائی۔ اس لیے کیونکہ وہ کلمہ جو ایک حرف پر مشتمل ہو اس کے اندر اصل حرکت ہی ہے بھائی، تاکہ ابتدا بالساکن لازم نہ آئے، نہ حَقِيْقَةً اور نہ حُكْمًا۔ حَقِيْقَةً تو ابتدا یہ ہے کہ وہ حقیقت میں وہ کلمہ شروع کے اندر آئے، تو اگر وہ ساکن ہوا تو ابتدا بالساکن تو عربی زبان میں نہیں ہو سکتی،

تو لہٰذا ساکن نہیں ہو سکتا۔ اور بعض کلمات ایسے ہیں جو ایک حرف پر مشتمل ہیں لیکن شروع میں نہیں آسکتے، جیسے یہاں یہ جو مضاف الیہ ہے یائے متکلم کی، تو پھر بھی اصل جو ہے اس کے اندر حرکت ہی ہے، کیونکہ یہ ایک مستقل کلمہ ہے، تو حُکمًا جو ہے گویا اس سے ابتدا ہو رہی ہے۔ حُکمًا کیا ہو رہی ہے؟ ابتدا، اور ابتدا بالساکن تو نہیں ہو سکتی عربی زبان میں، لہٰذا یہ مَبْنِيٌّ عَلَى السُّكُوْنِ نہیں ہو گا بلکہ مَبْنِيٌّ عَلَى الْحَرَكَةِ ہو گا۔ اور حرکتوں میں سے پھر فتحہ کو اختیار کیا گیا، کیونکہ وہ کلمہ جس کو مَبْنِيٌّ عَلَى الْحَرَكَةِ بنایا جاتا ہے اس میں اصل یہ ہے کہ اس کو مَبْنِيٌّ عَلَى الْفَتْحِ بنایا جائے۔ اور پھر کبھی اس یا کو ساکن بھی پڑھتے ہیں، جیسے انہوں نے بتایا كِتَابِيْ، تو یا کو ساکن بھی پڑھ سکتے ہیں۔ کہتے ہیں جو سکون آتا ہے وہ تخفیف کے لیے آتا ہے، کیونکہ سکون کے اندر تخفیف ہے بھائی۔

تو اسمِ صحیح اور مُلْحَق بِالصَّحِيْح کا حکم تو بتا دیا۔ اس کے علاوہ باقی جو اسم رہ گئے، ان میں سے کسی کے آخر میں واؤ آئے گا، کسی کے آخر میں الف آئے گا، کسی کے آخر میں یا آئے گی۔ تو پھر ان کا بھی حکم بیان کیا کہ اگر اس اسم کے آخر میں الف ہے جس کی آپ اضافت کرنا چاہتے ہیں یائے متکلم کی طرف، تو اس الف کو ثابت رکھیں گے۔ جیسے عَصَا کی اضافت یا کی طرف کرنا چاہتے ہیں تو کہیں گے عَصَايَ، رَحَايَ۔ اور یہ یا پر اس وقت پھر فتحہ ہی پڑھیں گے، اب یہاں ساکن نہیں ہو گی یا۔ وجہ یہ کہ اگر یا کو بھی ساکن پڑھیں گے تو ماقبل میں الف بھی ساکن، یا بھی ساکن، اجتماعِ ساکنین لازم آئے گا اور یہ تو جائز نہیں۔ لہٰذا اس صورت میں پھر یا پر فتحہ پڑھیں گے: رَحَايَ، عَصَايَ۔ جبکہ قبیلہ ہذیل والے، وہ تثنیہ کے علاوہ باقی الفاظ کے اندر جب آخر میں الف آئے اور آپ اس کی اضافت یا کی طرف کرنا چاہتے ہوں، تو اس الف کو بھی یا سے بدل کر یا کے اندر اس کا ادغام کر دیتے ہیں۔ چنانچہ وہ رَحَايَ کے اندر رَحَيَّ پڑھتے ہیں اور عَصَايَ کے اندر عَصَيَّ پڑھتے ہیں۔ البتہ تثنیہ کے الف کو وہ نہیں بدلتے، اس لیے کیونکہ اگر تثنیہ کے الف کو وہ یا سے بدل کر پھر یا میں ادغام کریں گے، جیسے غُلَامَايَ، اس کے اندر اگر الف کو یا کر کے یا میں ادغام کریں گے تو غُلَامَيَّ بن جائے گا۔ اور تثنیہ کا رفع کس کے ساتھ تھا؟ الف کے ساتھ، اور الف کو تو بدل دیا یا سے، تو حالتِ رفعی میں بھی غُلَامَيَّ ہو جائے گا اور حالتِ نصبی جری میں بھی غُلَامَيَّ، کیونکہ حالتِ نصبی جری میں کیا تھا؟ غُلَامَيْنِ، یا کے ساتھ تھا اعراب تثنیہ کا، تو پھر نون اضافت سے گر جائے گا تو یا کا یا میں ادغام ہو جائے گا۔ تو پھر تو حالتِ رفعی کے اندر بھی غُلَامَيَّ اور حالتِ نصبی جری میں بھی غُلَامَيَّ، تو حالتِ رفعی کا التباس لازم آئے گا حالتِ نصبی اور جری کے ساتھ، اس لیے وہ تثنیہ کے الف کو نہیں بدلتے بھائی۔

اور اگر وہ اسم جس کی آپ یا کی طرف اضافت کرنا چاہتے ہیں، اگر اس اسم کے آخر میں یا ہے، تو پھر یا کا یا میں ادغام کریں گے۔ جیسے قَاضِيْ، اس سے کیا بن جائے گا؟ قَاضِيَّ۔ یا تثنیہ کو لے آئیں حالتِ نصبی جری میں: غُلَامَيْنِ، نون اضافت سے گر گیا، باقی کیا رہ گیا؟ غُلَامَيْ، آخر میں یا ہے، اور اب یا کی طرف اضافت کی تو یا کا یا میں ادغام کریں گے اور غُلَامَيَّ

پڑھیں گے۔ اور اگر جمع کو لے آئیں، جمع بھی حالتِ رفعی میں کیا ہے؟ مثلاً مُسْلِمُوْنَ، اور حالتِ نصبی جری میں کیا ہے؟ مُسْلِمِيْنَ، اور نون اضافت سے گرے گا تو کیا رہ گیا؟ مُسْلِمِيْ، اب اس کی یا کی طرف اضافت کریں گے تو یا کا یا میں ادغام کریں گے اور مُسْلِمِيَّ پڑھیں گے۔

اور اگر وہ اسم جس کی آپ یا کی طرف اضافت کرنا چاہتے ہیں، اس کے آخر میں واؤ ہے، تو یاد رکھیے پھر اس واؤ کو بھی یا کر کے یا میں ادغام کریں گے۔ جیسے مُسْلِمُوْنَ حالتِ رفعی میں، اب اس کی آپ اضافت یا کی طرف کرنا چاہتے ہیں، تو نون تو اضافت کی وجہ سے گر جائے گا، تو کیا رہ گیا؟ مُسْلِمُوْ، اور آگے یا لے آئے مُسْلِمُوْيَ، تو واؤ اور یا جب جمع ہو جاتے ہیں اور اول ان میں ساکن ہو تو واؤ کو بھی یا کر کے یا میں ادغام کرتے ہیں، تو مُسْلِمُيَّ ہوا، اور پھر ماقبل کے ضمہ کو بھی کسرہ سے بدل دیں گے، تو کیا بن گیا؟ مُسْلِمِيَّ۔ یہ تو تھا اگر واؤ کو یا کیا اور یا کا یا میں ادغام کیا، تو ماقبل میں جو ضمہ رہ گیا تھا اس کو کسرہ سے بدلتے ہیں۔ اور اگر ماقبل میں فتحہ رہ جائے، تو کہتے ہیں اس کو برقرار رکھیں گے، جیسے مُصْطَفَوْنَ، اس کی اضافت کی تو نون آخر سے گر گیا اور یا کی طرف اضافت کی تو واؤ اور یا جمع ہوئے، واؤ کو بھی یا کر کے یا میں ادغام کیا تو مُصْطَفَيَّ ہوا، اور اب یا سے ماقبل فتحہ ہے تو وہ برقرار رہے گا، تو اس کو کیسے پڑھیں گے؟ مُصْطَفَيَّ۔ بات سمجھ میں آگئی؟ اسی طرح تثنیہ کے اندر بھی ہے: مُسْلِمَانِ، یا غُلَامَانِ، غُلَامَانِ تثنیہ ہے، حالتِ نصبی جری میں لے جائیں غُلَامَيْنِ، اور اضافت کی یا کی طرف، تو نون گر گیا، یا کا یا میں ادغام ہوا تو غُلَامَيَّ ہو گیا، دیکھو یا سے ماقبل فتحہ کو برقرار رکھیں گے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ اور ان تمام صورتوں میں، چاہے وہ اسم جس کی آپ اضافت کر رہے ہیں اس کے آخر میں الف تھا، یا آخر میں یا تھی، یا آخر میں واؤ تھا، ان سب صورتوں میں یا جو آخری متکلم کی یا ہے، اس پر فتحہ پڑھیں گے، چاہے بغیر ادغام کے ہے جیسے عَصَايَ، یا چاہے ادغام کے ساتھ ہے جیسے قَاضِيَّ اور مُسْلِمِيَّ وغیرہ بھائی۔ کیونکہ ورنہ اجتماعِ ساکنین لازم آئے گا۔ یہاں تک بات سمجھ میں آگئی۔

اب آئیے آج کے سبق پر۔ کہتے ہیں: وَأَمَّا الْأَسْمَاءُ السِّتَّةُ الَّتِيْ مَرَّ الْبَحْثُ عَنْهَا مُضَافَةً إِلٰى غَيْرِ يَاءِ الْمُتَكَلِّمِ فَأَخِيْ وَأَبِيْ۔ اب اسمائے ستہ جو ہیں، ان کی جب اضافت یا کی طرف کی جائے گی، تو پھر ان کا کیا حکم ہے بھائی؟ ان کا کیا حکم ہے؟ تو انہوں نے آپ کو جہاں اعراب کی بحث آئی تھی شروع میں، وہاں انہوں نے بتایا تھا کہ اسمائے ستہ مکبرہ، موحدہ، مضافہ إِلٰى غَيْرِ يَاءِ الْمُتَكَلِّمِ۔ یا کے علاوہ کی طرف جب یہ مضاف ہوں گے، اسمائے ستہ ہوں، مکبر ہوں یعنی تصغیر نہ ہوں، موحد ہوں یعنی مفرد ہو، تثنیہ جمع نہ ہوں، اور مضاف ہوں لیکن یا کی طرف مضاف نہ ہوں، غیرِ یا کی طرف مضاف ہوں، تو پھر ان کا رفع واؤ کے ساتھ، نصب الف کے ساتھ، جر یا کے ساتھ، جیسے: جَاءَنِيْ أَبُوْكَ، رَأَيْتُ أَبَاكَ، مَرَرْتُ بِأَبِيْكَ۔ تو اس وقت جب یہ یا کے علاوہ کی طرف مضاف ہوتے ہیں، تو ان کا رفع واؤ کے ساتھ، نصب الف کے ساتھ اور جر یا کے ساتھ آتا ہے۔

یاد رکھیے یہ جو اسمائے ستہ ہیں یہ مَحْذُوْفَةُ الْأَعْجَازِ ہیں۔ یہ کیا ہیں؟ مَحْذُوْفَةُ الْأَعْجَازِ۔ أَعْجَاز جمع ہے عَجُز کی۔ عَجُز کہتے ہیں پچھلے دھڑ کو، آخری دھڑ کو۔ جیسے آپ کوئی جانور خریدنے جاتے ہیں تو اس کے پچھلے دھڑ کو دیکھتے ہیں، اگر وہ جانور موٹا تازہ ہے تو پچھلے دھڑ سے اس کا اندازہ ہوتا ہے، اور اگر وہ کمزور ہے تو اس کا اندازہ بھی اس کے پچھلے دھڑ سے ہوتا ہے، یعنی جسم کا پچھلا حصہ جو ہے، آخری حصہ۔ تو یہ جو اسماء ہیں، یہ بھی مَحْذُوْفَةُ الْأَعْجَازِ ہیں، یعنی ان کا پچھلا یعنی آخری حصہ حذف ہے۔ جیسے أَخٌ اصل میں تھا أَخَوٌ۔ أَبٌ اصل میں تھا أَبَوٌ۔ حَمٌ اصل میں تھا حَمَوٌ۔ هَنٌ اصل میں تھا هَنَوٌ۔ اور فَمٌ، فَمٌ اصل میں تھا فَوْهٌ، اس کے اندر واؤ ساکن ہے۔ اور ذُوْ جو ہے اصل میں تھا ذَوِيٌ، آخر میں یا ہے۔ تو یہ سارے جو ہیں سوائے فَم کے، یہ سب فَعَلٌ وزن پر ہیں۔ کس وزن پر؟ فَعَلٌ وزن پر۔ أَخٌ فَعَلٌ، أَبٌ فَعَلٌ، حَمٌ دیکھو فَعَلٌ، هَنٌ دیکھو یہ فَعَلٌ، اسی طرح ذَوِيٌ دیکھو یہ بھی فَعَلٌ۔ تو یہ پانچ جو ہیں فَعَلٌ وزن پر ہیں، جبکہ فَمٌ جو ہے وہ اصل میں تھا فَوْهٌ، وہ فَعْلٌ وزن پر ہے، اس میں واؤ ساکن ہے اور اس کے آخر میں ہا ہے۔ اور پھر ان سب کے آخری حرف کو حذف کر دیا گیا خلاف القیاس تخفیف کے لیے۔ ان سب کے آخری حرف کو خلاف القیاس حذف کر دیا گیا، تو یہ سب مَحْذُوْفَةُ الْأَعْجَازِ ہیں، ان کا آخری حصہ حذف ہو چکا ہے۔

پھر اس میں یاد رکھیے قیمتی بات آج آپ کو بتلاؤں، ان میں سے جو ذُوْ ہے اور فَمٌ ہے، ذُوْ اور فَمٌ، دیکھو ذُوْ اصل میں کیا تھا؟ ذَوِيٌ، اور فَمٌ اصل میں کیا تھا؟ فَوْهٌ۔ یہ جب آپ پڑھتے ہیں اضافت کے ساتھ اسمائے ستہ مکبرہ موحدہ مضافہ إِلٰى غَيْرِ يَاءِ الْمُتَكَلِّمِ، تو کیسے پڑھتے ہیں؟ مثلاً جَاءَنِيْ فُوْكَ، یا هٰذَا فُوْكَ، جو بھی جملہ آپ بنا لیں اعراب کے اظہار کے لیے، هٰذَا فُوْكَ، رَأَيْتُ فَاكَ، رَأَيْتُ إِلٰى فِيْكَ، صورت سمجھ میں آگئی؟ تو لہٰذا دیکھو حالتِ رفعی میں کیا ہے؟ فُوْكَ، حالتِ نصبی میں فَاكَ، حالتِ جری میں فِيْكَ۔ یاد رکھو، یہ جو اعراب ہے یہ اس کا عین کلمہ ہے۔ یہ جو اعراب ہے یہ اس کا عین کلمہ ہے۔ فُوْكَ، فا، واؤ، کاف، کاف تو مضاف الیہ ہے اس کو ہٹا دو، یہ جو واؤ، الف اور یا آرہے ہیں فا کے فوراً بعد، فُوْكَ، فَاكَ اور فِيْكَ، دیکھو یہ فَمٌ کا وہ عین کلمہ ہے۔ فَمٌ اصل میں کیا تھا؟ فَوْهٌ، ہا تو حذف ہو چکی، یہ واؤ رہ گیا تھا، یہی واؤ اعراب بن گیا۔ حالتِ رفعی میں واؤ، حالتِ نصبی میں یہی واؤ کس سے بدلا؟ الف سے، اور حالتِ جری میں یا سے۔ توجہ ہے؟ تو یہ جو عین کلمہ ہے یہی ان کا اعراب ہے، یہ فَمٌ کا۔ اسی طرح ذُوْ کے اندر بھی ہے، ذُوْ اصل میں کیا تھا؟ ذَوِيٌ، اور یہ اضافت کے ساتھ آتا ہے: جَاءَنِيْ ذُوْ مَالٍ، رَأَيْتُ ذَا مَالٍ، مَرَرْتُ بِذِيْ مَالٍ، تو ذُوْ کے اندر بھی جو عین کلمہ ہے وہ اس کا اعراب بن گیا ہے، جبکہ لام جو ہے وہ حذف ہو چکا ہے، یہ مَحْذُوْفَةُ الْأَعْجَازِ اسماء میں سے ہے۔

جبکہ باقی چار جو ہیں، ان میں جو لام کلمہ ہے وہ اعراب بنا ہے۔ أَخٌ اصل میں کیا تھا؟ أَخَوٌ، اور وہ واؤ حذف ہو گیا، لیکن اضافت کے وقت وہی واؤ آیا اور وہ اعراب بن گیا: جَاءَنِيْ أَخُوْكَ۔ أَخُوْكَ، ہمزہ کیا ہے؟ فا، أَخُوْكَ میں ہمزہ، خا اور واؤ ہے نا، تو ہمزہ کیا ہے؟ فا، اور خا کیا ہے؟ عین، اور واؤ کیا ہے؟ لام، أَخُوْكَ، تو یہ واؤ اعراب بن گیا، جَاءَنِيْ أَخُوْكَ، رَأَيْتُ أَخَاكَ، مَرَرْتُ بِأَخِيْكَ۔ تو دیکھو یہ تیسرا حرف جو لام تھا اس اسم کا وہ اعراب بن گیا۔ اسی طرح أَبٌ میں بھی ہے: أَبُوْكَ، أَبَاكَ، أَبِيْكَ۔

اسی طرح حَمٌ کے اندر بھی ہے: حَمُوْكِ، حَمَاكِ، حَمِيْكِ۔ اور اسی طرح هَنٌ کے اندر بھی ہے: هَنُوْكَ یا هَنُوْكِ، هَنَاكِ، هَنِيْكِ۔ تو یہ چار کے اندر جو اعراب ہے وہ لام کلمہ ہے، اور پہلے دو جو ہیں ذُوْ اور فَمٌ اس کے اندر اعراب ان کا عین کلمہ ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟

تو اب ان کی اضافت، ماقبل میں بحث گزری تھی اعراب میں، اور وہاں بتلایا تھا کہ ان کا اعراب واؤ، الف اور یا کے ساتھ آتا ہے۔ لیکن ساتھ کئی شرطیں ذکر ہوئی تھیں: ایک شرط یہ کہ یہ اسمائے ستہ مکبرہ ہوں، ان کی تصغیر نہیں، اس کا یہ حکم نہیں؛ نیز مکبرہ ہوں اور موحدہ یعنی مفرد ہوں، ان کی تثنیہ اور جمع کا یہ حکم نہیں، اس کا وہی تثنیہ اور جمع والا حکم ہے، تو یہ مفرد بھی ہوں؛ اور نیز مضاف بھی ہوں، اور مضاف بھی کس کی طرف ہوں؟ غیرِ یا کی طرف۔ غیرِ یا کی طرف جب مضاف ہوں تو پھر ان کا اعراب واؤ، الف اور یا کے ساتھ ہے۔ تو اگر یا کی طرف مضاف ہوں گے تو پھر ان کا اعراب کیسے ہو گا، ان کو کیسے پڑھیں گے؟ آج وہ صاحبِ کافیہ آپ کو بتانے لگے ہیں۔ جب یا کی طرف یہ مضاف ہوں گے تو پھر کیسے پڑھیں گے؟ کیونکہ یا کی طرف اضافت کو وہ بیان کر رہے ہیں، ابھی بتایا کہ اسمِ صحیح یا مُلْحَق بِالصَّحِيْح کو جب یا کی طرف مضاف کریں تو آخر کو کسرہ دیتے ہیں، اور اگر آخر میں الف ہے تو پھر اس کو برقرار رکھتے ہیں، اور یا اور واؤ ہیں تو ان کا یا میں کیا کرتے ہیں؟ ادغام کرتے ہیں۔ تو اب اسمائے ستہ کی جب اضافت یا کی طرف کریں اب اس کو بیان کرنے لگے ہیں۔

بھائی پہلے متن متن دیکھ لیجیے، دیکھیے بھائی، کہتے ہیں: وَأَمَّا الْأَسْمَاءُ السِّتَّةُ... فَأَخِيْ وَأَبِيْ، وَأَجَازَ الْمُبَرِّدُ أَخِيَّ وَأَبِيَّ، وَتَقُوْلُ حَمِيْ وَهَنِيْ، وَيُقَالُ فِيَّ فِي الْأَكْثَرِ وَفَمِيْ۔ عبارت مل گئی ساری بھائی؟ یہ دور دور متن ہے بھائی۔ تو اب ان کی اضافت کو بیان کرنے لگے ہیں، تو کہتے ہیں: وَأَمَّا الْأَسْمَاءُ السِّتَّةُ، اور باقی اسمائے ستہ جو ہیں، باقی اسمائے ستہ جو ہیں، یاد رکھو یہ أَمَّا آتا ہے تفصیلِ اجمال کے لیے۔ کس لیے؟ تفصیلِ اجمال، یعنی ماقبل میں اجمالاً ایک بات گزری تھی، اب أَمَّا کے ذریعے پھر اس کی تفصیل کی جاتی ہے۔ تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ اے صاحبِ کافیہ، آپ تو أَمَّا لے آئے: وَأَمَّا الْأَسْمَاءُ السِّتَّةُ، اور ماقبل میں تو اسمائے ستہ کا ذکر نہیں گزرا! تو صاحبِ جامی آپ کو بتائیں گے کہ بھئی اسمائے ستہ کا ذکر اعراب کی بحث میں گزر چکا ہے، اور وہاں بیان ہو گیا تھا جب غیرِ یا کی طرف اضافت کریں تو ان کا اعراب واؤ، الف اور یا کے ساتھ ہوتا ہے، اب یا کی طرف اضافت کریں تو وہ کیا ہو گا، اب اس کی تفصیل کرنے لگے ہیں، تو ماقبل میں اجمالاً ان کا ذکر ہو چکا ہے۔

تو کہتے ہیں: وَأَمَّا الْأَسْمَاءُ السِّتَّةُ، تو اسمائے ستہ جو ہیں، فَأَخِيْ وَأَبِيْ، تو اس میں أَخٌ اور أَبٌ کی جب یا کی طرف اضافت کریں گے، تو أَخِيْ اور أَبِيْ کہیں گے۔ کیا کہیں گے؟ أَخِيْ اور أَبِيْ۔ اسی طرح جیسے یا کی طرف اسمِ صحیح کی اضافت کرتے تھے تو اس کے آخری حرف پر کیا لے آتے تھے؟ کسرہ۔ غُلَامٌ کی اضافت جب یا کی طرف کرتے تھے تو غُلَامٌ کی میم پر کیا لے آتے تھے آپ؟ کسرہ، تو غُلَامِيْ۔ جیسے وہاں کسرہ آتا تھا یہاں بھی کسرہ آئے گا۔ ہاں فرق یہ ہے کہ یہ مَحْذُوْفَةُ الْأَعْجَازِ ہیں، تو ان کے آخر میں تو واؤ تھا، أَخٌ کی اصل أَخَوٌ ہے، اور أَبٌ کی اصل أَبَوٌ ہے، اور دلیل تثنیہ میں لے جاؤ آپ: أَخٌ کی تثنیہ

کیا؟ أَخَوَانِ، أَبٌ کی تثنیہ کیا؟ أَبَوَانِ، دیکھو وہ واؤ واپس آگیا جو حذف ہوا تھا۔ تو کیا وہ واؤ واپس آئے گا یا واپس نہیں آئے گا؟ تو صاحبِ کافیہ نے بتلایا کہ نہیں بھئی، وہ جو واؤ حذف ہو چکا وہ واپس نہیں آئے گا، بس اسی أَخٌ کی اضافت یا کی طرف کر دیں گے اور یہ خا کے نیچے کسرہ لے آئیں گے، یعنی عین کے نیچے کسرہ لے آئیں گے، اسی طرح أَبِيْ کے میں بھی عین کے نیچے کسرہ لے آئیں گے۔ تو أَخٌ اور أَبٌ کی اضافت جب یا کی طرف کریں تو وہ جو محذوف حرف ہے یعنی وہ واؤ اس کو واپس نہیں لائیں گے، أَخِيْ اور أَبِيْ کہیں گے، جیسے يَدِيْ اور دَمِيْ ہے۔ يَدِيْ اور دَمِيْ۔ يَدٌ اور دَمٌ، یاد رکھو یہ اسمائے ستہ میں سے تو نہیں لیکن یہ بھی مَحْذُوْفَةُ الْأَعْجَازِ ہیں۔ يَدٌ اصل میں تھا يَدَوٌ، ہاتھ، يَدٌ ہاتھ کو کہتے ہیں، یہ اصل میں کیا تھا؟ يَدَوٌ۔ اور دَمٌ یعنی خون بھائی، دَمٌ اصل میں دَمَوٌ تھا۔ تو یہ دونوں بھی مَحْذُوْفَةُ الْأَعْجَازِ ہیں، اور ان کی جب اضافت یا کی طرف کی جاتی ہے تو وہ جو واؤ حذف ہے اس کو واپس نہیں لاتے اور یوں کہتے ہیں يَدِيْ میرا ہاتھ، دَمِيْ میرا خون۔ تو یہاں پر بھی أَخٌ اور أَبٌ کی جب اضافت کریں گے یا کی طرف، تو وہ جو واؤ محذوف ہے وہ واپس نہیں لائیں گے جیسے دَمٌ اور يَدٌ میں وہ واؤ واپس نہیں لاتے۔

تو کہتے ہیں: فَأَخِيْ وَأَبِيْ، تو أَخِيْ اور أَبِيْ کہیں گے۔ وَأَجَازَ الْمُبَرِّدُ أَخِيَّ وَأَبِيَّ، جبکہ امام مبرد نے اس میں أَخِيَّ اور أَبِيَّ کو بھی جائز قرار دیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں ان میں وہ واؤ واپس بھی لا سکتے ہیں آپ، اور واپس لائیں گے تو أَخَوٌ ہوا، کیا ہوا؟ أَخَوٌ ہوا، اور آگے یا آگئی، تو واؤ اور یا جمع ہوئے، تو واؤ کو بھی یا کر کے یا میں ادغام کر دیں گے، تو پھر أَخِيَّ پڑھیں گے۔ أَخِيَّ پڑھیں گے، یا اپنے سے ماقبل کسرہ چاہتی ہے۔ اسی طرح أَبِيَّ پڑھیں گے، یہ بھی جائز ہے، واجب نہیں ہے لیکن جائز ہے۔ تو کہتے ہیں: وَأَجَازَ الْمُبَرِّدُ أَخِيَّ وَأَبِيَّ، اور امام مبرد نے أَخٌ اور أَبٌ کے اندر أَخِيَّ اور أَبِيَّ بھی جائز قرار دیا ہے جب اضافت کریں یائے متکلم کی طرف۔

آگے دیکھیے: وَتَقُوْلُ حَمِيْ وَهَنِيْ۔ وَتَقُوْلُ، یہ واحد مؤنث غائب کا صیغہ ہے، تَقُوْلُ اور عورت کہے گی حَمِيْ وَهَنِيْ۔ حَمٌ کے وقت تَقُوْلُ کا لفظ لے آئے، حَمٌ کے لیے کیا لے آئے؟ تَقُوْلُ، عورت کہے گی۔ وجہ یہ کہ حَمٌ عورت کا جو رشتہ دار ہے خاوند کی طرف سے یعنی اس کا جو سسر ہے، ایک عورت کی شادی ہوئی اس کے خاوند کا جو باپ ہے، تو خاوند کی طرف سے یہ جو رشتہ دار ہے یہ عورت کا حَمٌ ہے۔ لہٰذا حَمٌ کی اضافت مذکر کی طرف نہیں کر سکتے، تو حَمٌ خاوند کے باپ کو کہتے ہیں۔ وَتَقُوْلُ عورت کہے گی حَمِيْ وَهَنِيْ۔ هَنٌ کہتے ہیں ہر وہ چیز جس کا ذکر عیب ہو، جیسے شرمگاہ ہے، شرمگاہ کو بھی هَنٌ کہتے ہیں، اسی طرح کوئی ناپسندیدہ قبیح عادت ہو یا قبیح فعل ہو اس کو بھی هَنٌ کہتے ہیں، تو جو بھی ایسی چیز جس کا ذکر انتہائی ناپسندیدہ اور ناگوار ہو اس کو هَنٌ کہتے ہیں۔ اور حَمَوٌ اور هَنَوٌ یہ ان کی اصل ہے میں بتلا چکا ہوں، حَمَوٌ اور هَنَوٌ۔ تو ان کے اندر بھی جب یا کی طرف اضافت کریں گے تو وہ واؤ کو واپس نہیں لائیں گے، تو حَمٌ میں کیا کہیں گے؟ حَمِيْ، اور هَنٌ میں کیا کہیں گے؟ هَنِيْ۔

اس پر اشکال ہوتا ہے کہ أَخِيْ اور أَبِيْ کا بھی یہی حکم اور حَمِيْ اور هَنِيْ کا بھی یہی حکم! أَخٌ اور أَبٌ میں بھی وہ واؤ واپس نہیں لاتے اور حَمٌ اور هَنٌ میں بھی وہ واؤ واپس نہیں لاتے، تو چاروں کو اکٹھا ذکر کر دیتے، چاروں کو اکٹھا ذکر کرتے، لیکن وہ دو الگ ذکر کیے اور یہ دو الگ ذکر کیے۔ تو اس کا بھی جواب صاحبِ جامی دیں گے کہ بھئی دیکھیے، وہ جو دو ہیں ان میں امام مبرد نے أَخِيَّ اور أَبِيَّ کو جائز قرار دیا ہے، تو ان کے ساتھ یہ بھی بیان کرنا تھا، اور ان دو کے اندر تو انہوں نے اجازت نہیں دی تو اس لیے ان کو الگ ذکر کیا، ورنہ حکم چاروں کا ایک ہی ہے۔ تو کہتے ہیں: وَتَقُوْلُ حَمِيْ وَهَنِيْ، اور کوئی کہنے والی عورت کہے گی حَمِيْ میرا سسر، وَهَنِيْ۔

جی آگے دیکھیے بھائی: وَيُقَالُ فِيَّ فِي الْأَكْثَرِ وَفَمِيْ۔ جی، اور فَمٌ جو ہے فَمٌ، یہ اکثر استعمالات کے اندر جب فَمٌ کی اضافت یا کی طرف کی جائے تو فِيَّ کہیں گے، ہاں کم استعمالات میں فَمِيْ بھی آیا ہے۔ فَمِيْ بھی۔ یاد رکھو یہ جو فَمٌ ہے نا فَمٌ، اس کی اصل میں نے بتایا فَوْهٌ ہے، آخر سے ہا کو خلاف القیاس حذف کر لیا گیا تخفیف کے لیے، کیا رہ گیا؟ فَوٌ، اب واؤ پر حرکت آئے گی فَوٌ، پھر اس واؤ کو میم سے بدل دیا گیا تو کیا بن گیا؟ فَمٌ۔ بھئی کیوں، اس واؤ کو میم سے کیوں بدلا؟ کہتے ہیں اس لیے کیونکہ اگر اس واؤ کو میم سے نہ بدلتے تو پھر اس واؤ نے بھی گر جانا تھا۔ اور میم سے اس لیے بدلا کیونکہ واؤ بھی شفوی ہے، شفوی، شَفَةٌ ہونٹ کو کہتے ہیں، شفوی جو ہونٹوں کی طرف جس کی نسبت کی گئی ہو، تو واؤ بھی شفوی ہے یعنی ہونٹوں سے ادا ہوتا ہے اور میم بھی ہونٹوں سے ادا ہوتا ہے، آپ ذرا واؤ کہیں، واؤ، اور میم، دیکھو صرف ہونٹوں کا دخل ہے اس میں زبان کا دخل نہیں ہے۔ تو لہٰذا اس لیے واؤ کو کس سے بدل دیا؟ میم سے بدل دیا۔ اور واؤ کو اگر نہ بدلتے تو اس نے گر جانا تھا بھائی! کیسے گرنا تھا؟ کہتے ہیں دیکھو: فَوٌ، حرکت آئے گی تو واؤ پر ضمہ آگیا مثلاً، تو واؤ متحرک ہوا، اور آپ نے پڑھا ہے واؤ یا یا متحرک ہوں اور ماقبل فتحہ ہو تو اس کو کس سے بدلتے ہیں؟ الف سے، تو فا پر فتحہ ہے تو اس واؤ نے کس سے بدلنا تھا؟ الف سے۔ تو الف بھی آگیا اور آگے تنوین کا نون بھی ہے، فَوٌ پر تنوین بھی تھی اور تنوین کس کا نام ہے؟ نونِ ساکن کا نام، تو کیا بن جائے گا؟ فَانْ، کیا بن جائے گا؟ فَانْ، تو اجتماعِ ساکنین آئے گا الف اور نون میں، اور الف گر جائے گا تو کیا رہ جائے گا؟ فَنْ، یعنی صرف فا پر تنوین رہ جائے گی۔ تو اس لیے اس کا ابھی سے یہ علاج کیا گیا کہ واؤ کو میم سے بدل دیا گیا بھائی۔ تو جب اس فَمٌ کی اضافت کرتے ہیں یائے متکلم کی طرف، تو پھر اس واؤ کو واپس لے آتے ہیں۔ کیا کرتے ہیں؟ واؤ کو واپس لے آتے ہیں اور پھر اس واؤ کو بھی یا کر کے یا میں ادغام کرتے ہیں، اور فا کو کسرہ دے دیتے ہیں کیونکہ یا اپنے سے ماقبل کسرہ چاہتی ہے، تو فِيَّ پڑھتے ہیں۔ هٰذَا فِيَّ، رَأَيْتُ فِيَّ، رَأَيْتُ إِلٰى فِيَّ، توجہ ہے؟ تو دیکھو تینوں حالتوں میں اسی طرح رہے گا۔ اور ہاں کم استعمالات میں اسی طرح فَمٌ کو برقرار رکھتے ہوئے بھی اضافت کی گئی ہے: هٰذَا فَمِيْ، بات سمجھ میں آگئی؟ تو کہتے ہیں: وَيُقَالُ فِيَّ فِي الْأَكْثَرِ، اور فِيَّ کہتے ہیں اکثر استعمالات میں، وَفَمِيْ، تو اکثر استعمالات میں فِيَّ آیا

ہے، وَفَمِيْ اور بعض عربوں کے استعمال میں فَمِيْ بھی آیا ہے اسی میم کے ساتھ۔

یہاں تک باتیں سمجھ میں آگئیں۔ اب اس سارے کو شرح کے ساتھ دیکھیے۔ کہتے ہیں: وَأَمَّا الْأَسْمَاءُ السِّتَّةُ، اور باقی وہ چھ اسماء، الَّتِيْ مَرَّ الْبَحْثُ عَنْهَا، جن کے بارے میں بحث گزر چکی ہے، مُضَافَةً إِلٰى غَيْرِ يَاءِ الْمُتَكَلِّمِ، اس حال میں کہ وہ مضاف ہوں یائے متکلم کے علاوہ کی طرف۔ پیچھے گزرا تھا جب وہ یائے متکلم کے علاوہ کی طرف مضاف ہوں تو وہ بحث ان کے بارے میں گزر چکی ہے تو ان کی اب تفصیل یہ ہے کہ فَأَخِيْ وَأَبِيْ، أَيْ فَالْحَالُ فِيْ أَخٍ وَأَبٍ مِنْهَا، یعنی ان میں سے أَبٌ اور أَخٌ کا یہ حال ہے کہ إِذَا أُضِيْفَ إِلٰى يَاءِ الْمُتَكَلِّمِ، کہ جب ان کی اضافت کی جاتی ہے یائے متکلم کی طرف، تو أَنْ يُقَالَ، تو یوں کہتے ہیں أَخِيْ وَأَبِيْ، مِثْلَ يَدِيْ وَدَمِيْ، جیسے کہ يَدِيْ اور دَمِيْ ہے، يَدٌ اور دَمٌ، ان میں سے واؤ گر چکا ہے، یہ بھی مَحْذُوْفَةُ الْأَعْجَازِ ہیں، یہ اسمائے ستہ میں سے نہیں ہیں، لیکن جب ان کی اضافت یا کی طرف کرتے ہیں تو وہ واؤ واپس نہیں آتا، تو اسی طرح أَخٌ اور أَبٌ میں بھی وہ محذوف واؤ واپس نہیں آئے گا۔ تو کہتے ہیں: أَنْ يُقَالَ، یوں کہتے ہیں أَخِيْ وَأَبِيْ مِثْلَ يَدِيْ وَدَمِيْ، يَدِيْ اور دَمِيْ کے مثل، بِلَا رَدِّ الْمَحْذُوْفِ، بغیر اس محذوف کو واپس لوٹائے ہوئے، لِجَعْلِهِ نَسْيًا مَنْسِيًّا، بوجہ اس کو نَسْيًا مَنْسِيًّا بنانے کے، کہ اس کو نَسْيًا مَنْسِيًّا بنا دیا جاتا ہے۔ نَسْيًا مَنْسِيًّا کا معنیٰ بھولا بسرا، یعنی جس کو بھلا دیا گیا گویا تھا ہی نہیں، وہ واؤ گویا تھا ہی نہیں تو اس کو واپس نہیں لاتے۔

وَأَجَازَ الْمُبَرِّدُ فِيْهِمَا أَخِيَّ وَأَبِيَّ، اور امام مبرد نے ان دونوں میں یعنی أَخٌ اور أَبٌ میں اجازت دی ہے أَخِيَّ اور أَبِيَّ کی بھی، بِرَدِّ لَامِ الْفِعْلِ فِيْهِمَا، وہ لامِ فعل جو ان میں حذف ہوا تھا اس کو واپس لاتے ہوئے، وہ جو ان میں واؤ حذف ہوا تھا اس کو بِرَدِّ لَامِ الْفِعْلِ فِيْهِمَا، لامِ فعل کو واپس لاتے ہوئے ان دونوں میں، وَهِيَ الْوَاوُ، اور وہ لامِ فعل کیا ہے؟ وہ واؤ ہے، وَجَعْلِهَا يَاءً، اور اس کو یا بناتے ہوئے، وَإِدْغَامِ الْيَاءِ فِي الْيَاءِ، اور پھر یا کا یا میں ادغام کرتے ہوئے۔ وَتَمَسَّكَ فِيْ ذٰلِكَ بِقَوْلِ الشَّاعِرِ، یاد رکھو نحو کے اندر یہ کوئی اندازوں سے باتیں نہیں ہیں ائمہ کی، ایک ایک بات کی وہ دلیل ذکر کرتے ہیں۔ بات سمجھ میں آرہی ہے؟ تو امام مبرد فرماتے ہیں کہ أَخٌ اور أَبٌ میں أَخِيَّ اور أَبِيَّ پڑھنا بھی جائز جب یا کی طرف اضافت کی جائے۔ دلیل کیا ہے؟ کہتے ہیں عربی کا ایک فصیح شاعر ہے، اس نے اپنے شعر کے اندر أَبِيَّ استعمال کیا ہے، کیا استعمال کیا ہے؟ أَبِيَّ استعمال کیا ہے۔ تو دیکھو أَبِيَّ یعنی میرا باپ، تو دیکھو وہ واؤ کو واپس لا کر اس نے واؤ کا یا میں ادغام کیا ہے۔ اور أَخٌ، أَخٌ بھی أَبٌ جیسا ہی ہے تو دونوں کا حکم ایک ہوا، جب أَبِيَّ کہنا جائز تو أَخِيَّ کہنا بھی جائز ہے، یہ ان کی دلیل ہے۔ تو کہتے ہیں: وَتَمَسَّكَ فِيْ ذٰلِكَ بِقَوْلِ الشَّاعِرِ، اور دلیل پکڑی ہے انہوں نے اس میں شاعر کے اس قول کے ساتھ: وَأَبِيَّ مَالَكَ ذُو الْمَجَازِ بِدَارِ. وَأَبِيَّ، یہ واؤ قسمیہ ہے، قسم ہے میرے باپ کی، مَا لَكَ ذُو الْمَجَازِ بِدَارٍ. ذُو الْمَجَازِ یہ عرب کا کہتے ہیں ایک بازار تھا بھائی۔ زمانہ جاہلیت کے اندر بھائی عرب کے اندر مختلف بازار لگتے تھے، بلکہ زیادہ بہتر لفظ ہے میلہ کہو، نام ان کا ہوتا تھا سُوْق بھائی۔ سُوْق بازار کو کہتے ہیں۔ تو ان میں مشہور بازار ہوتے تھے، ان میں سب سے مشہور جو ہے وہ سُوْقِ عُكَاظ تھا

بھائی۔ سُوْقِ عُکَاظ اور جس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی دعوت دینے کے لیے تشریف لے جاتے تھے۔ تو یہ جیسا میلہ ہوتا ہے، ہر طرح کے لوگ آتے، اپنے اپنے فن کا مظاہرہ بھی کرتے تھے اور خوب سامانِ تجارت لا کر تجارت بھی کیا کرتے تھے بھائی۔ تو اسی طرح ایک سُوْق جو ہے وہ یہ ذُو الْمَجَازِ بھی تھا، ذُو الْمَجَازِ یہ مکہ کے قریب تھا کہتے ہیں۔ تو یہ شاعر ہے، یہ کسی وقت اس بازار سے یا اس میلے پر سے گزرا، تو اب اپنے آپ کو مخاطب کرتے ہوئے وہ شاعر کہتا ہے کہ اے میرے نفس، یہ ذُو الْمَجَازِ تیرے رہنے کی جگہ نہیں، تجھے آگے جانا ہے۔ تو وہی ذکر ہے: وَأَبِيَّ اور میرے باپ کی قسم، مَا لَكَ ذُو الْمَجَازِ بِدَارٍ نہیں ہے تیرے لیے ذُو الْمَجَازِ دَار، ذُو الْمَجَازِ تیرے لیے دَار یعنی گھر نہیں ہے، یعنی تیرے لیے ٹھکانہ نہیں ہے، یا یوں کہو تیرے لیے رہنے کی جگہ نہیں ہے، یہ اپنے نفس کو وہ مخاطب کر رہا ہے۔ تو پھر سنیے ترجمہ: وَأَبِيَّ مَا لَكَ ذُو الْمَجَازِ بِدَارٍ، اور میرے باپ کی قسم، اے میرے نفس تیرے لیے ذُو الْمَجَازِ میں ٹھکانہ نہیں ہے، تیرے لیے ذُو الْمَجَازِ میں رہنے کی جگہ نہیں۔ تو اس کے اندر دیکھو وَأَبِيَّ آیا ہے، تو دیکھو یہاں وہ واوٗ کو واپس لا کر یا کے اندر اس نے ادغام کیا ہے۔

وَحُمِلَ الْأَخُ عَلَى الْأَبِ، بھئی اس کے اندر تو أَبِيَّ آیا ہے، تو أَخٌ کی اجازت کیسے دے دی امام مبرد نے؟ تو کہتے ہیں: وَحُمِلَ الْأَخُ عَلَى الْأَبِ، اور أَخٌ کو محمول کیا گیا أَبٌ پر، أَخٌ کا حمل کس پر کیا گیا؟ أَبٌ پر۔ کیوں؟ کہتے ہیں لِتَقَارُبِهِمَا لَفْظًا وَمَعْنًى، اس وجہ سے کہ دونوں باہم ایک دوسرے کے قریب ہیں لفظوں کے اعتبار سے بھی اور معنی کے اعتبار سے بھی۔ لفظوں کے اعتبار سے اس طرح دونوں قریب ہیں کہ أَبٌ، أَبٌ اصل میں کیا تھا؟ أَبَوٌ، اور أَخٌ اصل میں کیا تھا؟ أَخَوٌ، تو دونوں مہموز الفا ہیں، دونوں میں فا کیا ہے؟ ہمزہ ہے، تو دونوں مہموز ہیں، اور نیز دونوں کا آخری حرف واوٗ ہے یعنی دونوں ناقصِ واوی ہیں۔ تو مہموز بھی ہیں اور ناقصِ واوی بھی ہیں دونوں، تو لفظی اعتبار سے بھی دونوں ایک دوسرے کے قریب ہیں اور معنوی اعتبار سے بھی ایک دوسرے کے قریب ہیں۔ بھئی معنوی اعتبار سے کیسے ایک دوسرے کے قریب ہیں؟ کہتے ہیں دیکھو کسی شخص کا أَخٌ وہ ہوتا ہے جو اس کے باپ کا بیٹا ہو۔ میرا أَخٌ میرا بھائی وہ ہو گا جو میرے باپ کا بیٹا ہے، تو أَخٌ باپ کا بیٹا ہوا۔ أَخٌ کیا ہوا؟ باپ کا بیٹا ہوا، تو یوں کہو عربی میں کہو أَخٌ جو ہے اِبْنُ الْأَبِ ہے، أَخٌ کیا ہے؟ اِبْنُ الْأَبِ ہے، اور أَبٌ کیا ہے؟ وہ أَبُو الْأَخِ ہے، أَبُو الْأَخِ اس بھائی کا باپ ہے، تو دونوں طرف دیکھ لو: بھائی کیا ہے؟ اِبْنُ الْأَبِ۔ أَخٌ کیا ہے؟ اِبْنُ الْأَبِ، باپ کا بیٹا۔ أَخٌ کیا ہے؟ اِبْنُ الْأَبِ، اور أَبٌ کیا ہے؟ أَبُو الْأَخِ ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو لفظوں کے اعتبار سے بھی دونوں ایک دوسرے کے قریب اور معنی کے اعتبار سے بھی دونوں ایک دوسرے کے قریب ہیں، تو جب أَبٌ کے حکم کا پتہ چل گیا تو أَخٌ کو بھی اسی پر محمول کر لیا۔

وَأَجَابَ عَنْهُ الْمُصَنِّفُ فِيْ شَرْحِهِ، اور جواب دیا ہے اس استدلال سے مصنف نے اپنی شرح میں۔ صاحبِ کافیہ نے جو شرح لکھی کافیہ کی، اس میں وہ امام مبرد کے اس استدلال کا جواب دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ خلاف القیاس بھی ہے اور فصحاء کے استعمال کے بھی خلاف ہے۔ خلاف القیاس بھی ہے کہ وہ واوٗ حذف ہوا اس کو قیاس تو یہ تقاضا کرتا ہے اب

اس کو واپس نہیں آنا چاہیے، تو یہ واؤ کا واپس لانا پھر یا کر کے یا میں ادغام کرنا یہ خلاف القیاس بھی ہے۔ اور نیز عرب کے جو فصیح لوگ تھے، فصیح شعراء تھے ان کے استعمال کے بھی خلاف ہے۔ ہم ان کا کلام دیکھتے ہیں تو وہاں ہم دیکھتے ہیں کہ جب بھی وہ أَخٌ یا أَبٌ کی اضافت یا کی طرف کرتے ہیں تو وہاں وہ واؤ محذوف کو واپس نہیں لاتے، تشدید کے ساتھ أَخِيَّ یا أَبِيَّ نہیں کہتے بلکہ کیا کہتے ہیں؟ أَخِيْ اور أَبِيْ کہتے ہیں۔ تو کہتے ہیں: وَأَجَابَ عَنْهُ الْمُصَنِّفُ فِيْ شَرْحِهِ، اور جواب دیا ہے اس سے مصنف نے اپنی شرح کے اندر، بِأَنَّ ذٰلِكَ خِلَافُ الْقِيَاسِ وَاسْتِعْمَالِ الْفُصَحَاءِ، کہ یہ قیاس کے بھی خلاف ہے اور عرب کے فصحاء کے استعمال کے بھی خلاف ہے۔

مَعَ أَنَّهُ يَحْتَمِلُ، ساتھ اس کے کہ اس میں ایک احتمال بھی ہے۔ احتمال یہ ہے کہ ہو سکتا ہے وَأَبِيَّ، واؤ قسمیہ ہے، تو أَبِيَّ کیا ہے؟ مقسم بہ ہے، جس کی قسم کھائی جا رہی ہے۔ تو یہ جو مقسم بہ ہے، ہو سکتا ہے یہ أَبٌ نہ ہو بلکہ یہ أَبٌ کی جمع ہو، أَبٌ کی جمع۔ أَبٌ کی جمع آتی ہے أَبُوْنَ، مُسْلِمُوْنَ أَبُوْنَ، اور حالتِ نصبی جری میں کیا کہیں گے؟ أَبِيْنَ، جیسے مُسْلِمِيْنَ۔ تو یہ أَبُوْنَ تھا اور پھر اس پر واؤ قسمیہ داخل ہوا اور واؤ قسمیہ کیا کرتا ہے؟ جر دیتا ہے، تو وَأَبِيْنَ ہوا۔ توجہ ہے؟ تو وَأَبِيْنَ یہ حالتِ جری میں ہے، اور حالتِ جری میں اس کی اضافت یا کی طرف کی، تو نون اضافت سے گر گیا، تو یا کا یا میں ادغام ہوا، کیا بن گیا؟ وَأَبِيَّ۔ تو ہو سکتا ہے یہ أَبٌ کا لفظ ہو ہی نہ بلکہ أَبٌ کی جمع ہو یہ جو مقسم بہ ہے۔

کہتے ہیں: مَعَ أَنَّهُ يَحْتَمِلُ، ساتھ اس کے اس میں یہ بھی احتمال ہے، أَنْ يَكُوْنَ الْمُقْسَمُ بِهِ أَيْ أَبِيَّ جَمْعَ أَبٍ، کہ یہ جو مقسم بہ ہے یعنی أَبِيَّ جو ہے، جَمْعَ أَبٍ، یہ أَبٌ کی جمع ہو، فَأَصْلُهُ أَبِيْنَ، تو اس کی اصل کیا ہو گی؟ أَبِيْنَ حالتِ جری میں، سَقَطَتِ النُّوْنُ فِي الْإِضَافَةِ، تو نون ساقط ہو گیا، نون گر گیا اضافت میں، فَاجْتَمَعَتْ يَاءَانِ، تو جمع ہو گئیں دو یا، دو یا ایک أَبِيْ کی اور ایک یائے متکلم والی، فَاجْتَمَعَتْ يَاءَانِ، تو دو یا جمع ہو گئیں، فَأُدْغِمَتِ الْأُوْلٰى فِي الثَّانِيَةِ فَصَارَ أَبِيَّ، تو ادغام کر دیا گیا پہلی یا کا دوسری میں تو أَبِيَّ ہو گیا۔ وَقَدْ جَاءَ جَمْعُهُ هٰكَذَا فِيْ قَوْلِ الشَّاعِرِ، اب دلیل بھی ذکر کر رہے ہیں کہ أَبٌ کی جمع أَبُوْنَ یا أَبِيْنَ آتی بھی ہے یا نہیں۔ کہتے ہیں بھئی عربی کے ایک شاعر کے قول میں أَبٌ کی یہ جمع آئی ہے۔ تو کہتے ہیں: وَقَدْ جَاءَ جَمْعُهُ هٰكَذَا فِيْ قَوْلِ الشَّاعِرِ، اور کہتے ہیں تحقیق أَبٌ کی جمع اس طرح یعنی واؤ اور نون کے ساتھ آئی ہے شاعر کے قول میں، شاعر کا شعر یہ ہے: فَلَمَّا تَبَيَّنَّ أَصْوَاتَنَا بَكَيْنَ وَفَدَّيْنَنَا بِالْأَبِيْنَا۔ فَلَمَّا تَبَيَّنَّ، یہ یا بھی مشدد ہے اور نون بھی مشدد ہے۔ نون مشدد اس لیے ہے کہ ایک تَبَيَّنَ کا اپنا نون ہے اور ایک نون ضمیر ہے جمع کی، جمع کی ضمیر ہے۔ کس طرح گردان ہو گی؟ تَبَيَّنَ تَبَيَّنَا تَبَيَّنُوْا تَبَيَّنَتْ تَبَيَّنَتَا تَبَيَّنَّ۔ تو ایک تَبَيَّنَ کا اپنا نون، ایک جمع مؤنث کی ضمیر بھی آ گئی ماضی کے اندر جو چھٹے صیغے میں آتی ہے اور اسی طرح بارہویں صیغے میں۔ تو کہتے ہیں: فَلَمَّا تَبَيَّنَّ أَصْوَاتَنَا بَكَيْنَ وَفَدَّيْنَنَا بِالْأَبِيْنَا۔

بھئی یہ شاعر ذکر کرتا ہے، ان کے قبیلے کی عورتوں کو بعض لوگوں نے قید کر لیا تھا۔ تو یہ لوگ ان عورتوں کو چھڑوانے کے لیے پہنچے۔ تو جب ان عورتوں نے ہماری آوازیں سنیں تو وہ رونے لگ پڑیں اور کہنے لگیں کہ ہمارے ماں باپ تم پر

قربان ہوں۔ ہم ان کو چھڑانے پہنچے تھے تو وہ عورتیں ہماری جب آوازوں کو انہوں نے پہچان لیا تو رونے لگیں اور ہم سے کیا کہنے لگیں؟ ہمارے ماں باپ تم پر قربان ہوں بھائی۔ تو وہ خوشی سے رونے لگیں کہ اب ہمارا چھٹکارا ممکن ہو گیا ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ یا بعضوں نے یہ واقعہ ذکر کیا کہ یہ شاعر اور اس کی قوم والے جنگ پر گئے تھے، تو جب جنگ پر گئے بچے اور عورتیں پیچھے رہ گئے تو وہ بڑے پریشان تھے، تو یہ جب واپس پہنچے، واپس آرہے تھے تو دور سے عورتوں نے ان کی آوازیں وغیرہ سنیں، پہچان لیا کہ یہ تو ہمارے لوگ آرہے ہیں، تو وہ خوشی سے رونے لگیں اور کہنے لگیں کہ ہمارے ماں باپ تم پر قربان ہوں بھائی۔

تو فَلَمَّا تَبَيَّنَّ، تو یہاں تَبَيَّنَّ کا معنیٰ ہے پہچان لیا۔ فَلَمَّا تَبَيَّنَّ أَصْوَاتَنَا، پس جب ان عورتوں نے ہماری آوازوں کو پہچان لیا، بَكَيْنَ تو وہ رونے لگ پڑیں، وَفَدَّيْنَنَا بِالْأَبِيْنَا، فَدَّاهُ بِنَفْسِهِ عربی میں کہتے ہیں کسی پر جان قربان کرنا یا کسی سے کہنا کہ اس پر میری جان قربان ہے: فَدَّاهُ زَيْدٌ بِنَفْسِهِ، زید نے اس سے کہا کہ میری جان تم پر قربان ہو۔ فَدًى يُفَدِّيْ تَفْدِيَةً، تو اسی سے ہے، فَدَّيْنَ، یہ نون جمع مؤنث کا ہے، اور دوسرا نَا جو آرہا ہے یہ جمع متکلم کی ضمیر ہے۔ وَفَدَّيْنَنَا بِالْأَبِيْنَا، اور وہ ہم سے کہنے لگیں کہ ہمارے آبا، ہمارے آباؤ اجداد تم پر قربان ہوں۔ اور یہ یاد رکھو بِالْأَبِيْنَا، یہ أَبِيْنَا کے آخر میں جو الف آرہا ہے یہ اشباع کے لیے ہے۔ کس کے لیے ہے؟ اشباع کے لیے۔ اشباع یہ ہے کہ فتحہ کو کھینچ کر لمبا کر دیا جائے الف بنا دیا جائے، یا ضمہ کو کھینچ کر واؤ بنا دیا جائے، یا کسرہ کو کھینچ کر یا بنا لیتے ہیں، یعنی حرفِ مدہ وہاں بنا لیتے ہیں۔ چونکہ اشعار کے اندر ترنم کیا جاتا ہے تو آخر میں آواز کو ذرا لمبا کیا جاتا ہے۔ اشباع کسے کہتے ہیں؟ آخری حرکت کو کھینچ کر لمبا کر دینا اور اسے حرفِ مدہ بنا لینا۔

آگے دیکھیے، اب صاحبِ جامی بھی اس کا معنیٰ بیان کریں گے: أَيْ لَمَّا سَمِعْنَ وَعَلِمْنَ أَصْوَاتَنَا، بھئی شعر میں آیا تھا فَلَمَّا تَبَيَّنَّ أَصْوَاتَنَا، جب ان عورتوں نے ہماری آوازوں کو پہچان لیا، تو صاحبِ جامی ترجمہ کر رہے ہیں: لَمَّا سَمِعْنَ وَعَلِمْنَ أَصْوَاتَنَا۔ ترجمہ ہونا چاہیے تھا لَمَّا عَلِمْنَ أَصْوَاتَنَا، جب انہوں نے ہماری آوازوں کو پہچان لیا، لیکن درمیان میں سَمِعْنَ کو بھی ذکر کر دیا۔ سوال: شاعر نے تو سَمِعْنَ ذکر نہیں کیا کہ انہوں نے آوازوں کو سنا، شاعر نے تو صرف کیا ذکر کیا کہ انہوں نے ہماری آوازوں کو پہچان لیا! تو جواب یہ کہ بھئی سنیں گی تو پہچانیں گی، سننے کے بغیر تو آواز کو نہیں پہچان سکتیں۔ تو کہتے ہیں: أَيْ لَمَّا سَمِعْنَ وَعَلِمْنَ أَصْوَاتَنَا، جب ان عورتوں نے سن لیا اور پہچان لیا ہماری آوازوں کو، بَكَيْنَ تو وہ رونے لگ پڑیں، وَقُلْنَ لَنَا اور ہم سے کہنے لگیں آبَاؤُنَا فِدَاؤُكُمْ ہمارے آبا تم پر قربان ہوں۔

جی آگے دیکھیے: وَتَقُوْلُ أَيِ امْرَأَةٌ قَائِلَةٌ، یہ دیکھو مؤنث کا صیغہ ہے۔ بھئی تَقُوْلُ یہ مخاطب کا بھی صیغہ ہو سکتا ہے اور مؤنث کا بھی۔ کس طرح ہے؟ يَقُوْلُ يَقُوْلَانِ يَقُوْلُوْنَ، تَقُوْلُ تَقُوْلَانِ يَقُلْنَ، تَقُوْلُ تَقُوْلَانِ تَقُوْلُوْنَ، تَقُوْلِيْنَ تَقُوْلَانِ تَقُلْنَ، أَقُوْلُ نَقُوْلُ۔ تو یہ مخاطب کا بھی صیغہ ہو سکتا ہے تَقُوْلُ اور مؤنث کا بھی، لیکن صاحبِ جامی بتائیں گے کہ یہ یہاں مؤنث کا صیغہ

ہے، مخاطب مذکر کا صیغہ نہیں۔ دلیل ذکر کریں گے کیونکہ آگے حَمٌ آرہا ہے اور حَمٌ جو ہے وہ عورت کا رشتہ دار ہے خاوند کی طرف سے، تو حَمٌ کی اضافت مذکر کی طرف نہیں کی جاتی بلکہ مؤنث کی طرف کی جاتی ہے۔ اسی لیے تَقُوْلُ مؤنث کا صیغہ ہے کہ کوئی عورت کہے گی حَمِيْ میرا سسر بھائی۔

تو کہتے ہیں: وَتَقُوْلُ أَيِ امْرَأَةٌ قَائِلَةٌ، یعنی کوئی کہنے والی عورت کہے گی، لِامْتِنَاعِ إِضَافَةِ الْحَمِ إِلَى الْمُذَكَّرِ، اس لیے کیونکہ حَمٌ کی اضافت مذکر کی طرف یہ ممتنع ہے، تو وہ عورت کہے گی حَمِيْ وَهَنِيْ، تو دونوں میں دیکھو وہ جو واؤ محذوف ہے وہ واپس نہیں آیا، بِلَا رَدِّ الْمَحْذُوْفِ بغیر واپس لوٹائے اس محذوف کو، عِنْدَ الْإِضَافَةِ إِلٰى يَاءِ الْمُتَكَلِّمِ یائے متکلم کی طرف اضافت کے وقت، یعنی اس محذوف کو واپس نہیں لائیں گے یائے متکلم کی طرف اضافت کرتے ہوئے۔

وَإِنَّمَا فَصَلَهُمَا عَنْ أَخِيْ وَأَبِيْ، تو یہاں آگے وہی بات ذکر کر رہے ہیں جو میں بتلا چکا کہ أَبِيْ اور أَخِيْ کا بھی یہی حکم تھا کہ وہاں بھی وہ واؤ جو محذوف ہے واپس نہیں آئے گا، اور حَمِيْ اور هَنِيْ کا بھی یہی حکم ہے اس میں بھی جو واؤ محذوف ہے واپس نہیں آئے گا، تو پھر ان کو الگ کیوں ذکر کیا؟ تو بتلانے لگے ہیں کہ امام مبرد سے جو مشہور قول آیا ہے اس میں صرف انہوں نے أَخٌ اور أَبٌ کو ذکر کیا ہے۔ اگرچہ ایک غیر مشہور قول بھی ہے اور اس میں چاروں کا ذکر ہے، امام مبرد سے چاروں کا ذکر بھی ایک قول میں آیا ہے لیکن وہ زیادہ مشہور نہیں، مشہور قول میں صرف أَبٌ اور أَخٌ میں انہوں نے اجازت دی ہے أَخِيَّ اور أَبِيَّ کہنے کی بھائی۔

تو کہتے ہیں: وَإِنَّمَا فَصَلَهُمَا عَنْ أَخِيْ وَأَبِيْ، اور صاحبِ کافیہ نے جدا کیا ہے اس حَمِيْ اور هَنِيْ کو أَخِيْ اور أَبِيْ سے، لِأَنَّهُ لَمْ يُنْقَلْ عَنِ الْمُبَرِّدِ، اس لیے کیونکہ یہ بات نقل نہیں کی گئی امام مبرد سے، فِيْهِمَا ان دونوں کے بارے میں، یعنی حَمِيْ اور هَنِيْ کے بارے میں یہ بات کہ ان میں بھی حَمِيَّ اور هَنِيَّ پڑھنا جائز ہے، یہ بات امام مبرد سے نقل نہیں کی گئی، صرف أَبٌ اور أَخٌ کے بارے میں نقل کی گئی ہے۔ یہ معنیٰ ہے: لِأَنَّهُ لَمْ يُنْقَلْ عَنِ الْمُبَرِّدِ فِيْهِمَا، اس لیے کیونکہ نقل نہیں کی گئی امام مبرد سے ان دونوں یعنی حَمٌ اور هَنٌ کے بارے میں، فِي الْمَشْهُوْرِ ان کے مشہور قول میں، مَا يُخَالِفُ مَذْهَبَ الْجُمْهُوْرِ، وہ جو جمہور کے مذہب کے مخالف ہے۔ یعنی امام مبرد سے وہ چیز نقل نہیں کی گئی جو جمہور کے مذہب کے مخالف ہے۔ جمہور تو کہتے ہیں أَخِيْ اور أَبِيْ پڑھیں گے، أَخِيَّ أَبِيَّ نہیں پڑھ سکتے، لیکن امام مبرد نے جمہور کے مذہب کی مخالفت کرتے ہوئے کیا کہا؟ کہ أَخِيْ اور أَبِيْ میں أَخِيَّ اور أَبِيَّ بھی پڑھ سکتے ہیں۔ پھر دیکھیے ترجمہ: لِأَنَّهُ لَمْ يُنْقَلْ عَنِ الْمُبَرِّدِ فِيْهِمَا فِي الْمَشْهُوْرِ، اس لیے کیونکہ امام مبرد سے نقل نہیں کیا گیا ان دونوں کے بارے میں مشہور قول میں، کیا نقل نہیں کیا گیا؟ مَا يُخَالِفُ مَذْهَبَ الْجُمْهُوْرِ، وہ چیز جو جمہور کے مذہب کے مخالف ہے۔ وَإِنْ نَقَلَ عَنْهُ بَعْضُهُمْ ذٰلِكَ الْخِلَافَ فِي الْأَسْمَاءِ الْأَرْبَعَةِ، اگرچہ بعضوں نے نقل کیا ہے اس اختلاف کو ان چاروں اسماء میں امام مبرد سے، لیکن مشہور قول میں چاروں کے بارے میں یہ بات

نہیں ہے، صرف أَخٌ اور أَبٌ کے بارے میں ہے۔

وَيُقَالُ فِيْ فَمٍ حَالَ إِضَافَتِهِ إِلٰى يَاءِ الْمُتَكَلِّمِ، اور فَمٌ کے اندر کہیں گے جب اس کی یائے متکلم کی طرف اضافت کی جائے اس حالت میں: فِيَّ، فِيَّ کہیں گے۔ بِالرَّدِّ وَالْقَلْبِ وَالْإِدْغَامِ، رد، قلب اور ادغام کرتے ہوئے۔ رد، قلب اور ادغام کرتے ہوئے: ردیعنی وہ جو بدل گیا تھا اس کو واپس لائیں گے، فَمٌ اصل میں کیا تھا؟ فَوٌ، تو اس واؤ کو واپس لائیں گے، پھر اس واؤ کے آگے یا آگئی تو واؤ کو کس سے بدلیں گے؟ یا سے، تو قلب بھی ہوگا واؤ کا یا سے، اور پھر یا کا یا میں ادغام بھی ہو گا۔ تو رد بھی ہوا واؤ کا، پھر قلب بھی ہوا یا کی طرف، اور پھر یا کا یا میں ادغام بھی ہوا۔ تو کہتے ہیں فَمٌ کے اندر اضافت کرتے ہوئے کہیں گے فِيَّ، بِالرَّدِّ وَالْقَلْبِ وَالْإِدْغَامِ، واپس واؤ کو لاتے ہوئے اور اس کو بدلتے ہوئے اور ادغام کرتے ہوئے، فِي الْأَكْثَرِ أَيْ فِيْ أَكْثَرِ مَوَارِدِ اسْتِعْمَالَاتِهِ۔ مَوَارِد جمع ہے مَوْرِد کی، مَوْرِد کہتے ہیں نازل ہونے کی جگہ، یعنی جگہ کے معنیٰ میں ہے، کس معنیٰ میں یہاں کر لو؟ جگہ۔ فِيْ أَكْثَرِ مَوَارِدِ اسْتِعْمَالَاتِهِ، یعنی اس فَمٌ کے استعمال کی جو جگہیں ہیں ان میں اکثر میں کیا آیا ہے؟ بھئی قدیم شعراء کے اشعار جو ہیں ان کو دلیل کے طور پر ذکر کیا جاتا ہے، تو ان کے اشعار کے اندر یہ جو فَمٌ ہے اس کے استعمال کی جو جگہیں ہیں ان میں اکثر میں فِيَّ آیا ہے، استعمالات کی اکثر جگہوں میں فِيَّ آیا ہے۔ یہ معنیٰ ہے: أَيْ فِيْ أَكْثَرِ مَوَارِدِ اسْتِعْمَالَاتِهِ، اس کے اکثر استعمالات کی جگہوں میں، یعنی جن میں استعمال وارد ہوا ہے، قدیم فصیح شاعروں سے استعمال وارد ہوا ہے، ان اکثر جگہوں میں یہ فِيَّ آیا ہے۔ وَفَمِيْ فِيْ بَعْضِهَا، اور بعضوں میں فَمِيْ بھی آیا ہے کہ اسی میم کو برقرار رکھتے ہیں۔ تو کہتے ہیں: وَفَمِيْ فِيْ بَعْضِهَا، اور بعض استعمالات کی جگہوں میں فَمِيْ آیا ہے، إِبْقَاءَ الْمِيْمِ الْمُعَوَّضِ عَنِ الْوَاوِ عِنْدَ قَطْعِهِ عَنِ الْإِضَافَةِ۔ بھئی دیکھیے یہ میم کب لاتے ہیں؟ جب اس کو اضافت سے کاٹ دیتے ہیں۔ اضافت کے وقت نہیں، یہ میم اصل میں کب آتا ہے؟ جب اضافت سے کاٹ دیتے ہیں، اصل میں تھا فَوْهٌ، پھر ہا حذف ہو گئی، اب واؤ کو کس سے بدلا؟ میم سے۔ کیوں بدلا؟ کیونکہ اگر میم سے نہیں بدلیں گے تو یہ واؤ بھی گر جائے گا، تو یہ اضافت سے جب کاٹتے ہیں تب اس میم کو لاتے ہیں، تو اسی میم کو اضافت کے وقت بھی برقرار رکھا گیا۔ یہ معنیٰ ہے: إِبْقَاءَ الْمِيْمِ الْمُعَوَّضِ عَنِ الْوَاوِ، باقی رکھتے ہوئے اس میم کو، الْمُعَوَّضِ عَنِ الْوَاوِ، جو معوض ہے کس کا؟ واؤ کا یعنی جو واؤ کے عوض میں لایا گیا ہے، عِنْدَ قَطْعِهِ عَنِ الْإِضَافَةِ، جب اس کو اضافت سے کاٹا جاتا ہے۔ جب اضافت سے کاٹا جاتا ہے تو اس وقت واؤ کو بدلتے ہیں کس سے؟ میم سے، تو یہ میم جو واؤ کے عوض میں لایا گیا ہے اس کو باقی رکھتے ہوئے اضافت کے وقت بھی، اسی میم کو باقی رکھتے ہیں اضافت کے وقت بھی۔ یہ معنیٰ ہے کہتے ہیں: إِبْقَاءَ الْمِيْمِ الْمُعَوَّضِ عَنِ الْوَاوِ، باقی رکھتے ہوئے اس میم کو جو عوض ہے واؤ سے، عِنْدَ قَطْعِهِ عَنِ الْإِضَافَةِ، جب اس کو قطع کیا جائے اضافت سے۔ جب اس کو اضافت سے قطع کیا جائے اس وقت واؤ سے بدل کر جو میم لاتے ہیں، تو اضافت کے وقت بھی اسی میم کو برقرار رکھا گیا بھائی۔ معنیٰ سمجھ

میں آگیا؟

وَإِذَا قُطِعَتْ، جی اب دیکھیے یہ تو یا کی طرف اضافت کی باتیں تھیں، اب بتلائیں گے ان اسمائے ستہ... یہ جو اسمائے ستہ ہیں، ماقبل میں گزرا تھا جب یا کے علاوہ کی طرف مضاف ہوں تو رفع واؤ کے ساتھ، نصب الف کے ساتھ اور جر یا کے ساتھ، جَاءَنِيْ أَخُوْكَ، رَأَيْتُ أَخَاكَ، مَرَرْتُ بِأَخِيْكَ۔ وہاں وہ پیچھے اعراب میں یہ بات گزری تھی۔ تو یا کے علاوہ کی طرف اضافت کریں تب کیسے پڑھیں گے؟ یہ بات پیچھے گزر گئی۔ یا کی طرف اضافت کریں گے تب کیسے پڑھیں گے؟ یہ ابھی بات گزر گئی۔ اور اگر ان کو اضافت سے کاٹ دیں، اضافت کریں ہی نہ، پھر کیسے پڑھیں گے؟ وہ بات ابھی تک ذکر نہیں ہوئی تھی، تو اب وہ بھی بتلانے لگے ہیں کہ جب ان کو اضافت سے کاٹ دیں گے پھر کیسے پڑھیں گے؟ تو بتائیں گے کہ پھر أَخٌ، أَبٌ، حَمٌ، هَنٌ، فَمٌ پڑھیں گے، یعنی اعراب بالحرکۃ آئے گا: جَاءَنِيْ أَخٌ، رَأَيْتُ أَخًا، مَرَرْتُ بِأَخٍ۔ جَاءَنِيْ أَبٌ، رَأَيْتُ أَبًا، مَرَرْتُ بِأَبٍ۔ اسی طرح ان پانچوں میں ہے۔ جبکہ ذُوْ جو ہے اس کو اضافت سے کبھی نہیں کاٹتے، ذُوْ ہمیشہ کس کے ساتھ آئے گا؟ اضافت کے ساتھ۔ تو باقی یہ جو پانچ ہیں یہ اسی طرح پڑھیں گے۔

تو کہتے ہیں، پہلے متن متن دیکھیے، کہتے ہیں: وَإِذَا قُطِعَتْ، اور جب ان کو کاٹا جائے یعنی اضافت سے، قِيْلَ، تو یوں کہتے ہیں: أَخٌ وَأَبٌ وَحَمٌ وَهَنٌ وَفَمٌ۔ اور وَفَتْحُ الْفَاءِ أَفْصَحُ مِنْهُمَا۔ یہ جو فَمٌ ہے نا فَمٌ، یاد رکھو یہ جو فَمٌ ہے یہ مثلث الفا ہے۔ یہ کیا ہے؟ مثلث الفا ہے۔ مثلث الفا اس لفظ کو کہتے ہیں جس کے فا حرف پر تینوں حرکتیں جائز ہوں، فا عین لام حروفِ اصلیہ مراد ہیں، اور یہاں فَمٌ میں تو حرفِ اصلی ہے بھی فا ہی، تو فا کی جگہ کوئی اور بھی حرف ہوتا، تو مثلث الفا کا معنیٰ یہ ہے اس پہلے حرف پر تینوں حرکتیں جائز ہیں، تو فَمٌ میں بھی یہ فا پر تینوں حرکتیں جائز ہیں۔ کیسے؟ فَمٌ، فُمٌ، فِمٌ۔ فا پر تینوں حرکتیں پڑھیں: فَمٌ، فُمٌ اور فِمٌ۔ اور اعراب جو آئے گا وہ میم پر آئے گا، وہ الگ آئے گا جیسے بھی آئے گا، مثلاً فا پر آپ ضمہ پڑھتے ہیں اور میم پر اعراب تینوں طرح کے آسکتے ہیں تو فُمٌ، فُمًا، فُمٍ۔ اور اگر فا پر فتحہ پڑھیں اور میم پر اعراب تینوں بدلیں گے: فَمٌ، فَمًا، فَمٍ۔ اور اگر فا پر زیر بھی پڑھیں اعراب اسی طرح بدلیں گے: فِمٌ، فِمًا، فِمٍ۔ توجہ ہے؟ تو یہ تین لغتیں ہیں اس کے اندر بھائی، فا کے اندر تینوں لغتیں ہیں: ضمہ بھی، فتحہ بھی اور کسرہ بھی۔ لیکن ان کے اندر فتحہ سب سے فصیح لغت ہے، فا پر ضمہ اور کسرہ اتنا فصیح نہیں جتنا فتحہ فصیح ہے، تو فَمٌ پڑھنا سب سے اعلیٰ لغت ہے بھائی۔ یہ معنیٰ ہے: وَفَتْحُ الْفَاءِ أَفْصَحُ مِنْهُمَا، اور فا کا جو فتحہ ہے وہ زیادہ فصیح ہے مِنْهُمَا ان دونوں کے مقابلے میں یعنی ضمہ اور کسرہ کے مقابلے میں۔

وَجَاءَ حَمٌ، جی اب آگے اوروں کی بھی لغتیں ذکر کریں گے۔ یاد رکھو یہ جو حَمٌ ہے حَمٌ، وہاں کیسے پڑھا تھا جہاں اسمائے ستہ کا ذکر اعراب میں آیا تھا؟ وہاں اسمائے ستہ، مکبرہ، موحدہ، مضافہ إِلىٰ غَيْرِ يَاءِ الْمُتَكَلِّمِ، یہ ساری شرطیں پوری ہوں تو پھر کیسے پڑھیں گے؟ جَاءَنِيْ حَمُوْكِ، رَأَيْتُ حَمَاكِ، مَرَرْتُ بِحَمِيْكِ۔ دیکھو وہ آخری کلمہ وہ اعراب بن گیا یعنی لام، حا میم واؤ، یہ

واؤ اعراب بن جائے گا: حَمُوْكِ، حَمَاكِ، حَمِيْكِ۔ دیکھو الف، واؤ اور یا کے ساتھ اعراب آرہا ہے۔ توجہ ہے؟ اسمائے ستہ کا اعراب کیا تھا؟ وہ جو اسمائے ستہ مکبرہ موحدہ مضافہ إلىٰ غَيْرِ يَاءِ الْمُتَكَلِّمِ، رفع کس کے ساتھ؟ واؤ کے ساتھ، نصب الف کے ساتھ، جر یا کے ساتھ۔ تو جَاءَنِيْ حَمُوْكِ، رَأَيْتُ حَمَاكِ، مَرَرْتُ بِحَمِيْكِ۔ اسی کے اندر کچھ اور لغتیں ہیں وہ بھی آپ کو بتلانے لگے ہیں، آپ کو بتائیں گے کہ حَمٌ مطلقاً يَدٌ کی طرح بھی آیا ہے۔ کس طرح؟ يَدٌ کی طرح۔ جیسے يَدٌ ہے، يَدٌ کو اضافت سے کاٹیں تو کیسے پڑھتے ہیں؟ جَاءَنِيْ يَدٌ، رَأَيْتُ يَدًا، مَرَرْتُ بِيَدٍ۔ اسی طرح حَمٌ میں بھی: جَاءَنِيْ حَمٌ، رَأَيْتُ حَمًا، مَرَرْتُ بِحَمٍ۔ یہ ایک لغت ہو گئی۔ یہ تو تھا بغیر اضافت کے، اضافت کر دو پھر بھی يَدٌ کی طرح پڑھو: جَاءَنِيْ يَدُكَ، رَأَيْتُ يَدَكَ، مَرَرْتُ بِيَدِكَ، دیکھو وہ واؤ واپس نہیں آیا۔ تو حَمٌ کے اندر بھی واؤ واپس نہ لائیں: جَاءَنِيْ حَمُكِ، رَأَيْتُ حَمَكِ، مَرَرْتُ بِحَمِكِ۔ بالکل يَدٌ کی طرح پڑھنا ہے۔ وہاں پڑھا تھا حَمُوْكِ، حَمَاكِ، حَمِيْكِ، میم کے بعد واؤ الف اور یا آرہے تھے، اب وہ واؤ الف اور یا نہیں آئیں گے: حَمُكِ، حَمَكِ، حَمِكِ، جیسے يَدُكِ، يَدَكِ، يَدِكِ۔ يَدٌ کی طرح۔ تو یہ جو حَمٌ ہے یہ يَدٌ کی طرح آیا ہے مطلقاً۔ کس کی طرح؟ يَدٌ کی طرح۔ اور مطلقاً کیا معنیٰ؟ چاہے اضافت کے ساتھ ہو چاہے بغیر اضافت کے ہو۔ يَدٌ بغیر اضافت کے کیسے پڑھتے ہیں؟ يَدٌ، يَدًا، يَدٍ۔ اسی طرح حَمٌ، حَمًا، حَمٍ۔ اور اضافت کے ساتھ کیسے پڑھتے ہیں؟ يَدُكِ، مؤنث کی ضمیر لے آئیں نا تاکہ دونوں ایک جیسے ہو جائیں ورنہ مذکر کی بھی لا سکتے ہیں آپ، يَدُكِ، يَدَكِ، يَدِكِ۔ اور حَمٌ میں کیا کہیں گے؟ حَمُكِ، حَمَكِ اور حَمِكِ۔ تو بالکل يَدٌ کی طرح، مُطْلَقًا کا کیا معنیٰ؟ چاہے اضافت کے ساتھ ہو چاہے بغیر اضافت کے ہو۔ اسی طرح یاد رکھو یہ حَمٌ جو ہے خَبْءٌ کی طرح بھی آیا ہے۔ خَبْءٌ پردے کو کہتے ہیں، اور خَبْءٌ کے آخر میں کیا ہے؟ ہمزہ، تو حَمٌ اصل میں کیا تھا؟ حَمَوٌ، تو اس واؤ کو کس سے بدل دیا؟ ہمزہ سے۔ تو خَبْءٌ کی طرح بھی آیا ہے مطلقاً یعنی چاہے اضافت کے ساتھ پڑھو یا بغیر اضافت کے۔ خَبْءٌ میں ذرا پڑھیں: جَاءَنِيْ خَبْءٌ، رَأَيْتُ خَبْأً، مَرَرْتُ بِخَبْءٍ۔ اسی طرح حَمٌ میں بھی ہے: جَاءَنِيْ حَمْءٌ، رَأَيْتُ حَمْأً، مَرَرْتُ بِحَمْءٍ ہمزہ کے ساتھ۔ اور اضافت میں بھی اسی کی طرح آیا ہے: جَاءَنِيْ حَمْؤُكِ، رَأَيْتُ حَمْأَكِ، مَرَرْتُ بِحَمْئِكِ۔ توجہ ہے؟ تو یہ مطلقاً حَمٌ خَبْءٌ کی طرح بھی آیا ہے یعنی ہمزہ کے ساتھ بھی آیا ہے چاہے اضافت کے ساتھ ہو چاہے بغیر اضافت کے ہو۔

نیز یاد رکھو، آپ کو بتائیں گے یہ دَلْوٌ کی طرح بھی آیا ہے۔ کس کی طرح؟ دَلْوٌ۔ دَلْوٌ، دَلْوًا، دَلْوٍ۔ جَاءَنِيْ دَلْوٌ، رَأَيْتُ دَلْوًا، مَرَرْتُ بِدَلْوٍ۔ اسی طرح کہیں گے: جَاءَنِيْ حَمْوٌ، رَأَيْتُ حَمْوًا، مَرَرْتُ بِحَمْوٍ۔ تو دَلْوٌ کی طرح بھی آیا ہے مطلقاً یعنی اضافت میں بھی اور بغیر اضافت کے بھی۔ بغیر اضافت کے دَلْوٌ کو ذرا پڑھیں: جَاءَنِيْ دَلْوٌ، رَأَيْتُ دَلْوًا، مَرَرْتُ بِدَلْوٍ۔ اسی طرح جَاءَنِيْ حَمْوٌ، رَأَيْتُ حَمْوًا، مَرَرْتُ بِحَمْوٍ۔ اب دَلْوٌ کو ذرا اضافت کے ساتھ پڑھیں: جَاءَنِيْ دَلْوُكَ، رَأَيْتُ دَلْوَكَ، مَرَرْتُ بِدَلْوِكَ۔ اسی طرح جَاءَنِيْ حَمْوُكِ، رَأَيْتُ حَمْوَكِ، مَرَرْتُ بِحَمْوِكِ۔ تو دَلْوٌ کی طرح بھی یہ مطلقاً آیا ہے یعنی اضافت میں بھی اور بغیر اضافت کے بھی۔

اور نیز اسی طرح یہ عَصًا کی طرح بھی آیا ہے عَصًا، عَصًا لاٹھی کو کہتے ہیں، اور عَصًا کس میں سے ہے؟ اسمِ مقصور ہے۔ اصل میں کیا تھا؟ عَصَوٌ تھا، عَصَوٌ، واؤ متحرک ماقبل فتحہ تو واؤ کو کس سے بدلا؟ الف سے، کیا بن گیا؟ عَصَانْ، پھر الف بھی

ساکن آگے تنوین کا نون بھی ساکن تو الف گر گیا تو کیا بن گیا؟ عَصًا۔ تو یہ اصل میں اسمِ مقصور ہے یعنی اس کے آخر میں الفِ مقصورہ ہے۔ یہ الف کیوں گرا؟ نونِ تنوین کی وجہ سے، اگر یہ تنوین نہ ہوتی اس الف نے نہیں گرنا تھا، چنانچہ اس پر الف لام لے آئیں: اَلْعَصَا، دیکھو اب وہ الف ظاہر ہے۔ تو عَصًا یہ کیا ہے؟ اسمِ مقصور ہے اور الف تقدیراً موجود ہے، تقدیراً موجود ہے اور اجتماعِ ساکنین کی وجہ سے گرا ہے بھائی۔ تو عَصًا کیا ہے؟ اسمِ مقصور ہے، اور عَصًا اس کا اعراب تینوں حالتوں میں تقدیری ہے: جَاءَنِيْ عَصًا، رَأَيْتُ عَصًا، مَرَرْتُ بِعَصًا۔ اسی طرح حَمٌ بھی آیا ہے: جَاءَنِيْ حَمًا، رَأَيْتُ حَمًا، مَرَرْتُ بِحَمًا، بالکل عَصًا کی طرح، جَاءَنِيْ عَصًا رَأَيْتُ عَصًا مَرَرْتُ بِعَصًا، تینوں اعراب تقدیری۔ اسی طرح حَمٌ میں بھی آیا ہے تینوں اعراب تقدیری: جَاءَنِيْ حَمًا، رَأَيْتُ حَمًا، مَرَرْتُ بِحَمًا۔ اور اضافت کرو، اضافت کرو عَصًا کو ذرا لے آؤ اضافت کے ساتھ: جَاءَنِيْ عَصَاكَ، رَأَيْتُ عَصَاكَ، مَرَرْتُ بِعَصَاكَ، تینوں اعراب تقدیری۔ اسی طرح جَاءَنِيْ حَمَاكِ، رَأَيْتُ حَمَاكِ، مَرَرْتُ بِحَمَاكِ، تینوں اعراب تقدیری۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو حَمٌ کے اندر کیا تفصیل بیان کی؟ کہ یہ یَدٌ کی طرح بھی آیا ہے، اور خَبْءٌ کی طرح بھی آیا ہے، اور دَلْوٌ کی طرح بھی آیا ہے، اور عَصًا کی طرح بھی آیا ہے مطلقاً یعنی چاہے بغیر اضافت کے ہو یا چاہے اضافت کے ساتھ ہو۔ بات سمجھ میں آگئی؟

دیکھیے بھائی متن، کہتے ہیں: وَجَاءَ حَمٌ مِثْلَ يَدٍ، اور حَمٌ جو ہے یَدٌ کی طرح بھی آیا ہے، وَخَبْءٍ اور خَبْءٍ، عبارت پہ نظر ہے بھائی؟ عبارت پہ نظر رکھو۔ تو کہتے ہیں: وَجَاءَ حَمٌ مِثْلَ يَدٍ، اور حَمٌ کا لفظ جو ہے یَدٌ کی طرح بھی آیا ہے، وَخَبْءٍ اور خَبْءٌ کی طرح بھی آیا ہے، وَدَلْوٍ اور دَلْوٌ کی طرح بھی آیا ہے، وَعَصًا اور عَصًا کی طرح بھی آیا ہے، مُطْلَقًا۔ مطلقاً کا کیا معنیٰ؟ یعنی چاہے اضافت کے ساتھ ہو چاہے بغیر اضافت کے ہو، تو اسی انہی کی طرح آیا ہے۔

وَجَاءَ هَنٌ مِثْلَ يَدٍ مُطْلَقًا، اور هَنٌ جو ہے یَدٌ کی طرح آیا ہے مطلقاً۔ هَنٌ کس کی طرح آیا ہے؟ یَدٌ کی طرح۔ جیسے جَاءَنِيْ يَدٌ، رَأَيْتُ يَدًا، مَرَرْتُ بِيَدٍ۔ اسی طرح کہیں گے: جَاءَ هَنٌ، رَأَيْتُ هَنًا، مَرَرْتُ بِهَنٍ، یعنی تینوں اعراب حرکت کے ساتھ ہوں، یہ بغیر اضافت کے تھا۔ اور اضافت میں یَدٌ کیسے کہیں گے؟ جَاءَنِيْ يَدُكَ، رَأَيْتُ يَدَكَ، مَرَرْتُ بِيَدِكَ، اسی طرح هَنٌ: جَاءَنِيْ هَنُكَ، رَأَيْتُ هَنَكَ، مَرَرْتُ بِهَنِكَ۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو کہتے ہیں: وَجَاءَ هَنٌ مِثْلَ يَدٍ مُطْلَقًا، اور هَنٌ کا لفظ جو ہے یَدٌ کے مثل آیا ہے مطلقاً یعنی حالتِ افراد میں بھی یعنی بغیر اضافت کے بھی اور اضافت کے ساتھ بھی۔ بات سمجھ میں آگئی؟

اب اس سارے کو شرح کے ساتھ دیکھیے، کہتے ہیں: وَإِذَا قُطِعَتْ هٰذِهِ الْأَسْمَاءُ الْخَمْسَةُ عَنِ الْإِضَافَةِ، اور جب ان اسمائے خمسہ کو اضافت سے کاٹ دیا جائے، قِيْلَ تو یوں کہیں گے: أَخٌ وَأَبٌ وَحَمٌ وَهَنٌ وَفَمٌ بِالْحَرَكَاتِ الثَّلَاثِ، تینوں حرکتوں کے ساتھ۔ یہ بِالْحَرَكَاتِ الثَّلَاثِ کا تعلق فَمٌ سے ہے، کس سے؟ فَمٌ سے ہے، اس فَمٌ کی جو فا ہے اس میں تینوں حرکتیں ہیں: فَمٌ، فُمٌ اور فِمٌ۔ اور یاد رکھنا ان میں اور بھی لغات ہیں لیکن یہ مشہور انہوں نے ذکر کر دیں۔ فَمٌ میں ایک لغت یہ بھی ہے کہ جو اعراب میم پر آئے فا پر بھی وہی حرکت پڑھیں گے: میم پر رفع تو فا پر بھی ضمہ فُمٌ، میم پر فتحہ تو فا پر بھی فتحہ

فَمًا، میم پر کسرہ تو فا پر بھی کسرہ فِمٍ، یہ بھی ایک لغت آئی ہے۔ پہلے تو کیا تھا؟ میم کا اعراب الگ ہوتا تھا، فا پر آپ جو بھی پڑھنا چاہیں ضمہ فتحہ کسرہ: آپ نے ضمہ پڑھا فُمٌ، میم پر اعراب بدلے گا لیکن ضمہ اسی طرح رکھیں: فُمٌ، فُمًا، فُمٍ۔ یا فا پر فتحہ پڑھا: فَمٌ، فَمًا، فَمٍ۔ یا فا پر کسرہ پڑھا: فِمٌ، فِمًا، فِمٍ۔ میم کا اعراب الگ ہے اور فا کی حرکت الگ ہے۔ لیکن ایک لغت اس میں یہ بھی ہے کہ جو اعراب میم پر ہو فا پر بھی وہی حرکت پڑھتے ہیں: میم پر ضمہ تو فا پر بھی ضمہ، میم پر فتحہ تو فا پر بھی فتحہ، میم پر کسرہ تو فا پر بھی کسرہ، فُمٌ فُمًا فُمٍ۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو بہرحال یہاں جو آیا نا بِالْحَرَكَاتِ الثَّلَاثِ اس میں صرف فا کی حرکت کا بیان ہے کہ فا پر تینوں حرکتیں ہیں، وَلٰكِنْ فَتْحُ الْفَاءِ أَفْصَحُ مِنْهُمَا، لیکن فا کا فتحہ زیادہ فصیح ہے ان دونوں کے مقابلے میں، أَيْ مِنَ الضَّمِّ وَالْكَسْرِ، یعنی ضمہ اور کسرہ کے مقابلے میں۔

وَجَاءَ حَمٌ مِثْلَ يَدٍ، اور حَمٌ کا لفظ جو ہے یَدٌ کے مثل آیا ہے، فَيُقَالُ پس کہتے ہیں: هٰذَا حَمٌ دیکھو بغیر اضافت کے، أَوْ حَمُكِ یہ اضافت کے ساتھ ہے اور دونوں حالتِ رفعی میں ہیں۔ وَرَأَيْتُ حَمًا أَوْ حَمَكِ، دیکھو میں نے تو الگ الگ مثال ذکر کی حَمٌ حَمًا حَمٍ بغیر اضافت کے اور اضافت کے ساتھ حَمُكِ حَمَكِ اور حَمِكِ، تو صاحبِ جامی دونوں کو اکٹھا اکٹھا ذکر کریں گے: حالتِ رفعی بغیر اضافت کے یعنی حالتِ افراد اور حالتِ اضافت کو اکٹھا ذکر کریں گے، جیسے هٰذَا حَمٌ أَوْ حَمُكِ۔ یہ حَمٌ یہ بھی مرفوع اور حَمُكِ یہ بھی کیا ہے؟ مرفوع، البتہ ایک مفرد ہے اور ایک اضافت کے ساتھ ہے۔ تو کہتے ہیں: هٰذَا حَمٌ أَوْ حَمُكِ، وَرَأَيْتُ حَمًا وَحَمَكِ یہ حالتِ نصبی ہے دونوں کی، وَمَرَرْتُ بِحَمٍ وَحَمِكِ یہ حالتِ جری ہے دونوں کی۔ وَمِثْلَ خَبْءٍ بِالْهَمْزَةِ، اور خَبْءٌ کی طرح بھی آیا ہے ہمزہ کے ساتھ، فَيُقَالُ پس یوں کہا جاتا ہے: هٰذَا حَمْءٌ أَوْ حَمْؤُكِ، یہ دونوں حالتِ رفعی میں ہیں حالتِ افراد بھی اور حالتِ اضافت بھی؛ وَرَأَيْتُ حَمْأً أَوْ حَمْأَكِ، یہ حالتِ نصبی میں ہیں؛ وَمَرَرْتُ بِحَمْءٍ أَوْ حَمْئِكِ، یہ حالتِ جری میں ہیں۔ وَمِثْلَ دَلْوٍ بِالْوَاوِ، اور دَلْوٌ کے مثل بھی آیا ہے واؤ کے ساتھ، فَيُقَالُ پس یوں کہتے ہیں: هٰذَا حَمْوٌ أَوْ حَمْوُكِ، وَرَأَيْتُ حَمْوًا أَوْ حَمْوَكِ، وَمَرَرْتُ بِحَمْوٍ أَوْ حَمْوِكِ۔ وَمِثْلَ عَصًا بِالْأَلِفِ، اور عَصًا کے مثل بھی آیا ہے الف کے ساتھ، فَيُقَالُ: هٰذَا حَمًا وَحَمَاكِ، وَرَأَيْتُ حَمًا وَحَمَاكِ، وَمَرَرْتُ بِحَمًا وَحَمَاكِ، تینوں کا اعراب تقدیری ہے، تینوں کا اعراب چاہے اضافت کے ساتھ ہے چاہے بغیر اضافت کے۔ مُطْلَقًا یعنی یہ حَمٌ جو آیا ہے یَدٌ، خَبْءٌ، دَلْوٌ اور عَصًا کی طرح آیا ہے مطلقاً، أَيْ جَوَازُ حَمٍ مِثْلَ هٰذِهِ الْأَسْمَاءِ الْأَرْبَعَةِ مُطْلَقًا، یعنی حَمٌ کا جو جواز ہے ان اسمائے اربعہ کے مثل وہ مطلقاً ہے، غَيْرَ مُقَيَّدٍ بِحَالِ الْإِفْرَادِ أَوِ الْإِضَافَةِ، یعنی یہ افراد یا اضافت کی حالت کے ساتھ مقید نہیں ہے، دونوں حالتوں میں اسی طرح آئے گا افراد کی حالت میں بھی اور اضافت کی حالت میں بھی، بَلْ تَجِيءُ هٰذِهِ الْوُجُوْهُ فِيْهِ فِيْ كُلٍّ مِنْ حَالَتَيِ الْإِفْرَادِ وَالْإِضَافَةِ، بلکہ یہ والی ساری وجہیں آتی ہیں افراد اور اضافت کی دونوں حالتوں میں سے ہر ایک کے اندر یہ وجوہ آئیں گی۔

وَجَاءَ هَنٌ مِثْلَ يَدٍ مُطْلَقًا، اور هَنٌ کا لفظ بھی یَدٌ کے مثل آیا ہے مطلقاً، أَيْ فِي الْإِفْرَادِ وَالْإِضَافَةِ، یعنی افراد اور اضافت کی حالت میں، يُقَالُ: هٰذَا هَنٌ وَرَأَيْتُ هَنًا وَمَرَرْتُ بِهَنٍ، یہ دیکھو بغیر اضافت کے ہے؛ وَهٰذَا هَنُكَ وَرَأَيْتُ هَنَكَ وَمَرَرْتُ بِهَنِكَ، یہ اضافت کے ساتھ ہے۔

اب آگے ذُوْ کی بات کرنے لگے ہیں، دیکھیے بھائی متن متن دیکھیے، کہتے ہیں: وَذُوْ لَا يُضَافُ إِلٰى مُضْمَرٍ، اور ذُوْ جو ہے اس کی ضمیر کی طرف اضافت نہیں کی جاتی، اس کی ضمیر کی طرف اضافت نہیں کی جاتی۔ بھئی ان کی اضافت تو یا کی طرف تھی، ان کے خاص بعض کے احکام تھے: أَبِيْ اور أَخِيْ اس کے اندر أَبِيَّ اور أَخِيَّ بھی جائز تھا، اور فَمٌ کی اضافت جب یا کی طرف کرتے تھے تو وہ واؤ واپس آجاتا تھا اور فِيَّ پڑھتے تھے، تو ان میں سے بعض کے خاص احکام تھے، لیکن بتلایا کہ ذُوْ وہ تو ضمیر کی طرف مضاف ہوتا ہی نہیں، اس کا کوئی خاص حکم ہے ہی نہیں کیونکہ یہ ضمیر کی طرف مضاف ہی نہیں ہوتا۔ تو کہتے ہیں: وَذُوْ لَا يُضَافُ إِلٰى مُضْمَرٍ، اور ذُوْ جو ہے اس کی اضافت نہیں کی جاتی ضمیر کی طرف۔ وَلَا يُقْطَعُ، مل گیا متن بھائی آگے؟ وَلَا يُقْطَعُ، اور نیز ذُوْ کو اضافت سے کاٹتے بھی نہیں۔ ان پانچ کو تو ہم نے بتا دیا یا کی طرف اضافت کریں گے تب کیسے پڑھیں گے اور اضافت سے کاٹیں گے تو تب کیسے پڑھیں گے، لیکن ذُوْ کی ضمیر کی طرف اضافت بھی نہیں ہوتی اور نیز اس کو اضافت سے کاٹتے بھی نہیں ہیں بھائی۔

اب دیکھیے اس کو شرح کے ساتھ، کہتے ہیں: وَذُوْ لَا يُضَافُ إِلٰى مُضْمَرٍ، اور ذُوْ جو ہے اس کی اضافت ضمیر کی طرف نہیں کی جاتی، لِأَنَّهُ وُضِعَ وُصْلَةً إِلَى الْوَصْفِ بِأَسْمَاءِ الْأَجْنَاسِ۔ یاد رکھو یہ جو ذُوْ ہے نا اس کو اس لیے وضع کیا گیا ہے تاکہ اسمائے اجناس کو کسی کی صفت بنایا جائے۔ مثلاً رَجُلٌ ہے، میں رَجُلٌ کی صفت مَالٌ کو بنانا چاہتا ہوں، تو میں رَجُلٌ مَالٌ نہیں کہہ سکتا کیونکہ معنیٰ صحیح نہیں بنتا، لیکن میں مَالٌ کو آدمی کی صفت بنانا چاہتا ہوں کہ مال والا ہے، تو پھر اس صورت میں ذُوْ لاتے ہیں: جَاءَنِيْ رَجُلٌ ذُوْ مَالٍ، میرے پاس ایک ایسا آدمی آیا ذُوْ مَالٍ جو مال والا تھا۔ تو دیکھو یہ مَالٌ صفت بن گیا کس کی؟ رَجُلٌ کی کہ وہ مال والا ہے۔ تو ذُوْ کس لیے وضع ہے؟ یہ اسمِ جنس کو صفت بناتا ہے موصوف کے لیے۔ تو یہی بیان کر رہے ہیں کہ ذُوْ کو ضمیر کی طرف اضافت نہیں ہوتی بلکہ اس کو وضع ہی کس لیے کیا گیا ہے؟ تاکہ یہ اسمِ جنس کو صفت بنائے، اور ضمیر تو اسمِ جنس نہیں ہے۔ کہتے ہیں: لِأَنَّهُ وُضِعَ وُصْلَةً، اس لیے کیونکہ ذُوْ جو ہے اس کو وضع کیا گیا ہے وُصْلَةً، وُصْلَة کہتے ہیں جوڑ اور ربط، اس کو بطورِ جوڑ اور ربط کے وضع کیا گیا ہے، إِلَى الْوَصْفِ بِأَسْمَاءِ الْأَجْنَاسِ، اسمائے اجناس کے ساتھ موصوف کرنے کی جانب، یعنی اسمائے اجناس کو کسی چیز کی صفت بنانے کے لیے اس کو وضع کیا گیا ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ کہتے ہیں: لِأَنَّهُ وُضِعَ وُصْلَةً، اس لیے کیونکہ ذُوْ جو ہے اس کو وضع کیا گیا ہے بطورِ جوڑ کے اور بطورِ ربط کے، إِلَى الْوَصْفِ بِأَسْمَاءِ الْأَجْنَاسِ، اسمائے اجناس کے ساتھ موصوف کرنے کے لیے، وَالضَّمِيْرُ لَيْسَ بِاسْمِ جِنْسٍ، اور ضمیر تو اسمِ جنس نہیں ہے۔ وَقَدْ أُضِيْفَ إِلَيْهِ عَلٰى سَبِيْلِ الشُّذُوْذِ، اور تحقیق کہتے ہیں ذُوْ کی اضافت ضمیر کی طرف کی گئی ہے عَلٰى سَبِيْلِ الشُّذُوْذِ شذوذ کے طریقے پر، یعنی کلامِ عرب میں آیا ہے لیکن شاذ طریقے پر یعنی نہایت ہی نادر آیا ہے کہ ذُوْ کی اضافت کسی شاعر نے ضمیر کی طرف کی ہو۔ تو یہ معنیٰ: وَقَدْ أُضِيْفَ إِلَيْهِ عَلٰى سَبِيْلِ الشُّذُوْذِ، اور تحقیق ذُوْ کی اضافت کی گئی ہے ضمیر کی طرف شذوذ کے طریقے پر، كَقَوْلِ الشَّاعِرِ، جیسے ایک شاعر کا قول ہے: إِنَّمَا يَعْرِفُ ذَا الْفَضْلِ مِنَ النَّاسِ ذَوُوْهُ۔ إِنَّمَا يَعْرِفُ،

پہچانتے ہیں ذَا الْفَضْلِ، ذَا الْفَضْلِ کا کیا معنیٰ؟ فضل والا۔ اور ذَا الْفَضْلِ میں ذَا دیکھو حالتِ نصبی میں ہے: ذُوْ مَالٍ حالتِ رفعی میں کیا کہتے ہیں؟ ذُوْ مَالٍ، حالتِ نصبی میں ذَا مَالٍ، حالتِ جری میں ذِيْ مَالٍ، تو یہاں کیا آیا؟ ذَا الْفَضْلِ۔ اور ذَا الْفَضْلِ معلوم ہوا یہ کس حالت میں ہے؟ نصبی حالت میں ہے، معلوم ہوا یہ يَعْرِفُ کا فاعل نہیں ہے یہ مفعول ہے، اور فاعل آگے آرہا ہے ذَوْوْهُ۔ اصل میں تھا ذَوْوْنَ، ذُوْ کی جمع کیا؟ ذَوْوْنَ، اور پھر ہا ضمیر کی طرف اضافت کی تو نون اضافت سے گر گیا تو کیا بن گیا؟ ذَوْوْهُ بن گیا، کیا بن گیا؟ ذَوْوْنَ تھا وہ نون گر گیا اور ہا ضمیر کی طرف اضافت کر دی تو ذَوْوْهُ، اور ہا ضمیر اسی فضل کو راجع ہے جو پیچھے گزرا، ذَوْوْهُ فضل والے۔ ذُو الْفَضْلِ کا کیا معنیٰ؟ فضل والا۔ اور ذَوُو الْفَضْلِ کا کیا معنیٰ؟ ذَوُو الْفَضْلِ، فضل والے، جمع ہے نا۔ تو ذَوْوْهُ ہا ضمیر کس کو راجع؟ فضل کو۔ تو إِنَّمَا يَعْرِفُ، جانتے ہیں پہچانتے ہیں ذَا الْفَضْلِ مِنَ النَّاسِ، وہ جو فضل والے ہوتے ہیں لوگوں میں سے ان کو پہچانتے ہیں ذَوْوْهُ، فضل والے ہی۔ فضل والے کو فضل والا ہی پہچانتا ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو کہتے ہیں: إِنَّمَا يَعْرِفُ ذَا الْفَضْلِ مِنَ النَّاسِ ذَوْوْهُ، کہ لوگوں میں سے جو فضل والے ہوتے ہیں ان کو فضل والا ہی جانتا ہے۔ تو اس کے اندر دیکھو ذُوْ کی اضافت ہا ضمیر کی طرف کی گئی ہے، لیکن یہ شاذ ہے۔

وَلَوْ قِيْلَ، اب صاحبِ جامی آپ کو بتلائیں گے۔ صاحبِ جامی آپ کو بتلائیں گے کہ صاحبِ کافیہ نے کہا وَذُوْ لَا يُضَافُ إِلٰى مُضْمَرٍ، توجہ ہے؟ وَذُوْ لَا يُضَافُ إِلٰى مُضْمَرٍ، کہ ذُوْ کی اضافت ضمیر کی طرف نہیں کی جاتی۔ یاد رکھو، ذُوْ کی اضافت ضمیر کی طرف بھی نہیں کی جاتی اور ذُوْ کی اضافت غیرِ اسمِ جنس کی طرف بھی نہیں کی جاتی۔ دو حکم ہیں ذُوْ کے: ذُوْ کی اضافت صرف اسمِ جنس کی طرف ہوتی ہے، تو معلوم ہوا ضمیر کی طرف بھی نہیں ہوگی اور اسمِ جنس کے علاوہ کی طرف بھی نہیں ہوگی۔ تو دو باتیں تھیں یہاں پر۔ تو صاحبِ کافیہ نے کیا کہا؟ ذُوْ کی اضافت ضمیر کی طرف نہیں کی جاتی۔ اس سے یہ تو پتہ چل گیا کہ ضمیر کی طرف اضافت نہیں ہوتی، لیکن یہ تو پتہ نہیں چلا کہ غیرِ اسمِ جنس کی طرف بھی اضافت نہیں ہوتی، یہ پتہ نہیں چلا۔ لہٰذا اگر صاحبِ کافیہ یوں کہہ دیتے کہ لَا يُضَافُ إِلٰى غَيْرِ اسْمِ الْجِنْسِ، کہ ذُوْ غیرِ اسمِ جنس کی طرف مضاف نہیں ہوتا، تو اس میں زیادہ عموم ہوتا، اس سے دونوں باتوں کا پتہ چل جاتا، کیا؟ ذُوْ غیرِ اسمِ جنس کی طرف مضاف نہیں ہوتا، اس سے پتہ چل جاتا ضمیر کی طرف بھی نہیں ہوتا اور غیرِ اسمِ جنس، کیونکہ ضمیر بھی تو غیرِ اسمِ جنس ہے، تو دونوں باتوں کا پتہ چل جاتا۔ ذُوْ ضمیر کی طرف بھی مضاف نہیں ہوتا اور غیرِ اسمِ جنس کی طرف بھی نہیں۔ تو انہوں نے کہا: وَذُوْ لَا يُضَافُ إِلٰى مُضْمَرٍ، ذُوْ کی اضافت ضمیر کی طرف نہیں ہوتی۔ اس سے یہ تو پتہ نہیں چلا کہ غیرِ اسمِ جنس کی طرف بھی نہیں ہوتی۔ تو اگر یوں کہہ دیتے کہ لَا يُضَافُ إِلٰى غَيْرِ اسْمِ الْجِنْسِ، تو اس صورت میں دونوں باتوں کا پتہ چل جاتا اور بات زیادہ جامع ہو جاتی، زیادہ واضح ہو جاتی۔

لیکن پھر آگے جواب دیں گے کہ یوں کہہ دیتے تو بہتر تھا، لیکن صاحبِ کافیہ نے غیرِ اسمِ جنس نہیں کہا بلکہ صرف یہ کہا ذُوْ کی اضافت ضمیر کی طرف نہیں کی جاتی، وجہ یہ کہ پیچھے یا کی طرف اضافت کی وجہ سے کچھ ان اسمائے ستہ کے خاص احکام

تھے۔ جب أَخٌ کی اضافت اور أَبٌ کی اضافت یا کی طرف کرتے ہیں تو عام جمہور کہتے ہیں أَخِيْ اور أَبِيْ پڑھیں گے، لیکن امام مبرد کیا فرماتے ہیں؟ أَخِيَّ اور أَبِيَّ بھی پڑھیں گے۔ اور نیز فَمٌ کے اندر جب اضافت کریں گے تو جمہور کیا کہتے ہیں؟ وہ واوٗ واپس آجائے گا اور پھر اس کا یا سے بدل کریا میں ادغام ہوگا، تو اس میں فِيَّ پڑھیں گے اکثر استعمالات میں۔ تو دیکھو یہ جو اسمائے ستہ تھے ان کے جب یا کی طرف اضافت کریں تو کچھ خاص احکام تھے۔ تو صاحبِ جامی اب بتلانا چاہتے ہیں کہ ذُوْ کی اضافت ضمیر کی طرف نہیں کی جاتی، یعنی اس کا کوئی خاص حکم نہیں ہے ضمیر کی طرف اضافت کے وقت۔ باقیوں کے خاص حکم ہیں، اس کا کوئی خاص حکم نہیں کیونکہ اس کی اضافت ضمیر کی طرف کی ہی نہیں جاتی، اگر ہوتی تو پھر ہم دیکھتے کوئی خاص حکم ہے یا نہیں۔

تو کہتے ہیں: وَلَوْ قِيْلَ لَا يُضَافُ إِلٰى غَيْرِ اسْمِ الْجِنْسِ لَكَانَ أَشْمَلَ، اور اگر یوں کہہ دیا جاتا کہ ذُوْ جو ہے لَا يُضَافُ إِلٰى غَيْرِ اسْمِ الْجِنْسِ، کہ ذُوْ کی اضافت نہیں کی جاتی اسمِ جنس کے علاوہ کی طرف، لَكَانَ أَشْمَلَ، تو یہ زیادہ شامل ہوتا یعنی اس میں زیادہ عموم ہوتا۔ وَكَأَنَّهُ خَصَّ الْمُضْمَرَ بِالذِّكْرِ، اب وہ جواب دے رہے ہیں، وَكَأَنَّهُ خَصَّ الْمُضْمَرَ بِالذِّكْرِ، اور گویا کہ صاحبِ کافیہ نے ضمیر کو خاص کیا ذکر کے ساتھ، یعنی خاص طور پر ضمیر ہی کا ذکر کیا کہ اس کی طرف ذُوْ کی اضافت نہیں کی جاتی، لِأَنَّهُ كَانَ لِبَعْضِ تِلْكَ الْأَسْمَاءِ حُكْمٌ خَاصٌّ، اس لیے کیونکہ ان میں سے بعض یہ جو اسماء ہیں ان کے لیے خاص حکم ہے عِنْدَ إِضَافَتِهِ إِلٰى يَاءِ الْمُتَكَلِّمِ جب ان کی اضافت کی جائے یائے متکلم کی طرف، فَنَفٰى إِضَافَتَهُ إِلَى الْمُضْمَرِ مُطْلَقًا، نَفٰى يَنْفِيْ یاد رکھیں یہ فعل ہے، اور ضمیر راجع ہے اس کے اندر مصنفِ کافیہ کی طرف یعنی ماتن کی طرف، فَنَفٰى تو صاحبِ کافیہ نے نفی کی إِضَافَتَهُ یہ مفعول بہ ہے، تو صاحبِ کافیہ نے نفی کی اس ذُوْ کی اضافت کی إِلَى الْمُضْمَرِ ضمیر کی طرف مُطْلَقًا، ضمیر کی طرف اضافت کی مطلقاً نفی کر دی کہ ذُوْ ضمیر کی طرف مضاف نہیں ہوتا۔ بھئی کیوں؟ نَفْيًا یاد رکھو یہ نَفْيًا جو آگے آرہا ہے یہ مفعول لہ ہے، یہ کیا ہے؟ مفعول لہ اس مصدر کو کہتے ہیں جو ماقبل فعل کی علت بیان کرتا ہے: ضَرَبْتُهُ تَأْدِيْبًا، میں نے اس کی پٹائی کی ادب سکھانے کے لیے، معلوم ہوا ماقبل میں جو ضَرَبْتُ فعل ہے اس کی علت کیا ہے؟ تَأْدِيْب ہے، ادب سکھانا ہے۔ تو یہاں پر بھی یہ نَفْيًا کیا ہے؟ مفعول لہ، ماقبل فعل کی علت بیان کر رہا ہے۔ کہ صاحبِ کافیہ نے ضمیر کی طرف ذُوْ کی اضافت کی مطلقاً نفی کر دی کس لیے؟ نَفْيًا لِاخْتِصَاصِهِ بِحُكْمٍ خَاصٍّ، اس لیے تاکہ نفی ہو جائے لِاخْتِصَاصِهِ بِحُكْمٍ خَاصٍّ کہ ذُوْ کا اختصاص ہے کسی خاص حکم کے ساتھ بِاعْتِبَارِ إِضَافَتِهِ إِلَيْهِ، بایں اعتبار کہ ضمیر کی طرف اس کی اضافت ہو۔ ضمیرِ متکلم کی طرف ذُوْ کی... دیکھو ترجمہ آخر سے کروں گا عبارت پہ نظر رکھیے: تو صاحبِ کافیہ نے، بِاعْتِبَارِ إِضَافَتِهِ إِلَيْهِ اس اعتبار سے کہ ذُوْ کی اضافت ہو ضمیرِ متکلم کی طرف اور اس کا کوئی خاص حکم ہو، اس کی نفی کرنے کے لیے مطلقاً ضمیر کی طرف اضافت سے ہی نفی کر دی۔ صاحبِ کافیہ نے مطلقاً ضمیر کی طرف اضافت ہی کی نفی کر دی اس وجہ سے تاکہ نفی ہو جائے

کہ ذُوْ کا ضمیرِ متکلم کی طرف اضافت کے اعتبار سے کوئی خاص حکم نہیں ہے، تو کسی خاص حکم کی نفی کرنے کے لیے مطلقاً اضافت ہی کی نفی کر دی۔ بات سمجھ میں آگئی؟

وَلَا يُقْطَعُ أَيْ ذُوْ عَنِ الْإِضَافَةِ، اور ذُوْ کو اضافت سے کاٹتے بھی نہیں، لِأَنَّ جَعْلَهُ وُصْلَةً إِلٰى أَسْمَاءِ الْأَجْنَاسِ، اس لیے کیونکہ اس کو ربط بنانا اس کو جوڑبنانا إِلٰى أَسْمَاءِ الْأَجْنَاسِ کس کی جانب؟ اسمائے اجناس کی جانب اس کو جوڑبنانا، لَيْسَ إِلَّا بِإِضَافَتِهِ إِلَيْهَا، وہ نہیں ہو گا مگر یہ کہ اسمائے اجناس کی طرف اس کی اضافت کی جائے۔ اس ذُوْ کو وضع ہی کس لیے کیا گیا ہے؟ کہ یہ اسمائے اجناس کو صفت بناتے ہیں، یہ جوڑیہ ذُوْ جوڑ کا کام کرتا ہے، یہ کیا کرتا ہے؟ اسمائے اجناس کو صفت بناتے ہیں کسی چیز کی، تو یہ صفت تب ہی بنائیں گے جب یہ ان کی طرف مضاف ہوں گے، جب مضاف نہیں ہوں گے تو صفت کیسے بنائیں گے ان کو؟ لہٰذا اس لیے یہ صفت سے کاٹا نہیں جا سکتا۔ بات سمجھ میں آگئی؟ یہ معنیٰ ہے: لِأَنَّ جَعْلَهُ وُصْلَةً إِلٰى أَسْمَاءِ الْأَجْنَاسِ، اس لیے کیونکہ اس کو اسمائے اجناس کی طرف جوڑبنانا اس کا جوڑبنانا، لَيْسَ إِلَّا بِإِضَافَتِهِ إِلَيْهَا، نہیں ہو گا مگر اسی وقت جب اس کی اضافت ان اسمائے اجناس کی طرف کی جائے، پھر ہی یہ جوڑ کا کام دے سکتا ہے اور اس کو وضع بھی اسی کام کے لیے کیا گیا ہے، تو لہٰذا اس کو اضافت سے کاٹ نہیں سکتے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ حل ہو گیا؟ چلیے بس بھئی، هٰذَا هُوَ الْمَرَامُ وَاللهُ أَعْلَمُ بِحَقِيْقَةِ الْكَلَامِ۔

الْبَابُ الْحَادِيَ عَشَرَ: التَّوَابِعُ (النَّعْتُ، الْعَطْفُ، التَّأْكِيدُ، الْبَدَلُ، عَطْفُ الْبَيَانِ)

توابع: تعریفِ توابع، نعتِ حقیقی و سببی، عطف بالحرف، تاکیدِ لفظی و معنوی، بدل کی چار اقسام اور عطفِ بیان — اسباق ۱۹۷ تا ۲۱۶

سبق نمبر ۱۹۷: التوابع (۱): توابع کی تعریف اور اقسامِ خمسہ کا تعارف

شرحِ ملا جامی صفحہ: ۱۷۷ — بتاریخ: ۲۴ ستمبر ۲۰۲۲ء

▪ تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث

آگے سبق دیکھیے بھئی:[1]

اَلتَّوَابِعُ، وَهُوَ جَمْعُ تَابِعٍ مَنْقُولٍ عَنِ الْوَصْفِيَّةِ إِلَى الِاسْمِيَّةِ، وَالْفَاعِلُ الِاسْمِيُّ يُجْمَعُ عَلَى فَوَاعِلَ كَالْكَاهِلِ عَلَى الْكَوَاهِلِ، وَالْمُرَادُ بِهَا تَوَابِعُ الْمَرْفُوعَاتِ وَالْمَنْصُوبَاتِ وَالْمَجْرُورَاتِ الَّتِي هِيَ أَقْسَامُ الِاسْمِ، فَلَا يَنْتَقِضُ حَدُّهَا بِخُرُوجِ نَحْوِ إِنَّ وَضَرَبَ ضَرَبَ لِعَدَمِ كَوْنِهِمَا مِنْ أَفْرَادِ الْمَحْدُودِ.

بھئی گزشتہ سبق میں مجرورات کی آخری بحث ہم پڑھ رہے تھے۔ صاحبِ کافیہ نے آپ کو بتلایا کہ اسمائے ستہ جو ہیں جب ان کی اضافت کی جائے گی یائے متکلم کی طرف تو ان کو کیسے پڑھا جائے گا؟ تو صاحبِ کافیہ نے بتلایا تھا کہ أَخٌ اور أَبٌ جو ہے جب ان کی اضافت یائے متکلم کی طرف کریں گے تو وہ جو واوِ محذوف ہے وہ واپس نہیں آئے گا۔ میں نے آپ کو بتلایا تھا کہ یہ جو اسمائے ستہ ہیں یہ سب مَحْذُوفَةُ الْأَعْجَازِ ہیں، یعنی ان کا آخر جو ہے وہ حذف ہو چکا ہے اور یہ سب کے

[1] نقشۂ نحوی (۹): توابعِ خمسہ (نعت، عطفِ نسق، تاکید، بدل، عطفِ بیان) کا شجرہ:

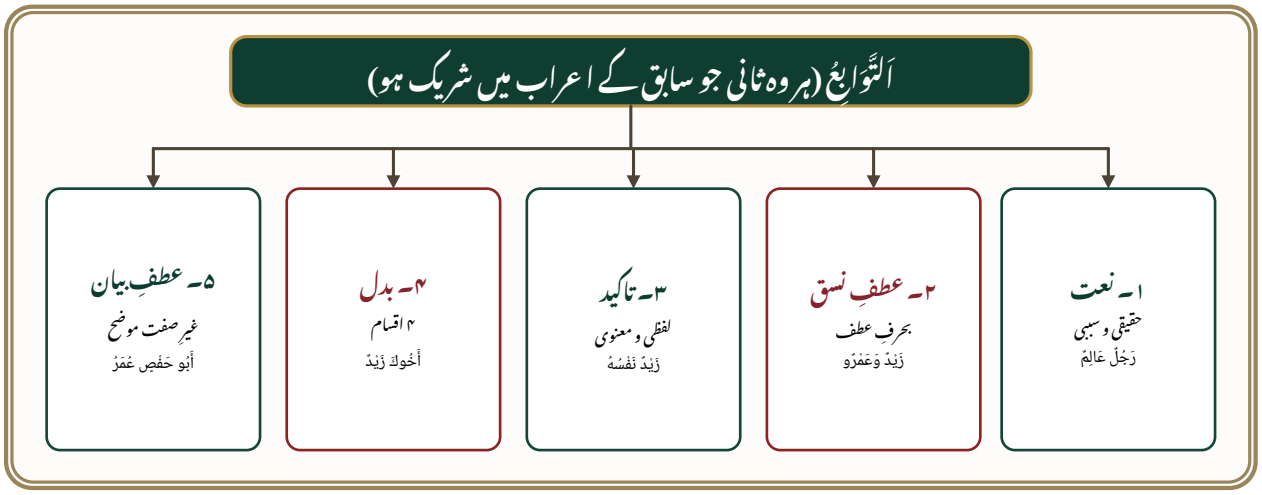

سب فَعَلٌ وزن پر ہیں، فَعَلٌ، سوائے فَمٌ کے۔ تو باقی سب فَعَلٌ وزن پر ہیں جیسے أَخَوٌ، أَبَوٌ، حَمَوٌ، هَنَوٌ، ذَوَيٌ۔ اور البتہ فَمٌ جو ہے اس کی اصل فَوْهٌ ہے یعنی فَعْلٌ ہے۔ اور پھر ان سب کے آخری حرف کو خلافُ القیاس حذف کر لیا گیا تخفیف کے لیے۔ تو اب جب ان کی اضافت کریں گے یائے متکلم کی طرف تو کیا ان کا وہ جو محذوف حرف ہے وہ واپس آئے گا یا نہیں؟ تو بتلایا کہ أَخٌ اور أَبٌ کی جب اضافت کریں گے تو وہ محذوف واپس نہیں آئے گا، اور أَخِي اور أَبِي یوں پڑھیں گے اس کو۔ جبکہ امام مبرد فرماتے ہیں کہ وہ محذوف کو واپس لانا اور اس کو یا کر کے یا میں ادغام بھی جائز ہے۔ لہٰذا أَخِي کے اندر أَخِيَّ پڑھنا اور أَبِي کے اندر أَبِيَّ پڑھنا بھی جائز ہے۔ وہ استدلال کرتے ہیں شاعر کے قول سے، عربی کا ایک فصیح و بلیغ شاعر کہتا ہے: وَأَبِيَّ مَا لَكَ ذُو الْمَجَازِ بِدَارِ۔ اور میرے باپ کی قسم، اے میرے نفس تیرے لیے ذوالمجاز میں کوئی گھر نہیں، کوئی رہنے کی جگہ نہیں ہے۔ تو اس کے اندر دیکھو وَأَبِيَّ قسم ہے میرے باپ کی۔ تو یہ أَبٌ کی اضافت یا کی طرف ہو رہی ہے اور وہ محذوف واو کو واپس لا کر پھر یا کر کے یا میں اس کا ادغام کیا گیا ہے۔ معلوم ہوا أَبِي کے اندر أَبِيَّ پڑھنا بھی جائز ہے۔ اور أَخٌ کو بھی اسی پر محمول کیا گیا کیونکہ أَخٌ اور أَبٌ دونوں لفظوں کے اعتبار سے بھی ایک دوسرے کے قریب اور معنی کے اعتبار سے بھی ایک دوسرے کے قریب ہیں۔ لفظوں کے اعتبار سے اس طرح دونوں قریب ہیں کہ أَخَوٌ، أَبَوٌ دونوں مہموز الفا ہیں اور ناقصِ واوی ہیں۔ اور معنی کے اعتبار سے دونوں اس طرح قریب ہیں کہ کسی شخص کا جو أَخٌ ہوتا ہے وہ ابْنُ الْأَبِ ہوتا ہے، أَخٌ جو ہوتا ہے وہ ابْنُ الْأَبِ ہوتا ہے اور أَبٌ جو ہے وہ أَبُو الْأَخِ ہوتا ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو معنوی اعتبار سے بھی دونوں ایک دوسرے کے قریب ہیں۔

تو لہٰذا أَخٌ کو أَبٌ پر محمول کیا گیا۔ اور پھر صاحبِ جامی نے یہ بھی بتلایا کہ مصنف یعنی صاحبِ کافیہ نے کافیہ کی جو شرح لکھی اس کے اندر انہوں نے امام مبرد کے اس استدلال کا یہ جواب دیا کہ یہ قیاس کے بھی خلاف ہے اور استعمالِ فصحا کے بھی خلاف ہے۔ عرب کے جو فصیح و بلیغ لوگ ہیں وہ اس طرح أَخٌ اور أَبٌ کو استعمال نہیں کرتے بلکہ وہ أَخِي اور أَبِي کہتے ہیں۔ اور نیز یہ قیاس کے بھی خلاف ہے کہ ایک دفعہ ایک لفظ جو محذوف ہو چکا، جس کو ساقط کر دیا گیا، تو اب اس کو واپس لانا یہ خلافُ القیاس ہے۔ قیاس یہی تقاضا کرتا ہے کہ اب اس کو واپس نہیں آنا چاہیے بھئی۔ اور نیز اس مقسم بہ کے اندر تو یہ بھی احتمال ہے، یہ جو وَأَبِيَّ یہ مقسم بہ جو ہے أَبِيَّ، کہ یہ جو ہے أَبٌ کی جمع ہو اور اصل میں کیا تھا؟ أَبُونَ۔ اور پھر حالتِ نصبی جری میں، کیونکہ واوِ قسمیہ جر دیتا ہے، أَبِينَ ہوا۔ اور أَبِينَ کی اضافت یا کی طرف ہوئی تو أَبِينَ کے آخر سے نون گر گیا، تو أَبِي کے آخر میں بھی یا آگئی اور آگے مضاف الیہ بھی یا آگئی، تو یا کا یا میں ادغام کیا تو وَأَبِيَّ ہو گیا۔ تو یہ تو أَبٌ کی جمع ہونے کا بھی احتمال ہے، اور جب إِذَا جَاءَ الِاحْتِمَالُ بَطَلَ الِاسْتِدْلَالُ، جب ایک اور احتمال بھی اس کے اندر آگیا تو اب اس سے استدلال کرنا صحیح نہیں کیونکہ ہو سکتا ہے یہ أَبِينَ، یہ أَبٌ کی جمع ہو، أَبٌ نہ ہو بھئی۔ اب سوال پیدا ہوتا ہے کیا أَبٌ کی جمع أَبُونَ اور أَبِينَ آتی ہے یا نہیں؟ تو جواب دیا کہ ایک اور عربی کا فصیح و بلیغ شاعر جو ہے اس نے أَبٌ کی جمع أَبِينَ

یہ استعمال کی ہے اپنے شعر کے اندر، چنانچہ وہ عربی کا شاعر کہتا ہے: فَلَمَّا تَبَيَّنَّ أَصْوَاتَنَا بَكَيْنَ وَفَدَّيْنَنَا بِالْأَبِينَا۔ فَلَمَّا تَبَيَّنَّ أَصْوَاتَنَا جب پہچان لیا ان عورتوں نے أَصْوَاتَنَا ہماری آوازوں کو، بَكَيْنَ تو وہ رونے لگ پڑیں، وَفَدَّيْنَنَا بِالْأَبِينَا اور قربان کرنے لگیں ہمارے اوپر اپنے آبا کو، یعنی ہمیں کہنے لگیں کہ ہمارے آبا و اجداد تم پر قربان ہوں۔ اور یہ یاد رکھو بِالْأَبِينَا، یہ أَبِينَا کے آخر میں جو الف آرہا ہے یہ اشباع کے لیے ہے۔ کس کے لیے ہے؟ اشباع کے لیے۔ اشباع یہ ہے کہ فتحہ کو کھینچ کر لمبا کر دیا جائے الف بنا دیا جائے، یا ضمہ کو کھینچ کر واو بنا دیا جائے، یا کسرہ کو کھینچ کر یا بنا دی جائے۔ تو یہ اشباع کے لیے ہے۔

اور اس کے بعد ذکر کیا کہ وَتَقُولُ حَمِي وَهَنِي کہ کوئی کہنے والی عورت جو ہے وہ یوں کہے گی حَمِي، حَمٌ کے اندر اضافت یا کی طرف کرتے ہوئے کیسے کہے گی؟ حَمِي، اور هَنٌ کی یا کی طرف اضافت کرتے ہوئے کیسے کہیں گے؟ هَنِي۔ تو حَمٌ اور هَنٌ کا بھی وہی حکم ہے جو أَبٌ اور أَخٌ کا ہے۔ وہاں بھی وہ محذوف حرف واپس نہیں آتا تو حَمِي اور هَنِي کے اندر بھی وہ محذوف حرف واپس نہیں آئے گا۔ تو اس پر سوال پیدا ہوا کہ جب چاروں کا ایک ہی حکم ہے أَخٌ، أَبٌ، حَمٌ اور هَنٌ، کہ ان کے اندر محذوف حرف واپس نہیں آتا، تو پھر چاروں کو اکٹھا ذکر کرنا چاہیے تھا۔ تو اس کا جواب صاحبِ جامی نے ذکر کیا تھا کہ امام مبرد سے جو مشہور قول نقل کیا گیا ہے اس کے اندر انہوں نے صرف أَخٌ اور أَبٌ کے اندر أَخِيَّ اور أَبِيَّ کی اجازت دی ہے۔ صرف أَبٌ اور أَخٌ میں انہوں نے جمہور کی مخالفت کرتے ہوئے أَخِيَّ اور أَبِيَّ کو جائز قرار دیا ہے اور اس میں حَمٌ اور هَنٌ کا ذکر نہیں۔ اگرچہ ان کے غیر مشہور قول میں چاروں کا ذکر ملتا ہے لیکن مشہور قول میں صرف دو کا ذکر ملتا ہے۔ تو لہٰذا ان دو کے اندر امام مبرد کا اختلاف بھی ذکر کرنا تھا أَبٌ اور أَخٌ میں، اس لیے ان کو الگ ذکر کیا اور ان کے ساتھ امام مبرد کا اختلاف ذکر کیا، اور حَمٌ اور هَنٌ کو الگ ذکر کیا کیونکہ اس کے اندر امام مبرد مشہور قول کے مطابق جمہور کی مخالفت نہیں کرتے بھئی۔

اور اسی طرح جب فَمٌ کی اضافت کریں یائے متکلم کی طرف تو وہ واو جو میم سے بدل گیا تھا اس واو کو واپس لاتے ہیں اور پھر اس واو کو یا کر کے یا میں ادغام کرتے ہیں تو فِيَّ پڑھتے ہیں۔ کیا پڑھتے ہیں؟ فِيَّ پڑھتے ہیں۔ اور بعض استعمالات کے اندر فَمٌ بھی آیا ہے اضافت کے ساتھ فَمِي۔ تو یعنی وہ واو واپس نہیں لائے جو میم سے بدل گیا تھا، اسی کے ساتھ اضافت بھی کر دی جاتی ہے، لیکن زیادہ تر استعمالات میں فِيَّ آیا ہے جب متکلم کی یا کی طرف اضافت کریں فَمٌ کی۔

اس کے بعد پھر بتلایا تھا کہ جب ان کو اضافت سے کاٹ دیں تو پھر ان کو کیسے پڑھیں گے؟ تو بتلایا تھا پھر ان کو أَبٌ، أَخٌ، حَمٌ، هَنٌ اور فَمٌ اس طرح پڑھیں گے، یعنی ان کا اعراب بالحرکت آئے گا۔ أَخٌ، أَخًا، أَخٍ۔ بات سمجھ میں آرہی ہے؟ اور فَمٌ کے اندر بتلایا تھا کہ اس کے اندر تینوں حرکتیں جائز ہیں، یعنی یہ مثلث الفا ہے، جس کے فا پر تینوں حرکتیں جائز ہوں اس

کو کیا کہتے ہیں؟ مثلث الفاء اور یہاں فَمٌ پہلا حرف وہ ہے بھی فا، تو اس فا پر ضمہ، فتحہ، کسرہ تینوں پڑھ سکتے ہیں: فَمٌ، فُمٌ اور فِمٌ۔ اور اس میں میں نے بتلایا تھا ایک لغت یہ بھی ہے کہ فا پر وہی حرکت پڑھیں جو اس کے میم پر جو اعراب آئے۔ میم پر ضمہ آئے تو فا پر بھی ضمہ پڑھیں گے فُمٌ، میم پر فتحہ آئے تو فا پر بھی فتحہ پڑھیں گے فَمًا، اور میم پر کسرہ آئے تو فا پر بھی کسرہ پڑھیں گے فِمٍ۔ تو اس فا کے اندر تینوں حرکتیں ہیں بھئی۔ لیکن صاحبِ جامی نے بتلایا کہ فا کے اندر تینوں حرکتیں جائز ہیں فَمٌ، فُمٌ اور فِمٌ، لیکن ان میں فتحہ جو ہے وہ زیادہ فصیح ہے ضمہ اور کسرہ کے مقابلے میں۔

اور پھر بتلایا تھا کہ حَمٌ جو ہے اس کے اندر چار اور لغتیں بھی آئی ہیں۔ حَمٌ، یَدٌ کی طرح بھی آیا ہے، اور حَمٌ جو ہے خَبْءٌ کی طرح ہمزہ کے ساتھ بھی آیا ہے، اور حَمٌ جو ہے دَلْوٌ کی طرح واو کے ساتھ بھی آیا ہے، اور حَمٌ جو ہے وہ عَصًا کی طرح الف کے ساتھ بھی آیا ہے، اور مطلقاً یعنی حَمٌ جو آیا ہے یَدٌ، خَبْءٌ، دَلْوٌ اور عَصًا کی طرح، یہ مطلقاً آیا ہے یعنی مفرد ہونے کی حالت میں بھی اور اضافت کی حالت میں بھی۔ تو یَدٌ کی صورت میں کیسے پڑھیں گے؟ جَاءَنِي حَمٌ، رَأَيْتُ حَمًا، مَرَرْتُ بِحَمٍ۔ اور اضافت کے ساتھ کیسے پڑھیں گے؟ جَاءَنِي حَمُكِ، رَأَيْتُ حَمَكِ، مَرَرْتُ بِحَمِكِ۔ اور خَبْءٌ کی طرح کیسے پڑھیں گے بغیر اضافت کے؟ جَاءَنِي حَمْءٌ، رَأَيْتُ حَمْءًا، مَرَرْتُ بِحَمْءٍ۔ اور اضافت کے ساتھ کیسے پڑھیں گے؟ جَاءَنِي حَمْؤُكِ، رَأَيْتُ حَمْأَكِ، مَرَرْتُ بِحَمْئِكِ۔ اور دَلْوٌ کی طرح آیا ہے تو اضافت کے بغیر کیسے پڑھیں گے؟ جَاءَنِي حَمْوٌ، رَأَيْتُ حَمْوًا، مَرَرْتُ بِحَمْوٍ۔ اور اضافت کے ساتھ بھی جَاءَنِي حَمْوُكِ، رَأَيْتُ حَمْوَكِ، مَرَرْتُ بِحَمْوِكِ۔ اور اسی طرح یہ عَصًا کی طرح بھی آیا ہے اور اس صورت میں اعراب تقدیری ہے تینوں حالتوں میں کیونکہ یہ اسمِ مقصور ہے: جَاءَنِي حَمًى، رَأَيْتُ حَمًى، مَرَرْتُ بِحَمًى۔ اور اضافت کے ساتھ بھی اسی طرح الف برقرار رہے گا: جَاءَنِي حَمَاكِ، رَأَيْتُ حَمَاكِ، مَرَرْتُ بِحَمَاكِ۔ بات سمجھ میں آگئی؟ اور اسی طرح هَنٌ جو ہے وہ بھی یَدٌ کی طرح مطلقاً آیا ہے، هَنٌ کی طرح مطلقاً آیا ہے یعنی اضافت کے بغیر بھی جیسے یَدٌ، یَدًا، یَدٍ تو هَنٌ، هَنًا، هَنٍ بغیر اضافت کے آیا ہے، اور اضافت کے ساتھ بھی اسی کی طرح آیا ہے یَدُكَ، یَدَاكَ، یَدِكَ اسی طرح هَنُكَ، هَنَاكَ اور هَنِكَ۔ صورت سمجھ میں آگئی؟

اور پھر ذُو کے بارے میں بتلایا تھا کہ ذُو جو ہے اس کی اضافت ضمیر کی طرف نہیں کی جاتی۔ اس لیے کیونکہ ذُو کو وضع کیا گیا ہے کہ وہ جوڑ اور ربط کا کام کرتا ہے جب اسمِ جنس کو کسی کی صفت بنانا چاہیں۔ جیسے رَجُلٌ کی صفت میں مَالٌ کو بنانا چاہتا ہوں تو اب میں یوں نہیں کہہ سکتا جَاءَنِي رَجُلٌ مَالٌ کہ وہ آدمی مال ہے، بھئی آدمی تو مال نہیں ہے۔ تو پھر ذُو کو درمیان میں لے آئیں گے: جَاءَنِي رَجُلٌ ذُو مَالٍ، میرے پاس مال والا آدمی آیا۔ اب دیکھو بات ٹھیک ہو گئی۔ تو ذُو کو کس لیے وضع کیا گیا ہے؟ کہ یہ ربط اور جوڑ کا کام کرتا ہے اسمائے اجناس کو کسی چیز کی صفت بنانے کے لیے۔ تو یہ ضمیر کی طرف مضاف نہیں ہوتا صاحبِ کافیہ نے بتلایا۔ صاحبِ جامی نے بتلایا کہ یہ ذُو اس کو وضع ہی اسمائے اجناس کی طرف اضافت کے لیے کیا گیا ہے یعنی یہ ان کو صفت بناتا ہے۔ لہٰذا صاحبِ کافیہ اگر یوں کہہ دیتے کہ یہ ذُو غیر اسمائے اجناس کی طرف مضاف

نہیں ہوتا، تو یہ کلام زیادہ اشمل ہوتا، اس میں زیادہ شمول ہوتا، زیادہ عموم ہوتا، اس سے ضمیر کی بھی نفی ہو جاتی۔ اگر یہ کہہ دیا جاتا ذُو غیر اسمائے اجناس کی طرف مضاف نہیں ہوتا، تو اس میں ضمیر سے بھی نفی ہو جاتی کیونکہ ضمیر بھی غیر اسمائے اجناس ہے۔ ضمیر اسمِ جنس نہیں ہے بلکہ اسمِ جنس کے علاوہ ہے اور اسمِ جنس کے علاوہ کی طرف تو ذُو مضاف نہیں ہوتا تو ضمیر کی طرف بھی مضاف نہیں ہوتا۔ تو اس سے دونوں باتیں پتہ چل جاتیں کہ ذُو ضمیر کی طرف بھی مضاف نہیں ہوتا اور غیر اسمِ جنس کی طرف مضاف بھی نہیں ہوتا۔ لیکن جب صاحبِ کافیہ نے کہا کہ ذُو ضمیر کی طرف مضاف نہیں ہوتا، اس سے یہ تو پتہ چل گیا کہ یہ ضمیر کی طرف مضاف نہیں ہوتا لیکن یہ پتہ نہیں چلا کہ غیر اسمِ جنس کی طرف بھی مضاف نہیں ہوتا۔ یہ پتہ اس سے نہیں چلا بھئی۔ اور پھر جواب بھی ذکر کیا تھا کہ صاحبِ کافیہ نے خاص طور پر ضمیر کا ذکر اس لیے کیا کہ ذُو کی اضافت ضمیر کی طرف نہیں ہوتی، وجہ یہ کہ یہ جو اسمائے ستہ ہیں ان میں سے بعض کی اضافت جب یائے متکلم کی طرف کریں تو ان کے کچھ خاص احکام تھے۔ ان کے کچھ خاص احکام تھے جیسے أَبِي اور أَخِي، حَمِي اور هَنِي ان کے اندر وہ حرف جو محذوف ہے واپس نہیں آتا، اور نیز أَبِي اور أَخِي کے اندر امام مبرد نے أَخِيَّ اور أَبِيَّ کی اجازت بھی دی ہے، اور نیز فَمٌ کی جب اضافت یا کی طرف کرتے تھے تو میم کو واپس واو سے بدل کر پھریا کرتے اور پھریا کا یا میں ادغام کرتے تھے۔ تو ان میں سے کچھ کے خاص احکام تھے۔ تو جب بتلا دیا کہ ذُو کی اضافت ضمیر کی طرف ہوتی ہی نہیں تو صاحبِ کافیہ نے نفی کر دی کہ ذُو کا ضمیر کی طرف اضافت کے اعتبار سے کوئی خاص حکم نہیں۔ باقیوں میں سے بعض کے تو خاص احکام ہیں یا کی طرف اضافت کے اعتبار سے، لیکن ذُو کا ضمیر کی طرف اضافت کے اعتبار سے کوئی خاص حکم نہیں کیونکہ ذُو کی اضافت ضمیر کی طرف کی ہی نہیں جاتی بھئی۔ بات سمجھ میں آگئی؟ اور پھر یہ بھی بتلایا تھا کہ ذُو کو اضافت سے منقطع نہیں کرتے، اضافت سے کاٹتے نہیں ہیں اس لیے کیونکہ اس کو وضع ہی کس لیے کیا گیا ہے کہ یہ اسمائے اجناس کو صفت بنائے گا۔ تو جب وضع ہی صفت بنانے کے لیے ہے تو جب تک یہ اسمائے اجناس اس کے ساتھ آئیں گے نہیں، ان کی طرف یہ مضاف نہیں ہو گا تو یہ ان کو صفت کیسے بنائے گا بھئی؟ لہٰذا اس لیے یہ اضافت سے منقطع بھی نہیں ہوتا۔

اب آئیے آج کے سبق پر:

▪ متنِ کتاب و تحقیقِ مسائلِ نحویہ

اَلتَّوَابِعُ، وَهُوَ جَمْعُ تَابِعٍ مَنْقُولٍ عَنِ الْوَصْفِيَّةِ إِلَى الِاسْمِيَّةِ۔

بھئی پہلے متن متن دیکھ لیجیے۔ کہتے ہیں، صاحبِ کافیہ فرماتے ہیں: اَلتَّوَابِعُ كُلُّ ثَانٍ بِإِعْرَابِ سَابِقِهِ مِنْ جِهَةٍ وَاحِدَةٍ۔ یہ ہے توابع کی تعریف۔ پھر دیکھیے متن: اَلتَّوَابِعُ كُلُّ ثَانٍ بِإِعْرَابِ سَابِقِهِ مِنْ جِهَةٍ وَاحِدَةٍ۔ توابع بھئی، پہلے بھی میں کئی مرتبہ ذکر کر چکا

بھئی کہ یہ جو مرفوعات، منصوبات اور مجرورات ہم پڑھ رہے تھے، ان کے اندر عامل براہِ راست عمل کر کے رفع، نصب یا جر دیتا ہے، لیکن کچھ چیزیں ایسی ہیں کہ عامل ان میں براہِ راست عمل نہیں کرتا، وہ ماقبل کے تابع ہوتی ہیں۔ ماقبل پر اگر رفع آئے تو ان پر بھی رفع آتا ہے، ماقبل پر اگر نصب آئے تو ان پر بھی نصب آتا ہے، اور ماقبل پر جر آئے تو ان پر بھی جر آتا ہے، اور ان کو توابع کہتے ہیں۔ یعنی یہ ماقبل کے تابع ہیں بھئی۔ اور یاد رکھنا توابع کل پانچ ہیں بھئی: صفت، تاکید، بدل، معطوف بحرف اور عطفِ بیان۔ کون کون سے ہیں؟ پانچ: صفت، تاکید، بدل، معطوف بحرف اور عطفِ بیان۔

یاد رکھیے صفت پر وہی اعراب آتا ہے جو موصوف پر آتا ہے۔ جَاءَنِي رَجُلٌ عَالِمٌ۔ رَجُلٌ مرفوع ہے تو عَالِمٌ اس کی صفت بھی مرفوع۔ تو دیکھو جَاءَ فعل جو ہے اس نے براہِ راست فاعل یعنی رَجُلٌ کے اندر عمل کیا ہے، عَالِمٌ جو صفت ہے اس کے اندر براہِ راست عمل نہیں کیا، تو وہ ماقبل یعنی موصوف کے تابع ہے۔ موصوف پر جو اعراب وہی صفت پر بھی اعراب آئے گا۔ اگر اس رَجُلٌ پر نصب آئے گا تو صفت پر بھی نصب آئے گا: رَأَيْتُ رَجُلًا عَالِمًا۔ اب یہاں رَجُلًا منصوب ہے تو عَالِمًا اس کی صفت بھی منصوب۔ اور مَرَرْتُ بِرَجُلٍ عَالِمٍ۔ رَجُلٍ پر جر ہے تو آگے اس کی صفت عَالِمٍ پر بھی جر ہے۔ تو یہ ہیں توابع، یہ اپنے سے ماقبل کے تابع ہوتی ہیں یہ چیزیں۔ یہ پانچ چیزیں، تو ان کو کیا کہتے ہیں؟ توابع کہتے ہیں۔ اور ماقبل میں جو ہے وہ ان کا متبوع ہے بھئی۔ تو توابع جو ہے آپ نے پڑھا پانچ ہیں بھئی۔ کون کون سے ہیں؟ صفت ہے، بدل ہے، تاکید ہے، معطوف بحرف ہے اور عطفِ بیان ہے۔ یہ پانچ چیزیں ان پر وہی اعراب آتا ہے جو ان کے ماقبل پر ہو بھئی۔

تو اب دیکھیے آگے بھئی، اب توابع کی تعریف کر رہے ہیں بھئی۔ متن متن دیکھیے بھئی۔ جی، تو کہتے ہیں: اَلتَّوَابِعُ كُلُّ ثَانٍ بِإِعْرَابِ سَابِقِهِ مِنْ جِهَةٍ وَاحِدَةٍ۔ کہ توابع جو ہے كُلُّ ثَانٍ ہر وہ دوسرا ہے، ثَانٍ جو دوسرا ہو بھئی، یعنی جو دوسرے درجے پر آئے بھئی، بِإِعْرَابِ سَابِقِهِ اور اپنے سے ماقبل کے اعراب کے ساتھ ہو۔ یعنی ماقبل پر اگر رفع ہے تو اس پر بھی رفع ہو، اگر ماقبل پر نصب ہے تو اس پر بھی نصب ہو، اور اگر ماقبل پر جر ہے تو اس پر بھی جر ہو بھئی۔ اور مِنْ جِهَةٍ وَاحِدَةٍ اور یہ جو اعراب آیا ہے ماقبل پر اور اس تابع پر، یہ ایک ہی جہت سے آرہا ہو۔ یعنی اعراب کی جہت الگ الگ نہیں ہونی چاہیے کہ ایک پر رفع ہے وہ کسی اور جہت سے ہے اور تابع پر جو رفع ہے وہ کسی اور جہت سے ہے، ایسا نہیں ہونا چاہیے بلکہ اعراب کی جہت بھی ایک ہونی چاہیے۔ تو تابع کسے کہتے ہیں؟ كُلُّ ثَانٍ ہر وہ دوسرا ہے، بِإِعْرَابِ سَابِقِهِ جو اپنے سے ماقبل کے اعراب کے ساتھ ہوتا ہے، اور مِنْ جِهَةٍ وَاحِدَةٍ اور یہ اس کا اور ماقبل کا جو اعراب ہے یہ جہتِ واحدہ سے ہوتا ہے۔

اب دیکھیے صاحبِ کافیہ توابع کی تعریف کر رہے ہیں، فرماتے ہیں: اَلتَّوَابِعُ كُلُّ ثَانٍ ہر وہ دوسرا ہے بھئی، ہر وہ دوسرا ہے۔ دیکھو ایک ہے تابع اور ایک ہے متبوع۔ جو پہلے آئے وہ ہے متبوع اور جو بعد میں آئے وہ ہے تابع ہے بھئی۔ تو جیسے موصوف اور صفت، موصوف ہے متبوع اور صفت ہے تابع۔ اسی طرح مؤکد اور تاکید، مؤکد جو پہلے آئے وہ ہے متبوع اور تاکید جو ہے وہ ہے تابع۔ اسی طرح ایک ہے مبدل منہ اور ایک ہے بدل، تو مبدل منہ ہے متبوع اور جو بعد میں آرہا ہے بدل وہ

ہے تابع۔ اور اسی طرح معطوف بحرف، ماقبل میں جو آئے وہ ہے معطوف علیہ، وہ ہے متبوع، اور جو بعد میں آئے حرفِ عطف کے وہ ہے معطوف اور تابع ہے بھئی۔ اور اسی طرح عطفِ بیان میں جو ماقبل میں آئے وہ ہے معطوف علیہ اور جو بعد میں آئے وہ ہے عطفِ بیان بھئی۔ توجہ ہے؟ تو یہ عطف والے دو قسم کے ہو گئے: ایک معطوف بحرف اور ایک عطفِ بیان۔ تو دونوں میں ماقبل معطوف علیہ کہلاتا ہے لیکن معطوف بحرف میں درمیان میں حرفِ عطف آئے گا اور بعد والا معطوف کہلائے گا، جبکہ عطفِ بیان میں درمیان میں حرفِ عطف نہیں ہوتا۔

تو دیکھو ان میں سے یہ سب جتنے بھی تابع ہیں یہ متبوع کے بعد آرہے ہیں۔ کس کے بعد آرہے ہیں؟ صفت ہمیشہ موصوف کے بعد آتی ہے اور صفت پر وہی اعراب آتا ہے جو موصوف پر آئے بھئی۔ تو کُلُّ ثَانٍ ہر دوسرا ہے بھئی۔ ثَانٍ سے کیا مراد؟ دوسرا۔ اور یہ بھی یاد رکھنا دوسرے نمبر والا نہیں مراد، دوسرے درجے والا مراد ہے۔ دوسرے نمبر والا نہیں مراد بلکہ دوسرے درجے والا مراد ہے۔ مثلاً بعض اوقات ایک ہی لفظ کے کئی تابع آجاتے ہیں۔ مثلاً میں آپ سے کہتا ہوں: جَاءَنِي رَجُلٌ عَالِمٌ فَاضِلٌ شَرِيفٌ۔ تو دیکھو رَجُلٌ موصوف ہے، عَالِمٌ اس کی صفتِ اول، فَاضِلٌ صفتِ ثانی اور شَرِيفٌ صفتِ ثالث ہے۔ تو انہوں نے تو کیا کہا؟ کُلُّ ثَانٍ ہر وہ دوسرا ہے، اور حالانکہ یہاں پر تین صفتیں آرہی ہیں اور صفت پر وہی اعراب آتا ہے جو موصوف پر آئے۔ تو رَجُلٌ مرفوع تو اس کی صفت عَالِمٌ بھی مرفوع، فَاضِلٌ بھی مرفوع اور شَرِيفٌ بھی مرفوع۔ تو اعتراض ہوتا ہے اے صاحبِ کافیہ آپ نے تو کہا کہ تابع ہر دوسرا ہے، اور یہاں پر رَجُلٌ کی طرف نظر کرتے ہوئے عَالِمٌ یہ تو ہے دوسرا دوسرے نمبر پر، لیکن فَاضِلٌ یہ تو تیسرے نمبر پر ذکر ہے، اور آگے شَرِيفٌ یہ تو چوتھے نمبر پر ذکر ہے، تو یہ تو آپ کی تعریف سے نکل گئے، حالانکہ یہ بھی بالاتفاق کیا ہیں؟ تابع ہیں، ان پر بھی وہی اعراب آئے گا جو متبوع یعنی موصوف پر آتا ہے۔ تو جواب یہ کہ بھئی ثَانٍ سے مراد دوسرے نمبر والا نہیں ہے کہ جس کو دوسرے نمبر پر ذکر کیا جائے، بلکہ مراد دوسرے درجے والا ہے۔ یعنی متبوع کی طرف نظر کرتے ہوئے وہ دوسرے درجے والا ہو۔ جیسے میں نے جملہ ذکر کیا: جَاءَنِي رَجُلٌ عَالِمٌ فَاضِلٌ شَرِيفٌ۔ ان میں دیکھو عَالِمٌ یہ دوسرے نمبر پر ہے رَجُلٌ کی طرف نسبت کرتے ہوئے، اور فَاضِلٌ یہ ذکر میں تو تیسرے نمبر پر ہے لیکن موصوف کی طرف نظر کرتے ہوئے یہ فَاضِلٌ بھی کس کی صفت؟ رَجُلٌ کی۔ تو رَجُلٌ کے اعتبار سے یہ دوسرے درجے میں ہے۔ اسی طرح شَرِيفٌ یہ ویسے تو چوتھے نمبر پر ذکر ہے لیکن موصوف یعنی رَجُلٌ کی طرف نظر کرتے ہوئے یہ دوسرے درجے پر ہے کیونکہ یہ اس کی صفت ہے۔ تو یہ سب صفتیں کس کی؟ رَجُلٌ کی، اور رَجُلٌ کی طرف نظر کرتے ہوئے یہ سب کیا ہیں؟ دوسرے درجے میں ہیں۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو کُلُّ ثَانٍ سے دوسرے نمبر والا نہیں مراد بلکہ دوسرے درجے والا مراد ہے، اور کس کی طرف نظر کرتے ہوئے دوسرا درجہ ہو؟ متبوع کی طرف نظر کرتے ہوئے، آپس میں توابع کی طرف نظر کرتے ہوئے دوسرا نمبر مراد نہیں ہے بھئی۔

تو کہتے ہیں کُلُّ ثَانٍ ہر وہ اسم جو دوسرے درجے میں ہو، بِإِعْرَابِ سَابِقِهِ اپنے سے ماقبل کے اعراب کے ساتھ ہو۔ یہ جو دوسرا آیا ہے یہ اپنے سے ماقبل کے اعراب کے ساتھ ہو یعنی ماقبل پر اگر رفع ہے تو اس ثانی پر بھی رفع، اور ماقبل پر اگر

نصب یا جر ہے تو ثانی پر بھی اسی کے مطابق نصب یا جر ہو گا بھئی۔ اب دیکھو یہ تعریف کر رہے ہیں توابع کی، اور آپ نے پڑھا ہے کہ تعریف جو ہے وہ جنس اور فصل یا جنس اور خاصہ پر مشتمل ہوتی ہے بھئی۔ تو یہاں پر بھی جب کُلُّ ثَانٍ کہا تو یہ جنس کے درجے میں ہے، اس میں ہر وہ اسم داخل ہو گیا جو دوسرے درجے میں آئے۔ کُلُّ ثَانٍ میں ہر وہ اسم آگیا جو دوسرے درجے میں آئے، جیسے خبر ہے، مبتدا کی خبر مبتدا کی طرف نظر کرتے ہوئے دوسرے درجے میں ہے۔ پہلے درجے میں مبتدا اور دوسرے درجے میں اس کی خبر، تو خبر بھی اس تعریف کے اندر داخل ہو گئی۔ اسی طرح كَانَ یا افعالِ ناقصہ جو ہیں یہ بھی ایک اسم چاہتے ہیں اور ایک خبر، تو ان کی خبر بھی یہ دوسرے درجے میں ہے کس کی طرف نظر کرتے ہوئے؟ ان کے اسم کی طرف نظر کرتے ہوئے۔ كَانَ وغیرہ کا اسم پہلے درجے میں اور كَانَ کی خبر دوسرے درجے میں، تو وہ بھی اس تعریف کے اندر داخل ہو گئی۔ اسی طرح إِنَّ وغیرہ، إِنَّ جو حروفِ مشبہ بالفعل ہیں، وہ بھی ایک اسم چاہتے ہیں اور ایک خبر، تو ان کی خبر بھی اس تعریف میں داخل ہو گئی کیونکہ إِنَّ کے اسم کی طرف نظر کرتے ہوئے إِنَّ کی خبر دوسرے درجے میں ہے۔ اسی طرح یاد رکھو ایک ہے بابِ عَلِمْتُ اور ایک ہے بابِ أَعْطَيْتُ۔ بابِ عَلِمْتُ یہ بھی دو مفعول چاہتا ہے اور بابِ أَعْطَيْتُ یہ بھی دو مفعول چاہتا ہے۔ بات سمجھ میں آرہی ہے؟ یہ ساری باتیں آگے صاحبِ جامی بھی ذکر فرمائیں گے، یہیں سے ان کو اچھی طرح سمجھ لیجیے۔ یاد رکھو یہ بابِ عَلِمْتُ یہ بھی دو مفعول چاہتا ہے مثلاً میں کہتا ہوں عَلِمْتُ زَيْدًا عَالِمًا۔ عَلِمْتُ زَيْدًا عَالِمًا، یہ دو مفعول چاہتا ہے، زَيْدًا اس کے لیے مفعولِ اول ہے اور عَالِمًا جو ہے اس کے لیے مفعولِ ثانی ہے۔ اور یاد رکھو یہ عَلِمْتُ یہ افعالِ قلوب میں سے ہے۔ افعالِ قلوب یہ کافیہ کے اندر بھی صاحبِ کافیہ بیان فرماتے ہیں کہ سات افعال ہیں جن کو افعالِ قلوب کہتے ہیں، ان کا تعلق قلب سے ہوتا ہے، یعنی اس میں کچھ ہاتھوں وغیرہ اعضا سے کچھ کرنا نہیں پڑتا، اس کا تعلق صرف قلب سے ہے اس لیے ان کو افعالِ قلوب کہتے ہیں۔ اور ان میں سے کچھ افعال ایسے ہیں جو شک کے لیے آتے ہیں اور کچھ افعال ایسے ہیں جو یقین کے لیے آتے ہیں۔ تو عَلِمْتُ یقین کے لیے آتا ہے، عَلِمْتُ زَيْدًا عَالِمًا، اس کا یہ ترجمہ نہیں کریں گے کہ میں نے زید کو عالم جانا، بلکہ کیوں کہیں گے؟ میں نے زید کے عالم ہونے کا یقین کیا، یا یوں کہیں میں نے زید کا عالم ہونا مان لیا، میں نے مان لیا کہ زید عالم ہے یا میں نے یقین کر لیا۔ تو عَلِمْتُ یقین کے لیے آتا ہے جبکہ ظَنَنْتُ جو ہے یہ ظا کے ساتھ ہے، ظَنَنْتُ یہ شک کے لیے آتا ہے: ظَنَنْتُ زَيْدًا عَالِمًا، میں نے گمان کیا کہ زید عالم ہے۔ تو یہ دو مفعول چاہتے ہیں۔ اسی طرح بابِ أَعْطَيْتُ ہے وہ بھی دو مفعول چاہتا ہے: أَعْطَيْتُ زَيْدًا دِرْهَمًا۔ تو زَيْدًا مفعولِ اول اور دِرْهَمًا مفعولِ ثانی۔ تو یہ دونوں مفعول اس کے منصوب ہیں بھئی، اسی طرح بابِ عَلِمْتُ کے بھی۔ لیکن ان دونوں میں فرق یہ ہے کہ افعالِ قلوب کے جو دونوں مفعول ہیں وہ ایک ہی ذات ہوتے ہیں، ایک ہی ذات پر دلالت کرتے ہیں، جیسے عَلِمْتُ زَيْدًا عَالِمًا، تو زَيْدًا مفعولِ اول اور عَالِمًا مفعولِ ثانی اور دیکھو جو زید ہے وہی عالم ہے، تو زید اور عالم ایک ہی ذات پر دلالت کر رہے ہیں۔ جبکہ بابِ أَعْطَيْتُ کے اندر جو دونوں مفعول ہوتے ہیں ان کی ذات الگ الگ ہوتی ہے: أَعْطَيْتُ زَيْدًا دِرْهَمًا،

زَيْدًا مفعولِ اول وہ ذات الگ ہے اور دِرْهَمًا مفعولِ ثانی دیکھو اس کی ذات الگ ہے، زید اور ہے درہم اور ہے بھئی۔ تو یہ دو مفعول چاہتے ہیں عَلِمْتُ بھی اور ظَنَنْتُ بھی۔ تو ان کا مفعولِ ثانی بھی تعریف کے اندر داخل ہو گیا، کیونکہ مفعولِ اول کی طرف نظر کرتے ہوئے

مفعولِ ثانی کیا ہے؟ دوسرے درجے میں ہے۔ تو جب كُلُّ ثَانٍ کہا، تو مبتدا کی خبر بھی داخل ہو گئی، إِنَّ اور أَنَّ کی خبر بھی داخل ہو گئی، افعالِ ناقصہ کی خبر بھی داخل ہو گئی، عَلِمْتُ اور ظَنَنْتُ کے مفعولِ ثانی بھی داخل ہو گئے کیونکہ وہ مفعولِ اول کی طرف نظر کرتے ہوئے دوسرے درجے میں ہیں۔ اور اسی طرح، اسی طرح توابع بھی داخل ہو گئے کیونکہ توابع بھی کس درجے میں آتے ہیں؟ یہ دوسرے درجے میں آتے ہیں متبوع کی طرف نظر کرتے ہوئے۔

تو كُلُّ ثَانٍ یہ جنس کے درجے میں ہے، اس میں وہ تمام اسم داخل ہو گئے جو دوسرے درجے میں آتے ہیں۔ پھر جب آگے کہا بِإِعْرَابِ سَابِقِهِ کہ وہ دوسرے درجے والا اسم جو ماقبل کے اعراب کے ساتھ ہو۔ ماقبل کے اعراب کے ساتھ ہو، یعنی دونوں کا اعراب ایک ہونا چاہیے۔ تو اب كَانَ کی خبر بھی نکل گئی اور إِنَّ کی خبر بھی نکل گئی۔ کیونکہ كَانَ کا اسم مرفوع ہوتا ہے اور خبر منصوب، تو خبر جو ہے دیکھو ماقبل یعنی اسم کے اعراب کے ساتھ نہیں ہے۔ اسم مرفوع ہے كَانَ کا اور خبر منصوب ہے تو یہ ماقبل کے اعراب کے ساتھ نہیں ہے۔ اسی طرح إِنَّ کی خبر بھی نکل گئی کیونکہ إِنَّ کا اسم منصوب ہوتا ہے اور خبر مرفوع، تو دیکھو خبر کا جو اعراب ہے وہ إِنَّ کے اسم سے الگ ہے، تو یہ ماقبل کے اعراب کے ساتھ نہیں ہے، تو إِنَّ کی خبر بھی نکل گئی۔ البتہ مبتدا کی خبر وہ ابھی بھی باقی ہے۔ کیونکہ مبتدا پر بھی رفع آتا ہے اور خبر پر بھی رفع آتا ہے، اور انہوں نے بھی کیا کہا؟ ہر وہ دوسرا جو ماقبل کے اعراب کے ساتھ ہو، یعنی ماقبل اور اس کا اعراب ایک ہو۔ تو خبر پر رفع آتا ہے، تو مبتدا پر بھی کیا ہوتا ہے؟ رفع، تو یہ خبر بھی تعریف میں داخل ہو گئی۔ اسی طرح عَلِمْتُ کا... عَلِمْتُ اور أَعْطَيْتُ کے جو مفعولِ ثانی ہے، وہ بھی تعریف کے اندر داخل ہو گیا۔ کیونکہ وہاں پر بھی مفعولِ اول بھی منصوب ہے اور مفعولِ ثانی بھی منصوب ہے، تو مفعولِ ثانی دوسرے درجے میں بھی ہے اور اس کا اعراب بھی وہی ہے جو ماقبل کا اعراب ہے۔ اور نیز توابع بھی داخل ہیں بھئی۔ تو إِنَّ کی خبر بھی نکل گئی اور كَانَ کی خبر بھی نکل گئی۔

لیکن پھر جب آگے کہا مِنْ جِهَةٍ وَاحِدَةٍ، کہ یہ دونوں اعراب، یعنی وہ جو سابق میں آیا ہے اور وہ جو بعد میں آیا ہے، دونوں کا اعراب مِنْ جِهَةٍ وَاحِدَةٍ ایک ہی جہت سے ہونا چاہیے۔ کس سے ہونا چاہیے؟ ایک ہی جہت سے ہونے کا معنی یہ ہے کہ دونوں میں اعراب کا مقتضی ایک ہی چیز ہو۔ جس چیز نے پہلے اسم کے اندر اعراب کا تقاضا کیا ہے، وہی چیز دوسرے اسم میں بھی اس اعراب کا تقاضا کرے۔ دونوں میں اعراب کا مقتضی ایک ہونا چاہیے۔ جیسے دیکھو: جَاءَنِي رَجُلٌ عَالِمٌ۔ یہ رَجُلٌ موصوف ہے اور عَالِمٌ اس کی صفت۔ جَاءَنِي رَجُلٌ عَالِمٌ، میرے پاس ایک ایسا آدمی آیا جو عالم ہے۔ تو رَجُلٌ موصوف، عَالِمٌ اس کی صفت۔ اب دیکھو یہ رَجُلٌ پر رفع کیوں آیا؟ کیونکہ یہ فاعل ہے۔ یہ جَاءَ کے لیے فاعل ہے، تو رَجُلٌ کے اندر اس

کی فاعلیت نے رفع کا تقاضا کیا۔ رَجُلٌ کے اندر کس چیز نے رفع کا تقاضا کیا؟ اس کی فاعلیت نے۔ اسی فاعلیت نے عَالِمٌ میں بھی تقاضا کیا کہ اس پر بھی رفع آنا چاہیے، کیونکہ یہ صفت ہے اس فاعل کی۔ بات سمجھ میں آئی؟ جس فاعلیت نے رَجُلٌ کے اندر رفع کا تقاضا کیا، اسی فاعلیت نے عَالِمٌ میں بھی رفع کا تقاضا کیا کہ اس پر بھی کیا آنا چاہیے؟ رفع۔ کیوں آنا چاہیے؟ کیونکہ یہ فاعل کی صفت ہے۔ فاعل مرفوع ہے تو یہ بھی مرفوع ہو۔

یا دوسری مثال لے لیں: رَأَیْتُ رَجُلًا عَالِمًا۔ اس کے اندر دیکھو یہ رَجُلًا یہ موصوف ہے اور یہ مفعول ہے اور عَالِمًا اس کی صفت ہے۔ تو موصوف منصوب تو صفت بھی منصوب۔ تو جس چیز نے رَجُلٌ کے نصب کا تقاضا کیا تھا، اسی نے عَالِمًا کے نصب کا بھی تقاضا کیا۔ رَجُلٌ کے نصب کا تقاضا کس چیز نے کیا؟ اس کی مفعولیت نے، اس کے مفعول ہونے نے۔ تو جس مفعولیت نے رَجُلٌ کے اندر نصب کا تقاضا کیا، اسی مفعولیت نے عَالِمًا کے اندر بھی نصب کا تقاضا کیا کہ یہ مفعول کی صفت ہے تو اس پر بھی کیا آنا چاہیے؟ نصب آنا چاہیے۔ تو دونوں میں دیکھو اعراب کا مقتضی ایک ہی چیز ہے۔ یہ تیسری مثال لے لو: مَرَرْتُ بِرَجُلٍ عَالِمٍ۔ یہ رَجُلٍ مجرور ہے اس پر با جارہ داخل ہے، اور یہ عَالِمٍ اس کی صفت ہے۔ تو جس چیز نے رَجُلٌ کے اندر جر کا تقاضا کیا، یعنی وہ اس کا مضاف الیہ ہونا، رَجُلٌ کیا ہے؟ مضاف الیہ ہے، اس کی نسبت کی گئی ہے با کے ذریعے سے، یا یوں کہو یہ مجرور ہے با کے واسطے سے۔ تو اسی نے تقاضا کیا کہ عَالِمٍ جو اس کی صفت ہے اس پر بھی کیا آنا چاہیے؟ جر آنا چاہیے۔ تو مِنْ جِهَةٍ وَاحِدَةٍ کا کیا معنی ہے؟ کہ دونوں پر جو اعراب آرہا ہو وہ ایک ہی جہت سے ہو۔ یعنی دونوں میں اعراب کی مقتضی ایک ہی چیز ہو۔ مقتضی وہ جو چیز تقاضا کرنے والی ہے، وہ دونوں میں ایک ہونی چاہیے۔

جب یہ قید لگائی، تو اب بتدا کی خبر جو تعریف میں ابھی تک داخل تھی، وہ نکل گئی۔ نیز عَلِمْتُ، آ... عَلِمْتُ اور أَعْطَیْتُ کا مفعولِ ثانی بھی نکل گیا، اور صرف توابع رہ گئے تعریف کے اندر۔ اور تعریف بھی کس کی تھی؟ توابع کی، صرف توابع کو رہنا چاہیے تھا باقی سب کو نکلنا چاہیے تھا۔ تو کُلُّ ثَانٍ کہا تو سارے داخل ہو گئے، ہر وہ اسم جو دوسرے درجے میں ہے۔ اور پھر جب بِإِعْرَابِ سَابِقِهِ کہا تو کَانَ کی خبر اور إِنَّ کی خبر نکل گئی۔ اور پھر جب مِنْ جِهَةٍ وَاحِدَةٍ کہا، تو بتدا کی خبر وہ بھی نکل گئی، اور عَلِمْتُ اور أَعْطَیْتُ کا جو مفعولِ ثانی ہے وہ بھی نکل گئے۔

بھئی وہ کس طرح نکلے وہ بھی سمجھ لیں۔ دیکھو بتدا پر بھی رفع آتا ہے اور خبر پر بھی رفع۔ اب بتدا کے اندر عامل ابتدا ہے۔ ابتدا کسے کہتے ہیں؟ اسم کا عوامِلِ لفظیہ سے خالی ہونا... یوں کہیں، عوامِلِ لفظیہ سے خالی ہونا اسناد کے لیے۔ کس کے لیے؟ (عوامِلِ لفظیہ سے خالی ہونا اسناد کے لیے۔) توجہ ہے؟ اور اسی طرح خبر جو ہے، اس کے اندر بھی ابتدا عامل ہے، اور ابتدا کسے کہتے ہیں؟ اسم کا عوامِلِ لفظیہ سے خالی ہونا اسناد کے لیے۔ تو دونوں کے اندر عامل ابتدا ہے۔ بتدا میں بھی عامل ابتدا، اس نے رفع دیا۔ خبر کے اندر بھی عامل ابتدا، اس نے رفع دیا۔ لیکن دونوں کے اندر جو ابتدا عامل ہے وہ ایک نہیں ہے، دونوں میں فرق ہے۔ بتدا کے اندر ابتدا عامل ہے اس اعتبار سے کہ یہ مسند الیہ ہے۔ بتدا کیا ہوتا ہے؟ مسند

الیہ۔ بھئی ابتدا کسے کہتے ہیں؟ میں نے ابھی تعریف بتلائی، اسم کا خالی ہونا عواملِ لفظیہ سے کس لیے؟ اسناد کے لیے۔ جب اسناد چاہیے تو اسناد دو چیزوں، دو لفظوں کے درمیان چاہیے۔ اور ان دو لفظوں میں سے ہمیشہ ایک کو کیا بنائیں گے؟ مسند الیہ اور ایک کو کیا بنائیں گے؟ مسند۔ تو اسناد ہو گئی تب جب دو چیزوں میں سے ایک مسند الیہ ہو اور ایک مسند بہ ہو۔ تو لہٰذا ابتدا کے اندر بھی عامل ابتدا، اور خبر کے اندر بھی عامل ابتدا، لیکن ابتدا کے اندر عامل ابتدا ہے اس اعتبار سے کہ یہ مسند الیہ ہے۔ ابتدا وہ ہے جس کو عواملِ لفظیہ سے خالی کیا گیا ہے کس لیے؟ اسناد کے لیے، لیکن کس حیثیت سے کہ یہ کیا بنے گا؟ مسند الیہ۔ اور خبر جو ہے اس کے اندر بھی عامل کیا ہے؟ ابتدا، یہ عواملِ لفظیہ سے خالی ہے کس لیے؟ اسناد کے لیے، لیکن اس حیثیت سے کہ یہ کیا ہے؟ مسند بہ ہے۔ تو دیکھا دونوں میں حیثیت بدل گئی یا نہیں؟ تو ایک کے اندر ابتدا مسند الیہ ہونے کے اعتبار سے عامل ہے اور دوسرے کے اندر ابتدا مسند بہ ہونے کے اعتبار سے عامل ہے۔ تو لہٰذا ابتدا پر بھی رفع، خبر پر بھی رفع، اور خبر کیا ہے؟ دوسرے درجے میں بھی ہے اور اس پر وہی اعراب آرہا ہے جو ماقبل ابتدا پر تھا، لیکن یہ اعراب دونوں کا مِنْ جِهَةٍ وَاحِدَةٍ نہیں ہے، دونوں میں اعراب کا مقتضی ایک نہیں ہے۔ ابتدا میں اعراب کا مقتضی ابتدا ہے مسند الیہ ہونے کے اعتبار سے، اور خبر کے اندر ابتدا عامل ہے مسند بہ ہونے کے اعتبار سے۔ تو لہٰذا اب یہ ابتدا کی خبر تعریف سے نکل گئی کیونکہ دونوں میں جو رفع آیا ابتدا اور خبر میں، یہ مِنْ جِهَةٍ وَاحِدَةٍ نہیں آیا۔ مِنْ جِهَةٍ وَاحِدَةٍ نہیں آیا، دونوں میں اعراب کی جہت الگ الگ ہے، ایک میں رفع ہے مسند الیہ ہونے کے اعتبار سے اور دوسرے میں رفع ہے مسند بہ ہونے کے اعتبار سے۔

تو لہٰذا یہ مِنْ جِهَةٍ وَاحِدَةٍ کی قید سے ابتدا کی خبر اس تعریف سے نکل گئی۔ نیز عَلِمْتُ اور أَعْطَيْتُ کے مفعولِ ثانی بھی نکل گئے۔ وجہ یہ کہ دیکھو عَلِمْتُ زَيْدًا عَالِمًا۔ میں نے یقین کر لیا زَيْدًا عَالِمًا کہ زید عالم ہے۔ یہ زَيْدًا یہ مفعولِ اول ہے، اور عَالِمًا مفعولِ ثانی ہے۔ تو یہ عَالِمًا یہ دوسرے درجے میں آرہا ہے، اور نیز بِإِعْرَابِ سَابِقِهِ یہ بھی ماقبل والے اعراب کے ساتھ ہے، ماقبل مفعولِ اول بھی منصوب اور یہ عَالِمًا یہ مفعولِ ثانی بھی منصوب۔ لیکن جہت دونوں میں نصب کی الگ الگ ہے۔ زَيْدًا کے اندر جو نصب آیا وہ مفعولِ اول ہونے کے اعتبار سے آیا ہے۔ یہ عَلِمْتُ کتنے مفعول چاہتا ہے؟ دو۔ تو زَيْدًا کے اندر جو نصب آیا ہے وہ کس اعتبار سے ہے؟ وہ مفعولِ اول ہونے کے اعتبار سے ہے، اور عَالِمًا کے اندر نصب جو آیا ہے وہ مفعولِ ثانی ہونے کے اعتبار سے آیا ہے۔ تو دیکھو دونوں میں اعراب ایک تو ہے لیکن مِنْ جِهَةٍ وَاحِدَةٍ نہیں، دونوں میں نصب کا مقتضی ایک نہیں۔ ایک میں نصب کا مقتضی کیا ہے؟ مفعولِ اول ہونا، اور دوسرے میں نصب کا مقتضی کیا ہے؟ مفعولِ ثانی ہونا۔ بات سمجھ میں آگئی؟ دیکھو میں نے عَلِمْتُ زَيْدًا عَالِمًا... یا دوسری مثال لے لیں جو صاحبِ جامی ذکر کریں گے، صاحبِ جامی ذکر کریں گے۔ مثلاً دیکھو ظَنَنْتُ، ظَنَنْتُ میں نے بتایا عَلِمْتُ یقین کے لیے آتا ہے اور ظَنَنْتُ شک کے لیے آتا ہے۔ ظَنَنْتُ زَيْدًا عَالِمًا، میں نے گمان کیا کہ زید عالم ہے۔ تو زَيْدًا کے اندر جو نصب آیا وہ مفعولِ اول ہونے کے اعتبار سے ہے اور عَالِمًا کے اندر جو نصب آیا وہ مفعولِ ثانی ہونے کے اعتبار سے ہے، تو دونوں میں، دونوں میں نصب

جہتِ واحدہ سے نہیں آیا۔

تو دونوں میں دیکھو ظَنَنْتُ زَيْدًا عَالِمًا، زَيْدًا پر بھی نصب ہے اور عَالِمًا پر بھی نصب ہے، لیکن زَيْدًا پر جو نصب ہے وہ مفعولِ اول ہونے کے اعتبار سے آیا ہے، اور عَالِمًا کے اندر جو نصب آیا ہے وہ مفعولِ ثانی ہونے کے اعتبار سے آیا ہے۔ اور اسی کو بلکہ دوسرے لفظوں میں صاحبِ جامی اس کو یوں بیان کریں گے کہ ظَنَنْتُ زَيْدًا عَالِمًا کہ میں نے گمان کیا زید کے بارے میں کہ وہ عالم ہے۔ تو گمان کس کے بارے میں کیا؟ زید کے بارے میں، تو وہ ہے مَظْنُونٌ فِيهِ۔ ظن ظا ظا سے ہے بھئی، ظَنٌّ۔ زید کیا ہے؟ مَظْنُونٌ فِيهِ جس کے بارے میں گمان کیا گیا۔ اور کیا گمان کیا گیا کہ وہ عالم ہے؟ تو یہ عالم مَظْنُونٌ ہے جس کا گمان کیا گیا۔ توجہ ہے؟ پھر سمجھیں: ظَنَنْتُ زَيْدًا عَالِمًا۔ اس کے اندر یہ مفعولِ اول جو ہے، یہ ہے مَظْنُونٌ فِيهِ، یعنی اس کے بارے میں گمان کیا گیا، اور مفعولِ ثانی وہ ہے جو گمان کیا گیا تو وہ مَظْنُونٌ ہے۔ تو مفعولِ اول جو ہے اس پر نصب آیا مَظْنُونٌ فِيهِ ہونے کے اعتبار سے، اور مفعولِ ثانی میں جو نصب آیا ہے وہ مَظْنُونٌ ہونے کے اعتبار سے ہے۔ اور اسی طرح أَعْطَيْتُ: أَعْطَيْتُ زَيْدًا دِرْهَمًا۔ زَيْدًا مفعولِ اول اور دِرْهَمًا مفعولِ ثانی ہے۔ تو مِنْ جِهَةٍ وَاحِدَةٍ کی قید سے یہ مفعولِ ثانی بھی توابع کی تعریف سے نکل گیا۔ اس لیے کیونکہ یہ جو دوسرا مفعول ہے یہ دوسرے درجے میں ہے پہلے کی طرف نظر کرتے ہوئے كُلُّ ثَانٍ، اور بِإِعْرَابِ سَابِقِهِ اور اس کا بھی وہی اعراب ہے جو ماقبل کا اعراب ہے، لیکن یہ اعراب مِنْ جِهَةٍ وَاحِدَةٍ نہیں کیونکہ ماقبل والے مفعول پر جو نصب آیا ہے وہ مفعولِ اول ہونے کے اعتبار سے ہے، اور جو دِرْهَمًا پر نصب آیا ہے وہ مفعولِ ثانی ہونے کے اعتبار سے ہے، تو دونوں کے اندر اعراب مِنْ جِهَةٍ وَاحِدَةٍ نہیں ہے۔ ایک ہی جہت سے دونوں پر نصب نہیں آیا بلکہ ایک میں نصب آیا ہے مفعولِ اول ہونے کے اعتبار سے اور دوسرے میں آیا ہے مفعولِ ثانی ہونے کے اعتبار سے۔ اور اسی کو صاحبِ جامی یوں بیان کریں گے کہ أَعْطَيْتُ زَيْدًا دِرْهَمًا، میں نے زید کو درہم دیا۔ میں نے زید کو درہم دیا، تو زید ہوا درہم

لینے والا یعنی آخِذ۔ اَخْذ کا کیا معنی؟ لینا۔ تو زید ہوا آخِذِ درہم، تو زید ہوا آخِذ۔ اور کیا چیز لینے والا ہے؟ درہم کو، تو درہم ہوا مَاخُوذ جس کو لیا گیا ہے۔ تو دیکھو أَعْطَيْتُ زَيْدًا دِرْهَمًا، زَيْدًا پر جو نصب آیا ہے وہ آخِذ ہونے کے اعتبار سے آیا ہے، اور دِرْهَمًا پر جو نصب آیا ہے وہ مَاخُوذ ہونے کے اعتبار سے ہے۔ تو دیکھو دونوں میں نصب کی جہت الگ الگ ہے، ہے تو دونوں پر نصب لیکن دونوں میں جہت الگ الگ ہے۔ زید میں جہت کیا ہے؟ آخِذ ہونے کے اعتبار سے وہ منصوب ہے، اور دِرْهَمًا وہ مَاخُوذ ہونے کے اعتبار سے منصوب ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو جب کہا کہ مِنْ جِهَةٍ وَاحِدَةٍ، کہ ایک ہی جہت سے وہ اعراب آنا چاہیے دونوں پر، تو اس سے مبتدا کی خبر بھی نکل گئی اور أَعْطَيْتُ اور عَلِمْتُ کا مفعولِ ثانی بھی نکل گیا اور صرف توابع رہ گئے اور انہی کی تعریف بھی کی جا رہی ہے۔ تو یہ تعریف جامع مانع ہوئی بھئی۔

پھر دیکھیے تعریف، کہتے ہیں: اَلتَّوَابِعُ كُلُّ ثَانٍ بِإِعْرَابِ سَابِقِهِ مِنْ جِهَةٍ وَاحِدَةٍ۔ توابع ہر وہ دوسرا اسم ہے جو ماقبل کے اعراب کے ساتھ ہو، مِنْ جِهَةٍ وَاحِدَةٍ، اور دونوں میں اعراب جو ہے وہ ایک ہی جہت سے ہو۔

اچھا بھئی اب اس سارے کو شرح کے ساتھ دیکھیے۔ کہتے ہیں: اَلتَّوَابِعُ وَهُوَ جَمْعُ تَابِعٍ مَنْقُولٍ عَنِ الْوَصْفِيَّةِ إِلَى الِاسْمِيَّةِ۔ توابع کہتے ہیں وَهُوَ جَمْعُ تَابِعٍ یہ جمع ہے تَابِعٌ کی۔ یاد رکھو تَابِعٌ یہ مذکر ہے صفت کا صیغہ، اور اس کی مؤنث آتی ہے تَابِعَةٌ۔ تو یہاں اشکال ہوتا ہے کہ یہ تَوَابِعُ یہ تو تَابِعَةٌ کی جمع آتی ہے جو مؤنث کا صیغہ ہے۔ تو معلوم ہوا یہ تَابِعَةٌ کی جمع ہے، اور حالانکہ یہاں تَابِعٌ سے مراد اسم ہے۔ کیا مراد ہے؟ اسم، اور اسم تو مؤنث نہیں ہے اس کی صفت تو تَابِعٌ آئے گی، اور تَابِعٌ کی جمع تو تَوَابِعُ نہیں آتی بلکہ تَابِعَاتٌ آتی ہے۔ کیا آتی ہے؟ تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ تَوَابِعُ یہ تَابِعَةٌ کی جمع ہے یا تَابِعٌ کی جمع ہے؟ اگر یہ تَابِعَةٌ کی جمع ہے، تو اس کا موصوف تو اسم ہے، اسمِ تابع کی بات ہو رہی ہے، اور وہ تو مذکر ہے تو اس کی صفت مؤنث آپ کیسے لے آئے؟ اور اگر آپ کہتے ہیں کہ یہ تَابِعٌ کی جمع ہے، کیونکہ اس کا موصوف اسم کیا ہے؟ مذکر، تو صفت بھی کیا ہو گی؟ مذکر، تو پھر اگر یہ تَابِعٌ کی جمع ہے تو تَابِعٌ کی جمع تو تَوَابِعُ نہیں آتی وہ تو تَابِعَاتٌ آتی ہے الف تا کے ساتھ۔

تو اس کا جواب دے رہے ہیں صاحبِ جامی، فرماتے ہیں کہ اَلتَّوَابِعُ وَهُوَ جَمْعُ تَابِعٍ کہ یہ تَابِعٌ کی جمع ہے۔ کیونکہ اس کا موصوف اسم ہے، اسم... اسمِ تابع کی بات ہو رہی ہے، تو اس کا موصوف مذکر ہے تو صفت بھی مذکر۔ تو پھر اشکال یہ ہوا کہ تَابِعٌ کی جمع تو تَوَابِعُ نہیں آتی، تو اس کا بھی جواب دیں گے صاحبِ جامی کہ بھئی یہ اصل میں تو صفت تھا لیکن بعد میں اس کو نقل کر کے اسم بنا دیا گیا۔ اب یہ جو پانچ چیزیں ہیں ان میں سے ہر ایک کو تابع کہتے ہیں، یعنی صفت، بدل، تاکید، معطوف بحرف اور عطفِ بیان، ان میں سے ہر ایک کا نام تَابِعٌ رکھ دیا گیا۔ تو یہ اصل میں تو تابع کا معنی ہے پیچھے آنے والا، تو یہ بھی چونکہ اپنے متبوع کے پیچھے آتے ہیں تو اس لیے ان کو تابع کہتے ہیں اور اب یہ ان کا نام بن گیا ہے۔ علمِ نحو کے اندر جب تَابِعٌ لفظ ذکر کیا جائے تو اس کا یہ معنی نہیں ہوتا کہ ایک لفظ دوسرے لفظ کے پیچھے آ رہا ہے، بلکہ ان پانچ میں سے کوئی ایک مراد ہوتا ہے۔ تو یہ ان پانچ چیزوں کے لیے تابع کا لفظ کیا بن چکا؟ اسم بن چکا ہے، تو گویا یہ وصفیت سے منقول ہو گیا اسمیت کی طرف۔ توجہ ہے؟ جیسے اس کی مثال پہلے بھی گزر چکی، أَسْوَدُ بھئی۔ أَسْوَدُ کا معنی کالی چیز، کوئی بھی کالی چیز ہو اس کو أَسْوَدُ کہتے ہیں، لیکن عربی زبان میں ایک کالے رنگ کا سانپ اس کا نام ہی آہستہ آہستہ أَسْوَدُ پڑ گیا۔ اب جب أَسْوَدُ کہتے ہیں تو وہ کالے رنگ کا سانپ مراد ہوتا ہے۔ تو یہاں پر بھی تَابِعٌ کا معنی تو تھا پیچھے آنے والا، بعد میں آنے والا، لیکن اب ان کا نام یہ بن گیا ہے، ان کا نام رکھ دیا گیا ہے علمِ نحو کے اندر بھئی۔ تو یہ اب وصف کے طور پر نہیں ہے بلکہ اسم کے طور پر ہے۔ اور فاعلِ اسمی... فاعلِ اسمی، اس کی جمع فَوَاعِلُ وزن پر آتی ہے۔ تو یہ تَابِعٌ کی جمع تَوَابِعُ کیوں آئی؟ کیونکہ یہ تَابِعٌ اب وصف نہ رہا۔

توجہ ہے؟ وصف اور اسم، ایک ہوتا ہے وصف جس کے لیے ہمیشہ موصوف چاہیے۔ ہمیشہ کیا چاہیے؟ موصوف چاہیے، کیونکہ صفت... صفت ایسے معنی پر دلالت کرتی ہے جو غیر میں پایا جائے تو موصوف ہمیشہ ہونا چاہیے اس کے بغیر صفت نہیں۔ آپ کہتے ہیں بہادر، بھئی بہادر بھی کوئی شخص ہو گا یا کوئی حیوان ہو گا، یا آپ کہتے ہیں سخی، سخی بھی کوئی ذات ہو

گی، کوئی شخص ہو گا بھئی، یا آپ کہتے ہیں سفید، سفید کوئی چیز ہو گی بھئی۔ تو صفت کے لیے ہمیشہ کیا چاہیے؟ موصوف ضرور چاہیے۔ لیکن بعض اوقات ایک... صفت ہوتی ہے اس کو نقل کر کے کسی چیز کے لیے اسم بنا دیا جاتا ہے۔ جیسے ضَارِبٌ، ضَارِبٌ صفت تھی مثلاً کوئی بھی پٹائی کرنے والا ضَارِبٌ ہو سکتا ہے۔ توجہ ہے؟ اور پھر بعض اوقات صفت نام بن جاتی ہے کسی کے لیے، جیسے ایک شخص جو ہر وقت پٹائی کرتا تھا اس کا نام ہی کسی نے کیا رکھ دیا؟ ضَارِبٌ بھئی، اس کا نام ہی ضَارِبٌ پڑ گیا۔ تو اب دیکھو یہ وصفیت ختم ہو کر کیا بن گیا؟ یہ نام بن گیا، اسم بن گیا، اب ضَارِبٌ بولتے ہیں تو یہی شخص ذہن میں آتا ہے۔ یا جیسے وہ مثال گزری تھی أَسْوَدُ کی۔ أَسْوَدُ ہر کالی چیز کو عربی میں کہتے ہیں، صفتِ مشبہ ہے، لیکن آہستہ آہستہ ایک سانپ کا نام ہی کیا پڑ گیا؟ أَسْوَدُ۔ تو دیکھو یہ وصفیت سے نکل کر کیا بن گیا؟ اسم بن گیا، اس سانپ کا نام بن گیا۔ توجہ ہے؟

تو یہ تَابِعٌ، تَابِعٌ کا کیا معنی؟ پیچھے آنے والا۔ تَابِعٌ کا کیا معنی؟ پیچھے آنے والا، تو یہ وصف تھا اصل میں، لیکن پھر یہ جو پانچ چیزیں ہیں: صفت، تاکید، بدل، معطوف بحرف اور عطفِ بیان، ان پانچ میں سے ہر ایک کا نام ہی تَابِعٌ رکھ دیا۔ ان میں سے ہر ایک کیا ہے؟ تَابِعٌ۔ یہ اب ان کا نام بن گیا ہے۔ توجہ ہے؟ تو اب جب نحو میں کہتے ہیں یہ تابع ہے، تو اب وہاں یہ دیکھنے کی ضرورت نہیں کہ کوئی لفظ کسی لفظ کے پیچھے آ رہا ہے، بس ان پانچ میں سے کوئی ایک مراد ہوتا ہے۔ تو دیکھو یہ تَابِعٌ کیا بن گیا ان کے لیے؟ اسم بن گیا۔ توجہ ہے؟ ورنہ تو مثلاً میں کہتا ہوں زَيْدٌ عَالِمٌ، زید مبتدا ہے اور عَالِمٌ اس کی خبر، اب یہ عَالِمٌ بھی زید کے تابع ہے یا نہیں؟ یہ زید کے پیچھے آ رہا ہے۔ لیکن ہر پیچھے آنے والا مراد نہیں ہے بلکہ وہ خاص جن کا نام نحو میں تَابِعٌ رکھ دیا گیا اور وہ پانچ چیزیں ہیں۔ بات سمجھ میں آ گئی؟ تو اب تَابِعٌ کا معنی پیچھے آنے والا نہیں، اب ان کا نام ہی تَابِعٌ پڑ گیا ہے، جیسے أَسْوَدُ سانپ کا نام ہی أَسْوَدُ پڑ گیا۔ بات سمجھ میں آ گئی؟ تو یہ جو تَابِعٌ ہے یہ فاعلِ اسمی ہے، یہ فاعلِ وصفی نہیں ہے، یہ اسم بن چکا ہے۔ جب اسم بن گیا تو فاعلِ اسمی کی جمع فَوَاعِلُ وزن پر آتی ہے، جیسے آگے بتائیں گے كَاهِلٌ۔ دیکھو كَاهِلٌ فاعل وزن پر ہے، اور یہ اسم ہے، اور اس کی جمع فَوَاعِلُ وزن پر آتی ہے، تو كَاهِلٌ کی جمع کیا ہے؟ كَوَاهِلُ۔ تو معلوم ہوا فاعلِ اسمی کی جمع فَوَاعِلُ وزن پر آتی ہے، تو یہ تَابِعٌ بھی نقل ہو گیا وصفیت سے کس کی طرف؟ اسمیت کی طرف، لہٰذا اس کی جمع بھی تَوَابِعُ لانا صحیح ہے۔

تو کہتے ہیں اَلتَّوَابِعُ وَهُوَ جَمْعُ تَابِعٍ، اور تَوَابِعُ جو ہے یہ تَابِعٌ کی جمع ہے، مَنْقُولٍ عَنِ الْوَصْفِيَّةِ إِلَى الِاسْمِيَّةِ، اور یہ تَابِعٌ لفظ جو ہے اس کو نقل کیا گیا ہے وصفیت سے اسمیت کی طرف، اب یہ لفظ بولیں تو یہ پانچ چیزوں میں سے کوئی ایک مراد ہو گی۔ وَالْفَاعِلُ الِاسْمِيُّ يُجْمَعُ عَلَى فَوَاعِلَ، اور فاعلِ اسمی جو ہے اس کی جمع لائی جاتی ہے فَوَاعِلُ وزن پر، كَالْكَاهِلِ عَلَى الْكَوَاهِلِ، جیسے کہ كَاهِلٌ جو ہے اس کی جمع كَوَاهِلُ وزن پر لائی جاتی ہے۔ یاد رکھو كَاهِلٌ کہتے ہیں کندھے کو۔ کندھے کو کیا کہتے ہیں؟ کندھا یہ كَاهِلٌ ہے اور اس کی جمع كَوَاهِلُ۔ عَلَى فَوَاعِلَ یہ غیر منصرف ہے، اور غیر منصرف پر کسرہ اور تنوین نہیں آتے،

تو یہ اس وقت مجرور ہے عَلَی جارہ داخل ہے لیکن اس پر فتحہ پڑھیں گے۔ یہ ہے تو مجرور ہی لیکن اس کا جر آتا ہی فتحہ کے ساتھ ہے، اور یہ غیر منصرف ہے کیونکہ جمع منتہی الجموع کا وزن ہے، اور جمع منتہی الجموع کا وزن جو ہے یہ دو سببوں کے قائم مقام ہے۔ تو کہتے ہیں وَالْفَاعِلُ الِاسْمِيُّ يُجْمَعُ عَلَى فَوَاعِلَ، اور فاعلِ اسمی جو ہے اس کی جمع لائی جاتی ہے فَوَاعِلُ وزن پر، كَالْكَاهِلِ عَلَى الْكَوَاهِلِ، جیسے کہ كَاهِلٌ جو ہے اس کی جمع كَوَاهِلُ وزن پر۔ كَاهِلٌ کندھے کو کہتے ہیں اور اس کی جمع كَوَاهِلُ ہے۔ اب دیکھو كَاهِلٌ یہ صفت کا صیغہ نہیں ہے، بظاہر لگتا ہے صفت کا صیغہ ہے لیکن یاد رکھو یہ اسمِ محض ہے بھئی۔ یہ اسمِ محض ہے، تو یہ اسم ہے كَاهِلٌ بر وزنِ فَاعِلٌ، اور یہ فَاعِلٌ اسمی ہے یا وصفی ہے؟ اسمی ہے، یہ وصفی نہیں۔ اور اس کی جمع كَوَاهِلُ آتی ہے۔ تو معلوم ہوا فاعلِ اسمی کی جمع کیا لائی جاتی ہے؟ فَوَاعِلُ لائی جاتی ہے، تو یہ تَابِعٌ بھی فاعلِ اسمی ہے اس لیے اس کی جمع تَوَابِعُ لائی گئی۔

وَالْمُرَادُ بِهَا تَوَابِعُ الْمَرْفُوعَاتِ وَالْمَنْصُوبَاتِ وَالْمَجْرُورَاتِ۔ بھئی دیکھیے اس سے نچلی سطر میں آرہا ہے إِنَّ إِنَّ اور ضَرَبَ ضَرَبَ۔ یہاں اعتراض ہوتا ہے کہ آپ توابع کی تعریف کر رہے ہیں، اور آپ نے توابع کی تعریف کیا کی؟ كُلُّ ثَانٍ بِإِعْرَابِ سَابِقِهِ، ہر وہ دوسرا ہے جو ماقبل کے اعراب کے ساتھ ہو۔ تو آپ کی اس تعریف سے معلوم ہوا کہ تابع اور متبوع جو ہیں وہ معرب ہوں گے، کیونکہ آپ نے کیا بتایا؟ کہ ثانی ہو اور اس پر وہی اعراب آئے جو ماقبل پر آئے، معلوم ہوا ماقبل پر بھی اعراب آئے گا وہ بھی معرب ہے اور بعد والا بھی معرب ہے۔ تو آپ کی تعریف سے پتہ چلا کہ توابع معرب کی قبیل سے ہیں۔ تو پھر تو آپ کی تعریف سے إِنَّ إِنَّ اور ضَرَبَ ضَرَبَ اس کے اندر یہ جو ثانی ہے یہ آپ کی تعریف سے نکل گیا، حالانکہ بالاتفاق یہ دونوں تاکید ہیں اور تاکید بھی توابع میں سے ہے۔ دیکھو إِنَّ إِنَّ، اس میں إِنَّ کو دوبارہ لایا گیا۔ یہ جو ایک لفظ کو دوبارہ لایا جائے تو اس دوسرے لفظ کو پہلے کی تاکید کہتے ہیں، اور تاکید بھی کس میں سے ہے؟ توابع میں سے ہے، توابع میں سے۔ تو اسی طرح ضَرَبَ ضَرَبَ، اس کے اندر اسی ضَرَبَ کو دوبارہ لایا گیا، اور اس ایک ہی لفظ کو دوبارہ لایا جائے اس کو کیا کہتے ہیں؟ پہلے لفظ کی تاکید، تو یہ ضَرَبَ ثانی بھی تاکید ہے اول کے لیے۔ تو یہ دونوں بالاتفاق تاکید ہیں، إِنَّ إِنَّ اور ضَرَبَ ضَرَبَ، ان کے اندر یہ جو دوسرا لفظ ہے یہ بالاتفاق تاکید ہیں، لیکن آپ کی تعریف ان دونوں پر صادق نہیں آرہی کیونکہ آپ نے توابع کی کیا تعریف کی؟ ہر وہ دوسرا ہے جو ماقبل کے اعراب کے ساتھ ہو، اور یہاں پر تو اعراب کا تصور ہی نہیں کیا جا سکتا کیونکہ إِنَّ حرف ہے اور ضَرَبَ فعلِ ماضی ہے اور یہ دونوں مبنی الاصل ہیں بھئی۔ یہ دونوں کیا ہیں؟ إِنَّ بھی... حروف بھی مبنی الاصل ہیں اور فعلِ ماضی بھی، مبنی الاصل تین چیزیں ہیں آپ پڑھ چکے ہیں: تمام حروف، فعلِ ماضی اور فعلِ امرِ حاضر۔ تو لہٰذا یہاں پہلا إِنَّ جو آیا وہ متبوع، وہاں تو اعراب کا تصور ہی نہیں کیا جا سکتا کیونکہ وہ مبنی الاصل ہے، تو دوسرا إِنَّ کیسے اس کے تابع ہو گا اعراب کے اندر؟ اور ضَرَبَ ضَرَبَ یہ جو پہلا ضَرَبَ ہے یہ تو مبنی الاصل ہے، اس کے اندر تو اعراب کا تصور ہی نہیں ہو سکتا، تو پھر یہ دوسرا ضَرَبَ کیسے اعراب میں اس کے تابع ہو سکتا ہے؟ تو آپ کی تعریف سے یہ دونوں اس جیسی

مثالیں تو نکل گئیں۔

تو صاحبِ جامی اس کا جواب دیں گے کہ بھئی توابع سے مراد ان مرفوعات، منصوبات اور مجرورات کے توابع ہیں جو اسم کی قسمیں ہیں۔ بھئی آپ نے ابھی تک پڑھا مرفوعات، منصوبات اور مجرورات، اور یہ کس کی قسمیں تھیں؟ اسم کی قسمیں، یہ جو مرفوعات پڑھے وہ بھی اسم کی قسمیں پڑھیں، منصوبات اور مجرورات بھی اسم کی قسمیں تھیں، اور ان کے توابع ذکر ہو رہے ہیں۔ تو معلوم ہوا یہاں اسم کے توابع کی بات ہو رہی ہے۔ کس کے توابع کی بات ہو رہی ہے؟ (اسم کے۔) بھئی یہ توابع کس کے ہوں گے؟ یا مرفوعات کے، یا منصوبات کے، یا مجرورات، اور مرفوعات، منصوبات اور مجرورات یہ کس کی قسمیں ہیں؟ اسم کی قسمیں ہیں جو ہم نے پڑھیں ابھی تک۔ تو یہ اسم کے توابع کی بات ہو رہی ہے۔ اور إِنَّ إِنَّ، یہ إِنَّ ثانی یہ اسم کا تابع تو نہیں ہے، یہ تو حرف کا تابع ہے۔ اسی طرح ضَرَبَ ضَرَبَ اس کے اندر یہ جو دوسرا ضَرَبَ ہے یہ تو فعلِ ماضی کے تابع ہے، اور ہم کس کے توابع کی بات کر رہے ہیں؟ اسم کے توابع کی بات کر رہے ہیں، اور یہ تعریف ہم نے اسم کے توابع کی کی ہے۔ لہٰذا اگر یہ تعریف سے نکل جائیں تو کوئی حرج نہیں کیونکہ یہ تعریف ہم ان کی کر ہی نہیں رہے، ہم صرف اسم کے توابع کی تعریف کر رہے ہیں۔

تو کہتے ہیں: وَالْمُرَادُ بِهَا تَوَابِعُ الْمَرْفُوعَاتِ وَالْمَنْصُوبَاتِ وَالْمَجْرُورَاتِ، اور کہتے ہیں مراد جو ہے ان توابع سے ان مرفوعات، منصوبات اور مجرورات کے توابع ہیں، الَّتِي هِيَ أَقْسَامُ الِاسْمِ، جو کہ اسم کی قسمیں ہیں۔ وہ مرفوعات، وہ منصوبات اور وہ مجرورات جو اسم کی قسمیں ہیں، ان کے توابع مراد ہیں۔

إِنَّ اور ضَرَبَ یہ تو اسم ہی نہیں، یعنی حروف اور فعل کے توابع یہاں مراد نہیں ہیں۔

تو کہتے ہیں: وَالْمُرَادُ بِهَا تَوَابِعُ الْمَرْفُوعَاتِ وَالْمَنْصُوبَاتِ وَالْمَجْرُورَاتِ الَّتِي هِيَ أَقْسَامُ الِاسْمِ، اور کہتے ہیں یہاں پر توابع سے مراد جو ہیں وہ ان مرفوعات، ان منصوبات اور ان مجرورات کے توابع مراد ہیں جو اسم کی اقسام ہیں۔ فَلَا يَنْتَقِضُ حَدُّهَا بِخُرُوجِ نَحْوِ إِنَّ وَضَرَبَ ضَرَبَ، لہٰذا ٹوٹتی نہیں، اِنْتَقَضَ کا معنی ٹوٹنا، حَدُّهَا، حَدّ کہتے ہیں تعریف کو، جامع مانع تعریف۔ فَلَا يَنْتَقِضُ حَدُّهَا، لہٰذا توابع کی تعریف ٹوٹتی نہیں ہے، بِخُرُوجِ نَحْوِ اس جیسے لفظوں کے نکلنے سے، جیسے إِنَّ إِنَّ اور ضَرَبَ ضَرَبَ. ان جیسی مثالوں کے تعریف سے نکلنے سے تعریف ٹوٹتی نہیں، یعنی تعریف پر اعتراض نہیں ہوتا۔ تعریف ٹوٹتی نہیں یعنی اس پر اعتراض وارد نہیں ہوتا، تو فَلَا يَنْتَقِضُ کا معنی ٹوٹتی نہیں ہے یعنی اس پر اعتراض وارد نہیں ہوتا۔ بھئی کیوں اعتراض کیوں نہیں وارد ہوتا؟ کہتے ہیں: لِعَدَمِ كَوْنِهِمَا مِنْ أَفْرَادِ الْمَحْدُودِ، اس لیے کیونکہ یہ محدود کے افراد میں سے ہی نہیں ہیں۔ کیونکہ یہ دونوں محدود کے افراد میں سے ہی نہیں ہیں۔ بھئی دیکھو ایک ہے حد، ایک ہے محدود۔ حد وہ جو تعریف ہے: كُلُّ ثَانٍ بِإِعْرَابٍ سَابِقِهِ مِنْ جِهَةٍ وَاحِدَةٍ، یہ ہے حد۔ اور کس کی تعریف کی؟ توابع کی، تو توابع ہے محدود۔ توابع کیا؟ محدود، تو یہاں کون سے

توابع مراد ہیں؟ اسم کے توابع مراد ہیں۔ لہٰذا یہ محدود یعنی توابع کے افراد میں سے ہی نہیں ہے جو یہاں ذکر ہو رہے ہیں، تو ان کے نکلنے سے کوئی تعریف پر اعتراض وارد نہیں ہوتا۔ یہ معنی ہے لِعَدَمِ كَوْنِهِمَا مِنْ أَفْرَادِ الْمَحْدُودِ، بوجہ ان کے محدود کے افراد نہ ہونے کے۔

كُلُّ ثَانٍ، اب وہ تعریف شروع ہو گئی بھئی۔ كُلُّ ثَانٍ أَيْ كُلُّ مُتَأَخِّرٍ مَتَى لُوحِظَ مَعَ سَابِقِهِ كَانَ فِي الرُّتْبَةِ الثَّانِيَةِ مِنْهُ۔ كُلُّ ثَانٍ أَيْ كُلُّ مُتَأَخِّرٍ یعنی ہر وہ اسم جو متاخر ہو، ہر وہ اسم جو متاخر ہو یعنی بعد میں آئے۔ متن میں آیا تھا كُلُّ ثَانٍ ہر دوسرا، صاحبِ جامی اس کی تفسیر کر رہے ہیں كُلُّ مُتَأَخِّرٍ، ہر وہ اسم جو متاخر ہو یعنی ماقبل کی طرف نسبت کرتے ہوئے وہ دوسرے درجے میں ہو۔ تو کہتے ہیں أَيْ كُلُّ مُتَأَخِّرٍ مَتَى لُوحِظَ مَعَ سَابِقِهِ، ہر ایسا متاخر ہے کہ مَتَى لُوحِظَ مَعَ سَابِقِهِ، جب اس کو ملاحظہ کیا جائے اپنے سے ماقبل کے ساتھ، كَانَ فِي الرُّتْبَةِ الثَّانِيَةِ مِنْهُ، تو وہ دوسرے درجے میں ہو مِنْهُ اس سابق کے مقابلے میں۔ معنی سمجھ میں آگیا؟ پھر دیکھ لیجیے: كُلُّ ثَانٍ أَيْ كُلُّ مُتَأَخِّرٍ، ہر ایسا متاخر ہے، مَتَى لُوحِظَ مَعَ سَابِقِهِ، جب اس کو ملاحظہ کیا جائے اپنے سے سابق کے ساتھ، كَانَ فِي الرُّتْبَةِ الثَّانِيَةِ، تو یہ جو ہے یہ متاخر یہ دوسرے درجے میں ہو، مِنْهُ اس سابق کے مقابلے میں۔ فَدَخَلَ فِيهِ التَّابِعُ الثَّانِي وَالثَّالِثُ فَصَاعِدًا، بھئی وہی اعتراض جو میں نے ذکر کیا تھا، دوسرے سے مراد دوسرے نمبر والا نہیں ہے بلکہ دوسرے درجے والا ہے، اور کس کی طرف نظر کرتے ہوئے دوسرے درجے والا ہے؟ متبوع کی طرف۔ مثلاً بعض اوقات ایک ہی لفظ کی کئی صفتیں آتی ہیں، تو آپ کہیں گے کہ یہ تو صفت تیسرے اور چوتھے اور پانچویں نمبر پر چلی گئی ہے اور آپ نے تو دوسرے درجے کا ذکر کیا تھا، تو جواب یہ کہ متبوع کے لحاظ کرتے ہوئے ان میں سے ہر صفت وہ دوسرے درجے میں ہے۔ ذکر کی بات نہیں ہو رہی کہ ذکر دوسرے نمبر پر ذکر ہو، بلکہ ذکر جس نمبر پر بھی آپ ذکر کر دیں، صفت کو جس نمبر پر بھی ذکر کر دیں تیسرے، چوتھے، پانچویں پر، لیکن موصوف کی طرف نظر کرتے ہوئے وہ صفت کیا ہے؟ دوسرے درجے میں ہے۔ آپس میں صفات کی طرف نظر کرتے ہوئے نہیں دیکھنا، بلکہ متبوع کی طرف نظر کرتے ہوئے دیکھنا ہے۔

تو یہ معنی ہے فَدَخَلَ فِيهِ التَّابِعُ الثَّانِي وَالثَّالِثُ فَصَاعِدًا، تو اس تعریف کے اندر داخل ہو گیا دوسرا تابع جو ہے، وَالثَّالِثُ اور تیسرا جو ہے، فَصَاعِدًا یا اس سے زیادہ یعنی اس سے بڑھ کر جس نمبر پر بھی ذکر کر دیا جائے لیکن متبوع کے اعتبار سے وہ دوسرے درجے میں ہو۔

مُتَلَبِّسٍ بِإِعْرَابِ سَابِقِهِ، اور وہ دوسرا جو ہے اپنے سے سابق کے اعراب کے ساتھ ہو، اپنے سے ماقبل کے اعراب کے ساتھ ہو۔ مُتَلَبِّسٍ، متلبس یاد رکھو متلبس ملابست سے ہے، ملابست کا معنی متعلق ہونا، تعلق ہونا، ساتھ ہونا، یہ بھی افعالِ عامہ میں سے ہے۔ کس میں سے؟ تو مُتَلَبِّسٍ بِإِعْرَابِ سَابِقِهِ کہہ لیں آپ، چاہے ثَابِتٍ کہہ لیں، یہ صفت ہے ثَانٍ کی۔ کس کی صفت ہے؟ ثَانٍ کی، اور ثَانٍ مجرور تھا، تو مُتَلَبِّسٍ بِإِعْرَابِ سَابِقِهِ، یہ بِإِعْرَابِ سَابِقِهِ یہ جار مجرور ہے، اور جار مجرور کے لیے کیا چاہیے؟ کوئی نہ کوئی متعلق چاہیے، تو وہ یہاں آپ مُتَلَبِّسٍ نکال لیں یا ثَابِتٍ نکال لیں۔ تو مُتَلَبِّسٍ کے بجائے آپ ثَابِتٍ

بھی کہہ سکتے ہیں: كُلُّ ثَانٍ ثَابِتٍ بِإِعْرَابِ سَابِقِهِ، ہر وہ دوسرا ہے جو ثابت ہو کس کے ساتھ؟ ماقبل کے اعراب کے ساتھ۔ دوسرے درجے میں ہے اور اعراب وہی ہے جو ماقبل کا ہے۔ تو یہ متلبس کا معنی ملا ہوا ہونا، ساتھ ہونا، یہ بھی افعالِ عامہ میں سے ہے بھئی۔ البتہ افعالِ عامہ مشہور چار ہیں آپ پڑھ چکے ہیں، کون؟ وجود، ثبوت اور حصول بھئی۔ تو ہر وہ دوسرا ہے مُتَلَبِّس بِإِعْرَابِ سَابِقِهِ جو اپنے سے سابق کے اعراب کے ساتھ ہو۔

أَيْ بِجِنْسِ إِعْرَابِ سَابِقِهِ، صاحبِ جامی نے اعراب سے پہلے جنس کا لفظ مقدر نکال لیا، أَيْ بِجِنْسِ إِعْرَابِ سَابِقِهِ۔ متن میں کیا تھا؟ بِإِعْرَابِ سَابِقِهِ، اور صاحبِ جامی کیا فرما رہے ہیں؟ بِجِنْسِ إِعْرَابِ سَابِقِهِ۔ دراصل یہاں ایک اعتراض ہوتا ہے۔ اعتراض یہ ہوتا ہے کہ آپ نے ہمیں کیا کہا؟ تابع کسے کہتے ہیں؟ كُلُّ ثَانٍ بِإِعْرَابِ سَابِقِهِ، جو ماقبل کے اعراب کے ساتھ ہو۔ جَاءَنِي رَجُلٌ عَالِمٌ، رَجُلٌ موصوف اور عَالِمٌ اس کی صفت۔ دیکھو رَجُلٌ پر بھی رفع اور عَالِمٌ صفت پر بھی رفع۔ لیکن مجھے بتائیے کیا یہ جو عَالِمٌ صفت پر جو رفع آرہا ہے، یہ وہی رَجُلٌ موصوف کا رفع وہاں سے یہاں منتقل ہوا ہے یا دونوں کا رفع الگ الگ ہے؟ دونوں کا رفع الگ الگ ہے۔ رَجُلٌ پر الگ رفع یعنی متبوع پر الگ رفع ہے اور عَالِمٌ جو صفت ہے اس پر الگ رفع ہے۔ لیکن آپ نے تعریف کیا کی؟ كُلُّ ثَانٍ ہر وہ دوسرا ہے جو پہلے کے اعراب کے ساتھ ہو۔ معلوم ہوا وہ پہلے کا اعراب منتقل ہو کے ثانی پہ آجاتا ہے، آپ کی تعریف سے تو یوں معلوم ہوتا ہے، حالانکہ پہلے کا اعراب تو اس کی طرف منتقل نہیں ہوتا وہ تو اس کا اعراب ہے وہ اسی کے ساتھ رہے گا وہ کسی اور کی طرف منتقل نہیں ہو سکتا۔

تو صاحبِ جامی نے بتلایا کہ بھئی جو ثانی ہے وہ ماقبل کے اعراب کے ساتھ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ ثانی کا اعراب ماقبل کے اعراب کی جنس میں سے ہو۔ یعنی ماقبل پر اگر رفع تھا تو اس پر بھی کیا ہو؟ رفع۔ ماقبل پر اگر نصب تھا تو ثانی پر بھی کیا ہو؟ نصب، اور ماقبل پر اگر جر تھا تو ثانی پر بھی کیا ہو؟ جر ہو۔ تو یہ جو ثانی ہے یہ ماقبل کے اعراب کے ساتھ نہیں بلکہ اس کے جنس کے اعراب کے ساتھ ہو گا یعنی اس پر بھی وہی جنسِ اعراب ہو گا۔ بات سمجھ میں آگئی؟ یعنی اسی کا اعراب نہیں ہے، اسی کی جنس کا اعراب ہے۔

تو کہتے ہیں بِإِعْرَابِ سَابِقِهِ أَيْ بِجِنْسِ إِعْرَابِ سَابِقِهِ، ماقبل کے اعراب کی جنس کے ساتھ ہو گا، بِحَيْثُ يَكُونُ إِعْرَابُهُ مِنْ جِنْسِ إِعْرَابِ سَابِقِهِ، اس طور پر کہ یہ جو بعد میں آیا ہے، یہ ثانی جو ہے، اس کا اعراب مِنْ جِنْسِ إِعْرَابِ سَابِقِهِ ماقبل کے اعراب کی جنس میں سے ہو گا یعنی اسی جیسا ہو گا۔

نَاشِئٍ كِلَاهُمَا مِنْ جِهَةٍ وَاحِدَةٍ، یاد رکھو یہ نَاشِئٍ یہ صفت ہے بِإِعْرَابِ سَابِقِهِ کی۔ کس کی صفت ہے؟ بِإِعْرَابِ سَابِقِهِ، اور اعراب مجرور تو لہٰذا اس کی صفت نَاشِئٍ بھی مجرور نکالی۔ بھئی یہ بھی اسی طرح ہے، پیچھے بِإِعْرَابِ جار مجرور تھا اس کے لیے مُتَلَبِّس نکالا۔ اور آگے پھر مِنْ جِهَةٍ وَاحِدَةٍ جار مجرور ہے اور جار مجرور کے لیے ہمیشہ کیا چاہیے؟ متعلق چاہیے، تو وہ یہاں نَاشِئٍ نکالا۔ کہ بِإِعْرَابِ سَابِقِهِ ادھر دیکھیے کہ یہ جو بعد ہے اس کا وہی اعراب ہو جو ماقبل کا اعراب تھا، اور مِنْ جِهَةٍ وَاحِدَةٍ اور یہ جو دونوں اعراب ہیں سابق اور لاحق کا، نَاشِئٍ كِلَاهُمَا یہ دونوں پیدا ہو رہے ہوں مِنْ جِهَةٍ وَاحِدَةٍ ایک

ہی جہت سے۔ یہ دونوں اعراب کس سے پیدا ہو رہے ہوں؟ ایک ہی جہت سے پیدا ہو رہے ہوں، ایک ہی جہت سے آ رہے ہوں، دونوں میں اعراب کی مقتضی ایک ہی چیز ہو، الگ الگ چیزیں نہیں ہونی چاہئیں۔ تو کہتے ہیں نَاشِئٍ كِلَاهُمَا مِنْ جِهَةٍ وَاحِدَةٍ کہ یہ دونوں اعراب یعنی ایک تو سابق ہے اور ایک اس کے لاحق جو بعد میں آیا ہے، تو کہتے ہیں یہ دونوں جو نَاشِئٍ كِلَاهُمَا یہ دونوں اعراب پیدا ہو رہے ہوں، نَشَأَ يَنْشَأُ نُشُوءًا کا معنی پیدا ہونا، بننا۔ تو یہ دونوں اعراب پیدا ہو رہے ہوں مِنْ جِهَةٍ وَاحِدَةٍ ایک ہی جہت سے، شَخْصِيَّةٍ اور جہتِ واحدہ بھی کیا ہو؟ شخصی ہونی چاہیے۔

دیکھو متن میں آیا مِنْ جِهَةٍ وَاحِدَةٍ، اور صاحبِ جامی نے آگے شَخْصِيَّةٍ کی قید بڑھا دی: مِنْ جِهَةٍ وَاحِدَةٍ شَخْصِيَّةٍ۔ بھئی دیکھیے یہ وحدتِ نوعیہ کو نکالنے کے لیے ہے۔ جہتِ واحدہ، ایک ہی جہت ہو۔ وَاحِدَةٍ آیا یا نہیں؟ وَاحِدَةٍ کا کیا معنی؟ یعنی ایک ہی ہو تو یہ وحدت آ گئی۔ کیا آ گئی؟ وحدت یہ اسی وَاحِدَةٍ سے ہے، وحدت کا معنی ایک ہونا۔ تو یہاں ایک ہونا ذکر ہے۔ جہت کیا ہونی چاہیے؟ ایک ہونی چاہیے، تو وحدتِ جہت مذکور ہو گئی۔ اب یاد رکھو یہ وحدت کبھی صرف نوع کے اعتبار سے ہوتی ہے، یعنی دو چیزوں کی نوع ایک ہوتی ہے لیکن چیزیں الگ الگ ہوتی ہیں۔ جیسے، جیسے ظَنَنْتُ زَيْدًا عَالِمًا۔ میں نے گمان کیا زید کے بارے میں کہ وہ عالم ہے۔ تو زَيْدًا بھی منصوب اور عَالِمًا بھی منصوب۔ زَيْدًا میں نصب کا تقاضا مفعولیت نے کیا، مفعول ہونے نے۔ اور عَالِمًا کے اندر بھی نصب کا تقاضا کس نے کیا؟ مفعولیت نے۔ ہاں فرق یہ ہے کہ زید کے اندر وہ مفعولِ اول ہونے نے تقاضا کیا ہے، اور عَالِمًا کے اندر مفعولِ ثانی ہونے نے تقاضا کیا ہے، لیکن دونوں کی نوع تو ایک ہی ہے۔ مفعولِ اول ہونا یا مفعولِ ثانی ہونا ہیں تو دونوں مفعول۔ تو دونوں میں نصب کا تقاضا کس نے کیا؟ مفعول ہونے نے۔ کس نے؟ تو یہاں پر بھی اعراب کا مقتضی ایک ہو گیا۔ مِنْ جِهَةٍ وَاحِدَةٍ، وحدت ہے یا نہیں؟ وحدت کا معنی ایک ہونا، یہاں بھی اعراب کا مقتضی کیا ہے؟ ایک ہی ہے۔ ظَنَنْتُ زَيْدًا عَالِمًا، زَيْدًا کیوں منصوب؟ مفعول ہونے کی وجہ سے، اور عَالِمًا بھی کیوں منصوب؟ مفعول ہونے کی وجہ سے، تو دونوں میں اعراب کا مقتضی مفعول ہونا ہے۔ تو یہ بھی تعریف کے اندر داخل ہو رہے تھے، کیونکہ دونوں کے اندر اعراب کا مقتضی ایک ہی چیز ہے اور وہ ہے مفعولیت، مفعول ہونا۔ اسی طرح أَعْطَيْتُ زَيْدًا دِرْهَمًا یہ بھی تعریف کے اندر داخل ہو رہے تھے، کیونکہ زَيْدًا منصوب ہے کیوں؟ یہ بھی مفعول ہونے کی وجہ سے، اور دِرْهَمًا بھی کیوں منصوب ہے؟ مفعول ہونے کی وجہ سے، تو دونوں میں اعراب کا مقتضی ایک ہے۔

تو صاحبِ جامی بتائیں گے آپ کو کہ بھئی وحدت دو قسم پر ہے: ایک وحدتِ نوعی ہے، ایک وحدتِ شخصی ہے۔ ایک ہے نوع کے اعتبار سے ایک ہونا اور ایک ہے شخص کے اعتبار سے ایک ہونا۔ اور یہاں پر جو وحدت ذکر ہوئی مِنْ جِهَةٍ وَاحِدَةٍ، یہ جو وَاحِدَةٍ میں وحدت ذکر ہو رہی ہے ایک ہونا، یہ وحدتِ شخصی مراد ہے، وحدتِ نوعی مراد نہیں۔ وحدتِ نوعی مراد نہیں، اور یہاں عَلِمْتُ اور أَعْطَيْتُ کے اندر جو دونوں مفعول ہیں، دونوں مفعول منصوب ہیں، تو ان کے اندر دونوں میں جو نصب آیا ہے وہ نوع کے اعتبار سے ایک ہی ہے، وہاں وحدتِ نوعی ہے۔ وہاں وحدتِ نوعی ہے، لیکن وحدتِ نوعی

مراد یہاں نہیں ہے، بلکہ یہاں کیا مراد ہے؟ وحدتِ شخصی ہے۔ بات بھی سمجھ میں آئی کہ نہیں؟ عَلِمْتُ کے لیے بھی کتنے مفعول چاہئیں؟ دو۔ اور دونوں منصوب ہوتے ہیں مفعول ہونے کی وجہ سے، تو دونوں میں جہتِ واحدہ ہے کیونکہ دونوں کی نوع ایک ہے۔ پہلا مفعول بھی کیوں منصوب؟ مفعول ہونے کی وجہ سے، دوسرا بھی کیوں منصوب؟ مفعول ہونے، تو جہتِ واحدہ ہے یا نہیں؟ جہتِ وحدت آگئی یا نہیں؟ دونوں میں جہت میں وحدت ہے لیکن یہ وحدتِ نوعی ہے، وحدتِ شخصی نہیں۔ نوع دونوں کی ایک ہے، شخص یا یوں کہیں چیز ایک نہیں ہے۔ ایک میں ہے مفعولِ اول ہونا، اور دوسرے میں ہے مفعولِ ثانی ہونا، تو نوع دونوں کی ایک ہے دونوں مفعول ہونے کے اعتبار سے منصوب ہیں، لیکن شخص جو ہے اس اعتبار سے دونوں ایک نہیں، ایک میں ہے مفعولِ اول ہونا دوسرے میں ہے مفعولِ ثانی ہو

نا، تو وحدتِ نوعی تو یہاں ہے لیکن وحدتِ شخصی نہیں ہے۔ اسی طرح أَعْطَيْتُ زَيْدًا دِرْهَمًا، یہ دونوں کیوں منصوب ہیں زَيْدًا اور دِرْهَمًا؟ مفعول ہونے کی وجہ سے، تو وحدت تو ہے ایک ہی چیز دونوں کو نصب دے رہی ہے، یعنی ایک ہی نوع ہے، ایک ہی نوع کی چیز نصب دے رہی ہے اور وہ ہے مفعول ہونا۔ زَيْدًا بھی مفعول اور دِرْهَمًا بھی مفعول، تو دونوں کی نوع ایک ہے، تو وحدتِ نوعی تو آگئی، لیکن بتلایا کہ نہیں وحدتِ نوعی نہیں مراد، وحدتِ شخصی ہونی چاہیے۔ دونوں کی نوع تو ایک ہے لیکن چیز الگ الگ ہے۔ زَيْدًا کے اندر نصب کس نے دیا؟ مفعولیت نے، لیکن مفعولِ اول ہونے کے اعتبار سے۔ اور دِرْهَمًا میں نصب کس نے دیا؟ مفعولیت نے، لیکن مفعولِ ثانی ہونے کے اعتبار سے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ یا یوں کہو زید ہے آخِذ اور درہم ہے مَاخُوذ، تو زید کے اندر نصب آیا آخِذ ہونے کے اعتبار سے اور دِرْهَمًا میں نصب آیا مَاخُوذ ہونے کے اعتبار سے۔ تو وحدتِ نوعی تو موجود ہے یہاں پر، لیکن وحدتِ نوعی ہم نے جو کہا مِنْ جِهَةٍ وَاحِدَةٍ، ایک ہی جہت سے وہ اعراب آنا چاہیے، اس سے وحدتِ نوعی مراد نہیں ہے بلکہ کیا مراد ہے؟ وحدتِ شخصی، اور وحدتِ شخصی تو یہاں نہیں ہے ان دونوں مفعولوں میں، ایک میں مفعولِ اول ہونا ہے دوسرے میں مفعولِ ثانی۔ تو لہٰذا یہ بھی تعریف سے نکل گئے۔ اگر وحدتِ نوعی مراد لو گے پھر یہ داخل ہو جائیں گے، عَلِمْتُ اور أَعْطَيْتُ کا مفعولِ ثانی داخل ہو جائے گا کیونکہ دونوں میں سابق اور لاحق کے اندر جہت ایک ہی ہے نوع کے اعتبار سے۔ دونوں کی نوع ایک ہے، لیکن وحدتِ شخصی نہیں، اور ہماری کیا مراد ہے؟ نوع ایک ہونی چاہیے دونوں میں اعراب کی جہت کی یا شخص ایک ہونا چاہیے؟ شخص ایک، یعنی ایک ہی چیز ہونی چاہیے۔ تو لہٰذا اسی لیے صاحبِ جامی نے شَخْصِيَّةٍ کی قید لگائی۔ بات سمجھ میں آگئی؟

تو کہتے ہیں: مِنْ جِهَةٍ وَاحِدَةٍ شَخْصِيَّةٍ، کہ وہ دونوں اعراب پیدا ہوئے ہوں جہتِ واحدہ شخصیہ سے۔ مِثْلُ جَاءَنِي زَيْدٌ الْعَالِمُ، جیسے جَاءَنِي زَيْدُ الْعَالِمُ۔ اب دیکھو ذرا اسی مثال پہ نظر رکھنا: جَاءَنِي زَيْدُ الْعَالِمُ، زَيْدٌ موصوف ہے اور الْعَالِمُ صفت ہے۔ توجہ ہے؟ اب وہ ساری تعریف اس پر لاگو کریں گے دیکھنا آگے صاحبِ جامی بھی لیکن پہلے آپ اس کو سمجھ لیں: جَاءَنِي زَيْدُ الْعَالِمُ، ذرا اس جملے پہ نظر رکھیں۔ اس میں دیکھو یہ الْعَالِمُ یہ دوسرے درجے میں ہے کس کی طرف نظر کرتے

ہوئے؟ زید کی طرف نظر کرتے ہوئے۔ تعریف کیا تھی؟ كُلُّ ثَانٍ ہر وہ اسم جو دوسرے درجے میں آئے، تو جَاءَنِي زَيْدٌ الْعَالِمُ، زید جو موصوف ہے وہ پہلے درجے میں اور الْعَالِمُ کیا ہے؟ دوسرے درجے میں۔ اور نیز کیا کہا تھا؟ بِإِعْرَابِ سَابِقِهِ، اور کہ دونوں کی جنسِ اعراب ایک ہونی چاہیے، تو زَيْدٌ پر رفع ہے تو دیکھو الْعَالِمُ پر بھی رفع ہے، تو جنسِ اعراب میں بھی دونوں ایک جیسے ہیں۔ اور تیسری بات یہ کی تھی کہ مِنْ جِهَةٍ وَاحِدَةٍ، کہ دونوں پر اعراب ایک ہی جہت سے آنا چاہیے۔ تو دیکھو یہاں زید پر رفع کیوں آیا؟ فاعل ہونے کی وجہ سے۔ تو فاعلیت، فاعلیت کا معنی فاعل ہونا، تو فاعلیت نے تقاضا کیا زید کے اندر رفع کا، اسی فاعلیت نے الْعَالِمُ کے اندر بھی رفع کا تقاضا کیا کہ یہ کیا ہے؟ کہ یہ زید کی صفت ہے۔ یعنی متکلم نے جَاءَنِي کی نسبت صرف مطلق زید کی طرف نہیں کی، بلکہ زَيْدٌ الْعَالِمُ پورے مجموعے کی طرف اس نے کیا کی ہے؟ نسبت کی ہے، تو سارے پر رفع آئے گا، زید پر بھی رفع اور الْعَالِمُ پر بھی رفع۔ بات سمجھ میں آگئی؟

تو کہتے ہیں: مِثْلُ جَاءَنِي زَيْدٌ الْعَالِمُ، فَإِنَّ الْعَالِمَ إِذَا لُوحِظَ مَعَ زَيْدٍ اس لیے کیونکہ الْعَالِمُ کا لفظ جو ہے جب اس کو ملاحظہ کیا جائے زید کے ساتھ، كَانَ فِي الرُّتْبَةِ الثَّانِيَةِ مِنْهُ، تو یہ دوسرے درجے میں ہے مِنْهُ اس زید کے مقابلے میں، وَإِعْرَابُهُ مِنْ جِنْسِ إِعْرَابِهِ، اور یہ الْعَالِمُ کا جو اعراب ہے یہ جو زید ہے اسی کی جنسِ اعراب میں سے ہے یعنی دونوں کی جنسِ اعراب ایک ہے، وَهُوَ الرَّفْعُ، اور وہ رفع ہے، دونوں پر رفع آرہا ہے، وَالرَّفْعُ فِي كُلٍّ مِنْهُمَا نَاشِئٌ مِنْ جِهَةٍ وَاحِدَةٍ شَخْصِيَّةٍ، اور رفع جو ہے ان دونوں میں سے ہر ایک کے اندر پیدا ہوا ہے ایک ہی جہتِ شخصیہ سے، هِيَ فَاعِلِيَّةُ زَيْدٍ الْعَالِمِ، اور یہ زَيْدٌ الْعَالِمُ کا فاعل ہونا ہے، یہ سارے کا فاعل ہونا ہے۔ لِأَنَّ الْمَجِيءَ الْمَنْسُوبَ إِلَى زَيْدٍ فِي قَصْدِ الْمُتَكَلِّمِ، اس لیے کیونکہ وہ مجیئت جس کی نسبت کی گئی ہے زید کی طرف فِي قَصْدِ الْمُتَكَلِّمِ متکلم کے ارادے میں، مَنْسُوبٌ إِلَيْهِ تو وہ مجیئت منسوب ہے زید کی طرف مَعَ تَابِعِهِ ساتھ اس کے تابع یعنی الْعَالِمُ کے لَا إِلَيْهِ مُطْلَقًا، مطلقاً زید کی طرف نہیں۔ وہ جملے پہ نظر رکھیں: جَاءَنِي زَيْدٌ الْعَالِمُ، کسی کہنے والے نے یہ جملہ کہا جَاءَنِي زَيْدٌ الْعَالِمُ، اس نے جَاءَ کی نسبت مطلق زید کی طرف نہیں کی بلکہ زَيْدٌ الْعَالِمُ اس سارے مجموعے کی طرف کی ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ یہ معنی ہے پھر ترجمہ دیکھیے: لِأَنَّ الْمَجِيءَ الْمَنْسُوبَ إِلَى زَيْدٍ، اس لیے کیونکہ وہ مجیئت جس کی نسبت کی گئی ہے زید کی طرف فِي قَصْدِ الْمُتَكَلِّمِ متکلم کے ارادے میں، مَنْسُوبٌ إِلَيْهِ یہ مجیئت منسوب ہے زید کی طرف مَعَ تَابِعِهِ ساتھ اس کے تابع یعنی الْعَالِمُ کے لَا إِلَيْهِ مُطْلَقًا مطلقاً زید کی طرف یہ مجیئت منسوب نہیں ہے۔

فَقَوْلُهُ كُلُّ ثَانٍ، تو ماتن کا قول جو آیا كُلُّ ثَانٍ، يَشْمَلُ التَّوَابِعَ... میں نے فوائدِ قیود ذکر کیے تھے، كُلُّ ثَانٍ سے ہر وہ اسم آگیا جو دوسرے درجے میں ہوتا ہے۔ بتدا کی خبر بھی آگئی، إِنَّ اور كَانَ کی خبر بھی آگئی، اور اسی طرح توابع بھی آگئے وہ بھی دوسرے درجے میں ہوتے ہیں، اور اسی طرح أَعْطَيْتُ کا مفعولِ ثانی بھی آگیا اور ظَنَنْتُ کا مفعولِ ثانی بھی آگیا وہ سب داخل ہو گئے، تو وہی ذکر کر رہے ہیں۔ تو کہتے ہیں: فَقَوْلُهُ كُلُّ ثَانٍ تو ماتن کا قول كُلُّ ثَانٍ جو ہے يَشْمَلُ التَّوَابِعَ یہ توابع کو بھی شامل ہے، وَخَبَرَ الْمُبْتَدَإِ اور بتدا کی خبر کو بھی شامل ہے، وَخَبَرَيْ كَانَ وَإِنَّ وَأَخَوَاتِهِمَا، وَخَبَرَيْ یہ اصل میں کیا تھا؟ خَبَرَيْنِ،

تثنیہ ہے نون اضافت سے گر گیا، وَخَبَرَيْ كَانَ وَإِنَّ وَأَخَوَاتِهِمَا اور إِنَّ اور كَانَ اور ان کے جو اخوات ہیں ان دونوں کی خبریں ان پر بھی یہ مشتمل ہے، یہ بھی دوسرے درجے میں ہیں یہ بھی داخل ہو گئیں، وَثَانِيَ مَفْعُولَيْ ظَنَنْتُ وَأَعْطَيْتُ، اور ظَنَنْتُ اور أَعْطَيْتُ کے جو دو مفعولوں میں سے دوسرا ہے اس کو بھی یہ شامل ہے۔ وَثَانِيَ مَفْعُولَيْ ظَنَنْتُ وَأَعْطَيْتُ، مَفْعُولَيْ اصل میں کیا ہے؟ مَفْعُولَيْنِ تثنیہ ہے نون اضافت سے گر گیا، ترجمہ آخر سے ہو گا: وَثَانِيَ مَفْعُولَيْ ظَنَنْتُ وَأَعْطَيْتُ، اور أَعْطَيْتُ اور ظَنَنْتُ کے دو مفعولوں میں سے جو دوسرا ہے اس کو بھی یہ شامل ہے۔ بات سمجھ میں آ گئی؟

اب دیکھو ہر ایک کو نکالتے جائیں گے: وَقَوْلُهُ بِإِعْرَابِ سَابِقِهِ، اور ماتن کا قول بِإِعْرَابِ سَابِقِهِ يُخْرِجُ الْكُلَّ ان سب کو نکال دیتا ہے إِلَّا خَبَرَ الْمُبْتَدَإِ وَثَانِيَ مَفْعُولَيْ ظَنَنْتُ وَأَعْطَيْتُ، سوائے مبتدا کی خبر کے اور ظَنَنْتُ اور أَعْطَيْتُ کے دو مفعولوں میں سے جو دوسرا ہے۔ یعنی إِنَّ اور كَانَ کی خبر نکل گئی، إِنَّ اور كَانَ کی خبر نکل گئی، باقی کیا رہ گیا؟ توابع بھی رہ گئے کیونکہ انہی کی تو تعریف ہو رہی ہے، اور خبر بھی رہ گئی مبتدا کی، اور ظَنَنْتُ اور أَعْطَيْتُ کے دو مفعول بھی رہ گئے۔

آگے دیکھیے: وَقَوْلُهُ مِنْ جِهَةٍ وَاحِدَةٍ، اور ماتن کا قول مِنْ جِهَةٍ وَاحِدَةٍ جو ہے يُخْرِجُ هَذِهِ الْأَشْيَاءَ وہ ان چیزوں کو بھی نکال دیتا ہے، مبتدا کی خبر کو بھی نکال دے گا اور أَعْطَيْتُ اور ظَنَنْتُ کے مفعولِ ثانی کو بھی نکال دے گا۔ تو کہتے ہیں: وَقَوْلُهُ مِنْ جِهَةٍ وَاحِدَةٍ يُخْرِجُ هَذِهِ الْأَشْيَاءَ، اور ماتن کا قول مِنْ جِهَةٍ وَاحِدَةٍ یہ ان چیزوں کو نکال دیتا ہے، لِأَنَّ الْعَامِلَ فِي الْمُبْتَدَإِ وَالْخَبَرِ، جی اب مبتدا اور خبر کو بیان کریں گے کہ خبر کس طرح نکلی۔ مبتدا بھی مرفوع ہوتا ہے خبر بھی مرفوع، مبتدا کے اندر بھی عامل ابتدا ہے، ابتدا کسے کہتے ہیں؟ اسم کا خالی ہونا عواملِ لفظیہ سے اسناد کے لیے، اور خبر کے اندر بھی ابتدا عامل ہے یعنی یہ بھی اسم ہے جس کو خالی کیا گیا ہے عواملِ لفظیہ سے اسناد کے لیے۔ تو مبتدا اور خبر دونوں میں عامل ابتدا، لیکن دونوں ابتداؤں میں فرق ہے۔ مبتدا کے اندر عامل ابتدا ہے اس حیثیت سے کہ یہ مسند الیہ ہے، اور خبر کے اندر ابتدا عامل ہے اس حیثیت سے کہ یہ مسندبہ ہے۔ تو دونوں کو خالی کس لیے کیا گیا؟ اسناد کے لیے، اور اسناد کے لیے ہمیشہ کیا چاہیے؟ ایک مسند الیہ اور ایک مسندبہ، اس کے بغیر تو اسناد ہو ہی نہیں سکتا۔ تو اسناد کے لیے خالی کیا ہے لیکن ایک کو مسند الیہ بنانا ہے اور ایک کو مسندبہ بنانا ہے، تو لہٰذا دونوں میں اعراب کی جہت ایک نہیں بھئی۔

تو کہتے ہیں: لِأَنَّ الْعَامِلَ فِي الْمُبْتَدَإِ وَالْخَبَرِ، اس لیے کیونکہ وہ جو عامل ہے مبتدا اور خبر میں، وَإِنْ كَانَ هُوَ الِابْتِدَاءُ اگرچہ وہ ابتدا ہے، أَعْنِي التَّجَرُّدَ عَنِ الْعَوَامِلِ اللَّفْظِيَّةِ لِلْإِسْنَادِ، یعنی خالی ہونا عواملِ لفظیہ سے لِلْإِسْنَادِ اسناد کے لیے۔ کسی اسم کا عواملِ لفظیہ سے خالی ہونا اسناد کے لیے۔ لَكِنَّ هَذَا الْمَعْنَى مِنْ حَيْثُ إِنَّهُ يَقْتَضِي مُسْنَدًا إِلَيْهِ، لیکن یہ والا معنی، یہ والا معنی کون سا معنی؟ یہ اسم کا خالی ہونا عواملِ لفظیہ سے اسناد کے لیے، یہ والا جو معنی ہے مِنْ حَيْثُ إِنَّهُ يَقْتَضِي مُسْنَدًا إِلَيْهِ اس حیثیت سے کہ یہ ایک مسند الیہ کا تقاضا کرتا ہے، اس حیثیت سے صَارَ عَامِلًا فِي الْمُبْتَدَإِ یہ مبتدا میں عامل ہو گیا۔ یہ والا معنی کون سا؟ عواملِ لفظیہ سے خالی ہونا اسناد کے لیے، یہ والا معنی اس حیثیت سے کہ یہ کس کا تقاضا کر رہا ہے؟ مسند الیہ

کا، اس حیثیت سے یہ عامل ہوا کس میں؟ بتدا میں۔ یہ معنی ہے: لَكِنَّ هَذَا الْمَعْنَى مِنْ حَيْثُ إِنَّهُ يَقْتَضِي مُسْنَدًا إِلَيْهِ، لیکن یہ والا معنی یعنی عوامل لفظیہ سے خالی ہونا اسناد کے لیے یہ والا معنی اس حیثیت سے کہ یہ مسند الیہ کا تقاضا کر رہا ہے، صَارَ عَامِلًا فِي الْمُبْتَدَإِ یہ عامل ہو گیا بتدا میں، وَمِنْ حَيْثُ إِنَّهُ يَقْتَضِي مُسْنَدًا اور یہی معنی اس حیثیت سے کہ یہ مسند کا تقاضا کر رہا ہے صَارَ عَامِلًا فِي الْخَبَرِ یہ عامل ہو گیا خبر میں۔ فَلَيْسَ ارْتِفَاعُهُمَا مِنْ جِهَةٍ وَاحِدَةٍ، تو بتدا اور خبر دونوں کا مرفوع ہونا ایک جہت سے نہیں ہے، ایک میں مرفوع ہونا ہے مسند الیہ ہونے کی وجہ سے اور دوسرے میں مسندبہ ہونے کی وجہ سے۔

وَكَذَا ظَنَنْتُ مِنْ حَيْثُ إِنَّهُ يَقْتَضِي مَظْنُونًا فِيهِ وَمَظْنُونًا، اور اسی طرح ظَنَنْتُ جو ہے اس حیثیت سے کہ یہ تقاضا کرتا ہے مظنون فیہ کا بھی اور مظنون کا بھی۔ مظنون فیہ: ظَنَنْتُ زَيْدًا عَالِمًا، میں نے گمان کیا زید کے بارے میں کہ وہ عالم ہے، تو کس کے بارے میں گمان کیا؟ زید کے بارے میں، وہ ہے مظنون فیہ جس کے بارے میں گمان کیا گیا۔ اور کیا گمان کیا؟ کہ عالم ہے، تو عالم یہ مفعولِ ثانی یہ مظنون ہے جو گمان کیا گیا۔ تو دیکھو ایک میں نصب آیا مظنون فیہ ہونے کے اعتبار سے اور دوسرے میں نصب آیا مظنون ہونے کے اعتبار سے۔ تو کہتے ہیں: وَكَذَا ظَنَنْتُ مِنْ حَيْثُ إِنَّهُ يَقْتَضِي مَظْنُونًا فِيهِ وَمَظْنُونًا، اور اسی طرح ظَنَنْتُ جو ہے اس حیثیت سے کہ یہ مظنون فیہ اور مظنون کا تقاضا کرتا ہے، عَمِلَ فِي مَفْعُولَيْهِ اس حیثیت سے اس نے عمل کیا اپنے دو مفعولوں میں، فَلَيْسَ انْتِصَابُهُمَا مِنْ جِهَةٍ وَاحِدَةٍ تو دونوں کا منصوب ہونا ایک جہت سے نہیں ہے، ایک مظنون فیہ ہونے کے اعتبار سے ہے اور دوسرا مظنون ہونے کے اعتبار سے۔

وَكَذَلِكَ أَعْطَيْتُ مِنْ حَيْثُ إِنَّهُ يَقْتَضِي آخِذًا وَمَأْخُوذًا، جی أَعْطَيْتُ زَيْدًا دِرْهَمًا، میں نے زید کو درہم دیا، تو جب میں نے زید کو درہم دیا تو زید ہوا آخِذ درہم لینے والا، اور کیا چیز اس نے لی؟ درہم، تو درہم کیا ہوئی؟ مَأْخُوذ۔ تو زَيْدًا بھی منصوب اور دِرْهَمًا بھی منصوب، لیکن زید منصوب ہے آخِذ ہونے کے اعتبار سے کہ اس نے درہم لیا ہے، اور دِرْهَمًا منصوب ہے مَأْخُوذ ہونے کے اعتبار سے، تو دونوں میں، دونوں میں نصب کا مقتضی ایک نہیں ہے بھئی۔ تو کہتے ہیں: وَكَذَلِكَ أَعْطَيْتُ، اور اسی طرح أَعْطَيْتُ جو ہے مِنْ حَيْثُ إِنَّهُ يَقْتَضِي آخِذًا وَمَأْخُوذًا اس حیثیت سے کہ یہ آخِذ اور مَأْخُوذ کا تقاضا کرتا ہے، عَمِلَ فِي مَفْعُولَيْهِ اس حیثیت سے اس نے اپنے دونوں مفعولوں میں عمل کیا، فَلَيْسَ انْتِصَابُهُمَا مِنْ جِهَةٍ وَاحِدَةٍ تو ان دونوں کا منصوب ہونا ایک جہت سے نہیں ہے۔ چلیے بس کریں، یہاں تک بات سمجھ میں آگئی اچھی طرح؟ چلیے بس بھئی، هَذَا هُوَ الْمَرَامُ، وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْكَلَامِ۔

سبق نمبر ۱۹۸: التوابع (۲): تعریفِ تابع میں اعرابِ لاحق و سابق کا اعتبار

شرحِ ملا جامی صفحہ: ۱۷۸ — بتاریخ: ۲۵ ستمبر ۲۰۲۲ء

▪ تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث

آگے سبق دیکھیے بھئی۔ وَاعْلَمْ أَنَّ الْإِعْرَابَ الْمُعْتَبَرَ فِي هٰذَا التَّعْرِيفِ بِالنِّسْبَةِ إِلَى اللَّاحِقِ وَالسَّابِقِ أَعَمُّ مِنْ أَنْ يَكُونَ لَفْظِيًّا أَوْ تَقْدِيرِيًّا أَوْ مَحَلِّيًّا، حَقِيقَةً أَوْ حُكْمًا. فَلَا يَرِدُ نَحْوُ: جَاءَنِي هٰؤُلَاءِ الرِّجَالُ، وَيَا زَيْدُ الْعَاقِلُ، وَلَا رَجُلَ ظَرِيفًا.

بھئی گزشتہ سبق میں ہم نے توابع کے بارے میں پڑھنا شروع کیا تھا۔ صاحبِ جامی نے آپ کو بتلایا کہ توابع یہ تَابِعَةٌ کی جمع نہیں ہے بلکہ تَابِعٌ کی جمع ہے، اس لیے کیونکہ اس کا موصوف اسم جو ہے وہ مذکر ہے، تو اس کی صفت تَابِعٌ آئے گی تَابِعَةٌ نہیں۔ پھر اشکال ہوتا تھا کہ اگر یہ تَابِعٌ کی جمع ہے تو تَابِعٌ یہ تو تَابِعٌ فَاعِلٌ وزن پر ہے، اور یہ صفت ہے۔ یہ کیا ہے؟ صفت ہے، اسمِ فاعل ہے، اور اسمِ فاعل صفت بنتی ہے کسی ذات کی۔ تو یہ فاعلِ وصفی ہے، اور فاعلِ وصفی کی جمع فَوَاعِل وزن پر نہیں آتی بلکہ وہ تو فَاعِلَات وزن پر آتی ہے، جب کہ تَابِعَةٌ کی جمع جو ہے وہ تَوَابِع آتی ہے۔ تو اس کا جواب بھی دیا تھا صاحبِ جامی نے کہ یہ جمع تو تَابِعٌ کی ہے، لیکن یہ تَابِعٌ وصفی نہیں ہے بلکہ اسمی ہے۔ اس کو نقل کر لیا گیا ہے وصفیت سے اسمیت کی طرف۔ تو تَابِعٌ کا معنی ہے پیچھے آنے والا، کسی ایک چیز کے، کسی ایک لفظ کے پیچھے آنے والا لفظ۔ لیکن یہاں پر یہ اس معنی میں نہیں ہے بلکہ وہ جو پانچ چیزیں ہیں جن کو نحو میں توابع کہا جاتا ہے یہ ان کا نام بن گیا ہے، یہ ان کا اسم بن گیا ہے۔

یہ اسی طرح ہے جیسے میں نے مثال ذکر کی تھی أَسْوَد بھئی۔ أَسْوَد عربی زبان میں ہر کالی چیز کو کہتے ہیں، لیکن آہستہ آہستہ یہ أَسْوَد ایک کالے رنگ کے سانپ کا نام بن گیا۔ تو اب أَسْوَد کہیں تو اب اس کا معنی کالی چیز نہیں بلکہ کالا سانپ ہوتا ہے۔ تو دیکھو یہ اس کے لیے اسم بن گیا۔ یا اسی طرح ہے جیسے ضَارِبٌ بھئی۔ ضَارِبٌ کا معنی تو ہے پٹائی کرنے والا، کوئی بھی شخص دوسرے کی پٹائی کرے وہ ضَارِبٌ ہے، تو یہ فاعلِ وصفی ہے۔ لیکن مثلاً چار پانچ افراد ہیں، وہ ہر ایک کی پٹائی کرتے رہتے ہیں، تو آپ نے ان میں سے ہر ایک کا نام ہی ضَارِبٌ رکھ دیا۔ کیا رکھ دیا؟ ضَارِبٌ۔ اب جب آپ مثلاً ضَارِبٌ بولتے ہیں یا آپ کے ساتھی ضَارِبٌ بولتے ہیں، تو اس سے ہر پٹائی کرنے والا مراد نہیں ہوتا، وہ چار پانچ میں سے کوئی ایک مراد

ہوتا ہے۔ تو اب دیکھو ضَارِبٌ کس وزن پر ہے؟ فَاعِلٌ۔ اب یہ فاعلِ وصفی نہیں ہے بلکہ کیا بن گیا؟ فاعلِ اسمی، یعنی یہ فاعل اسم بن چکا ہے۔ تو یہاں پر بھی اسی طرح نحو کے اندر جو وہ پانچ چیزیں ہیں جو میں نے ذکر کی تھیں: صفت ہے، بدل ہے، تاکید ہے، معطوف بحرف ہے اور عطفِ بیان۔ یہ پانچ چیزیں جو ہیں یہ نحو کے اندر تابع کہلاتی ہیں۔ تو جب نحو میں مطلقاً تابع ذکر کر دیا جائے تو اب اس کا معنی پیچھے آنے والا نہیں بلکہ ان پانچ میں سے کوئی ایک مراد ہوتا ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟

تو یہ فاعلِ اسمی ہے، اور فاعلِ اسمی کی جمع فَوَاعِل وزن پر آتی ہے۔ جیسے اس کی مثال بھی انھوں نے ذکر کی کہ کَاهِلٌ۔ کَاهِلٌ کندھے کو کہتے ہیں، اور اس کی جمع کَوَاهِلُ آتی ہے۔ تو کَاهِلٌ کندھے کا اسم ہے، کندھے کا نام ہے، اور اس کی جمع دیکھو فَوَاعِل وزن پر آرہی ہے۔ پھر یاد رکھنا، ایک ہے تابعِ اسمی، فاعلِ اسمی، اس کی جمع بھی تَوَابِعُ، اور کَاهِلٌ کی جمع بھی کَوَاهِلُ۔ لیکن یاد رکھو تَابِعٌ اور کَاهِلٌ میں یہ فرق ہے کہ تَابِعٌ اصل میں وصف تھا پھر بعد میں کیا بنا؟ اسم۔ جب کہ کَاهِلٌ یہ شروع سے ہی اسم ہے، یہ پہلے وصف نہیں تھا۔ تو یہ کیا ہے؟ فاعلِ اسمی ہے اور اس کی جمع کَوَاهِلُ آتی ہے۔

اور پھر اس کے بعد اعتراض ہوتا تھا کہ یہ جو تعریف انھوں نے کی کہ تابع ہر وہ دوسرا ہے جو اپنے سے ماقبل کے اعراب کے ساتھ ہو، تو اس سے پتہ چلا کہ تابع اور متبوع دونوں معرب ہوں گے۔ تو اس سے تو وہ حروف کی تاکید آتی ہے یا فعلِ ماضی کی تاکید آتی ہے وہ تو نکل گئے۔ جیسے آپ کہتے ہیں إِنَّ زَيْدًا قَائِمٌ، تو کبھی کبھار ایک لفظ کی تاکید کے لیے اسی لفظ کو دوبارہ ذکر کر دیتے ہیں۔ تو اب آپ إِنَّ کو دو دفعہ لے آتے ہیں: إِنَّ إِنَّ زَيْدًا قَائِمٌ۔ یہ جو إِنَّ ثانی لائے یہ پہلے کے لیے تاکید ہے۔ یاد رکھنا یہ جب ایک لفظ کو دوبارہ لایا جائے تو وہ پہلے کے لیے تاکید ہوتا ہے، تو یہ جو إِنَّ ثانی آپ لائے یہ پہلے إِنَّ کے لیے تاکید ہے۔ اسی طرح ضَرَبَ مثلاً فعل ہے، ضَرَبَ زَيْدٌ آپ کہنا چاہتے ہیں لیکن آپ فعل دو دفعہ لے آتے ہیں: ضَرَبَ ضَرَبَ زَيْدٌ۔ تو یہ جو دوسرا ضَرَبَ ہے یہ پہلے ضَرَبَ کی تاکید ہے۔ لیکن آپ کی یہ تعریف ان دونوں کو شامل نہیں۔ کیونکہ آپ نے تابع کی کیا تعریف کی؟ ہر وہ دوسرا ہے جو پہلے کے اعراب کے ساتھ ہو۔ اس سے معلوم ہوا پہلے پر بھی اعراب آئے گا اور دوسرے پر بھی وہی، اسی جیسا اعراب آئے گا۔ لیکن یہاں تو إِنَّ إِنَّ، یہ پہلا بھی حرف دوسرا بھی حرف ہے، اور حروف تو مبنی الاصل ہیں۔ تو یہاں نہ پہلے میں اعراب کا تصور کیا جا سکتا ہے اور نہ دوسرے میں۔ اسی طرح ضَرَبَ ضَرَبَ یہ تو فعلِ ماضی ہے، تو نہ یہاں پہلے کے اندر اعراب کا تصور کیا جا سکتا ہے اور نہ دوسرے میں، کیونکہ حروف بھی مبنی الاصل ہیں اور فعلِ ماضی بھی مبنی الاصل ہے۔ میں نے آپ کو بتایا تھا کہ مبنی الاصل تین چیزیں ہیں: تمام حروف، اور فعلِ ماضی، اور فعلِ امر حاضر۔ یہ تین مبنی الاصل ہیں۔ اسم مبنی الاصل نہیں۔ اسم کے اندر بھی بہت سے مبنی آتے ہیں جیسے اسمائے اشارہ ہیں، اسمائے موصولہ ہیں، ضمیریں وغیرہ، لیکن وہ سب یہ مبنی الاصل کے مشابہ ہونے کی وجہ سے وہ مبنی بنتے ہیں۔ خود اسم فِي ذَاتِهِ مبنی الاصل نہیں ہے بھئی۔

تو اعتراض ہوتا تھا کہ یہ إِنَّ إِنَّ اور ضَرَبَ ضَرَبَ جیسی مثالیں تو آپ کی تعریف سے خارج ہو گئیں۔ تو اس کا جواب

دیا صاحبِ جامی نے کہ بھئی یہاں جو توابع ذکر ہوئے وہ ان مرفوعات، منصوبات اور مجرورات کے توابع ہیں جو اسم ہیں۔ یہاں کیا ذکر ہوئے؟ مرفوعات، منصوبات اور مجرورات، ان کے توابع کی بات ہو رہی ہے۔ اور یہ مرفوعات، منصوبات اور مجرورات یہ تو اسم ہیں۔ تو یہ معلوم ہوا اسم کے توابع مراد ہیں، حروف یا فعل کے توابع مراد نہیں۔ لہٰذا اگر یہ تعریف سے نکل جائیں تو کوئی حرج نہیں۔

اور پھر اس کے بعد تعریف شروع کی تھی توابع کی کہ تابع جو ہے کُلُّ ثَانٍ ہر وہ دوسرا ہے۔ اور دوسرے سے میں نے بتایا دوسرے نمبر پر آنے والا نہیں ہے بلکہ دوسرے درجے میں مراد ہے، اس لیے کیونکہ بعض اوقات ایک ہی لفظ کے کئی تابع آ جاتے ہیں۔ مثلاً میں کہتا ہوں جَاءَنِي رَجُلٌ عَالِمٌ فَاضِلٌ شَرِيفٌ۔ تو اس کے اندر دیکھو رَجُلٌ یہ جو موصوف ہے، متبوع ہے، یہ پہلے نمبر پر، اور عَالِمٌ یہ ہے دوسرے نمبر پر۔ جب کہ فَاضِلٌ اور شَرِيفٌ وہ تو تیسرے اور چوتھے نمبر پر چلے گئے۔ تو اگر ثَانٍ سے دوسرے نمبر والا مراد لیں تو پھر یہ آگے والی صفات تو تعریف سے خارج ہو گئیں، حالانکہ یہ بھی بالاتفاق توابع میں سے ہیں۔ تو جواب دیا تھا صاحبِ جامی نے کہ دوسرے سے مراد دوسرے درجے والا ہے، یعنی متبوع کی طرف نسبت کرتے ہوئے وہ متاخر ہو، اس کے بعد آئے۔ اور متبوع کی طرف نسبت کرتے ہوئے دیکھنا ہے، آپس میں ایک دوسرے کی طرف نہیں دیکھنا۔ صفتیں تین، چار یا پانچ آ رہی ہیں، تو ایک دوسرے کے اعتبار سے ہو سکتا ہے وہ تیسرے، چوتھے اور پانچویں نمبر پر ہوں، لیکن ایک دوسرے کی طرف نظر نہیں کرنی، بلکہ جس کی صفت ہے اس کی طرف نظر کرنی ہے۔ تو موصوف ہو گا پہلے نمبر پر، اور آگے جو بھی صفت آئے گی وہ موصوف کی طرف نظر کرتے ہوئے دوسرے درجے میں ہے۔

اور پھر بتلایا تھا کہ اعراب بھی وہی ماقبل والا اعراب آئے گا۔ اس پر اشکال ہوتا تھا کہ ماقبل والا اعراب تو ماقبل والے لفظ کی صفت ہے۔ جَاءَنِي رَجُلٌ عَالِمٌ، میرے پاس ایسا آدمی آیا جو عالم ہے۔ تو یہ رَجُلٌ پر رفع ہے، تو اسی طرح عَالِمٌ جو اس کی صفت ہے وہ بھی مرفوع ہے۔ اور آپ نے کیا کہا؟ کُلُّ ثَانٍ ہر دوسرے درجے والا، تو رَجُلٌ عَالِمٌ، یہ عَالِمٌ بھی کیا ہے؟ دوسرے درجے والا ہے موصوف کی طرف نظر کرتے ہوئے۔ اور آپ نے کیا کہا یہ ماقبل کے اعراب کے ساتھ ہو گا۔ معلوم ہوا ماقبل کا اعراب اس کی طرف منتقل ہو جائے گا اور اس کے اوپر آ جائے گا۔ ماقبل کے اعراب کے ساتھ تو اسی طرح ہو سکتا ہے نا کہ وہی ماقبل کا اعراب اس کے اوپر آ جائے۔ تو صاحبِ جامی نے بتلایا تھا کہ ماقبل کے اعراب کے ساتھ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ جو ثانی ہے اس کا اعراب ماقبل کے اعراب کی جنس میں سے ہو۔ یعنی دونوں اعرابوں کی جنس ایک ہو۔ پہلے پر رفع تو دوسرے پر بھی رفع، پہلے پر نصب تو دوسرے پر بھی نصب، اور پہلے پر جر تو دوسرے پر بھی جر ہو، بس جنس وہ ہونی چاہیے۔ اس کا یہ معنی نہیں ہے کہ پہلے کا اعراب اس کی طرف منتقل ہو گا، کیونکہ وہ اعراب تو منتقل نہیں ہو سکتا وہ تو پہلے کی صفت ہے بھئی۔ تو دوسرے کا اعراب پہلے کے اعراب کی جنس میں سے ہو گا۔

اور پھر بتلایا تھا کہ یہ دونوں اعراب جہتِ واحدہ سے پیدا ہونے چاہییں۔ دونوں میں اعراب کی جہت ایک ہو۔ یعنی جس چیز نے موصوف یا متبوع کے اندر اعراب کا تقاضا کیا ہے، وہی چیز تابع کے اندر بھی اعراب کا تقاضا کرے۔ مثلاً میں

کہتا ہوں جَاءَنِي زَيْدٌ الْعَالِمُ، آیا میرے پاس وہ زید جو عالم ہے۔ تو یہاں زید کے اندر رفع کا تقاضا اس کے فاعل ہونے نے کیا، کہ یہ فاعل ہے اور فاعل پر کیا آتا ہے؟ رفع۔ اور اسی فاعلیت نے تقاضا کیا کہ الْعَالِمُ پر بھی رفع آنا چاہیے کیونکہ یہ اس فاعل کی صفت ہے۔ تو متکلم نے جب کہا جَاءَنِي زَيْدٌ الْعَالِمُ تو اس نے جَاءَ کی نسبت مطلق زید کی طرف نہیں کی، بلکہ زَيْدٌ الْعَالِمُ پورے مجموعے کی طرف نسبت کی۔ تو لہٰذا دیکھو جو فاعلیت زید کے اندر رفع کا تقاضا کر رہی تھی وہی فاعلیت الْعَالِمُ کے اندر بھی رفع کا تقاضا کر رہی ہے۔ تو دونوں میں اعراب دیکھو جہتِ واحدہ سے آیا۔

اور میں نے فوائدِ قیود بھی ذکر کیے تھے کہ جب كُلُّ ثَانٍ کہا، ہر دوسرے درجے والا، تو اس میں ہر وہ اسم آگیا جو دوسرے درجے میں آتا ہے۔ مبتدا کی خبر بھی اس میں آگئی، كَانَ اور إِنَّ کی خبر بھی آگئی، اور نیز عَلِمْتُ اور أَعْطَيْتُ کے مفعولِ ثانی بھی اس کے اندر آگئے کیونکہ وہ مفعولِ اول کی طرف نسبت کرتے ہوئے دوسرے درجے میں ہیں۔ اور نیز اسی طرح توابع بھی ان کے اندر داخل ہو گئے کیونکہ وہ بھی اپنے متبوع کی طرف نسبت کرتے ہوئے دوسرے درجے میں ہیں۔ تو یہ سب داخل ہو گئے لیکن تعریف چل رہی ہے توابع کی، باقی سب کو اب تعریف سے نکالنا ہے، تو اگلی قیدیں ان سب کو نکال رہی ہیں۔ تو چنانچہ جب کہا بِإِعْرَابِ سَابِقِهِ کہ جو ثانی ہے وہ اپنے سے ماقبل کے اعراب کے ساتھ ہو، تو كَانَ کی خبر نکل گئی کیونکہ كَانَ کی خبر کا اعراب الگ ہوتا ہے كَانَ کے اسم سے۔ اور نیز إِنَّ کی خبر بھی نکل گئی کیونکہ إِنَّ کی خبر وہ دوسرے درجے میں تو ہے لیکن اس کا اعراب إِنَّ کے اسم سے الگ ہوتا ہے۔ باقی مبتدا کی خبر ابھی بھی باقی ہے کیونکہ مبتدا بھی مرفوع خبر بھی مرفوع۔ اور اسی طرح ظَنَنْتُ اور أَعْطَيْتُ ان کے مفعولِ ثانی ابھی بھی داخل ہیں، کیونکہ جیسے مفعولِ ثانی پر نصب ہے اسی طرح مفعولِ اول پر بھی نصب ہے، تو دونوں ماقبل کے اعراب کے ساتھ ہیں۔

پھر جب آگے کہا مِنْ جِهَةٍ وَاحِدَةٍ کہ یہ دونوں اعراب ایک جہت سے آنے چاہییں۔ اور صاحبِ جامی نے ساتھ شخصیہ کی قید لگا دی، کہ یہ دونوں اعراب جہتِ واحدہ شخصیہ سے ہونے چاہییں، یعنی جہتِ واحدہ نوعیہ سے نہیں ہونے چاہییں۔ جہتِ واحدہ، ایک جہت۔ دیکھو وَاحِدٌ آیا یعنی وحدت آگئی، وحدت کا کیا معنی؟ ایک ہونا۔ معلوم ہوا اس جہت کے اندر وحدت ہونی چاہیے۔ جہت کے اندر وحدت ہونی چاہیے، یعنی دونوں میں جہت ایک ہونی چاہیے۔ جہت میں کیا ہو؟ وحدت ہو۔ لیکن میں نے بتایا کہ وحدت پھر دو قسم پر ہے: ایک وحدتِ نوعیہ ہے، ایک وحدتِ شخصیہ ہے۔ وحدتِ نوعیہ یہ ہے کہ دو چیزوں کی نوع ایک ہو، چیزیں بے شک الگ ہیں لیکن نوع کیا ہے؟ ایک ہے۔ جیسے ظَنَنْتُ کا مفعولِ اول اور مفعولِ ثانی، دونوں میں نصب کا تقاضا مفعول ہونے نے کیا، پہلا بھی مفعول دوسرا بھی مفعول، تو دونوں کی نوع ایک ہے۔ اسی طرح أَعْطَيْتُ کے اندر بھی دونوں مفعولوں کے اندر نصب کا تقاضا مفعول ہونے نے کیا، دونوں کی نوع ایک ہے۔ تو دونوں کی نوع ایک ہے لیکن شخص ایک نہیں ہے، یعنی ایک چیز نہیں ہے، چیزیں دو ہیں لیکن نوع ایک ہے۔ کیونکہ ظَنَنْتُ کے جو دو مفعول ہیں تو مفعولِ اول کے اندر نصب کا تقاضا اس کے مفعولِ اول ہونے نے کیا، اور مفعولِ ثانی کے اندر نصب

کا تقاضا اس کے مفعولِ ثانی ہونے نے کیا۔ تو دونوں کے اندر ہے تو مفعولیت، لیکن ایک میں ہے مفعولِ اول ہونا اور دوسرے میں ہے مفعولِ ثانی ہونا۔ یا یوں کہو جیسے صاحبِ جامی اس کو ذکر فرماتے ہیں کہ ظَنَنْتُ دو مفعول چاہتا ہے، مثلاً میں کہتا ہوں ظَنَنْتُ زَيْدًا عَالِمًا، میں نے گمان کیا کہ زید عالم ہے۔ تو زید جو ہے وہ مظنون فیہ ہے، یعنی اس کے بارے میں گمان کیا۔ زید کیا ہے؟ ظَنَنْتُ زَيْدًا، میں نے زید کے بارے میں گمان کیا تو زید ہوا مَظْنُونٌ فِيهِ جس کے بارے میں گمان کیا، اور کیا گمان کیا کہ وہ عالم ہے تو یہ عالم ہے مَظْنُونٌ۔ تو مفعولِ اول کے اندر نصب کس اعتبار سے آیا کہ وہ مَظْنُونٌ فِيهِ ہے، اور مفعولِ ثانی میں نصب آیا اس اعتبار سے کہ یہ مَظْنُونٌ ہے۔ اسی طرح أَعْطَيْتُ کے اندر بھی دونوں کے اندر نصب کا تقاضا مفعول ہونے نے کیا، نوع ایک ہی ہے، لیکن چیزیں الگ الگ ہیں، پہلے مفعول میں نصب کا تقاضا مفعولِ اول ہونے نے کیا اور ثانی میں نصب کا تقاضا مفعولِ ثانی نے کیا۔ اور اس کو

صاحبِ جامی نے یوں بیان کیا کہ مفعولِ اول جو ہے وہ ہے آخِذ، اور مفعولِ ثانی جو ہے مأخوذ ہے۔ کس طرح؟ مثلاً أَعْطَيْتُ زَيْدًا دِرْهَمًا، میں نے زید کو درہم دیا۔ تو جب میں نے درہم دیا تو زید درہم لینے والا ہو گیا، یعنی آخِذ ہوا۔ اور درہم جو ہے وہ مأخوذ ہے، جس کو لیا گیا ہے، یعنی جس کو زید نے لیا ہے۔ تو زید، پہلا مفعول جو ہے وہ ہے آخِذ، اور دوسرا مفعول جو ہے وہ ہے مأخوذ۔ تو دونوں میں نصب تو مفعولیت کی وجہ سے آیا ہے، لیکن یہ دونوں مفعولیتیں الگ الگ ہیں۔ نوع ان کی ایک ہے، لیکن چیزیں یا شخص الگ الگ ہے۔ ایک کے اندر نصب آیا آخِذ ہونے کے اعتبار سے، اور دوسرے میں نصب آیا مأخوذ ہونے کے اعتبار سے۔

اور نیز اسی طرح جہتِ واحدہ کی قید سے خبر بھی اس تعریف سے نکل گئی۔ اس لیے کیونکہ مبتدا بھی مرفوع خبر بھی مرفوع، اور مبتدا کے اندر بھی عامل ابتدا اور خبر کے اندر عامل بھی ابتدا۔ ابتدا کسے کہتے ہیں؟ اسم کا عوامِلِ لفظیہ سے خالی ہونا اسناد کے لیے۔ تو مبتدا بھی ایسا اسم ہے جس کو عوامِلِ لفظیہ سے خالی کیا گیا ہے اسناد کے لیے، خبر بھی ایسا اسم ہے جس کو خالی کیا گیا ہے عوامِلِ لفظیہ سے اسناد کے لیے، لیکن دونوں کے اندر اسناد عامل ہے الگ الگ اعتبار سے۔ مبتدا کے اندر ابتدا عامل ہے اس اعتبار سے کہ یہ مسند الیہ ہے۔ مبتدا ایسا اسم ہے جس کو خالی کیا گیا ہے عوامِلِ لفظیہ سے کس لیے؟ اسناد کے لیے۔ تو یہ جو معنی ہے، اس کا عوامِلِ لفظیہ سے اسناد کے لیے خالی ہونا، یہ والا معنی اس مبتدا میں عامل ہے اس حیثیت سے کہ یہ مسند الیہ ہے، اس کی طرف وہ اسناد کیا گیا ہے۔ وہ اسناد جس کی وجہ سے عوامِلِ لفظیہ سے اس کو کیا کیا گیا تھا؟ خالی کیا گیا تھا، وہ اس کے اندر عامل ہے اس اعتبار سے کہ یہ مسند الیہ ہے۔ اور خبر جو ہے اس کے اندر یہی ابتدا یعنی اس کا عوامِلِ لفظیہ سے خالی ہونا اسناد کے لیے، یہ والا معنی خبر کے اندر عامل ہے اس اعتبار سے کہ یہ مسندبہ ہے۔ تو دونوں کے اندر عامل کیا ہے؟ ابتدا۔ لیکن مبتدا کے اندر ابتدا عامل ہے مسند الیہ ہونے کے اعتبار سے، اور خبر کے اندر ابتدا عامل ہے مسندبہ ہونے کے اعتبار سے۔ تو معلوم ہوا دونوں کے اندر رفع جہتِ واحدہ سے نہیں آیا۔ آیا تو ابتدا کی وجہ سے ہے، وحدتِ نوعی تو ہے، دونوں ابتدا ہیں، نوع تو ایک ہے، لیکن وحدتِ شخصیہ نہیں ہے، اور جہتِ واحدہ سے مراد

وحدتِ شخصیہ ہے اس جہت میں بھئی، کہ اس جہت میں وحدتِ شخصیہ ہونی چاہیے جس جہت سے متبوع اور تابع دونوں میں اعراب آیا ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ اب آئیے آج کے سبق پر بھئی۔

دیکھیے بھئی، کہتے ہیں: وَاعْلَمْ أَنَّ الْإِعْرَابَ الْمُعْتَبَرَ فِي هٰذَا التَّعْرِيفِ بِالنِّسْبَةِ إِلَى اللَّاحِقِ وَالسَّابِقِ أَعَمُّ مِنْ أَنْ يَكُونَ لَفْظِيًّا أَوْ تَقْدِيرِيًّا أَوْ مَحَلِّيًّا، حَقِيقَةً أَوْ حُكْمًا، فَلَا يَرِدُ نَحْوُ: جَاءَنِي هٰؤُلَاءِ الرِّجَالُ، وَيَا زَيْدُ الْعَاقِلُ، وَلَا رَجُلَ ظَرِيفًا۔

یہاں سے صاحبِ جامی بتلا رہے ہیں کہ یہ جو انھوں نے کہا کہ ہر وہ دوسرا ہے جو ماقبل کے اعراب کے ساتھ ہو، معلوم ہوا سابق اور لاحق، وہ لفظ جو پہلے آیا یعنی جو متبوع ہے، اور وہ جو تابع ہے یعنی لاحق ہے، پیچھے آیا ہے۔ تو سابق اور لاحق کا اعراب ایک ہونا چاہیے۔ لیکن ایک ہونے کا معنی یہ نہیں کہ ایک کے اندر اعراب لفظاً ہے تو دوسرے میں بھی لفظاً ہونا چاہیے، ایک کے اندر اعراب محلاً ہے تو دوسرے میں بھی محلاً ہونا چاہیے، یا ایک کے اندر اعراب تقدیراً ہے تو ثانی کے اندر بھی اعراب تقدیراً ہونا چاہیے، یا ایک کے اندر اعراب حقیقتاً ہے تو دوسرے میں بھی حقیقتاً ہو، یا ایک کے اندر اعراب حکماً ہے تو دوسرے میں بھی حکماً ہو، ایسا نہیں ہے۔ بھئی دیکھیے آپ نے پڑھا ہے کہ اسم جو ہے اس پر اعراب آتا ہے، اور یہ اعراب کبھی لفظاً ہوتا ہے، کبھی تقدیراً ہوتا ہے اور کبھی محلاً ہوتا ہے۔ لفظاً اور تقدیراً اعراب معرب میں آتا ہے، اور محلاً اعراب مبنی میں آتا ہے۔ مثلاً جَاءَ زَيْدٌ۔ دیکھو اب زَيْدٌ پر رفع آیا، اور یہ رفع تلفظ سے ہی پتہ چل رہا ہے۔ زَيْدٌ دیکھو سنتے ہی آپ کو پتہ چل گیا میں رفع پڑھ رہا ہوں۔ زَيْدًا سنتے ہی آپ کو پتہ چل گیا کہ میں نصب پڑھ رہا ہوں۔ زَيْدٍ سنتے ہی آپ کو پتہ چل گیا کہ میں جر پڑھ رہا ہوں۔ تو بعض لفظوں پر اعراب لفظاً آتا ہے یعنی تلفظ سے ہی پتہ چل جاتا ہے۔ اور بعض معرب ایسے ہیں کہ ان پر اعراب تقدیراً آتا ہے، جیسے اسمِ مقصور ہے: جَاءَ مُوسَى، رَأَيْتُ مُوسَى، مَرَرْتُ بِمُوسَى۔ اب یہ ہے تو معرب لیکن اعراب تقدیراً ہے، کہ آپ فرض کر لیں، تَقَدَّرَ يُقَدِّرُ تَقْدِيرٌ کا کیا معنی؟ فرض کرنا، فرض کر لیں اس پر رفع آگیا ہے، فرض کر لیں نصب آگیا ہے، فرض کر لیں اس پر جر آگیا ہے۔ یا اسی طرح کوئی اسم جب مضاف ہو یائے متکلم کی طرف، علاوہ جمع مذکر سالم کے، اس کا بھی اعراب تینوں حالتوں میں تقدیری ہوتا ہے۔ جیسے جَاءَنِي غُلَامِي، یہ غُلَام کی اضافت یاء کی طرف ہو رہی ہے، تو غُلَام کا اعراب الگ ہو گا اور یاء کا اعراب الگ ہو گا، اور غُلَام جو ہے اس کی اضافت یاء کی طرف ہو رہی ہے اور یاء اپنے سے ماقبل کسرہ چاہتی ہے، تو تینوں حالتوں میں آپ اسی طرح پڑھیں گے: جَاءَنِي غُلَامِي، رَأَيْتُ غُلَامِي، مَرَرْتُ بِغُلَامِي۔ تو تینوں اعراب جو ہیں اس پر تقدیری ہیں اس غُلَام پر، رفع بھی، نصب بھی اور جر بھی۔ تو معرب میں اعراب کبھی لفظاً آتا ہے یعنی تلفظ سے پتہ چلتا ہے، اور کبھی تقدیراً آتا ہے، جب کہ مبنی کے اندر جو اعراب ہے وہ محلاً آئے گا۔ مثلاً جَاءَ هٰذَا، جَاءَ فعل ہے اور هٰذَا اس کے لیے فاعل ہے، لیکن یہ هٰذَا مبنی ہے کیونکہ یہ اسمِ اشارہ ہے، اور مبنی پر اعراب محلاً آتا ہے، تو ہم یوں کہیں گے کہ یہ هٰذَا مرفوع ہے محلاً، یعنی یہ محل رفعے والا ہے، یہ جگہ رفعے والی ہے، اگر مبنی کے بجائے کوئی معرب آتا تو اس پر رفع ظاہر ہو جاتا۔ تو معرب میں اعراب کبھی لفظاً آئے گا اور کبھی تقدیراً، اور مبنی میں اعراب جو ہے محلاً آئے گا بھئی۔

اسی طرح کبھی اعراب حقیقتاً آتا ہے اور کبھی حکماً آتا ہے۔ حقیقتاً جَاءَنِي زَيْدٌ، دیکھو زید پر حقیقتاً رفع آیا ہے، رَأَيْتُ زَيْدًا، زید پر حقیقتاً نصب آیا ہے۔ اور کبھی کبھار اعراب حکماً آتا ہے یعنی حکم لگا دیا جاتا ہے حقیقت میں نہیں۔ جیسے، جیسے دیکھو يَا زَيْدُ الْعَاقِلُ۔ اب يَا زَيْدُ، یہ منادیٰ ہے زید، اور منادیٰ مفرد معرفہ ہو تو مبنی ہوتا ہے علامتِ رفع پر۔ علامتِ رفع پر، تو يَا زَيْدُ یہ زید مبنی ہے۔ اور میں نے بتلایا تھا پتہ کیسے چلا مبنی ہے؟ کہ زید پر تنوین نہیں آرہی، حالانکہ زید پر تو تنوین آتی ہے۔ اور مانعِ تنوین دو چیزیں ہیں: الف لام اور اضافت۔ یہاں زید پر نہ الف لام داخل ہے نہ اس کے آگے کوئی مضاف الیہ آرہا ہے، تو اضافت بھی نہیں ہے الف لام بھی نہیں ہے لیکن پھر بھی اس پر تنوین نہیں آرہی، معلوم ہوا یہ مبنی بن چکا ہے۔ يَا زَيْدُ۔ اب اس کی صفت لا رہے ہیں الْعَاقِلُ، اور آپ نے پڑھا تھا منادیٰ کی بحث میں کہ اس صفت پر رفع بھی جائز ہے اور نصب بھی۔ يَا زَيْدُ الْعَاقِلُ اور يَا زَيْدُ الْعَاقِلَ دونوں طرح پڑھنا جائز ہے۔ الْعَاقِلَ کیوں پڑھتے ہیں؟ نصب کیوں پڑھتے ہیں؟ يَا زَيْدُ الْعَاقِلَ، یہ زید کے محل پر حمل کرتے ہوئے، کیونکہ زید یہ مفعول بہ ہے، کیونکہ یہ جو يَا حرفِ ندا ہے قائم مقام أَدْعُو کے ہے، تو يَا زَيْدُ کس معنی میں ہوا؟ أَدْعُو زَيْدًا۔ تو یہ زَيْدًا محل کے اعتبار سے منصوب ہے، يَا زَيْدُ یہ زید کیا ہے اس وقت؟ مبنی ہے۔ اور مبنی کا اعراب کیسے بتاتے ہیں؟ محلاً، تو محل کے اعتبار سے یہ منصوب ہے کیونکہ یہ مفعول بہ ہے أَدْعُو فعل کے لیے، اور مبنی کا تابع اس کے محل کے تابع ہوتا ہے۔ جب یہ منصوب ہے تو الْعَاقِلَ صفت پر بھی کیا پڑھیں گے؟ نصب۔ اور رفع کیوں پڑھیں گے؟ رفع پڑھیں گے اس کے لفظوں پر حمل کرتے ہوئے، يَا زَيْدُ کے لفظوں پر حمل کرتے ہوئے۔ بھئی کس طرح؟ آپ نے تفصیل پڑھی تھی کہ یہ جو زید پر ضمہ آیا ہے، زید اس وقت مبنی ہے تو یہ زید مبنی علی الضم ہے، لیکن کیا زید ہمیشہ مبنی ہوتا ہے یا اس ترکیب کے اندر آکر مبنی ہو گیا ہے؟ اس ترکیب میں مبنی ہوا ہے، معلوم ہوا یہ جو ضمہ آیا ہے بناء والا، یہ ضمہ بھی رفع جیسا ہے کیونکہ يَا کی وجہ سے آیا ہے۔ تو یہ ضمہ بھی، یہ ضمہ بھی رفع کی طرح ہے، اعراب کی طرح ہے، یہ ویسے تو یہ حرکت ہے لیکن یہ ضمہ کس کی طرح؟ رفع کی طرح، کیونکہ جیسے رفع عامل کی وجہ سے آتا ہے یہاں پر بھی یہ زید پر ضمہ جو ہے يَا کی وجہ سے آیا ہے۔ تو ہے تو یہ ضمہ، اعراب نہیں ہے، لیکن یہ اعراب جیسا ہی ہے تو اس کو اعراب والا ہی حکم دے دیا۔ تو یہ حکماً رفع ہی ہے گویا، حکماً رفع ہی ہے۔ اور آگے اس کی صفت الْعَاقِلُ، صفت موصوف کے تابع ہوتی ہے، تو جب زید پر رفع ہے تو الْعَاقِلُ پر بھی کیا پڑھ لیا؟ رفع، زید کے لفظوں پر حمل کرتے ہوئے۔ توجہ ہے؟ تو الْعَاقِلُ پر تو رفع آیا، لیکن زید، اس پر جو یہ ضمہ ہے یہ کس کے حکم میں ہے؟ رفع کے حکم میں ہے، توجہ ہے؟ تو یہ حکماً اعراب ہے، حقیقت میں نہیں، حکم لگا دیا اعراب والا۔ اور یہ ضمہ جب یہ اعراب ہے تو اس کا تابع اس پر بھی یہی اعراب آئے گا تو الْعَاقِلُ بھی آپ پڑھ سکتے ہیں۔ تو يَا زَيْدُ الْعَاقِلُ اور يَا زَيْدُ الْعَاقِلَ۔ الْعَاقِلَ کیوں پڑھا؟ زید کے محل پر حمل کرتے ہوئے، اور الْعَاقِلُ مرفوع کیوں پڑھا؟ زید کے لفظوں پر حمل کرتے ہوئے۔ بھئی مبنی کے تو لفظوں پر حمل نہیں کرتے، مبنی کے تو محل پر حمل کرتے ہیں، لیکن یہاں زید پر جو ضمہ آیا ہے وہ کس کی طرح ہے؟ رفع کی طرح ہے۔ جیسے رفع عامل کی وجہ سے آتا

ہے، زید پر یہ جو ضمہ آیا یہ بھی کس کی وجہ سے آیا؟ عامل کی وجہ سے، تو یہ ہے تو ضمہ، ہے تو بنی یہ لفظ، لیکن یہ ضمہ کس کے حکم میں؟ رفع کے حکم میں، تو یہ اعراب حکمی ہے۔ یہ اعراب کیا ہے؟ یہ حکماً اعراب ہے، حقیقت میں اعراب نہیں ہے یہ تو بنی کی حرکت ہے بھئی۔ تو یہاں دیکھو اعراب حکماً آیا ہے۔

اور اسی طرح لَا نفی جنس کا اسم جو ہے جب وہ نکرہ ہو، ساتھ ملا ہوا ہو اور مضاف یا مشابہ مضاف نہ ہو تو وہ بنی علی الفتح ہوتا ہے، جیسے لَا رَجُلَ ظَرِيفًا فِي الدَّارِ۔ لَا رَجُلَ ظَرِيفًا فِي الدَّارِ۔ اب یہ لَا رَجُلَ، یہ لَا نفی جنس کا اسم ہے، اور یہ بنی علی الفتح ہے۔ اور آپ نے پڑھا تھا جب اس کی صفت آئے، اس کا تابع آئے، تو اس پر رفع بھی پڑھ سکتے ہیں، نصب بھی پڑھ سکتے ہیں اور اس کو اسی کی طرح بنی بھی بنا سکتے ہیں۔ لہٰذا آگے ظَرِيف صفت آرہی ہے تو آپ یوں بھی کہہ سکتے ہیں: لَا رَجُلَ ظَرِيفَ فِي الدَّارِ، رَجُلَ بھی بنی علی الفتح اور اس کی صفت بھی کیا ہے بنی علی الفتح، تو لَا رَجُلَ ظَرِيفَ فِي الدَّارِ۔ اور آپ چاہیں تو اس پر نصب پڑھ دیں: لَا رَجُلَ ظَرِيفًا فِي الدَّارِ۔ اور یہ نصب کیوں آیا؟ رَجُل کے لفظوں پر حمل کرتے ہوئے، کیونکہ رَجُل اس وقت تو بنی ہے، کیا ہے؟ رَجُل اس وقت بنی ہے، آپ کو کیسے پتہ چلا بنی ہے؟ کیونکہ رَجُل پر تنوین نہیں آ رہی، حالانکہ مانعِ تنوین کوئی چیز نہیں، نہ رَجُل پر الف لام آیا ہے نہ اس کی اضافت ہوئی ہے، پھر بھی تنوین نہیں آئی حالانکہ ویسے تو رَجُل پر تنوین آتی ہے۔ تو معلوم ہوا اس وقت یہ کیا بن چکا ہے؟ بنی۔ تو لہٰذا اس پر جو فتحہ آیا ہے وہ فتحہ بھی کس کی طرح ہے؟ نصب کی طرح ہے، کیونکہ عامل لَا کی وجہ سے آیا ہے۔ تو جیسے عامل کی وجہ سے نصب آتا ہے، تو یہ جو بناء والا فتحہ ہے یہ بھی نصب جیسا ہوا۔ کس جیسا ہوا؟ نصب جیسا۔ تو اس کے لفظوں پر حمل کرتے ہوئے صفت پر ظَرِيفًا نصب پڑھنا جائز ہے۔ صفت پر نصب، کیونکہ یہ ہے تو بنی لیکن اس کا فتحہ بھی کس کی طرح ہے؟ نصب جیسا ہے، جیسے نصب عامل کی وجہ سے آتا ہے اسی طرح یہ فتحہ بھی عامل کی وجہ سے آیا ہے، تو یہ فتحہ حکماً اعراب ہے۔ اعراب والا حکم دے دیا گیا، یوں سمجھو کہ یہ منصوب ہی ہے بھئی۔ تو جب یہ منصوب ہے تو اس کی صفت بھی کیا آگئی؟ منصوب آئی، ظَرِيفًا۔ توجہ ہے؟ تو لَا رَجُلَ یہ ہے تو بنی لیکن حکم کس کا دے دیا؟ اعراب والا دے دیا۔ تو یہ حکماً منصوب ہے، حقیقتاً منصوب نہیں ہے۔ تو ظَرِيفًا پڑھیں گے اس لَا رَجُلَ کے لفظوں پر حمل کرتے ہوئے۔ یا یوں کہیں ظَرِيفًا پڑھیں گے لَا رَجُلَ کے محلِ قریب پر حمل کرتے ہوئے، کیونکہ لَا نفی جنس اپنے اسم کو نصب دیتا ہے۔ جب ساتھ بھی ملا ہو، نکرہ بھی ہو، اور مضاف یا مشابہ مضاف ہو تو وہ منصوب ہوتا ہے: لَا غُلَامَ رَجُلٍ فِي الدَّارِ۔ اب دیکھو غُلَامَ رَجُلٍ یہ غُلَام منصوب ہے بھئی۔ یہ کیا ہے؟ منصوب ہے، اور اس پر تنوین نہیں آرہی کیونکہ اس کی اضافت ہو رہی ہے، مضاف پر تنوین آتی ہی نہیں ہے بھئی۔ تو لَا غُلَامَ رَجُلٍ یہ منصوب ہے، تو لَا کیا کرتا ہے؟ اپنے اسم کو نصب دیتا ہے۔ توجہ ہے؟ لَا کیا کرتا ہے؟ اپنے اسم کو نصب دیتا ہے، تو لہٰذا یہ لَا رَجُلَ اس وقت تو بنی ہے لیکن محلاً منصوب ہے۔ بنی کا اعراب کیسے بتاتے ہیں؟ محلاً بتاتے ہیں، تو یہ

محلاً کیا ہے؟ منصوب ہے، کیونکہ لَا اپنے اسم کو کیا کرتا ہے؟ نصب دیتا ہے۔ ابھی اس وقت تو یہ مبنی بن گیا ہے

لیکن اگر اضافت ہوتی تو کیا نصب ظاہر ہو جاتا۔ تو لَا رَجُلَ، یہ رَجُل اس وقت تو مبنی علی الفتح، لیکن یہ محلاً منصوب ہے۔ اور تو جب یہ محلاً منصوب ہے تو اس کی صفت ظَرِیفًا وہ بھی کیا لائیں گے؟ منصوب۔ تو ظَرِیفًا کو منصوب لائے صفت کو، اس میں دو احتمال ہیں: یا تو لَا رَجُلَ کے لفظوں پر حمل کرتے ہوئے، یا اس کے محلِ قریب پر حمل کرتے ہوئے۔ اور آپ ظَرِیفٌ بھی پڑھ سکتے ہیں رَجُل کے محلِ بعید پر حمل کرتے ہوئے، کیونکہ لَا کس پر داخل ہوتا ہے؟ مبتدا اور خبر پر۔ تو یہ رَجُل اصل میں کیا تھا؟ مبتدا، تو محلِ بعید اس کا کیا ہے؟ یہ مرفوع ہے۔ محلِ بعید کیا؟ مرفوع۔ تو جب یہ محلاً مرفوع ہے تو صفت بھی ظَرِیفٌ مرفوع پڑھیں گے۔ بات سمجھ میں آئی؟ پھر سنو۔ لَا رَجُلَ، اس کی صفت اسی کی طرح مبنی پڑھنا بھی جائز: لَا رَجُلَ ظَرِیفَ فِي الدَّارِ۔ اس پر نصب بھی جائز: لَا رَجُلَ ظَرِیفًا فِي الدَّارِ۔ اور اس پر رفع بھی جائز: لَا رَجُلَ ظَرِیفٌ فِي الدَّارِ۔ تو مبنی پڑھیں گے وہ تو ظاہر ہے موصوف مبنی علی الفتح ہے تو صفت کو بھی کیا کیا؟ مبنی علی الفتح۔ پھر نصب کیوں پڑھیں گے؟ نصب میں نے دو وجہیں ذکر کیں: یا تو لَا رَجُلَ کے لفظوں پر حمل کرتے ہوئے۔ بھئی لفظوں پر حمل کیسے کیا؟ لَا رَجُلَ تو مبنی ہے، اور ظَرِیفًا یہ تو آپ معرب پڑھ رہے ہیں صفت کو، اگر لفظوں پر حمل کرتے تو ظَرِیفَ کو بھی مبنی پڑھتے۔ تو جواب یہ کہ یہ جو رَجُل پر جو فتحہ آیا ہے یہ بھی کس کی طرح ہے؟ نصب کی طرح ہے کیونکہ یہ لَا کی وجہ سے آیا ہے۔ تو لہٰذا یہ فتحہ بھی کس جیسا ہے؟ نصب جیسا ہے، یعنی یوں کہو یہ نصب ہی ہے، یہ حکماً نصب ہے۔ جب حکماً نصب ہے تو صفت پر بھی کیا لے آئے؟ نصب، ظَرِیفًا۔ یا ظَرِیفًا اس لیے منصوب ہے کہ یہ لَا رَجُلَ، یہ رَجُل کیا ہے؟ لَا نفی جنس کا اسم ہے، اور یہ محلاً منصوب ہے کیونکہ لَا اپنے اسم کو نصب دیتا ہے۔ تو لَا رَجُلَ اس وقت تو مبنی ہے، لیکن مبنی کا اعراب کیسے بتاتے ہیں؟ محلاً، اور محلاً یہ منصوب ہے کیونکہ لَا کا اسم ہے، تو صفت بھی ظَرِیفًا منصوب آئے گی۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو ظَرِیفًا کے فتحہ کے اندر دو وجہیں ذکر کر دیں: یا رَجُل کے لفظوں پر محمول ہے یا اس کے محلِ قریب پر محمول ہے۔ اور یا لَا رَجُلَ ظَرِیفٌ رفع بھی آپ پڑھ سکتے ہیں۔ ظَرِیفٌ کیوں پڑھا؟ یہ رَجُل کے محلِ بعید پر حمل کرتے ہوئے، کیونکہ اصل میں یہ کیا تھا؟ مبتدا تھا، اور مبتدا کیا ہوتا ہے؟ مرفوع، تو اس کا محلِ بعید یہ ہے کہ یہ مرفوع ہے۔ تو لہٰذا ظَرِیفٌ اس کی صفت بھی کیا آئے گی؟ مرفوع آئے گی، کیونکہ یہ مبنی کی صفت اس کے محل کے تابع ہوتی ہے۔ تو رَجُل کے دو محل ہو گئے: ایک محلِ قریب منصوب ہے لَا کی وجہ سے، اور ایک محلِ بعید کہ یہ مرفوع ہے مبتدا ہونے کی وجہ سے، اصل میں یہ مبتدا تھا۔

تو کبھی اعراب لفظاً ہوتا ہے، کبھی تقدیراً، کبھی محلاً۔ اور پھر کبھی اعراب حقیقتاً ہوتا ہے، حقیقتاً اعراب آتا ہے، اور کبھی حکماً ہوتا ہے صرف حکم لگایا جاتا ہے۔ یَا زَیْدُ، یہ اعراب حکماً ہے یعنی رفعے والا حکم دے دیا حالانکہ یہ رفع نہیں ہے۔ اور اسی طرح لَا رَجُلَ، یہ جو فتحہ ہے اس کو نصب والا حکم دے دیا کہ یہ منصوب ہے، حکم دیا ہے حقیقت میں یہ منصوب نہیں ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟

تو بتلانا یہ چاہتے ہیں کہ بھئی موصوف اور صفت کے اندر، دونوں کے اندر انھوں نے کیا کہا: كُلُّ ثَانٍ بِإِعْرَابِ سَابِقِهِ، تابع ہر وہ دوسرا ہے جو ماقبل کے اعراب کے ساتھ ہو۔ اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ متبوع پر اعراب لفظاً ہے تو تابع پر بھی لفظاً ہونا چاہیے، یا متبوع پر اعراب تقدیراً ہے تو تابع پر بھی کیا ہو؟ تقدیراً ہو، یا ایک پر اعراب حقیقتاً ہے تو دوسرے پر بھی حقیقتاً ہونا چاہیے، نہیں۔ اعراب جو بھی آئے لیکن ہونا ایک ہی جیسا چاہیے۔ یعنی اگر پہلے پر رفع ہے تو دوسرے پر بھی رفع ہونا چاہیے، چاہے پہلے پر رفع لفظاً ہو، تقدیراً ہو، محلاً ہو، حقیقتاً ہو یا حکماً ہو۔ دوسرے پر بھی رفع آئے، وہ بھی چاہے لفظاً ہو، چاہے تقدیراً ہو یا محلاً ہو، حقیقتاً ہو یا حکماً ہو، تو ہونا رفع ہی چاہیے۔ جیسے مثال دیکھو: جَاءَنِي هٰذَا الرَّجُلُ، جَاءَنِي هٰذَا الرَّجُلُ، میرے پاس یہ والا آدمی آیا۔ هٰذَا اسمِ اشارہ ہے، اور اسمِ اشارہ کے بعد معرف باللام آئے تو وہ اس کی صفت بنتا ہے، تو هٰذَا موصوف، الرَّجُلُ اس کی صفت۔ تو هٰذَا موصوف ہے اور یہ فاعل ہے جَاءَنِي کے لیے، تو یہ مرفوع ہے محلاً، اور الرَّجُلُ اس کی صفت ہے وہ مرفوع ہے لفظاً۔ تو ایک میں اعراب کیا ہے؟ محلاً، دوسرے میں اعراب کیا ہے؟ لفظاً، لیکن ہیں دونوں مرفوع بھئی۔ تو اعراب ایک جیسا ہونا چاہیے، محلاً، لفظاً، تقدیراً، حقیقتاً اور حکماً ہونے میں مطابقت نہیں ضروری بھئی۔ بات سمجھ میں آگئی؟

دیکھیے بھئی اب کتاب پر۔ کہتے ہیں: وَاعْلَمْ تو جان لے، أَنَّ الْإِعْرَابَ الْمُعْتَبَرَ فِي هٰذَا التَّعْرِيفِ بِالنِّسْبَةِ إِلَى اللَّاحِقِ وَالسَّابِقِ، کہ وہ اعراب جو معتبر ہے اس تعریف کے اندر لاحق اور سابق کی طرف نسبت کرتے ہوئے، انھوں نے کیا کہا تھا: كُلُّ ثَانٍ بِإِعْرَابِ سَابِقِهِ ہر وہ دوسرا ہے جو ماقبل کے اعراب کے ساتھ ہو، تو وہ اعراب جس کا اعتبار کیا گیا ہے اس تعریف میں لاحق اور سابق کی طرف نسبت کرتے ہوئے، سابق جو پہلے آئے، لاحق جو بعد میں آئے یعنی سابق ہوا متبوع اور لاحق ہوا تابع، تو وہ عام ہے: مِنْ أَنْ يَكُونَ لَفْظِيًّا أَوْ تَقْدِيرِيًّا أَوْ مَحَلِّيًّا، حَقِيقَةً أَوْ حُكْمًا۔ بھئی پھر دیکھیے عبارت، پھر ترجمہ دیکھ لیجیے، کہتے ہیں: وَاعْلَمْ تو جان لے، أَنَّ الْإِعْرَابَ الْمُعْتَبَرَ فِي هٰذَا التَّعْرِيفِ بِالنِّسْبَةِ إِلَى اللَّاحِقِ وَالسَّابِقِ، کہ وہ اعراب جس کا اعتبار کیا گیا ہے اس تعریف کے اندر لاحق اور سابق کی طرف نسبت کرتے ہوئے، أَعَمُّ مِنْ أَنْ يَكُونَ لَفْظِيًّا أَوْ تَقْدِيرِيًّا أَوْ مَحَلِّيًّا، حَقِيقَةً أَوْ حُكْمًا، وہ عام ہے اس سے کہ وہ اعراب لفظی ہو یا تقدیری ہو یا محلی ہو، حقیقتاً ہو یا حکماً ہو۔ فَلَا يَرِدُ نَحْوُ، تو اس جیسی مثالوں کا اعتراض وارد نہیں ہوتا: جَاءَنِي هٰؤُلَاءِ الرِّجَالُ۔ جَاءَنِي، جَاءَ فعل، نون وقایہ، یاء ضمیر مفعول ہے منصوب محلاً۔ اور هٰؤُلَاءِ الرِّجَالُ، هٰؤُلَاءِ اسمِ اشارہ ہے قریب کے لیے، یہ سب، اسمِ اشارہ ہے قریب کے لیے جمع کے لیے۔ هٰؤُلَاءِ الرِّجَالُ، هٰؤُلَاءِ موصوف اور یہ مبنی ہے۔ مبنی ہے تو یہ محلاً مرفوع ہے کیونکہ جَاءَنِي کے لیے فاعل ہے، اور الرِّجَالُ اس کی صفت ہے اور وہ بھی مرفوع ہے لیکن اس پر اعراب لفظاً ہے۔ تو موصوف پر اعراب محلاً اور صفت پر اعراب لفظاً، تو اس سے اس پر کوئی اعتراض وارد نہیں ہوتا، کیونکہ وہ اعراب جو معتبر ہے وہ عام ہے چاہے لفظاً ہو تقدیراً ہو یا محلاً ہو، حقیقتاً ہو یا حکماً ہو۔ تو جَاءَنِي هٰؤُلَاءِ الرِّجَالُ اس کا اعتراض بھی وارد نہیں ہوتا، وَيَا زَيْدُ الْعَاقِلُ یہ اعتراض بھی وارد نہیں ہوتا کیونکہ زید اس پر اعراب حکماً ہے اور الْعَاقِلُ اس کی صفت پر اعراب لفظاً ہے۔ تو يَا زَيْدُ اس پر اعراب

حکماً ہے، اور الْعَاقِلُ اس پر اعراب لفظاً ہے، موصوف صفت ہیں آپس میں، تو موصوف پر اعراب حکماً ہوا اور صفت پر اعراب لفظاً ہوا۔ اسی طرح وَلَا رَجُلَ ظَرِيفًا، رَجُل موصوف ہے اور ظَرِيفًا اس کی صفت ہے، اور رَجُل پر جو نصب ہے وہ حکماً ہے اور ظَرِيفًا پر نصب لفظاً ہے، لیکن ہے دونوں پر نصب ہی بھئی۔ بات سمجھ میں آگئی؟

ثُمَّ إِنَّ لَفْظَةَ كُلٍّ هٰهُنَا لَيْسَتْ فِي مَوْقِعِهَا، یہاں بھی ایک اعتراض اور اس کا جواب ذکر کریں گے صاحبِ جامی۔ اعتراض یہ کہ تعریف پر آئیے بھئی جو انھوں نے توابع کی تعریف کی: التَّوَابِعُ كُلُّ ثَانٍ بِإِعْرَابِ سَابِقِهِ مِنْ جِهَةٍ وَاحِدَةٍ، کہ توابع جو ہے ہر وہ دوسرا ہے جو ماقبل کے اعراب کے ساتھ ہو اور وہ اعراب جہتِ واحدہ سے آئے دونوں پر بھئی۔ اب دیکھو تعریف کس کی کر رہے ہیں؟ جس کی تعریف کی جائے اس کو کہتے ہیں معرَّف، اور جو تعریف کی جائے وہ ہے معرِّف، معرِّف پہچان کروانے والی۔ تو یہ جو كُلُّ ثَانٍ بِإِعْرَابِ سَابِقِهِ مِنْ جِهَةٍ وَاحِدَةٍ یہ ہے تعریف، یہ پہچان کروانے والی ہے، یہ معرِّف ہے، کس کی پہچان کروائی اس نے؟ التَّوَابِع کی، تو التَّوَابِع ہوا معرَّف جس کی پہچان کروائی گئی۔ تو التَّوَابِع کیا؟ معرَّف، اور آگے جو تعریف ہے وہ کیا ہے؟ معرِّف۔ یا یوں کہو تعریف کو کہتے ہیں حد، تعریف کو کیا کہتے ہیں؟ حد، تو كُلُّ ثَانٍ بِإِعْرَابِ سَابِقِهِ مِنْ جِهَةٍ وَاحِدَةٍ یہ ہے حد، اور التَّوَابِع کیا ہے؟ محدود۔ توجہ ہے؟ تو اب یاد رکھنا تعریف ہمیشہ جنس اور ماہیت کی کی جاتی ہے افراد کی تعریف نہیں۔ جنس اور ماہیت کی تعریف کی جاتی ہے، افراد کی تعریف نہیں کی جاتی۔ جیسے انسان ہے، انسان کی تعریف کیا ہے؟ الْإِنْسَانُ حَيَوَانٌ نَاطِقٌ۔ تو انسان ایک جنس ہے، ایک ماہیت ہے بھئی، اور اس کی تعریف کس کے ساتھ کی گئی؟ حیوانِ ناطق کے ساتھ کی گئی۔ افراد کی تعریف نہیں، کیونکہ افراد تو بے شمار ہوتے ہیں بھئی۔ تو تعریف جنس اور ماہیت کی کی جاتی ہے جو پھر افراد پر صادق آتی ہے بھئی۔

تو یہاں اشکال ہوتا ہے کہ یہاں پر معرَّف کیا ہے؟ التَّوَابِع، اور تعریف کیا ہے؟ كُلُّ ثَانٍ بِإِعْرَابِ سَابِقِهِ مِنْ جِهَةٍ وَاحِدَةٍ۔ تو کہتے ہیں یہ تو درست نہیں ہے۔ معرَّف التَّوَابِع جمع ہے، التَّوَابِع جمع ہے، اور جمع افراد پہ دلالت کرتی ہے، کم از کم تین یا زیادہ افراد ہوتے ہیں جمع کے۔ تو جمع کس پہ دلالت کرتی ہے؟ افراد پر۔ معلوم ہوا معرَّف افراد ہیں، جنس نہیں ہے۔ تعریف کس کی ہونی چاہیے؟ جنس کی، لیکن یہاں معرَّف وہ کیا ہے؟ جمع، اور جمع کس پر دلالت کرتا ہے؟ افراد پر۔ تو گویا معلوم ہوا معرَّف افراد ہیں، افراد کی تعریف کی جا رہی ہے۔ اور نیز آگے تعریف کر رہے ہیں كُلُّ ثَانٍ، ہر دوسرا ہے۔ كُلّ آتا ہے احاطۂ افراد کے لیے۔ كُلّ کس لیے آتا ہے؟ افراد کے لیے، تمام افراد کو گھیر لیتا ہے۔ سمجھ میں آیا؟ مثلاً میں کہتا ہوں امتحان میں ہر طالب علم کامیاب ہو گیا

ای نَجَحَ كُلُّ طَالِبٍ، دیکھو ہر طالب علم کیا ہوا؟ کامیاب۔ تو كُلُّ کس لیے آیا؟ طالب کے افراد کے احاطے کے لیے آیا۔ تو كُل کا لفظ تعریف میں نہیں لایا جاتا کیونکہ كُل کس لیے آتا ہے؟ احاطۂ افراد کے لیے۔ تو معلوم ہوا معرَّف بھی التَّوَابِع یعنی وہ افراد ہیں، اور معرِّف جو تعریف ہے وہ بھی كُلُّ ثَانٍ وہاں بھی كُل لے آئے، معلوم ہوا تعریف بھی افراد سے کی جا

رہی ہے، افراد کی تعریف افراد سے کی جا رہی ہے، حالانکہ جنس کی تعریف جنس کے ساتھ کی جاتی ہے۔ معرَّف بھی کیا ہونا چاہیے؟ جنس، اور جب تعریف اسی کی کر رہے ہیں تو تعریف بھی کیا ہو گی؟ جنسی ہو گی۔ اور جب یہاں معرَّف افراد ہے التَّوَابِع، اور تعریف کے اندر بھی کُل کا لفظ لے آئے تو معلوم ہوا وہ بھی کیا ہیں؟ افراد۔ تو یہ تو افراد کی تعریف ہوئی افراد کے ذریعے، حالانکہ جنس کی تعریف ہونی چاہیے تھی جنس کے ذریعے۔ اشکال سمجھ میں آیا؟ اب دیکھیے بھئی، پہلے اشکال دیکھ لیں، کہتے ہیں: ثُمَّ إِنَّ لَفْظَةَ كُلٍّ هٰهُنَا لَيْسَتْ فِي مَوْقِعِهَا، اور پھر یہ جو لفظِ کُل ہے یہاں پر یہ اپنے مقام میں نہیں ہے، لِأَنَّ التَّعْرِيفَ إِنَّمَا يَكُونُ لِلْجِنْسِ وَبِالْجِنْسِ، اس لیے کیونکہ تعریف جنس کی ہوتی ہے، وَبِالْجِنْسِ اور جنس کے ذریعے ہوتی ہے، یعنی معرَّف بھی جنس ہونا چاہیے اور معرِّف بھی کیا ہونا چاہیے؟ جنس۔ لَا لِلْأَفْرَادِ وَبِالْأَفْرَادِ، تعریف افراد کے لیے نہیں ہوتی وَبِالْأَفْرَادِ اور افراد کے ذریعے نہیں ہوتی۔

اشکال سمجھ میں آیا؟ اب آگے اس کا جواب ذکر کریں گے بھئی۔ صاحبِ جامی کمال کرتے ہیں بھئی۔ جہاں اور شارحین اعتراض کرتے نظر آتے ہیں صاحبِ کافیہ پر، اور شارحین اعتراض کرتے ہیں کہ یہ کُل لے آئے بھئی، تعریف بھی توابع کی کر رہے ہیں وہ بھی جمع ہے، اور تعریف میں بھی کُل لے آئے، تو یہ تو افراد کی تعریف افراد کے ذریعے کر دی، حالانکہ تعریف جنس کے ذریعے جنس کی کی جاتی ہے، معرَّف بھی جنس ہونا چاہیے اور معرِّف اور تعریف بھی جنس ہونی چاہیے۔ تو اور شارحین اعتراض کرتے نظر آتے ہیں، لیکن صاحبِ جامی ہر ایک کو ایسے زبردست انداز میں حل کرتے ہیں انسان حیران رہ جاتا ہے۔ اب ذرا سنیں بھئی عجیب جواب دیتے ہیں۔ کہتے ہیں: فَالْمَحْدُودُ بِالْحَقِيقَةِ التَّابِعُ، کہ محدود حقیقت میں تَابِع ہے، توابع نہیں، کیا ہے؟ تابع۔ بھئی تابع کہاں سے ہے؟ توابع ہے محدود۔ کہتے ہیں توابع جمع ہے، اور جمع کس پہ دلالت کرتی ہے؟ افراد پر، تو توابع کے ضمن میں تابع آگیا، توابع کے ضمن میں تابع آگیا۔ تو لہٰذا یہ تابع کی تعریف ہے، یعنی جنسِ تابع کی، کس کی؟ جنسِ تابع کی تعریف ہے۔

اور پھر آگے بتائیں گے، کہتے ہیں دیکھو آپ نے کیا کہا تعریف کے اندر کُل کا لفظ لے آئے۔ کون سا لفظ لے آئے؟ کُل۔ کہتے ہیں بھئی کُل تعریف کا حصہ نہیں ہے، تعریف کُل کے بعد شروع ہو رہی ہے۔ ذرا کُل کو ہٹا دو۔ التَّوَابِعُ، یا یوں توابع کی جگہ بھی آپ تابع لے آؤ کیونکہ یہ توابع کے ضمن میں کیا آگیا ہے؟ تابع۔ تو وہ لے آئیں، تو گویا تعریف یوں ہے کُل کو ہٹا دو: التَّابِعُ هُوَ ثَانٍ بِإِعْرَابٍ سَابِقِهِ مِنْ جِهَةٍ وَاحِدَةٍ۔ تابع وہ دوسرا ہے جو ماقبل کے اعراب کے ساتھ ہو جہتِ واحدہ سے۔ تو تعریف کس سے شروع ہو رہی ہے؟ ثَانٍ سے شروع ہو رہی ہے، اور پھر اس تعریف پر کُل داخل کیا گیا۔ کیا؟ اس تعریف پر کُل۔ تو کُل تعریف کا حصہ نہیں ہے، تعریف پر کُل داخل کیا گیا یہ بتلانے کے لیے کہ یہ تعریف جامع مانع ہے۔ یہ تعریف جامع مانع ہے۔ جیسے دیکھو کلمہ کی کیا تعریف کرتے ہیں؟ الْكَلِمَةُ لَفْظٌ وُضِعَ لِمَعْنًى مُفْرَدٍ۔ کلمہ ایسا لفظ ہے جس کو مقرر کیا گیا ہو، وضع کیا گیا ہو ایسے معنی کے لیے جو مفرد ہو۔ توجہ ہے؟ اب دیکھو یہاں یہ تعریف کی جا رہی ہے الکلمہ کی، اور تعریف کیسی ہونی چاہیے؟ جامع بھی اور مانع بھی۔ تو الکلمہ کی تعریف کی تو یہ تعریف جامع مانع ہے۔ یہ کیا ہے؟ جامع مانع ہے۔ لیکن

صراحتاً پتہ نہیں چل رہا، ہاں ضمناً آپ غور کرتے ہیں تو پتہ چلتا ہے تعریف جامع مانع ہے۔ ضمناً یہ بات سمجھ میں آتی ہے، صراحتاً نہیں۔ لیکن صاحبِ جامی فرمائیں گے کہ کُل کا لفظ صاحبِ کافیہ اس لیے لے کر آئے تاکہ صراحتاً پتہ چل جائے یہ تعریف جامع مانع ہے۔ ایک ہے تعریف کا جامع مانع ہونا ضمناً، اور ایک ہے تعریف کا جامع مانع ہونا صراحتاً۔ تو تعریف صراحتاً جامع مانع ہو یہ اعلیٰ ہے بھئی۔ یہ کیا ہے؟ اعلیٰ۔

اب یہ کس طرح جامع مانع ہے کُل کی وجہ سے ذرا سنیے بھئی۔ دیکھیے بھئی، کہتے ہیں جب کُل کا لفظ لے آئے، تو یہ بتلانے کے لیے کہ تعریف کے ہر ہر فرد پر محدود صادق آ رہا ہے۔ جیسے دیکھو پہلے مثال سے سمجھ لو، انسان کی تعریف کیا کرتے ہیں؟ اَلْإِنْسَانُ حَيَوَانٌ نَاطِقٌ۔ تو انسان کی تعریف کیا؟ حیوانِ ناطق۔ توجہ ہے؟ یہاں کُل کا لفظ نہیں ہے۔ انسان حیوانِ ناطق ہے، اب آپ کو خود غور کرنا پڑتا ہے کہ تعریف جامع بھی ہے اور مانع بھی ہے۔ لیکن اگر یہاں کُل کا لفظ لے آئیں: اَلْإِنْسَانُ كُلُّ حَيَوَانٍ نَاطِقٍ، معلوم ہوا ہر حیوانِ ناطق وہ کیا ہے؟ انسان ہے۔ معلوم ہوا کوئی غیر اس تعریف میں داخل نہیں۔ یہ تعریف دخولِ غیر سے مانع ہے کیونکہ کس کی تعریف کر رہے ہیں؟ انسان کی، اور کیا تعریف تھی؟ حیوانِ ناطق۔ اب پتہ نہیں اس حیوانِ ناطق میں کوئی غیر تو نہیں داخل ہوا، لیکن جب کہہ دیا كُلُّ حَيَوَانٍ نَاطِقٍ، ہر حیوانِ ناطق انسان ہے۔ معلوم ہوا کوئی غیر اس کے اندر داخل نہیں ہے، تو تعریف کیا ہو گئی؟ مانع ہو گئی دخولِ غیر سے۔ اگر کوئی غیر داخل ہوتا تو آپ کُل لا سکتے تھے؟ آپ کہہ سکتے تھے ہر حیوانِ ناطق انسان ہے؟ نہیں، تو جب آپ نے کُل لے آئے، اس کُل نے صراحت اور تصریح کر دی ایک بھی حیوانِ ناطق ایسا نہیں ہے جو انسان نہ ہو۔ تو صراحت ہو گئی کہ کوئی غیر اس تعریف کے اندر داخل نہیں، تو یہ تعریف مانع بھی ہوئی دخولِ غیر سے، اور نیز جامع بھی ہو گئی کیونکہ اس تعریف میں تمام انسان داخل ہیں اس کے اندر، تو تعریف جامع بھی ہوئی۔ مانع ہوئی کس طرح؟ کہ آپ کُل کا لفظ لے آئے، کیا لے آئے؟ کُل کا لفظ لے آئے، کہ انسان کیا ہے؟ كُلُّ حَيَوَانٍ نَاطِقٍ ہر حیوانِ ناطق یعنی حیوانِ ناطق کا ہر ہر فرد جو ہے وہ انسان ہے، معلوم ہوا کوئی غیر اس میں داخل نہیں تو تعریف مانع بھی ہے، اور جامع بھی ہے، کیا ہے؟ جامع بھی ہے، اس لیے کیونکہ حیوانِ ناطق اس میں ہر انسان آ گیا، کوئی فرد ایسا نہیں جو اس سے باہر ہو، تو تعریف جامع بھی ہو گئی۔ تو دیکھو تعریف کا جامع اور مانع ہونا گویا منصوص علیہ ہو گیا، لفظوں میں صراحت کر دی، کس کی وجہ سے؟ اس لفظِ كُل کی وجہ سے۔ تو یہاں پر بھی تابع کی کیا تعریف کی؟ هُوَ ثَانٍ بِإِعْرَابٍ سَابِقِهِ مِنْ جِهَةٍ وَاحِدَةٍ، وہ دوسرا ہے جو ماقبل کے اعراب کے ساتھ ہو جہتِ واحدہ سے، یہ تابع کی تعریف کی۔ اب پتہ نہیں اس کے اندر کوئی اور تو نہیں داخل ہوا، تو جب کُل کا لفظ لے آئے کہ اَلتَّابِعُ كُلُّ ثَانٍ، پوری تعریف پر كُل داخل کر دیا، معلوم ہوا یہ تعریف جس جس پر صادق آ رہی ہے وہ ہر ایک تابع ہے۔ معلوم ہوا کوئی غیر اس کے اندر داخل نہیں ہے، تو یہ تعریف مانع بھی ہوئی اور نیز یہ تعریف جامع بھی ہے، کیا ہے؟ جامع بھی ہے، کیونکہ ظاہر یہی ہے کہ انھوں نے جو تعریف کی، سارے خارج ہو گئی تھیں چیزیں یا نہیں؟ مبتدا کی خبر بھی خارج ہوئی، اور كَانَ اور إِنَّ کی خبر بھی خارج ہوئی تھی، اور اسی طرح ظَنَنْتُ اور أَعْطَيْتُ کے مفعولِ ثانی بھی خارج ہو گئے تھے، اور توابع سارے اس

کے اندر رہ گئے تھے۔ تو جب یہ انہی ساروں پر صادق آ رہی ہے، تو ظاہر یہ ہے کہ تعریف جامع بھی ہے۔ بات سمجھ میں آ گئی؟ تو اس کُل کی وجہ سے یہ تعریف کیا ہو گئی؟ اس کا جامع مانع ہونا منصوص علیہ ہو گیا، کُل کے بغیر بھی تعریف پوری تھی، لیکن کُل کی وجہ سے گویا جامع مانع ہونا منصوص علیہ اس کی گویا لفظوں میں صراحت ہو گئی۔ بات سمجھ میں آ گئی؟

تو دیکھو باقی شارحین اعتراض کرتے تھے کہ کُل کا لفظ کیوں لائے، اور التَّوَابِعُ جمع محدود بھی جمع اور حد کے اندر بھی کُل لائے، تو یہ تو افراد کی تعریف ہوئی افراد کے ذریعے۔ تو جواب دے دیا صاحبِ جامی نے، اور کیسا عجیب جواب دیا انسان حیران رہتا ہے کہ یہ کُل تعریف کا حصہ ہی نہیں ہے، اور توابع محدود توابع نہیں ہے بلکہ تابع ہے کیونکہ توابع کے ضمن میں کون آ گیا؟ تابع مفرد بھی آ گیا۔

تو کہتے ہیں: فَالْمَحْدُودُ بِالْحَقِيقَةِ التَّابِعُ، تو محدود جو ہے حقیقت میں وہ تابع ہے جس پر توابع جمع دلالت کر رہی ہے، وَالْحَدُّ مَدْخُولُ كُلٍّ، اور تعریف جو ہے وہ مدخولِ کُل ہے یعنی جس پر کُل داخل ہو رہا ہے، کُل خود تعریف کا حصہ نہیں بلکہ کُل کا جو مدخول ہے یعنی ثَانٍ سے آگے تعریف شروع ہو رہی ہے۔ تو کہتے ہیں: وَالْحَدُّ مَدْخُولُ كُلٍّ اور حد جو ہے وہ کُل کا مدخول ہے، وَهُوَ ثَانٍ، اب وہ مدخولِ کُل کیا ہے؟ جو تعریف ہے وہ بھی بیان کر رہے ہیں: وَهُوَ ثَانٍ بِإِعْرَابِ سَابِقِهِ مِنْ جِهَةٍ وَاحِدَةٍ۔ یہ ہے کُل کا مدخول، یہ ہے تعریف بھئی۔ بات سمجھ میں آ گئی؟ لٰكِنَّهُ لَمَّا أُدْخِلَ كُلٌّ عَلَيْهِ، لیکن جب کُل کے لفظ کو اس تعریف پر داخل کیا گیا اس حد پر داخل کیا گیا، أَفَادَ تو اس کُل کے لفظ نے فائدہ دیا صِدْقَ الْمَحْدُودِ عَلٰى كُلِّ أَفْرَادِ الْحَدِّ، کہ یہ جو محدود ہے یہ صادق آ رہا ہے حد کے تمام افراد پر، فَيَكُونُ مَانِعًا، تو یہ تعریف کیا ہوئی؟ مانع ہوئی، معلوم ہوا کوئی غیر اس میں نہیں۔ اگر غیر ہوتا تو ہر ایک پہ تابع صادق، محدود صادق نہ آتا۔ وَالظَّاهِرُ، اب جامع ہونا کیسے ہے وہ بھی بیان کر رہے ہیں: وَالظَّاهِرُ انْحِصَارُ الْمَحْدُودِ فِيهَا، اور ظاہر بھی یہی ہے کہ محدود بھی اسی کے اندر بند ہے، محدود کے بھی اور کوئی افراد نہیں، یہی افراد ہیں، یہی سارے سب کو جامع ہے۔ کیوں؟ کہتے ہیں: لِعَدَمِ ذِكْرِ غَيْرِهَا، اس لیے کیونکہ توابع کے علاوہ کسی اور کو حد میں ذکر نہیں کیا گیا۔ تعریف میں دیکھو ساروں کو نکال دیا تھا، صرف کیا رہ گئے تھے؟ توابع۔ تو ظاہر یہی ہے کہ محدود بھی انہی کے اندر بند ہے۔ تابع کی کیا تعریف کی؟ التَّابِعُ هُوَ كُلُّ ثَانٍ بِإِعْرَابِ سَابِقِهِ مِنْ جِهَةٍ وَاحِدَةٍ، تو اس تعریف کے اندر سب توابع آ گئے کوئی بھی باہر نہ رہا، کیونکہ باقی سب کو تو قیدوں کے ذریعے نکال دیا، تو ظاہر یہی ہے کہ یہ تعریف جامع بھی ہے۔ مانع ہونا بھی پتہ چل گیا اور جامع ہونا بھی پتہ چل گیا۔ یہ معنی ہے: وَالظَّاهِرُ انْحِصَارُ الْمَحْدُودِ فِيهَا، اور ظاہر یہی ہے کہ محدود جو ہے وہ بھی انہی افراد کے اندر بند ہے، لِعَدَمِ ذِكْرِ غَيْرِهَا، اس لیے کیونکہ ذکر نہیں کیا گیا توابع کے علاوہ کو اس تعریف میں، فَيَكُونُ جَامِعًا، تو تعریف جامع بھی ہوئی۔ فَيَحْصُلُ حَدٌّ جَامِعٌ وَمَانِعٌ، تو حاصل ہو گئی ایک ایسی تعریف جو جامع اور مانع ہے، وَيَكُونُ جَمْعُهُ وَمَنْعُهُ كَالْمَنْصُوصِ عَلَيْهِ، اور اس تعریف کا جامع و مانع ہونا جو ہے وہ منصوص علیہ جیسا ہو گیا یعنی جس کی لفظوں میں کیا کی گئی ہو؟ تصریح کی گئی ہو، لفظوں میں اس کی صراحت کی گئی ہو۔ باقی تعریفوں میں جامع مانع ہونا

منصوص علیہ نہیں ہوتا، لیکن اس تعریف میں کیا ہے؟ جامع مانع ہونا منصوص علیہ کی طرح ہو گیا۔

آگے دیکھیے: النَّعْتُ تَابِعٌ جِنْسٌ شَامِلٌ لِلتَّوَابِعِ كُلِّهَا۔ بھئی پہلے متن متن دیکھ لیجیے: النَّعْتُ تَابِعٌ يَدُلُّ عَلٰى مَعْنًى فِي مَتْبُوعِهِ مُطْلَقًا۔ بھئی توابع کی تعریف کر دی۔ تابع کسے کہتے ہیں؟ ہر دوسرا ہے جو ماقبل کے اعراب کے ساتھ ہو اور وہ اعراب دونوں پر جہتِ واحدہ سے ہو۔ اب وہ توابع پانچ ہیں تو ان میں سے سب سے پہلے اب صفت کو بیان کرنے لگے ہیں، تو صفت کے لیے النَّعْتُ کا لفظ لائے۔ یاد رکھو یہاں تین لفظ ہیں: نعت، وصف اور صفت۔ کون کون سے تین؟ نعت، وصف اور صفت۔ ان تینوں کا ایک ہی معنی ہے، البتہ نعت اصطلاح ہے علمائے کوفہ کی، وہ صفت کو نعت کہتے ہیں، جب کہ علمائے بصرہ وہ وصف اور صفت کا لفظ استعمال کرتے ہیں۔ علمائے کوفہ کیا لفظ استعمال کرتے ہیں صفت کے لیے؟ نعت، اور علمائے بصرہ؟ وصف اور صفت۔ تو صاحبِ کافیہ جو ہیں یہاں پر انھوں نے علمائے کوفہ کی اصطلاح کو اختیار کیا۔ تو نعت کہہ لیں یا صفت کہہ لیں یا وصف کہہ لیں ایک ہی بات ہے۔

تو کہتے ہیں: النَّعْتُ تَابِعٌ، نعت یعنی صفت جو ہے تَابِعٌ ایسا تابع ہے۔ دیکھو تَابِعٌ نکرہ ہے اور يَدُلُّ اس کے بعد فعل آ رہا ہے، اور نکرہ کے بعد فعل آئے تو اس کے لیے صفت بنتا ہے، اور موصوف صفت کا ترجمہ کیسے کرتے ہیں؟ موصوف سے پہلے ایسا یا ایسی کا لفظ لاتے ہیں۔ تو کہتے ہیں: النَّعْتُ تَابِعٌ، صفت جو ہے وہ ایسا تابع ہے يَدُلُّ عَلٰى مَعْنًى، جو دلالت کرتا ہے ایسے معنی پر، دیکھو یہ مَعْنًى نکرہ ہے، اور یہ فِي مَتْبُوعِهِ اس کے بعد جار مجرور آیا، اور یہ جار مجرور نکرہ کے بعد آئے اور کسی سے نہ جڑ رہا ہو تو وہ اسی نکرہ کے لیے صفت بنتا ہے، أَيْ عَلٰى مَعْنًى ثَابِتٍ فِي مَتْبُوعِهِ، ایسا معنی جو اس کے متبوع میں ثابت ہوتا ہے۔ صفت ایسے معنی پر دلالت کرتی ہے جو اس کے متبوع میں ثابت ہوتا ہے، متبوع میں حاصل ہوتا ہے۔ ادھر دیکھیے مثلاً میں نے کہا: جَاءَنِي زَيْدٌ الْعَالِمُ۔ زَيْدٌ موصوف ہے اور الْعَالِمُ صفت ہے، تو دیکھو یہ جو الْعَالِمُ یہ صفت جو ہے یہ ایسا تابع ہے جو ایسے معنی پر دلالت کر رہا ہے جو اس کے موصوف میں ہے، جو اس کے موصوف میں ہے، یہ عالم ہونے کی صفت یا عالم ہونے کا معنی کس کے اندر ہے؟ زید یعنی موصوف کے اندر ہے۔ یا دوسری مثال لے لو، رَأَيْتُ

رَأَيْتُ رَجُلًا ضَارِبًا، میں نے ایک ایسے آدمی کو دیکھا جو پٹائی کر رہا تھا۔ تو رَجُل ہے موصوف اور ضَارِبًا ہے اس کی صفت: رَأَيْتُ رَجُلًا ضَارِبًا۔ تو رَجُلًا ہے موصوف اور ضَارِبًا ہے اس کی صفت۔ تو یہ ضَارِب کون ہے؟ یہ رَجُل ہے، تو ضَارِب ہونے کا معنی اس رَجُل میں پایا جا رہا ہے۔ تو رَجُلًا ضَارِبًا، یہ ضَارِبًا یہ صفت ہے، یہ ایسے معنی پر دلالت کرتی ہے جو اس کے متبوع میں پایا جاتا ہے۔ یا تیسری مثال لے لیں: جَاءَنِي رَجُلٌ شُجَاعٌ، میرے پاس ایک ایسا آدمی آیا جو بہادر ہے، تو رَجُلٌ موصوف، شُجَاعٌ اس کی صفت، اور یہ شجاعت والا معنی کس کے اندر پایا جا رہا ہے؟ اس موصوف یعنی رَجُل میں پایا جا رہا ہے۔ تو صفت ایسے معنی پر دلالت کرتی ہے جو کس کے اندر پایا جاتا ہے؟ متبوع کے اندر پایا جاتا ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ یہ معنی ہے: النَّعْتُ تَابِعٌ يَدُلُّ عَلٰى مَعْنًى فِي مَتْبُوعِهِ، صفت جو ہے وہ ایسا تابع ہے يَدُلُّ عَلٰى مَعْنًى جو دلالت کرتا

ہے ایسے معنی پر، فِي مَتْبُوعِهِ جو اس کے متبوع میں پایا جاتا ہے، مُطْلَقًا، یعنی مطلقاً یہ ایسے معنی پر دلالت کرتی ہے، اس میں کوئی قید نہیں ہے کہ کسی خاص مادے میں دلالت کرے گی۔ یعنی دنیا کی کوئی بھی موصوف صفت آپ لے آئیں تو ہمیشہ صفت جو ہوگی ایسے معنی پر دلالت کرے گی جو موصوف کی ذات میں پایا جائے گا، جو موصوف کے اندر پایا جائے گا۔ آپ کوئی موصوف صفت لے آئیں، ہمیشہ صفت جو ہے وہ ایسے معنی پر دلالت کرے گی جو کس میں ہوگا؟ موصوف کے اندر ہو گا۔ جب کہ باقی توابع میں ایسا نہیں ہے۔ باقی توابع بھی بعض اوقات ایسے معنی پر دلالت کریں گے جو متبوع میں پایا جائے گا۔ جو کس میں پایا جائے گا؟ متبوع میں، لیکن وہ بعض بعض مادوں میں اتفاقاً ایسا ہو جائے گا، تمام مادوں میں ایسا نہیں۔ مثلاً دیکھو آگے مثالیں صاحبِ جامی ذکر کریں گے، دیکھیے ذرا کتاب پر یہ ایک ڈیڑھ سطر بعد آرہا ہے:

أَعْجَبَنِي زَيْدٌ عِلْمُهُ۔ أَعْجَبَنِي زَيْدٌ عِلْمُهُ، یہ أَعْجَبَ فعل، نون وقایہ، یاء ضمیر مفعول بہ کی ہے منصوب محلاً، زَيْدٌ یہ مرفوع ہے فاعل۔ زَيْدٌ یہ فاعل ہے، اور یہ مبدل منہ ہے، اور عِلْمُهُ یہ ہے اس سے بدل۔ یہ اس سے بدل ہے، مبدل منہ اپنے بدل سے مل کر یہ فاعل ہوا أَعْجَبَ فعل کے لیے۔ اور یہ عِلْمُهُ کے اندر ہاء ضمیر یہ زید کو راجع ہے۔

أَعْجَبَنِي زَيْدٌ عِلْمُهُ، یاد رکھو یہ بدلِ اشتمال ہے۔ بدل بھی آگے آنے والا ہے وہ بھی توابع میں سے ہے۔ بدلِ اشتمال کی تعریف میں پہلے بھی ذکر کر چکا ہوں کہ مبدل منہ کا اس کے ساتھ تعلق ہوتا ہے، کیا ہوتا ہے؟ تعلق ہوتا ہے، تو اس کو بدلِ اشتمال کہتے ہیں، یعنی جو آگے بدل آتا ہے وہ مبدل منہ کا نہ کُل ہے نہ اس کا جز ہے۔ تو دیکھو زید کے آگے اس کا علم آگیا، تو یہ جو زید کا علم ہے یہ نہ زید کا کُل ہے نہ اس کا جز ہے۔ تو نہ یہ بدل الکل ہے نہ بدل البعض ہے، بلکہ یہ کیا ہے؟ بدل الاشتمال۔

بدل الاشتمال کی ایک اور تعریف بعض علما نے بڑی پیاری کی، اس سے فوراً پتہ چل جاتا ہے کہ یہ بدل الاشتمال ہے۔ بدل الاشتمال اسے کہتے ہیں، جو میں نے ابھی بیان کیا کہ بدل کا مبدل منہ سے تعلق ہوتا ہے، نہ کُل ہوتا ہے اور نہ جز، لیکن بعض علما فرماتے ہیں کہ بدل الاشتمال وہ ہے جہاں مبدل منہ جو پہلے ذکر ہوا ہے وہ فعل کو قبول نہیں کرتا، ذہن منتظر رہتا ہے کوئی ایسا لفظ آگے آنا چاہیے جو فعل کو قبول کرے۔ مثلاً آپ کہتے ہیں: سُلِبَ زَيْدٌ ثَوْبُهُ، سُلِبَ، چھینا گیا زید کو، ثَوْبُهُ یعنی اس کے کپڑوں کو۔ چھینا گیا زید کو یعنی اس کے کپڑوں کو۔ تو یہ زَيْدٌ مبدل منہ ہے اور ثَوْبُهُ زید کے جو کپڑے ہیں یہ بدل ہے۔ اور یہ زید کے کپڑے کیا زید کا کُل ہے؟ نہیں، یا زید کا جز ہے؟ نہیں، کپڑوں کا زید سے تعلق ضرور ہے، لیکن نہ یہ زید کا کُل ہیں اور نہ زید کا جز ہیں، تو اس کو بدل الاشتمال کہتے ہیں۔ اب پھر بھی بات واضح نہیں ہوتی، تو یہ دوسری تعریف لگائیں: بدل الاشتمال وہ ہے جہاں، توجہ سے سنو، بدل الاشتمال وہ ہے جہاں مبدل منہ فعل کو قبول نہیں کرتا، ذہن منتظر رہتا ہے آگے کوئی اور لفظ آئے اور فعل کو قبول کرے۔ جیسے سُلِبَ زَيْدٌ، زید کو چھینا گیا، یہ زید مبدل منہ ہے۔ اس کی طرف سُلِبَ فعل کی نسبت کی گئی لیکن ذہن مطمئن نہیں ہے۔ زید کو چھینا گیا، کیا معنی؟ زید کو تو نہیں چھینا جا سکتا، زید سے کسی چیز کو چھینا جا سکتا ہے، زید کو تو نہیں چھینا جا سکتا۔ تو زید اس سُلِبَ فعل کو قبول نہیں کر رہا، ذہن مطمئن نہیں ہے، ذہن انتظار

میں ہے کہ آگے کوئی اور لفظ آئے وہ فعل کو قبول کرے، اور آگے پھر ثَوْبُهُ آگیا۔ سُلِبَ زَيْدٌ، زید کو چھینا گیا ثَوْبُهُ یعنی اس کے کپڑوں کو۔ اب بات واضح ہو گئی معلوم ہوا زید کو نہیں چھینا گیا بلکہ اس کے کپڑوں کو چھینا گیا ہے، کیونکہ زید کو تو نہیں چھینا جا سکتا۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو بدل الاشتمال کسے کہتے ہیں؟ کہ مبدل منہ فعل کو قبول نہ کرے اور ذہن منتظر ہو آگے کوئی اور لفظ آئے اور وہ فعل کو قبول کر لے۔ سُلِبَ زَيْدٌ، یہ زید چھیننے کو قبول نہیں کر رہا، آگے ثَوْبُهُ نے آکر سُلِبَ فعل کو قبول کر لیا، کپڑوں کو چھینا جا سکتا ہے زید کو نہیں چھینا جا سکتا۔

یہاں بھی اسی طرح ہے: أَعْجَبَنِي زَيْدٌ عِلْمُهُ۔ یہ زَيْدٌ مبدل منہ ہے اور عِلْمُهُ یہ بدل الاشتمال ہے، کیونکہ یہ نہ زید کا کُل ہے اور نہ بعض ہے۔ ہاں اس علم کا زید سے تعلق ہے، یہ زید کی صفت ہے۔ توجہ ہے؟ اب یہ بدل الاشتمال کس طرح ہے؟ کہتے ہیں دیکھو کہا أَعْجَبَنِي زَيْدٌ، زید نے مجھے تعجب میں ڈالا۔ زید نے؟ ذہن ابھی بھی منتظر ہے بھئی نہیں، زید، زید سے زید کی ذات مراد ہے، اور کسی چیز کی ذات انسان کو تعجب میں نہیں ڈالتی بلکہ اس کی کوئی صفت یا اس کا کوئی کام ہے وہ انسان کو تعجب میں ڈالتا ہے۔ زید تو ایک انسان ہے بھئی، ایک انسان دوسرے انسان کو کیسے تعجب میں ڈالے گا؟ ہاں اس کی کوئی صفت ہے، اس کے پاس علم بہت زیادہ ہے، یا اس کا کوئی فعل ہے، اس نے کمال کی بہادری کا مظاہرہ کیا، تو تعجب میں کیا چیز ڈالتی ہے؟ کسی کی ذات یا اس کی صفت؟ اس کی صفت تعجب میں ڈالتی ہے۔ تو جب آپ نے کہا أَعْجَبَنِي زَيْدٌ، زید نے مجھے تعجب میں ڈالا، تو ذہن ابھی بھی منتظر ہے آگے کوئی لفظ آنا چاہیے جو اس کو کیا کرے؟ فعل کو قبول کرے۔ زید تو اس کو قبول نہیں کر رہا، تو آگے عِلْمُهُ آگیا، اور پتہ چلا کہ اس کے علم نے تعجب میں ڈالا ہے بھئی۔ اب دیکھیے زَيْدٌ مبدل منہ ہے اور عِلْمُهُ بدل ہے، اور عِلْمُهُ سے کس کا علم مراد؟ زید کا علم۔ تو یہ علم کس کے اندر ہے؟ زید کے اندر ہے۔ تو یہ ہے تو بدل، لیکن آپ کی تعریف اس پر صادق آ رہی ہے۔ آپ نے بھی کیا کہا تھا؟ النَّعْتُ تَابِعٌ يَدُلُّ عَلٰى مَعْنًى فِي مَتْبُوعِهِ، کہ صفت ایسا تابع ہے جو ایسے معنی پر دلالت کرتا ہے جو اس کے متبوع میں پایا جائے۔ یہاں پر بھی دیکھ لو، یہ زَيْدٌ عِلْمُهُ، یہ عِلْمُهُ تابع ہے، بدل ہے، اور یہ ایسے معنی پر دلالت کر رہا ہے جو اس کے متبوع زید میں پایا جا رہا ہے، یہ علم کس میں ہے؟ زید میں ہے۔ تو یہ بھی آپ کی تعریف میں داخل ہو گیا۔ یہ بدل ہے لیکن آپ کی تعریف کے اندر یہ بھی داخل ہو گیا۔

اسی طرح معطوف کی اگلی مثال دیکھو ایک دو لفظوں کے بعد آ رہی ہے: أَعْجَبَنِي زَيْدٌ وَعِلْمُهُ، مجھے تعجب میں ڈالا زید نے وَعِلْمُهُ اور اس کے علم نے۔ یہاں پر بھی دیکھو، زید ہے معطوف علیہ، اور عِلْمُهُ ہے معطوف بحرف، اس کا واؤ کے ذریعے عطف کیا گیا ہے۔ تو یہ تابع ہے، معطوف پر وہی اعراب آتا ہے جو کس پر آئے؟ معطوف علیہ پر۔ تو یہ بھی تابع ہے، اور یہ عِلْمُهُ یہ جو معطوف ہے، یہ علم کس کے اندر ہے؟ زید کے اندر ہے۔ تو آپ کی تعریف میں یہ وَعِلْمُهُ بھی داخل ہو گیا۔ یہ ایسا تابع ہے جو ایسے معنی پر دلالت کر رہا ہے جو کس میں ہے؟ اس کے متبوع میں، یہ علم کس میں ہے؟ زید کے اندر یعنی

معطوف علیہ کے اندر۔ تو یہ وَعِلْمُهُ بھی آپ کی تعریف میں داخل ہو گیا۔

اسی طرح اگلی مثال دیکھیے دو چار لفظوں کے بعد ہے: جَاءَنِي الْقَوْمُ كُلُّهُمْ۔ الْقَوْمُ کا معنی ہے لوگ، لوگ۔ تین سے لے کر دس تک مردوں کی جماعت کو قوم کہتے ہیں۔ تو اردو میں اس قوم کا ترجمہ طلبہ عموماً قوم ہی کے ساتھ کرتے ہیں، یہ درست نہیں ہے۔ اردو میں قوم اور چیز ہے اور عربی میں قوم اور چیز ہے، توجہ ہے؟ تو اردو میں قوم پورا وہ قبیلہ اور خاندان مراد ہوتے ہیں، جب کہ قوم عربی میں چند لوگوں کی جماعت کو کہتے ہیں، چند مردوں کی جماعت تین سے لے کر دس تک۔ تو قوم کا معنی لوگ، اور الْقَوْمُ آیا، معلوم ہوا کوئی معین جماعت مراد ہے، تو ترجمہ کریں گے وہ لوگ۔ اب فرض کرو وہ دس لوگوں کی ایک جماعت ہے، آپ نے کہا جَاءَنِي الْقَوْمُ وہ لوگ میرے پاس آئے تھے، تو ضروری نہیں کہ سارے آئے ہوں، کیونکہ اکثر بھی آجائیں تو لِلْأَكْثَرِ حُكْمُ الْكُلِّ۔ تو مثلاً دس میں سے آٹھ آگئے تو پھر بھی آپ کسی کو بتاتے ہیں کہتے ہیں جَاءَنِي الْقَوْمُ وہ لوگ میرے پاس آئے تھے۔ لیکن کیا ضروری ہے کہ سارے آئے ہوں؟ نہیں، ہو سکتا ہے سارے آئے ہوں ہو سکتا ہے اکثر آئے ہوں۔ توجہ ہے؟ لیکن آپ دوسرے کو بتانا چاہتے ہیں کہ سارے آئے تھے، تو آپ پھر تاکید لاتے ہیں: جَاءَنِي الْقَوْمُ كُلُّهُمْ، میرے پاس آئے تھے وہ لوگ كُلُّهُمْ سارے کے سارے۔ اب یہ كُلُّهُمْ یہ ہے تاکید بھئی۔ یہ کیا ہے؟ تاکید ہے، اور یہ شمول اور اجتماع کا فائدہ دیتی ہے۔ کس کا؟ شمول اور اجتماع کا۔ بھئی اس قوم کے کتنے افراد تھے؟ دس افراد تھے، تو اس كُلُّهُمْ نے کیا بتلایا کہ آنے میں وہ سارے کے سارے شریک تھے، وہ سب آئے تھے۔ كُلُّهُمْ یہ تاکید ہے، اور اس نے شمول کا فائدہ دیا، شمول اور اجتماع کا، یعنی آنے میں وہ ساری قوم شامل تھی وہ ساری قوم آئی تھی۔ تو یہ شمول اور اجتماع کا معنی کس میں ہے؟ اس قوم کے اندر ہے۔ کس کے اندر ہے؟ قوم کے اندر۔ یہ یعنی آنے میں وہ سب شامل تھے وہ سب آئے تھے۔ تو یہ كُلُّهُمْ کس لیے آتا ہے؟ تاکید کے لیے، اور یہ کس چیز کا فائدہ دیتا ہے؟ شمول اور اجتماع کا، اکٹھے ہونے کا، اور یہ شمول اور اجتماع کس میں ہوتا ہے؟ متبوع میں ہوتا ہے، الْقَوْمُ جو ہے اس کے اندر یہ شمول ہے کہ وہ سارے آئے ہیں۔ تو دیکھو یہ آپ کی تعریف اس كُلُّهُمْ پر بھی صادق آرہی ہے حالانکہ یہ تاکید ہے، یہ تو صفت نہیں ہے، لیکن آپ نے صفت کی کیا تعریف کی؟ صفت وہ تابع ہے جو ایسے معنی پر دلالت کرے جو کس میں پایا جائے؟ متبوع میں۔ یہاں پر بھی جَاءَنِي الْقَوْمُ كُلُّهُمْ، یہ كُلُّهُمْ کس معنی پر دلالت کر رہا ہے؟ شمول پر اور اجتماع پر، اور یہ شمول اور اجتماع کس کے اندر ہے؟ قوم کے اندر ہے، توجہ ہے؟ تو لہٰذا یہ بھی تعریف کے اندر داخل ہو گیا۔

تو آپ نے صفت کی ایسی تعریف کی جس میں أَعْجَبَنِي زَيْدٌ عِلْمُهُ یہ بدل بھی داخل ہو گیا، اور أَعْجَبَنِي زَيْدٌ وَعِلْمُهُ یہ معطوف بھی داخل ہو گیا، اور جَاءَنِي الْقَوْمُ كُلُّهُمْ یہ تاکید بھی داخل ہو گئی۔ تو آپ کی تعریف دخولِ غیر سے مانع نہیں بن رہی تھی۔ تو اسی لیے صاحبِ کافیہ نے پھر آگے مُطْلَقًا کی قید لگا دی۔ کون سی قید لگا دی؟ مُطْلَقًا۔ اب پوری تعریف یوں ہوئی: النَّعْتُ تَابِعٌ يَدُلُّ عَلٰى مَعْنًى فِي مَتْبُوعِهِ مُطْلَقًا۔ کہ صفت وہ ایسا تابع ہے جو دلالت کرتا ہے ایسے معنی پر جو اس کے متبوع

میں پایا جاتا ہے، مُطْلَقًا، اس کے متبوع میں پایا جاتا ہے مطلقاً یعنی وہ کسی مادے کے ساتھ مقید نہیں۔ تمام مادوں کے اندر صفت اسی طرح ہوگی۔ آپ دنیا کی جو بھی صفت لے آئیں، جو بھی مادہ یعنی جو بھی لفظ لے آئیں موصوف صفت والے اٹھا کر، صفت ہمیشہ ایسی ہوگی کہ وہ ایسے معنی پر دلالت کرے گی جو کس میں پایا جائے گا؟ متبوع میں۔ یعنی یہ صفت کا ایسے معنی پر دلالت کرنا کہ وہ متبوع میں پایا جائے، یہ کسی خاص مادے میں نہیں ہے یہ مطلق ہے تمام مادوں میں۔ جب کہ آپ نے جو مثالیں ذکر کیں بدل کی، معطوف کی اور تاکید کی، وہ بھی ایسے معنی پر دلالت کر رہے ہیں جو کس میں پایا جا رہا ہے؟ متبوع میں، لیکن یہ ہر مادے میں نہیں ہے، بعض مادوں میں کبھی اس طرح بھی ہو جاتا ہے۔ جیسے آپ نے مثالیں ذکر کیں: أَعْجَبَنِي زَيْدٌ عِلْمُهُ، یہ عِلْمُهُ یہ ہے بدل، یہ اتفاقاً اس مادے میں ایسا ہو گیا کہ یہ علم کس میں ہے؟ زید میں ہے۔ ہر بدل میں ایسا نہیں ہے۔ ہر بدل میں ایسا نہیں۔ ذرا عِلْمُهُ کی جگہ غُلَامُهُ لے آؤ: أَعْجَبَنِي زَيْدٌ غُلَامُهُ، مجھے تعجب میں ڈالا زید نے غُلَامُهُ یعنی اس کے غلام نے۔ اب مجھے بتائیے زَيْدٌ ہے مبدل منہ، اور غُلَامُهُ ہے اس سے بدل، اور یہ غُلَامُهُ کیا یہ معنی زید کے اندر پایا جا رہا ہے؟ نہیں، زید کی ذات اور ہے اور اس کے غلام کی ذات اور ہے۔ تو دیکھو وہ صرف اس مادے میں تھا کہ تابع جو بدل تھا وہ ایسے معنی پر دلالت کر رہا تھا جو کس کے اندر تھا؟ مبدل منہ کے اندر تھا۔ تمام بدلوں کے اندر اس طرح نہیں ہوتا۔ اسی طرح آپ نے کہا أَعْجَبَنِي زَيْدٌ وَعِلْمُهُ، یہاں آپ وَعِلْمُهُ کے بجائے وَغُلَامُهُ لے آئیں: مجھے تعجب میں ڈالا زید نے وَغُلَامُهُ اور اس کے غلام نے۔ یہاں پر بھی دیکھو یہ وَغُلَامُهُ یہ ایسے معنی پر دلالت نہیں کر رہا جو زید میں پایا جائے، زید کی ذات الگ ہے اور اس کے غلام کی ذات الگ ہے۔ تو وہ بعض مادوں میں کبھی ایسا ہوتا ہے کہ معطوف ایسے معنوں پر دلالت کر دیتا ہے کہ جو متبوع میں پایا جائے۔ اسی طرح آپ نے کہا جَاءَنِي الْقَوْمُ كُلُّهُمْ، تو یہ كُلُّهُمْ تاکید ہے اور یہ ایسے معنی پر دلالت کر رہی ہے جو متبوع میں پایا جائے، لیکن یہ بعض مادوں میں کبھی کبھار ایسا ہوگا کہ تاکید ایسے معنی پر دلالت کرے گی جو کس میں پایا جائے گا؟ متبوع میں۔ تمام مادوں میں ایسا نہیں ہے۔ آپ کوئی اور مادہ لے آئیں: جَاءَنِي زَيْدٌ نَفْسُهُ، نَفْسُهُ أَيْ نَفْسُ زَيْدٍ۔ جَاءَنِي زَيْدٌ نَفْسُهُ، میرے پاس زید خود آیا تھا۔ تو زَيْدٌ یہ ہے مؤکد، اور نَفْسُهُ یہ کیا ہے زید کی تاکید، اور نَفْسُهُ یہ ایسے معنی پر دلالت نہیں کر رہا جو زید کے اندر پایا جائے، توجہ ہے؟ کیونکہ ایک ہے زید اور ایک ہے

ذاتِ زید۔ تو ذاتِ زید، زید کے اندر ہے یا زید خود ہی ذاتِ زید ہے؟ زید خود ہی ذاتِ زید ہے۔ تو معلوم ہوا یہاں جو نَفْسُهُ ہے ایسے معنی پر دلالت نہیں کر رہا جو زید کے اندر پایا جائے، بلکہ یہ خود ہی زید پر دلالت کر رہا ہے۔ بات سمجھ میں آ گئی؟ تو لہٰذا بعض مادوں کے اندر اگر بدل، یا معطوف، یا تاکید ایسے معنی پر دلالت کریں جو کس میں پایا جائے؟ متبوع میں، تو اس سے کوئی خرابی لازم نہیں آتی، کیونکہ صاحبِ کافیہ نے مُطْلَقًا کی قید لگا دی، کہ صفت جو ہوگی وہ مطلقاً تمام صورتوں میں، تمام مادوں کے اندر ایسے معنی پر دلالت کرے گی، جب کہ یہ تو مطلقاً تمام مادوں میں ایسے معنی پر دلالت نہیں کرتے۔ بعض

مادوں میں اگر دلالت ہو بھی جائے اس سے کوئی خرابی لازم نہیں آتی۔ اب مُطْلَقًا کی قید سمجھ میں آگئی؟

تو کہتے ہیں: النَّعْتُ تَابِعٌ يَدُلُّ عَلٰى مَعْنًى فِي مَتْبُوعِهِ مُطْلَقًا۔ صفت جو ہے وہ ایسا تابع ہے جو دلالت کرتا ہے ایسے معنی پر فِي مَتْبُوعِهِ جو اس کے متبوع میں پایا جائے، مُطْلَقًا، اور یہ دلالت کیسی ہوتی ہے؟ مطلق ہوتی ہے، کسی خاص مادے کے ساتھ مقید نہیں ہے بھئی۔ اب اس سارے کو شرح کے ساتھ دیکھیے۔ کہتے ہیں: النَّعْتُ تَابِعٌ، جِنْسٌ شَامِلٌ لِلتَّوَابِعِ كُلِّهَا۔ یہ فوائدِ قیود اب ذکر کر رہے ہیں۔ آپ نے پڑھا ہے تعریف جنس اور فصل پر مشتمل ہوتی ہے۔ تو جب کہا: النَّعْتُ تَابِعٌ، جب تابع کا لفظ کہا تو اس میں سارے تابع آگئے، پانچوں کے پانچوں، تو یہ جنس کے درجے میں ہے۔ اور پھر يَدُلُّ عَلٰى مَعْنًى فِي مَتْبُوعِهِ مُطْلَقًا کہا، تو پھر باقی سارے نکل گئے صرف صفت رہ گئی۔ تو کہتے ہیں: النَّعْتُ تَابِعٌ جِنْسٌ، یہ تابع کا لفظ جو ہے یہ جنس ہے، شَامِلٌ لِلتَّوَابِعِ كُلِّهَا، یہ سارے توابع کو شامل ہے، سب توابع تعریف میں داخل ہو گئے۔ اب اگلی قیدوں سے نکلیں گے۔ وَقَوْلُهُ، اور ماتن کا قول جو ہے: يَدُلُّ عَلٰى مَعْنًى فِي مَتْبُوعِهِ، یہ جو قول ہے، أَيْ يَدُلُّ بِهَيْئَةٍ تَرْكِيبِيَّةٍ، یعنی دلالت کرتی ہے وہ صفت بِهَيْئَةٍ تَرْكِيبِيَّةٍ اپنی ہیئتِ ترکیبیہ کے ساتھ، کس کے ساتھ؟ رَكَّبَ يُرَكِّبُ ترکیب کا معنی ہے جوڑنا، ہیئتِ ترکیبیہ کا معنی یہ ہے موصوف کے ساتھ صفت جڑی ہوئی ہو۔ اگر موصوف سے صفت الگ ہے تو پھر وہ، پھر اس، پھر وہ ایسے معنی پر دلالت نہیں کرے گی جو متبوع کے اندر پایا جائے، کیونکہ متبوع وہاں ہے ہی نہیں۔ متبوع کے اندر معنی پر وہ دلالت تب کرے گی جب وہ متبوع کے ساتھ آئے گی بھئی۔ توجہ ہے؟ ایک ہے موصوف ایک ہے صفت، صفت ایسے معنی پر دلالت کرتی ہے جو کس میں ہوتا ہے؟ موصوف کے اندر، لیکن یہ اسی وقت ہو گا جب ساتھ موصوف ذکر بھی ہو۔

تو کہتے ہیں: أَيْ يَدُلُّ بِهَيْئَةٍ تَرْكِيبِيَّةٍ مَعَ مَتْبُوعِهِ، یعنی صفت دلالت کرتی ہے ہیئتِ ترکیبیہ کے ذریعے مَعَ مَتْبُوعِهِ اپنے متبوع کے ساتھ۔ صفت جو ہے اپنے متبوع کے ساتھ ہیئتِ ترکیبیہ کے ذریعے دلالت کرتی ہے، عَلٰى حُصُولِ مَعْنًى فِي مَتْبُوعِهِ، ایک ایسے معنی پر جو حاصل ہو رہا ہے اس کے متبوع میں۔ موصوف صفت مل گئے، یہ ہیئتِ ترکیبیہ آگئی، تو یہ صفت کی ہیئتِ ترکیبیہ ہے کس کے ساتھ؟ اپنے متبوع کے ساتھ، تو اس کی وجہ سے یہ صفت دلالت کرے گی ایسے معنی پر جو کس میں حاصل ہو رہا ہے؟ اس کے متبوع میں۔ تو یہ معنی ہے: أَيْ يَدُلُّ بِهَيْئَةٍ تَرْكِيبِيَّةٍ مَعَ مَتْبُوعِهِ، یعنی صفت دلالت کرتی ہے اپنے متبوع کے ساتھ ہیئتِ ترکیبیہ کے ذریعے، عَلٰى حُصُولِ مَعْنًى ایک ایسے معنی کے حاصل ہونے پر، فِي مَتْبُوعِهِ جو کس میں ہوتا ہے؟ اس کے متبوع میں ہوتا ہے۔

مُطْلَقًا، أَيْ دَلَالَةً مُطْلَقَةً، یعنی یہ دلالت ایسی ہوتی ہے جو مطلق ہوتی ہے، غَيْرَ مُقَيَّدَةٍ بِخُصُوصِيَّةِ مَادَّةٍ مِنَ الْمَوَادِّ، یعنی مقید نہیں ہوتی بِخُصُوصِيَّةِ مَادَّةٍ مِنَ الْمَوَادِّ، ترجمہ آخر سے ہو گا: مادوں میں سے کسی مادے کی خصوصیت کے ساتھ۔ مادوں میں سے کسی مادے کی خصوصیت کے ساتھ وہ مقید نہیں ہوتی، کہ اس مادے میں تو یہ دلالت کر رہی ہے دوسرے میں نہیں کر رہی، ایسا نہیں، بلکہ ہر مادے کے اندر وہ صفت ایسے معنی پر دلالت کرتی ہے جو اس کے متبوع میں پایا جائے۔ ترجمہ

سمجھ میں آیا؟

تو مُطْلَقًا أَيْ دَلَالَةً مُطْلَقَةً، دیکھو متن میں آیا تھا مُطْلَقًا، صاحبِ جامی فرما رہے ہیں أَيْ دَلَالَةً مُطْلَقَةً۔ بتلانا یہ چاہتے ہیں کہ یہ مُطْلَقًا یہ مفعولِ مطلق ہے باعتبارِ موصوفِ محذوف کے۔ اس مُطْلَقًا کا موصوف دَلَالَةً محذوف ہے، اور دَلَالَةً ماقبل میں يَدُلُّ فعل کا مصدر ہے، اور وہ مصدر جو ماقبل فعل کے معنی میں ہو اس کو کیا کہتے ہیں؟ مفعولِ مطلق۔ تو یہ مُطْلَقًا یہ مفعولِ مطلق ہے لیکن خود نہیں بلکہ اپنے موصوف کے اعتبار سے۔ پھر یہاں اشکال ہوتا ہے کہ دَلَالَةً اس کے ساتھ تو گول تاء جڑی ہوئی ہے، اور مُطْلَقًا یہ تو مذکر ہے، حالانکہ موصوف مؤنث ہو تو صفت بھی کیا ہوتی ہے؟ مؤنث۔ تو اس کا جواب بعض شارحین دیتے ہیں، وہ فرماتے ہیں کہ دَلَالَةً لفظوں میں نہیں ہے محذوف ہے، دَلَالَةً لفظوں میں نہیں ہے محذوف ہے، اس لیے اس کی تانیث کا اعتبار نہیں کیا اور مُطْلَقًا لے آئے۔ کیونکہ ایک موصوف لفظوں میں ذکر ہو پھر تو اس کے مطابق صفت کا لانا ضروری ہے، لیکن یہاں دَلَالَةً محذوف ہے لفظوں میں ذکر نہیں، اس لیے اس کی تانیث کا اعتبار نہیں کیا۔

تو کہتے ہیں: مُطْلَقًا أَيْ دَلَالَةً مُطْلَقَةً غَيْرَ مُقَيَّدَةٍ بِخُصُوصِيَّةِ مَادَّةٍ مِنَ الْمَوَادِّ، یعنی یہ جو دلالت ہوتی ہے اس طرح کے معنی پر وہ مطلق ہوتی ہے صفت میں، غَيْرَ مُقَيَّدَةٍ بِخُصُوصِيَّةِ مَادَّةٍ مِنَ الْمَوَادِّ مادوں میں سے کسی مادے کی خصوصیت کے ساتھ وہ مقید نہیں ہوتی۔ کہتے ہیں: احْتِرَازٌ عَنْ سَائِرِ التَّوَابِعِ، اس قید کے ذریعے احتراز ہے باقی توابع سے۔ یہ جو کہا نا یہ مُطْلَقًا کی بات نہیں کر رہے، يَدُلُّ عَلٰى مَعْنًى فِي مَتْبُوعِهِ مُطْلَقًا، یہ ساری یہ جو قید لگائی اس کے ذریعے احتراز ہے باقی توابع سے۔ یہ قید لگانے سے باقی سارے توابع نکل گئے۔ وَلَا يَرِدُ عَلَيْهِ الْبَدَلُ، اور بدل کا اعتراض وارد نہیں ہوتا فِي مِثْلِ قَوْلِكَ، آپ کے اس جیسے قول میں: أَعْجَبَنِي زَيْدٌ عِلْمُهُ۔ یہ اعتراض وارد نہیں ہوتا کیونکہ یہ خاص مادے میں ہے۔ اور اسی طرح وَالْمَعْطُوفُ، معطوف کا اعتراض بھی وارد نہیں ہوتا فِي مِثْلِ قَوْلِكَ، آپ کے اس جیسے قول میں: أَعْجَبَنِي زَيْدٌ وَعِلْمُهُ۔ تو یہ معطوف بھی ایسے معنی پر دلالت کر رہا ہے جو متبوع میں ہے، لیکن یہ اعتراض وارد نہیں ہوتا۔ وَلَا التَّأْكِيدُ فِي مِثْلِ قَوْلِكَ، اور نہ ہی تاکید کا اعتراض وارد ہوتا ہے آپ کے اس جیسے قول میں: جَاءَنِي الْقَوْمُ كُلُّهُمْ۔ لِدَلَالَةِ كُلُّهُمْ عَلٰى مَعْنَى الشُّمُولِ فِي الْقَوْمِ، اس لیے کیونکہ كُلُّهُمْ کا لفظ جو ہے وہ دلالت کر رہا ہے شمول کے معنی پر فِي الْقَوْمِ اور وہ شمول کس میں ہے؟ قوم میں ہے۔ تو کہتے ہیں لِدَلَالَةِ كُلُّهُمْ عَلٰى مَعْنَى الشُّمُولِ اس لیے کیونکہ كُلُّهُمْ کا لفظ دلالت کر رہا ہے شمول کے معنی پر، فِي الْقَوْمِ اور وہ شمول کس میں ہے؟ قوم میں ہے۔

فَإِنَّ دَلَالَةَ التَّوَابِعِ فِي هٰذِهِ الْأَمْثِلَةِ، اس لیے کیونکہ ان توابع کی دلالت اِن، فِي هٰذِهِ الْأَمْثِلَةِ ان مثالوں میں، عَلٰى حُصُولِ مَعْنًى فِي الْمَتْبُوعِ، ان کی دلالت ہو رہی ہے ایسے معنی پر جو حاصل ہو رہا ہے متبوع میں، تو ان توابع کی دلالت ان مثالوں میں ایسے معنی پر جو کس میں پایا جا رہا ہے؟ متبوع میں، إِنَّمَا هِيَ لِخُصُوصِ مَوَادِّهَا، یہ ان خاص مادوں میں ہے۔ ایسے معنی کا حاصل ہونا جو متبوع میں ہے ان مثالوں کے اندر، إِنَّمَا هِيَ لِخُصُوصِ مَوَادِّهَا یہ خاص ان مادوں کے اندر ہے۔ یہ

جو آپ نے کچھ مثالیں ذکر کر دیں ان مادوں میں ہے، یا اس طرح چند ایک اور مادے ہوں گے، لیکن تمام مادوں میں مطلقاً ایسا نہیں۔ پھر ترجمہ دیکھیے، کہتے ہیں: فَإِنَّ دَلَالَةَ التَّوَابِعِ فِي هٰذِهِ الْأَمْثِلَةِ، اس لیے کیونکہ ان توابع کی دلالت کرنا ان مثالوں میں عَلٰى حُصُولِ مَعْنًى فِي الْمَتْبُوعِ ایک ایسے معنی پر جو متبوع میں حاصل ہو رہا ہے، إِنَّمَا هِيَ لِخُصُوصِ مَوَادِّهَا وہ ان خاص مادوں کی وجہ سے ہے۔

فَلَوْ جُرِّدَتْ عَنْ هٰذِهِ الْمَوَادِّ، اگر ان توابع کو خالی کر دیا جائے ان مادوں سے، كَمَا يُقَالُ جیسے یوں کہا جائے: أَعْجَبَنِي زَيْدٌ غُلَامُهُ، أَوْ أَعْجَبَنِي زَيْدٌ وَغُلَامُهُ، أَوْ جَاءَنِي زَيْدٌ نَفْسُهُ۔ تو دیکھو مادے بدل دو، تو لَا تَجِدُ لَهَا دَلَالَةً عَلٰى مَعْنًى فِي مَتْبُوعَاتِهَا، تو لَا تَجِدُ لَهَا دَلَالَةً تو آپ ان توابع کی دلالت نہیں پائیں گے عَلٰى مَعْنًى ایسے معنی پر فِي مَتْبُوعَاتِهَا جو ان کے متبوعات میں ہو۔ أَعْجَبَنِي زَيْدٌ غُلَامُهُ، اب یہ غُلَامُهُ ایسے معنی پر دلالت نہیں کر رہا جو زید میں پایا جائے۔ أَعْجَبَنِي زَيْدٌ وَغُلَامُهُ، یہاں پر غُلَامُهُ جو معطوف ہے وہ ایسے معنی پر دلالت نہیں کر رہا جو معطوف علیہ میں یعنی زید میں پایا جائے۔ أَوْ جَاءَنِي زَيْدٌ نَفْسُهُ، یا نَفْسُهُ ایسے معنی پر دلالت نہیں کر رہا جو زید کے اندر پایا جائے، بلکہ زید اور نفسِ زید دونوں ایک چیز ہیں، نفسِ زید کوئی زید کے اندر یہ معنی نہیں پایا جاتا۔ بات سمجھ میں آ گئی؟

تو لَا تَجِدُ لَهَا دَلَالَةً، تو آپ ان توابع کی دلالت نہیں پائیں گے عَلٰى مَعْنًى فِي مَتْبُوعَاتِهَا ایسے معنی پر جو ان کے متبوعات میں پایا جائے، بِخِلَافِ الصِّفَةِ بخلاف کس کے؟ صفت کے۔ فَإِنَّ الْهَيْئَةَ التَّرْكِيبِيَّةَ بَيْنَ الصِّفَةِ وَالْمَوْصُوفِ، اس لیے کیونکہ وہ جو ہیئتِ ترکیبیہ ہے صفت اور موصوف کے درمیان، تَدُلُّ وہ دلالت کرتی ہے عَلٰى حُصُولِ مَعْنًى اس بات پر کہ ایک معنی حاصل ہو رہا ہے فِي مَتْبُوعَاتِهَا ان کے متبوعات میں، فِي أَيِّ مَادَّةٍ كَانَتْ جس مادے میں بھی وہ ہو۔ جس مادے میں بھی وہ ہیئتِ ترکیبیہ پائی جائے، صفت ہمیشہ ایسے معنی پر دلالت کرے گی جو اس کے متبوع میں پایا جائے، جب کہ باقی توابع ایسے نہیں ہیں، وہ خاص مادوں کے اندر تو ایسے معنی پر دلالت کر سکتے ہیں لیکن تمام مادوں میں نہیں۔ تو مُطْلَقًا کی قید لگائی تو باقی توابع کیا ہو گئے؟ خارج ہو گئے۔ بات سمجھ میں آ گئی؟ حل ہو گیا؟ چلیے بس بھئی۔ هٰذَا هُوَ الْمَرَامُ وَاللّٰهُ أَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْكَلَامِ۔

سبق نمبر ۱۹۹: النعت (۱): نعت کی تعریف، فائدہ (تخصیص، توضیح، مدح، ذم، ترحم، تاکید) اور اقسام

شرحِ ملا جامی صفحہ: ۱۷۸ — بتاریخ: ۲۶ ستمبر ۲۰۲۲ء

▪ تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث

آگے سبق دیکھیے بھئی۔ وَفَائِدَتُهُ أَيْ فَائِدَةُ النَّعْتِ غَالِباً تَخْصِيصٌ فِي النَّكِرَةِ كَرَجُلٍ عَالِمٍ، أَوْ تَوْضِيحٌ فِي الْمَعْرِفَةِ كَزَيْدٍ الظَّرِيفِ، وَقَدْ يَكُونُ لِمُجَرَّدِ الثَّنَاءِ مِنْ غَيْرِ قَصْدِ تَخْصِيصٍ وَتَوْضِيحٍ، نَحْوُ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ۔

بھئی گزشتہ سبق میں توابع کے بارے میں ہم پڑھ رہے تھے بھئی۔ صاحبِ کافیہ نے آپ کو بتلایا کہ توابع جو ہے ہر وہ دوسرا ہے جو ماقبل کے اعراب کے ساتھ ہو اور دونوں میں اعراب جو آرہا ہو یعنی سابق اور لاحق میں وہ جہتِ واحدہ سے ہو بھئی۔ اور پھر صاحبِ جامی نے کل بتلایا کہ اعراب ایک ہونا عام ہے، چاہے لفظاً ہو یا تقدیراً ہو یا محلاً ہو، اور چاہے حقیقتاً ہو یا حکماً ہو بھئی۔ یعنی دونوں میں اعراب ایک ہونا چاہیے۔ ماقبل میں اعراب محلاً ہے تو بعد والے میں محلاً ہونا ضروری نہیں، یا پہلے والے میں لفظاً ہے تو دوسرے میں لفظاً ہونا ضروری نہیں، یا ایک کے اندر حکماً ہے تو دوسرے کے اندر بھی حکماً ہونا ضروری نہیں۔ ہاں، اعراب ایک ہونا چاہیے۔ ایک پر اگر رفع آیا ہے تو دوسرے پر بھی کیا آنا چاہیے؟ رفع آنا چاہیے۔ چاہے ایک پر رفع محلاً ہو اور دوسرے پر رفع لفظاً ہو، یا تقدیراً ہو، یا حقیقتاً ہو، یا حکماً ہو، لیکن ہونا رفع ہی چاہیے۔ اور اگر پہلے پر نصب ہے تو دوسرے پر بھی نصب ہی ہونا چاہیے۔ اور اگر پہلے پر جر ہے تو دوسرے پر بھی جر ہی ہونا چاہیے۔

لہٰذا جَاءَنِي هٰؤُلَاءِ الرِّجَالُ، یہ اعتراض تعریف پر وارد نہیں ہوتا کہ دیکھو هٰؤُلَاءِ یہ اسمِ اشارہ ہے قریب کے لیے، یہ سب بھئی۔ تو هٰؤُلَاءِ موصوف ہے، اور یہ مرفوع ہے محلاً کیونکہ اسمِ اشارہ ہے، مبنی ہے۔ اور الرِّجَالُ یہ اس کی صفت ہے اور یہ مرفوع لفظاً ہے۔ تو موصوف میں رفع آیا محلاً اور صفت میں رفع آیا لفظاً۔ تو اب آپ اعتراض وارد نہیں کر سکتے کہ ایک میں تو اعراب کیا ہے محلاً، دوسرے میں کیا ہے لفظاً۔ بھئی اعراب جو ہے وہ عام ہے، البتہ ہونا ایک جیسا اعراب چاہیے۔ پہلے پر بھی رفع ہے اور دوسرے پر بھی رفع ہے بھئی۔

اور نیز اسی طرح یَا زَیْدُ الْعَاقِلُ، یہ یَا زَیْدُ یہ مَبْنِیٌّ عَلَی الضَّمِّ ہے، اور الْعَاقِلُ صفت پر رفع پڑھنا بھی جائز اور الْعَاقِلَ نصب پڑھنا بھی جائز۔ نصب کیوں پڑھیں گے؟ میں نے بتلایا تھا زید کے محل پر حمل کرتے ہوئے، اس لیے کیونکہ یَا زَیْدُ یہ جو منادیٰ ہے جب مفرد معرفہ ہو تو یہ مَبْنِیٌّ عَلَی الضَّمِّ ہوتا ہے۔ تو جب یہ مبنی ہے تو مبنی کا اعراب کیسے بتاتے ہیں؟ محلاً۔ تو یہ محلاً منصوب ہے، کیونکہ یہ مفعول بہ ہے أَدْعُو فعل کے لیے۔ تو یَا زَیْدُ حقیقت میں کیا ہے؟ أَدْعُو زَیْداً۔ تو یہ زید مَبْنِیٌّ عَلَی الضَّمِّ تو ہے لیکن محلاً منصوب ہے۔ تو لہٰذا اس کی صفت الْعَاقِلَ اس پر بھی نصب پڑھیں گے کیونکہ یہ مبنی کا تابع ہے اور مبنی کا جو تابع ہوتا ہے وہ اس کے محل کے تابع ہوتا ہے۔ اور آپ الْعَاقِلُ بھی پڑھ سکتے ہیں اس لیے کیونکہ یہ جو زید پر ضمہ آیا ہے، یہ ضمہ بھی رفع جیسا ہے، کیونکہ یہ یَا کی وجہ سے آیا ہے جیسے رفع عامل کی وجہ سے آتا ہے۔ جیسے رفع کس کی وجہ سے آتا ہے؟ رفع تو خود بخود نہیں آئے گا اس کے لیے کوئی عامل چاہیے، تو جیسے رفع عامل کی وجہ سے آتا ہے، یہاں زید جو مبنی بنا اور اس پر ضمہ آیا، یہ ضمہ بھی کس کی وجہ سے ہے؟ یَا کی وجہ سے ہے۔ تو یہ ضمہ بھی رفع جیسا ہوا۔ تو یہ بھی حکماً اعراب ہے۔ یہ کیا ہے؟ حقیقت میں یہ اعراب نہیں لیکن اس کو کون سا حکم دے دیا؟ اعراب والا حکم دے دیا۔ تو گویا اس پر رفع ہے۔ جب اس پر رفع ہے تو اس کے تابع یعنی صفت پر بھی رفع پڑھیں گے۔ تو یَا زَیْدُ الْعَاقِلُ، تو الْعَاقِلُ کیوں پڑھا؟ زید کے لفظوں پر حمل کرتے ہوئے۔ تو دیکھو موصوف جو ہے زَیْدُ اس پر رفع ہے حکماً، اس پر رفع ہے حکماً، اور الْعَاقِلُ پر رفع ہے لفظاً جو صفت ہے۔ تو لیکن ہے دونوں پر رفع ہی، بات سمجھ میں آ گئی۔

اور اسی طرح لَا رَجُلَ ظَرِیفاً، اس کے اندر لَائے نفیِ جنس ہے، اور لَائے نفیِ جنس کا اسم جب ساتھ بھی جڑا ہوا ہو لَا کے، اور نکرہ بھی ہو، اور مضاف یا مشابہِ مضاف نہ ہو، تو پھر وہ مبنی ہوتا ہے علامتِ نصب پر۔ مبنی ہوتا ہے علامتِ نصب پر۔ تو لَا رَجُلَ یہ دیکھو نکرہ بھی ہے، لَا کے ساتھ بھی جڑا ہوا ہے، اور مضاف یا مشابہِ مضاف نہیں، تو اس لیے یہ مبنی ہے علامتِ نصب پر، تو لَا رَجُلَ۔ اور اس کی صفت جو آگے آ رہی ہے، اس پر نصب پڑھنا بھی جائز ظَرِیفاً، اس پر رفع پڑھنا بھی جائز ظَرِیفٌ، اور اس کو رَجُل کی طرح مبنی بنانا علامتِ نصب پر یہ بھی جائز ہے، لَا رَجُلَ ظَرِیفَ۔ رَجُل مبنی ہے علامتِ نصب پر تو ظَرِیف کو بھی کیا کر دیا مبنی کر دیا علامتِ نصب پر کیونکہ یہ اس کی صفت ہے۔ تو یہ جو لَائے نفیِ جنس کا اسم جو مبنی ہوتا ہے علامتِ نصب پر، اس کی صفت میں تین طرح پڑھ سکتے ہیں: لَا رَجُلَ ظَرِیفَ، لَا رَجُلَ ظَرِیفٌ، اور لَا رَجُلَ ظَرِیفاً۔ بات سمجھ میں آ گئی۔

تو لَا رَجُلَ ظَرِیفَ مبنی کیوں پڑھ سکتے ہیں؟ وجہ یہ کہ اس کا موصوف مبنی ہے علامتِ نصب پر، تو صفت کو بھی مبنی کر دیا علامتِ نصب پر۔ اور نصب کیوں پڑھ سکتے ہیں؟ تو میں نے بتلایا تھا کہ لَائے نفیِ جنس کا اسم منصوب ہوتا ہے، اس وقت تو مبنی ہے، اس وقت تو مبنی ہے لیکن یہ لَائے نفیِ جنس کا اسم منصوب ہوتا ہے جب وہ ساتھ بھی جڑا ہوا ہو لَا کے اور نکرہ بھی ہو اور ساتھ مضاف یا مشابہِ مضاف بھی ہو۔ یہ تینوں شرطیں پوری ہوں گی تو لَا کا اسم منصوب ہوگا۔ جیسے لَا غُلَامَ

رَجُلٍ فِي الدَّارِ۔ تو یہ غُلَام منصوب ہے، کیونکہ لَا کے ساتھ بھی جڑا ہوا ہے اور نیز نکرہ بھی ہے کیونکہ نکرہ کی طرف مضاف ہو رہا ہے اور جو اسم نکرہ کی طرف مضاف ہو وہ نکرہ ہی رہتا ہے، اور نیز یہ مضاف بھی ہے، تو یہ منصوب ہے۔ تو لَائے نفیِ جنس کا اسم کیا ہوتا ہے؟ منصوب ہوتا ہے۔ تو لہٰذا لَا رَجُلَ یہ اس وقت تو مبنی ہے اور مبنی کا اعراب کیسے بتاتے ہیں؟ محلاً۔ تو محلاً یہ منصوب ہے۔ جب یہ محلاً منصوب ہے تو اس کی جو صفت لائیں گے اس کا جو تابع لائیں گے وہ مبنی کے محل کے تابع ہوتا ہے، لفظوں کے تابع نہیں، تو محل کے تابع ظَرِيفاً آپ پڑھ سکتے ہیں۔ لَا رَجُلَ ظَرِيفاً، یہ رَجُل کے محلِ قریب پر حمل کرتے ہوئے نصب پڑھا ہم نے، کہ یہ محلاً منصوب ہے لَا کا اسم ہے۔

جی، تو ظَرِيفاً جو صفت آئی اس پر نصب پڑھنے کی ایک وجہ کیا کہ یہ رَجُل کے محلِ قریب پر حمل کیا۔ اور یا آپ یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ لَا رَجُلَ یہ رَجُل پر جو فتحہ آیا ہے، یہ لَا کی وجہ سے آیا ہے، تو یہ بھی نصب جیسا ہوا۔ جیسے نصب عامل کی وجہ سے آتا ہے، یہ فتحہ بھی کس کی وجہ سے آیا ہے؟ لَا کی وجہ سے۔ تو لہٰذا یہ، یہ ہے تو فتحہ، نصب تو نہیں ہے، لیکن یہ نصب جیسا ہی ہے، یعنی یہ حکماً نصب ہی ہے بھئی۔ یہ حکماً، جب یہ نصب ہے تو اس کی صفت اس پر بھی نصب پڑھیں گے، لَا رَجُلَ ظَرِيفاً۔ توجہ ہے؟ تو ظَرِيفاً پڑھنے کی دو وجہیں ذکر ہو گئیں: ایک ظَرِيفاً پڑھا رَجُل کے محلِ قریب پر حمل کرتے ہوئے، اور ایک وجہ یہ کہ ظَرِيفاً پڑھا رَجُل کے لفظوں پر حمل کرتے ہوئے۔ بات سمجھ میں آ گئی۔

اور آپ لَا رَجُلَ ظَرِيفٌ بھی پڑھ سکتے ہیں۔ رفع کیوں پڑھیں گے صفت پر، تابع پر؟ یہ رَجُل کے محلِ بعید پر حمل کرتے ہوئے، کیونکہ اصل میں یہ رَجُل مبتدا تھا، یہ لَائے نفیِ جنس کس پر داخل ہوتا ہے؟ مبتدا اور خبر پر داخل ہوتا ہے۔ تو یہ اصل میں مبتدا تھا، اور مبتدا کیا ہوتا ہے؟ مرفوع۔ تو یہ محلاً مرفوع ہے، لہٰذا اس کی صفت پر بھی رفع پڑھیں گے، کیونکہ مبنی ہے، محلاً مرفوع ہے، اور مبنی کی جو صفت ہوتی ہے وہ اس کے محل کے تابع ہوتی ہے۔ تو گویا اس رَجُل کے دو محل ہو گئے: ایک محلِ قریب ہے یہ منصوب ہے لَا کی وجہ سے، اور ایک محلِ بعید ہے یہ مرفوع ہے اصل کے اعتبار سے کیونکہ مبتدا ہے۔ بات سمجھ میں آ گئی۔ تو معلوم ہوا لَا رَجُلَ اس کے اندر یہ جو فتحہ آیا یہ حکماً نصب ہے، تو یہ حکماً اعراب ہے، حکماً اعراب ہی ہے، لہٰذا اس کی صفت پر بھی ظَرِيفاً نصب پڑھنا جائز ہے کیونکہ موصوف جب منصوب ہے حکماً تو صفت بھی کیا ہوگی؟ منصوب ہوگی۔

پھر اس کے بعد صاحبِ جامی نے فرمایا تھا کہ یہ جو تعریف میں کُل کا لفظ آیا یہ اپنے محل میں نہیں ہے، کیونکہ تعریف جو ہے وہ جنس کی کی جاتی ہے اور جنس کے ذریعے کی جاتی ہے۔ یاد رکھو جو معرَّف ہے جس کی تعریف کی جا رہی ہے، وہ بھی جنس ہونا چاہیے، اور آگے جو تعریف کی جائے وہ جب جنس کی تعریف ہے تو تعریف بھی جنس ہوتی ہے۔ کیا ہوتی ہے؟ جنس ہوتی ہے۔ جیسے دیکھو یہاں پر التَّوَابِعُ كُلُّ ثَانٍ بِإِعْرَابِ سَابِقِهِ مِنْ جِهَةٍ وَاحِدَةٍ۔ التَّوَابِعُ یہ ہے معرَّف جس کی تعریف کی جا رہی ہے، اور كُلُّ ثَانٍ بِإِعْرَابِ سَابِقِهِ مِنْ جِهَةٍ وَاحِدَةٍ یہ ہے اس کی تعریف یعنی یہ ہے معرِّف۔ تو معرَّف کیا؟ التَّوَابِعُ۔ اور

معرَّف یعنی تعریف کیا؟ كُلُّ ثَانٍ بِإِعْرَابِ سَابِقِهِ مِنْ جِهَةٍ وَاحِدَةٍ۔ تو اعتراض یہ ہوتا ہے کہ معرَّف التَّوَابِعُ جمع ہے اور جمع کی دلالت افراد پر ہوتی ہے، معلوم ہوا معرَّف افراد ہیں، معرَّف افراد ہیں حالانکہ معرَّف کو تو جنس ہونا چاہیے۔ اور نیز تعریف کے اندر كُل لے کر آ گئے اور كُل بھی احاطۂ افراد کے لیے ہوتا ہے، سارے کے سارے، سارے کے سارے افراد، تو معلوم ہوا تعریف بھی افراد کے ذریعے کی جا رہی ہے۔ تو یہ تو افراد کی تعریف ہو گئی افراد کے ذریعے، حالانکہ تعریف جنس کی کی جاتی ہے جنس کے ذریعے۔ بات سمجھ میں آ گئی۔

تو پھر صاحبِ جامی نے اس کا جواب دیا تھا اور بتلایا تھا کہ یہ تعریف التَّوَابِعُ کی نہیں ہے بلکہ توابع جمع ہے اور جمع کے ضمن میں مفرد بھی آ جاتا ہے، جیسے الرِّجَالُ اس کے ضمن میں کیا آ گیا؟ رَجُلٌ بھی آ گیا، رَجُلٌ وَرَجُلٌ وَرَجُلٌ۔ تو التَّوَابِعُ بھی جمع ہے تو اس کے ضمن میں مفرد آ گیا، تو یہ تابع کی تعریف کی جا رہی ہے۔ اور نیز جو تعریف ہے اس پر آپ نے کہا كُل کا لفظ داخل ہے، تو جواب یہ کہ كُل تعریف سے خارج ہے۔ كُل کیا ہے؟ ہاں، كُل کے بعد تعریف شروع ہو رہی ہے اور وہ ہے ثَانٍ بِإِعْرَابِ سَابِقِهِ مِنْ جِهَةٍ وَاحِدَةٍ۔ یہ اسی طرح ہے جیسے آپ یوں کہیں الْإِنْسَانُ حَيَوَانٌ نَاطِقٌ، انسان کیا ہے؟ حیوانِ ناطق ہے، تو انسان کی تعریف حیوانِ ناطق ہے، اس حیوانِ ناطق پر آپ كُل لے آئیں، الْإِنْسَانُ كُلُّ حَيَوَانٍ نَاطِقٍ۔ اب کوئی آپ سے پوچھے انسان کی تعریف کیا؟ تو آپ کہیں گے یہ كُل تعریف سے خارج ہے اور یہ تعریف پر كُل داخل کیا گیا ہے۔ تو یہاں پر بھی کہتے ہیں یہ تعریف ثَانٍ سے شروع ہو رہی ہے اور یہ كُل کا لفظ تعریف پر داخل ہے، كُل کا جو مدخول ہے وہ ہے تعریف بھئی۔ وہ ہے تعریف بھئی۔

تو تابع کسے کہتے ہیں؟ تابع جو ہے وہ دوسرا ہے، ذرا كُل کو ہٹا دیں، التَّابِعُ هُوَ ثَانٍ، وہ دوسرا ہے بِإِعْرَابِ سَابِقِهِ جو ماقبل کے اعراب کے ساتھ ہو مِنْ جِهَةٍ وَاحِدَةٍ اور ماقبل اور مابعد دونوں کا اعراب ایک ہی جہت سے ہونا چاہیے۔ اب اس پر جب كُل داخل کر دیا، كُل داخل کر دیا تو معلوم ہوا جو بھی یہ ثَانٍ بِإِعْرَابِ سَابِقِهِ مِنْ جِهَةٍ وَاحِدَةٍ ہے، اس کا ہر ہر فرد وہ تابع ہے۔ جیسے دیکھو، جیسے دیکھو الْإِنْسَانُ حَيَوَانٌ نَاطِقٌ انسان کیا ہے؟ حیوانِ ناطق۔ اب پتہ نہیں حیوانِ ناطق کے اندر کوئی غیر تو نہیں داخل؟ ہم تعریف کس کی کر رہے ہیں؟ انسان کی، اور کیا تعریف کی؟ حیوانِ ناطق۔ تعریف تو جامع بھی ہونی چاہیے اور مانع بھی۔ اب پتہ نہیں جب ہم نے حیوانِ ناطق کہا، پتہ نہیں انسان کے علاوہ کوئی اور داخل ہوا یا داخل نہیں ہوا۔ احتمال ہے، ہمیں غور کرنا پڑے گا کوئی اور تو اس تعریف میں نہیں داخل ہو رہا، کوئی اور تو۔ لیکن جب لفظِ كُل داخل کر دیا کہ كُلُّ حَيَوَانٍ نَاطِقٍ انسان جو ہے وہ ہر حیوانِ ناطق ہے، اس سے پتہ چلا کوئی غیر تعریف میں نہیں داخل، تب ہی آپ كُل داخل کر سکتے ہیں ورنہ تو كُل داخل، اگر اس حیوانِ ناطق کے اندر گائے یا بھینس یا بکری بھی داخل ہو رہی ہوتی تو پھر آپ کہہ سکتے تھے انسان ہر حیوانِ ناطق ہے؟ پھر تو ہر حیوانِ ناطق کو انسان نہیں کہہ سکتے کیونکہ حیوانِ ناطق میں اور بھی چیزیں داخل ہو رہی تھیں۔ لیکن جب كُل آپ لے آئے اب پتہ چلا اس کے اندر کوئی غیر داخل نہیں ہو رہا۔ تو معلوم ہوا حیوانِ

ناطق کا ہر ہر فرد انسان ہے۔ تو معلوم ہوا تعریف مانع ہو گئی، کوئی غیر اس تعریف میں داخل نہیں۔ تو کُل سے تعریف کے مانع ہونے کا پتہ چلا، اور نیز تعریف جامع بھی ہو گئی، ظاہر یہی ہے کہ تعریف جامع بھی ہو گئی کیونکہ حیوانِ ناطق ظاہر یہی ہے کہ اس نے تمام انسانوں کا کیا کیا ہے؟ احاطہ کر لیا ہے، تمام انسانوں کا۔

احاطہ کر لیا ہے، کوئی اس سے خارج نہیں رہا، کوئی اس سے باقی نہیں رہا، کوئی اور اس کے اندر داخل نہیں ہو رہا۔ تو تعریف جامع بھی ہوئی اور مانع بھی ہوئی۔ تو لہٰذا اگر کُل ذکر نہ کرتے تو تعریف کا جامع مانع ہونا ضمناً معلوم ہوتا، اور جب کُل داخل کر دیا اب تعریف کا جامع مانع ہونا منصوصٌ علیہ کی طرح ہو گیا، گویا صراحت کر دی کہ یہ تعریف کیا ہے جامع مانع ہے بھئی۔ بات سمجھ میں آ گئی۔

اس کے بعد ہم نے صفت کے بارے میں پڑھنا شروع کیا تھا۔ صاحبِ کافیہ نے آپ کو بتلایا النَّعْتُ تَابِعٌ يَدُلُّ عَلٰى مَعْنًى فِي مَتْبُوعِهِ مُطْلَقاً۔ میں نے بتلایا تھا ایک لفظ ہے نَعْت اور ایک لفظ ہے صِفَت اور ایک وَصْف۔ تین لفظ ہیں بھئی۔ تینوں کا ایک ہی معنیٰ ہے، تینوں صفت کو کہتے ہیں۔ البتہ علمائے کوفہ نعت کا لفظ استعمال کرتے ہیں، نعت اور منعوت بھئی۔ اور جبکہ علمائے بصرہ جو ہیں صفت اور موصوف کا لفظ استعمال کرتے ہیں، صفت بھی اور وصف بھی۔ تو نعت کہہ لیں، وصف کہہ لیں، صفت کہہ لیں، تینوں کا ایک ہی معنیٰ ہے، تینوں صفت کے نام ہیں۔ تو صفت کی تعریف کر رہے ہیں، تو کہا صفت ایسا تابع ہے يَدُلُّ عَلٰى مَعْنًى فِي مَتْبُوعِهِ جو دلالت کرتی ہے ایسے معنیٰ پر فِي مَتْبُوعِهِ جو اس کے متبوع میں پایا جاتا ہے، مُطْلَقاً یعنی تمام احوال میں، تمام مادوں میں، کسی خاص مادے میں نہیں، تمام مادوں میں۔

جیسے دیکھو جَاءَنِي رَجُلٌ عَالِمٌ۔ رَجُلٌ موصوف اور عَالِمٌ اس کی صفت۔ میرے پاس ایک ایسا آدمی آیا کہ وہ عالم ہے۔ تو رَجُلٌ موصوف ہے عَالِمٌ صفت ہے، مجھے بتائیے یہ علم کس کے اندر پایا جا رہا ہے؟ اس رَجُل کے اندر، وہ جو موصوف ہے۔ تو صفت ہمیشہ ایسے معنیٰ پر دلالت کرتی ہے جو موصوف کے اندر پایا جاتا ہے۔ دوسری مثال لے لو، جَاءَنِي زَيْدٌ الشُّجَاعُ، میرے پاس وہ زید آیا جو بہادر ہے۔ زَيْدٌ موصوف الشُّجَاعُ اس کی صفت، یہ شجاعت کس کے اندر ہے؟ زید یعنی موصوف کے اندر ہے۔ تو صفت ہمیشہ ایسے معنیٰ پر دلالت کرتی ہے جو کس میں پایا جاتا ہے؟ موصوف کے اندر، اور مُطْلَقاً یعنی تمام مادوں میں آپ دنیا کے جو بھی موصوف صفت اٹھا کر لے آئیں، ہمیشہ صفت ایسے معنیٰ پر دلالت کرے گی جو کس کے اندر پایا جائے گا؟ موصوف کے اندر۔ اور تو یہ تمام مادوں میں ہوگا۔

جبکہ اور جو توابع ہیں وہ بھی بعض اوقات ایسے معنیٰ پر دلالت کرتے ہیں جو متبوع میں پایا جاتا ہے، لیکن وہ تمام مادوں میں نہیں ہے، بعض بعض مادوں میں اتفاقاً ایسا ہو جاتا ہے۔ جیسے مثال ذکر کی تھی أَعْجَبَنِي زَيْدٌ عِلْمُهُ، مجھے تعجب میں ڈالا زید نے یعنی اس کے علم نے۔ یہاں زید یاد رکھو زید مبدل منہ ہے، اور عِلْمُهُ زید کا علم یہ ہے بدل۔ یہ کیا ہے؟ بدل ہے۔ اور دیکھو یہ علم کس کے اندر پایا جا رہا ہے؟ زید کے اندر۔ تو یہاں بھی یہ عِلْمُهُ ایسا تابع ہے جو ایسے معنیٰ پر دلالت کر رہا ہے جو

اس کے متبوع میں پایا جا رہا ہے۔ اسی طرح معطوف میں بھی بعض اوقات ایسا ہوگا: أَعْجَبَنِي زَيْدٌ وَعِلْمُهُ۔ زَيْدٌ معطوف علیہ، اور وَعِلْمُهُ یہ عِلْمُهُ کیا ہے؟ معطوف۔ اور یہ علم کس کے اندر ہے؟ زید یعنی معطوف علیہ کے اندر ہے۔ تو یہ معطوف بحرف ایسے معنیٰ پر دلالت کر رہا ہے جو متبوع میں پایا جا رہا ہے، تو یہ بھی آپ کی تعریف میں داخل ہو گیا۔

اسی طرح جَاءَنِي الْقَوْمُ كُلُّهُمْ، وہ ساری قوم میرے پاس آئی۔ تو الْقَوْمُ ہے مؤکد اور كُلُّهُمْ ہے اس کی تاکید، اور یہ كُلُّهُمْ شمول کا فائدہ دیتا ہے۔ کس کا؟ شمول، یعنی وہ سارے لوگ میرے پاس آئے، وہ سارے لوگ میرے پاس آئے۔ مثلاً دس آدمیوں کی جماعت تھی، تو جب اگر آپ کہیں جَاءَنِي الْقَوْمُ، وہ لوگ میرے پاس آئے تھے، تو پتہ نہیں سارے آئے یا اکثر آئے، کیونکہ اکثر بھی آجاتے ہیں تو لوگ کہہ دیتے ہیں کہ وہ لوگ میرے پاس آئے تھے، سب کی طرف نسبت کر دیتے ہیں کیونکہ لِلْأَكْثَرِ حُكْمُ الْكُلِّ۔ تو پتہ نہیں جب آپ جَاءَنِي الْقَوْمُ کہتے ہیں اس سے پتہ نہیں چلتا کہ دس کے دس آئے ہیں یا دس میں سے سات یا آٹھ آئے ہیں۔ لیکن جب آپ نے كُلُّهُمْ کہہ دیا، آپ تاکید لے آئے، اس نے شمول کا فائدہ دیا اور بتلایا کہ آنے میں یہ سارے شامل تھے یعنی سب، یہ آنے کی نسبت ان کے ہر فرد کی طرف ہوئی ہے، سب فرد آئے ہیں دس کے دس آئے ہیں، کوئی بھی باقی نہیں رہا۔ تو یہ شمول کا فائدہ کس نے دیا؟ كُلُّهُمْ نے۔ اور یہ شمول کس میں پایا جا رہا ہے؟ اسی الْقَوْمُ میں۔ جَاءَنِي الْقَوْمُ كُلُّهُمْ، كُلُّهُمْ نے کیا فائدہ دیا؟ شمول کا۔ اور یہ شمول کس میں ہے؟ اس قوم کے اندر ہے کہ یہ قوم کا لفظ اپنے تمام افراد کو شامل ہے، اکثر نہیں اس سے مراد بلکہ تمام افراد مراد ہیں۔ تو الْقَوْمُ ہے مؤکد اور كُلُّهُمْ ہے اس کی تاکید۔ لیکن یہ كُلُّهُمْ ایسی تاکید ہے جو ایسے معنیٰ پر دلالت کر رہی ہے جو کس کے اندر پایا جا رہا ہے؟ اس کے متبوع کے اندر پایا جا رہا ہے، تو یہ بھی آپ کی تعریف میں داخل ہوا۔

أَعْجَبَنِي زَيْدٌ عِلْمُهُ، یہ بدل بھی داخل ہو گیا آپ کی تعریف میں، اور اسی طرح أَعْجَبَنِي زَيْدٌ وَعِلْمُهُ یہ معطوف بحرف بھی آپ کی تعریف میں داخل ہو گیا، اور جَاءَنِي الْقَوْمُ كُلُّهُمْ یہ كُلُّهُمْ تاکید بھی آپ کی تعریف میں داخل ہو گئی۔ آپ تو تعریف کر رہے ہیں صفت کی لیکن یہ بدل بھی داخل، معطوف بحرف بھی داخل، اور تاکید بھی داخل ہے۔ یہ تو صفتیں نہیں ہیں، یہ تابع تو ہیں لیکن ماقبل کی صفت نہیں، کوئی بدل ہے، کوئی معطوف ہے، اور کوئی تاکید ہے۔ تو اس کا جواب دیا صاحبِ جامی نے کہ صاحبِ کافیہ نے یہ جو مُطْلَقاً کی قید لگائی ہے اسی لیے لگائی ہے کہ جو صفت ہوتی ہے وہ تمام مادوں کے اندر ایسے معنیٰ پر دلالت کرتی ہے جو متبوع میں پایا جائے، کس میں پایا جائے؟ متبوع میں۔ جبکہ باقی توابع کبھی کبھار تو وہ بھی ایسے معنیٰ پر دلالت کریں گے لیکن مُطْلَقاً تمام مادوں میں وہ ایسے نہیں۔

چنانچہ آپ ذرا یہ آپ عِلْمُهُ لائے تھے، یا عِلْمُهُ کو ذرا بدل دیں۔ آپ کہتے ہیں أَعْجَبَنِي زَيْدٌ غُلَامُهُ، أَعْجَبَنِي زَيْدٌ غُلَامُهُ، مجھے تعجب میں ڈالا زید نے یعنی غُلَامُهُ اس کے غلام نے۔ اب یہ غلام بدل ہے زید سے، لیکن یہ غلام ایسے معنیٰ پر دلالت نہیں کر رہا جو زید کے اندر ہو۔ کیا وہ غلام زید ہے خود؟ نہیں، زید کی ذات اور غلام کی ذات اور ہے۔ تو لہٰذا یہ زید کا غلام یہ

ایسا معنیٰ نہیں ہے جو کس کے اندر پایا جائے؟ زید کے اندر پایا جائے۔ زید کے غلام کا زید سے تعلق ضرور ہے لیکن زید کا غلام یہ زید کے اندر نہیں پایا جاتا، جبکہ عِلْمُهُ وہ علم کس کے اندر پایا جا رہا تھا؟ زید کے اندر پایا جا رہا تھا، وہ اس کی صفت ہو رہا تھا بھئی۔ تو دیکھو اس مادے کے اندر بدل جو ہے، یہ جو مادہ ذکر ہوا أَعْجَبَنِي زَيْدٌ غُلَامُهُ، اب یہ بدل تو ہے غُلَامُهُ لیکن یہ ایسے معنیٰ پر دلالت نہیں کر رہا جو متبوع میں پایا جائے۔

اسی طرح، اسی طرح جو معطوف کی مثال آپ نے ذکر کی تھی أَعْجَبَنِي زَيْدٌ وَعِلْمُهُ، یہاں آپ وَعِلْمُهُ ذرا مادے کو بدل دیں، کوئی اور لفظ لے آئیں، أَعْجَبَنِي زَيْدٌ وَغُلَامُهُ۔ اب دیکھو یہ معطوف تو ہے لیکن یہ ایسے معنیٰ پر دلالت نہیں کر رہا جو اس کے متبوع میں پایا جائے، زید کی ذات اور ہے اور زید کے غلام کی ذات اور ہے۔ اسی طرح تاکید، جَاءَنِي الْقَوْمُ كُلُّهُمْ، كُلُّهُمْ تاکید تھی اور وہ شمول کے معنیٰ پر دلالت کر رہی تھی اور وہ شمول کس میں تھا؟ اس مؤکد یعنی الْقَوْمُ کے اندر تھا بھئی۔ تو الْقَوْمُ کے اندر تھا تو کہتے ہیں یہ اس مادے کے اندر ایسا ہے، تاکید کے ہر مادے میں ایسا نہیں ہوگا۔ مثلاً آپ کہتے ہیں جَاءَنِي زَيْدٌ نَفْسُهُ، میرے پاس زید خود آیا۔ تو یہاں یاد رکھو زَيْدٌ مؤکد ہے اور نَفْسُهُ اس کی تاکید ہے۔ تو ایک ہے زید، ایک ہے نفسِ زید یعنی ذاتِ زید۔ کیا ذاتِ زید زید کے، زید کے اندر پائی جا رہی ہے یا زید خود ہی ذاتِ زید ہے؟ زید خود ہی ذاتِ زید ہے۔ تو دیکھو زید کہہ لو یا ذاتِ زید کہہ لو یہ ایک معنیٰ پر دلالت کر رہے ہیں، تو نفسِ زید جو ہے وہ ایسے معنیٰ پر دلالت نہیں کر رہا جو زید کے اندر پایا جائے۔ تو دیکھا، معلوم ہوا وہ جو بعض جگہ بدل یا معطوف یا تاکید وہ ایسے معنیٰ پر دلالت کرتے تھے جو ان کے متبوع میں پایا جاتا تھا، وہ تمام مادوں میں نہیں ہے، بعض مادوں میں ہے۔ جبکہ صفت کے اندر جب بھی صفت آتی ہے وہ ہمیشہ ایسے معنیٰ پر دلالت کرتی ہے جو کس کے اندر ہوتا ہے؟ متبوع کے اندر ہوتا ہے۔ تو مُطْلَقاً کی قید کے ذریعے یہ سب توابع صفت کی تعریف سے نکل گئے، صرف صفت رہ گئی اور اسی کی تعریف کرنا مقصود تھی۔ تو یہ تعریف جامع بھی ہے اور مانع بھی ہے بھئی۔

اب آئیے آج کے سبق پر۔ کہتے ہیں وَفَائِدَتُهُ أَيْ فَائِدَةُ النَّعْتِ غَالِباً تَخْصِيصٌ فِي النَّكِرَةِ كَرَجُلٍ عَالِمٍ۔ بھئی پہلے متن متن دیکھ لیجیے۔ کہتے ہیں وَفَائِدَتُهُ تَخْصِيصٌ أَوْ تَوْضِيحٌ وَقَدْ يَكُونُ لِمُجَرَّدِ الثَّنَاءِ أَوِ الذَّمِّ أَوِ التَّأْكِيدِ۔ صفت کا فائدہ ذکر کر رہے ہیں کہ صفت لانے کا فائدہ کیا ہے؟ کس مقصد کے لیے صفت لائی جاتی ہے؟

تو بتلائیں گے کہ نکرہ کے اندر جب صفت لائی جائے تو وہ اس نکرہ میں تخصیص پیدا کر دیتی ہے، یعنی اس میں اشتراک کم ہو جاتا ہے۔ اس میں اشتراک کم ہو جاتا ہے۔ مثلاً میں نے کہا جَاءَنِي رَجُلٌ۔ رَجُلٌ مطلق ہے اس کی کوئی صفت نہیں، تو یہ دنیا کے ہر ہر رَجُل پر صادق آ رہا ہے۔ ہر رَجُل کے بارے میں آپ کہہ سکتے ہیں ہو سکتا ہے یہ والا آیا ہو، ہو سکتا ہے یہ دوسرا والا آیا ہو، ہو سکتا ہے یہ تیسرا آیا ہو۔ تو یہ رَجُل دنیا کے ہر ہر رَجُل پر صادق آ رہا ہے۔ لیکن اگر آپ اس کی صفت لے آئیں جَاءَنِي رَجُلٌ عَالِمٌ، میرے پاس عالم آدمی آیا، تو اس سے دیکھو غیرِ عالم نکل گئے۔ اب غیرِ عالم پر اس لفظ کا اطلاق نہیں ہو

سکتا، رَجُلٌ عَالِمٌ کا اطلاق اب صرف عالم آدمی پر ہی ہوگا۔ تو دیکھو اشتراک کیا ہو گیا؟ کم ہو گیا۔ فرض کرو یہ رَجُل کا لفظ پہلے دو ارب مردوں پر صادق آرہا تھا اور ان میں سے فرض کرو صرف ایک کروڑ عالم ہیں، تو رَجُل پہلے دو ارب پر صادق آرہا تھا، اب صرف مثلاً ایک کروڑ پر صادق آرہا ہے، تو دیکھو اشتراک کم ہو گیا۔ تو یہ ہے تخصیص۔ تو نکرہ میں صفت لائی جاتی ہے کس لیے؟ تخصیص کے لیے، یعنی اس میں اشتراک کو کم کر دیتی ہے، افراد کم ہو جاتے ہیں جن پر وہ صادق آتا ہے۔

اور معرفہ کے اندر صفت جو ہے وہ توضیح کے لیے لائی جاتی ہے۔ توضیح کہتے ہیں غیر کے، غیر کے احتمال کو ختم کرنا۔ مثلاً میں کہتا ہوں جَاءَنِي زَيْدٌ، میرے پاس زید آیا۔ اب دیکھو اس زید کے اندر احتمال ہے، ہو سکتا ہے یہ عالم ہو، ہو سکتا ہے عالم نہ ہو۔ لیکن جب میں صفت لے آؤں گا جَاءَنِي زَيْدٌ الْعَالِمُ، تو زید معرفہ ہے اور معرفہ کی صفت بھی کیا ہوگی؟ معرفہ۔ تو میں معرفہ کی صفت لایا اور معرفہ کی صفت توضیح کا فائدہ دیتی ہے، وضاحت کا فائدہ دیتی ہے، یعنی وضاحت ہو گئی جَاءَنِي زَيْدٌ الْعَالِمُ، یہ جو الْعَالِم صفت آئی اس نے زید سے غیرِ عالم ہونے کے احتمال کو ختم کر دیا۔ زید میں دونوں احتمال تھے، ہو سکتا ہے عالم ہو، ہو سکتا ہے عالم نہ ہو۔ تو جب الْعَالِم صفت لائی گئی تو اس نے غیرِ عالم ہونے کے احتمال کو ختم کر دیا۔ بات سمجھ میں آگئی۔ تو توضیح کا کیا معنیٰ ہے؟ غیر کے احتمال کو ختم کرنا۔

بعض علما نے توضیح کا اور معنیٰ بیان کیا۔ وہ فرماتے ہیں توضیح کا معنیٰ ہے اشتراک ختم کرنا۔ توضیح کا کیا معنیٰ ہے؟ اشتراک ختم کرنا۔ مثلاً زید دو ہیں، ایک زید عالم ہے اور ایک زید تاجر ہے۔ تو جب میں نے کہا جَاءَنِي زَيْدٌ میرے پاس زید آیا تو کچھ پتہ نہیں چلا کہ کون سا زید آیا ہے، عالم جو ہے وہ یا جو تاجر ہے وہ بھئی۔ تو لیکن جب میں صفت لے آؤں گا جَاءَنِي زَيْدٌ الْعَالِمُ، تو دیکھو اس نے زید کے اندر اشتراک کو ختم کر دیا۔ معلوم ہوا وہ والا زید آیا ہے جو عالم ہے، وہ زید جو تاجر ہے وہ نہیں آیا۔

تو نکرہ میں صفت کس لیے آتی ہے؟ تخصیص کے لیے۔ تخصیص کا کیا معنیٰ؟ اشتراک کو کم کرنا۔ اور معرفہ میں صفت کس لیے آتی ہے؟ توضیح کے لیے، وضاحت کے لیے۔ اور توضیح کا کیا معنیٰ؟ غیر کے احتمال کو ختم کرنا۔ تو زید کے اندر جب میں نے کہا جَاءَنِي زَيْدٌ الْعَالِمُ تو زید سے غیرِ عالم ہونے کا احتمال ختم ہو گیا۔ اور جبکہ بعضوں نے کہا توضیح کا معنیٰ یہ ہے اشتراک کو ختم کرنا۔ جب میں نے کہا جَاءَنِي زَيْدٌ الْعَالِمُ تو معلوم ہوا وہ زید آیا ہے جو عالم ہے، جو دوسرا زید ہے وہ نہیں آیا۔

تو کہتے ہیں وَفَائِدَتُهُ تَخْصِيصٌ أَوْ تَوْضِيحٌ، اور صفت کا فائدہ جو ہے وہ تخصیص ہے، تخصیص ہے یعنی نکرہ میں، أَوْ تَوْضِيحٌ یا توضیح ہے۔ وَقَدْ يَكُونُ لِمُجَرَّدِ الثَّنَاءِ أَوِ الذَّمِّ، اور کبھی کبھار صفت جو ہے وہ محض تعریف کے لیے یا مذمت کے لیے بھی آتی ہے۔ قَدْ يَكُونُ لِمُجَرَّدِ الثَّنَاءِ، کبھی کبھار صفت صرف ثنا صرف تعریف کے لیے آتی ہے، صرف مدح کے

لیے آتی ہے، أَوِ الذَّمِّ، اور کبھی کبھار صفت جو ہے صرف مذمت کے لیے آتی ہے۔ مثلاً دیکھو بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ۔ لفظِ اللہ موصوف ہے اس میں، الرَّحْمٰنِ یہ صفتِ اول ہے، الرَّحِيمِ یہ صفتِ ثانی ہے بھئی۔ اور لفظِ اللہ معرفہ ہے، بلکہ یہ أَعْرَفُ الْمَعَارِفِ عَلَى الْإِطْلَاقِ، تمام معرفوں سے زیادہ تعریف اس لفظِ اللہ کے اندر ہے بھئی۔ تو یہ أَعْرَفُ الْمَعَارِف ہے، اور اس کی صفت الرَّحْمٰن لائی گئی، اور معرفہ کے اندر صفت کس لیے لائی جاتی ہے؟ توضیح کے لیے، وضاحت کے لیے۔ اور توضیح کا کیا معنیٰ؟ غیر کے احتمال کو ختم کرنا۔ لیکن...

لیکن یہاں پر الرَّحْمٰنُ جو ہے توضیح کے لیے نہیں ہے، کیونکہ اگر یہ توضیح کے لیے ہو تو معنیٰ تو یہ ہو جائے گا کہ غیرِ رحمٰن ہونے کا احتمال اللہ کی ذات سے ختم ہو جائے گا، حالانکہ اللہ کی ذات کے اندر تو غیرِ رحمٰن ہونے کا احتمال ہی نہیں ہے۔ اللہ کی ذات تو رحمٰن ہے، رحیم ہے، بلکہ أَرْحَمُ الرَّاحِمِينَ ہے بھئی۔ تو وہاں غیرِ رحمٰن ہونے کا احتمال ہی نہیں۔ اور نیز اشتراک بھی نہیں ہے یہاں پر کہ کسی اور ذات کا نام بھی اللہ ہو بھئی۔ بات سمجھ میں آرہی ہے؟ تو معرفہ میں صفت کس لیے آتی ہے؟ توضیح کے لیے۔ اور توضیح کا کیا معنیٰ؟ غیر کے احتمال کو ختم کرنا یا اشتراک کو ختم کرنا۔ اور یہاں نہ غیرِ رحمٰن ہونے کا احتمال ہے اور نہ کسی قسم کا اشتراک ہے، تو یہ صفت توضیح کے لیے نہیں بلکہ یہ صرف مدح کے لیے ہے، تعریف کے لیے ہے۔ یہ صفت کس لیے ہے؟ اللہ تعالیٰ کی مدح اور تعریف کے لیے ہے۔ اسی طرح الرَّحِيمُ، یہ دوسری صفت ہے اور یہ بھی مدح کے لیے ہے کیونکہ یہاں بھی غیرِ رحیم ہونے کا کوئی احتمال نہیں بھئی۔ تو یہ صفت کس لیے ہے؟ مدح کے لیے ہے۔

اور کبھی یاد رکھو یہ صفت معرفہ کے اندر آئے گی صرف مذمت کے لیے، جیسے أَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ۔ اب الشَّيْطَانِ موصوف ہے اور الرَّجِيمِ اس کی صفت ہے، وہ شیطان جو مردود ہے۔ تو یہاں الرَّجِيمِ جو شیطان کی صفت لائی گئی یہ معرفہ کی صفت ہے، اور معرفہ کی صفت کس لیے لائی جاتی ہے؟ توضیح کے لیے۔ لیکن یہاں توضیح نہیں ہے، کیونکہ شیطان مردود ہی مردود ہے اس کے اندر غیرِ مردود ہونے کا کوئی احتمال نہیں، تو لہٰذا یہ صفت مذمت کے لیے لائی گئی ہے۔ کس کے لیے لائی گئی ہے؟ مذمت کے لیے۔ تو معرفہ کے اندر صفت لائی جاتی ہے توضیح کے لیے، لیکن کبھی کبھار یہ معرفہ کے اندر جو صفت ہوتی ہے وہ توضیح کے لیے نہیں ہوتی، وہ یا تو مدح اور تعریف کے لیے ہوتی ہے یا مذمت کے لیے ہوتی ہے۔

اس پر سوال آپ کے ذہنوں میں پیدا ہوگا کہ ہمیں کیسے پتہ چلے گا کہ کوئی صفت جو ہے معرفہ کی وہ توضیح کے لیے ہے یا مدح و ذم کے لیے ہے؟ ہمیں کیسے پتہ چلے گا؟ تو جواب یہ، اگر ایک وصف کا آپ کو پہلے سے پتہ ہے پھر بھی وہ وصف لایا گیا، وہ صفت لائی گئی، تو سمجھ جائیں کہ یہ مدح یا مذمت کے لیے ہے توضیح کے لیے نہیں۔ مثلاً، مثلاً میں کہتا ہوں جَاءَنِي

زَيْدٌ۔ اب آپ کو پتہ ہے کہ یہ زید عالم ہے، تو میں کہتا ہوں جَاءَنِي زَيْدٌ الْعَالِمُ، میرے پاس وہ زید آیا جو عالم ہے۔ تو اب آپ کو زید کے عالم ہونے کا پہلے سے پتہ ہے، جب پہلے سے پتہ ہے تو زید کے اندر غیرِ عالم ہونے کا احتمال ہے؟ اب تو غیرِ عالم ہونے کا احتمال نہیں کیونکہ مخاطب کو پہلے سے پتہ ہے۔ لیکن پھر بھی یہ صفت لائی گئی، آپ کو زید کے عالم ہونے کا پتہ ہے، میں پھر بھی الْعَالِمُ زید کی صفت لایا، معلوم ہوا میں زید کی مدح اور تعریف کرنا چاہتا ہوں۔ تو یہ میں صفت تعریف کے لیے لایا ہوں۔ یا مثلاً کوئی شخص بڑا برا ہے تو میں اس کی کوئی صفت لاتا ہوں، اب آپ کو بھی پتہ ہے وہ بڑا برا آدمی ہے، میں اس کی صفت کوئی بری سی لے کر آتا ہوں تو یہ صفت، یہ صفت توضیح کے لیے نہیں ہے کیونکہ اس کا برا ہونا آپ کو معلوم ہے، تو معلوم ہوا وہ صفت کس لیے ہو جائے گی؟ مذمت کے لیے۔ تو حاصلِ کلام کیا ہوا؟ معرفہ میں صفت توضیح کے لیے آتی ہے اور کبھی کبھار ثنا یا مذمت کے لیے بھی آجاتی ہے۔ اور پتہ کیسے چلے گا؟ اگر صفت کا آپ کو پہلے پتہ نہیں تھا تو پھر وہ صفت توضیح کے لیے ہوگی۔ اور اگر آپ کو صفت کا پہلے سے پتہ تھا اور پھر بھی وہ صفت لائی گئی تو معلوم ہوا یہ مدح یا مذمت کے لیے ہے موقع محل کے مطابق بھئی۔ بات سمجھ میں آگئی۔

تو کہتے ہیں وَقَدْ يَكُونُ لِمُجَرَّدِ الثَّنَاءِ أَوِ الذَّمِّ، اور کبھی کبھار یہ جو صفت ہوتی ہے یہ، یہ محض تعریف کے لیے یا مذمت کے لیے ہوتی ہے، أَوِ التَّأْكِيدِ، اور کبھی کبھار صفت تاکید کے لیے ہوتی ہے، مِثْلُ مثال کے طور پر نَفْخَةٌ وَاحِدَةٌ۔ نَفْخَةٌ، ایک مرتبہ کا پھونکنا۔ تو اب دیکھو نَفْخَةٌ اس کے اندر تاء آرہی ہے اور یہ تاء وحدت والی ہے۔ نَفْخَةٌ کا معنیٰ ہے ایک پھونک بھئی۔ ایک پھونک، ایک مرتبہ کا پھونکنا۔ تو نَفْخَةٌ سے بھی ایک ہونے کا معنیٰ سمجھ آرہا تھا کیونکہ اس کے آخر میں تاء وحدت والی ہے۔ لیکن اس کے ساتھ وَاحِدَةٌ صفت لائی گئی۔ اب اس صفت نے صرف اسی ایک کے معنیٰ کو پکا کر دیا۔ کیا کیا؟ وہ جو ایک ہونے کا معنیٰ نَفْخَةٌ سے سمجھ میں آرہا تھا اسی کو وَاحِدَةٌ نے پکا کر دیا، کسی اور نئے معنیٰ کا فائدہ نہیں دیا، تو یہ صفت تاکید کے لیے ہے۔ یا دوسری مثال لے لیں، مثلاً میں کہتا ہوں جَاءَنِي رَجُلٌ وَاحِدٌ، جَاءَنِي رَجُلٌ وَاحِدٌ۔ اب یہ رَجُلٌ کہتے ہی ایک شخص کو ہیں، دو ہوں گے تو رَجُلَانِ، دو سے زیادہ ہوں گے تو رِجَالٌ۔ تو رَجُلٌ سے ہی پتہ چل رہا تھا کہ آنے والا ایک آدمی ہے، لیکن آگے میں صفت وَاحِدٌ بھی لے آیا، تو اس وَاحِدٌ نے کسی نئے معنیٰ کا فائدہ نہیں دیا، اسی ایک کے معنیٰ کو پکا کر دیا، اسی میں تاکید پیدا کر دی، اسی میں زور پیدا کر دیا۔ تو یہ صفت کس لیے ہے؟ تاکید کے لیے ہے۔ یہ تخصیص وغیرہ کے لیے نہیں ہے بھئی۔ کہتے ہیں أَوِ التَّأْكِيدِ، اور کبھی کبھار صفت جو ہے صرف تاکید کے لیے ہوتی ہے مِثْلُ نَفْخَةٌ وَاحِدَةٌ۔

اب اس سارے کو شرح کے ساتھ دیکھیے۔ کہتے ہیں وَفَائِدَتُهُ أَيْ فَائِدَةُ النَّعْتِ غَالِباً، اور صفت کا جو فائدہ ہے غالباً یعنی اکثر اوقات۔ انہوں نے کیا کہا تھا؟ صفت کا فائدہ تخصیص یا توضیح ہے، تخصیص یا توضیح۔ تو صاحبِ جامی بتلا رہے ہیں غَالِباً، اکثر تخصیص یا توضیح ہوگا ہمیشہ نہیں، کیونکہ آگے خود صاحبِ کافیہ بھی فرما رہے ہیں کہ کبھی کبھار صفت ثنا یا مذمت یا

تاکید کے لیے بھی آتی ہے۔ تو معلوم ہوا ہمیشہ تخصیص یا توضیح نہیں ہوگی بلکہ اکثر، اکثر جو ہے صفت تخصیص یا توضیح کے لیے ہوگی۔ تو کہتے ہیں وَفَائِدَتُهُ أَيْ فَائِدَةُ النَّعْتِ غَالِباً کہ صفت کا فائدہ جو ہے اکثر اوقات جو ہے تَخْصِيصٌ فِي النَّكِرَةِ نکرہ کے اندر تخصیص ہے كَرَجُلٍ عَالِمٍ جیسے کہ رَجُلٍ عَالِمٍ۔ میں نے بتلایا تھا یہ جو مثالیں ذکر ہوتی ہیں درمیان میں، آپ چاہیں تو ان پر موقع کے مطابق جو اعراب ہو وہ بھی پڑھ سکتے ہیں، تو یہاں کافِ جارہ داخل ہے تو رَجُلٍ عَالِمٍ آپ مجرور پڑھ سکتے ہیں، اور آپ چاہیں تو رَجُلٌ عَالِمٌ اعرابِ حکائی پڑھ دیں۔ مثلاً کسی مثال میں رَجُلٌ عَالِمٌ تھا وہاں سے ہم اس کو اٹھا کر لے آئے اور وہاں یہ مرفوع تھا تو ہم نے بھی اس پر رفع پڑھ دیا، اگرچہ یہ ہے اس وقت محلاً مجرور ہی ہے لیکن اعرابِ حکائی کے اعتبار سے ہم نے رفع پڑھ دیا۔ كَرَجُلٍ عَالِمٍ جیسے کہ رجلِ عالم جو ہے، دیکھو یہ نکرہ کی صفت آئی اس نے تخصیص کا فائدہ دیا، أَوْ تَوْضِيحٌ یا صفت کا فائدہ توضیح ہوگا فِي الْمَعْرِفَةِ معرفہ میں كَزَيْدٍ الظَّرِيفِ جیسے کہ وہ زید جو خوش مزاج ہے، تو زید موصوف الظَّرِيفِ کیا ہے؟ اس کی صفت۔ اور زید کے اندر احتمال تھا کہ معلوم نہیں وہ ظریف ہے یا ظریف نہیں، تو الظَّرِيفِ صفت نے آ کر غیرِ ظریف ہونے کے احتمال کو ختم کر دیا۔ ظریف کہتے ہیں خوش طبع بھئی، ہنس مکھ بھئی، اچھے مزاج والا۔ وَقَدْ يَكُونُ لِمُجَرَّدِ الثَّنَاءِ اور کبھی کبھار صفت صرف ثنا کے لیے یعنی تعریف کے لیے ہوتی ہے،

مِنْ غَيْرِ قَصْدِ تَخْصِيصٍ وَتَوْضِيحٍ بغیر تخصیص اور توضیح کے ارادے کے یعنی وہاں تخصیص یا توضیح کا ارادہ نہیں ہوتا۔ نَحْوُ مثال کے طور پر بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ، تو اس میں دیکھو الرَّحْمٰنِ اور الرَّحِيمِ یہ صفت جو لائی گئی یہ ثنا کے لیے ہے۔ أَوْ لِمُجَرَّدِ الذَّمِّ اور کبھی کبھار صفت جو ہے صرف مذمت کے لیے ہوگی، نَحْوُ أَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ، تو اس میں الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ، شیطان موصوف الرَّجِيمِ صفت، اور اس الرَّجِيمِ صفت نے شیطان سے غیرِ رجیم ہونے کے احتمال کو ختم نہیں کیا کیونکہ شیطان تو رجیم ہی رجیم ہے، لہٰذا یہ صفت توضیح کے لیے نہیں ہے بلکہ یہ مذمت کے لیے ہے۔ أَوْ لِمُجَرَّدِ التَّأْكِيدِ اور کبھی کبھار جو صفت ہے محضِ تاکید کے لیے ہوتی ہے مِثْلُ نَفْخَةٌ وَاحِدَةٌ، تو اس کے اندر یہ واحدہ صفت یہ نَفْخَة کی تاء سے جو وحدت معلوم ہو رہی تھی اسی میں یہ وَاحِدَةٌ کی صفت تاکید پیدا کر رہی ہے۔ کہتے ہیں إِذِ الْوَحْدَةُ تُفْهَمُ مِنَ التَّاءِ فِي نَفْخَةٌ، اس لیے کیونکہ وحدت یعنی واحد ہونا تُفْهَمُ وہ مفہوم ہو رہا ہے مِنَ التَّاءِ کس سے؟ اس تاء سے فِي نَفْخَةٍ جو کس، فِي نَفْخَةٌ جو کس کے اندر ہے؟ نَفْخَةٌ کے اندر ہے۔ تو اگر آپ نے وہاں نَفْخَةٌ وَاحِدَةٌ پڑھا تھا تو یہاں بھی فِي نَفْخَةٌ پڑھ لیں گے، اور اگر آپ نے وہاں فِي نَفْخَةٍ وَاحِدَةٍ پڑھا تھا تو یہاں بھی فِي نَفْخَةٍ پڑھ لیں گے، جو وہ جو تاء ہے نَفْخَةٌ کے اندر فَأُكِّدَتْ بِالْوَاحِدَةِ تو اسی وحدت کو پکا کیا گیا واحدہ صفت کے ذریعے۔

وَلَمَّا كَانَ غَالِبُ مَوَادِّ الصِّفَةِ، جی آگے ذرا متن متن پہلے دیکھ لیجیے: وَلَا فَصْلَ بَيْنَ أَنْ يَكُونَ مُشْتَقّاً أَوْ غَيْرَهُ إِذَا كَانَ وَضْعُهُ لِغَرَضِ الْمَعْنٰى عُمُوماً مِثْلُ تَمِيمِيٍّ وَذِي مَالٍ، أَوْ خُصُوصاً مِثْلُ مَرَرْتُ بِرَجُلٍ أَيِّ رَجُلٍ، وَبِهٰذَا الرَّجُلِ، وَبِزَيْدٍ هٰذَا۔ مل گئیں

ساری مثالیں بھئی؟ جی۔

اچھا، اب دیکھیے وَلَا فَصْلَ بَيْنَ أَنْ يَكُونَ مُشْتَقّاً أَوْ غَيْرَهُ۔ یہاں سے صاحبِ کافیہ جمہور نحویوں کی مخالفت کر رہے ہیں۔ صاحبِ کافیہ بہت بڑے نحوی گزرے ہیں بھئی، بہت بڑے نحوی۔ اور یاد رکھنا یہ مَالِكِيٌّ الْمَذْهَبِ تھے بھئی، یہ امام مالک رحمہ اللہ کے مذہب پر تھے۔ بڑے فقیہ تھے، اصولی تھے، اور جامعِ دمشق کے اندر یہ زاویۂ مالکیہ کے اندر درس دیا کرتے تھے، اور بڑے فصیح اللسان تھے بھئی۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو یہ بعض بعض مسائل کے اندر تمام نحویوں سے اختلاف کرتے ہیں بھئی، اور پہاڑ جیسی بڑی دلیلیں لے کر آتے ہیں، اور ایسے مضبوط دلائل کے ساتھ اپنی بات کو ذکر فرماتے ہیں کہ باقی نحوی بھی ان کی تائید کرنے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔ تو یہاں پر بھی صاحبِ کافیہ نے جمہور نحویوں کی مخالفت کر دی۔

یاد رکھو جمہور نحویوں کا مذہب یہ ہے کہ صفت ہمیشہ مشتق کا صیغہ ہوگی۔ خبر ہمیشہ مشتق کا صیغہ ہوگی۔ مشتق جانتے ہو؟ آپ جانتے ہیں کہ مصدر سے، مصدر سے مختلف صیغوں کا اشتقاق ہوتا ہے۔ ضَرْبٌ سے ضَارِبٌ اسمِ فاعل بھی بنتا ہے، مَضْرُوبٌ اسمِ مفعول بھی بنتا ہے، ضَرَبَ فعلِ ماضی بھی بنتا ہے، يَضْرِبُ فعلِ مضارع بھی بنتا ہے، اِضْرِبْ فعلِ امر بھی بنتا ہے، اسی طرح اسمِ آلہ، اسمِ ظرف بھی بنتا ہے، اسمِ تفضیل وغیرہ یہ سب کس سے بنتے ہیں؟ مصدر سے۔ تو یہ جو مصدر سے لفظ بنتے ہیں اس کو کہتے ہیں اشتقاق بھئی، کیا کہتے ہیں؟ اشتقاق۔ تو مصدر ہے مُشْتَقٌّ مِنْهُ، جس سے اشتقاق کیا گیا، معنیٰ پہ غور کر رہے ہیں؟ مصدر کیا ہے؟ مُشْتَقٌّ مِنْهُ جس سے اشتقاق کیا گیا۔ مُشْتَقٌّ بھئی یہ قاف مشدد ہے بھئی، مُشْتَقٌّ۔ تو یہ مصدر کیا ہے؟ مُشْتَقٌّ مِنْهُ جس سے اشتقاق کیا گیا، اور یہ جو اسمِ فاعل، اسمِ مفعول، صفتِ مشبہ وغیرہ یہ سب کیا ہیں؟ مُشْتَقٌّ ہیں، یہ سب مشتق ہیں۔ تو جمہور نحوی فرماتے ہیں صفت ہمیشہ مشتق ہوگی، صفت ہمیشہ مشتق ہوگی یعنی اسمِ فاعل ہوگا یا اسمِ مفعول ہوگا یا صفتِ مشبہ ہوگا یا اسمِ تفضیل وغیرہ، صفت ہمیشہ مشتق ہوگی۔ اور اگر کہیں پر غیرِ مشتق بھی آ جائے تو جمہور نحوی اس میں تاویل کر کے اس کو مشتق بنا لیتے ہیں، یعنی اسے مشتق کی تاویل میں کر لیتے ہیں۔ جمہور نحوی کیا فرماتے ہیں؟ صفت ہمیشہ کیا ہوگی؟ مشتق ہوگی۔ اگر کبھی کبھار غیرِ مشتق بھی صفت آ جائے تو جمہور نحوی اسے بھی تاویل کر کے مشتق بنا لیتے ہیں کہ یہ مشتق کی تاویل میں ہے۔

صاحبِ کافیہ سب سے اختلاف کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ نہیں، صفت کا مشتق ہونا ضروری نہیں ہے، صفت مشتق بھی ہو سکتی ہے اور غیرِ مشتق بھی۔ بس اس صفت کی وضع جو ہے اس معنیٰ کے لیے ہونی چاہیے جو غیر کے اندر پایا جا رہا ہے۔ صفت کی ابھی کیا تعریف کی؟ صفت وہ تابع ہے جو ایسے معنیٰ پر دلالت کرتی ہے جو کس میں پایا جائے؟ متبوع کے اندر پایا جائے۔ تو یہ ضروری ہے صفت کے اندر۔ تو بس صفت جو ہے اس کو اس معنیٰ کے لیے وضع ہونا چاہیے کہ وہ ایسے معنیٰ پر دلالت کرے جو کس میں پایا جائے؟ جو ایسے معنیٰ پر دلالت کرے جو غیر میں پایا جائے، یعنی اس کے متبوع میں پایا جائے، چاہے تمام استعمالات میں یا بعض استعمالات میں۔

بعض لفظ ایسے ہیں کہ وہ تمام استعمالات میں ایسے معنیٰ پر دلالت کرتے ہیں، مثلاً تَمِيمِيٌّ، تَمِيمِيٌّ۔ یہ یاد رکھو یہ اسمِ منسوب

ہے، جیسے لَاهُورِيٌّ۔ لَاهُورِيٌّ کا کیا معنیٰ؟ لاہور کی طرف منسوب، لاہور والا۔ لیکن یہ کوئی بھی چیز ہو سکتی ہے، لاہور والا آدمی بھی ہو سکتا ہے، کوئی اور چیز بھی ہو سکتی ہے، بہرحال جو بھی چیز ہے وہ لاہور کی طرف منسوب ہے۔ اسی طرح تَمِيمِيٌّ کا کیا معنیٰ؟ قبیلۂ تمیم کی طرف جو منسوب ہے۔ تو یاد رکھو یہ جو یائے مشدد کسی اسم کے آخر میں ملائی جاتی ہے، اس کو اسمِ منسوب کہتے ہیں۔ کیا کہتے ہیں؟ اسمِ منسوب۔ اور اسمِ منسوب، مَنْسُوبٌ کون سا صیغہ؟ مَنْسُوبٌ اسمِ مفعول ہے تو اس کے اندر ہمیشہ ضمیر ہوگی نائب الفاعل کی۔ آپ نے پڑھا ہے، آپ نے پڑھا ہے کہ جیسے فعلِ معروف کے لیے ہمیشہ فاعل چاہیے، اور فعلِ مجہول کے لیے ہمیشہ نائب الفاعل چاہیے، اور وہ فاعل یا نائب فاعل ہمیشہ فعل کے بعد آتا ہے، کبھی بھی فعل پر مقدم نہیں ہو سکتا۔ اور وہ فاعل یا نائب فاعل ایک ہی آتا ہے، ایک سے زیادہ نہیں آسکتے۔ اور وہ فاعل یا نائب فاعل ضمیر بھی ہو سکتی ہے اور اسمِ ظاہر بھی ہو سکتا ہے۔ اسمِ ظاہر کسے کہتے ہیں؟ وہ جو اسم تو ہے لیکن ضمیر نہیں۔ ضمیریں کل ستر ہیں بھئی: مرفوع متصل، مرفوع منفصل، منصوب متصل، منصوب منفصل، اور مجرور صرف متصل ہے، وہ منفصل نہیں۔ اور ہر ایک کے چودہ چودہ اس میں صورتیں بنتی ہیں، تو چودہ پنجے ستر، تو ستر ضمیریں ہیں۔ آپ تمام دنیا کے اسم اکٹھے کر لیں، ان میں سے یہ ستر ضمیریں نکال لیں، باقی سارے اسم وہ اسمِ ظاہر کہلاتے ہیں۔ كِتَابٌ یہ کیا ہے؟ اسمِ ظاہر۔ قَلَمٌ یہ کیا ہے؟ اسمِ ظاہر۔ تو جو بھی اسم ہے اور ضمیر نہیں ہے، سمجھ جائیں یہ اسمِ ظاہر ہے۔ تو فعل کا فاعل یا نائب فاعل ضمیر بھی آسکتی ہے اور اسمِ ظاہر بھی، لیکن آئے گا ایک ہی۔ اگر ضمیر فاعل آگئی یا نائب فاعل تو اسمِ ظاہر نہیں آسکتا، اور اسمِ ظاہر فاعل یا نائب فاعل آگیا تو پھر ضمیر نہیں آسکتی فاعل یا نائب فاعل ہو کر۔ بات سمجھ میں آرہی ہے؟

اسی طرح یہ صفت کے صیغے بھی ہمیشہ فاعل یا نائب فاعل کا تقاضا کرتے ہیں۔ اسمِ فاعل اس کے لیے ہمیشہ فاعل چاہیے، ضَارِبٌ، فَاتِحٌ اس کے لیے کیا چاہیے؟ ہمیشہ فاعل چاہیے۔ توجہ ہے؟ پھر سن لیں، میں نے بتایا تھا ایک ہے فاعل، ایک ہے اسمِ فاعل۔ فاعل کسے کہتے ہیں؟ جس کو فعل یا صفت کا صیغہ رفع دے۔ اور اسمِ فاعل کسے کہتے ہیں؟ وہ مخصوص صیغہ جو آپ نے گردانوں میں پڑھا ہے، فَاتِحٌ، مَانِعٌ، مُكْرِمٌ، مُسْتَخْرِجٌ وغیرہ۔ اور اسی طرح ایک ہے مفعول، ایک ہے اسمِ مفعول۔ مفعول کسے کہتے ہیں؟ جسے فعل یا صفت کا صیغہ نصب دے۔ اور اسمِ مفعول کسے کہتے ہیں؟ وہ مخصوص صیغہ جو آپ نے گردانوں میں پڑھا، مَضْرُوبٌ، مَفْتُوحٌ، مُكْرَمٌ، مُسْتَخْرَجٌ وغیرہ۔ تو جیسے فعلِ معروف کے لیے ہمیشہ فاعل چاہیے اور فعلِ مجہول کے لیے ہمیشہ نائب فاعل چاہیے، اسی طرح صفت کے صیغوں کے لیے بھی فاعل یا نائب فاعل ضرور چاہیے۔ تو اسمِ فاعل جیسے ضَارِبٌ ہے، اس کے لیے ہمیشہ فاعل چاہیے، کیونکہ یہ فعلِ معروف سے بنا ہے۔ اور اسمِ مفعول مَضْرُوبٌ اس کے لیے ہمیشہ نائب فاعل چاہیے، کیونکہ یہ فعلِ مجہول سے بنا ہے۔ اور اسی طرح صفتِ مشبہ اس کے لیے بھی ہمیشہ فاعل چاہیے۔ اسی طرح اسمِ تفضیل ہے اس کے لیے بھی ہمیشہ کیا چاہیے؟ فاعل چاہیے۔ تو یہ جو صفت کے صیغے ہیں ان

کے لیے بھی ہمیشہ فاعل یا نائب فاعل چاہیے ہوتا ہے۔ اسمِ فاعل کے لیے کیا چاہیے؟ فاعل۔ اور اسمِ مفعول کے لیے کیا چاہیے؟ نائب فاعل۔

تو بات چل رہی تھی اسمِ منسوب کی، لَاهُورِيٌّ، تَمِيمِيٌّ یہ کیا ہے؟ اسمِ منسوب۔ اور مَنْسُوبٌ کون سا صیغہ ہے؟ مفعول، اسمِ مفعول کا صیغہ ہے۔ اور اسمِ مفعول کے لیے کیا چاہیے ہوتا ہے؟ نائب فاعل۔ تو اس کے لیے بھی نائب فاعل چاہیے ہوگا۔ تو لَاهُورِيٌّ اس کے اندر ایک ضمیر ہوگی هُوَ ضمیر اور وہ مرفوع ہے اس کا نائب الفاعل ہے۔ تَمِيمِيٌّ کے اندر بھی هُوَ ضمیر ہوگی اور وہ اس کا نائب الفاعل ہے، مرفوع ہے محلاً بھیٔ۔ تو یہ جو لَاهُورِيٌّ اور تَمِيمِيٌّ ہے اس کو اکثر نحوی اسمِ منسوب کہتے ہیں۔ بعض اس کو اسمِ مُنْتَسِب بھی کہتے ہیں، بس نام کا فرق ہے۔ مُنْتَسِبٌ، مُنْتَسِبٌ کون سا صیغہ ہے؟ یہ اسمِ فاعل کا صیغہ ہے، اسمِ فاعل کا صیغہ ہے۔ تو وہ اس کو اسمِ فاعل کی تاویل میں کر لیتے ہیں اور اسمِ فاعل کے لیے کیا چاہیے؟ فاعل چاہیے، تو پھر ان کے اندر جو ضمیر نکالتے ہیں وہ اس کو فاعل بناتے ہیں نائب فاعل نہیں۔ تو آپ جو بھی تاویل کرنا چاہیں دونوں صورتیں صحیح ہیں: اگر آپ اس کو اسمِ منسوب کہتے ہیں تو پھر اس میں ضمیر نائب فاعل کہلائے گی، اور اگر آپ اس کو مُنْتَسِب کہتے ہیں تو پھر اس کے اندر ضمیر فاعل کہلائے گی۔

تو اب دیکھو یہ جو اسمِ منسوب ہے، اس کو وضع ہی اس مقصد کے لیے کیا گیا ہے کہ یہ ایسے معنیٰ پر دلالت کرتی ہے جو غیر میں پایا جاتا ہے۔ تَمِيمِيٌّ قبیلۂ تمیم والا، معلوم ہوا کوئی چیز ہوگی یا کوئی انسان ہوگا بھیٔ، تو یہ اس کے اندر تمیمی والا معنیٰ پایا جا رہا ہے، وہ ہے تَمِيمِيٌّ بھیٔ۔ اور اسی طرح لَاهُورِيٌّ، کوئی انسان ہے یا کوئی چیز ہوگی جو لاہور کی طرف منسوب ہے وہ ہے لاہوری، تو اس کے اندر لاہوری والا معنیٰ پایا جا رہا ہے۔ اسی طرح ذُو مَالٍ، ذُو آپ نے پڑھا ہے ذُو کو کس لیے وضع کیا گیا ہے؟ کہ یہ اسمِ جنس کو کسی کی صفت بناتا ہے، اسمِ جنس کو کسی کی صفت بناتا ہے۔ تو ذُو مَالٍ کا کیا معنیٰ؟ مال والا۔ مثلاً رَجُلٌ کی صفت میں مَال کو بنانا چاہتا ہوں، کہ رَجُل موصوف بن جائے اور مَال کیا بن جائے؟ صفت۔ لیکن صفت بنا نہیں سکتا کیونکہ رَجُل اور چیز ہے مَال اور چیز ہے، صفت تو وہ ہوتی ہے جو ایسے معنیٰ پر دلالت کرے جو موصوف کے اندر پایا جائے۔ جَاءَنِي رَجُلٌ مَالٌ، کیا یہ مال آدمی کے اندر پایا جا رہا ہے؟ نہیں، تو یہ مال آدمی کی صفت نہیں بن سکتی۔ لیکن ہمیں حاجت پیش آتی ہے بعض اوقات ہم اسمِ جنس کو کسی کی صفت بنانا چاہتے ہیں، تو پھر ذُو کی مدد لی جاتی ہے، جَاءَنِي رَجُلٌ ذُو مَالٍ، میرے پاس ایسا آدمی آیا جو مال والا ہے۔ اب بات ٹھیک بن گئی، یہ مال والا ہونا یہ آدمی کی صفت ہے، یہ معنیٰ اس کے اندر پایا جا رہا ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ مال تو اس کے اندر نہیں لیکن وہ مال والا ہے، یہ مال والا ہونا اس کی صفت ہے۔ تو اب دیکھو یہ کوئی مشتق نہیں ہے، یہ جو آپ نے اسمِ منسوب بنایا کسی بھی اسم کے آخر میں یائے مشدد لگا کر آپ اسمِ منسوب بنا لیتے ہیں، اب یہ تو مشتق نہیں ہے، لیکن یہ بنایا ہی کس لیے جاتا ہے؟ اس کو ہمیشہ صفت کے طور پر ہی استعمال کیا جاتا ہے، یہ ہمیشہ ایسے معنیٰ پر دلالت کرتا ہے جو کسی میں پایا جائے۔ تَمِيمِيٌّ قبیلۂ بنی تمیم والا، یہ ہمیشہ کوئی

چیز ہوگی یا کوئی شخص ہوگا، کوئی چیز اور کوئی شخص نہ ہو ایسا ہو سکتا ہے؟ نہیں۔ اسی طرح ذُو مَالٍ کا کیا معنیٰ؟ مال والا۔ تو دیکھو ذُو یہ کوئی مشتق تو نہیں ہے لیکن یہ استعمال ہی کس طرح ہوتا ہے ہمیشہ؟ صفت کے طور پر استعمال ہوتا ہے۔

تو بہرحال بات یہ چل رہی تھی ادھر دیکھیے، جمہور نحوی کہتے ہیں صفت کا مشتق ہونا ضروری۔ اگر غیرِ مشتق کبھی کبھار کلامِ عرب میں ان کو مل جائے کہ وہ غیرِ مشتق ہے اور صفت بن رہی ہے تو وہ اس میں تاویل کرتے ہیں اور تاویل کر کے مشتق بنا لیتے ہیں۔ لیکن صاحبِ کافیہ فرماتے ہیں نہیں، کوئی تاویل کرنے کی ضرورت نہیں، مشتق بھی صفت بنتا ہے اور غیرِ مشتق بھی صفت بن سکتا ہے، بشرطیکہ اس کی وضع اس معنیٰ کے لیے ہو۔ کون سا معنیٰ؟ وہ جو پیچھے ذکر ہوا تھا صفت ایسے معنیٰ پر دلالت کرتی ہے جو غیر میں پایا جائے، بشرطیکہ اس کی وضع ایسے معنیٰ کے لیے ہو جو معنیٰ کس میں پایا جائے؟ غیر میں پایا جائے، چاہے تمام استعمالات میں اور چاہے بعض استعمالات میں۔ تو دیکھو تَمِيمِيٌّ یہ تمام استعمالات کے اندر ہمیشہ ایسے معنیٰ پر دلالت کرتا ہے جو غیر میں پایا جاتا ہے۔ ذُو مَالٍ تمام استعمالات میں ایسے معنیٰ پر دلالت کرتا ہے جو کسی غیر میں پایا جاتا ہے، کوئی شخص ہوگا مال والا بھئی۔ بات سمجھ میں آگئی؟ اور بعض لفظ ایسے ہیں کہ وہ، وہ مشتق تو نہیں جی لیکن بعض استعمالات...

استعمالات میں وہ صفت کے طور پر آتے ہیں۔ بعض استعمالات میں وہ صفت کے طور پر آتے ہیں۔ جیسے، جیسے صاحبِ کافیہ آگے مثال ذکر کریں گے: مَرَرْتُ بِرَجُلٍ أَيِّ رَجُلٍ، مَرَرْتُ بِرَجُلٍ أَيِّ رَجُلٍ۔ یاد رکھو یہ أَيٌّ مثلاً استفہام کے لیے استعمال ہوتا ہے: أَيُّ رَجُلٍ عِنْدَكَ؟ آپ کے پاس کون سا آدمی ہے؟ یہ استفہام ہے، أَيُّ رَجُلٍ عِنْدَكَ؟ آپ کے پاس کون سا آدمی ہے بھئی؟ تو یہ استفہام کے لیے ہے۔ لیکن کبھی کبھار یہ صفت کے لیے بھی استعمال ہو جاتا ہے۔ چنانچہ عربی میں کہتے ہیں مَرَرْتُ بِرَجُلٍ أَيِّ رَجُلٍ۔ تو رَجُل کی صفت أَيٌّ لے آئے، لیکن یاد رکھنا یہ أَيٌّ جب صفت بنتا ہے تو یہ مضاف بنے گا آگے مضاف الیہ آئے گا۔ اور وہ مضاف الیہ وہی موصوف والا لفظ ہونا چاہیے۔ تو دیکھو رَجُل کیا، مَرَرْتُ بِرَجُلٍ یہ رَجُلٍ ہے موصوف، اور أَيِّ رَجُلٍ یہ مضاف مضاف الیہ مل کر اس کی صفت۔ تو أَيٌّ مضاف اور آگے مضاف الیہ وہی موصوف والا لفظ ہے بھئی: موصوف بھی رَجُل اور آگے مضاف الیہ بھی رَجُل۔ اور یہ یاد رکھو کمال پر دلالت کرنے کے لیے لاتے ہیں۔ مَرَرْتُ بِرَجُلٍ میں ایک آدمی کے پاس سے گزرا أَيِّ رَجُلٍ بڑے ہی کامل رجل کے پاس سے گزرا۔ یعنی جو رجل ہونے میں بڑا ہی کامل تھا بھئی۔ تو یہ أَيٌّ یہ تمام استعمالات میں تو صفت کے طور پر نہیں آتا لیکن بعض استعمالات میں یہ کس لیے آتا ہے؟ صفت کے طور پر آتا ہے۔ تو اور نحوی اس میں تاویل کریں گے لیکن صاحبِ کافیہ فرماتے ہیں کوئی تاویل کی ضرورت نہیں، بس ایسے معنیٰ پر دلالت کرے جو کس میں پایا جائے؟ غیر میں یعنی متبوع میں پایا جائے۔ اور یہاں بھی أَيِّ رَجُلٍ کا کیا معنیٰ؟ کامل ہونا۔ اور یہ کامل ہونا کسی کے اندر پایا جائے گا بھئی۔ یہاں کس کے اندر ہے کامل ہونا؟ اس موصوف رَجُل کے اندر ہے کہ وہ رَجُل بڑا ہی کامل رَجُل ہے۔ مَرَرْتُ بِرَجُلٍ أَيِّ رَجُلٍ میں ایک ایسے آدمی کے پاس سے گزرا جو بڑا ہی کامل رَجُل تھا

بھئی۔ یا یوں کہو مختصر: میں ایک بڑے ہی کامل رَجُل کے پاس سے گزرا بھئی۔ تو أَيٌّ اس صفت کے لیے تو وضع نہیں لیکن بعض استعمالات میں یہ صفت کے طور پر بھی آجاتا ہے، یعنی ایسے معنیٰ پر دلالت کرتا ہے جو غیر میں یعنی اس کے متبوع میں پایا جاتا ہے۔

اسی طرح، اسی طرح اگلی مثال دیکھیے: وَبِهٰذَا الرَّجُلِ، اس کے ساتھ بھی مَرَرْتُ جوڑ لیں، وَمَرَرْتُ بِهٰذَا الرَّجُلِ۔ میں اس آدمی کے پاس سے گزرا۔ هٰذَا موصوف اور الرَّجُلِ اس کی صفت، الرَّجُلِ اس کی صفت۔ حالانکہ رَجُل یہ تو صفت کے لیے وضع نہیں ہے۔ رَجُل تو کہتے ہیں انسانوں میں سے وہ مذکر جو بلوغت کی حد تک پہنچ جائے، وہ کیا ہے؟ رَجُل۔ تو یہ تو ایک ذات کا نام ہے، بات سمجھ میں آرہی ہے؟ ایک ذات کا اسم ہے، یہ صفت نہیں۔ لیکن یہاں پر بعض اوقات یہ صفت کے طور پر بھی استعمال ہو جاتا ہے۔ اسمِ اشارہ کے بعد جب بھی معرَّف باللام آتا ہے وہ اس کے لیے کیا بنتا ہے؟ صفت بنتا ہے۔ تو یہاں پر دیکھو هٰذَا، هٰذَا وضع ہے کسی قریب کے مذکر مشارٌ الیہ کے لیے۔ مؤنث ہو تو هٰذِهِ کہتے ہیں، مذکر ہو تو هٰذَا کہتے ہیں۔ معلوم ہوا هٰذَا کوئی بھی چیز ہو سکتی ہے، جس کی طرف بھی اشارہ کر دیں وہ هٰذَا ہوگی۔ مثلاً میں نے صرف کہا هٰذَا، آپ کو کچھ پتہ چلا کیا مراد ہے؟ نہیں۔ ہاں اس کے لیے یا مجھے ہاتھ سے اشارہ کرنا پڑے گا یعنی مشارٌ الیہ چاہیے، کہ مشارٌ الیہ کیا ہے کس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے، تو یا اس کے لیے ہاتھ سے باقاعدہ کیا کرنا پڑے گا؟ اشارہ، یا لفظوں میں اس مشارٌ الیہ کو ذکر کرنا پڑے گا۔ تو دیکھو میں نے کتاب کی طرف اشارہ کیا هٰذَا، اب آپ سمجھ گئے اس هٰذَا سے کیا مراد ہے؟ یہ کتاب۔ میں قلم کی طرف اشارہ کرتا ہوں هٰذَا، اب آپ سمجھ گئے اس هٰذَا سے کیا مراد ہے؟ قلم مراد ہے۔ اور مثلاً میں هٰذَا کے ذریعے کسی طالب علم کی طرف اشارہ کرتا ہوں هٰذَا، آپ سمجھ گئے کہ اس سے کیا مراد ہے؟ طالب علم۔ تو هٰذَا، یہ هٰذَا یہ دلالت کرتا ہے ذاتِ مبہم پر، یہ دلالت کرتا ہے ذاتِ مبہم پر، اس کے لیے مشارٌ الیہ چاہیے کہ وہ ذاتِ مبہم کیا چیز ہے؟ تو آگے الرَّجُلِ نے آکر کیا کر دی؟ اس کی تعیین کر دی، کہ اس کا مشارٌ الیہ کیا ہے؟ رَجُل ہے، یہ رَجُل مراد ہے اس هٰذَا سے۔ تو لہٰذا الرَّجُلِ ویسے تو ذات کے لیے وضع ہے لیکن یہاں صفت کے لیے استعمال ہوا ہے۔ یہ صفت کس طرح صفت کے لیے؟ یعنی یہ تعیین پیدا کر رہا ہے هٰذَا کے اندر۔ هٰذَا کے اندر ابہام تھا کہ پتہ نہیں کون سی ذات مراد ہے، الرَّجُلِ نے آکر ابہام دور کر دیا، تو یہاں پر الرَّجُلِ ایسے معنیٰ پر دلالت کر رہا ہے جو کس میں پایا جا رہا ہے؟ متبوع میں یعنی هٰذَا کے اندر کہ وہ متعین ہو گیا اس کی وجہ سے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو لہٰذا یہاں الرَّجُلِ کا صفت بننا صحیح۔

یا تیسری مثال دیکھیں آگے: وَبِزَيْدٍ هٰذَا، اس کے ساتھ بھی مَرَرْتُ کو جوڑ لیں، وَمَرَرْتُ بِزَيْدٍ هٰذَا۔ میں اس زید کے پاس سے گزرا۔ زَيْدٍ علم ہے، اور علم کے بعد هٰذَا اسمِ اشارہ آرہا ہے۔ پچھلی مثال میں هٰذَا موصوف تھا، الرَّجُلِ صفت تھی۔ اب زَيْدٌ موصوف ہے اور هٰذَا اسمِ اشارہ اس کی صفت ہے۔ بات سمجھ میں آرہی ہے؟ یاد رکھو علم کے بعد اسمِ اشارہ آئے تو وہ اس کی صفت بنتا ہے عموماً بھئی۔ تو یہاں زَيْدٌ علم آیا اور اس کے بعد هٰذَا آیا۔ تو آپ، میں نے کہا مَرَرْتُ بِزَيْدٍ

هٰذَا، میں اس زید کے پاس سے گزرا۔ تو یہاں هٰذَا، هٰذَا کس پر دلالت کر رہا ہے؟ مشارٌ الیہ، اور یہ مشارٌ الیہ ہونے والا معنیٰ کس میں ہے؟ زید میں ہے، کس میں ہے؟ دیکھو نا صفت ایسے معنیٰ پر دلالت کرتی ہے جو کس میں پایا جائے؟ موصوف میں پایا جائے۔ جَاءَنِي رَجُلٌ عَالِمٌ، یہ علم کس کے اندر ہے؟ رَجُل کے اندر ہے۔ تو یہاں بھی مَرَرْتُ بِزَيْدٍ هٰذَا، تو زید کے بعد کیا آیا؟ هٰذَا، اور هٰذَا یہ تو صفت کے لیے وضع نہیں، یہ تو قریب کی چیز کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔ تو جواب یہ کہ نہیں یہاں یہ صفت کے طور پر ہے، اس لیے کیونکہ یہ کس پر دلالت کر رہا ہے؟ مشارٌ الیہ پر، کس پر؟ هٰذَا کے لیے کیا چاہیے؟ مشارٌ الیہ جس پر یہ دلالت کرتا ہے، اور وہ مشارٌ الیہ ہونے والا معنیٰ کس کے اندر ہے؟ زید کے اندر ہے، کہ میں اس زید کے پاس سے معلوم ہوا گزرا ہوں، دوسرے زید کے پاس سے نہیں گزرا۔ تو یہ مشارٌ الیہ ہونے والا معنیٰ کس میں پایا گیا؟ زید میں، اور صفت بھی اسی کو کہتے ہیں جو ایسے معنیٰ پر دلالت کرے جو کس میں پایا جائے؟ موصوف یعنی متبوع کے اندر۔ بات سمجھ میں آگئی؟

دیکھیے اب اس سارے متن کو دوبارہ دیکھ لیجیے۔ کہتے ہیں وَلَا فَصْلَ بَيْنَ أَنْ يَكُونَ مُشْتَقّاً أَوْ غَيْرَهُ، اور کوئی فرق نہیں ہے اس بات کے درمیان کہ وہ صفت مشتق ہو یا غیرِ مشتق ہو، إِذَا كَانَ وَضْعُهُ لِغَرَضِ الْمَعْنٰى، جب اس غیرِ مشتق کی وضع جو ہے اس معنیٰ کی غرض سے ہو۔ جب اس غیرِ مشتق کی وضع کس لیے ہو؟ اس معنیٰ کی غرض سے ہو۔ اس معنیٰ، الف لام آیا الْمَعْنٰى، معلوم ہوا خاص معنیٰ مراد ہے۔ کون سا معنیٰ؟ وہ جو پیچھے تعریف میں آیا تھا کہ صفت ایسے معنیٰ پر دلالت کرتی ہے جو کس میں پایا جاتا ہے اس کے متبوع میں۔ تو غیرِ مشتق بھی صفت بن سکتا ہے جب وہ ایسے معنیٰ پر دلالت کرے جو کس میں پایا جائے اس کے متبوع یعنی غیر میں پایا جائے۔ تو کہتے ہیں إِذَا كَانَ وَضْعُهُ لِغَرَضِ الْمَعْنٰى، جب کہ اس غیرِ مشتق کی وضع جو ہے اس معنیٰ کی غرض کے لیے ہو عُمُوماً، عُمُوماً یعنی تمام استعمالات میں وہ اسی طرح استعمال ہوتا ہے، مِثْلُ تَمِيمِيٍّ وَذِي مَالٍ، جیسے تَمِيمِيٍّ اور ذِي مَالٍ ہے، أَوْ خُصُوصاً، یا خُصُوصاً یا خاص خاص استعمالات کے اندر، بعض استعمالات کے اندر وہ اس قسم کے معنیٰ پر دلالت کرتا ہے، مِثْلُ مَرَرْتُ بِرَجُلٍ أَيِّ رَجُلٍ، میں گزرا ایک ایسے آدمی پر أَيِّ رَجُلٍ جو بڑا ہی کامل رَجُل تھا بھئی، وَبِهٰذَا الرَّجُلِ، أَيْ وَمَرَرْتُ بِهٰذَا الرَّجُلِ، اور میں گزرا اس آدمی کے پاس سے، تو دیکھو اس میں الرَّجُلِ جو ہے صفت بن رہا ہے حالانکہ اس کی وضع صفت کے لیے نہیں، لیکن بعض استعمالات میں یہ ایسے معنیٰ پر دلالت کرتا ہے جو غیر کے اندر پایا جاتا ہے جیسے یہاں پر بھئی۔ هٰذَا اسمِ اشارہ کے اندر ابہام تھا، الرَّجُلِ نے آکر کیا کیا؟ اس ابہام کو دور کر دیا، تو اس نے ایسے معنیٰ پر دلالت کی جو موصوف کے اندر پایا جا رہا ہے۔ اور اگلی مثال دیکھیے وَبِزَيْدٍ هٰذَا، أَيْ مَرَرْتُ بِزَيْدٍ هٰذَا، یہاں پر هٰذَا زید کی صفت بن رہا ہے اور هٰذَا وہ تو صفت کے لیے وضع نہیں، لیکن یہاں پر یہ ایک ایسے معنیٰ پر دلالت کر رہا ہے جو موصوف کے اندر پایا جا رہا ہے اور وہ کیا ہے؟ مشارٌ الیہ ہونے والا معنیٰ۔ وہ مشارٌ الیہ کون ہے؟ زید ہے، تو وہ مشارٌ الیہ ہونے والا معنیٰ زید کے اندر پایا جا رہا ہے، تو یہ هٰذَا ایسی صفت ہوئی جس نے ایسے معنیٰ

پر دلالت کی جو اس کے متبوع میں پایا جا رہا ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟

اب اس سارے کو شرح کے ساتھ دیکھیے، یہ متن سے ایک دو سطریں قبل جو ہے، جی یہ جو متن تھا نا وَلَا فَصْلَ، اس سے ایک دو سطریں قبل وَلَمَّا كَانَ غَالِبُ مَوَادِّ الصِّفَةِ، مل گیا بھئی؟ جی۔ کہتے ہیں وَلَمَّا كَانَ غَالِبُ مَوَادِّ الصِّفَةِ الْمُشْتَقَّاتِ، اور جب صفت کے جو غالب مادے ہیں الْمُشْتَقَّاتِ وہ مشتقات ہوتے ہیں، بھئی صفت کے جو غالب مادے ہیں عربی زبان میں، آپ اگر عربی زبان میں تلاش کریں آپ دیکھیں گے اکثر اکثر جو صفت ہوتی ہے وہ مشتق ہوتی ہے۔ صفت اکثر کیا ہوتی ہے؟ مشتق ہوتی ہے۔ چنانچہ صاحبِ جامی بتلائیں گے چونکہ عربی کے اندر اکثر صفت جو بنتی ہے وہ مشتق ہی بنتی ہے تو اس وجہ سے بہت سے نحوی اس وہم میں بتلا ہو گئے کہ شاید صفت ہمیشہ مشتق ہی بن سکتی ہے، چنانچہ جہاں کہیں غیرِ مشتق ان کو مل بھی جائے تو وہ اس کو تاویل کر کے مشتق بنا لیتے ہیں۔ لیکن صاحبِ کافیہ اب آگے بتانے لگے ہیں کہ نہیں، صفت کے لیے مشتق ہونا کوئی ضروری نہیں ہے، غیرِ مشتق بھی کبھی کبھار کیا بن سکتا ہے؟ غیرِ مشتق بھی صفت بن سکتا ہے، لیکن اس میں وہی والا معنیٰ ہونا چاہیے جو صفت کے اندر ہوتا ہے۔ صفت ایسے معنیٰ پر دلالت کرتی ہے جو اس کے متبوع میں پایا جائے، تو اگر غیرِ مشتق بھی ایسے معنیٰ پر دلالت کر رہا ہے تو وہ صفت بن سکتا ہے بھئی۔

تو کہتے ہیں وَلَمَّا كَانَ غَالِبُ مَوَادِّ الصِّفَةِ، اور جب صفت کے غالب مادے جو ہیں الْمُشْتَقَّاتِ وہ مشتقات ہوتے ہیں، تَوَهَّمَ كَثِيرٌ مِنَ النَّحْوِيِّينَ، تو وہم کیا بہت سے نحویوں نے أَنَّ الِاشْتِقَاقَ شَرْطٌ فِي النَّعْتِ، کہ اشتقاق جو ہے وہ شرط ہے صفت میں، حَتّٰى تَأَوَّلُوا غَيْرَ الْمُشْتَقِّ إِلَى الْمُشْتَقِّ، یہاں تک کہ انہوں نے غیرِ مشتق کی تاویل کی مشتق کی طرف۔ وَلَمَّا لَمْ يَكُنْ هٰذَا مَرْضِيّاً لِلْمُصَنِّفِ، اور جب یہ پسندیدہ نہیں تھا مصنف کے لیے، جب یہ بات مصنف کے لیے پسندیدہ نہیں تھی، رَدَّهُ بِقَوْلِهِ، تو اس بات کو رد کیا صاحبِ کافیہ نے اپنے اس قول کے ذریعے وَلَا فَصْلَ أَيْ لَا فَرْقَ، فصل کس معنیٰ میں ہے؟ فرق کے معنیٰ میں، وَلَا فَصْلَ أَيْ لَا فَرْقَ بَيْنَ أَنْ يَكُونَ النَّعْتُ مُشْتَقّاً أَوْ غَيْرَهُ، اور کوئی فرق نہیں ہے اس کے بیچ کہ صفت جو ہے وہ مشتق ہو یا غیرِ مشتق ہو، فِي صِحَّةِ وُقُوعِهِ نَعْتاً، کہ صحیح ہو اس کا صفت واقع ہونا، کہ صحیح ہو اس کا صفت واقع ہونا۔ ایک چیز کا صفت واقع ہونا صحیح ہو اس کے لیے مشتق یا غیرِ مشتق میں کوئی فرق نہیں ہے، مشتق جو ہے اس کا بھی صفت واقع ہونا صحیح اور غیرِ مشتق کا بھی صفت واقع ہونا صحیح ہے۔ پھر دیکھیے ترجمہ، کہتے ہیں وَلَا فَصْلَ أَيْ لَا فَرْقَ بَيْنَ أَنْ يَكُونَ النَّعْتُ مُشْتَقّاً أَوْ غَيْرَهُ، اور کوئی فرق نہیں ہے اس کے بیچ کہ صفت جو ہے وہ مشتق ہو یا غیرِ مشتق ہو، فِي صِحَّةِ وُقُوعِهِ نَعْتاً، اس بات میں کہ صحیح ہو اس کا صفت واقع ہونا، إِذَا كَانَ وَضْعُهُ أَيْ وَضْعُ غَيْرِ الْمُشْتَقِّ لِغَرَضِ الْمَعْنٰى، جب اس غیرِ مشتق کی وضع جو ہے اس معنیٰ کی غرض کے لیے ہو۔ کون سا معنیٰ؟ وہ معنیٰ جو غیر میں پایا جائے، صفت ایسے معنیٰ پر دلالت کرتی ہے جو غیر میں پایا جائے۔ تو کہتے ہیں جب اس کی وضع جو ہے اس غیرِ مشتق کی لِغَرَضِ الْمَعْنٰى اس معنیٰ کی غرض کے لیے ہو، أَيْ لِغَرَضِ الدَّلَالَةِ عَلَى الْمَعْنٰى، یعنی اس کی غرض جو ہے وہ اس معنیٰ پر دلالت ہے الْوَاقِعِ فِي الْمَتْبُوعِ،

جو کس میں پایا جا رہا ہے؟ متبوع کے اندر، عُمُوماً عموم کے طریقے پر أَيْ فِي جَمِيعِ الِاسْتِعْمَالَاتِ، یعنی تمام استعمالات میں۔ یعنی وہ غیرِ مشتق ایسا ہو کہ تمام استعمالات میں کس لیے ہو؟ ایسے معنیٰ پر دلالت کر رہا ہو جو کس میں پایا جاتا ہے؟ غیر میں یعنی متبوع میں۔ مِثْلُ تَمِيمِيٍّ وَذِي مَالٍ، جیسے تَمِيمِيٍّ اسمِ منسوب ہے اور ذِي مَالٍ ہے، تو جیسے تَمِيمِيٍّ ہے اور جیسے ذُو مَالٍ ہے۔ فَإِنَّ التَّمِيمِيَّ يَدُلُّ دَائِماً، اس لیے کیونکہ تَمِيمِيٍّ جو اسمِ منسوب ہے وہ ہمیشہ اس بات پر دلالت کرتا ہے عَلَى أَنَّ لِذَاتٍ مَا نِسْبَةً إِلَى قَبِيلَةِ تَمِيمٍ، کہ کوئی ایک ایسی ذات ہے جس کی نسبت ہو رہی ہے قبیلۂ تمیم کی طرف، وَذِي مَالٍ يَدُلُّ، اور ذِي مَالٍ ہمیشہ دلالت کرتا ہے عَلَى أَنَّ ذَاتاً مَا صَاحِبُ مَالٍ، کہ کوئی ایک ذات ہے جو صاحبِ مال ہے، جو مال والی ہے۔ پھر دیکھیے بھئی، فَإِنَّ التَّمِيمِيَّ يَدُلُّ دَائِماً، اس لیے کیونکہ تَمِيمِيٍّ جو ہے یہ ہمیشہ اس بات پر دلالت کرتا ہے عَلَى أَنَّ لِذَاتٍ مَا نِسْبَةً إِلَى قَبِيلَةِ تَمِيمٍ، کہ کوئی ایک ایسی ذات ہے جس کی نسبت کی گئی ہے قبیلۂ تمیم کی طرف، وَذِي مَالٍ يَدُلُّ، اور ذُو مَالٍ دلالت کرتا ہے اس بات پر عَلَى أَنَّ ذَاتاً مَا کہ کوئی ایک ایسی ذات ہے صَاحِبُ مَالٍ جو مال والی ہے۔ أَوْ خُصُوصاً أَيْ فِي بَعْضِ الِاسْتِعْمَالَاتِ، یعنی اس، وہ اس معنیٰ پر دلالت کرے خُصُوصاً یعنی خاص خاص استعمالات میں، بعض بعض استعمالات میں۔ تو اس غیرِ مشتق کی وضع ایسے معنیٰ کے لیے ہونی چاہیے جو...

تمام استعمالات میں ایسے معنیٰ پر دلالت کرے، یا بعض خاص استعمالات میں وہ ایسے معنیٰ پر دلالت کرے جو کس کے اندر پایا جائے؟ اس کے متبوع میں پایا جائے۔ أَوْ خُصُوصاً أَيْ فِي بَعْضِ الِاسْتِعْمَالَاتِ، یعنی بعض استعمالات میں وہ اس طرح ہو، بِأَنْ يَدُلَّ فِي بَعْضِ الْمَوَاضِعِ، بایں صورت کہ وہ دلالت کرے بعض جگہوں کے اندر عَلَى حُصُولِ مَعْنًى لِذَاتٍ مَا، ایک ایسے معنیٰ پر جو حاصل ہو رہا ہو کسی ذات میں، وَحِينَئِذٍ يَجُوزُ أَنْ يَقَعَ نَعْتاً، تو اس وقت اس کا صفت واقع ہونا صحیح ہوگا۔ جیسے أَيٌّ، أَيُّ ہر جگہ پر ایسے معنیٰ پر دلالت نہیں کرتا لہٰذا ہر جگہ جہاں بھی أَيٌّ آئے وہ صفت بنے گا ایسا نہیں ہے۔ ہاں بعض بعض استعمالات میں وہ صفت بنتا ہے، جیسے مَرَرْتُ بِرَجُلٍ أَيِّ رَجُلٍ، جَاءَنِي رَجُلٌ أَيُّ رَجُلٍ، رَأَيْتُ رَجُلاً أَيَّ رَجُلٍ۔ تو جو موصوف ہوگا مضاف الیہ بھی وہی لفظ ہونا چاہیے بھئی، اور یہ کمال پر دلالت کرتا ہے۔ تو کہتے ہیں وَفِي بَعْضِهَا لَا يَدُلُّ عَلَى ذٰلِكَ، اور بعض استعمالات کے اندر وہ جو غیرِ مشتق ہے وہ اس طرح کے معنیٰ پر وہ دلالت نہیں کرے گا، وَحِينَئِذٍ لَا يَصِحُّ جَعْلُهُ نَعْتاً، اور اس وقت اس کو صفت بنانا صحیح نہیں۔ وہ غیرِ مشتق جب وہ بعض استعمالات میں وہ ایسے معنیٰ پر دلالت کرتا ہے جو متبوع میں پایا جاتا ہے تو اس وقت اس کو صفت آپ بنا سکتے ہیں، اور بعض استعمالات میں وہ ایسے معنیٰ پر دلالت نہیں کرتا جو متبوع میں پایا جائے تو ان استعمالات میں آپ اس کو صفت بھی نہیں بنا سکتے۔ مِثْلُ مثال کے طور پر مَرَرْتُ بِرَجُلٍ أَيِّ رَجُلٍ، میں گزرا ایک کامل شخص پر، أَيْ كَامِلٍ فِي الرَّجُولِيَّةِ، یعنی ایسا شخص جو کامل تھا رجل ہونے میں۔ فَأَيُّ رَجُلٍ بِاعْتِبَارِ دَلَالَتِهِ فِي مِثْلِ هٰذَا التَّرْكِيبِ عَلَى كَمَالِ الرَّجُولِيَّةِ، تو أَيُّ رَجُلٍ کا لفظ جو ہے اس اعتبار سے کہ یہ دلالت کر رہا ہے اس جیسی ترکیبوں میں رجولیت کے کامل ہونے پر، يَصِحُّ أَنْ يَقَعَ نَعْتاً، تو صحیح ہے اس کا صفت واقع ہونا۔ وَفِي مِثْلِ اور اس جیسی مثالوں میں أَيُّ رَجُلٍ عِنْدَكَ؟ کون سا آدمی ہے آپ کے پاس؟ اب یہاں پر جو أَيٌّ آیا ہے یہ استفہام کے

لیے ہے، یہ ایسے معنیٰ پر دلالت نہیں کر رہا جو کس میں غیر میں پایا جائے، لہٰذا اب یہاں اس کا صفت بننا صحیح نہیں۔ تو کہتے ہیں وَفِي مِثْلِ أَيُّ رَجُلٍ عِنْدَكَ لَا يَدُلُّ عَلٰى هٰذَا الْمَعْنٰى، اور اس جیسی مثالوں میں یہ جو أَيُّ ہے وہ اس طرح کے معنیٰ پر دلالت نہیں کر رہا یعنی جو متبوع میں پایا جائے، فَلَا يَصِحُّ أَنْ يَقَعَ نَعْتاً، تو لہٰذا اس کا صفت واقع ہونا صحیح نہیں۔

وَمِثْلُ مَرَرْتُ بِهٰذَا الرَّجُلِ، اور جیسے مَرَرْتُ بِهٰذَا الرَّجُلِ، اس میں هٰذَا موصوف ہے اور الرَّجُلِ اس کی صفت۔ هٰذَا کے اندر ابہام تھا، الرَّجُلِ کے اندر تعیین تھی کیونکہ الرَّجُلِ پر الف لام آیا ہے نا، اور الف لام کسی معین ذات پر دلالت کرتا ہے۔ بات سمجھ میں آ رہی ہے؟ تو هٰذَا میں ابہام تھا الرَّجُلِ نے آکر اس ابہام کو کیا کر دیا؟ دور کر دیا۔ تو کہتے ہیں فَإِنَّ هٰذَا يَدُلُّ عَلٰى ذَاتٍ مُبْهَمَةٍ، اس لیے کیونکہ هٰذَا جو ہے وہ دلالت کرتا ہے ذاتِ مبہمہ پر، وَالرَّجُلِ عَلٰى ذَاتٍ مُعَيَّنَةٍ، اور الرَّجُلِ کا لفظ جو ہے وہ ذاتِ معینہ پر دلالت کرتا ہے۔ وَخُصُوصِيَّةُ الذَّاتِ الْمُعَيَّنَةِ، اور ذاتِ معینہ کی خصوصیت جو ہے یعنی ذاتِ معینہ کے اعتبار سے خاص ہو جانا، هٰذَا الرَّجُلُ، هٰذَا کیا تھا؟ مبہم۔ الرَّجُلِ نے آکر کیا کیا؟ اس کے ابہام کو دور کیا، تو دیکھو یہ ابہام کو دور کرنے والا معنیٰ یہ کس میں آگیا؟ هٰذَا کے اندر آگیا، تو لہٰذا الرَّجُلِ کا اس کا صفت واقع ہونا صحیح ہے۔ یہ معنیٰ ہے وَخُصُوصِيَّةُ الذَّاتِ الْمُعَيَّنَةِ، اور ذاتِ معینہ کی خصوصیت یعنی اس کے ساتھ خاص ہونا بِمَنْزِلَةِ مَعْنًى حَاصِلٍ فِي الذَّاتِ الْمُبْهَمَةِ، یہ اسی معنیٰ کے درجے میں ہے جو حاصل ہو رہا ہو ذاتِ مبہمہ میں۔ اس ذاتِ مبہمہ میں هٰذَا کے اندر کون سا معنیٰ آگیا؟ تعیین والا معنیٰ آگیا۔ تو یہ ایک ایسا معنیٰ ہے جو موصوف میں حاصل ہوا۔ فَلِهٰذَا صَحَّ أَنْ يَقَعَ الرَّجُلِ صِفَةً لِهٰذَا، لہٰذا صحیح ہے کہ الرَّجُلِ، میں الرَّجُلِ پڑھ رہا ہوں کیونکہ مَرَرْتُ بِهٰذَا الرَّجُلِ اس کے اندر الرَّجُلِ مجرور تھا تو میں اعرابِ حکائی پڑھ رہا ہوں، آپ چاہیں تو موقع کے مطابق پڑھ لیں، آپ یوں بھی پڑھ سکتے ہیں فَلِهٰذَا صَحَّ أَنْ يَقَعَ الرَّجُلُ کیونکہ الرَّجُلُ فاعل ہے يَقَعَ کے لیے، فَلِهٰذَا صَحَّ أَنْ يَقَعَ الرَّجُلُ صِفَةً لِهٰذَا، لہٰذا صحیح ہے کہ رجل جو ہے وہ صفت بن جائے اس هٰذَا کے لیے۔ وَفِي الْمَوَاضِعِ الْأُخَرِ الَّتِي لَا يَدُلُّ عَلٰى هٰذَا الْمَعْنٰى، اور دوسری جگہوں میں جہاں پر الرَّجُلِ ایسے معنیٰ پر دلالت نہیں کرتا، لَا يَصِحُّ أَنْ يَقَعَ صِفَةً، صحیح نہیں ہے اس کا صفت واقع ہونا۔

وَذَهَبَ بَعْضُهُمْ إِلٰى، یہ تو ایک تقریر کی، مَرَرْتُ بِهٰذَا الرَّجُلِ، هٰذَا موصوف الرَّجُلِ صفت۔ جبکہ بعض علمائے نحو فرماتے ہیں نہیں، الرَّجُلِ ذات پہ دلالت کرتا ہے یہ صفت بن ہی نہیں سکتا، لہٰذا وہ کہتے ہیں هٰذَا مبدل منہ ہے اور رجل اس سے بدل ہے۔ وہ مبدل منہ اور بدل بناتے ہیں، موصوف صفت نہیں بناتے۔ اور بعض علمائے نحو جو ہیں ان کو معطوف علیہ اور عطفِ بیان بناتے ہیں۔ تو صاحبِ کافیہ نے الرَّجُلِ کو کیا بنایا؟ صفت، لیکن بعض علما اس کو بدل یا عطفِ بیان بناتے ہیں۔ تو کہتے ہیں وَذَهَبَ بَعْضُهُمْ إِلٰى أَنَّ الرَّجُلَ بَدَلٌ عَنِ اسْمِ الْإِشَارَةِ، اور بعض علمائے نحو اس بات کی طرف گئے ہیں کہ الرَّجُلِ جو ہے وہ بدل ہے اسمِ اشارہ سے، وَبَعْضُهُمْ إِلٰى أَنَّهُ عَطْفُ بَيَانٍ، اور بعض علمائے نحو اس بات کی طرف گئے ہیں کہ یہ الرَّجُلِ جو ہے یہ عطفِ بیان ہے اور هٰذَا جو ہے وہ معطوف علیہ ہے۔

وَمِثْلُ مَرَرْتُ بِزَيْدٍ هٰذَا، اور جیسے کہ مَرَرْتُ بِزَيْدٍ هٰذَا۔ اس میں دیکھو زَيْدٌ جو ہے موصوف ہے اور هٰذَا اس کی صفت، أَيْ بِزَيْدٍ الْمُشَارِ إِلَيْهِ، یعنی یہ زید جو مشارٌ الیہ ہے، میں اس مشارٌ الیہ زید کے پاس سے گزرا۔ تو هٰذَا نے کس معنیٰ پر دلالت کی؟ مشارٌ الیہ۔ اور یہ مشارٌ الیہ والا معنیٰ کس میں ہے؟ زید میں ہے۔ تو یہاں پر هٰذَا ایسے معنیٰ پر دلالت کر رہا ہے جو غیر میں یعنی متبوع میں پایا جا رہا ہے، لہٰذا اس کا صفت بننا صحیح۔ اور جہاں وہ ایسے معنیٰ پر دلالت نہیں کرے گا وہاں هٰذَا کا صفت بننا صحیح نہیں، کیونکہ هٰذَا غیرِ مشتق ہے بھئی۔ وَمِثْلُ مَرَرْتُ بِزَيْدٍ هٰذَا أَيْ بِزَيْدٍ الْمُشَارِ إِلَيْهِ، یعنی یہ زید جو مشارٌ الیہ ہے، فَهٰذَا فِي هٰذَا الْمَوْضِعِ، تو هٰذَا کا لفظ جو ہے اس مقام پر يَدُلُّ عَلٰى مَعْنًى حَاصِلٍ فِي ذَاتِ زَيْدٍ، یہ هٰذَا کا لفظ دلالت کر رہا ہے ایسے معنیٰ پر جو حاصل ہے زید کی ذات میں، جو ثابت ہے زید کی ذات میں، فَوَقَعَ صِفَةً لَهُ، تو یہ اس کے لیے صفت ہو کر واقع ہوا۔ وَفِي الْمَوَاضِعِ الْأُخَرِ الَّتِي لَا يَدُلُّ عَلٰى هٰذَا الْمَعْنٰى، اور دوسری جگہوں میں جہاں پر وہ اس قسم کے معنیٰ پر دلالت نہیں کرتا، لَا يَصِحُّ أَنْ يَقَعَ صِفَةً، تو صحیح نہیں ہے اس کا صفت واقع ہونا۔ اور جگہوں میں جہاں وہ اس طرح جہاں هٰذَا اس طرح کے معنیٰ پر دلالت نہ کرے جو غیر میں پایا جائے تو اس کا وہاں پھر اس کا صفت بننا صحیح نہیں۔ صفت وہی بنے گا جس ایسے معنیٰ پر دلالت کرے جو غیر میں یعنی متبوع میں پایا جائے۔ جی یہاں تک حل ہو گیا؟ جی۔ سمجھ میں آ گئی بات؟ چلیے بس بھئی هٰذَا هُوَ الْمَرَامُ وَاللّٰهُ أَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْكَلَامِ۔

سبق نمبر ۲۰۰: النعت (۲): نکرہ کی جملہ خبریہ سے صفت اور جملہ انشائیہ کی تاویل

شرحِ ملا جامی صفحہ: ۱۸۰ — بتاریخ: ۲۷ ستمبر ۲۰۲۲ء

▪ تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث

آگے سبق دیکھیے بھائی، وَتُوصَفُ النَّكِرَةُ لَا الْمَعْرِفَةُ بِالْجُمْلَةِ الْخَبَرِيَّةِ الَّتِي هِيَ فِي حُكْمِ النَّكِرَةِ، لِأَنَّ الدَّلَالَةَ عَلَى مَعْنًى فِي مَتْبُوعِهِ كَمَا تُوجَدُ فِي الْمُفْرَدِ كَذٰلِكَ تُوجَدُ فِي الْجُمْلَةِ الْخَبَرِيَّةِ، وَإِنَّمَا قَيَّدَ الْجُمْلَةَ بِالْخَبَرِيَّةِ لِأَنَّ الْإِنْشَائِيَّةَ لَا تَقَعُ صِفَةً إِلَّا بِتَأْوِيلٍ بَعِيدٍ۔

گزشتہ سبق میں توابع میں سے صفت کے بارے میں ہم پڑھ رہے تھے۔ صاحبِ کافیہ نے آپ کو بتلایا کہ صفت ایسا تابع ہے جو ایسے معنی پر دلالت کرے جو اس کے متبوع میں پایا جائے مطلقاً، یعنی تمام مادوں کے اندر۔ اور پھر اس کے فائدے ذکر کیے تھے کہ صفت لانے کے فائدے کیا ہیں؟ تو بتلایا تھا کہ صفت نکرہ کے اندر آئے تو وہ تخصیص کا فائدہ دیتی ہے، یعنی اشتراک کو کم کر دیتی ہے۔ جیسے رَجُلٌ یہ دنیا کے ہر رَجُل پر صادق آ رہا ہے، لیکن اگر آپ اس کی صفت لے آئیں رَجُلٌ عَالِمٌ تو اب یہ صرف رَجُلٍ عَالِم پر صادق آئے گا، باقی رَجُل پر صادق نہیں آئے گا، تو دیکھو اشتراک کم ہو گیا تو تخصیص آ گئی۔

اور جبکہ معرفہ کے اندر صفت جو ہے وہ توضیح کا فائدہ دیتی ہے۔ توضیح کا معنی میں نے بیان کیا تھا کہ غیر کے احتمال کو ختم کرنا۔ مثلاً میں آپ سے کہتا ہوں جَاءَنِي زَيْدٌ الْعَالِمُ، زید معرفہ ہے اور اس کی صفت الْعَالِم میں لایا تو اس نے توضیح کا فائدہ دیا، یعنی وضاحت کا۔ اس نے زید سے غیرِ عالم ہونے کے احتمال کو ختم کر دیا۔ زید میں دونوں احتمال تھے، ہو سکتا ہے عالم ہو، ہو سکتا ہے عالم نہ ہو، لیکن جب اس کی صفت آ گئی، معرفہ کی جب صفت آ گئی تو اس صفت نے اس معرفہ سے غیر کا احتمال ختم کر دیا۔ جَاءَنِي زَيْدٌ الْعَالِمُ تو اس الْعَالِم نے زید سے غیرِ عالم ہونے کا احتمال ختم کر دیا۔

جبکہ بعض علماء نے توضیح کا اور معنی بیان کیا۔ وہ فرماتے ہیں توضیح کا معنی ہے اشتراک کو ختم کرنا۔ تو یہ جو معرفہ کی صفت آتی ہے یہ اشتراک کو ختم کر دیتی ہے۔ مثلاً زید دو ہیں، ایک عالم ہے اور ایک تاجر ہے۔ تو جب میں نے کہا جَاءَنِي

زَيْدٌ الْعَالِمُ تو اس صفت نے آکر توضیح کر دی کہ یہ آنے والا وہ زید ہے جو عالم ہے اور جو زید تاجر ہے وہ یہاں مراد نہیں ہے۔ تو دیکھو اس نے اس زید کے اندر اشتراک تھا، دو آدمیوں کا نام تھا، صفت نے آکر اس اشتراک کو ختم کر دیا۔

اور پھر یہ بھی صاحبِ کافیہ نے بتلایا کہ کبھی کبھار صفت صرف تعریف کے لیے یا صرف مذمت کے لیے یا صرف تاکید کے لیے بھی لائی جاتی ہے۔ جیسے بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ، اس کے اندر لفظِ اللہ موصوف ہے، الرَّحْمٰن صفتِ اول اور الرَّحِيم صفتِ ثانی، تو یہ معرفہ کی صفت ہے اور معرفہ کی صفت توضیح کے لیے لائی جاتی ہے، یعنی غیر کے احتمال کو ختم کرتی ہے، لیکن یہاں اللہ تعالیٰ کی ذات میں غیرِ رحمٰن ہونے کا احتمال ہی نہیں ہے، اسی طرح اللہ کی ذات میں غیرِ رحیم ہونے کا احتمال ہی نہیں ہے۔ تو یہ صفت توضیح کے لیے نہیں، توضیح تو وہاں ہوگی جہاں غیر کا بھی احتمال ہو، تو یہ صفت صرف اللہ کی مدح اور ثنا کے لیے لائی گئی ہے۔

اور اسی طرح کبھی یہ صفت صرف مذمت کے لیے لائی جاتی ہے۔ جیسے أَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ، الشَّيْطَان موصوف، الرَّجِيم اس کی صفت، تو یہ شیطان معرفہ ہے اور اس کی صفت لائی گئی، لیکن یہ صفت توضیح کے لیے نہیں، کیونکہ توضیح کا معنی تو ہے غیر کے احتمال کو ختم کرنا، اور شیطان وہ تو رجیم ہے، اس کے اندر تو غیرِ رجیم یعنی غیرِ مردود ہونے کا احتمال ہی نہیں ہے۔ تو یہ صفت جو لائی گئی یہ توضیح کے لیے نہیں ہے، بلکہ مذمت کے لیے ہے بھائی۔

پھر سوال پیدا ہوا کہ ہمیں پتا کیسے چلے گا کہ معرفہ کی جب صفت آجائے کہ وہ توضیح کے لیے ہے یا مدح و مذمت کے لیے ہے؟ تو میں نے بتلایا تھا کہ اگر ایک صفت جو ہے پہلے سے معلوم ہے، پھر بھی اس کو ذکر کیا جاتا ہے تو معلوم ہوا یہ مدح یا ذم کے لیے ہے، اور اگر ایک صفت پہلے سے معلوم نہیں، اس کو ذکر کیا گیا ہے تو معلوم ہوا یہ توضیح کے لیے ہے۔ مثلاً آپ کو علم نہیں کہ زید عالم ہے یا عالم نہیں، اب میں آپ سے کہتا ہوں جَاءَنِي زَيْدٌ الْعَالِمُ تو یہ اب الْعَالِم نے زید کی توضیح کر دی۔ زید میں دونوں احتمال تھے عالم ہونے کا بھی اور غیرِ عالم ہونے کا بھی، تو جب الْعَالِم صفت آئی تو اس نے غیرِ عالم ہونے کے احتمال کو ختم کر دیا۔ اب آپ کو زید کے عالم ہونے کا پتا ہے، پھر بھی دوبارہ کسی موقع پر جب میں بات کرتا ہوں تو میں دوبارہ کہتا ہوں جَاءَنِي زَيْدٌ الْعَالِمُ، اب یہ الْعَالِم کی جو صفت لائی گئی یہ توضیح کا فائدہ نہیں دے رہی، کیونکہ آپ کو پہلے سے علم ہے کہ زید عالم ہے۔ تو اس صورت میں پھر یہ صفت جو ہے مدح یا ذم کے لیے ہوگی موقع کے مطابق۔ جیسے یہاں پر الْعَالِم صفت لائی گئی اور علم یہ تو قابلِ مدح ہے، قابلِ تعریف چیز ہے، تو یہ صفت کس لیے ہوئی؟ مدح کے لیے ہوئی بھائی۔

اور کبھی کبھار صفت صرف تاکید کے لیے لائی جاتی ہے۔ جیسے نَفْخَةٌ وَاحِدَةٌ، نَفْخَةٌ کا معنی ہے ایک مرتبہ کا پھونکنا، یعنی ایک پھونک جو ہے اس کو کیا کہتے ہیں؟ نَفْخَةٌ۔ اس کے اندر یہ جو گول تا ہے آخر میں، یہ تا وحدت کی ہے جو وحدت پر دلالت

کرتی ہے۔ جیسے بَقَرٌ اور بَقَرَۃٌ، یہ بَقَرَۃٌ کی گول تا یہ تانیث کے لیے نہیں ہے، بلکہ یہ وحدت کے لیے ہے۔ جیسے کَلِمٌ اور کَلِمَۃٌ، یہ کَلِمَۃٌ کے آخر میں گول تا تانیث کی نہیں ہے، بلکہ یہ وحدت کے لیے ہے، یعنی ایک کلمہ مراد ہے۔ اسی طرح لَفْظٌ اور لَفْظَۃٌ، لَفْظَۃٌ کے آخر میں یہ جو گول تا ہے یہ کس لیے ہے؟ وحدت کے لیے ہے، یعنی لَفْظَۃٌ کا معنی ایک لفظ، کَلِمَۃٌ کا معنی ایک کلمہ، تو نَفْخَۃٌ کا بھی کیا معنی؟ ایک پھونک۔ تو ایک کا معنی اس گول تا سے معلوم ہو رہا تھا، پھر بھی آگے وَاحِدَۃٌ صفت لائی گئی۔ تو اس صفت نے کوئی نئے معنی کا فائدہ نہیں دیا، وہی ایک ہونے کا جو معنی نَفْخَۃٌ سے معلوم ہو رہا تھا اسی میں تاکید پیدا کر دی۔ تو یہ صفت صرف تاکید کے لیے ہے۔ یا جیسے میں کہتا ہوں جَاءَنِي رَجُلٌ وَاحِدٌ، اب رَجُلٌ کا معنی ہی ایک آدمی ہے، تو اب یہ جو وَاحِدٌ میں صفت لایا یہ صرف تاکید کے لیے ہے، اس نے کسی نئے معنی کا فائدہ نہیں دیا۔

پھر اس کے بعد صاحبِ کافیہ نے جمہور نحویوں کی مخالفت کی۔ جمہور نحوی تو فرماتے ہیں کہ صفت ہمیشہ مشتق کا صیغہ ہو گی۔ میں نے آپ کو بتلایا تھا کہ مصدر سے بہت سی چیزوں کا اشتقاق ہوتا ہے، بہت سے الفاظ مصدر سے بنتے ہیں، مثلاً فعلِ ماضی بھی مصدر سے بنتا ہے، فعلِ مضارع بھی، اسمِ فاعل بھی، اسمِ مفعول بھی، صفتِ مشبہ بھی، اسمِ آلہ، ظرف وغیرہ یہ سب کس سے بنتے ہیں؟ مصدر سے۔ تو یہ جو نئے لفظ بنتے ہیں مصدر سے، اس کو کہتے ہیں اشتقاق بھائی۔ تو مصدر ہوا مُشْتَقٌّ مِنْهُ جس سے اشتقاق کیا گیا، اور جبکہ یہ فعل وغیرہ اور اسمِ فاعل، اسمِ مفعول وغیرہ یہ مُشْتَقٌّ ہیں، یعنی جن کا اشتقاق کیا گیا ہے۔

تو عربی کے اندر جتنی صفات آتی ہیں اگر آپ پورے کلامِ عرب کے اندر تلاش کریں تو آپ دیکھیں گے صفت جو ہے اکثر اکثر وہ مشتق کا صیغہ ہوتی ہے۔ تو اتنی کثرت سے یہ مشتق کا صیغہ آیا کہ اکثر علمائے نحو اس بات کے قائل ہو گئے کہ صفت کا مشتق ہونا ضروری ہے، اور کبھی کبھار غیرِ مشتق بھی صفت آجاتی ہے تو اس مقام پر پھر وہ تاویل کرتے ہیں اور اسے بھی مشتق بنا لیتے ہیں، اس لفظ کو بھی مشتق کی تاویل میں کر لیتے ہیں۔ لیکن صاحبِ کافیہ فرماتے ہیں کہ نہیں، غیرِ مشتق اگر صفت بنے تو اس کو مشتق کی تاویل میں کرنے کی کوئی ضرورت نہیں، بلکہ صفت جیسے مشتق آسکتی ہے اسی طرح غیرِ مشتق بھی صفت بن سکتی ہے۔ ہاں البتہ وہ جو غیرِ مشتق ہے اس کی وضع جو ہے، اس کی وضع جو ہے وہ اس معنی کے لیے ہونی چاہیے۔ کون سا معنی؟ وہ جو صفت کی تعریف میں آیا تھا کہ صفت ایسے معنی پر دلالت کرتی ہے جو اس کے متبوع میں یعنی غیر میں پایا جاتا ہے۔ تو غیرِ مشتق بھی صفت بنے گا لیکن جب وہ بھی ایسے معنی پر دلالت کرے جو غیر میں یعنی اس کے متبوع میں پایا جائے۔ تو یہ معنی ہونا ضروری ہے کیونکہ صفت کہتے ہی اسے ہیں جو ایسے معنی پر دلالت کرے، تو اس کو ایسے معنی کے لیے وضع ہونا چاہیے۔ اور یاد رکھو وضع سے وہ وضع نہیں کہ ایک لفظ کو ایک معنی کے لیے جیسے وضع کرتے ہیں، جیسے رَجُلٌ کا لفظ انسانوں میں سے جو مذکر ہے اور بلوغت کی حد کو پہنچ جائے اس کو رَجُلٌ کہتے ہیں، یا جیسے گلاس، اردو زبان میں گلاس کا لفظ کس کے لیے ہے؟ ایک پانی پینے کے برتن کے لیے وضع ہے۔ تو یہ وضع سے یہ وضع

نہیں مراد بھائی، بلکہ یہاں علماء فرماتے ہیں کہ یہاں وضع عام ہے، جس قسم کی بھی وضع ہو، چاہے وضعِ شخصی ہو، چاہے وضعِ نوعی وغیرہ ہو بھائی۔ یا بلکہ اور آسان جواب لے لیں کہ یہاں استعمال مراد ہے۔ کیا مراد ہے؟ یعنی وہ ایسے مقام میں استعمال ہو، ایسے معنی کے ساتھ استعمال ہو جو معنی کیا ہو؟ غیر میں پایا جا رہا ہو، چاہے تمام استعمالات میں ایسا ہو چاہے بعض استعمالات میں ایسا ہو۔

بعض لفظ غیرِ مشتق ہیں لیکن وہ اپنے تمام استعمالات میں ایسے معنی پر دلالت کرتے ہیں جو متبوع میں پایا جاتا ہے، جو غیر میں پایا جاتا ہے، جیسے تَمِيمِيٌّ یعنی اسمِ منسوب مراد ہے، کوئی بھی اسمِ منسوب ہو جائے، لَاهُورِيٌّ، پاکِسْتَانِيٌّ، بات سمجھ میں آرہی ہے؟ تو یہ اسمِ منسوب جو ہے، اسمِ منسوب تو یہ اسمِ مفعول کی تاویل میں ہے اور اسمِ مفعول کے لیے کیا چاہیے؟ نائب فاعل، تو اسمِ منسوب کے اندر بھی ہمیشہ نائب الفاعل کی ضمیر ہوتی ہے۔ تو اسمِ منسوب کا کیا معنی؟ مثلاً تَمِيمِيٌّ، بنو تمیم والا، معلوم ہوا کوئی چیز ہوگی جو بنو تمیم والی ہے، بنو تمیم کی طرف منسوب ہے۔ تو یہ ہمیشہ صفت کے طور پر استعمال ہوگا۔ اسی طرح ذُو مَالٍ، ذُو مَالٍ کا کیا معنی؟ مال والا، تو یہ بھی ہمیشہ یہ مال والا ہونا کسی کی صفت ہوگی، تو یہ ہمیشہ تمام استعمالات میں صفت بنتے ہیں اگرچہ یہ مشتق نہیں۔ اگرچہ یہ مشتق نہیں، تو یہ غیرِ مشتق ہیں لیکن تمام استعمالات میں یہ ایسے معنی پر دلالت کرتے ہیں جو ان کے متبوع میں پایا جاتا ہے۔

اور جبکہ بعض غیرِ مشتق ایسے ہوتے ہیں جو بعض بعض استعمالات میں ایسے معنی پر دلالت کرتے ہیں۔ جیسے أَيٌّ، أَيٌّ کا لفظ وضع ہے استفہام کے لیے، أَيُّ رَجُلٍ عِنْدَكَ؟ کون سا آدمی آپ کے پاس ہے؟ لیکن کبھی کبھار اس کو صفت کے لیے بھی استعمال کر لیتے ہیں، جیسے مَرَرْتُ بِرَجُلٍ أَيِّ رَجُلٍ یا رَأَيْتُ رَجُلًا أَيَّ رَجُلٍ۔ تو یہ أَيٌّ صفت بنتا ہے نکرہ کی، اور یاد رکھو یہ مضاف ہوتا ہے، ماقبل کے لیے صفت ہے اور مابعد کے لیے یہ مضاف بنے گا، اور آگے مضاف الیہ وہی موصوف کا لفظ آنا چاہیے، مَرَرْتُ بِرَجُلٍ أَيِّ رَجُلٍ، دیکھو وہی موصوف رَجُلٌ کا لفظ آگے دوبارہ آیا مضاف الیہ ہو کر۔ اور یہ کمال پر دلالت کرتا ہے، کس پر؟ ایک چیز کے کامل ہونے پر، اور کامل ہونا یہ تو کسی چیز کی صفت ہوگی بھائی۔ کامل ہونا کسی کے اندر، کامل ہونا مصدر ہے نا، اور مصدر کا تو اپنا خارج میں وجود نہیں ہے، یہ تو کسی چیز کی صفت ہوتی ہے، تو کامل ہونے کا معنی کسی کے اندر پایا جائے گا۔ تو أَيٌّ وضع تو ہے استفہام کے لیے، تمام استعمالات میں تو یہ اس قسم کے معنی پر دلالت نہیں کرتا، لیکن بعض استعمالات میں یہ أَيٌّ ایسے معنی پر دلالت کرتا ہے جو اس کے متبوع میں یعنی موصوف میں پایا جاتا ہے، تو پھر یہ صفت بن جائے گا۔

یا اسی طرح جیسے مَرَرْتُ بِهٰذَا الرَّجُلِ، اب دیکھو الرَّجُلُ یہ تو ذات پہ دلالت کرتا ہے، هٰذَا موصوف ہے الرَّجُلُ صفت، تو الرَّجُلُ جو ہے وہ ذات پر دلالت کرتا ہے، لیکن بعض استعمالات میں یہ ایسے معنی پر دلالت کرتا ہے جو اس کے متبوع یعنی موصوف میں پایا جائے، جیسے یہاں پر مَرَرْتُ بِهٰذَا الرَّجُلِ، هٰذَا اسمِ اشارہ ہے اور یہ ذاتِ مبہم پر دلالت کرتا ہے اور الرَّجُلُ

الف لام ہے اس پر، تو یہ ذاتِ معین پہ دلالت کر رہا ہے، کوئی معین آدمی مراد ہے۔ تو دیکھو هٰذَا ذات تھی مبہم، آگے الرَّجُلُ نے آکر اس میں کیا پیدا کر دی؟ تعیین پیدا کر دی، تو یہاں پر الرَّجُلُ تعیین کے معنی پر دلالت کر رہا ہے اور وہ تعیین موصوف یعنی متبوع کے اندر آگئی، اس میں پائی جا رہی ہے، تو لہٰذا یہاں پر اس کا صفت بننا صحیح ہے۔ مَرَرْتُ بِهٰذَا الرَّجُلِ، صاحبِ کافیہ نے تو هٰذَا کو موصوف بنایا اور الرَّجُلُ کو صفت بنایا، لیکن اور بعض نحوی حضرات فرماتے ہیں کہ الرَّجُلُ یہ ذات پر دلالت کرتا ہے، یہ صفت نہیں بن سکتا، چنانچہ وہ اس کو بدل بناتے ہیں۔ رَجُلٌ کو بدل، هٰذَا بنے گا مبدل منہ اور الرَّجُلُ اس سے بدل بنے گا، اور بدل اور مبدل منہ کا اعراب بھی ایک ہی ہوتا ہے کیونکہ بدل بھی توابع میں سے ہے۔ اور بعض علمائے نحو جو ہیں وہ اس کو عطفِ بیان بناتے ہیں، ماقبل والے هٰذَا کو معطوف علیہ اور آگے الرَّجُلُ کو عطفِ بیان،

اور عطفِ بیان بھی توابع میں سے ہے، اس پر بھی وہی اعراب آتا ہے جو معطوف علیہ پر اعراب ہو۔

اور اسی طرح جیسے مَرَرْتُ بِزَيْدٍ هٰذَا، اس کے اندر زَيْدٍ موصوف ہے اور هٰذَا صفت ہے۔ اب هٰذَا تو قریب والی کسی مذکر چیز کے لیے وضع ہے، لیکن یہاں پر هٰذَا جو ہے صفت بن رہا ہے، یہ ایسے معنی پر دلالت کر رہا ہے جو اس کے متبوع میں ہے۔ بھائی وہ کیا معنی؟ کہتے ہیں هٰذَا جو ہے یہ مشارٌ الیہ پر دلالت کرتا ہے اور یہاں وہ مشارٌ الیہ زید ہے۔ تو وہ مشارٌ الیہ ہونے والا معنی کس کے اندر آگیا؟ زید یعنی موصوف کے اندر آگیا۔ بات سمجھ میں آگئی۔

اب آئیے آج کے سبق پر۔ کہتے ہیں وَتُوصَفُ النَّكِرَةُ لَا الْمَعْرِفَةُ بِالْجُمْلَةِ الْخَبَرِيَّةِ۔ اچھا بھائی، پہلے متن متن دیکھ لیجیے۔ کہتے ہیں وَتُوصَفُ النَّكِرَةُ بِالْجُمْلَةِ الْخَبَرِيَّةِ وَيَلْزَمُ الضَّمِيرُ۔ تو کہتے ہیں وَتُوصَفُ النَّكِرَةُ بِالْجُمْلَةِ الْخَبَرِيَّةِ اور نکرہ کو موصوف کیا جاتا ہے جملہ خبریہ کے ساتھ، وَيَلْزَمُ الضَّمِيرُ اور اس کے اندر ضمیر لازم ہے۔

بھائی دیکھیے، کبھی کبھار جملہ جو ہے وہ صفت بنتا ہے۔ میں نے آپ کو بتلایا تھا کہ نکرہ کے بعد فعل آئے تو وہ اس کے لیے کیا بنتا ہے؟ صفت۔ اس لیے کیونکہ فعل اپنے فاعل یا نائب فاعل سے مل کر جملہ بنے گا، اور جملہ جو ہے وہ نکرہ کے حکم میں ہے۔ جب وہ نکرہ کے حکم میں ہے تو گویا نکرہ کے بعد نکرہ آگیا۔ ماقبل میں نکرہ تھا، مابعد میں جملہ فعلیہ آیا، تو نکرہ کے بعد نکرہ آگیا تو ثانی نکرہ یعنی جملہ وہ ماقبل والے نکرہ کے لیے صفت بنے گا۔

اور جملہ من حیث الجملہ مستقل ہے، یعنی اس میں بات پوری ہوتی ہے، وہ کسی سے جڑنے کا محتاج نہیں۔ زَيْدٌ عَالِمٌ، زید عالم ہے، دیکھو اس میں بات پوری ہے، یہ کسی سے جڑنے کا محتاج نہیں، لیکن آپ اگر ایک جملے کو کسی چیز سے جوڑنا چاہتے ہیں تو پھر درمیان میں ربط ضروری ہے۔ اور وہ ربط عموماً غائب کی ضمیر کے ذریعے دیا جاتا ہے۔ کس کے ذریعے؟ غائب کی ضمیر کے ذریعے۔ جیسے دیکھو ایک ہے ریل گاڑی کا انجن اور ایک اس کے ڈبے ہیں بھائی، تو انجن اور ڈبوں کے درمیان ربط ضروری ہے تب ہی انجن ان کو لے کر چل سکتا ہے۔ تو یہاں پر بھی آپ ایک پورے جملے کو کسی چیز سے جوڑنا

چاہتے ہیں تو درمیان میں ربط ضروری ہے بھائی، اور وہ ربط عموماً کس کے ذریعے دیتے ہیں؟ غائب کی ضمیر کے ذریعے ربط دیا جاتا ہے۔ تو جملہ کبھی کبھار نکرہ کی صفت بنتا ہے، اور وہ جملہ فعلیہ بھی ہو سکتا ہے اور جملہ اسمیہ بھی ہو سکتا ہے۔ لیکن جس جملے کو بھی آپ نکرہ کی صفت بنانا چاہتے ہیں تو اس جملے کا اس نکرہ سے ربط ضروری ہے، یعنی اس جملے میں ایک غائب کی ضمیر ہونی چاہیے جو اس نکرہ کی طرف لوٹے، یعنی اس موصوف کی طرف لوٹے جس کے ساتھ آپ اس کو جوڑ رہے ہیں، جس کی آپ اسے صفت بنا رہے ہیں۔

اب یاد رکھو یہ جو جملہ ہے، یہ صرف صفت ہی نہیں بنتا، یہ جملہ کبھی خبر بھی بنتا ہے، یہ جملہ صفت بھی بنتا ہے، یہ جملہ حال بھی بنتا ہے، اور یہ جملہ صلہ بھی بنتا ہے۔ جملہ خبر بھی بنتا ہے، بتدا کے لیے خبر بنے گا اور خبر کو کس سے جوڑتے ہیں؟ بتدا سے، تو اس جملے میں جو خبر بن رہا ہے اس میں ایک ضمیر چاہیے جو بتدا کی طرف لوٹے۔ اسی طرح جملہ صفت بنتا ہے تو اس جملے کے اندر ایک ضمیر چاہیے جو موصوف کی طرف لوٹے۔ اسی طرح کبھی جملہ حال بنتا ہے اور حال کو کس سے جوڑتے ہیں؟ ذوالحال سے، تو اس جملے میں ایک ضمیر چاہیے جو ذوالحال کی طرف لوٹے۔ اسی طرح جملہ صلہ بنتا ہے اور صلے کو موصول سے جوڑتے ہیں تو اس جملے میں ایک ضمیر چاہیے جو اسمِ موصول کی طرف لوٹے۔

تو جملہ ان چار چیزوں سے جڑتا ہے۔ جملہ کبھی کبھار خبر بنے گا، کبھی کبھار صفت بنے گا، کبھی حال بنے گا اور کبھی صلہ۔ اور خبر کو کس سے جوڑتے ہیں؟ بتدا سے، تو اس جملے میں جو خبر بن رہا ہے ایک ضمیر چاہیے جو بتدا کو لوٹے۔ جملہ کبھی صفت بنتا ہے، صفت کو کس سے جوڑتے ہیں؟ موصوف سے، تو اس جملے میں ایک ضمیر چاہیے جو موصوف کو لوٹے۔ اور جملہ کبھی حال بنتا ہے، حال کو کس سے جوڑتے ہیں؟ ذوالحال سے، تو اس جملے میں ایک ضمیر چاہیے جو ذوالحال کو لوٹے۔ اور جملہ کبھی صلہ بنتا ہے، اور صلہ کو کس سے جوڑتے ہیں؟ موصول سے، تو اس جملے میں ایک ضمیر چاہیے جو اسمِ موصول کی طرف لوٹے بھائی۔

اور ایک اور قیمتی بات یاد رکھنا، میں نے بتایا آپ کو جملہ کتنی چیزوں سے جڑتا ہے؟ چار سے۔ کبھی جملہ خبر بنے گا، کبھی صفت، کبھی حال اور کبھی صلہ۔ یاد رکھو یہی چار جگہیں ہیں ظرفِ مستقر آنے کی بھی۔ ظرفِ مستقر انہی چار جگہوں میں آتا ہے، اور جگہوں میں نہیں آتا۔ ظرفِ مستقر آپ جانتے ہو، آپ نے پڑھا ہے کہ جار مجرور کا متعلق اگر محذوف ہو تو اس کو ظرفِ مستقر کہتے ہیں۔ اسی طرح ظرفِ حقیقی جس کے اندر زمانے یا مکان والا معنی پایا جائے اس کا عامل اگر محذوف ہو تو اس کو بھی ظرفِ مستقر کہتے ہیں۔ جیسے مثلاً میں کہتا ہوں زَيْدٌ فِي الدَّارِ، زید کہاں پر ہے؟ گھر میں، أَيْ زَيْدٌ ثَابِتٌ فِي الدَّارِ، تو یہ فِي الدَّارِ ثَابِتٌ سے متعلق ہو رہا ہے اور ثَابِتٌ محذوف ہے، لہٰذا فِي الدَّارِ ظرفِ مستقر ہے۔ یا زَيْدٌ عِنْدَكَ، یہ عِنْدَكَ یہ عِنْدَ کیا ہے؟ ظرف ہے، پاس ہونا یا دور ہونا یہ جگہ کے اعتبار سے ہوتا ہے، تو یہ عِنْدَ مضاف کاف ضمیر مضاف الیہ، اور یہ

مضاف مضاف الیہ مل کر یہ مفعول فیہ بنے گا ثَابِتٌ کے لیے۔ تو یہ جو عِنْدَكَ کے لیے جو آپ ثَابِتٌ نکالیں گے اس کو متعلق نہیں کہیں گے۔ فِي الدَّارِ کے لیے جو ثَابِتٌ نکالا تھا فِي الدَّارِ اس سے متعلق ہوا تھا اور ثَابِتٌ اس کا متعلق تھا، جبکہ ظرفِ حقیقی کے اندر عِنْدَكَ کے لیے بھی آپ ثَابِتٌ نکالتے ہیں جب کوئی عامل نہ ہو، اور یہ پھر یہ عِنْدَكَ ثَابِتٌ کے لیے متعلق نہیں بنے گا بلکہ یہ اس کے لیے مفعول فیہ بنے گا۔ ثَابِتٌ عامل بنے گا اور عِنْدَكَ اس کے لیے مفعول فیہ، اور اس عِنْدَكَ جو ہے اس کو بھی ظرفِ مستقر کہیں گے کیونکہ ثَابِتٌ اس وقت موجود نہیں ہے بھائی۔

تو چاہے ظرفِ مجازی ہو یعنی جار مجرور، یا ظرفِ حقیقی ہو جس کے اندر زمانے یا جگہ والا معنی ہو، جب ان کا عامل یا ان کا متعلق عبارت میں ذکر نہ ہو تو ان کو ظرفِ مستقر کہتے ہیں۔ اور یاد رکھنا یہ ظرفِ مستقر کے آنے کی یہی چار جگہیں ہیں جو میں نے ذکر کر دیں۔ یا خبر کے مقام میں آئے گا ظرفِ مستقر، یا صفت کے مقام میں آئے گا صفت بنے گا کسی کے لیے، یا حال کے مقام میں آئے گا کہ حال بنے گا ذوالحال کے لیے، یا صلہ کے مقام میں آئے گا یعنی صلہ بنے گا موصول کے لیے۔ تو انہی چار جگہوں میں ظرفِ مستقر آسکتا ہے، اور جگہ ظرفِ مستقر نہیں آتا بھائی۔ ان کے علاوہ کسی اور جگہ پر اگر آپ کو ظرفِ مستقر نظر آئے تو معلوم ہوا کہ ترکیب میں کہیں آپ سے غلطی ہو رہی ہے، کیونکہ ظرفِ مستقر انہی چار جگہوں میں آتا ہے، ان کے علاوہ اور کسی مقام میں ظرفِ مستقر نہیں آتا۔ جو بھی ظرفِ مستقر آئے گا یا تو وہ خبر بنے گا مبتدا کی، یا وہ صفت بنے گا موصوف کی، یا وہ حال بنے گا ذوالحال کا، یا وہ صلہ بنے گا موصول کا، یہی چار جگہیں ہیں ظرفِ مستقر کی۔

تو یہی بتلا رہے ہیں کہتے ہیں وَتُوصَفُ النَّكِرَةُ بِالْجُمْلَةِ الْخَبَرِيَّةِ اور نکرہ کو موصوف کیا جاتا ہے جملہ خبریہ کے ساتھ، وَيَلْزَمُ الضَّمِيرُ اور اس صورت میں اس کے اندر ضمیر لازم ہوتی ہے، کیونکہ اس ضمیر نے ربط دینا ہے، ضمیر ہوگی تو ربط آئے گا، ضمیر نہیں تو ربط بھی نہیں، اور جب ربط نہیں تو پھر وہ جملہ ماقبل سے نہیں جڑ سکتا، نہ وہ خبر بن سکتا ہے، نہ وہ صفت بن سکتا ہے، نہ وہ حال بن سکتا ہے اور نہ صلہ جب ربط نہ ہو بھائی۔

اب دیکھیے اس کو شرح کے ساتھ۔ کہتے ہیں وَتُوصَفُ النَّكِرَةُ لَا الْمَعْرِفَةُ اور نکرہ کو موصوف کیا جاتا ہے لَا الْمَعْرِفَةُ نہ کہ معرفہ کو، بِالْجُمْلَةِ الْخَبَرِيَّةِ جملہ خبریہ کے ساتھ، الَّتِي هِيَ فِي حُكْمِ النَّكِرَةِ وہ جملہ خبریہ جو نکرہ کے حکم میں ہوتا ہے۔ میں نے آپ کو بتلایا جملہ کس کے حکم میں ہوتا ہے؟ نکرہ، وہی بیان کر رہے ہیں کہ جملہ خبریہ جو کہ نکرہ کے حکم میں ہوتا ہے، لِأَنَّ الدَّلَالَةَ عَلَى مَعْنًى فِي مَتْبُوعِهِ كَمَا تُوجَدُ فِي الْمُفْرَدِ كَذٰلِكَ تُوجَدُ فِي الْجُمْلَةِ الْخَبَرِيَّةِ۔ لِأَنَّ الدَّلَالَةَ عَلَى مَعْنًى فِي مَتْبُوعِهِ اس لیے کیونکہ دلالت کرنا ایسے معنی پر جو اس کے متبوع میں پایا جائے، كَمَا تُوجَدُ فِي الْمُفْرَدِ جیسے یہ دلالت جو ہے مفرد میں پائی جاتی ہے، كَذٰلِكَ تُوجَدُ فِي الْجُمْلَةِ الْخَبَرِيَّةِ اسی طرح یہ دلالت جملہ خبریہ میں پائی جاتی ہے۔

بھائی دیکھیے، صفت کسے کہتے ہیں؟ جو ایسے معنی پر دلالت کرے جو کس میں پایا جائے؟ متبوع میں پایا جائے۔ تو جیسے مفرد ایسے معنی پر دلالت کرتا ہے جو اس کے متبوع میں پایا جائے، اسی طرح جملہ خبریہ بھی ایسے معنی پر دلالت کرتا ہے

جو کس میں پایا جائے؟ اس کے متبوع میں۔ جب یہ ایسے معنی پر دلالت کرتا ہے تو اس کا صفت بننا صحیح ہے۔ جیسے دیکھو، جَاءَنِي رَجُلٌ عَالِمٌ، رَجُلٌ موصوف اور عَالِمٌ اس کی صفت۔ یہ عَالِمٌ صفت ہے اور یہ مفرد ہے یا جملہ ہے؟ یہ مفرد ہے، اسمِ فاعل ہے، اور یہ علم کس کے اندر ہے؟ یہ عالم ہونا کس میں ہے؟ اس کے موصوف یعنی رَجُلٌ کے اندر ہے۔ تو دیکھو رَجُلٌ عَالِمٌ، یہ عَالِمٌ مفرد ہے اور یہ ایسے معنی پر دلالت کر رہا ہے جو اس کے متبوع میں ہے یعنی موصوف میں ہے، وہ عالم ہونے کا معنی کس میں ہے؟ اس رَجُل میں جو موصوف ہے۔ اسی طرح آپ ذرا عَالِمٌ کو ہٹا دیں، جملہ لے آئیں، یہاں فعل لے آؤ، جَاءَنِي رَجُلٌ يَعْلَمُ، میرے پاس ایک ایسا آدمی آیا يَعْلَمُ جو علم والا ہے، جو جانتا ہے۔ تو یہاں پر بھی يَعْلَمُ علم پر دلالت کر رہا ہے اور وہ علم کس کے اندر ہے؟ وہ رَجُل یعنی موصوف کے اندر ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟

اور ترکیب کیسے ہوگی؟ آپ پڑھ چکے ہیں، جَاءَنِي رَجُلٌ عَالِمٌ، جَاءَ فعل، نون وقایہ، یا ضمیر منصوب محلاً مفعول بہ، رَجُلٌ مرفوع لفظاً موصوف۔ مرفوع کیوں؟ کیونکہ یہ فاعل ہے۔ اور آگے عَالِمٌ مرفوع لفظاً اسمِ فاعل۔ مرفوع کیوں؟ کیونکہ یہ صفت ہے، صفت پر وہی اعراب آتا ہے جو موصوف پر۔ اس کے اندر هُوَ ضمیر مرفوع محلاً اس کا فاعل، کیونکہ اسمِ فاعل کے لیے بھی کیا چاہیے؟ فاعل، اور وہ هُوَ ضمیر کس کو راجع ہے؟ رَجُلٌ کو یعنی موصوف کو، کیونکہ صفت کو کس سے جوڑتے ہیں؟ موصوف سے۔ تو اسمِ فاعل اپنے فاعل سے مل کر یہ شبہ جملہ ہو کر یہ صفت ہوئی رَجُلٌ کے لیے، موصوف صفت مل کر فاعل ہوا جَاءَنِي کے لیے، اور جَاءَ فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہوا۔ تو دیکھو یہ صفت عَالِمٌ نے ایسے معنی پر دلالت کی جو رَجُلٌ یعنی موصوف میں ہے۔

اب اسی عَالِمٌ کی جگہ ذرا يَعْلَمُ لے آؤ، جَاءَنِي رَجُلٌ يَعْلَمُ۔ جَاءَنِي کی تو وہی ترکیب ہوگی، جَاءَ فعل، نون وقایہ، یا ضمیر منصوب محلاً مفعول بہ، اور رَجُلٌ مرفوع لفظاً موصوف، کیونکہ نکرہ ہے اور نکرہ کے بعد آگے جملہ آرہا ہے۔ تو يَعْلَمُ فعل، اور فعل کے لیے ہمیشہ کیا چاہیے؟ فاعل، تو اس کے اندر هُوَ ضمیر مرفوع محلاً اس کا فاعل، اور وہ ضمیر کس کو راجع ہے؟ وہ ماقبل میں جو موصوف ہے رَجُلٌ کو راجع ہے، يَعْلَمُ وہ جانتا ہے، کون جانتا ہے؟ کون علم والا ہے؟ ماقبل میں جو موصوف ہے رَجُلٌ بھائی۔ تو هُوَ ضمیر راجع ہے موصوف کو، تو يَعْلَمُ فعل اپنے فاعل سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر یہ صفت ہوئی رَجُلٌ کے لیے۔ تو عَالِمٌ مفرد تھا وہ شبہ جملہ ہو کر صفت تھا رَجُلٌ کے لیے، اور يَعْلَمُ فعل ہے یہ جملہ فعلیہ ہو کر صفت بنے گا رَجُلٌ کے لیے۔ اور عَالِمٌ مفرد تھا، اور موصوف صفت کا اعراب ایک ہوتا ہے، تو رَجُلٌ پر رفع تھا تو عَالِمٌ پر بھی کیا تھا؟ رفع، اور عَالِمٌ مفرد تھا اس لیے اس پر وہ رفع نظر آیا، اسم تھا، اسم پر رفع نصب جر لفظوں میں آسکتا ہے۔ جبکہ جَاءَنِي رَجُلٌ يَعْلَمُ، يَعْلَمُ فعل ہے اور فعل اپنے فاعل سے مل کر جملہ بنے گا، تو گویا یہ پورا جملہ رَجُلٌ کی صفت ہے، اور جملہ یہ آپ نے پڑھا ہے جملہ مبنی ہے، جملہ کیا ہے؟ مبنی ہے، تو یہ محلاً مرفوع ہے، کیونکہ صفت کا وہی اعراب ہوتا ہے جو موصوف کا، تو یہ يَعْلَمُ جملہ فعلیہ مرفوع محلاً ہے، یہ صفت ہے رَجُلٌ کی۔ تو جیسے رَجُلٌ عَالِمٌ، یہ عَالِمٌ جو مفرد تھا جیسے اس نے ایسے معنی پر دلالت کی جو اس کے متبوع

میں پایا جا رہا ہے، اسی طرح یَعْلَمُ جو جملہ فعلیہ ہے اس نے بھی ایسے معنی پر دلالت کی جو اس کے متبوع میں پایا جا رہا ہے، تو لہذا اس کا صفت بننا صحیح ہے، کیونکہ صفت وہی بنے گا جو ایسے معنی پر دلالت کرے جو کس میں پایا جائے؟ اس کے متبوع میں۔

تو کہتے ہیں لِأَنَّ الدَّلَالَةَ عَلَى مَعْنًى فِي مَتْبُوعِهِ اس لیے کیونکہ دلالت کرنا ایسے معنی پر جو اس کے متبوع میں پایا جائے، كَمَا تُوجَدُ فِي الْمُفْرَدِ جیسے یہ دلالت جو ہے مفرد میں پائی جاتی ہے، كَذٰلِكَ تُوجَدُ فِي الْجُمْلَةِ الْخَبَرِيَّةِ اسی طرح یہ دلالت جملہ خبریہ میں پائی جاتی ہے۔

اور کہتے ہیں متن میں آیا، پھر متن دیکھیے، وَتُوصَفُ النَّكِرَةُ بِالْجُمْلَةِ الْخَبَرِيَّةِ کہ نکرہ موصوف ہوتا ہے جملہ خبریہ کے ساتھ، تو جملہ کے ساتھ خبریہ کی قید لگا دی۔ اب اس قید کا فائدہ بتلانے لگے ہیں، کہتے ہیں وَإِنَّمَا قَيَّدَ الْجُمْلَةَ بِالْخَبَرِيَّةِ مقید کیا ماتن نے

جملہ کو خبریہ کے ساتھ، لِأَنَّ الْإِنْشَائِيَّةَ لَا تَقَعُ صِفَةً إِلَّا بِتَأْوِيلٍ بَعِيدٍ۔ اس لیے کیونکہ جملہ انشائیہ لَا تَقَعُ صِفَةً یہ صفت ہو کر واقع نہیں ہوتا، إِلَّا بِتَأْوِيلٍ بَعِيدٍ مگر دور کی تاویل سے۔ تو مگر دور کی تاویل کے ذریعے ہی یہ صفت واقع ہو سکتا ہے، كَمَا إِذَا قُلْتَ جیسے کہ آپ کہیں جَاءَنِي رَجُلٌ اضْرِبْهُ۔

یہ ذرا اپنے سامنے جملہ لکھیے بھائی، یہ جملہ انشائیہ اگر کبھی اس قسم کے مقام میں آجائے تو وہاں ترکیب کیسے کریں گے؟ مثلاً اگر جملہ انشائیہ خبر بن رہا ہو یا جملہ انشائیہ صفت بن رہا ہو یا جملہ انشائیہ حال بن رہا ہو، تو پھر کیسے ترکیب کریں گے وہاں پر؟ تو وہ ترکیب سمجھ لیں۔ لکھیے بھائی جَاءَنِي رَجُلٌ اضْرِبْهُ۔ جلدی جلدی لکھیے بھائی جَاءَنِي رَجُلٌ اضْرِبْهُ۔

اب اس جملے میں ذرا غور کیجیے، رَجُلٌ موصوف ہے اور اضْرِبْهُ یہ اضْرِبْ فعلِ امر ہے، اور اس کے اندر أَنْتَ ضمیر مرفوع محلاً اس کا فاعل اور ہا ضمیر جو ساتھ جڑی ہوئی ہے یہ منصوب محلاً مفعول بہ ہے۔ تو یہ فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر جملہ انشائیہ بن رہا ہے، کیونکہ یہ امر ہے اور امر کس کی قسم ہے؟ جملہ انشائیہ کی۔ تو یہ جملہ انشائیہ ہے اور ہم اس کو صفت بنانا چاہتے ہیں رَجُل کے لیے۔ تو یاد رکھو پھر اس میں تاویل کرنا پڑتی ہے مَقُولٌ فِيهِ یا أَقُولُ فِيهِ کی۔ کیا تاویل کرنا پڑتی ہے؟ مَقُولٌ فِيهِ یا أَقُولُ فِيهِ۔

تو اس رَجُل کے آگے اب نچلی سطر میں لکھیے، اب اسی کو کھول لیتے ہیں ہم، کیسے تاویل کریں گے؟ لکھیے بھائی جَاءَنِي رَجُلٌ مَقُولٌ فِيهِ اضْرِبْهُ۔ توجہ ہے؟ اب اس ساری ترکیب کو ذرا سمجھ لیں۔ دیکھو بھائی جَاءَ فعل، نون وقایہ، یا ضمیر منصوب محلاً مفعول بہ، رَجُلٌ مرفوع لفظاً موصوف۔ مرفوع کیوں رَجُل؟ فاعل ہے، اور فاعل کیا ہوتا ہے؟ مرفوع۔ آگے بھائی صفت آ رہی ہے اب، آگے کیا ہے؟ مَقُولٌ۔ تو مَقُولٌ کون سا صیغہ ہے؟ اسمِ مفعول ہے، قَالَ يَقُولُ قَوْلًا فَهُوَ قَائِلٌ وَقِيلَ يُقَالُ قَوْلًا فَذَاكَ مَقُولٌ۔ مَقُولٌ اصل میں کیا تھا؟ مَقْوُولٌ، یہ کون سا باب ہے؟ بابِ نَصَرَ ہے، تو نَصَرَ سے اسمِ مفعول لے آؤ مَنْصُورٌ،

اسی وزن پر اس کو بنا لو مَقْوُوْلٌ۔ پھر واؤ پر ضمہ تھا، ماقبل قاف ساکن تھا، تو واؤ کا ضمہ کس کو دے دیا؟ قاف کو، اور پھر دو واؤ تھے تو ان میں سے ایک کو گرا دیا گیا اجتماعِ ساکنین کی وجہ سے، تو مَقُوْلٌ ہوا۔ اور پھر کون سا واؤ گرا ہے؟ پہلا یا دوسرا؟ بعض کہتے ہیں دوسرا واؤ گرا ہے کیونکہ پہلا واؤ تو اصلی ہے، واؤ کیا ہے؟ اصلی ہے، حروفِ اصلیہ میں سے ہے، اور دوسرا واؤ اسمِ مفعول کی علامت ہے اس کو گرا دیا۔ جبکہ بعض کہتے ہیں نہیں، پہلے واؤ کو گرایا ہے، اس لیے کیونکہ دوسرا واؤ علامت ہے اور علامت کو نہیں گرایا جاتا، تو حرفِ اصلی والا گرا ہے۔ تو بہرحال یہ علماء کا اختلاف ہے۔

تو یہ اسمِ مفعول ہے اور اسمِ مفعول کے لیے کیا چاہیے؟ نائب فاعل۔ کیا چاہیے؟ نائب فاعل۔ مَقُوْلٌ کا کیا معنی؟ کہا گیا، وہ جو کہا ہوا ہے، اور کیا کہا ہوا ہے؟ اضْرِبْهُ، یہ ہے وہ مقولہ جو کہا گیا ہے۔ یہ کیا ہے؟ یہ جو کہا گیا ہے یہ اضْرِبْهُ ہے۔ دیکھو ترجمے پر غور کرو، جَاءَنِي رَجُلٌ میرے پاس ایک ایسا آدمی آیا مَقُوْلٌ کہ کہا گیا ہے فِي حَقِّهِ اس کے بارے میں، کیا کہا گیا ہے؟ اضْرِبْهُ۔ تو یہ اضْرِبْ کی ترکیب سمجھ میں آئی؟ میں نے ایک دفعہ ذکر کر دی پھر سن لیں۔ اضْرِبْ فعلِ امر، أَنْتَ ضمیر مرفوع محلاً اس کے اندر اس کا فاعل، اور ہا ضمیر منصوب محلاً مفعول بہ، اور یہ ہا ضمیر کس کو راجع؟ یہ رَجُل کو راجع ہے، اضْرِبْهُ، یہ رَجُل کے بارے میں کہا گیا کہ اضْرِبْهُ۔ تو اضْرِبْهُ فعلِ امر اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہو کر یہ مقولہ ہوا مَقُوْلٌ کے لیے، یا یوں کہیں یہ نائب الفاعل ہوا مَقُوْلٌ کے لیے۔ کیونکہ مَقُوْلٌ کیا ہے؟ اسمِ مفعول، اسمِ مفعول کے لیے کیا چاہیے؟ نائب الفاعل، تو یہ اضْرِبْهُ یہ ہے اس کا نائب فاعل۔

بات نہیں سمجھ میں آئی؟ دیکھو مَضْرُوْبٌ، مَضْرُوْبٌ کا کیا معنی؟ جس کی پٹائی کی گئی ہے، جس کی پٹائی کی گئی، تو جس کی پٹائی کی گئی ہے وہ آگے ذکر ہے مثلاً زَيْدٌ، تو اس زید کو آپ مَضْرُوْبٌ کے لیے کیا بنائیں گے؟ نائب الفاعل، مَضْرُوْبٌ کون ہے؟ زید ہے۔ توجہ ہے؟ مَضْرُوْبٌ جس کی پٹائی کی گئی، آگے مثلاً لفظِ زَيْدٌ آرہا ہے تو اس زید کو آپ مَضْرُوْبٌ کے لیے فاعل بنائیں گے یا نائب الفاعل؟ نائب الفاعل بنائیں گے کیونکہ اسمِ مفعول کے لیے کیا چاہیے؟ نائب فاعل۔ تو یہاں بھی مَقُوْلٌ کیا معنی؟ کہا گیا ہے، کیا کہا گیا ہے؟ اضْرِبْهُ، تو یہ اس کے لیے کیا بنے گا؟ نائب فاعل بنے گا۔ اور درمیان میں آیا فِيهِ، فِي جارہ، ہا ضمیر مجرور محلاً، اور یہ ہا ضمیر کس کو راجع؟ کس کے بارے میں کہا گیا ہے کہ اس کی پٹائی کرو؟ رَجُل کے بارے میں، تو یہ ضمیر رَجُل کو راجع ہے۔ تو جار مجرور مل کر یہ متعلق ہو گئے مَقُوْلٌ سے، کیونکہ آپ نے پڑھا ہے جار مجرور آٹھ چیزوں میں سے کسی ایک سے ضرور متعلق ہوتے ہیں، یا فعل کے ساتھ یا مصدر کے ساتھ یا اسمِ فاعل یا اسمِ مفعول یا صفتِ مشبہ یا اسمِ تفضیل یا مبالغہ کے صیغے یا اسمِ فعل کے ساتھ۔ تو یہاں پر اسمِ مفعول موجود ہے مَقُوْلٌ اس کے ساتھ یہ جڑ جائے گا۔ اور معنی میں بھی غور کر رہے ہیں، مَقُوْلٌ فِي حَقِّهِ کہا گیا ہے فِي حَقِّهِ اس آدمی کے بارے میں، اس آدمی کے حق میں، تو یہ دیکھو معنی بھی صحیح ہو رہا ہے۔

تو یہ جار مجرور مل کر مَقُوْلٌ سے متعلق ہو گئے، تو مَقُوْلٌ اسمِ مفعول اپنے نائب الفاعل جو اضْرِبْهُ ہے اور متعلق سے

مل کر، تو اسمِ مفعول اپنے نائب الفاعل اور متعلق سے مل کر شبہ جملہ ہو کر یہ صفت ہوئی کس کی؟ رَجُل کی۔ رَجُل کی، اور موصوف صفت مل کر یہ فاعل ہوا جَاءَ کے لیے، اور فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہوا۔

تو دیکھو رَجُلٌ مرفوع تھا تو اصل میں اس کی صفت ہے یہ مَقُولٌ، رَجُلٌ کی صفت کیا ہے؟ مَقُولٌ ہے، اور آگے فِي حَقِّهِ وہ اسی مَقُولٌ سے جڑے گا، اور اضْرِبْهُ وہ اسی مَقُولٌ کے لیے نائب فاعل بنے گا، تو وہ ساری چیزیں اس مَقُولٌ سے جڑ رہی ہیں اور یہ مَقُولٌ یہ صفت ہے رَجُل کی۔ اور رَجُل مرفوع تھا تو مَقُولٌ یہ جو مفرد صفت ہے یہ بھی مرفوع ہے۔ تو معنی یہ ہو گا کہ میرے پاس ایک ایسا آدمی آیا مَقُولٌ فِيهِ کہ کہا گیا ہے اس کے بارے میں اضْرِبْهُ، اس کے بارے میں کیا کہا گیا ہے؟ اضْرِبْهُ کہ اے مخاطب تو اس کی پٹائی کر، یعنی وہ اس لائق ہے، وہ اس بات کا مستحق ہے کہ اس کی پٹائی کی جائے بھائی۔

بات سمجھ میں آگئی؟ تو دیکھو جب بھی جملہ انشائیہ خبریا صفت وغیرہ بنے تو وہاں مَقُولٌ فِيهِ یا أَقُولُ فِيهِ کی تاویل کی جاتی ہے۔ تو میں نے آپ کو فِيهِ لکھوایا بھائی، مَقُولٌ فِيهِ اس کے بارے میں کہا گیا ہے بھائی، کس کے بارے میں کہا گیا ہے؟ اس رَجُل کے بارے میں، تو یہ فِيهِ کی ہا ضمیر کس کو راجع ہے؟ رَجُل کو۔ تو میں نے فِيهِ لکھوایا، صاحبِ جامی کتاب کے اندر فِي حَقِّهِ ذکر کریں گے، ایک ہی بات ہے۔ تو چاہے فِي حَقِّهِ کہہ لیں یا فِيهِ کہہ لیں ایک ہی بات ہے۔ جَاءَنِي رَجُلٌ میرے پاس ایک ایسا آدمی آیا مَقُولٌ فِيهِ اضْرِبْهُ کہ اس کے بارے میں کہا گیا ہے کہ اضْرِبْهُ اے مخاطب تو اس کی پٹائی کر، یا آپ یوں کہہ لیں جَاءَنِي رَجُلٌ مَقُولٌ فِي حَقِّهِ اضْرِبْهُ۔ معنی یہاں بھی وہی ہے، اس آدمی کے بارے میں کہا گیا ہے، اس آدمی کے حق میں یوں کہا گیا ہے کہ اس کی پٹائی کر۔ بات سمجھ میں آگئی۔

اچھا یہ تو تھا مَقُولٌ کے ساتھ ہم نے تاویل کی، ایک ہے أَقُولُ کے ساتھ بھی آپ تاویل کر سکتے ہیں، وہ بھی اس کے نیچے لکھ لیجیے، جَاءَنِي رَجُلٌ أَقُولُ فِيهِ اضْرِبْهُ۔ لکھ لیا؟ جَاءَنِي رَجُلٌ أَقُولُ فِيهِ اضْرِبْهُ۔ اس کے اندر اسی طرح ترکیب ہو گی، جَاءَ فعل، نون وقایہ، یا ضمیر منصوب محلاً مفعول بہ، رَجُلٌ مرفوع لفظاً موصوف۔ مرفوع کیوں؟ کیونکہ فاعل ہے، اور موصوف کیوں بنایا؟ کیونکہ نکرہ کے بعد فعل آرہا ہے، تو یہ موصوف ہوا۔ أَقُولُ اب یہ واحد متکلم کا صیغہ آگیا فعلِ مضارع، أَقُولُ فعل، أَنَا ضمیر مرفوع محلاً اس کا فاعل، اور فِيهِ جار مجرور اسی سے متعلق ہو جائے گا، اور اضْرِبْ وہی جملہ انشائیہ اس أَقُولُ کے لیے مقولہ ہو جائے گا۔ کیا بن جائے گا؟ میں نے کہا أَقُولُ میں کہتا ہوں، میں کہہ رہا ہوں، کیا کہا؟ وہ جو مقولہ ہے، جیسے میں پٹائی کر رہا ہوں بھائی کوئی مضروب چاہیے یا نہیں؟ تو وہ زید مثلاً وہ مضروب ہے، یہاں بھی میں أَقُولُ میں کہہ رہا ہوں تو جو بات آپ کہہ رہے ہیں وہ مقولہ ہے یعنی مفعول ہے۔ قَالَ کے لیے کہنے والا بھی چاہیے اور کیا بات کہی ہے وہ بھی چاہیے، تو کہنے والا ہو گا فاعل اور جو بات کہی ہے وہ ہو گی مفعول، اسی کو مقولہ بھی کہتے ہیں۔ کیا کہتے ہیں؟ مقولہ، تو مقولہ اصل میں مفعول بہ ہوتا ہے۔

تو أَقُولُ فعل، أَنَا ضمیر مرفوع محلاً اس کا فاعل، فِيهِ جار مجرور مل کر اس أَقُولُ فعل سے متعلق ہو گئے، اس کے اندر بھی

وہی ہا ضمیر کس کو راجع ہے؟ اس رَجُل کو راجع ہے، اور اضْرِبْهُ اس کی ترکیب اسی طرح ہو جائے گی، یہ جملہ انشائیہ ہو کر یہ مقولہ ہوا أَقُولُ فعل کے لیے یعنی مفعول بہ ہوا۔ یہ کیا ہوا؟ مفعول بہ، اور مفعول بہ کیا ہوتا ہے؟ منصوب ہوتا ہے، تو یہ اضْرِبْهُ یہ جملہ انشائیہ بھی محلاً منصوب ہے۔ یہ جملہ انشائیہ بھی محلاً منصوب ہے، اور پچھلے جملے میں مَقُولٌ فِيهِ اضْرِبْهُ وہاں اضْرِبْهُ مرفوع محلاً تھا۔ پچھلے جملے میں مرفوع محلاً تھا کیونکہ وہ نائب فاعل بن رہا تھا مَقُولٌ کے لیے، اور اب یہ مفعول بہ بن رہا ہے أَقُولُ کے لیے۔ تو أَقُولُ فعل اپنے فاعل جو اس کے اندر أَنَا ضمیر ہے اپنے فاعل اور آگے مفعول بہ جو آرہا ہے اضْرِبْهُ اس کے ساتھ مل کر اور اسی طرح فِيهِ جار مجرور سے مل کر یہ جملہ فعلیہ ہو کر یہ صفت بنے گا کس کے لیے؟ رَجُل کے لیے۔

اور پہلے جملے میں مَقُولٌ فِيهِ اضْرِبْهُ اس کے اندر یہ شبہ جملہ ہو کر صفت بنا تھا، اور اس جملے میں أَقُولُ فِيهِ اضْرِبْهُ یہ جملہ فعلیہ ہو کر صفت بنا ہے کس کے لیے؟ رَجُل کے لیے۔ کس کے لیے؟ رَجُل، اور آپ کو ابھی میں نے بتایا جملے کو جب بھی کسی چیز سے جوڑنا ہو درمیان میں کیا ضروری؟ ربط۔ اسی طرح شبہ جملہ جو ہے وہ جملے کے مشابہ ہے تو اس کا بھی یہی حکم ہے، اس کو بھی جب کسی چیز سے جوڑنا ہو تو اس کے ساتھ ربط ضروری ہے، یہ جو مَقُولٌ فِيهِ یہ فِيهِ اسی لیے لے کر آئے ہیں۔ یہ فِيهِ اسی لیے لے کر آئے ہیں، یہ فِيهِ کی ہا ضمیر رَجُل کو راجع ہے، یہ ربط دے رہی ہے۔ مَقُولٌ فِيهِ اضْرِبْهُ۔ اور أَقُولُ فِيهِ اضْرِبْهُ یہاں بھی فِيهِ کی جو ہا ضمیر ہے اسی لیے لائے ہیں، ورنہ یہ فِيهِ لانے کی کوئی ضرورت نہیں تھی۔ تو یہ کس لیے لائے ہیں؟ ربط دینے کے لیے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ معلوم ہوا جملہ انشائیہ نہ وہ خبر بنتا ہے نہ صفت وغیرہ بنتا ہے نہ حال بنتا ہے، جب تک اس میں کوئی تاویل نہ کی جائے، اور اس میں کیا تاویل کرتے ہیں؟

مَقُولٌ فِيهِ یا أَقُولُ فِيهِ کی تاویل کرتے ہیں۔ اور یہ أَقُولُ فِيهِ اضْرِبْهُ اس پورے جملے کا ذرا مجھے اعراب بتاؤ، جَاءَنِي رَجُلٌ أَقُولُ فِيهِ اضْرِبْهُ، تو یہ أَقُولُ فِيهِ اضْرِبْهُ اس پورے جملے کا محلِ اعراب بتائیے، کیونکہ یہ مبنی ہے اور مبنی کا اعراب محلاً بتلاتے ہیں۔ جی أَقُولُ فِيهِ اضْرِبْهُ اس جملے کا محلِ اعراب کیا ہے؟ رفع ہے، کیونکہ یہ صفت ہے اور صفت پر وہی اعراب آتا ہے جو موصوف پر آئے۔

یاد رکھو اگر یہ موصوف منصوب ہوتا تو یہ جملہ بھی منصوب ہوتا محلاً۔ محلاً کیا ہوتا؟ منصوب۔ اگر مجھے کہنا پڑے رَأَيْتُ رَجُلًا اضْرِبْهُ، رَأَيْتُ رَجُلًا اضْرِبْهُ، اس میں اب ذرا مجھے تاویل کر کے بتائیں۔ رَجُلًا موصوف ہے اور اضْرِبْ جملہ انشائیہ کو میں اس کی صفت بنانا چاہتا ہوں، کیسے بنائیں گے صفت؟ وہی مَقُولٌ فِيهِ یا أَقُولُ فِيهِ نکالیں گے، ہر جگہ اسی طرح کریں گے، أَقُولُ فِيهِ یا مَقُولٌ فِيهِ۔ جی اب بنائیے بھائی۔ رَأَيْتُ رَجُلًا مَقُولًا فِيهِ، ہاں مَقُولًا فِيهِ شاباش۔ رَجُلًا منصوب ہے تو مَقُولًا بھی کیا ہو گا؟ منصوب۔ اور رَأَيْتُ رَجُلًا أَقُولُ فِيهِ اضْرِبْهُ، یہاں أَقُولُ فِيهِ اضْرِبْهُ یہاں اعراب ظاہر نہیں ہو گا لیکن یہ محلاً منصوب ہے پورا جملہ جو صفت بن رہا ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟

اور تیسری صورت مَرَرْتُ بِرَجُلٍ اضْرِبْهُ، رَجُلٍ مجرور ہے، اضْرِبْهُ اس کی صفت بنانا چاہتا ہوں، تو کیسے بنائیں گے؟ مَرَرْتُ بِرَجُلٍ مَقُولٍ فِيهِ اضْرِبْهُ۔ شاباش، مَرَرْتُ بِرَجُلٍ مَقُولٍ فِيهِ اضْرِبْهُ یا مَرَرْتُ بِرَجُلٍ أَقُولُ فِيهِ اضْرِبْهُ۔ تو مَقُولٍ اس میں لفظوں

میں جر نظر آئے گا اور أَقُولُ فِيهِ اس کے اندر لفظوں میں جر نظر نہیں آئے گا کیونکہ یہ مبنی ہے، جملہ ہے بھائی۔

اب مبتدا خبر میں آجائیے۔ زَيْدٌ اضْرِبْهُ، زَيْدٌ مبتدا ہے اور اضْرِبْهُ اس کی خبر آگئی۔ اس میں بھی وہی تاویل۔ کیجیے ترکیب بھائی۔ زَيْدٌ مرفوع لفظاً مبتدا اور اضْرِبْهُ یہ جملہ انشائیہ ہے اور اس کو ہم خبر بنانا چاہتے ہیں، تو کیسے بنائیں گے؟ اسی طرح مَقُولٌ فِيهِ، اور یہ مَقُولٌ خبر بنے گا، اور مَقُولٌ مرفوع ہے کیونکہ خبر مرفوع ہوتی ہے۔ اور اسی طرح أَقُولُ فِيهِ اضْرِبْهُ یہ پورا خبر بن جائے گا۔ بات سمجھ میں آگئی اچھی طرح؟

دیکھیے بھائی کتاب پر۔ کہتے ہیں وَإِنَّمَا قَيَّدَ الْجُمْلَةَ بِالْخَبَرِيَّةِ ماتن نے جملہ کو خبریہ کے ساتھ مقید کیا، کہ نکرہ کی صفت جملہ خبریہ کو لاتے ہیں، معلوم ہوا جملہ انشائیہ کو نہیں لاتے۔ کہتے ہیں لِأَنَّ الْإِنْشَائِيَّةَ لَا تَقَعُ صِفَةً اس لیے کیونکہ جملہ انشائیہ وہ صفت ہو کر واقع نہیں ہوتا، إِلَّا بِتَأْوِيلٍ بَعِيدٍ مگر دور کی تاویل کے ساتھ جو میں نے بتلا دیا، أَقُولُ فِيهِ کہیں گے یا مَقُولٌ فِيهِ۔ كَمَا إِذَا قُلْتَ جیسے کہ آپ کہیں جَاءَنِي رَجُلٌ اضْرِبْهُ۔ تو دیکھو یہ اضْرِبْ جملہ انشائیہ کو آپ رَجُل کی صفت بنانا چاہتے ہیں۔ أَيْ مَقُولٌ فِي حَقِّهِ اضْرِبْهُ دیکھو وہی تاویل کر لی۔ میں نے کیا کہا تھا؟ مَقُولٌ فِيهِ اضْرِبْهُ اور صاحبِ جامی کیا فرما رہے ہیں؟ مَقُولٌ فِي حَقِّهِ اضْرِبْهُ بات ایک ہی ہے بھائی۔ جی اضْرِبْهُ، أَيْ مُسْتَحِقٌّ لِأَنْ يُؤْمَرَ بِضَرْبِهِ، یعنی وہ مستحق ہے اس بات کا کہ حکم دیا جائے اس کی ضرب کا، اس کی پٹائی کا۔ میرے پاس ایک ایسا شخص آیا کہ وہ مستحق ہے کہ اس کی پٹائی کا حکم دیا جائے۔

یہاں سے صاحبِ جامی بتلانا یہ چاہتے ہیں، وہ جو جملہ تھا اس پر ذرا آئیے، جَاءَنِي رَجُلٌ اضْرِبْهُ۔ یہ اضْرِبْهُ کو صفت بنایا کس کے لیے؟ رَجُل کے لیے، اور کیا تاویل کرنا پڑی؟ مَقُولٌ فِيهِ کی تاویل کرنا پڑی یا أَقُولُ فِيهِ کی تاویل اس میں کر لیں گے۔ تو یہ جو اضْرِبْهُ یہ جملہ انشائیہ صفت نہیں بنتا، مگر اس موقع پر، توجہ سے سنو، یہ اس موقع پر صفت بنایا جائے گا کہ جہاں کسی شخص کے پٹائی کے مستحق ہونے کا اظہار کرنا ہو۔ جب آپ کسی کو یہ بتلانا چاہتے ہوں کہ یہ رَجُل کیا ہے؟ پٹائی کا مستحق ہے، یہ اس لائق ہے کہ اس کے بارے میں حکم دیا جائے کہ اس کی پٹائی کرو۔ تو وہاں پر یہ جملہ بولا جاتا ہے، عام احوال میں یہ اضْرِبْهُ صفت نہیں بنتا۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو کہتے ہیں أَيْ مُسْتَحِقٌّ لِأَنْ يُؤْمَرَ بِضَرْبِهِ، یعنی میرے پاس ایک ایسا آدمی آیا مُسْتَحِقٌّ جو مستحق ہے لِأَنْ يُؤْمَرَ بِضَرْبِهِ کہ حکم دیا جائے اس کی ضرب کا، اس کی پٹائی کا۔ میرے پاس ایک ایسا شخص آیا کہ وہ مستحق ہے کہ اس کی پٹائی کا حکم دیا جائے۔ تو دیکھو یہ اضْرِبْهُ کو ویسے احوال میں صفت نہیں بناتے، اس وقت صفت بناتے ہیں جب اس بات کا اظہار مقصود ہو کہ کوئی شخص جو ہے پٹائی کا مستحق ہے، کوئی شخص اس بات کے لائق ہو چکا ہے کہ اس کی پٹائی کرنے کا حکم دیا جائے۔ بات سمجھ میں آگئی؟

پھر ترجمہ دیکھ لیجیے، كَمَا إِذَا قُلْتَ جَاءَنِي رَجُلٌ اضْرِبْهُ جیسے کہ آپ کہتے ہیں جَاءَنِي رَجُلٌ اضْرِبْهُ، أَيْ مَقُولٌ فِي حَقِّهِ

اضْرِبْهُ یعنی اس کے حق میں کہا گیا ہے، اس کے بارے میں کہا گیا ہے اضْرِبْهُ، أَيْ مُسْتَحِقٌّ لِأَنْ يُؤْمَرَ بِضَرْبِهِ یعنی وہ اس بات کا مستحق ہے کہ اس کی پٹائی کا حکم دیا جائے۔

آگے دیکھیے، وَيَلْزَمُ فِيهَا الضَّمِيرُ الرَّاجِعُ إِلَى تِلْكَ النَّكِرَةِ لِلرَّبْطِ اور اس جملہ خبریہ کے اندر ایسی ضمیر کا ہونا لازم ہے الرَّاجِعُ إِلَى تِلْكَ النَّكِرَةِ جو اس نکرہ کی طرف لوٹ رہی ہو لِلرَّبْطِ ربط دینے کے لیے، جوڑ دینے کے لیے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو وہ جملہ جو صفت بنے اس کے اندر ضمیر کا ہونا لازم ہے جو اس نکرہ کی طرف لوٹ رہی ہو لِلرَّبْطِ ربط دینے کے لیے، نَحْوُ جَاءَنِي رَجُلٌ أَبُوهُ قَائِمٌ۔

جی دیکھیے بھائی، ترکیب دیکھیے اس جملے پر نظر رکھیے۔ جَاءَنِي رَجُلٌ أَبُوهُ قَائِمٌ۔ جَاءَ فعل، نون وقایہ، یا ضمیر منصوب محلاً مفعول بہ، رَجُلٌ مرفوع لفظاً موصوف۔ اب دیکھو رَجُلٌ کو ہم نے موصوف بنایا، ہمیں کیسے پتا چلا کہ یہ رَجُلٌ موصوف ہے؟ وجہ یہ کہ یہ رَجُلٌ نکرہ ہے اور نکرہ کے بعد آگے أَبُوهُ قَائِمٌ ایک پورا جملہ اسمیہ آرہا ہے، تو یہ جملہ اسمیہ ہے پورا جملہ ہے اور جملہ کس کے حکم میں؟ نکرہ کے حکم میں، تو نکرہ کے بعد ایک نکرہ آرہا ہے، اور نکرہ کے بعد نکرہ آئے تو پہلے کو موصوف بناتے ہیں اور دوسرے کو صفت۔ تو رَجُلٌ مرفوع لفظاً موصوف۔ آگے پورا جملہ اسمیہ ہے اس میں مبتدا اور خبر آئیں گے۔ أَبُوهُ، أَبُو مرفوع لفظاً مضاف۔ مرفوع کیوں؟ مبتدا ہے۔ مرفوع کیوں؟ مبتدا ہے، لفظاً کیوں؟ کیونکہ اس کے رفع پر ہم تلفظ کر رہے ہیں، رفع کیا ہے؟ یہ أَبُو کا واوٗ ہے، اسمائے ستہ کا رفع کس کے ساتھ آتا ہے؟ واوٗ کے ساتھ جب وہ مفرد ہوں مکبر ہوں اور مضاف ہوں غیرِیائے متکلم کی طرف۔ اور ہا ضمیر یہ مجرور محلاً ہے، مضاف الیہ ہے، اور یہ ضمیر لوٹ رہی ہے رَجُل یعنی موصوف کی طرف، یہ ربط دے رہی ہے۔ یہ ضمیر نہ ہوتی تو ربط نہ آتا اور یہ جملہ صفت نہ بن سکتا۔

تو أَبُوهُ مضاف مضاف الیہ مل کر مبتدا۔ قَائِمٌ مرفوع لفظاً صیغہ اسمِ فاعل، مرفوع کیوں؟ یہ خبر ہے۔ خبر ہے اور اس کے اندر هُوَ ضمیر مرفوع محلاً اس کا فاعل، اور وہ هُوَ ضمیر کس کو راجع؟ یہ قَائِمٌ کیا بنے گا؟ خبر بنے گا، خبر کو کس سے جوڑتے ہیں؟ مبتدا سے، اور یہ قَائِمٌ اسمِ فاعل ہے، اس کے اندر هُوَ ضمیر مرفوع محلاً اس کا فاعل اور وہ ضمیر کس کو راجع؟ أَبُوهُ مبتدا کو، توجہ ہے؟ کیونکہ خبر کو مبتدا سے جوڑتے ہیں۔ تو اسمِ فاعل اپنے فاعل سے مل کر شبہ جملہ ہو کر خبر۔ آپ کو ابھی میں نے بتایا جب جملہ خبر بنے تو ربط چاہیے مبتدا کے ساتھ، اسی طرح شبہ جملہ بھی جب خبر بنے تو ربط چاہیے مبتدا کے ساتھ، تو یہ قَائِمٌ شبہ جملہ ہے اور آپ اس کو کس سے جوڑنا چاہتے ہیں؟ رَجُل سے یا أَبُوهُ سے؟ أَبُوهُ سے، تو ضمیر بھی اسی کی طرف لوٹائیں، ربط بھی اسی کے ساتھ چاہیے۔ تو قَائِمٌ کے اندر هُوَ ضمیر راجع ہے أَبُوهُ مبتدا کو۔ تو اسمِ فاعل اپنے فاعل سے مل کر شبہ جملہ ہو کر خبر۔ مبتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ ہو کر یہ صفت ہوئی رَجُل کی۔ اور رَجُل مرفوع ہے تو أَبُوهُ قَائِمٌ یہ پورا جملہ محلاً مرفوع ہے بھائی، کیونکہ یہ صفت ہے اور صفت پر وہی اعراب آتا ہے جو موصوف پر ہو۔ تو موصوف صفت مل کر یہ فاعل ہوا جَاءَ کے لیے، فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہوا۔ جَاءَنِي رَجُلٌ أَبُوهُ قَائِمٌ، آیا میرے پاس ایسا آدمی کہ

اس کا باپ کھڑا ہے۔ میرے پاس ایسا آدمی آیا کہ اس کا باپ کھڑا ہے۔

آگے دیکھیے، کہتے ہیں وَإِذَا لَمْ يَكُنْ فِيهَا الضَّمِيرُ الرَّابِطُ تَكُونُ أَجْنَبِيَّةً بِالنِّسْبَةِ إِلَى الْمَوْصُوفِ۔ وَإِذَا لَمْ يَكُنْ فِيهَا الضَّمِيرُ الرَّابِطُ اور جب اس جملے کے اندر جس کو آپ صفت بنا رہے ہیں، جب اس جملے کے اندر وہ ضمیر نہ ہو الرَّابِطُ جو ربط دینے والی ہے، تَكُونُ أَجْنَبِيَّةً تو یہ جملہ اجنبی ہو گا بِالنِّسْبَةِ إِلَى الْمَوْصُوفِ موصوف کی طرف نسبت کرتے ہوئے، فَلَا يَصِحُّ أَنْ تَقَعَ صِفَةً لَهُ لہٰذا یہ اس کے لیے صفت ہو کر واقع نہیں ہو سکتا۔ یہ جملہ، بھائی جملے کو جب بھی کسی چیز سے جوڑنا ہو تو درمیان میں کیا ضروری؟ ربط، اور ربط کس کے ذریعے دیں گے؟ ایک ضمیر کے ذریعے ربط دیں گے، اور اگر وہ ضمیر جملے میں نہیں تو ربط نہیں آیا، جب ربط نہیں آیا تو جملہ موصوف کی طرف نظر کرتے ہوئے اجنبی ہے، اس کی صفت نہیں بن سکتا۔ بات سمجھ میں آگئی؟ یہ معنی ہے وَإِذَا لَمْ يَكُنْ فِيهَا الضَّمِيرُ الرَّابِطُ اور جب اس جملے کے اندر وہ ضمیر نہ ہو جو ربط دینے والی ہے، تَكُونُ أَجْنَبِيَّةً بِالنِّسْبَةِ إِلَى الْمَوْصُوفِ تو یہ جملہ جو ہے اجنبی ہے موصوف کی طرف نسبت کرتے ہوئے، فَلَا يَصِحُّ أَنْ تَقَعَ صِفَةً لَهُ تو لہٰذا صحیح نہیں ہے کہ یہ جملہ اس موصوف کے لیے صفت بن جائے، صفت واقع ہو، مِثْلُ جَاءَنِي رَجُلٌ زَيْدٌ عَالِمٌ۔

سنو ترکیب بھائی، جَاءَ فعل، نون وقایہ، یا ضمیر منصوب محلاً مفعول بہ، رَجُلٌ مرفوع لفظاً موصوف۔ اور زَيْدٌ مرفوع لفظاً بتدا، آگے زَيْدٌ عَالِمٌ پورا جملہ ہے اس کو میں رَجُل کی صفت بنانا چاہتا ہوں، تو زَيْدٌ مرفوع لفظاً بتدا اور عَالِمٌ مرفوع لفظاً صیغہ اسمِ فاعل، مرفوع کیوں؟ یہ خبر ہے، اور اس کے اندر هُوَ ضمیر مرفوع محلاً اس کا فاعل، اور وہ هُوَ ضمیر کس کو راجع؟ زید کو راجع ہے، کیونکہ یہ زید کی خبر ہے، رَجُل کی طرف یہ ضمیر آپ راجع نہیں کر سکتے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو یہ عَالِمٌ خبر ہوئی زید کی، بتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ ہوا۔ اور اب آپ اس کو صفت بنا رہے ہیں رَجُل کی لیکن درمیان میں ربط ہی نہیں، درمیان میں ربط ہی نہیں، تو لہٰذا اس جملے کو آپ رَجُل کے لیے صفت نہیں بنا سکتے، آپ کی یہ ترکیب صحیح نہیں۔ تو جَاءَنِي رَجُلٌ یہ الگ جملہ ہے اور زَيْدٌ عَالِمٌ الگ جملہ ہے، آپ اس کو صفت نہیں بنا سکتے۔

آگے دیکھیے، وَيُوصَفُ بِحَالِ الْمَوْصُوفِ، متن متن دیکھیے، وَيُوصَفُ بِحَالِ الْمَوْصُوفِ وَبِحَالِ مُتَعَلِّقِهِ نَحْوُ مَرَرْتُ بِرَجُلٍ حَسَنٍ غُلَامُهُ۔

بھائی یاد رکھو صفت دو قسم پر ہے، ایک صفت بحالہ اور ایک صفت بحالِ متعلقہ۔ صفت بحالہ ادھر دیکھیے، صفت بحالہ اسے کہتے ہیں جو ایسے معنی پر دلالت کرے جو اس کے موصوف میں پایا جائے، جو ایسے معنی پر دلالت کرے جو موصوف کے اندر پایا جائے۔ اور ایک ہے صفت بحالِ متعلقہ، صفت بحالِ متعلقہ وہ ہے جو ایسے معنی پر دلالت کرے جو موصوف میں نہ پایا جائے بلکہ موصوف کے متعلق میں پایا جائے۔ کس میں پایا جائے؟ موصوف کے متعلق میں۔ پھر دہراؤ صفت کتنی قسم پر؟ دو، ایک صفت بحالہ، بحالہ یہ ہا ضمیر راجع ہے موصوف کو، صفت بحالہ أَيْ بِحَالِ الْمَوْصُوفِ، صفت بحالہ أَيْ صفت

بحالِ الموصوف۔ تو ایک صفت وہ ہے جو بحالِ الموصوف ہوتی ہے یعنی موصوف کی حالت بیان کرتی ہے، اور ایک صفت ہوتی ہے بحالِ متعلقہ أَيْ مُتَعَلِّقِ الْمَوْصُوفِ، جو موصوف کے متعلق کی حالت بیان کرتی ہے۔ جیسے مثلاً میں کہتا ہوں جَاءَنِي رَجُلٌ عَالِمٌ، توجہ سے سنو، جَاءَنِي رَجُلٌ عَالِمٌ۔ جَاءَ فعل، نون وقایہ، یا ضمیر منصوب محلاً مفعول بہ، رَجُلٌ مرفوع لفظاً موصوف، عَالِمٌ مرفوع لفظاً صیغہ اسمِ فاعل، مرفوع کیوں؟ کیونکہ یہ صفت ہے اور صفت پر وہی اعراب آتا ہے جو موصوف پر۔ اور عَالِمٌ اسمِ فاعل ہے، اور اسمِ فاعل کے لیے بھی کیا چاہیے؟ فاعل، تو اس کے اندر هُوَ ضمیر مرفوع محلاً اس کا فاعل، جو کس کو راجع ہے؟ موصوف کو، یعنی رَجُل کو راجع ہے، تو اسمِ فاعل اپنے فاعل سے مل کر شبہ جملہ ہو کر یہ صفت

ہوئی رَجُل کی۔ موصوف صفت مل کر فاعل۔ جَاءَ فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہوا۔ جَاءَنِي رَجُلٌ عَالِمٌ۔ میرے پاس ایسا آدمی آیا کہ وہ عالم ہے۔ تو رَجُلٌ موصوف اور عَالِمٌ اس کی صفت۔ اور مجھے بتائیے یہ عالم ہونے کا معنی کس کے اندر پایا جا رہا ہے؟ رَجُل یعنی موصوف کے اندر، وہ عالم کون ہے؟ وہ رَجُل ہے۔

اب اسی میں ذرا ترکیب بدل دیں اب آپ دیکھیے بھائی، جَاءَنِي ادھر دیکھیے، جَاءَنِي رَجُلٌ عَالِمٌ أَبُوهُ۔ رَجُلٌ عَالِمٌ أَبُوهُ۔ اب وہی ترکیب کریں۔ رَجُلٌ مرفوع لفظاً موصوف۔ آگے عَالِمٌ مرفوع لفظاً صیغہ اسمِ فاعل۔ آگے میں نے بتایا تھا کہ فعل کے لیے فاعل ضرور چاہیے اور وہ فاعل ضمیر بھی ہو سکتی ہے اور اسمِ ظاہر بھی۔ لیکن آئے گا فاعل ایک ہی۔ اگر اسمِ ظاہر آگے آگیا تو پھر اس فعل کے اندر ضمیر نہیں ہوگی، اور اگر آگے اسمِ ظاہر فاعل نہ آیا تو پھر اسی فعل میں ضمیر نکال لیں گے۔ جیسے ضَرَبَ، ضَرَبَ کے اندر هُوَ ضمیر ہے کیونکہ آگے اور کوئی فاعل نہیں اور ضَرَبَ کے لیے فاعل تو ضرور چاہیے۔ اور اگر میں کہوں ضَرَبَ زَيْدٌ، اب زَيْدٌ آگے فاعل ہے اب ضَرَبَ کے اندر کوئی ضمیر نہیں۔ تو یہاں بھی آیا جَاءَنِي رَجُلٌ عَالِمٌ أَبُوهُ۔ تو یہ أَبُوهُ یہ عَالِمٌ کے لیے فاعل بن رہا ہے۔ جب یہ فاعل بن رہا ہے تو عَالِمٌ کے اندر اب کوئی ضمیر نہیں ہے۔

تو عَالِمٌ مرفوع لفظاً اسمِ فاعل۔ أَبُوهُ، أَبُو مرفوع لفظاً مضاف، کیوں مرفوع؟ کیونکہ یہ فاعل ہے عَالِمٌ کے لیے اور فاعل کیا ہوتا ہے؟ مرفوع ہوتا ہے، اور ہا ضمیر مجرور محلاً مضاف الیہ۔ اور کس کو ضمیر راجع؟ ضمیر کس کو راجع؟ یاد رکھو یہ ضمیر راجع ہے رَجُل کو، یہ ضمیر ربط دے رہی ہے۔ کیا دے رہی ہے؟ ربط۔ دیکھو کیسے، دیکھو آگے ترکیب سنو ذرا۔ تو أَبُوهُ مضاف مضاف الیہ مل کر یہ فاعل ہوا عَالِمٌ کے لیے۔ عَالِمٌ اسمِ فاعل اپنے فاعل سے مل کر شبہ جملہ ہو کر صفت کس کے لیے؟ رَجُل کے لیے۔ رَجُلٌ عَالِمٌ أَبُوهُ۔ تو یہ عَالِمٌ اسمِ فاعل اپنے فاعل سے مل کر کیا ہوا؟ شبہ جملہ ہو کر یہ صفت کس کے لیے؟ رَجُل کے لیے۔ اور جملے کو جب کسی چیز سے جوڑتے ہیں تو درمیان میں کیا ضروری؟ ربط۔ اسی طرح شبہ جملہ کو بھی جب کسی چیز سے جوڑتے ہیں درمیان میں کیا ضروری؟ ربط۔ تو آپ عَالِمٌ أَبُوهُ اس پورے شبہ جملہ کو رَجُل کی صفت بنانا چاہتے ہیں تو ربط چاہیے، اور ربط کس سے دیتے ہیں؟ غائب کی ضمیر کے ذریعے، اور غائب کی ضمیر تو عَالِمٌ أَبُوهُ اس کے اندر تو اور کوئی غائب کی ضمیر نہیں ہے، صرف أَبُوهُ کے آخر میں ہا ضمیر ہے۔ عَالِمٌ کے اپنے اندر تو کوئی ضمیر نہیں کیونکہ أَبُوهُ اسمِ ظاہر

اس کا فاعل آرہا ہے۔ تو لہٰذا یہ ہا ضمیر کس کو راجع کی تھی ہم نے؟ رَجُل کو، اس نے ربط دے دیا۔ تو اسمِ فاعل اپنے فاعل سے مل کر شبہ جملہ ہو کر رَجُل کے لیے صفت۔ موصوف صفت مل کر فاعل ہوا جَاءَ کے لیے۔

اب دیکھو جَاءَنِي رَجُلٌ عَالِمٌ أَبُوهُ، ترجمہ سنو۔ جَاءَنِي آیا میرے پاس رَجُلٌ ایک ایسا آدمی عَالِمٌ أَبُوهُ کہ اس کا باپ عالم ہے۔ آیا میرے پاس ایسا آدمی کہ اس کا باپ عالم ہے۔ اب دیکھو یہ عَالِمٌ لفظوں میں صفت ہے رَجُل کی۔ رَجُل مرفوع تھا اس لیے عَالِمٌ بھی کیا تھا؟ مرفوع۔ ابھی ترکیب میں نے کی۔ تو یہ عَالِمٌ لفظوں میں صفت کس کی؟ رَجُل کی، اور معنی کے اعتبار سے یہ أَبُوهُ کی صفت ہے۔ کیونکہ عالم ہونے کا معنی رَجُل میں نہیں پایا جا رہا، عالم وہ رَجُل نہیں ہے، أَبُوهُ اس کا باپ ہے بھائی۔ جَاءَنِي رَجُلٌ عَالِمٌ أَبُوهُ میرے پاس ایک ایسا آدمی آیا کہ عَالِمٌ أَبُوهُ کہ اس کا باپ عالم ہے۔ تو عالم کون؟ اس آدمی کا باپ یعنی اس موصوف کا متعلق بھائی۔ موصوف کا متعلق عالم ہے، تو اس کو کہتے ہیں صفت بحالِ متعلقہ۔ یہ عالم ہونے کا معنی رَجُل میں ہے یا اس کے باپ میں ہے؟ اس کے باپ میں ہے۔ تو یہ لفظوں میں تو صفت ہے رَجُل کی، رَجُل کو ہم نے بنایا تھا موصوف اور اس کو بنایا تھا صفت، لیکن یہ صفت کا جو معنی ہے یہ اس موصوف میں نہیں پایا جا رہا بلکہ اس کے متعلق میں پایا جا رہا ہے۔ جبکہ اس سے پہلے جو صفت آئی تھی جَاءَنِي رَجُلٌ عَالِمٌ وہاں عَالِمٌ لفظوں میں بھی صفت تھی رَجُل کی اور معنی میں بھی صفت تھی رَجُل کی کیونکہ وہ عالم ہونے کا معنی رَجُل میں ہی پایا جا رہا تھا۔

بات سمجھ میں آئی کہ نہیں؟ کہ کبھی کبھار صفت ایسے معنی پر دلالت کرتی ہے کہ وہ معنی متبوع میں پایا جاتا ہے، اور کبھی ایسے معنی پر دلالت کرتی ہے کہ وہ معنی متبوع کے متعلق میں پایا جاتا ہے۔ دونوں جملوں میں عَالِمٌ آیا، لیکن ایک جملے میں عالم ہونے کا معنی متبوع یعنی رَجُل میں تھا وہ رَجُل عالم تھا، جَاءَنِي رَجُلٌ عَالِمٌ عالم آدمی میرے پاس آیا۔ اور دوسرے جملے میں جَاءَنِي رَجُلٌ عَالِمٌ أَبُوهُ یہ عَالِمٌ لفظوں میں تو صفت ہے رَجُل کی، رَجُل موصوف اور عَالِمٌ صفت۔ توجہ بھی ہے کہ نہیں؟ پھر سنو ترکیب، دیکھو رَجُلٌ کو کیا بنایا؟ موصوف۔ عَالِمٌ مرفوع لفظاً اسمِ فاعل، یہ عَالِمٌ مرفوع کیوں ہے؟ کیونکہ یہ صفت ہے رَجُل کی، رَجُل موصوف مرفوع ہے تو صفت بھی مرفوع۔ اور عَالِمٌ کون سا صیغہ؟ اسمِ فاعل، اور اسمِ فاعل کے لیے کیا چاہیے؟ فاعل، اب اس کے آگے أَبُوهُ اسمِ ظاہر فاعل بن رہا ہے، لہٰذا عَالِمٌ کے اندر کوئی ضمیر نہیں۔ تو لیکن ہم نے اس کو ربط دینا ہے یا نہیں رَجُل کے ساتھ؟ کیونکہ یہ رَجُل کی صفت ہے، یہ شبہ جملہ ہے، اور جیسے جملے کو کسی چیز سے جوڑنے کے لیے ربط چاہیے، شبہ جملہ کو بھی جوڑنے کے لیے ربط چاہیے، تو اسی لیے أَبُوهُ کے آخر میں ہا ضمیر لے آئے۔ تو یہ ہا ضمیر یہ لوٹ رہی ہے رَجُل کی طرف اور یہ ربط دے رہی ہے۔ تو أَبُوهُ مضاف مضاف الیہ مل کر یہ فاعل ہوا کس کے لیے؟ عَالِمٌ کے لیے۔ اور اسمِ فاعل اپنے فاعل سے مل کر شبہ جملہ ہو کر صفت، جیسے وہاں پر رَجُلٌ عَالِمٌ تھا، وہاں پر بھی عَالِمٌ اپنے فاعل سے مل کر شبہ جملہ ہو کر صفت تھی رَجُل کی، یہاں پر بھی عَالِمٌ أَبُوهُ اسمِ فاعل اپنے فاعل سے مل کر شبہ جملہ ہو کر صفت ہے رَجُلٌ کی۔ لیکن وہاں عَالِمٌ هُوَ، هُوَ ضمیر کس کو راجع تھی؟ پہلے جملے میں رَجُلٌ عَالِمٌ، عَالِمٌ کے اندر هُوَ ضمیر

کس کو راجع تھی؟ رَجُل کو، تو وہ عالم وہ رَجُل تھا، اور یہاں ہے عَالِمٌ کا فاعل کیا ہے؟ أَبُوہُ، تو وہ عالم أَبُوہُ ہے وہ رَجُل نہیں، اس کا باپ عالم ہے۔ تو دونوں جملوں میں عَالِمٌ صفت ہے رَجُل کی، لیکن ایک میں وہ صفت بحالہ ہے أَيْ بِحَالِ الْمَوْصُوفِ یعنی موصوف کی ہی حالت بیان کر رہی ہے، اور ایک میں صفت بحالِ متعلقہ ہے أَيْ بِمُتَعَلِّقِ الْمَوْصُوفِ یعنی موصوف کے متعلق کی حالت بیان کر رہی ہے۔ تو دونوں جگہ عَالِمٌ لفظوں کے اعتبار سے رَجُل کی صفت ہے۔ رَجُلٌ پر جو اعراب آئے گا وہی آپ کو عَالِمٌ پر بھی لانا پڑے گا دونوں جملوں میں، کیونکہ دونوں جملوں میں عَالِمٌ رَجُل کی صفت ہے لفظوں کے اعتبار سے۔ لیکن معنی کے اعتبار سے پہلے جملے میں عالم صفت ہے رَجُل کی اور دوسرے جملے میں وہ صفت ہے أَبُوہُ کی بھائی۔ بات سمجھ میں آئی کہ نہیں؟

ایک اور جملہ ذرا یہ اپنے سامنے کاپی پر لکھیں بھائی، لکھیے بھائی رَأَيْتُ رَجُلًا عَالِمًا۔ رَأَيْتُ رَجُلًا عَالِمًا۔ لکھ لیا؟ ترکیب کیجیے۔ رَأَيْتُ فعل با فاعل، تا ضمیر مرفوع محلاً فاعل۔ مرفوع کیوں؟ فاعل ہے، محلاً کیوں؟ مبنی ہے ضمیر ہے۔ آگے رَجُلًا منصوب لفظاً موصوف۔ آگے عَالِمًا منصوب لفظاً صیغہ اسمِ فاعل۔ منصوب کیوں؟ صفت ہے اور موصوف منصوب تھا تو صفت بھی منصوب ہے۔ اور اس کے اندر هُوَ ضمیر اس کا اعراب بولو مرفوع محلاً کیونکہ وہ فاعل ہے اس اسمِ فاعل کے لیے۔ اور وہ ضمیر کس کو راجع؟ رَجُل موصوف کو راجع کیونکہ یہ صفت کو موصوف سے جوڑتے ہیں۔ تو عَالِمًا صیغہ اسمِ فاعل اپنے فاعل سے مل کر شبہ جملہ ہو کر یہ صفت ہوئی رَجُل کی۔ موصوف صفت مل کر یہ مفعول بہ ہوئے رَأَيْتُ کے لیے۔ فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہوا۔ اور موصوف صفت کا ترجمہ کیسے کرتے ہیں؟ موصوف سے پہلے ایسا یا ایسی کا لفظ لاتے ہیں۔ رَأَيْتُ رَجُلًا عَالِمًا میں نے ایسا آدمی دیکھا جو عالم تھا۔ جو عالم تھا۔ اب دیکھو رَجُلًا موصوف ہے اور عَالِمًا اس کی صفت، تو لفظوں میں یہ اسی کی صفت ہے اور معنی میں بھی یہ اسی رَجُل کی صفت ہے، یہ عالم کون ہے؟ یہی رَجُل ہے، تو عالم ہونے کا معنی بھی اسی کے اندر پایا جا رہا ہے۔ تو رَأَيْتُ رَجُلًا عَالِمًا یہ عَالِمًا لفظوں میں بھی رَجُل کی صفت اور معنی کے اعتبار سے بھی رَجُل کی صفت ہے کیونکہ یہ معنی اسی کے اندر پایا جا رہا ہے۔

اب دوسرا جملہ لکھیے بھائی، رَأَيْتُ رَجُلًا عَالِمًا أَبُوهُ۔ رَأَيْتُ رَجُلًا عَالِمًا أَبُوهُ۔ رَأَيْتُ فعل با فاعل، تا ضمیر مرفوع محلاً فاعل۔ رَجُلًا منصوب لفظاً موصوف۔ منصوب کیوں؟ مفعول بہ ہے اور موصوف ہے۔ آگے عَالِمًا منصوب لفظاً صیغہ اسمِ فاعل۔ منصوب کیوں؟ کیونکہ یہ صفت ہے رَجُل کی اور موصوف صفت پر ایک ہی اعراب آتا ہے۔ تو عَالِمًا منصوب لفظاً صیغہ اسمِ فاعل۔ آگے أَبُوهُ یہ مضاف مضاف الیہ مل کر یہ فاعل ہوا عَالِمًا کے لیے۔ تو اب عَالِمًا میں کوئی ضمیر نہیں کیونکہ اسمِ ظاہر آگے فاعل آرہا ہے، فاعل ایک ہی آتا ہے یا ضمیر آتی ہے یا اسمِ ظاہر، تو اب عَالِمًا میں کوئی ضمیر نہیں۔ تو عَالِمًا أَبُوهُ، یہ أَبُوهُ کی ہا ضمیر کس کو راجع؟ یہ رَجُل کو راجع ہے، کس کا باپ ذکر ہو رہا ہے؟ رَجُل کا باپ یہاں ذکر ہے، عالم کون ہے؟ أَبُوهُ اس رَجُل کا باپ ہے۔ تو اس نے ربط دے دیا صفت کا ربط دے دیا کس کے ساتھ؟ موصوف کے ساتھ۔ تو أَبُوهُ مضاف اور

مضاف الیہ مل کر یہ فاعل ہے عَالِمًا کے لیے۔ عَالِمًا صیغہ اسمِ فاعل اپنے فاعل سے مل کر شبہ جملہ ہو کر صفت ہوئی کس کی؟ رَجُل کی۔ یہ آپس میں موصوف صفت ہیں۔ توجہ سے سنو، رَجُلًا کی صفت صرف عَالِمًا ہے یا عَالِمًا أَبُوهُ ہے؟ عَالِمًا أَبُوهُ ہے، ساری چیزیں ساتھ مل گئیں عَالِمًا کے اور پھر یہ صفت بن گیا رَجُل کے لیے۔ تو رَجُلًا موصوف اپنی صفت سے مل کر مفعول بہ ہوا رَأَيْتُ کے لیے۔ فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہوا۔

اب ترجمہ سنو، رَجُلًا عَالِمًا أَبُوهُ یہ موصوف صفت ہیں، اور موصوف صفت کا ترجمہ کیسے کرتے ہیں؟ موصوف سے پہلے ایسا یا ایسی کا لفظ لاتے ہیں۔ رَأَيْتُ رَجُلًا میں نے دیکھا ایک ایسا آدمی عَالِمًا أَبُوهُ کہ عالم ہے اس کا باپ۔ میں نے ایک ایسا آدمی دیکھا کہ اس کا باپ عالم ہے۔ تو مجھے بتائیے کہ یہ عالم کون ہے؟ وہ رَجُل ہے یا اس کا باپ ہے؟ اس کا باپ عالم ہے۔ تو دیکھو عَالِمًا أَبُوهُ یہ لفظوں میں صفت ہے رَجُل کی، رَجُل کو ہم نے موصوف بنایا اور عَالِمًا أَبُوهُ کو اس کی صفت، تو یہ عَالِمًا لفظوں میں صفت کس کی؟ رَجُل کی، لیکن معنی میں یہ صفت ہے أَبُوهُ کی بھائی۔ تو یہ ہے صفت بحالِ متعلقہ، اس نے موصوف کی حالت بیان نہیں کی، عالم وہ رَجُل نہیں ہے بلکہ اس کا باپ عالم ہے، تو اس کو کیا کہیں گے صفت بحالِ متعلقہ أَيْ مُتَعَلِّقِ الْمَوْصُوفِ، وہ صفت جو موصوف کے متعلق کی حالت بیان کرے۔

پہلی قسم کیا؟ صفت بحالہ أَيْ بِحَالِ الْمَوْصُوفِ، وہ صفت جو موصوف کی حالت بیان کرے۔ اور دوسری صفت کیا ہے؟ صفت بحالِ متعلقہ أَيْ مُتَعَلِّقِ الْمَوْصُوفِ، وہ صفت جو موصوف کے متعلق کی حالت بیان کرے۔ تو یہاں یہ جو عَالِمًا أَبُوهُ آیا یہ عالم رَجُل نہیں ہے بلکہ رَجُل کا متعلق یعنی اس کا باپ ہے۔ باپ کا رَجُل سے تعلق ہے یا نہیں؟ وہ اس کا باپ ہے اور یہ اس کا بیٹا ہے بھائی تو دونوں میں تعلق ہے، تو یہاں عالم جو ہے رَجُل نہیں ہے بلکہ رَجُل کا متعلق ہے، تو اس صفت کو کیا کہیں گے؟ صفت بحالِ متعلقہ۔ زبان سے دہراؤ، پہلی قسم؟ صفت بحالہ۔ یہ کس چیز پر دلالت کرتی ہے؟ موصوف کی حالت پر۔ اور صفت بحالِ متعلقہ؟ یہ کس کی حالت بیان کرتی ہے؟ موصوف کے متعلق کی حالت بیان کرتی ہے۔ پہلی کا نام؟ پہلی قسم کا نام صفت بحالہ، دوسری قسم کا نام؟ صفت بحالِ متعلقہ۔ بات سمجھ میں آگئی؟

جی دیکھیے بھائی، پہلے متن متن دیکھ لیجیے، وَيُوصَفُ بِحَالِ الْمَوْصُوفِ اور صفت لائی جاتی ہے موصوف کے حال کے ساتھ، صفت لائی جاتی ہے موصوف کے حال کے ساتھ یعنی جس میں موصوف کی حالت بیان ہوتی ہے۔ وَبِحَالِ مُتَعَلِّقِهِ اور صفت لائی جاتی ہے موصوف کے متعلق کی حالت کے ساتھ یعنی جس میں موصوف کے متعلق کی حالت بیان کی جاتی ہے۔ نَحْوُ مثال کے طور پر مَرَرْتُ بِرَجُلٍ حَسَنٍ غُلَامُهُ۔

ترکیب سنو، مَرَرْتُ فعل با فاعل، تا ضمیر مرفوع محلاً فاعل۔ مَرَرْتُ میں گزرا، تو مَرَرْتُ فعل با فاعل، تا ضمیر مرفوع محلاً فاعل۔ با جارہ، رَجُلٍ مجرور موصوف بھائی۔ آگے حَسَنٍ مجرور لفظاً صفتِ مشبہ، اور صفتِ مشبہ کے لیے بھی کیا چاہیے؟ فاعل، اور فاعل ضمیر بھی آسکتی ہے اور اسمِ ظاہر بھی، لیکن آئے گا ایک ہی۔ اور آگے اسمِ ظاہر فاعل آرہا ہے لہٰذا اب

حَسَن کے اندر ضمیر نہیں ہے۔ تو حَسَنٍ مجرور لفظاً صفتِ مشبہ، مجرور کیوں؟ کیونکہ یہ صفت ہے رَجُل کی اور رَجُل مجرور ہے تو حَسَنٍ بھی مجرور۔ آگے غُلَامُهُ، غُلَامُ مرفوع لفظاً مضاف، ہا ضمیر مجرور محلاً مضاف الیہ۔ مضاف مضاف الیہ مل کر یہ فاعل ہوا کس کے لیے؟ حَسَن صفتِ مشبہ کے لیے، اور غُلَامُهُ کی ہا ضمیر کس کو راجع؟ یہ حَسَنٍ غُلَامُهُ اس کو ہم نے کس کی صفت بنانا ہے؟ رَجُل کی، تو یہ ہا ضمیر کس کو راجع؟ رَجُل کو، صفت کو موصوف سے جوڑتے ہیں، تو وہ غلام کس کا ہے؟ اس رَجُل کا ہے۔ تو غُلَامُهُ مضاف مضاف الیہ مل کر یہ فاعل ہوا حَسَن صفتِ مشبہ کے لیے۔ صفتِ مشبہ اپنے فاعل سے مل کر شبہ جملہ ہو کر یہ صفت ہوئی رَجُل کے لیے۔ موصوف صفت مل کر یہ مجرور ہوئے با جارہ کے لیے۔ جار مجرور مل کر متعلق ہوئے مَرَرْتُ فعل سے۔ مَرَرْتُ فعل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہوا۔

اب ترجمہ کیجیے، مَرَرْتُ بِرَجُلٍ حَسَنٍ غُلَامُهُ میں گزرا ایک ایسے آدمی پر حَسَنٍ کہ اچھا ہے غُلَامُهُ اس کا غلام۔ میں ایک ایسے آدمی پر گزرا کہ اس کا غلام اچھا ہے۔ اب دیکھیے یہ حَسَنٍ لفظوں میں صفت کس کی؟ رَجُل کی، رَجُل مجرور تو حَسَنٍ بھی مجرور، تو یہ لفظوں میں صفت ہے رَجُل کی۔ اور معنی میں یہ صفت کس کی ہے؟ غُلَامُهُ کی، اچھا وہ آدمی ہے یا اس کا غلام اچھا ہے؟ اس کا غلام اچھا ہے۔ تو حَسَنٍ یہ لفظوں میں صفت کس کی؟ رَجُل کی، اور معنی میں صفت کس کی؟ غُلَامُهُ اس کے غلام کی۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو یہ صفت بحالِ متعلقہ ہے۔

اب اس سارے کو شرح کے ساتھ دیکھیے، کہتے ہیں وَيُوصَفُ بِحَالِ الْمَوْصُوفِ اور صفت لائی جاتی ہے موصوف کی حالت کے ساتھ أَيْ بِحَالٍ قَائِمَةٍ بِهِ یعنی ایسا حال جو قائم ہوتا ہے موصوف کے ساتھ، صفت لائی جاتی ہے ایسے حال کے ساتھ جو موصوف کے ساتھ قائم ہوتا ہے یعنی موصوف کی صفت ہوتا ہے، نَحْوُ مَرَرْتُ بِرَجُلٍ حَسَنٍ میں گزرا ایک ایسے آدمی کے پاس سے حَسَنٍ کہ وہ اچھا تھا۔ معلوم ہوا وہ اچھا ہونے کا وصف کس میں ہے؟ رَجُل میں ہے۔ حَسَنٍ، ترکیب کیا ہو گی مَرَرْتُ بِرَجُلٍ حَسَنٍ؟ رَجُلٍ مجرور ہے اور حَسَنٍ بھی مجرور صفتِ مشبہ، اور صفتِ مشبہ کے لیے کیا چاہیے؟ فاعل، اس کے اندر هُوَ ضمیر کیونکہ آگے اور کوئی لفظ نہیں ہے، تو هُوَ ضمیر اس کے لیے فاعل جو کس کو راجع؟ رَجُل کو، معلوم ہوا حَسَن کون ہے؟ وہ رَجُل ہے۔ توجہ ہے؟ تو یہ صفت بحالہ ہے، یہ اچھا ہونے کا معنی رَجُل کے ساتھ قائم ہے، اس میں پایا جا رہا ہے۔ إِذِ الْحُسْنُ حَالُ الرَّجُلِ وَصِفَتُهُ اس لیے کیونکہ إِذِ الْحُسْنُ کیونکہ اچھا ہونا جو ہے یہ مصدر ہے حُسْن، إِذِ الْحُسْنُ کیونکہ اچھا ہونا جو ہے حَالُ الرَّجُلِ یہ رَجُل کا حال ہے وَصِفَتُهُ اور رَجُل کی صفت ہے۔

تو یہ صفت لائی جاتی ہے موصوف کے حال کے ساتھ، وَبِحَالِ مُتَعَلِّقِهِ أَيْ مُتَعَلِّقِ الْمَوْصُوفِ اور موصوف کے متعلق کے حال کے ساتھ بھی صفت لائی جاتی ہے، يَعْنِي بِصِفَةٍ اعْتِبَارِيَّةٍ تَحْصُلُ لَهُ بِسَبَبِ مُتَعَلِّقِهِ یعنی ایک ایسی صفت جو اعتباری ہے جو اس کو حاصل ہو رہی ہے اس کے متعلق کے سبب سے۔ دیکھو اس بات کو سمجھ لیں۔ مَرَرْتُ بِرَجُلٍ

حَسَنٍ غُلَامُهُ میں ایک ایسے آدمی کے پاس سے گزرا کہ اس کا غلام اچھا ہے۔ کہ اس کا غلام اچھا ہے۔ یہ کون سی صفت ہے؟ یہ صفت بحالہ ہے یا صفت بحالِ متعلقہ ہے؟ یہ صفت بحالِ متعلقہ ہے، معلوم ہوا حَسَنٍ لفظوں میں تو صفت ہے رَجُل کی لیکن معنی کے اعتبار سے یہ صفت ہے غُلَامُهُ کی۔ اچھا وہ رَجُل نہیں ہے بلکہ اچھا اس کا غلام ہے، تو اچھے ہونے کا معنی اس غلام میں پایا جا رہا ہے، لیکن لفظوں میں تو صفت ہے حَسَن رَجُل کی، تو رَجُل کے اندر بھی صفتِ اعتباری آگئی۔ رَجُل میں بھی کون سی صفت آگئی؟ صفتِ اعتباری آگئی کہ یہ ایسا آدمی ہے کہ اس کا غلام اچھا ہے۔ دیکھو نا موصوف صفت والا ترجمہ، موصوف سے پہلے کیا لاتے ہیں؟ ایسا، یہ ایسا آدمی ہے کہ اس کا غلام اچھا ہے۔ تو غلام کے اعتبار سے اس میں بھی اچھے ہونے والا وصف آگیا۔ اس میں بھی اچھے ہونے والا وصف آیا لیکن خود اس کی ذات میں اچھے ہونے والا وصف آیا یا غلام کے اعتبار سے اس کے اندر آیا؟ غلام کے اعتبار سے، اور یہ صرف ایک اعتباری صفت ہے، حقیقت میں تو اچھا وہ نہیں ہے اس کا غلام ہے۔ تو یہ صفت صفتِ اعتباری ہے جو معتبر کے اعتبار پر موقوف ہے۔ کس پر؟ آپ اس کا اعتبار کرتے ہیں تو یہ ہے، آپ نہیں کرتے تو یہ نہیں ہے۔

بھائی دیکھو اگر آدمی خود اچھا ہے تو پھر حَسَن ہونے کا معنی اس کی ذات میں ہے، مثلاً میں کہتا ہوں مَرَرْتُ بِرَجُلٍ حَسَنٍ میں ایک اچھے آدمی کے پاس سے گزرا، یہ حَسَن ہونے کا معنی کس میں ہے؟ اسی آدمی میں ہے، آپ اعتبار کریں یا نہ کریں وہ اچھا ہے تو اچھا ہے بھائی۔ بات سمجھ میں آگئی؟ اور دوسری جو صفت بحالِ متعلقہ ہے اس میں دیکھو مَرَرْتُ بِرَجُلٍ حَسَنٍ غُلَامُهُ میں ایک ایسے آدمی کے پاس سے گزرا کہ اچھا ہے اس کا غلام۔ یہ حَسَنٍ لفظوں میں صفت کس کی؟ رَجُل کی، اور معنی میں صفت کس کی یا اچھا کون ہے؟ غلام ہے۔ تو لفظوں میں صفت بے شک رَجُل کی ہے لیکن معنی اور حقیقت کے اعتبار سے یہ اچھے ہونے کا وصف کس میں ہے؟ غلام میں ہے، لیکن لفظوں میں صفت رَجُل کی بھی بن رہی ہے یا نہیں؟ تو یہ رَجُل کس قسم کا ہے؟ ایسا رَجُل ہے کہ اس کا غلام اچھا ہے، تو اچھے ہونے والی صفت رَجُل میں بھی آگئی لیکن اس کی اپنی ذات کے اعتبار سے نہیں بلکہ غلام کے اعتبار سے۔ کس کے اعتبار سے؟ تو آپ اس کا اعتبار کرتے ہیں تو یہ صفت اس میں ہے، آپ نہیں کرتے تو نہیں ہے، کیونکہ یہ اچھے ہونے کی صفت خود اس کے اندر نہیں ہے بلکہ اس کے غلام میں ہے۔

بات سمجھ میں آئی؟ تو حَسَنٍ لفظوں میں کس کی صفت بن رہا ہے؟ رَجُل کی صفت بن رہا ہے تو بایں اعتبار یہ ایک صفتِ اعتباری ہے حقیقی نہیں، آپ اعتبار کرتے ہیں تو یہ رَجُل اچھا ہے لیکن خود اپنی ذات کے اعتبار سے نہیں بلکہ اپنے متعلق کے اعتبار سے، تو یہ آپ کے اعتبار پر موقوف ہے۔ آپ اعتبار کرتے ہیں تو اس آدمی میں اچھا ہونے کا وصف ہے اور اگر آپ اعتبار نہیں کرتے تو اس میں اچھا ہونے کا وصف نہیں ہے۔ کیونکہ اچھا ہونے کا وصف حقیقت میں تو اس کے غلام کے اندر ہے لیکن اس غلام کے واسطے سے اس میں بھی اچھا ہونے کا وصف آگیا کہ یہ اچھا ہے، کیسے اچھا ہے؟ غلام کے

اعتبار سے اچھا ہے، یہ غلام کے اعتبار سے اچھا ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو حَسَن حقیقت میں رَجُل میں صفت نہیں ہے، ہاں متعلق کے اعتبار سے اس میں اچھا ہونے کا وصف ہے۔ متعلق کے اعتبار سے اس میں، اچھا کون ہے؟ غلام اچھا ہے، آدمی اچھا ہے؟ بھائی جملے میں ویسے اچھا ہو اس کی بات میں نہیں کر رہا، مطلب جملے میں کوئی ذکر ہے کہ یہ آدمی اچھا ہے؟ جملے میں تو غلام کا اچھا ہونا ذکر ہو رہا ہے لیکن یہی اچھا ہونا اس آدمی کی بھی صفت ہے، کس اعتبار سے؟ غلام کے اعتبار سے۔ یہ آدمی اپنے غلام کے اعتبار سے اچھا ہے، خود اپنی ذات کے اعتبار سے یہاں ذکر نہیں ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو خود اچھا ہو وہ آپ کے اعتبار پر موقوف نہیں، آپ اس کا اعتبار کریں یا نہ کریں وہ چیز ویسی ہی ہے، مثلاً میرے سامنے ایک پتھر پڑا ہے آپ اعتبار کریں یا نہ کریں یہ پتھر پڑا ہوا ہے، اور ایک چیز ہوتی ہے جس کا آپ اعتبار کرتے ہیں اس کا آپ اعتبار کریں تو وہ چیز ہے، اس کا اعتبار نہ کریں تو وہ نہیں ہے۔ جیسے آپ نے اس آدمی کے اچھا ہونے کا اعتبار کر لیا کس لحاظ سے؟ اس کے غلام کے لحاظ سے، خود اس کی ذات کا وصف یہاں ذکر نہیں ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟

تو کہتے ہیں وَبِحَالِ مُتَعَلِّقِهِ أَيْ مُتَعَلِّقِ الْمَوْصُوفِ اور صفت لائی جاتی ہے موصوف کے متعلق کے حال کے ساتھ، يَعْنِي بِصِفَةٍ اعْتِبَارِيَّةٍ یعنی کسی کو موصوف کیا جاتا ہے بِصِفَةٍ ایسی صفت کے ساتھ اعْتِبَارِيَّةٍ جو اعتباری ہوتی ہے، تَحْصُلُ لَهُ اور اس موصوف کو حاصل ہوتی ہے بِسَبَبِ مُتَعَلِّقِهِ اس کے متعلق کے سبب سے، نَحْوُ مَرَرْتُ بِرَجُلٍ حَسَنٍ غُلَامُهُ میں گزرا ایک ایسے آدمی کے پاس سے کہ اس کا غلام اچھا ہے، إِذْ كَوْنُ الرَّجُلِ حَسَنَ الْغُلَامِ اس لیے کیونکہ آدمی کا حَسَنُ الْغُلَامِ ہونا یعنی اچھے غلام والا ہونا مَعْنًى فِيهِ یہ ایک معنی ہے اس آدمی میں، یہ ایک آدمی کے اندر ہی معنی پایا جا رہا ہے کہ وہ اچھے غلام والا ہے، وَإِنْ كَانَ اعْتِبَارِيًّا اگرچہ یہ معنی اعتباری ہے، معتبر کے اعتبار پر موقوف ہے، وہ اعتبار کرتا ہے تو یہ ہے وہ اعتبار نہیں کرتا تو نہیں، کیونکہ وہ آدمی خود اس کا اچھا ہونا یہاں ذکر نہیں لیکن یہ اچھا ہونے کا وصف اس میں ہے کس کے اعتبار سے؟ غلام کے اعتبار سے ہے، کس کے اعتبار سے؟ غلام کے اعتبار سے ہے، تو اس آدمی میں اچھا ہونے والا وصف آیا لیکن خود اپنی ذات کے اعتبار سے نہیں بلکہ اپنے متعلق کے، تو یہ بھی صفت اسی آدمی کی ہی ہے لیکن معتبر کے اعتبار پر موقوف ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟

تو حاصلِ کلام یہ ہوا کہ صفت دو قسم پر ہو گئی، ایک صفت بحالہ اور ایک صفت بحالِ متعلقہ۔ صفت بحالہ وہ ہے جو ایسے معنی پر دلالت کرتی ہے جو اس کے متبوع میں پایا جائے، اور صفت بحالِ متعلقہ وہ ایسے معنی پر دلالت کرتی ہے جو اس موصوف کے متعلق میں پایا جاتا ہے۔ تو آسان لفظوں میں یوں کہو صفت بحالہ لفظوں میں جس کی صفت ہوتی ہے معنی میں بھی اسی کی صفت ہوتی ہے وہ معنی اسی میں پایا جاتا ہے، اور صفت بحالِ متعلقہ لفظوں میں تو وہ صفت ہوتی ہے موصوف کی اور معنی میں صفت ہوتی ہے موصوف کے متعلق کی۔ اور پھر صاحبِ جامی نے آپ کو بتلایا کہ صفت بحالِ متعلقہ جو ہے یہ حقیقت میں اپنے موصوف کی صفت نہیں ہوتی بلکہ یہ اعتباری صفت ہے، حقیقت کے اندر تو یہ موصوف

کے متعلق کی صفت ہے لیکن موصوف کے متعلق کے اعتبار سے یہ موصوف کی بھی صفت ہو گئی۔ جیسے جَاءَنِي رَجُلٌ عَالِمٌ أَبُوهُ، یہ عالم حقیقت میں تو اس شخص کا باپ ہے لیکن باپ کے اعتبار سے یہ عالم رَجُل کی بھی صفت ہو گئی، یہ رَجُل بھی عالم ہے اپنے باپ کے اعتبار سے، تو یہ عالم ہونے کی صفت کس کو حاصل ہو گئی؟ رَجُل کو بھی، لیکن خود اپنی ذات کے اعتبار سے یا اپنے باپ کے اعتبار سے؟ اپنے باپ کے اعتبار سے، تو یہ اعتباری صفت ہے حقیقت میں نہیں، حقیقت میں وہ شخص عالم نہیں ہے، اگر حقیقت میں وہ شخص عالم ہوتا پھر آپ کے اعتبار پر موقوف نہیں تھا کہ آپ اعتبار کریں یا نہ کریں، بھائی آپ اعتبار کریں یا نہ کریں وہ حقیقت میں عالم ہے، اور ایک صفتِ اعتباری ہوتی ہے جو معتبر کے اعتبار پر موقوف ہوتی ہے کہ معتبر اس کا اعتبار کرتا ہے تو وہ ہے معتبر اس کا اعتبار نہیں کرتا تو وہ نہیں۔ جیسے میں نے کہا جَاءَنِي رَجُلٌ عَالِمٌ أَبُوهُ میرے پاس ایک ایسا آدمی آیا کہ اس کا باپ عالم ہے، تو اگر آپ اعتبار کریں کہ یہ رَجُل عالم ہے بھائی کس اعتبار سے عالم ہے؟ تو آپ کہتے ہیں باپ کے اعتبار سے، تو دیکھو یہ آپ نے اعتبار کیا اس کے عالم ہونے کا اعتبار کیا باپ کے اعتبار سے، اور یہ آپ کے اعتبار پر موقوف ہے آپ اعتبار کرتے ہیں تو وہ عالم ہے اور آپ اعتبار نہیں کرتے تو وہ عالم نہیں، کیونکہ وہ خود عالم نہیں ہے وہ اپنے باپ کے اعتبار سے عالم ہے یعنی اس کا باپ عالم ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ حل ہو گیا؟ چلیے بس بھائی، هٰذَا هُوَ الْمَرَامُ وَاللهُ أَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْكَلَامِ۔

سبق نمبر ۲۰۱: النعت (۳): نعتِ حقیقی (دس امور میں سے چار میں مطابقت)

شرحِ ملا جامی صفحہ: ۱۸۰ — بتاریخ: ۲۸ ستمبر ۲۰۲۲ء

▪ تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث

آگے سبق دیکھیے بھئی۔[۱]

فَالْأَوَّلُ أَيِ النَّعْتُ بِحَالِ الْمَوْصُوفِ يَتْبَعُهُ أَيِ الْمَوْصُوفَ فِي عَشَرَةِ أُمُورٍ، يُوجَدُ مِنْهَا فِي كُلِّ تَرْكِيبٍ أَرْبَعَةٌ، فِي الْإِعْرَابِ رَفْعًا وَنَصْبًا وَجَرًّا، وَالتَّعْرِيفِ وَالتَّنْكِيرِ، وَالْإِفْرَادِ وَالتَّثْنِيَةِ وَالْجَمْعِ، وَالتَّذْكِيرِ وَالتَّأْنِيثِ، إِلَّا إِذَا كَانَ صِفَةً يَسْتَوِي فِيهَا الْمُذَكَّرُ وَالْمُؤَنَّثُ.

گزشتہ سبق میں صاحبِ کافیہ نے آپ کو بتلایا تھا کہ کبھی کبھار نکرہ کی صفت جملہ خبریہ بھی لائی جاتی ہے۔ وجہ یہ کہ جیسے مفرد جو ہے وہ ایسے معنی پر دلالت کرتا ہے جو اس کے متبوع میں پایا جائے، اسی طرح جملہ خبریہ بھی ایسے معنی پر دلالت کرتا ہے جو اس کے متبوع میں پایا جائے، تو لہٰذا اس کا صفت بننا صحیح ہے۔ اور پھر صاحبِ جامی نے بتلایا کہ صاحبِ کافیہ نے جملہ کے ساتھ خبریہ کی قید لگائی کہ جملہ خبریہ صفت بنے گا، جملہ انشائیہ کو نکالنے کے لیے۔ وجہ یہ کہ جملہ انشائیہ جو ہے وہ صفت واقع نہیں ہوتا بھئی، الا یہ کہ اس میں تاویلِ بعید کی جائے بھئی۔ اور وہ یہ میں نے آپ کو بتلایا تھا کہ جملہ انشائیہ اگر وہ خبر واقع ہو یا صفت واقع ہو یا حال واقع ہو یا صلہ واقع ہو تو پھر اس کے اندر مَقُولٌ فِيهِ یا أَقُولُ فِيهِ کی تاویل کی جائے گی۔

[۱]

جدول — نعتِ حقیقی اور نعتِ سببی میں مطابقت کا تقابلی جدول:

قسمِ نعت	کن امور میں موصوف کے تابع؟	مثال
نعتِ حقیقی	دس میں سے ۴ امور: اعراب، تعریف/تنکیر، افراد/تثنیہ/جمع، تذکیر/تانیث	جَاءَ رَجُلٌ عَالِمٌ، مَرَرْتُ بِرِجَالٍ عُلَمَاءَ
نعتِ سببی	پہلے ۵ میں موصوف کے تابع؛ افراد/تذکیر/تانیث میں فعل کی طرح	جَاءَنِي رَجُلٌ قَائِمَةٌ أُمُّهُ

اور مَقُولٌ فِيهِ، یہ فِيهِ کی ضمیر کیوں ساتھ لائے جار مجرور؟ یہ ماقبل سے ربط دینے کے لیے جس چیز سے آپ اس کو جوڑنا چاہتے ہیں۔ ماقبل میں اگر بتدا ہے تو یہ ضمیر بتدا کو راجع ہوگی یہ فِيهِ کی بھئی، اسی کے مطابق ضمیر بھی لائیں گے مذکر یا مؤنث وغیرہ، واحد ہے، تثنیہ ہے، جمع ہے۔ اور اگر آپ اس جملہ انشائیہ کو صفت بنانا چاہتے ہیں تو یہ ضمیر موصوف کو لوٹے گی۔ اور اگر آپ جملہ انشائیہ کو حال بنانا چاہتے ہیں تو حال کو ذوالحال سے جوڑتے ہیں تو یہ ضمیر ذوالحال کو لوٹے گی۔ اور اگر آپ جملہ انشائیہ کو صلہ بنانا چاہتے ہیں تو پھر یہ ضمیر جو ہے موصول کو لوٹے گی کیونکہ صلے کو موصول سے جوڑا جاتا ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ خبر کو کس سے جوڑتے ہیں؟ بتدا سے۔ صفت کو موصوف سے، حال کو ذوالحال سے، اور صلے کو موصول سے جوڑا جاتا ہے۔

تو اس کے اندر مَقُولٌ فِيهِ یا أَقُولُ فِيهِ کی تاویل کی جائے گی۔ مَقُولٌ اسمِ مفعول ہے، آگے آنے والا جو جملہ انشائیہ ہوگا وہ اس کے لیے نائب الفاعل بن جائے گا۔ اور پھر اس مَقُولٌ کے اندر ضمیر نہیں ہوگی بھئی کیونکہ فاعل یا نائب فاعل ایک ہی آسکتا ہے۔ پھر یہ مَقُولٌ اسمِ مفعول اپنے نائب فاعل سے اور متعلق سے مل کر یہ شبہ جملہ بنے گا، اور پھر یہ صفت بنے گا یا خبر جو بھی بنانا چاہتے ہیں۔ تو یہ شبہ جملہ بنے گا۔ اور اگر آپ أَقُولُ فِيهِ کہتے ہیں تو أَقُولُ تو متکلم کا صیغہ ہے اور فعل ہے، فعلِ مضارع، تو پھر اس کے اندر أَنَا ضمیر فاعل ہوگی۔ اور آگے آنے والا جملہ انشائیہ اس کے لیے مفعول بہ بنے گا۔ اور پھر یہ فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ اور متعلق سے مل کر یہ جملہ فعلیہ ہو کر ماقبل کے لیے خبر یا صفت وغیرہ بنے گا۔ تو جملہ انشائیہ جہاں بھی آئے، کسی بھی چیز سے جوڑنا ہو تو اس میں کیا تاویل کرتے ہیں؟ مَقُولٌ فِيهِ اور أَقُولُ فِيهِ کی تاویل کرتے ہیں۔

اور پھر صاحبِ کافیہ نے آپ کو یہ بھی بتلایا تھا کہ جب جملہ صفت واقع ہو تو اس میں ضمیر کا ہونا ضروری ہے۔ اس لیے کیونکہ جملہ مِنْ حَيْثُ الْجُمْلَة مستقل ہے، اس کے اندر بات پوری ہے، وہ کسی سے جڑنے کا محتاج نہیں۔ مثلاً میں کہتا ہوں زَيْدٌ عَالِمٌ، زید عالم ہے، یہ ایک جملہ ہے، اور دیکھو اس کے اندر بات پوری ہے کہ زید عالم ہے۔ تو یہ کسی سے جڑنے کا محتاج نہیں۔ لیکن آپ اگر اس کو کسی چیز سے جوڑنا چاہتے ہیں، یعنی بتدا سے یا صفت سے یا ذوالحال سے یا موصول سے، تو پھر اسی کی ضمیر اس کے اندر لانا پڑے گی اور اس کے ذریعے پھر ربط آئے گا، تو اس کا خبر واقع ہونا یا صفت واقع ہونا یا حال واقع ہونا یا صلہ واقع ہونا صحیح ہو جائے گا۔ اگر آپ ربط نہیں دیں گے تو پھر یہ خبر یا صفت وغیرہ نہیں بن سکتا۔

اور پھر میں نے یہ بھی بتلایا تھا کہ یہ جملہ چار جگہوں پر آتا ہے اور مختلف چیزوں کے ساتھ جڑتا ہے۔ کبھی یہ جملہ خبر بنتا ہے، اور خبر کو بتدا سے جوڑا جاتا ہے، تو اس جملے میں جو خبر بن رہا ہے ایک ضمیر چاہیے جو بتدا کو لوٹے۔ اسی طرح جملہ جو ہے کبھی صفت بنتا ہے، اور صفت کو موصوف سے جوڑا جاتا ہے، لہٰذا اس جملے میں ایک ضمیر چاہیے جو موصوف کی طرف لوٹے۔ اور اسی طرح کبھی جملہ حال بنتا ہے، اور حال کو ذوالحال سے جوڑا جاتا ہے، تو اس جملے کے اندر ایک ضمیر

چاہیے جو کس کی طرف لوٹے؟ ذوالحال کی طرف۔ اور اسی طرح جملہ صلہ واقع ہوتا ہے، اور صلے کو موصول سے جوڑا جاتا ہے، تو اس جملے میں ایک ضمیر چاہیے جو موصول کی طرف لوٹے۔

تو جملہ کتنی جگہوں میں جوڑا جاتا ہے دوسری چیزوں سے؟ چار جگہیں ہیں بھئی: خبر، صفت، حال اور صلہ۔ اور یاد رکھو، میں نے آپ کو بتلایا تھا کہ یہی جگہیں ہیں ظرفِ مستقر کی بھی۔ انہی چار جگہوں میں ظرفِ مستقر آسکتا ہے۔ آپ نے پڑھا ہے کہ جار مجرور کا متعلق اگر محذوف ہو تو اس کو ظرفِ مستقر کہتے ہیں۔ اسی طرح ظرفِ حقیقی جس کے اندر زمانے یا مکان والا معنی پایا جائے، اس کا عامل اگر محذوف ہو تو اس کو بھی ظرفِ مستقر کہتے ہیں۔ جیسے مثلاً میں کہتا ہوں زَيْدٌ فِي الدَّارِ۔ زید کہاں پر ہے؟ گھر میں، أَيْ زَيْدٌ ثَابِتٌ فِي الدَّارِ۔ تو یہ فِي الدَّارِ، ثَابِتٌ سے متعلق ہو رہا ہے اور ثَابِتٌ محذوف ہے، لہٰذا فِي الدَّارِ ظرفِ مستقر ہے۔ یا زَيْدٌ عِنْدَكَ۔ یہ عِنْدَكَ، یہ عِنْدَ کیا ہے؟ ظرف ہے، پاس ہونا یا دور ہونا یہ جگہ کے اعتبار سے ہوتا ہے۔ تو یہ عِنْدَ مضاف، كَافْ ضمیر مضاف الیہ، اور یہ مضاف مضاف الیہ مل کر یہ مفعول فیہ بنے گا ثَابِتٌ کے لیے۔ تو یہ جو عِنْدَكَ کے لیے جو آپ ثَابِتٌ نکالیں گے اس کو متعلق نہیں کہیں گے۔ فِي الدَّارِ کے لیے جو ثَابِتٌ نکالا تھا، فِي الدَّارِ اس سے متعلق ہوا تھا اور ثَابِتٌ اس کا متعلق تھا۔ جبکہ ظرفِ حقیقی کے اندر عِنْدَكَ کے لیے بھی آپ ثَابِتٌ نکالتے ہیں جب کوئی عامل نہ ہو، اور یہ پھر یہ عِنْدَكَ، ثَابِتٌ کے لیے متعلق نہیں بنے گا بلکہ یہ اس کے لیے مفعول فیہ بنے گا۔ ثَابِتٌ عامل بنے گا اور عِنْدَكَ اس کے لیے مفعول فیہ، اور اس عِنْدَكَ جو ہے اس کو بھی ظرفِ مستقر کہیں گے کیونکہ ثَابِتٌ اس وقت موجود نہیں ہے بھئی۔

تو چاہے ظرفِ مجازی ہو یعنی جار مجرور، یا ظرفِ حقیقی ہو جس کے اندر زمانے یا جگہ والا معنی ہو، جب ان کا عامل یا ان کا متعلق عبارت میں ذکر نہ ہو تو ان کو ظرفِ مستقر کہتے ہیں۔ اور یاد رکھنا یہ ظرفِ مستقر کے آنے کی یہی چار جگہیں ہیں جو میں نے ذکر کر دیں۔ یا خبر کے مقام میں آئے گا ظرفِ مستقر، یا صفت کے مقام میں آئے گا صفت بنے گا کسی کے لیے، یا حال کے مقام میں آئے گا کہ حال بنے گا ذوالحال کے لیے، یا صلہ کے مقام میں آئے گا یعنی صلہ بنے گا موصول کے لیے۔ تو انہی چار جگہوں میں ظرفِ مستقر آسکتا ہے، اور جگہ ظرفِ مستقر نہیں آتا بھئی۔ اگر کسی اور جگہ ظرفِ مستقر آئے تو معلوم ہوا آپ کی عبارت میں، آپ کی ترکیب میں کوئی کمی ہے کیونکہ ظرفِ مستقر ان چار جگہوں کے علاوہ کہیں نہیں آتا۔

اور اس کے بعد پھر صاحبِ کافیہ نے آپ کو بتلایا تھا کہ صفت دو قسم پر ہے: ایک صفت بِحَالِهِ اور ایک صفت بِحَالِ مُتَعَلِّقِهِ۔ صفت بِحَالِهِ، بِحَالِهِ کی هَا ضمیر موصوف کو راجع ہے، صفت بِحَالِهِ أَيْ صِفَةٌ بِحَالِ الْمَوْصُوفِ، یعنی ایسی صفت جو موصوف کی حالت کے ساتھ قائم ہو، جو موصوف کی حالت بیان کرے۔ جَاءَنِي رَجُلٌ عَالِمٌ، رَجُلٌ موصوف اور عَالِمٌ اس کی صفت، اور یہ عالم ہونے کا معنی کس کے اندر ہے؟ رَجُلٌ کے اندر ہے۔ تو یہ صفت بِحَالِهِ ہے۔ تو صفت بِحَالِهِ کسے کہتے ہیں؟ جو لفظوں میں جس کی صفت ہے معنی میں بھی اسی کی صفت ہو۔ جَاءَنِي رَجُلٌ عَالِمٌ، یہ عَالِمٌ لفظوں میں رَجُلٌ کی

صفت ہے، رَجُلٌ موصوف ہے اور عَالِمٌ اس کی صفت۔ تو لفظوں کے اعتبار سے یہ عَالِمٌ رَجُلٌ کی صفت ہے اور معنی کے اعتبار سے بھی یہ رَجُلٌ کی صفت ہے کیونکہ یہ معنی عالم ہونے والا اسی رَجُلٌ میں پایا جا رہا ہے۔

اور ایک صفت بِحَالِ مُتَعَلِّقِهِ ہے جو موصوف کی حالت نہیں بیان کرتی بلکہ موصوف کے متعلق کی حالت بیان کرتی ہے۔ صفت بِحَالِ مُتَعَلِّقِهِ أَيْ مُتَعَلِّقِ الْمَوْصُوفِ، وہ صفت جو موصوف کے متعلق کی حالت بیان کرے، جو موصوف کے متعلق کے ساتھ قائم ہو بھئی، موصوف کے اندر وہ صفت ثابت نہ ہو۔ جیسے جَاءَنِي رَجُلٌ عَالِمٌ أَبُوهُ۔ جَاءَنِي رَجُلٌ میرے پاس ایک ایسا آدمی آیا عَالِمٌ أَبُوهُ کہ اس کا باپ عالم ہے۔ یہ عَالِمٌ اسمِ فاعل ہے، اور اسمِ فاعل کے لیے کیا چاہیے؟ فاعل، اور آگے کوئی فاعل نہ ہو تو پھر اسی کے اندر ضمیر نکالتے ہیں، لیکن یہاں أَبُوهُ اسمِ ظاہر فاعل آ رہا ہے، اور جب اسمِ ظاہر فاعل موجود ہے تو عَالِمٌ کے اندر اب کوئی ضمیر موجود نہیں کیونکہ فاعل یا نائب فاعل ایک آ سکتا ہے اس سے زیادہ نہیں آ سکتے۔ تو أَبُوهُ یہ فاعل ہوا عَالِمٌ کے لیے۔ تو عَالِمٌ اسمِ فاعل اپنے فاعل سے مل کر یہ شبہ جملہ ہو کر صفت ہوئی کس کی؟ رَجُلٌ کی۔

اور جیسے جملے کو جوڑنے کے لیے ربط چاہیے، اسی طرح شبہ جملہ جو جملے کے مشابہ ہے اس کا بھی یہی حکم ہے، تو شبہ جملہ کے لیے بھی کیا چاہیے؟ ماقبل سے ربط چاہیے۔ تو یہ جو عَالِمٌ کے اندر تو ضمیر ہے نہیں، ہاں عَالِمٌ کا جو فاعل ہے أَبُوهُ اس کے ساتھ ضمیر جڑی ہوئی ہے، اور یہ ضمیر یہ جو أَبُوهُ کے آخر میں هَا ضمیر ہے یہ لوٹ رہی ہے موصوف کی طرف۔ تو اس نے ربط دے دیا۔ تو عَالِمٌ اسمِ فاعل اپنے فاعل أَبُوهُ سے مل کر شبہ جملہ ہو کر یہ صفت ہوا رَجُلٌ کی۔ تو یہ عَالِمٌ لفظوں میں صفت کس کی؟ رَجُلٌ کی، لیکن معنی کے اعتبار سے یہ رَجُلٌ کی صفت نہیں ہے کیونکہ عالم ہونے والا معنی یہ رَجُلٌ میں نہیں ہے، اس کے متعلق یعنی اس کے باپ میں ہے، اس کا باپ عالم ہے وہ رَجُلٌ عالم نہیں ہے۔ تو اس کو کہتے ہیں صفت بِحَالِ مُتَعَلِّقِهِ، یعنی ایسی صفت جو موصوف کے متعلق کی حالت بیان کرے۔

اور اس کو ہمیشہ یاد رکھنا یہ جگہ جگہ عبارتوں میں آتی ہے بھئی۔ جگہ جگہ عبارتوں میں آتی ہے اور وہاں پھر انسان پریشان ہوتا ہے۔ ہمیشہ غور کرنا کہ کبھی صفت جو ہے موصوف کی حالت بیان کرتی ہے اور کبھی موصوف کے متعلق کی حالت بیان کرتی ہے۔ اور پتا کیسے چلے گا؟ پتا ایسے چلے گا کہ صفت کے آگے اسمِ ظاہر فاعل بن رہا ہوگا۔ جب اسمِ ظاہر فاعل بن رہا ہو سمجھ جاؤ وہ صفت بِحَالِ مُتَعَلِّقِهِ ہے۔ توجہ ہے؟ صفت کے صیغے کے لیے فاعل یا نائب فاعل ضرور چاہیے، تو اگر فاعل یا نائب فاعل اسی کے اندر ضمیر ہوئی تو یہ صفت بِحَالِهِ ہوگا۔ اور اگر آگے اسمِ ظاہر فاعل ہوا، اس کے اندر ضمیر نہ ہوئی تو معلوم ہوا یہ صفت بِحَالِ مُتَعَلِّقِهِ ہے۔ جَاءَنِي رَجُلٌ عَالِمٌ، عَالِمٌ کے اندر ضمیر ہے اور یہ اسی رَجُلٌ کو لوٹ رہی ہے تو جب اس کے اندر ضمیر فاعل ہے معلوم ہوا یہ صفت بِحَالِهِ ہے۔ اور جَاءَنِي رَجُلٌ عَالِمٌ أَبُوهُ، اس عَالِمٌ کے اندر ضمیر نہیں ہے بلکہ آگے أَبُوهُ اسمِ ظاہر اس کا فاعل بن رہا ہے تو معلوم ہوا یہ صفت بِحَالِ مُتَعَلِّقِهِ ہے۔

اور پھر صاحبِ جامی نے آپ کو بتلایا کہ یہ صفت بِحَالِ مُتَعَلِّقِهِ جو ہے، صفت بِحَالِ مُتَعَلِّقِهِ جو ہے یہ اعتباری صفت ہے، یہ حقیقت میں اس موصوف کی صفت نہیں۔ جیسے میں نے کہا جَاءَنِي رَجُلٌ عَالِمٌ أَبُوهُ، آیا میرے پاس ایک ایسا آدمی کہ اس کا باپ عالم ہے۔ اب دیکھو یہ عَالِمٌ لفظوں کے اندر صفت ہے رَجُلٌ کی، رَجُلٌ موصوف اور عَالِمٌ اسمِ فاعل اپنے فاعل سے مل کر شبہ جملہ ہو کر رَجُلٌ کی صفت۔ تو عَالِمٌ لفظوں میں صفت ہے رَجُلٌ کی لیکن معنی کے اعتبار سے یہ صفت ہے أَبُوهُ اس کے باپ کی۔ تو صاحبِ جامی نے بتلایا تھا کہ یہ صفت بِحَالِ مُتَعَلِّقِهِ جو ہے یہ حقیقت میں اپنے موصوف کی صفت نہیں ہوتی بلکہ یہ اعتباری صفت ہے۔ حقیقت کے اندر تو یہ موصوف کے متعلق کی صفت ہے لیکن موصوف کے متعلق کے اعتبار سے یہ موصوف کی بھی صفت ہو گئی۔ جیسے جَاءَنِي رَجُلٌ عَالِمٌ أَبُوهُ، یہ عالم حقیقت میں تو اس شخص کا باپ ہے لیکن باپ کے اعتبار سے یہ عالم رَجُلٌ کی بھی صفت ہو گئی۔ یہ رَجُلٌ بھی عالم ہے اپنے باپ کے اعتبار سے۔ تو یہ عالم ہونے کی صفت کس کو حاصل ہو گئی؟ رَجُلٌ کو بھی، لیکن خود اپنی ذات کے اعتبار سے یا اپنے باپ کے اعتبار سے؟ اپنے باپ کے اعتبار سے، تو یہ اعتباری صفت ہے، حقیقت میں نہیں، حقیقت میں وہ شخص عالم نہیں ہے۔ اگر حقیقت میں وہ شخص عالم ہوتا پھر آپ کے اعتبار پر موقوف نہیں تھا کہ آپ اعتبار کریں یا نہ کریں۔ بھئی آپ اعتبار کریں یا نہ کریں وہ حقیقت میں عالم ہے، اور ایک صفتِ اعتباری ہوتی ہے جو معتبر کے اعتبار پر موقوف ہوتی ہے کہ معتبر اس کا اعتبار کرتا ہے تو وہ ہے، معتبر اس کا اعتبار نہیں کرتا تو وہ نہیں۔ جیسے میں نے کہا جَاءَنِي رَجُلٌ عَالِمٌ أَبُوهُ، میرے پاس ایک ایسا آدمی آیا کہ اس کا باپ عالم ہے، تو اگر آپ اعتبار کریں کہ یہ رَجُلٌ عالم ہے، بھئی کس اعتبار سے عالم ہے؟ آپ کہتے ہیں باپ کے اعتبار سے۔ تو دیکھو یہ آپ نے اعتبار کیا، اس کے عالم ہونے کا اعتبار کیا باپ کے اعتبار سے، اور یہ آپ کے اعتبار پر موقوف ہے آپ اعتبار کرتے ہیں تو وہ عالم ہے اور آپ اعتبار نہیں کرتے تو وہ عالم نہیں، کیونکہ وہ خود عالم نہیں ہے وہ اپنے باپ کے اعتبار سے عالم ہے، یعنی اس کا باپ عالم ہے۔ بات سمجھ میں آ گئی؟

اب آئیے آج کے سبق پر: فَالْأَوَّلُ أَيِ النَّعْتُ بِحَالِ الْمَوْصُوفِ. بھئی پہلے متن متن دیکھ لیجیے: فَالْأَوَّلُ يَتْبَعُهُ فِي الْإِعْرَابِ وَالتَّعْرِيفِ وَالتَّنْكِيرِ وَالْإِفْرَادِ وَالتَّثْنِيَةِ وَالْجَمْعِ وَالتَّذْكِيرِ وَالتَّأْنِيثِ، وَالثَّانِي يَتْبَعُهُ يَتْبَعُهُ فِي الْخَمْسَةِ الْأُوَلِ وَفِي الْبَوَاقِي كَالْفِعْلِ.

متن مل گیا سارا بھئی؟ متن پہلے سمجھ لیجیے۔ کہتے ہیں فَالْأَوَّلُ يَتْبَعُهُ، جو پہلی قسم ہے صفت کی یعنی صفت بِحَالِهِ، يَتْبَعُهُ یہ اپنے موصوف کے تابع ہوتی ہے فِي الْإِعْرَابِ وَالتَّعْرِيفِ وَالتَّنْكِيرِ وَالْإِفْرَادِ وَالتَّثْنِيَةِ وَالْجَمْعِ وَالتَّذْكِيرِ وَالتَّأْنِيثِ. ان تمام چیزوں میں یہ اپنے موصوف کے تابع ہوتی ہے۔ کون سی صفت؟ صفت بِحَالِهِ. صفت بِحَالِهِ کسے کہتے ہیں؟ جو موصوف کی حالت بیان کرے۔ اور دوسری صفت کون سی ہے؟ صفت بِحَالِ مُتَعَلِّقِهِ، جو موصوف کے متعلق کی حالت بیان کرے۔ فَالْأَوَّلُ يَتْبَعُهُ تو پہلی صفت جو ہے یعنی صفت بِحَالِهِ وہ تابع ہوتی ہے موصوف کے فِي الْإِعْرَابِ، کس کے اندر؟ اعراب

کے اندر، یعنی رفع، نصب اور جر۔ موصوف پر اگر رفع تو صفت پر بھی رفع۔ موصوف پر اگر نصب صفت پر بھی نصب۔ موصوف پر اگر جر تو صفت پر بھی جر۔ اسی طرح وَالتَّعْرِيفِ وَالتَّنْكِيرِ، تعریف و تنکیر میں بھی یہ صفت بِحَالِهِ اپنے موصوف کے مطابق آئے گی۔ موصوف اگر نکرہ تو صفت بِحَالِهِ بھی نکرہ، موصوف اگر معرفہ تو صفت بِحَالِهِ بھی معرفہ آئے گی۔ وَالْإِفْرَادِ وَالتَّثْنِيَةِ وَالْجَمْعِ، اور مفرد، تثنیہ اور جمع ہونے میں بھی۔ موصوف اگر مفرد تو صفت بِحَالِهِ بھی مفرد، موصوف اگر تثنیہ یا جمع تو اسی کے مطابق صفت بِحَالِهِ بھی تثنیہ یا جمع۔ وَالتَّذْكِيرِ وَالتَّأْنِيثِ، اور مذکر اور مؤنث ہونے میں، یعنی موصوف جو ہے اگر وہ مذکر ہے تو صفت بِحَالِهِ بھی مذکر آئے گی، اور موصوف اگر مؤنث ہے تو صفت بِحَالِهِ بھی مؤنث آئے گی۔

تو یہ دس چیزیں ہیں جن کے اندر صفت بِحَالِهِ اپنے موصوف کے مطابق ہوگی۔ کتنی چیزیں ہیں؟ دس۔ کون سی دس چیزیں؟ یہ جو ابھی ذکر کر دیں۔ اعراب بھئی، اعراب کے اندر تین چیزیں آ گئیں: رفع، نصب، جر۔ تین یہ ہو گئیں، آگے وَالتَّعْرِيفِ وَالتَّنْكِيرِ تعریف اور تنکیر یہ پانچ ہو گئیں، آگے افراد، تثنیہ اور جمع آٹھ ہو گئیں، اور تذکیر و تانیث، تو یہ دس چیزیں۔ ان دس میں سے ایک وقت میں چار آئیں گی، چار۔ دیکھو رفع، نصب، جر میں سے ایک آئے گا۔ ایک آئے گا۔ اسی طرح تعریف و تنکیر میں سے ایک چیز آئے گی۔ دو ہو گئیں؟ اعراب میں سے ایک، تعریف و تنکیر میں سے ایک چیز آئے گی یا معرفہ ہوگا یا نکرہ۔ اور مفرد، تثنیہ اور جمع ان میں سے بھی ایک آئے گا۔ یعنی یا موصوف صفت دونوں مفرد ہوں گے، یا دونوں تثنیہ ہوں گے، یا دونوں جمع، تو یہ تیسری چیز ہو گئی۔ اور چوتھی چیز ہے تذکیر و تانیث۔ یعنی دونوں مذکر ہوں گے یا دونوں مؤنث۔ تو چار چیزوں کے اندر یعنی ان میں سے چار چیزیں ہر ترکیب میں پائی جائیں گی۔ جہاں بھی صفت بِحَالِهِ آئے وہ موصوف کے مطابق ہوگی، اس کے تابع ہوگی کس چیز میں؟ اعراب میں، یہ ایک چیز ہو گئی، دوسرا تعریف و تنکیر یہ دوسری چیز ہو گئی، تیسرا افراد، تثنیہ، جمع یہ تیسری چیز ہو گئی، اور چوتھی چیز تذکیر و تانیث۔ تو یہ چار چیزوں کے اندر یہ صفت جو ہے موصوف کے تابع ہوگی، یعنی یوں کہو چیزیں دس ہیں لیکن ایک وقت میں چار آئیں گی ان میں سے بھئی۔

تو کہتے ہیں فَالْأَوَّلُ يَتْبَعُهُ فِي الْإِعْرَابِ وَالتَّعْرِيفِ وَالتَّنْكِيرِ وَالْإِفْرَادِ وَالتَّثْنِيَةِ وَالْجَمْعِ وَالتَّذْكِيرِ وَالتَّأْنِيثِ، وَالثَّانِي يَتْبَعُهُ فِي الْخَمْسَةِ الْأُوَلِ۔ اور دوسری قسم جو تھی صفت کی یعنی صفت بِحَالِ مُتَعَلِّقِهِ، يَتْبَعُهُ وہ اپنے موصوف کے تابع ہوتی ہے فِي الْخَمْسَةِ الْأُوَلِ، پہلی پانچ چیزوں میں۔ دوسری صفت، صفت بِحَالِ مُتَعَلِّقِهِ، وہ اپنے موصوف کے تابع ہوگی پہلی پانچ چیزوں میں۔ کون سی پہلی پانچ چیزیں؟ رفع، نصب، جر اور تعریف و تنکیر۔ اور ان میں سے ایک وقت میں دو آئیں گی۔ یعنی موصوف پر جو اعراب ہوگا صفت بِحَالِ مُتَعَلِّقِهِ پر بھی وہی اعراب آئے گا۔ اور موصوف اگر معرفہ یا نکرہ ہے تو صفت بِحَالِ مُتَعَلِّقِهِ بھی اسی کے مطابق معرفہ یا نکرہ آئے گی۔ تو یہ دو چیزیں ہر ترکیب میں پائی جائیں گی جہاں صفت بِحَالِ مُتَعَلِّقِهِ ہو بھئی۔ ایک تو اعراب دونوں کا ایک جیسا ہوگا، اور دوسرا تعریف و تنکیر میں ایک جیسے ہوں گے موصوف صفت بھئی۔

تو کہتے ہیں وَالثَّانِي اور دوسری قسم جو ہے یعنی صفت بِحَالِ مُتَعَلِّقِهِ، يَتْبَعُهُ فِي الْخَمْسَةِ الْأُوَلِ وہ تابع ہوگی موصوف

کے پہلی پانچ چیزوں میں۔ أُوَلُ جمع ہے أُولَی کی۔ أُوَلُ جمع ہے أُولَی کی۔ أَوَّلُ کیا ہے؟ اسمِ تفضیل ہے۔ اسمِ تفضیل، جیسے وَأَفْعَلُ التَّفْضِيلِ لِلْمُذَكَّرِ مِنْهُ أَضْرَبُ وَالْجَمْعُ أَضَارِبُ وَالْمُؤَنَّثُ مِنْهُ ضُرْبَى، ضُرْبَى، تو أَوَّلُ کی مؤنث کیا؟ أُولَى۔ آگے وَالْمُؤَنَّثُ مِنْهُ ضُرْبَى ضُرْبَيَاتٌ ضُرَبٌ، أُوَلٌ۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو اب وَأَفْعَلُ التَّفْضِيلِ لِلْمُذَكَّرِ مِنْهُ أَوَّلُ وَالْجَمْعُ أَوَائِلُ وَالْمُؤَنَّثُ مِنْهُ أُولَى أُولَيَاتٌ أُوَلٌ۔ تو یہ أُوَلٌ جمع ہے أُولَی کی۔ یہاں ایک اور بات یاد رکھنا، أُوَلٌ، أُوَلٌ پر تنوین پڑھیں گے بھئی۔ أُوَلٌ پر تنوین پڑھیں گے۔ یہ بعض علماء اشکال کرتے ہیں کہ أُخَرُ یہ بھی یہی وزن ہے۔ تو یہ أُخَرُ یہ تو غیر منصرف ہے، جہاں بھی أُخَرُ آتا ہے غیر منصرف ہے بھئی۔ ایک تو اس کے اندر وصفیت ہے، یہ وصف بنتا ہے، اور دوسرا اس کے اندر عدل پایا جا رہا ہے۔ تو یہ وصف کس اعتبار سے ہے؟ کہتے ہیں کہ یہ جمع ہے اسمِ تفضیل مؤنث أُخْرَى کی۔ أُخْرَى کی جمع أُخَرُ ہے۔ تو أُخَرُ اس میں اندر ایک تو وصفیت ہے اور دوسرا عدل ہے، اور یہ معدول ہے کس سے؟ اسمِ تفضیل کے استعمال کے تین طریقے آپ نے پڑھے ہیں: یا الف لام کے ساتھ ہوگا، یا اضافت کے ساتھ ہوگا، یا مِنْ کے ساتھ ہوگا۔ تو یہ أُخَرُ تو ان تین طریقوں میں سے کسی ایک کے ساتھ بھی استعمال نہیں ہو رہا، معلوم ہوا یہ ان تین میں سے کسی ایک سے معدول ہے۔ اور پھر کہتے ہیں اضافت والی صورت تو نہیں، البتہ باقی دو صورتوں میں سے کسی ایک سے معدول ہے، تو یہ اصل میں یہ الف لام کے ساتھ تھا الْأُخَرُ، تو الْأُخَرُ سے معدول کر کے أُخَرُ بنا لیا گیا۔ اور یا یہ معدول ہے أُخَرُ مِنْ سے، پھر معدول کر کے أُخَرُ بنا لیا گیا۔ توجہ ہے؟ تو یہ معدول ہے اس کے اندر عدل ہے۔ جب اس کے اندر عدل ہے تو جو بھی اسمِ تفضیل کی یہ جمع گردانوں میں آتی ہے یہ بھی غیر منصرف ہونی چاہیے۔ جیسے وَأَفْعَلُ التَّفْضِيلِ لِلْمُذَكَّرِ مِنْهُ أَضْرَبُ وَالْجَمْعُ أَضَارِبُ وَالْمُؤَنَّثُ مِنْهُ ضُرْبَى ضُرْبَيَاتٌ ضُرَبٌ۔ تو یہ ضُرَبٌ فُعَلٌ یہ اس پر تنوین نہیں آنی چاہیے۔ اشکال ذکر کرتے ہیں، تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ ضُرَبٌ اس پر تنوین پڑھیں گے بھئی۔ اور وہ جو اسمِ تفضیل کے استعمال کے تین طریقے ہیں وہ یہاں نہیں ہیں، یہ کسی سے معدول نہیں ہے۔ وجہ یہ کہ وہ استعمال کے اعتبار سے تین طریقے ہیں، وہ اسمِ تفضیل کے استعمال کے اعتبار سے تین طریقے ہیں۔ جہاں، تو جب آپ استعمال کریں گے پھر وہاں پر دیکھیں گے کہ یہ کسی سے معدول ہے یا معدول نہیں، اور یہاں تو استعمال نہیں ہو رہا یہ تو صرف گردان یاد کی جا رہی ہے۔

تو کہتے ہیں دوسری قسم جو صفت کی ہے وہ موصوف کے تابع ہوگی فِي الْخَمْسَةِ الْأُوَلِ، پہلی پانچ چیزوں میں۔ تو یہ پہلی پانچ چیزوں میں اس کے تابع ہوگی۔ وَفِي الْبَوَاقِي كَالْفِعْلِ اور باقی کے اندر جو ہے یہ صفت بِحَالِ مُتَعَلِّقِهِ، یہ فعل کی طرح ہوگی۔ تو باقی پانچ چیزوں میں وہ صفت جو ہے فعل کی طرح ہوگی۔ آپ کو میں نے بتلایا تھا کہ ہر فعل کے لیے فاعل یا نائب فاعل ضرور چاہیے۔ فعلِ معروف کے لیے فاعل چاہیے اور فعلِ مجہول کے لیے نائب الفاعل چاہیے۔ ایسا کبھی نہیں ہو سکتا کہ فعل تو آجائے اور آگے اس کا فاعل یا نائب فاعل نہ آئے بھئی۔ البتہ فاعل یا نائب فاعل ایک ہی آتا ہے، ایک سے زیادہ نہیں آتے۔ اور وہ فاعل یا نائب فاعل ضمیر بھی ہو سکتی ہے اور اسمِ ظاہر بھی ہو سکتا ہے۔ لیکن ایک وقت میں ایک

ہی فاعل یا نائب فاعل آئے گا۔ اگر ضمیر آگئی تو پھر آگے اسمِ ظاہر فاعل یا نائب فاعل نہیں بن سکتا، اور اگر آگے اسمِ ظاہر کو آپ نے فاعل یا نائب فاعل بنا دیا تو پھر اس فعل کے اندر ضمیر آپ نہیں نکال سکتے، ضمیر کو آپ فاعل نہیں بنا سکتے۔ جیسے ضَرَبَ، ضَرَبَ کے لیے فاعل چاہیے۔ آگے کوئی فاعل نہیں تو اسی کے اندر ہم هُوَ ضمیر نکال لیتے ہیں اور وہ مرفوع محلاً ہے کیونکہ فاعل ہے، مرفوع ہے، اور محلاً کیونکہ ضمیر مبنیات میں سے ہے۔ تو یہ هُوَ ضمیر فاعل ہوئی اور فعل اپنے فاعل سے مل کر جملہ فعلیہ ہوا۔ اور اگر میں کہوں ضَرَبَ زَيْدٌ، تو اب دیکھو یہ زَيْدٌ یہ ضَرَبَ کے لیے فاعل ہے۔ اور جب یہ فاعل ہے تو فاعل تو ایک ہی آتا ہے تو اب ضَرَبَ کے اندر ضمیر نہیں۔ تو ضَرَبَ فعل، زَيْدٌ مرفوع لفظاً فاعل، فعل اپنے فاعل سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہوا۔ اگر کوئی آپ کا ساتھی کہتا ہے کہ بھئی آپ نے ضَرَبَ زَيْدٌ، آپ نے تو اس ضَرَبَ کے اندر ضمیر نہیں نکالی، ہم نے صرف میں پڑھا ہے کہ ضَرَبَ کے اندر هُوَ ضمیر ہوتی ہے۔ تو آپ جواب میں کیا کہیں گے؟ کہ فاعل یا نائب فاعل ایک آسکتا ہے، ایک سے زیادہ نہیں، اور وہ آگے زَيْدٌ آگیا ہے اسمِ ظاہر، جب وہ آگیا تو اب اس کے اندر هُوَ ضمیر کو ہم فاعل نہیں بنا سکتے، تو لہٰذا اب ضمیر اس میں نہیں نکالیں گے۔ بات سمجھ میں آگئی؟

اور فعل کے لیے فاعل ضمیر بھی بن سکتی ہے اور اسمِ ظاہر بھی بن سکتا ہے۔ پھر میں نے آپ کو یہ بھی بتلایا تھا کہ فاعل یا نائب فاعل کبھی بھی فعل پر مقدم نہیں ہو سکتا۔ ضَرَبَ زَيْدٌ، یہ زَيْدٌ فاعل ہے۔ لیکن اسی زَيْدٌ کو آپ ضَرَبَ پر مقدم کر دیں، زَيْدٌ ضَرَبَ، تو یاد رکھو ساری ترکیب بدل گئی۔ اب یہ زَيْدٌ جو ضَرَبَ پر مقدم ہو گیا ہے، اب یہ ضَرَبَ کے لیے فاعل نہیں بن سکتا۔ مبتدا وغیرہ تو بن جائے گا لیکن اب یہ ضَرَبَ کے لیے فاعل نہیں بن سکتا۔ تو فاعل یا نائب فاعل فعل پر کبھی بھی مقدم نہیں ہو سکتا۔ البتہ مفعول فعل پر مقدم ہو سکتا ہے۔ مفعول فعل پر مقدم ہو سکتا ہے۔ تو فاعل جو ہے ضمیر بھی ہو سکتی ہے اور اسمِ ظاہر بھی، اور میں نے بتایا تھا یہ جو اسمِ ظاہر ہے یہ اسمِ ضمیر کے مقابلے میں ہے۔ تمام دنیا کے اسم سوائے ضمیروں کے وہ سب اسمِ ظاہر ہیں، اور ضمیریں کل ستر ہیں، تو ان ستر ضمیروں کے علاوہ جتنے بھی اسم ہیں وہ سب کیا کہلاتے ہیں؟ اسمِ ظاہر کہلاتے ہیں۔

اور پھر میں نے آپ کو یہ بھی بتلایا تھا کہ یہ فعل کے ماضی کے بھی چودہ صیغے اور اسی طرح مضارع کے بھی چودہ صیغے، ان میں سے صرف پہلا اور جو چوتھا صیغہ ہے ان کے لیے فاعل یا نائب فاعل اسمِ ظاہر آسکتا ہے۔ پہلا صیغہ کون سا؟ ضَرَبَ یعنی واحد مذکر غائب، اور چوتھا صیغہ کون سا؟ ضَرَبَتْ یعنی واحد مؤنث غائب کا صیغہ۔ تو پہلا اور چوتھا صیغہ یعنی واحد مذکر غائب اور واحد مؤنث غائب، ان دو صیغوں کے لیے فاعل اسمِ ظاہر آسکتا ہے۔ باقی بارہ صیغوں کے لیے فاعل آگے تلاش کرنے کی ضرورت نہیں، وہ انہی کے ساتھ جڑی ہوئی یا انہی کے اندر چھپی ہوئی ضمیر ہوگی۔ اور اسی طرح فعلِ مضارع میں ہے يَضْرِبُ اور تَضْرِبُ۔ يَضْرِبُ پہلا صیغہ ہے واحد مذکر غائب کا اور تَضْرِبُ چوتھا صیغہ ہے واحد مؤنث غائب کا۔ ان دو کے

لیے فاعل اسمِ ظاہر آسکتا ہے، باقی جو بارہ صیغے ہیں فعلِ مضارع کے ان کے لیے فاعل یا نائب فاعل انہی کے ساتھ فعل کے ساتھ جڑی ہوئی ضمیرِ متصل ہوگی جو بارز ہوگی یعنی ظاہر ہوگی اس پر تلفظ ہو رہا ہوگا، یا اس کے اندر مستتر ہوگی یعنی چھپی ہوئی ہوگی۔ تو پہلے اور چوتھے صیغے کے لیے فاعل اسمِ ظاہر آسکتا ہے، باقی کسی صیغے کے لیے فاعل اسمِ ظاہر نہیں آسکتا۔ اور پہلا صیغہ بھی مفرد کا ہے واحد مذکر غائب، اور چوتھا صیغہ بھی مفرد کا ہے واحد مؤنث غائب، اس سے ایک اور ضابطہ آپ کو سمجھ میں آگیا کہ فاعل جب بھی اسمِ ظاہر ہو فعل کو ہمیشہ مفرد رکھتے ہیں۔ فعل کو ہمیشہ مفرد رکھتے ہیں۔

اور جو فعل کا حکم ہے وہی صفت کا بھی حکم ہے۔ جیسے فعل کے لیے فاعل یا نائب فاعل ضرور چاہیے، اسی طرح صفت کے صیغوں کے لیے بھی فاعل یا نائب فاعل ضرور چاہیے۔ صفت کے صیغے جیسے اسمِ فاعل ہے، اسمِ مفعول ہے، صفتِ مشبہ ہے، اسمِ تفضیل ہے۔ اسمِ فاعل کے لیے کیا چاہیے؟ فاعل، اسمِ مفعول کے لیے کیا چاہیے؟ نائب فاعل چاہیے، صفتِ مشبہ کے لیے فاعل چاہیے، اور اسمِ تفضیل کے لیے فاعل چاہیے بھئی۔ بات سمجھ میں آگئی؟ اور جیسے فعل کے لیے فاعل ضمیر بھی آسکتی ہے اور اسمِ ظاہر بھی، تو ان صیغوں کے لیے، تو یہ صفت کے صیغوں کے لیے بھی فاعل ضمیر بھی آسکتی ہے اور اسمِ ظاہر بھی۔ لیکن ایک وقت میں آئے گا ایک ہی۔ اگر آپ فاعل ضمیر بناتے ہیں تو پھر آگے اسمِ ظاہر کو فاعل نہیں بنا سکتے۔ اور اگر آپ فاعل اسمِ ظاہر کو بناتے ہیں تو پھر اس صفت کے صیغے کے اندر کوئی ضمیر نہیں ہوگی کیونکہ فاعل یا نائب فاعل ایک ہی آتا ہے۔ اور نیز جیسے فعل کا فاعل یا نائب فاعل فعل پر مقدم نہیں ہو سکتا، اسی طرح جو صفت کے صیغے ہیں ان کا بھی فاعل یا نائب فاعل صفت پر مقدم نہیں ہو سکتا۔ اور نیز جیسے فعل کے لیے فاعل یا نائب فاعل اسمِ ظاہر آجائے تو فعل کو ہمیشہ مفرد رکھتے ہیں، فعل کو ہمیشہ مفرد رکھتے ہیں یعنی وہ پہلا یا چوتھا صیغہ ہوگا۔ اسی طرح صفت کے صیغے کے لیے بھی جب فاعل یا نائب فاعل اسمِ ظاہر آگے آجائے تو صفت کے صیغے کو ہمیشہ مفرد رکھیں گے۔ تو صفت کے صیغے کو ہمیشہ مفرد رکھیں گے۔ اور ابھی میں نے آپ کو بتایا کہ صفت بِحَالِ مُتَعَلِّقِهِ، صفت بِحَالِ مُتَعَلِّقِهِ، اس کا فاعل ہمیشہ آگے اسمِ ظاہر آتا ہے۔ کیا آتا ہے؟

اسمِ ظاہر آتا ہے۔ میں نے بتایا نا کہ صفت کا آپ کو پتا کیسے چلے گا کہ یہ صفت بِحَالِهِ ہے یا بِحَالِ مُتَعَلِّقِهِ ہے؟ میں نے بتایا تھا کہ صفت کا صیغہ آئے اور آگے اسمِ ظاہر نہ آئے تو پھر اسی کے اندر ضمیر نکالو اور یہ صفت بِحَالِهِ ہے۔ یہ صفت بِحَالِهِ ہے۔ اور اگر صفت کے صیغے کے آگے اسمِ ظاہر فاعل آرہا ہو اور صفت کے صیغے میں کوئی ضمیر نہیں تو سمجھ جائیں یہ صفت بِحَالِ مُتَعَلِّقِهِ ہے۔ تو معلوم ہوا صفت بِحَالِ مُتَعَلِّقِهِ کا فاعل یا نائب فاعل ہمیشہ آگے اسمِ ظاہر آئے گا۔ اور فاعل یا نائب فاعل جب بھی اسمِ ظاہر ہو، فعل کو ہمیشہ مفرد رکھتے ہیں تو یہاں صفت کو بھی مفرد رکھیں گے۔ صفت کو بھی مفرد رکھیں گے، موصوف کو نہیں دیکھیں گے کہ موصوف مفرد، تثنیہ یا جمع ہے بلکہ یہ دیکھیں گے کہ فاعل اسمِ ظاہر آرہا ہے بھئی۔

بات سمجھ میں آگئی؟

اس سے ایک اور بات پتا چل گئی کہ صفت بِحَالِ مُتَعَلِّقِهِ ہمیشہ مفرد کا صیغہ ہوگا۔ کیونکہ فاعل آگے کیا آرہا ہے؟ اسمِ ظاہر۔ جب اسمِ ظاہر فاعل ہے تو صفت تو مفرد ہوتی ہے۔ تو معلوم ہوا صفت بِحَالِ مُتَعَلِّقِهِ بھی ہمیشہ کیا ہوگی؟ مفرد ہوگی، تثنیہ یا جمع نہیں ہوگی۔

اب دیکھو مثلاً میں زَيْدٌ کو ضَرَبَ کے لیے فاعل بنانا چاہتا ہوں۔ تو زَيْدٌ کیا ہے؟ اسمِ ظاہر، اور مذکر ہے، تو میں پہلا فعل لاؤں گا: ضَرَبَ زَيْدٌ۔ اب اگر میں الزَّيْدَانِ، تثنیہ کو فاعل بنانا چاہتا ہوں، تو تثنیہ کے لیے میں ضَرَبَا، تثنیہ والا فعل نہیں لاؤں گا، کیونکہ، کیونکہ ضَرَبَا یہ دوسرا صیغہ ہے اور اس کے لیے الزَّيْدَانِ آگے فاعل نہیں بن سکتا کیونکہ میں نے ابھی بتایا کہ اگر فاعل اسمِ ظاہر ہو تو فعل کا پہلا یا چوتھا صیغہ ہونا چاہیے۔ اور ضَرَبَا یہ تو دوسرا صیغہ ہے، تو اس کے لیے فاعل اسمِ ظاہر آ ہی نہیں سکتا۔ ضَرَبَا کے ساتھ یہ جو الف جڑا ہوا ہے یہی ضَرَبَا کا فاعل ہے تثنیہ کا جو صیغہ ہے۔ تو الزَّيْدَانِ کو میں فاعل بنانا چاہتا ہوں اور الزَّيْدَانِ یہ اسمِ ظاہر ہے، اور اسمِ ظاہر کے لیے فعل کو ہمیشہ مفرد لاتے ہیں، اور الزَّيْدَانِ مذکر ہے یا مؤنث؟ یہ مذکر ہے، تو لہٰذا یہاں بھی میں ضَرَبَ ہی لاؤں گا: ضَرَبَ الزَّيْدَانِ۔ آپ نے یہ نہیں دیکھنا کہ الزَّيْدَانِ تثنیہ ہے، بس یہ دیکھیں الزَّيْدَانِ اسمِ ظاہر ہے یا ضمیر ہے؟ الزَّيْدَانِ اسمِ ظاہر ہے، اور جب یہ اسمِ ظاہر ہے تو اس کے لیے فعل ہمیشہ کیا لاتے ہیں؟ مفرد لاتے ہیں، پہلا یا چوتھا صیغہ، مذکر کے لیے پہلا صیغہ اور مؤنث کے لیے چوتھا صیغہ۔ تو ضَرَبَ الزَّيْدَانِ میں کہوں گا، ضَرَبَ الزَّيْدَانِ۔ اور اگر میں الزَّيْدُونَ کو فاعل بنانا چاہوں تو الزَّيْدُونَ بھی کیا ہے؟ الزَّيْدُونَ جمع ہے لیکن ہے تو اسمِ ظاہر، تو فعل کو اسی طرح مفرد رکھوں گا: ضَرَبَ الزَّيْدُونَ۔ تو اسمِ ظاہر چاہے مفرد ہو، تثنیہ ہو یا جمع، فعل کو ہمیشہ مفرد رکھتے ہیں: ضَرَبَ زَيْدٌ، ضَرَبَ الزَّيْدَانِ، ضَرَبَ الزَّيْدُونَ۔

اور اگر مؤنث ہو تو پھر فعل مؤنث لائیں گے: ضَرَبَتْ هِنْدٌ۔ هِنْدٌ جو ہے یہ مؤنث کا نام تھا قدیم عرب کے اندر، عام استعمال ہوتا تھا۔ ضَرَبَتْ هِنْدٌ۔ اب میں تثنیہ لاتا ہوں الْهِنْدَانِ، تو بھی ضَرَبَتْ ہی فعل لاؤں گا: ضَرَبَتِ الْهِنْدَانِ۔ اگر میں جمع لاتا ہوں الْهِنْدَاتُ: ضَرَبَتِ الْهِنْدَاتُ۔ تو دیکھو فاعل اسمِ ظاہر ہے چاہے هِنْدٌ ہو، چاہے الْهِنْدَانِ ہو، چاہے الْهِنْدَاتُ ہو، ہے تو اسمِ ظاہر تو فعل کو مفرد رکھیں گے، تو ضَرَبَتْ هِنْدٌ، ضَرَبَتِ الْهِنْدَانِ، ضَرَبَتِ الْهِنْدَاتُ۔ بات سمجھ میں آگئی؟

پھر مزید یاد رکھنا، مزید یاد رکھنا کہ یہ فاعل، اگر فاعل مذکر ہو تو فعل کو مذکر لائیں گے، فعل کو مذکر لانا واجب ہے۔ اور اگر فاعل مؤنثِ حقیقی ہو، کیا؟ مؤنثِ حقیقی اس کو کہتے ہیں جس کے مقابلے میں کوئی مذکر ہو، جیسے اِمْرَأَةٌ، عورت، یہ مؤنثِ حقیقی ہے کیونکہ اس کے مقابلے میں رَجُلٌ یعنی مرد ہے۔ اور اسی طرح جیسے نَاقَةٌ، ناقہ اونٹنی کو کہتے ہیں، تو یہ ناقہ مؤنثِ حقیقی ہے کیونکہ اس کے مقابلے میں مذکر جو ہے جَمَلٌ، نر اونٹ جو ہے، وہ موجود ہے۔ تو مؤنثِ حقیقی کسے کہتے ہیں؟ جس کے مقابلے میں کوئی مذکر حیوان ہو بھئی۔ تو اگر فاعل مؤنثِ حقیقی ہو اور فعل کے اور اس کے درمیان کوئی فصل نہ ہو، بلا فصل ہو، تو

پھر فعل کو مؤنث لانا واجب ہے۔ جیسے دیکھو ھِنْدٌ، ھِنْدٌ کیا ہے؟ مؤنثِ حقیقی ہے۔ ھِنْدٌ نام ہے نا عورت کا اور عورت کیا ہے مؤنثِ حقیقی، اور مؤنثِ حقیقی کے لیے جب بھی فعل لاؤ اس کو ہمیشہ مؤنث لاتے ہیں: ضَرَبَتْ ھِنْدٌ، ضَرَبَتِ الْھِنْدَانِ، ضَرَبَتِ الْھِنْدَاتُ۔ لیکن یہ اس وقت ہے جب فصل نہ ہو۔ اگر درمیان میں فصل آگیا، درمیان میں فعل کے اور اس مؤنث فاعل کے درمیان کوئی اور لفظ آگیا تو پھر اب آپ کو اختیار ہے، اب آپ فعل کو مذکر بھی لا سکتے ہیں اور مؤنث بھی۔ جیسے ضَرَبَ اور ھِنْدٌ اس کے درمیان ذرا الْیَوْمَ لے آؤ: ضَرَبَتِ الْیَوْمَ ھِنْدٌ۔ الْیَوْمَ کا معنی آج، آج ہند نے پٹائی کی۔ ضَرَبَتِ الْیَوْمَ ھِنْدٌ، آج کے دن ہند نے پٹائی کی۔ تو ھِنْدٌ مؤنثِ حقیقی ہے تو اس کے لیے فعل میں کیا لایا؟ ضَرَبَتْ۔ لیکن درمیان میں کیا آگیا؟ فصل، الْیَوْمَ کا لفظ آگیا، تو اب میں مذکر بھی لا سکتا ہوں: ضَرَبَ الْیَوْمَ ھِنْدٌ۔ تو دونوں طرح آپ کہہ سکتے ہیں: ضَرَبَ الْیَوْمَ ھِنْدٌ بھی اور ضَرَبَتِ الْیَوْمَ ھِنْدٌ بھی کہہ سکتے ہیں۔

تو جب فاعل مذکر ہو فعل کو ہمیشہ کیا لاتے ہیں؟ مذکر۔ اور فاعل اگر مؤنثِ حقیقی ہو اور بغیر فصل کے ہو، مفصول نہ ہو، تو پھر فعل کو مؤنث لانا واجب، اور اگر درمیان میں فصل آجائے مؤنثِ حقیقی اور فعل کے درمیان تو پھر فعل کو مذکر لانا بھی جائز اور مؤنث لانا بھی جائز ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟

اسی طرح اگر فاعل مؤنثِ غیرِ حقیقی ہو، فاعل کیا ہو؟ مؤنثِ غیرِ حقیقی ہو، یعنی عرب سے ہم نے اس کو مؤنث سنا ہے یا وہ مؤنث لفظ ہے لیکن اس کے مقابلے میں کوئی مذکر حیوان نہیں، تو پھر اس صورت میں بھی آپ کو اختیار ہے فعل کو مذکر بھی لا سکتے ہیں اور فعل کو مؤنث بھی۔ جیسے، جیسے الشَّمْسُ، الشَّمْسُ سورج کو کہتے ہیں اور یہ عربی میں مؤنث استعمال ہوتا ہے۔ تو آپ کہتے ہیں سورج طلوع ہوا: طَلَعَتِ الشَّمْسُ، کیونکہ سورج مؤنثِ سماعی ہے، عربوں سے ہم نے اس کو مؤنث سنا ہے، لیکن یہ مؤنثِ غیرِ حقیقی ہے تو آپ فعل کو مذکر بھی لا سکتے ہیں مؤنث بھی لا سکتے ہیں۔ طَلَعَ الشَّمْسُ، دیکھو میں فعل کو مذکر لے آیا، طَلَعَتِ الشَّمْسُ میں فعل کو مؤنث لے آیا، تو آپ کو اختیار ہے۔ تو مؤنثِ حقیقی میں جب فصل آ جائے وہاں بھی فعل کے مذکر مؤنث لانے میں اختیار، اور اسی طرح مؤنثِ غیرِ حقیقی جب آئے وہاں چاہے فصل ہو یا نہ ہو وہاں تو آپ کو ویسے ہی اختیار ہے: طَلَعَ الشَّمْسُ اور طَلَعَتِ الشَّمْسُ، یہاں کوئی فصل نہیں لیکن پھر بھی آپ کو اختیار ہے کیونکہ فاعل مؤنثِ غیرِ حقیقی ہے۔

اسی طرح یاد رکھو یہ جو جمع مکسر ہے یہ بھی مؤنثِ غیرِ حقیقی ہے بھئی۔ کیونکہ جمع بتاویلِ جَمَاعَۃٌ کس کے حکم میں ہے؟ واحد مؤنث کے حکم میں ہے، لہٰذا اس کے لیے بھی آپ فعل کو مذکر اور مؤنث دونوں لا سکتے ہیں۔ جیسے الرِّجَالُ، الرِّجَالُ، تو میں کہوں گا ضَرَبَ الرِّجَالُ، ان مردوں نے پٹائی کی۔ اور الرِّجَالُ جمع مکسر ہے جس میں مفرد کا وزن ٹوٹ گیا، اور یہ بھی کیا ہے؟ جمع بتاویلِ جَمَاعَۃٌ کس کے حکم میں؟ واحد مؤنث، لہٰذا میں ضَرَبَتِ الرِّجَالُ بھی کہہ سکتا ہوں۔ ضَرَبَ الرِّجَالُ بھی اور ضَرَبَتِ الرِّجَالُ بھی، فعل کو مذکر بھی لا سکتا ہوں اور مؤنث بھی لا سکتا ہوں۔ لیکن جمع مذکر سالم میں میں ایسا نہیں کر سکتا۔

الْمُسْلِمُونَ، یہ جمع مذکر سالم ہے یہ جمع مکسر نہیں ہے، تو یہاں میں ضَرَبَ الْمُسْلِمُونَ ہی کہوں گا، ضَرَبَتِ الْمُسْلِمُونَ نہیں کہہ سکتا۔ کیوں؟ کیونکہ اگر آپ ضَرَبَتْ لاتے ہیں آپ تو فعل کو مؤنث لے آئے اور الْمُسْلِمُونَ میں وہ واؤ وہ تو مذکر کی علامت ہے، وہاں مذکر کی علامت موجود ہے جمع مذکر کی، اس لیے فعل مؤنث نہیں لا سکتے۔ تو جمع مکسر بھی کیا ہے؟ مؤنثِ سماعی ہے بھئی، آپ اس کے لیے فعل مذکر بھی لا سکتے ہیں اور مؤنث بھی۔ مذکر اس لیے کیونکہ وہ ہے ہی مذکر، مثلاً مذکر کا لفظ ہے، اور مؤنث اس لیے لا سکتے ہیں کیونکہ یہ جمع بتاویلِ جَمَاعَةٌ کس کے حکم میں ہے؟ واحد مؤنث، تو آپ اس کے لیے وہ فعل بھی لا سکتے ہیں، مؤنث کے حکم میں ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟

تو صاحبِ کافیہ فرماتے ہیں: وَالثَّانِي يَتْبَعُهُ فِي الْخَمْسَةِ الْأُوَلِ، اور دوسری قسم جو ہے صفت کی یعنی صفت بِحَالِ مُتَعَلِّقِهِ، وہ موصوف کے تابع ہوتی ہے پہلی پانچ چیزوں میں، وَفِي الْبَوَاقِي كَالْفِعْلِ، اور باقی چیزوں کے اندر وہ صفت، وہ فعل کی طرح ہوگی۔ یعنی فعل کے لیے جب فاعل اسمِ ظاہر آتا ہے فعل کو ہمیشہ مفرد رکھتے ہیں، تو یہاں اس صفت کو بھی، صفت بِحَالِ مُتَعَلِّقِهِ، اس کو بھی ہمیشہ مفرد رکھیں گے۔ اور نیز، نیز فعل کو اس فاعل کے اعتبار سے مذکر یا مؤنث لایا جاتا ہے، تو یہاں پر بھی جو صفت ہوگی آگے آنے والے فاعل کے اعتبار سے اس کو مذکر مؤنث لائیں گے، موصوف کی طرف نظر کرتے ہوئے مذکر یا مؤنث نہیں لائیں گے۔ بات سمجھ میں آرہی ہے؟ بلکہ کچھ مثالیں یہ لکھ لیجیے بھئی پھر بات آپ کو پوری سمجھ میں آجائے گی۔

لکھیے بھئی، یہ چار چھ مثالیں کر لیجیے پھر پورا مسئلہ آپ کو سمجھ میں آجائے گا۔ لکھیے بھئی: مَرَرْتُ بِرَجُلٍ عَالِمٍ أَبُوهُ۔ یہ ہم ترکیب کر چکے ہیں لیکن ایک دفعہ پھر کر لیجیے۔ مَرَرْتُ فعل با فاعل، تَا ضمیر مرفوع محلاً فاعل۔ بَا جارہ، رَجُلٍ مجرور لفظاً موصوف۔ عَالِمٍ مجرور لفظاً اسمِ فاعل۔ مجرور کیوں؟ کیونکہ یہ صفت ہے اور موصوف صفت کا اعراب ایک ہوتا ہے، موصوف اس کا مجرور ہے تو صفت بھی مجرور ہے۔ اور یہ اسمِ فاعل ہے بھئی، اور اسمِ فاعل کے لیے کیا چاہیے؟ فاعل، تو یہ آگے أَبُوهُ یہ اس کے لیے فاعل بن رہا ہے لہٰذا عَالِمٌ کے اندر کوئی ضمیر نہیں۔ آگے أَبُوهُ، اس کے اندر أَبُو مرفوع لفظاً مضاف۔ مرفوع کیوں؟ کیونکہ یہ فاعل ہے عَالِمٍ کے لیے، عَالِمٍ کے لیے کیا ہے؟ فاعل، اور فاعل مرفوع ہوتا ہے، اور مرفوع لفظاً، لفظاً کیوں مرفوع ہے؟ اس کا رفع واؤ کے ساتھ ہے، ہم اس پر تلفظ کر رہے ہیں: اسمائے ستہ مکبرہ موحدہ مضافہ الی غیر یاء المتکلم، ان کا رفع واؤ کے ساتھ، نصب الف کے ساتھ اور جر یا کے ساتھ آتا ہے۔ تو یہ أَبُو مرفوع لفظاً مضاف۔ آپ کو کیسے پتا چلا یہ مضاف ہے؟ ضمیر اس کے ساتھ آگئی ہے اور جس اسم کے ساتھ بھی ضمیرِ متصل آجائے وہ آپس میں کیا بنتے ہیں؟ مضاف مضاف الیہ۔ تو یہ مضاف ہوا اور هَا ضمیر مجرور محلاً مضاف الیہ۔ میں نے هَا ضمیر کہا أَبُوهُ، هُو ضمیر نہیں کہا، حالانکہ عام طلبہ میں یہ رائج غلطی ہے وہ هُو ضمیر کہہ دیتے ہیں، هُو نہیں ہے بھئی۔ میں نے بتایا تھا جو کلمہ ایک حرف پر مشتمل ہو، کلمہ کسے کہتے ہیں؟ بامعنی لفظ جس کا کوئی معنی ہو، اس هَا ضمیر کا بھی ایک معنی ہے یہ کسی ذات پہ دلالت کر

رہی ہے، تو جو بھی کلمہ ہو اور ایک حرف پر مشتمل ہو آپ اس کا نام لینا چاہتے ہیں تو وہ نام لیں گے جو حروفِ تہجی میں ہے، اور حروفِ تہجی میں اس أَبُو کے آخر میں جو حرف جڑا ہوا ہے اس کو کیا کہتے ہیں؟ ہا کہتے ہیں۔ جیسے بِسْمِ اللّٰهِ، آپ ترکیب کرتے ہیں بَا جارہ، کیونکہ وہ بھی ایک حرف پر مشتمل ہے وہ کلمہ، تو اس کا وہی نام لیا آپ نے جو حروفِ تہجی میں تھا، آپ نے بِ جارہ نہیں کہا بھئی۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو یہ هَا ضمیر مجرور محلاً مضاف الیہ، مجرور کیوں؟ مضاف الیہ ہے، محلاً کیوں؟ کیونکہ مبنی ہے، ضمیر ہے، أَبُوهُ میں تو اس پر ضمہ پڑھ رہا ہوں، رفع پڑھ رہا ہوں اور آپ کہہ رہے ہیں یہ مجرور ہے۔ یہ شاباش، یہ ضمیر کی حرکت ہے، یہ اس کا اعراب نہیں ہے کیونکہ یہ مبنی ہے مبنی پر اعراب ظاہر نہیں ہوتا۔ ماقبل میں واؤ تھا، ضمہ تھا، اس لیے اس پر ضمہ ہم نے پڑھ دیا، اگر یا ہوتی تو ہم کسرہ پڑھ دیتے أَبِيهِ۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو یہ اعراب نہیں ہے۔ تو أَبُو، یہ هَا ضمیر مجرور محلاً مضاف الیہ، اور یہ ضمیر راجع ہے موصوف کو، یہ ربط دے رہی ہے۔ اگر یہ ضمیر یہاں نہ ہوتی تو پھر یہ عَالِمٍ أَبُوهُ اس موصوف کے لیے صفت نہ بن سکتا، یہاں کوئی اور لفظ ہوتا ضمیر نہ ہوتی تو پھر یہ صفت نہ بن سکتا۔ تو أَبُوهُ مضاف مضاف الیہ مل کر یہ فاعل ہوئے عَالِمٍ کے لیے، عَالِمٍ صیغہ اسمِ فاعل اپنے فاعل سے مل کر شبہ جملہ ہو کر صفت، تو جملے کو جوڑنے کے لیے بھی ربط چاہیے اور شبہ جملہ کو جوڑنے کے لیے بھی ربط چاہیے اور ہم نے ربط دے دیا۔ تو اسمِ فاعل اپنے فاعل سے مل کر شبہ جملہ ہو کر صفت رَجُلٍ کی، موصوف صفت مل کر یہ مجرور بَا جارہ کے لیے، جار مجرور مل کر یہ متعلق ہوئے مَرَرْتُ فعل سے، فعل اپنے فاعل سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہوا۔ مَرَرْتُ بِرَجُلٍ، میں گزرا ایک ایسے آدمی کے پاس سے عَالِمٍ أَبُوهُ کہ اس کا باپ عالم ہے۔

اب دیکھو یہ صفت بِحَالِ مُتَعَلِّقِهِ ہے۔ میں نے بتایا تھا جب بھی فاعل آگے اسمِ ظاہر آئے سمجھ جائیں یہ صفت بِحَالِ مُتَعَلِّقِهِ ہے۔ تو یہ صفت بِحَالِ مُتَعَلِّقِهِ ہے، عالم وہ رَجُلٌ نہیں ہے بلکہ اس کا باپ ہے۔ صفت بِحَالِ مُتَعَلِّقِهِ کسے کہتے ہیں؟ جو لفظوں میں صفت ہو ایک کی، معنی میں صفت ہو اس کے متعلق کی۔ عَالِمٍ یہ مجرور تھا کیوں؟ کیونکہ یہ صفت ہے رَجُلٍ کی۔ تو لفظوں میں یہ عَالِمٍ صفت ہے کس کی؟ رَجُلٍ کی، لیکن معنی کے اعتبار سے یہ صفت ہے أَبُوهُ کی، اس رَجُلٍ کے باپ کی، عالم اس رَجُلٍ کا باپ ہے رَجُلٍ نہیں ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو یہ کتنی چیزوں میں یہ تابع ہوتی ہے اپنے موصوف کے؟ پانچ چیزوں میں۔ اعراب کے اندر، دیکھو رَجُلٍ مجرور تھا تو عَالِمٍ بھی مجرور۔ اور دوسری کیا چیز تھی؟ تعریف و تنکیر، رَجُلٍ نکرہ ہے تو عَالِمٍ بھی نکرہ ہے۔ باقی افراد، تثنیہ اور جمع اس میں بھی ماقبل کے تابع نہیں ہوگی یہ، اور تذکیر و تانیث میں بھی اس کے تابع نہیں ہوگی۔

اگلی مثال لکھیے بھئی، جلدی جلدی لکھیے بھئی: مَرَرْتُ بِرَجُلٍ عَالِمَةٍ أُمُّهُ۔ مَرَرْتُ فعل با فاعل، تَا ضمیر مرفوع محلاً اس کا فاعل۔ بَا جارہ، رَجُلٍ مجرور لفظاً موصوف۔ عَالِمَةٍ مجرور لفظاً صیغہ اسمِ فاعل، صیغہ اسمِ فاعل، اور اس کے لیے فاعل چاہیے، آگے أُمُّهُ اس کا فاعل ہے۔ اور عَالِمَةٍ مؤنث کا صیغہ کیوں لائے حالانکہ ماقبل میں موصوف رَجُلٌ تو مذکر ہے، شاباش

کیونکہ یہ صفت بِحَالِ مُتَعَلِّقِهِ ہے اور یہ فعل کی طرح ہوتی ہے۔ اور یہ تذکیر و تانیث میں اپنے موصوف کے تابع نہیں ہوتی بلکہ آگے آنے والے فاعل کو دیکھیں گے، اور آگے أُمُّهُ مؤنث فاعل ہے اور مؤنث کے لیے فعل کو ہمیشہ کیا لاتے ہیں؟ مؤنث، تو صفت کو بھی مؤنث لائیں گے۔ تو عَالِمَةٍ کے لیے فاعل أُمُّهُ مؤنث ہے بھئی۔ تو عَالِمَةٍ مجرور لفظاً صیغہ اسمِ فاعل۔ أُمُّهُ اس میں أُمُّ مرفوع لفظاً مضاف۔ أُمُّ کیوں مرفوع؟ کیونکہ یہ فاعل ہے، کیونکہ فاعل۔ اور هَا ضمیر مجرور محلاً مضاف الیہ، اور یہ کس کو راجع؟ رَجُلٌ کو، صفت کو کس سے جوڑتے ہیں؟ موصوف سے۔ تو مضاف اور مضاف الیہ مل کر یہ فاعل ہوئے عَالِمَةٍ کے لیے۔ اور عَالِمَةٍ صیغہ اسمِ فاعل اپنے فاعل سے مل کر شبہ جملہ ہو کر یہ رَجُلٌ کی صفت، اور موصوف صفت مل کر یہ مجرور ہوئے بَا جارہ کے لیے، اور جار مجرور مل کر متعلق ہوئے مَرَرْتُ فعل سے، اور فعل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہوا۔

تو دیکھو مَرَرْتُ بِرَجُلٍ عَالِمَةٍ أُمُّهُ۔ اب یہ عَالِمَةٍ لفظوں میں صفت ہے رَجُلٍ کی لیکن معنی کے اندر یہ أُمُّهُ کی صفت ہے۔ عالمہ وہ اس کی ماں ہے اس شخص کی، وہ شخص عالم نہیں ہے۔ اور دیکھو یہ اعراب کے اندر رَجُلٍ کے تابع ہے: رَجُلٍ مجرور تو عَالِمَةٍ بھی مجرور۔ اور نیز تعریف و تنکیر میں: رَجُلٍ نکرہ تو عَالِمَةٍ بھی نکرہ ہے۔ جبکہ افراد، تثنیہ اور جمع کے اندر ماقبل کے یہ تابع نہیں ہوگی۔ اور نیز تذکیر و تانیث میں بھی یہ ماقبل کے تابع نہیں، چنانچہ دیکھو رَجُلٍ مذکر ہے لیکن عَالِمَةٍ مؤنث ہے کیونکہ اس کا فاعل آگے مؤنث ہے۔ تو یہ فعل کی طرح ہے۔ فعل کا جب فاعل مؤنث آئے تو فعل کو بھی کیا لاتے ہیں؟ مؤنث لاتے ہیں۔

ایک اور مثال کیجیے بھئی۔ رَأَيْتُ امْرَأَةً عَالِمًا أَبُوهَا۔ تو لکھ لیا رَأَيْتُ امْرَأَةً عَالِمًا أَبُوهَا۔ ترکیب کیجیے: رَأَيْتُ فعل با فاعل، تَا ضمیر مرفوع محلاً فاعل۔ امْرَأَةً منصوب لفظاً موصوف۔ اور عَالِمًا منصوب لفظاً صیغہ اسمِ فاعل، اسمِ فاعل۔ اور أَبُوهَا یہ مضاف مضاف الیہ مل کر یہ عَالِمًا کے لیے فاعل، عَالِمًا کے لیے فاعل۔ اور یہ هَا ضمیر کس کو راجع؟ امْرَأَةً کو، کیونکہ یہ ربط کے لیے ضروری ہے یہ ضمیر تو یہ امْرَأَةً کو راجع، اس نے ربط دے دیا۔ تو عَالِمًا صیغہ اسمِ فاعل اپنے فاعل سے مل کر شبہ جملہ ہو کر یہ صفت امْرَأَةً کی، موصوف صفت مل کر یہ مفعول بہ رَأَيْتُ کے لیے۔ رَأَيْتُ فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہوا۔ رَأَيْتُ امْرَأَةً عَالِمًا أَبُوهَا، میں نے دیکھا ایک ایسی عورت کو عَالِمًا أَبُوهَا کہ اس کا باپ عالم ہے۔

اب دیکھو یہ امْرَأَةً موصوف ہے اور عَالِمًا اس کی صفت ہے، تو دونوں کا اعراب ایک جیسا ہونا چاہیے، دونوں کا اعراب ایک جیسا ہے۔ اور نیز تعریف و تنکیر میں بھی دونوں کو ایک جیسا ہونا چاہیے، اور امْرَأَةً نکرہ ہے تو عَالِمًا بھی نکرہ۔ جبکہ باقی پانچ چیزوں میں یعنی افراد، تثنیہ اور جمع میں اور نیز تذکیر و تانیث میں یہ فعل کی طرح ہے۔ تو آگے أَبُوهَا اس کا فاعل مذکر تھا تو عَالِمًا یہ بھی ہم کیا لائے؟ مذکر لائے، حالانکہ موصوف تو مؤنث ہے بھئی۔ بات اچھی طرح سمجھ میں آگئی؟

اب آئیے اس سارے کو شرح کے ساتھ حل کریں بھئی۔ کہتے ہیں: فَالْأَوَّلُ أَيِ النَّعْتُ بِحَالِ الْمَوْصُوفِ، تو اول جو ہے

یعنی صفت بِحَالِ الْمَوْصُوفِ جو ہے، یَتْبَعُهُ أَيِ الْمَوْصُوفَ، وہ تابع ہوتی ہے موصوف کے فِي عَشَرَةِ أُمُورٍ، دس چیزوں میں، يُوجَدُ مِنْهَا فِي كُلِّ تَرْكِيبٍ أَرْبَعَةٌ، ہر ترکیب کے اندر ان دس میں سے چار چیزیں پائی جاتی ہیں: فِي الْإِعْرَابِ، ایک تو اعراب کے اندر، رَفْعًا وَنَصْبًا وَجَرًّا، یعنی کہ رفع، نصب اور جر۔ یہ رَفْعًا وَنَصْبًا وَجَرًّا یہ منصوب ہیں، ان کو مفعول بنا دیں گے يَعْنِي کے لیے۔ يَعْنِي، يَعْنِي، عَنَى يَعْنِي کا معنی ارادہ کرنا۔ يَعْنِي، یعنی کہ مصنف نے ارادہ کیا اعراب سے کس کا؟ رَفْعًا وَنَصْبًا وَجَرًّا، تو یہ مفعول بہ بن جائیں گے يَعْنِي کے لیے۔ وَالتَّعْرِيفِ وَالتَّنْكِيرِ، اور تعریف و تنکیر میں، وَالْإِفْرَادِ وَالتَّثْنِيَةِ وَالْجَمْعِ، اور مفرد، تثنیہ اور جمع ہونے میں، وَالتَّذْكِيرِ وَالتَّأْنِيثِ، اور مذکر اور مؤنث ہونے میں۔

بھئی صاحبِ کافیہ نے بتلایا کہ پہلی قسم جو ہے صفت کی یعنی صفت بِحَالِهِ، وہ موصوف کے تابع ہوتی ہے دس چیزوں میں۔ ان دس چیزوں میں تذکیر و تانیث کو بھی ذکر کیا۔ لیکن یاد رکھو بعض اوقات صفت بِحَالِهِ ہوتی ہے لیکن وہ اپنے موصوف کے مطابق نہیں ہوتی تذکیر و تانیث میں۔ جیسے، جیسے اسمِ تفضیل جو مستعمل بِمِنْ ہو وہ ہمیشہ مذکر رہتا ہے، چاہے آپ اس کو مذکر کی صفت بنائیں چاہے مؤنث کی۔ مثلاً میں کہتا ہوں زید عمرو سے زیادہ پٹائی کرتا ہے، تو میں کہوں گا زَيْدٌ أَضْرَبُ مِنْ عَمْرٍو۔ زَيْدٌ أَضْرَبُ مِنْ عَمْرٍو، زید مذکر ہے تو أَضْرَبُ بھی میں مذکر لایا۔ لیکن یہ مِنْ کے ساتھ استعمال ہو رہا ہے أَضْرَبُ مِنْ عَمْرٍو، اور جب اسمِ تفضیل مِنْ کے ساتھ استعمال ہو تو اس کو اسی طرح رکھتے ہیں مذکر کے لیے بھی مؤنث کے لیے بھی، مفرد ہی رکھتے ہیں تثنیہ بھی نہیں لاتے جمع بھی نہیں لاتے، مفرد بھی رکھتے ہیں اور مذکر بھی رکھتے ہیں۔ تو زَيْدٌ أَضْرَبُ مِنْ عَمْرٍو۔ اب اگر میں کہنا چاہتا ہوں وہ دو زید جو ہیں عمرو سے زیادہ پٹائی کرتے ہیں، تو میں کہوں گا الزَّيْدَانِ أَضْرَبُ مِنْ عَمْرٍو۔ اگر میں کہنا چاہتا ہوں وہ سب زید، تو بھی أَضْرَبُ مفرد رہے گا: الزَّيْدُونَ أَضْرَبُ مِنْ عَمْرٍو۔ اسی طرح مؤنث لے آؤ: هِنْدٌ أَضْرَبُ مِنْ عَمْرٍو، ہند عمرو سے زیادہ پٹائی کرتی ہے۔ دیکھو هِنْدٌ مؤنث ہے لیکن أَضْرَبُ یہاں ضُرِبَتْ مؤنث میں نہیں لے کر آیا کیونکہ یہ أَضْرَبُ اسمِ تفضیل مِنْ کے ساتھ ہے۔ اسی طرح الْهِنْدَانِ أَضْرَبُ مِنْ عَمْرٍو، الْهِنْدَاتُ أَضْرَبُ مِنْ عَمْرٍو، سب کے لیے أَضْرَبُ مِنْ ہی رہے گا۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو دیکھو اسمِ تفضیل مستعمل بِمِنْ جب ہو تو وہ سب کے لیے یکساں رہتا ہے، وہاں تذکیر و تانیث میں مطابقت ضروری نہیں، اور اسی طرح افراد، تثنیہ اور جمع میں بھی مطابقت ضروری نہیں۔

نیز اسی طرح یاد رکھو کہ بعض صیغے ایسے ہیں کہ وہ مذکر مؤنث دونوں کے لیے استعمال ہوتے ہیں، جیسے فَعُولٌ بمعنی فَاعِلٍ کے۔ وہ فَعُولٌ جو فَاعِلٌ کے معنی میں ہو وہ مذکر مؤنث کے لیے یکساں رہتا ہے، جیسے صَبُورٌ، جیسے صَبُورٌ، صَاد سے ہے صَبُورٌ، صبر کرنے والا۔ تو یہ صَبُورٌ جو ہے مذکر مؤنث دونوں کے لیے یکساں رہتا ہے کیونکہ یہ صَبُورٌ بمعنی صَابِرٌ کے ہے۔ صبر کرنے والے کو کیا کہتے ہیں؟ صَابِرٌ، اسمِ فاعل ہے۔ توجہ ہے؟ تو وہ فَعُولٌ جو فَاعِلٌ کے معنی میں ہو وہ مذکر مؤنث کے لیے یکساں رہتا ہے: رَجُلٌ صَبُورٌ، امْرَأَةٌ صَبُورٌ، دیکھو یہاں امْرَأَةٌ مؤنث ہے لیکن صَبُورٌ اسی طرح مذکر آیا کیونکہ یہ دونوں کے لیے یکساں استعمال ہوتا ہے۔ تو یہاں اب آپ یہ نہ کہیں تذکیر و تانیث کا فرق ہے، نہیں نہیں، یہ استعمال ہی دونوں کے

لیے یکساں ہوتا ہے۔

اسی طرح ایک فَعِیلٌ ہوتا ہے، فَعِیلٌ بمعنی مَفْعُولٍ کے۔ فَعِیلٌ بمعنی مَفْعُولٍ کے، وہ بھی مذکر مؤنث کے لیے یکساں رہتا ہے، جیسے جَرِیحٌ بمعنی مَجْرُوحٍ کے۔ مَجْرُوحٌ، مَجْرُوحٌ کا کیا معنی؟ زخمی۔ تو جَرِیحٌ کا معنی بھی زخمی۔ تو یہ جَرِیحٌ بمعنی مَجْرُوحٍ کے ہے یعنی فَعِیلٌ بمعنی مَفْعُولٍ کے ہے، اور جو فَعِیلٌ بمعنی مَفْعُولٍ کے ہو وہ مذکر مؤنث کے لیے یکساں رہتا ہے۔ جیسے رَجُلٌ جَرِیحٌ زخمی آدمی، امْرَأَةٌ جَرِیحٌ زخمی عورت، تو یہ دونوں کے لیے فَعِیلٌ اسی طرح رہے گا۔

تو کون سے صیغے؟ ایک اسمِ تفضیل جو مستعمل بِمِنْ ہو۔ اسی طرح فَعُولٌ بمعنی فَاعِلٍ، اور فَعِیلٌ بمعنی مَفْعُولٍ، یہ مذکر مؤنث کے لیے یکساں رہتے ہیں۔ اور بعض اوقات ایک صفت مؤنث ہوتی ہے لیکن وہ مذکر کے لیے استعمال ہوتی ہے اسی طرح، جیسے عَلَّامَةٌ۔ علامہ کس کو کہتے ہیں؟ بہت زیادہ علم والا۔ اور اس کے آخر میں گول تا ہے اور تا کس چیز کی علامت ہے؟ تانیث کی، لیکن یہ مذکر کے لیے استعمال ہوتی ہے۔ تو اب آپ یہ نہ کہیں کہ یہاں تو صفت بِحَالِهِ ہے اور یہ موصوف کے مطابق نہیں۔ تو ان چند چیزوں کا استثنا ہے، باقی ہمیشہ تذکیر و تانیث میں مطابقت ہوگی۔ بات سمجھ میں آگئی؟

کہتے ہیں: إِلَّا إِذَا كَانَ صِفَةً يَسْتَوِي فِيهَا الْمُذَكَّرُ وَالْمُؤَنَّثُ، مگر یہ کہ وہ ایسی صفت ہو، وہ صفت بِحَالِهِ وہ ایسی صفت ہو يَسْتَوِي فِيهَا الْمُذَكَّرُ وَالْمُؤَنَّثُ جس کے اندر برابر ہوں مذکر اور مؤنث، كَفَعُولٍ بِمَعْنَى فَاعِلٍ، جیسے وہ فَعُولٌ جو فَاعِلٌ کے معنی میں ہوتا ہے، نَحْوُ رَجُلٌ صَبُورٌ وَامْرَأَةٌ صَبُورٌ، رَجُلٌ صَبُورٌ صبر کرنے والا آدمی، وَامْرَأَةٌ صَبُورٌ صبر کرنے والی عورت۔ أَوْ فَعِيلٍ بِمَعْنَى مَفْعُولٍ، یا وہ ایسا فَعِیلٌ ہو جو مَفْعُولٌ کے معنی میں ہو، كَرَجُلٍ جَرِيحٍ وَامْرَأَةٍ جَرِيحٍ، رَجُلٍ کی صفت بھی جَرِیحٍ ہے اور امْرَأَةٍ کی صفت بھی جَرِیحٍ۔ بھئی جیسے بھی آپ پڑھ لیں میں نے بتلایا تھا کہ یہ جو الگ الگ مثالیں بیچ میں آتی ہیں ان پر آپ موقع کے مطابق بھی اعراب پڑھ سکتے ہیں اور آپ ان پر اعرابِ حکائی بھی پڑھ سکتے ہیں۔ موقع کے مطابق كَرَجُلٍ جَرِيحٍ، كاف جارہ ہے تو رَجُلٍ جَرِيحٍ وَامْرَأَةٍ جَرِيحٍ پڑھ لیں، اور یا آپ پڑھیں مرفوع پڑھ لیں كَرَجُلٌ جَرِيحٌ وَامْرَأَةٌ جَرِيحٌ، اور کوئی پوچھے تو آپ کہیں یہ اعرابِ حکائی ہے، یعنی کہیں سے یہ مثال لی گئی وہاں مرفوع تھی تو اس پر ہم نے رفع پڑھ دیا بھئی۔

أَوْ كَانَ صِفَةً مُؤَنَّثَةً تَجْرِي عَلَى الْمُذَكَّرِ كَعَلَّامَةٍ، یا وہ صفت بِحَالِهِ ایسی مؤنث صفت ہو جو جاری ہوتی ہو مذکر پر بھی، كَعَلَّامَةٍ جیسے کہ عَلَّامَةٌ ہے بھئی۔

وَالثَّانِي، اور دوسری قسم جو ہے، أَيِ النَّعْتُ بِحَالِ مُتَعَلِّقِ الْمَوْصُوفِ، یعنی وہ صفت جو موصوف کے متعلق کی حالت کے ساتھ ہوتی ہے یعنی اس کو بیان کرتی ہے، يَتْبَعُهُ فِي الْخَمْسَةِ الْأُوَلِ، وہ موصوف کے تابع ہوتی ہے پہلی پانچ چیزوں میں۔ بھئی پہلی پانچ چیزیں کون سی؟ کہتے ہیں: وَهِيَ الرَّفْعُ وَالنَّصْبُ وَالْجَرُّ وَالتَّعْرِيفُ وَالتَّنْكِيرُ، یہ پانچ چیزیں، وَيُوجَدُ مِنْهَا فِي كُلِّ تَرْكِيبٍ اثْنَانِ، اور ان میں سے دو پائے جاتے ہیں ہر ترکیب کے اندر، ان پانچ میں سے دو چیزیں ہر ترکیب میں آئیں گی: رفع، نصب، جر میں سے ایک آئے گا، اور تعریف و تنکیر میں سے ایک آئے گا۔

وَفِي الْبَوَاقِي مِنْ تِلْكَ الْأُمُورِ الْعَشَرَةِ، اور ان دس چیزوں میں سے باقی کی جو چیزیں ہیں، وَهِيَ أَيْضًا خَمْسَةٌ، اور وہ باقی جو ہیں وہ بھی پانچ ہیں: الْإِفْرَادُ وَالتَّثْنِيَةُ وَالْجَمْعُ وَالتَّذْكِيرُ وَالتَّأْنِيثُ، یہ پانچ چیزیں جو ہیں، ان میں یہ دوسری صفت جو ہے كَالْفِعْلِ کس کی طرح ہے؟ فعل کی طرح ہے، لِشَبَهِهِ بِهِ۔ یہاں لِشِبْهِهِ نہ پڑھنا لِشَبَهِهِ، میں پہلے بھی کئی دفعہ بتلا چکا ہوں ایک ہے شِبْهٌ ایک ہے شَبَهٌ۔ شِبْهٌ کا معنی مِثْلٌ، مِثْل بھئی، اور شَبَهٌ کا معنی ہے مشابہت۔ تو جہاں مشابہت کا معنی بن رہا ہو وہاں شَبَهٌ پڑھیں، اور جہاں مِثْل کا معنی صحیح بنتا ہو وہاں شِبْهٌ پڑھیں۔ تو یہاں شَبَهٌ ہم پڑھیں گے کہ یہ فعل کی طرح ہے لِشَبَهِهِ بِهِ اس وجہ سے کہ اس کی مشابہت ہے فعل کے ساتھ، اس صفت بِحَالِ مُتَعَلِّقِهِ کی مشابہت ہے فعل کے ساتھ۔ يَعْنِي يُنْظَرُ إِلَى فَاعِلِهِ، یعنی اس صفت بِحَالِ مُتَعَلِّقِهِ کے فاعل کی طرف دیکھا جائے گا، فَإِنْ كَانَ مُفْرَدًا أَوْ مُثَنًّى أَوْ مَجْمُوعًا، تو وہ فاعل اگر مفرد ہوا یا تثنیہ ہوا یا جمع ہوا، أُفْرِدَ كَمَا يُفْرَدُ الْفِعْلُ، تو اس صفت بِحَالِ مُتَعَلِّقِهِ کو مفرد لائیں گے كَمَا يُفْرَدُ الْفِعْلُ جیسے فعل کو مفرد لاتے ہیں۔ فعل کا فاعل جب اسمِ ظاہر ہو تو چاہے وہ مفرد ہو، تثنیہ ہو، جمع ہو، فعل کو ہمیشہ کیا لاتے ہیں؟ مفرد: ضَرَبَ زَيْدٌ، ضَرَبَ الزَّيْدَانِ، ضَرَبَ الزَّيْدُونَ۔ تو جیسے فعل کو مفرد لاتے ہیں تو یہ صفت بِحَالِ مُتَعَلِّقِهِ کو بھی مفرد لائیں گے جب فاعل چاہے مفرد ہو، تثنیہ ہو یا جمع ہو۔

وَإِنْ كَانَ مُذَكَّرًا أَوْ مُؤَنَّثًا حَقِيقِيًّا بِلَا فَصْلٍ، اور اگر اس کا فاعل جو ہے مذکر ہو یا ایسا مؤنثِ حقیقی ہو بِلَا فَصْلٍ جو بغیر فصل کے ہو، طَابَقَهُ وُجُوبًا، تو یہ صفت بِحَالِ مُتَعَلِّقِهِ اس فاعل کے مطابق ہوگی وجوباً۔ اگر فاعل مذکر ہوا صفت بِحَالِ مُتَعَلِّقِهِ اس کے مطابق یعنی مذکر لائیں گے: عَالِمٌ أَبُوهَا، عَالِمٌ أَبُوهَا۔ اور اگر فاعل مؤنث ہو اور بغیر فصل کے ہو تو صفت کو بھی مؤنث لائیں گے: عَالِمَةٌ أُمُّهَا۔ بات سمجھ میں آگئی؟ اور بغیر فصل کے ہو، کیونکہ مؤنثِ حقیقی اور فعل کے درمیان فصل آجائے تو پھر فعل کو مذکر لانا بھی جائز اور مؤنث لانا بھی جائز: ضَرَبَ الْيَوْمَ هِنْدٌ اور ضَرَبَتِ الْيَوْمَ هِنْدٌ دونوں طرح آپ کہہ سکتے ہیں۔ تو اسی لیے کہا: وَإِنْ كَانَ مُذَكَّرًا، اگر فاعل مذکر ہو، أَوْ مُؤَنَّثًا حَقِيقِيًّا بِلَا فَصْلٍ، یا ایسا مؤنثِ حقیقی ہو جو بغیر فصل کے ہو، طَابَقَهُ وُجُوبًا، تو یہ دوسری صفت اس فاعل کے مطابق ہوگی وجوباً، كَمَا يُطَابِقُ الْفِعْلُ فَاعِلَهُ فِي التَّذْكِيرِ وَالتَّأْنِيثِ، جیسے فعل اپنے فاعل کے مطابق ہوتا ہے تذکیر اور تانیث میں۔ وَإِنْ كَانَ فَاعِلُهُ مُؤَنَّثًا غَيْرَ حَقِيقِيٍّ، اور اگر اس صفت بِحَالِ مُتَعَلِّقِهِ کا فاعل جو ہے وہ مؤنثِ غیرِ حقیقی ہو، أَوْ حَقِيقِيًّا مَفْصُولًا، یا ایسا مؤنثِ حقیقی ہو جو مفصول ہو، درمیان میں فصل لایا گیا ہو، يُذَكَّرُ أَوْ يُؤَنَّثُ جَوَازًا، تو اس وصف کو مذکر یا مؤنث لائیں گے جوازاً، یعنی مذکر بھی لا سکتے ہیں اور مؤنث بھی لا سکتے ہیں۔ جیسے، جیسے فعل میں تھا: فاعل مؤنثِ حقیقی ہے لیکن فصل آگیا، ضَرَبَ الْيَوْمَ هِنْدٌ اور ضَرَبَتِ الْيَوْمَ هِنْدٌ۔ اور یا مؤنثِ غیرِ حقیقی ہے، پھر چاہے فصل نہ بھی ہو: طَلَعَ الشَّمْسُ اور طَلَعَتِ الشَّمْسُ۔ تو یہ معنی ہے يُذَكَّرُ أَوْ يُؤَنَّثُ جَوَازًا، تو اس صفت کو مذکر یا مؤنث لائیں گے جواز کے طریقے پر۔

تَقُولُ، آپ کہتے ہیں: مَرَرْتُ بِرَجُلٍ قَاعِدٍ غُلَامُهُ۔ دیکھو رَجُلٍ مجرور ہے تو قَاعِدٍ بھی مجرور، اور رَجُلٍ نکرہ ہے تو قَاعِدٍ بھی نکرہ، تو دو چیزوں میں مطابقت۔ اور باقی دو چیزیں تذکیر و تانیث اور افراد، تثنیہ اور جمع، وہ اپنے فاعل کی طرف دیکھ کر ہوگا،

اور غُلَامُهُ مذکر ہے تو قَاعِدٌ بھی کیا لائے؟ مذکر، اور غُلَامُهُ اسمِ ظاہر ہے اور فاعل جب اسمِ ظاہر ہو تو صفت کو، فعل کو ہمیشہ کیا لاتے ہیں؟ مفرد، تو اس لیے قَاعِدٌ بھی مفرد ہے۔ جتنی مثالیں آئیں گی آپ دیکھیں گے سب کے اندر صفت بِحَالِ مُتَعَلِّقِهِ یہ مفرد رہے گی۔ صفت بِحَالِ مُتَعَلِّقِهِ مفرد رہے گی، چاہے موصوف مفرد ہو، تثنیہ ہو، جمع ہو، اس کو نہیں دیکھنا۔ کیوں مفرد رہے گی صفت بِحَالِ مُتَعَلِّقِهِ؟ کیونکہ اس کا فاعل آگے اسمِ ظاہر آرہا ہے، اور جب فعل کا فاعل آگے اسمِ ظاہر آئے تو فعل کو ہمیشہ کیا رکھتے ہیں؟ مفرد رکھتے ہیں، تو لہٰذا صفت بِحَالِ مُتَعَلِّقِهِ بھی ہمیشہ مفرد رہے گی۔

تو کہتے ہیں: مَرَرْتُ بِرَجُلٍ قَاعِدٍ غُلَامُهُ، میں گزرا ایک ایسے آدمی پر قَاعِدٍ غُلَامُهُ کہ اس کا غلام بیٹھا ہوا تھا، مِثْلَ، جیسے کہ یَقْعُدُ غُلَامُهُ، جیسے غُلَامُهُ فاعل تھا تو اس کے لیے یَقْعُدُ فعل لاتے ہیں، مذکر لاتے ہیں، تو ہم بھی قَاعِدٌ کیا لائے؟ مذکر لائے۔

وَبِرَجُلَيْنِ قَاعِدٍ غُلَامَاهُمَا، أَيْ مَرَرْتُ، یہاں بھی مَرَرْتُ نکال لیں: مَرَرْتُ بِرَجُلَيْنِ قَاعِدٍ غُلَامَاهُمَا۔ یہ رَجُلَيْنِ موصوف ہے اور قَاعِدٍ اس کی صفت۔ تو رَجُلَيْنِ نکرہ تو قَاعِدٍ بھی کیا؟ نکرہ۔ اور رَجُلَيْنِ مجرور تو قَاعِدٍ بھی مجرور۔ تو دو چیزوں کے اندر، کون سی دو چیزوں میں مطابقت ہوگی؟ تعریف و تنکیر میں اور اعراب میں۔ تعریف و تنکیر، یہ بار بار دہرائیں بھئی آپ کے ذہن میں بیٹھ جائیں، تعریف و تنکیر اور اعراب میں، اور وہ دونوں یہاں ہیں۔ اور باقی فعل کی طرح ہے، تو آگے غُلَامَاهُمَا ان دونوں کے دو غلام۔ غُلَامَاهُمَا اصل میں کیا تھا؟ غُلَامَانِ، نون اضافت کی وجہ سے گر گیا، ان دونوں کے دو غلام۔ تو دیکھو فاعل تثنیہ ہے لیکن اسمِ ظاہر ہے، اور جب فاعل اسمِ ظاہر ہو تو فعل کو کیا رکھتے ہیں؟ مفرد، تو لہٰذا یہاں پر بھی قَاعِدٍ کو کیا رکھا؟ مفرد رکھا، حالانکہ اگرچہ اس کا موصوف رَجُلَيْنِ تثنیہ ہے۔ تو مَرَرْتُ بِرَجُلَيْنِ قَاعِدٍ غُلَامَاهُمَا، میں گزرا دو ایسے آدمیوں پر کہ بیٹھے ہوئے تھے ان دونوں کے دو غلام۔ تو کہتے ہیں قَاعِدٍ غُلَامَاهُمَا مِثْلَ يَقْعُدُ غُلَامَاهُمَا، جیسے فعل کو دیکھو ان کے يَقْعُدُ غُلَامَاهُمَا، فعل کو غُلَامَاهُمَا اسمِ ظاہر ہے تو يَقْعُدُ فعل کو مفرد مذکر لائے، تو وہاں بھی ہم قَاعِدٍ غُلَامَاهُمَا قَاعِدٌ کو کیا لائے؟ مفرد مذکر لائے۔ توجہ ہے؟ ہر مثال کے ساتھ وہ فعل کو بھی ذکر کرتے جائیں گے، جس طرح کا آپ دیکھیں گے فعل ہوتا ہے اسی قسم کا وہ صفت کا صیغہ بھی ہوگا۔ توجہ ہے؟ تو یہ فعل کیا آیا؟ يَقْعُدُ غُلَامَاهُمَا، فعل مفرد بھی ہے مذکر بھی ہے کیونکہ فاعل اسمِ ظاہر ہے اور مذکر ہے، تو قَاعِدٍ غُلَامَاهُمَا تو قَاعِدٍ صفت کا صیغہ بھی مفرد بھی اور مذکر بھی ہے۔

آگے دیکھیے: وَبِرِجَالٍ قَاعِدٍ غِلْمَانُهُمْ، أَيْ مَرَرْتُ بِرِجَالٍ قَاعِدٍ غِلْمَانُهُمْ۔ دیکھو رِجَالٍ موصوف ہے جمع ہے لیکن قَاعِدٍ مفرد ہے، کیوں؟ کیونکہ غِلْمَانُهُمْ آگے فاعل اسمِ ظاہر آرہا ہے، اور جب فاعل اسمِ ظاہر ہو فعل کو کیا رکھتے ہیں؟ مفرد، تو اس لیے صفت کے صیغے کو بھی کیا رکھا؟ مفرد رکھا، مِثْلُ جیسے کہ يَقْعُدُ غِلْمَانُهُمْ۔ یہ غِلْمَانٌ جمع ہے غُلَامٌ کی لیکن اسمِ ظاہر ہے، اور اسمِ ظاہر فاعل ہو تو فعل کو کیا رکھتے ہیں؟ مفرد، تو يَقْعُدُ غِلْمَانُهُمْ دیکھو فعل مفرد مذکر ہے تو لہٰذا قَاعِدٍ غِلْمَانُهُمْ صفت کو بھی اسی طرح رکھا۔ تو مَرَرْتُ بِرِجَالٍ قَاعِدٍ غِلْمَانُهُمْ، میں گزرا ایسے آدمیوں پر کہ ان کے غلام بیٹھے ہوئے تھے۔

وَمَرَرْتُ بِامْرَأَةٍ قَائِمٍ أَبُوهَا۔ دیکھو امْرَأَةٍ موصوف ہے اور آگے قَائِمٍ اس کی صفت ہے، صفت ہے اور یہ کتنی چیزوں میں اس کے تابع ہوگی؟ تعریف و تنکیر میں اور اعراب میں۔ تو امْرَأَةٍ نکرہ تو قَائِمٍ بھی نکرہ، اور امْرَأَةٍ مجرور تو قَائِمٍ بھی مجرور۔ باقی چیزوں میں یہ فعل کی طرح ہے، اور اس کا فاعل آگے أَبُوهَا مذکر ہے تو قَائِمٌ بھی کیا لائے؟ مذکر لائے اگرچہ اس کا موصوف مؤنث ہے بھئی۔ مَرَرْتُ بِامْرَأَةٍ قَائِمٍ أَبُوهَا، میں گزرا ایک ایسی عورت پر کہ اس کا باپ کھڑا تھا، مِثْلَ يَقُومُ أَبُوهَا، جیسے کہ يَقُومُ أَبُوهَا، أَبُوهَا جب فاعل ہو تو فعل کو مفرد مذکر لاتے ہیں، پیچھے بھی أَبُوهَا فاعل تھا تو قَائِمٌ کو مفرد مذکر لائے۔

وَبِرَجُلٍ قَائِمَةٍ جَارِيَتُهُ۔ اب دیکھو رَجُلٍ موصوف ہے اور قَائِمَةٍ اس کی صفت ہے، اور رَجُلٍ مذکر ہے لیکن قَائِمَةٍ مؤنث لائے، کیوں؟ کیونکہ قَائِمَةٍ کا فاعل جَارِيَتُهُ آگے وہ مؤنث ہے، مؤنثِ حقیقی ہے، اور فاعل جب مؤنثِ حقیقی ہو تو فعل کو کیا لاتے ہیں؟ مؤنث، تو لہٰذا اس لیے یہاں صفت کو بھی قَائِمَةٍ کو بھی کیا لائے؟ مؤنث۔ بِرَجُلٍ قَائِمَةٍ جَارِيَتُهُ، سب کے ساتھ مَرَرْتُ جوڑتے جائیں بھئی ایک دفعہ صاحبِ جامی نے ذکر کر دیا وہ بار بار ذکر نہیں کر رہے۔ تو کہتے ہیں مَرَرْتُ بِرَجُلٍ قَائِمَةٍ جَارِيَتُهُ، میں گزرا ایک ایسے آدمی پر کہ اس کی باندی کھڑی تھی، مِثْلُ تَقُومُ جَارِيَتُهُ، جیسے کہ تَقُومُ جَارِيَتُهُ، جَارِيَتُهُ فعل کے لیے فاعل بنائیں تو فعل کو مؤنث لاتے ہیں اور مفرد لاتے ہیں، تو اسی طرح قَائِمَةٌ صفت کو بھی کیا لائے؟ مفرد اور مؤنث لائے بھئی۔

وَبِرَجُلٍ مَعْمُورٍ أَوْ مَعْمُورَةٍ دَارُهُ۔ مَعْمُورٍ کا معنی آباد ہونا، میں ایک ایسے آدمی پر گزرا مَعْمُورٍ دَارُهُ أَوْ مَعْمُورَةٍ دَارُهُ۔ دیکھو مَعْمُورٍ کون سا صیغہ ہے؟ اسمِ مفعول، اور اسمِ مفعول کے لیے کیا چاہیے؟ نائب الفاعل، تو آگے یہ جو دَارُهُ آ رہا ہے یہ مضاف اور مضاف الیہ مل کر یہ نائب فاعل بنے گا مَعْمُورٍ کے لیے۔ اور دَارٌ یاد رکھو عربی میں مؤنثِ سماعی ہے، اور تو یہ مؤنثِ حقیقی ہے یا غیرِ حقیقی؟ غیرِ حقیقی ہے، کیا ہے؟ مؤنثِ حقیقی تو اسے کہتے ہیں جس کے مقابلے میں مذکر حیوان ہو، تو یہ غیرِ حقیقی ہے، اور جب فاعل مؤنثِ غیرِ حقیقی ہو تو فعل آپ مذکر بھی لا سکتے ہیں مؤنث بھی، تو اسی طرح صفت بھی مذکر بھی اور مؤنث بھی۔ آپ یوں بھی کہہ سکتے ہیں: مَرَرْتُ بِرَجُلٍ مَعْمُورٍ دَارُهُ، دیکھو مَعْمُورٍ مذکر لے آئے۔ یا آپ یوں بھی کہہ سکتے ہیں: مَرَرْتُ بِرَجُلٍ مَعْمُورَةٍ دَارُهُ، میں ایک ایسے آدمی کے پاس سے گزرا کہ اس کا گھر آباد تھا، یعنی گھر میں رونق تھی بیوی بچے تھے۔ آگے: مِثْلَ يُعْمَرُ أَوْ تُعْمَرُ دَارُهُ۔ يُعْمَرُ أَوْ تُعْمَرُ دَارُهُ، یاد رکھو آباد مکان کے لیے عَامِرٌ بھی کہتے ہیں، اسمِ فاعل بھی استعمال کرتے ہیں اور اسمِ مفعول بھی۔ کسی شخص کا گھر آباد ہے تو آپ کہہ سکتے ہیں دَارُهُ عَامِرَةٌ، یا آپ کہہ سکتے ہیں دَارُهُ مَعْمُورَةٌ، دونوں طرح استعمال ہوتا ہے۔ توجہ ہے؟ لہٰذا یہاں يُعْمَرُ آیا تو آپ يَعْمُرُ دَارُهُ أَوْ تَعْمُرُ دَارُهُ بابِ نَصَرَ سے آپ پڑھ سکتے ہیں، لیکن چونکہ پیچھے مَعْمُورٍ اسمِ مفعول ذکر کیا تھا اور اسمِ مفعول کس سے بنتا ہے؟ فعلِ مجہول سے، تو اس کی مناسبت سے ہم بھی یہاں فعلِ مجہول پڑھ لیتے ہیں: مِثْلَ يُعْمَرُ أَوْ تُعْمَرُ دَارُهُ۔ تو دیکھو دَارٌ جب نائب الفاعل بنے تو فعل کو مذکر بھی لا سکتے ہیں اور مؤنث بھی، اس لیے وہاں صفت بھی اس کے مطابق مذکر مؤنث لا سکتے ہیں۔

وَبِرَجُلٍ قَائِمٍ أَوْ قَائِمَةٍ فِي الدَّارِ جَارِيَتُهُ۔ اب دیکھو رَجُلٍ موصوف ہے اور قَائِمٍ اس کی صفت، لیکن آگے اس کا فاعل جَارِيَتُهُ آرہا ہے، کیا آرہا ہے؟ جَارِيَتُهُ، اور درمیان میں فِي الدَّارِ کا فصل آگیا۔ اور جَارِيَةٌ یہ مؤنثِ حقیقی ہے، لیکن مؤنثِ حقیقی جب مفصول ہو جائے فعل سے تو فعل کو مذکر لانا بھی جائز، مؤنث لانا بھی جائز: ضَرَبَ الْيَوْمَ هِنْدٌ اور ضَرَبَتِ الْيَوْمَ هِنْدٌ، تو صفت میں بھی اسی طرح ہوگا کہ قَائِمٌ بھی لا سکتے ہیں اور قَائِمَةٌ بھی۔ تو وَبِرَجُلٍ قَائِمٍ أَوْ قَائِمَةٍ فِي الدَّارِ جَارِيَتُهُ، ترکیب سمجھ میں آرہی ہے؟ مِثْلَ جیسے کہ يَقُومُ أَوْ تَقُومُ فِي الدَّارِ جَارِيَتُهُ، دیکھو جَارِيَتُهُ فصل آیا تو يَقُومُ اور تَقُومُ مذکر مؤنث دونوں فعل لا سکتے ہیں۔ بات سمجھ میں آگئی؟

آگے دیکھیے: فَإِنْ قُلْتَ إِذَا نَظَرْتَ حَقَّ النَّظَرِ وَجَدْتَ الْأَوَّلَ وَهُوَ الْوَصْفُ بِحَالِ الْمَوْصُوفِ أَيْضًا فِي الْخَمْسَةِ الْبَوَاقِي...

یہاں سے ایک اعتراض اور اس کا جواب ذکر کریں گے۔ ادھر دیکھیے، اعتراض یہ ہے، معترض اعتراض کرتا ہے صاحبِ کافیہ اور صاحبِ جامی پر کہ کوئی اگر یہ اعتراض کرے کہ اے صاحبِ کافیہ، اے صاحبِ جامی آپ نے ہمیں کیا کہا؟ کہ صفتِ ثانی جو ہے یعنی صفت بِحَالِ مُتَعَلِّقِهِ جو ہے وہ باقی پانچ چیزوں میں فعل کی طرح ہوتی ہے، باقی پانچ چیزوں میں فعل کی طرح ہوتی ہے، یعنی افراد، تثنیہ اور جمع میں اور تذکیر و تانیث میں۔ تو یہ باقی پانچ چیزوں میں صفتِ ثانی جو ہے وہ فعل کی طرح ہوتی ہے، کہتے ہیں بھئی اگر آپ گہری نظر سے، انصاف کی نظر سے اور غور سے دیکھیں تو پہلی صفت بھی اسی طرح ہے، صفت بِحَالِهِ بھی کیا ہے؟ وہ بھی فعل کی طرح ہے۔ وہ بھی ان پانچ چیزوں میں کس چیز کی طرح ہے؟ فعل کی طرح ہے۔ تو پھر آپ نے کیسے صرف صفت بِحَالِ مُتَعَلِّقِهِ کو خاص کر دیا، اس کے بارے میں آپ نے کہا کہ وہ باقی پانچ چیزوں میں فعل کی طرح ہے؟ بھئی یہ بات تو پہلی صفت کے اندر بھی ہے صفت بِحَالِهِ میں بھی ہے۔ یہاں تک بات سمجھ میں آ گئی؟

جیسے دیکھو کس طرح؟ دیکھو فعل میں دیکھو، يَضْرِبُ، ایک کے لیے کیا کہتے ہیں؟ يَضْرِبُ۔ دو کے لیے کیا کہتے ہیں؟ يَضْرِبَانِ، تو تثنیہ کے لیے الف لے آتے ہیں فعل میں۔ جمع کے لیے کیا کہتے ہیں؟ يَضْرِبُونَ، جمع مذکر کے لیے واوٗ لے آتے ہیں۔ اور جمع مؤنث کے لیے يَضْرِبْنَ، نون لے آتے ہیں، اور مؤنث کے لیے مؤنث کا صیغہ لے آتے ہیں تَضْرِبُ۔ تو یہی چیزیں تو صفت بِحَالِهِ میں بھی ہیں، مثلاً: رَجُلٌ ضَارِبٌ، رَجُلَانِ ضَارِبَانِ تثنیہ کے لیے الف آگیا، رِجَالٌ ضَارِبُونَ جمع کے لیے واوٗ آگیا، نِسْوَةٌ ضَارِبَاتٌ تو جیسے وہاں جمع مؤنث کے لیے نون آتا تھا یہاں جمع مؤنث کے لیے تا آگئی ضَارِبَاتٌ والی، اور جیسے وہاں مؤنث کے لیے فعل مؤنث آتا تھا تَضْرِبُ، فعل مؤنث آتا تھا مؤنث کے لیے، تو یہاں بھی امْرَأَةٌ ضَارِبَةٌ صفت بھی مؤنث لاتے ہیں۔ تو یہ بھی کس کی طرح ہے؟ صفت بِحَالِهِ بھی ان پانچ چیزوں میں کس کی طرح ہے؟ فعل کی طرح ہے۔ تو پھر آپ نے خاص طور پر صفت بِحَالِ مُتَعَلِّقِهِ کے بارے میں کیوں کہا کہ وہ فعل کی طرح ہے؟

اعتراض سمجھ میں آیا؟ دیکھیے پہلے اعتراض دیکھ لیں کتاب پر دیکھیے: فَإِنْ قُلْتَ، اگر آپ یہ کہیں یعنی اگر آپ یہ اعتراض

کریں، إِذَا نَظَرْتَ حَقَّ النَّظَرِ کہ اگر آپ حق نظر ڈالیں یعنی انصاف کی نظر سے دیکھیں، یعنی انصاف کے ساتھ غور و فکر کریں، إِذَا نَظَرْتَ حَقَّ النَّظَرِ کہ اگر آپ انصاف کی نظر سے دیکھیں، وَجَدْتَ الْأَوَّلَ وَهُوَ الْوَصْفُ بِحَالِ الْمَوْصُوفِ أَيْضًا فِي الْخَمْسَةِ الْبَوَاقِي، تو آپ پائیں گے کہ وہ جو پہلا ہے یعنی وصف بِحَالِ الْمَوْصُوفِ وہ بھی باقی پانچ چیزوں میں كَالْفِعْلِ کس کی طرح ہے؟ فعل کی طرح ہے، لِأَنَّ فَاعِلَهُ الضَّمِيرُ... آپ کی کتابوں میں بھی كَالضَّمِيرِ ہے، کاف جارہ ہے؟ یاد رکھو یہ کاف یہاں نہیں ہونا چاہیے، یا تو یہ کتابت کی غلطی ہے۔ جامی کے بعض نسخوں کے اندر یہ کاف موجود نہیں، اور اس کو موجود نہیں ہونا چاہیے ورنہ بات صحیح نہیں بنتی۔ جبکہ بعض بین السطور میں بعض کتابوں میں بعض علماء نے لکھا کہ یہ کاف جارہ زائدہ ہے، یہ کاف جارہ زائدہ ہے، لیکن یہ کاف جارہ زائدہ کا محل نہیں لگ رہا۔ تو بہرحال اس کو یا زائدہ بنانا پڑے گا یا یہ کہنا پڑے گا یہ کتابت کی غلطی ہے کیونکہ اس کے ساتھ بات درست نہیں بنتی۔ کہتے ہیں لِأَنَّ فَاعِلَهُ، ذرا کاف کو ہٹا دیں، لِأَنَّ فَاعِلَهُ الضَّمِيرُ الْمُسْتَكِنُّ فِيهِ، اس لیے کیونکہ، کیونکہ یہ صفت کا جو فاعل ہوتا ہے، صفت بِحَالِهِ کا جو فاعل ہوتا ہے، الضَّمِيرُ الْمُسْتَكِنُّ فِيهِ، وہ اس کے اندر وہ چھپی ہوئی ضمیر ہوتی ہے، مُسْتَكِنّ چھپی ہوئی یہ نون مشدد ہے كَنٌّ اس کا مادہ ہے، مَكْنُون قرآن میں بھی آتا ہے چھپی ہوئی، چھپائی ہوئی، الضَّمِيرُ الْمُسْتَكِنُّ فِيهِ وہ ضمیر جو اس کے اندر چھپی ہوئی ہوتی ہے، الرَّاجِعُ إِلَى مَوْصُوفِهِ اور لوٹ رہی ہوتی ہے اس کے موصوف کی طرف۔ صفت بِحَالِهِ کے اندر ہمیشہ ضمیر چھپی ہوئی ہوتی ہے اور وہ کس کی طرف لوٹتی ہے؟ اپنے موصوف کی طرف۔ تو صفت بِحَالِهِ: جَاءَنِي رَجُلٌ ضَارِبٌ، جَاءَنِي رَجُلَانِ ضَارِبَانِ، جَاءَنِي رِجَالٌ ضَارِبُونَ، توجہ ہے؟

یاد رکھو فعل کے اندر جو الف اور واؤ آتے ہیں یہ ضمیریں ہیں: ضَرَبَ، ضَرَبَا، یہ الف کیا ہے؟ ضمیر ہے تثنیہ کی۔ ضَرَبُوا، یہ واؤ کیا ہے؟ ضمیر ہے جمع کی۔

توجہ ہے؟ تو فعل کے اندر جو الف اور واؤ آتے ہیں وہ ضمیریں ہیں۔ لیکن صفت کے صیغوں میں یہ جو الف اور واؤ آتے ہیں یاد رکھنا، یہ ضمیریں نہیں ہیں، یہ صرف تثنیہ اور جمع کی علامتیں ہیں۔ ضَارِبَانِ، فاعل کیا؟ اب آپ یہ نہ کہیں یہ الف فاعل ہے، نہیں نہیں، یہ الف فاعل نہیں ہے، فاعل جو ہے وہ ضمیر ہے جو اس کے اندر چھپی ہوئی ہے، یہ الف صرف تثنیہ کی علامت ہے۔ توجہ ہے؟ اسی طرح ضَارِبُونَ، اس کے اندر فاعل کی ضمیر هُمْ ضمیر ہے، یہ واؤ ضمیر نہیں ہے۔ بھئی کیا دلیل کیا ہے یہ ضمیر نہیں ہے؟ دلیل میں پہلے بھی بیان کر چکا کہ یہ حالتِ نصبی جری میں بدل جاتی ہے: ضَارِبٌ ضَارِبَانِ اور ضَارِبُونَ، ان دونوں کو ذرا حالتِ نصبی جری میں لے جائیں: ضَارِبَانِ ضَارِبَيْنِ، اور ضَارِبُونَ ضَارِبِينَ۔ تو دیکھو وہ الف کس سے بدل گیا؟ یا سے۔ اسی طرح وہ واؤ بھی کس سے بدل گیا؟ یا سے۔ معلوم ہوا یہ ضمیریں نہیں۔ اگر ضمیریں ہوتیں تو یہ نہ بدلتیں بھئی، ان کا بدلنا بتا رہا ہے یہ صرف تثنیہ اور جمع کی علامتیں ہیں ضمیر نہیں، ضمیر ان کے اندر چھپی ہوئی ہے۔ تو ضمیر صفت کے صیغے میں ہمیشہ چھپی ہوتی ہے، وہ الف اور واؤ ضمیریں نہیں ہوتیں۔

تو یہ ایک دلیل ہے، اگر یہ ضمیر ہوتیں تو یہ حالتِ نصبی جری میں یہ الف اور واؤ یا سے نہ بدلتے۔ دوسری دلیل یہ ہے کہ

یہ صفت، کہ یہ ضمیریں نہیں ہیں، کہ یہ صرف مشتق میں نہیں آتے الف اور واؤ، غیرِ مشتق میں بھی آتے ہیں: رَجُلٌ رَجُلَانِ، یہ الف آگیا یا نہیں؟ حالانکہ رَجُلٌ وہ تو مشتق ہی نہیں اس کے لیے تو کسی فاعل کی ضرورت ہی نہیں ہے۔ اسی طرح زَیْدٌ الزَّیْدَانِ الزَّیْدُونَ، زَیْدٌ بھی مشتق نہیں ہے اس میں بھی الف اور واؤ آتا ہے، تو اس الف اور واؤ کا یا سے بدلنا اور نیز ان کا غیرِ مشتق میں بھی آنا یہ دلیل ہے اس بات کی کہ یہ ضمیریں نہیں ہیں بھئی۔

اب مجھے بتائیے: رَجُلٌ ضَارِبٌ، رَجُلَانِ ضَارِبَانِ، رِجَالٌ ضَارِبُونَ۔ رَجُلٌ ضَارِبٌ، ضَارِبٌ کے اندر کون سی ضمیر؟ هُوَ ضمیر چھپی ہوئی ہے، مستکن ہے۔ رَجُلَانِ ضَارِبَانِ، ضَارِبَانِ میں هُمَا ضمیر چھپی ہوئی ہے۔ رِجَالٌ ضَارِبُونَ، ضَارِبُونَ کے اندر هُمْ ضمیر چھپی ہوئی ہے۔ تو ضمیر اس صفت کے صیغے میں ہمیشہ چھپی ہوتی ہے، کبھی بھی ظاہر نہیں۔ لہٰذا اگر کہا جائے لِأَنَّ فَاعِلَهُ كَالضَّمِيرِ الْمُسْتَكِنِّ، جیسے کہ ضمیرِ مستکن، جیسے کہ ضمیرِ مستکن، تو اس کا تو معنی ہو جائے گا کبھی ضمیرِ مستکن نہیں بھی ہوتی، حالانکہ ہمیشہ ضمیرِ مستکن فاعل ہوتی ہے، تو لہٰذا یہ کاف کیا ہے؟ زائد ہے، یا یہ کتابت کی غلطی ہے۔ جیسے کہ ضمیرِ مستکن ہوتی ہے، جیسے کا لفظ نہیں ہونا چاہیے، صفت کے صیغے میں ہمیشہ ضمیرِ مستکن ہی فاعل ہوگی، ضمیرِ بارز فاعل نہیں ہو سکتی۔ تو اس لیے یہ کہا میں نے کہا یہ کاف کتابت کی غلطی ہے یا زائد ہے۔

کہتے ہیں: لِأَنَّ فَاعِلَهُ الضَّمِيرُ الْمُسْتَكِنُّ فِيهِ الرَّاجِعُ إِلَى مَوْصُوفِهِ، اس لیے کیونکہ یہ صفت بِحَالِهِ کا جو فاعل ہے وہ ضمیر جو اس کے اندر چھپی ہوئی ہوتی ہے اور لوٹ رہی ہوتی ہے اس کے موصوف کی طرف، وَالْفِعْلُ إِذَا أُسْنِدَ إِلَى الضَّمِيرِ، اور فعل جب اس کا اسناد کیا جائے ضمیر کی طرف، يَلْحَقُهُ الْأَلِفُ فِي التَّثْنِيَةِ، تو فعل کے ساتھ الف مل جاتا ہے تثنیہ میں، وَالْوَاوُ فِي جَمْعِ الْمُذَكَّرِ الْعَاقِلِ، اور فعل کے ساتھ واؤ مل جاتا ہے جمع مذکر عاقل کے اندر، وَالنُّونُ فِي جَمْعِ الْمُؤَنَّثِ، اور فعل کے ساتھ نون مل جاتا ہے جمع مؤنث میں، وَيُؤَنَّثُ فِي الْوَاحِدِ الْمُؤَنَّثِ، اور فعل کو مؤنث لاتے ہیں واحد مؤنث میں، وَلِذَلِكَ قُلْتَ، اسی وجہ سے آپ کہتے ہیں: مَرَرْتُ بِرَجُلٍ ضَارِبٍ وَبِرَجُلَيْنِ ضَارِبَيْنِ، دیکھو رَجُلَيْنِ ضَارِبَيْنِ، وہی الف کس سے بدل گیا؟ یا سے، تو دیکھو الف جوڑ دیا تثنیہ میں، اور وَبِرِجَالٍ ضَارِبِينَ، یہ ضَارِبُونَ تھا حالتِ نصبی جری میں کیا ہے؟ یا، تو دیکھو صفت کے صیغوں میں بھی الف اور واؤ جوڑ رہے ہیں، وَبِامْرَأَةٍ ضَارِبَةٍ، اور جیسے امْرَأَةٌ ضَارِبَةٌ دیکھو مؤنث کے لیے فعل مؤنث لاتے ہیں تو یہاں امْرَأَةٌ کے لیے ضَارِبٌ صفت کیا لائے؟ ضَارِبَةٌ صفت مؤنث لائے، وَبِامْرَأَتَيْنِ ضَارِبَتَيْنِ، اور یہاں پر بھی دیکھو تثنیہ کے لیے ضَارِبَتَانِ اصل میں کیا تھا؟ ضَارِبَتَانِ الف تھا، پھر یہ حالتِ جری میں یہ یا سے بدل گیا، وَبِنِسْوَةٍ ضَارِبَاتٍ، اور جمع مؤنث میں نون لاتے ہیں تو یہاں صفت کے صیغے میں جمع مؤنث کے لیے یہ لمبی تا لے آتے ہیں۔ بات سمجھ میں آگئی؟

تو معلوم ہوا صفت کے صیغے کس کی طرح ہیں؟ فعل کی طرح۔ تو چاہے صفت بِحَالِهِ ہو چاہے صفت بِحَالِ مُتَعَلِّقِهِ ہو دونوں فعل کی طرح ہیں۔ تو پھر آپ نے صرف صفت بِحَالِ مُتَعَلِّقِهِ کے بارے میں کیوں کہا کہ وَفِي الْبَوَاقِي كَالْفِعْلِ؟

تو کہتے ہیں: كَمَا تَقُولُ فِي الْفِعْلِ، جیسے کہ آپ فعل میں کہتے ہیں: يَضْرِبُ وَيَضْرِبَانِ وَيَضْرِبُونَ وَتَضْرِبُ وَتَضْرِبَانِ وَيَضْرِبْنَ، تو اس کے اندر دیکھو جب ضمیر کی طرف فعل کا اسناد کیا جائے تو دیکھو تثنیہ کے لیے يَضْرِبَانِ الف لے آتے ہیں، جمع کے لیے يَضْرِبُونَ واوؤ لے آتے ہیں، تَضْرِبُ مؤنث کے لیے لے آتے ہیں، تَضْرِبَانِ تثنیہ کے لیے الف لے آتے ہیں، اور يَضْرِبْنَ جمع مؤنث کے لیے نون لے آتے ہیں۔ فَلِمَ خَصَصْتَ الثَّانِيَ بِهَذَا الْحُكْمِ؟ تو آپ نے دوسری صفت کو اس حکم کے ساتھ خاص کیوں کیا؟ یہ تو پہلے میں بھی اسی طرح ہے۔

تو اب جواب دیں گے، صاحبِ جامی جواب دیں گے کہ بھئی ہاں آپ کی بات ٹھیک ہے، دونوں صفتیں فعل کی طرح ہیں۔ لیکن یہاں پر یہ بیان کرنا مقصد ہے کہ یہ دونوں صفتیں کتنی چیزوں میں اپنے متبوع کے، اپنے موصوف کے تابع ہوتی ہیں؟ تو پہلی صفت دس کی دس چیزوں میں تابع ہوتی ہے، اور دوسری صفت پانچ چیزوں میں تابع ہوتی ہے۔ اور دونوں قسمیں پانچ چیزوں میں فعل کی طرح ہیں، پانچ چیزوں میں، لیکن جو پہلی قسم ہے وہ فعل کی طرح ہونے کے باوجود صفت کے تابع رہتی ہے، صفت کے، صفت مذکر ہو تو وہ مذکر رہتی ہے، صفت تثنیہ ہو تو وہ تثنیہ، صفت جمع ہو تو وہ جمع رہتی ہے۔ جیسے مثالیں گزریں ابھی گزریں: مَرَرْتُ بِرَجُلٍ ضَارِبٍ وَبِرَجُلَيْنِ ضَارِبَيْنِ، آپ دیکھتے جاؤ یہ صفتیں کس کی طرح ہیں؟ فعل کی طرح ہیں، لیکن فعل کی طرح ہونے کے باوجود یہ پھر بھی تابع ہونے سے نہیں نکلیں: مَرَرْتُ بِرَجُلٍ ضَارِبٍ، رَجُلٍ مفرد مذکر تھا تو ضَارِبٍ بھی مفرد مذکر آیا۔ بِرَجُلَيْنِ ضَارِبَيْنِ، رَجُلَيْنِ یہ تثنیہ مذکر ہے تو ضَارِبَيْنِ بھی کیا لے آئے؟ تثنیہ مذکر۔ بِرِجَالٍ ضَارِبِينَ، رِجَالٍ جمع مذکر ہے تو ضَارِبِينَ بھی جمع مذکر۔ وَبِامْرَأَةٍ ضَارِبَةٍ، امْرَأَةٌ واحد مؤنث ہے تو ضَارِبَةٍ بھی واحد مؤنث ہے۔ وَبِامْرَأَتَيْنِ ضَارِبَتَيْنِ، امْرَأَتَيْنِ تثنیہ مؤنث ہے تو ضَارِبَتَيْنِ بھی تثنیہ مؤنث ہے۔ اور وَبِنِسْوَةٍ ضَارِبَاتٍ، نِسْوَةٌ جمع مؤنث ہے تو ضَارِبَاتٍ بھی کیا ہے؟ جمع مؤنث۔ تو دیکھو یہ جو صفتیں ہیں یہ صفت بِحَالِهِ یہ پانچ چیزوں میں یہ بھی فعل کی طرح ہے، لیکن فعل کی طرح ہونے کے باوجود یہ اپنے موصوف کے تابع ہی رہتی ہے۔ کس کے تابع؟ اپنے موصوف کے تابع۔ کیا موصوف کے تابع ہونے سے وہ نکل گئی؟ نہیں۔ ہے فعل کی طرح لیکن دیکھو پھر بھی موصوف کی طرح ہے۔ بات سمجھ میں آرہی ہے؟

جبکہ دوسری قسم جو ہے وہ پانچ چیزوں میں وہ بھی فعل کی طرح لیکن وہ فعل کی طرح ہونے کی وجہ سے تابع ہونے سے نکل جاتی ہے، وہ تابع نہیں رہتی، اور پہلی قسم تابع ہی رہتی ہے ہر حال کے اندر۔ لہٰذا اس لیے اس کو خاص طور پر ذکر کیا۔ اس میں بتا دیا تھا کہ یہ پانچ چیزوں میں متبوع کے تابع ہے، تو باقی پانچ میں یہ کس کے تابع ہے یہ پتا نہیں چل رہا تھا، اس لیے اس کو خاص طور پر بیان کیا یہ کس کی طرح ہے؟ فعل کی طرح ہے، یعنی اپنے موصوف کے تابع اب یہ نہیں رہے گی فعل جیسی رہے گی۔ جبکہ پہلی قسم وہ بھی فعل کی طرح ہے لیکن فعل کی طرح ہونے کے باوجود وہ تابع ہونے سے نہیں نکلتی وہ پھر بھی تابع ہی رہتی ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟

قُلْنَا، تو ہم کہتے ہیں: الْمَقْصُودُ الْأَصْلِيُّ فِي هَذَا الْمَقَامِ، کہ اصلی مقصود جو ہے اس مقام پر بَيَانُ نِسْبَةِ الْوَصْفَيْنِ إِلَى

الْمَوْصُوفِ وہ موصوف کی طرف ان دو وصفوں کی نسبت کو بیان کرنا ہے بِالتَّبَعِيَّةِ وَعَدَمِهَا تابع اور عدمِ تابع ہونے میں، وَلَمَّا كَانَ الْوَصْفُ الْأَوَّلُ يَتْبَعُهُ فِي الْأُمُورِ الْعَشَرَةِ اور جب پہلا وصف جو ہے وہ اپنے موصوف کے تابع ہوتا ہے دس چیزوں میں، وَكَانَ لَا تُخْرِجُهُ مُشَابَهَتُهُ لِلْفِعْلِ اور فعل کے ساتھ اس کی مشابہت یہ اس پہلی صفت کو نکالتی نہیں ہے فِي الْخَمْسَةِ الْبَوَاقِي عَنْ هَذِهِ التَّبَعِيَّةِ باقی پانچ چیزوں میں بھی اس تابع ہونے سے۔ پہلی قسم فعل کے مشابہ ہے لیکن پھر بھی وہ تابع ہونے سے نکلتی نہیں وہ یوں ہی معلوم ہوتا ہے تابع ہی ہے۔ تو کہتے ہیں: وَلَمَّا كَانَ الْوَصْفُ الْأَوَّلُ اور جب پہلا وصف جو ہے يَتْبَعُهُ فِي الْأُمُورِ الْعَشَرَةِ وہ دس چیزوں میں تابع ہے اپنے موصوف کے، وَكَانَ لَا تُخْرِجُهُ مُشَابَهَتُهُ لِلْفِعْلِ اور اس کی جو مشابہت ہے فعل کے ساتھ یہ اس کو نکالتی نہیں ہے فِي الْخَمْسَةِ الْبَوَاقِي باقی پانچ چیزوں کے اندر بھی عَنْ هَذِهِ التَّبَعِيَّةِ اس تابع ہونے سے، لِمَا عَرَفْتَ اس وجہ سے جو آپ نے جان لیا وہ جو اوپر ہم نے مثالیں ذکر کر دیں بھئی: رَجُلٌ ضَارِبٌ، رَجُلَانِ ضَارِبَانِ وغیرہ۔

اِكْتَفَى فِيهِ بِالْحُكْمِ عَلَيْهِ بِالتَّبَعِيَّةِ، اس لیے وہاں پر پہلی قسم میں مصنف نے اکتفا کیا ان پر تابع ہونے کے حکم کے ساتھ۔ وہاں صرف اتنا کہہ دیا یہ متبوع کے، موصوف کے دس چیزوں میں تابع ہے۔ اب فعل کی طرح ہے لیکن پھر بھی تابع ہی رہتی ہے۔ بِخِلَافِ الْوَصْفِ الثَّانِي، بخلاف وصفِ ثانی کے، فَإِنَّهُ لَمَّا حَكَمَ عَلَيْهِ بِالتَّبَعِيَّةِ فِي الْخَمْسَةِ الْأُوَلِ، کیونکہ جب اس کے اندر حکم لگا دیا تابع ہونے کا پہلی پانچ قسموں میں، لَمْ يَكْتَفِ فِيهِ بِالْحُكْمِ بِعَدَمِ التَّبَعِيَّةِ، تو باقی پانچ کے اندر تابع نہ ہونے کے حکم پر اکتفا نہیں کیا۔ بھئی جب دوسری قسم میں کیا بتایا؟ یہ پہلی پانچ چیزوں میں تابع، اس سے کیا پتا چلا؟ باقی پانچ میں تابع نہیں، اور تفصیل کا تو پتا نہیں چلا، لیکن اتنا تو پتا چل گیا کہ باقی چیزوں میں وہ موصوف کے تابع نہیں، لیکن پوری بات کا علم نہیں ہوا کہ جب وہ موصوف کے تابع نہیں ہیں تو پھر کس طرح ہوں گی؟ تو لہٰذا اس لیے ان میں خاص طور پر بتایا باقی پانچ میں وہ فعل کی طرح ہیں۔ بات سمجھ میں آئی؟ کہ دوسری قسم میں کیا بتایا تھا؟ کہ پہلے پانچ میں یہ تابع ہے باقی میں تابع نہیں، تو اتنا تو پتا چل گیا باقی میں تابع نہیں، تو پھر بھئی باقی جو تابع نہیں ہیں تو کس طرح ہیں یہ تو پتا نہیں چلا۔ اس بات کا ابھی بھی پتا نہیں چلا تھا اس لیے آگے بالخصوص اس کو بیان کیا کہ باقی چیزوں میں وہ فعل کی طرح ہوگی۔ بات سمجھ میں آگئی؟

تو کہتے ہیں: فَإِنَّهُ لَمَّا حَكَمَ عَلَيْهِ بِالتَّبَعِيَّةِ فِي الْخَمْسَةِ الْأُوَلِ، اس لیے کیونکہ مصنف صاحبِ کافیہ نے جب حکم لگا دیا صفت بِحَالِ مُتَعَلِّقِهِ پر بِالتَّبَعِيَّةِ فِي الْخَمْسَةِ الْأُوَلِ پہلی پانچ چیزوں میں تابع ہونے کا، جب صاحبِ کافیہ نے صفت بِحَالِ مُتَعَلِّقِهِ پر حکم لگا دیا کہ یہ پہلی پانچ چیزوں میں تابع ہے، لَمْ يَكْتَفِ فِيهِ بِالْحُكْمِ بِعَدَمِ التَّبَعِيَّةِ، تو اکتفا نہیں کیا اس کے اندر عدمِ تبعیت کے حکم پر۔ اتنا تو پتا چل گیا جب کہا کہ یہ قسمِ ثانی پانچ چیزوں میں تابع ہے، تو اتنا تو پتا چل گیا کہ باقی پانچ میں تابع نہیں، تو اس تابع نہ ہونے پر صرف اکتفا نہیں کیا، کیوں؟ فَإِنَّهُ غَيْرُ مَضْبُوطٍ، کیونکہ اس سے پوری بات کا ضبط نہیں ہو رہا

تھا، پوری بات کا پتا نہیں چل رہا تھا کہ جب تابع نہیں ہے تو پھر کس طرح ہوگی۔ لہٰذا اس پر اکتفا نہیں کیا، بَلْ بَيَّنَ ضَابِطَةَ عَدَمِ تَبَعِيَّتِهِ لَهُ، بلکہ مصنف نے بیان فرمایا صفت بِحَالِ مُتَعَلِّقِهِ کے تابع نہ ہونے کے ضابطے کو، بِكَوْنِهِ كَالْفِعْلِ، کہ یہ جو ہے یہ صفت بِحَالِ مُتَعَلِّقِهِ فعل کی طرح ہوتی ہے، بِالنِّسْبَةِ إِلَى الظَّاهِرِ، نسبت کرتے ہوئے وہ جو اسمِ ظاہر آرہا ہے بَعْدَهُ اس کے بعد۔ وہ جو اسمِ ظاہر اس صفت، ادھر دیکھیے، صفت بِحَالِ مُتَعَلِّقِهِ اس کے لیے آگے فاعل کیا آئے گا؟ اسمِ ظاہر۔ تو یہ صفت اس اسمِ ظاہر کی طرف نسبت کرتے ہوئے کس کی طرح ہے؟ فعل کی طرح ہے۔ یہ بیان فرما رہے ہیں۔

پھر دیکھیے کہتے ہیں: بَلْ بَيَّنَ ضَابِطَةَ عَدَمِ تَبَعِيَّتِهِ لَهُ، بلکہ مصنف نے صفت بِحَالِ مُتَعَلِّقِهِ کے تابع نہ ہونے کا موصوف کے اس کے لیے ضابطہ بیان فرمایا بِكَوْنِهِ كَالْفِعْلِ کہ یہ جو ہے یہ صفت بِحَالِ مُتَعَلِّقِهِ فعل کی طرح ہے بِالنِّسْبَةِ إِلَى الظَّاهِرِ، وہ جو اسمِ ظاہر آرہا ہے اس کی طرف نسبت کرتے ہوئے، بَعْدَهُ اس کے بعد، وہ جو اس کے بعد اسمِ ظاہر آرہا ہے اس کی نسبت سے یہ صفت بِحَالِ مُتَعَلِّقِهِ فعل کی طرح ہے۔ لِيَتَبَيَّنَ حَالُهُ عِنْدَ عَدَمِ التَّبَعِيَّةِ، تاکہ ظاہر ہو جائے حَالُهُ اس وصفِ ثانی کا حال عِنْدَ عَدَمِ التَّبَعِيَّةِ تابع نہ ہوتے وقت۔ پانچ چیزوں میں تو تابع ہے وہ حال تو پتا چل گیا موصوف کے مطابق آئے گی، اور پانچ چیزوں میں تابع نہیں اس کے لیے بھی ضابطہ بیان کر دیا کہ وہ کس کی طرح ہے؟ فعل کی طرح ہے، تو جن چیزوں میں وہ تابع نہیں اس حال کا بھی پتا چل گیا۔ یہ معنی ہے لِيَتَبَيَّنَ حَالُهُ، تاکہ اس وصفِ ثانی کا حال جو ہے ظاہر ہو جائے، واضح ہو جائے، عِنْدَ عَدَمِ التَّبَعِيَّةِ تابع نہ ہوتے وقت بھئی، یعنی جن چیزوں میں تابع نہیں ان میں بھی اس کا حال واضح ہو جائے۔ اس لیے خاص طور پر اس کے بارے میں کہا کہ یہ باقی پانچ چیزوں میں فعل کی طرح ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟

تو حاصلِ کلام کیا ہوا؟ اعتراض کیا ہوتا تھا کہ آپ نے کہا صفتِ ثانی جو ہے وہ فعل کی طرح ہے باقی پانچ چیزوں میں، حالانکہ صفتِ اول بھی فعل کی طرح ہے۔ تو جواب دیا کہ بھئی یہاں پر اصل مقصود یہ بیان کرنا ہے کہ دو صفتوں میں سے کون سی صفت کتنی چیزوں میں موصوف کے تابع ہوتی ہے اور کتنی چیزوں میں موصوف کے تابع نہیں۔ صفتِ اول دس کی دس چیزوں میں تابع ہے، اور صفتِ ثانی پانچ چیزوں میں تابع ہے، پانچ چیزوں میں تابع ہے باقی پانچ کا پتا نہیں چل رہا تھا، تو اس کو بیان کرنے کے لیے کہا کہ یہ باقی پانچ چیزوں میں کس کی طرح ہے؟ فعل کی طرح ہے۔ جبکہ صفتِ اول بھی پانچ چیزوں میں فعل کی طرح ہے، لیکن فعل کی طرح ہونے کے باوجود وہ تابع ہونے سے نہیں نکلتی وہ پھر بھی تابع رہتی ہے۔ تو اس کے بارے میں صرف اتنا کہہ دیا کہ وہ دس کی دس چیزوں میں تابع ہے۔ اگرچہ ان میں وہ بھی فعل کی طرح ہے لیکن فعل کی طرح ہونا اس کو تابع ہونے سے نہیں نکالتا، لہٰذا اس کے بارے میں صرف اتنا کہا وہ دس کی دس چیزوں میں موصوف کے تابع ہے بھئی۔ جبکہ صفتِ ثانی کے اندر جب کہہ دیا وہ پانچ چیزوں میں تابع ہے، تو باقی پانچ کا پتا نہیں چل رہا تھا، تو اس لیے اس کو خاص طور پر بیان کر دیا کہ باقی پانچ چیزوں میں وہ فعل کی طرح ہے بھئی۔ بات سمجھ میں آگئی؟ چلیے بس بھئی، هَذَا هُوَ الْمَرَامُ وَاللّٰهُ أَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْكَلَامِ.

سبق نمبر ۲۰۲: النعت (۴): نعتِ سببی (پانچ امور میں مطابقت اور باقی پانچ میں فعل کی طرح حکم)

شرحِ ملا جامی صفحہ: ۱۸۲ — بتاریخ: ۲۹ ستمبر ۲۰۲۲ء

▪ تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث

آگے سبق دیکھیے بھئی:

وَمِنْ ثَمَّ أَيْ وَمِنْ أَجْلِ كَوْنِ الْوَصْفِ الثَّانِي فِي الْخَمْسَةِ الْبَوَاقِي كَالْفِعْلِ حَسُنَ قَامَ رَجُلٌ قَاعِدٌ غِلْمَانُهُ، كَمَا حَسُنَ يَقْعُدُ غِلْمَانُهُ، وَحَسُنَ أَيْضًا قَاعِدَةٌ غِلْمَانُهُ لِأَنَّ الْفَاعِلَ مُؤَنَّثٌ غَيْرُ حَقِيقِيٍّ، كَمَا حَسُنَ تَقْعُدُ غِلْمَانُهُ، وَضَعُفَ قَامَ رَجُلٌ قَاعِدُونَ غِلْمَانُهُ.

بھئی! گزشتہ سبق میں ہم صفت بحالہ اور صفت بحال متعلقہ کے بارے میں پڑھ رہے تھے۔ میں نے بتلایا اس کا ہمیشہ خیال رکھنا، طلبہ بڑے پریشان ہوتے ہیں اور جگہ جگہ اس طرح کی صفات آتی ہیں کتابوں کے اندر۔ صفت بحالہ أَيْ صفت بحال الموصوف، یعنی وہ صفت جو موصوف کی حالت اور اس کی صفت کو بیان کرے۔ اور صفت بحال متعلقہ وہ صفت ہے جو موصوف کے متعلق کی صفت بیان کرتی ہے۔ آسان لفظوں میں یوں کہو، صفت بحالہ وہ ہے جو لفظوں میں جس کی صفت ہے، معنی میں بھی اسی کی صفت ہے، «جَاءَنِي رَجُلٌ عَالِمٌ»۔ «رَجُلٌ» موصوف «عَالِمٌ» اس کی صفت، تو یہ «عَالِمٌ» لفظوں میں «رَجُلٌ» کی صفت ہے اور معنی کے اندر بھی اسی «رَجُلٌ» کی صفت ہے، کیونکہ یہ عالم ہونے کا معنی اسی «رَجُلٌ» میں پایا جا رہا ہے۔ جبکہ صفت بحال متعلقہ وہ لفظوں میں تو صفت ہوتی ہے ایک چیز کی اور معنی کے اعتبار سے وہ اس کے متعلق کی صفت ہوتی ہے، جیسے «جَاءَنِي رَجُلٌ عَالِمٌ أَبُوهُ»۔ اب یہ «عَالِمٌ» یہ صفت ہے لفظوں میں «رَجُلٌ» کی، «رَجُلٌ» پر جو اعراب آئے گا «عَالِمٌ» پر بھی وہی اعراب آئے گا، لیکن معنی کے اعتبار سے یہ «رَجُلٌ» کی صفت نہیں، بلکہ اس کے متعلق یعنی اس کے باپ کی صفت ہے بھئی۔

اور پھر بتلایا تھا صاحبِ کافیہ نے آپ کو کہ صفت بحالہ یہ دس چیزوں میں اپنے موصوف کے تابع ہوتی ہے: اعراب کے اندر یعنی رفع، نصب، جر، اور اسی طرح تعریف و تنکیر کے اندر، اور اسی طرح افراد، تثنیہ اور جمع میں، اور اسی طرح

تذکیر و تانیث میں، تو ان سب چیزوں میں صفت بحالہ اپنے موصوف کے تابع ہوتی ہے۔ جبکہ صفت بحال متعلقہ وہ پہلی پانچ چیزوں میں اپنے موصوف کے تابع ہوگی، یعنی اعراب کے اندر یعنی رفع، نصب اور جر، اور نیز تعریف و تنکیر کے اندر، اور باقی چیزوں میں یہ فعل کی طرح ہے۔

میں نے آپ کو بتلایا تھا کہ ہر فعل کے لیے فاعل یا نائب فاعل ضرور چاہیے۔ فعلِ معروف ہو تو اس کے لیے فاعل چاہیے، فعلِ مجہول ہو تو اس کے لیے نائب الفاعل چاہیے۔ ایسا کبھی نہیں ہو سکتا فعل آجائے اور آگے فاعل یا نائب فاعل نہ آئے۔ اور فاعل یا نائب فاعل ایک ہی آئے گا، ایک سے زیادہ نہیں آسکتے۔ اور فاعل یا نائب فاعل ضمیر بھی آسکتی ہے اور اسمِ ظاہر بھی آسکتا ہے۔ میں نے بتایا تھا اسمِ ظاہر اسمِ ضمیر کے مقابلے میں ہے۔ تمام دنیا کے اسم آپ جمع کر لیں اور اس میں سے وہ جو ستر ضمیریں ہیں ان کو نکال لیں تو باقی تمام اسم، اسمِ ظاہر کہلاتے ہیں۔ تو یہ اسمِ ظاہر اسمِ ضمیر کے مقابلے میں ہے، جو بھی اسم ہے اور ضمیر نہیں ہے وہ اسمِ ظاہر ہے۔ تو فعل کا فاعل ضمیر بھی آسکتی ہے اور اسمِ ظاہر بھی، لیکن ایک وقت میں ایک ہی فاعل آئے گا۔ اگر ضمیر فاعل آگئی تو پھر آگے اسمِ ظاہر فاعل نہیں آسکتا، اور اگر اسمِ ظاہر جو ہے وہ فاعل یا نائب فاعل بن رہا ہے تو پھر ضمیر جو ہے وہ فاعل یا نائب فاعل نہیں بن سکتی۔ اور میں نے یہ بھی بتایا تھا کہ فاعل یا نائب فاعل ہمیشہ فعل کے بعد آتا ہے، کبھی بھی فعل پر مقدم نہیں ہو سکتا۔ مفعول تو فعل پر مقدم ہو سکتا ہے، لیکن فاعل یا نائب فاعل فعل پر مقدم نہیں ہو سکتا۔ اگر آپ فاعل کو فعل پر مقدم کر دیں گے تو اب وہ ترکیب میں کچھ اور بنے گا، آپ اس کو فاعل نہیں کہہ سکتے۔

اور پھر اس کے بعد انہوں نے بتایا تھا کہ یہ جو صفت بحال متعلقہ ہے، یہ باقی پانچ چیزوں کے اندر فعل کی طرح ہے۔ باقی پانچ چیزیں کون سی؟ افراد، تثنیہ اور جمع، اور اسی طرح تذکیر و تانیث، اس کے اندر فعل کی طرح ہے۔ یعنی فعل کا فاعل جب اسمِ ظاہر آئے تو فعل کو مفرد رکھتے ہیں، چاہے وہ اسمِ ظاہر مفرد ہو، تثنیہ ہو یا جمع ہو۔ مثلاً چاہے میں «زَيْدٌ» کو فاعل بناؤں، چاہے میں «الزَّيْدَانِ» تثنیہ کو فاعل بناؤں، چاہے میں «الزَّيْدُونَ» جمع کو فاعل بناؤں، لیکن یہ تینوں ہیں اسمِ ظاہر، اور جب بھی اسمِ ظاہر کو فاعل بناتے ہیں تو فعل کو ہمیشہ مفرد رکھتے ہیں، تو سب کے لیے پھر میں مفرد کا صیغہ لاؤں گا: «ضَرَبَ زَيْدٌ»، «ضَرَبَ الزَّيْدَانِ»، «ضَرَبَ الزَّيْدُونَ»۔ اور اگر مؤنث ہے فاعل تو وہ مؤنث مفرد رہے گا: «ضَرَبَتْ هِنْدٌ»، «ضَرَبَتِ الْهِنْدَانِ»، «ضَرَبَتِ الْهِنْدَاتُ»۔

تو فعل کے لیے فاعل اسمِ ظاہر آئے چاہے وہ مفرد ہو، تثنیہ ہو یا جمع، فعل کو ہمیشہ مفرد رکھتے ہیں، یعنی وہ پہلا صیغہ ہو گا یا چوتھا صیغہ ہو گا، مذکر کے لیے مذکر اور مؤنث کے لیے مؤنث۔ پھر اس میں میں نے تفصیل بیان کی تھی کہ فعل کا فاعل اگر مؤنثِ حقیقی ہو، یعنی ایسا مؤنث جس کے مقابلے میں کوئی مذکر حیوان ہے، اور وہ مؤنثِ حقیقی بغیر فصل کے ہو، یعنی اس کے اور فعل کے درمیان کوئی اور لفظ نہ ہو، تو پھر فعل کو مؤنث لانا واجب ہے۔ «ضَرَبَتْ هِنْدٌ»، «هِنْدٌ» عورت کا نام

ہے اور عورت کیا ہے مؤنثِ حقیقی ہے، اس کے مقابلے میں مذکر یعنی «رَجُلٌ» ہے بھئی، تو یہاں فعل کو مؤنث ہی لائیں گے: «ضَرَبَتْ هِنْدٌ»، «ضَرَبَتِ الْهِنْدَانِ»، «ضَرَبَتِ الْهِنْدَاتُ»۔ لیکن اگر یہاں فصل آجائے تو پھر آپ کو اختیار ہے، آپ فعل مذکر بھی لا سکتے ہیں اور مؤنث بھی۔ «هِنْدٌ» سے پہلے «الْيَوْمَ» کا لفظ لے آئیں فعل اور فاعل کے درمیان، اب آپ کہہ سکتے ہیں «ضَرَبَتِ الْيَوْمَ هِنْدٌ» اور «ضَرَبَ الْيَوْمَ هِنْدٌ»، آپ فعل کو مذکر بھی لا سکتے ہیں اور مؤنث بھی۔

اور اسی طرح یاد رکھنا اگر فاعل مؤنثِ غیرِ حقیقی ہو، یعنی ایک لفظ ہے عربی میں تو وہ مؤنث استعمال ہوتا ہے لیکن اس کے مقابلے میں کوئی مذکر حیوان نہیں، تو یہ مؤنثِ غیرِ حقیقی ہے۔ اور فاعل جب بھی مؤنثِ غیرِ حقیقی آئے، چاہے فصل ہو یا فصل نہ ہو، وہاں مطلقاً آپ کو اختیار ہے، فعل کو مذکر بھی لا سکتے ہیں اور مؤنث بھی۔ جیسے «الشَّمْسُ» سورج کو کہتے ہیں اور عربی زبان میں یہ مؤنث استعمال ہوتا ہے، یہ مؤنثِ سماعی ہے، تو آپ اس کے لیے مذکر فعل بھی لا سکتے ہیں اور مؤنث بھی: «طَلَعَ الشَّمْسُ» سورج طلوع ہوا، یا «طَلَعَتِ الشَّمْسُ» سورج طلوع ہوا، تو مذکر فعل بھی لا سکتے ہیں اور مؤنث بھی۔ اور اسی طرح یاد رکھیں یہ جو جمع مکسر ہے، جمع مکسر اس کے لیے بھی فعل مذکر بھی لا سکتے ہیں اور مؤنث بھی، اس لیے کیونکہ جمع مکسر جو ہے وہ جمع ہے اور جمع بتاویلِ جَمَاعَةٌ کس کے حکم میں ہوتی ہے؟ واحد مؤنث، تو لہٰذا اس کے لیے فعل مؤنث بھی لا سکتے ہیں، جیسے «الرِّجَالُ» یہ جمع مکسر ہے «رَجُلٌ» کی، تو «ضَرَبَ الرِّجَالُ» مذکر فعل بھی لا سکتے ہیں اور «ضَرَبَتِ الرِّجَالُ» مؤنث فعل بھی لا سکتے ہیں کیونکہ یہ مؤنثِ سماعی ہے۔ بات سمجھ میں آگئی۔

تو دوسری قسم جو صفت کی تھی، صفت بحال متعلقہ، وہ باقی پانچ چیزوں میں فعل کی طرح ہے۔ وہ باقی پانچ چیزوں میں فعل کی طرح ہے۔ میں نے آپ کو فرق بھی بتلایا تھا کہ صفت بحالہ، کسی چیز کی صفت آئے اب آپ سوچ رہے ہوں کہ پتا نہیں یہ صفت بحالہ ہے یا صفت بحال متعلقہ ہے، تو وہاں آپ غور کر لیں اگر اس صفت کا فاعل اسی کے اندر ضمیر ہے تو پھر یہ صفت بحالہ ہے، اور اگر آگے فاعل اسمِ ظاہر آرہا ہے تو پھر یہ صفت بحال متعلقہ ہے۔ تو معلوم ہوا صفت بحال متعلقہ اس کا فاعل ہمیشہ آگے اسمِ ظاہر آئے گا۔ اور جب اسمِ ظاہر فاعل ہو فعل کو ہمیشہ مفرد رکھتے ہیں، تو صفت بحال متعلقہ کو بھی ہمیشہ مفرد رکھیں گے۔ صفت بحال متعلقہ کو بھی ہمیشہ مفرد رکھیں گے، موصوف چاہے مفرد ہو، چاہے تثنیہ ہو، چاہے جمع ہو، اس کو نہیں دیکھنا۔ تو دیکھا یہ فعل کی طرح ہے موصوف کے تابع نہیں افراد، تثنیہ اور جمع میں۔ موصوف مفرد ہو، تثنیہ ہو یا جمع، صفت بحال متعلقہ کو ہمیشہ کیا رکھیں گے؟ مفرد رکھیں گے، تو یہ افراد، تثنیہ، جمع میں موصوف کے تابع نہیں ہے۔

اور نیز تذکیر و تانیث کے اندر بھی یہ صفت بحال متعلقہ کس کی طرح ہے؟ فعل کی طرح ہے۔ میں نے تفصیل بیان کر دی اگر فاعل مذکر ہو تو فعل کو مذکر لاتے ہیں، مؤنثِ حقیقی بغیر فصل کے ہو تو فعل کو مؤنث لاتے ہیں، اور اگر فاعل کیا ہو مؤنثِ غیرِ حقیقی ہو یا مؤنثِ حقیقی ہے لیکن درمیان میں فصل آگیا تو پھر آپ کو اختیار ہے فعل کو مذکر بھی لا سکتے ہیں اور مؤنث

بھی۔ تو یہ صفت بحال متعلقہ بھی اسی طرح ہے، اس کا فاعل آگے اسمِ ظاہر آرہا ہے، اگر وہ مؤنثِ حقیقی ہے بغیر فصل کے ہے تو پھر اس صفت کو مؤنث ہی لانا پڑے گا۔ «رَأَيْتُ رَجُلًا قَاعِدَةً أُمُّهُ»۔ دیکھو اب یہاں پر دیکھو «رَجُلًا» موصوف ہے اور «قَاعِدَةً» اس کی صفت ہے، لیکن یہ صفت مؤنث لائی گئی، اس لیے کیونکہ اس کا فاعل آگے «أُمُّهُ» مؤنثِ حقیقی ہے، اور مؤنثِ حقیقی کے لیے فعل کو ہمیشہ کیا لاتے ہیں؟ مؤنث، تو لہٰذا صفت مؤنث لائی گئی: «رَأَيْتُ رَجُلًا قَاعِدَةً أُمُّهُ»۔ اور اگر مؤنثِ حقیقی ہو لیکن درمیان میں فصل آجائے تو پھر وہاں پر مذکر لانا بھی جائز فعل کو اور مؤنث لانا بھی جائز۔ لہٰذا یہاں پر «قَاعِدَةً أُمُّهُ» اس کے درمیان اگر «الْيَوْمَ» آپ لے آئیں، «جَاءَنِي رَجُلٌ قَاعِدَةً الْيَوْمَ أُمُّهُ» اور «قَاعِدًا الْيَوْمَ أُمُّهُ» بھی آپ کہہ سکتے ہیں۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو یہ بالکل اسی فعل کی طرح ہے۔ اسی طرح اگر فاعل جو ہے مؤنثِ غیرِ حقیقی ہوا تو وہاں بھی صفت، اس صفت بحال متعلقہ کو آپ مذکر بھی لا سکتے ہیں اور مؤنث بھی۔

پھر اس کے بعد صاحبِ جامی نے ایک اعتراض اور اس کا جواب ذکر فرمایا تھا۔ اعتراض یہ ذکر کیا کہ کوئی معترض اعتراض کرتا ہے کہ اے صاحبِ کافیہ! اے صاحبِ جامی! آپ نے کہا کہ صفت بحال متعلقہ باقی پانچ چیزوں میں فعل کی طرح ہوتی ہے۔ لیکن یہ چیز تو صفت بحالہ میں بھی ہے، وہ بھی ان پانچ چیزوں میں افراد، تثنیہ اور جمع اور تذکیر و تانیث میں کس کی طرح ہے؟ فعل کی طرح ہے۔ تو صفت بحالہ بھی ان پانچ چیزوں میں فعل کی طرح ہے اور صفت بحال متعلقہ بھی ان پانچ چیزوں میں فعل کی طرح ہے، تو پھر آپ نے خاص طور پر صفت بحال متعلقہ کے بارے میں کیوں کہا کہ یہ باقی پانچ چیزوں میں فعل کی طرح ہے؟ یہ حکم تو صفت بحالہ کا بھی ہے۔

تو اس کا جواب دیا صاحبِ جامی نے کہ بھئی دراصل یہاں پر اصل مقصود جو ہے وہ یہ بیان کرنا ہے کہ کون سی صفت کتنی چیزوں میں موصوف کے تابع ہے اور تابع نہیں۔ صفت بحالہ دس چیزوں میں تابع ہے اپنے موصوف کے، اور تابع ہونے کے ساتھ ساتھ وہ پانچ چیزوں میں فعل کی طرح بھی ہے، لیکن فعل کی طرح ہونے کے باوجود وہ پھر بھی تابع ہی رہتی ہے اپنے موصوف کے، فعل کی طرح ہونے کے باوجود وہ تابع ہونے سے نہیں نکلتی، اس لیے اس کے بارے میں مختصراً کہہ دیا کہ وہ دس کی دس چیزوں میں اپنے موصوف کے تابع ہے۔ جبکہ دوسری قسم جو تھی وہ صرف پانچ چیزوں میں اپنے موصوف کے تابع ہے، تو دوسری صفت کے بارے میں جب صاحبِ کافیہ نے فرما دیا کہ یہ پہلی پانچ چیزوں میں موصوف کے تابع ہے تو اتنا پتا چل گیا باقی پانچ چیزوں میں موصوف کے تابع نہیں، لیکن پوری بات کا پتا نہیں چلا کہ جب تابع نہیں ہے تو پھر کیسے آئیں گی؟ تو لہٰذا وہاں پر اس لیے بالخصوص بیان کر دیا کہ یہ باقی چیزوں میں فعل کی طرح ہے، کیونکہ باقی پانچ چیزوں کا پتا نہیں چل رہا تھا اس لیے اس کو بیان کیا۔ اگرچہ پہلی صفت بھی ان چیزوں میں فعل کی طرح ہے لیکن فعل کی طرح ہونے کے باوجود وہ پھر بھی تابع ہی رہتی ہے، تابع ہونے سے نہیں نکلتی، اس لیے وہاں کسی بیان کی حاجت نہیں، وہاں صرف اتنا کہہ دیا وہ دس چیزوں میں موصوف کے تابع ہے۔ بات سمجھ میں آگئی۔

اب آئیے آج کے سبق پر:

▪ متنِ کتاب و تحقیقِ مسائلِ نحویہ

وَمِنْ ثَمَّ أَيْ وَمِنْ أَجْلِ كَوْنِ الْوَصْفِ الثَّانِي فِي الْخَمْسَةِ الْبَوَاقِي كَالْفِعْلِ حَسُنَ قَامَ رَجُلٌ قَاعِدٌ غِلْمَانُهُ۔

بھئی پہلے متن متن دیکھ لیجیے، کہتے ہیں:

وَمِنْ ثَمَّ حَسُنَ قَامَ رَجُلٌ قَاعِدٌ غِلْمَانُهُ وَضَعُفَ قَاعِدُونَ غِلْمَانُهُ وَيَجُوزُ قُعُودٌ غِلْمَانُهُ۔

عبارت مل گئی ساری بھئی؟ بھئی کہتے ہیں دیکھیں «وَمِنْ ثَمَّ»۔ «ثَمَّ» میں نے بتلایا اسمِ اشارہ ہے «ذٰلِكَ» کی طرح، تو «وَمِنْ ثَمَّ» اور اسی وجہ سے «حَسُنَ» اچھا ہے «قَامَ رَجُلٌ قَاعِدٌ غِلْمَانُهُ»، یعنی یہ ترکیب اچھی ہے، یہ ترکیب اچھی ہے۔ بھئی دیکھیے انہوں نے ضابطے آپ کو بتلا دیے، اب انہی ضابطوں پر تفریع کر رہے ہیں۔ کہتے ہیں کہ «قَامَ رَجُلٌ قَاعِدٌ غِلْمَانُهُ» یہ ترکیب اچھی ہے یعنی اعلیٰ ہے۔ کس طرح؟ دیکھو بھئی: «قَامَ» فعل، ترکیب سنو، «قَامَ» فعل، «رَجُلٌ» مرفوع لفظاً موصوف، «قَاعِدٌ» مرفوع لفظاً صیغہ اسمِ فاعل، یہ صفت ہے «رَجُلٌ» کی اور «رَجُلٌ» پر رفع تھا تو «قَاعِدٌ» پر بھی رفع، اور «قَاعِدٌ» کے اندر ضمیر نہیں کیونکہ آگے «غِلْمَانُهُ» اسمِ ظاہر اس کا فاعل آ رہا ہے، تو اور «غِلْمَانُهُ»، «غِلْمَانٌ» مرفوع لفظاً مضاف، اور مرفوع کیوں؟ کیونکہ یہ فاعل ہے «قَاعِدٌ» کے لیے، تو «غِلْمَانُهُ» مرفوع لفظاً مضاف، «هَا» ضمیر مجرور محلاً مضاف الیہ، اور یہ «هَا» ضمیر کس کو لوٹ رہی ہے؟ «رَجُلٌ» کو، کیونکہ «قَاعِدٌ غِلْمَانُهُ» اس ساری صفت کو ہم نے «رَجُلٌ» سے جوڑنا ہے اور یہ شبہ جملہ بنے گا، اور جیسے جملہ کو کسی چیز سے جوڑنے کے لیے ربط ضروری تھا، شبہ جملہ کو بھی جوڑنے کے لیے ربط ضروری ہے، تو «غِلْمَانُهُ» مضاف اور مضاف الیہ مل کر یہ فاعل ہوا «قَاعِدٌ» کے لیے، «قَاعِدٌ» صیغہ اسمِ فاعل اپنے فاعل سے مل کر شبہ جملہ ہو کر یہ صفت ہوئی «رَجُلٌ» کی، اور موصوف صفت مل کر یہ فاعل ہوا «قَامَ» کے لیے، فعل اپنے فاعل سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہوا۔ «قَامَ رَجُلٌ» کھڑا ہے ایسا آدمی، «قَاعِدٌ غِلْمَانُهُ» جس کے غلام بیٹھے ہوئے ہیں، یا کھڑا ہوا ایسا آدمی «قَاعِدٌ غِلْمَانُهُ» جس کے غلام بیٹھے ہوئے ہیں۔

اب اس ترکیب کے اندر دیکھو بھئی! «قَاعِدٌ» صیغہ اسمِ فاعل ہے اور «غِلْمَانُهُ» اس کا فاعل ہے اور وہ جمع ہے۔ «غِلْمَانُهُ» کیا ہے؟ «غُلَامٌ» کی جمع ہے، اور جب فاعل جمع ہو تو فعل کو ہمیشہ مفرد ہی رکھتے ہیں۔ فاعل چاہے مفرد ہو، تثنیہ ہو یا جمع، لیکن ہو اسمِ ظاہر تو فعل کو مفرد رکھتے ہیں، تو اسی لیے یہاں پر «قَاعِدٌ» اس کو بھی مفرد رکھا گیا، تو یہ ترکیب اچھی ہے، یہ ترکیب اعلیٰ ہے بھئی، کیونکہ فاعل اگرچہ جمع ہے لیکن ہے تو اسمِ ظاہر، اس لیے «قَاعِدٌ» کو مفرد رکھا گیا۔ تو یہ ترکیب اچھی

ہے۔

آگے دیکھیے: «وَضَعُفَ قَاعِدُونَ غِلْمَانُهُ»، اور یہ ترکیب ضعیف ہے «قَاعِدُونَ غِلْمَانُهُ»۔ یہ اس کو بھی اسی کے ساتھ جوڑ دیں: «قَامَ رَجُلٌ قَاعِدُونَ غِلْمَانُهُ»۔ «قَامَ رَجُلٌ قَاعِدُونَ غِلْمَانُهُ»۔ بھئی دیکھو اس کے اندر یہ «رَجُلٌ» موصوف ہے اور «قَاعِدُونَ» اس کی صفت ہے اور «غِلْمَانُهُ» یہ اس کا فاعل ہے، اور جب فاعل اسمِ ظاہر ہو تو فعل کو کیا رکھتے ہیں؟ مفرد رکھتے ہیں، اور یہ صفت بحال متعلقہ بھی فعل کی طرح ہے لہٰذا اس کو بھی مفرد رکھنا چاہیے، لیکن یہاں پر «قَاعِدُونَ» اس صفت کو جمع لایا گیا، تو یہ ترکیب ضعیف ہے۔ یہ ترکیب ضعیف ہے کیونکہ فاعل جب اسمِ ظاہر ہو تو صفت کو مفرد رکھتے ہیں فعل کی طرح۔

البتہ یاد رکھنا میں نے آپ کو کل بھی بتایا تھا کہ فعل کے اندر جو الف اور واو آتے ہیں وہ تثنیہ اور جمع کی ضمیریں ہوتی ہیں۔ «يَضْرِبُ، يَضْرِبَانِ، يَضْرِبُونَ»، یہ «يَضْرِبَانِ» کے اندر جو الف ہے یہ کیا ہے؟ تثنیہ کی ضمیر ہے، «يَضْرِبُونَ» کے اندر جو واو ہے یہ جمع کی ضمیر ہے، جبکہ صفت کے صیغوں میں جو الف اور واو آتے ہیں یہ ضمیریں نہیں ہیں، یہ تثنیہ اور جمع کی علامتیں ہیں۔ «ضَارِبَانِ» یہ الف ضمیر نہیں ہے بلکہ اس کے اندر ضمیر «هُمَا» چھپی ہوئی ہے، اور «ضَارِبُونَ» یہ واو فاعل نہیں ہے بلکہ اس کے اندر «هُمْ» ضمیر فاعل کی چھپی ہوئی ہے۔ بھئی سوال پیدا ہوتا ہے کہ فعل میں تو الف اور واو فاعل ہیں، تو یہاں الف اور واو فاعل نہیں، کیا وجہ ہے اس کی دلیل کیا ہے؟ میں نے دلیل بھی بتلائی تھی کہ ضمیر جو ہے وہ تو مبنی ہے، ضمیر تو بدلتی نہیں، لیکن یہ تثنیہ اور جمع کی علامتیں یہ حالتِ نصبی جری میں بدل جاتی ہیں۔ حالتِ رفعی میں تثنیہ کیسے بولتے ہیں؟ «ضَارِبَانِ»، اور اسی کو حالتِ نصبی جری میں لے جائیں: «ضَارِبَيْنِ»، تو دیکھو وہ الف کس سے بدل گیا؟ یا سے۔ اسی طرح حالتِ رفعی میں کہتے ہیں «ضَارِبُونَ»، اور حالتِ نصبی جری میں کیسے کہتے ہیں؟ «ضَارِبِينَ»، تو دیکھو یہ واو یا سے بدل گیا، یہ الف بھی یا سے بدل جاتا ہے تثنیہ والا اور جمع والا واو بھی یا سے بدل جاتا ہے، معلوم ہوا یہ ضمیریں نہیں، اگر ضمیریں ہوتیں تو یہ بدلتیں نہ، تو ان کا بدلنا بتلا رہا ہے کہ یہ صرف تثنیہ اور جمع کی علامتیں ہیں، ضمیریں نہیں۔

نیز دوسری دلیل بھی یاد رکھنا، دوسری دلیل یہ کہ یہ تثنیہ والا الف اور یہ جمع والا واو یہ تو غیرِ صفت کے صیغوں میں بھی آجاتا ہے۔ بھئی «ضَارِبٌ» کے لیے تو فاعل چاہیے، صفت کا صیغہ ہے۔ صفتِ مشبہ کے لیے بھی کیا چاہیے؟ فاعل، اسمِ تفضیل کے لیے بھی کیا چاہیے؟ فاعل چاہیے، اسمِ مفعول کے لیے نائب فاعل چاہیے۔ لیکن غیرِ صفت کا صیغہ ہو، مثلاً «زَيْدٌ»، «زَيْدٌ» کی تثنیہ کیا؟ «الزَّيْدَانِ»، تو دیکھو اس کے اندر بھی الف آگیا، حالانکہ «زَيْدٌ» یہ تو نہ صفت کا صیغہ نہیں، یہ تو نہ اسمِ فاعل ہے، نہ اسمِ مفعول ہے، نہ صفتِ مشبہ ہے، نہ اسمِ تفضیل، تو صفت کے صیغے ہوں ان کے لیے فاعل یا نائب فاعل کی ضرورت ہوتی ہے، تو «زَيْدٌ» اس کے لیے تو فاعل کی ضرورت نہیں بھئی، تو لیکن پھر بھی الف آرہا ہے، معلوم ہوا یہ الف ضمیر نہیں ہے یہ تثنیہ کی علامت ہے۔ اسی طرح «الزَّيْدُونَ» یہاں واو آرہا ہے حالانکہ «زَيْدٌ» یہ تو صفت کا صیغہ

نہیں، اس کے لیے تو کسی فاعل کی ضرورت نہیں، معلوم ہوا یہ واو ضمیر نہیں فاعل نہیں بلکہ یہ صرف جمع کی علامت ہے۔

تو کہتے ہیں کہ ضعیف ہے «ضَعُفَ قَاعِدُونَ غِلْمَانُهُ»، یہ ترکیب ضعیف ہے، یہ نہیں کہا کہ یہ ترکیب جائز نہیں، یہ ترکیب۔ بھئی آپ نے پڑھا ہے دو فاعل نہیں آسکتے، اگر یہ واو فاعل ہوتا تو ایک فاعل واو اور ایک فاعل «غِلْمَانُهُ» پھر تو دو فاعل بن جاتے، یہ تو جائز ہی نہیں ہے۔ اسی لیے اگر یہ واو ضمیر ہوتا تو پھر یہ کہتے کہ یہ ترکیب جائز ہی نہیں ہے بھئی، لیکن صاحبِ کافیہ کیا فرما رہے ہیں؟ «وَضَعُفَ قَاعِدُونَ غِلْمَانُهُ»، یہ ترکیب ضعیف ہے۔ وجہ یہ کہ یہ جو واو ہے یہ ضمیر نہیں ہے، یہ صرف کیا ہے؟ جمع کی علامت ہے، تو فاعل آگے «غِلْمَانُهُ» ہی ہے، لیکن جب فاعل اسمِ ظاہر ہو تو جیسے فعل کو مفرد رکھتے ہیں صفت کو بھی کیا رکھتے ہیں؟ مفرد رکھتے ہیں، اس کے ساتھ الف یا واو کو نہیں لاتے، لیکن یہاں واو کو لایا گیا ہے، تو یہ ترکیب جائز تو ہے لیکن ضعیف ہے بھئی، کمزور ترکیب ہے۔ عربی زبان کے اعتبار سے یہ ترکیب اور یہ کلام کیسا ہے؟ کمزور ہے بھئی۔

تو کہتے ہیں «وَضَعُفَ قَاعِدُونَ غِلْمَانُهُ»، اور ضعیف ہے «قَاعِدُونَ غِلْمَانُهُ»، «وَيَجُوزُ قُعُودٌ غِلْمَانُهُ»، اور «قُعُودٌ غِلْمَانُهُ» جائز ہے۔ «قُعُودٌ غِلْمَانُهُ» جائز ہے، اعلیٰ لغت تو نہیں لیکن جائز ہے «قُعُودٌ غِلْمَانُهُ»۔ «قُعُودٌ» بھی اسی «قَاعِدُونَ» کی طرح ہے، جمع ہے، «قَاعِدٌ» کی جمع کیا؟ «قُعُودٌ»، لیکن فرق یہ ہے «قَاعِدُونَ» وہ جمع مذکر سالم ہے اور «قُعُودٌ» یہ جمع مکسر ہے۔ یہ جمع مکسر اسی «قَاعِدٌ» کی جمع «قُعُودٌ» جمع مکسر لائے اور آگے «غِلْمَانُهُ» فاعل آگیا۔ تو یہ ترکیب جو ہے یاد رکھیے بظاہر لگتا ہے کہ یہ ترکیب بھی ضعیف ہونی چاہیے، کیوں ضعیف ہونی چاہیے؟ کیونکہ جب فاعل اسمِ ظاہر ہو فعل کو کیا رکھتے ہیں؟ مفرد، تو صفت کے صیغے کو بھی کیا رکھنا چاہیے؟ مفرد، لیکن یہاں اسمِ ظاہر آگے جمع ہے تو صفت کے صیغے کو بھی جمع لایا گیا۔ لیکن یہ ضعیف نہیں ہے، یہ جائز ہے، اعلیٰ لغت بھی نہیں، ضعیف بھی نہیں، یعنی یہ کلام ٹھیک ہے بھئی۔ بات سمجھ میں آگئی؟

تو وجہ یہ بھئی کیوں اس کو بھی تو جائز نہیں ہونا چاہیے؟ فاعل جب اسمِ ظاہر ہو فعل کو مفرد رکھتے ہیں۔ تو اس کا جواب دیں گے کہ یہ جو جمع مکسر ہے یہ اس کی مشابہت فعل سے ختم ہو گئی۔ بھئی جب فاعل اسمِ ظاہر آئے تو فعل کو مفرد رکھتے ہیں، اسی طرح صفت کو بھی کیا رکھتے ہیں؟ مفرد رکھتے ہیں کیونکہ اس صفت کی مشابہت ہے فعل کے ساتھ، اس صفت کی مشابہت ہے فعل کے ساتھ، تو جیسے فعل آئے گا ویسے ہی صفت آئے گی، جہاں فعل مفرد وہاں صفت بھی مفرد۔ لیکن یہ جو جمع مکسر ہے اس کی فعل کے ساتھ مشابہت ختم ہو گئی۔ جب مشابہت ختم ہو گئی تو لہٰذا اب یہ کلام جائز ہوا۔ یہ کلام جائز ہوا، البتہ اگرچہ اعلیٰ لغت تو نہیں ہے لیکن فعل کے ساتھ مشابہت ختم ہو گئی، لہٰذا یہ ایک پیچھے آیا تھا «قَاعِدُونَ غِلْمَانُهُ» وہ گویا اسی طرح تھا جیسے آپ نے یوں کہا ہو «يَقْعُدُونَ غِلْمَانُهُ»۔ «قَاعِدُونَ غِلْمَانُهُ» کس کی طرح تھا؟ «يَقْعُدُونَ غِلْمَانُهُ» کی طرح تھا، اور «يَقْعُدُونَ غِلْمَانُهُ» تو ضعیف ترکیب ہے، تو لہٰذا «قَاعِدُونَ غِلْمَانُهُ» بھی کیا ہوئی؟ ضعیف ترکیب ہوئی۔ لیکن «قُعُودٌ غِلْمَانُهُ» یہ تو «يَقْعُدُونَ غِلْمَانُهُ» کی طرح نہیں ہے۔

فعل کو آپ جمع لے آئیں «يَقْعُدُونَ غِلْمَانُهُ»، آپ نے پڑھا ہے فعل کے لیے فاعل ایک آسکتا ہے، یاد رکھو آپ کو بتائیں گے صاحبِ جامی: «يَقْعُدُونَ غِلْمَانُهُ»، «يَقْعُدُونَ» آپ نے کیا پڑھا ہے کہ فاعل جب اسمِ ظاہر ہو فعل کو کیا رکھتے ہیں؟ مفرد، تو «يَقْعُدُ غِلْمَانُهُ» یوں ہونا چاہیے، «يَقْعُدُ غِلْمَانُهُ» بیٹھے ہوئے ہیں وہ غلام، بیٹھے ہوئے ہیں اس کے غلام یا بیٹھ رہے ہیں اس کے غلام۔ تو «يَقْعُدُ غِلْمَانُهُ» فاعل اسمِ ظاہر ہے فعل کو مفرد لائیں گے۔ لیکن بعض علمائے نحو فرماتے ہیں «يَقْعُدُونَ غِلْمَانُهُ» بھی جائز ہے، «يَقْعُدُونَ غِلْمَانُهُ» بھی جائز ہے۔ اس لیکن اعتراض ہوتا ہے کہ اس صورت میں تو دو فاعل آگئے، ایک «يَقْعُدُونَ» فعل کے اندر جو واو آیا یہ واو بھی فاعل کی ضمیر ہے اور آگے «غِلْمَانُهُ» دوسرا فاعل آگیا۔ تو یاد رکھو اس صورت میں وہ فرماتے ہیں کہ اب جب فاعل اسمِ ظاہر آرہا ہو اور فعل اس کے مطابق تثنیہ یا جمع آجائے تو پھر یہ جو فعل کے اندر، توجہ سے سنو، فعل کے اندر ویسے تو الف اور واو کیا ہوتی ہیں؟ ضمیریں۔ فعل کے اندر ویسے تو الف اور واو کیا ہیں؟ ضمیریں ہیں، لیکن اگر فاعل اسمِ ظاہر آرہا ہو اور فعل کو بھی اس کے مطابق، فاعل اسمِ ظاہر تثنیہ ہے اور آپ فعل کو بھی تثنیہ لے آئیں، یا فاعل آگے اسمِ ظاہر جمع ہے اور آپ فعل کو بھی جمع لے آئیں، جیسے «يَقْعُدُونَ غِلْمَانُهُ»، یہ «غِلْمَانُهُ» جمع تو «يَقْعُدُونَ» کو بھی کیا لے آئے آپ؟ جمع، تو وہ کہتے ہیں اس صورت میں یہ جو واو ہے یہ ضمیر نہیں اب یہ بھی جمع کی علامت بن چکا ہے۔ یہ بھی جمع کی علامت بن چکا ہے، فاعل وہی «غِلْمَانُهُ» آئے گا کیونکہ فاعل ایک ہی آسکتا ہے۔ تو یہ ترکیب یاد رکھو بعض علمائے نحو اس کو جائز کہتے ہیں اور لیکن یہ ترکیب ضعیف ہے، یہ کیا ہے؟ ضعیف ہے کیونکہ فصیح لغت عرب کی یہی ہے کہ جب فاعل اسمِ ظاہر ہو فعل کو مفرد رکھتے ہیں۔

تو جہاں پر، توجہ ہے؟ تو جہاں پر فاعل اگر تثنیہ ہو اور فعل کو بھی تثنیہ لے آئیں، مثلاً «ضَرَبَ زَيْدٌ»، «ضَرَبَا الزَّيْدَانِ»، آگے «الزَّيْدَانِ» آرہا ہے اور پیچھے «ضَرَبَا» ہے، تو کہتے ہیں یہ جو الف ہے یہ اب ضمیر نہیں ہے، کیونکہ ضمیر آئی پھر تو دو فاعل بن جائیں گے ایک الف ضمیر بھی فاعل آگے «الزَّيْدَانِ» بھی فاعل، تو وہ کہتے ہیں یہ الف اب صرف حرف بن چکا ہے جو یہ بتلا رہا ہے کہ اس فعل کا اسناد تثنیہ کی طرف ہے۔ الف کیا بن چکا؟ تثنیہ کی علامت بن چکا ہے اب ضمیر نہیں۔ یا «ضَرَبُوا الزَّيْدُونَ»، کہنا تو کیا چاہیے تھا؟ «ضَرَبَ الزَّيْدُونَ»، لیکن اگر آپ کیا کہتے ہیں؟ «ضَرَبُوا الزَّيْدُونَ»، تو اب یہ جو واو ہے «ضَرَبُوا» کے آخر میں اب یہ جمع کی ضمیر نہیں، یہ صرف جمع کی علامت ہے، اب یہ حرف بن چکی ہے اور یہ صرف اتنا بتا رہی ہے کہ اس فعل کا اسناد آگے جمع کی طرف ہے۔ وہ کہتے ہیں یہ اسی طرح ہے جیسے «ضَرَبَتْ» ہے۔ گردان کس طرح ہے؟ «ضَرَبَ، ضَرَبَا، ضَرَبُوا، ضَرَبَتْ»۔ «ضَرَبَ» کے اندر کون سی ضمیر؟ «هُوَ»۔ «ضَرَبَا» میں الف۔ «ضَرَبُوا» میں واو۔ «ضَرَبَتْ» میں «هِيَ»، یہ تا جو ہے ضمیر نہیں، یہ تا کس چیز کی علامت ہے؟ یہ بتلا رہی ہے تا کہ اس فعل کا اسناد کسی مؤنث کی طرف ہو رہا ہے، «ضَرَبَتْ هِنْدٌ»، آپ کہتے ہیں یا نہیں کہتے؟ اسی طرح استعمال ہوتا ہے یہ تا ساتھ رہتی ہے، تو یہ تا صرف علامت ہے مؤنث کی کہ اس فعل کا اسناد کس کی طرف ہے؟ مؤنث کی طرف۔ تو جیسے یہ تا صرف مؤنث کی علامت ہے

اسی طرح اگر فعل آپ تثنیہ لے آئیں اور آگے اسمِ ظاہر فاعل آئے: «ضَرَبَا الزَّيْدَانِ»، تو یہ الف بھی صرف تثنیہ کی علامت ہے یہ صرف یہ بتا رہا ہے کہ اس فعل کا اسناد تثنیہ کی طرف ہے۔ «ضَرَبُوا الزَّيْدُونَ» یہ واو صرف جمع کی علامت ہے یہ صرف یہ بتلا رہا ہے کہ اس کا فاعل آگے اسمِ ظاہر جمع ہے۔ «ضَرَبَتْ هِنْدٌ» جیسے یہ تا بتلا رہی ہے کہ اس فعل کا اسناد کس کی طرف ہے؟ مؤنث کی طرف ہے۔ تو جیسے یہ تا تانیث کی علامت، اسی طرح جب فعل، بات بھی سمجھ میں آ رہی ہے کہ نہیں؟ فعل جب فاعل اسمِ ظاہر ہو فعل کو کیا رکھتے ہیں؟ مفرد، لیکن اگر فعل اسمِ ظاہر کے مطابق آئے، اسمِ ظاہر تثنیہ یا جمع ہے آپ فعل کو بھی تثنیہ یا جمع لے آئے تو پھر کہتے ہیں وہ جو الف اور واو ہیں اس صورت میں پھر وہ ضمیریں نہیں رہتیں، وہ حرف بن جاتی ہیں، وہ صرف تثنیہ اور جمع کی علامت ہوتی ہیں، جیسے «ضَرَبَتْ» کے اندر تا کیا ہے؟ مؤنث کی علامت ہے۔

تو لہٰذا، لہٰذا «يَقْعُدُونَ غِلْمَانُهُ»، «يَقْعُدُونَ غِلْمَانُهُ» یہ ترکیب ضعیف ہے کیونکہ «غِلْمَانُهُ» فاعل اسمِ ظاہر ہے تو «يَقْعُدُ» کہنا چاہیے «يَقْعُدُونَ» نہیں، لیکن اگر کہیں کہ کوئی کہتا ہے «يَقْعُدُونَ غِلْمَانُهُ» جائز تو ہے لیکن اس صورت میں پھر یہ واو، «يَقْعُدُونَ» کا واو فاعل نہیں بنے گا بلکہ «يَقْعُدُونَ» کا واو فاعل نہیں، یہ ضمیر نہیں، یہ صرف جمع کی علامت ہے، یہ واو صرف اتنا بتا رہا ہے کہ اس فعل کا اسناد کس کی طرف ہے؟ جمع مذکر کی طرف ہو رہا ہے جو آگے «غِلْمَانُهُ» آ رہا ہے۔ معلوم ہوا «يَقْعُدُونَ غِلْمَانُهُ» یہ ترکیب کیا ہے؟ ضعیف ہے، تو اسی طرح «قَاعِدُونَ غِلْمَانُهُ» یہ ترکیب بھی کیا ہو گئی؟ ضعیف ہو گئی۔ لیکن بتلایا «قُعُودٌ غِلْمَانُهُ» یہ ترکیب جائز ہے، یہ ضعیف نہیں، «قُعُودٌ غِلْمَانُهُ» یہ ترکیب جائز ہے کیوں؟ کیونکہ یہ «قَاعِدٌ» کی جمع مکسر ہے، اور جمع مکسر کی مشابہت فعل کے ساتھ ختم ہو جاتی ہے، وجہ یہ کہ فعل کو توڑا نہیں جاتا، گردان چلتی ہے «ضَرَبَ، ضَرَبَا، ضَرَبُوا، ضَرَبَتْ، ضَرَبَتَا، ضَرَبْنَ، ضَرَبْتَ، ضَرَبْتُمَا، ضَرَبْتُمْ، ضَرَبْتِ، ضَرَبْتُمَا، ضَرَبْتُنَّ، ضَرَبْتُ، ضَرَبْنَا»۔ «يَضْرِبُ، يَضْرِبَانِ، يَضْرِبُونَ، تَضْرِبُ، تَضْرِبَانِ، يَضْرِبْنَ، تَضْرِبُ، تَضْرِبَانِ، تَضْرِبُونَ، تَضْرِبِينَ، تَضْرِبَانِ، تَضْرِبْنَ، أَضْرِبُ، نَضْرِبُ»۔ دیکھو فعل کا وزن کہیں نہیں ٹوٹتا، فعل کا وزن ایک جیسا چلتا ہے ساری گردان میں، معلوم ہوا فعل کے اندر تکسیر نہیں آتی۔ اور یہاں پر «قُعُودٌ» یہ تو جمع مکسر ہے، یہاں تکسیر آ گئی، وزن ٹوٹ گیا، تو فعل کے ساتھ مشابہت ختم ہو گئی۔ جب فعل کے ساتھ مشابہت ختم ہو گئی تو «قُعُودٌ غِلْمَانُهُ» یہ «يَقْعُدُونَ غِلْمَانُهُ» کی طرح نہ ہوا۔ یہ «يَقْعُدُونَ غِلْمَانُهُ» کی طرح نہ ہوا۔ «قَاعِدُونَ غِلْمَانُهُ» وہ تو «يَقْعُدُونَ غِلْمَانُهُ» کی طرح تھا، لیکن «قُعُودٌ غِلْمَانُهُ» یہ «يَقْعُدُونَ غِلْمَانُهُ» کی طرح نہیں ہے، لہٰذا اس لیے یہ ضعیف نہیں ہے، البتہ اعلیٰ لغت بھی نہیں ہے بھئی۔

یہ معنی ہے: «وَيَجُوزُ قُعُودٌ غِلْمَانُهُ» اور «قُعُودٌ غِلْمَانُهُ» یہ جائز ہے۔ اب اس سارے کو شرح کے ساتھ دیکھیے، کہتے ہیں:

«وَمِنْ ثَمَّ أَيْ وَمِنْ أَجْلِ كَوْنِ الْوَصْفِ الثَّانِي فِي الْخَمْسَةِ الْبَوَاقِي كَالْفِعْلِ»، اور اسی وجہ سے، بھئی کس چیز کی طرف اشارہ ہے؟ تو بتلا رہے ہیں، اسی وجہ سے أَيْ وَمِنْ أَجْلِ كَوْنِ الْوَصْفِ الثَّانِي کہ وصفِ ثانی جو ہے فِي الْخَمْسَةِ الْبَوَاقِي كَالْفِعْلِ باقی پانچ چیزوں میں فعل کی طرح ہوتا ہے، اس وجہ سے «حَسُنَ» اچھی ہے یہ ترکیب، یہ کلام اچھا ہے: «قَامَ رَجُلٌ

قَاعِدٌ غِلْمَانُهُ»، کیونکہ اس کے اندر «غِلْمَانُهُ» اسمِ ظاہر جمع ہے اور جب جمع اسمِ ظاہر فاعل ہو تو فعل کو مفرد رکھتے ہیں، تو اس لیے «قَاعِدٌ» صفت کے صیغے کو بھی مفرد رکھا گیا، کیونکہ صفت بحال متعلقہ وہ باقی پانچ چیزوں میں کس کی طرح ہے؟ فعل کی طرح ہے۔

کہتے ہیں: «كَمَا حَسُنَ يَقْعُدُ غِلْمَانُهُ»، جیسے «يَقْعُدُ غِلْمَانُهُ» اچھا ہے، یعنی یہ کلام یا یہ ترکیب جیسے اچھی ہے کہ «يَقْعُدُ غِلْمَانُهُ»۔ «غِلْمَانُهُ» جمع ہے اور فاعل جب اسمِ ظاہر آئے فعل کو کیا رکھتے ہیں؟ مفرد، اسی لیے «يَقْعُدُ» فعل مفرد کا لائے۔ تو جیسے «يَقْعُدُ غِلْمَانُهُ» اچھا ہے اسی طرح «قَاعِدٌ غِلْمَانُهُ» ترکیب بھی اچھی ہے۔

«وَحَسُنَ أَيْضًا»، اب ادھر دیکھیے: «غِلْمَانُهُ» یہ جمع مکسر ہے، اور میں نے آپ کو بتلایا جمع مکسر وہ مؤنثِ سماعی ہے، یہ کیا ہے؟ مؤنثِ سماعی ہے، اس کے لیے فعل کو مذکر لانا بھی جائز مؤنث لانا بھی جائز۔ میں نے بتایا تھا «ضَرَبَ الرِّجَالُ» بھی آپ کہہ سکتے ہیں اور «ضَرَبَتِ الرِّجَالُ» بھی کہہ سکتے ہیں۔ تو لہٰذا یہاں پر فاعل کیا؟ «غِلْمَانُهُ»، یہ کیا ہے؟ جمع مکسر، اور جمع مکسر کے لیے فعل کو مذکر لانا بھی جائز مؤنث لانا بھی جائز۔ «يَقْعُدُ غِلْمَانُهُ» کہنا بھی جائز اور «تَقْعُدُ غِلْمَانُهُ» کہنا بھی جائز۔ جب «تَقْعُدُ غِلْمَانُهُ» کہنا جائز تو «قَاعِدَةٌ غِلْمَانُهُ» کہنا بھی جائز ہوا۔ «قَاعِدٌ غِلْمَانُهُ» آپ صفت مذکر لے آئیں اور «قَاعِدَةٌ غِلْمَانُهُ» آپ صفت مؤنث لے آئیں دونوں جائز ہیں۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو کہتے ہیں: «وَحَسُنَ أَيْضًا قَاعِدَةٌ غِلْمَانُهُ» اور اسی طرح «قَاعِدَةٌ غِلْمَانُهُ» یہ بھی اچھا ہے، «لِأَنَّ الْفَاعِلَ مُؤَنَّثٌ غَيْرُ حَقِيقِيٍّ» اس لیے کیونکہ یہ فاعل جو ہے یعنی «غِلْمَانُهُ» یہ مؤنثِ غیرِ حقیقی ہے، کیونکہ جمع بتاویلِ جَمَاعَةٌ کس کے حکم میں؟ واحد مؤنث، تو یہ مؤنثِ سماعی ہے۔ «كَمَا حَسُنَ تَقْعُدُ غِلْمَانُهُ»، جیسے کہ «تَقْعُدُ غِلْمَانُهُ» اچھا ہے، یہ ترکیب اور یہ کلام اچھا ہے بھئی۔

«وَضَعُفَ» اور ضعیف ہے «قَامَ رَجُلٌ قَاعِدُونَ غِلْمَانُهُ»، یہ «قَامَ رَجُلٌ قَاعِدُونَ غِلْمَانُهُ» یہ ترکیب ضعیف ہے، «لِأَنَّهُ بِمَنْزِلَةِ يَقْعُدُونَ غِلْمَانُهُ» اس لیے کیونکہ یہ «يَقْعُدُونَ غِلْمَانُهُ» کے درجے میں ہے، اور یہ «غِلْمَانُهُ» اسمِ ظاہر فاعل ہے اور جب اسمِ ظاہر فاعل ہو تو فعل کو مفرد رکھتے ہیں، «يَقْعُدُ» ہونا چاہیے «يَقْعُدُونَ» نہیں ہونا چاہیے، تو یہ ترکیب ضعیف ہے بھئی۔ تو کہتے ہیں «قَاعِدُونَ غِلْمَانُهُ» یہ ترکیب ضعیف ہے «لِأَنَّهُ بِمَنْزِلَةِ يَقْعُدُونَ غِلْمَانُهُ» اس لیے کیونکہ یہ «يَقْعُدُونَ غِلْمَانُهُ» کے درجے میں ہے۔

ادھر دیکھیے: «يَقْعُدُونَ غِلْمَانُهُ» اگر کہیں پر ایسا کلام آجائے فعل بھی تثنیہ یا جمع اور آگے اسمِ ظاہر بھی تثنیہ یا جمع، تو تثنیہ کے لیے الف ملا دیا ہو فعل میں یا جمع کے لیے واو ملا دیا ہو، تو پھر یہ الف اور واو کیا ہوں گے؟ ضمیریں نہیں بلکہ تثنیہ یا جمع کی علامتیں، لیکن بہرحال سنو بھئی فاعل جب اسمِ ظاہر ہو تو فعل کے ساتھ تثنیہ یا جمع کی علامت ملانا ضعیف ہے، فعل کو مفرد ہی رکھنا چاہیے۔ فاعل جب اسمِ ظاہر ہو چاہے مفرد ہو تثنیہ ہو یا جمع ہو، فعل کو بھی کیا رکھیں گے؟ مفرد رکھیں گے،

اس کے ساتھ اس فعل کو تثنیہ یا جمع لانا یعنی اس کے ساتھ تثنیہ یا جمع کی علامت الف اور واو کو ملانا یہ ضعیف ہے بھئی۔ یہ معنی ہے: «وَإِلْحَاقُ عَلَامَتَيِ الْمُثَنَّى وَالْمَجْمُوعِ فِي الْفِعْلِ الْمُسْنَدِ إِلَى ظَاهِرِهِمَا ضَعِيفٌ»۔ «وَإِلْحَاقُ عَلَامَتَيِ الْمُثَنَّى»، اصل میں تھا «عَلَامَتَيْنِ» اور «إِلْحَاقٌ» کا معنی ملانا، اور ملانا دو علامتیں «الْمُثَنَّى وَالْمَجْمُوعِ» تثنیہ اور جمع کی، تثنیہ اور جمع کی دو علامتیں ملانا «فِي الْفِعْلِ» اس فعل میں «الْمُسْنَدِ إِلَى ظَاهِرِهِمَا» جس کا اسناد کیا گیا ہو ان کے ظاہر کی طرف «ضَعِيفٌ» یہ ضعیف ہے ان علامتوں کا ملانا۔

«وَيَجُوزُ»، اور جائز ہے، میں نے بتلایا تھا «قُعُودٌ غِلْمَانُهُ» یہ جائز ہے، نہ یہ اعلیٰ لغت ہے اور نہ یہ ضعیف لغت ہے، بہرحال ٹھیک لغت ہے۔ تو وہی بیان کر رہے ہیں: «وَيَجُوزُ مِنْ غَيْرِ حُسْنٍ وَلَا ضَعْفٍ» یعنی حسن اور ضعف کے بغیر یہ جائز ہے، نہ تو یہ اس ترکیب میں حسن ہے یعنی اچھی نہیں ہے اعلیٰ نہیں ہے اور ضعف بھی نہیں ہے، ہاں البتہ جائز ہے۔ تو کہتے ہیں: «وَيَجُوزُ مِنْ غَيْرِ حُسْنٍ وَلَا ضَعْفٍ قُعُودٌ غِلْمَانُهُ»، اور کہتے ہیں «قُعُودٌ غِلْمَانُهُ» جائز ہے بغیر حسن اور بغیر ضعف کے، «وَإِنْ كَانَ قُعُودٌ جَمْعًا أَيْضًا كَقَاعِدُونَ» اگرچہ «قُعُودٌ» بھی جمع ہے جیسے کہ «قَاعِدُونَ»، «لِأَنَّكَ إِذَا كَسَرْتَ الِاسْمَ الْمُشَابِهَ لِلْفِعْلِ» اس لیے کیونکہ جب آپ توڑ دیں اس اسم کو جو مشابہ ہے فعل کے، اس کا وزن کیا کر دیں آپ؟ توڑ دیں، تو «خَرَجَ لَفْظًا عَنْ مُوَازَنَةِ الْفِعْلِ وَمُنَاسَبَتِهِ» تو وہ نکل جاتا ہے لفظوں کے اعتبار سے «عَنْ مُوَازَنَةِ الْفِعْلِ» فعل کے ہم وزن ہونے سے «وَمُنَاسَبَتِهِ» اور اس کی مناسبت سے۔ فعل کی تو تکسیر نہیں کی جاتی، فعل کا وزن تو نہیں توڑا جاتا، تو جب ایک اسم جس کی مشابہت تھی فعل کے ساتھ جب آپ اس کو توڑ دیتے ہیں تو اس کی فعل کے ساتھ جو مشابہت ہے اور مناسبت ہے وہ ختم ہو جاتی ہے۔

یہ معنی ہے: «لِأَنَّكَ إِذَا كَسَرْتَ الِاسْمَ الْمُشَابِهَ لِلْفِعْلِ» اس لیے کیونکہ جب آپ توڑ دیں اس اسم کو جو مشابہ ہے فعل کے، «خَرَجَ» تو وہ نکل جاتا ہے «لَفْظًا» لفظوں کے اعتبار سے «عَنْ مُوَازَنَةِ الْفِعْلِ وَمُنَاسَبَتِهِ» فعل کا ہم وزن ہونے سے اور فعل کے مناسب ہونے سے وہ نکل جاتا ہے۔ «لِأَنَّ الْفِعْلَ لَا يُكَسَّرُ» اس لیے کیونکہ فعل کی تکسیر نہیں کی جاتی، فعل کے وزن کو توڑا نہیں جاتا۔ «فَلَمْ يَكُنْ قُعُودٌ غِلْمَانُهُ مِثْلَ يَقْعُدُونَ غِلْمَانُهُ» تو «قُعُودٌ غِلْمَانُهُ» یہ «يَقْعُدُونَ غِلْمَانُهُ» جیسا نہ ہوا، یہ «يَقْعُدُونَ غِلْمَانُهُ» جیسا نہ ہوا۔ بھئی اگر یہ اس جیسا ہوتا تو پھر یہ بھی ضعیف ہو جاتا لیکن یہ اس جیسا نہیں ہے کیونکہ فعل کے ساتھ اس کی مناسبت ختم ہو چکی ہے۔

تو کہتے ہیں: «فَلَمْ يَكُنْ قُعُودٌ غِلْمَانُهُ مِثْلَ يَقْعُدُونَ غِلْمَانُهُ»۔ بھئی ذرا اس ترکیب پہ نظر رکھو: «يَقْعُدُونَ غِلْمَانُهُ»۔ بھئی پہلی ترکیب میں نے کیا بتائی؟ کہ جب فاعل اسمِ ظاہر آئے اور جمع ہو «غِلْمَانُهُ» تو فعل کے ساتھ الف اور واو کو ملانا ضعیف ہے اور یہ الف اور واو پھر ضمیریں نہیں ہوتیں بلکہ یہ تثنیہ یا جمع کی علامتیں ہوتی ہیں، تو «يَقْعُدُونَ غِلْمَانُهُ» یہ «يَقْعُدُونَ» کے اندر واو کیا ہے؟ جمع کی علامت ہے اس وقت ضمیر نہیں۔ ایک ترکیب یہ، توجہ ہے؟ «يَقْعُدُونَ غِلْمَانُهُ»، «يَقْعُدُونَ» فعل «غِلْمَانُهُ» اس کا فاعل، یہ ایک ترکیب، اور اس ترکیب کے مطابق یہ واو کیا ہے؟ ضمیر سے نکل کر کیا بن گیا ہے؟ حرف بن

چکا ہے، صرف جمع کی علامت ہے۔ سنو دوسری ترکیب سنو: بعض علما اگر ایسا مقام آجائے تو پھر وہ اس واو کو فاعل بھی بناتے ہیں۔ کیا بناتے ہیں؟ اس واو کو فاعل بناتے ہیں، کہتے ہیں یہ ابھی بھی ضمیر ہے۔ تو اشکال ہوتا ہے فاعل دو تو نہیں آ سکتے، تو وہ پھر جواب دیتے ہیں کہ فاعل واو ہے «غِلْمَانُهُ» فاعل نہیں یہ واو سے بدل ہے۔ یہ واو سے بدل ہے، اور واو بھی مبدل منہ بھی جمع اور «غِلْمَانُهُ» بھی جمع تو یہ اس سے بدل واقع ہو سکتا ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو وہ مبدل منہ اور بدل بناتے ہیں۔ جبکہ بعض علما پھر اس مقام پر اور ترکیب کرتے ہیں، وہ کہتے ہیں کہ یہ «يَقْعُدُونَ» یہ خبرِ مقدم ہے اور «غِلْمَانُهُ» یہ ابتدا مؤخر ہے، اور «يَقْعُدُونَ» کے اندر واو فاعل ہے۔ ذرا «يَقْعُدُونَ» کو مؤخر کر دو: «غِلْمَانُهُ يَقْعُدُونَ»، گویا اصل کلام یوں ہے: «غِلْمَانُهُ» ابتدا مؤخر، اور «يَقْعُدُونَ» فعل اس کے اندر واو ضمیر مرفوع محلاً اس کا فاعل اور یہ ضمیر کس کو راجع؟ وہ جو ابتدا ہے، خبر کو کس سے جوڑتے ہیں؟ ابتدا سے، تو فعل اپنے فاعل سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر یہ خبر ہوئی ابتدا مؤخر کے لیے۔

طریقہ سمجھ میں آیا؟ تو بعض علما کیا فرماتے ہیں جب اس طرح کی ترکیب آجائے «يَقْعُدُونَ غِلْمَانُهُ» یا «يَقْعُدَانِ غُلَامَاهُ»، تثنیہ کی علامت آجائے اور آگے تثنیہ فعل آجائے یا «يَقْعُدُونَ غِلْمَانُهُ» جمع فعل آجائے اور آگے اسمِ ظاہر بھی جمع آئے، تو بعض کیا فرماتے ہیں کہ یہ واو صرف جمع کی علامت ہے اور «غِلْمَانُهُ» فاعل ہے۔ بعض کہتے ہیں یہ واو مبدل منہ ہے یہی فاعل ہے، یہ ضمیر ہے یہ جمع کی علامت نہیں ہے اور «غِلْمَانُهُ» اس سے بدل ہے۔ اور بعض کیا کہتے ہیں؟ «يَقْعُدُونَ» اس کو کیا بناتے ہیں؟ خبرِ مقدم اور «غِلْمَانُهُ» کو ابتدا مؤخر بناتے ہیں۔ وہی بیان کرنے لگے ہیں آگے سنیں بھئی:

«فَلَمْ يَكُنْ قُعُودٌ غِلْمَانُهُ مِثْلَ يَقْعُدُونَ غِلْمَانُهُ» تو «قُعُودٌ غِلْمَانُهُ» جو ہے یہ «يَقْعُدُونَ غِلْمَانُهُ» کی طرح نہیں ہے، وہ «يَقْعُدُونَ غِلْمَانُهُ» «الَّذِي اجْتَمَعَ فِيهِ فَاعِلَانِ فِي الظَّاهِرِ»۔ وہ، توجہ ہے؟ یہ صفت ہے «يَقْعُدُونَ غِلْمَانُهُ» کی «الَّذِي»۔ «يَقْعُدُونَ غِلْمَانُهُ» سے لفظ مراد ہے اور لفظ بول کر جب لفظ کا ارادہ کیا جائے تو وہ کس کے درجے میں ہے؟ علم کے درجے میں ہے، وہ معرفہ ہے، اور معرفہ کی صفت معرفہ لائی جاتی ہے اسی لیے اس کی صفت آگے «الَّذِي» معرفہ لائی گئی۔ سنیں ترجمہ سنیں: «مِثْلَ يَقْعُدُونَ غِلْمَانُهُ»، جیسے کہ وہ «يَقْعُدُونَ غِلْمَانُهُ» «الَّذِي اجْتَمَعَ فِيهِ فَاعِلَانِ» جس میں دو فاعل جمع ہیں «فِي الظَّاهِرِ» ظاہر کے اعتبار سے۔ ظاہر یوں ہی لگتا ہے جیسے دو فاعل جمع ہیں، لیکن ہم نے تین احتمال بتا دیے کہ واو کو صرف کیا بناؤ؟ علامت بناؤ صرف «غِلْمَانُهُ» ایک فاعل، یا واو ہی کو فاعل بناؤ ایک ہی فاعل ہے اور «غِلْمَانُهُ» کو اس سے بدل بنا دو، یا واو کو فاعل بناؤ اور «غِلْمَانُهُ» کو ابتدا مؤخر بنا دو۔ لیکن بات سمجھ میں آگئی؟ تو تینوں تاویلات ہوں گی اس میں لیکن بظاہر یوں ہی لگتا ہے جب کوئی طالبِ علم دیکھتا ہے «يَقْعُدُونَ غِلْمَانُهُ» وہ سمجھتا ہے شاید دو فاعل ہیں بھئی۔

تو کہتے ہیں: «الَّذِي اجْتَمَعَ فِيهِ فَاعِلَانِ فِي الظَّاهِرِ» وہ «يَقْعُدُونَ غِلْمَانُهُ» کہ جس کے اندر ظاہر کے اعتبار سے دو فاعل جمع ہیں، «إِلَّا أَنْ تَخْرُجَ الْوَاوُ مِنَ الِاسْمِيَّةِ إِلَى الْحَرْفِيَّةِ»۔ اب وہ تین احتمال ذکر کریں گے: «إِلَّا أَنْ تَخْرُجَ الْوَاوُ» مگر یہ کہ وہ

جو واو ہے وہ نکل گیا ہے «مِنَ الِاسْمِيَّةِ إِلَى الْحَرْفِيَّةِ» اسم ہونے سے حرف ہونے کی طرف، یعنی اب یہ اسم نہیں ضمیر نہیں بلکہ کیا بن چکا ہے؟ حرف بن چکا ہے جمع کی علامت بن چکا ہے۔ یا دوسرا احتمال: «أَوْ يُجْعَلَ الْمُظْهَرُ بَدَلًا مِنَ الْمُضْمَرِ» یا اس اسمِ ظاہر کو جو ہے اس کو ضمیر سے بدل بنایا جائے گا، یہ دوسرا احتمال۔ «أَوْ يُجْعَلَ الْفِعْلُ خَبَرًا مُقَدَّمًا عَلَى الْمُبْتَدَإِ» یا یہ کہ اس فعل کو خبرِ مقدم قرار دیا جائے گا «عَلَى الْمُبْتَدَإِ» مبتدا پر۔ بات سمجھ میں آگئی؟

آگے دیکھیے بھئی، آگے دیکھیے بھئی متن متن صرف دیکھیے:

▪ متنِ کتاب و تحقیقِ مسائلِ نحویہ

وَالْمُضْمَرُ لَا يُوصَفُ وَلَا يُوصَفُ بِهِ۔

«وَالْمُضْمَرُ لَا يُوصَفُ وَلَا يُوصَفُ بِهِ»۔ یہاں سے صاحبِ کافیہ ایک الگ ضابطہ بیان فرما رہے ہیں۔ ضابطہ یہ کہ «وَالْمُضْمَرُ لَا يُوصَفُ»، ضمیر جو ہے وہ موصوف نہیں بنتی، ضمیر کی صفت نہیں لائی جاتی، «وَلَا يُوصَفُ بِهِ» اور نہ ضمیر کے ساتھ کسی کو موصوف کیا جاتا ہے۔ معلوم ہوا ضمیر نہ صفت بنتی ہے نہ موصوف بنتی ہے۔ ضمیر نہ صفت بنتی ہے اور نہ موصوف بنتی ہے۔ بھئی صفت کیوں نہیں بنتی ضمیر؟ وجہ یہ کہ صفت کسے کہتے ہیں؟ «النَّعْتُ تَابِعٌ يَدُلُّ عَلَى مَعْنًى فِي مَتْبُوعِهِ»، صفت وہ تابع ہے جو ایسے معنی پر دلالت کرے جو متبوع میں پایا جائے، جبکہ ضمیر، ضمیر تو ذات پہ دلالت کرتی ہے، «هُوَ» وہ ایک آدمی، «هُمَا» وہ دو آدمی، «هُمْ» وہ سب آدمی، تو ضمیر کس پر دلالت کرتی ہے؟ ذات پہ دلالت کرتی ہے، وہ صفت والے معنی پر دلالت نہیں کرتی یعنی ایسا معنی جو غیر میں پایا جائے ضمیر اس پر دلالت نہیں کرتی، حالانکہ صفت میں تو ضروری ہے بھئی، صفت کہتے ہی اس کو ہیں جو ایسے معنی پر دلالت کرے جو اس کے متبوع میں پایا جائے، تو ضمیر ایسے معنی پر دلالت نہیں کرتی، تو لہٰذا یہ صفت بھی واقع نہیں ہو سکتی۔

اور نیز ضمیر موصوف بھی نہیں بنتی، ضمیر موصوف بھی نہیں بنتی۔ بھئی کیوں موصوف کیوں نہیں بنتی؟ وجہ یہ کہ آپ نے پڑھا ہے کہ صفت لانے کے فائدے کیا ہیں؟ نکرہ کی صفت کس لیے لائی جاتی ہے؟ تخصیص کے لیے، اور معرفہ کی صفت کس لیے لائی جاتی ہے؟ توضیح کے لیے۔ توجہ ہے؟ نکرہ کی صفت کس لیے؟ تخصیص کے لیے وہ اس میں اشتراک کو کم کر دیتی ہے، اور معرفہ کی صفت توضیح کے لیے لائی جاتی ہے وہ اس سے غیر کے احتمال کو ختم کر دیتی ہے صفت۔ «جَاءَنِي زَيْدٌ الْعَالِمُ»، اس زید کے اندر عالم ہونے کا بھی احتمال تھا اور عالم نہ ہونے کا بھی احتمال تھا، لیکن جب اس کی صفت «الْعَالِمُ» لائی گئی تو اس نے غیرِ عالم ہونے کے احتمال کو ختم کر دیا۔ تو معرفہ میں صفت کس لیے لائی جاتی ہے؟ توضیح کے لیے۔ اور ضمیر بھی معرفہ ہے لیکن اس کی صفت نہیں لائی جاتی کیونکہ ضمیر تو أعرف المعارف ہے۔ ضمیر تو أعرف المعارف ہے۔ آپ نے معرفہ کی جتنی قسمیں پڑھیں ان میں سب سے زیادہ تعریف ضمیر کے اندر ہے۔ کون سی

قسمیں پڑھیں؟ تمام ضمیریں یہ بھی کیا ہیں؟ معرفہ، اسمائے اشارہ یہ بھی کیا ہیں؟ معرفہ، اسمائے موصولہ وہ بھی کیا ہیں؟ معرفہ، علم بھی معرفہ، معرف باللام بھی کیا ہے؟ معرفہ، اور ان کی طرف جو مضاف ہو وہ بھی معرفہ، اسی طرح معرفہ بالنداء بھی ہے لیکن وہ یہاں پر اس بحث سے خارج ہے۔ تو بات یہ چل رہی ہے کہ ضمیر جو ہے اس میں سب سے زیادہ تعریف ہے۔ ضمیر میں سب سے زیادہ تعریف ہے تو لہٰذا اس میں کسی وضاحت کی ضرورت نہیں، کسی توضیح کی ضرورت نہیں۔ توجہ ہے؟ کسی توضیح کی ضرورت نہیں بھئی۔ تو کہتے ہیں: «وَالْمُضْمَرُ لَا يُوصَفُ» اور ضمیر جو ہے اس کو موصوف نہیں کیا جاتا «وَلَا يُوصَفُ بِهِ» اور ضمیر کے ساتھ کسی اور چیز کو بھی موصوف نہیں کیا جاتا یعنی ضمیر صفت بھی نہیں بنتی۔

جی اب اس کو شرح کے ساتھ دیکھیے، کہتے ہیں: «وَالْمُضْمَرُ لَا يُوصَفُ» اور ضمیر جو ہے اس کی صفت نہیں لائی جاتی، «لِأَنَّ ضَمِيرَ الْمُتَكَلِّمِ وَالْمُخَاطَبِ أَعْرَفُ الْمَعَارِفِ وَأَوْضَحُهَا فَلَا حَاجَةَ لَهُمَا إِلَى التَّوْضِيحِ»۔ بھئی دیکھیے یاد رکھو آپ نے جتنے معرفہ پڑھے ان میں سب سے زیادہ تعریف ضمیروں میں ہے اور پھر ضمیروں کے اندر سب سے زیادہ تعریف متکلم کی ضمیر میں ہے، کس میں؟ متکلم، اور اس کے بعد درجہ ہے مخاطب کا۔ بھئی دیکھیے انسان سب سے زیادہ اپنے آپ کو جانتا ہے، انسان سب سے زیادہ اپنے آپ کو جانتا ہے، اس کے بعد جو مخاطب ہے کیونکہ وہ اس کے سامنے موجود ہے، اور اس کے بعد درجہ ہے کس کا؟ غائب کا۔ تو ضمیر جو ہے أعرف المعارف ہے باقی تمام معرفوں سے، اور پھر ضمیروں کے اندر متکلم اور مخاطب کی ضمیریں سب سے زیادہ ان میں تعریف ہے، ان میں پھر متکلم اور مخاطب کے اندر بھی متکلم کی ضمیر میں زیادہ تعریف ہے کہ انسان سب سے زیادہ اپنے آپ کو پہچانتا ہے۔ تو لہٰذا متکلم اور مخاطب کی ضمیریں تو خوب واضح ہیں ان میں کسی توضیح کی ضرورت نہیں۔ معرفہ کی صفت کیوں لاتے ہیں؟ توضیح کے لیے، غیر کے احتمال کو ختم کرنے کے لیے، لیکن یہ ضمیریں تو سب سے زیادہ ان میں تعریف ہے، انسان سب سے زیادہ ان کو جانتا ہے، لہٰذا ان میں کسی توضیح کی ضرورت نہیں۔ اور انہی پر محمول ہے غائب کی ضمیر بھی، کس کا؟ غائب کی ضمیر بھی انہی پر محمول ہے، جب ان کی صفت نہیں لائی جاتی ان میں کسی وضاحت کی ضرورت نہیں تو غائب کی ضمیر کی بھی صفت نہیں لائی جاتی تاکہ سارے باب کا ایک حکم رہے۔ یہ نہ ہو بعض ضمیروں کی تو صفت آتی ہے بعض کی صفت نہیں آتی، نہیں، بس متکلم اور مخاطب جو ہیں ان کی جب صفت نہیں کیونکہ وہاں کسی وضاحت کی ضرورت نہیں، تو انہی پر محمول ہے غائب کی ضمیر بھی لہٰذا اس کی بھی صفت لانے کی کوئی حاجت نہیں ہے۔

کہتے ہیں: «لِأَنَّ ضَمِيرَ الْمُتَكَلِّمِ وَالْمُخَاطَبِ» اس لیے کیونکہ متکلم اور مخاطب کی ضمیر جو ہے «أَعْرَفُ الْمَعَارِفِ» وہ تمام معرفوں میں سے زیادہ معرفہ ہیں «وَأَوْضَحُهَا» اور تمام معرفوں میں سے زیادہ واضح ہیں، «فَلَا حَاجَةَ لَهُمَا إِلَى التَّوْضِيحِ» لہٰذا ان میں کوئی حاجت نہیں ہے توضیح کی، کوئی وضاحت کی ضرورت نہیں صفت لانے کی حاجت نہیں۔

اس پر سوال پیدا ہوتا ہے: آپ نے ہمیں بتایا تھا کہ نکرہ میں صفت لاتے ہیں تخصیص کے لیے اور معرفہ میں صفت لاتے ہیں توضیح کے لیے، لیکن آپ نے بتایا تھا کبھی کبھار صفت صرف مدح یا صرف ذم یا صرف تاکید کے لیے بھی آتی ہے، تو وہ تو توضیح کے لیے نہیں ہے۔ تو آپ کی تقریر سے اتنا تو پتا چل گیا کہ ضمیروں میں کسی توضیح کی ضرورت نہیں، تو معلوم ہوا کہ ضمیروں کی صفتِ موضحہ نہیں آسکتی۔ آپ نے کیا کہا؟ توجہ نہیں ہے، آپ نے کیا کہا؟ ضمیروں میں کسی توضیح کی ضرورت نہیں، اس سے پتا چل گیا ان کی صفتِ موضحہ نہیں آسکتی، وہ صفت جو توضیح کر رہی ہو وہ نہیں آسکتی، لیکن صفتِ مادحہ یا صفتِ ذامہ یا صفت جو تاکید وغیرہ کے لیے ہو وہ تو آسکتی ہے؟ تو کہتے ہیں بھئی وہ بھی انہی پر محمول ہیں۔ وہ والی صفتیں جو مدح، ذم یا تاکید کے لیے آتی ہیں وہ بھی صفتِ موضحہ پر محمول ہیں، جب صفتِ موضحہ نہیں آسکتی تو وہ والی صفتیں بھی نہیں آسکتیں، تاکہ ایک ہی حکم ہو جائے سارے باب کا، یہ نہ ہو کہ کچھ صفتیں آسکتی ہیں کچھ صفتیں نہیں آسکتیں، تو ایک ہی حکم کرنے کے لیے صفتِ موضحہ پر ہی محمول کر دیا صفتِ مادحہ، صفتِ ذامہ اور صفتِ مؤکدہ کو بھی۔

یہ معنی ہے: «وَحُمِلَ عَلَيْهِمَا ضَمِيرُ الْغَائِبِ وَعَلَى الْوَصْفِ الْمُوَضِّحِ الْوَصْفُ الْمَادِحُ وَالذَّامُّ وَغَيْرُهُمَا طَرْدًا لِلْبَابِ»۔ «وَحُمِلَ عَلَيْهِمَا ضَمِيرُ الْغَائِبِ» اور غائب کی ضمیر بھی انہی پر محمول ہے: متکلم اور مخاطب کیا ہیں؟ وہ أعرف المعارف ہیں ان کے لیے تو صفتِ موضحہ لانے کی حاجت نہیں، تو غائب کی ضمیر بھی انہی پر محمول ہے اس کے لیے بھی صفت نہیں لا سکتے۔ تو یہ معنی ہے: «وَحُمِلَ عَلَيْهِمَا ضَمِيرُ الْغَائِبِ» اور انہی دو پر یعنی ضمیرِ متکلم اور مخاطب پر ہی محمول ہیں ضمیرِ غائب، غائب کی ضمیر بھی۔ «وَعَلَى الْوَصْفِ الْمُوَضِّحِ» اور وصفِ موضح پر محمول ہے «الْوَصْفُ الْمَادِحُ وَالذَّامُّ وَغَيْرُهُمَا» وہ جو وصف مدح کے لیے ہو اور وہ جو مذمت کے لیے ہو اور «وَغَيْرُهُمَا» اور جو ان کے علاوہ ہو یعنی تاکید وغیرہ کے لیے «طَرْدًا لِلْبَابِ» باب کی موافقت کے لیے، باب کی مناسبت کے لیے تاکہ پورے باب کا ایک حکم ہو جائے۔ ترجمہ سمجھ میں آیا؟ پھر ترجمہ دیکھ لیجیے، کہتے ہیں: «وَحُمِلَ عَلَيْهِمَا ضَمِيرُ الْغَائِبِ» اور اسی متکلم اور مخاطب کی ضمیروں پر محمول ہے غائب کی ضمیر بھی، «وَعَلَى الْوَصْفِ الْمُوَضِّحِ» اور اسی طرح وہ وصف جو وضاحت کے لیے آئے اسی پر محمول ہے «الْوَصْفُ الْمَادِحُ وَالذَّامُّ وَغَيْرُهُمَا طَرْدًا لِلْبَابِ» وہ وصف جو مدح کے لیے آئے یا مذمت کے لیے آئے یا ان کے علاوہ کے لیے آئے «طَرْدًا لِلْبَابِ» باب کی مناسبت سے باب کی موافقت کے لیے کہ پورے باب کا ایک حکم ہو جائے۔

«وَلَا يُوصَفُ بِهِ» اور ضمیر کے ساتھ کسی کو موصوف بھی نہیں کیا جاتا یعنی ضمیر صفت بھی نہیں بنتی، «لِأَنَّهُ لَيْسَ فِي الْمُضْمَرِ مَعْنَى الْوَصْفِيَّةِ» اس لیے کیونکہ ضمیر کے اندر وصفیت والا معنی نہیں ہے، وصف ہونے والا معنی نہیں۔ وصف ہونے کا کیا معنی تھا؟ کہ ایسا معنی جو غیر میں پایا جائے۔ کہتے ہیں کہ اس ضمیر کے اندر وصف والا معنی بھی نہیں ہے، «وَهُوَ الدَّلَالَةُ عَلَى قِيَامِ مَعْنًى بِالذَّاتِ» اور وہ دلالت کرنا ہے ایسے معنی پر جو کسی ذات کے ساتھ قائم ہو، جو کسی دوسری ذات

میں پایا جائے۔ «لِأَنَّهُ يَدُلُّ عَلَى الذَّاتِ لَا عَلَى قِيَامِ مَعْنًى بِهَا» اس لیے کیونکہ ضمیر جو ہے وہ ذات پر دلالت کرتی ہے، ایسے معنی پر نہیں جو ذات کے ساتھ قائم ہو۔ ضمیر ذات پہ دلالت کرتی ہے ذات کے ساتھ قائم معنی پر یہ دلالت نہیں کرتی، تو لہٰذا یہ صفت نہیں بن سکتی۔

«وَكَأَنَّهُ لَمْ يَقَعْ فِي بَعْضِ النُّسَخِ قَوْلُهُ وَلَا يُوصَفُ بِهِ»۔ بھئی دیکھیے میں نے بتایا تھا کافیہ کی ایک اور عظیم شرح جو ہے وہ علامہ رضی کی ہے بھئی۔ وہ علامہ رضی کی شرح جو ہے اس میں علامہ رضی فرماتے ہیں، توجہ ہے؟ ذرا پیچھے متن پر آئیے، پیچھے متن تھا: «وَالْمُضْمَرُ لَا يُوصَفُ وَلَا يُوصَفُ بِهِ»، ضمیر موصوف بھی نہیں بنتی اور صفت بھی نہیں بنتی۔ وہاں علامہ رضی کے پاس جو نسخہ تھا اس کے اندر کہتے ہیں شاید یہ جو «وَلَا يُوصَفُ بِهِ» یہ جو دوسرا جملہ ہے «وَلَا يُوصَفُ بِهِ» ضمیر کے ساتھ کسی چیز کو موصوف نہیں کرتے یعنی ضمیر صفت بھی نہیں بنتی، علامہ رضی کے پاس کافیہ کا جو نسخہ تھا کہتے ہیں شاید اس میں یہ عبارت نہیں تھی۔ پہلے کتابیں ہاتھ سے لکھتے تھے بھئی تو شاید لکھتے ہوئے کسی طالبِ علم سے «وَلَا يُوصَفُ بِهِ» یہ عبارت رہ گئی، اور علامہ رضی کے پاس جو کافیہ کا نسخہ پہنچا جس کی انہوں نے شرح لکھی اس میں «وَلَا يُوصَفُ بِهِ» نہیں تھا۔ «وَلَا يُوصَفُ بِهِ» کا کیا معنی کہ ضمیر صفت نہیں بنتی، ضمیر کے ساتھ کسی کو موصوف نہیں کیا جاتا۔ تو علامہ رضی پھر وہاں پر اشکال کرتے ہیں کہ صاحبِ کافیہ نے یہ تو بتا دیا کہ ضمیر موصوف نہیں بنتی، لیکن یہ نہیں بتایا کہ ضمیر صفت بھی نہیں بنتی۔ انہوں نے کہا کہ «وَالْمُضْمَرُ لَا يُوصَفُ» یہ تو صاحبِ کافیہ نے بتا دیا کہ ضمیر یہ موصوف نہیں بنتی، لیکن یہ صفت بھی نہیں بنتی یہ انہوں نے نہیں بتایا، کیونکہ ان کے نسخے میں شاید یہ «وَلَا يُوصَفُ بِهِ» کی عبارت نہیں تھی، تو وہ اشکال کرتے ہیں۔

تو کہتے ہیں: «وَكَأَنَّهُ لَمْ يَقَعْ فِي بَعْضِ النُّسَخِ قَوْلُهُ وَلَا يُوصَفُ بِهِ» اور گویا کہ کافیہ کے بعض نسخوں میں ماتن کا قول «وَلَا يُوصَفُ بِهِ» یہ واقع نہیں ہے، یہ وہاں موجود نہیں ہے۔ «وَلِهٰذَا اعْتَذَرَ الشَّارِحُ الرَّضِيُّ وَقَالَ» اور اسی لیے عذرپیش کیا ہے شارحِ رضی نے اور وہ فرماتے ہیں: «وَلَمْ يَذْكُرِ الْمُصَنِّفُ أَنَّهُ لَا يُوصَفُ بِالضَّمِيرِ» کہ ماتن یعنی صاحبِ کافیہ جو مصنف ہیں انہوں نے ذکر نہیں فرمایا کہ «أَنَّهُ لَا يُوصَفُ بِالضَّمِيرِ» کہ ضمیر کے ساتھ موصوف نہیں کیا جاتا یعنی ضمیر صفت نہیں بنتی۔ اس بات کو صاحبِ کافیہ نے صراحتاً ذکر نہیں فرمایا، یہ کون کہہ رہے ہیں؟ علامہ رضی۔ «لِأَنَّهُ تَبَيَّنَ ذٰلِكَ بِقَوْلِهِ وَالْمَوْصُوفُ أَخَصُّ أَوْ مُسَاوٍ»۔ کہتے ہیں: اس لیے کیونکہ یہ بات ماتن کے اس قول سے ظاہر ہے «وَالْمَوْصُوفُ أَخَصُّ أَوْ مُسَاوٍ»۔

ادھر دیکھیے: علامہ رضی کے نسخے میں یہ بات نہیں تھی کہ ضمیر صفت نہیں بنتی، تو انہوں نے وہاں عذرپیش کیا کہ صاحبِ کافیہ نے یہ بات ذکر نہیں فرمائی کہ ضمیر صفت نہیں بنتی وجہ یہ کہ یہ بات اگلے جملے سے بھی سمجھ میں آرہی ہے، یہ جو «وَالْمَوْصُوفُ أَخَصُّ أَوْ مُسَاوٍ» آرہا ہے اس سے ہی یہ بات سمجھ میں آجاتی ہے کہ ضمیر صفت بھی نہیں بنتی۔ ضمیر صفت بھی نہیں بنتی۔ تو انہوں نے بھی عذرپیش کر کے کہہ دیا کہ اگلے جملے سے چونکہ یہ بات سمجھ میں آرہی تھی اس لیے صاحبِ کافیہ نے اس کو صراحتاً ذکر نہیں کیا، لیکن کافیہ کے بعض نسخوں میں صراحتاً ذکر ہے جیسے اس نسخے میں جو ہم پڑھ رہے ہیں بھئی۔ تو کہتے ہیں انہوں نے یہ عذرپیش فرمایا کہ صاحبِ کافیہ نے یہ ذکر نہیں فرمایا کہ ضمیر جو ہے وہ صفت نہیں بنتی، «لِأَنَّهُ تَبَيَّنَ ذٰلِكَ بِقَوْلِهِ»

اس لیے کیونکہ ماتن کے اس قول سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ ضمیر صفت نہیں بنتی، کس بات سے؟ ماتن کے اس قول سے «وَالْمَوْصُوفُ أَخَصُّ أَوْ مُسَاوٍ» کہ موصوف یا اخص ہو گا یا مساوی۔

جی اب متن متن پھر سمجھ لیجیے، کہتے ہیں:

وَالْمَوْصُوفُ أَخَصُّ أَوْ مُسَاوٍ وَمِنْ ثَمَّ لَمْ يُوصَفْ ذُو اللَّامِ إِلَّا بِمِثْلِهِ أَوْ بِالْمُضَافِ إِلَى مِثْلِهِ، وَإِنَّمَا الْتُزِمَ وَصْفُ بَابِ هٰذَا بِذِي اللَّامِ لِلْإِبْهَامِ، وَمِنْ ثَمَّ ضَعُفَ مَرَرْتُ بِهٰذَا الْأَبْيَضِ وَحَسُنَ بِهٰذَا الْعَالِمِ۔

عبارت مل گئی ساری متن کی بھئی؟ پھر متن دیکھ لیجیے بھئی، دور دور ہے:

وَالْمَوْصُوفُ أَخَصُّ أَوْ مُسَاوٍ، وَمِنْ ثَمَّ لَمْ يُوصَفْ ذُو اللَّامِ إِلَّا بِمِثْلِهِ أَوْ بِالْمُضَافِ إِلَى مِثْلِهِ، وَإِنَّمَا الْتُزِمَ وَصْفُ بَابِ هٰذَا بِذِي اللَّامِ لِلْإِبْهَامِ، وَمِنْ ثَمَّ ضَعُفَ مَرَرْتُ بِهٰذَا الْأَبْيَضِ وَحَسُنَ بِهٰذَا الْعَالِمِ۔

بھئی یاد رکھیے: آپ نے معرفہ کی قسمیں پڑھی ہیں، یاد رکھنا یہ معرفہ کی تمام قسمیں جو ہیں یہ تعریف میں برابر نہیں۔ ہر معرفہ میں برابر درجے کی تعریف نہیں ہے، بلکہ تعریف ان میں مختلف درجوں کی ہے۔ بلکہ ان میں تعریف مختلف درجوں کی ہے۔ یاد رکھنا یہ جو معرفہ آپ نے پڑھے ان میں سب سے زیادہ تعریف ضمیروں میں ہے۔ معرفہ کی کون کون سی قسمیں ہیں؟ تمام ضمیریں ہیں، اسمائے اشارہ ہیں، اسمائے موصولہ ہیں، علم ہے اور معرف باللام اور ان کی طرف جو مضاف ہو۔ اور اسی طرح ایک معرفہ بالنداء ہے لیکن وہ یہاں ہماری اس بحث سے خارج ہے کیونکہ یہاں ہم توابع کی بحث موصوف صفت کی بحث پڑھ رہے ہیں۔

تو یہ جو معرفہ کی قسمیں ہیں ان میں تعریف برابر درجے کی نہیں ہے، یاد رکھنا سب سے زیادہ تعریف ان کے اندر ضمیروں میں ہے، دوسرے درجے میں علم ہے، تیسرے درجے میں اسمائے اشارہ ہیں، اور چوتھے درجے میں معرف باللام بھی ہے اور اسمِ موصول بھی ہے، معرف باللام بھی ہے اور اسمِ موصول بھی ہے، اور آگے جو ان میں سے کسی کی طرف مضاف ہو یاد رکھو مضاف کا وہی درجہ ہے جو مضاف الیہ کا ہے۔ توجہ ہے؟ پھر دہرائیں: سب سے زیادہ تعریف کس کے اندر؟ ضمیروں میں۔ اس کے بعد دوسرا درجہ علم کا ہے، تیسرا درجہ اسمِ اشارہ کا ہے، چوتھا درجہ معرف باللام اور اسمِ موصول دونوں چوتھے درجے میں ہیں، اور اس کے بعد کیا تھے وہ جو مضاف ہو ان پانچ میں سے کسی ایک کی طرف تو یاد رکھنا مضاف کا وہی حکم ہے جو مضاف الیہ کا ہو گا۔ مثلاً اگر آپ ضمیر کی طرف اضافت کرتے ہیں «غُلَامُهُ» تو ضمیر پہلے درجے کی ہے، ضمیر کے اندر پہلے درجے کی تعریف ہے، تو مضاف کے اندر بھی اسی درجے کی تعریف آجائے گی، تو «غُلَامُهُ» یہ مضاف ہے ضمیر کی طرف یہ بھی پہلے درجے کی تعریف ہے اس میں۔ اسی طرح دوسرا درجہ علم کا ہے تو «غُلَامُ زَيْدٍ»، تو یہ غلام جو علم کی طرف مضاف ہے اس کے اندر بھی اسی درجے کی تعریف آگئی معلوم ہوا یہ بھی دوسرے درجے کا ہے۔ اور اسی

طرح تیسرے درجے میں اسمِ اشارہ ہے تو «غُلَامُ هٰذَا»، یہ جو مضاف ہے اسمِ اشارہ کی طرف یہ غلام بھی اب یہ تیسرے درجے والا ہو گیا۔ اور جب کہ جو چوتھے درجے میں ہے معرف باللام اور اسمِ موصول، تو ان دونوں کی طرف جو مضاف ہو گا وہ بھی چوتھے درجے کا ہے: «غُلَامُ الرَّجُلِ» یا «غُلَامُ الَّذِي ضَرَبَكَ»، یہ دونوں میں یہ جو غلام ہے اس نے مضاف الیہ سے تعریف اخذ کی اور کون سے درجے کی تعریف اخذ کی؟ چوتھے درجے والی کیونکہ یہ مضاف الیہ خود چوتھے درجے والے ہیں۔ بات سمجھ میں آگئی؟

تو تمام معرفوں میں سب سے زیادہ تعریف ضمیروں کے اندر ہے اور میں نے آپ کو بتلایا تھا علی الاطلاق سب سے زیادہ تعریف لفظِ «الله» میں ہے۔ ان تمام معرفوں سے زیادہ تعریف کس کے اندر ہے؟ لفظِ «الله» کے اندر ہے بھئی۔ تو البتہ ان پانچ چھ کے اندر سب سے زیادہ تعریف جو ہے ضمیروں میں ہے، پھر علم میں ہے، پھر اسمائے اشارہ ہے، اور اس کے بعد معرف باللام اور اسمِ موصول کا درجہ ہے۔ تو صاحبِ کافیہ نے آپ کو بتلا دیا کہ ضمیر نہ صفت بنتی ہے نہ موصوف بنتی ہے۔ اب باقیوں کے اندر کون موصوف بن سکتا ہے اور کون سی چیز اس کی صفت لا سکتے ہیں وہ اب ضابطہ بیان کرنے لگے ہیں صاحبِ کافیہ، فرماتے ہیں: «وَالْمَوْصُوفُ أَخَصُّ أَوْ مُسَاوٍ» کہ موصوف جو ہے اس کو زیادہ خاص ہونا چاہیے أَوْ مُسَاوٍ یا برابر ہونا چاہیے۔ یعنی موصوف کی آپ صفت لانا چاہتے ہیں، موصوف معرفہ ہے آپ اس کی صفت لانا چاہتے ہیں تو یاد رکھو موصوف کی تعریف صفت سے زیادہ ہونی چاہیے۔ موصوف کی تعریف صفت سے زیادہ ہونی چاہیے، صفت کی تعریف اس سے کم درجے کی ہونی چاہیے، اور اگر کم درجے کی نہیں ہے تو پھر کم از کم برابر ہونی چاہیے۔ ایسا نہ ہو صفت کی تعریف زیادہ ہو جائے اور موصوف کی کم ہو جائے، نہیں، موصوف کی تعریف یا زیادہ ہونی چاہیے صفت سے یا صفت کے برابر ہونی چاہیے۔ وجہ یہ کہ موصوف اور صفت ان دونوں میں سے اصل کیا ہے؟ موصوف اصل ہے یا صفت اصل ہے؟ موصوف اصل ہے، صفت تو اس کی وضاحت کے لیے ہے بھئی۔ تو موصوف جب اصل ہے تو اصل کو اعلیٰ ہونا چاہیے صفت سے اعلیٰ یا صفت کے برابر ہونا چاہیے، صفت سے کم درجے کا نہیں ہونا چاہیے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ معلوم ہوا موصوف کی تعریف صفت سے یا تو زیادہ ہو یا صفت کے برابر ہو، صفت سے کم نہیں ہو سکتی۔

ضابطہ سمجھ میں آگیا؟ تو کہتے ہیں: «وَالْمَوْصُوفُ أَخَصُّ أَوْ مُسَاوٍ»، موصوف جو ہے وہ زیادہ خاص ہو گا یا مساوی ہو گا۔ بھئی «أَخَصُّ» سے یہاں وہ منطق والا اخص نہیں مراد، منطق میں اخص اور اعم آپ پڑھتے ہیں: اخص اس کو کہتے ہیں جس کے افراد کم ہوں، اعم اس کو کہتے ہیں جس کے افراد زیادہ ہوں، انسان اور حیوان: انسان کے افراد کم ہیں تو یہ اخص ہے، اور حیوان کے افراد زیادہ ہیں تو وہ اعم ہے۔ تو یہاں وہ منطق والا اخص مراد نہیں ہے بلکہ یہاں مراد ہے اخص سے جس میں تعریف زیادہ ہے۔ جس میں تعریف زیادہ ہے۔ تو کہتے ہیں «وَالْمَوْصُوفُ أَخَصُّ» موصوف زیادہ خاص ہو گا یعنی زیادہ معرفہ ہو گا، «أَوْ مُسَاوٍ» یا برابر ہو گا یعنی صفت کے۔ بات سمجھ میں آگئی؟

اب ادھر دیکھیے، علامہ رضی نے کیا فرمایا تھا؟ ان کے نسخے میں یہ بات نہیں تھی کہ ضمیر صفت نہیں بن سکتی۔ تو انہوں نے کیا کہا؟ کہ صاحبِ کافیہ نے یہ ذکر نہیں فرمایا کہ ضمیر صفت نہیں بن سکتی کیونکہ اگلے جملے سے یہ بات سمجھ میں آرہی ہے۔ اگلا جملہ کون سا آیا؟ کہ موصوف زیادہ خاص ہو یا مساوی ہونا چاہیے صفت کے۔ اسی سے پتا چل گیا کہ ضمیر صفت واقع نہیں ہو سکتی۔ پھر سنو بھئی! علامہ رضی نے کیا فرمایا تھا؟ علامہ رضی کے نسخے میں یہ بات نہیں تھی کہ ضمیر صفت نہیں بن سکتی، تو انہوں نے کیا کہا تھا؟ کہ چونکہ اگلے جملے سے یہ بات سمجھ میں آرہی ہے کہ ضمیر صفت نہیں بن سکتی اس لیے صاحبِ کافیہ نے صراحتاً ذکر نہیں فرمایا۔ ہمارے نسخے میں تو موجود ہے کہ ضمیر صفت نہیں بن سکتی لیکن ان کے نسخے میں نہیں تھا، تو انہوں نے کہا یہ اگلے جملے سے یہ بات سمجھ میں آرہی ہے۔ اگلے جملے سے کیسے سمجھ میں آرہی ہے؟ دیکھو کہتے ہیں موصوف کو زیادہ خاص ہونا چاہیے یا کم از کم صفت کے برابر ہونا چاہیے، اور آپ کس کو صفت بنانا چاہتے ہیں؟ ضمیر کو، تو ضمیر تو سب سے اعلیٰ درجے کی ہے، تو ضمیر کو جب آپ صفت بنائیں گے تو کسی دوسرے معرفہ کو موصوف بنائیں گے، تو وہ دوسرا معرفہ وہ ضمیر سے اخص ہوا یا اُدون ہوا کم درجے کا ہوا؟ کم درجے کا، ہاں، صفت اعلیٰ درجے کی ہو جائے گی اور موصوف کیا ہو جائے گا؟ کم درجے کا ہو جائے گا، اور یہ تو جائز نہیں ہے، موصوف کو یا صفت کے برابر ہونا چاہیے یا اعلیٰ ہونا چاہیے، اُدون اور کم درجے کا نہیں ہونا چاہیے۔ تو «وَالْمَوْصُوفُ أَخَصُّ أَوْ مُسَاوٍ» اسی سے یہ بات سمجھ میں آرہی ہے کہ ضمیر صفت نہیں بن سکتی۔ بات سمجھ میں آگئی؟

کہتے ہیں: «وَالْمَوْصُوفُ أَخَصُّ أَوْ مُسَاوٍ أَيِ الْمَوْصُوفُ الْمَعْرِفَةُ أَشَدُّ اخْتِصَاصًا بِالتَّعْرِيفِ وَالْمَعْلُومِيَّةِ مِنَ الصِّفَةِ»، یعنی وہ جو موصوف جو معرفہ ہے «أَشَدُّ اخْتِصَاصًا» وہ اختصاص کے اعتبار سے زیادہ ہو، بھئی کس چیز کے ساتھ اختصاص؟ «بِالتَّعْرِيفِ وَالْمَعْلُومِيَّةِ» معرفہ ہونا اور معلوم ہونے کے ساتھ اس کا زیادہ اختصاص ہو، «مِنَ الصِّفَةِ»۔ بھئی معرفہ معرفت سے ہے جس کی آپ کو پہچان ہو، تو معلوم ہوا موصوف کی آپ کو زیادہ پہچان اور زیادہ معلوم ہونا چاہیے آپ کو کس کے مقابلے میں؟ صفت کے مقابلے میں۔ یہی بیان کر رہے ہیں: «أَيِ الْمَوْصُوفُ الْمَعْرِفَةُ أَشَدُّ اخْتِصَاصًا بِالتَّعْرِيفِ وَالْمَعْلُومِيَّةِ» کہ وہ موصوف جو معرفہ ہے اس کا زیادہ اختصاص ہونا چاہیے تعریف اور معلوم ہونے کے ساتھ «مِنَ الصِّفَةِ» صفت کے مقابلے میں، یہ «مِنْ» یہاں کس لیے ہے؟ مقابلے کے لیے ہے، «مِنَ الصِّفَةِ» صفت کے مقابلے میں، «يَعْنِي أَعْرَفَ مِنْهَا» یعنی موصوف کو زیادہ معرفہ ہونا چاہیے صفت کے مقابلے میں «لِأَنَّهُ الْمَقْصُودُ الْأَصْلِيُّ» کیونکہ موصوف جو ہے وہ مقصودِ اصلی ہے «فَيَجِبُ أَنْ يَكُونَ أَكْمَلَ مِنَ الصِّفَةِ فِي التَّعْرِيفِ» تو واجب ہے کہ وہ زیادہ کامل ہو صفت کے مقابلے میں تعریف میں، کس چیز میں؟ تعریف میں، «أَوْ مُسَاوِيًا لَهَا» یا وہ صفت کے مساوی ہو، «لِأَنَّهُ لَوْ لَمْ يَكُنْ أَكْمَلَ مِنْهَا فَلَا أَقَلَّ مِنْ أَنْ لَا يَكُونَ أَدْوَنَ مِنْهَا» اس لیے کیونکہ اگر وہ موصوف زیادہ کامل نہ ہوا صفت کے مقابلے میں تو کم از کم اس سے کم تو نہیں ہونا چاہیے کہ وہ صفت سے کم نہ ہو۔ بھئی ادھر دیکھیے، موصوف کو اعلیٰ درجے کا ہونا چاہیے، اگر اعلیٰ نہیں ہے تو پھر کم از کم اس سے کم نہ

ہو کہ وہ صفت سے کم نہیں ہونا چاہیے، صفت کے برابر ہونا چاہیے۔ یہ معنی ہے «لِأَنَّهُ لَوْ لَمْ يَكُنْ أَكْمَلَ مِنْهَا» اس لیے کیونکہ اگر موصوف وہ زیادہ کامل نہیں ہے صفت کے مقابلے میں تو «فَلَا أَقَلَّ» تو اس سے کم نہ ہو «مِنْ أَنْ لَا يَكُونَ أَدْوَنَ مِنْهَا» کہ وہ صفت سے کم درجے کا نہ ہو۔ بات سمجھ میں آگئی؟ وہی بات کر رہے ہیں کہ اتنے اعلیٰ ہونا چاہیے موصوف کو، یہ اعلیٰ نہیں ہے تو کم از کم صفت سے کم نہ ہو بلکہ اس کے برابر ہو۔

تو کہتے ہیں: «وَالْمَنْقُولُ عَنْ سِيبَوَيْهِ وَعَلَيْهِ جُمْهُورُ النُّحَاةِ» اور امام سیبویہ سے نقل کیا گیا ہے اور اسی پر جمہور نحوی بھی ہیں «أَنَّ أَعْرَفَهَا الْمُضْمَرَاتُ» کہ تمام معرفوں میں زیادہ معرفہ جو ہے ضمیریں ہیں، «ثُمَّ الْأَعْلَامُ» پھر علم ہیں، «ثُمَّ أَسْمَاءُ الْإِشَارَةِ» پھر اسمائے اشارہ ہیں، «ثُمَّ الْمُعَرَّفُ بِاللَّامِ وَالْمَوْصُولَاتُ» اس کے بعد معرف باللام اور اسمائے موصولات ہیں، «فَبَيْنَهُمَا مُسَاوَاةٌ» تو یہ معرف باللام اور اسمائے موصولات کے درمیان مساوات ہیں، یہ دونوں ایک ہی درجے کے ہیں۔

آگے متن دیکھیے: «وَمِنْ ثَمَّ لَمْ يُوصَفْ ذُو اللَّامِ إِلَّا بِمِثْلِهِ أَوْ بِالْمُضَافِ إِلَى مِثْلِهِ»۔ اور اسی وجہ سے، اور اسی وجہ سے جو ہم نے بیان کر دیا کہ موصوف کو یا اخص ہونا چاہیے یا مساوی ہونا چاہیے صفت کے مقابلے میں، اسی وجہ سے «لَمْ يُوصَفْ ذُو اللَّامِ» موصوف نہیں کیا جاتا ذوالام کو «إِلَّا بِمِثْلِهِ» مگر اسی کے مثل کے ساتھ «أَوْ بِالْمُضَافِ إِلَى مِثْلِهِ» یا وہ جو مضاف ہو اس کے مثل کی طرف۔ ادھر دیکھیے ذوالام، لام والا یعنی جس پر لامِ تعریف آئے۔ جس پر لامِ تعریف آئے، بھئی لامِ تعریف کون سے درجے والا ہے؟ چوتھے درجے والا، اور اسی درجے میں کیا ہے اسمِ موصول بھی ہے، باقی سب اعلیٰ درجے کے ہیں اور جب وہ اعلیٰ درجے کے ہیں تو وہ ذوالام کے لیے صفت نہیں بن سکتے۔ وہ ذوالام کے لیے، یعنی معرف باللام کے لیے صفت نہیں بن سکتے کیونکہ پھر تو صفت اعلیٰ ہو جائے گی۔ تو لہٰذا معلوم ہوا معرف باللام کی صفت معرف باللام آئے گی یا وہ جو مضاف ہے معرف باللام کی طرف۔ صفت موصوف سے اعلیٰ نہیں ہو سکتی تو معرف باللام کس درجے کا ہے؟ چوتھے درجے کا، تو معرف باللام کی صفت ضمیر بھی نہیں آسکتی، ضمیر تو صفت بنتی ہی نہیں، اور علم بھی نہیں آسکتا کیونکہ وہ اعلیٰ درجے کا ہے پھر تو صفت اعلیٰ ہو جائے گی، اسمِ اشارہ بھی نہیں آسکتا کیونکہ وہ بھی اعلیٰ درجے کا ہے اس معرف باللام سے۔ تو معرف باللام کی صفت صرف معرف باللام آسکتا ہے، اور کون ہے اس درجے کا؟ اسمِ موصول، وہ بھی اسی کے حکم میں ہے اسی درجے کا ہے، لہٰذا وہ بھی آسکتا ہے۔ اور نیز وہ جو مضاف ہوتا ہے کسی معرفہ کی طرف اس کا بھی وہی درجہ ہوتا ہے، تو وہ جو مضاف ہے معرف باللام کی طرف، معرف باللام کون سے درجے کا؟ چوتھے درجے کا اور جو مضاف ہو معرف باللام کی طرف وہ بھی چوتھے درجے کا۔ اسمِ موصول بھی کس درجے کا؟ چوتھے درجے کا اور وہ جو مضاف ہے اسمِ موصول کی طرف وہ بھی چوتھے درجے کا۔ تو لہٰذا معرف باللام کی یہی چار صفتیں آسکتی ہیں: معرف باللام کی صفت یا تو معرف باللام آئے گا یا وہ جو مضاف ہو معرف باللام کی طرف، اور اسی طرح معرف باللام کی صفت

یا تو اسمِ موصول آئے گا یا وہ جو مضاف ہو اسمِ موصول کی طرف۔ تو یہی بیان کر رہے ہیں کہتے ہیں: «وَمِنْ ثَمَّ» اور اسی وجہ سے «لَمْ يُوصَفْ ذُو اللَّامِ» موصوف نہیں کیا جاتا ذوا للام کو یعنی وہ جس پر لامِ تعریف آرہا ہے اس کو موصوف نہیں کیا جاتا «إِلَّا بِمِثْلِهِ» مگر اسی کے مثل کے ساتھ، اسی کا مثل کون ہے؟ معرف باللام، معرف باللام کا مثل کون ہے؟ معرف باللام، اور نیز اسمِ موصول کا بھی وہی حکم ہے تو وہ بھی آئے گا۔ اور نیز «أَوْ بِالْمُضَافِ إِلَى مِثْلِهِ» یا وہ جو مضاف ہے اس کے مثل کی طرف، وہ صفت لائی جائے گی۔ بات سمجھ میں آگئی؟

اب اس سارے کو شرح کے ساتھ دیکھیے، کہتے ہیں: «وَمِنْ ثَمَّ أَيْ وَمِنْ أَجْلِ أَنَّ الْمَوْصُوفَ أَخَصُّ أَوْ مُسَاوٍ» اسی وجہ سے کہ موصوف جو ہے وہ زیادہ خاص ہو گا یا مساوی ہو گا، «لَمْ يُوصَفْ ذُو اللَّامِ إِلَّا بِمِثْلِهِ» موصوف نہیں کیا جاتا ذوا للام یعنی معرف باللام کو مگر اسی کے مثل سے، «أَيْ ذِي اللَّامِ الْآخَرِ» یعنی دوسرے ذوا للام کے ذریعے اس کو موصوف کریں گے «أَوِ الْمَوْصُولِ» یا کس کے ذریعے؟ موصول کے ذریعے، «فَإِنَّهُ أَيْضًا مُمَاثِلٌ لِذِي اللَّامِ» اس لیے کیونکہ اسمِ موصول بھی ذوا للام کے مساوی ہے، «لِمَا عَرَفْتَ بَيْنَهُمَا مِنَ الْمُسَاوَاةِ فِي التَّعْرِيفِ» اس وجہ سے جو آپ جان چکے ہیں کہ ان دونوں کے درمیان مساوات ہے تعریف کے اندر۔ «نَحْوُ جَاءَنِي الرَّجُلُ الْفَاضِلُ» تو «الرَّجُلُ» معرف باللام ہے «الْفَاضِلُ» اس کی صفت بھی معرف باللام لائی گئی۔ «أَوِ الرَّجُلُ الَّذِي كَانَ عِنْدَكَ أَمْسِ»، أَيْ جَاءَنِي الرَّجُلُ الَّذِي كَانَ عِنْدَكَ أَمْسِ، آیا میرے پاس وہ آدمی جو گزشتہ کل آپ کے پاس تھا، تو «الرَّجُلُ» موصوف اور «الَّذِي كَانَ عِنْدَكَ أَمْسِ» یہ موصول صلہ مل کر یہ صفت ہوئی «الرَّجُلُ» کے لیے۔ آپ نے پڑھا ہے موصول کے لیے صلہ چاہیے اور صلہ کیا ہوتا ہے؟ جملہ، تو «كَانَ عِنْدَكَ أَمْسِ» یہ سارا جملہ یہ صلہ ہے «الَّذِي» کے لیے اور موصول صلہ مل کر صفت ہوئی «الرَّجُلُ» کی، تو «الرَّجُلُ» معرف باللام ہے اس کی صفت معرف باللام بھی آسکتی ہے اور اسمِ موصول بھی جیسے ان دونوں مثالوں میں ہے۔

«أَوْ بِالْمُضَافِ إِلَى مِثْلِهِ» یا اس کو موصوف کیا جاتا ہے وہ جو مضاف ہو اس کے مثل کی طرف، «أَيْ مِثْلِ الْمُعَرَّفِ بِاللَّامِ بِلَا وَاسِطَةٍ» یعنی جو مضاف ہو معرف باللام کی طرف بلا واسطہ، انہوں نے کیا کہا؟ معرف باللام کی صفت معرف باللام آئے گی یا اسمِ موصول آئے گا یا وہ جو مضاف ہے معرف باللام کی طرف یا جو مضاف ہے اسمِ موصول کی طرف، چاہے وہ براہِ راست مضاف ہو رہا ہو چاہے کسی واسطے کے ساتھ مضاف ہو رہا ہو۔ دیکھو آگے مثالوں سے بات واضح ہو گی: «أَوْ بِالْمُضَافِ إِلَى مِثْلِهِ» یا موصوف کیا جاتا ہے وہ جو مضاف ہو اس کے مثل کی طرف، «أَيْ مِثْلِ الْمُعَرَّفِ بِاللَّامِ بِلَا وَاسِطَةٍ» یعنی جو مضاف ہو معرف باللام کی طرف بغیر واسطے کے، «نَحْوُ» مثال کے طور پر «جَاءَنِي الرَّجُلُ صَاحِبُ الْفَرَسِ» آیا میرے پاس وہ آدمی «صَاحِبُ الْفَرَسِ» جو گھوڑے والا ہے یعنی جو گھوڑے کا مالک ہے۔ «صَاحِبُ الْفَرَسِ» کا کیا معنی؟ گھوڑے کا مالک۔ تو دیکھو یہاں پر «الرَّجُلُ» کی صفت کیا آئی؟ «صَاحِبُ الْفَرَسِ» آئی۔ تو یہ «صَاحِبُ» مضاف ہے معرف باللام کی طرف، تو جب یہ معرف باللام کی طرف مضاف ہے تو یہ «صَاحِبُ» بھی کس درجے کا ہوا؟ چوتھے درجے والا ہوا،

تو یہ صفت بن سکتا ہے «الرَّجُلُ» معرف باللام کی، اور دیکھو یہاں «صَاحِبُ» مضاف ہو رہا ہے معرف باللام «الْفَرَسِ» کی طرف اور درمیان میں کوئی اور لفظ نہیں۔ کبھی درمیان میں ایک اور بھی مضاف آجائے گا، تو بہرحال چاہے براہِ راست مضاف ہو معرف باللام کی طرف یا بواسطہ مضاف ہو کس کی طرف؟ معرف باللام کی طرف وہ صفت بن سکتا ہے معرف باللام کی۔

آگے دیکھیے: «أَوْ بِوَاسِطَةٍ» یا وہ جو مضاف ہو معرف باللام کی طرف واسطے سے، «نَحْوُ جَاءَنِي الرَّجُلُ صَاحِبُ لِجَامِ الْفَرَسِ»۔ لجام لگام کو کہتے ہیں: «جَاءَنِي الرَّجُلُ» میرے پاس وہ آدمی آیا «صَاحِبُ لِجَامِ الْفَرَسِ» جو گھوڑے کی لگام کا مالک ہے، میرے پاس گھوڑے کی لگام کا مالک آیا۔ اب اس میں دیکھو: «الرَّجُلُ» معرف باللام موصوف ہے اور اس کی صفت «صَاحِبُ» آئی، اور یہ «صَاحِبُ» مضاف ہے «الْفَرَسِ» معرف باللام کی طرف، لیکن براہِ راست مضاف ہے یا بواسطہ «لِجَامِ» کے؟ بواسطہ «لِجَامِ» کے، تو بہرحال مضاف تو معرف باللام کی طرف ہے تو یہ صفت بن سکتا ہے۔ تو یہاں ترکیب کیا ہے؟ «صَاحِبُ» مضاف ہے «لِجَامِ» کی طرف اور «لِجَامِ» یہ ماقبل «صَاحِبُ» کے لیے تو مضاف الیہ ہے اور اگلے «الْفَرَسِ» کے لیے یہ مضاف ہے، اگلے «الْفَرَسِ» کے لیے مضاف ہے، تو «صَاحِبُ» ہوا مضاف، «لِجَامِ» ہوا مضاف الیہ مضاف اور «الْفَرَسِ» کیا ہوا مضاف الیہ، پھر یہ آپس میں سارے مضاف مضاف الیہ مل کر یہ صفت بن جائیں گے «الرَّجُلُ» کی۔

کہتے ہیں: «لِأَنَّ تَعْرِيفَ الْمُضَافِ مُسَاوٍ لِتَعْرِيفِ الْمُضَافِ إِلَيْهِ أَوْ أَنْقَصُ مِنْهُ» اس لیے کیونکہ مضاف کی تعریف برابر ہوتی ہے مضاف الیہ کی تعریف کے «أَوْ أَنْقَصُ مِنْهُ» یا مضاف کی تعریف «أَنْقَصُ مِنْهُ» مضاف الیہ سے کم ہوتی ہے، «عَلَى الْخِلَافِ الْوَاقِعِ بَيْنَ سِيبَوَيْهِ وَغَيْرِهِ» بنا بر اس اختلاف کے جو ثابت ہے امام سیبویہ اور دوسرے نحویوں میں۔ یاد رکھیے امام سیبویہ فرماتے ہیں کہ مضاف میں بھی اسی درجے کی تعریف آتی ہے جس درجے کی مضاف الیہ میں تھی: «غُلَامُهُ» غلام کس کی طرف مضاف؟ ہا ضمیر کی طرف، اور ضمیر کس درجے کا معرفہ؟ پہلے درجے کا، تو یہ غلام بھی کس درجے کا معرفہ ہو گیا؟ پہلے درجے کا۔ جبکہ امام مبرد وغیرہ اور نحوی فرماتے ہیں کہ نہیں، مضاف کی تعریف مضاف الیہ سے کم درجے کی ہے کیونکہ اس نے تعریف مضاف الیہ سے اخذ کی ہے تو اس کی تعریف اس سے کم درجے کی ہے بھئی۔ تو کہتے ہیں پھر دیکھیے: «لِأَنَّ تَعْرِيفَ الْمُضَافِ مُسَاوٍ لِتَعْرِيفِ الْمُضَافِ إِلَيْهِ أَوْ أَنْقَصُ مِنْهُ» اس لیے کیونکہ مضاف کی تعریف مضاف الیہ کی تعریف کے مساوی ہے یا اس سے کم ہے «عَلَى الْخِلَافِ الْوَاقِعِ بَيْنَ سِيبَوَيْهِ وَغَيْرِهِ» بنا بر اس اختلاف کے جو واقع ہے امام سیبویہ اور دوسرے نحویوں کے درمیان۔

«بِخِلَافِ سَائِرِ الْمَعَارِفِ» بخلاف باقی معرفہ کے، «فَإِنَّهَا أَخَصُّ مِنْ ذِي اللَّامِ» وہ زیادہ خاص ہیں ذوالام سے، باقی معرفہ

ذو اللام سے زیادہ خاص ہیں وہ صفت نہیں بن سکتے ذو اللام کی۔ تو کہتے ہیں «بِخِلَافِ سَائِرِ الْمَعَارِفِ» بخلاف باقی معرفہ کے «فَإِنَّهَا أَخَصُّ مِنْ ذِي اللَّامِ» اس لیے کیونکہ وہ زیادہ خاص ہیں ذو اللام کے مقابلے میں، «فَلَوْ وَقَعَ أَخَصُّ نَعْتًا لِغَيْرِ أَخَصَّ» تو اگر زیادہ خاص جو ہے وہ صفت بن جائے غیرِ اخص کے لیے، اگر کیا ہو کبھی عبارت کے اندر ایسا آئے کہ غیرِ اخص وہ موصوف بن رہا ہے اور اخص کیا بن رہا ہے؟ صفت بن رہا ہے، پھر تو صفت کا درجہ اعلیٰ ہو جائے گا اور صفت اعلیٰ درجے کی نہیں ہو سکتی۔ تو یاد رکھو پھر اس صورت میں یہ علما یعنی صاحبِ کافیہ وغیرہ فرماتے ہیں پھر ان کو موصوف صفت نہ بناؤ، موصوف کو زیادہ خاص ہونا چاہیے یا مساوی ہونا چاہیے ادنیٰ نہیں ہونا چاہیے، تو اگر ایسی ترکیب آئے موصوف ادنیٰ ہے اور صفت اعلیٰ، پھر وہ موصوف صفت نہیں بناتے پھر وہ اس کو مبدل منہ اور بدل بناتے ہیں۔ کیا بناتے ہیں؟ مبدل منہ اور بدل بناتے ہیں۔ تو کہتے ہیں: «فَلَوْ وَقَعَ أَخَصُّ نَعْتًا لِغَيْرِ أَخَصَّ» تو اگر زیادہ خاص جو ہے وہ صفت بن جائے غیرِ اخص کے لیے «فَهُوَ مَحْمُولٌ عَلَى الْبَدَلِ عِنْدَ صَاحِبِ هٰذَا الْمَذْهَبِ» تو وہ محمول ہو گا بدل پر اس مذہب والوں کے نزدیک یعنی صاحبِ کافیہ وغیرہ کے نزدیک۔

«وَإِنَّمَا الْتُزِمَ وَصْفُ بَابِ هٰذَا»، ادھر دیکھیے: انہوں نے آپ کو کیا ضابطہ بتلایا؟ کہ موصوف کو صفت سے اعلیٰ ہونا چاہیے یا اس کے برابر ہونا چاہیے تعریف کے اندر۔ تو صاحبِ کافیہ پر ایک اشکال ہوتا ہے، اشکال یہ کہ اسمِ اشارہ تیسرے درجے کا ہے، پہلے درجے میں ضمیریں، دوسرے درجے میں علم، تیسرے درجے میں اسمِ اشارہ۔ تو جب اسمِ اشارہ تیسرے درجے کا ہے تو پھر اس کی صفت، اس کی صفت کیا کیا بن سکتا ہے؟ خود تیسرے درجے والا یعنی اسمِ اشارہ بھی بننا چاہیے، اور وہ جو مضاف ہو اسمِ اشارہ کی طرف وہ بھی بننا چاہیے، اور چوتھے درجے والا کیا معرف باللام اور اسمِ موصول ان کو بھی صفت بننا چاہیے، اور وہ جو مضاف ہو معرف باللام اور اسمِ موصول کی طرف اس کو بھی بننا چاہیے، تو کل کتنی صفتیں آنی چاہئیں اسمِ اشارہ کی؟ چھ۔ چھ قسم کی صفتیں جائز ہونی چاہئیں کیونکہ آپ نے ہمیں کیا بتایا؟ موصوف کو اعلیٰ ہو یا برابر ہونا چاہیے، تو جب ایک چیز معرفہ تیسرے درجے والا ہے یعنی اسمِ اشارہ تو جو تیسرے درجے والے ہیں وہ بھی صفت بن سکتے ہیں، اور جو تیسرے درجے کی طرف مضاف ہیں وہ بھی صفت بن سکتے ہیں، تو جو چوتھے درجے والے ہیں وہ بھی صفت بن سکتے ہیں، اور جو چوتھے درجے والے کی طرف مضاف ہوتے ہیں وہ بھی صفت بن سکتے ہیں۔ تو کون کون سی چیزیں آگئیں؟ اسمِ اشارہ کی صفت خود اسمِ اشارہ بھی آنا چاہیے اور جو مضاف ہو اسمِ اشارہ کی طرف وہ بھی اسی درجے کا ہے وہ بھی آنا چاہیے، معرف باللام بھی آنا چاہیے کیونکہ وہ چوتھے درجے کا ہے اور وہ جو مضاف ہو معرف باللام کی طرف اس کو بھی آنا چاہیے، اسمِ موصول کو بھی آنا چاہیے کیونکہ وہ چوتھے درجے کا ہے اور وہ جو مضاف ہو اسمِ موصول کی طرف اس کو بھی آنا چاہیے۔ لیکن، لیکن علمائے نحو فرماتے ہیں کہ اسمِ اشارہ کی صفت صرف معرف باللام آسکتا ہے اور صرف اسمِ موصول آسکتا ہے، چھ میں سے صرف دو آسکتے ہیں باقی چار نہیں آسکتے، حالانکہ آپ نے ہمیں ضابطہ بتایا ہے کہ موصوف کو اعلیٰ ہونا

چاہیے یا برابر ہونا چاہیے، تو برابر کے اندر تو چھ چیزیں آ رہی ہیں: اسمِ اشارہ بھی اور وہ جو مضاف ہے اسمِ اشارہ کی طرف وہ بھی، معرف باللام بھی اور وہ جو مضاف ہے معرف باللام کی طرف وہ بھی، اسمِ موصول بھی اور وہ جو مضاف ہے اسمِ موصول کی طرف وہ بھی۔ لیکن آپ کیا فرماتے ہیں کہ اسمِ اشارہ کی صفت، توجہ ہے؟ اسمِ اشارہ کی صفت ان چھ میں سے صرف معرف باللام آسکتا ہے اور اسمِ موصول آسکتا ہے، یہ دو آسکتے ہیں اور نہیں آسکتے۔ اس کی کیا وجہ ہے؟ اشکال ہوتا ہے، تو اب وہ جواب دینے لگے ہیں۔

جی متن متن دیکھیے، کہتے ہیں: «وَإِنَّمَا الْتُزِمَ وَصْفُ بَابِ هٰذَا بِذِي اللَّامِ لِلْإِبْهَامِ»، اور التزام کیا گیا ہے بابِ ہذا کے وصف کا ذوا اللام کے ساتھ۔ التزام کیا گیا ہے بابِ ہذا کے وصف کا ذوا اللام کے ساتھ یعنی بابِ ہذا کا وصف ذوا اللام لانے کو لازم سمجھا گیا ہے، اس کو لازم کہا گیا ہے۔ توجہ ہے؟ کیا؟ کہ بابِ ہذا کا وصف کیا آئے گا؟ صرف ذوا اللام آئے گا۔ کیا آئے گا؟ ذوا اللام یعنی معرف باللام، معرف باللام۔ اور اسمِ موصول بھی تو میں نے بتایا؟ بھئی اسمِ موصول ذوا اللام پر ہی محمول ہے کیونکہ وہ اسی کے حکم میں ہے، اسی کے درجے کا ہے۔ تو معلوم ہوا اسمِ اشارہ کی صفت صرف کیا آئے گی؟ معرف باللام یا اسمِ موصول آئے گا، وہ جو ان کی طرف مضاف ہو وہ بھی نہیں آسکتا۔ تو کہتے ہیں: «وَإِنَّمَا الْتُزِمَ وَصْفُ بَابِ هٰذَا بِذِي اللَّامِ» اور التزام کیا گیا ہے بابِ ہذا کے وصف کا ذوا اللام کے ساتھ «لِلْإِبْهَامِ» ابہام کی وجہ سے، کس وجہ سے؟ ابہام کی وجہ سے، وجہ یہ کہ اسمِ اشارہ میں ابہام ہے، لہٰذا آگے ایسی صفت چاہیے جو ابہام کو دور کرے۔ میں نے کہا «هٰذَا»، دیکھو «هٰذَا»، «هٰذَا» کہنے سے جنس کا پتا نہیں چلتا۔ «هٰذَا» کے ذریعے میں کتاب کی طرف بھی اشارہ کر سکتا ہوں، میں رجل کی طرف بھی اشارہ کر سکتا ہوں، میں قلم کی طرف بھی اشارہ کر سکتا ہوں، میں درخت کی طرف بھی اشارہ کر سکتا ہوں، میں پہاڑ کی طرف بھی اشارہ کر سکتا ہوں، تو «هٰذَا» سے تو کوئی بھی چیز مراد ہو سکتی ہے، «هٰذَا» کہنے سے جنس کا پتا نہیں چلتا۔ لہٰذا «هٰذَا» کے اندر ابہام ہے تو آگے ایسی صفت چاہیے جو اس کے ابہام کو دور کر دے، یعنی اس کی جنس بتلا دے۔ «هٰذَا» کی جنس کا پتا نہیں چلتا، آگے صفت ایسی چاہیے جو اس کی جنس بتلا دے۔ جنس کا پتا چلے گا تو ابہام دور ہو جائے گا کہ معلوم ہوا «هٰذَا» سے کتاب مراد ہے یا «هٰذَا» سے قلم مراد ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو یہ معنی ہے: کہتے ہیں بابِ ہذا کے وصف میں ذوا اللام کا التزام کیا گیا ہے «لِلْإِبْهَامِ» کس وجہ سے؟ ابہام کی وجہ سے کہ «هٰذَا» کے اندر ابہام ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ «هٰذَا» کہنے سے جنس کا پتا نہیں چلتا تو آگے ایسی صفت چاہیے جو جنس کے بارے میں بتلا دے۔

جی اب اس سارے کو شرح کے ساتھ دیکھیے، کہتے ہیں:

«وَإِنَّمَا الْتُزِمَ وَصْفُ بَابِ هٰذَا» اور بابِ ہذا کے وصف کا التزام کیا گیا ہے «أَيْ بَابِ اسْمِ الْإِشَارَةِ» بابِ ہذا سے کیا مراد ہے؟ بابِ اسمِ اشارہ مراد ہے، أَيْ بَابِ اسْمِ الْإِشَارَةِ یعنی اسمِ اشارہ کا باب جو ہے، «بِذِي اللَّامِ» اس کا ذوا اللام کے ساتھ

وصف کا التزام کیا گیا ہے، «مِثْلُ» مثال کے طور پر «مَرَرْتُ بِهٰذَا الرَّجُلِ»۔ «هٰذَا» موصوف ہے «الرَّجُلِ» معرف باللام اس کی صفت لائی گئی، «هٰذَا» سے پتا نہیں چل رہا تھا کہ جنس کیا ہے، «الرَّجُلِ» نے آکر بیان کر دیا کہ اس «هٰذَا» سے کون سی جنس مراد ہے؟ رجل کی جنس مراد ہے۔ تو کہتے ہیں: «مَرَرْتُ بِهٰذَا الرَّجُلِ مَعَ أَنَّ الْقِيَاسَ يَقْتَضِي جَوَازَ وَصْفِهِ بِذِي اللَّامِ وَالْمَوْصُولِ وَالْمُضَافِ إِلَى أَحَدِهِمَا»، باوجود اس کے کہ قیاس تو یہ تقاضا کرتا ہے کہ اس کا وصف جائز ہونا چاہیے ذوا للام کے ساتھ بھی، موصول کے ساتھ بھی اور وہ جو مضاف ہو ان دونوں میں سے کسی ایک کی طرف۔ میں نے چھ چیزیں ذکر کیں، صاحبِ جامی چار ذکر کر رہے ہیں، میں نے کتنی ذکر کیں؟ چھ، اسمِ اشارہ کی صفت کیا کیا بننی چاہیے؟ اسمِ اشارہ بھی آئے اور جو مضاف ہو اسمِ اشارہ کی طرف وہ بھی آئے، معرف باللام بھی آئے اور وہ جو معرف باللام کی طرف مضاف ہے وہ بھی آنا چاہیے، اسمِ موصول بھی آئے اور وہ جو مضاف ہے اسمِ موصول کی طرف وہ بھی آنا چاہیے، تو کل کتنی چیزیں ہو گئیں؟ چھ۔ لیکن یہ صرف چار ذکر کر رہے ہیں، پہلی دو کو ذکر نہیں کیا اسمِ اشارہ اور وہ جو مضاف ہے اسمِ اشارہ کی طرف اس کو ذکر نہیں کیا، وجہ یہ کہ وہ صفت نہیں بن سکتے، اسمِ اشارہ میں ابہام ہے تو اگر آگے بھی اسمِ اشارہ ہی لاؤ گے تو ابہام کوئی دور ہو گا؟ وہ تو واضح بات تھی، اور نیز وہ جو مضاف ہو گا اسمِ اشارہ کی طرف اس کا بھی وہی حکم ہے، تو اس لیے ان دو کو ذکر ہی نہیں کیا، باقی چار ذکر کر دیے کہ قیاس کیا تقاضا کرتا ہے؟ اسمِ اشارہ کی صفت چار چیزیں آنی چاہئیں کون سی؟ معرف باللام اور وہ جو مضاف ہے معرف باللام کی طرف، اسمِ موصول اور وہ جو مضاف ہے اسمِ موصول کی طرف۔

تو کہتے ہیں: «مَعَ أَنَّ الْقِيَاسَ يَقْتَضِي» باوجود اس کے کہ قیاس تقاضا کرتا ہے «جَوَازَ وَصْفِهِ بِذِي اللَّامِ وَالْمَوْصُولِ وَالْمُضَافِ إِلَى أَحَدِهِمَا» کہ اس کا وصف جائز ہونا چاہیے ذوا للام کے ساتھ بھی اور موصول کے ساتھ بھی اور وہ جو مضاف ہو ان دونوں میں سے کسی ایک کی طرف بھی۔

تو کہتے ہیں بابِ ہذا کے وصف کا التزام کیا گیا ہے ذوا للام کے ساتھ، آگے کہتے ہیں: «لِلْإِبْهَامِ» یہ کس وجہ سے ہے؟ ابہام کی وجہ سے، «الْوَاقِعِ فِي هٰذَا الْبَابِ» وہ ابہام جو اس باب میں واقع ہوتا ہے، اسمِ اشارہ سے کچھ پتا نہیں چلتا «هٰذَا» کہنے سے کہ جنس کیا ہے، تو اس باب میں کیا ہے؟ ابہام ہوتا ہے۔ یہ معنی ہے «لِلْإِبْهَامِ الْوَاقِعِ فِي هٰذَا الْبَابِ بِحَسَبِ أَصْلِ الْوَضْعِ الْمُقْتَضِي لِبَيَانِ الْجِنْسِ» اس ابہام کی وجہ سے جو اس باب میں واقع ہوتا ہے «بِحَسَبِ أَصْلِ الْوَضْعِ» اصلِ وضع کے اعتبار سے ہی، «الْمُقْتَضِي لِبَيَانِ الْجِنْسِ» اور وہ ابہام جو تقاضا کرتا ہے بیانِ جنس کا۔ یہ ابہام کیا تقاضا کرتا ہے کہ اس کی جنس بیان ہونی چاہیے، پتا چلنا چاہیے کس جنس کی طرف اشارہ ہے۔ بات سمجھ میں آ گئی؟ ترجمہ پھر دیکھ لیجیے: «لِلْإِبْهَامِ الْوَاقِعِ فِي هٰذَا الْبَابِ بِحَسَبِ أَصْلِ الْوَضْعِ» اس ابہام کی وجہ سے جو اس باب میں واقع ہوتا ہے اصلِ وضع کے اعتبار سے «الْمُقْتَضِي لِبَيَانِ الْجِنْسِ» جو تقاضا کرتا ہے جنس کے بیان کا۔

«فَإِذَا أُرِيدَ رَفْعُهُ لَا يُتَصَوَّرُ بِمِثْلِهِ»۔ «فَإِذَا أُرِيدَ رَفْعُهُ» جب اس کے ابہام کو دور کرنے کا ارادہ کیا جائے «لَا يُتَصَوَّرُ بِمِثْلِهِ» تو اسی کے مثل سے اس کا تصور نہیں کیا جا سکتا «لِإِبْهَامِهِ» اس کے ابہام کی وجہ سے۔ یہ اسمِ اشارہ والی بات آ گئی، میں نے کیا کہا تھا؟ اسمِ اشارہ کی صفتیں کتنی چیزیں ہونی چاہئیں؟ چھ ہونی چاہئیں، انہوں نے کتنی ذکر کیں؟ چار، وہ جو پہلی دو کہ اسمِ اشارہ کی صفت اسمِ اشارہ بھی آ سکے یا مضاف جو اسمِ اشارہ کی طرف ہو وہ بھی آ سکے اس کو ذکر ہی نہیں کیا، کیوں؟ کہتے ہیں اس لیے کیونکہ وہاں تو ابہام دور کرنے کا احتمال ہی نہیں ہے، اسمِ اشارہ کی صفت اسمِ اشارہ لائے: اسمِ اشارہ پہلے موصوف میں بھی ابہام، صفت میں بھی ابہام! بات سمجھ میں آ گئی بھئی؟

کہتے ہیں: «فَإِذَا أُرِيدَ رَفْعُهُ» جب اس ابہام کو دور کرنے کا ارادہ کیا گیا تو «لَا يُتَصَوَّرُ بِمِثْلِهِ لِإِبْهَامِهِ» تو اس کا یعنی ابہام کو دور کرنے کا تصور نہیں کیا جا سکتا «بِمِثْلِهِ» اسی کے مثل یعنی اسمِ اشارہ یا وہ جو مضاف ہو اسمِ اشارہ کی طرف اس کے ذریعے، یا یوں کہو «بِمِثْلِهِ» اس کے جو مثل ہے یعنی جو اسمِ اشارہ ہے، «لِإِبْهَامِهِ» اس کے ابہام کی وجہ سے۔

«وَلَا يَلِيقُ بِالْمُضَافِ»، اچھا ادھر دیکھیے: کیا کہا؟ اسمِ اشارہ کی صفت صرف معرف باللام آ سکتا ہے یا اسمِ موصول آ سکتا ہے، جو ان کی طرف مضاف ہو وہ بھی نہیں آ سکتا۔ بھئی کیوں؟ معرف باللام کی طرف جو مضاف ہے وہ بھی تو معرف باللام کے درجے میں ہے، اس کو بھی تو صفت بننا چاہیے، آپ کہتے ہیں وہ بھی صفت نہیں بن سکتا! اور وہ جو اسمِ موصول کی طرف مضاف ہے وہ بھی تو اسمِ موصول کے درجے میں ہے، تو جب اسمِ موصول صفت بن سکتا ہے تو اس کو بھی صفت بننا چاہیے! کہتے ہیں وجہ یہ ہے، وجہ یہ ہے کہ اسمِ اشارہ میں ابہام ہے، اب ہمیں ایسی صفت چاہیے جو اس کے ابہام کو دور کرے۔ کس کو دور کرے؟ ابہام کو۔ تو لہٰذا آپ معرف باللام بھی لا سکتے ہیں اور اسمِ موصول بھی لا سکتے ہیں۔ توجہ ہے؟ لیکن جو ان کی طرف مضاف ہو وہ صفت نہیں لا سکتے۔ بھئی کیوں، مضاف کو کیوں نہیں صفت لا سکتے؟ کہتے ہیں وجہ یہ کہ مضاف تو خود اپنی تعریف اخذ کرتا ہے مضاف الیہ سے۔ مضاف تو اپنی تعریف خود اخذ کرتا ہے کس سے؟ مضاف الیہ سے۔ تو مضاف تو ایک فقیر کی طرح ہوا جو خود اپنی محتاجی کس کے ذریعے دور کر رہا ہے؟ مضاف الیہ کے ذریعے، تو پھر وہ موصوف کی کمی کو کیسے دور کر سکتا ہے؟ جو خود محتاج ہے اور فقیر ہے دوسروں سے تعریف مانگ رہا ہے وہ اسمِ اشارہ کے ابہام کو کیسے دور کر سکتا ہے؟ اگر اس کو آپ صفت بنا دیں گے یہ تو اسی طرح ہو جائے گا جیسے کہ آپ فقیر سے مانگ رہے ہوں، یا یہ اسی طرح ہو جائے گا جیسے آپ مستعیر سے جو ہے استعارہ کر رہے ہوں۔ آپ جانتے ہیں عاریت؟ عاریت کہتے ہیں کسی سے استعمال کے لیے کوئی چیز لینا۔ استعمال کے لیے کوئی چیز لینا، جیسے گھروں میں ہوتا ہے کبھی مہمان آ جائیں تو ہمسایوں سے بھی کبھی برتن وغیرہ یا کوئی چیز مانگ لی جاتی ہے استعمال کے لیے، اس کو کہتے ہیں عاریت۔ بات سمجھ میں آ گئی؟ اور یہ جو عاریت مانگنے والا ہے جس نے یہ برتن وغیرہ لیے ہیں یہ ہے مستعیر، تو یہ شخص کیا

ہوا؟ مستعیر ہوا۔ تو یہاں پر بھی مضاف جو ہے اس نے مضاف الیہ سے تعریف اخذ کی ہے، وہ جو مضاف ہے معرف باللام کی طرف اور اسمِ موصول کی طرف اس مضاف نے اپنی تعریف کس سے لی ہے؟ مضاف الیہ سے، تو وہ تو مستعیر کی طرح ہوا جس نے عاریتاً تعریف کو مانگا ہے، تو یہ تو پھر مستعیر سے استعارے کی طرح ہو جائے گا کہ ایک شخص جس نے خود دوسرے سے چیز مانگی ہے آپ اس سے مانگ رہے ہیں کہ مجھے استعمال کے لیے... ایک شخص ہے اس نے خود دوسرے سے استعمال کے لیے سائیکل مانگی ہے اور اب آپ اس سے مانگ رہے ہیں کہ مجھے کچھ دیر کے لیے سائیکل دے دو، بھئی اس نے تو خود دوسرے سے مانگی ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو لہٰذا اس لیے یہ جو مضاف ہو معرف باللام کی طرف یا اسمِ موصول کی طرف وہ صفت نہیں بن سکتا اسمِ اشارہ کی، کیونکہ وہ فقیر یا محتاج یا مستعیر کی طرح ہے، پھر تو یہ فقیر یا محتاج سے سوال کرنا ہوا یا مستعیر سے استعارہ ہو گیا کہ اس سے عاریتاً کوئی چیز مانگی جا رہی ہے، استعارے کا کیا معنی؟ عاریتاً مانگنا، یہ سین طلب کے لیے ہے۔

آگے دیکھیے، کہتے ہیں: «وَلَا يَلِيقُ بِالْمُضَافِ» اور یہ ابہام کا دور کرنا مضاف کے بھی مناسب نہیں ہے کہ وہ جو مضاف ہے اس کے ذریعے ابہام کو دور کیا جائے۔ تو کہتے ہیں: «وَلَا يَلِيقُ بِالْمُضَافِ» اور اس ابہام کو دور کرنا مضاف کے بھی مناسب نہیں ہے، «الْمُكْتَسِبِ التَّعْرِيفَ مِنَ الْمُضَافِ إِلَيْهِ» وہ جو کمانے والا ہے اپنی تعریف کو حاصل کرنے والا ہے اپنی تعریف کو مضاف الیہ سے، کس سے؟ مضاف الیہ سے، «لِأَنَّهُ كَالِاسْتِعَارَةِ مِنَ الْمُسْتَعِيرِ» اس لیے یہ تو ایسے ہی ہو جائے گا جیسے مانگا جائے «مِنَ الْمُسْتَعِيرِ» مستعیر سے جس نے خود دوسرے سے چیز مانگی ہے، «وَالسُّؤَالِ مِنَ الْمُحْتَاجِ الْفَقِيرِ» اور یہ اسی طرح ہو جائے گا جیسے مانگا جائے محتاجِ فقیر سے۔

«فَتَعَيَّنَ ذُو اللَّامِ» تو ذو اللام ہی متعین ہو گیا وہی صفت بن سکتا ہے اسمِ اشارہ کے لیے، «لِتَعَيُّنِهِ فِي نَفْسِهِ» اس لیے کیونکہ ذو اللام اپنی ذات کے اعتبار سے متعین ہوتا ہے، وہ ایک متعین ذات پر دلالت کرتا ہے۔ «وَحُمِلَ الْمَوْصُولُ عَلَيْهِ» اور اسمِ موصول کو بھی اسی ذو اللام پر محمول کیا گیا ہے یہ بھی صفت بن سکتا ہے، «لِأَنَّهُ مَعَ صِلَتِهِ مِثْلُ ذِي اللَّامِ» اس لیے کیونکہ یہ بھی اپنے صلے کے ساتھ ذو اللام کی طرح ہے، «مِثْلُ مَرَرْتُ بِهٰذَا الَّذِي كَرُمَ أَيِ الْكَرِيمُ»۔ دیکھو ادھر دیکھیے: اسمِ موصول اپنے صلے کے ساتھ یہ معرف باللام کے درجے میں ہے۔ اسمِ موصول اپنے صلے کے ساتھ: «الَّذِي كَرُمَ» یہ بمعنی ہے «الْكَرِيمُ»۔ «الَّذِي كَرُمَ» وہ جو سخی ہے، «الَّذِي كَرُمَ» وہ جو سخی ہے، یا یوں کہہ دو «الْكَرِيمُ» وہ جو سخی ہے، بات سمجھ میں آرہی ہے؟ تو اسمِ موصول اپنے صلے کے ساتھ کس کے درجے میں؟ معرف باللام کے درجے میں، تو اسمِ موصول بھی اسی پر محمول ہے، جب معرف باللام صفت بن سکتا ہے اسمِ اشارہ کے لیے تو اسمِ موصول بھی صفت بن سکتا ہے کیونکہ یہ معرف باللام ہی کے درجے میں ہے۔ یہ معنی ہے: «لِأَنَّهُ مَعَ صِلَتِهِ مِثْلُ ذِي اللَّامِ» اس لیے کیونکہ اسمِ موصول اپنے صلے کے ساتھ جو ہے ذو اللام کے مثل ہے، «مِثْلُ مَرَرْتُ بِهٰذَا الَّذِي كَرُمَ أَيِ الْكَرِيمُ» میں گزرا اس شخص پر جو کہ «الَّذِي كَرُمَ أَيِ

الْكَرِيمُ» جو سخی ہے، تو «الَّذِي كَرُمَ» «الْكَرِيمُ» کے معنی میں ہے۔

«وَمِنْ ثَمَّ»، جی آگے متن متن دیکھیے، کہتے ہیں: «وَمِنْ ثَمَّ ضَعُفَ مَرَرْتُ بِهٰذَا الْأَبْيَضِ وَحَسُنَ بِهٰذَا الْعَالِمِ»۔ کہتے ہیں: اسی وجہ سے «ضَعُفَ» ضعیف ہے یہ ترکیب: «مَرَرْتُ بِهٰذَا الْأَبْيَضِ»۔ «مَرَرْتُ بِهٰذَا الْأَبْيَضِ» میں اس سفید کے پاس سے گزرا۔ اب اس کے اندر دیکھو «هٰذَا» اسمِ اشارہ موصوف ہے اور «الْأَبْيَضِ» معرف باللام اس کی صفت ہے، لیکن کہتے ہیں پھر بھی یہ ترکیب ضعیف ہے، وجہ یہ کہ «هٰذَا» کی صفت معرف باللام کیوں لائی جاتی ہے؟ ادھر دیکھیے، «هٰذَا» کی صفت اسمِ اشارہ کی صفت معرف باللام کیوں لائی جاتی ہے؟ تاکہ وہ اس کے ابہام کو دور کر دے، اس کی جنس کا پتا چل جائے۔ «مَرَرْتُ بِهٰذَا الرَّجُلِ»، «هٰذَا» موصوف اور «الرَّجُلِ»

صفت۔ ویسے ادھر دیکھیے: «هٰذَا» کی جنس کا پتا نہیں تھا لیکن «الرَّجُلِ» نے آکر بتلا دیا کہ یہ کون سی جنس ہے؟ رجل کی جنس اس سے مراد ہے، تو «الرَّجُلِ» کو تو «هٰذَا» کے ذریعے صفت بنانا اچھا ہے، لیکن «الْأَبْيَضِ» جیسے لفظوں کو صفت بنانا جن میں جنس کا پتا نہ چلے۔ دیکھو «الْأَبْيَضِ» کا کیا معنی؟ سفید، تو سفید کہنے سے تو جنس کا پتا نہیں چلا، سفید تو کپڑا بھی ہو سکتا ہے، سفید تو حیوان بھی ہو سکتا ہے، سفید تو کاغذ بھی ہو سکتا ہے، سفید تو دیوار بھی ہو سکتی ہے، سفید تو اور بھی کوئی چیز ہو سکتی ہے، تو صرف «الْأَبْيَضِ» کہنے سے جنس کا پتا چلا؟ نہیں، اور اسمِ اشارہ کی صفت معرف باللام کس لیے لائی جاتی ہے؟ تاکہ اس کی جنس کا پتا چل جائے، تو ایسا معرف باللام جس سے جنس کا پتا نہ چلے اس کا صفت بنانا ضعیف ہے۔ بنا تو سکتے ہیں کیونکہ ہے تو بہرحال معرف باللام لیکن جنس کا پتا نہیں چلا اس لیے یہ ترکیب ضعیف ہے۔ تو «مَرَرْتُ بِهٰذَا الْأَبْيَضِ» اس «الْأَبْيَضِ» معرف باللام کو اسمِ اشارہ کی صفت بنانا ضعیف ہے کیونکہ اس سے جنس کا پتا نہیں چل رہا۔

ہاں «مَرَرْتُ بِهٰذَا الْعَالِمِ» یہ ترکیب اچھی ہے، یہ ضعیف نہیں، کیونکہ «هٰذَا» کی صفت «الْعَالِمِ» آئی اور «الْعَالِمِ» سے جنس کا پتا چل گیا کیونکہ علم انسان کی صفت ہوتی ہے، عالم کون ہوتا ہے؟ انسان، بلکہ «الْعَالِمِ» انسان ہونے کا بھی پتا چلا اور «الْعَالِمِ» مذکر صفت لائی گئی معلوم ہوا رجل مراد ہے، انسان میں سے بھی کون مراد ہے؟ رجل۔ تو لہٰذا یہ جو «مَرَرْتُ بِهٰذَا الْعَالِمِ» کے اندر «الْعَالِمِ» معرف باللام صفت لائی گئی یہ لانا اچھا ہے کیونکہ اس میں جنس کا پتا چل گیا۔ یہ «الْعَالِمِ» ایسا معرف باللام ہے جس سے جنس کا پتا چل جاتا ہے اس لیے اس کا صفت لانا صحیح ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟

دیکھیے پھر متن، کہتے ہیں: «وَمِنْ ثَمَّ ضَعُفَ مَرَرْتُ بِهٰذَا الْأَبْيَضِ وَحَسُنَ بِهٰذَا الْعَالِمِ» اور اسی وجہ سے ضعیف ہے یہ ترکیب «مَرَرْتُ بِهٰذَا الْأَبْيَضِ» اور «مَرَرْتُ بِهٰذَا الْعَالِمِ» یہ ترکیب اچھی ہے۔

اب اس سارے کو شرح کے ساتھ دیکھیے: «وَمِنْ ثَمَّ أَيْ وَمِنْ أَجْلِ أَنَّ الْتِزَامَ وَصْفِ بَابِ هٰذَا بِذِي اللَّامِ لِرَفْعِ الْإِبْهَامِ بِبَيَانِ الْجِنْسِ» اور اسی وجہ سے کہ بابِ ہذا کے وصف کا التزام کیا گیا ہے ذو اللام کے ساتھ «لِرَفْعِ الْإِبْهَامِ» اس کے ابہام

کو دور کرنے کے لیے «بِبَيَانِ الْجِنْسِ» اس کی جنس کو بیان کرتے ہوئے، اسی وجہ سے «ضَعُفَ مَرَرْتُ بِهٰذَا الْأَبْيَضِ» یہ ترکیب ضعیف ہے «لِأَنَّهُ لَا يَتَبَيَّنُ بِهِ جِنْسُ الْمُبْهَمِ» اس لیے کیونکہ اس کے ذریعے اس مبہم کی جنس جو ہے وہ ظاہر نہیں ہوتی، اس کا پتا نہیں چلتا، «لِأَنَّ الْأَبْيَضَ عَامٌّ لَا يَخْتَصُّ بِجِنْسٍ دُونَ جِنْسٍ» اس لیے کیونکہ ابیض یہ تو عام ہے یہ کسی ایک جنس کو چھوڑ کر دوسری جنس کے ساتھ یہ خاص نہیں ہے۔ تو یہ معنی ہے «لِأَنَّ الْأَبْيَضَ عَامٌّ» اس لیے کیونکہ ابیض جو ہے یہ عام ہے، «لَا يَخْتَصُّ بِجِنْسٍ دُونَ جِنْسٍ» یہ ایک جنس کے علاوہ دوسری جنس کے ساتھ خاص نہیں ہے۔

«وَحَسُنَ مَرَرْتُ بِهٰذَا الْعَالِمِ» اور یہ ترکیب اچھی ہے: «مَرَرْتُ بِهٰذَا الْعَالِمِ»، «لِأَنَّهُ يَتَبَيَّنُ بِهِ أَنَّ الْمُشَارَ إِلَيْهِ إِنْسَانٌ» اس لیے کیونکہ اس کے ذریعے یہ بات واضح ہو جاتی ہے، یہ بات ظاہر ہو جاتی ہے، یہ بات معلوم ہو جاتی ہے کہ وہ جو مشار الیہ ہے وہ انسان ہے، «بَلْ رَجُلٌ» بلکہ انسانوں میں بھی کیا ہے؟ رجل ہے امراۃ نہیں ہے کیونکہ «الْعَالِمِ» مذکر صفت لائی گئی۔ بات سمجھ میں آگئی؟

حاصلِ کلام یہ کہ آج آپ کو صاحبِ کافیہ نے بتلایا کہ ضمیر نہ موصوف بنتی ہے اور نہ صفت بنتی ہے۔ اور نیز موصوف جو ہے وہ صفت کے برابر ہونا چاہیے یا اعلیٰ ہونا چاہیے، اصل تو یہ ہے اعلیٰ ہو لیکن اگر اعلیٰ نہیں ہو سکتا تو کم از کم صفت کے برابر ہو تعریف کے اندر۔ اور پھر صاحبِ کافیہ نے آپ کو یہ بھی بتلایا کہ ذوالام جو ہے یعنی معرف باللام اس کی صفت ذوالام ہی آسکتا ہے یا وہ جو مضاف ہو ذوالام کی طرف، یعنی معرف باللام کی صفت معرف باللام بھی آسکتا ہے اور وہ جو مضاف ہو معرف باللام کی طرف وہ بھی آسکتا ہے، اور نیز اسمِ موصول بھی آسکتا ہے کیونکہ وہ بھی معرف باللام کے درجے میں ہے، اور وہ جو مضاف ہو اسمِ موصول کی طرف وہ بھی آسکتا ہے۔ اور اسی طرح بابِ ہذا کا التزام کیا گیا ہے کہ اس کی صفت صرف ذوالام آئے گی، یعنی وہ جو معرف باللام ہے، اور وہ جو معرف باللام کی طرف مضاف ہے وہ نہیں آسکتا، اور اسی طرح اسمِ موصول بھی آسکتا ہے کیونکہ وہ بھی اسی ذوالام پر محمول ہے وہ اسی کے درجے میں ہے، اور وہ جو مضاف ہے اسمِ موصول کی طرف وہ بھی نہیں آسکتا، کیونکہ اگر آپ مضاف کو لائیں گے اس کے ابہام کو دور کرنے کے لیے یہ تو اسی طرح ہو گیا جیسے آپ مستعیر سے مانگ رہے ہوں یا آپ جو ہے محتاج اور فقیر سے سوال کر رہے ہوں۔ اور پھر اسی وجہ سے کہ اسمِ اشارہ کی صفت معرف باللام کیوں لائی جاتی ہے؟ تاکہ اس کا ابہام دور ہو جائے جنس کا پتا چل جائے، تو ایسا معرف باللام جس سے جنس کا پتا چلے اس کا لانا تو بہتر ہے لیکن ایسا معرف باللام جس سے جنس کا پتا نہ چلے جیسے «مَرَرْتُ بِهٰذَا الْأَبْيَضِ» تو اس قسم کے معرف باللام کو اسمِ اشارہ کی صفت بنانا ضعیف ہے کیونکہ اس سے جنس کا پتا نہیں چلتا، جبکہ «مَرَرْتُ بِهٰذَا الْعَالِمِ» اس «الْعَالِمِ» کو اسمِ اشارہ کی صفت بنانا اچھا ہے کیونکہ اس کے ذریعے جنس کا پتا چل رہا ہے۔ بات سمجھ میں آگئی، حل ہو گیا؟ چلیے بس بھئی، هٰذَا هُوَ الْمَرَامُ، وَاللّٰهُ أَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْكَلَامِ۔

سبق نمبر ۲۰۳: العطف (۱): عطفِ نسق کی تعریف اور حروفِ عطف کا تعارف

شرحِ ملا جامی صفحہ: ۱۸۴ — بتاریخ: ۲ اکتوبر ۲۰۲۲ء

▪ تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث

آگے سبق دیکھیے بھئی۔ اَلْعَطْفُ یَعْنِی الْمَعْطُوفَ بِالْحَرْفِ تَابِعٌ مَقْصُودٌ أَیْ قُصِدَ نِسْبَتُہُ إِلَی شَیْءٍ أَوْ نِسْبَۃُ شَیْءٍ إِلَیْہِ بِالنِّسْبَۃِ الْوَاقِعَۃِ فِی الْکَلَامِ، فَقَوْلُہُ بِالنِّسْبَۃِ مُتَعَلِّقٌ بِالْقَصْدِ الْمَفْہُومِ مِنَ الْمَقْصُودِ، مَعَ مَتْبُوعِہِ أَیْ کَمَا یَکُونُ ہُوَ مَقْصُودًا بِتِلْکَ النِّسْبَۃِ یَکُونُ مَتْبُوعُہُ أَیْضًا مَقْصُودًا بِہَا۔

گزشتہ سبق کے اندر صفت کی بحث چل رہی تھی، اور صاحبِ کافیہ نے کئی قیمتی ضابطے اور باتیں آپ کو بتلائیں۔ صاحبِ کافیہ نے آپ کو بتلایا کہ وَالْمُضْمَرُ لَا یُوصَفُ وَلَا یُوصَفُ بِہِ، کہ ضمیر نہ تو موصوف بنتی ہے اور نہ اس کے ذریعے کسی کو موصوف کیا جاتا ہے، یعنی ضمیر نہ موصوف بنتی ہے اور نہ صفت بنتی ہے۔ اور وجہ یہ کہ یہ جو معرفہ آپ نے پڑھے ہیں، ان میں سب سے زیادہ تعریف ضمیروں میں ہے، اور پھر ضمیروں کے اندر سب سے زیادہ تعریف جو ہے متکلم کی ضمیر میں ہے، اور اس کے بعد دوسرا درجہ مخاطب کی ضمیر کا ہے، اور پھر تیسرا درجہ غائب کی ضمیر کا ہے۔ تو متکلم کی ضمیر جو ہے وہ أَعْرَفُ الْمَعَارِفِ ہے، کیونکہ انسان سب سے زیادہ اپنے آپ کو جانتا ہے۔ معرفہ کس سے ہے؟ معرفت سے ہے، جس کی انسان کو پہچان ہو، اور انسان کو سب سے زیادہ اپنی پہچان ہوتی ہے، اپنے آپ کو وہ پوری طرح جانتا ہے، تو لہٰذا سب سے زیادہ تعریف متکلم کی ضمیر میں ہے۔ اور مخاطب اس کے سامنے ہوتا ہے جس سے وہ بات کر رہا ہے، تو دوسرا درجہ مخاطب کی ضمیر کا ہے۔

تو متکلم اور مخاطب کی ضمیر أَعْرَفُ الْمَعَارِفِ ہیں، لہٰذا یہاں کسی وضاحت کی ضرورت نہیں، کیونکہ آپ نے پڑھا تھا کہ معرفہ کے اندر جو صفت لائی جاتی ہے وہ توضیح کے لیے ہوتی ہے، وضاحت کے لیے ہوتی ہے، یعنی غیر کے احتمال کو ختم کرنے کے لیے۔ میں نے کہا جَاءَنِی زَیْدٌ الْعَالِمُ، اس زید کے اندر عالم ہونے کا بھی احتمال تھا اور عالم نہ ہونے کا بھی، لیکن جب میں اَلْعَالِمُ صفت لے آیا، تو اس نے غیرِ عالم ہونے کے احتمال کو ختم کر دیا، معلوم ہوا کہ زید عالم ہے بھئی، زید عالم

ہے۔ اور جبکہ نکرہ کے اندر صفت جو ہے وہ تخصیص کے لیے آتی ہے، یعنی اشتراک کو کم کر دیتی ہے۔ تو ضمیر ہے معرفہ، اور معرفہ کے اندر صفت کس لیے آتی ہے؟ توضیح کے لیے۔ لیکن ضمیر متکلم کی اور مخاطب کی، وہ تو سب سے زیادہ تعریف ہے اس کے اندر، تو وہاں کسی توضیح کی ضرورت نہیں، اس لیے ضمیر کی صفت نہیں لائی جاتی۔

اس پر آپ کے ذہن میں اشکال آئے گا کہ غائب کی ضمیر جو ہے، وہ تو أَعْرَفُ الْمَعَارِفِ نہیں، لہٰذا اس کی تو صفت آسکتی ہے۔ تو اس کا بھی جواب دیا تھا صاحبِ جامی نے کہ غائب کی ضمیر باقی دونوں ضمیروں پر محمول ہے، یعنی جیسے متکلم اور مخاطب کی ضمیر کی صفت نہیں آسکتی، تو اسی طرح غائب کی ضمیر وہ بھی ضمیر ہی ہے، وہ بھی انہی کی جنس سے ہے، تو وہ بھی انہی پر محمول ہے، لہٰذا اس کی بھی صفت نہیں آسکتی۔ پھر اشکال ہوا کہ یہ تو توضیح کے لیے معلوم ہوا صفت نہیں آسکتی، یعنی صفتِ موضحہ نہیں آسکتی، لیکن بعض اوقات آپ نے بتلایا تھا کہ صفت مدح یا ذم یا تاکید کے لیے آتی ہے، تو وہ تو آنی چاہیے، کیونکہ وہ تو وضاحت کے لیے نہیں ہے، وہ تو مدح، ذم یا تاکید کے لیے ہے۔ تو جواب دیا تھا کہ وہ بھی صفتِ موضحہ پر محمول ہیں، جیسے ان کی صفتِ موضحہ نہیں آسکتی، اسی طرح صفتِ مادحہ، صفتِ ذامہ اور اسی طرح صفتِ مؤکدہ بھی نہیں آسکتی، طَرْدًا لِلْبَابِ، تاکہ سارے باب کا ایک حکم ہو جائے، تاکہ سارے باب کا حکم موافق ہو جائے، یہ نہ ہو کہ بعض صفتیں تو آسکتی ہیں اور بعض صفتیں نہیں آسکتیں۔

اور پھر بتلایا تھا کہ ضمیر جو ہے، وہ صفت بھی نہیں بنتی۔ وجہ یہ کہ ضمیر جو ہے وہ ذات پر دلالت کرتی ہے، جبکہ صفت وہ تو ایسے معنی پر دلالت کرتی ہے جو اس کے متبوع میں پایا جاتا ہے۔ کس میں؟ متبوع میں، جبکہ ضمیر ایسے معنی پر دلالت نہیں کرتی، ضمیر تو ذات پر دلالت کرتی ہے، اس لیے یہ صفت بھی نہیں بن سکتی۔

تو ضمیر کے بارے میں تو بتلا دیا صاحبِ کافیہ نے کہ ضمیر نہ موصوف بنتی ہے اور نہ صفت بنتی ہے۔ تو باقی معرفہ کے اندر کون سا معرفہ کس کی صفت بن سکتا ہے اور کون سا معرفہ کس کی صفت نہیں بن سکتا؟ تو اس کے لیے ضابطہ بیان کیا تھا صاحبِ کافیہ نے کہ موصوف جو ہے، وہ أَخَصّ ہونا چاہیے یا مساوی ہونا چاہیے، تعریف کے اندر۔ موصوف کو تعریف کے اندر زیادہ معرفہ ہونا چاہیے صفت کے مقابلے میں، یا کم از کم اس کے برابر ہونا چاہیے، یعنی یوں کہو موصوف کو اعلیٰ ہونا چاہیے۔ وجہ یہ کہ موصوف صفت میں سے مقصود جو ہے موصوف ہوتا ہے، صفت تو اس کی وضاحت کے لیے آتی ہے، لہٰذا موصوف کو تعریف میں اعلیٰ ہونا چاہیے، اس میں تعریف اعلیٰ درجے کی ہونی چاہیے، صفت سے کم نہیں ہونی چاہیے، اور اگر اعلیٰ نہیں ہے تو پھر کم از کم صفت کے برابر تعریف ہونی چاہیے، اس صفت سے کم درجے کی تعریف نہیں ہونی چاہیے۔

چنانچہ یہ جو معرفہ آپ نے پڑھے، ان میں سب سے زیادہ تعریف جو ہے وہ ضمیروں میں ہے، اس کے بعد دوسرا درجہ علم کا ہے، تیسرا درجہ اسمِ اشارہ کا ہے، چوتھا درجہ معرّف باللام کا ہے اور اسمِ موصول کا ہے، یہ دونوں ایک ہی درجے کے

ہیں۔ اور آپ نے پڑھا تھا جو معرفہ کی طرف مضاف ہو جائے وہ بھی معرفہ ہو جاتا ہے، تو مضاف بھی اسی درجے کا ہوگا جس درجے کا مضاف الیہ۔ مثلاً غلام کی اضافت آپ ہا ضمیر کی طرف کرتے ہیں غُلَامُہٗ، تو ہا ضمیر تو پہلے درجے کی معرفہ ہے، لہٰذا غُلَامُہٗ، یہ غلام بھی کس درجے کا معرفہ بن گیا؟ پہلے درجے کا۔ آپ اسمِ اشارہ کی طرف اضافت کرتے ہیں غُلَامُ ہٰذَا، اور اسمِ اشارہ تیسرے درجے کا معرفہ ہے، تو غُلَامُ ہٰذَا، یہ جو غلام ہے یہ بھی تیسرے درجے کا معرفہ ہوا۔ اسی طرح اگر آپ علم کی طرف اضافت کرتے ہیں غُلَامُ زَیْدٍ، علم دوسرے درجے کا معرفہ ہے، تو غُلَامُ زَیْدٍ، یہ غلام بھی اب کس درجے کا ہو گیا جو زید کی طرف مضاف ہے؟ یہ بھی دوسرے درجے کا ہو گیا۔ یا آپ معرّف باللام کی طرف اضافت کرتے ہیں غُلَامُ الرَّجُلِ، تو اَلرَّجُلِ یہ چوتھے درجے کا ہے معرّف باللام، تو اس کی طرف جو مضاف ہوا غلام وہ بھی کس درجے کا معرفہ ہو گیا؟ چوتھے درجے کا ہو گیا۔ تفصیل سمجھ میں آگئی۔

تو ضابطہ بیان کیا کہ موصوف کو تعریف کے اندر صفت سے اعلیٰ ہونا چاہیے یا کم از کم اس کے برابر ہونا چاہیے، کم درجے کا نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ اسی لیے کہا، پھر آگے فرمایا کہ اسی لیے ذوالام جو ہے، وہ موصوف نہیں ہوگا مگر اپنے ہی مثل کے ساتھ یا وہ جو مضاف ہو اس کے مثل کی طرف۔ ذوالام، ذوالام کا معنی ہے لام والا، جیسے ذو مال کا کیا معنی تھا؟ مال والا، تو ذوالام، لام والا، یعنی جس پر لامِ تعریف داخل ہو، یعنی معرّف باللام مراد ہے۔ تو لَمْ یُوصَفْ ذُواللَّامِ إِلَّا بِمِثْلِہِ، تو صاحبِ کافیہ نے فرمایا کہ لَمْ یُوصَفْ ذُواللَّامِ إِلَّا بِمِثْلِہِ أَوْ بِالْمُضَافِ إِلَی مِثْلِہِ، کہ ذوالام جو ہے اس کو موصوف نہیں کیا جاتا مگر اسی کے مثل کے ساتھ، یعنی جو اسی کا مثل ہو، یعنی ذوالام ہو یا اسمِ موصول ہو، کیونکہ یہ دونوں اسی درجے کے ہیں، أَوْ بِالْمُضَافِ إِلَی مِثْلِہِ، یا وہ جو مضاف ہے اس کے مثل کی طرف، یعنی وہ جو مضاف ہے معرّف باللام کی طرف یا اسمِ موصول کی طرف، چاہے براہِ راست وہ مضاف ہو معرّف باللام کی طرف یا واسطے کے ذریعے مضاف ہو معرّف باللام کی طرف۔ جیسے مثال ذکر کی تھی جَاءَنِی الرَّجُلُ صَاحِبُ الْفَرَسِ، آیا میرے پاس وہ شخص صَاحِبُ الْفَرَسِ جو گھوڑے والا ہے، صَاحِبُ الْفَرَسِ کا معنی ہے گھوڑے والا، یعنی گھوڑے کا مالک بھئی۔ أَوْ بِوَاسِطَۃٍ، یا درمیان میں واسطہ ہو جیسے جَاءَنِی الرَّجُلُ صَاحِبُ لِجَامِ الْفَرَسِ، آیا میرے پاس وہ شخص جو گھوڑے کی لگام والا ہے، یعنی گھوڑے کی لگام کا مالک ہے بھئی۔

اور پھر یہ بھی بتلایا تھا کہ یہ جو مضاف جو ہے، امام سیبویہ کا مذہب یہ ہے کہ مضاف جو ہے، وہ مضاف الیہ سے تعریف اخذ کرتا ہے، تو مضاف کی تعریف بھی مضاف الیہ کے درجے کی ہوتی ہے، مضاف کی تعریف مضاف الیہ کے برابر ہوتی ہے۔ اور جبکہ امام مبرد کا مذہب یہ ہے، وہ فرماتے ہیں کہ مضاف کی تعریف مضاف الیہ سے کم درجے کی ہوتی ہے۔ چنانچہ اسی لیے وہ جو مضاف ہو ضمیر کی طرف اس کی صفت لانا جائز ہے: جَاءَنِی غُلَامُہُ الْعَاقِلُ۔ تو دیکھو جو مضاف ہو جائے ضمیر کی طرف، اگر وہ بھی ضمیر کے درجے کا ہو، تو ضمیر تو أَعْرَفُ الْمَعَارِفِ ہے، اس کی تو صفت آتی نہیں، لہٰذا وہ جو مضاف ہو ضمیر کی طرف اس کی صفت بھی نہیں آنی چاہیے، لیکن اس کی صفت آتی ہے: غُلَامُہُ الْعَاقِلُ، غُلَامُہُ مضاف مضاف الیہ

مل کر موصوف اور اَلْعَاقِلُ اس کی صفت۔ تو معلوم ہوا مضاف کی تعریف مضاف الیہ سے کم درجے کی ہوتی ہے، اگر اسی درجے کی ہو تو پھر تو ضمیر کی طرح ہوا، اور ضمیر کی تو صفت نہیں لائی جاتی، لہٰذا اس کی بھی صفت نہیں لانی چاہیے تھی بھئی۔

پھر اس کے بعد صاحبِ کافیہ پر ایک اشکال ہوتا تھا، اس کا انہوں نے جواب دیا۔ اشکال یہ ہوتا تھا کہ آپ نے ضابطہ بتایا کہ موصوف صفت سے اعلیٰ ہوگا یا صفت کے برابر ہوگا، آپ کا ضابطہ تقاضا کرتا ہے کہ اسمِ اشارہ جو ہے، چھ قسم کی صفات اس کی جائز ہونی چاہئیں: اسمِ اشارہ کی صفت اسمِ اشارہ بھی آنی چاہیے کیونکہ اسمِ اشارہ اسمِ اشارہ کے مساوی ہوا، یا وہ جو مضاف ہو اسمِ اشارہ کی طرف وہ بھی صفت آنی چاہیے، اور نیز اس سے کم درجے کی بھی صفت آسکتی ہے، یعنی معرّف باللام بھی اور اسمِ موصول بھی، اور وہ جو مضاف ہے معرّف باللام کی طرف اور وہ جو مضاف ہے اسمِ موصول کی طرف، تو یہ چھ قسم کی صفتیں آنی چاہئیں۔ تو اس کا جواب دیا تھا صاحبِ کافیہ نے کہ بابِ ہٰذَا کے اندر التزام کیا گیا ہے کہ اس کی صفت ذوالّلام ہی لائی جائے گی۔ بابِ ہٰذَا یعنی اسمِ اشارہ کے اندر التزام کیا گیا ہے یعنی اس بات کو لازم پکڑا گیا ہے کہ اس کی صفت صرف ذوالّلام آسکتی ہے، لِلْإِبْهَامِ، کس کی وجہ سے؟ ابہام کی وجہ سے، کیونکہ اسمِ اشارہ کے اندر ابہام ہوتا ہے۔ جب اس کے اندر ابہام ہے، تو لہٰذا اس کی صفت اسمِ اشارہ نہیں لا سکتے، کیونکہ اس کے اندر بھی ابہام ہوگا، تو صفت سے بھی ابہام دور نہ ہو سکے گا موصوف کا۔ اور نیز وہ جو مضاف ہو اسمِ اشارہ کی طرف وہ بھی صفت نہیں لا سکتے، کیونکہ اس نے تعریف کس سے اخذ کی ہے؟ اسمِ اشارہ سے، تو اس کے اندر بھی ابہام ہوگا۔ اور نیز معرّف باللام لا سکتے ہیں اور اسمِ موصول لا سکتے ہیں، کیونکہ اسمِ موصول بھی معرّف باللام کے درجے کا ہے۔ البتہ وہ جو مضاف ہے معرّف باللام کی طرف اور یا اسمِ موصول کی طرف، وہ بھی صفت نہیں لا سکتے۔ یعنی چھ میں سے صرف دو قسم کی صفتیں آسکتی ہیں اسمِ اشارہ کی، ایک معرّف باللام اور ایک اسمِ موصول۔ اور وہ جو مضاف ہو معرّف باللام کی طرف یا اسمِ موصول کی طرف وہ بھی صفت نہیں لا سکتے، اس لیے کیونکہ وہ جو مضاف ہے اس نے تو خود اپنی تعریف اخذ کی ہے معرّف باللام یا اسمِ موصول سے، تو وہ تو محتاج اور فقیر کی طرح ہوا جو اپنی تعریف دوسرے سے مانگ رہا ہے، تو لہٰذا اگر اس کے ذریعے آپ اسمِ اشارہ کے ابہام کو دور کریں گے، یہ تو گویا ایسے ہی ہو گیا جیسے فقیر سے مانگا جا رہا ہے یا مستعیر سے عاریتاً کوئی چیز طلب کی جا رہی ہے۔ توجہ ہے؟

کہتے ہیں چونکہ اسمِ اشارہ میں ابہام ہوتا ہے اور آگے آنے والا معرّف باللام یا اسمِ موصول آکر اس کے ابہام کو دور کرتا ہے، اس کی جنس کو بیان کر دیتا ہے، تو اسی لیے یہ مثال اچھی نہیں کہ مَرَرْتُ بِهٰذَا الْأَبْيَضِ، مَرَرْتُ بِهٰذَا الْأَبْيَضِ، کیونکہ أَبْيَضُ کا معنی سفید، اس سے پتہ نہیں چلتا کہ اس کی جنس کیا ہے، یہاں بِهٰذَا الْأَبْيَضِ کے ذریعے أَبْيَضُ کی جنس کا پتہ نہیں چلا، تو جب جنس کا پتہ نہیں چلا تو ہٰذَا کا ابہام دور نہ ہوا، لہٰذا یہ ترکیب ضعیف ہے۔ البتہ جائز ہے، کیونکہ ہے تو معرّف باللام، اور

اسمِ اشارہ کی صفت معرّف باللام آسکتی ہے۔ جبکہ مَرَرْتُ بِہٰذَا الْعَالِمِ، یہ صفت لانا اور اس طرح کا کلام کرنا یہ اچھا ہے، اس لیے کیونکہ اس کے ذریعے مشارٌ الیہ کی جنس کا پتہ چل گیا کہ وہ انسان ہے، بلکہ مذکر لے کر آئے تو معلوم ہوا اِمْرَأَۃٌ بھی نہیں ہے، بلکہ رَجُلٌ ہے بھئی۔ بات سمجھ میں آگئی۔

اب آئیے آج کے سبق پر۔ کہتے ہیں اَلْعَطْفُ یَعْنِی الْمَعْطُوفَ بِالْحَرْفِ تَابِعٌ مَقْصُودٌ أَیْ قُصِدَ نِسْبَتُہٗ إِلَی شَیْءٍ أَوْ نِسْبَۃُ شَیْءٍ إِلَیْہِ بِالنِّسْبَۃِ۔ بھئی پہلے متن متن دیکھ لیجیے۔ کہتے ہیں اَلْعَطْفُ تَابِعٌ مَقْصُودٌ بِالنِّسْبَۃِ مَعَ مَتْبُوعِہٖ۔ اَلْعَطْفُ تَابِعٌ، عطف ایسا تابع ہے مَقْصُودٌ بِالنِّسْبَۃِ جو نسبت سے مقصود ہوتا ہے مَعَ مَتْبُوعِہٖ ساتھ اپنے متبوع کے، ساتھ اپنے متبوع کے۔ بھئی یہ تعریف کر رہے ہیں معطوف بحرف کی صاحبِ کافیہ، اور معطوف بحرف کی تعریف کرتے ہوئے فرماتے ہیں اَلْعَطْفُ تَابِعٌ مَقْصُودٌ بِالنِّسْبَۃِ، عطف وہ ایسا تابع ہے جو نسبت کے ذریعے مقصود ہوتا ہے مَعَ مَتْبُوعِہٖ ساتھ اپنے متبوع کے۔ آپ جانتے ہیں کہ توابع کل پانچ ہیں بھئی: صفت ہے، بدل ہے، تاکید ہے، عطفِ بیان ہے اور معطوف بحرف ہے۔ یہ پانچ، ان پر وہی اعراب آتا ہے جو ان کے ماقبل پر آئے، اور ان کا ماقبل متبوع کہلاتا ہے، اور یہ کیا کہلاتے ہیں؟ تابع کہلاتے ہیں۔

تو چنانچہ اب عطف، معطوف بحرف کی تعریف کر رہے ہیں صاحبِ کافیہ۔ یاد رکھو کہ باقی جو توابع ہیں، یہ عطف کی تعریف کر رہے ہیں، عطف کے علاوہ جو باقی توابع ہیں، ان میں یا متبوع مقصود ہوتا ہے یا تابع مقصود ہوتا ہے، دونوں مقصود نہیں ہوتے، جبکہ معطوف بحرف میں دونوں مقصود ہوتے ہیں، معطوف بحرف میں دونوں مقصود ہوتے ہیں: جَاءَنِی زَیْدٌ وَعَمْرٌو، جَاءَنِی زَیْدٌ وَعَمْرٌو، میرے پاس زید آیا اور عمرو آیا۔ اب ان میں سے دیکھو زَیْدٌ جو پہلے آیا وہ ہے معطوفٌ علیہ، اس پر عطف کیا گیا ہے، تو اس کو کیا کہتے ہیں؟ معطوفٌ علیہ، اس پر عطف کیا گیا ہے، اور جو حرفِ عطف کے بعد آئے اس کو کہتے ہیں معطوف، یہ ہے معطوف بحرف، یہ جو حرفِ عطف واو وغیرہ کے بعد آئے، اور یہ بھی مقصود ہے بھئی، یہ بھی اس نسبت کے ذریعے مقصود ہے، تو یہاں صرف زید کی مجیئت بیان کرنا مقصود نہیں، بلکہ زید اور عمرو دونوں کی مجیئت بیان کرنا مقصود ہے، کہ آنے کا فعل زید نے بھی کیا ہے اور عمرو نے بھی کیا ہے، زید نے بھی کیا ہے اور عمرو نے بھی کیا ہے۔ یا دوسری مثال لے لیں مفعول کی: ضَرَبْتُ زَیْدًا وَعَمْرًا، میں نے پٹائی کی زید کی اور عمرو کی۔ تو یہاں عَمْرًا کا عطف ہے زید پر، تو زید ہوا معطوفٌ علیہ، اور یہ عَمْرًا یہ کیا ہے؟ معطوف بحرف۔ اور یہاں دونوں مقصود ہیں: ضَرَبْتُ زَیْدًا وَعَمْرًا، یہاں صرف زید کی پٹائی بتلانا مقصود نہیں، نہ صرف عمرو کی پٹائی بتلانا مقصود ہے، بلکہ دونوں کی پٹائی بتلانا مقصود ہے، کہ زید کی بھی میں نے پٹائی کی ہے اور عمرو کی بھی پٹائی کی ہے۔

جبکہ اور توابع اس طرح نہیں، وہاں یا متبوع مقصود ہوتا ہے یا تابع مقصود ہوتا ہے۔ مثلاً میں کہتا ہوں جَاءَنِی زَیْدٌ الْعَالِمُ، میرے پاس وہ زید آیا جو عالم ہے۔ اب دیکھو اس کے اندر زید موصوف ہے اور اَلْعَالِمُ اس کی صفت ہے، اور صفت بھی کس میں سے؟ توابع میں سے۔ اب مجھے بتائیے زید یہ مقصود ہے اس کلام میں یا اَلْعَالِمُ مقصود ہے؟ زید مقصود ہے، اَلْعَالِمُ صفت تو صرف اس کی وضاحت کر رہی ہے کہ وہ زید آیا ہے جو عالم ہے، تو صفت معرفہ میں کس لیے آتی ہے؟ توضیح کے

لیے۔ تو لہٰذا موصوف صفت میں مقصود کیا، مقصود کون ہوتا ہے؟ موصوف مقصود ہوتا ہے، صفت مقصود نہیں ہوتی۔

دوسرے تابع پر آجائیں: مؤکد اور تاکید۔ جَاءَنِی الْقَوْمُ کُلُّہُمْ، اَلْقَوْمُ مؤکد ہے اور کُلُّہُمْ یہ اس کی تاکید ہے۔ جَاءَنِی الْقَوْمُ وہ لوگ میرے پاس آئے کُلُّہُمْ سارے کے سارے، وہ لوگ میرے پاس آئے سارے کے سارے۔ تو یہاں آپ دیکھو اَلْقَوْمُ مؤکد ہے اور کُلُّہُمْ یہ مضاف مضاف الیہ مل کر اس کی تاکید ہے۔ تو مجھے بتائیے اس کلام کے اندر مؤکد یعنی اَلْقَوْمُ مقصود ہے یا کُلُّہُمْ مقصود ہے؟ اَلْقَوْمُ مقصود ہے، کُلُّہُمْ تو صرف شمول کا فائدہ دے رہا ہے کہ اَلْقَوْمُ سے قوم کے سارے افراد مراد ہیں، ایسا نہیں کہ صرف اکثر مراد ہوں۔ بات سمجھ میں آگئی۔ تو دیکھو موصوف صفت میں موصوف مقصود ہے یعنی متبوع، مؤکد تاکید میں بھی متبوع مقصود ہے۔

اگلے تابع میں آجائیں: عطفِ بیان۔ مثلاً جَاءَنِی أَبُو حَفْصٍ عُمَرُ۔ ابو حفص یاد رکھو یہ کنیت ہے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی، اور نام عمر ہے، اور زیادہ مشہور آپ کا نام تھا۔ تو ابو حفص کہہ لیں تو بھی وہی ذات، عمر کہہ لیں تو بھی وہی ذات مراد ہوتی ہے۔ تو یاد رکھو جَاءَنِی أَبُو حَفْصٍ عُمَرُ، ابو حفص یہ ہے معطوفٌ علیہ، اور عمر یہ ہے عطفِ بیان، یہ کیا ہے؟ عطفِ بیان۔ عطفِ بیان وہ ہے جو اپنے متبوع کو بیان کرتا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی کنیت زیادہ مشہور نہیں، تو جب ابو حفص کہا جائے تو پتہ نہیں چلتا کہ کون مراد ہیں، اور جب ساتھ عمر کو ملا دیا جائے، اب عمر نے وضاحت کر دی، بیان کر دیا کہ ابو حفص سے کون مراد ہیں؟ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ تو یہ ابو حفص جو پہلے آیا یہ ہے متبوع، اور یہ جو عمر بعد میں آیا یہ ہے تابع، اور اس کو عطفِ بیان کہتے ہیں، یہ عمر کیا ہے؟ عطفِ بیان، اور ابو حفص اس کو معطوفٌ علیہ کہیں گے۔ اس میں بھی عطف ہے، جیسے حرفِ عطف کے ذریعے عطف ہوتا ہے تو پہلے والے کو کیا کہتے ہیں؟ معطوفٌ علیہ، اور دوسرے کو کیا کہتے ہیں؟ معطوف، تو یہاں پر بھی یہ ثانی جو ہے یہ معطوف ہے، یعنی یہ اس کو بیان کر رہا ہے۔ بات سمجھ میں آگئی۔ تو یاد رکھو یہ جو معطوفٌ علیہ اور عطفِ بیان ہوتے ہیں، ان میں معطوفٌ علیہ یعنی جو پہلے آئے جو متبوع ہے وہ مقصود ہوتا ہے، اور عطفِ بیان آگے آکر اس کی وضاحت کر دیتا ہے کہ ابو حفص سے کون مراد ہیں؟ عمر۔ تو اصل مقصود ابو حفص ہے، عمر نے آکر اسی کی وضاحت کر دی۔ بات سمجھ میں آگئی۔ تو یہاں بھی متبوع مقصود ہے، کون؟ موصوف صفت میں بھی کون مقصود؟ موصوف یعنی متبوع، مؤکد تاکید میں کون مقصود؟ مؤکد یعنی متبوع، اور اسی طرح عطفِ بیان کے اندر بھی کون مقصود؟ متبوع یعنی معطوفٌ علیہ مقصود ہوتا ہے۔

جبکہ بدل جو ہے یاد رکھو، اس کے اندر تابع مقصود ہوتا ہے: جَاءَنِی زَیْدٌ أَخُوکَ، جَاءَنِی زَیْدٌ أَخُوکَ۔ یہاں یاد رکھو یہ زَیْدٌ یہ ہے مبدل منہ، اور أَخُوکَ آپ کا بھائی یہ ہے بدل بھئی۔ مثلاً مخاطب جو ہے اس کا ایک بھائی ہے اور اس کا نام زید ہے، تو میں اس سے کہتا ہوں جَاءَنِی زَیْدٌ أَخُوکَ، میرے پاس زید یعنی آپ کا بھائی آیا تھا۔ یاد رکھو یہ زید یہ ہے مبدل منہ اور یہ ہے متبوع، اور یہ أَخُوکَ یہ ہے تابع اور یہ ہے بدل بھئی۔ اور مبدل منہ اور بدل میں سے یاد رکھو بدل مقصود ہوتا ہے، کون مقصود ہوتا ہے؟ بدل مقصود ہوتا ہے، اور اس سے پہلے یہ جو مبدل منہ کو ذکر کیا گیا، یہ بطورِ تمہید کے ذکر کیا گیا ہے۔ کس

لیے؟ جَاءَنِی زَیْدٌ أَخُوکَ، زَیْدٌ مبدل منہ ہے اور أَخُوکَ بدل ہے، اور دونوں میں مقصود کون ہے؟ أَخُوکَ یعنی بدل مقصود ہے، اور زَیْدٌ کو بطورِ تمہید کے ذکر کیا گیا ہے۔ جیسے آپ کسی اپنے ساتھی کے پاس جاتے ہیں اور آپ کو اس سے کوئی کام ہے، تو جاتے ہی فوراً کام نہیں کہتے، بلکہ شروع میں چند اور باتیں کرتے ہیں: آپ کا کیا حال ہے وغیرہ، چند ادھر ادھر کی باتیں کیں اور اس کے بعد آپ اپنے کام کو ذکر کرتے ہیں۔ تو یہ جو شروع میں آپ نے کچھ باتیں کیں، یہ ہے تمہید، یعنی آپ اپنی بات کے لیے تیاری کر رہے ہیں، اپنی بات ذکر کرنے کی تیاری کر رہے ہیں، تمہید باندھ رہے ہیں۔ تو یہاں پر بھی یہ جو مبدل منہ ہوتا ہے، یہ بطورِ تمہید کے ہوتا ہے آگے بدل کے ذکر کے لیے۔

تو معلوم ہوا مبدل منہ اور بدل میں سے مقصود کیا ہے؟ بدل مقصود ہے، یعنی تابع۔ تو باقی جو توابع تھے یعنی صفت، تاکید اور عطفِ بیان، ان کے اندر متبوع مقصود ہوتا ہے، اور بدل کے اندر تابع مقصود ہوتا ہے، جبکہ معطوف بحرف میں دونوں مقصود ہوتے ہیں: جَاءَنِی زَیْدٌ وَعَمْرٌو، زید بھی مقصود ہے اور عمرو بھی مقصود ہے۔ بات سمجھ میں آگئی۔

چنانچہ صاحبِ کافیہ فرماتے ہیں: اَلْعَطْفُ تَابِعٌ مَقْصُودٌ بِالنِّسْبَةِ، عطف ایسا تابع ہے جو نسبت کے ذریعے مقصود ہوتا ہے۔ توجہ سے ادھر دیکھیے، اب آپ نے مجھے بتلانا ہے۔ عطف ایسا تابع ہے جو نسبت کے ذریعے مقصود ہوتا ہے۔ کون کون نکل گئے؟ کون سے توابع نکل گئے اور کون سے باقی رہ گئے؟ ایسا تابع ہے جو مقصود ہوتا ہے۔ ادھر دیکھیے، صفت مقصود ہے؟ نہیں۔ تاکید مقصود ہے؟ نہیں۔ اسی طرح عطفِ بیان مقصود ہے؟ نہیں، یہ تینوں نکل گئے۔ یہ تینوں، کیونکہ کہا ایسا تابع ہے کہ وہ تابع مقصود ہوتا ہے۔ لیکن بدل ابھی بھی تعریف کے اندر داخل ہے کیونکہ وہ تابع ہے اور وہ مقصود ہوتا ہے۔ تو پھر آگے کہا مَعَ مَتْبُوعِهِ، ساتھ اپنے متبوع کے۔ معلوم ہوا متبوع بھی مقصود ہے، تو بدل بھی نکل گیا کیونکہ بدل کے اندر تابع تو مقصود ہے لیکن متبوع مقصود نہیں، تو تعریف جامع مانع ہو گئی۔ تو کہتے ہیں اَلْعَطْفُ تَابِعٌ مَقْصُودٌ بِالنِّسْبَةِ مَعَ مَتْبُوعِهِ، کہ عطف ایسا تابع ہے جو نسبت کے ذریعے مقصود ہوتا ہے مَعَ مَتْبُوعِهِ ساتھ اپنے متبوع کے، یعنی دونوں مقصود ہوتے ہیں، تابع بھی اور متبوع بھی۔

آگے بھی دیکھ لیجیے متن تھوڑا سا۔ کہتے ہیں وَیَتَوَسَّطُ بَیْنَهُ وَبَیْنَ مَتْبُوعِهِ أَحَدُ الْحُرُوفِ الْعَشَرَةِ وَسَیَأْتِی۔ یَتَوَسَّطُ بَیْنَهُ وَبَیْنَ مَتْبُوعِهِ، اور بیچ میں آتا ہے تابع اور متبوع کے درمیان أَحَدُ الْحُرُوفِ الْعَشَرَةِ دس حروفِ عشرہ میں سے کوئی ایک۔ آپ نے پڑھا ہے حروفِ عطف کتنے ہیں؟ دس ہیں بھئی: واو ہے، فا ہے، ثم ہے، حتی ہے، لا ہے، بل ہے، لکن ہے، ام ہے، اما ہے اور او ہے۔ تو یہ دس حروفِ عطف ہیں بھئی، تو ان میں سے کسی ایک کا درمیان میں آنا ضروری ہے، اسی لیے اس کو معطوف بحرف کہتے ہیں کہ یہاں عطف کس کے ذریعے ہے؟ حرف کے ذریعے ہے، تو تابع اور متبوع کے درمیان حرف کا آنا شرط ہے، ضروری ہے۔ تو کہتے ہیں یَتَوَسَّطُ بَیْنَهُ وَبَیْنَ مَتْبُوعِهِ بیچ میں آئے گا اس تابع کے اور اس کے متبوع کے أَحَدُ الْحُرُوفِ الْعَشَرَةِ دس حروف میں سے کوئی ایک، وَسَیَأْتِی، اور عنقریب یہ حروفِ عشرہ آجائیں گے بھئی، یعنی ان

کا ذکر، ان کی تفصیل آجائے گی بھئی۔ مِثْلُ قَامَ زَيْدٌ وَعَمْرٌو، اب یہ مثال ذکر کر دی، جیسے کہ قَامَ زَيْدٌ وَعَمْرٌو۔ تو یہ عَمْرٌو کا عطف کس پر ہے؟ زید پر، اور یہ قَامَ کی نسبت زید کی طرف ہے، اور عمرو کا عطف زید پر ہوا تو عمرو کی طرف بھی نسبت ہو گئی قَامَ کی۔ تو دیکھو یہاں پر قَامَ زَيْدٌ وَعَمْرٌو، زید اور عمرو کھڑے ہوئے، تو یہاں دونوں مقصود ہیں، زید کا کھڑا ہونا بھی مقصود ہے اور عمرو کا کھڑا ہونا بھی مقصود ہے، اور درمیان میں حرفِ عطف بھی آگیا بھئی۔

جی، اب آئیے اس سارے کو شرح کے ساتھ دیکھیں۔ کہتے ہیں اَلْعَطْفُ يَعْنِي الْمَعْطُوفَ بِالْحَرْفِ، عطف کے بعد صاحبِ جامی فرما رہے ہیں يَعْنِي الْمَعْطُوفَ بِالْحَرْفِ، کہ عطف کے ذریعے، عَنَى يَعْنِي کا کیا معنی ہے؟ ارادہ کرنا۔ يَعْنِي، اس کے اندر ضمیر فاعل یعنی صاحبِ کافیہ کی طرف راجع ہے، کہ عطف، يَعْنِي اس کے ذریعے صاحبِ کافیہ نے ارادہ کیا اَلْمَعْطُوفَ بِالْحَرْفِ، معطوف بالحرف کا، معطوف بالحرف کا۔ ایک تو یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ یہ عطف مصدر بمعنی اسمِ مفعول کے ہے۔ آپ نے پڑھا ہے کبھی مصدر اسمِ فاعل کے معنی میں ہوتا ہے اور کبھی اسمِ مفعول کے معنی میں، تو یہ عطف بمعنی معطوف کے ہے بھئی، اور عطف سے مراد جو ہے معطوف بالحرف ہے، معطوف بالحرف۔ وجہ یہ کہ عطف دو ہیں علمِ نحو کے اندر، دو ہیں: ایک عطف مطلق جس میں کوئی قید نہیں، اور ایک ہے عطفِ بیان، اس کے ساتھ دیکھو بیان کی قید ہے۔ تو دونوں عطف ہیں، دونوں کیا ہیں؟ دونوں عطف ہیں، لیکن ایک کے ساتھ بیان کی قید موجود ہے، اور علمِ نحو کے اندر جب مطلقاً عطف کہا جائے تو اس سے معطوف بالحرف مراد ہوتا ہے، اس کے ذریعے وہ عطفِ بیان مراد نہیں ہوتا۔ تو یہاں بھی اَلْعَطْفُ مطلق آیا، ساتھ بیان کی قید نہیں ہے، اور علمِ نحو میں عطف کا لفظ مفرد آئے تو کیا مراد ہوتا ہے؟ معطوف بالحرف، وہی بیان کر رہے ہیں۔

تو کہتے ہیں اَلْعَطْفُ يَعْنِي الْمَعْطُوفَ بِالْحَرْفِ، یعنی کہ وہ جو معطوف ہوتا ہے حرف کے ذریعے تَابِعٌ مَقْصُودٌ، وہ ایسا تابع ہے مَقْصُودٌ جو مقصود ہوتا ہے، أَيْ قُصِدَ نِسْبَتُهُ إِلَى شَيْءٍ، یعنی اس کی نسبت کا ارادہ کیا جاتا ہے إِلَى شَيْءٍ کسی چیز کی طرف، أَوْ نِسْبَةُ شَيْءٍ إِلَيْهِ، یا کسی چیز کی نسبت کا ارادہ کیا جاتا ہے اس تابع کی طرف بِالنِّسْبَةِ اس نسبت کے ذریعے اَلْوَاقِعَةِ فِي الْكَلَامِ، وہ نسبت جو کلام میں واقع ہوتی ہے، کلام میں موجود ہوتی ہے۔

جی، یہ مشکل مقام ہے بھئی، توجہ سے سمجھیے، صاحبِ جامی آپ کو گہرائی میں لے کر جائیں گے بھئی۔ صاحبِ کافیہ نے کیا تعریف کی؟ کہ عطف ایسا تابع ہے جو نسبت کے ذریعے مقصود ہوتا ہے، مَقْصُودٌ بِالنِّسْبَةِ۔ ذرا متن دیکھو: اَلْعَطْفُ تَابِعٌ مَقْصُودٌ بِالنِّسْبَةِ، کہ عطف ایسا تابع ہے جو نسبت کے ذریعے مقصود ہوتا ہے۔ صاحبِ جامی آپ کو بتلائیں گے کہ نسبت کے ذریعے وہ تابع نہیں مقصود ہوتا، بلکہ اس تابع کی نسبت مقصود ہوتی ہے۔ توجہ ہے؟ وہ جو نسبت ہے کلام کے اندر، اس نسبت کے ذریعے وہ تابع نہیں مقصود ہوتا، بلکہ اس تابع کی نسبت مقصود ہوتی ہے، تابع کی نسبت مقصود ہوتی ہے۔ بھئی دیکھیے، مثلاً آپ کہتے ہیں جَاءَنِي زَيْدٌ وَعَمْرٌو، جَاءَنِي زَيْدٌ وَعَمْرٌو۔

جَاءَنِی، کلام کے اندر فعل آگیا۔ اور فعل آئے تو وہاں کیا آجاتی ہے؟ نسبت آجاتی ہے فاعل کی اور مفعول وغیرہ کی طرف۔ یاد رکھو یہ جو نسبت کا لفظ آیا ہے یہ عام ہے۔ یعنی چاہے وہ فاعل کی طرف جو نسبت ہو، یا جو مفعول کی طرف نسبت ہو، یا جو مضاف کی نسبت ہوتی ہے مضاف الیہ کی طرف، یعنی جو بھی وہ جو تعلق آتا ہے دو لفظوں کے درمیان۔ چاہے وہ اسناد کی صورت میں تعلق آئے، اسناد فاعل یا نائب فاعل کی طرف ہوتا ہے۔ اور مفعول وغیرہ کے اور باقی چیزوں کے ساتھ فعل کا تعلق کہلاتا ہے۔ ضَرَبْتُ زَیْدًا، تو کیا کہیں گے؟ ضَرَبْتُ میں ضَرَبَ کا اسناد ہے تَا ضمیر کی طرف، اسناد ہے۔ اور ضَرَبْتُ زَیْدًا، یہ تو مفعول ہے زَیْدًا، تو یہ نہیں کہیں گے ضَرَبْتُ کا اسناد ہے مفعول کی طرف، بلکہ کہیں گے ضَرَبْتُ کا تعلق ہے، ضَرَبْتُ کا تعلق ہے۔ تو مفعول کے لیے تعلق کا لفظ، مفعول وغیرہ اور چیزیں ہیں، حال ہے، جو جو چیزیں آئیں گی، وہ ساری جن میں فعل عمل کرتا ہے، ان کے لیے تعلق کا لفظ بولتے ہیں کہ فعل کا ان کے ساتھ تعلق ہوتا ہے، اور فاعل اور نائب فاعل کے لیے اسناد کا لفظ بولتے ہیں۔ لیکن یہاں جو نسبت کا لفظ آیا یہ عام ہے، یہ اسناد کو بھی شامل ہے اور یہ اس دوسرے تعلق کو بھی شامل ہے۔ اور اسی طرح مضاف کی اضافت ہوتی ہے مضاف الیہ کی طرف، تو مضاف اور مضاف الیہ کے درمیان بھی نسبت ہوتی ہے، غُلَامُ زَیْدٍ، غلام پہلے عام تھا اب میں نے زید کی طرف نسبت کر دی، معلوم ہوا اس غُلَامُ زَیْدٍ سے ہر غلام اب نہیں مراد، بلکہ زید کا غلام مراد ہے۔ تو دیکھو غلام کی نسبت ہو گئی کس کی طرف؟ زید یعنی مضاف الیہ کی طرف، تو مضاف کی نسبت ہوتی ہے مضاف الیہ کی طرف، تو یہاں جو نسبت کا لفظ آیا یہ عام ہے، جو بھی نسبت ہو ان سب کو یہ شامل ہے بھئی۔

تو یاد رکھو یہ نسبت کے ذریعے، یہ جو نسبت ہے، دیکھیے پھر عبارت پہ نظر رکھیے: اَلْعَطْفُ تَابِعٌ مَقْصُودٌ بِالنِّسْبَةِ، عطف ایسا تابع ہے مَقْصُودٌ کہ جو مقصود ہوتا ہے بِالنِّسْبَةِ کس کے ذریعے؟ نسبت کے ذریعے۔ بھئی نسبت کے ذریعے تابع مقصود نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ نسبت تو دو چیزوں کے درمیان ربط اور جوڑ کا نام ہے۔ جَاءَنِی زَیْدٌ یہ جَاءَ کی نسبت ہو رہی ہے زید کی طرف، تو ان دونوں کے درمیان جو جوڑ ہے، جو ایک معنوی اتصال ہے اس کو نسبت کہتے ہیں۔ نسبت لفظ کا نام نہیں، وہ معنوی جوڑ کا نام ہے۔ اور تابع وہ تو لفظ کا نام ہے، صفت وہ بھی لفظ ہوتی ہے، بدل وہ بھی لفظ ہوتا ہے، تاکید وہ بھی لفظ ہوتا ہے، عطفِ بیان بھی لفظ ہوتا ہے، اور معطوف بھی کیا ہوتا ہے؟ لفظ۔ تو نسبت کے ذریعے لفظ مراد نہیں ہو سکتا۔ جیسے دیکھو میں انسان بولوں، تو انسان کے ذریعے میں زید کا بھی ارادہ کر سکتا ہوں کیونکہ زید بھی انسان ہے، انسان کے ذریعے میں بکر کا ارادہ بھی کر سکتا ہوں کیونکہ بکر بھی کیا ہے؟ انسان۔ لیکن انسان کے ذریعے میں گائے یا بیل کا ارادہ نہیں کر سکتا، اسی طرح انسان کے ذریعے میں بکری کا ارادہ نہیں کر سکتا کیونکہ وہ انسان ہی نہیں ہے۔ تو لفظ بول کر اسی چیز کا ارادہ ہو سکتا ہے جو اس لفظ کا مصداق بھی ہو سکے بھئی، جس پر وہ لفظ صادق بھی آئے۔ توجہ ہے؟

تو یہاں پر کیا آیا؟ تَابِعٌ مَقْصُودٌ بِالنِّسْبَةِ، ایسا تابع ہے جو نسبت کے ذریعے مقصود ہے، کس کے ذریعے؟ نسبت کے

ذریعے۔ مثلاً میں کہتا ہوں جَاءَنِی إِنْسَانٌ، میرے پاس ایک انسان آیا، اور ارادہ میں نے کس کا کیا؟ زید کا مثلاً، کس کا؟ زید کا، اور میں زید کا ارادہ کر سکتا ہوں یا نہیں انسان کا لفظ بول کر؟ جی کیونکہ زید بھی انسان کے افراد میں سے ایک ہے۔ تو یہاں آپ کہیں گے کہ اس انسان سے مقصود کون ہے؟ زید۔ توجہ سے سنو بھئی۔ جَاءَنِی الْإِنْسَانُ، میرے پاس ایک انسان آیا، الْإِنْسَانُ خاص انسان، اور ارادہ کس کا کیا میں نے؟ زید، تو زید بھی انسان کے افراد میں سے ہے میں اس کا ارادہ کر سکتا ہوں۔ یا یوں کہیں اس الْإِنْسَانُ کے ذریعے مقصود زید ہے، لفظ تو الْإِنْسَانُ ذکر کیا لیکن مقصود کیا ہے؟ زید ہے۔ تو یہاں پر بھی آیا تَابِعٌ مَقْصُودٌ بِالنِّسْبَةِ، ایسا تابع ہے جو مقصود ہوتا ہے اس نسبت کے ذریعے جو کلام میں ہے، وہ نسبت جو کلام میں ہے۔ اور نسبت کس چیز کا نام ہے؟ ربط، جوڑ اور اتصال کا نام ہے، یہ ایک معنوی چیز ہے۔ دو لفظوں میں جو جوڑ اور ربط آتا ہے اس کو کیا کہتے ہیں؟ نسبت، اور وہ ایک معنوی چیز ہے۔ تو نسبت بول کر، نسبت بول کر آپ لفظ کا ارادہ نہیں کر سکتے بھئی، نسبت سے نسبت ہی کا ارادہ ہو سکتا ہے، نسبت کے ذریعے نسبت ہی کا ارادہ ہو سکتا ہے۔

تو کلام کے اندر جو، مثلاً میں نے کہا دیکھو جَاءَنِی زَیْدٌ وَعَمْرٌو، جَاءَنِی زَیْدٌ وَعَمْرٌو، تو جَاءَ فعل آیا اور اس کی نسبت ہو رہی ہے کس کی طرف؟ زید کی طرف۔ توجہ ہے؟ جَاءَ کی نسبت کس کی طرف؟ زید، تو جَاءَ اور زید کے درمیان ایک جوڑ آ گیا، ایک ربط آ گیا، ایک اتصال آ گیا، اس کا نام ہے نسبت، یہ جو دو لفظوں میں ہے جَاءَ اور زید کے اندر۔ اس نسبت کے ذریعے میں آگے آنے والا لفظ عَمْرٌو اس کا ارادہ کر سکتا ہوں؟ عَمْرٌو کیا نسبت کا نام ہے؟ یا عَمْرٌو ذات کا نام ہے؟ عَمْرٌو تو ذات کا نام ہے اور نسبت تو اتصال اور جوڑ اور ربط کا نام ہے، وہ تو ایک معنوی چیز ہے اس کا تو کوئی الگ وجود نہیں۔ تو نسبت بول کر میں تابع کا ارادہ یعنی عَمْرٌو کا ارادہ نہیں کر سکتا۔ بات سمجھ میں آ گئی؟ تو نسبت بول کر نسبت ہی کا ارادہ میں کر سکتا ہوں، انسان بول کر انسان ہی کا میں ارادہ کر سکتا ہوں، گائے یا بکری کا ارادہ نہیں کر سکتا۔ تو انہوں نے کیا کہا کہ عطف ایسا تابع ہے جو مقصود ہوتا ہے کس کے ذریعے؟ نسبت کے ذریعے، اور نسبت کے ذریعے تو تابع مقصود نہیں ہو سکتا کیونکہ نسبت ایک معنوی چیز ہے اور تابع وہ تو ذات کا نام ہے یا لفظ کا نام ہے۔ بات سمجھ میں آ رہی ہے؟ تو معلوم ہوا تابع نہیں مراد، تابع کی نسبت مراد ہے۔ کلام کے اندر جو نسبت آئی ہے اس کے ذریعے کون سی نسبت مقصود ہے؟ تابع کی نسبت۔

توجہ ہے؟ پھر سنو، جَاءَنِی زَیْدٌ وَعَمْرٌو، جَاءَنِی زَیْدٌ وَعَمْرٌو، تو دیکھو یہ عَمْرٌو کا عطف کس پر ہے؟ زید پر، اور زید کی طرف جَاءَ کا اسناد ہو رہا ہے، تو گویا عمرو کی طرف بھی کیا ہو رہا ہے؟ جَاءَ کا اسناد، کس کے واسطے سے؟ زید کے واسطے سے، کیونکہ اس کا عطف زید پر ہے، اور معطوف کا وہی حکم ہوتا ہے جو معطوفٌ علیہ کا، اور معطوفٌ علیہ تو ہے فاعل جَاءَنِی زَیْدٌ، یہ زید تو ہے فاعل، تو آگے عَمْرٌو بھی کس درجے میں ہے؟ فاعل ہے۔ توجہ ہے؟ تو کلام کے اندر کون سی نسبت ہے؟ یہ جو جَاءَ کی نسبت زید کی طرف ہو رہی ہے، تو کلام کے اندر یہ جو مجیئت کی نسبت واقع ہو رہی ہے، اس نسبت کے ذریعے وہ

جو عمرو کی نسبت ہے وہ بھی مقصود ہے۔ عمرو کی طرف بھی جَاءَ کی نسبت ہو رہی ہے کس کے واسطے سے؟ زید کے واسطے سے، کیونکہ اس کا عطف ہے زید پر۔ جی کیونکہ اس کا عطف ہے زید پر۔ پھر سنو جَاءَنِی زَیْدٌ وَعَمْرٌو، جَاءَ کی اسناد کس کی طرف؟ زید کی طرف۔ تو جَاءَ اور زید کے درمیان کیا آئی؟ نسبت آئی۔ اس نسبت کے ذریعے عمرو کا ارادہ صحیح نہیں کیونکہ عمرو ذات کا نام ہے اور نسبت تو ایک معنی کا نام ہے۔ ہاں، عمرو کی طرف جو نسبت ہے اس نسبت کے ذریعے وہ نسبت بھی مقصود ہے۔ اس نسبت کے ذریعے کلام کے اندر جو نسبت واقع ہے اس کے ذریعے یہ نسبت بھی مقصود ہے۔

تو کیا بات ہوئی؟ پھر متن دیکھیے: اَلْعَطْفُ تَابِعٌ، عطف ایسا تابع ہے مَقْصُودٌ بِالنِّسْبَةِ کہ وہ مقصود ہوتا ہے نسبت کے ذریعے، وہ نسبت اَلْوَاقِعَةِ فِی الْکَلَامِ جو کس میں واقع ہے؟ کلام میں۔ تو وہ نسبت جو کلام میں واقع ہے اس کے ذریعے وہ تابع مقصود ہوتا ہے۔ مجھے بتائیے نسبت کے ذریعے تابع مقصود ہو سکتا ہے؟ نہیں ہو سکتا، تو پھر کیا مقصود ہے؟ تابع کی نسبت مقصود ہے۔ وہ جو نسبت کلام میں واقع ہے اس کے ذریعے وہ نسبت مقصود ہے جو کس کی طرف ہے؟ تابع کی طرف ہے، وہ بھی مقصود ہے اور جو متبوع کی طرف نسبت ہے وہ بھی مقصود ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ اب بتائیے مجھے کہ عطف ایسا تابع ہے کہ وہ مقصود ہے اس نسبت کے ذریعے جو کس میں واقع ہے؟ کلام میں واقع ہے۔ تو کلام میں جو نسبت واقع ہے کیا اس کے ذریعے تابع خود مقصود ہے یا تابع کی نسبت مقصود ہے؟ تابع کی نسبت مقصود ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟

اچھا، اب یاد رکھو یہ جو تابع کی نسبت ہے نا، یہ دو طرح ہو سکتی ہے: کبھی اس تابع کی طرف کسی چیز کی نسبت ہوگی، کبھی تابع کی نسبت کسی چیز کی طرف ہوگی۔ مثلاً دیکھو، مثلاً دیکھو جَاءَنِی زَیْدٌ وَعَمْرٌو، میرے پاس زید اور عمرو آئے۔ جَاءَ کی نسبت کس کی طرف ہے؟ زید کی طرف، اور نیز جَاءَ کی نسبت کس کی طرف ہے؟ عمرو کی طرف بھی ہے کس کے واسطے سے؟ زید کے واسطے سے، کیونکہ زید فاعل ہے تو عمرو بھی فاعل۔ تو دیکھو جَاءَ کی نسبت ہے تابع کی طرف۔ کس کی طرف؟ تابع کی طرف۔ میں نے بتایا نا، پھر دیکھیے پھر دیکھیے، عطف جو ہے ایسا تابع ہے کہ کلام کے اندر جو نسبت آئے اس نسبت کے ذریعے تابع مقصود ہوتا ہے یا تابع کی نسبت مقصود ہوتی ہے؟ تابع کی نسبت مقصود ہوتی ہے۔ اور تابع کی نسبت دو طرح ہو سکتی ہے، کہ تابع کی طرف کسی چیز کی نسبت ہو رہی ہوگی، یا تابع کی نسبت ہو رہی ہوگی کسی دوسری چیز کی طرف۔ دونوں تابع کی نسبتیں ہیں۔ جیسے دیکھو میں نے مثال ذکر کی جَاءَنِی زَیْدٌ وَعَمْرٌو، یہاں مجھے بتائیے یہ جَاءَ کی نسبت جیسے زید کی طرف ہو رہی ہے، اسی طرح عمرو کی طرف بھی ہو رہی ہے، تو عمرو یہ ہے عطف بھئی، اور اس کی نسبت بھی مقصود ہے، اس عمرو کی نسبت بھی مقصود ہے، اور کون سی نسبت ہے؟ اس کی طرف ہے کسی کی نسبت یا اس کی نسبت ہے کسی کی طرف؟ نسبت، نسبت فعل یا شبہِ فعل وغیرہ کی نسبت ہوگی نا؟ فعل یا شبہِ فعل۔ یہاں مجیئت ذکر ہے یا نہیں؟ تو وہ مجیئت کی نسبت ہو رہی ہے، کس کی؟ مجیئت کی نسبت ہو رہی ہے، تو یہاں دیکھو وَعَمْرٌو، یہ عمرو جو ہے یہ عطف ہے اور اس کی

نسبت مقصود ہے، اور اس کی نسبت کس قسم کی ہے یہاں پر؟ اس کی طرف ہے کسی کی نسبت یا اس کی نسبت ہو رہی ہے کسی کی طرف؟ اس کی طرف یہ نسبت ہو رہی ہے مجیئت کی، اس کی طرف نسبت ہو رہی ہے مجیئت کی۔

دوسری مثال دیکھو، ادھر دیکھیے: زَیْدٌ قَائِمٌ وَضَارِبٌ، زَیْدٌ قَائِمٌ وَضَارِبٌ۔ ترکیب کیا ہے؟ زَیْدٌ مبتدا ہے، قَائِمٌ، ہاں مختصر ترکیب کر رہے ہیں، اس کے اندر ضمیریں، ہر ایک قَائِمٌ اور ضَارِبٌ میں ضمیریں نکالیں گے، لیکن قَائِمٌ کیا ہے؟ معطوفٌ علیہ، وَ حرفِ عطف، اور ضَارِبٌ یہ کیا ہے؟ معطوف۔

زَیْدٌ قَائِمٌ وَضَارِبٌ، تو یہ قَائِمٌ یہ خبر ہے اور قَائِمٌ کا اسناد ہوتا ہے کس کی، خبر کا اسناد ہوتا ہے کس کی طرف؟ مبتدا کی طرف، تو یہ قَائِمٌ کا اسناد ہے مبتدا زید کی طرف۔ اسی طرح ضَارِبٌ کا عطف خبر پر ہے، لہٰذا اس کا بھی اسناد ہے کس کی طرف؟ مبتدا کی طرف۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو لہٰذا اب یہاں پر دیکھو یہ وَضَارِبٌ پہ نظر رکھو: زَیْدٌ قَائِمٌ وَضَارِبٌ۔ یہ ضَارِبٌ یہ ہے تابع، یہ ہے معطوف۔ یہ ضَارِبٌ توجہ ہے؟ جملہ کیا ہے؟ زَیْدٌ قَائِمٌ وَضَارِبٌ۔ تو یہ ضَارِبٌ کیا ہے؟ معطوف بحرف ہے۔ یہ ایسا تابع ہے کہ مقصود ہے نسبت کے ذریعے۔ یہ ضَارِبٌ مقصود ہے نسبت کے ذریعے یا اس کی نسبت مقصود ہے؟ اس کی نسبت مقصود ہے۔ ابھی تو بتایا تابع مقصود نہیں ہو سکتا اس کی نسبت۔ تو یہاں پھر دیکھو زَیْدٌ قَائِمٌ وَضَارِبٌ، یہ ضَارِبٌ کیا ہے؟ یہ ہے عطف، یہ ہے معطوف۔ یہ ہے معطوف، اور یہ حرفِ عطف واو کے بعد آرہا ہے، اور معطوف کی کیا تعریف کی؟ وہ ایسا تابع ہے جو نسبت کے ذریعے مقصود ہوتا ہے، تو یہ ضَارِبٌ ایسا تابع ہے جو نسبت کے ذریعے مقصود ہے۔ نسبت کے ذریعے یہ ضَارِبٌ مقصود ہے یا اس کی نسبت مقصود ہے؟ اس کی نسبت مقصود ہے۔ اور اس کی نسبت، اس کی طرف کسی چیز کی نسبت ہو رہی ہے یا اس ضَارِبٌ کی نسبت زَیْدٌ کی طرف ہو رہی ہے؟ ضَارِبٌ کی نسبت کس کی طرف ہو رہی ہے؟ زید کی طرف ہو رہی ہے۔ تو دیکھو پچھلے جملے میں تھا جَاءَنِی زَیْدٌ وَعَمْرٌو، عمرو کی طرف مجیئت کی نسبت ہو رہی تھی، یعنی معطوف کی طرف نسبت ہو رہی تھی۔ اور یہاں پر زَیْدٌ قَائِمٌ وَضَارِبٌ، یہاں پر جو تابع ہے اس کی نسبت ہو رہی ہے کسی چیز کی طرف۔ تو معطوف دونوں طرح کا ہو سکتا ہے: ہو سکتا ہے اس کی طرف کسی چیز کی نسبت ہو رہی ہو، یا ہو سکتا ہے اس معطوف کی نسبت کسی چیز کی طرف ہو رہی ہو، بہرحال جو بھی ہوگی وہ اس کی نسبت کہلائے گی، وہ کیا کہلائے گی؟ اس کی نسبت۔ تو معلوم ہوا معطوف کی نسبت دو طرح ہو سکتی ہے: یا تو اس کی طرف کسی کی نسبت ہوگی، یا اس کی نسبت کسی کی طرف ہوگی۔

اب پھر ادھر دیکھیے پھر دیکھیے: عطف ایسا تابع ہے کہ جو مقصود ہوتا ہے اس نسبت کے ذریعے جو کلام میں واقع ہے۔ مجھے بتائیے وہ نسبت جو کلام میں واقع ہے، اس کے ذریعے تابع مقصود ہے یا تابع کی نسبت مقصود ہے؟ تابع کی نسبت مقصود ہے، اور تابع کی نسبت دو طرح کی ہو سکتی ہے: کہ تابع کی طرف ہو رہی ہو کوئی نسبت، یا تابع کی نسبت ہو رہی ہو کسی چیز کی طرف۔ جَاءَنِی زَیْدٌ وَعَمْرٌو، تابع کون؟ عمرو، اور عمرو کی طرف مجیئت کی نسبت ہو رہی ہے۔ اور زَیْدٌ قَائِمٌ وَضَارِبٌ،

اس کے اندر وَضَارِبٌ یہ ہے تابع، اور اس کی طرف کسی چیز کی نسبت ہو رہی ہے یا اس ضَارِبٌ کی نسبت ہو رہی ہے مبتدا کی طرف؟ ضَارِبٌ کی۔ ہاں تو دیکھو، تو تابع کی نسبتیں دو طرح ہو سکتی ہیں: کہ ہو سکتا ہے اس کی طرف کسی کی نسبت ہو یا اس کی نسبت کسی کی طرف ہو رہی ہو۔ بات سمجھ میں آگئی؟

جی دیکھیے بھئی اب کتاب پر۔ کہتے ہیں اَلْعَطْفُ یَعْنِی الْمَعْطُوفَ بِالْحَرْفِ تَابِعٌ مَقْصُودٌ، عطف یعنی جو معطوف بالحرف ہے وہ ایسا تابع ہے مَقْصُودٌ کہ وہ مقصود ہوتا ہے۔ بھئی تابع مقصود ہوتا ہے یا تابع کی نسبت مقصود ہوتی ہے؟ نسبت، لیکن مَقْصُودٌ کے اندر تو ہُوَ ضمیر نائب الفاعل ہے، اور ہُوَ ضمیر لوٹ رہی ہے پیچھے تابع کو، تَابِعٌ موصوف ہے اور مَقْصُودٌ اس کی صفت۔ توجہ ہے؟ اَلْعَطْفُ تَابِعٌ مَقْصُودٌ، تَابِعٌ موصوف ہے اور مَقْصُودٌ اس کی صفت ہے، اور صفت کو کس سے جوڑتے ہیں؟ صفت کو موصوف سے جوڑتے ہیں، کہ عطف تَابِعٌ مَقْصُودٌ عطف ایسا تابع ہے مَقْصُودٌ جو مقصود ہوتا ہے۔ اور میں نے بتایا تابع نہیں مقصود ہوتا، اس کی نسبت مقصود ہوتی ہے۔ تو تَابِعٌ کے اندر ہُوَ ضمیر اور وہ کس کو راجع؟ تَابِعٌ کو، موصوف کو راجع۔ تو اس سے تو کیا معنی بن رہا ہے؟ کہ تابع مقصود ہوتا ہے۔ توجہ سے سنو، تو مَقْصُودٌ اسمِ مفعول کا صیغہ ہے، اور اسمِ مفعول کے لیے کیا چاہیے؟ نائب الفاعل چاہیے، تو اس کے اندر ہُوَ ضمیر نائب الفاعل ہے، اور وہ ضمیر کس کو لوٹ رہی ہے؟ تابع کو، موصوف کی طرف لوٹ رہی ہے۔ تو یہ جو ضمیر مسند الیہ ہے مَقْصُودٌ کے اندر ہُوَ ضمیر مسند الیہ ہے، نائب الفاعل ہے، اور مقصود ہُوَ، ہُوَ ضمیر کس کو لوٹ رہی ہے؟ تابع کو، تو مقصود وہ تابع ہے یا تابع کی نسبت ہے؟ تابع کی نسبت ہے، تو اس ہُوَ ضمیر سے پہلے مضاف محذوف نکالنا پڑے گا کہ وہ مقصود نہیں ہے بلکہ اس کی نسبت نِسْبَتُہٗ مَقْصُودٌ، تو نسبت کا لفظ مضاف نکالنا پڑے گا۔ بات سمجھ میں آگئی؟

تو چنانچہ یہی صاحبِ جامی بیان کر رہے ہیں آگے: أَیْ قُصِدَ نِسْبَتُہٗ، یعنی اس کی نسبت کا قصد کیا گیا ہوگا إِلَی شَیْءٍ کسی چیز کی طرف، اس تابع کی نسبت کا ارادہ کیا گیا ہوگا کسی چیز کی طرف، أَوْ نِسْبَۃُ شَیْءٍ إِلَیْہِ، یا ارادہ کیا گیا ہوگا کسی چیز کی نسبت کا إِلَیْہِ اس تابع کی طرف۔ معنی سمجھ میں آگیا؟ تابع کی نسبت مقصود ہوگی، لیکن وہ تابع کی نسبت ہو سکتا ہے اس کی نسبت کسی کی طرف ہو اور ہو سکتا ہے اس کی طرف کسی چیز کی نسبت ہو، دونوں اس میں آگئیں۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو مَقْصُودٌ کے آگے أَیْ قُصِدَ نِسْبَتُہٗ نکالا، صاحبِ جامی یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ مَقْصُودٌ، مَقْصُودٌ کے اندر ہُوَ ضمیر نائب الفاعل ہے اور اس سے پتہ یوں چل رہا ہے گویا تابع مقصود ہوتا ہے، لیکن تابع تو مقصود نہیں اس کی نسبت مقصود ہے، تو لہٰذا اس ہُوَ ضمیر سے پہلے مضاف محذوف چاہیے، تو لہٰذا اس کو کھول کر بتلا دیا کہ أَیْ قُصِدَ ہُوَ نہیں کہا بلکہ قُصِدَ نِسْبَتُہٗ، اس تابع کی نسبت مقصود ہوتی ہے، اور پھر تابع کی نسبت دو طرح ہو سکتی ہے: ہو سکتا ہے اس کی طرف کسی چیز کی نسبت ہو اور ہو سکتا ہے اس کی نسبت کسی چیز کی طرف ہو، دونوں تابع کے ساتھ دونوں کا تعلق ہے، تو لہٰذا یہ دونوں صورتیں اس میں داخل ہیں: أَیْ قُصِدَ نِسْبَتُہٗ إِلَی شَیْءٍ، یعنی وہ جو تابع کی نسبت ہے کسی چیز کی طرف اس کا ارادہ کیا جائے، أَوْ نِسْبَۃُ شَیْءٍ إِلَیْہِ، یا وہ جو

کسی چیز کی نسبت ہے تابع کی طرف اس نسبت کا ارادہ کیا جائے، بِالنِّسْبَةِ الْوَاقِعَةِ فِی الْکَلَامِ، اس نسبت کے ذریعے جو کلام میں واقع ہے بھئی۔ بات سمجھ میں آگئی؟

فَقَوْلُہٗ بِالنِّسْبَةِ، تو کہتے ہیں ماتن کا قول جو بِالنِّسْبَةِ آیا، متن میں کیا آیا؟ تَابِعٌ مَقْصُودٌ بِالنِّسْبَةِ، کہتے ہیں یہ جو بِالنِّسْبَةِ کا لفظ ہے جار مجرور ہے، اور جار مجرور کے لیے متعلق چاہیے۔ کیا چاہیے؟ متعلق چاہیے۔ تو اب یہ کس سے متعلق ہے؟ تو کہتے ہیں فَقَوْلُہٗ بِالنِّسْبَةِ، کہ ماتن کا قول بِالنِّسْبَةِ جار مجرور جو ہے مُتَعَلِّقٌ بِالْقَصْدِ الْمَفْہُومِ مِنَ الْمَقْصُودِ، یہ متعلق ہے اس قصد سے اَلْمَفْہُومِ مِنَ الْمَقْصُودِ جو مَقْصُود سے سمجھ میں آرہا ہے۔ لفظِ مَقْصُود کون سا صیغہ ہے؟ اسمِ مفعول، اور اسمِ مفعول کے اندر بھی مصدر والا معنی ہوتا ہے، جیسے فعل کے اندر بھی مصدر ہوتا ہے۔ ضَرَبَ کے اندر کون سا مصدر ہے؟ ضَرْبٌ والا، ضَرَبَ کے اندر ضَرْبٌ مصدر ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ یَضْرِبُ کے اندر بھی ضَرْبٌ مصدر ہے، ضَارِبٌ کے اندر بھی ضَرْبٌ مصدر ہے، مَضْرُوبٌ کے اندر بھی ضَرْبٌ مصدر ہے، بات سمجھ میں آرہی ہے؟ أَضْرَبُ کے اندر بھی ضَرْبٌ مصدر ہے۔ تو جیسے فعل جو ہے مصدر پر دلالت کرتا ہے، اسی طرح یہ صفت کے صیغے بھی مصدر پر دلالت کرتے ہیں۔ تو کہتے ہیں یہ بِالنِّسْبَةِ جو جار مجرور آیا یہ اس مصدر سے متعلق ہے جو مَقْصُود سے سمجھ میں آرہا ہے، یہ اس مصدر سے متعلق ہے جو مَقْصُود اسمِ مفعول سے سمجھ میں آرہا ہے۔ بھئی مَقْصُود اسمِ مفعول ہے اور یہ مصدر پر دلالت کرتا ہے، جیسے قَصَدَ، قَصَدَ کون سا صیغہ ہے؟ ماضی کا، لیکن اس سے بھی قَصْد مصدر سمجھ میں آرہا ہے، یَقْصِدُ فعلِ مضارع ہے لیکن اس سے بھی مصدر سمجھ میں آرہا ہے، قَاصِدٌ ارادہ کرنے والا اس سے بھی کیا ہے؟ مصدر قَصْد سمجھ میں آرہا ہے، تو اسی طرح مَقْصُودٌ اسمِ مفعول ہے اس سے بھی کیا سمجھ میں آرہا ہے؟ قَصْد مصدر سمجھ میں آرہا ہے۔ تو یہ جو بِالنِّسْبَةِ جار مجرور ہے، یہ جو مَقْصُودٌ سے قَصْد مصدر سمجھ میں آرہا ہے یہ بِالنِّسْبَةِ اس مصدر سے متعلق ہے۔ میں نے بتایا تھا جار مجرور آٹھ چیزوں میں سے کسی ایک سے ضرور متعلق ہوں گے: یا فعل سے، یا مصدر سے، یا اسمِ فاعل، یا اسمِ مفعول، یا صفتِ مشبہ، یا اسمِ تفضیل، یا مبالغے کے صیغے، یا اسمِ فعل کے ساتھ۔ تو مصدر بھی ان میں سے ایک ہے، تو لہٰذا مَقْصُودٌ سے جو قَصْد مصدر سمجھ میں آیا یہ بِالنِّسْبَةِ اس سے متعلق ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟

بھئی یاد رکھیے، میں نے بتلایا تھا کہ یہ مشکل مقام ہے بھئی۔ تو یہاں یہ جو کہا نا فَقَوْلُہٗ بِالنِّسْبَةِ، ماتن کا قول جو بِالنِّسْبَةِ آیا مُتَعَلِّقٌ بِالْقَصْدِ، یہ متعلق ہو رہا ہے اس قَصْد مصدر کے ساتھ اَلْمَفْہُومِ مِنَ الْمَقْصُودِ جو سمجھ میں آرہا ہے مَقْصُود سے، جو مَقْصُود سے سمجھ میں آرہا ہے۔ تو یہاں پر شارحین نے مختلف تقریریں کی ہیں بھئی۔ بعض شارحین کہتے ہیں کہ یہ جو بِالنِّسْبَةِ ہے یہ اس مَقْصُود سے متعلق نہیں، بلکہ یہ وہ جیسے صاحبِ جامی فرما رہے ہیں، یہ مَقْصُود سے متعلق نہیں ہے بلکہ مَقْصُود سے جو مصدر سمجھ میں آیا قَصْد، یہ اس کے ساتھ متعلق ہے۔ مَقْصُود سے جو مصدر سمجھ میں آیا یہ اس کے ساتھ متعلق ہے۔ بھئی کیوں؟ یہ مصدر کے ساتھ کیوں متعلق ہے؟ تو وہ کہتے ہیں دیکھو ایک ہے مَقْصُود، اور مَقْصُود یہاں پر اس کے اندر ہُوَ

ضمیر نائب الفاعل ہے، اور کس کی طرف راجع ہے؟ تابع کو۔ اگر مَقْصُود کے ساتھ اس کو جوڑیں گے تو معنی یہ بن جائے گا: اَلْعَطْفُ تَابِعٌ مَقْصُودٌ بِالنِّسْبَةِ، عطف ایسا تابع ہے کہ وہ تابع مقصود ہوتا ہے نسبت کے ذریعے، حالانکہ یہ بات تو درست نہیں ہے، تابع تو مقصود نہیں ہوتا تابع کی نسبت مقصود ہوتی ہے۔ لہٰذا بِالنِّسْبَةِ کو مَقْصُود سے نہ جوڑو، بِالنِّسْبَةِ کو مَقْصُود سے نہ جوڑو، بلکہ مَقْصُود سے مصدر سمجھ میں آرہا ہے یہاں پر، اور اس مصدر کے ساتھ اس کو جوڑو۔ اور مَقْصُود کا اسناد تو ہُوَ ضمیر کی طرف ہے، مَقْصُود کا اسناد ہُوَ ضمیر کی طرف، اور وہ ہُوَ ضمیر تو تابع کو راجع ہے، پھر تو تابع مقصود بن جائے گا، حالانکہ تابع مقصود نہیں۔ بلکہ یہاں ایک مصدر قَصْد سمجھ میں آرہا ہے، اور اس قَصْد کا اسناد ہے نسبتِ تابع کی طرف۔ مقصود کیا ہوتی ہے؟ تابع ہوتا ہے یا نسبتِ تابع؟ نسبتِ تابع۔ تو یہاں قَصْد مصدر سمجھ میں آیا اور اس قَصْد کی نسبت ہو رہی ہے نِسْبَةُ التَّابِعِ، کہ تابع کی نسبت مقصود ہوتی ہے۔ توجہ ہے؟ تو بعض شارحین یوں فرماتے ہیں کہ یہ جو بِالنِّسْبَةِ آیا یہ اس مَقْصُود جو عبارت میں مذکور ہے اس سے متعلق نہیں ہے، بلکہ یہ قَصْد مصدر سے متعلق ہے، جیسے صاحبِ جامی بھی خود آگے فرما رہے ہیں کہ بِالنِّسْبَةِ مُتَعَلِّقٌ بِالْقَصْدِ الْمَفْهُومِ مِنَ الْمَقْصُودِ، کہ بِالنِّسْبَةِ یہ متعلق ہے اس قَصْد مصدر کے ساتھ جو مَقْصُود لفظ سے سمجھ میں آرہا ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ مَقْصُود سے کیوں نہیں جوڑیں گے؟ کیونکہ پھر تو کیا خرابی لازم آئے گی؟ تابع مقصود ہو جائے گا کیونکہ مَقْصُود کے اندر ہُوَ ضمیر تو تابع کو راجع ہے۔ اور لہٰذا کس سے جوڑیں گے؟ قَصْد مصدر سے، اور اس مصدر کا اسناد تابع کی طرف نہیں ہے بلکہ نِسْبَةُ التَّابِعِ کی طرف ہے، تابع کی نسبت مقصود ہوتی ہے۔ بات سمجھ میں آ گئی؟

لیکن زیادہ پسندیدہ قول جو ہے وہ محرم آفندی والے کا ہے۔ یاد رکھو محرم آفندی یہ جامی کی عربی شرح ہے بھئی، محرم آفندی۔ تو اس کے اندر وہ فرماتے ہیں کہ یہ بِالنِّسْبَةِ اسی مَقْصُود سے متعلق ہے، اس کے لیے الگ قَصْد، الگ قَصْد نکالنے کی ضرورت نہیں، یہ اسی مَقْصُود سے متعلق ہے۔ کہتے ہیں بھئی آگے صاحبِ جامی فرما رہے ہیں کہ بِالنِّسْبَةِ کس سے متعلق ہے؟ اس قَصْد مصدر سے جو کس سے سمجھ میں آرہا ہے؟ مَقْصُود سے سمجھ میں آرہا ہے۔ تو صاحبِ جامی نے تو مَقْصُود سے نہیں جوڑا بلکہ مَقْصُود سے جو قَصْد مصدر سمجھ میں آیا اس کے ساتھ جوڑا ہے۔ کہتے ہیں بھئی یہ کلام حقیقت پر مبنی ہے، کس پر؟ حقیقت پر۔ جب آپ فعل سے جار مجرور کو جوڑتے ہیں تو وہ حقیقت میں اس فعل کے مصدر کے ساتھ جڑتا ہے۔ جب آپ فعل سے جار مجرور کو جوڑتے ہیں تو وہ حقیقت میں کس سے جڑتا ہے؟ جیسے ضَرَبْتُ بِالْعَصَا، ضَرَبْتُ بِالْعَصَا، میں نے پٹائی کی لاٹھی سے۔ بِالْعَصَا یہ جار مجرور مل کر متعلق ہیں ضَرَبْتُ فعل سے، لیکن کہتے ہیں حقیقت میں یہ ضَرَبْتُ فعل سے متعلق نہیں ہے، یہ حقیقت میں ضَرْب مصدر جو ضَرَبْتُ سے سمجھ میں آرہا ہے یہ اس کے ساتھ متعلق ہوتا ہے، وہ ضَرْبٌ بِالْعَصَا ہے، وہ کیا ہے؟ مصدر دیکھو میں مصدر بول رہا ہوں، وہ ضَرْبٌ بِالْعَصَا ہے۔ توجہ ہے؟ تو جو بھی جار مجرور فعل سے جڑتا ہے، یا اسمِ فاعل سے جڑتا ہے، یا اسمِ مفعول سے جڑتا ہے، وہ حقیقت میں اس کے مصدر سے جڑتا ہے، جیسے آپ کہتے ہیں دیکھو زَيْدٌ فِي الدَّارِ، زَيْدٌ فِي الدَّارِ، زید مبتدا اور فِي الدَّارِ خبر۔ لیکن حقیقت میں فِي الدَّارِ خبر نہیں ہے، یہاں ثَابِتٌ

خبر ہے، کیا خبر ہے؟ ثَابِتٌ۔ تو آپ دونوں طرح کہہ سکتے ہیں زَيْدٌ فِي الدَّارِ یہ فِي الدَّارِ خبر ہے، اور آپ یوں بھی کہہ سکتے ہیں ثَابِتٌ خبر ہے، اور جب آپ کہتے ہیں ثَابِتٌ خبر ہے تو یہ کلام حقیقت پر مبنی ہے، حقیقت میں فِي الدَّارِ خبر نہیں بلکہ ثَابِتٌ خبر ہے۔ نہیں بات سمجھ میں آئی؟ توجہ ہے؟ دیکھو زَيْدٌ فِي الدَّارِ آپ کہتے ہیں، زید مبتدا ہے اور فِي الدَّارِ جار مجرور اس کی ظرفِ مستقر یہ کیا ہے؟ خبر۔ تو یہ ظاہر کے اعتبار سے کہتے ہیں آپ کہہ رہے ہیں فِي الدَّارِ خبر ہے، حقیقت میں فِي الدَّارِ خبر نہیں فِي الدَّارِ متعلق ہے ثَابِتٌ سے اور وہ ثَابِتٌ خبر ہے حقیقت کے اندر۔ تو کبھی

آپ یوں کہہ دیتے ہیں یہ فِي الدَّارِ خبر ہے، یہ ظاہر کے اعتبار سے ہے، اور کبھی آپ کہہ دیتے ہیں ثَابِتٌ خبر ہے، یہ کس اعتبار سے؟ حقیقت کے اعتبار سے۔ تو آپ یوں کہہ لیں کہ بِالنِّسْبَةِ متعلق ہے مَقْصُودٌ سے، یہ بِالنِّسْبَةِ کس سے متعلق؟ مَقْصُودٌ سے، یہ ظاہر کے اعتبار سے ہے، اور آپ کہیں بِالنِّسْبَةِ متعلق ہے قَصْد سے، یہ حقیقت کے اعتبار سے، کیونکہ جار مجرور جب اسمِ مفعول سے جڑتا ہے تو وہ حقیقت میں اس کے مصدر کے ساتھ جڑتا ہے۔ تو یہ کلام کس پر مبنی ہے؟ یہ جو صاحبِ جامی نے فرمایا کہ بِالنِّسْبَةِ مُتَعَلِّقٌ بِالْقَصْدِ، یہ حقیقت پر مبنی ہے، کس پر مبنی ہے؟ حقیقت پر۔ بات سمجھ میں آگئی؟

تو کہتے ہیں فَقَوْلُهُ بِالنِّسْبَةِ مُتَعَلِّقٌ بِالْقَصْدِ الْمَفْهُومِ مِنَ الْمَقْصُودِ، تو ماتن کا قول بِالنِّسْبَةِ جو ہے یہ متعلق ہے اس قَصْد سے جو سمجھ میں آرہا ہے مَقْصُود سے۔ تو یہ کلام کس پر مبنی ہے؟ حقیقت پر مبنی ہے۔ ظاہر کے اعتبار سے آپ کہیں گے یہ بِالنِّسْبَةِ متعلق ہے مَقْصُودٌ سے، اور حقیقت کے اعتبار سے یہ اسمِ مفعول نہیں بلکہ اسمِ مفعول سے جو مصدر سمجھ میں آتا ہے یہ اس کے ساتھ متعلق ہوتا ہے۔ تو لہٰذا بعض علماء نے جو کہا کہ یہ بِالنِّسْبَةِ مَقْصُودٌ سے نہیں متعلق بلکہ یہاں ایک اور قَصْد مصدر ہے اس سے متعلق ہے، نہیں یہ اسی مَقْصُودٌ سے متعلق ہے۔ لیکن پھر صاحبِ جامی نے کیوں قَصْد کہا؟ وجہ یہ ہے کہ صاحبِ جامی بتلانا چاہتے ہیں کہ مَقْصُودٌ کا نائب الفاعل کیا ہے؟ ہُوَ ہے، اور اس سے تو بظاہر لگ رہا ہے کہ تابع مقصود ہوتا ہے، حالانکہ تابع نہیں مقصود بلکہ تابع کی نسبت مقصود ہے، لہٰذا اسی لیے آگے انہوں نے مقصود کے بعد أَيْ قُصِدَ نِسْبَتُهُ، اس مسند الیہ سے پہلے یعنی نائب فاعل سے پہلے نسبت کا لفظ مضاف محذوف نکال لیا، تو اس لیے انہوں نے قَصْد کو ذکر کیا بھئی، ورنہ بات ایک ہی ہے، چاہے قَصْد کہا جائے چاہے مَقْصُود کہا جائے۔ بات سمجھ میں آگئی؟

جی اب اس سارے کو دوبارہ دیکھ لیجیے۔ کہتے ہیں اَلْعَطْفُ يَعْنِي الْمَعْطُوفَ بِالْحَرْفِ، عطف یعنی کہ وہ جو معطوف بالحرف ہے، بتلا دیا کہ عطف سے عطفِ بیان مراد نہیں، عطف جب مطلق آئے تو اس سے معطوف بحرف مراد ہوتا ہے، اور نیز یہ بھی پتہ چل گیا کہ عطف مصدر جو ہے اسمِ مفعول کے معنی میں ہے، عطف بمعنی معطوف کے ہے۔ تو کہتے ہیں اَلْعَطْفُ يَعْنِي الْمَعْطُوفَ بِالْحَرْفِ، عطف یعنی وہ جو معطوف بالحرف ہے تَابِعٌ مَقْصُودٌ، وہ ایسا تابع ہے جو مقصود ہوتا ہے، أَيْ قُصِدَ نِسْبَتُهُ إِلَى شَيْءٍ، یعنی وہ جو اس تابع کی نسبت ہو رہی ہے کسی چیز کی طرف وہ مقصود ہوتی ہے، أَوْ نِسْبَةُ شَيْءٍ إِلَيْهِ، یا کسی چیز کی جو نسبت ہو اس تابع کی طرف وہ مقصود ہوتی ہے، بِالنِّسْبَةِ الْوَاقِعَةِ فِي الْكَلَامِ، اس نسبت کے ذریعے جو کلام

میں واقع ہے۔ فَقَوْلُهُ بِالنِّسْبَةِ مُتَعَلِّقٌ بِالْقَصْدِ، تو ماتن کا قول بِالنِّسْبَةِ جو جار مجرور آیا یہ متعلق ہے بِالْقَصْدِ اس قَصْد مصدر کے ساتھ اَلْمَفْهُومِ مِنَ الْمَقْصُودِ، جو لفظِ مَقْصُود سے سمجھ میں آرہا ہے۔ مَعَ مَتْبُوعِهِ، ساتھ کس کے؟ اپنے متبوع کے، یعنی تابع کی نسبت بھی مقصود ہوتی ہے اور متبوع کی نسبت بھی مقصود ہوتی ہے۔ أَيْ كَمَا يَكُونُ هُوَ مَقْصُودًا بِتِلْكَ النِّسْبَةِ يَكُونُ مَتْبُوعُهُ أَيْضًا مَقْصُودًا بِهَا، یعنی جیسے کہ وہ تابع مقصود ہوتا ہے اس نسبت کے ذریعے، تو اس کا متبوع بھی مقصود ہوتا ہے اس نسبت کے ذریعے۔ نَحْوُ جَاءَنِي زَيْدٌ وَعَمْرٌو، جَاءَنِي زَيْدٌ وَعَمْرٌو۔ تو کہتے ہیں فَعَمْرٌو تَابِعٌ، اس جملے میں عمرو کیا ہے؟ تابع، لِأَنَّهُ مَعْطُوفٌ عَلَى زَيْدٍ، اس لیے کیونکہ وہ معطوف ہے لفظِ زید پر عَلَى زَيْدٍ، قُصِدَ نِسْبَةُ الْمَجِيءِ إِلَيْهِ، اس کی طرف بھی مجیئت کی نسبت کا ارادہ کیا گیا ہے، بِالنِّسْبَةِ الْمَجِيءِ الْوَاقِعَةِ فِي الْكَلَامِ، اس مجیئت کی نسبت کے ذریعے جو کلام میں واقع ہے۔ کلام کے اندر جو مجیئت کی نسبت واقع ہو رہی ہے اس کے ذریعے یہ تابع کی نسبت کا بھی ارادہ کیا گیا ہے۔ وَكَمَا أَنَّ نِسْبَةَ الْمَجِيءِ إِلَيْهِ مَقْصُودَةٌ، اور جیسے کہ تابع کی طرف جو مجیئت کی نسبت ہے وہ مقصود ہے، كَذٰلِكَ نِسْبَتُهُ إِلَى زَيْدٍ الَّذِي هُوَ مَتْبُوعُهُ أَيْضًا مَقْصُودَةٌ، اسی طرح اس مجیئت کی جو نسبت ہو رہی ہے زید کی طرف الَّذِي هُوَ مَتْبُوعُهُ جو اس تابع کا متبوع ہے، تو زید کی طرف جو نسبت ہو رہی ہے أَيْضًا مَقْصُودَةٌ یہ بھی مقصود ہے۔

فَقَوْلُهُ مَقْصُودٌ بِالنِّسْبَةِ، تو ماتن کا قول جو اوپر آیا تھا مَقْصُودٌ بِالنِّسْبَةِ، اِحْتِرَازٌ عَنْ غَيْرِ الْبَدَلِ مِنَ التَّوَابِعِ، اس کے ذریعے احتراز ہے بدل کے علاوہ توابع سے، توابع میں سے بدل کے علاوہ ان سے احتراز ہو گیا۔ ادھر دیکھیے میں نے بتایا تھا کل توابع پانچ، عطف کی تو بات چل رہی ہے باقی چار توابع رہ گئے، اور باقی چار توابع میں سے جب کہا تَابِعٌ مَقْصُودٌ بِالنِّسْبَةِ ایسا تابع جو مقصود ہوتا ہے نسبت کے ذریعے، تو صفت بھی نکل گئی وہ مقصود نہیں، تاکید بھی نکل گئی وہ مقصود نہیں، اسی طرح عطفِ بیان بھی نکل گیا وہ مقصود نہیں۔ تو لہٰذا مَقْصُود یہ معنی ہے۔ فَقَوْلُهُ مَقْصُودٌ بِالنِّسْبَةِ، تو ماتن کا قول مَقْصُودٌ بِالنِّسْبَةِ جو ہے اِحْتِرَازٌ عَنْ غَيْرِ الْبَدَلِ مِنَ التَّوَابِعِ، یہ احتراز ہے بدل کے علاوہ توابع سے، لِأَنَّهَا غَيْرُ مَقْصُودَةٍ، اس لیے کیونکہ یہ جو باقی توابع ہیں بدل کے علاوہ غَيْرُ مَقْصُودَةٍ یہ مقصود نہیں، تو یہ نکل گئے، بَلِ الْمَقْصُودُ مَتْبُوعَاتُهَا، بلکہ مقصود ان کے متبوعات ہوتے ہیں: صفت نہیں مقصود بلکہ صفت کا متبوع یعنی موصوف مقصود ہے، تاکید نہیں مقصود بلکہ اس کا متبوع یعنی مؤکد مقصود ہے، عطفِ بیان نہیں مقصود بلکہ اس کا متبوع یعنی معطوفٌ علیہ مقصود ہے۔ اب صرف بدل رہ گیا، کیا رہ گیا؟ بدل ایسا تابع ہے جو مقصود ہوتا ہے، تو جب آگے کہا نا مَعَ مَتْبُوعِهِ، کیا کہا؟ ساتھ اپنے متبوع کے، متبوع بھی مقصود ہوتا ہے، بھئی بدل میں تو متبوع مقصود نہیں ہوتا، بدل میں تو متبوع یعنی مبدل منہ مقصود نہیں، تو مَعَ مَتْبُوعِهِ کی قید کے ذریعے بدل بھی نکل جائے گا۔ تو کہتے ہیں لِأَنَّهَا غَيْرُ مَقْصُودَةٍ، کیونکہ یہ جو باقی توابع ہیں بدل کے علاوہ یہ مقصود نہیں ہیں، بَلِ الْمَقْصُودُ مَتْبُوعَاتُهَا، بلکہ مقصود جو ہیں وہ ان کے متبوعات ہوتے ہیں، وَقَوْلُهُ مَعَ مَتْبُوعِهِ، اور ماتن کا قول جو مَعَ مَتْبُوعِهِ آیا اِحْتِرَازٌ عَنِ الْبَدَلِ یہ احتراز ہے بدل سے، لِأَنَّهُ الْمَقْصُودُ دُونَ مَتْبُوعِهِ، اس لیے کیونکہ بدل مقصود ہوتا ہے نہ کہ اس کا متبوع، اس کا متبوع مقصود نہیں۔ اور ماتن نے تو کیا کہا؟ مَعَ مَتْبُوعِهِ، متبوع بھی کیا ہوتا ہے؟ مقصود ہوتا ہے، تو بدل نکل گیا۔ بات سمجھ میں آگئی؟

قِيلَ يَخْرُجُ بِقَوْلِهِ مَعَ مَتْبُوعِهِ الْمَعْطُوفُ بِلَا وَبَلْ وَلٰكِنْ وَأَمْ وَإِمَّا وَأَوْ، لِأَنَّ الْمَقْصُودَ بِالنِّسْبَةِ مَعَهَا أَحَدُ الْأَمْرَيْنِ مِنَ التَّابِعِ وَالْمَتْبُوعِ لَا كِلَاهُمَا۔ جی یہاں سے ایک اعتراض اور پھر اس کا جواب ذکر کریں گے۔ اعتراض یہ: آپ نے ہمیں کیا کہا کہ معطوف بحرف وہ ہے جہاں تابع بھی مقصود ہوتا ہے اور متبوع بھی مقصود ہوتا ہے، تو اس صورت میں وہ تابع جو معطوف ہو لَا کے ذریعے، بَلْ کے ذریعے، لٰکِنْ کے ذریعے، أَمْ کے ذریعے، إِمَّا کے ذریعے یا أَوْ کے ذریعے، یہ سارے نکل گئے کیونکہ ان میں سے ایک مقصود ہوتا ہے، دونوں مقصود نہیں ہوتے۔ مثلاً دیکھو جَاءَنِي زَيْدٌ لَا عَمْرٌو، جَاءَنِي زَيْدٌ لَا عَمْرٌو، یہ لَا کیا ہے؟ حرفِ عطف ہے اور نفی کا فائدہ دے رہا ہے۔ جیسے فَا بھی حرفِ عطف ہے اور وہ ترتیب کا فائدہ دیتی ہے۔ توجہ ہے؟ تو یہ لَا بھی کیا ہے؟ حرفِ عطف، اس لَا عَمْرٌو یہ لَا کے ذریعے سے عمرو کا عطف ہو رہا ہے کس پر؟ زید پر۔ توجہ ہے؟ تو جَاءَنِي زَيْدٌ لَا عَمْرٌو ترجمہ کیا ہے؟ میرے پاس زید آیا، لَا عَمْرٌو عمرو نہیں۔ تو کلام میں کون سی نسبت ہے؟ مجیئت والی، اور یہ مجیئت دونوں کی یہاں مقصود ہے یا صرف زید کی؟ زید کی، تو دیکھا دونوں میں سے ایک مقصود ہے، تابع مقصود نہیں، تو یہ تو آپ کی تعریف سے خارج ہو گیا، آپ نے تو کہا دونوں مقصود ہوں گے۔

اسی طرح بَلْ ہے، بَلْ۔ آپ نے کسی سے کہا جَاءَنِي زَيْدٌ، پھر اچانک خیال ہوا اوہو، میں نے تو کس کے بارے میں بتانا تھا؟ عمرو کے بارے میں، تو آپ فوراً کہتے ہیں بَلْ عَمْرٌو۔ جَاءَنِي زَيْدٌ بَلْ عَمْرٌو، میرے پاس زید آیا بلکہ عمرو۔ علمائے نحو فرماتے ہیں اس کلام کا معنی یہ ہے کہ عمرو آیا ہے، اور باقی جو پہلے ذکر تھا زید کہتے ہیں وہ مسکوت عنہ ہے، یعنی اس کے بارے میں سکوت ہے۔ مثلاً میں نے کہا جَاءَنِي زَيْدٌ بَلْ عَمْرٌو، میرے پاس زید آیا بلکہ عمرو۔ تو مجیئت میں نے پہلے زید کی طرف نسبت کی تھی، پھر بَلْ کے ذریعے پھیر کر کس کی طرف نسبت کر دی؟ عمرو کی طرف۔ نہیں توجہ؟ جَاءَنِي زَيْدٌ بَلْ عَمْرٌو، میرے پاس زید آیا بلکہ عمرو۔ پہلے میں نے مجیئت کی نسبت کس کی طرف کی؟ زید، پھر میں نے بَلْ کے ذریعے پھیر کر کس کی طرف کر دی؟ عمرو۔ معلوم ہوا عمرو آیا ہے، اور زید؟ اس کا یہ معنی نہیں کہ زید نہیں آیا، بلکہ زید کے بارے میں خاموشی ہے، ہو سکتا ہے آیا ہو ہو سکتا ہے نہ آیا ہو، اس میں دونوں احتمال ہیں، اس کی نفی نہیں ہے۔ بس آپ نے مجیئت کی نسبت زید سے پھیر کر عمرو کی طرف کر دی کس کے ذریعے؟ بَلْ کے ذریعے۔ تو جَاءَنِي زَيْدٌ بَلْ عَمْرٌو، آیا میرے پاس زید بلکہ عمرو، تو جو بَلْ سے ماقبل ہوگا وہ مسکوت عنہ ہے۔ پھر دہرائیے زبان سے وہ کیا ہے؟ مسکوت عنہ، سکوت کا معنی ہے خاموشی، یعنی اس کے بارے میں سکوت ہے خاموشی ہے۔ اب بتائیے جَاءَنِي زَيْدٌ بَلْ عَمْرٌو، مجیئت کی نسبت دونوں کی طرف ہے یا صرف عمرو کی طرف ہے؟ صرف عمرو کی طرف ہے، تو یہ بھی تعریف سے نکل گیا، آپ نے تو کہا تھا تابع اور متبوع دونوں مقصود ہوں گے۔ اعتراض سمجھ میں آ رہا ہے؟

تیسرا لٰکِنْ۔ یاد رکھو لٰکِنْ دو کلاموں کے بیچ میں آتا ہے، ایک جانب نفی ہو تو دوسری جانب اثبات ہو: اگر پہلے نفی ہے تو بعد میں اثبات ہونا چاہیے، اور اگر پہلے اثبات ہے تو بعد میں نفی ہونی چاہیے۔ جَاءَنِي زَيْدٌ لٰكِنْ عَمْرٌو لَمْ يَجِئْ، جَاءَنِي زَيْدٌ زید میرے پاس آیا لٰكِنْ عَمْرٌو لَمْ يَجِئْ لیکن عمرو نہیں آیا۔ تو یہ لٰكِنْ حرفِ عطف ہے، لیکن اس کے ماقبل اور مابعد کلام ایک

دوسرے کے مخالف ہوں گے نفی اور اثبات کے اندر۔ اب بتائیے جَاءَنِی زَیْدٌ میرے پاس زید آیا لٰکِنْ عَمْرٌو لَمْ یَجِئْ لیکن عمرو نہیں آیا، اب مجھے بتائیے مجیئت کی نسبت دونوں کی طرف ہے یا صرف زید کی طرف ہے؟ صرف زید کی طرف، تو یہ بھی آپ کی تعریف سے نکل گیا، آپ نے تو کیا کہا تھا؟ دونوں مقصود بالنسبت ہوں گے۔

نیز اسی طرح أَمْ ہے، إِمَّا ہے اور أَوْ۔ جَاءَنِی زَیْدٌ أَوْ عَمْرٌو، جَاءَنِی زَیْدٌ أَوْ عَمْرٌو، میرے پاس زید آیا یا عمرو آیا۔ تو کیا پتہ چلا؟ دونوں آئے ہیں یا دونوں میں سے ایک آیا ہے؟ دونوں میں سے ایک آیا ہے، اگرچہ آپ نے تعیین نہیں کی کہ کون سا آیا ہے، لیکن دونوں میں سے ایک، تو یہ بھی آپ کی تعریف سے خارج کیونکہ یہاں دونوں مقصود بالنسبت نہیں ہیں، مجیئت دونوں کی نہیں ہے بلکہ ایک کی ہے۔ اسی طرح إِمَّا ہے: جَاءَنِی إِمَّا زَیْدٌ وَإِمَّا عَمْرٌو، جَاءَنِی إِمَّا زَیْدٌ وَإِمَّا عَمْرٌو، یہاں میرے پاس زید آیا یا عمرو آیا، یہاں بھی اسی طرح دونوں میں سے ایک ہے تو یہ بھی إِمَّا بھی تعریف سے نکل گیا۔ اسی طرح أَمْ ہے: أَفِی الدَّارِ زَیْدٌ أَمْ عَمْرٌو، کیا اس گھر میں زید ہے یا عمرو ہے؟ تو دونوں میں سے ایک کے بارے میں سوال ہے، کیا گھر میں زید ہے یا عمرو، یہاں بھی ایک ہے دونوں میں سے گھر کے اندر، اس کی تعیین کا آپ سوال کر رہے ہیں، تو مقصود دونوں نہیں ہیں بلکہ دونوں میں سے ایک مقصود ہے، اس کے بارے میں سوال ہو رہا ہے کہ کون سا والا ہے ان دونوں میں سے گھر کے اندر۔ تو یہ سارے نکل گئے، ان کے ذریعے جب عطف ہوگا، آپ تو تعریف کس کی کر رہے ہیں؟ وہ جو معطوف بحرف ہو، اور یہ بھی سارے حروفِ عطف ہیں، تو ان کے ذریعے جو معطوف ہوگا وہ تو سارے نکل گئے، ان میں ایک مقصود ہوتا ہے دونوں مقصود نہیں ہوتے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو یہ اعتراض ہے، آگے جواب دیں گے۔

پہلے اعتراض دیکھ لیجیے۔ کہتے ہیں قِیلَ کہا گیا ہے یَخْرُجُ بِقَوْلِهِ مَعَ مَتْبُوعِهِ، کہتے ہیں ماتن کا قول جو مَعَ مَتْبُوعِهِ آیا تھا، ماتن کا قول اوپر تعریف میں کیا آیا تھا؟ مَعَ مَتْبُوعِهِ، اس کے ذریعے نکل گیا اَلْمَعْطُوفُ بِلَا وہ جو معطوف ہو لَا کے ذریعے، وَبَلْ اور بَلْ کے ذریعے، وَلٰکِنْ اور لٰکِنْ کے ذریعے، وَأَمْ اور أَمْ کے ذریعے، وَإِمَّا اور إِمَّا کے ذریعے، وَأَوْ اور أَوْ کے ذریعے، لِأَنَّ الْمَقْصُودَ بِالنِّسْبَةِ مَعَهَا أَحَدُ الْأَمْرَیْنِ، اس لیے کیونکہ وہ جو مقصود ہوتا ہے نسبت کے ذریعے مَعَهَا ان حروف کے ساتھ أَحَدُ الْأَمْرَیْنِ وہ دو چیزوں میں سے ایک ہوتا ہے، مِنَ التَّابِعِ وَالْمَتْبُوعِ یعنی کہ تابع اور متبوع، ان میں سے ایک مقصود ہوتا ہے، لَا کِلَاهُمَا دونوں مقصود نہیں ہوتے بھئی۔

وَأُجِیبَ اور اس کا جواب دیا گیا ہے۔ بعض علماء پھر اس کا جواب دیتے ہیں، کہتے ہیں ادھر دیکھیے: کہتے ہیں متن کی تعریف میں آیا کہ تابع بھی مقصود ہونا چاہیے اور متبوع بھی، تابع کے مقصود ہونے کا مطلب یہ ہے کہ وہ متبوع کی فرع نہ ہو۔ تابع کے مقصود ہونے کا کیا معنی؟ جیسے دیکھو صفت، صفت موصوف کی فرع ہے، اس کو صرف موصوف کی وضاحت یا تخصیص کے لیے لایا جاتا ہے، تو اصل مقصود کون ہے؟ موصوف، اور صفت وہ اسی موصوف کی فرع ہے، یعنی وہ کوئی مستقل مقصود نہیں، وہ مستقل نہیں بلکہ فرع ہے، مستقل نہیں بلکہ فرع ہے۔ اسی طرح جَاءَنِی الْقَوْمُ کُلُّهُمْ، اَلْقَوْمُ مؤکد اور کُلُّهُمْ تاکید، یہ کُلُّهُمْ کوئی مستقل جو ہے یہ مقصود نہیں ہے، بلکہ یہ بھی مؤکد کی فرع ہے، اسی میں شمول کا معنی پیدا کر رہا

ہے، جیسے صفت جو ہے اسی موصوف میں تخصیص یا توضیح پیدا کرتی ہے۔ تو توجہ ہے؟ تو لہٰذا یہاں پر بھی جو تابع ہے وہ متبوع کی فرع ہے، مستقل نہیں کوئی الگ چیز نہیں۔ توجہ ہے؟ اسی طرح عطفِ بیان ہے: جَاءَنِی أَبُو حَفْصٍ عُمَرُ، یہ عُمَرُ کوئی مستقل نہیں ہے، یہ اسی ابو حفص کی وضاحت کر رہا ہے۔ تو یہ جو تین توابع ہیں، ان کے اندر تابع فرع ہے کس کی؟ متبوع کی، یعنی مستقل چیز نہیں ہے، اسی کی وضاحت وغیرہ کر رہا ہے، اسی کی وضاحت کر رہا ہے۔ تو انہوں نے عطف کی تعریف کی کہ جس میں تابع بھی کیا ہو؟ مقصود، مقصود ہونے کا معنی یہ ہے کہ وہ مستقل ہونا چاہیے، وہ فرع نہیں ہونا چاہیے، وہ متبوع کی فرع نہیں۔

اور نیز متبوع بھی مقصود ہوتا ہے عطف کے ذریعے، متبوع کے مقصود ہونے کا مطلب یہ ہے کہ متبوع کو تمہید کے طور پر ذکر نہ کیا جائے جیسے بدل میں ہوتا ہے، مبدل منہ کو تمہید کے طور پر ذکر کرتے ہیں، وہ کوئی مستقل مراد نہیں ہوتا، مراد کیا ہوتا ہے؟ مقصود کیا ہوتا ہے؟ بدل۔ توجہ ہے؟ مبدل منہ کو کس لیے ذکر کرتے ہیں؟ صرف تمہید کے طور پر، وہ مستقل مقصود نہیں۔ تو عطف کے اندر تابع بھی مقصود ہوتا ہے اور متبوع بھی۔ متبوع کے مقصود ہونے کا کیا معنی؟ کہ وہ تمہید کے طور پر نہیں ہونا چاہیے، مستقل ہونا چاہیے، کیا ہونا چاہیے؟ متبوع کو تمہید کے طور پر نہیں ہونا چاہیے بلکہ کیا ہونا چاہیے؟ مستقل ہونا چاہیے۔ اور اسی طرح تابع کے مقصود ہونے کا کیا معنی ہے؟ کہ وہ متبوع کی فرع نہیں ہونا چاہیے بلکہ مستقل ہونا چاہیے۔ نہیں توجہ؟ مشکل بات ہے۔

جی دیکھیے ذرا، پہلے پھر دیکھ لیں صاحبِ جامی کے الفاظ ذرا اور اچھے الفاظ میں ذکر کریں گے، اگر بات سمجھ میں نہ آئی میں پھر وضاحت کرتا ہوں۔ وَأُجِيبَ اور جواب دیا گیا ہے اس اعتراض کا بِأَنَّ الْمُرَادَ بِكَوْنِ الْمَتْبُوعِ مَقْصُودًا بِالنِّسْبَةِ، کہ متبوع کے مقصود بالنسبت ہونے سے مراد یہ ہے أَنْ لَا يُذْكَرَ لِتَوْطِئَةِ ذِكْرِ التَّابِعِ۔ تَوْطِئَة کہتے ہیں تمہید کو بھئی، تَوْطِئَة کسے کہتے ہیں؟ تمہید کو، وَطَّأَ يُوَطِّئُ تَوْطِئَةً تَفْعِلَةٌ مصدر ہے بھئی۔ أَنْ لَا يُذْكَرَ لِتَوْطِئَةِ ذِكْرِ التَّابِعِ، کہ متبوع جو ہے اس کو تابع کے ذکر کے لیے بطورِ تمہید ذکر نہ کیا جائے، أَنْ لَا يُذْكَرَ کہ متبوع کو ذکر نہ کیا جائے لِتَوْطِئَةِ ذِكْرِ التَّابِعِ کہ وہ تمہید ہو تابع کے ذکر کے لیے۔ مبدل منہ کو کس لیے ذکر کرتے ہیں؟ بطورِ تمہید کے کس کے لیے؟ بدل کے لیے، اصل مقصود بدل ہوتا ہے۔ تو کہتے ہیں متبوع کے مقصود ہونے کا یہ مطلب ہے: اس کو بطورِ تمہید کے ذکر نہ کیا جائے۔ توجہ ہے؟ یعنی وہ مستقل ہو بھئی، کیا ہو؟ مستقل ہو، وہ تابع کے لیے بطورِ تمہید کے نہ ہو۔

اور نیز وَبِكَوْنِ التَّابِعِ مَقْصُودًا بِالنِّسْبَةِ، اور تابع کے مقصود بالنسبت ہونے سے مراد یہ ہے أَنْ لَا يَكُونَ كَالْفَرْعِ عَلَى الْمَتْبُوعِ، کہ وہ تابع متبوع پر فرع کی طرح نہ ہو، جیسے متبوع کی کیا ہوتی ہے؟ فرع، اسی کی وضاحت کرتی ہے، کوئی مستقل الگ چیز ذکر نہیں ہوتی۔ تو کہتے ہیں تابع کے مقصود بالنسبت ہونے سے مراد یہ ہے أَنْ لَا يَكُونَ كَالْفَرْعِ عَلَى الْمَتْبُوعِ، کہ وہ متبوع پر فرع کی طرح نہ ہو مِنْ غَيْرِ اسْتِقْلَالٍ بِهِ، أَيْ مِنْ غَيْرِ اسْتِقْلَالٍ بِالتَّابِعِ، یعنی وہ مستقل نہ ہو، وہ تابع مستقل نہ ہو ایسا نہیں ہونا چاہیے۔ بات سمجھ میں آگئی؟

وَلَا شَكَّ اور اس بات میں کوئی شک نہیں أَنَّ الْمَعْطُوفَ وَالْمَعْطُوفَ عَلَيْهِ بِتِلْكَ الْحُرُوفِ السِّتَّةِ، کہ وہ جو معطوف اور معطوفٌ علیہ ہیں بِتِلْكَ الْحُرُوفِ السِّتَّةِ ان چھ حروف کے ذریعے مَقْصُودَانِ بِالنِّسْبَةِ مَعًا، یہ دونوں مَقْصُودَانِ بِالنِّسْبَةِ یہ معطوف اور معطوفٌ علیہ دونوں مقصود بالنسبت ہوتے ہیں مَعًا اکٹھے ہی بِهٰذَا الْمَعْنَى اس معنی کے ساتھ، اس معنی کے ساتھ۔

بھئی دیکھیے نا، یہ جو چھ حروف ہیں، ان چھ حروف کے ذریعے أَحَدُ الْأَمْرَيْنِ مقصود ہوتا ہے: یا بعض میں تابع، بعض میں متبوع۔ تو آپ کی تعریف جامع نہیں کیونکہ چھ حروفِ عاطفہ کے ذریعے جب عطف کیا جائے تو وہ معطوف تعریف سے نکل گیا۔ آپ تعریف کس کی کر رہے ہیں؟ معطوف بالحرف کی۔ تو لَا، بَلْ، لٰكِنْ، أَمْ، إِمَّا، أَوْ ان کے ذریعے جو معطوف ہوگا وہ تو آپ کی تعریف سے نکل گیا، وہاں تو دونوں مقصود نہیں ہیں، بعض جگہ تابع مقصود ہے بعض جگہ متبوع مقصود ہے۔ تو بتلا رہے ہیں کہ تابع کے مقصود بالنسبت ہونے کا مطلب یہ ہے کہ وہ فرع نہ ہو، وہ متبوع کے لیے فرع نہ ہو، اور یہ جو حروفِ عطف ہیں ان کے بعد جو تابع ذکر ہوتا ہے وہ بھی فرع نہیں ہوتا، وہ مستقل ذکر ہوتا ہے۔ ان چھ کے بعد جو تابع ہوتا ہے جو معطوف ہوتا ہے وہ فرع نہیں ہوتا، ماقبل کے لیے صفت تاکید وغیرہ نہیں ہوتا، وہ مستقل ہوتا ہے۔ مثلاً جَاءَنِي زَيْدٌ لَا عَمْرٌو، میرے پاس زید آیا عمرو نہیں۔ متبوع کون؟ زید، اور تابع کون؟ عمرو۔ تو مجھے بتائیے کیا عمرو یہ زید کی فرع ہے یا عمرو مستقل ایک الگ ذات ہے؟ مستقل ایک الگ ذات ہے۔ یا دوسری مثال لے لو جَاءَنِي زَيْدٌ بَلْ عَمْرٌو، یہاں بھی زید اور بعد میں عمرو ہے، اور یہ عمرو زید کے لیے کوئی فرع نہیں ہے بلکہ یہ ایک مستقل ہے، جبکہ صفت وہ تو فرع تھی موصوف کی، تاکید وہ تو فرع تھی مؤکد کی، اور اسی طرح عطفِ بیان وہ تو فرع تھی معطوفٌ علیہ کی۔ تو تابع کو فرع نہیں ہونا چاہیے، اور ان کے ذریعے جو معطوف آتا ہے ان میں سے کوئی بھی فرع نہیں۔

اور نیز متبوع مقصود بالنسبت ہو اس کا کیا مطلب تھا؟ متبوع بھی مقصود بالنسبت ہے، کیا معنی مقصود بالنسبت ہونے کا؟ کہ وہ بطورِ تمہید کے نہ ذکر کیا جائے، جیسے مبدل منہ کو بطورِ تمہید کے ذکر کرتے ہیں کس کے لیے؟ بدل کے لیے۔ جبکہ یہاں پر جَاءَنِي زَيْدٌ لَا عَمْرٌو، کیا زید کو بطورِ تمہید کے ذکر کیا گیا ہے عمرو کے لیے؟ نہیں، زید مستقل مقصود ہے۔ توجہ ہے؟ یا میں کہتا ہوں جَاءَنِي زَيْدٌ بَلْ عَمْرٌو، یہاں بھی زید مستقل مقصود ہے۔ تو ان حروف کے ذریعے جو تابع اور متبوع آئیں گے، ان میں جو متبوع ہے وہ مستقل مقصود ہوتا ہے، اور جو تابع ہوتا ہے وہ مستقل مقصود ہوتا ہے۔ متبوع ایسا نہیں کہ اس کو بطورِ تمہید کے ذکر کیا گیا ہو ان حروف میں، اور تابع ایسا نہیں جو متبوع کی فرع ہو بلکہ وہ مستقل ہوتا ہے، تو دونوں کیا ہوتے ہیں؟ مستقل۔

تو مقصود بالنسبت ہونے کا یہ معنی نہیں ہے کہ دونوں ایک ہی وقت میں مقصود ہوں، دونوں ایک ہی وقت میں مقصود ہوں، کیونکہ ان چھ میں تو دونوں ایک ہی وقت میں مقصود نہیں ہیں، دونوں میں سے ایک مقصود ہے۔ کہتے ہیں بھئی کہ مطلب یہ ہے کہ جو متبوع ذکر ہو وہ بطورِ تمہید کے نہیں ہونا چاہیے مستقل ہونا چاہیے، اور جو تابع ذکر ہو وہ بطورِ فرع کے نہیں ہونا چاہیے وہ بھی مستقل ہونا چاہیے، یہ مطلب ہے، یہ نہیں کہ دونوں اکٹھے مقصود ہونے چاہئیں۔ یہ مطلب نہیں کہ دونوں اکٹھے

مقصود ہونے چاہئیں، بس جو تابع ذکر ہے وہ فرع نہیں ہونی چاہیے مستقل ہونا چاہیے، جو متبوع ذکر ہے وہ تمہید نہیں ہونی چاہیے وہ مستقل ہونا چاہیے، اور ان میں مستقل ہیں سب میں، اگرچہ دونوں میں سے ایک مراد ہوتا ہے۔ تو مطلب یہ نہیں ہے کہ دونوں اکٹھے مراد ہونے چاہئیں۔ بات سمجھ میں آئی کہ نہیں؟ کیا معنی کہ تابع کے ساتھ متبوع بھی مقصود ہوتا ہے؟ یہ مطلب نہیں ہے کہ دونوں اکٹھے مقصود ہونے ضروری ہیں، ورنہ تو یہ چھ حروف کے ذریعے جو معطوف ہوگا وہ تو نکل جائے گا، بلکہ مطلب کیا ہے؟ کہ متبوع مستقل ذکر ہو تمہید کے طور پر ذکر نہ ہو، اور تابع فرع کے طور پر ذکر نہ ہو بلکہ مستقل ذکر ہو، مستقل مقصود ہو، اور ان میں تو ایسا ہی ہے۔ اگرچہ مراد دونوں میں سے ایک ہوتا ہے لیکن ہوتے دونوں مستقل ہیں: نہ تابع متبوع کی فرع ہے اور نہ متبوع بطورِ تمہید کے ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ حل ہو گیا؟

پھر ترجمہ دیکھ لیجیے: وَأُجِيبَ اور جواب دیا گیا ہے بِأَنَّ الْمُرَادَ بِكَوْنِ الْمَتْبُوعِ مَقْصُودًا بِالنِّسْبَةِ، کہ متبوع کے مقصود بالنسبت ہونے سے مراد یہ ہے أَنْ لَا يُذْكَرَ لِتَوْطِئَةِ ذِكْرِ التَّابِعِ، کہ اس کو تابع کے ذکر کے لیے بطورِ تمہید کے ذکر نہ کیا جائے، أَنْ لَا يُذْكَرَ کہ متبوع کو ذکر نہ کیا جائے لِتَوْطِئَةِ ذِكْرِ التَّابِعِ کہ وہ تمہید ہو تابع کے ذکر کے لیے۔ وَبِكَوْنِ التَّابِعِ مَقْصُودًا بِالنِّسْبَةِ، اور تابع کے مقصود بالنسبت ہونے سے مراد یہ ہے أَنْ لَا يَكُونَ كَالْفَرْعِ عَلَى الْمَتْبُوعِ، کہ تابع جو ہے وہ فرع نہ ہو متبوع پر یعنی متبوع کے لیے وہ فرع نہ ہو مِنْ غَيْرِ اسْتِقْلَالٍ بِهِ، بغیر استقلال کے، بِهِ کی ضمیر تابع کو راجع، مِنْ غَيْرِ اسْتِقْلَالٍ بِالتَّابِعِ یعنی تابع مستقل نہ ہو فرع ہو ایسا نہیں ہونا چاہیے۔ وَلَا شَكَّ أَنَّ الْمَعْطُوفَ وَالْمَعْطُوفَ عَلَيْهِ بِتِلْكَ الْحُرُوفِ السِّتَّةِ، اور اس بات میں کوئی شک نہیں کہ وہ جو معطوف اور معطوفٌ علیہ ہیں ان چھ حروف کے ذریعے مَقْصُودَانِ وہ دونوں مقصود ہوتے ہیں بِالنِّسْبَةِ اس نسبت کے ذریعے مَعًا اکٹھے ہی بِهٰذَا الْمَعْنَى اسی معنی کے ساتھ، اسی معنی کے ساتھ یعنی دونوں مستقلاً ذکر ہوتے ہیں۔ متبوع کے مقصود بالنسبت ہونے کا کیا معنی؟ کہ وہ مستقلاً ذکر ہو، اور تابع کے مقصود بالنسبت ہونے کا کیا معنی؟ کہ مستقلاً ذکر ہو۔ اور یہاں معطوف اور معطوفٌ علیہ اسی معنی کے ساتھ ذکر ہوتے ہیں، یعنی دونوں مستقل ہوتے ہیں: ان میں سے تابع وہ متبوع کی فرع نہیں ہوتا اور متبوع وہ تابع کے لیے تمہید نہیں ہوتا۔ بات سمجھ میں آگئی؟ حل ہو گیا؟ چلیے بس بھئی۔ هٰذَا هُوَ الْمَرَامُ وَاللّٰهُ أَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْكَلَامِ.

سبق نمبر ۲۰۴: العطف (۲): تعریفِ عطف کی تکمیل («يَتَوَسَّطُ بَيْنَهُ وَبَيْنَ مَتْبُوْعِهِ أَحَدُ الْحُرُوْفِ»)

شرحِ ملا جامی صفحہ: ۱۸۴ — بتاریخ: ۳ اکتوبر ۲۰۲۲ء

▪ تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث

آگے سبق دیکھیے بھئی۔ «وَلَمَّا تَمَّ الْحَدُّ بِمَا ذَكَرَهُ جَمْعًا وَمَنْعًا أَرْدَفَهُ لِزِيَادَةِ التَّوْضِيحِ بِقَوْلِهِ يَتَوَسَّطُ بَيْنَهُ أَيْ بَيْنَ ذٰلِكَ التَّابِعِ وَبَيْنَ مَتْبُوعِهِ أَحَدُ الْحُرُوفِ الْعَشَرَةِ، وَسَيَأْتِي تَفْصِيلُهَا فِي قِسْمِ الْحُرُوفِ إِنْ شَاءَ اللّٰهُ تَعَالٰى، مِثْلُ قَامَ زَيْدٌ وَعَمْرٌو۔»

بھئی گزشتہ سبق میں ہم نے عطف کے بارے میں پڑھنا شروع کیا تھا، یعنی معطوف بالحرف بھئی۔ اور آپ نے پڑھا کہ توابع کل پانچ ہیں: صفت ہے، عطف ہے، اور بدل ہے، تاکید ہے اور عطفِ بیان ہے۔ تو صاحبِ کافیہ نے فرمایا: «اَلْعَطْفُ تَابِعٌ مَقْصُودٌ بِالنِّسْبَةِ مَعَ مَتْبُوعِهِ»۔ کہ عطف جو ہے ایسا تابع ہے جو مقصود ہوتا ہے اس نسبت کے ذریعے جو کلام میں ہوتی ہے «مَعَ مَتْبُوعِهِ» ساتھ اپنے متبوع کے، یعنی متبوع بھی مقصود ہوتا ہے تابع کے ساتھ ساتھ بھئی۔

تو صاحبِ کافیہ نے «اَلْعَطْفُ» فرمایا، صاحبِ جامی نے آگے بتلایا: «يَعْنِي الْمَعْطُوفَ بِالْحَرْفِ» کہ عطف سے مراد معطوف بالحرف ہے، وجہ یہ کہ عطف دو ہیں، دو تابع ہیں، ایک عطف بالحرف ہے یعنی معطوف بالحرف ہے، اور دوسرا عطفِ بیان ہے، تو وہ بھی عطف ہے، البتہ اس کے ساتھ بیان کی قید ہوتی ہے، تو اس کے ساتھ یہ کوئی قید نہیں یہ مطلق ہے، اور جب بھی علمِ نحو کے اندر مطلقاً عطف ذکر ہو تو اس سے معطوف بالحرف مراد ہوتا ہے، عطفِ بیان مراد نہیں ہوتا، تو اس لیے یہاں بھی بتلایا کہ عطف سے مراد معطوف بالحرف ہے۔

اور پھر بتلایا کہ معطوف بالحرف ایسا تابع ہے کہ وہ مقصود ہوتا ہے اس نسبت کے ذریعے جو کلام میں واقع ہوتی ہے «مَعَ مَتْبُوعِهِ» ساتھ اپنے متبوع کے۔ مثلاً میں کہتا ہوں: «جَاءَنِي زَيْدٌ وَعَمْرٌو»۔ میرے پاس زید اور عمرو آئے۔ تو زید ہوا معطوفٌ علیہ، اور «وَعَمْرٌو» یہ عمرو جو ہے یہ ہے معطوف بالحرف بھئی، یعنی اس کا عطف کیا جا رہا ہے حرفِ واو کے ذریعے زید پر۔

تو صاحبِ کافیہ نے کیا تعریف کی؟ کہ عطف ایسا تابع ہے کہ وہ مقصود ہوتا ہے نسبت کے ذریعے۔ میں نے بتلایا تھا کہ نسبت دو لفظوں کے درمیان جوڑ کا نام ہے، ربط کا نام ہے، اتصال کا نام ہے۔ توجہ ہے؟ مثلاً میں کہتا ہوں: «زَيْدٌ قَائِمٌ»۔ یہ «قَائِمٌ» کا اسناد کس کی طرف ہے؟ زید کی طرف ہے۔ «قَائِمٌ» کا جیسے پہلے اسناد کس کی طرف ہوگا؟ «هُوَ» کی طرف، اور پھر یہ شبہ جملہ ہو کر اس کا اسناد کس کی طرف ہے؟ زید کی طرف۔ تو دیکھو «زَيْدٌ» اور «قَائِمٌ» کے درمیان ایک جوڑ ہے، ایک ربط ہے، اس ربط کی وجہ سے آپ کہتے ہیں زید مسند الیہ ہے اور «قَائِمٌ» مسند ہے۔ یا دوسری مثال لے لیں جملہ فعلیہ کی: «ضَرَبَ زَيْدٌ»۔ «ضَرَبَ» فعل ہے اور «زَيْدٌ» اس کا فاعل۔ یہ «ضَرَبَ» کا اسناد ہو رہا ہے زید کی طرف، تو «ضَرَبَ» اور «زَيْدٌ» کے درمیان اتصال ہے، جوڑ ہے، نسبت ہے۔ تو یہ جو نسبت ہے، یہ دو لفظوں کے درمیان جوڑ اور ربط اور اتصال کا نام ہے، یہ ایک معنوی چیز ہے، یہ کیا ہے؟ ایک معنوی چیز ہے، یہ لفظ کا نام نہیں۔

تو تعریف میں کیا تھا؟ کہ عطف ایسا تابع ہے کہ وہ مقصود ہوتا ہے نسبت کے ذریعے۔ میں نے بتلایا نسبت کے ذریعے تابع مقصود نہیں ہو سکتا، اس لیے کیونکہ نسبت نام ہے معنیٰ کا، اور تابع وہ تو لفظ کا نام ہے۔ «جَاءَنِي زَيْدٌ وَعَمْرٌو» یہ عمرو کیا ہے؟ تابع ہے، اور یہ لفظ ہے بھئی، تو تابع کس کا نام؟ لفظ کا، اور نسبت کس کا نام؟ ایک معنیٰ اور اتصال اور جوڑ کا نام ہے وہ ایک معنوی چیز ہے، تو نسبت کے ذریعے لفظ مراد نہیں ہو سکتا، نسبت کے ذریعے نسبت ہی مراد ہو سکتی ہے۔ جیسے میں نے بتلایا تھا، میں کہتا ہوں: «جَاءَنِي الْإِنْسَانُ»۔ میرے پاس ایک انسان آیا تھا، کوئی خاص انسان کا ارادہ میں کرتا ہوں مثلاً زید کا، تو دیکھو انسان، «اَلْإِنْسَانُ» کے ذریعے میں زید کا ارادہ بھی کر سکتا ہوں، میں عمرو کا ارادہ بھی کر سکتا ہوں، میں بکر کا ارادہ بھی کر سکتا ہوں، کیونکہ یہ سب انسان ہیں۔ جی۔ لیکن «اَلْإِنْسَانُ» کے ذریعے میں گائے یا بکری کا ارادہ نہیں کر سکتا کیونکہ وہ انسان کے افراد نہیں، انسان ان پر صادق ہی نہیں آتا۔

تو یہاں پر بھی نسبت آ رہی ہے کلام کے اندر، اور صاحبِ کافیہ کیا فرما رہے ہیں؟ کہ عطف ایسا تابع ہے جو نسبت کے ذریعے مقصود ہوتا ہے، تو نسبت کے ذریعے تابع تو مقصود نہیں ہو سکتا کیونکہ نسبت ایک معنوی چیز ہے اور تابع تو لفظ کا نام ہے، نسبت کے ذریعے نسبت کا ارادہ ہو سکتا ہے، انسان کے ذریعے انسان کا ارادہ ہو سکتا ہے۔ بات سمجھ میں آ رہی ہے؟ تو معلوم ہوا یہاں تابع وہ مقصود نہیں، تابع کی نسبت مراد ہے۔ «اَلْعَطْفُ تَابِعٌ مَقْصُودٌ بِالنِّسْبَةِ» کہ معطوف جو ہے وہ ایسا تابع ہے کہ وہ نسبت کے ذریعے مقصود ہوتا ہے، یعنی تابع نہیں مقصود، تابع کی نسبت مقصود ہے۔ جی۔ عطف ایسا تابع ہے کہ اس کی نسبت مقصود ہوتی ہے کس کے ذریعے؟ وہ جو کلام میں نسبت ہے، کلام میں جو نسبت ہے اس کے ذریعے تابع کی نسبت مقصود ہوتی ہے۔

تو اتنا طے ہو گیا کہ بالنسبت کلام کے اندر جو نسبت ہے اس کے ذریعے کیا مقصود ہے؟ تابع نہیں مقصود بلکہ تابع کی نسبت مقصود ہے۔ اور تابع کی نسبت دو طرح کی ہو سکتی ہے، کہ کبھی اس کی طرف کسی چیز کی نسبت ہوگی، کبھی اس تابع

کی نسبت کسی چیز کی طرف ہوگی۔ جیسے «جَاءَنِي زَيْدٌ وَعَمْرٌو»۔ یہ «عَمْرٌو» دیکھو تابع ہے، اور اس کی طرف «جَاءَ» فعل کی نسبت ہو رہی ہے زید کے واسطے سے۔ تو دیکھو یہاں تابع کی نسبت «جَاءَ» کی طرف نہیں ہو رہی کیونکہ تابع وہ تو کوئی فعل یا صفت کا صیغہ نہیں ہے، تو ہاں البتہ «جَاءَ» فعل کی نسبت ہو رہی ہے زید اور عمرو کی طرف یعنی تابع کی طرف بھی۔ جی جی۔ تابع کی طرف بھی نسبت، یہ ہے تابع کی نسبت، اور اس میں تابع کی طرف کسی چیز کی نسبت ہو رہی ہے۔

اور کبھی تابع کی نسبت ہوگی کسی چیز کی طرف، جیسے مثلاً میں کہتا ہوں: «زَيْدٌ قَائِمٌ وَضَارِبٌ»۔ «زَيْدٌ قَائِمٌ وَضَارِبٌ»۔ تو دیکھو یہ «قَائِمٌ» یہ خبر ہے زید کے لیے، زید مبتدا ہے اور «قَائِمٌ» اس کی خبر، اور اسی خبر پر عطف ہے «ضَارِبٌ» کا، تو «ضَارِبٌ» بھی کیا ہے؟ گویا زید کے لیے خبر ہے۔ «ضَارِبٌ» بھی کیا ہے؟ زید کے لیے خبر ہے اور یہ تابع ہے کیونکہ یہ اس کا عطف ہو رہا ہے «قَائِمٌ» پر، جی۔ اور «قَائِمٌ» کا اسناد ہو رہا ہے زید کی طرف، اسی طرح یہ «ضَارِبٌ» کا بھی اسناد ہے کس کی طرف؟ زید کی طرف یعنی مبتدا کی طرف۔ تو یہاں دیکھو یہ «ضَارِبٌ» ایسا تابع ہے کہ اس کی نسبت مقصود ہے، اور کون سی نسبت؟ اس کی طرف کسی چیز کی نسبت ہے یا اس «ضَارِبٌ» کی نسبت کی جا رہی ہے زید کی طرف؟ «ضَارِبٌ» کی نسبت۔ تو یہاں دیکھو تابع کی نسبت کی جا رہی ہے۔

تو عطف جو ہے ایسا تابع ہے کہ اس کی جو نسبت ہے وہ مقصود ہوتی ہے اس نسبت کے ذریعے جو کلام میں واقع ہے، اور تابع کی نسبت دو طرح ہو سکتی ہے: کبھی اس کی طرف کسی چیز کی نسبت ہوگی اور کبھی اس تابع کی نسبت ہوگی کسی چیز کی طرف، تو بہرحال جو بھی نسبت ہو اس تابع کی وہ مقصود ہوتی ہے، اور «مَعَ مَتْبُوعِهِ» ساتھ کس کے؟ اپنے متبوع کے۔ مثلاً دیکھو «جَاءَنِي زَيْدٌ وَعَمْرٌو»۔ «زَيْدٌ» یہ معطوفٌ علیہ ہے اور «عَمْرٌو» یہ معطوف ہے، تو کلام کے اندر جو مجیئت والی نسبت آ رہی ہے اس مجیئت کے ذریعے تابع کی طرف جو مجیئت کی نسبت ہو رہی ہے وہ بھی مقصود ہے، اور «مَعَ مَتْبُوعِهِ» ساتھ اپنے متبوع کے تو متبوع کی طرف جو مجیئت کی نسبت ہو رہی ہے وہ بھی مقصود ہے، معلوم ہوا صرف زید کا آنا یہاں مقصود نہیں ہے بلکہ زید اور عمرو دونوں کا آنا دونوں کی مجیئت جو ہے وہ بتلانا مقصود ہے۔

اور جب یہ قیدیں لگائیں تو اس سے باقی توابع نکل گئے، اس لیے کیونکہ باقی توابع کے اندر کبھی متبوع مقصود ہوتا ہے اور کبھی تابع مقصود ہوتا ہے، دونوں نہیں مقصود ہوتے، جی۔ یہاں تابع اور متبوع دونوں مقصود ہیں۔ کیونکہ تعریف کیا کی؟ عطف ایسا تابع ہے کہ اس کی نسبت مقصود ہوتی ہے اس نسبت کے ذریعے جو کلام میں واقع ہے اور اسی، ساتھ کس کے اپنے متبوع کے یعنی متبوع کی نسبت بھی مقصود ہے، دونوں مقصود ہیں تابع کی نسبت بھی اور متبوع کی نسبت بھی، جبکہ باقی توابع ایسے نہیں۔ جی۔ دیکھو موصوف صفت، موصوف صفت میں موصوف مقصود ہوتا ہے، صفت صرف اس کی وضاحت کے لیے آتی ہے یا اس میں تخصیص پیدا کرنے کے لیے آتی ہے، اور اسی طرح موکد تاکید میں موکد اصل ہوتا

ہے، تاکید صرف اسی کو پکا کرتی ہے، اس میں عموم کا معنیٰ کا فائدہ دیتی ہے، اور اسی طرح عطفِ بیان جو ہے اس میں اصل معطوفٌ علیہ مقصود ہوتا ہے، عطفِ بیان صرف اس کی وضاحت کے لیے آتا ہے۔ تو دیکھو صفت، تاکید اور عطفِ بیان ان کے اندر صرف متبوع مقصود ہے، جی۔ تابع یعنی صفت، تاکید یا عطفِ بیان مقصود نہیں۔ اور رہ گیا بدل، تو بدل کے اندر خود بدل یعنی تابع مقصود ہوتا ہے، جو پہلے آیا مبدل منہ وہ مقصود نہیں، اس کو بطورِ تمہید کے ذکر کیا جاتا ہے۔ میں نے بتایا جیسے آپ کسی سے کوئی بات کرنا چاہتے ہیں تو پہلے تمہید باندھتے ہیں، گویا تیاری کرتے ہیں اپنی بات بیان کرنے کے لیے، تو وہ شروع میں چند باتیں جو آپ ذکر کرتے ہیں وہ ہیں تمہید، اور پھر جب اپنے مقصد کی بات کرتے ہیں تو وہ، وہ اصل ہوا، بات سمجھ میں آگئی؟ تو یہاں پر بھی مبدل منہ اور بدل، مبدل منہ ہے متبوع وہ پہلے آیا ہے لیکن اس کو صرف تمہید کے طور پر ذکر کیا گیا ہے وہ مقصود نہیں ہے، مقصود آگے آنے والا بدل یعنی تابع ہے۔ «جَاءَنِي زَيْدٌ أَخُوكَ» زید کیا ہے؟ مبدل منہ اور «أَخُوكَ» اس سے بدل ہے، تو یہاں متکلم «أَخُوكَ» کہنا چاہتا تھا زید کو اس نے ساتھ ویسے ہی ذکر کر دیا، کیونکہ مخاطب کا بھائی ہے اور اس کا نام زید ہے، اب وہ صرف اتنا کہہ دے «جَاءَنِي أَخُوكَ» میرے پاس آپ کا بھائی آیا تھا تو بھی ایک بات ہے، وہ کہہ دے «جَاءَنِي زَيْدٌ» میرے پاس زید آیا تھا تو بھی وہی بات ہے کیونکہ جو زید ہے وہی اس کا بھائی ہے مخاطب کا، تو وہ دونوں لفظ لاتا ہے «جَاءَنِي زَيْدٌ أَخُوكَ» تو یہاں زید مبدل منہ اور «أَخُوكَ» اس سے بدل اور اصل مقصود کون ہوتا ہے؟ بدل، تو یہاں «أَخُوكَ» کہنا مقصود تھا، بدل کو ساتھ ویسے ہی ذکر کر دیا گیا۔ جی۔ تو مبدل منہ اور بدل میں سے کون مقصود؟ تابع مقصود ہے، متبوع مقصود نہیں ہے۔

تو دیکھو جب کہا کہ عطف جو ہے ایسا تابع ہے کہ اس کی نسبت مقصود ہوتی ہے، اس کی نسبت مقصود ہوتی ہے، تو صفت بھی نکل گئی، اور تاکید بھی نکل گیا، اور عطفِ بیان بھی نکل گیا کیونکہ وہاں تابع مقصود نہیں، اور پھر جب آگے کہا «مَعَ مَتْبُوعِهِ» ساتھ متبوع بھی مقصود ہوتا ہے تو بدل بھی نکل گیا کیونکہ بدل کے اندر متبوع مقصود نہیں ہوتا۔ بات سمجھ میں آگئی؟

اس تعریف پر پھر اشکال ہوا تھا۔ اشکال یہ کہ آپ نے کیا کہا؟ تابع اور متبوع دونوں مقصود ہوتے ہیں، کہتے ہیں اس کے ذریعے تو چھ حروفِ عطف کے ذریعے جو معطوف ہے وہ نکل گیا، وہ آپ کی تعریف میں داخل نہیں، جی۔ اور وہ حروف، وہ چھ حروف لَا ہے، بَلْ ہے، لٰكِنْ ہے، أَمْ ہے، إِمَّا ہے اور أَوْ ہے، جی۔ ان کے ذریعے ایک مقصود ہوتا ہے دونوں نہیں۔ جیسے «لَا»: «جَاءَنِي زَيْدٌ لَا عَمْرٌو»۔ «جَاءَنِي زَيْدٌ لَا عَمْرٌو» میرے پاس زید آیا عمرو نہیں، یہ «لَا» حرفِ عطف ہے یہ عمرو کا عطف ہو رہا ہے زید پر۔ توجہ ہے؟ لیکن یہ «لَا» نفی کا فائدہ دے رہا ہے، جیسے حروفِ عطف میں «فَا» کس چیز کا فائدہ دیتی ہے؟ ترتیب کا فائدہ دیتی ہے، «ثُمَّ» کس چیز کا فائدہ دیتا ہے؟ ترتیب کے ساتھ تراخی کا بھی فائدہ دیتا ہے، توجہ ہے؟ تو یہ «لَا» نفی کا فائدہ دے رہا ہے، اور «جَاءَنِي زَيْدٌ» میرے پاس زید آیا «لَا عَمْرٌو» عمرو نہیں، تو یہاں صرف دیکھو زید مقصود ہے، مجیئت کی نسبت اس کی طرف ہو رہی ہے، عمرو کی طرف نہیں ہو رہی، «لَا» نے نفی کر دی اس کی۔ جی۔ تو دیکھو دونوں

میں سے ایک مقصود ہے، اور آپ نے تو کہا تھا تابع اور متبوع دونوں مقصود ہونے چاہئیں یہاں تو ایک مقصود ہے، معلوم ہوا زید آیا ہے عمرو نہیں آیا۔

اسی طرح «بَلْ» میں دیکھ لو: «جَاءَنِي زَيْدٌ بَلْ عَمْرٌو»۔ آپ کسی کو کہنا چاہتے تھے عمرو آیا ہے، کیا آیا ہے؟ عمرو آیا ہے۔ لیکن زبان پر غلطی سے زید آگیا، آپ نے کہا «جَاءَنِي زَيْدٌ»، پھر ایک دم خیال آیا او ہو زید تو نہیں آیا، آپ فوراً کہتے ہیں «بَلْ عَمْرٌو» بلکہ عمرو آیا ہے، تو گویا یہ کلام اس معنیٰ میں ہوا آپ نے کہا ہے «جَاءَنِي عَمْرٌو» میرے پاس عمرو آیا ہے، اور جو پہلے آیا تھا «بَلْ» سے پہلے، پہلے جس کی طرف یہ اسناد ہوا تھا «جَاءَنِي زَيْدٌ بَلْ عَمْرٌو» تو وہ زید مسکوت عنہ کے حکم میں ہے، وہ مسکوت عنہ ہے یعنی اس کے بارے میں خاموشی ہے، اس کی نفی نہیں ہے کہ وہ نہیں آیا، ہو سکتا ہے آیا ہو ہو سکتا ہے نہ آیا ہو وہ مسکوت عنہ ہے، تو یہاں پر بھی دیکھو بعد والا تابع مقصود ہے «جَاءَنِي زَيْدٌ بَلْ عَمْرٌو» میں۔

اسی طرح «لٰكِنْ» ہے، «لٰكِنْ» میں میں نے بتایا تھا «لٰكِنْ» دو کلاموں کے بیچ میں آتا ہے لیکن وہ دونوں کلام ایک دوسرے کے مخالف ہوتے ہیں، ایک مثبت ہو گا تو دوسرا منفی ہو گا۔ اگر پہلا مثبت ہے دوسرا منفی ہو گا اور اگر پہلا منفی ہے تو دوسرا مثبت ہو گا۔ مثلاً میں کہتا ہوں: «جَاءَنِي زَيْدٌ لٰكِنْ عَمْرٌو لَمْ يَجِئْ»۔ «جَاءَنِي زَيْدٌ لٰكِنْ عَمْرٌو لَمْ يَجِئْ» تو دیکھو یہاں صرف زید کی مجیئت مقصود ہے، عمرو کی مجیئت مقصود نہیں ہے، تو دیکھو یہاں بھی ایک ہی مقصود ہوا۔

اسی طرح «أَوْ» ہے بھئی، «أَوْ» بھی دو أحد الأمرین کے لیے آتا ہے: «جَاءَنِي زَيْدٌ أَوْ عَمْرٌو» میرے پاس زید یا عمرو آیا۔ دونوں آئے یا ایک آیا؟ ایک۔ ایک آیا لیکن متعین نہیں، «لَا عَلَى التَّعْيِينِ» کوئی ایک مراد ہے، آپ بتلانا نہیں چاہتے دوسرے کو کہ کون سا والا آیا، تو آپ اس لیے «أَوْ» حرفِ عطف لے آئے، تو یہاں پر بھی دیکھو ایک مقصود ہے، یا اسی طرح «إِمَّا» ہے: «جَاءَنِي إِمَّا زَيْدٌ وَإِمَّا عَمْرٌو»، جی۔ اس کا بھی وہی معنیٰ میرے پاس یا زید آیا ہے یا عمرو، ایک مقصود ہے۔

ہے، اور یا اسی طرح «أَمْ» ہے: «أَفِي الدَّارِ زَيْدٌ أَمْ عَمْرٌو» کیا گھر میں زید ہے یا عمرو؟ یہاں بھی ایک ہے دونوں میں سے گھر کے اندر، اس کی تعیین کا آپ سوال کر رہے ہیں، تو مقصود دونوں نہیں ہیں بلکہ دونوں میں سے ایک مقصود ہے، اس کے بارے میں سوال ہو رہا ہے کہ کون سا والا ہے ان دونوں میں سے گھر کے اندر۔ تو یہ چھ حروف ان کے ذریعے جو معطوف ہو گا وہ تو نکل گیا، آپ معطوف کی تعریف کر رہے ہیں نا، معطوف بالحرف کی، جی، اور آپ نے کیا کہا؟ معطوف بالحرف وہ بھی مقصود ہو گا اور اس کا متبوع بھی مقصود ہو گا، اور یہاں تو دونوں مقصود نہیں، بعض میں تابع مقصود ہوتا ہے بعض میں متبوع مقصود ہوتا ہے۔

تو اس کا جواب دیا تھا صاحبِ جامی نے کہ بعض علماء نے پھر اس کا یہ جواب دیا کہ بھئی دونوں کے مقصود ہونے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ دونوں ہی اکٹھے مقصود ہوں، کہ دونوں اکٹھے مقصود ہوں، بلکہ تابع کے مقصود ہونے کا مطلب یہ ہے کہ تابع ما قبل کی فرع نہیں ہونی چاہیے، مستقلاً مقصود ہو۔ جی۔ جیسے صفت وہ فرع ہے موصوف کی، صفت کوئی مستقل الگ

مقصود نہیں ہے: «جَاءَنِي زَيْدٌ الْعَالِمُ» مقصود زید ہے، صفت صرف اس کی وضاحت کر رہی ہے کہ وہ زید عالم ہے یعنی غیر عالم کے احتمال کو ختم کر رہی ہے، جی، تو صفت کس لیے ذکر ہوتی ہے؟ بطورِ فرع کے، اصل موصوف ہوتا ہے۔ اسی طرح تاکید بطورِ فرع کے ذکر ہوتا ہے، اصل موکد ہوتا ہے: «جَاءَنِي الْقَوْمُ كُلُّهُمْ» میرے پاس وہ لوگ آئے «كُلُّهُمْ» سارے کے سارے، یہاں «اَلْقَوْمُ» مقصود ہے، «كُلُّهُمْ» نے صرف اسی کے اندر تاکید پیدا کی عموم پیدا کر دیا کہ سارے افراد آئے ہیں، تو یہاں دیکھو تاکید جو ہے وہ فرع ہے اصل کیا ہے؟ «اَلْقَوْمُ»۔ اسی طرح عطفِ بیان: «جَاءَنِي أَبُو حَفْصٍ عُمَرُ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ» میرے پاس ابو حفص یعنی عمر تشریف لائے، تو یہاں ابو حفص مقصود ہے، عمر کو صرف وضاحت کے لیے ذکر کیا گیا ہے کیونکہ ابو حفص حضرت عمر کی کنیت زیادہ مشہور نہیں تھی تو پتہ نہیں چلتا کہ ابو حفص سے کون مراد ہیں، تو آگے عمر نے آکر وضاحت کر دی، تو لفظِ عمر نے صرف وضاحت کی ہے مقصود ابو حفص ہی ہے، جی جی۔ تو ان تینوں کے اندر دیکھو جو تابع ہے اس کو صرف فرع کے طور پر ذکر کیا گیا ہے، وہ مقصود نہیں ہے۔ تو انہوں نے کیا کہا؟ تابع مقصود ہونا چاہیے اور متبوع بھی مقصود، عطف کی تعریف کیا کی؟ تابع بھی مقصود ہو اور متبوع بھی مقصود، تو تابع کے مقصود ہونے کا مطلب یہ ہے کہ وہ بطورِ فرع کے ذکر نہیں ہونا چاہیے، وہ مستقلاً ذکر ہو بھئی، وہ مستقل ہو غیر مستقل نہ ہو، فرع کی طرح نہ ہو بھئی۔

اور متبوع کے مقصود ہونے کا یہ معنیٰ ہے کہ متبوع بطورِ تمہید کے ذکر نہ ہو، جی، بدل اور مبدل منہ میں متبوع کون ہے؟ مبدل منہ، اور وہ بطورِ تمہید کے ذکر ہے، تو کہتے ہیں کہ متبوع بھی مقصود ہو تعریف میں آیا، جی، تو متبوع کے مقصود ہونے کا کیا معنیٰ؟ کہ متبوع جو ہے وہ بطورِ تمہید کے ذکر نہ ہو، وہ مستقلاً مقصود ہونا چاہیے۔ تو جب یہ معنیٰ ذکر کر دیا اب ان چھ حروف کے ذریعے جو معطوف ہوتا ہے اور جو معطوفٌ علیہ ہوتا ہے، یقیناً وہ ایسے نہیں ہیں، یہ جو چھ حروف ہیں بھئی لَا، بَلْ، لٰكِنْ، أَمْ، إِمَّا اور أَوْ ان کے ذریعے جو معطوف ہے ان میں سے جو متبوع ہوتا ہے وہ مستقلاً ذکر ہے وہ بطورِ تمہید کے نہیں ذکر ہوتا۔ «جَاءَنِي زَيْدٌ لَا عَمْرٌو» کیا یہ زید جو ہے یہ عمرو کے لیے تمہید ہے؟ نہیں، زید الگ ذات ہے عمرو الگ ذات ہے، یہاں زید عمرو کے لیے تمہید نہیں ہے، اور پھر یہ جو عمرو تابع ہے اس کو بطورِ فرع کے نہیں ذکر کیا گیا، یہ بطورِ فرع کے نہیں ہے عمرو بلکہ یہ مستقل ہے یہ الگ ذات ہے اس کو الگ ذکر کیا گیا ہے، جی۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو معلوم ہوا تابع کے مقصود ہونے کا کیا معنیٰ؟ کہ وہ مستقل ہو متبوع کی فرع نہ ہو، اور متبوع کے مقصود ہونے کا کیا معنیٰ؟ کہ متبوع وہ بھی مستقل ہو وہ بطورِ تمہید کے ذکر نہ ہو، اور ان چھ حروف کے ذریعے جو معطوفٌ علیہ اور معطوف آتے ہیں وہ ایسے ہی ہوتے ہیں لہٰذا وہ تعریف میں داخل ہو گئے۔ جی۔ تو تعریف کا یہ معنیٰ نہیں کہ تابع اور متبوع دونوں اکٹھے ایک وقت میں مقصود ہوں، بلکہ تابع کے مقصود ہونے کا مطلب یہ ہے وہ فرع نہیں ہونا چاہیے بس، اور متبوع کے مقصود ہونے کا یہ مطلب ہے کہ وہ بطورِ تمہید کے نہیں ہونا چاہیے، چاہے دونوں اکٹھے مقصود ہوں یا دونوں میں سے کوئی ایک مقصود ہو، لیکن دونوں میں سے کوئی ایک بھی غیر مستقل نہیں ہونا چاہیے، ہر ایک کو مستقل ہونا چاہیے۔ بات سمجھ میں آگئی؟

اب آئیے آج کے سبق پر۔ کہتے ہیں: «وَلَمَّا تَمَّ الْحَدُّ بِمَا ذَكَرَهُ جَمْعًا وَمَنْعًا أَرْدَفَهُ لِزِيَادَةِ التَّوْضِيحِ بِقَوْلِهِ يَتَوَسَّطُ بَيْنَهُ أَيْ بَيْنَ ذٰلِكَ التَّابِعِ وَبَيْنَ مَتْبُوعِهِ أَحَدُ الْحُرُوفِ الْعَشَرَةِ، وَسَيَأْتِي تَفْصِيلُهَا فِي قِسْمِ الْحُرُوفِ إِنْ شَاءَ اللّٰهُ تَعَالٰى، مِثْلُ قَامَ زَيْدٌ وَعَمْرٌو۔» یہ متن ہم نے پڑھ لیا تھا، پھر دیکھ لیں ایک دفعہ متن۔ کہتے ہیں: «يَتَوَسَّطُ بَيْنَهُ وَبَيْنَ مَتْبُوعِهِ أَحَدُ الْحُرُوفِ الْعَشَرَةِ» اس تابع اور اس کے متبوع کے درمیان حروفِ عشرہ میں سے کوئی ایک حرف آنا چاہیے، وہ جو حروفِ عاطفہ ہیں بھئی: وَاوْ ہے، فَا ہے، ثُمَّ ہے، حَتّٰی ہے، اور لَا ہے، بَلْ ہے، لٰکِنْ ہے، أَمْ ہے، إِمَّا ہے اور أَوْ ہے، تو ان دس میں سے کوئی ایک حرف آنا چاہیے۔ تو کہتے ہیں: «يَتَوَسَّطُ بَيْنَهُ وَبَيْنَ مَتْبُوعِهِ» بیچ میں آنا چاہیے تابع اور متبوع کے، «أَحَدُ الْحُرُوفِ الْعَشَرَةِ» دس حروفِ عشرہ میں سے کوئی ایک، «وَسَيَأْتِي» اور عنقریب ان کی تفصیل آجائے گی، «مِثْلُ قَامَ زَيْدٌ وَعَمْرٌو» جیسے «قَامَ زَيْدٌ وَعَمْرٌو»۔

میں نے بتلایا تھا کہ یہ عطف بالحرف کی شرط ہے بھئی، عطف بالحرف کی کیا شرط ہے؟ کہ درمیان میں کوئی حرفِ عطف ضرور ہونا چاہیے، یہ جو دس حروفِ عاطفہ ہیں بھئی، پھر ہی یہ عطف کہلائے گا یعنی معطوف بالحرف، ویسے یہ معطوف بالحرف نہیں کہلائے گا، تو ان حروف میں سے کسی ایک کا ہونا شرط ہے، جیسے مثال بھی ذکر کر دی متن کے اندر: «مِثْلُ قَامَ زَيْدٌ وَعَمْرٌو» زید اور عمرو کھڑے ہوئے، اس کے اندر دیکھو زید اور عمرو کھڑے ہوئے زید اور عمرو کے درمیان وَاوْ حرفِ عطف ہے بھئی، زید ہے معطوفٌ علیہ، جو پہلے آئے وہ کیا ہے معطوفٌ علیہ، اور عمرو کیا ہے معطوف، اس کا عطف کیا گیا ہے، تو یہ جو کلام کے اندر نسبت ہے کون سی نسبت ہے؟ قیام والی، اس نسبت کے ذریعے وہ جو قیام کی نسبت عمرو کی طرف ہو رہی ہے وہ بھی مقصود ہے اور وہ جو قیام کی نسبت ہو رہی ہے زید کی طرف وہ بھی مقصود ہے، اور نیز دونوں کے درمیان حرفِ عطف بھی آگیا شرط بھی پوری ہو گئی۔ جی۔ توجہ ہے؟ پھر ذرا اس پہ تعریف لاگو کریں: «اَلْعَطْفُ تَابِعٌ مَقْصُودٌ بِالنِّسْبَةِ» معطوف بالحرف ایسا تابع ہے جو مقصود بالنسبت ہوتا ہے یعنی اس کی نسبت مقصود ہوتی ہے، اور «مَعَ مَتْبُوعِهِ» ساتھ اس کے متبوع کے، تو تابع اور متبوع دونوں کی طرف جو قیام کی نسبت ہو رہی ہے وہ دونوں مقصود ہیں، جی۔ اور نیز، نیز کہا «يَتَوَسَّطُ بَيْنَهُ وَبَيْنَ مَتْبُوعِهِ أَحَدُ الْحُرُوفِ الْعَشَرَةِ» ان دونوں کے بیچ حروفِ عشرہ میں سے کوئی ایک حرف آنا چاہیے اور وہ یہاں وَاوْ موجود ہے۔

اب اس سارے کو شرح کے ساتھ دیکھیے، کہتے ہیں: «وَلَمَّا تَمَّ الْحَدُّ بِمَا ذَكَرَهُ جَمْعًا وَمَنْعًا»، «وَلَمَّا تَمَّ الْحَدُّ» اور جب حد پوری ہو گئی، جی، «بِمَا ذَكَرَهُ» اس چیز کے ساتھ جو ذکر کیا مصنف نے، کون سی تعریف ذکر کی ماتن نے؟ «اَلْعَطْفُ تَابِعٌ مَقْصُودٌ بِالنِّسْبَةِ مَعَ مَتْبُوعِهِ»۔ جی۔ توجہ ہے؟ یہ «مَعَ مَتْبُوعِهِ» تک یہاں تک تعریف مکمل ہوئی «جَمْعًا وَمَنْعًا» جمع اور منع کے اعتبار سے، یعنی جامع بھی ہے اور مانع بھی ہے، اس میں معطوف بالحرف کے سارے افراد داخل ہو گئے اور باقی سارے توابع نکل گئے، تو یہ تعریف جامع بھی ہوئی اور مانع بھی ہوئی۔ لیکن پھر آگے «أَرْدَفَهُ»، «أَرْدَفَ يُرْدِفُ» کے معنیٰ ہوتے ہیں پیچھے لانا، ایک چیز کو دوسری چیز کے پیچھے لانا، «أَرْدَفَهُ» تو اس تعریف کے پیچھے لائے مصنف یعنی صاحبِ کافیہ، کیا

لائے پیچھے؟ یہ جو آگے آرہا ہے «يَتَوَسَّطُ بَيْنَهُ وَبَيْنَ مَتْبُوعِهِ أَحَدُ الْحُرُوفِ الْعَشَرَةِ»۔ تعریف کے بعد یہ لے کر آئے صاحبِ کافیہ، کیوں؟ «لِزِيَادَةِ التَّوْضِيحِ» زیادہ وضاحت کرنے کے لیے، جی، زیادہ وضاحت کرنے کے لیے۔

بات سمجھ میں آگئی؟ کیا معنیٰ ہوا؟ صاحبِ جامی نے کیا بتلایا؟ ادھر دیکھیے کہ صاحبِ کافیہ نے فرمایا کہ «اَلْعَطْفُ تَابِعٌ مَقْصُودٌ بِالنِّسْبَةِ مَعَ مَتْبُوعِهِ» یہاں تک تعریف جامع مانع ہو کر مکمل ہو گئی، جی۔ یعنی یہاں تک جو تعریف ہے وہ جامع مانع ہے، اس میں کوئی غیر داخل نہیں اور اپنا کوئی فرد اس کا خارج نہیں ہے، تو یہ تعریف جامع مانع ہے، لیکن پھر آگے مزید زیادہ وضاحت کے لیے صاحبِ کافیہ نے فرمایا: «يَتَوَسَّطُ بَيْنَهُ وَبَيْنَ مَتْبُوعِهِ أَحَدُ الْحُرُوفِ الْعَشَرَةِ» کہ اس تابع اور متبوع کے بیچ حروفِ عشرہ میں سے کوئی ایک آنا چاہیے، یہ زیادہ وضاحت کے لیے لائے ہیں۔ توجہ ہے؟

اب یاد رکھو، یہ جو مصنف نے کہا پھر ذرا ایک دفعہ ترجمہ دیکھو صاحبِ جامی نے کیا فرمایا، کہتے ہیں: «وَلَمَّا تَمَّ الْحَدُّ بِمَا ذَكَرَهُ جَمْعًا وَمَنْعًا» اور یہ جو تعریف ہے عطف کی یہ جب پوری ہو گئی اس چیز کے ساتھ جس کو ماتن نے ذکر کر دیا «جَمْعًا وَمَنْعًا» کس اعتبار سے پوری ہوئی؟ جامع مانع ہونے کے اعتبار سے پوری ہو گئی، تو «أَرْدَفَهُ لِزِيَادَةِ التَّوْضِيحِ» تو اس کے پیچھے لے کر آئے زیادہ وضاحت کے لیے «بِقَوْلِهِ» اپنے اس قول کو، کون سا قول؟ کہ «يَتَوَسَّطُ بَيْنَهُ وَبَيْنَ مَتْبُوعِهِ أَحَدُ الْحُرُوفِ الْعَشَرَةِ»۔ اس میں دونوں احتمال ہیں، یا تو صاحبِ جامی یہ کہنا چاہتے ہیں کہ یہ بھی تعریف کا جزو ہے، جی، یہ بھی تعریف کا جزو ہے گویا عطف کی پوری تعریف یہ ہوئی: «اَلْعَطْفُ تَابِعٌ مَقْصُودٌ بِالنِّسْبَةِ مَعَ مَتْبُوعِهِ يَتَوَسَّطُ بَيْنَهُ وَبَيْنَ مَتْبُوعِهِ أَحَدُ الْحُرُوفِ الْعَشَرَةِ» یہاں تک پوری تعریف ہے، یہاں تک، ہاں البتہ اس حصے کا جامع مانع ہونے میں کوئی دخل نہیں ہے، جامع مانع پہلا حصہ ہی ہے تعریف کا، جی، صرف اتنا بتانا چاہتے ہیں یہ بھی تعریف کا جزو ہے لیکن جامع مانع ہونے میں اس کا دخل نہیں، پہلے جزو سے ہی تعریف جامع مانع ہو چکی تھی، ہاں یہ جزو تعریف کا بڑھا دیا زیادہ وضاحت کے لیے، جی، «لِزِيَادَةِ التَّوْضِيحِ» کس لیے؟ زیادہ وضاحت کے لیے، تو ہے یہ ساری تعریف، اور دلیل کیا ہے اس کی؟ دلیل اس کی یہ ہے کہ اس کے بعد «مِثْلُ قَامَ زَيْدٌ وَعَمْرٌو» مثال لائے ہیں، تعریف جب پوری ہو گئی تو اس کے بعد اب مثال ذکر کر دی، معلوم ہوا یہ بھی کیا ہے تعریف کا جزو ہے، اور لیکن یہ جزو زیادہ وضاحت کے لیے ہے جامع مانع ہونے میں اس جزو، اس حصے کا دخل نہیں، وہ پہلا جزو «مَعَ مَتْبُوعِهِ» تک جو حصہ تھا اسی سے تعریف جامع مانع ہو چکی تھی، جی۔

بات سمجھ میں آگئی؟ تو یا تو یہ معنیٰ ہے صاحبِ جامی کا کہ یہ بھی تعریف کا حصہ ہے البتہ جامع مانع ہونے میں اس کا دخل نہیں، یا صاحبِ جامی کے کہنے کا یہ مطلب ہے کہ یہ تعریف کا حصہ ہی نہیں ہے، تعریف پوری ہو گئی، تعریف کیا ہے؟ پوری ہو گئی، تو سوال پیدا ہوا کہ پھر مثال کیوں یہاں ذکر نہیں کی؟ مثال تو وہ «يَتَوَسَّطُ» کے بعد جا کر ذکر کر رہے ہیں «يَتَوَسَّطُ بَيْنَهُ وَبَيْنَ مَتْبُوعِهِ أَحَدُ الْحُرُوفِ الْعَشَرَةِ» اس کے بعد جا کے مثال ذکر کر رہے ہیں، اگر «مَعَ مَتْبُوعِهِ» تک تعریف پوری ہو گئی تھی تو اس کے بعد کیا آنی چاہیے تھی؟ مثال۔ توجہ ہے؟ مثال آنی چاہیے تھی کیونکہ تعریف پوری ہو چکی ہے، تو بتلانا

چاہتے ہیں کہ بھئی تعریف تو پوری ہو گئی ہے لیکن یہ ساتھ مزید وضاحت کے لیے یہ بھی بیان کر دیا کہ تابع اور متبوع میں حرفِ عطف آئے گا، اور پھر اکٹھی مثال ذکر کی تاکہ یہ تعریف کی بھی مثال ہو جائے اور ساتھ جو شرط ذکر کی ہے اس کی بھی مثال ہو جائے دونوں کی مثال، جی، «قَامَ زَيْدٌ وَعَمْرٌو» دونوں کی مثال ہو گئی، تابع اور متبوع دونوں کی نسبت مقصود ہے تو یہ عمرو داخل ہوا، اور نیز دونوں کے درمیان حرفِ عطف بھی آ رہا ہے شرط بھی پوری ہے، جو زیادہ وضاحت کے لیے بات ذکر کی تھی اس کی بھی یہ مثال بن گئی۔ تو صاحبِ جامی کے کہنے کا کیا مطلب ہے؟ یا تو وہ یہ کہنا چاہتے ہیں یہ آگے «وَيَتَوَسَّطُ بَيْنَهُ وَبَيْنَ مَتْبُوعِهِ أَحَدُ الْحُرُوفِ الْعَشَرَةِ» یہ بھی تعریف کا حصہ ہے لیکن اس کا جامع مانع ہونے میں دخل نہیں لیکن ہے حصہ تعریف کا اسی لیے آخر میں مثال ذکر کی، یا ان کے کہنے کا یہ مطلب ہے کہ تعریف پوری ہو چکی ہے اور یہاں مثال ذکر نہیں کی، مثال آخر میں ذکر کی کیونکہ درمیان میں زیادہ وضاحت کے لیے ایک اور بات بھی ذکر کر دی کہ یہ جو تابع اور متبوع ہوں گے یہاں درمیان میں حرفِ عطف کا آنا بھی ضروری ہے یہ شرط ہے بھئی، جی۔ بات سمجھ میں آ گئی؟ تو دونوں معنیٰ ہو سکتے ہیں۔

پھر دیکھیے، کہتے ہیں: «وَلَمَّا تَمَّ الْحَدُّ بِمَا ذَكَرَهُ جَمْعًا وَمَنْعًا» اور جب یہ تعریف پوری ہو گئی اس چیز کے ساتھ جو مصنف نے ذکر کی «جَمْعًا وَمَنْعًا» جامع مانع ہونے کے اعتبار سے، «أَرْدَفَهُ» تو اس کے پیچھے لے کر آئے مصنف «لِزِيَادَةِ التَّوْضِيحِ» زیادہ وضاحت کے لیے «بِقَوْلِهِ» اپنے اس قول کو «يَتَوَسَّطُ بَيْنَهُ أَيْ بَيْنَ ذٰلِكَ التَّابِعِ وَبَيْنَ مَتْبُوعِهِ» کہ اس تابع اور اس کے متبوع کے درمیان آئے «أَحَدُ الْحُرُوفِ الْعَشَرَةِ» دس حروف میں سے کوئی ایک، «وَسَيَأْتِي تَفْصِيلُهَا فِي قِسْمِ الْحُرُوفِ إِنْ شَاءَ اللّٰهُ تَعَالٰى» اور ان حروفِ عشرہ کی تفصیل آ جائے گی «فِي قِسْمِ الْحُرُوفِ» حروف کی قسم میں یعنی حروف کی بحث کے اندر بھئی، «إِنْ شَاءَ اللّٰهُ تَعَالٰى» اگر اللہ نے چاہا بھئی، «مِثْلُ قَامَ زَيْدٌ وَعَمْرٌو» جیسے «قَامَ زَيْدٌ» اور «عَمْرٌو» بھئی۔

آگے دیکھیے، کہتے ہیں: «وَلَمْ يَكْتَفِ بِقَوْلِهِ تَابِعٌ يَتَوَسَّطُ بَيْنَهُ وَبَيْنَ مَتْبُوعِهِ أَحَدُ الْحُرُوفِ الْعَشَرَةِ»۔ سوال پیدا ہوتا ہے، سوال پیدا ہوتا ہے، ادھر دیکھیے: صاحبِ کافیہ نے عطف کی کیا تعریف کی؟ «تَابِعٌ مَقْصُودٌ بِالنِّسْبَةِ مَعَ مَتْبُوعِهِ»۔ جی۔ اور اتنی پھر اس کی اتنی مشکل تقریر ہمیں کرنا پڑی بھئی، تو مختصراً کہہ دیتے صاحبِ کافیہ کہ عطف وہ ہے: «يَتَوَسَّطُ بَيْنَ التَّابِعِ وَبَيْنَ مَتْبُوعِهِ أَحَدُ الْحُرُوفِ الْعَشَرَةِ»۔

کہ تابع اور متبوع کے درمیان وہ دس حروف میں سے کوئی ایک حرف آنا چاہیے، بس یہ تعریف کافی تھی۔ معطوف بحرف کسے کہتے ہیں؟ تابع اور متبوع کے درمیان ایک حرف آنا چاہیے حروفِ عشرہ میں سے، اس سے سارے توابع نکل جاتے، کیونکہ باقی توابع میں کسی کے درمیان حرف نہیں آتا، تو صرف اتنی تعریف کر دیتے؟

توجہ بھی ہے یا نہیں؟ کس کی بات ہو رہی ہے؟ معطوف بالحرف کی۔ مجھے بتائیے، موصوف صفت میں حرف کوئی آتا ہے؟ نہیں آتا۔ موکد تاکید میں کوئی حرف آتا ہے؟ وہاں بھی نہیں آتا۔ معطوفٌ علیہ اور عطفِ بیان میں کوئی حرف؟ وہاں

بھی نہیں آتا۔ بدل اور مبدل منہ کے درمیان بھی کوئی حرف نہیں آتا۔ تو عطف کی تعریف کر رہے تھے، تو مختصر تعریف کر دیتے کہ تابع اور متبوع کے درمیان کوئی ایک حرفِ عطف آنا چاہیے۔ «يَتَوَسَّطُ بَيْنَهُ وَبَيْنَ مَتْبُوعِهِ أَحَدُ الْحُرُوفِ الْعَشَرَةِ»۔ بس اتنی تعریف کر دیتے، وہ شروع والا حصہ ذکر کرنے کی تو کوئی حاجت ہی نہیں تھی۔

تو اس کا جواب دیں گے صاحبِ جامی کہ نہیں، اس کی بھی حاجت تھی۔ اگر وہ تعریف نہ کرتے، تو پھر تعریف دخولِ غیر سے مانع نہ ہوتی بھئی، اس میں غیر بھی داخل ہو جاتے۔ اس میں؟ کیسے غیر داخل ہو جاتے؟ کہتے ہیں اس لیے کیونکہ بعض اوقات موصوف صفت کے درمیان بھی حرفِ عطف آجاتا ہے۔ بعض اوقات؟ ہاں، آج ایک نئی بات آپ پڑھیں گے بھئی، کبھی کبھار موصوف اور صفت کے درمیان بھی حرفِ عطف آجاتا ہے، تو کبھی، موصوف صفت کے درمیان بھی حرفِ عطف آجاتا ہے، تو پھر تو اس نے بھی تعریف میں داخل ہو جانا تھا۔

پہلے موصوف آیا، پھر صفت آئی اور درمیان میں کیا ہے؟ حرفِ عطف ہے، تو آپ کی تعریف «يَتَوَسَّطُ بَيْنَ التَّابِعِ وَالْمَتْبُوعِ أَحَدُ الْحُرُوفِ الْعَشَرَةِ» یہ تعریف صادق آرہی ہے یا نہیں؟ تو یہ ہے صفت، لیکن تعریف معطوف کی بھی صادق آرہی ہے، یہ صفت بھی ہو گئی اور معطوف بھی ہو گئی۔ صفت بھی ہو گئی اور معطوف بھی ہو گئی، تو اس صورت میں تعریف دخولِ غیر سے مانع نہ ہوتی بھئی۔

یہ بات سمجھ میں آگئی؟ جی، اب دیکھیے بھئی اسی کو بیان کریں گے: «وَلَمْ يَكْتَفِ بِقَوْلِهِ تَابِعٌ يَتَوَسَّطُ بَيْنَهُ وَبَيْنَ مَتْبُوعِهِ أَحَدُ الْحُرُوفِ الْعَشَرَةِ» اور ماتن یعنی صاحبِ کافیہ نے اکتفا نہیں کیا اپنے اس قول پر کہ «تَابِعٌ يَتَوَسَّطُ بَيْنَهُ وَبَيْنَ مَتْبُوعِهِ أَحَدُ الْحُرُوفِ الْعَشَرَةِ»۔ صرف اس قول پر اکتفا نہیں کیا، بلکہ شروع میں اور بھی تعریف لے کر آئے۔

«لِأَنَّ الْحُرُوفَ قَدْ تَتَوَسَّطُ بَيْنَ الصِّفَاتِ» اس لیے کیونکہ کبھی کبھار حروف بیچ میں آجاتے ہیں صفات کے، «مِثْلُ جَاءَنِي زَيْدٌ الْعَالِمُ وَالشَّاعِرُ وَالدِّبِيرُ»۔ «جَاءَنِي زَيْدٌ الْعَالِمُ وَالشَّاعِرُ وَالدِّبِيرُ»۔ دبیر یاد رکھو، محرم آفندی جو شرح ہے جامی کی، انہوں نے اس کو دال کے کسرہ کے ساتھ لکھا ہے: دِبِیر۔ اور کہتے ہیں یہ کاتب کو کہتے ہیں، جو نثر لکھتا ہے، ایک ہوتی ہے نظم جس میں، جو اشعار ہوتے ہیں، اور ایک ہے نثر جو عام کلام ہے، جیسے یہ جامی ہم پڑھ رہے ہیں یہ نثر ہے، یہ کیا ہے؟ نثر ہے یہ اشعار کی صورت میں نہیں ہے، تو اس نثر لکھنے والے کو، اس کو دبیر کہتے ہیں۔ توجہ ہے؟ اور فرمایا ہے کہ یہ فارسی لفظ ہے، آج کل فارسی کے اندر دَبِیر، دال کے فتحہ کے ساتھ رائج ہے اور وہ استاد کو کہتے ہیں۔ دبیر کسے کہتے ہیں؟ استاد کو، تو ہو سکتا ہے قدیم یہ نثر لکھنے والے کو کہتے ہوں قدیم بھئی، جیسے کہ محرم آفندی کے مصنف فرماتے ہیں۔

تو «جَاءَنِي زَيْدٌ» میرے پاس وہ زید آیا، «اَلْعَالِمُ» جو عالم ہے، «وَالشَّاعِرُ» اور شاعر ہے، «وَالدِّبِيرُ» اور جو کاتب ہے، جو نثر لکھتا ہے، نثر کہتا ہے۔ اب دیکھو بھئی، «جَاءَنِي زَيْدٌ الْعَالِمُ وَالشَّاعِرُ وَالدِّبِيرُ»۔ اب اس ترکیب پہ نظر رکھنا بھئی۔ «زَيْدٌ» یہ کیا ہے؟ موصوف۔ «اَلْعَالِمُ» ہے اس کی صفت، اور یہ ہے معطوفٌ علیہ۔ واو حرفِ عطف، «اَلشَّاعِرُ» اس کا عطف کس

پر ہے؟ «اَلْعَالِمُ» پر، اور «اَلْعَالِمُ» زید کی صفت ہے، تو «اَلشَّاعِرُ» بھی کیا ہوئی؟ زید کی صفت۔ اسی طرح «وَالدِّبِیرُ»، اس کا عطف بھی اسی «اَلْعَالِمُ» پر ہے، اور «اَلْعَالِمُ» تو زید کی صفت تھی، تو «اَلدِّبِیرُ» بھی کیا ہے؟ زید کی صفت ہے۔ یا «اَلدِّبِیرُ» کا عطف کر لو شاعر پر، اور شاعر کا عطف پھر کس پر ہے؟ «اَلْعَالِمُ» پر، تو بہر حال جو بھی صورت آپ بنا لیں، چاہے وہ جو اصلِ اول ہے اس پر بھی عطف کر سکتے ہیں، اور جو سب سے قریب ہو اس پر بھی عطف کر سکتے ہیں، تو دبیر کا عطف آپ یوں بھی کہہ سکتے ہیں عالم پر ہے، جو اول ہے، اول صفت ہے، اور آپ یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ دبیر کے جو سب سے قریب ہو، اور وہ «اَلشَّاعِرُ» ہے اس پر اس کا عطف ہے۔ توجہ ہے؟ تو جب بھی عطف کرتے ہیں، یا وہ جو اصل ہوتا ہے اس پہ عطف کرتے ہیں، یا جو بالکل ساتھ ملا ہوا ہو اس پر عطف کرتے ہیں، درمیان والوں پر عطف نہیں کر سکتے۔

تو دیکھو، «اَلْعَالِمُ» یہ زید کی صفت ہے، اسی پر عطف ہے «اَلشَّاعِرُ» کا یہ بھی زید کی صفت ہے، اور اسی پر «اَلدِّبِیرُ» کا عطف ہے یہ بھی زید کی صفت ہے۔ اب دیکھو، زید یہ موصوف ہے، اور «وَالشَّاعِرُ» یہ کیا ہے اس کی؟ صفت ہے، اور موصوف صفت کے درمیان دیکھو واو آ رہا ہے۔ «وَالشَّاعِرُ» ہے نا؟ جی۔ تو یہ موصوف صفت کے درمیان واو حرفِ عطف آ گیا۔ توجہ ہے؟ تو یہ تو زید کی صفت ہے، صفت کسے کہتے ہیں؟ جو ایسے معنیٰ پر دلالت کرے جو کس میں پایا جائے؟ متبوع میں، موصوف میں، تو یہاں پر بھی شاعر ایک ایسے معنیٰ پر دلالت کر رہی ہے جو کس میں پایا جا رہا ہے؟ متبوع یعنی زید کے اندر، تو یہ صفت ہے، لیکن یہ بھی معطوف کی تعریف میں داخل ہو جاتی، کیونکہ اگر یہ تعریف کرتے کہ تابع اور متبوع کے درمیان حرفِ عطف آنا چاہیے، یہاں زید اور «وَالشَّاعِرُ» کے درمیان واو حرفِ عطف آ رہا ہے۔ اسی طرح زید «وَالدِّبِیرُ» کے درمیان بھی واو حرفِ عطف آ رہا ہے، تو دبیر ہے تو زید کی صفت، لیکن اس کو معطوف کہنا پڑتا، زید کو معطوفٌ علیہ کہنا پڑتا، اور دبیر کو معطوف کہنا پڑتا حالانکہ دبیر کے لیے زید معطوفٌ علیہ نہیں، اور دبیر زید کے لیے معطوف نہیں، بلکہ دبیر زید کی صفت ہے بھئی۔ بات سمجھ میں آ گئی؟

تو کہتے ہیں: «لِأَنَّ الْحُرُوفَ قَدْ تَتَوَسَّطُ بَيْنَ الصِّفَاتِ» اس لیے کیونکہ حروف کبھی کبھار صفات کے بیچ میں آ جاتے ہیں، «مِثْلُ جَاءَنِي زَيْدٌ الْعَالِمُ وَالشَّاعِرُ وَالدِّبِيرُ»۔ «فَالصِّفَةُ الدَّاخِلُ عَلَيْهَا حَرْفُ الْعَطْفِ كَالشَّاعِرِ وَالدِّبِيرِ لَهَا جِهَتَانِ»۔ یہاں صاحبِ جامی اب مزید وضاحت کریں گے، توجہ سے ذرا اس ترکیب پہ نظر رکھو: «جَاءَنِي زَيْدٌ الْعَالِمُ وَالشَّاعِرُ وَالدِّبِيرُ»۔

یہ جو شاعر ہے، مثلاً ایک شاعر کو دیکھ لیں یا دبیر کو دیکھ لیں، دونوں میں ایک ہی تقریر ہو گی۔ مثلاً یہ «وَالشَّاعِرُ» آیا، اس شاعر کا عطف ہے کس پر؟ عالم پر۔ تو اس شاعر کی دو جہتیں ہیں، دو حیثیتیں ہیں: ایک حیثیت سے یہ زید کی صفت ہے، زید متبوع اور یہ تابع ہے، وہ موصوف اور یہ صفت، اور دوسری حیثیت یہ ہے کہ شاعر کا عطف ہو رہا ہے «اَلْعَالِمُ» پر، اور «اَلْعَالِمُ» کے واسطے سے یہ زید کی صفت بن رہی ہے، براہِ راست صفت نہیں بن رہی، تو «اَلْعَالِمُ» ہوا معطوفٌ علیہ، اور «اَلشَّاعِرُ» کیا ہوا؟ معطوف، اور اس اعتبار سے یہ معطوف ہے، یہ کیا ہے؟ توجہ ہے؟

یہ «اَلشَّاعِرُ» صفت کس کی؟ زید کی، تو زید ہوا متبوع، اور یہ «اَلشَّاعِرُ» ہوا تابع، اور اس اعتبار سے یہ صفت ہے، یہ معطوف نہیں، زید موصوف اور یہ صفت ہے، یہ معطوف نہیں، اگرچہ اس کے اور زید کے درمیان واو آرہا ہے۔ اور دوسری حیثیت سے «اَلشَّاعِرُ» کا عطف ہے «اَلْعَالِمُ» پر، اور اس حیثیت سے «اَلْعَالِمُ» معطوفٌ علیہ ہے اور «اَلشَّاعِرُ» کیا ہے؟ معطوف ہے، تو اس اعتبار سے یہ تابع ہے «اَلْعَالِمُ» کے اور یہ معطوف ہے۔

تو گویا «اَلشَّاعِرُ» میں دو جہتیں آگئیں، ایک اعتبار سے یہ تابع ہے زید کی یعنی اس کی صفت ہے، اور ایک اعتبار سے «اَلْعَالِمُ» کے تابع۔ زید کے تابع ہونے کے اعتبار سے یہ صفت ہے، اور «اَلْعَالِمُ» کے تابع ہونے کے اعتبار سے یہ معطوف ہے، نہیں توجہ، توجہ سے سنو۔ «اَلشَّاعِرُ» صفت کس کی؟ زید کی، تو یہ زید کے بھی تابع۔ اور «اَلشَّاعِرُ» کا عطف کس پر؟ «اَلْعَالِمُ» پر، تو یہ «اَلْعَالِمُ» کے بھی تابع۔ تو «اَلْعَالِمُ» کے تابع ہونے کے اعتبار سے یہ معطوف ہے، زید کے تابع ہونے کے اعتبار سے یہ معطوف نہیں بلکہ صفت ہے۔ تو اگر صاحبِ کافیہ صرف یہ تعریف کر دیتے کہ عطف کسے کہتے ہیں؟ کہ تابع اور متبوع کے درمیان حرفِ عطف آنا چاہیے، تو اس صورت میں تو یہ صفت بھی داخل ہو جاتی، حالانکہ دیکھو، «اَلشَّاعِرُ» کی زید کی طرف نسبت کرو، تو زید کیا ہوا؟ متبوع، اور «اَلشَّاعِرُ» کیا ہے؟ تابع یعنی صفت ہے، تو اس اعتبار سے اس کو صفت کہیں گے، موصوف نہیں کہیں گے، اگرچہ درمیان میں حرفِ عطف آرہا ہے۔ لیکن اگر تعریف کر دیتے کہ معطوف کسے کہتے ہیں؟ کہ تابع اور متبوع کے درمیان کیا آنا چاہیے؟ حرفِ عطف، تو اس جہت سے بھی اس کو عطف کہنا پڑتا، یعنی زید کی طرف نسبت کرتے ہوئے بھی «اَلشَّاعِرُ» کو کیا کہنا پڑتا؟ عطف کہنا پڑتا، کیونکہ زید اور «اَلشَّاعِرُ» کے درمیان واو آرہا ہے، لیکن اس اعتبار سے تو یہ عطف نہیں ہے، اس اعتبار سے تو یہ صفت ہے۔ تو صفت کس میں داخل ہو جاتی؟ عطف کی تعریف میں۔ صفت کس میں داخل ہو جاتی؟ عطف کی تعریف میں، یعنی «اَلشَّاعِرُ» کی جب زید کی طرف نسبت کریں۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو یہ اس کی صفت ہے، یہ اس پر معطوف نہیں ہے، اگرچہ دونوں کے درمیان واو آرہا ہے۔ تو اگر آپ یہ تعریف کرتے کہ عطف وہ ہوتا ہے کہ تابع اور متبوع میں حرف آنا چاہیے، تو یہاں بھی زید متبوع ہے اور «وَالشَّاعِرُ» اس کی صفت ہے اور درمیان میں واو آرہا ہے، تو ان دونوں کو آپس میں کیا کہنا پڑتا؟ معطوف اور معطوفٌ علیہ، حالانکہ یہ معطوف اور معطوفٌ علیہ نہیں، اس حیثیت سے یہ موصوف صفت ہیں۔ توجہ ہے؟ ہاں «اَلْعَالِمُ وَالشَّاعِرُ»، عالم کی طرف نسبت کرتے ہوئے «اَلشَّاعِرُ» معطوفٌ علیہ ہے بھئی۔ دیکھیے بھئی، کہتے ہیں: «فَالصِّفَةُ الدَّاخِلُ عَلَيْهَا حَرْفُ الْعَطْفِ» پس وہ صفت کہ داخل ہے اس پر حرفِ عطف۔ توجہ ہے؟ «فَالصِّفَةُ» یہ ہے موصوف، «اَلدَّاخِلُ» یہ ہے اس کی صفت، موصوف صفت دونوں معرفہ ہیں، «اَلصِّفَةُ» بھی معرفہ اور «اَلدَّاخِلُ» بھی معرفہ، اور یاد رکھو یہ صفت بحالِ متعلقہ ہے، صفت بحالِ متعلقہ کسے کہتے ہیں؟ جو لفظوں میں صفت ہو موصوف کی اور معنیٰ میں صفت ہو اس کے متعلق کی یا غیر کی، توجہ ہے؟ تو یہاں پر بھی «اَلدَّاخِلُ» لفظوں میں یہ صفت ہے «اَلصِّفَةُ» لفظ کی، اور آگے «حَرْفُ الْعَطْفِ» اس کا فاعل آرہا ہے، «اَلدَّاخِلُ» کے لیے کیا چاہیے؟ فاعل چاہیے، کیا چیز داخل ہو رہی ہے؟ «حَرْفُ الْعَطْفِ» حرفِ عطف داخل ہو رہا ہے، «عَلَيْهَا» اس صفت پر،

تو یہ «عَلَيْهَا» کی ہا ضمیر یہ ربط دے رہی ہے، موصوف صفت میں کیا چاہیے؟ ربط، دیکھو «اَلصِّفَةُ» مرفوع ہے موصوف ہے، «اَلدَّاخِلُ» یہ بھی مرفوع کیونکہ یہ صفت ہے اور صفت کیا ہوتی ہے موصوف کے مطابق اعراب آتا ہے، تو صفت بحالِ متعلقہ میں کتنی چیزوں میں مطابقت ضروری؟ دو چیزوں میں، اعراب میں بھی اور تعریف و تنکیر میں بھی۔ توجہ سے سنو، «فَالصِّفَةُ» وہ صفت «اَلدَّاخِلُ عَلَيْهَا حَرْفُ الْعَطْفِ» کہ جس پر حرفِ عطف داخل ہو، تو «اَلدَّاخِلُ» اسمِ فاعل ہے، اس کا ربط چاہیے تھا صفت کے ساتھ، تو یہ «عَلَيْهَا» کی ہا ضمیر کیا کر رہی ہے؟ ربط دے رہی ہے۔

تو کہتے ہیں: «فَالصِّفَةُ الدَّاخِلُ عَلَيْهَا حَرْفُ الْعَطْفِ» پس وہ صفت جس پر حرفِ عطف داخل ہو رہا ہے، «كَالشَّاعِرِ وَالدِّبِيرِ» جیسے کہ اس مثال کے اندر شاعر اور دبیر کا لفظ ہے، «لَهَا جِهَتَانِ» یہ والی جو صفت ہے اس کی دو جہتیں ہیں، «إِحْدَاهُمَا» ان میں سے ایک جہت جو ہے، «كَوْنُهَا صِفَةً لِزَيْدٍ» اس کا زید کے لیے صفت ہونا ہے، یہ «اَلشَّاعِرُ» اور «اَلدِّبِيرُ» میں ایک جہت کیا ہے؟ یہ زید کے لیے صفت ہے، «تَابِعَةً لَهُ» اور یہ زید کے تابع ہے، «بِتَبْعِيَّةِ الْمَعْطُوفِ عَلَيْهِ» معطوفٌ علیہ کے تابع ہونے کی وجہ سے، کیونکہ، کیونکہ «اَلشَّاعِرُ» اور «اَلدِّبِيرُ» کا عطف کس پر ہے؟ «اَلْعَالِمُ» پر ہے، اور معطوف کا وہی حکم ہوتا ہے جو معطوفٌ علیہ کا ہوتا ہے، اور معطوفٌ علیہ «اَلْعَالِمُ» یہ تو زید کی صفت ہے، تو معطوف بھی کیا ہیں زید کی صفت، تو «اَلشَّاعِرُ» اور «اَلدِّبِيرُ» یہ «اَلْعَالِمُ» کے تابع ہونے کی وجہ سے یہ بھی کیا ہیں زید کے تابع ہیں اس کی صفت ہیں۔

پھر دیکھیے، کہتے ہیں: «فَالصِّفَةُ الدَّاخِلُ عَلَيْهَا حَرْفُ الْعَطْفِ كَالشَّاعِرِ وَالدِّبِيرِ» تو کہتے ہیں وہ صفت جس پر حرفِ عطف داخل ہو رہا ہے، جیسے شاعر اور دبیر ہے اس مثال کے اندر، «لَهَا جِهَتَانِ» اس میں دو جہتیں ہیں، «إِحْدَاهُمَا» ان دو میں سے ایک جہت یہ ہے «كَوْنُهَا صِفَةً لِزَيْدٍ» اس کا زید کے لیے صفت ہونا، «تَابِعَةً لَهُ» اس کے تابع ہونا «بِتَبْعِيَّةِ الْمَعْطُوفِ عَلَيْهِ» معطوفٌ علیہ کے تابع ہونے کی وجہ سے، «وَأُخْرَاهُمَا» اور دوسری جہت اس کے اندر ان صفتوں کے اندر «اَلشَّاعِرُ» اور «اَلدِّبِيرُ» میں یہ ہے «كَوْنُهَا مَعْطُوفًا عَلَى الصِّفَةِ الْمُتَقَدِّمَةِ» وہ ان کا صفتِ متقدمہ پر معطوف ہونا ہے، وہ صفت جو ان سے ما قبل میں ہے اس پر ان کا معطوف ہونا ہے، «تَابِعَةً لَهَا» اور اس کے تابع ہونا ہے۔

«وَيَصْدُقُ عَلَى هٰذِهِ الصِّفَةِ» اور اس صفت پر یہ بات صادق آتی ہے «مِنْ جِهَتِهَا الْأُولٰى» پہلی جہت سے، پہلی جہت کے اعتبار سے یہ زید کی صفت ہے زید کے تابع، دوسری جہت کے اعتبار سے یہ «اَلْعَالِمُ» کے تابع، لیکن پہلی جہت جس میں وہ زید کے تابع ہے، اس اعتبار سے تو یہ زید کی صفت ہے، زید پر معطوف تو نہیں، لیکن درمیان میں حرفِ عطف آیا یا نہیں؟ تو عطف کی تعریف اس پر صادق آجاتی اگر عطف کی تعریف ہم کیا کرتے کہ معطوف اور معطوفٌ علیہ کے درمیان حرفِ عطف آنا چاہیے صرف یہ تعریف کرتے، «يَتَوَسَّطُ بَيْنَهُ وَبَيْنَ مَتْبُوعِهِ أَحَدُ الْحُرُوفِ الْعَشَرَةِ» اگر صرف یہ تعریف کی جاتی، تو یہاں پر «اَلشَّاعِرُ» یہ صفت ہے زید کی، لیکن اس کو بھی معطوف کہنا پڑتا کیونکہ زید اور «اَلشَّاعِرُ» کے درمیان واو آرہا ہے، حالانکہ اس اعتبار سے تو یہ معطوف نہیں، اس اعتبار سے تو یہ زید کی صفت ہے۔ توجہ ہے؟

تو کہتے ہیں: «وَيَصْدُقُ عَلَى هٰذِهِ الصِّفَةِ مِنْ جِهَتِهَا الْأُولٰى» تو صادق آتا اس صفت پر اس کی پہلی جہت کے اعتبار سے

«أَنَّهَا تَابِعَةٌ» کہ یہ صفت کیا ہے؟ تابع ہے، «لِأَنَّهَا صِفَةٌ لِزَيْدٍ» اس لیے کیونکہ یہ زید کی صفت ہے، اور صفت بھی کیا ہوتی ہے؟ تابع ہوتی ہے، «وَيَتَوَسَّطُ بَيْنَهَا وَبَيْنَ زَيْدٍ حَرْفُ الْعَطْفِ» اور اس کے اور زید کے درمیان حرفِ عطف آیا ہے، تو یہ ساری تعریف اس پر صادق آجاتی۔

اب اعتراض ہوتا ہے کہ موصوف صفت کے درمیان کیا کبھی حرفِ عطف آسکتا ہے؟ تو آپ کو صاحبِ جامی بتائیں گے کہ دو لفظوں کے درمیان حرفِ عطف آنے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ وہ معطوف اور معطوفٌ علیہ ہیں، دو لفظوں کے درمیان حرفِ عطف آنے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ ثانی اول پر عطف ہے معطوف ہے، جیسے زید اور «اَلشَّاعِرُ» کے درمیان کیا آیا؟ واو آیا، اس واو آنے کے ساتھ یہ لازم نہیں ہے کہ «اَلشَّاعِرُ» کا زید پر عطف ہو رہا ہے۔

کہتے ہیں: «لِأَنَّ تَوَسُّطَ حَرْفِ الْعَطْفِ بَيْنَ شَيْئَيْنِ» اس لیے کیونکہ حرفِ عطف کا بیچ میں آنا دو چیزوں کے «لَا يَلْزَمُ أَنْ يَكُونَ لِعَطْفِ الثَّانِي عَلَى الْأَوَّلِ» اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ یہ ثانی کا عطف کرنے کے لیے ہے «عَلَى الْأَوَّلِ» پہلے پر، دو چیزوں کے درمیان حرفِ عطف آجائے تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ یہ حرفِ عطف کس لیے لایا گیا ہے؟ کہ ثانی کا عطف ہو رہا ہے اول پر، ایسا لازمی نہیں ہے۔

«فَلَوْ لَمْ يَكُنْ قَوْلُهُ مَقْصُودٌ بِالنِّسْبَةِ مَعَ مَتْبُوعِهِ» اب فائدہ بتلانے لگے ہیں، اعتراض کیا ہوا تھا؟ کہ صاحبِ کافیہ نے اتنی لمبی تعریف کی، صرف اتنا کہہ دیتے عطف وہ ہے کہ تابع اور متبوع کے درمیان کیا آنا چاہیے؟ حرفِ عطف۔ صرف اتنی تعریف کر دیتے اور «تَابِعٌ مَقْصُودٌ بِالنِّسْبَةِ مَعَ مَتْبُوعِهِ» یہ کہنے کی ضرورت نہیں، کہتے ہیں نہیں اب اس قید کا فائدہ آپ کو سمجھ میں آئے گا، جب ہم نے قید لگا دی ایسا تابع کہ وہ متبوع کے ساتھ کیا ہونا چاہیے؟ مقصود بالنسبت ہونا چاہیے، تو اب یہ صفت خارج ہو گئی، کیونکہ صفت، صفت وہ مقصود بالنسبت نہیں ہوتی، وہ بطورِ فرع کے ذکر ہوتی ہے موصوف کے لیے، صرف موصوف کی وضاحت یا تخصیص کرتی ہے، صفت کوئی مستقلاً ذکر نہیں، توجہ سبق کی طرف، توجہ ہے؟

پھر سنو، صاحبِ کافیہ نے معطوف کی تعریف کی کہ معطوف ایسا تابع ہے جو مقصود بالنسبت ہوتا ہے «مَعَ مَتْبُوعِهِ» ساتھ اس کے متبوع کے، اور پھر آگے فرمایا کہ معطوف بحرف کے اندر تابع اور متبوع کے درمیان حرفِ عطف کا بھی آنا ضروری ہے، تو اعتراض ہوا کہ بھئی صرف اتنا کہہ دیتے کہ تابع اور متبوع میں حرفِ عطف کا آنا لازمی ہے، تو باقی سارے توابع نکل جاتے کیونکہ ان میں تو تابع اور متبوع کے درمیان حرفِ عطف نہیں آتا، تو صاحبِ جامی بتلا رہے ہیں کہ نہیں کبھی کبھی صفت اور موصوف کے درمیان بھی حرفِ عطف آجاتا ہے، اور پھر اس کی مثال ذکر کی «جَاءَنِي زَيْدٌ الْعَالِمُ وَالشَّاعِرُ وَالدِّبِيرُ»، تو یہ «وَالشَّاعِرُ» اور «وَالدِّبِيرُ» یہ دونوں زید کی صفت ہیں «اَلْعَالِمُ» کے واسطے سے کیونکہ ان کا عطف «اَلْعَالِمُ» پر ہے اور «اَلْعَالِمُ» زید کی صفت ہے، اور معطوف کا وہی حکم ہوتا ہے جو کس کا ہو؟ معطوفٌ علیہ کا، تو یہ بھی زید کی صفت ہوئیں، جب یہ زید کی صفت ہوئیں تو ان کو صفت کہیں گے کیونکہ یہ ایسے معنیٰ پر دلالت کر رہی ہیں جو کس میں

پایا جا رہا ہے؟ زید میں، «اَلشَّاعِرُ» بھی کون ہے؟ زید، «اَلدِّبِیرُ» بھی کون ہے؟ زید، تو یہ ایسے معنیٰ پر دلالت کر رہی ہیں یہ «اَلشَّاعِرُ» اور «اَلدِّبِیرُ» جو زید میں پایا جا رہا ہے، تو اس اعتبار سے یہ معطوف نہیں کہلائیں گی، یہ صفت کہلائیں گی، لیکن دیکھ لو موصوف اور صفت میں حرفِ واو آرہا ہے، معلوم ہوا حرفِ واو موصوف صفت کے اندر آسکتا ہے۔ حرفِ عطف دو چیزوں کے درمیان حرفِ عطف آئے تو اس کا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ ثانی کا اول پر عطف ہے، ورنہ تو پھر یہاں بھی کہنا پڑے گا کہ یہ «اَلشَّاعِرُ» کا عطف ہے زید پر، «اَلدِّبِیرُ» کا عطف ہے زید پر، لیکن نہیں حرفِ عطف دو چیزوں کے بیچ میں آئے تو اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ ثانی کا اول پر عطف ہے۔ تو اگر صاحبِ کافیہ صرف یہ تعریف کرتے کہ عطف وہ تابع ہے کہ اس کے اور متبوع کے درمیان حرفِ عطف آنا چاہیے، تو یہ «وَالشَّاعِرُ» اور «وَالدِّبِیرُ» جو زید کی صفتیں ہیں ان کو بھی صفت ہونے کے اعتبار سے معطوف بھی کہنا پڑتا، صفت ہونے کے ساتھ ساتھ ان کو معطوف بھی کہنا پڑتا یعنی اسی جہت سے کہ یہ زید کے تابع ہیں، تو زید ہوا متبوع اور «اَلشَّاعِرُ» کیا ہے؟ تابع، دیکھو یہ تابع بھی ہے اور درمیان میں حرفِ عطف بھی ہے، آپ نے بھی کیا تعریف، اگر آپ یہ تعریف کرتے عطف ایسا تابع ہے کہ اس کے اور متبوع کے درمیان کیا آئے؟ حرفِ عطف آئے، تو زید موصوف اور «وَالشَّاعِرُ» یہ شاعر کیا اس کی؟ صفت، تو یہ «اَلشَّاعِرُ» تابع اور زید کیا ہے؟ متبوع، اور متبوع اور تابع میں کیا آرہا ہے؟ واو آرہا ہے، تو یہ زید کی صفت ہے لیکن اس اعتبار سے بھی اس کو معطوف کہنا پڑتا، حالانکہ یہ اس اعتبار سے معطوف نہیں ہے کہ جو زید اس کا متبوع ہے، یہ زید کے تابع ہے، بلکہ یہ معطوف کس اعتبار سے ہے؟ «اَلْعَالِمُ» کے اعتبار سے یہ معطوف ہے، «اَلْعَالِمُ» ہے معطوفٌ علیہ اور «اَلشَّاعِرُ» کیا ہے اس پر؟ معطوف۔ توجہ ہے؟ تو گویا «اَلشَّاعِرُ» کے دو متبوع ہو گئے، ایک متبوع کون؟ زید، اور ایک متبوع کون؟ «اَلْعَالِمُ»۔ تو «اَلشَّاعِرُ» زید کے بھی تابع اور «اَلشَّاعِرُ» «اَلْعَالِمُ» کے بھی تابع، لیکن «اَلْعَالِمُ» کے تابع ہونے کے اعتبار سے اس کو معطوف کہیں گے، زید کے تابع ہونے کے اعتبار سے اس کو معطوف نہیں کہیں گے بلکہ صفت کہیں گے، لیکن اگر وہ صرف یہ تعریف کر دیتے کہ تابع وہ ہے کہ اس کے اور متبوع کے درمیان حرفِ عطف آئے، تو پھر «اَلشَّاعِرُ» کو زید کے تابع ہونے کے اعتبار سے بھی اس کو معطوف کہنا پڑتا، حالانکہ یہ معطوف نہیں، کیونکہ ان میں اگرچہ حرفِ واو آیا ہے لیکن دو چیزوں کے درمیان حرفِ عطف آنے کا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ ثانی اول پر معطوف ہے، جیسے یہاں «اَلشَّاعِرُ» اور زید میں حرفِ عطف آیا لیکن اس کے آنے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ «اَلشَّاعِرُ» معطوف ہے زید پر۔ تو اسی لیے کہتے ہیں وہ جو قید لگائی تھی «تَابِعٌ مَقْصُودٌ بِالنِّسْبَةِ مَعَ مَتْبُوعِهِ» تو جب یہ قید لگا دی تو اب یہ خارج ہو گیا تعریف سے، اب یہ کیا ہوا؟ خارج ہو گیا، کیوں؟ کیونکہ صفت، صفت وہ مقصود بالنسبت نہیں ہوتی، وہ صرف موصوف کی وضاحت کرتی ہے، وہ الگ مستقلاً مقصود نہیں، تو جب کہا وہ جو شروع کا حصہ تھا «اَلْعَطْفُ تَابِعٌ مَقْصُودٌ بِالنِّسْبَةِ» کہ وہ نسبت کے ذریعے مقصود ہوتا ہے، تو اس کے ذریعے یہ جو صفت تھی جو عطف کی تعریف میں داخل ہو رہی تھی یہ نکل گئی، بات سمجھ میں آگئی؟ تو معلوم ہوا اگر صرف «یَتَوَسَّطُ» کے ساتھ تعریف کرتے تو یہ تعریف مانع نہ رہتی، یہ «وَالشَّاعِرُ» اور «وَالدِّبِیرُ» بھی اس میں داخل ہو جاتے پہلی جہت کے اعتبار سے، حالانکہ پہلی

جہت کے اعتبار سے تو یہ صفت ہیں یہ معطوف نہیں ہیں، تو وہ جو پیچھے قید آئی تھی اس قید کی وجہ سے یہ نکل گئے، اس لیے اس کو ذکر کرنا ضروری ہے، «تَابِعٌ مَقْصُودٌ بِالنِّسْبَةِ مَعَ مَتْبُوعِهِ» اس کا ذکر کرنا ضروری تھا، اسی لیے صاحبِ کافیہ نے وہ مشکل تعریف ذکر کی، بات سمجھ میں آگئی؟

تو کہتے ہیں: «فَلَوْ لَمْ يَكُنْ قَوْلُهُ مَقْصُودٌ بِالنِّسْبَةِ مَعَ مَتْبُوعِهِ» تو کہتے ہیں ماتن کا یہ جو قول آیا تھا شروع میں «مَقْصُودٌ بِالنِّسْبَةِ مَعَ مَتْبُوعِهِ» اگر یہ نہ ہوتا، «لَدَخَلَ هٰذِهِ الصِّفَةُ مِنْ جِهَتِهَا الْأُولٰى» تو یہ والی صفت اپنی پہلی جہت کے اعتبار سے داخل ہو جاتی «فِي حَدِّ الْمَعْطُوفِ» کس کے اندر؟ معطوف کی حد میں، «وَهِيَ مِنْ هٰذِهِ الْجِهَةِ لَيْسَتْ مَعْطُوفَةً» حالانکہ یہ تو یہ صفت جو ہے اس جہت سے یہ تو معطوف نہیں ہے، یہ تو صفت ہے، «فَلَمْ يَبْقَ مَانِعًا» تو تعریف مانع ہو کر باقی نہ رہتی یعنی تعریف مانع نہ رہتی۔

معلوم ہوا آج آپ کو ایک نئی قیمتی بات پتہ چل گئی کہ کبھی کبھار موصوف صفت میں بھی حرفِ عطف آجاتا ہے، لیکن حرفِ عطف آنے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اس صفت کا عطف ہو رہا ہے موصوف پر۔ اب سوال پیدا ہوتا ہے، اے صاحبِ جامی آپ نے ہمیں بتایا موصوف صفت میں بھی کبھی حرفِ عطف آجاتا ہے، حرفِ عطف، حرفِ عطف آجاتا ہے، کیا عربی زبان کے قابلِ اعتماد علماء میں سے بھی کسی نے ایسی بات ذکر کی ہے؟ یا آپ ایک نئی بات کر رہے ہیں؟ توجہ ہے؟ تو چنانچہ اب آگے صاحبِ جامی علامہ زمخشری کا قول ذکر کریں گے، علامہ زمخشری جنہوں نے قرآن کی عظیم تفسیر کشاف لکھی بھئی، جو قرآن کی فصاحت و بلاغت کو بیان کرتی ہے کشاف تفسیر بھئی، اور اتنی عظیم تفسیر لکھی کہ قیامت تک آنے والے تمام مفسرین اس کے محتاج ہیں بھئی، اور علماء فرماتے ہیں کہ ہو سکتا ہے قیامت کے دن علامہ زمخشری اپنی یہ تفسیر اٹھائے ہوئے اللہ کے دربارِ جلال و جمال میں حاضر ہوں اور کہیں: اے اللہ میں نے آپ کے قرآن کی خدمت کی اور ایسی عظیم تفسیر لکھی، اس تفسیر کے واسطے سے میری مغفرت فرما دیجیے۔ البتہ یاد رکھنا، علامہ زمخشری بھئی یہ معتزلی تھے، معتزلہ ایک گمراہ فرقہ گزرا ہے بھئی، معتزلہ کیا ہے؟ گمراہ فرقہ ہے جو، جو فلسفے کے بہت بڑے ماہر تھے، منطق اور فلسفے کے بہت بڑے ماہر تھے، حتیٰ کہ فلسفے کے اصولوں کو انہوں نے اصل ٹھہرا لیا اور قرآن اور حدیث میں اگر کوئی بات فلسفی اصولوں کے خلاف آتی تو وہ اس میں تاویل کرتے، فلسفے میں تاویل نہ کرتے بلکہ کس میں تاویل کرتے؟ قرآن اور حدیث میں۔ تو بہرحال یہ علامہ زمخشری عربی زبان میں نہایت قابلِ اعتماد ہیں، حتیٰ کہ میں نے بتایا ان کی تفسیر ایسی ہے کہ قیامت تک آنے والے تمام مفسرین اس تفسیر کے محتاج ہیں، اس کے اندر وہ ذکر کرتے ہیں قرآن کی فصاحت و بلاغت کو بھئی۔ تو کہتے ہیں انہوں نے بھی ذکر کیا ہے علامہ زمخشری نے بھی، جن پر تمام علماء کا اعتماد ہے اور ان کی باتوں کو سند کے طور پر ذکر کیا جاتا ہے کہ انہوں نے اس مسئلے میں یوں فرمایا ہے، تو یہ علامہ زمخشری نے بھی لکھا ہے کہ کبھی کبھار موصوف صفت کے درمیان حرفِ عطف لے آتے ہیں، اتصال کو پکا کرنے کے لیے، کس لیے؟ تاکیدِ لصوق کو، لصوق: ل، ص، و اور ق

دو نقطوں والا، لصوق، لصوق کا معنیٰ اتصال، جوڑ۔ دیکھو موصوف صفت میں اتصال ہوتا ہے، موصوف صفت میں کیا ہوتا ہے؟ اتصال اور جوڑ ہوتا ہے، تو علامہ زمخشری فرماتے ہیں کبھی موصوف صفت میں بھی حرفِ عطف لے آتے ہیں، تاکہ وہ جو دونوں کے درمیان اتصال ہے اس کو پکا کر دے۔

وہ بھی کس چیز کا فائدہ دیتا ہے؟ جمع کا۔ «جَاءَنِي زَيْدٌ وَعَمْرٌو» معلوم ہوا زید کے ساتھ ساتھ عمرو بھی آیا ہے۔ تو جیسے واو جمع کا فائدہ دیتا ہے، تو اسی واو کو موصوف صفت کے درمیان لے آتے ہیں، تو ان کے درمیان جو جوڑ ہے اتصال ہے، اس میں یہ واو تاکید پیدا کر دیتا ہے، اس کو پکا کر دیتا ہے۔

بات سمجھ میں آگئی۔ دیکھیے بھئی، کہتے ہیں: «وَقِيلَ» اور کہا گیا ہے، «قَدْ جَوَّزَ الزَّمَخْشَرِيُّ وُقُوعَ الْوَاوِ بَيْنَ الْمَوْصُوفِ وَالصِّفَةِ» کہ تحقیق جائز قرار دیا ہے علامہ زمخشری نے واو کے واقع ہونے کو موصوف اور صفت کے درمیان، «لِتَأْكِيدِ اللُّصُوقِ»، لصوق کا کیا معنیٰ؟ اتصال، «لِتَأْكِيدِ اللُّصُوقِ» اس اتصال کو اس جوڑ کو پکا کرنے کے لیے، «فِي مَوَاضِعَ عَدِيدَةٍ مِنَ الْكَشَّافِ» کئی جگہوں میں کشاف کے اندر۔ علامہ زمخشری نے اپنی تفسیرِ کشاف میں کئی جگہوں پر یہ ذکر کیا ہے کہ موصوف صفت کے درمیان کبھی کبھار واو آجاتا ہے، «لِتَأْكِيدِ اللُّصُوقِ» کس لیے؟ اتصال کی تاکید کے لیے۔

نیز آگے فرما رہے ہیں صاحبِ جامی، کہتے ہیں: «وَحَكَمَ الْمُصَنِّفُ»، اب صاحبِ کافیہ کی بھی بات ذکر کریں گے۔ «وَحَكَمَ الْمُصَنِّفُ رَحِمَهُ اللهُ فِي شَرْحِ الْمُفَصَّلِ» اور حکم لگایا ہے مصنف نے، «فِي شَرْحِ الْمُفَصَّلِ» انہوں نے جو مفصل کی شرح لکھی ہے، یاد رکھیے یہ مفصل یہ بھی علامہ زمخشری کی کتاب ہے۔ مفصل بھی کیا ہے؟ علامہ زمخشری کی کتاب ہے اور یہ نحو کے اندر ہے۔ اور اس کے اندر وہ، اس کو مفصل اس لیے کہتے ہیں، مفصل کا معنیٰ ہے فصل فصل کی ہوئی۔ اس کے اندر وہ فصلیں بہت زیادہ ذکر کرتے ہیں۔ ہر چند سطروں کے بعد نئی فصل، ہر چند سطروں کے بعد نئی فصل۔ سمجھ میں آیا؟ تو بعض اوقات ذرا لمبی فصل ہوگی اور بعض اوقات بڑی چھوٹی فصلیں، حتیٰ کہ، حتیٰ کہ بعض اوقات جو ہے فصل ایک ایک سطر کی فصل ہوتی ہے۔ حتیٰ کہ بعض اوقات ایک ایک سطر کی فصل ہوتی ہے، تو یہ مفصل ان کی کتاب ہے جو علمِ نحو کے اندر ہے بھئی۔ کس کے اندر ہے؟ علمِ نحو کے اندر۔ اور صاحبِ کافیہ نے اسی سے کافیہ کو اخذ کیا۔ جو صاحبِ کافیہ نے کافیہ لکھی ہے یہ کہاں سے اخذ کر کے لکھی ہے؟ اسی مفصل سے، لیکن صاحبِ کافیہ کو یہ فصل فصل کا طریقہ اتنا ناپسند آیا کہ انہوں نے پوری کافیہ میں ایک بھی فصل ذکر نہیں کی بھئی۔ تو وہ اور لفظوں کے ذریعے اشارہ کر دیتے ہیں کہ نئی بحث شروع ہو رہی ہے، لیکن فصل کا لفظ نہیں لاتے بھئی۔ تو یہ شرحِ جامی کا جو متن ہے کافیہ، یہ اسی مفصل سے ماخوذ ہے۔ اور اسی مفصل کی ایک شرح بھی لکھی ہے صاحبِ کافیہ نے، اس کا نام ہے ایضاح بھئی۔ أَوْضَحَ يُوضِحُ إِيضَاحًا تو ایضاح کا، شرح لکھی ہے، اس کے اندر بھی صاحبِ کافیہ اسی قسم کی بات ذکر کرتے ہیں، سنیے دیکھیے بھئی۔

«وَحَكَمَ الْمُصَنِّفُ رَحِمَهُ اللهُ فِي شَرْحِ الْمُفَصَّلِ» اور حکم لگایا ہے مصنف یعنی صاحبِ کافیہ نے شرحِ مفصل یعنی ایضاح کے اندر، «فِي مَبَاحِثِ الِاسْتِثْنَاءِ» استثناء کے مباحث میں، وہاں پر انہوں نے یہ حکم لگایا ہے کہ «أَنَّ قَوْلَهُ تَعَالٰى»، بھئی دیکھیے ذرا عبارت دیکھ لیجیے، «أَنَّ قَوْلَهُ تَعَالٰى وَلَهَا مُنْذِرُونَ فِي» اس قول میں اللہ کے: «وَمَا أَهْلَكْنَا مِنْ قَرْيَةٍ إِلَّا وَلَهَا مُنْذِرُونَ»۔ «وَمَا أَهْلَكْنَا مِنْ قَرْيَةٍ» اور نہیں ہلاک کیا ہم نے کسی بستی کو «إِلَّا وَلَهَا مُنْذِرُونَ»۔ «إِلَّا» دیکھو حرفِ استثناء آ گیا یہاں پر، تو صاحبِ کافیہ نے بھی اس کو کہاں ذکر کیا ہے؟ استثناء کی بحث کے اندر بھئی۔ تو دیکھو «وَمَا أَهْلَكْنَا مِنْ قَرْيَةٍ» اور ہم نے ہلاک نہیں کیا کسی بستی کو «إِلَّا وَلَهَا مُنْذِرُونَ» مگر یہ کہ ان کے لیے خبردار کرنے والے تھے۔

مُنْذِر ڈرانے والا، خبردار کرنے والا، اللہ فرما رہے ہیں ہم نے کسی بستی کو ہلاک نہیں کیا، لیکن پہلے ہم نے خبردار کرنے والے بھیجے یعنی پیغمبر بھیجے جو ان کو خبردار کرتے تھے کہ تم غلط راستے پر ہو بھئی۔ یہ خبردار کرنے کے بعد بھی جب وہ کسی صورت وہ اصلاح پر آمادہ نہ ہوتے، تو پھر ہی اس کے بعد ہم ان کو ہلاک کرتے تھے۔ تو اللہ فرماتے ہیں «وَمَا أَهْلَكْنَا مِنْ قَرْيَةٍ إِلَّا وَلَهَا مُنْذِرُونَ» اور ہم نے ہلاک نہیں کیا کسی بستی کو مگر یہ کہ ان کے لیے ڈرانے والے تھے، ان کے لیے خبردار کرنے والے تھے۔

اب دیکھو، کہتے ہیں صاحبِ کافیہ نے اپنی جو شرح لکھی مفصل کی جس کا نام ایضاح ہے، انہوں نے وہاں استثناء کی بحث میں ذکر کیا ہے کہ یہ جو آیت ہے «وَمَا أَهْلَكْنَا مِنْ قَرْيَةٍ إِلَّا وَلَهَا مُنْذِرُونَ» اس کے اندر یہ جو «وَلَهَا مُنْذِرُونَ» آیا ہے، کیا آیا ہے؟ «وَلَهَا مُنْذِرُونَ» جو آیا ہے، یہ قَرْيَة کی صفت ہے۔ کیونکہ قَرْيَة ہے نکرہ، اور نکرہ کے بعد «لَهَا مُنْذِرُونَ» یہ مبتدا خبر ہیں، اور مبتدا خبر مل کر کیا؟ جملہ اسمیہ، اور جملہ اسمیہ کس کے حکم میں؟ نکرہ کے حکم میں، تو یہ نکرہ کی صفت بن جائے گا۔ توجہ ہے؟ تو دیکھو صاحبِ کافیہ فرما رہے ہیں کہ یہاں پر «وَلَهَا مُنْذِرُونَ» واو آ رہا ہے، اور پھر بھی صفت قرار دے رہے ہیں، معلوم ہوا موصوف صفت کے درمیان واو آ سکتا ہے۔

بات سمجھ میں آ گئی۔ لیکن، لیکن یاد رکھیے، قرآن میں «وَلَهَا مُنْذِرُونَ» یہاں واو نہیں ہے۔ قرآن میں یہاں واو نہیں ہے۔ آیت اس طرح ہے: «وَمَا أَهْلَكْنَا مِنْ قَرْيَةٍ إِلَّا لَهَا مُنْذِرُونَ»، یہاں واو نہیں ہے۔ توجہ ہے؟ تو محشی حضرات بھی یہی لکھتے ہیں کہ قرآن کے اندر یہاں واو نہیں ہے۔ اور کہتے ہیں یہ دراصل کسی سے لکھتے ہوئے کہیں ایک غلطی ہوئی۔ پہلے کتابیں ہاتھ سے لکھی جاتی تھیں، تو ایضاح جو شرح تھی کس کی؟ مفصل کی اور کس نے لکھی تھی؟ صاحبِ کافیہ نے، اس کے اندر کسی نے نقل کیا اور صاحبِ کافیہ نے یہاں اور آیت ذکر کی تھی، کسی لکھنے والے نے بے خیالی میں بدل دیا۔ کیونکہ دونوں آیتیں بالکل ایک جیسی ہیں۔ کہتے ہیں صاحبِ کافیہ نے یہاں یہ آیت ذکر کی ہے: دیکھو «وَمَا أَهْلَكْنَا مِنْ قَرْيَةٍ إِلَّا وَلَهَا كِتَابٌ مَعْلُومٌ»۔ قرآن میں دوسری جگہ بالکل بعینہ انہی الفاظ کے ساتھ آیت ہے: «وَمَا أَهْلَكْنَا مِنْ قَرْيَةٍ» اور ہم نے کسی

بستی کو ہلاک نہیں کیا «إِلَّا وَلَهَا كِتَابٌ مَعْلُومٌ»۔ یہاں تو ہے مُنْذِرُونَ اور وہاں کیا ہے؟ كِتَابٌ مَعْلُومٌ، تو دونوں آیتیں چونکہ بالکل ایک جیسی تھیں، لہٰذا کوئی طالبِ علم یا کوئی شخص جو نقل کر رہا تھا کتاب کو اس نے بے خیالی میں ایک آیت کی جگہ دوسری آیت لکھ دی۔ تو البتہ «وَلَهَا كِتَابٌ مَعْلُومٌ» وہاں پر واو موجود ہے اور صاحبِ کافیہ نے یہ فرمایا ہے کہ «لَهَا كِتَابٌ مَعْلُومٌ» یہ صفت ہے قَرْيَة کی، اور درمیان میں کیا آیا ہے؟ واو آیا ہے۔ بات سمجھ میں آگئی، معلوم ہوا موصوف صفت کے درمیان واو آسکتا ہے۔

دیکھیے بھئی ترجمہ دوبارہ: «وَحَكَمَ الْمُصَنِّفُ رَحِمَهُ اللهُ فِي شَرْحِ الْمُفَصَّلِ فِي مَبَاحِثِ الِاسْتِثْنَاءِ» اور حکم لگایا ہے مصنف یعنی صاحبِ کافیہ نے شرحِ مفصل کے اندر استثناء کے مباحث میں، «أَنَّ قَوْلَهُ تَعَالَى» کہ اللہ تعالیٰ کا قول جو ہے «وَلَهَا مُنْذِرُونَ»، «وَلَهَا مُنْذِرُونَ فِي قَوْلِهِ» اللہ کے اس قول میں جو آرہا ہے «وَمَا أَهْلَكْنَا مِنْ قَرْيَةٍ إِلَّا وَلَهَا مُنْذِرُونَ»، «صِفَةٌ لِقَرْيَةٍ» یہ صفت ہے کس کی؟ قَرْيَة کی۔ توجہ ہے؟ میں نے بتایا «وَلَهَا مُنْذِرُونَ» نہیں اس کی جگہ کیا ہونا چاہیے؟ «وَلَهَا كِتَابٌ مَعْلُومٌ»۔ «وَلَهَا كِتَابٌ مَعْلُومٌ» کا کیا معنیٰ؟ «وَمَا أَهْلَكْنَا مِنْ قَرْيَةٍ» اور ہم نے ہلاک نہیں کیا کسی بستی کو «إِلَّا وَلَهَا كِتَابٌ مَعْلُومٌ» مگر یہ کہ ان کا ایک مقررہ وقت تھا۔ یاد رکھو کتاب کا ایک معنیٰ مقررہ وقت کے بھی آتے ہیں۔ کتاب کا ایک معنیٰ مقررہ وقت کے بھی آتے ہیں، «وَمَا أَهْلَكْنَا مِنْ قَرْيَةٍ» اور ہم نے کسی بستی کو ہلاک نہیں کیا «إِلَّا وَلَهَا كِتَابٌ مَعْلُومٌ» مگر یہ کہ ان کا ایک وقتِ مقررہ تھا۔ ہر ایک کی موت کا ایک وقت مقرر ہے بھئی، جو نہ آگے ہو سکتا ہے اور نہ پیچھے، تو وہی اللہ ذکر فرما رہے ہیں بھئی۔

آگے دیکھیے، کہتے ہیں: «فَلَوِ اكْتَفَى بِقَوْلِهِ»، «فَلَوِ اكْتَفَى بِقَوْلِهِ تَابِعٌ يَتَوَسَّطُ»۔ بات وہی چل رہی ہے۔ کہ مصنف نے کیا تعریف کی؟ «اَلْعَطْفُ تَابِعٌ مَقْصُودٌ بِالنِّسْبَةِ مَعَ مَتْبُوعِهِ»۔ یہ کہنے کے بجائے صرف یہ کہہ دیتے صاحبِ کافیہ «يَتَوَسَّطُ بَيْنَهُ وَبَيْنَ مَتْبُوعِهِ أَحَدُ الْحُرُوفِ» صرف یہ تعریف کر دیتے، تو کہتے ہیں اگر صرف یہ تعریف کر دیتے تو یہ «وَلَهَا كِتَابٌ مَعْلُومٌ» یہ کس میں داخل ہو جاتا؟ معطوف میں حالانکہ یہ تو معطوف نہیں ہے یہ تو صفت ہے۔ یہی بیان کر رہے ہیں، کہتے ہیں: «فَلَوِ اكْتَفَى بِقَوْلِهِ» اگر صاحبِ کافیہ اکتفا کر لیتے اپنے اس قول پر «تَابِعٌ يَتَوَسَّطُ» توجہ ہے؟ «تَابِعٌ يَتَوَسَّطُ بَيْنَهُ وَبَيْنَ مَتْبُوعِهِ أَحَدُ الْحُرُوفِ الْعَشَرَةِ» باقی لفظوں کو ذکر نہیں کیا بس اشارہ کر دیا۔ یہ دوسرا حصہ اگر تعریف کا ذکر کر دیتے، کہتے ہیں «فَلَوِ اكْتَفَى بِقَوْلِهِ تَابِعٌ يَتَوَسَّطُ» اگر صاحبِ کافیہ اپنے قول «تَابِعٌ يَتَوَسَّطُ» پر اکتفا کر لیتے، «لَدَخَلَ فِيهِ مِثْلُ هٰذِهِ الصِّفَةِ» تو البتہ داخل ہو جاتے اس تعریف کے اندر اس جیسی صفات۔ اس تعریف میں اس جیسی صفت بھی داخل ہو جاتی۔

اور نیز اور آگے فرما رہے ہیں صاحبِ جامی، کہتے ہیں: «وَنُقِلَ عَنِ الْمُصَنِّفِ أَنَّهُ قَالَ فِي أَمَالِي الْكَافِيَةِ»۔ امالی بھئی، امالی یاد رکھو یہ املاء سے ہے املاء سے۔ املاء، املاء اس کو کہتے ہیں کہ کوئی شخص کوئی مضمون بول رہا ہے اور دوسرا لکھ رہا ہو، اس کو کہتے ہیں املاء کروانا۔ ایک شخص ایک مضمون زبان سے بولتا جا رہا ہے اور دوسرا اس کو لکھتا جا رہا ہے، اس کو

کیا کہتے ہیں؟ املاء، تو دیکھو صاحبِ کافیہ درس دیتے تھے، کافیہ کی شرح کرتے تھے اور طلباء اس کو لکھتے تھے بھئی۔ تو صاحبِ کافیہ باقاعدہ درس بول کر کافیہ کی شرح لکھواتے تھے طلباء کو، تو اس کو کہتے ہیں امالی۔ کافیہ کی امالی یعنی وہ جو تقریر جو املاء کروائی صاحبِ کافیہ نے۔ تو کافیہ کی جو امالی ہے یعنی وہ شرح جو صاحبِ کافیہ زبان سے بولتے رہے اور طلباء لکھتے رہے، اس کے اندر بھی صاحبِ کافیہ نے ایسی بات ذکر کی ہے کہ موصوف صفت کے درمیان کیا آسکتا ہے؟ واو آسکتا ہے۔

کہتے ہیں: «وَنُقِلَ عَنِ الْمُصَنِّفِ أَنَّهُ قَالَ فِي أَمَالِي الْكَافِيَةِ» اور نقل کیا گیا ہے مصنف یعنی صاحبِ کافیہ سے کہ انہوں نے فرمایا امالیِ کافیہ کے اندر کہ «إِنَّ الْعَاقِلَ فِي مِثْلِ جَاءَنِي زَيْدٌ الْعَالِمُ وَالْعَاقِلُ»۔ دیکھو یہ مثال ذرا، اس پہ نظر رکھو کہ «جَاءَنِي زَيْدٌ الْعَالِمُ وَالْعَاقِلُ»۔ اب یہ «اَلْعَاقِلُ» اس کا عطف ہے «اَلْعَالِمُ» پر۔ توجہ ہے؟ اور «اَلْعَالِمُ» زید کی صفت تو «اَلْعَاقِلُ» بھی زید کی صفت۔ تو یہ تابع ہوئی زید کی، زید متبوع اور یہ تابع، اور یہ تابع ایسے معنیٰ پر دلالت کر رہا ہے جو کس کے اندر پایا جاتا ہے؟ وہ عاقل کون ہے؟ زید ہے، تو لہٰذا یہ صفت ہے۔ یہ کیا ہے؟ صفت اور موصوف صفت کے درمیان حرفِ عطف واو آرہا ہے۔ کیا آرہا ہے؟ واو آرہا ہے۔ صاحبِ کافیہ آگے فرماتے ہیں کہ بھئی یہ صورت معطوف جیسی ہے، یہ حقیقت میں معطوف نہیں۔ یہ صورت کس جیسی ہے؟ معطوف جیسی ہے، یہ حقیقت میں معطوف نہیں کیونکہ آپ اس واو کو گرا بھی سکتے ہیں بھئی۔ «جَاءَنِي زَيْدٌ الْعَالِمُ الْعَاقِلُ» کہہ سکتے ہیں یا نہیں کہہ سکتے؟ تو ایک چیز کی کتنی ہی صفتیں آپ لا سکتے ہیں بغیر واو کے، تو یہ واو بظاہر صورت معطوف جیسی ہے، لیکن حقیقت میں یہ معطوف، یہ «وَالْعَاقِلُ» معطوف نہیں ہے۔

تو کہتے ہیں مصنف نے اپنی کافیہ کی امالی میں فرمایا ہے کہ «إِنَّ الْعَاقِلَ فِي مِثْلِ جَاءَنِي زَيْدٌ الْعَالِمُ وَالْعَاقِلُ» یہ جو عاقل کا لفظ آیا ہے اس جیسی مثال میں «جَاءَنِي زَيْدٌ الْعَالِمُ وَالْعَاقِلُ»، یہ جو عاقل کا لفظ آیا ہے، «تَابِعٌ» یہ ایسا تابع ہے «يَتَوَسَّطُ بَيْنَهُ وَبَيْنَ مَتْبُوعِهِ أَحَدُ الْحُرُوفِ الْعَشَرَةِ» کہ اس کے اور اس کے متبوع کے درمیان حروفِ عشرہ میں سے کوئی ایک حرف موجود ہے، «وَلَيْسَ بِعَطْفٍ عَلَى التَّحْقِيقِ» اور یہ عطف نہیں ہے تحقیق پر، تحقیق کے مطابق یہ عطف نہیں ہے، «وَإِنَّمَا هُوَ بَاقٍ عَلَى مَا كَانَ عَلَيْهِ فِي الْوَصْفِيَّةِ» اور یہ تو باقی ہے اسی چیز پر جس پر یہ تھا وصفیت میں، یعنی یہ اسی وصفیت کے حال پر باقی ہے۔ «وَإِنَّمَا هُوَ بَاقٍ عَلَى مَا كَانَ عَلَيْهِ» اور یہ باقی ہے اسی حالت پر جس پر یہ تھا «فِي الْوَصْفِيَّةِ» کس میں؟ وصفیت میں یعنی جیسے یہ وصف تھا یہ اسی طرح واو کے آنے کے باوجود ابھی بھی وصف ہی ہے۔ تو کہتے ہیں «وَإِنَّمَا هُوَ بَاقٍ عَلَى مَا كَانَ عَلَيْهِ» اور یہ باقی ہے اسی حالت پر جس حالت پر یہ تھا «فِي الْوَصْفِيَّةِ» وصفیت میں، «وَإِنَّمَا حَسُنَ دُخُولُ الْعَاطِفِ»، بھئی جب یہ وصف ہے تو واو کیوں لائے؟ واو کے بغیر کیوں نہیں کہا؟ کہتے ہیں «وَإِنَّمَا حَسُنَ دُخُولُ الْعَاطِفِ» کہتے ہیں حرفِ عطف کا داخل کرنا اچھا ہوا، یہاں اس کا داخل کرنا اچھا ہے، «لِنَوْعٍ مِنَ الشَّبَهِ بِالْمَعْطُوفِ»، اس کو شَبَہ پڑھنا بھئی، شَبَہ کا کیا معنیٰ؟ مشابہت، «لِنَوْعٍ مِنَ الشَّبَهِ بِالْمَعْطُوفِ» اس لیے کیونکہ اس کی بھی ایک نوع کی، ایک قسم کی مشابہت ہے معطوف سے، اس صفت کی بھی کیا ہے؟ ایک قسم کی مشابہت ہے معطوف سے، «لِمَا بَيْنَهُمَا مِنَ التَّغَايُرِ» یعنی وہ جو ان کے درمیان ہے تغایر، یعنی جو وہ مغایرت ہے، جیسے دیکھو معطوف غیر ہوتا ہے معطوفٌ علیہ سے، «جَاءَنِي

زَيْدٌ وَعَمْرٌو» زیدٌ معطوفٌ علیہ اور عمرو کیا ہے؟ معطوف اور دونوں میں مغایرت ہے، زید کی ذات اور ہے، عمرو کی ذات اور ہے۔ تو جیسے معطوف اور معطوفٌ علیہ میں مغایرت ہوتی ہے، اسی طرح موصوف اور صفت میں بھی مغایرت ہوتی ہے، موصوف ہوتا ہے متبوع اور صفت ہوتی ہے تابع، موصوف ہوتا ہے اصل صفت ہوتی ہے اس کی فرع، موصوف جو ہے وہ ذات ہے اور صفت اس کی، صفت اس کا وصف ہے ایک معنیٰ جو اسی کے اندر پایا جا رہا ہے، تو دونوں میں کیا ہے؟ مغایرت ہے دونوں الگ الگ چیزیں ہیں، موصوف اور ہے صفت اور ہے، ہاں صفت صادق اسی پر آتی ہے

یعنی اسی کے اندر پائی جاتی ہے۔ تو جیسے معطوف اور معطوفٌ علیہ ایک دوسرے سے مغایر ہوتے ہیں، اسی طرح موصوف اور صفت بھی ایک دوسرے کے مغایر، تو موصوف صفت کی مناسبت آگئی معطوف اور معطوفٌ علیہ سے، اور معطوف اور معطوفٌ علیہ کے درمیان تو واو لاتے ہیں، تو اس لیے یہاں پر بھی واو لے آئے، اس لیے یہاں پر بھی واو لے آئے کیونکہ موصوف صفت کی مشابہت ہے کس سے؟ معطوف اور معطوفٌ علیہ سے، تو صرف اس مشابہت کی وجہ سے واو لائے ہیں، یہ حقیقت میں معطوف اور معطوفٌ علیہ نہیں ہیں۔

یہ معنیٰ ہے، کہتے ہیں: «وَإِنَّمَا حَسُنَ دُخُولُ الْعَاطِفِ» حرفِ عطف کا داخل کرنا اچھا ہے، «لِنَوْعٍ مِنَ الشَّبَهِ بِالْمَعْطُوفِ» کس لیے؟ کیونکہ معطوف کے ساتھ ایک قسم کی مشابہت ہے، «لِمَا بَيْنَهُمَا مِنَ التَّغَايُرِ» اس چیز کی وجہ سے جو ان دونوں کے درمیان ہے یعنی کہ تغایر بھئی یعنی وہ مغایرت جو ہے۔ «فَلَوْ حُذَّ الْعَطْفُ كَذٰلِكَ»، «فَلَوْ حُذَّ الْعَطْفُ كَذٰلِكَ» اگر عطف کی تعریف کی جاتی اسی طرح، «يَتَوَسَّطُ» کے ساتھ کی جاتی، تو اگر «فَلَوْ حُذَّ الْعَطْفُ كَذٰلِكَ» اگر عطف کی تعریف اسی طرح کی جاتی، «لَدَخَلَ فِيهِ بَعْضُ الصِّفَاتِ» تو اس کے اندر بعض صفات بھی داخل ہو جاتیں، «مَعَ أَنَّهُ لَيْسَ بِمَعْطُوفٍ» باوجود اس کے کہ وہ حقیقت میں معطوف نہیں ہیں۔ بات سمجھ میں آگئی۔

«وَقَالَ بَعْضُهُمْ» اب یہاں بعض اور نحویوں کا قول بھی ذکر کریں گے، بعض اور نحوی اعتراض کرتے ہیں کہ بھئی صفات کے درمیان واو آجائے، تو ان کو معطوف اور معطوفٌ علیہ نہ قرار دینا اور باقی جگہ حرفِ عطف آجائے تو ان کو معطوف اور معطوفٌ علیہ قرار دینا، یہ کہتے ہیں یہ ایک، اس کی ضرورت نہیں ہے، ان کو بھی کیا قرار دینا چاہیے؟ معطوف اور معطوفٌ علیہ قرار دینا چاہیے۔

کہتے ہیں: «وَقَالَ بَعْضُهُمْ» اور بعض نحوی حضرات فرماتے ہیں: «فِيهِ نَظَرٌ» اس قول میں نظر ہے، «لِأَنَّ الْحُرُوفَ الْمُتَوَسِّطَةَ بَيْنَهَا عَاطِفَةٌ»، عاطف حرفِ عطف کو کہتے ہیں، عاطف عطف کرنے والا۔ توجہ سے سنیے بھئی ترجمہ: «لِأَنَّ الْحُرُوفَ الْمُتَوَسِّطَةَ بَيْنَهَا» اس لیے کیونکہ وہ حروف جو ان صفات کے درمیان آئے ہیں، «عَاطِفَةٌ» وہ کون سے حروف ہیں؟ حروفِ عطف ہیں، «لِدَلَالَتِهَا فِيهَا عَلٰى مَا تَدُلُّ عَلَيْهِ فِي غَيْرِهَا» اس وجہ سے کہ یہ حروف دلالت کر رہے ہیں ان صفات کے بیچ میں بھی «عَلٰى مَا» اسی معنیٰ پر «تَدُلُّ عَلَيْهِ فِي غَيْرِهَا» جس معنیٰ پر وہ ان کے علاوہ میں دلالت کرتے ہیں۔ یہ جو صفتوں کے درمیان حرفِ عطف آئے ہیں، یہ صفتوں کے درمیان بھی اسی معنیٰ پر دلالت کر رہے ہیں جب وہ غیرِ

صفت کے بیچ میں آتے ہیں۔ «جَاءَنِي زَيْدٌ وَعَمْرٌو» زید اور عمرو یہ تو موصوف صفت نہیں ہیں، ان کے درمیان واو آیا، واو کس چیز کا فائدہ دے رہا ہے؟ جمع کا، معلوم ہوا دونوں آنے میں جمع ہیں، زید بھی آیا ہے اور عمرو بھی آیا ہے۔ تو صفتوں کے درمیان بھی جب واو آئے وہ کس چیز کا فائدہ دیتا ہے؟ جمع کا، کہ معطوف بھی صفت ہے اور معطوفٌ علیہ بھی صفت ہے، تو پھر ان کو عاطفہ قرار نہ دینا یہ صحیح نہیں۔

پھر دیکھیے ترجمہ، کہتے ہیں: «لِأَنَّ الْحُرُوفَ الْمُتَوَسِّطَةَ بَيْنَهَا عَاطِفَةٌ» اس لیے کیونکہ ان صفات کے درمیان جو حروف بیچ میں آئے ہیں وہ حروفِ عاطفہ ہیں، «لِدَلَالَتِهَا فِيهَا عَلٰى مَا تَدُلُّ عَلَيْهِ فِي غَيْرِهَا» اس لیے کیونکہ یہ حروفِ عاطفہ دلالت کرتے ہیں ان صفات کے اندر بھی «عَلٰى مَا» اسی معنیٰ پر «تَدُلُّ عَلَيْهِ فِي غَيْرِهَا» جس پر وہ غیر کے اندر دلالت کرتے ہیں۔ بھئی وہ کون سا معنیٰ ہے جس پر دلالت کرتے ہیں؟ «مِنَ» کے ساتھ بیان ہے: «مِنَ الْجَمْعِ وَالتَّرْتِيبِ وَغَيْرِ ذٰلِكَ» یعنی جمع ترتیب وغیرہ کا۔ جمع، واو جمع کا فائدہ دیتا ہے، فا ترتیب کا فائدہ دیتی ہے، ثم تراخی کا فائدہ دیتا ہے، تو یہ سارے معنیٰ کا فائدہ جب وہ صفات میں بھی دیتے ہیں اور غیروں میں بھی دیتے ہیں، تو صفات کے اندر صفات کو معطوف قرار نہ دینا اور غیر کو معطوف قرار دینا، یہ ایک امرِ بعید کا ارتکاب کیا جا رہا ہے، دونوں کا حکم ایک ہونا چاہیے۔

تو کہتے ہیں: «مِنَ الْجَمْعِ وَالتَّرْتِيبِ وَغَيْرِ ذٰلِكَ» یعنی کہ جمع ترتیب وغیرہ کے معنیٰ کا جو فائدہ دیتے ہیں، «فَفِي جَعْلِهَا غَيْرَ عَاطِفَةٍ فِي الصِّفَاتِ» پس ان حروفِ عاطفہ کو غیرِ عاطفہ قرار دینا صفات میں، «وَعَاطِفَةً فِي غَيْرِهَا» اور غیرِ صفات میں ان حروف کو عاطفہ قرار دینا، «اِرْتِكَابُ أَمْرٍ بَعِيدٍ» یہ ایک امرِ بعید کا ارتکاب ہے، ایک یہ دور کے امر کا کیا کیا جا رہا ہے؟ ارتکاب کیا جا رہا ہے، «مِنْ غَيْرِ ضَرُورَةٍ دَاعِيَةٍ إِلَيْهِ» بغیر کسی ایسی ضرورت کے، «دَاعِيَةٍ إِلَيْهِ» جو اس کی طرف دعوت دے رہی ہو، یعنی ایسی ضرورت جو اس کی طرف داعی ہو اس کی طرف لے جانے والی ہو، حالانکہ یہاں کوئی ایسی ضرورت نہیں۔ بھئی یہاں کوئی ضروری ہوتا کوئی ضرورت ہوتی اس کی وجہ سے تو آپ اس «جَاءَنِي زَيْدٌ الْعَالِمُ وَالْعَاقِلُ» آپ پھر اس واو کو عاطفہ قرار نہ دیتے۔ تو یہاں واو کو آپ عاطفہ قرار نہیں دے رہے اور دوسری جگہ واو کو عاطفہ قرار دیتے ہیں، تو یہ ایک امرِ بعید کا ارتکاب ہے بغیر کسی ایسی ضرورت کے جو اس کی طرف دعوت دے رہی ہو، بغیر کسی وجہ کے۔ بات سمجھ میں آ گئی، ایک جگہ واو کو عاطفہ بنانا اور دوسری جگہ عاطفہ نہ بنانا یہ ایک امرِ بعید کا ارتکاب ہے جس کی ضرورت نہیں، لہٰذا سب کو عاطفہ قرار دینا چاہیے۔

تو کہتے ہیں: «فَفِي جَعْلِهَا غَيْرَ عَاطِفَةٍ فِي الصِّفَاتِ» تو ان حروفِ عطف کو غیرِ عاطفہ قرار دینا صفات میں، «وَعَاطِفَةً فِي غَيْرِهَا» اور ان حروفِ عطف کو عاطفہ قرار دینا غیرِ صفات میں، «اِرْتِكَابُ أَمْرٍ بَعِيدٍ» یہ ایک دور کے امر کا ارتکاب ہے، یہ ایک امرِ بعید کا ارتکاب کیا جا رہا ہے، ظاہر تو یہی ہے اس کو ہر جگہ عطف کے لیے ہونا چاہیے، تو یہ ایک دور کے امر کا ارتکاب کیا جا رہا ہے، «مِنْ غَيْرِ ضَرُورَةٍ دَاعِيَةٍ إِلَيْهِ» بغیر کسی ایسی ضرورت کے جو اس کی طرف دعوت دینے والی ہو۔

بات سمجھ میں آگئی، تو بہرحال آج آپ نے ایک نئی بات پڑھی، صاحبِ کافیہ فرماتے ہیں کہ کبھی کبھار موصوف صفت کے درمیان بھی حرفِ عطف آجاتا ہے، اور علامہ زمخشری نے بتایا یہ واو تاکیدِ لصوق کا فائدہ دیتا ہے، یہ واو کس چیز کا فائدہ دیتا ہے؟ تاکیدِ لصوق یعنی تاکیدِ اتصال کا فائدہ دیتا ہے، موصوف صفت میں اتصال ہوتا ہے، صفت ایسے ہی معنیٰ پر دلالت کرتی ہے جو موصوف کے اندر پایا جا رہا ہے، تو دونوں میں اتصال ہے، تو یہ واو اس میں تاکید پیدا کر دیتا ہے۔ تو جیسے واو اور معانی کے لیے آتا ہے، عطف سے نکل جاتا ہے اور معانی کے لیے آتا ہے، کبھی واو حال کے لیے آتا ہے واوِ حالیہ کہتے ہیں اس کو، اور کبھی کبھار واو کس لیے آتا ہے؟ مصاحبت کے لیے آتا ہے، «جَاءَنِي زَيْدٌ وَعَمْرًا»، «جَاءَنِي زَيْدٌ وَعَمْرًا» یہ عَمْرًا کیا ہے؟ مفعول معہ ہے یہاں یہ واو بمعنیٰ مَعَ کے ہے یہ مصاحبت کے لیے ہے، تو بعض اوقات واو عطف سے نکل کر اور معانی بھی ادا کرتا ہے، کبھی واو حالیہ بن جاتا ہے، کبھی واو ابتدائیہ بن جاتا ہے کلام کے بالکل شروع میں آجاتا ہے، وہاں معطوفٌ علیہ ہوتا ہی نہیں ہے، تو اس کو واوِ ابتدائیہ کہتے ہیں، کبھی واو مصاحبت کے لیے آتا ہے جیسے مفعول معہ میں ہے، اور کبھی کبھار واو حالیہ آتا ہے جو حال کے اوپر داخل ہوتا ہے۔ تو جیسے واو عطف سے نکل کر اور معانی کے لیے آ جاتا ہے، اسی طرح واو کا تاکیدِ لصوق کے لیے آنا یہ کوئی امرِ بعید نہیں ہے۔

بات سمجھ میں آگئی، تو یہاں پر صفات کے اندر جو واو آئے وہ تاکیدِ لصوق کے لیے ہو سکتا ہے۔ اور نیز «جَاءَنِي زَيْدٌ الْعَالِمُ وَالْعَاقِلُ» آپ اس واو کو حذف بھی کر سکتے ہیں، «جَاءَنِي زَيْدٌ الْعَالِمُ الْعَاقِلُ»، «جَاءَنِي زَيْدٌ الْعَالِمُ الْعَاقِلُ» واو کو آپ حذف بھی کر سکتے ہیں، حالانکہ معطوف کے اندر تو آپ واو کو حذف نہیں کر سکتے، «جَاءَنِي زَيْدٌ وَعَمْرٌو» آپ یہاں واو کو حذف نہیں کر سکتے۔ نیز ایک اور بات یاد رکھنا، یہ جو صفات کے اندر آتا ہے حروفِ عطف میں سے، صفات کے اندر صرف واو آئے گا اور کوئی حرفِ عطف نہیں آئے گا، فا، ثم، حتیٰ وغیرہ نہیں۔ توجہ ہے؟ تو یہ صفات کے اندر بھی واو آتا ہے، لیکن وہ صرف واو آئے گا، باقی فا، ثم وغیرہ یہاں نہیں آسکتے، تو یہ واو تاکیدِ لصوق کے لیے ہوگا۔ بات سمجھ میں آگئی۔

حاصلِ کلام، حاصلِ کلام یہ کہ آج صاحبِ جامی نے آپ کو بتلایا کہ «وَيَتَوَسَّطُ بَيْنَهُ وَبَيْنَ حُرُوفِهِ أَحَدُ الْحُرُوفِ الْعَشَرَةِ» یہ جو ہے اس کے تعریف کے جامع مانع ہونے سے کوئی تعلق نہیں ہے، یہ زیادہ وضاحت کے لیے ذکر کر دیا اور یہ شرط ہے معطوف بحرف کی، کہ وہاں حرفِ عطف کا ہونا ضروری ہے۔ اور پھر بتلایا کہ صرف اسی کے ساتھ تعریف نہیں کی «وَيَتَوَسَّطُ بَيْنَهُ» ماقبل میں اور بھی تعریف کو حصہ ملایا، وجہ یہ، وجہ یہ کیونکہ بعض اوقات موصوف صفت کے درمیان بھی حرفِ عطف آجاتا ہے۔ چنانچہ دو چیزوں کے درمیان حرفِ عطف آنے کا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ ثانی کا اول پر عطف ہو رہا ہے، بلکہ بعض اوقات یہ واو اور معانی کے لیے بھی آتا ہے، جیسے واوِ حالیہ ہے بھئی، واوِ حالیہ دو جملوں کے بیچ میں آتا ہے دوسرا جملہ حال ہوتا ہے، وہ واو عطف کے لیے نہیں ہوتا بھئی، تو دو چیزوں کے درمیان واو کا آنا یہ اس بات کی

علامت نہیں ہے کہ ثانی کا اول پر عطف کیا جا رہا ہے۔ چنانچہ علامہ زمخشری بھی فرماتے ہیں کشاف کے اندر کئی جگہ پر کہ یہ واو موصوف صفت کے درمیان، انہوں نے ذکر کیا ہے کہ واو موصوف صفت کے درمیان آجاتا ہے تاکیدِ لصوق کے لیے، یعنی اس اتصال میں تاکید پیدا کرنے کے لیے، اور صاحبِ کافیہ نے اس بات کو ذکر کیا ہے اپنی کتاب امالی کے اندر، اپنی جو کافیہ کی شرح ہے جو املاء کروائی انہوں نے، وہ کافیہ کی جو امالی ہے اس میں بھی وہ ذکر کرتے ہیں کہ «جَاءَنِي زَيْدٌ الْعَالِمُ وَالْعَاقِلُ» یہ اَلْعَاقِلُ کہتے ہیں صورتاً جو ہے معطوف ہے حقیقت میں یہ معطوف نہیں یہ صفت ہی ہے۔ بھئی اس کو معطوف والی صورت کیوں دی، واو کیوں لائے؟ کہتے ہیں اس لیے کیونکہ اس کی مناسبت ہے معطوف کے ساتھ، جیسے معطوف اور معطوفٌ علیہ میں مغایرت ہوتی ہے دونوں ایک دوسرے سے غیر ہوتے ہیں، اسی طرح موصوف صفت میں بھی مغایرت ہوتی ہے، موصوف اور چیز ہے، صفت اور چیز ہے، ہاں البتہ وہ صفت اسی موصوف کے اندر پائی جا رہی ہے۔ جیسے میں کہتا ہوں میرے پاس وہ زید آیا جو عالم ہے، دیکھو زید اور ذات ہے، عالم ہونے کا اور معنیٰ ہے لیکن وہ عالم ہونے والا معنیٰ اس وقت کس میں پایا جا رہا ہے؟ زید میں ورنہ معنیٰ دونوں کا الگ الگ ہے، زید ذات پہ دلالت کر رہا ہے اور اَلْعَالِمُ صفت پر۔ تو جیسے معطوف اور معطوفٌ علیہ میں مغایرت ہوتی ہے اسی طرح موصوف صفت میں بھی مغایرت ہوتی ہے، اس لیے ان کے درمیان کبھی واو لے آتے ہیں۔ اور اس پر پھر بعض علماء نے اشکال بھی کیا کہ یہ جو حروفِ عاطفہ آتے ہیں صفات کے درمیان، یہ ان کو غیرِ عاطفہ قرار دینا یہ ایک امرِ بعید کا ارتکاب کیا جا رہا ہے جس کی کوئی حاجت نہیں، لہٰذا اس کو یہاں بھی عاطفہ کہنا چاہیے، اور ان صفات کو آپس میں معطوف اور معطوفٌ علیہ کہنا چاہیے۔ بات سمجھ میں آگئی۔ چلیے بس بھئی هٰذَا هُوَ الْمَرَامُ وَاللهُ أَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْكَلَامِ۔

سبق نمبر ۲۰۵: العطف (۳): ضمیرِ مرفوعِ متصل پر عطف (بلا تاکید و مع تاکید)

شرحِ ملا جامی صفحہ: ۱۸۶ — بتاریخ: ۵ اکتوبر ۲۰۲۲ء

▪ تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث

آگے سبق دیکھیے بھئی: وَإِذَا عُطِفَ عَلَى الضَّمِيرِ الْمَرْفُوعِ لَا الْمَنْصُوبِ وَالْمَجْرُورِ الْمُتَّصِلِ بَارِزًا كَانَ أَوْ مُسْتَتِرًا لَا الْمُنْفَصِلِ أُكِّدَ بِمُنْفَصِلٍ أَوَّلًا ثُمَّ عُطِفَ عَلَيْهِ وَذٰلِكَ لِأَنَّ الْمُتَّصِلَ الْمَرْفُوعَ كَالْجُزْءِ مِمَّا اتَّصَلَ بِهِ لَفْظًا مِنْ حَيْثُ إِنَّهُ مُتَّصِلٌ لَا يَجُوزُ انْفِصَالُهُ وَمَعْنًى مِنْ حَيْثُ إِنَّهُ فَاعِلٌ وَالْفَاعِلُ كَالْجُزْءِ مِنَ الْفِعْلِ.

بھئی گزشتہ سبق میں معطوف بحرف کی بحث چل رہی تھی بھئی۔ اور صاحبِ کافیہ نے معطوف بحرف کی تعریف کی کہ الْعَطْفُ تَابِعٌ مَقْصُودٌ بِالنِّسْبَةِ مَعَ مَتْبُوعِهِ کہ معطوف بحرف وہ ایسا تابع ہے کہ کلام میں موجود نسبت کے ذریعے اس معطوف کی نسبت بھی مقصود ہوتی ہے اور ساتھ اس کے متبوع کی نسبت بھی مقصود ہوتی ہے۔ اور پھر اس کے بعد آگے فرمایا کہ يَتَوَسَّطُ بَيْنَهُ وَبَيْنَ مَتْبُوعِهِ أَحَدُ الْحُرُوفِ الْعَشَرَةِ کہ اس تابع اور متبوع کے درمیان حروفِ عشرہ میں سے کوئی ایک حرف آتا ہے بھئی، کوئی ایک حرف۔

پھر صاحبِ جامی نے بتلایا تھا کہ جو پہلا حصہ تعریف کا ذکر کر دیا کہ تَابِعٌ مَقْصُودٌ بِالنِّسْبَةِ مَعَ مَتْبُوعِهِ اسی کے ذریعے تعریف جامع مانع ہو چکی ہے، اس کے اندر معطوف کے علاوہ اب اور کوئی تابع داخل نہیں۔ اور ساتھ پھر آگے زیادہ وضاحت کے لیے يَتَوَسَّطُ بَيْنَهُ وَبَيْنَ مَتْبُوعِهِ أَحَدُ الْحُرُوفِ الْعَشَرَةِ اس کو بھی ساتھ ملا دیا۔ اب صاحبِ جامی کے اس کلام میں دونوں احتمال ہو سکتے ہیں۔ ہو سکتا ہے صاحبِ جامی کے کہنے کا مطلب یہ ہو کہ یہ يَتَوَسَّطُ بَيْنَهُ یہ بھی تعریف کا جز ہے، البتہ اس کا جامع مانع ہونے میں کوئی دخل نہیں ہے۔ تعریف پہلے ہی جامع مانع ہو چکی ہے، اور یہ جو حصہ ہے تعریف کا کہ يَتَوَسَّطُ بَيْنَهُ وَبَيْنَ مَتْبُوعِهِ أَحَدُ الْحُرُوفِ الْعَشَرَةِ اس کو صرف زیادہ وضاحت کے لیے ذکر کیا گیا کہ یہاں پر معطوف اور معطوف علیہ کے درمیان حروفِ عشرہ میں سے کسی ایک حرفِ عطف کا آنا ضروری ہے۔ حروفِ عطف آپ نے پڑھے ہیں: وَاو ہے، فَاء ہے، ثُمَّ ہے، حَتّٰی ہے، لَا ہے، بَلْ ہے، لٰكِنْ ہے، أَوْ ہے، إِمَّا ہے اور أَمْ ہے۔ تو یہ دس حروفِ عاطفہ بھئی، ان میں سے کوئی ایک ضرور آئے گا، یہ شرط ہے معطوف بحرف کے لیے۔

تو یا تو صاحبِ جامی کے کہنے کا یہ مطلب ہے کہ یہ بھی تعریف کا جز ہے البتہ اس کا تعریف کے جامع مانع ہونے میں کوئی دخل نہیں، پہلے حصے سے ہی تعریف جامع مانع ہو چکی ہے اور اس کو صرف زیادہ وضاحت کے لیے ذکر کیا۔ اور ہو سکتا ہے صاحبِ جامی کے کہنے کا یہ مطلب ہو کہ یہ تعریف کا جز ہی نہیں ہے، تعریف پہلے ہی تام ہو چکی ہے، اب اس بات کو جو ذکر کر رہے ہیں وہ زیادہ وضاحت کے لیے ذکر کر رہے ہیں تاکہ بات اور واضح ہو جائے۔

اور پھر اس کے بعد صاحبِ جامی نے ایک اعتراض اور اس کا جواب ذکر کیا تھا۔ اعتراض یہ کہ صرف یہی تعریف کر دیتے کہ عطف ایسا تابع ہے کہ اس کے اور متبوع کے درمیان حروفِ عشرہ میں سے ایک حرف کا آنا ضروری ہے، کیونکہ باقی کوئی تابع ایسا نہیں ہے کہ اس کے اور متبوع کے درمیان کوئی حرف آئے، صرف یہ معطوف بحرف ہے کہ اس کے اور معطوف علیہ کے درمیان حرف کا آنا شرط ہے، تو صرف یہی تعریف کر دیتے کہ معطوف بحرف ایسا تابع ہے يَتَوَسَّطُ بَيْنَهُ وَبَيْنَ مَتْبُوعِهِ أَحَدُ الْحُرُوفِ الْعَشَرَةِ، صرف یہ تعریف کر دیتے۔ تو صاحبِ جامی نے پھر اس کا جواب دیا تھا کہ نہیں، اگر صرف اسی تعریف پر اکتفا کر لیتے اور پہلے جز کو ذکر نہ کرتے تو پھر تعریف دخولِ غیر سے مانع نہ رہتی۔ اس لیے کیونکہ اس صورت میں بعض اوقات جو ہے موصوف صفت کے درمیان بھی حرفِ عطف آ جاتا ہے، تو اس صورت میں وہ جو صفت ہے کہ اس کے اور موصوف کے درمیان حرفِ عطف آیا، وہ ہے تو صفت لیکن وہ بھی معطوف کی تعریف میں داخل ہو جاتی۔

جیسے مثال ذکر کی تھی: جَاءَنِي زَيْدٌ الْعَالِمُ وَالْعَاقِلُ۔ تو اب دیکھو زَيْدٌ ہے موصوف، الْعَالِمُ ہے اس کی صفت، اور آگے وَالْعَاقِلُ، اس الْعَاقِلُ کا عطف ہو رہا ہے الْعَالِمُ پر، اور الْعَالِمُ چونکہ زید کی صفت ہے تو الْعَاقِلُ بھی کیا ہے زید کی صفت، کیونکہ معطوف کا وہی حکم ہوتا ہے جو معطوف علیہ کا ہوتا ہے۔ تو اب گویا اس الْعَاقِلُ میں دو جہتیں آ گئیں: ایک اعتبار سے دیکھیں تو یہ الْعَالِمُ کے تابع ہے، اس پر معطوف ہے، اور دوسرے اعتبار سے دیکھیں تو یہ زید کی صفت ہے، کیونکہ الْعَاقِلُ ایسے معنیٰ پر دلالت کر رہی ہے—صفت کسے کہتے ہیں؟ جو ایسے معنیٰ پر دلالت کرے جو کس میں پایا جائے؟ موصوف میں—تو یہ الْعَاقِلُ کا معنیٰ کس میں پایا جا رہا ہے؟ عقلمند کون ہے؟ وہ زید ہے۔ توجہ ہے؟ تو وہ زید کے اندر یہ معنیٰ پایا جا رہا ہے، تو بایں اعتبار یہ زید کی صفت ہے، البتہ اس کے اور موصوف کے درمیان حرفِ عطف آ رہا ہے، تو یہ صفت ہے۔ تو دیکھو الْعَاقِلُ میں دو جہتیں ہو گئیں: ایک جہت سے یہ معطوف ہے الْعَالِمُ پر، بایں اعتبار یہ معطوف ہے، اور دوسرے اعتبار سے یہ زید کی صفت ہے اور بایں اعتبار یہ معطوف نہیں ہے، لیکن بایں جہت بھی اس کو معطوف کہنا لازم آتا کیونکہ اس الْعَاقِلُ اور زید کے درمیان وَاو حرفِ عطف آ رہا ہے۔

بات سمجھ میں آ گئی؟ تو یہ دوسری جہت کے اعتبار سے یہ زید کی صفت ہے، لیکن اس کو معطوف کہنا لازم آتا کیونکہ موصوف صفت کے درمیان کیا آ رہا ہے؟ حرفِ عطف۔ اور آپ بھی کیا تعریف کر دیتے اگر کہ معطوف کسے کہتے ہیں کہ

تابع اور متبوع کے درمیان حرفِ عطف آئے؟ تو لہٰذا اس لیے یہ صرف اس پر اکتفا نہیں کیا بلکہ ساتھ اور بھی تعریف ملا دی کہ تَابِعٌ مَقْصُودٌ بِالنِّسْبَةِ مَعَ مَتْبُوعِهِ کہ تابع بھی مقصود ہونا چاہیے۔ اور ظاہر سی بات ہے کہ الْعَاقِلُ زید کی صفت ہے، اور موصوف صفت میں موصوف مقصود ہوتا ہے، صفت مقصود نہیں ہوتی۔ تو وہ جو پہلی قید لگائی اس کی وجہ سے یہ صفت خارج ہو گئی، اگر وہ قید نہ ہوتی اور صرف يَتَوَسَّطُ بَيْنَهُ کے ذریعے تعریف کر دی جاتی تو اس اعتبار سے یہ صفت بھی کیا بن جاتی؟ معطوف کی تعریف میں داخل ہو جاتی۔

اور پھر اشکال ہوتا تھا کہ کیا کبھی موصوف صفت کے درمیان بھی حرفِ عطف آتا ہے؟ تو صاحبِ جامی نے بتلایا کہ بھئی دو چیزوں کے درمیان حرفِ عطف آنے کا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ دوسری چیز کا پہلی پر عطف ہے، یہ لازمی نہیں۔ جیسے ابھی مثال ذکر کی، یہ الْعَاقِلُ اور زید کے درمیان وَاو آرہا ہے لیکن الْعَاقِلُ زید کی صفت ہے، الْعَاقِلُ زید پر معطوف نہیں، وہ الْعَالِمُ پر تو معطوف ہے زید پر تو معطوف نہیں ہے۔ اور نیز میں نے دوسری مثال ذکر کی تھی کہ کبھی کبھار حال جملہ بنتا ہے اور ربط دینے کے لیے وَاو کو لے کر آتے ہیں وہاں پر جسے وَاو حالیہ کہتے ہیں، تو دیکھو وہاں پر ذوالحال اور حال کے درمیان وَاو آرہا ہے لیکن وہ وَاو عطف کے لیے نہیں ہے۔ تو دو چیزوں کے درمیان وَاو یعنی حرفِ عطف کا آنا اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ دوسری چیز کا عطف ہو رہا ہے پہلی چیز پر۔

اور پھر اس کے بعد آگے سوال پیدا ہوا: کیا عربیت کے جو قابلِ اعتماد علماء ہیں، کبار علماء ہیں، ائمہ ہیں جو عربی لغت کے، کیا ان میں سے کسی نے ایسی بات ذکر کی ہے؟ تو پھر علامہ زمخشری کی بات ذکر فرمائی کہ علامہ زمخشری نے کئی جگہ پر اپنی تفسیر کشاف کے اندر موصوف صفت کے درمیان وَاو کے واقع ہونے کو جائز قرار دیا ہے، اور وہ فرماتے ہیں کہ یہ جو وَاو آتا ہے موصوف صفت کے درمیان، یہ تاکیدِ لصوق کے لیے آتا ہے۔ لُصُوق صَاد کے ساتھ ہے، لَام، صَاد، وَاو اور قَاف دو نقطوں والا۔ لُصُوق کا معنیٰ جڑنا، ملنا، یعنی اتصال، یعنی اتصال۔ تو تاکیدِ لصوق یعنی تاکیدِ اتصال کے لیے یہ وَاو آتا ہے۔ دیکھو موصوف صفت میں ویسے بھی اتصال ہوتا ہے، صفت جو ہے ایسے معنیٰ پر دلالت کرتی ہے جو کس میں پایا جائے؟ موصوف میں۔ تو دونوں میں اتصال ہوتا ہے، اور اس اتصال میں مزید تاکید پیدا کرنے کے لیے کبھی درمیان میں وَاو بھی لے آتے ہیں۔

اور پھر اس کے بعد علامہ ابنِ حاجب کی بھی کلام ذکر فرمایا کہ انہوں نے علامہ زمخشری کے علمِ نحو کے اندر کتاب ہے مُفَصَّل اور جس سے انہوں نے کافیہ اخذ کی ہے، اسی مفصل کی شرح لکھی ہے علامہ ابنِ حاجب نے اور اس شرح کا نام ہے اِیْضَاح بھئی۔ اس ایضاح کے اندر علامہ ابنِ حاجب فرماتے ہیں کہ یہ جو اللہ تعالیٰ کا قول آیا ہے: وَمَا أَهْلَكْنَا مِنْ قَرْيَةٍ إِلَّا وَلَهَا مُنْذِرُونَ، اس کے اندر یہ جو وَلَهَا مُنْذِرُونَ ہے یہ صفت ہے قَرْيَةٍ کی، تو قَرْيَةٍ ہے موصوف اور لَهَا مُنْذِرُونَ یہ ہے اس کی صفت، اور درمیان میں وَاو آرہا ہے۔

بات سمجھ میں آگئی؟ لیکن پھر میں نے بتلایا تھا کہ یہاں پر اس آیت کے اندر یہ لَهَا مُنْذِرُونَ سے پہلے وَاو نہیں ہے۔ ہاں بالکل اسی جیسی ایک اور آیت ہے، وہاں پر یہ لَهَا سے پہلے وَاو ہے، اور وہ بھی اسی طرح ہے: وَمَا أَهْلَكْنَا مِنْ قَرْيَةٍ إِلَّا وَلَهَا كِتَابٌ مَعْلُومٌ، تو وہاں مُنْذِرُونَ کی جگہ كِتَابٌ مَعْلُومٌ ہے۔ تو باقی یہ آیتیں دونوں بالکل ایک جیسی ہیں، البتہ ایک میں وَاو نہیں ہے اور کیا ہے: إِلَّا لَهَا مُنْذِرُونَ، اور دوسری میں وَاو ہے: إِلَّا وَلَهَا كِتَابٌ مَعْلُومٌ۔ تو یہ محشی حضرات فرماتے ہیں کہ یہ دراصل ایضاح کے دو نسخے ملتے ہیں۔ ایضاح کے بعض نسخوں میں یہ والی مثال ہے وَلَهَا مُنْذِرُونَ اور ایضاح کے باقی نسخوں میں وَلَهَا كِتَابٌ مَعْلُومٌ کی مثال ہے اور وہی صحیح نسخہ ہے۔ معلوم ہوا علامہ ابنِ حاجب نے وَلَهَا كِتَابٌ مَعْلُومٌ کو ذکر فرمایا لیکن چونکہ دونوں آیتیں بالکل ایک جیسی ہیں تو بعد میں کسی طالبِ علم نے نقل کرتے ہوئے–کیونکہ پہلے کتابیں ہاتھ سے نقل کی جاتی تھیں–تو کسی شخص نے جو کتاب کو نقل کر رہا تھا، اس کو اشتباہ پڑا اور اس نے بے خیالی میں، بے توجہی میں وَلَهَا كِتَابٌ مَعْلُومٌ کے بجائے کیا درج کر دیا؟ وَلَهَا مُنْذِرُونَ درج کر دیا۔ تو یہ ایضاح کے نسخوں میں یہ غلطی آئی، اور پھر علامہ جامی کے پاس بھی ایضاح کا کوئی ایسا ہی نسخہ آیا اور انہوں نے بھی بے توجہی میں اسی طرح آیت کو نقل کر دیا، اور اشتباہ کی وجہ سے غور بھی زیادہ نہیں کیا کیونکہ صرف ایک وَاو کا فرق تھا درمیان میں، دونوں آیتیں قریب قریب ایک جیسی تھیں، انہوں نے اسی طرح اس کو نقل فرما دیا۔ تو بہرحال اصل ایضاح کے نسخوں میں کہتے ہیں وَلَهَا كِتَابٌ مَعْلُومٌ کی مثال ہے، اور وہاں پر دیکھو موصوف صفت کے درمیان وَاو آیا ہے۔

اور نیز، نیز صاحبِ جامی نے یہ بھی بتلایا کہ مصنف کی جو کافیہ کی امالی ہے، یعنی علامہ ابنِ حاجب کی جو کافیہ کی امالی ہے–یہ امالی لفظ یاد رکھنا یہ جگہ جگہ آئے گا تو آپ بعد میں پریشان ہوں گے کہ یہ پتہ نہیں امالی کس کو کہتے ہیں، میں نے بتلایا کہ امالی اِمْلَاء سے ہے، املاء اس کو کہتے ہیں کہ استاد تقریر بول رہا ہے اور طلباء اس کو لکھتے جا رہے ہیں، یا کوئی بھی ایک شخص ایک تقریر بول رہا ہے اور دوسرا لکھ رہا ہے، تو اس کو املاء کروانا کہتے ہیں، کیا کہتے ہیں؟ املاء کروانا، کہ تقریر ایک شخص بولتا رہے اور دوسرا اس کو درج کرتا رہے، لکھتا رہے۔ تو صاحبِ کافیہ کے پاس طلباء آتے تھے، دور دراز سے علماء آتے تھے پڑھنے کے لیے کافیہ، تو صاحبِ کافیہ ان کو کافیہ پڑھاتے اور چونکہ مصنف تھے، اس کی تقریر باقاعدہ وہ طلباء کو لکھواتے تھے بھئی، اس کی شرح باقاعدہ طلباء کو لکھواتے تھے، تو صاحبِ کافیہ تقریر کر رہے ہیں اور باقی سارے طلباء اور علماء جو بیٹھے ہوئے ہیں وہ اس کو لکھ رہے ہیں، تو یہ ہے املاء، اور اس طرح جو کتاب تیار ہوتی تھی اس کو امالی کہتے تھے، کیا کہتے تھے؟ امالی کہتے تھے، یعنی جو املاء کے ذریعے لکھوائی جاتی بھئی–تو صاحبِ کافیہ نے کافیہ کی جو امالی لکھوائی اس کے اندر بھی وہ فرماتے ہیں کہ جَاءَنِي زَيْدٌ الْعَالِمُ وَالْعَاقِلُ، یہاں پر الْعَاقِلُ جو ہے اس کے درمیان اور اس کے موصوف زید کے درمیان وَاو حرفِ عطف آگیا ہے لیکن حقیقت میں یہ عطف نہیں ہے بلکہ یہ اپنی وصفیت پر باقی ہے، یہ ابھی بھی زید کے لیے وصف ہے۔ بھئی جب یہ وصف ہے تو پھر وَاو کیوں لایا گیا؟ تو وہ فرماتے ہیں چونکہ اس کی مشابہت ہے معطوف کے ساتھ، اس صفت کی مشابہت ہے معطوف کے ساتھ، اور معطوف سے پہلے تو وَاو لاتے ہیں، تو اس مناسبت کی وجہ سے صفت سے پہلے بھی

وَاو لے آئے۔ بھئی کیا مناسبت ہے صفت کی معطوف کے ساتھ؟ کہتے ہیں جیسے معطوف اور معطوف علیہ ایک دوسرے کے مغایر ہوتے ہیں، ایک دوسرے سے الگ ہوتے ہیں، اسی طرح موصوف اور صفت بھی ایک دوسرے سے الگ ہیں، موصوف متبوع ہے اور صفت تابع ہے، موصوف کا اور معنیٰ ہوتا ہے، صفت کا اور معنیٰ ہوتا ہے۔ البتہ جب موصوف صفت بنتے ہیں تو اب یہ صفت ایسے معنیٰ پر دلالت کرتی ہے جو کس میں پایا جاتا ہے؟ موصوف میں۔ جیسے زید کا معنیٰ اور ہے، اَلْعَاقِلُ کا معنیٰ اور ہے، زید ایک ذات کا نام ہے اور اَلْعَاقِلُ کا معنیٰ عقل والا ہے، لیکن جب یہ موصوف صفت بن گئے، اب اَلْعَاقِلُ ایسے معنیٰ پر دلالت کر رہا ہے، یہ عقلمند ہونے والا معنیٰ یہ کس میں پایا جا رہا ہے؟ زید میں۔ توجہ ہے؟ تو موصوف صفت بھی ایک دوسرے سے مغایر ہیں، موصوف کا معنیٰ اور ہے، صفت کا معنیٰ اور، اور موصوف متبوع ہے اور صفت تابع ہے، اسی طرح معطوف اور معطوف علیہ بھی ہیں۔

تو وہاں جب وَاو آتا ہے اور وہ آپس میں مغایر ہیں تو موصوف صفت بھی ایک دوسرے کے مغایر تھے تو یہ ان کی مناسبت آگئی معطوف اور معطوف علیہ سے، تو یہاں پر بھی درمیان میں کیا لے آئے؟ وَاو لے آئے۔

اس کے بعد پھر صاحبِ جامی نے بعض دیگر علماء کے قول کو بھی نقل فرمایا کہ بعض دیگر علماء جو ہے اس کو رد فرماتے ہیں اور وہ فرماتے ہیں کہ یہ بات مناسب نہیں ہے کہ حروفِ عطف بعض جگہ آئیں تو ان کو آپ حروفِ عاطفہ قرار دیں کہ یہ عطف کے لیے ہیں اور صفات کے بیچ میں یہ حروفِ عطف آئیں تو آپ ان کو کہیں کہ یہ عطف کے لیے نہیں ہیں، تو یہ مناسب نہیں، سب جگہ ایک ہی حکم لگنا چاہیے۔ جب باقی جگہ عاطفہ ہیں تو صفات کے درمیان بھی حروفِ عطف آجائیں تو ان کو کیا قرار دینا چاہیے؟ حروفِ عاطفہ ہی قرار دینا چاہیے۔

لیکن میں نے بتایا تھا کہ نہیں، علامہ زمخشری، صاحبِ کافیہ وغیرہ اور اسی طرح شارحِ جامی نے بھی اس کو ترجیح دی ہے کہ موصوف صفت کے درمیان وَاو آسکتا ہے، اور وہ وَاو کس لیے ہوگا؟ جیسے علامہ زمخشری نے فرمایا تاکیدِ لصوق کے لیے ہوگا، تاکیدِ اتصال کے لیے ہوگا۔ اور وَاو ویسے بھی کئی مرتبہ اپنے اصل معنیٰ یعنی عطف سے نکل کر اور معانی کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ کبھی وَاو ابتدائیہ کہلاتا ہے، وَاو بالکل کلام کی ابتداء میں آجاتا ہے اور اس کو وَاو ابتدائیہ کہتے ہیں، اب دیکھو یہ عطف کے لیے نہیں ہے، عطف کے معنیٰ سے نکل گیا۔ اسی طرح وَاو کبھی حالیہ آتا ہے، یہ وَاو بھی عطف کے لیے نہیں ہے بلکہ یہ ذوالحال اور حال میں ربط دے رہا ہے، تو اس کو کیا کہتے ہیں؟ وَاو حالیہ۔ تو دیکھو یہ عطف سے نکل کر اور معنیٰ کی طرف منتقل ہو گیا یہ وَاو۔ اسی طرح وَاو عطف سے نکل کر کبھی تاکیدِ لصوق کے لیے بھی ہو سکتا ہے، تاکیدِ اتصال کے لیے بھی، یہ کوئی امرِ بعید نہیں ہے۔ یہ کوئی امرِ بعید نہیں ہے، یہ وَاو عطف سے نکل کر اور معانی ادا کرتا ہے، تو یہاں پر بھی یہ موصوف صفت کے درمیان آیا تو یہ عطف سے نکل کر اور معنیٰ ادا کر رہا ہے اور وہ کیا ہے؟ تاکیدِ لصوق، اور یہ کوئی امرِ بعید نہیں ہے، کیونکہ ایسا ہوتا رہتا ہے، وَاو اپنے اصل معنیٰ یعنی عطف سے نکل جاتا ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟

جی اب آئیے آج کے سبق پر۔ کہتے ہیں: وَإِذَا عُطِفَ عَلَى الضَّمِيرِ الْمَرْفُوعِ لَا الْمَنْصُوبِ وَالْمَجْرُورِ الْمُتَّصِلِ۔ بھئی پہلے صرف متن متن دیکھیے: وَإِذَا عُطِفَ عَلَى الْمَرْفُوعِ الْمُتَّصِلِ أُكِّدَ بِمُنْفَصِلٍ مِثْلُ ضَرَبْتُ أَنَا وَزَيْدٌ، إِلَّا أَنْ يَقَعَ فَصْلٌ فَيَجُوزُ تَرْكُهُ نَحْوُ ضَرَبْتُ الْيَوْمَ وَزَيْدٌ۔ سارا متن مل گیا بھئی؟

اب صاحبِ کافیہ عطف کے کچھ ضابطے ذکر فرمائیں گے۔ یاد رکھو پہلا ضابطہ صاحبِ کافیہ آپ کو یہ بتلائیں گے کہ جب ضمیرِ مرفوع متصل پر عطف کیا جائے، جب ضمیرِ مرفوع متصل پر عطف کیا جائے، تو پھر اس کی تاکید لائی جائے گی ضمیرِ مرفوع منفصل کے ساتھ۔ یاد رکھو ضمیریں بنیادی طور پر تین قسم پر ہیں: کبھی ضمیر مرفوع ہوتی ہے، کبھی منصوب ہوتی ہے اور کبھی مجرور۔ ضمیریں کبھی مرفوع ہوں گی، کبھی منصوب اور کبھی مجرور۔ ویسے تو ضمیریں چودہ ہی قسم پر ہیں۔ کتنی قسم پر؟ چودہ قسم پر: هُوَ، هُمَا، هُمْ، هِيَ، هُمَا، هُنَّ، أَنْتَ، أَنْتُمَا، أَنْتُمْ، أَنْتِ، أَنْتُمَا، أَنْتُنَّ، أَنَا اور نَحْنُ۔ یہی ضمیریں ہیں۔ یعنی چھ غائب کی، چھ مخاطب کی اور دو متکلم کی۔ لیکن اتصال و انفصال اور رفع، نصب، جر، اس اعتبار سے ان کی کئی قسمیں بن جاتی ہیں۔ یہی چودہ ضمیریں کبھی رفع کے مقام میں آئیں گی، رفع کے، تو اس کو ضمیرِ مرفوع کہیں گے۔ یہی چودہ ضمیریں کبھی نصب والے مقام میں آئیں گی تو اس کو ضمیرِ منصوب کہیں گے، اور یہی ضمیریں کبھی کبھار جر والے مقام میں آئیں گی تو کیا کہلائیں گی؟ مجرور۔ تو لہٰذا ضمیرِ مرفوع الگ ہیں، ضمیرِ منصوب الگ ہیں، نصب والے مقام میں یہی چودہ آئیں گی لیکن صورتیں ذرا الگ الگ ہوں گی۔ اسی طرح جر والے مقام میں بھی یہی چودہ ضمیریں آئیں گی لیکن صورتیں الگ ہوں گی، جر والے مقام کے مطابق ہوں گی۔

بات سمجھ میں آگئی؟ تو ضمیریں بنیادی طور پر کتنی قسم پر؟ یوں کہو وہ چودہ قسمیں ہیں لیکن پھر جس مقام پر آنا ہے اس کے اعتبار سے ان کی شکلیں الگ ہیں۔ رفع کے مقام پر یہی چودہ آئیں تو وہ الگ شکلیں ہیں، نصب والے مقام میں الگ شکلیں ہیں انہی چودہ کی، اور جر والے مقام میں ان کی الگ شکلیں ہیں۔ پھر یہ جو مرفوع ضمیر آئے گی یہ پھر دو قسم پر ہے: کبھی منفصل ہوتی ہے اور کبھی متصل۔ منفصل کا معنیٰ جدا، یہ کسی سے جڑنے کی محتاج نہیں۔ جیسے أَنَا، أَنَا ضمیر منفصل ہے، أَنَا قَائِمٌ، دیکھو أَنَا الگ ضمیر آگئی۔ اور کچھ مرفوع متصل ہیں جو الگ نہیں رہ سکتیں، وہ ہمیشہ ماقبل سے جڑی ہوئی آئیں گی بھئی۔ تو مرفوع کتنی قسم پر؟ دو، منفصل اور متصل۔ اسی طرح منصوب بھی دو قسم پر ہے: کبھی منصوب ضمیر ایسی ہوگی جو الگ نہیں رہ سکتی، ماقبل سے جڑے گی، تو اس کو منصوب متصل کہتے ہیں، اور کبھی کبھار یہ ماقبل سے نہیں جڑتی، الگ آتی ہے، تو اس کو منصوب منفصل کہتے ہیں۔ اور یاد رکھو مجرور صرف ایک ہی قسم کی ہے، وہ متصل ہی ہے، وہاں منفصل نہیں۔ تو مرفوع بھی دو ہو گئیں، منصوب بھی دو ہو گئیں، لیکن مجرور ایک ہی ہے۔ مرفوع متصل بھی ہے اور

منفصل بھی، منصوب بھی اسی طرح متصل بھی ہے اور منفصل بھی، لیکن مجرور صرف متصل ہے۔ تو یہ پانچ قسم کی ہو گئیں ضمیریں، اور یہ چودہ پنجے ستر، تو یہ کل ستر ضمیریں ہیں بھئی۔ اور اس کے علاوہ باقی تمام اسم، اسمِ ظاہر کہلاتے ہیں۔

پھر یاد رکھنا یہ جو ضمیریں متصل اور منفصل جو ہیں ان میں اصل متصل ہیں کلام میں، کیونکہ یہ مختصر ہوتی ہیں۔ یہ ضمیرِ متصل کیا ہوتی ہیں؟ مختصر، یہ کم حروف پر مشتمل ہوتی ہیں اور یہ ماقبل کے ساتھ جڑی ہوئی آتی ہیں۔ لہٰذا آپ ایک کلام لانا چاہتے ہیں اور اس میں ضمیر کی ضرورت پیش آگئی، تو اولین کوشش آپ کی یہ ہونی چاہیے کہ ضمیرِ متصل سے ہی کام چل جائے۔ ہاں جہاں ضمیرِ متصل لانے کی کوئی صورت نہ رہے تو پھر آپ منفصل لانے پر مجبور ہوں گے، پھر آپ منفصل لائیں گے۔ توجہ ہے؟ جیسے قرآن میں ہے: إِيَّاكَ نَعْبُدُ، إِيَّاكَ نَعْبُدُ، اے اللہ ہم آپ ہی کی عبادت کرتے ہیں۔ اب یہاں دیکھو اصل میں یہ ضمیرِ متصل یوں ہونی چاہیے تھی: نَعْبُدُكَ۔ نَعْبُدُ، ہم عبادت کرتے ہیں، آگے كَاف ضمیر آتی، ضمیرِ منصوب متصل۔ ضمیرِ منصوب متصل، نَعْبُدُكَ، ہم آپ کی عبادت کرتے ہیں۔ لیکن اس سے حصر پیدا نہیں ہو رہا تھا، اس سے اتنا تو پتہ چل گیا ہم اللہ کی عبادت کرتے ہیں لیکن یہ پتہ نہیں چل رہا کہ کسی اور کی بھی عبادت کرتے ہیں یا نہیں کرتے، باقی کسی اور سے عبادت کی نفی نہیں ہو رہی تھی، تو پھر حصر کا معنیٰ پیدا کرنے کے لیے، تخصیص پیدا کرنے کے لیے اس كَاف ضمیر کو نَعْبُدُ پر مقدم کر دیا گیا۔ اور جب كَاف ضمیر مقدم ہوئی، اب متصل لانے کی کوئی صورت نہیں، کیونکہ متصل ضمیر تو کسی لفظ کے بعد آکر اس سے جڑتی ہے، اور یہ كَاف تو مقدم ہو گئی نَعْبُدُ پر۔ تو كَاف ضمیر کون سی تھی؟ منصوب متصل تھی۔ اب مقدم کر دی تو لانی منصوب ہی ہے لیکن اب منفصل لانا پڑے گی، تو اب اس کو إِيَّاكَ سے بدل دیا گیا۔ إِيَّاكَ نَعْبُدُ، تو إِيَّاكَ اور وہ كَاف یہ دونوں ایک ہی ضمیریں ہیں، فرق صرف اتنا ہے وہ كَاف ضمیر جو تھی وہ متصل منصوب تھی اور یہ کیا ہے؟ منفصل منصوب ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ اور إِيَّاكَ نَعْبُدُ اب معنیٰ ہو گیا: اے اللہ ہم آپ ہی کی عبادت کرتے ہیں، معلوم ہوا کسی اور کی عبادت نہیں کرتے۔ تو دیکھو اصل کلام میں ہے ضمیرِ متصل کیونکہ وہ مختصر ہے، دیکھو وہاں صرف كَاف تھا متصل میں اور منفصل میں إِيَّاكَ، دیکھو کئی حروف آگئے۔ تو جب متصل سے کام نہ چلے، مجبوری ہو تو پھر منفصل کو استعمال کیا جاتا ہے۔

پھر اس میں مزید تفصیل یاد رکھنا کہ ضمیرِ مرفوع، ضمیرِ مرفوع متصل یہ صرف فعل سے جڑتی ہے، اور اسی طرح یاد رکھو یہ شبہِ فعل سے بھی جڑتی ہے یعنی اسمِ فاعل، اسمِ مفعول وغیرہ، لیکن بہرحال وہ بھی فعل کے حکم میں ہیں۔ تو گویا ضمیرِ مرفوع صرف فعل کے ساتھ جڑتی ہے۔ ضمیرِ مرفوع متصل یہ صرف فعل سے جڑے گی۔ یہ جو فاعل اور نائب فاعل کی ضمیریں فعل کے ساتھ ہوتی ہیں، کبھی بارز ہو گی کبھی مستتر: ضَرَبَ اس میں هُوَ ہے، ضَرَبَا اس میں أَلِف ہے، ضَرَبُوا اس میں وَاو ہے، ضَرَبَتْ اس کے اندر هِيَ ہے، ضَرَبَتَا اس کے اندر أَلِف ہے، ضَرَبْنَ اس میں نُون ہے۔ تو دیکھو یہ فاعل کی جو ضمیریں ہیں،

یا ضُرِبَ ضُرِبَا ضُرِبُوا یہی نائب فاعل کی ضمیریں ہو جائیں گی۔ تو یہ مرفوع متصل صرف کس سے جڑتی ہے؟ فعل سے۔ اور مرفوع منفصل وہ تو الگ رہتی ہے۔

اس کے بعد آ گئی منصوب متصل، منصوب متصل یاد رکھو وہ فعل سے بھی جڑتی ہے، فعل سے بھی جڑتی ہے اور حرف سے بھی جڑتی ہے۔ فعل سے بھی اور حرف سے بھی: ضَرَبْتُكَ، ضَرَبْتُ یہ تَاء فاعل ہے اور كَاف ضمیر کیا ہے؟ مفعول ہے، تو یہ منصوب متصل ہے، مفعول کیا ہوتا ہے؟ منصوب ہوتا ہے، تو یہ كَاف ضمیر منصوب متصل ہے۔ تو ضَرَبْتُكَ دیکھو یہ فعل سے جڑ گئی۔ اور إِنَّهُ، إِنَّ حرف از حروفِ مشبہ بالفعل ہے اور یہ اپنے اسم کو نصب دیتا ہے، تو إِنَّهُ یہ هَاء ضمیر کیا ہے؟ منصوب متصل ہے، تو یہ دیکھو إِنَّ حرف کے ساتھ جڑی ہوئی ہے۔ تو منصوب متصل کس سے جڑتی ہے؟ فعل سے بھی اور حرف سے بھی۔

آگے آ گئی مجرور متصل، مجرور تو صرف متصل ہی ہے۔ یاد رکھو وہ حرفِ جر سے بھی جڑتی ہے اور وہ اسم سے بھی جڑتی ہے، کیونکہ مجرور تو دو ہی ہیں: ایک جس پر حرفِ جر داخل ہو اور ایک جو مضاف الیہ ہو، اور مضاف الیہ کے لیے کیا چاہیے؟ مضاف، اور مضاف کیا ہوتا ہے؟ اسم۔ تو معلوم ہوا ضمیرِ مجرور متصل اسم یعنی مضاف کے ساتھ بھی جڑ سکتی ہے اور حرفِ جر کے ساتھ بھی جڑ سکتی ہے۔ پھر دہرائیے: ضمیرِ مرفوع متصل صرف کس سے جڑے گی؟ فعل سے، بس صرف فعل سے۔ اور ضمیرِ منصوب متصل کس سے جڑے گی؟ وہ فعل سے بھی جڑ سکتی ہے اور حرف کے ساتھ بھی جڑ سکتی ہے۔ اور مجرور متصل وہ اسم کے ساتھ بھی جڑ سکتی ہے اور حرف کے ساتھ بھی جڑ سکتی ہے۔

تو اب آگے دیکھیے بھئی متن متن۔ کہتے ہیں: وَإِذَا عُطِفَ عَلَى الْمَرْفُوعِ الْمُتَّصِلِ أَيْ عَلَى الضَّمِيرِ الْمَرْفُوعِ الْمُتَّصِلِ، اور جب عطف کیا جائے ضمیرِ مرفوع متصل پر، أُكِّدَ بِمُنْفَصِلٍ، تو اس کی تاکید لائی جائے گی منفصل کے ساتھ۔ بھئی دیکھیے ضابطہ یہ ہے کہ ضمیرِ مرفوع متصل پر اگر آپ عطف کرنا چاہتے ہیں تو اس کی تاکید لانا پڑے گی منفصل کے ساتھ۔ جیسے میں کہنا چاہتا ہوں: میں نے بھی پٹائی کی اور زید نے بھی پٹائی کی۔ تو مثلاً میں یوں کہتا ہوں: ضَرَبْتُ، میں نے بھی پٹائی کی، وَزَيْدٌ، اور کس نے پٹائی کی؟ زید نے۔ لیکن اس طرح کہنا پسندیدہ نہیں عربی زبان میں، کیونکہ آپ زَيْدٌ کا عطف کس پر کر رہے ہیں؟ ضَرَبْتُ کی تَاء پر، ضَرَبْتُ کی تَاء پر۔ اور یاد رکھو یہ تَاء جزِ کلمہ کی طرح ہے، یہ فعل کے جز کی طرح ہے۔ تو گویا آپ جزِ کلمہ پر عطف کر رہے ہیں، اور جزِ کلمہ پر عطف نہیں کیا جاتا۔ جیسے مثلاً دیکھو: زَيْدٌ، میں زید کی صرف دَال پہ عطف کرنا چاہوں تو کر سکتا ہوں؟ نہیں، کیونکہ یہ جزِ کلمہ ہے، پورے کلمے پر عطف کیا جاتا ہے، جز پر عطف نہیں کیا جاتا۔ تو ضمیرِ مرفوع متصل یہ جزِ کلمہ کی طرح ہے۔ تو جب اس پر آپ عطف کرنا چاہتے ہیں، تو یہ مرفوع متصل ہے، تو پہلے اس کی تاکید لے آؤ مرفوع منفصل کے ساتھ۔ یہ بھی مرفوع، وہ بھی مرفوع، لیکن یہ متصل ہے اور وہ کیا ہو گی؟ منفصل۔ تو ضمیرِ مرفوع متصل پر جب آپ عطف کرنا چاہیں تو پھر اس کی تاکید لانا پڑے گی مرفوع منفصل کے ساتھ۔ تو یوں کہیں گے: ضَرَبْتُ أَنَا وَزَيْدٌ۔ ضَرَبْتُ أَنَا

وَزَيْدٌ۔ یہ تاکید ہم کیوں لائے؟ کیونکہ یہ تَاء ضمیر، یہ جزِ کلمہ کی طرح ہے، لفظوں کے اعتبار سے بھی جزِ کلمہ، معنیٰ کے اعتبار سے بھی جزِ کلمہ ہے۔ لفظوں کے اعتبار سے تو ظاہر ہے: ضَرَبْتُ دیکھو تَاء ساتھ جڑی ہوئی ہے، اور معنیٰ کے اعتبار سے بھی یہ جزِ کلمہ ہے کیونکہ یہ تَاء فاعل ہے اور کبھی بھی فعلِ معروف بغیر فاعل کے پورا نہیں ہوتا، تو یہ فعل کے لیے جز کی طرح ہے، اس کے ساتھ ہی فعل پورا ہو رہا ہے۔ تو لفظوں کے اعتبار سے بھی یہ جزِ کلمہ– لفظوں کے اعتبار سے کیسے ہے؟ کہ یہ ساتھ جڑی ہوئی ہے، ضَرَبْتُ کیا ہے؟ ضَرَبَ کے ساتھ جڑی ہوئی ہے–اور معنیٰ کے اعتبار سے بھی یہ جزِ کلمہ ہے کیونکہ فاعل ہے اور فعل بغیر فاعل کے پورا نہیں ہوتا، اور فعلِ مجہول ہو تو وہ نائب فاعل کے بغیر پورا نہیں ہوتا۔ تو یہ ضمیرِ مرفوع متصل جو ہے یہ جزِ کلمہ کی طرح ہے، لہٰذا اس پر جب عطف کرنا ہے تو پھر اس کی تاکید لانا پڑے گی ضمیرِ مرفوع منفصل کے ساتھ۔ اور ضَرَبْتُ کی تَاء کون سی ضمیر ہے؟ متکلم کی، تو وہی متکلم کی ضمیرِ مرفوع منفصل لے آئیں گے یعنی أَنَا: ضَرَبْتُ أَنَا...

وَزَيْدٌ۔ ترکیب سمجھ میں آ رہی ہے؟ ترکیب کیسے کریں گے؟ ضَرَبْتُ فعل با فاعل، تَاء ضمیر مرفوع محلاً مؤکد کیونکہ آگے تاکید آ رہی ہے یہ مؤکد، أَنَا ضمیر مرفوع محلاً تاکید، مؤکد تاکید مل کر معطوف علیہ، وَاو حرفِ عطف اور زَيْدٌ معطوف، معطوف علیہ اپنے معطوف سے مل کر فاعل، فعل اپنے فاعل سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہوا۔

تو معلوم ہوا ادھر دیکھیے یہ زَيْدٌ کا عطف کس پر ہے؟ أَنَا پر ہے یا ضَرَبْتُ کی تَاء پر ہے؟ ضَرَبْتُ کی تَاء پر ہے، أَنَا پر نہ کہنا، اس لیے کیونکہ آپ نے پڑھا ہے کہ معطوف کا وہی حکم ہوتا ہے جو کس کا ہو؟ معطوف علیہ کا۔ اگر آپ أَنَا پر عطف کریں گے تو أَنَا تو ہے تاکید، تو زید بھی کیا بن جائے گا؟ جو معطوف ہے وہ بھی کیا بن جائے گا؟ تاکید، حالانکہ کیا زید تَاء ضمیر کی تاکید ہے؟ نہیں، زید تو تَاء ضمیر کی تاکید نہیں بن سکتا۔ تو لہٰذا معلوم ہوا یہ جو عطف ہو گا یہ اس مرفوع منفصل پہ نہیں ہو گا بلکہ یہ مرفوع متصل پر ہو گا۔

اور بھئی کیوں یہ تاکید لانا کیوں ضروری ہے؟ یہ کیوں لاتے ہیں تاکید؟ وجہ یہ کہ وہ تَاء ضمیر جزِ کلمہ کی طرح ہے، کس کی طرح ہے؟ جزِ کلمہ کی طرح۔ لیکن جب آپ اس کی تاکید لے آئے–اور یہ تاکید صرف اس ضمیر کی ہے، جو فعل ساتھ جڑا ہوا ہے فعل کی تاکید نہیں–تو اس تاکید کی وجہ سے یہ جو ضمیرِ متصل ہے، تَاء ضمیر، اس میں ایک قسم کا استقلال آ گیا۔ اس تاکید کے لانے سے پتہ چلا بھئی یہ مستقل کلمہ ہے، یہ جزِ کلمہ نہیں۔ پہلے تو لگ رہا تھا یہ جزِ کلمہ ہے، لفظوں کے اعتبار سے بھی اور معنیٰ کے اعتبار سے بھی، لیکن جب تاکید آ گئی اور صرف اس ضمیر کی تاکید آئی فعل کی تاکید نہیں آئی، تو اس سے ایک قسم کا استقلال اس میں پیدا ہو گیا۔ اس تاکید نے بتلا دیا کہ یہ کوئی جزِ کلمہ نہیں ہے، اگر یہ جزِ کلمہ ہوتا تو اکیلی اس کی تاکید نہیں آ سکتی تھی بھئی۔ جب تاکید آ گئی معلوم ہوا یہ تَاء کیا ہے؟ ایک مستقل کلمہ ہے، تو اس کی وجہ سے اس میں استقلال پیدا ہو گیا یعنی اس میں قوت پیدا ہو گئی ایک قسم کی، اب اس پر عطف جائز ہو گیا۔ اب پتہ چلا یہ مستقل کلمہ ہے جز نہیں، اب اس

پر عطف کیا ہو گیا؟ جائز ہو گیا۔ صورت سمجھ میں آ گئی؟ تو کہتے ہیں: وَإِذَا عُطِفَ عَلَى الْمَرْفُوعِ الْمُتَّصِلِ، اور جب عطف کیا جائے...

ضمیرِ مرفوع متصل پر، أُكِّدَ بِمُنْفَصِلٍ تو اس کی تاکید لائی جائے گی منفصل کے ساتھ۔ آگے متن متن دیکھیے: مِثْلُ ضَرَبْتُ أَنَا وَزَيْدٌ جیسے ضَرَبْتُ أَنَا وَزَيْدٌ جی۔ إِلَّا أَنْ يَقَعَ فَصْلٌ فَيَجُوزُ تَرْكُهُ، مگر یہ کہ فصل واقع ہو جائے پھر اس تاکید کا ترک جائز ہے۔

یاد رکھو اگر درمیان میں فصل آ جائے، معطوف اور معطوف علیہ کے درمیان حرفِ عطف کے علاوہ کوئی اور کلمہ بیچ میں آ جائے، کوئی اور کلمہ آ جائے، تو فصل آ گیا، کچھ جدائی آ گئی، اب تاکید کو چھوڑ بھی سکتے ہیں آپ۔ جیسے میں کہتا ہوں: ضَرَبْتُ الْيَوْمَ وَزَيْدٌ۔ پہلے کیا تھا؟ ضَرَبْتُ أَنَا وَزَيْدٌ۔ لیکن یہ تب تھا جب فصل نہ ہو۔ جب فصل موجود ہے، مثلاً ضَرَبْتُ کے بعد میں الْيَوْمَ کا لفظ لے آیا: ضَرَبْتُ الْيَوْمَ وَزَيْدٌ۔ اب زَيْدٌ کا عطف ضَرَبْتُ کی تاء پر صحیح ہے کیونکہ درمیان میں الْيَوْمَ کا فصل آ گیا، جدائی آ گئی۔ بھئی تو فصل کے آنے سے کیا فائدہ ہوا؟ اب کیوں تاکید ترک کرتے ہیں؟ کہتے ہیں بھئی فصل کی وجہ سے کلام ویسے ہی تھوڑا سا لمبا ہو گیا۔ کلام کیا ہو گیا؟ تھوڑا سا لمبا ہو گیا، اب اگر ہم تاکید بھی لائیں گے تو کلام اور لمبا ہو جائے گا، لہٰذا اس لیے تاکید کو چھوڑ بھی سکتے ہیں۔ لیکن اگر آپ تاکید لانا چاہیں تو تاکید بھی لا سکتے ہیں، اور آپ تاکید کو چھوڑنا چاہیں تو تاکید کو چھوڑ بھی سکتے ہیں جب فصل آ جائے۔ بات سمجھ میں آ گئی؟ تو ضَرَبْتُ الْيَوْمَ وَزَيْدٌ بھی کہہ سکتے ہیں، اور ضَرَبْتُ الْيَوْمَ أَنَا وَزَيْدٌ بھی کہہ سکتے ہیں بھئی۔

تو کہتے ہیں: إِلَّا أَنْ يَقَعَ فَصْلٌ مگر یہ کہ فصل واقع ہو جائے یعنی اس مرفوع متصل میں اور معطوف کے درمیان، فَيَجُوزُ تَرْكُهُ تو پھر اس تاکید کا چھوڑنا بھی جائز ہے یعنی واجب نہیں ہے، جیسے نَحْوُ ضَرَبْتُ الْيَوْمَ وَزَيْدٌ۔ یہاں ضَرَبْتُ کی تاء پر وَزَيْدٌ کا عطف ہے لیکن درمیان میں الْيَوْمَ آ گیا، تو اب فصل کی وجہ سے تاکید کو چھوڑنا بھی جائز ہے۔ حاصلِ کلام یہ کہ آپ عطف کرنا چاہتے ہیں ضمیرِ مرفوع متصل پر تو دو چیزوں میں سے ایک ضرور ہونی چاہیے: یا اس کی تاکید لائیں یا فصل لے آئیں، یا فصل لے آئیں یا تاکید لے آئیں۔ بات سمجھ میں آ گئی؟

اب اس سارے کو دیکھیے شرح کے ساتھ: وَإِذَا عُطِفَ عَلَى الضَّمِيرِ الْمَرْفُوعِ اور جب عطف کیا جائے ضمیرِ مرفوع پر، لَا الْمَنْصُوبِ وَالْمَجْرُورِ نہ کہ منصوب اور مجرور پر۔ بھئی ضمیرِ منصوب متصل اور اسی طرح مجرور متصل، اس پر عطف کریں تو وہاں تاکید لانے کی ضرورت نہیں ہے۔ تو کہتے ہیں لَا الْمَنْصُوبِ وَالْمَجْرُورِ نہ کہ منصوب اور مجرور، الْمُتَّصِلِ، وہ جو مرفوع جو متصل ہو، بَارِزًا كَانَ أَوْ مُسْتَتِرًا چاہے وہ بارز ہو یا مستتر ہو یعنی چھپی ہوئی ہو۔ بارز جس پر ہم تلفظ کرتے ہیں: ضَرَبَ، ضَرَبَا دیکھو یہ أَلِف پر میں تلفظ کر رہا ہوں، ضَرَبُوا میں اس وَاو پر کیا کر رہا ہوں؟ تلفظ۔ جبکہ ضَرَبَ کے ساتھ بھی ضمیرِ متصل ہے لیکن وہ مستتر ہے، هُوَ ضمیر اس کے اندر چھپی ہوئی ہے۔ ضَرَبَتْ کے ساتھ بھی ضمیرِ متصل ہے لیکن یہ تاء نہیں، یہ تو تانیث کی علامت ہے، اس کے اندر هِيَ ضمیر مستتر ہے بھئی۔ تو ضمیرِ متصل مستتر بھی ہو سکتی ہے اور بارز بھی ہو سکتی

ہے۔ تو بَارِزًا كَانَ أَوْ مُسْتَتِرًا بارز ہو وہ ضمیرِ مرفوع متصل یا مستتر ہو، لَا الْمُنْفَصِلِ نہ کہ منفصل یعنی یہ متصل کی بات ہم کر رہے ہیں منفصل کی نہیں۔ أُكِّدَ بِمُنْفَصِلٍ أَوَّلًا تو اس کی تاکید لائی جائے گی منفصل کے ساتھ پہلے۔ تو کہتے ہیں أُكِّدَ بِمُنْفَصِلٍ أَوَّلًا ثُمَّ عُطِفَ عَلَيْهِ تو پھر منفصل کے ساتھ پہلے اس کی تاکید لائی جائے گی، ثُمَّ عُطِفَ عَلَيْهِ پھر اس پر عطف کیا جائے گا۔

وَذٰلِكَ لِأَنَّ الْمُتَّصِلَ الْمَرْفُوعَ كَالْجُزْءِ مِمَّا اتَّصَلَ بِهِ، اس لیے کیونکہ متصل مرفوع جو ہے وہ جز کی طرح ہے اس چیز کا جس کے ساتھ وہ جڑی ہوئی ہے، مرفوع متصل جز کی طرح ہے اس لفظ کا جس کے ساتھ وہ جڑی ہوئی ہے یعنی وہ جو فعل ہے۔ کہتے ہیں: لِأَنَّ الْمُتَّصِلَ الْمَرْفُوعَ كَالْجُزْءِ مِمَّا اتَّصَلَ بِهِ، اس لیے کیونکہ متصل مرفوع جو ہے جز کی طرح ہے اس لفظ کے جس کے ساتھ یہ جڑی ہوئی ہے، لَفْظًا یعنی لفظوں کے اعتبار سے بھی جز کی طرح ہے، مِنْ حَيْثُ إِنَّهُ مُتَّصِلٌ لَا يَجُوزُ انْفِصَالُهُ، اس حیثیت سے کہ یہ اس کے ساتھ متصل ہے اس کا انفصال اس سے جائز نہیں، ضَرَبْتُ کی تاء کو ضَرَبْتُ سے آپ جدا نہیں کر سکتے۔ تو یہ معنیٰ ہے کہ مِنْ حَيْثُ إِنَّهُ مُتَّصِلٌ لَا يَجُوزُ انْفِصَالُهُ اس حیثیت سے کہ متصل ہے اس کا انفصال یعنی اس کو منفصل ہونا جائز نہیں۔ وَمَعْنًى اور معنیٰ کے اعتبار سے بھی یہ جز کی طرح ہے—پیچھے کیا آیا تھا؟ لِأَنَّ الْمُتَّصِلَ الْمَرْفُوعَ كَالْجُزْءِ لَفْظًا، اب آگیا وَمَعْنًى، اور معنیٰ کے اعتبار سے بھی یہ جز کی طرح ہے—مِنْ حَيْثُ إِنَّهُ فَاعِلٌ اس حیثیت سے کہ یہ فاعل ہے، وَالْفَاعِلُ كَالْجُزْءِ مِنَ الْفِعْلِ اور فاعل جو ہے جز کی طرح ہوتا ہے فعل سے۔ فَلَوْ عُطِفَ عَلَيْهِ بِلَا تَأْكِيدٍ اگر اس پر عطف کیا جائے یہ ضمیرِ مرفوع متصل پر، اگر اس پر عطف کیا جائے بِلَا تَأْكِيدٍ بغیر تاکید کے، كَانَ كَمَا لَوْ عُطِفَ عَلَى بَعْضِ حُرُوفِ الْكَلِمَةِ تو یہ اسی طرح ہو جائے گا جیسے کہ عطف کیا گیا ہو کلمے کے بعض حروف پر یعنی جزِ کلمہ پر۔

فَأُكِّدَ أَوَّلًا بِمُنْفَصِلٍ تو پہلے اس کی تاکید منفصل کے ساتھ لائی جائے گی، لِأَنَّهُ بِذٰلِكَ يَظْهَرُ۔ اب فائدہ بتلا رہے ہیں کہ منفصل کے ساتھ تاکید لانے کا کیا فائدہ ہو گا؟ کہ اس ضمیر میں ایک قسم کا استقلال آجائے گا۔ پہلے تو یہ جزِ کلمہ تھی لفظاً بھی اور معناً بھی، جب تاکید آگئی اور صرف اس ضمیر کی تاکید آئی فعل کی تاکید نہیں آئی، تو اس تاکید نے بتلا دیا کہ بھئی یہ مستقل کلمہ ہے، اسی لیے اکیلے اس کی تاکید لانا جائز ہے۔ لِأَنَّهُ بِذٰلِكَ يَظْهَرُ اس لیے کیونکہ اس تاکید کے ذریعے یہ بات ظاہر ہو گی کہ أَنَّ ذٰلِكَ الْمُتَّصِلَ، کہ وہ جو متصل ہے، وَإِنْ كَانَ كَالْجُزْءِ اگرچہ وہ جز کی طرح ہے، لیکن اس سے یہ بات ظاہر ہو گی کہ یہ متصل جو ہے مُنْفَصِلٌ مِنْ حَيْثُ الْحَقِيقَةُ کہ یہ حقیقت کے اعتبار سے یہ منفصل ہے یعنی الگ کلمہ ہے۔ بِدَلِيلِ جَوَازِ إِفْرَادِهِ مِمَّا اتَّصَلَ بِهِ۔ بھئی کس دلیل کے ساتھ کہ یہ حقیقت میں الگ کلمہ ہے؟ کہتے ہیں بِدَلِيلِ جَوَازِ إِفْرَادِهِ—اِفْرَاد کا معنیٰ ہے الگ کرنا، جدا کرنا—إِفْرَادِهِ، اس کا جدا کرنا۔ دیکھیے بھئی، کہتے ہیں: بِدَلِيلِ جَوَازِ إِفْرَادِهِ مِمَّا اتَّصَلَ بِهِ بِتَأْكِيدِهِ، یہ ترجمہ یہاں سمجھ لیں یہ مشکل ہے۔ بِدَلِيلِ جَوَازِ إِفْرَادِهِ، افراد کا معنیٰ ہے الگ کرنا، جدا کرنا۔ کس سے الگ کرنا؟ آگے آرہا ہے مِمَّا اتَّصَلَ بِهِ جس کے ساتھ وہ جڑی ہوئی ہے، جس کے ساتھ وہ جڑی ہوئی ہے۔ تو إِفْرَادِهِ مِمَّا اتَّصَلَ بِهِ اس کو جدا کرنا جس کے ساتھ یہ جڑی ہوئی ہے، اس سے جدا کرنا، اس کے جائز ہونے کی دلیل کی وجہ سے، کہ اس سے جدا کرنا جائز ہے، اس سے جدا کرنا جائز ہے۔ بھئی اس سے جدا کرنا تو جائز نہیں ہے؟ آگے کہہ رہے ہیں بِتَأْكِيدِهِ، تاکید کے ذریعے۔ جدا کیا کس کے ذریعے؟ لفظوں

کے ذریعے یا تاکید کے ذریعے؟ لفظوں میں تو ضَرَبْتُ کی تَاء جدا نہیں ہو سکتی، لیکن تاکید کے ذریعے جدا ہو سکتی ہے مطلب کہ صرف اسی کی تاکید لائیں فعل کی تاکید نہ لائیں، تو دیکھو تاکید کے ذریعے گویا آپ نے اس کو کیا کر دیا؟ جدا کر دیا کہ صرف اسی کی تاکید لائے ہیں۔ اس سے پتہ چلا یہ ایک مستقل کلمہ ہے، اگر یہ مستقل کلمہ نہ ہوتا، حقیقت میں جزِ کلمہ ہوتا، تو جزِ کلمہ کی تو کبھی تاکید نہیں آتی، پورے کلمے کی تاکید آتی ہے۔ تو آگے جب اس کی تاکید آئی کیا پتہ چلا؟ یہ حقیقت میں جزِ کلمہ نہیں ہے، حقیقت میں یہ مستقل کلمہ ہے، تو تاکید لانے سے اس کا مستقل ہونا ظاہر ہو گیا، جب اس کا مستقل ہونا ظاہر ہوا تو اب اس پر عطف بھی جائز ہو گیا، کیونکہ عطف مستقل کلمے پر ہوتا ہے جزِ کلمہ پر نہیں ہوتا۔ بات بھی سمجھ میں آئی کہ نہیں؟ پھر ترجمہ دیکھیے، کہتے ہیں: بِدَلِيلِ جَوَازِ إِفْرَادِهِ مِمَّا اتَّصَلَ بِهِ اس دلیل کے ساتھ کہ جائز ہے اس کو جدا کرنا مِمَّا اتَّصَلَ بِهِ اس فعل سے جس کے ساتھ یہ جڑی ہوئی ہے، بِتَأْكِيدِهِ کس کے ذریعے جدا کرنا؟ اس کی تاکید کے ذریعے۔

فَيَحْصُلُ لَهُ نَوْعُ اسْتِقْلَالٍ، تو اس متصل کو بھی ایک قسم کا استقلال حاصل ہو گیا۔ وَلَا يَجُوزُ، اچھا آگے معطوف لائے، توجہ ہے؟ ضَرَبْتُ، ادھر دیکھیے ضَرَبْتُ أَنَا وَزَيْدٌ، یہ زَيْدٌ کا عطف کس پر ہے؟ ضَرَبْتُ کی تَاء پر۔ أَنَا پر کیوں نہیں کر سکتے عطف؟ کیونکہ أَنَا تو تاکید ہے، پھر تو زید کو بھی کیا کہنا پڑے گا؟ تاکید کہنا پڑے گا۔ تو یہی بیان کر رہے ہیں: وَلَا يَجُوزُ أَنْ يَكُونَ الْعَطْفُ عَلَى هٰذَا التَّأْكِيدِ، اور یہ جائز نہیں ہے کہ عطف جو ہے اس تاکید پر ہو جائے، لِأَنَّ الْمَعْطُوفَ فِي حُكْمِ الْمَعْطُوفِ عَلَيْهِ اس لیے کیونکہ معطوف جو ہے معطوف علیہ کے حکم میں ہوتا ہے، فَكَانَ يَلْزَمُ أَنْ يَكُونَ هٰذَا الْمَعْطُوفُ أَيْضًا تَأْكِيدًا تو اس سے لازم آئے گا کہ وہ معطوف جو ہے وہ بھی تاکید ہے، وَهُوَ بَاطِلٌ اور یہ تو باطل ہے، وہ تو تاکید نہیں ہے۔

تو یہ تاکید کب لائیں گے؟ جب ضمیر مرفوع ہو اور متصل ہو، مرفوع ہو اور متصل ہو۔ جبکہ اگر ضمیرِ مرفوع منفصل ہوئی، ضمیرِ مرفوع منفصل ہے، تو اس پر آپ عطف کرنا چاہتے ہیں، تو پھر وہاں کسی تاکید کی ضرورت نہیں، کیونکہ منفصل وہ مثلاً وہ فاعل ہے، مثلاً وہ کیا ہے؟ فاعل، ضمیرِ مرفوع۔ مثلاً آپ کہتے ہیں: مَا ضَرَبَ إِلَّا أَنَا، مَا ضَرَبَ إِلَّا أَنَا، پٹائی نہیں کی مگر صرف میں نے۔ تو یاد رکھو یہ أَنَا فاعل ہے ضَرَبَ کے لیے۔ توجہ ہے؟ مَا ضَرَبَ إِلَّا أَنَا، تو یہاں أَنَا یہ فاعل ہے ضَرَبَ کے لیے، اور آپ حصر پیدا کرنا چاہتے تھے اس لیے آپ ضمیرِ منفصل لائے ہیں کیونکہ آپ إِلَّا کے بعد لانا چاہتے تھے، تو اب إِلَّا کے بعد جا کر تو متصل نہیں آ سکتی تو منفصل أَنَا لانا پڑی آپ کو، مَا ضَرَبَ إِلَّا أَنَا۔ اب اس پر آپ زید کا عطف کرنا چاہتے ہیں، تو آپ کہتے ہیں اب بغیر تاکید کے بھی عطف کر سکتے ہیں: مَا ضَرَبَ إِلَّا أَنَا وَزَيْدٌ۔ بھئی اس کی تاکید کیوں نہیں لاتے؟ کہتے ہیں وجہ یہ کہ یہ معنیٰ کے اعتبار سے جز کی طرح ہے کیونکہ یہ فعل کے لیے فاعل ہے اور فاعل کیا ہوتا ہے؟ فاعل فعل کے لیے جز کی طرح ہوتا ہے معنیٰ کے اعتبار سے، لیکن لفظوں کے اعتبار سے تو یہ جز نہیں، لفظوں میں تو یہ جدا ہے اس سے۔ ضمیرِ مرفوع متصل لفظوں کے اعتبار سے بھی جز تھی کہ اس کے ساتھ جڑی ہوئی تھی اور معنیٰ کے اعتبار سے بھی جز تھی کیونکہ فاعل تھی اور فاعل فعل کے جز کی طرح ہوتا ہے، اور مَا ضَرَبَ إِلَّا أَنَا یہ ضمیر إِلَّا أَنَا یہ معنیٰ کے اعتبار سے تو جز ہے کیونکہ یہ بھی

فاعل ہے اور فاعل جز کی طرح ہوتا ہے، لیکن لفظوں کے اعتبار سے یہ جز نہیں۔ تو جب لفظوں کے اعتبار سے یہ جز نہیں ہے یہ مستقل ہے، تو اس پر عطف بغیر تاکید کے جائز ہے، تو مَا ضَرَبَ إِلَّا أَنَا وَزَيْدٌ کہنا جائز ہے۔

تو کہتے ہیں: فَإِنْ كَانَ الضَّمِيرُ مُنْفَصِلًا اگر وہ ضمیر منفصل ہو، نَحْوُ مَا ضَرَبَ إِلَّا أَنْتَ وَزَيْدٌ، یہاں انہوں نے أَنْتَ ذکر کر دیا، أَنْتَ کہہ دیں یا أَنَا کہہ دیں ایک ہی بات ہے، بس منفصل ضمیر لانی چاہیے یہاں۔ مَا ضَرَبَ إِلَّا أَنْتَ، پٹائی نہیں کی مگر صرف آپ نے، وَزَيْدٌ اور زید نے۔ تو یہاں یہ ضمیرِ مرفوع ہے، یہ أَنْتَ یہ فاعل ہے ضَرَبَ کے لیے، تو یہ معنیٰ کے اعتبار سے تو یہ جز ہے لیکن لفظوں کے اعتبار سے تو جدا ہے، جبکہ پچھلی ضمیر لفظوں کے اعتبار سے بھی جز تھی اور معنیٰ کے اعتبار سے بھی جز تھی اس لیے تاکید لا کر پہلے بتلایا کہ یہ مستقل کلمہ ہے پھر اس پر عطف کیا گیا۔ اور یہاں تو یہ معنیٰ کے اعتبار سے جز ہے لفظوں کے اعتبار سے جز نہیں، لہٰذا اس پر بغیر تاکید کے بھی عطف کر سکتے ہیں، اسی لیے کہا مَا ضَرَبَ إِلَّا أَنْتَ وَزَيْدٌ، بات سمجھ میں آگئی جی۔ تو کہتے ہیں: فَإِنْ كَانَ الضَّمِيرُ مُنْفَصِلًا نَحْوُ مَا ضَرَبَ إِلَّا أَنْتَ وَزَيْدٌ لَمْ يَكُنْ كَالْجُزْءِ لَفْظًا، تو یہ ضمیرِ منفصل لفظوں کے اعتبار سے جز کی طرح نہیں ہے، اگرچہ معنیٰ کے اعتبار سے یہ کس کی طرح ہے؟ جز کی طرح، لیکن لفظوں کے اعتبار سے تو یہ جز کی طرح نہیں ہے۔

وَكَذَا إِنْ كَانَ مُتَّصِلًا مَنْصُوبًا، یاد رکھو اسی طرح ضمیرِ منصوب متصل اس پر بھی بغیر تاکید کے عطف جائز ہے: ضَرَبْتُكَ وَزَيْدًا۔ ضَرَبْتُ کے اندر یہ تَاء فاعل ہے اور یہ كَاف ضمیر مخاطب کی ہے یہ ہے مفعول بہ۔

اسی پر میں نے زید کا عطف کیا: ضَرَبْتُكَ وَزَيْدًا۔ میں نے آپ کی بھی پٹائی کی وَزَيْدًا اور زید کی بھی پٹائی کی۔ تو یہ زَيْدًا کا عطف کس پر ہے؟ كَاف ضمیر پر۔ اور كَاف ضمیر منصوب ہے اس لیے زَيْدًا بھی کیا ہے؟ منصوب۔ اور كَاف ضمیر متصل ہے: ضَرَبْتُكَ، یہ كَاف جڑا ہوا ہے ضَرَبْتُ کے ساتھ۔ تو بھئی منصوب جو ہے، منصوب متصل، اس کی تاکید کیوں نہیں لاتے؟ اس پر زَيْدًا کا عطف آپ نے کر دیا، حالانکہ وہ بھی کس کی طرح ہے؟ جزِ کلمہ کی طرح۔ تو جواب دے رہے ہیں کہ بھئی وہ لفظوں کے اعتبار سے جز ہے کیونکہ ساتھ جڑی ہوئی ہے۔ ساتھ جڑی ہوئی ہے، تو لفظوں کے اعتبار سے جز ہے، معنیٰ کے اعتبار سے جز نہیں ہے کیونکہ وہ فاعل نہیں ہے، فاعل فعل کے لیے جز ہوتا ہے، مفعول فعل کے لیے جز نہیں، تو یہ صرف لفظاً جز ہے، معناً جز نہیں۔ لفظاً اور معناً دونوں طرح جز ہوتا پھر تاکید لازم ہوتی، لیکن یہ دونوں طرح جز نہیں، یہ صرف لفظاً جز ہے معناً جز نہیں۔ تو یہی بیان کر رہے ہیں، کہتے ہیں: وَكَذَا إِنْ كَانَ مُتَّصِلًا مَنْصُوبًا اور اسی طرح اگر ضمیر متصل منصوب ہوئی، نَحْوُ ضَرَبْتُكَ وَزَيْدًا، لَمْ يَكُنْ كَالْجُزْءِ مَعْنًى تو یہ جز نہیں ہے معناً، معنیٰ کے اعتبار سے، لفظوں کے اعتبار سے جز ہے معنیٰ کے اعتبار سے جز نہیں۔ فَلَا حَاجَةَ فِيهِمَا إِلَى التَّأْكِيدِ بِمُنْفَصِلٍ، تو ان دونوں میں کوئی حاجت نہیں ہے منفصل کے ساتھ تاکید لانے کی، یعنی مرفوع منفصل اور منصوب متصل، ان دونوں میں منفصل کے ذریعے تاکید لانے کی کوئی حاجت نہیں کیونکہ ان میں سے ایک صرف معناً جز ہے اور دوسرا صرف لفظاً جز ہے، لفظاً اور معناً دونوں اعتبار سے جز نہیں ہیں بھئی۔

مِثْلُ ضَرَبْتُ أَنَا وَزَيْدٌ، یہ مثال ہے ضَرَبْتُ أَنَا وَزَيْدٌ۔ یہ أَنَا تاکید ہے، کس کی تاکید ہے؟ ضَرَبْتُ کی تَاء، اور تَاء ضمیرِ بارز ہے۔ توجہ ہے؟ ضَرَبْتُ أَنَا وَزَيْدٌ، یہ أَنَا کس کی تاکید؟ ضَرَبْتُ کی تَاء، اور تَاء بارز ہے یا مستتر ہے؟ بارز ہے۔ تو یہ بارز کی تاکید کی مثال، آگے مستتر کی تاکید کی مثال لانا چاہتے ہیں: وَزَيْدٌ ضَرَبَ هُوَ وَغُلَامُهُ۔ وَزَيْدٌ ضَرَبَ هُوَ وَغُلَامُهُ۔ ترکیب سنو بھئی: زَيْدٌ مرفوع لفظاً مبتدا، ضَرَبَ فعل، اس کے اندر هُوَ ضمیر مرفوع محلاً فاعل ہے، اور اس کو بنائیں مؤکد بھئی، آگے ایک اور هُوَ آرہی ہے یہ منفصل ضمیر ہے یہ اس کے لیے تاکید ہے، اور مؤکد تاکید مل کر یہ ہوا معطوف علیہ، آگے وَاو حرفِ عطف، غُلَامُهُ مضاف مضاف الیہ مل کر یہ معطوف، معطوف علیہ اپنے معطوف سے مل کر یہ فاعل ہوا ضَرَبَ کے لیے، تو ضَرَبَ فعل اپنے فاعل سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر یہ خبر ہوئی زید کے لیے، ضَرَبَ کے اندر هُوَ ضمیر کس کو لوٹ رہی تھی؟ زید کو۔ تو یہ–مفعول–بات سمجھ میں آگئی؟ تو معلوم ہوا زَيْدٌ ضَرَبَ هُوَ وَغُلَامُهُ، یہ غُلَامُهُ کا عطف کس پر ہے؟ ضَرَبَ کے اندر هُوَ ضمیر پر، اور وہ متصل ہے اور مرفوع ہے، اور اس پر آپ عطف کرنا چاہتے ہیں غُلَامُهُ کا، تو پہلے اس کی تاکید لائی گئی مرفوع منفصل هُوَ کے ساتھ۔ کس کے ساتھ؟ تو یہ هُوَ جو لفظوں میں موجود ہے یہ تاکید ہے اس ضمیر کی جو ضَرَبَ کے اندر چھپا ہوا ہے، وہ مستتر ہے، بارز نہیں ہے۔ تو یہ مثال ہو گئی ضمیرِ مرفوع متصل مستتر کی جس کی تاکید لائی گئی مرفوع منفصل کے ساتھ اور پھر عطف کیا گیا۔ بات سمجھ میں آگئی؟

آگے دیکھیے: إِلَّا أَنْ يَقَعَ فَصْلٌ بَيْنَ الضَّمِيرِ الْمَرْفُوعِ الْمُتَّصِلِ وَبَيْنَ مَا عُطِفَ عَلَيْهِ، مگر یہ کہ فصل واقع ہو جائے اس ضمیرِ مرفوع متصل کے درمیان وَبَيْنَ مَا عُطِفَ عَلَيْهِ اور اس کے درمیان جس کا اس پر عطف کیا گیا ہے، فَيَجُوزُ تَرْكُهُ تو جب یہ فصل واقع ہو جائے تو پھر اس تاکید کو چھوڑنا بھی جائز ہے۔ فَيَجُوزُ تَرْكُهُ أَيْ تَرْكُ التَّأْكِيدِ، تو اس تاکید کو چھوڑنا بھی جائز ہے، لِأَنَّهُ قَدْ طَالَ الْكَلَامُ بِوُجُودِ الْفَصْلِ اس لیے کیونکہ کلام لمبا ہو گیا فصل کے پائے جانے کی وجہ سے، فَحَسُنَ الِاخْتِصَارُ بِتَرْكِ التَّأْكِيدِ تو اچھا ہے–تو فَحَسُنَ الِاخْتِصَارُ تو اختصار یعنی کلام کو مختصر کرنا پسندیدہ ہو گیا بِتَرْكِ التَّأْكِيدِ تاکید کو چھوڑتے ہوئے۔

سَوَاءٌ كَانَ الْفَصْلُ قَبْلَ حَرْفِ الْعَطْفِ، اب آگے دیکھیے دو مثالیں لائیں گے، تو کہتے ہیں بس جب فصل آجائے تو وہ فصل چاہے حرفِ عطف سے پہلے ہو، چاہے حرفِ عطف کے بعد ہو۔ جب فصل آجائے تو تاکید کو چھوڑنا جائز ہے، چاہے وہ فصل حرفِ عطف کے بعد ہو چاہے حرفِ عطف سے پہلے ہو، جیسے دیکھو دونوں کی مثالیں دیں گے: ضَرَبْتُ الْيَوْمَ وَزَيْدٌ۔ ضَرَبْتُ الْيَوْمَ وَزَيْدٌ، یہاں ضَرَبْتُ کے بعد الْيَوْمَ یہ فصل آگیا، اور وَزَيْدٌ اس کے بعد ہے، تو یہ حرفِ عطف سے پہلے فصل آ گیا۔ اور دوسری صورت، دوسری صورت قرآن میں ہے: مَا أَشْرَكْنَا وَلَا آبَاؤُنَا، نہ ہم شرک کرتے وَلَا آبَاؤُنَا اور نہ ہمارے آباؤ اجداد، نہ ہمارے آباؤ اجداد۔ اب دیکھو مَا أَشْرَكْنَا، کتاب پر نظر رکھیں، مَا أَشْرَكْنَا وَلَا آبَاؤُنَا، یہ أَشْرَكْنَا، یہ نَا ضمیر مرفوع ہے، فاعل ہے، أَشْرَكْنَا، گردان کیسے ہو گی؟ أَشْرَكَ، أَشْرَكَا، أَشْرَكُوا، أَشْرَكَتْ، أَشْرَكَتَا، أَشْرَكْنَ، أَشْرَكْتَ، أَشْرَكْتُمَا، أَشْرَكْتُمْ، أَشْرَكْتِ،

أَشْرَكْتُمَا، أَشْرَكْتُنَّ، أَشْرَكْتُ، أَشْرَكْنَا، تو یہ نَا ضمیر فاعل کی ہے، اور اسی پر عطف ہے آگے آبَاؤُنَا کا، آبَاؤُنَا، اور اسی لیے مرفوع بھی ہے کیونکہ فاعل پر عطف ہے۔ اور فصل لایا گیا وَلَا آبَاؤُنَا دیکھو یہ لَا کے ذریعے فصل آیا جو وَاو کے بعد ہے، یہ لَا کس کے بعد ہے؟ حرفِ عطف کے بعد ہے۔ تو پہلے فصل آیا تھا حرفِ عطف سے پہلے: اَلْيَوْمَ وَزَيْدٌ، اور اب فصل کس کے بعد ہے؟ حرفِ عطف کے بعد ہے: وَلَا آبَاؤُنَا۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو یہ مشرکین کہتے کہ اگر اللہ کو ہمارا شرک ناپسند ہوتا تو وہ ہمیں شرک پر چھوڑتا ہی نہ، ہمیں شرک پر باقی ہی نہ رہنے دیتا، ہم شرک پر باقی ہیں معلوم ہوا کہ اللہ کو یہ ناپسند نہیں ہے، تو یہ وہ اپنے کفر پر اصرار کرتے ہوئے کہتے بھئی۔

تو کہتے ہیں: سَوَاءٌ كَانَ الْفَصْلُ قَبْلَ حَرْفِ الْعَطْفِ برابر ہے کہ وہ فصل حرفِ عطف سے پہلے ہو، نَحْوُ مثال کے طور پر ضَرَبْتُ الْيَوْمَ وَزَيْدٌ میں نے پٹائی کی آج کے دن اور زید نے، أَوْ بَعْدَهُ یا وہ فصل جو ہے حرفِ عطف کے بعد ہو، كَقَوْلِهِ تَعَالٰى جیسے کہ اللہ تعالیٰ کا قول ہے: مَا أَشْرَكْنَا وَلَا آبَاؤُنَا۔ دیکھو یہاں وَاو کے بعد لَا آرہا ہے، اور یاد رکھو یہ لَا زائد ہے، لَا زائد ہے، کیونکہ مَا أَشْرَكْنَا حرفِ نفی ایک دفعہ آچکا ہے، تو یہ اسی نفی کی تاکید کے لیے ہے، ورنہ اگر اس کو زائد نہ مانیں تو پھر تو نفی پر نفی داخل ہوگی اور وہ کس چیز کا فائدہ دے گی؟ اثبات کا فائدہ دے گی بھئی۔ تو کہتے ہیں: فَإِنَّ الْمَعْطُوفَ هُوَ آبَاؤُنَا، کہتے ہیں اس لیے کیونکہ یہ جو معطوف ہے وہ آبَاؤُنَا ہے، وَلَا زَائِدَةٌ بَعْدَ حَرْفِ الْعَطْفِ لِتَأْكِيدِ النَّفْيِ اور یہ جو لَا ہے یہ زائد ہے حرفِ عطف کے بعد اس نفی کی تاکید کے لیے، تو یہ زائد ہے اور اسی نفی میں تاکید پیدا کر رہا ہے۔

وَإِنَّمَا قَالَ يَجُوزُ تَرْكُهُ۔ دیکھو متن میں آیا تھا: إِلَّا أَنْ يَقَعَ فَصْلٌ فَيَجُوزُ تَرْكُهُ، مگر یہ کہ فصل واقع ہو جائے تو تاکید کو ترک کرنا بھی جائز ہے۔ معلوم ہوا فصل آجائے پھر بھی آپ تاکید لا سکتے ہیں، فصل بھی ہو اور تاکید بھی ہو یہ بھی کر سکتے ہیں آپ۔ تو کہتے ہیں: وَإِنَّمَا قَالَ يَجُوزُ تَرْكُهُ اور کہتے ہیں ماتن نے يَجُوزُ تَرْكُهُ کہا، فَإِنَّهُ قَدْ يُؤَكَّدُ بِالْمُنْفَصِلِ مَعَ الْفَصْلِ اس لیے کیونکہ کبھی کبھار فصل کے باوجود منفصل کے ساتھ تاکید لائی جاتی ہے، كَقَوْلِهِ تَعَالٰى جیسے کہ اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے: فَكُبْكِبُوا فِيهَا هُمْ وَالْغَاوُونَ۔ فَكُبْكِبُوا فِيهَا، پس وہ معبود جو ہیں مشرکین کے، فَكُبْكِبُوا وہ اوندھے منہ ڈالے جائیں گے فِيهَا اس جہنم میں، هُمْ وہ بھی وَالْغَاوُونَ اور گمراہ بھی۔ غَاوُونَ کا کیا معنیٰ؟ گمراہ، اور كُبْكِبُوا کا کیا معنیٰ؟ اوندھے منہ ڈالنا۔ فَكُبْكِبُوا اوندھے منہ ڈالے جائیں گے وہ معبود بھی فِيهَا اس جہنم میں هُمْ وَالْغَاوُونَ اور گمراہ لوگ بھی۔ تو اب دیکھو یہ جو هُمْ آئی: فِيهَا هُمْ، یہ هُمْ تاکید ہے، کس کی تاکید ہے؟ فَكُبْكِبُوا، اس کے آخر میں جو وَاو ضمیرِ مرفوع متصل ہے، اس کی تاکید ہے، تو دیکھو اب فِيهَا کا فصل بھی آیا پھر بھی تاکید لائی گئی، تو فصل کے ساتھ بھی تاکید لانا جائز ہے۔

کہتے ہیں: وَقَدْ لَا يُؤَكَّدُ اور کبھی تاکید نہیں لائی جاتی، کبھی تاکید نہیں لائی جاتی، یعنی فصل آجائے تو تاکید لانا بھی جائز اور نہ لانا بھی جائز ہے۔ وَالْأَمْرَانِ مُتَسَاوِيَانِ اور دونوں معاملے برابر ہیں یعنی فصل کے ہوتے ہوئے چاہے آپ تاکید لائیں یا تاکید نہ لائیں، دونوں برابر ہیں۔ هٰذَا أَيْ خُذْ هٰذَا، یہ بات لے لو، یہ بات لے لو یعنی یہ قیمتی بات ہے اس کو یاد رکھو بھئی۔ تو یہ

هٰذَا مصنفین کا طریقہ ہے، بعض اوقات کوئی قیمتی بات ذکر کرتے ہیں تو آخر میں هٰذَا ذکر کر دیتے ہیں، اور یہ دراصل مفعول بہ ہے فعلِ محذوف خُذْ کے لیے: خُذْ هٰذَا، اے مخاطب اس بات کو لے لے یعنی اس کو یاد رکھ بھئی یہ قیمتی بات ہے۔

آگے دیکھیے بھئی، کہتے ہیں: وَاعْلَمْ أَنَّ مَذْهَبَ الْبَصْرِيِّينَ أَنَّ التَّأْكِيدَ بِالْمُنْفَصِلِ هُوَ الْأَوْلٰى، وَيُجَوِّزُونَ الْعَطْفَ بِلَا تَأْكِيدٍ وَلَا فَصْلٍ لٰكِنْ عَلٰى قُبْحٍ، وَالْكُوفِيُّونَ يُجَوِّزُونَهُ بِلَا قُبْحٍ۔ یہاں سے صاحبِ جامی آپ کو یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ یہ جو پیچھے مسئلہ بتایا صاحبِ کافیہ نے کہ جب ضمیرِ مرفوع متصل پر عطف کیا جائے تو اس کی تاکید لائی جائے گی، اس کی تاکید لائی جائے گی، بتلانا چاہتے ہیں یہ مسئلہ اختلافی ہے، یہ مسئلہ اختلافی ہے: علمائے کوفہ کے نزدیک تاکید لانا ضروری نہیں، تاکید لانا چاہیں لے آئیں نہیں لانا چاہتے نہ لائیں، جبکہ علمائے بصرہ فرماتے ہیں تاکید لانا چاہیں لا سکتے ہیں تاکید نہ لانا چاہیں نہ لائیں لیکن تاکید کا نہ لانا قبیح ہے، ناپسندیدہ ہے۔ تاکید کا نہ لانا، آپ ضمیرِ مرفوع متصل پر عطف کرتے ہیں تو تاکید کا لانا پسندیدہ ہے یہ اچھی لغت ہے، اور تاکید کا نہ لانا یہ ناپسندیدہ ہے یہ اعلیٰ لغت نہیں ہے، تو لیکن علمائے کوفہ فرماتے ہیں دونوں طرح آپ کر سکتے ہیں، آپ تاکید کو ترک بھی کر سکتے ہیں اور یہ قبیح بھی نہیں ہے۔ تو یہاں اب جو آگے بات آئے گی صاحبِ جامی اس میں دو باتیں آپ کو بتلانا چاہتے ہیں: ایک یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ یہ مسئلہ اختلافی ہے، تاکید کا لانا یا نہ لانا یہ اختلافی ہے، اور نیز متن سے معلوم یوں ہو رہا تھا جیسے تاکید کا لانا لازمی ہے، تاکید کا لانا لازمی ہے، کیونکہ صاحبِ کافیہ نے کیا فرمایا تھا: وَإِذَا عُطِفَ عَلَى الْمَرْفُوعِ الْمُتَّصِلِ کہ جب مرفوع متصل پر عطف کیا جائے أُكِّدَ بِمُنْفَصِلٍ تو اس کی تاکید لائی جائے گی منفصل کے ساتھ، اس سے بظاہر لگتا ہے شاید تاکید کا لانا واجب ہے، بتلایا کہ نہیں واجب نہیں ہے، ہاں البتہ تاکید کا لانا پسندیدہ ہے، ترک بھی کر سکتے ہیں لیکن ترک قبیح ہے ناپسندیدہ ہے، یہ اعلیٰ لغت نہیں ہے بھئی۔

تو کہتے ہیں: وَاعْلَمْ تو جان لے أَنَّ مَذْهَبَ الْبَصْرِيِّينَ علمائے بصرہ کا مذہب یہ ہے کہ أَنَّ التَّأْكِيدَ بِالْمُنْفَصِلِ هُوَ الْأَوْلٰى کہ تاکید بالمنفصل جو ہے یہ اولیٰ ہے، تاکید منفصل کے ساتھ لانا اولیٰ ہے بہتر ہے، وَيُجَوِّزُونَ الْعَطْفَ بِلَا تَأْكِيدٍ وَلَا فَصْلٍ اور وہ جائز قرار دیتے ہیں عطف کو بغیر تاکید اور بغیر فصل کے، لٰكِنْ عَلٰى قُبْحٍ مگر قباحت کے ساتھ یعنی قبیح ہے، قبح کے ساتھ ہے، تاکید اور فصل کے بغیر عطف کرنا یہ قبیح ہے، وَالْكُوفِيُّونَ يُجَوِّزُونَهُ بِلَا قُبْحٍ اور علمائے کوفہ جو ہیں يُجَوِّزُونَهُ بِلَا قُبْحٍ وہ اس عطف کو جائز قرار دیتے ہیں بغیر تاکید اور فصل کے بِلَا قُبْحٍ بغیر کسی قباحت کے بھئی یعنی ان کے نزدیک قبیح بھی نہیں ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟

حاصلِ کلام یہ کہ آج صاحبِ کافیہ نے آپ کو بتلایا کہ ضمیرِ مرفوع متصل پر جب عطف کیا جائے تو دو چیزوں میں سے ایک چیز ہونی چاہیے: یا تو اس مرفوع متصل کی تاکید لانی چاہیے مرفوع منفصل کے ساتھ، یا فصل ہونا چاہیے، کیا ہونا چاہیے؟ فصل۔ وجہ یہ ہے کہ یہ جو مرفوع متصل ہے یہ جزِ کلمہ کی طرح ہے لفظوں کے اعتبار سے بھی اور معنیٰ کے اعتبار سے بھی۔ لفظوں کے اعتبار سے یہ جزِ کلمہ ہے کیونکہ متصل ہے ساتھ جڑی ہوئی ہے، اور معنیٰ کے اعتبار سے بھی یہ جزِ کلمہ ہے کیونکہ یہ

فاعل ہے اور فاعل فعل کے لیے جزِ کلمہ کی طرح ہوتا ہے۔ تو لہٰذا جب اس پر عطف آپ کرنا چاہتے ہیں تو پھر اگر بغیر تاکید اور فصل کے آپ عطف کریں گے تو پھر تو یوں معلوم ہو گا جیسے آپ جزِ کلمہ پر عطف کر رہے ہیں۔

لہٰذا پہلے اس کی تاکید لے آؤ، اس کی تاکید لانے سے پتہ چل جائے گا کہ یہ حقیقت میں جزِ کلمہ نہیں ہے بلکہ یہ مستقل کلمہ ہے، اسی لیے اس کی تاکید لانا جائز ہے، اگر یہ حقیقت میں جزِ کلمہ ہوتا پھر تو اس کی تاکید لانا جائز نہ ہوتا، تو تاکید لانے سے اس کا مستقل ہونا پتہ چل جائے گا، ایک قسم کا استقلال اس کے اندر آجائے گا اور جب یہ ایک اعتبار سے مستقل ہو گیا تو اب اس پر عطف جائز ہو جائے گا۔ اور وہ جو معطوف ہے وہ اس منفصل پر عطف نہیں آپ قرار دے سکتے کیونکہ معطوف معطوف علیہ کے حکم میں ہوتا ہے، تو اگر اس کو وہ جو منفصل ہے اس پر عطف قرار دیا جائے پھر تو معطوف کو تاکید قرار دینا پڑے گا حالانکہ وہ تاکید نہیں ہے۔ اور پھر یہ بھی بتلایا تھا کہ مرفوع منفصل وہ معنیٰ کے اعتبار سے جزِ کلمہ کی طرح ہے، لفظوں کے اعتبار سے وہ جزِ کلمہ کی طرح نہیں، معنیٰ کے اعتبار سے کیوں جزِ کلمہ کی طرح ہے کیونکہ وہ فاعل ہے اور فاعل جزِ کلمہ کی طرح ہوتا ہے، لیکن لفظوں میں تو وہ جدا ہے تو لفظوں میں وہ جزِ کلمہ کی طرح نہیں، لہٰذا اس پر عطف کے لیے تاکید لانے کی ضرورت نہیں۔ اور اسی طرح ضمیرِ منصوب متصل جو ہے وہ لفظوں کے اعتبار سے جزِ کلمہ کی طرح ہے کیونکہ متصل ہے ساتھ جڑی ہوئی ہے، لیکن معنیٰ کے اعتبار سے وہ جزِ کلمہ کی طرح نہیں کیونکہ فعل کے لیے فاعل جزکی طرح ہوتا ہے مفعول فعل کے لیے جزکی طرح نہیں ہوتا، تو لہٰذا اس پر عطف کے لیے تاکید لانے کی ضرورت نہیں، اس پر بھی آپ بغیر تاکید کے عطف کر سکتے ہیں۔ اور یا پھر آپ کو فصل کرنا پڑے گا، اور پھر یہ فصل جو ہے یہ حرفِ عطف سے پہلے بھی فصل کر سکتے ہیں اور حرفِ عطف کے بعد بھی فصل ہو سکتا ہے، اور پھر یہ بھی بتایا تھا کہ یہ فصل کے ساتھ تاکید کا چھوڑنا جائز ہے واجب نہیں: فصل بھی لے آئیں اور تاکید بھی ساتھ لے آئیں آپ یوں بھی کر سکتے ہیں، اور فصل کے ساتھ تاکید کو چھوڑ دیں آپ یوں بھی کر سکتے ہیں اور یہ دونوں چیزیں برابر ہیں۔ اور پھر صاحبِ جامی نے آپ کو بتلایا کہ یہ مسئلہ اختلافی ہے: علمائے بصرہ کے نزدیک جو ہے یہ جو تاکید کا لانا یا فصل کا لانا اور اس کے بعد عطف کرنا یہ علمائے بصرہ والوں کے نزدیک بھی یہ پسندیدہ ہے، اگر اس کے بغیر بھی عطف کریں گے تو وہ کہتے ہیں یہ جائز ہے لیکن پسندیدہ نہیں، جبکہ علمائے کوفہ جو ہیں وہ فرماتے ہیں کہ تاکید یا فصل کے بغیر بھی بغیر قباحت کے عطف جائز ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ چلیے بس بھئی، هٰذَا هُوَ الْمَرَامُ، وَاللّٰهُ أَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْكَلَامِ.

سبق نمبر ۲۰۶: العطف (۴): ضمیرِ مجرور پر عطف میں اعادۂ خافض کا وجوب

شرحِ ملا جامی صفحہ: ۱۸۶ — بتاریخ: ۶ اکتوبر ۲۰۲۲ء

▪ تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث

آگے سبق دیکھیے بھئی: وَإِذَا عُطِفَ عَلَى الضَّمِيرِ الْمَجْرُورِ أُعِيدَ الْخَافِضُ حَرْفًا كَانَ أَوِ اسْمًا؛لِأَنَّ اتِّصَالَ الضَّمِيرِ الْمَجْرُورِ بِجَارِّهِ أَشَدُّ مِنَ اتِّصَالِ الْفَاعِلِ الْمُتَّصِلِ بِالْفِعْلِ؛لِأَنَّ الْفَاعِلَ إِنْ لَمْ يَكُنْ ضَمِيرًا مُتَّصِلًا جَازَ انْفِصَالُهُ، وَالْمَجْرُورُ لَا يَنْفَصِلُ مِنْ جَارِّهِ، فَكُرِهَ الْعَطْفُ عَلَيْهِ إِذْ يَكُونُ كَالْعَطْفِ عَلَى بَعْضِ حُرُوفِ الْكَلِمَةِ.

بھئی گزشتہ سبق میں صاحبِ کافیہ نے آپ کو ایک ضابطہ بتلایا تھا کہ جب ضمیرِ مرفوع متصل پر آپ عطف کریں تو پہلے اس کی تاکید لائی جائے گی منفصل کے ساتھ۔ وجہ یہ کہ ضمیرِ مرفوع متصل جو ہے جزوِ کلمہ کی طرح ہے۔ میں نے آپ کو ضمائر کی تفصیل بھی بتلائی تھی کہ یہ ضمیریں جو ہیں بنیادی طور پر وہ چودہ ضمیریں ہیں بھئی۔ ان میں سے چھ جو ہیں غائب کے لیے ہیں، چھ مخاطب کے لیے ہیں اور دو متکلم کے لیے ہیں۔ اور پھر جو غائب کے لیے چھ ہیں ان میں سے تین مذکر کے لیے ہیں اور تین مؤنث کے لیے۔ اور پھر جو تین مذکر کے لیے ہیں وہ ایک مفرد کے لیے ہے، ایک تثنیہ کے لیے ہے اور ایک جمع کے لیے۔ اور اسی طرح مؤنث میں بھی جو تین ہیں ایک مفرد کے لیے، ایک تثنیہ کے لیے اور ایک جمع کے لیے۔ اور جو مخاطب کے لیے چھ ہیں ان میں بھی یہی تفصیل ہے کہ تین مذکر کے لیے ہیں اور تین مؤنث کے لیے، جبکہ دو متکلم کے لیے ہیں۔

تو یہی چودہ ضمیریں ہیں، یہ کبھی مرفوع ہوتی ہیں، کبھی منصوب ہوتی ہیں اور کبھی مجرور۔ اور کبھی منفصل ہوتی ہیں اور کبھی متصل۔ تو ہر ایک کی صورت الگ الگ ہے۔ ضمیریں یہی ہیں۔ ضمیریں یہی ہیں، صورتیں الگ ہیں۔ تو لہٰذا جس قسم کا مقام ہوگا اسی قسم کی ضمیر استعمال کریں گے۔ اگر رفع والا مقام ہے تو مرفوع استعمال کریں گے۔ نصب والا مقام ہے تو منصوب استعمال کریں گے۔ اور جر والا مقام ہے تو مجرور۔ مثلاً آپ ضمیر لانا چاہتے ہیں اور وہ فاعل ہے، تو فاعل مرفوع ہوتا ہے تو ضمیرِ مرفوع وہاں لائیں گے۔ اور اگر آپ مفعول کے لیے ضمیر لانا چاہتے ہیں تو مفعول تو منصوب ہوتا ہے تو وہاں ضمیرِ منصوب لائیں گے۔ اور اگر آپ ضمیر لانا چاہتے ہیں کہ وہ مضاف الیہ ہے یا اس پر حرفِ جر ہے، تو جو مضاف الیہ ہوتا ہے اور اسی طرح جس پر حرفِ جر داخل ہو وہ مجرور ہوتا ہے، تو پھر وہاں ضمیرِ مجرور لے کر آئیں گے۔

اور پھر یہ جو مرفوع ہے یہ دو قسم پر ہے: یہ کبھی متصل ہوتی ہے اور کبھی منفصل۔ اسی طرح منصوب بھی دو قسم پر ہے: کبھی متصل ہوتی ہے اور کبھی منفصل۔ جبکہ مجرور صرف متصل ہی ہے، اس کی منفصل قسم نہیں ہے بھئی۔ تو لہٰذا کل پانچ قسم کی گویا ضمیریں ہو گئیں بھئی: مرفوع متصل اور مرفوع منفصل، منصوب متصل اور منصوب منفصل، اور مجرور متصل۔ تو یہ چودہ پنجے ستر، یہ ستر ضمیریں ہیں کل بھئی۔ اور پھر میں نے بتلایا تھا کہ کلام کے اندر ضمیروں کے استعمال میں اصل یہ ہے کہ پہلے متصل کو استعمال کیا جائے کیونکہ وہ مختصر ہوتی ہے۔ کسی کلمے کے ساتھ جڑی ہوئی ہے تو مختصر ہو گی، اس کے حروف تھوڑے ہوں گے۔ لیکن اگر کہیں مجبوری آجائے کہ آپ متصل استعمال نہیں کر سکتے تو پھر وہاں پر منفصل استعمال کریں گے۔ تو استعمال میں اصل کیا ہے، کون سی ضمیر استعمال کی جائے؟ متصل بھئی۔

اور پھر میں نے یہ بھی بتلایا تھا کہ یہ جو مرفوع متصل ہے یہ صرف فعل کے ساتھ جڑتی ہے، کس کے ساتھ؟ فعل کے ساتھ جڑتی ہے۔ اور اسی طرح یاد رکھو یہ شبہِ فعل سے بھی جڑتی ہے، یعنی اسمِ فاعل، اسمِ مفعول وغیرہ، لیکن بہرحال وہ بھی فعل کے حکم میں ہیں۔ تو گویا ضمیرِ مرفوع صرف فعل کے ساتھ جڑتی ہے۔ اور ضمیرِ منصوب متصل وہ حرف کے ساتھ بھی جڑتی ہے اور فعل کے ساتھ بھی جڑتی ہے۔ ضَرَبْتُهُ، یہ ہا ضمیر کیا ہے؟ مفعول کی ہے، فعل کے ساتھ جڑی ہوئی ہے۔ اور إِنَّهُ، یہ ہا ضمیر إِنَّ کا اسم ہے اور إِنَّ کا اسم منصوب ہوتا ہے، اور إِنَّ حرف ہے۔ تو ضمیرِ منصوب متصل جو ہے وہ حرف سے بھی جڑتی ہے اور فعل سے بھی جڑتی ہے۔ اور جبکہ مجرور متصل جو ہے وہ حرف کے ساتھ بھی جڑے گی کیونکہ حرفِ جر اس پر داخل ہو گا، اور وہ اسم کے ساتھ بھی جڑے گی کیونکہ مضاف جو ہے وہ اسم ہوتا ہے۔ تو ضمیرِ مرفوع متصل صرف کس کے ساتھ جڑے گی؟ فعل کے ساتھ۔ اور منصوب متصل؟ حرف کے ساتھ بھی اور فعل کے ساتھ بھی۔ اور مجرور متصل؟ حرف کے ساتھ بھی اور اسم کے ساتھ بھی۔

تو اب آپ عطف کرنا چاہتے ہیں ضمیرِ مرفوع متصل پر، تو صاحبِ کافیہ نے آپ کو بتلایا کہ اس صورت میں اس ضمیرِ مرفوع متصل کی آپ کو تاکید لانا پڑے گی منفصل کے ساتھ، یعنی مرفوع منفصل کے ساتھ۔ مرفوع متصل ہے اور اس کی تاکید لانا چاہتے ہیں اور آپ جانتے ہیں مؤکد تاکید کا اعراب ایک ہوتا ہے، تو لہٰذا جو تاکید لائیں گے وہ بھی مرفوع منفصل کے ساتھ لائیں گے۔ جی۔ بات سمجھ میں آرہی ہے؟ تو ضمیرِ مرفوع متصل پر جب عطف کرنا ہو تو کیا لائیں گے؟ اس کی تاکید لائیں گے مرفوع منفصل کے ساتھ۔ وجہ یہ کہ یہ جو مرفوع متصل ہے یہ جزوِ کلمہ کی طرح ہے، لفظوں کے اعتبار سے بھی اور معنیٰ کے اعتبار سے بھی۔ لفظوں کے اعتبار سے یہ اس لیے جزوِ کلمہ ہے کیونکہ یہ لفظ کے ساتھ جڑی ہوئی ہے۔ اور معنیٰ کے اعتبار سے یہ اس لیے جزوِ کلمہ ہے کیونکہ یہ فاعل ہے، اور فاعل جو ہوتا ہے وہ فعل کے لیے جزو کی طرح ہوتا ہے۔ تو یہ لفظاً بھی جزوِ کلمہ اور معناً بھی جزوِ کلمہ۔ لہٰذا اس کی تاکید لائیں گے۔ تاکید کی وجہ سے اس میں ایک قسم کا استقلال پیدا ہو جائے گا۔ ایک اعتبار سے گویا یہ مستقل ہو گئی۔ کیونکہ تاکید تو پورے کلمے کی لائی جاتی ہے، جزوِ کلمہ کی نہیں لائی جاتی۔ تو جب

اس کی تاکید آجائے گی اس سے پتہ چل جائے گا کہ یہ بظاہر یہ جزوِ کلمہ لگ رہا ہے لیکن حقیقت میں یہ جزوِ کلمہ نہیں ہے۔ کس سے پتہ چلے گا؟ تاکید سے۔ جب تاکید سے اب پتہ چل گیا کہ یہ حقیقت میں جزوِ کلمہ نہیں ہے تو اب اس پر آپ عطف کر دیں گے۔ معلوم ہوا یہ جزوِ کلمہ نہیں ہے بلکہ ایک اعتبار سے یہ مستقل ہے بھئی۔ تو اس میں ایک نوع کا استقلال پیدا ہو جائے گا تو پھر اس پر عطف جائز ہو جائے گا۔ تو یہ عطف ہے اس ضمیرِ متصل پر جس کی آپ تاکید لائے ہیں۔ مثلاً ضَرَبْتُ أَنَا وَزَيْدٌ۔ ضَرَبْتُ کی تا یہ ہے مؤکد اور أَنَا ہے اس کی تاکید۔ اور زَيْدٌ کا عطف کس پر ہے؟ تا ضمیر پر ہے یا أَنَا پر ہے؟ تا ضمیر پر ہے، أَنَا پر نہیں۔ اس لیے کیونکہ أَنَا تو تاکید ہے اور آپ نے ضابطہ پڑھا ہے کہ معطوف کا وہی حکم ہوتا ہے جو معطوفٌ علیہ کا۔ تو اگر آپ اس أَنَا پر عطف کریں گے تو وہ جو آگے معطوف ہے وہ بھی تاکید بن جائے گا حالانکہ اس کا تو تاکید ہونا باطل ہے، وہ تاکید نہیں بن سکتا اس ضمیر کے لیے۔

اور پھر یہ بھی بتلایا تھا صاحبِ جامی نے کہ ضمیرِ مرفوع منفصل آپ اس پر عطف کرنا چاہتے ہیں تو اس پر عطف بغیر تاکید کے بھی جائز ہے۔ ضمیرِ مرفوع منفصل مثلاً وہ فاعل ہے تو معنیٰ کے اعتبار سے وہ جزوِ کلمہ کی طرح ہے۔ کیونکہ فاعل فعل کے لیے کیا ہوتا ہے؟ جزوِ کلمہ۔ تو معنیٰ کے اعتبار سے وہ جزوِ کلمہ کی طرح ہے لیکن لفظوں کے اعتبار سے تو وہ منفصل ہے۔ تو صرف معناً جزوِ کلمہ ہے، لفظاً جزوِ کلمہ نہیں۔ لہٰذا اس پر بغیر تاکید کے بھی آپ عطف کر سکتے ہیں۔ لفظاً اور معناً دونوں اعتبار سے جزوِ کلمہ ہوتی تو پھر تاکید ہم کہتے کہ تاکید لے کر آؤ، پھر عطف کرو۔ لیکن وہ تو صرف کیا ہے؟ ضمیرِ منفصل، ضمیرِ مرفوع منفصل، وہ معناً تو جزوِ کلمہ ہے، لفظاً جزوِ کلمہ نہیں، لہٰذا اس پر بغیر تاکید کے بھی عطف جائز ہے۔ اسی طرح منصوب متصل: ضَرَبْتُكَ وَزَيْدًا۔ تو یہ زَيْدًا کا عطف کاف ضمیر پر ہے اور یہ مفعول ہے، منصوب متصل ہے۔ اس پر بھی بغیر تاکید کے عطف جائز ہے۔ وجہ یہ کہ یہ لفظاً تو جزوِ کلمہ ہے، ساتھ جڑی ہوئی ہے، ضَرَبْتُ کے ساتھ جڑی ہوئی ہے، لیکن معنیٰ کے اعتبار سے یہ جزوِ کلمہ نہیں کیونکہ یہ مفعول ہے اور مفعول فعل کا جزو نہیں ہوتا۔ فاعل تو فعل کا جزو ہے، فاعل یا نائبِ فاعل کے بغیر تو فعل پورا ہی نہیں ہوتا، لیکن مفعول فعل کے لیے جزو کی طرح نہیں۔ تو لہٰذا منصوب متصل پر جب آپ عطف کریں گے تو تاکید لانے کی ضرورت نہیں۔ کیوں نہیں لانے کی ضرورت؟ کیونکہ یہ لفظاً جزو ہے، معناً جزو نہیں۔ اور تاکید تب ضرورت پیش آتی ہے جب لفظاً بھی جزو ہو اور معناً بھی جزو ہو، جیسے کہ مرفوع متصل میں تھا۔

اور پھر اس کے بعد صاحبِ جامی نے آپ کو یہ بھی بتلایا تھا کہ اگر درمیان میں فصل آجائے یعنی متبوع اور تابع کے درمیان فصل آجائے پھر آپ تاکید کو ترک بھی کر سکتے ہیں۔ جیسے ضَرَبْتُ الْيَوْمَ وَزَيْدٌ۔ تو اب الْيَوْمَ درمیان میں آگیا تو اب آپ نے أَنَا کو حذف کر دیا۔ اور اگر آپ چاہیں تو اس کو لا بھی سکتے ہیں: ضَرَبْتُ الْيَوْمَ أَنَا وَزَيْدٌ۔ یہ أَنَا تاکید ہو جائے گی اس ضَرَبْتُ کے اندر جو تا ضمیر ہے۔ تو جب فصل آجائے تو آپ تاکید کو ترک کر سکتے ہیں۔ وجہ یہ کیونکہ فصل آنے کی وجہ سے کلام لمبا ہو گیا، تو اب تاکید بھی لائیں گے تو کلام اور زیادہ لمبا ہو جائے گا، لہٰذا اچھا یہی ہے کہ اب تاکید کو کیا کر دیا جائے؟ ترک کر دیا جائے۔ لیکن اگر آپ تاکید لانا چاہیں تو تاکید لا بھی سکتے ہیں۔ اور پھر صاحبِ جامی نے یہ بھی بتلایا تھا کہ یہ جو فصل

لائے یہ حرفِ عطف سے پہلے لانا بھی جائز اور حرفِ عطف کے بعد لانا بھی جائز ہے۔ مثلاً یہ میں نے مثال ذکر کی ضَرَبْتُ الْيَوْمَ وَزَيْدٌ، یہ دیکھو واوٗ حرفِ عطف سے پہلے الْيَوْمَ کا لفظ یعنی فصل آیا ہے۔ اور واوٗ کے بعد بھی فصل آسکتا ہے جیسے قرآن میں ہے: مَا أَشْرَكْنَا وَلَا آبَاؤُنَا۔ دیکھو وَلَا آبَاؤُنَا، یہ واوٗ کے بعد لَا زائد آرہا ہے تو یہ فصل اس کے ذریعے آگیا۔ تو فصل جو ہے حرفِ عطف سے پہلے بھی آسکتا ہے اور حرفِ عطف کے بعد بھی آسکتا ہے بھئی۔

اور اس کے بعد پھر صاحبِ جامی نے آخر میں آپ کو بتلایا تھا کہ یہ مسئلہ اختلافی ہے۔ یہ جو ضمیرِ مرفوع متصل کی تاکید لائی جائے گی یہ مسئلہ اختلافی ہے علمائے بصرہ اور کوفہ کے درمیان، اور نیز متن سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ تاکید کا لانا واجب ہے: وَإِذَا عُطِفَ عَلَى الْمَرْفُوعِ الْمُتَّصِلِ أُكِّدَ بِمُنْفَصِلٍ، تو أُكِّدَ بِمُنْفَصِلٍ کے لفظوں سے بظاہر معلوم ہوتا ہے شاید تاکید کا لانا واجب ہے۔ تو آپ کو صاحبِ جامی نے بتلایا کہ نہیں تاکید کا لانا واجب بھی نہیں ہے، ہاں بہتر ہے۔ کیا ہے؟ علمائے بصرہ کے نزدیک بہتر ہے۔ البتہ وہ بھی یہ مانتے ہیں کہ تاکید اور فصل کو چھوڑنا بھی جائز ہے۔ البتہ تاکید اور فصل کو چھوڑنا قبیح ہے، ناپسندیدہ ہے۔ اور تاکیدیا فصل کو لانا یہ پسندیدہ ہے۔ تو معلوم ہوا کہ یہ مسئلہ وجوبی نہیں ہے، آپ ترک بھی کر سکتے ہیں تاکید اور فصل کو، لیکن اس صورت میں کلام پسندیدہ نہیں ہوگا بھئی۔ اور جبکہ علمائے کوفہ فرماتے ہیں کہ تاکید اور فصل کا لانا کوئی ضروری نہیں ہے، اور ان کو ترک بھی کر دیا جائے تو بھی کلام قبیح نہیں ہے، ناپسندیدہ نہیں ہے۔ تو وہ بھی اس ترک کو جائز قرار دیتے ہیں بغیر قباحت کے، جبکہ علمائے بصرہ ترک کو جائز قرار دیتے ہیں قباحت کے ساتھ۔ فرق سمجھ میں آ گیا؟

اب آئیے آج کے سبق پر۔ کہتے ہیں: وَإِذَا عُطِفَ عَلَى الضَّمِيرِ الْمَجْرُورِ أُعِيدَ الْخَافِضُ حَرْفًا كَانَ أَوِ اسْمًا۔ پہلے متن متن دیکھ لیجیے: وَإِذَا عُطِفَ عَلَى الضَّمِيرِ الْمَجْرُورِ أُعِيدَ الْخَافِضُ نَحْوُ مَرَرْتُ بِكَ وَبِزَيْدٍ۔ دوسرا ضابطہ صاحبِ کافیہ ذکر فرما رہے ہیں کہ جب ضمیرِ مجرور متصل پر عطف کیا جائے، ضمیرِ مجرور تو ہوتی ہی متصل ہے وہاں منفصل ہے ہی نہیں، تو جب بھی ضمیرِ مجرور پر عطف کیا جائے گا تو اس جر دینے والے لفظ کو دوبارہ لایا جائے گا۔ خافض، خفض کہتے ہیں جر کو، خافض جر دینے والا۔ اور جر دینے والی دو چیزیں ہیں آپ کو میں بتا چکا ہوں، کیونکہ مجرور کتنے ہیں؟ دو: ایک جس پر حرفِ جر داخل ہو اور دوسرا مضافٌ الیہ۔ اور مضاف الیہ کو کون جر دیتا ہے؟ مضاف، اور مضاف ہمیشہ اسم ہوتا ہے۔ تو معلوم ہوا کہ وہ جو جر دینے والی چیز ہے اگر وہ حرفِ جر ہے تو اس کا اعادہ کرنا ہوگا، اس کو دوبارہ لانا ہوگا۔ اور اگر وہ جر دینے والا اسم ہے یعنی مضاف ہے تو اس کو دوبارہ لانا ہوگا۔ مَرَرْتُ بِكَ وَبِزَيْدٍ، میں گزرا آپ پر اور زید پر۔ توجہ ہے؟ جی۔ تو مَرَرْتُ بِكَ، یہ کاف ضمیرِ مجرور متصل ہے اور اس پر میں زید کا عطف کرنا چاہتا تھا، میں کہنا چاہتا تھا کہ اے مخاطب میں آپ کے پاس سے اور زید کے پاس سے گزرا۔ تو بِكَ کی کاف ضمیر جو ہے اس پر میں زید کا عطف کرنا چاہتا تھا تو اب اس صورت میں وہ جو خافض ہے، جو جر دینے والی چیز ہے، اس کو بھی دوبارہ لانا پڑے گا۔ اور بِكَ اس کاف کو جر کس نے دیا؟ با جارہ نے، تو لہٰذا اس با کو دوبارہ لاؤں گا: مَرَرْتُ بِكَ وَبِزَيْدٍ۔ بغیر با کے میں نہیں کہوں گا مَرَرْتُ بِكَ وَزَيْدٍ، آپ کہیں زید کا عطف کاف

ضمیر پر ہے، نہیں بھئی وہ ضمیرِ متصل ہے۔ توجہ ہے؟ لہٰذا اس جر دینے والے کا اعادہ کیا جائے گا۔ چاہے وہ جر دینے والا حرف ہو، چاہے وہ جر دینے والا اسم یعنی مضاف ہو۔ مضاف کی مثال...

مثلاً: الْمَالُ بَيْنِي وَبَيْنَ زَيْدٍ۔ الْمَالُ بَيْنِي وَبَيْنَ زَيْدٍ۔ یہ بَيْنَ اسم ہے اور مضاف ہے: الْمَالُ بَيْنِي، بَيْنَ اسم ہے اور مضاف ہے کس کی طرف؟ یائے متکلم کی طرف۔ تو میں یا ضمیر، یہ ضمیرِ مجرور جو ہے اس پر میں زید کا عطف کرنا چاہتا ہوں۔ اور یہ تو ضمیرِ مجرور ہے اور ضمیرِ مجرور پر جب عطف کیا جاتا ہے تو اعادۂ خافض کیا جائے گا، اس جر دینے والے لفظ کو دوبارہ لایا جائے گا۔ اور بَيْنِي، اس یا کو کس نے جر دیا؟ یہ بَيْنَ مضاف نے۔ بَيْنَ مضاف ہے اور یا ضمیر مضافٌ الیہ۔ تو اس بَيْنَ کو دوبارہ لائیں گے۔ تو بَيْنَ زَيْدٍ: الْمَالُ بَيْنِي وَبَيْنَ زَيْدٍ۔ توجہ ہے؟

تو ضابطہ کیا ہوا کہ جب ضمیرِ مجرور پر عطف کیا جائے گا–یہاں ضمیرِ مجرور کے ساتھ متصل کہنے کی بھی نہیں ضرورت، کیونکہ ضمیرِ مجرور ہوتی ہی متصل ہے، منفصل ہوتی ہی نہیں–تو ضمیرِ مجرور پر جب عطف کیا جائے تو کیا کیا جائے گا؟ اس جر دینے والے لفظ کا اعادہ کیا جائے گا، اس کو دوبارہ لایا جائے گا۔ چاہے وہ حرفِ جر ہو، چاہے وہ اسم یعنی مضاف ہو۔

اب ترجمہ دیکھ لیجیے یہ متن کا۔ کہتے ہیں: وَإِذَا عُطِفَ عَلَى الضَّمِيرِ الْمَجْرُورِ اور جب عطف کیا جائے ضمیرِ مجرور پر، أُعِيدَ الْخَافِضُ تو اعادہ کیا جائے گا خافض یعنی جر دینے والے کا۔ نَحْوُ مَرَرْتُ بِكَ وَبِزَيْدٍ جیسے میں گزرا اے مخاطب آپ پر اور زید پر سے۔ تو اس میں دیکھو زید کا عطف کس پر ہے؟ کاف ضمیر پر ہے، اور کاف کو جر دیا با جارہ نے تو اس حرفِ جر کا بھی اعادہ کیا گیا: بِكَ وَبِزَيْدٍ۔

جی اب دیکھیے سارے کو شرح کے ساتھ۔ کہتے ہیں: وَإِذَا عُطِفَ عَلَى الضَّمِيرِ الْمَجْرُورِ أُعِيدَ الْخَافِضُ اور جب عطف کیا جائے ضمیرِ مجرور پر أُعِيدَ الْخَافِضُ تو جر دینے والے کا اعادہ کیا جائے گا، حَرْفًا كَانَ أَوِ اسْمًا چاہے وہ حرف ہو یا اسم ہو۔ لِأَنَّ اتِّصَالَ الضَّمِيرِ الْمَجْرُورِ بِجَارِّهِ اب وجہ ذکر کر رہے ہیں، وجہ سمجھ لیں۔ وجہ آپ کو بتلائیں گے کہ بھئی دیکھیے جب ضمیرِ مرفوع متصل پر آپ عطف کرتے تھے، کس پر؟ ضمیرِ مرفوع متصل پر، تو وہاں آپ تاکید لاتے تھے، یا فصل کرتے تھے، جبکہ یہاں پر جو ضمیرِ مجرور ہے اس کا اتصال جار کے ساتھ زیادہ شدید ہے۔ ایک تو تھی ضمیرِ مرفوع متصل جس کا مسئلہ ہم نے کل پڑھا، کہ ضمیرِ مرفوع متصل کیا ہے؟ جزوِ کلمہ کی طرح ہے۔ کس کی طرح؟ جزوِ... تو اس ضمیرِ مرفوع متصل کا اتصال ہوتا ہے فعل کے ساتھ۔ اور ایک یہ مجرور کا اتصال ہو گا جار کے ساتھ۔ بِكَ، اس کاف کا اتصال ہے با کے ساتھ۔ توجہ ہے؟ یا الْمَالُ بَيْنِي وَبَيْنَ زَيْدٍ، یہ بَيْنِي یا کا اتصال ہے بَيْنَ کے ساتھ۔

بات سمجھ میں آرہی ہے؟ تو یہ جو مجرور کا اتصال ہوتا ہے جار کے ساتھ، یہ اس سے بھی زیادہ شدید ہوتا ہے وہ جو اتصال تھا مرفوع کا فعل کے ساتھ۔ وہ جو ضمیرِ مرفوع متصل کا اتصال تھا فعل کے ساتھ، وہ اتنا مضبوط اور قوی نہیں جتنا مضبوط اور قوی یہ اتصال ہے مجرور کا جار کے ساتھ۔ مجرور کا جار کے ساتھ، چاہے جار حرفِ جر ہو، چاہے اسمِ مضاف ہو۔ تو

ان کا اتصال زیادہ شدید ہے۔ کیونکہ، وجہ یہ، کیونکہ فاعل کبھی کبھی جدا بھی ہو جاتا ہے۔ ضَرَبْتُ، یہ تا ضمیرِ متصل ہے اور یہ فاعل ہے۔ لیکن کبھی کبھار فاعل الگ بھی آجاتا ہے: ضَرَبَ زَيْدٌ۔ جب متصل ضمیر نہ ہو تو فاعل کیا آجاتا ہے؟ منفصل بھی آجاتا ہے، ضَرَبَ زَيْدٌ، اب یہ زید ضَرَبَ کا فاعل ہے۔ معلوم ہوا کبھی فاعل فعل سے جدا ہو جاتا ہے، ہمیشہ متصل ہی نہیں رہتا، کبھی فاعل فعل سے جدا بھی ہو جاتا ہے۔ جبکہ مجرور کبھی جار سے جدا نہیں ہوتا۔ جار مجرور ہمیشہ اکٹھے رہیں گے۔ وہاں منفصل آنے کی کوئی صورت نہیں ہے، چاہے وہ حرفِ جر اور آگے مجرور ہو، چاہے وہ مضاف اور آگے مضاف الیہ ہوں، دونوں میں اتصال بڑا شدید ہے۔ وہاں پر مرفوع متصل میں فاعل اگر ضمیرِ متصل نہیں آئے گا تو منفصل بھی ہو سکتا ہے، لیکن یہاں منفصل ہونے کی کوئی صورت نہیں ہے بھئی۔

تو معلوم ہوا اس کا اتصال زیادہ ہے۔ توجہ ہے؟ اتصال زیادہ ہے اور وہاں پر آپ کیا لاتے تھے؟ تاکید، لیکن اس کے لیے تو مجرور منفصل تو کوئی ہے ہی نہیں، تاکید بھی نہیں لا سکتے۔ اتصال بھی زیادہ قوی اور تاکید بھی نہیں لا سکتے، آپ اس پر عطف کرنا چاہتے ہیں۔ تو تاکید بھی نہیں لا سکتے۔ تو پھر سوال پیدا ہوتا ہے کہ چلو تاکید تو نہیں لا سکتے مجرور کی کیونکہ مجرور منفصل تو ہے ہی نہیں، تو پھر فصل کو لازمی قرار دیتے۔ جیسے وہاں پر کیا تھا؟ فصل تھا مرفوع متصل میں، فصل آجائے تو تاکید کو ترک کرنا بھی جائز، تو یہاں بھی آپ یہی کہہ دیتے کہ چونکہ اس کی مجرور منفصل نہیں ہے، تاکید نہیں لا سکتے، تو پھر فصل لازمی قرار دے دیتے۔ کہتے ہیں نہیں، فصل کا اثر صرف اتنا تھا کہ اس کی وجہ سے تاکید کو ترک کر سکتے ہیں آپ۔ توجہ ہے؟ فصل کا کیا اثر تھا؟ اس کی وجہ سے آپ تاکید کو ترک کر سکتے ہیں اور اس سے زیادہ اس کا اثر نہیں تھا۔ ہاں فصل کے ہوتے بھی آپ تاکید لا بھی سکتے ہیں اور ترک بھی کر سکتے ہیں۔ تو فصل کا اثر کیا تھا؟ کہ اس کی وجہ سے آپ تاکید کو صرف ترک کر سکتے ہیں اور بس۔ لیکن یہاں، یہاں تو تاکید کا احتمال ہی نہیں ہے کیونکہ مجرور منفصل ہے ہی نہیں۔ جب تاکید کا احتمال ہی نہیں ہے تو فصل کا کیا فائدہ ہو گا؟ فصل کا تو یہی فائدہ ہوتا تھا کہ اس کی وجہ سے آپ تاکید کو ترک کر سکتے تھے، اور یہاں تو تاکید کا احتمال ہی نہیں، تاکید ممکن ہی نہیں ہے کیونکہ منفصل ہے ہی نہیں۔ اگر منفصل ہوتی، مجرور منفصل ہوتی، تو ہم کہتے ہاں جی فصل کر دیں اور اس فصل کی وجہ سے اب آپ تاکید کو کیا کر سکتے ہیں؟ چھوڑ سکتے ہیں۔ تو فصل کا اثر صرف اتنا تھا کہ اس کی وجہ سے آپ تاکید کو چھوڑ سکتے ہیں، اس سے زیادہ اس کا اور کوئی اثر نہیں۔ اور یہاں تو تاکید کا احتمال ہی نہیں ہے، تاکید ممکن ہی نہیں ہے کیونکہ مجرور منفصل ہے ہی نہیں، تو فصل کا بھی کوئی اثر نہیں ہو گا۔

بات لگتا ہے ابھی بھی سمجھ میں نہیں آئی، چلیے دیکھیے کتاب پر آگے میں پھر بیان کرتا ہوں۔ تو کہتے ہیں: وَإِذَا عُطِفَ عَلَى الضَّمِيرِ الْمَجْرُورِ أُعِيدَ الْخَافِضُ حَرْفًا كَانَ أَوِ اسْمًا۔ کہتے ہیں جب عطف کیا جائے ضمیرِ مجرور پر تو اس جر دینے والے کا اعادہ کیا جائے گا یعنی اس کو پھر دوبارہ دہرایا جائے گا، چاہے وہ حرف ہو جر دینے والا یا وہ اسم ہو۔ لِأَنَّ اتِّصَالَ الضَّمِيرِ

الْمَجْرُورِ بِجَارِّهِ اس لیے کیونکہ وہ جو اتصال ہے ضمیرِ مجرور کا اپنے جار کے ساتھ أَشَدُّ یہ زیادہ شدید ہے مِنَ اتِّصَالِ الْفَاعِلِ الْمُتَّصِلِ بِالْفِعْلِ وہ جو فاعلِ متصل کا اتصال ہوتا تھا بِالْفِعْلِ، کس کے ساتھ؟ فعل۔ تو اس کے اتصال کے مقابلے میں یہ جار کا اتصال مجرور کے ساتھ زیادہ ہے بھئی۔ تو لِأَنَّ اتِّصَالَ الضَّمِيرِ الْمَجْرُورِ بِجَارِّهِ اس لیے کیونکہ یہ جو ضمیرِ مجرور کا اتصال ہے اپنے جار کے ساتھ أَشَدُّ مِنَ اتِّصَالِ الْفَاعِلِ الْمُتَّصِلِ بِالْفِعْلِ یہ زیادہ شدید ہے اس اتصال کے مقابلے میں جو فاعلِ متصل کا ہوتا تھا بِالْفِعْلِ، کس کے ساتھ؟ فعل کے ساتھ۔ لِأَنَّ الْفَاعِلَ إِنْ لَمْ يَكُنْ ضَمِيرًا مُتَّصِلًا جَازَ انْفِصَالُهُ اس لیے کیونکہ فاعل جو ہے اگر وہ ضمیرِ متصل نہ ہو جَازَ انْفِصَالُهُ تو اس کا انفصال بھی جائز ہے۔ ضَرَبْتُ یا جیسے ضَرَبَ، اس کے اندر هُوَ ضمیرِ متصل ہے۔ لیکن اگر آپ آگے زید فاعل لانا چاہیں تو ضَرَبَ زَيْدٌ، اب متصل نہیں ہے۔ تو فاعل کے اندر تو اگر وہ متصل نہیں ہو گی تو منفصل بھی آسکتا ہے، لیکن مجرور کبھی بھی اپنے جار سے منفصل نہیں ہو سکتا۔ بات سمجھ میں آگئی؟

تو کہتے ہیں: لِأَنَّ الْفَاعِلَ إِنْ لَمْ يَكُنْ ضَمِيرًا مُتَّصِلًا اس لیے کیونکہ فاعل اگر وہ ضمیرِ متصل نہ ہو جَازَ انْفِصَالُهُ تو اس کا جدا ہونا بھی جائز ہے۔ وَالْمَجْرُورُ لَا يَنْفَصِلُ مِنْ جَارِّهِ اور وہ جو مجرور ہوتا ہے وہ جدا نہیں ہوتا اپنے جار سے۔ مجرور اپنے جار سے جدا نہیں ہوتا چاہے ضمیر ہو چاہے غیرِ ضمیر ہو۔ جی۔ ضمیر ہو یا... مثلاً میں کہتا ہوں زَيْدٌ فِي الدَّارِ۔ فِي جارہ، الدَّارِ مجرور۔ یہ فِي الدَّارِ جار مجرور میں شدید اتصال ہے، آپ فِي اور الدَّارِ کے درمیان کوئی اور لفظ نہیں لا سکتے۔ آپ فِي اور الدَّارِ کے درمیان کوئی اور لفظ نہیں لا سکتے۔ وہاں پر اگر ضمیرِ مرفوع متصل نہیں ہے تو آپ منفصل بھی آگے فاعل لا سکتے ہیں، لیکن یہاں پر انفصال کی کوئی صورت نہیں۔ تو جو مجرور ہے، چاہے وہ ضمیر ہو چاہے... بِكَ، اس میں مجرور کاف ضمیر ہے۔ بِزَيْدٍ، اس میں مجرور زید ہے۔ تو یہ جو مجرور ہے چاہے ضمیر ہو یا چاہے غیرِ ضمیر ہو، اس کا اتصال جار کے ساتھ بڑا قوی ہوتا ہے، یہاں انفصال کی صورت نہیں۔ یہ معنیٰ ہے کہ وَالْمَجْرُورُ لَا يَنْفَصِلُ مِنْ جَارِّهِ کہ اور مجرور جو ہے وہ جدا نہیں ہوتا اپنے جار سے۔ یہ جو مجرور لفظ آیا نا اس مطلق مجرور مراد ہے، چاہے ضمیر ہو چاہے غیرِ ضمیر ہو، اسمِ ظاہر ہو بھئی۔

تو کہتے ہیں: وَالْمَجْرُورُ لَا يَنْفَصِلُ مِنْ جَارِّهِ اور مجرور جو ہے وہ جدا نہیں ہوتا اپنے جار سے فَكُرِهَ الْعَطْفُ عَلَيْهِ تو اس پر عطف ناپسندیدہ ہے۔ إِذْ يَكُونُ كَالْعَطْفِ عَلَى بَعْضِ حُرُوفِ الْكَلِمَةِ اس لیے کیونکہ یہ ایسے ہی ہو گا جیسے عطف کیا جائے بعض حروفِ کلمہ پر۔ کلمہ کے بعض حروف پر عطف کرنے کی طرح ہو جائے گا۔ جیسے اگر آپ مجرور پر عطف کریں گے، مجرور ضمیرِ مجرور پر عطف کریں گے، تو یہ ایسے ہی ہے جیسے جزوِ کلمہ پر عطف کر رہے ہوں۔ یعنی زید کی صرف دال پر گویا آپ عطف کر رہے ہیں، اور صرف دال پر عطف کرنا تو صحیح نہیں، عطف تو پورے کلمے پر ہوتا ہے، جزوِ کلمہ پر نہیں ہوتا۔ کہتے ہیں: إِذْ يَكُونُ كَالْعَطْفِ عَلَى بَعْضِ حُرُوفِ الْكَلِمَةِ اس لیے کیونکہ یہ ایسے ہی ہو جائے گا جیسے کہ عطف ہو کلمے کے بعض حروف پر۔ وَلَيْسَ لِلْمَجْرُورِ ضَمِيرٌ مُنْفَصِلٌ اور مجرور کی ضمیرِ منفصل نہیں ہے كَمَا يَجِيءُ فِي الْمُضْمَرَاتِ جیسے کہ مضمرات میں آجائے گا، یعنی ضمیروں کی بحث آگے آئے گی وہاں آجائے گا کہ ضمیرِ مجرور منفصل نہیں ہے، صرف متصل ہے۔

حَتَّى يُؤَكَّدَ بِهِ أَوَّلًا یہاں تک کہ اس کے ذریعے پہلے تاکید لائی جاتی ثُمَّ يُعْطَفَ عَلَيْهِ پھر اس پر عطف کیا جاتا كَمَا عُمِلَ

فِي الْمَرْفُوعِ الْمُتَّصِلِ جیسے کہ مرفوع متصل میں عمل کیا گیا تھا۔ بھئی دیکھیے نا ضمیرِ مرفوع متصل میں کیا کیا گیا تھا؟ پہلے تاکید لائی گئی اور پھر اس پر کیا کیا گیا؟ عطف۔ لیکن یہاں پر مجرور منفصل ہے ہی نہیں۔ منفصل ہے ہی نہیں کہ ہم وہ لاتے اور پھر اس پر عطف کرتے جیسے مرفوع متصل میں عطف کیا گیا تھا۔ معنیٰ سمجھ میں آیا؟ پھر دیکھیے ترجمہ۔ کہتے ہیں: وَلَيْسَ لِلْمَجْرُورِ ضَمِيرٌ مُنْفَصِلٌ كَمَا يَجِيءُ فِي الْمُضْمَرَاتِ حَتَّى يُؤَكَّدَ بِهِ أَوَّلًا ثُمَّ يُعْطَفَ عَلَيْهِ كَمَا عُمِلَ فِي الْمَرْفُوعِ الْمُتَّصِلِ اور کہتے ہیں مجرور کے لیے ضمیرِ منفصل ہے ہی نہیں جیسے کہ ضمیروں کی بحث میں آجائے گا، یہاں تک کہ اس کے ذریعے پہلے تاکید لائی جاتی ثُمَّ يُعْطَفَ عَلَيْهِ پھر اس پر عطف کیا جاتا كَمَا عُمِلَ فِي الْمَرْفُوعِ الْمُتَّصِلِ جیسے کہ مرفوع متصل میں عمل کیا گیا تھا۔

وَفِي اسْتِعَارَةِ الْمَرْفُوعِ لَهُ مَذَلَّةٌ۔ مَذَلَّةٌ یہ مصدر ہے، مصدر ہے ذلیل ہونا، حقیر ہونا، بے وقعت ہونا۔ یہ ایک سوال کا جواب دے رہے ہیں۔ سوال: آپ نے کہا کہ ضمیرِ مجرور متصل کی ہم تاکید بھی نہیں لا سکتے کیونکہ مجرور منفصل نہیں ہے۔ چلو اگر مجرور منفصل نہیں ہے تو مرفوع منفصل اس کے لیے لے آؤ تاکید کے طور پر، بطورِ مجاز کے۔ مجاز کسے کہتے ہیں؟ کہ لفظ کو معنیٰ غیرِ موضوع لہ میں استعمال کرنا۔ جیسے دیکھو لفظِ شیر: شیر کا لفظ اصل میں وضع ہے جنگلی درندے کے لیے، لیکن کبھی کبھی ہم بہادر آدمی کے لیے بھی استعمال کر لیتے ہیں۔ تو آپ نے بھی ضمیرِ مجرور کی تاکید لانی تھی، تو آپ مرفوع منفصل لے آتے اور بطورِ مجاز کے لے آتے، حقیقت میں تو وہ مرفوع منفصل ہے لیکن مجازاً کس کے لیے تاکید لے آتے؟ مجرور متصل کے لیے۔ کہتے ہیں نہیں، اگر ہم مرفوع منفصل کو مجازاً تاکید بنا دیں کس کی؟ مجرور متصل کی۔ کس کی تاکید لانی ہے؟ مجرور متصل کی، اور کیا تاکید لے آئیں؟ مرفوع منفصل۔ تو کہتے ہیں اس میں تو اس مرفوع منفصل کی ذلت ہے بھئی۔ اس کی تحقیر ہے گویا، آپ اس کو بے وقعت کر رہے ہیں، اس کو درجے سے گرا رہے ہیں۔ بھئی کس طرح درجے سے گرا رہے ہیں؟ کہتے ہیں دیکھو یہ جو ضمیرِ مرفوع ہوتی ہے یہ کلام میں مسندٌ الیہ بنتی ہے۔ کیا بنتی ہے؟ مَا ضَرَبَ إِلَّا أَنَا۔ یہ أَنَا کیا ہے؟ فاعل۔ یہ فاعل ہے اور فاعل کیا ہوتا ہے؟ مسند الیہ۔ اور أَنَا قَائِمٌ، یہ أَنَا کیا ہے؟ یہ مبتدا ہے اور مبتدا بھی کیا ہوتا ہے؟ مسند الیہ۔ تو یہ جو مرفوع منفصل ہے یہ تو کلام میں مسند الیہ بنتی ہے، یہ تو اعلیٰ ہے اور مجرور متصل تو ادنیٰ ہے۔ اور آپ ادنیٰ کے تابع کرنا چاہتے ہیں اعلیٰ ضمیر کو؟ مجرور متصل کیا ہے؟ ادنیٰ، اور آپ اس کی تاکید کیا لانا چاہتے ہیں؟ اعلیٰ کو، تو یہ تو آپ نے اعلیٰ کو ادنیٰ کے تابع کر کے گویا اس کو بے وقعت کر دیا، اس کی حیثیت کم کر دی۔ جی۔

مجرور متصل کے بعد—توجہ ہے؟—مجرور متصل کے بعد مرفوع منفصل لانا، صرف آپ صرف ضمیر ویسے نہیں لا رہے، آپ اس کو مجرور کے تابع کر رہے ہیں۔ مجرور کے تابع کر رہے ہیں۔ تو اعلیٰ ضمیر کو آپ ادنیٰ کے تابع کر رہے ہیں۔ تو اس میں اس کی کیا ہے؟ مذلت ہے، اس لیے مرفوع منفصل کو بھی بطورِ تاکید کے ہم استعمال نہیں کر سکتے۔

تو کہتے ہیں: وَفِي اسْتِعَارَةِ الْمَرْفُوعِ لَهُ مَذَلَّةٌ۔ استعارہ کہتے ہیں عاریتاً مانگنا، یعنی بطورِ مجاز کے استعمال کرنا۔ وَفِي اسْتِعَارَةِ

الْمَرْفُوعِ لَهُ مَذَلَّةٌ اور ضمیرِ مرفوع کا استعارہ کرنا اس کے لیے مَذَلَّةٌ اس میں کیا ہے؟ مذلت ہے، اس کی تحقیر ہے۔ یعنی مرفوع کو مجازاً اس مجرور کے لیے استعمال کرنا اس میں اس کی مذلت ہے۔ وَلَا يُكْتَفَى بِالْفَصْلِ۔ اچھا ضمیرِ مجرور کی آپ تاکید نہیں لا سکتے کیونکہ مجرور منفصل ہے ہی نہیں اور مرفوع منفصل کو لانے میں مذلت ہے، تو چلو پھر فصل لے آتے۔ کیا کرتے؟ فصل۔ کہتے ہیں بھئی فصل کا صرف اتنا اثر تھا کہ اس کی وجہ سے تاکید کو ترک کر سکتے تھے۔ فصل کی وجہ سے تاکید کو ترک کر سکتے تھے۔ پیچھے بتایا تھا نا: إِلَّا أَنْ يَقَعَ فَصْلٌ فَيَجُوزُ تَرْكُهُ۔ فصل آجائے تو آپ تاکید کو ترک کر سکتے ہیں۔ فصل کا صرف اتنا کام ہے، کیا کام؟ پھر آپ تاکید کو ترک کر سکتے ہیں اور کوئی اثر نہیں۔ اور یہاں تو تاکید ممکن ہی نہیں ہے ابھی بتایا۔ تاکید ممکن ہی نہیں ہے تو فصل کیا کام کرے گا؟ فصل نے تو یہی کام کرنا تھا کہ تاکید کو ترک جائز ہو جاتا، لیکن یہاں تو تاکید ہے ہی نہیں تو کس چیز کا ترک جائز ہو گا؟ جی۔ بات سمجھ میں آگئی؟

تو کہتے ہیں: وَلَا يُكْتَفَى بِالْفَصْلِ اور فصل پر بھی اکتفا نہیں کیا جائے گا۔ لِأَنَّ الْفَصْلَ لَا تَأْثِيرَ لَهُ اس لیے کیونکہ فصل کی کوئی تاثیر نہیں ہے إِلَّا فِي جَوَازِ تَرْكِ التَّأْكِيدِ بِالْمُنْفَصِلِ لِلِاخْتِصَارِ مگر یہ کہ تاکید بالمنفصل کا ترک جائز ہو جاتا ہے لِلِاخْتِصَارِ اختصار کے لیے۔ فصل کی وجہ سے صرف تاکید بالمنفصل کا ترک جائز ہو جاتا ہے لِلِاخْتِصَارِ کس لیے؟ کلام کو مختصر کرنے کے لیے۔ تو کہتے ہیں: لِأَنَّ الْفَصْلَ لَا تَأْثِيرَ لَهُ إِلَّا فِي جَوَازِ تَرْكِ التَّأْكِيدِ بِالْمُنْفَصِلِ لِلِاخْتِصَارِ مگر یہ کہ فصل جو ہے اس کی کوئی تاثیر نہیں ہے سوائے اس کے کہ اس کی وجہ سے جو تاکید بالمنفصل ہے اس کا ترک جائز ہو جاتا ہے لِلِاخْتِصَارِ اختصار کی وجہ سے۔ فَحَيْثُ لَا يُمْكِنُ التَّأْكِيدُ بِالْمُنْفَصِلِ پس جہاں پر تاکید بالمنفصل ممکن ہی نہ ہو لِعَدَمِهِ کیونکہ منفصل ہے ہی نہیں، منفصل ہے ہی نہیں، تو جہاں پر تاکید بالمنفصل ممکن ہی نہیں ہے لِعَدَمِهِ منفصل کے نہ ہونے کی وجہ سے، لَا يُتَصَوَّرُ لَهُ أَثَرٌ تو یہاں پر فصل کا کوئی اثر تصور ہی نہیں کیا جا سکتا۔ فَكَيْفَ يُكْتَفَى بِهِ تو کیسے اس پر اکتفا کیا جائے گا؟

معنیٰ سمجھ میں آرہا ہے؟ فَكَيْفَ يُكْتَفَى بِهِ تو پھر فصل پر کیسے اکتفا کیا جائے گا؟ فصل کا تو صرف کیا کام تھا؟ اس کی وجہ سے تاکید ترک کر دیتے تھے۔ اور یہاں تو تاکید ممکن ہی نہیں، تو پھر فصل کا کیا اثر ہو گا؟ تو لہٰذا فصل پر کیسے اکتفا کیا جا سکتا ہے؟ اور یاد رکھو فَكَيْفَ يُكْتَفَى بِهِ، فصل پر کیسے اکتفا کیا جائے گا؟ یہ استفہام ہے، لیکن اس کو کہتے ہیں استفہامِ انکاری۔ کیا کہتے ہیں؟ استفہامِ انکاری۔ استفہامِ انکاری اسے کہتے ہیں جہاں کسی چیز کا انکار مقصود ہوتا ہے، پوچھنا مقصود نہیں ہوتا۔ جی۔ فصل پر کیسے اکتفا کیا جائے گا؟ یہ سوال نہیں پوچھا جا رہا بلکہ انکار کیا جا رہا ہے، یعنی فصل پر اکتفا نہیں کر سکتے بھئی۔ استفہامِ انکاری کسے کہتے ہیں؟ جہاں مقصود استفہام نہیں ہوتا بلکہ مقصود انکار ہوتا ہے۔ جی۔

پھر دیکھیے: فَحَيْثُ لَا يُمْكِنُ التَّأْكِيدُ بِالْمُنْفَصِلِ لِعَدَمِهِ اور پس جس جگہ تاکید بالمنفصل ممکن ہی نہ ہو لِعَدَمِهِ أَيْ لِعَدَمِ الْمُنْفَصِلِ منفصل کے نہ ہونے کی وجہ سے، لَا يُتَصَوَّرُ لَهُ أَثَرٌ تو فصل کا کوئی اثر تصور ہی نہیں کیا جا سکتا، فَكَيْفَ يُكْتَفَى بِهِ تو

فصل پر کیسے اکتفا کیا جا سکتا ہے؟ فَلَمْ يَبْقَ إِلَّا إِعَادَةُ الْعَامِلِ الْأَوَّلِ تو باقی نہ رہا مگر یہ کہ اسی عاملِ اول کا اعادہ کیا جائے۔ تاکید بھی نہیں لا سکتے اور فصل بھی نہیں کر سکتے، تو اب ایک ہی چیز رہ گئی کہ کیا کیا جائے؟ اس عامل کا اعادہ کیا جائے، اس کو دوبارہ لایا جائے جس نے جر دیا ہے بھئی۔ تو کہتے ہیں: فَلَمْ يَبْقَ إِلَّا إِعَادَةُ الْعَامِلِ الْأَوَّلِ پس باقی نہ رہا مگر یہ کہ اسی عاملِ اول کا اعادہ کیا جائے، اس کو دوبارہ لایا جائے۔ نَحْوُ مثال کے طور پر مَرَرْتُ بِكَ وَبِزَيْدٍ۔ یہ زید کا عطف کس پر ہے؟ بِكَ کی کاف ضمیر پر ہے، اور وہ ضمیرِ مجرور متصل ہے۔ تو لہٰذا اب اس عامل کو دوبارہ لائیں گے اور کاف کو جر کس نے دیا تھا؟ با نے۔ تو اسی با کو دوبارہ لے آئے: مَرَرْتُ بِكَ وَبِزَيْدٍ۔ یہ ہے حرف کی مثال، کہ وہ عامل حرف ہے اس کو ہم دوبارہ لائے۔ اگلی مثال دیکھیے: وَالْمَالُ بَيْنِي وَبَيْنَ زَيْدٍ، مال میرے اور زید کے درمیان ہے یعنی میرا اور زید کا مال ہے بھئی۔ اب دیکھو بَيْنِي، بَيْنَ مضاف ہے، یا ضمیر مضافٌ الیہ۔ اور اس یا ضمیر پر میں زید کا عطف کرنا چاہتا ہوں۔ اور یا ضمیر تو ہے ضمیرِ مجرور بھئی، اور ضمیرِ مجرور پر جب عطف کریں تو اعادۂ جار واجب ہے۔ اور یا کو جر کس نے دیا؟ بَيْنَ مضاف نے۔ تو اسی مضاف کو دوبارہ لائیں گے: الْمَالُ بَيْنِي وَبَيْنَ زَيْدٍ، مال میرے اور زید کے درمیان ہے۔ جی۔

بات سمجھ میں آ گئی؟ اور یاد رکھو یہ جو دوسرا بَيْنَ لایا گیا ہے یہ زائد ہے۔ یہ کیا ہے؟ زائد ہے۔ یہ زائد ہے: الْمَالُ بَيْنِي وَبَيْنَ زَيْدٍ۔ وجہ یہ کہ بَيْنَ جو ہے—ادھر دیکھیے—بَيْنَ جو ہے وہ متعدد پر داخل ہوتا ہے۔ بَيْنَ کا کیا معنیٰ؟ بیچ میں۔ تو بیچ میں تبھی ہو سکتا ہے جب کم از کم دو چیزوں ہوں، دو چیزوں کے بیچ میں کوئی چیز ہو سکتی ہے۔ توجہ ہے؟ تو بَيْنَ ہمیشہ مضاف ہوتا ہے کس کی طرف؟ متعدد کی طرف۔ جی۔ توجہ ہے؟ بَيْنَ کس کی طرف مضاف ہوتا ہے؟ متعدد کی طرف۔ مثلاً میں کہتا ہوں مال عمر اور زید کے درمیان ہے، تو میں کہوں گا الْمَالُ بَيْنَ عَمْرٍو وَزَيْدٍ۔ الْمَالُ بَيْنَ عَمْرٍو وَزَيْدٍ۔ یہاں دیکھو میں بَيْنَ کو دوبارہ نہیں لایا۔ کیوں نہیں لایا دوبارہ؟ ابھی بتایا تھا الْمَالُ بَيْنِي وَبَيْنَ زَيْدٍ، وہاں میں بَيْنَ کو دوبارہ لایا تھا۔ جی۔ اور الْمَالُ بَيْنَ عَمْرٍو وَزَيْدٍ، یہاں میں بَيْنَ کو دوبارہ نہیں لایا۔ کیا وجہ ہے؟ پھر سنو۔ پہلی مثال میں بَيْنَ دو دفعہ آیا: الْمَالُ بَيْنِي وَبَيْنَ زَيْدٍ۔ اور دوسری مثال میں ذکر کر رہا ہوں الْمَالُ بَيْنَ عَمْرٍو وَزَيْدٍ، وہاں میں بَيْنَ دوبارہ نہیں لایا۔ ہاں شاباش، کیونکہ ابھی ہم نے بتایا کہ ضمیرِ مجرور متصل پر عطف کرنا ہو پھر اعادۂ جار ہو گا، ہر اسم کے لیے اعادۂ جار نہیں ہو گا۔ مثلاً میں کہنا چاہتا ہوں میں زید اور عمر پر گزرا، تو پھر با کو دوبارہ نہیں لاؤں گا کیونکہ یہ ضمیرِ متصل تو نہیں ہے: مَرَرْتُ بِعَمْرٍو وَزَيْدٍ۔ مَرَرْتُ بِعَمْرٍو وَزَيْدٍ۔ اور وہاں کیا تھا؟ مَرَرْتُ بِكَ، ضمیرِ متصل پر میں عطف کر رہا تھا۔ جی۔ بات سمجھ میں آ گئی؟ تو وہاں پر میں ضمیرِ مجرور پر میں عطف کر رہا تھا۔ فرق سمجھ میں آ گیا؟ تو ہر جگہ ہی جہاں آپ عطف کریں مجرور پر اور آپ کہیں شاید اعادۂ جار کرنا پڑے گا، نہیں۔ یہ جب معطوفٌ علیہ کیا ہو؟ ضمیرِ مجرور ہو پھر اعادۂ جار کریں گے۔ جی۔

تو کہتے ہیں: وَالْمَالُ بَيْنِي وَبَيْنَ زَيْدٍ کہ مال میرے درمیان اور زید کے درمیان ہے فَالْمَعْطُوفُ هُوَ الْمَجْرُورُ تو معطوف جو ہے وہ مجرور ہے۔ توجہ ہے؟ اب بھئی ترکیب ذکر کر رہے ہیں ذرا پہلے اس مثال پہ آ جائیے میں ترکیب آپ کو سمجھا دوں:

مَرَرْتُ بِكَ وَبِزَيْدٍ۔ مَرَرْتُ فعل با فاعل۔ تا ضمیر مرفوع محلاً فاعل۔ با جارہ، کاف ضمیر مجرور محلاً معطوفٌ علیہ۔ واؤ حرفِ عطف، با جارہ زائدہ، با جارہ زائدہ، اور زَيْدٍ مجرور لفظاً معطوف۔ یہ با زائدہ ہے، یہ با زائدہ ہے۔ تو زَيْدٍ کا عطف ہو رہا ہے کاف پر، اور کاف کو جر دیا با نے تو زید کو بھی جر دیا با نے۔ معطوفٌ علیہ میں جو عامل ہوتا ہے وہی عامل ہوتا ہے کس میں؟ معطوف میں، تو لہٰذا یہ آپ یہ نہ کہیں یہ زید کو اس با نے جر دیا ہے، بلکہ زید کو پہلی با نے جر دیا ہے۔ جی۔ توجہ ہے؟ تو کاف ضمیر یہ معطوفٌ علیہ اپنے معطوف زید سے مل کر یہ مجرور ہوئی با جارہ کے لیے۔ جار مجرور کے مل کر متعلق ہوئے مَرَرْتُ فعل کے ساتھ۔ اور مَرَرْتُ فعل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہوا۔

دوسری ترکیب بھی دیکھ لیجیے: اَلْمَالُ بَيْنِي وَبَيْنَ زَيْدٍ۔ اَلْمَالُ مرفوع لفظاً بتدا۔ بَيْنَ مضاف۔ بَيْنَ مضاف ہے، بَيْنَ منصوب تقدیراً مضاف۔ بَيْنَ منصوب تقدیراً مضاف۔ منصوب کیوں؟ کیونکہ یہ ظرف ہے، یہ کیا ہے؟ ظرف، یہ مفعولٌ فیہ ہے اور مفعولٌ فیہ کے لیے عامل چاہیے تو یہاں ثَابِتٌ نکالیں گے۔ تو بَيْنَ منصوب تقدیراً مضاف۔ منصوب کیوں؟ کیونکہ ظرف ہے، مفعول فیہ ہے۔ اور تقدیراً کیوں؟ کیونکہ جو بھی اسم مضاف ہو جائے یائے ضمیر کی طرف، علاوہ جمع مذکر سالم کے، اس کا اعراب تینوں حالتوں میں تقدیری۔ تو بَيْنَ منصوب تقدیراً مضاف، یا ضمیر مجرور محلاً مضاف الیہ۔ اور یہ معطوفٌ علیہ ہے، یہ کیا ہے؟ معطوفٌ علیہ ہے۔ آگے واؤ حرفِ عطف، بَيْنَ بَيْنَ یہ زائد ہے، یہ کیا ہے؟ یہ زائد ہے، اور زَيْدٍ مجرور معطوف۔ یہ زَيْدٍ کو یہ بَيْنَ جر نہیں دے رہا یہ جو زید کے ساتھ بَيْنَ جڑا ہوا ہے، کیونکہ یہ بَيْنَ زائد ہے، اور یہ زید کا عطف کس پر ہے؟ بَيْنِي کی یا پر ہے۔ تو اس زید کو بھی یہی پہلا بَيْنَ جر دے رہا ہے۔ جی۔ تو معطوفٌ علیہ اپنے معطوف سے مل کر یہ مضاف الیہ ہوا بَيْنَ کے لیے۔ بَيْنَ مضاف اپنے مضاف الیہ سے مل کر مفعولٌ فیہ ہوا ثَابِتٌ کے لیے۔ ثَابِتٌ صیغہ اسمِ فاعل مرفوع ہے کیونکہ یہ خبر ہے، اور اس کے اندر هُوَ ضمیر مرفوع محلاً اس کا فاعل جو کس کو راجع؟ بتدا کو، خبر کو کس سے جوڑتے ہیں؟ بتدا سے۔ تو ثَابِتٌ صیغہ اسمِ فاعل اپنے فاعل اور مفعول فیہ سے مل کر شبہِ جملہ ہو کر خبر، بتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔ ترکیب سمجھ میں آگئی؟ معلوم ہوا مَرَرْتُ بِكَ وَبِزَيْدٍ، یہ زید کو پہلی با جر دے رہی ہے، ثانی با معدوم ہے، گویا ہے ہی نہیں۔ اور اسی طرح اَلْمَالُ بَيْنِي وَبَيْنَ زَيْدٍ، یہ زَيْدٍ کو پہلا بَيْنَ جر دے رہا ہے اور ثانی بَيْنَ معدوم ہے، گویا ہے ہی نہیں۔

تو دیکھیے ترکیب ذکر کر رہے ہیں شارحِ جامی۔ کہتے ہیں: فَالْمَعْطُوفُ هُوَ الْمَجْرُورُ تو معطوف جو ہے وہ مجرور ہے۔ عطف کے لیے واؤ آیا ہے نا، تو معطوف کیا ہے؟ مجرور ہے، یعنی جس پر وہ جار داخل ہو رہا ہے: وَبِزَيْدٍ، وَبِزَيْدٍ اس میں مجرور کیا ہے؟ زید، یہ ہے معطوف۔ پورا بِزَيْدٍ معطوف نہیں ہے بلکہ صرف زید معطوف ہے۔ اور اسی طرح اَلْمَالُ بَيْنِي وَبَيْنَ زَيْدٍ، اس میں معطوف کیا ہے؟ وَبَيْنَ زَيْدٍ پورا نہیں معطوف بلکہ صرف زید معطوف ہے۔ جی۔ صرف... ہاں، تو صرف جو مجرور ہے دونوں صورتوں میں وہ معطوف ہے، اور جو جار ہے، جو جر دینے والی چیز ہے، چاہے حرف ہے یا اسم، وہ زائد ہے۔ جی۔ بات سمجھ میں آگئی؟

تو کہتے ہیں: فَالْمَعْطُوفُ هُوَ الْمَجْرُورُ تو وہ جو معطوف ہے وہ مجرور ہے وَالْعَامِلُ مُكَرَّرٌ اور عامل کیا ہے؟ مکرر ہے وَجَرُّهُ بِالْأَوَّلِ اور مجرور یہ جو معطوف ہے اس کا جر کس کی وجہ سے ہے؟ پہلے عامل کی وجہ سے ہے وَالثَّانِي كَالْعَدَمِ مَعْنًى اور ثانی عامل کل عدم ہے، یعنی ایسے ہی ہے جیسے وہ نہ ہو، جیسے وہ معدوم ہو، مَعْنًى معنیٰ کے اعتبار سے۔ ثانی جو ہے معنیٰ کے اعتبار سے کل عدم ہے، معدوم کی طرح ہے بِدَلِيلِ قَوْلِهِمْ عربوں کے اس قول کی دلیل کی وجہ سے: بَيْنِي وَبَيْنَكَ، الْمَالُ بَيْنِي وَبَيْنَكَ، عرب کہتے ہیں الْمَالُ بَيْنِي وَبَيْنَكَ۔ توجہ ہے؟ میں نے آپ کو کیا بتایا؟ بَيْنَ مضاف ہوتا ہے متعدد کی طرف۔ ایک کی طرف مضاف نہیں ہوتا، اس میں تعدد ہونا چاہیے۔ ادھر دیکھیے: الْمَالُ بَيْنَ زَيْدٍ وَعَمْرٍو، الْمَالُ بَيْنَ زَيْدٍ وَعَمْرٍو، تو دیکھا بَيْنَ ہمیشہ متعدد کی طرف مضاف ہوتا ہے۔ اوریہاں تو بَيْنِي صرف یا کی طرف مضاف ہے: الْمَالُ بَيْنِي وَبَيْنَكَ۔ تو یہ پہلا بَيْنَ کس کی طرف مضاف ہے؟ یا کی طرف۔ اور دوسرا بَيْنَ کس کی طرف مضاف ہے؟ کاف کی طرف۔ تو یہ ثانی اگر کل عدم نہیں شمار کریں گے، تو بَيْنَ پہلا بھی ایک کی طرف مضاف، دوسرا بھی ایک کی طرف مضاف، حالانکہ بَيْنَ ایک کی طرف مضاف نہیں ہوتا۔ بات بھی سمجھ میں آرہی ہے کہ نہیں؟ اگر آپ ثانی کو کل عدم شمار نہیں کرتے، ثانی کو بھی شمار کرتے ہیں، تو پہلا بَيْنَ مضاف ہوا یا ضمیر کی طرف اور دوسرا بَيْنَ مضاف ہوا کاف ضمیر کی طرف، تو یہ تو ایک چیز کی طرف مضاف ہو گئے بَيْنَ، حالانکہ بَيْنَ ایک چیز کی طرف مضاف نہیں ہوتا۔ تو یہ دلیل ہے اس بات کی کہ ثانی بَيْنَ زائد ہے معنیٰ کے اعتبار سے۔ اس کا معنیٰ میں کوئی دخل نہیں، اگر اس کا معنیٰ میں دخل ہوتا تو پھر تو ایک کی طرف مضاف ہونا صحیح ہی نہ تھا بھئی۔

تو کہتے ہیں: وَالثَّانِي كَالْعَدَمِ مَعْنًى اور دوسرا عامل جو ہے وہ ایسے ہی...

ہے جیسے معدوم ہو، مَعْنًى معنیٰ کے اعتبار سے، بِدَلِيلِ قَوْلِهِمْ عربوں کے اس قول کی دلیل کی وجہ سے: بَيْنِي وَبَيْنَكَ أَيِ الْمَالُ بَيْنِي وَبَيْنَكَ، إِذْ بَيْنَ لَا يُضَافُ إِلَّا إِلَى الْمُتَعَدِّدِ اس لیے کیونکہ بَيْنَ مضاف نہیں ہوتا مگر متعدد کی طرف۔

معلوم ہوا معطوف جو ہے مجرور ہے: مَرَرْتُ بِكَ وَبِزَيْدٍ، یہ زید مجرور ہے۔ الْمَالُ بَيْنِي وَبَيْنَ زَيْدٍ، یہ زید بھی کیا ہے؟ مجرور۔ اور یہ مجرور کس عامل کی وجہ سے ہے؟ ثانی عامل کی وجہ سے یا پہلے کی وجہ سے؟ پہلے کی وجہ سے، اور ثانی تو کل عدم ہے معنیٰ کے اعتبار سے۔ جبکہ بعض علما فرماتے ہیں نہیں: ثانی معنیٰ کے اعتبار سے کل عدم ہے، البتہ لفظوں کے اعتبار سے موجود ہے، عمل کر رہا ہے، جر وہ دے رہا ہے۔ جی۔ یعنی دونوں کا اس بات پہ تو اتفاق ہے کہ معنیٰ کے اعتبار سے ثانی معدوم ہے۔ لیکن پہلے گروہ والے کیا کہتے ہیں؟ کہ لفظوں کے اعتبار سے بھی وہ کل عدم ہے، جر بھی وہ نہیں دے رہا، جر بھی پہلا عامل دے رہا ہے۔ جبکہ دوسرے کہتے ہیں کہ نہیں جر دوسرا ہی عامل دے رہا ہے، البتہ وہ معنیٰ کے اعتبار سے معدوم ہے، گویا ہے ہی نہیں۔ جی۔

تو کہتے ہیں: وَقِيلَ اور کہا گیا ہے جَرُّهُ بِالثَّانِي۔ دیکھو یہ ثانی کو صاحبِ جامی نے قِيلَ کے ساتھ ذکر کیا۔ پہلے قول کو ترجیح

دی ہے کہ ثانی عامل معنیٰ کے اعتبار سے بھی کل عدم اوریوں سمجھو گویا لفظوں کے اعتبار سے بھی کل عدم ہے، وہ عمل نہیں کر رہا، پہلا عامل ہی جر دے رہا ہے۔ جی۔ تو کہتے ہیں: وَقِيلَ—قِيلَ میں نے بتایا یہ صیغۂ تمریض ہے، اس کے ذریعے کمزور قول کو ذکر کیا جاتا ہے—وَقِيلَ اور کہا گیا ہے جَرُّهُ بِالثَّانِي کہ معطوف کا جر جو ہے ثانی یعنی دوسرے عامل کی وجہ سے ہے كَمَا فِي الْحَرْفِ الزَّائِدِ جیسے حرفِ زائد میں ہوتا ہے فِي كَفَى بِاللَّهِ جیسے کہ كَفَى بِاللَّهِ کے اندر ہے۔ یاد رکھو كَفَى فعل ہے، توجہ سے ترکیب سمجھ لو: كَفَى فعل ہے اور یہ با جارہ زائدہ ہے، اور یہ لفظِ اللہ مجرور لفظاً ہے با کی وجہ سے اور مرفوع محلاً ہے، یہ فاعل ہے كَفَى کے لیے۔ كَفَى فاعل چاہتا ہے: كَفَى اللَّهُ...

تو اللہ کافی ہے، اللہ کافی ہے، لیکن عربی میں کیا کہتے ہیں؟ كَفَى بِاللَّهِ۔ یہ با جارہ زائدہ ہے۔ جیسے قرآن کے اندر بھی آیا ہے: كَفَى بِاللَّهِ۔ تو یہ كَفَى بِاللَّهِ کے اندر یہ با جارہ زائدہ ہے، یہ اپنے معنیٰ کا کوئی فائدہ نہیں دے رہا کیونکہ لفظِ اللہ كَفَى کے لیے فاعل ہے۔ لیکن لفظوں میں با عمل کر رہی ہے، لفظِ اللہ کو جر دے دیا اس نے: كَفَى بِاللَّهِ۔ تو دیکھو با معنیٰ کے اعتبار سے زائد ہے، معدوم ہے، لیکن لفظوں کے اعتبار سے عمل کر رہی ہے، جر دے رہی ہے۔ تو یہ علما فرماتے ہیں کہ یہ جو مَرَرْتُ بِكَ وَبِزَيْدٍ، یہ بِزَيْدٍ پر جو با جارہ ہے معنیٰ کے اعتبار سے یہ زائد ہے، اپنے معنیٰ کا اثر نہیں دے رہی، لیکن لفظوں میں عامل ہے، زید کو جر یہ دوسری با دے رہی ہے۔ یا اسی طرح الْمَالُ بَيْنِي وَبَيْنَ زَيْدٍ، یہ دوسرا بَيْنَ معنیٰ کے اعتبار سے معدوم ہے، معنیٰ میں اس کا کوئی اثر نہیں، یہ زائد ہے، لیکن لفظوں کے اعتبار سے یہ بَيْنَ زَيْدٍ، یہ زید کو یہ دوسرا بَيْنَ جر دے رہا ہے۔ پہلے گروہ والے کیا کہتے ہیں؟ پہلا بَيْنَ ہی عامل ہے، ثانی لفظوں میں بھی زائد، معنیٰ میں بھی زائد، اس کا کوئی جر دینے میں دخل نہیں۔ جبکہ دوسرے گروہ والے کیا کہتے ہیں؟ کہ یہ دوسرا عامل ہے۔ جی۔

تو کہتے ہیں، پھر دیکھیے: وَقِيلَ جَرُّهُ بِالثَّانِي كَمَا فِي الْحَرْفِ الزَّائِدِ اور کہا گیا ہے کہ اس معطوف کا جر جو ہے دوسرے عامل کی وجہ سے ہے كَمَا فِي الْحَرْفِ الزَّائِدِ جیسے کہ حرفِ زائد میں ہوتا ہے فِي كَفَى بِاللَّهِ كَفَى بِاللَّهِ کے اندر جیسے حرفِ زائد عمل کر رہا ہے۔

وَهَذَا الَّذِي ذَكَرْنَاهُ أَعْنِي لُزُومَ إِعَادَةِ الْجَارِّ فِي حَالِ السَّعَةِ وَالِاخْتِيَارِ مَذْهَبُ الْبَصْرِيِّينَ۔ کہتے ہیں: وَهَذَا الَّذِي ذَكَرْنَاهُ اور یہ جو ہم نے ذکر کر دیا، أَعْنِي لُزُومَ إِعَادَةِ الْجَارِّ یعنی جار کا اعادہ لازم ہے، جار کا اعادہ... تو یہ جار کے اعادے کے لزوم کو جو ہم نے ذکر کر دیا فِي حَالِ السَّعَةِ وَالِاخْتِيَارِ اختیار اور گنجائش والی حالت میں—سَعَة کا معنیٰ گنجائش، سَعَةٌ، وَسِعَ يَسَعُ سے یہ مصدر ہے، وَسِعَ يَسَعُ سے یہ مصدر ہے بھئی۔ اور یاد رکھو سَعَةٌ بھی ہے اور سِعَةٌ بھی ہے، سین کے فتحہ اور کسرہ دونوں کے ساتھ یہ رائج ہے بھئی، دونوں طرح عربی میں استعمال ہوا ہے، تو یہ گنجائش کو کہتے ہیں—یاد رکھو سَعَةُ الْكَلَامِ کہتے ہیں یہ عام کلام جو نثر ہے۔ یہ جو میں تقریر کر رہا ہوں، بول رہا ہوں دیکھو یہ اشعار نہیں ہیں، غیرِ اشعار ہیں، یا جیسے یہ جامی ہم پڑھ رہے ہیں یہ اشعار نہیں ہیں۔ تو یہ عام کلام ہے، اس میں گنجائش ہوتی ہے۔ اس میں گنجائش ہوتی ہے، آپ جس طرح کا کلام

لانا چاہیں لا سکتے ہیں۔ اور ایک اشعار ہوتے ہیں۔ تو یہ سَعَةُ الْكَلَامِ یہ اشعار کے مقابلے میں لاتے ہیں۔ اشعار کے اندر گنجائش نہیں ہوتی، کیونکہ میں نے آپ کو بتلایا تھا اشعار کے مخصوص اوزان ہوتے ہیں، ان میں ایک حرف آگے پیچھے ہو جائے تو سارے شعر کا وزن خراب ہو جاتا ہے۔ اور جس کو اللہ نے ذوق دیا ہوتا ہے اس کے سامنے آپ شعر پڑھیں، ایک حرف، ایک زیر زبر اگر آگے پیچھے ہو جائے وہ سنتے ہی کہے گا کہ بھئی اس شعر کا وزن تو ٹھیک نہیں۔ شعر کے اندر ایک مخصوص ترنم ہوتا ہے، ایک مخصوص روانی ہوتی ہے، آپ سنتے ہیں جیسے نظمیں پڑھنے والے نظمیں پڑھتے ہیں یا ترانے پڑھتے ہیں، دیکھو ان میں ایک مخصوص ترنم ہوتا ہے، مخصوص روانی ہوتی ہے، ایک حرف، ایک زیر زبر آگے پیچھے ہو جائے تو سارا وزن خراب ہو جاتا ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو اشعار جو ہیں ان میں تنگی ہوتی ہے، ان میں آپ جیسے دل چاہے الفاظ کو نہیں لا سکتے بلکہ آپ کو وزن کا خیال رکھنا پڑتا ہے۔ تو اشعار میں تنگی ہوتی ہے، اور عام کلام کے اندر گنجائش ہوتی ہے آپ جیسے مرضی کلام کو لے کر آئیں، وہاں کسی وزن کا خیال رکھنے کی ضرورت نہیں ہے۔ تو اس کو سَعَةُ الْكَلَامِ کہتے ہیں۔ تو سَعَةُ الْكَلَامِ سے کیا مراد ہوتی ہے؟ نثر، اور یہ کس کے مقابلے میں ہے؟ اشعار کے مقابلے میں ہے۔ تو علامہ جامی فرما رہے ہیں کہ یہ جو ہم نے ذکر کیا کہ جار کا اعادہ لازم ہے، جار کا اعادہ لازم ہے سَعَةِ الْكَلَامِ گنجائش اور اختیار والے کلام میں، اشعار کی تو بات الگ ہے، اشعار میں تو بعض اوقات ایسی چیز بھی جائز ہو جاتی ہے جس کی عام کلام میں گنجائش نہیں ہوتی، کیونکہ اشعار کا وزن خراب ہو رہا ہے اگر ہم قانون اور ضابطے کے مطابق چلیں گے تو شعر کا وزن خراب ہو رہا ہے، تو پھر وہاں ضابطوں سے ہٹنے کی بھی کچھ گنجائش ہوتی ہے۔ توجہ ہے؟ جیسے: أَعِدْ ذِكْرَ نُعْمَانٍ لَنَا۔ اب دیکھو یہ نُعْمَان یہ غیرِ منصرف ہے، غیرِ منصرف ہے، یہاں اس سے مراد امامِ اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ ہیں کیونکہ ان کا نام نعمان ہے بھئی اور کنیت ابو حنیفہ ہے اور ابو حنیفہ سے وہ زیادہ مشہور ہیں بھئی۔ تو شاعر کہتا ہے: أَعِدْ ذِكْرَ نُعْمَانٍ لَنَا۔ تو نُعْمَانٍ لَنَا، تو یہ حالانکہ نُعْمَان غیرِ منصرف ہے، اس پر تو کسرہ اور تنوین نہیں آسکتی، لیکن شاعر نے خلافِ ضابطہ کسرہ اور تنوین اس پر ذکر کر دیا کیونکہ اس کے بغیر وزن صحیح نہیں بن رہا تھا شعر کا۔ تو شعر کے اندر بعض ایسے امور کا ارتکاب بھی جائز ہے جس کی عام کلام کے اندر گنجائش نہیں ہوتی۔

تو صاحبِ جامی یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ یہ جو ہم نے ذکر کیا تھا کہ جب بھی آپ ضمیرِ مجرور پر عطف کرنا چاہیں تو اعادۂ جار لازم ہے، اور کس میں؟ عام کلام میں، اشعار کی بات ہم نہیں کر رہے، کس کی بات کر رہے ہیں؟ عام کلام کے اندر اعادۂ جار لازم ہے۔ یہ بصرہ والوں کا مذہب ہے۔ کس کا مذہب ہے؟ بصرہ والوں کا مذہب ہے، جبکہ کوفہ والے علما فرماتے ہیں کہ عام کلام کے اندر یعنی نثر کے اندر بھی ترکِ اعادہ جائز ہے۔ علمائے بصرہ تو فرماتے ہیں کہ عام کلام کے اندر جب آپ ضمیرِ مجرور پر عطف کریں تو ترکِ جار جائز نہیں، دوبارہ جار کو لانا پڑے گا جو جر دے رہا ہے، ترک جائز نہیں۔ لیکن علمائے کوفہ کیا فرماتے ہیں؟ ترکِ جار جائز ہے عام کلام میں بھی۔

تو کہتے ہیں: وَهَذَا الَّذِي ذَكَرْنَاهُ اور یہ جو ہم نے ذکر کر دیا أَعْنِي لُزُومَ إِعَادَةِ الْجَارِّ یعنی اعادۂ جار کا لازم ہونا فِي حَالِ السَّعَةِ وَالِاخْتِيَارِ گنجائش اور اختیار والی حالت میں، یعنی عام کلام کے اندر، مَذْهَبُ الْبَصْرِيِّينَ یہ کس کا مذہب ہے؟ بصرہ والوں کا مذہب ہے۔ وَيَجُوزُ عِنْدَهُمْ تَرْكُهُ اضْطِرَارًا اور ان کے نزدیک اس کا ترک جائز ہے اضْطِرَارًا اضطرار کی حالت میں یعنی مجبوری کی حالت میں، یعنی اشعار میں۔ کس میں؟ اشعار میں ترک جائز ہے، آپ بغیر اعادے کے بھی عطف کر سکتے ہیں۔ لیکن وَأَجَازَ الْكُوفِيُّونَ تَرْكَ الْإِعَادَةِ لیکن علمائے کوفہ نے جائز قرار دیا ہے اعادہ کے ترک کو فِي حَالِ السَّعَةِ گنجائش والی حالت میں بھی، یعنی نثر کے اندر بھی، مُسْتَدِلِّينَ بِالْأَشْعَارِ استدلال کرتے ہوئے اشعار سے۔ جی۔ کس سے؟ اشعار سے استدلال کرتے ہوئے وہ فرماتے ہیں کہ دیکھو اشعار کے اندر ترکِ اعادہ آیا ہے۔ عربی کے فصیح و بلیغ شاعر نے کیا کیا ہے؟ ترکِ اعادہ کیا ہے، وہ اس عامل کو دوبارہ نہیں لایا ضمیرِ مجرور پر عطف کرتے وقت۔ تو معلوم ہوا عام کلام میں بھی جائز ہے۔ گویا صاحبِ جامی علمائے کوفہ کے مذہب کے ضعف کی طرف اشارہ فرما رہے ہیں کہ علمائے کوفہ کا مذہب کیا ہے؟ ضعیف ہے۔

توجہ ہے؟ نہیں بات سمجھ میں آئی؟ دیکھو، دیکھو پھر سنو۔ علمائے بصرہ فرماتے ہیں عام کلام میں، یعنی گنجائش والے کلام میں، نثر کلام کے اندر ترکِ اعادہ جائز نہیں۔ وہ خافض کو دوبارہ لانا پڑے گا، جر دینے والے عامل کو دوبارہ لانا پڑے گا۔ کب؟ جب آپ ضمیرِ مجرور پر عطف کریں۔ تو عام کلام میں اعادۂ جار کرنا پڑے گا۔ ہاں اشعار میں آپ اعادے کو ترک بھی کر سکتے ہیں مجبوری کی وجہ سے، کیونکہ شعر کا وزن بعض اوقات خراب ہو جاتا ہے۔ جبکہ علمائے کوفہ کیا فرماتے ہیں؟ کہ عام کلام کے اندر بھی اعادے کو ترک کرنا جائز ہے، اعادۂ جار کو ترک کرنا جائز ہے۔ اور دلیل کس کو بناتے ہیں؟ اشعار کو۔ کس کو؟ بھئی اشعار کے اندر تو علمائے بصرہ بھی جائز قرار دیتے ہیں۔ آپ بات کر رہے ہیں عام کلام میں جائز ہے، اور دلیل کس کو بنا رہے ہیں؟ اشعار کو۔ اشعار وہ عام کلام ہے یا اس میں تنگی ہوتی ہے؟ اس میں تو تنگی ہوتی ہے، لہٰذا اشعار کو آپ عام کلام کے لیے دلیل نہیں بنا سکتے۔ جی۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو اشعار کے اندر تو علمائے بصرہ بھی جائز کہتے ہیں، اور آپ استدلال کس سے کر رہے ہیں؟ اشعار سے، اور کس کے لیے کر رہے ہیں؟ عام کلام کے لیے، تو عام کلام کے اندر جائز نہیں ہے بھئی۔ یعنی ان کے مذہب کے ضعیف ہونے کی طرف اشارہ کر دیا صاحبِ جامی نے۔ یہ معنیٰ ہے: وَأَجَازَ الْكُوفِيُّونَ تَرْكَ الْإِعَادَةِ اور علمائے کوفہ نے اعادے کے ترک کو بھی جائز قرار دیا ہے فِي حَالِ السَّعَةِ گنجائش والی حالت میں مُسْتَدِلِّينَ بِالْأَشْعَارِ اشعار سے استدلال کرتے ہوئے۔ جی۔

بات سمجھ میں آگئی؟ بعض علما نے لکھا ہے کہ صرف اشعار سے وہ استدلال نہیں کرتے، بلکہ قرآن کی بعض آیات سے بھی استدلال کرتے ہیں۔ بعض آیات سے بھی استدلال کرتے ہیں، لیکن اس کا بھی پھر علما جواب دیتے ہیں کہ ان آیات

میں عطف متعین نہیں ہے۔ ضمیرِ مجرور پر عطف کیا گیا ہے اور اعادۂ جار نہیں کیا گیا، تو کہتے ہیں وہاں پر عطف متعین نہیں ہے، علما کے اس میں مختلف اقوال ہیں، تو لہٰذا ان آیتوں سے بھی وہ استدلال نہیں کر سکتے بھئی۔ آیت میں اگر اور کوئی احتمال نہ ہوتا پھر تو وہ استدلال کر سکتے تھے، جب اور بھی احتمال آ گئے آیتوں کے اندر تو اب وہ اس سے استدلال نہیں کر سکتے: إِذَا جَاءَ الِاحْتِمَالُ بَطَلَ الِاسْتِدْلَالُ۔

اب آگے دیکھیے: فَإِنْ قِيلَ۔ یہاں سے اب ایک اعتراض اور اس کا جواب ذکر کریں گے۔ فَإِنْ قِيلَ كَيْفَ جَازَ تَأْكِيدُ الْمَرْفُوعِ الْمُتَّصِلِ یہاں سے ایک اعتراض کر رہے ہیں دونوں ضابطوں پر۔ کس پر؟ دونوں ضابطوں پر اعتراض کر رہے ہیں۔ پیچھے دو ضابطے ذکر فرمائے صاحبِ کافیہ نے۔ پہلا ضابطہ کیا؟ کہ مرفوع متصل پر عطف کریں تو تاکید لانا پڑے گی۔ جی۔ اور ضمیرِ مجرور پر عطف کریں تو اعادۂ جار کرنا پڑے گا۔ دو ضابطے ذکر ہوئے۔ پہلا ضابطہ کیا؟ مرفوع متصل پر عطف کرو تو کیا لانا پڑے گی؟ تاکید۔ اور مجرور متصل پر عطف کرو تو اعادۂ جار کرنا پڑے گا۔ اب ان دونوں پر اعتراض کر رہے ہیں۔ اعتراض یہ—ادھر دیکھیے—کہ آپ نے ہمیں پہلا ضابطہ کیا بتایا؟ ضمیرِ مرفوع متصل پر جب آپ عطف کرنا چاہتے ہیں تو منفصل کو لانا پڑے گا پہلے۔ کس کو؟ منفصل کو لانا پڑے گا۔ اور حالانکہ اسی ضمیرِ مرفوع متصل، اس کی تاکید بھی لاتے ہیں اور بدل بھی لاتے ہیں اس سے۔ تاکید اور بدل کے لیے آپ منفصل لانے کو لازمی قرار نہیں دیتے، اور عطف کے لیے آپ منفصل کو لانے کو لازمی قرار دیتے ہیں۔ جی۔ کیا اشکال؟ کہ آپ مرفوع متصل پر عطف کرنا چاہیں تو کہتے ہیں منفصل لانا پڑے گی، اور اسی مرفوع کے لیے، مرفوع متصل کی آپ تاکید بھی لاتے ہیں اور اس کے لیے بدل بھی لاتے ہیں، تاکید اور بدل یہ بھی توابع میں سے ہیں اور عطف بھی کس میں سے ہے؟ توابع میں سے۔ تو تاکید، بدل، عطف تینوں توابع میں سے ہیں، تو تینوں کا حکم ایک جیسا ہونا چاہیے۔ لہٰذا عطف کے لیے آپ کہتے ہیں کہ منفصل کو لانا پڑے گا مرفوع متصل کے بعد، اور تاکید اور بدل لانا تو بغیر منفصل کے بھی آپ جائز قرار دیتے ہیں، تو یہ فرق کیوں کرتے ہیں؟ توجہ ہے؟ تاکید وہ بھی تابع، بدل وہ بھی تابع، عطف وہ بھی تابع، تو تینوں کا حکم ایک جیسا ہونا چاہیے۔ عطف کے لیے مرفوع متصل کے بعد منفصل لانی چاہیے، تو پھر تاکید اور بدل اس کی لائیں، اسی مرفوع متصل کی تاکید یا بدل لائیں تو اس میں بھی کیا ہونا چاہیے؟ منفصل پہلے لانی چاہیے۔ لیکن وہاں آپ بغیر منفصل کے بھی تاکید اور بدل کو جائز قرار دیتے ہیں، اور عطف کے لیے آپ کہتے ہیں کہ منفصل کو ساتھ لانا پڑے گا۔ اعتراض سمجھ میں آیا؟

اور اسی طرح مجرور جو ہے، ضمیرِ مجرور، اس میں آپ نے کہا کہ اعادۂ جار ضروری ہے، اعادۂ جار ضروری ہے کس کے لیے؟ عطف کے لیے، لیکن اسی ضمیرِ مجرور متصل، اس کی تاکید بھی لا سکتے ہیں بغیر اعادے کے اور بدل بھی لا سکتے ہیں بغیر اعادے کے۔ تو عطف کے لیے آپ اعادے کی شرط کیوں لگاتے ہیں حالانکہ تینوں توابع ہیں؟ جی۔ کیا بات ہوئی؟ ضمیرِ مجرور کے لیے آپ کیا کہتے ہیں؟ اعادۂ جار لازم ہے جب عطف کرنا ہو، کیا کرنا ہو؟ عطف کرنا ہو۔ تو عطف کے لیے

آپ اعادے کی شرط لگاتے ہیں، اور اسی مجرور متصل کی تاکید لانی ہو یا اس سے بدل لانا ہو تو پھر آپ اعادۂ جار کی شرط نہیں لگاتے حالانکہ تینوں توابع ہیں۔ اگر عطف میں ایک شرط لگائی ہے تو بدل اور تاکید میں بھی وہ شرط لگانی چاہیے۔ جی۔ اعتراض سمجھ میں آگیا؟ تو دیکھیے پہلے اعتراض پھر اس کا جواب ذکر کریں گے۔

کہتے ہیں: فَإِنْ قِيلَ اگر یہ کہا جائے یعنی یہ اعتراض کیا جائے، كَيْفَ جَازَ تَأْكِيدُ الْمَرْفُوعِ الْمُتَّصِلِ فِي نَحْوِ جَاءُونِي كُلُّهُمْ وَالْإِبْدَالُ مِنْهُ نَحْوُ أَعْجَبْتَنِي جَمَالُكَ مِنْ غَيْرِ شَرْطِ تَقَدُّمِ التَّأْكِيدِ بِالْمُنْفَصِلِ۔ دیکھیے بھئی یہ جَاءُونِي كُلُّهُمْ پہلے یہ جو جملہ آیا اس کی ترکیب سن لو: جَاءُونِي كُلُّهُمْ۔ جَاءُو فعل با فاعل، اس کے اندر واؤ ضمیر مرفوع محلاً یہ ہے فاعل اور یہ ہے مؤکد، آگے اس کی تاکید آرہی ہے۔ اور نونِ وقایہ، یا ضمیر منصوب محلاً مفعولٌ بہ۔ اور كُلُّهُمْ، كُلُّ مرفوع لفظاً مضاف اور هُمْ ضمیر مجرور محلاً مضاف الیہ، یہ هُمْ ضمیر اسی جَاءُو کے فاعل کی طرف لوٹ رہی ہے اور وہ بھی جمع مذکر اور هُمْ ضمیر بھی جمع مذکر۔ جی۔ تو كُلُّهُمْ مضاف مضاف الیہ مل کر یہ تاکید ہوئی جَاءُو کے فاعل کے لیے یعنی واؤ کے لیے۔

تو دیکھو یہ جَاءُو کا جو فاعل ہے یہ ضمیرِ مرفوع ہے، فاعل ہے اور متصل ہے، اور اس کی تاکید لائی گئی كُلُّهُمْ کے ساتھ، اور منفصل یہاں لانا ضروری نہیں۔ عطف کے اندر کیا ضروری تھا؟ منفصل لاتے تھے، اور تاکید میں منفصل لانا—بغیر منفصل کے بھی تاکید لا سکتے ہیں۔

اسی طرح وَالْإِبْدَالُ مِنْهُ، اگلا جملہ دیکھیے: أَعْجَبْتَنِي جَمَالُكَ۔ أَعْجَبْتَ فعل با فاعل، تا ضمیر مرفوع محلاً اس کا فاعل، أَعْجَبْتَ تو نے مجھے تعجب میں ڈالا، نونِ وقایہ، یا ضمیر منصوب محلاً مفعولٌ بہ۔ اور جَمَالُكَ یہ بدل ہے أَعْجَبْتَ کی تا ضمیر سے جو فاعل ہے۔ جی۔ أَعْجَبْتَنِي تو نے مجھے تعجب میں ڈالا، جَمَالُكَ یعنی کہ تیرے حسن و جمال نے۔ تیرے حسن و جمال نے، تو یہ جَمَالُكَ یہ بدل ہے کس سے؟ أَعْجَبْتَ کی تا ضمیر سے۔ اور یہ تا ضمیر مرفوعِ متصل ہے۔ تو مرفوعِ متصل سے بدل آیا، اور اس بدل کے لیے کوئی منفصل ضمیر بیچ میں نہ لانا پڑی۔ جی۔ تو مرفوعِ متصل کی تاکید لائیں تو بھی منفصل نہیں لاتے، اور اس مرفوعِ متصل سے بدل لائیں تو بھی منفصل نہیں لاتے، تو عطف کے لیے پھر آپ منفصل کیوں کہتے ہیں کہ منفصل لانا پڑے گا، حالانکہ تینوں تابع ہیں، تینوں کا ایک جیسا حکم ہونا چاہیے؟ جی۔

اب دیکھیے ترجمہ: فَإِنْ قِيلَ كَيْفَ جَازَ تَأْكِيدُ الْمَرْفُوعِ الْمُتَّصِلِ فِي نَحْوِ کہ کیسے جائز ہے مرفوع متصل کی تاکید فِي نَحْوِ اس جیسی مثالوں میں: جَاءُونِي كُلُّهُمْ، تو یہ كُلُّهُمْ مرفوع کی تاکید ہے مرفوع متصل کی۔ وَالْإِبْدَالُ مِنْهُ اور کیسے جائز ہے مرفوع متصل سے بدل لانا نَحْوُ أَعْجَبْتَنِي جَمَالُكَ اس جیسی مثالوں میں؟ یہ جَمَالُكَ بدل ہے أَعْجَبْتَ کی تا ضمیر سے۔ تو کیسے یہ تاکید اور بدل لانا جائز ہے مِنْ غَيْرِ شَرْطِ تَقَدُّمِ التَّأْكِيدِ بِالْمُنْفَصِلِ بغیر اس شرط کے کہ تاکید بالمنفصل مقدم ہونی چاہیے؟ یعنی ان میں یہ شرط نہیں ہے کہ تاکید بالمنفصل مقدم یعنی پہلے تاکید بالمنفصل لاؤ پھر تاکید لاؤ دوسری، یا پھر بدل لاؤ، نہیں یہاں یہ شرط نہیں۔ تو کہتے ہیں: مِنْ غَيْرِ شَرْطِ تَقَدُّمِ التَّأْكِيدِ بِالْمُنْفَصِلِ تاکید بالمنفصل کے مقدم ہونے کی شرط کے بغیر ہی۔

وَجَازَ أَيْضًا تَأْكِيدُ الضَّمِيرِ الْمَجْرُورِ فِي نَحْوِ اور اسی طرح جائز ہے ضمیرِ مجرور کی تاکید فِي نَحْوِ اس جیسی مثالوں میں—یہ مثال پہلے دیکھ لیں یہ بھی اور ایک اس سے اگلی مثال بھی آرہی ہے—مَرَرْتُ بِكَ نَفْسِكَ۔ مَرَرْتُ بِكَ نَفْسِكَ۔ جی، مَرَرْتُ فعل با فاعل، تا ضمیر مرفوع محلاً اس کا فاعل۔ با جارہ، کاف ضمیر مجرور محلاً یہ ہے مؤکد۔ جی۔ مؤکد، اور نَفْسِكَ یہ کیا ہے؟ تاکید۔ اور مؤکد پر جو اعراب آتا ہے وہی اعراب تاکید پر، اور مؤکد بِكَ یہ کاف ضمیر مجرور محلاً ہے، تو نَفْسِكَ یہ بھی کیا ہے؟ مجرور۔ تو نَفْسِ مجرور لفظاً مضاف اور کاف ضمیر مجرور محلاً مضافٌ الیہ۔ مضاف مضافٌ الیہ مل کر یہ تاکید ہوئی بِكَ میں جو کاف ضمیر ہے اس کی۔ کاف ضمیر مؤکد اپنی تاکید سے مل کر مجرور ہوا با جارہ کے لیے۔ جار مجرور مل کر متعلق ہوا مَرَرْتُ فعل سے، فعل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہوا۔ تو اب دیکھو بِكَ یہ کاف مؤکد ہے، اور نَفْسِكَ اس کی تاکید لائی گئی، اور یہاں اعادۂ جار کی شرط نہیں ہے۔ بِكَ بِنَفْسِكَ نہیں ہے۔ جار کو دوبارہ نہیں لایا گیا۔ معطوف کے لیے آپ کہتے ہیں جار دوبارہ لانا پڑے گا، تو تاکید اور بدل کے لیے آپ کہتے ہیں جار کو دوبارہ نہیں لانا پڑے گا۔

اگلی مثال دیکھیے ایک دو لفظوں کے بعد ہے: عَجِبْتُ بِكَ جَمَالِكَ۔ عَجِبْتُ، عَجِبْتُ بِكَ میں حیران ہوا تجھ پر، میں حیران ہوا تجھ پر یا میں حیران ہوا تیری وجہ سے، جَمَالِكَ یعنی تیرے حسن و جمال کی وجہ سے۔ تو یہ جَمَالِكَ یہ بدل ہے بِكَ کی کاف ضمیر سے۔ پیچھے آیا تھا نَفْسِكَ، وہ تاکید تھی کاف ضمیر کی، اور یہ جَمَالِكَ یہ بدل ہے بِكَ کی کاف ضمیر سے۔ جی۔ اور بدل اور مبدلٌ منہ کا اعراب ایک ہوتا ہے، اس لیے جَمَالِكَ اس کو ہم نے مجرور پڑھا کیونکہ کاف ضمیر مجرور ہے جس سے یہ بدل ہے۔ جی۔ تو عَجِبْتُ بِكَ مجھے تعجب ہوا بِكَ آپ کی وجہ سے جَمَالِكَ یعنی کہ آپ کے حسن و جمال کی وجہ سے۔ تو یہاں دیکھو بِكَ یہ کاف ضمیر مجرور ہے اور جَمَالِكَ اس سے بدل لایا گیا بغیر اعادۂ جار کے۔ جی۔ دوبارہ با نہیں لائی گئی: بِكَ بِجَمَالِكَ نہیں کہا گیا۔ بات سمجھ میں آگئی؟ عطف کے اندر آپ جب ضمیرِ مجرور پر عطف کریں تو آپ اعادۂ جار کی شرط لگاتے ہیں، اور جب اس مجرور کی تاکید یا بدل لایا جائے تو اس میں آپ اعادۂ جار کی شرط نہیں لگاتے حالانکہ تینوں تابع ہیں: تاکید بھی تابع، بدل بھی تابع اور معطوف بھی تابع ہے بھئی۔

دیکھیے دوبارہ ترجمہ۔ کہتے ہیں: وَجَازَ أَيْضًا تَأْكِيدُ الضَّمِيرِ الْمَجْرُورِ فِي نَحْوِ اور جائز ہے ضمیرِ مجرور کی تاکید بھی فِي نَحْوِ اس جیسی مثالوں میں مَرَرْتُ بِكَ نَفْسِكَ، وَالْإِبْدَالُ مِنْهُ اور اسی طرح جائز ہے ضمیرِ مجرور سے بدل لانا نَحْوُ عَجِبْتُ بِكَ جَمَالِكَ اس جیسی مثالوں میں مِنْ غَيْرِ إِعَادَةِ الْجَارِّ بغیر جار کے اعادے کے۔ وَلَمْ يَجُزِ الْعَطْفُ فِي الْأَوَّلِ اور پہلے میں یعنی مرفوع متصل میں عطف جائز نہیں ہے إِلَّا بَعْدَ التَّأْكِيدِ بِالْمُنْفَصِلِ مگر یہ کہ اس کی تاکید با لمنفصل لانے کے بعد۔ جی۔ جی، پہلی صورت میں۔ وَفِي الثَّانِي اور دوسری میں یعنی ضمیرِ مجرور متصل میں عطف جائز نہیں ہے إِلَّا مَعَ إِعَادَةِ الْجَارِّ مگر جار کے اعادے کے ساتھ۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو حاصلِ اعتراض کیا ہوا؟ کہ مجرور—ادھر دیکھیے—مرفوع متصل پر عطف بغیر تاکید با لمنفصل کے جائز نہیں اور حالانکہ اسی مرفوع متصل کی تاکید اور بدل لانا بغیر تاکید با لمنفصل کے جائز ہے۔ اور اسی طرح ضمیرِ مجرور پر عطف بغیر اعادے کے جائز نہیں، لیکن ضمیرِ مجرور سے تاکید اور بدل لانا بغیر اعادۂ جار کے جائز ہے، تو یہ فرق آپ نے کیوں

کیا؟

تو اب جواب دیں گے، جواب سمجھ لو۔ جواب سمجھ لو، جواب کا حاصل یہ ہے—ادھر دیکھیے—جواب کا حاصل یہ ہے کہ تاکید اور بدل، تاکید اور بدل یہ اپنے متبوع کے لیے اجنبی نہیں ہوتے۔ یہ اپنے متبوع کے لیے اجنبی نہیں ہوتے، اور نیز وہاں فصل بالواو بھی نہیں ہوتا۔ تاکید اور مؤکد میں واو لاتے ہیں؟ تاکید اور مؤکد میں واو نہیں لاتے، بدل اور مبدلٌ منہ کے اندر بھی واو نہیں لاتے، ہاں معطوف میں واو لاتے ہیں۔ تو یہ جو تاکید ہے اور یہ جو بدل ہے یہ اپنے متبوع کے لیے یہ اجنبی نہیں۔ یہ اجنبی نہیں، اور نیز درمیان میں واو بھی نہیں تو فصل بھی نہیں آیا۔ فصل بھی نہیں ہے، اجنبی بھی نہیں ہے، اس لیے تاکید لانے کی کوئی حاجت نہیں۔ جی۔ اس لیے درمیان میں تاکید لانے کی یا اعادۂ جار کی کوئی حاجت نہیں ہے۔ کیوں نہیں ہے؟ کیونکہ یہ اپنے متبوع کے لیے—تاکید کا متبوع کیا؟ مؤکد، بدل کا متبوع کیا؟ مبدلٌ منہ—یہ جو بدل اور تاکید ہیں یہ اپنے متبوع کے لیے اجنبی نہیں ہیں۔ اور نیز یہاں پر درمیان میں واو کے ذریعے فصل بھی نہیں آیا۔ تو اس لیے مرفوع متصل میں بغیر منفصل کے آپ تاکید اور بدل لا سکتے ہیں، اور مجرور میں بغیر اعادے کے آپ تاکید اور بدل لا سکتے ہیں۔ بات سمجھ میں آگئی؟

کیا وجہ؟ پھر دہرائیے۔ کہ یہ جو تاکید اور بدل ہیں یہ اپنے متبوع کے لیے اجنبی بھی نہیں اور درمیان میں فصل بھی نہیں آیا، اس لیے یہاں اعادۂ جار بھی ضروری نہیں اور اسی لیے تاکید بالمنفصل بھی ان میں ضروری نہیں۔ جبکہ عطف کے اندر معطوف مغایر ہوتا ہے معطوفٌ علیہ سے: جَاءَنِي زَيْدٌ وَعَمْرٌو۔ زید معطوفٌ علیہ ہے اور عمر کیا ہے؟ معطوف، اور دونوں الگ الگ ہیں بھئی، زید کی ذات الگ ہے، عمر کی ذات الگ۔ تو معطوف جو ہوتا ہے وہ مغایر ہوتا ہے معطوفٌ علیہ سے، اس کے لیے اجنبی ہوتا ہے، اور نیز وہاں حرفِ عطف بھی درمیان میں فصل بھی آجاتا ہے۔ تو اس لیے وہاں زیادہ مناسبت کے لیے یا تو تاکید بالمنفصل لانا پڑے گی یا اعادۂ جار کرنا پڑے گا۔ بات سمجھ میں آئی؟

دیکھیے بھئی صاحبِ جامی تقریر فرمائیں گے، اور زیادہ وضاحت ہو جائے گی، دیکھیے بھئی: قُلْنَا ہم کہتے ہیں: التَّأْكِيدُ عَيْنُ الْمُؤَكَّدِ کہ تاکید وہ تو عینِ مؤکد ہوتی ہے۔ جی۔ تاکید کیا ہوتی ہے؟ عینِ مؤکد۔ ادھر دیکھیے، ادھر دیکھیے: جَاءَنِي زَيْدٌ نَفْسُهُ۔ جَاءَنِي زَيْدٌ نَفْسُهُ۔ زید سے جو ذات مراد ہے، نفسِ زید سے بھی وہی ذات مراد ہے۔ تو زید ہے مؤکد اور نَفْسُهُ ہے اس کی تاکید۔ جَاءَنِي زَيْدٌ نَفْسُهُ میرے پاس زید خود آیا، تو زید مؤکد اور نَفْسُهُ اس کی تاکید، اور یہ تاکید عین مؤکد ہے، زید جس ذات پر دلالت کر رہا ہے نفسِ زید بھی اسی ذات پر دلالت کر رہا ہے۔ تو تاکید عینِ مؤکد ہوتی ہے، کوئی الگ چیز نہیں ہوتی۔ جَاءَنِي الْقَوْمُ كُلُّهُمْ میرے پاس وہ قوم ساری کی ساری آئی، یہ كُلُّهُمْ سے بھی وہی قوم مراد ہے اور الْقَوْمُ سے بھی وہی قوم مراد ہے، تو تاکید اور مؤکد ایک ہی ہوتے ہیں۔

اور بدل، بدل کا بھی یاد رکھو مبدلٌ منہ سے تعلق ہوتا ہے۔ آپ نے پڑھا ہے کافیہ کے اندر اور ہدایۃ النحو وغیرہ میں، آگے قریب ہی بدل کی بحث بھی آرہی ہے کہ بدل چار قسم پر ہے: بدل الکل، بدل البعض، بدل الاشتمال اور بدل الغلط۔

کتنی قسمیں؟ چار۔ نمبر ایک: بدل الکل، بدل البعض، بدل الاشتمال اور... اور بدل الغلط بھئی۔ بات سمجھ میں آگئی؟ غلط میں لام پر فتحہ پڑھیں بھئی، غَلَط۔ تو بدل الکل کسے کہتے ہیں؟ کہ بدل اور مبدلٌ منہ دونوں کا مدلول ایک ہو۔ بدل اور مبدلٌ منہ دونوں کا مدلول ایک ہو۔ مثلاً میں کہتا ہوں جَاءَنِي زَيْدٌ أَخُوكَ، میرے پاس زید یعنی آپ کا بھائی آیا تھا۔ تو دیکھو مخاطب کا ایک بھائی ہے اور اس کا نام زید ہے، تو میں أَخُوكَ اے مخاطب آپ کا بھائی یہ کہہ دوں یا زید کہہ دوں ایک ہی بات ہے۔ زید سے بھی وہی ذات مراد اور أَخُوكَ آپ کا بھائی یہ بھی وہی ذات ہے۔ توجہ ہے؟ تو دیکھو دونوں کا مدلول ایک ہے، زید نے جس پر دلالت کی أَخُوكَ اس نے بھی اسی پر دلالت کی۔ یہ ہے بدل الکل۔ کیا تعریف ہوئی بدل الکل کی؟ کہ مبدلٌ منہ اور بدل دونوں کا مدلول ایک ہی ذات ہو۔

اور ایک ہے بدل البعض۔ بدل البعض یہ ہے کہ جو بدل ہے وہ مبدلٌ منہ کا بعض ہو۔ بدل جو ہے مبدلٌ منہ کا بعض ہو۔ ضَرَبْتُ زَيْدًا رَأْسَهُ۔ ضَرَبْتُ زَيْدًا میں نے زید کو مارا رَأْسَهُ یعنی اس کے سر کو۔ یہ رَأْسَهُ بدل ہے زید سے۔ اور یہ راس زید یہ زید کا کل ہے یا بعض ہے؟ بعض ہے، زید کا سر جو ہے وہ زید کا بعض ہے۔ تو یہ رَأْسَهُ یہ کیا ہے؟ بدل البعض۔

اور ایک ہے بدل الاشتمال۔ بدل الاشتمال وہ ہے جو اپنے متبوع کا نہ کل ہو نہ جز ہو، ہاں اس سے اس کا تعلق ہو۔ جیسے سُلِبَ زَيْدٌ ثَوْبُهُ۔ سُلِبَ زَيْدٌ زید کو چھینا گیا ثَوْبُهُ یعنی اس کے کپڑے کو۔ زید کو چھینا گیا یعنی اس کے کپڑے کو چھینا گیا۔ اب دیکھو یہ جو ثَوْبُهُ یہ بدل ہے زید سے۔ اور زید کا کپڑا یہ نہ زید کا کل ہے نہ زید کا جز ہے، ہاں اس کا زید کے ساتھ تعلق ہے کہ یہ کس کے ہیں؟ زید کے ہیں۔ تو یہ ہے بدل الاشتمال۔ بدل الاشتمال کسے کہتے ہیں؟ کہ بدل مبدلٌ منہ کے ساتھ اس کا تعلق ہو، نہ اس کا کل ہو نہ اس کا جز ہو۔

اور ایک ہوتا ہے بدل الغلط۔ بدل الغلط اسے کہتے ہیں کہ جو غلطی کی وجہ سے لانا پڑے۔ مثلاً میں آپ کو کہنا چاہتا تھا میرے پاس زید آیا، میری زبان پر غلطی سے عمر آگیا، میں فوراً پھر اس کی اصلاح کر کے زید لے آتا ہوں: جَاءَنِي عَمْرٌو زَيْدٌ۔ جَاءَنِي عَمْرٌو زَيْدٌ۔ میں کیا کہنا چاہتا تھا؟ زید، اور غلطی سے کیا کہہ دیا؟ عمر، پھر میں نے فوراً ہی اصلاح کی اور زید بھی لے آیا: جَاءَنِي عَمْرٌو زَيْدٌ۔ تو یہ عمر مبدلٌ منہ ہے اور زید اس سے بدل۔ اور یہ بدل کیوں لانا پڑا؟ اس غلطی کی وجہ سے یہ جو عمر آپ نے غلطی سے کہا تھا، تو اس کو کیا کہتے ہیں؟ بدل الغلط۔

توجہ ہے؟ بات کیا چل رہی ہے؟ بات یہ چل رہی ہے کہ یہ جو تاکید اور بدل ہوتے ہیں یہ اپنے متبوع کے لیے اجنبی نہیں ہوتے۔ اور معطوف اجنبی ہوتا ہے۔ تاکید کیوں نہیں اجنبی؟ کیونکہ تاکید عینِ مؤکد ہوتی ہے۔ تاکید عینِ مؤکد ہوتی ہے، تاکید اور مؤکد ایک ہی چیز ہے۔ اور بدل، بدل بھی اپنے متبوع سے اجنبی نہیں ہے، کیونکہ یا تو بدل الکل ہو گا اور بدل الکل وہ ہے کہ متبوع اور بدل دونوں کا مدلول ایک ہی ہوتا ہے۔ دونوں کا مدلول... تو جب دونوں کا مدلول ایک ہے تو اجنبی نہیں ہے، ایک ہی چیز ہے۔ اور یا وہ بدل البعض ہو گا، بدل البعض بھی اجنبی نہیں کیونکہ وہ اپنے متبوع کا جز ہے بھئی۔ اور بدل الاشتمال وہ بھی اجنبی نہیں کیونکہ اس کا بھی اپنے متبوع کے ساتھ تعلق ہے۔ اور باقی رہ گیا بدل الغلط، ہاں اس کا

تعلق مبدلٌ منہ سے نہیں ہوتا، وہاں غلطی کی وجہ سے آپ دوسرا لفظ لاتے ہیں، لیکن کہتے ہیں بدل الغلط کا اعتبار نہیں ہے کیونکہ بدل الغلط بہت کم کلام میں آتا ہے، نادر ہے، کیا ہے؟ نادر ہے، اور ضابطہ ہے: النَّادِرُ كَالْمَعْدُومِ، نادر چیز جو ہے اس کو معدوم شمار کیا جاتا ہے، گویا ہے ہی نہیں بھئی۔ اس کی وجہ سے ضابطے نہیں بنائے جاتے بھئی۔ تو لہٰذا معلوم ہوا

بدل بھی اپنے متبوع کے لیے اجنبی نہیں، تاکید بھی اپنے متبوع کے لیے اجنبی نہیں۔ لہٰذا وہاں پر، وہاں پر کسی اور مناسبت کی ضرورت نہیں۔ آپ مرفوع متصل کی تاکید لانا چاہتے ہیں یا بدل لانا چاہتے ہیں، تو یہ دونوں تو اس کے لیے اجنبی نہیں ہیں، لہٰذا کچھ اور مناسبت پیدا کرنے کے لیے منفصل لانے کی کوئی حاجت نہیں، پہلے سے ہی مناسبت موجود ہے، اور نیز درمیان میں فصل کے لیے کوئی حرف بھی نہیں آیا۔ تو فصل بھی نہیں آیا اور یہ اجنبی بھی نہیں ہے، لہٰذا بیچ میں منفصل کے ساتھ تاکید لانے کی کوئی حاجت نہیں۔

اسی طرح اگر آپ ضمیرِ مجرور کے لیے تاکید یا بدل لاتے ہیں، تو ضمیرِ مجرور کے لیے تاکید اور بدل یہ اجنبی نہیں، یہ اجنبی نہیں، اور نیز درمیان میں حرفِ فاصل، فصل کے لیے حرفِ عطف بھی نہیں آیا۔ تو فصل بھی نہیں ہے اور اجنبی بھی نہیں ہے، لہٰذا اعادۂ جار کی کوئی حاجت نہیں ہے۔

جبکہ معطوف وہ تو معطوفٌ علیہ کے مغایر ہوتا ہے اور نیز بیچ میں حرفِ عطف بھی آگیا، فصل بھی آگیا۔ اجنبی بھی ہے، فصل بھی آگیا، تو اب کچھ اور مناسبت چاہیے، کچھ اور مناسبت چاہیے، لہٰذا مرفوع متصل میں منفصل کے ساتھ تاکید لا کر اور مناسبت پیدا کی جائے گی، اور مجرور میں اعادۂ جار لا کر مناسبت پیدا کی جائے گی بھئی۔ معطوف اجنبی بھی ہے اور درمیان میں فصل بھی ہے، تو لہٰذا یہاں کچھ مزید مناسبت پیدا کرنی چاہیے بھئی۔ تو لہٰذا مرفوع متصل اس پر عطف کرنا چاہتے ہیں، تو مزید مناسبت کی یہ صورت ہے کہ اس کی تاکید منفصل کے ساتھ لے آؤ، کیا لے آؤ اس کی تاکید؟ منفصل کے ساتھ لے آؤ تاکہ اس کی مناسبت ہو جائے معطوف کے ساتھ، کہ جیسے وہ مستقل ہے یہ بھی کیا ہے؟ مستقل ہے۔ اور نیز کیا کرنا چاہتے ہیں؟ آپ ضمیرِ مجرور پر عطف کرنا چاہتے ہیں، تو معطوف اجنبی بھی ہے اور درمیان میں فصل بھی ہے، تو لہٰذا اعادۂ جار اس جار کو دوبارہ لے آؤ تاکہ اس معطوف کی مناسبت ہو جائے معطوفٌ علیہ کے ساتھ بھئی۔

بات سمجھ میں آگئی؟ دیکھیے بھئی صاحبِ جامی اس کو اور اچھے لفظوں میں بیان کریں گے: قُلْنَا ہم کہتے ہیں: التَّأْكِيدُ عَيْنُ الْمُؤَكَّدِ کہ تاکید جو ہوتی ہے وہ عینِ مؤکد ہوتی ہے۔ وَالْبَدَلُ فِي الْأَغْلَبِ إِمَّا كُلُّ الْمَتْبُوعِ أَوْ بَعْضُهُ أَوْ مُتَعَلِّقُهُ اور بدل جو ہے وہ بھی فِي الْأَغْلَبِ اکثر احوال میں إِمَّا كُلُّ الْمَتْبُوعِ یا تو وہ اپنے متبوع کا کل ہوتا ہے یعنی بدل الکل، أَوْ بَعْضُهُ یا اپنے متبوع کا بعض ہوتا ہے یعنی بدل البعض، أَوْ مُتَعَلِّقُهُ یا اپنے متبوع کا متعلق ہوتا ہے یعنی بدل الاشتمال۔ وَالْغَلَطُ قَلِيلٌ نَادِرٌ اور جبکہ بدل الغلط جو ہے وہ تو قلیل ہے، نادر ہے۔ فَهُمَا تو پس فَهُمَا پس یہ جو تاکید اور بدل ہیں لَيْسَا بِأَجْنَبِيَّيْنِ لِمَتْبُوعِهِمَا یہ دونوں اپنے متبوع کے لیے اجنبی نہیں ہیں، وَلَا مُنْفَصِلَيْنِ عَنْهُ اور نیز یہ بدل اور تاکید اپنے متبوع سے جدا بھی نہیں ہیں لِعَدَمِ تَخَلُّلِ فَاصِلٍ بَيْنَهُمَا— تخلل کا معنی بیچ میں آنا، فاصل فصل دینے والا یعنی کوئی حرف وغیرہ—لِعَدَمِ تَخَلُّلِ فَاصِلٍ بَيْنَهُمَا وَبَيْنَ

مَتْبُوعِهِمَا اور نیز اس لیے کیونکہ ان دونوں کے درمیان اور ان کے متبوع کے درمیان کوئی فاصل بھی بیچ میں نہیں آیا۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تاکید اور مؤکد میں بھی کوئی فصل نہیں آیا اور بدل اور مبدلٌ منہ میں بھی کوئی فصل نہیں آیا، تو یہ منفصل بھی نہیں ہیں۔ پھر ترجمہ دیکھ لیجیے: کہتے ہیں فَهُمَا لَيْسَا بِأَجْنَبِيَّيْنِ لِمَتْبُوعِهِمَا تو یہ بدل اور تاکید جو ہیں دونوں اپنے متبوع کے لیے اجنبی بھی نہیں ہیں وَلَا مُنْفَصِلَيْنِ عَنْهُ اور یہ دونوں اپنے متبوع سے جدا بھی نہیں ہیں لِعَدَمِ تَخَلُّلِ فَاصِلٍ اس لیے کیونکہ کوئی فاصل بیچ میں نہیں آیا بَيْنَهُمَا وَبَيْنَ مَتْبُوعِهِمَا اس تاکید اور بدل اور ان کے دونوں کے متبوع کے درمیان۔

فَلَا حَاجَةَ فِي رَبْطِهِمَا إِلَى مَتْبُوعِهِمَا إِلَى تَحْصِيلِ مُنَاسَبَةٍ زَائِدَةٍ۔ تو کہتے ہیں فَلَا حَاجَةَ فِي رَبْطِهِمَا إِلَى مَتْبُوعِهِمَا تو کوئی حاجت نہیں ہے ان کا ربط دینے کے لیے ان کے متبوع کے ساتھ إِلَى تَحْصِيلِ مُنَاسَبَةٍ زَائِدَةٍ کہ کوئی زائد مناسبت حاصل کی جائے۔ ان کو اپنے متبوع کے ساتھ ربط دینے کے لیے کوئی زائد مناسبت حاصل کرنے کی ضرورت نہیں کیونکہ یہ اجنبی بھی نہیں اور فصل بھی نہیں آیا۔ بِخِلَافِ الْعَطْفِ بخلاف عطف کے، فَإِنَّ الْمَعْطُوفَ يُغَايِرُ الْمَعْطُوفَ عَلَيْهِ اس لیے کیونکہ معطوف جو ہوتا ہے وہ مغایر ہوتا ہے، الگ ہوتا ہے معطوفٌ علیہ سے، اور نیز وَيَتَخَلَّلُ بَيْنَهُمَا الْعَاطِفُ اور نیز معطوف اور معطوفٌ علیہ کے درمیان عاطف آجاتا ہے یعنی حرفِ عطف آتا ہے۔ فَلَا بُدَّ فِيهِ مِنْ تَحْصِيلِ مُنَاسَبَةٍ بَيْنَهُمَا لہٰذا ضروری ہے کہ ان دونوں کے درمیان یعنی معطوف اور معطوفٌ علیہ کے درمیان کوئی اور مناسبت لائی جائے بِتَأْكِيدِ الْمُتَّصِلِ بِالْمُنْفَصِلِ فِي الْمَرْفُوعِ بایں صورت کہ متصل کی تاکید لائی جائے منفصل کے ساتھ فِي الْمَرْفُوعِ کس کے اندر؟ مرفوع کے اندر، وَبِإِعَادَةِ الْجَارِّ فِي الْمَجْرُورِ اور اعادۂ جار کی صورت میں مجرور میں۔ مجرور کے اندر مناسبت کیسے لائی جائے گی؟ اعادۂ جار کے ذریعے، اور مرفوع متصل میں مناسبت کیسے لائی جائے گی؟ منفصل کے ساتھ تاکید لا کر۔

لِيَخْرُجَ الْمُتَّصِلُ الْمَرْفُوعُ عَنْ صِرَافَةِ الِاتِّصَالِ—صِرَافَة کا معنیٰ ہے محض، صِرَافَةُ الِاتِّصَالِ، صِرَافَة کا کیا معنیٰ؟ محض یعنی صرف، صرف، عَنْ صِرَافَةِ الِاتِّصَالِ صرف اتصال، محض اتصال، ترجمہ سمجھ میں آرہا ہے؟—لِيَخْرُجَ الْمُتَّصِلُ الْمَرْفُوعُ عَنْ صِرَافَةِ الِاتِّصَالِ تاکہ مرفوع متصل نکل جائے محض اتصال سے، محض اتصال سے وہ نکل جائے وہ، یعنی وہ تو صرف متصل جزِ کلمہ کی طرح ہے، اس کی تاکید لائیں گے تاکہ آگے آنے والے معطوف کے ساتھ اس کی کیا ہو جائے؟ مناسبت ہو جائے، کیا ہو جائے؟ مناسبت ہو جائے، ورنہ تو صرف متصل ہے اور جب متصل ہے تو جزِ کلمہ کی طرح ہے، جب جزِ کلمہ کی طرح ہے اس پر تو عطف جائز ہی نہیں ہونا چاہیے، تو جب اس کی تاکید آگئی تو تاکید نے اس میں ایک قسم کا استقلال پیدا کر دیا اور اس کی مناسبت آگئی معطوف کے ساتھ۔ معطوف تو اکیلا قائم ہے، وہ تو مستقل ہے، تو یہ متصل کی جب تاکید آگئی تو یہ بھی کس درجے میں ہو گئی؟ مستقل کے درجے میں ہو گئی تو اس کی مناسبت آگئی۔ یہ معنیٰ ہے: لِيَخْرُجَ الْمُتَّصِلُ الْمَرْفُوعُ عَنْ صِرَافَةِ الِاتِّصَالِ تاکہ مرفوع متصل محض اتصال سے نکل جائے وَيُنَاسِبَ الْمَعْطُوفَ عَلَيْهِ اور یہ مناسب ہو جائے کس کے ساتھ؟ معطوفٌ علیہ تو یہ خود ہے! یہ ترجمہ سمجھ لو یہاں پر، ترجمہ مشکل ہے۔ ادھر دیکھیے، ادھر دیکھیے: ضَرَبْتُ أَنَا وَزَيْدٌ۔ ادھر دیکھیے: ضَرَبْتُ أَنَا وَزَيْدٌ۔ آپ زید کا عطف کس پر کرنا چاہتے تھے؟ ضَرَبْتُ کی تا پر۔ اور وہ تو جزِ کلمہ ہے، تو ہم أَنَا

تاکید لائے تاکہ یہ محض اتصال سے نکل جائے کچھ اس میں استقلال آجائے، ورنہ تو پہلے محض اتصال تھا، مستقل کلمے والی صورت یہاں نہیں تھی، تو تاکید لائے تو یہ محض اتصال سے نکل کر کچھ استقلال آگیا اور اس کی مناسبت آگئی کس کے ساتھ؟ يُنَاسِبَ الْمَعْطُوفَ عَلَيْهِ اس چیز کے ساتھ: الْمَعْطُوفَ وہ جس کا عطف کیا گیا ہے عَلَيْهِ اس کے اوپر، یعنی معطوف کے ساتھ اس کی مناسبت آجائے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو مَعْطُوفَ عَلَيْهِ سے نحو میں جس کو معطوفٌ علیہ کہتے ہیں وہ نہیں مراد، مَعْطُوفَ عَلَيْهِ یہاں لغوی معنیٰ میں ہے: الْمَعْطُوفَ وہ جس کا عطف کیا گیا ہے عَلَيْهِ اس کے اوپر۔ تو پھر دیکھیے: لِيَخْرُجَ الْمُتَّصِلُ الْمَرْفُوعُ عَنْ صِرَافَةِ الِاتِّصَالِ تاکہ یہ متصل مرفوع نکل آئے محض اتصال سے وَيُنَاسِبَ الْمَعْطُوفَ عَلَيْهِ اور یہ مناسب ہو جائے اس کے ساتھ جس کا اس پر عطف کیا گیا ہے بِتَأْكِيدِهِ بِالْمُنْفَصِلِ کس کے ذریعے؟ تاکید بالمنفصل کے ذریعے۔

یہ تو تھا مرفوع میں، وہاں تاکید اس لیے لائی گئی تاکہ مناسبت آجائے معطوف کے ساتھ۔ اور مجرور میں، مجرور میں اعادۂ جار تھا، کہتے ہیں عطف کے اندر اعادۂ جار ہم نے لازم قرار دیا تاکہ مناسبت قوی ہو جائے۔ مثلاً مَرَرْتُ بِكَ وَبِزَيْدٍ۔ مَرَرْتُ بِكَ وَبِزَيْدٍ۔ تو یہاں پر زید کا ہم عطف کرنا چاہتے ہیں کاف ضمیر پر، اور یہ ضمیر تو متصل ہے، اور زید کیا ہے؟ وہ معطوف ہے، وہ ضمیر سے مغایر بھی ہے اور بیچ میں واو حرفِ عطف بھی آرہا ہے، تو لہٰذا اب مناسبت کے لیے ضروری ہوا کہ اسی جار کو دوبارہ معطوف پہ بھی داخل کر دو تاکہ معطوف کی مناسبت آجائے معطوفٌ علیہ کے ساتھ۔ جی۔ وہاں مرفوع میں کیا تھا؟ مرفوع متصل کی مناسبت آجائے معطوف کے ساتھ۔ اور یہاں یہ جو معطوف ہے اس پر دوبارہ جار داخل کرو تاکہ معطوف کی مناسبت آجائے اس ضمیرِ مجرور کے ساتھ۔ بات سمجھ میں آگئی؟ یہ معنیٰ ہے: وَقَوِيَ مُنَاسَبَةُ الْمَجْرُورِ اور تاکہ قوی ہو جائے مُنَاسَبَةُ الْمَجْرُورِ وہ جو مجرور کی مناسبت ہے بِانْضِمَامِ الْجَارِّ إِلَيْهِ اس کے ساتھ جار کو ملاتے ہوئے، اس کے ساتھ جار... بِانْضِمَامِ الْجَارِّ إِلَيْهِ اس کے ساتھ جار کے ملنے سے۔ ادھر دیکھیے: مَرَرْتُ بِكَ وَبِزَيْدٍ۔ اس زید کا میں عطف کرنا چاہتا ہوں بِكَ کاف ضمیر پر، تو لہٰذا اس پر بھی جار لے آؤ تاکہ اس زید کی مناسبت قوی ہو جائے کس کے ساتھ؟ اس مجرور کے ساتھ، وہ جو بِكَ کاف ضمیر ہے اس کے ساتھ کیا ہو جائے؟ مناسبت قوی ہو جائے، جیسے اس پر جار داخل ہے اس پر بھی کیا داخل ہے؟ جار داخل ہے۔ یہ معنیٰ ہے: وَقَوِيَ مُنَاسَبَةُ الْمَجْرُورِ بِانْضِمَامِ الْجَارِّ إِلَيْهِ اور قوی ہو جائے اس مجرور کی مناسبت اس کے ساتھ جار کے ملنے سے كَمَا فِي الْمَعْطُوفِ عَلَيْهِ جیسے کس میں ہے؟ معطوفٌ علیہ، ادھر دیکھیے معطوفٌ علیہ وہی ضمیر۔ مَرَرْتُ بِكَ وَبِزَيْدٍ۔ معطوفٌ علیہ بِكَ، یہ کاف ضمیر معطوفٌ علیہ ہے، تو اس کے ساتھ جار ملا ہوا ہے، تو آگے معطوف کے ساتھ بھی جار مل جائے تاکہ اس معطوف کی مناسبت ہو جائے اس معطوفٌ علیہ کے ساتھ، دونوں کے ساتھ جار ملا ہوا ہے معطوف کے ساتھ بھی اور معطوفٌ علیہ کے ساتھ بھی۔ پھر ترجمہ دیکھیے: وَقَوِيَ مُنَاسَبَةُ الْمَجْرُورِ بِانْضِمَامِ الْجَارِّ إِلَيْهِ اور قوی ہو جائے اس مجرور کی مناسبت اس کے ساتھ جار کے ملنے سے كَمَا فِي الْمَعْطُوفِ عَلَيْهِ جیسے کس کے اندر ہے؟ معطوفٌ علیہ میں، جیسے معطوفٌ علیہ میں اس کے ساتھ جار ملا ہوا ہے، مجرور کے ساتھ بھی جار مل کر اس کی

مناسبت ہو جائے گی اس معطوفٌ علیہ کے ساتھ۔ بات سمجھ میں آ گئی؟

حاصلِ کلام یہ کہ آج آپ کو صاحبِ کافیہ نے بتلایا کہ ضمیرِ مجرور پر جب عطف کیا جائے تو اعادۂ جار واجب ہے، اعادۂ جار واجب ہے، وجہ یہ کہ مجرور متصل کا جو اتصال ہوتا ہے جار کے ساتھ یہ زیادہ شدید ہے اس اتصال سے جو مرفوع متصل کا فعل کے ساتھ تھا، اس اتصال سے یہ اتصال زیادہ قوی ہے، کیونکہ فعل سے تو فاعل کبھی جدا بھی ہو جاتا ہے اسمِ ظاہر آ گیا، لیکن یہ مجرور جار سے جدا نہیں ہوتا۔ اور پھر اس کی ہم تاکید بھی نہیں لا سکتے مجرور متصل کی کیونکہ مجرور منفصل ہے ہی نہیں، اور فصل لانے کا بھی کوئی فائدہ نہیں کیونکہ فصل سے تو صرف ایک فائدہ ہوتا تھا کہ تاکید کو چھوڑ دیا جاتا تھا لیکن یہاں تو تاکید ممکن ہی نہیں ہے کیونکہ منفصل ہے ہی نہیں تو لہٰذا فصل کا بھی کوئی فائدہ نہیں۔ لہٰذا ایک ہی صورت رہ گئی کہ جار کو دوبارہ لایا جائے۔

اور پھر صاحبِ جامی نے بتلایا تھا کہ یہ جو جارِ ثانی ہے یہ عامل نہیں ہے، عامل وہ پہلا جار ہی ہے، یہ پہلا جار ہی ہے۔ تو یہ ثانی لفظاً بھی یوں سمجھو گویا معدوم ہے عمل نہیں کر رہا اور معنًی بھی معدوم ہے کہ یہ معنیٰ کا فائدہ نہیں دے رہا۔ جبکہ بعض علما فرماتے ہیں کہ یہ جو ثانی ہو گا یہ معنًی تو معدوم ہے، معنیٰ کا فائدہ تو نہیں دے رہا، لیکن لفظاً یہ عمل کر رہا ہے، جر یہی ثانی دے رہا ہے، لیکن اس کو صاحبِ جامی نے قِیلَ کے ساتھ ذکر کیا، معلوم ہوا وہ پہلا قول ہی ان کے نزدیک راجح ہے بھئی۔ اور پھر اس کے بعد صاحبِ جامی نے بتلایا تھا کہ یہ علمائے بصرہ کا مذہب ہے، علمائے بصرہ کا مذہب ہے کہ جب ضمیرِ مجرور پر عطف کیا جائے گا تو اعادۂ جار لازم ہے، کس کے اندر؟ عام کلام کے اندر، جبکہ اشعار کے اندر ترک بھی جائز ہے، ترکِ اعادہ بھی جائز ہے۔ جبکہ علمائے کوفہ فرماتے ہیں کہ عام کلام کے اندر بھی ترکِ اعادہ جائز ہے، اور وہ استدلال کرتے ہیں اشعار سے۔ تو ان کے مذہب کے ضعف کی طرف اشارہ کر دیا کہ اشعار سے استدلال کر رہے ہیں، اشعار تو عام کلام کی طرح نہیں ہوتے، وہاں تو محل تنگ ہوتا ہے آپ نے وزن کا لحاظ رکھنا ہوتا ہے، وہاں اگر ترکِ اعادہ کیا گیا ہے وہ تو ضرورتِ شعری کی وجہ سے ہو گا اور آپ اس کو عام کلام میں کیسے پھر جائز قرار دیتے ہیں۔ اور پھر اس کے بعد دو اعتراض اور ان کے جواب ذکر کیے: ایک پہلا اعتراض یہ، پہلا اعتراض یہ کہ ضمیرِ مرفوع متصل پر جب عطف کیا جاتا ہے تو آپ نے کہا

سبق نمبر ۲۰۷: العطف (۵): معطوف کا حکم معطوف علیہ کے حکم میں ہونے کا بیان

شرحِ ملا جامی صفحہ: ۱۸۸ — بتاریخ: ۸ اکتوبر ۲۰۲۲ء

▪ تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث

آگے سبق دیکھیے بھئی: وَالْمَعْطُوفُ فِي حُكْمِ الْمَعْطُوفِ عَلَيْهِ فِيمَا يَجُوزُ لَهُ وَيَمْتَنِعُ مِنَ الْأَحْوَالِ الْعَارِضَةِ لَهُ نَظَرًا إِلَى مَا قَبْلَهُ بِشَرْطِ أَنْ لَا يَكُونَ مَا يَقْتَضِيهَا مُنْتَفِيًا فِي الْمَعْطُوفِ.

گزشتہ سبق میں صاحبِ کافیہ نے آپ کو عطف سے متعلق ایک ضابطہ بتلایا تھا۔ ضابطہ یہ تھا کہ وَإِذَا عُطِفَ عَلَى الضَّمِيرِ الْمَجْرُورِ أُعِيدَ الْخَافِضُ کہ جب ضمیرِ مجرور پر عطف کیا جائے تو جر دینے والے لفظ کا اعادہ کیا جائے گا۔ اور جر دینے والی تو دو ہی چیزیں ہیں، مجرور تو دو ہی ہیں کلامِ عرب میں: ایک وہ جس پر حرفِ جر داخل ہو، اور دوسرا مضاف الیہ ہے یعنی جس کی طرف کوئی اسم مضاف ہو۔ تو معلوم ہوا اسم بھی جر دیتا ہے مضاف ہو کر اور حرفِ جر بھی جر دیتا ہے۔ تو جو چیز جر دینے والی ہے اس کا اعادہ کریں گے۔ کب؟ جب آپ کس پر عطف کریں؟ ضمیرِ مجرور پر۔

میں نے آپ کو بتلایا تھا کہ ضمیریں جو ہیں وہ یا تو مرفوع ہوں گی یا منصوب ہوں گی یا مجرور ہوں گی۔ اور جس قسم کا محل ہو وہاں اسی قسم کی ضمیر استعمال کی جائے گی۔ اگر رفع والا محل ہو تو ضمیرِ مرفوع، نصب والا محل ہو تو ضمیرِ منصوب، اور جر والا محل ہو تو ضمیرِ مجرور بھئی۔ اور پھر بتلایا تھا کہ یہ جو مرفوع اور منصوب ہیں یہ دو دو قسم پر ہیں، یا یہ منفصل ہوں گی یا متصل ہوں گی۔ جبکہ مجرور صرف متصل ہے، منفصل ہے ہی نہیں۔ لہٰذا ضمیرِ مجرور کے ساتھ متصل کی قید لگانے کی بھی ضرورت نہیں ہے۔ بس جب آپ نے کہہ دیا ضمیرِ مجرور تو خود ہی پتہ چل گیا کہ یہ وہی متصل ہی مراد ہے کیونکہ منفصل تو ہوتی نہیں۔

تو جب ضمیرِ مجرور پر عطف کیا جائے تو جو معطوف ہے اس پر اس جر دینے والے لفظ کو دوبارہ داخل کریں گے۔ جیسے مَرَرْتُ بِكَ، اس بِكَ کی کاف پر میں عطف کرنا چاہتا ہوں زید کا، اور اس کاف کو جر دیا ہے با جارہ نے، تو یہ خافض ہے، یہ با کیا ہے؟ خافض جو جر دے رہی ہے، تو اس کا اعادہ کرنا پڑے گا، اور یوں کہیں گے مَرَرْتُ بِكَ وَبِزَيْدٍ۔ اور پھر ترکیب بھی

بتلائی تھی صاحبِ جامی نے کہ یہ جو بِزَيْدٍ کے اندر با ہے یہ جارہ زائدہ ہے، لفظوں کے اعتبار سے بھی یہ زائد اور معنیٰ کے اعتبار سے بھی یہ زائد ہے۔ لفظوں کے اعتبار سے زائد ہونے کا معنیٰ یہ ہے کہ یہ جر نہیں دے رہی، یہ زید کو جر وہی پہلی با دے رہی ہے، جو معطوف علیہ کے اندر با عامل ہے وہی عامل ہے معطوف میں بھی۔ تو یہ بِزَيْدٍ میں با لفظوں کے اعتبار سے بھی زائد کہ یہ جر نہیں دے رہی زید کو، اور معنیٰ کے اعتبار سے بھی زائد ہے کیونکہ یہ با اپنے معنیٰ کا فائدہ نہیں دے رہی۔

اور اسی طرح اسم میں اَلْمَالُ بَيْنِي وَبَيْنَ زَيْدٍ۔ مثلاً اَلْمَالُ بَيْنِي، میں کہنا چاہتا ہوں یہ میرا اور زید کا مال ہے، یہ ہم دونوں کے بیچ ہے یعنی اس میں ہم دونوں کا حصہ ہے۔ تو میں کہتا ہوں اَلْمَالُ بَيْنِي اور اس بَيْنِي کے ساتھ جو یا ضمیر مضاف الیہ ہے متکلم کی اس پر میں زید کا عطف کرنا چاہتا ہوں۔ تو یہ ضمیرِ مجرور ہے اور ضمیرِ مجرور پر جب عطف کرنا ہو تو جار کا اعادہ کریں گے۔ تو لہٰذا یہاں پر بَيْنَ کو ہم دوبارہ لائیں گے یعنی مضاف کو، اَلْمَالُ بَيْنِي وَبَيْنَ زَيْدٍ، کہ یہ مال میرے اور زید کے درمیان ہے یعنی اس میں ہم دونوں کا حصہ ہے، ہم دونوں اس میں شریک ہیں۔

اور دلیل بھی ذکر کی تھی صاحبِ جامی نے۔ صاحبِ جامی نے بتلایا تھا کہ یہ جو بَيْنَ ثانی ہے، یہ جو زید پر داخل ہوا اَلْمَالُ بَيْنِي وَبَيْنَ زَيْدٍ، یہ جو زید پر بَيْنَ داخل ہوا یہ زائد ہے۔ وجہ یہ کہ بَيْنَ جو ہے متعدد چیزوں کی طرف مضاف ہوتا ہے۔ بَيْنَ کا معنیٰ ہے بیچ میں، درمیان میں، اور درمیان کے لیے کم از کم دو افراد تو ضرور چاہییں کہ کوئی چیز ان کے درمیان ہو بھئی۔ تو اَلْمَالُ بَيْنِي وَبَيْنَ زَيْدٍ۔ اور اس کے بجائے اگر اسمِ ظاہر لے آئیں، مثلاً آپ کہنا چاہتے ہیں یہ مال زید اور عمرو کا ہے یعنی ان کے درمیان ہے، ان دونوں کا اس میں حصہ ہے، تو آپ کہیں گے اَلْمَالُ بَيْنَ زَيْدٍ وَعَمْرٍو۔ دوبارہ بَيْنَ نہیں لائیں گے کیونکہ بَيْنَ دوبارہ اس وقت لاتے تھے جب آپ ضمیرِ مجرور پر عطف کرتے تھے۔ اور یہاں تو عمرو کا عطف آپ کر رہے ہیں زید پر جو اسمِ ظاہر ہے۔ تو دیکھو اَلْمَالُ بَيْنَ زَيْدٍ وَعَمْرٍو، تو یہ زید اور عمرو دونوں کی طرف یہ بَيْنَ مضاف ہو رہا ہے، تو بَيْنَ ہمیشہ مضاف ہوتا ہے متعدد کی طرف۔ تو یہ دلیل ہے اس بات کی کہ یہ دوسرا بَيْنَ اَلْمَالُ بَيْنِي وَبَيْنَ زَيْدٍ، یہ دوسرا بَيْنَ زائد ہے۔

یہ ترکیب ہمیشہ یاد رکھنا یہ جگہ جگہ آپ کو پریشان کرے گی، کیونکہ جگہ جگہ شارحین فرماتے ہیں کہ بَيْنَ مضاف ہوتا ہے متعدد کی طرف، اور آپ حیران ہوں گے کہ اَلْمَالُ بَيْنِي وَبَيْنَ زَيْدٍ یہاں تو ایک بَيْنَ صرف یا کی طرف مضاف ہے، دوسرا بَيْنَ صرف زید کی طرف مضاف ہے، تو یہ تو متعدد کی طرف مضاف نہیں ہو رہے۔ توجہ ہے؟ تو لہٰذا یہ بات آپ ہمیشہ ذہن میں رکھیں کہ پھر وہاں وہ جو دوسرا بَيْنَ ہوتا ہے وہ زائد ہوتا ہے، لفظوں کے اعتبار سے بھی زائد اور معنیٰ کے اعتبار سے بھی زائد ہے۔ یعنی زید کو یہ دوسرا بَيْنَ جر نہیں دے رہا بلکہ پہلا بَيْنَ جو ہے وہی عامل ہے، وہ جو پہلا بَيْنَ جو ضمیرِ متکلم میں عامل ہے اور جر دے رہا ہے وہی زید میں بھی عامل ہے۔ تو دوسرا بَيْنَ لفظوں کے اعتبار سے بھی زائد اور معنیٰ کے اعتبار سے بھی زائد۔ جبکہ بعض علماء فرماتے ہیں کہ دوسرا بَيْنَ یہ جر تو دے رہا ہے البتہ معنیٰ کے اعتبار سے یہ زائد ہے۔ یا جیسے مَرَرْتُ بِكَ وَبِزَيْدٍ، اس کے اندر یہ جو دوسری با ہے معنیٰ کے اعتبار سے زائد ہے، لفظوں کے اعتبار سے نہیں زائد یعنی جر یہی دے رہی ہے۔ جیسے كَفَىٰ بِاللّٰهِ، كَفَىٰ بِاللّٰهِ کے اندر كَفَىٰ فعل ہے اور لفظِ اللہ فاعل ہے، لیکن اس پر با جارہ داخل ہوئی اور یہ با جارہ

زائدہ ہے۔ تو یہ معنیٰ کے اعتبار سے زائد ہے لیکن لفظوں میں عمل کر رہی ہے اور لفظِ اللہ کو جر دے رہی ہے، تو لفظِ اللہ مجرور ہے لفظاً با کی وجہ سے اور مرفوع ہے محلاً کیونکہ یہ فاعل ہے کَفَیٰ کے لیے۔

تو ضابطہ صاحبِ کافیہ نے ذکر فرمایا کہ جب ضمیرِ مجرور پر عطف کیا جائے تو اس خافض کا اس جر دینے والے لفظ کا اعادہ کیا جائے گا۔ اور وجہ ذکر کی تھی صاحبِ جامی نے کہ صاحبِ جامی فرماتے ہیں کہ یہ جو مجرور کا اتصال ہوتا ہے جار کے ساتھ یہ زیادہ شدید ہے اس اتصال سے جو ضمیرِ مرفوع متصل کا ہوتا تھا فعل کے ساتھ۔ ضَرَبْتُ، یہ ضَرَبْتُ کی تا کا جو اتصال ہے ضَرَبَ کے ساتھ یہ اتصال اتنا قوی نہیں جتنا اتصال جار اور مجرور کے درمیان ہوتا ہے۔ وجہ یہ کہ جار اور مجرور کے درمیان کبھی انفصال نہیں آتا، ان دونوں کے درمیان کوئی اور لفظ نہیں آسکتا چاہے مجرور ضمیر ہو چاہے غیرِ ضمیر ہو۔ فِيهِ، فِي جارہ اور ہا ضمیرِ مجرور، دونوں کے درمیان کوئی اور لفظ نہیں آسکتا۔ اسی طرح فِي الدَّارِ، اس فِي اور الدَّارِ کے درمیان کوئی اور لفظ نہیں آسکتا۔ جبکہ فاعل جو ہے وہ تو کبھی فعل سے جدا بھی ہو جاتا ہے، ضَرَبَ زَيْدٌ، اب اس ضَرَبَ کے لیے دیکھو زید فاعل ہے تو فعل سے فاعل جدا ہو سکتا ہے لیکن مجرور جار سے جدا نہیں ہو سکتا چاہے ضمیر ہو چاہے اسمِ ظاہر ہو بھئی۔ تو معلوم ہوا مجرور کا جو اتصال ہے جار کے ساتھ وہ زیادہ شدید ہے اس اتصال کے مقابلے میں جو ضمیرِ مرفوع متصل کا ہوتا ہے فعل کے ساتھ۔

تو لہٰذا اگر آپ ضمیرِ مجرور پر عطف کریں گے تو یہ اسی طرح ہو جائے گا کہ گویا آپ جزوِ کلمہ پر عطف کر رہے ہیں، اور جزوِ کلمہ پر تو عطف نہیں ہوتا عطف تو پورے کلمے پر ہوتا ہے۔ تو پھر لہٰذا دوسری صورت یہ ہے کہ اب عطف کرنا ہے تو اس کی ضمیرِ منفصل کے ساتھ تاکید لے آؤ، لیکن مجرور منفصل تو ہے ہی نہیں لہٰذا تاکید کی بھی کوئی صورت نہیں۔ اور نیز کہتے ہیں مرفوع منفصل جو ہے ضمیرِ مرفوع منفصل، کہتے ہیں اس کو مجازاً ہم استعمال نہیں کر سکتے مجرور کی تاکید کے لیے، ضمیرِ مجرور کی تاکید کے لیے، اس لیے کیونکہ اس کے اندر ضمیرِ مرفوع منفصل کی توہین ہے اس کی ذلت ہے بھئی، کیونکہ وہ اعلیٰ قسم کی ضمیر ہے، وہ تو کلام کے اندر مسند الیہ بنتی ہے، کبھی فاعل بنتی ہے کبھی مبتدا بنتی ہے، اور جبکہ یہ ضمیر جو ہے ضمیرِ مجرور نہ تو یہ فاعل بنتی ہے اور نہ یہ مبتدا بنتی ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو لہٰذا اگر آپ مرفوع منفصل کو مجازاً استعمال کر کے اس کے لیے تاکید بنائیں گے یہ تو گویا آپ نے ضمیرِ مرفوع منفصل کی توہین کی، یعنی آپ نے گویا اس کو ادنیٰ کے تابع کر کے اس کی توہین کر دی، اس کی اہانت کر دی، اس کو بے وقعت کر دیا، اس کو بے وقعت کر دیا بھئی۔

اور پھر کہتے ہیں بھئی فصل لے آئیں درمیان میں۔ کہتے ہیں فصل کا تو صرف یہ فائدہ تھا کہ فصل کی وجہ سے تاکید کو چھوڑ سکتے تھے آپ، فصل کی وجہ سے آپ تاکید کو چھوڑ سکتے ہیں بس اور کوئی فائدہ نہیں، اور یہاں مجرور کی تو تاکید لا ہی نہیں سکتے تو پھر فصل کا فائدہ ہی کوئی نہیں۔ فصل کا صرف کیا فائدہ تھا کہ آپ اس کی وجہ سے تاکید کو چھوڑ سکتے ہیں اور یہاں تو تاکید ممکن ہی نہیں ہے کیونکہ ضمیرِ مجرور منفصل ہے ہی نہیں، تو جب تاکید ممکن ہی نہیں ہے تو فصل کیا فائدہ دے گا؟ فصل کا

کیا فائدہ تھا کہ وہ صرف ترکِ تاکید اس کی وجہ سے جائز ہو جاتا تھا بھئی۔ تو لہٰذا آخری صورت یہی رہ گئی کہ پھر اس جر دینے والے لفظ کا اعادہ کیا جائے اس کو دوبارہ لایا جائے۔

پھر اس کے بعد آخر میں ایک اشکال ذکر کیا تھا صاحبِ جامی نے اور اس کا جواب بھی۔ صاحبِ کافیہ نے دو ضابطے ذکر فرمائے۔ ایک ضابطہ تو یہ تھا کہ مرفوع متصل پر عطف کرنا ہو تو اس کی تاکید لانا پڑے گی، اور مجرور متصل پر عطف کرنا ہو تو اعادۂ جار کرنا پڑے گا۔ تو دونوں پر اعتراض ہوتا ہے کہ بھئی معطوف وہ ہے تابع، تو معطوف کے لیے تو آپ تاکید یا اعادۂ جار کی شرط لگاتے ہیں، اور تاکید اور بدل بھی آتے ہیں انہی ضمیروں سے، وہاں آپ ضمیرِ منفصل یا اعادۂ جار کی شرط نہیں لگاتے۔ مثلاً ضمیرِ مرفوع متصل، اس پر آپ عطف کرنا چاہتے ہیں تو یوں کہیں گے ضَرَبْتُ أَنَا وَزَيْدٌ، یہ أَنَا تاکید لانا پڑے گی۔ لیکن اسی ضمیرِ مرفوع متصل کی تاکید لائیں یا بدل لائیں تو پھر وہاں تاکید لانے کی کوئی حاجت نہیں۔ اسی طرح مَرَرْتُ بِكَ وَبِزَيْدٍ، یہ کاف مجرور پر میں عطف کرنا چاہتا تھا تو اعادۂ جار کرنا پڑا، لیکن اسی مجرور متصل کی اگر آپ تاکید لائیں یا اس سے بدل لائیں تو وہاں اعادۂ جار نہیں کرنا پڑتا۔ تو اس فرق کی وجہ کیا ہے؟ کیونکہ تاکید، بدل اور معطوف تینوں تابع ہیں۔ تو جب تینوں تابع ہیں تو تینوں کا حکم ایک ہونا چاہیے۔ اگر ایک کے لیے ضمیرِ منفصل کے ساتھ تاکید لانا ضروری ہے ایک تابع کے لیے تو پھر باقی کے لیے بھی یہی حکم ہونا چاہیے۔ اور اگر ایک تابع کے لیے اعادۂ جار ضروری ہے تو پھر باقی توابع کے اندر بھی اعادۂ جار ضروری ہونا چاہیے، تو یہ فرق کی وجہ کیا ہے؟

تو صاحبِ جامی نے جواب دیا تھا کہ یہاں پر دراصل تاکید اور بدل یہ ماقبل کے لیے یعنی متبوع کے لیے اجنبی نہیں، کیونکہ تاکید جو ہے وہ عینِ مؤکد ہوتی ہے۔ تاکید عینِ مؤکد ہوتی ہے، جَاءَنِي زَيْدٌ نَفْسُهُ، میرے پاس زید خود آیا، تو زَيْدٌ مؤکد نَفْسُهُ اس کی تاکید، تو زید سے جو ذات مراد ہے نَفْسُهُ أَيْ نَفْسُ زَيْدٍ، نفسِ زید سے بھی وہی ذات مراد ہے، تو یہ جو تاکید ہوتی ہے وہ عینِ مؤکد ہوتی ہے۔ اور اسی طرح بدل جو ہے وہ چار قسم پر ہے: یا وہ بدل الکل ہوتا ہے، یا بدل البعض ہوتا ہے، یا بدل الاشتمال ہوتا ہے، یا بدل الغلط ہوتا ہے۔ بدل الکل اسے کہتے ہیں کہ مبدل منہ اور بدل دونوں کا مدلول ایک ہو، جَاءَنِي زَيْدٌ أَخُوكَ، مثلاً مخاطب کا ایک بھائی ہے اور اس کا نام زید ہے، تو میں زید کہوں تو بھی وہی ذات مراد ہے اور میں آپ کا بھائی، أَخُوكَ مخاطب کا بھائی کہوں تو بھی وہی ذات مراد ہے، تو اب میں کہتا ہوں جَاءَنِي زَيْدٌ أَخُوكَ، تو دیکھو زید ہے مبدل منہ اور أَخُوكَ ہے اس سے بدل، اور مبدل منہ اور بدل دونوں کا مدلول ایک ہے ایک ہی ذات ہے، تو اس کو کیا کہتے ہیں؟ بدل الکل کہتے ہیں، بات سمجھ میں آگئی؟ بدل الکل کہتے ہیں۔ اور اگر بدل کا مدلول جو ہے وہ مبدل منہ کے مدلول کا جزو ہو، اس کا بعض ہو، تو اس کو بدل البعض کہتے ہیں، جیسے ضَرَبْتُ زَيْدًا رَأْسَهُ، میں نے زید کو مارا رَأْسَهُ یعنی اس کے سر کو، تو دیکھو زید کا سر جو ہے وہ زید کا بعض ہے اس کا جزو ہے، تو اس کو کیا کہتے ہیں بدل البعض۔ ضَرَبْتُ زَيْدًا رَأْسَهُ، یہ رَأْسَهُ کیا ہے زید سے بدل البعض ہے۔ اور بعض اوقات بدل الاشتمال ہوتا ہے، بدل الاشتمال اسے کہتے ہیں کہ بدل جو ہے اس کا مبدل منہ سے تعلق ہوتا ہے، جیسے سُلِبَ زَيْدٌ ثَوْبُهُ، یہ ثَوْبُهُ بدل الاشتمال ہے ماقبل زید سے، اور اس کا زید سے تعلق ہے، سُلِبَ۔

زید کو چھینا گیا، ثَوْبُهُ یعنی اس کے کپڑے کو۔ تو دیکھو اس کپڑے کا زید سے تعلق ہے کہ یہ زید کے کپڑے ہیں۔ تو یہ کپڑے نہ زید کا کل ہیں نہ جز ہیں بلکہ ان کا اس سے تعلق ہے تو اس کو بدل الاشتمال کہتے ہیں۔ جبکہ بدل الغلط، بدل الغلط جو ہے اس کا مبدل منہ سے تعلق نہیں ہوتا، اس کو لانے کی وجہ غلطی ہوتی ہے۔ مثلاً میں آپ سے کہنا چاہتا تھا کہ زید آیا لیکن غلطی سے زبان سے عمرو نکل گیا تو میں فوراً اس غلطی کی اصلاح کر کے دوبارہ زید کا لفظ لاتا ہوں۔ جَاءَنِي عَمْرٌو، میں نے کہنا کیا تھا؟ زید، اور میں نے کیا کہہ دیا؟ عمرو۔ جَاءَنِي عَمْرٌو، فوراً ہی میں اصلاح کر کے کہتا ہوں زَيْدٌ۔ جَاءَنِي عَمْرٌو زَيْدٌ۔ تو یہ زید، یہ بدل، یہ مقصود تھا اور یہ ہم کیوں لائے؟ کیونکہ ماقبل میں غلطی ہو گئی، تو یہ غلطی سبب بنی اس بدل کے لانے کا، اس لیے اس کو بدل الغلط کہتے ہیں۔ اور یاد رکھو یہ بدل الغلط یہ قلیل اور نادر ہے بھئی، بہت کم ایسا ہوتا ہے، وَالنَّادِرُ كَالْمَعْدُومِ، نادر کا کوئی اعتبار نہیں، اس پر ضابطے نہیں بنائے جاتے۔

تو لہٰذا معلوم ہوا یہاں بدل کی باقی تین قسمیں رہ گئیں اور ان تینوں کا متبوع یعنی مبدل منہ سے تعلق ہے۔ تو تاکید بھی متبوع کے لیے اجنبی نہیں، اور بدل کی تینوں قسمیں بدل الکل، بدل البعض اور بدل الاشتمال یہ بھی اپنے متبوع سے اجنبی نہیں۔ تو تاکید اور بدل اپنے متبوع کے لیے اجنبی بھی نہیں ہوتے اور نیز وہاں پر درمیان میں کوئی حرفِ عطف جو فصل کر دے جدائی کر دے وہ بھی نہیں آتا۔ تو فصل بھی نہیں اور تاکید اور بدل اجنبی بھی نہیں، لہٰذا تاکید اور بدل لاتے ہوئے مزید کسی مناسبت کی ضرورت نہیں۔ آپ ضمیرِ مرفوع متصل سے تاکید یا بدل لاتے ہیں یا ضمیرِ مجرور سے تاکید یا بدل لاتے ہیں تو یہ تاکید اور بدل اپنے سے ماقبل کے لیے اجنبی بھی نہیں اور نیز درمیان میں کوئی فصل بھی نہیں آیا، لہٰذا مزید کسی مناسبت کی ضرورت نہیں کہ آپ کو تاکید لانا پڑے یا اعادۂ جار کرنا پڑے۔

جبکہ معطوف جو ہے وہ اپنے معطوف علیہ سے مغایر ہوتا ہے، معطوف علیہ کی ذات اور ہوتی ہے، معطوف کی ذات اور ہوتی ہے۔ جَاءَنِي زَيْدٌ وَعَمْرٌو، دیکھو زید کی ذات اور ہے اور عمرو جو معطوف ہے اس کی ذات اور ہے، اور نیز درمیان میں فصل بھی آگیا۔ تو معطوف جو ہے وہ معطوف علیہ سے غیر بھی ہے اور درمیان میں حرفِ عطف کا فصل بھی آگیا، تو لہٰذا اب ضرورت پیش آئی کہ کچھ مزید مناسبت ہونی چاہیے۔ کیا ہونی چاہیے؟ کچھ مزید مناسبت ہونی چاہیے، چنانچہ اس کے لیے پھر ضمیرِ مرفوع متصل میں تاکید کو لازمی قرار دیا گیا کہ اس کی تاکید لائیں، پھر اس کی مناسبت ہو جائے گی معطوف کے ساتھ، کیونکہ معطوف تو مستقل ہے۔ مثلاً زید ہے معطوف، ضَرَبْتُ أَنَا وَزَيْدٌ، زید تو مستقل ہے وہ کسی اور لفظ کے ساتھ جڑنے کا محتاج نہیں، جبکہ ضَرَبْتُ کی تا وہ مستقل نہیں ہے، تو اس کی مناسبت زید سے نہیں ہو رہی تھی، تو پھر أَنَا لائے، اس أَنَا کی وجہ سے ضَرَبْتُ کی تا میں کیا آگیا؟ کچھ درجے کا استقلال آگیا، تو اب اس کی مناسبت آگئی کس کے ساتھ؟ زید کے ساتھ، زید بھی مستقل اور یہ ضَرَبْتُ کی تا بھی معلوم ہوا یہ بھی ایک لحاظ سے مستقل ہے، الگ کلمہ ہے، تو اب عطف صحیح ہو گیا۔

تو یہاں پر دیکھو ضَرَبْتُ أَنَا وَزَيْدٌ، یہ ضَرَبْتُ کی تا کی تاکید لائے تاکہ اس معطوف علیہ کی مناسبت ہو جائے کس سے؟ معطوف سے، جیسے وہ مستقل ہے یہ معطوف علیہ بھی کیا ہو گیا؟ مستقل ہو گیا۔ جبکہ اعادۂ جار کے اندر وہاں معطوف کی مناسبت ہو جائے معطوف علیہ کے ساتھ۔ مثلاً مَرَرْتُ بِكَ وَبِزَيْدٍ، اب میں زید کا عطف کرنا چاہتا ہوں کاف ضمیر پر، اور کاف ضمیر پر تو حرفِ جر داخل ہے، تو زید پر بھی حرفِ جر داخل کریں گے تاکہ اس کی بھی مناسبت ہو جائے بِكَ کی کاف ضمیر کے ساتھ۔ بات سمجھ تو یعنی وہاں پر ضمیرِ مرفوع کی تاکید لاتے ہیں تاکہ معطوف علیہ کی مناسبت ہو جائے معطوف کے ساتھ، اور اعادۂ جار کی صورت میں تاکہ معطوف کی مناسبت ہو جائے کس کے ساتھ؟ معطوف علیہ، جیسے اس پر جار داخل ہے معطوف پر بھی کیا داخل کریں گے؟ جار داخل کریں گے۔ بات سمجھ میں آگئی؟

اب آئیے آج کے سبق پر۔ کہتے ہیں: وَالْمَعْطُوفُ فِي حُكْمِ الْمَعْطُوفِ عَلَيْهِ فِيمَا يَجُوزُ لَهُ وَيَمْتَنِعُ مِنَ الْأَحْوَالِ الْعَارِضَةِ لَهُ نَظَرًا إِلَى مَا قَبْلَهُ بِشَرْطِ أَنْ لَا يَكُونَ مَا يَقْتَضِيهَا مُنْتَفِيًا فِي الْمَعْطُوفِ۔ بھئی پہلے متن متن دیکھ لیجیے۔ صاحبِ کافیہ فرماتے ہیں: وَالْمَعْطُوفُ فِي حُكْمِ الْمَعْطُوفِ عَلَيْهِ، کہتے ہیں معطوف جو ہے وہ معطوف علیہ کے حکم میں ہے۔ جَاءَنِي زَيْدٌ وَعَمْرٌو، آپ جانتے ہیں کہ حرفِ عطف سے جو پہلے آئے وہ کہلاتا ہے معطوف علیہ یعنی اس پر عطف کیا گیا ہے۔ جَاءَنِي زَيْدٌ، یہ زید کیا ہے؟ معطوف علیہ، اور وَعَمْرٌو، یہ واو حرفِ عطف کے بعد جو آئے اس کو کہتے ہیں معطوف یعنی اس کا عطف کیا گیا ہے۔ توجہ ہے؟ تو یہ لفظوں پر ہی آپ غور کر لیں آپ کو پتہ چل جائے گا، مَعْطُوفٌ عَلَيْهِ، مَعْطُوفٌ عطف کیا گیا ہے عَلَيْهِ اس کے اوپر، اور دوسرا کیا ہے واو کے بعد؟ وہ معطوف ہے کہ اس کا عطف کیا گیا ہے۔

تو یاد رکھیے جو معطوف ہے وہ معطوف علیہ کے حکم میں ہوتا ہے، یعنی معطوف علیہ اگر فاعل ہے تو معطوف بھی فاعل ہو گا، اگر معطوف علیہ مفعول ہے تو معطوف بھی مفعول ہو گا، معطوف علیہ اگر خبر ہے تو معطوف بھی کیا ہو گا؟ خبر ہو گا۔ تو جو حال معطوف علیہ کا ہو گا وہی حال کس کا ہو گا؟ معطوف کا بھی، تو معطوف کس کے حکم میں ہے؟ معطوف علیہ کے۔ جَاءَنِي زَيْدٌ وَعَمْرٌو، یہ زید جَاءَ کے لیے فاعل بن رہا ہے تو وَعَمْرٌو یہ عمرو بھی کیا ہے؟ جَاءَ کے لیے فاعل ہے، معطوف کا وہی حکم ہے جو معطوف علیہ کا ہے۔ ضَرَبْتُ زَيْدًا وَعَمْرًا، یہ زَيْدًا مفعول بہ ہے ضَرَبْتُ کے لیے تو وَعَمْرًا یہ عَمْرًا بھی کیا ہے؟ مفعول بہ ہے ضَرَبْتُ فعل کے لیے۔ اسی طرح زَيْدٌ قَائِمٌ وَضَارِبٌ، یہ ضَارِبٌ کا عطف کس پر ہے؟ قَائِمٌ پر ہے، اور قَائِمٌ خبر ہے زید مبتدا کے لیے تو یہ ضَارِبٌ بھی کیا ہے؟ یہ خبر ہے مبتدا کے لیے کیونکہ یہ معطوف ہے اور معطوف کا وہی حکم ہوتا ہے جو معطوف علیہ کا ہو۔

تو کہتے ہیں وَالْمَعْطُوفُ فِي حُكْمِ الْمَعْطُوفِ عَلَيْهِ، اور معطوف جو ہے معطوف علیہ کے حکم میں ہوتا ہے۔ آگے متن دیکھیے: وَمِنْ ثَمَّ اور اسی وجہ سے، میں نے بتایا ثَمَّ کیا ہے؟ اسمِ اشارہ، وَمِنْ ثَمَّ اور اسی وجہ سے، لَمْ يَجُزْ فِي مَا زَيْدٌ بِقَائِمٍ أَوْ قَائِمًا وَلَا ذَاهِبٌ عَمْرٌو إِلَّا الرَّفْعُ۔ وَمِنْ ثَمَّ اور اسی وجہ سے لَمْ يَجُزْ جائز نہیں ہے فِي مَا اس ترکیب کے اندر فِي مَا زَيْدٌ

بِقَائِمٍ أَوْ قَائِمًا وَلَا ذَاهِبٌ عَمْرٌو اس ترکیب کے اندر جائز نہیں ہے إِلَّا الرَّفْعُ مگر رفع۔ توجہ ہے؟ تو یہاں لفظ بول کر لفظ مراد ہیں: مَا زَيْدٌ بِقَائِمٍ أَوْ قَائِمًا وَلَا ذَاهِبٌ عَمْرٌو، یہ لفظ مراد ہیں کہ یعنی اس جیسے لفظوں کے اندر جائز نہیں إِلَّا الرَّفْعُ مگر رفع۔ تو اس کو اٹھائیں اور اس کی جگہ ذرا هٰذَا اللَّفْظَ رکھ دیں: تو لَمْ يَجُزْ فِي هٰذَا اللَّفْظِ إِلَّا الرَّفْعُ، اس لفظ میں جائز نہیں ہے إِلَّا الرَّفْعُ مگر رفع ہی۔

بھئی دیکھیے پہلے یہ ترکیب سمجھ لیجیے، پہلے تو یہ یاد رکھیے: یاد رکھیے لَيْسَ افعالِ ناقصہ میں سے ہے اور یہ اپنے اسم کو رفع دیتا ہے اور خبر کو نصب دیتا ہے۔ لَيْسَ زَيْدٌ قَائِمًا۔ لَيْسَ زَيْدٌ قَائِمًا، تو یہ زَيْدٌ لَيْسَ کا اسم اور قَائِمًا اس کی خبر ہے۔ ترکیب کیسے ہوگی؟ لَيْسَ فعل از افعالِ ناقصہ، زَيْدٌ مرفوع لفظاً اس کا اسم، مرفوع کیوں؟ کیونکہ لَيْسَ کا اسم مرفوع ہوتا ہے، اور قَائِمًا منصوب لفظاً صیغہ اسمِ فاعل، منصوب کیوں؟ کیونکہ یہ لَيْسَ کی خبر ہے اور لَيْسَ کی خبر منصوب ہوتی ہے۔ اور قَائِمًا صیغہ اسمِ فاعل ہے اور میں نے بتایا تھا جیسے فعل کے لیے ہمیشہ فاعل یا نائب فاعل ضرور چاہیے اسی طرح صفت کے صیغے کے لیے بھی ہمیشہ فاعل یا نائب فاعل ضرور چاہیے، تو قَائِمٌ یہ اسمِ فاعل ہے اور اسمِ فاعل کے لیے فاعل چاہیے ہوتا ہے اور آگے تو کوئی اور اسمِ ظاہر ہے نہیں، تو پھر اسی کے اندر ضمیر نکال لیں گے۔ تو قَائِمًا منصوب لفظاً صیغہ اسمِ فاعل، اس کے اندر هُوَ ضمیر، قَائِمٌ مفرد کا صیغہ ہے نا، تو مفرد کے صیغے میں مفرد کی ضمیر آئے گی، تو اس کے اندر هُوَ ضمیر مرفوع محلاً اس کا فاعل۔ هُوَ ضمیر مرفوع کیوں؟ کیونکہ یہ اس قَائِمٌ کا فاعل ہے، اور یہ هُوَ ضمیر راجع ہے لَيْسَ کے اسم کی طرف، کیونکہ قَائِمًا یہ لَيْسَ کی خبر ہے اور لَيْسَ کی خبر کو کس سے جوڑتے ہیں؟ لَيْسَ کے اسم سے۔ تو هُوَ ضمیر راجع ہے زید کی طرف جو لَيْسَ کا اسم ہے، تو قَائِمًا صیغہ اسمِ فاعل اپنے فاعل سے مل کر شبہِ جملہ ہو کر یہ خبر ہوئی لَيْسَ کی۔ لَيْسَ اپنے اسم اور خبر سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہوا، کیونکہ لَيْسَ کس میں سے ہے؟ افعالِ ناقصہ میں سے ہے، تو یہ جملہ فعلیہ خبریہ ہوا۔

ترکیب سمجھ میں آگئی؟ تو لَيْسَ اپنے اسم کو رفع دیتا ہے اور خبر کو نصب۔ یاد رکھو لَيْسَ کی خبر پر کبھی کبھار با زائدہ داخل کرتے ہیں اور یوں کہتے ہیں لَيْسَ زَيْدٌ بِقَائِمٍ۔ یہ ہمیشہ یاد رکھنا یہ عام استعمال ہوتی ہے لَيْسَ کی خبر پر، اور یاد رکھو یہ با زائد ہے، یہ با کیا ہے؟ زائد ہے، تو لَيْسَ زَيْدٌ بِقَائِمٍ، با جارہ ہے اور قَائِمٍ مجرور ہے لفظاً لیکن منصوب ہے محلاً کیونکہ یہ لَيْسَ کی خبر ہے بھئی۔ تو یہ با زائد ہے، تو صرف لفظوں میں اثر ہے اس کا کہ یہ قَائِمٍ کو جر دے رہی ہے، معنیٰ میں اس کا کوئی دخل نہیں ہے یعنی یہ اپنے معنیٰ کا فائدہ نہیں دے رہی۔ اور یاد رکھو یہ جو حروفِ زائد ہوتے ہیں کلامِ عرب کے اندر حروفِ جارہ، یہ کسی سے جڑتے بھی نہیں ہیں، تو اب آپ یہ نہ کریں کہ با جارہ قَائِمٍ مجرور، جار مجرور کو آپ ملا کر کسی سے جوڑنا شروع کر دیں۔ نہیں بھئی، جو حرفِ جر زائد ہوتا ہے وہ کسی سے متعلق نہیں ہوتا، کیوں؟ کیونکہ وہ اپنے معنیٰ کا فائدہ ہی نہیں دے رہا، جڑے گا تو تب جب یہ اپنے معنیٰ کا فائدہ دے رہا ہو۔ توجہ ہے؟ تو جب یہ اپنے معنیٰ کا فائدہ ہی نہیں دے رہا تو یہ کسی سے جڑے

گا بھی نہیں۔ تو یہ حروف جو کلام میں زائد آجاتے ہیں یہ اپنے معنیٰ کا فائدہ نہیں دیتے، لیکن اس کا یہ مطلب بھی نہیں ہے کہ یہ بالکل ہی بیکار ہوتے ہیں۔ ان کی وجہ سے کلام میں حسن پیدا ہو جاتا ہے اور ان کی وجہ سے کلام میں زور آجاتا ہے تھوڑا سا۔ جیسے مثلاً میں کہتا ہوں زَیْدٌ قَائِمٌ، زید کھڑا ہے، اور ایک میں کہتا ہوں إِنَّ زَیْدًا قَائِمٌ، یقیناً زید کھڑا ہے یا بے شک زید کھڑا ہے، تو دیکھو إِنَّ نے کیا کیا؟ کلام میں تاکید اور زور پیدا کر دیا۔ تو یہ حروفِ جارہ بھی یہ بھی اپنے کلام میں زور اور تاکید پیدا کر دیتے ہیں، تو یہ کلام میں حسن بھی پیدا کرتے ہیں اور تاکید بھی پیدا کرتے ہیں۔

تو یہ لَیْسَ کی خبر پر با کو اکثر داخل کر دیا کرتے ہیں، اور میں نے بتایا یہ با جارہ زائد ہوتا ہے اور قَائِمٍ لفظاً تو مجرور ہے لیکن محلاً منصوب ہے لَیْسَ کی خبر ہے۔ تو آپ یوں بھی کہہ سکتے ہیں لَیْسَ زَیْدٌ قَائِمًا اور آپ یوں بھی کہہ سکتے ہیں لَیْسَ زَیْدٌ بِقَائِمٍ۔ ترکیب پھر بھی اسی طرح ہوگی، پھر سنو ترکیب: لَیْسَ فعل از افعالِ ناقصہ، زَیْدٌ مرفوع لفظاً اس کا اسم، با جارہ، قَائِمٍ مجرور لفظاً صیغہ اسمِ فاعل، مجرور لفظاً اور منصوب محلاً، اسمِ فاعل اور اس کے اندر ھُوَ ضمیر مرفوع محلاً اس کا فاعل جو کس کو راجع؟ لَیْسَ کے اسم کو، کیونکہ لَیْسَ کی خبر کو لَیْسَ کے اسم سے جوڑتے ہیں۔ تو اسمِ فاعل اپنے فاعل سے مل کر شبہِ جملہ ہو کر یہ خبر ہوئی کس کے لیے؟ لَیْسَ کے لیے، لَیْسَ اپنے اسم اور خبر سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہوا۔ معنیٰ دونوں کا ایک ہی ہے: لَیْسَ زَیْدٌ قَائِمًا اور لَیْسَ زَیْدٌ بِقَائِمٍ کہ زید کھڑا نہیں ہے، البتہ لَیْسَ زَیْدٌ بِقَائِمٍ میں تھوڑا سا زور ہے تو اس میں تاکید ہے با کی وجہ سے۔

تو جیسے لَیْسَ عمل کرتا ہے اسی طرح مَا مشابہ بہ لَیْسَ جو ہے وہ بھی لَیْسَ جیسا عمل کرتا ہے اور اس کی خبر پر بھی بعض اوقات با کو داخل کرتے ہیں۔ اب دیکھیے صاحبِ کافیہ کی ترکیب کتاب پر دیکھیے: مَا زَیْدٌ بِقَائِمٍ أَوْ قَائِمًا۔ یہ دو ترکیبیں ہیں: مَا زَیْدٌ بِقَائِمٍ کہہ لیں یا مَا زَیْدٌ قَائِمًا کہہ لیں۔ توجہ ہے؟ تو مَا زَیْدٌ بِقَائِمٍ ایک ترکیب ہو گئی، دوسری ترکیب ہے أَوْ قَائِمًا یعنی اس قَائِمٍ کی جگہ کیا کہہ سکتے ہیں مَا زَیْدٌ قَائِمًا بھی کہہ سکتے ہیں۔ یہ ترکیب وَلَا ذَاهِبٌ عَمْرٌو، آگے عطف ہو رہا ہے ذَاهِبٌ عَمْرٌو کا ماقبل پر۔ توجہ ہے؟ تو اس ترکیب کے اندر یاد رکھو مَا زَیْدٌ بِقَائِمٍ، مثلاً پہلے یہ ترکیب ذرا أَوْ قَائِمًا کو ہٹا دیں، مَا زَیْدٌ بِقَائِمٍ اس پر آپ عطف کرنا چاہتے ہیں وَلَا ذَاهِبٌ کا، ذَاهِبٌ کا، اور بِقَائِمٍ مجرور ہے تو آپ کہنا چاہتے ہیں وَلَا ذَاهِبٍ عَمْرٌو۔ کہتے ہیں نہیں، آپ ذَاهِبٍ

پر جر نہیں پڑھ سکتے۔ اس پر جر نہیں پڑھ سکتے۔ اور اب دوسری ترکیب ذرا لے آئیں، بِقَائِمٍ کو ہٹائیں اس کی جگہ قَائِمًا رکھ دیں منصوب۔ مَا زَیْدٌ قَائِمًا وَلَا ذَاهِبٌ، اس ذَاهِبٌ کا عطف آپ قَائِمًا پر کرنا چاہتے ہیں، اور قَائِمًا تو ہے منصوب جو معطوف علیہ ہے، تو ذَاهِبًا پر بھی آپ نصب پڑھنا چاہتے ہیں۔ کہتے ہیں نہیں وَلَا ذَاهِبًا آپ نہیں کہہ سکتے بلکہ اس پر رفع ہی پڑھنا پڑے گا۔ معلوم ہوا وَلَا ذَاهِبٌ عَمْرٌو یہاں جو ذَاهِبٌ آیا اس کا ماقبل پر عطف کرتے ہوئے نصب بھی جائز نہیں نصب والی صورت میں اور جر والی صورت میں جر بھی جائز نہیں، اس پر کیا پڑھنا پڑے گا؟ رفع ہی پڑھنا پڑے گا۔

وجہ یہ کہ ہم نے آپ کو ضابطہ بتلا دیا کہ معطوف وہ حکم میں ہوتا ہے کس کے؟ معطوف علیہ کے۔ معطوف کس کے حکم میں ہوتا ہے؟ معطوف علیہ کے، اور معطوف علیہ چاہے بِقَائِمٍ ہو یا قَائِمًا ہو، دونوں صورتوں میں قَائِمٌ کے اندر ایک ضمیر ہے جو کس کو لوٹ رہی ہے؟ زید کو یعنی مَا کے اسم کو، مَا زَیْدٌ بِقَائِمٍ، مَا مشابہ بہ لَیْسَ کے اسم زید کی طرف ضمیر لوٹ رہی ہے، لیکن ذَاهِبٌ کے اندر ایسی کوئی ضمیر نہیں جو زید کی طرف لوٹے۔ تو لہٰذا اس لیے اس کا اس پر عطف جائز نہیں۔ کیونکہ معطوف کس کے حکم میں ہوتا ہے؟ معطوف علیہ کے، جب معطوف علیہ کے اندر ایک ضمیر موجود ہے جو مَا مشابہ بہ لَیْسَ کے اسم کی طرف لوٹ رہی ہے تو معطوف کے اندر بھی ایک ضمیر ہونی چاہیے جو کس کی طرف لوٹے؟ مَا مشابہ بہ لَیْسَ کے اسم کی طرف لوٹے۔

اب یہ وَلَا ذَاهِبٌ عَمْرٌو کی ترکیب سن لیں بھئی۔ وَلَا ذَاهِبٌ عَمْرٌو، اس کے اندر دو ترکیبیں ہو سکتی ہیں۔ ایک ترکیب یہ، توجہ سے سنو کہ یہ ذَاهِبٌ یہ ہے صیغہ اسمِ فاعل، اور اس کے لیے کیا چاہیے؟ فاعل، تو آگے عَمْرٌو اس کا فاعل آگیا۔ کیا آ گیا؟ فاعل آگیا۔ اور یہ ذَاهِبٌ مبتدا کی قسمِ ثانی ہے۔ یہ کیا ہے؟ مبتدا کی قسمِ ثانی۔ آپ کو اگر یاد ہو مبتدا کے اندر ہم نے پڑھا تھا، آپ نے یہ پڑھا ہے کہ مبتدا مسند الیہ ہوتا ہے، أَنَا قَائِمٌ، یہ أَنَا کیا ہے؟ مسند الیہ ہے، مبتدا ہے، تو مبتدا کیا ہوتا ہے؟ مسند الیہ۔ لیکن علمائے نحو کو کلامِ عرب کے اندر کچھ ایسی چیزیں ملیں جہاں پر وہ مجبور ہو گئے کہ ان کو مسند بہ کو مبتدا بنانا پڑا۔ کس کو؟ ویسے تو مبتدا کیا ہوتا ہے؟ مسند الیہ، لیکن ان کو کچھ مثالیں ملیں جہاں پر مسند بہ کو مبتدا بنائے بغیر اور کوئی چارہ ہی نہیں تھا۔ مثلاً دیکھو اسی مثال میں عَمْرٌو کی جگہ ذرا تثنیہ لے آؤ، وَلَا ذَاهِبٌ عَمْرَانِ۔ توجہ ہے؟ تو ذَاهِبٌ صیغہ اسمِ فاعل اور عَمْرَانِ اس کے لیے کیا بنا لیں گے؟ فاعل۔ اور تثنیہ کا رفع کس کے ساتھ آتا ہے؟ الف کے ساتھ، تو عَمْرَانِ ہم نے بھی الف لے آئے یہ مرفوع ہے، یہ فاعل ہے ذَاهِبٌ کے لیے۔ تو اس کو نحویوں نے، اس ذَاهِبٌ کو، دیکھو ذَاهِبٌ یہ ہے مسند بہ اور عَمْرَانِ وہ ہے اس کا فاعل، اور فاعل کیا ہوتا ہے مسند الیہ، مسند الیہ۔ اور آپ نے پڑھا ہے کہ فاعل جب اسمِ ظاہر ہو فعل کو ہمیشہ مفرد رکھتے ہیں، تو لہٰذا یہ ذَاهِبٌ مفرد ہے یہ عَمْرَانِ تثنیہ کو رفع دے سکتا ہے۔ تو ذَاهِبٌ صیغہ اسمِ فاعل ہوا اور عَمْرَانِ مرفوع لفظاً اس کا فاعل، اور صیغہ اسمِ فاعل اپنے فاعل سے مل کر شبہِ جملہ ہو کر یہ ہوا مبتدا۔ اور یہ مسند ہے کیونکہ ذَاهِبٌ کا اسناد ہو رہا ہے عَمْرَانِ کی طرف اور عَمْرَانِ وہ مسند الیہ ہے فاعل ہے، تو مبتدا کی یہ قسم کیا ہوئی؟ مسند بہ، کیا ہوئی؟ مسند بہ ہوئی۔

تو اسمِ فاعل اپنے فاعل سے مل کر یہ ہوا مبتدا، یہ کیا ہے؟ مبتدا، اور یہ عَمْرَانِ جو فاعل تھا اسی کو کہہ دیا یہ قائم مقام خبر کے ہے۔ تو یہ ایسا مبتدا ہے ذَاهِبٌ جس کی خبر کوئی نہیں۔ یہ ایسا مبتدا ہے جس کی کوئی خبر نہیں۔ بھئی عَمْرَانِ ہم نے قائم مقام خبر بنایا ہے یہ تو حقیقت میں خبر نہیں، عَمْرَانِ تو حقیقت میں ذَاهِبٌ کے لیے فاعل ہے بھئی۔ توجہ ہے؟ ذَاهِبٌ اس کے

لیے آگے فاعل چاہیے، تو ذَاهِبٌ مسند بنے گا یا مسند الیہ بنے گا؟ مسند بنے گا، آگے فاعل جو ہوتا ہے وہ مسند الیہ ہوتا ہے، تو یہ ذَاهِبٌ مسند اور آگے عَمْرَانِ اس کا فاعل، اور وہ قائم مقام کس کے ہے؟ خبر کے، حقیقت میں خبر نہیں ہے مجبوراً ہم نے اسے قائم مقام خبر کے کہہ دیا کیونکہ اور کوئی خبر ہی نہیں یہاں۔ تو یہ ذَاهِبٌ اپنے فاعل سے مل کر شبہِ جملہ ہو کر مبتدا، اور مبتدا اپنے قائم مقامِ خبر سے مل کر کیا ہوا؟ جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔ تو حقیقت میں تو یہاں کوئی خبر ہے ہی نہیں تو یہ ایسا مبتدا ہے جس کی کوئی خبر نہیں آتی۔

اور اس کے لیے تین شرطیں ذکر کی تھیں علمائے نحو نے، صاحبِ کافیہ نے بھی بتلائی تھیں۔ تین شرطیں تھیں: ایک شرط یہ کہ وہ مبتدا جو ہے صفت کا صیغہ ہونا چاہیے، اور ذَاهِبٌ یہاں پر دیکھو یہ بھی صفت کا صیغہ ہے اسمِ فاعل ہے، اسمِ فاعل، اسمِ مفعول، صفتِ مشبہ، اسمِ تفضیل وغیرہ۔ تو صفت کا صیغہ ہونا چاہیے وہ مبتدا کی قسمِ ثانی۔ اور نیز وہ حرفِ نفی یا حرفِ استفہام کے بعد آنا چاہیے، اور یہاں بھی ذَاهِبٌ لَا کے بعد آرہا ہے وَلَا ذَاهِبٌ عَمْرَانِ، تو یہ حرفِ نفی کے بعد دوسری شرط بھی پوری ہے۔ اور تیسری شرط یہ تھی کہ وہ صفت کا صیغہ اسمِ ظاہر کو رفع دے، اور یہاں پر بھی یہ ذَاهِبٌ جو ہے یہ عَمْرَانِ یہ فاعل کو رفع دے رہا ہے۔ توجہ ہے؟ کتنی شرطیں تھیں اس مبتدا میں؟ تین۔ پہلی شرط کیا؟ صیغہ کون سا ہو؟ صفت کا۔ دوسری شرط کیا؟ حرفِ نفی یا حرفِ استفہام کے بعد آئے۔ اور تیسری شرط یہ تھی کہ وہ اسمِ ظاہر کو رفع دے۔ اور یہاں پر وَلَا ذَاهِبٌ عَمْرَانِ، ہم نے عمرو کو ذرا ہٹا کر عَمْرَانِ لفظ لے آئے ہیں، اب یہاں تینوں شرطیں پوری ہیں: ذَاهِبٌ صیغہ بھی ہے صفت کا، اور واقع ہے لَا حرفِ نفی کے بعد بھی، اور تیسری شرط کہ یہ آگے عَمْرَانِ کو رفع بھی دے رہا ہے۔ توجہ ہے؟

تو مجبور ہوئے لہٰذا اس کو مبتدا کی قسمِ ثانی کہنا پڑا، وجہ یہ کہ یہاں اور ترکیب ہوتی نہیں ہے۔ مثلاً ایک صورت یہ ہے، ایک صورت یہ ہے وَلَا ذَاهِبٌ عَمْرَانِ، توجہ ہے، کہ ہم ذَاهِبٌ کو خبرِ مقدم بنا دیں اور عَمْرَانِ جو ہم نے لفظ بدلا ہے اس کو کیا بنائیں؟ مبتدا مؤخر۔ توجہ ہے؟ تو عَمْرَانِ کیا ہو جائے گا؟ مبتدا مؤخر، اور ذَاهِبٌ کو کیا ہم بنانا چاہتے ہیں؟ خبرِ مقدم۔ یہی ایک صورت ہے تیسری کوئی صورت نہیں۔ دیکھو سنو: وَلَا ذَاهِبٌ عَمْرَانِ، یہ عَمْرَانِ کو کیا بنایا؟ مبتدا مؤخر، معلوم ہوا ذَاهِبٌ اس کو رفع نہیں دے رہا، یہ ابتدا اس عَمْرَانِ کے اندر عامل ہے یہ ہے مبتدا۔ اور ذَاهِبٌ کو کیا بنانا چاہتے ہیں؟ خبرِ مقدم۔ تو ذَاهِبٌ صیغہ اسمِ فاعل، اس کے اندر هُوَ ضمیر مرفوع محلاً اس کا فاعل، جو کس کو راجع؟ یہ خبر ہے خبر کو کس سے جوڑتے ہیں؟ مبتدا سے، تو یہ هُوَ ضمیر لوٹانی پڑے گی عَمْرَانِ کی طرف، اور هُوَ ضمیر تو عَمْرَانِ کو نہیں لوٹ سکتی، عَمْرَانِ وہ ہے تثنیہ اور هُوَ ضمیر کیا ہے؟ مفرد کی، مفرد کی ضمیر تو تثنیہ کو نہیں لوٹ سکتی، تثنیہ کے لیے تثنیہ کی ضمیر چاہیے۔ تو یہاں ذَاهِبَانِ ہوتا پھر تو ہم اس کو خبرِ مقدم بنا دیتے، تو خبرِ مقدم ہم یہاں اس کو نہیں بنا سکتے۔ تو مجبوراً پھر یہی کہنا پڑا کہ یہ ذَاهِبٌ خود ہی مبتدا ہے اور عَمْرَانِ وہ مبتدا مؤخر نہیں ہے وہ اسی کے لیے فاعل ہے ذَاهِبٌ کے لیے، اس کو اسی ذَاهِبٌ نے رفع دیا ہے، اور یہ ذَاهِبٌ اپنے فاعل سے مل کر شبہِ جملہ ہو کر یہ مبتدا کی قسمِ ثانی ہے یعنی ایسا مبتدا ہے جس کی کوئی خبر نہیں، بات اس میں پوری ہے لیکن بہرحال

یہ ہے بتدا ایسا۔ کیونکہ شبہِ جملہ اپنے فاعل سے مل کر جملہ نہیں بنتا، صفت کا صیغہ اپنے فاعل یا نائب فاعل سے مل کر جملہ نہیں بنتا، فعل اپنے فاعل یا نائب فاعل سے ملتا ہے تو جملہ بن جاتا ہے، ضَرَبَ زَیْدٌ، ضَرَبَ زَیْدٌ کیا ہے؟ جملہ، ضَرَبَ فعل اور زَیْدٌ اس کا فاعل، فعل اپنے فاعل سے مل کر جملہ فعلیہ۔ لیکن صفت کے صیغے اپنے فاعل یا نائب فاعل سے مل کر جملہ نہیں بنتے بھئی۔ توجہ ہے؟ تو لہٰذا اس ذَاهِبٌ اس کو بتدا کہہ سکتے ہیں پورا جملہ نہیں کہہ سکتے، لیکن بہرحال یہی چونکہ آگے جو اس کا فاعل ہے وہ قائم مقامِ خبر قرار دے کر ہم نے اس کو جملہ بنا دیا ورنہ حقیقت میں یہ صرف بتدا ہے، اور ایسا بتدا ہے جو کسی خبر کا محتاج نہیں ہے، اس میں بات پوری ہے بھئی۔ بات سمجھ میں آگئی؟

جبکہ اب آئیے اس عَمْرٌو کو پھر اسی طرح ذرا مفرد کر دیجیے: وَلَا ذَاهِبٌ عَمْرٌو۔ یہاں دونوں ترکیبیں جائز ہیں۔ کس طرح؟ کہ آپ یوں کریں عَمْرٌو کو بنائیں بتدا مؤخر اور ذَاهِبٌ کو بنا دیں خبرِ مقدم، تو ذَاهِبٌ مرفوع لفظاً صیغہ اسمِ فاعل، مرفوع کیوں؟ خبرِ مقدم ہے خبر مرفوع ہوتی ہے، اس کے اندر هُوَ ضمیر مرفوع محلاً اس کا فاعل، جو کس کو راجع؟ عمرو کی طرف جو بتدا مؤخر ہے، جو رتبے کے اعتبار سے مقدم ہی ہے ہاں صرف لفظوں میں مؤخر ہے تو یہ اضمار قبل الذکر بھی نہیں لازم آتا۔ تو دیکھو اور هُوَ ضمیر عمرو کو لوٹ سکتی ہے یا نہیں؟ لوٹ سکتی ہے، تو عَمْرٌو ہوا بتدا مؤخر اور ذَاهِبٌ اپنے فاعل سے مل کر شبہِ جملہ ہو کر یہ ہو گئی خبرِ مقدم۔ ترکیب سمجھ میں آرہی ہے؟ تو یہاں دونوں ترکیبیں جائز ہیں، یہاں دونوں ترکیبیں جائز ہیں۔ آپ چاہیں تو ذَاهِبٌ کے لیے عَمْرٌو کو فاعل بنا دیں اور یہ ذَاهِبٌ کو بتدا کی قسمِ ثانی بنا دیں جس میں تینوں شرطیں پوری ہیں: صیغہ بھی صفت کا ہے، حرفِ نفی یا حرفِ استفہام کے بعد بھی ہے، اور اسمِ ظاہر کو رفع بھی دے رہا ہے۔ اور آپ چاہیں تو ذَاهِبٌ کو خبرِ مقدم بنائیں اور عَمْرٌو کو بتدا مؤخر بنائیں اور پھر یہ پورا جملہ اسمیہ ہو جائے گا۔ توجہ ہے؟

تو بہرحال آپ چاہیں ذَاهِبٌ کے لیے عَمْرٌو کو فاعل بنائیں، اور آپ چاہیں تو ذَاهِبٌ کے اندر هُوَ ضمیر نکال لیں اور وہ هُوَ ضمیر اسی عَمْرٌو کو راجع ہے، توجہ ہے؟ دونوں صورتوں میں ذَاهِبٌ پر رفع پڑھیں گے۔ بتدا بنائیں تب بھی رفع، خبرِ مقدم بنائیں عمرو کے لیے خبر بھی مرفوع ہوتی ہے تب بھی کیا پڑھیں گے؟ رفع پڑھیں گے۔ اور اس کا عطف بِقَائِمٍ یا قَائِمًا پر نہیں ہو سکتا، کیونکہ قَائِمٍ یا قَائِمًا کے اندر ایک ضمیر ہے جو ماقبل میں زید کو لوٹ رہی ہے، اور ذَاهِبٌ کے اندر ایک صورت میں تو ضمیر ہے ہی نہیں عَمْرٌو فاعل ہے، اور ایک صورت میں خبرِ مقدم بناتے ہیں ذَاهِبٌ کو تو پھر اس میں ضمیر تو ہے لیکن وہ ضمیر زید کو تو نہیں لوٹ رہی وہ تو آگے جو عَمْرٌو بتدا مؤخر ہے اس کو لوٹ رہی ہے۔ تو دونوں صورتوں میں ذَاهِبٌ کا عطف قَائِمٍ یا قَائِمًا پر نہیں ہو سکتا، تو ذَاهِبًا یا ذَاهِبٍ نصب یا جر نہیں پڑھ سکتے بلکہ رفع ہی پڑھنا پڑے گا۔ اور رفع کے دو احتمال ہیں، رفع میں دو احتمال ہیں: یا تو یہ رفع ہے بتدا ہونے کی وجہ سے یہ بتدا کی قسمِ ثانی ہے، یا یہ رفع ہے خبر ہونے کی وجہ سے یہ عَمْرٌو کے لیے خبرِ مقدم ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو ذَاهِبٌ کے اندر ایک صورت میں ضمیر ہے ہی نہیں آگے عَمْرٌو اس کے لیے اسمِ ظاہر فاعل ہے اور یہ ذَاهِبٌ بتدا کی قسمِ ثانی، اور ایک صورت میں ذَاهِبٌ میں ضمیر ہے لیکن وہ ضمیر بھی آگے عَمْرٌو جو

بتدا مؤخر ہے اسی کو لوٹ رہی ہے، جو ماقبل میں مَا کا اسم زید آیا تھا یہ اس کی طرف نہیں لوٹ رہی، لہٰذا اس کا عطف ماقبل پر نہیں ہو سکتا۔ تو معلوم ہوا وَلَا ذَاهِبٌ عَمْرٌو یہ ایک پورا جملہ ہے چاہے بتدا کی قسمِ اول بنائیں چاہے ثانی بنائیں، یہ کیا ہے پورا ایک جملہ ہے، اور ماقبل میں بھی مَا زَيْدٌ بِقَائِمٍ پورا ایک جملہ ہے یا مَا زَيْدٌ قَائِمًا ماقبل میں پورا ایک جملہ ہے، تو جملے کا عطف جملے پر ہو جائے گا۔ ذَاهِبٌ کا عطف قَائِمٍ یا قَائِمًا پر یعنی مفرد کا عطف مفرد پر نہیں ہو گا بلکہ جملے کا عطف جملے پر ہو جائے گا۔ بات سمجھ میں آگئی اچھی طرح؟

تو کہتے ہیں وَمِنْ ثَمَّ اور اسی وجہ سے لَمْ يَجُزْ فِي مَا زَيْدٌ بِقَائِمٍ أَوْ قَائِمًا وَلَا ذَاهِبٌ عَمْرٌو جائز نہیں ہے اس ترکیب کے اندر إِلَّا الرَّفْعُ مگر رفع ہی، یعنی ذَاهِبٌ پر رفع ہی پڑھنا پڑے گا۔ بات سمجھ میں آئی کہ نہیں؟

آگے متن دیکھیے: وَإِنَّمَا جَازَ الَّذِي يَطِيرُ فَيَغْضَبُ زَيْدٌ الذُّبَابُ لِأَنَّهَا فَاءُ السَّبَبِيَّةِ۔ یہ اب ایک اعتراض کا جواب دے رہے ہیں۔ اعتراض یہ کہ آپ نے ہمیں بتایا معطوف کا وہی حکم ہوتا ہے جو معطوف علیہ کا ہے، اور اگر معطوف علیہ میں ضمیر ہو تو معطوف میں بھی ویسی ہی ایک ضمیر کا ہونا ضروری ہے بھئی۔ کہتے ہیں ہم آپ کو دکھاتے ہیں اس جملے کے اندر دیکھیے: الَّذِي يَطِيرُ، طَارَ يَطِيرُ کے معنیٰ ہیں اڑنا، الَّذِي يَطِيرُ وہ چیز جو اڑتی ہے فَيَغْضَبُ زَيْدٌ تو زید غصے ہوتا ہے، زید غضبناک ہوتا ہے۔ الَّذِي يَطِيرُ فَيَغْضَبُ زَيْدٌ، وہ چیز جو اڑتی ہے تو زید غضبناک ہوتا ہے، الذُّبَابُ وہ مکھی ہے۔ وہ چیز جو اڑتی ہے تو زید کو غصہ چڑھتا ہے وہ کیا ہے؟ مکھی ہے۔

اب اس کے اندر دیکھو فَيَغْضَبُ زَيْدٌ، يَغْضَبُ کا عطف ہو رہا ہے يَطِيرُ پر، درمیان میں فا عاطفہ آئی ہے۔ درمیان میں کیا آئی ہے؟ فا عاطفہ۔ اور يَطِيرُ فعل ہے، اور فعل کے لیے کیا چاہیے؟ فاعل، تو اس کے اندر هُوَ ضمیر فاعل ہے اور وہ ضمیر لوٹ رہی ہے الَّذِي کو، کیونکہ يَطِيرُ صلہ ہے الَّذِي کے لیے، اور صلے کے اندر ایک ضمیر چاہیے جو اس کو ربط دے کس کے ساتھ؟ موصول کے ساتھ، تو الَّذِي يَطِيرُ، وہ چیز کہ جو کہ اڑتی ہے، تو يَطِيرُ کے اندر هُوَ ضمیر کس کو راجع؟ الَّذِي کو۔ اور آگے يَغْضَبُ کا عطف ہو رہا ہے يَطِيرُ پر، کس پر؟ يَطِيرُ پر عطف ہو رہا ہے، تو لہٰذا اس يَغْضَبُ کے اندر بھی کیا چاہیے؟ ایک ضمیر ہونی چاہیے کیونکہ معطوف کا وہی حکم ہے جو معطوف علیہ کا ہوتا ہے۔ لیکن اس يَغْضَبُ کے اندر تو کوئی ضمیر نہیں ہے کیونکہ زَيْدٌ آگے اس کا فاعل اسمِ ظاہر آرہا ہے، اور فاعل ایک وقت میں ایک آسکتا ہے، اسمِ ظاہر آئے تو ضمیر نہیں اور ضمیر آئے تو اسمِ ظاہر نہیں آسکتا۔ توجہ ہے؟

تو يَغْضَبُ کا عطف کس پر ہو رہا ہے؟ يَطِيرُ پر، اور يَطِيرُ کے اندر ایک ضمیر ہے جو کس کی طرف لوٹ رہی ہے؟ الَّذِي اسمِ موصول کی طرف، اور آگے يَطِيرُ پر عطف ہے کس کا؟ يَغْضَبُ کا، اور يَغْضَبُ کے اندر ضمیر نہیں ہے کیونکہ آگے اس کا فاعل اسمِ ظاہر آرہا ہے۔ تو آپ نے تو ہمیں کیا کہا تھا کہ معطوف کا وہی حکم ہے جو معطوف علیہ کا ہے، اگر معطوف علیہ

کے اندر ایک ایسی ضمیر ہے جو ماقبل کی طرف لوٹ رہی ہے تو معطوف کے اندر بھی ویسی ہی ایک ضمیر چاہیے جو ماقبل کی طرف لوٹ رہی ہو، تو یہاں يَطِيرُ جو معطوف علیہ ہے اس میں تو ضمیر ہے جو الَّذِي کی طرف لوٹ رہی ہے لیکن فَيَغْضَبُ اس يَغْضَبُ کے اندر تو کوئی ضمیر نہیں ہے۔ تو اس کو تو جائز نہیں ہونا چاہیے لیکن بالاتفاق یہ صورت جائز ہے، بالاتفاق یہ صورت جائز ہے۔

تو اس کا جواب دیں گے صاحبِ کافیہ۔ صاحبِ کافیہ جواب دیں گے کہ بھئی آپ اس مثال کو لے کر ہمارے ضابطے پر اعتراض نہیں کر سکتے، وجہ یہ کہ ہم بات کر رہے ہیں عطف کی اور یہاں جو فا آئی ہے فَيَغْضَبُ زَيْدٌ، یہ فا عاطفہ نہیں یہ تو فا سببیہ ہے۔ یہ فا عاطفہ ہے ہی نہیں، یہ سببیہ ہے، یہ سبب بیان کر رہی ہے: الَّذِي يَطِيرُ وہ چیز جو اڑتی ہے فَيَغْضَبُ زَيْدٌ تو اس کی وجہ سے زید کو غصہ چڑھتا ہے، وہ چیز جو اڑتی ہے تو اس کی وجہ سے زید کو غصہ چڑھتا ہے، الذُّبَابُ وہ ذباب ہے بھئی۔ تو دیکھو یہ اگر فا جو ہے یہ عاطفہ ہوتی تو پھر آپ اعتراض کر سکتے تھے، یہ فا عاطفہ ہے ہی نہیں یہ فا سببیہ ہے جو سبب بیان کرنے کے لیے آتی ہے۔ یہاں پر یہ فا یہ بیان کر رہی ہے کہ یہ ماقبل سبب ہے مابعد کے لیے، یہ اس چیز کا اڑنا یہ زید کے غصے کا سبب ہے۔ اس کا اڑنا یہ کیا ہے زید کے غصے کا سبب ہے، تو ماقبل سبب ہوا مابعد کے لیے، یہ کس نے بتلایا؟ فا نے۔ یہ اسی طرح ہے جیسے آپ کہیں، جیسے آپ کسی سے کہیں: إِذَا جَاءَكَ زَيْدٌ فَأَكْرِمْهُ، إِذَا جَاءَكَ زَيْدٌ جب آپ کے پاس زید آئے فَأَكْرِمْهُ تو اس کا اکرام کرنا۔ اب یہ فا عاطفہ نہیں ہے، توجہ ہے؟ یہ سبب بیان کر رہی ہے کہ جب آپ کے پاس زید آئے تو کیا کرنا؟ اکرام کرنا۔ معلوم ہوا اکرام کا سبب کیا ہے؟ اس کا آنا ہے، یا آنا سبب ہے اور اکرام اس کا مسبب ہے بھئی۔ تو یہ شرط اور جزا کے اندر جو فا آتی ہے یہ کیا ہے؟ فا سببیہ ہوتی ہے جو سبب بیان کرتی ہے، یہاں عطف نہیں ہوتا کہ آپ کہیں جزا کا عطف ہو رہا ہے ماقبل کی شرط پر، نہیں بھئی نہیں، وہ فا کیا ہوتی ہے؟ سبب بیان کرتی ہے۔ بات سمجھ میں آ گئی؟ تو لہٰذا یہاں پر بھی یہ فا عاطفہ ہے ہی نہیں، عاطفہ ہوتی تو پھر آپ اعتراض بھی کرتے، یہ فا کون سی ہے؟ سببیہ ہے۔

تو ترکیب سمجھ میں آ گئی؟ یاد رکھو الَّذِي يَطِيرُ فَيَغْضَبُ زَيْدٌ یہ سارا ابتدا بن جائے گا، اور الذُّبَابُ یہ ہے خبر۔ الَّذِي، ترکیب سنو: الَّذِي مرفوع محلاً اسمِ موصول، مرفوع کیوں؟ کیونکہ ابتدا ہے آگے الذُّبَابُ اس کی خبر آئے گی، تو یہ مرفوع ہے ابتدا اور محلاً کیوں؟ کیونکہ اسمِ موصول ہے مبنی ہے اور مبنی کا اعراب محلاً بتلاتے ہیں۔ اور موصول کے لیے کیا چاہیے؟ صلہ، تو آگے يَطِيرُ فعل اس کے اندر هُوَ ضمیر فاعل اور وہ ضمیر کس کو راجع؟ وہ اسمِ موصول کو راجع، تو یہ صلہ ہوا اور یہ ضمیر عائد آ گئی ربط دے دیا۔ آگے فا کون سی ہے؟ سببیہ، يَغْضَبُ زَيْدٌ، يَغْضَبُ فعل زَيْدٌ اس کا فاعل، فعل اپنے فاعل سے مل کر جملہ فعلیہ ہوا یہ مسبب ہے ماقبل کے لیے۔ تو یہ يَطِيرُ فعل یہ ہے صلہ، الَّذِي کا صلہ کیا ہے؟ يَطِيرُ ہے اور یہ سبب ہے، اور فَيَغْضَبُ زَيْدٌ یہ کیا ہے؟ مسبب ہے، تو موصول صلہ مل کر کیا ہوا؟ یہ ہے ابتدا، اور الذُّبَابُ یہ ہے اس کی خبر ہے۔ بات سمجھ میں آ گئی؟

تو یہ فا، فَيَغْضَبُ زَيْدٌ الذُّبَابُ، یہ فا بعض صورتوں میں عاطفہ بنے گی تو پھر اس صورت میں يَغْضَبُ زَيْدٌ کا عطف ہو گا يَطِيرُ پر، اور معطوف علیہ اپنے معطوف سے مل کر یہ صلہ بنے گا الَّذِي کے لیے۔ اور بعض صورتوں میں یہ فا صرف سببیہ بنے گی، اس صورت میں پھر یہ فَيَغْضَبُ زَيْدٌ یہ بالکل الگ جملہ ہے، یہ جملہ مستأنفہ ہے یعنی ماقبل پر اس کا عطف نہیں ہو رہا، ماقبل کے اعراب وغیرہ سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ تو یہ الَّذِي يَطِيرُ، يَطِيرُ صلہ ہے موصول کے لیے اور فَيَغْضَبُ زَيْدٌ یہ معطوف بھی ہو سکتا ہے جیسے آگے صاحبِ جامی بیان کریں گے اور یہ الگ جملہ بھی ہو سکتا ہے۔ اور موصول صلہ مل کر مبتدا اور الذُّبَابُ اس کے لیے خبر ہے۔

تو کہتے ہیں دیکھیے ترجمہ: کہتے ہیں وَإِنَّمَا جَازَ الَّذِي يَطِيرُ فَيَغْضَبُ زَيْدٌ الذُّبَابُ یہ ترکیب جائز ہے لِأَنَّهَا فَاءُ السَّبَبِيَّةِ اس لیے کیونکہ یہ فا سببیہ ہے بھئی، یعنی یہ فا سبب والی ہے، یہ فا عاطفہ ہے ہی نہیں بھئی۔

اب آئیے سارے کو شرح کے ساتھ دیکھیے۔ کہتے ہیں وَالْمَعْطُوفُ فِي حُكْمِ الْمَعْطُوفِ عَلَيْهِ فِيمَا

▪ متنِ کتاب و تحقیقِ مسائلِ نحویہ

يَجُوزُ لَهُ وَيَمْتَنِعُ مِنَ الْأَحْوَالِ الْعَارِضَةِ لَهُ نَظَرًا إِلَى مَا قَبْلَهُ بِشَرْطِ أَنْ لَا يَكُونَ مَا يَقْتَضِيهَا مُنْتَفِيًا فِي الْمَعْطُوفِ۔

تو صاحبِ کافیہ نے تو مطلقاً کہا کہ معطوف کس کے حکم میں ہوتا ہے؟ معطوف علیہ کے حکم میں۔ آگے صاحبِ جامی وضاحت کر رہے ہیں کہ نہیں بھئی، معطوف تمام چیزوں میں معطوف علیہ کی طرح نہیں ہوتا، یہاں یہ مراد نہیں ہے صاحبِ کافیہ یہ نہیں کہنا چاہتے کہ جیسا معطوف علیہ ہو گا معطوف بھی ہمیشہ ویسا ہو گا۔ حالانکہ دیکھیے بھئی مثلاً میں کہتا ہوں جَاءَنِي زَيْدٌ وَرَجُلٌ، میرے پاس زید آیا اور ایک آدمی آیا۔ اب یہ میں رَجُلٌ کا عطف کر رہا ہوں کس پر؟ زید پر، حالانکہ زید معرفہ ہے اور رَجُلٌ نکرہ ہے۔ تو آپ نے تو ہمیں کیا کہا کہ معطوف کس کے حکم میں ہے؟ معطوف علیہ کے، تو معطوف علیہ معرفہ ہے تو معطوف کو بھی معرفہ ہونا چاہیے۔ نیز مثلاً میں رَجُلٌ کی جگہ رَجُلَانِ کہتا ہوں: جَاءَنِي زَيْدٌ وَرَجُلَانِ، میرے پاس زید اور دو آدمی آئے۔ اب یہاں زید دیکھو یہ ہے مفرد جو معطوف علیہ ہے، اور رَجُلَانِ جو معطوف ہے وہ ہے تثنیہ۔ توجہ ہے؟

تو لہٰذا صاحبِ جامی وضاحت کرنا چاہتے ہیں کہ یہ جو صاحبِ کافیہ نے فرمایا کہ معطوف جو ہے وہ معطوف علیہ کے حکم میں ہوتا ہے یہ مطلقاً نہیں ہے، تمام چیزوں میں مراد نہیں ہے۔ بلکہ اس سے مراد وہ احوال ہیں جو معطوف علیہ کو پیش آتے ہیں ماقبل کے اعتبار سے۔ اس سے کیا مراد؟ وہ احوال جو معطوف علیہ کو پیش آتے ہیں ماقبل کے اعتبار سے یعنی ماقبل کے اعتبار سے اگر معطوف علیہ فاعل ہے تو معطوف بھی کیا ہو گا؟ فاعل، ماقبل کے اعتبار سے اگر معطوف علیہ وہ مفعول ہے

تو معطوف بھی کیا ہو گا؟ مفعول، ماقبل کے اعتبار سے اگر معطوف علیہ خبر بن رہا ہے تو معطوف بھی کیا بنے گا؟ خبر بنے گا۔ بات سمجھ میں آ گئی؟

تو معرفہ اور نکرہ ہونے کے اندر مراد نہیں ہے کہ معطوف علیہ معرفہ ہو تو معطوف بھی معرفہ ہو گا، یا مفرد تثنیہ اور جمع ہونا مراد نہیں ہے کہ معطوف علیہ اگر مفرد یا تثنیہ یا جمع ہو تو اسی کے مطابق معطوف بھی مفرد تثنیہ یا جمع ہو گا، یہ بھی مراد نہیں ہے، بلکہ کون سے احوال مراد ہیں؟ جو معطوف علیہ کو پیش آتے ہیں کس کی طرف نظر کرتے ہوئے؟ ماقبل کی طرف نظر کرتے ہوئے، ماقبل کے اعتبار سے معطوف علیہ یا فاعل بنے گا یا مفعول بنے گا یا خبر بنے گا وغیرہ۔ کس کے اعتبار سے؟ ماقبل کے اعتبار سے معطوف علیہ کو جو احوال پیش آتے ہیں وہ مراد ہیں کہ ان کے اندر معطوف کا بھی وہی حکم ہو گا جو کس کا ہو گا؟ معطوف علیہ کا ہو گا۔

تو فرماتے ہیں: فِيمَا يَجُوزُ لَهُ وَيَمْتَنِعُ، وہ جو جائز ہیں اس معطوف علیہ کے لیے وَيَمْتَنِعُ اور جو ممتنع ہیں، وہ مَا سے مراد احوال ہیں، وہ فِيمَا ان احوال میں يَجُوزُ لَهُ جو کس کے لیے جائز ہیں؟ معطوف علیہ کے لیے وَيَمْتَنِعُ اور جو ممتنع ہیں۔ توجہ ہے؟ جو احوال معطوف علیہ کے لیے جائز ہیں یا ممتنع ہیں ممنوع ہیں کس کی طرف نظر کرتے ہوئے؟ ماقبل کی طرف نظر کرتے ہوئے وہی احوال کس کے ہیں؟ معطوف کے۔ جو چیزیں معطوف علیہ کے لیے جائز ہیں ماقبل کی طرف نظر کرتے ہوئے وہی چیزیں معطوف کے لیے بھی ہوں گی، اور جو چیزیں ماقبل کی طرف نظر کرتے ہوئے معطوف علیہ کے لیے ممتنع ہیں وہ معطوف کے لیے بھی ممتنع ہوں گی۔ معنیٰ سمجھ میں آیا؟

اب دیکھو صاحبِ جامی کیا فرما رہے ہیں: فِيمَا يَجُوزُ لَهُ وَيَمْتَنِعُ، ان احوال میں جو معطوف علیہ کے لیے جائز ہیں وَيَمْتَنِعُ اور وہ احوال جو معطوف علیہ کے لیے ممتنع ہیں۔ میں نے مَا کا ترجمہ کیا کیا؟ احوال۔ لیکن خود عبارت سے تو سمجھ میں نہیں آ رہی بات، فِيمَا يَجُوزُ لَهُ وَيَمْتَنِعُ ان چیزوں میں جو معطوف علیہ کے لیے جائز ہیں وَيَمْتَنِعُ اور وہ چیزیں جو معطوف علیہ کے لیے ممتنع ہیں، تو اس سے کیا مراد ہے بھئی؟ تو آگے صاحبِ جامی خود بیان کر رہے ہیں مِنْ کے ساتھ: مِنَ الْأَحْوَالِ الْعَارِضَةِ لَهُ نَظَرًا إِلَى مَا قَبْلَهُ۔ دیکھو یہ مِنْ بیان ہے مَا کا، کیونکہ ابھی تک بات واضح نہیں ہوئی تھی کہ یہ مَا سے کیا مراد ہے یہ جو مَا يَجُوزُ کے اندر مَا آیا، مَا يَجُوزُ لَهُ وَيَمْتَنِعُ۔ تو بتلایا مِنْ سے مراد کیا ہے؟ مِنَ الْأَحْوَالِ الْعَارِضَةِ لَهُ نَظَرًا إِلَى مَا قَبْلَهُ۔ میں نے آپ کو بتلایا تھا کہ یہ اس طرح کی عبارتیں جگہ جگہ آتی ہیں ان کا ہمیشہ لحاظ رکھا کریں۔ بعض اوقات ایک اسمِ موصول آتا ہے مَا مَنْ وغیرہ اور آگے بات پوری واضح نہیں ہوتی تو پھر مِنْ کے ساتھ اس کو بیان کیا جاتا ہے۔ تو لہٰذا مَا کا بیان کیا کیا؟ مِنَ الْأَحْوَالِ الْعَارِضَةِ لَهُ، وہ احوال الْعَارِضَةِ لَهُ جو اس معطوف علیہ کو پیش آتے ہیں نَظَرًا إِلَى مَا قَبْلَهُ اس کے ماقبل کی طرف نظر کرتے ہوئے۔ تو معلوم ہوا مَا سے کیا مراد ہیں؟ وہ احوال بھئی۔ کیا مراد ہیں؟ احوال۔

اب پھر ترجمہ دیکھ لیجیے۔ کہتے ہیں: وَالْمَعْطُوفُ فِي حُكْمِ الْمَعْطُوفِ عَلَيْهِ اور معطوف جو ہے وہ معطوف علیہ کے حکم میں ہوتا ہے۔ بھئی کس چیز میں؟ کہتے ہیں: فِيمَا يَجُوزُ لَهُ وَيَمْتَنِعُ ان احوال کے اندر جو معطوف علیہ کے لیے جائز ہوتے

ہیں اور ممتنع ہوتے ہیں، ان میں معطوف کا بھی وہی حکم۔ جو احوال معطوف علیہ کے لیے جائز وہ معطوف کے لیے بھی جائز اور جو احوال معطوف علیہ کے لیے ممتنع وہ معطوف کے لیے بھی ممتنع ہوں گے۔ تو کہتے ہیں مِنَ الْأَحْوَالِ الْعَارِضَةِ لَهُ یعنی کہ وہ احوال جو پیش آتے ہیں معطوف علیہ کو نَظَرًا إِلَى مَا قَبْلَهُ ماقبل کی طرف نظر کرتے ہوئے۔ بِشَرْطِ أَنْ لَا يَكُونَ مَا يَقْتَضِيهَا مُنْتَفِيًا فِي الْمَعْطُوفِ، لیکن ایک شرط ہے، ایک شرط ہے۔

ادھر دیکھیے کہ ایک حکم ہے معطوف علیہ کا، ایک حکم کس کا ہے؟ معطوف علیہ کا، وہی حکم کس کا ہو گا؟ معطوف کا بھی، لیکن شرط یہ ہے کہ جو چیز معطوف علیہ میں اس حکم کا تقاضا کر رہی تھی وہ معطوف میں منتفی نہ ہو۔ ذرا مشکل بات ہے، توجہ رکھیں میں بار بار دہراؤں گا ان شاء اللہ ذہن میں بیٹھ جائے گی۔ انہوں نے کیا کہا؟ معطوف کا وہی حکم ہے جو کس کا ہوتا ہے؟ معطوف علیہ کا، کس چیز میں؟ یعنی وہ احوال جو معطوف علیہ کو پیش آتے ہیں ماقبل کی طرف نظر کرتے ہوئے، ان کے اعتبار سے معطوف کا بھی وہی حکم ہے جو معطوف علیہ کا، جو احوال معطوف علیہ کے لیے جائز وہ معطوف کے لیے بھی جائز اور جو احوال معطوف علیہ کے لیے ممتنع وہ معطوف کے لیے بھی ممتنع۔

اس پر اشکال ہوتا ہے کہ بعض جگہ معطوف علیہ کے لیے ایک چیز ممتنع ہوتی ہے اور معطوف میں وہ جائز ہوتی ہے۔ جیسے آپ کہتے ہیں يَا زَيْدُ، دیکھو یہ منادیٰ ہے، یہ منادیٰ مفرد معرفہ ہو تو یہ مبنی ہوتا ہے علامتِ رفع پر، تو یہ زید اس وقت مبنی ہے۔ اسی پر آپ عطف کرتے ہیں الْحَارِثُ، يَا زَيْدُ وَالْحَارِثُ۔ توجہ ہے؟ اب الْحَارِثُ پر الف لام داخل ہے، اور زید پر الف لام آپ نہیں لا سکتے آپ نے پڑھا ہے۔ زید پر یعنی جو منادیٰ ہے اس پر الف لام نہیں لا سکتے کیونکہ پھر کیا خرابی لازم آئے گی؟ يَا بھی آلۂ تعریف ہے وہ لفظ کو معرفہ بنا دیتا ہے، يَا رَجُلُ دیکھو یہ رَجُلُ معرفہ بن گیا يَا کی وجہ سے، تو يَا بھی کیا ہے؟ آلۂ تعریف، الف لام بھی کیا ہے؟ آلۂ تعریف، جس لفظ پر داخل ہوتا ہے اس کو معرفہ بنا دیتا ہے۔ تو اگر آپ یوں کہیں گے يَا الْحَارِثُ تو یہ تو آپ نے يَا اور الف لام کو جمع کر دیا، يَا بھی حارث کو تعریف کا فائدہ دے گی الف لام بھی حارث کو تعریف کا فائدہ دے گا تو ایک کی تعریف تو ضائع چلی جائے گی۔ دو آلۂ تعریف ہیں، ضرورت ایک کی تھی، آپ نے کتنے داخل کر دیے؟ دو داخل کر دیے، تو ایک کی تعریف تو ضائع چلی جائے گی، لہٰذا جائز نہیں کہ معرّف باللام پر حرفِ ندا کو داخل کیا جائے۔ تو لہٰذا درمیان میں پھر وہاں مذکر کے لیے أَيُّهَا اور مؤنث کے لیے أَيَّتُهَا لاتے ہیں: يَا أَيُّهَا الرَّجُلُ، يَا أَيُّهَا الْحَارِثُ، يَا أَيُّهَا الْحَسَنُ۔ تو دیکھو الْحَسَنُ پر الف لام ہے تو آپ أَيُّهَا لے آئے، الرَّجُلُ پر الف لام ہے تو آپ أَيُّهَا لے آئے۔ توجہ ہے؟ اور اسی طرح عورت کے لیے اگر آپ ندا دینا چاہتے ہیں الْمَرْأَةُ، يَا أَيَّتُهَا الْمَرْأَةُ، تو دیکھو مؤنث کے لیے أَيَّتُهَا لے آئے۔

تو لہٰذا انہوں نے کیا کہا؟ جو چیزیں معطوف علیہ میں جائز وہ معطوف میں بھی جائز، جو چیزیں معطوف علیہ میں ممتنع وہ معطوف میں بھی ممتنع ہونی چاہئیں۔ لیکن ہم آپ کو دکھاتے ہیں يَا زَيْدُ وَالْحَارِثُ، زید جو معطوف علیہ ہے الْحَارِثُ معطوف

ہے، زید پر الف لام کا لانا ممتنع ہے لیکن الْحَارِثُ معطوف میں الف لام کا لانا جائز ہے۔ تو آپ نے تو ہمیں کیا کہا تھا کہ جو چیز معطوف علیہ میں ممتنع ہو گی وہ معطوف میں بھی ممتنع ہو گی؟ تو اسی کی شرط اب لگا رہے تھے۔ کہتے ہیں معطوف کا وہی حکم ہو گا لیکن شرط یہ ہے کہ وہ چیز جو ایک حکم کا تقاضا کر رہی تھی معطوف علیہ میں، وہ چیز جو ایک حکم کا تقاضا کر رہی تھی معطوف علیہ میں، وہ چیز یعنی یوں کہو مقتضی، وہ جو مقتضی ہے معطوف علیہ میں ایک حکم کا وہ مقتضی معطوف میں منتفی نہ ہو یعنی وہاں نہ پایا جائے ایسا نہیں ہونا چاہیے۔ وہاں وہ مقتضی منتفی ہو ایسا نہیں ہونا چاہیے۔ مثلاً یہاں دیکھو یَا زَیْدُ وَالْحَارِثُ، یہاں زید پر الف لام کا داخل کرنا ممتنع تھا کس وجہ سے؟ کہ اس صورت میں دو آلۂ تعریف کا جمع ہونا لازم آتا تھا، یَا اور الف لام کا۔ لیکن معطوف پر آپ الف لام لا سکتے ہیں کیونکہ وہاں پر دو آلۂ تعریف کا جمع ہونا لازم نہیں آتا، کیونکہ یَا زَیْدُ وَالْحَارِثُ، الْحَارِثُ پر تو یَا داخل نہیں ہو رہی براہِ راست درمیان میں زید آ رہا ہے، تو درمیان میں فصل آ گیا۔ تو زید معطوف علیہ پر الف لام نہیں لا سکتے کیونکہ اس صورت میں دو آلۂ تعریف کا جمع ہونا لازم آتا تھا، لیکن معطوف پر الف لام لا سکتے ہیں کیونکہ یَا اس سے دور ہے درمیان میں معطوف علیہ ہے، تو یَا زَیْدُ وَالْحَارِثُ۔

تو معطوف کا وہی حکم جو معطوف علیہ کا، جو چیز معطوف علیہ میں جائز وہ معطوف میں بھی جائز، جو چیز معطوف علیہ میں ممتنع وہ معطوف میں بھی ممتنع۔ یہاں پر معطوف علیہ میں الف لام ممتنع، ممتنع، لیکن جو چیز الف لام کے امتناع کا تقاضا کر رہی تھی معطوف علیہ میں وہ چیز معطوف میں منتفی ہے، وہ مقتضی وہاں موجود نہیں۔ توجہ بھی ہے کہ نہیں؟ کیا معطوف علیہ میں کیا چیز تقاضا کر رہی تھی کہ الف لام نہیں لا سکتے؟ معطوف علیہ پر یَا زَیْدُ وَالْحَارِثُ، معطوف علیہ زید ہے، کیا چیز تقاضا کر رہی ہے کہ اس پر آپ الف لام نہیں لا سکتے؟ یَا اور الف لام کا جمع ہونا، یَا اور الف لام کا جمع ہونا یہ تقاضا کر رہا تھا کہ زید یعنی معطوف علیہ پر آپ الف لام نہیں لا سکتے۔ اور یہ چیز منتفی ہے، یہ چیز موجود نہیں ہے کہاں پر؟ معطوف میں، کیونکہ معطوف پر آپ الف لام لے بھی آئیں پھر بھی یَا اور الف لام جمع نہیں ہو رہے کیونکہ درمیان میں زید یعنی معطوف علیہ آ رہا ہے۔ بات سمجھ میں آ گئی؟

تو حاصلِ کلام کیا ہوا کہ معطوف کا وہی حکم ہوتا ہے جو کس کا ہو؟ معطوف علیہ کا، جو چیزیں معطوف علیہ میں جائز وہ معطوف میں بھی جائز، جو چیزیں معطوف علیہ میں ممتنع وہ معطوف میں بھی ممتنع، لیکن شرط یہ ہے کہ وہ مقتضی جو ہے جو ایک حکم کا تقاضا کر رہا ہے معطوف علیہ میں، جو معطوف علیہ میں جو حکم کا مقتضی ہے وہ معطوف میں منتفی نہیں ہونا چاہیے۔ اگر وہاں منتفی ہے پھر اس معطوف کا حکم معطوف علیہ جیسا ہونا ضروری نہیں، جیسے یَا زَیْدُ وَالْحَارِثُ۔ یہاں وہ حکم الْحَارِثُ میں منتفی ہے لہٰذا الْحَارِثُ کا زید کی طرح بغیر الف لام کے ہونا ضروری نہیں ہے۔

دیکھیے بھئی دوبارہ کتاب پر، کہتے ہیں: وَالْمَعْطُوفُ فِي حُكْمِ الْمَعْطُوفِ عَلَيْهِ اور معطوف جو ہوتا ہے وہ معطوف علیہ کے

حکم میں ہوتا ہے فِيمَا يَجُوزُ لَهُ وَيَمْتَنِعُ ان چیزوں میں جو معطوف علیہ کے لیے جائز اور ممتنع ہوتی ہیں، مِنَ الْأَحْوَالِ الْعَارِضَةِ لَهُ یعنی وہ احوال جو معطوف علیہ کو پیش آتے ہیں نَظَرًا إِلَى مَا قَبْلَهُ اس کے ماقبل کی طرف نظر کرتے ہوئے۔ بِشَرْطِ أَنْ لَا يَكُونَ مَا يَقْتَضِيهَا بایں شرط کہ نہیں ہونی چاہیے مَا وہ چیز يَقْتَضِيهَا جو ان احوال کا تقاضا کر رہی ہو، هَا ضمیر الْأَحْوَالِ کو راجع، بِشَرْطِ أَنْ لَا يَكُونَ مَا يَقْتَضِيهَا لیکن بایں شرط کہ وہ چیز جو ان احوال کا تقاضا کر رہی ہے مُنْتَفِيًا وہ منتفی نہیں ہونی چاہیے فِي الْمَعْطُوفِ کس کے اندر؟ معطوف کے اندر۔ زید کے اندر الف لام نہیں ہونا چاہیے یہ کیا چیز تقاضا کر رہی تھی؟ یَا اور الف لام کا جمع ہونا، اور الْحَارِثُ میں یہ چیز منتفی ہے وہاں نہیں ہے لہٰذا اس میں معطوف کا حکم معطوف علیہ جیسا ہونا ضروری نہیں کہ معطوف علیہ کے لیے تو ضروری ہے الف لام سے خالی ہونا چاہیے لیکن معطوف میں یہ ضروری نہیں ہے۔ پھر ترجمہ دیکھ لیجیے: بِشَرْطِ أَنْ لَا يَكُونَ مَا يَقْتَضِيهَا مُنْتَفِيًا فِي الْمَعْطُوفِ، لیکن بایں شرط کہ ایسا نہ ہو کہ وہ چیز جو تقاضا کر رہی ہو ان احوال کا وہ منتفی ہو معطوف میں یعنی ایسا نہیں ہونا چاہیے۔ بات اچھی طرح سمجھ

سمجھ میں آگئی۔

آگے دیکھیے، کہتے ہیں: وَإِنَّمَا قُلْنَا مِنَ الْأَحْوَالِ، اب یہ دیکھو صاحبِ کافیہ نے فرمایا تھا وَالْمَعْطُوفُ فِي حُكْمِ الْمَعْطُوفِ عَلَيْهِ۔ آگے صاحبِ جامی نے کیا ذکر کیا؟ فِيمَا يَجُوزُ لَهُ وَيَمْتَنِعُ مِنَ الْأَحْوَالِ الْعَارِضَةِ لَهُ نَظَرًا إِلَى مَا قَبْلَهُ بِشَرْطِ أَنْ لَا يَكُونَ مَا يَقْتَضِيهَا مُنْتَفِيًا فِي الْمَعْطُوفِ۔ یہ پوری وضاحت کی صاحبِ جامی نے۔ کس نے؟ صاحبِ جامی نے۔ میں نے تو تشریح کر دی لیکن صاحبِ جامی اب ان میں سے ہر ہر چیز کی تشریح کریں گے۔ توجہ ہے؟

دیکھو کہتے ہیں وَإِنَّمَا قُلْنَا کہتے ہیں ہم نے کہا مِنَ الْأَحْوَالِ الْعَارِضَةِ لَهُ نَظَرًا إِلَى مَا قَبْلَهُ کہ وہ احوال جو عارض ہوتے ہیں معطوف علیہ کو ماقبل کی طرف نظر کرتے ہوئے۔ کہتے ہیں ہم نے یہ قید لگائی، صاحبِ جامی فرماتے ہیں یہ قید میں نے لگائی، کیوں؟ کہتے ہیں اِحْتِرَازًا عَنِ الْأَحْوَالِ الْعَارِضَةِ لَهُ مِنْ حَيْثُ نَفْسِهِ، احتراز کرنے کے لیے ان احوال سے جو پیش آتے ہیں معطوف علیہ کو اپنی ذات کے اعتبار سے۔ کہتے ہیں اِحْتِرَازًا عَنِ الْأَحْوَالِ الْعَارِضَةِ لَهُ مِنْ حَيْثُ نَفْسِهِ احتراز کرنے کے لیے ان احوال سے جو معطوف علیہ کو پیش آتے ہیں مِنْ حَيْثُ نَفْسِهِ اپنی ذات کے اعتبار سے۔ دیکھو ہم نے کیا کہا کہ معطوف کس کی طرح ہو گا؟ معطوف علیہ کی طرح۔ کس چیز میں؟ ان احوال میں جو معطوف علیہ کو پیش آتے ہیں ماقبل کی طرف نظر کرتے ہوئے، اپنی ذات کی طرف نظر کرتے ہوئے احوال کو نکالنے کے لیے کیونکہ اپنی ذات کے اعتبار سے جو معطوف علیہ کو احوال پیش آتے ہیں ان میں معطوف کا اس کی طرح ہونا ضروری نہیں۔

وہ کون سے احوال ہیں؟ یہ خود بیان کر رہے ہیں: كَالْإِعْرَابِ وَالْبِنَاءِ، جیسے معرب اور مبنی ہونا۔ معطوف علیہ اگر معرب ہے تو معطوف کا معرب ہونا ضروری نہیں، وہ معرب بھی ہو سکتا ہے مبنی بھی ہو سکتا ہے۔ جَاءَ هٰؤُلَاءِ وَزَيْدٌ، هٰؤُلَاءِ کیا ہے؟ مبنی ہے، تو آگے وَزَيْدٌ، یہ زید کا مبنی ہونا ضروری نہیں ہے کیونکہ هٰؤُلَاءِ مبنی ہے اپنی ذات کے اعتبار سے، ماقبل جَاءَ

کے اعتبار سے یہ مبنی نہیں ہے، اس کی وجہ سے یہ مبنی نہیں ہوا بھئی۔ اسی طرح هٰؤُلَاءِ یہ معرفہ ہے تو اس کا یہ معنیٰ نہیں کہ معطوف بھی معرفہ ہونا چاہیے: جَاءَ هٰؤُلَاءِ وَرَجُلٌ، میں رَجُلٌ نکرہ کا بھی عطف کر سکتا ہوں، تو هٰؤُلَاءِ معرفہ ہے کس کی وجہ سے؟ جَاءَ کی وجہ سے یا اپنی ذات کے اعتبار سے؟ اپنی ذات کے اعتبار سے۔ نیز هٰؤُلَاءِ جمع ہے تو اس کا یہ معنیٰ نہیں کہ معطوف کو بھی جمع ہونا چاہیے، میں هٰؤُلَاءِ وَرَجُلٌ اس پر میں مفرد کا عطف کر رہا ہوں، تو یہ جو هٰؤُلَاءِ جمع ہے یہ جَاءَ کی وجہ سے ہے یا اپنی ذات کے اعتبار سے ہے؟ اپنی ذات۔

تو کہتے ہیں ہم نے کہا کہ معطوف علیہ کو جو احوال پیش آئیں ماقبل کی طرف نسبت کرتے ہوئے ان میں معطوف معطوف علیہ جیسا ہو گا، اور وہ احوال جو معطوف علیہ کو اپنی ذات کے اعتبار سے پیش آئیں ان میں معطوف کا معطوف علیہ جیسا ہونا ضروری نہیں ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ اب دیکھیے کہتے ہیں: وَإِنَّمَا قُلْنَا مِنَ الْأَحْوَالِ الْعَارِضَةِ لَهُ نَظَرًا إِلَى مَا قَبْلَهُ یہ قید ہم نے لگائی اِحْتِرَازًا عَنِ الْأَحْوَالِ الْعَارِضَةِ لَهُ مِنْ حَيْثُ نَفْسِهِ احتراز کرنے کے لیے ان احوال سے جو معطوف علیہ کو پیش آتے ہیں اپنی ذات کے اعتبار سے، كَالْإِعْرَابِ وَالْبِنَاءِ جیسے معرب اور مبنی ہونا، وَالتَّعْرِيفِ وَالتَّنْكِيرِ اور معرفہ اور نکرہ ہونا، وَالْإِفْرَادِ وَالتَّثْنِيَةِ وَالْجَمْعِ اور مفرد تثنیہ اور جمع ہونا، فَإِنَّ الْمَعْطُوفَ فِيهَا لَيْسَ فِي حُكْمِ الْمَعْطُوفِ عَلَيْهِ اس لیے کیونکہ ان چیزوں کے اندر معطوف جو ہے وہ معطوف علیہ کے حکم میں نہیں ہوتا۔

وَإِنَّمَا قُلْنَا، اب بتلا رہے ہیں ہم نے اوپر قید لگائی تھی۔ کیا قید تھی اوپر؟ بِشَرْطِ أَنْ لَا يَكُونَ مَا يَقْتَضِيهَا مُنْتَفِيًا فِي الْمَعْطُوفِ۔ یہ قید ہم نے جو لگائی تھی، کہتے ہیں: وَإِنَّمَا قُلْنَا بِشَرْطِ أَنْ لَا يَكُونَ مَا يَقْتَضِيهَا مُنْتَفِيًا فِي الْمَعْطُوفِ یہ قید لگائی تھی اِحْتِرَازًا عَنْ مِثْلِ قَوْلِنَا احتراز کرنے کے لیے ہمارے اس جیسے قول سے: يَا رَجُلُ وَالْحَارِثُ۔ يَا رَجُلُ وَالْحَارِثُ، تو دیکھو اس میں رَجُلُ کے لیے تو الف لام سے خالی ہونا ضروری ہے لیکن حَارِثُ میں یہ الف لام سے خالی ہونا ضروری نہیں ہے۔ رَجُلُ کو الف لام سے کیوں خالی ہونا ضروری؟ تاکہ یَا اور الف لام کا اجتماع لازم نہ آئے۔ اور یہ چیز تو الْحَارِثُ میں منتفی ہے وہاں پر الف لام آ بھی جائے تو بھی یَا اور الف لام کا جمع ہونا لازم نہیں آتا۔ تو کہتے ہیں یہ احتراز کرنے کے لیے عَنْ مِثْلِ قَوْلِنَا ہمارے اس جیسے قول سے يَا رَجُلُ وَالْحَارِثُ، فَإِنَّ الْحَارِثَ مَعْطُوفٌ عَلَى رَجُلٍ اس لیے کیونکہ حَارِثَ کا لفظ جو ہے یہ معطوف ہے رَجُلٍ پر، وَلَيْسَ فِي حُكْمِهِ مِنْ حَيْثُ تَجَرُّدِهِ عَنِ اللَّامِ اور یہ الْحَارِثُ جو ہے یہ رَجُلٍ کے حکم میں نہیں ہے مِنْ حَيْثُ تَجَرُّدِهِ عَنِ اللَّامِ لام سے خالی ہونے کی حیثیت سے، لام سے خالی ہونے کی حیثیت سے کیونکہ رَجُلٍ پر الف لام نہیں ہے اور الْحَارِثُ پر الف لام ہے، تو الْحَارِثُ رَجُلٍ کی طرح نہیں ہے یعنی رَجُلٍ پر تو الف لام نہیں ہے لیکن الْحَارِثُ پر الف لام ہے۔ تو کہتے ہیں وَلَيْسَ فِي حُكْمِهِ اور یہ الْحَارِثُ جو ہے یہ رَجُلٍ کے حکم میں نہیں ہے مِنْ حَيْثُ تَجَرُّدِهِ عَنِ اللَّامِ لام سے خالی ہونے کی حیثیت سے، فَإِنَّ مَا يَقْتَضِي تَجَرُّدَهُ عَنِ اللَّامِ اس لیے کیونکہ وہ چیز جو تقاضا کر رہی ہے رَجُلٍ کے خالی ہونے کا عَنِ اللَّامِ کس سے؟ لام سے، هُوَ اجْتِمَاعُ اللَّامِ وَحَرْفِ النِّدَاءِ وہ لام اور حرفِ ندا کا جمع ہونا ہے، وَهُوَ مَفْقُودٌ فِي

الْمَعْطُوفِ اور یہ چیز تو معطوف میں نہیں ہے وہاں پر مفقود ہے، مفقود کا معنیٰ نہ ہونا، اور یہ چیز تو معطوف کے اندر مفقود ہے یعنی منتفی ہے، کیا ہے؟ منتفی ہے۔ تو کہتے ہیں وَهُوَ مَفْقُودٌ فِي الْمَعْطُوفِ اور یہ چیز تو معطوف کے اندر مفقود ہے یعنی اس میں پائی نہیں جا رہی وہاں پر یَا اور الف لام کا اجتماع لازم نہیں آتا۔

وَأَمَّا نَحْوُ رُبَّ شَاةٍ وَسَخْلَتِهَا فَبِتَقْدِيرِ التَّنْكِيرِ لِقَصْدِ عَدَمِ التَّعْيِينِ۔ اچھا بھئی یاد رکھیے: رُبَّ شَاةٍ وَسَخْلَتِهَا۔ یاد رکھو رُبَّ جو ہے نا رُبَّ، اس کو وضع کیا گیا ہے تقلیل کے لیے، قلت بتلانے کے لیے، لیکن اب یہ استعمال جو ہے تکثیر کے لیے ہوتا ہے کثرت بتلانے کے لیے۔ جہاں کہیں بھی آئے رُبَّ اب وہ کثرت بتلائے گا، الا یہ کہ وہاں کوئی قرینہ موجود ہو جو قلت پر دلالت کر رہا ہو، پھر قلت والا معنیٰ دے گا ورنہ ویسے یہ کیا معنیٰ دیتا ہے؟ کثرت والا۔ رُبَّ رَجُلٍ لَقِيتُهُ، میں بہت سے آدمیوں سے میں نے ملاقات کی۔ تو یاد رکھو یہ جو رُبَّ ہے یہ نکرہ پر داخل ہوتا ہے، یہ ہمیشہ کس پر داخل ہوتا ہے؟ نکرہ پر، معرفہ پر یہ کبھی داخل نہیں ہوتا۔ لیکن عربی میں کہتے ہیں رُبَّ شَاةٍ وَسَخْلَتِهَا۔ شَاةٌ کہتے ہیں بھیڑ بکری کو۔ عموماً طلبہ میں مشہور کیا ہے؟ شَاةٌ صرف بکری کو کہتے ہیں، نہیں، شَاةٌ اسمِ جنس ہے، شَاةٌ اور غَنَمٌ، شَاةٌ اور غَنَمٌ کا یہ دونوں کا ایک ہی معنیٰ ہے، غَنَمٌ کا معنیٰ بھی بھیڑ اور بکری اور شَاةٌ کا معنیٰ بھی بھیڑ اور بکری یعنی یہ دونوں جنسیں مراد ہوتی ہیں، دونوں جنسیں اس کے اندر داخل ہوتی ہیں چاہے مذکر ہوں چاہے مؤنث۔ تو شَاةٌ کا کیا معنیٰ ہے؟ بھیڑ بکریاں۔ اردو میں کیا ترجمہ کریں گے؟ بھیڑ بکریاں۔ تو رُبَّ شَاةٍ بہت سی بھیڑ بکریاں وَسَخْلَتِهَا، سَخْلَةٌ کہتے ہیں بھیڑ بکری کے بچے کو، اور هَا ضمیر اسی شَاةٌ کو راجع ہے: رُبَّ شَاةٍ وَسَخْلَتِهَا، بہت سی بھیڑ بکریاں اور ان کے بچے۔ ترجمہ سمجھ میں آیا؟

اب دیکھو میں نے ضابطہ بتایا کہ رُبَّ ہمیشہ نکرہ پر داخل ہوتا ہے، چنانچہ رُبَّ شَاةٍ یہ شَاةٍ نکرہ ہے اور رُبَّ نے اس کو جر دے دیا۔ لیکن آگے وَسَخْلَتِهَا، یہ سَخْلَةٍ مضاف اور هَا ضمیر یہ مضاف الیہ، اور ضمیر کیا ہے؟ معرفہ، اور معرفہ کی طرف جو لفظ مضاف ہو جائے وہ بھی کیا بن جاتا ہے؟ معرفہ، تو سَخْلَةٍ کی اضافت جب هَا ضمیر کی طرف ہوئی تو یہ بھی معرفہ بن گیا۔ اور اس سَخْلَةٍ کا عطف ہے شَاةٍ پر، تو یہ سَخْلَةٍ ہوا معطوف، شَاةٍ ہوا معطوف علیہ اور سَخْلَةٍ ہے معطوف۔ اور دیکھو معطوف معرفہ ہے، اور معطوف کا وہی حکم ہوتا ہے جو کس کا ہو؟ معطوف علیہ کا، اور معطوف علیہ کا تو حکم تھا اس کو نکرہ ہونا چاہیے اور یہاں تو معطوف کیا ہے؟ معرفہ ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو اب اس کا بھی جواب دینے لگے ہیں صاحبِ جامی۔

اعتراض کیا؟ آپ نے ہمیں کیا کہا؟ معطوف کا وہی حکم ہے جو معطوف علیہ کا ہے، تو لہٰذا رُبَّ تو صرف نکرہ پر داخل ہوتا ہے تو یہاں تو اس ضابطے کی مخالفت ہو رہی ہے کہ معطوف جو ہے وہ معرفہ ہے، معطوف کو بھی کیا ہونا چاہیے؟ نکرہ ہونا چاہیے کیونکہ معطوف کا وہی حکم ہوتا ہے جو معطوف علیہ کا ہو اور معطوف علیہ کا نکرہ ہونا لازمی ہے رُبَّ نکرہ پر داخل ہوتا ہے۔ اعتراض سمجھ میں آیا؟

تو کہتے ہیں وَأَمَّا نَحْوُ رُبَّ شَاةٍ وَسَخْلَتِهَا اور باقی رُبَّ شَاةٍ وَسَخْلَتِهَا جیسی مثالیں جو ہیں فَبِتَقْدِيرِ التَّنْكِيرِ تو یہ تنکیر کی تقدیر میں ہے یعنی نکرہ کی تقدیر میں ہے، یعنی ان کو نکرہ فرض کر لیا گیا ہے۔ یہ سَخْلَتِهَا کو، قَدَّرَ يُقَدِّرُ تَقْدِيرٌ کا کیا معنیٰ ہے؟ فرض کرنا، تو یہ تقدیرِ تنکیر میں ہے یعنی فرض کر لیں یہ نکرہ ہی ہے بھئی۔ تو کہتے ہیں فَبِتَقْدِيرِ التَّنْكِيرِ تو یہ تنکیر کی تقدیر میں ہے لِقَصْدِ عَدَمِ التَّعْيِينِ بوجہ عدمِ تعیین کے ارادے کے۔ دیکھو رُبَّ شَاةٍ وَسَخْلَتِهَا بہت سی بھیڑ بکریاں اور ان کے بچے، اب اس سے کوئی متعین بچے نہیں مراد۔ معرفہ تو کسے کہتے ہیں؟ جو کسی متعین ذات پر دلالت کرے، تو یہاں پر تعیین نہیں ہے یہاں عدمِ تعیین مقصود ہے تو یہ بھی نکرہ کے حکم میں ہے۔ یہ بھی کس کے حکم میں ہے؟ نکرہ کے۔ یعنی آپ یہاں یہ نہیں کہہ سکتے کہ یہاں تو معطوف معرفہ ہے، بھئی نہیں یہ سَخْلَتِهَا بھی نکرہ ہے، یہ بھی کیا ہے؟ یہ بھی نکرہ ہے۔ اب کس طرح نکرہ ہے اس کو سمجھ لو۔

یاد رکھو یہ سَخْلَةٍ مضاف ہے اور هَا ضمیر مضاف الیہ، اور هَا ضمیر ہے معرفہ، اور معرفہ کی طرف جو لفظ مضاف ہو وہ بھی کیا بن جاتا ہے؟ معرفہ۔ مثلاً دیکھو غُلَامٌ ہے نکرہ اور زَيْدٌ کیا ہے؟ معرفہ، تو غُلَامٌ کی جب میں اضافت کروں گا زَيْدٌ معرفہ کی طرف غُلَامُ زَيْدٍ تو اب یہ غُلَامُ بھی کیا بن گیا؟ معرفہ بن گیا۔ کیوں؟ یہ معرفہ کیوں بن گیا؟ کیونکہ اس سے خاص زید کا غلام مراد ہے عہدِ خارجی ہے، یہ جو اضافت ہے یہ تعریف کا فائدہ دے رہی ہے، یہ اضافت عہدِ خارجی کے لیے ہے وہ جو خارج میں زید کا غلام ہے وہ مراد ہے۔ جب میں نے کہا جَاءَنِي غُلَامُ زَيْدٍ، غلام کی اضافت کی کس کی طرف؟ زید کی طرف، تو اس کے ذریعے خارج میں وہ جو زید کا متعین غلام ہے وہ مراد ہے، تو یہ اضافت کس لیے ہوئی؟ عہدِ خارجی کے لیے۔ عہد کا کیا معنیٰ؟ متعین ہونا، معہود کس کو کہتے ہیں؟ جو متعین ہو، تو یہ اضافت عہدِ خارجی کے لیے ہے یعنی ایک معہودِ خارجی جو ہے وہ اس سے مراد ہے، خارج میں ایک متعین غلام اس سے مراد ہے۔ لیکن یہاں پر جو سَخْلَتِهَا آیا یہاں غیرِ معین کا ارادہ کیا گیا ہے، خاص معین بچے نہیں مراد بکریوں کے بلکہ غیرِ معین بچے مراد ہیں، تو یہ اضافت عہدِ خارجی کے لیے نہیں ہے عہدِ ذہنی کے لیے ہے۔ یہ کس لیے ہے؟ عہدِ ذہنی کے لیے۔

میں نے بتلایا تھا بھئی، میں نے بتلایا تھا کہ الف لام جو ہے دو قسم پر ہے: ایک الف لام اسمی، ایک الف لام حرفی۔ الف لام اسمی کسے کہتے ہیں؟ جو اسمِ فاعل اور اسمِ مفعول کے صیغوں پر داخل ہو، الضَّارِبُ کس معنیٰ میں ہے؟ الَّذِي يَضْرِبُ، اور الْمَضْرُوبُ کس معنیٰ میں ہے؟ الَّذِي يُضْرَبُ، تو یہ دراصل اسمِ موصول ہے۔ اور دوسرا الف لام حرفی ہوتا ہے یعنی ان کے علاوہ جو بھی الف لام ہے وہ الف لام حرفی ہے، اور الف لام حرفی کے ذریعے کسی چیز کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے۔ اور اشارہ کبھی جنس اور ماہیت کی طرف ہوتا ہے یعنی جیسے الرَّجُلُ خَيْرٌ مِنَ الْمَرْأَةِ، جنسِ رجل بہتر ہے کس سے؟ جنسِ امرأہ سے، یعنی اس جنسِ رجل کو یہ جو ماہیت ہے یہ جو جنس ہے رجل کی اس کو اللہ نے فضیلت دی ہے کس پر؟

جنسِ امرأہ پر عورتوں پر، تو یہاں جنس کی بات ہو رہی ہے، جنس کی بات ہو رہی ہے افراد کی بات نہیں ہو رہی، ورنہ تو پھر یہ بات ٹھیک نہیں رہے گی مثلاً ایک ایمان والی عورت ہے اور ایک کافر مرد ہے تو یہ ایمان والی عورت اس سے افضل ہے بھئی۔ معلوم ہوا افراد نہیں مراد ورنہ تو افراد کبھی عورت کے بھی مرد سے کیا ہوتے ہیں؟ افضل ہو جاتے ہیں، لہٰذا یہاں ماہیت اور حقیقت کی بات ہو رہی ہے کہ یہ جو جنس ہے یہ جو ماہیت ہے رجل والی اس کو اللہ نے فضیلت دی ہے کس پر؟ عورتوں پر کہ مرد کو طاقتور بنایا ہے اور نیز مرد کو حاکم بنایا ہے عورت کو اس کا محکوم بنایا ہے، نیز مردوں کے اندر انبیاء آئے ہیں عورتوں کے اندر انبیاء نہیں۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو لہٰذا یہاں جنس مراد ہے تو یہاں افراد کی طرف اشارہ نہیں۔ اور کبھی کبھار افراد کی طرف اشارہ ہو گا تو پھر تمام افراد مراد ہوں گے یا بعض۔ اگر تمام افراد مراد ہوں تو پھر یہ الف لام استغراقی ہے، اور اس کا معنیٰ تمام اور کل کے ساتھ کریں گے جیسے قرآن میں اللہ فرماتے ہیں: وَالْعَصْرِ إِنَّ الْإِنْسَانَ لَفِي خُسْرٍ، قسم ہے زمانے کی إِنَّ الْإِنْسَانَ یقیناً تمام انسان جو ہیں فِي الْخُسْرِ خسارے میں ہیں نقصان میں ہیں، تو یہ الْإِنْسَانَ پر الف لام کون سا ہے؟ استغراقی، تمام انسان مراد ہیں۔ تو یہ اگر تمام افراد مراد ہوں تو

یہ الف لام استغراقی، اور اگر بعض مراد ہوں تو پھر وہ بعض خارج میں متعین ہوں گے یا متعین نہیں۔ اگر وہ خارج میں متعین ہیں تو اس کو الف لام عہدِ خارجی کہتے ہیں۔ مثلاً میں آپ سے کہتا ہوں جَاءَنِي رَجُلٌ أَمْسِ، جَاءَنِي رَجُلُ أَمْسِ، أَمْسِ کہتے ہیں گزشتہ کل کو، گزشتہ کل میرے پاس ایک آدمی آیا تھا، آپ چونکہ اس کو نہیں جانتے اس لیے میں نے اس کو رَجُلٌ نکرہ ذکر کیا: جَاءَنِي رَجُلٌ، کل میرے پاس کوئی ایک آدمی آیا تھا۔ اب میں آپ کو بتانا چاہتا ہوں میں نے اس آدمی کا اکرام کیا، تو جب ایک دفعہ ایک چیز ذکر ہو گئی اب وہ متعین ہو گئی تو اب میں کہوں گا فَأَكْرَمْتُ الرَّجُلَ، فَأَكْرَمْتُ الرَّجُلَ، تو میں نے اس آدمی کا اکرام کیا۔ آپ سمجھ گئے یا نہیں اس آدمی سے کون سا آدمی مراد ہے؟ وہ جو میں نے ذکر کیا تھا گزشتہ کل آیا تھا۔ یا میں یوں کہتا ہوں فَأَكْرَمْتُهُ تو میں نے پھر اس کا اکرام کیا۔ تو فَأَكْرَمْتُ الرَّجُلَ بھی میں کہہ سکتا ہوں الف لام کے ذریعے اشارہ کر دوں، یا فَأَكْرَمْتُهُ یہ هُ ضمیر بھی میں اس کو لوٹا سکتا ہوں۔ توجہ ہے؟ تو یہ دیکھو یہ رَجُلٌ میں نے ذکر کیا جَاءَنِي رَجُلٌ أَمْسِ، اور آگے فَأَكْرَمْتُ الرَّجُلَ، الرَّجُلَ پر جو میں الف لام لایا یہ الف لام کے ذریعے اشارہ ہے کس کی طرف؟ خارج میں ایک متعین مرد کی طرف، میں نے اس آدمی کا اکرام کیا، تو یہ الف لام عہدِ خارجی کا ہے۔

اور کبھی کبھار الف لام عہدِ ذہنی کا ہوتا ہے یعنی بعض افراد مراد ہوتے ہیں لیکن وہ خارج میں متعین نہیں ہوتے، جیسے اس کی مثال قرآن میں ہے، حضرت یعقوب علیہ السلام نے کیا فرمایا؟ إِنِّي أَخَافُ أَنْ يَأْكُلَهُ الذِّئْبُ، مجھے خوف ہے کہ میرے بیٹے یوسف کو جو ہے کھا لے گا الذِّئْبُ بھیڑیا بھئی۔ سمجھ میں آیا؟ یعقوب علیہ السلام اور حضرت یوسف علیہ السلام کے واقعے میں بھئی۔ تو دیکھو الذِّئْبُ کے اندر الف لام آیا ذِئْبٌ پر، اور اس سے جنسِ بھیڑیا بھی نہیں مراد، ماہیت۔ ماہیت

جنس یعنی میٹریل جس سے چیز بنی ہے وہ بھی نہیں مراد کیونکہ خارج میں بھیڑیے کے افراد لوگوں کو کھاتے ہیں اس کی جو ماہیت اور میٹریل ہے وہ نہیں کھاتا۔ تو معلوم ہوا الف لام جنسی بھی نہیں مرادیہاں کہ اس کو بھیڑیے کی جنس کھا جائے گی۔ اور اس سے تمام بھیڑیے بھی نہیں مراد ہو سکتے کیونکہ تمام دنیا کے بھیڑیے تو وہاں اکٹھے ہی نہیں ہو سکتے، تو معلوم ہوا الف لام استغراقی بھی نہیں۔ پھر الف لام عہدِ خارجی کوئی متعین بھیڑیا ہو ایسا بھی نہیں تھا کہ مجھے خوف ہے کہ وہ والا بھیڑیا ان کو کھا جائے گا، تو معلوم ہوا یہ الف لام عہدِ خارجی کا بھی نہیں ہے، تو پھر یہ الف لام عہدِ ذہنی کا ہے۔ الف لام عہدِ ذہنی یہ کہ ذہن میں بھیڑیے کا کوئی ایک فرد تصور کر لیا اور الف لام کے ذریعے اس کی طرف اشارہ کر دیا، تو یہ جو ذہن میں تصور کیا اور الف لام کے ذریعے اس کی طرف اشارہ کیا اس کو الف لام عہدِ ذہنی کہتے ہیں۔ اور یہ لفظوں کے اعتبار سے تو معرفہ بنا دیتا ہے لفظ کو لیکن معنیٰ کے اعتبار سے وہ نکرہ ہی ہے، اسی لیے الذِّئْبُ کا ترجمہ وہ بھیڑیا نہیں کریں گے بلکہ کوئی بھیڑیا، ذِئْبٌ کا معنیٰ بھی کوئی بھیڑیا اور الذِّئْبُ کا معنیٰ بھی کوئی بھیڑیا بھئی۔

تو یہاں پر بھی یہ بات چل رہی ہے اضافت کی، جب نکرہ کی اضافت کی جائے معرفہ کی طرف تو وہ عموماً عہدِ خارجی کے لیے ہوتی ہے خارج میں کسی متعین فرد کی طرف اشارہ کرنے کے لیے، جیسے غُلَامُ زَيْدٍ غلام کی اضافت میں نے زید کی طرف کی تو اس کے ذریعے خارج میں متعین زید کا جو غلام ہے وہ مراد ہے۔ اور کبھی کبھار یہ عہدِ ذہنی کے لیے ہوتی ہے۔ کس کے لیے؟ عہدِ ذہنی کے لیے یعنی اضافت کے باوجود مضاف معرفہ نہیں ہوتا۔ غُلَامُ زَيْدٍ، زید کے بہت سارے غلام ہیں، اب میں آپ سے کہتا ہوں جَاءَنِي غُلَامُ زَيْدٍ، اب دیکھو یہاں یہ جو اضافت ہے اس نے تعیین کا فائدہ نہیں دیا، کوئی ایک غلام زید کا آیا میرے پاس۔ توجہ ہے؟ تو سَخْلَتِهَا یہاں پر بھی جو اضافت ہے وہ عہدِ ذہنی کے لیے ہے یعنی غیرِ معین فرد کے لیے ہے۔ معلوم ہوا سَخْلَتِهَا ان بھیڑ بکریوں کے بچے، اس سے کوئی متعین بچے نہیں مراد بلکہ غیرِ متعین بچے مراد ہیں۔ گویا یوں سمجھو یہاں اضافت بھی لا اضافت کی طرح ہے، اضافت بھی لا اضافت کی طرح ہے، تو جیسے رُبَّ شَاةٍ وَسَخْلَتِهَا جیسے شَاةٍ نکرہ تھا آگے سَخْلَتِهَا بھی کیا ہے؟ نکرہ ہے۔ لہٰذا آپ اس کو لے کر اعتراض نہیں کر سکتے کہ یہاں تو معطوف وہ معطوف علیہ جیسا نہیں ہے۔

تو کہتے ہیں وَأَمَّا نَحْوُ رُبَّ شَاةٍ وَسَخْلَتِهَا فَبِتَقْدِيرِ التَّنْكِيرِ تو وہ تنکیر کی تقدیر میں ہے یعنی نکرہ کی تقدیر میں ہے لِقَصْدِ عَدَمِ التَّعْيِينِ عدمِ تعیین کے ارادے کی وجہ سے، أَيْ رُبَّ شَاةٍ وَسَخْلَةٍ لَهَا، دیکھو اضافت توڑ دی ہے: رُبَّ شَاةٍ وَسَخْلَةٍ لَهَا۔ دیکھو لام درمیان میں لے آئے، غُلَامُ زَيْدٍ کا کیا معنیٰ تھا؟ اس کو اضافت کو توڑ دیں، غُلَامٌ لِزَيْدٍ۔ غُلَامُ زَيْدٍ، غُلَامٌ لِزَيْدٍ جب وہ نکرہ ہو، تو یہاں بھی سَخْلَتِهَا أَيْ سَخْلَةٍ لَهَا بھئی۔ تو دیکھو اضافت کو توڑ دیا بتلا دیا کہ یہ اضافت کس کے حکم میں ہے؟ یہ اضافت عہدِ ذہنی کے لیے ہے یعنی نکرہ کے حکم میں ہے۔ تو کہتے ہیں أَيْ رُبَّ شَاةٍ وَسَخْلَةٍ لَهَا بہت سی بھیڑ بکریاں وَسَخْلَةٍ لَهَا اور ان کے بچے بھئی۔ تو دیکھو غیرِ متعین بچے مراد ہیں۔

أَوْ مَحْمُولٌ عَلَى نَكَارَةِ الضَّمِيرِ كَرُبَّهُ رَجُلًا عَلَى الشُّذُوذِ۔ یہ دوسرا جواب دے رہے ہیں اسی رُبَّ شَاةٍ وَسَخْلَتِهَا کا۔ اسی مثال پہ نظر رکھیں رُبَّ شَاةٍ وَسَخْلَتِهَا، کہتے ہیں یہ جو سَخْلَتِهَا کے اندر هَا ضمیر ہے یہ نکارَت پر محمول ہے کہ یہ نکرہ ہے، یہ ضمیر کیا ہے؟ نکارَت پر محمول ہے۔ بھئی ضمیر کس کے لیے وضع ہے؟ معرفہ کے لیے وضع ہے کسی معین ذات پر دلالت کرتی ہے لیکن یہاں پر ضمیر جو ہے اس کو نکرہ پر محمول کر لیا جائے گا۔ یہ کہتے ہیں یہ اسی طرح ہے جیسے رُبَّهُ رَجُلًا عربی میں کہتے ہیں۔ کیا کہتے ہیں؟ رُبَّهُ رَجُلًا۔ رُبَّ کس پر داخل ہوا؟ هُ ضمیر پر، اور هُ ضمیر تو معرفہ ہوتی ہے اور رُبَّ تو ہمیشہ کس پر داخل ہوتا ہے؟ نکرہ پر داخل ہوتا ہے، تو جواب یہ کہ رُبَّهُ یہ هُ ضمیر بھی نکرہ ہے بھئی۔ یہ هُ ضمیر بھی نکرہ ہے کیونکہ غائب کی ضمیر ہے اور غائب کی ضمیر کے لیے پہلے مرجع چاہیے ہوتا ہے پتا تو چلے کہ یہ هُ ضمیر سے کون مراد ہے، لیکن یہاں رُبَّهُ رَجُلًا لیکن یہاں پیچھے کوئی مرجع ہے ہی نہیں۔ جب مرجع ہے ہی نہیں تو یہ هُ ضمیر کیا ہے؟ نکرہ ہے اس کا پتا ہی نہیں چل رہا کون اس سے مراد ہے، یہ رُبَّهُ یہ اسی طرح ہے جیسے رُبَّ شَيْءٍ کہا: بہت سی چیزیں، رُبَّهُ أَيْ رُبَّ شَيْءٍ کے معنیٰ میں ہے، یہ هُ ضمیر کس معنیٰ میں ہے؟ شَيْءٍ کے معنیٰ میں ہے پتا ہی نہیں چل رہا اس سے کیا مراد ہے بھئی۔ تو اس کے اندر ابہام تھا، کیا تھا؟ ابہام، تو ابہام دور کس سے کرتے ہیں؟ تمیز کے ذریعے، تو آگے رَجُلًا تمیز لائی گئی: رُبَّهُ رَجُلًا، پتا چلا یہ هُ ضمیر سے کون مراد ہے؟ رَجُلٌ مراد ہے، هُ ضمیر سے کیا مراد ہے؟ رَجُلٌ۔ تو رُبَّهُ یہ هُ ضمیر آئی پیچھے مرجع نہیں تھا پتا نہیں چل رہا تھا کہ اس ضمیر سے کیا مراد ہے، تو آگے رَجُلًا لا کر اس ابہام کو دور کیا گیا کہ هُ ضمیر سے کیا مراد ہے؟ رَجُلٌ، تو یہ ضمیر نکرہ ہے بھئی، تو یہ ضمیر کیا ہے؟ نکرہ ہے۔ تو جیسے رُبَّهُ رَجُلًا کے اندر یہ هُ ضمیر نکرہ ہے اسی طرح رُبَّ شَاةٍ وَسَخْلَتِهَا اس کے اندر بھی یہ جو هَا ضمیر ہے یہ نکرہ مان لیں گے۔ جب نکرہ مان لیں گے تو اب سَخْلَةٍ کی اضافت نکرہ کی طرف ہوئی تو وہ ابھی بھی نکرہ کا نکرہ ہے، لہٰذا اعتراض ختم ہوا۔

اب دیکھیے بھئی کہتے ہیں أَوْ مَحْمُولٌ عَلَى نَكَارَةِ الضَّمِيرِ یا یہ رُبَّ شَاةٍ وَسَخْلَتِهَا کی جو مثال ہے یہ محمول ہے عَلَى نَكَارَةِ الضَّمِيرِ ضمیر کے نکرہ ہونے پر كَرُبَّهُ رَجُلًا جیسے کہ رُبَّهُ رَجُلًا میں ہے عَلَى الشُّذُوذِ شذوذ کے طریقے پر۔ کس طریقے پر؟ شذوذ کے طریقے پر۔ شذوذ یعنی شاذ ہونا، یہ مصدر ہے شذوذ۔ شاذ کسے کہتے ہیں؟ شاذ کا ایک معنیٰ ہوتا ہے قلیل، قلیل کے لیے بھی شاذ کا لفظ استعمال ہوتا ہے، اور شاذ کا معنیٰ ہے خلافِ قیاس جو قانون کے خلاف ہو، جو کیا ہو؟ قانون کے خلاف ہو۔ تو یہاں بھی ضمیر جو ہے وہ تو اصل میں وضع ہے معرفہ کے لیے اور یہاں استعمال کس کے لیے ہو گئی؟ نکرہ کے لیے، تو یہ کیا ہوئی؟ شذوذ کے طریقے پر ہو گئی یعنی خلافِ قیاس خلافِ قانون بھئی۔ بات سمجھ میں آ گئی؟ تو یہ معنیٰ ہے أَوْ مَحْمُولٌ عَلَى نَكَارَةِ الضَّمِيرِ كَرُبَّهُ رَجُلًا اور یا یہ محمول ہے ضمیر کے نکرہ ہونے پر جیسے رُبَّهُ رَجُلًا میں ہے عَلَى الشُّذُوذِ کس طریقے پر؟ شذوذ کے طریقے پر۔

اب اس کی دو تقریریں ہو سکتی ہیں۔ انہوں نے کیا کہا؟ وضاحت کرنا چاہتے ہیں رُبَّ شَاةٍ وَسَخْلَتِهَا کی۔ اس پر اشکال کیا تھا کہ معطوف کا وہی حکم ہوتا ہے جو معطوف علیہ کا اور رُبَّ شَاةٍ کے اندر معطوف علیہ کا نکرہ ہونا ضروری ہے کیونکہ اس

پر رُبَّ داخل ہے۔ تو جب اس کا نکرہ ہونا ضروری تو معطوف کو بھی کیا ہونا چاہیے؟ نکرہ ہونا چاہیے لیکن سَخْلَتِهَا تو معرفہ آ رہا ہے۔ تو ایک جواب دیا کہ یہ اضافت کس پر محمول ہے؟ عہدِ ذہنی پر، تو یہ اضافت تعریف کا فائدہ ہی نہیں دے رہی گویا یہ اضافت بھی لا اضافت کی طرح ہے، اور سَخْلَتِهَا، سَخْلَةٍ لَهَا کے معنیٰ میں ہے أَيْ سَخْلَةٍ ثَابِتَةٍ لَهَا بھئی۔ توجہ ہے؟ تو یہ بھی نکرہ کا نکرہ ہی ہے لہٰذا اعتراض ختم۔ یا دوسرا جواب یہ کہ یہ رُبَّهُ رَجُلًا کی طرح ہے، وہاں پر جیسے رُبَّهُ کی هُ ضمیر کیا ہے وہ نکرہ اس کو نکرہ مانا گیا خلافِ قیاس طریقے پر اس کو نکرہ قرار دیا گیا۔

اب اس میں یاد رکھو دو تقریریں ہو سکتی ہیں، سنو بھئی توجہ سے۔ رُبَّهُ رَجُلًا، رُبَّهُ رَجُلًا کے اندر یہ جو هُ ضمیر ہے پیچھے اس کا مرجع نہیں، پیچھے اس کا مرجع نہیں۔ جب پیچھے مرجع نہیں ہے تو ضمیر کو نکرہ ہی قرار دینا پڑے گا کیونکہ آگے رَجُلًا اس کی تفسیر کر رہا ہے۔ توجہ ہے؟ پیچھے کوئی متعین ہوتا ضمیر اس کی طرف لوٹتی تو پھر ہمیں پتا چلتا یہ متعین چیز مراد ہے پھر یہ معرفہ ہوتی، لیکن پیچھے تو مرجع ذکر ہی نہیں ہوا تو اس ضمیر کا پتا ہی نہیں چل رہا تھا، آگے رَجُلًا تمیز نے آکر ابہام کو دور کر دیا، تو یہ رُبَّهُ رَجُلًا کس معنیٰ میں ہے؟ رُبَّ شَيْءٍ رَجُلًا کے معنیٰ میں ہے۔ لیکن رُبَّ شَاةٍ وَسَخْلَتِهَا یہاں تو هَا ضمیر جو آخر میں آ رہی ہے یہ پیچھے شَاةٍ کو راجع ہے، یہاں تو مرجع موجود ہے اور رُبَّهُ رَجُلًا کے اندر تو پیچھے مرجع موجود نہیں، فرق سمجھ میں آیا؟

تو یا تو ایک تقریر یہ ہو سکتی ہے کہ مطلب یہ ہے کہ یہ هَا ضمیر راجع تو شَاةٍ ہی کو ہے، یہ هَا ضمیر مرجع تو پیچھے موجود ہے لیکن پیچھے نکرہ کا کوئی خاص حکم ذکر نہیں ہوا۔ علامہ رضی فرماتے ہیں، توجہ ہے، علامہ رضی فرماتے ہیں جب ضمیر کسی نکرہ کی طرف راجع ہو تو اگر پیچھے اس نکرہ کا کوئی خاص حکم ذکر ہوا تھا جس سے اس کی پہچان ہو رہی تھی پھر تو یہ ضمیر معرفہ ہو گی، اگر پیچھے اس نکرہ کا کوئی خاص حکم ہی ذکر نہیں ہے تو پھر یہ ضمیر بھی اس نکرہ کی طرح نکرہ ہی ہے۔ حکم کا معنیٰ ہے بات، اس نکرہ کی کوئی خاص بات اس کے ساتھ ذکر نہ ہو کوئی خاص حکم اس پر نہ لگایا گیا ہو تو اس صورت میں پھر یہ جو ضمیر اس نکرہ کی طرف لوٹے گی وہ بھی نکرہ کی طرح نکرہ ہی ہو گی۔ کیا بات ہوئی؟ کہ جب ضمیر کس کی طرف لوٹے؟ پیچھے ایک نکرہ کی طرف، اور اس نکرہ کے ساتھ کوئی خاص حکم ذکر ہو، پھر جب خاص حکم ذکر ہے پھر تو نکرہ متعین ہو گیا۔ جیسے میں نے مثال ذکر کی تھی جَاءَنِي رَجُلٌ أَمْسِ، کل میرے پاس ایک آدمی آیا تھا۔ دیکھو اس رَجُلٌ کے لیے خاص حکم میں نے مجیئت ذکر کر دیا یا نہیں؟ مجیئت خاص حکم ذکر کر دیا، اب وہ آدمی خاص ہو گیا، اور اب میں نے کہا فَأَكْرَمْتُ الرَّجُلَ تو میں نے اس آدمی کا اکرام کیا یا فَأَكْرَمْتُهُ میں نے اس آدمی کا کیا کیا؟ اکرام۔ تو جب نکرہ کے ساتھ کوئی خاص حکم ذکر ہو جائے پھر وہ متعین ہو جاتا ہے۔ توجہ ہے؟ پھر سنو جَاءَنِي رَجُلٌ أَمْسِ، گزشتہ کل میرے پاس ایک آدمی آیا تھا۔ دیکھو اس رَجُلٌ کو میں نے ویسے ذکر کیا یا ساتھ ایک خاص حکم بھی اس پر لگایا؟ ساتھ حکم بھی لگایا کہ وہ میرے پاس آیا تھا یہ آدمی۔ اس سے دنیا کا ہر آدمی نہیں مراد، وہی آدمی مراد ہے جو کل میرے پاس آیا تھا۔ دنیا کا ہر آدمی کل میرے پاس نہیں آیا، ویسے تو رَجُلٌ نکرہ ہے اس

سے تو کوئی بھی شخص مراد ہو سکتا ہے لیکن میں ہر شخص کی بات نہیں کر رہا، میں ایک آدمی کی بات کر رہا ہوں جو کل آیا تھا، لیکن چونکہ مخاطب کو اس کی پہچان نہیں ہے وہ اس کو جانتا نہیں ہے اس لیے میں نکرہ لایا اور اس پر کیا حکم لگایا کہ وہ میرے پاس آیا تھا، تو اب اس کی تعریف اور پہچان ہو گئی، لہٰذا اب اس کی طرف ضمیر لوٹائیں گے تو اب یہ معرفہ بن چکا ہے، تو ضمیر بھی کون سی ہو گی؟ معرفہ ہی ہو گی۔ لیکن یہاں پر آیا رُبَّهُ رَجُلًا، یہاں تو رُبَّهُ سیدھا ضمیر پر داخل ہے پیچھے مرجع ذکر نہیں کوئی خاص حکم کچھ بھی نہیں ذکر، لہٰذا یہ کیا ہے؟ نکرہ۔ تو یہاں پر بھی رُبَّ شَاةٍ وَسَخْلَتِهَا، یہ هَا ضمیر پیچھے شَاةٍ کو راجع ہے لیکن شَاةٍ کا پیچھے کوئی حکم ذکر ہی نہیں ہوا رُبَّ شَاةٍ بہت سی بھیڑ بکریاں، کوئی خاص حکم ہی نہیں ذکر۔ توجہ ہے؟ اگر وہ کہتا میری بہت سی بھیڑ بکریاں ہلاک ہوئیں یا کچھ

یا کسی قسم کی کچھ کوئی تو ساتھ حکم ہی ہوتا، پھر تو یہ متعین ہو جاتیں، لیکن یہاں پر رُبَّ شَاةٍ، شَاةٍ کے ساتھ کوئی حکم بیان نہیں ہوا۔ شَاةٍ کے ساتھ کسی قسم کا کوئی حکم بیان نہیں ہوا، جب کسی قسم کا کوئی حکم بیان نہیں ہوا تو پھر ان کی طرف جو لوٹنے والی ضمیر ہوتی ہے وہ بھی نکرہ ہی ہوتی ہے۔ رُبَّهُ رَجُلًا اس میں هُ ضمیر کا مرجع کوئی نہیں اس لیے وہ نکرہ تھی۔ اور رُبَّ شَاةٍ وَسَخْلَتِهَا یہاں ضمیر کا مرجع موجود ہے لیکن اس کے ساتھ کوئی حکم خاص نہیں اس لیے یہ ضمیر کیا ہے؟ نکرہ ہے۔ فرق سمجھ میں آیا؟ یا دوسرا جواب یہ دے سکتے ہیں کہ یہ جو هَا ضمیر آئی رُبَّ شَاةٍ وَسَخْلَتِهَا، یہ هَا ضمیر اس پیچھے شَاةٍ کو نہیں راجع۔ اگر اس کو راجع ہوتی تو پھر آپ کہتے کہ مرجع مذکور ہے، یہ هَا ضمیر مطلقِ شَاةٍ کو راجع ہے، یہ والی شَاةٍ نہیں جو ذکر ہے بلکہ مطلقِ شَاةٍ بھیڑ بکریوں کو یہ ضمیر راجع ہے۔ توجہ ہے؟ تو گویا وَسَخْلَتِهَا أَيْ وَسَخْلَةِ شَاةٍ کے معنیٰ میں ہو گیا۔ یہ هَا ضمیر اس شَاةٍ کو نہیں راجع بلکہ مطلقِ شَاةٍ کو راجع ہے۔ بھئی مطلقِ شَاةٍ کو کیسے راجع کر دیا آپ نے؟ کہتے ہیں یہ شَاةٍ ایک دفعہ لفظ آگیا تھا قرینہ موجود تھا، کیا تھا؟ قرینہ موجود تھا، ہم نے مطلقِ شَاةٍ کو ضمیر راجع کر دی بھئی۔ تو یہ کس معنیٰ میں ہوا؟ رُبَّ شَاةٍ وَسَخْلَةِ شَاةٍ۔ کس معنیٰ میں ہوا کلام؟ وَسَخْلَةِ، هَا ضمیر کی جگہ شَاةٍ لے آؤ نا مطلقِ شَاةٍ ہے، رُبَّ شَاةٍ وَسَخْلَةِ شَاةٍ، اور سَخْلَةٍ بھی نکرہ شَاةٍ بھی نکرہ، تو سَخْلَةٍ کی اضافت شَاةٍ کی طرف ہو جائے پھر بھی کیا ہے؟ نکرہ کا نکرہ ہے بھئی۔

تو ایک تقریر کے مطابق یہ هَا ضمیر کا مرجع شَاةٍ موجود ہے لیکن چونکہ اس کے ساتھ کوئی خاص حکم نہیں ہے اس لیے یہ ضمیر نکرہ کی نکرہ ہے، دوسری تقریر میں کہ هَا ضمیر کا مرجع ہے ہی نہیں یہ اس شَاةٍ کو راجع ہی نہیں ہے یہ مطلقِ شَاةٍ کو راجع ہے، اور قرینہ کیا ہے؟ یہ والی شَاةٍ کا ذکر ہے، ایک دفعہ شَاةٍ کا ذکر آگیا تو ہم نے مطلقِ شَاةٍ کو ضمیر راجع کر دی اسی شَاةٍ کو نہیں۔ اگر اسی شَاةٍ کو یہ ضمیر راجع ہوتی پھر وَسَخْلَتِهَا کا معنیٰ ہوتا وَسَخْلَةِ هٰذِهِ الشَّاةِ۔ اگر یہ هَا ضمیر کس کو راجع ہوتی؟ اسی شَاةٍ کو، سَخْلَتِهَا کی هَا ضمیر اسی شَاةٍ کو راجع ہوتی تو معنیٰ ہوتا وَسَخْلَةِ هٰذِهِ الشَّاةِ ان بھیڑ بکریوں کے بچے، لیکن یہ هَا ضمیر اس شَاةٍ کو راجع ہی نہیں کی بلکہ کس کو راجع کی؟ مطلقِ شَاةٍ کو، تو هَا ضمیر کی جگہ صرف شَاةٍ لے آؤ هٰذِهِ الشَّاةِ نہ لاؤ، تو رُبَّ

شَاةٍ وَسَخْلَةِ شَاةٍ۔ تقریریں سمجھ میں آئیں؟

پہلا جواب کیا؟ کہ اضافت کیا ہے؟ عہدِ ذہنی والی ہے، یہ اضافت عہدِ ذہنی کے لیے ہے عہدِ خارجی کے لیے نہیں۔ دوسرا جواب یہ کہ یہ جو ضمیر ہے یہ نکرہ ہے، اس میں پھر دو تقریریں ہیں کہ رُبَّهُ رَجُلًا کے اندر تو ضمیر کا مرجع نہیں یہاں تو ضمیر کا مرجع ہے، تو بتلایا کہ مرجع بے شک موجود ہے لیکن اس کے ساتھ کوئی خاص حکم ذکر نہیں لہٰذا وہ ابھی بھی نکرۂ محض ہے اور اس کی طرف جو ضمیر لوٹے گی وہ بھی کیا ہے؟ نکرۂ محض ہے۔ اور دوسری تقریر یہ کہ هَا ضمیر اس شَاةٍ کو راجع ہی نہیں ہے یعنی اس کا مرجع مذکور ہی نہیں ہے جیسے رُبَّهُ رَجُلًا کے اندر اس کا مرجع مذکور ہی نہیں تھا، یہ مطلقِ شَاةٍ کو راجع ہے اور قرینہ شَاةٍ کا کیونکہ شَاةٍ ایک دفعہ ذکر ہو گیا تھا تو ہم نے مطلقِ شَاةٍ کی طرف ضمیر راجع کر دی، توجہ ہے؟ اس سے سمجھ میں آ رہا ہے اس پہلے والے شَاةٍ سے کہ یہ ضمیر مطلقِ شَاةٍ کو راجع ہے۔ تو یہ سَخْلَتِهَا کس معنیٰ میں ہوا؟ سَخْلَةِ شَاةٍ کے معنیٰ میں ہوا، سَخْلَةِ هٰذِهِ الشَّاةِ کے معنیٰ میں نہیں ہوا۔ بات سمجھ میں آ گئی؟

تو کہتے ہیں أَوْ مَحْمُولٌ عَلَى نَكَارَةِ الضَّمِيرِ یا یہ جو مثال ہے یہ محمول ہے ضمیر کے نکرہ ہونے پر كَرُبَّهُ رَجُلًا جیسے کہ رُبَّهُ رَجُلًا ہے عَلَى الشُّذُوذِ کس طریقے پر؟ شذوذ کے طریقے پر، أَيْ رُبَّ شَاةٍ وَسَخْلَةِ شَاةٍ یعنی بہت سی بھیڑ بکریاں وَسَخْلَةِ شَاةٍ اور بہت سی بھیڑ بکریوں کے بچے۔

تو حاصلِ کلام یہ کہ آج آپ کو صاحبِ کافیہ نے بتلایا کہ معطوف کا وہی حکم ہوتا ہے جو معطوف علیہ کا ہوتا ہے۔ معطوف علیہ میں اگر ضمیر ہو تو معطوف کے اندر بھی اسی طرح کی ضمیر کا ہونا ضروری ہے بھئی۔ اور پھر ایک اعتراض ہوتا تھا کہ الَّذِي يَطِيرُ فَيَغْضَبُ زَيْدٌ الذُّبَابُ کہ یہاں پر تو معطوف کے اندر يَغْضَبُ کے اندر کوئی ضمیر نہیں، تو جواب دیا کہ یہ فا عاطفہ ہے ہی نہیں یہ تو فا سببیہ ہے یہ تو سبب بتلانے کے لیے آئی ہے۔ اور پھر صاحبِ جامی نے بتلایا تھا کہ معطوف جو ہے معطوف علیہ کی طرح ہو گا ان احوال میں جو ماقبل کے اعتبار سے معطوف علیہ کو پیش آتے ہیں، یعنی جو احوال معطوف علیہ کے لیے جائز ہوں گے وہ معطوف کے لیے بھی جائز ہوں گے اور جو احوال معطوف علیہ کے لیے ممتنع ہوں گے وہ معطوف کے لیے بھی ممتنع ہوں گے۔ لیکن ایک شرط ہے کہ وہ چیز جو ایک حکم کا تقاضا کر رہی ہے معطوف علیہ میں وہ مقتضی معطوف میں منتفی نہیں ہونا چاہیے وہاں بھی ہونا چاہیے، اگر وہاں منتفی ہو تو پھر معطوف کا حکم معطوف علیہ سے مختلف بھی ہو سکتا ہے جیسے يَا رَجُلُ وَالْحَارِثُ۔ اور کہتے ہیں وہ احوال ہم نے کہا وہ احوال جو ماقبل کے اعتبار سے پیش آتے ہیں، اپنی ذات کے اعتبار سے جو احوال اس کو پیش آئیں معطوف علیہ کو کہ وہ معرب ہے یا مبنی ہے یا معرفہ ہے یا نکرہ ہے یا مفرد تثنیہ جمع ہے ان احوال میں معطوف کا معطوف علیہ کی طرح ہونا ضروری نہیں۔ اور پھر بتلایا تھا کہ رُبَّ شَاةٍ وَسَخْلَتِهَا پر اعتراض ہوتا ہے کہ یہاں تو معطوف معرفہ ہے حالانکہ آپ نے کہا معطوف بھی وہی معطوف علیہ کے حکم میں ہوتا ہے، تو جواب دیا کہ یہ اضافت کس لیے ہے؟ عہدِ ذہنی کے لیے ہے، یا یہ محمول ہے کس پر؟ یہ ضمیر کے نکرہ ہونے پر محمول ہے شذوذ کے

طریقے پر، اور پھر یہ نکرہ ہونا کس طرح ہو گا؟ میں نے بتایا ایک صورت تو یہ ہے کہ یہ ضمیر راجع کر لیں اسی شَاۃٍ کو لیکن اس شَاۃٍ سے کوئی حکم اس کے ساتھ مخصوص نہیں تو لہٰذا یہ ضمیر نکرۂ محض ہی ہے، اور یا دوسری صورت یہ ہے کہ یہ ھَا ضمیر اس شَاۃٍ کو راجع ہی نہیں ہے یہ مطلقِ شَاۃٍ کو راجع ہے بھئی یعنی اس کا مرجع مذکور ہی نہیں ہے جیسے رُبَّهُ رَجُلًا کے اندر اس کا مرجع مذکور ہی نہیں تھا۔ بات سمجھ میں آگئی؟ چلیے بس بھئی، هٰذَا هُوَ الْمَرَامُ وَاللّٰهُ أَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْكَلَامِ۔

سبق نمبر ۲۰۸: العطف (٦): عوارضِ لفظیہ و معنویہ میں معطوف کا معطوف علیہ کے تابع ہونا

شرحِ ملا جامی صفحہ: ۱۸۸ — بتاریخ: ۹ اکتوبر ۲۰۲۲ء

▪ تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث

آگے سبق دیکھیے بھئی: وَكَذَا الْمَعْطُوفُ فِي حُكْمِ الْمَعْطُوفِ عَلَيْهِ فِي أَحْوَالٍ عَارِضَةٍ لَهُ بِالنَّظَرِ إِلَى نَفْسِهِ وَغَيْرِهِ إِنْ كَانَ الْمَعْطُوفُ مِثْلَ الْمَعْطُوفِ عَلَيْهِ.

بھئی، گزشتہ سبق میں صاحبِ کافیہ نے آپ کو ضابطہ بتلایا تھا کہ معطوف جو ہے وہ معطوفٌ علیہ کے حکم میں ہوتا ہے۔ یعنی معطوفٌ علیہ اگر فاعل ہے تو معطوف بھی فاعل ہوگا، معطوفٌ علیہ اگر مفعول ہے تو معطوف بھی مفعول ہوگا، اور معطوفٌ علیہ اگر خبر ہے تو معطوف بھی خبر ہوگا۔ اور آگے شارحِ جامی نے تشریح کی تھی کہ معطوف جو ہے معطوفٌ علیہ کے حکم میں ہے ان چیزوں میں جو معطوفٌ علیہ کے لیے جائز ہیں اور ممتنع ہیں ماقبل کی طرف نظر کرتے ہوئے، خود معطوفٌ علیہ کی ذات کی طرف نظر کرتے ہوئے نہیں بلکہ معطوفٌ علیہ کے ماقبل کی طرف نظر کرتے ہوئے۔ توجہ ہے؟ اس لیے کیونکہ معطوفٌ علیہ کو کچھ احوال عارض ہوتے ہیں اپنی ذات کی طرف نظر کرتے ہوئے، جیسے یا وہ معرب ہوگا یا مبنی ہوگا۔ تو اس کے معرب یا مبنی ہونے سے یہ لازم نہیں کہ معطوف بھی بالکل اسی کی طرح ہو، یعنی معطوفٌ علیہ معرب ہے تو معطوف بھی کیا ہو معرب ہو، یا معطوفٌ علیہ مبنی ہے تو معطوف بھی مبنی ہو۔ نیز اسی طرح معطوفٌ علیہ اپنی ذات کے اعتبار سے کبھی معرفہ ہوتا ہے اور کبھی نکرہ ہوتا ہے، تو یہ لازم نہیں کہ جس طرح کا وہ ہو اسی طرح کا معطوف بھی ہو۔ نیز معطوفٌ علیہ اپنی ذات کے اعتبار سے کبھی مفرد ہوگا، کبھی تثنیہ ہوگا، اور کبھی جمع ہوگا، تو معطوف میں ضروری نہیں کہ وہ بھی اسی کی طرح ہو۔ کیونکہ یہ جو احوال معطوفٌ علیہ کو عارض ہیں یہ ماقبل کی طرف نسبت کرتے ہوئے نہیں ہیں، بلکہ اپنی ذات کے اعتبار سے یا وہ معرب ہوگا یا مبنی، یا معرفہ ہوگا یا نکرہ، یا مفرد ہوگا یا تثنیہ یا جمع، تو یہ چیزیں اس کو ماقبل کی طرف نسبت کرتے ہوئے عارض نہیں ہوئیں۔ لہٰذا ان چیزوں میں معطوف معطوفٌ علیہ کی طرح ہونا ضروری نہیں ہے۔

اورہاں، البتہ معطوفٌ علیہ کو وہ احوال جو عارض ہوں ماقبل کی طرف نسبت کرتے ہوئے، جیسے ماقبل کی طرف نسبت کرتے ہوئے معطوفٌ علیہ پر کیا آیا رفع آیا، عامل نے اس کو رفع دیا تو معطوف پر بھی رفع آئے گا۔ ماقبل کی طرف نسبت کرتے ہوئے معطوفٌ علیہ پر اگر نصب یا جر آیا تو معطوف پر بھی اسی کے مطابق نصب یا جر آئے گا۔ اسی طرح ماقبل کی طرف نسبت کرتے ہوئے اگر معطوفٌ علیہ جو ہے وہ فاعل ہے یا مفعول ہے یا خبر ہے تو معطوف بھی اسی طرح ہو گا بھئی۔ تو معطوف معطوفٌ علیہ کی طرح ہو گا ان چیزوں میں جو اس کے لیے جائز ہیں اور جو اس کے لیے جائز نہیں۔ یعنی جو چیزیں معطوفٌ علیہ میں جائز وہ معطوف میں بھی جائز، اور جو چیزیں معطوفٌ علیہ میں ممتنع وہ معطوف میں بھی ممتنع۔ لیکن کس اعتبار سے؟ کہ وہ احوال معطوفٌ علیہ کو ماقبل کی طرف نسبت کرتے ہوئے عارض ہوں۔ اپنی ذات کے اعتبار سے جو احوال عارض ہوں ان میں ایسا ضروری نہیں کہ معطوف معطوفٌ علیہ کے حکم میں ہو۔

اورنیز ساتھ ایک شرط بھی ذکر کی تھی صاحبِ جامی نے کہ بایں شرط کہ وہ چیز جو ایک حکم کا تقاضا کر رہی ہے معطوفٌ علیہ میں، وہ چیز معطوف میں منتفی نہیں ہونی چاہیے۔ مثلاً معطوفٌ علیہ کا ایک حکم ہے اور وہ چیز جو اس حکم کا تقاضا کر رہی ہے وہ معطوف میں منتفی ہے۔ جب معطوف میں منتفی ہے تو اب اس چیز کے اندر معطوف کا معطوفٌ علیہ جیسا ہونا ضروری نہیں۔ جیسے اس کی مثال ذکر کی تھی: يَا زَيْدُ وَالْحَارِثُ۔ اب یہ جو زَيْدٌ ہے یہ منادیٰ مفرد معرفہ ہے، اور اس پر جب حرفِ ندا داخل ہو تو یہ مبنی علی الضم ہو جاتا ہے۔ يَا زَيْدُ، یہ کیا ہے زَيْدٌ کیا ہے؟ منادیٰ ہے۔ اور منادیٰ پر آپ نے پڑھا ہے الف لام کا داخل ہونا ممتنع ہے۔ وجہ یہ کہ يَا بھی آلۂ تعریف ہے، وہ لفظ کو معرفہ بنا دیتی ہے، اور الف لام بھی کیا ہے آلۂ تعریف ہے۔ تو اگر آپ معرّف باللام پر يَا کو داخل کریں گے تو اس صورت میں دو آلۂ تعریف کا جمع ہونا لازم آئے گا، اور یہ ممتنع ہے۔ دو آلۂ تعریف اکٹھے ایک لفظ پر داخل نہیں ہو سکتے۔ تو لہٰذا اس صورت میں اگر معرّف باللام پر آپ يَا کو داخل کرنا چاہتے ہیں تو پھر مذکر کے لیے أَيُّهَا اور مؤنث کے لیے أَيَّتُهَا لائیں گے۔

تو معلوم ہوا کہ منادیٰ جو ہے اس پر الف لام کا داخل کرنا ممتنع ہے، اور کیوں ممتنع؟ وجہ کیا ہے؟ دو آلۂ تعریف کا جمع ہونا۔ اور یہ چیز معطوف میں منتفی ہے: يَا زَيْدُ وَالْحَارِثُ۔ اب الْحَارِثُ معطوف ہے، اس پر آپ الف لام لا سکتے ہیں، کیونکہ اگر آپ اس پر الف لام لے آئیں گے تو بھی حرفِ ندا اور الف لام جمع نہیں کیونکہ درمیان میں معطوفٌ علیہ آ رہا ہے۔ تو وہ چیز جو تقاضا کر رہی تھی کہ منادیٰ پر الف لام نہیں ہونا چاہیے وہ چیز معطوف میں منتفی ہے۔

اور پھر اس کے بعد اشکال ہوا تھا کہ رُبَّ شَاةٍ وَسَخْلَتِهَا۔ اس کے اندر تو رُبَّ جو ہے وہ نکرہ پر ہمیشہ داخل ہوتا ہے، اور آپ نے ہمیں بتایا معطوف کس کے حکم میں ہوتا ہے؟ معطوفٌ علیہ کے حکم میں۔ تو جب رُبَّ ہمیشہ نکرہ پر داخل ہوتا ہے، اسی لیے شَاةٍ جو معطوفٌ علیہ ہے وہ ہے نکرہ۔ لیکن آگے معطوف جو ہے سَخْلَتِهَا، یہ سَخْلَة تو هَا ضمیر کی طرف مضاف ہے، اور هَا ضمیر تو معرفہ، اور معرفہ کی طرف جو مضاف ہو جائے وہ بھی کیا ہوتا ہے؟ معرفہ۔ تو یہ تو معطوف معرفہ ہو گیا،

اور معطوف کا وہی حکم ہوتا ہے جو معطوفٌ علیہ کا، اور معطوفٌ علیہ کا تو یہ حکم تھا کہ اس کو نکرہ ہونا ضروری ہے کیونکہ اس پر رُبَّ داخل ہو رہا ہے، تو یہاں تو معطوف کو بھی کیا ہونا چاہیے نکرہ، لیکن وہ معرفہ آ رہا ہے۔ تو اس کا جواب دیا تھا، ایک جواب یہ کہ یہ جو اضافت ہے یہ عہدِ خارجی کے لیے نہیں ہے بلکہ عہدِ ذہنی کے لیے ہے، یعنی یوں کہو یہ اضافت بھی لَا اضافت کی طرح ہے۔ سَخْلَتِهَا، سَخْلَةٍ لَهَا کے معنی میں ہے، جیسے غُلَامُ زَيْدٍ، زید کا غلام، تو یہ اصل میں کیا ہے غُلَامٌ لِزَيْدٍ۔ تو یہاں پر بھی یہ سَخْلَتِهَا کس معنی میں ہے؟ سَخْلَةٍ لَهَا ہے۔ تو رُبَّ شَاةٍ وَسَخْلَتِهَا یہ کس معنی میں ہے؟ رُبَّ شَاةٍ وَسَخْلَةٍ لَهَا۔ دیکھو اضافت کو توڑ دیا، اور وہ لام اختصاص والا درمیان میں لے آئے، تو دیکھو اب سَخْلَةٍ أَيْ سَخْلَةٍ ثَابِتَةٍ لَهَا۔ توجہ ہے؟ تو یہ لَهَا جار مجرور نکرہ کے بعد آیا تو یہ سَخْلَةٍ کے لیے صفت بنے گا اور ثَابِتَةٍ سے متعلق ہو گا، اور ثَابِتَةٍ کو مؤنث نکالا کیونکہ سَخْلَةٍ مؤنث ہے، اور نیز ثَابِتَةٍ کو مجرور نکالا کیونکہ سَخْلَةٍ موصوف مجرور ہے۔ تو معلوم ہوا یہ اضافت بھی لَا اضافت کی طرح ہے۔ بات سمجھ میں آ گئی۔

تو ایک جواب یہ دیا تھا، اور دوسرا جواب یہ دیا تھا کہ یا یہ محمول ہے ضمیر کے نکرہ ہونے پر۔ رُبَّ شَاةٍ وَسَخْلَتِهَا یہ محمول ہے اس بات پر کہ یہ سَخْلَتِهَا کے ساتھ هَا ضمیر جو جڑی ہوئی ہے یہ نکرہ ہے، جیسے رُبَّهُ رَجُلًا کے اندر یہ هَا ضمیر نکرہ ہے۔ میں نے بتایا تھا کہ رُبَّ ہمیشہ نکرہ پر داخل ہوتا ہے، لیکن کلامِ عرب میں بعض جگہ نحوی حضرات کو ملا کہ رُبَّ ضمیر پر داخل ہو رہا ہے، اور ضمیر تو ہوتی ہے معرفہ، تو علمائے نحو کیا فرماتے ہیں کہ یہ ضمیر نکرہ ہے، یہ رُبَّ جس پر داخل ہوا، اور آگے رَجُلًا جو ہے تمیز آ کر اس سے ابہام کو دور کر رہی ہے۔ تو رُبَّهُ رَجُلًا یہ کیسی ضمیر ہے؟ یہ رُبَّ کے ساتھ جو جڑی ہوئی هَا ضمیر ہے یہ ایسی ضمیر ہے جس کا مرجع پیچھے ذکر نہیں، تو اس ضمیر کے اندر ابہام تھا کہ اس سے کیا مراد ہے؟ کیا مراد ہے؟ تو یہ گویا شَيْءٌ کے معنی میں ہے۔ شَيْءٌ عام ہے، نکرہ ہے بھئی، معرفہ نہیں، کسی معین ذات یا معین چیز پر دلالت کر ہی نہیں رہی، تو یہ کس معنی میں ہوئی؟ شَيْءٌ کے معنی میں، جیسے شَيْءٌ ہر چیز پر بولا جاتا ہے، نکرہ ہے بھئی، بلکہ أنكر النكرات ہے شَيْءٌ بھئی۔ تو رُبَّهُ رَجُلًا، تو آگے رَجُلًا تمیز نے آ کر اس هَا ضمیر سے ابہام کو دور کیا کہ اس هَا ضمیر سے یعنی اس شے سے کیا مراد ہے؟ رَجُلٌ مراد ہے، کوئی اور چیز مراد نہیں ہے۔

تو لہٰذا جیسے اس کے اندر علمائے نحو فرماتے ہیں کہ یہ هَا ضمیر نکرہ ہے، اور کس طریقے پر نکرہ ہے؟ شذوذ کے طریقے پر، کیونکہ ضمیر کو تو وضع کیا گیا ہے معرفہ کے لیے، کسی معین ذات کے لیے، تو یہاں جب یہ خلافِ قانون، خلاف القیاس یہ نکرہ کے لیے آئی تو اس کو کہیں گے شذوذ کے طریقے پر ہے۔ کیونکہ میں نے بتایا تھا شاذ دو معنی کے لیے استعمال ہوتا ہے: کبھی شاذ بمعنی قلیل کے ہوتا ہے، یہ شاذ ہے یعنی قلیل ہے، یا کبھی کہتے ہیں یہ شاذ ہے یعنی خلافِ قانون ہے، قانون کی گرفت میں نہیں آ رہا۔ ہم نے تو بہت کوشش کی کہ کوئی ایسا قانون بنا دیں کہ یہ بھی اس قانون کے اندر آ جائے، لیکن یہ قانون کے

تحت نہیں آرہا۔ باقی عربی زبان کے سارے لفظ اس قانون میں داخل ہو گئے لیکن چند ایک رہ جاتے ہیں تو پھر کہتے ہیں یہ شاذ ہیں، یہ کیا ہیں؟ شاذ ہیں یعنی خلافِ قانون ہیں۔ تو یہاں پر بھی یہ هَا ضمیر اصل میں تو وضع ہے معرفہ کے لیے لیکن اس کو نکرہ قرار دیا گیا تو یہ کس طریقے پر ہے؟ شذوذ کے طریقے پر ہے۔ میں نے بتایا تھا شُذُوذ مصدر ہے شَاذّ کا، شُذُوذ کا معنی ہے شاذ ہونا، تو یہ شاذ ہونے کے طریقے پر یہ ضمیر جو ہے یہ نکرہ ہے۔

اور پھر میں نے اس کی دو تقریریں کی تھیں کہ بھئی رُبَّهُ رَجُلًا کی طرح آپ نے اس کو نکرہ قرار دیا، اور رُبَّهُ رَجُلًا اس میں تو پیچھے مرجع ذکر ہی نہیں اسی لیے رَجُلًا آکر اس کے ابہام کو دور کر رہا ہے، اس کی تفسیر کر رہا ہے، جبکہ رُبَّ شَاةٍ وَسَخْلَتِهَا یہاں تو هَا ضمیر پیچھے شَاةٍ کو راجع ہے، یہاں تو مرجع موجود ہے۔ تو پھر میں نے بتایا تھا یا تو اس کی تقریریوں کریں گے جیسے کہ علامہ رضی فرماتے ہیں کہ جب ایک نکرہ ذکر ہو اور اس کا کوئی خاص حکم اس کے ساتھ ذکر نہ کیا جائے، حکم کا معنی ہے بات، بات، اس نکرہ کی کوئی خاص بات اس کے ساتھ ذکر نہ ہو، کوئی خاص حکم اس پر نہ لگایا گیا ہو، تو اس صورت میں پھر یہ جو ضمیر اس نکرہ کی طرف لوٹے گی وہ بھی نکرہ کی طرح نکرہ ہی ہو گی۔ جیسے میں نے مثال ذکر کی: جَاءَنِي رَجُلٌ أَمْسِ، کل میرے پاس ایک آدمی آیا تھا۔ دیکھو آپ اس آدمی کو نہیں جانتے تو میں رَجُلٌ نکرہ لے کر آیا۔ کیا لے کر آیا؟ نکرہ لے کر آیا۔ لیکن اس کا ایک خاص حکم، اس کے بارے میں ایک خاص بات میں نے ذکر کی، کیا؟ کہ وہ کل میرے پاس آیا تھا۔ توجہ ہے؟ تو میں نے ایک خاص بات ایک خاص حکم اس کے بارے میں ذکر کر دیا تو اس کی وجہ سے تخصیص آگئی۔ معلوم ہوا رَجُلٌ سے، رَجُلٌ سے دنیا کا ہر رَجُلٌ مراد نہیں، وہ رَجُلٌ ہے جس میں یہ حکم تھا، وہ آیا تھا گزشتہ کل بھئی۔ تو جَاءَنِي رَجُلٌ أَمْسِ گزشتہ کل میرے پاس ایک شخص آیا تھا، تو آگے میں کہتا ہوں فَأَكْرَمْتُ الرَّجُلَ یا فَأَكْرَمْتُهُ تو میں نے اس آدمی کا اکرام کیا۔ تو یہ اب هَا ضمیر یا جو میں نے لوٹائی اس رَجُلٌ کی طرف، یہ هَا ضمیر معرفہ ہے کیونکہ اس رَجُلٌ کے بارے میں ایک خاص حکم ایک خاص بات ذکر کی گئی تھی کہ وہ گزشتہ کل آیا تھا۔ جبکہ یہاں پر رُبَّ شَاةٍ بہت سی بھیڑ بکریاں وَسَخْلَتِهَا اور ان کے بچے، اب اس شَاةٍ کے بارے میں یہ جو بہت ساری بھیڑ بکریاں ہیں ان کے بارے میں تو کوئی حکم ہی نہیں، کوئی بات ذکر ہی نہیں کی گئی۔ ان کے ساتھ کوئی بات بھی ذکر نہیں۔ جب کوئی بات ان کے بارے میں ذکر نہیں تو لہٰذا اس کی طرف جب ضمیر لوٹائیں گے تو وہ ضمیر بھی نکرہ ہو گی۔ تو جب سَخْلَتِهَا کی هَا ضمیر نکرہ ہے تو سَخْلَةٍ کی اضافت نکرہ کی طرف ہوئی، اور نکرہ کی اضافت نکرہ کی طرف ہو تو وہ نکرہ ہی رہتا ہے۔ معلوم ہوا وَسَخْلَتِهَا یہ بھی نکرہ ہے۔

ایک جواب کیا تھا کہ یہ اضافت کیا ہے؟ عہدِ خارجی پر محمول ہے، اور دوسرا کیا کہا کہ یہ ضمیر نکرہ ہے، اور اس کی ایک تقریر یہ کی کہ یہ ضمیر ایسے نکرہ کی طرف راجع ہے جس کے ساتھ کوئی خاص حکم ذکر نہیں کیا گیا تو یہ ضمیر بھی نکرہ ہے بھئی۔ یا دوسری تقریر یہ کی جا سکتی ہے کہ یہ ضمیر جو ہے هَا ضمیر، پیچھے جو شَاةٍ ذکر ہوا اس کی طرف نہیں راجع بلکہ یہ هَا ضمیر مطلقِ شَاةٍ

کو راجع ہے۔ جو پیچھے شَاۃٍ ذکر ہے ان کی طرف راجع نہیں بلکہ مطلق شَاۃٍ کی طرف راجع ہے اور قرینہ یہی شَاۃٍ ہے جو ماقبل میں ذکر ہوا۔ پیچھے چونکہ شَاۃٍ کا ذکر ہو چکا تھا لہٰذا ہم نے بھی ضمیر کو کس کی طرف راجع کر دیا؟ مطلقِ شَاۃٍ کی طرف راجع کر دیا۔ یہ جو پیچھے شَاۃٍ ذکر ہیں ان کی طرف ضمیر راجع نہیں۔ اگر اس کی طرف ضمیر راجع ہوتی تو گویا یہ کلام یوں تھا: رُبَّ شَاۃٍ وَسَخْلَۃِ، یہ هَا ضمیر کس کو راجع کریں اسی شَاۃٍ کو، تو یہ هَذِهِ الشَّاۃِ، رُبَّ شَاۃٍ وَسَخْلَۃِ هَذِهِ الشَّاۃِ، بہت سی بھیڑ بکریاں وَسَخْلَۃِ هَذِهِ الشَّاۃِ اور ان بھیڑ بکریوں کے بچے۔ لیکن یہ ضمیر تو یہ والی شَاۃٍ کو راجع ہی نہیں، مطلقِ شَاۃٍ کو راجع ہے، تو یہ کلام گویا یوں ہوا: رُبَّ شَاۃٍ وَسَخْلَۃِ شَاۃٍ۔ تو دیکھو هَا ضمیر کی جگہ ہم شَاۃٍ کا لفظ لے آئے تو اب شَاۃٍ ابھی بھی نکرہ کا نکرہ ہے تو سَخْلَۃِ شَاۃٍ بھیڑ بکریوں کے بچے، کون سی بھیڑ بکریاں؟ کوئی متعین نہیں ہیں بھئی۔ بات سمجھ میں آگئی؟

تو دو جواب دیے بھئی، ضمیر کو نکرہ پر محمول کیا اس کی دو صورتیں ہو سکتی ہیں: ایک صورت تو یا تو علامہ رضی کے قول کو لیا جائے کہ ضمیر جب نکرہ کی طرف راجع ہو اور اس نکرہ کے بارے میں کوئی خاص حکم ذکر نہ کیا گیا ہو تو وہ ضمیر بھی نکرہ ہی ہوگی۔ لہٰذا اس صورت میں هَا ضمیر کا مرجع شَاۃٍ موجود تو ہے لیکن چونکہ اس کا کوئی خاص حکم نہیں اس کے ساتھ لہٰذا یہ هَا ضمیر مرجع کے موجود ہونے کے باوجود نکرہ کی نکرہ ہے۔

یا دوسری تقریر یہ کہ یہ هَا ضمیر اس شَاۃٍ کو راجع ہی نہیں، مطلقِ شَاۃٍ کو راجع ہے، یعنی اس کا مرجع مذکور ہی نہیں ہے، جیسے رُبَّهُ رَجُلًا کے اندر اس کا مرجع مذکور ہی نہیں تھا۔ توجہ ہے؟ تو یہ دونوں تقریریں ہو سکتی ہیں۔

پھر حاصلِ کلام سن لو۔ حاصلِ کلام اس کا یہ کہ آپ نے کہا تھا کہ معطوف جو ہے وہ معطوفٌ علیہ کے حکم میں ہوتا ہے، تو رُبَّ شَاۃٍ وَسَخْلَتِهَا یہاں تو معطوفٌ علیہ کا نکرہ ہونا ضروری ہے کیونکہ اس پر رُبَّ داخل ہو رہا ہے، تو معطوف کا بھی یہی حکم ہونا چاہیے اس کو بھی نکرہ ہونا چاہیے لیکن وہ تو معرفہ ہے۔ تو جواب دیا کہ، ایک جواب یہ کہ یہ اضافت جو ہے عہدِ ذہنی پر محمول ہے عہدِ خارجی پر محمول نہیں، گویا یہ اضافت بھی لَا اضافت کی طرح ہے۔ اور دوسرا جواب یہ کہ یہ ضمیر نکرہ ہے، یہ ضمیر کیا ہے؟ نکرہ ہے، جیسے رُبَّهُ رَجُلًا کے اندر ضمیر نکرہ ہے۔ پھر اس ضمیر کے نکرہ ہونے کی دو صورتیں ہو سکتی ہیں: ایک صورت یہ کہ اس کا مرجع مذکور ہو اور دوسری صورت یہ کہ اس کا مرجع مذکور ہی نہ ہو۔ مرجع مذکور کیا ہے؟ کہ اس هَا ضمیر کو اسی شَاۃٍ کی طرف لوٹائیں، لیکن اس شَاۃٍ کے ساتھ چونکہ کوئی خاص حکم ذکر نہیں لہٰذا یہ هَا ضمیر ابھی بھی نکرہ ہے، مرجع مذکور لیکن یہ ہے نکرہ۔ دوسری صورت یہ کہ یہ هَا ضمیر اس شَاۃٍ کو راجع ہی نہیں ہے، یہ مطلقِ شَاۃٍ کو راجع ہے یعنی اس کا مرجع مذکور ہی نہیں ہے، تو اب ضمیر نکرہ ہے کیونکہ اس کا مرجع مذکور ہی نہیں ہے، جیسے کہ رُبَّهُ رَجُلًا ضمیر کا مرجع مذکور نہیں تھا آگے رَجُلًا نے آکر اس کی تفسیر کی۔ فرق سمجھ میں آگیا؟

اور پھر آگے صاحبِ کافیہ نے متن کے اندر آپ کو بتلایا تھا، کہتے ہیں اسی لیے مَا زَيْدٌ بِقَائِمٍ أَوْ قَائِمًا وَلَا ذَاهِبٌ عَمْرٌو

اس کے اندر صرف رفع ہی جائز ہے۔ میں نے بتایا تھا کہ یہ مَا مشابہ بِلَیْسَ ہے، لَیْسَ جو ہے اپنے اسم کو رفع دیتا ہے اور خبر کو نصب: لَیْسَ زَیْدٌ قَائِمًا، اور کبھی اس خبر پر بَاء کو داخل کر لیتے ہیں، اور یہ اکثر کلام میں ہوتا رہتا ہے لہٰذا اس کا ہمیشہ خیال رکھیں کہ لَیْسَ کی خبر پر جب بھی بَاء آئے وہ بَاء جارہ زائدہ ہوتی ہے، وہ صرف تحسینِ کلام کے لیے اور کلام میں تاکید پیدا کرنے کے لیے لاتے ہیں، وہ بَاء اپنے معنی کا فائدہ نہیں دیتی۔ تو لَیْسَ زَیْدٌ قَائِمًا آپ یوں بھی کہہ سکتے ہیں، اور لَیْسَ زَیْدٌ بِقَائِمٍ آپ یوں بھی کہہ سکتے ہیں، اور بِقَائِمٍ بَاء جارہ ہے قَائِمٍ مجرور لفظاً ہے لیکن منصوب محلاً ہے کیونکہ یہ لَیْسَ کی خبر ہے، اور اس کے اندر ھُوَ ضمیر ہے جو کس کو راجع ہے؟ لَیْسَ کے اسم کو، کیونکہ لَیْسَ کی خبر کو کس سے جوڑتے ہیں؟ لَیْسَ کے اسم سے جوڑتے ہیں۔ تو یہ مَا مشابہ بِلَیْسَ یہ بھی لَیْسَ کی طرح ہے، اس کی خبر پر بھی بَاء کا داخل کرنا جائز، تو مَا زَیْدٌ قَائِمًا کہہ لیں یا مَا زَیْدٌ بِقَائِمٍ کہہ لیں، اور آگے آپ عطف کرنا چاہتے ہیں تو وَلَا ذَاهِبٌ عَمْرٌو، تو اس ذَاهِبٌ پر رفع ہی پڑھنا پڑے گا، ماقبل اگر آپ نے نصب پڑھا ہے مَا زَیْدٌ قَائِمًا وَلَا ذَاهِبًا عَمْرٌو نصب آپ نہیں پڑھ سکتے، ذَاهِبًا پر نصب نہیں پڑھ سکتے، اور اگر آپ نے ماقبل میں جر پڑھا ہے مَا زَیْدٌ بِقَائِمٍ اور آپ آگے بھی جر پڑھنا چاہتے ہیں وَلَا ذَاهِبٍ عَمْرٌو تو جر بھی نہیں پڑھ سکتے۔ وجہ یہ کہ ہم نے آپ کو بتا دیا کہ معطوف جو ہے وہ معطوفٌ علیہ کے حکم میں ہوتا ہے، تو آپ چاہے قَائِمًا پڑھیں یا بِقَائِمٍ پڑھیں، اس قَائِمٌ کے اندر ایک ضمیر ہے جو زید کی طرف یعنی مَا مشابہ بِلَیْسَ کے اسم کی طرف لوٹ رہی ہے، جبکہ ذَاهِبٌ کے لیے تو آگے فاعل عَمْرٌو اسمِ ظاہر آرہا ہے اگر آپ عَمْرٌو کو ذَاهِبٌ کے لیے کیا بنائیں فاعل، یا ذَاهِبٌ کے اندر ھُوَ ضمیر ہے جو عَمْرٌو کو لوٹ رہی ہے اگر آپ ذَاهِبٌ کو خبرِ مقدم بنائیں عَمْرٌو کے لیے۔ تو بہرحال دونوں صورتوں میں یہ ذَاهِبٌ کے اندر کوئی ایسی ضمیر نہیں جو زید کی طرف لوٹ رہی ہو۔ تو معطوف کا وہی حکم ہوتا ہے جو معطوفٌ علیہ کا، اور معطوفٌ علیہ کے اندر تو ضمیر تھی تو معطوف کے اندر بھی کیا چاہیے؟ ضمیر چاہیے جو یہاں پر موجود نہیں، لہٰذا آپ یہاں ذَاهِبٌ پر نصب بھی نہیں پڑھ سکتے جر بھی نہیں پڑھ سکتے بلکہ رفع ہی پڑھنا پڑے گا۔

اور یہ رفع کس لیے ہوگا؟ یا تو یہ بتدا کی قسمِ ثانی بنا لیں، اس صورت میں یہ رفع بتدا ہونے کی وجہ سے ہے۔ کس کی وجہ سے؟ بتدا ہونے کی وجہ سے ہے، اور بتدا، بتدا کی قسمِ ثانی میں نے بتایا تھا کہ بتدا تو مسندٌ الیہ ہوتا ہے، خبر کیا ہوتی ہے؟ مسند۔ لیکن کلامِ عرب کے اندر نحویوں کو بعض ایسی مثالیں ملیں کہ جہاں وہ مجبور ہو گئے بتدا کی ایک اور قسم بنانے پر، اور انہوں نے پھر کہا کہ بتدا کی ایک قسم مسند بھی ہوتی ہے۔ مثلاً ان کو اس طرح کی عبارت ملی: وَلَا ذَاهِبٌ عَمْرٌو، یہ عَمْرٌو کی جگہ ذرا تثنیہ لے آئیں: وَلَا ذَاهِبٌ عَمْرَانِ، وَلَا ذَاهِبٌ عَمْرَانِ، اب اس قسم کی مثالیں ملیں۔ اب ایک صورت یہ تھی کہ ذَاهِبٌ کو خبرِ مقدم بنائیں اور عَمْرَانِ اس کو کیا بنائیں؟ بتدا مؤخر۔ لیکن پھر مسئلہ یہ تھا کہ اگر عَمْرَانِ بتدا مؤخر ہے اور ذَاهِبٌ خبرِ مقدم ہے تو ذَاهِبٌ کے اندر ضمیر چاہیے جو کس کی طرف لوٹے؟ عَمْرَانِ بتدا کی طرف، کیونکہ خبر کا اتصال ہوتا ہے کس کے

ساتھ؟ مبتدا کے ساتھ۔ ذَاهِبٌ یہ اسمِ فاعل ہے یعنی یہ شبہِ جملہ بنے گا اپنے فاعل سے مل کر، اور جملہ اور شبہِ جملہ کو جب بھی کسی چیز سے جوڑنا ہو درمیان میں کیا ضروری ہے؟ ربط ضروری ہے، تو لہٰذا یہاں ذَاهِبٌ کے اندر تو هُوَ ضمیر ہے، مفرد مذکر، اور آگے عَمْرَانِ وہ تو تثنیہ مذکر ہے، تو ہمیں تثنیہ کی ضمیر چاہیے، تو ذَاهِبٌ کا ربط عَمْرَانِ سے نہیں آسکتا کیونکہ اس کے اندر هُوَ ضمیر ہے۔ ربط آئے گا تب جب کہ تثنیہ کی ضمیر ہو۔ لیکن کلامِ عرب میں ہمیں اسی طرح ملا، مثلاً وَلَا ذَاهِبٌ عَمْرَانِ، تو اب عَمْرَانِ کو مبتدا مؤخر اور ذَاهِبٌ کو خبرِ مقدم وہ نحوی نہیں بنا سکتے، تو وہ مجبور ہو گئے مبتدا کی ایک اور قسم بنانے پر۔ اور انہوں نے کہا کہ یہ ذَاهِبٌ یہ صیغہ اسمِ فاعل ہے، اور عَمْرَانِ یہ اس کے لیے فاعل ہے، اور آپ نے پڑھا ہے کہ فاعل جب اسمِ ظاہر ہو فعل کو ہمیشہ مفرد رکھتے ہیں، تو لہٰذا یہ ذَاهِبٌ مفرد ہے یہ عَمْرَانِ تثنیہ کو رفع دے سکتا ہے۔ تو ذَاهِبٌ صیغہ اسمِ فاعل ہوا اور عَمْرَانِ مرفوع لفظاً اس کا فاعل، اور صیغہ اسمِ فاعل اپنے فاعل سے مل کر شبہِ جملہ ہو کر یہ ہوا مبتدا، اور یہ مسند ہے کیونکہ ذَاهِبٌ کا اسناد ہو رہا ہے عَمْرَانِ کی طرف اور عَمْرَانِ وہ مسندٌ الیہ ہے فاعل ہے۔ تو مبتدا کی یہ قسم کیا ہوئی؟ مسندٌ بِهِ، کیا ہوئی؟ مسندٌ بِهِ ہوئی۔ اور اس میں تین شرطیں وہ ذکر کرتے ہیں: ایک شرط یہ کہ وہ صیغہ صفت کا ہونا چاہیے، دوسری شرط یہ کہ وہ حرفِ نفی یا حرفِ استفہام کے بعد آنا چاہیے، اور تیسری شرط یہ کہ وہ اسمِ ظاہر کو رفع دے رہا ہو۔ اور یہاں تینوں شرطیں پوری ہیں: یہ ذَاهِبٌ یہ صیغہ صفت کا ہے، اور وَلَا ذَاهِبٌ حرفِ نفی کے بعد آرہا ہے، اور آگے عَمْرَانِ اسمِ ظاہر کو یہ رفع بھی دے رہا ہے۔

یہ وہ صورت تھی جب صیغہ صفت کا مفرد ہو اور آگے فاعل جو ہے وہ تثنیہ یا جمع ہو، تثنیہ یا جمع۔ تو یہاں کل ویسے تین صورتیں بنتی ہیں: صیغہ صفت کا بھی تثنیہ ہو اور اسمِ ظاہر بھی تثنیہ ہو، یا یوں کہو کہ صفت کے صیغے اور آگے اسمِ ظاہر دونوں میں مطابقت ہو: صفت کا صیغہ مفرد تو آگے اسمِ ظاہر بھی مفرد، یا جیسے وَلَا ذَاهِبٌ عَمْرٌو، ذَاهِبٌ بھی مفرد عَمْرٌو بھی مفرد۔ یا صفت کا صیغہ بھی تثنیہ اور اسمِ ظاہر بھی تثنیہ: وَلَا ذَاهِبَانِ عَمْرَانِ، توجہ ہے؟ اور یا صفت کا صیغہ بھی جمع ہو اور آگے اسمِ ظاہر بھی جمع ہو۔ یا تیسری صورت یہ ہے کہ صفت کا صیغہ تو مفرد ہی ہے البتہ آگے اسمِ ظاہر تثنیہ یا جمع ہے۔ تو جب صفت کا صیغہ مفرد ہو اور آگے اسمِ ظاہر تثنیہ یا جمع ہو تو پھر معلوم ہوا یہی صفت کا صیغہ ان کو رفع دے رہا ہے، اس ذَاهِبٌ کو خبرِ مقدم نہیں بنا سکتے کیونکہ اس کے اندر هُوَ ضمیر ہے اور آگے جو اگر آپ مبتدا مؤخر بنائیں گے تو وہ تو تثنیہ یا جمع ہے، تو مبتدا خبر میں مطابقت نہ رہے گی، تو پھر اسی صفت کے صیغے کو کیا بنا دیں گے؟ مبتدا کی قسمِ ثانی جو آگے آنے والے اسمِ ظاہر جو تثنیہ یا جمع ہے اس کو رفع دے رہا ہے۔ اور اگر دونوں میں مطابقت ہو یعنی تثنیہ اور جمع میں صفت کا صیغہ بھی تثنیہ اور آگے اسمِ ظاہر بھی تثنیہ یا صفت کا صیغہ بھی جمع اور آگے اسمِ ظاہر بھی جمع، پھر خبرِ مقدم بنا سکتے ہیں آپ۔ یہ ذَاهِبَانِ اور ذَاهِبُونَ کو کیا بنا دیں گے؟ خبرِ مقدم اور ان کے اندر ضمیر آگے مبتدا جو آرہا ہے اس کی طرف لوٹ رہی ہے اور وہ آگے مبتدا مؤخر آجائے گا۔ اور اگر دونوں مفرد ہوں جیسے یہاں پر ہے اس وقت کتاب کے اندر وَلَا ذَاهِبٌ عَمْرٌو، یہاں دونوں ترکیبیں جائز

ہیں: آپ چاہیں تو ذَاهِبٌ کے لیے عَمْرٌو ہی کو فاعل بنا دیں تو یہ پھر بتدا کی قسمِ ثانی ہو جائے گی، بتدا کے ذَاهِبٌ صیغہ اسمِ فاعل اور عَمْرٌو اس کے لیے فاعل اور ذَاهِبٌ عَمْرٌو کو رفع دے سکتا ہے یا نہیں؟ دے سکتا ہے کیونکہ صفت کا صیغہ مفرد ہو تو تب وہ اسمِ ظاہر کو رفع دے سکتا ہے، تو یہ عَمْرٌو کو رفع دے رہا ہے۔ اور نیز آپ ذَاهِبٌ کو خبرِ مقدم بھی بنا سکتے ہیں، پھر اس کے اندر هُوَ ضمیر جو ہے وہ اس عَمْرٌو مؤخر بتدا جو ہے اس کو لوٹانی پڑے گی، اور وہ ضمیر بھی آپ عَمْرٌو کو لوٹا سکتے ہیں کیونکہ ذَاهِبٌ میں بھی مفرد مذکر کی ضمیر اور عَمْرٌو مرجع جو ہے وہ بھی کیا ہے مفرد مذکر ہے تو ضمیر اور مرجع میں مطابقت بھی ہے بھئی۔ تو بہرحال آپ چاہے ذَاهِبٌ کو خبرِ مقدم بنائیں، آپ چاہے ذَاهِبٌ کو بتدا کی قسمِ ثانی بنائیں، دونوں صورتوں میں ذَاهِبٌ پر رفع پڑھنا پڑے گا۔ ایک میں رفع کیوں؟ کیونکہ یہ بتدا کی قسمِ ثانی ہے اور بتدا مرفوع ہوتا ہے۔ اور دوسری صورت میں رفع کیوں؟ کیونکہ یہ خبرِ مقدم ہے اور خبر بھی کیا ہوتی ہے؟ مرفوع ہوتی ہے۔ تو لہٰذا اس ذَاهِبٌ پر رفع ہی پڑھنا پڑے گا، اس پر ما قبل پر عطف کرتے ہوئے نصب یا جر جائز نہیں ہے، کیونکہ ما قبل میں قَائِمٌ کے اندر ضمیر ہے جو ما قبل میں مَا مشابہ بِلَيْسَ کے اسم کو لوٹ رہی ہے جبکہ ذَاهِبٌ میں ایسی کوئی ضمیر نہیں ہے بھئی۔ بات سمجھ میں آگئی؟

اور پھر ایک اشکال کا جواب دیا تھا صاحبِ کافیہ نے۔ اشکال یہ ہوتا تھا کہ آپ نے ہمیں کہا کہ معطوف معطوفٌ علیہ کے حکم میں ہوتا ہے، لیکن عربی میں کہتے ہیں: الَّذِي يَطِيرُ فَيَغْضَبُ زَيْدٌ الذُّبَابُ، الَّذِي يَطِيرُ وہ چیز جو اڑتی ہے فَيَغْضَبُ زَيْدٌ تو زید غضبناک ہوتا ہے، زید کو غصہ چڑھتا ہے، الذُّبَابُ وہ چیز کیا ہے؟ مکھی ہے۔ تو یہاں پر دیکھو یہ فَيَغْضَبُ، یہ يَغْضَبُ کا عطف ہو رہا ہے يَطِيرُ پر، اور يَطِيرُ کے اندر هُوَ ضمیر ہے جو الَّذِي اسمِ موصول کو راجع ہے بھئی، لیکن يَغْضَبُ کے اندر ضمیر نہیں کیونکہ يَغْضَبُ کے لیے تو آگے اسمِ ظاہر زَيْدٌ جو ہے وہ فاعل آرہا ہے، تو معطوف تو معطوفٌ علیہ کی طرح نہ ہوا۔ تو جواب دیا تھا صاحبِ کافیہ نے کہ یہ فَاء عاطفہ ہے ہی نہیں، یہ فَاء سببیہ ہے جو سبب بیان کرتی ہے، جو کیا بیان کرتی ہے؟ سبب بیان کرتی ہے۔ آپ نے اصول کی کتابوں میں، اصولِ فقہ کی کتابوں میں پڑھا ہوگا، أُصُولُ الشَّاشِي، نُورُ الْأَنْوَار وغیرہ میں کہ یہ فَاء، فَاء جو ہے یہ سببیت کے لیے آتی ہے۔ کبھی کبھار ما قبل میں سبب ہوتا ہے اور ما بعد میں مسبب، اور کبھی کبھار ما قبل میں مسبب ہوتا ہے اور ما بعد میں سبب ہوتا ہے۔ تو پھر اس صورت میں یاد رکھنا اس فَاء کا ترجمہ «اس وجہ سے» یا «کیونکہ» کے ساتھ کریں گے۔ «اس وجہ سے» یا «کیونکہ» کے ساتھ کریں گے۔ مثلاً: الَّذِي يَطِيرُ فَيَغْضَبُ زَيْدٌ، وہ چیز جو اڑتی ہے تو اس کی وجہ سے زید کو غصہ چڑھتا ہے، دیکھو اس کی وجہ سے زید کو غصہ چڑھتا ہے، الذُّبَابُ وہ مکھی ہے۔ تو اس لیے فَاء کا ترجمہ ہمیشہ کیا کریں گے جب آپ ہمیشہ یاد رکھنا اور جگہ بھی کتابوں میں آئے گا، نحو وغیرہ اور فقہ میں جہاں فقہ میں کہیں عبارت آتی ہے تو وہاں فَاء آرہی ہوگی اور فَاء سے آگے اس حکم کی علت ذکر ہو رہی ہوگی، سبب ذکر ہو رہا ہوگا۔ تو کبھی ما قبل میں سبب اور ما بعد میں مسبب، اور کبھی ما قبل میں مسبب اور ما بعد میں سبب، تو موقع کے مطابق آپ نے اس کا ترجمہ «کیونکہ» یا «اس وجہ سے» کرنا ہے۔ توجہ ہے؟ مثلاً اگر پہلے مسبب آگیا: زید کو غصہ چڑھتا ہے اور آگے يَطِيرُ آرہا ہے

فَاء کے بعد، توجہ ہے؟ تو ترجمہ کیسے کریں گے؟ زید کو غصہ چڑھتا ہے فَيَطِيرُ کیونکہ مکھی اڑتی ہے، دیکھو بعد میں علت ہے۔ ویسے ایک مثال ذکر کر رہا ہوں، یا یہ اتنی واضح مثال تو نہیں ہے وہاں جو کتابوں میں آئے گا وہاں بڑی واضح مثال ہوتی ہے، وہاں آپ فَاء کا ترجمہ «کیونکہ» کے ساتھ کریں گے تو بہترین ترجمہ ہو جائے گا۔ اور اسی طرح بعض جگہ ماقبل میں سبب ہو اور مابعد میں مسبب ہو تو پھر «کیونکہ» کے ساتھ ترجمہ یہاں نہیں مناسب بنے گا، پھر ترجمہ کریں گے «اس وجہ سے»، «اس وجہ سے»۔ الَّذِي يَطِيرُ وہ چیز جو اڑتی ہے فَيَغْضَبُ زَيْدٌ تو اس کی وجہ سے زید کو غصہ چڑھتا ہے، وہ چیز جو اڑتی ہے تو اس کی وجہ سے زید کو غصہ چڑھتا ہے وہ مکھی ہے۔ تو صاحبِ کافیہ فرماتے ہیں کہ یہ فَاء عاطفہ ہے ہی نہیں، یہ فَاء سببیہ ہے، اگر فَاء عاطفہ ہوتی پھر آپ اعتراض کرتے، یہ تو کیا ہے فَاء سببیہ ہے لہٰذا اس کو لے کر آپ اعتراض نہیں کر سکتے۔ بات سمجھ میں آگئی؟

اب آئیے آج کے سبق پر۔ بات سمجھ میں آگئی؟ بھئی میں کوشش کرتا ہوں بار بار تکرار کرواؤں، ایک دفعہ پڑھیں گے نا تو آپ کے ذہن سے بالکل نکل جاتا ہے۔ میں پڑھاتا ہوں میرے

ذہن سے باتیں نکل جاتی ہیں، تو لہٰذا میں پھر دوبارہ آرام سے تکرار کرواتا ہوں آپ کے ذہن میں، إِذَا تَكَرَّرَ تَقَرَّرَ۔ دیکھو یہ میں ضابطے بار بار دہراتا ہوں، کچھ آپ کے ذہن میں جم گئے ہوں گے۔ جم گئے یا نہیں؟ کیونکہ وہ میں بار بار، بار بار وہ ذہن میں جم گئے۔ بس جم گئے تو بس آپ کی عبارت حل ہو گئی، جہاں بھی آئے گا آپ آرام سے کریں گے۔ لیکن یہ اب ہم چونکہ تیز چل رہے ہیں، زیادہ سے زیادہ دو دفعہ ہی ہو سکتا ہے، تو وہ میری کوشش اس لیے ہوتی ہے کہ بار بار کروں۔ چنانچہ اب دیکھیں، میری تو یہی کوشش ہوتی ہے، بس اللہ تعالیٰ اخلاصِ نیت نصیب فرمائے، میری یہی کوشش ہوتی ہے، بعض دفعہ بڑی آسان باتیں بھی ہوتی ہیں میں پھر پوری دہراتا ہوں تاکہ اگر ذہن میں ہے تو تکرار ہو جائے، نہیں ہے تو پھر یاد آجائے پوری طرح۔

اچھا جی، اب آئیے آج کے سبق پر بھئی، دیکھیے بھئی کتاب پر۔ کہتے ہیں: وَكَذَا الْمَعْطُوفُ فِي حُكْمِ الْمَعْطُوفِ عَلَيْهِ فِي أَحْوَالٍ عَارِضَةٍ لَهُ بِالنَّظَرِ إِلَى نَفْسِهِ وَغَيْرِهِ. بھئی بات یہ چل رہی تھی کہ صاحبِ کافیہ نے آپ کو بتلایا کہ معطوف جو ہے وہ معطوفٌ علیہ کے حکم میں ہوتا ہے۔ اور پھر بتلایا تھا کن چیزوں میں؟ صاحبِ جامی نے بتلایا کہ وہ چیزیں، وہ احوال جو معطوفٌ علیہ کو عارض ہوتے ہیں ماقبل کی طرف نظر کرتے ہوئے، ماقبل کی طرف نظر کرتے ہوئے، اور وہ احوال جو معطوفٌ علیہ کو عارض ہوتے ہیں اپنی ذات کے اعتبار سے ان کو نکال دیا تھا: مِنَ الْأَحْوَالِ الْعَارِضَةِ لَهُ نَظَرًا إِلَى مَا قَبْلَهُ. وہ احوال جو معطوفٌ علیہ کو عارض ہوتے ہیں ماقبل کی طرف نظر کرتے ہوئے، یہ قید کیوں لگائی تھی؟ ان احوال کو نکالنے کے لیے جو معطوفٌ علیہ کو عارض ہوتے ہیں اپنی ذات کے اعتبار سے۔

چنانچہ اب صاحبِ جامی مزید تشریح کر رہے ہیں کہ معطوفٌ علیہ کو بعض ایسے احوال بھی عارض ہوتے ہیں جس میں

معطوفٌ علیہ کی اپنی ذات بھی ملحوظ ہوتی ہے اور ماقبل بھی ملحوظ ہوتا ہے، ماقبل بھی۔ بھئی کچھ احوال تو ایسے ہیں جو معطوفٌ علیہ کو عارض ہوتے ہیں صرف اپنی ذات کے اعتبار سے، اس میں ماقبل کا دخل نہیں ہوتا۔ مثلاً معطوفٌ علیہ معرفہ ہے یا نکرہ ہے؟ اس کا تعلق ماقبل سے نہیں ہو گا۔ مثلاً میں کہتا ہوں جَاءَنِي زَيْدٌ وَعَمْرٌو۔ یہ عَمْرٌو کا عطف میں کس پر کر رہا ہوں؟ زَيْدٌ پر۔ تو زَيْدٌ کیا ہے؟ معطوفٌ علیہ، اور یہ معطوفٌ علیہ معرفہ ہے، اور اس کے اندر عامل کیا ہے زَيْدٌ کے اندر؟ جَاءَنِي ہے۔ تو کیا زَيْدٌ جو معرفہ ہوا وہ جَاءَنِي کی وجہ سے ہوا یا اپنی ذات کے اعتبار سے معرفہ ہے؟ اپنی ذات کے اعتبار سے معرفہ ہے، جَاءَ کا اس میں کوئی دخل نہیں۔ اسی طرح زَيْدٌ جو ہے مفرد ہے، تو مفرد تثنیہ یا جمع ہونا یہ اپنی ذات کے اعتبار سے ہوتا ہے، اس میں ماقبل کے جَاءَ کا دخل نہیں۔ تو زَيْدٌ معرفہ ہے اس میں بھی ماقبل کا دخل نہیں، زَيْدٌ جو ہے وہ مفرد ہے اس میں بھی معرفہ کا دخل نہیں، اور نیز زَيْدٌ معرب ہے، کبھی یہاں معرب آئے گا کبھی مبنی، زَيْدٌ معرب ہے اس زَيْدٌ کے معرب ہونے میں بھی ماقبل کا دخل نہیں ہے بھئی۔ تو معلوم ہوا معطوفٌ علیہ کے کچھ ایسے احوال ہوتے ہیں جو صرف اس کی اپنی ذات کے اعتبار سے ہوتے ہیں، اس میں ماقبل کا دخل نہیں، تو ان میں معطوف جو ہے وہ معطوفٌ علیہ کی طرح ہونا ضروری نہیں۔ ان میں معطوف کا معطوفٌ علیہ کی طرح ہونا ضروری نہیں۔ ہاں معطوفٌ علیہ کو وہ احوال جو پیش آئے ہیں کس کے اعتبار سے؟ ماقبل کے اعتبار سے، وہ احوال جو معطوفٌ علیہ کو پیش آئے ہیں کس کی طرف نظر کرتے ہوئے؟ ماقبل کی طرف نظر کرتے ہوئے، ان احوال میں معطوف کس کی طرح ہو گا؟ معطوفٌ علیہ کی طرح ہو گا۔

اب فرما رہے ہیں صاحبِ جامی کہ بھئی معطوفٌ علیہ جس پر ہم نے عطف کرنا ہے، معطوفٌ علیہ کے کچھ ایسے احوال بھی ہوتے ہیں جو اس کی اپنی ذات اور ماقبل دونوں کی طرف نظر کرتے ہوئے آتے ہیں اس پر، کچھ احوال اس پر ایسے آتے ہیں۔ صرف اپنی ذات کے اعتبار سے بھی وہ نہیں ہیں احوال، اور صرف ماقبل کے اعتبار سے بھی وہ نہیں ہیں، بلکہ دونوں کے اعتبار سے آتے ہیں، اپنی ذات کے اعتبار سے بھی اور ماقبل کے اعتبار سے بھی۔ جیسے يَا زَيْدُ۔ یہ زَيْدُ دیکھو، یہ منادیٰ ہے اور یہ مبنی علی الضم ہے، اور یہ مبنی علی الضم کیوں ہے؟ اس میں دو چیزوں کا دخل ہے۔ ایک تو یہ کہ یہ زَيْدٌ مفرد معرفہ ہے، اور آپ نے پڑھا ہے منادیٰ مفرد معرفہ ہو تو وہ مبنی ہوتا ہے علامتِ رفع پر۔ منادیٰ مفرد معرفہ ہو تو وہ مبنی ہوتا ہے علامتِ رفع پر: يَا زَيْدُ۔ تو اس میں دو چیزوں کا دخل آگیا: ایک تو زَيْدٌ مفرد معرفہ ہے، اور نیز اس پر يَا داخل ہوئی اور اس يَا نے اس کو منادیٰ بنایا۔ منادیٰ یہ خود تھا یا يَا نے بنایا؟ يَا نے بنایا، تو دیکھو ماقبل کا بھی دخل آیا اور اس کا اپنا بھی دخل ہے کہ یہ زَيْدٌ مفرد معرفہ ہے۔ اگر یہ مفرد معرفہ نہ ہوتا مثلاً عَبْدُ اللہِ ہوتا، کیا ہوتا؟ عَبْدُ اللہِ۔ اب عَبْدُ اللہِ معرفہ تو ہے لیکن مفرد نہیں ہے یہ تو عَبْد کا لفظ مضاف ہو رہا ہے۔ توجہ ہے؟ مفرد یہاں کس کے مقابلے میں ہے؟ مضاف اور مشابہ مضاف۔ منادیٰ اگر مفرد معرفہ ہو، یعنی معرفہ بھی ہو اور مضاف یا مشابہ مضاف نہ ہو، تو پھر وہ مبنی علی الضم ہوتا ہے۔ اور عَبْدُ اللہِ یہ معرفہ تو ہے لیکن مضاف ہے، مفرد نہیں ہے، تو لہٰذا اس لیے یہ منصوب ہو گا: يَا عَبْدَ اللہِ کہیں گے بھئی۔ بات سمجھ

میں آگئی؟ تو یَا عَبْدَ اللہِ کیوں کہا؟ منادیٰ کی اپنی ذات کی طرف نظر کرتے ہوئے بھی اور ماقبل یَا یعنی حرفِ ندا کی طرف بھی نظر کرتے ہوئے۔ چونکہ یہ مضاف ہے، معرفہ ہے اور مضاف ہے، اور نیز یہ منادیٰ بھی ہے اس پر یَا حرفِ ندا بھی داخل ہے، تو دونوں چیزوں کا دخل آگیا، اپنی ذات کا بھی اور ماقبل کا بھی۔

توجہ ہے؟ تو کہتے ہیں اگر اس طرح کے احوال ہوں معطوفٌ علیہ کے، کس کے؟ معطوفٌ علیہ کے ایسے احوال جس میں اس کی اپنی ذات کا بھی دخل ہے اور ماقبل کا بھی دخل ہے، اگر معطوف بھی اسی طرح کا ہو معطوفٌ علیہ جیسا ہو، اگر معطوف بھی معطوفٌ علیہ جیسا ہو تو پھر یہ احوال معطوف پر بھی آجائیں گے۔ تو ان احوال کے اندر اگر معطوف بھی معطوفٌ علیہ جیسا ہو، معطوف بھی معطوفٌ علیہ جیسا ہو، تو پھر اس کا حکم بھی معطوفٌ علیہ جیسا ہی ہو گا۔ دیکھو اور وضاحت، مثال سے اور وضاحت ہو گی۔ مثلاً میں عَمْرٌو کا عطف کرنا چاہتا ہوں زَیْدٌ منادیٰ پر: یَا زَیْدُ وَعَمْرُو۔ زَیْدٌ مبنی علی الضم تو عَمْرٌو بھی کیا ہے مبنی علی الضم، تو کیسے کہیں گے؟ یَا زَیْدُ وَعَمْرُو۔ تو عَمْرُو بھی کیا ہو گا مبنی علی الضم۔ اب دیکھو عَمْرٌو معطوف ہے زَیْدٌ پر، اور زَیْدٌ مبنی علی الضم ہے صرف اپنی ذات کے اعتبار سے یا اپنی ذات اور ماقبل دونوں کے اعتبار سے؟ دونوں کے اعتبار سے۔ تو یہ احوال جو معطوفٌ علیہ پر آئے ان کے اندر اگر معطوف بھی معطوفٌ علیہ جیسا ہو، معطوفٌ علیہ کیا تھا؟ مفرد معرفہ، معطوف بھی کیا ہو؟ مفرد معرفہ، تو اس کا بھی وہی حکم ہے۔ تو یہاں بھی معطوف معطوفٌ علیہ کے حکم میں ہو گا اور وہی حال اس پر بھی آجائے گا، وہ مبنی علی الضم تھا تو یہ بھی کیا ہو جائے گا مبنی علی الضم۔ بات سمجھ میں آگئی؟ کیا بات ہوئی؟ کہ معطوفٌ علیہ کے وہ احوال جو اس کو پیش آئیں اپنی ذات کے اعتبار سے بھی اور ماقبل کے اعتبار سے بھی، اگر معطوف جو ہے وہ بھی معطوفٌ علیہ جیسا ہی ہے، یعنی جیسی اس کی ذات اسی طرح معطوف کی بھی ذات ہے، جیسے معطوفٌ علیہ مفرد معرفہ تھا اور معطوف بھی کیا آگیا عَمْرٌو وہ بھی مفرد معرفہ آگیا، تو اس کے اندر بھی معطوف کس کے حکم میں ہو گا؟ معطوفٌ علیہ کے حکم میں، اور معطوفٌ علیہ تو کیا تھا؟ مبنی علی الضم، تو معطوف بھی کیا ہو گا؟ مبنی علی الضم ہو جائے گا۔ اور اگر معطوف معطوفٌ علیہ جیسا نہیں ہے ذات کے اعتبار سے، جیسے یَا زَیْدُ پر میں عَبْدُ اللہِ کا عطف کرنا چاہتا ہوں: یَا زَیْدُ وَعَبْدَ اللہِ، تو عَبْدَ اللہِ پر میں نصب پڑھوں گا، یہ مبنی علی الضم نہیں ہو گا۔ کیوں؟ کیونکہ یہاں پر عَبْدُ اللہِ جو معطوف ہے وہ معطوفٌ علیہ جیسا نہیں۔ معطوفٌ علیہ وہ تو مفرد معرفہ ہے اور عَبْدُ اللہِ معرفہ تو ہے لیکن مفرد نہیں ہے بلکہ مضاف ہے، عَبْد کا لفظ مضاف اور لفظِ اللہ مضافٌ الیہ۔ تو لہٰذا اب معطوف جو ہے معطوفٌ علیہ کے حکم میں نہیں ہو گا یعنی اس جیسا حکم اس کا نہیں ہو گا۔

کیا بات ہوئی؟ کہ وہ احوال جو معطوفٌ علیہ کو عارض ہوں اپنی ذات کے اعتبار سے اور ماقبل کے اعتبار سے، اگر معطوف بھی معطوفٌ علیہ جیسا ہی ہے تو پھر معطوف کا بھی وہی حکم ہو گا، اور اگر معطوف معطوفٌ علیہ جیسا نہیں تو پھر معطوف کا حکم معطوفٌ علیہ جیسا نہیں ہو گا۔ بات سمجھ میں آگئی؟ اب دیکھیے کتاب پر۔ کہتے ہیں: وَكَذَا الْمَعْطُوفُ فِي

حُكْمِ الْمَعْطُوفِ عَلَيْهِ، اور اسی طرح معطوف جو ہے معطوفٌ علیہ کے حکم میں ہوتا ہے، فِي أَحْوَالٍ عَارِضَةٍ لَهُ ان احوال کے اندر جو پیش آتے ہیں معطوفٌ علیہ کو، بِالنَّظَرِ إِلَى نَفْسِهِ وَغَيْرِهِ اپنی ذات کی طرف نظر کرتے ہوئے اور غیرِ ذات کی طرف نظر کرتے ہوئے، یعنی اپنی ذات اور اپنی ذات کے علاوہ، اپنی ذات کے علاوہ یعنی ماقبل کی طرف، مراد کیا ہے غَيْرِهِ سے؟ ماقبل مراد ہے۔ کہ وہ احوال جو اس کو پیش آتے ہیں بِالنَّظَرِ إِلَى نَفْسِهِ وَغَيْرِهِ اپنی ذات اور غیر کی طرف نظر کرتے ہوئے یعنی ماقبل کی طرف نظر کرتے ہوئے، تو یہ جو احوال ہیں ان احوال میں بھی معطوف کا حکم معطوفٌ علیہ جیسا ہو گا، پیچھے بتایا تھا۔ ان احوال میں بھی معطوف کا حکم کس جیسا ہو گا؟ معطوفٌ علیہ جیسا ہو گا، کب؟ إِنْ كَانَ الْمَعْطُوفُ مِثْلَ الْمَعْطُوفِ عَلَيْهِ اگر معطوف بھی معطوفٌ علیہ جیسا ہو ذات کے اعتبار سے، کس کے اعتبار سے؟ ذات کے اعتبار سے۔ ذات کے اعتبار سے۔

پھر ترجمہ دیکھیے۔ کہتے ہیں: وَكَذَا الْمَعْطُوفُ فِي حُكْمِ الْمَعْطُوفِ عَلَيْهِ، اور اسی طرح معطوف جو ہے معطوفٌ علیہ کے حکم میں ہو گا، فِي أَحْوَالٍ عَارِضَةٍ لَهُ بِالنَّظَرِ إِلَى نَفْسِهِ وَغَيْرِهِ ان احوال کے اندر جو معطوفٌ علیہ کو پیش آتے ہیں اپنی ذات اور غیر کی طرف نظر کرتے ہوئے، إِنْ كَانَ، یہ کب ہو گا معطوف معطوفٌ علیہ کے حکم میں ان احوال میں؟ کہتے ہیں: إِنْ كَانَ الْمَعْطُوفُ مِثْلَ الْمَعْطُوفِ عَلَيْهِ اگر معطوف جو ہے وہ معطوفٌ علیہ کے مثل ہو۔ فَلِذَا وَجَبَ بِنَاءُ الْمَعْطُوفِ اور اسی لیے معطوف کی بنا واجب ہے، یعنی اس کو مبنی بنانا، اس کو مبنی پڑھنا واجب ہے، فِي نَحْوِ اس جیسی مثالوں میں: يَا زَيْدُ وَعَمْرُو، لِأَنَّ ضَمَّ زَيْدٍ بِالنَّظَرِ إِلَى حَرْفِ النِّدَاءِ اس لیے کیونکہ یہ زَيْدٌ پر جو ضمہ آیا یہ بِالنَّظَرِ إِلَى حَرْفِ النِّدَاءِ یہ حرفِ ندا کی طرف نظر کرتے ہوئے ہے، وَإِلَى كَوْنِهِ مُفْرَدًا مَعْرِفَةً فِي نَفْسِهِ اور اس بات کی طرف نظر کرتے ہوئے ہے کہ یہ زَيْدٌ کا لفظ اپنی ذات کے اعتبار سے مفرد معرفہ ہے، یعنی دونوں کا دخل ہے۔ حرفِ ندا کا بھی اس میں دخل، اس زَيْدٌ کے يَا زَيْدُ اس زَيْدٌ کے مبنی علی الضم ہونے میں حرفِ ندا کا بھی دخل اور اس زَيْدٌ کی اپنی ذات کا بھی دخل ہے کہ وہ مفرد معرفہ ہے اپنی ذات کے اعتبار سے۔

پھر دیکھیے، کہتے ہیں: لِأَنَّ ضَمَّ زَيْدٍ بِالنَّظَرِ إِلَى حَرْفِ النِّدَاءِ وَإِلَى كَوْنِهِ مُفْرَدًا مَعْرِفَةً فِي نَفْسِهِ اس لیے کیونکہ زَيْدٌ کا ضمہ جو ہے وہ حرفِ ندا کی طرف نظر کرتے ہوئے ہے اور اس بات کی طرف نظر کرتے ہوئے ہے کہ زَيْدٌ کا لفظ جو ہے وہ مفرد معرفہ ہے فِي نَفْسِهِ اپنی ذات کے اعتبار سے، وَعَمْرٌو مِثْلُ زَيْدٍ فِي كَوْنِهِ مُفْرَدًا مَعْرِفَةً اور عَمْرٌو بھی زَيْدٌ کے مثل ہے مفرد معرفہ ہونے میں، یعنی ذات کے اعتبار سے اس جیسا ہے۔ وَامْتَنَعَ بِنَاؤُهُ فِي يَا زَيْدُ وَعَبْدَ اللهِ جبکہ يَا زَيْدُ وَعَبْدَ اللهِ اس کے اندر معطوف کی بنا ممتنع ہے، معطوف کو جو عَبْدَ اللهِ ہے اس کو مبنی نہیں پڑھ سکتے، اس کو مبنی نہیں بنا سکتے۔ کیوں؟ یعنی یہاں پر معطوف معطوفٌ علیہ کے حکم میں نہیں ہے، فَإِنَّ عَبْدَ اللهِ لَيْسَ مِثْلَ زَيْدٍ اس لیے کیونکہ عَبْدَ اللهِ جو ہے وہ زَيْدٌ کے مثل نہیں ہے، فَإِنَّ زَيْدًا مُفْرَدٌ مَعْرِفَةٌ کیونکہ زَيْدٌ کا لفظ جو ہے وہ تو مفرد معرفہ ہے، وَعَبْدَ اللهِ مُضَافٌ اور لفظِ عَبْدَ اللهِ

کیا ہے؟ مضاف ہے بھئی۔ بات سمجھ میں آگئی؟

آگے دیکھیے: وَمِنْ ثَمَّ۔ اب وہی بات بیان کریں گے، ہم نے متن میں پڑھ لیا تھا، متن کیا تھا پہلے؟ متن متن صرف دیکھیے: وَمِنْ ثَمَّ لَمْ يَجُزْ، اور اسی وجہ سے جائز نہیں ہے، فِي مَا زَيْدٌ بِقَائِمٍ أَوْ قَائِمًا وَلَا ذَاهِبٌ عَمْرٌو إِلَّا الرَّفْعُ، اس مثال کے اندر صرف رفع ہی جائز ہے، اور رفع کے علاوہ کچھ یعنی نصب یا جر جائز نہیں۔ تو کہتے ہیں: وَمِنْ ثَمَّ اور اسی وجہ سے، أَيْ وَمِنْ أَجْلِ أَنَّ الْمَعْطُوفَ فِي حُكْمِ الْمَعْطُوفِ عَلَيْهِ فِيمَا يَجُوزُ وَيَمْتَنِعُ، کہ اس وجہ سے کہ معطوف جو ہے وہ معطوفٌ علیہ کے حکم میں ہوتا ہے ان چیزوں میں جو جائز اور ممتنع ہوتی ہیں معطوفٌ علیہ میں، تو اسی وجہ سے لَمْ يَجُزْ جائز نہیں ہے، فِي تَرْكِيبِ اس ترکیب کے اندر: مَا زَيْدٌ بِقَائِمٍ أَوْ قَائِمًا وَلَا ذَاهِبٌ عَمْرٌو اس مثال میں جائز نہیں ہے، إِلَّا الرَّفْعُ مگر رفع ہی، فِي ذَاهِبٌ کس لفظ میں؟ ذَاهِبٌ کے لفظ میں۔ یہ ذَاهِبٌ اس پر فِي داخل ہے لہٰذا یہ مجرور ہے لیکن اعرابِ حکائی ہم پڑھیں گے کہ پچھلے جملے میں یہ مرفوع تھا تو وہی اعراب ہم پڑھیں گے۔ تو یہ لفظاً تو اس وقت ہم رفع پڑھ رہے ہیں لیکن محلاً یہ کیا ہے؟ مجرور ہے کیونکہ فِي داخل ہے۔ تو کہتے ہیں جائز نہیں ہے اس مثال کے اندر إِلَّا الرَّفْعُ مگر رفع ہی، فِي ذَاهِبٌ کس کے اندر؟ ذَاهِبٌ کے اندر، إِذْ لَوْ نُصِبَ أَوْ خُفِضَ اس لیے کیونکہ اگر اس ذَاهِبٌ کو نصب دیا جائے أَوْ خُفِضَ یا اس کو جر دیا جائے۔ میں نے بتلایا تھا خَفْض کس کو کہتے ہیں؟ جر کو کہتے ہیں، خَاء، فَاء اور ضَاد ہے۔ کہ إِذْ لَوْ نُصِبَ أَوْ خُفِضَ اگر اس ذَاهِبٌ کو نصب یا جر دیا جائے، لَكَانَ مَعْطُوفًا عَلَى قَائِمٍ أَوْ قَائِمًا تو یہ معطوف ہو گا قَائِمٍ یا قَائِمًا پر، فَيَكُونُ خَبَرًا عَنْ زَيْدٍ تو اس صورت میں یہ ذَاهِبٌ بھی خبر بن جائے گا زید سے، وَهُوَ مُمْتَنِعٌ اور یہ تو ممتنع ہے، یہ ذَاهِبٌ تو زید سے خبر نہیں بن سکتا، لِخُلُوِّهِ عَنِ الضَّمِيرِ الْوَاقِعِ فِي الْمَعْطُوفِ عَلَيْهِ اس لیے کیونکہ یہ خالی ہے عَنِ الضَّمِيرِ، لِخُلُوِّهِ عَنِ الضَّمِيرِ اس لیے کیونکہ یہ خالی ہے اس ضمیر سے الْوَاقِعِ فِي الْمَعْطُوفِ عَلَيْهِ وہ ضمیر جو معطوفٌ علیہ میں واقع تھی، اس میں موجود تھی، الْعَائِدِ إِلَى اسْمِ مَا اور لوٹ رہی تھی اسمِ مَا کی طرف، کیونکہ یہ قَائِمٍ کیا تھی؟ مَا کی خبر، اور مَا کی خبر کو کس سے جوڑتے ہیں؟ مَا کے اسم سے۔ الْعَائِدِ إِلَى اسْمِ مَا اور یہ ضمیر لوٹ رہی تھی اسمِ مَا کی طرف۔ تو لہٰذا معلوم ہوا ذَاهِبٌ پر نصب بھی نہیں پڑھ سکتے اور جر بھی، فَتَعَيَّنَ الرَّفْعُ تو اس پر رفع ہی متعین ہو گیا، عَلَى أَنْ يَكُونَ خَبَرًا مُقَدَّمًا عَلَى الْمُبْتَدَأِ بنا بر اس کے کہ یہ خبرِ مقدم ہے مبتدا پر، اس وجہ سے، یہ عَلَى علت بیان کرنے کے لیے کبھی آتا ہے، اس وجہ سے، عَلَى أَنْ يَكُونَ خَبَرًا مُقَدَّمًا عَلَى الْمُبْتَدَأِ اس وجہ سے کیونکہ یہ خبرِ مقدم ہے مبتدا پر، وَهُوَ عَمْرٌو اور وہ مبتدا کیا ہے؟ عَمْرٌو ہے۔ تو لہٰذا ذَاهِبٌ خبرِ مقدم اور عَمْرٌو مبتدا مؤخر، اور مبتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ ہوا، اور تو یہ جملہ اسمیہ کا عطف ہو گیا ماقبل والے جملہ اسمیہ پر۔ مَا زَيْدٌ بِقَائِمٍ یا قَائِمًا مَا مشابہ بِلَيْسَ اپنے اسم اور خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا اور وہ معطوفٌ علیہ، اور آگے وَلَا ذَاهِبٌ عَمْرٌو یہ پورا جملہ اسمیہ یہ اس کا عطف ہو گیا ماقبل والے جملہ اسمیہ پر۔ تو کہتے ہیں: وَيَكُونُ مِنْ قَبِيلِ عَطْفِ الْجُمْلَةِ عَلَى الْجُمْلَةِ تو یہ عطفِ جملہ علی الجملہ کے قبیل سے ہوا کہ ایک جملے کا عطف ہو رہا ہے دوسرے جملے پر، وَلَا مَانِعَ مِنْهُ اور اس سے کوئی چیز مانع بھی نہیں ہے، یعنی جملے کے جملے پر

عطف سے کوئی چیز مانع بھی نہیں ہے۔

تو یہ دیکھو ذَاهِبٌ کو صاحبِ جامی نے خبرِ مقدم بنایا اور عَمْرٌو کو مبتدا مؤخر۔ میں نے ایک اور ترکیب بھی ذکر کی کہ ذَاهِبٌ کو کیا بنا دیں؟ مبتدا کی قسمِ ثانی اور عَمْرٌو کو اس کے لیے فاعل بنا دیں، اور یہ عَمْرٌو مرفوع ہے کیونکہ اس کو ذَاهِبٌ نے رفع دیا اور یہ قائم مقام خبر کے ہے۔ تو ذَاهِبٌ اپنے فاعل سے مل کر شبہِ جملہ ہو کر مبتدا، اور یہ مبتدا اپنی خبرِ مقدم سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا، تو یہ ایسا مبتدا ہے جس کی کوئی خبر نہیں، کیونکہ عَمْرٌو وہ حقیقت میں اس کا فاعل ہے وہ تو خبر نہیں ہے، ہم نے خبر کا قائم مقام اس کو ویسے قرار دے دیا۔ تو عَمْرٌو کو رفع کس نے دیا؟ ذَاهِبٌ نے دوسری ترکیب کے مطابق۔ تو یہ ایسا مبتدا ہے جس کی کوئی خبر نہیں ہے۔ لیکن اس کو صاحبِ جامی نے ذکر نہیں فرمایا۔ ذکر نہیں فرمایا۔ وجہ یہ کہ یہ بتلانا یہ چاہتے تھے کہ یہاں پر یہ مفرد کا عطف مفرد پر نہیں ہے، جملے کا عطف جملے پر ہے، تو انہوں نے ایک ترکیب ذکر کر دی اس کا یہ معنی نہیں کہ دوسری ترکیب یہاں ہو نہیں سکتی۔ ان کا یہاں مقصد ہر ترکیب بیان کرنا نہیں تھا، ان کا مقصد صرف کیا تھا؟ کہ یہ ذَاهِبٌ مرفوع کیوں ہے؟ رفع کی وجہ ذکر کر دی، تو اس میں دوسری وجہ بھی اس میں آ سکتی ہے میں نے بتلایا۔ تو ذَاهِبٌ اگر خبرِ مقدم بنائیں تو یہ مرفوع ہے خبر ہونے کی وجہ سے، اور اگر اس کو مبتدا کی قسمِ ثانی بنائیں تو یہ مرفوع ہے مبتدا ہونے کی وجہ سے۔

آگے دیکھیے۔ اب وہ بحث شروع ہونے لگی ہے کہ الَّذِي يَطِيرُ فَيَغْضَبُ زَيْدٌ الذُّبَابُ، الَّذِي يَطِيرُ وہ چیز جو اڑتی ہے فَيَغْضَبُ زَيْدٌ الذُّبَابُ تو اس کی وجہ سے زید غصے ہوتا ہے، الذُّبَابُ وہ چیز مکھی ہے۔ تو اب یہ اعتراض ذکر کریں گے اور پھر جواب دیں گے۔ اعتراض کیا ہوتا تھا؟ کہ آپ نے ہمیں کیا کہا؟ معطوف کس کے حکم میں؟ معطوفٌ علیہ۔ تو لہٰذا یہاں يَطِيرُ کے اندر تو هُوَ ضمیر ہے جو الَّذِي کو لوٹ رہی ہے، الَّذِي يَطِيرُ، لیکن فَيَغْضَبُ زَيْدٌ اس يَغْضَبُ کے لیے تو زَيْدٌ فاعل ہے تو اس يَغْضَبُ میں تو کوئی ضمیر نہیں، اور اس کا عطف ہو رہا ہے يَطِيرُ پر۔ تو آپ نے تو ہمیں کیا کہا تھا؟ معطوف کس کے حکم میں؟ معطوفٌ علیہ کے حکم میں، معطوفٌ علیہ میں ضمیر ہو تو معطوف میں بھی کیا ہونی چاہیے؟ ضمیر ہونی چاہیے، لیکن یہاں تو فَيَغْضَبُ کے اندر کوئی ضمیر نہیں، تو یہ جائز نہیں ہونا چاہیے لیکن بالاتفاق یہ جائز ہے۔ تو اب اس کا جواب دیں گے۔ پہلے اعتراض ذکر کریں گے۔

کہتے ہیں: وَلَمَّا كَانَ لِقَائِلٍ أَنْ يَقُولَ اور جب یہ جائز ہے کسی کہنے والے کے لیے کہ وہ یوں کہے کہ هَذِهِ الْقَاعِدَةُ مُنْتَقِضَةٌ بِقَوْلِهِمْ کہ یہ والا جو آپ کا ضابطہ ہے، هَذِهِ الْقَاعِدَةُ یہ جو آپ کا ضابطہ ہے، مُنْتَقِضَةٌ یہ ٹوٹ جاتا ہے بِقَوْلِهِمْ عربوں کے اس قول سے: الَّذِي يَطِيرُ فَيَغْضَبُ زَيْدٌ الذُّبَابُ، اس جملے سے ٹوٹ جاتا ہے، عربوں کے اس قول سے یہ ٹوٹ جاتا ہے آپ کا ضابطہ، فَإِنَّ يَطِيرُ فِيهِ ضَمِيرٌ يَعُودُ إِلَى الْمَوْصُولِ اس لیے کیونکہ يَطِيرُ جو ہے اس کے اندر ایک ایسی ضمیر ہے يَعُودُ إِلَى الْمَوْصُولِ جو کس کی طرف لوٹ رہی ہے؟ اسمِ موصول کی طرف، وَيَغْضَبُ الْمَعْطُوفَ عَلَيْهِ لَيْسَ فِيهِ ذَلِكَ الضَّمِيرُ۔ جی،

ترجمہ کیجیے۔ وَيَغْضَبُ اور وہ جو يَغْضَبُ کا لفظ آیا آگے الْمَعْطُوفَ عَلَيْهِ اس يَغْضَبُ کا عطف پیچھے يَطِيرُ پر ہے۔ توجہ ہے؟ اور يَطِيرُ پر إِنَّ داخل ہو رہا ہے تو يَطِيرُ کیا ہے؟ محلاً منصوب۔ اسی طرح يَغْضَبُ کا عطف ہوا تو یہ بھی کیا ہے؟ محلاً منصوب ہے، اور آگے الْمَعْطُوفَ عَلَيْهِ اس کی صفت ہے اور موصوف صفت کا اعراب ایک ہوتا ہے، اس لیے میں نے پڑھا وَيَغْضَبُ الْمَعْطُوفَ عَلَيْهِ اس پر بھی کیا پڑھا؟ نصب، کیونکہ یہ صفت ہے۔ جی، اب ترجمہ کیجیے۔ ترجمہ دیکھیے بھئی یہاں ذرا مشکل ہے۔ پھر دیکھیے: فَإِنَّ يَطِيرُ فِيهِ ضَمِيرٌ يَعُودُ إِلَى الْمَوْصُولِ اس لیے کیونکہ يَطِيرُ جو ہے وہ اس کے اندر ایک ایسی ضمیر ہے جو لوٹ رہی ہے اسمِ موصول کی طرف، وَيَغْضَبُ الْمَعْطُوفَ عَلَيْهِ اور یہ وہ يَغْضَبُ جو معطوفٌ علیہ ہے، وَيَغْضَبُ الْمَعْطُوفَ عَلَيْهِ وہ يَغْضَبُ جو معطوفٌ علیہ ہے۔ مجھے بتائیے: الَّذِي يَطِيرُ فَيَغْضَبُ معطوفٌ علیہ کون؟ جملے پر نظر رکھیں: الَّذِي يَطِيرُ فَيَغْضَبُ. يَطِيرُ یہ ہے معطوفٌ علیہ اور يَغْضَبُ تو معطوف ہے، اور صاحبِ جامی کیا فرما رہے ہیں؟ وَيَغْضَبُ الْمَعْطُوفَ عَلَيْهِ اور وہ يَغْضَبُ جو معطوفٌ علیہ ہے! تو یاد رکھنا یہاں پھر وہی لغوی معنی مراد ہے جس کو نحو میں معطوفٌ علیہ کہتے ہیں وہ مراد نہیں۔ اب ترجمہ کیسے کریں گے؟ وَيَغْضَبُ اور وہ يَغْضَبُ الْمَعْطُوفَ جس کا عطف کیا گیا ہے عَلَيْهِ اس پر، وہ يَغْضَبُ الْمَعْطُوفَ عَلَيْهِ جس کا عطف کیا گیا ہے اس يَطِيرُ پر۔ ترجمہ سمجھ میں آگیا؟ تو کہتے ہیں: وَيَغْضَبُ الْمَعْطُوفَ اور وہ يَغْضَبُ جس کا عطف کیا گیا ہے عَلَيْهِ اس يَطِيرُ پر لَيْسَ فِيهِ ذَلِكَ الضَّمِيرُ اس کے اندر وہ ضمیر نہیں ہے جو يَطِيرُ میں جو ضمیر تھی۔

فَأَجَابَ عَنْهُ بِقَوْلِهِ تو جواب دیا اس اشکال سے، اس اعتراض سے ماتن نے اپنے اس قول کے ذریعے، کہتے ہیں: وَإِنَّمَا جَازَ کہ یہ جائز ہے، یہ الَّذِي يَطِيرُ فَيَغْضَبُ زَيْدٌ الذُّبَابُ یہ جائز ہے، لِأَنَّهَا، لِأَنَّهَا یہ هَا ضمیر کس کو راجع ہے بھئی لِأَنَّهَا؟ آگے صاحبِ جامی فرما رہے ہیں: أَيِ الْفَاءَ فِي هَذَا التَّرْكِيبِ، لِأَنَّهَا أَيِ الْفَاءَ کہ اس لیے کیونکہ یہ جو فَاء ہے اس ترکیب کے اندر فَاءُ السَّبَبِيَّةِ یہ فَاء سبب والی ہے، یہ فَاء سبب والی ہے۔ آگے دیکھو: أَيْ فَاءٌ لَهَا نِسْبَةٌ إِلَى السَّبَبِيَّةِ، أَيْ فَاءٌ یعنی یہ ایسی فَاء ہے لَهَا نِسْبَةٌ إِلَى السَّبَبِيَّةِ جس کی نسبت ہے سببیت کی طرف۔ دیکھو متن میں آیا تھا، پھر متن دیکھو: کہتے ہیں صاحبِ کافیہ فرماتے ہیں: وَإِنَّمَا جَازَ الَّذِي يَطِيرُ فَيَغْضَبُ زَيْدٌ الذُّبَابُ یہ مثال جائز ہے، متن دیکھیے صرف، لِأَنَّهَا فَاءُ السَّبَبِيَّةِ کیونکہ یہ فائے سببیہ ہے، یہ سبب والی فَاء ہے۔ تو متن میں فَاءُ السَّبَبِيَّةِ آیا۔ آگے صاحبِ جامی بتلانا یہ چاہتے ہیں کہ یہ سَبَبِيَّة کے اندر جو یَاء آئی یہ نسبت والی ہے۔ یاد رکھو بھئی کبھی کبھار کسی لفظ کے آخر میں یائے مشدد اور گول تاء ملاتے ہیں اور اس سے مصدر بنا لیتے ہیں۔ جیسے فَاعِل، اب آپ اس سے مصدر بنانا چاہتے ہیں تو یائے مشدد اور گول تاء ملا دیں: فَاعِلِيَّة، فَاعِلِيَّة کا کیا معنی؟ فاعل ہونا، مصدر والا ترجمہ کریں۔ مَفْعُول سے آپ مصدر بنانا چاہتے ہیں تو کیسے بنائیں گے؟ مَفْعُولِيَّة، مفعول ہونا۔ توجہ ہے؟ مفعول ہونا۔ اور اسی طرح یہ يَاء کبھی کبھار نسبت کے لیے بھی آتی ہے۔ لاہور کی طرف آپ نسبت کرنا چاہتے ہیں تو آپ کہتے ہیں لاہوری، لاہور والا۔ اور اگر مؤنث ہو تو کیا کہیں گے؟ لَاهُورِيَّةٌ، لاہور والی۔ معلوم ہوا یہ یائے

مشدد اور گول تاء مصدر بنانے کے لیے بھی لاتے ہیں اور نسبت کے لیے بھی لاتے ہیں۔ تو یہاں کون سی یہ یَاء ہے فَاءُ السَّبَبِيَّةِ میں؟ تو صاحبِ جامی نے بتلا دیا: أَيْ فَاءٌ لَهَا نِسْبَةٌ إِلَى السَّبَبِيَّةِ یعنی ایسی فَاء جس کی نسبت ہے سببیت کی طرف۔ معلوم ہوا یہ سَبَبِيَّة میں یَاء کون سی ہے؟ نسبت والی ہے۔ تو لَاهُورِيَّةٌ کا کیا ترجمہ کرتے ہیں؟ لاہو—

لاہور والی، تو یہاں پر بھی فَاءُ السَّبَبِيَّةِ، وہ فَاء جو سبب والی ہے۔ توجہ ہے؟ تو سَبَبِيَّة اگر مصدر ہو تو کیا معنی ہو گا؟ سبب ہونا۔ اور سَبَبِيَّة اگر اسمِ منسوب ہو تو کیا معنی ہو گا؟ سبب والی، کیونکہ مؤنث ہے نا گول تاء بھی ساتھ جڑی ہوئی ہے۔ اور میں نے بتایا تھا یہ جو فَاء حروف ہیں یہ عربی میں زیادہ تر کس طرح استعمال ہوتے ہیں؟ مؤنث۔ یا یہ کلمہ بھی تو ہے، اور کلمہ کی تاویل میں بھی یہ فَاء کا لفظ کیا ہے؟ مؤنث ہے کیونکہ كَلِمَةٌ کے آخر میں گول تاء ہے۔ تو کہتے ہیں: فَاءُ السَّبَبِيَّةِ یہ فَاء سبب والی ہے، أَيْ فَاءٌ لَهَا نِسْبَةٌ إِلَى السَّبَبِيَّةِ یعنی یہ ایسی فَاء ہے جس کی نسبت ہے سببیت کی طرف۔

اب صورت بتلا رہے ہیں بِأَنْ يَكُونَ، یہ بائے تصویریہ ہے صورت بتلا رہے ہیں۔ بھئی صاحبِ کافیہ نے جواب دے دیا کیا؟ کہ یہ فَاء سببیت والی ہے، یہ فَاء سببیت والی ہے۔ اب اس کا کیا معنی؟ صاحبِ جامی تین صورتیں بتلائیں گے کہ یا تو اس کا یہ معنی یا یہ معنی، تینوں معنی آپ کر سکتے ہیں۔ ایک معنی یہ کہ فَاءُ السَّبَبِيَّةِ کا یہ معنی ہے کہ اس فَاء کا معنی ہی سبب ہے، اس فَاء کا معنی ہی سبب ہے، سبب ہے، عطف ہے ہی نہیں۔ توجہ ہے؟ دیکھیے بھئی۔ کہتے ہیں: بِأَنْ يَكُونَ، بایں صورت یہ با کیا ہے؟ تصویریہ صورت بتلا رہی ہے اب فائے سببیہ کیسے ہے اس کی صورتیں بتلائیں گے۔ بِأَنْ يَكُونَ مَعْنَاهَا السَّبَبِيَّةَ لَا الْعَطْفَ بایں صورت کہ اس فَاء کا معنی سببیت ہے عطف نہیں ہے، فَلَا يَرِدُ نَقْضًا عَلَى تِلْكَ الْقَاعِدَةِ، فَلَا يَرِدُ اس کے اندر ضمیر راجع ہے وہ جو پیچھے یہ قول ذکر ہوا تھا، پیچھے جو اعتراض ذکر ہوا تھا، معترض اعتراض کہتا ہے کہ يَغْضَبُ کے اندر تو ضمیر نہیں ہے، معطوف میں ضمیر نہیں ہے، اور معطوفٌ علیہ يَطِيرُ کے اندر ضمیر ہے، تو فَلَا يَرِدُ لہٰذا یہ والا قول وارد نہیں ہو گا، یہ جو پیچھے اعتراض تھا، نَقْضًا اعتراض ہو کر، یہ نَقْضًا حال ہے۔ توجہ ہے؟ تو فَلَا يَرِدُ نَقْضًا تو معترض کا یہ جو قول ہے یہ اعتراض ہو کر وارد نہیں ہو گا عَلَى تِلْكَ الْقَاعِدَةِ اس ضابطے پر۔ یوں کہو مختصر لفظوں میں کہ معترض کا یہ اعتراض اس ضابطے پر نہیں ہو سکتا، کیونکہ یہ فَاء عاطفہ ہے ہی نہیں، اگر فَاء عاطفہ ہوتی تو پھر وہ اعتراض کرتا کہ بھئی يَغْضَبُ میں ضمیر کیوں نہیں ہے۔ یہ معنی ہے فَلَا يَرِدُ نَقْضًا عَلَى تِلْكَ الْقَاعِدَةِ لہٰذا یہ معترض کا قول اعتراض ہو کر وارد نہیں ہوتا اس ضابطے پر۔

اب دوسری صورت ذکر کرنے لگے ہیں: أَوْ يَكُونَ۔ توجہ ہے؟ یہ فَاء کون سی ہے؟ فَاء سببیت کے لیے ہے، مثلاً جیسے آپ کہتے ہیں إِذَا جَاءَكَ زَيْدٌ فَأَكْرِمْهُ، جب آپ کے پاس زید آئے تو پھر اس کا اکرام کرنا، تو یہ فَاء سبب کا فائدہ دے رہی ہے یعنی اس کے اکرام کا سبب کیا ہے؟ اس کا آنا ہے۔ إِذَا جَاءَكَ زَيْدٌ فَأَكْرِمْهُ۔ توجہ ہے؟ اچھا اب یاد رکھو، بھئی اگر فَاء عاطفہ ہونا تو پھر اس کا ترجمہ کرنا «پھر» کے ساتھ، «پھر»۔ دیکھو سنو: جَاءَنِي زَيْدٌ فَعَمْرٌو، جَاءَنِي زَيْدٌ فَعَمْرٌو ترجمہ کریں: میرے پاس زید آیا، فَعَمْرٌو پھر عمرو آیا۔ دیکھو فَاء عاطفہ ہے تو اس کا ترجمہ «پھر» کے ساتھ کریں گے۔ اور یہ فَاء سببیہ ہے

تو اس کا ترجمہ «اس کی وجہ سے» یوں کریں گے، «اس وجہ سے» یا «اس کی وجہ سے» ترجمہ کریں گے، سبب بیان کر رہی ہے نا، اس کی وجہ سے، اس سبب سے۔ تو اب ترجمہ یوں ہو گا: الَّذِي يَطِيرُ وہ چیز جو اڑتی ہے فَيَغْضَبُ زَيْدٌ تو اس کی وجہ سے زید غصے... وہ چیز جو اڑتی ہے تو اس کی وجہ سے زید غصے ہوتا ہے، الذُّبَابُ وہ مکھی ہے۔ تو دیکھو یہ فَاء عاطفہ ہے ہی نہیں۔ توجہ ہے؟ اگر یہ فَاء عاطفہ ہوتی پھر ترجمہ کیسے ہوتا؟ الَّذِي يَطِيرُ وہ چیز جو اڑتی ہے فَيَغْضَبُ زَيْدٌ پھر زید غصے ہوتا ہے، وہ چیز جو اڑتی ہے پھر زید غصے ہوتا ہے وہ مکھی ہے۔ تو یہ فَاء ہم نے اس کو فَاء عاطفہ بنایا ہی نہیں بلکہ کون سی فَاء بنایا؟ فَاء سببیہ۔ تو پہلا جواب کیا ہوا؟ کہ یہ فَاء سببیہ ہے عاطفہ نہیں۔

دوسرا جواب دیں گے کہ یہ فَاء عاطفہ بھی ہے اور سببیہ بھی ہے، دونوں ہیں، یعنی عطف کا بھی فائدہ دے رہی ہے اور سببیت کا بھی فائدہ دے رہی ہے۔ دیکھیے بھئی۔ کہتے ہیں: أَوْ يَكُونَ، اب یہ دوسری صورت بیان کر رہے ہیں: أَوْ يَكُونَ مَعْنَاهَا السَّبَبِيَّةَ مَعَ الْعَطْفِ یا اس فَاء کا معنی سببیت ہے مَعَ الْعَطْفِ ساتھ عطف کے، یعنی سببیت اور عطف دونوں کے لیے ہے یہ فَاء، لَكِنَّهَا تَجْعَلُ الْجُمْلَتَيْنِ كَجُمْلَةٍ وَاحِدَةٍ لیکن یہ فَاء دو جملوں کو ایک جملے کی طرح کر دیتی ہے، یعنی ایک جملے کے حکم میں کر دیتی ہے، فَيُكْتَفَى بِالرَّبْطِ فِي الْأُولَى تو اکتفا کر لیا جائے گا وہ جو ربط ہے پہلے جملے میں، تو اسی ربط پر اکتفا کر لیں گے۔ توجہ ہے؟ ادھر دیکھیے: جَاءَنِي زَيْدٌ فَعَمْرٌو۔ یاد رکھو یہ جو فَاء ہے، جَاءَنِي زَيْدٌ فَعَمْرٌو میرے پاس زید آیا پھر عمرو آیا، یہ فَاء جمع کا بھی فائدہ دیتی ہے، جمع کا کیا معنی؟ یعنی دونوں اس حکم میں جمع ہیں، یہ جو پیچھے مجیئت کا حکم آ رہا ہے، یہ جو پیچھے مجیئت کا حکم ذکر ہوا یہ زید اور عمرو دونوں کے لیے ہے، دونوں اس حکم میں جمع ہیں، جیسے زید کے لیے مجیئت ثابت ہے اسی طرح عمرو جو فَاء کے بعد آ رہا ہے اس کے لیے بھی مجیئت ثابت ہے۔ تو یہ فَاء بھی وَاو کی طرح کس چیز کا فائدہ دیتی ہے؟ جمع کا، کس کا؟ جمع کا یعنی معطوف اور معطوفٌ علیہ دونوں کو اس حکم میں جمع کر دیتی ہے کہ دونوں کے لیے یہ حکم یعنی یہ والی بات ثابت ہے۔ حکم سے کیا مراد ہے؟ یہ والی، حکم سے بات مراد ہے، یہ بات دونوں کے لیے ثابت ہے۔ اور یاد رکھو فَاء ترتیب کا اور تعقیب کا بھی فائدہ دیتی ہے کہ ایک چیز دوسری چیز کے پیچھے ہے، تعقیب بھئی عقب میں لانا۔ معلوم ہوا جَاءَنِي زَيْدٌ فَعَمْرٌو آئے تو دونوں ہیں لیکن پہلے کون آیا؟ زید، پھر کون آیا؟ عمرو، یہ کس نے بتایا؟ فَاء نے۔ تو فَاء نے جمع کا بھی فائدہ دیا اور تعقیب کا بھی فائدہ دیا کہ عمرو کیا ہے؟ وہ زید کے عقب میں آیا اس کے پیچھے آیا ہے۔ تو تعقیب کہہ لو یا ترتیب کہہ لو ایک ہی بات ہے۔ بات سمجھ میں آ گئی؟ تو یہ فَاء جمع کا بھی فائدہ دیتی ہے اور تعقیب کا بھی فائدہ دیتی ہے۔

تو فَاء جو ہے یہ دونوں جملوں کو ایک جملے کے حکم میں کر دیتی ہے، یہ فَاء عاطفہ بھی ہے اور یہ سببیہ بھی ہے۔ توجہ ہے؟ تو لہٰذا یہ دو جملوں کو ایک جملے کے حکم میں کر دے گی۔ تو جب دونوں جملے ایک جملے کے حکم میں ہو گئے، کیا جملہ کیا تھا؟ الَّذِي يَطِيرُ فَيَغْضَبُ زَيْدٌ الذُّبَابُ۔ تو یہ جو يَطِيرُ ہے يَطِيرُ اور اسی پر عطف ہے کس کا؟ فَيَغْضَبُ زَيْدٌ کا، تو یہ دونوں جملے جب ایک

جملے کے حکم میں ہو گئے، تو یَطِیرُ کے اندر ایک ضمیر کس کو لوٹ رہی تھی؟ الَّذِي کو۔ تو جب دونوں جملے ایک جملے کے حکم میں ہو گئے تو جب ایک جملہ ہے تو اس میں تو ایک ہی ربط کافی ہوتا ہے، اس میں دو ربط دینے کی تو ضرورت نہیں، تو پہلے جملے میں ربط آچکا ہے تو لہٰذا وہ کافی ہے، ایک ربط آگیا پہلے جملے میں وہی کافی ہے کیونکہ دونوں جملے کس کے حکم میں؟ ایک جملے کے حکم میں ہیں۔ دونوں ایک جملے کے حکم میں کیسے؟ صاحبِ جامی بھی آگے بیان کریں گے، دیکھو پہلے یہ ترجمہ دیکھ لیں: أَوْ يَكُونَ مَعْنَاهَا السَّبَبِيَّةَ مَعَ الْعَطْفِ یا اس فَاء کا معنی جو ہے سببیت ہے ساتھ عطف کے، لَكِنَّهَا تَجْعَلُ الْجُمْلَتَيْنِ كَجُمْلَةٍ وَاحِدَةٍ لیکن یہ فَاء جو ہے یہ دو جملوں کو ایک جملے کی طرح کر دیتی ہے، جیسے شرط اور جزا اور سبب اور مسبب ہوتے ہیں۔ شرط اور جزا مل کر ایک ہی جملہ شرطیہ بنتا ہے: إِنْ دَخَلْتِ الدَّارَ فَأَنْتِ طَالِقٌ۔ إِنْ دَخَلْتِ الدَّارَ یہ کیا ہے؟ شرط، فَأَنْتِ طَالِقٌ یہ کیا ہے؟ جزا، اور شرط اور جزا یہ ایک ہی جملہ ہے، جملہ شرطیہ کہلاتا ہے۔ یا اسی طرح سبب اور مسبب، سبب اور مسبب اس کو، یہ ایک جملہ ہوتا ہے: إِذَا جَاءَكَ زَيْدٌ فَأَكْرِمْهُ، إِذَا جَاءَكَ جب زید آپ کے پاس آئے فَأَكْرِمْهُ تو اس کا اکرام کرنا۔ آپ کہیں گے ایک حکم میں کیسے ہیں؟ ایک حکم میں کیسے، بھئی دونوں ایک جملے کے حکم میں ہیں، کہ دونوں کے بغیر بات ہی پوری نہیں ہوتی۔ مثلاً میں صرف آپ سے یہ کہتا ہوں، پہلے کیا تھا؟ إِذَا جَاءَكَ زَيْدٌ فَأَكْرِمْهُ جب زید آپ کے پاس آئے تو اس کا اکرام کرنا، ذرا فَأَكْرِمْهُ کو ختم کر دیں: إِذَا جَاءَكَ زَيْدٌ جب زید آپ کے پاس آئے۔ پھر دوبارہ میں کہتا ہوں إِذَا جَاءَكَ زَيْدٌ جب زید آپ کے پاس آئے۔ آپ کہیں گے بھئی بات تو پوری کریں جب زید میرے پاس آئے تو میں کیا کروں؟ تو بات سمجھ میں آگئی؟ تو یہ دونوں ملیں گے سبب اور مسبب تو پھر بات پوری ہو گی، شرط اور جزا ملیں گے تو پورا جملہ شرطیہ بنے گا۔ تو شرط اور جزا یہ ایک جملے کے حکم میں، اسی طرح سبب اور مسبب بھی کیا ہوتے ہیں؟ ایک جملے کے حکم میں ہوتے ہیں ان کے بغیر بات پوری ہی نہیں۔ تو یہاں پر بھی یَطِیرُ یہ ہے سبب، کیونکہ یہ فَاء عاطفہ بھی ہے اور سببیہ بھی ہے، تو یَطِیرُ یہ ہے سبب، اور آگے فَيَغْضَبُ زَيْدٌ یہ ہے اس کا مسبب، اور سبب اور مسبب دونوں ایک جملے کے حکم میں ہیں۔ جب ایک جملے کے حکم میں ہیں تو ایک ہی ربط کافی ہے دو ربط دینے کی ضرورت نہیں، اور وہ ایک ربط پہلے جملے میں یعنی یَطِیرُ کے اندر هُوَ ضمیر دے رہی ہے وہ کافی ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟

تو کہتے ہیں: لَكِنَّهَا تَجْعَلُ الْجُمْلَتَيْنِ كَجُمْلَةٍ وَاحِدَةٍ لیکن یہ فَاء جو ہے دو جملوں کو ایک جملے کی طرح کر دیتی ہے، فَيُكْتَفَى بِالرَّبْطِ فِي الْأُولَى تو اکتفا کیا جائے گا اسی ربط پر فِي الْأُولَى جو کس کے اندر ہے؟ پہلے جملے میں ہے، وَالْمَعْنَى اور کلام کا معنی یوں ہو گا: الَّذِي، پہلے کیا تھا؟ ادھر دیکھیے: الَّذِي يَطِيرُ۔ صاحبِ جامی یَطِیرُ سے پہلے إِذَا لے آئے، اب سنو: الَّذِي إِذَا يَطِيرُ فَيَغْضَبُ زَيْدٌ الذُّبَابُ، الَّذِي إِذَا يَطِيرُ فَيَغْضَبُ زَيْدٌ الذُّبَابُ۔ اب دیکھو إِذَا آگیا، پھر وہی بات میں بیان کر چکا ہوں پھر بھی دیکھیں اب یہ ایک جملے کے حکم میں کیسے ہوں گے ذرا الَّذِي کو ہٹا دو۔ يَطِيرُ وہ چیز اڑتی ہے، يَطِيرُ دیکھو بات پوری

ہے، یَطِیرُ وہ چیز اڑتی ہے، جو بھی چیز میں نے پیچھے ذکر چل رہا تھا میں اب آپ سے کیا کہتا ہوں؟ یَطِیرُ وہ چیز اڑتی ہے، اب بات پوری ہے۔ لیکن اسی پر جب میں إِذَا لاؤں گا اب بات پوری نہیں: إِذَا یَطِیرُ وہ چیز جب اڑتی ہے، إِذَا یَطِیرُ وہ چیز جب اڑتی ہے، میں بار بار کہہ رہا ہوں آپ کہیں گے بات تو پوری کریں بات ہی پوری نہیں ہے آپ کی۔ پہلے یَطِیرُ کیا تھا؟ اس میں بات پوری تھی، یَطِیرُ وہ چیز اڑتی ہے، وہ چیز پوری بات کر دی میں نے، کسی چیز کا ذکر چل رہا تھا میں نے کہا یَطِیرُ وہ چیز اڑتی ہے۔ لیکن جب میں کہوں إِذَا یَطِیرُ جب وہ چیز اڑتی ہے، اب آپ کہیں گے بات پوری کریں بات ہی پوری نہیں ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو یہ معنی ہے: الَّذِي إِذَا یَطِیرُ وہ چیز کہ جب وہ اڑتی ہے فَیَغْضَبُ زَیْدٌ تو زید غصے ہوتا ہے الذُّبَابُ وہ مکھی ہے۔ تو دیکھو إِذَا لا کر صاحبِ جامی نے بتلا دیا کہ یہ ایک جملے کے حکم میں ہے اس کے بغیر بات ہی پوری نہیں، اور یَطِیرُ کے اندر ایک عائد آچکا ہے وہ کافی ہے کیونکہ یہ سارا ایک جملے کے حکم میں ہے سبب اور مسبب بھئی۔

أَوْ یُفْهَمَ، یہ تیسری صورت بیان کر رہے ہیں۔ صاحبِ کافیہ نے کیا کہا تھا؟ یہ فَاء سبب والی ہے، یہ فَاء۔ اب اس فَاء سبب والی ہے سبب کی طرف منسوب ہے، کیا معنی؟ ایک معنی یہ کیا کہ یہ فَاء عطف والی ہے ہی نہیں اس کا معنی ہی سبب ہے، اس کا معنی ہی سبب، لہٰذا اعتراض ہی نہیں ہوتا، اعتراض ہی... دوسرا جواب یہ کہ یہ فَاء سبب اور عطف دونوں کے لیے ہے اور دونوں کے لیے ہے اور یہ دونوں جملے مل کر ایک جملے کے حکم میں ہو گئے، جب ایک جملے کے حکم میں ہو گئے تو ربط تو آچکا ہے دوسرے کسی ربط کی ضرورت نہیں ہے۔ دوسرا جواب بھی سمجھ میں آگیا۔ اب تیسرا جواب دیں گے کہ بھئی یہ فَاء ہم آپ کی بات مان لیتے ہیں یہ فَاء عاطفہ ہے، یہ فَاء عاطفہ ہے، لیکن، لیکن توجہ سے سنو یہ فَاء عاطفہ ہے لیکن فَاء کس چیز کا فائدہ دیتی ہے؟ ترتیب کا فائدہ دیتی ہے جمع کا بھی اور ترتیب کا بھی فائدہ دیتی ہے، اور یہی فائدہ فَاء سببیہ بھی دیتی ہے۔ فَاء عاطفہ بھی کس چیز کا فائدہ دے رہی ہے؟ ترتیب اور جمع کا، ترتیب اور جمع کا یعنی ماقبل پہلے ہے اور مابعد بعد میں ہے، اور سبب اور مسبب میں بھی اسی طرح ہوتا ہے: سبب پہلے ہوتا ہے اور مسبب بعد میں ہوتا ہے، تو اس فَاء، یہ جو فَاء عاطفہ ہے اس کی مشابہت کس سے آگئی؟ سببیہ کے ساتھ آگئی، تو اس فَاء سے بھی سببیت کے معنی مفہوم ہو رہے ہیں یہاں پر۔ پہلا جواب تھا کہ یہ عاطفہ سرے سے ہے ہی نہیں یہ سببیہ ہے، دوسرا جواب یہ دیا کہ یہ فَاء عاطفہ بھی ہے اور سببیہ دونوں ہیں، اور تیسرا جواب دے رہے ہیں کہ ہاں یہ فَاء عاطفہ ہے لیکن اس کی مشابہت کس سے؟ فَاء سببیہ سے، جیسے وہاں فَاء کا ماقبل سبب ہوتا ہے اور مابعد مسبب، سبب پہلے ہوتا ہے اور مسبب بعد میں، اسی طرح یہ فَاء جو عاطفہ ہے یہ بھی ترتیب اور تعقیب کا فائدہ دیتی ہے تو اس کی مشابہت کس سے آگئی؟ فَاء سببیہ سے، تو یہ—

پر بھی فَاء کا ماقبل پہلے ہے اور فَاء کا مابعد بعد میں ہے، تو سببیت مفہوم ہو رہی ہے۔ اب دیکھو اب سببیت والا ترجمہ نہ کرو۔ سببیت کا کیا ترجمہ تھا؟ «اس کی وجہ سے»، وہ نہ کریں۔ اور عطف کا کیا ترجمہ تھا فَاء کا؟ «پھر»، «پھر»۔ الَّذِي یَطِیرُ وہ چیز اڑتی ہے فَیَغْضَبُ زَیْدٌ پھر زید غصے ہوتا ہے، وہ چیز اڑتی ہے پھر زید غصے ہوتا ہے، دیکھو سببیت کچھ سمجھ میں آرہی

ہے یا نہیں؟ وہ چیز اڑتی ہے پھر زید غضبناک ہوتا ہے، بات سمجھ میں آرہی ہے؟ تو معلوم ہوا یہاں فَاء جمع اور تعقیب کے لیے آرہی ہے اور اس سے سببیت مفہوم ہو رہی ہے، کیونکہ یہی فَاء سببیت کے لیے بھی آیا کرتی ہے۔ تو لہٰذا معنی کے اعتبار سے ربط آگیا۔ کس کے اعتبار سے؟ معنی کے اعتبار سے یہاں ربط آگیا، گویا یوں کہا گیا، سنو بھئی، اب ہم بعد والے کو مسبب بنائیں گے کس طرح: اَلَّذِي يَطِيرُ وہ چیز جو اڑتی ہے فَيَغْضَبُ زَيْدٌ بِسَبَبِهِ تو زید غصے ہوتا ہے اس کی وجہ سے۔ زید غصے ہوتا ہے بِسَبَبِهِ۔ دیکھو بِسَبَبِهِ آگیا یا نہیں؟ اور اس کے اندر ہِ ضمیر آگئی اور ہِ ضمیر کس کو راجع؟ یہ وہی ہِ ضمیر ہے جو اَلَّذِي کو لوٹ رہی ہے۔ تو دیکھو معناً ربط آگیا، بِسَبَبِهِ یہاں ذکر تو نہیں ہے لیکن سبب ہونا تو سمجھ میں آرہا ہے کہ پہلا جملہ سبب ہے اور دوسرا مسبب ہے، تو اس سے بِسَبَبِهِ مفہوم ہو رہا ہے اور وہ ربط دے رہا ہے، یعنی یوں کہو معنوی ربط ہے۔ اس ثانی جملے کا مسبب ہونا سمجھ میں آرہا ہے تو اس کی وجہ سے ربط آگیا۔ بات سمجھ میں آگئی؟ یا یوں کہو کہ یہاں بِسَبَبِهِ مقدر ہے ربط دینے کے لیے کیونکہ سببیت مفہوم ہو رہی ہے۔ توجہ ہے؟ یا تو کیا معنی؟ کہ معنوی ربط ہے۔ کیسے معنوی ربط ہے؟ کیونکہ یہاں فَاء آئی اور فَاء کس چیز کا فائدہ دیتی ہے؟ ترتیب کا، تو یہاں سببیت مفہوم ہو رہی ہے کیونکہ یہ فَاء کبھی کس لیے آتی ہے؟ سببیت کے لیے بھی آتی ہے۔ یہاں تو عاطفہ ہے لیکن اس کی مشابہت کس سے ہے؟ سببیت سے بھی ہے، اور سببیت کے اندر سبب پہلے ہوتا ہے اور مسبب بعد میں، یہاں پر بھی ایک چیز ماقبل میں ہے اور ایک مابعد میں ہے، اور اس فَاء سے سببیت مفہوم ہو رہی ہے۔ جب اس فَاء سے سببیت مفہوم ہو رہی ہے تو معناً ربط آگیا۔ يَطِيرُ کے اندر تو هُوَ ضمیر تھی اس نے ربط دیا تھا، اور اگلے فَيَغْضَبُ زَيْدٌ یہ اس کا مسبب ہے، یہ يَغْضَبُ زَيْدٌ یہ اس ماقبل کے سبب سے ہوتا ہے، تو بِسَبَبِهِ، فَيَغْضَبُ زَيْدٌ بِسَبَبِهِ دیکھو معناً ربط آگیا۔ یا یوں کہو بِسَبَبِهِ یہاں محذوف ہے، اور بِسَبَبِهِ میں ہِ ضمیر کس کو لوٹ رہی ہے؟ اسی اَلَّذِي کو تو ربط آگیا۔ توجہ ہے؟ تو یہ گویا معنوی اعتبار سے ربط آگیا بھئی۔

کہتے ہیں: أَوْ يُفْهَمَ مِنْهَا سَبَبِيَّةُ الْأُولَى لِلثَّانِيَةِ یا اس فَاء سے سمجھ میں آتا ہے، کیا سمجھ میں آتا ہے؟ سَبَبِيَّةُ الْأُولَى لِلثَّانِيَةِ پہلے جملے کا سبب ہونا لِلثَّانِيَةِ دوسرے جملے کے لیے، فَالْمَعْنَى تو معنی یہ ہوا: اَلَّذِي يَطِيرُ فَيَغْضَبُ زَيْدٌ بِسَبَبِهِ وہ چیز جو اڑتی ہے تو زید غضبناک ہوتا ہے اس کی وجہ سے الذُّبَابُ وہ مکھی ہے۔

تو تین صورتیں بیان کر دیں صاحبِ جامی نے، تین جواب دے دیے۔ یعنی صاحبِ کافیہ نے صرف اتنا کہا: یہ فَاء سبب والی ہے۔ بھئی کیا معنی فَاء سبب والی ہے؟ تو جواب دیا: یا تو معنی یہ ہے کہ یہ فَاء، اس کا معنی سببیت ہے اس کا معنی عطف ہے ہی نہیں، لہٰذا اعتراض ہوتا ہی نہیں، یہ فَاء عطف والی ہوتی تو اعتراض ہو سکتا تھا۔ دوسرا جواب یہ کہ فَاء سبب والی بھی ہے اور عطف والی بھی ہے، اور یہ دونوں جملے مل کر ایک جملے کے حکم میں ہو گئے، تو جیسے شرط اور جزا ایک جملہ ہے اسی طرح یہ بھی ایک جملے کے حکم میں ہو گئے، تو لہٰذا ایک عائد آچکا ہے يَطِيرُ کے اندر اب دوسرے عائد کی ضرورت نہیں۔ اور تیسرا جواب یہ کہ یہ فَاء عاطفہ ہی ہے ہم تسلیم کر لیتے ہیں لیکن اس سے سببیت مفہوم ہو رہی ہے، کیوں؟ کیونکہ یہ

فَاء سببیت کے لیے بھی آتی ہے اور جیسے سببیت کے اندر سبب پہلے ہوتا ہے اور مسبب بعد میں یہاں پر بھی فَاء ترتیب اور تعقیب کا فائدہ دے رہی ہے کہ طیران پہلے ہے اور غضبِ زید اس کے بعد ہے تو اس سے سببیت مفہوم ہو رہی ہے، تو لہٰذا اس سے ربط آگیا۔ بات سمجھ میں آگئی؟ یا یوں کہہ لیں کہ بِسَبَبِهِ یہاں محذوف ہے، سببیت سمجھ میں آرہی ہے تو اس سے ربط آرہا ہے۔

اور ایک اور جواب صاحبِ جامی نے پھر الگ بھی دیا کہ بھئی یہاں پر فَاء کو عاطفہ ہی مان لیتے ہیں لیکن کبھی کبھار عائد کو حذف کر لیتے ہیں، کبھی کبھار عائد کو حذف کر لیتے ہیں تو یہاں پر بھی عائد جو ہے محذوف ہے مقدر ہے، أَيْ بِهِ: الَّذِي يَطِيرُ فَيَغْضَبُ زَيْدٌ بِهِ، یا بِطَيَرَانِهِ الذُّبَابُ۔ تو کہتے ہیں: وَيُمْكِنُ أَنْ يُقَدَّرَ فِيهِ ضَمِيرٌ اور یہ بھی ممکن ہے کہ اس کے اندر ضمیر کو مقدر نکال لیا جائے، فرض کر لیا جائے۔ اب دیکھو کس طرح: أَيِ الَّذِي يَطِيرُ وہ چیز جو اڑتی ہے فَيَغْضَبُ زَيْدٌ بِطَيَرَانِهِ تو زید غضبناک ہوتا ہے اس کے اڑنے سے، الذُّبَابُ وہ مکھی ہے۔ دیکھو طَارَ يَطِيرُ کا معنی اڑنا، اور اسی کا مصدر ہے طَيَرَان، اس طَيَرَان میں یاد رکھنا یہ یَاء پر بھی فتحہ ہے اور رَاء پر بھی فتحہ ہے، تو الَّذِي يَطِيرُ وہ چیز جو اڑتی ہے فَيَغْضَبُ زَيْدٌ تو زید غضبناک ہوتا ہے بِطَيَرَانِهِ اس کے اڑنے کی وجہ سے، اس کے اڑنے سے، الذُّبَابُ وہ کیا ہے؟ مکھی ہے۔ تو یہاں پر بِطَيَرَانِهِ یہ جار مجرور مقدر ہے اس جملے میں۔ توجہ ہے؟ تو اس صورت میں فَاء کو عاطفہ ہی رکھیں البتہ یہاں دوسرے جملے میں عائد محذوف ہے، پہلے جملے يَطِيرُ کے اندر هُوَ ضمیر اور اگلے جملے کے اندر عائد محذوف ہے، أَيْ بِطَيَرَانِهِ، بِطَيَرَانِهِ، یا بِهِ کہہ لیں طَيَرَان کو بھی ہٹا دیں، بِهِ کہہ لیں: الَّذِي يَطِيرُ کہ وہ چیز جو اڑتی ہے فَيَغْضَبُ زَيْدٌ بِهِ تو زید غضبناک ہوتا ہے بِهِ اس کی وجہ سے، الذُّبَابُ وہ کیا ہے؟ مکھی ہے۔ تو بہرحال جار مجرور یہاں محذوف ہیں اور وہ عائد ہے، یہ بِهِ کی هِ ضمیر اس الَّذِي کو لوٹ رہی ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟

تو حاصلِ کلام یہ کہ آج آپ نے پڑھا کہ معطوف جو ہے وہ معطوفٌ علیہ کے حکم میں ہوتا ہے ان احوال کے اندر بھی جو معطوفٌ علیہ کو اپنی ذات اور ماقبل کی طرف نظر کرتے ہوئے پیش آتے ہیں، جیسے يَا زَيْدُ۔ یہ زید منادیٰ ہے اور مبنی علی الضم ہے، اور یہ مبنی علی الضم کیوں ہے؟ یہ اپنی ذات اور ماقبل يَا دونوں کے اعتبار سے ہے۔ اپنی ذات کے اعتبار سے اس طرح کہ یہ مفرد معرفہ ہے، اور يَا کے اعتبار سے اس طرح کہ يَا کی وجہ سے منادیٰ بن رہا ہے، تو دونوں چیزوں کا دخل آیا۔ تو دیکھو اب زید کو یہ جو زید مبنی علی الضم ہوا یہ حال اس کو عارض ہوا ہے اپنی ذات اور ماقبل دونوں کے اعتبار سے۔ تو اس حال کے اندر بھی معطوف جو ہے معطوفٌ علیہ کے حکم میں ہوگا اگر معطوف معطوفٌ علیہ جیسا ہوا یعنی اس معطوف کی ذات بھی معطوفٌ علیہ جیسی ہوئی، جیسے عمرو: يَا زَيْدُ وَعَمْرُو۔ اب عمرو بھی مبنی علی الضم ہوگا کیونکہ جیسے زید اپنی ذات کے اعتبار سے کیا تھا؟ مفرد معرفہ تھا، عمرو بھی کیا ہے؟ مفرد معرفہ ہے، تو اس لیے یہ مبنی ہوگا۔ اور اگر اس جیسے احوال میں معطوف جو ہے معطوفٌ علیہ جیسا نہ ہوا تو پھر اس کا حکم بھی معطوفٌ علیہ جیسا نہیں ہوگا، جیسے يَا زَيْدُ وَعَبْدَ اللهِ۔ کیونکہ

زید تو مفرد معرفہ ہے لیکن عَبْدُ اللہِ وہ تو مضاف ہے بھئی۔

اور پھر اس کے بعد جو ہے بتلایا کہ مَا زَيْدٌ بِقَائِمٍ أَوْ قَائِمًا وَلَا ذَاهِبٌ عَمْرٌو اس کے اندر ذَاهِبٌ پر رفع ہی پڑھ سکتے ہیں، اور پھر چاہے اس ذَاهِبٌ کو بتدا کی قسمِ ثانی بنا دیں اور عَمْرٌو کو اس کے لیے فاعل بنا دیں، یا چاہیں تو ذَاهِبٌ کو خبرِ مقدم بنا دیں اور عَمْرٌو کو بتدا مؤخر۔ تو بہرحال دونوں صورتوں میں یہ الگ جملہ ہے اور اس میں ذَاهِبٌ پر رفع ہی پڑھنا پڑے گا اور پھر جملے کا عطف جملے پر ہو جائے گا، تو یہاں ذَاهِبٌ پر نصب یا جر نہیں پڑھ سکتے کیونکہ اس کے اندر ایسی کوئی ضمیر نہیں ہے جو زید کی طرف لوٹے ماقبل میں جیسے کہ قَائِمٌ کے اندر ایسی ضمیر موجود تھی۔

اور پھر بتلایا تھا کہ یہ جو اعتراض ہوا تھا کہ آپ نے ہمیں کہا معطوف کا حکم معطوفٌ علیہ کی طرح ہوتا ہے حالانکہ الَّذِي يَطِيرُ فَيَغْضَبُ زَيْدٌ الذُّبَابُ اس میں يَغْضَبُ کا عطف ہو رہا ہے يَطِيرُ پر، اور يَطِيرُ کے اندر هُوَ ضمیر ہے جو الَّذِي کو لوٹ رہی ہے لیکن يَغْضَبُ میں ایسی ضمیر نہیں، تو یہ جائز نہیں ہونا چاہیے لیکن بالاتفاق یہ صورت جائز ہے۔ تو اس کا جواب دیا صاحبِ کافیہ نے کہ یہ فَاء سبب والی ہے۔ بھئی فَاء سبب والی ہے اس کا کیا معنی؟ صاحبِ جامی نے تین صورتیں ذکر کر دیں: یا تو اس کا معنی یہ ہے کہ اس فَاء کا معنی سببیت ہے اس کا معنی عطف ہے ہی نہیں، لہٰذا اعتراض ہوتا ہی نہیں، یہ فَاء عطف والی ہوتی تو اعتراض ہو سکتا تھا۔ دوسرا جواب یہ کہ فَاء سبب والی بھی ہے اور عطف والی بھی ہے، اور یہ دونوں جملے مل کر ایک جملے کے حکم میں ہو گئے، تو جیسے شرط اور جزا ایک جملہ ہے اسی طرح یہ بھی ایک جملے کے حکم میں ہو گئے، تو لہٰذا ایک عائد آ چکا ہے يَطِيرُ کے اندر اب دوسرے عائد کی ضرورت نہیں۔ اور تیسرا جواب یہ کہ یہ فَاء عاطفہ ہی ہے ہم تسلیم کر لیتے ہیں لیکن اس سے سببیت مفہوم ہو رہی ہے، کیوں؟ کیونکہ یہ فَاء سببیت کے لیے بھی آتی ہے اور جیسے سببیت کے اندر سبب پہلے ہوتا ہے اور مسبب بعد میں یہاں پر بھی فَاء ترتیب اور تعقیب کا فائدہ دے رہی ہے کہ طیران پہلے ہے اور غضبِ زید اس کے بعد ہے تو اس سے سببیت مفہوم ہو رہی ہے، تو لہٰذا اس سے ربط آ گیا۔ بات سمجھ میں آ گئی؟ یا یوں کہہ لیں کہ بِسَبَبِهِ یہاں محذوف ہے، سببیت سمجھ میں آ رہی ہے تو اس سے ربط آ رہا ہے۔ اور ایک اور جواب صاحبِ جامی نے پھر الگ بھی دیا کہ بھئی یہاں پر فَاء کو عاطفہ ہی مان لیتے ہیں لیکن کبھی کبھی عائد کو حذف کر لیتے ہیں، کبھی کبھار عائد کو حذف کر لیتے ہیں تو یہاں پر بھی عائد جو ہے محذوف ہے مقدر ہے، أَيْ بِهِ: الَّذِي يَطِيرُ فَيَغْضَبُ زَيْدٌ بِهِ، یا بِطَيَرَانِهِ الذُّبَابُ۔ تو اس کی وجہ سے ربط آ گیا۔ بات سمجھ میں آ گئی؟ چلیے بس بھئی، هَذَا هُوَ الْمَرَامُ، وَاللهُ أَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْكَلَامِ۔

سبق نمبر ۲۰۹: العطف (۷): دو عاملوں کے دو معمولوں پر عطف («عَلٰی عَامِلَیْنِ») کے جواز و امتناع

شرحِ ملا جامی صفحہ: ۱۸۹ — بتاریخ: ۱۰ اکتوبر ۲۰۲۲ء

▪ تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث

دیکھیے بھئی آگے سبق۔ وَإِذَا عُطِفَ أَيْ إِذَا أُوقِعَ الْعَطْفُ بِنَاءً عَلَى وُجُودِ عَامِلَيْنِ بِأَنْ عُطِفَ اسْمَانِ عَلَى مَعْمُولَيْهِمَا بِعَاطِفٍ وَاحِدٍ، وَقَالَ بَعْضُ شَارِحِي اللُّبَابِ: الْأَظْهَرُ عِنْدِي أَنَّ الْعَطْفَ هَاهُنَا مَحْمُولٌ عَلَى مَعْنَاهُ اللُّغَوِيِّ أَيْ إِمَالَةِ الِاسْمَيْنِ نَحْوَ الْعَامِلَيْنِ بِأَنْ يُجْعَلَا مَعْمُولَيْهِمَا.

بھئی عطف کی بحث چل رہی ہے بھئی۔ اور صاحبِ کافیہ نے آپ کو بتلایا کہ معطوف جو ہے وہ معطوف علیہ کے حکم میں ہوتا ہے۔ اب کن احوال کے اندر معطوف کا وہی حکم ہو گا جو معطوف علیہ کا ہے، اور کن احوال میں معطوف کا حکم معطوف علیہ سے الگ ہو گا؟ تو صاحبِ جامی نے آپ کو بتلایا تھا کہ وہ احوال جو معطوف علیہ کو عارض ہوتے ہیں ماقبل کے اعتبار سے، ان میں معطوف کا بھی وہی حکم ہو گا جو معطوف علیہ کا ہے۔

تو یہ قید جو لگا دی کہ وہ احوال جو معطوف علیہ کو عارض ہوتے ہیں ماقبل کے اعتبار سے، جب یہ قید لگائی تو ان احوال کو دراصل نکالنا مقصود ہے جو معطوف علیہ کو اپنی ذات کے اعتبار سے عارض ہوتے ہیں۔ جیسے اس کا مفرد ہونا یا تثنیہ ہونا یا جمع ہونا، تو اس کے اندر معطوف کا اس کی طرح ہونا ضروری نہیں۔ یا اسی طرح معطوف علیہ کا معرفہ یا نکرہ ہونا، تو اس کے اندر بھی معطوف کا اس کے مطابق ہونا ضروری نہیں۔ یا اسی طرح معطوف علیہ کا معرب یا مبنی ہونا، تو اس کے اندر بھی معطوف کا وہ حکم نہیں ہے جو معطوف علیہ کا ہے۔

تو معطوف علیہ کے وہ احوال جو اس کو عارض ہوتے ہیں ماقبل کی طرف نسبت کرتے ہوئے، ماقبل کی طرف نظر کرتے ہوئے، ان احوال میں معطوف کا بھی وہی حکم ہے جو معطوف علیہ کا ہے، الا یہ کہ وہ مقتضی، کہ وہ مقتضی جو ان احوال کا تقاضا کر رہا ہے معطوف علیہ میں، وہ مقتضی معطوف میں منتفی نہیں ہونا چاہیے۔ ایک حکم کا ایک مقتضی ہے کس کے اندر؟ معطوف علیہ کے اندر، وہ مقتضی معطوف میں منتفی نہیں ہونا چاہیے۔

جیسے یَا زَیْدُ وَالْحَارِثُ۔ یَا زَیْدُ، یہ زید منادیٰ ہے اس پر الف لام نہیں لا سکتے کیونکہ اس صورت میں الف لام اور یَا حرفِ ندا کا جمع ہونا لازم آتا ہے۔ تو یہ مقتضی یہاں تو ہے، یہاں تو یَا اور الف لام جمع ہو جائیں گے۔ لیکن اگر معطوف جو ہے وہاں پر یَا اور الف لام جمع نہیں ہو رہے کیونکہ وہاں پر درمیان میں معطوف علیہ آ رہا ہے یعنی زید۔ تو لہٰذا معطوف کا یہ حکم نہیں ہے کہ اس پر بھی الف لام کا لانا منع ہو، بلکہ اس پر آپ الف لام لا سکتے ہیں۔ چنانچہ یَا زَیْدُ وَالْحَارِثُ، کیونکہ وہ حکم جو الف لام کے نہ لانے کا تقاضا کر رہا تھا اور وہ یَا اور الف لام کا جمع ہونا ہے، وہ معطوف میں موجود نہیں ہے۔

اور پھر آگے صاحبِ جامی نے بتلایا تھا آپ کو کہ بعض اوقات معطوف علیہ کو کچھ ایسے احوال عارض ہوتے ہیں جو اس کی اپنی ذات اور ماقبل دونوں کے اعتبار سے اس کو عارض ہوتے ہیں۔ دونوں کے اعتبار سے ہوتے ہیں۔ جیسے یَا زَیْدُ، اب یہ زید منادیٰ ہے اور مبنی علی الضم ہے۔ تو یہ زید یہ مبنی علی الضم ہوا کس وجہ سے؟ دو وجہ سے۔ ایک تو یہ مفرد معرفہ ہے، یعنی معرفہ بھی ہے اور مضاف یا مشابہ مضاف بھی نہیں کیونکہ یہاں مفرد کس کے مقابلے میں ہے؟ مضاف یا مشابہ مضاف، کیونکہ آپ نے پڑھا ہے کہ منادیٰ مضاف یا مشابہ مضاف ہو تو وہ منصوب ہوتا ہے جیسے یَا عَبْدَ اللہِ۔ تو یَا زَیْدُ کیا ہے؟ مبنی علی الضم۔ کس وجہ سے؟ اس کی اپنی ذات کا بھی دخل ہے اور ماقبل کا بھی دخل ہے۔ اپنی ذات کا کیا دخل؟ کہ یہ مفرد ہے یعنی مضاف یا مشابہ مضاف نہیں، اور معرفہ ہے۔ اور ماقبل کا بھی دخل ہے کہ اس پر حرفِ ندا داخل ہو رہا ہے یعنی یہ منادیٰ ہے۔ تو دونوں چیزوں کے دخل کی وجہ سے یہ مبنی علی الضم ہوا۔

تو ایسے احوال جو معطوف علیہ کو عارض ہوتے ہیں اپنی ذات اور ماقبل دونوں کی طرف نظر کرتے ہوئے، تو اگر معطوف بھی معطوف علیہ جیسا ہوا تو ان میں بھی معطوف کا وہی حکم ہو گا جو معطوف علیہ کا۔ لہٰذا آپ زید پر عمرو کا عطف کرنا چاہتے ہیں، تو جیسے زید مفرد معرفہ تھا اسی طرح عمرو بھی کیا ہے؟ مفرد معرفہ۔ تو اب یہاں پر معطوف کا بھی وہی حکم ہو گا جو معطوف علیہ کا تھا، اور معطوف علیہ تو مبنی علی الضم تھا، تو عمرو بھی کیا ہو گا؟ مبنی علی الضم، یَا زَیْدُ وَعَمْرُو۔ توجہ ہے؟

تو وہ احوال جو معطوف علیہ کو عارض ہوتے ہیں اپنی ذات کے اعتبار سے اور ماقبل کے اعتبار سے، دونوں کے اعتبار سے جس میں دونوں کا دخل ہوتا ہے، ان احوال کے اندر بھی معطوف اگر معطوف علیہ جیسا ہوا تو معطوف کا بھی وہی حکم ہو گا جو کس کا تھا؟ معطوف علیہ کا۔ اور اگر معطوف معطوف علیہ جیسا نہ ہوا پھر اس میں معطوف معطوف علیہ کے حکم میں نہیں ہو گا۔ جیسے آپ عبد اللہ کا عطف کرنا چاہتے ہیں اس زید منادیٰ پر۔ اب عبد اللہ یہ تو زید کی طرح نہیں ہے، زید تو معرفہ ہے اور مفرد ہے یعنی مضاف یا مشابہ مضاف نہیں، جبکہ عبد اللہ کے اندر تو لفظِ عَبْدٌ جو ہے وہ مضاف ہے، تو لہٰذا اس صورت میں اب زید تو مبنی علی الضم ہے لیکن معطوف کا یہ حکم نہیں ہو گا اور وہ منصوب ہو گا، یَا زَیْدُ وَعَبْدَ اللہِ۔

اور پھر بتلایا تھا کہ چونکہ معطوف کا وہی حکم ہوتا ہے جو معطوف علیہ کا ہوتا ہے، اسی لیے، اسی لیے مَا زَیْدٌ بِقَائِمٍ أَوْ

قَائِمًا وَلَا ذَاهِبٌ عَمْرٌو، اس جملے کے اندر ذَاهِبٌ پر رفع ہی پڑھیں گے، ماقبل پر عطف کرتے ہوئے نصب یا جر نہیں پڑھ سکتے۔ جی۔ تو یہاں عطف مفرد علی المفرد نہیں کر سکتے، بلکہ یہ ذَاهِبٌ عَمْرٌو یہ پورا جملہ بنے گا، اور اس پورے جملے کا عطف ہو جائے گا ماقبل والے پورے جملے پر۔ مَا مشابہ بلیس اپنے اسم اور خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہو جائے گا، اور وَلَا ذَاهِبٌ عَمْرٌو یہ ذَاهِبٌ عَمْرٌو پورا جملہ ہو کر یہ عطف ہو جائے گا اس کا ماقبل والے جملے پر۔

اور اس میں بتلایا تھا کہ ذَاهِبٌ یا تو آپ اس کو خبرِ مقدم بنا دیں اور اس کے اندر هُوَ ضمیر راجع ہے عَمْرٌو جو بتدا مؤخر ہے، تو یہ بتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ خبریہ، تو اس صورت میں یہ ذَاهِبٌ مرفوع ہے خبر ہونے کی وجہ سے۔ جی۔ اور یا آپ اس کو بتدا کی قسمِ ثانی بنا دیں، ذَاهِبٌ صیغہ اسمِ فاعل ہے اور حرفِ نفی کے بعد ہے اور آگے عَمْرٌو اسمِ ظاہر کو یہ رفع دے رہا ہے تو اس کے اندر کوئی ضمیر نہیں، تو اس صورت میں صیغہ اسمِ فاعل اپنے فاعل سے مل کر شبہِ جملہ ہو کر بتدا، اور یہ ایسا بتدا ہے جس کی کوئی خبر نہیں بھئی۔ ہاں عَمْرٌو یہ قائم مقامِ خبر اس کو قرار دے دیتے ہیں لیکن حقیقت میں تو یہ خبر نہیں ہے، ویسے قائم مقامِ خبر بنایا ہے اور پھر بتدا اپنے قائم مقامِ خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔ اور اس کے اندر بات بھی پوری ہے، اور بتدا ویسے تو مسند الیہ ہوتا ہے۔ کیا ہوتا ہے؟ مسند الیہ ہوتا ہے، زَيْدٌ قَائِمٌ، زید مسند الیہ ہے اور قَائِمٌ اس کی خبر۔ لیکن یہ جو بتدا کی قسمِ ثانی ہے وَلَا ذَاهِبٌ عَمْرٌو، یہ جو ذَاهِبٌ ہے اگر آپ اس کو بتدا بناتے ہیں تو پھر یہ مسند ہے، تو بتدا کی قسمِ ثانی کیا ہوتی ہے؟ مسند ہوتی ہے۔ جی۔

اور پھر اس کے بعد ایک اعتراض ہوا تھا، اعتراض یہ کہ آپ نے ہمیں بتایا کہ معطوف کا وہی حکم ہوتا ہے جو معطوف علیہ کا ہو۔ جی۔ اگر معطوف علیہ کے اندر ضمیر ہو، جیسے پچھلی مثال میں قَائِمًا یا بِقَائِمٍ کے اندر کیا تھی؟ ضمیر تھی جو بتدا کی طرف لوٹ رہی تھی، جبکہ آگے ذَاهِبٌ کے اندر ایسی کوئی ضمیر نہیں تھی، تو لہٰذا اس لیے وہ عطف جائز نہیں تھا مفرد کا مفرد پر۔ جبکہ دوسری مثال آگے وہ ذکر کریں گے، اس کے اندر معطوف علیہ کے اندر تو ضمیر ہے لیکن معطوف کے اندر ضمیر نہیں، پھر بھی بالاتفاق وہ صورت جائز ہے۔

جیسے الَّذِي يَطِيرُ فَيَغْضَبُ زَيْدٌ الذُّبَابُ۔ الَّذِي يَطِيرُ فَيَغْضَبُ زَيْدٌ الذُّبَابُ، وہ چیز جو اڑتی ہے تو زید کو غصہ چڑھتا ہے وہ مکھی ہے۔ اب اس کے اندر دیکھو يَغْضَبُ کا عطف يَطِيرُ پر ہو رہا ہے، اور يَطِيرُ اس کے اندر هُوَ ضمیر ہے جو لوٹ رہی ہے الَّذِي کی طرف کیونکہ يَطِيرُ صلہ ہے الَّذِي اسمِ موصول کا، اور صلہ جملہ ہے اور جملے کا ربط دینے کے لیے کیا ضروری؟ عائد کا ہونا ضروری۔ جبکہ آگے فَيَغْضَبُ زَيْدٌ یہ يَغْضَبُ کے لیے تو زید اسمِ ظاہر فاعل ہے، اور فاعل تو ایک ہی آتا ہے لہٰذا يَغْضَبُ کے اندر کوئی ضمیر نہیں۔ تو لہٰذا یہ تو جائز نہیں ہونا چاہیے، يَغْضَبُ کا عطف يَطِيرُ پر جائز نہیں ہونا چاہیے، لیکن بالاتفاق یہ صورت جائز ہے، الَّذِي يَطِيرُ فَيَغْضَبُ زَيْدٌ الذُّبَابُ۔ جی۔ بالاتفاق یہ صورت جائز ہے۔

تو اس کا جواب دیا تھا صاحبِ کافیہ نے کہ بھئی یہ فَا سبب والی ہے، یہ فَا کیا ہے؟ سبب والی ہے، یہ فَا عاطفہ ہے ہی نہیں۔ اگر یہ فَا عاطفہ ہوتی تو پھر آپ اعتراض کر سکتے تھے۔ تو یہ فَا کس لیے ہے؟ سبب بیان کرنے کے لیے، ماقبل میں فَا

سببیہ ہے جو سبب اور مسبب کے درمیان ربط دیتی ہے، ماقبل میں سبب ذکر ہے اڑنا، مکھی کا اڑنا، اور مابعد میں مسبب ذکر ہے کہ اس کی وجہ سے زید کو غصہ چڑھتا ہے۔ اور میں نے بتایا تھا فَا عاطفہ ہو تو اس کا ترجمہ کیسے کریں گے؟ پھر کے ساتھ، پھر۔ اور اگر فَا اگر فَا سببیہ ہو تو پھر اس کا معنی کیونکہ، جی، اور اس وجہ سے۔ جی۔ کیونکہ سے کریں گے اور اس وجہ سے۔ وجہ یہ ہے کہ بعض اوقات سبب پہلے ہوتا ہے مسبب بعد میں۔ جی۔ تو جب سبب پہلے ہو تو پھر اس وجہ سے، پھر یہ ترجمہ کریں گے۔ اور بعض اوقات مسبب پہلے ہوتا ہے اور سبب بعد میں۔

مثلاً آپ ہدایہ کے اندر دلائل پڑھتے ہیں تو وہاں صاحبِ ہدایہ جو ہے بعض اوقات ایک حکم بیان کرتے ہیں اور آگے پھر اس کی علت بیان کرتے ہیں اور درمیان میں فَا لے آتے ہیں، کہ یہ حکم اس طرح ہے کیونکہ اس کی وجہ یہ ہے۔ جی۔ کیونکہ اس کی وجہ یہ، تو دیکھو یہاں کیونکہ کے ساتھ ترجمہ کریں گے جب مسبب پہلے ہو اور سبب بعد میں، اور اگر سبب پہلے ہو اور مسبب بعد میں ہو تو پھر اس کا ترجمہ اس وجہ سے۔ تو الَّذِي يَطِيرُ وہ چیز جو اڑتی ہے فَيَغْضَبُ زَيْدٌ تو اس کی وجہ سے زید کو غصہ چڑھتا ہے الذُّبَابُ وہ مکھی ہے۔

تو بہرحال صاحبِ کافیہ نے تو صرف اتنا کہا کہ یہ فَا سببیہ ہے، یہ فَا سببیہ ہے۔ اب صاحبِ جامی نے پھر آگے آپ کو بتلایا کہ سببیہ کے اندر یہ جو يَا آئی ہے یہ نسبت والی ہے، جیسے لَاهُورِيٌّ اور لَاهُورِيَّةٌ۔ لَاهُورِيٌّ لاہور والا، اور مؤنث کے لیے کیا کہیں گے؟ لَاهُورِيَّةٌ۔ تو جیسے یہ يَا نسبت والی ہے اسی طرح السَّبَبِيَّةِ کے اندر بھی یہ يَا کیا ہے؟ نسبت والی ہے۔ فَاءُ السَّبَبِيَّةِ، سبب والی فَا۔ جی۔ سبب والی فَا۔ اور جبکہ میں نے بتایا تھا کہ یہ يَا کبھی مصدر بنانے کے لیے بھی لاتے ہیں، جیسے فَاعِلٌ سے مصدر بنانا ہو تو کیسے بنائیں گے؟ فَاعِلِيَّةٌ، اور اس کا ترجمہ وہ مصدر والا کریں گے اور مصدر کے آخر میں نا آتا ہے، تو فَاعِلِيَّةٌ کا کیا ترجمہ ہو گا؟ فاعل ہونا۔ مَفْعُولِيَّةٌ کا کیا معنی ہے؟ مفعول ہونا۔ تو دیکھو ہم کبھی یہ يَا مصدر بنانے کے لیے لاتے ہیں اور کبھی یہ يَا نسبت کے لیے لے کر آتے ہیں۔ جی۔ تو بتلایا کہ یہ جو فَاءُ السَّبَبِيَّةِ کے اندر يَا یہ يَا آئی یہ نسبت کے لیے ہے۔

تو صاحبِ کافیہ نے کیا جواب دیا کہ الَّذِي يَطِيرُ فَيَغْضَبُ زَيْدٌ الذُّبَابُ اس کے اندر یہ جو فَا آئی ہے یہ سببیت والی ہے۔ جی۔ اب کیا معنی سببیت والی ہے؟ صاحبِ جامی نے اس کی تین صورتیں ذکر فرمائی تھیں، جی، کہ تین صورتیں ہو سکتی ہیں۔ یا تو صاحبِ کافیہ کے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ اس فَا کا معنی ہی سببیت ہے، اس کا معنی عطف ہے ہی نہیں۔ جی۔ اس فَا کا معنی ہی سببیت ہے اس کا معنی عطف ہے ہی نہیں بھئی۔ تو لہٰذا اس صورت میں اس کا ترجمہ اس کی وجہ سے کریں گے۔ جی۔ الَّذِي يَطِيرُ وہ چیز جو اڑتی ہے تو اس کی وجہ سے زید کو غصہ چڑھتا ہے وہ مکھی ہے بھئی۔ تو اس صورت میں یہ فَا جو ہے وہ صرف سببیت والی ہے، یہ عطف والی ہے ہی نہیں۔

یا دوسرا معنی یہ ہو سکتا ہے، دوسری صورت اس میں یہ ہو سکتی ہے کہ یہ فَا سببیت کے لیے بھی ہو اور عطف کے لیے

بھی ہو، دونوں کے لیے ہو۔ جی۔ دونوں کے لیے ہو۔ اور جب دونوں کے لیے ہے تو یہ آگے آنے والے جملے کو پچھلے جملے سے ملا کر ایک جملے کے حکم میں کر دیتی ہے۔ جی۔ تو یہ فَا بعد والے جملے کو ماقبل والے جملے سے ملا کر ایک جملے کے حکم میں کر دیتی ہے، تو لہٰذا یَطِیرُ فَیَغْضَبُ زَیْدٌ یہ سارا مل کر ایک جملے کے حکم میں ہوا، اور اس کے اندر تو یَطِیرُ کے اندر عائد موجود ہے هُوَ ضمیر جو ربط دے رہی ہے۔ تو جب یہ پورا ایک جملے کے حکم میں ہے تو ایک عائد آ چکا ہے اس کے اندر وہی کافی ہے، اگلے دوسرے جملے میں کسی عائد کی ضرورت نہیں۔

چنانچہ اس کو سمجھانے کے لیے کہ یہ دونوں ایک جملے میں کیسے ہیں، صاحبِ جامی نے یَطِیرُ سے پہلے إِذَا کے لفظ کا اضافہ کر دیا۔ جی۔ کس کا؟ إِذَا کا۔ دیکھو ویسے یَطِیرُ کہو تو یہ پورا جملہ ہے۔ مثلاً میں آپ سے کسی پرندے کی بات کر رہا تھا اور میں آپ سے کہتا ہوں یَطِیرُ کہ یہ پرندہ اڑتا ہے، یَطِیرُ کا کیا معنی؟ اڑتا ہے، وہ اڑتا ہے۔ کسی پرندے کی بات کی تو آپ نے پوچھا وہ اڑتا ہے یا نہیں، مثلاً بعض پرندے پرندوں کی نسل میں سے ہیں لیکن وہ اڑتے نہیں ہیں جیسے شترمرغ ہے بھئی، یا جیسے مرغی ہے بھئی وہ بھی نہیں اڑتی، تو لہٰذا آپ نے مجھ سے پوچھا کہ کیا یہ اڑتا ہے؟ تو میں آپ سے کہتا ہوں یَطِیرُ کہ وہ اڑتا ہے۔ دیکھو بات پوری ہے یا نہیں؟ آپ کی تسلی ہو گئی کیونکہ آپ کو جواب مل گیا بات پوری ہو گئی۔ لیکن اگر اسی یَطِیرُ پر إِذَا داخل کر دیں تو اب یہ پوری بات نہیں، إِذَا یَطِیرُ، جب وہ اڑتا ہے۔ إِذَا یَطِیرُ جب وہ اڑتا ہے۔ اب میں دو تین دفعہ کہتا ہوں إِذَا یَطِیرُ جب وہ اڑتا ہے، تو آپ مجھے کہیں گے کہ بات تو پوری کیجیے یہ بات تو پوری ہی نہیں ہے۔ جی۔ إِذَا یَطِیرُ جب وہ اڑتا ہے، بھئی بات پوری ہو گئی کہ ابھی بھی ادھوری ہے؟ ادھوری ہے بات پوری نہیں ہے اس کے اندر۔ تو اب

تو اب دیکھو إِذَا یَطِیرُ فَیَغْضَبُ زَیْدٌ، جب وہ اڑتی ہے فَیَغْضَبُ زَیْدٌ تو زید غضبناک ہوتا ہے، زید غصے ہوتا ہے۔ اب دیکھو بات پوری ہو گئی۔ تو اس لیے صاحبِ جامی نے یہاں پر الَّذِي سے پہلے إِذَا کا لفظ نکالا، الَّذِي إِذَا یَطِیرُ فَیَغْضَبُ زَیْدٌ الذُّبَابُ۔ بات سمجھ میں آ گئی؟ تو ایک صورت کیا؟ صاحبِ کافیہ نے کہا یہ فَا سبب والی ہے۔ صاحبِ جامی نے بتلایا کہ ایک صورت یہ ہے کہ یہ فَا، اس کا معنی ہی سبب ہے، یہ اس کا معنی عطف ہے ہی نہیں۔ جی۔ یا دوسری صورت یہ ہے کہ یہ سبب والی ہے، یعنی سبب اور عطف دونوں کے لیے ہے، جی، دونوں کے لیے ہو، اور جب دونوں کے لیے ہے تو یہ آگے آنے والے جملے کو پچھلے جملے سے ملا کر ایک جملے کے حکم میں کر دیتی ہے۔ جی۔

اور تیسری صورت یہ ہے کہ یہ فَا سبب والی ہے، کہ یہ کہنا یہ چاہتے ہیں کہ یہ فَا ہے تو عطف والی ہی، لیکن چونکہ یہ ترتیب کا فائدہ دیتی ہے، فَا کس چیز کا فائدہ دیتی ہے؟ ترتیب کا اور تعقیب کا، یعنی جو فَا کا مدخول ہوتا ہے، جو فَا کی، جس پر فَا داخل ہوتی ہے وہ بعد میں ہوتا ہے اور ماقبل والا پہلے۔ جَاءَنِي زَیْدٌ فَعَمْرٌو۔ جی۔ تو زید فَا سے پہلے ہے، معلوم ہوا وہ پہلے آیا ہے، اور فَا کا مدخول عمرو ہے، معلوم ہوا عمرو بعد میں آیا ہے۔ جَاءَنِي زَیْدٌ فَعَمْرٌو، میرے پاس زید آیا پھر عمرو آیا۔ جی۔ تو دیکھو

فَا کس چیز کا فائدہ دیتی ہے؟ تعقیب کا۔ جمع کا بھی اور تعقیب کہہ لو یا ترتیب کہہ لو ایک ہی بات ہے، کہ ایک چیز دوسری چیز کے عقب میں ہے، ایک چیز دوسری چیز کے پیچھے ہے، یعنی ان میں ترتیب ہے۔

تو تیسری صورت ذکر کر رہے تھے۔ صاحبِ کافیہ نے فرمایا یہ فَا سبب والی ہے، تو صاحبِ جامی فرما رہے ہیں اس کی ایک صورت یہ ہے کہ یوں کہا جائے کہ یہ فَا ہے تو عاطفہ ہی، لیکن یہ ترتیب کا فائدہ دے رہی ہے، یہ ترتیب کا فائدہ دے رہی ہے اور اس سے سببیت مفہوم ہو رہی ہے، اس ترتیب سے کیا مفہوم ہو رہا ہے؟ سببیت۔ سببیت۔ الَّذِي يَطِيرُ وہ چیز جو اڑتی ہے فَيَغْضَبُ زَيْدٌ پھر زید غصے ہوتا ہے۔ دیکھو فَا کا ترجمہ میں پھِر کے ساتھ کر رہا ہوں، عطف والا ترجمہ کر رہا ہوں۔ الَّذِي يَطِيرُ وہ چیز جو اڑتی ہے فَيَغْضَبُ زَيْدٌ پھر زید غصے ہوتا ہے۔ دیکھو اڑنا پہلے اور زید کا غصے ہونا بعد میں، اس سے سببیت سمجھ میں آتی ہے کیونکہ سبب بھی پہلے ہوتا ہے اور مسبب اس کے بعد پایا جاتا ہے۔

تو یہ فَا ترتیب کا فائدہ دے رہی ہے، تو اس فَا کی مشابہت آ گئی فائے سببیہ سے، جی، جو شرط اور جزا میں آتی ہے، جو سبب اور مسبب میں آتی ہے، جو عطف کے لیے نہیں ہوتی۔ إِذَا جَاءَكَ زَيْدٌ فَأَكْرِمْهُ، یہ فَا عطف کے لیے نہیں ہے، فَأَكْرِمْهُ کا عطف إِذَا جَاءَ پر نہیں ہو رہا بھئی۔ جی۔ إِنْ دَخَلْتِ الدَّارَ فَأَنْتِ طَالِقٌ، یہ أَنْتِ طَالِقٌ کا عطف نہیں ہو رہا ماقبل پر، یہ درمیان میں فَا ہے یہ فَا صرف کیا بتلا رہی ہے کہ ماقبل سبب ہے اور مابعد مسبب ہے، یا یوں کہو ماقبل علت ہے اور مابعد معلول ہے۔ توجہ ہے؟ تو لہٰذا یہ جو فَا ہوتی ہے جو سبب اور مسبب کے درمیان آتی ہے یا شرط اور جزا کے درمیان آتی ہے، یہ فَا سببیت ہوتی ہے، یہ فَا سببیت کا فائدہ دیتی ہے۔

تو لہٰذا یہ جو فَا ہے یہاں فَيَغْضَبُ زَيْدٌ، یہ فَا ہے تو عاطفہ لیکن یہ ترتیب کا فائدہ دے رہی ہے، تو اس کی مشابہت ہو گئی کس کے ساتھ؟ فائے سببیہ سے، کیونکہ وہاں پر بھی سبب مقدم ہوتا ہے اور مسبب مؤخر ہوتا ہے، اور یہاں پر بھی فَا ترتیب کا فائدہ دے رہی ہے، تو اس فَا کی مشابہت آ رہی ہے سببیت سے، تو لہٰذا اس فَا سے بھی سببیت مفہوم ہو رہی ہے، جی، اس فَا سے بھی سببیت یہاں پر مفہوم ہو رہی ہے، معلوم ہوا يَطِيرُ سبب ہے اور فَيَغْضَبُ زَيْدٌ اس کا مسبب ہے، تو اس کی وجہ سے معنوی طور پر ربط آ گیا۔ جی۔ دوسرے جملے کا، فَا ہے تو عاطفہ، فَا ہے تو عاطفہ، لیکن یہ فَا اس سے کیا مفہوم ہو رہا ہے؟ سببیت بھی مفہوم ہو رہی ہے، تو معلوم ہوا یہ جو دوسرا جملہ ہے یہ مسبب ہے ماقبل والے جملے کا۔ بات سمجھ میں آ گئی؟ تو اس کی وجہ سے ربط آ گیا۔ کیا آ گیا دونوں میں؟ معنوی طور پر ربط آ گیا۔ جی۔

یعنی معنی یوں ہوا الَّذِي يَطِيرُ وہ چیز جو اڑتی ہے فَيَغْضَبُ زَيْدٌ بِسَبَبِهِ تو زید غضبناک ہوتا ہے اس کی وجہ سے، تو دیکھو بِسَبَبِهِ یہاں مفہوم ہو رہا ہے، اور بِسَبَبِهِ کی جو هَا ضمیر ہے کس کو راجع ہے؟ اسی الَّذِي کو راجع ہے۔ تو پہلے جملے يَطِيرُ کے اندر هُوَ ضمیر راجع تھی اس نے ربط دیا تھا، اور فَيَغْضَبُ زَيْدٌ بِسَبَبِهِ اس کے اندر یہ هَا ضمیر راجع ہے الَّذِي کو تو دونوں جملوں میں ربط آ گیا۔ جی۔ تو لہٰذا آپ اس میں یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ معنوی اعتبار سے ربط آیا ہے، کس اعتبار سے؟ معنوی اعتبار سے۔ کیونکہ یہ پہلا سبب ہے اور دوسرا مسبب، یا آپ یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ بِسَبَبِهِ یہاں مقدر ہے، سببیت مفہوم ہو رہی

ہے تو بِسَبَبِهِ یہاں پر کیا ہے؟ مقدر ہے اور اس کے اندر ضمیر لوٹ رہی ہے اور ربط دے رہی ہے موصول کے ساتھ، تو یہ عائد آگیا، تو معطوف علیہ میں بھی عائد تھا اور معطوف میں بھی کیا آگیا؟ عائد آگیا تو عطف صحیح ہو گیا۔

تو گویا تین احتمال ذکر کر دیے۔ صاحبِ کافیہ نے تو فرمایا تھا کہ یہ فَا سبب والی ہے، تو صاحبِ جامی نے فرمایا کہ فَا سبب والی ہونے کا یا تو یہ معنی ہے کہ یہ فَا عطف والی ہے ہی نہیں اس کا معنی ہی سبب ہے، جی، یا دوسری صورت یہ ہے یہ سبب اور عطف دونوں کے لیے ہے اور یہ دونوں کو ایک جملے کے حکم میں کر دے گی لہٰذا ایک ربط کافی ہے اور وہ یَطِیرُ سے آچکا ہے۔ یا تیسرا اس کی صورت یہ ہو سکتی ہے کہ یوں کہا جائے کہ یہ فَا ہے تو عاطفہ ہی لیکن یہ ترتیب کا فائدہ دے رہی ہے، تو اس کی مشابہت آگئی فائے سببیہ کے ساتھ، تو یہاں معنوی طور پر ربط آگیا کیونکہ سبب ہونا مفہوم ہو رہا ہے، جی، سبب ہونا مفہوم ہو رہا ہے، تو معنوی طور پر ربط آیا۔ اور پھر ایک اور جواب بھی دیا تھا صاحبِ جامی نے۔ صاحبِ کافیہ نے تو صرف یہ کہا تھا یہ فَا سببیت والی ہے، اسی کی تین صورتیں ذکر کر دیں صاحبِ جامی نے۔

اور پھر ایک اور جواب بھی دیا کہ یہ فَا ہے تو عاطفہ ہی، لیکن کبھی کبھار عائد مقدر ہوتا ہے، جی، تو یہ بھی ممکن ہے کہ اس جملے کے اندر عائد کیا ہو جائے اس کو مقدر مان لیا جائے، مقدر نکال لیا جائے، الَّذِي يَطِيرُ فَيَغْضَبُ زَيْدٌ بِطَيَرَانِهِ، وہ چیز جو اڑتی ہے فَيَغْضَبُ زَيْدٌ تو زید غضبناک ہوتا ہے بِطَيَرَانِهِ اس کے اڑنے کی وجہ سے الذُّبَابُ وہ مکھی ہے۔ تو بِطَيَرَانِهِ نکال لیں یا بِهِ نکال لیں کہ اس کی وجہ سے زید غضبناک ہوتا ہے، تو بِهِ نکال لیں لیکن مراد وہی ہے بِطَيَرَانِهِ اس کے، اس کی وجہ سے یعنی اس کے اڑنے کی وجہ سے زید غضبناک ہوتا ہے، تو وہ مکھی ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟

اب آئیے آج کے سبق پر۔ جی دیکھیے بھئی، کہتے ہیں وَإِذَا عُطِفَ أَيْ إِذَا أُوقِعَ الْعَطْفُ بِنَاءً عَلَى وُجُودِ عَامِلَيْنِ. بھئی پہلے صرف متن متن دیکھ لیجیے۔ متن دور دور ہے بھئی دیکھیے، کہتے ہیں وَإِذَا عُطِفَ عَلَى عَامِلَيْنِ مُخْتَلِفَيْنِ لَمْ يَجُزْ خِلَافًا لِلْفَرَّاءِ إِلَّا فِي نَحْوِ فِي الدَّارِ زَيْدٌ وَالْحُجْرَةِ عَمْرٌو خِلَافًا لِسِيبَوَيْهِ۔ متن مل گیا؟ پھر ایک دفعہ دیکھ لیجیے: وَإِذَا عُطِفَ عَلَى عَامِلَيْنِ مُخْتَلِفَيْنِ لَمْ يَجُزْ خِلَافًا لِلْفَرَّاءِ إِلَّا فِي نَحْوِ فِي الدَّارِ زَيْدٌ وَالْحُجْرَةِ عَمْرٌو خِلَافًا لِسِيبَوَيْهِ۔

بھئی آپ کو صاحبِ کافیہ نے بتلایا ضابطہ کہ معطوف کا وہی حکم ہوتا ہے جو معطوف علیہ کا ہوتا ہے۔ جی۔ توجہ ہے؟ یعنی اگر معطوف علیہ فاعل ہے تو معطوف بھی فاعل ہو گا، جَاءَنِي زَيْدٌ وَعَمْرٌو، زَيْدٌ معطوف علیہ فاعل ہے جَاءَنِي کے لیے تو عَمْرٌو کا اس پر عطف ہے تو عمرو بھی کیا ہے؟ فاعل۔ اور اگر معطوف علیہ مفعول ہے تو معطوف بھی مفعول ہو گا، ضَرَبْتُ زَيْدًا وَعَمْرًا، یہ عَمْرًا کا عطف کس پر؟ زید پر، اور زید تو مفعول بہ ہے ضَرَبْتُ کے لیے، تو عَمْرًا بھی مفعول بہ ہے ضَرَبْتُ کے لیے۔ تو معطوف کا وہی حکم ہوتا ہے جو معطوف علیہ کا ہوتا ہے۔

اب مثلاً میں نے کہا، توجہ سے سنیے بھئی، جَاءَنِي زَيْدٌ وَعَمْرٌو، جَاءَنِي زَيْدٌ وَعَمْرٌو، اس ترکیب کے اندر زَيْدٌ مرفوع ہے

کیونکہ یہ فاعل ہے جَاءَنِي کے لیے، تو زَيْدٌ ہوا معمول، اور جَاءَنِي یہ جَاءَ کیا ہے؟ عامل ہے بھئی، بلکہ یوں کہو مثلاً جَاءَ زَيْدٌ وَعَمْرٌو، جَاءَ فعل اور زَيْدٌ معطوف علیہ ہے اور وَعَمْرٌو یہ عَمْرٌو معطوف ہے۔ اس جملے کے اندر دیکھو جَاءَ فعل ہے اور زَيْدٌ مرفوع لفظاً اس کا فاعل ہے کیونکہ فاعل مرفوع ہوتا ہے۔ جی۔ تو عامل کیا ہے؟ جَاءَ، اور کس میں عمل کر رہا ہے جَاءَ؟ زَيْدٌ میں، تو زَيْدٌ ہوا معمول۔ جی۔ تو جَاءَ کیا؟ عامل، دہرائیں زبان سے جَاءَ کیا؟ عامل، اور زَيْدٌ کیا؟ معمول، اور اب آپ اس معمول پر عطف کرنا چاہتے ہیں عمرو کا، جی، تو اس کو کہیں گے عَطْفٌ عَلَى مَعْمُولِ عَامِلٍ۔ جی۔ عَطْفٌ عَلَى مَعْمُولِ عَامِلٍ، ایک عامل کے معمول پر عطف کرنا۔ جی۔ ترجمہ آخر سے ہو گا عَطْفٌ عَلَى مَعْمُولِ عَامِلٍ، عامل کے معمول پر عطف کرنا۔

تو یاد رکھو یہ جو معطوف ہوتا ہے میں نے آپ کو بتلایا تھا یہ تکرارِ عامل کے درجے میں ہوتا ہے۔ جی۔ توجہ ہے؟ معطوف تکرارِ عامل کے درجے میں ہوتا ہے اور اسی طرح یہ بھی یاد رکھنا بدل بھی تکرارِ عامل کے درجے میں ہوتا ہے۔ جی۔ بھئی آپ نے پڑھا توابع پانچ ہیں، جی، صفت ہے، عطف ہے، تاکید ہے، بدل ہے اور عطفِ بیان ہے۔ صفت اور موصوف میں سے موصوف مقصود ہوتا ہے صفت یعنی تابع مقصود نہیں، لہٰذا صفت کو نکال دیں یہاں تابع نہیں مقصود۔ اور مؤکد اور تاکید، اس کے اندر مؤکد مقصود ہوتا ہے تاکید مقصود نہیں، لہٰذا تاکید کو بھی ایک طرف رکھ دیں اس کے اندر بھی تابع مقصود نہیں۔ صفت میں بھی تابع مقصود نہیں اور تاکید میں بھی تابع مقصود نہیں۔ اسی طرح عطفِ بیان، عطفِ بیان میں جو پہلے آئے اس کو معطوف علیہ کہتے ہیں جَاءَنِي أَبُو حَفْصٍ عُمَرُ، تو أَبُو حَفْصٍ سے پتہ نہیں چل رہا تھا کون مراد ہے تو آگے عُمَرُ سے وضاحت ہو گئی کہ اس سے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ مراد ہیں۔ جی۔ بات سمجھ میں آ گئی؟ تو یہاں پر بھی أَبُو حَفْصٍ مقصود ہے اور عُمَرُ کو صرف وضاحت کے لیے لایا گیا، تو اس کے اندر بھی تابع مقصود نہیں، لہٰذا یہ بھی نکل گیا۔

صفت اس میں بھی تابع یعنی صفت مقصود نہیں، تاکید کے اندر بھی تابع یعنی تاکید مقصود نہیں، اور عطفِ بیان کے اندر بھی تابع یعنی عطفِ بیان مقصود نہیں، لہٰذا یہ تو نکل گئے۔ جبکہ بدل کے اندر تابع مقصود ہوتا ہے، متبوع نہیں بلکہ جو بعد میں آتا ہے تابع وہ کیا ہوتا ہے؟ مقصود۔ اسی طرح معطوف بحرف ہے اس میں دونوں مقصود ہوتے ہیں متبوع بھی اور تابع بھی۔ تو معلوم ہوا صرف بدل ہے اور ایک معطوف ہے جن میں تابع بھی مقصود ہوتا ہے۔ جی۔ بدل اور معطوف میں تابع بھی مقصود ہوتا ہے۔ بدل کے اندر مقصود کیا؟ تابع۔ اور عامل نے براہِ راست کس میں عمل کیا؟ متبوع میں۔ جَاءَنِي زَيْدٌ أَخُوكَ، مخاطب کا ایک بھائی ہے اس کا نام زید ہے، تو میں زید کہہ دوں یا أَخُوكَ کہہ دوں آپ کا بھائی، دونوں کا معنی ایک ہے ایک ہی ذات پہ دونوں دلالت کر رہے ہیں۔ توجہ ہے؟ دونوں ایک ہی ذات پر دلالت کر رہے ہیں۔ تو جَاءَ زَيْدٌ أَخُوكَ، اب دیکھو اس کے اندر زید مبدل منہ ہے اور أَخُوكَ بدل ہے، اور دونوں میں سے مقصود کیا ہے؟ بدل مقصود ہوتا ہے، مبدل منہ یعنی زید یہاں مقصود نہیں۔ اور جَاءَ نے رفع کس کو دیا؟ زید کو۔ اور آگے أَخُوكَ وہ تو اس زید کے تابع ہے بھئی۔ جی۔ توجہ ہے؟ تو لہٰذا یہاں پر عامل براہِ راست غیرِ مقصود میں عمل کر رہا ہے، جی، جو مقصود ہے اس میں تو براہِ راست عمل ہی نہیں کر رہا۔ جی۔ توجہ ہے؟ لہٰذا یوں کہیں گے بدل تکرارِ عامل کے درجے میں ہے کیونکہ بدل تو بعد میں آیا ہے اور اصل

مقصود تو وہی ہے، تو یوں سمجھو اس پر عامل دوبارہ داخل ہو رہا ہے، گویا اصل کلام یوں ہے جَاءَ زَيْدٌ جَاءَ أَخُوكَ۔

اصل میں تو کیا تھا جَاءَ زَيْدٌ أَخُوكَ، اور زَيْدٌ أَخُوكَ میں سے مقصود کون؟ أَخُوكَ، اور جَاءَ تو رفع کس کو دے رہا ہے؟ زید کو، اور أَخُوكَ کیوں مرفوع؟ کیونکہ وہ زید کے تابع ہے، زید پر جو اعراب آئے گا وہی أَخُوكَ پر بھی آئے گا۔ تو اصل مقصود تو أَخُوكَ ہے لیکن عامل اس میں براہِ راست عمل کر ہی نہیں رہا، عامل تو زید میں عمل کر رہا ہے غیرِ مقصود کے اندر، لہٰذا مقصود کے لیے کہتے ہیں گویا عامل دوبارہ آگیا ہے۔ جی۔ مقصود کا درجہ اعلیٰ ہے لہٰذا اس کے لیے براہِ راست الگ عامل ہونا چاہیے، تو گویا جَاءَ زَيْدٌ أَخُوكَ یہ کس درجے میں ہے؟ یہ جَاءَ زَيْدٌ جَاءَ أَخُوكَ، دوبارہ جَاءَ آیا اور اس نے أَخُوكَ جو مقصود ہے اس کو رفع دے دیا۔ جی۔ بات سمجھ میں آئی؟ تو بدل کس درجے میں ہوتا ہے؟ تکرارِ عامل کے درجے میں ہوتا ہے کیونکہ وہ مقصود ہے بھئی۔ جی۔

اسی طرح معطوف علیہ اور معطوف دونوں مقصود ہوتے ہیں، تو لہٰذا معلوم ہوا جو بعد میں آرہا ہے وہ بھی مقصود ہے، جب وہ مقصود ہے تو گویا اس میں بھی عامل دوبارہ آرہا ہے۔ جی۔ تو آپ نے تو یوں کہا، توجہ سے سنو، جَاءَ زَيْدٌ وَعَمْرٌو، جی، لیکن یہ عمرو تو معطوف ہے، اور میں نے ابھی آپ کو بتلایا کہ بدل اور معطوف کیا ہے؟ تکرارِ عامل کے حکم میں ہے، گویا ان پر عامل دوبارہ داخل ہو رہا

ہوتا ہے، تو لہٰذا گویا یہاں ایک اور جَاءَ ہے جو عمرو کو رفع دے رہا ہے۔ تو اصل میں کلام گویا یوں تھا، ابھی تو آپ نے کیا پڑھا؟ جَاءَ زَيْدٌ وَعَمْرٌو، لیکن اصل میں یوں تھا جَاءَ زَيْدٌ جَاءَ عَمْرٌو۔ جَاءَ زَيْدٌ جَاءَ عَمْرٌو، لیکن اس طرح اگر آپ کہیں گے پھر تو کلام بڑا لمبا ہو جائے گا۔ مثلاً میں آپ سے کہنا چاہتا ہوں جَاءَنِي زَيْدٌ وَعَمْرٌو وَخَالِدٌ وَبَكْرٌ، جی، تو اب آپ کو کہنا پڑے گا جَاءَ زَيْدٌ جَاءَ عَمْرٌو جَاءَ بَكْرٌ جَاءَ خَالِدٌ، تو یہ ایک تو کلام طویل ہو جائے گا اور نیز کلام کی، کا حسن ختم ہو جائے گا، بار بار ایک لفظ کا تکرار آرہا ہے۔ تو لہٰذا ایک عامل کو ختم کرتے ہیں اور اس کی جگہ حرفِ عطف لے آتے ہیں۔ جی۔ تو کیا تھا؟ جَاءَ زَيْدٌ جَاءَ عَمْرٌو، تو دوسرے جَاءَ کو ختم کیا اور اس کی جگہ مثلاً وَاو لے آئے، تو کلام کیا بن گیا؟ جَاءَ زَيْدٌ وَعَمْرٌو، جَاءَ کی جگہ وَاو آگیا بھئی۔

توجہ ہے؟ تو گویا معلوم ہوا یہ حرفِ عطف نائب ہے عامل کا۔ جی۔ وہی عامل جو پیچھے آیا تھا جَاءَ اسی کو دوبارہ نہیں لائے اس کی جگہ کیا لے آئے؟ وَاو لے آئے۔ تو یہ وَاو نائب ہوا کس کا؟ عامل کا۔ پھر دہراؤ، حرفِ عطف نائب ہوتا ہے کس کا؟ عامل کا، نہیں توجہ سبق کی طرف۔ حرفِ عطف عامل کا۔ حرفِ عطف نائب ہوتا ہے کس کا؟ عامل کا۔ عامل کا۔ پھر دہرائیے۔ ایک ضابطہ میں نے آپ کو یہ بتلایا کہ بدل اور معطوف یہ تکرارِ عامل کے درجے میں ہوتے ہیں، گویا عامل ان پر دوبارہ داخل ہو رہا ہے۔ جی۔ کیونکہ یہ دونوں مقصود ہیں، جب مقصود ہیں تو ان پر عامل کو آنا چاہیے، تو یہ دونوں تکرارِ عامل کے درجے میں ہیں۔ جبکہ باقی توابع مقصود نہیں لہٰذا وہ تکرارِ عامل کے درجے میں بھی نہیں، وہاں متبوع جو ہوتے ہیں وہ مقصود

ہوتے ہیں باقی توابع کے اندر۔ جی۔

پھر عامل کو دوبارہ لائیں تو کلام میں حسن نہیں رہے گا، لہٰذا اس عامل کی جگہ کیا لے آئے؟ حرفِ عطف لے آئے۔ تو یہ حرفِ عطف نائب ہے کس کا؟ عامل کا۔ تو جَاءَ زَيْدٌ وَعَمْرٌو، یہ وَاو نائب ہے کس کا؟ عامل کا، اور گویا اصل کلام کیا تھا؟ جَاءَ زَيْدٌ جَاءَ عَمْرٌو تھا بھئی۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو اب دیکھو، توجہ سے سنو، جَاءَ زَيْدٌ وَعَمْرٌو، جملہ کیا تھا؟ جَاءَ زَيْدٌ وَعَمْرٌو۔ اب آپ عَمْرٌو کا عطف کرنا چاہتے ہیں زید پر، اور زید عامل ہے یا معمول ہے؟ معمول ہے۔ زید معمول ہے جَاءَ عامل ہے۔ جی۔ توجہ ہے؟ تو گویا آپ ایک اسم کا عطف کرنا چاہتے ہیں ایک معمول پر۔ جب معمول ایک ہے جس پر آپ عطف کر رہے ہیں تو معلوم ہوا ایک ہی عامل اس میں عمل کر رہا ہے کیونکہ معمول کے اندر ایک عامل ہو سکتا ہے ایک وقت میں ایک معمول میں ایک سے زیادہ عامل نہیں ہو سکتے بھئی۔ تو آپ نے عمرو کا عطف کیا کس پر؟ زید پر، یعنی ایک اسم کا آپ نے عطف کیا معمول پر، معمول پر اور یہ جائز ہے کیونکہ آپ حرفِ عطف درمیان میں لائے اور حرفِ عطف نائب ہے کس کا؟ عامل کا، اور یہ ایک عامل کا نائب بن سکتا ہے۔ جی۔ یہ ایک عامل کا نائب بن سکتا ہے۔

یاد رکھو یہ حرفِ عطف نائب ہے عامل کا لیکن یہ ضعیف ہے، کمزور ہے، حرف ہے، لہٰذا ایک عامل کا تو نائب بن سکتا ہے ایک سے زیادہ عاملوں کا یہ نائب نہیں بن سکتا کیونکہ یہ ضعیف ہے۔ جی۔ تو اب جب میں نے کہا، جب میں نے کہا جَاءَ زَيْدٌ وَعَمْرٌو، یہ وَاو کو میں نے کس کا نائب بنایا؟ جَاءَ زَيْدٌ وَعَمْرٌو، یہ وَاو کو میں نے کس کا نائب بنایا؟ جَاءَ عامل کا۔ جی۔ کس کا؟ جَاءَ عامل کا۔ پھر سنو، جَاءَ زَيْدٌ وَعَمْرٌو، آپ نے عمرو کا عطف کیا کس پر؟ زید پر، اور زید عامل ہے یا معمول ہے؟ معمول۔ تو آپ نے ایک اسم کا عطف کیا ایک معمول پر، اور درمیان میں کیا لائے ہیں؟ حرفِ عطف، تو حرفِ عطف اس عامل کا کیا بن گیا؟ نائب، تو عامل کتنے تھے؟ عامل زید کے اندر تو ایک ہی عامل تھا جَاءَ، تو یہ وَاو ایک کا نائب بن گیا۔ جی، جی۔ توجہ ہے؟ تو ضابطہ کیا ہوا کہ ایک اسم کا عطف کیا جائے ایک معمول پر تو یہ جائز ہے کیونکہ حرفِ عطف نائب ہو جائے گا اس عامل کا اور ایک کا نائب بن سکتا ہے۔ جی۔

توجہ ہے؟ اب دوسری صورت لے آؤ، توجہ سے سنو۔ ضَرَبَ زَيْدٌ عَمْرًا، جی، وَعَمْرٌو بَكْرًا۔ ضَرَبَ زَيْدٌ عَمْرًا، دیکھو ضَرَبَ فعل ہے زَيْدٌ مرفوع ہے اس کا فاعل اور عَمْرًا کیا ہے؟ مفعول۔ ضَرَبَ زَيْدٌ عَمْرًا، زید نے پٹائی کی عمرو کی۔ جی۔ تو عامل کیا ہے؟ ضَرَبَ، ضَرَبَ عمل کر رہا ہے اور زَيْدٌ مرفوع فاعل یہ معمول ہے اور اسی طرح عَمْرًا یہ مفعول ہے یہ بھی کیا ہے؟ معمول۔ تو اب آپ ان دو معمولوں پر عطف کرتے ہیں، کس پر؟ دو معمولوں پر۔ چنانچہ آگے آپ دو اسم لاتے ہیں وَعَمْرٌو بَكْرًا۔ جی۔ وَعَمْرٌو بَكْرًا، عمرو کا عطف آپ نے کس پر کیا؟ وَعَمْرٌو، عمرو پر میں کیا پڑھ رہا ہوں؟ رفع۔ اور پیچھے رفع کس پر آیا تھا؟ زید پر، تو عمرو کا عطف ہوا زید یعنی فاعل پر۔ جی۔ اور آگے بَكْرًا میں منصوب لایا، اس کا عطف میں نے کس پر کیا؟ پیچھے جو عَمْرًا منصوب آیا تھا۔ جی۔

توجہ ہے؟ جملہ کیا تھا؟ ضَرَبَ زَيْدٌ عَمْرًا وَعَمْرٌو بَكْرًا۔ عمرو دو دفعہ آرہا ہے نا، ایک میں مفعول بنا دیا ایک میں فاعل بنا دیا۔ جی، جی۔ تو چاہے آپ نام بدل دیں کوئی اور نام لے آئیں ویسے سمجھانے کے لیے مثال ذکر کر رہا ہوں کیونکہ کتاب میں بھی اسی طرح ذکر ہوگی اسی عمرو کو فاعل بھی بنایا اور مفعول بھی بنائیں گے، ورنہ آپ کوئی بھی نام لے آئیں، کوئی اور نام لے آئیں چلیں، ضَرَبَ زَيْدٌ عَمْرًا وَبَكْرٌ خَالِدًا، یوں کر لیں۔ جی۔ ضَرَبَ زَيْدٌ عَمْرًا وَبَكْرٌ خَالِدًا۔ تو دیکھو ضَرَبَ کیا تھا؟ عامل۔ اس نے زَيْدٌ کو کیا دیا؟ رفع۔ اور عَمْرًا کو کیا دیا؟ نصب۔ تو زید اور عمرو یہ دونوں معمول ہو گئے ضَرَبَ فعل کے لیے۔ اب ان دو معمولوں پر آپ عطف کرنا چاہتے ہیں آگے دو اسموں کا، مثلاً وَبَكْرٌ خَالِدًا۔ بَكْرٌ کا عطف کس پر؟ زَيْدٌ پر، کیونکہ زید مرفوع ہے بَكْرٌ بھی کیا ہے؟ مرفوع۔ اور آگے خَالِدًا، خَالِدًا کا عطف کس پر؟ عَمْرًا پر، کیونکہ عَمْرًا منصوب ہے تو خَالِدًا بھی کیا ہو گا؟ منصوب ہو گا۔

توجہ ہے؟ تو اب دیکھو میں نے بکر اور خالد ان دو اسموں کا عطف کیا، کس پر؟ دو معمولوں پر، کس پر عطف کیا؟ دو معمولوں پر۔ اور ان دو معمولوں میں عامل ایک ہی ہے یا الگ الگ ہیں؟ ضَرَبَ زَيْدٌ عَمْرًا، زید کو رفع کس نے دیا؟ ضَرَبَ نے، اور عَمْرًا کو نصب کس نے دیا؟ ضَرَبَ نے، تو دونوں میں عامل ایک ہی ہے۔ تو آپ نے دو اسموں کا عطف کیا دو معمولوں پر جن کے اندر ایک ہی عامل ہے، تو یہ حرفِ عطف اس ایک عامل کا نائب بن گیا اور ایک کا نائب تو یہ بن سکتا ہے، لہٰذا یہ صورت بھی بالاتفاق جائز ہے۔ جی۔ آپ دو اسموں کا عطف کریں کس پر؟ دو ایسے معمولوں پر جن کے لیے ایک ہی عامل ہو، تو یہ بھی جائز ہے بالاتفاق۔

تو پہلی صورت کیا تھی؟ جَاءَ زَيْدٌ وَعَمْرٌو، عَطْفٌ عَلَى مَعْمُولِ عَامِلٍ تھا۔ عطف تھا عَلَى مَعْمُولِ عَامِلٍ، عَطْفٌ عَلَى مَعْمُولِ عَامِلٍ، ایک عامل کے معمول پر آپ نے عطف کیا تھا۔ جی۔ اور اب آپ نے کیا کیا ہے؟ ضَرَبَ زَيْدٌ عَمْرًا وَبَكْرٌ خَالِدًا۔ اب آپ نے عطف کیا ہے دو اسموں کا، کس پر؟ ایک معمول پر یا دو معمولوں پر؟ دو معمولوں پر۔ تو پہلے کیا تھا عَطْفٌ عَلَى مَعْمُولِ عَامِلٍ، مَعْمُولِ عَامِلٍ، اب اس معمول کی تثنیہ لے آؤ، مَعْمُولَيْنِ، عَلَى جارہ داخل ہے لہٰذا حالتِ جری میں لے آؤ، جی، پہلے کیا تھا مَعْمُولِ عَامِلٍ مضاف مضاف الیہ تھے تو اب مَعْمُولَيْنِ اس کی اضافت کر دو عامل کی طرف تو مَعْمُولَيْنِ کا نون اضافت سے گر جائے گا تو کیا بن گیا؟ مَعْمُولَيْ عَامِلٍ، اور عامل کے ساتھ وَاحِدٍ بھی لگا دو تاکہ خوب وضاحت ہو جائے، عَطْفٌ عَلَى مَعْمُولَيْ عَامِلٍ وَاحِدٍ، جی، عَطْفٌ عَلَى مَعْمُولَيْ عَامِلٍ وَاحِدٍ، ترجمہ آخر سے ہو گا: ایک عامل کے دو معمولوں پر عطف۔ جی۔

ایک عامل کے دو معمولوں پر عطف، دیکھو ضَرَبَ زَيْدٌ عَمْرًا، یہ ایک ہی عامل کے دو معمول ہیں ان پر آپ نے عطف کیا ہے، تو یہ کیا ہے؟ عَطْفٌ عَلَى مَعْمُولَيْ عَامِلٍ وَاحِدٍ، زبان سے دہرائیں بھئی: عَطْفٌ عَلَى مَعْمُولَيْ عَامِلٍ وَاحِدٍ، اور یہ بھی بالاتفاق جائز ہے کیونکہ عامل ایک ہے اور حرفِ عطف نے اس کا نائب بننا ہے، تو وہ ایک عامل کا آرام سے نائب بن جاتا ہے۔ لیکن اگر عامل مختلف ہوں، جی، عامل کیا ہوں؟ مختلف ہوں، یعنی دو اسموں کا آپ عطف کرنا چاہتے ہیں دو ایسے

معمولوں پر کہ دونوں کے اندر عامل الگ ہے، ایک کے اندر ایک معمول میں ایک چیز عامل ہے دوسرے معمول میں دوسری چیز عامل ہے، تو یاد رکھو اس میں پھر اختلاف ہے۔ جی۔

دیکھو اگر آپ عطف کریں عَلَى مَعْمُولٍ وَاحِدٍ وہ بھی جائز، آپ عطف کریں عَلَى مَعْمُولَيْ عَامِلٍ وَاحِدٍ یہ بھی جائز، لیکن اگر آپ عطف کریں عَلَى مَعْمُولَيْ عَامِلَيْنِ، جی، اگر آپ عطف کریں عَلَى مَعْمُولَيْ عَامِلَيْنِ، دو عاملوں کے دو معمولوں پر آپ عطف کرنا چاہیں تو اس میں اختلاف ہے۔ جی۔ امام سیبویہ فرماتے ہیں یہ مطلقاً جائز نہیں، جی، امام سیبویہ کیا فرماتے ہیں؟ مطلقاً جائز ہی نہیں کسی بھی صورت میں نہیں جائز ہے۔ جی۔ دلیل کیا ان کی؟ دلیل یہی کہ حرفِ عطف ایک عامل کا تو نائب ہو سکتا ہے دو عاملوں کا نائب نہیں ہو سکتا۔ جی۔ جبکہ امام فراء فرماتے ہیں یہ مطلقاً جائز ہے، جی، یہ مطلقاً تمام صورتوں میں جائز ہے، حرفِ عطف دو کا نائب بن سکتا ہے۔ جبکہ جمہور فرماتے ہیں، جمہور نحوی یعنی اکثر نحوی جمہور نحوی فرماتے ہیں کہ اگر، کہ وہ دو اسم جن کا عطف کیا جا رہا ہے اگر مجرور مقدم ہے تو پھر یہ عطف جائز ہے، جی، اگر مجرور مقدم ہے تو پھر یہ جائز ہے۔

جیسے اس کی مثال یہ کتاب میں دی ہوئی ہے بھئی، یہ جو متن یہ جہاں سے آج کا سبق شروع ہوا اس سے آگے چھ سات سطریں آگے دیکھیے بھئی: مَا كُلُّ سَوْدَاءَ تَمْرَةً وَلَا بَيْضَاءَ شَحْمَةً۔ جی۔ مل گئی مثال؟ جی۔ جہاں سے آج ہم نے سبق شروع کیا ہے اس سے پانچ چھ سات سطریں آگے ہے بھئی: مَا كُلُّ سَوْدَاءَ تَمْرَةً وَلَا بَيْضَاءَ شَحْمَةً۔ سَوْدَاءَ، سَوْدَاءَ مؤنث ہے أَسْوَدُ کی۔ جی۔ أَسْوَدُ کی، کالی چیز۔ أَسْوَدُ کا معنی کالی چیز، سَوْدَاءَ کا معنی بھی کالی چیز، لیکن أَسْوَدُ مذکر کے لیے ہے اور سَوْدَاءَ مؤنث کے لیے ہے۔ اور تَمْرَةٌ، تَمْرَةٌ کھجور کو کہتے ہیں۔ وَبَيْضَاءَ، اور بَيْضَاءَ جو ہے یہ مؤنث ہے أَبْيَضُ کی، أَبْيَضُ کا معنی بھی سفید اور بَيْضَاءَ کا معنی بھی سفید ہے، البتہ أَبْيَضُ مذکر کے لیے آتا ہے اور بَيْضَاءَ مؤنث ہے اسی کی بھئی۔ اور یاد رکھنا أَبْيَضُ أَفْعَلُ وزن ہے، یہ أَفْعَلُ وزن اسمِ تفضیل میں بھی آتا ہے اور صفتِ مشبہ میں بھی آتا ہے۔ طلبہ جہاں بھی أَفْعَلُ وزن دیکھتے ہیں سمجھتے ہیں شاید یہ ہمیشہ اسمِ تفضیل ہو گا، حالانکہ أَفْعَلُ اسمِ تفضیل بھی ہوتا ہے اور صفتِ مشبہ بھی۔ اسمِ تفضیل کا معنی زیادہ کے ساتھ کرتے ہیں جیسے أَضْرَبُ، أَضْرَبُ کا کیا معنی؟ زیادہ پٹائی کرنے والا۔ جبکہ أَبْيَضُ کا معنی زیادہ سفید نہیں ہے بلکہ اس کا معنی ہے سفید، یہ اسمِ تفضیل نہیں ہے، أَحْمَرُ کا معنی سرخ ہے زیادہ سرخ نہیں ہے کیونکہ یہ اسمِ تفضیل نہیں ہے یہ أَفْعَلُ صفتی ہے۔ تو أَفْعَلُ اسمِ تفضیل کا بھی آتا ہے اور أَفْعَلُ صفتِ مشبہ کے اندر بھی آتا ہے، اسی لیے آپ گردانوں میں پڑھتے ہیں وَأَفْعَلُ التَّفْضِيلِ لِلْمُذَكَّرِ مِنْهُ، جی، وَأَفْعَلُ التَّفْضِيلِ، أَفْعَلُ التَّفْضِيلِ تفضیل والا أَفْعَلُ، جی، معلوم ہوا ایک صفتِ مشبہ والا بھی أَفْعَلُ ہوتا ہے تو اس سے فرق کرنے کے لیے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو یہ بَيْضَاءَ أَبْيَضُ کی مؤنث ہے سفید۔ اور شَحْمَةٌ، شَحْمَةٌ یاد رکھیے چربی کو کہتے ہیں، جی، چربی کیا ہوتی ہے؟ سفید ہوتی ہے۔

تو دیکھیے مَا كُلُّ سَوْدَاءَ تَمْرَةً وَلَا بَيْضَاءَ شَحْمَةً۔ مَا كُلُّ سَوْدَاءَ تَمْرَةً وَلَا بَيْضَاءَ شَحْمَةً۔ جی۔ دیکھو مَا مشابہ بلیس، اور

یہ کیا عمل کرتا ہے؟ اپنے اسم کو رفع دیتا ہے اور خبر کو نصب۔ تو یہ کُلُّ سَوْدَاءَ یہ ہے اس کا اسم اس لیے کُلُّ اس پر رفع پڑھیں گے، اور کُلُّ مضاف ہوتا ہے تو آگے سَوْدَاءَ کیا ہے؟ مضاف الیہ ہے۔ اور سَوْدَاءَ غیر منصرف ہے، کُلُّ سَوْدَاءَ غیر منصرف ہے، کیوں غیر منصرف ہے؟ کیونکہ یہ الفِ تانیث ہے، سَوْدَاءَ کے آخر میں یہ تانیث کا صیغہ ہے مؤنث کا صیغہ ہے نا، تو یہ الفِ تانیث ہے اور الفِ تانیث دو قسم پر ہے مقصورہ اور ممدودہ، اور دونوں دو سببوں کے قائم مقام ہیں، تو یہ سَوْدَاءَ کے اندر جو الفِ ممدودہ آیا یہ دو سببوں کے قائم مقام ہے تو یہ غیر منصرف ہے، اور غیر منصرف کا جر فتحہ کے ساتھ آتا ہے تو کُلُّ سَوْدَاءَ، تو سَوْدَاءَ اس وقت مجرور ہے لیکن اس کا جر آتا ہی فتحہ کے ساتھ ہے۔ تو یہ کُلُّ سَوْدَاءَ مضاف مضاف الیہ مل کر یہ مَا کا اسم، اور تَمْرَةً یہ منصوب ہے یہ ہے مَا مشابہ بلیس کی خبر۔ جی۔ توجہ ہے؟ جی۔ اور آگے ہے وَلَا بَيْضَاءَ شَحْمَةً، تو بَيْضَاءَ کا عطف ہو رہا ہے سَوْدَاءَ پر، جی، کس پر؟ سَوْدَاءَ پر، اور سَوْدَاءَ

کا اعراب بولیے؟ مجرور ہے، مضاف الیہ ہے، کس نے جر دیا؟ کُلُّ نے۔ تو معلوم ہوا بَيْضَاءَ کا عطف سَوْدَاءَ پر ہے اور سَوْدَاءَ کے اندر عامل کُلُّ ہے۔ اور شَحْمَةً کا عطف تَمْرَةً پر ہے، جی، اور تَمْرَةً کے اندر عامل کیا ہے؟ مَا مشابہ بلیس، کیونکہ یہ اس کی خبر ہے۔ جی۔ توجہ ہے؟ تو یہاں پر دیکھو دو اسموں کا عطف ہو رہا ہے بَيْضَاءَ اور شَحْمَةً کا دو معمولوں پر یعنی سَوْدَاءَ اور تَمْرَةً پر، اور ان دونوں کے اندر عامل الگ الگ ہیں، سَوْدَاءَ کے اندر عامل کُلُّ کا لفظ ہے اور تَمْرَةً کے اندر عامل مَا مشابہ بلیس ہے۔ تو یہ کیا ہوا؟ عَطْفٌ عَلَى مَعْمُولَيْ عَامِلَيْنِ۔ تو یہ کیا ہوا؟ عَطْفٌ عَلَى مَعْمُولَيْ عَامِلَيْنِ ہوا، ترجمہ آخر سے ہو گا: عَطْفٌ عَلَى مَعْمُولَيْ عَامِلَيْنِ، دو عاملوں کے دو معمولوں پر عطف ہو رہا ہے۔

تو اس میں یاد رکھو جمہور کہتے ہیں اگر مجرور مقدم ہو تو جائز ہے۔ اور یہاں پر بھی وَبَيْضَاءَ شَحْمَةً تو پہلا اسم بَيْضَاءَ ہے اور اس کا عطف کس پر ہو رہا ہے؟ سَوْدَاءَ پر، اور وہ مجرور ہے، جی، تو لہٰذا بَيْضَاءَ بھی کیا ہوا؟ مجرور۔ تو مجرور مقدم ہے، اور شَحْمَةً جو منصوب ہے وہ مؤخر ہے۔ تو جمہور کہتے ہیں، جمہور کہتے ہیں کہ عَطْفٌ عَلَى مَعْمُولَيْ عَامِلَيْنِ یہ اس صورت میں جائز ہے جب مجرور مقدم ہو، جی، اگر مجرور مقدم نہ ہو پھر جائز نہیں ہے۔ جی۔ امام فراء فرماتے ہیں مطلقاً تمام صورتوں میں جائز ہے چاہے مجرور مقدم ہو یا مقدم نہ ہو۔ جبکہ امام سیبویہ فرماتے ہیں کہ تمام صورتوں میں جائز نہیں ہے بھئی، یعنی اس کی کوئی صورت جائز نہیں چاہے مجرور مقدم ہو یا نہ ہو۔ جبکہ جمہور کہتے ہیں کہ مجرور مقدم ہو تو یہ عطف جائز ہے اور اگر مجرور مقدم نہیں تو عطف جائز نہیں۔

جمہور کی دلیل یہ ہے کہ ہم نے عربوں سے سنا ہے، عرب کے فصیح و بلیغ شعراء اور عرب کے فصیح و بلیغ لوگ جو ہیں وہ جب مجرور مقدم ہو تو عطف کر دیا کرتے ہیں، جی، وہ عطف کر دیا کرتے ہیں عَلَى مَعْمُولَيْ عَامِلَيْنِ پر جب مجرور کیا ہو؟ مقدم ہو۔ تو لہٰذا وہ صورتیں جن میں مجرور مقدم ہو وہ جائز ہیں بھئی۔ جی۔ اور نیز، نیز باقی صورتوں میں جائز نہیں۔ جی۔ بھئی کیوں؟ مجرور میں صرف کیوں جائز ہے اور باقی میں کیوں نہیں جائز؟ کہتے ہیں وجہ یہ کہ حرفِ عطف ضعیف ہے، وہ دو عاملوں

کا نائب نہیں ہو سکتا۔ جی۔ لیکن ہم نے عربوں سے سنا ہے کہ جب مجرور مقدم ہو تو وہ عطف کر دیتے ہیں، تو معلوم ہوا یہ مسئلہ خلاف القیاس ہے، کیونکہ قیاس تو کیا تقاضا کرتا ہے؟ حرفِ عطف کمزور ہے یہ دو کا نائب نہیں بن سکتا، لیکن عرب جب مجرور مقدم ہو تو وہ عطف کر دیا کرتے ہیں، تو یہ معلوم ہوا یہ مسئلہ کیا ہے؟ خلاف القیاس، خلافِ قانون ہے، ضابطے کے مطابق تو یہ عطف جائز ہی نہیں ہونا چاہیے، جی، لیکن ہم نے فصیح و بلیغ عربوں سے سنا ہے جب مجرور مقدم ہو تو وہ عطف کر دیتے ہیں۔ تو ان کا یہ عطف ضابطے کے مطابق ہوا یا خلاف القیاس ہوا؟ خلاف القیاس، کیونکہ حرفِ عطف کو وہ دو کا نائب بنا رہے ہیں اور حرفِ عطف دو کا نائب نہیں ہو سکتا، تو یہ عطف جو وہ کر رہے ہیں وہ خلافِ قانون ہے، یہ خلافِ قیاس ہے۔ اور جو چیز خلافِ قیاس ہوتی ہے وہ اپنے مورد پر بند رہتی ہے، اس پر آپ اور چیزوں کو قیاس نہیں کر سکتے۔ تو ہم نے مجرور جب مقدم ہے وہ صورتیں ہم نے عربوں سے سنی ہیں اس لیے مجرور مقدم ہو تو اس قسم کا عطف جائز ہے یعنی عَطْفٌ عَلَى مَعْمُولَيْ عَامِلَيْنِ، جی، اور اگر مجرور مقدم نہ ہو تو پھر جائز نہیں، تو باقی صورتیں وہ اپنے قیاس پر باقی رہیں گی، اور قیاس تو یہ تقاضا کرتا تھا کہ یہ جائز نہیں ہونا چاہیے، تو باقی صورتیں جائز نہیں ہیں۔ جی۔ بات سمجھ میں آگئی؟

جبکہ امام فراء فرماتے ہیں، امام فراء کی دلیل سنیں، وہ فرماتے ہیں کہ عرب کے فصیح و بلیغ لوگ جب مجرور مقدم ہو تو عَطْفٌ عَلَى مَعْمُولَيْ عَامِلَيْنِ کر دیتے ہیں۔ جی۔ جب ایک صورت کے اندر وہ عطف کر دیتے ہیں تو معلوم ہوا باقی صورتوں میں بھی عطف جائز ہو گا کیونکہ جب ایک صورت کے اندر حرفِ عطف دو کا نائب بن گیا تو باقی صورتوں میں بھی اس نے دو کا نائب ہی بننا ہے نا، کوئی نئی چیز تو نہیں ہونی وہاں پر، تو جب ایک جگہ دو کا وہ نائب بن رہا ہے تو معلوم ہوا دوسری جگہ بھی وہ دو کا نائب بن سکتا ہے، لہٰذا تمام صورتیں جائز ہیں، وہ اسی پر قیاس کرتے ہیں۔ تو جبکہ جمہور پھر جواب دیتے ہیں کہ عربوں سے جو ہم نے صورت سنی ہے وہ صرف مجرور مقدم ہونے والی صورت ہی سنی ہے، تو اور یہ مسئلہ موقوف ہے سماع پر کیونکہ یہ لغت کا مسئلہ ہے زبان کا مسئلہ ہے اور زبان کے قوانین سماع پر موقوف ہوتے ہیں کہ عرب کس طرح بولتے ہیں اس کو سنا جائے، تو عربوں کو سنا جائے گا اس کے اندر تو یہ سماع پر موقوف ہے، اس کے اندر قیاس جاری نہیں ہو سکتا، باقی صورتوں کا آپ اس پر قیاس نہیں کر سکتے۔

جبکہ امام سیبویہ فرماتے ہیں کہ نہیں، کسی صورت میں یہ جائز نہیں، جی، کسی صورت میں جائز نہیں کیونکہ حرفِ عطف دو کا نائب نہیں ہو سکتا۔ تو ہم ان کو کہتے ہیں کہ دیکھیے بعض صورتوں میں عربوں نے کیا کیا ہے جب مجرور مقدم ہوتا ہے تو عرب کے فصیح و بلیغ لوگ کیا کر دیتے ہیں؟ عطف کر دیتے ہیں۔ تو امام سیبویہ فرماتے ہیں کہ اس صورت میں وہاں وہ جو خافض ہے وہ جو جر دینے والا ہے وہ محذوف ہوتا ہے، وہ کیا ہوتا ہے؟ محذوف ہوتا ہے، وہ وہاں محذوف نکالنا پڑے گا۔ چنانچہ یہاں پر بھی وہ فرماتے ہیں مَا كُلُّ سَوْدَاءَ تَمْرَةً وَلَا بَيْضَاءَ شَحْمَةً، یہاں پر یہ بَيْضَاءَ کا عطف سَوْدَاءَ پر نہیں ہو رہا وہ فرماتے ہیں، توجہ ہے؟ جی۔ بَيْضَاءَ کا عطف سَوْدَاءَ پر نہیں ہو رہا بلکہ بَيْضَاءَ یہاں كُلُّ لفظ مضاف محذوف ہے، وَكُلُّ بَيْضَاءَ شَحْمَةً۔ تو وہ كُلُّ جو محذوف ہے اس نے جر دیا تھا بَيْضَاءَ کو، اس بَيْضَاءَ کا عطف سَوْدَاءَ پر نہیں، وہ پہلا والا كُلُّ اس کو جر

نہیں دے رہا بلکہ یہاں ایک اور کُلُّ موجود تھا جس کو حذف کر لیا گیا۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو چنانچہ وہ یہ جواب دیتے ہیں امام سیبویہ۔

مسئلہ سمجھ میں آگیا؟ تو معلوم ہوا عَطْفٌ عَلَى مَعْمُولَيْ عَامِلٍ وَاحِدٍ بالاتفاق جائز ہے، جی، عَطْفٌ عَلَى مَعْمُولَيْ عَامِلٍ وَاحِدٍ بالاتفاق جائز ہے۔ ضَرَبَ زَيْدٌ عَمْرًا وَبَكْرٌ خَالِدًا، یہ بالاتفاق جائز ہے کیونکہ حرفِ عطف ایک عامل کا نائب بن جائے گا۔ لیکن اگر عطف کیا جائے عَلَى مَعْمُولَيْ عَامِلَيْنِ دو عاملوں کے دو معمولوں پر عطف کیا جائے جیسے مَا كُلُّ سَوْدَاءَ تَمْرَةً وَلَا بَيْضَاءَ شَحْمَةً کے اندر ہے، تو اس میں جمہور کہتے ہیں کہ اگر مجرور مقدم ہو تو جائز ہے باقی صورتوں میں جائز نہیں۔ امام فراء فرماتے ہیں تمام صورتوں میں جائز، جبکہ امام سیبویہ فرماتے ہیں کہ یہ کسی بھی صورت میں جائز نہیں ہے۔

تفصیل سمجھ میں آگئی؟ اب ترجمہ بھی اس کا دیکھ لیجیے: مَا كُلُّ سَوْدَاءَ تَمْرَةً، نہیں ہے كُلُّ سَوْدَاءَ ہر کالی چیز تَمْرَةً کھجور، ہر کالی چیز کھجور نہیں ہوتی وَبَيْضَاءَ شَحْمَةً اور ہر سفید چیز چربی نہیں ہوتی۔ جی۔ ہر کالی چیز کھجور نہیں ہوتی اور ہر سفید چیز چربی نہیں ہوتی۔ یعنی یوں کہو اردو میں جیسے کہتے ہیں ہر چمکتی ہوئی چیز سونا نہیں ہے بھئی۔ جی۔ بات سمجھ میں آگئی؟

اب متن متن دیکھیے بھئی۔ کہتے ہیں وَإِذَا عُطِفَ عَلَى عَامِلَيْنِ، اور جب عطف کیا جائے دو عاملوں پر۔ توجہ سے سنو، وَإِذَا عُطِفَ اور جب عطف کیا جائے عَلَى عَامِلَيْنِ کس پر؟ دو عاملوں پر۔ دو عاملوں پر عطف کرتے تھے یا دو معمولوں پر عطف کرتے تھے؟ معمولوں پر۔ دو معمولوں پر، تو یہاں تو عَلَى عَامِلَيْنِ ہے، تو لہٰذا شارحین فرماتے ہیں یہاں عَامِلَيْنِ سے پہلے مَعْمُولَيْنِ کا لفظ مضاف محذوف نکال لیں گے۔ جی۔ ابھی میں نے کیا بتلایا تھا؟ عَطْفٌ عَلَى مَعْمُولَيْ عَامِلَيْنِ، تو یہاں بھی مَعْمُولَيْ لفظ محذوف ہے بھئی۔ تو کہتے ہیں وَإِذَا عُطِفَ عَلَى مَعْمُولَيْ عَامِلَيْنِ مُخْتَلِفَيْنِ

مُخْتَلِفَيْنِ، اور جب عطف کیا جائے دو، عَامِلَيْنِ مُخْتَلِفَيْنِ دو مختلف عاملوں کے دو معمولوں پر۔ وَإِذَا عُطِفَ عَلَى مَعْمُولَيْ عَامِلَيْنِ مُخْتَلِفَيْنِ جب دو مختلف عاملوں کے معمولوں پر عطف کیا جائے۔ جی۔ تو یہاں مَعْمُولَيْنِ کا لفظ محذوف ہے۔ جی۔

سوال: کہ صاحبِ کافیہ نے مَعْمُولَيْنِ کے لفظ کو کیوں حذف کیا؟ ذکر کیوں نہیں کیا؟ ہونا تو یوں چاہیے تھا نا وَإِذَا عُطِفَ عَلَى مَعْمُولَيْ عَامِلَيْنِ، جی، لیکن صاحبِ کافیہ نے کیا کیا؟ مَعْمُولَيْنِ کے لفظ کو حذف کر دیا۔ تو اس کی وجہ کیا ہے؟ تو شارحین فرماتے ہیں کہ دراصل صاحبِ کافیہ بتلانا یہ چاہتے ہیں کہ اس مسئلے کا سارا دارومدار عاملوں پر ہے، جی، اگر عامل ایک ہے اور دو معمول ہیں اس کے اور ان دونوں پر آپ عطف کرنا چاہتے ہیں تو بالاتفاق جائز، اور اگر عامل دو ہیں اور ان کے دو معمولوں پر آپ عطف کرنا چاہتے ہیں تو پھر اختلاف ہے۔ جی۔

عامل ایک ہو ضَرَبَ زَيْدٌ عَمْرًا وَبَكْرٌ خَالِدًا یہاں ضَرَبَ ایک ہی عامل تھا دونوں معمولوں میں، تو یہ بالاتفاق جائز۔ اور مَا كُلُّ سَوْدَاءَ تَمْرَةً وَلَا بَيْضَاءَ شَحْمَةً یہاں عامل دو ہیں، تو اس لیے اس کے اندر اختلاف ہے۔ معلوم ہوا اس مسئلے کا سارا

دارومدار کس پر ہے؟ عامل پر ہے، اس لیے صاحبِ کافیہ نے مَعْمُولَيْنِ یعنی مضاف کو حذف کر دیا۔ تو ایک جواب کیا کہ صاحبِ کافیہ نے مَعْمُولَيْنِ کے لفظ کو کیوں حذف کیا؟ کیونکہ وہ بتلانا چاہتے ہیں اس مسئلے کا سارا دارومدار کس پر ہے؟ عامل پر ہے، عامل ایک ہے تو بالاتفاق جائز، عامل دو ہیں تو پھر جائز نہیں۔ اور نیز، اس لیے کیونکہ نحو کے اندر آپ نے پڑھا ہے عامل اور معمول، عامل جو عمل کرنے والا ہے اور معمول وہ جس پر اس نے عمل کیا ہے، تو عامل پہلے آتا ہے اور معمول بعد میں آتا ہے عموماً بھئی۔ جی۔ عموماً معمول بعد میں آتا ہے یعنی عامل مقدم ہوتا ہے اور معمول بعد میں آتا ہے، اور یہاں پر اگر صاحبِ کافیہ یوں کہہ دیتے عَلَى مَعْمُولَيْ عَامِلَيْنِ تو مَعْمُولَيْنِ کے لفظ کا مقدم ہونا لازم آتا کس پر؟ عامل پر، حالانکہ معمول تو کب آتا ہے؟ عامل کے بعد آتا ہے، تو انہوں نے لفظوں میں بھی پسند نہیں کیا کہ معمول کے لفظ کو کیا کر دیں؟ عامل پر مقدم کر دیں۔ جی۔ بات سمجھ میں آگئی؟

تو دو وجہیں ذکر کر دیں۔ ایک یہ وجہ کہ اس مسئلے کا دارومدار عامل پر ہے یہ بتلانا چاہتے ہیں۔ دوسری وجہ یہ کہ اس صورت میں لفظوں میں معمول کا مقدم ہونا لازم آتا تھا حالانکہ معمول تو عامل پر اکثر کیا ہوتا ہے؟ مؤخر ہی ہوتا ہے، تو لفظوں میں بھی مقدم کرنا پسند نہیں کیا۔ تو کہتے ہیں وَإِذَا عُطِفَ عَلَى مَعْمُولَيْ عَامِلَيْنِ مُخْتَلِفَيْنِ اور جب عطف کیا جائے دو مختلف عاملوں کے دو معمولوں پر لَمْ يَجُزْ تو یہ جمہور کے نزدیک جائز نہیں ہے، خِلَافًا لِلْفَرَّاءِ بخلاف امام فراء کے وہ فرماتے ہیں جائز ہے۔ إِلَّا فِي نَحْوِ مگر صرف اس جیسی مثالوں میں: فِي الدَّارِ زَيْدٌ وَالْحُجْرَةِ عَمْرٌو۔ فِي الدَّارِ زَيْدٌ اس گھر میں زید ہے وَالْحُجْرَةِ عَمْرٌو اور اس کمرے میں عمرو ہے۔ حجرہ کہتے ہیں کمرے کو۔ کمرے کو۔ جی۔

تو دیکھو فِي الدَّارِ زَيْدٌ وَالْحُجْرَةِ عَمْرٌو۔ تو فِي الدَّارِ، فِي جارہ الدَّارِ مجرور، جار مجرور مل کر یہ متعلق ہوں گے ثَابِتٌ سے اور یہ خبرِ مقدم، اور زَيْدٌ یہ کیا ہے؟ مبتدا مؤخر۔ اور آگے وَالْحُجْرَةِ عَمْرٌو ان دو اسموں کا آپ عطف کرنا چاہتے ہیں پیچھے۔ الْحُجْرَةِ کا عطف کرنا چاہتے ہیں دَارِ پر، جی، اور دَارِ میں عامل کیا؟ فِي، فِي اس کو جر دے رہا ہے۔ اور عَمْرٌو کا عطف کرنا چاہتے ہیں کس پر؟ زَيْدٌ پر، اور زَيْدٌ میں عامل کیا؟ ابتدا کیونکہ وہ مبتدا ہے۔ تو آپ دو اسموں کا عطف کرنا چاہتے ہیں دو معمولوں پر اور ان دونوں کے عامل الگ الگ ہیں، الدَّارِ کے اندر عامل فِي اور زَيْدٌ کے اندر عامل ابتدا۔ تو اس صورت میں جمہور کے نزدیک جب مجرور مقدم ہو تو وہ جائز ہوتا ہے اور یہاں پر بھی وَالْحُجْرَةِ عَمْرٌو، حُجْرَةِ مجرور کیا ہے؟ مقدم ہے، تو جمہور کے نزدیک صرف اس صورت میں جائز ہے۔ جی۔

تو یہ معنی ہے إِلَّا فِي نَحْوِ، پھر دیکھیے لَمْ يَجُزْ خِلَافًا لِلْفَرَّاءِ کہ جائز نہیں ہے بخلاف امام فراء کے إِلَّا فِي نَحْوِ مگر صرف اس جیسی مثالوں میں، جمہور کے نزدیک جائز نہیں ہے مگر صرف اس جیسی مثالوں میں: فِي الدَّارِ زَيْدٌ وَالْحُجْرَةِ عَمْرٌو، اس گھر میں زید ہے اور اس کمرے میں عمرو ہے، خِلَافًا لِسِيبَوَيْهِ بخلاف کس کے؟ امام سیبویہ کے، وہ فرماتے ہیں کسی بھی صورت میں جائز نہیں۔ جی۔ بات سمجھ میں آگئی؟ اب اس سارے کو شرح کے ساتھ دیکھیے۔

کہتے ہیں وَإِذَا عُطِفَ أَيْ إِذَا أُوقِعَ الْعَطْفُ بِنَاءً عَلَى وُجُودِ عَامِلَيْنِ۔ اچھا ادھر دیکھیے، متن کی عبارت کیا تھی؟ وَإِذَا عُطِفَ عَلَى عَامِلَيْنِ، توجہ ہے؟ متن پہ صرف نظر رکھو، وَإِذَا عُطِفَ عَلَى عَامِلَيْنِ۔ جی۔ جب عطف کیا جائے دو عاملوں پر، اور میں نے بتایا عطف تو عاملوں پر نہیں ہو رہا بلکہ کس پر ہو رہا ہے؟ معمولوں پر ہو رہا ہے، تو یہاں مضاف محذوف ہے۔ تو صاحبِ کافیہ کی ظاہری عبارت صحیح نہیں لگ رہی۔ جی۔ تو لہٰذا مضاف محذوف نکالا تو عبارت ٹھیک ہو گئی۔ جی۔ تو بہرحال شارحین نے اس کی تین صورتیں ذکر کی ہیں عبارت کے ٹھیک کرنے کی۔ ایک صورت میں نے ذکر کر دی کہ مَعْمُولَيْ عَامِلَيْنِ کر دیں، مَعْمُولَيْنِ کا لفظ یہاں مضاف محذوف نکال لیں، ایک صورت یہ۔

دو اور صورتیں صاحبِ جامی ذکر کریں گے۔ ایک صورت یہ ادھر دیکھیے کہ إِذَا عُطِفَ جب عطف کیا جائے بِنَاءً عَلَى وُجُودِ عَامِلَيْنِ، جی، بِنَاءً یہ صاحبِ جامی ذکر کر رہے ہیں، بِنَاءً عَلَى وُجُودِ عَامِلَيْنِ، دو عاملوں کے وجود کی بنا پر، جی، جب عطف کیا جائے دو عاملوں کے وجود کی بنا پر۔ معلوم ہوا اس عَلَى کو عُطِفَ سے نہ جوڑو، اگر آپ اس عَلَى کو عُطِفَ سے جوڑیں گے پھر معنی خراب ہو رہا تھا، وَإِذَا عُطِفَ، توجہ سے سنو، وَإِذَا عُطِفَ عَلَى عَامِلَيْنِ جب عطف کیا جائے دو عاملوں پر، جی، یہ تو معنی ٹھیک نہیں بنتا، دو عاملوں پر عطف کی بات تو نہیں ہو رہی بلکہ دو معمولوں پر عطف کی بات ہو رہی ہے۔ تو لہٰذا ظاہرِ عبارت غلط بن رہی تھی کیونکہ عَلَى کو آپ جوڑ رہے تھے عُطِفَ سے، جب عطف کیا جائے کس پر؟ عَلَى عَامِلَيْنِ دو عاملوں پر، تو معنی صحیح نہیں ہو رہا تھا۔ تو صاحبِ جامی آپ کو بتلائیں گے کہ یہ عَلَى عَامِلَيْنِ یہ جو جار مجرور ہے اس کو عُطِفَ سے نہ جوڑیں، جی، اس کو عُطِفَ سے نہ جوڑیں بلکہ یہ عَلَى بنائیہ ہے اور اس کو بِنَاءً سے جوڑیں، کس سے جوڑیں؟ بِنَاءً عَلَى وُجُودِ عَامِلَيْنِ، اور عَامِلَيْنِ سے پہلے وُجُودِ کا لفظ مضاف محذوف نکال لیں، جی، بِنَاءً عَلَى وُجُودِ، جب عطف کیا جائے بِنَاءً عَلَى وُجُودِ عَامِلَيْنِ دو عاملوں کے وجود کی بنا پر، دو عاملوں پر عطف نہ کیا جائے، دو عاملوں کے وجود کی وجہ سے عطف کیا جائے، جی، دو عاملوں کے وجود کی وجہ سے عطف کیا جائے، عطف تو دو معمولوں پر ہی کرنا ہے لیکن کس وجہ سے کس بنا پر؟ دو عاملوں کے وجود کی وجہ سے، اس قسم کا جو عطف ہے اس کے اندر اختلاف ہے بھئی۔ تو یہ ایک صورت ذکر کریں گے صاحبِ جامی کہ اس عَلَى کو عُطِفَ سے نہ جوڑیں بلکہ یہ عَلَى کیا ہے؟ بنائیہ ہے اور اس کے لیے بِنَاءً الگ نکال لیں۔ توجہ ہے؟ جی۔ بِنَاءً، تو اس کو مفعول لہ بنائیں، کیا بنائیں؟ مفعول لہ کسے کہتے ہیں؟ جو ماقبل فعل کی علت بیان کرے۔ إِذَا عُطِفَ جب عطف کیا جائے بِنَاءً عَلَى وُجُودِ عَامِلَيْنِ دو عاملوں کے وجود کی بنا پر، دو عاملوں کی وجہ سے یوں کہو، دو عاملوں کی وجہ سے، جیسے ضَرَبْتُهُ تَأْدِيبًا میں نے اس کی پٹائی کی کس لیے؟ ادب سکھانے کے لیے۔ جی۔ تو یہاں پر بھی اسی طرح ہے۔

یا دوسری مثال لے لیں قَعَدْتُ عَنِ الْحَرْبِ جُبْنًا میں جنگ سے بیٹھا بزدلی کی وجہ سے۔ جی۔ قَعَدْتُ عَنِ الْحَرْبِ جُبْنًا یہ جُبْنًا بھی کیا ہے؟ مفعول لہ ہے، توجہ ہے؟ بھئی میں نے بتایا تھا مفعول لہ دو قسم پر ہیں، بعض اوقات فعل سبب ہوتا ہے مفعول لہ کا اور بعض اوقات مفعول لہ سبب ہوتا ہے فعل کا۔ جی۔ ضَرَبْتُهُ تَأْدِيبًا میں نے اس کی پٹائی کی تَأْدِيبًا ادب سکھانے کے لیے، تو ضرب یعنی پٹائی کرنا سبب ہے اور ادب کا سیکھنا مسبب ہے۔ توجہ ہے؟ اور کبھی کبھار اس کا برعکس

ہوتا ہے مفعول لہ علت ہوتا ہے ماقبل والے فعل کی، قَعَدْتُ عَنِ الْحَرْبِ جُبْنًا، قَعَدْتُ عَنِ الْحَرْبِ میں جنگ سے بیٹھ گیا یعنی میں جنگ میں نہیں گیا میں نے شرکت نہیں کی جُبْنًا بزدلی کی وجہ سے۔ جی۔ تو اب دیکھو بزدلی پہلے ہے اور جنگ سے بیٹھنا اس کے بعد ہے، پہلی صورت میں کیا تھا ضَرَبْتُهُ تَأْدِيبًا، ضرب پہلے ہے اور پھر اس کے بعد ادب کا سیکھنا ہے، جبکہ یہاں پر قَعَدْتُ عَنِ الْحَرْبِ جُبْنًا میں جنگ سے بیٹھا بزدلی کی وجہ سے، دیکھو پہلے سے بزدلی تھی اس کی وجہ سے جنگ میں نہیں گیا۔ تو دونوں میں ترجمہ کیسے کرتے ہیں؟ دیکھو دونوں میں ترجمے میں بھی فرق ہو گا، ضَرَبْتُهُ تَأْدِيبًا میں نے اس کی پٹائی کی ادب سکھانے کے لیے، جی، ادب سکھانے کے لیے یہاں «کے لیے» کے ساتھ عموماً ترجمہ ہو جاتا ہے بہترین، اور اگر قَعَدْتُ عَنِ الْحَرْبِ جُبْنًا میں جنگ سے بیٹھا بزدلی کے لیے، دیکھو معنی صحیح نہیں، جی، ترجمہ کیسے کریں گے؟ میں جنگ سے بیٹھا بزدلی کی وجہ سے، تو یہاں «کی وجہ سے» آئے گا۔ تو مفعول لہ کبھی مقدم ہوتا ہے فعل پر تو وہاں اور طرح ترجمہ ہو گا اور کبھی مؤخر ہوتا ہے تو وہاں اور طرح ترجمہ ہو گا۔ تو یہاں پر بھی وَإِذَا عُطِفَ اور جب عطف کیا جائے بِنَاءً عَلَى وُجُودِ عَامِلَيْنِ دو عاملوں کے وجود کی بنا پر، دو عاملوں کے وجود کی وجہ سے۔ جی۔ ترجمہ سمجھ میں آ رہا ہے؟ میں جنگ سے بیٹھا بزدلی کی وجہ سے، یہاں بھی اسی طرح، اور جب عطف کیا جائے دو عاملوں کے وجود کی وجہ سے۔

تو ایک جواب یہ۔ یہاں صاحبِ کافیہ کی عبارت بظاہر صحیح نہیں تھی۔ جی۔ تو بعض شارحین نے کیا کہا؟ یہاں مَعْمُولَيْنِ کا لفظ مضاف محذوف ہے جو میں نے شروع میں تقریر کر دی، وَإِذَا عُطِفَ عَلَى مَعْمُولَيْ عَامِلَيْنِ جب دو عاملوں کے دو معمولوں پر عطف کیا جائے، تو عبارت ٹھیک ہو گئی۔ دوسری صورت صاحبِ جامی بتلا رہے ہیں کہ وَإِذَا عُطِفَ بِنَاءً عَلَى وُجُودِ عَامِلَيْنِ جب عطف کیا جائے دو عاملوں کے وجود کی وجہ سے، اب بھی عبارت ٹھیک ہو گئی۔ جی۔ دو عاملوں کے وجود کی وجہ سے عطف کیا جائے، یہ نہیں کہہ رہے کہ دو عاملوں پر عطف کیا جائے بلکہ ان کے وجود کی وجہ سے عطف کیا جائے ان کے معمولوں پر۔ جی۔ اور تیسری صورت جو ہے وہ بھی صاحبِ جامی آگے بیان کریں گے، بلکہ وہ بھی یہیں سمجھ لیں، تیسرا جواب دیں گے کسی اور شارح کا قول ذکر کریں گے، وہ فرماتے ہیں کہ یہاں پر، یہاں پر عطف سے مراد عطفِ اصطلاحی نہ لیں، تو وہ اصطلاحی عطف والا معنی یہاں نہ کریں بلکہ عطف یہاں لغوی معنی کر لیں، عربی زبان میں عطف کسے کہتے ہیں؟ یاد رکھو عربی زبان میں عطف کا معنی ہے مائل کرنا، ایک چیز کو دوسری چیز کی طرف مائل کرنا، اس کی طرف جھکانا۔ جی۔ ایک چیز کو دوسری چیز کی طرف مائل کرنا، اس کی طرف جھکانا، اس کے قریب کرنا۔ تو یہاں پر بھی ہے، وہ کہتے ہیں وَإِذَا عُطِفَ اور جب مائل کیا جائے، جی، اور جب مائل کیا جائے دو اسموں کو عَلَى عَامِلَيْنِ کس پر؟ دو عاملوں پر یعنی ان کے لیے معمول بنایا جائے، دیکھو ادھر دیکھو، اس مثال پہ نظر رکھیں: مَا كُلُّ سَوْدَاءَ تَمْرَةً وَلَا بَيْضَاءَ شَحْمَةً۔ جی۔ یہ جو بَيْضَاءَ اور شَحْمَةً ان دو اسموں کو، ان دو اسموں کو جو معطوف ہیں، جی، یہ پہلے تو معطوف نہیں تھے، ہم ان دو اسموں کو لائے اور ہم نے ان کو مائل کیا ان دو عاملوں کی طرف، یعنی ان کو بھی ان کا معمول بنا دیا۔ جی۔ عطف کر کے کیا کر دیا؟ ان کو بھی ان کا معمول بنا دیا، تو دیکھا دو اسموں کو مائل کر دیا گیا دو عاملوں کی طرف یعنی ان کے لیے معمول بنا دیا گیا بواسطہ

عطف کے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو یہ تین معنی بیان کریں گے۔

پھر دیکھیے متن دوبارہ شروع سے شرح کے ساتھ۔ کہتے ہیں وَإِذَا عُطِفَ أَيْ إِذَا أُوقِعَ الْعَطْفُ بِنَاءً عَلَى وُجُودِ عَامِلَيْنِ۔ أَيْ إِذَا أُوقِعَ الْعَطْفُ جب عطف کو واقع کیا جائے۔ کیا بتلانا چاہتے ہیں صاحبِ جامی اس سے؟ متن میں تو آیا وَإِذَا عُطِفَ، اور آگے وہ فرماتے ہیں أَيْ إِذَا أُوقِعَ الْعَطْفُ جب عطف کو واقع کیا جائے۔ أُوقِعَ الْعَطْفُ، أُوقِعَ فعلِ مجہول اور الْعَطْفُ اس کے لیے کیا ہے؟ نائب الفاعل ہے۔ بتلانا یہ چاہتے ہیں کہ وَإِذَا عُطِفَ، یہ عُطِفَ فعلِ مجہول ہے اور فعلِ مجہول کے لیے کیا چاہیے؟ نائب الفاعل۔ تو اس کا نائب الفاعل کیا ہے؟ کس کا عطف کیا جائے؟ تو بتلایا اس عُطِفَ کے اندر ضمیر ہے جو اسی کے مصدر کو لوٹ رہی ہے۔ جی۔ اس عُطِفَ کے اندر ضمیر ہے جو اسی کے مصدر کو لوٹ رہی ہے۔ میں نے آپ کو پہلے بھی بتلایا تھا یاد رکھیں یہ ضابطہ آپ کو جگہ جگہ بہت کام آئے گا، بعض اوقات ایک فعل کے فاعل یا نائب فاعل کا پتہ نہیں چل رہا ہوتا، جی، تو پھر اس فعل کے فاعل یا نائب فاعل جو ضمیر اس کے اندر ہوتی ہے وہ اسی کے مصدر کی طرف لوٹا دیتے ہیں۔ جی۔ جیسے میں نے مثال ذکر کی تھی کہ منطق کی کتابوں میں عبارت آتی ہے یا جیسے سلم میں عبارت آتی ہے إِلَّا لَدَارَ أَوْ تَسَلْسَلَ۔ جی۔ لَدَارَ، یہ لام تاکید کے لیے ہے اور دَارَ فعل ہے، أَوْ تَسَلْسَلَ، تَسَلْسَلَ بھی فعل ہے۔ دَارَ يَدُورُ دَوْرًا، تو دَارَ فعل ہے اور اس کے اندر فاعل هُوَ ضمیر ہے، اب هُوَ ضمیر کس کو راجع ہے؟ جی۔ تو علماء فرماتے ہیں کہ اس کے اندر ضمیر اسی کے مصدر کو راجع ہے۔ جی۔ اسی کے مصدر کو۔ تو دَارَ هُوَ، جی، اور یہ هُوَ کس کو راجع؟ اسی کے مصدر کو، اور اس کا مصدر کیا ہے؟ دَوْرٌ ہے، تو ذرا هُوَ کو ہٹاؤ اور دَوْرٌ کو خود یہاں لے آؤ: أَيْ إِلَّا لَدَارَ الدَّوْرُ، جی، إِلَّا لَدَارَ الدَّوْرُ۔ اور اسی طرح تَسَلْسَلَ کے اندر هُوَ ضمیر ہے اور وہ اسی تَسَلْسَلَ کے مصدر کو راجع ہے: أَيْ لَتَسَلْسَلَ التَّسَلْسُلُ۔

اچھا پھر اس کا ترجمہ کیسے کریں گے؟ ترجمے کا طریقہ بھی میں نے بتلایا تھا: لَدَارَ الدَّوْرُ أَيْ حَصَلَ الدَّوْرُ۔ لَدَارَ الدَّوْرُ، حَصَلَ الدَّوْرُ، یا یوں کہو يَقَعُ الدَّوْرُ، دور حاصل ہو گا یعنی دور ثابت ہو گا، جی، یا يَقَعُ الدَّوْرُ دور واقع ہو گا۔ جی۔ کیا ہو جائے گا؟ دور واقع ہو جائے گا۔ تو وَإِلَّا لَدَارَ یا دور واقع ہو گا، أَوْ تَسَلْسَلَ یا تسلسل واقع ہو گا۔ جی۔ تو یہاں پر بھی اسی طرح ہے کہ عُطِفَ فعلِ مجہول ہے اور اس کے نائب فاعل کا پتہ نہیں چل رہا، تو بتلایا کہ وہ نائب فاعل اسی کا مصدر ہے اور وہ مصدر ذرا لے آؤ: أَيْ إِذَا عُطِفَ الْعَطْفُ، جی، إِذَا عُطِفَ الْعَطْفُ، اور پھر اس کو اس تاویل میں لے جاؤ، اور یہ فعلِ مجہول ہے تو لہٰذا يَقَعُ نہ لائیں بلکہ اسی کے مطابق لے آئیں: أُوقِعَ الْعَطْفُ۔ جی۔ فعلِ مجہول ہے نا يَقَعُ تو معروف ہم نے نکالا تھا، آپ اسی کے مطابق نکال لیں: أَيْ أُوقِعَ الْعَطْفُ، جب عطف کو واقع کیا جائے۔ جی۔ یا معروف سے بھی آپ ترجمہ کر سکتے ہیں: أَيْ يَقَعُ الْعَطْفُ جب عطف واقع ہو، لیکن أُوقِعَ نکالا تاکہ اور ذرا مناسبت آجائے، یہ فعلِ مجہول ہے تو آگے يَقَعُ کے بجائے فعل بھی مجہول نکال لیا، أُوقِعَ الْعَطْفُ کا کیا معنی؟ جب عطف ہو۔ جب عطف ہو، عطف واقع کیا جائے یعنی جب عطف واقع ہو، بات سمجھ میں آگئی؟

تو کہتے ہیں وَإِذَا عُطِفَ أَيْ إِذَا أُوقِعَ الْعَطْفُ جب عطف واقع کیا جائے بِنَاءً عَلَى وُجُودِ عَامِلَيْنِ بنا بر دو عاملوں کے وجود

کے، دو عاملوں کے وجود کی وجہ سے، جب عطف کیا جائے دو عاملوں کے وجود کی وجہ سے، بِأَنْ عُطِفَ اسْمَانِ عَلَى، صورت بتلا رہے ہیں کیسے؟ بِأَنْ عُطِفَ بایں صورت کہ عطف کیا جائے اسْمَانِ دو اسموں کا عَلَى مَعْمُولَيْهِمَا ان دو عاملوں کے معمولوں پر، دو اسموں کا عطف کیا جائے وہ جو دو عامل تھے ان کے معمولوں پر، کہتے ہیں بِأَنْ عُطِفَ اسْمَانِ بایں صورت کہ عطف کیا جائے دو اسموں کا عَلَى مَعْمُولَيْهِمَا ان دو عاملوں کے دو معمولوں پر بِعَاطِفٍ وَاحِدٍ ایک ہی حرفِ عطف کے ساتھ۔ جی۔ یہ ایک صورت ہو گئی عبارت صحیح کرنے کی۔

اب دوسری صورت ذکر کر رہے ہیں: وَقَالَ بَعْضُ شَارِحِي اللُّبَابِ، بَعْضُ شَارِحِينَ، جی، نون اضافت کی وجہ سے گر گیا تو شَارِحِينَ جمع ہے، تو اور یہ لُبَاب یاد رکھو یہ کتاب کا نام ہے، لُبَابُ الْإِعْرَاب مشہور کتاب ہے علمِ نحو کی جو علامہ تاج الدین اسفرائینی ان کی کتاب ہے اور یہ بہت بڑے نحوی گزرے ہیں، تو لُبَاب کے بعض شارحین نے لکھا ہے، جی، لُبَاب کے بعض شارحین نے لکھا ہے، یعنی جنہوں نے اس کتاب کی بھی شرح کی ہو گی، لُبَاب کی بھی شرح کی ہو گی۔ تو کہتے ہیں وَقَالَ بَعْضُ شَارِحِي اللُّبَابِ اور لُبَاب کتاب کے بعض شارحین نے کہا ہے: الْأَظْهَرُ عِنْدِي، وہ شارح فرماتے ہیں الْأَظْهَرُ عِنْدِي میرے نزدیک زیادہ ظاہر یہ ہے، یعنی عبارت حل کر رہے ہیں، میرے نزدیک زیادہ ظاہر یہ ہے کہ أَنَّ الْعَطْفَ هَاهُنَا مَحْمُولٌ عَلَى مَعْنَاهُ اللُّغَوِيِّ کہ عطف یہاں پر محمول ہے اپنے لغوی معنی پر یعنی عربی زبان میں جو اس کا معنی ہے۔ تو کہتے ہیں مَحْمُولٌ عَلَى مَعْنَاهُ اللُّغَوِيِّ أَيْ إِمَالَةِ الِاسْمَيْنِ، وہ لغوی معنی کیا ہے؟ أَيْ إِمَالَةِ الِاسْمَيْنِ یعنی دو اسموں کو مائل کرنا نَحْوَ الْعَامِلَيْنِ، نَحْوٌ کا معنی ہے طرف، جانب، دو اسموں کو مائل کرنا نَحْوَ الْعَامِلَيْنِ ان دو عاملوں کی جانب بِأَنْ يُجْعَلَا مَعْمُولَيْهِمَا بایں صورت کہ ان دونوں اسموں کو ان دو عاملوں کے لیے معمول بنا دیا جائے۔ جی۔

اب تیسری صورت ذکر کر رہے ہیں۔ پہلی صورت کیا؟ عبارت حل کر رہے ہیں وَإِذَا عُطِفَ عَلَى عَامِلَيْنِ، پہلی عبارت کیا حل کی کہ بِنَاءً عَلَى وُجُودِ عَامِلَيْنِ عطف کیا جائے دو عاملوں کے وجود کی وجہ سے، عاملوں پر عطف نہیں ہے بلکہ ان کے وجود کی وجہ سے عطف ہے، اور دوسرا کیا کہ عطف سے لغوی معنی مراد لے لیں، مائل کرنا، دو اسموں کو مائل کر کے، جی، دو اسموں کو مائل کر کے دو عاملوں کا معمول بنا دینا عطف کے ذریعے۔ لیکن کہتے ہیں وَأَكْثَرُ الشَّارِحِينَ عَلَى أَنَّ الْمَعْنَى لیکن اکثر شارحین اس بات پر ہیں کہ معنی جو ہے عَلَى مَعْمُولَيْ عَامِلَيْنِ، جی، کہ عبارت کا معنی عَلَى مَعْمُولَيْ عَامِلَيْنِ پر ہے یعنی یہاں مَعْمُولَيْ لفظ مضاف محذوف ہے۔ جی۔ بات سمجھ میں آ گئی؟

اور پھر آگے وَإِنَّمَا قَالَ عَلَى مَعْمُولَيْ عَامِلَيْنِ اسی کی شرح شروع کر دی، جی، اکثر نے کیا کہا یہاں مَعْمُولَيْنِ کا لفظ مضاف محذوف ہے اور اسی پر پھر آگے شارحِ جامی نے شرح بھی شروع کر دی، معلوم ہوا شارحِ جامی کے نزدیک بھی یہی زیادہ پسندیدہ ہے کہ یہاں مَعْمُولَيْنِ کا لفظ مضاف محذوف نکالا جائے۔ جی۔ تو کہتے ہیں وَإِنَّمَا قَالَ عَلَى مَعْمُولَيْ عَامِلَيْنِ کہتے ہیں ماتن نے عَلَى مَعْمُولَيْ عَامِلَيْنِ کہا لَا عَلَى مَعْمُولَيْ عَامِلٍ وَاحِدٍ ایک عامل کے دو معمولوں پر یہ والی عبارت ذکر نہیں کی، عَلَى مَعْمُولَيْ عَامِلٍ وَاحِدٍ نہیں کہا، فَإِنَّهُ جَائِزٌ اتِّفَاقًا اس لیے کیونکہ یہ تو بالاتفاق جائز ہے نَحْوُ ضَرَبَ زَيْدٌ عَمْرًا وَعَمْرٌو

خَالِدًا، جی، تو دیکھو عَمْرٌو کا عطف کس پر؟ زَيْدٌ پر، اور خَالِدًا کا عطف کس پر؟ عَمْرًا پر، تو دو اسموں کا عطف ہوا دو معمولوں پر اور عامل ضَرَبَ ایک ہی ہے تو یہ بالاتفاق جائز ہے۔ جی۔ تو کہتے ہیں یہ چونکہ بالاتفاق جائز ہے اس لیے یہ نہیں کہا عَلَى مَعْمُولَيْ عَامِلٍ وَاحِدٍ۔ جی۔

وَلَا عَلَى أَكْثَرَ مِنِ اثْنَيْنِ اور نیز دو سے زیادہ، توجہ ہے، دو سے زیادہ عاملوں کی بات بھی نہیں کی، کیوں؟ فَإِنَّهُ لَا خِلَافَ فِي امْتِنَاعِهِ اس لیے کیونکہ ان کے ممتنع ہونے میں تو کوئی اختلاف ہی نہیں، جی، آپ تین اسموں کا عطف کرنا چاہتے ہیں کس پر؟ تین ایسے معمولوں پر کہ جن میں تین ہی عامل ہیں، جی، تو اس کی تو بات ہی نہیں کی کیونکہ اس کے تو ممتنع ہونے میں کوئی اختلاف ہی نہیں، یہ تو بالاتفاق ممتنع ہیں۔ عامل ایک ہو تو بالاتفاق جائز، عامل دو ہوں تو اختلاف، اور اگر عامل تین ہیں یا زیادہ تو وہ بالاتفاق ممنوع ہیں۔ تو کہتے ہیں، پھر دیکھیے عبارت، کہتے ہیں وَإِنَّمَا قَالَ عَلَى مَعْمُولَيْ عَامِلَيْنِ کہ ماتن نے عَلَى مَعْمُولَيْ عَامِلَيْنِ کہا لَا عَلَى مَعْمُولَيْ عَامِلٍ وَاحِدٍ، عَلَى مَعْمُولَيْ عَامِلٍ وَاحِدٍ نہیں کہا فَإِنَّهُ جَائِزٌ اتِّفَاقًا کیونکہ یہ تو بالاتفاق جائز ہے نَحْوُ ضَرَبَ زَيْدٌ عَمْرًا وَعَمْرٌو خَالِدًا، وَلَا عَلَى أَكْثَرَ مِنِ اثْنَيْنِ اور ماتن نے عَلَى أَكْثَرَ مِنِ اثْنَيْنِ بھی نہیں کہا فَإِنَّهُ لَا خِلَافَ فِي امْتِنَاعِهِ اس لیے کیونکہ اس کے ممتنع ہونے میں تو کوئی اختلاف نہیں۔

مُخْتَلِفَيْنِ، یہ متن آگیا: مُخْتَلِفَيْنِ، عَامِلَيْنِ مُخْتَلِفَيْنِ ایسے دو عامل جو مختلف ہوں۔ اب تشریح کر رہے ہیں صاحبِ جامی: أَيْ غَيْرِ مُتَّحِدَيْنِ یعنی وہ دونوں عامل متحد نہ ہوں بِأَنْ لَا يَكُونَ الثَّانِي عَيْنَ الْأَوَّلِ بایں صورت کہ دوسرا عامل عینِ اول ہو، جی، دوسرا عامل عینِ اول ہو جیسے یہ دو تین لفظوں کے بعد مثال آرہی ہے وہ ذرا دیکھ لیں: ضَرَبَ ضَرَبَ زَيْدٌ عَمْرًا وَبَكْرٌ خَالِدًا۔ جی۔ توجہ ہے؟ ضَرَبَ ضَرَبَ دو دفعہ آیا۔ یاد رکھو ایک ہی لفظ جب دو دفعہ آئے تو دوسرا پہلے کے لیے تاکیدِ لفظی ہوتا ہے۔ تو پہلا ضَرَبَ ہوا مؤکد اور دوسرا ضَرَبَ ہوا تاکید، اور یہ جو آگے زَيْدٌ اور عَمْرًا فاعل اور مفعول آرہے ہیں اس میں پہلا ضَرَبَ عامل ہے دوسرا ضَرَبَ عامل نہیں وہ تو صرف تاکید ہے۔ جی۔ توجہ ہے؟ تو صاحبِ جامی آپ کو بتلائیں گے کہ یہ جو متن میں آیا نا عَامِلَيْنِ مُخْتَلِفَيْنِ دو مختلف عامل، تو یہ جو مُخْتَلِفَيْنِ کی قید آئی تو یہ اس جیسی مثالوں کو نکالنے کے لیے ہے تاکہ کوئی شخص یہ وہم نہ کرے کہ یہاں بھی تو دو عامل ہیں ضَرَبَ ضَرَبَ دو دفعہ آیا، کہتے ہیں نہیں وہ عامل مختلف ہونے چاہئیں، دوسرا عامل عینِ اول نہیں ہونا چاہیے۔ تو کہتے ہیں مُخْتَلِفَيْنِ أَيْ غَيْرِ مُتَّحِدَيْنِ یعنی وہ دو عامل متحد نہ ہوں بِأَنْ لَا يَكُونَ الثَّانِي عَيْنَ الْأَوَّلِ بایں صورت کہ دوسرا عامل وہ عینِ اول ہو۔ وَذَلِكَ لِدَفْعِ وَهْمِ مَنْ يَتَوَهَّمُ اور کہتے ہیں یہ دور کرنے کے لیے ہے وہ اس وہم کو اگر کوئی وہم کرے، جی، اگر کوئی وہم کرے تو اس وہم کو دور کرنے کے لیے ہے۔ تو کہتے ہیں وَذَلِكَ لِدَفْعِ وَهْمِ مَنْ يَتَوَهَّمُ اور کوئی شخص جو وہم کرے اس کے اس وہم کو یہ دور کرنے کے لیے ہے کہ أَنَّ مِثْلَ کہ اس جیسی مثالیں جو ہیں ضَرَبَ ضَرَبَ زَيْدٌ عَمْرًا وَبَكْرٌ خَالِدًا کوئی یہ وہم کرے کہ یہ جو مثال، اس جیسی جو مثالیں ہیں مِنْ هَذَا الْبَابِ کہ وہ بھی اسی باب سے ہیں مَعَ أَنَّهُ لَيْسَ مِنْهُ باوجود اس کے کہ یہ اس باب سے نہیں ہیں یہ اس قسم کی مثالیں، لِعَدَمِ تَعَدُّدِ الْعَامِلِ فِيهِ اس لیے کیونکہ اس کے اندر عامل متعدد نہیں ہیں، عامل ایک ہی ہے پہلا ضَرَبَ دوسرا ضَرَبَ تو اسی کی تاکید ہے، إِذِ الْعَامِلُ هُوَ

الْأَوَّلُ اس لیے کیونکہ عامل جو ہے وہ پہلا ہی ہے یعنی پہلا ضَرَبَ ہے، وَالثَّانِي تَأْكِيدٌ لَهُ اور دوسرا ضَرَبَ اسی کے لیے تاکید ہے۔

وَذَلِكَ الْعَطْفُ كَمَا وَقَعَ فِي قَوْلِهِمْ اور یہ عطف جیسے کہ واقع ہوا ہے بعض عربوں کے اس قول کے اندر: مَا كُلُّ سَوْدَاءَ تَمْرَةً وَلَا بَيْضَاءَ شَحْمَةً کہ ہر کالی چیز کھجور نہیں ہوتی اور ہر سفید چیز چربی نہیں ہوتی۔ جی۔ وَفِي قَوْلِ الشَّاعِرِ اور یہ اسی طرح ہے جیسے اس عربی شاعر کے قول میں واقع ہوا ہے: أَكُلَّ امْرِئٍ تَحْسَبِينَ امْرَأً — وَنَارٍ تَوَقَّدُ بِاللَّيْلِ نَارًا، أَكُلَّ امْرِئٍ تَحْسَبِينَ امْرَأً — وَنَارٍ تَوَقَّدُ بِاللَّيْلِ نَارًا۔

ترجمہ سمجھ لیجیے یہ شعر ہے بھئی۔ أَكُلَّ امْرِئٍ تَحْسَبِينَ امْرَأً، تَحْسَبِينَ یہ واحد مؤنث حاضر کا صیغہ ہے حَسِبَ يَحْسَبُ سے فعلِ مضارع ہے، اور یہ افعالِ قلوب میں سے ہے حَسِبَ يَحْسَبُ کس میں سے ہے؟ کسی کے بارے میں گمان کرنا، تو یہ افعالِ قلوب میں سے ہے اور افعالِ قلوب دو مفعول چاہتے ہیں۔ جی۔ حَسِبْتُ زَيْدًا عَالِمًا میں نے زید کے بارے میں گمان کیا عَالِمًا کہ وہ عالم ہے۔ تو یہاں پر بھی تَحْسَبِينَ فعل آیا اور یہ کتنے مفعول چاہتا ہے؟ دو۔ پہلا مفعول مقدم ہے كُلَّ امْرِئٍ، جی، كُلَّ مضاف امْرِئٍ مضاف الیہ۔ امْرُؤٌ آدمی، آدمی، مرد۔ اور یہ شروع میں ہمزہ جو آ رہا ہے أَكُلَّ امْرِئٍ یہ ہمزہ استفہام کے لیے ہے، جی، اور امْرَأً یہ مفعولِ ثانی ہے، جی، یہ کیا ہے؟ أَكُلَّ امْرِئٍ تَحْسَبِينَ امْرَأً، تَحْسَبِينَ کو ذرا مقدم کر دیں: أَتَحْسَبِينَ كُلَّ امْرِئٍ امْرَأً، جی، کیا تو گمان کرتی ہے ہر مرد کو امْرَأً مرد کامل، مرد؟

تو یہ شاعر ہے تو اس کی بیوی نے کسی اور کی تعریف کی اور شاعر کی تعریف نہیں کی اس کو کوئی برا بھلا کہا ہو گا کوئی جھگڑا ہو گا، تو شاعر کہتا ہے ترتیب دے دو بھئی: أَتَحْسَبِينَ کیا تو گمان کرتی ہے كُلَّ امْرِئٍ ہر آدمی کو امْرَأً آدمی، کیا تو ہر آدمی کو آدمی گمان کرتی ہے یعنی کیا تجھے جو بھی آدمی نظر آتا ہے تو اس کو کامل آدمی سمجھتی ہے؟ خوبصورت کپڑے پہنے ہوئے ہیں حسن و جمال والا ہے تو تو سمجھتی ہے شاید اس کے اخلاق بھی اچھے ہیں اور وہ بہادر بھی ہے وہ سخی بھی ہے مگر یہ تیرا گمان ہی ہے ایسا نہیں ہے۔ دیکھو استفہام ہے: أَكُلَّ امْرِئٍ تَحْسَبِينَ امْرَأً کیا تو ہر مرد کو مرد تصور کرتی ہے یعنی کامل مرد اور اچھے اخلاق والا؟ یہ تیرا گمان صحیح نہیں ہے۔

اور اسی طرح آگے دیکھیے اگلا مصرعہ ہے: وَنَارٍ تَوَقَّدُ بِاللَّيْلِ، تَوَقَّدُ یہ فعلِ مضارع ہے تَوَقَّدَ يَتَوَقَّدُ، جی، يَتَوَقَّدُ، اور پھر آگے مؤنث کا صیغہ ہے تَتَوَقَّدُ، توجہ ہے؟ تَتَوَقَّدُ کیونکہ نَارٌ عربی میں مؤنث استعمال ہوتا ہے اور دیکھو نکرہ ہے نَارٍ، نَارٍ نکرہ آیا اور نکرہ کے بعد فعل آیا میں نے آپ کو بتلایا تھا وہ فعل اس کے لیے صفت بنتا ہے تو تَوَقَّدُ یہ صفت ہے نَارٍ کی تو لہٰذا مؤنث کا صیغہ لائے اس کے اندر هِيَ ضمیر ہے جو اس نَارٍ کو لوٹ رہی ہے۔ نَارٍ ایسی آگ تَتَوَقَّدُ بِاللَّيْلِ جو رات کو جل رہی ہو، جی، ایسی آگ جو رات کو جل رہی ہو۔ تو ہونا یوں چاہیے تھا تَتَوَقَّدُ دو تا ہونی چاہئیں لیکن آپ نے ضابطہ پڑھا ہے کہ بابِ تَفَعُّل اور بابِ تَفَاعُل ان کے شروع میں اگر دو تا مفتوح آجائیں یعنی دو تا ہوں اور دونوں مفتوح ہوں تو ایک کو حذف کرنا

جائز ہے۔ جی۔ ایک کو حذف، تو تَتَوَقَّدُ تھا ایک تا حذف کر دی کیا رہ گیا؟ تَوَقَّدُ۔ جی۔ تو ماضی کیا ہے؟ تَوَقَّدَ، اور مضارع کیا ہے؟ تَوَقَّدُ، یہ دال پر جو ضمہ ہے یہ بتلا رہا ہے یہ ماضی نہیں ہے مضارع ہے ماضی تو مبنی علی الفتح ہوتی ہے۔ جی۔ یہ اسی طرح ہے جیسے قرآن میں آیا ہے، قرآن میں اللہ فرماتے ہیں: لَيْلَةُ الْقَدْرِ خَيْرٌ مِنْ أَلْفِ شَهْرٍ تَنَزَّلُ الْمَلَائِكَةُ وَالرُّوحُ فِيهَا، جی، دیکھو تَنَزَّلُ، اصل میں کیا تھا؟ تَتَنَزَّلُ، یہاں سے ایک تا حذف کر دی گئی کیونکہ جب دو تائے مفتوحہ بابِ تَفَعُّل یا تَفَاعُل میں جمع ہو جائیں تو ایک کو حذف کرنا جائز ہے لیکن دونوں تا مفتوح ہونی چاہئیں، جی، دونوں تا پر زبر ہونی چاہیے۔ تو تَوَقَّدَ کا معنی آگ کا جلنا بھی اور آگ کا جلانا بھی یعنی یہ لازمی بھی استعمال ہوتا ہے اور متعدی بھی۔

تو یہاں یہ لازمی ہے۔ وَنَارٍ تَوَقَّدُ بِاللَّيْلِ، اور تو کیا گمان کرتی ہے ہر ایسی آگ تَوَقَّدُ بِاللَّيْلِ جو رات کو جل رہی ہو نَارًا کہ وہ آگ ہے۔ وہ آگ ہے۔ یعنی کیا ہر وہ آگ جو تجھے رات کو دکھائی دے تو اس کو آگ سمجھتی ہے کہ شاید کسی اچھے آدمی نے آگ جلائی ہوئی ہے، کسی کی مہمان نوازی کر رہا ہے اس کے لیے کچھ بنا رہا ہے کھانا وغیرہ؟ ہو سکتا ہے وہ آگ چوروں نے ڈاکوؤں نے جلائی ہو بھئی، تو اس کے قریب جاؤ گے تو فائدہ نہیں ہو گا نقصان ہو گا۔ تو وہی بات ہر چمکتی ہوئی چیز سونا نہیں ہوتی۔ تو کیا ہر آدمی جس کو تو دیکھتی ہے تو اس کو کامل آدمی سمجھتی ہے اور ہر آگ جو رات کو جل رہی ہو تو اس کو اچھی آگ سمجھتی ہے؟ تیرا یہ گمان صحیح نہیں ہے۔ جی۔ بات سمجھ میں آگئی؟ ظاہر میں ایک شخص کتنے ہی حسن و جمال والا ہو، کتنے ہی اچھے کپڑے اس نے پہنے ہوں اس سے اس کا پتہ نہیں چلتا کہ معلوم نہیں وہ کس قسم کے اخلاق کا مالک ہے، اچھے اخلاق والا ہے یا ہر وقت دوسروں کو تکلیف دینے والا ہے۔ جی۔

تو پہلا مصرعہ کیا ہے؟ أَكُلَّ امْرِئٍ تَحْسَبِينَ امْرَأً، تو كُلَّ امْرِئٍ یہ مفعولِ اول ہے اور امْرَأً یہ کیا ہے؟ مفعولِ ثانی ہے تَحْسَبِينَ کے لیے، توجہ ہے؟ تو پہلا مفعول کیا؟ كُلَّ امْرِئٍ، كُلَّ مضاف اور امْرِئٍ مضاف الیہ۔ آگے جو آرہا ہے اگلے مصرعے میں وَنَارٍ، اس نَارٍ کا عطف ہے پہلے كُلَّ امْرِئٍ کا جو مضاف الیہ ہے امْرِئٍ پر، جی، اور وہ تو مجرور ہے اس کو كُلُّ کا لفظ جو مضاف ہے وہ جر دے رہا ہے، جی، تو نَارٍ أَيْ كُلَّ نَارٍ، توجہ ہے؟ تو نَارٍ کا پہلے نَارٍ کا عطف کس پر؟ كُلَّ امْرِئٍ کے اندر جو مضاف الیہ ہے امْرِئٍ کا لفظ بھئی اس پر عطف ہے، اور تَوَقَّدُ بِاللَّيْلِ یہ اس نَارٍ کی صفت ہے، اور آگے نَارًا آیا اس نَارًا کا عطف ہے پیچھے جو امْرَأً مفعولِ ثانی آیا تھا۔ توجہ ہے؟ تو معلوم ہوا پہلے نَارٍ کا عطف ہے امْرِئٍ پر اور اس امْرِئٍ کے اندر عامل كُلُّ کا لفظ ہے، جی، عامل كُلُّ کا لفظ ہے جو مضاف اس کو جر دے رہا ہے، اور دوسرے نَارًا کا عطف ہے امْرَأً پر اور وہ مفعولِ ثانی ہے تَحْسَبِينَ کے لیے تو اس کے اندر تَحْسَبِينَ عامل ہے۔ تو دیکھو دو اسموں کا عطف ہو رہا ہے دو ایسے معمولوں پر جن کے عامل الگ الگ ہیں۔ جی۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو دیکھو یہ عربی کا ایک فصیح و بلیغ شاعر جو ہے مجرور مقدم ہے تو عطف کر رہا ہے دو اسموں کا ایسے دو معمولوں پر جن کے عامل مختلف ہیں۔ اور میں نے بتایا کہ یہ ہمزہ استفہام کے لیے ہے أَكُلَّ امْرِئٍ تَحْسَبِينَ امْرَأً یہ استفہام کے لیے ہے اور یہ استفہامِ انکاری ہے۔ استفہامِ انکاری کسے کہتے ہیں؟ جہاں سوال نہیں مقصود ہوتا بلکہ ایک چیز کا انکار اور اس کو رد کرنا مقصود ہوتا ہے، کیا تو ہر آدمی کو کامل آدمی سمجھتی ہے اور

کیا ہر آگ جو رات کو جل رہی ہو تو اس کو اچھی آگ سمجھتی ہے؟ تیرا یہ گمان صحیح نہیں، تو یہاں استفہام مقصود نہیں ہے بلکہ انکار اور رد مقصود ہے۔ جی۔

تو کہتے ہیں وَفِي قَوْلِ الشَّاعِرِ اور جیسے کہ یہ عطف واقع ہوا ہے شاعر کے اس قول میں: أَكُلَّ امْرِئٍ تَحْسَبِينَ امْرَأً — وَنَارٍ تَوَقَّدُ بِاللَّيْلِ نَارًا۔ فَهَذَا تو یہ والا عطف وَإِنْ كَانَ بِحَسَبِ الظَّاهِرِ جَائِزًا اگرچہ ظاہر کے اعتبار سے جائز ہے لَكِنَّهُ لَمْ يَجُزْ عِنْدَ الْجُمْهُورِ لیکن یہ جائز نہیں ہے جمہور کے نزدیک بِحَسَبِ الْحَقِيقَةِ حقیقت کے اعتبار سے۔

اب اس بات کو سمجھ لو۔ دیکھو بھئی یہاں شرط اور جزا میں مطابقت نہیں ہے۔ شرط کیا آئی تھی؟ وَإِذَا عُطِفَ عَلَى مَعْمُولَيْ عَامِلَيْنِ مُخْتَلِفَيْنِ، جی، اور جب عطف کیا جائے دو مختلف عاملوں کے دو معمولوں پر لَمْ يَجُزْ تو یہ جائز نہیں۔ بھئی کیا معنی؟ جب عطف کر لیا تو پھر جائز نہ ہونے کا کیا معنی؟ وَإِذَا عُطِفَ، توجہ ہے؟ وَإِذَا عُطِفَ عَلَى مَعْمُولَيْ عَامِلَيْنِ مُخْتَلِفَيْنِ جب عطف کر لیا جائے دو عاملوں کے دو معمولوں پر لَمْ يَجُزْ تو پھر یہ جائز نہیں، جب عطف کر لیا جائے تو پھر جائز نہیں۔ تو معلوم ہوا شرط اور جزا میں مطابقت نہیں کیونکہ شرط کے اندر إِذَا آیا اور یاد رکھو إِذَا یقین کے لیے آتا ہے۔ کس کے لیے؟ یقین کے لیے۔ جس چیز میں شک ہو اس کے لیے إِذَا نہیں لاتے، یقین کے لیے إِذَا لاتے ہیں، شک کے لیے إِنْ لاتے ہیں۔ کس کے لیے؟ شک کے لیے إِنْ، اور لہٰذا جو چیز یقینی ہو وہاں إِنْ نہیں لا سکتے۔ مثلاً میں کہتا ہوں إِنْ طَلَعَتِ الشَّمْسُ غَدًا اگر کل سورج طلوع ہوا، بھئی سورج کا طلوع ہونا یقینی ہے یا نہیں؟ سورج کا طلوع ہونا تو یقینی ہے لہٰذا إِنْ یہاں نہیں لا سکتے بھئی، جی، إِذَا طَلَعَتِ الشَّمْسُ جب سورج طلوع ہو گا کل۔ إِذَا طَلَعَتِ الشَّمْسُ غَدًا فَنَأْتِي إِلَيْكَ جب سورج کل طلوع ہو گا تو ہم آپ کے پاس آئیں گے، تو دیکھو یہاں إِذَا لائے کیونکہ سورج کا طلوع ہونا یقینی، تو یقین کے لیے إِذَا لاتے ہیں اور شک کے لیے إِنْ، مثلاً إِنْ دَخَلْتِ الدَّارَ فَأَنْتِ طَالِقٌ اگر تو اس گھر میں گئی تو تجھے طلاق ہے، دیکھو یہاں اس عورت کا اس گھر میں جانا یقینی نہیں، تو شک کے لیے إِنْ لاتے ہیں اور یقین کے لیے إِذَا۔ تو یہاں إِذَا آیا اور نیز عُطِفَ ماضی کا صیغہ آیا، تو ماضی کا صیغہ آیا اور ماضی بھی یقین کے لیے آتا ہے، ایک چیز جو ہو چکی ہے وہ یقینی ہے اس کے ہونے میں کوئی شک نہیں۔ تو إِذَا بھی یقین کے لیے اور عُطِفَ ماضی کا صیغہ بھی یقین کے لیے، تو یہ تو ایک چیز کے وقوع پر دلالت کر رہے ہیں کہ ایک چیز کیا ہے؟ واقع ہے، اور جزا میں لَمْ يَجُزْ کہا جا رہا ہے عدمِ جواز کو ذکر کیا جا رہا ہے۔ شرط میں ہے وقوع، وقوع، اور جزا کیا ہے؟ عدمِ جواز، تو وقوع کے ساتھ عدمِ جواز جزا مطابق نہیں ہے، جب آپ عطف کر لیں تو یہ جائز نہیں، بھئی جب عطف کر لیا وقوع ہو گیا تو جائز نہ ہونے کا کیا معنی؟ جی۔

بات سمجھ میں آگئی؟ تو صاحبِ جامی اب اس کا جواب دینا چاہتے ہیں صاحبِ جامی۔ دیکھو ایک صورت یہ بھی تھی، یاد رکھو عربی زبان میں کبھی فعل بول کر ارادہِ فعل مراد ہوتا ہے۔ فعل بول کر ارادہِ فعل مراد ہوتا ہے جیسے قرآن میں ہے: يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا قُمْتُمْ إِلَى الصَّلَاةِ جب تم نماز کے لیے کھڑے ہو جاؤ، تو جب آپ نماز کے لیے صفوں کے اندر

کھڑے ہو جاتے ہیں پھر جا کر وضو کرتے ہیں یا وضو پہلے کرتے ہیں؟ وضو پہلے کرتے ہیں، تو یہاں قیام بول کر ارادہِ قیام مراد ہے، يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا قُمْتُمْ أَيْ إِذَا أَرَدْتُمُ الْقِيَامَ جب تمہارا نماز کے لیے کھڑے ہونے کا ارادہ ہو تو کیا کر لو؟ وضو کر لو۔ تو یہاں معلوم ہوا قیام بول کر ارادہِ قیام مراد ہے۔ اسی طرح حدیث میں آتا ہے: إِذَا دَخَلْتُمُ الْخَلَاءَ جب تم بیت الخلاء میں داخل ہو تو یہ دعا پڑھ لو، تو دعا بیت الخلاء کے اندر جا کر پڑھتے ہیں یا پہلے پڑھتے ہیں؟ پہلے، تو لہٰذا یہاں بھی دَخَلْتُمْ بول کر ارادہِ دخول مراد ہے جب تمہارا بیت الخلاء میں داخل ہونے کا ارادہ ہو تو یہ دعا پڑھ لو۔ جی۔ بات سمجھ میں آ رہی ہے؟ تو عربی میں کبھی فعل بول کر ارادہِ فعل مراد ہوتا ہے۔ تو یہاں پر اگر ایسا کیا جائے وَإِذَا عُطِفَ آپ نے کیا کہا؟ عطف کر لیا تو جائز نہیں مطابقت نہیں۔ بھئی عطف نہ مراد لو ارادہِ عطف مراد لے لو، جب تمہارا اس قسم کے عطف کا ارادہ ہو تو وہ جائز نہیں۔ جی۔ جب تمہارا... ہاں تو دیکھو اب تو وقوع ختم ہو گیا، پہلے کیا تھا کہ ایک چیز واقع ہو گئی ہے پھر لَمْ يَجُزْ کا کیا معنی؟ جی۔ تو اب بتایا کہ نہیں واقع نہیں ہوئی صرف اس کا ارادہ کیا ہے، جب تمہارا عطف کا ارادہ ہو جائے، تو کہتے ہیں نہیں پھر بھی شرط اور جزا میں مطابقت نہیں، کیسے مطابقت نہیں؟ کیونکہ پھر معنی یہ ہو جائے گا جب تمہارا عطف کا ارادہ ہو تو پھر جائز نہیں، جی، معلوم ہوا اگر ارادہ نہ ہو پھر جائز ہے۔ جی۔ جب تمہارا عطف کا ارادہ ہو تو جائز نہیں ہے اس سے تو ثابت ہو رہا ہے کہ جب عطف کا ارادہ نہیں ہو گا تو پھر جائز ہو گا نا، جیسے إِنْ دَخَلْتِ الدَّارَ فَأَنْتِ طَالِقٌ اگر تو گھر میں گئی تو تجھے طلاق ہے، معلوم ہوا گھر میں نہیں جائے گی تو نہیں طلاق۔ تو یہاں پر بھی جب تم عطف کا ارادہ کر لو تو جائز نہیں ہے، معلوم ہوا ارادہ نہ کرو تو جائز ہے، جی، حالانکہ ارادہ نہ کریں پھر بھی جائز نہیں ہے۔ جی۔ لہٰذا اس صورت میں بھی جزا کیا ہے شرط کے مطابق نہیں بنتی اگر آپ ارادے کا معنی بھی کر لیں۔

تو صاحبِ جامی اب آپ کو بتانے لگے ہیں کہ بھئی یہاں پر، یہاں پر جائز نہیں ہے حقیقت کے اعتبار سے۔ جی۔ ادھر دیکھیے جب آپ عطف کر لیں اس قسم کا، لَمْ يَجُزْ حقیقت کے اعتبار سے یہ جائز نہیں ہے اگرچہ صورت کے اعتبار سے آپ نے عطف کر دیا صورت کے اعتبار سے ظاہر کے اعتبار سے جائز ہو گیا لیکن حقیقت کے اعتبار سے عربی زبان کے اعتبار سے یہ جائز نہیں ہے۔ اب بات سمجھ میں آئی؟ جزا کیا ہو گئی؟ شرط کے مطابق ہو گئی۔ کیا بات ہوئی؟ کہ جب آپ اس قسم کا عطف کر لیں تو صورت کے اعتبار سے تو اور ظاہر کے اعتبار سے تو جائز ہو گیا آپ نے عطف کر لیا لیکن لَمْ يَجُزْ لیکن جائز نہیں باعتبارِ الحقیقت، کس اعتبار سے؟ حقیقت کے اعتبار سے اور عربی زبان کے اعتبار سے جائز نہیں۔ آپ بے شک کر لیں، آپ بے شک کر لیں، آپ جملہ بنا لیں، عطف کر دیں لیکن یہ صورتاً اور ظاہراً جائز ہوا ہے حقیقت کے اعتبار سے یہ جائز نہیں۔ اب جزا کیا ہو گئی؟ شرط کے مطابق ہو گئی۔ یہی بیان کر رہے ہیں۔ کہتے ہیں فَهَذَا یعنی یہ والا جو عطف ہے وَإِنْ كَانَ بِحَسَبِ الظَّاهِرِ جَائِزًا اگرچہ ظاہر کے اعتبار سے جائز ہے لَكِنَّهُ لَمْ يَجُزْ عِنْدَ الْجُمْهُورِ بِحَسَبِ الْحَقِيقَةِ لیکن یہ جائز نہیں ہے جمہور کے نزدیک حقیقت کے اعتبار سے۔ لِأَنَّ الْحَرْفَ الْوَاحِدَ لَمْ يَقْوَ، قَوِيَ يَقْوَى کا معنی قوت والا ہونا طاقت والا ہونا،

لِأَنَّ الْحَرْفَ الْوَاحِدَ لَمْ يَقْوَ۔ یاد رکھو قَوِيَ۔ قَوِيَ جی ہفت اقسام میں کیا ہے؟ قَوِيَ لفیف ہے، کیا ہے؟ لفیفِ مقرون ہے واو اور یا دونوں آرہے ہیں، لیکن چلو لفیف بھی ہے اگر آپ اس کو مثال اور اجوف کہیں، قَوِيَ کیا ہے؟ اجوف بھی ہے کیونکہ واو درمیان میں ہے عین کی جگہ اور یا بھی ہے تو ناقص بھی ہے۔ یہ کیا ہے؟ ناقص بھی کہہ سکتے ہیں۔ اور یاد رکھنا یہ جو یا تھی نا یہ بھی واو تھی اصل میں ہے قَوِوَ، اصل میں کیا ہے؟ قَوِوَ، اسی سے ہے قُوَّةٌ، دیکھو وہی واو مشدد آگیا یا نہیں؟ قُوَّةٌ، تو قَوِوَ میں دونوں واو تھے پھر آخر میں جو واو تھا اس سے ماقبل کسرہ تھا قَوِوَ آخری واو سے ماقبل درمیان والے واو پر کیا ہے؟ کسرہ، تو کسرے کی وجہ سے اس واو کو کس سے بدلا؟ یا سے، تو قَوِيَ ہوا۔ بات سمجھ میں آگئی؟

کہتے ہیں لِأَنَّ الْحَرْفَ الْوَاحِدَ لَمْ يَقْوَ اس لیے کیونکہ حرفِ واحد جو ہے وہ اتنی قوت والا نہیں ہے أَنْ يَقُومَ مَقَامَ عَامِلَيْنِ مُخْتَلِفَيْنِ کہ وہ قائم مقام ہو جائے دو مختلف عاملوں کے، خِلَافًا لِلْفَرَّاءِ بخلاف امام فراء کے فَإِنَّهُ يُجَوِّزُ هَذَا الْعَطْفَ بِحَسَبِ الْحَقِيقَةِ اس لیے کیونکہ امام فراء وہ اس عطف کو جائز قرار دیتے ہیں بِحَسَبِ الْحَقِيقَةِ حقیقت کے اعتبار سے، كَمَا جَازَ بِحَسَبِ الصُّورَةِ جیسے کہ صورت کے اعتبار سے جائز ہے، جی، صورت کے اعتبار سے آپ عطف کر لیں تو صورت کے اعتبار سے تو جائز ہو گا لیکن حقیقت کے اعتبار سے جائز نہیں لیکن امام فراء فرماتے ہیں حقیقت کے اعتبار سے بھی یہ جائز ہے كَمَا جَازَ بِحَسَبِ الصُّورَةِ جیسے کہ یہ صورت کے اعتبار سے جائز ہے۔ وَلَا يُؤَوِّلُ الْأَمْثِلَةَ الْوَارِدَةَ عَلَيْهَا اور وَلَا يُؤَوِّلُ اور امام فراء تاویل نہیں کرتے، جی، بھئی امام سیبویہ تو تاویل کرتے ہیں جمہور کہتے ہیں اگر مجرور مقدم ہے تو جائز، امام سیبویہ کہتے ہیں مجرور مقدم ہو پھر بھی نہیں جائز اور کہتے ہیں وہاں پر مضاف یا خافض جو جر دینے والا ہے وہ محذوف ہے، تو لیکن امام فراء تاویل نہیں کرتے، تو کہتے ہیں وَلَا يُؤَوِّلُ الْأَمْثِلَةَ الْوَارِدَةَ عَلَيْهَا اور امام فراء تاویل نہیں کرتے ان مثالوں میں جو وارد ہوئی ہیں عَلَيْهَا اس صورت پر، جو مثالیں اس صورت پر آئی ہیں یعنی اس عطف کی صورت پر آئی ہیں ان میں وہ تاویل نہیں کرتے، جی، ان میں کوئی تاویل نہیں کرتے کیونکہ ان کے نزدیک تمام صورتیں جائز ہیں تو مجرور مقدم والی صورتیں تو آئی ہیں کلامِ عرب کے اندر تو جب ان کے نزدیک ساری صورتیں جائز ہیں تو وہ تاویل کرتے ہی نہیں، جبکہ امام سیبویہ وہ ان میں پھر تاویل کرتے ہیں اور کیا کہتے ہیں کہ حرفِ عطف دو کا قائم مقام نہیں ہو سکتا لہٰذا وہاں وہ مضاف کو محذوف نکالتے ہیں جیسے پچھلی مثال آئی تھی مَا كُلُّ سَوْدَاءَ تَمْرَةً وَلَا بَيْضَاءَ شَحْمَةً وہ فرماتے ہیں یہ بَيْضَاءَ کا عطف سَوْدَاءَ پر نہیں ہے بلکہ اس بَيْضَاءَ سے پہلے مضاف كُلُّ کا لفظ محذوف ہے أَيْ مَا كُلُّ سَوْدَاءَ تَمْرَةً وَكُلُّ بَيْضَاءَ شَحْمَةً، تو یہاں وہ مضاف کو محذوف نکالتے ہیں یعنی تاویل کرتے ہیں جبکہ امام فراء کوئی تاویل نہیں کرتے کیونکہ ان کے نزدیک تمام صورتیں جائز ہیں۔

تو یہ معنی ہے وَلَا يُؤَوِّلُ الْأَمْثِلَةَ الْوَارِدَةَ عَلَيْهَا تو امام فراء تاویل نہیں کرتے ان مثالوں کی جو وارد ہوئی ہیں عَلَيْهَا اس عطف کی صورت پر وَلَا يَقْتَصِرُ عَلَى صُورَةِ السَّمَاعِ، اِقْتَصَرَ يَقْتَصِرُ کا معنی بند ہونا بھی اور اس کا معنی بند کرنا بھی، اکتفا کرنا بند کرنا، وَلَا يَقْتَصِرُ عَلَى صُورَةِ السَّمَاعِ اور وہ اس کو بند نہیں کرتے صرف سماع کی صورت پر بَلْ يَعُمُّهَا وَغَيْرَهَا بلکہ وہ اس

کو عام قرار دیتے ہیں سماع کی صورت پر بھی وَغَيْرَهَا اور غیرِ صورتِ سماع پر بھی۔ وَعَدَمُ جَوَازِ ذَلِكَ الْعَطْفِ اور اس عطف کا جائز نہ ہونا مَعَ خِلَافِ الْفَرَّاءِ ساتھ امام فراء کے اختلاف کے جَارٍ فِي جَمِيعِ الْمَوَادِّ یہ اختلاف جاری ہے تمام مادوں میں عِنْدَ الْجُمْهُورِ جمہور کے نزدیک

امام فراء کے ساتھ یہ اختلاف تمام مادوں میں جاری ہے، جمہور تمام صورتوں کو ناجائز کہتے ہیں إِلَّا فِي نَحْوِ مگر سوائے اس جیسی مثالوں کے۔ عبارت سمجھ میں آ رہی ہے؟ جی۔ تو کہتے ہیں وَعَدَمُ جَوَازِ ذَلِكَ الْعَطْفِ اور اس عطف کا جائز نہ ہونا مَعَ خِلَافِ الْفَرَّاءِ ساتھ امام فراء کے اختلاف کے جَارٍ یہ عدمِ جواز جاری ہے فِي جَمِيعِ الْمَوَادِّ تمام مادوں کے اندر یعنی تمام صورتوں میں عِنْدَ الْجُمْهُورِ جمہور کے نزدیک إِلَّا فِي نَحْوِ فِي الدَّارِ زَيْدٌ وَالْحُجْرَةِ عَمْرٌو سوائے اس جیسی مثالوں کے کہ جن میں مجرور مقدم ہے، اس میں جمہور بھی کہتے ہیں جائز ہے، اس میں وہ امام فراء سے اختلاف نہیں کرتے۔ وَإِنَّ فِي الدَّارِ زَيْدًا وَالْحُجْرَةِ عَمْرًا، اب اس کے اندر دیکھو دوسری مثال صاحبِ جامی ذکر کر رہے ہیں۔ متن میں کیا تھا؟ فِي الدَّارِ زَيْدٌ وَالْحُجْرَةِ عَمْرٌو، حُجْرَةِ مجرور مقدم ہے اور آگے عَمْرٌو مرفوع مؤخر ہے، جی، مجرور مقدم اور مرفوع مؤخر، اور اگر اسی طرح اگر منصوب مؤخر ہو، جی، مجرور مقدم ہو اور منصوب مؤخر ہو وہ بھی صورت جائز ہے، اسی کی مثال آگے صاحبِ جامی ذکر کر رہے ہیں: وَإِنَّ فِي الدَّارِ زَيْدًا وَالْحُجْرَةِ عَمْرًا۔ إِنَّ کے بعد فِي الدَّارِ آیا تو یہ اس کی خبرِ مقدم ہے اور زَيْدًا یہ کیا ہے؟ اس کا اسمِ مؤخر۔ اور اسی پر عطف کیا وَالْحُجْرَةِ عَمْرًا، تو دیکھو وَالْحُجْرَةِ مجرور مقدم ہے اور عَمْرًا منصوب مؤخر ہے۔ پہلی مثال میں مجرور مقدم تھا اور مرفوع مؤخر تھا۔ جی۔ تو بہرحال مجرور مقدم ہونا چاہیے، جی، مرفوع اور منصوب بے شک مؤخر ہوں اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔

تو کہتے ہیں يَعْنِي إِلَّا فِي صُورَةِ تَقْدِيمِ الْمَجْرُورِ یعنی صرف مجرور کے مقدم کرنے کی صورت میں وَتَأْخِيرِ الْمَرْفُوعِ أَوِ الْمَنْصُوبِ اور مرفوع یا منصوب کو مؤخر کرنے کی صورت میں۔ جی۔ امام فراء سے تمام صورتوں میں جمہور اختلاف کرتے ہیں إِلَّا فِي صُورَةِ تَقْدِيمِ الْمَجْرُورِ وَتَأْخِيرِ الْمَرْفُوعِ أَوِ الْمَنْصُوبِ مگر صرف اس صورت میں کہ جب مجرور کو مقدم کیا جائے وَتَأْخِيرِ الْمَرْفُوعِ أَوِ الْمَنْصُوبِ اور مرفوع یا منصوب کو مؤخر کیا جائے، جی، صرف اس صورت میں اختلاف نہیں کرتے، لِمَجِيئِهِ فِي كَلَامِهِمْ اس وجہ سے کیونکہ اس قسم کا عطف آیا ہے فِي كَلَامِهِمْ عربوں کے کلام میں۔ وَاقْتَصَرَ الْجَوَازُ عَلَى صُورَةِ السَّمَاعِ اور بند ہے جواز صرف سماع کی صورت پر، وَاقْتَصَرَ الْجَوَازُ عَلَى صُورَةِ السَّمَاعِ۔ بھئی جمہور کے نزدیک صرف مجرور مقدم والی صورت کیوں جائز ہے باقی صورتیں کیوں نہیں جائز؟ وہ ذکر کر رہے ہیں۔ کہتے ہیں وَاقْتَصَرَ الْجَوَازُ عَلَى صُورَةِ السَّمَاعِ، آ، سِماع نہیں ہے سَمَاع لفظ ہے بھئی، کیا ہے؟ سَمَاع۔ توجہ ہے؟ تو یہ سَمَاع عربی میں سَمَاع لفظ ہے لیکن اردو میں سِماع رائج ہو گیا ہے اس لیے زبان پر سِماع آتا ہے، تو بس یاد رکھیں یہ سَمَاع لفظ ہے۔ جی۔

اچھا۔ وَاقْتَصَرَ الْجَوَازُ عَلَى صُورَةِ السَّمَاعِ اور جواز جو ہے وہ بند ہے سماع کی صورت پر، صرف سماع کی صورت میں

جائز ہے، اور جواز بند ہے سماع کی صورت پر یعنی جن صورتوں میں سماع ہوا ہے صرف وہ جائز ہیں، لِأَنَّ مَا خَالَفَ الْقِيَاسَ يَقْتَصِرُ عَلَى مَوْرِدِ السَّمَاعِ اس لیے کیونکہ وہ چیز جو قیاس کے مخالف ہوتی ہے يَقْتَصِرُ وہ بند ہوتی ہے عَلَى مَوْرِدِ السَّمَاعِ سماع کے مورد پر یعنی جو سماع کی جگہوں پر ہی وہ بند ہوتی ہے، خِلَافًا لِسِيبَوَيْهِ بخلاف امام سیبویہ کے فَإِنَّهُ لَا يُجَوِّزُ هَذَا الْعَطْفَ اس لیے کیونکہ وہ جائز قرار نہیں دیتے اس عطف کو بِحَسَبِ الْحَقِيقَةِ فِي هَذِهِ الصُّورَةِ أَيْضًا حقیقت کے اعتبار سے، وہ اس عطف کو جائز قرار نہیں دیتے حقیقت کے اعتبار سے فِي هَذِهِ الصُّورَةِ أَيْضًا اس صورت میں بھی، جی، مجرور مقدم ہونے کی صورت میں بھی وہ عطف کو حقیقتاً جائز قرار نہیں دیتے، بَلْ يَحْمِلُهَا عَلَى حَذْفِ الْمُضَافِ بلکہ وہ اس کو محمول کرتے ہیں مضاف کے حذف پر وَإِبْقَاءِ الْمُضَافِ إِلَيْهِ عَلَى إِعْرَابِهِ اور مضاف الیہ کو باقی رکھتے ہوئے اس کے اعراب پر۔ جی۔

بھئی دیکھو مضاف نے جر دیا مضاف الیہ کو، تو مضاف کو تو حذف کر دیا لیکن مضاف الیہ کو اسی اپنے جر والے اعراب پر باقی رکھا۔ حالانکہ عموماً ہوتا کیا ہے؟ مضاف کو جب حذف کرتے ہیں تو مضاف الیہ کو اس کا قائم مقام کر کے اس پر مضاف والا اعراب پڑھتے ہیں۔ جی۔ کیا پڑھتے ہیں؟ جب آپ نے مضاف کو حذف کیا تو مضاف الیہ تو مجرور تھا لیکن اب یہ کس کا قائم مقام ہو گیا؟ مضاف کا، تو جو اعراب مضاف پر تھا اب وہ پڑھتے ہیں مضاف الیہ پر۔ جی۔ لیکن یہاں پر کیا کیا گیا؟ مضاف کو حذف کر کے مضاف الیہ کو اسی جر والے اپنے اعراب پر باقی رکھا گیا۔ بات سمجھ میں آگئی؟ یہ معنی ہے بَلْ يَحْمِلُهَا عَلَى حَذْفِ الْمُضَافِ بلکہ وہ اس صورت کو محمول کرتے ہیں حذفِ مضاف پر کہ مضاف کو حذف کیا گیا ہے وَإِبْقَاءِ الْمُضَافِ إِلَيْهِ عَلَى إِعْرَابِهِ اور مضاف الیہ کو باقی رکھا گیا ہے اس کے اپنے اعراب پر۔

نَحْوُ مثال کے طور پر، قرآن میں اللہ فرماتے ہیں... اب سوال پیدا ہوتا ہے کیا مضاف کو حذف کر کے مضاف الیہ کو اسی طرح مجرور باقی رکھنا جائز ہے یا نہیں؟ تو اس کے لیے قرآن کی آیت ذکر فرما رہے ہیں کہ قرآن کی آیت دیکھو اس میں مضاف کو حذف کر دیا گیا اور مضاف الیہ کو اس کے اپنے اعراب یعنی جر پر باقی رکھا گیا۔ کیسے؟ دیکھو۔ نَحْوُ مثال کے طور پر قرآن میں اللہ فرماتے ہیں: تُرِيدُونَ عَرَضَ الدُّنْيَا تم لوگ دنیاوی فائدے کا ارادہ کر رہے ہو۔ تُرِيدُونَ عَرَضَ الدُّنْيَا، ہاں، تو دیکھو تُرِيدُونَ عَرَضَ الدُّنْيَا قرآن میں اللہ فرما رہے ہیں، بھئی بعض کتابوں کے اندر یہاں تُرِيدُونَ عَرَضَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا ہو گا یہ یاد رکھو کتابت کی غلطی ہے، قرآن میں عَرَضَ الدُّنْيَا ہے درمیان میں حَيَاة کا لفظ نہیں۔ ایک اور آیت میں حَيَاة کا لفظ آتا ہے لیکن اس مقام پر حَيَاة کا لفظ یہاں موجود نہیں، دوسری جگہ ہے لِتَبْتَغُوا عَرَضَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا، لِتَبْتَغُوا عَرَضَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وہ اور آیت ہے، اس آیت کے اندر عَرَضَ الدُّنْيَا ہے تو یہاں الْحَيَاةِ کا لفظ بعض کتابوں میں اگر لکھا ہے تو یہ کتابت کی غلطی ہے۔

تو کہتے ہیں اللہ قرآن میں فرماتے ہیں تُرِيدُونَ عَرَضَ الدُّنْيَا تم لوگ دنیاوی نفع کا دنیاوی فائدے کا ارادہ کر رہے ہو وَاللَّهُ يُرِيدُ الْآخِرَةَ أَيْ يُرِيدُ عَرَضَ الْآخِرَةِ اور اللہ آخرت کے فائدے کا ارادہ کر رہا ہے کہ اللہ تمہیں آخرت کا فائدہ دے۔ توجہ

ہے؟ تو اب یہاں دیکھو ہماری قراءت جو ہے قرآن کے اندر وہ تو ہے وَاللّٰهُ يُرِيدُ الْآخِرَةَ، یہ الْآخِرَةَ منصوب ہے یہ مفعول بہ ہے يُرِيدُ کے لیے، لیکن بعض قراءتوں میں يُرِيدُ الْآخِرَةِ آیا ہے۔ تو یہ کیوں مجرور ہے؟ تو وہاں علماء فرماتے ہیں کہ یہاں مضاف محذوف ہے، اصل میں کیا تھا؟ يُرِيدُ عَرَضَ الْآخِرَةِ، پیچھے ایک دفعہ عَرَضَ کا لفظ ذکر ہو گیا تھا لہٰذا یہاں حذف کر لیا گیا اور اس کو تو حذف کیا گیا لیکن مضاف الیہ کو اسی طرح مجرور چھوڑ دیا گیا۔

تو کہتے ہیں وَاللّٰهُ يُرِيدُ الْآخِرَةِ، بھئی ہماری قراءت میں يُرِيدُ الْآخِرَةَ ہے لیکن وہاں بھی عَرَضَ کا لفظ مضاف محذوف نکالنا پڑے گا، وَاللّٰهُ يُرِيدُ عَرَضَ الْآخِرَةِ، عَرَضَ کو حذف کیا گیا اور عَرَضَ منصوب تھا تو الْآخِرَةَ کو اس کا قائم مقام کر کے اس پر بھی نصب پڑھا جاتا ہے وَاللّٰهُ يُرِيدُ الْآخِرَةَ۔ توجہ ہے؟ جی۔ لیکن یہاں بعض قراءتوں میں اسی طرح آیا ہے۔ تو کہتے ہیں وَاللّٰهُ يُرِيدُ الْآخِرَةِ بِجَرِّ الْآخِرَةِ آخرت کے جر کے ساتھ كَمَا جَاءَ فِي بَعْضِ الْقِرَاءَاتِ جیسے کہ بعض قراءتوں میں آیا ہے أَيْ عَرَضَ الْآخِرَةِ تو دیکھو یہاں عَرَضَ کا لفظ کیا ہے؟ محذوف ہے، مضاف کو حذف کر لیا گیا اور مضاف الیہ کو اس کے اپنے اعراب جر پر باقی رکھا گیا۔ بات سمجھ میں آگئی؟ چلیے بس بھئی، هَذَا هُوَ الْمَرَامُ وَاللّٰهُ أَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْكَلَامِ۔

سبق نمبر ۲۱۰: التاکید (۱): تاکید کی تعریف اور تاکیدِ لفظی و معنوی کی تقسیم

شرحِ ملا جامی صفحہ: ۱۹۰ — بتاریخ: ۱۱ اکتوبر ۲۰۲۲ء

▪ تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث

آگے سبق دیکھیے بھئی:[1]

التَّأْكِيدُ تَابِعٌ يُقَرِّرُ أَمْرَ الْمَتْبُوعِ أَيْ حَالَهُ وَشَأْنَهُ عِنْدَ السَّامِعِ، يَعْنِي يَجْعَلُ حَالَهُ ثَابِتًا مُقَرَّرًا عِنْدَهُ فِي النِّسْبَةِ، أَيْ فِي كَوْنِهِ مَنْسُوبًا أَوْ مَنْسُوبًا إِلَيْهِ، فَيَثْبُتُ عِنْدَهُ وَيَتَحَقَّقُ أَنَّ الْمَنْسُوبَ أَوِ الْمَنْسُوبَ إِلَيْهِ فِي هَذِهِ النِّسْبَةِ هُوَ الْمَتْبُوعُ لَا غَيْرُهُ.

بھئی گزشتہ سبق میں صاحبِ کافیہ نے آپ کو بتلایا تھا کہ جب عطف کیا جائے دو عاملوں کے دو معمولوں پر، تو پھر جمہور کے نزدیک وہ صورت جائز ہے جب مجرور مقدم ہو، جبکہ امام فراء کے نزدیک مطلقاً تمام صورتیں جائز ہیں، اور امام سیبویہ فرماتے ہیں کوئی بھی صورت جائز نہیں ہے بھئی۔ میں نے تفصیل بیان کی تھی۔ صاحبِ کافیہ نے بھئی آپ کو ضابطہ بتلایا تھا کہ معطوف جو ہے معطوفٌ علیہ کے حکم میں ہوتا ہے، یعنی اگر معطوفٌ علیہ فاعل ہے تو معطوف بھی فاعل ہوگا، اگر معطوفٌ علیہ مفعول ہے تو معطوف بھی مفعول ہوگا، اگر معطوفٌ علیہ خبر ہے تو معطوف بھی خبر وغیرہ ہوگا۔ جی، اور نیز

[1] جدول — الفاظِ تاکیدِ معنوی اور ان کے استعمال کے ضوابط:

الفاظِ تاکید	استعمال و شرائط	مثال
نَفْسُهُ، عَيْنُهُ	مفرد، تثنیہ و جمع سب کے لیے (مناسب ضمیر کے ساتھ)	جَاءَ زَيْدٌ نَفْسُهُ، الزَّيْدَانِ أَنْفُسُهُمَا
كِلَاهُمَا، كِلْتَاهُمَا	صرف تثنیہ (مذکر و مؤنث) کے لیے	جَاءَ الزَّيْدَانِ كِلَاهُمَا
كُلُّهُمْ، أَجْمَعُ، أَكْتَعُ...	ذو اجزاء کے لیے؛ أكتع وغیرہ صرف أجمع کے تابع	جَاءَ القَوْمُ كُلُّهُمْ أَجْمَعُوْنَ

میں نے یہ بھی بتلایا تھا کہ یہ جو معطوف ہوتا ہے یہ تکرارِ عامل کے درجے میں ہوتا ہے، نیز اسی طرح یہی حکم بدل کا بھی ہے، کیونکہ بدل وہ تابع ہے، بعد میں آرہا ہے اور وہ مقصود ہے، اور جو متبوع کو ذکر کیا گیا اس کو بطورِ تمہید کے ذکر کیا گیا تھا۔

«جَاءَنِي زَيْدٌ أَخُوكَ»، یہ جو «زَيْدٌ» مُبدل منہ ہے اس کو بطورِ تمہید کے ذکر کیا گیا تھا اور «أَخُوكَ» یہ کیا ہے؟ مقصود ہے۔ تو یہاں پر مقصود جو ہے وہ تابع بن رہا ہے، اس پر عامل داخل نہیں، اور جو غیرِ مقصود ہے اس پر عامل براہِ راست داخل ہو رہا ہے۔ تو چنانچہ علمائے نحو فرماتے ہیں کہ بدل چونکہ مقصود ہے لہٰذا یہ تکرارِ عامل کے درجے میں ہے، یعنی اس پر عامل دوبارہ داخل ہو رہا ہے۔ «جَاءَنِي زَيْدٌ أَخُوكَ»، یہ گویا اسی طرح ہے «جَاءَنِي زَيْدٌ جَاءَنِي أَخُوكَ»۔ اور اسی طرح یہ جو معطوف ہے یہ بھی تکرارِ عامل کے درجے میں ہوتا ہے، کیونکہ یہاں پر بھی معطوفٌ علیہ جس طرح مقصود ہوتا ہے اسی طرح معطوف بھی مقصود ہوتا ہے، تو گویا اس پر عامل دوبارہ داخل ہو رہا ہے۔ «جَاءَنِي زَيْدٌ وَعَمْرٌو»۔ تو یہ «عَمْرٌو» کیا ہے؟ تابع ہے، یہ معطوف ہے اور یہ تکرارِ عامل کے درجے میں ہے، گویا اس پر یہ «جَاءَ» دوبارہ داخل ہو رہا ہے «جَاءَنِي زَيْدٌ جَاءَنِي عَمْرٌو»۔

پھر چونکہ دو دفعہ ایک چیز کو ذکر کیا جائے وہ پسندیدہ نہیں، لہٰذا اس دوسرے «جَاءَ» کو ختم کرکے اس کی جگہ کیا لے آئے؟ حرفِ عطف لے آئے۔ تو اب یہ حرفِ عطف نائب ہے اس عامل کا، یہ نائب ہے اس عامل کا۔ تو «جَاءَنِي زَيْدٌ وَعَمْرٌو»، تو یہ عمرو کا ہم نے عطف کس پر کیا؟ زید پر، اور زید کیا ہے؟ معمول ہے، فاعل ہے، اور فاعل پر کیا آتا ہے؟ رفع، معلوم ہوا کوئی عامل ہے جس نے رفع دیا ہے، تو پیچھے «جَاءَ» فعل وہ ہوا عامل، اور «زَيْدٌ» کیا ہوا؟ معمول۔ تو جب آپ عطف کرتے ہیں ایک اسم کا ایک معمول پر تو یہ بالاتفاق جائز ہے، کیونکہ یہ حرفِ عطف ایک عامل کا نائب بن جاتا ہے۔ آپ نے عمرو کا عطف کس پر کیا؟ زید پر، اور زید کیا ہے؟ معمول ہے، تو آپ نے ایک اسم کا ایک معمول پر عطف کیا، اور اس کے اندر جو، اور حرفِ عطف جو ہے وہ اس عامل کا نائب بن جائے گا۔ وہی «جَاءَ» جو زید میں عمل کر رہا ہے آگے عمرو کے لیے صرف واو لے آئے آپ، گویا یہ اس «جَاءَ» کا نائب ہے، اور حرفِ عطف کمزور ہے، ایک کا نائب تو بن سکتا ہے، ایک سے زیادہ کا نائب نہیں بن سکتا۔ تو یہ جو واو ہے یہ نائب ہے «جَاءَ» کا، دوبارہ «جَاءَ» لانے کی ضرورت نہیں، تو «جَاءَ زَيْدٌ وَعَمْرٌو» یہ عطف ہے کس پر؟ «عَلَى مَعْمُولِ عَامِلٍ»۔ یہ عطف ہے، دہرائیں زبان سے دہرائیں، یہ عطف ہے «عَلَى مَعْمُولِ عَامِلٍ»، ایک عامل کے معمول پر عطف ہے۔ جی۔ اور یہ جائز ہے کیونکہ حرفِ عطف ایک عامل کا نائب بن جائے گا۔

اور اگر آپ دو معمولوں پر عطف کرتے ہیں، مثلاً «ضَرَبَ زَيْدٌ عَمْرًا»، زید نے عمرو کی پٹائی کی، تو «ضَرَبَ» فعل یہ ہے عامل، اور «زَيْدٌ» یہ ہے فاعل، یہ بھی اس کا معمول، اور «عَمْرًا» یہ مفعول ہے، اس میں بھی «ضَرَبَ» نے عمل کیا، تو «زَيْدٌ» اور «عَمْرًا» یہ معمول ہوگئے اور «ضَرَبَ» کیا ہے؟ عامل ہے، تو ایک ہی عامل ہے اور اس کے دو معمول ہیں۔ تو اب آپ دو اسموں کا عطف کرنا چاہتے ہیں ان دو معمولوں پر، چنانچہ آپ یوں کہتے ہیں: «ضَرَبَ زَيْدٌ عَمْرًا وَبَكْرٌ خَالِدًا»۔ آپ بکر کا عطف کرتے ہیں زید پر، زید مرفوع تھا تو بکر پر بھی کیا پڑھتے ہیں؟ رفع۔ اور «خَالِدًا» کا آپ عطف کرتے ہیں «عَمْرًا» پر،

اور «عَمْرًا» منصوب تھا تو «خَالِدًا» بھی کیا ہے؟ منصوب۔ تو آپ نے بکر اور خالد ان دو اسموں کا عطف کیا کس پر؟ دو معمولوں پر، اور وہ کیا ہیں؟ زید اور عمرو، اور ان میں عامل ایک ہی ہے، تو یہ بھی جائز ہے بالاتفاق، کیونکہ درمیان میں جو واو حرفِ عطف آیا وہ ایک عامل کا نائب بن جائے گا، اور ایک کا نائب تو یہ بن سکتا ہے۔ تو «ضَرَبَ زَيْدٌ عَمْرًا وَبَكْرٌ خَالِدًا» یہ عطف بھی بالاتفاق جائز ہے۔

اور دیکھو پہلا عطف کیا تھا، پہلی صورت کیا تھی؟ «جَاءَنِي زَيْدٌ وَعَمْرٌو» وہ کیا کون سا عطف تھا؟ «عَطْفٌ عَلَى مَعْمُولِ عَامِلٍ» تھا، «عَطْفٌ عَلَى مَعْمُولِ عَامِلٍ وَاحِدٍ» کہہ لو کہ «وَاحِدٍ» کی بھی قید لگا دو، «عَطْفٌ عَلَى مَعْمُولِ عَامِلٍ وَاحِدٍ» تھا۔ اور اب دو معمول آ گئے تو معمول کے لفظ کی تثنیہ لے آؤ «مَعْمُولَيْنِ»، کیونکہ «عَلَى» جارہ داخل ہو رہا ہے، حالتِ جری میں لے آؤ، تو معمول کی تثنیہ کیا؟ «مَعْمُولَانِ»، اور اس پر «عَلَى» جارہ داخل ہے، «عَطْفٌ عَلَى مَعْمُولَيْنِ» ہو جائے گا، یہ مجرور ہو جائے گا، اور پھر اس کی اضافت کر دیں عامل کی طرف، پہلے کیا تھا؟ «عَطْفٌ عَلَى مَعْمُولِ عَامِلٍ وَاحِدٍ»، تو اب معمول کی جگہ «مَعْمُولَيْنِ» لے آئے اور نون اضافت سے گر گیا تو «عَطْفٌ عَلَى مَعْمُولَيْ عَامِلٍ وَاحِدٍ»، عطف کرنا ہے ایک عامل کے دو معمولوں پر۔ جی۔ ایک عامل کے دو معمولوں پر، اور یہ بھی بالاتفاق جائز ہے کیونکہ حرفِ عطف ایک عامل کا نائب بن جائے گا۔

اور پھر تیسری صورت یہ تھی کہ عطف کرنا دو اسموں کا دو ایسے معمولوں پر جن کے عامل الگ الگ ہیں، جیسے اس کی مثال ہم نے کتاب میں پڑھی تھی: «مَا كُلُّ سَوْدَاءَ تَمْرَةً وَلَا بَيْضَاءَ شَحْمَةً» یا «وَبَيْضَاءَ شَحْمَةً»۔ تو یہ «مَا» مشابہ بلیس ہے، اور «كُلُّ سَوْدَاءَ» یہ «مَا» کا اسم ہے، تو «كُلُّ» مرفوع ہے «مَا» کا اسم مرفوع ہوتا ہے، اور «تَمْرَةً» یہ کیا ہے؟ «مَا» کی خبر، اور «مَا» کی خبر منصوب ہوتی ہے۔ تو اب آگے «بَيْضَاءَ» اور «شَحْمَةً» کا عطف کیا، «بَيْضَاءَ» کا عطف کیا «سَوْدَاءَ» پر، اور «سَوْدَاءَ» تو ہے مضافٌ الیہ، اور مضافٌ الیہ مجرور ہوتا ہے، مضاف اس کو جر دیتا ہے، تو «سَوْدَاءَ» کو «كُلٌّ» کا لفظ جو ہے وہ جر دے رہا ہے، تو «بَيْضَاءَ» کا عطف کس پر ہوا؟ «سَوْدَاءَ» پر، اور «سَوْدَاءَ» میں عامل کون؟ «كُلٌّ»۔ اور «شَحْمَةً» کا عطف کس پر ہوا؟ «تَمْرَةً» پر، اور «تَمْرَةً» یہ «مَا» مشابہ بلیس کی خبر ہے تو اس کے اندر عامل «مَا» ہے۔ تو دیکھو «بَيْضَاءَ» اور «شَحْمَةً» دو اسموں کا عطف کیا گیا «سَوْدَاءَ» اور «تَمْرَةً» دو معمولوں پر، ایسے دو معمول کہ جن کے عامل مختلف ہیں۔ تو یاد رکھیے اس کے اندر جمہور یہ فرماتے ہیں کہ اگر مجرور مقدم ہو تو پھر یہ عطف جائز ہے ورنہ یہ عطف جائز نہیں، وجہ یہ کہ ہم نے عربوں سے اس طرح سنا ہے عرب کے جو فصیح و بلیغ لوگ تھے کہ جب وہ مجرور مقدم ہو تو عطف کر دیا کرتے ہیں، تو اس لیے یہ صورت جائز ہوگی، اور اگر اس کے علاوہ کوئی اور صورت ہے کہ مقدم جو ہے وہ مجرور نہیں ہے، منصوب یا مرفوع ہے، تو پھر جائز نہیں۔ وجہ یہ کہ یہ مسئلہ خلافُ القیاس ہے، کیونکہ قیاس تو یہ تقاضا کرتا ہے کہ یہ مجرور مقدم والی صورت بھی جائز نہیں ہونی چاہیے، کیونکہ اس صورت میں حرفِ عطف جو ہے وہ دو عاملوں کا نائب بنے گا، کیونکہ جب آپ نے عطف کیا ہے دو معمولوں پر اور دونوں کے اندر عامل الگ الگ ہیں تو حرفِ عطف کتنے عاملوں کا نائب بن جائے گا؟ دو کا، اور یہ

ضعیف ہے، یہ تو حرف ہے، لہٰذا یہ ایک کا نائب تو بن سکتا ہے دو کا نائب نہیں بن سکتا، تو یہ مسئلہ خلافُ القیاس ثابت ہے، اور جو چیز خلافُ القیاس ثابت ہو وہ اپنے مورد پر بند رہتی ہے، تو یہ اپنے مورد پر بند ہے جس پر ہم نے عربوں سے سنا ہے بھئی۔ تو باقی صورتیں جائز نہیں ہوں گی۔

جبکہ امام فراء فرماتے ہیں تمام صورتیں جائز ہیں، جب ایک صورت جائز ہو گئی، جب ایک صورت کا پتہ چل گیا کہ اس میں حرفِ عطف دو کا نائب بن رہا ہے تو باقی صورتوں میں بھی وہ دو کا نائب ہی بنے گا، لہٰذا باقی تمام صورتیں بھی جائز ہیں۔ تو امام فراء «عَطْفٌ عَلَى مَعْمُولَيْ عَامِلَيْنِ» اب دو عامل آ گئے نا تو عامل کی بھی تثنیہ لے آؤ، تو امام فراء «عَطْفٌ عَلَى مَعْمُولَيْ عَامِلَيْنِ» اس کو مطلقاً جائز کہتے ہیں تمام صورتوں میں، اور جمہور کہتے ہیں صرف مجرور مقدم ہو تو جائز ہے، اور جبکہ امام سیبویہ فرماتے ہیں کہ کوئی بھی صورت جائز نہیں، اور وہ جو مثالیں آئی ہیں کچھ مثالیں جن کے اندر مجرور مقدم ہے تو وہ اس کے اندر تاویل کرتے ہیں، اور وہ جو مضاف ہے جو جر دینے والا ہے اس کو وہاں دوبارہ مقدر نکالتے ہیں، چنانچہ وہ یہاں فرماتے ہیں: «مَا كُلُّ سَوْدَاءَ تَمْرَةً وَبَيْضَاءَ شَحْمَةً» اس کے اندر یہ «بَيْضَاءَ» پر «كُلٌّ» کا لفظ دوبارہ مضاف محذوف نکالیں گے، «أَيْ وَكُلُّ بَيْضَاءَ شَحْمَةً»۔ جی۔ «وَكُلُّ بَيْضَاءَ شَحْمَةً»، کیونکہ وہ فرماتے ہیں کیونکہ حرفِ عطف کمزور ہے وہ دو عاملوں کا نائب نہیں بن سکتا۔

پھر اس کے بعد صاحبِ کافیہ کی جو عبارت تھی اس پر اشکال ہوتا تھا، عبارت یوں ہے متن کی: «وَإِذَا عُطِفَ عَلَى عَامِلَيْنِ» جب دو عاملوں پر عطف کیا جائے۔ بھئی دو عاملوں پر تو عطف کی بات نہیں ہوئی، عاملوں کے معمولوں پر عطف کی بات ہوئی ہے، تو بظاہر عبارت صحیح نہیں لگ رہی تھی، تو اکثر شارحین کیا فرماتے ہیں کہ یہاں «عَامِلَيْنِ» سے پہلے «مَعْمُولَيْنِ» کا لفظ مضاف محذوف ہے، «أَيْ إِذَا عُطِفَ عَلَى مَعْمُولَيْ عَامِلَيْنِ مُخْتَلِفَيْنِ»، تو دیکھو «مَعْمُولَيْنِ» کے لفظ کو یہاں مضاف محذوف نکال لیں گے اور پھر ساری عبارت ٹھیک ہو جائے گی۔ اور پھر اشکال ہوتا ہے کہ صاحبِ کافیہ نے پھر یہ «مَعْمُولَيْنِ» کے لفظ کو حذف کیوں کیا، ذکر کیوں نہیں کیا؟ تو میں نے دو وجہیں ذکر کی تھیں، شارحین جواب دیتے ہیں: ایک یہ کہ صاحبِ کافیہ دراصل بتلانا یہ چاہتے ہیں کہ اس مسئلے کا سارا دارومدار عامل پر ہے، عامل ایک ہوگا تو بالاتفاق جائز، عامل دو ہوں گے تو پھر اس میں اختلاف ہے، اور تین عاملوں کو تو ذکر ہی نہیں کیا کیونکہ وہ تو بالاتفاق جائز نہیں ہے بھئی، دو کے اندر اختلاف ہے اور ایک عامل ہو تو پھر بالاتفاق جائز ہے۔ تو صاحبِ کافیہ نے مضاف معمول کو کیوں حذف کیا؟ کیونکہ وہ بتلانا چاہتے تھے کہ اس مسئلے کا دارومدار عامل پر ہے معمول پر نہیں۔ اور نیز اس لیے کیونکہ اگر «مَعْمُولَيْنِ» کو ذکر کر دیتے تو معمول کے لفظ کا مقدم ہونا لازم آتا عامل کے لفظ پر، حالانکہ نحو کے اندر عامل پہلے آتا ہے اور معمول بعد میں اکثر صورتوں میں، اکثر صورتوں میں۔ تو جب اکثر معمول جو ہے وہ عامل کے بعد آتا ہے تو یہاں پر انہوں نے معمول کے لفظ کو بھی عامل پر مقدم کرنا پسند نہیں کیا بھئی۔ تو یہ دو جوابات شارحین ذکر فرماتے ہیں۔

اور پھر دو اور تقریریں بھی کی تھیں صاحبِ جامی نے اس کی اس عبارت کو حل کرنے کی، اور فرمایا تھا کہ «وَإِذَا عُطِفَ»،

کہ «إِذَا عُطِفَ» اس کے اندر ضمیر اسی کے مصدر کو راجع ہے، «أَيْ إِذَا أُوقِعَ الْعَطْفُ»، «إِذَا أُوقِعَ» جب عطف کو واقع کیا جائے یعنی جب عطف ہو جائے۔ اور آگے بتلایا تھا «عَلَى عَامِلَيْنِ» اس کو عطف سے نہ جوڑیں، عطف سے آپ جوڑیں گے پھر معاملہ خراب ہوتا ہے، کیونکہ «إِذَا عُطِفَ عَلَى عَامِلَيْنِ»، عاملین پر تو عطف نہیں ہے بلکہ عطف تو کس پر ہے؟ معمولین پر، تو «عَلَى عَامِلَيْنِ» کو آپ عطف سے نہ جوڑیں بلکہ اس کو «بِنَاءً» سے جوڑیں، کس سے؟ «بِنَاءً» سے، کہ یہ «عَلَى» بنائیہ ہے، سبب اور علت بیان کرتا ہے، تو «بِنَاءً» یہاں نکال لیں، اور «بِنَاءً» مفعولٌ لہ ہے، مفعولٌ لہ کسے کہتے ہیں جو ماقبل فعل کی علت بیان کرتا ہے، «ضَرَبْتُهُ تَأْدِيبًا» میں نے اس کی پٹائی کی ادب سکھانے کے لیے۔ اور پھر میں نے بتائے تھے کہ مفعولٌ لہ دو قسم کے ہوتے ہیں: کبھی فعل پہلے ہوتا ہے اور مفعولٌ لہ بعد میں، اور کبھی مفعولٌ لہ پہلے ہوتا ہے اور فعل بعد میں ہوتا ہے، جیسے «ضَرَبْتُهُ تَأْدِيبًا» میں نے اس کی پٹائی کی ادب سکھانے کے لیے، دیکھو ضرب پہلے ہے اور ادب کا سیکھنا اس کے بعد ہے، اور کبھی مفعولٌ لہ پہلے ہوگا «قَعَدْتُ عَنِ الْحَرْبِ جُبْنًا» میں جنگ سے بیٹھا بزدلی کی وجہ سے، میں جنگ میں نہیں گیا میں نے شرکت نہیں کی، تو «قَعَدْتُ عَنِ الْحَرْبِ» میں جنگ سے بیٹھا «جُبْنًا» بزدلی کی وجہ سے، اب دیکھو بزدلی پہلے سے ہے جی اور جنگ سے بیٹھنا بعد میں ہے اس بزدلی کی وجہ سے بیٹھنا ہے، تو لہٰذا یہاں دیکھو فعل مؤخر ہے، مفعولٌ لہ پہلے ہے اور فعل مؤخر ہے، تو یہاں پر بھی اسی طرح ہے «وَإِذَا عُطِفَ»۔

«بِنَاءً عَلَى وُجُودِ عَامِلَيْنِ»، عاملین سے پہلے «وُجُودِ» کا لفظ بھی نکال لیں، «أَيْ إِذَا عُطِفَ بِنَاءً عَلَى وُجُودِ عَامِلَيْنِ»، جب عطف کیا جائے دو عاملوں کے وجود کی وجہ سے، جب عطف کیا جائے دو عاملوں کے وجود کی وجہ سے۔ جیسے کیا تھا؟ «قَعَدْتُ عَنِ الْحَرْبِ جُبْنًا» میں جنگ سے بیٹھا بزدلی کی وجہ سے، تو یہاں بھی «إِذَا عُطِفَ»، «إِذَا عُطِفَ بِنَاءً عَلَى وُجُودِ عَامِلَيْنِ»، جب عطف کیا جائے دو عاملوں کے وجود کی وجہ سے، ان کی وجہ سے عطف کیا جائے۔ تو یہ ایک۔ اور جبکہ بعض شارحین کہتے ہیں، انہوں نے اس کا یہ جواب دیا کہ، کہ یہاں عطف کا لغوی معنی کر لیں، عطف وہ جو نحو میں استعمال ہوتا ہے کہ ایک لفظ پر دوسرے لفظ کا عطف کیا جاتا ہے وہ نہ مراد لیں، بلکہ یہاں عطف کا لغوی معنی کر لیں، اور عربی زبان میں عطف کے معنی ہیں مائل کرنا، جھکانا ایک چیز کو، ایک چیز کو دوسری چیز کے قریب کرنا۔ تو کہتے ہیں «وَإِذَا عُطِفَ» اور جب مائل کیا جائے «عَلَى عَامِلَيْنِ» کس پر؟ دو عاملوں پر، یعنی جب دو اسموں کو، جیسے دیکھو «مَا كُلُّ سَوْدَاءَ تَمْرَةً وَلَا بَيْضَاءَ شَحْمَةً»، یہ «بَيْضَاءَ شَحْمَةً» کو ہم لے کر آئے اور ہم نے ان کا عطف کس پر کیا؟ «سَوْدَاءَ» اور «تَمْرَةً» پر، تو گویا دو اسموں کو ہم نے مائل کیا اور ان کو بھی ان کے عامل کا معمول بنا دیا، جب معمول پر عطف ہوا تو یہ بھی کیا بن گئے؟ معمول، تو گویا دو اسموں کو مائل کیا گیا، جھکایا گیا، قریب کیا گیا عاملوں کے تاکہ یہ بھی ان کے کیا بن جائیں؟ معمول بن جائیں۔ تو عطف کا لغوی معنی کر لیں، لیکن میں نے بتایا سب سے بہترین تقریر کیا ہے کہ یہاں «مَعْمُولَيْ عَامِلَيْنِ مُخْتَلِفَيْنِ» کا لفظ مضاف محذوف نکال لیں «وَإِذَا عُطِفَ عَلَى مَعْمُولَيْ عَامِلَيْنِ مُخْتَلِفَيْنِ» تو بات ٹھیک بن جاتی ہے۔

اور پھر صاحبِ جامی نے یہ بھی بتلایا تھا کہ «عَامِلَيْنِ» کے ساتھ «مُخْتَلِفَيْنِ» کی قید لگائی، کس کی؟ «مُخْتَلِفَيْنِ» کی قید

لگائی۔ کہتے ہیں یہ صرف بعض لوگوں کے وہم کو دور کرنے کے لیے کہ کوئی وہم کرنے والا یہ وہم نہ کرے کہ جہاں پر، جہاں پر عاملِ ثانی عینِ اول ہو، تو وہاں کوئی یہ وہم نہ کرے کہ یہ بھی شاید اسی قبیل سے ہے، جیسے «ضَرَبَ ضَرَبَ زَيْدٌ عَمْرًا وَبَكْرٌ خَالِدًا»۔ تو یہاں «ضَرَبَ ضَرَبَ» کیا ہے؟ دو دفعہ آیا ہے، تو کوئی یہ خیال نہ کرے کہ دو اسموں کا عطف ہو رہا ہے دو ایسے معمولوں پر جن کے عامل دو ہیں، جن کے عامل دو ہیں، کہتے ہیں نہیں، کہ یہاں پر عامل پہلا «ضَرَبَ» ہے، ایک ہی عامل ہے، اور دوسرا «ضَرَبَ» اسی کی تاکید ہے، کیونکہ ایک لفظ کو جب دوبارہ ذکر کیا جائے تو یہ اس کی تاکید کہلاتا ہے۔

اور پھر اس کے بعد ایک اور اشکال ہوا تھا کہ یہاں پر جو جزا آئی ہے وہ شرط کے مطابق نہیں، کیونکہ شرط کے اندر ہے «وَإِذَا عُطِفَ عَلَى مَعْمُولَيْ عَامِلَيْنِ»۔ یہاں «إِذَا» آیا اور «إِذَا» یقین کے لیے آتا ہے، جن چیزوں میں شک ہو ان کے لیے «إِنْ» نہیں لاتے بھئی؟ «إِنْ جَاءَ زَيْدٌ فَأُكْرِمُكَ» اگر زید آیا تو میں اکرام کروں گا آپ کا، معلوم ہوا دیکھو زید کا آنا یقینی نہیں اس لیے میں نے «إِنْ» استعمال کیا، اور جو چیز یقینی ہو وہاں «إِذَا» استعمال کرتے ہیں، «إِذَا جَاءَ زَيْدٌ فَأُكْرِمُكَ» تو جب زید آئے گا تو پھر میں آپ کا اکرام کروں گا، معلوم ہوا اس کا آنا یقینی ہے۔ تو یہاں «إِذَا» آیا «إِذَا عُطِفَ» اور «عُطِفَ» ماضی کا صیغہ آیا، ماضی بھی یقین پر دلالت کرتا ہے کیونکہ جب ایک چیز ہو چکی ہے تو اس کا وقوع یقینی ہے اس میں کسی قسم کے شک اور شبہ کی گنجائش نہیں ہے۔ اور جزا ہے «لَمْ يَجُزْ» جائز نہیں ہے، تو یہ جزا شرط کے مطابق نہیں، کیونکہ معنی کیا بن گیا؟ «وَإِذَا عُطِفَ» اور جب عطف کیا جائے «عَلَى عَامِلَيْنِ» اے «عَلَى مَعْمُولَيْ عَامِلَيْنِ» کس پر؟ دو عاملوں کے دو معمولوں پر، «لَمْ يَجُزْ» تو یہ جائز نہیں۔ جب عطف کیا جائے، بھئی جب عطف کر لیا گیا پھر «لَمْ يَجُزْ» کا کیا معنی؟ جب دو عاملوں کے دو معمولوں پر عطف کر لیا جائے «لَمْ يَجُزْ» تو یہ جائز نہیں ہے، تو جب عطف کر لیا گیا تو پھر عدمِ جواز کا کیا معنی؟ تو اس کا جواب دیا تھا کہ بھئی یہاں مراد یہ ہے کہ حقیقت کے اعتبار سے جائز نہیں ہے، اگرچہ صورت کے اعتبار سے آپ نے عطف کر دیا، لیکن وہ صورت کے اعتبار سے عطف ہے، ظاہر کے اعتبار سے عطف ہے، حقیقت کے اعتبار سے اور عربی زبان کے اعتبار سے یہ جائز نہیں۔ تو صورتاً جائز ہو گیا، آپ نے عطف کر دیا صورتاً جائز ہو گیا، لیکن حقیقتاً جائز نہیں عربی زبان کے اعتبار سے یہ جائز نہیں ہے، تو اب کیا ہوئی جزا شرط کے مطابق ہو گئی، دونوں میں مطابقت آ گئی۔

اب آئیے بھئی آج کے سبق پر۔ پہلے متن متن دیکھ لیجیے، کہتے ہیں: «التَّأْكِيدُ تَابِعٌ يُقَرِّرُ أَمْرَ الْمَتْبُوعِ فِي النِّسْبَةِ أَوْ فِي الشُّمُولِ، وَهُوَ لَفْظِيٌّ وَمَعْنَوِيٌّ.»

متن مل گیا سارا؟ جی۔ تو کہتے ہیں «التَّأْكِيدُ تَابِعٌ يُقَرِّرُ أَمْرَ الْمَتْبُوعِ فِي النِّسْبَةِ أَوْ فِي الشُّمُولِ»۔ تاکید «تَابِعٌ» ایسا تابع ہے، دیکھو «تَابِعٌ» نکرہ ہے اور «يُقَرِّرُ» فعل آیا اور نکرہ کے بعد فعل آئے تو اس کے لیے کیا بنتا ہے؟ صفت۔ تو «التَّأْكِيدُ تَابِعٌ» تاکید جو ہے وہ ایسا تابع ہے «يُقَرِّرُ أَمْرَ الْمَتْبُوعِ» جو متبوع کے امر کو یعنی متبوع کی حال کو، متبوع کی حالت کو پکا کرتا ہے «فِي النِّسْبَةِ» نسبت میں «أَوْ فِي الشُّمُولِ» یا شمول میں۔ یاد رکھو تاکید جو ہے متبوع کے حال کو پکا کرتی ہے نسبت

میں یا شمول میں۔ دیکھو مثالوں سے وضاحت ہوگی۔ مثلاً، مثلاً میں اپنے ایک ساتھی کو بتلاتا ہوں: «جَاءَنِي أَمِيرُ الْمُؤْمِنِينَ» میرے پاس حضرت امیر المؤمنین تشریف لائے تھے۔ تو سننے والا گمان کر سکتا ہے کہ امیر المؤمنین تو اتنے بڑے آدمی ہیں وہ خود کہاں آئے ہوں گے، انہوں نے اپنا کوئی قریبی آدمی کوئی سیکرٹری وغیرہ بھیج دیا ہوگا، تو حقیقت میں امیر المؤمنین نہیں آئے بلکہ ان کا سیکرٹری آیا ہے، لیکن سیکرٹری کا آنا بھی اسی طرح ہے جیسے امیر المؤمنین کا آنا ہے۔ تو اسی لیے یہ جو متکلم نے کہا «جَاءَنِي أَمِيرُ الْمُؤْمِنِينَ» یہ اس سے حقیقتاً امیر المؤمنین نہیں مراد بلکہ ان کا سیکرٹری مراد ہے، لیکن سیکرٹری کا آنا بھی کس کی طرح ہے؟ امیر المؤمنین کے آنے کی طرح ہے، گویا وہ کلام کو مجاز پر محمول کر لیتا ہے۔ جی۔ کس پر محمول کر لیتا ہے؟ مجاز پر محمول کر لیتا ہے۔ تو اس کا علاج پھر متکلم پہلے سے ہی کر لیتا ہے کہ وہ امیر المؤمنین کو دوبارہ لے آتا ہے: «جَاءَنِي أَمِيرُ الْمُؤْمِنِينَ أَمِيرُ الْمُؤْمِنِينَ»۔ تو یہ جب دوسرا «أَمِيرُ الْمُؤْمِنِينَ» آیا یہ پہلے کے لیے تاکید بن گیا، اور اس نے «أَمِيرُ الْمُؤْمِنِينَ» کو پکا کر دیا، اور بتلا دیا کہ «أَمِيرُ الْمُؤْمِنِينَ» بول کر خود امیر المؤمنین ہی مراد ہیں، کوئی ان کا قریبی سیکرٹری وغیرہ مراد نہیں۔ تو دیکھو تاکید نے متبوع کو، دیکھو «جَاءَنِي أَمِيرُ الْمُؤْمِنِينَ» اور پھر دوبارہ لایا میں «أَمِيرُ الْمُؤْمِنِينَ»، تو پہلا «أَمِيرُ الْمُؤْمِنِينَ» یہ کیا ہے؟ متبوع، اور دوسرا «أَمِيرُ الْمُؤْمِنِينَ» کیا ہے؟ اس کی تاکید۔

توجہ ہے؟ تو پہلا «أَمِيرُ الْمُؤْمِنِينَ» وہ ہے متبوع اور مؤکد، اور دوسرا «أَمِيرُ الْمُؤْمِنِينَ» ہے تاکید۔ تو لہٰذا یہاں امیر المؤمنین کی طرف نسبت ہو رہی تھی آنے کی کہ وہ تشریف لائے ہیں، مخاطب کا کیا خیال تھا کہ شاید وہ نہیں آئے ہوں گے ان کا سیکرٹری آیا ہوگا، لیکن اگلے «أَمِيرُ الْمُؤْمِنِينَ» نے آکر اس پہلے «أَمِيرُ الْمُؤْمِنِينَ» کو پکا کر دیا نسبت کے اندر کہ آنے کا فعل امیر المؤمنین نے ہی کیا ہے کوئی اور نہیں آیا، تو دیکھا مجاز کا احتمال ختم ہوگیا۔ سننے والے کا خیال تھا شاید یہ کلام مجاز پر محمول ہے۔ مجاز کسے کہتے ہیں؟ لفظ کو معنیٰ غیرِ موضوع لہ میں استعمال کرنا۔ جیسے شیر کا لفظ کس کے لیے وضع ہے؟ جنگلی درندے کے لیے، لیکن کبھی کبھار یہ بہادر آدمی کے لیے بھی استعمال ہو جاتا ہے۔ ہم مثلاً مسجد میں بیٹھے ہیں، ہمارا ایک ساتھی اندر داخل ہوا مسجد کے دروازے سے، میں کہتا ہوں کہ «جَاءَ أَسَدٌ» شیر آگیا۔ اب دیکھو یہاں پر شیر تو جنگلی درندے کو کہتے ہیں اور یہاں تو کوئی جنگلی درندہ نہیں آیا، معلوم ہوا شیر بول کر کیا مراد ہے؟ بہادر آدمی مراد ہے۔ اس کو کہتے ہیں مجاز، لفظ کو اپنے معنیٰ غیرِ موضوع لہ میں استعمال کرنا۔ تو یہاں پر بھی جب میں نے کہا تھا «جَاءَ أَمِيرُ الْمُؤْمِنِينَ أَمِيرُ الْمُؤْمِنِينَ» دو دفعہ کہا، اگر میں ایک دفعہ کہتا تو سننے والے کا کیا خیال ہوتا کہ شاید یہ کلام مجاز پر محمول ہے، یعنی امیر المؤمنین سے امیر المؤمنین نہیں مراد بلکہ ان کا سیکرٹری مراد ہے۔ معلوم ہوا امیر المؤمنین کا لفظ وہ وضع تو ہے امیر المؤمنین کی ذات کے لیے اور استعمال کس کے لیے ہوگیا؟ ان کے سیکرٹری کے لیے، تو وہ کلام کو مجاز پر محمول کر سکتا تھا۔ تو جب میں نے دوبارہ «أَمِيرُ الْمُؤْمِنِينَ» کہا تو دوسرے «أَمِيرُ الْمُؤْمِنِينَ» نے پہلے «أَمِيرُ الْمُؤْمِنِينَ» کے لفظ کو پکا کر دیا کہ امیر المؤمنین بول کر وہی مراد ہیں کوئی ان کا سیکرٹری مراد نہیں، اس کلام کو مجاز پر نہ محمول کرنا، خود امیر المؤمنین ہی میرے پاس تشریف لائے

تھے۔ یا میں یوں کہتا ہوں: «جَاءَنِي أَمِيرُ الْمُؤْمِنِينَ نَفْسُهُ»، «جَاءَنِي أَمِيرُ الْمُؤْمِنِينَ نَفْسُهُ» میرے پاس امیر المؤمنین خود تشریف لائے تھے، تو یہ «نَفْسُهُ» بھی تاکید ہے، یہ امیر المؤمنین کی کیا ہے؟ تاکید ہے، «نَفْسُهُ» اے «نَفْسُ أَمِيرِ الْمُؤْمِنِينَ»۔ تو امیر المؤمنین کہہ لو یا نفسِ امیر المؤمنین کہہ لو، یا یوں کہو: امیر المؤمنین کہہ لو یا نفسِ امیر المؤمنین یعنی ذاتِ امیر المؤمنین کہہ لو ایک ہی بات ہے، جو امیر المؤمنین ہے وہی کیا ہے؟ نفسِ امیر المؤمنین ہے، وہی ان کی ذات ہے بھئی۔ تو معلوم ہوا کہ تاکید کیا فائدہ دیتی ہے؟ اپنے متبوع کو پکا کر دیتی ہے۔ «يُقَرِّرُ أَمْرَ الْمَتْبُوعِ» تاکید کیا ہے؟ اپنے متبوع کے حال کو پکا کر دیتی ہے، یہاں پر بھی دوسرے «أَمِيرُ الْمُؤْمِنِينَ» نے پہلے «أَمِيرُ الْمُؤْمِنِينَ» کو کیا کر دیا؟ پکا کر دیا۔ تو تاکید وہ ایسا تابع ہے جو اپنے متبوع کے حال کو پکا کرتا ہے، «فِي النِّسْبَةِ» کس چیز میں؟ نسبت کے اندر۔ امیر المؤمنین کی طرف آنے کی نسبت ہو رہی تھی، کس کی؟ آنے کی کہ وہ میرے پاس تشریف لائے ہیں، تو اس ثانی «أَمِيرُ الْمُؤْمِنِينَ» نے یا آگے جو «نَفْسُهُ» آیا انہوں نے امیر المؤمنین کو پکا کر دیا کہ یہ جو آنے کی نسبت ہو رہی ہے وہ امیر المؤمنین ہی کی طرف ہے، ان کے سیکرٹری کی طرف نہیں ہے۔ تو یہی بیان کر رہے ہیں کہ «التَّأْكِيدُ تَابِعٌ» تاکید ایسا تابع ہے «يُقَرِّرُ أَمْرَ الْمَتْبُوعِ» جو متبوع کی حالت کو پکا کرتا ہے، امر کا کیا معنی؟ حالت، بھئی آگے صاحبِ جامی بھی بیان کریں گے، «التَّأْكِيدُ تَابِعٌ» تاکید ایسا تابع ہے «يُقَرِّرُ أَمْرَ الْمَتْبُوعِ» جو اپنے متبوع کی حالت کو پکا کر دیتا ہے «فِي النِّسْبَةِ» نسبت میں «أَوْ فِي الشُّمُولِ» یا کس کے اندر؟ شمول کے اندر۔

شمول یعنی اس میں عموم پیدا کر دیتا ہے۔ مثلاً دیکھو میں نے آپ سے کہا: «جَاءَنِي طَلَبَةُ الدَّرَجَةِ الرَّابِعَةِ» میرے پاس درجہ رابعہ والے طلباء آئے۔ تو سننے والا خیال کر سکتا ہے کہ بھئی سارے نہیں آئے ہوں گے دو چار آئے ہوں گے، دو چار آئے ہوں پھر بھی ہم کہہ دیتے ہیں یا نہیں؟ میرے پاس درجہ رابعہ والے آئے تھے، جب دو چار آئیں پھر بھی کیا کہہ دیتے ہیں؟ میرے پاس درجہ رابعہ والے آئے تھے، سارے آجائیں پھر بھی کہتے ہیں میرے پاس درجہ رابعہ والے آئے تھے۔ تو ہم عام کلام میں استعمال کرتے رہتے ہیں، ایک جماعت کی طرف ایک چیز کی نسبت کر دیتے ہیں اور ان ساروں نے وہ فعل نہیں کیا ہوتا ان میں سے بعضوں نے وہ فعل کیا ہوتا ہے۔ جیسے میں نے کہا میرے پاس کس درجے والے آئے؟ درجہ رابعہ والے آئے، تو اب سننے والے کا خیال ہو سکتا تھا کہ بھئی درجہ رابعہ والے وہ تو مثلاً پچاس طلباء ہیں وہ سارے نہیں آئے ہوں گے ان میں سے کچھ آگئے ہوں گے۔ معلوم ہوا یہاں درجہ رابعہ کے طلباء یہ اپنے حقیقی معنیٰ میں استعمال نہیں، کیونکہ حقیقی معنیٰ تو کیا تھا؟ درجہ رابعہ کے طلباء، معلوم ہوا وہ پچاس کے پچاس مراد ہیں، وہ پچاس کے پچاس مراد ہیں، لیکن یہ سب کے لیے استعمال نہیں کیا بلکہ بعض کے لیے استعمال کیا، تو یہ بھی اپنے مجازی معنوں میں استعمال ہوا ہے حقیقی معنیٰ میں استعمال نہیں ہوا۔ تو یہاں بھی وہ مجاز کا وہم کر سکتا تھا، تو آگے میں پھر تاکید لے آتا ہوں: «كُلُّهُمْ»، «جَاءَنِي طَلَبَةُ الدَّرَجَةِ الرَّابِعَةِ» میرے پاس درجہ رابعہ والے آئے تھے «كُلُّهُمْ» سارے کے سارے۔ دیکھا اس «كُلُّهُمْ» نے مجاز کے احتمال کو ختم کر دیا، سننے والا خیال کر سکتا تھا دو چار آئے ہوں گے، دس آئے ہوں گے، لیکن جب میں نے «كُلُّهُمْ» کہا اس نے

شمول کا فائدہ دیا کہ سارے افراد اس حکم کے اندر شامل ہیں، وہ سارے مجیئت کے اندر شامل ہیں، سب آئے ہیں بھئی۔ تو یہاں پر دیکھو یہ «طَلَبَةُ الدَّرَجَةِ» بلکہ «قَوْمٌ» کر لو، قوم کا لفظ لے آؤ ذرا مختصر ہو جائے گا کلام، «جَاءَنِي الْقَوْمُ»۔ «الْقَوْمُ» کا کیا معنی؟ وہ لوگ۔ توجہ ہے؟ اردو میں قوم کا الگ معنی ہے، عربی میں قوم کا الگ معنی ہے، عربی میں قوم کہتے ہیں تین سے لے کر دس تک مردوں کی جو جماعت ہے اس کو قوم کہتے ہیں۔ کتنے افراد ہونے چاہئیں؟ تین سے دس تک، اس جماعت کو قوم کہتے ہیں اور اس میں عورتیں داخل نہیں۔ ہاں کبھی کبھی عورتیں بھی داخل ہو جاتی ہیں لیکن تبعاً، مردوں کے تابع ہو کر داخل ہو جاتی ہیں ویسے وہ داخل نہ ہوتیں۔ مثلاً آٹھ آدمیوں کی ایک جماعت ہے، میں آپ سے کہتا ہوں: «جَاءَنِي الْقَوْمُ»۔ ترجمہ کریں: میرے پاس وہ لوگ، «الْقَوْمُ» معین لوگ ہیں نا، الف لام ہے، «جَاءَنِي الْقَوْمُ» وہ لوگ میرے پاس آئے تھے۔ تو آپ کے ذہن میں خیال آسکتا ہے کہ بھئی سارے نہیں آئے ہوں گے چار پانچ آگئے ہوں گے۔ تو آگے میں کہتا ہوں: «كُلُّهُمْ» وہ سارے کے سارے آئے تھے۔ تو «جَاءَنِي الْقَوْمُ كُلُّهُمْ»، تو یہاں دیکھو یہ «كُلُّهُمْ» نے شمول کا فائدہ دیا کہ یہ پیچھے جو «الْقَوْمُ» کا لفظ آیا تھا یہ اپنے تمام افراد کو شامل ہے صرف بعض کو شامل نہیں ہے، تو دیکھو اس تاکید نے شمول کا فائدہ...

فائدہ دیا، اس نے اپنے متبوع کے حال کو پکا کر دیا، کس چیز میں؟ شمول میں۔ تو یہ معنی ہے: «التَّأْكِيدُ تَابِعٌ يُقَرِّرُ أَمْرَ الْمَتْبُوعِ»، تاکید ایسا تابع ہے جو اپنے متبوع کی حالت کو پختہ کرتا ہے، اس کو پکا کرتا ہے، «فِي النِّسْبَةِ» نسبت میں «أَوْ فِي الشُّمُولِ» یا شمول میں۔ بات سمجھ میں آگئی؟ آئیے اب اس سارے کو شرح کے ساتھ دیکھیے بھئی۔

کہتے ہیں: «التَّأْكِيدُ تَابِعٌ يُقَرِّرُ أَمْرَ الْمَتْبُوعِ أَيْ حَالَهُ وَشَأْنَهُ عِنْدَ السَّامِعِ». بھئی متن میں تو آیا تھا «أَمْرَ الْمَتْبُوعِ»، میں نے کیا بتلایا امر کا کیا معنی؟ حالت، وہی بیان کر رہے ہیں «أَيْ حَالَهُ وَشَأْنَهُ» یعنی متبوع کی حالت اور شان، حال اور شان کا ایک معنی ہے، متبوع کی حالت کو پکا کرتا ہے، «عِنْدَ السَّامِعِ» کس کے نزدیک؟ سامع کے نزدیک۔ متکلم کو تو پتہ ہے، جب میں نے کہا «جَاءَنِي أَمِيرُ الْمُؤْمِنِينَ» مجھے تو پتہ ہے کہ امیر المؤمنین آئے تھے، لیکن سننے والا خیال کر سکتا ہے کہ وہ نہیں آئے ہوں گے ان کے سیکرٹری آئے ہوں گے بھئی، یا میں کہتا ہوں «جَاءَنِي الْقَوْمُ كُلُّهُمْ»، یہ «كُلُّهُمْ» میں نہ کہوں پھر بھی مجھے تو پتہ ہے کہ اس قوم کے سارے افراد آئے تھے، لیکن مخاطب کو تو پتہ نہیں۔ تو یہ جو متبوع کی حالت کو پکا کیا تاکید نے کس کے نزدیک پکا کیا؟ متکلم کے نزدیک یا مخاطب کے نزدیک؟ مخاطب کے نزدیک بھئی، بات سمجھ میں آگئی؟ تو یہ تاکید متبوع کے حال کو پکا کرتی ہے کس کے اعتبار سے؟ سامع کے اعتبار سے یعنی مخاطب کے اعتبار سے۔ کہتے ہیں «أَيْ حَالَهُ وَشَأْنَهُ عِنْدَ السَّامِعِ» یعنی متبوع کے جو حال ہے اس کو یہ تاکید پکا کرتی ہے «عِنْدَ السَّامِعِ» کس کے نزدیک؟ سامع کے نزدیک یعنی جو سن رہا ہے، جو مخاطب ہے۔

«يَعْنِي يَجْعَلُ حَالَهُ ثَابِتًا مُقَرَّرًا عِنْدَهُ فِي النِّسْبَةِ» یعنی یہ تاکید کر دیتی ہے «حَالَهُ أَيْ حَالَ الْمَتْبُوعِ»، یہ متبوع کے حال کو

کیا کر دیتی ہے؟ «ثَابِتًا» ثابت کر دیتی ہے، «مُقَرَّرًا» مقرر کا بھی وہی معنیٰ ثابت، یا یوں کہو پختہ، یہ کیا کر دیتی ہے متبوع کے حال کو ثابت کر دیتی ہے، پختہ کر دیتی ہے «عِنْدَهُ» کس کے نزدیک؟ سامع کے نزدیک، «فِي النِّسْبَةِ» کس چیز میں؟ نسبت میں۔ توجہ ہے؟ پھر ادھر دیکھیے: تاکید کسے کہتے ہیں؟ وہ ایسا تابع ہے جو متبوع کی حالت کو پکا کر دیتی ہے، کس کے نزدیک پکا کرتی ہے؟ سامع جو مخاطب ہے اس کے نزدیک، متکلم کو تو سارا کچھ پتہ ہے پہلے سے ہی، وہی تو بات کر رہا ہے، تو سامع کے نزدیک متبوع کے حال کو پکا کر دیتی ہے۔ «فِي النِّسْبَةِ» کس چیز میں؟ نسبت میں، کہ میں نے جو کہا «جَاءَنِي أَمِيرُ الْمُؤْمِنِينَ»، یہ جو میں مجیئت کی نسبت امیر المؤمنین کی طرف کر رہا ہوں، اس مجیئت میں پہلے امیر المؤمنین کو پکا کر دیا، «جَاءَنِي أَمِيرُ الْمُؤْمِنِينَ أَمِيرُ الْمُؤْمِنِينَ»، تو یہ دوسرے امیر المؤمنین نے پہلے امیر المؤمنین کو کیا کر دیا؟ پکا کر دیا، کس چیز میں؟ نسبت میں کہ یہ جو مجیئت کی نسبت ہو رہی ہے یہ امیر المؤمنین ہی کی طرف ہے ان کے کسی سیکرٹری کی طرف نہیں ہے۔ یہ معنی ہے «يَعْنِي يَجْعَلُ حَالَهُ ثَابِتًا مُقَرَّرًا عِنْدَهُ فِي النِّسْبَةِ» یعنی یہ تاکید جو ہے متبوع کے حال کو ثابت اور پکا کر دیتی ہے مخاطب کے نزدیک «فِي النِّسْبَةِ»، «فِي النِّسْبَةِ» نسبت میں۔

«أَيْ فِي كَوْنِهِ مَنْسُوبًا أَوْ مَنْسُوبًا إِلَيْهِ»۔ «فِي النِّسْبَةِ» کا معنی بیان کر رہے ہیں صاحبِ جامی، میں نے تو مختصر بیان کیا، صاحبِ جامی بتلائیں گے کہ نسبت میں پکا کرنے کا یہ معنی ہے کہ نسبت جو ہے دو چیزوں کے درمیان ہوتی ہے: ایک منسوب اور ایک منسوبٌ الیہ۔ «جَاءَ أَمِيرُ الْمُؤْمِنِينَ»، توجہ ہے؟ «جَاءَ أَمِيرُ الْمُؤْمِنِينَ»، تو «جَاءَ» کی نسبت ہو رہی ہے امیر المؤمنین کی طرف، تو «جَاءَ» ہوا منسوب جس کی نسبت کی گئی ہے، اور «أَمِيرُ الْمُؤْمِنِينَ» ہوئے منسوبٌ الیہ ان کی طرف نسبت کی گئی ہے۔ توجہ ہے؟ تو نسبت دو چیزوں میں ہوتی ہے: ایک وہ چیز جس کی نسبت کی گئی اور دوسری وہ چیز جس کی طرف نسبت کی گئی۔ تو «جَاءَ أَمِيرُ الْمُؤْمِنِينَ»، یہ «جَاءَ» کیا ہے؟ منسوب، اور «أَمِيرُ الْمُؤْمِنِينَ» کیا ہے؟ منسوبٌ الیہ جس کی طرف نسبت کی گئی ہے۔ تو دونوں میں سے کوئی بھی ایک ہو سکتا ہے۔

مثلاً، مثلاً میں آپ سے کہتا ہوں «جَاءَ أَمِيرُ الْمُؤْمِنِينَ» امیر المؤمنین تشریف لائے تھے۔ اب آپ کیا خیال کرتے ہیں؟ آپ خیال کرتے ہیں امیر المؤمنین آئے نہیں ہوں گے، انہوں نے ٹیلی فون کر دیا ہوگا، انہوں نے ٹیلی فون کر دیا، لیکن امیر المؤمنین کا ٹیلی فون کرنا بھی ایسے ہے اتنے بڑی شخصیت کا فون بھی یوں سمجھو گویا وہ خود ہی میرے پاس تشریف لائے تھے بھئی۔ تو کیا تو انہوں نے فون تھا لیکن میں نے کہہ دیا «جَاءَ أَمِيرُ الْمُؤْمِنِينَ» حضرت امیر المؤمنین میرے گھر تشریف لائے تھے۔ تو معلوم ہوا مخاطب یہ خیال کر سکتا ہے کہ یہاں مجیئت کی جو نسبت کی جا رہی ہے یہ مجاز پر مبنی ہے، حقیقت میں مجیئت یعنی آنے کا فعل نہیں ہوا بلکہ صرف فون کے ذریعے رابطہ ہوا ہے۔ لیکن میں «جَاءَ» کو دوبارہ لے آتا ہوں، توجہ ہے؟ اب اس نے مجاز کا خیال کس میں کیا؟ مجیئت میں، تو میں «جَاءَ» کو دوبارہ لاؤں گا: «جَاءَ جَاءَ أَمِيرُ الْمُؤْمِنِينَ»، «جَاءَ جَاءَ أَمِيرُ الْمُؤْمِنِينَ»۔ معلوم ہوا میں بتانا چاہتا ہوں کہ یہ «جَاءَ» کو مجاز نہ خیال کرنا، یہ حقیقت میں مجیئت سے مجیئت یعنی

آنا ہی مراد ہے۔ توجہ ہے؟ اور یہ کوئی مجھے مخاطب بتائے گا نہیں کہ مجھے کس چیز میں مجاز کا وہم ہے کیونکہ میں تو بول رہا ہوں، توجہ ہے؟ سننے کے بعد ہی اس کے ذہن میں خیال آئے گا نا، اس سے پہلے تو خیال نہیں آسکتا ابھی اگر میں نے جملہ ہی نہیں بولا۔ تو اگر مجھے منسوب میں مجاز کا وہم ہونے کا خیال ہے، اگر میرا یہ خیال ہے مخاطب یہ سوچ سکتا ہے کہ مجیئت نہیں ہوگی بلکہ ٹیلی فون ہوا ہوگا، تو میں منسوب کو دوبارہ لاؤں گا اس کا اس کی تاکید لاؤں گا، اور اگر میرے ذہن میں یہ خیال آتا ہے کہ وہ منسوبٌ الیہ کے اندر مجاز کا خیال کر سکتا ہے تو میں پھر وہ منسوبٌ الیہ کیا ہے؟ «أَمِيرُ الْمُؤْمِنِينَ» اس کو دوبارہ لاؤں گا۔ تو، تو اگر میرا یہ خیال ہے کہ مخاطب وہم کر سکتا ہے منسوب میں تو میں منسوب کی تاکید لے آؤں گا، اگر میرا یہ خیال ہے کہ مخاطب منسوبٌ الیہ میں وہم کر سکتا ہے مجاز کا تو میں منسوبٌ الیہ کی تاکید لے آؤں گا، اور اگر میرا خیال ہے کہ اس کو دونوں میں وہم ہو سکتا ہے تو میں دونوں کا تکرار کر دوں گا۔ مثلاً میرا یہ خیال ہے کہ مخاطب جو ہے منسوب میں وہم کر سکتا ہے یعنی مجیئت میں کہ مجیئت نہیں ہوئی ہوگی بلکہ ٹیلی فون ہوا ہوگا، تو میں منسوب کا تکرار کر دوں گا «جَاءَ جَاءَ أَمِيرُ الْمُؤْمِنِينَ»، بتلانا یہ چاہتا ہوں کہ مجیئت سے مجیئت ہی مراد ہے کوئی اور معنی مراد نہیں۔ اور اگر میرا یہ خیال ہے کہ امیر المؤمنین کے بارے میں اس کا خیال ہو سکتا ہے کہ وہ نہیں آئے ہوں گے ان کے سیکرٹری آئے ہوں گے، تو میں اس منسوبٌ الیہ میں تکرار کر دوں گا «جَاءَ أَمِيرُ الْمُؤْمِنِينَ أَمِيرُ الْمُؤْمِنِينَ»۔ اور اگر میرا یہ خیال ہو کہ شاید اس کو دونوں چیزوں میں شک ہو سکتا ہے تو پھر میں کیسے کہوں گا؟ «جَاءَ جَاءَ أَمِيرُ الْمُؤْمِنِينَ أَمِيرُ الْمُؤْمِنِينَ» دونوں کو دو دفعہ لے آؤں گا، یا پورے جملے کو ہی دوبارہ لے آؤں گا «جَاءَ أَمِيرُ الْمُؤْمِنِينَ جَاءَ أَمِيرُ الْمُؤْمِنِينَ»۔ صورت سمجھ میں آرہی ہے؟ تو بہرحال یہاں تو وہ جو «جَاءَ جَاءَ أَمِيرُ الْمُؤْمِنِينَ أَمِيرُ الْمُؤْمِنِينَ» منسوب کو بھی میں دو دفعہ لایا اور منسوبٌ الیہ کو بھی دو دفعہ لایا، اور اگر میں جملے کو دو دفعہ لاؤں پھر یہ ہماری بحث سے خارج ہے، کیونکہ یہاں ہم اسم کی تاکید پڑھ رہے ہیں جملے کی تاکید نہیں پڑھ رہے۔

تو معلوم ہوا توجہ سے پھر سنو: تاکید ایسا تابع ہے «يُقَرِّرُ أَمْرَ الْمَتْبُوعِ» جو متبوع کی حالت کو پکا کرتا ہے «فِي النِّسْبَةِ» کس میں؟ نسبت میں، یعنی منسوب ہونے میں یا منسوبٌ الیہ ہونے میں۔ نسبت سے کیا مراد ہے؟ منسوب ہونا یا منسوبٌ الیہ ہونا۔ یہی بیان کر رہے ہیں: «فِي النِّسْبَةِ أَيْ فِي كَوْنِهِ مَنْسُوبًا أَوْ مَنْسُوبًا إِلَيْهِ» یعنی اس کے منسوب یا منسوبٌ الیہ ہونے میں، متبوع کے منسوب یا منسوبٌ الیہ ہونے میں اس کو پکا کرتی ہے۔ «فَيَثْبُتُ عِنْدَهُ» تو یہ متبوع ثابت ہو جائے گا، جس کی تاکید لائے ہیں نا متبوع ہے، وہ ثابت ہو جائے گا سامع کے نزدیک، «وَيَتَحَقَّقُ» اور اس کا تحقق ہو جائے گا، ثبوت اور تحقق کا ایک معنی ہے، تو وہ «فَيَثْبُتُ عِنْدَهُ وَيَتَحَقَّقُ» تو اس کے سامع کے نزدیک یہ بات ثابت ہو جائے گی «وَيَتَحَقَّقُ» اور محقق ہو جائے گی «أَنَّ الْمَنْسُوبَ أَوِ الْمَنْسُوبَ إِلَيْهِ فِي هَذِهِ النِّسْبَةِ» کہ وہ جو منسوب ہے جس کی تاکید لائے ہیں «أَوِ الْمَنْسُوبَ إِلَيْهِ» یا وہ جو منسوبٌ الیہ ہے جس کی تاکید لائے ہیں، مثلاً ایک کی تاکید لائیں گے نا ایک وقت میں، عموماً ایک کی تاکید لاتے ہیں، میں نے بتایا دونوں کی بھی تاکید لا سکتے ہیں لیکن عموماً ایک کی تاکید لائی جاتی ہے، تو اس سامع کے نزدیک یہ بات ثابت ہو جائے گی کہ وہ جو منسوب ہے جس کی تاکید لائی گئی یا وہ جو منسوبٌ الیہ ہے جس کی تاکید لائی گئی ہے وہ وہی متبوع ہی ہے کوئی اور

چیز نہیں ہے۔ تو کہتے ہیں «فَيَثْبُتُ عِنْدَهُ وَيَتَحَقَّقُ» تو سامع کے نزدیک یہ بات ثابت ہو جائے گی اور محقق ہو جائے گی «أَنَّ الْمَنْسُوبَ أَوِ الْمَنْسُوبَ إِلَيْهِ فِي هَذِهِ النِّسْبَةِ» کہ وہ جو منسوب یا منسوبٌ الیہ ہے اس نسبت کے اندر «هُوَ الْمَتْبُوعُ لَا غَيْرُهُ» وہ متبوع ہی ہے اس کے علاوہ کوئی اور چیز نہیں۔ متبوع یعنی جس کی آپ تاکید لائے ہیں، چاہے آپ منسوب کی تاکید لائے ہیں چاہے منسوبٌ الیہ، «جَاءَ جَاءَ» میں کس کی تاکید لایا؟ فعل کی، منسوب کی، تو یہ منسوب پکا ہوگیا کہ یہی مجیئت ہی مراد ہے کوئی اور چیز مراد نہیں، یا «جَاءَ أَمِيرُ الْمُؤْمِنِينَ أَمِيرُ الْمُؤْمِنِينَ» امیر المؤمنین کی تاکید میں لے کر آیا تو امیر المؤمنین کیا ہوگیا؟ پکا ہوگیا نسبت کے اندر، کہ وہ جو منسوب یا منسوبٌ الیہ ہے اس نسبت میں «هُوَ الْمَتْبُوعُ لَا غَيْرُهُ» وہ متبوع ہی ہے، «لَا غَيْرُهُ» اس کے علاوہ اور کوئی نہیں۔

«وَذَلِكَ إِمَّا لِدَفْعِ ضَرَرِ الْغَفْلَةِ»، اب یاد رکھو، یاد رکھو تاکید کے تین فائدے ہیں، میں نے تو ایک فائدہ ذکر کیا کہ مجاز کے احتمال کو ختم کر دیتی ہے، تاکید کیا کرتی ہے؟ مجاز کے احتمال کو ختم کر دیتی ہے، میں نے کہا «جَاءَنِي أَمِيرُ الْمُؤْمِنِينَ» ہو سکتا ہے مخاطب مجیئت کے بارے میں خیال کرے کہ مجیئت بول کر مجیئت نہیں مراد بلکہ ٹیلی فون کرنا مراد ہے، مجاز پر محمول کر لے مجیئت کو، یا «أَمِيرُ الْمُؤْمِنِينَ» میں نے ذکر کیا ہو سکتا ہے مخاطب یہ خیال کرے کہ امیر المؤمنین نہیں آئے ہوں گے ان کے سیکرٹری آئے ہوں گے تو اس کو کس پر محمول کر لے؟ مجاز پر، تو اس کا میں تدارک کر لیتا ہوں کس طرح؟ کہ تاکید لے آتا ہوں، جس میں میرے خیال میں وہ وہم کر سکتا ہے میں اس کی تاکید لے آتا ہوں، چاہے وہ منسوب ہے چاہے منسوبٌ الیہ ہے اس کی تاکید لے آتا ہوں۔ توجہ ہے؟ یہ ایک فائدہ ہے تاکید کا۔ یاد رکھو تاکید کے تین فائدے علماء ذکر فرماتے ہیں:

ایک یہ کہ تاکید جو غفلت کا نقصان ہے، وہ تاکید اس غفلت کے نقصان کو دور کر دیتی ہے سامع سے، غفلت کے نقصان کو سامع سے دور کر دیتی ہے۔ مثلاً میں نے کہا «جَاءَنِي أَمِيرُ الْمُؤْمِنِينَ» لیکن مجھے یہ خیال ہے، میں نے تو امیر المؤمنین کو ذکر کیا لیکن ہو سکتا ہے کہیں ایسا نہ ہو سامع کی پوری توجہ میری طرف نہ ہو تو اس کو تو امیر المؤمنین کا پتہ نہیں چلے گا کہ کون آیا ہے، تو میں اس کو دوبارہ لاتا ہوں «جَاءَنِي أَمِيرُ الْمُؤْمِنِينَ أَمِيرُ الْمُؤْمِنِينَ»۔ تو یہ جو دوسرا امیر المؤمنین میں لایا اس نے اس نے غفلت کے نقصان کو دور کر دیا، اگر پہلے امیر المؤمنین میں وہ غافل تھا بھی دوسرا امیر المؤمنین تو اس نے سن لیا ہوگا بھئی۔ تو غفلت کا نقصان، غفلت کا کیا نقصان تھا؟ اسے پتہ ہی نہیں چلتا کہ کون آیا ہے، تو دوسرے جب آپ تاکید لاتے ہیں تو وہ غفلت کے نقصان کو دور کر دیتی ہے۔ تو ایک فائدہ کیا ہے تاکید کا؟ کہ سامع سے غفلت کے نقصان کو دور کر دیتی ہے۔

دوسرا کہ میں نے کہا «جَاءَنِي أَمِيرُ الْمُؤْمِنِينَ»، سامع خیال کر سکتا ہے، پہلی صورت کیا تھی؟ کہ امیر المؤمنین نہیں آئے ہوں گے ان کے سیکرٹری آئے ہوں گے، معلوم ہوا وہ امیر المؤمنین کو کس پر محمول کر رہا ہے؟ مجاز پر۔ اب مجاز نہیں اب غلطی کو لے آؤ یہاں پر، غلطی پر محمول کرتا ہے۔ میں نے کہا «جَاءَنِي أَمِيرُ الْمُؤْمِنِينَ» میرے پاس حضرت امیر المؤمنین تشریف لائے تھے، سننے والا خیال کر سکتا ہے کہ یہ امیر المؤمنین نہیں کہنا چاہتا تھا عبد المؤمن کہنا چاہتا تھا، کیا کہنا

چاہتا تھا؟ عبد المؤمن کہنا چاہتا تھا، عبد المؤمن ایک آدمی کا نام ہے مثلاً۔ بات سمجھ میں آ رہی ہے؟ تو لہٰذا جب میں کہوں گا «جَاءَنِي أَمِيرُ الْمُؤْمِنِينَ» تو سامع کا یہ خیال ہو سکتا ہے کہ شاید میں اپنے دوست عبد المؤمن کا ذکر کرنا چاہ رہا تھا، زبان پر غلطی سے کیا آ گیا؟ امیر المؤمنین۔ تو سامع متکلم کو غلطی پر محمول کر سکتا ہے کہ اس سے لفظ بولنے میں غلطی ہو گئی۔ تو چنانچہ میں پھر دوبارہ امیر المؤمنین لاتا ہوں: «جَاءَنِي أَمِيرُ الْمُؤْمِنِينَ أَمِيرُ الْمُؤْمِنِينَ»، اس دوسرے امیر المؤمنین نے غلطی کے وہم کو دور کر دیا، کہ امیر المؤمنین میں نے پہلا جو کہا تھا وہ غلطی سے نہیں کہا تھا بلکہ میرا ارادہ امیر المؤمنین ہی کا تھا۔ یا دوسری مثال لے لیں مثلاً میں آپ سے کسی سے کہتا ہوں «جَاءَنِي زَيْدٌ» تو سننے والا خیال کر سکتا ہے کہ زید غلطی سے زبان پہ آ گیا، زید تو بہت بڑا آدمی ہے وہ نہیں آیا ہوگا عمرو کی بات کر رہا ہوگا، تو یہ عمرو کہنا چاہتا تھا زبان پر غلطی سے کیا آ گیا؟ زید آ گیا۔ تو میں دوبارہ زید لاتا ہوں «جَاءَنِي زَيْدٌ زَيْدٌ» بتلاتا ہوں کہ نہیں زید بول کر زید ہی مراد ہے یہ میں نے غلطی سے نہیں کہا۔ تو تاکید کا پہلا فائدہ کیا؟ کہ سامع سے غفلت کے نقصان کو دور کر دے گی۔ دوسرا فائدہ کیا؟ کہ سامع جو ہے وہ متکلم کے بارے میں غلطی کا گمان کر سکتا تھا یہ سامع کے اس گمان...

کو کیا کر دے گی؟ دور کر دے گی۔ یہ سامع جو متکلم کے بارے میں غلطی کا گمان کر رہا تھا اس گمان کو وہ دور کر دے گی۔ جی۔ اور تیسرا فائدہ وہی جو میں نے ذکر کر دیا کہ تاکید جو ہے مجاز کے احتمال کو ختم کر دیتی ہے کہ امیر المؤمنین بول کر سیکرٹری نہیں مراد بلکہ امیر المؤمنین ہی مراد ہے، یا مجیئت بول کر مجیئت ہی مراد ہے کوئی ٹیلی فون وغیرہ کرنا مراد نہیں ہے بھئی۔

تو کہتے ہیں: «وَذَلِكَ» اور یہ جو تاکید ہوتی ہے کہتے ہیں: «إِمَّا لِدَفْعِ ضَرَرِ الْغَفْلَةِ عَنِ السَّامِعِ» یا تو یہ دور کرنے کے لیے ہے غفلت کے ضرر کو «عَنِ السَّامِعِ» سامع سے، یا تو یہ سامع سے غفلت کے ضرر، غفلت کے نقصان کو دور کرنے کے لیے ہے۔ توجہ ہے؟ «وَذَلِكَ إِمَّا لِدَفْعِ ضَرَرِ الْغَفْلَةِ عَنِ السَّامِعِ» کہ یہ تاکید جو ہے یا تو سامع سے غفلت کے نقصان کو دور کرنے کے لیے ہوتی ہے، «أَوْ لِدَفْعِ ظَنِّهِ بِالْمُتَكَلِّمِ الْغَلَطَ» یا اس سامع کا جو گمان ہے متکلم کے بارے میں «الْغَلَطَ» غلطی کا، اس کو دور کرنے کے لیے ہے۔ «أَوْ لِدَفْعِ ظَنِّهِ بِالْمُتَكَلِّمِ الْغَلَطَ» یا یہ تاکید جو ہے سامع کا متکلم کے بارے میں غلط ہونے کا جو گمان ہے اس کو دور کرنے کے لیے ہوتی ہے۔ «وَذَلِكَ الدَّفْعُ»، اب دیکھو تین فائدے تھے تاکید کے، پہلا فائدہ کیا؟ یہ سامع سے غفلت کے نقصان کو دور کرتی ہے، دوسرا فائدہ کیا؟ کہ سامع ہو سکتا ہے متکلم کے بارے میں غلطی کا گمان کرے تو یہ اس گمان کو کیا کرتی ہے؟ دور کرتی ہے۔ اور تیسرا کیا تھا؟ مجاز کے احتمال کو دور کرتی ہے۔ اس کو آگے چل کر بیان کریں گے، ابھی صرف ان دو کو بیان کر رہے ہیں۔ توجہ ہے؟ یہ جو پہلے دو فائدے ہیں ان میں تاکیدِ لفظی لاتے ہیں تاکیدِ معنوی نہیں۔ آگے چل کر بتائیں گے تاکید دو قسم پر ہے: ایک تاکیدِ لفظی، ایک تاکیدِ معنوی۔ تاکیدِ لفظی اسے کہتے ہیں کہ بعینہ اسی لفظ کو دوبارہ لے آئیں: «جَاءَنِي زَيْدٌ زَيْدٌ»، «جَاءَنِي أَمِيرُ الْمُؤْمِنِينَ أَمِيرُ الْمُؤْمِنِينَ»، «جَاءَ جَاءَ أَمِيرُ الْمُؤْمِنِينَ»، ایک لفظ کو دوبارہ لایا جائے یہ کیا ہے؟ تاکیدِ لفظی۔ اور تاکیدِ معنوی یہ ہے کہ اسی لفظ کو دوبارہ نہیں لایا جاتا، اور وہ چند لفظ ہیں ان کے

ذریعے ہوتی ہے جو آگے آجائیں گے: «نَفْسٌ» ہے، «عَيْنٌ» ہے، «كِلَا» اور «كِلْتَا» ہیں، اور اسی طرح «أَجْمَعُ»، «أَكْتَعُ»، «أَبْتَعُ»، «أَبْصَعُ» وغیرہ ہیں۔ تو یہ ہے تاکیدِ معنوی ان کے ذریعے ہوتی ہے، اور تاکیدِ لفظی کسے کہتے ہیں؟ کہ اسی پہلے لفظ کو دوبارہ لایا جائے، «جَاءَنِي زَيْدٌ زَيْدٌ» یا «جَاءَ جَاءَ زَيْدٌ» یہ سب تاکیدِ لفظی ہیں۔ بات سمجھ میں آگئی؟ لیکن بہرحال ہم یہاں اسم کی تاکید کی بات کر رہے ہیں، فعل یا حرف وغیرہ کی تاکید یا جملے کی تاکید کی بات نہیں کر رہے۔

تو کہتے ہیں، دیکھو پھر دیکھیے، کہتے ہیں: «وَذَلِكَ إِمَّا لِدَفْعِ ضَرَرِ الْغَفْلَةِ عَنِ السَّامِعِ، أَوْ لِدَفْعِ ظَنِّهِ بِالْمُتَكَلِّمِ الْغَلَطَ» اور یہ تاکید جو ہے یا تو سامع سے غفلت کے نقصان کو دور کرنے کے لیے ہوتی ہے، یا یہ سامع جو ہے متکلم کے بارے میں جو غلطی کا گمان کرتا ہے اس کو دور کرنے کے لیے ہوتی ہے۔ «وَذَلِكَ الدَّفْعُ» اور یہ دونوں چیزیں جو جن کو دور کرتی ہے تاکید، «وَذَلِكَ الدَّفْعُ يَكُونُ بِتَكْرِيرِ اللَّفْظِ» اور ان کا دور کرنا جو ہے وہ تکرارِ لفظ کے ذریعے ہوگا، کہ اسی لفظ کو کیا کیا جائے؟ دوبارہ لایا جائے۔ «نَحْوُ» مثال کے طور پر «ضَرَبَ زَيْدٌ زَيْدٌ»۔ دیکھو منسوبٌ الیہ جو ہے اس کا تکرار آگیا، توجہ ہے؟ «ضَرَبَ» کیا ہے؟ منسوب، اس کی نسبت کی گئی ہے، اور «زَيْدٌ» کیا ہے؟ منسوبٌ الیہ، اور منسوبٌ الیہ کا تکرار آگیا۔ تو اس نے دونوں چیزوں کو دور کر دیا: غفلت کے نقصان کو بھی دور کیا اگر غفلت کا خیال ہے اس لیے آپ لائے ہیں، اور یا غلطی کا گمان ہو سکتا تھا تو اس غلطی کے گمان کو بھی کیا کر دیا اس نے؟ دور کر دیا۔ «أَوْ ضَرَبَ ضَرَبَ زَيْدٌ» اس کے اندر دیکھو منسوب کی تاکید لائے ہیں، «ضَرَبَ» منسوب تھا اور «زَيْدٌ» کیا تھا؟ منسوبٌ الیہ، اس کی طرف ضرب کی نسبت ہو رہی ہے۔ تو دو فائدے جو ہیں، پہلے دو فائدے تاکید کے، ان کے لیے تاکیدِ لفظی لاتے ہیں، اسی لفظ کو دوبارہ لاتے ہیں۔ اور وہ جو مجاز کا احتمال ختم کرنا تھا تیسرا فائدہ جو تھا، تیسرا فائدہ تھا، اس میں تفصیل بیان کرنا چاہتے ہیں صاحبِ جامی۔

تیسرا فائدہ آگے دیکھیے، کہتے ہیں: «أَوْ لِدَفْعِ ظَنِّ السَّامِعِ بِهِ تَجَوُّزًا» اور دور کرنے کے لیے سامع کے گمان کو «بِهِ» کس کے بارے میں؟ اس متبوع کے بارے میں، کہ سامع گمان کر سکتا ہے اس متبوع کے بارے میں «تَجَوُّزًا» باعتبار مجاز کے، مجاز ہونے کا وہ گمان کر سکتا ہے۔ تو کہتے ہیں اب مجاز ہونے کا گمان کس میں تھا؟ منسوب میں بھی ہو سکتا ہے اور منسوبٌ الیہ میں بھی ہو سکتا ہے۔ «جَاءَ أَمِيرُ الْمُؤْمِنِينَ»، یہ مجیئت جو منسوب ہے اس میں بھی مجاز کا احتمال ہو سکتا ہے تو «جَاءَ» کو دو دفعہ لے آئیں، اور منسوبٌ الیہ جو «أَمِيرُ الْمُؤْمِنِينَ» ہے اس میں بھی مجاز کا احتمال ہو سکتا تھا تو اس کو بھی دو دفعہ لے آتے ہیں۔ تو مجاز کا احتمال منسوب میں بھی ہو سکتا ہے اور منسوبٌ الیہ میں بھی۔

تو کہتے ہیں «أَوْ لِدَفْعِ ظَنِّ السَّامِعِ بِهِ تَجَوُّزًا» یا سامع کا اس متبوع کے بارے میں جو گمان ہے مجاز کے ہونے کا اس کو دور کرنے کے لیے۔ «إِمَّا فِي الْمَنْسُوبِ» اور سامع کا یہ گمان یا تو منسوب کے بارے میں ہو سکتا ہے، کس کے بارے میں؟ منسوب کے بارے میں۔ «نَحْوُ قَوْلِكَ» جیسے کہ آپ کا یہ قول ہے: «زَيْدٌ قَتِيلٌ قَتِيلٌ»۔ «قَتِيلٌ» یہ «فَعِيلٌ» بمعنی «مَفْعُولٌ» کے ہے، «أَيْ قَتِيلٌ» بمعنی «مَقْتُولٌ» کے ہے۔ «زَيْدٌ قَتِيلٌ قَتِيلٌ أَيْ زَيْدٌ مَقْتُولٌ مَقْتُولٌ»۔ دیکھو مثلاً کسی کا ساتھی تھا

زید، اور وہ آکر دوسرے کو بتاتا ہے «زَيْدٌ قَتِيلٌ»، یا یوں کہو «زَيْدٌ مَقْتُولٌ»۔ تو دیکھو «زَيْدٌ» ہوا منسوبٌ الیہ، اس کی طرف نسبت کی جا رہی ہے کس چیز کی؟ قتیل ہونے کی، مقتول ہونے کی، تو «زَيْدٌ» ہوا منسوبٌ الیہ اور «قَتِيلٌ» کیا ہے؟ منسوب۔ تو وہ آکر بتاتا ہے متکلم دوسرے کو کہ «زَيْدٌ قَتِيلٌ» کہ زید مقتول ہے یعنی زید کو قتل کر دیا گیا ہے، لیکن سننے والا خیال کر سکتا ہے، اس کے ذہن میں آتا ہے کہ سننے والا خیال کر سکتا ہے کہ زید کی بہت زیادہ پٹائی کی گئی ہوگی، قتل نہیں کیا گیا ہوگا، لیکن بہت زیادہ پٹائی کی تو بھی یوں ہے سمجھو قتل ہی کر دیا، اتنی زیادہ پٹائی کر دی۔ تو لہٰذا سننے والا اس «قَتِيلٌ» یعنی منسوب کو مجاز پر محمول کر سکتا ہے کہ «قَتِيلٌ» بول کر حقیقت میں مقتول نہیں مراد بلکہ مضروب مراد ہے۔ تو وہ پھر دوبارہ «قَتِيلٌ» لاتا ہے: «زَيْدٌ قَتِيلٌ قَتِيلٌ»، اس ثانی «قَتِيلٌ» نے پہلے «قَتِيلٌ» منسوب کو پکا کر دیا کہ «قَتِيلٌ» بول کر «قَتِيلٌ» ہی مراد ہے، یہاں مضروب مراد نہیں، زید کو حقیقت میں قتل کر دیا گیا ہے۔

تو یہ معنی ہے: «إِمَّا فِي الْمَنْسُوبِ» یا تو یہ سامع کا جو گمان کو دور کیا جائے گا منسوب میں ہوگا، «نَحْوُ قَوْلِكَ زَيْدٌ قَتِيلٌ قَتِيلٌ، دَفْعًا لِتَوَهُّمِ السَّامِعِ» دور کرنے کے لیے سامع کے وہم کو «أَنْ يُرِيدَ بِالْقَتْلِ الضَّرْبَ الشَّدِيدَ» کہ وہ ارادہ کرے قتل کے ذریعے ضربِ شدید کا، ہاں، کہ «أَنْ يُرِيدَ بِالْقَتْلِ الضَّرْبَ الشَّدِيدَ» کہ متکلم ارادہ کر رہا ہے قتل کے ذریعے ضربِ شدید کا۔ سامع یہ وہم کر سکتا ہے کہ متکلم نے جو «قَتِيلٌ» کہا ہے اس سے ضربِ شدید مراد ہے مقتول مراد نہیں، تو اس وہم کو دور کرنے کے لیے دوبارہ «قَتِيلٌ» لایا گیا۔ گمان کس نے کیا؟ سامع نے، اور کس کے بارے میں کیا؟ متکلم کے بارے میں کہ اس نے «قَتِيلٌ» بول کر «قَتِيلٌ» کا ارادہ نہیں کیا بلکہ ضربِ شدید کا ارادہ کیا ہے، مضروب ہونے کا ارادہ کیا ہے۔ سامع نے گمان نہیں کیا، گمان کر سکتا تھا، گمان کر سکتا تھا تو اسی لیے وہ متکلم دو دفعہ «قَتِيلٌ» لایا تاکہ یہ مجاز کا گمان ختم ہو جائے۔ یہ معنی ہے، کہتے ہیں «نَحْوُ قَوْلِكَ زَيْدٌ قَتِيلٌ قَتِيلٌ، دَفْعًا لِتَوَهُّمِ السَّامِعِ» سامع کے اس وہم کو دور کرنے کے لیے کہ سامع یہ وہم کرتا ہے کہ «أَنْ يُرِيدَ بِالْقَتْلِ الضَّرْبَ الشَّدِيدَ» کہ متکلم نے شاید ارادہ کیا ہے قتل کے ذریعے ضربِ شدید کا، سامع کے اس گمان کو دور کرنے کے لیے۔ «فَيَجِبُ حِينَئِذٍ أَيْضًا تَكْرِيرُ اللَّفْظِ» تو اس وقت بھی تکرارِ لفظ ضروری ہے، «حَتَّى لَا يَبْقَى شَكٌّ فِي إِرَادَةِ الْمَعْنَى الْحَقِيقِيِّ» یہاں تک کہ باقی نہ رہے شک بھی «فِي إِرَادَةِ الْمَعْنَى الْحَقِيقِيِّ» معنیٰ حقیقی کے ارادے میں۔ تو جب دوبارہ «قَتِيلٌ» لایا گیا تو اس نے بتلا دیا کہ پہلے «قَتِيلٌ» سے معنیٰ حقیقی ہی مراد ہے کوئی اور معنیٰ مراد نہیں۔ یہ معنی ہے «حَتَّى لَا يَبْقَى شَكٌّ» تاکہ شک باقی نہ رہے «فِي إِرَادَةِ الْمَعْنَى الْحَقِيقِيِّ» کس میں؟ معنیٰ حقیقی کے ارادے میں۔

«أَوْ فِي الْمَنْسُوبِ إِلَيْهِ»۔ یہ «أَوْ فِي الْمَنْسُوبِ إِلَيْهِ» اس کا عطف ہے، ایک سطر پیچھے آیا تھا «إِمَّا فِي الْمَنْسُوبِ»۔ سامع نے وہ جو مجاز کا گمان کیا ہے یا تو وہ منسوب میں ہوگا یا منسوبٌ الیہ میں۔ ادھر دیکھیے، پھر سنو، پھر سنو۔ تاکید کے کتنے فائدے؟ تین۔ پہلا فائدہ کیا؟ یہ غفلت کے نقصان کو دور کرتی ہے مخاطب سے یعنی سامع سے۔ دوسرا فائدہ کیا؟ کہ مخاطب جو ہے وہ متکلم کے بارے میں غلطی کا وہم کر سکتا ہے تو یہ اس وہم کو دور کرتی ہے۔ توجہ ہے؟ تو یہ اس وہم کو دور کرتی ہے۔ تو یہ دونوں چیزیں دور ہوں گی تکرارِ لفظی کے ذریعے۔ کیا دور کرنا چاہتے ہیں آپ؟ آپ سامع سے غفلت کے نقصان

کو دور کرنا چاہتے ہیں تو تکرارِ لفظی لاؤ، منسوب میں غفلت کا احتمال آپ کو لگتا ہے تو اس کو دوبارہ لے آؤ، اور منسوبٌ الیہ میں غفلت کا احتمال لگتا ہے تو اس کو دوبارہ لے آؤ۔ اور سامع آپ کے بارے میں متکلم کے بارے میں غلطی کا بھی وہم کر سکتا ہے، تو اگر آپ کا خیال ہے منسوب میں وہ غلطی کا وہم کرے گا تو منسوب کو دوبارہ لے آؤ، اور اگر سامع کا خیال ہے کہ منسوبٌ الیہ میں غلطی ہو سکتی ہے تو آپ منسوبٌ الیہ کو دوبارہ لے آؤ۔ تو کہنا یہ چاہتے ہیں کہ پہلی دونوں قسم کی جو فائدے ہیں اس کے لیے تقریرِ لفظی ہی لائیں گے، یعنی اسی لفظ کو دوبارہ لائیں گے یعنی تاکیدِ لفظی ہی لائیں گے، تاکیدِ معنوی نہیں لائیں گے۔ تیسری قسم کے اندر جس میں مجاز کا احتمال تھا، تیسرا فائدہ جو تھا، تیسرا فائدہ تھا، اس میں تفصیل بیان کرنا چاہتے ہیں صاحبِ جامی۔

اور پھر اگر سامع جو ہے، سامع جو ہے کلام کو مجاز پر محمول کر سکتا ہے، تو پھر اس میں بھی یا تو وہ منسوب کے بارے میں مجاز کے احتمال کا وہم ہوگا یا منسوبٌ الیہ میں۔ اگر منسوب میں مجاز کے وہم کا احتمال ہے تو بھی تکرارِ لفظی ہی لائیں گے یعنی تاکیدِ لفظی ہی لائیں گے۔ اور اگر منسوبٌ الیہ میں مجاز کا احتمال ہے تو پھر وہاں تاکیدِ لفظی بھی آپ لا سکتے ہیں اور تاکیدِ معنوی بھی۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو اب دیکھیے پہلے کیا بیان کیا تھا، پھر سنیں: «أَوْ لِدَفْعِ ظَنِّ السَّامِعِ بِهِ تَجَوُّزًا» یا وہ جو سامع کا گمان ہے متبوع کے بارے میں «تَجَوُّزًا» مجاز ہونے کے، اس کو دور کرنے کے لیے تاکید لاتے ہیں۔ «إِمَّا فِي الْمَنْسُوبِ» یا تو یہ تاکید کس میں لائیں گے؟ منسوب میں یعنی اس میں مجاز ہونے کا احتمال ہے، تو اس کے اندر «نَحْوُ قَوْلِكَ زَيْدٌ قَتِيلٌ قَتِيلٌ» دیکھا «قَتِيلٌ» کی تاکیدِ لفظی لائے۔ «دَفْعًا لِتَوَهُّمِ السَّامِعِ» سامع کے اس وہم کو دور کرنے کے لیے کہ «أَنْ يُرِيدَ بِالْقَتْلِ الضَّرْبَ الشَّدِيدَ» کہ وہ سمجھتا ہے کہ یہ شاید متکلم کا ارادہ قتل کے ذریعے ضربِ شدید کا ہے، تو اس وہم کو دور کرنے کے لیے۔ «فَيَجِبُ حِينَئِذٍ أَيْضًا تَكْرِيرُ اللَّفْظِ» تو منسوب کے اندر اگر مجاز کا احتمال ہو تو اس وقت بھی واجب ہے تکرارِ لفظ ہی، تقریر بمعنی تکرار کے ہے، «حَتَّى لَا يَبْقَى شَكٌّ فِي إِرَادَةِ الْمَعْنَى الْحَقِيقِيِّ» یہاں تک کہ معنیٰ حقیقی کے ارادے میں شک باقی نہ رہے، یعنی «قَتِيلٌ» بول کر «قَتِيلٌ» ہی مراد ہے کوئی اور معنیٰ مراد نہیں۔

«أَوْ فِي الْمَنْسُوبِ إِلَيْهِ» یا پھر سامع جو مجاز کا وہم کر رہا ہے، منسوبٌ الیہ کے بارے میں یہ وہم کر سکتا ہے، اس وہم کو آپ دور کرنا چاہتے ہیں۔ توجہ ہے؟ تو پھر اس کے لیے آپ تاکیدِ لفظی بھی لا سکتے ہیں اور تاکیدِ معنوی بھی لا سکتے ہیں۔ تو کہتے ہیں «أَوْ فِي الْمَنْسُوبِ إِلَيْهِ» یا یہ جو سامع کا گمان ہوگا مجاز کا یہ منسوبٌ الیہ کے بارے میں ہوگا، «فَإِنَّهُ رُبَّمَا نُسِبَ الْفِعْلُ إِلَى شَيْءٍ وَالْمُرَادُ نِسْبَتُهُ إِلَى بَعْضِ مُتَعَلَّقَاتِهِ» اس لیے کیونکہ بسا اوقات فعل کی نسبت کر دی جاتی ہے کسی چیز کی طرف، اور مراد جو ہے وہ اس فعل کی نسبت ہوتی ہے اس چیز کے بعض متعلقات کی طرف، یعنی چیز نہیں مراد ہوتی اس کے متعلقات مراد ہوتے ہیں۔ ایک چیز کی طرف نسبت کر دی جاتی ہے فعل کی لیکن مراد وہ چیز نہیں ہوتی اس کے متعلقات ہوتے ہیں۔ مثلاً آگے مثال آ رہی ہے: «قَطَعَ الْأَمِيرُ اللِّصَّ»۔ «قَطَعَ» کا معنیٰ کاٹنا، «الْأَمِيرُ» امیر سے مراد اردو کا امیر نہیں ہے، اردو

میں تو امیر مالدار کو کہتے ہیں، عربی میں امیر حاکم کو کہتے ہیں، امیر حاکم کو کہتے ہیں، «قَطَعَ الْأَمِيرُ» امیر نے کاٹ ڈالا «اللِّصَّ»۔ «لِصٌّ» عربی میں چور کو کہتے ہیں صاد کے ساتھ «لِصٌّ»۔ اور یاد رکھو «قَطَعَ الْأَمِيرُ اللِّصَّ أَيْ يَدَ اللِّصِّ»۔ «يَدَ» کا لفظ یہاں مضاف محذوف ہے، چور کے ہاتھ کو کاٹ ڈالا، کیونکہ شریعت کا کیا حکم ہے؟ چوری کرنے والے کا ہاتھ کاٹ دیا جاتا ہے۔ تو «قَطَعَ الْأَمِيرُ اللِّصَّ» امیر نے چور کا ہاتھ کاٹ ڈالا، تو «اللِّصَّ» سے پہلے «يَدَ» کا لفظ مضاف محذوف ہے، «قَطَعَ الْأَمِيرُ»...

«يَدَ اللِّصِّ»، امیر نے چور کا ہاتھ کاٹ ڈالا۔ اب دیکھو کاٹنے کی نسبت امیر المؤمنین کی طرف کردی، حالانکہ امیر المؤمنین چوروں کے ہاتھ کاٹتے ہیں یا وہ جو ان کے غلام یا جلاد وغیرہ وہ کاٹتے ہیں؟ جلاد اور غلام کاٹتے ہیں، لیکن امیر کی طرف نسبت اس لیے کی جاتی ہے کیونکہ امیر المؤمنین حکم دیتا ہے۔ تو جب امیر المؤمنین نے حکم دیا ہے تو یوں سمجھو انہوں نے ہی کاٹا ہے۔ تو دیکھو یہاں کاٹنے کی نسبت کس کی طرف؟ امیر کی طرف، لیکن مراد خود امیر ہے کیا اس نے کاٹا ہے یا اس کے غلام مراد ہیں؟ اس کے غلام مراد ہیں۔ تو بعض اوقات ایک چیز کی طرف نسبت کی جاتی ہے یعنی وہ چیز منسوبٌ الیہ ہوتی ہے، لیکن خود وہ نہیں مراد ہوتی اس چیز کے متعلقات مراد ہوتے ہیں، وہ چیزیں جو اس سے متعلق ہوتی ہیں۔

«فَإِنَّهُ رُبَّمَا نُسِبَ الْفِعْلُ إِلَى شَيْءٍ وَالْمُرَادُ نِسْبَتُهُ إِلَى بَعْضِ مُتَعَلَّقَاتِهِ» اس لیے کیونکہ بسا اوقات فعل کی نسبت کردی جاتی ہے ایک چیز کی طرف، اور مراد جو ہے وہ اس فعل کی نسبت ہوتی ہے اس چیز کے بعض متعلقات کی طرف، یعنی چیز نہیں مراد ہوتی اس کے متعلقات مراد ہوتے ہیں۔ «كَمَا فِي قَطَعَ الْأَمِيرُ اللِّصَّ» جیسے اس مثال کے اندر ہے: «قَطَعَ الْأَمِيرُ اللِّصَّ» امیر المؤمنین نے چور کا ہاتھ کاٹ دیا، «أَيْ قَطَعَ غُلَامُهُ» یعنی امیر المؤمنین کے غلام نے ہاتھ کاٹ دیا۔ «فَيَجِبُ حِينَئِذٍ تَكْرِيرُ الْمَنْسُوبِ إِلَيْهِ لَفْظًا» تو اس صورت میں واجب ہے کہ منسوبٌ الیہ کا تکرار کیا جائے لفظاً باعتبار لفظوں کے، «نَحْوُ ضَرَبَ زَيْدٌ زَيْدٌ»۔ «ضَرَبَ زَيْدٌ زَيْدٌ» بتلانا یہ چاہتے ہیں کہ زید نے ہی پٹائی کی ہے، زید نے ہی پٹائی کی ہے اس کے غلام وغیرہ نے پٹائی نہیں۔ تو زید دیکھو، «ضَرَبَ» یہ ہے منسوب، اور «زَيْدٌ» کیا ہے؟ منسوبٌ الیہ، اور اس کے اندر مجاز کا وہم تھا کہ شاید زید نے پٹائی نہیں کی ہوگی اس کے غلام نے کی ہوگی، آپ آگے دوبارہ زید لا کر بتلاتے ہیں کہ نہیں پٹائی زید نے ہی کی ہے۔

«نَحْوُ ضَرَبَ زَيْدٌ زَيْدٌ أَيْ ضَرَبَ هُوَ لَا مَنْ يَقُومُ مَقَامَهُ»۔ جی، اب مجھے بتائیے بھئی «أَيْ ضَرَبَ هُوَ» یہ «هُوَ» کیوں لائے؟ یہ «هُوَ» کیوں لائے؟ جی؟ فاعل... «ضَرَبَ هُوَ»۔ «ضَرَبَ» کے اندر بھی تو ضمیر ہے، «هُوَ» کو باہر کیوں لایا؟ «ضَرَبَ هُوَ لَا مَنْ يَقُومُ مَقَامَهُ»۔ ابھی بھئی گزشتہ دنوں آپ نے مسئلہ پڑھا تھا کہ ضمیرِ مرفوع متصل پر جب عطف کیا جائے تو کیا لائیں گے اس کی؟ تاکید لائیں گے یا فصل ہونی چاہیے۔ تو یہاں پر بھی «ضَرَبَ» کے اندر «هُوَ» ضمیر ہے، اور آگے «مَنْ يَقُومُ مَقَامَهُ» «مَنْ» موصولہ ہے اور «يَقُومُ مَقَامَهُ» اس کا صلہ، موصول صلہ مل کر یہ ہے معطوف۔ کس پر؟ «ضَرَبَ» کے اندر «هُوَ» ضمیر ہے، اور درمیان میں «لَا» حرفِ عطف موجود ہے۔ حروفِ عاطفہ یاد ہیں یا بھول گئے؟ کیا کیا ہے؟ واوٗ، فا، ثم،

حتی، لکن ہے، لا ہے، بل ہے، اِما ہے، أو ہے، اور أم ہے۔ تو دیکھو «لَا» بھی حروفِ عاطفہ میں سے ہے اور یہ نفی کا بھی فائدہ ساتھ دیتا ہے: «جَاءَنِي زَيْدٌ لَا عَمْرٌو»۔ تو یہ «عَمْرٌو» کا عطف کس پر ہے؟ «زَيْدٌ» پر ہے اور یہ «لَا» کیا ہے؟ حرفِ عطف ہے اور یہ نفی کا فائدہ دے رہا ہے کہ جس چیز کی نسبت زید کی طرف ہے اس کی نسبت عمرو کی طرف نہیں ہے، عمرو نہیں آیا۔ تو دیکھیے: تو «ضَرَبَ» کے اندر «هُوَ» ضمیر وہ ہے مؤکد، اور آگے «هُوَ» ضمیر کیا آگئی؟ تاکید، تو اب «ضَرَبَ» کے اندر «هُوَ» ضمیر پر عطف صحیح ہوا۔ تو «نَحْوُ ضَرَبَ زَيْدٌ زَيْدٌ أَيْ ضَرَبَ هُوَ لَا مَنْ يَقُومُ مَقَامَهُ» کہ زید نے ہی پٹائی کی ہے، «لَا مَنْ يَقُومُ مَقَامَهُ» وہ جو زید کے قائم مقام ہے اس نے پٹائی نہیں کی، زید کے غلام وغیرہ نے پٹائی نہیں کی یا اس کے نائب نے نہیں کی۔

اس میں بھی بتایا: «فَيَجِبُ حِينَئِذٍ تَكْرِيرُ الْمَنْسُوبِ إِلَيْهِ لَفْظًا» کہ جب کس میں مجاز کا وہم ہے؟ منسوبٌ الیہ میں۔ توجہ ہے؟ کس میں مجاز کا وہم ہو سکتا ہے؟ منسوب۔ منسوب میں اگر، اگر منسوب میں مجاز کا وہم ہے تو وہاں تو صرف تاکیدِ لفظی ہی لائیں گے، لیکن منسوبٌ الیہ میں اگر مجاز کا وہم ہے تو وہاں تاکیدِ لفظی بھی لا سکتے ہیں اور تاکیدِ معنوی بھی۔ تو وہی بیان کر رہے ہیں، پیچھے کیا بتایا؟ کہ «فَيَجِبُ حِينَئِذٍ تَكْرِيرُ الْمَنْسُوبِ إِلَيْهِ لَفْظًا» کہ اس وقت پھر واجب ہے کہ منسوبٌ الیہ کا تکرار کیا جائے لفظاً، آگے آرہا ہے: «أَوْ تَقْرِيرُهُ مَعْنًى» یا اس کا تکرار کیا جائے معناً یعنی اس کی تاکیدِ معنوی لائی جائے۔ توجہ ہے؟ جب کس میں مجاز کا احتمال ہے؟ منسوبٌ الیہ میں، تو اس وقت اس کا تکرار واجب چاہے تکرارِ لفظی ہو چاہے تکرارِ معنوی ہو بھئی۔

توجہ ہے؟ پھر دیکھیے عبارت ذرا: «فَيَجِبُ حِينَئِذٍ تَكْرِيرُ الْمَنْسُوبِ إِلَيْهِ لَفْظًا أَوْ تَقْرِيرُهُ مَعْنًى» تو اس وقت منسوبٌ الیہ کا تکرار واجب ہے لفظاً یا اس کا تکرار معناً واجب ہے۔ «نَحْوُ ضَرَبَ زَيْدٌ نَفْسُهُ أَوْ عَيْنُهُ»۔ دیکھو «ضَرَبَ زَيْدٌ» ایک اور زید لے آؤ «ضَرَبَ زَيْدٌ زَيْدٌ»، اس ثانی زید نے کیا فائدہ دیا؟ کہ پٹائی زید نے ہی کی ہے اس کے کسی غلام وغیرہ نے نہیں کی۔ یہی فائدہ آپ دوبارہ زید کو نہ لائیں «نَفْسٌ» یا «عَيْنٌ» کے لفظ کو لے آئیں: «ضَرَبَ زَيْدٌ نَفْسُهُ» زید نے خود پٹائی کی، دیکھو یہ «نَفْسُهُ» کا کیا معنیٰ؟ خود، خود یعنی نفسِ زید، ذاتِ زید۔ «ضَرَبَ زَيْدٌ نَفْسُهُ» زید نے خود پٹائی کی ہے، یا «ضَرَبَ زَيْدٌ عَيْنُهُ» عینِ زید نے یعنی نفسِ زید نے پٹائی کی ہے۔ تو «نَفْسٌ» اور «عَيْنٌ» کا ایک معنیٰ یہاں: ذاتِ زید، «نَفْسُهُ» کا کیا معنیٰ؟ عینِ زید یعنی ذاتِ زید بھئی۔ تو کہتے ہیں «أَوْ تَقْرِيرُهُ مَعْنًى» یا اس وقت منسوبٌ الیہ کا تکرار واجب ہے، «أَوْ تَقْرِيرُهُ» «هُ» ضمیر کس کو راجع ہے؟ منسوبٌ الیہ کو، یا اس وقت پھر منسوبٌ الیہ کا تکرار واجب ہوگا «مَعْنًى» باعتبار معنیٰ کے، «نَحْوُ» مثال کے طور پر «ضَرَبَ زَيْدٌ نَفْسُهُ أَوْ عَيْنُهُ»، دونوں میں سے آپ جو بھی چاہیں لا سکتے ہیں، «ضَرَبَ زَيْدٌ نَفْسُهُ» یا «ضَرَبَ زَيْدٌ عَيْنُهُ»، دونوں کا ایک ہی معنیٰ ہے کہ زید نے خود پٹائی کی، معلوم ہوا اس کے کسی غلام یا نائب نے پٹائی نہیں کی۔

آگے دیکھیے: «أَوْ فِي الشُّمُولِ» یا تاکید ایسا تابع ہے جو متبوع کی حالت کو پکا کرتا ہے «فِي الشُّمُولِ» کس کے اندر؟ شمول

کے اندر۔ «أَيِ التَّأْكِيدُ مَا يُقَرِّرُ أَمْرَ الْمَتْبُوعِ فِي النِّسْبَةِ»، «أَيِ التَّأْكِيدُ» اب دوبارہ تعریف کر رہے ہیں، «أَيِ التَّأْكِيدُ» یعنی تاکید جو ہے «مَا» وہ ایسا تابع ہے «يُقَرِّرُ أَمْرَ الْمَتْبُوعِ» جو متبوع کی حالت کو پکا کرتا ہے «فِي النِّسْبَةِ» کس چیز میں؟ نسبت میں، «بِالتَّفْصِيلِ الَّذِي ذَكَرْنَاهُ» اسی تفصیل کے ساتھ جو ہم نے ذکر کر دی، کہ نسبت سے کیا مراد ہے؟ منسوب ہونا یا منسوبٌ الیہ ہونا، اس کے اندر پکا کرتا ہے، ہم نے پوری تفصیل بیان کر دی۔ «أَوْ فِي شُمُولِ الْمَتْبُوعِ أَفْرَادَهُ» یا تاکید جو ہے متبوع کی حالت کو پکا کرے گی «فِي شُمُولِ الْمَتْبُوعِ أَفْرَادَهُ» اس بات میں کہ متبوع شامل ہے «أَفْرَادَهُ» اپنے سارے افراد کو۔ «جَاءَنِي الْقَوْمُ كُلُّهُمْ»، «الْقَوْمُ» سے پتہ نہیں چل رہا تھا سارے آئے ہیں یا سارے نہیں آئے، «كُلُّهُمْ» نے آکر شمول کا فائدہ دیا کہ «الْقَوْمُ» سے اس کے سارے افراد مراد ہیں۔ تو یہ معنیٰ ہے «أَوْ فِي شُمُولِ الْمَتْبُوعِ أَفْرَادَهُ» یا تاکید جو ہے متبوع کی حالت کو پکا کرتی ہے «فِي شُمُولِ الْمَتْبُوعِ أَفْرَادَهُ» اس بات میں کہ متبوع جو ہے وہ شامل ہے «أَفْرَادَهُ» اپنے افراد کو یعنی عام ہے سب کو شامل ہے۔ «دَفْعًا لِظَنِّ السَّامِعِ تَجَوُّزًا» دور کرنے کے لیے سامع کے گمان کو «تَجَوُّزًا» مجاز ہونے کے اعتبار سے، کہ سامع مجاز کا احتمال کر سکتا ہے۔ مثلاً میں نے کہا «جَاءَنِي الْقَوْمُ» وہ لوگ میرے پاس آئے تھے، سننے والا خیال کر سکتا ہے سارے نہیں آئے ہوں گے ان میں سے چند ایک آگئے ہوں گے، تو میں اس احتمال کو پہلے سے ہی ختم کر دیتا ہوں: «جَاءَنِي الْقَوْمُ كُلُّهُمْ» وہ سارے میرے پاس آئے تھے۔ تو دیکھو «الْقَوْمُ» کے کتنے افراد ہیں؟ مثلاً آٹھ افراد ہیں، تو جب «الْقَوْمُ» بولا جائے تو یہی آٹھ کے آٹھ مراد ہونے چاہئیں، یہ ہے حقیقی معنیٰ، «الْقَوْمُ» وہ لوگ، وہ کتنے ہیں؟ آٹھ، تو «الْقَوْمُ» بول کر وہ آٹھ کے آٹھ مراد لیں تو یہ ہو جائے گا حقیقی معنیٰ کیونکہ اس کے افراد کتنے ہیں؟ آٹھ، سب مراد لیں۔ اور اگر آپ چار یا پانچ مراد لیتے ہیں تو یہ حقیقی معنیٰ ہوا اس کا یا مجازی معنیٰ؟ بھئی پانچ تو «الْقَوْمُ» نہیں ہیں، «الْقَوْمُ» تو آٹھ ہیں، وہ لوگ کتنے ہیں؟ آٹھ، لیکن آپ پانچ کے لیے ہی «الْقَوْمُ» کا لفظ بولتے ہیں: «جَاءَنِي الْقَوْمُ» وہ لوگ میرے پاس آئے تھے۔ کیا کہا؟ وہ لوگ، اور کل کتنے ہیں؟ آٹھ، تو وہ لوگوں سے آٹھ مراد لیں یہ تو ہو گیا حقیقی معنیٰ، اور کم مراد لے لیں پھر تو معلوم ہوا حقیقی معنیٰ نہیں، یہ تو مجازی معنیٰ میں آپ استعمال کر رہے ہیں۔ تو دیکھو یہاں پر بھی یہ تاکید کیا کرتی ہے؟ شمول میں بھی مجاز کے احتمال کو ختم کرتی ہے۔ «جَاءَنِي الْقَوْمُ كُلُّهُمْ»، یہ «كُلُّهُمْ» شمول کا فائدہ دے رہا ہے اور مجاز کے احتمال کو ختم کر رہا ہے۔ کیسے مجاز کے احتمال کو ختم کر رہا ہے؟ کہ سننے والا خیال کر سکتا ہے کہ «الْقَوْمُ» سے سارے افراد مراد نہیں ہیں بعض مراد ہیں۔ سارے مراد لیں تو یہ تو «الْقَوْمُ» کا حقیقی معنیٰ ہو جائے گا وہ لوگ وہ سارے آٹھ ہیں، اور کم مراد لیں آٹھ سے تو وہ، تو یہ تو حقیقی معنیٰ نہیں یہ تو کیا ہو جائے گا؟ مجازی معنیٰ ہو جائے گا۔

یہ معنیٰ ہے، پھر دیکھیے کہ تاکید جو ہے اپنے متبوع کی حالت کو پکا کرتی ہے «فِي شُمُولِ الْمَتْبُوعِ أَفْرَادَهُ» کہ متبوع جو ہے وہ شامل ہے اپنے تمام افراد کو، «دَفْعًا لِظَنِّ السَّامِعِ تَجَوُّزًا» سامع کا گمان جو ہے باعتبار مجاز کے اس کو دور کرنے کے لیے، «لَا فِي نَفْسِ الْمَنْسُوبِ إِلَيْهِ» یہاں نفسِ منسوبٌ الیہ میں مجاز کا احتمال نہیں ہے۔ جی، بھئی دیکھیے جو پچھلی مثال آئی تھی نا

پچھلی مثال «ضَرَبَ زَيْدٌ»، «ضَرَبَ زَيْدٌ» سننے والا خیال کر سکتا ہے کہ زید تو بڑا آدمی ہے اس نے کیا پٹائی کی ہوگی اس کے غلام نے پٹائی کی ہوگی، میں کہتا ہوں نہیں «ضَرَبَ زَيْدٌ زَيْدٌ»، «ضَرَبَ زَيْدٌ زَيْدٌ»۔ تو یہ زید کو میں دوبارہ کیوں لایا؟ یہ تاکید ہے، کس لیے؟ مجاز کے احتمال کو ختم کرنے کے لیے، کہ سننے والا منسوبٌ الیہ کی ذات میں مجاز کا وہم کر سکتا ہے کہ زید سے زید کی ذات مراد نہیں ہے اس کا غلام مراد ہے، تو مجاز کا احتمال کس کے بارے میں کیا؟ زید کی ذات کے بارے میں۔ توجہ ہے؟ اور شمول کے اندر منسوبٌ الیہ کی ذات سے مجاز کے احتمال کو نہیں دور کیا جاتا، منسوبٌ الیہ کی ذات سے یعنی «الْقَوْمُ» بول کر قوم کے غلام مراد نہیں ہیں، مراد تو «الْقَوْمُ» ہی ہے، تو منسوبٌ الیہ کی ذات میں مجاز کا وہم نہیں ہے بلکہ منسوبٌ الیہ کے افراد کے اندر مجاز کا وہم ہے۔ فرق سمجھ میں آیا؟

تو کہتے ہیں، پھر دیکھیے: «دَفْعًا لِظَنِّ السَّامِعِ تَجَوُّزًا لَا فِي نَفْسِ الْمَنْسُوبِ إِلَيْهِ» سامع کا گمان جو ہے باعتبار مجاز کے اس کو دور کرنے کے لیے، منسوبٌ الیہ کی ذات میں نہیں یعنی اس میں مجاز کا وہم نہیں ہے بلکہ اس کے افراد کے بارے میں مجاز کا وہم ہے۔ تو کہتے ہیں «بَلْ فِي شُمُولِهِ لِأَفْرَادِهِ» بلکہ متبوع کے اپنے افراد کو شامل ہونے میں مجاز کا احتمال ہے، تو اس کو دور کرنے کے لیے۔ «فَإِنَّهُ كَثِيرًا مَا يُنْسَبُ الْفِعْلُ إِلَى جَمِيعِ أَفْرَادِ الْمَنْسُوبِ إِلَيْهِ مَعَ أَنَّهُ يُرِيدُ النِّسْبَةَ إِلَى بَعْضِهَا» اس لیے کیونکہ بسا اوقات فعل کی نسبت کر دی جاتی ہے «إِلَى جَمِيعِ أَفْرَادِ الْمَنْسُوبِ إِلَيْهِ» منسوبٌ الیہ کے تمام افراد کی طرف، «مَعَ أَنَّهُ يُرِيدُ النِّسْبَةَ إِلَى بَعْضِهَا» باوجود اس کے کہ متکلم بعض کی طرف نسبت کا ارادہ کرتا ہے۔ مثلاً میرے پاس چار پانچ بھی آ گئے تو میں کہتا ہوں «جَاءَنِي الْقَوْمُ» وہ لوگ میرے پاس آئے تھے۔ تو دیکھو بسا اوقات ایک چیز کی طرف ایک فعل کی نسبت کر دی جاتی ہے اور منسوبٌ الیہ کے تمام افراد مراد نہیں ہوتے بعض مراد ہوتے ہیں۔ تو کہتے ہیں «فَإِنَّهُ كَثِيرًا مَا يُنْسَبُ الْفِعْلُ إِلَى جَمِيعِ أَفْرَادِ الْمَنْسُوبِ إِلَيْهِ» اس لیے کیونکہ بسا اوقات فعل کی نسبت کر دی جاتی ہے منسوبٌ الیہ کے تمام افراد کی طرف «مَعَ أَنَّهُ يُرِيدُ النِّسْبَةَ إِلَى بَعْضِهَا» باوجود اس کے کہ متکلم ارادہ کرتا ہے ان میں سے بعض کی طرف نسبت کا۔ «فَيَنْدَفِعُ هَذَا الْوَهْمُ بِذِكْرِ كُلٍّ وَأَجْمَعَ وَأَخَوَاتِهِ» تو دور ہو جاتا ہے یہ والا وہم «بِذِكْرِ كُلٍّ» «كُلٌّ» کے لفظ جو ہے، اسی طرح «أَجْمَعُ وَأَخَوَاتِهِ» اور اس کے جو اخوات ہیں یعنی «أَكْتَعُ»، «أَبْتَعُ»، «أَبْصَعُ» وغیرہ ان کے ذریعے، «وَكِلَاهُمَا» اور اسی طرح «كِلَاهُمَا» کے ذریعے، «وَثَلَاثَتِهِمْ وَأَرْبَعَتِهِمْ وَنَحْوِهَا» اور ان میں سے تین اور ان میں سے چار، «وَنَحْوِهَا» اور اس جیسے لفظوں کے ذریعے۔ اس جیسے لفظوں کے ذریعے کیا کر دیا جاتا ہے؟ وہ جو افراد میں مجاز کا وہم تھا اس کو دور کر دیا جاتا ہے۔

توجہ ہے؟ اب یہاں دیکھو دو لفظ اور آ گئے: «ثَلَاثَتِهِمْ وَأَرْبَعَتِهِمْ»۔ «ثَلَاثَتُهُمْ وَأَرْبَعَتُهُمْ»۔ «ثَلَاثَتُهُمْ» ان کے تین یعنی ان میں سے تین، «أَرْبَعَتُهُمْ» ان کے چار یعنی ان میں سے چار۔ مثلاً دیکھو بھئی میرے پاس وہ لوگ آئے: «جَاءَنِي الْقَوْمُ» وہ لوگ میرے پاس آئے تھے، اور کتنے آئے تھے؟ آٹھ میں سے صرف تین آئے تھے، آٹھ میں سے تین آئے تھے، اور مخاطب

کو بھی پتہ ہے کہ کتنے آئے تھے؟ تین آئے تھے، تو اب میں کہتا ہوں «جَاءَنِي الْقَوْمُ ثَلَاثَتُهُمْ»۔ «جَاءَنِي الْقَوْمُ» وہ لوگ میرے پاس آئے تھے، آپ کو پتہ ہے یا نہیں کتنے آئے تھے؟ آپ کو پتہ ہے، تو آپ کو بھی پتہ ہے «الْقَوْمُ» سے مراد تین ہیں، آگے میں پھر لے آتا ہوں «ثَلَاثَتُهُمْ»، تو ایک چیز جو پہلے ہی مفہوم ہو رہی تھی اسی کو دوبارہ لائے، اس کو کیا کہتے ہیں؟ تاکید، تو یہ تاکید ہے۔ اگر...

آپ کو پہلے سے پتہ نہیں پھر یہ تاکید نہیں ہے۔ اگر آپ کو پہلے سے پتہ ہے کہ تین افراد آئے تھے تو اب یہ تاکید بنے گی، یہ کیا کرے گی؟ تاکید بنے۔ اگر آپ کو پہلے سے پتہ ہی نہیں تھا اور میں کہتا ہوں «جَاءَنِي الْقَوْمُ» وہ لوگ میرے پاس آئے تھے، «ثَلَاثَتُهُمْ»، پھر تو یہ تاکید نہیں ہے، تاکید تو کہتے ہیں ایک چیز جو پہلے آچکی ہے اسی کو دوبارہ ذکر کیا جائے۔ تو تاکید یہ تب بنیں گے جب آپ کو پہلے سے عدد کا پتہ ہو۔ یا مثلاً میرے پاس چار آئے تھے، میں آپ سے کہتا ہوں «جَاءَنِي الْقَوْمُ»، آپ کو پتہ چل رہا ہے کہ نہیں کہ کتنے مراد ہیں؟ سارے نہیں مراد، چار مراد ہیں، اور آگے اسی لفظ کو دوبارہ لے آتا ہوں «أَرْبَعَتُهُمْ»، «جَاءَنِي الْقَوْمُ أَرْبَعَتُهُمْ» میرے پاس وہ لوگ آئے تھے چار ان میں سے، تو اس «أَرْبَعَتُهُمْ» نے وہی معنیٰ جو مخاطب کو پہلے سے پتہ چل رہا تھا «الْقَوْمُ» سے، اسی کو پکا کر دیا۔ اور اگر مخاطب کو پہلے سے پتہ نہ ہو تو پھر یہ بعض اوقات صفت بنتے ہیں اور بعض اوقات یہ حال بنتے ہیں، یہی ثلاثہ اور اربعہ حال بنتے ہیں۔ تو یہ «ثَلَاثَتُهُمْ»، «أَرْبَعَتُهُمْ» یہ بھی بطورِ تاکید کے لائے جاتے ہیں لیکن نہایت قلیل ہیں، اور نیز یہ صرف تاکید کے لیے نہیں آتے، یہ حال بھی بنتے ہیں کبھی کبھار، صفت بھی بنتے ہیں، اسی لیے ان کو آگے ذکر نہیں کیا۔ تاکید کے الفاظ آگے شمار کریں گے اور کیا کہیں گے کہ تاکید کے لیے «عَيْنٌ» بھی آتا ہے، «نَفْسٌ» بھی آتا ہے، «كِلَا» اور «كِلْتَا» بھی آتے ہیں، اور اسی طرح «كُلُّهُ»، «أَجْمَعُ»، «أَكْتَعُ»، «أَبْتَعُ»، «أَبْصَعُ» یہ ساری چیزیں آتی ہیں تاکید کے لیے، لیکن اس کے اندر وہ «ثَلَاثَتُهُمْ»، «أَرْبَعَتُهُمْ» ان کو وہ ذکر نہیں کرتے۔ «أَرْبَعَتُهُمْ»، «خَمْسَتُهُمْ»، «سِتَّتُهُمْ»، «سَبْعَتُهُمْ»، «ثَمَانِيَتُهُمْ»، توجہ ہے؟ تو یہ آگے سارے عدد استعمال، آگے والے عدد استعمال ہو سکتے ہیں۔ تو ان کو کیوں نہیں ذکر کیا؟ سوال پیدا ہوتا ہے آگے اور الفاظِ تاکید ذکر ہیں ان کو کیوں نہیں ذکر کیا؟ میں نے وجہ بتلا دی کہ ایک تو یہ نہایت قلیل استعمال ہوتے ہیں، اور دوسرا یہ صرف تاکید کے لیے نہیں آتے، یہ حال بھی بنتے ہیں اور یہ صفت بھی بنتے ہیں: «مَرَرْتُ بِنِسْوَةٍ أَرْبَعٍ»۔ یہ «أَرْبَعٍ» کیا بن رہا ہے «نِسْوَةٍ» کے لیے؟ صفت بن رہا ہے۔ تو یہ عدد صفت بھی بنتے ہیں، اسی طرح یہ عدد حال بھی بنتے ہیں، اور یہ عدد اسی طرح تاکید بھی بنتے ہیں، اور تاکید میں یہ ضروری ہے کہ مخاطب کو پہلے سے پتہ ہو۔ تو اس لیے چونکہ یہ قلیل ہیں اور صرف تاکید کے ساتھ خاص نہیں، اس لیے ان کو ذکر نہیں کیا۔

بات سمجھ میں آگئی؟ کیا بات کی؟ اب پھر کتاب پر آئیے: کہ بسا اوقات فعل کی نسبت ایک چیز کی طرف کر دی جاتی ہے اور اس کے تمام افراد مراد نہیں ہوتے بلکہ بعض افراد مراد ہوتے ہیں، تو لہٰذا اس وہم کو دور کرنے کے لیے، اس وہم کو دور کرنے کے لیے یہ تاکید والے الفاظ استعمال کرتے ہیں۔ «جَاءَنِي الْقَوْمُ كُلُّهُمْ» پتہ چلا سارے آئے ہیں، یا میں کہتا ہوں «جَاءَنِي الْقَوْمُ ثَلَاثَتُهُمْ» ان میں سے تین آئے ہیں، تو تاکید سے پتہ چل جائے گا۔

«فَيَنْدَفِعُ هَذَا الْوَهْمُ بِذِكْرِ كُلٍّ وَأَجْمَعَ وَأَخَوَاتِهِ» تو یہ والا وہم دور ہو جاتا ہے «كُلٌّ» اور «أَجْمَعُ» اور اس کے اخوات کے ذکر سے، اسی طرح «وَكِلَاهُمَا وَثَلَاثَتِهِمْ وَأَرْبَعَتِهِمْ وَنَحْوِهَا» اور ان جیسے لفظوں سے۔ «فَهَذَا هُوَ الْغَرَضُ مِنْ جَمِيعِ أَلْفَاظِ التَّأْكِيدِ» تو یہی غرض ہوتی ہے تاکید کے تمام الفاظ سے۔ تاکید کے الفاظ اسی غرض کے لیے لائے جاتے ہیں، کیا؟ کہتے ہیں «فَهَذَا» یہ جو ہم نے ذکر کر دیا کہ تاکید کیا کرتی ہے؟ متبوع کی حالت کو پکا کرتی ہے یا نسبت میں یا شمول میں، «هُوَ الْغَرَضُ مِنْ جَمِيعِ أَلْفَاظِ التَّأْكِيدِ» یہی غرض ہوتی ہے تاکید کے تمام الفاظ سے، یا وہ نسبت کے اندر متبوع کی حالت کو پکا کریں گے یا شمول کے اندر متبوع کی حالت کو پکا کریں گے۔

تو معلوم ہوا تعریف جامع ہے، تعریف کیا ہے؟ جامع ہے۔ بھئی تاکید کے تمام الفاظ یہی فائدہ دیتے ہیں نا جو اوپر ذکر کر دیے، یا وہ نسبت میں پکا کریں گے یا شمول میں پکا کریں گے۔ اور یہ جو سارے ہم نے لفظ ذکر کر دیے: «كُلٌّ»، «أَجْمَعُ»، «كِلَاهُمَا»، «ثَلَاثَتِهِمْ»، «أَرْبَعَتِهِمْ» یہ سارے بھی یہی فائدہ دیتے ہیں، یا اسی لفظ کا تکرار ہوگا یا یہ والے لفظ لائیں گے جو ہم نے ذکر کر دیے۔ تو معلوم ہوا تاکید کے جتنے افراد ہیں ان کی غرض یہی ہوتی ہے، تو جب کہا «التَّأْكِيدُ تَابِعٌ يُقَرِّرُ أَمْرَ الْمَتْبُوعِ فِي النِّسْبَةِ أَوْ فِي الشُّمُولِ»، تو تاکید کے تمام افراد اس میں داخل ہوگئے، ایک بھی فرد باہر نہ رہا، کیونکہ سب کی یہی غرض ہوتی ہے یا تو وہ نسبت میں پکا کرتے ہیں یا شمول میں پکا کرتے ہیں۔ تو تعریف جامع ہوگئی، کیا ہوگئی؟ جامع ہوگئی۔

اب آپ کو بتلانا یہ چاہتے ہیں کہ یہ تعریف مانع بھی ہے، کوئی اور بھی اس کے اندر داخل نہیں۔ کس طرح؟ دیکھو ذرا تعریف پہ نظر رکھو اوپر جو تعریف آئی تھی: «التَّأْكِيدُ تَابِعٌ» تاکید ایسا تابع ہے، جیسے ہی تابع کا لفظ کہا غیرِ تابع سارے اسم نکل گئے۔ غیرِ تابع اب کتنے رہ گئے؟ پانچ، تابع پانچ ہیں۔ اب باقی چار کو بھی نکالنا ہے، جب کہا «يُقَرِّرُ أَمْرَ الْمَتْبُوعِ فِي النِّسْبَةِ أَوْ فِي الشُّمُولِ»، تو باقی چاروں بھی نکل گئے۔ کس طرح نکلے دیکھو: معطوف جو ہوتا ہے، معطوف کس لیے آتا ہے؟ کیا وہ معطوفٌ علیہ کو پکا کرتا ہے یا معطوف معطوفٌ علیہ سے مغایر ہوتا ہے؟ معطوف تو مغایر ہوتا ہے، وہ تو معطوفٌ علیہ کو پکا نہیں کرتا، تو لہٰذا معطوف بھی نکل گیا اس تعریف سے، وہ اپنے متبوع کی حالت کو پکا نہیں کرتا نہ نسبت میں اور نہ شمول میں۔ اور بدل بھی نکل گیا: «جَاءَنِي زَيْدٌ أَخُوكَ»، «زَيْدٌ» ہے مبدلٌ منہ اور «أَخُوكَ» کیا ہے؟ بدل ہے، اور بدل تو خود مقصود ہوتا ہے، وہ اپنے متبوع کو پکا کرنے کے لیے نہیں آتا۔ تاکید تو اپنے متبوع کو پکا کرنے کے لیے آتی ہے، تاکید خود مقصود نہیں بلکہ اس کا متبوع جو پہلے آیا ہے وہ مقصود ہوتا ہے، تو بدل بھی نکل گیا کیونکہ بدل کے ذریعے اپنے متبوع کو پکا کرنا مقصود نہیں۔ ہاں بدل سے متبوع پکا ضرور ہو رہا ہے، کیونکہ «جَاءَنِي زَيْدٌ أَخُوكَ» جو زید ہے وہی «أَخُوكَ» وہی مخاطب کا بھائی بھی ہے، تو زید کے بعد جب «أَخُوكَ» کہا تو زید پکا ہوگیا یا نہیں؟ لیکن یہ پکا ضمناً ہوا ہے، اصل میں یہ ارادہ اس کا نہیں ہوتا۔ زید جو پکا ہوا ہے متبوع جو پکا ہوا ہے بدل کے لانے سے، بدل تو اصل میں خود مقصود ہے وہ ما قبل کو کوئی پکا کرنے کے لیے نہیں لایا جاتا، تو ما قبل اگر پکا بھی ہوگیا تو وہ ضمناً پکا ہوا ہے اصل مقصود یہ نہیں تھا، لہٰذا بدل بھی نکل گیا۔ عطف

بھی نکل گیا اور بدل بھی نکل گیا۔

باقی کیا رہ گئے؟ صفت اور عطفِ بیان۔ صفت: «جَاءَنِي زَيْدٌ الْعَالِمُ»۔ تو دیکھو «زَيْدٌ» موصوف ہے اور «الْعَالِمُ» اس کی صفت، اور آپ نے پڑھا ہے نکرہ کے اندر صفت تخصیص کا فائدہ دیتی ہے اور معرفہ میں صفت توضیح کا فائدہ دیتی ہے، توضیح کا کیا معنیٰ؟ غیر کے احتمال کو ختم کر دیتی ہے۔ تو دیکھو اس نے اپنے متبوع کی وضاحت کر دی، «جَاءَنِي زَيْدٌ الْعَالِمُ»۔ تو غیر کے احتمال کو ختم کر دیتی ہے: «جَاءَنِي زَيْدٌ الْعَالِمُ» زید کے اندر عالم ہونے کا بھی احتمال تھا اور غیرِ عالم ہونے کا بھی، لیکن آگے جب «الْعَالِمُ» صفت آگئی اس نے غیرِ عالم ہونے کے احتمال کو کیا کر دیا؟ ختم کر دیا، پتہ چلا کہ زید عالم ہے، تو دیکھو اس نے زید کی توضیح کر دی، زید کی توضیح کر دی۔ اور «جَاءَنِي أَمِيرُ الْمُؤْمِنِينَ أَمِيرُ الْمُؤْمِنِينَ»، یہ «أَمِيرُ الْمُؤْمِنِينَ» جو میں دوبارہ لایا تھا تاکید بھئی، اس نے بھی امیر المؤمنین کی وضاحت کر دی تھی یا نہیں؟ پتہ چلا تھا امیر المؤمنین سے امیر المؤمنین ہی مراد ہے کوئی سیکرٹری وغیرہ مراد نہیں۔ تو تاکید بھی کیا کرتی ہے؟ اپنے متبوع کو پکا کرتی ہے یعنی اس کی وضاحت کر دیتی ہے، تو صفت بھی تو بعض اوقات وضاحت کرتی ہے جیسے میں نے بیان کیا۔ بات سمجھ میں آ رہی ہے؟ اشکال سمجھ میں آ رہا ہے؟ بدل بھی نکل گیا تعریف سے اور عطف بھی نکل گیا، اب کس کو نکالنا ہے؟ صفت اور عطفِ بیان کو۔ صفت کو آپ نکال رہے ہیں لیکن صفت تو داخل ہو رہی ہے کیونکہ وہ بھی اپنے متبوع کی وضاحت کر دیتی ہے، «جَاءَنِي زَيْدٌ الْعَالِمُ» «الْعَالِمُ» نے کیا کر دیا؟ زید کی وضاحت کر دی، تو اس کی حالت کو پکا کر دیا یا نہیں کہ زید کیا ہے؟ عالم ہے، تو اس نے وضاحت کر دی، جیسے «جَاءَنِي أَمِيرُ الْمُؤْمِنِينَ أَمِيرُ الْمُؤْمِنِينَ»، اس ثانی امیر المؤمنین نے کیا فائدہ دیا؟ پہلے امیر المؤمنین کی وضاحت کر دی کہ اس سے وہی مراد ہے کوئی اور مراد نہیں۔ تو لہٰذا صفت داخل ہو رہی ہے۔ تو اس کا جواب دیتے ہیں کہ بھئی یہ جو صفت اپنے متبوع کی وضاحت کرتی ہے یہ باعتبارِ وضع کے نہیں ہے۔ یہ باعتبارِ وضع کے نہیں ہے۔ صفت کو اس معنیٰ کے لیے وضع نہیں کیا گیا کہ وہ اپنے متبوع کی، اپنے موصوف کی وضاحت کرے، صفت کو وضع اس لیے کیا گیا ہے—آپ نے صفت کی تعریف پڑھی تھی، صفت کسے کہتے ہیں؟ صفت ایسا متبوع ہے جو ایسے معنیٰ پر دلالت کرتا ہے جو اس کے متبوع میں پایا جائے، یہ «الْعَالِمُ» کا معنیٰ کس میں پایا گیا؟ زید کے اندر، توجہ ہے؟ تو صفت کس لیے وضع ہے؟ کہ وہ ایسے معنیٰ پر دلالت کرے جو کس میں پایا جائے؟ متبوع میں پایا جائے، تو صفت اصل میں تو اس معنیٰ کے لیے وضع ہے لیکن کبھی کبھار یہ توضیح کے لیے بھی آجاتی ہے، تو یہ باعتبارِ وضع کے نہیں ہے، لہٰذا اگر کہیں پر صفت کی مشابہت تاکید سے آجائے تو یہ کوئی نقصان دہ نہیں کیونکہ اصلِ وضع کے اعتبار سے ایسا نہیں ہے، یہ استعمال کے اعتبار سے ایسا ہوا ہے، اور اعتبار کس کا ہوتا ہے؟ وضع کا ہوتا ہے استعمال کا اعتبار نہیں ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ جی، اور آگے عطفِ بیان اس کو بھی نکالیں گے، دیکھیے بھئی کتاب پر وہ بھی آگے صاحبِ جامی بیان کریں گے۔

کہتے ہیں: «وَإِذَا عَرَفْتَ هَذَا» اور جب آپ نے یہ جان لیا، کیا جان لیا؟ تعریف کا جامع ہونا، تعریف کا جامع ہونا۔ ہم

نے بتایا بھئی ادھر دیکھیے کہ تاکید وہ تابع ہے جو کس لیے آتا ہے؟ اپنے متبوع کو پکا کرتا ہے کس چیز میں؟ نسبت میں یا شمول میں، اور تاکید کے سارے الفاظ یہی فائدہ دیتے ہیں، تو جب یہ قیدیں لگا دیں تو سارے الفاظ داخل ہوگئے وہ بھی یہی فائدہ دیتے ہیں، جب یہی فائدہ دیتے ہیں تو سارے اس میں داخل ہوگئے، تو تعریف کیا ہوئی؟ جامع ہوگئی۔ اب مانع بھی ہونی چاہیے باقی توابع نکلنے بھی چاہئیں، اب صرف اس کو بیان کر رہے ہیں۔

تو کہتے ہیں: «وَإِذَا عَرَفْتَ هَذَا» اور جب آپ نے یہ جان لیا یعنی تعریف کے جامع ہونے کو جان لیا «فَنَقُولُ» تو ہم کہتے ہیں: «أَخْرَجَ الْمُصَنِّفُ الصِّفَةَ وَالْعَطْفَ وَالْبَدَلَ عَنْ حَدِّ التَّأْكِيدِ» کہ مصنف نے صفت کو بھی نکال دیا اور عطف کو بھی نکال دیا اور بدل کو بھی نکال دیا کس سے؟ تاکید کی تعریف سے، «بِقَوْلِهِ» اپنے اس قول کے ذریعے: «يُقَرِّرُ أَمْرَ الْمَتْبُوعِ» کہ تاکید جو ہے اپنے متبوع کو پکا کرتی ہے، تو صفت بھی نکل گئی وہ اس لیے نہیں آتی، عطف بھی نکل گیا وہ اس لیے نہیں آتا، اور بدل بھی نکل گیا کہ وہ اس لیے نہیں آتا۔

کہتے ہیں: «أَمَّا الْبَدَلُ وَالْعَطْفُ فَظَاهِرٌ خُرُوجُهُمَا بِهِ» تو بدل اور عطف جو ہیں تو وہ تو ظاہر ہے ان کا نکلنا «بِهِ» اس قید کے ذریعے، «وَأَمَّا الصِّفَةُ» باقی صفت، صفت تو بعض صورتوں میں کیا کرتی ہے؟ وضاحت کرتی ہے اپنے متبوع کو ہی گویا پکا کر رہی ہے، تو کہتے ہیں «وَأَمَّا الصِّفَةُ فَلِأَنَّ وَضْعَهَا لِلدَّلَالَةِ عَلَى مَعْنًى فِي مَتْبُوعِهَا» اس لیے کیونکہ صفت کی جو وضع ہے «لِلدَّلَالَةِ عَلَى مَعْنًى فِي مَتْبُوعِهَا» کہ وہ دلالت کرے ایسے معنیٰ پر جو اس کے متبوع میں پایا جائے، «وَإِفَادَتُهَا تَوْضِيحَ مَتْبُوعِهَا فِي بَعْضِ الْمَوَاضِعِ لَيْسَتْ بِالْوَضْعِ» اور اس صفت کا فائدہ دینا کس چیز کا فائدہ؟ «تَوْضِيحَ مَتْبُوعِهَا» کہ یہ اپنے متبوع کی وضاحت کرے «فِي بَعْضِ الْمَوَاضِعِ» بعض جگہوں میں «لَيْسَتْ بِالْوَضْعِ» یہ وضع کے اعتبار سے نہیں۔ صفت ایسے معنیٰ کے لیے وضع ہے جو متبوع میں پایا جائے، بعض جگہ یہ اپنے متبوع کی وضاحت کا بھی فائدہ دیتی ہے لیکن اس کے لیے یہ وضع نہیں۔ یہ معنیٰ ہے: «وَإِفَادَتُهَا تَوْضِيحَ مَتْبُوعِهَا» اور اپنے متبوع کی وضاحت کا جو فائدہ دینا ہے اس صفت کا وہ «فِي بَعْضِ الْمَوَاضِعِ» بعض جگہوں میں «لَيْسَتْ بِالْوَضْعِ» یہ وضع کے اعتبار سے نہیں ہے۔

«وَأَمَّا عَطْفُ الْبَيَانِ»، اب عطفِ بیان رہ گیا تھا وہ کیسے نکلے گا؟ کہتے ہیں: «وَأَمَّا عَطْفُ الْبَيَانِ وَهُوَ لِتَوْضِيحِ مَتْبُوعِهِ» وہ تو اپنے متبوع کی وضاحت کے لیے آتا ہے، «جَاءَنِي أَبُو حَفْصٍ عُمَرُ»، «أَبُو حَفْصٍ» کہا آپ کو پتہ نہیں چلا کون مراد ہیں، «عُمَرُ» نے آکر اس کی کیا کر دی؟ وضاحت، تو عطفِ بیان تو آتا ہی وضاحت کے لیے ہے، تو پھر یہ تو تعریف سے نہیں نکل رہا، تو اب اس کو بھی بتلائیں گے وہ کیسے نکلے گا۔ کہتے ہیں «وَأَمَّا عَطْفُ الْبَيَانِ» اور تو عطفِ بیان جو ہے «وَهُوَ لِتَوْضِيحِ مَتْبُوعِهِ» وہ تو اپنے متبوع کی وضاحت کے لیے ہوتا ہے، «فَهُوَ يُقَرِّرُ أَمْرَ مَتْبُوعِهِ وَيُحَقِّقُهُ» تو وہ عطفِ بیان جو ہے وہ اپنے متبوع کی حالت کو پکا کرتا ہے «وَيُحَقِّقُهُ» اور اس کو ثابت کرتا ہے، تو یہ تو تعریف میں داخل ہو رہا ہے، لیکن کہتے ہیں «لَكِنْ لَا فِي النِّسْبَةِ وَالشُّمُولِ» لیکن وہ نسبت اور شمول میں پکا نہیں کرتا، اور ہم نے تو کیا کہا تھا؟ کہ تاکید ایسا تابع ہے جو نسبت یا

شمول میں اپنے متبوع کی حالت کو پکا کرتا ہے، اور عطفِ بیان صرف وضاحت کرتا ہے نسبت میں یا شمول میں اپنے متبوع کو پکا نہیں کرتا، تو «فِي النِّسْبَةِ أَوْ فِي الشُّمُولِ» کی قید کے ذریعے عطفِ بیان نکل گیا۔ «يُقَرِّرُ أَمْرَ الْمَتْبُوعِ» اس کے ذریعے عطف بھی نکل گیا، صفت بھی نکل گئی، بدل بھی نکل گیا، لیکن عطفِ بیان ابھی بھی باقی تھا کیونکہ وہ تو اپنے متبوع کے معاملے کو پکا کرتا ہے، لیکن جب آگے کہا «فِي النِّسْبَةِ أَوْ فِي الشُّمُولِ» کہ وہ پکا کس میں کرے؟ نسبت میں یا شمول میں، تو اب عطفِ بیان بھی نکل گیا کیونکہ وہ نسبت یا شمول میں پکا نہیں کرتا، ویسے اپنے متبوع کی وضاحت کرتا ہے۔ تو کہتے ہیں «فَهُوَ يُقَرِّرُ أَمْرَ مَتْبُوعِهِ وَيُحَقِّقُهُ» تو عطفِ بیان جو ہے وہ اپنے متبوع کی حالت کو پکا کرتا ہے «وَيُحَقِّقُهُ»...

اور اس کو ثابت کرتا ہے۔ لیکن یاد رکھو یہ پکا اور ثابت کرنا جو ہے عطفِ بیان کا، اپنے متبوع کو پکا کرتا ہے اپنی ذات کے اعتبار سے پکا کرتا ہے، «لَا فِي النِّسْبَةِ وَالشُّمُولِ» نسبت اور شمول کے اندر وہ اس کو پکا نہیں کرتا۔ «لَا فِي النِّسْبَةِ وَالشُّمُولِ».

«هَذَا حَاصِلُ مَا ذَكَرَهُ الْمُصَنِّفُ فِي شَرْحِهِ» یہ حاصل ہے اس کا جو ذکر کیا مصنف نے اپنی شرح میں۔ صاحبِ کافیہ نے اپنی کافیہ کی جو شرح لکھی ہے اس کے اندر انہوں نے یہ تفصیل بیان کی اور اس کا حاصل یعنی خلاصہ میں نے ذکر کر دیا، مختصر الفاظ میں اس کا حاصل میں نے یہاں ذکر کر دیا۔ یہ اشارہ ہے کہ یہ جو تاکید کی تعریف کی گئی یہ قابلِ اطمینان نہیں ہے، قابلِ اطمینان نہیں ہے کیونکہ عطفِ بیان اس سے نہیں نکل رہا، اور بعض صورتوں میں صفت بھی نہیں نکل رہی تھی وہ بھی اس میں داخل ہو رہی تھی لیکن وہاں وضع کی قید کر کے نکال دیا۔ اسی لیے مصنف کی طرف نسبت کر دی کہ «هَذَا حَاصِلُ مَا ذَكَرَهُ الْمُصَنِّفُ فِي شَرْحِهِ» یہ حاصل ہے اس کا جس کو مصنف نے ذکر کیا ہے اپنی شرح میں۔

بات سمجھ میں آگئی؟ حل ہوگیا؟ چلیے بس بھئی، «هَذَا هُوَ الْمَرَامُ وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْكَلَامِ».

سبق نمبر ۲۱۱: التاکید (۲): الفاظِ تاکیدِ معنوی («نَفْسُہٗ، عَیْنُہٗ، کِلَاہُمَا، کُلُّہُمْ، أَجْمَعُ»)

شرحِ ملا جامی صفحہ: ۱۹۱ — بتاریخ: ۱۲ اکتوبر ۲۰۲۲ء

▪ تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث

آگے سبق دیکھیے بھئی: وَهُوَ أَيِ التَّأْكِيدُ لَفْظِيٌّ أَيْ مَنْسُوبٌ إِلَى اللَّفْظِ لِحُصُولِهِ مِنْ تَكْرِيرِ اللَّفْظِ، وَمَعْنَوِيٌّ أَيْ مَنْسُوبٌ إِلَى الْمَعْنَى لِحُصُولِهِ مِنْ مُلَاحَظَةِ الْمَعْنَى، فَاللَّفْظِيُّ مِنْهُ تَكْرِيرُ اللَّفْظِ الْأَوَّلِ.

گزشتہ سبق میں توابع میں سے تیسرے تابع تاکید کے بارے میں ہم نے پڑھنا شروع کیا تھا۔ صاحبِ کافیہ نے آپ کو بتلایا تھا کہ تاکید ایسا تابع ہے جو اپنے متبوع کو پکا کرتا ہے، نسبت میں یا شمول میں۔ نسبت میں یا شمول میں۔ نسبت کے اندر پکا کرتا ہے، یعنی اس کا منسوب ہونا یا منسوب الیہ ہونا اس کو پکا کر دیتا ہے۔ مثلاً جَاءَنِي زَيْدٌ، دیکھو یہ جَاءَ فعل کی نسبت ہو رہی ہے زید کی طرف۔ توجہ ہے؟ تو جَاءَ فعل ہوا منسوب، اس کی نسبت کی گئی ہے، اور زید ہوا مَنْسُوبٌ إِلَيْهِ، اس کی طرف نسبت کی گئی ہے۔ تو کبھی کبھار تاکید لائی جائے گی منسوب کو پکا کرے گی وہ، اور کبھی کبھار وہ منسوب الیہ کو پکا کرے گی۔ مثلاً جَاءَ زَيْدٌ زَيْدٌ، تو یہ جو میں دوسری دفعہ زید لایا، اس نے پہلے زید کو پکا کر دیا۔ اس نے بتا دیا کہ زید بول کر زید ہی مراد ہے، کوئی اور مراد نہیں۔ یا دوسری مثال لے لو، جیسے میں کہتا ہوں جَاءَنِي أَمِيرُ الْمُؤْمِنِينَ أَمِيرُ الْمُؤْمِنِينَ، تو جَاءَ فعل ہے منسوب، اور أَمِيرُ الْمُؤْمِنِينَ ہے منسوب الیہ۔ تو کوئی سننے والا خیال کر سکتا ہے کہ امیر المؤمنین نہیں آئے ہوں گے بلکہ ان کا کوئی سیکرٹری یا خاص آدمی آگیا، لیکن اس سیکرٹری یا خاص آدمی کا آنا بھی ایسے ہی ہے جیسے امیر المؤمنین خود تشریف لائے ہوں۔ تو وہ اس جَاءَنِي أَمِيرُ الْمُؤْمِنِينَ، اس امیر المؤمنین کو مجاز پر محمول کر سکتا ہے کہ امیر المؤمنین سے خود وہ مراد نہیں، لیکن پھر آگے جب میں دوبارہ امیر المؤمنین لایا، اس نے پہلے امیر المؤمنین کو پکا کر دیا کہ یہ امیر المؤمنین سے امیر المؤمنین ہی مراد ہیں، کوئی اور مراد نہیں۔

اور اسی طرح کبھی کبھار جو ہے منسوب جو ہے اس کی تاکید لائی جائے گی جب آپ کا یہ خیال ہو کہ سامع جو ہے منسوب

کے اندر غلطی وغیرہ کا وہم کر سکتا ہے یا اس کو مجاز پر محمول کر سکتا ہے۔ مثلاً کوئی شخص دوسرے کو آکر بتلاتا ہے کہ زَیْدٌ قَتِیلٌ، تو متکلم کا خیال ہے کہ سننے والا وہم کر سکتا ہے کہ زید مقتول نہیں ہوا ہوگا، ہاں وہ مضروب ہوگا، اس کی پٹائی زیادہ کی گئی ہوگی، لیکن اسی کو قتل کے ساتھ تعبیر کر دیا گیا۔ تو وہ پھر آگے دوبارہ قَتِیلٌ لاتا ہے: زَیْدٌ قَتِیلٌ قَتِیلٌ۔ تو یہ دوسرے قَتِیلٌ نے آکر بتلا دیا کہ پہلے قَتِیلٌ سے مضروب نہیں مراد بلکہ مقتول ہی مراد ہے بھئی، یعنی لفظ اپنے مجازی معنی میں استعمال نہیں ہوا۔ اور یہ بھی میں نے بتایا تھا کہ ایسا نہیں ہے مخاطب ایسا گمان کرے گا اور پھر آپ بعد میں تاکید لے کر آئیں گے، نہیں، آپ کا خیال ہے کہ مخاطب ایسا گمان کر سکتا ہے۔ توجہ ہے؟ تو صرف اس احتمال کی بنیاد پر آپ تاکید لاتے ہیں تاکہ اس قسم کا احتمال ہی ختم ہو جائے، سامع کے ذہن میں یہ بات ہی نہ آئے کہ کوئی اور اس سے مراد ہے۔

تو تاکید جو ہے اپنے متبوع کو پکا کرتی ہے، یا تو نسبت میں یا شمول میں۔ یعنی شمول کا فائدہ دے گی۔ مثلاً میں کہتا ہوں جَاءَنِي الْقَوْمُ، میرے پاس وہ لوگ آئے، تو سننے والا خیال کر سکتا ہے کہ وہ سارے نہیں آئے ہوں گے، بعض آگئے ہوں گے، تو آگے میں کُلُّهُمْ لا کر اس کے اس وہم کو دور کر دیتا ہوں۔ تو ایسا نہیں ہے کہ سامع نے واقعی میں ایسا وہم کیا ہے، لیکن جَاءَنِي الْقَوْمُ سے وہ ایسا وہم کر سکتا تھا، تو میں نے اس احتمال کی وجہ سے پہلے سے ہی کُلُّهُمْ کی تاکید ساتھ ذکر کر دی تاکہ اس قسم کا وہم اس کے ذہن میں آئے ہی نہ بھئی۔ تو دیکھو جَاءَنِي الْقَوْمُ كُلُّهُمْ، وہ لوگ میرے پاس آئے تھے سب کے سب۔ كُلُّهُمْ یہ تاکید ہے اور اس نے شمول کا فائدہ دیا کہ آنے میں یہ وہ قوم کے تمام افراد شامل ہیں، کوئی ایک بھی باقی نہیں ہے۔ تو دیکھو تاکید یا نسبت میں پکا کرتی ہے اپنے متبوع کو یا شمول میں پکا کرتی ہے۔

اور میں نے بتایا تھا تاکید کے تین بڑے فائدے ہیں جن کی وجہ سے اس کو ذکر کیا جاتا ہے۔ کہ کبھی کبھار تاکید کو اس لیے ذکر کرتے ہیں تاکہ کہیں مخاطب غافل نہ ہو، اور غفلت میں وہ منسوب یا منسوب الیہ کو سن نہ سکے یا اس کی توجہ نہ ہو اس کی طرف، تو لہٰذا جس میں غفلت کا وہم ہو سکتا ہے وہاں اس لفظ کو دوبارہ لائیں گے۔ اگر آپ کا خیال ہے کہ وہ منسوب الیہ سے کہیں غافل نہ ہو تو آپ منسوب الیہ کو دوبارہ لائیں گے، اور اگر آپ کا یہ خیال ہے کہ کہیں وہ منسوب سے غافل نہ ہو تو پھر آپ منسوب کو دوبارہ لائیں گے۔ تو سامع سے غفلت کے نقصان کو دور کرنے کے لیے تاکید لاتے ہیں۔ اور کبھی تاکید اس لیے لاتے ہیں کہ کہیں سامع متکلم کے بارے میں غلطی کا گمان نہ کرے۔ مثلاً میں نے جَاءَ زَیْدٌ کہا، تو کہیں مخاطب یہ خیال نہ کرے کہ متکلم تو عمرو کہنا چاہتا تھا، زبان پر غلطی سے زید آگیا کیونکہ زید تو بڑا آدمی ہے، وہ تو نہیں آیا ہوگا، عمرو آیا ہوگا۔ تو میں دوبارہ زید لا کر اس کے اس غلطی کے وہم کو کیا کر دیتا ہوں؟ ختم۔ تو یہ معنی نہیں کہ اس نے واقعی وہم کیا ہے غلطی کا، بلکہ یہ احتمال تھا کہ وہ غلطی کا وہم کر سکتا تھا متکلم کے بارے میں، کہ متکلم سے غلطی ہوئی ہے، یہ گمان وہ کر سکتا تھا۔ تو پہلا فائدہ کیا تاکید کا؟ کہ یہ سامع سے غفلت کے نقصان کو دور کرتی ہے۔ اور دوسرا فائدہ کیا؟ کہ سامع متکلم کے بارے میں یہ گمان کر سکتا ہے کہ اس نے غلطی سے یہ لفظ ادا کیا ہے، تو اس غلطی کے گمان کو دور کر دیتی ہے یہ تاکید۔ اور تیسرا یہ کہ تاکید

جو ہے یہ مجاز کے احتمال کو ختم کر دیتی ہے۔

اور پھر صاحبِ جامی نے آپ کو یہ بھی بتلایا تھا کہ جو پہلے دو فائدے ہیں تاکید کے، ان کے لیے تاکیدِ لفظی ہی لائی جائے گی۔ سامع سے غفلت کے نقصان کو دور کرنے کے لیے یا سامع جو ہے متکلم کے بارے میں غلطی کا گمان کر سکتا ہے، ان دونوں کو دور کرنے کے لیے تاکیدِ لفظی ہی لاتے ہیں، ان کے لیے تاکیدِ معنوی نہیں لاتے۔ میں نے بتایا تھا تاکید دو قسم پر ہے: ایک تاکیدِ لفظی، ایک تاکیدِ معنوی۔ تاکیدِ لفظی یہ ہے کہ اسی پہلے لفظ کو دوبارہ لایا جائے، اور تاکیدِ معنوی وہ آٹھ نو لفظ ہیں جو آپ پڑھیں گے آج، کہ کُلٌّ ہے، نَفْسٌ ہے، عَیْنٌ ہے، اور اسی طرح کِلَا، کِلْتَا ہیں، أَجْمَعُ، أَكْتَعُ، أَبْتَعُ اور أَبْصَعُ، تو یہ نو الفاظ جو ہیں ان کے ساتھ تاکیدِ معنوی ہوتی ہے۔ تو یہ باقی اسی لفظ کو دوبارہ لایا جائے تو یہ تاکیدِ لفظی ہے۔ تو پہلے دونوں فائدوں کے لیے تاکیدِ لفظی ہی لے کر آئیں گے۔ اور اگر متکلم کا یہ خیال ہے کہ مخاطب جو ہے وہ مجاز کا وہم کر سکتا ہے منسوب یا منسوب الیہ کے بارے میں، تو اگر منسوب کے بارے میں یہ خیال ہو کہ اس کے بارے میں مخاطب مجاز کا وہم کر سکتا ہے تو وہاں بھی تاکیدِ لفظی ہی لانا پڑے گی۔ اور ہاں، اگر منسوب الیہ کے اندر یہ متکلم کا خیال ہے کہ مخاطب جو ہے وہ مجاز کا وہم کر سکتا ہے، تو وہاں پر منسوب الیہ جو ہے اس کی تاکیدِ لفظی بھی لا سکتے ہیں اور تاکیدِ معنوی بھی لا سکتے ہیں۔

اور پھر آخر میں صاحبِ جامی نے بتلایا تھا کہ تاکید کے جتنے الفاظ ہیں ان کے یہی فائدے ہیں۔ کیا فائدے ہیں؟ یا وہ نسبت کے اندر اپنے متبوع کو پکا کرتے ہیں یا شمول کے اندر اپنے متبوع کو پکا کرتے ہیں۔ تو جب یہ دونوں قیدیں لگا دیں تو تاکید کے سارے الفاظ اس میں داخل ہو گئے کیونکہ سب کا فائدہ ہی یہ ہے، اس کے علاوہ کوئی تیسرا فائدہ ہی نہیں ہے۔ یا وہ نسبت میں اپنے متبوع کو پکا کرتے ہیں یا شمول میں۔ تو تاکید کے سب لفظوں کا جب یہی فائدہ ہے تو اس تعریف میں ساری تاکیدات داخل ہو گئیں، جتنے بھی تاکید کے لفظ ہیں۔ ہاں اب تعریف جامع بھی ہونی چاہیے اور دخولِ غیر سے مانع بھی ہونی چاہیے۔ اب وہ مانع کیسے ہے؟ تو اس کے بارے میں بتایا تھا کہ جو جب ماتن نے کہا کہ اَلتَّأْكِيدُ تَابِعٌ، اور آگے کہا يُقَرِّرُ أَمْرَ الْمَتْبُوعِ، تو یہ يُقَرِّرُ أَمْرَ الْمَتْبُوعِ کے ذریعے عطف بھی نکل گیا، بدل بھی نکل گیا، صفت بھی نکل گئی۔ کیونکہ عطف جو ہے وہ اپنے متبوع کو پکا کرنے کے لیے نہیں آتا، معطوف علیہ الگ ہوتا ہے اور معطوف الگ ہوتا ہے، وہ اپنے متبوع کو پکا نہیں کرتا۔ اور بدل؟ بدل تو خود مقصود ہوتا ہے، وہ بھی اپنے متبوع کو پکا کرنے کے لیے نہیں آتا، تو بدل بھی نکل گیا۔ اور نیز صفت، صفت اگرچہ بعض احوال میں وہ صفت توضیح کا فائدہ دیتی ہے، جیسے تاکید وضاحت کا فائدہ دیتی ہے، جیسے میں نے کہا تھا جَاءَنِي أَمِيرُ الْمُؤْمِنِينَ أَمِيرُ الْمُؤْمِنِينَ، تو یہ دوبارہ امیر المؤمنین نے کیا کیا؟ وضاحت کر دی کہ امیر المؤمنین سے امیر المؤمنین ہی مراد ہیں، کوئی ان کا سیکرٹری وغیرہ مراد نہیں۔ تو دیکھو معلوم ہوا یہ تاکید توضیح کا فائدہ دے رہی ہے، اور صفت بھی آپ نے پڑھا ہے معرفہ کے اندر صفت توضیح کا فائدہ دیتی ہے، پھر تو آپ کی تعریف میں صفت بھی داخل ہو رہی ہے! تو اس کا جواب دیا کہ یہ باعتبارِ وضع کے نہیں ہے۔ اعتبار وضع کا ہے، کس کا؟ ایک لفظ کو کس چیز کے لیے وضع

کیا گیا ہے، کس معنی کے لیے وضع کیا گیا ہے۔ صفت کو اس معنی کے لیے وضع نہیں کیا گیا کہ وہ اپنے متبوع کی وضاحت کرے، صفت کو اس لیے وضع کیا گیا ہے کہ یہ ایسے معنی پر دلالت کرتی ہے جو اس کے متبوع میں پایا جائے۔ جیسے دیکھو جَاءَنِي زَيْدٌ الْعَالِمُ، زَيْدٌ موصوف ہے اور الْعَالِمُ صفت ہے، اور یہ الْعَالِمُ ہونے کا معنی کس میں پایا جا رہا ہے؟ زید یعنی متبوع میں پایا جا رہا ہے۔ تو صفت کو ایسے معنی کے لیے وضع کیا گیا ہے جو متبوع کے اندر پایا جائے، یہ اس معنی پر دلالت کرتی ہے۔ لہٰذا یہ اصل وضع توضیح کے لیے نہیں، تو اعتبار وضع کا ہے۔ لہٰذا صفت بھی اس تعریف سے نکل گئی کیونکہ وہ اس فائدے کے لیے وضع نہیں، توضیح کے لیے وضع نہیں، اگرچہ بعض مقامات پر وہ توضیح کا فائدہ دیتی ہے۔

اور باقی رہ گیا عطفِ بیان، تو عطفِ بیان اس کو اب کیسے نکالیں گے؟ کیونکہ عطفِ بیان اپنے متبوع کی توضیح کرتا ہے۔ جیسے جَاءَنِي أَبُو حَفْصٍ عُمَرُ، اَبو حفص سے آپ کو پتا نہیں چل رہا تھا کون مراد ہیں، آگے عمر کے لفظ نے آکر بتلا دیا کہ اس سے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ مراد ہیں بھئی۔ تو دیکھو عطفِ بیان نے اپنے متبوع کی وضاحت کر دی، اس کی توضیح کر دی، تو یہ تو تاکید کے اندر داخل ہو گیا! تاکید بھی کیا فائدہ دیتی تھی؟ اپنے متبوع کو پکا کرتی تھی، اس کی وضاحت کر دیتی تھی، جَاءَنِي أَمِيرُ الْمُؤْمِنِينَ أَمِيرُ الْمُؤْمِنِينَ۔ اگر صرف میں ایک دفعہ امیر المؤمنین لاتا تو سننے والے کو وہم ہو سکتا تھا کہ امیر المؤمنین بول کر امیر المؤمنین نہیں مراد بلکہ ان کا کوئی سیکرٹری وغیرہ مراد ہے۔ تو اگلے امیر المؤمنین نے وضاحت کر دی، پہلے امیر المؤمنین کو پکا کر دیا کہ امیر المؤمنین سے امیر المؤمنین ہی مراد ہیں، یعنی یوں کہو دوسرے امیر المؤمنین نے پہلے لفظ کی وضاحت کر دی۔ اور عطفِ بیان بھی اسی طرح کرتا ہے، وہ اپنے کیا کرتا ہے، اپنے متبوع کی وضاحت کرتا ہے، وہ تو اس تعریف سے نہیں نکل رہا! تو صاحبِ جامی نے بتلایا تھا کہ بھئی عطفِ بیان اپنے متبوع کی توضیح تو کرتا ہے، لیکن ذات کے اعتبار سے وضاحت کرتا ہے اس کی، کہ اَبو حفص سے کون سی ذات مراد ہے؟ توجہ ہے؟ عمر نے آکر بتلا دیا کہ اس سے اَبو حفص سے یہ عمر کی جو ذات ہے وہ مراد ہے۔ تو عطفِ بیان جو ہے اپنے متبوع کی وضاحت تو کرتا ہے لیکن ذات کے اعتبار سے وضاحت کرتا ہے، نسبت میں یا شمول کے اندر وضاحت نہیں کرتا۔ لہٰذا عطفِ بیان بھی اس تعریف سے خارج ہو گیا۔ بات سمجھ میں آگئی۔

اب آئیے آج کے سبق پر۔ کہتے ہیں وَهُوَ أَيِ التَّأْكِيدُ لَفْظِيٌّ أَيْ مَنْسُوبٌ إِلَى اللَّفْظِ۔ بھئی پہلے متن متن دیکھ لیجیے۔ کہتے ہیں: وَهُوَ لَفْظِيٌّ وَمَعْنَوِيٌّ۔ وَهُوَ لَفْظِيٌّ وَمَعْنَوِيٌّ، اور یہ تاکید جو ہے لفظی ہے اور معنوی ہے۔ تاکید ایک لفظی ہے اور ایک معنوی ہے۔ صاحبِ جامی آپ کو بتلائیں گے کہ لَفْظِيٌّ کے اندر یہ یا نسبت والی ہے، تاکید لفظی ہے یعنی لفظ والی ہے، اور ایک تاکید معنوی ہے یعنی معنی والی ہے۔ بات سمجھ میں آگئی۔ اب اس کو شرح کے ساتھ دیکھیے۔ کہتے ہیں: وَهُوَ أَيِ التَّأْكِيدُ، ضمیر کا مرجع بتلا دیا کہ هُوَ ضمیر کس کو راجع ہے؟ تاکید کو، یہ اس کی تقسیم کر رہے ہیں۔ کہتے ہیں: وَهُوَ أَيِ التَّأْكِيدُ، تاکید جو ہے لَفْظِيٌّ أَيْ مَنْسُوبٌ إِلَى اللَّفْظِ، دیکھو مَنْسُوبٌ إِلَى اللَّفْظِ کیا بتلانا چاہتے ہیں؟ کہ لَفْظِيٌّ میں یہ یا کون سی ہے؟ نسبت والی

ہے۔ تو کہتے ہیں لَفْظِيٌّ أَيْ مَنْسُوبٌ إِلَى اللَّفْظِ یعنی لفظ کی طرف منسوب ہے، لِحُصُولِهِ مِنْ تَكْرِيرِ اللَّفْظِ، اس لیے کیونکہ یہ جو تاکیدِ لفظی ہے یہ تکرارِ لفظ سے حاصل ہوتی ہے، کہ اسی لفظ کا دوبارہ تکرار کیا جائے۔ وَمَعْنَوِيٌّ، اور ایک تاکید معنوی ہے، أَيْ مَنْسُوبٌ إِلَى الْمَعْنَى، یعنی معنی کی طرف منسوب ہے، لِحُصُولِهِ مِنْ مُلَاحَظَةِ الْمَعْنَى، اس لیے کیونکہ یہ تاکید معنی کو ملاحظہ کرنے سے حاصل ہوتی ہے۔ جَاءَنِي الْقَوْمُ كُلُّهُمْ، جَاءَنِي الْقَوْمُ كُلُّهُمْ وہ ساری قوم میرے پاس آئی۔ دیکھو اب یہاں الْقَوْمُ لفظ الگ ہے اور كُلُّهُمْ لفظ الگ ہے، لیکن معنی کے اعتبار سے یہ اسی کو پکا کر رہا ہے۔ الْقَوْمُ سے مثلاً آٹھ افراد ہیں، وہ الْقَوْمُ کے ذریعے میں نے ان کی طرف اشارہ کیا تھا، تو آگے كُلُّهُمْ نے کیا کیا؟ اسی کو پکا کر دیا، تو یہ كُلُّهُمْ نے اسی معنی کا فائدہ دیا جس معنی کا فائدہ الْقَوْمُ کا لفظ دے رہا تھا۔ تو یہ کیا ہے؟ معنی کے اعتبار سے تاکید ہے، لفظوں کے اعتبار سے تاکید نہیں، کیونکہ الْقَوْمُ کا لفظ الگ ہے اور كُلُّهُمْ کا لفظ الگ ہے۔ یہ معنی ہے وَمَعْنَوِيٌّ أَيْ مَنْسُوبٌ إِلَى الْمَعْنَى لِحُصُولِهِ مِنْ مُلَاحَظَةِ الْمَعْنَى۔

اس لیے کیونکہ یہ جو تاکیدِ معنوی ہے یہ معنی کو ملاحظہ کرنے سے حاصل ہوتی ہے، یعنی معنی کے اعتبار سے یہ تاکید حاصل ہوتی ہے بھئی۔ آگے دیکھیے بھئی، متن متن اب صرف دیکھیے۔ کہتے ہیں: فَاللَّفْظِيُّ تَكْرِيرُ اللَّفْظِ الْأَوَّلِ نَحْوُ جَاءَنِي زَيْدٌ زَيْدٌ، وَيَجْرِي فِي الْأَلْفَاظِ كُلِّهَا۔ جی، تاکیدِ لفظی کہتے ہیں تَكْرِيرُ اللَّفْظِ الْأَوَّلِ وہ پہلے لفظ ہی کا تکرار ہے۔ تاکیدِ لفظی کسے کہتے ہیں؟ کہ پہلے لفظ کا تکرار کیا جائے۔ اور پھر صاحبِ جامی آپ کو بتلائیں گے کہ پہلے لفظ کا یہ تکرار کبھی حقیقتاً ہو گا، کبھی حکماً ہو گا۔ کبھی پہلے لفظ کا حقیقتاً تکرار ہو گا جیسے جَاءَنِي زَيْدٌ زَيْدٌ، یہ زیدِ ثانی دیکھو یہ بعینہٖ اسی پہلے لفظ کا تکرار ہے۔ اور کبھی جو ہے پہلے لفظ کا تکرار حکماً ہو گا، حقیقتاً نہیں ہو گا۔ مثلاً میں کہتا ہوں ضَرَبْتُ أَنَا، ضَرَبْتُ یہ تَا ضمیر کس کی ہے؟ متکلم کی، اور یہ مرفوع متصل ہے۔ اب میں اس کی تاکید لایا أَنَا، یہ بھی متکلم کی ضمیر ہے لیکن یہ مرفوع منفصل ہے۔ تو یہ دیکھو بعینہٖ پہلے لفظ کا تکرار نہیں ہے، وہ ضمیرِ متصل ہے یہ ضمیرِ منفصل ہے، لیکن آپ کو بتائیں گے کہ بھئی یہاں پر مجبوری ہے، ضمیرِ متصل کو ہم دوبارہ لا ہی نہیں سکتے کیونکہ متصل الگ آتی ہی نہیں ہے، تو اس کے لیے پورے فعل کو تو دوبارہ لا سکتے ہیں آپ، اس اکیلی ضمیر کو دوبارہ نہیں لا سکتے۔ جب اکیلی ضمیر کو نہیں لا سکتے تو مجبوراً پھر ضمیرِ منفصل کو لائیں گے، تو یہ یوں کہیں گے کہ یہ حکماً وہی لفظ ہے، حقیقتاً تو وہ لفظ نہیں، لیکن حکماً اسی لفظ کا تکرار ہو گیا۔ کیونکہ صرف فرق کیا ہے؟ اتصال اور انفصال کا فرق ہے، باقی دونوں ضمیریں ایک ہی ذات پر دلالت کر رہی ہیں۔

بات سمجھ میں آ گئی۔ معلوم ہوا تاکیدِ لفظی حقیقتاً بھی ہو سکتی ہے اور حکماً بھی۔ حقیقتاً کیا؟ کہ اسی لفظ کا تکرار کیا جائے، جَاءَنِي زَيْدٌ زَيْدٌ۔ اور حکماً کیا؟ کہ ضمیرِ متصل کی تاکید کس کے ساتھ لائی جائے؟ ضمیرِ منفصل کے ساتھ، تو یہ بھی تاکیدِ لفظی کے اندر ہی داخل ہے بھئی۔ بات سمجھ میں آ گئی۔ تو اب دیکھیے ترجمہ متن کا۔ کہتے ہیں: فَاللَّفْظِيُّ تَكْرِيرُ اللَّفْظِ الْأَوَّلِ، تو تاکیدِ لفظی جو ہے وہ تکرار ہے لفظِ اول کا، نَحْوُ جَاءَنِي زَيْدٌ زَيْدٌ، جیسے جَاءَنِي زَيْدٌ زَيْدٌ، اس میں دیکھو زیدِ ثانی دوبارہ لایا گیا۔

آگے دیکھیے: وَيَجْرِي فِي الْأَلْفَاظِ كُلِّهَا، اور یہ تکرار جو ہے لفظِ اول کا، یہ جاری ہوتا ہے فِي الْأَلْفَاظِ كُلِّهَا تمام الفاظ کے اندر۔ یہ لفظ کا تکرار جو ہے، اسی لفظ کا تکرار کر کے جو تاکید لائی جاتی ہے، یہ تمام الفاظ کے اندر جاری ہوتا ہے، یعنی اسم کے اندر بھی، فعل کے اندر بھی، حرف کے اندر بھی، جملے کے اندر بھی یعنی مرکبِ تام میں بھی، مرکبِ ناقص کے اندر بھی۔ کبھی اسی فعل کو بھی دوبارہ لے آتے ہیں ضَرَبَ ضَرَبَ زَيْدٌ، جیسے گزشتہ سبق میں مثالیں گزری تھیں۔

یاد رکھو یہ جو تاکید ہم پڑھ رہے ہیں یہ توابع میں سے ہے، اور یہ کس کی بحث چل رہی ہے؟ اسم کی بحث چل رہی ہے، آگے فعل کی بحث الگ آئے گی اور حرف کی بحث الگ۔ تو یہ جو اصطلاحی تاکید جس کو علمِ نحو میں تاکید کہا جاتا ہے، اس میں صرف اسم داخل ہے، فعل یا حرف اس میں داخل نہیں، کیونکہ یہاں پر آپ یہ توابع میں سے پڑھ رہے ہیں اور یہ توابع کس میں سے ہیں؟ اسم میں سے ہیں۔ تو یہاں بھی تاکیدِ لفظی اور معنوی جو ذکر ہو رہے ہیں، وہ صرف اسم اس میں داخل ہے، فعل اور حرف داخل نہیں، اسی طرح جملہ یا مرکبات بھی اس میں داخل نہیں۔ تو انہوں نے کیا بتایا کہ وَيَجْرِي فِي الْأَلْفَاظِ كُلِّهَا اور یہ جو تکرار ہے یہ جاری ہوتا ہے تمام الفاظ میں۔ تاکیدِ لفظی نہیں، تاکیدِ لفظی تمام الفاظ میں جاری نہیں ہوتی کیونکہ تاکیدِ لفظی تو اسم کی قسم ہے۔ اور یہ تکرارِ لفظی جو ہے تمام لفظوں میں جاری ہوتا ہے، اسم میں بھی، فعل میں بھی اور حرف میں بھی، جملے میں بھی اور اسی طرح مرکبِ ناقص کے اندر بھی۔ بات سمجھ میں آگئی۔ تو کہتے ہیں وَيَجْرِي فِي الْأَلْفَاظِ كُلِّهَا اور یہ تکرار جو ہے یہ جاری ہوتا ہے تمام الفاظ کے اندر۔

یا آپ کو صاحبِ جامی بتلائیں گے کہ يَجْرِي کے اندر ضمیر آپ تاکیدِ لفظی کو بھی لوٹا سکتے ہیں، اور یہ جو تاکیدِ لفظی ہے یہ جاری ہوتی ہے فِي الْأَلْفَاظِ كُلِّهَا تمام الفاظ میں۔ جاری ہوتی ہے تمام الفاظ میں، اور الفاظ کو اپنے عموم پر باقی نہ رکھیں کہ اس میں اسم بھی داخل ہو جائے، فعل بھی داخل ہو جائے، حرف بھی داخل ہو جائے، جملہ بھی داخل ہو جائے اور مرکبِ ناقص بھی داخل ہو جائے، ایسا نہیں، بلکہ الفاظ سے صرف اسم مراد لیں۔ کیا مراد لیں؟ اسم۔ اب یہ بات ٹھیک ہو جائے گی کہ وَيَجْرِي فِي الْأَلْفَاظِ كُلِّهَا، اور یہ تاکیدِ لفظی جو ہے، یہ جو اسم کی قسم ہے، یہ جاری ہوتی ہے فِي الْأَلْفَاظِ كُلِّهَا أَيْ فِي الْأَسْمَاءِ كُلِّهَا تمام اسموں میں۔ یعنی تاکیدِ معنوی تو آٹھ نو لفظ ہیں، لیکن تاکیدِ لفظی تمام اسموں کے اندر جاری ہوتی ہے، اس کے اندر کوئی تعداد متعین نہیں ہے۔ بات سمجھ میں آگئی۔ تو دو تقریریں ہو سکتی ہیں۔ ایک تقریر کیا؟ کہ يَجْرِي کی ضمیر کس کو لوٹاؤ؟ مطلقاً تکرار کی طرف، کہ یہ تکرار جاری ہوتا ہے۔ تاکیدِ لفظی نہیں، صرف تکرار جاری ہوتا ہے۔ کس میں؟ دیکھو تاکید کی طرف ضمیر لوٹائیں گے نا، تو تاکیدِ لفظی تو صرف اسم کی قسم ہے، تو باقی چیزیں تو الفاظ کے اندر نہیں آئیں گی۔ یہ تو حالانکہ تکرارِ الفاظ تو اسم میں بھی ہوتا ہے، فعل میں بھی ہوتا ہے، حرف میں بھی ہوتا ہے، جملے میں بھی ہوتا ہے، مرکبِ ناقص میں بھی ہوتا ہے۔ تو الفاظ کو اپنے عموم پر باقی رکھیں اور پھر يَجْرِي کی ضمیر تاکیدِ لفظی کو نہ لوٹائیں وہ تو اسم کی قسم

ہے، بلکہ کہیں یہ جو تکرار مطلقاً یہاں ذکر ہوا، تَكْرِيرُ اللَّفْظِ الْأَوَّلِ، یہ جو تکرار ہے یہ جاری ہوتا ہے تمام الفاظ میں، چاہے اسم ہو، فعل ہو یا حرف وغیرہ ہوں بھئی۔ تو اس صورت میں یہ الگ بات ذکر کر دی صاحبِ کافیہ نے تکرار کے اعتبار سے۔ یا آپ چاہیں تو اس کو اسی کے ساتھ جوڑیں کہ يَجْرِي کی ضمیر تاکید ہی کو لوٹائیں۔ کس کو؟ اور تاکید تو صرف کس کی قسم؟ اسم کی، تو پھر الفاظ سے اسم مراد لیں، کہ یہ تاکیدِ لفظی جاری ہوتی ہے فِي الْأَلْفَاظِ كُلِّهَا أَيْ فِي الْأَسْمَاءِ كُلِّهَا تمام اسموں کے اندر۔ یعنی یہ تاکیدِ معنوی کے مقابلے میں آگئی بات: تاکیدِ معنوی چند گنے چنے الفاظ ہیں اور تاکیدِ لفظی تمام اسموں کے اندر جاری ہوتی ہے۔ تو یہ معنی ہے وَيَجْرِي فِي الْأَلْفَاظِ كُلِّهَا اور یہ تمام الفاظ میں جاری ہوتی ہے۔ بات سمجھ میں آگئی۔

جی اب اس سارے کو شرح کے ساتھ دیکھیے۔ کہتے ہیں: فَاللَّفْظِيُّ مِنْهُ، پس وہ جو لفظی ہے مِنْهُ کس میں سے؟ تاکید میں سے۔ تاکید کی دو قسمیں ہو گئیں نا، ایک لفظی اور ایک معنوی۔ تو کہتے ہیں فَاللَّفْظِيُّ مِنْهُ پس وہ جو لفظی ہے مِنْهُ تاکید میں سے، تَكْرِيرُ اللَّفْظِ الْأَوَّلِ وہ پہلے لفظ کا تکرار ہے۔ تقریر بمعنی تکرار کے ہے میں نے کل بھی ذکر کیا تھا۔ فَاللَّفْظِيُّ مِنْهُ تو تاکید میں سے جو لفظی ہے وہ تَكْرِيرُ اللَّفْظِ الْأَوَّلِ وہ پہلے لفظ کا تکرار ہے۔ أَيْ مُكَرَّرُ اللَّفْظِ الْأَوَّلِ وَمُعَادُهُ حَقِيقَةً۔ یہ دراصل صاحبِ جامی ایک اشکال کا جواب دے رہے ہیں۔ اشکال یہ کہ تاکیدِ لفظی یہ اسم ہے۔ تاکیدِ لفظی کسے کہتے ہیں؟ جَاءَنِي زَيْدٌ زَيْدٌ، یہ زیدِ ثانی کیا ہے؟ تاکیدِ لفظی ہے۔ تو تاکیدِ لفظی کس کا نام؟ اسم کا نام ہے۔ اور آگے اس کی خبر کیا لائے؟ تَكْرِيرُ اللَّفْظِ الْأَوَّلِ، پہلے لفظ کا تکرار کرنا، کیونکہ تکریر تو مصدر ہے۔ تو بتدا آیا اَللَّفْظِيُّ اور خبر آئی تَكْرِيرُ اللَّفْظِ الْأَوَّلِ، تو بتدا ہے ذات اور خبر ہے مصدر۔ جیسے میں کہوں زَيْدٌ عَدْلٌ یا میں کہوں زَيْدٌ ضَرْبٌ، زید بتدا ہے اور خبر کیا میں لے آیا؟ ضرب۔ زید ضرب ہے یا زید ضارب ہے؟ زید ضارب ہے۔ تو دیکھا معلوم ہوا مصدر کا حمل ذات پر صحیح نہیں ہوتا، تو اس کو پھر اسمِ فاعل یا اسمِ مفعول کے معنی میں لینا پڑتا ہے۔ تو یہاں پر بھی تکریر آگے أَيْ مُكَرَّرُ اللَّفْظِ الْأَوَّلِ بتلایا کہ یہ تکریر مصدر بمعنی اسمِ مفعول کے ہے۔ توجہ ہے؟ جیسے دیکھو اس کو سمجھ لو جَاءَنِي زَيْدٌ زَيْدٌ، کس کی بات کر رہے ہیں؟ تاکیدِ لفظی کی۔ یہ جو زیدِ ثانی ہے، یہ تَكْرِير ہے یا یہ مُكَرَّر ہے؟ یہ مُكَرَّر ہے، مُكَرَّر کس کو کہتے ہیں؟ جس کو دوبارہ لایا جائے۔ تو یہ جو دوسرا لفظ ہے یہ تکرار نہیں ہے بلکہ یہ مُكَرَّر ہے، یہ مصدر نہیں ہے بلکہ اسمِ مفعول ہے۔ تو کہتے ہیں لفظی جو ہے تَكْرِيرُ اللَّفْظِ الْأَوَّلِ وہ پہلے لفظ کا تکرار ہے، أَيْ مُكَرَّرُ اللَّفْظِ الْأَوَّلِ یعنی پہلے لفظ کا مُكَرَّر جو ہے وہ ہے تاکیدِ لفظی، وَمُعَادُهُ، مُعَاد اسمِ مفعول ہے أَعَادَ يُعِيدُ إِعَادَةً فَهُوَ مُعِيدٌ، وَأُعِيدَ يُعَادُ إِعَادَةً فَذَاكَ مُعَادٌ، تو یہ وہی مُعَاد اسی مُكَرَّر کی تفصیل کر رہا ہے۔ یعنی أَيْ مُكَرَّرُ اللَّفْظِ الْأَوَّلِ وَمُعَادُهُ، وہ پہلے لفظ کا جو مُكَرَّر ہے وہ مُعَادُهُ اور اس کا جو لوٹایا گیا ہے، حَقِيقَةً باعتبارِ حقیقت کے، یعنی حقیقتاً اسی پہلے لفظ کو مُكَرَّر لایا گیا ہے اور اس کا اعادہ کیا گیا ہے، نَحْوُ جَاءَنِي زَيْدٌ زَيْدٌ، أَوْ حُكْمًا یا پہلے لفظ کو حکماً مُكَرَّر لایا گیا ہے، نَحْوُ ضَرَبْتَ أَنْتَ۔ تو یہ ضَرَبْتَ کی تَا ضمیر کیا ہے؟ مؤکد، اور أَنْتَ اس کی تاکید۔ تو تَا ضمیر متصل ہے اور أَنْتَ منفصل ہے، تو یہ وہی لفظ تو نہیں لایا گیا دوبارہ، لیکن یہ حکماً وہی لفظ ہے۔ تو کہتے ہیں نَحْوُ ضَرَبْتَ أَنْتَ وَضَرَبْتُ أَنَا۔

آگے دیکھیے: فَإِنَّ ذَلِكَ فِي حُكْمِ تَكْرِيرِ اللَّفْظِ، اس لیے کیونکہ یہ جو ہے تکرارِ لفظ کے حکم میں ہے، وَإِنْ كَانَ مُخَالِفًا لِلْأَوَّلِ لَفْظًا، اگرچہ یہ مخالف ہے اول کے لَفْظًا باعتبار لفظوں کے۔ پہلی ضمیر تو متصل ہے، ثانی تو منفصل ہے، تو اگرچہ لفظوں کے اعتبار سے یہ اس کے مخالف ہے، لیکن یہ اسی کے حکم میں ہے، تکرارِ لفظ کے حکم میں ہے۔ إِذِ الضَّرُورَةُ دَاعِيَةٌ إِلَى الْمُخَالَفَةِ، اس لیے کیونکہ ضرورت داعی ہوئی اس مخالفت کی طرف۔ ضمیرِ متصل تو ہم دوبارہ لا نہیں سکتے، توجہ ہے؟ تو لہٰذا مجبوراً کیا لانا پڑا؟ منفصل کو لانا پڑا۔ إِذِ الضَّرُورَةُ دَاعِيَةٌ إِلَى الْمُخَالَفَةِ اس لیے کیونکہ ضرورت جو ہے وہ داعی ہوئی اس مخالفت کی۔ ضرورت کی وجہ سے اس ضمیرِ متصل کی تاکید کس کے ساتھ لانا پڑی؟ ضمیرِ منفصل کے ساتھ، کیونکہ متصل کے دوبارہ لانے کی کوئی صورت نہیں تھی۔ اگر اس کو دوبارہ لانا ہے تو پھر ساتھ اس کے فعل کو بھی دوبارہ لانا پڑے گا بھئی، اور ہم تو فعل کی تاکید نہیں چاہتے، صرف کس کی تاکید چاہتے ہیں؟ اس ضمیر کی، تو اس کے لیے پھر اور کوئی صورت نہیں تھی، تو اس ضرورت کی وجہ سے۔ یہ معنی ہے إِذِ الضَّرُورَةُ دَاعِيَةٌ إِلَى الْمُخَالَفَةِ اس لیے کیونکہ ضرورت داعی ہوئی اس مخالفت کی، لِأَنَّهُ لَا يَجُوزُ تَكْرِيرُهُ مُتَّصِلًا، اس لیے کیونکہ اس ضمیرِ متصل کا تکرار جائز نہیں ہے مُتَّصِلًا متصل ہو کر، متصل ضمیر لاتے ہوئے اس کا تکرار جائز نہیں ہے۔

وَيَجْرِي أَيِ التَّكْرِيرُ مُطْلَقًا، میں نے بتایا تھا يَجْرِي کے اندر دو احتمال ذکر کریں گے صاحبِ جامی۔ ایک کیا؟ کہ يَجْرِي کی ضمیر صرف تکرار کو لوٹائیں کہ تکرار مطلقاً ہوتا ہے، کہ یہ مطلقاً جو تکرار ہے یہ تمام الفاظ میں ہوتا ہے اسم، فعل یا حرف وغیرہ۔ یا يَجْرِي کی ضمیر صرف اس تاکیدِ لفظی کو لوٹائیں، تو پھر اَلْأَلْفَاظ سے کیا مراد لے لیں؟ اسم مراد لے لیں۔ توجہ ہے؟ پھر سمجھ لو۔ دیکھو یہاں آیا متن میں وَيَجْرِي فِي الْأَلْفَاظِ كُلِّهَا کہ یہ تمام الفاظ میں جاری ہوتی ہے۔ اگر تمام الفاظ سے مراد اسم، فعل اور حرف آپ سب کو داخل کرنا چاہتے ہیں تو پھر يَجْرِي کی ضمیر تاکیدِ لفظی کو نہ لوٹائیں، يَجْرِي کہ تاکیدِ لفظی جاری ہوتی ہے تمام الفاظ میں، اسم میں بھی، فعل میں بھی، حرف میں بھی۔ بھئی تاکیدِ لفظی تو اسم کی قسم ہے، وہ فعل میں کیسے جاری ہو گئی؟ وہ حرف میں کیسے جاری ہو گئی؟ توجہ ہے؟ لہٰذا يَجْرِي کی ضمیر تکرار کو لوٹائیں جو پیچھے ابھی تکرار، تَكْرِير کا لفظ آیا تھا اسی کو لوٹائیں، کہ یہ تکرار سارے لفظوں میں جاری ہوتا ہے، تاکید نہیں، کیا؟ تکرار سارے لفظوں میں جاری ہوتا ہے، اسم میں بھی، فعل میں بھی اور حرف میں بھی۔ اور اگر آپ يَجْرِي کی ضمیر کس کو لوٹانا چاہتے ہیں؟ تاکیدِ لفظی کو، تو پھر اس صورت میں الفاظ سے اسم مراد لیں، کیونکہ تاکیدِ لفظی اسم کی قسم ہے۔ تو کہتے ہیں: وَيَجْرِي أَيِ التَّكْرِيرُ مُطْلَقًا، یعنی مطلقاً جو تقریر ہے وہ جاری ہوتی ہے، لَا التَّكْرِيرُ الَّذِي هُوَ التَّأْكِيدُ الِاصْطِلَاحِيُّ، نہ کہ وہ تکرار جو کہ تاکیدِ اصطلاحی ہے، مطلقاً تکرار جو ہے وہ جاری ہوتا ہے، فِي الْأَلْفَاظِ كُلِّهَا تمام الفاظ میں، أَسْمَاءً أَوْ أَفْعَالًا أَوْ حُرُوفًا أَوْ جُمَلًا أَوْ مُرَكَّبَاتٍ تَقْيِيدِيَّةً أَوْ غَيْرَ ذَلِكَ۔ اور یہ تمام الفاظ میں جاری ہوتا ہے یہ تکرار، أَسْمَاءً چاہے وہ اسم ہوں، أَسْمَاءً یہ مفعول بہ بنا يَعْنِي فعل کے لیے، کس کے لیے؟ يَعْنِي یعنی صاحبِ کافیہ کی مراد یہ ہے تمام الفاظ سے، أَسْمَاءً چاہے اسماء ہوں، أَوْ أَفْعَالًا یا افعال ہوں، أَوْ حُرُوفًا

یا حروف ہوں، أَوْ جُمَلًا یا جملے ہوں، أَوْ مُرَكَّبَاتٍ تَقْيِيدِيَّةً، یہ مُرَكَّبَاتٍ یہ موصوف ہے اور تَقْيِيدِيَّةً اس کی صفت ہے بھئی، توجہ ہے؟ اور مُرَكَّبَاتٍ اس پر میں جر نہیں پڑھ رہا، اس کا نصب آتا ہی کسرہ کے ساتھ ہے، تو یہ منصوب ہے، تَقْيِيدِيَّةً اس کی صفت ہے، ما قبل میں منصوب ہیں أَسْمَاءً، أَفْعَالًا، حُرُوفًا، جُمَلًا، یہ سب منصوب ہیں تو مُرَكَّبَاتٍ تَقْيِيدِيَّةً یہ بھی کیا ہیں؟ منصوب۔ اور اسی طرح مرکبِ تقییدی جو ہے ان میں بھی یہ تکرار جاری ہوتا ہے، أَوْ غَيْرَ ذَلِكَ اور اس کے علاوہ میں بھی۔ مرکبِ تقییدی جس میں جزِ ثانی جو ہے قید ہوتا ہے پہلے جز کے لیے، اس کو مرکبِ تقییدی کہتے ہیں۔ قَيَّدَ يُقَيِّدُ تَقْيِيد کا معنی ہے قید کرنا، تو جزِ اول جو ہے مقیَّد ہوتا ہے اور جزِ ثانی مقیِّد ہوتا ہے قید کرنے والا۔ تو جیسے مضاف اور مضاف الیہ، دیکھو مضاف کے لیے جو مضاف الیہ ہے وہ قید ہوتا ہے۔ جَاءَنِي غُلَامُ زَيْدٍ، میرے پاس زید کا غلام آیا، میں نے مطلق غلام کی بات کی یا زید کے غلام کی؟ زید کے غلام کی بات کی ہے، تو یہ غُلَامُ زَيْدٍ اس غلام کے لیے زید قید ہے، اس کے بغیر اس کا معنی پورا نہیں ہوتا، اگر صرف غلام کہوں گا پھر تو اس سے پتا نہیں چلے گا کہ کون سا غلام مراد ہے۔ تو مضاف الیہ قید ہوتا ہے مضاف کے لیے۔ اسی طرح یاد رکھو صفت قید ہوتی ہے موصوف کے لیے، جَاءَنِي زَيْدٌ الْعَالِمُ، یہ الْعَالِمُ صفت یہ زید کے لیے قید ہے، اس نے بتلا دیا کہ یہ جو زید ہے یہ عالم ہے، غیرِ عالم نہیں ہے بھئی، اس نے غیرِ عالم کو نکال دیا۔ تو صفت بھی قید ہوتی ہے، تو یہ ہیں مرکباتِ تقییدیہ۔ اور اگر ثانی جز اول کے لیے قید نہ ہو تو یہ غیرِ تقییدیہ ہیں بھئی، تو ان کے علاوہ باقی مرکبات آ گئے۔ تو یہ ان سب میں جاری ہوتی ہے۔

وَلَا يَبْعُدُ، اب دوسرا احتمال ذکر کر رہے ہیں بھئی۔ پہلا احتمال کیا؟ يَجْرِي کی ضمیر کس کو لوٹائی؟ مطلقِ تکرار کو۔ اب يَجْرِي کی ضمیر کس کو لوٹائیں گے؟ تاکیدِ لفظی کو، اور الفاظ سے کیا مراد لیں گے؟ اسم مراد لیں گے۔ وَلَا يَبْعُدُ، اور یہ بات بھی بعید نہیں ہے کہ إِرْجَاعُ الضَّمِيرِ إِلَى التَّأْكِيدِ اللَّفْظِيِّ الِاصْطِلَاحِيِّ، کہ لوٹایا جائے ضمیر کو تاکیدِ لفظی اصطلاحی کی طرف، وَتَخْصِيصُ الْأَلْفَاظِ بِالْأَسْمَاءِ، اور الفاظ کی تخصیص کی جائے اسماء کے ساتھ، کہ الفاظ سے کیا مراد ہیں؟ اسماء مراد ہیں۔ وَيَكُونُ الْمَقْصُودُ مِنْ هَذَا التَّعْمِيمِ، اور مقصود جو ہے، غرض جو ہے اس تعمیم کے ذریعے، یہ جو تعمیم ذکر ہوئی فِي الْأَلْفَاظِ كُلِّهَا یہ كُلِّهَا کے ساتھ تعمیم کر دی گئی، تو کہتے ہیں وَيَكُونُ الْمَقْصُودُ مِنْ هَذَا التَّعْمِيمِ اور مقصود جو ہے اس تعمیم کے ذریعے عَدَمُ اخْتِصَاصِهِ بِأَلْفَاظٍ مَحْصُورَةٍ كَالتَّأْكِيدِ الْمَعْنَوِيِّ، یہ بیان کرنا ہو کہ تاکیدِ لفظی کا اختصاص نہیں ہے بِأَلْفَاظٍ مَحْصُورَةٍ کچھ معین الفاظ کے ساتھ اس کا اختصاص نہیں ہے كَالتَّأْكِيدِ الْمَعْنَوِيِّ جیسے کس میں ہے؟ تاکیدِ معنوی میں۔ بھئی تاکیدِ معنوی تو چند مخصوص الفاظ کے ساتھ ہی ہوتی ہے، لیکن یہاں کیا کہا؟ وَيَجْرِي فِي الْأَلْفَاظِ كُلِّهَا، تو الفاظ سے کیا مراد لیے؟ اسماء، اور آگے تعمیم بھی کر دی كُلِّهَا تمام اسماء میں یہ جاری ہوتی ہے۔ تو یہ تعمیم کیوں کی؟ کہتے ہیں یہ بتلانا یہ چاہتے ہیں، مقصد یہ ہے اس تعمیم کے ذریعے کہ جیسے تاکیدِ معنوی تو چند مخصوص الفاظ کے ساتھ ہوتی ہے، لیکن تاکیدِ لفظی اس طرح چند مخصوص الفاظ میں بند نہیں ہے۔ بات سمجھ میں آ گئی۔

پھر دوبارہ دیکھ لیجیے ترجمہ۔ کہتے ہیں: وَلَا يَبْعُدُ إِرْجَاعُ الضَّمِيرِ إِلَى التَّأْكِيدِ اللَّفْظِيِّ الِاصْطِلَاحِيِّ، اور یہ بات بھی بعید نہیں ہے کہ ضمیر کو لوٹایا جائے تاکیدِ لفظی اصطلاحی کی جانب، وَتَخْصِيصُ الْأَلْفَاظِ بِالْأَسْمَاءِ، اور تخصیص کی جائے الفاظ کی اسماء کے ساتھ، کہ اس سے اسماء مراد ہیں، وَيَكُونُ الْمَقْصُودُ مِنْ هَذَا التَّعْمِيمِ، اور یہ جو تعمیم کی گئی اس کے ذریعے مقصود جو ہے عَدَمُ اخْتِصَاصِهِ وہ یہ بیان کرنا ہے کہ تاکیدِ لفظی کا اختصاص نہیں ہے بِأَلْفَاظٍ مَحْصُورَةٍ کچھ مخصوص الفاظ کے ساتھ، کچھ معین الفاظ کے ساتھ، كَالتَّأْكِيدِ الْمَعْنَوِيِّ جیسے کس میں ہے؟ تاکیدِ معنوی میں، یہ اس کی طرح نہیں ہے۔

آگے دیکھیے بھئی، متن متن دیکھیے: وَالْمَعْنَوِيُّ بِأَلْفَاظٍ مَحْصُورَةٍ، اور تاکیدِ معنوی جو ہے کچھ مخصوص معین الفاظ کے ساتھ ہوگی، اور وہ الفاظ یہ ہیں: نَفْسُهُ، وَعَيْنُهُ، وَكِلَاهُمَا، وَكُلُّهُ، وَأَجْمَعُ، وَأَكْتَعُ، وَأَبْتَعُ، وَأَبْصَعُ۔ جی، یہ الفاظ ہیں تاکیدِ معنوی کے۔ یہ کتنے الفاظ ہیں؟ دیکھو نَفْسُهُ وَعَيْنُهُ دو ہو گئے، كِلَاهُمَا مذکر کو ذکر کیا اور مؤنث ساتھ اس کے تابع ہے اس کو ذکر نہیں کیا۔

تو كِلَا اور كِلْتَا دونوں آ گئے، وَكُلُّهُ یہ پانچ ہو گئے، وَأَجْمَعُ وَأَكْتَعُ وَأَبْتَعُ وَأَبْصَعُ یہ چار، تو یہ نو الفاظ ہیں۔ تو آپ چاہیں تو ان کو آٹھ کہہ لیں، كِلَا کو صرف مذکر کو ہی شمار کریں، مؤنث اس کے تابع ہے اس کو شمار ہی نہ کریں، یا اس کو الگ شمار کر لیں تو نو لفظ کہہ لیں، تو یہ آٹھ یا نو لفظ ہیں تاکیدِ معنوی کے۔ اب اس کو شرح کے ساتھ دیکھیے۔ کہتے ہیں: وَالتَّأْكِيدُ الْمَعْنَوِيُّ مُخْتَصٌّ بِأَلْفَاظٍ مَحْصُورَةٍ، اور تاکیدِ معنوی جو ہے وہ خاص ہے کچھ معین الفاظ کے ساتھ، أَيْ مَعْدُودَةٍ مَحْدُودَةٍ، مَعْدُود گنے ہوئے، گنے ہوئے، شمار کیے ہوئے، اور مَحْدُود یعنی جو ایک حد کے اندر ہیں، بند ہیں، ان کی ایک تعداد ہے، بات سمجھ میں آ گئی، یعنی معین ہیں، کیا ہیں؟ معین۔ تو جو بھی محصور ہو گا، جن کو بھی ایک حد کے اندر بند کیا گیا ہے، ان کی ایک خاص گنتی بھی ہوگی اور وہ متعین بھی ہوں گے۔ بات سمجھ میں آ گئی۔ تو متن میں کیا آیا کہ وَالتَّأْكِيدُ الْمَعْنَوِيُّ مُخْتَصٌّ بِأَلْفَاظٍ مَحْصُورَةٍ، اور صاحبِ جامی نے مَحْصُورَةٍ کا معنی کیا کیا؟ أَيْ مَعْدُودَةٍ مَحْدُودَةٍ، کچھ گنے ہوئے الفاظ ہیں، اور مَحْدُودَةٍ یعنی ان کی ایک حد ہے، جو بھی گنے ہوئے ہوں گے ان کی ایک حد ہو گی، یہ نہیں کہ ان کی کوئی حد ہی نہیں ہے، بڑھتے ہی چلے جائیں۔ بات سمجھ میں آ گئی۔

آگے دیکھیے۔ کہتے ہیں: وَهِيَ نَفْسُهُ، وَعَيْنُهُ، وَكِلَاهُمَا، وَكُلُّهُ، وَأَجْمَعُ، وَأَكْتَعُ، وَأَبْتَعُ، وَأَبْصَعُ بِالصَّادِ الْمُهْمَلَةِ، وَقِيلَ بِالضَّادِ الْمُعْجَمَةِ۔ یہ جو أَبْصَعُ ہے نا أَبْصَعُ، کہتے ہیں بِالصَّادِ الْمُهْمَلَةِ یہ اس صاد کے ساتھ ہے الْمُهْمَلَةِ جس پر نقطہ نہیں ہے، جو بغیر نقطے کے ہے، جو بغیر نقطے کے ہے۔ وَقِيلَ اور کہا گیا ہے بِالضَّادِ الْمُعْجَمَةِ یہ صاد کے ساتھ نہیں ہے، ضاد کے ساتھ ہے الْمُعْجَمَةِ وہ جو نقطے والا ہے۔ عَجَمَ يُعْجِمُ کا معنی نقطے لگانا، اور أَهْمَلَ يُهْمِلُ کا معنی ویسے چھوڑ دینا یعنی جس پر نقطے نہ ہوں۔ میں نے پہلے بھی ذکر کیا تھا ہمارے علماء کا طریقہ ہے جہاں لفظوں کے اندر اشتباہ کا خطرہ ہو، مثلاً انہوں نے صاد لکھا ہے، ہو سکتا ہے کہیں غلطی سے کاتب اس پر ایک نقطہ نہ ڈال دے، تو وہ تو پڑھنے والا اس کو ضاد پڑھے گا، تو پھر وہ ساتھ لفظوں میں بھی

لکھ دیتے ہیں کہ یہ بغیر نقطے کے ہے، بِالصَّادِ الْمُهْمَلَةِ۔ یہ تو اب یہ مَهْمَلَة کا لفظ بتلا دے گا کہ اگر کاتب نے غلطی سے نقطہ لگایا بھی ہے، اَلْمُهْمَلَة کا لفظ بتا دے گا کہ یہ بغیر نقطے کے ہے اور یہ نقطہ غلطی سے لگا ہے، اور اگر نقطے والا ہو تو وہ ساتھ اَلْمُعْجَمَة لکھ دیتے ہیں کہ یعنی یہ نقطے والا لفظ ہے۔ تو کہتے ہیں یہ جو أَبْصَعُ ہے بِالصَّادِ الْمُهْمَلَةِ یہ صادِ مہملہ کے ساتھ ہے یعنی بغیر نقطے کے صاد کے ساتھ ہے، وَقِيلَ اور کہا گیا ہے بِالضَّادِ الْمُعْجَمَةِ یہ کس کے ساتھ ہے؟ ضادِ معجمہ کے ساتھ ہے۔ اور دیکھو اس کو قِيلَ کے ساتھ ذکر کیا اور قِيلَ کیا ہے؟ صیغہ تمریض ہے۔ تمریض ہے، یعنی صیغہ تمریض کا کیا معنی؟ یعنی اس کا معنی اس کے ذریعے کمزور قول کو نقل کیا جاتا ہے۔ بات سمجھ میں آگئی۔

قِيلَ لَا مَعْنَى لِهَذِهِ الْكَلِمَاتِ الثَّلَاثِ فِي حَالِ الْإِفْرَادِ۔ کہا گیا ہے کہ ان تین کلمات کا کوئی معنی نہیں ہے فِي حَالِ الْإِفْرَادِ اکیلے ہونے کی حالت میں۔ یہ جو أَجْمَعُ کے بعد آرہے ہیں: أَكْتَعُ، أَبْتَعُ، أَبْصَعُ، یہ جو تین الفاظ ہیں، یہ کہتے ہیں ان کا اکیلے جب یہ ہوں تو ان کا کوئی معنی نہیں، یہ أَجْمَعُ کے ساتھ استعمال ہوتے ہیں تاکید کے لیے۔ کس کے لیے؟ یاد رکھو بھئی تاکید کے لیے أَجْمَعُ لائیں گے، مذکر کے لیے مذکر، مؤنث کے لیے مؤنث، جمع کے لیے جمع لے کر آئیں گے، تثنیہ کے لیے یہ استعمال نہیں ہوتا، مفرد اور جمع کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ مثلاً جَاءَنِي الْقَوْمُ أَجْمَعُونَ، جَاءَنِي الْقَوْمُ أَجْمَعُونَ، وہ لوگ میرے پاس آئے أَجْمَعُونَ اکٹھے یعنی سارے کے سارے۔ اور اسی أَجْمَعُونَ کے ساتھ آپ أَكْتَعُ، أَبْتَعُ، أَبْصَعُ ان کو لا سکتے ہیں۔ یہ أَجْمَعُ کے تابع ہوتے ہیں، یہ أَجْمَعُ کے بغیر نہیں آتے۔ أَجْمَعُ لانا پڑے گا، پھر اس کے بعد آپ أَكْتَعُ، أَبْتَعُ، أَبْصَعُ لا سکتے ہیں۔ تو ان سے پہلے ہمیشہ کیا لائیں گے؟ أَجْمَعُ۔ اور پھر یہ بھی یاد رکھنا أَجْمَعُ کے ساتھ آپ چاہیں ان میں سے کسی کو بھی ذکر نہ کریں، اور آپ چاہیں تو ایک کو ذکر کریں، چاہے دو کو ذکر کریں، چاہے تینوں کو ذکر کریں وہ آپ کی مرضی ہے۔ مثلاً میں کہتا ہوں جَاءَنِي الْقَوْمُ أَجْمَعُونَ، میں ایک کو بھی ساتھ ذکر نہیں کرتا، اور میں چاہوں تو جَاءَنِي الْقَوْمُ أَجْمَعُونَ أَكْتَعُ، بس ایک کو ذکر کر دیتا ہوں، تینوں میں سے کوئی بھی ایک ذکر کر دیں یا دو ذکر کر دیں یا تینوں کو ذکر کر دیں، وہ پھر آپ کی مرضی ہے لیکن أَجْمَعُ کے بغیر یہ استعمال نہیں ہوتے۔ تو بعض علماء نے لکھا ہے کہ اکیلے ان کا کوئی معنی ہی نہیں ہے، یہ أَكْتَعُ، أَبْتَعُ اور أَبْصَعُ کا اکیلے استعمال کرو تو ان کا تو معنی ہی نہیں ہے، یہ اکیلے استعمال ہوتے ہی نہیں ہیں۔ تو کہتے ہیں قِيلَ لَا مَعْنَى لِهَذِهِ الْكَلِمَاتِ الثَّلَاثِ فِي حَالِ الْإِفْرَادِ، اور کہا گیا ہے کہ ان تین کلمات کا کوئی معنی نہیں ہے اکیلے ہونے کی حالت میں، مِثْلُ حَسَنٍ بَسَنٍ، جیسے حَسَنٌ بَسَنٌ ہے۔ بھئی جیسے اردو میں آپ بولتے ہیں، مہمل الفاظ بول دیتے ہیں: چائے شائے پیئیں گے آپ؟ کھانا وانا کھائیں گے؟ توجہ ہے؟ تو جیسے یہ دیکھو کھانا وانا، یہ کھانا تو ٹھیک ہے اس کا معنی تو ہے، یہ وانا کا لفظ جو ساتھ ملایا یہ مہمل لفظ ہے اس کا کوئی معنی نہیں۔ اسی طرح چائے شائے، چائے کا تو معنی ہے لیکن یہ جو شائے کا لفظ آپ نے ساتھ ملایا اس کا کوئی معنی نہیں ہے، تو یہ مہمل لفظ ہیں۔ اسی طرح یہ بھی اگر اکیلے استعمال ہوں تو ان کا کوئی معنی نہیں۔ تو جیسے یہ اردو میں استعمال ہوتا ہے نا: کھانا وانا کھائیں گے؟ چائے شائے پیئیں گے؟ اسی طرح عربی میں بھی استعمال ہوتا ہے: حَسَنٌ بَسَنٌ، حَسَنٌ بَسَنٌ دیکھو حَسَنٌ کا معنی تو اچھا ہے لیکن بَسَنٌ یہ اس کے ساتھ لفظ ویسے ہی ملا دیا، یا شَيْطَانٌ لَيْطَانٌ، شَيْطَانٌ لَيْطَانٌ

دیکھو لَیْطَانٌ ساتھ ویسے ہی ملا دیا، یا جَائِعٌ نَائِعٌ، جَائِعٌ کا معنی تو بھوکا، اس کے ساتھ نَائِعٌ ویسے ہی ملا دیا۔ تو یہ اس طرح عربی میں بھی ساتھ لفظ جوڑ دیتے ہیں بھئی۔ تو جیسے یہ حَسَنٌ بَسَنٌ یہ بَسَنٌ کا کوئی معنی نہیں، اسی طرح ان تین لفظوں کا بھی اکیلے کوئی معنی نہیں۔

آگے دیکھیے: وَقِیلَ اور کہا گیا ہے أَكْتَعُ مُشْتَقٌّ مِنْ حَوْلٍ كَتِيعٍ أَيْ تَامٍّ، کہ أَكْتَعُ جو ہے یہ مشتق ہے مِنْ حَوْلٍ كَتِيعٍ۔ حَوْل کہتے ہیں سال کو، اور كَتِيع کا معنی پورا، أَيْ تَامٍّ دیکھو خود معنی بیان کر رہے ہیں، تام پورا ہو، تو حَوْلٍ كَتِيعٍ یعنی پورا سال۔ تو یہ أَكْتَعُ کس سے ماخوذ ہے؟ حَوْلٍ كَتِيعٍ سے أَكْتَعُ کا لفظ اخذ کیا گیا ہے، اور كَتِيع کا معنی تو پورا تھا، تو یہاں پر بھی أَكْتَعُ اس کی مناسبت آگئی، یہ بھی تمام افراد کا احاطہ کرتا ہے۔ یہ معنیِ تاکیدی کے ساتھ کیا آگئی؟ مناسبت آگئی، ایک تو یہ جس سے اخذ کیا گیا ہے، یہ أَكْتَعُ کس سے اخذ کیا؟ حَوْلٌ كَتِيعٌ سے، اور حَوْلٌ كَتِيعٌ کا کیا معنی؟ پورا سال، تو وہاں كَتِيع کا معنی پورا ہے، اسی سے أَكْتَعُ تاکید کے لیے لے لیا گیا، اور تاکید میں اس کا کیا معنی ہوتا تھا؟ تاکید جَاءَنِي الْقَوْمُ كُلُّهُمْ کیا معنی ہوتا تھا؟ ساری قوم آئی، جَاءَنِي الْقَوْمُ أَجْمَعُونَ أَكْتَعُونَ تو یہ کس لیے آتا ہے؟ تمام افراد کے احاطے کے لیے آتا ہے، تو یہاں بھی تو دیکھو دونوں معنوں میں مناسبت ہے، کس سے اخذ کیا؟ كَتِيعٌ سے اس کا معنی بھی پورا، اور أَكْتَعُ کا معنی بھی تمام افراد، دیکھو مناسبت آگئی۔

اور اسی طرح: وَأَبْصَعُ بِالْمُهْمَلَةِ، اور أَبْصَعُ اس کے بارے میں انہوں نے بتایا بعضوں نے کہا کہ یہ أَبْصَعُ صاد کے ساتھ ہے اور بعضوں نے کہا ہے أَبْضَعُ یہ ضاد کے ساتھ ہے، اب وہ بیان کر رہے ہیں۔ کہتے ہیں: وَأَبْصَعُ بِالْمُهْمَلَةِ مِنْ بَصَعَ الْعَرَقُ، یہ جو أَبْصَعُ ہے بِالْمُهْمَلَةِ بغیر نقطے کے، کہتے ہیں مِنْ بَصَعَ الْعَرَقُ یہ کس سے ہے؟ بَصَعَ الْعَرَقُ سے ہے۔ یاد رکھو بَصَعَ يَبْصَعُ کا معنی ہے بہنا، کسی چیز کا بہہ جانا۔ بَصَعَ الْعَرَقُ اور عَرَق را کے فتحہ کے ساتھ یہ پسینے کو کہتے ہیں۔ بَصَعَ الْعَرَقُ پسینہ نکلا، پسینہ آیا یا پسینہ بہہ گیا۔ تو بَصَعَ الْعَرَقُ سے ہے أَيْ سَالَ یعنی بہہ گیا۔ وَبِالْمُعْجَمَةِ اور اگر یہ نقطے والے ضاد کے ساتھ ہو مِنْ بَضَعَ أَيْ رَوِيَ، تو یہ بَضَعَ سے ہے أَيْ رَوِيَ۔ بَضَعَ يَبْضَعُ کے معنی ہیں رَوِيَ، سیراب ہونا، پیاس کا بجھ جانا، پیاس کا بجھ جانا۔ اب دیکھو یہ دو معنی بیان کیے، ان کی مناسبت کیا ہے؟ أَكْتَعُ کی مناسبت بیان ہو گئی، أَكْتَعُ کس سے اخذ ہے؟ حَوْلٌ كَتِيعٌ سے، اور كَتِيع کا معنی بھی پورا اور أَكْتَعُ بھی کس لیے آتا ہے؟ تمام افراد کے احاطے کے لیے تو اس کی مناسبت ہے۔ اور أَبْصَعُ یہ بھی تمام افراد کے احاطے کے لیے آتا ہے۔ اب یہ یا تو بَصَعَ سے ہے یا بَضَعَ سے ہے۔ بَصَعَ سے ہو تو اس کا معنی ہے بہنا، اس کا معنی ہے بہنا۔ تو اس کی مناسبت کیا ہے؟ تو اب بڑی دور پار کی مناسبتیں علماء بیان کرتے ہیں کہ بہتی وہ چیز ہے جو زیادہ ہو، تھوڑی ہو تو وہ تو نہیں بہتی، تو بہتی وہ چیز ہے جو کثیر ہو گی۔ تو یہاں پر بھی یہ تمام افراد پر دلالت کرتا ہے تاکید کے اندر، اور تمام افراد کیا ہیں؟ کثیر ہیں، کیا ہیں؟ تو دیکھو مناسبت آگئی، بہنا بھی تب ہو گا جب کثرت ہو گی، اور تمام افراد ہوں یہ بھی کیا ہیں؟ کثیر، تو دونوں میں کثرت والا معنی آگیا۔ نیز اگر یہ بَضَعَ سے ہو، تو بَضَعَ کا کیا معنی؟ رَوِيَ، سیراب ہونا، پیاس کا

بجھ جانا۔ تو جیسے پیاس بجھ جاتی ہے تو اس کے بعد پھر پینے کی حاجت نہیں رہتی، تو یہاں پر بھی معنیِ تاکیدی کے ساتھ اس کی یہ مناسبت ہے کہ جب یہ تمام افراد کا احاطہ ہو گیا، تو سب افراد پر حکم لگ گیا، کوئی فرد حکم سے باقی نہیں رہا۔ جیسے وہاں پھر پیاس کی حاجت نہ رہی، سیراب ہو گیا، پیاس بجھ گئی، تو پھر پانی پینے کی حاجت نہ رہی، یہاں پر بھی اس نے تمام افراد کا احاطہ کر لیا، جیسے وہاں اور پینے کی حاجت نہیں، یہاں کسی اور فرد کو بھی داخل کرنے کی حاجت نہیں کیونکہ سارے افراد پہلے ہی داخل ہو چکے ہیں۔ تو دیکھو بڑی دور پار کی مناسبت ذکر کر رہے ہیں۔

آگے دیکھیے۔ کہتے ہیں: وَأَبْتَعُ مِنَ الْبَتَعِ، أَبْتَعُ جو ہے بَتَع سے ہے، بَتِعَ يَبْتَعُ بَتَعًا۔ یہ کسے کہتے ہیں؟ کہتے ہیں: وَهُوَ طُولُ الْعُنُقِ مَعَ شِدَّةِ مَغْرِزِهِ، گردن کا لمبا ہونا مَعَ شِدَّةِ مَغْرِزِهِ۔ مَغْرِز کہتے ہیں گردن کا جو جوڑ ہے، گردن کا جو کندھے کے ساتھ جسم کے ساتھ جوڑ ہے، اس کو کہتے ہیں مَغْرِز، کیا کہتے ہیں؟ مَغْرِز کہتے ہیں بھئی، کسی بھی چیز جو دوسری چیز میں لگی ہوئی ہو، تو وہ جو لگنے کی جگہ ہے وہ جو جوڑ ہے اس کو مَغْرِز کہتے ہیں، کیا کہتے ہیں؟ مَغْرِز۔ تو کیا معنی ہوا بَتَع کا؟ وَهُوَ طُولُ الْعُنُقِ مَعَ شِدَّةِ مَغْرِزِهِ، لمبی گردن کے ساتھ جوڑ کا مضبوط ہونا، یعنی یوں کہو گردن کا مضبوط اور لمبا ہونا۔ جوڑ مضبوط ہے یعنی گردن مضبوط ہے، گردن کا لمبا اور مضبوط ہونا جیسے اونٹ کے اندر ہوتا ہے اس کی گردن لمبی ہوتی ہے اور اس کا بدن کے ساتھ جو جوڑ ہے وہ مضبوط ہوتا ہے، جس پر سوار پاؤں رکھ کر اوپر اونٹ پر سوار ہوتے ہیں بھئی۔ کہتے ہیں وَأَبْتَعُ مِنَ الْبَتَعِ، اور أَبْتَعُ جو ہے بَتَع سے ہے، وَهُوَ طُولُ الْعُنُقِ مَعَ شِدَّةِ مَغْرِزِهِ، اور وہ گردن کا لمبا ہونا ساتھ اس کے جوڑ کا مضبوط ہونا، سخت ہونا۔ اور اس کی بھی مناسبت ہے، دیکھو اس میں شدت والا معنی آ رہا ہے، کس کا معنی آ رہا ہے؟ شدت کا معنی آ رہا ہے۔ اور یہ تمام افراد کے احاطے کے لیے آتا ہے، اور تمام افراد کے احاطے کے اندر بھی شدت ہے کہ سارے ہی افراد آ گئے کوئی ایک بھی باقی نہیں رہا، یعنی ایسا شدت سے احاطہ کر لیا۔ تو دیکھو دور دور کی مناسبتیں علماء نے ذکر کی ہیں، جبکہ بعض تو کہتے ہیں ان کا معنی ہی کوئی نہیں ہے۔ بعضوں نے کہا ہے نہیں یہ فلاں سے اخذ کیے گئے ہیں اور ان کی مناسبت ہے تاکیدی معنی کے ساتھ۔ صاحبِ جامی خود بھی فرما رہے ہیں دیکھیے۔ کہتے ہیں: وَيُمْكِنُ اسْتِنْبَاطُ مُنَاسَبَاتٍ خَفِيَّةٍ، اور ممکن ہے کہ استنباط کیا جائے مُنَاسَبَاتٍ خَفِيَّةٍ پوشیدہ مناسبتوں کا، ظاہری مناسبتیں تو نہیں ہیں، پوشیدہ مناسبتوں کا استنباط کیا جا سکتا ہے، ان کو اخذ کیا جا سکتا ہے، بَيْنَ هَذِهِ الْمَعَانِي ان معانی کے درمیان یہ جو ہم نے ذکر کر دیے، وَمَعْنَاهَا التَّأْكِيدِيِّ اور ان کا جو تاکیدی معنی ہے، وہ جو تمام افراد کا احاطہ کر رہے ہیں، تو ان کے ان معانی اور تاکیدی معنی میں ممکن ہے استنباط کرنا کس چیز کا؟ مُنَاسَبَاتٍ خَفِيَّةٍ پوشیدہ مناسبتوں کا، یہ استنباط کیا جا سکتا ہے بِالتَّأَمُّلِ الصَّادِقِ کامل غور و فکر سے، بِالتَّأَمُّلِ الصَّادِقِ کامل غور و فکر کے ذریعے کوئی مناسبتیں ان کی بیان کی جا سکتی ہیں، اگرچہ ظاہری طور پر کوئی ایسی خاص مناسبت نہیں ہے بھئی۔ میں نے بیان کر دیں بھئی، حاشیے میں بھی یہی چیزیں ذکر ہیں بھئی۔

آگے دیکھیے۔ کہتے ہیں: فَالْأَوَّلَانِ۔ جی، اب آگے آسان باتیں ہیں۔ دیکھیے آپ کو صاحبِ کافیہ بتلائیں گے کہ یہ جو آپ نے تاکید کے الفاظ پڑھے، ان میں جو نَفْس اور عَیْن ہے، نَفْس اور عَیْن، یہ مفرد، تثنیہ، جمع سب کی تاکید کے لیے آتے ہیں۔ یہ مفرد، تثنیہ، جمع، مذکر، مؤنث سب کی تاکید کے لیے آتے ہیں۔ اور کیسے لائیں گے؟ تو انہوں نے بتایا کہ مفرد کے لیے مفرد لائیں گے، ساتھ ضمیر بھی مفرد کی لائیں گے جو اسی متبوع کو لوٹے گی جس کی یہ تاکید ہیں۔ جَاءَنِي زَيْدٌ نَفْسُهُ، تو یہ نَفْسُهُ کس کی تاکید؟ زید کی، تو نَفْسُهُ کی ہَا ضمیر بھی کس کو لوٹ رہی ہے؟ زید کو۔ توجہ ہے؟ تو کہتے ہیں یہ جو نَفْس اور عَیْن ہیں، یہ مفرد، تثنیہ، جمع، مذکر، مؤنث سب کی تاکید کے لیے آئیں گے، اور ان کے استعمال کا طریقہ یہ ہے کہ مفرد کے لیے نَفْس اور عَیْن کے لفظ کو بھی مفرد رکھو، اور ساتھ ضمیر جوڑ دو جو لوٹ رہی ہو اس متبوع کی طرف۔ اگر وہ مذکر ہے تو مذکر کی ضمیر جوڑو، اگر وہ مؤنث ہے تو مؤنث کی ضمیر جوڑو۔ جَاءَنِي زَيْدٌ نَفْسُهُ یہ مذکر کی ضمیر ہے، جَاءَتْ هِنْدٌ نَفْسُهَا یہ ہَا ضمیر دیکھو مؤنث کی ہے جو ہند کو راجع ہے۔ توجہ ہے؟ اور اگر تثنیہ ہو تو پھر صیغہ بھی تثنیہ کا لاؤ اور ضمیر بھی تثنیہ کی لاؤ: جَاءَنِي زَيْدٌ وَعَمْرٌو نَفْسَاهُمَا، نفس کا لفظ تثنیہ لے آؤ کیا بن گیا؟ نَفْسَانِ، اور ضمیر بھی تثنیہ کی لے آؤ هُمَا، اور اس کی طرف اضافت کرو نَفْسَانِ کی، تو نون اضافت سے گر جائے گا کیا بن جائے گا؟ نَفْسَاهُمَا۔ جَاءَنِي زَيْدٌ وَعَمْرٌو نَفْسَاهُمَا یا عَيْنَاهُمَا۔ توجہ ہے؟ لیکن یاد رکھنا آپ کو بتائیں گے کہ عربی زبان کے اندر تثنیہ کی اضافت تثنیہ کی طرف پسندیدہ نہیں۔ عربی زبان میں تثنیہ کی اضافت تثنیہ کی طرف پسندیدہ نہیں، لہٰذا اس صورت میں پہلے لفظ کو جمع سے بدل دیا جاتا ہے۔ تو نَفْسَاهُمَا نہ کہو أَنْفُسُهُمَا کہو، نفس کی جمع لے آؤ أَنْفُس اور ضمیر اسی طرح تثنیہ رکھو أَنْفُسُهُمَا: جَاءَنِي زَيْدٌ وَعَمْرٌو أَنْفُسُهُمَا، میرے پاس زید اور عمرو دونوں خود آئے۔ توجہ ہے؟ تو نَفْسَاهُمَا یا عَيْنَاهُمَا نہیں کہیں گے بلکہ کیا کہیں گے؟ أَنْفُسُهُمَا۔ کیوں؟ کیونکہ عربی میں تثنیہ کی اضافت تثنیہ کی طرف پسندیدہ نہیں، لہٰذا پہلے لفظ کو کس سے بدل دیں گے؟ جمع کے ساتھ، جیسے قرآن میں اللہ فرماتے ہیں: وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ چوری کرنے والا مرد اور چوری کرنے والی عورت فَاقْطَعُوا أَيْدِيَهُمَا، أَيْدِي کی اضافت ہو رہی ہے هُمَا ضمیر کی طرف، چوری کرنے والا مرد اور عورت یہ دیکھو دو کا ذکر ہے پیچھے، تو هُمَا ضمیر تثنیہ آئی، تو ہونا تو یوں چاہیے تھا فَاقْطَعُوا يَدَيْهِمَا، ان دونوں کے ہاتھ، تو يَدَيْنِ تثنیہ آنا چاہیے لیکن يَد کی جمع لے آئی گئی أَيْدِيَهُمَا۔ تو کیونکہ عربی میں تثنیہ کی اضافت تثنیہ کی طرف پسندیدہ نہیں، تو أَنْفُسُهُمَا کہیں گے۔ اور جمع میں؟ صیغہ بھی جمع کا لاؤ اور ضمیر بھی جمع کی لاؤ۔ تو مذکر میں کہیں گے کیسے؟ جَاءَنِي زَيْدٌ وَعَمْرٌو وَخَالِدٌ أَنْفُسُهُمْ، میرے پاس زید، عمرو، خالد خود آئے۔ اور مؤنث کے لیے هُنَّ کی ضمیر لائیں گے: جَاءَتْ هِنْدٌ وَزَيْنَبُ وَرُقَيَّةُ أَنْفُسُهُنَّ۔ اور دیکھو ایک اور بات کا خیال رکھنا: یہ تاکید میں فاعل کی لا رہا ہوں جتنی میں نے مثالیں ذکر کیں، اور آپ نے پڑھا ہے مؤکد تاکید کا اعراب ایک ہوتا ہے، تو فاعل مرفوع تھا تو تاکید بھی مرفوع ہے، اسی لیے میں نے نَفْسُهُ، نَفْسُهَا، أَنْفُسُهُمَا اور أَنْفُسُهُمْ سب میں میں رفع پڑھ رہا ہوں۔ اگر منصوب ہو گا تو پھر اسی کے مطابق اعراب پڑھیں گے کیونکہ تاکید پر وہی اعراب آنا چاہیے جو مؤکد پر ہوتا ہے: ضَرَبْتُ زَيْدًا نَفْسَهُ، ضَرَبْتُ زَيْدًا نَفْسَهُ اب زَيْدًا منصوب ہے تو نَفْسَهُ بھی منصوب ہے۔ یا مَرَرْتُ بِزَيْدٍ نَفْسِهِ۔ بات سمجھ میں آگئی۔ تو یہ عَیْن اور نَفْس یہ مفرد، تثنیہ، جمع، مذکر، مؤنث سب کے لیے

آئیں گے اور ان میں صیغہ بھی بدلے گا اور ضمیر بھی بدلے گی، اور ضمیر کس کو لوٹے گی؟ اس متبوع کو جس کی تاکید لائی گئی ہے۔

جبکہ كِلَا اور كِلْتَا، یاد رکھو یہ تثنیہ کے لیے ہیں۔ مذکر کے لیے كِلَاهُمَا اور مؤنث کے لیے كِلْتَاهُمَا: جَاءَنِي زَيْدٌ وَعَمْرٌو كِلَاهُمَا، یا جَاءَتْنِي هِنْدٌ وَزَيْنَبُ كِلْتَاهُمَا۔

جبکہ باقی لفظ جو ہیں: كُلٌّ، أَجْمَعُ، أَكْتَعُ، أَبْتَعُ، أَبْصَعُ، یہ مفرد کے لیے بھی آئیں گے اور جمع کے لیے بھی آئیں گے، یہ تثنیہ کے لیے نہیں آئیں گے۔ یہ تثنیہ کے لیے نہیں آئیں گے، مفرد کے لیے بھی اور جمع کے لیے بھی آئیں گے۔ اب ان کے استعمال کا کیا طریقہ ہے؟ تو یاد رکھو كُلٌّ اس کے ساتھ ضمیر جوڑیں گے، اور كُلّ کے لفظ میں کوئی تبدیلی نہیں ہوگی، ہاں ضمیر بدلے گی، مفرد کے لیے مفرد، مذکر کے لیے مذکر، مؤنث کے لیے مؤنث، اور جمع کے لیے جمع لائیں گے۔ مثلاً: اشْتَرَيْتُ الْعَبْدَ كُلَّهُ، اشْتَرَيْتُ الْعَبْدَ یہ منصوب ہے تو كُلَّهُ یہ تاکید بھی منصوب، اور یہ كُلَّهُ کی ہَا ضمیر کس کو راجع؟ عَبْد کو جس کی یہ تاکید ہے۔ یا اشْتَرَيْتُ الْجَارِيَةَ كُلَّهَا میں نے پوری باندی خرید لی، اشْتَرَيْتُ الْعَبْدَ كُلَّهُ میں نے پورا غلام خرید لیا، یا اشْتَرَيْتُ الْجَارِيَةَ كُلَّهَا، دیکھو یہاں ضمیر بدل گئی مؤنث کے لیے، مفرد ہے مفرد ہی، میں نے پوری باندی خرید لی، دیکھو باندی کو نصف بھی خریدا جا سکتا ہے، پورا بھی خریدا جا سکتا ہے۔ اسی طرح جَاءَنِي الْقَوْمُ كُلُّهُمْ دیکھو یہ جمع کی تاکید ہے، یا جَاءَنِي الْقَوْمُ أَجْمَعُونَ أَكْتَعُونَ أَبْتَعُونَ أَبْصَعُونَ۔ جی، آگے صاحبِ جامی اور بھی تفصیل بیان کریں گے۔

دیکھیے بھئی۔ دیکھیے اس کو سارے متن شرح سمیت اس کو دیکھیے۔ کہتے ہیں: فَالْأَوَّلَانِ أَيِ النَّفْسُ وَالْعَيْنُ، پہلے دو جو ہیں یعنی نَفْس اور عَيْن جو ہیں يَعُمَّانِ یہ دونوں عام ہیں، أَيْ يَقَعَانِ عَلَى الْوَاحِدِ وَالْمُثَنَّى وَالْمَجْمُوعِ وَالْمُذَكَّرِ وَالْمُؤَنَّثِ، یعنی یہ واقع ہوتے ہیں واحد پر بھی، تثنیہ پر بھی، جمع پر بھی، مذکر پر بھی اور مؤنث پر بھی، یعنی ان سب کے لیے یہ بطورِ تاکید کے آتے ہیں۔ بِاخْتِلَافِ صِيغَتِهِمَا، میں نے کیا بتلایا تھا؟ صیغہ بھی بدلے گا اور ضمیر بھی بدلے گی۔ تو کہتے ہیں بِاخْتِلَافِ صِيغَتِهِمَا إِفْرَادًا وَتَثْنِيَةً وَجَمْعًا وَاخْتِلَافِ ضَمِيرِهِمَا، ان دونوں کے صیغے کے بدلنے کے ساتھ إِفْرَادًا وَتَثْنِيَةً وَجَمْعًا باعتبار مفرد اور تثنیہ اور جمع ہونے کے، یعنی جس کے لیے آئے ہیں اسی کے مطابق صیغہ آئے گا، وَاخْتِلَافِ ضَمِيرِهِمَا اور نیز ضمیر کے اختلاف کے ساتھ یعنی ضمیر بھی بدلے گی، الْعَائِدِ إِلَى الْمَتْبُوعِ الْمُؤَكَّدِ وہ ضمیر جو لوٹ رہی ہے اس متبوع کی طرف الْمُؤَكَّدِ جس کی تاکید لائی گئی ہے۔ تَقُولُ آپ کہتے ہیں: نَفْسُهُ فِي الْمُذَكَّرِ الْوَاحِدِ واحد مذکر میں، نَفْسُهَا فِي الْمُؤَنَّثِ الْوَاحِدَةِ مؤنث واحدہ میں، أَنْفُسُهُمَا دیکھو أَنْفُسُهُمَا ضمیر تثنیہ کی ہے لیکن أَنْفُس کیا لائے؟ جمع۔ یاد رکھو یہ سب اسی طرح عَيْن میں بھی ہے: عَيْنُهُ، عَيْنُهَا، أَعْيُنُهُمَا، اور أَعْيُنُهُمْ اور أَعْيُنُهُنَّ۔ توجہ ہے؟ تو کہتے ہیں أَنْفُسُهُمَا بِإِيرَادِ صِيغَةِ الْجَمْعِ فِي تَثْنِيَةِ الْمُذَكَّرِ وَالْمُؤَنَّثِ، جمع کا صیغہ لاتے ہوئے تثنیہ مذکر میں اور مؤنث میں، تثنیہ مذکر اور مؤنث دونوں میں کیا لائیں گے؟ جمع کا صیغہ، تو یہ معنی ہے بِإِيرَادِ صِيغَةِ الْجَمْعِ فِي تَثْنِيَةِ الْمُذَكَّرِ وَالْمُؤَنَّثِ جمع کا صیغہ لاتے ہوئے تثنیہ مذکر اور مؤنث میں۔ وَعَنْ بَعْضِ الْعَرَبِ اور بعض عرب سے یہ بھی منقول ہے: نَفْسَاهُمَا وَعَيْنَاهُمَا، یعنی دونوں کو وہ تثنیہ ہی رکھتے ہیں، مضاف کو وہ تثنیہ اسی طرح رکھتے ہیں اس کو جمع

سے بدلتے نہیں ہیں بھئی۔ تو کہتے ہیں وَعَنْ بَعْضِ الْعَرَبِ اور بعض عرب سے جو ہے یہ بھی منقول ہے: نَفْسَاهُمَا وَعَيْنَاهُمَا۔ أَنْفُسُهُمْ فِي جَمْعِ الْمُذَكَّرِ الْعَاقِلِ اور أَنْفُسُهُمْ کہیں گے جمع مذکر عاقل میں۔ أَنْفُسُهُنَّ فِي جَمْعِ الْمُؤَنَّثِ یہ کس میں کہیں گے؟ جمع مؤنث میں، وَغَيْرِ الْعَاقِلِ مِنَ الْمُذَكَّرِ اور کس کے اندر؟ اور غیرِ عاقل کے اندر مِنَ الْمُذَكَّرِ مذکر میں سے۔ جمع مذکر ہے لیکن غیرِ عاقل ہے، جمع مذکر ہے لیکن غیرِ عاقل ہے، تو وہ بھی اس کے لیے بھی أَنْفُسُهُنَّ لا سکتے ہیں بھئی کیونکہ وہ بھی مؤنث کے حکم میں ہے۔

آگے دیکھیے۔ کہتے ہیں: وَالثَّانِي اور دوسرا جو ہے، کہتے ہیں لَمَّا سَمَّى النَّفْسَ وَالْعَيْنَ أَوَّلَيْنِ، اور جب صاحبِ کافیہ نے نفس اور عین کو اولین کہا تَغْلِيبًا كَالْقَمَرَيْنِ غلبہ دیتے ہوئے جیسے کہ قمرین ہیں، بھئی دیکھو وہ جو لفظ انہوں نے ذکر کیے تھے: نَفْسُهُ وَعَيْنُهُ وَكِلَاهُمَا وَكُلُّهُ وغیرہ، تو دیکھو اس میں نَفْسُهُ اول ہے، اول تو صرف ایک ہے، لیکن اس کے ساتھ عَيْنُهُ اس کو بھی اول کہہ دیا۔ نہیں، اس کو کہتے ہیں تغلیب: ایک کو دوسرے پر غلبہ دے کر دوسرے کو بھی وہی نام دے دیا۔ تو اول تو صرف پہلا تھا لیکن دوسرے کو بھی اول کہہ دیا، تو گویا دو اول ہو گئے تو اسی لیے کہا فَالْأَوَّلَانِ۔ اور جیسے شمس و قمر، سورج اور چاند، ان کو قمرین کہہ دیتے ہیں۔ کیا کہتے ہیں؟ قمرین۔ دیکھو یہاں قمر کو غلبہ دے دیا شمس پر اور اس شمس کو بھی ایک قمر قرار دے کر، تو دو قمر ہو گئے تو تثنیہ لے آئے قمرین۔ یا جیسے والدین، ایک والد ہے ایک والدہ ہے لیکن والدہ کو بھی والد ہی قرار دے دیا، تو دو والد ہوئے تو والدین۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو یہ بھی تغلیب کے قبیل سے ہے یہ جو اولین دونوں کو کہا بھئی، جیسے قمرین کس باب سے ہے؟ تغلیب کے باب سے، ایک کو دوسرے پر غلبہ دے دیا جاتا ہے، دوسرے کو بھی اسی کی جنس سے قرار دے دیا جاتا ہے۔ تو کہتے ہیں دوبارہ دیکھیے: وَالثَّانِي اور دوسرا جو ہے، کہتے ہیں لَمَّا سَمَّى النَّفْسَ وَالْعَيْنَ أَوَّلَيْنِ جب صاحبِ کافیہ نے نفس اور عین کو اولین قرار دیا تَغْلِيبًا كَالْقَمَرَيْنِ غلبہ دیتے ہوئے جیسے کہ قمرین ہے، تو سَمَّى الثَّالِثَ ثَانِيًا تو ثالث کو ثانی کہا۔ كِلَاهُمَا کیا تھا؟ ثالث، تیسرے نمبر پر تھا لیکن چونکہ پہلے دو کو اولین کہا تھا تو اب ثالث کو ثانی کہہ دیا۔ تو کہتے ہیں دوسرا جو ہے لِلْمُثَنَّى کس کے لیے آئے گا؟ تثنیہ کے لیے، كِلَاهُمَا لِلْمُذَكَّرِ كِلَاهُمَا مذکر کے لیے آئے گا، وَكِلْتَاهُمَا لِلْمُؤَنَّثِ اور كِلْتَاهُمَا مؤنث کے لیے آئے گا۔

وَالْبَاقِي بَعْدَ الثَّلَاثَةِ الْمَذْكُورَةِ لِغَيْرِ الْمُثَنَّى، اور مذکورہ تین کے بعد جو باقی ہیں وہ غیرِ تثنیہ کے لیے ہیں، مُفْرَدًا كَانَ أَوْ جَمْعًا وہ مفرد ہو یا جمع ہو، بِاخْتِلَافِ الضَّمِيرِ الْعَائِدِ إِلَى الْمَتْبُوعِ الْمُؤَكَّدِ فِي كُلِّهِ۔ اب بتلا رہے ہیں بھئی كُلُّهُ کے اندر صرف ضمیر بدلے گی صیغہ نہیں بدلے گا، یہی بیان کر رہے ہیں: بِاخْتِلَافِ الضَّمِيرِ الْعَائِدِ اس ضمیر کے اختلاف کے ساتھ، اس ضمیر کو بدلتے ہوئے، الْعَائِدِ إِلَى الْمَتْبُوعِ جو لوٹ رہی ہے اس متبوع کی طرف الْمُؤَكَّدِ جس کی تاکید لائی گئی ہے، فِي كُلِّهِ کس کے اندر؟ كُلُّهُ کے اندر۔ نَحْوُ مثال کے طور پر قَرَأْتُ الْكِتَابَ كُلَّهُ میں نے ساری کتاب پڑھ لی۔ وَكُلَّهَا نَحْوُ قَرَأْتُ الصَّحِيفَةَ كُلَّهَا، صحیفہ کہتے ہیں لکھا ہوا کاغذ، صحیفہ کسے کہتے ہیں؟ لکھا ہوا کاغذ، یا اسی طرح جو لکھا ہوا مضمون ہے اس کو بھی صحیفہ کہہ دیتے

ہیں۔ تو قَرَأْتُ الصَّحِيفَةَ كُلَّهَا میں نے وہ صحیفہ سارا کا سارا پڑھ لیا، تو صحیفہ مؤنث تھا تو كُلَّهَا کے ساتھ ضمیر بھی کون سی لائے؟ مؤنث والی۔ وَكُلِّهِمْ اور جیسے كُلِّهِمْ ہے، نَحْوُ اشْتَرَيْتُ الْعَبِيدَ كُلَّهُمْ، عَبِيد جمع ہے عَبْد کی، میں نے سارے غلام خرید لیے۔ وَكُلِّهِنَّ نَحْوُ طَلَّقْتُ النِّسَاءَ كُلَّهُنَّ، میں نے طلاق دے دی النِّسَاءَ ان عورتوں کو كُلَّهُنَّ سب کے سب کو، میں نے ان سب عورتوں کو طلاق دے دی۔ تو دیکھو صرف ضمیریں بدل رہی ہیں اور نیز مفرد کے لیے آئیں گے اور جمع کے لیے۔

وَبِاخْتِلَافِ الصِّيَغِ فِي الْكَلِمَاتِ الْبَوَاقِي، اور صیغوں کا اختلاف ہو گا باقی کلمات میں، باقی کلمات میں یعنی أَجْمَعُ، أَكْتَعُ، أَبْتَعُ، أَبْصَعُ، ان میں صیغے بدلیں گے کیونکہ ان کے ساتھ تو کوئی ضمیر جڑی ہوئی نہیں ہے۔ تو کہتے ہیں وَبِاخْتِلَافِ الصِّيَغِ فِي الْكَلِمَاتِ الْبَوَاقِي اور باقی کلمات کے اندر صیغوں کے اختلاف کے ساتھ، وَهِيَ اور وہ یہ ہیں: أَجْمَعُ، وَأَكْتَعُ، وَأَبْتَعُ، وَأَبْصَعُ بِالْمُهْمَلَةِ أَوِ الْمُعْجَمَةِ یعنی یہ أَبْصَعُ بھی ہے اور أَبْضَعُ بھی بعضوں نے کہا ہے۔ تَقُولُ آپ کہتے ہیں: أَجْمَعُ فِي الْمُذَكَّرِ الْوَاحِدِ، مذکر واحد میں کیا کہیں گے؟ أَجْمَعُ۔ أَجْمَعُ جیسے آپ کہتے ہیں: اشْتَرَيْتُ الْعَبْدَ أَجْمَعَ، اشْتَرَيْتُ الْعَبْدَ أَجْمَعَ میں نے پورا غلام خرید لیا۔ تو یہ معنی ہے أَيْ أَجْمَعُ فِي الْمُذَكَّرِ الْوَاحِدِ۔ وَجَمْعَاءَ فِي الْمُؤَنَّثِ الْوَاحِدَةِ، اور جَمْعَاءُ کہیں گے کس کے اندر؟ مؤنثِ واحدہ کے اندر، مؤنثِ واحدہ کے اندر، أَوِ الْجَمْعِ یا جمع کے اندر بھی آپ جَمْعَاءُ کہیں گے بِتَأْوِيلِ الْجَمَاعَةِ کس تاویل میں؟ جماعت کی تاویل میں۔ میں نے بتایا تھا کہ جمع بتاویلِ جَمَاعَةٌ واحد مؤنث کے حکم میں ہوتی ہے۔ سوائے جمع مذکر سالم کے۔ جمع مذکر سالم وہ واحد مؤنث کے حکم میں نہیں ہے کیونکہ مثلاً مُسْلِمُونَ اس میں واو آرہا ہے جو جمع مذکر کی علامت ہے، لہٰذا اس کی طرف آپ هِيَ ضمیر نہیں لوٹا سکتے۔ باقی جمعیں جو ہیں ان کی طرف آپ هِيَ ضمیر لوٹا سکتے ہیں، هُمْ ضمیر بھی اگر مذکر ہے، یا هُنَّ ضمیر اگر مؤنث ہے، یا هِيَ ضمیر بھی لوٹا سکتے ہیں۔ جی، تو أَجْمَعُ کی مؤنث کیا؟ جَمْعَاءُ بھئی، یہ کس کے لیے آئے گا؟ فِي الْمُؤَنَّثِ الْوَاحِدَةِ أَوِ الْجَمْعِ بِتَأْوِيلِ الْجَمَاعَةِ، واحد مؤنث میں بھی آئے گا اور جمع کے اندر بھی کہ وہ جمع بتاویلِ جَمَاعَةٌ واحد مؤنث کے حکم میں ہے۔ مثلاً میں کہتا ہوں: اشْتَرَيْتُ الْجَارِيَةَ جَمْعَاءَ، اشْتَرَيْتُ الْجَارِيَةَ جَمْعَاءَ میں نے اس پوری باندی کو خرید لیا۔ بات سمجھ میں آگئی۔

آگے دیکھیے: وَأَجْمَعُونَ فِي جَمْعِ الْمُذَكَّرِ، اور أَجْمَعُونَ کہیں گے جمع مذکر میں: جَاءَنِي الْقَوْمُ أَجْمَعُونَ، جَاءَنِي الْقَوْمُ أَجْمَعُونَ۔ وَجُمَعُ فِي جَمْعِ الْمُؤَنَّثِ، اور جمع مؤنث میں جُمَعُ کہیں گے۔ مثلاً: جَاءَتْنِي النِّسْوَةُ جُمَعُ، اَلنِّسْوَةُ کوئی خاص عورتیں مراد ہیں تو میں کہتا ہوں جَاءَتْنِي النِّسْوَةُ جُمَعُ میرے پاس وہ سب عورتیں آئیں۔ مثلاً وہ آٹھ عورتیں ہیں، تو اگر میں کہوں جَاءَتْنِي النِّسْوَةُ میرے پاس وہ عورتیں آئیں اب پتا نہیں کتنی آئیں، لیکن آگے جب میں کہہ دوں گا جُمَعُ، کیا معنی؟ اکٹھی آئیں یعنی ساری آئیں۔ بات سمجھ میں آگئی۔ تو کہتے ہیں وَجُمَعُ فِي جَمْعِ الْمُؤَنَّثِ اور جُمَعُ کہیں گے جمع مؤنث میں۔ تو دیکھو یہ مفرد کے لیے بھی آتے ہیں، جمع کے لیے بھی۔ مفرد، مفرد مذکر بھی ہو سکتا ہے مؤنث بھی، تو دونوں بتلا دیے: أَجْمَعُ بھی اور جَمْعَاءُ بھی۔ اور نیز جمع کے لیے آئیں گے، وہ جمع مذکر بھی ہو سکتا ہے مؤنث بھی: مذکر ہو تو أَجْمَعُونَ، مؤنث ہو تو جُمَعُ۔

وَكَذَا، اور اسی طرح: أَكْتَعُ، كَتْعَاءُ، أَكْتَعُونَ، كُتَعُ، ترتیب سے وہی بیان کر دیے۔ أَكْتَعُ واحد مذکر کے لیے، كَتْعَاءُ واحد مؤنث کے لیے، أَكْتَعُونَ جمع مذکر کے لیے، اور كُتَعُ جمع مؤنث کے لیے۔ یہی ترتیب اگلوں میں بھی ہے: وَأَبْتَعُ، بَتْعَاءُ، أَبْتَعُونَ، بُتَعُ، وَأَبْصَعُ، بَصْعَاءُ، أَبْصَعُونَ، بُصَعُ۔ بات سمجھ میں آگئی۔ تو یہ جو جَمْعَاءُ، اسی طرح كَتْعَاءُ، بَتْعَاءُ اور بَصْعَاءُ، یہ سب غیرِ منصرف ہیں، اس لیے ان پر تنوین نہیں آئے گی کیونکہ الفِ تانیث آرہا ہے، اور الفِ تانیث دو سببوں کے قائم مقام ہوتا ہے۔ بات سمجھ میں آگئی۔

تو حاصلِ کلام یہ، آج آپ کو صاحبِ کافیہ نے بتلایا کہ تاکید دو قسم پر ہے: ایک تاکیدِ لفظی، ایک تاکیدِ معنوی۔ تاکیدِ لفظی یہ ہے کہ اسی لفظ کو دوبارہ لایا جائے۔ تاکیدِ معنوی چند لفظوں کے ساتھ ہوتی ہے: وہ نَفْس ہے، عَيْن ہے، كُلٌّ ہے، كِلَا/كِلْتَا ہے، أَجْمَعُ، أَكْتَعُ، أَبْتَعُ، أَبْصَعُ وغیرہ یہ الفاظ ہیں۔ اور یہ پھر کس طرح آئیں گے اور کس چیز کے لیے آئیں گے؟ تو صاحبِ کافیہ نے بتلایا کہ نَفْس اور عَيْن یہ مفرد، تثنیہ، جمع، مذکر، مؤنث سب کے لیے آئیں گے، صیغہ بھی بدلے گا اور ضمیر بھی ساتھ بدلے گی اور وہ ضمیر اس متبوع کو یعنی مؤکد کو لوٹے گی۔ اور البتہ تثنیہ کے اندر، تثنیہ کی اضافت تثنیہ کی طرف پسندیدہ نہیں تو وہاں پہلا صیغہ جو ہے اس کو جمع والا صیغہ لائیں گے، آگے تثنیہ کی ضمیر رہے گی۔ جبکہ كِلَا جو ہے یہ صرف تثنیہ کے لیے آتا ہے، مذکر کے لیے كِلَاهُمَا اور مؤنث کے لیے كِلْتَاهُمَا، یہ صرف تثنیہ کی تاکید کے لیے آتا ہے۔ اور باقی لفظ جو ہیں وہ مفرد کی تاکید کے لیے بھی آتے ہیں اور جمع کے لیے بھی آتے ہیں، تثنیہ کی تاکید کے لیے نہیں آتے۔ اور پھر اس کا طریقہ بتایا کہ كُلٌّ کے اندر صرف ضمیر بدلے گی، مفرد مذکر کے لیے مفرد مذکر کی ضمیر، اور مفرد مؤنث کے لیے مؤنث کی ضمیر، اور جمع کے لیے جمع کی ضمیر مذکر ہو یا مؤنث۔ اور جبکہ أَجْمَعُ وغیرہ جو ہیں وہ صیغے بدلیں گے کیونکہ ان کے ساتھ تو کوئی ضمیر نہیں ہے: مفرد مذکر کے لیے مفرد مذکر کا صیغہ، اور مفرد مؤنث کے لیے مفرد مؤنث کا صیغہ، اور جمع مذکر کے لیے جمع مذکر کا صیغہ، اور جمع مؤنث کے لیے جمع مؤنث کا صیغہ۔ بات سمجھ میں آگئی، حل ہو گیا۔ چلیے بس بھئی۔ هَذَا هُوَ الْمَرَامُ، وَاللهُ أَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْكَلَامِ.

سبق نمبر ۲۱۲: التاکید (۳): «کُلٌّ» اور «أَجْمَعُ» سے تاکید کے لیے ذو اجزاء ہونے کی شرط

شرحِ ملا جامی صفحہ: ۱۹۳ — بتاریخ: ۱۳ اکتوبر ۲۰۲۲ء

▪ تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث

آگے سبق دیکھیے: وَلَا يُؤَكَّدُ بِكُلٍّ وَأَجْمَعَ إِلَّا ذُو أَجْزَاءٍ مُفْرَدًا كَانَ أَوْ جَمْعًا، إِذِ الْكُلِّيَّةُ وَالْإِجْتِمَاعُ لَا يَتَحَقَّقَانِ إِلَّا فِيهِ، وَلَا حَاجَةَ إِلَى ذِكْرِ الْأَفْرَادِ لِأَنَّ الْكُلِّيَّ مَا لَمْ تُلَاحَظْ أَفْرَادُهُ مُجْتَمِعَةً وَلَمْ تَصِرْ أَجْزَاءً لَا يَصِحُّ تَأْكِيدُهُ بِكُلٍّ وَأَجْمَعَ.

بھئی گزشتہ سبق میں ہم تاکید کے بارے میں پڑھ رہے تھے، اور صاحبِ کافیہ نے آپ کو بتلایا کہ تاکید دو قسم پر ہے: ایک تاکیدِ لفظی اور ایک تاکیدِ معنوی۔ تاکیدِ لفظی یہ ہے کہ اسی بعینہٖ پہلے لفظ کا تکرار کیا جائے۔ اور پھر یہ دو قسم پر ہے: کبھی یہ تکرار حقیقتاً ہو گا اور کبھی پہلے لفظ کا تکرار حکماً ہو گا۔ پہلے لفظ کا تکرار حقیقتاً ہو جیسے جَاءَنِي زَيْدٌ زَيْدٌ، تو یہ دیکھو یہ دوسرا زَيْدٌ یہ حقیقتاً پہلے لفظ کا تکرار ہے۔ اور کبھی یہ تکرار حکماً ہو گا جیسے ضَرَبْتُ أَنَا یا ضَرَبْتَ أَنْتَ یا ضَرَبَ هُوَ۔ تو یہاں دیکھو یہ جو هُوَ لایا گیا ہے یہ تو ضمیرِ منفصل ہے اور ضَرَبَ کے اندر تو ضمیرِ متصل ہے۔ تو یہ حقیقتاً تو وہی لفظ نہیں لیکن حکماً یہ وہی لفظ ہے۔ حکماً وہی لفظ ہے کیا معنی؟ حکم لگا دیا گیا کہ یہ وہی لفظ ہے۔

اور کیونکہ مجبوری ہے، وجہ یہ ہے کہ اس ضَرَبَ کے اندر هُوَ ضمیرِ متصل ہے، اور ضمیرِ متصل وہ تو متصل ہی آسکتی ہے منفصل نہیں، لہٰذا اس کے لیے فعل کو دوبارہ لانا پڑے گا۔ اور ہم تو فعل کو دوبارہ نہیں لانا چاہتے، ہم تو صرف اس ضمیر کی تاکید لانا چاہتے ہیں۔ تو اب متصل لانے کی کوئی صورت نہ ہوئی تو پھر ہم کیا لے آئے؟ منفصل۔ اور اسی طرح ضَرَبْتَ أَنْتَ، ضَرَبْتَ کے اندر یہ تَ ہے اور أَنْتَ اس کی تاکید۔ لیکن ضَرَبْتَ کی تَ یہ تو متصل ہے اور أَنْتَ منفصل ہے، تو متصل تاکید لانے کی کوئی صورت نہ تھی لہٰذا مجبوراً ہمیں کیا لانا پڑی؟ منفصل لانا پڑی۔ تو معلوم ہوا کہ تاکیدِ لفظی اس میں تکرار ہو گا لفظِ اول کا، اور کبھی یہ تکرار حقیقتاً ہو گا اور کبھی حکماً ہو گا یعنی حکم لگا دیا جائے گا۔

اور پھر بتایا تھا کہ یہ تمام الفاظ میں جاری ہوتی ہے، یہ تمام الفاظ میں۔ اب تمام الفاظ سے کیا مراد ہیں؟ اگر تمام اسم بھی مراد لے لیں، تمام افعال بھی، تمام حروف بھی، جملے بھی اور مرکباتِ ناقص وغیرہ سب مراد لے لیں کیونکہ یہ تکرار تو سب میں آتا ہے۔ تو پھر يَجْرِي کی ضمیر تاکیدِ لفظی کو نہ لوٹائیں کہ تاکیدِ لفظی تمام لفظوں میں آتی ہے اسم میں بھی، فعل میں بھی اور حرف میں بھی۔ وجہ یہ ہے کہ تاکیدِ لفظی اسم کی قسم ہے، یہ توابع کس میں سے ہیں؟ اسم کے توابع ذکر ہو رہے ہیں، وہ جو اسم ہے بھئی! فعل اور حرف کی بحث آگے آئے گی۔ تو یہ توابع اسم کی اقسام ہیں، تو معلوم ہوا تاکیدِ لفظی اور معنوی بھی ہمیشہ کس میں سے ہوگی؟ اسم میں سے ہوگی، فعل یا حرف یا جملہ وغیرہ نہیں ہو سکتے۔

تو لہٰذا اس صورت میں پھر يَجْرِي کی جو ضمیر ہے یہ پیچھے جو تکرار آیا تھا اس کی طرف لوٹائیں کہ یہ تکرار جو ہے، مطلقاً تکرار، یہ مطلقاً یہ جو تکرار ہے یہ ہر قسم کے الفاظ میں آتا ہے: اسماء میں بھی، افعال میں بھی، حروف میں بھی اور جملوں میں بھی اور مرکبِ ناقص وغیرہ میں بھی۔ اور یا پھر یوں کریں کہ يَجْرِي کی ضمیر اگر آپ تاکیدِ لفظی کو لوٹانا چاہتے ہیں تو پھر الفاظ سے سارے الفاظ یعنی اسم، فعل، حرف مراد نہ لیں، الفاظ کو خاص کر دیں اسم کے ساتھ کہ الفاظ سے اسم مراد ہے۔ تو گویا کلام یوں ہو گیا: يَجْرِي فِي الْأَسْمَاءِ كُلِّهَا کہ یہ تاکیدِ لفظی تمام اسموں میں جاری ہوتی ہے۔ اب بات ٹھیک ہو گئی۔ اب یہ تاکیدِ لفظی اسم ہی میں جاری ہوتی ہے یہ پتہ چل گیا۔ لیکن تمام الفاظ میں جاری ہوتی ہے یہ تعمیم اس میں لے کر آئے، وجہ یہ ہے کہ یہ تاکیدِ معنوی کے مقابلے میں ہے، اور تاکیدِ معنوی تو آٹھ نو لفظوں سے ہوتی ہے۔ تو اس میں بتا دیا کہ اس میں کوئی محدود الفاظ نہیں ہیں، محدود اسماء نہیں ہیں بلکہ تمام اسموں کے اندر یہ آتی ہے۔

پھر اس کے بعد انہوں نے تاکیدِ معنوی کے الفاظ آپ کو گنوائے تھے کہ نَفْسُهُ، عَيْنُهُ اور اسی طرح كِلَا اور كِلْتَا ہیں، اور اسی طرح كُلٌّ ہے، أَجْمَعُ، أَكْتَعُ، أَبْتَعُ، أَبْصَعُ یہ الفاظ ہیں۔ اور یہ أَبْصَعُ کے اندر بتلایا بعض کہتے ہیں أَبْضَعُ ہے ضاد کے ساتھ ہے۔ لیکن زیادہ راجح یہی ہے یہ صاد کے ساتھ ہے۔ اور پھر یہ بھی بتلایا تھا کہ یہ اکیلے استعمال، بعض کہتے ہیں اکیلے ان کا کوئی معنی ہی نہیں ہے۔ یہ مہمل ہیں جیسے حَسَنٌ بَسَنٌ، جیسے شَيْطَانٌ لَيْطَانٌ، جیسے جَائِعٌ نَائِعٌ، یا جیسے اردو میں ہے کھانا وانا، یہ وانا کیا ہے؟ یہ مہمل ہے، یا چائے شائے یا پانی وانی۔ تو لہٰذا اکیلے ان کا کوئی معنی نہیں۔ جبکہ بعضوں نے کہا ہے کہ یہ أَكْتَعُ جو ہے یہ حَوْلٌ كَتِيعٌ سے مشتق ہے اور اس کا معنی ہے پورا سال، تو أَكْتَعُ کے اندر بھی پورا ہونے کا معنی آگیا کہ یہ بھی پورے افراد کا احاطہ کر لیتا ہے۔ جبکہ أَبْصَعُ جو ہے وہ اگر صاد کے ساتھ ہو تو بَصَعَ يَبْصَعُ کا معنی ہے پسینے کا بہنا، اور اگر یہ ضاد کے ساتھ ہے تو بَضَعَ يَبْضَعُ کا معنی ہے سیراب ہونا۔ تو ان کی بھی دور پار کی مناسبت ذکر کی ہے علماء نے۔ بَصَعَ الْعَرَقُ کا معنی ہے پسینہ بہنا، اور بہتی وہ چیز ہے جو کثیر ہو، اور تمام افراد بھی کیا ہوتے ہیں؟ کثیر ہوتے ہیں۔ تو گویا اس کے اندر بہنے میں کثرت والا معنی آگیا اور تمام افراد میں بھی کثرت والا معنی ہے تو دونوں میں دیکھو مناسبت آگئی: ایک اس کا لغوی معنی اور ایک اس کا تاکیدی معنی۔

اسی طرح اگر یہ بَضَعَ یَبْضَعُ سے ہو تو اس کا معنی ہے سیراب ہونا۔ تو بھی اس کی مناسبت، اس لغوی معنی کی مناسبت ہے معنیِ تاکیدی کے ساتھ۔ کس طرح؟ کہ سیراب جب انسان ہو جاتا ہے، پیاس بجھ جاتی ہے تو اس کو اور پانی پینے کی حاجت نہیں رہتی۔ اسی طرح جب تمام افراد کے لیے یہ أَبْضَعُ آگیا، تمام افراد پر حکم لگ گیا تو اور کسی فرد پر اب حکم لگانے کی حاجت نہیں ہے کیونکہ سب پر حکم لگ چکا ہے۔ اور اسی طرح أَبْتَعُ جو ہے کہتے ہیں یہ بَتَعٌ سے ماخوذ ہے۔ بَتِعَ یَبْتَعُ بَتَعًا کا معنی ہے گردن کا لمبا اور مضبوط ہونا۔ گردن کا لمبا اور مضبوط ہونا۔ تو دیکھو گردن کے لمبا اور مضبوط ہونے میں شدت اور سختی والا معنی آگیا، اور تمام افراد جو ہیں ان کا احاطہ کر لینا اس میں بھی کیا ہے؟ شدت اور سختی ہے کہ کوئی فرد باہر نہ رہا۔ تو دیکھو یہ مناسبتیں ہیں، دور دور کی کچھ مناسبتیں ان کے تاکیدی معنی کے ساتھ پائی جا رہی ہیں۔

پھر ان کا استعمال کس طرح کرنا ہے اور کس کس کے لیے کون سا لفظ استعمال ہو گا؟ تو صاحبِ کافیہ نے بتلایا تھا کہ پہلے دو جو لفظ ہیں یعنی نَفْسٌ اور عَیْنٌ، یہ مفرد کے لیے بھی آئیں گے، تثنیہ کے لیے بھی، جمع کے لیے بھی، مذکر کے لیے بھی اور مؤنث کے لیے بھی۔ اور جس کی بھی آپ تاکید بنانا چاہتے ہیں اسی کی ضمیر اس کے ساتھ جوڑنا پڑے گی۔ نَفْسُہٗ، یہ ہٗ ضمیر اسی مؤکَّد کو یعنی ماقبل کے متبوع کو لوٹے گی۔ تو اگر وہ مفرد مذکر ہے تو نَفْسُہٗ: جَاءَنِي زَیْدٌ نَفْسُہٗ۔ اور اگر وہ مؤنث ہے تو جَاءَتْ ھِنْدٌ نَفْسُھَا، اب مؤنث کی ضمیر جوڑ دی۔ اور اگر تثنیہ ہے تو پھر تثنیہ ضمیر بھی تثنیہ کی اور لفظ بھی تثنیہ کا۔ ضمیر تثنیہ کی کیا؟ مثلاً ھُمَا، اور نَفْسٌ اور عَیْنٌ کو بھی تثنیہ بنا لیں: نَفْسَانِ اور عَیْنَانِ، اور پھر ان کی اضافت کر دیں ھُمَا ضمیر کی طرف، تو تثنیہ کا نون اضافت سے گر جاتا ہے، تو نَفْسَاھُمَا اور عَیْنَاھُمَا ہو گئے۔ تو بعض عرب اسی طرح بولتے ہیں لیکن عام عرب جو ہیں ان کے ہاں تثنیہ کی اضافت تثنیہ کی طرف پسندیدہ نہیں، تو وہ پہلے صیغے کو جمع سے بدل دیتے ہیں۔ نَفْسَاھُمَا، اس نَفْسَا کو جمع أَنْفُسٌ سے بدل دیتے ہیں: أَنْفُسُھُمَا اور أَعْیُنُھُمَا۔ جَاءَنِي زَیْدٌ وَعَمْرٌو أَنْفُسُھُمَا، جَاءَنِي زَیْدٌ وَعَمْرٌو أَعْیُنُھُمَا۔ طریقہ سمجھ میں آرہا ہے؟ تو یہاں تثنیہ کی اضافت تثنیہ کی طرف ناپسندیدہ تھی اس لیے پہلے لفظ کو جمع سے بدل دیا گیا۔ جیسے قرآن میں بھی آیا ہے: السَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوا أَیْدِیَھُمَا، ورنہ ہونا تو کیا چاہیے تھا؟ ھُمَا ضمیر ہے تو یَدَيْ، یَدَیْنِ تثنیہ یَدٌ کی تثنیہ آنی چاہیے تھی یَدَیْھِمَا، لیکن قرآن میں کیا آیا ہے؟ أَیْدِیَھُمَا۔ لیکن بعض عرب اسی طرح بول دیتے ہیں، تثنیہ کی اضافت تثنیہ کی طرف کر دیتے ہیں۔ اور جمع کے لیے صیغہ بھی جمع کا آئے گا اور ضمیر بھی جمع کی آئے گی۔ اگر مذکر ہو تو أَنْفُسُھُمْ کہیں گے: جَاءَنِي زَیْدٌ وَعَمْرٌو وَبَکْرٌ أَنْفُسُھُمْ۔ اور اگر مؤنث ہو تو پھر ساتھ ھُنَّ ضمیر جوڑیں گے اور صیغہ جمع کا لائیں گے: جَاءَتْنِي ھِنْدٌ وَزَیْنَبُ وَرُقَیَّةُ أَنْفُسُھُنَّ۔

اور جبکہ کِلَا اور کِلْتَا یہ تثنیہ کے لیے آتے ہیں، مذکر کے لیے کِلَاھُمَا اور مؤنث کے لیے کِلْتَاھُمَا آئے گا: جَاءَنِي زَیْدٌ وَعَمْرٌو کِلَاھُمَا، جَاءَتْنِي ھِنْدٌ وَزَیْنَبُ کِلْتَاھُمَا۔ اور جبکہ باقی الفاظ کُلٌّ اور أَجْمَعُ، أَبْتَعُ، أَکْتَعُ، أَبْصَعُ وغیرہ، ان کے اندر کہتے ہیں وہ صرف مفرد اور جمع کے لیے استعمال ہوتے ہیں، تثنیہ کے لیے استعمال نہیں ہوتے۔ تو پھر ان کے استعمال کا کیا طریقہ؟ بتلایا کہ کُلٌّ کے ساتھ صرف ضمیر بدلے گی۔ مفرد کے لیے مفرد کی ضمیر رہے گی، البتہ مذکر کے لیے وہ مذکر ہو گی اور مؤنث کے لیے

مؤنث۔ اسی طرح جمع کے لیے جمع کی ضمیر آئے گی، البتہ مذکر کے لیے جمع مذکر اور مؤنث کے لیے جمع مؤنث کی ضمیر رہے گی۔ مثلاً اِشْتَرَيْتُ الْعَبْدَ كُلَّهُ، اور اِشْتَرَيْتُ الْجَارِيَةَ كُلَّهَا، اور یہ تو مفرد تھے۔ اور جمع کے لیے: اِشْتَرَيْتُ الْعَبِيدَ كُلَّهُمْ میں نے تمام غلام خرید لیے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ یا طَلَّقْتُ النِّسَاءَ كُلَّهُنَّ میں نے ان تمام عورتوں کو طلاق دے دی۔

جبکہ أَجْمَعُ، أَكْتَعُ، أَبْتَعُ وغیرہ جو ہیں ان کے صرف صیغے بدلیں گے کیونکہ ان کے ساتھ کوئی ضمیر جڑی ہوئی نہیں ہے۔ اور پھر یہ مفرد کے لیے مذکر ہو تو أَجْمَعُ اور مؤنث ہو تو جَمْعَاءُ۔ اور جَمْعَاءُ میں یہ الف تانیث والا ہے تو یہ غیر منصرف ہے، یہ دو سببوں کے قائم مقام ہے۔ یہ کس کے لیے آتے ہیں؟ مفرد کے لیے بھی اور جمع کے لیے بھی۔ مفرد کے لیے وہ مذکر بھی ہو سکتا ہے مؤنث بھی۔ مذکر ہو وہ مفرد تو أَجْمَعُ، مؤنث ہو تو جَمْعَاءُ۔ اور اگر تثنیہ کے لیے تو آتے نہیں ہیں، اور اگر مؤکَّد جو ہے وہ جمع ہو تو وہ یا مذکر ہو گا یا مؤنث ہو گا۔ جمع ہو تو أَجْمَعُونَ اور مؤنث ہو تو جُمَعُ، جُمَعُ۔ مثلاً میں کہتا ہوں اِشْتَرَيْتُ الْعَبْدَ أَجْمَعَ، اِشْتَرَيْتُ الْعَبْدَ أَجْمَعَ، اور اگر باندی ہو تو اِشْتَرَيْتُ الْجَارِيَةَ جَمْعَاءَ۔ بات سمجھ میں آگئی؟ اور جمع کے لیے یوں کہیں گے جَاءَنِي الْقَوْمُ أَجْمَعُونَ یا اِشْتَرَيْتُ الْعَبِيدَ أَجْمَعِينَ، اِشْتَرَيْتُ الْعَبِيدَ أَجْمَعِينَ، حالتِ نصبی میں لے گئے۔ اور مؤنث میں کہیں گے جَاءَتِ النِّسْوَةُ جُمَعُ، النِّسْوَةُ وہ عورتیں، کوئی خاص معین جماعت ان کی مراد ہے اس کی طرف اشارہ ہے، جَاءَتِ النِّسْوَةُ جُمَعُ۔ معنی سمجھ میں آگیا؟ تو یہ تو میں نے بتایا أَجْمَعُ، جَمْعَاءُ، أَجْمَعُونَ اور جُمَعُ۔ باقی بھی اسی طرح ہے، مثلاً أَكْتَعُ ہے تو یوں کہیں گے: أَكْتَعُ مذکر کے لیے، مؤنث کے لیے كَتْعَاءُ، اور جمع کے لیے أَكْتَعُونَ اور كُتَعُ۔ اور اسی طرح أَبْتَعُ ہے بھئی: أَبْتَعُ، بَتْعَاءُ، أَبْتَعُونَ، بُتَعُ۔ اور اسی طرح أَبْصَعُ ہے: أَبْصَعُ، بَصْعَاءُ، أَبْصَعُونَ اور بُصَعُ۔

اب آئیے آج کے سبق پر، دیکھیے بھئی: وَلَا يُؤَكَّدُ بِكُلٍّ وَأَجْمَعَ إِلَّا ذُو أَجْزَاءٍ مُفْرَدًا كَانَ أَوْ جَمْعًا۔ بھئی پہلے صرف متن متن دیکھ لیجیے، کہتے ہیں: وَلَا يُؤَكَّدُ بِكُلٍّ وَأَجْمَعَ إِلَّا ذُو أَجْزَاءٍ يَصِحُّ افْتِرَاقُهَا حِسًّا أَوْ حُكْمًا، مِثْلُ أَكْرَمْتُ الْقَوْمَ كُلَّهُمْ وَاشْتَرَيْتُ الْعَبْدَ كُلَّهُ، بِخِلَافِ جَاءَ زَيْدٌ كُلُّهُ۔

بھئی یاد رکھیے کہ یہ جو كُلٌّ اور أَجْمَعُ ہیں یہ تاکید کے لیے آتے ہیں آپ نے پڑھ لیا، اور یاد رکھو یہ شمول اور اجتماع کا فائدہ دیتے ہیں۔ تو یہ ہمیشہ ایسی چیز کی تاکید کے لیے آئیں گے جس کے اجزاء ہوں۔ یہ جس کے اجزاء ہوں اسی کی تاکید کے لیے آئیں گے، اور نیز وہ اجزاء بھی ایسے ہونے چاہئیں کہ حقیقتاً یا حکماً وہ ایک دوسرے سے جدا ہو سکیں۔ کیونکہ انہوں نے کس چیز کا فائدہ دینا ہے كُلٌّ اور أَجْمَعُ نے؟ اجتماع اور شمول کا۔ اور اجتماع اور شمول وہیں ہو سکتا ہے جہاں ایک چیز کے اجزاء ہوں، اجزاء ہوں گے تو شمول ہو گا کہ سارے اجزاء آگئے۔ اور وہ اجزاء بھی کیسے ہوں؟ ایک دوسرے سے جدا ہو سکیں۔ اگر وہ ایک دوسرے سے جدا ہی نہیں ہو سکتے تو پھر شمول کا کیا معنی؟ اجتماع کا کیا معنی؟ مثلاً میں کہتا ہوں جَاءَنِي زَيْدٌ زَيْدٌ، زید میرے پاس آیا۔ اب میں اس کی تاکید كُلُّهُ کے ساتھ لانا چاہتا ہوں: جَاءَنِي زَيْدٌ كُلُّهُ، میرے پاس پورا کا پورا زید آیا۔ دیکھو اب یہاں آپ كُلُّهُ کو تاکید نہیں بنا سکتے کیونکہ زید اگرچہ اس کے اجزاء ہیں لیکن یہ اجزاء ایک دوسرے سے جدا نہیں ہو سکتے۔ کیا دیکھو مجیئت کا ذکر ہو رہا ہے، کیا مجیئت میں ایسا ہو سکتا ہے کہ صرف زید کا سر آپ کے پاس آجائے

باقی اجزاء نہ آئیں؟ یا صرف ہاتھ آجائے یا صرف پاؤں آجائے؟ تو دیکھو مجیئت کے اندر زید کے اجزاء جدا نہیں ہو سکتے، لہٰذا یہاں کُلٌّ اور أَجْمَعُ کے ساتھ تاکید لانا بھی صحیح نہیں۔ یا آپ کہتے ہیں: جَاءَنِي الْغُلَامُ كُلُّهُ میرے پاس وہ غلام پورا کا پورا آیا۔ نہیں بھئی، مجیئت کے اندر اجزاء جدا نہیں ہو سکتے۔ تو کُلٌّ اور أَجْمَعُ تو ہمیشہ کس کی تاکید کے لیے آتے ہیں؟ ایسی چیزوں کی تاکید جس کے اجزاء ہوں اور وہ اجزاء ایک دوسرے سے جدا بھی ہو سکیں۔ زید اور غلام کے اجزاء تو ہیں لیکن جدا نہیں ہو سکتے مجیئت کے اندر۔

ہاں اگر اجزاء ہوں اور وہ جدا بھی ہو سکتے ہیں پھر کُلٌّ اور أَجْمَعُ کے ساتھ تاکید لانا صحیح ہے۔ جیسے الْقَوْمُ، مثلاً الْقَوْمُ سے آٹھ افراد کی میں ایک جماعت مراد لیتا ہوں۔ وہ الْقَوْمُ، وہ لوگ بھئی، اب دیکھو اس الْقَوْمُ کے اجزاء ہیں، افراد ہیں وہ آٹھ افراد، اور ان کا حساً ایک دوسرے سے علیحدہ ہونا ممکن ہے کہ دو آئیں یا چار آئیں یا پانچ آجائیں۔ تو دیکھو الْقَوْمُ ایسا لفظ ہے جس کے افراد یعنی اجزاء ہیں، اور وہ اجزاء حساً ایک دوسرے سے جدا ہو سکتے ہیں۔ حساً کا معنی جو آنکھوں سے نظر آئے۔ مثلاً میرے پاس صرف چار آجاتے ہیں باقی چار نہیں آتے تو دیکھو جدائی آگئی افراد کے اندر۔

یا بعض اوقات حقیقتاً یعنی آنکھوں سے نظر نہیں آتے لیکن حکم لگا دیا جاتا ہے اجزاء کے جدا ہونے کا۔ مثلاً آپ کہتے ہیں: اِشْتَرَيْتُ الْغُلَامَ یا اِشْتَرَيْتُ الْعَبْدَ كُلَّهُ میں نے پورا غلام خرید لیا۔ اب دیکھو خریدنے کے اندر غلام کے اجزاء ہو سکتے ہیں کہ آپ نصف غلام خرید لیں یا ثلث خرید لیں۔ جی۔ مثلاً آپ نے نصف غلام خرید لیا۔ اب نصف کے مالک آپ ہیں، نصف کا مالک دوسرا آدمی ہے، تو آپس میں تقسیم کر لیتے ہیں کہ بھئی دو دن یہ میری خدمت کیا کرے گا پھر دو دن آپ کی خدمت کیا کرے گا پھر دو دن میری خدمت کرے گا، اس طرح آپس میں تقسیم کر لیتے ہیں۔ صورت سمجھ میں آرہی ہے؟ تو دیکھو اشتراء کے اندر غلام کے اجزاء ہو سکتے ہیں، لیکن وہ اجزاء حقیقتاً جو ہے جدا نہیں ہوتے، ہاں حکماً جدا ہو جاتے ہیں کہ آدھے کا مالک ایک ہے اور آدھے کا مالک دوسرا۔

تو معلوم ہوا کُلٌّ اور أَجْمَعُ کے ذریعے تاکید لاتے ہیں اور یہ فائدہ شمول اور اجتماع کا دیتے ہیں، اور یہ وہیں پر آئیں گے جہاں شمول اور اجتماع کا فائدہ بھی ہو سکے۔ اور شمول اور اجتماع کا فائدہ اسی چیز میں ہو سکتا ہے جس کے اجزاء ہوں، اور وہ اجزاء بھی کیسے ہوں؟ ایک دوسرے سے جدا ہو سکیں، چاہے وہ جدا ہونا حساً ہو یا حکماً ہو۔ حساً کیا معنی؟ آنکھوں سے وہ افراد کا یا اجزاء کا الگ ہونا نظر آتا ہو کہ الگ ہو جاتے ہیں۔ اور یا حکماً اجزاء الگ ہوں یعنی حقیقت میں تو اجزاء الگ نہیں ہوتے، میں نے آدھا غلام خریدا اور آدھا زید نے خریدا، تو دیکھو حقیقتاً تو اجزاء تقسیم نہیں ہوئے لیکن حکماً اجزاء کیا ہو گئے؟ تقسیم ہو گئے، حکم لگا دیا گیا۔ بات سمجھ میں آگئی؟

جی، اب دیکھیے متن دیکھیے صرف۔ کہتے ہیں: وَلَا يُؤَكَّدُ بِكُلٍّ وَأَجْمَعَ اور تاکید نہیں لائی جاتی کُلٌّ اور أَجْمَعُ کے ساتھ۔ بھئی

میں نے پڑھا: وَلَا يُؤَكَّدُ بِكُلٍّ وَأَجْمَعَ، یہ أَجْمَعَ اس کو میں نے منصوب کیوں پڑھا؟ غیر منصرف۔ شاباش، یہ منصوب نہیں ہے یہ بھی مجرور ہے، البتہ یہ غیر منصرف ہے اور غیر منصرف کا جر آتا ہی فتحہ کی صورت میں ہے۔ اور دو سبب کیا اس میں؟ ایک وزنِ فعل ہے، أَجْمَعَ، أَكْرَمَ، اور دوسرا یہ علم ہے، أَجْمَعَ سے أَجْمَعَ کا لفظ مراد ہے تو یہ اس کے لیے علم بن گیا۔ تو کہتے ہیں: وَلَا يُؤَكَّدُ بِكُلٍّ وَأَجْمَعَ إِلَّا ذُو أَجْزَاءٍ اور تاکید نہیں لائی جاتی كُلٌّ اور أَجْمَعُ کے ساتھ إِلَّا ذُو أَجْزَاءٍ مگر اس چیز کی جو اجزاء والی ہو، جس کے اجزاء ہوں۔ يَصِحُّ افْتِرَاقُهَا، دیکھو أَجْزَاءٍ نکرہ ہے اور نکرہ کے بعد يَصِحُّ فعل آیا، اور نکرہ کے بعد فعل آئے تو اس کے لیے کیا بنتا ہے؟ صفت۔ اور موصوف صفت کا ترجمہ کیسے کرتے ہیں؟ موصوف سے پہلے ایسا یا ایسی کا لفظ لاتے ہیں۔ اب دیکھو یہ أَجْزَاءٍ، ایسے اجزاء يَصِحُّ افْتِرَاقُهَا کہ جن کا جدا ہونا صحیح ہو۔ اب ترجمہ سنو، کہتے ہیں: وَلَا يُؤَكَّدُ بِكُلٍّ وَأَجْمَعَ اور تاکید نہیں لائی جاتی كُلٌّ اور أَجْمَعُ کے ساتھ إِلَّا ذُو أَجْزَاءٍ يَصِحُّ افْتِرَاقُهَا مگر ایسے اجزاء والی چیز کی، ایسے اجزاء والی چیز کی کہ ان اجزاء کا جدا ہونا صحیح ہو، حِسًّا أَوْ حُكْمًا، حِسًّا یعنی آنکھوں سے نظر آئے، حساً جدا ہونا ممکن ہو صحیح ہو، أَوْ حُكْمًا یا حکماً ان اجزاء کا جدا ہونا صحیح ہو۔ مِثْلُ أَكْرَمْتُ الْقَوْمَ كُلَّهُمْ مثال کے طور پر أَكْرَمْتُ الْقَوْمَ كُلَّهُمْ میں نے ان سب لوگوں کا اکرام کیا۔ اب الْقَوْمُ کے افراد ہیں اور ان کا جدا ہونا ممکن ہے اور آنکھوں سے بھی نظر آتا ہے، افراد جدا ہو گئے، چند افراد آ گئے یا سارے آ گئے۔ وَاشْتَرَيْتُ الْعَبْدَ كُلَّهُ اور میں نے پورا غلام خرید لیا۔ اب غلام کے اجزاء حساً تو جدا نہیں ہوتے لیکن حکماً جدا ہو جاتے ہیں۔ بِخِلَافِ جَاءَ زَيْدٌ كُلُّهُ بخلاف جَاءَ زَيْدٌ كُلُّهُ کہ یہ کہنا صحیح نہیں کیونکہ اس کے اجزاء نہیں، اس کے، زید کے اجزاء نہیں مجیئت، ویسے تو زید کے اجزاء ہیں بھئی، ہاتھ ہیں، پاؤں ہیں، سر ہے، آنکھیں ہیں، اجزاء تو ہیں لیکن ان کا جدا ہونا صحیح نہیں، وہ جدا نہیں ہوتے بھئی مجیئت کے اندر۔ اور مجیئت میں تو غلام کے اجزاء بھی جدا نہیں ہوتے، لہٰذا غلام کے لیے بھی آپ یہ نہیں کہہ سکتے جَاءَنِي الْعَبْدُ كُلُّهُ میرے پاس سارا غلام آیا۔ اِشْتَرَيْتُ الْعَبْدَ كُلَّهُ کہہ سکتے ہیں، جَاءَنِي الْغُلَامُ كُلُّهُ نہیں کہہ سکتے کیونکہ مجیئت کے اندر غلام کا بھی وہی حکم ہے جو زید کا ہے۔ جیسے زید کے اجزاء نہیں ہو سکتے غلام کے بھی نہیں ہو سکتے، لیکن شراء کے اندر یعنی خریدنے میں غلام کے اجزاء ہو سکتے ہیں، وہاں آپ كُلٌّ اور أَجْمَعُ کے ساتھ تاکید لا سکتے ہیں۔ یہ معنی ہے بِخِلَافِ جَاءَ زَيْدٌ كُلُّهُ کہ بخلاف اس مثال کے، کہ یہاں پر كُلٌّ کے ساتھ تاکید لانا صحیح نہیں، لہٰذا یہ درست جملہ نہیں بھئی۔

اب اس سارے کو شرح کے ساتھ دیکھیے۔ کہتے ہیں: وَلَا يُؤَكَّدُ بِكُلٍّ وَأَجْمَعَ إِلَّا ذُو أَجْزَاءٍ اور تاکید نہیں لائی جاتی كُلٌّ اور أَجْمَعُ کے ساتھ إِلَّا ذُو أَجْزَاءٍ مگر اجزاء والے کی، وہ چیز جس کے اجزاء ہوں۔ مُفْرَدًا كَانَ أَوْ جَمْعًا چاہے وہ چیز مفرد ہو یا جمع ہو۔ بھئی بتلایا تھا نا کہ كُلٌّ اور أَجْمَعُ تثنیہ کی تاکید کے لیے نہیں آتے، مفرد اور جمع کی تاکید کے لیے آتے ہیں، تو بہرحال چاہے وہ مفرد ہو تو بھی اس کو ذو اجزاء ہونا چاہیے، چاہے جمع ہو اس کو بھی ذو اجزاء ہونا چاہیے، اجزاء والا۔ إِلَّا ذُو أَجْزَاءٍ مگر اجزاء والی ہو وہ چیز، مُفْرَدًا كَانَ أَوْ جَمْعًا مفرد ہو چاہے یا جمع ہو۔ إِذِ الْكُلِّيَّةُ وَالْإِجْتِمَاعُ لَا يَتَحَقَّقَانِ إِلَّا فِيهِ، إِذِ الْكُلِّيَّةُ

اس لیے کیونکہ کل ہونا وَالْإِجْتِمَاعُ اور اجتماع ہونا، اکٹھا ہونا، لَا يَتَحَقَّقَانِ وہ پائے نہیں جاتے إِلَّا فِيهِ مگر اسی میں، یعنی جو اجزاء والی ہو اسی میں پائے جا سکتے ہیں کل ہونا بھی اور اکٹھا ہونا بھی۔

وَلَا حَاجَةَ إِلَى ذِكْرِ الْأَفْرَادِ اور کوئی حاجت نہیں ہے افراد کے ذکر کی۔ یہ دراصل اعتراض کا جواب دینا چاہتے ہیں کہ صاحبِ کافیہ کی عبارت جامع نہیں۔ صاحبِ کافیہ کو یوں کہنا چاہیے تھا: وَلَا يُؤَكَّدُ بِكُلٍّ وَأَجْمَعَ إِلَّا ذُو أَجْزَاءٍ وَذُو أَفْرَادٍ، ذو اجزاء اور ذو افراد۔ اس لیے کیونکہ ہر چیز کے اجزاء نہیں ہوتے، بعض چیزوں کے افراد ہوتے ہیں۔ غلام کے تو اجزاء تھے، نصف، ربع، ثلث یہ اجزاء ہیں۔ یہ کیا ہیں؟ افراد نہیں ہیں، کیا نصف غلام الگ ہے، نصف الگ ہے؟ نہیں نہیں، یہ اسی کے اجزاء ہیں، نصف، ربع، ثلث۔ یا کوئی اور چیز ہوتی ہے، مثلاً کھانے پینے کی چیز ہے، وہاں اس میں آپ اجزاء کر سکتے ہیں، وہاں اجزاء ہوں گے۔ کیا ہوں گے؟ اجزاء۔ لیکن بعض چیزوں میں افراد ہوتے ہیں، مثلاً جَاءَنِي الْقَوْمُ كُلُّهُمْ، قوم، قوم کے تو افراد ہوتے ہیں اجزاء نہیں ہوتے۔ دو ہوں گے، چار ہوں گے، پانچ ہوں گے، چھ ہوں گے، وہ اس کے افراد ہیں بھئی، اجزاء نہیں ہیں۔ تو کچھ چیزیں ہیں ان کے کیا ہوتے ہیں؟ اجزاء، اور کچھ چیزوں کے افراد۔ تو ذُو أَجْزَاءٍ تو کہہ دیا صاحبِ کافیہ نے، ذو افراد نہیں کہا، تو افراد والے تو رہ گئے، وہ تو اس تعریف میں داخل نہیں، حالانکہ ان کو بھی داخل ہونا چاہیے۔

تو صاحبِ جامی بتلائیں گے کہ بھئی ذُو أَجْزَاءٍ کہنا کافی ہے، افراد والے بھی اس میں داخل ہو گئے۔ افراد والے بھی اس میں داخل ہو گئے بھئی۔ کس طرح داخل ہو گئے؟ کہتے ہیں بھئی جس چیز کے افراد ہوں ان کی تاکید کُلٌّ اور أَجْمَعُ کے ساتھ تب ہی لائیں گے جب وہ تمام افراد اکٹھے ملحوظ ہوں۔ جَاءَنِي الْقَوْمُ كُلُّهُمْ، قوم کی تاکید کُلٌّ میں تب ہی لاؤں گا جب اس کے تمام افراد اس میں ملحوظ ہوں کہ تمام افراد مراد ہیں۔ کیا مراد ہیں؟ تو تمام افراد ہوں گے تو تب ہی میں كُلُّهُمْ یا أَجْمَعُونَ، جَاءَنِي الْقَوْمُ كُلُّهُمْ تو تب ہی میں كُلُّهُمْ یا أَجْمَعُونَ اس کی تاکید لا سکتا ہوں۔ اور جب تمام افراد اجتماعی طور پر اکٹھے ملحوظ ہیں تو گویا وہ اجزاء کے درجے میں ہو گئے۔ کس کے درجے میں ہو گئے؟ اجزاء۔ تو جب تک وہ افراد اجزاء کے درجے میں نہیں ہوں گے تب تک کُلٌّ اور أَجْمَعُ کے ساتھ آپ ان کی تاکید ہی نہیں لا سکتے۔ تو جَاءَنِي الْقَوْمُ وہ لوگ میرے پاس آئے كُلُّهُمْ سارے کے سارے، تو یہ الْقَوْمُ کے یا تو افراد ہیں اس کے تو اجزاء نہیں، لیکن میں اس کی تاکید کیا لایا؟ كُلُّهُمْ۔ کب لاؤں گا كُلُّهُمْ؟ جب قوم کے تمام افراد اکٹھے ہیں، ان سب پہ میں مجیئت والا حکم لگا رہا ہوں، تو وہ سارے افراد اکٹھے ملحوظ ہیں۔ جب سارے افراد اکٹھے ملحوظ ہیں تو گویا یہ اس چیز کا کل بن گیا، یہ کیا بن گیا؟ کل بن گیا۔ اور جب کل بن گیا معلوم ہوا یہ سب اس کے اجزاء ہیں۔ کل کسے کہتے ہیں؟ ساری چیز کو، اور ساری اسی کو کہیں گے جس کے کیا ہوں؟ اجزاء ہوں بھئی۔ اجزاء نہیں تو پھر اس کو کل بھی نہیں کہتے۔ تو حاصلِ کلام کیا؟ اعتراض کیا ہوا تھا کہ آپ نے ذُو أَجْزَاءٍ کہا، ذو افراد

نہیں کہا تو جس کے افراد ہیں وہ تو نکل گئے، اَلْقَوْمُ بھی نکل گئے، انسان بھی نکل گئے، انسان کے افراد ہوتے ہیں بھئی، زید، عمر، بکر، خالد وغیرہ۔ تو بتلایا کہ بھئی یہ جو کُلٌّ اور أَجْمَعُ ہیں ان کو تاکید بناتے ہیں ذو افراد کے لیے بھی، کس کے لیے؟ ذو افراد کے لیے بھی تاکید بناتے ہیں، اَلْقَوْمُ کیا ہے؟ ذو افراد ہے، اس کے افراد ہیں اجزاء نہیں، لیکن ذو افراد کے لیے بھی کُلٌّ اور أَجْمَعُ اس وقت تاکید بنتے ہیں جب اس کے تمام افراد اکٹھے ملحوظ ہیں اور ان پر ایک حکم لگا رہے ہیں، اور جب وہ تمام افراد اکٹھے ملحوظ ہیں تو گویا وہ کل بن گئے یعنی وہ افراد جز کے درجے میں آ گئے، وہ گویا وہ اجزاء بن گئے۔ وہ افراد کیا بن گئے؟ اجزاء بن گئے۔ جب اجزاء بنے اس کے بعد ہی اجتماع والا حکم لگا سکتے ہیں آپ کُلٌّ اور أَجْمَعُ والا۔ تو جب تک وہ افراد اجزاء نہیں بنیں گے اس وقت تک ان کے لیے کُلٌّ اور أَجْمَعُ کے ساتھ تاکید لانا صحیح ہی نہیں۔ تو لہٰذا ذُو أَجْزَاءٍ کافی ہے، ذو افراد لانے کی ضرورت ہی نہیں، ذو افراد سب اس کے اندر ہی داخل ہو گئے، کیونکہ وہ بھی جب اکٹھے اور مجتمع ہوں گے تو اس چیز کے لیے کیا بن جائیں گے؟ اجزاء ہی کے درجے میں ہو جائیں گے۔ بات سمجھ میں آ گئی؟

کہتے ہیں: وَلَا حَاجَةَ إِلَى ذِكْرِ الْأَفْرَادِ اور کوئی حاجت نہیں ہے افراد کے ذکر کی، لِأَنَّ الْكُلِّيَّ مَا لَمْ تُلَاحَظْ أَفْرَادُهُ مُجْتَمِعَةً اس لیے کیونکہ کلی جو ہے جب تک اس کے تمام افراد کو ملاحظہ نہ کیا جائے مُجْتَمِعَةً اکٹھے کہ وہ سب کیا ہیں؟ مجتمع ہیں، وَلَمْ تَصِرْ أَجْزَاءً اور جب تک وہ افراد اجزاء نہ بن جائیں، لَا يَصِحُّ تَأْكِيدُهُ بِكُلٍّ وَأَجْمَعَ تو اس وقت تک ان کی تاکید کُلٌّ اور أَجْمَعُ کے ساتھ لانا صحیح ہی نہیں۔ کلی کے افراد جب تک یوں اکٹھے ملحوظ نہ ہوں اور وہ اجزاء کے درجے میں نہ ہو جائیں اس وقت تک ان کی تاکید کُلٌّ اور أَجْمَعُ کے ساتھ لا ہی نہیں سکتے۔ بات سمجھ میں آ گئی؟ پھر تو پھر دیکھیے، کہتے ہیں: لِأَنَّ الْكُلِّيَّ مَا لَمْ تُلَاحَظْ أَفْرَادُهُ مُجْتَمِعَةً وَلَمْ تَصِرْ أَجْزَاءً اس لیے کیونکہ کلی جو ہے جب تک اس کے افراد کو ملاحظہ نہ کیا جائے اس طور پر کہ وہ اکٹھے ہوں، وَلَمْ تَصِرْ أَجْزَاءً اور جب تک کہ جو ہے اس کے افراد جو ہیں وہ اجزاء نہ بن جائیں، لَا يَصِحُّ تَأْكِيدُهُ بِكُلٍّ وَأَجْمَعَ تو اس وقت تک اس کی تاکید کُلٌّ اور أَجْمَعُ کے ساتھ لانا صحیح نہیں۔

وَيَجِبُ أَنْ تَكُونَ تِلْكَ الْأَجْزَاءُ بِحَيْثُ يَصِحُّ افْتِرَاقُهَا حِسًّا اور واجب ہے، ضروری ہے کہ وہ اجزاء جو ہیں اس طور پر ہوں کہ يَصِحُّ افْتِرَاقُهَا حِسًّا کہ صحیح ہو جدا ہونا ان کا حسی طور پر یعنی آنکھوں سے نظر آئے بھئی۔ يَصِحُّ افْتِرَاقُهَا حِسًّا صحیح ہو ان کا جدا ہونا یعنی ممکن ہو ان کا جدا ہونا حساً، حسی طور پر، كَأَجْزَاءِ الْقَوْمِ جیسے کہ قوم کے اجزاء ہیں یعنی وہ جو افراد ہیں، أَوْ حُكْمًا یا ان کا جدا ہونا حکماً ممکن ہو، كَأَجْزَاءِ الْعَبْدِ جیسے کہ غلام کے اجزاء ہوتے ہیں، لِيَكُونَ فِي التَّأْكِيدِ بِكُلٍّ وَأَجْمَعَ فَائِدَةٌ تاکہ یہ جو کُلٌّ اور أَجْمَعُ کے ذریعے تاکید لائی جا رہی ہے اس کا کوئی فائدہ ہو۔ بھئی کُلٌّ اور أَجْمَعُ تو شمول کا فائدہ دیتے ہیں، تو شمول وہیں ہو گا جہاں اجزاء ہوں گے۔ تو لہٰذا وہ چیز اس کے اجزاء ایسے ہوں جو جدا ہو سکیں حسی طور پر یا حکمی طور پر، تب ہی یہ کُلٌّ اور أَجْمَعُ کوئی فائدہ دیں گے ورنہ تو ان کا کوئی فائدہ ہی نہیں۔ تو یہی بات کر رہے ہیں کہ اجزاء ہونے چاہئیں

جو حساً جدا ہوں یا حکماً جدا ہوں، لِيَكُونَ فِي التَّأْكِيدِ بِكُلٍّ وَأَجْمَعَ فَائِدَةٌ تاکہ کُلٌّ اور أَجْمَعُ کی تاکید کے ذریعے کوئی فائدہ ہو یعنی شمول اور اجتماع کا۔ مِثْلُ أَكْرَمْتُ الْقَوْمَ كُلَّهُمْ میں نے اکرام کیا ان سب لوگوں کا، وَاشْتَرَيْتُ الْعَبْدَ كُلَّهُ اور میں نے وہ پورا غلام خرید لیا۔ فَإِنَّ الْعَبْدَ قَدْ يَتَجَزَّأُ فِي الْإِشْتِرَاءِ اس لیے کیونکہ غلام جو ہے کبھی کبھار جو ہے وہ اجزاء اس کے ہو جاتے ہیں فِي الْإِشْتِرَاءِ، کس چیز میں؟ اشتراء خریدنے میں، وہ تقسیم ہوتا ہے اس کے اجزاء ہو جاتے ہیں۔ فَيَصِحُّ تَأْكِيدُهُ بِكُلٍّ تو اس کی تاکید کُلٌّ کے ساتھ لانا صحیح ہے لِيُفِيدَ الشُّمُولَ تاکہ یہ کُلٌّ شمول کا فائدہ دے۔ بِخِلَافِ جَاءَ زَيْدٌ كُلُّهُ بخلاف اس مثال کے کہ یہ صحیح نہیں، لِعَدَمِ صِحَّةِ افْتِرَاقِ أَجْزَائِهِ اس لیے کیونکہ صحیح نہیں ہے اس زید کے اجزاء کا جدا ہونا لَا حِسًّا وَلَا حُكْمًا نہ حسی طور پر اور نہ حکماً۔ یعنی حساً بھی اس کے اجزاء جدا نہیں ہو سکتے اور حکماً بھی جدا نہیں ہو سکتے فِي حُكْمِ الْمَجِيءِ آنے کے حکم میں، آنے کے اندر اس کے اجزاء جدا نہیں ہو سکتے۔

آگے دیکھیے، متن متن دیکھیے، کہتے ہیں: وَإِذَا أُكِّدَ الضَّمِيرُ الْمَرْفُوعُ الْمُتَّصِلُ بِالنَّفْسِ وَالْعَيْنِ، أُكِّدَ بِمُنْفَصِلٍ، مِثْلُ ضَرَبْتَ أَنْتَ نَفْسَكَ۔ بھئی یاد رکھیے اب ضابطہ بتلا رہے ہیں: ضمیرِ مرفوع متصل، ضمیرِ مرفوع متصل۔ آپ نے پڑھا تھا ضمیرِ مرفوع متصل پر جب عطف کرتے ہیں تو پہلے اس کی تاکید لائیں گے یا فصل ہو جائے تو بھی کافی ہے۔ ضمیرِ مرفوع صرف کس سے جڑتی ہے؟ فعل سے۔ ضَرَبْتُ، یہ کیا ہے؟ ضمیرِ مرفوع متصل۔ ضَرَبَ، اس کے اندر هُوَ ہے ضمیرِ مرفوع متصل، یہ فاعل ہیں سب بھئی۔ بات سمجھ میں آ رہی ہے؟ تو ضمیر، میں نے بتایا تھا ضمیر کتنی قسم پر ہے؟ پانچ قسم پر، یا وہ مرفوع ہو گی یا منصوب یا مجرور۔ پھر ان میں سے جو مرفوع ہے یا متصل ہو گی یا منفصل، اور اسی طرح منصوب بھی یا متصل ہو گی یا منفصل ہو گی، اور مجرور صرف متصل ہی ہے۔ اور پھر بتایا تھا کہ مرفوع متصل یہ صرف فعل کے ساتھ جڑتی ہے، شبہ فعل کے ساتھ بھی جڑتی ہے صفت کے صیغوں کے ساتھ لیکن وہ بھی فعل ہی کے حکم میں ہیں فعل میں ہی داخل ہو گئے، تو یہ صرف کس کے ساتھ جڑتی ہے؟ فعل کے ساتھ۔ اور جبکہ منصوب متصل جو ہے وہ حرف کے ساتھ بھی جڑتی ہے اور فعل کے ساتھ بھی۔ إِنَّهُ، یہ إِنَّ کے ساتھ هُ ضمیر جڑ گئی، اور إِنَّ اپنے اسم کو کیا دیتا ہے؟ نصب، تو معلوم ہوا یہ هُ ضمیر منصوب ہے، یہ إِنَّ کا اسم ہے۔ اور یہ فعل کے ساتھ بھی جڑتی ہے، ضَرَبْتُكَ، ضَرَبْتُ کے اندر تُ فاعل ہے اور یہ كَ ضمیر کیا ہے؟ منصوب متصل۔ تو مرفوع متصل صرف فعل سے جڑتی ہے، منصوب متصل کس سے جڑتی ہے؟ حرف سے بھی اور فعل سے بھی۔ جبکہ مجرور متصل جو ہے وہ حرف سے بھی جڑے گی اور اسم سے بھی جڑے گی۔ جیسے فِيهِ، یہ فِي کے ساتھ هِ ضمیر جڑ گئی، اور اسی طرح اسم کے ساتھ بھی یہ جڑے گی: كِتَابِي، یہ ي ضمیر دیکھو اسم کے ساتھ جڑ گئی۔

تو یہ جو ضمیرِ مرفوع متصل ہے جب اس پر عطف کرتے ہیں تو دو چیزوں میں سے ایک چیز ہونی چاہیے: یا کیا لائیں گے اس کی؟ تاکید لائیں گے، اور اگر فصل آ جائے تو تاکید کو چھوڑ بھی سکتے ہیں۔ تو یہاں پر بھی یہی بتلائیں گے کہ ضمیرِ مرفوع

متصل آپ اس کی تاکید لانا چاہتے ہیں نَفْسٌ اور عَيْنٌ کے ساتھ، ان دو لفظوں کے ساتھ یاد رکھنا۔ ضمیرِ مرفوع متصل کی آپ تاکید لانا چاہتے ہیں کس کے ساتھ؟ نَفْسٌ اور عَيْنٌ کے ساتھ، باقی لفظوں کی بات نہیں ہو رہی صرف نَفْسٌ اور عَيْنٌ کی بات ہو رہی ہے۔ تو ضمیرِ مرفوع متصل کی آپ تاکید لانا چاہتے ہیں نَفْسٌ اور عَيْنٌ کے ساتھ تو کہتے ہیں پہلے اس کی تاکید ضمیرِ مرفوع منفصل کے ساتھ لے آؤ۔ مثلاً دیکھو مثال سے وضاحت ہو گی: ضَرَبْتُ میں نے پٹائی کی، اب میں اس کی تاکید لانا چاہتا ہوں نَفْسٌ کے ساتھ۔ اور نَفْسٌ کے ساتھ ضمیر جوڑتے ہیں اسی کی جس کی یہ تاکید بن رہا ہے۔ اور میں کس کی تاکید بنانا چاہتا ہوں؟ ضَرَبْتُ، یہ متکلم کی، تو اس کے ساتھ ي ضمیر متکلم کی جوڑیں گے: ضَرَبْتُ نَفْسِي، ضَرَبْتُ نَفْسِي۔ یہ نَفْسٌ کو میں کیا بنانا چاہتا ہوں؟ ضَرَبْتُ کی تُ کے لیے تاکید بنانا چاہتا ہوں، تو پہلے ضمیرِ منفصل درمیان میں لاؤ۔ ضَرَبْتُ کی تاکید لاؤ، کیا تاکید ہو گی؟ ضَرَبْتُ أَنَا، پھر آگے نَفْسِي لے آئیں: ضَرَبْتُ أَنَا نَفْسِي۔ طریقہ سمجھ میں آیا؟ تو ضمیرِ مرفوع متصل کی جب تاکید لائیں نَفْسٌ اور عَيْنٌ کے ساتھ تو کیا ضروری؟ کہ اس کی تاکید لاؤ کس کے ساتھ؟ منفصل کے ساتھ: ضَرَبْتُ أَنَا نَفْسِي۔

اب میں کہنا چاہتا ہوں کہ آپ نے خودپٹائی کی۔ آپ نے، ضَرَبْتُ أَنَا نَفْسِي کا کیا معنی تھا؟ میں نے خودپٹائی کی۔ اب میں کہنا چاہتا ہوں آپ نے خودپٹائی کی، تو کیا کہوں گا؟ ضَرَبْتَ، تاکید لاؤ: أَنْتَ، اور آگے نَفْسٌ کا لفظ لاؤ اور ساتھ اسی کی ضمیر جوڑو جس کی تاکید بنا رہے ہیں: نَفْسَكَ، نَفْسَكَ؟ یہ کس کی تاکید ہے؟ ضَرَبْتَ أَنْتَ نَفْسَكَ، یہ نَفْسَكَ کس کی تاکید؟ ضَرَبْتَ کی تَ کی، ضَرَبْتَ کی تَ۔ اس کا اعراب بولو؟ منصوب۔ ضَرَبْتَ؟ مرفوع۔ مرفوع کیوں ہے؟ فاعل ہے، اور مؤکَّد تاکید کا ایک اعراب، تو مؤکَّد مرفوع تو تاکید بھی کیا ہو گی؟ مرفوع، تو کیا کہیں گے؟ مرفوع محلاً۔ کیسے پڑھیں گے؟ ضَرَبْتَ أَنْتَ نَفْسَكَ؟ پھر نَفْسَكَ؟ کس کی تاکید ہے نَفْسَكَ؟ ضَرَبْتَ کی تَ کی۔ تَ پر زبر ہے اب آپ نَفْسَكَ پر بھی زبر پڑھ رہے ہیں، تَ کا اعراب بولو؟ مرفوع محلاً۔ مرفوع ہے، تو تاکید پر کیا ہو گی؟ مؤکَّد، تاکید توابع میں سے ہے نا، اس پر وہی اعراب آتا ہے جو مؤکَّد پر ہو، تو اس پر پڑھو: نَفْسُكَ۔ کیا کہیں گے؟ نَفْسُكَ۔ مؤکَّد پر جو اعراب وہی نَفْسٌ کے لفظ پر بھی وہی اعراب آئے گا: ضَرَبْتَ أَنْتَ نَفْسُكَ۔ پچھلے جملے میں کیا تھا؟ ضَرَبْتُ أَنَا نَفْسِي، وہاں تو وہ ي کی طرح مضاف ہو گیا تھا اور کوئی بھی اسم ي کی طرف مضاف ہو جائے علاوہ جمع مذکر سالم، کہ اس کا اعراب تینوں حالتوں میں تقدیری ہوتا ہے اس لیے وہاں نَفْسِي میں نے پڑھا تھا۔ اور یہاں تو اعراب آ سکتا ہے، تو ضَرَبْتَ أَنْتَ نَفْسُكَ۔ غائب کا لے آؤ غائب کی ضمیر۔ ضَرَبَ کے اندر هُوَ ضمیر ہے، میں اس کی تاکید نَفْسٌ کے ساتھ لانا چاہتا ہوں، بولیے کس طرح پڑھیں گے؟ ضَرَبَ هُوَ... غائب کی ضمیر، غائب کی ضمیر کی تاکید ہے تو غائب کی ضمیر ہی ساتھ جوڑو۔ ضَرَبَ هُوَ، ضَرَبَ هُوَ نَفْسُهُ۔ طریقہ سمجھ میں آیا؟ ضَرَبْتُ أَنَا نَفْسِي، ضَرَبْتَ أَنْتَ نَفْسُكَ اور ضَرَبَ هُوَ نَفْسُهُ۔ طریقہ سمجھ میں آگیا؟

تو کہتے ہیں دیکھیے متن متن، کہتے ہیں: وَإِذَا أُكِّدَ الضَّمِيرُ الْمَرْفُوعُ الْمُتَّصِلُ اور جب تاکید لائی جائے ضمیرِ مرفوع متصل کی بِالنَّفْسِ وَالْعَيْنِ، صرف متن متن پہ نظر رکھیں، وَإِذَا أُكِّدَ الضَّمِيرُ الْمَرْفُوعُ الْمُتَّصِلُ اور جب تاکید لائی جائے ضمیرِ مرفوع متصل

کی بِالنَّفْسِ وَالْعَيْنِ نَفْسٌ اور عَيْنٌ کے لفظ کے ساتھ، أُكِّدَ بِمُنْفَصِلٍ تو اس کی تاکید لائی جائے گی منفصل کے ساتھ، کس کے ساتھ؟ منفصل کے ساتھ، مِثْلُ ضَرَبْتَ أَنْتَ نَفْسَكَ۔ عبارت سمجھ میں آ رہی ہے؟ نَفْسُكَ پڑھنا، نَفْسَكَ نہیں پڑھنا کیونکہ یہ فاعل کی تاکید ہے۔

اب اس سارے کو شرح کے ساتھ دیکھیے۔ کہتے ہیں: وَإِذَا أُكِّدَ الضَّمِيرُ الْمَرْفُوعُ الْمُتَّصِلُ اور جب تاکید لائی جائے ضمیرِ مرفوع متصل کی، بَارِزًا كَانَ أَوْ مُسْتَكِنًّا چاہے وہ ضمیرِ مرفوع متصل بارز ہو یا مستکن ہو یعنی چھپی ہوئی ہو۔ دیکھو ضَرَبْتُ، یہ تُ ضمیر بارز ہے۔ ضَرَبْتَ، یہ تَ ضمیر بارز ہے جس پر ہم تلفظ کر رہے ہیں۔ اور ضَرَبَ کے اندر هُوَ ضمیر تھی وہ مستکن تھی، مستتر تھی۔ تو بہرحال ہے سب ضمیرِ مرفوع متصل۔ تو چاہے بارز ہو چاہے مستتر، آپ اس کی تاکید لانا چاہتے ہیں نَفْسٌ اور عَيْنٌ کے ساتھ۔ تو کہتے ہیں: وَإِذَا أُكِّدَ الضَّمِيرُ الْمَرْفُوعُ الْمُتَّصِلُ اور جب تاکید لائی جائے ضمیرِ مرفوع متصل کی بَارِزًا كَانَ أَوْ مُسْتَكِنًّا چاہے وہ ضمیرِ مرفوع متصل بارز ہو یا مستکن ہو، بِالنَّفْسِ وَالْعَيْنِ کس کے ساتھ تاکید لائی جائے؟ نَفْسٌ اور عَيْنٌ کے ساتھ۔ أَيْ إِذَا أُرِيدَ تَأْكِيدُهُ بِهِمَا یعنی جب ارادہ کیا جائے کہ اس ضمیر کی تاکید لائی جائے بِهِمَا ان دونوں کے ذریعے۔

بھئی دراصل یہ اعتراض ہوتا ہے یہاں، اعتراض یہ کہ یہاں شرط اور جزا میں مطابقت نہیں۔ شرط اور جزا میں مطابقت نہیں کس طرح؟ دیکھو إِذَا لائے شرط میں: وَإِذَا أُكِّدَ۔ إِذَا آتا ہے یقین کے لیے اور شک کے لیے إِنْ آتا ہے۔ تو إِذَا بھی لائے اور أُكِّدَ فعلِ ماضی بھی لائے، اور ماضی بھی یقین پر دلالت کرتی ہے۔ کس پر؟ یقین۔ تو وَإِذَا أُكِّدَ الضَّمِيرُ الْمَرْفُوعُ الْمُتَّصِلُ بِالنَّفْسِ وَالْعَيْنِ جب تاکید لے آئے ضمیرِ مرفوع متصل کی نَفْسٌ اور عَيْنٌ کے ساتھ، تو أُكِّدَ بِمُنْفَصِلٍ تو پھر اس کی تاکید منفصل سے لائیں گے۔ بھئی یہ کیا معنی؟ کہ جب آپ ضمیرِ مرفوع کی تاکید نَفْسٌ اور عَيْنٌ سے لے آئیں، تو پھر اس کی تاکید کس سے لاؤ؟ پھر اس کی تاکید منفصل کے ساتھ لاؤ! جب نَفْسٌ اور عَيْنٌ کے ساتھ تاکید لے آئے تو پھر تاکید لانے کا کیا معنی؟ جب نَفْسٌ اور عَيْنٌ کو لے آئے تو پھر منفصل کے ساتھ تاکید لانے کا کیا معنی؟ پہلے لاتے نا ضَرَبْتُ أَنَا نَفْسِي۔ ضَرَبْتُ أَنَا نَفْسِي، اور شرط میں کیا کہہ رہے ہیں؟ جب آپ ضمیر کی تاکید لے آئیں نَفْسٌ اور عَيْنٌ کے ساتھ، ضَرَبْتُ نَفْسِي، میں تاکید لے آیا۔ جب آپ تاکید لے آئیں تو پھر اب آپ کیا کریں؟ منفصل کے ساتھ اس کی تاکید لے آئیں! کہ معلوم ہوا پہلے نَفْسٌ اور عَيْنٌ سے تاکید لائیں گے تو اس کے بعد ہی ایسا کریں گے۔ اشکال بھی سمجھ میں آ رہا ہے یا نہیں؟ کہ جب آپ ضمیرِ مرفوع متصل کی تاکید نَفْسٌ اور عَيْنٌ کے ساتھ لے آئیں تو پھر کیا کر دیں؟ مثلاً میں کہتا ہوں إِذَا جَاءَكَ زَيْدٌ فَاضْرِبْهُ جب زید آپ کے پاس آئے تو اس کی پٹائی کرنا، تو پٹائی کب کریں گے؟ جب زید آ جائے گا۔ تو جب شرط پائی جائے گی پھر جزا آئے گی۔ یہاں پر بھی اسی طرح ہے کہ جب آپ تاکید لے آئیں، کس کی تاکید لے آئیں؟ مرفوع متصل کی کس کے ساتھ؟ نَفْسٌ اور عَيْنٌ کے ساتھ، جب نَفْسٌ اور عَيْنٌ کے ساتھ آپ تاکید لے آئیں تو اس کے بعد پھر اس کی منفصل سے تاکید لانا، یہ تو بات ٹھیک نہیں، شرط جزا کے مطابق نہیں بھئی۔ تاکید تو پہلے لائیں گے، نَفْسٌ اور عَيْنٌ کو تو اس کے بعد لائیں گے۔ بات سمجھ میں آ رہی ہے؟

تو صاحبِ جامی جواب دے رہے ہیں کہ بھئی یہاں أُكِّدَ فعل بول کر ارادۂ فعل مراد ہے۔ میں نے آپ کو بتایا تھا عربی میں کبھی فعل بول کر ارادۂ فعل مراد ہوتا ہے۔ جیسے إِذَا قُمْتُمْ إِلَى الصَّلَاةِ جب تم نماز کے لیے کھڑے ہو جاؤ۔ بھئی نماز کے لیے کھڑے ہونے کے بعد تو وضو نہیں کیا جاتا، پہلے وضو کیا جاتا ہے۔ تو یہاں قیام بول کر کیا مراد ہے؟ ارادۂ قیام مراد ہے۔ اسی طرح حدیث میں آیا ہے: إِذَا دَخَلْتُمُ الْخَلَاءَ جب تم بیت الخلاء میں داخل ہو تو یہ دعا پڑھو۔ تو بیت الخلاء میں تو داخل ہونے سے پہلے دعا پڑھی جاتی ہے، تو وہاں ارادۂ دخول ہے، دخول بول کر ارادہ، جب تمہارا بیت الخلاء میں داخل ہونے کا ارادہ ہو تو یہ دعا پڑھ لو۔ تو یہاں پر بھی أُكِّدَ بول کر ارادۂ تاکید مراد ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ کہ جب تمہارا یہ ارادہ ہو کہ تم ضمیر کی تاکید نَفْسٌ اور عَيْنٌ سے لانا چاہتے ہو تو پھر پہلے کیا لے آؤ؟ تاکید منفصل کے ساتھ لے آؤ۔ اب بات ٹھیک ہو گئی۔ جب نَفْسٌ اور عَيْنٌ کو لے آؤ اس کے بعد تاکید نہیں لاؤ گے، بلکہ جب نَفْسٌ اور عَيْنٌ کو لانے کا ارادہ ہو تو پہلے کیا لے آؤ؟ تاکید لے آؤ۔ بات سمجھ میں آگئی؟

تو کہتے ہیں: أَيْ إِذَا أُرِيدَ تَأْكِيدُهُ بِهِمَا یعنی جب ارادہ کیا جائے اس ضمیر کی تاکید کا بِهِمَا ان دو لفظوں کے ذریعے، أُكِّدَ ذٰلِكَ الضَّمِيرُ أَوَّلًا بِمُنْفَصِلٍ تو تاکید لائی جائے گی اس ضمیر کی پہلے منفصل کے ساتھ، ثُمَّ بِالنَّفْسِ وَالْعَيْنِ پھر نَفْسٌ اور عَيْنٌ کے ساتھ، مِثْلُ ضَرَبْتَ أَنْتَ نَفْسُكَ مثال کے طور پر ضَرَبْتَ أَنْتَ نَفْسُكَ۔ تو کہتے ہیں: فَنَفْسُكَ تَأْكِيدٌ لِتَاءِ الضَّمِيرِ تو نَفْسُكَ جو ہے یہ تاکید ہے تَ ضمیر کی، بَعْدَ تَأْكِيدِهِ بِمُنْفَصِلٍ بعد اس کے کہ جب اس ضمیر کی تاکید لائی گئی منفصل کے ساتھ، هُوَ أَنْتَ اور وہ تاکید کیا ہے منفصل کے ساتھ؟ وہ تاکید وہ أَنْتَ ہے: ضَرَبْتَ أَنْتَ۔ تو پہلے أَنْتَ لایا گیا پھر تاکید لائی گئی نَفْسٌ اور عَيْنٌ کے ساتھ۔ معنی سمجھ میں آرہا ہے؟

کہتے ہیں، اب وجہ ذکر کر رہے ہیں کہ یہ تاکید کیوں لاتے ہیں؟ ضمیرِ مرفوع کی جب آپ تاکید لانا چاہتے ہیں نَفْسٌ اور عَيْنٌ سے تو پہلے کیا لے آؤ؟ مرفوع منفصل تاکید کے طور پر لے آؤ۔ یہ کیوں لاتے ہیں، اس کی وجہ کیا ہے؟ کہتے ہیں اس لیے کیونکہ بعض صورتوں میں فاعل کے ساتھ التباس لازم آتا تھا۔ جب بعض صورتوں میں التباس لازم آتا تھا تو وہاں پر ہم نے حکم لگا دیا کہ پہلے منفصل لانا پڑے گی۔ جب منفصل لاؤ گے تو فاعل سے التباس ختم ہو جائے گا، نَفْسٌ اور عَيْنٌ کا فاعل، بعض صورتوں میں، توجہ ہے؟ نَفْسٌ اور عَيْنٌ اگر ہم ضمیرِ مرفوع کے لیے تاکید لائیں اور درمیان میں منفصل نہیں ہو گی تو بعض صورتوں میں یہ شک اور شبہ ہوتا ہے کہ شاید یہ نَفْسٌ اور عَيْنٌ ہی فاعل ہیں، نَفْسٌ اور عَيْنٌ ہی فاعل ہیں۔ تو وہاں پھر ہم نے لازم قرار دیا کہ منفصل بیچ میں لاؤ تاکہ پتہ چل جائے یہ فاعل نہیں ہیں بلکہ یہ تاکید ہیں۔ تو بعض جگہ جب یہ حکم لگا دیا گیا تو پھر سارے باب کا یہی حکم کر دیا گیا، باقی جگہ چاہے التباس ہے یا نہیں ساروں کا حکم ایک کر دیا طَرْدًا لِلْبَابِ، طَرْدًا لِلْبَابِ سارے باب کی موافقت کے لیے، مناسبت کے لیے تاکہ سارے باب کا حکم ایک جیسا رہے۔ یہ نہیں کہ بعض جگہ تاکید لانی ہے اور بعض جگہ تاکید نہیں لانی۔

یہ اسی طرح ہے جیسے آپ نے أَكْرَمَ کی گردان پڑھی ہے بابِ افعال کی۔ گردان کس طرح ہے؟ يُكْرِمُ يُكْرِمَانِ يُكْرِمُونَ تُكْرِمُ تُكْرِمَانِ يُكْرِمْنَ تُكْرِمُ تُكْرِمَانِ تُكْرِمُونَ تُكْرِمِينَ تُكْرِمَانِ تُكْرِمْنَ أُكْرِمُ نُكْرِمُ۔ يُكْرِمُ اصل میں کیا تھا؟ يُؤَكْرِمُ۔ یہ ہمزہ کیوں گرایا؟ تو کہتے ہیں دراصل وہ آخر میں جو متکلم کا صیغہ آرہا ہے أُكْرِمُ، جی، یہ أُكْرِمُ اصل میں کیا تھا؟ أُؤَكْرِمُ، دو ہمزہ تھے، تو دو ہمزہ کا اجتماع ثقیل تھا۔ لہٰذا اسی لیے ایک ہمزہ کو گرا دیا گیا، أُكْرِمُ ہوا۔ اور جب اس میں ایک ہمزہ گرایا تو پھر پورے باب میں ہمزہ کو گرا دیا۔ يُكْرِمُ تو اصل میں يُؤَكْرِمُ تھا، لیکن اس ہمزہ کو بھی گرا دیا۔ توجہ ہے؟ کیونکہ مضارع کس طرح بناتے ہیں؟ ماضی کے شروع میں علامتِ مضارع لاتے ہیں اور ماضی میں أَكْرَمَ ہے، اس کے شروع میں يَ لے آؤ تو پھر يُؤَكْرِمُ ہونا چاہیے تھا۔ جی۔ تو ہمزہ کیوں گرایا؟ کیونکہ ایک صیغے میں ثقل آرہا تھا، جب اس میں گرایا تو طَرْدًا لِلْبَابِ ساری گردان میں ہمزہ کو گرا دیا۔ جی۔ تو یہاں پر بھی اسی طرح، ایک جگہ جب نَفْسٌ اور عَيْنٌ کا فاعل کے ساتھ التباس آرہا تھا اور وہاں پر ہم نے تاکید لازمی قرار دے دی، تو پھر باقی سارے باب میں بھی اس تاکید کو لازمی قرار دیا گیا طَرْدًا لِلْبَابِ تاکہ سارے باب کا ایک حکم ہو جائے۔

جیسے دیکھو مثال سمجھ لو، مثلاً مثلاً زَيْدٌ ضَرَبَ نَفْسُهُ توجہ سے سنو: زَيْدٌ ضَرَبَ نَفْسُهُ۔ تو یہ زَيْدٌ ہے مبتدا اور ضَرَبَ یہ ہے خبر، اور ضَرَبَ کے اندر هُوَ ضمیر ہے، اور اس هُوَ ضمیر کی میں تاکید نَفْسُهُ سے لانا چاہتا ہوں، کس کے ساتھ؟ نَفْسُهُ سے لانا چاہتا ہوں۔ تو پہلے هُوَ ضمیر تاکید لاؤں گا: ضَرَبَ هُوَ نَفْسُهُ، ضَرَبَ هُوَ نَفْسُهُ۔ وجہ یہ کہ اگر اس هُوَ کو ہٹا دیں اور یوں کہیں: زَيْدٌ ضَرَبَ نَفْسُهُ تو یوں لگے گا یہ نَفْسُهُ فاعل ہے ضَرَبَ کا۔ یہ نَفْسُهُ کیا ہے؟ یہ فاعل ہے ضَرَبَ کا، اور یہ نَفْسٌ اور عَيْنٌ کا لفظ کلام میں فاعل بنتے رہتے ہیں بھئی۔ تو لہٰذا فوراً سننے والے کے ذہن میں یہ آئے گا کہ یہ فاعل ہے، تاکید کا خیال اس کے ذہن میں نہیں آئے گا۔ زَيْدٌ ضَرَبَ نَفْسُهُ تو وہ کہے گا شاید یہ نَفْسُهُ فاعل ہے اور ضَرَبَ کے اندر کوئی ضمیر نہیں ہے۔ لیکن ہم تو تاکید بنانے کا ارادہ کر رہے تھے، تو اب پہلے هُوَ لے آؤ: زَيْدٌ ضَرَبَ هُوَ نَفْسُهُ۔ اب یہ جو هُوَ بیچ میں آگیا اس نے بتا دیا کہ یہ نَفْسُهُ فاعل نہیں بن سکتا، یہ فاعل نہیں ہے بلکہ ضَرَبَ کے اندر هُوَ ضمیر ہے وہ ہے مؤکَّد، اور یہ هُوَ ضمیر کیا ہے؟ تاکید۔ پہلے هُوَ کے ساتھ تاکید لائے اور پھر آگے نَفْسُهُ کے ساتھ دوسری تاکید لائے۔ بات سمجھ میں آگئی؟

تو التباس صرف اس صورت میں آتا تھا جس میں ضمیرِ مستکن تھی یعنی مستتر تھی۔ ضَرَبَ کے اندر هُوَ ضمیر چھپی ہوئی تھی، تو اس صورت میں نَفْسُهُ کا التباس کس سے لازم آتا تھا؟ فاعل سے۔ اگر ضمیرِ بارز ہو پھر تو التباس کا کوئی خطرہ نہیں۔ مثلاً یوں کہیں: ضَرَبْتَ نَفْسُكَ، ضَرَبْتَ نَفْسُكَ، اب یہاں کوئی التباس کا خطرہ نہیں۔ کیونکہ ضَرَبْتَ اس کے ساتھ تَ ضمیر فاعل کی جڑی ہوئی ہے۔ ضَرَبْتَ نَفْسُكَ، یہ نَفْسُكَ اس ضَرَبْتَ کے لیے فاعل نہیں بن سکتا کیونکہ نَفْسُكَ اسمِ ظاہر ہے، اور اسمِ ظاہر صرف پہلے اور چوتھے صیغے کے لیے فاعل بن سکتا ہے اور کسی صیغے کے لیے نہیں بن سکتا۔ تو یہ ضَرَبْتَ نہ تو یہ پہلا صیغہ ہے نہ چوتھا صیغہ ہے۔ توجہ ہے؟ تو یہاں ضَرَبْتَ کے اندر تَ ضمیر بارز ہے، نظر آرہی ہے، یہ فاعل بنے گی اور نَفْسُكَ کیا

بنے گی اس کی؟ تاکید۔ تو یہاں دیکھو نَفْسُكَ، اس کا التباس فاعل کے ساتھ نہیں آرہا، یہاں ضمیرِ منفصل لانے کی کوئی حاجت نہیں۔ لیکن چونکہ ایک جگہ التباس لازم آرہا تھا وہ ضمیرِ مستتر میں، مستکن میں، مستکن کا بھی کیا معنی؟ مستتر، تو ضمیرِ مستکن میں التباس لازم آرہا تھا، وہاں ہم نے تاکید بالمنفصل کو لازم قرار دیا، تو اب باقی سب میں بھی تاکید بالمنفصل کو لازم قرار دیں گے طَرْدًا لِلْبَابِ۔ تو کیسے کہیں گے؟ ضَرَبْتَ أَنْتَ نَفْسُكَ۔ طریقہ سمجھ میں آگیا؟

اب دیکھیے بھئی، کہتے ہیں: إِذْ لَوْلَا ذٰلِكَ کہتے ہیں اس لیے کیونکہ اگر یہ تاکید نہ ہوتی، لَالْتَبَسَ التَّأْكِيدُ بِالْفَاعِلِ تو وہ جو تاکید ہے نَفْسٌ اور عَيْنٌ والی، وہ فاعل کے ساتھ اس کا التباس لازم آتا إِذَا وَقَعَ تَأْكِيدًا لِلْمُسْتَكِنِّ، کب؟ جب یہ تاکید واقع ہو اس مستکن کے لیے، ضمیرِ مستتر کے لیے۔ نَحْوُ زَيْدٌ أَكْرَمَنِي هُوَ نَفْسُهُ، زید کہ اس نے خود میرا اکرام کیا۔ اب یہاں یہ هُوَ نہ ہوتا تو یہ نَفْسُهُ أَكْرَمَنِي کے لیے فاعل بن جاتا کیونکہ أَكْرَمَ کے اندر ضمیرِ مستکن ہے مستتر ہے، تو لہٰذا یہاں هُوَ لائے تو پھر اب پتہ چل گیا نَفْسُهُ فاعل نہیں ہے۔ فَلَوْ لَمْ يُؤَكَّدِ الضَّمِيرُ الْمُسْتَكِنُّ فِي أَكْرَمَنِي اگر تاکید نہ لائی جائے ضمیرِ مستکن کی أَكْرَمَنِي کے اندر بِقَوْلِهِ هُوَ اس هُوَ قول کے ساتھ، وَيُقَالُ اور یوں کہا جائے: زَيْدٌ أَكْرَمَنِي نَفْسُهُ، لَالْتَبَسَ نَفْسُهُ الَّذِي هُوَ التَّأْكِيدُ بِالْفَاعِلِ تو التباس لازم آئے گا نَفْسُهُ کا جو کہ تاکید ہے، اس کا التباس لازم آئے گا بِالْفَاعِلِ کس کے ساتھ؟ فاعل کے ساتھ۔ وَلَمَّا وَقَعَ الْإِلْتِبَاسُ فِي هٰذِهِ الصُّورَةِ اور جب التباس واقع ہوا اس صورت کے اندر، أُجْرِيَ بَقِيَّةُ الْبَابِ عَلَيْهَا تو باقی باب کو بھی اسی پر جاری کر دیا گیا یعنی اس کا بھی یہی حکم کر دیا گیا۔

وَإِنَّمَا قَيَّدَ الضَّمِيرَ... جی، اب فوائدِ قیود ذکر کر رہے ہیں۔ بھئی دیکھیے متن میں تین قیدیں آئی تھیں: وَإِذَا أُكِّدَ الضَّمِيرُ الْمَرْفُوعُ الْمُتَّصِلُ بِالنَّفْسِ وَالْعَيْنِ۔ ضمیر کے ساتھ پہلی قید کیا لگائی؟ مرفوع ہونی چاہیے۔ دوسری قید کیا لگائی؟ متصل ہونی چاہیے۔ تیسری قید کیا لگائی؟ کہ وہ تاکید نَفْسٌ اور عَيْنٌ کے ساتھ آنی چاہیے۔ تین قیدیں ہیں متن کے اندر کہ ضمیر کی تاکید لانا چاہتے ہیں، کون سی ضمیر؟ مرفوع، اور مرفوع بھی کون سی؟ متصل، اور کس کے ساتھ لانا چاہتے ہیں؟ نَفْسٌ اور عَيْنٌ کے ساتھ۔ اب ان ساری قیدوں کا فائدہ ذکر کریں گے۔ کہتے ہیں ضمیرِ مرفوع کی قید اس لیے لگائی کہ ضمیرِ منصوب یا مجرور کے لیے تاکید لانے کی ضرورت نہیں۔ جی۔ اس کی آپ نَفْسٌ اور عَيْنٌ سے تاکید لانا چاہتے ہیں تو وہاں منفصل کے ساتھ تاکید لانے کی ضرورت نہیں۔ اور نیز ضمیرِ مرفوع متصل، ضمیرِ مرفوع کے ساتھ متصل کی قید لگائی اس لیے کیونکہ ضمیرِ مرفوع منفصل جو ہے آپ اس کی تاکید نَفْسٌ اور عَيْنٌ سے لانا چاہتے ہیں تو وہاں بھی درمیان میں کوئی اور تاکید لانے کی ضرورت نہیں۔ اور نیز کہا بِالنَّفْسِ وَالْعَيْنِ کہ نَفْسٌ اور عَيْنٌ کے ساتھ تاکید لانا چاہتے ہیں، اس کے علاوہ اگر آپ كُلٌّ یا أَجْمَعُ وغیرہ کے ساتھ تاکید لانا چاہتے ہیں تو پھر یاد رکھو وہاں بھی کسی تاکید کی ضرورت نہیں۔ تو یہ تینوں قیدیں ملحوظ ہوں گی تو پھر ہی تاکید لانا پڑے گی۔ ضمیر بھی کون سی ہو؟ مرفوع۔ اور مرفوع بھی کون سی ہو؟ متصل۔ اور تاکید بھی آپ کس سے لانا چاہتے ہیں؟ نَفْسٌ اور عَيْنٌ کے ساتھ۔ بات سمجھ میں آگئی؟ جی۔

اب یہ دیکھو ایک ایک قید کا فائدہ ذکر کریں گے۔ کہتے ہیں: وَإِنَّمَا قَيَّدَ الضَّمِيرَ بِالْمَرْفُوعِ ماتن نے ضمیر کو مقید کیا مرفوع کے ساتھ، لِجَوَازِ تَأْكِيدِ الضَّمِيرِ الْمَنْصُوبِ وَالْمَجْرُورِ بِالنَّفْسِ وَالْعَيْنِ بِلَا تَأْكِيدِهِمَا بِالْمُنْفَصِلِ اس لیے کیونکہ جائز ہے کہ ضمیرِ منصوب اور مجرور کی تاکید لائی جائے بِالنَّفْسِ وَالْعَيْنِ نَفْسٌ اور عَيْنٌ کے لفظ کے ساتھ، بِلَا تَأْكِيدِهِمَا بِالْمُنْفَصِلِ بغیر منفصل کے ساتھ ان کی تاکید لائے ہوئے۔ نَحْوُ مثال کے طور پر ضَرَبْتُكَ نَفْسَكَ۔ اب یہاں نَفْسَكَ پڑھنا ہے، کیا پڑھنا ہے؟ نَفْسَكَ۔ کیوں؟ وجہ یہ کہ ضَرَبْتُكَ یہ كَ ضمیر کی تاکید میں لایا ہوں، اور كَ ضمیر تو منصوب ہے مفعول ہے، تو تاکید بھی منصوب ہو گی۔ تو ضَرَبْتُكَ نَفْسَكَ، تو یہ منصوب ضمیر کی تاکید لائی گئی نَفْسٌ کے ساتھ اور درمیان میں ضمیرِ منفصل لانے کی کوئی حاجت نہیں۔ اسی طرح وَمَرَرْتُ بِكَ نَفْسِكَ، نَفْسِكَ مجرور پڑھیں گے کیونکہ بِكَ یہ كَ ضمیر بھی کیا ہے؟ مجرور متصل ہے۔ اس کی تاکید بھی نَفْسٌ اور عَيْنٌ سے لائیں تو کوئی تاکید درمیان میں لانے کی حاجت نہیں۔ تو کہتے ہیں: وَمَرَرْتُ بِكَ نَفْسِكَ، ضَرَبْتُكَ نَفْسَكَ میں نے آپ ہی کی ذات کی پٹائی کی، مَرَرْتُ بِكَ نَفْسِكَ میں آپ کی ذات کے پاس سے ہی گزرا۔ معنی سمجھ میں آیا؟ میں آپ کی ذات کے پاس سے گزرا۔ لِعَدَمِ اللُّبْسِ التباس نہ ہونے کی وجہ سے، یعنی ان کا التباس فاعل وغیرہ یا کسی اور چیز سے لازم نہیں آتا، یہ جو منصوب متصل ہے اور مجرور متصل ہے۔

وَبِالْمُتَّصِلِ، یہ سمجھ لو بھئی یہاں پریشان ہوں گے۔ وَبِالْمُتَّصِلِ اس کا عطف ہے وہ جو پیچھے ایک سطر پیچھے آیا تھا: وَإِنَّمَا قَيَّدَ الضَّمِيرَ بِالْمَرْفُوعِ ضمیر کو مقید کیا کس قید کے ساتھ؟ مرفوع کے ساتھ۔ اب اسی پر عطف ہے وَبِالْمُتَّصِلِ اور ضمیر کو مقید کیا کس کے ساتھ؟ متصل کے لفظ کے ساتھ، لِجَوَازِ تَأْكِيدِ الْمَرْفُوعِ الْمُنْفَصِلِ اس لیے کیونکہ جائز ہے کہ مرفوع منفصل کی تاکید لائی جائے بِالنَّفْسِ وَالْعَيْنِ نَفْسٌ اور عَيْنٌ کے ساتھ، بِلَا تَأْكِيدِهِ بِمُنْفَصِلٍ بغیر اس کی تاکید لائے منفصل کے ساتھ۔ نَحْوُ مثال کے طور پر أَنْتَ، اب مجھے بتائیے کیا پڑھیں گے؟ نَفْسَكَ، نَفْسِكَ، نَفْسُكَ کیا پڑھیں گے؟ أَنْتَ نَفْسُكَ۔ کیوں، نَفْسُكَ کیوں پڑھیں گے؟ أَنْتَ مرفوع۔ مرفوع، أَنْتَ مرفوع ہے، شاباش۔ ضمیرِ مرفوع کی تاکید ہے اور مؤکَّد تاکید کا اعراب ایک ہوتا ہے، تو أَنْتَ نَفْسُكَ قَائِمٌ آپ خود کھڑے ہیں۔ آگے دیکھیے، کہتے ہیں: لِعَدَمِ اللُّبْسِ التباس نہ ہونے کی وجہ سے کیونکہ اس کا بھی کسی اور چیز سے التباس نہیں آ رہا۔

وَإِنَّمَا قَيَّدَ بِالنَّفْسِ وَالْعَيْنِ اب یہ تیسری قید کا فائدہ بتلا رہے ہیں۔ وَإِنَّمَا قَيَّدَ بِالنَّفْسِ وَالْعَيْنِ اور ماتن نے کلام کو مقید کیا نَفْسٌ اور عَيْنٌ کے ساتھ، لِجَوَازِ تَأْكِيدِ الْمَرْفُوعِ الْمُتَّصِلِ بِكُلٍّ وَأَجْمَعِينَ بِلَا تَأْكِيدٍ اس لیے کیونکہ جائز ہے کہ مرفوع متصل کی تاکید لائی جائے كُلٌّ اور أَجْمَعُونَ کے ساتھ بِلَا تَأْكِيدٍ بغیر کسی تاکید کے۔ نَحْوُ مثال کے طور پر الْقَوْمُ جَاؤُونِي كُلُّهُمْ۔ یہ كُلُّهُمْ کس کی تاکید ہے اب آپ مجھے بتائیے؟ الْقَوْمُ جَاؤُونِي كُلُّهُمْ وہ لوگ میرے پاس آئے سب کے سب۔ بھئی دیکھو نا لِجَوَازِ، پیچھے خود بیان کر رہے ہیں لِجَوَازِ تَأْكِيدِ الْمَرْفُوعِ الْمُتَّصِلِ مرفوع متصل کی تاکید لانا جائز ہے بِكُلٍّ وَأَجْمَعِينَ كُلٌّ اور أَجْمَعُونَ کے ساتھ بِلَا تَأْكِيدٍ بغیر کسی تاکید کے۔ یہ ضمیر کی تاکید کی بات ہو رہی ہے، ضمیرِ مرفوع۔ اور ضمیرِ مرفوع کیا ہے الْقَوْمُ جَاؤُونِي کے اندر؟ یہ و ہے، جَاؤُوا کے اندر جو و ضمیر ہے جمع مذکر کی جو کس کو لوٹ رہی ہے؟ الْقَوْمُ کو۔ اس ضمیرِ مرفوع متصل کی

تاکید کُلُّهُمْ لائی گئی، اسی طرح آگے ہے أَجْمَعُونَ، كُلُّهُمْ أَجْمَعُونَ۔ تو یہاں کسی تاکید کی ضرورت نہیں ہے یعنی درمیان میں ضمیرِ منفصل کی ضرورت نہیں۔ الْقَوْمُ جَاؤُونِي كُلُّهُمْ أَجْمَعُونَ، یہاں بھی تاکید نہیں لاتے۔ کیوں؟ لِعَدَمِ الْتِبَاسِ التَّأْكِيدِ بِالْفَاعِلِ اس لیے کیونکہ اس تاکید کا التباس فاعل کے ساتھ نہیں آتا۔

بھئی فاعل کے ساتھ اس کا التباس کیوں نہیں لازم آتا؟ کہتے ہیں اب ادھر دیکھیے وجہ بتائیں گے کہ بھئی یہ جو کُلٌّ اور أَجْمَعُونَ ہیں ان پر، ان پر عامل کم داخل ہوتا ہے۔ ان پر عامل کم داخل ہوتا ہے، جبکہ نَفْسٌ اور عَيْنٌ پر عامل اکثر داخل ہوتے رہتے ہیں کہ عامل براہِ راست آکر ان میں عمل کرتے ہیں۔ جبکہ كُلٌّ اور أَجْمَعُ جو ہے یہ اکثر تاکید ہی بنتے ہیں اور آپ جانتے ہیں تاکید تو توابع میں سے ہے اور توابع میں تو عامل براہِ راست عمل نہیں کرتا وہ تو متبوع میں براہِ راست عمل کرتا ہے۔ جَاءَنِي زَيْدٌ الْعَالِمُ، جَاءَ نے زَيْدٌ میں عمل کیا ہے، الْعَالِمُ میں عمل نہیں کیا الْعَالِمُ زَيْدٌ کے تابع ہے۔ تو تاکید بھی ماقبل کے تابع ہوتی ہے، عامل براہِ راست اس میں عمل نہیں کرتا۔ تو لہٰذا نَفْسٌ اور عَيْنٌ ان میں تو عامل براہِ راست عمل کرتا رہتا ہے یہ فاعل بنتے رہتے ہیں، لہٰذا یہ اگر ساتھ آئیں تو وہاں شبہ پڑ سکتا ہے کہ یہ فاعل نہ ہوں تو وہاں ہم نے کہا ضمیرِ منفصل لاؤ۔ اور كُلٌّ اور أَجْمَعُونَ یہ تو فاعل نہیں بنتے ان پر تو براہِ راست عامل کم، بہت ہی کم داخل ہوتا ہے، تو اس لیے یہاں ان کا فاعل سے التباس نہیں تو ان کے لیے ضمیرِ منفصل درمیان میں لانے کی ضرورت نہیں ہے۔

کہتے ہیں: لِعَدَمِ الْتِبَاسِ التَّأْكِيدِ بِالْفَاعِلِ اس لیے کیونکہ اس تاکید کا التباس فاعل کے ساتھ نہیں ہے، لِأَنَّ كُلًّا وَأَجْمَعِينَ يَلِيَانِ الْعَوَامِلَ قَلِيلًا اس لیے کیونکہ كُلٌّ اور أَجْمَعُونَ جو ہیں يَلِيَانِ... یہ يَلِيَانِ یہ تثنیہ کا صیغہ ہے، وَلِيَ يَلِي کا معنی ہے ساتھ ملنا، ساتھ جڑنا، تو يَلِي يَلِيَانِ يَلُونَ۔ تو کہتے ہیں: لِأَنَّ كُلًّا وَأَجْمَعِينَ يَلِيَانِ الْعَوَامِلَ قَلِيلًا اس لیے کیونکہ كُلٌّ اور أَجْمَعُونَ جو ہیں وہ عوامل کے ساتھ ملتے ہیں قَلِيلًا کم بھئی۔ کم ملتے ہیں عوامل کے ساتھ، عوامل ان میں بہت کم براہِ راست عمل کرتے ہیں۔ بِخِلَافِ النَّفْسِ وَالْعَيْنِ بخلاف نَفْسٌ اور عَيْنٌ کے، فَإِنَّهُمَا يَلِيَانِهَا كَثِيرًا اس لیے کیونکہ یہ دونوں جو ہیں عوامل کے ساتھ کثرت سے ملتے ہیں یعنی عوامل ان میں براہِ راست عمل کرتے ہیں۔ بات سمجھ میں آگئی؟

آگے دیکھیے بھئی، صرف متن متن۔ کہتے ہیں: وَأَكْتَعُ وَأَخَوَاهُ أَتْبَاعٌ لِأَجْمَعَ۔ بھئی میں نے آپ کو بتلایا تھا، یہ وہی بات کر رہے ہیں جو میں کل ذکر کر چکا، کہ أَجْمَعُ، أَكْتَعُ، أَبْتَعُ، أَبْصَعُ ان کے اندر أَجْمَعُ جو ہے وہ اصل ہے اور یہ باقی تینوں اس کے تابع ہیں۔ تو لہٰذا یہ جب بھی آئیں گے أَجْمَعُ کے بعد آئیں گے۔ کس کے بعد آئیں گے؟ أَجْمَعُ کے بعد آئیں گے۔ اور پھر چاہے ان میں سے کسی کو أَجْمَعُ کے ساتھ آپ لائیں چاہے نہ لائیں، چاہے ایک لائیں، چاہے دو لائیں، چاہے تینوں لائیں۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو یہ أَجْمَعُ کے تابع ہیں، اور أَجْمَعُ کے بغیر بھی یہ استعمال نہیں ہوتے کیونکہ ان کا اکیلے کوئی معنی ہی نہیں گزشتہ سبق میں بتایا تھا۔ تو یہ أَجْمَعُ کے بغیر نہیں آتے، أَجْمَعُ کے بغیر ان کا آنا ضعیف ہے، ضعیف لغت ہے بھئی۔ بات سمجھ میں آگئی؟

تو کہتے ہیں: وَأَكْتَعُ وَأَخَوَاهُ کہتے ہیں أَكْتَعُ اور اس کے جو دو بھائی ہیں یعنی اس کے جو دو مشابہ کلمے ہیں یعنی أَبْتَعُ اور أَبْصَعُ، یہ أَتْبَاعٌ لِأَجْمَعَ یہ تابع ہیں أَجْمَعُ کے۔ أَتْبَاعٌ جمع ہے تَابِعٌ کی۔ فَلَا يُتَقَدَّمُ عَلَيْهِ لہٰذا یہ مقدم نہیں ہوں گے اس أَجْمَعُ پر۔ وَذِكْرُهَا دُونَهُ اور ان کو ذکر کرنا دُونَهُ علاوہ أَجْمَعُ کے یعنی أَجْمَعُ کے بغیر صرف ان کو ذکر کرنا کلام میں، ضَعِيفٌ یہ ضعیف ہے۔

جی اب اس سارے کو شرح کے ساتھ دیکھیے۔ کہتے ہیں: وَأَكْتَعُ وَأَخَوَاهُ أَكْتَعُ اور اس کے جو دو بھائی ہیں یعنی أَبْتَعَ وَأَبْصَعَ یعنی أَبْتَعُ اور أَبْصَعُ، یہ دو تینوں جو ہیں أَتْبَاعٌ بِفَتْحِ الْهَمْزَةِ یہ أَتْبَاعٌ کا لفظ ہمزہ کے فتحہ کے ساتھ ہے یعنی یہ جمع ہے تَابِعٌ کی۔ یہ ہمزہ کے فتحہ کے ساتھ ہے عَلَى مَا هُوَ الْمَشْهُورُ بنا بر اس کے جو مشہور ہے۔ وہ بنا بر اس کے جو مشہور ہے اس کا تعلق بِفَتْحِ الْهَمْزَةِ سے نہ سمجھنا بھئی، ہمزہ کے فتحہ کے ساتھ ہے بنا بر اس کے جو مشہور ہے نہیں نہیں۔ اس کا تعلق ہے أَتْبَاعٌ کے ساتھ کہ أَكْتَعُ اور أَبْتَعُ، أَبْصَعُ وغیرہ جو ہیں یہ تابع ہیں عَلَى مَا هُوَ الْمَشْهُورُ بنا بر اس کے جو مشہور ہے لِأَجْمَعَ کس کے تابع ہیں؟ أَجْمَعُ کے۔ بعضوں نے کہا ہے یہ تابع نہیں لیکن مشہور یہ ہے کہ یہ ان کے تابع ہیں، تو مشہور قول کی بنا پر یہ تابع ہیں۔ معنی سمجھ میں آگیا؟

تو کہتے ہیں یہ عَلَى مَا هُوَ الْمَشْهُورُ بنا بر مشہور قول کے یہ تابع ہیں لِأَجْمَعَ أَجْمَعُ کے۔ يَعْنِي تُسْتَعْمَلُ هٰذِهِ الْكَلِمَاتُ الثَّلَاثُ بِتَبَعِيَّتِهِ لَا بِالْأَصَالَةِ یعنی یہ تین کلمات جو ہیں استعمال ہوتے ہیں أَجْمَعُ کے تابع ہو کر، لَا بِالْأَصَالَةِ اصالتاً الگ جدا نہیں استعمال ہوتے۔ لِكَوْنِهِ أَدَلَّ مِنْهَا عَلَى الْمَقْصُودِ، لِكَوْنِهِ أَدَلَّ اس لیے کیونکہ یہ جو أَجْمَعُ ہے یہ زیادہ دلالت کرنے والا ہے۔ لِكَوْنِهِ أَدَلَّ کیونکہ أَجْمَعُ جو ہے زیادہ دلالت کرتا ہے مِنْهَا ان کے مقابلے میں۔ یہ هَا ضمیر ان تینوں کو راجع ہے اور أَدَلَّ اسمِ تفضیل ہے۔ لِكَوْنِهِ أَدَلَّ مِنْهَا اس لیے کیونکہ أَجْمَعُ جو ہے وہ زیادہ دلالت کرتا ہے مِنْهَا ان تینوں کے مقابلے میں عَلَى الْمَقْصُودِ مقصود پر۔ بھئی أَجْمَعُ کس لیے لاتے ہیں؟ اجتماع کے لیے، شمول کے لیے، اور أَجْمَعُ کی دلالت اجتماع اور شمول پر واضح ہے، جبکہ باقیوں کی دلالت شمول اور اجتماع پر واضح نہیں جیسے گزشتہ سبق میں وہ مناسبتیں بیان کی تھیں تو ان کا معنی شمول اور اجتماع میں واضح نہیں ہے بھئی۔ یہ معنی ہے لِكَوْنِهِ أَدَلَّ مِنْهَا عَلَى الْمَقْصُودِ اس لیے کیونکہ أَجْمَعُ جو ہے وہ زیادہ دلالت کرنے والا ہے ان کے مقابلے میں مقصود پر۔ بھئی وہ مقصود کیا ہے؟ کہتے ہیں: وَهُوَ الْجَمْعِيَّةُ اور وہ جمع ہونا ہے یعنی جمع ہونے اور اجتماع کے معنی پر أَجْمَعُ زیادہ دلالت کرتا ہے۔

فَلَا يُتَقَدَّمُ تو لہٰذا مقدم نہیں ہوں گے، يَعْنِي أَكْتَعَ وَأَخَوَيْهِ یعنی أَكْتَعُ اور اس کے جو دو مشابہ کلمے ہیں یہ مقدم نہیں ہوں گے عَلَيْهِ أَيْ عَلَى أَجْمَعَ کس پر؟ أَجْمَعُ پر۔ لَوِ اجْتَمَعَتْ مَعَهُ اگر یہ اس کے ساتھ اکٹھے ہو جائیں۔ اگر یہ تین کلمے ان میں سے کوئی أَجْمَعُ کے ساتھ اکٹھے ہو جائیں تو أَجْمَعُ پر مقدم نہیں ہوں گے۔ وَذِكْرُهَا أَيْ ذِكْرُ أَكْتَعَ مَعَ أَخَوَيْهِ اور ذکر کرنا أَكْتَعُ اور اس کے باقی دو مشابہ کلموں کو دُونَهُ أَيْ دُونَ ذِكْرِ أَجْمَعَ أَجْمَعُ کے ذکر کے بغیر، صرف ان کو ذکر کرنا أَجْمَعُ کے ذکر کے بغیر، ضَعِيفٌ

یہ ضعیف ہے، لِعَدَمِ ظُهُورِ دَلَالَتِهَا عَلَى مَعْنَى الْجَمْعِيَّةِ اس لیے کیونکہ ان کی دلالت جمعیت کے معنی پر ظاہر نہیں۔ باقیوں کی دلالت جمعیت کے معنی پر ظاہر نہیں ہے، أَجْمَعُ سے تو جمعیت کا معنی سمجھ میں آتا ہے اکٹھے ہونے اور شمول کا معنی سمجھ میں آتا ہے لیکن أَكْتَعُ، أَبْتَعُ، أَبْصَعُ سے یہ معنی سمجھ میں نہیں آتا، ان کی دلالت جمعیت پر ظاہر نہیں اور أَجْمَعُ کی دلالت جمعیت پر ظاہر ہے۔ یہ معنی ہے لِعَدَمِ ظُهُورِ دَلَالَتِهَا عَلَى مَعْنَى الْجَمْعِيَّةِ اس وجہ سے کہ ان کی جو دلالت ہے جمعیت کے معنی پر وہ ظاہر نہیں ہے۔

وَلِلُزُومِ ذِكْرِ مَا مِنْ شَأْنِهِ التَّبَعِيَّةُ بِدُونِ الْأَصْلِ، وَلِلُزُومِ ذِكْرِ مَا اور نیز اس لیے کیونکہ یہ بات لازم آتی ہے کہ ذکر کیا جائے اس چیز کو مِنْ شَأْنِهِ التَّبَعِيَّةُ جس کی شان ہی تابع ہونا ہے، جس کی حالت ہی کیا ہے؟ تابع ہونا ہے، اس کو ذکر کرنا بِدُونِ الْأَصْلِ بغیر اصل کے، یہ لازم آتا ہے اور یہ تو پسندیدہ نہیں کہ ایک چیز کہ اس کی حالت ہی کیا ہے، وہ ہمیشہ کیا بنتا ہے؟ تابع بنتا ہے، اس کو بغیر اصل کے استعمال کر لینا، بغیر أَجْمَعُ کے استعمال کر لینا یہ لازم آتا ہے اور یہ پسندیدہ نہیں۔ تو لہٰذا ان کو أَجْمَعُ کے بغیر ذکر کرنا ضعیف ہے۔ دو وجہیں ذکر کر دیں: ان کو أَجْمَعُ کے بغیر ذکر کرنا ضعیف ہے، کیوں؟ ایک تو وجہ یہ کہ ان کی دلالت جو ہے جمعیت کے معنی پر ظاہر نہیں، اور دوسری وجہ یہ کہ اس صورت میں لازم آئے گا کہ ایک چیز کہ جس کی حالت ہی یہ ہے کہ وہ تابع کے طور پر استعمال ہوتا ہے آپ نے اس کو اصل بنا دیا۔ تو کیا لازم آتا ہے؟ تابع کا اصل ہونا لازم آتا ہے۔

کی ترجمہ پھر دیکھ لیجیے۔ کہتے ہیں: وَلِلُزُومِ ذِكْرِ مَا مِنْ شَأْنِهِ التَّبَعِيَّةُ اور بوجہ اس کے کہ لازم آتا ہے ذکر کرنا اس چیز کو جس کی شان ہی تابع ہونا ہے، بِدُونِ الْأَصْلِ بغیر اصل، جس کی شان ہی تابع ہے، تابع ہونا ہے اس کو بغیر اصل کے ذکر کرنا لازم آتا ہے، حالانکہ یہ تو آتا ہی کس طرح ہے؟ تابع کے طور پر آتا ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ حل ہو گیا؟

حاصلِ کلام یہ کہ آج انہوں نے بتایا کہ كُلٌّ اور أَجْمَعُ کے ذریعے صرف اسی چیز کی تاکید لائیں گے جس کے اجزاء ہوں، اور وہ اجزاء ایک دوسرے سے جدا ہو سکیں چاہے حساً جدا ہو سکیں یا حکماً جدا ہو سکیں۔ اور نیز بعضوں نے کہا کہ ذُو أَجْزَاءٍ کے ساتھ ذو افراد کی قید بھی لگانی چاہیے تھی۔ تو بتلایا نہیں، وہ افراد اسی میں داخل ہو گئے۔ اس لیے کیونکہ جس چیز کے افراد ہیں ان کے لیے آپ كُلٌّ اور أَجْمَعُ کی تاکید لانا چاہتے ہیں تو یہ تاکید اسی وقت لائیں گے جب اس کے تمام افراد اکٹھے ہوں، جب اس کے تمام افراد اکٹھے ملحوظ ہوں، اور جب تمام افراد اکٹھے ملحوظ ہیں تو وہ کل بن گئے۔ کیا بن گئے؟ کل بن گئے، تو گویا وہ اجزاء کے درجے میں ہو گئے، اور جب وہ اجزاء کے درجے میں ہو گئے تو اب ان کے لیے کل کی تاکید لانا صحیح۔ اگر یہ اجزاء کے درجے میں نہیں ہوں گے تو کل کی تاکید ہی نہیں لا سکتے۔ تو جب کل کی تاکید ہی وہاں لائیں گے جب افراد اجزاء کے درجے میں ہو گئے، جب اجزاء کے درجے میں ہو گئے تو ذُو أَجْزَاءٍ میں یہ بھی آ گئے، دوبارہ الگ ذو افراد لانے کی ضرورت نہیں۔

اور پھر یہ بھی بتایا تھا کہ جب ضمیرِ مرفوع متصل کی تاکید جو ہے آپ نَفْسٌ اور عَیْنٌ کے ساتھ لانا چاہتے ہیں تو پھر پہلے ضمیرِ منفصل کے ساتھ اس کی تاکید لائیں گے۔ اور میں نے یہ بھی بتایا اگر کہیں پر فصل آجائے تو فصل بھی کافی ہے، فصل بھی کافی ہے پھر وہاں پر تاکید کی بھی ضرورت نہیں ہے، جیسے مثلاً میں کہتا ہوں: زَیْدٌ، پہلے کیا تھا جملہ؟ زَیْدٌ ضَرَبَ هُوَ نَفْسُهُ۔ زَیْدٌ ضَرَبَ هُوَ نَفْسُهُ، یہ نَفْسُهُ کے فاعل ہونے کا احتمال تھا۔ نَفْسُهُ کے بارے میں شبہ ہوتا تھا یہ فاعل ہے اگر ہم هُوَ ضمیر نہ لاتے، تو اس لیے ہم هُوَ ضمیر منفصل لائے۔ اگر فصل آجائے تو پھر هُوَ کی ضرورت نہیں: زَیْدٌ ضَرَبَ بِنَفْسِهِ، زَیْدٌ ضَرَبَ بِنَفْسِهِ، اب دیکھو بِنَفْسِهِ اب یہاں اس پر بَ داخل ہے، اب اس کے فاعل ہونے کا احتمال نہیں، یہ تاکید بن رہا ہے اور فصل بَ کے ذریعے آیا۔ ایک حرف کا بھی فصل آجائے وہ کافی ہے، لہٰذا اب هُوَ لانے کی ضرورت نہیں تو آپ کہہ سکتے ہیں: زَیْدٌ ضَرَبَ بِنَفْسِهِ۔ اگر یہ بَ نہ ہوتی تو ہمیں یوں کہنا پڑتا: زَیْدٌ ضَرَبَ هُوَ نَفْسُهُ۔ پہلے هُوَ کے ساتھ تاکید لانا پڑتی اور پھر نَفْسٌ کے ساتھ تاکید لانا پڑتی۔ لیکن جب فصل آجائے تو وہ فصل کافی ہے، اب ضمیرِ مرفوع منفصل کے ساتھ تاکید لانے کی کوئی حاجت نہیں، جیسے: زَیْدٌ ضَرَبَ بِنَفْسِهِ۔ تو اب دیکھو بَ، ایک حرف کا بے شک فصل آگیا لیکن فصل تو آگیا، اب درمیان میں هُوَ لانے کی ضرورت نہیں۔ اگر یہ بَ نہ ہوتی تو ہم کیسے کہتے؟ زَیْدٌ ضَرَبَ هُوَ نَفْسُهُ۔ لیکن اب بَ آگئی، فصل آگیا، بے شک ایک حرف کا فصل ہے لیکن فصل تو آگیا، تو لہٰذا اب هُوَ درمیان میں لانے کی حاجت نہیں ہے۔

بات سمجھ میں آگئی؟ اور یہ بات یاد رکھنا یہ بَ جارہ زائد ہے، یہ کیا ہے؟ زائد۔ اور میں نے آپ کو بتلایا تھا کہ یہ حروفِ جارہ زائدہ، یہ بات ہمیشہ یاد رکھنا: حروفِ جارہ زائدہ کسی سے متعلق نہیں ہوتے۔ ویسے تو آپ جار مجرور کے لیے متعلق تلاش کرتے ہیں اور پھر جار مجرور اس سے متعلق ہو جاتا ہے، لیکن جو حروفِ جارہ زائدہ ہوں وہ کسی سے نہیں جڑتے کیونکہ وہ زائد ہیں، جب آپ کسی سے جوڑیں گے تو اس کا مطلب ہے یہ ربط کا کام دے رہا ہے، اپنے معنی کا فائدہ دے رہا ہے، اور یہ تو زائد ہوتے ہیں۔ اور میں نے بتایا تھا کہ زائد آنے کا یہ معنی بھی نہیں ہے کہ یہ بالکل بیکار ہیں اور ردی ہیں، نہیں، یہ کلام میں حسن پیدا کرتے ہیں اور نیز یہ کلام میں تاکید اور زور پیدا کر دیتے ہیں۔ جی۔ جیسے ایک میں کہتا ہوں: زَیْدٌ قَائِمٌ زید کھڑا ہے، اور ایک میں کہتا ہوں: وَاللّٰهِ إِنَّ زَیْدًا لَقَائِمٌ، تو دیکھو اب قسم سے کیا آگیا؟ زور آگیا۔ تو خیر قسم سے تو بے انتہا درجے کا زور آجاتا ہے کلام میں، لیکن ان کے ذریعے اتنا تو زور نہیں آتا کلام میں لیکن ویسے یہ میں نے وضاحت کے لیے مثال پیش کی کہ کلام میں زور آجاتا ہے۔ تو ایک حرفِ زائد کے بغیر کلام ہو گا، جیسے میں کہتا ہوں: لَیْسَ زَیْدٌ قَائِمًا، لَیْسَ زَیْدٌ قَائِمًا، تو اب اس کا معنی کیا ہے؟ زید کھڑا نہیں ہے۔ اور میں، ایک صورت یہ ہے کہ لَیْسَ کی خبر پر بَ داخل کرتے ہیں۔ یاد رکھو لَیْسَ کی خبر پر اکثر بَ جارہ زائدہ داخل کر دیتے ہیں۔ تو میں یوں کہتا ہوں: زَیْدٌ لَیْسَ بِقَائِمٍ، تو یاد رکھو اس زَیْدٌ لَیْسَ بِقَائِمٍ اس کلام میں زیادہ زور ہے بمقابلہ لَیْسَ زَیْدٌ قَائِمًا کے، جی، جس میں بَ نہیں ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو لہٰذا یہاں پر بھی یہ بَ جارہ زائدہ ہے اور یہ اپنے معنی کا فائدہ نہیں دے رہی اور یہ کسی سے بھی نہیں جڑے گی۔

ترکیب کیسے ہو گی؟ ترکیب سنیے: زَيْدٌ ضَرَبَ بِنَفْسِهِ۔ زَيْدٌ مرفوع لفظاً بتدا، ضَرَبَ فعل، اس کے اندر هُوَ ضمیر مرفوع محلاً اس کا فاعل جو کس کو راجع ہے؟ زید کو۔ اور یہ ربط آگیا زید کے ساتھ اس جملے کا، یہ جو خبر ہے، اور هُوَ ضمیر یہ ہے مؤکَّد جو ضَرَبَ کے اندر ہے۔ اور بِنَفْسِهِ میں بَ جارہ زائدہ، اور نَفْسِهِ، یہ نَفْسٌ لفظ جو ہے یہ مجرور لفظاً ہے جی لیکن یہ تاکید ہے هُوَ ضمیر کی، اور تاکید کا وہی اعراب ہوتا ہے جو مؤکَّد کا ہو، اور ضمیر تو مرفوع تھی تو یہ نَفْسٌ کا لفظ مرفوع ہے محلاً۔ جی۔ یہ کیا ہے؟ لفظاً مجرور ہے بَ کی وجہ سے، بَ جر دے رہی ہے، لیکن محلاً یہ مرفوع ہے۔ اور یہ مضاف ہے هِ ضمیر کی طرف، اور یہ هِ ضمیر اسی مؤکَّد کی طرف راجع ہے، تو یہ هِ ضمیر مجرور محلاً مضاف الیہ۔ تو نَفْسٌ کا لفظ مضاف اپنے مضاف الیہ سے مل کر یہ تاکید بن گیا ضَرَبَ کے اندر هُوَ ضمیر کے لیے۔ اور مؤکَّد اپنی تاکید سے مل کر یہ فاعل ہوا ضَرَبَ کے لیے۔ جی۔ اور فعل اپنے فاعل سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر یہ خبر ہوئی بتدا کے لیے۔ بتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔ ترکیب سمجھ میں آگئی؟

اور پھر آخر میں یہ بتایا کہ یہ أَبْتَعُ، أَكْتَعُ، أَبْصَعُ جو ہیں یہ أَجْمَعُ کے تابع ہیں، اور یہ اس پر مقدم بھی نہیں ہوں گے، اور اس کے بغیر، أَجْمَعُ کے بغیر اگر ان کو استعمال کیا جائے تو یہ استعمال ضعیف ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ حل ہو گیا؟ چلیے بس بھئی، هٰذَا هُوَ الْمَرَامُ وَاللّٰهُ أَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْكَلَامِ۔

سبق نمبر ۲۱۳: البدل (۱): بدل کی تعریف اور عطفِ بیان و نعت سے فرق

شرحِ ملا جامی صفحہ: ۱۹۴ — بتاریخ: ۱۵ اکتوبر ۲۰۲۲ء

▪ تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث

آگے سبق دیکھیے بھئی: اَلْبَدَلُ تَابِعٌ مَقْصُوْدٌ بِمَا نُسِبَ إِلَى الْمَتْبُوْعِ، أَيْ تُقْصَدُ النِّسْبَةُ إِلَيْهِ بِنِسْبَةِ مَا نُسِبَ إِلَى الْمَتْبُوْعِ دُوْنَهُ، أَيْ دُوْنَ الْمَتْبُوْعِ، أَيْ لَا تَكُوْنُ النِّسْبَةُ إِلَى الْمَتْبُوْعِ مَقْصُوْدَةً ابْتِدَاءً بِنِسْبَةِ مَا نُسِبَ إِلَيْهِ، بَلْ تَكُوْنُ النِّسْبَةُ إِلَيْهِ تَوْطِئَةً وَتَمْهِيْدًا لِنِسْبَتِهِ إِلَى التَّابِعِ، سَوَاءٌ كَانَ مَا نُسِبَ إِلَيْهِ مُسْنَدًا أَوْ غَيْرَهُ.

گزشتہ سبق میں ہم تاکید کی بحث پڑھ رہے تھے۔ صاحبِ کافیہ نے آپ کو بتلایا کہ وَلَا يُؤَكَّدُ بِكُلٍّ وَأَجْمَعَ إِلَّا ذُوْ أَجْزَاءٍ، کہ كُلٌّ اور أَجْمَعُ کے ساتھ اسی چیز کی تاکید لائی جائے گی جو ذُوْ أَجْزَاءٍ ہو، اجزاء والی ہو۔ جو اجزاء والی ہو، جس کے اجزاء ہوں، اور نیز وہ اجزاء بھی ایسے ہونے چاہئیں کہ وہ ایک دوسرے سے جدا ہو سکیں، حَقِيْقَةً یا حُكْمًا۔ حَقِيْقَةً یا حُكْمًا ایک دوسرے سے جدا ہو سکیں۔ جیسے اَلْقَوْمُ، اَلْقَوْمُ مردوں کی جماعت کو کہتے ہیں تین سے دس تک بھئی۔ تو دیکھو اَلْقَوْمُ کے افراد ہیں اور یہ افراد سب ایک دوسرے سے جدا ہوتے ہیں۔ کیا ہوتے ہیں؟ ایک دوسرے سے جدا ہوتے ہیں۔

اور یا بعض اوقات یہ جدا ہونا حُكْمًا ہوگا، حقیقت میں یا حِسًّا، حِسًّا کا معنیٰ جو آنکھوں سے نظر آئے، تو حِسًّا جدائی نہیں ہوتی لیکن حُكْمًا وہاں جدائی ہوتی ہے، اجزاء الگ ہو جاتے ہیں۔ جیسے آپ کوئی غلام خریدتے ہیں تو بعض اوقات نصف غلام خریدا جاتا ہے، کبھی ثلث غلام خریدا جاتا ہے، تو دیکھو اب یہ غلام جو ہے اس کے اجزاء حَقِيْقَةً اور حِسًّا تو جدا نہیں ہوئے لیکن حُكْمًا جدا ہو گئے، نصف کا مالک ایک شخص ہے اور نصف کا مالک دوسرا شخص ہے۔ لہٰذا كُلٌّ اور أَجْمَعُ کے ذریعے ایسی چیز کی تاکید لائی جائے گی جو ذُوْ أَجْزَاءٍ ہو اور وہ اجزاء بھی ایسے ہوں جو حِسًّا یا حُكْمًا ایک دوسرے سے جدا ہو سکیں۔

وجہ یہ کہ كُلٌّ اور أَجْمَعُ یہ شمول کا فائدہ دیتے ہیں اور شمول کا فائدہ وہیں ہوگا جہاں اجزاء جدا بھی ہو سکیں۔ اگر اجزاء جدا ہوتے ہی نہیں پھر شمول کا کیا معنیٰ؟ مثلاً میں کہتا ہوں جَاءَنِيْ زَيْدٌ كُلُّهُ، میرے پاس سارا کا سارا زید آیا۔ بھئی یہاں تو كُلُّهُ لانے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ زید جب بھی آپ کے پاس آئے گا وہ پورا ہی آسکتا ہے۔ اس کے اجزاء تو ہیں، ہاتھ

ہے، پاؤں ہے، سر ہے، لیکن وہ اجزاء ایک دوسرے سے جدا تو نہیں ہوتے مجیئت کے اندر۔ ایسا تو نہیں ہو سکتا صرف زید کا سر آپ کے پاس آجائے، یا صرف ہاتھ آجائے، یا صرف پاؤں آجائے۔ تو یہ اجزاء تو اس کے ہیں لیکن ایسے اجزاء نہیں ہیں جو جدا ہو سکیں۔ نہ یہ حَقِیْقَةً جدا ہو سکتے ہیں اور نہ حُکْمًا جدا ہو سکتے ہیں مجیئت کے اندر۔ مجیئت میں جدا نہیں ہو سکتے۔ بات سمجھ میں آگئی۔

پھر اس پر اشکال ہوا تھا کہ صاحبِ کافیہ نے ذُوْ أَجْزَاءٍ کہا، اور ایک قید اور بھی ان کو ذکر کرنی چاہیے تھی ذُوْ أَفْرَادٍ، کہ کُلٌّ اور أَجْمَعُ کے ساتھ ذُوْ أَجْزَاءٍ اور ذُوْ أَفْرَادٍ کی تاکید لائی جاتی ہے، کیونکہ بہت سی ایسی چیزیں جن کی تاکید کُلٌّ اور أَجْمَعُ کے ساتھ لائی جاتی ہے ان کے اجزاء نہیں ہوتے افراد ہوتے ہیں، جیسے اَلْقَوْمُ ہے، یا جیسے اَلْإِنْسَانُ ہے، انسان کے افراد ہیں زید، عمرو، بکر، خالد وغیرہ۔ تو انسان کے افراد ہیں زید، عمرو، بکر اور خالد وغیرہ۔ اسی طرح اَلْقَوْمُ میں نے بتایا تین سے دس تک افراد کی جماعت کو کہتے ہیں، تو دیکھو اَلْقَوْمُ کے افراد ہیں، اجزاء نہیں ہیں۔ تو لہٰذا صاحبِ کافیہ کو کیا کہنا چاہیے تھا؟ إِلَّا ذُوْ أَجْزَاءٍ أَوْ ذُوْ أَفْرَادٍ۔

تو صاحبِ جامی نے اس کا جواب دیا کہ نہیں بھئی ذُوْ أَفْرَادٍ لانے کی کوئی حاجت نہیں۔ اس لیے کیونکہ کُلٌّ اور أَجْمَعُ جب کسی چیز کی تاکید کے لیے لائے جاتے ہیں تو اس وقت اس کے تمام افراد اکٹھے ملحوظ ہوتے ہیں۔ مثلاً جَاءَنِي الْقَوْمُ كُلُّهُمْ، میرے پاس وہ قوم آئی ساری کی ساری۔ اب یہ كُلُّهُمْ میں تاکید لایا اَلْقَوْمُ کے لیے، اور یہ تاکید میں تب ہی لاؤں گا جب اس کے تمام افراد ملحوظ ہوں، تمام افراد آنے میں شریک ہوں۔ جب تمام افراد آنے میں شریک ہیں تو گویا وہ سب کے سب ملحوظ ہیں اس مجیئت کے حکم میں، سب کیا ہیں؟ ملحوظ ہیں۔ تو وہ ایک کل کی طرح ہو گئے، اور ان کا درجہ جزء والا ہو گیا، تو بایں اعتبار وہ افراد کس کے درجے میں ہو گئے؟ اجزاء کے درجے میں ہو گئے۔

تو كُلٌّ اور أَجْمَعُ کے ذریعے ذُوْ أَفْرَادٍ کی تاکید بھی لائی جاتی ہے، لیکن اسی وقت جب اس چیز کے تمام افراد اکٹھے ملحوظ ہوتے ہیں۔ جب تمام افراد اکٹھے ملحوظ ہیں تو اس حیثیت سے وہ اجزاء بن گئے بھئی۔ یعنی یوں کہو كُلٌّ اور أَجْمَعُ کے ذریعے ذُوْ أَفْرَادٍ کی تاکید بھی اسی وقت لاتے ہیں جب وہ افراد اجزاء کے حکم میں آجائیں۔ جب وہ اجزاء کے حکم میں ہو جاتے ہیں تو پھر اس وقت اس کی تاکید لائی جاتی ہے كُلٌّ اور أَجْمَعُ کے ساتھ۔ تو جب وہ اجزاء کے درجے میں ہو گئے تو ذُوْ أَجْزَاءٍ میں وہ بھی داخل ہو گئے، لہٰذا علیحدہ ذُوْ أَفْرَادٍ کہنے کی ضرورت نہیں۔ بات سمجھ میں آگئی؟ کیا حاصلِ کلام ہوا کہ كُلٌّ اور أَجْمَعُ کے ذریعے ذُوْ أَفْرَادٍ کی تاکید بھی لائی جاتی ہے لیکن وہ اس وقت جب اس کے تمام افراد اکٹھے ملحوظ ہوں۔ جب تمام افراد اکٹھے ملحوظ ہیں تو گویا وہ اس چیز کے اجزاء کی طرح بن گئے۔ کس کی طرح بن گئے؟ اجزاء کی طرح، یعنی وہ کل ہو گیا اور وہ افراد کیا ہو گئے؟ اجزاء ہو گئے۔ تو وہ اجزاء کے حکم میں ہو گئے۔ جب اجزاء کے حکم میں ہو گئے تو ذُوْ أَجْزَاءٍ کہنے سے یہ

بھی اس حکم کے اندر داخل ہو گئے، لہٰذا ذُوْ أَفْرَادٍ کہنے کی ضرورت نہیں ہے۔

اور پھر آگے بتلایا تھا کہ جب ضمیرِ مرفوع متصل، آپ اس کی تاکید نَفْس اور عَیْن کے لفظ کے ساتھ لانا چاہتے ہیں تو پہلے اس ضمیرِ مرفوع متصل کی تاکید ضمیرِ مرفوع منفصل سے لانا پڑے گی۔ کیا بات ہوئی؟ ضمیرِ مرفوع متصل، میں نے بتایا تھا ضمیریں پانچ قسم پر: یا مرفوع ہوگی یا منصوب یا مجرور۔ پھر مرفوع دو قسم پر: متصل یا منفصل۔ منصوب بھی دو قسم پر: متصل یا منفصل۔ لیکن مجرور صرف متصل ہے۔ اور میں نے بتایا تھا یہ مرفوع متصل صرف فعل سے جڑتی ہے، منصوب متصل حرف سے بھی جڑتی ہے اور فعل سے بھی، اور مجرور متصل حرف اور اسم سے جڑتی ہے۔ کس سے؟ حرف اور اسم سے جڑتی ہے، کیونکہ مجرور تو دو ہی ہیں: ایک جس پر حرفِ جر داخل ہو اور دوسرا مضاف الیہ ہو، اور مضاف الیہ کے لیے مضاف اسم آتا ہے، مضاف ہمیشہ کیا ہوتا ہے؟ اسم۔ تو دیکھا مجرور دو ہی ہیں یا جس پر حرفِ جر داخل ہوگا یا جس پر مضاف یعنی اسم داخل ہوگا۔

تو لہٰذا آپ ضمیرِ مرفوع متصل کی تاکید لانا چاہتے ہیں جو فعل کے ساتھ آ رہی ہے ضَرَبْتُ، ضَرَبْتُ کی یہ تَا کیا ہے؟ مرفوع متصل۔ آپ اس کی تاکید نَفْس اور عَیْن سے لانا چاہتے ہیں، آپ یوں کہنا چاہتے ہیں ضَرَبْتُ نَفْسِيْ، میں نے خود پٹائی کی۔ تو کہتے ہیں جب آپ نَفْس اور عَیْن کے ساتھ ضمیرِ مرفوع متصل کی تاکید لانا چاہیں تو پہلے ضمیرِ مرفوع منفصل بیچ میں لے آئیں، اس کے ذریعے تاکید لائیں پھر نَفْس کے ذریعے تاکید لائیں۔ اور ضَرَبْتُ، یہ تَا ضمیر متکلم کی ہے، واحد متکلم کی، تو یہ تو متصل ہے، منفصل کیا ہے واحد متکلم کی؟ أَنَا، تو أَنَا لے آئیں: ضَرَبْتُ أَنَا نَفْسِيْ، اب بات ٹھیک ہو گئی۔ ضَرَبْتُ أَنَا نَفْسِيْ بات ٹھیک ہو گئی۔

یا اسی طرح ضَرَبْتَ أَنْتَ نَفْسُكَ، ضَرَبْتَ أَنْتَ نَفْسُكَ، نَفْسُكَ اس نَفْس کے لفظ پر رفع پڑھنا ہے کیونکہ یہ تاکید ہے اور تاکید پر وہی اعراب آتا ہے جو مؤکد پر ہو، اور مؤکد مرفوع ہے، فاعل ہے، تو نَفْسُكَ بھی کیا ہوگا؟ مرفوع۔ یا اسی طرح ضَرَبَ هُوَ نَفْسُهُ، ضَرَبَ هُوَ نَفْسُهُ۔ یہ هُوَ کیا ہے؟ تاکید ہے۔ ضَرَبَ کے اندر هُوَ ضمیر ہے وہ ہے مؤکد اور هُوَ ضمیر اس کی تاکید، یہ ضمیرِ منفصل مرفوع ہے، اور اس کے بعد نَفْسُهُ یہ میں اس کی تاکید لایا، اور اس نَفْسُهُ پر بھی رفع پڑھنا ہے، کیوں؟ کیونکہ یہ تاکید ہے اس ضَرَبَ کے اندر هُوَ ضمیر کی، اور وہ مرفوع تو یہ بھی کیا ہوگا، تاکید بھی کیا ہوگی؟ مرفوع، تو نَفْسُهُ پڑھیں گے۔

اگر یہ نَفْس کا لفظ یاد رکھو، منصوب کی تاکید بنائیں گے تو نصب پڑھیں گے، ضَرَبْتُكَ نَفْسَكَ، یہ کاف ضمیر کی میں تاکید لاتا ہوں، یہ مفعول کی ہے: ضَرَبْتُكَ، تَا ضمیر فاعل اور کاف ضمیر مفعول، اس کے ساتھ اس کی میں کاف ضمیر، ضمیرِ منصوب کی تاکید لانا چاہتا ہوں تو کیا کہوں گا؟ ضَرَبْتُكَ نَفْسَكَ، کیونکہ یہ کاف ضمیر مفعول ہے تو نَفْسَكَ اس پر بھی وہی نصب والا اعراب آئے گا۔ اور اگر میں کہنا چاہتا ہوں مَرَرْتُ بِكَ، یہ کاف ضمیر مجرور ہے کیونکہ بَا حرفِ جر داخل ہے، اس کاف کی میں تاکید لانا چاہتا ہوں تو مَرَرْتُ بِكَ نَفْسِكَ، اس پر بھی وہی اعراب آئے گا۔ توجہ ہے؟ تو یہ نَفْس کے لفظ کے اعراب کا خوب خیال

رکھنا، یہ جب تاکید بن رہا ہے تو تاکید کا وہی اعراب ہوتا ہے جو مؤکد کا ہو، تو وہی اعراب آپ نے اس پر پڑھنا ہے۔ اگر مؤکد مرفوع ہے تو نَفْس بھی مرفوع ہوگا، مؤکد منصوب ہے تو نَفْس بھی منصوب ہوگا، اور مؤکد مجرور ہے تو نَفْس کا لفظ بھی مجرور ہوگا۔

تو اب ضمیرِ مرفوع متصل کی آپ تاکید لانا چاہتے ہیں، کس لفظ کے ساتھ؟ نَفْس اور عَیْن کے ساتھ، اور لفظوں کے ساتھ نہیں، صرف نَفْس اور عَیْن کے ساتھ، تو پھر کیا طریقہ ہے؟ پہلے اس کی تاکید لے آؤ کس سے؟ ضمیرِ مرفوع منفصل سے، جیسے ضَرَبْتَ أَنْتَ نَفْسُكَ، یا ضَرَبْتُ أَنَا نَفْسِيْ، یا ضَرَبَ هُوَ نَفْسُهُ۔ بات سمجھ میں آگئی؟ اور وجہ کیا ہے یہ ضمیرِ مرفوع منفصل کے ساتھ تاکید کیوں لاتے ہیں؟ کہتے ہیں وجہ یہ کہ اگر ہم یہ ضمیرِ مرفوع منفصل درمیان میں نہ لائیں تو پھر بعض صورتوں میں اس نَفْس اور عَیْن کے لفظ کا فاعل سے التباس لازم آئے گا۔ پڑھنے والا سمجھے گا یا سننے والا سمجھے گا یہ فاعل ہے، اور ہم نے تو کیا ارادہ کیا تھا تاکید بنانے کا۔ مثلاً میں کہتا ہوں زَیْدٌ ضَرَبَ، زَیْدٌ مبتدا، ضَرَبَ فعل، اس کے اندر هُوَ ضمیر مرفوع محلاً اس کا فاعل جو کس کو راجع؟ مبتدا کو، زید کو راجع ہے، اور تو یہ خبر بن رہی ہے، اس هُوَ کی میں تاکید لانا چاہتا ہوں۔ اب میں مثلاً اگر نَفْسُهُ لے آؤں، زَیْدٌ ضَرَبَ نَفْسُهُ، زَیْدٌ ضَرَبَ نَفْسُهُ، تو سننے والا یہی سمجھے گا کہ نَفْسُهُ فاعل ہے ضَرَبَ کے لیے۔ یہ نَفْسُهُ فاعل ہے، اور دیکھو ربط بھی آرہا ہے، نَفْسُهُ کے ساتھ زید کی ضمیر جڑی ہوئی ہے، تو لہٰذا ربط تو پھر بھی آرہا ہے کیونکہ جب آپ نَفْسُهُ کو فاعل بنائیں گے تو فاعل تو ایک آتا ہے، پھر تو ضَرَبَ کے اندر کوئی ضمیر نہیں۔ توجہ ہے؟ اور جملہ جب بھی کسی چیز سے جوڑتے ہیں ربط تو ضرور چاہیے، تو نَفْسُهُ کے ذریعے ربط بھی آرہا ہے، اور سننے والا یا پڑھنے والا یہی سمجھے گا کہ ضَرَبَ فعل ہے اور نَفْسُهُ اس کا فاعل ہے، حالانکہ آپ تو فاعل نہیں بنانا چاہتے، آپ تو اس کو تاکید بنانا چاہتے ہیں۔

تو پھر درمیان میں هُوَ لائیں گے، تو زَیْدٌ ضَرَبَ هُوَ نَفْسُهُ۔ اب جب درمیان میں هُوَ آگیا، اب پتہ چل گیا کہ نَفْسُهُ فاعل قَطْعًا نہیں بن سکتا۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو فاعل کیا ہے؟ ضَرَبَ کے اندر هُوَ ضمیر، اور یہ دوسری هُوَ کیا ہے؟ اس هُوَ کی تاکید۔ جو ضَرَبَ کے اندر هُوَ ضمیر ہے وہ مرفوع متصل ہے، اور یہ هُوَ کیا ہے مرفوع منفصل ہے، اور نَفْسُهُ کیا ہے؟ اس ضَرَبَ کے اندر جو ضمیر ہے اس کی تاکید ہے۔ توجہ ہے؟ تو یہ اس کی تاکید ہے۔

تو یہ التباس لازم آتا تھا فاعل کے ساتھ، کب؟ جب ضمیرِ مستتر ہوتی تھی فعل میں۔ ضَرَبَ کے اندر کون سی ضمیر تھی؟ هُوَ، وہ مستتر ہے۔ تو یہ التباس صرف ضمیرِ مستتر میں لازم آتا تھا۔ ضَرَبَ نَفْسُهُ کہیں گے تو نَفْسُهُ فاعل لگے گا، کیوں؟ کیونکہ ضَرَبَ کے اندر هُوَ ضمیر مستتر ہے، لیکن سننے والا سمجھے گا نَفْسُهُ فاعل ہے، ضَرَبَ کے اندر کوئی ضمیر ہے ہی نہیں۔ تو یہ اشتباہ صرف کس صورت میں پڑتا تھا؟ ضمیرِ مستتر کی صورت میں۔ تو اس کے اندر لازم قرار دیا گیا کہ پہلے تاکید مرفوع منفصل کے ساتھ لائی جائے۔ اور جب ایک جگہ لازم قرار دیا گیا تو پھر پورے باب کا یہی حکم کر دیا گیا کہ ضمیرِ مرفوع متصل کی جب بھی آپ تاکید نَفْس اور عَیْن کے ساتھ لانا چاہیں گے تو درمیان میں ضمیرِ مرفوع منفصل کا لانا ضروری ہے بھئی۔

تو التباس تو صرف ایک صورت میں لازم آ رہا تھا لیکن باقی صورتوں میں بھی یہی حکم لگا دیا گیا طَرْدًا لِلْبَابِ، باب کی موافقت کے لیے، باب کی مناسبت کے لیے کہ پورے باب کی کیا ہو آپس میں مناسبت ہو۔ یہ اسی طرح ہے جیسے يُكْرِمُ اصل میں کیا تھا يُؤَكْرِمُ، یہ ہمزہ کیوں گرایا؟ تو کہتے ہیں دراصل وہ آخر میں جو متکلم کا صیغہ آ رہا ہے أُكْرِمُ، وہ اصل میں تھا أُؤَكْرِمُ، وہاں دو ہمزہ جمع ہو رہے تھے، اور ہمزہ کی ادائیگی تو ثقیل ہے، اور دو ہمزہ کی تو اور زیادہ ثقل آ گیا، تو لہٰذا اس کا علاج یہ کیا گیا ایک ہمزہ کو گرا دیا گیا، دوسری ہمزہ کو جو باب کی اپنی ہمزہ ہے اس کو گرا دیا گیا، متکلم کی ہمزہ باقی اور دوسری ہمزہ کو گرا دیا۔ جب اس کو گرایا تو پھر پورے باب سے گرا دیا، اگرچہ باقی جگہ تو دو ہمزہ نہیں آ رہے تھے لیکن سب کو گرا دیا طَرْدًا لِلْبَابِ تاکہ پورے باب کا ایک حکم ہو جائے۔ بات سمجھ میں آ گئی؟ ورنہ باقی جگہ تو یہ نَفْس اور عَيْن کے فاعل ہونے کا التباس نہیں تھا، ضَرَبْتُ أَنَا نَفْسِيْ، یہاں تو ضَرَبْتُ کی تَا فاعل ہے تو ضَرَبْتُ نَفْسِيْ بھی میں کہہ...

تو بھی نَفْس کے فاعل ہونے کا اشتباہ نہیں، کیونکہ نَفْس اسمِ ظاہر ہے اور اسمِ ظاہر تو صرف دو صیغوں کے لیے فاعل بن سکتا ہے، پہلا ہو یا چوتھا، اور ضَرَبْتُ یہ تو نہ پہلا صیغہ ہے نہ چوتھا، اس کے ساتھ تو فاعل کی ضمیر بارز ہے نظر آ رہی ہے، اسی کو آپ فاعل بنا سکتے ہیں، نَفْس کو فاعل بنا ہی نہیں سکتے۔ تو اشتباہ صرف کس صورت میں تھا؟ ضمیرِ مرفوع متصل مستتر کی صورت میں اشتباہ لازم آتا تھا، التباس لازم آتا تھا، باقیوں میں نہیں۔ لیکن جب ایک جگہ التباس تھا تو ایک حکم لگا دیا گیا تو سارے باب کو وہی حکم دے دیا گیا۔

اور پھر اس کے بعد صاحبِ جامی نے فوائدِ قیود ذکر کیے تھے کہ متن میں آیا: وَإِذَا أُكِّدَ الضَّمِيْرُ الْمَرْفُوْعُ الْمُتَّصِلُ۔ ضمیر کے ساتھ مرفوع کی قید لگائی کہ وہ ضمیر مرفوع متصل کی تاکید جب لائیں تو پھر آپ کو مرفوع منفصل لانا پڑے گی۔ تو ضمیر کے ساتھ کون سی قید لگائی؟ مرفوع کی۔ وجہ یہ کہ اگر ضمیر منصوب ہو یا مجرور ہو اور آپ اس کی تاکید نَفْس اور عَيْن کے ساتھ لانا چاہتے ہیں تو پھر ضمیرِ منفصل لانے کی کوئی ضرورت نہیں۔ مثلاً جیسے ضَرَبْتُكَ، میں نے آپ کی پٹائی کی، یہ کاف ضمیر کیا ہے؟ مفعول کی ہے، منصوب ہے، اور اس کی میں تاکید نَفْس کے ساتھ لانا چاہتا ہوں۔ تو کاف ضمیر منصوب ہے، متصل ہے، اور میں اس کی تاکید نَفْس کے ساتھ لانا چاہتا ہوں، تو درمیان میں کوئی منصوب منفصل لانے کی ضرورت نہیں: ضَرَبْتُكَ نَفْسَكَ، ضَرَبْتُكَ نَفْسَكَ۔ دیکھو یہاں کوئی تاکید لانے کی ضرورت نہیں منفصل کے ساتھ۔

اور مجرور میں بھی اسی طرح ہے: مَرَرْتُ بِكَ۔ یہ کاف ضمیر، اس پر با جارہ داخل ہے، یہ مجرور ہے، اور اس کی میں تاکید نَفْس کے ساتھ لانا چاہتا ہوں، تو درمیان میں کوئی منفصل لانے کی حاجت نہیں ہے، بلکہ اسی طرح کہہ دیں گے: مَرَرْتُ بِكَ نَفْسِكَ۔ تو اسی لیے مرفوع کی قید لگائی، ضمیرِ مرفوع میں تاکید لانا پڑے گی۔

اور پھر آگے دوسری قید لگائی متصل کی، کہ ضمیرِ مرفوع بھی کون سی ہو؟ متصل ہو، اس کی تاکید لانا پڑے گی منفصل کے ساتھ اگر آپ نَفْس اور عَيْن کے ساتھ لانا چاہتے ہیں۔ وجہ یہ کہ ضمیرِ مرفوع منفصل، اگر اس کی آپ تاکید نَفْس اور عَيْن

سے لانا چاہتے ہیں، وہاں بھی درمیان میں کوئی اور ضمیر لانے کی ضرورت نہیں۔ أَنْتَ نَفْسُكَ قَائِمٌ، أَنْتَ نَفْسُكَ قَائِمٌ۔ تو أَنْتَ مبتدا ہے، اور مبتدا کیا ہوتا ہے؟ مرفوع، اور یہ نَفْسُكَ اسی کی تاکید ہے، یہ اسی لیے اس پر میں نے رفع پڑھا، اور دیکھو تو أَنْتَ ضمیر مرفوع ہے کیونکہ مبتدا ہے، اور منفصل ہے، اور اس کی میں تاکید کس کے ساتھ لایا؟ نَفْس کے ساتھ، اور درمیان میں کوئی اور ضمیر لانے کی ضرورت نہیں بطورِ تاکید کے، تو أَنْتَ نَفْسُكَ قَائِمٌ کہیں گے کہ آپ خود کھڑے ہیں۔

تو ضمیر کے ساتھ مرفوع کی بھی قید لگائی کیونکہ منصوب یا مجرور کے لیے یہ ضابطہ نہیں، اور اس کے ساتھ متصل کی بھی قید لگائی کیونکہ ضمیرِ مرفوع منفصل کے اندر بھی درمیان میں اور تاکید لانے کی ضرورت نہیں۔ اور تیسری قید لگائی کہ نَفْس اور عَیْن کے ساتھ جب آپ تاکید لانا چاہیں۔ وجہ یہ کہ اگر آپ نَفْس اور عَیْن کے بجائے كُلٌّ اور أَجْمَعُ کے ساتھ تاکید لانا چاہتے ہیں تو وہاں پر بھی کوئی تاکید لانے کی ضرورت نہیں۔ وہاں پر بھی کوئی تاکید درمیان میں ضمیرِ منفصل کے ساتھ لانے کی ضرورت نہیں۔ مثلاً جیسے مثال کتاب میں ذکر کی تھی کہ اَلْقَوْمُ جَاؤُوْنِيْ كُلُّهُمْ، اَلْقَوْمُ جَاؤُوْنِيْ كُلُّهُمْ یا اَلْقَوْمُ جَاؤُوْنِيْ أَجْمَعُوْنَ۔ تو یہ كُلُّهُمْ اور أَجْمَعُوْنَ یہ تاکید ہے کس کی؟ جَاؤُوْنِيْ کے اندر یہ جو واو ضمیر مرفوع متصل فاعل ہے، تو یہ ضمیرِ مرفوع متصل ہے اور میں اس کی تاکید کس سے لانا چاہتا ہوں؟ كُلٌّ اور أَجْمَعُ سے، تو اب درمیان میں ضمیرِ منفصل لانے کی کوئی ضرورت نہیں۔ یہ ضرورت کب تھی؟ جب نَفْس اور عَیْن کے ساتھ آپ تاکید لائیں۔ تو فوائدِ قیود سمجھ میں آ گئے۔

جی، اور اس کی وجہ بھی ذکر کی تھی کہ وجہ یہ کہ یہ جو نَفْس اور عَیْن ہیں یہ اکثر عامل ان پر براہِ راست بھی داخل ہو جاتا ہے، یہ براہِ راست فاعل مفعول وغیرہ بھی بن جاتے ہیں۔ تو لہٰذا اگر آپ ان کے لیے درمیان میں دوسری ضمیر نہیں لائیں گے تو سننے والا یہی سمجھے گا کہ عامل براہِ راست ان میں عمل کر رہا ہے اور یہ فاعل مفعول وغیرہ بن رہے ہیں، یہ تاکید ہیں ہی نہیں، وہ یہ سمجھے گا۔ جبکہ كُلٌّ اور أَجْمَعُ وغیرہ ان پر عموماً عامل کم داخل ہوتا ہے، تو لہٰذا ان کے لیے ضمیرِ منفصل بیچ میں لانے کی ضرورت نہیں، کیونکہ یہ عموماً آتے ہی تاکید کے طور پر ہیں زیادہ تر، تو ان میں یہ شبہ، التباس کا خطرہ نہیں ہوگا فاعل وغیرہ سے۔

اور پھر صاحبِ کافیہ نے آپ کو یہ بتلایا تھا کہ أَكْتَعُ، أَبْتَعُ اور أَبْصَعُ یہ تابع ہیں أَجْمَعُ کے۔ تو لہٰذا یہ أَجْمَعُ پر مقدم بھی نہیں ہو سکتے اور أَجْمَعُ کے بغیر ان کا ذکر ضعیف ہے۔ بات سمجھ میں آ گئی؟ اس لیے ضعیف اس لیے ہے کیونکہ یہ سارے آتے ہیں جمعیت کے لیے، یہ جمع کے معنیٰ پر، جمع ہونے کے معنیٰ پر دلالت کرتے ہیں، تو جمعیت کے معنیٰ پر أَجْمَعُ کی دلالت تو واضح ہے، أَجْمَعُ سے ہمیں لفظ سنتے ہی سمجھ میں آ جاتا ہے۔ أَجْمَعُ کا معنیٰ اکٹھے، واضح معنیٰ ہی اس کا لفظ سے ہی پتہ چل رہا ہے، جبکہ أَبْتَعُ، أَكْتَعُ، أَبْصَعُ وغیرہ ان کی دلالت جمعیت پر ظاہر نہیں ہے، اور نیز اس لیے کیونکہ یہ جو أَكْتَعُ، أَبْتَعُ، أَبْصَعُ ہیں ان کی حالت ہی ایسی ہے کہ یہ تابع کے طور پر ہی استعمال ہوتے ہیں۔ تو اگر آپ صرف ان کو لے آئیں گے تو کیا لازم آئے گا کہ آپ تابع کو لے آئے بغیر اصل کے، اور تابع کو بغیر اصل کے لانا تو پسندیدہ نہیں ہے، تو اس لیے ان کو أَجْمَعُ کے بغیر استعمال کرنا یہ ضعیف لغت ہے۔

اور پھر میں نے یہ بھی بتایا تھا کہ ضمیرِ مرفوع متصل جب اس کی تاکید لائیں نَفْس اور عَیْن کے ساتھ تو درمیان میں ضمیرِ مرفوع منفصل کا لانا ضروری ہے کہ پہلے اس کو تاکید کے طور پر لاؤ اور پھر نَفْس اور عَیْن کو تاکید کے طور پر لے کر آؤ۔ اور میں نے بتایا تھا اگر فصل آجائے، کیا آجائے؟ فصل آجائے، تو پھر اس ضمیرِ مرفوع منفصل کو درمیان میں لانے کی کوئی حاجت نہیں۔ جیسے میں نے مثال ذکر کی تھی: زَیْدٌ ضَرَبَ بِنَفْسِهِ۔ تو یہاں زَیْدٌ ہے بتدا، ضَرَبَ کے اندر هُوَ ضمیر ہے اور وہ مرفوع محلاً فاعل ہے، اور بِنَفْسِهِ یہ اس کی تاکید ہے، اور دیکھو درمیان میں بَا کا فصل آگیا، تو اب یہاں پر هُوَ ضمیر درمیان میں، ضمیرِ مرفوع منفصل لانے کی ضرورت نہیں۔ اگر یہ بَا نہ ہوتی تو ہمیں یوں کہنا پڑتا: زَیْدٌ ضَرَبَ هُوَ نَفْسُهُ۔ پہلے هُوَ کے ساتھ تاکید لانا پڑتی اور پھر نَفْس کے ساتھ تاکید لانا پڑتی، لیکن جب فصل آجائے تو وہ فصل کافی ہے، اب ضمیرِ مرفوع منفصل کے ساتھ تاکید لانے کی کوئی حاجت نہیں، جیسے زَیْدٌ ضَرَبَ بِنَفْسِهِ۔ تو اب دیکھو بَا، ایک حرف کا بے شک فصل آگیا لیکن فصل تو آگیا، اب درمیان میں هُوَ لانے کی ضرورت نہیں۔ اگر یہ بَا نہ ہوتی تو ہم کیسے کہتے؟ زَیْدٌ ضَرَبَ هُوَ نَفْسُهُ۔ لیکن اب بَا آگئی فصل آگیا، بے شک ایک حرف کا فصل ہے لیکن فصل تو آگیا، تو لہٰذا اب هُوَ درمیان میں لانے کی حاجت نہیں ہے۔

بات سمجھ میں آگئی؟ اور یہ بات یاد رکھنا یہ بَا جارہ زائد ہے، یہ کیا ہے؟ زائد، اور میں نے آپ کو بتلایا تھا کہ یہ حروفِ جارہ زائدہ، یہ بات ہمیشہ یاد رکھنا، حروفِ جارہ زائدہ کسی سے متعلق نہیں ہوتے۔ ویسے تو آپ جار مجرور کے لیے متعلق تلاش کرتے ہیں اور پھر جار مجرور اس سے متعلق ہو جاتا ہے، لیکن جو حروفِ جارہ زائدہ ہوں وہ کسی سے نہیں جڑتے کیونکہ وہ زائد ہیں۔ جب آپ کسی سے جوڑیں گے تو اس کا معنیٰ یہ ربط کا کام دے رہا ہے، اپنے معنیٰ کا فائدہ دے رہا ہے، اور یہ تو زائد ہوتے ہیں، اور میں نے بتایا تھا کہ زائد آنے کا یہ معنیٰ بھی نہیں ہے کہ یہ بالکل بیکار ہیں اور ردی ہیں، نہیں، یہ کلام میں حسن پیدا کرتے ہیں اور نیز یہ کلام میں تاکید اور زور پیدا کر دیتے ہیں۔

جیسے ایک میں کہتا ہوں زَیْدٌ قَائِمٌ، زید کھڑا ہے، اور ایک میں کہتا ہوں وَاللّٰهِ إِنَّ زَیْدًا لَقَائِمٌ۔ تو دیکھو اب قسم سے کیا آ گیا؟ زور آگیا۔ تو خیر قسم سے تو بے انتہا درجے کا زور آجاتا ہے کلام میں، لیکن ان کے ذریعے اتنا تو زور نہیں آتا کلام میں لیکن ویسے یہ میں نے وضاحت کے لیے مثال پیش کی کہ کلام میں زور آجاتا ہے۔ تو ایک حرفِ زائد کے بغیر کلام ہوگا جیسے میں کہتا ہوں لَیْسَ زَیْدٌ قَائِمًا، لَیْسَ زَیْدٌ قَائِمًا، تو اب اس کا معنیٰ کیا ہے؟ زید کھڑا نہیں ہے۔ اور میں ایک صورت یہ ہے کہ لَیْسَ کی خبر پر بَا داخل کرتے ہیں، یاد رکھو لَیْسَ کی خبر پر اکثر بَا جارہ زائدہ داخل کر دیتے ہیں، اور تو میں یوں کہتا ہوں زَیْدٌ لَیْسَ بِقَائِمٍ، تو یاد رکھو اس زَیْدٌ لَیْسَ بِقَائِمٍ اس کلام میں زیادہ زور ہے بمقابلہ لَیْسَ زَیْدٌ قَائِمًا کے جس میں بَا نہیں ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟

تو لہٰذا یہاں پر بھی یہ بَا جارہ زائدہ ہے اور یہ اپنے معنیٰ کا فائدہ نہیں دے رہی اور یہ کسی سے بھی نہیں جڑے گی۔ ترکیب کیسے ہوگی؟ ترکیب سنیے: زَیْدٌ ضَرَبَ بِنَفْسِهِ۔ زَیْدٌ مرفوع لفظاً بتدا، ضَرَبَ فعل، اس کے اندر هُوَ ضمیر مرفوع محلاً اس کا فاعل جو

کس کو راجع؟ زید کو، اور یہ ربط آگیا زید کے ساتھ اس جملے کا یہ جو خبر ہے، اور هُوَ ضمیر یہ ہے مؤکد جو ضَرَبَ کے اندر ہے، اور بِنَفْسِهِ میں بَا جارہ زائدہ، اور نَفْسِهِ یہ نَفْس لفظ جو ہے یہ مجرور لفظاً ہے لیکن یہ تاکید ہے هُوَ ضمیر کی، اور تاکید کا وہی اعراب ہوتا ہے جو مؤکد کا ہو، اور ضمیر تو مرفوع تھی تو یہ نَفْس کا لفظ مرفوع ہے محلاً، یہ کیا ہے؟ لفظاً مجرور ہے بَا کی وجہ سے، بَا جر دے رہی ہے، لیکن محلاً یہ مرفوع ہے، اور یہ مضاف ہے هَا ضمیر کی طرف، اور یہ هَا ضمیر اسی مؤکد کی طرف راجع ہے، تو یہ هَا ضمیر مجرور محلاً مضاف الیہ، تو نَفْس کا لفظ مضاف اپنے مضاف الیہ سے مل کر یہ تاکید بن گیا ضَرَبَ کے اندر هُوَ ضمیر کے لیے، اور مؤکد اپنی تاکید سے مل کر یہ فاعل ہوا ضَرَبَ کے لیے، اور فعل اپنے فاعل سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر یہ خبر ہوئی بتدا کے لیے، بتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔ ترکیب سمجھ میں آگئی؟

اب آئیے آج کے سبق پر: اَلْبَدَلُ تَابِعٌ مَقْصُوْدٌ بِمَا نُسِبَ إِلَى الْمَتْبُوْعِ، أَيْ تُقْصَدُ النِّسْبَةُ إِلَيْهِ بِنِسْبَةِ مَا نُسِبَ إِلَى الْمَتْبُوْعِ دُوْنَهُ۔ بھئی پہلے متن متن صرف دیکھیے۔ کہتے ہیں اَلْبَدَلُ تَابِعٌ مَقْصُوْدٌ بِمَا نُسِبَ إِلَى الْمَتْبُوْعِ دُوْنَهُ، کہ بدل جو ہے وہ ایسا تابع ہے، مَقْصُوْدٌ کہ وہ مقصود ہوتا ہے بِمَا نُسِبَ إِلَى الْمَتْبُوْعِ اس چیز کے ذریعے جس کی نسبت کی گئی ہے متبوع کی طرف۔ بدل ایسا تابع ہے کہ وہ جو نسبت کی گئی ہے متبوع کی طرف اس کے ذریعے یہ بدل مقصود ہوتا ہے دُوْنَهُ، أَيْ دُوْنَ الْمَتْبُوْعِ نہ کہ متبوع۔ یعنی متبوع مقصود نہیں ہوتا بلکہ تابع یعنی بدل مقصود ہوتا ہے۔

توجہ ہے؟ پھر سنو، پھر سنو۔ فوراً آپ کے ذہن میں اشکال آئے گا ذرا سنو۔ بدل ایسا تابع ہے کہ وہ جو نسبت کی جاتی ہے متبوع کی طرف، آپ جانتے ہیں جو پہلے آئے اس کو کیا کہتے ہیں متبوع، جو بعد میں آئے وہ ہے تابع، اور بدل تابع ہے، جو پہلے متبوع ہے اس کو مبدل منہ کہتے ہیں، کیا کہتے ہیں مبدل منہ۔ تو صاحبِ کافیہ کہنا یہ چاہتے ہیں کہ بدل ایسا تابع ہے مَقْصُوْدٌ بِمَا نُسِبَ إِلَى الْمَتْبُوْعِ کہ وہ مقصود ہوتا ہے اس نسبت کے ذریعے جو متبوع یعنی مبدل منہ کی طرف کی جاتی ہے۔ وہ نسبت جو مبدل منہ کی طرف کی جاتی ہے اس کے ذریعے بدل مقصود ہوتا ہے دُوْنَهُ، متبوع مقصود نہیں ہوتا۔ بھئی کیا معنیٰ؟ نسبت کی جا رہی ہے متبوع کی طرف اور مقصود اس کے ذریعے خود متبوع نہیں ہے بلکہ کون مقصود ہے؟ بدل مقصود ہے، اس کلام کا کیا معنیٰ بھئی؟

بات سمجھ میں آرہی ہے؟ کیا اشکال؟ کہ وہ جو نسبت کی جا رہی ہے کس کی طرف؟ متبوع کی طرف، اس متبوع کے ذریعے کون مقصود ہے؟ بدل یعنی تابع مقصود ہے، بھئی عجیب بات ہے، نسبت کی جا رہی ہے متبوع کی طرف اور مقصود کون ہے؟ تابع ہے یعنی بدل ہے، یہ بات تو سمجھ میں نہیں آرہی۔ اس کے ذریعے متبوع تو مقصود ہو سکتا ہے، تابع تو مقصود نہیں ہو سکتا۔ بھئی پہلے آئیے پہلے عطف کی بحث جو ہم نے پڑھی تھی عطف کی جو تعریف پڑھی تھی، اَلْعَطْفُ تَابِعٌ مَقْصُوْدٌ بِالنِّسْبَةِ مَعَ الْمَتْبُوْعِ، توجہ ہے؟ ذرا یہ تعریف نکالیے کتاب کے اندر بھئی، آٹھ دس صفحات پیچھے یہ تعریف ہم نے پڑھی تھی عطف کی بھئی۔

ہاں جی دیکھیے بھئی: اَلْعَطْفُ يَعْنِي الْمَعْطُوْفَ بِالْحَرْفِ تَابِعٌ مَقْصُوْدٌ أَيْ قُصِدَ نِسْبَتُهُ إِلَى شَيْءٍ أَوْ نِسْبَةُ شَيْءٍ إِلَيْهِ

بِالنِّسْبَةِ الْوَاقِعَةِ فِي الْكَلَامِ، فَقَوْلُهُ بِالنِّسْبَةِ مُتَعَلِّقٌ بِالْقَصْدِ الْمَفْهُوْمِ مِنَ الْمَقْصُوْدِ مَعَ مَتْبُوْعِهِ۔ عبارت مل گئی بھئی یہ عطف کی تعریف جہاں کی تھی صاحبِ کافیہ نے۔ تو صرف متن متن ذرا دیکھو: اَلْعَطْفُ تَابِعٌ مَقْصُوْدٌ بِالنِّسْبَةِ مَعَ مَتْبُوْعِهِ، عطف ایسا تابع ہے یعنی معطوف بالحرف ایسا تابع ہے جو مقصود ہوتا ہے بِالنِّسْبَةِ اس نسبت کے ذریعے جو کلام میں ہوتی ہے۔ عطف یعنی معطوف بالحرف، یاد رکھو عطف دو ہیں...

ایک کو عطفِ بیان کہتے ہیں، کیا کہتے ہیں؟ وہ بھی عطف ہے، اور ایک یہ عطف ہے جو عطف بالحرف ہے یعنی معطوف بالحرف۔ تو عطف بول کر معطوف بالحرف یہاں مراد ہے، اور بتلایا تھا کہ معطوف بالحرف تَابِعٌ ایسا تابع ہے مَقْصُوْدٌ بِالنِّسْبَةِ جو مقصود ہوتا ہے اس نسبت کے ذریعے جو کس میں ہے؟ کلام میں۔ کلام میں جو نسبت واقع ہے اس نسبت کے ذریعے یہ معطوف مقصود ہے مَعَ مَتْبُوْعِهِ ساتھ اپنے متبوع کے، یعنی معطوف علیہ کے۔ معلوم ہوا معطوف بھی مقصود ہوتا ہے اور معطوف علیہ بھی مقصود ہوتا ہے۔

تو یہاں بھی بالکل اسی قسم کا اشکال ہوتا تھا۔ انہوں نے کیا کہا تھا کہ عطف ایسا تابع ہے جو مقصود ہوتا ہے بِالنِّسْبَةِ، کس کے ذریعے؟ نسبت۔ جو کلام میں جو نسبت ہے اس نسبت کے ذریعے عطف مقصود ہے۔ مثلاً دیکھو جَاءَ زَيْدٌ وَعَمْرٌو، جَاءَ زَيْدٌ وَعَمْرٌو۔ جَاءَ فعل ہے، زَيْدٌ مرفوع لفظاً یہ ہے اس کا فاعل اور یہ ہے معطوف علیہ، اور واو حرفِ عطف، اور عَمْرٌو کیا ہے؟ معطوف۔ تو اس کلام میں کون سی نسبت ہے؟ مجیئت والی نسبت ہو رہی ہے، مجیئت کی نسبت۔ تو اس میں زَيْدٌ معطوف علیہ ہے اور عَمْرٌو کیا ہے؟ معطوف۔ تو انہوں نے کیا کہا کہ کلام میں جو نسبت ہے یعنی کلام میں جو مجیئت کی نسبت آ رہی ہے، واقع ہو رہی ہے۔ نسبت کسے کہتے ہیں؟ جو دو چیزوں کے درمیان جو ربط اور جوڑ ہے۔ نسبت کس چیز کا نام ہوتا ہے؟ دو چیزوں کے درمیان ربط اور جوڑ، جیسے فعل اور فاعل کے درمیان جوڑ ہوتا ہے۔ وہ فاعل کیا ہے؟ فعل کو کرنے والا ہے، فعل کا اسناد ہوتا ہے فاعل کی طرف۔ تو فعل اور فاعل کے درمیان نسبت موجود ہے اور نسبت یہ ایک معنوی چیز ہے، اس کا الگ وجود نہیں، یہ کوئی الگ وجود نہیں ہے، یہ صرف ان کے درمیان ربط اور جوڑ کا نام ہے۔ یہ اسی طرح ہے جیسے ایک مرد اور ایک عورت کا نکاح ہو جائے تو میاں بیوی بن جاتے ہیں۔ یہ میاں بیوی کیوں بنے؟ کیونکہ نکاح ہو گیا تو ان دونوں کے درمیان ایک جوڑ آ گیا جس کو نکاح کہتے ہیں۔ کیا ہے؟ اب وہ جوڑ دکھائی تو نہیں دیتا، وہ تو ایک معنوی چیز ہے۔ تو یہاں پر بھی یہ جو نسبت ہے یہ ایک معنوی چیز ہے، یہ دو چیزوں کے درمیان ربط اور جوڑ کو کہتے ہیں۔ کبھی یہ جوڑ ہوگا فعل اور فاعل کے درمیان، کبھی یہ جوڑ ہوگا فعل اور مفعول کے درمیان: ضَرَبْتُ زَيْدًا، یہ ضرب کس پر واقع ہو رہی ہے؟ زید پر، تو ضرب اور زید کے درمیان بھی ایک نسبت ہے۔ کبھی یہ جوڑ ہوگا مضاف اور مضاف الیہ میں: غُلَامُ زَيْدٍ، یہ غلام کی نسبت ہو رہی ہے کس کی طرف؟ زید کی طرف، تو ان دونوں میں ایک جوڑ ہے، ایک ربط ہے۔

توجہ ہے؟ تو نسبت کس چیز کا نام ہے؟ جوڑ اور ربط کا نام ہے اور یہ ایک معنوی چیز ہے، یہ لفظ کا نام نہیں ہے، یہ ایک

معنوی چیز ہے۔ جبکہ تابع اور متبوع یہ تو لفظ ہیں۔ جَاءَنِيْ زَيْدٌ وَعَمْرٌو، زَيْدٌ کیا ہے؟ متبوع، یہ بھی لفظ ہے، اس پر ہم تلفظ کر رہے ہیں، اور عَمْرٌو یہ بھی کیا ہے؟ لفظ ہے، تو معطوف علیہ بھی لفظ، اس پر ہم تلفظ کر رہے ہیں، معطوف بھی لفظ، اس پر بھی ہم تلفظ کر رہے ہیں۔ تو تابع اور متبوع یہ تو دونوں لفظ ہیں، اور نسبت کیا ہے؟ وہ ربط اور جوڑ کا نام ہے۔ تو یہ جو کلام کے اندر نسبت آئی، یہ جو معنوی چیز ہے، اس کے ذریعے تابع مقصود ہوتا ہے اور ساتھ متبوع بھی۔ بھئی یہ کیا معنیٰ ہوا؟ نسبت تو ایک معنوی چیز ہے، اس کے ذریعے تابع اور متبوع لفظوں کا ارادہ تو نہیں ہو سکتا۔ نسبت کیا چیز؟ معنوی چیز، اور ارادہ کس کا کیا گیا؟ تابع اور متبوع کا، تابع بھی کیا ہے؟ لفظ، اور متبوع بھی کیا ہے؟ لفظ، تو نسبت تو ایک معنوی چیز ہے، نسبت کے ذریعے نسبت کا تو ارادہ ہو سکتا ہے، نسبت کے ذریعے لفظوں کا ارادہ تو نہیں ہو سکتا۔ مثلاً میں نکاح بولتا ہوں، نکاح کے ذریعے میں زید کا ارادہ تو نہیں کر سکتا، ہاں یہ کہہ سکتا ہوں کہ اس نکاح سے مراد زید اور زینب کا نکاح ہے۔ کس کا نکاح ہے؟ تو نکاح بول کر نکاح ہی مراد ہو سکتا ہے، البتہ ہو سکتا ہے وہ زید اور زینب کا نکاح مراد لے لوں، ہو سکتا ہے میں بکر اور رقیہ کے درمیان جو نکاح ہے وہ مراد لے لوں، ہو سکتا ہے خالد اور ہند کے درمیان جو نکاح ہے وہ میں مراد لے لوں۔ تو نکاح بول کر نکاح مراد لوں گا، یا زید والا نکاح یا عمر والا یا بکر والا نکاح، لیکن نکاح بول کر میں زید یا عمر خود ان کا ارادہ تو نہیں کر سکتا۔ کیونکہ نکاح جوڑ کا نام ہے، اور نکاح بول کر نکاح ہی کا ارادہ کر سکتا ہوں۔ بات سمجھ میں آگئی؟ کسی ذات کا ارادہ نہیں کر سکتا۔

تو یہاں بھی نسبت کی بات آئی اور نسبت کس چیز کا نام ہے؟ ایک جوڑ اور ربط کا نام ہے، یہ ایک معنوی چیز ہے، تو اس کے ذریعے تابع اور متبوع جو لفظ ہیں، لفظوں کا ارادہ نہیں ہو سکتا، نسبت بول کر نسبت ہی کا ارادہ ہو سکتا ہے۔ جیسے مثلاً میں انسان بولوں، انسان بول کر میں زید کا بھی ارادہ کر سکتا ہوں کیونکہ زید بھی انسان ہے، انسان بول کر میں عمر کا بھی ارادہ کر سکتا ہوں کیونکہ عمر بھی انسان ہے، انسان بول کر میں بکر کا بھی ارادہ کر سکتا ہوں کیونکہ یہ بھی انسان ہے، لیکن انسان بول کر میں گائے بیل بکری کا ارادہ نہیں کر سکتا کیونکہ وہ انسان ہی نہیں ہے۔ توجہ ہے؟ تو انسان بول کر انسان کا ارادہ ہو سکتا ہے غیرِ انسان کا ارادہ نہیں۔ تو یہاں بھی یہ کہہ رہے ہیں نسبت کے ذریعے تابع بھی مقصود ہوتا ہے اور متبوع بھی۔ بھئی نسبت کے ذریعے تو تابع متبوع مقصود نہیں ہو سکتے کیونکہ نسبت معنوی چیز ہے، وہ صرف ایک ربط اور جوڑ کا نام ہے، اس کے ذریعے تابع اور متبوع وہ تو لفظوں کا نام ہے، تو ان کا ارادہ نہیں ہو سکتا، نسبت بول کر نسبت ہی کا ارادہ ہو سکتا ہے۔

تو پھر صاحبِ جامی نے بتلایا تھا، تقریر کی تھی، وضاحت کی تھی کہ ہاں کلام کے اندر دیکھو، ایک نسبت کس کی طرف ہو رہی ہے؟ جَاءَ زَيْدٌ وَعَمْرٌو، جَاءَ کی نسبت کس کی طرف ہے؟ زید کی طرف، اور عمر کا عطف ہے زید پر، اور زید فاعل ہے تو عمر بھی کیا ہے؟ فاعل، گویا عمر کی طرف بھی نسبت ہے، لیکن براہِ راست نہیں زید کے واسطے سے۔ جَاءَ براہِ راست

عمر میں عمل نہیں کر رہا بلکہ کس کے واسطے سے کر رہا ہے؟ زید کے واسطے سے۔ تو گویا جَاءَ کی ایک نسبت ہے زید کی طرف، اور جَاءَ کی ایک نسبت ہے عمر کی طرف بواسطہ زید کے۔ تو کلام کے اندر جو جَاءَ مجیئت والی نسبت پائی جا رہی ہے، اس مجیئت والی نسبت کے ذریعے جو تابع کی نسبت ہے وہ بھی مقصود اور متبوع کی نسبت وہ بھی مقصود۔ اب بات ٹھیک ہو گئی۔ نسبت کے ذریعے نسبت مقصود ہے، نسبت کے ذریعے تابع یا متبوع مقصود نہیں بلکہ ان کی نسبت مقصود ہے۔ ایک تابع کی نسبت ہے، ایک متبوع کی نسبت ہے۔

تو تعریف کیا کی تھی؟ اَلْعَطْفُ تَابِعٌ مَقْصُوْدٌ بِالنِّسْبَةِ، عطف ایسا تابع ہے جو مقصود ہوتا ہے اس نسبت کے ذریعے جو کس میں ہو؟ کلام میں ہو، کس میں ہو؟ کلام۔ تو بھئی کلام میں جو نسبت ہے اس کے ذریعے تابع نہیں مقصود ہو سکتا، ہاں تابع کی نسبت مقصود ہو سکتی ہے، کیونکہ وہ بھی نسبت یہ بھی نسبت، نسبت کے ذریعے نسبت مقصود ہوئی۔ اور اسی طرح اس نسبت کے ذریعے متبوع بھی مقصود نہیں ہو سکتا کیونکہ یہ نسبت ہے اور متبوع تو لفظ ہے، تو ہاں متبوع کی نسبت مقصود ہو سکتی ہے کیونکہ یہ بھی نسبت اور وہ بھی نسبت، تو نسبت بول کر نسبت ہی کا ارادہ ہو سکتا ہے۔ معطوف بالحرف کسے کہتے ہیں؟ کہ کلام کے اندر جو نسبت آئے اس نسبت کے ذریعے تابع کی نسبت بھی مقصود ہوتی ہے اور متبوع کی نسبت بھی مقصود ہوتی ہے۔ معلوم ہوا ان کی نسبت مراد ہے۔ انہوں نے کہا نا کہ نسبت کے ذریعے تابع مقصود ہوتا ہے، مطلب یہ ہے کہ تابع کی نسبت مقصود ہوتی ہے۔ اور مَعَ مَتْبُوْعِهِ ساتھ کون مقصود ہوتا ہے؟ متبوع یعنی متبوع کی نسبت ساتھ مقصود ہوتی ہے۔ تو نسبت کے ذریعے نسبت ہی مقصود ہوئی۔ اب بات ٹھیک بن گئی، بات سمجھ میں آ گئی؟ تو عطف کے اندر تابع کی نسبت بھی مقصود اور متبوع کی نسبت بھی مقصود، دونوں مقصود ہوتے ہیں۔

بات سمجھ میں آ گئی؟ جبکہ باقی توابع ایسے نہیں۔ صفت اور موصوف: صرف موصوف مقصود ہوتا ہے، صفت تو صرف اس کی وضاحت کرتی ہے۔ اور اسی طرح مؤکد اور تاکید: مؤکد مقصود ہوتا ہے، تاکید تو صرف آ کر اس کو پکا کرتی ہے۔ اسی طرح معطوف علیہ اور عطفِ بیان: صرف معطوف علیہ مقصود ہوتا ہے، عطفِ بیان تو آ کر اس کی وضاحت کرتا ہے۔ اسی طرح مبدل منہ اور بدل: یہاں پر بدل تابع مقصود ہے اور مبدل منہ مقصود نہیں۔ تو لہٰذا باقی جتنے توابع ہیں ان میں یا تو متبوع مقصود ہے یا تابع مقصود ہے، جبکہ عطف میں دونوں مقصود ہوتے ہیں متبوع بھی اور تابع بھی، تو باقی سارے توابع اس تعریف سے نکل گئے۔ تو تابع مقصود ہوتا ہے، کیا معنیٰ؟ تابع کی ذات یا تابع کی نسبت مقصود ہوتی ہے؟ تابع کی نسبت۔ اور متبوع بھی مقصود ہوتا ہے، کیا معنیٰ؟ متبوع خود مقصود ہوتا ہے یا اس کی نسبت مقصود ہوتی ہے؟ اس کی نسبت مقصود ہوتی ہے۔ بات سمجھ میں آ گئی؟

اب آئیے آج بدل کی تعریف پر، اب آپ کو بات سمجھ میں آئے گی۔ کہتے ہیں دیکھیے: اَلْبَدَلُ تَابِعٌ مَقْصُوْدٌ بِمَا نُسِبَ إِلَى الْمَتْبُوْعِ، بدل ایسا تابع ہے جو مقصود ہوتا ہے بِمَا نُسِبَ إِلَى الْمَتْبُوْعِ اس چیز کے ذریعے جس کی نسبت کی گئی ہے متبوع کی

طرف۔ دُوْنَهُ أَيْ دُوْنَ الْمَتْبُوْعِ نہ کہ متبوع، یعنی متبوع مقصود نہیں ہوتا۔ اب اس کو سمجھ لو دیکھو، آدھی بات آپ سمجھ چکے ہیں، اب صرف اس تعریف کی وضاحت رہ گئی۔ دیکھو کہنا یہ چاہتے ہیں: بدل ایسا تابع ہے کہ وہ مقصود ہوتا ہے اس کے ذریعے جس کی نسبت کس کی طرف کی گئی ہے؟ متبوع کی طرف۔ مثلاً دیکھو، ادھر دیکھو: جَاءَ زَيْدٌ أَخُوْكَ، جَاءَ زَيْدٌ أَخُوْكَ۔ جَاءَ فعل، زَيْدٌ مرفوع لفظاً مبدل منہ، اور أَخُوْكَ یہ مضاف اور مضاف الیہ مل کر بدل، مبدل منہ اپنے بدل سے مل کر یہ فاعل ہوا جَاءَ کے لیے۔ تو جَاءَ زَيْدٌ أَخُوْكَ، مخاطب جو ہے جس سے میں بات کر رہا ہوں اس کا ایک بھائی ہے اس کا نام زید ہے، تو میں زَيْدٌ کہہ دوں تو بھی وہی ذات مراد، میں أَخُوْكَ اے مخاطب آپ کا بھائی یہ کہہ دوں اس سے بھی وہی ذات زید مراد ہے۔ تو جَاءَ زَيْدٌ أَخُوْكَ، یہ زید کیا ہے؟ مبدل منہ یعنی متبوع، اور أَخُوْكَ یہ کیا ہے؟ بدل ہے یعنی تابع ہے، اور یہ دونوں ایک ہی ذات پر دلالت کر رہے ہیں۔ اور آپ کو یہ بتائیں گے کہ مبدل منہ اور بدل جو ہے اس میں سے بدل مقصود ہوتا ہے، کیا؟ یعنی متبوع جو پہلے آیا وہ نہیں مقصود بلکہ بدل مقصود ہے۔ یاد رکھو یہ جو مبدل منہ ہے جو پہلے ذکر ہوتا ہے یہ بطورِ تمہید کے ذکر ہوتا ہے۔ بطورِ تمہید کے ذکر ہوتا ہے۔ تمہید کہتے ہیں کسی چیز کی تیاری مثلاً، آپ اپنے کسی ساتھی سے ملنے جاتے ہیں، آپ کو اس سے کوئی کام ہے، آپ جاتے ہی فوراً اپنا کام نہیں کہیں گے بلکہ پہلے دو چار باتیں ادھر ادھر کی کریں گے، اور پھر اس کے بعد اپنا کام جو ہے وہ ذکر کریں گے۔ تو یہ دیکھو اپنا کام اور اپنا مقصد ذکر کرنے سے پہلے جو چند باتیں آپ نے کیں یہ آپ تیاری کر رہے تھے اس بات کے لیے۔ یہ تیاری کر رہے تھے اس بات کو ذکر کرنے کے لیے، تو اس کو کہتے ہیں تمہید۔ مقصد کے لیے کچھ تیاری، کچھ چیز پہلے ذکر کی جائے مقصود سے پہلے اس کو کیا کہتے ہیں تمہید۔

تو یہاں پر بھی جَاءَنِيْ زَيْدٌ أَخُوْكَ، یہاں پر بھی زید مبدل منہ ہے اور أَخُوْكَ بدل ہے اور یہ أَخُوْكَ اصل مقصود ہے، لیکن اس اصل مقصود سے پہلے جو زید کو ذکر کیا گیا یہ صرف بطورِ تمہید کے تھا۔ یہ بطورِ تمہید کے تھا، اصل مقصد کس کو ذکر کرنا تھا؟ أَخُوْكَ، جَاءَ أَخُوْكَ، آپ کا بھائی میرے پاس آیا تھا، لیکن پہلے میں نے زید کو بطورِ تمہید کے ذکر کر دیا۔ تو معلوم ہوا کہ بدل اور مبدل منہ میں سے بدل مقصود ہوتا ہے، مبدل منہ مقصود نہیں، اس کو بطورِ تمہید کے ذکر کیا جاتا ہے۔ بطورِ تمہید کے ذکر کیا جاتا ہے۔

جَاءَ زَيْدٌ أَخُوْكَ، توجہ سے اس مثال کو ذہن میں رکھنا پھر آپ کو پوری بات سمجھ میں آئے گی۔ جَاءَ زَيْدٌ أَخُوْكَ، آیا میرے پاس زید یعنی آپ کا بھائی۔ اب اس میں نسبت کس کی ہو رہی ہے؟ جَاءَ کی۔ تو جَاءَ ہے مَا نُسِبَ جس کی نسبت کی گئی ہے۔ اور زَيْدٌ منسوب الیہ، زید کیا ہے؟ منسوب الیہ جس کی طرف نسبت کی گئی ہے جَاءَ کی۔ توجہ ہے؟ اور أَخُوْكَ یہ بدل ہے، یہ تابع ہے اس زید کا اور زید متبوع ہے۔ اب آئیے ذرا تعریف پر۔ انہوں نے کہا اَلْبَدَلُ تَابِعٌ، بدل ایسا تابع ہے... جَاءَ زَيْدٌ أَخُوْكَ، اس میں بدل کیا ہے؟ جی یہ ذرا اپنے سامنے مثال لکھو، یہ پھر اس مثال پہ نظر رکھیں پھر تعریف آپ کے لیے سمجھنا آسان ہو جائے گا۔ بس صرف یہ مثال لکھ لیجیے: جَاءَ زَيْدٌ أَخُوْكَ، جَاءَ زَيْدٌ أَخُوْكَ۔ توجہ ہے؟ اب اس مثال پہ نظر

رکھو پھر آپ کو تعریف سمجھ میں آئے گی، اور ادھر تعریف بھی دیکھنا اور اس مثال پہ بھی نظر رکھنا۔ انہوں نے کہا اَلْبَدَلُ تَابِعٌ، بدل ایسا تابع ہے، جی مثال کے اندر بدل کیا ہے؟ أَخُوْكَ، یہ بدل ہے۔ اَلْبَدَلُ تَابِعٌ بدل ایسا تابع ہے مَقْصُوْدٌ جو مقصود ہوتا ہے بِمَا نُسِبَ إِلَى الْمَتْبُوْعِ۔ مَا نُسِبَ کیا ہے؟ جس کی نسبت کی گئی ہے وہ کیا ہے؟ جَاءَ ہے۔ تو بدل ایسا تابع ہے جو مقصود ہوتا ہے بِمَا نُسِبَ إِلَى الْمَتْبُوْعِ اس چیز کے ذریعے جس کی نسبت متبوع کی طرف کی گئی ہے۔ بھئی متبوع کی طرف کس...

کس کی نسبت کی گئی؟ جَاءَ کی، کس کی؟ جَاءَ کی نسبت کی گئی تھی زَيْدٌ یعنی متبوع کی طرف۔ اس جَاءَ کے ذریعے مقصود جو ہے کون ہے؟ بدل یعنی أَخُوْكَ۔ بھئی جَاءَ کے ذریعے تو أَخُوْكَ مراد نہیں ہو سکتا۔ جَاءَ تو فعل ہے اور أَخُوْكَ تو اسم ہے۔ توجہ ہے؟ تو کہتے ہیں اَلْبَدَلُ تَابِعٌ مَقْصُوْدٌ، تو بدل ایسا تابع ہے کہ مَقْصُوْدٌ کہ وہ مقصود ہوتا ہے بِمَا نُسِبَ إِلَى الْمَتْبُوْعِ اس چیز کے ذریعے جس کی نسبت متبوع کی طرف کی گئی ہے، دُوْنَهُ نہ کہ متبوع، متبوع مقصود نہیں۔ معلوم ہوا تعریف کا کیا معنیٰ؟ کہ کلام کے اندر یہ جو جَاءَ ذکر ہے، یہ جو مَا نُسِبَ ہے اور اس کی کس کی طرف نسبت ہے؟ متبوع کی طرف، اس جَاءَ کے ذریعے أَخُوْكَ یعنی بدل مقصود ہے، زَيْدٌ یعنی متبوع مقصود نہیں۔ بھئی کیا معنیٰ؟ کہ جَاءَ کے ذریعے أَخُوْكَ مقصود ہے اور زید مقصود نہیں؟ یہ تو بات ہی نہیں بن رہی۔ جَاءَ کے ذریعے تو مجیئت ہی مقصود ہو سکتی ہے، جَاءَ کے ذریعے تو زید یا أَخُوْكَ اسم مقصود نہیں ہو سکتے بھئی۔ تو اب وہ عطف والی تعریف یاد کریں جو ابھی میں نے ذکر کی تھی۔

کیا؟ جَاءَ کے ذریعے أَخُوْكَ تابع مقصود ہے یا جَاءَ کی جو نسبت ہو رہی ہے متبوع کی طرف، مجیئت کی کس کی طرف نسبت ہے؟ متبوع زید کی طرف، اور نسبت کس چیز کا نام ہے؟ جوڑ اور ربط کا نام ہے، جو ایک معنوی چیز ہے۔ تو اس نسبت کے ذریعے مراد جو ہے تابع ہے یعنی أَخُوْكَ، اور تابع مقصود ہوتا ہے نسبت کے ذریعے یا تابع کی نسبت مقصود ہوتی ہے؟ تابع کی نسبت مقصود ہوتی ہے۔ تو یہاں دونوں جگہ نسبت کا لفظ لانا پڑے گا۔ یوں نہیں کہیں گے کہ مَا نُسِبَ کے ذریعے مقصود ہے بلکہ کہیں گے مَا نُسِبَ کی نسبت کے ذریعے۔ جَاءَ مَا نُسِبَ ہے نا، مَا نُسِبَ جس کی نسبت کی گئی، تو مَا نُسِبَ کے ذریعے أَخُوْكَ مقصود ہے یوں نہیں ہے کلام، کلام یوں ہے کہ یہ جو مَا نُسِبَ جَاءَ ہے اس کی جو نسبت ہو رہی ہے اس نسبت کے ذریعے أَخُوْكَ جو تابع ہے اس کی نسبت مقصود ہے۔ جَاءَ کی جو نسبت ہو رہی ہے کس کی طرف؟ جَاءَ کا فاعل کیا ہے؟ زید ہے فاعل، اور أَخُوْكَ تو تابع ہے، تو جَاءَ کی جو نسبت ہو رہی ہے زید کی طرف اس نسبت کے ذریعے کون مقصود؟ أَخُوْكَ۔ أَخُوْكَ مقصود یا اس کی نسبت مقصود؟ اس کی نسبت مقصود ہے، نسبت کے ذریعے نسبت مقصود ہو سکتی ہے، لفظ مقصود نہیں ہو سکتا۔

تو حاصلِ کلام یہ ہوا کہ کہنا یہ چاہتے ہیں صاحبِ کافیہ کہ یہ جو مَا نُسِبَ ہے جس کی نسبت کی گئی ہے اس کی نسبت، مَا نُسِبَ کی، مَا نُسِبَ نہیں بلکہ مَا نُسِبَ کی نسبت، مَا نُسِبَ کی نسبت کے ذریعے تابع یعنی بدل کی نسبت مقصود ہوتی ہے۔ مَا

نُسِبَ کی نسبت کے ذریعے تابع نہیں مقصود ہوتا بلکہ تابع کی نسبت مقصود ہوتی ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ پھر دہرائیے، پھر دہرائیے۔ مَا نُسِبَ کے ذریعے، مَا نُسِبَ کیا ہے اس کلام میں؟ جَاءَ۔ اس جَاءَ کے ذریعے تابع مقصود، تابع کیا ہے؟ أَخُوْكَ، تو جَاءَ کے ذریعے أَخُوْكَ مقصود ہے اور زید مقصود نہیں، یہ تو کلام کا معنیٰ نہیں صحیح بنتا۔ تو کہنا کیا چاہتے ہیں؟ کہ جَاءَ کی جو نسبت ہے کس کی طرف؟ زید کی طرف، اس نسبت کے ذریعے أَخُوْكَ مقصود ہے، پھر بھی بات صحیح نہیں بنی۔ جَاءَ کی نسبت کے ذریعے أَخُوْكَ مقصود ہے، بلکہ نسبت کے ذریعے نسبت مقصود ہوتی ہے، تو أَخُوْكَ کی بھی نسبت نکال کہیں بھئی، تو جَاءَ کی نسبت کے ذریعے أَخُوْكَ کی نسبت یعنی یوں کہیں مَا نُسِبَ یعنی منسوب جس کی نسبت کی گئی ہے، منسوب کی جو نسبت ہے اس کے ذریعے تابع کی نسبت مقصود ہے، تابع نہیں مقصود بلکہ تابع کی نسبت مقصود ہے۔ تو دیکھو اَلْبَدَلُ تَابِعٌ مَقْصُوْدٌ، دیکھو کتاب پر: اَلْبَدَلُ تَابِعٌ مَقْصُوْدٌ، بدل ایسا تابع ہے کہ وہ مقصود ہوتا ہے، تابع مقصود ہوتا ہے یا تابع کی نسبت مقصود ہوتی ہے؟ نسبت مقصود ہوتی ہے، لہٰذا یہاں بھی نسبت کا لفظ مضاف... یہ تَابِعٌ ہے موصوف اور مَقْصُوْدٌ ہے اس کی صفت، اور مَقْصُوْدٌ صیغہ کون سا؟ اسمِ مفعول، اور اسمِ مفعول کے اندر هُوَ ضمیر نائبِ فاعل جو کس کو راجع؟ موصوف کو، تو هُوَ ضمیر، اور وہ مقصود ہوتا ہے تابع یا اس کی نسبت؟ نسبت، تو اس سے پہلے مضاف محذوف ماننا پڑے گا کہ بدل ایسا تابع ہے کہ وہ مقصود ہوتا ہے یعنی اس کی نسبت مقصود ہوتی ہے، بِمَا نُسِبَ کس کے ذریعے؟ مَا نُسِبَ کے ذریعے یا بِنِسْبَةِ مَا نُسِبَ؟ بِنِسْبَةِ مَا نُسِبَ، مَا نُسِبَ کی نسبت کے ذریعے یہ نسبت مقصود ہوتی ہے۔ معلوم ہوا یہ بِمَا نُسِبَ اس مَا نُسِبَ سے پہلے بھی نسبت کا لفظ مضاف محذوف نکالنا پڑے گا اور مَقْصُوْدٌ کے لیے بھی هُوَ ضمیر سے پہلے نسبت کا لفظ مضاف محذوف نکالنا پڑے گا۔ بات سمجھ میں آگئی؟

اب اسی کو بیان کریں گے، دیکھیے صاحبِ جامی آگے فرماتے ہیں۔ متن کیا تھا؟ اَلْبَدَلُ تَابِعٌ مَقْصُوْدٌ بِمَا نُسِبَ إِلَى الْمَتْبُوْعِ، أَيْ تُقْصَدُ النِّسْبَةُ إِلَيْهِ یعنی مقصود ہوتی ہے وہ نسبت إِلَيْهِ جو کس کی طرف ہو؟ تابع کی طرف۔ تابع نہیں مقصود بلکہ تابع کی طرف جو نسبت ہے وہ مقصود ہے، کس کے ذریعے؟ بِنِسْبَةِ مَا نُسِبَ، متن میں کیا تھا؟ بِمَا نُسِبَ، صاحبِ جامی کیا فرما رہے ہیں؟ بِنِسْبَةِ مَا نُسِبَ، دیکھو نسبت کا لفظ مضاف محذوف نکال لیا۔ تو کہتے ہیں أَيْ تُقْصَدُ النِّسْبَةُ إِلَيْهِ یعنی بدل ایسا تابع ہے کہ تُقْصَدُ النِّسْبَةُ إِلَيْهِ کہ اس کی طرف جو نسبت ہے وہ مقصود ہوتی ہے بِنِسْبَةِ مَا نُسِبَ، مَا نُسِبَ کی وہ جو نسبت ہو رہی ہے، منسوب کی جو نسبت ہو رہی ہے إِلَى الْمَتْبُوْعِ کس کی طرف؟ متبوع، منسوب کی جو نسبت متبوع کی طرف ہو رہی ہے اس کے ذریعے تابع کی نسبت مقصود ہے۔ جَاءَ زَيْدٌ أَخُوْكَ، جَاءَ کی نسبت کس کی طرف ہے؟ متبوع یعنی زید کی طرف، تو یہ جو نسبت ہو رہی ہے متبوع کی طرف اس نسبت کے ذریعے تابع کی نسبت مقصود ہے، متبوع کی نسبت مقصود نہیں۔ پھر دہراؤ: کہ یہ جو نسبت ہو رہی ہے جَاءَ کی کس کی طرف؟ متبوع کی طرف، تو یہ جو متبوع کی طرف نسبت ہو رہی ہے اس نسبت کے ذریعے تابع کی نسبت مقصود ہے، متبوع کی نسبت مقصود نہیں ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟

اب پھر اشکال ہوتا ہے۔ اشکال: اشکال یہ کہ نسبت ہو رہی ہے متبوع کی طرف اور آپ کہہ رہے ہیں اس نسبت کے ذریعے مقصود کیا ہے؟ تابع کی طرف نسبت، یہ کیسے ہو سکتا ہے بھئی؟ نسبت ہو رہی ہے متبوع کی طرف جَاءَ زَيْدٌ أَخُوْكَ، آپ کہہ رہے ہیں جَاءَ کی جو نسبت ہو رہی ہے زید کی طرف، معلوم ہوا زید اور جَاءَ کے درمیان جو ربط اور جوڑ آرہا ہے اس ربط اور جوڑ کے ذریعے تابع والا جوڑ مراد ہے۔ یہ جوڑ کس میں آیا؟ جَاءَ اور زید میں۔ نسبت آگئی نا ان دونوں کے درمیان، تو نسبت کس میں جَاءَ اور زید میں، اور مقصود کون سی نسبت ہے؟ جو جَاءَ اور أَخُوْكَ میں ہے، أَخُوْكَ کی طرف بھی تو جَاءَ کی نسبت ہے کس کے واسطے سے؟ زید کے واسطے سے۔ توجہ ہے؟ جَاءَ زَيْدٌ أَخُوْكَ، جَاءَ کی نسبت ہے زید کی طرف، زید اس کا فاعل ہے، اور أَخُوْكَ یہ تو تابع ہے، یہ تو بدل ہے، تو بدل کی طرف بھی جَاءَ کی نسبت ہو گئی لیکن براہِ راست نہیں کس کے واسطے سے؟ زید کے واسطے سے۔ توجہ ہے؟ أَخُوْكَ کی طرف جو بدل ہے اس کی طرف بھی جَاءَ کی نسبت ہو گئی لیکن کس کے واسطے سے؟ زید کے واسطے سے، تو زید ہے متبوع اس کی طرف بھی نسبت ہے، اور أَخُوْكَ یہ تابع ہے اس کی طرف بھی نسبت ہے لیکن زید کے واسطے سے۔ اور کہنا آپ یہ چاہتے ہیں کہ یہ جو جَاءَ کی نسبت ہو رہی ہے زید کی طرف، اس نسبت کے ذریعے کون سی نسبت مقصود ہے؟ جو جَاءَ کی نسبت أَخُوْكَ تابع کی طرف ہو رہی ہے۔ نہیں بات سمجھ میں آئی؟ کیا کہنا چاہتے ہیں؟ جَاءَ کی نسبت کس کی طرف ہے؟ زید کی طرف، یہ جو زید کی طرف جَاءَ کی نسبت ہو رہی ہے اس کے ذریعے وہ نسبت مقصود ہے جو جَاءَ کی کس کی طرف ہو رہی ہے؟ أَخُوْكَ کی طرف۔ تو نسبت ہو رہی ہے زید کی طرف اس نسبت سے آپ کہہ رہے ہیں وہ جو أَخُوْكَ کی طرف نسبت ہے وہ مقصود ہے، یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ یہ تو اسی طرح ہے زید بول کے جی عمر مراد ہے۔ میں بولوں زید اور کہوں مراد عمر ہے، بھئی یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ زید بول کر تو زید ہی مراد ہو سکتا ہے، عمر تو مراد نہیں ہو سکتا۔ یہاں بھی جب نسبت زید کی طرف ہو رہی ہے تو یہی نسبت مقصود ہونی چاہیے، لیکن آپ کہنا یہ چاہتے ہیں کہ نسبت تو ہو رہی ہے زید کی طرف لیکن مراد وہ والی نسبت ہے جو أَخُوْكَ کی طرف ہو رہی ہے۔ جی۔

اشکال سمجھ میں آیا؟ تو اس کا جواب دیں گے کہ بھئی اصل میں یہ جو متبوع جَاءَ زَيْدٌ، یہ جو زید کی طرف جَاءَ کی نسبت کی گئی یہ بطورِ تمہید کے کی گئی ہے۔ تو زید کی طرف جو نسبت ہے مجیئت کی، یہ نسبت کس لیے ہے؟ یہ مقصود ہے اصل میں یا صرف یہ تمہید باندھی جا رہی ہے؟ یہ تو تمہید باندھی جا رہی ہے، نسبت تو یہی زید کی طرف ہے لیکن اصل میں یہ مقصود نہیں ہے، اصل مقصود کون سی نسبت ہے؟ وہ جو أَخُوْكَ کی طرف ہوگی۔ تو یہ والی نسبت ابتدا سے ہی نہیں مقصود، اس کو ویسے ہی تمہید کے طور پر ذکر کیا گیا تھا۔ تو یہ نسبت آتو گئی لیکن یہ بطورِ تمہید کے ہے، یہ اصل میں مقصود ہی نہیں ہے، اصل مقصود کون سی نسبت ہے؟ أَخُوْكَ والی جو نسبت، أَخُوْكَ کی جو نسبت ہے۔ توجہ ہے؟

تو یہ کیا معنیٰ؟ نسبت کس کی طرف؟ زید کی طرف۔ اور آپ کہہ رہے ہیں اس نسبت سے مراد کون سی نسبت ہے؟ جو أَخُوْكَ کی نسبت ہے۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے نسبت زید کی ہے اور آپ کہہ رہے ہیں مراد أَخُوْكَ کی نسبت ہے؟ تو بتایا کہ بھئی

معنیٰ یہ ہے کہ زید کو جو لایا گیا ہے وہ ابتدا سے ہی وہ مقصود نہیں تھا، اس کو ابتدا سے ہی تمہید کے طور پر لایا گیا تھا، وہ نسبت ویسے ہی لائے ہیں تمہید کے طور پر، وہ شروع سے ہی مقصود نہیں تھی، شروع سے ہی اگلی نسبت مقصود ہے۔ تو یوں کہو گویا اس نسبت سے بھی وہی نسبت مقصود ہے کیونکہ اس کو لانا مقصدِ اصلی نہیں تھا۔ جی۔

بات سمجھ میں آگئی؟ اب دیکھیے کتاب پر بھئی۔ شرح کے ساتھ اس سارے کو دیکھیے۔ کہتے ہیں: اَلْبَدَلُ تَابِعٌ مَقْصُوْدٌ بِمَا نُسِبَ إِلَى الْمَتْبُوْعِ، کہ بدل ایسا تابع ہوتا ہے جو مقصود ہوتا ہے بِمَا نُسِبَ إِلَى الْمَتْبُوْعِ اس چیز کے ذریعے جس کی نسبت کی گئی ہے متبوع کی طرف۔ بھئی کیا معنیٰ؟ کہتے ہیں أَيْ تُقْصَدُ النِّسْبَةُ إِلَيْهِ یعنی کہنا یہ چاہتے ہیں کہ بدل ایسا تابع ہے کہ تُقْصَدُ النِّسْبَةُ إِلَيْهِ کہ اس کی طرف جو نسبت کی گئی ہے اس کا ارادہ کیا جاتا ہے بِنِسْبَةِ مَا نُسِبَ إِلَى الْمَتْبُوْعِ اس نسبت کے ذریعے جو مَا نُسِبَ کی ہو رہی ہے کس کی طرف؟ متبوع کی طرف۔ دُوْنَهُ أَيْ دُوْنَ الْمَتْبُوْعِ، متبوع مراد نہیں یعنی متبوع کی نسبت مراد نہیں۔ کیا معنیٰ متبوع کی نسبت مراد نہیں؟ اب بتلانے لگے ہیں: أَيْ لَا تَكُوْنُ النِّسْبَةُ إِلَى الْمَتْبُوْعِ مَقْصُوْدَةً ابْتِدَاءً، یعنی کہ وہ جو نسبت ہو رہی ہے متبوع کی طرف وہ مقصود نہیں ہے ابْتِدَاءً شروع سے ہی۔ شروع سے ہی وہ مقصود نہیں ہے بِنِسْبَةِ مَا نُسِبَ إِلَيْهِ اس نسبت کے ذریعے جو مَا نُسِبَ کی اس کی طرف کی گئی ہے۔

مَا نُسِبَ کیا ہے؟ جَاءَ۔ اور جَاءَ کی نسبت جو کس کی طرف کی گئی؟ زید کی طرف۔ یہ شروع سے ہی مقصود نہیں ہے، یہ صرف تمہید کے طور پر ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ پھر دیکھیے عبارت: أَيْ لَا تَكُوْنُ النِّسْبَةُ إِلَى الْمَتْبُوْعِ مَقْصُوْدَةً ابْتِدَاءً یعنی وہ نسبت جو متبوع کی طرف ہو رہی ہے وہ مقصود نہیں ہے ابْتِدَاءً شروع سے ہی، وہ شروع سے ہی مقصود نہیں ہے بِنِسْبَةِ مَا نُسِبَ إِلَيْهِ اس نسبت کے ذریعے جو مَا نُسِبَ کی ہو رہی ہے إِلَيْهِ اس متبوع کی طرف۔ اس مَا نُسِبَ کی جو نسبت ہو رہی ہے اس متبوع کی طرف وہ شروع سے ہی مقصود نہیں، بَلْ تَكُوْنُ النِّسْبَةُ إِلَيْهِ تَوْطِئَةً وَتَمْهِيْدًا بلکہ وہ جو نسبت ہے اس متبوع کی طرف وہ توطئہ اور تمہید ہے۔ توطئہ اور تمہید کا ایک معنیٰ ہے۔ جی۔ تو متبوع کی طرف جو نسبت ہے وہ توطئہ اور تمہید ہے لِنِسْبَتِهِ إِلَى التَّابِعِ، کہ وہ جو مَا نُسِبَ کی نسبت کی جا رہی ہے إِلَى التَّابِعِ کس کی طرف؟ تابع۔ تو متبوع کی طرف جو نسبت ہے وہ تمہید ہے لِنِسْبَتِهِ وہ جو مَا نُسِبَ کی نسبت کی جا رہی ہے إِلَى التَّابِعِ کس کی طرف؟ تابع کی طرف۔ وہ جو مَا نُسِبَ کی نسبت کی جا رہی ہے تابع کی طرف اس کے لیے تمہید ہے، کون سی نسبت؟ وہ جو مَا نُسِبَ کی کس کی طرف کی گئی ہے؟ متبوع کی طرف۔ وہ جو مَا نُسِبَ کی نسبت متبوع کی طرف کی گئی ہے وہ تمہید ہے اس نسبت کے لیے جو کس کی طرف کی جا رہی ہے؟ تابع کی طرف۔ بات سمجھ میں آگئی؟ یعنی وہ نسبت مقصودِ اصلی ہے اور یہ پہلی نسبت مقصودِ اصلی نہیں ہے۔

تو یاد رکھنا بدل کی چار قسمیں ہیں، چار قسمیں، توجہ ہے؟ میں نے پہلے بھی ذکر کیا تھا: ایک بدل الکل ہے، ایک بدل البعض ہے، ایک بدل الاشتمال ہے اور ایک بدل الغلط ہے۔ جی۔ بدل الغلط جو ہے نا غلط، وہ غلطی کی وجہ سے لایا جاتا ہے۔ مثلاً

میں آپ سے کہنا چاہتا تھا میرے پاس عمر آیا، تو میں کہنے لگا تو زبان پر ایک دم غلطی سے زید آگیا: جَاءَ زَيْدٌ۔ میں کہنا کیا چاہتا تھا؟ کون آیا ہے؟ عمر، لیکن زبان پر غلطی سے کیا آگیا؟ زید، تو میں فوراً ہی اصلاح کر کے عمر کا لفظ بھی ساتھ ذکر کر دیتا ہوں: جَاءَنِيْ زَيْدٌ عَمْرٌو، جَاءَنِيْ زَيْدٌ عَمْرٌو۔ دیکھو فوراً ہی میں نے اصلاح کر دی، تو یہ عَمْرٌو کیا ہے؟ بدل الغلط۔ یہ کیوں لایا گیا؟ غلطی ہوئی تھی۔ کیا ہوئی تھی؟ غلطی، تو غلطی کی وجہ سے یہ بدل لایا گیا ہے۔ آپ نے ہمیں کیا کہا؟ مبدل منہ کی طرف جو نسبت ہے وہ تمہید ہے کس کے لیے؟ بدل کے لیے۔ مبدل منہ کی طرف جو نسبت ہے وہ تمہید ہے کس کے لیے؟ بدل کے لیے، بدل الغلط میں تو ایسا نہیں ہے۔ بدل الغلط میں جو میں نے جَاءَ زَيْدٌ، زید کی طرف جو نسبت کی، کیا یہ میں تمہید باندھ رہا تھا عمر کے لیے؟ نہیں، یہاں تو ایسا نہیں ہے، یہاں تو غلطی ہوئی ہے۔ تو یہاں تو آپ نہیں کہہ سکتے کہ پہلی نسبت تمہید ہے اور دوسری نسبت مقصود ہے۔ تو جواب دیا کہ بھئی نسبت کا تمہید ہونا عام ہے چاہے حقیقتاً ہو چاہے حکماً۔ تو یہاں بھی ہم یوں ہی کہیں گے، حکم یہی لگا دیں گے، گویا یہ نسبت بھی تمہید تھی دوسری نسبت کے لیے۔ بدل کی تین صورتیں، ان میں تو پہلی نسبت تمہید ہوتی ہے کس کے لیے؟ دوسری نسبت کے لیے۔ بدل الغلط میں ایسا نہیں ہے، تو وہاں حکم یہ لگا دیا گیا۔ تو معلوم ہوا پہلی نسبت کا دوسری نسبت کے لیے تمہید ہونا، پہلی نسبت کا دوسری نسبت کے لیے تمہید ہونا، چاہے حقیقتاً ہو چاہے حکماً ہو۔ حقیقتاً تمہید ہے تین صورتوں میں، اور ایک صورت میں تو تمہید نہیں ہے لیکن حکم اس پر بھی کیا لگا دیا؟ کہ یہ بھی گویا تمہید ہی ہے بھئی۔ تو توجہ ہے؟ معلوم ہوا پہلی نسبت کا دوسری نسبت کے لیے تمہید ہونا یہ عام ہے چاہے حقیقتاً ہو چاہے حکماً ہو۔

پھر ایک دفعہ ترجمہ دیکھ لیجیے بھئی، بس یہ بات آپ کو سمجھ میں آگئی ان شاء اللہ سارا مسئلہ حل ہوتا چلا جائے گا آپ دیکھیے گا بھئی۔ کہتے ہیں: أَيْ لَا تَكُوْنُ النِّسْبَةُ إِلَى الْمَتْبُوْعِ مَقْصُوْدَةً ابْتِدَاءً بِنِسْبَةِ مَا نُسِبَ إِلَيْهِ، یعنی وہ جو نسبت کی گئی ہے متبوع کی طرف وہ ابتدا سے ہی مقصود نہیں ہے اس نسبت کے ذریعے وہ جو مَا نُسِبَ کی متبوع کی طرف کی گئی ہے۔ وہ جو مَا نُسِبَ کی متبوع یعنی جَاءَ کی نسبت زید کی طرف جو کی گئی ہے اس کے ذریعے یہ والی نسبت مقصود ہی نہیں ہے، بَلْ تَكُوْنُ النِّسْبَةُ إِلَيْهِ تَوْطِئَةً وَتَمْهِيْدًا لِنِسْبَتِهِ إِلَى التَّابِعِ بلکہ یہ نسبت جو ہے یہ توطئہ اور تمہید ہے، وہ جو اس کی نسبت کی جائے کس کی طرف؟ تابع کی طرف اس کے لیے۔ سَوَاءٌ كَانَ مَا نُسِبَ إِلَيْهِ مُسْنَدًا أَوْ غَيْرَهُ، برابر ہے کہ مَا نُسِبَ إِلَيْهِ وہ جو اس کی طرف جس چیز کی نسبت کی گئی ہے مسند ہو یا غیرِ مسند ہو۔ جی۔ بات سمجھ میں آگئی؟ بھئی جَاءَ مسند ہے اور زَيْدٌ اس کے لیے فاعل ہے، تو یہ نسبت کون سی ہوئی؟ اسنادی۔ فاعل کی طرف جو فعل کی نسبت ہوتی ہے اس کو اسناد کہتے ہیں، فاعل ہوا مسند الیہ اور فعل کیا ہے؟ مسند۔ تو جو فعل کی نسبت فاعل کی طرف ہوتی ہے اس کو کیا کہتے ہیں؟ اسناد۔ توجہ ہے؟ اسی طرح فعل کی نسبت مفعول کی طرف بھی تو ہوتی ہے: ضَرَبْتُ زَيْدًا۔ تو یہ جو نسبت ہے مفعول کی طرف اس کو اسناد نہیں کہتے، اس کو وقوع کہتے ہیں کہ فعل کا زید پر وقوع ہوا ہے، یا یوں کہتے ہیں اس فعل کا زید سے تعلق ہے۔ جی۔ باقی فعل کے

متعلقات کہلاتے ہیں، فاعل جو ہے مسند الیہ کہلائے گا اور باقی چیزیں کیا کہلاتی ہیں؟ متعلقات کہلاتی ہیں فعل کی۔ تو مفعول بھی کیا ہوا؟ فعل کا متعلق ہوا، یا یوں کہو اس کی طرف اسناد نہیں ہے اس پر فعل کا وقوع ہوا ہے، فعل اس پر واقع ہوا ہے۔ جی۔ اور اسی طرح مضاف کی بھی نسبت ہوتی ہے مضاف الیہ کی طرف: غُلَامُ زَيْدٍ، غلام کی نسبت ہو رہی ہے کس کی طرف؟ زید کی طرف۔ تو بتلانا یہ چاہتے ہیں کہ نسبت عام ہے، صرف نسبتِ اسنادی نہیں مراد یا صرف نسبتِ ایقاعی نہیں مراد بلکہ جو بھی نسبت ہو سب اس میں آگئیں۔

توجہ ہے؟ تو کہتے ہیں سَوَاءٌ كَانَ مَا نُسِبَ إِلَيْهِ مُسْنَدًا أَوْ غَيْرَهُ برابر ہے کہ وہ چیز کہ جس کی اس کی طرف نسبت کی گئی ہے وہ مسند ہو یا غیرِ مسند ہو، مِثْلُ مثال کے طور پر جَاءَنِي زَيْدٌ أَخُوكَ۔ دیکھو یہ زید کیا ہے؟ فاعل ہے، تو یہ نسبت کون سی ہے؟ اسنادی، تو جَاءَ مسند ہے اور زَيْدٌ مسند الیہ۔ اور دوسری مثال دیکھیے: وَضَرَبْتُ زَيْدًا أَخَاكَ، تو یہاں زَيْدًا مبدل منہ ہے اور أَخَاكَ اس سے بدل ہے، اور زید یہ تو مفعول بہ واقع ہو رہا ہے، تو یہ نسبت اسنادی نہیں ہے بلکہ ایقاعی ہے، زید پر یہ فعل ضرب والا واقع ہو رہا ہے، زید مفعول بہ ہی ہے۔ تو ضَرَبْتُ زَيْدًا أَخَاكَ۔

وَاحْتَرَزَ بِقَوْلِهِ مَقْصُوْدٌ بِمَا نُسِبَ إِلَى الْمَتْبُوْعِ، اچھا بھئی فوائدِ قیود ذکر کر رہے ہیں کہ تعریف ایسی کی ہے جس سے باقی سب توابع نکل گئے۔ جب شروع میں کہا اَلْبَدَلُ تَابِعٌ، بدل ایسا تابع ہے، تو پانچوں توابع داخل ہو گئے کیونکہ وہ سب بھی تابع ہیں: صفت، تاکید، بدل، عطفِ بیان اور معطوف بحرف، یہ سب تابع ہیں نا؟ تو کہا اَلْبَدَلُ تَابِعٌ، بدل تابع ہے تو یہ پانچوں داخل ہو گئے۔ پھر آگے کہا مَقْصُوْدٌ بِمَا نُسِبَ إِلَى الْمَتْبُوْعِ، یہ قید لگائی کہ جس میں تابع مقصود ہے، تو صفت بھی نکل گئی کیونکہ صفت اس میں تو تابع نہیں مقصود، متبوع یعنی موصوف مقصود ہوتا ہے۔ اور اسی طرح عطفِ بیان بھی نکل گیا کیونکہ عطفِ بیان میں بھی عطفِ بیان نہیں مقصود ہوتا، تابع نہیں مقصود ہوتا، متبوع یعنی معطوف علیہ مقصود ہوتا ہے، عطفِ بیان تو صرف آکر اس کی وضاحت کرتا ہے، تو عطفِ بیان بھی نکل گیا۔ اور نیز تاکید بھی نکل گئی کیونکہ تاکید مقصود نہیں ہوتی بلکہ مؤکد مقصود ہوتا ہے۔ انہوں نے کیا کہا؟ بدل ایسا تابع ہے کہ جو مقصود ہوتا ہے، کیا ہوتا ہے؟ مقصود ہوتا ہے، تو صفت نکل گئی وہ بھی مقصود نہیں، تاکید نکل گیا وہ بھی مقصود نہیں، اور عطفِ بیان نکل گیا وہ بھی مقصود نہیں۔ جی۔ تو کہتے ہیں وَاحْتَرَزَ بِقَوْلِهِ مَقْصُوْدٌ بِمَا نُسِبَ إِلَى الْمَتْبُوْعِ، کہتے ہیں ماتن کا یہ جو قول ہے مَقْصُوْدٌ بِمَا نُسِبَ إِلَى الْمَتْبُوْعِ اس کے ذریعے احتراز کیا عَنِ النَّعْتِ صفت سے، میں نے بتایا تھا نعت کسے کہتے ہیں؟ صفت کو۔ اس کے ذریعے احتراز کیا عَنِ النَّعْتِ صفت سے وَالتَّأْكِيْدِ اور تاکید سے وَعَطْفِ الْبَيَانِ اور عطفِ بیان سے، یہ تینوں نکل گئے، لِأَنَّهَا لَيْسَتْ مَقْصُوْدَةً بِمَا نُسِبَ إِلَيْهِ اس لیے کیونکہ یہ مقصود نہیں ہوتے مَا نُسِبَ إِلَيْهِ کے ذریعے، یہ مَا نُسِبَ إِلَيْهِ کے ذریعے مقصود نہیں ہوتے، بَلِ الْمَتْبُوْعُ مَقْصُوْدٌ بِهِ بلکہ متبوع جو ہے وہ مقصود ہوتا ہے۔

وَبِقَوْلِهِ دُوْنَهُ، آگے کیا کہا؟ تابع مقصود ہوتا ہے دُوْنَهُ أَيْ دُوْنَ الْمَتْبُوْعِ، متبوع مقصود نہیں۔ یہ قید جب لگائی تو معطوف بھی نکل گیا۔ دیکھو معطوف: معطوف میں تابع بھی مقصود ہوتا ہے اور متبوع بھی مقصود ہوتا ہے۔ اور انہوں نے تعریف

کیا کی؟ تابع مقصود ہے دُوْنَهُ متبوع مقصود نہیں، تو عطف نکل گیا کیونکہ عطف میں تو دونوں مقصود ہوتے ہیں۔ جی۔ توجہ ہے؟ کہتے ہیں وَبِقَوْلِهِ دُوْنَهُ احْتَرَزَ عَنِ الْعَطْفِ بِحَرْفٍ، اور ماتن کا قول جو دُوْنَهُ آیا اس کے ذریعے احتراز کیا ماتن نے عَنِ الْعَطْفِ بِحَرْفٍ عطف بالحرف سے، فَإِنَّ الْمَتْبُوْعَ فِيْهِ مَقْصُوْدٌ بِمَا نُسِبَ إِلَيْهِ مَعَ التَّابِعِ اس لیے کیونکہ عطف کے اندر جو متبوع ہوتا ہے مَقْصُوْدٌ وہ بھی مقصود ہوتا ہے بِمَا نُسِبَ إِلَيْهِ مَا نُسِبَ إِلَيْهِ کے ذریعے مَعَ التَّابِعِ ساتھ کس کے؟ تابع کے۔

اب ایک اشکال ہوتا ہے، اشکال یہ کہ بھئی آپ نے کیا کہا؟ بدل ایسا تابع ہے کہ تابع مقصود ہے متبوع مقصود نہیں۔ تو وہ جو معطوف ب بَلْ ہے وہ بھی داخل ہو گیا۔ آپ نے پڑھا حروفِ عاطفہ دس ہیں بھئی، کون کون سے ہیں؟ واو، فا، ثُمَّ، حَتّٰی، إِمَّا، أَوْ، أَمْ، لَا، بَلْ، لٰكِنْ۔ دس حروف ہیں۔ تو اب اس میں بَلْ بھی آیا۔ مثلاً میں کہتا ہوں جَاءَنِيْ زَيْدٌ بَلْ عَمْرٌو۔ مثلاً یہ مثلاً میں آپ کو عمر کے بارے میں بتانا چاہتا تھا، کس کے بارے میں؟ عمر، لیکن غلطی سے میری زبان پر زید آ گیا۔ مثلاً میں نے کہا جَاءَنِيْ زَيْدٌ بَلْ عَمْرٌو، فوراً ہی میں اصلاح کرتا ہوں: میرے پاس زید آیا تھا بَلْ عَمْرٌو بلکہ عمر۔ تو یہ زید میں نے کیوں کہا؟ غلطی سے۔ کس سے؟ غلطی سے۔ یا غلطی سے نہیں کہا بلکہ میرے پاس زید بھی آیا تھا اور عمر بھی آیا تھا، تو میں اب آپ کو بتانے لگا ہوں، میں نے کہا جَاءَنِيْ زَيْدٌ میں نے زید کے بارے میں بتایا لیکن ساتھ ہی میرا ارادہ بدل گیا کہ نہیں نہیں زید کے بارے میں نہیں بتانا چاہیے کس کے بارے میں بتانا چاہیے؟ عمر، تو میں فوراً کہتا ہوں جَاءَنِيْ زَيْدٌ...

بَلْ عَمْرٌو بلکہ عمر آیا تھا۔ یاد رکھو یہ جو بَلْ ہے اس کا ما بعد جو ہے وہ مقصود ہوتا ہے۔ وہ... جَاءَنِيْ زَيْدٌ بَلْ عَمْرٌو، میرے پاس زید آیا تھا بلکہ عمر، کیا معنیٰ؟ میرے پاس عمر آیا تھا۔ میرے پاس... تو بَلْ کا جو بعد ہوتا ہے وہ مقصود ہوتا ہے، اور بَلْ سے ما قبل جو ہوتا ہے وہ مسکوت عنہ ہے، وہ کس حکم میں ہے؟ مسکوت عنہ یعنی اس کے بارے میں خاموشی ہے، یوں سمجھیں میں نے کچھ ذکر ہی نہیں کیا زید کے بارے میں کہ وہ آیا تھا یا نہیں آیا تھا۔ توجہ ہے؟ میں نے کہا جَاءَنِيْ زَيْدٌ بَلْ عَمْرٌو، میرے پاس زید آیا بلکہ عمر آیا، اب اس کلام کا یہ معنیٰ نہیں ہے کہ زید بھی آیا ہے اور عمر بھی آیا ہے، نہیں نہیں، صرف میں عمر کا بتانا چاہتا تھا، اور ما قبل مسکوت عنہ یعنی جس کے بارے میں خاموشی ہے، زید کے بارے میں خاموشی ہے، یوں سمجھیں نہ میں نے اس کے آنے کو ذکر کیا نہ نہ آنے کو۔ پہلے میں نے جَاءَ کی نسبت زید کی طرف کی تھی لیکن پھر پھیر کر کس کی طرف کر دی؟ عمر کی طرف، معلوم ہوا عمر آیا ہے۔ اور زید کے بارے میں یوں سمجھو ذکر ہی نہیں ہے کہ وہ آیا ہے یا نہیں آیا۔ یہ معنیٰ نہیں ہے کہ زید نہیں آیا بلکہ زید مسکوت عنہ ہو گیا۔

بات سمجھ میں آ گئی؟ تو بَلْ کا ما بعد مقصود ہوتا ہے اور ما قبل مسکوت عنہ ہے یعنی وہ مقصود نہیں۔ تو آپ کی تعریف تو اس پر بھی صادق آ رہی ہے، آپ نے بھی ہمیں کیا کہا؟ بدل کسے کہتے ہیں؟ کہ تابع مقصود ہوتا ہے، متبوع مقصود نہیں، تو جَاءَنِيْ زَيْدٌ بَلْ عَمْرٌو، کون مقصود ہے؟ عمر، جو تابع ہے وہ مقصود ہے اور زید مقصود نہیں، حالانکہ یہ زید یہ تو معطوفٌ علیہ ہے، اور بَلْ حرفِ عطف ہے، اور عَمْرٌو کیا ہے؟ معطوف ہے۔ توجہ ہے؟ تو یہ تو آپ تعریف کر رہے ہیں بدل کی اور آپ کی تعریف میں معطوف بحرف داخل ہو گیا۔ آپ نے کہا کہ بدل ایسا تابع ہے جو مقصود ہوتا ہے متبوع مقصود نہیں ہوتا، یہی

بات تو جَاءَنِيْ زَيْدٌ بَلْ عَمْرٌو، وہ جو معطوف ہے بَلْ کے ذریعے اس پر بھی صادق آ رہی ہے۔ تو آپ تعریف کس کی کر رہے ہیں؟ بدل کی، اور اس کے اندر کون داخل ہو گیا؟ معطوف بحرف بھی داخل ہو گیا۔ جی۔

توجہ ہے؟ تو اس کا بھی جواب دینے لگے صاحبِ جامی بھئی۔ کہتے ہیں نہیں، بَلْ کا ما قبل مقصود نہیں ہے یوں نہ کہو، ابتداً زید ہی مقصود تھا۔ جَاءَنِيْ زَيْدٌ بَلْ عَمْرٌو، تو جس وقت میں نے زید کہا تھا اس وقت زید ہی مقصود تھا۔ جی۔ پھر ایک دم زید بولتے بولتے میرا خیال بدل گیا، میری رائے بدل گئی اور میں نے نسبت کس کی طرف کر دی؟ عمر کی طرف۔ جی۔ تو زید کو میں نے بطورِ تمہید کے ذکر کیا یا شروع میں زید ہی مقصود تھا؟ زید ہی مقصود تھا، پھر میری رائے بدلی اور میں نے مقصود کس کو بنا لیا؟ عمر کو۔ تو یوں کہو زید ابتداً مقصود تھا اور عمر انتہاً مقصود ہے۔ ابتدا کے اعتبار سے مقصود کون؟ زید، اور انتہا کے اعتبار سے مقصود کون؟ عمر بھئی۔ تو ہم نے تو کیا کہا؟ کہ بدل ایسا تابع ہے کہ وہ مقصود ہوتا ہے اور متبوع مقصود نہیں، لیکن بَلْ کے اندر ہم نے بتا دیا دونوں مقصود ہیں: پہلا مقصود ہے ابتداً اور دوسرا مقصود ہے انتہاً، تو یہ تو تعریف میں داخل نہیں ہو رہا بھئی۔

توجہ ہے؟ بدل کے اندر متبوع یعنی پہلا مقصود نہیں ہوتا، اور بَلْ کے اندر پہلا بھی مقصود ہے، البتہ وہ ابتداً مقصود ہے اور دوسرا انتہاً مقصود ہے۔ تو کہتے ہیں: وَلَا يَصْدُقُ الْحَدُّ عَلَى الْمَعْطُوْفِ بِ بَلْ، کہتے ہیں اور یہ تعریف صادق نہیں آ رہی معطوف ب بَلْ پر، لِأَنَّ مَتْبُوْعَهُ مَقْصُوْدٌ ابْتِدَاءً اس لیے کیونکہ اس کا متبوع جو ہے وہ ابتداً مقصود ہوتا ہے، ثُمَّ بَدَا لَهُ، بَدَا لَهُ کا معنیٰ ہوتا ہے رائے قائم ہونا، خیال آنا، یا بات کا ذہن میں آنا۔ ثُمَّ بَدَا لَهُ، پھر اس کی رائے بنتی ہے، پھر اس کو خیال آتا ہے۔ توجہ ہے؟ تو بات کا ذہن میں آنا، خیال آنا، رائے بدلنا، اس کے لیے بَدَا لَهُ عربی میں بولتے ہیں۔ کہتے ہیں لِأَنَّ مَتْبُوْعَهُ مَقْصُوْدٌ ابْتِدَاءً اس لیے کیونکہ بَلْ کے اندر جو متبوع ہے وہ مقصود ہوتا ہے ابتداً، ثُمَّ بَدَا لَهُ پھر اس متکلم جو ہوتا ہے اس کی رائے بنتی ہے، یعنی اس کی رائے بدل جاتی ہے، فَأَعْرَضَ عَنْهُ تو وہ اس متبوع سے کیا کر لیتا ہے؟ اعراض کر لیتا ہے، اس کو چھوڑ دیتا ہے، وَقَصَدَ الْمَعْطُوْفَ اور معطوف کا ارادہ کر لیتا ہے۔ جَاءَ زَيْدٌ بَلْ عَمْرٌو، پہلے زید کا ارادہ کیا پھر رائے بدلی اور عمر جو متبوع ہے اس کا ارادہ کر لیا۔ فَكِلَاهُمَا مَقْصُوْدَانِ بِهٰذَا الْمَعْنٰى، تو یہ تابع اور متبوع یہ دونوں مقصود ہوتے ہیں بِهٰذَا الْمَعْنٰى اس معنیٰ کے اعتبار سے، جبکہ بدل میں متبوع مقصود نہیں ہوتا۔

فَإِنْ قِيْلَ هٰذَا الْحَدُّ لَا يَتَنَاوَلُ الْبَدَلَ الَّذِيْ بَعْدَ إِلَّا، اب یہ ایک اعتراض اور اس کا جواب ذکر کریں گے۔ اعتراض یہ، اعتراض دیکھیے، یہ جو آگے مثال آ رہی ہے: مَا قَامَ أَحَدٌ إِلَّا زَيْدٌ، مَا قَامَ أَحَدٌ إِلَّا زَيْدٌ۔ دیکھو إِلَّا آیا، اور إِلَّا کس لیے آتا ہے؟ استثنا کے لیے۔ اور میں نے آپ کو بتلایا تھا مستثنیٰ ب إِلَّا میں تفصیل۔ آپ نے پڑھا تھا مستثنیٰ کبھی منصوب ہوتا ہے، مستثنیٰ کبھی مجرور ہوتا ہے، مستثنیٰ کبھی بدل بنتا ہے، اور مستثنیٰ کبھی عَلٰى حَسَبِ الْعَوَامِلِ ہوتا ہے۔ مستثنیٰ کے چار اعراب پڑھے تھے۔ اور پھر إِلَّا کے اندر میں نے ایک نقشہ بنوایا تھا کہ مستثنیٰ ب إِلَّا کا کیا اعراب ہے؟ تو سب سے

پہلے کیا دیکھو: مستثنیٰ متصل ہے یا منقطع؟ اگر منقطع ہو تو منصوب ہوگا۔ اگر متصل ہے پھر دیکھو کہ کلام موجب ہے یا غیرِ موجب؟ کلامِ غیرِ موجب کسے کہتے ہیں؟ جس میں نفی، نہی یا استفہام ہو۔ تو یہاں پر بھی مَا قَامَ دیکھو کیا ہے؟ حرفِ نفی ہے، تو یہ کلامِ غیرِ موجب ہے۔ تو مستثنیٰ ب إلَّا میں پہلے کیا دیکھو کہ وہ مستثنیٰ متصل ہے یا منقطع؟ متصل کسے کہتے ہیں؟ جو پہلے داخل تھا پھر إلَّا کے ذریعے نکال لیا، اور جو پہلے داخل ہی نہیں ہے وہ منقطع ہے۔ تو سب سے پہلے یہ دیکھو مستثنیٰ ب إلَّا میں کہ وہ متصل ہے یا منقطع؟ اگر منقطع ہے تو منصوب۔ اگر متصل ہے پھر دیکھو کہ کلام موجب ہے یا غیرِ موجب؟ اگر کلام موجب ہے، یعنی نہ نفی ہے، نہ نہی ہے، نہ استفہام ہے تو بھی منصوب۔ اور اگر کلام کیا ہے؟ غیرِ موجب، پھر دیکھو کہ مستثنیٰ مستثنیٰ منہ پر مقدم تو نہیں؟ اگر مقدم ہے پھر بھی کیا ہوگا؟ منصوب۔ اگر مقدم بھی نہیں تو پھر دیکھو کہ مستثنیٰ منہ کلام میں مذکور ہے یا نہیں؟ اگر مستثنیٰ منہ کلام میں مذکور ہے، کلام میں مذکور ہے تو پھر مستثنیٰ میں دو اعراب ہیں۔ جی۔ پھر آپ اس پر نصب بھی پڑھ سکتے ہیں اور آپ اس کو بدل بھی بنا سکتے ہیں۔ جی۔ اگر مستثنیٰ منہ کلام میں مذکور ہے، کلام کون سا؟ غیرِ موجب، اور مستثنیٰ منہ بھی مذکور اور وہ مستثنیٰ پر مقدم بھی نہیں، تو پھر آپ بدل بھی بنا سکتے ہیں اور نصب بھی پڑھ سکتے ہیں۔ اور اگر مستثنیٰ منہ مذکور ہی نہیں ہے تو پھر مستثنیٰ کا اعراب عَلٰی حَسَبِ الْعَوَامِلِ ہوگا۔

توجہ ہے؟ اب اس کے اندر دیکھو: مَا قَامَ أَحَدٌ إِلَّا زَيْدٌ، کوئی ایک بھی کھڑا نہیں ہوا سوائے زید کے۔ تو مَا قَامَ أَحَدٌ کوئی ایک بھی نہیں کھڑا، سب سے قیام کی نفی کر دی، جب سب سے قیام کی نفی کی تو زید سے بھی نفی ہو گئی یا نہیں؟ زید سے بھی نفی ہو گئی۔ جب کوئی بھی نہیں کھڑا تو معلوم ہوا زید بھی نہیں کھڑا، آگے إِلَّا زَيْدٌ کے ذریعے میں نے زید کو ما قبل سے نکال دیا۔ توجہ ہے؟ تو دیکھو اب مَا قَامَ أَحَدٌ إِلَّا زَيْدٌ، جی یہ مستثنیٰ متصل ہے یا منقطع ہے؟ متصل ہے، زید پہلے میں داخل تھا پھر إلَّا کے ذریعے نکال دیا گیا، ابھی میں نے بتایا کہ جب کہا کوئی بھی نہیں کھڑا تو زید بھی معلوم ہوا نہیں کھڑا، پھر اس سے نکال کر حکم لگایا گیا۔ تو یہ مستثنیٰ متصل ہے یا منقطع؟ مَا قَامَ أَحَدٌ إِلَّا زَيْدٌ متصل ہے۔ پھر دیکھو کلام موجب ہے یا غیرِ موجب؟ غیرِ موجب ہے کیونکہ مَا حرفِ نفی موجود ہے۔ پھر دیکھو کیا مستثنیٰ وہ مقدم تو نہیں مستثنیٰ منہ پر؟ یہاں پر مستثنیٰ أَحَدٌ پر مقدم نہیں ہے۔ پھر دیکھو مستثنیٰ منہ کلام میں مذکور ہے یا نہیں؟ أَحَدٌ مذکور ہے۔ تو پھر اب مستثنیٰ پر دو اعراب پڑھ سکتے ہو: اس کو بدل بھی بنا سکتے ہو اور نصب بھی پڑھ سکتے ہو۔ تو مَا قَامَ أَحَدٌ إِلَّا زَيْدًا نصب بھی پڑھ سکتے ہو کیونکہ مستثنیٰ منصوب ہوتا ہے، اور ما قبل أَحَدٌ سے بدل بھی بنا سکتے ہو اور أَحَدٌ مبدل منہ مرفوع ہے تو زید جو بدل ہے وہ بھی مرفوع۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو مَا قَامَ أَحَدٌ إِلَّا زَيْدٌ اور إِلَّا زَيْدًا دونوں طرح پڑھ سکتے ہیں۔

اب یہاں اعتراض اس صورت پر ہوتا ہے جب آپ بدل بناتے ہیں: مَا قَامَ أَحَدٌ إِلَّا زَيْدٌ، میں زید پر بھی رفع پڑھتا ہوں، معلوم ہوا میں نے اس کو بدل بنایا، تو أَحَدٌ کیا ہوا؟ مبدل منہ۔ توجہ ہے؟ اب یہ بدل إلَّا کے بعد واقع ہے۔ کلام کا معنیٰ کیا

ہے؟ مَا قَامَ أَحَدٌ کوئی ایک بھی کھڑا نہیں ہے إِلَّا زَيْدٌ سوائے زید کے، یا یوں کہو مَا قَامَ أَحَدٌ کوئی ایک بھی کھڑا نہیں ہوا إِلَّا زَيْدٌ سوائے کس کے؟ زید کے۔ تو اب یہ زید بدل ہے، میں اس پر رفع پڑھ رہا ہوں، اس کو ما قبل سے میں بدل بنا رہا ہوں۔ توجہ ہے؟ اب کلام کا کیا معنیٰ؟ سب سے قیام کی نفی ہے۔ دیکھو أَحَدٌ یہ ہے مبدل منہ، اور اس کی طرف کیا نسبت ہے؟ قیام کی نسبت ہے یا عدمِ قیام کی؟ مَا قَامَ أَحَدٌ کوئی ایک بھی کھڑا نہیں ہوا، تو أَحَدٌ کی طرف قیام کی نسبت ہے یا عدمِ قیام کی؟ عدمِ قیام کی نسبت ہو رہی ہے مبدل منہ کی طرف، کوئی ایک بھی کھڑا نہیں ہوا، إِلَّا زَيْدٌ سوائے کس کے؟ زید کے، معلوم ہوا زید کھڑا ہوا ہے۔ تو أَحَدٌ کی طرف نسبت ہے عدمِ قیام کی، اور زید کی طرف نسبت ہے قیام کی۔ توجہ ہے؟ اور آپ نے بدل کی کیا تعریف کی؟ کہ وہ جو نسبت ہو رہی ہے کس کی طرف؟ متبوع کی طرف، اس کے ذریعے متبوع مقصود نہیں ہے بلکہ کون سی نسبت مقصود ہے؟ تابع یعنی بدل والی نسبت مقصود ہے۔ اور یہاں متبوع کی طرف تو عدمِ قیام کی نسبت ہے اور زید کی طرف تو قیام کی نسبت ہے، تو اس عدمِ قیام کی نسبت کے ذریعے زید کے قیام کی نسبت مراد نہیں ہو سکتی بھئی۔ اشکال سمجھ میں آیا؟ آپ نے کیا کہا تھا؟ بدل ایسا تابع ہے کہ وہ جو متبوع کی طرف نسبت کی جاتی ہے اس نسبت کے ذریعے متبوع مقصود نہیں ہوتا، یعنی متبوع کی نسبت مقصود نہیں ہوتی بلکہ تابع یعنی بدل کی نسبت مقصود ہوتی ہے، لیکن یہاں تو متبوع کی طرف عدمِ قیام کی نسبت ہے اور زید کی طرف قیام کی نسبت ہے، تو اس عدمِ قیام کی نسبت کے ذریعے زید کی قیام والی نسبت مراد نہیں ہو سکتی بھئی۔ عدمِ قیام کے ذریعے عدمِ قیام والی نسبت تو مراد ہو سکتی ہے، قیام والی نہیں مراد ہو سکتی۔ اعتراض سمجھ میں آیا؟ جی۔

اب دیکھیے پہلے اعتراض ذکر کریں گے اور پھر اس کا جواب دیں گے۔ فَإِنْ قِيْلَ اگر یہ کہا جائے هٰذَا الْحَدُّ لَا يَتَنَاوَلُ الْبَدَلَ الَّذِيْ بَعْدَ إِلَّا کہ یہ تعریف تو شامل نہیں ہے اس بدل کو الَّذِيْ بَعْدَ إِلَّا جو إِلَّا کے بعد آئے، مِثْلُ مثال کے طور پر مَا قَامَ أَحَدٌ إِلَّا زَيْدٌ کوئی ایک بھی کھڑا نہیں ہوا سوائے زید کے۔ فَإِنَّ زَيْدًا بَدَلٌ مِنْ أَحَدٍ، زید جو ہے یہ بدل ہے أَحَدٌ سے، وَلَيْسَتْ نِسْبَةُ مَا نُسِبَ إِلَيْهِ، اور نہیں ہے... توجہ سے سنو، یہ ذرا عبارت مشکل ہے یہاں پر۔ وَلَيْسَتْ نِسْبَةُ مَا نُسِبَ إِلَيْهِ اور نہیں ہے نسبت مَا اس چیز کی نُسِبَ إِلَيْهِ جس کی نسبت أَحَدٌ کی طرف کی گئی ہے، إِلَيْهِ کی هُ ضمیر أَحَدٌ کو لوٹائیں۔ وہ جو مَا نُسِبَ کی نسبت أَحَدٌ کی طرف کی گئی ہے وہ نہیں ہے، آگے آرہا ہے مَقْصُوْدَةً وہ مقصود نہیں ہے۔ عبارت سمجھ میں آرہی ہے؟ اچھا أَحَدٌ کی طرف کون سی نسبت کی گئی ہے؟ عدمِ قیام کی۔ توجہ ہے؟ تو درمیان میں اس مِنْ کے ذریعے بیان کر دیا: مِنْ عَدَمِ الْقِيَامِ یعنی عدمِ قیام۔ جی۔ میں نے بتایا تھا کہ عبارتوں میں جگہ جگہ اس طرح آتا ہے مَا موصولہ اور آگے صلہ لایا جاتا ہے اور پھر بھی بات واضح نہیں ہوتی تو پھر مِنْ کے ساتھ آگے اس کا بیان لایا جاتا ہے۔ توجہ ہے؟ تو یہاں پر بھی دیکھو عبارت پہ نظر رکھو: وَلَيْسَتْ نِسْبَةُ مَا نُسِبَ إِلَيْهِ اور نہیں ہے نسبت مَا اس چیز کی، نِسْبَةُ مَا نسبت کی اضافت ہو رہی ہے مَا کی طرف، تو یوں کرو ترجمہ: مَا نُسِبَ إِلَيْهِ أَيْ مَا نُسِبَ إِلَى الْأَحَدِ، مَا نُسِبَ إِلَى الْأَحَدِ، تو نِسْبَةُ مَا نُسِبَ إِلَيْهِ أَيْ نِسْبَةُ مَا

نُسِبَ إِلَى الْأَحَدِ۔ مَا نُسِبَ إِلَى الْأَحَدِ کیا ہے؟ جس چیز کی نسبت کی گئی ہے کس کی طرف؟ أَحَدٌ کی طرف، وہ کیا چیز تھی؟ مَا قَامَ أَحَدٌ إِلَّا زَيْدٌ، مَا قَامَ کی نسبت ہے، کس کی؟ مَا قَامَ۔ تو کہتے ہیں وَلَيْسَتْ نِسْبَةُ مَا نُسِبَ إِلَيْهِ، مَا نُسِبَ إِلَى أَحَدٍ یوں بولیں لفظ پھر آپ کے لیے ترجمہ آسان ہوگا۔ مَا نُسِبَ إِلَى الْأَحَدِ وہ چیز جس کی نسبت أَحَدٌ کی طرف کی گئی ہے، جی، اب اس سے پہلے نسبت کا لفظ لے آئیں: نِسْبَةُ مَا نُسِبَ إِلَى الْأَحَدِ، مَا نُسِبَ إِلَى الْأَحَدِ کی نسبت، نِسْبَةُ مَا نُسِبَ إِلَى الْأَحَدِ، کیا معنیٰ؟ مَا...

نُسِبَ إِلَى الْأَحَدِ کی نسبت، زبان سے بولو: غُلَامُ زَيْدٍ کا کیا معنیٰ؟ زید کا غلام۔ یہاں بھی اسی طرح ہے: نِسْبَةُ مَا، نسبت کی اضافت ہو رہی ہے، تو مَا نُسِبَ إِلَى الْأَحَدِ وہ چیز جس کی نسبت کی گئی ہے کس کی طرف؟ أَحَدٌ کی طرف، اور وہ چیز مَا قَامَ ہے، اور مَا قَامَ سے کون سی نسبت ہے؟ عدمِ قیام والی، تو نِسْبَةُ مَا نُسِبَ إِلَيْهِ، مَا نُسِبَ إِلَى الْأَحَدِ کی نسبت۔ جی جی۔ وَلَيْسَتْ نِسْبَةُ مَا نُسِبَ إِلَيْهِ، مَا نُسِبَ إِلَى الْأَحَدِ کی جو نسبت ہے مِنْ عَدَمِ الْقِيَامِ، مِنْ کے ساتھ بیان کر دیا یعنی کہ جو عدمِ قیام ہے، وہ جو ہے مَقْصُوْدَةً وہ مقصود نہیں ہے۔ مَا نُسِبَ إِلَى الْأَحَدِ کی جو نسبت ہے یعنی عدمِ قیام، یعنی عدمِ قیام، تو یہ مِنْ عَدَمِ الْقِيَامِ یہ مِنْ کس کا بیان ہے؟ مَا نُسِبَ کا، کس کا؟ مَا نُسِبَ، یہ اب یہ اس کا بیان ہے تو ذرا مَا نُسِبَ کو ہٹا دیں اور عدمِ قیام اس کی جگہ رکھ دیں۔ یہ مِنْ عَدَمِ الْقِيَامِ یہ بیان ہے مَا نُسِبَ کا، کس کا بیان ہے؟ مَا نُسِبَ کا، تو اس مَا نُسِبَ کو ہٹا دیں اور اس کی جگہ عدمِ قیام لے آئیں۔ جی۔ تو عبارت کیا ہے: نِسْبَةُ مَا نُسِبَ إِلَيْهِ، یہ مَا نُسِبَ کو ہٹائیں اور یہاں عدمِ قیام لائیں، تو عبارت یوں بن گئی: نِسْبَةُ عَدَمِ الْقِيَامِ إِلَيْهِ، یہ جو عدمِ قیام کی نسبت ہو رہی ہے إِلَيْهِ کس کی طرف؟ أَحَدٌ کی طرف، مَقْصُوْدَةً یہ مقصود نہیں ہے۔ لَيْسَتْ نِسْبَةُ مَا... توجہ سے سنو، مَا نُسِبَ کو ہٹا دیں اور عدمِ قیام کو یہاں لے آئیں: وَلَيْسَتْ نِسْبَةُ عَدَمِ الْقِيَامِ إِلَيْهِ مَقْصُوْدَةً اور وہ جو عدمِ قیام کی نسبت ہو رہی ہے أَحَدٌ کی طرف وہ مقصود نہیں ہے۔ وہ مقصود نہیں ہے، بِالنِّسْبَةِ إِلَى زَيْدٍ اس نسبت کے ذریعے جو زید کی طرف ہو رہی ہے۔ اور زید کی طرف کون سی نسبت ہو رہی ہے؟ قیام کی۔ جی۔ أَحَدٌ کی طرف تھی عدمِ قیام کی اور زید کی طرف ہے قیام کی، کیونکہ إِلَّا نفی کو توڑ دیتا ہے۔ مَا قَامَ أَحَدٌ کوئی ایک بھی کھڑا نہیں ہوا إِلَّا زَيْدٌ سوائے کس کے؟ زید کے، معلوم ہوا زید کھڑا ہوا ہے، تو زید کی طرف قیام کی نسبت ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو کہتے ہیں یہ جو عدمِ قیام کی نسبت تھی أَحَدٌ کی طرف یہ مقصود نہیں ہے بِالنِّسْبَةِ إِلَى زَيْدٍ اس نسبت کے ذریعے جو زید کی طرف ہو رہی ہے، یعنی جو زید کی طرف قیام کی نسبت ہو رہی ہے۔

اب ادھر دیکھیے، کلام کا معنیٰ سنو جی، کلام بالکل الٹ گیا۔ کہتے ہیں لَيْسَتْ نِسْبَةُ عَدَمِ الْقِيَامِ إِلَيْهِ مَقْصُوْدَةً کہ وہ جو عدمِ قیام کی نسبت ہو رہی ہے أَحَدٌ کی طرف وہ مقصود نہیں ہے، کس کے ذریعے؟ بِالنِّسْبَةِ إِلَى زَيْدٍ، وہ جو قیام کی نسبت ہو رہی ہے زید کی طرف۔ وہ جو زید کی طرف قیام کی نسبت ہو رہی ہے اس نسبت کے ذریعے وہ جو عدمِ قیام کی نسبت ہو رہی ہے أَحَدٌ کی طرف وہ مقصود نہیں ہے۔ توجہ ہے؟ وہ جو نسبت ہو رہی ہے کس کی طرف؟ زید کی طرف، اور کون سی

نسبت ہے؟ قیام، وہ جو نسبت ہو رہی ہے زید کی طرف قیام کی اس کے ذریعے وہ والی نسبت نہیں مقصود وہ جو عدمِ قیام کی نسبت ہو رہی ہے أَحَدٌ کی طرف۔ جی۔ توجہ ہے؟ تو معلوم ہوا یوں کہو زید کی نسبت کے ذریعے أَحَدٌ کی نسبت مقصود نہیں ہے۔ زید کی نسبت کے ذریعے أَحَدٌ کی نسبت مقصود نہیں ہے۔ بھئی تعریف کیا کی تھی؟ متبوع کی نسبت کے ذریعے تابع کی نسبت مقصود ہوتی ہے۔ کس کی؟ متبوع کی نسبت کے ذریعے تابع کی نسبت مقصود ہوتی ہے، یوں کہنا چاہیے تھا: أَحَدٌ کی نسبت کے ذریعے زید کی نسبت مقصود نہیں ہے، أَحَدٌ متبوع ہے نا؟ تو اس کی أَحَدٌ کی نسبت کے ذریعے کس کی نسبت مقصود ہونی چاہیے؟ تابع یعنی زید کی، تو یوں کہنا چاہیے: أَحَدٌ کی نسبت کے ذریعے زید کی نسبت مقصود نہیں ہے کیونکہ أَحَدٌ کی طرف عدمِ قیام ہے اور زید کی طرف قیام۔ جی۔

نہیں توجہ بھئی؟ مشکل بات ہے خوب توجہ سے سنو۔ متبوع کون؟ أَحَدٌ، تابع کون؟ زید، اور انہوں نے کیا کہا تھا؟ بدل کی تعریف کیا کی تھی؟ کہ جو متبوع کی طرف نسبت کی جاتی ہے اس کے ذریعے متبوع کی نسبت مقصود نہیں ہوتی بلکہ کس کی نسبت مقصود ہوتی ہے؟ تابع کی نسبت مقصود ہوتی ہے، لہٰذا یہاں یوں کہنا چاہیے کہ جو أَحَدٌ کی طرف عدمِ قیام کی نسبت کی گئی اس کے ذریعے زید کی نسبت جو قیام والی ہے وہ مقصود نہیں۔ لیکن یہ کیا کہہ رہے ہیں؟ کہ زید کی جو نسبت ہے اس کے ذریعے أَحَدٌ کی نسبت مقصود نہیں، الٹا کہہ رہے ہیں، کہنا کیا چاہیے تھا؟ أَحَدٌ کی نسبت کے ذریعے زید کی نسبت مقصود نہیں، لیکن کہہ کیا رہے ہیں؟ زید کی نسبت، بِالنِّسْبَةِ إِلٰى زَيْدٍ دیکھو با سببیہ، زید کی نسبت کے ذریعے أَحَدٌ کی نسبت مقصود نہیں۔ بلکہ بھئی کہنا تو یوں چاہیے: أَحَدٌ جو متبوع ہے اس کے ذریعے زید کی نسبت مقصود نہیں ہے، لیکن صاحبِ جامی کیا فرما رہے ہیں؟ زید کی نسبت کے ذریعے أَحَدٌ کی نسبت مقصود نہیں ہے۔ تو علما فرماتے ہیں یہاں قلب ہوا ہے۔ جی۔ یہاں کیا ہے اس عبارت میں؟ قلب ہے: متبوع کی جگہ تابع لے گئے اور تابع کی جگہ متبوع لے گئے صاحبِ جامی۔ توجہ ہے؟ تو کیا کہا صاحبِ جامی نے؟ کہ زید کی نسبت کے ذریعے أَحَدٌ کی نسبت مقصود نہیں، کہنا کیا چاہیے تھا؟ أَحَدٌ کی نسبت یعنی متبوع کی نسبت کے ذریعے زید یعنی تابع کی نسبت مقصود نہیں، تو یہاں کیا ہوا ہے؟ قلب ہوا ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟

جبکہ اور بعض علما اور جواب دیتے ہیں، ملا عصام رحمہ اللہ جو بڑے عالم گزرے ہیں اور ان کا جامی پر بڑا مشہور و معروف حاشیہ ہے، تو وہ فرماتے ہیں، کہتے ہیں نہیں یہاں قلب نہیں ہے، یہ قلب کا مکان نہیں ہے، دل مطمئن نہیں ہوتا کہ یہاں قلب مانا جائے۔ جی۔ دل مطمئن نہیں ہوتا کہ یہاں قلب مانا جائے، تو پھر کیا معنیٰ؟ سنو وہ فرماتے ہیں، توجہ بھی ہے کہ نہیں؟ پھر کیا معنیٰ؟ یہاں تو وہ فرما رہے ہیں زید کی طرف جو نسبت ہے اس کے ذریعے أَحَدٌ کی نسبت مقصود نہیں، یہاں قلب کے علاوہ تو اور کوئی صورت ہی نہیں ہے۔ تو وہ کہتے ہیں نہیں، دیکھو کہنے کا مطلب یہ ہے صاحبِ جامی کے کہ یہ جو زید کی طرف نسبت ہے یہ ہے مقصودی نسبت، یہ کیا ہے؟ یہ مقصودِ اصلی ہے، اور أَحَدٌ کی طرف جو نسبت ہے وہ بطورِ تمہید کے ہے۔ توجہ ہے؟ دیکھو ملا عصام فرماتے ہیں کہ دیکھو یہ جو أَحَدٌ کی طرف نسبت کی گئی ہے یہ بطورِ تمہید کے ہے، یہ بطورِ تمہید

کے ہے اور زید کی طرف جو نسبت کی گئی ہے وہ ہے مقصودِ اصلی، مقصودِ اصلی۔ تو زید کی طرف تو قیام کی نسبت ہو رہی ہے، تو زید کی طرف جو قیام کی نسبت ہو رہی ہے جو مقصودِ اصلی ہے، اس کے ذریعے جو أَحَدٌ جو متبوع کی طرف نسبت عدمِ قیام کی ہو رہی ہے وہ مقصود نہیں ہے۔ یعنی کہنا یہ چاہتے ہیں صاحبِ جامی کہ دونوں نسبتوں میں فرق ہے: متبوع کی طرف نسبت ہو رہی ہے عدمِ قیام کی اور زید کی طرف نسبت ہو رہی ہے کون سی؟ قیام کی، اور زید تو ہے مقصودِ اصلی اور زید کی طرف نسبت کون سی ہے؟ قیام والی، تو زید کی طرف قیام کی نسبت ہو رہی ہے جو مقصودِ اصلی ہے، اس کے واسطے سے اور اس کے سبب سے جو پہلی نسبت ہو رہی ہے أَحَدٌ کی طرف عدمِ قیام والی وہ بطورِ تمہید کے وہ مقصود نہیں ہے۔ جی۔ وہ مقصود نہیں ہے۔

زید کی طرف جو نسبت ہو رہی ہے قیام کی یہ نسبت کیا ہے؟ مقصودِ اصلی ہے۔ تو زید کی طرف جو نسبت ہو رہی ہے جو مقصودِ اصلی ہے اس کے ذریعے وہ نسبت جو متبوع کی طرف ہو رہی ہے اور وہ عدمِ قیام والی وہ مقصود نہیں ہے، اصل مقصود کون سی نسبت ہے؟ زید کی طرف قیام والی نسبت ہے، وہ جو متبوع کے لیے بطورِ تمہید کے عدمِ قیام کی نسبت کی گئی ہے وہ مقصود نہیں ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ باریک سی بات ہے۔

پھر سنو: اعتراض یہ ہوتا تھا کہ آپ نے متن میں تعریف کی، تابع کسے کہتے ہیں؟ کہ متبوع کی طرف جو نسبت کی جائے اس کے ذریعے تابع کی نسبت مقصود ہوتی ہے، متبوع کی نسبت مقصود نہیں ہوتی۔ تو لیکن یہاں پر آپ کیا فرما رہے ہیں؟ کہ زید کی طرف یعنی تابع کی طرف جو نسبت کی گئی ہے اس کے ذریعے متبوع کی نسبت مقصود نہیں، اس کے ذریعے متبوع کی نسبت مقصود نہیں ہے، یعنی کہنا یہ چاہتے ہیں کہ اصل مقصودی نسبت تو یہاں قیام والی ہے، اصل مقصودی نسبت تو قیام والی ہے، اور جو بطورِ تمہید کے عدمِ قیام والی نسبت متبوع کی طرف کی گئی ہے وہ والی نسبت مقصودی نہیں ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو عام علما فرماتے ہیں یہاں قلب ہے، یوں کہنا چاہیے تھا کہ أَحَدٌ کی نسبت کے ذریعے زید کی نسبت مقصود نہیں۔ ہاں پھر بولو: أَحَدٌ کی نسبت کے ذریعے زید کی نسبت، تابع کی نسبت مقصود نہیں، لَیْسَتْ آ رہا ہے نا نہیں مقصود، یوں کہنا چاہیے تھا کیونکہ ایک میں عدمِ قیام ہے ایک میں قیام ہے، تو اس عدمِ قیام کے ذریعے تو زید کا عدمِ قیام مقصود نہیں ہو سکتا، زید میں تو قیام ہے۔ جی۔ تو أَحَدٌ کی جو عدمِ قیام والی نسبت ہے اس کے ذریعے زید کی جو قیام والی نسبت ہے وہ مقصود نہیں، یوں کہنا چاہیے تھا۔ لیکن صاحبِ جامی کیا فرما رہے ہیں؟ کہ زید کی جو قیام والی نسبت ہے اس کے ذریعے متبوع کی جو عدمِ قیام والی نسبت ہے وہ مقصود نہیں، یہ تو کلام کو قلب کر دیا۔ تو عام علما فرماتے ہیں یہ قلب ہے یہاں، تابع کو متبوع کی جگہ لے گئے اور متبوع کو تابع کی جگہ، اور قلب کلامِ عرب میں کرتے ہیں کلام میں ملاحت پیدا کرنے کے لیے، کلام میں لذت پیدا کرنے کے لیے۔ توجہ ہے؟

جبکہ ملا عصام رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ نہیں یہ قلب کا مکان نہیں ہے، یہاں قلب سے تسلی نہیں ہوتی کہ یہاں یوں کہا

جائے قلب ہے، بلکہ صاحبِ جامی کی عبارت کا مطلب یہ ہے کہ جو زید کی طرف قیام کی نسبت ہو رہی ہے وہ مقصود ہے، اور جو أَحَدٌ کی طرف نسبت ہو رہی ہے وہ تمہید کے لیے ذکر کی گئی ہے، تو زید کی طرف جو قیام کی نسبت ہے اس کے ذریعے أَحَدٌ کی طرف جو عدمِ قیام کی نسبت ہو رہی ہے وہ مقصود نہیں، کہ معنیٰ یہ ہے کلام کا کہ زید کی نسبت ہے مقصودی اور جو أَحَدٌ کی نسبت ہے وہ غیرِ مقصودی، تو وہ جو مقصودی نسبت ہے وہ تو ہے قیام والی، تو اس کے ذریعے اس کے ذریعے یہ غیرِ مقصودی جو تمہید کے طور پر ذکر کی گئی ہے یہ مقصود نہیں ہے، اصل وہی قیام والی نسبت ہی ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟

تو دیکھیے کہتے ہیں: وَلَيْسَتْ نِسْبَةُ مَا نُسِبَ إِلَيْهِ مِنْ عَدَمِ الْقِيَامِ مَقْصُوْدَةً، اور نہیں ہے نسبت اس چیز کی جس کی نسبت کی گئی ہے أَحَدٌ کی طرف یعنی کہ عدمِ قیام مَقْصُوْدَةً وہ مقصود نہیں ہے بِالنِّسْبَةِ إِلٰى زَيْدٍ اس وہ جو نسبت کی گئی ہے زید کی طرف اس کے ذریعے، وہ جو نسبت زید کی طرف کی گئی ہے اس کے ذریعے أَحَدٌ کی عدمِ قیام والی نسبت مقصود نہیں۔ تو عام علما کیا کہتے ہیں یہاں قلب ہے، جبکہ ملا عصام کیا فرماتے ہیں کہ نہیں قلب نہیں ہے بلکہ کہنے کا مطلب یہ ہے کہ وہ نسبت جو زید کی طرف کی گئی ہے وہ مقصود ہے اور وہ قیام والی ہے، اور جو أَحَدٌ کی طرف نسبت کی گئی ہے عدمِ قیام والی بطورِ تمہید کے وہ مقصود نہیں، قیام والی نسبت یہاں پر مقصود ہے۔ بَلِ النِّسْبَةُ الْمَقْصُوْدَةُ، بلکہ وہ نسبت جو مقصود ہے بِنِسْبَةِ مَا نُسِبَ إِلٰى أَحَدٍ اس چیز کی نسبت کے ذریعے جس کی نسبت کی گئی ہے أَحَدٌ کی طرف، بلکہ یوں ترجمہ کریں: بَلِ النِّسْبَةُ الْمَقْصُوْدَةُ بِنِسْبَةِ مَا نُسِبَ إِلٰى أَحَدٍ بلکہ مَا نُسِبَ إِلٰى أَحَدٍ کی نسبت کے ذریعے جو مقصود ہے، بَلِ النِّسْبَةُ الْمَقْصُوْدَةُ وہ نسبت جو مقصود ہے بِنِسْبَةِ مَا نُسِبَ إِلٰى أَحَدٍ، مَا نُسِبَ إِلٰى أَحَدٍ کی نسبت کے ذریعے نِسْبَةُ الْقِيَامِ إِلٰى زَيْدٍ وہ قیام کی نسبت ہے زید کی طرف۔ جی۔ پھر ترجمہ دیکھو: بَلِ النِّسْبَةُ الْمَقْصُوْدَةُ بلکہ وہ نسبت جو مقصود ہے کس کے ذریعے؟ بِنِسْبَةِ مَا نُسِبَ إِلٰى أَحَدٍ، مَا نُسِبَ إِلٰى أَحَدٍ کی نسبت کے ذریعے، مَا نُسِبَ إِلٰى أَحَدٍ کی نسبت کے ذریعے جو نسبت مقصود ہے نِسْبَةُ الْقِيَامِ إِلٰى زَيْدٍ وہ قیام کی نسبت ہے زید کی طرف۔

قُلْنَا، اعتراض کیا تھا؟ اعتراض یہ کہ وہ بدل جو إِلَّا کے بعد واقع ہو وہ آپ کی تعریف میں داخل نہیں، کیونکہ یہاں پر مبدل منہ جو ہے اس کی طرف عدمِ قیام کی نسبت ہے اور زید جو ہے اس کی طرف قیام کی نسبت ہے، اور آپ نے تو کیا کہا تھا؟ کیا تعریف کی تھی؟ کہ متبوع کی طرف جو نسبت کی گئی ہے اس نسبت کے ذریعے تابع کی نسبت مقصود ہے۔ بھئی متبوع کی نسبت تو عدمِ قیام والی ہے اور تابع کی نسبت تو قیام والی ہے، تو عدمِ قیام کی نسبت کے ذریعے قیام والی نسبت کیسے مراد ہو سکتی ہے؟ اعتراض سمجھ میں آیا؟ جی۔

تو جواب دیتے ہیں قُلْنَا ہم کہتے ہیں: مَا نُسِبَ إِلَى الْمَتْبُوْعِ هٰهُنَا هُوَ الْقِيَامُ کہ وہ چیز جس کی نسبت متبوع کی طرف کی گئی ہے یہاں پر وہ قیام ہے، عدمِ قیام نہیں ہے، یاد رکھو۔ صاحبِ جامی جواب دیں گے کہ یہاں قیام ہی کی نسبت ہو رہی ہے

دونوں کی طرف: أَحَدٌ کی طرف بھی اور زید کی طرف بھی، البتہ صرف کیفیت مختلف ہے قیام کی: اسی قیام کی نسبت أَحَدٌ کی طرف ہے تو یہ نفی والی ہے یعنی عدمِ قیام ہے، اور اسی قیام کی نسبت زید کی طرف ہے تو وہ اثبات والی ہے، تو نسبت قیام کی ہے عدمِ قیام کی نہیں، یوں نہ کہو عدمِ قیام کی نسبت ہے بلکہ کس کی نسبت ہے؟ قیام کی، ہاں اس قیام کی کیفیت مختلف ہے، یہی قیام جب اس کی نسبت ہوئی أَحَدٌ کی طرف تو یہ کون سی نسبت ہوئی؟ نفی والی، عدمِ قیام، اور یہی نسبت جب زید کی طرف ہوئی تو یہ اثبات والی ہے، تو نسبت ایک ہی ہے البتہ صرف کیفیت مختلف ہے۔

تو أَحَدٌ کی طرف بھی نسبت قیام کی اور زید کی طرف نسبت بھی قیام کی، البتہ صرف کیفیت کا فرق ہے۔ تو أَحَدٌ کی طرف کون سی نسبت ہوئی؟ قیام کی، اس أَحَدٌ کی طرف جو قیام کی نسبت ہے اس کے ذریعے متبوع کی نسبت مقصود نہیں ہے بلکہ زید یعنی تابع کی قیام کی نسبت مقصود ہے۔ تو متبوع کی طرف بھی قیام کی نسبت اور اسی کے ذریعے مقصود بھی کیا ہے؟ زید کی طرف بھی قیام کی نسبت وہ مقصود ہے۔ صرف کیفیت کا فرق ہے۔

بات سمجھ میں آگئی؟ تو قُلْنَا ہم کہتے ہیں مَا نُسِبَ إِلَى الْمَتْبُوْعِ هٰهُنَا هُوَ الْقِيَامُ کہ وہ چیز جس کی نسبت کی گئی ہے متبوع کی طرف یہاں پر وہ قیام ہی ہے، فَإِنَّهُ نُسِبَ إِلَيْهِ نَفْيًا اس لیے کیونکہ اسی قیام کی نسبت کی گئی ہے متبوع کی طرف نَفْيًا باعتبارِ نفی کے، وَنِسْبَةُ الْقِيَامِ بِعَيْنِهِ إِلَى التَّابِعِ مَقْصُوْدَةٌ وَلٰكِنْ إِثْبَاتًا اور بِعَيْنِهِ اسی قیام کی نسبت جو تابع کی طرف ہو رہی ہے مَقْصُوْدَةٌ وہ مقصود ہے، وَلٰكِنْ إِثْبَاتًا لیکن کس طریقے پر؟ اثبات کے طریقے پر۔ فَيَصْدُقُ عَلٰى زَيْدٍ تو زید پر یہ بات صادق آ رہی ہے۔

اب دیکھو وہی تعریف اس پر لاگو کریں گے: بدل کی تعریف کیا تھی؟ کہ جو نسبت متبوع کی طرف کی گئی ہے اس نسبت کے ذریعے تابع کی نسبت مقصود ہے۔ اب وہی تعریف اس پر لاگو کریں گے تو کہتے ہیں: جب ہم نے بتا دیا کہ یہاں متبوع کی طرف جو نسبت کی گئی ہے وہ قیام کی نسبت ہے عدمِ قیام کی نسبت نہیں، تو کہتے ہیں فَيَصْدُقُ عَلٰى زَيْدٍ تو زید جو بدل ہے اس پر یہ بات صادق آتی ہے کہ أَنَّهُ تَابِعٌ مَقْصُوْدٌ نِسْبَتُهُ کہ یہ ایسا تابع ہے کہ اس کی نسبت مقصود ہے بِنِسْبَةِ مَا نُسِبَ إِلَى الْمَتْبُوْعِ اس نسبت کے ذریعے جو مَا نُسِبَ کی ہو رہی ہے متبوع کی طرف۔ فَإِنَّ النِّسْبَةَ الْمَأْخُوْذَةَ فِي الْحَدِّ اس لیے کیونکہ وہ نسبت جو ماخوذ ہے حد کے اندر یعنی تعریف کے اندر، یعنی وہ نسبت جو بدل کی تعریف میں ملحوظ ہے وہ عام ہے چاہے نفی والی ہو اور چاہے اثبات والی ہو۔ توجہ ہے؟ تو وہ عام ہے۔

تو کہتے ہیں فَإِنَّ النِّسْبَةَ الْمَأْخُوْذَةَ فِي الْحَدِّ اس لیے کیونکہ وہ نسبت جو ماخوذ ہے بدل کی تعریف میں، یعنی وہ نسبت جو ملحوظ ہے بدل کی تعریف میں أَعَمُّ وہ زیادہ عام ہے مِنْ أَنْ يَكُوْنَ بِطَرِيْقِ الْإِثْبَاتِ أَوِ النَّفْيِ کہ وہ اثبات کے طریقے پر ہو یا نفی کے طریقے پر۔ یعنی وہ توجہ ہے؟ وہ نسبت جو بدل کی تعریف میں ملحوظ ہے کہ متبوع کی طرف جو نسبت ہے اس کے ذریعے

تابع کی نسبت مقصود ہو، توجہ ہے؟ بدل کی کیا تعریف کی؟ بدل ایسا تابع ہے کہ اس کی نسبت مقصود ہوتی ہے اس نسبت کے ذریعے جو متبوع کی طرف کی گئی ہے، اور متبوع کی نسبت مقصود نہیں ہوتی۔ تو اس کے اندر جو تعریف کے اندر نسبت کا لفظ آیا یہ عام ہے اس سے کہ اثبات والی ہو یا نفی والی ہو۔ یعنی اس میں یہ ضروری نہیں ہے کہ اثبات والی نسبت متبوع کی طرف ہو رہی ہے تو تابع کی طرف بھی وہی اثبات والی نسبت مقصود ہو، یا متبوع کی طرف نفی والی نسبت ہے تو وہی نفی والی نسبت تابع کی طرف بھی مقصود ہو، ایسا نہیں ہے بلکہ نسبت عام ہے، وہ نسبت مقصود ہونی چاہیے چاہے ایک کی طرف نفی والی ہو اور دوسرے کی طرف اثبات والی ہو، کیفیت بے شک مختلف ہو لیکن جنسِ نسبت وہی ہونی چاہیے۔ جی۔ جنسِ نسبت وہی، جیسے یہاں پر مَا قَامَ أَحَدٌ إِلَّا زَيْدٌ۔ یہاں پر أَحَدٌ اور زید دونوں کی طرف جنسِ نسبت ایک ہی ہے یعنی قیام کی نسبت ہے، البتہ صرف کیفیت مختلف ہے: أَحَدٌ کی طرف وہی نسبت ہے نفی کے اعتبار سے، اور زید کی طرف وہی نسبت ہے اثبات کے اعتبار سے۔

بات سمجھ میں آگئی؟ تو یہ معنیٰ ہے کہ فَإِنَّ النِّسْبَةَ الْمَأْخُوْذَةَ فِي الْحَدِّ اس لیے کیونکہ وہ نسبت جو ماخوذ ہے جو ملحوظ ہے بدل کی تعریف میں أَعَمُّ مِنْ أَنْ يَكُوْنَ بِطَرِيْقِ الْإِثْبَاتِ أَوِ النَّفْيِ وہ زیادہ عام ہے اس سے کہ وہ اثبات کے طریقے پر ہو یا نفی، یعنی صرف اثبات کے طریقے پر ہو دونوں میں نہیں یہ بھی نہیں ضروری، دونوں میں نفی کے طریقے پر ہو یہ بھی نہیں ضروری، بلکہ عام ہے نسبت، بس جنسِ نسبت وہی ہونی چاہیے باقی نفی اور اثبات ایک جیسا ہونا ضروری نہیں ہے۔

وَيُمْكِنُ اور یہ ممکن ہے أَنْ يُقْصَدَ بِنِسْبَتِهِ إِلٰى شَيْءٍ نَفْيًا، بِنِسْبَتِهِ، بِنِسْبَتِهِ کی ہٗ ضمیر لوٹائیں مَا نُسِبَ کی طرف۔ جی۔ مَا نُسِبَ یعنی وہ جو منسوب ہے، جس کی نسبت کی گئی ہے۔ اور وَيُمْكِنُ اور ممکن ہے کہ أَنْ يُقْصَدَ کہ ارادہ کیا جائے، کہ مقصود ہو بِنِسْبَتِهِ إِلٰى شَيْءٍ وہ جو منسوب کی نسبت کی گئی ہے کسی چیز کی طرف، جی، وہ جو مَا نُسِبَ کی یعنی منسوب کی نسبت کی گئی ہے ایک چیز کی طرف نَفْيًا باعتبارِ نفی کے، تو ممکن ہے کہ یہ جو منسوب کی نسبت کی گئی ہے ایک چیز کی طرف نفی کے اعتبار سے اس کے ذریعے ارادہ کیا جائے نِسْبَتُهُ إِلٰى شَيْءٍ آخَرَ اسی منسوب کی نسبت کا دوسری شے کی طرف إِثْبَاتًا باعتبارِ اثبات کے۔ تو دیکھو أَنْ يُقْصَدَ یہ فعلِ مجہول ہے اور بِنِسْبَتِهِ إِلٰى شَيْءٍ نَفْيًا یہ جار مجرور اسی يُقْصَدَ سے متعلق ہو جائیں گے، اور آگے جو آرہا ہے نا نِسْبَتُهُ إِلٰى شَيْءٍ وہ نائب الفاعل ہے أَنْ يُقْصَدَ کا۔ توجہ ہے؟ جی۔ تو کہتے ہیں وَيُمْكِنُ پھر ترجمہ دیکھیے: وَيُمْكِنُ أَنْ يُقْصَدَ بِنِسْبَتِهِ إِلٰى شَيْءٍ نَفْيًا اور ممکن ہے کہ مقصود ہو وہ جو نسبت کی گئی ہے مَا نُسِبَ کی ایک چیز کی طرف نفی کے اعتبار سے، وہ جو نسبت کی گئی ہے مَا نُسِبَ کی کسی ایک چیز کی طرف نفی کے اعتبار سے، ممکن ہے کہ أَنْ يُقْصَدَ اس کے ذریعے ارادہ کیا جائے نِسْبَتُهُ إِلٰى شَيْءٍ آخَرَ اسی مَا نُسِبَ کی نسبت کا دوسری شے کی طرف إِثْبَاتًا باعتبارِ اثبات کے۔ یعنی اسی مَا نُسِبَ کی جو نسبت ایک شے کی طرف نفی کے اعتبار سے ہو رہی ہے اس کے ذریعے ارادہ کیا جائے اسی مَا نُسِبَ کی نسبت کا دوسری شے کی طرف اثبات کے اعتبار سے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ وَيَكُوْنُ الْأَوَّلُ تَوْطِئَةً لِلثَّانِيْ اور اول جو ہو یعنی

پہلی نسبت جو ہو تَوْطِئَةً لِلثَّانِيْ وہ تمہید ہو دوسری نسبت کے لیے۔ پہلی نسبت جو نفی والی ہے وہ تمہید ہو دوسری نسبت کے لیے جو اثبات والی ہے، یہ ہو سکتا ہے، ہاں جنسِ نسبت ایک ہونی چاہیے، جیسے دونوں میں قیام کی نسبت ہے، کیفیت مختلف ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں، جیسے یہاں جو تمہید کے طور پر ہے وہ نفی والی ہو اور جو مقصود ہے وہ اثبات والی ہو ایسا ہو سکتا ہے۔

بات سمجھ میں آگئی؟ تو یہاں پر کہتے ہیں نسبت اسی قیام کی ہے عدمِ قیام کی نسبت نہیں ہے، تو اسی قیام کی نسبت أَحَدٌ کی طرف بھی ہے اور اسی قیام کی نسبت زید کی طرف بھی ہے، ہاں البتہ کیفیت مختلف ہے: أَحَدٌ کی طرف یہ قیام کی نسبت ہے نفی کے اعتبار سے، اور زید کی طرف نسبت ہے اسی قیام کی اثبات کے اعتبار سے۔ تو مَا نُسِبَ، وہ جو منسوب ہے، اس کی نسبت ایک چیز کی طرف باعتبارِ نفی کے ہو اور دوسرے کی طرف باعتبارِ اثبات کے مقصود ہو ایسا ہو سکتا ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ جی۔

اور یہاں ایک اور بات یاد آئی، یہ بھی یاد رکھو کبھی آپ کے کام آئے گی عطف کے بارے میں۔ عطف کی بحث تو پیچھے گزر چکی ہے لیکن اس کے بارے میں ایک قیمتی بات یاد رکھنا، کتابوں میں، شروحات میں آپ کو وہ کبھی یہ لفظ ملے گا تو آپ پریشان ہوں گے کہ یہ کس چیز کو کہتے ہیں، تو یاد رکھو یہ جو عطف ہے عطف بالحروف اس کو عطفِ نسق بھی کہتے ہیں، عَطْفُ النَّسَقِ، کیا کہتے ہیں؟ عَطْفُ النَّسَقِ، نون ہے، سین ہے اور قاف دو نقطوں والا، عَطْفُ النَّسَقِ۔ تو عطف کہہ لیں یا عَطْفُ النَّسَقِ کہہ لیں ایک ہی بات ہے۔ تو بعض جگہ کتابوں میں آپ کو یہ عبارت ملے گی کہ یہ عطفِ نسق ہے، آپ پریشان ہوں گے یہ عطفِ نسق کیا چیز ہے؟ یہ اسی عطف بالحروف کو کہتے ہیں۔ اسی کا نام کیا ہے؟ عطف بالحروف کا کیا نام ہے ایک اور؟ عَطْفُ النَّسَقِ۔ اور نَسَق کا معنیٰ ہوتا ہے ترتیب بھئی۔ عَطْفُ النَّسَقِ، نَسَق کا کیا معنیٰ؟ ترتیب، چونکہ یہ جو عطف کے حروف ہیں یہ بعض جگہ ترتیب کا فائدہ دیتے ہیں مثلاً میں کہتا ہوں جَاءَنِيْ زَيْدٌ فَعَمْرٌو ثُمَّ بَكْرٌ، معلوم ہوا سب سے پہلے زید آیا، پھر عمر آیا، پھر بکر آیا، تو دیکھو ان حروف نے ترتیب کا فائدہ دیا، تو بعض حروف چونکہ ان میں سے ترتیب کا فائدہ دیتے ہیں تو کل کا نام ہی کیا رکھ دیا؟ عطفِ نسق۔ تو عطفِ نسق یہی عطف بالحرف کا نام ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ چلیے بس بھئی، هٰذَا هُوَ الْمَرَامُ وَاللّٰهُ أَعْلَمُ بِحَقِيْقَةِ الْكَلَامِ۔

سبق نمبر ۲۱۴: البدل (۲): بدل کی چار اقسام (بدلِ کل، بدلِ بعض، بدلِ اشتمال، بدلِ غلط)

شرحِ ملا جامی صفحہ: ۱۹۵ — بتاریخ: ۱۷ اکتوبر ۲۰۲۲ء

■ تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث

آگے سبق دیکھیے بھائی۔ وَهُوَ أَيِ الْبَدَلُ أَنْوَاعٌ أَرْبَعَةٌ: بَدَلُ الْكُلِّ أَيْ بَدَلٌ هُوَ كُلُّ الْمُبْدَلِ مِنْهُ، وَبَدَلُ الْبَعْضِ أَيْ بَدَلٌ هُوَ بَعْضُ الْمُبْدَلِ مِنْهُ، فَالْإِضَافَةُ فِيهِمَا مِثْلُهَا فِي خَاتَمِ فِضَّةٍ، وَبَدَلُ الِاشْتِمَالِ أَيْ بَدَلٌ مُسَبَّبٌ غَالِبًا عَنِ اشْتِمَالِ أَحَدِ الْمُبْدَلَيْنِ عَلَى الْآخَرِ۔[1]

گزشتہ سبق میں ہم بدل کے بارے میں پڑھ رہے تھے۔ صاحبِ کافیہ نے آپ کو بتلایا اَلْبَدَلُ تَابِعٌ مَقْصُودٌ بِمَا نُسِبَ إِلَى الْمَتْبُوعِ دُونَهُ کہ بدل ایسا تابع ہوتا ہے جو مقصود ہوتا ہے مَا نُسِبَ إِلَى الْمَتْبُوعِ کے ذریعے۔ وہ چیز جس کی نسبت متبوع کی طرف کی گئی ہے اس کے ذریعے بدل جو ہے وہ مقصود ہوتا ہے، دُونَهُ نہ کہ متبوع۔ تو حاصل کیا ہوا؟ مَا نُسِبَ إِلَى الْمَتْبُوعِ، وہ چیز جس کی نسبت متبوع کی طرف کی گئی ہے اس کے ذریعے بدل مقصود ہوتا ہے۔ جیسے میں نے مثال ذکر کی تھی جَاءَ

[1]

نقشۂ نحوی (۱۰): بدل کی چار اقسام اور ان کی امثلہ کا شجرہ:

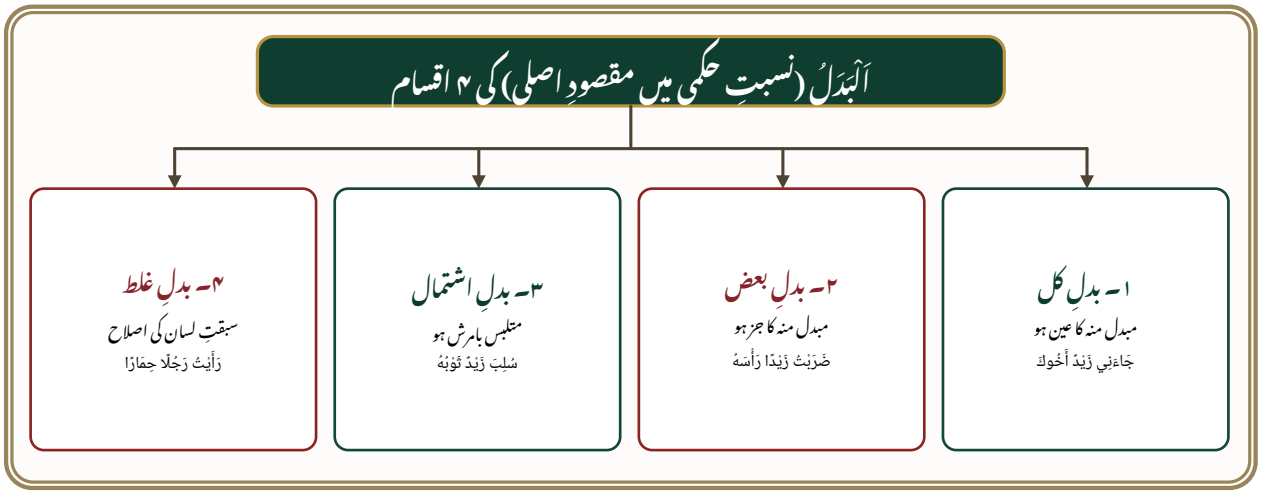

زَيْدٌ أَخُوكَ۔ تو اس کے اندر دیکھو یہ زَيْدٌ یہ ہے مبدل منہ اور أَخُوكَ یہ ہے بدل۔ اور مَا نُسِبَ إِلَى الْمَتْبُوعِ کیا ہے؟ کس چیز کی نسبت کی گئی ہے متبوع کی طرف؟ جَاءَ کی، جَاءَ کی۔ تو یاد رکھو جَاءَ کی نسبت جو ہے زید یعنی متبوع یعنی مبدل منہ کی طرف ہو رہی ہے، اور اسی جَاءَ کی نسبت تابع یعنی أَخُوكَ کی طرف بھی ہو رہی ہے لیکن بواسطہ زید کے، بواسطہ متبوع کے، بواسطہ مبدل منہ کے۔ تو مبدل منہ کے واسطے سے اسی جَاءَ کی نسبت کس کی طرف ہے؟ أَخُوكَ بدل کی طرف بھی ہے بھائی۔

تو معلوم ہوا اس جملے کے اندر مَا نُسِبَ جو ہے وہ جَاءَ ہے بھائی اور اس کی نسبت ہو رہی ہے کس کی طرف؟ متبوع یعنی زید کی طرف۔ تو معنی یہ ہوا صاحبِ کافیہ کے قول کا کہ یہ جو جَاءَ ہے جس کی نسبت کی گئی ہے متبوع کی طرف اس کے ذریعے متبوع مقصود نہیں ہے بلکہ تابع یعنی بدل مقصود ہے۔ بھائی اس کا کیا معنی؟ جَاءَ کے ذریعے نہ تو زید مقصود ہو سکتا ہے اور نہ جَاءَ کے ذریعے أَخُوكَ مقصود ہو سکتا ہے کیونکہ جَاءَ فعل ہے اور أَخُوكَ اور زیدیہ کیا ہیں؟ اسم ہیں۔ تو فعل بول کر فعل ہی کا معنی مراد ہو سکتا ہے، اسم مراد نہیں ہو سکتا۔ تو پھر صاحبِ جامی نے آپ کو بتلایا تھا کہ بھائی وہ جو عطف کے اندر آپ نے پڑھا تھا کہ وہاں تابع اور متبوع دونوں مقصود ہوتے ہیں اس نسبت کے ذریعے جو کلام میں واقع ہے۔ بھائی نسبت کے ذریعے تو تابع اور متبوع مقصود نہیں ہو سکتے کیونکہ نسبت تو جوڑ اور ربط کا نام ہے اور تابع اور متبوع تو لفظ کا نام ہے۔ تو نسبت کے ذریعے یعنی ایک معنی کے ذریعے لفظوں کا ارادہ نہیں ہو سکتا۔ نسبت کے ذریعے نسبت ہی کا ارادہ ہو سکتا ہے، جیسے انسان بول کر انسان ہی کا ارادہ ہو سکتا ہے غیرِ انسان کا ارادہ نہیں ہو سکتا۔ تو وہاں پر بتلایا تھا کہ وہاں تابع اور متبوع کی نسبت مراد ہے کہ وہ جو کلام کے اندر نسبت ہے اس کے ذریعے تابع کی نسبت بھی مقصود ہے اور متبوع کی نسبت بھی مقصود ہے۔ جبکہ بدل کے اندر یہاں پر بھی تابع کے مقصود ہونے کا مطلب یہ ہے کہ تابع کی نسبت مقصود ہے، اور مَا نُسِبَ إِلَى الْمَتْبُوعِ کے ذریعے مراد ہے مَا نُسِبَ إِلَى الْمَتْبُوعِ کی نسبت بھائی۔

تو معنی کیا ہوا؟ اَلْبَدَلُ تَابِعٌ مَقْصُودٌ بدل ایسا تابع ہے کہ مَقْصُودٌ کہ اس کی نسبت مقصود ہوتی ہے بِمَا نُسِبَ إِلَى الْمَتْبُوعِ أَيْ بِنِسْبَةِ مَا نُسِبَ إِلَى الْمَتْبُوعِ۔ وہ جو متبوع کی طرف نسبت کی گئی ہے اس کے ذریعے، وہ جو متبوع کی طرف نسبت کی گئی ہے اس کے ذریعے تابع کی نسبت مقصود ہوتی ہے۔ بدل ایسا تابع ہے کہ اس کی نسبت مقصود ہوتی ہے اس نسبت کے ذریعے جو متبوع کی طرف کی گئی ہے۔ بات سمجھ میں آ گئی؟ اس پر پھر اشکال ہوتا ہے کہ جو نسبت متبوع کی طرف کی گئی ہے اس نسبت کے ذریعے تابع کی نسبت کیسے مراد ہو سکتی ہے؟ مثلاً میں زید بولوں اور عمرو کا ارادہ کر لوں یہ تو نہیں ہو سکتا، زید بولوں گا تو زید ہی مراد ہوگا، زید بول کر عمرو مراد نہیں ہو سکتا۔ تو جو نسبت متبوع کی طرف ہے اس کے ذریعے تابع والی نسبت کا ارادہ کیسے ہو سکتا ہے؟ وہ کیسے مقصود ہو سکتی ہے؟ تو اس کی تشریح کی تھی صاحبِ جامی نے اور بتلایا تھا کہ مطلب یہ ہے کہ جو متبوع کی نسبت لائی جاتی ہے وہ بطورِ تمہید کے لائی جاتی ہے اور اصل مقصود تابع ہی کی نسبت ہوتی ہے۔ تو جو متبوع کو لایا گیا وہ بطورِ تمہید کے لایا گیا وہ اصل میں مقصود ہی نہیں ہے۔ اصل مقصود کون سی نسبت ہے؟ تابع والی نسبت

ہے۔ تو یہ معنی ہے کہ وہ جو نسبت متبوع کی طرف کی گئی ہے وہ ابتدا سے ہی مقصود نہیں ہے بلکہ کون سی نسبت مقصود ہے؟ تابع کی نسبت مقصود ہے۔ اور پھر بتلایا تھا کہ یہ نسبت عام ہے چاہے یہ نسبت اسنادی ہو، ایقاعی ہو یا نسبتِ اضافی ہو جو مضاف اور مضاف الیہ کے درمیان ہوتی ہے۔ بہرحال جو بھی نسبت ہو اس میں متبوع کی طرف جو نسبت ہو وہ مراد نہیں ہوگی بلکہ جو نسبت تابع کی طرف ہے وہ مراد ہوگی بدل کے اندر بھائی۔

اور پھر اس کے بعد صاحبِ جامی نے فوائدِ قیود ذکر فرمائے تھے کہ جب مَقْصُودٌ بِمَا نُسِبَ إِلَى الْمَتْبُوعِ کہا کہ وہ نسبت جو تابع کی طرف ہے وہ مقصود ہے تو اس کے ذریعے صفت بھی نکل گئی، عطفِ بیان بھی نکل گیا اور تاکید بھی نکل گئے کیونکہ ان سب کے اندر متبوع مقصود ہوتا ہے تابع مقصود نہیں۔ اور پھر جب اس کے بعد کہا دُونَهُ یعنی متبوع مقصود نہیں ہوتا، دُونَهُ أَيْ دُونَ الْمَتْبُوعِ متبوع مقصود نہیں، تو اس کے ذریعے عطف بھی نکل گیا کیونکہ اس کے اندر تو تابع اور متبوع دونوں مقصود ہیں جبکہ بدل میں صرف تابع مقصود ہے متبوع مقصود نہیں۔

پھر اس کے بعد ایک اعتراض ہوا تھا۔ اعتراض یہ کہ آپ کی تعریف معطوف بہ بَلْ پر بھی صادق آ رہی ہے۔ وہ لفظ جس کو بَلْ کے ذریعے جس کا عطف کیا جائے وہ بھی آپ کی تعریف میں داخل ہو رہا ہے۔ مثلاً میرے پاس زید اور عمرو آئے تھے۔ میں اب آپ کو بتلانے لگا ہوں میں نے کہا جَاءَنِي زَيْدٌ، تو یہ کہتے کہتے میرا ارادہ بدل گیا کہ نہیں بھائی زید کا مجھے نہیں بتلانا چاہیے بلکہ کس کے بارے میں بتلانا چاہیے؟ عمرو کے بارے میں۔ تو میں نے فوراً ہی اصلاح کی اور فوراً ہی میں نے بَلْ کے ساتھ عمرو کو ذکر کر دیا۔ تو یوں کہا میں نے جَاءَنِي زَيْدٌ بَلْ عَمْرٌو۔ تو یہاں پر دیکھو یہ جو مجیئت کی نسبت ہے یہ عمرو کی طرف جو ہے یہ مقصود ہے، معلوم ہوا عمرو آیا ہے اور ماقبل مسکوت عنہ کے حکم میں ہے یعنی اس کے بارے میں خاموشی ہے۔ یا دوسری مثال لے لو مثلاً میں آپ کو کہنے لگا تھا کہ میرے پاس عمرو آیا تھا، زبان پر غلطی سے کیا آ گیا؟ زید آ گیا۔ تو میں بَلْ کے ذریعے فوراً اس غلطی کی تلافی کرتا ہوں جَاءَنِي زَيْدٌ بَلْ عَمْرٌو۔ تو اب اس کے اندر دیکھو یہ عَمْرٌو کیا ہے بَلْ کے بعد آیا ہے اور یہ تابع ہے اور یہ مقصود ہے اور ماقبل جو متبوع ہے وہ مقصود نہیں۔ تو یہ بھی آپ کی بدل کی تعریف میں داخل ہو گیا، تو آپ کی تعریف دخولِ غیر سے مانع نہیں۔ آپ تعریف بدل کی کر رہے ہیں، اس میں بدل کے علاوہ اور کسی کو داخل نہیں ہونا چاہیے لیکن معطوف بہ بَلْ بھی اس کے اندر داخل ہو رہا ہے۔

تو اس کا جواب دیا شارحِ جامی نے کہ نہیں معطوف بہ بَلْ اس تعریف میں داخل نہیں۔ اس لیے کیونکہ وہاں پر جو اول ہے جب پہلے اس کی طرف نسبت کی گئی تو پہلے وہ مقصود تھا اور پھر اس کے بعد رائے بدلی یا غلطی کا پتا چلا اور پھر اس کے بعد بَلْ کا مابعد مقصود ہے۔ تو یہاں دونوں مقصود ہیں یعنی ابتداءً متبوع مقصود تھا اور انتہاءً تابع مقصود ہے۔ تو یہاں دونوں مقصود ہیں جبکہ بدل کے اندر ایسا نہیں ہوتا، وہاں شروع سے ہی متبوع مقصود نہیں ہوتا اس کو بطورِ تمہید کے ذکر کیا جاتا ہے صرف تابع مقصود ہوتا ہے۔ جبکہ بَلْ کے اندر دونوں مقصود ہیں: متبوع مقصود ہے ابتداءً یعنی ابتدا کے اعتبار سے، شروع کے اعتبار سے وہی مقصود تھا اور اختتام کے اعتبار سے اب تابع مقصود بن گیا۔ تو لہٰذا یہ معطوف بہ بَلْ اس بدل کی تعریف

میں داخل نہیں۔

اور پھر اس کے بعد ایک اور اشکال ہوا تھا۔ اشکال یہ کہ آپ کی تعریف کے اندر وہ بدل جو إِلَّا کے بعد واقع ہو وہ داخل نہیں۔ مثلاً میں کہتا ہوں مَا قَامَ أَحَدٌ إِلَّا زَيْدٌ۔ مَا قَامَ أَحَدٌ کوئی ایک بھی کھڑا نہیں ہے إِلَّا زَيْدٌ سوائے زید کے، یعنی صرف زید کھڑا ہے۔ تو یہاں پر أَحَدٌ وہ ہے مبدل منہ اور اس کی طرف عدمِ قیام کی نسبت ہو رہی ہے اور إِلَّا کے بعد زید آیا اور إِلَّا نفی کو توڑ دیتا ہے تو إِلَّا کے بعد جو زید ہے اس کی طرف قیام کی نسبت ہو رہی ہے۔ تو متبوع کی طرف نسبت ہے عدمِ قیام کی اور تابع کی طرف نسبت ہے قیام کی۔ تو آپ نے کیا کہا تھا؟ کہ متبوع کی طرف جو نسبت ہوتی ہے اس کے ذریعے تابع کی نسبت مقصود ہوتی ہے، تو یہاں تو متبوع کی طرف نسبت ہے عدمِ قیام کی تو اس عدمِ قیام کی نسبت کے ذریعے تابع کی نسبت مقصود نہیں ہو سکتی کیونکہ تابع کی نسبت تو قیام والی ہے وہ تو عدمِ قیام والی نہیں ہے۔ بات سمجھ میں آئی؟ اشکال سمجھ میں آیا؟

تو اس کا بھی جواب دیا تھا صاحبِ جامی نے کہ بھائی یہاں پر جو نسبت ہے وہ قیام کی ہو رہی ہے، عدمِ قیام نہ کہیں بلکہ یہاں نسبت کون سی ہے؟ قیام والی ہے۔ ہاں اسی قیام کی کیفیت مختلف ہے۔ اسی قیام کی جب نسبت کی گئی متبوع کی طرف تو وہاں یہ نسبت قیام کی نسبت تھی نفی کے اعتبار سے۔ کس اعتبار سے؟ نفی کے اعتبار سے۔ اور یہی قیام کی نسبت جب زید کی طرف یعنی تابع کی طرف کی گئی تو وہاں یہی نسبت ملحوظ تھی اثبات کے اعتبار سے۔ تو اسی قیام کی نسبت متبوع کی طرف بھی اور اسی کی نسبت تابع کی طرف بھی ہے اور یہ ہو سکتا ہے کہ ایک ہی چیز کی نسبت ایک شے کی طرف ہو نفی کے اعتبار سے اور مقصود اسی شے کی نسبت دوسرے کی طرف ہو اثبات کے اعتبار سے۔ ایک ہی شے کی یعنی اسی قیام کی نسبت کس کی طرف ہے؟ متبوع کی طرف نفی کے اعتبار سے اور اس نسبت کے ذریعے وہ تابع کی طرف نسبت مقصود ہے اور وہ اثبات کے اعتبار سے ہے۔ تو ایک ہی شے کی نسبت یا یوں کہیں کہ ایسا ہو سکتا ہے کہ مَا نُسِبَ کی نسبت کی جائے ایک شے کی طرف نفی کے اعتبار سے اور مقصود کیا ہو؟ دوسری شے کی طرف اس کی نسبت اثبات کے اعتبار سے۔ جیسے اسی مَا نُسِبَ یعنی مَا قَامَ أَحَدٌ إِلَّا زَيْدٌ۔ مَا نُسِبَ کیا ہے؟ قَامَ یعنی قیام۔ اسی قیام کی نسبت ہے متبوع یعنی أَحَدٌ کی طرف نفی کے اعتبار سے اور مقصود کیا ہے؟ اسی کی نسبت زید کی طرف اثبات کے اعتبار سے۔ تو ایک ہی شے اس کی نسبت کی جائے ایک چیز کی طرف نفی کے اعتبار سے اور مقصود جو ہے اسی کی نسبت ہو دوسری شے کی طرف اثبات کے اعتبار سے، ایسا ہو سکتا ہے بھائی۔ بات سمجھ میں آگئی؟

اور یہاں وہ بڑی مشکل اور پیچیدہ عبارت آئی تھی بھائی، عبارت کیسے؟ وہ دیکھو پھر دیکھ لو عبارت فَإِنْ قِيلَ هَذَا الْحَدُّ لَا يَتَنَاوَلُ الْبَدَلَ الَّذِي بَعْدَ إِلَّا کہ یہ تعریف شامل نہیں ہے اس بدل کو جو إِلَّا کے بعد آئے مِثْلُ مَا قَامَ أَحَدٌ إِلَّا زَيْدٌ۔ اس کے اندر یہ جو زید إِلَّا کے بعد بدل آرہا ہے یہ، یہ آپ کی تعریف میں داخل نہیں فَإِنَّ زَيْدًا بَدَلٌ مِنْ أَحَدٍ اس لیے کیونکہ یہ زید بدل ہے

أَحَدٌ سے لیکن یہ آپ کی تعریف میں داخل نہیں کیونکہ دونوں کی طرف ایک نسبت نہیں، متبوع کی طرف عدمِ قیام کی نسبت ہے اور اس عدمِ قیام کے ذریعے زید کی نسبت مقصود نہیں ہو سکتی کیونکہ اس کی طرف تو قیام کی نسبت ہے بھائی۔ تو آگے کہا تھا دیکھیے عبارت پر نظر رکھیں وَلَيْسَتْ نِسْبَةُ مَا نُسِبَ إِلَيْهِ مِنْ عَدَمِ الْقِيَامِ مَقْصُودَةً بِالنِّسْبَةِ إِلَى زَيْدٍ۔ وَلَيْسَتْ نِسْبَةُ مَا نُسِبَ إِلَيْهِ أَيْ إِلَى أَحَدٍ وہ جو مَا نُسِبَ إِلَى أَحَدٍ ہے اس کی جو نسبت ہے مَا نُسِبَ إِلَى أَحَدٍ وہ چیز جس کی نسبت کی گئی ہے أَحَدٌ کی طرف، بھائی وہ کیا چیز ہے جس کی نسبت أَحَدٌ کی طرف کی گئی ہے؟ کہتے ہیں مِنْ عَدَمِ الْقِيَامِ یعنی کہ عدمِ قیام۔ تو میں نے بتلایا تھا یہ مَا نُسِبَ کو ہٹا دیں اور اس کی جگہ ذرا عدمِ قیام لے آئیں وَلَيْسَتْ نِسْبَةُ عَدَمِ الْقِيَامِ إِلَى أَحَدٍ، عدمِ قیام کی نسبت جو أَحَدٌ کی طرف ہے، عدمِ قیام کی جو نسبت أَحَدٌ کی طرف ہے وہ مقصود نہیں ہے بِالنِّسْبَةِ إِلَى زَيْدٍ وہ جو نسبت کی گئی ہے زید کی طرف اس کے ذریعے۔ تو یہاں تو کلام برعکس ہو گیا، یہاں تو صاحبِ جامی کا کلام برعکس معلوم ہو رہا ہے کیونکہ بات کیا ہوئی تھی؟ کہنا کیا چاہیے؟ أَحَدٌ کی طرف جو نسبت ہے یعنی متبوع کی طرف جو نسبت ہے مَا قَامَ أَحَدٌ إِلَّا زَيْدٌ متبوع کیا؟ أَحَدٌ، تو أَحَدٌ کی طرف جو نسبت ہے اور وہ کون سی نسبت ہے؟ عدمِ قیام والی۔ تو أَحَدٌ کی طرف جو عدمِ قیام کی نسبت ہے اس کے ذریعے زید کی طرف جو قیام کی نسبت ہے اس کا ارادہ نہیں کیا جا سکتا کیونکہ یہ نسبت تو عدمِ قیام والی ہے اور وہ نسبت قیام والی ہے۔ توجہ ہے؟ تو صاحبِ جامی کو یوں کہنا چاہیے تھا کہ أَحَدٌ کی طرف جو نسبت ہے اس کے ذریعے زید کی نسبت کا ارادہ نہیں ہو سکتا لیکن صاحبِ جامی کیا فرما رہے ہیں؟ کہ مَقْصُودَةً بِالنِّسْبَةِ إِلَى زَيْدٍ کہ وہ جو نسبت ہو رہی ہے زید کی طرف اس کے ذریعے اس پر با سببیہ داخل کی نا، اس نسبت کے ذریعے أَحَدٌ کی جو نسبت ہے وہ مقصود نہیں ہو سکتی۔ زید کی طرف جو قیام کی نسبت ہے اس کے ذریعے أَحَدٌ کی نسبت مقصود نہیں ہو سکتی، یہ تو برعکس کلام کر دیا بھائی صاحبِ جامی نے۔ بدل کی تعریف میں کیا ذکر کیا تھا کہ متبوع کی نسبت کے ذریعے تابع کی نسبت مقصود ہوتی ہے، متبوع کی نسبت کے ذریعے تابع کی نسبت مقصود ہوتی ہے اور یہاں پر بھی یوں کہنا چاہیے تھا کہ یہاں پر بھی متبوع کی نسبت کے ذریعے تابع کی نسبت مقصود نہیں ہو سکتی۔ ہونا چاہیے مقصود ہونا چاہیے لیکن مقصود نہیں ہو سکتی کیونکہ ایک نفی والی ہے اور جو تابع کی ہے وہ اثبات والی ہے۔ بات سمجھ میں آ گئی؟ لیکن صاحبِ جامی کیا فرما رہے ہیں؟ تابع کی نسبت کے ذریعے متبوع کی نسبت مقصود نہیں ہو سکتی۔ بھائی متبوع کی نسبت تو مقصود ہی نہیں ہوتی کلام کے اندر۔

اشکال سمجھ میں آ رہا ہے؟ تو عام شارحین جواب دیتے ہیں کہ یہاں قلب ہے۔ قلب کہتے ہیں کہ ایک لفظ کو اٹھا کر دوسرے کی جگہ رکھ دیں دوسرے کو پہلے کی جگہ یعنی فاعل کو لے جائیں مفعول کی جگہ اور مفعول کو لے آئیں فاعل کی جگہ، تو یہ کلام کے اندر لذت، ملاحت اور حسن پیدا کرنے کے لیے بعض اوقات کلامِ عرب میں کیا جاتا ہے اس طرح۔ بات سمجھ میں آ رہی ہے؟ تو یہاں بھی قلب ہے۔ جبکہ ملا عصام رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ نہیں یہ مقام قلب کا نہیں ہے، یہاں قلب سے تسلی نہیں ہوتی بلکہ کہنا یہ چاہتے ہیں صاحبِ جامی دراصل کہ وہ جو نسبت کی گئی ہے زید کی طرف، تابع کی طرف وہ قیام

والی ہے اور وہ اصلی نسبت ہے جو مقصود ہے اس کلام سے اور جو متبوع کی طرف نسبت کی گئی ہے عدمِ قیام والی وہ غیر مقصود ہے۔ تو وہ جو اصل نسبت ہے زید کی طرف قیام والی اس کے ذریعے متبوع کی طرف جو نسبت عدمِ قیام والی کی گئی ہے یہ بطورِ تمہید کے مقصود نہیں ہو سکتی۔ متبوع کی نسبت بطورِ تمہید کے مقصود نہیں ہو سکتی، بھائی آپ نے پڑھا کہ یہ جو متبوع کی طرف نسبت کی جاتی ہے یہ بطورِ تمہید کے ہوتی ہے اور تابع کی طرف جو نسبت کی جاتی ہے وہ مقصودِ اصلی ہوتی ہے۔ تو یہاں پر بھی چونکہ مقصودِ اصلی نسبت کون سی تھی جو زید کی طرف ہے جو تابع کی طرف ہے اور وہ کون سی ہے؟ قیام والی، قیام والی۔ تو زید کی طرف جو قیام والی نسبت ہے جو مقصودِ اصلی ہے اس کے ذریعے تابع کی طرف جو نسبت کی گئی ہے عدمِ قیام والی بطورِ تمہید کے، تو وہ بطورِ تمہید کے بھی مقصود نہیں ہو سکتی۔ وہاں بھی کون سی نسبت ہونی چاہیے تھی؟ قیام والی۔ تمہید ہے نا مابعد کے لیے، تو اس میں بھی وہی نسبت ہونی اسی جیسی نسبت ہونی چاہیے تھی۔ تو ملا عصام رحمہ اللہ کیا فرماتے ہیں کہ تابع کی طرف جو قیام کی نسبت کی گئی ہے اور جو مقصودِ اصلی ہے اس کلام سے اس کے ذریعے جو عدمِ قیام والی نسبت ہے متبوع کی طرف وہ بطورِ تمہید کے بھی مقصود نہیں ہو سکتی۔ بات سمجھ میں آگئی؟

اب آئیے آج کے سبق پر۔ کہتے ہیں وَهُوَ أَيِ الْبَدَلُ أَنْوَاعٌ أَرْبَعَةٌ بَدَلُ الْكُلِّ۔ جی پہلے متن متن دیکھ لیجیے، کہتے ہیں وَهُوَ بَدَلُ الْكُلِّ وَالْبَعْضِ وَالِاشْتِمَالِ وَالْغَلَطِ اور بدل جو ہے وہ بَدَلُ الْكُلِّ ہے وَالْبَعْضِ اور بَدَلُ الْبَعْضِ ہے وَالِاشْتِمَالِ اور بَدَلُ الِاشْتِمَالِ ہے وَالْغَلَطِ اور بَدَلُ الْغَلَطِ ہے۔ میں نے آپ کو بتلایا تھا بدل کی یہی چار قسمیں ہیں۔ پہلے بھی ذکر ہو چکا کہ بدل کی چار قسمیں ہیں: ایک بدل الکل، ایک بدل البعض، ایک بدل الاشتمال اور ایک بدل الغلط۔

بدل الکل اسے کہتے ہیں جہاں متبوع اور تابع دونوں کا مدلول ایک ہو۔ دیکھو جو پہلے آئے وہ ہے مبدل منہ اور جو بعد میں آئے وہ ہے بدل۔ تو مبدل منہ اور بدل دونوں کا مدلول ایک ہونا چاہیے یعنی دونوں ایک ہی ذات پر دلالت کریں، ایک ہی چیز پر دلالت کریں۔ جیسے مثلاً مخاطب کا ایک بھائی ہے اور اس کا نام زید ہے، تو میں کہتا ہوں جَاءَنِي زَيْدٌ أَخُوكَ میرے پاس زید یعنی آپ کا بھائی آیا تھا۔ تو دیکھو یہ زَيْدٌ پہلے آیا یہ ہے مبدل منہ اور أَخُوكَ یہ بعد میں آیا اور یہ ہے بدل۔ اور آپ نے پڑھا ہے کہ اصل مقصود بدل ہوتا ہے تو یہاں أَخُوكَ یہ اصل مقصود ہے اور جو زید کو ذکر کیا گیا وہ بطورِ تمہید کے ذکر کیا گیا ہے۔ اور یہ بدل الکل ہے کیونکہ بدل الکل کسے کہتے ہیں؟ کہ تابع اور متبوع دونوں کا مدلول ایک ہی ہو۔ زید جس ذات پر دلالت کر رہا ہے أَخُوكَ بھی اسی ذات پر دلالت کر رہا ہے تو دونوں کا مدلول اور دونوں کا مصداق ایک ہی ہے۔ میں زید کہوں یا میں مخاطب کا بھائی کہوں دونوں صورتوں میں ایک ہی ذات ذہن میں آتی ہے۔ تو بدل الکل کسے کہتے ہیں؟ کہ بدل اور مبدل منہ دونوں کا مدلول ایک ہی ہو۔ توجہ ہے؟ تو دونوں کا مدلول ایک ہو۔

اور بدل البعض اسے کہتے ہیں کہ جو بدل ہے وہ متبوع کے مدلول کا جز ہو۔ ضَرَبْتُ زَيْدًا رَأْسَهُ میں نے زید کو مارا، ضَرَبْتُ زَيْدًا میں نے زید کو مارا رَأْسَهُ یعنی اس کے سر کو، یعنی میں نے اس کے سر پر ضرب لگائی۔ تو دیکھو زَيْدًا یہ ہے مبدل منہ اور

رَأْسَهُ أَيْ رَأْسَ زَيْدٍ یہ کیا ہے؟ بدل اور رأس زید جو ہے، زید کا سر وہ زید کا جز ہے یہ اس کا بعض ہے۔ تو یہ ایسا بدل ہے ضَرَبْتُ زَيْدًا رَأْسَهُ یہ رَأْسَهُ کیا ہے؟ ایسا بدل ہے جو اپنے مبدل منہ کا جز ہے اس کا بعض ہے، اس لیے اس کو بدل البعض کہتے ہیں۔ توجہ ہے؟ بدل الکل کسے کہتے ہیں؟ کہ مبدل منہ اور بدل دونوں کا مدلول ایک ہو، دونوں ایک ذات پر صادق آئیں۔ اور بدل البعض کسے کہتے ہیں؟ جو مبدل منہ کا جز ہو۔

اور تیسری قسم ہے بدل الاشتمال۔ یاد رکھو بدل الاشتمال اس میں بدل جو آتا ہے اس کا تعلق ہوتا ہے مبدل منہ سے، اس کا تعلق ہوتا ہے مبدل منہ سے۔ جیسے سُلِبَ زَيْدٌ ثَوْبُهُ۔ سُلِبَ زَيْدٌ زید کو چھینا گیا ثَوْبُهُ یعنی اس کے کپڑے کو۔ زید کو یعنی اس کے کپڑوں کو چھینا گیا۔ اب یہاں پر دیکھو مبدل منہ ہے زید اور بدل جو ہے ثَوْبُهُ ہے زید کے کپڑے اور دیکھو زید کے کپڑوں کا زید کے ساتھ تعلق ہے کہ وہ زید کے کپڑے ہیں۔ توجہ ہے؟ زید کے کپڑے ہیں بھائی، تو اس کو بدل الاشتمال کہتے ہیں۔ بدل الاشتمال کسے کہتے ہیں؟ کہ بدل کا تعلق ہو کس سے؟ مبدل منہ سے۔ لیکن یاد رکھنا یہ تعلق کلیت اور جزئیت والا نہیں ہونا چاہیے۔ یعنی بدل مبدل منہ کا کل بھی نہ ہو اور جز بھی نہ ہو کیونکہ کل یا جز ہونا یہ بھی تو تعلق ہے ایک قسم کا۔ جَاءَنِي زَيْدٌ أَخُوكَ یہ أَخُوكَ جو بدل ہے یہ کل ہے زید کا۔ جو زید کی ذات ہے وہی أَخُوكَ وہی مخاطب کے بھائی کی ذات ہے تو دیکھو یہاں بدل کل ہے اپنے مبدل منہ کا اور یہ کل ہونا بھی یہ ایک قسم کا تعلق ہے بھائی۔ دوسری صورت ضَرَبْتُ زَيْدًا رَأْسَهُ میں نے زید کو مارا یعنی اس کے سر کو۔ تو دیکھو سر زید کا جز ہے اور جز اس کا بھی تعلق ہوتا ہے اپنے کل کے ساتھ۔ تو دیکھو کلیت اور جزئیت بھی ایک قسم کا تعلق ہے۔ کل یا جز ہونا بھی ایک قسم کا تعلق ہے۔ تو یہاں پر انہوں نے کہا کہ بدل الاشتمال کسے کہتے ہیں؟ کہ بدل کا تعلق ہو مبدل منہ کے ساتھ لیکن یہ تعلق کلیت اور جزئیت والا نہیں ہونا چاہیے کیونکہ اگر کلیت والا تعلق ہوا تو وہ تو بدل الکل کہلائے گا، اگر جزئیت والا تعلق ہوا وہ تو بدل البعض کہلائے گا۔ تو یہاں جو بدل الاشتمال ہے اس کے اندر بدل کا تعلق تو ہوتا ہے مبدل منہ سے لیکن کلیت اور جزئیت والا نہیں ہوتا اس کے علاوہ کوئی اور تعلق ہوگا بھائی۔ تو سُلِبَ زَيْدٌ ثَوْبُهُ چھینا گیا زید کو یعنی اس کے کپڑوں کو۔ اب یہ ثَوْبُهُ یہ بدل الاشتمال ہے زید سے اور یہ جو زید کے کپڑے ہیں نہ یہ زید کا کل ہیں نہ زید کا جز ہیں۔ ان کا تعلق تو زید سے ہے کہ یہ زید کے کپڑے ہیں لیکن نہ یہ کل ہیں اور نہ جز ہیں۔ تو بدل الاشتمال کا تعلق ہوتا ہے مبدل منہ سے لیکن یہ تعلق کلیت اور جزئیت کے علاوہ ہوگا۔

اور بعض علما نے، بعض علما نے بدل الاشتمال کی اور تعریف کی بھائی اور بڑی پیاری تعریف کی۔ وہ فرماتے ہیں بدل الاشتمال وہ ہوتا ہے جو فعل کا محل نہیں ہوتا، جو فعل کو قبول نہیں کرتا۔ ذہن منتظر رہتا ہے کہ آگے کوئی اور لفظ آئے اور وہ فعل کو قبول کرے۔ بدل الاشتمال کی بعض علما نے بڑی پیاری تعریف کی بھائی۔ وہ فرماتے ہیں بدل الاشتمال وہ ہے کہ جہاں پر مبدل منہ جو ہے وہ فعل کو قبول نہ کرے، وہ جو پہلے آیا ہے وہ جو مبدل منہ ہے وہ فعل کو قبول نہ کرے، وہ فعل کا محل نہ ہو بلکہ ذہن منتظر رہتا ہے کہ آگے کوئی اور لفظ آنا چاہیے جو فعل کو قبول کرلے۔ جیسے دیکھو سُلِبَ زَيْدٌ ثَوْبُهُ۔ تو جب میں نے کہا سُلِبَ زَيْدٌ زید کو چھینا گیا تو تسلی نہیں ہوتی کہ بھائی زید تو ذات ہے زید کو تو نہیں چھینا جا سکتا، ہاں زید سے کسی

چیز کو چھینا جا سکتا ہے۔ تو سُلِبَ زَيْدٌ زید کو چھینا گیا تو ماقبل میں فعل کون سا ذکر ہے؟ سُلِبَ چھیننے کا۔ چھیننے کا فعل ذکر ہے اور زید جو ہے اس چھیننے کے فعل کو قبول نہیں کر رہا، زید کا چھیننا ذہن تسلیم نہیں کر رہا، زید یہ سُلِبَ کا محل نہیں بن رہا، ذہن ابھی بھی منتظر ہے کہ بھائی زید کو تو نہیں چھینا جا سکتا آگے کوئی اور لفظ آنا چاہیے جو چھیننے کے فعل کو قبول کرے یعنی ایسی چیز آگے آنی چاہیے جو چھیننے کو قبول کر لے۔ اور آگے پھر ثَوْبُهُ آیا اور اس نے چھیننے کے فعل کو قبول کر لیا کیونکہ زید کے کپڑوں کو چھینا جا سکتا ہے زید سے۔ بات سمجھ میں آگئی؟

تو بدل الاشتمال کی پہلی کیا تعریف کی تھی بعض علما نے؟ کہ بدل الاشتمال وہ ہے جس کا اپنے مبدل منہ سے تعلق ہوتا ہے لیکن یہ تعلق کلیت اور جزئیت کے علاوہ ہوتا ہے۔ جبکہ میں نے بتایا کچھ اور علما نے بدل کی بڑی پیاری تعریف کی وہ فرماتے ہیں کہ بدل الاشتمال وہ ہے جہاں پر مبدل منہ وہ جو پہلے آیا ہے وہ فعل کو قبول نہیں کرتا، وہ فعل کا محل نہیں بنتا، ذہن منتظر رہتا ہے کہ آگے کوئی اور لفظ آنا چاہیے اور وہ فعل کو پھر قبول کرے۔ چنانچہ سُلِبَ زَيْدٌ کہا زید کو چھینا گیا، ذہن منتظر ہے بھائی کہ آگے کوئی اور چیز آنی چاہیے جو اس چھیننے کے فعل کو قبول کرے اور پھر آگے ثَوْبُهُ آیا اور اس نے چھیننے کے فعل کو قبول کر لیا اب ذہن مطمئن ہو گیا کہ ہاں بھائی کپڑوں کو تو چھینا جا سکتا ہے۔ زید کو تو نہیں چھینا جا سکتا لیکن کپڑوں کو چھینا جا سکتا ہے۔ یا اسی طرح دوسری مثال لے لیجیے أَعْجَبَنِي زَيْدٌ عِلْمُهُ۔ أَعْجَبَنِي مجھے تعجب میں ڈالا زَيْدٌ زید نے۔ مجھے تعجب میں ڈالا زید نے۔ ذہن مطمئن نہیں کہ آگے کوئی اور لفظ آنا چاہیے۔ اتنا تو اندازہ ہو گیا کہ تعجب میں زید کی ذات نے نہیں ڈالا، زید کی کسی صفت نے ڈالا ہے اس لیے کیونکہ ذات مِن حیث الذات وہ کسی کو تعجب میں نہیں ڈالتی تمام انسان ایک جیسے ہیں بھائی، سب کیا ہیں؟ حیوانِ ناطق ہیں بھائی۔ تو جب سب انسان حیوانِ ناطق ہیں تو ایک انسان آپ کو تعجب میں نہیں ڈالتا یعنی اس کی ذات کیونکہ آپ بھی انسان ہیں اور وہ بھی کیا ہے؟ انسان۔ ہاں اس کی کوئی صفت ہوتی ہے مثلاً وہ بہت بڑا پہلوان ہے یا اس کا بہت زیادہ حسن و جمال ہے یا اس کے پاس علم بہت زیادہ ہے یا اسی طرح اس کے پاس کوئی اور فن ہے بہت زیادہ، تو وہ آپ کو پھر اس کی وہ صفت تعجب میں ڈالتی ہے۔ جیسے آپ کھیل میں دیکھتے ہیں کوئی کھلاڑی بہت اچھا کھیلتا ہے تو آپ کو تعجب ہوتا ہے، تو وہ اس کی صفت ہے جو آپ کو تعجب میں ڈال رہی ہے اس کی ذات تعجب میں نہیں ڈالتی۔ تو جب آپ نے کہا أَعْجَبَنِي زَيْدٌ مجھے زید نے تعجب میں ڈالا تو ذہن ابھی بھی منتظر ہے کہ زید کی ذات تو تعجب میں نہیں ڈال سکتی یقیناً اس کی کوئی صفت ہوگی لیکن کون سی صفت ہے؟ ذہن ابھی بھی منتظر ہے کہ کوئی آگے لفظ آنا چاہیے جو اس أَعْجَبَنِي کو قبول کر لے، اس فعل کو قبول کر لے۔ اور آگے پھر عِلْمُهُ آیا یعنی زید کے علم نے یعنی مجھے زید کے علم نے تعجب میں ڈالا اب بات پوری ہو گئی اب تسلی ہو گئی۔ زید کا علم ایسا ہے جو آپ کو تعجب میں ڈال سکتا ہے کیونکہ اس کے پاس بہت زیادہ علم ہے وہ بہت بڑا عالم ہے۔ توجہ ہے؟ تو سُلِبَ زَيْدٌ ثَوْبُهُ اور اسی طرح أَعْجَبَنِي زَيْدٌ عِلْمُهُ یہ دونوں مثالیں کس کی ہیں؟ بدل الاشتمال کی ہیں۔ بات سمجھ میں آگئی؟

اور چوتھی قسم ہے بدل کی بدل الغلط۔ بدل الغلط اسے کہتے ہیں کہ غلطی اس کے لانے کا سبب بنے۔ بدل الغلط کا یہ معنی نہیں کہ یہ بدل غلط ہے بلکہ غلطی اس بدل کے لانے کا سبب بنتی ہے۔ مثلاً میں آپ سے کہنا چاہتا تھا کہ میرے پاس عمرو آیا، کیا کہنا چاہتا ہوں؟ عمرو آیا اور زبان پر غلطی سے زید آگیا۔

...جَاءَنِي زَيْدٌ، تو میں فوراً ہی اصلاح کرتے ہوئے عمرو بھی ساتھ ہی کہہ دیتا ہوں۔ جَاءَنِي زَيْدٌ عَمْرٌو۔ جَاءَنِي زَيْدٌ عَمْرٌو یہ زید کس لیے میں لایا؟ غلطی کی وجہ سے، اور جب غلطی ہو گئی تو آگے عمرو کو میں دوبارہ لاتا ہوں جو صحیح لفظ تھا، جس نے مجیئت والا فعل کیا تھا یعنی وہ عمرو کی ذات ہے۔ تو وہ عمرو کا لفظ میں آگے لے آتا ہوں۔ تو یہ عمرو کا لفظ یہ بدل الغلط کہلائے گا۔ اور کیوں بدل الغلط کہلائے گا؟ کیونکہ ماقبل کی غلطی اس کے لانے کا سبب بنی۔ تو یہ کیا ہے؟ بدل الغلط۔ میں کیا کہنا چاہتا تھا میرے پاس کون آیا ہے؟ عمرو، اور میں نے کیا کہہ دیا؟ جَاءَنِي زَيْدٌ، تو میں فوراً ہی اصلاح کرتے ہوئے عمرو بھی کہہ دیتا ہوں۔ تو یہ بدل الغلط ہے اور اس کو بدل الغلط کیوں کہتے ہیں؟ کیونکہ ماقبل کی غلطی اس کے لانے کا سبب بنی۔

تو یہ چار قسمیں ہیں بدل کی: ایک بدل الکل، بدل الکل کسے کہتے ہیں؟ کہ بدل کا مدلول اور ماقبل جو مبدل منہ ہے دونوں کا مدلول ایک ہی ہو، ایک ہی ذات پر دونوں دلالت کریں۔ اور بدل البعض کسے کہتے ہیں؟ وہ بدل جو مبدل منہ کا جز ہو اس کا بعض ہو۔ اور بدل الاشتمال کسے کہتے ہیں؟ کہ بدل کا مبدل منہ سے تعلق ہو اور یہ تعلق کلیت اور جزئیت کے علاوہ ہونا چاہیے۔ اور بعض علما نے اور تعریف کی کہ بدل الاشتمال وہ ہے کہ جو مبدل منہ ہے یعنی وہ جو پہلے آیا ہے وہ فعل کو قبول نہیں کرتا، وہ فعل کا محل نہیں ہوتا، ذہن منتظر رہتا ہے کہ آگے کوئی اور لفظ آنا چاہیے جو اس فعل کو قبول کر لے، جیسے سُلِبَ زَيْدٌ ثَوْبُهُ اور جیسے أَعْجَبَنِي زَيْدٌ عِلْمُهُ۔ اور ایک بدل الغلط ہے کہ غلطی اس کے لانے کا سبب بنتی ہے، جیسے جَاءَنِي زَيْدٌ عَمْرٌو۔ بات سمجھ میں آگئی؟

اب دیکھیے اس سارے کو شرح کے ساتھ۔ کہتے ہیں وَهُوَ أَيِ الْبَدَلُ أَنْوَاعٌ أَرْبَعَةٌ اور وہ بدل جو ہے وہ چار قسم پر ہے: بَدَلُ الْكُلِّ أَيْ بَدَلٌ هُوَ كُلُّ الْمُبْدَلِ مِنْهُ، وَبَدَلُ الْبَعْضِ أَيْ بَدَلٌ هُوَ بَعْضُ الْمُبْدَلِ مِنْهُ، فَالْإِضَافَةُ فِيهِمَا مِثْلُهَا فِي خَاتَمِ فِضَّةٍ۔ اب یہاں سے صاحبِ جامی یہ بیان کر رہے ہیں کہ یہ جو بَدَلُ الْكُلِّ لفظ ہے، بَدَلُ الْكُلِّ، بَدَلُ مضاف اور الْكُلِّ مضاف الیہ، بَدَلُ الْكُلِّ۔ اسی طرح بَدَلُ الْبَعْضِ، یہ بَدَلُ مضاف اور الْبَعْضِ کیا ہے؟ مضاف الیہ۔ تو وہ آپ کو صاحبِ جامی بتلائیں گے کہ ان کے درمیان جو اضافت ہے وہ اضافتِ بیانی ہے۔ اس میں اضافتِ بیانی ہے۔ اضافتِ بیانی اسے کہتے ہیں جس میں مضاف الیہ بیان کرتا ہے مضاف کا۔ توجہ سے سنو۔ بَدَلُ الْكُلِّ، پہلے کیا آیا؟ بَدَلُ اور یہ ہے مضاف۔ یہ پہلا لفظ کیا ہے؟ مضاف، اور الْكُلِّ یہ کیا ہے؟ مضاف الیہ۔ اور یہ جو مضاف الیہ ہے یہ اسی مضاف کی وضاحت کر رہا ہے، اسی کو بیان کر رہا ہے، یہ کوئی الگ چیز نہیں ہے۔ یہ بَدَلُ الْكُلِّ، بدل کیا ہے؟ مضاف، الْكُلِّ کیا ہے؟ مضاف الیہ۔ یہ مضاف الیہ کوئی الگ چیز نہیں، یہ اسی بدل کو بیان کر رہا ہے کہ یہ بدل کیا ہے؟ کل ہے اور کس کا کل ہے؟ مبدل منہ کا۔ کس کا کل ہے؟ مبدل منہ کا۔

جیسے دیکھو مثال سے بات سمجھ میں آئے گی۔ میں نے کہا جَاءَنِي زَيْدٌ أَخُوكَ۔ یہ زید کیا ہے؟ مبدل منہ، اور أَخُوكَ یہ کیا ہے؟ بدل ہے اور کون سا بدل ہے؟ بدل الکل۔ یعنی یہ ایسا بدل ہے جو کل ہے اپنے مبدل منہ کا، یعنی دونوں کا مدلول ایک ہی ہے۔ توجہ ہے؟ تو صاحبِ جامی بدل الکل کے بعد آپ کو بتلانا یہ چاہتے ہیں کہ یہ اضافتِ بیانی ہے۔ اضافتِ بیانی میں نے بتلایا کسے کہتے ہیں؟ کہ مضاف الیہ بیان کرتا ہے مضاف کا۔ اور اس کا طریقہ یہ ہے کہ مضاف کو بنا دیں بتدا اور مضاف الیہ کو بنا دیں خبر، تو کلام ٹھیک بن جائے گا۔ تو کلام کیا بنے گا؟ ٹھیک بنے گا۔ جہاں بھی ایسا ہو آپ سمجھ جائیں یہ اضافتِ بیانی ہے۔ جیسے خَاتَمُ فِضَّةٍ، خَاتَمُ فِضَّةٍ أَيْ خَاتَمٌ مِنْ فِضَّةٍ، یہ مِنْ کس لیے آتا ہے؟ بیان کے لیے آتا ہے، تفسیر کے لیے آتا ہے۔ خَاتَمُ فِضَّةٍ مضاف کیا؟ خَاتَمُ، اور مضاف الیہ کیا؟ فِضَّةٍ۔ اب یوں کرو مضاف کو بناؤ بتدا اور مضاف الیہ کو بناؤ خبر: اَلْخَاتَمُ فِضَّةٌ۔ خَاتَمُ فِضَّةٍ ہے نا بتدا معرفہ ہوتا ہے تو خَاتَمُ پر الف لام لے آئے اور اس کو بتدا بنا دیا اور فِضَّةٌ کو جو مضاف الیہ تھا خبر بنا دیا: اَلْخَاتَمُ فِضَّةٌ، وہ انگوٹھی چاندی ہے، دیکھو بات بالکل صحیح ہے۔ خَاتَمُ فِضَّةٍ کا کیا معنی تھا؟ چاندی کی انگوٹھی، اور آپ نے ان کو بتدا خبر بنایا اَلْخَاتَمُ فِضَّةٌ وہ انگوٹھی چاندی ہے تو دیکھو بالکل بات صحیح بن گئی، جو انگوٹھی کس سے بنی ہے؟ چاندی سے بنی ہے تو وہ ساری چاندی ہی تو ہے۔

اسی طرح بَدَلُ الْكُلِّ یہ اضافتِ بیانی ہے اور اضافتِ بیانی کو دیکھنے کا کیا طریقہ ہے؟ کہ مضاف کو بناؤ بتدا اور مضاف الیہ کو بناؤ خبر۔ تو مضاف کیا ہے؟ بَدَلُ، اس کو بتدا بنا دیں اَلْبَدَلُ، اور آگے الْكُلِّ ہے مضاف الیہ، اَلْبَدَلُ الْكُلُّ وہ بدل جو کل ہے۔ دیکھو جَاءَنِي زَيْدٌ أَخُوكَ، یہ أَخُوكَ کیا تھا؟ بَدَلُ الْكُلِّ۔ اَلْبَدَلُ الْكُلُّ یہ جو أَخُوكَ ہے یہ ایسا بدل ہے الْكُلُّ جو کل ہے کس کا کل ہے؟ ماقبل والے مبدل منہ کا۔ یہ أَخُوكَ بھی اسی پوری ذات پر دلالت کر رہا ہے جس پر زید دلالت کر رہا تھا۔ تو أَخُوكَ کیا ہے؟ بَدَلُ الْكُلِّ، کیا معنی؟ ایسا بدل جو مبدل منہ کا کل ہو۔

اور اسی طرح ضَرَبْتُ زَيْدًا رَأْسَهُ میں نے مارا زید کو یعنی اس کے سر کو، یہ بَدَلُ الْبَعْضِ ہے۔ یہاں بھی آپ کو بتائیں گے یہ اضافتِ بیانی ہے۔ ضَرَبْتُ زَيْدًا رَأْسَهُ، زَيْدًا کیا؟ مبدل منہ، اور رَأْسَهُ بدل ہے اور کون سا بدل ہے؟ بَدَلُ الْبَعْضِ، کیا ہے؟ بَدَلُ الْبَعْضِ۔ اور یہ اضافتِ بیانی ہے یعنی یہ جو الْبَعْضِ ہے یہ اسی بدل کا بیان کر رہا ہے۔ تو ذرا اس پر لاگو کریں رَأْسَهُ یہ جو زید کا سر ہے یہ کیا ہے؟ اَلْبَدَلُ الْبَعْضُ یہ وہ بدل ہے جو بعض ہے، یہ وہ والا بدل ہے جو بعض ہے، کس کا بعض ہے؟ ماقبل کے مبدل منہ کا۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو صاحبِ جامی ایک تو آپ کو یہ بتلائیں گے کہ یہ اضافتِ بیانی ہے۔ اضافتِ بیانی جس میں مضاف الیہ مضاف سے کوئی الگ نہیں ہوتا، مضاف الیہ بیان کرتا ہے، وضاحت کرتا ہے اسی مضاف کی۔

اب دیکھیے کتاب پر۔ کہتے ہیں وَهُوَ أَيِ الْبَدَلُ، دیکھو هُوَ ضمیر کا مرجع بتلا دیا کہ ضمیر کس کو راجع ہے؟ بدل کو۔ وَهُوَ اور وہ أَيِ الْبَدَلُ یعنی بدل جو ہے أَنْوَاعٌ أَرْبَعَةٌ وہ چار قسم پر ہے: بَدَلُ الْكُلِّ ایک تو کیا ہے بَدَلُ الْكُلِّ، أَيْ بَدَلُ هُوَ كُلُّ الْمُبْدَلِ مِنْهُ یعنی وہ بدل جو مبدل منہ کا کل ہے۔ عبارت سمجھ میں آرہی ہے؟ أَيْ بَدَلٌ هُوَ كُلُّ الْمُبْدَلِ مِنْهُ وہ بدل جو مبدل منہ کا کل ہے، یہ بدل جو ہے یہی تو ہے مبدل منہ کا کل۔ تو یہ اضافتِ بیانی ہے اسی بدل کا بیان ہوا۔ پھر سنو: جَاءَنِي زَيْدٌ أَخُوكَ، یہ أَخُوكَ

کیا ہے؟ بدل، اور یہ کیسا بدل ہے؟ یہ کل ہے ماقبل کا، یہ بدل کل ہے ماقبل کا۔ ضَرَبْتُ زَيْدًا رَأْسَهُ یہ رَأْسَهُ کیا ہے؟ بدل اور کیسا بدل ہے؟ جو بعض ہے ماقبل کا، یہ خود ہی بعض ہے ماقبل کا۔ تو الْكُلِّ اور الْبَعْضِ جو مضاف الیہ ہیں یہ اسی بدل کا بیان کر رہے ہیں۔

اور پھر یاد رکھنا كُلّ اور بَعْض یاد رکھو یہ ہمیشہ مضاف الیہ چاہتے ہیں۔ كُلّ کا معنی سارا کا سارا، بھائی کس چیز کا سارا؟ آگے مضاف الیہ چاہیے۔ ساری کتابیں، سارے طلبہ یا سارے درخت مراد ہیں یا ساری مسجدیں مراد ہیں، کیا چیز کل مراد ہے؟ تو آگے مضاف الیہ چاہیے۔ اور کبھی کبھار مضاف الیہ کو حذف کر لیتے ہیں اور اس کے عوض كُلّ پر یا بَعْض پر تنوین لے آتے ہیں۔ کیا لے آتے ہیں؟ تنوین۔ تو یاد رکھنا آپ کو عبارتوں میں جہاں کہیں بھی كُلٌّ یا بَعْضٌ تنوین کے ساتھ ملے تو سمجھ جائیں کہ یہ تنوین عوض ہے مضاف الیہ سے۔ مضاف الیہ کو حذف کر دیا مثلاً تھا كُلُّ كِتَابٍ تو كِتَابٍ کو حذف کیا اور كُلٌّ پر کیا لے آئے؟ تنوین۔ تو وہ تنوین عوض ہو گئی مضاف الیہ سے اور عموماً وہ واحد کا لفظ ہوتا ہے: كُلُّ أَيْ كُلُّ وَاحِدٍ، اور بَعْضُ أَيْ بَعْضُهُمْ عموماً۔ بات سمجھ میں آگئی؟

اسی طرح یاد رکھو کبھی کبھار یہ مضاف الیہ کا عوض الف لام بھی بن جاتا ہے۔ یہ جو آیا بَدَلُ الْكُلِّ یہ الْكُلِّ یہ تو مضاف الیہ چاہتا ہے تو یہ اصل میں تھا كُلُّ الْمُبْدَلِ مِنْهُ، کل کیا تھا؟ كُلُّ الْمُبْدَلِ مِنْهُ، مبدل منہ کا کل بھائی۔ تو كُلّ مضاف تھا اور الْمُبْدَلِ مِنْهُ مضاف الیہ تھا، پھر الْمُبْدَلِ مِنْهُ مضاف الیہ کو حذف کیا اور کل پر الف لام لے آئے۔ تو اَلْبَدَلُ الْكُلُّ یہ جو الْكُلِّ پر الف لام ہے یہ عوض ہے کس کا؟ مضاف الیہ کا اور وہ مضاف الیہ کیا ہے؟ مبدل منہ، مبدل منہ ہے۔ تو کبھی کبھار مضاف الیہ کو حذف کرتے ہیں اور لفظ پر الف لام لے آتے ہیں۔ اور یاد رکھو یہ علمائے کوفہ کا مذہب ہے۔ وہ فرماتے ہیں الف لام مضاف الیہ کا عوض ہو سکتا ہے۔ جیسے بَدَلُ الْكُلِّ اصل میں کیا تھا؟ بَدَلُ كُلِّ الْمُبْدَلِ مِنْهُ۔ پھر مبدل منہ کو حذف کیا اور کل پر الف لام لے آئے تو یہ الف لام عوض ہے مضاف الیہ کا۔ جبکہ علمائے بصرہ فرماتے ہیں کہ نہیں الف لام مضاف الیہ کا عوض نہیں ہو سکتا۔ الف لام کے ذریعے کسی چیز کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے، جیسے اَلرَّجُلُ کا کیا معنی تھا؟ وہ آدمی، کوئی متعین آدمی کی طرف اشارہ تھا۔ تو یہاں پر بھی الْكُلِّ کسی متعین کل کی طرف اشارہ ہے ہر کل کی طرف اشارہ نہیں اور وہ متعین کل کون سا ہے؟ كُلُّ الْمُبْدَلِ مِنْهُ ہے، مبدل منہ کا کل جو ہے اس کی طرف اشارہ ہے الْكُلِّ کے ذریعے۔ تو بہرحال چاہے علمائے بصرہ کا قول لیں چاہے علمائے کوفہ کا قول لیں دونوں کے نزدیک الْكُلِّ سے مراد كُلُّ الْمُبْدَلِ مِنْهُ ہے۔ الْكُلِّ سے کیا مراد ہے؟ كُلُّ الْمُبْدَلِ مِنْهُ، مبدل منہ کا کل مراد ہے لیکن طریقہ الگ الگ ہے: علمائے کوفہ کیا فرماتے ہیں یہ الف لام عوض ہے اس مضاف الیہ کا اس کو حذف کر دیا اور اس کی جگہ الف لام لے آئے، جبکہ علمائے بصرہ فرماتے ہیں نہیں الف لام مضاف الیہ کا عوض نہیں ہو سکتا وہ کہتے ہیں الف لام کے ذریعے کسی چیز کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے تو یہاں پر بھی الْكُلِّ آیا وہ والا کل اور اس الْكُلِّ کے ذریعے اشارہ ہے كُلُّ الْمُبْدَلِ مِنْهُ کی طرف۔ تو بہرحال دونوں کے نزدیک اس سے

مراد کُلُّ الْمُبْدَلِ مِنْهُ ہی ہے لیکن طریقہ الگ الگ ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو یہ اضافتِ بیانی بھی ہے، دیکھو صاحبِ جامی کس طرح فرما رہے ہیں أَيْ بَدَلٌ هُوَ كُلُّ الْمُبْدَلِ مِنْهُ۔ اضافت کو ختم کر دیا اور كُلُّ الْمُبْدَلِ مِنْهُ کو خبر بنا دیا اس بدل کے لیے اور نیز بتلا دیا کہ الْكُلِّ سے مراد كُلُّ الْمُبْدَلِ مِنْهُ ہے بھائی۔

تو کہتے ہیں بَدَلُ الْكُلِّ أَيْ بَدَلٌ هُوَ كُلُّ الْمُبْدَلِ مِنْهُ یعنی ایسا بدل کہ وہ مبدل منہ کا کل ہو، وَبَدَلُ الْبَعْضِ أَيْ بَدَلٌ هُوَ بَعْضُ الْمُبْدَلِ مِنْهُ یعنی وہ بدل جو کہ مبدل منہ کا بعض ہو، فَالْإِضَافَةُ فِيهِمَا مِثْلُهَا تو وہ جو اضافت ہے فِيهِمَا ان دونوں میں یعنی بدل الکل اور بدل البعض میں، یہ جو اضافت ہے مِثْلُهَا یہ هَا ضمیر بھی اضافت کو راجع ہے، مِثْلُهَا یہ اس اضافت کے مثل ہے فِي خَاتَمِ فِضَّةٍ جو کس کے اندر ہے؟ خَاتَمُ فِضَّةٍ کے اندر ہے۔ جیسے خَاتَمُ فِضَّةٍ کے اندر اضافتِ بیانی ہے اسی طرح بدل الکل اور بدل البعض میں بھی اضافت کون سی ہے؟ اضافتِ بیانی ہے۔ اضافتِ بیانی کسے کہتے ہیں؟ جہاں مضاف الیہ بیان کرتا ہے مضاف کا۔ اور اس کو پہچاننے کا طریقہ کیا ہے؟ کہ مضاف جو پہلے آیا اس کو بناؤ مبتدا اور جو مضاف الیہ ہے اس کو بناؤ خبر اور اگر کلام صحیح بن جائے تو سمجھ جائیں کہ یہ اضافتِ بیانی ہے۔ جیسے خَاتَمُ فِضَّةٍ، اَلْخَاتَمُ فِضَّةٌ، الخاتم کو مبتدا بناؤ اور فِضَّةٌ مضاف الیہ کو خبر بناؤ اَلْخَاتَمُ فِضَّةٌ وہ انگوٹھی چاندی ہے دیکھو یہ کہنا صحیح ہے۔ تو کہتے ہیں فَالْإِضَافَةُ فِيهِمَا مِثْلُهَا کہ ان دونوں کے درمیان جو اضافت ہے مِثْلُهَا یہ اسی اضافت کے مثل ہے فِي خَاتَمِ فِضَّةٍ جو کس کے اندر ہے؟ خَاتَمُ فِضَّةٍ کے اندر ہے۔ وَبَدَلُ الِاشْتِمَالِ اور تیسرا جو ہے وہ بدل الاشتمال ہے أَيْ بَدَلٌ مُسَبَّبٌ غَالِبًا عَنِ اشْتِمَالِ أَحَدِ الْمُبْدَلَيْنِ عَلَى الْآخَرِ۔ اگلی دو قسمیں جو ہیں: بدل الاشتمال اور بدل الغلط، یہاں بھی دیکھو بدل مضاف ہے اور الاشتمال مضاف الیہ، بدل الغلط اس میں بھی بدل مضاف ہے اور الغلط کیا ہے؟ مضاف الیہ۔ آپ کو صاحبِ جامی بتلائیں گے کہ ان دونوں میں جو اضافت ہے وہ مسبب کی اضافت ہو رہی ہے سبب کی طرف۔ وہ مسبب کی اضافت ہو رہی ہے سبب کی طرف۔

جیسے دیکھو بدل الغلط جَاءَنِي زَيْدٌ عَمْرٌو، یہ عَمْرٌو کیا ہے؟ بدل ہے زید سے۔ زید میں غلطی سے لایا تھا تو میں نے آگے عَمْرٌو کہہ دیا۔ تو یہ عَمْرٌو کون سا بدل ہے؟ بدل الغلط ہے اور اس کا سبب کیا بنا؟ غلطی بنی۔ تو دیکھو غلطی سبب بنی بدل کے لانے کا۔ تو غلطی ہوئی سبب اور بدل ہوا مسبب۔ غلطی ہوئی سبب اور بدل لائے آپ وہ کیا ہوا؟ مسبب۔ تو بَدَلُ الْغَلَطِ بدل کی اضافت غلطی کی طرف، اور غلطی کیا ہے؟ سبب، اور بدل کیا ہے؟ مسبب۔ تو یہ مسبب کی اضافت ہو رہی ہے سبب کی طرف۔ یہ بدل مسبب ہے الْغَلَطِ کس کا؟ غلطی کا۔ توجہ ہے؟

اسی طرح بدل الاشتمال، یاد رکھو اشتمال یعنی مشتمل ہونا، یعنی کسی چیز کا احاطہ کر لینا۔ جیسے سُلِبَ زَيْدٌ ثَوْبُهُ زید کو چھینا گیا یعنی اس کے کپڑوں کو۔ یاد رکھو یہاں جو بدل اور مبدل منہ ہیں توجہ ہے سُلِبَ زَيْدٌ ثَوْبُهُ یہ زید کیا ہے؟ مبدل منہ، اور ثَوْبُهُ اس کا کپڑا یہ کیا ہے؟ بدل ہے، اور یاد رکھو یہاں مبدل منہ اور بدل میں اشتمال والا تعلق ہوتا ہے۔ کون سا تعلق ہوتا ہے؟ اشتمال والا تعلق ہوتا ہے یعنی دونوں میں سے ایک جو ہوگا وہ دوسرے پر مشتمل ہوگا، دونوں میں سے ایک نے

دوسرے کا احاطہ کیا ہوگا اکثر اوقات، ہمیشہ نہیں اکثر اوقات ایک نے دوسرے کا احاطہ کیا ہوگا، اس کو گھیرا ہوگا۔ جیسے ظرف مظروف کو گھیر لیتا ہے، جیسے زید کسی گھر کے اندر ہے تو یہ گھر اس کے لیے ظرف ہے جگہ ہے اور اس گھر نے زید کا ہر طرف سے احاطہ کیا ہوا ہے تو زید ہوا مظروف اور یہ گھر کیا ہوا اس کے لیے؟ ظرف ہوا۔ یا جیسے وقت ہے، وقت نے ہمارا احاطہ کیا ہوا ہے ہم وقت کے اندر موجود ہیں، بات سمجھ میں آرہی ہے؟ تو وقت کیا ہوا؟ ظرف، اور ہم کیا ہوئے؟ مظروف ہوئے۔ تو اسی طرح سُلِبَ زَيْدٌ ثَوْبُهُ زید کے جو کپڑے ہیں دیکھو کپڑے جب انسان نے پہنے ہوتے ہیں انہوں نے انسان کا ہر طرف سے احاطہ کیا ہوا ہوتا ہے، انسان ان کپڑوں کے اندر ہوتا ہے جیسے مظروف ظرف کے اندر ہوتا ہے، جیسے آپ پانی برتن میں ڈالتے ہیں تو وہ برتن پانی کا ہر طرف سے احاطہ کر لیتا ہے۔ اسی طرح جب کوئی انسان کپڑے پہنتا ہے تو وہ کپڑے ہر طرف سے اس کا احاطہ کر لیتے ہیں۔ تو دیکھو سُلِبَ زَيْدٌ ثَوْبُهُ یہ جو کپڑے ہیں یہ زید پر مشتمل ہیں، یہ کپڑے زید پر مشتمل تھے کیا تھے؟ مشتمل تھے انہوں نے زید کو ہر طرف سے گھیرا ہوا تھا۔ تو یہ زید کے کپڑے زید پر مشتمل ہیں یعنی زید ان کے اندر ہے اور انہوں نے زید کا ہر طرف سے احاطہ کیا ہوا ہے۔ تو اس کو کہتے ہیں اشتمال، ایک چیز کا دوسری چیز پر مشتمل ہونا۔ یا جیسے آپ کہتے ہیں یہ بوتل شہد پر مشتمل ہے یعنی اس بوتل میں شہد ہے، تو دیکھو شہد اندر ہے اور بوتل نے اس کا ہر طرف سے احاطہ کیا ہوا ہے، تو یہ بوتل کیا ہے؟ مشتمل ہے کس پر؟ شہد پر۔ اسی طرح سُلِبَ زَيْدٌ ثَوْبُهُ یہ جو ثَوْبُهُ بدل آیا یہ مشتمل ہے کس پر؟ زید پر۔ یہ کپڑے کس پر مشتمل تھے؟ زید پر مشتمل تھے جن کو چھینا گیا ہے، انہوں نے زید کا احاطہ کیا ہوا تھا ہر طرف سے۔ تو اس میں بدل نے احاطہ کیا ہوا تھا مبدل منہ کا، کپڑوں نے احاطہ کیا ہوا تھا زید کا۔ اور کبھی برعکس ہوگا یعنی مبدل منہ نے احاطہ کیا ہوگا بدل کا یعنی مبدل منہ مشتمل ہوگا بدل پر، جیسے اس کی بھی آگے مثال آجائے گی بھائی، بات سمجھ میں آرہی ہے؟

تو معلوم ہوا کہ بدل الاشتمال میں بدل اور مبدل منہ کے درمیان کون سا تعلق ہوتا ہے؟ اشتمال والا۔ اس اشتمال کی وجہ سے آگے بدل کو لایا جاتا ہے۔ اگر یہ اشتمال والا تعلق نہ ہوتا تو بدل کو بھی آگے نہ لایا جاتا۔ سُلِبَ زَيْدٌ ثَوْبُهُ یہ ثَوْبُهُ بدل کو آگے کیوں لایا گیا؟ کیونکہ ان کپڑوں کا زید سے اشتمال والا تعلق تھا، یہ کپڑے زید پر مشتمل تھے۔ تو معلوم ہوا اشتمال سبب بنا اس ثَوْبُهُ کے لانے کا۔ اگر اشتمال والا تعلق نہ ہوتا تو آپ ثَوْبُهُ بھی نہ لاتے۔ تو دیکھو یہ اشتمال سبب بنا اور بدل کیا ہے؟ اس کا مسبب ہے، تو بدل الاشتمال میں بدل جو مسبب ہے اس کی اضافت ہو رہی ہے اشتمال یعنی سبب کی طرف۔ جیسے بدل الغلط میں بدل کی اضافت کس کی طرف تھی؟ غلطی کی طرف اور وہ بدل مسبب تھا اور غلطی اس کا سبب تھی، یہاں بھی بدل الاشتمال میں بدل کیا ہے؟ مضاف ہے اور یہ مسبب ہے اس کو لایا گیا کس کی وجہ سے؟ اشتمال کی وجہ سے تو وہ اس کا سبب ہے۔ تو یہ بدل الاشتمال اور بدل الغلط میں کون سی اضافت ہے؟ مسبب کی کس کی طرف؟ سبب کی طرف۔ غلطی اور اشتمال اس بدل کے لانے کا سبب بنی۔ بات سمجھ میں آگئی؟

تو کہتے ہیں وَبَدَلُ الِاشْتِمَالِ اور تیسرا بدل الاشتمال ہے أَيْ بَدَلٌ مُسَبَّبٌ غَالِبًا یعنی ایسا بدل جو مسبب ہوتا ہے غالباً اکثر اوقات میں۔ بتلایا کہ ہمیشہ جو ہے یہ بدل الاشتمال میں ہمیشہ بدل مسبب نہیں ہوگا لیکن اکثر کیا ہوگا؟ مسبب ہوگا اور مضاف الیہ سبب ہوگا۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو کہتے ہیں أَيْ بَدَلٌ مُسَبَّبٌ غَالِبًا یعنی ایسا بدل جو اکثر اوقات مسبب ہوتا ہے عَنِ اشْتِمَالِ أَحَدِ الْمُبْدَلَيْنِ عَلَى الْآخَرِ اس بات کا کہ دونوں مبدلین میں سے یعنی بدل اور مبدل منہ دونوں میں سے ایک جو ہے وہ مشتمل ہوتا ہے دوسرے پر۔ بدل اور مبدل منہ دونوں میں سے ایک دوسرے پر مشتمل ہوتا ہے، کبھی مبدل منہ مشتمل ہوگا بدل پر اور کبھی بدل مشتمل ہوگا مبدل منہ پر، تو یہ اشتمال جو ہے یہ سبب بنتا ہے بدل کے لانے کا۔ یہ سبب بنتا ہے بدل کے لانے کا تو یہ اضافت کون سی ہوئی؟ مسبب کی ہوئی سبب کی طرف، اور اکثر ایسا ہی ہوگا بدل الاشتمال میں کہ بدل جو ہے وہ اکثر مسبب ہوگا اشتمال کا بھائی، اکثر کیا ہوگا؟ مسبب، ہمیشہ نہیں لیکن اکثر۔ تو کہتے ہیں پھر دیکھیے وَبَدَلُ الِاشْتِمَالِ أَيْ بَدَلٌ مُسَبَّبٌ غَالِبًا عَنِ اشْتِمَالِ أَحَدِ الْمُبْدَلَيْنِ عَلَى الْآخَرِ یعنی ایسا بدل جو اکثر اوقات مسبب ہوتا ہے دونوں مبدلین میں سے ایک کے دوسرے پر مشتمل ہونے کا۔ مشتمل ہونے کا مسبب ہوتا ہے بھائی۔

اب دیکھیے إِمَّا اشْتِمَالُ الْبَدَلِ عَلَى الْمُبْدَلِ مِنْهُ یا تو بدل جو ہے وہ مشتمل ہوگا کس پر؟ مبدل منہ پر۔ تو یہ إِمَّا پڑھیں اس کو بھائی، اب مثال ذکر کریں گے میں نے آپ کو کیا بتایا تھا؟ کبھی بدل مشتمل ہوگا مبدل منہ پر اور کبھی مبدل منہ مشتمل ہوگا بدل پر، تو ان دونوں کی مثالیں ذکر کریں گے۔ کہتے ہیں إِمَّا اشْتِمَالُ الْبَدَلِ عَلَى الْمُبْدَلِ مِنْهُ یا تو بدل جو ہے وہ مشتمل ہوگا کس پر؟ مبدل منہ پر یعنی اس کو ہر طرف سے گھیرا ہوا ہو، نَحْوُ سُلِبَ زَيْدٌ ثَوْبُهُ چھینا گیا زید کو یعنی اس کے کپڑوں کو۔ تو ثَوْبُهُ یہ جو کپڑے ہیں یہ جو بدل ہے دیکھو یہ زید پر مشتمل ہیں، انہوں نے زید کو گھیرا ہوتا ہے ہر طرف سے، زید کے جو کپڑے ہیں تو یہ زید کے کپڑے زید پر مشتمل تھے انہوں نے زید کو ہر طرف سے گھیرا ہوا تھا۔

أَوْ بِالْعَكْسِ یا اس کا برعکس ہوگا نَحْوُ يَسْأَلُونَكَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ قِتَالٍ فِيهِ۔ يَسْأَلُونَكَ اے پیغمبر یہ آپ سے سوال کرتے ہیں یہ صحابہ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ حرمت والے مہینوں کے بارے میں قِتَالٍ فِيهِ یعنی اس میں جنگ کے بارے میں۔ یاد رکھو بھائی حرمت والے مہینے چار ہیں بھائی: رجب، ذوالقعدہ، ذوالحجہ اور محرم۔ رجب جو ہے وہ الگ ہے ان سے اور پھر اس کے بعد شعبان، رمضان اور شوال آتا ہے تین مہینے آتے ہیں اور پھر اس کے بعد اگلے جو تینوں مہینے ہیں وہ تینوں بھی حرمت والے ہیں: ذوالقعدہ، ذوالحجہ اور محرم۔ تو ذوالحجہ سے ماقبل والا مہینہ بھی حرمت والا اور مابعد والا محرم بھی حرمت والا، تو یہ تین حرمت والے مہینے اکٹھے ہیں اور ایک مہینہ رجب کا ہے جو شعبان سے پہلے آتا ہے۔ تو یہ چار مہینے حرمت والے ہیں۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو ان کو اشہرِ حرم کہتے ہیں، حرمت والے مہینے یعنی عزت والے مہینے، معزز مہینے۔ اور یاد رکھو عرب ان مہینوں کا بے انتہا احترام کرتے تھے زمانہ جاہلیت میں بھی اتنا احترام کرتے تھے ان چار مہینوں کا کہ ان کے اندر کوئی

لڑائی جھگڑا نہیں کرتے تھے، اگر کسی آدمی کو اس کے باپ کا قاتل بھی مل جاتا تھا ان مہینوں میں وہ اس سے کچھ نہیں کہتا تھا، وہ اپنی تلواریں رکھ دیتے تھے، وہ اپنا تیر کمان رکھ دیتے تھے اور جنگ و جدال سے بالکل رک جاتے تھے ان چار مہینوں میں۔ اور جب اسلام آیا تو ابتدا میں بھی یہ حکم برقرار رہا کہ ان مہینوں میں کوئی قتل و غارت کوئی جنگ نہیں ہوگی۔ تو ابھی حکم یہی تھا لیکن ایک دفعہ کیا ہوا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک لشکر بھیجا اور اس لشکر کو پتا نہیں چلا کہ آخر مہینہ ہے یا پہلا مہینہ ہے رجب کا، یعنی شک ہو گیا نا جیسے بعض دفعہ انتیس کا مہینہ ہوتا ہے اور بعض دفعہ تیس کا مہینہ ہوتا ہے تو ان کے علم کے مطابق ابھی جمادی الثانی کی تیس تاریخ تھی حالانکہ حقیقت میں چاند نظر آچکا تھا اور رجب کا آغاز ہو چکا تھا۔ تو صحابہ نے جو قریش کا ایک قافلہ جا رہا تھا اس کے ساتھ مقابلہ کیا اور اس میں ایک یا دو مشرکین کو قتل کر دیا، اس میں ایک یا دو مشرکین قتل ہو گئے اور باقی جو ان کے ساتھی تھے وہ گرفتار ہو گئے۔ تو اس پر کافروں نے بڑا واویلا کیا کہ دیکھو یہ اپنے آپ کو بڑا دین دار سمجھتے ہیں، محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھی، اور انہوں نے حرمت والے مہینے میں خون بہایا اور قتل کیا حالانکہ ہم تو کافر ہو کر بھی ان مہینوں کی حرمت کرتے ہیں ان کے اندر لڑائی نہیں کرتے۔ تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب وہ لشکر واپس آیا تو آپ نے بھی اظہارِ ناراضی فرمایا اور اس مالِ غنیمت کو لینے سے انکار کر دیا اور یہ جو جن لوگوں نے قتل کیا تھا یہ بھی بڑے پریشان تھے اور دیگر صحابہ کرام بھی ان کے بارے میں عرض کر رہے تھے۔ تو اس کے بارے میں قرآن کریم کی یہ آیت اتری کہ يَسْأَلُونَكَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ قِتَالٍ فِيهِ اے پیغمبر یہ آپ سے سوال کرتے ہیں حرمت والے مہینے کے بارے میں قِتَالٍ فِيهِ یعنی اس میں قتال کے بارے میں، قُلْ قِتَالٌ فِيهِ كَبِيرٌ کہہ دو کہ اس میں قتال کرنا یہ بڑا گناہ ہے، اس میں قتال کرنا کیا ہے؟ بڑا گناہ ہے، لیکن وَصَدٌّ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ وَكُفْرٌ بِهِ وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَإِخْرَاجُ أَهْلِهِ مِنْهُ أَكْبَرُ عِنْدَ اللَّهِ یعنی لیکن تم لوگوں نے جو کیا ہے یعنی تم نے اللہ کی راہ سے روکا، کفر کیا اور مسجدِ حرام میں جانے سے روکا اور تم نے اہلِ مکہ کو یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کو مکہ سے نکالا یہ اس سے کہیں بڑا گناہ ہے۔ تو یہاں پر تو ان سے بھول چوک ہوئی، خطا ہوئی اور وہ اتنا بڑا گناہ کر کے پھر اس طرح واویلا کر رہے ہیں۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو اللہ تعالیٰ نے گویا ان کی ملامت کی اور پھر صحابہ کو بھی تسلی دی کہ تم نے تو عمداً نہیں کیا تم سے تو خطا ہو گئی اور یہ جو کافر ہیں یہ اس پر بڑا واویلا کر رہے ہیں حالانکہ خود اس سے بڑے جرموں میں بتلا ہیں اور آخر پھر حکم بھی منسوخ ہو گیا کہ کافروں کے ساتھ حرمت والے مہینوں میں بھی قتال کیا جا سکتا ہے۔

تو یہ آیت دیکھو يَسْأَلُونَكَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ قِتَالٍ فِيهِ۔ اب اس آیت میں دیکھو عَنْ حرفِ جار ہے۔ الشَّهْرِ الْحَرَامِ یہ مجرور ہے۔ الشَّهْرِ الْحَرَامِ یہ کیا ہے؟ مبدل منہ اور قِتَالٍ فِيهِ یہ بدل ہے کس سے؟ الشَّهْرِ الْحَرَامِ سے، الشَّهْرِ سے، توجہ ہے؟ تو اس لیے وہ جو مبدل منہ مجرور تھا تو یہ قِتَالٍ یہ جو بدل آیا یہ بھی مجرور ہے اور یاد رکھو یہ بدل الاشتمال ہے۔ اب یہاں پر دیکھو الشَّهْرِ الْحَرَامِ مبدل منہ ہے یعنی وہ زمانہ ہے، وہ وقت ہے، وہ مہینہ ہے اور اس کے اندر قِتَالٍ فِيهِ اس میں قتال کرنا یہ

قتال کیا ہے؟ بدل۔ تو یہاں کس نے کس کا احاطہ کیا ہوا ہے؟ مہینے نے قتال کا احاطہ کیا ہوا ہے۔ وقت ہوتا ہے نا وہ فعل کا احاطہ کر لیتا ہے، تو یہاں مبدل منہ نے یعنی مہینے نے قتال یعنی بدل کا احاطہ کیا ہوا ہے، یعنی الشَّهْرِ الْحَرَامِ جو کہ مبدل منہ ہے وہ مشتمل ہے قتال پر، جو کہ بدل ہے۔ پہلی مثال میں سُلِبَ زَيْدٌ ثَوْبُهُ میں بدل یعنی ثَوْبُهُ نے احاطہ کیا تھا مبدل منہ یعنی زید کا، اور اس دوسری مثال میں يَسْأَلُونَكَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ قِتَالٍ فِيهِ اس کے اندر الشَّهْرِ الْحَرَامِ یعنی مبدل منہ نے احاطہ کیا ہوا ہے قِتَالٍ فِيهِ یعنی بدل کا، یعنی مبدل منہ مشتمل ہے بدل پر، اور پہلی مثال میں بدل مشتمل تھا مبدل منہ پر۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو کبھی بدل مشتمل ہوتا ہے مبدل منہ پر اور کبھی مبدل منہ مشتمل ہوتا ہے بدل پر۔ یہ دونوں مثالیں انہوں نے ذکر کر دیں۔

اب دیکھیے اس عبارت کو: إِمَّا اشْتِمَالُ الْبَدَلِ عَلَى الْمُبْدَلِ مِنْهُ نَحْوُ سُلِبَ زَيْدٌ ثَوْبُهُ یعنی یا تو بدل جو ہے وہ مشتمل ہوگا مبدل منہ پر جیسے سُلِبَ زَيْدٌ ثَوْبُهُ، تو یہاں کپڑے جو ہیں وہ مشتمل ہیں زید پر، یعنی انہوں نے زید کا احاطہ کیا ہوا ہے۔ أَوْ بِالْعَكْسِ یا بالعکس ہوگا، یعنی مبدل منہ مشتمل ہوگا بدل پر، نَحْوُ يَسْأَلُونَكَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ قِتَالٍ فِيهِ جیسے اللہ تعالیٰ کا قول يَسْأَلُونَكَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ قِتَالٍ فِيهِ، اس میں الشَّهْرِ الْحَرَامِ مبدل منہ ہے اور یہ زمانہ ہے اور قِتَالٍ فِيهِ اس کے اندر قتال کرنا یہ فعل ہے اور یہ بدل ہے، اور زمانہ جو ہے وہ فعل پر مشتمل ہوتا ہے اس کا احاطہ کیا ہوتا ہے، تو یہاں مبدل منہ مشتمل ہے بدل پر۔ توجہ ہے؟

وَإِنَّمَا قُلْنَا غَالِبًا۔ پیچھے صاحبِ جامی نے ایک لفظ ذکر کیا تھا غَالِبًا، أَيْ بَدَلٌ مُسَبَّبٌ غَالِبًا عَنِ اشْتِمَالِ أَحَدِ الْمُبْدَلَيْنِ عَلَى الْآخَرِ یعنی ایسا بدل جو مسبب ہوتا ہے اکثر اوقات میں، دونوں مبدلین میں سے ایک کے دوسرے پر مشتمل ہونے کا۔ تو وہ جو غَالِبًا کا لفظ ذکر کیا کہ اکثر اوقات میں ایک دوسرے پر مشتمل ہوتا ہے، کیوں ذکر کیا غَالِبًا؟ اس لیے کیونکہ بعض دفعہ ایسا بھی ہوگا کہ دونوں میں سے کوئی بھی دوسرے پر مشتمل نہ ہو۔ لیکن بدل الاشتمال وہ ہوتا ہے، بدل الاشتمال میں اکثر تو کیا ہوتا ہے؟ دونوں میں سے ایک دوسرے پر مشتمل ہوتا ہے لیکن بعض اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ دونوں میں سے کوئی بھی دوسرے پر مشتمل نہیں ہوتا یعنی وہاں پر احاطہ کرنے والا تعلق نہیں ہوتا لیکن کوئی اور تعلق ہوتا ہے۔ اور پہلے میں بتلایا تھا بعض علما بدل الاشتمال کی تعریف کرتے ہیں کہ بدل الاشتمال اسے کہتے ہیں جہاں بدل کا مبدل منہ سے تعلق ہو کلیت اور جزئیت کے علاوہ کوئی اور تعلق ہو۔

اب دیکھو مثلاً دو مثالیں: أَعْجَبَنِي زَيْدٌ عِلْمُهُ اور اس میں دیکھو زید مبدل منہ ہے، عِلْمُهُ یہ کیا ہے؟ بدل۔ اور اب علم صفت ہے اور زید کیا ہے؟ موصوف۔ علم کس کی صفت ہے؟ زید کی اور زید اس صفت کا موصوف ہے یعنی محل ہے۔ علم کہاں پایا جاتا ہے؟ زید کے اندر۔ تو موصوف نے یعنی زید نے علم کا احاطہ کیا ہوا ہے، تو یہاں بھی کہہ سکتے ہیں بھائی کہ زید مشتمل ہے علم پر۔ تو بعض دفعہ علم کو زید پر مشتمل مانتے ہیں، دونوں کا قائل ہیں۔ بہرحال یہاں تو یوں بھی کہا جا

سکتا ہے کہ یہ اس کے اندر اشتمال ہے۔ لیکن بعض جگہ ایسی ہوں گی جہاں نہ تو مبدل منہ کا بدل پر اشتمال ہے، نہ اس نے احاطہ کیا ہوا ہے اور نہ بدل نے مبدل منہ کا احاطہ کیا ہوا ہے، بس ان کے درمیان ایک تعلق ہے۔ جیسے دیکھو میں کہتا ہوں أَعْجَبَنِي زَيْدٌ كَلَامُهُ، أَعْجَبَنِي مجھے تعجب میں ڈالا زَيْدٌ زید نے كَلَامُهُ یعنی اس کے کلام نے۔ اب دیکھو یہ جو کلام ہوتا ہے یہ کلام کوئی چیز نہیں کہ جس کو اندر رکھا جائے بلکہ یہ تو آوازیں ہیں حروف ہیں جو زبان سے نکلتے رہتے ہیں۔ اب نہ تو زید کلام پر مشتمل ہے، نہ کلام نے زید کا احاطہ کیا، نہ زید نے کلام کا احاطہ کیا۔ اسی طرح ایک اور مثال ذکر کریں گے سُلِبَ زَيْدٌ مَالُهُ، اب اس میں دیکھو مَالُهُ یہ ہے بدل۔ تو نہ تو زید نے مال کا احاطہ کیا ہوا ہے کہ مال کو اندر رکھا ہوا ہو اور نہ مال نے زید کا احاطہ کیا ہوا ہے۔ جیسے کپڑے تھے ثَوْبُهُ ان کو تو زید نے پہنا ہوتا ہے تو کپڑوں نے زید کا احاطہ کیا ہوا ہے۔ تو مال کے اندر زمینیں بھی ہیں، جائیداد بھی ہے، باغات بھی ہیں، درہم و دینار بھی ہیں جو تجوریوں میں پڑے ہوئے ہیں۔ تو یہاں نہ تو مال نے زید کا احاطہ کیا ہوا ہے اور نہ زید نے مال کا احاطہ کیا ہوا ہے۔ لیکن مال کا زید سے تعلق ضرور ہے کہ یہ زید کا مال ہے۔ تو ایسی جگہ بھی ہوتی ہے جہاں دونوں میں سے کوئی بھی ایک دوسرے کا احاطہ نہ کرے، کوئی بھی ایک دوسرے پر مشتمل نہ ہو لیکن بدل کا مبدل منہ سے تعلق ضرور ہوتا ہے۔ اسی لیے صاحبِ جامی نے پیچھے غَالِبًا کا لفظ ذکر کیا تھا کہ اکثر اوقات تو ایک دوسرے پر مشتمل ہوتا ہے لیکن بعض اوقات ایک دوسرے پر مشتمل نہیں ہوتا، کوئی اور تعلق ہوتا ہے۔

اب دیکھو عبارت پر نظر رکھیں: وَإِنَّمَا قُلْنَا غَالِبًا اور ہم نے جو پیچھے غَالِبًا کا لفظ کہا تھا، یہ ہم نے اس لیے کہا لِأَنَّهُ قَدْ يَكُونُ بَدَلُ الِاشْتِمَالِ کیونکہ بعض اوقات بدل الاشتمال ہوتا ہے مُسَبَّبًا عَنْ تَعَلُّقِ أَحَدِهِمَا بِالْآخَرِ بِغَيْرِ اشْتِمَالٍ یعنی وہ مسبب ہوتا ہے ایک کے دوسرے سے تعلق کی وجہ سے اشتمال کے بغیر۔ اشتمال کے بغیر، یعنی دونوں میں سے کوئی بھی دوسرے پر مشتمل نہیں ہوتا بلکہ ان کے درمیان اشتمال کے بغیر کوئی اور تعلق ہوتا ہے مِنْ مُطْلَقِ الْمُلَابَسَةِ یعنی مطلقاً ایک تعلق ہوتا ہے دونوں کے درمیان، نَحْوُ سُلِبَ زَيْدٌ مَالُهُ جیسے سُلِبَ زَيْدٌ مَالُهُ چھینا گیا زید کو یعنی اس کے مال کو، اب مال جو ہے مَالُهُ یہ بدل ہے اور زید مبدل منہ ہے۔ اب نہ تو مال نے زید کا احاطہ کیا ہوا ہے، نہ مال زید پر مشتمل ہے اور نہ زید مال پر مشتمل ہے بس زید کا مال سے مطلقاً ایک تعلق ہے اور وہ یہ کہ وہ زید کا مال ہے۔ اسی طرح وَحَسُنَ زَيْدٌ عَمَلُهُ اور حَسُنَ زَيْدٌ عَمَلُهُ یعنی زید کا اچھا عمل، یا جَاءَنِي زَيْدٌ جَارِيَتُهُ یعنی میرے پاس زید آیا یعنی اس کی لونڈی آئی۔ اب نہ تو لونڈی نے زید کا احاطہ کیا ہوا ہے اور نہ زید نے لونڈی کا احاطہ کیا ہوا ہے یعنی نہ لونڈی زید پر مشتمل ہے اور نہ زید لونڈی پر مشتمل ہے بس لونڈی کا زید سے ایک تعلق ہے کہ وہ زید کی لونڈی ہے۔ تو اسی وجہ سے صاحبِ جامی نے پیچھے فرمایا تھا کہ اکثر اوقات بدل الاشتمال میں ایک دوسرے پر مشتمل ہوتا ہے لیکن کبھی کبھار اس کے بغیر بھی ہو سکتا ہے مطلقاً تعلق کی وجہ سے۔ بات سمجھ میں آ گئی؟ تو یہ دونوں مثالیں ذکر کر دیں۔

اب دیکھو آگے کیا ذکر کرتے ہیں؟ وَاعْلَمْ أَنَّ بَدَلَ الِاشْتِمَالِ، اس کو غور سے سن لیں بھائی۔ وَاعْلَمْ أَنَّ بَدَلَ الِاشْتِمَالِ لَا بُدَّ فِيهِ مِنْ عَوْدِ ضَمِيرٍ مِنَ الْبَدَلِ إِلَى الْمُبْدَلِ مِنْهُ۔ کہتے ہیں کہ بدل الاشتمال میں ضروری ہوتا ہے کہ بدل سے مبدل منہ کی

طرف ضمیر لوٹے۔ لَا بُدَّ، لَا بُدَّ کا کیا معنی؟ ضروری ہے۔ فِيهِ یعنی بدل الاشتمال میں مِنْ عَوْدِ ضَمِيرٍ ضمیر کا لوٹنا مِنَ الْبَدَلِ بدل سے إِلَى الْمُبْدَلِ مِنْهُ مبدل منہ کی طرف۔ جیسے آپ نے جتنی مثالیں دیکھی ہیں اب تک: سُلِبَ زَيْدٌ ثَوْبُهُ، اس ثَوْبُهُ میں ہُو ضمیر لوٹ رہی ہے کس کی طرف؟ زید یعنی مبدل منہ کی طرف۔ أَعْجَبَنِي زَيْدٌ عِلْمُهُ، اس میں ہُو ضمیر لوٹ رہی ہے زید کی طرف۔ يَسْأَلُونَكَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ قِتَالٍ فِيهِ، اس قِتَالٍ فِيهِ میں فِيهِ کی ہُو ضمیر لوٹ رہی ہے الشَّهْرِ الْحَرَامِ یعنی مبدل منہ کی طرف۔ سُلِبَ زَيْدٌ مَالُهُ، اس میں ہُو ضمیر لوٹ رہی ہے زید کی طرف۔ حُسْنُ زَيْدٍ عَمَلُهُ، ہُو ضمیر لوٹ رہی ہے زید کی طرف۔ جَاءَنِي زَيْدٌ جَارِيَتُهُ، ہُو ضمیر لوٹ رہی ہے زید کی طرف۔ تو کہتے ہیں بدل الاشتمال میں ضروری ہوتا ہے کہ بدل سے ایک ضمیر لوٹے کس کی طرف؟ مبدل منہ کی طرف۔ اور بعض اوقات یہ ضمیر لفظوں میں ذکر کی جائے گی اور کبھی مقدر ہوگی۔

اب جیسے مثلاً: قُتِلَ أَصْحَابُ الْأُخْدُودِ النَّارِ ذَاتِ الْوَقُودِ۔ تو اس میں دیکھیے النَّارِ یہ بدل الاشتمال ہے الْأُخْدُودِ سے۔ قُتِلَ أَصْحَابُ الْأُخْدُودِ النَّارِ ذَاتِ الْوَقُودِ ہلاک کیے گئے أَصْحَابُ الْأُخْدُودِ خندقوں والے، خندق کا کیا معنی؟ النَّارِ ذَاتِ الْوَقُودِ وہ آگ جس میں بہت زیادہ ایندھن تھا۔ اس میں تفصیل ہے کہ ایک کافر بادشاہ تھا اور اس کے مقابلے میں کچھ لوگ ایمان لے آئے تو اس کافر بادشاہ نے کیا کیا؟ اس نے زمین میں بڑی بڑی خندقیں کھدوائیں اور ان میں آگ بھڑکائی اور ان میں ایندھن ڈالا اور جو لوگ ایمان لائے تھے ان کو کہا کہ یا تو اپنا دین چھوڑ دو، ایمان چھوڑ دو ورنہ تم کو اس آگ میں ڈال دیا جائے گا، تو وہ لوگ آگ میں ڈل گئے لیکن انہوں نے ایمان نہیں چھوڑا، تو پھر ان لوگوں پر عذاب آیا یا جو بھی، بہرحال اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں قُتِلَ أَصْحَابُ الْأُخْدُودِ النَّارِ ذَاتِ الْوَقُودِ۔ تو اس میں دیکھیے النَّارِ یہ بدل الاشتمال ہے کس سے؟ الْأُخْدُودِ سے۔ النَّارِ کس سے بدل ہے؟ الْأُخْدُودِ سے کیونکہ خندق میں آگ تھی۔ تو خندق نے آگ کا احاطہ کیا ہوا تھا، یہ بدل الاشتمال ہے الْأُخْدُودِ سے لیکن یہاں پر دیکھیے النَّارِ ذَاتِ الْوَقُودِ کوئی ضمیر نظر نہیں آ رہی جو الْأُخْدُودِ کی طرف لوٹ رہی ہو۔ کوئی ضمیر ہے النَّارِ ذَاتِ الْوَقُودِ میں؟ کوئی ضمیر نہیں، لیکن وہ مقدر ہے، کہتے ہیں فِيهَا یعنی وہ آگ جو اس خندق میں تھی۔ تو بعض اوقات وہ ضمیر لفظوں میں مذکور ہوگی اور بعض اوقات کیا ہوگی؟ مقدر ہوگی بھائی۔ بات سمجھ میں آ گئی؟ تو لیکن بدل الاشتمال میں اس ضمیر کا ہونا ضروری ہے چاہے لفظاً ہو اور چاہے تقدیراً ہو۔

اور پھر یہی بات بدل البعض کے بارے میں بھی فرماتے ہیں کہ بدل البعض میں بھی یہ ضروری ہے کہ بدل سے ایک ضمیر لوٹے مبدل منہ کی طرف۔ جیسے ضَرَبْتُ زَيْدًا رَأْسَهُ، اس رَأْسَهُ میں ہُو ضمیر لوٹ رہی ہے زید کی طرف۔ اسی طرح أَكَلْتُ الرَّغِيفَ ثُلُثَهُ میں نے روٹی کھائی یعنی اس کا تہائی حصہ، تو اس ثُلُثَهُ میں ہُو ضمیر لوٹ رہی ہے الرَّغِيفَ کی طرف۔ اور کبھی یہ ضمیر مقدر ہوگی جیسے وَلِلَّهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيلًا۔ تو النَّاسِ پر فرض ہے حج کرنا، ہر شخص پر فرض نہیں ہے بلکہ مَنِ اسْتَطَاعَ جو استطاعت رکھتا ہو، تو مَنِ یہ بدل البعض ہے النَّاسِ سے، کس سے؟ النَّاسِ سے کیونکہ کچھ

لوگ استطاعت رکھتے ہیں اور کچھ لوگ استطاعت نہیں رکھتے۔ تو مَنِ اسْتَطَاعَ یہ بدل البعض ہے النَّاسِ سے لیکن اس میں کوئی ضمیر نظر نہیں آ رہی جو النَّاسِ کی طرف لوٹتی ہو تو وہ کہتے ہیں مَنِ اسْتَطَاعَ مِنْهُمْ یہاں مِنْهُمْ کی ہُمْ ضمیر کیا ہے؟ مقدر ہے جو النَّاسِ کی طرف لوٹ رہی ہے۔ تو بدل الاشتمال اور بدل البعض دونوں میں ضمیر کا ہونا ضروری ہے جو مبدل منہ کی طرف لوٹے چاہے لفظاً ہو اور چاہے تقدیراً ہو۔

اب آگے دیکھیے عبارت پر نظر رکھیں: وَاعْلَمْ أَنَّ بَدَلَ الِاشْتِمَالِ لَا بُدَّ فِيهِ مِنْ عَوْدِ ضَمِيرٍ مِنَ الْبَدَلِ إِلَى الْمُبْدَلِ مِنْهُ إِمَّا لَفْظًا نَحْوُ سُلِبَ زَيْدٌ ثَوْبُهُ أَوْ تَقْدِيرًا نَحْوُ قَوْلِهِ تَعَالَى قُتِلَ أَصْحَابُ الْأُخْدُودِ النَّارِ ذَاتِ الْوَقُودِ أَيِ النَّارِ فِيهِ أَيْ فِي الْأُخْدُودِ وَكَذَا بَدَلُ الْبَعْضِ نَحْوُ ضَرَبْتُ زَيْدًا رَأْسَهُ وَوَلِلَّهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيلًا أَيْ مَنِ اسْتَطَاعَ مِنْهُمْ۔ کلیئر ہو گئی ساری عبارت؟

آگے دیکھیے بھائی وَبَدَلُ الْغَلَطِ اور چوتھی قسم ہے بدل کی بدل الغلط۔ کہتے ہیں أَيْ بَدَلٌ مُسَبَّبٌ عَنْ غَلَطٍ یعنی ایسا بدل جو غلطی کی وجہ سے مسبب ہو، یعنی غلطی اس کے لانے کا سبب بنی ہو۔ نَحْوُ رَأَيْتُ رَجُلًا حِمَارًا جیسے رَأَيْتُ رَجُلًا حِمَارًا میں نے دیکھا ایک آدمی، گدھے کو۔ یعنی آپ کہنا چاہتے تھے میں نے ایک گدھے کو دیکھا اور زبان سے غلطی سے نکل گیا رَجُلًا، پھر آپ نے فوراً ہی اصلاح کر لی حِمَارًا۔ یا آپ یہ کہنا چاہتے تھے میں نے ایک آدمی کو دیکھا اور زبان سے غلطی سے نکل گیا حِمَارًا، رَأَيْتُ حِمَارًا رَجُلًا۔ تو دونوں صورتوں میں دیکھو حِمَارًا یا رَجُلًا یہ جو بعد والا لفظ آ رہا ہے یہ بدل ہے اور اس کو بدل الغلط کہتے ہیں، کیوں؟ کیونکہ ماقبل کی غلطی اس کے لانے کا سبب بنی ہے بھائی۔ تو یاد رکھو مضاف الیہ غلطی یہ سبب ہے اور مضاف بدل یہ کیا ہے؟ مسبب ہے۔ تو بدل الاشتمال میں بھی اضافت مسبب کی طرف سبب کی تھی اور بدل الغلط میں بھی اضافت مسبب کی طرف سبب کی ہے۔ أَيْ بَدَلٌ مُسَبَّبٌ عَنْ غَلَطٍ یعنی ایسا بدل جو مسبب ہوتا ہے غلطی سے، فَالْإِضَافَةُ فِيهِمَا یعنی بدل الاشتمال اور بدل الغلط میں جو اضافت ہے مِنْ قَبِيلِ إِضَافَةِ الْمُسَبَّبِ إِلَى السَّبَبِ وہ مسبب کی اضافت ہے سبب کی طرف بھائی۔ بات سمجھ میں آ گئی؟

آگے فرماتے ہیں صاحبِ کافیہ رحمہ اللہ وَيَكُونَانِ۔ یہ جو ان کی بات آ رہی ہے انشاء اللہ کل کے سبق میں پڑھیں گے۔ آج اتنا ہی کافی ہے بھائی۔ جی ہاں، کوئی سوال ہو تو پوچھ لیجیے۔

▪ متنِ کتاب و تحقیقِ مسائلِ نحویہ

دعا: سُبْحَانَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُونَ وَسَلَامٌ عَلَى الْمُرْسَلِينَ وَالْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ۔

سبق نمبر ۲۱۵: البدل (۳): بدلِ اشتمال و بدلِ غلط کی تحقیق اور بدل و مبدل منہ کی تعریف و تنگیر

شرحِ ملا جامی صفحہ: ۱۹۶ — بتاریخ: ۱۷ اکتوبر ۲۰۲۲ء

▪ تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث

آگے سبق دیکھیے بھئی: بِغَيْرِهِمَا أَيْ تَكُونُ تِلْكَ الْمُلَابَسَةُ بِغَيْرِ كَوْنِ الْبَدَلِ كُلَّ الْمُبْدَلِ مِنْهُ أَوْ جُزْءَهُ، فَيَدْخُلُ فِيهِ مَا إِذَا كَانَ الْمُبْدَلُ مِنْهُ جُزْءاً مِنَ الْبَدَلِ، وَيَكُونُ إِبْدَالُهُ مِنْهُ بِنَاءً عَلَى هَذِهِ الْمُلَابَسَةِ، نَحْوُ: نَظَرْتُ إِلَى الْقَمَرِ فَلَكِهِ.

بھئی گزشتہ سبق میں بدل کے بارے میں ہم پڑھ رہے تھے۔ صاحبِ کافیہ نے آپ کو بتلایا کہ بدل جو ہے اس کی چار قسمیں ہیں۔ ایک بَدَلُ الْكُلّ ہے، ایک بَدَلُ الْبَعْض ہے، ایک بَدَلُ الْاِشْتِمَال ہے اور ایک بَدَلُ الْغَلَط ہے بھئی۔ اور پھر صاحبِ جامی نے آپ کو بتلایا کہ بدل کی یہ جو پہلی دو قسمیں ہیں یعنی بَدَلُ الْكُلّ اور بَدَلُ الْبَعْض، اس کے اندر بدل کا لفظ مضاف ہے اور الْكُلّ یہ مضاف الیہ ہے، اسی طرح الْبَعْض یہ مضاف الیہ ہے۔ اور یہ اضافتِ بیانی ہے۔ اضافتِ بیانی اس کو کہتے ہیں جس میں مضاف الیہ مضاف سے غیر نہیں ہوتا بلکہ اسی کو بیان کرتا ہے۔ اور اس کے جاننے کا طریقہ میں نے بتلایا تھا کہ مضاف یعنی جو پہلے آیا ہے اس کو بتدا بنا دیں، اور جو بعد میں آیا ہے یعنی مضاف الیہ اس کو خبر بنا دیں۔ تو اگر جملہ صحیح بن جائے تو اس کا مطلب ہے یہ اضافتِ بیانی ہے، جیسے خَاتَمُ فِضَّةٍ، تو الْخَاتَم کو بنائیں بتدا اور فِضَّة کو بنائیں خبر بھئی: الْخَاتَمُ فِضَّةٌ، وہ انگوٹھی چاندی ہے۔ دیکھو جملہ صحیح بن گیا، مفہوم صحیح ہے کہ وہ جب چاندی سے بنی ہے تو وہ انگوٹھی چاندی ہی ہے بھئی۔

تو یہاں پر بھی جو بدل کی اضافت الْكُلّ کی طرف ہو رہی ہے یہ اضافتِ بیانی ہے۔ بَدَلُ الْكُلّ: وہ بدل کیا ہے؟ وہی بدل کل ہے ماقبل یعنی مبدل منہ کا۔ بَدَلُ الْبَعْضِ: یہ بدل جو ہے یہی بعض ہے، یہ جو بدل آیا یہی بعض ہے ماقبل یعنی مبدل منہ کا بھئی۔ اور جبکہ باقی دو جو بدل ہیں بَدَلُ الْاِشْتِمَال اور بَدَلُ الْغَلَط، اس کے اندر مسبب کی اضافت ہو رہی ہے سبب کی طرف۔ بَدَلُ الْاِشْتِمَال: اس کے اندر چونکہ یہ جو اشتمال ہے یہ سبب بنتا ہے بدل کے لانے کا، سُلِبَ زَيْدٌ ثَوْبُهُ، تو یہ یہاں بدل کیوں لایا گیا؟ کیونکہ یہ زید پر مشتمل تھا۔ تو بدل اور مبدل منہ میں اشتمال والا تعلق ہوتا ہے اور یہ اشتمال سبب بنتا ہے

بدل کے لانے کا۔ اور اسی طرح بَدَلُ الْغَلَط، اس کو بَدَلُ الْغَلَط کیوں کہتے ہیں؟ کیونکہ غلطی سبب بنی اس کے لانے کا۔ توجہ ہے؟ تو ان کے اندر اضافت ہو رہی ہے مسبب کی سبب کی طرف۔ بَدَلُ الْاِشْتِمَال: ایسا بدل جو لایا گیا ہے اشتمال کی وجہ سے۔ اور بَدَلُ الْغَلَط: ایسا بدل جو لایا گیا ہے غلطی کی وجہ سے۔ تو بدل ہوا مسبب اور غلطی ہوئی سبب۔ اسی طرح بَدَلُ الْاِشْتِمَال: بدل ہوا مسبب اور اشتمال ہوا سبب بھئی۔ تو یہاں پر یہ جو بَدَلُ الْغَلَط کو بَدَلُ الْغَلَط کہا گیا اس کا یہ معنی نہیں کہ یہ بدل غلط ہے، ہاں یہ غلطی کی وجہ سے لایا گیا ہے، تو غلطی کے ساتھ بھی اس کا تعلق آ گیا۔ جب غلطی کے ساتھ اس کا تعلق آ گیا تو اس کو بَدَلُ الْغَلَط کہنا یعنی یہ نام دینا صحیح ہوا۔ کیونکہ غلطی کی وجہ سے اس کو لایا گیا ہے تو غلطی سے اس کا تعلق ہوا بھئی۔ اسی طرح بَدَلُ الْاِشْتِمَال کو اشتمال کی وجہ سے لایا گیا ہے، تو اشتمال جو ہے اس کے ساتھ اس کا تعلق آ گیا، جب تعلق آ گیا تو اس کو بَدَلُ الْاِشْتِمَال کہنا صحیح ہے بھئی۔ اگر تعلق ہی نہ ہوتا پھر یہ نام نہیں دیا جا سکتا تھا بھئی۔ اور پھر اس کے بعد بتلایا تھا کہ بَدَلُ الْکُلّ جو ہے اس میں بدل اور مبدل منہ دونوں کا مدلول ایک ہی ہوتا ہے۔

اور پھر شارحِ رضی کی بات ذکر فرمائی، وہ فرماتے ہیں کہ ابھی تک مجھے بَدَلُ الْکُلّ اور عطفِ بیان میں کوئی واضح فرق معلوم نہیں ہوا، بلکہ میری نظر میں جو بھی عطفِ بیان ہے وہ بدلِ کل ہی ہے بھئی۔ اور شارحِ رضی مزید فرماتے ہیں کہ یہ جو علمائے نحو نے لکھا ہے کہ عطفِ بیان جو ہے وہ مقصود نہیں ہوتا بلکہ ماقبل معطوف علیہ وہ مقصود ہوتا ہے، اور اسی طرح بدل کے بارے میں علمائے نحو نے لکھا ہے کہ بدل مقصود ہوتا ہے اور مبدل منہ جو ہے وہ مقصود نہیں ہوتا، یہ بات ہمیں تسلیم نہیں ہے کہ مبدل منہ مقصود نہیں ہوتا۔ اور پھر اس کے بعد شارحِ جامی نے میر سید السند کا قول ذکر فرمایا بطورِ جواب کے، کہ میر سید السند فرماتے ہیں کہ یہ جو علمائے نحو نے لکھا ہے کہ مبدل منہ مقصود نہیں ہوتا اس کا یہ معنی نہیں ہے کہ یہ بالکل سرے سے مقصود ہی نہیں ہوتا، بلکہ معنی یہ ہے ان کا کہ یہ مقصودِ اصلی نہیں ہوتا، مقصودِ اصلی بدل ہوتا ہے۔

اور پھر اس کی وضاحت کی میر سید السند نے ایک مثال کے ذریعے، مثلاً آپ کہتے ہیں: جَاءَنِي أَخُوكَ زَيْدٌ. اس میں أَخُوكَ یہ متبوع ہے اور زَيْدٌ یہ کیا ہے؟ تابع ہے۔ تو اگر آپ کا مقصد ابتدا سے ہی یہ تھا کہ آپ أَخُوكَ کی طرف جَاءَ کی نسبت کرنا چاہتے تھے اور زید لا کر آپ نے صرف أَخُوكَ کی وضاحت کی ہے، تو پھر اس صورت میں یہ زید عطفِ بیان کہلائے گا۔ اور اگر شروع سے ہی آپ کی یہ نیت تھی کہ اسناد میں نے زید کی طرف کرنا ہے لیکن اس سے پہلے یہ أَخُوكَ کو بطورِ تمہید کے آپ لے آئے ہیں، تو پھر اس صورت میں یہ زید یہ مقصود ہوا تو یہ بدل کہلائے گا، یہ بدل ہے بھئی۔ اور اس بدل کی وجہ سے بھی وضاحت تو حاصل ہو رہی ہے جیسے عطفِ بیان میں وضاحت اور توضیح حاصل ہوتی تھی، لیکن بدل سے جو توضیح حاصل ہو رہی ہے وہ تبعاً حاصل ہو رہی ہے، وہ مقصودِ اصلی نہیں۔ مقصودِ اصلی جو ہے وہ اس بدل کی طرف اسناد کرنا ہے، وہ اس کی طرف اسناد کرنا ہے تمہید کے بعد۔ تو دونوں میں فرق واضح اور ظاہر ہے۔ اور پھر اس کے بعد بتلایا تھا کہ بدل کی دوسری قسم بَدَلُ الْبَعْض ہے، اور بَدَلُ الْبَعْض وہ ہے جو اپنے متبوع یعنی مبدل منہ کا جز ہوتا ہے، جیسے ضَرَبْتُ زَيْداً رَأْسَهُ. اور تیسری قسم جو ہے وہ بدل کی وہ بَدَلُ الْاِشْتِمَال ہے، اور بتلایا تھا بَدَلُ الْاِشْتِمَال وہ ہے کہ بدل اور مبدل منہ کے

درمیان تعلق ہوتا ہے، لیکن یہ تعلق کلیت اور جزئیت کے علاوہ ہونا چاہیے، اور اس طور پر ہونا چاہیے کہ متبوع کی طرف جب نسبت کی جائے تو تابع کی طرف بھی اجمالاً نسبت ہو جائے۔

جب متبوع کی طرف نسبت کی جائے تو تابع کی طرف بھی اجمالاً نسبت ہو جائے، جیسے آپ نے کہا سُلِبَ زَيْدٌ، متبوع جو زید ہے اس کی طرف نسبت کی، لیکن تابع کی طرف بھی ضمناً نسبت ہو گئی کیونکہ سننے والا سمجھ جاتا ہے کہ یہ زید اس کو تو نہیں چھینا جا سکتا، معلوم ہوا کوئی اور چیز ہے جس کو چھینا گیا ہے اور وہ اس کا منتظر رہتا ہے۔ تو دیکھو نسبت سُلِبَ کی ہوئی زید کی طرف لیکن ضمناً اجمالی طور پر ایک اور نسبت بھی ہوئی جس کے بارے میں سننے والا منتظر رہتا ہے، اور آگے ثَوْبُهُ آکر پھر اس کی وضاحت کر دیتا ہے۔ یا جیسے آپ کہتے ہیں أَعْجَبَنِي زَيْدٌ عِلْمُهُ، مجھے زید نے تعجب میں ڈالا یعنی اس کے علم نے۔ تو اب یہاں أَعْجَبَنِي زَيْدٌ جب آپ نے کہا تو سننے والا سمجھ گیا کہ زید کی ذات نے تو تعجب میں نہیں ڈالا ہو گا، زید کی صفات میں سے کوئی صفت ہو گی جس نے تعجب میں ڈالا ہو گا۔ لیکن اعجاب کی نسبت تو زید کی طرف ہو رہی ہے، لیکن ضمناً اس کی صفات میں سے ایک صفت کی طرف بھی کیا ہو گئی؟ نسبت ہو گئی اجمالی طور پر، اور آگے پھر عِلْمُهُ نے آکر اس کی وضاحت کر دی کہ وہ کون سی صفت ہے جس نے تعجب میں ڈالا ہے؟ وہ صفتِ علم ہے۔ بات سمجھ میں آگئی۔ اور پھر بتلایا تھا کہ ضَرَبْتُ زَيْداً حِمَارَهُ اور ضَرَبْتُ زَيْداً غُلَامَهُ، یہ بَدَلُ الْاِشْتِمَال کی مثالیں نہیں ہیں بلکہ یہ بَدَلُ الْغَلَط ہیں۔ اس لیے کیونکہ جب آپ نے ضَرَبْتُ زَيْداً حِمَارَهُ کہا تو ضَرَبْتُ کی جیسے ہی نسبت زید کی طرف کی تو بات پوری ہو گئی کیونکہ زید ضرب کو قبول کر سکتا ہے، زید کی پٹائی ہو سکتی ہے، تو پھر آگے حِمَارَهُ آپ لائے تو ذہن اس کا کوئی منتظر نہیں تھا۔ تو یہ معلوم ہوا یہ کون سا بدل ہے؟ یہ حِمَارَهُ یہ بَدَلُ الْغَلَط ہے، یہ بَدَلُ الْاِشْتِمَال نہیں۔ بَدَلُ الْاِشْتِمَال میں ذہن منتظر رہتا ہے بھئی۔ تو ضَرَبْتُ زَيْداً حِمَارَهُ یہ حِمَارَهُ بھی بَدَلُ الْغَلَط اور ضَرَبْتُ زَيْداً غُلَامَهُ یہ غُلَامَهُ بھی کیا ہے؟ بَدَلُ الْغَلَط ہے، بَدَلُ الْاِشْتِمَال نہیں ہے۔ اگرچہ اس حمار کا بھی تعلق ہے زید سے اور اس غلام کا بھی تعلق ہے زید سے یہ جو بدل بن رہا ہے، لیکن زید کی طرف جب نسبت کی تو ان کی طرف نسبت ذہن میں نہیں آئی یعنی زید سے ہی بات پوری ہو رہی ہے، ذہن کسی اور نسبت کی طرف نہیں جاتا۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو یہ دونوں بَدَلُ الْغَلَط کے باب سے ہیں۔ اب آگے دیکھیے آج کا سبق۔

کہتے ہیں بِغَيْرِهِمَا۔ میں نے بتلایا تھا بھئی کہ بِغَيْرِهِمَا سے کیا مراد ہے؟ کہ وہ تعلق جو بدل اور مبدل منہ کے درمیان ہو وہ کلیت اور جزئیت والا نہ ہو، وہی اب بیان کریں گے: بِغَيْرِهِمَا أَيْ تَكُونُ تِلْكَ الْمُلَابَسَةُ یعنی وہ جو تعلق ہے بِغَيْرِ كَوْنِ الْبَدَلِ كُلَّ الْمُبْدَلِ مِنْهُ أَوْ جُزْءَهُ، وہ علاوہ اس کے ہو کہ بدل جو ہے مبدل منہ کا کل ہو یا جز ہو۔ بدل کیا ہے؟ مبدل منہ کا کل یا جز ہو، اس کے علاوہ تعلق ہونا چاہیے، وہ ملابست اس کے علاوہ ہونی چاہیے۔ فَيَدْخُلُ فِيهِ مَا تو لہٰذا داخل ہو گئی اس کے اندر مَا وہ ملابست بھی، وہ تعلق بھی إِذَا كَانَ الْمُبْدَلُ مِنْهُ جُزْءاً مِنَ الْبَدَلِ جب مبدل منہ جز ہو بدل سے۔ بھئی دیکھیے پہلے آیا تھا

بَدَلُ الْبَعْض، وہ بدل جو تھا وہ جز تھا مبدل منہ کا۔ اور کہتے ہیں بَدَلُ الْاِشْتِمَال کے اندر کلیت اور جزئیت والا تعلق نہ ہو، کیا معنی کلیت اور جزئیت؟ یعنی جو بدل ہے وہ مبدل منہ کا کل بھی نہیں ہونا چاہیے اور جز بھی نہیں ہونا چاہیے۔ یعنی بدل وہ جزنہ ہو کس کا؟ مبدل منہ کا، اور اگر اس کا برعکس ہوا، مبدل منہ جز ہے کس کا؟ بدل کا، تو وہ بَدَلُ الْاِشْتِمَال میں داخل ہو جائے گا۔ وہ کس میں داخل ہو گا؟ بَدَلُ الْاِشْتِمَال میں۔ توجہ ہے؟ تو لہٰذا ہم نے جو کہا کہ کلیت اور جزئیت والا تعلق نہ ہو یعنی وہ بدل مبدل منہ کا کل بھی نہ ہو اور وہ بدل جو ہے مبدل منہ کا جز بھی نہ ہو۔ اور اگر اس کا برعکس ہوا یعنی مبدل منہ جز ہوا کس کا؟ بدل کا، تو پھر یہ صورت تو ماقبل میں ذکر نہیں ہوئی تھی۔ یہاں بھی دیکھو تعلق ہے یا نہیں؟ یہاں بھی جزئیت والا تعلق ہے لیکن ماقبل والی صورتوں میں شامل نہیں تھا، ماقبل والی صورتوں میں وہ داخل نہیں، تو وہ پھر اس بَدَلُ الْاِشْتِمَال میں داخل ہو جائے گا۔ تو مبدل منہ اگر جز ہو کس کا؟ بدل کا، تو یہ کس میں آجائے گا؟ بَدَلُ الْاِشْتِمَال میں۔

تو کہتے ہیں فَيَدْخُلُ فِيهِ مَا إِذَا كَانَ الْمُبْدَلُ مِنْهُ جُزْءاً مِنَ الْبَدَلِ، تو داخل ہو جائے گا اس بَدَلُ الْاِشْتِمَال کے اندر وہ ملابست، وہ تعلق بھی إِذَا كَانَ الْمُبْدَلُ مِنْهُ جُزْءاً مِنَ الْبَدَلِ جب مبدل منہ جز ہو بدل سے۔ وَيَكُونُ إِبْدَالُهُ مِنْهُ اور وہ جو ابدال ہوتا ہے اس مبدل منہ سے بِنَاءً عَلَى هَذِهِ الْمُلَابَسَةِ وہ اس ملابست اس تعلق کی وجہ سے ہو۔ مبدل منہ کیا ہے؟ جز ہے کس کا؟ بدل کا۔ تو یہ جو تعلق ہے دونوں کے درمیان کہ مبدل منہ جز ہے بدل کا، اس تعلق کی بنا پر بدل کو لایا گیا ہے۔ یہ جو ابدال ہے یہ کس بنا پر ہے؟ کہ مبدل منہ جز ہے بدل کا، تو دیکھو اس ملابست اور اس تعلق کی بنا پر یہ بدل لایا گیا ہے۔ بھئی دیکھو نا بعض بدل لائے جاتے تھے کہ وہ ماقبل کا کل ہوتے تھے، بعض بدل ایسے لائے جاتے تھے جو ماقبل کا جز ہوتے تھے، اور بعض بدل غلطی سے لائے جاتے تھے، اور بعض بدل ایسے تھے جو ماقبل کے ساتھ ان کا اشتمال کا تعلق ہوتا تھا۔ تو اگر مبدل منہ جز ہو بدل کا تو وہ اس قسم کے اندر داخل ہے بھئی۔

تو کہتے ہیں وَيَكُونُ إِبْدَالُهُ مِنْهُ اور وہ جو بدل کو لایا گیا ہے اس مبدل منہ سے بِنَاءً عَلَى هَذِهِ الْمُلَابَسَةِ وہ اس تعلق کی بنا پر ہو، اس تعلق کی وجہ سے ہو۔ نَحْوُ مثال کے طور پر: نَظَرْتُ إِلَى الْقَمَرِ فَلَكِهِ، میں نے دیکھا چاند کی طرف فَلَكِهِ اس کے فلک کی طرف۔ اس کے، میں نے چاند کی طرف دیکھا فَلَكِهِ اس کے فلک کی طرف دیکھا۔

یاد رکھو، جدید سائنس یہ کہتی ہے کہ یہ جو زمین ہے یہ سورج کے گرد گھوم رہی ہے۔ سورج کے گرد نو دس سیارے ہیں جو سورج کے گرد گھوم رہے ہیں اور سورج ان کا مرکز ہے۔ سورج ایک ستارہ ہے۔ سورج کیا ہے؟ ایک، ستارہ اس کو کہتے ہیں جس کی اپنی روشنی ہوتی ہے، اور سیارہ جو کسی ستارے وغیرہ کے تابع ہو اس کے گرد گھومے اور اس کی اپنی روشنی نہیں ہوتی۔ تو یہ زمین اور نو سیاروں سمیت یہ سورج کے گرد گھوم رہی ہے، اور سورج ایک متوسط درجے کا بلکہ چھوٹے درجے کا ایک ستارہ ہے بھئی۔ اور جو چاند ہے وہ زمین کے گرد گھوم رہا ہے۔ زمین سورج کے گرد گھوم رہی ہے، یعنی ایک کھلی فضا ہے، اس فضا میں سورج درمیان میں ہے اور اس کے گرد نو سیارے گھوم رہے ہیں۔ تو زمین بھی پورے سال

میں ایک چکر پورا کرتی ہے سورج کے گرد بھئی اور ایک سیکنڈ میں کئی

میل کا فاصلہ طے کرتی ہے، اتنی زیادہ رفتار ہے زمین کی بھئی۔ زمین سورج کے گرد گھومتی جا رہی ہے اور چاند زمین کے گرد گھومتا جا رہا ہے، ساتھ ساتھ اس کے چل رہا ہے بھئی۔ تو یہ تو جدید سائنس کہتی ہے، اور جبکہ قدیم جو ہے قدیم فلاسفہ یونان کہتے تھے کہ یہ جو پوری کائنات ہے یہ تیرہ کروں سے مرکب ہے۔ یہ پوری کائنات تیرہ کروں پر مشتمل ہے۔ کرہ کہتے ہیں گول شے کو، گول چیز جو ہے، اس کو کیا کہتے ہیں کُرَۃٌ، جیسے یہ فٹبال کو کیا کہتے ہیں کُرَۃُ الْقَدَمِ۔ تو گول چیز، گیند جو ہو اس کو کُرَۃٌ کہتے ہیں۔ تو قدیم فلاسفہ کہتے تھے یونان والے کہ یہ پوری کائنات جو ہے یہ تیرہ کروں پر مشتمل ہے۔ پہلا کرہ زمین کا ہے، کرۂ ارض۔ اور اس کے بعد دوسرا کرۂ ماء ہے، پانی کا ایک کرہ ہے اس کے گرد گول بھئی۔ زمین مرکز ہے، یہ کرہ ہے اور پھر اس کے گرد کس چیز کا کرہ ہے؟ پانی کا، کرۂ ماء ہے۔ پھر اس پانی کے اوپر کرۂ ہوا ہے، ہوا کا کرہ ہے۔ پھر اس ہوا کے اوپر کرۂ نار ہے، آگ کا ایک کرہ ہے، گول جسم۔ اور پھر اس کے اوپر کرۂ قمر ہے بھئی، یعنی فلکِ قمر ہے، کیا ہے؟ فلکِ قمر، وہ ہی کرہ ہے گول جسم ہے اس کو فلک کہتے ہیں، کیا کہتے ہیں؟ فلک، وہ تو وہ فلکِ قمر ہے۔ قمر کے اوپر پھر فلکِ عطارد ہے، فلکِ عطارد کے اوپر پھر فلکِ زہرہ ہے، پھر اس کے اوپر فلکِ شمس ہے۔ فلکِ شمس ہے، اور پھر فلکِ شمس کے اوپر فلکِ مریخ ہے بھئی۔ فلکِ مریخ ہے۔ اور اس کے بعد پھر فلکِ مشتری ہے۔ اور فلکِ مشتری کے بعد فلکِ زحل ہے۔ اور فلکِ زحل کے بعد پھر، پھر فلکِ ثوابت ہے، یہ جو ستارے ہمیں نظر آتے ہیں ان کا آسمان ہے۔ اور پھر اس کے بعد فَلَكُ الْأَفْلَاكِ ہے تیرہویں نمبر پر۔ توجہ ہے؟ تو یہ آپ کو فلکیات کی کتابوں میں اس کی تفصیل ملے گی کہ فلاسفہ یونان کہتے تھے کہ یہ پورا عالم تیرہ کروں سے مرکب ہے۔

تو ان میں سے زمین مرکز ہے، جدید سائنس نے بتایا کہ نہیں زمین مرکز نہیں، لیکن قدیم ان کا یہی خیال تھا کہ یہ زمین مرکز ہے اور زمین جو ہے یہ کرہ ہے اور اس کرے کے اوپر کیا ہے ایک کرۂ ماء ہے، پھر کرۂ ہوا ہے، اور پھر کرۂ نار ہے بھئی۔ کرۂ نار ہے، اور پھر اس کے بعد فلکِ قمر ہے، فلکِ عطارد ہے، فلکِ زہرہ ہے، فلکِ شمس ہے، فلکِ مریخ ہے، فلکِ مشتری ہے، فلکِ زحل ہے، اور پھر فلکِ ثوابت۔ ثوابت وہ ستارے جو سارا سال اپنی جگہ رہتے ہیں۔ بھئی دیکھو یہ جو سیارے ہیں نا جو سورج کے گرد گھوم رہے ہیں، ان میں سے قدیم زمانے میں صرف چھ سات نظر آتے تھے، کتنے؟ چھ سات، باقی دوربین کے ذریعے بعد میں دریافت ہوئے ہیں، تو وہ انہی کے قائل تھے اور کہتے تھے کہ ہر ایک کا الگ فلک ہے، ہر ایک کا یوں کہو الگ آسمان ہے، اور اپنے اپنے آسمان میں ان میں سے ہر ایک یوں لگا ہوا ہے جیسے دیوار میں کیل لگی ہوتی ہے۔ تو فلکِ قمر کیا ہے؟ اس کا جو کرہ ہے اس کا جو فلک ہے وہ شیشے کی طرح شفاف ہے، اور اس کے اندر چاندیوں لگا ہوا ہے جیسے دیوار میں کیل لگی ہوتی ہے، اور یہ جو چاند ہمیں مشرق سے نکلتا اور مغرب میں ڈوبتا ہوا نظر آتا ہے یہ دراصل وہ چاند کا فلک جو ہے وہ حرکت کر رہا ہے۔ وہ شیشے کی طرح شفاف ہے اور اس میں چاند لگا ہوا ہے، اور وہ گھوم رہا ہے زمین کے

گرد، تو وہ فلک کے گھومنے سے ہمیں یوں لگتا ہے چاند بھی گھوم رہا ہے۔ اسی طرح سورج جو ہے یہ مشرق سے نکلتا ہے اور مغرب میں غروب ہو جاتا ہے، یہ دراصل سورج حرکت نہیں کر رہا، سورج تو اپنے فلک کے اندر کیل کی طرح لگا ہوا ہے، ہاں وہ فلک گول گھوم رہا ہے تو اس کے گھومنے سے ہمیں یوں لگتا ہے سورج بھی گھوم رہا ہے۔ جبکہ فلکِ ثوابت جو بارہواں فلک ہے آسمان ہے اس کے اندر یہ سارے ستارے لگے ہوئے ہیں۔ یہ جو باقی ستارے ہمیں رات کو نظر آتے ہیں جن کی جگہیں نہیں بدلتیں وہ فلکِ ثوابت، ثَوَابِت جمع ہے ثَابِت کی بھئی، جو اپنی جگہ پر ثابت ہیں، اور سب سے اوپر فَلَكُ الْأَفْلَاكِ ہے۔ اور لیکن اب جدید سائنس نے بتایا کہ کوئی ٹھوس جسم نہیں ہے بھئی، ان کا تو خیال تھا کیا؟ فلاسفہ یونان کا تو خیال تھا کہ یہ جو افلاک ہیں یہ بھی ٹھوس جسم ہیں، سخت جسم ہیں جیسے شیشہ ہوتا ہے۔ لیکن اب جدید سائنس نے بتلایا کہ نہیں کوئی ٹھوس جسم نہیں ہے، چاند ایک دائرے کے اندر زمین کے گرد گھومتا رہتا ہے خالی فضا میں، اور زمین چاند کو لے کر سورج کے گرد گھومتی ہے خالی فضا کے اندر بھئی، کوئی یہاں شیشے جیسا فلک نہیں ہے بھئی۔

تو دیکھیے اب مثال۔ کہتے ہیں نَظَرْتُ إِلَى الْقَمَرِ فَلَكِهِ، میں نے دیکھا چاند کی طرف فَلَكِهِ یعنی اس کے فلک کی طرف۔ یہ قدیم فلاسفہ کے مطابق جس فلک میں چاند کیل کی طرح لگا ہوا ہے، جب چاند کو دیکھ رہے ہیں تو گویا فلک کو دیکھ رہے ہیں نا کیونکہ وہ فلک چاند کو لے کر گھوم رہا ہے۔ تو یہاں یہ فلک کیا ہے؟ بدل ہے کس سے؟ قمر سے۔ چاند کیا ہے؟ فلک میں لگا ہوا ہے، تو فلک ہوا کل اور چاند ہوا جز، تو یہاں پر دیکھو الْقَمَر یہ کیا ہے؟ مبدل منہ، یہ جز ہے فَلَكِهِ کس کا؟ اس قمر کے فلک کا۔ تو قمر کا فلک کیا ہے؟ کل، اور قمر کیا ہے؟ اس کا جز، تو مبدل منہ جز ہوا بدل کا یعنی فلکِ قمر کا۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو کہتے ہیں نَظَرْتُ إِلَى الْقَمَرِ فَلَكِهِ میں نے دیکھا چاند کی طرف یعنی اس کے فلک کی طرف۔ وَالْمُنَاقَشَةُ لیکن اس پر اعتراض ہوتا ہے کہ بھئی چاند تو فلک کا جز نہیں ہے۔ جیسے دیکھو ایک ہے دیوار اور ایک ہے کیل، اگر آپ ایک کیل دیوار پر لگائیں گے تو یہ کیل کوئی دیوار کا جز نہیں بن گیا بھئی، دیوار تو اینٹوں اور پتھروں وغیرہ اور سیمنٹ کی بنی ہوئی ہے اور کیل تو اور چیز ہے، تو کیل کو دیوار میں گاڑنے سے آپ یہ نہیں کہہ سکتے یہ دیوار ہے، کیل کو دیوار نہیں کہہ سکتے، دیوار اور چیز ہے کیل اور چیز۔ اسی طرح یہ جو فلک ہے اس کے اندر چاند گڑا ہوا ہے، تو آپ چاند کو فلک کا جز نہیں کہہ سکتے۔ لہٰذا یہ مثال ذکر کرنا نَظَرْتُ إِلَى الْقَمَرِ فَلَكِهِ میں نے چاند کی طرف یعنی اس کے فلک کی طرف دیکھا، تو یہ قمر یہ ہے مبدل منہ اور فلک یہ بدل ہے، اور یہ قمر اپنے فلک کا جز نہیں ہے۔ آپ تو مثال ذکر کر رہے تھے اس مبدل منہ کی جو بدل کا جز ہو، لیکن قمر تو فلکِ قمر کا جز نہیں ہے۔ اعتراض سمجھ میں آیا؟ تو شارحِ جامی جواب دیں گے کہ بھئی ہاں آپ کی بات ٹھیک ہے لیکن یہ آپ کا اعتراض مثال پر ہے، کس پر ہے؟ مثال پر آپ اعتراض کر رہے ہیں، مثال کوئی اور بنا لو اگر یہ مثال نہیں کوئی اور مثال بنا لو جس میں مبدل منہ جز ہو کس کا؟ بدل کا۔ تو یہ اعتراض کرنا کہ یہ قمر تو فلک کا جز نہیں ہے، یہ کوئی اعتراض نہیں ہے کیونکہ یہ تو مثال پر اعتراض ہے، وہ جو ہم نے کہا کہ مبدل منہ جز ہو گا بدل کا یہ اس پر اعتراض نہیں ہے۔

تو کہتے ہیں وَالْمُنَاقَشَةُ، مناقشہ کہتے ہیں بحث کرنا، تکرار کرنا کسی کے ساتھ۔ کہتے ہیں وَالْمُنَاقَشَةُ بِأَنَّ الْقَمَرَ لَيْسَ جُزْءاً مِنْ فَلَكِهِ اور یہ بحث مباحثہ اور تکرار کرنا کہ چاند جو ہے وہ تو اپنے فلک کا جز نہیں ہے بَلْ هُوَ مَرْكُوزٌ فِيهِ بلکہ چاند تو اس کے اندر گاڑا ہوا ہے، چاند تو اس کے اندر گڑا ہوا ہے، تو یہ مُنَاقَشَةٌ فِي الْمِثَالِ تو یہ تو مثال کے اندر مناقشہ اور بحث ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ وَيُمْكِنُ اور یہ ممکن ہے أَنْ يُورَدَ لِمِثَالِهِ مِثْلُ رَأَيْتُ دَرَجَةَ الْأَسَدِ بُرْجَهُ اور کہتے ہیں ممکن ہے أَنْ يُورَدَ لِمِثَالِهِ کہ اس کے لیے یہ والی مثال لائی جائے، مِثْلُ مثال کے طور پر: رَأَيْتُ دَرَجَةَ الْأَسَدِ بُرْجَهُ، میں نے اسد کا درجہ یعنی اس اسد کا برج دیکھا۔ میں نے اسد کا درجہ یعنی اسد کا برج دیکھا۔

اب یہاں دو چار پانچ چیزیں سمجھنی پڑیں گی پھر ہی آپ کو بات سمجھ میں آئے گی۔ یاد رکھو، یہ جو آسمان ہے گول، زمین دیکھو پورا سال سورج کے گرد گھومتی ہے۔ پورا سال زمین سورج کے گرد گھومتی ہے، تو اس گھومنے کی وجہ سے سال کے مختلف مہینوں میں آسمان کے مختلف حصے ہمیں نظر آتے ہیں، یہ جو ستارے ہیں ہر طرف نظر آتے ہیں اور قدیم فلاسفہ کے نزدیک یہ کیا تھے؟ آسمان۔ فلکِ ثوابت کیا ہے؟ آسمان، فلک ہے جس کے اندر یہ سارے ستارے لگے ہوئے ہیں۔ یہ اٹھ نو سیارے نیچے والے افلاک میں ہیں، ہر ایک کا اپنا اپنا فلک ہے، توجہ ہے؟ اور فَلَكُ الْأَفْلَاكِ سے نیچے جو بارہویں نمبر پر فلک ہے اس میں یہ سارے ستارے لگے ہوئے ہیں۔ تو جب زمین گھومتی ہے سارا سال، تو ہمیں آسمان کے مختلف مہینوں میں مختلف حصے نظر آتے ہیں۔ یہ اسی طرح ہے جیسے دیکھو مثلاً آپ کمرے کے درمیان میں ایک گیند رکھیں، ایک گیند رکھیں اور اس گیند پر مثلاً ایک چھوٹا سا کیمرہ لگا دیں دروازے کی طرف، کیمرے کا رخ کدھر کو ہے؟ دروازے کی طرف۔ اب آپ گیند کو آہستہ آہستہ دیکھو گھمائیں گے تو دیکھو باقی طرف کی دیواریں آہستہ آہستہ اس میں نظر آتی چلی جائیں گی۔ بلکہ یوں مثال سمجھیں، مثلاً دیکھیں کمرے کے درمیان میں مثلاً ایک میز رکھیں، فرض کریں یہ سورج ہے، یہ کیا ہے؟ سورج۔ اور اس سورج سے تھوڑے فاصلے پر آپ ایک گیند لے کر کھڑے ہو جائیں، آپ میز اور دروازے کے درمیان کھڑے ہیں، تو اس گیند کو اپنے ہاتھ میں پکڑیں اور اس پر مثلاً ایک نشان لگا دیں یا کیمرہ لگا دیں کس کی طرف رخ ہو؟ دروازے کی طرف۔ اب آپ اس گیند کو اسی طرح ہاتھ میں پکڑے ہوئے آرام سے میز سے برابر فاصلے پر گول چکر لگائیں۔ آپ نے چکر لگایا میز کے گرد، گیند کو آپ نے نہیں ہلانا، کیمرے کا رخ نہیں بدلنا، تو آپ جوں جوں گھومتے جائیں گے آپ دیکھیں گے وہ کیمرے کا رخ دیواروں کی طرف آہستہ آہستہ پورے کمرے کی دیواریں اس میں آجائیں گی۔ آپ میز کے دائیں طرف آئے تو کیمرے میں دائیں طرف والی دیواریں آرہی ہوں گی، آپ بائیں طرف آئے تو بائیں طرف والی دیواریں آرہی ہوں گی، دروازے کے سامنے پہنچیں گے تو دروازے والی دیواریں آرہی ہوں گی۔ تو دیکھو اسی طرح چاروں طرف آسمان ہے تو سارا سال آسمان کے مختلف حصے مختلف قسم کے ستارے ہمیں نظر آتے ہیں۔ تو قدیم فلاسفہ بھی یہ مشاہدہ کرتے تھے کہ سال کے مختلف مہینوں میں مختلف ستارے ہمیں نظر آتے ہیں۔ آپ نے چکر لگایا میز کے گرد، کیمرے میں پہلے ایک جانب والی، پھر دوسری، پھر تیسری، پھر چوتھی طرف ساری دیواریں آہستہ آہستہ کیمرے میں آتی چلی جائیں گی۔ گھوم تو آپ رہے ہیں،

گھوم تو آپ رہے ہیں لیکن کیمرے میں یوں آئے گا جیسے یہ کمرہ گھوم رہا ہے۔ تو دیکھو زمین جو ہے وہ سورج کے گرد چکر لگاتی اور اس دوران آسمان کے مختلف حصے سال بھر میں نظر آتے تھے، تو ان کا خیال یہ تھا یہ آسمان چکر لگا رہا ہے زمین کے گرد، زمین اپنی جگہ ہے اور آسمان اس کے گرد چکر لگا رہا ہے، حالانکہ زمین گھوم رہی ہوتی تھی سورج کے گرد۔ یہ اسی طرح ہے، یہ اسی طرح ہے جیسے آپ گاڑی میں بیٹھے ہیں اور گاڑی آپ کو لے کر آگے کی طرف سفر کر رہی ہے، اگر آپ کھڑکی سے دیکھیں گے تو آپ کو لگے گا ساری چیزیں پیچھے کو دوڑ رہی ہیں، حالانکہ وہ چیزیں پیچھے کو نہیں دوڑ رہیں، گاڑی آپ کو لے کر آگے کی طرف جا رہی ہے۔ تو ان کا بھی یہی مشاہدہ تھا کہ گھوم تو زمین رہی تھی لیکن ان کو یوں لگتا تھا یہ آسمان گھوم رہا ہے اور پورے سال میں ہم آسمان کے مختلف حصے دیکھتے ہیں۔ تو یہ جو پورے دائرے میں جو ہیں تین سو ساٹھ درجے ہوتے ہیں، تین سو ساٹھ درجے۔ تو بارہ تیا چھتیس، بارہ سے تقسیم کریں تو ہر مہینے میں تیس درجے آتے ہیں۔ چلو یہ درجے بھی سمجھ لو، درجے کیسے ہوتے ہیں؟ دیکھو مثلاً فرض کریں آپ ایک لاٹھی زمین پر رکھ دیں، ایک لاٹھی زمین پر رکھیں اور اس لاٹھی کے ایک سرے پر زمین پر آپ ایک نشان لگا دیں۔ لاٹھی کا یہ والا سرا جو نشان پر ہے اب لاٹھی کے اس سرے کو نہیں ہلانا۔ دوسری طرف سے آپ لاٹھی کا سرا پکڑیں اور اس کو آہستہ آہستہ زمین سے اوپر اٹھانا شروع کریں۔ وہ دوسرا سرا لگا رہے زمین پر، وہاں آپ نے نشان لگایا ہے اسی پر وہ سرا رہنا چاہیے۔ تو آپ جوں جوں لاٹھی کا یہ دوسرا سرا اوپر اٹھاتے جا رہے ہیں، آپ دیکھیں گے کہ لاٹھی اور زمین کے درمیان فاصلہ بڑھ رہا ہے ایک جانب۔ ایک سرا تو زمین کے ساتھ لگا ہوا ہے لاٹھی کا اور دوسرے سرے اور زمین کے درمیان فاصلہ بڑھ رہا ہے۔ یاد رکھو اس کو زاویہ کہتے ہیں۔ کیا کہتے ہیں؟ یہ جو، یہ جو زمین اور لاٹھی کے درمیان فاصلہ ہے اس کو زاویہ کہتے ہیں، اور یہ اس کی تقسیم ہوتی ہے اس کے درجے ہوتے ہیں۔ تو آپ جوں جوں لاٹھی کا یہ سرا اوپر اٹھاتے جا رہے ہیں یہ زاویے کے درجات بڑھتے جا رہے ہیں۔ ایک سرا اپنی جگہ پر رہے وہ نہیں ہلنا چاہیے، دوسرا سرا آپ اٹھاتے جا رہے ہیں، زمین اور لاٹھی میں دوسری جانب فاصلہ بڑھتا جا رہا ہے یعنی زاویے کے درجات بڑھ رہے ہیں۔ یہاں تک کہ لاٹھی کو اوپر کرتے کرتے آپ بالکل سیدھا کھڑا کر دیں اسی نقطے کے اوپر جہاں ایک آپ نے نشان لگایا تھا۔ تو اب دیکھو اب یہ جو درجات ہیں یہ لاٹھی سیدھی ہے اور جس طرف سے آپ نے اس کو اٹھایا تھا اس طرف اس کے نوے درجے کا زاویہ ہے۔ ہے تو چاروں طرف نوے درجے کا زاویہ زمین کے ساتھ، لیکن جس طرف سے ہم نے اٹھایا ہم اسی کی بات کر رہے ہیں، تو وہ، وہ جانب

جہاں لاٹھی زمین پر پڑی تھی، وہ زمین اور لاٹھی کے درمیان اب نوے درجے کا زاویہ ہے جب لاٹھی عین اس نقطے کے اوپر سیدھی کھڑی ہے۔ اب آپ لاٹھی آہستہ آہستہ دوسری جانب جھکاتے چلے جائیں مزید بھئی، تو دیکھو زاویہ اور بڑھتا چلا گیا، اس پہلی جانب سے زاویہ بڑھتا جا رہا ہے نوے سے بھی بڑھ گیا، یہاں تک کہ ہوتے ہوتے لاٹھی بالکل سیدھی دوسری جانب آگئی۔ یاد رکھو، لاٹھی کی پہلی جانب اور لاٹھی کی دوسری جانب اس کے درمیان اب ایک سو اسی درجے کا زاویہ ہے۔

لاٹھی بالکل سیدھی تھی تو کتنا درجہ تھا؟ نوے، تو نوے ایک طرف تھا نوے دوسری طرف تھا، تو جب آپ نے لٹا دیا تو نوے اور نوے کتنے ہو گئے؟ ایک سو اسی۔ اور پھر نیچے تو زمین ہے، لیکن اگر یہ لاٹھی نیچے جگہ ہوتی اور آپ اس کو گھماتے تو پھر ایک سو اسی درجے یہ گھوم کر پھر اپنی پہلی جگہ پر آجاتی۔ تو یہ کل کتنے درجے ہیں؟ تین سو ساٹھ ایک دائرے میں، دیکھو لاٹھی پورا چکر کاٹے گی تو یہ تین سو ساٹھ درجے ہو جائیں گے۔ اور ان میں سے یاد رکھنا بارہ مہینے ہیں سال کے، تو تین سو ساٹھ کو بارہ سے تقسیم کریں تو ہر مہینے میں تیس درجے آتے ہیں، بارہ تیا چھتیس، تیس درجے۔ اور پھر یاد رکھو، تو یہ جو ایک مہینے کے اندر آسمان کا جو حصہ نظر آتا تھا اس کو وہ کہتے تھے یہ تیس درجے ہیں، پھر دوسرے مہینے میں دوسرا حصہ نظر آتا تھا آسمان کا، یہ اگلا حص... تو اچھا، تو یہ جو تیس حصے نظر آتے تھے ایک مہینے میں آسمان کے اس کا نام وہ برج رکھتے تھے۔ کیا رکھتے تھے؟ یہ برج ہے، یعنی ایک مہینے کے اندر جتنا آسمان کا حصہ آپ کو نظر آیا، ہر روز تھوڑا تھوڑا فرق پڑتا جا رہا ہے، یہ سارا ایک برج ہے۔ پھر تیس درجے جب پورے ہو گئے تو اگلا برج شروع ہو گیا، تیس درجے تک یہ برج رہے گا، پھر اس سے اگلا برج آئے گا، تو بارہ برج بنائے اسی طرح ان فلاسفہ نے، کتنے برج؟ بارہ برج بنائے، اور ان کے مختلف نام ہیں آج بھی کتابوں میں آپ کو ملیں گے، کہ مثلاً یہ برجِ حوت ہے۔ حوت: ح، و اور لمبی ت دو نقطوں والی، حوت کا معنی مچھلی۔ یا یہ برجِ ثور ہے، ث، و، ر، ثور بیل کو کہتے ہیں، یہ برجِ ثور ہے۔ پھر آگے ایک برجِ اسد ہوتا ہے، نام، یہ نام ہیں بس ویسے ہی نام رکھے ہوئے تھے، یہ برجِ اسد ہے، یہ برجِ سنبلہ ہے، یہ برجِ جوزا ہے۔ بات سمجھ میں آرہی ہے؟ تو اس طرح بارہ برج تھے، اور ہر برج میں کتنے درجے تھے؟ تیس درجے، ایک مہینے کے اندر پورا برج طے ہو جاتا تھا۔ ہر روز تھوڑا تھوڑا فرق کیونکہ زمین سورج کے گرد گھوم رہی ہے، ہر روز تھوڑا تھوڑا فرق پڑتا جا رہا ہے۔

تو یہ ان میں سے ایک برج کا کیا نام ہے؟ برجِ اسد۔ اور یہ کتنے درجے پر مشتمل ہے؟ تیس درجے پر، ہر برج تیس درجے پر مشتمل ہے، تو اسی کی مثال ذکر کر رہے ہیں: رَأَيْتُ دَرَجَةَ الْأَسَدِ، میں نے برجِ اسد کا درجہ دیکھا۔ میں نے اسد کا درجہ دیکھا، بُرْجَهُ یعنی اس کا برج دیکھا۔ اسد کا درجہ دیکھ لیں یا اسد کا برج دیکھ لیں ایک ہی بات ہے۔ اسد کے برج میں کتنے درجے؟ تیس درجے۔ اور آپ کہہ رہے ہیں میں نے اسد کا درجہ دیکھا، معلوم ہوا اسد کا ایک جز دیکھا، کل کتنے جز ہیں؟ تیس جز ہیں۔ تو دَرَجَةَ الْأَسَدِ یہ کیا ہے؟ جز۔ اور بُرْجَهُ أَيْ بُرْجَ الْأَسَدِ یہ کیا ہے؟ کل۔ یہ کیا ہے؟ کل۔ تو دَرَجَةَ الْأَسَدِ یہ ہے مبدل منہ، اور بُرْجَهُ یہ کیا ہے؟ بدل۔ توجہ بھی ہے کہ نہیں؟ دَرَجَةَ الْأَسَدِ کیا ہے؟ مبدل منہ۔ اور بُرْجَهُ أَيْ بُرْجَ الْأَسَدِ یہ کیا ہے؟ بدل۔ اور مبدل منہ جز ہے بدل کا۔ مبدل منہ جز ہے بدل کا۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو یہ بھی بَدَلُ الْاِشْتِمَال کی مثال ہے جس میں مبدل منہ جز ہے بدل کا۔

تو کہتے ہیں وَيُمْكِنُ أَنْ يُورَدَ لِمِثَالِهِ مِثْلُ رَأَيْتُ دَرَجَةَ الْأَسَدِ بُرْجَهُ، اور ممکن ہے کہ اس کے لیے یہ مثال لائی جائے جیسے کہ رَأَيْتُ دَرَجَةَ الْأَسَدِ بُرْجَهُ، میں نے اسد کا درجہ یعنی اس کا برج دیکھا۔ فَإِنَّهُ لَا مَجَالَ لِهَذِهِ الْمُنَاقَشَةِ فِيهِ، اس لیے کیونکہ

اس مثال کے اندر جو ہے اس مناقشہ کی گنجائش نہیں ہے۔ پہلی مثال میں تو آپ مناقشہ کر سکتے تھے کہ قمر جو ہے وہ فلکِ قمر کا جز نہیں بلکہ اس میں گڑا ہوا ہے اس میں لگا ہوا ہے۔ اور یہاں پر تو یہ دَرَجَةَ الْأَسَدِ وہ جز ہے کس کا؟ اپنے برج کا بھئی۔ تو کہتے ہیں فَإِنَّهُ لَا مَجَالَ لِهَذِهِ الْمُنَاقَشَةِ فِيهِ اس لیے کیونکہ اس مثال کے اندر اس مناقشے کی یعنی اس بحث کی گنجائش نہیں ہے۔ فَإِنَّ الْبُرْجَ عِبَارَةٌ عَنْ مَجْمُوعِ الدَّرَجَاتِ، اس لیے کیونکہ جو برج جو ہے وہ عبارت ہوتا ہے مجموعۂ درجات سے، وہ جو درجات کا مجموعہ ہے تیس درجات کا جو مجموعہ ہے وہ اس کو برج کہتے ہیں۔

وَإِنَّمَا لَمْ يُجْعَلْ، اچھا سوال: سوال یہ کہ اس قسم کو الگ کیوں نہیں بنایا؟ ایک بَدَلُ الْكُلِّ تھا یعنی بَدَلُ الْكُلِّ مِنَ الْكُلِّ، دوسرا بَدَلُ الْبَعْض تھا، نہیں توجہ؟ جَاءَ زَيْدٌ أَخُوكَ، زید اور أَخُوكَ دونوں کا مدلول ایک۔ زید جس پوری ذات پہ دلالت کر رہا ہے أَخُوكَ بھی اسی پوری ذات پر دلالت کر رہا ہے، تو یہ أَخُوكَ بَدَلُ الْكُلِّ ہے۔ اور کس سے آیا؟ کل سے ہی آیا، زید بھی کل اور آگے أَخُوكَ بھی کل، تو کیا کہیں گے بَدَلُ الْكُلِّ مِنَ الْكُلِّ۔ دوسری مثال: ضَرَبْتُ زَيْداً رَأْسَهُ، میں نے زید کو مارا یعنی اس کے سر کو۔ تو رأس زید یہ کیا ہے؟ زید کا جز ہے، تو زید ہوا کل اور رَأْسَهُ ہوا جز، تو یہ بَدَلُ الْبَعْض ہے مِنَ الْكُلِّ کس سے؟ کل سے، یہ کل سے بَدَلُ الْبَعْض آیا ہے۔ اور یہ جو مثال ذکر کی رَأَيْتُ دَرَجَةَ الْأَسَدِ بُرْجَهُ، میں نے درجۂ اسد یعنی اس کا برج دیکھا، یہ پہلا کیا ہے؟ جز۔ اور دوسرا کیا ہے؟ کل۔ تو یوں کہیں گے بَدَلُ الْكُلِّ مِنَ الْبَعْضِ یا بَدَلُ الْكُلِّ عَنِ الْبَعْضِ، بَدَلُ الْكُلِّ عَنِ الْبَعْضِ اس کا نام ہونا چاہیے تھا، یہ الگ قسم ہونی چاہیے تھی، تو یہ الگ قسم کیوں نہیں بنائی؟ یہ ایک الگ قسم ہونی چاہیے تھی، اس کو الگ قسم کیوں نہیں بنایا؟ اب اس کا جواب دینے لگے ہیں۔

وَإِنَّمَا لَمْ يُجْعَلْ هَذَا الْبَدَلُ قِسْماً خَامِساً اور اس بدل کو پانچویں قسم نہیں بنایا گیا بدل کی، وَلَمْ يُسَمَّ بِبَدَلِ الْكُلِّ عَنِ الْبَعْضِ اور اس کا نام بَدَلُ الْكُلِّ عَنِ الْبَعْضِ نہیں رکھا گیا، یعنی الگ قسم بھی نہیں بنایا اور اس کا الگ نام بھی نہیں رکھا، لِقِلَّتِهِ وَنُدْرَتِهِ اس کے قلیل اور نادر ہونے کی وجہ سے۔ کیونکہ یہ والی قسم نہایت قلیل ہے بلکہ نادر ہے بھئی۔ کیا ہے؟ نادر ہے بھئی۔ تو لہٰذا اس لیے اس کو الگ قسم نہیں بنایا گیا۔ بَلْ قِيلَ بلکہ کہا گیا ہے لِعَدَمِ وُقُوعِهِ فِي كَلَامِ الْعَرَبِ کہ یہ کلامِ عرب میں واقع ہی نہیں ہوا بھئی۔ یہ بَدَلُ الْكُلِّ عَنِ الْبَعْضِ یہ کلامِ عرب میں آیا ہی نہیں ہے۔ کہتے ہیں بھئی آیا تو ہے آپ نے مثال ہمیں بتلا دی رَأَيْتُ دَرَجَةَ الْأَسَدِ بُرْجَهُ۔ کہتے ہیں بھئی اس کی جو بھی مثالیں ہیں وہ نحوی علما نے خود بنائی ہیں، کلامِ عرب کے اندر ہمیں اس کی کوئی مثال نہیں ملتی کہ عرب کے فصیح و بلیغ کلام کرنے والے یا شعرا نے اس کو اس قسم کی مثال ذکر کی ہو۔ یہ تو بعد میں نحویوں نے اپنی طرف سے بنا لیں، تو یہ مصنوعی مثالیں ہیں۔ صُنْعٌ کا کیا معنی؟ بنانا، مصنوعی جن کو بنایا گیا ہے۔ تو نحوی حضرات نے ان مثالوں کو بنایا ہے، خود کلامِ عرب میں ہمیں ایسی مثال نہیں ملتی کہ جس میں بَدَلُ الْكُلِّ آئے عَنِ الْبَعْضِ کس سے؟ بعض سے۔

تو کہتے ہیں بَلْ قِيلَ لِعَدَمِ وُقُوعِهِ فِي كَلَامِ الْعَرَبِ بلکہ کہا گیا ہے کہ کلامِ عرب میں واقع نہ ہونے کی وجہ سے، یعنی واقع نہ ہونے کی وجہ سے اس کو الگ قسم بھی نہیں بنایا اور اس کا الگ نام بھی نہیں رکھا گیا، فَإِنَّ هَذِهِ الْأَمْثِلَةَ مَصْنُوعَةٌ اس لیے کیونکہ یہ مثالیں جو ہیں یہ مصنوعی ہیں یعنی ان کو بنایا گیا ہے، نحویوں نے بنایا ہے کلامِ عرب میں ہمیں اس کی مثال نہیں ملتی۔

آگے دیکھیے کہتے ہیں وَالرَّابِعُ، جی متن متن دیکھیے: وَالرَّابِعُ أَنْ تَقْصِدَ إِلَيْهِ بَعْدَ أَنْ غَلِطْتَ بِغَيْرِهِ، وَالرَّابِعُ أَنْ تَقْصِدَ إِلَيْهِ بَعْدَ أَنْ غَلِطْتَ بِغَيْرِهِ۔ اور چوتھی قسم بدل کی جو ہے وہ جو بَدَلُ الْغَلَط ہے، کہ أَنْ تَقْصِدَ إِلَيْهِ کہ آپ اس بدل کا ارادہ کریں، بَعْدَ أَنْ غَلِطْتَ بِغَيْرِهِ بعد اس کے کہ جب آپ نے غلطی کی بِغَيْرِهِ اس کے علاوہ کے ساتھ۔ جَاءَنِي زَيْدٌ عَمْرٌو، میں کیا کہنا چاہتا تھا؟ جَاءَنِي عَمْرٌو، اور میں نے کیا کہا؟ میں نے زید کہا۔ تو دیکھو یہ جو میں عمر یہ جو بَدَلُ الْغَلَط کو لایا، کیوں لایا؟ اس کا میں نے ارادہ کیوں کیا؟ بعد اس کے کہ جب میں نے اس کے علاوہ کے ساتھ غلطی کی تھی، اس کے علاوہ یعنی زید کا لفظ میں لے آیا تھا۔ تو یہ معنی ہے وَالرَّابِعُ أَنْ تَقْصِدَ إِلَيْهِ اور چوتھا بدل جو ہے وہ ہے کہ آپ اس کا ارادہ کریں، بَعْدَ أَنْ غَلِطْتَ بِغَيْرِهِ بعد اس کے کہ جب آپ اس کے علاوہ کے ساتھ غلطی کریں، غَلِطَ يَغْلَطُ باب سَمِعَ سے ہے، بعد اس کے کہ جب آپ اس کے علاوہ کے ساتھ غلطی کریں۔

اب اس کو شرح کے ساتھ دیکھیے۔ وَالرَّابِعُ اور چوتھی قسم جو ہے أَيْ بَدَلُ الْغَلَطِ یعنی جو بَدَلُ الْغَلَط ہے، أَنْ تَقْصِدَ أَيْ أَنْ يَكُونَ بِأَنْ تَقْصِدَ أَنْتَ إِلَيْهِ وہ یہ کہ آپ جو ہیں ارادہ کریں إِلَيْهِ أَيْ إِلَى الْبَدَلِ کس کی طرف؟ بدل کی طرف۔ بھئی متن میں آیا تھا أَنْ تَقْصِدَ، شارحِ جامی فرما رہے ہیں أَنْ يَكُونَ بِأَنْ تَقْصِدَ، ب لے آئے، بتلانا یہ چاہتے ہیں کہ یہاں ب جارہ محذوف ہے متن کے اندر بھئی، بِأَنْ تَقْصِدَ، اور یہ کلامِ عرب میں عام رائج ہے أَنْ اور أَنَّ سے ب جارہ کو حذف کر لیتے ہیں۔ أَنْ اور أَنَّ سے ب جارہ کو حذف کر دیتے ہیں۔ تو کہتے ہیں چوتھی قسم یہ ہے أَنْ تَقْصِدَ أَيْ أَنْ يَكُونَ بِأَنْ تَقْصِدَ أَنْتَ إِلَيْهِ کہ آپ جو ہیں ارادہ کریں إِلَيْهِ أَيْ إِلَى الْبَدَلِ بدل کی طرف، مِنْ غَيْرِ اعْتِبَارِ مُلَابَسَةٍ بَيْنَهُمَا بغیر ملابست کا اعتبار کیے ان دونوں کے درمیان۔ بھئی دیکھیے پہلے لفظ لائے وہ غلطی کی وجہ سے لائے ہیں اور پھر اس کے بعد آپ بَدَلُ الْغَلَط لے کر آئے ہیں، تو یہ جو آپ بَدَلُ الْغَلَط لائے ہیں اس میں اور مبدل منہ میں کوئی تعلق اور مناسبت نہیں ہے کیونکہ وہ تو غلطی کی وجہ سے آپ لائے تھے۔ بات سمجھ میں آ گئی؟ تو بَدَلُ الْغَلَط لاتے ہیں بغیر مناسبت کا اعتبار کیے ہوئے کیونکہ یہاں مناسبت ملحوظ ہی نہیں ہے، یہ تو غلطی کی وجہ سے آپ کو لانا پڑا۔ یہ معنی ہے: آپ ارادہ کرتے ہیں إِلَى الْبَدَلِ بدل کا مِنْ غَيْرِ اعْتِبَارِ مُلَابَسَةٍ بَيْنَهُمَا بغیر ان کے درمیان ملابست اور تعلق کا اعتبار کیے ہوئے، بَعْدَ أَنْ غَلِطْتَ بِغَيْرِهِ أَيْ بِغَيْرِ الْبَدَلِ بعد اس کے کہ آپ غلطی کریں بدل کے علاوہ کے ساتھ، وَهُوَ الْمُبْدَلُ مِنْهُ اور غیرِ بدل کیا ہے؟ وہ مبدل منہ ہے، یعنی وہ جو مبدل منہ میں آپ نے غلطی کی ہے تو اس کی وجہ سے آپ کو یہ بدل لانا پڑا۔ تو آپ نے غلطی کی غیرِ بدل کے ساتھ، اور وہ غیرِ بدل کیا تھا جو آپ نے غلطی کی؟ وہ مبدل منہ ہے۔ یہ معنی ہے بِغَيْرِهِ أَيْ بِغَيْرِ الْبَدَلِ غیرِ بدل کے ساتھ آپ نے غلطی کی، وَهُوَ الْمُبْدَلُ مِنْهُ اور وہ کیا ہے؟

مبدل منہ ہے۔

متن متن آگے دیکھیے بھئی: وَيَكُونَانِ مَعْرِفَتَيْنِ وَنَكِرَتَيْنِ وَمُخْتَلِفَيْنِ، اور بدل اور مبدل منہ دونوں معرفہ بھی ہو سکتے ہیں، دونوں نکرہ بھی ہو سکتے ہیں اور مختلف بھی ہو سکتے ہیں۔ بدل اور مبدل منہ یہ دونوں معرفہ بھی ہو سکتے ہیں، مبدل منہ بھی معرفہ، بدل بھی معرفہ۔ دونوں نکرہ بھی ہو سکتے ہیں، مبدل منہ بھی نکرہ، بدل بھی نکرہ۔ مختلف بھی ہو سکتے ہیں کہ پہلا معرفہ ہو اور دوسرا نکرہ، یا پہلا نکرہ ہو اور دوسرا معرفہ ہو بھئی۔ تو یہ معنی ہے کہ وَيَكُونَانِ مَعْرِفَتَيْنِ اور بدل اور مبدل منہ دونوں جو ہیں مَعْرِفَتَيْنِ معرفہ ہو سکتے ہیں، وَنَكِرَتَيْنِ اور نکرہ ہو سکتے ہیں، وَمُخْتَلِفَيْنِ اور مختلف ہو سکتے ہیں، یعنی دونوں میں سے ایک معرفہ ہو اور ایک نکرہ ہو۔ اب اس کو شرح کے ساتھ دیکھیے۔

وَيَكُونَانِ أَيِ الْبَدَلُ وَالْمُبْدَلُ مِنْهُ یعنی بدل اور مبدل منہ جو ہیں وہ دونوں ہو سکتے ہیں مَعْرِفَتَيْنِ معرفہ بھی، نَحْوُ ضُرِبَ زَيْدٌ أَخُوكَ، ضُرِبَ زَيْدٌ پٹائی کی گئی زید کی أَخُوكَ یعنی آپ کے بھائی کی۔ مبدل منہ کیا؟ زید۔ اب آپ نے مجھے بتانا ہے آگے ساری مثالوں میں، مبدل منہ کیا ہے؟ زید۔ اور بدل کیا ہے؟ أَخُوكَ۔ اور زید بھی معرفہ اور أَخُوكَ یہ أَخٌ مضاف ہو رہا ہے ضمیر کی طرف تو یہ بھی کیا ہے؟ معرفہ، تو دونوں معرفہ ہیں۔ وَنَكِرَتَيْنِ اور دونوں نکرہ بھی ہو سکتے ہیں، نَحْوُ جَاءَنِي رَجُلٌ غُلَامٌ لَكَ، جَاءَنِي رَجُلٌ آیا میرے پاس ایک آدمی غُلَامٌ لَكَ یعنی آپ کا غلام۔ غُلَامٌ نکرہ ہے اور نکرہ کے بعد لَكَ جار مجرور آیا، اور جار مجرور نکرہ کے بعد آئے اور کسی سے نہ جڑ رہا ہو تو وہ اسی کے لیے صفت بنتا ہے، اور صفت ویسے ہی بنے گا یا متعلق کے ساتھ جڑ کر صفت بنے گا؟ متعلق کے ساتھ جڑے گا تو غُلَامٌ لَكَ أَيْ غُلَامٌ ثَابِتٌ لَكَ، ایسا غلام جو آپ کے لیے ثابت ہے یعنی آپ کا ہے۔

توجہ ہے؟ تو غُلَامٌ موصوف اور ثَابِتٌ لَكَ اس کی صفت، اور نکرہ کی صفت آجائے اس سے نکرہ میں تخصیص تو آتی ہے لیکن وہ معرفہ نہیں بنتا بھئی، ابھی بھی وہ نکرہ کا نکرہ ہی ہے۔ تو رَجُلٌ مبدل منہ بھی نکرہ اور غُلَامٌ لَكَ یہ بھی کیا، بدل بھی کیا ہے؟ نکرہ ہے۔ تو یہ مثال ہے جس میں دونوں نکرہ ہیں۔ تو جَاءَنِي رَجُلٌ غُلَامٌ لَكَ اس میں مبدل منہ اور بدل دونوں نکرہ ہیں۔ وَمُخْتَلِفَيْنِ اور کبھی دونوں کیا ہو سکتے ہیں؟ مختلف بھی ہو سکتے ہیں، جیسے نَحْوُ بِالنَّاصِيَةِ نَاصِيَةٍ كَاذِبَةٍ۔ قرآن میں اللہ فرماتے ہیں: لَنَسْفَعاً بِالنَّاصِيَةِ نَاصِيَةٍ كَاذِبَةٍ۔ لَنَسْفَعاً یاد رکھو لَنَسْفَعاً اصل میں ہے لَنَسْفَعَنْ، نون ہے، نون ہے۔ لَنَسْفَعَنْ، سَفَعَ يَسْفَعُ کے معنی ہوتے ہیں بالوں سے پکڑنا کسی کو یا بالوں سے کھینچنا کسی کو، اس کو کیا کہتے ہیں سَفَعَ يَسْفَعُ۔ اور لَنَسْفَعُ یہ جمع متکلم کا صیغہ ہے، اور لَنَسْفَعَنْ یہ نون تاکید کے لیے آیا ہے، نون خفیفہ اور ثقیلہ آپ نے پڑھے ہیں تاکید کے لیے آتے ہیں، لَنَسْفَعَنْ، اور پھر آگے کیا تھا بِالنَّاصِيَةِ، اور آپ نے پڑھا ہے نونِ ساکن کے بعد ب آجائے تو وہ نون کس سے بدل جاتا ہے؟ میم سے، تو لَنَسْفَعَمْ بِالنَّاصِيَةِ۔ توجہ ہے؟ اور قرآن کا رسم الخط اپنا رسم الخط ہے، تو قرآن میں لَنَسْفَعاً الف کے ساتھ لکھا گیا ہے۔ کس کے ساتھ؟ الف کے ساتھ، تو آپ پریشان ہوں گے کہ یہ کون سا صیغہ ہے، تو یاد رکھنا یہ وہی نون خفیفہ ہے جس

کو الف کی صورت میں لکھ دیا گیا ہے بھئی اور عین پر تنوین ڈال دی گئی۔ تو قرآن میں اللہ فرماتے ہیں: لَنَسْفَعاً بِالنَّاصِيَةِ ہم پکڑیں گے ان کو بِالنَّاصِيَةِ پیشانی کے بالوں سے۔ یاد رکھو ناصیہ کہتے ہیں یہ سر کا اگلا حصہ، یہ ماتھے کے اوپر جہاں سر کے بال شروع ہوتے ہیں، تو یہ جو اگلا حصہ ہے پیشانی کے بقدر، یا یوں سمجھیں آپ اپنے ہاتھ کو یہ پیشانی سے اوپر سر کے اگلے حصے پر رکھیں، یہ سارا ناصیہ ہے، یہ جو آپ کے ہاتھ کے نیچے آ گئے بال آ گئے یہ کیا ہے؟ ناصیہ۔ تو اللہ فرما رہے ہیں لَنَسْفَعاً بِالنَّاصِيَةِ ہم ان کو پیشانی کے بالوں سے پکڑیں گے نَاصِيَةٍ كَاذِبَةٍ ایسی ناصیہ جو جھوٹی ہے، جو جھوٹ بولنے والی ہے۔

توجہ ہے؟ تو روایات میں آتا ہے کہ مجرموں کو قیامت کے دن پیشانی کے بالوں اور پاؤں سے پکڑ کر جہنم میں پھینکا جائے گا۔ اللہ ہم سب کی جہنم سے حفاظت فرمائے بھئی۔ تو مجرموں کو کہاں سے پکڑا جائے گا؟ پیشانی کے بالوں سے اور پاؤں سے پکڑ کر جہنم میں پھینکا جائے گا۔ پاؤں سے تو اس لیے پکڑا جائے گا کہ انسان پاؤں کے ذریعے گناہ کی طرف چل کر جاتا ہے گناہ کرنے کے لیے۔ اور یہ پیشانی کے بالوں سے کیوں پکڑا جائے گا؟ یاد رکھیے آج آپ کو میں اس کی سائنسی وجہ بتلاتا ہوں۔ وجہ یہ ہے: یہ پورے سر کے اندر دماغ ہے اور اس کے مختلف حصے ہیں، ایک آگے والا حصہ ہے ناصیہ میں، ایک درمیان والا حصہ ہے سر کے اوپر، اور ایک آخری حصہ ہے گردن کی طرف پیچھے کی جانب، تو یہ دماغ کے مختلف حصے ہیں۔ اور ان میں سے یہ جو آگے والا حصہ ہے جو ناصیہ کے نیچے دماغ والا حصہ ہے، یہ سائنسدان کہتے ہیں کہ جو انسان کے ذہن میں جو بھی ارادے بنتے ہیں یہ سارے ارادے یہ سر کے اگلے حصے میں بنتے ہیں۔ تو معلوم ہوا گناہوں کے جو خیالات بھی آتے ہیں یہ سر کے اگلے حصے میں خیالات آتے ہیں اور یہ ارادے بنتے ہیں بھئی، جو انسان کو گمراہی کی طرف لے جاتے ہیں۔ اللہ ہم سب کی حفاظت فرمائے۔ تو چونکہ دماغ کا یہ حصہ ہے جو گناہوں پر انسان کو اکساتا ہے اور گناہوں کے منصوبے بناتا ہے اور گناہوں کی طرف انسان کو لے جاتا ہے، تو اس لیے انسان کو اس پیشانی کے بالوں سے بھی پکڑا جائے گا اور اسی طرح اس کو قدموں سے بھی پکڑا جائے گا اور جہنم میں پھینکا جائے گا۔

بِالنَّاصِيَةِ نَاصِيَةٍ كَاذِبَةٍ کہ مجرموں کو ہم پکڑیں گے بِالنَّاصِيَةِ پیشانی کے بالوں سے یعنی سر کے اگلے حصے کے بالوں سے، نَاصِيَةٍ كَاذِبَةٍ ایسی ناصیہ كَاذِبَةٍ جو جھوٹی ہے یعنی خطاکار ہے، خطا کرنے، گناہ کرنے والی ہے۔ معنی سمجھ میں آیا؟ كَاذِبَة کا کیا معنی؟ جھوٹی۔ مراد کیا ہے؟ خطاکار ہے، گناہ کرنے والی ہے۔ تو دیکھو یہاں آیا بِالنَّاصِيَةِ، یہ النَّاصِيَة دیکھو معرف باللام ہے اور یاد رکھو یہ مبدل منہ ہے، اور آگے نَاصِيَةٍ یہ بدل ہے، یہ کیا ہے؟ بدل، اور نَاصِيَةٍ موصوف ہے اور كَاذِبَةٍ اس کی صفت ہے، تو یہ بدل کی صفت ہے كَاذِبَةٍ۔ النَّاصِيَة الف لام کے ساتھ یہ کیا ہے؟ مبدل منہ، اور نَاصِيَةٍ یہ کیا ہے؟ بدل ہے۔ توجہ ہے؟ یہ بدل ہے، اور دیکھو مبدل منہ ہے معرفہ اور بدل جو ہے نَاصِيَةٍ وہ نکرہ ہے بھئی۔ بات سمجھ میں آ گئی؟ تو دیکھو بدل اور مبدل منہ تعریف اور تنکیر میں مختلف ہیں ایک دوسرے سے۔ وَجَاءَ رَجُلٌ غُلَامُ زَيْدٍ، جَاءَ رَجُلٌ آیا ایک آدمی غُلَامُ

مُ زَيْدٍ یعنی کہ زید کا غلام۔ تو رَجُلٌ کیا ہے؟ مبدل منہ، اور غُلَامُ زَيْدٍ یہ مضاف مضاف الیہ مل کر بدل اور یہ معرفہ ہے۔ مبدل منہ ہے نکرہ، اور بدل ہے معرفہ۔ پچھلی مثال میں بِالنَّاصِيَةِ نَاصِيَةٍ كَاذِبَةٍ وہاں مبدل منہ معرفہ تھا اور بدل نکرہ تھا، اور یہاں مبدل منہ نکرہ ہے اور بدل معرفہ ہے، تو دونوں کی مثالیں صاحبِ جامی نے ذکر فرما دیں۔

آگے دیکھیے کہتے ہیں وَإِذَا كَانَ الْبَدَلُ نَكِرَةً مُبْدَلَةً مِنْ مَعْرِفَةٍ فَالنَّعْتُ۔ متن متن دیکھیے کہتے ہیں: وَإِذَا كَانَ نَكِرَةً مِنْ مَعْرِفَةٍ فَالنَّعْتُ، اور جب نکرہ جو ہے وہ بدل بنے مِنْ مَعْرِفَةٍ کس سے؟ معرفہ سے، فَالنَّعْتُ أَيْ فَالنَّعْتُ وَاجِبٌ تو پھر صفت کا لانا واجب ہے۔

ادھر دیکھیے بھئی، پہلے جو آئے وہ کہلاتا ہے مبدل منہ، جو بعد میں آئے وہ کیا کہلاتا ہے؟ بدل۔ اور اصل مقصود کیا ہے؟ بدل۔ لہٰذا بدل کو اعلیٰ ہونا چاہیے۔ بدل کو کیا ہونا چاہیے؟ اعلیٰ۔ لہٰذا اگر مبدل منہ ہو نکرہ اور بدل کیا ہو؟ معرفہ، تو بدل ہی تو مقصود ہے تو وہ اعلیٰ ہوا، تو یہ صورت تو ٹھیک ہے۔ لیکن اگر مبدل منہ ہو معرفہ اور بدل ہو نکرہ تو یہ تو مقصود ادنیٰ ہو گیا۔ مقصود ادنیٰ ہو گیا۔ تو اس صورت میں پھر بدل کی صفت لانا واجب ہے۔ اس صورت میں بدل کی صفت لانا واجب ہے، اسی لیے آپ نے اوپر مثال پڑھی: بِالنَّاصِيَةِ نَاصِيَةٍ كَاذِبَةٍ۔ النَّاصِيَة یہ کیا ہے؟ مبدل منہ، اور یہ غیرِ مقصود۔ اور نَاصِيَةٍ یہ کیا ہے؟ بدل، اور یہ مقصود ہے اور یہ نکرہ ہے۔ تو غیرِ مقصود اعلیٰ ہوا اور مقصود ادنیٰ ہوا، تو لہٰذا اس کی صفت لانا واجب ہے اسی لیے نَاصِيَةٍ کی صفت كَاذِبَةٍ لائی گئی۔ بات سمجھ میں آگئی؟ اور یاد رکھنا یہ صرف بَدَلُ الْكُلِّ میں ہے یہ ضابطہ۔ بَدَلُ الْكُلِّ مِنَ الْكُلِّ جب بھی آئے گا اگر مبدل منہ ہے معرفہ اور بدل کیا ہے؟ نکرہ، تو پھر اس نکرہ کی صفت لانا واجب ہے۔ ضابطہ سمجھ میں آیا؟ کیا ضابطہ ہوا؟ اگر مبدل منہ ہو معرفہ اور بدل کیا ہو؟ نکرہ، تو مبدل منہ تو غیرِ مقصود ہے اور بدل مقصود ہے، تو مقصود کا ادنیٰ ہونا لازم آئے گا، لہٰذا اس صورت میں بدل کی صفت لانا واجب ہے۔ اسی لیے نَاصِيَةٍ كَاذِبَةٍ یہ صفت لائی گئی ناصیہ کی بھئی۔

تو کہتے ہیں وَإِذَا كَانَ نَكِرَةً مِنْ مَعْرِفَةٍ فَالنَّعْتُ، اور جب بدل جو ہے وہ نکرہ ہو مِنْ مَعْرِفَةٍ معرفہ سے، فَالنَّعْتُ أَيْ فَالنَّعْتُ وَاجِبٌ تو صفت واجب ہے۔ فَالنَّعْتُ یہ نعت مبتدا ہے اور وَاجِبٌ اس کی خبر محذوف ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ آگے دیکھیے متن متن: مِثْلُ بِالنَّاصِيَةِ نَاصِيَةٍ كَاذِبَةٍ، جیسے کہ، جیسے کہ اس مثال میں ہے، النَّاصِيَة یہ مبدل منہ ہے اور نَاصِيَةٍ آگے نکرہ بدل آرہا ہے، اور تو اس کی صفت كَاذِبَةٍ لائی گئی بھئی۔

اب اس کو شرح کے ساتھ دیکھیے: وَإِذَا كَانَ الْبَدَلُ نَكِرَةً اور جب بدل جو ہے وہ نکرہ ہو مُبْدَلَةً مِنْ مَعْرِفَةٍ جس کو بدل بنایا گیا ہے مِنْ مَعْرِفَةٍ کس سے؟ معرفہ سے، فَالنَّعْتُ أَيْ نَعْتُ الْبَدَلِ النَّكِرَةِ وَاجِبٌ تو وہ بدل جو نکرہ ہے اس کی صفت واجب ہے، لِئَلَّا يَكُونَ الْمَقْصُودُ أَنْقَصَ مِنْ غَيْرِ الْمَقْصُودِ مِنْ كُلِّ وَجْهٍ، لِئَلَّا يَكُونَ الْمَقْصُودُ أَنْقَصَ تاکہ کہیں وہ جو مقصود ہے وہ ناقص نہ ہو جائے مِنْ غَيْرِ الْمَقْصُودِ کس کے مقابلے میں؟ غیرِ مقصود یعنی متبوع کے مقابلے میں، مِنْ كُلِّ وَجْهٍ ہر اعتبار سے۔

ہر اعتبار سے کہیں ناقص نہ ہو جائے۔ بھئی ہر اعتبار سے ناقص کیا مطلب؟ معنی یہ ہے کہ مبدل منہ وہ ہے معرفہ اور بدل ہے نکرہ، تو ایک تو جو مقصود ہے اس کو پہلے آنا چاہیے تھا لیکن یہاں پر مبدل منہ جو غیرِ مقصود ہے اس کو پہلے لایا گیا اور بدل کو بعد میں، پھر مبدل منہ کو معرفہ بھی لے آئے اور بدل کو نکرہ بھی لے آئے، تو گویا ہر اعتبار سے ہی آپ نے مقصود کو کیا کر دیا؟ ناقص کر دیا۔ تقدیم کے اندر بھی مؤخر کر دیا اور تعریف و تنکیر میں بھی اس کو کم درجہ دیا۔

تو کہتے ہیں لِئَلَّا يَكُونَ الْمَقْصُودُ أَنْقَصَ مِنْ غَيْرِ الْمَقْصُودِ مِنْ كُلِّ وَجْهٍ تاکہ کہیں وہ جو مقصود ہے وہ ناقص نہ ہو جائے مِنْ غَيْرِ الْمَقْصُودِ غیرِ مقصود کے مقابلے میں مِنْ كُلِّ وَجْهٍ ہر اعتبار سے، فَأَتَوْا فِيهِ بِصِفَةٍ تو لہٰذا اس کے اندر صفت لے کر آئے اس بدل میں تَكُونُ كَالْجَابِرِ اور یہ صفت جو ہے جبیرہ بن جائے گی، تلافی کرنے کی طرح ہو جائے گی۔ مبدل منہ معرفہ تھا اور بدل نکرہ تھا تو اس کی صفت لائی گئی، تو صفت لانے سے بدل کے اندر تخصیص آ گئی، اور تخصیص کی وجہ سے وہ معرفہ تو نہ بنا لیکن معرفہ کے قریب ہو گیا، اور قَرِيبٌ إِلَى الشَّيْءِ فِي حُكْمِ الشَّيْءِ ہوتی ہے۔ تو گویا آپ نے اس کمی کی تلافی کر دی، گویا اس کو معرفہ ہی بنا دیا یوں سمجھو، کیونکہ قَرِيبٌ إِلَى الشَّيْءِ فِي حُكْمِ الشَّيْءِ ہوتی ہے۔ کیا بات ہوئی؟ غیرِ مقصود مبدل منہ معرفہ تھا اور بدل کیا لے آئے؟ نکرہ، تو پھر اس کی صفت لائی جائے گی، صفت کی وجہ سے اس بدلِ نکرہ کے اندر کیا آ جائے گی؟ تخصیص، اور تخصیص کی وجہ سے یہ بدل معرفہ تو نہ بنا لیکن معرفہ کے قریب ہو گیا، اور قَرِيبٌ إِلَى الشَّيْءِ فِي حُكْمِ الشَّيْءِ ہوتی ہے، تو گویا آپ نے اس کو معرفہ ہی ایک لحاظ سے بنا دیا، تو وہ جو کمی تھی وہ جو نقصان تھا آپ نے اس کی تلافی کر دی۔ کس کے ذریعے؟ اس صفت کے ذریعے، تو یہ صفت جابر ہے، یعنی تلافی کرنے والی ہے۔ جابر کا کیا معنی؟ تلافی کرنے والی ہے، جبیرہ بننے والی ہے۔ بھئی دیکھو جبیرہ، جبیرہ کہتے ہیں وہ جو ٹوٹی ہوئی ہڈی کو درست کرنے کے لیے اس کو سیدھا کرنے کے لیے اس پر جو وہ پٹیاں باندھی جاتی ہیں لکڑی کی تختیوں کے ساتھ، لکڑی کی باریک باریک تختیاں ساتھ باندھی جاتی ہیں، اس کو جبیرہ کہتے ہیں۔ تو جیسے اس کے ذریعے ٹوٹی ہوئی ہڈی کی اصلاح ہوتی ہے، تو یہاں پر بھی جو صفت لائی جائے گی اس صفت کے ذریعے وہ جو، وہ جو بدل کے اندر کمی تھی نکرہ ہونے کی وہ اس صفت کی وجہ سے اس کی اصلاح ہو جائے گی یعنی اس میں اس کی کچھ نہ کچھ تلافی ہو جائے گی۔ بات سمجھ میں آ گئی؟ تو جابر جس کے ذریعے درستگی ہو جائے، جس کے ذریعے اصلاح ہو جائے۔

فَأَتَوْا فِيهِ بِصِفَةٍ تو اس کے اندر پھر عرب جو ہے وہ صفت لے کر آئے تَكُونُ كَالْجَابِرِ تاکہ وہ صفت جو ہے وہ درستگی کرنے والی ہو اصلاح کرنے والی ہو لِمَا فِيهِ مِنْ نَقْصِ النَّكَارَةِ اس چیز کی جو اس کے اندر ہے یعنی نکرہ ہونے کا نقصان، وہ جو اس کے اندر نکرہ ہونے کا نقصان تھا تاکہ اس کی تلافی ہو جائے اس کی اصلاح ہو جائے بھئی۔ مِثْلُ بِالنَّاصِيَةِ نَاصِيَةٍ كَاذِبَةٍ جیسے بِالنَّاصِيَةِ نَاصِيَةٍ كَاذِبَةٍ یہ ناصیہ کی صفت كَاذِبَةٍ اسی لیے لائی گئی بھئی۔

وَيَكُونَانِ ظَاهِرَيْنِ، جی اب متن متن دیکھیے: وَيَكُونَانِ ظَاهِرَيْنِ وَمُضْمَرَيْنِ وَمُخْتَلِفَيْنِ، اور یہ بدل اور مبدل منہ دونوں

اسمِ ظاہر بھی ہو سکتے ہیں، اور دونوں ضمیریں بھی ہو سکتی ہیں، اور دونوں مختلف بھی ہو سکتے ہیں کہ دونوں میں سے ایک ضمیر ہو اور دوسرا اسمِ ظاہر ہو۔ وَلَا يُبْدَلُ ظَاهِرٌ مِنْ مُضْمَرٍ بَدَلَ الْكُلِّ إِلَّا مِنَ الْغَائِبِ، اور بدل جو ہے اسمِ ظاہر کو نہیں لایا جاتا مِنْ مُضْمَرٍ ضمیر سے بَدَلَ الْكُلِّ کون سا بدل؟ بَدَلُ الْكُلِّ۔ توجہ ہے؟ دیکھیے پہلے ضمیر آئی اور یہ ضمیر جو ہے مبدل منہ ہے، اور آگے آپ اس سے بدل لانا چاہتے ہیں، اور بدل کس کو لاتے ہیں؟ بدل اسمِ ظاہر کو آپ لانا چاہتے ہیں۔ تو یاد رکھو اس صورت میں یہ ضمیر غائب کی ہونا ضروری ہے، مخاطب یا متکلم کی ضمیر سے آپ اسمِ ظاہر کو بدل نہیں بنا سکتے۔ آپ اسمِ ظاہر کو بدل بنانا چاہتے ہیں کس سے؟ ضمیر سے، تو وہ ضمیر کون سی ہونی چاہیے؟ غائب کی ہونی چاہیے، متکلم اور مخاطب کی ضمیر نہیں ہونی چاہیے۔ بھئی کیوں؟ کیا وجہ ہے؟ وجہ یہ ہے کہ اگر مبدل منہ ضمیر ہے اور بدل آپ لائے اسمِ ظاہر، اصل مقصود کیا ہوتا ہے؟ بدل، یعنی وہ اسمِ ظاہر معلوم ہوا مقصود ہے۔ اور یاد رکھنا آپ پڑھ چکے ہیں میں نے آپ کو بتلایا تھا کہ معرفہ کی جو اقسام ہیں ان میں سب سے زیادہ تعریف ضمیروں میں ہوتی ہے۔ سب سے زیادہ تعریف ضمیروں کے اندر ہوتی ہے، اس کے بعد عَلَم وغیرہ باقی چیزوں کا درجہ ہے، تو سب سے پہلا درجہ تعریف کے اندر ضمیروں کا ہے۔ اور پھر ضمیروں کے اندر بھی سب سے زیادہ تعریف متکلم کی ضمیر میں ہوتی ہے، انسان سب سے زیادہ اپنے آپ کو پہچانتا ہے۔ اس کے بعد مخاطب کی ضمیر کا درجہ ہے، اور غائب کی ضمیر کا تیسرا درجہ ہے۔ توجہ ہے؟ اور یاد رکھو جو اسمِ ظاہر ہوتا ہے یہ بھی غائب کے درجے میں ہے۔ یہ بھی ضمیرِ غائب کے درجے میں ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ کیونکہ متکلم اپنے بارے میں بھی ضمیر استعمال کرتا ہے کہ میں آج بازار گیا تھا، میں نے یہ کام کیا، میں نے وہ کام کیا، بات سمجھ میں آرہی ہے؟ نام نہیں لیتا، مثلاً متکلم کا نام زید ہے وہ یوں نہیں کہے گا زید آج بازار گیا تھا، زید نے یہ کیا، زید نے وہ کیا، نہیں وہ اپنے لیے ضمیر لائے گا میں نے یوں کیا۔ مخاطب کا بھی نام نہیں لیا جاتا، اس کے لیے بھی ضمیر استعمال کی جاتی ہے آپ کا کیا حال ہے، آپ کیا کر رہے ہیں، آپ کہاں گئے ہوئے تھے؟ توجہ ہے؟ ہاں غائب کا نام لیا جاتا ہے اور پھر ایک دفعہ نام لینے کے بعد پھر اس کے لیے ضمیر لائی جاتی ہے۔ تو اسمِ ظاہر کس کے درجے میں ہے؟ غائب کے درجے میں ہے، کیونکہ متکلم اور مخاطب کے لیے ضمیر استعمال کی جاتی ہے۔

تو اب آپ ضمیر سے اسمِ ظاہر کو بدل بنانا چاہتے ہیں۔ اگر آپ ضمیر لے آئے متکلم کی اور اسمِ ظاہر کو بدل بنایا تو اسمِ ظاہر کا درجہ تو متکلم کی ضمیر سے کم درجے کا ہے، تو یہ تو مقصود کیا ہو جائے گا؟ ناقص ہو جائے گا۔ اور یا اسی طرح اگر آپ مخاطب کی ضمیر لائے ہیں مبدل منہ اور آگے اسمِ ظاہر کو اس سے بدل بنانا چاہتے ہیں، تو بھی اس صورت میں بدل کا درجہ کیا ہو جائے گا؟ جو مقصود ہے وہ کم درجے کا ہو جائے گا۔ لہٰذا جب بھی آپ ضمیر سے اسمِ ظاہر کو بدل بنانا چاہیں تو وہ ضمیر غائب کی ہونی چاہیے کیونکہ اسمِ ظاہر بھی اسی غائب کے درجے میں ہے۔ یہ معنی ہے: وَلَا يُبْدَلُ ظَاهِرٌ مِنْ مُضْمَرٍ بَدَلَ الْكُلِّ

اور ضمیر سے اسمِ ظاہر کو بَدَلُ الْكُلّ نہیں لایا جاتا إِلَّا مِنَ الْغَائِبِ مگر غائب کی ضمیر سے، نَحْوُ ضَرَبْتُهُ زَيْداً۔ یہ ضَرَبْتُهُ یہ ہا ضمیر یہ مبدل منہ اور زَيْداً اس سے بدل۔ ضَرَبْتُهُ کون سی ضمیر ہے؟ مفعول کی، منصوب ہے اسی لیے زَيْداً بدل بھی کیا ہے؟ منصوب ہے۔ اور یہ ضَرَبْتُهُ کی ضمیر پیچھے مثلاً أَخُوكَ کا لفظ آیا تھا، ضَرَبْتُهُ پیچھے کیا آیا تھا؟ مثلاً جملے یہیں پر أَخُوكَ کا لفظ ملا لو: أَخُوكَ ضَرَبْتُهُ زَيْداً، أَخُوكَ آپ کا بھائی ضَرَبْتُهُ یہ ہا ضمیر کس کو راجع؟ أَخُوكَ کو راجع، ضَرَبْتُهُ میں نے آپ کے بھائی کی پٹائی کی زَيْداً یعنی کہ زید کی۔ تو ضمیر سے اسمِ ظاہر کو بدل بنایا اور ضمیر غائب کی ہے بھئی۔

اب اس سارے کو شرح کے ساتھ دیکھیے: کہتے ہیں وَيَكُونَانِ ظَاهِرَيْنِ اور بدل اور مبدل منہ دونوں اسمِ ظاہر ہو سکتے ہیں، نَحْوُ جَاءَنِي زَيْدٌ أَخُوكَ۔ زَيْدٌ کیا ہے؟ مبدل منہ، أَخُوكَ یہ کیا ہے؟ بدل، اور دونوں اسمِ ظاہر ہیں دونوں میں سے ایک بھی ضمیر نہیں۔ وَمُضْمَرَيْنِ اور دونوں ضمیریں بھی ہو سکتی ہیں بدل اور مبدل منہ، نَحْوُ مثال کے طور پر: اَلزَّيْدُونَ لَقِيتُهُمْ إِيَّاهُمْ، اَلزَّيْدُونَ لَقِيتُهُمْ إِيَّاهُمْ بھئی۔ توجہ ہے؟ وہ سب زید اَلزَّيْدُونَ وہ سب زید لَقِيتُهُمْ میں نے ان سب سے ملاقات کی إِيَّاهُمْ وہ سب۔ توجہ سے سمجھ لو اس مثال کو ورنہ پھر آپ بعد میں پریشان ہوں گے۔ یاد رکھو یہ هُمْ ضمیر، ان میں سے ایک ضمیر اَلزَّيْدُونَ کو راجع ہے، هُمْ راجع کر لو یا إِيَّاهُمْ۔ دونوں ضمیریں اَلزَّيْدُونَ کو راجع نہیں ہو سکتیں۔ اگر دونوں ہی اَلزَّيْدُونَ کو راجع ہیں تو پھر یہ إِيَّاهُمْ تاکید بن جائے گی هُمْ ضمیر کے لیے۔ لَقِيتُ فعل با فاعل ہے، توجہ سے عبارت پہ نظر رکھو، لَقِيتُ فعل با فاعل ہے، ت ضمیر یہ فاعل ہے اور هُمْ ضمیر جو ساتھ جڑی ہوئی ہے یہ ضمیرِ منصوب متصل ہے، اور إِيَّاهُمْ یہ منصوب منفصل ہے۔ تو اگر دونوں ضمیریں زید کو راجع ہیں تو یہ تو دوسری ضمیر پہلی کے لیے تاکید بن جائے گی کیونکہ آپ نے پڑھا ہے ایک لفظ کو جب دوبارہ ذکر کیا جائے تو یہ اس کی کیا کہلاتی ہے؟ تاکید۔ توجہ ہے؟ لہٰذا یاد رکھنا یہاں علما، محشی حضرات فرماتے ہیں کہ یہاں مثال کے اندر إِخْوَة کا ذکر بھی ہونا چاہیے تھا، مثال یوں ہونی چاہیے تھی: اَلزَّيْدُونَ إِخْوَتُكَ، اے مخاطب اَلزَّيْدُونَ إِخْوَتُكَ وہ سب زید آپ کے بھائی ہیں، أَخ کی جمع کیا؟ إِخْوَة، اَلزَّيْدُونَ وہ سب زید إِخْوَتُكَ آپ کے بھائی ہیں، لَقِيتُهُمْ میں نے ان سب زیدوں سے ملاقات کی إِيَّاهُمْ وہ جو آپ کے بھائی ہیں۔ تو ایک هُمْ ضمیر کس کو لوٹاؤ؟ زید کو، اور دوسری إِيَّاهُمْ کس کو لوٹاؤ؟ إِخْوَة کو۔ توجہ ہے؟ زید پہلے ہے تو

هُمْ ضمیر پہلی اس کو لوٹا دو، اور اگر إِخْوَة پہلے تھا تو پہلی ضمیر اس کو لوٹا دو، إِخْوَتُكَ الزَّيْدُونَ یوں بھی کہہ سکتے ہیں: آپ کے بھائی وہ سب زید ہیں۔ توجہ ہے؟ جی، تو بہرحال ایک ضمیر اَلزَّيْدُونَ کو لوٹائیں گے اور دوسری ضمیر إِخْوَة کو لوٹائیں گے، اب تاکید نہیں، کیونکہ ایک ضمیر اور چیز کو لوٹ رہی ہے اور دوسری ضمیر دوسری چیز کو لوٹ رہی ہے، البتہ دونوں کا مدلول ایک ہی ہے، دونوں کا مدلول ایک۔ إِخْوَتُكَ یہ جن ذاتوں پر دلالت کر رہے ہیں اَلزَّيْدُونَ بھی انہی ذاتوں پر دلالت کر رہے ہیں تو دونوں کا مدلول ایک ہے۔ یہ مثال سمجھ میں آگئی؟ تو یہ طلبہ پریشان ہوتے ہیں کہ یہ تو تاکید لگ رہی ہے بھئی آپ ہمیں، ہم ابھی تاکید پڑھ کر آئے ہیں تو یہ بھی تاکید لگ رہی ہے۔ میں نے بتلایا کہ دونوں کا مرجع الگ الگ ہے۔ لہٰذا محشی حضرات فرماتے ہیں کہ شارحِ جامی کو یوں کہنا چاہیے تھا: اَلزَّيْدُونَ إِخْوَتُكَ لَقِيتُهُمْ إِيَّاهُمْ۔ تو پہلی لَقِيتُهُمْ یہ هُمْ ضمیر اَلزَّيْدُونَ کو راجع،

اور دوسری إِيَّاهُمْ ضمیر إِخْوَتُكَ کو راجع کر دیں۔ اب دونوں ضمیروں کا مرجع الگ الگ، اب یہ تاکید نہیں بن سکتیں، اب یہ بدل اور مبدل منہ ہی بنیں گی۔

آگے دیکھیے وَمُخْتَلِفَيْنِ، یا وہ دونوں کیا ہوں گے؟ مختلف ہوں گے بدل اور مبدل منہ، یعنی ایک ضمیر ہو گا اور دوسرا اسمِ ظاہر۔ نَحْوُ أَخُوكَ ضَرَبْتُهُ زَيْداً، أَخُوكَ آپ کا جو بھائی ہے ضَرَبْتُهُ میں نے اس کی پٹائی کی زَيْداً یعنی زید کی۔ تو ضَرَبْتُهُ کی ہا ضمیر کس کو راجع؟ پیچھے جو أَخُوكَ آیا۔ اور زَيْداً اس کا نام ہے تو یہ اس کے لیے کیا بن گیا؟ بدل۔ تو مبدل منہ کیا ہے؟ ضمیر۔ اور زَيْداً اسمِ ظاہر کیا ہے؟ بدل۔ اگلی مثال میں اس کا عکس ہو گا، مبدل منہ اسمِ ظاہر ہو گا اور بدل ضمیر ہو گی۔ جیسے دیکھو: وَأَخُوكَ اور آپ کا جو بھائی ہے ضَرَبْتُ زَيْداً إِيَّاهُ، میں نے پٹائی کی زید کی إِيَّاهُ یعنی آپ کے بھائی کی۔ یہ إِيَّاهُ ضمیر لوٹ رہی ہے أَخُوكَ جو پیچھے گزرا۔ تو زَيْداً یہ مبدل منہ اور إِيَّاهُ یہ بدل، اور یہ ضمیر کس کو لوٹ رہی ہے؟ أَخُوكَ کو۔ وَأَخُوكَ ضَرَبْتُ زَيْداً إِيَّاهُ، آپ کا بھائی کہ پٹائی کی میں نے زید کی یعنی آپ کے بھائی کی۔ تو اسمِ ظاہر کیا ہے؟ مبدل منہ، اور ضمیر کیا ہے؟ بدل ہے۔

آگے دیکھیے: وَلَا يُبْدَلُ ظَاهِرٌ مِنْ مُضْمَرٍ بَدَلَ الْكُلِّ اور ضمیر سے اسمِ ظاہر کو بَدَلُ الْكُلّ نہیں لایا جائے گا إِلَّا مِنَ الْغَائِبِ مگر ضمیرِ غائب سے، نَحْوُ ضَرَبْتُهُ زَيْداً، نَحْوُ ضَرَبْتُهُ زَيْداً أَيْ أَخُوكَ ضَرَبْتُهُ زَيْداً، یہاں أَخُوكَ بھی ہونا چاہیے بھئی، تو ضَرَبْتُهُ کی ہا ضمیر أَخُوكَ کو راجع ہو گی۔ أَخُوكَ ضَرَبْتُهُ آپ کا بھائی کہ میں نے آپ کے بھائی کی پٹائی کی زَيْداً یعنی کہ زید کی۔ لِأَنَّ الْمُضْمَرَ الْمُتَكَلِّمَ وَالْمُخَاطَبَ أَقْوَى وَأَخَصُّ دَلَالَةً مِنَ الظَّاهِرِ، اس لیے کیونکہ متکلم اور مخاطب کی جو ضمیر ہے أَقْوَى وہ زیادہ قوی ہے وَأَخَصُّ اور وہ زیادہ خاص ہے دَلَالَةً دلالت کے اعتبار سے مِنَ الظَّاهِرِ کس کے مقابلے میں؟ اسمِ ظاہر کے مقابلے میں۔ فَلَوْ أُبْدِلَ الظَّاهِرُ مِنْهُمَا اگر اسمِ ظاہر کو بدل لایا جائے ان دونوں سے بَدَلَ الْكُلِّ کون سا بدل؟ بَدَلُ الْكُلّ لایا جائے، يَلْزَمُ تو لازم آئے گا أَنْ يَكُونَ الْمَقْصُودُ أَنْقَصَ مِنَ غَيْرِ الْمَقْصُودِ کہ وہ جو مقصود ہے وہ کم درجے کا ہو جائے غیرِ مقصود کے مقابلے میں مَعَ كَوْنِ مَدْلُولَيْهِمَا وَاحِداً باوجود اس کے کہ دونوں کا مدلول ایک ہے۔ مدلول دونوں کا ایک ہے، دونوں ایک ہی ذات پر دلالت کر رہے ہوں گے، لیکن جو مقصود ہے اس کا درجہ غیرِ مقصود سے کم ہو جائے گا اور یہ، یہ صحیح نہیں ہے بھئی۔ اور یہ کس میں ہو گا صرف؟ بَدَلُ الْكُلّ میں، کیونکہ جو ضمیر کا مدلول وہی اسمِ ظاہر یعنی بدل کا۔ مبدل منہ کیا ہے؟ مثلاً متکلم یا مخاطب کی ضمیر، اور بدل کیا ہے؟ اسمِ ظاہر، اور دونوں ایک ہی ذات پر دلالت کر رہے ہیں۔ دونوں ایک ہی ذات پر دلالت کر رہے ہیں۔ تو لہٰذا اس کے اندر پھر مقصود کو اعلیٰ ہونا چاہیے یعنی بدل کو، لیکن وہ تو کم درجے کا ہے، ضمیر اس سے اعلیٰ ہے تعریف کے اندر۔ تو دونوں کا جب مدلول ایک ہو تو پھر اس وقت اسمِ ظاہر کا ناقص ہونا سمجھ میں آئے گا۔ توجہ نہیں ہے، توجہ نہیں ہے، اسمِ ضمیر مثلاً متکلم کی ضمیر ہے، کیا ہے؟ متکلم کی ضمیر ہے، اور متکلم کی ضمیر سے پورا متکلم مراد ہے، آگے اسمِ ظاہر آیا اس سے بھی پورا متکلم مراد ہے، تو اب دیکھو ضمیر جو ہے وہ مبدل منہ ہے وہ اعلیٰ درجے کی، اور اسمِ ظاہر

جو بدل بن رہا ہے وہ کم درجے کا ہے، اور پتا کیسے چل رہا ہے کہ کم درجے کا ہے؟ کیونکہ دونوں کا مدلول ایک ہے۔ جب دونوں کا مدلول ایک ہے اب پتا چلے گا کہ ایک میں نقصان ہے ایک میں نقصان نہیں ہے۔ اگر دونوں کا مدلول ہی الگ الگ ہو پھر تو کمی نقصان کا نہیں پتا چل سکتا، ایک لفظ کسی چیز پہ دلالت کر رہا ہے دوسرا لفظ دوسری چیز پہ دلالت کر رہا ہے، پھر تو ہمیں نہیں پتا چل سکتا کہ کون سا اعلیٰ درجے کا ہے کون سا کم درجے کا۔ تو یہ کمی صرف کس وقت ظاہر ہو گی؟ جب دونوں کا مدلول ایک ہو اور وہ صرف بَدَلُ الْكُلّ میں ہوتا ہے۔ بَدَلُ الْكُلّ میں، بَدَلُ الْبَعْض میں بھی نہیں دونوں کا مدلول ایک نہیں ہوتا، بَدَلُ الْاِشْتِمَال میں بھی دونوں کا مدلول ایک نہیں ہوتا اور بَدَلُ الْغَلَط میں بھی نہیں ہوتا۔ بات سمجھ میں آ گئی؟

تو کہتے ہیں فَلَوْ أُبْدِلَ الظَّاهِرُ مِنْهُمَا بَدَلَ الْكُلِّ اگر ان دونوں ضمیروں سے یعنی متکلم اور مخاطب کی ضمیر سے بدل لایا جائے بَدَلُ الْكُلِّ بھئی، يَلْزَمُ أَنْ يَكُونَ الْمَقْصُودُ أَنْقَصَ مِنَ غَيْرِ الْمَقْصُودِ تو لازم آئے گا کہ وہ جو مقصود ہے وہ کم درجے کا ہو جائے غیرِ مقصود کے مقابلے میں، مَعَ كَوْنِ مَدْلُولَيْهِمَا وَاحِداً باوجود اس کے کہ دونوں کے مدلول جو ہیں وہ ایک ہی چیز ہے۔ بِخِلَافِ بَدَلِ الْبَعْضِ وَالْاِشْتِمَالِ وَالْغَلَطِ بخلاف بَدَلُ الْبَعْض، بَدَلُ الْاِشْتِمَال اور بَدَلُ الْغَلَط کے، فَإِنَّ الْمَانِعَ فِيهَا مَفْقُودٌ اس لیے کیونکہ یہ والا مانع جو ہے وہاں پر مفقود ہے۔ مفقود کا معنی ہے نہ ہونا۔ کیونکہ یہ والا مانع وہاں نہیں ہے۔ فَإِنَّ الْمَانِعَ فِيهَا مَفْقُودٌ اس لیے کیونکہ یہ والا مانع وہاں نہیں ہے، إِذْ لَيْسَ مَدْلُولُ الثَّانِي فِيهَا مَدْلُولَ الْأَوَّلِ اس لیے کیونکہ وہاں پر ثانی کا مدلول اول کا مدلول نہیں ہوتا۔ بھئی ادھر دیکھیے، اگر آپ مخاطب اور متکلم کی ضمیر سے اسمِ ظاہر کو بدل لائیں گے اور کون سا بدل؟ بَدَلُ الْكُلّ، تو پھر اس صورت میں وہ ضمیر کا درجہ اعلیٰ حالانکہ وہ غیرِ مقصود ہے، اور اسمِ ظاہر کا درجہ کم حالانکہ وہ مقصود ہے، بدل کیا ہے؟ مقصود ہے نا اور اسمِ ظاہر ہے، تو مقصود کا درجہ کم ہوا باوجود اس کے کہ دونوں کا مدلول کیا ہے؟ ایک۔ مبدل منہ جس پہ دلالت کر رہا ہے بدل بھی، بَدَلُ الْكُلّ کسے کہتے ہیں؟ کہ مبدل منہ اور بدل دونوں کا مدلول ایک ہو، تو دونوں کا مدلول ہے ایک لیکن بدل کا درجہ ادنیٰ ہے حالانکہ وہ مقصود ہے۔ لیکن باقی بدلوں میں ایسا نہیں ہے، بَدَلُ الْاِشْتِمَال، بَدَلُ الْغَلَط اور بَدَلُ الْبَعْض میں اگرچہ وہاں پر آپ، وہاں پر آپ اسمِ ظاہر کو بدل لانا چاہتے ہیں ضمیر سے تو جس مرضی ضمیر سے بدل لے آئیں، متکلم سے بھی لا سکتے ہیں اسمِ ظاہر کو بدل، مخاطب کی ضمیر سے بھی اسمِ ظاہر کو لا سکتے ہیں، وجہ یہ کہ وہاں دونوں کا مدلول ہی الگ ہے۔ بَدَلُ الْبَعْض میں دیکھو ماقبل میں مبدل منہ اور بَدَلُ الْبَعْض دونوں کا مدلول ایک نہیں ہے، وہ مبدل منہ وہ کل پہ دلالت کر رہا ہے اور بَدَلُ الْبَعْض اس کے جز پہ دلالت کر رہا ہے، اگر ایک مدلول ہوتا تو پھر ہم کہتے کہ یہ اس سے کم درجے کا ہے لیکن وہاں تو مدلول ہی الگ الگ ہیں۔ بات سمجھ میں آ گئی؟

تو کہتے ہیں بِخِلَافِ بَدَلِ الْبَعْضِ وَالْاِشْتِمَالِ وَالْغَلَطِ بخلاف بَدَلُ الْبَعْض اور بَدَلُ الْاِشْتِمَال اور بَدَلُ الْغَلَط کے، فَإِنَّ الْمَانِعَ فِيهَا مَفْقُودٌ کیونکہ وہاں یہ مانع مفقود ہے کہ دونوں کا مدلول ایک نہیں، إِذْ لَيْسَ مَدْلُولُ الثَّانِي فِيهَا مَدْلُولَ الْأَوَّلِ اس لیے کیونکہ ان کے اندر جو ثانی کا مدلول ہوتا ہے وہ اول کا مدلول نہیں ہوتا بلکہ دونوں کے مدلول الگ الگ ہوتے ہیں۔ فَيُقَالُ پس یوں

کہا جاتا ہے، دیکھیے بھئی پہلی دو مثالیں بَدَلُ الْبَعْض کی ہیں: اشْتَرَيْتُكَ میں نے آپ کو خریدا، یہ ک ضمیر مبدل منہ ہے، نِصْفَكَ کتنا خریدا؟ نصف، میں نے آپ کو خریدا نِصْفَكَ یعنی آپ کے نصف کو۔ تو ک ضمیر یہ مخاطب کی ہے اور یہ مبدل منہ ہے، اور نِصْفَكَ یہ اس سے بدل ہے، یہ اسمِ ظاہر ہے بھئی نِصْف۔ نِصْف کا لفظ کیا ہے؟ اسمِ ظاہر۔ تو مخاطب کی ضمیر سے اسمِ ظاہر بدل آیا لیکن کون سا بدل ہے؟ میں نے آپ کا نصف خریدا، مخاطب کل ہے اور نِصْفَكَ وہ اس کا کیا ہے؟ نصف، تو یہ بدل جزء ہے کس کا؟ مبدل منہ کا۔ کیا ہے؟ جزء ہے مبدل منہ کا۔ یہ مثالیں سمجھ لو اچھی طرح بھئی: اشْتَرَيْتُكَ یہ ک مخاطب کی ضمیر یہ مبدل منہ ہے اور یہ کل ہے، ک ضمیر سے پورا مخاطب مراد ہوتا ہے، اور نِصْفَكَ مخاطب کا نصف دیکھو یہ اس کا جز آگیا اور یہ بدل ہے، اور کس سے بدل ہے؟ مخاطب کی ضمیر سے اسمِ ظاہر، لیکن یہ جائز ہے کیونکہ دونوں کا مدلول الگ ہے، مبدل منہ سے پورا مخاطب مراد اور بدل سے اس کا جز مراد ہے۔ یا اشْتَرَيْتَنِي نِصْفِي، اشْتَرَيْتَ تو نے خریدا نِي مجھے، نِصْفِي میرا نصف، تو دیکھو یہ یا ضمیر سے بدل ہے، یا ضمیر یہ مبدل منہ ہے اور نِصْفِي اس سے بدل ہے، اور یا ضمیر پورے متکلم پہ دلالت کرتی ہے اور نِصْفِي یہ نصفِ متکلم پہ دلالت کر رہا ہے اور نصف کیا ہے؟ اسمِ ظاہر۔ تو یا ضمیر جو متکلم کی ضمیر ہے اس سے نِصْفِي بدل آیا اور یہ بَدَلُ الْبَعْض ہے اور یہ جائز ہے بھئی۔

تو کہتے ہیں وَاشْتَرَيْتَنِي نِصْفِي تو نے خریدا مجھے یعنی میرے نصف کو۔ وَأَعْجَبْتَنِي عِلْمُكَ، أَعْجَبْتَنِي یاد رکھو یہ اگلی دونوں مثالیں بَدَلُ الْاِشْتِمَال کی ہیں، أَعْجَبْتَنِي عِلْمُكَ، أَعْجَبْتَ تو نے تعجب میں ڈالا نِي مجھے عِلْمُكَ یعنی تیرے علم نے۔ أَعْجَبْتَ یہ ت ضمیر فاعل کی جو ہے یہ مبدل منہ ہے اور عِلْمُكَ یہ اس سے بدل ہے، اور مخاطب کے علم کا اس مخاطب کی ذات سے تعلق ہے تو یہ کیا ہے؟ بَدَلُ الْاِشْتِمَال، کیونکہ کسی کی ذات کسی کو تعجب میں نہیں ڈالتی بلکہ اس کی صفات تعجب میں ڈالتی ہیں۔ وَأَعْجَبْتُكَ عِلْمِي، یہاں دیکھو أَعْجَبْتُكَ میں نے تجھے تعجب میں ڈالا عِلْمِي یعنی میرے علم نے۔ یہ ت ضمیر جو فاعل کی ہے اس سے عِلْمِي بدل ہے بھئی۔ بات سمجھ میں آگئی؟

وَضَرَبْتُكَ الْحِمَارَ، میں نے آپ کی پٹائی کی الْحِمَارَ یعنی گدھے کی۔ یہ دو اگلی دونوں مثالیں جو ہیں بَدَلُ الْغَلَط کی ہیں بھئی، کہ ضَرَبْتُكَ میں نے آپ کی پٹائی کی الْحِمَارَ یعنی گدھے کی، غلطی سے مخاطب کی ضمیر ذکر کر دی، تو ک ضمیر مبدل منہ اور الْحِمَار اس سے بدل اور یہ بَدَلُ الْغَلَط ہے بھئی۔ یا اسی طرح ضَرَبْتَنِي آپ نے میری پٹائی کی الْحِمَارَ یعنی گدھے کی، تو یہاں پر بھی یہ یا ضمیر مبدل منہ ہے اور الْحِمَار اس سے بدل ہے اور یہ کون سا بدل ہے؟ بَدَلُ الْغَلَط ہے بھئی، غلطی سے متکلم نے اپنی ضمیر استعمال کی اور پھر اس کی جگہ الْحِمَار لے آیا۔ بات سمجھ میں آگئی؟ یہ جو مثالیں ذکر کیں آخر میں صاحبِ جامی نے: اشْتَرَيْتُكَ نِصْفَكَ وَاشْتَرَيْتَنِي نِصْفِي۔ توجہ ہے؟ اشْتَرَيْتُكَ نِصْفَكَ وَاشْتَرَيْتَنِي نِصْفِي یاد رکھو یہ دونوں مثالیں بَدَلُ الْبَعْض کی ہیں اور یہ دونوں بدل آرہے ہیں مفعول سے، کس سے؟ مفعول سے۔ اشْتَرَيْتُكَ یہ ک ضمیر کیا ہے؟ مفعول، اسی سے نِصْفَكَ یہ کیا آیا؟ بدل۔ اسی طرح اشْتَرَيْتَنِي یہ یا ضمیر کیا ہے؟ مفعول، اور نِصْفِي یہ اسی سے بدل ہے۔ تو یہ مثال ہے کس

کی؟ بَدَلُ الْبَعْض کی، اور کس سے آرہے ہیں بدل؟ مفعول سے۔ اگلی دونوں مثالیں یہ بَدَلُ الْاِشْتِمَال کی ہیں: وَأَعْجَبَتْنِي عِلْمُكَ وَأَعْجَبْتُكَ عِلْمِي۔ یہ دونوں مثالیں کس کی ہیں؟ بَدَلُ الْاِشْتِمَال کی، اور یاد رکھو یہ دونوں بدل ہیں فاعل سے، أَعْجَبَتْنِي عِلْمُكَ، أَعْجَبَتْ یہ ت ضمیر فاعل ہے اس سے عِلْمُكَ بدل، اور وَأَعْجَبْتُكَ عِلْمِي اس کے اندر بھی أَعْجَبْتُ کی ت ضمیر فاعل ہے اور عِلْمِي اس سے بدل ہے۔ تو یہ دونوں مثالیں کس کی؟ بَدَلُ الْاِشْتِمَال کی، اور کس سے بدل ہے؟ فاعل سے دونوں مثالوں میں۔ اگلی مثالیں دونوں جو ہیں ضَرَبْتُكَ الْحِمَارَ وَضَرَبْتَنِي الْحِمَارَ، یہ دونوں مثالیں بَدَلُ الْغَلَط کی ہیں بھئی، اور یہ دونوں بدل ہیں مفعول سے۔ ضَرَبْتُكَ یہ ک ضمیر سے بدل ہے الْحِمَار، اور ضَرَبْتَنِي یہ یا ضمیر سے بدل ہے الْحِمَار۔ تو یہ دونوں مثالیں کس کی؟ بَدَلُ الْغَلَط کی، اور یہ کس سے بدل ہیں؟ مفعول سے۔ بات سمجھ میں آگئی؟

آئیے بھئی آخر میں وہ دو مثالیں دوبارہ سمجھ لیں: نَظَرْتُ إِلَى الْقَمَرِ فَلَكِهِ اور رَأَيْتُ دَرَجَةَ الْأَسَدِ بُرْجَهُ۔ میں نے بتلایا بھئی کہ جدید سائنس بتلاتی ہے کہ چاند جو ہے زمین کے گرد چکر لگاتا ہے، اور ایک ماہ میں یہ ایک چکر پورا کرتا ہے اسی لیے ہر روز چاند کی الگ صورت ہمیں نظر آتی ہے کہ یہ زمین کے گرد گھوم رہا ہے، تو پورے مہینے میں ایک چکر لگاتا ہے۔ اور زمین جو ہے سورج کے گرد چکر لگاتی ہے، کھلی فضا کے اندر زمین تیر رہی ہے سورج کے گرد، اور

کے اندر اور وہ جو لکیر ہے جہاں لاٹھی زمین پر پڑی تھی، وہ زمین اور لاٹھی کے درمیان اب نوے درجے کا زاویہ ہے جب لاٹھی عین اس نقطے کے اوپر سیدھی کھڑی ہے۔ اب آپ لاٹھی آہستہ آہستہ دوسری جانب جھکاتے چلے جائیں مزید بھئی، تو دیکھو زاویہ اور بڑھتا چلا گیا اس پہلی جانب سے زاویہ بڑھتا جا رہا ہے نوے سے بھی بڑھ گیا، یہاں تک کہ ہوتے ہوتے لاٹھی بالکل سیدھی دوسری جانب آگئی۔ یاد رکھو، لاٹھی کی پہلی جانب اور لاٹھی کی دوسری جانب اس کے درمیان اب ایک سو اسی درجے کا زاویہ ہے۔ لاٹھی بالکل سیدھی تھی تو کتنا درجہ تھا؟ نوے، تو نوے ایک طرف تھا نوے دوسری طرف تھا، تو جب آپ نے لٹا دیا تو نوے اور نوے کتنے ہو گئے؟ ایک سو اسی۔ اور پھر نیچے تو زمین ہے لیکن اگر یہ لاٹھی نیچے جگہ ہوتی اور آپ اس کو گھماتے تو پھر ایک سو اسی درجے یہ گھوم کر پھر اپنی پہلی جگہ پر آجاتی، تو یہ کل کتنے درجے ہیں؟ تین سو ساٹھ ایک دائرے میں، دیکھو لاٹھی پورا چکر کاٹے گی تو یہ تین سو ساٹھ درجے ہو جائیں گے۔ اور ان میں سے یاد رکھنا بارہ مہینے ہیں سال کے، تو تین سو ساٹھ کو بارہ سے تقسیم کریں تو ہر مہینے میں تیس درجے آتے ہیں، بارہ تیا چھتیس، تیس درجے۔ اور پھر یاد رکھو، تو یہ جو ایک مہینے کے اندر آسمان کا جو حصہ نظر آتا تھا اس کو وہ کہتے تھے یہ تیس درجے ہیں، پھر دوسرے مہینے میں دوسرا حصہ نظر آتا تھا آسمان کا، یہ اگلا حصہ... تو اچھا، تو یہ جو تیس حصے نظر آتے تھے ایک مہینے میں آسمان کے اس کا نام وہ برج رکھتے تھے۔ کیا رکھتے تھے؟ یہ برج ہے، یعنی ایک مہینے کے اندر جتنا آسمان کا حصہ آپ کو نظر آیا ہر روز تھوڑا تھوڑا فرق پڑتا جا رہا ہے یہ سارا ایک برج ہے۔ پھر تیس درجے جب پورے ہو گئے تو اگلا برج شروع ہو گیا، تیس درجے تک یہ برج رہے گا پھر اس سے اگلا برج آئے گا، تو بارہ برج بنائے اسی طرح ان فلاسفہ نے، کتنے برج؟ بارہ برج بنائے اور ان کے مختلف نام

ہیں آج بھی کتابوں میں آپ کو ملیں گے کہ مثلاً یہ برجِ حوت ہے۔ حوت: ح، و اور لمبی ت دو نقطوں والی، حوت کا معنی مچھلی۔ یا یہ برجِ ثور ہے، ث، و، ر، ثور بیل کو کہتے ہیں، یہ برجِ ثور ہے۔ پھر آگے ایک برجِ اسد ہوتا ہے، نام، یہ نام ہیں بس ویسے ہی نام رکھے ہوئے تھے، یہ برجِ اسد ہے، یہ برجِ سنبلہ ہے، یہ برجِ جوزا ہے۔ بات سمجھ میں آ رہی ہے؟ تو اس طرح بارہ برج تھے، اور ہر برج میں کتنے درجے تھے؟ تیس درجے، ایک مہینے کے اندر پورا برج طے ہو جاتا تھا۔ ہر روز تھوڑا تھوڑا فرق کیونکہ زمین سورج کے گرد گھوم رہی ہے ہر روز تھوڑا تھوڑا فرق پڑتا جا رہا ہے۔

تو یہ ان میں سے ایک برج کا کیا نام ہے؟ برجِ اسد۔ اور یہ کتنے درجے پر مشتمل ہے؟ تیس درجے پر، ہر برج تیس درجے پر مشتمل ہے، تو اسی کی مثال ذکر کر رہے ہیں: رَأَيْتُ دَرَجَةَ الْأَسَدِ میں نے برجِ اسد کا درجہ دیکھا۔ میں نے اسد کا درجہ دیکھا بُرْجَهُ یعنی اس کا برج دیکھا۔ اسد کا درجہ دیکھ لیں یا اسد کا برج دیکھ لیں ایک ہی بات ہے۔ اسد کے برج میں کتنے درجے؟ تیس درجے۔ اور آپ کہہ رہے ہیں میں نے اسد کا درجہ دیکھا، معلوم ہوا اسد کا ایک جز دیکھا، کل کتنے جز ہیں؟ تیس جز ہیں۔ تو دَرَجَةَ الْأَسَدِ یہ کیا ہے؟ جز۔ اور بُرْجَهُ أَيْ بُرْجَ الْأَسَدِ یہ کیا ہے؟ کل، یہ کیا ہے؟ کل۔ تو دَرَجَةَ الْأَسَدِ یہ ہے مبدل منہ، اور بُرْجَهُ یہ کیا ہے؟ بدل۔ اور مبدل منہ جز ہے بدل کا۔ بات سمجھ میں آ گئی؟ تو یہ بھی بَدَلُ الْاِشْتِمَال کی مثال ہے جس میں مبدل منہ جز ہے بدل کا۔

تو کہتے ہیں وَيُمْكِنُ أَنْ يُورَدَ لِمِثَالِهِ مِثْلُ رَأَيْتُ دَرَجَةَ الْأَسَدِ بُرْجَهُ اور ممکن ہے کہ اس کے لیے یہ مثال لائی جائے جیسے کہ رَأَيْتُ دَرَجَةَ الْأَسَدِ بُرْجَهُ میں نے اسد کا درجہ یعنی اس کا برج دیکھا۔ فَإِنَّهُ لَا مَجَالَ لِهَذِهِ الْمُنَاقَشَةِ فِيهِ اس لیے کیونکہ اس مثال کے اندر جو ہے اس مناقشے کی یعنی اس بحث کی گنجائش نہیں ہے۔ فَإِنَّ الْبُرْجَ عِبَارَةٌ عَنْ مَجْمُوعِ الدَّرَجَاتِ اس لیے کیونکہ برج جو ہے وہ عبارت ہوتا ہے مجموعۂ درجات سے، وہ جو تیس درجات کا مجموعہ ہے اس کو برج کہتے ہیں۔

وَإِنَّمَا لَمْ يُجْعَلْ هَذَا الْبَدَلُ قِسْماً خَامِساً اور اس بدل کو پانچویں قسم نہیں بنایا گیا بدل کی، وَلَمْ يُسَمَّ بِبَدَلِ الْكُلِّ عَنِ الْبَعْضِ اور اس کا نام بَدَلُ الْكُلِّ عَنِ الْبَعْضِ نہیں رکھا گیا، لِقِلَّتِهِ وَنُدْرَتِهِ اس کے قلیل اور نادر ہونے کی وجہ سے۔ بَلْ قِيلَ لِعَدَمِ وُقُوعِهِ فِي كَلَامِ الْعَرَبِ بلکہ کہا گیا ہے کہ کلامِ عرب میں واقع نہ ہونے کی وجہ سے، فَإِنَّ هَذِهِ الْأَمْثِلَةَ مَصْنُوعَةٌ اس لیے کیونکہ یہ مثالیں جو ہیں یہ مصنوعی ہیں یعنی ان کو بنایا گیا ہے۔

سبق نمبر ۲۱۶: عطفِ البیان (۱): عطفِ بیان کی تعریف، فوائد اور بدلِ کل سے فرق

شرحِ ملا جامی صفحہ: ۱۹۷ — بتاریخ: ۱۸ اکتوبر ۲۰۲۲ء

▪ تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث

آگے سبق دیکھیے بھئی۔ عَطْفُ الْبَيَانِ تَابِعٌ شَامِلٌ لِجَمِيعِ التَّوَابِعِ، غَيْرُ صِفَةٍ اِحْتَرَزَ بِهِ عَنِ الصِّفَةِ، يُوضِحُ مَتْبُوعَهُ اِحْتَرَزَ بِهِ عَنِ الْبَدَلِ وَالْعَطْفِ بِالْحَرْفِ وَالتَّأْكِيدِ، وَلَا يَلْزَمُ مِنْ ذٰلِكَ أَنْ يَكُونَ عَطْفُ الْبَيَانِ أَوْضَحَ مِنْ مَتْبُوعِهِ، بَلْ يَنْبَغِي أَنْ يَحْصُلَ مِنِ اجْتِمَاعِهِمَا إِيضَاحٌ لَمْ يَحْصُلْ مِنْ أَحَدِهِمَا عَلَى الْاِنْفِرَادِ، فَيَصِحُّ أَنْ يَكُونَ الْأَوَّلُ أَوْضَحَ مِنَ الثَّانِي۔

بھئی گزشتہ سبق میں ہم بَدَل کے بارے میں پڑھ رہے تھے۔ صاحبِ کافیہ نے آپ کو بتلایا تھا کہ بَدَلُ الْاِشْتِمَالِ جو ہے، وہ ہوتا ہے جہاں بَدَل اور مُبْدَلٌ مِنْهُ کے درمیان تَعَلُّق ہو بِغَيْرِهِمَا، لیکن وہ تَعَلُّق کلیت اور جزئیت والا نہیں ہونا چاہیے۔ یعنی کہ بَدَل جو ہے وہ مُبْدَلٌ مِنْهُ کا کُل ہو، یا بَدَل جو ہے مُبْدَلٌ مِنْهُ کا جُز ہو، یہ تَعَلُّق نہیں ہونا چاہیے۔ لہٰذا جب یہ تعریف کی، تو اس تعریف کے اندر وہ صورت بھی داخل ہو گئی جب مُبْدَلٌ مِنْهُ جُز ہو بَدَل سے۔ جی۔ مُبْدَلٌ مِنْهُ جُز ہو بَدَل سے۔ پہلے تھا کہ بَدَل جُز ہو مُبْدَلٌ مِنْهُ سے۔ تو بَدَل جو ہے وہ یا تو کُل ہو گا مُبْدَلٌ مِنْهُ کا یا جُز۔ اگر کُل ہے تو اس کو کہیں گے بَدَلُ الْكُلِّ مِنَ الْكُلِّ، کہ کُل سے کُل بَدَل آیا۔ جی۔ اور اگر بَدَل جُز ہو ماقبل کا تو اس کو کہیں گے بَدَلُ الْبَعْضِ مِنَ الْكُلِّ، کہ کُل میں سے بَدَل کیا آگیا؟ اس کا بعض یعنی جُز آگیا۔ لیکن یہ صورت جو ہے اس کے اندر مُبْدَلٌ مِنْهُ جُز ہوتا ہے اور بَدَل جو ہے وہ کُل، تو اس کو یوں کہیں گے بَدَلُ الْكُلِّ مِنَ الْبَعْضِ، کہ یہ بَدَلُ الْكُلِّ آیا ہے کس سے؟ بعض سے۔ تو یہ والی صورت بھی بَدَلُ الْاِشْتِمَالِ کے اندر داخل ہو گئی۔ کیونکہ بَدَلُ الْاِشْتِمَالِ میں کیا کہا؟ کہ جہاں بَدَل اور مُبْدَلٌ مِنْهُ میں تَعَلُّق ہونا چاہیے۔ لیکن یہ تَعَلُّق ایسا نہ ہو کہ بَدَل مُبْدَلٌ مِنْهُ کا کُل ہو یا جُز ہو۔ جی۔ کُل ہو یا جُز ہو۔ کون؟ بَدَل۔ ہاں اگر مُبْدَلٌ مِنْهُ جُز ہے بَدَل کا، اس کا تو استثنا نہیں کیا، اس کو تو نہیں نکالا۔ لہٰذا وہ بھی بَدَلُ الْاِشْتِمَالِ میں داخل ہو گیا۔ کیونکہ جب مُبْدَلٌ مِنْهُ جُز ہے بَدَل کا، تو دونوں میں تَعَلُّق آگیا۔ جی۔ اور یہ تَعَلُّق وہ والا نہیں ہے جس کو انہوں نے نکالا تھا بِغَيْرِهِمَا کے ذریعے۔ بِغَيْرِهِمَا کے ذریعے کون سے دو متعلق نکالے؟ ایک جس میں بَدَل کُل ہوتا ہے اور ایک جس میں بَدَل جُز ہوتا ہے، ان کو تو نکال دیا۔ لیکن مُبْدَلٌ مِنْهُ جب جُز ہو بَدَل کا اس کو نہیں نکالا، تو وہ بھی بَدَلُ الْاِشْتِمَالِ میں داخل ہو گیا بھئی۔ جی۔

اور پھر صاحبِ جامی نے آپ کو بتلایا تھا کہ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ بَدَلُ الْكُلِّ مِنَ الْبَعْضِ، اس کو الگ قسم کیوں نہیں بنایا اور اس کا الگ نام کیوں نہیں رکھا بَدَلُ الْكُلِّ مِنَ الْبَعْضِ؟ جی۔ بَدَلُ الْكُلِّ مِنَ الْبَعْضِ یہ نام کیوں نہیں رکھا؟ یہ الگ قسم کیوں نہیں بنائی؟ تو بتلایا تھا کہ چونکہ یہ کلامِ عرب میں نہایت قلیل آیا ہے بلکہ نادر ہے، اور نادر چیزوں پر ضابطے اور قوانین نہیں بنائے جاتے۔ تو چونکہ یہ بالکل نادر تھا اور اَلنَّادِرُ كَالْمَعْدُومِ، نادر کس کی طرح ہے؟ معدوم کی طرح ہے، گویا ہے ہی نہیں، لہٰذا اس کو شمار ہی نہیں کیا۔ یہ جواب بعض علماء نے دیا تھا، جبکہ بعض علماء تو فرماتے ہیں کہ بَدَلُ الْكُلِّ مِنَ الْبَعْضِ یہ تو کلامِ عرب میں واقع ہی نہیں ہوا سرے سے، تو اس کو علیحدہ قسم کیسے بنائیں؟ جی۔ تو اس پر سوال پیدا ہوا کہ یہ دو مثالیں ذکر تو کر دیں صاحبِ جامی نے۔ ایک کیا؟ نَظَرْتُ إِلَى الْقَمَرِ فَلَكِهِ۔ اور دوسری مثال رَأَيْتُ دَرَجَةَ الْأَسَدِ بُرْجَهُ۔ یہ دو مثالیں ذکر تو کر دیں، تو بتلایا کہ بھئی یہ تو نحویوں کی بنائی ہوئی مثالیں ہیں۔ خود کلامِ عرب کے اندر ہمیں یہ مثالیں، اس طرح کی مثالیں نہیں ملتیں جس میں عرب کے فصیح و بلیغ شعراء یا ان کے فصیح و بلیغ لوگ جو ہیں، انہوں نے اس طرح کا کلام کیا ہو جس کے اندر بَدَلُ الْكُلِّ عَنِ الْبَعْضِ آیا ہو بھئی۔ تو یہ مثالیں تو مصنوعی ہیں، بنائی ہوئی ہیں بھئی نحویوں کی۔ ان کا تو کوئی اعتبار نہیں، اصل تو بات چل رہی ہے عربی زبان کے ضابطوں کی۔ تو جب عربی زبان میں ایک چیز آئی ہی نہیں ہے، عرب کے فصیح لوگوں نے اس کو ذکر ہی نہیں کیا، تو اس کو کیسے الگ قسم بنایا جائے اور اس کو الگ نام دیا جائے؟ تو اس لیے بعضوں نے کہا کہ اس کو الگ قسم شمار ہی نہیں کیا کیونکہ یہ کلامِ عرب میں آیا ہی نہیں۔

اور پھر اس کی دو مثالیں ذکر کی تھیں۔ کس کی؟ کہ جس میں مُبْدَلٌ مِنْهُ جُزْ ہو گا اور بَدَلْ کیا ہو گا؟ کُلْ۔ اس کو کیا کہیں گے؟ بَدَلُ الْكُلِّ مِنَ الْبَعْضِ۔ بَدَلُ الْكُلِّ مِنَ الْبَعْضِ۔ جیسے کوئی شخص کہتا ہے نَظَرْتُ إِلَى الْقَمَرِ فَلَكِهِ، میں نے چاند کی طرف دیکھا، فَلَكِهِ اس کے فلک کی طرف۔ میں نے بتلایا بھئی کہ جدید سائنس بتلاتی ہے کہ چاند جو ہے زمین کے گرد چکر لگاتا ہے۔ اور ایک ماہ میں یہ ایک چکر پورا کرتا ہے اسی لیے ہر روز چاند کی الگ صورت ہمیں نظر آتی ہے کہ یہ زمین کے گرد گھوم رہا ہے۔ تو پورے مہینے میں یہ ایک چکر لگاتا ہے۔ اور زمین جو ہے سورج کے ارد گرد چکر لگاتی ہے، کھلی فضا کے اندر زمین تیر رہی ہے سورج کے گرد۔ اور پورے ایک سال میں زمین چکر لگاتی ہے سورج کے گرد۔ اور اس کی وجہ سے چار مختلف موسموں کا آپ مشاہدہ کرتے ہیں، کبھی سردی ہوتی ہے، کبھی گرمی ہوتی ہے، کبھی بہار اور کبھی خزاں۔ وجہ یہ ہے کہ زمین سورج کے گرد چکر لگا رہی ہے۔ تو کبھی ایک حصہ زمین کا سورج کے قریب ہوتا ہے، کبھی دوسرا حصہ زمین کا سورج کے قریب ہوتا ہے۔ تو جس، جو حصہ قریب ہوتا ہے وہاں گرمی ہوتی ہے، جو حصہ ذرا دور ہوتا ہے وہاں سردی ہوتی ہے۔ تو، تو یہ تو جدید سائنس بتلاتی ہے۔

اور جبکہ قدیم فلاسفۂ یونان، ان کا اعتقاد یہ تھا کہ یہ جو پورا عالم ہے یہ تیرہ کُروں سے مرکب ہے بھئی۔ کتنے کُرے ہیں؟ تیرہ۔ میں نے بتایا کُرَةٌ یہ گول چیز کو کہتے ہیں جیسے گیند ہو اس کو بھی کُرَةٌ کہتے ہیں۔ یہ فٹبال ہے اس کو كُرَةُ الْقَدَمِ کہتے ہیں عربی

زبان میں۔ کُرَۃُ الْقَدَمِ، قدم کی گیند۔ تو کُرَۃٌ گیند کو کہتے ہیں۔ تو یہ پورا عالم وہ کہتے ہیں تیرہ کُروں سے مرکب ہے۔ پہلا کیا ہے؟ کُرۂ ارض، یہ زمین کا کُرہ ہے۔ پھر اس کے بعد کُرۂ ماء ہے، پانی کا کُرہ ہے۔ اس کے بعد کُرۂ ہوا ہے، یہ جو ہوا جس میں ہم سانس لے رہے ہیں، یہ کُرے کی شکل میں ہے اس نے پوری زمین کا احاطہ کیا ہوا ہے۔ اور پھر وہ کہتے تھے اس کُرۂ ہوا کے اوپر ایک کُرۂ نار ہے، آگ کا گولہ ہے جس نے ہر طرف سے زمین کو گھیرا ہوا ہے۔ اور اس کے اوپر پھر نو افلاک ہیں۔ کیا ہیں؟ نو افلاک ہیں۔ یعنی یوں کہو آسمان ہیں۔ نو آسمان ہیں۔ تو فلاسفۂ یونان جو ہیں وہ نو آسمانوں کے قائل تھے۔ جبکہ ہمیں قرآن بتلاتا ہے کہ آسمان نو نہیں ہیں بلکہ کتنے ہیں؟ سات ہیں۔ تو ان کا عقیدہ یہ تھا کہ نو آسمان ہیں۔ اور وہ نو بھی یہ والے آسمان، یہ جو، یہ جو جس میں چاند چکر لگا رہا ہے اس کو وہ آسمان شمار کرتے تھے۔ جس کے اندر اور سیارے جو انہوں نے دیکھے ہوئے تھے ان کو بھی وہ آسمان شمار کرتے تھے۔ جس کے اندر سورج چکر لگا رہا ہے اس کو بھی وہ آسمان شمار کرتے تھے۔ اور اس کا نام انہوں نے فلک رکھا تھا۔ تو فلک کا کیا معنی؟ آسمان۔ تو لہٰذا یہ چار کُرے ہیں پہلے: کُرۂ ارض، کُرۂ ماء، کُرۂ ہوا اور کُرۂ نار۔ اور اس کے اوپر نو آسمان ہیں۔

ان میں سے پہلا جو ہے وہ فلکِ قمر ہے۔ جی۔ اس کے اندر فلکِ قمر۔ وہ کہتے ہیں یہ فلکِ قمر جو ہے، ایک گول گیند ہے شیشے کی بنی ہوئی، بالکل شفاف ہے بھئی۔ اور ٹھوس جسم ہے جیسے سخت چیز ہوتی ہے، شیشہ جیسے سخت ہے بھئی۔ تو اس طرح کا ایک گول جسم ہے اور اس نے پوری زمین کو ہر طرف سے گھیرا ہوا ہے۔ اور اس کُرے کے اندر ایک جگہ پر چاند لگا ہوا ہے۔ جیسے کیل دیوار میں لگی ہوتی ہے اس طرح اس شیشے کی گیند پر چاند لگا ہوا ہے، اور یہ کُرہ زمین کے گرد گھوم رہا ہے۔ اسی لیے ہمیں چاند بھی مشرق سے نکلتا اور مغرب میں غروب ہوتا ہوا نظر آتا ہے۔ تو وہ کہتے تھے یہ دراصل چاند نہیں گھوم رہا، چاند تو اپنی جگہ پر کُرے کے اندر، اس فلک کے، کُرہ جو ہے اس فلک کے اندر لگا ہوا ہے اور وہ فلک گھوم رہا ہے بھئی۔

اور پھر اس کے بعد اگلا جو فلک ہے، وہ فلکِ عُطَارِدْ ہے بھئی۔ یہ سیارہ ہے سورج کے گرد گھومتا ہے۔ تو وہ اس کا فلک ہے، اس کا آسمان ہے۔ وہ بھی شیشے کی طرح شفاف ہے اور وہ آسمان گھوم رہا ہے، تو عُطَارِدْ بھی ہمیں حرکت کرتا ہوا نظر آتا ہے۔ اس کے بعد فلکِ زُھْرَہْ ہے۔ زُھْرَہْ بھی ایک ستارہ ہے بھئی، یہ نظر آتا ہے شام کے وقت اور صبح کے وقت، اور خوب چمکدار ستارہ ہے، یہ سیارہ ہے۔ کیا ہے؟ سیارہ۔ تو یہ اس کا فلک پھر ہے، اس کا آسمان ہے۔ وہ بھی شیشے کی طرح گول ہے اس کے اندر بھی زُھْرَہْ لگا ہوا ہے اور وہ گھوم رہا ہے۔ اس کے بعد فلکِ شمس ہے، سورج کا آسمان ہے۔ اس، وہ آسمان بھی شیشے کی طرح ہے پورا گول جسم ہے اور اس کے اندر سورج لگا ہوا ہے جیسے دیوار میں کیل لگی ہوتی ہے۔ اور یہ وہ سورج جو ہمیں مشرق سے نکلتا اور مغرب میں ڈوبتا ہوا نظر آتا ہے، یہ سورج نہیں حرکت کر رہا، یہ وہ سورج کا جو آسمان ہے وہ جو فلک ہے وہ گھوم رہا ہے زمین کے گرد، تو اس کی وجہ سے سورج بھی ساتھ ساتھ گھوم رہا ہے۔ اور پھر

اس کے بعد فلکِ مِرِّیخ ہے بھئی۔ کیا ہے؟ فلکِ مِرِّیخ۔ میں نے پہلے بھی ذکر کیا تھا، اردو میں جو رائج ہے وہ ہے مَرِیخ۔ جی۔ کیا رائج ہے؟ مَرِیخ۔ لیکن یہ درست لفظ نہیں ہے بھئی، یہ اصل لفظ مِرِّیخ ہے، عربی زبان سے ہی آیا ہے اردو کے اندر۔ لیکن اردو میں کیا رائج ہو گیا؟ مَرِیخ کہتے ہیں۔ لیکن اصل یہ عربی کے اعتبار سے یہ لفظ ہے مِرِّیخ بھئی۔ تو سورج کے بعد جو ہے مِرِّیخ کا آسمان وہ کہتے تھے، مِرِّیخ لگا ہوا ہے، یہ بھی ایک سیارہ ہے بھئی ستارے کی طرح چمکتا ہوا رات کو نظر آتا ہے۔ اور اس کے بعد پھر فلکِ مُشتَرِیْ ہے بھئی، مُشتَرِیْ کا آسمان ہے۔ پھر اس کے بعد فلکِ زُحَلْ ہے، زُحَلْ بھی ایک سیارہ ہے اس کا آسمان ہے۔ اور اس کے بعد فلکِ ثَوَابِتْ ہے آٹھویں نمبر پر۔ آٹھویں نمبر پر فلکِ ثَوَابِتْ ہے، یہ جو عام ستارے جو ہمیں رات کو ہزاروں کی تعداد میں نظر آتے ہیں۔ بھئی شہر کے اندر تو یہ ستارے نظر ہی نہیں آتے، کوئی دو چار ہی نظر آتے ہیں کیونکہ نیچے روشنی ہوتی ہے۔ اگر آپ ایسی جگہ چلے جائیں جہاں روشنی بالکل نہ ہو آس پاس کہیں دور دور تک روشنی نہ ہو، تو آپ دیکھیں گے کہ یہ آسمان اس قدر ستاروں سے بھرا ہوا ہے کہ اتنا حسین معلوم ہوتا ہے کہ انسان دیکھ کر حیران رہ جاتا ہے۔ تو یہ فلکِ ثَوَابِتْ ہے۔ ثَوَابِتْ جمع ہے ثَابِتْ کی بھئی۔ کس کی جمع ہے؟ ثَابِتْ۔ تو یہ ستارے بھی اپنی جگہ نہیں بدلتے۔ باقی یہ جو سیارے ہیں یہ سورج کے گرد گھوم رہے ہیں، تو ان کی جگہ بدلتی ہوئی معلوم ہوتی ہے۔ آپ آج دیکھیں گے یہ ایک جگہ ہے، دو چار چھ دس دن بعد آپ دیکھیں گے اس نے تھوڑی سی اپنی جگہ بدل لی ہے۔ پھر چند دن بعد دیکھیں اس نے اور جگہ بدلی، باقی ستارے اپنی جگہ ہوں گے لیکن یہ سیارے ان کے اندر جیسے چل رہے ہوں، ان کی جگہ آپ کو بدلی ہوئی محسوس ہو گی۔ تو باقی ستارے جو ہیں وہ اپنی جگہ نہیں بدلتے وہ ثَوَابِتْ کہلاتے ہیں، یعنی جو اپنی جگہ پر ثابت ہیں۔ تو ان کا آسمان ہے، اس کو فلکِ ثَوَابِتْ کہتے ہیں جس کے اندر یہ سارے ستارے لگے ہوئے ہیں۔ یہ کس کی بات بیان ہو رہی ہے؟ فلاسفۂ یونان کی۔ اور پھر اس کے اوپر فَلَكُ الْأَفْلَاكِ ہے نواں آسمان۔ جی۔ فَلَكُ الْأَفْلَاكِ ہے نواں آسمان، اور یہ جو دن اور رات ہوتے ہیں، یہ دراصل فَلَكُ الْأَفْلَاكِ کی تیز حرکت ہے بھئی۔ تو یہ سارے، یہ کتنے آسمان ہیں؟ نو فلک ہیں، نو آسمان ہیں اور چار کُرے۔ یعنی یوں کہو پوری کائنات تیرہ کُروں سے مرکب ہے۔ تیرہ کُروں سے مرکب ہے۔ بات سمجھ میں آ گئی؟ کون کون سے ہیں؟ پہلا کُرۂ ارض ہے، پھر کُرۂ ماء ہے، پھر کُرۂ ہوا ہے، پھر کُرۂ نار ہے۔ یہ چار کُرے ہوئے، اور اگلے نو کُرے جو ہیں وہ آسمان ہیں۔ یعنی فلکِ قمر ہے، فلکِ عطارد ہے، فلکِ زہرہ ہے، فلکِ شمس ہے، فلکِ مریخ ہے، فلکِ مشتری ہے، فلکِ زحل ہے، فلکِ ثوابت ہے اور پھر فَلَكُ الْأَفْلَاكِ۔ تمام فلکوں کا فلک بھئی، یعنی سب سے بڑا فلک بھئی، وہ فَلَكُ الْأَفْلَاكِ نواں آسمان ہے۔

بات سمجھ میں آ گئی؟ تو یہ مثال دیکھو، کہتے ہیں نَظَرْتُ إِلَى الْقَمَرِ فَلَكِهِ۔ تو دیکھو یہ قمر کا ایک فلک ہے، ایک آسمان ہے، اور اس میں چاند لگا ہوا ہے۔ تو دیکھو جب ہم چاند کی طرف دیکھ رہے ہیں، تو گویا ہم چاند کے فلک، چاند کے آسمان کی طرف دیکھ رہے ہیں۔ جی۔ کیونکہ یہ اپنے آسمان میں لگا ہوا ہے، پہلا آسمان اسی کا ہے۔ تو نَظَرْتُ إِلَى الْقَمَرِ، میں نے دیکھا

چاند کی طرف، فَلَكِهِ اس کے فلک کی طرف بھئی چاند کے فلک کی طرف دیکھا۔ تو اس کے اندر دیکھو: ایک ہے قَمَرْ، ایک ہے فَلَكِ قَمَرْ۔ تو قَمَرْ کیا ہے؟ فَلَكِ قَمَرْ کا ایک جُزْ ہے۔ وہ فلک گھومتا ہے تو چاند بھی گھومتا ہے۔ تو اَلْقَمَرِیہ مُبْدَلٌ مِنْهُ ہے، اور فَلَكِهِ أَيْ فَلَكِ الْقَمَرِیہ کیا ہے؟ بَدَلْ۔ اور مُبْدَلٌ مِنْهُ یعنی قَمَرْ جُزْ ہے فَلَكِ قَمَرْ کا۔ جی۔ اس پر پھر اشکال ہوتا ہے کہ بھئی چاند تو فلک کا جُزْ نہیں ہے، بلکہ چاند تو اس کے اندر گاڑا ہوا ہے۔ جیسے کیل دیوار کے اندر گاڑی جاتی ہے۔ تو کیل دیوار میں گاڑنے سے کوئی دیوار کا جُزْ نہیں بن گئی۔ کیل جب آپ نے دیوار میں لگا دی، اب ہم یہ نہیں کہہ سکتے یہ دیوار ہے، اشارہ کس کی طرف کریں؟ کیل کی طرف، اور کیا کہیں؟ یہ دیوار ہے۔ نہیں بھئی، کیل بے شک دیوار میں آپ نے گاڑ دی لیکن کیل الگ چیز ہے، دیوار مٹی اور گارے اور پتھروں کی بنی ہوئی الگ چیز ہے بھئی۔ تو چاند کا فلک میں گاڑے ہوئے ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ چاند اس کا جُزْ بن گیا۔ تو یہ مثال صحیح نہیں۔ قمر کو فلکِ قمر کا جُزْ قرار دینا اور یہ کہنا کہ یہ مثال کس کی ہے؟ کہ مُبْدَلٌ مِنْهُ جُزْ ہے بَدَلْ کا، یہ درست نہیں۔ تو صاحبِ جامی فرماتے ہیں کہ بھئی یہ تو اعتراض مثال پہ ہوا۔ کس پہ ہوا؟ مثال پہ اعتراض ہے، اس سے کوئی حرج نہیں، اور بھی مثال ذکر کی جا سکتی ہے۔

چنانچہ پھر صاحبِ جامی نے دوسری مثال ذکر کی: رَأَيْتُ دَرَجَةَ الْأَسَدِ بُرْجَهُ۔ جی۔ رَأَيْتُ دَرَجَةَ الْأَسَدِ بُرْجَهُ، میں نے درجہ اسد کو دیکھا یعنی اسد کے برج کو۔ جی۔ میں نے درجہ اسد کو دیکھا یعنی اس کے برج کو دیکھا بھئی، اس کے برج کو دیکھا۔ میں نے بتایا کہ یہ زمین جو ہے سورج کے گرد گھوم رہی ہے، سورج کے گرد گھوم رہی ہے، تو سال کے مختلف حصوں میں ہمیں آسمان کے مختلف حصے نظر آتے ہیں۔ جیسے میں نے مثال سے وضاحت کی بھئی کہ آپ کمرے کے درمیان میں ایک میز رکھیں، یوں سمجھو یہ، یہ سورج ہے۔ کیا ہے؟ سورج ہے، یا اس پر ایک گیند رکھ لیں وہ گیند سورج ہے بھئی۔ اور پھر آپ میز سے کچھ فاصلے پر کھڑے ہوں گیند لے کر، اور یہ اس گیند پر آپ ایک کیمرہ لگا دیں جو دروازے کی طرف ہو۔ آپ میز اور دروازے کے بیچ میں کھڑے ہو جائیں میز سے کچھ فاصلے پر، اور گیند پر ایک کیمرہ لگائیں جس کا رخ کس کی طرف ہے؟ دروازے کی طرف ہے۔ اب آپ آہستہ آہستہ چلنا شروع کریں، آپ نے اس میز کے گرد چکر لگانا ہے پورا برابر فاصلہ رکھتے ہوئے۔ تو آپ پورے کمرے کے اندر گھوم جائیں گے اور جوں جوں آپ گھوم رہے ہیں، تو آپ کے ہاتھ میں جو گیند ہے اور جس پر کیمرہ لگا ہوا ہے، اس کیمرے کے اندر دیواریں بدلتی جا رہی ہیں۔ آپ جب دائیں جانب آئے تو اس کیمرے میں دائیں جانب کی دیواریں آ رہی ہیں۔ آپ جب سامنے والی جانب آئے تو اس میں سامنے والی دیواریں نظر آ رہی ہیں۔ آپ جب بائیں جانب آئے تو اس کیمرے میں اب بائیں جانب والی دیواریں نظر آئیں گی۔ اور آپ جب دروازے کے سامنے آئیں گے تو اس کیمرے میں دروازہ نظر آئے گا بھئی۔ توجہ ہے؟ تو اسی طرح زمین سورج کے گرد گھوم رہی ہے فضا میں، اور گھومتے ہوئے ہمیں سال کے مختلف حصوں میں آسمان کے مختلف حصے نظر آتے ہیں، جیسے ہمیں کمرے کی دیواروں کے مختلف حصے نظر آ رہے تھے کیمرے میں بھئی۔ تو ان چیزوں کا مشاہدہ فلاسفۂ یونان بھی کرتے تھے۔ تو وہ یہ نہیں کہتے تھے

کہ زمین گھوم رہی ہے، وہ کہتے تھے یہ آسمان گھوم رہا ہے، فلکِ ثوابت کیا ہے؟ وہ گھوم رہا ہے اور اس کی وجہ سے ستارے ہمیں سال میں بدلتے ہوئے آہستہ آہستہ ایک طرف سے دوسری طرف جاتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ یہ اس، میں نے مثال سے وضاحت کی تھی، جیسے آپ گاڑی میں بیٹھے ہوں اور گاڑی آگے کو چل رہی ہے، اگر آپ شیشے سے دیکھیں تو آپ کو یوں لگے گا جیسے چیزیں پیچھے کی طرف دوڑ رہی ہیں۔ یہ چیزیں نہیں پیچھے کی طرف دوڑ رہیں بلکہ آپ آگے کی طرف حرکت کر رہے ہیں۔ تو اسی طرح زمین حرکت کر رہی ہے لیکن یوں لگتا ہے کہ جی آسمان کے ستارے کیا ہیں؟ پیچھے کی جانب حرکت کر رہے ہیں۔ تو اس طرح پورے سال کے اندر مختلف حصے آسمان کے نظر آتے تھے، مختلف ستارے نظر آتے تھے۔ تو اس کو انہوں نے تین سو ساٹھ درجوں میں تقسیم کیا۔ ایک دائرے میں کتنے درجے ہوتے ہیں؟ تین سو ساٹھ درجے ہوتے ہیں۔

اور اس کی وضاحت میں نے ایک مثال سے کی تھی۔ مثلاً دیکھو درجہ کسے کہتے ہیں اس کو سمجھنے کے لیے یوں کریں:

ایک لاٹھی زمین پر رکھیں، اور اس لاٹھی کی، بلکہ لاٹھی کے برابر زمین پر ایک لکیر کھینچ دیں۔ اور اس کے اوپر اس لاٹھی کو رکھ دیں اس لکیر کے اوپر بالکل۔ لکیر کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک اس کے اوپر لاٹھی پڑی ہو، اور آپ لاٹھی کے ایک سرے پر نشان لگا دیں زمین پر۔ اب آپ دوسری جانب سے لاٹھی کے کنارے کو اوپر اٹھائیں۔ ایک سرا جہاں آپ نے نشان لگایا ہے وہ زمین پر ہی رہنا چاہیے، اسے آپ نے نہیں ہلانا۔ توجہ ہے؟ اب آپ اس لاٹھی کو آہستہ آہستہ دوسرے کنارے سے اوپر اٹھائیں۔ ایک کنارہ وہیں لگا ہوا ہے زمین پر اور دوسرا کنارہ آپ آہستہ آہستہ اوپر اٹھا رہے ہیں۔ آپ دیکھیں گے لاٹھی کے اندر اور وہ جو زمین پر آپ نے لکیر کھینچی ہے ان کے درمیان آپ کی جانب فاصلہ بڑھ رہا ہے۔ ایک جانب تو دونوں ملے ہوئے ہیں، لکیر کے ساتھ لاٹھی ملی ہوئی ہے۔ دوسری جانب آپ جوں جوں لاٹھی کا سرا اوپر کر رہے ہیں، تو اس لکیر میں اور لاٹھی میں فاصلہ آرہا ہے۔ یاد رکھو یہ جو دو چیزوں کے درمیان اس طرح فاصلہ ہوتا ہے کہ ان کا ایک کونا ملا ہوا ہو اور باقی دونوں کونے ایک دوسرے سے دور ہوں، اس کو زاویہ کہتے ہیں۔ کیا کہتے ہیں؟ زاویہ۔ تو آپ جوں جوں لاٹھی اوپر کرتے جائیں گے، آپ دیکھیں گے زاویے کی مقدار بڑھ رہی ہے۔ زاویے کی مقدار بڑھ رہی ہے۔ اور اس میں انہوں نے تقسیم کیے ہوئے ہیں، درجے کے اعتبار سے۔ تو یوں سمجھو جوں جوں لاٹھی کا ایک سرا اوپر اٹھ رہا ہے، زاویے کے درجے بڑھتے چلے جا رہے ہیں۔ یہاں تک کہ جب آپ لاٹھی کو بالکل سیدھا کھڑا کر دیں گے اسی نقطے پر، تو ایک نقطہ لکیر کا اور لاٹھی کا سرا دونوں ملے ہوئے ہیں ایک نقطے پر۔ تو اس نقطے پر لاٹھی سیدھی کھڑی کر دی تو اب یہ جو لکیر ہے اور یہ لاٹھی ہے ان کے درمیان نوے درجے کا زاویہ ہے۔ جی۔ جیسے کمرے کے کونے میں دو دیواریں آکر ملتی ہیں، تو ان دیواروں میں جو زاویہ ہوتا ہے وہ بھی یہی نوے درجے کا عموماً زاویہ ہوتا ہے۔ جی۔ الا یہ کہ وہ دیواریں ہی ٹیڑھی ہوں، وہ الگ بات ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو یہ کمرے کے کونے میں نوے درجے کا زاویہ ہوتا ہے۔ تو اس لاٹھی کا بھی اب اس لکیر سے کتنے درجے کا ہے زاویہ؟ نوے۔ اسی لاٹھی کو اس نقطے پر اسی طرح رکھنا ہے اور اس کو اب دوسری طرف

جھکاتے چلے جائیں۔ آپ دیکھو وہ زاویہ نوے سے بھی بڑھتا جا رہا ہے۔ جی۔ اب آپ لاٹھی کو لکیر سے دوسری جانب کو آہستہ آہستہ جھکاتے جا رہے ہیں اسی نقطے پر رکھے ہوئے، تو وہ زاویے کی مقدار نوے سے بھی بڑھتی جا رہی ہے۔ یہاں تک کہ جب آپ لاٹھی کو مخالف سمت میں بالکل زمین پر لٹا دیں گے، تو لکیر ایک جانب ہے اور لاٹھی دوسری جانب ہے البتہ دونوں کا ایک سرا ملا ہوا ہے۔ جب لاٹھی سیدھی کھڑی تھی تو ایک طرف بھی نوے درجے کا زاویہ بن رہا تھا دوسری طرف بھی نوے درجے کا، تو یہ نوے اور نوے یہ اب گویا ایک سو اسی درجے ہو گئے۔ جی۔ کتنے ہو گئے؟ ایک سو اسی۔ اور اسی طرح لاٹھی کو دوسری طرف سے اگر، نیچے تو زمین ہے اگر کھلی فضا ہوتی لاٹھی گھومتی ہوئی پھر اسی لکیر پر آجاتی، تو ایک سو اسی زاویے نیچے کی جانب ہو جاتے۔ تو ایک سو اسی اور ایک سو اسی کتنے ہو گئے؟ تین سو ساٹھ۔ تو دائرے میں کل کتنے درجے ہوتے ہیں؟ تین سو ساٹھ درجے ہوتے ہیں۔ تو زمین بھی جب سال کے اندر گھومتی ہے، تو یہ تین سو ساٹھ درجے طے کر لیتی ہے۔ جی۔ کتنے درجے؟ تین سو ساٹھ۔ اور چنانچہ اس میں آسمان کے مختلف حصے سال بھر میں نظر آتے ہیں، تو ان حصوں کو بھی انہوں نے درجوں میں تقسیم کیا اور اس کے بھی انہوں نے فلاسفۂ یونان نے تین سو ساٹھ درجے بنائے۔ یعنی تقریباً ہر روز ایک درجہ زمین طے کرتی ہے، تقریباً۔ اگر سال تین سو ساٹھ دن کا ہو پھر تو ہر روز ایک درجہ طے کرے گی، لیکن سال تو تین سو ساٹھ دنوں کا نہیں ہوتا۔ کچھ اسلامی سال ہے تو وہ تھوڑا سا کم ہے، اور انگریزی سال ہے تو وہ تھوڑا سا چار پانچ دن زیادہ ہے۔ تو ہر روز تقریباً ایک درجہ زمین طے کرتی ہے۔ تو سال کے بارہ مہینے ہیں، تو بارہ سے اس تین سو ساٹھ کو تقسیم کریں، تو یہ ہر مہینے میں تیس درجے بن جاتے ہیں۔ ہر مہینے میں تیس درجے، گویا زمین ہر مہینے میں تیس درجے طے کر لیتی ہے۔ اور یہ جو تیس درجے ہیں اس کا نام انہوں نے بُرْج رکھا۔ کیا نام رکھا؟ بُرْج رکھا۔ تو یہ دیکھو گھوم زمین رہی ہے لیکن لگتا یوں ہے آسمان گھوم رہا ہے۔ تو یہ جو تیس درجے بنائے انہوں نے کس پر بنائے؟ آسمان پر بنائے۔ زمین پر نہیں کیونکہ زمین تو ان کے خیال میں ساکن تھی، مرکز ہے، آسمان گھوم رہا ہے۔ تو تین سو ساٹھ درجوں میں پورا آسمان گھوم جاتا ہے۔ تو مہینے میں کتنے درجے طے کرے گا آسمان؟ تیس درجے۔ تو یہ جو تیس درجے ہوتے تھے ہر مہینے میں، اس کا نام انہوں نے بُرْج رکھا۔

ایک کا نام مثلاً بُرْجِ اَسَدْ ہے۔ جی۔ ایک کا نام بُرْجِ ثَوْرْ ہے۔ ثا واؤ را، ثَوْرْ کا معنی بیل۔ اَسَدْ کا معنی کیا تھا؟ شیر۔ تو ایک بُرْجِ اَسَدْ ہے، ایک بُرْجِ ثَوْرْ ہے، یہ ویسے ہی نام رکھے ہوئے ہیں بھئی۔ اور ایک بُرْجِ حُوتْ ہے، حا واؤ اور لمبی تا دو نقطوں والی، حُوتْ کا معنی مچھلی۔ اسی طرح بُرْجِ سُنْبُلَہْ ہے، اسی طرح بُرْجِ جَوْزَا ہے، تو اس طرح بارہ برج انہوں نے مقرر کیے بھئی۔ تو معلوم ہوا بُرْجِ اَسَدْ اس میں کتنے درجے ہیں؟ تیس درجے ہیں۔ کتنے درجے ہیں؟ تیس درجے۔ تو یہ آسمان ان کو گھومتا ہوا نظر آتا تو ہر روز گویا آسمان ایک درجہ طے کر رہا ہے۔ تو تیس درجے جب پورے ہو جائیں گے تو اگلا برج شروع ہو جائے گا مثلاً بُرْجِ اَسَدْ شروع ہو گیا۔ بُرْجِ اَسَدْ۔ اب یہ تیس دن تک آسمان گھومتا رہے گا، ہر روز ایک ایک درجہ

طے ہو رہا ہے۔ تو تیس دن کے اندر بُرْجِ اَسَدْ کے تیس درجے پورے ہو گئے اور اگلا برج شروع ہو جائے گا۔ تو تیس دن بُرْجِ اَسَدْ میں رہی زمین، پھر اگلا برج شروع ہو جائے گا، مثلاً اگلا برج سُنْبُلَہْ ہے، تو اگلے تیس دن آسمان کا بُرْجِ سُنْبُلَہْ ہمیں نظر آئے گا اور تیس دن کے بعد پھر آسمان کا برج بدل جائے گا، اب ہمیں کون سا برج نظر آئے گا؟ وہ اگلا مثلاً کوئی بھی بُرْجِ ثَوْرْ ہے، ان کی ترتیب تھی بھئی ترتیب سے بارہ تھے۔ ایک برج تیس دن رہا پھر بدل گیا دوسرا برج تیسرا برج، تو وہ اس طرح بتاتے تھے کہ آج کل، آج کل کون سا زمانہ ہے؟ بُرْجِ اَسَدْ کا زمانہ ہے۔ اب کون سا زمانہ ہے؟ بُرْجِ سُنْبُلَہْ کا زمانہ ہے۔ اب بُرْجِ ثَوْرْ کا زمانہ ہے۔ اب بُرْجِ حُوتْ کا زمانہ ہے۔ تو اس طرح انہوں نے نام رکھے ہوئے تھے۔ تو معلوم ہوا بُرْجِ اَسَدْ میں بھی کتنے درجے؟ تیس درجے۔ تو یہاں کیا آیا؟ رَأَیْتُ دَرَجَةَ الْأَسَدِ، میں نے بُرْجِ اَسَدْ کا درجہ دیکھا، ایک درجہ دیکھا بُرْجِ اَسَدْ کا۔ اور کل کتنے ہیں بُرْجِ اَسَدْ میں؟ تیس۔ تو یہ ایک درجہ تیس کا کیا ہوا؟ جُزْ ہو گیا۔ کیا ہو گیا؟ جُزْ۔ تو دَرَجَةَ الْأَسَدِ یہ ہے جُزْ، اور بُرْجَهُ یعنی بُرْجِ اَسَدْ کیا ہے؟ کُلْ ہے۔ جی۔ کیا ہے؟ کُلْ۔ تو یہ مثال کس کی ہوئی؟ رَأَیْتُ دَرَجَةَ الْأَسَدِ میں نے بُرْجِ اَسَدْ کا درجہ دیکھا، بُرْجَهُ یعنی اس کا برج دیکھا۔ جب بُرْجِ اَسَدْ کا درجہ دیکھا ہے تو برج ہی دیکھا ہے کیونکہ یہ اسی کا جُزْ ہے بھئی۔ توجہ ہے؟ تو دَرَجَةُ الْأَسَدِ کیا ہے؟ جُزْ۔ اور بُرْجُ الْأَسَدِ کیا ہے؟ کُلْ۔ تو یہ، یہ جو مُبْدَلٌ مِنْهُ ہے یہ جُزْ ہوا بَدَلْ کا، تو یہ بَدَلُ الْكُلِّ عَنِ الْبَعْضِ کی مثال ہوئی بھئی۔ جی۔

اس کے بعد صاحبِ کافیہ نے آپ کو بتلایا کہ بَدَلُ الْغَلَطِ کسے کہتے ہیں؟ کہ بَدَلُ الْغَلَطِ وہ ہے کہ جس میں آپ نے کوئی غلطی کی اور پھر اس غلطی کے بعد اس کی اصلاح کرتے ہیں۔ تو جو دوسرا لفظ آپ لائے یہ ہے بَدَلُ الْغَلَطِ، اور کس کی وجہ سے لانا پڑا؟ غلطی کی وجہ سے لانا پڑا، تو اس کا نام بَدَلُ الْغَلَطِ ہے۔ اس کا یہ معنی نہیں کہ یہ غلط ہے، بلکہ غلطی اس کا سبب بنی، تو غلطی سے اس کا تعلق آگیا تو اس کا نام بَدَلُ الْغَلَطِ رکھنا صحیح ہے بھئی۔ اور پھر انہوں نے آپ کو یہ بھی بتلایا تھا کہ بَدَلْ اور مُبْدَلٌ مِنْهُ دونوں معرفہ بھی ہو سکتے ہیں، دونوں نکرہ بھی ہو سکتے ہیں، اور مختلف بھی ہو سکتے ہیں کہ مُبْدَلٌ مِنْهُ معرفہ ہو اور بَدَلْ کیا ہو؟ نکرہ، یا بَدَلْ نکرہ ہو اور مُبْدَلٌ مِنْهُ معرفہ ہو۔ لیکن جب بھی مُبْدَلٌ مِنْهُ معرفہ ہو اور بَدَلْ نکرہ ہو تو اس صورت میں بَدَلْ کی صِفَتْ لانا لازم ہے، واجب ہے بَدَلُ الْكُلِّ میں۔ کس میں؟ بَدَلُ الْكُلِّ میں۔ مثلاً مُبْدَلٌ مِنْهُ کیا آیا؟ معرفہ۔ اور بَدَلْ کیا آیا؟ نکرہ۔ حالانکہ بَدَلْ تو مقصود ہے، تو بَدَلْ کا درجہ کم ہو گیا، لہٰذا اس کی تلافی کے لیے، اس کی اصلاح کے لیے پھر کیا کیا جاتا ہے؟ بَدَلْ کی صِفَتْ لائی جاتی ہے۔ جیسے قرآن میں اس کی مثال تھی: بِالنَّاصِيَةِ نَاصِيَةٍ كَاذِبَةٍ، کوئی مجرموں کو ہم پکڑیں گے بِالنَّاصِيَةِ پیشانی کے بالوں سے یعنی سر کے اگلے حصے کے بالوں سے، نَاصِيَةٍ كَاذِبَةٍ ایسی ناصیہ كَاذِبَةٍ جو جھوٹی ہے، یعنی خطاکار ہے، خطا کرنے گناہ کرنے والی ہے۔ معنی سمجھ میں آیا؟ کاذبہ کا کیا معنی؟ جھوٹی۔ مراد کیا ہے؟ خطاکار ہے، گناہ کرنے والی ہے۔ تو دیکھو تو یہ النَّاصِيَةِ مُبْدَلٌ مِنْهُ معرفہ ہے، اور اس سے بَدَلْ نَاصِيَةٍ کیا آیا؟ نکرہ آیا۔ اور یہ بَدَلُ الْكُلِّ کی مثال ہے، تو پھر اس ناصیہ کی صِفَتْ لائی گئی كَاذِبَةٍ بھئی۔ تو جب بھی بَدَلْ نکرہ ہو اور مُبْدَلٌ مِنْهُ معرفہ ہو، تو بَدَلْ کی صِفَتْ لانا واجب ہے تاکہ اس میں جو کمی آئی ہے، نقصان آیا ہے اس کی تلافی ہو جائے۔ کیونکہ جب آپ بَدَلْ کی صِفَتْ لائیں گے وہ نکرہ ہے

تو نکرہ کی صِفَت لائیں تو اس میں تخصیص آجاتی ہے، اشتراک کم ہو جاتا ہے، افراد کم ہو جاتے ہیں۔ تو جب افراد کم ہوئے تخصیص آگئی، تو اب وہ نکرہ معرفہ تو نہیں بنا لیکن معرفہ کے قریب ہو گیا اور قَرِيبٌ إِلَى الشَّيْءِ فِي حُكْمِ الشَّيْءِ ہوتی ہے۔ تو گویا اب اس، گویا یہ یوں سمجھو یہ مُبْدَلٌ مِنْهُ کے برابر ہی ہو گیا۔ اس کے برابر تو نہیں لیکن یوں سمجھو گویا اس کے برابر ہی ہو گیا۔ وہ معرفہ تو یہ بھی معرفہ ہی ہے یعنی اس کے قریب ہے بھئی۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو اس کا بَدَلْ بننا صحیح ہے۔ اور پھر یہ بھی بتلایا تھا آپ کو کہ بَدَلْ اور مُبْدَلٌ مِنْهُ دونوں اسمِ ظاہر بھی ہو سکتے ہیں، دونوں ضمیریں بھی ہو سکتی ہیں، اور مختلف بھی ہو سکتے ہیں کہ ان میں سے ایک ضمیر ہو اور دوسرا اسمِ ظاہر ہو بھئی۔ لیکن جب بھی آپ ضمیر سے اسمِ ظاہر کو بَدَلْ بنانا چاہیں تو پھر یاد رکھو اس صورت میں، تو پھر اس صورت میں وہ ضمیر غائب کی ہونی چاہیے۔ توجہ ہے؟ بَدَلْ اور مُبْدَلٌ مِنْهُ دونوں ضمیریں بھی

بھی ہو سکتی ہیں، اور دونوں ہی اسمِ ظاہر بھی ہو سکتے ہیں، اور دونوں مختلف بھی ہو سکتے ہیں کہ مُبْدَلٌ مِنْهُ ضمیر ہو اور بَدَلْ اسمِ ظاہر۔ یا مُبْدَلٌ مِنْهُ اسمِ ظاہر ہو اور بَدَلْ ضمیر ہو۔ توجہ ہے؟ لیکن جب بھی آپ ضمیر سے اسمِ ظاہر کو بَدَلْ لانا چاہتے ہیں، مُبْدَلٌ مِنْهُ کیا ہے؟ ضمیر۔ اور بَدَلْ کیا لانا چاہتے ہیں؟ اسمِ ظاہر۔ تو وہ ضمیر جو مُبْدَلٌ مِنْهُ ہے اس کا غائب کی ضمیر ہونا ضروری ہے، مخاطب اور متکلم کی ضمیر سے اسمِ ظاہر بَدَلُ الْكُلِّ نہیں آسکتا۔ جی۔ تمام بدلوں میں یہ ضابطہ نہیں ہے بلکہ صرف کس میں ہے؟ بَدَلُ الْكُلِّ میں، جیسے پچھلا ضابطہ بھی بَدَلُ الْكُلِّ میں تھا کہ معرفہ سے جب نکرہ بَدَلْ واقع ہو اور بَدَلُ الْكُلِّ ہو، تو وہاں پر اس نکرہ کی یعنی بَدَلْ کی صِفَت لانا واجب۔ یہاں پر بھی جب آپ کیا کریں بَدَلُ الْكُلِّ بنا رہے ہیں ضمیر سے کس کو؟ اسمِ ظاہر کو، تو پھر اس صورت میں ضمیر غائب کی ہونی چاہیے، مخاطب اور متکلم کی نہیں ہونی چاہیے۔

وجہ یہ کہ مخاطب اور متکلم کی ضمیریں جو ہیں، ان میں تعریف زیادہ ہے۔ آپ نے پڑھا معرفہ کے اندر سب سے زیادہ تعریف ضمیروں میں ہے، اور جتنی معرفہ کی قسمیں ہیں ان میں سب سے زیادہ تعریف ضمیروں میں ہے، اور پھر ضمیروں میں سب سے زیادہ تعریف جو ہے متکلم کی ضمیر میں ہے۔ تعریف کا معنی پہچان۔ پہچان، انسان کو سب سے زیادہ اپنی پہچان ہوتی ہے۔ تو سب سے زیادہ تعریف کس میں ہے؟ متکلم کی ضمیر میں۔ اس کے بعد مخاطب کی ضمیر کا درجہ ہے، کیونکہ مخاطب جو ہوتا ہے وہ متکلم کے سامنے موجود ہوتا ہے۔ جی۔ اور غائب جو ہے اس کا تیسرا درجہ ہے۔ اور میں نے بتایا تھا اسمِ ظاہر یہ بھی غائب کے درجے میں ہے۔ کیونکہ نام متکلم نہ اپنا لیتا ہے نہ مخاطب کا، بلکہ متکلم اپنے آپ کو بھی ضمیروں سے تعبیر کرتا ہے اور مخاطب کو بھی ضمیروں سے تعبیر کرتا ہے۔ ہاں غائب کا نام لیا جاتا ہے کہ زید میرے پاس آیا تھا۔ ہاں اور ایک دفعہ اس کا نام ذکر کر دیا جائے غائب کا، پھر اس کے لیے بھی غائب کی ضمیریں استعمال کی جاتی ہیں۔ تو معلوم ہوا اسمِ ظاہر کس کے درجے میں ہے؟ غائب کے درجے میں ہے یعنی غائب کی ضمیر کے درجے میں ہے۔ تو اب آپ بَدَلْ لانا چاہتے ہیں ضمیر سے اسمِ ظاہر کو، تو غائب کی ضمیر ہو گی مُبْدَلٌ مِنْهُ غائب کی ضمیر اور بَدَلْ کیا ہے؟ اسمِ ظاہر، تو دونوں ایک

درجے کے ہو گئے۔

اور اگر مُبْدَلٌ مِنْهُ متکلم یا مخاطب کی ضمیر ہے، اور اسمِ ظاہر آپ بَدَلْ بنانا چاہتے ہیں، یہ جائز نہیں۔ اس لیے کیونکہ یہ بَدَلُ الْكُلِّ کی بات ہو رہی ہے۔ اور بَدَلُ الْكُلِّ میں مُبْدَلٌ مِنْهُ اور بَدَلْ دونوں کا مَدْلُوْل ایک ہوتا ہے۔ تو جب دونوں کا مَدْلُوْل ایک ہے، جب دونوں کا مَدْلُوْل ایک ہے، تو بَدَلْ کو اَعْلٰی ہونا چاہیے، کیونکہ وہ مقصود ہے۔ جی۔ ضمیر بھی اسی ذات پر دلالت کر رہی ہے۔ مثلاً أَخُوكَ ضَرَبْتُهُ زَيْدًا۔ جی۔ أَخُوكَ آپ کا جو بھائی ہے، ضَرَبْتُهُ میں نے اس کی پٹائی کی، زَيْدًا یعنی زید کی۔ تو یہ ضَرَبْتُهُ کی ہا ضمیر کس کو راجع؟ أَخُوكَ مخاطب کے بھائی کو، أَخُوكَ کو راجع ہے۔ اور یہ زَيْدًا کیا ہے؟ اس کا نام ہے۔ تو غائب کی ضمیر سے زَيْدًا اسمِ ظاہر کو بَدَلْ بنایا گیا۔ تو یہ دونوں ایک درجے کے ہیں۔ لیکن اگر یہ غائب کی ضمیر کے بجائے متکلم کی ضمیر ہو، تو پھر اس سے زید بَدَلْ نہیں بن سکتا۔ کیونکہ مخاطب اور متکلم کی ضمیروں کا درجہ اَعْلٰی، جی، اور اسمِ ظاہر کا درجہ کم۔ حالانکہ بَدَلْ تو مقصود ہے، تو مقصود کا درجہ کم ہو جائے گا۔

اور یہ کس میں ہو گا صرف؟ بَدَلُ الْكُلِّ میں، کیونکہ جو ضمیر کا مَدْلُوْل وہی اسمِ ظاہر یعنی بَدَلْ کا۔ مُبْدَلٌ مِنْهُ کیا ہے مثلاً؟ متکلم یا مخاطب کی ضمیر، جی، اور بَدَلْ کیا ہے؟ اسمِ ظاہر۔ اور دونوں ایک ہی ذات پر دلالت کر رہے ہیں۔ دونوں ایک ہی ذات پر دلالت کر رہے ہیں۔ تو لہٰذا اس کے اندر پھر مقصود کو اَعْلٰی ہونا چاہیے یعنی بَدَلْ کو، لیکن وہ تو کم درجے کا ہے، ضمیر اس سے اَعْلٰی ہے تعریف کے اندر۔ جی۔ تو دونوں کا جب مَدْلُوْل ایک ہو، تو پھر اس وقت اسمِ ظاہر کا ناقص ہونا سمجھ میں آئے گا۔ جی۔ توجہ نہیں ہے، توجہ نہیں ہے۔ اس میں ضمیر مثلاً متکلم کی ضمیر ہے۔ جی۔ کیا ہے؟ متکلم کی ضمیر ہے۔ اور متکلم کی ضمیر سے پورا متکلم مراد ہے، آگے اسمِ ظاہر آیا اس سے بھی پورا متکلم مراد ہے۔ تو اب دیکھو، ضمیر جو ہے وہ مُبْدَلٌ مِنْهُ ہے، وہ اَعْلٰی درجے کی اور اسمِ ظاہر جو بَدَلْ بن رہا ہے وہ کم درجے کا ہے۔ اور پتہ کیسے چل رہا ہے کہ کم درجے کا ہے؟ کیونکہ دونوں کا مَدْلُوْل ایک ہے۔ جب دونوں کا مَدْلُوْل ایک ہے اب پتہ چلے گا کہ ایک میں نقصان ہے، ایک میں نقصان نہیں ہے۔ اگر دونوں کا مَدْلُوْل ہی الگ الگ ہو، پھر تو کمی نقصان کا نہیں پتہ چل سکتا۔ ایک لفظ کسی چیز پر دلالت کر رہا ہے دوسرا لفظ دوسری چیز پر دلالت کر رہا ہے، پھر تو ہمیں نہیں پتہ چل سکتا کہ کون سا اَعْلٰی درجے کا ہے کون سا کم درجے کا۔ تو یہ کمی صرف کس وقت ظاہر ہو گی؟ جب دونوں کا مَدْلُوْل ایک ہو، اور وہ صرف بَدَلُ الْكُلِّ میں ہوتا ہے۔ جی۔ بَدَلُ الْكُلِّ میں۔ بَدَلُ الْبَعْضِ میں بھی نہیں دونوں کا مَدْلُوْل ایک نہیں ہوتا، بَدَلُ الْاِشْتِمَالِ میں بھی دونوں کا مَدْلُوْل ایک نہیں ہوتا، اور بَدَلُ الْغَلَطِ میں بھی نہیں ہوتا۔ بات سمجھ میں آگئی۔

اب آئیے آج کے سبق پر۔ کہتے ہیں: عَطْفُ الْبَيَانِ تَابِعٌ شَامِلٌ لِجَمِيعِ التَّوَابِعِ، جی، پہلے متن متن دیکھ لیجیے۔ کہتے ہیں: عَطْفُ الْبَيَانِ تَابِعٌ غَيْرُ صِفَةٍ يُوضِحُ مَتْبُوعَهُ۔ عَطْفُ الْبَيَانِ تَابِعٌ، عَطْفِ بَيَانْ ایسا تَابِعْ ہے، غَيْرُ صِفَةٍ جو صِفَتْ کے علاوہ ہوتا ہے، غَيْرُ صِفَةٍ جو صِفَتْ کے علاوہ ہوتا ہے، اور يُوضِحُ مَتْبُوعَهُ اور اپنے مَتْبُوعْ کی وضاحت کرتا ہے۔ جی۔ عَطْفِ

بَیَانْ ایسا تَابِعْ ہے جو صِفَتْ کے علاوہ ہوتا ہے اور اپنے مَتْبُوعْ کی وضاحت کرتا ہے۔ اب سارے تَوَابِعْ نکل گئے۔ جی۔ غَیْرُ صِفَةٍ کے ذریعے صِفَتْ نکل گئی۔ صِفَتْ کبھی کبھار اپنے مَوْصُوفْ کی وضاحت کرتی ہے۔ نکرہ میں صِفَتْ کس لیے آتی ہے؟ تَخْصِیصْ کے لیے۔ اور معرفہ میں صِفَتْ کس لیے آتی ہے؟ تَوْضِیحْ کے لیے، وضاحت کے لیے۔ جَاءَنِي زَیْدٌ الْعَالِمُ، اس زید میں عالم ہونے کا بھی احتمال تھا اور عالم نہ ہونے کا بھی۔ اَلْعَالِمُ صِفَتْ نے آکر وضاحت کر دی کہ یہ زید عالم ہے، اور غیر عالم ہونے کے احتمال کو ختم کر دیا۔ تو صِفَتْ معرفہ میں کس لیے آتی ہے؟ تَوْضِیحْ کے لیے۔ تو اگر یوں تعریف کرتے کہ عَطْفِ بَیَانْ ایسا تَابِعْ ہے جو اپنے مَتْبُوعْ کی وضاحت کرتا ہے، تو پھر تو صِفَتْ بھی داخل ہو جاتی۔ لہٰذا غَیْرُ صِفَةٍ کی قید لگا دی، اب صِفَتْ نکل گئی۔

باقی، باقی تَوَابِعْ کیسے نکلے؟ کہتے ہیں صِفَتْ تو غَیْرُ صِفَةٍ کی قید سے نکلی، اور باقی تین تَوَابِعْ یُوضِحُ مَتْبُوعَهُ کی قید سے نکل گئے۔ کیونکہ بَدَلْ وہ بھی اپنے مَتْبُوعْ کی وضاحت نہیں کرتا، یعنی وہاں وضاحت مقصود نہیں ہوتی بَدَلْ خود ہی مقصود ہوتا ہے۔ عَطْفِ بَیَانْ میں تو مَتْبُوعْ مقصود ہوتا ہے، اور تَابِعْ صرف آکر اس کی وضاحت کرتا ہے۔ اور بَدَلْ کے اندر بھی وضاحت حاصل تو ہو جاتی ہے، لیکن وہ مقصود نہیں ہوتی، اصل مقصود خود بَدَلْ ہی ہوتا ہے۔ وہ بَدَلْ آپ اس لیے نہیں لائے کہ آپ مَتْبُوعْ کی وضاحت کرنا چاہتے ہیں، بلکہ بَدَلْ ہی مقصود ہے اور مَتْبُوعْ کو آپ صرف تَمْهِیدْ کے لیے لائے ہیں۔ تو یُوضِحُ مَتْبُوعَهُ کی قید کے ذریعے بَدَلْ بھی نکل گیا، وہ اس مقصد کے لیے نہیں لایا جاتا اگرچہ اس کے ذریعے بھی وضاحت حاصل ہو جاتی ہے۔ اور نیز مَعْطُوفٌ بِالْحَرْفِ بھی نکل گیا، جَاءَنِي زَیْدٌ وَعَمْرٌو۔ یہ عَمْرٌو یہ جو مَعْطُوفٌ بِالْحَرْفِ ہے، اس کو زید کی وضاحت کے لیے نہیں لایا گیا، یہ خود الگ مقصود ہے۔ زید الگ مقصود ہے اور مَعْطُوفٌ بِالْحَرْفِ الگ۔ تو لہٰذا یُوضِحُ مَتْبُوعَهُ اس کے ذریعے مَعْطُوفٌ بِالْحَرْفِ بھی نکل گیا۔ بَدَلْ بھی نکل گیا اور مَعْطُوفٌ بِالْحَرْفِ بھی۔ پھر اس کے بعد یُوضِحُ مَتْبُوعَهُ کے ذریعے تَأْکِیدْ بھی نکل گئی۔ تَأْکِیدْ تو اپنے مَتْبُوعْ کو پکا کرتی ہے نِسْبَتْ میں یا شُمُولْ میں۔ جی۔ وہ تو تَوْضِیحْ کا فائدہ نہیں دیتی، لہٰذا یُوضِحُ مَتْبُوعَهُ کی قید کے ذریعے تَأْکِیدْ بھی نکل گئی۔ تو غَیْرُ صِفَةٍ کی قید سے صِفَتْ نکلی، اور یُوضِحُ مَتْبُوعَهُ کی قید کے ذریعے بَدَلْ بھی نکل گیا، مَعْطُوفٌ بِالْحَرْفِ بھی نکل گیا اور تَأْکِیدْ بھی نکل گئی۔ تو یہ تعریف جَامِعْ اور مَانِعْ ہے بھئی اس میں اور کوئی تَابِعْ داخل نہیں۔

تو کہتے ہیں عَطْفُ الْبَیَانِ تَابِعٌ غَیْرُ صِفَةٍ یُوضِحُ مَتْبُوعَهُ، عَطْفِ بَیَانْ ایسا تَابِعْ ہے جو صِفَتْ کے علاوہ ہوتا ہے، یُوضِحُ مَتْبُوعَهُ اپنے مَتْبُوعْ کی وضاحت کرتا ہے۔ مِثْلُ مثال کے طور پر أَقْسَمَ بِاللّٰهِ أَبُو حَفْصٍ عُمَرُ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ، جیسے أَقْسَمَ بِاللّٰهِ اللہ کی قسم اٹھا لی، اللہ کی قسم کھا لی، أَبُو حَفْصٍ ابو حفص نے، عُمَرُ یعنی کہ عمر نے۔ اللہ کی قسم اٹھا لی ابو حفص یعنی عمر نے۔ یاد رکھو یہ أَبُو حَفْصٍ یہ کُنْیَتْ ہے حضرت عمر رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ کی، البتہ وہ اپنے نام سے زیادہ مشہور ہیں۔ تو جب کہا أَقْسَمَ بِاللّٰهِ أَبُو حَفْصٍ، ابو حفص نے قسم اٹھا لی ہے اللہ کی، تو پتہ نہیں چلا کون مراد ہے، عُمَرُ نے آگے آکر وضاحت

کر دی کہ اس ابو حفص سے کون مراد ہیں؟ عمر فاروق رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ بھئی۔

یہ واقعہ یوں ہوا تھا، آگے صاحبِ جامی بھی ذکر فرمائیں گے کہ حضرت عمر رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ خَلِيفَةُ الْمُسْلِمِينَ تھے بھئی اَمِيرُ الْمُؤْمِنِينَ، اور لوگ ان کے پاس آتے تھے اپنی اپنی حاجات پیش فرماتے تھے، اپنے مسائل ذکر فرماتے تھے بھئی۔ اور عام اجازت تھی جو آنا چاہتا ہے براہِ راست اَمِيرُ الْمُؤْمِنِينَ خَلِيفَةُ الْمُسْلِمِينَ کے پاس آئے اور اپنا مسئلہ ذکر کرے، اور حضرت عمر ہر وقت مشغول ہیں لوگوں کے مسائل سن رہے ہیں اور احکامات جاری کر رہے ہیں اور وہ احکامات نافذ ہو رہے ہیں بھئی۔ عجیب شخص تھے اللہ نے عجیب، عجیب ان کو رعب دبدبہ اور جلال نصیب فرمایا تھا۔ تو وہ لوگوں کے مسائل سن رہے تھے۔ ایک دیہاتی آیا اور اس نے آکر کہا کہ يَا اَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ میری جو ہے میں گھر والوں سے دور ہوں، دور ہوں یعنی مجھے اب سفر کر کے وہاں جانا ہے گھر والوں کے پاس، اور میری جو اونٹنی ہے وہ اس کی کمر بھی زخمی ہے اور نیز وہ بڑی لاغر ہو گئی ہے اور اس کے پاؤں بھی پھٹ گئے ہیں، زخمی ہیں، تو مجھے اونٹنی عطا فرما دیجیے بَيْتُ الْمَالْ سے تاکہ میں اپنے گھر سفر کر کے واپس جا سکوں۔

حضرت عمر رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ مسائل سن رہے ہیں، اس کی طرف بھی متوجہ ہیں، اس کی بات سنی اور پھر فرمایا: نہیں بھئی تم جھوٹ بول رہے ہو۔ بعض افراد وہ اپنی بات زیادہ واضح بیان نہیں کر سکتے یا صحیح الفاظ میں ذکر نہیں کیا ہو گا، تو حضرت عمر نے گمان کیا کہ شاید یہ صحیح بات نہیں کر رہا، تو آپ نے فرمایا: نہیں بھئی تم جھوٹ بول رہے ہو۔ تو اس کو اونٹنی نہیں دی۔ وہ وہاں سے پھر بیچارہ مایوس ہو کر نکلا، پریشان ہے، اپنی اس کی اونٹنی واقعی زخمی تھی، اس کی کمر بھی زخمی تھی، پاؤں بھی زخمی تھے، لاغر تھی، چنانچہ اس نے وہ جو تھوڑا بہت سامان تھا اسی طرح زخمی اونٹنی پر اپنا سامان رکھا اور اونٹنی کی مہار تھام کر چل پڑا۔ اور اشعار پڑھتا ہوا جا رہا ہے بھئی۔ عرب اشعار کو بڑا پسند کرتے تھے۔ چنانچہ وہ اشعار پڑھتا ہوا جا رہا ہے اور اپنی یہی بات ذکر کر رہا ہے اشعار کے اندر۔ تو اس کی نظر پڑی حضرت عمر رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ وادی کے اوپر سے تشریف لا رہے ہیں راستے میں۔ حضرت عمر کے سامنے مسئلہ ایک وقت ذکر کیا ہو گا اور بعد میں کافی وقت کے بعد اب وہ نکل کر جا رہا ہے، تو حضرت عمر کو دیکھا کہ وہ وادی کے اوپر کی جانب سے تشریف لا رہے ہیں۔ تو وہ یہ اشعار پڑھتا ہوا جا رہا تھا:

▪ متنِ کتاب و تحقیقِ مسائلِ نحویہ

أَقْسَمَ بِاللّٰهِ أَبُو حَفْصٍ عُمَرْ

اللہ کی قسم کھا لی ہے ابو حفص عمر نے،

مَا مَسَّهَا مِنْ نَقَبٍ وَلَا دَبَرْ

انہوں نے قسم کھا لی ہے اور کہا ہے مَا مَسَّهَا مِنْ نَقَبٍ وَلَا دَبَرْ کہ نہ تو یہ لاغر ہے اور نہ ہی اس کی کمر پر کوئی زخم وغیرہ ہے،

اِغْفِرْ لَهُ اللّٰهُمَّ إِنْ كَانَ فَجَرْ

اے اللہ ابو حفص عمر کو معاف فرما دیجیے ان کی مغفرت فرما دیجیے إِنْ كَانَ فَجَرْ اگر انہوں نے گناہ کیا ہے۔

یعنی انہوں نے مجھے جو جھوٹا کہا ہے اگر انہوں نے گناہ کیا ہے تو ان کو معاف کر دیجیے۔ تو یہ شاعر کیا کہہ رہا ہے؟ أَقْسَمَ بِاللّٰهِ اللہ کی قسم اٹھا لی ہے حضرت عمر نے۔ تو علماء فرماتے ہیں بعض نے لکھا ہے کہ حضرت عمر رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ نے قسم اٹھا کر کہا تھا کہ وَاللّٰهِ تم جھوٹ بول رہے ہو۔ عرب کی عادت تھی بھئی بات بات میں قسم کھاتے تھے، لیکن بہرحال اس قسم میں بھی حضرت عمر رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ جھوٹے نہیں گنہگار نہیں تھے، اس لیے کیونکہ ان کا یہ گمان تھا کہ یہ جھوٹ بول رہا ہے۔ جی۔ تو جب آدمی کا ایک گمان ہو اور پھر اس کے مطابق قسم کھا لے پھر وہ گنہگار نہیں ہے۔ وجہ یہ کہ آپ اپنے ظَنْ کے مطابق سچی قسم ہی کھا رہے ہیں، آپ کا یہی خیال ہے کہ معاملہ اسی طرح تھا۔ تو حضرت عمر نے بھی اپنے گمان کے مطابق قسم کھائی تھی۔ لیکن بہرحال اس نے یوں کہا کہ اے اللہ اگر ان سے غلطی ان سے گناہ ہوا ہے تو ان کو معاف فرما دیجیے۔

اور پھر حضرت عمر رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ کو دور سے جب اس نے دیکھا، تو یہی شعر بار بار پڑھنا شروع کر دیے: أَقْسَمَ بِاللّٰهِ أَبُو حَفْصِ عُمَرْ، مَا مَسَّهَا مِنْ نَقَبٍ وَلَا دَبَرْ، اِغْفِرْ لَهُ اللّٰهُمَّ إِنْ كَانَ فَجَرْ۔ اے اللہ ان کی مغفرت فرما دیجیے اگر ان سے گناہ ہوا ان سے غلطی ہوئی ہے۔ تو حضرت عمر نے بھی سن لیا، تو حضرت عمر فرمانے لگے: اَللّٰهُمَّ صَدِّقْ صَدِّقْ، اے اللہ اس کو سچا کر دے، سچا کر دے۔ وہ دعا کر رہا تھا نا حضرت عمر کے لیے: اے اللہ اگر ان سے غلطی ہوئی ہے تو ان کو معاف کر دے، تو حضرت عمر فرما رہے ہیں: اَللّٰهُمَّ صَدِّقْ، اے اللہ اس کو سچا کر دے، یعنی اے اللہ واقعی اگر مجھ سے غلطی ہوئی ہے مجھے معاف فرما دے، اس کی دعا قبول فرما لے۔ اور پھر اس کے پاس پہنچے اور اس کو کہا کہ بھئی اپنا سامان اتارو اونٹنی سے۔ چنانچہ اس نے اپنا سامان اونٹنی سے اتارا، تو دیکھا واقعی اس اونٹنی کی کمر زخمی تھی، اور اونٹنی لاغر بھی تھی، اور نیز اونٹنی کے پاؤں اس کے پھٹ گئے تھے اس کے قدم بھئی۔ تو پھر حضرت عمر رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ اس کو لے آئے اور اس کو بَيْتُ الْمَالْ سے ایک اونٹنی بھی دی، اور اس کو زَادِ رَاهْ بھی دیا سامان بھی دیا راستے کا، کیونکہ قدیم زمانے میں سفر لوگ کرتے تھے تو کھانے پینے کا سامان ساتھ لے کر چلتے تھے، تو اس کو سفر کا سامان بھی دے دیا راستے کے لیے، اور نیز اس کو کپڑے بھی عنایت فرما دیے پہننے کے لیے۔ تو یہ واقعہ تھا، اس میں یہ أَقْسَمَ بِاللّٰهِ أَبُو حَفْصِ عُمَرْ یہ شعر کے اندر اس دیہاتی نے ذکر کیا تھا بھئی۔ بات سمجھ میں آگئی؟ اللہ، دیہاتی کی بھی کیا شان تھی، حضرت عمر رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ کی زیارت بھی کی ملاقات بھی کی، اور آپ نے پڑھا ہے بھئی صحابی کی جو زیارت کر لے وہ تابعی کہلاتا ہے، اور تابعی کا بہت اونچا مقام ہے

لفظوں میں بیان نہیں کیا جا سکتا بھئی۔

جی اب اس کو دیکھیے سارے کو شرح کے ساتھ۔ کہتے ہیں عَطْفُ الْبَيَانِ تَابِعٌ، عَطْفِ بَيَانْ ایسا تَابِعْ ہے، ادھر دیکھیے جب کہا عَطْفِ بَيَانْ تَابِعْ ہے تو سارے تَوَابِعْ داخل ہو گئے۔ جی۔ سارے تَوَابِعْ داخل ہو گئے۔ پھر غَيْرُ صِفَةٍ کہا تو صِفَتْ نکل گئی۔ جی۔ پھر يُوضِحُ مَتْبُوعَهُ کہا تو باقی تَوَابِعْ بھی نکل گئے، یہی بیان کر رہے ہیں۔ کہتے ہیں عَطْفُ الْبَيَانِ تَابِعٌ عَطْفِ بَيَانْ ایسا تَابِعْ ہے، شَامِلٌ لِجَمِيعِ التَّوَابِعِ یہ لفظ شامل ہے سارے تَوَابِعْ کو، جب تَابِعٌ کہا تو اس میں سارے تَوَابِعْ آ گئے، غَيْرُ صِفَةٍ اِحْتَرَزَ بِهِ عَنِ الصِّفَةِ، اس قید کے ذریعے ماتن نے اِحْتِرَازْ کیا صِفَتْ سے، يُوضِحُ مَتْبُوعَهُ یہ جو قید آئی، اِحْتَرَزَ بِهِ عَنِ الْبَدَلِ وَالْعَطْفِ بِالْحَرْفِ وَالتَّأْكِيدِ، اس کے ذریعے ماتن نے اِحْتِرَازْ کیا بَدَلْ سے اور عَطْفِ بِالْحَرْفِ سے اور تَأْكِيدْ سے۔

وَلَا يَلْزَمُ مِنْ ذٰلِكَ أَنْ يَكُونَ، جی یہاں سے ایک اور بات بتلا رہے ہیں۔ بعض علماء نے لکھا ہے کہ جو عَطْفِ بَيَانْ ہے، اس کا مَاقَبْلْ سے زیادہ واضح ہونا ضروری ہے۔ عَطْفِ بَيَانْ، پہلے کیا آتا ہے؟ مَعْطُوفٌ عَلَيْهِ مَتْبُوعْ۔ اور پھر کیا آئے گا؟ تَابِعْ یعنی عَطْفِ بَيَانْ۔ یہ عَطْفِ بَيَانْ کا مَتْبُوعْ سے زیادہ واضح ہونا ضروری ہے۔ یہ زیادہ واضح ہو گا تبھی وضاحت کر سکتا ہے نا، اگر یہ زیادہ واضح نہیں تو پھر کیسے وضاحت کرے گا؟ جیسے أَبُو حَفْصٍ یہ اتنا مشہور نہیں لیکن عُمَرْ وہ زیادہ مشہور تھا، تو عُمَرْ نے آ کر دیکھو أَبُو حَفْصٍ کی وضاحت کر دی۔ تو صاحبِ جامی بتلا رہے ہیں کہ نہیں، عَطْفِ بَيَانْ کا مَاقَبْلْ سے زیادہ واضح ہونا ضروری نہیں، ہاں دونوں کے ملنے سے وضاحت حاصل ہونی چاہیے۔ جی۔ دونوں کے ملنے سے وضاحت حاصل ہونی چاہیے۔ دیکھو کیسے، مثال سے بات سمجھ میں آئے گی۔ آپ کے دو ساتھی ہیں، دونوں کا نام عبد اللہ ہے۔ جی۔ تو میں اگر صرف کہوں میرے پاس عبد اللہ آیا تھا، کیا آپ کو پتہ چلے گا کون سا عبد اللہ آیا ہے؟ نہیں۔ پتہ نہیں پہلا والا ہے یا دوسرا، یہ آپ کو پتہ نہیں چل سکتا۔ اسی طرح آپ کے دو ساتھی ہیں، ان دونوں کی كُنْيَتْ ابو بکر ہے۔ مثلاً ایک عبد اللہ کی كُنْيَتْ بھی ابو بکر، اور ایک زید ہے اس کی كُنْيَتْ بھی ابو بکر۔ اب میں آپ سے کہتا ہوں میرے پاس ابو بکر آیا تھا، کیا آپ کو پتہ چلا کون سا؟ نہیں، ابھی بھی پتہ نہیں چلا۔ لیکن اگر میں یوں کہوں: جَاءَنِي عَبْدُ اللهِ أَبُو بَكْرٍ، میرے پاس وہ عبد اللہ آیا تھا جو ابو بکر ہے، اب وضاحت ہو گئی، کہ معلوم ہوا وہ والا عبد اللہ مراد ہے جس کی كُنْيَتْ ابو بکر ہے، دوسرا والا عبد اللہ مراد نہیں۔ تو دیکھا دونوں کے ملنے سے وضاحت حاصل ہو گئی۔ تو عَطْفِ بَيَانْ کا اول سے زیادہ مشہور ہونا ضروری نہیں ہے۔

تو کہتے ہیں: وَلَا يَلْزَمُ مِنْ ذٰلِكَ اور اس سے یہ بات لازم نہیں آتی، أَنْ يَكُونَ عَطْفُ الْبَيَانِ أَوْضَحَ مِنْ مَتْبُوعِهِ کہ عَطْفِ بَيَانْ جو ہے وہ زیادہ واضح ہو اپنے مَتْبُوعْ کے مقابلے میں، بَلْ يَنْبَغِي أَنْ يَحْصُلَ مِنِ اجْتِمَاعِهِمَا بلکہ مناسب یہ ہے کہ ان دونوں کے اِجْتِمَاعْ سے حاصل ہو، ان دونوں کے اِجْتِمَاعْ سے حاصل ہو، بھئی کیا حاصل ہو؟ کہتے ہیں إِيضَاحٌ لَمْ يَحْصُلْ مِنْ أَحَدِهِمَا عَلَى الْاِنْفِرَادِ، ایسی وضاحت جو حاصل نہیں ہو رہی تھی ان دونوں میں سے کسی ایک سے عَلَى الْاِنْفِرَادِ اکیلے۔ ان دونوں میں سے اکیلے ایک کو لاتے تو پھر وضاحت نہیں تھی۔ میں صرف عبد اللہ کہتا تو بھی وضاحت نہیں تھی کہ پتہ

نہیں کون سا عبد اللہ، میں صرف ابو بکر کہوں تو بھی وضاحت نہیں کہ پتہ نہیں کون سا ابو بکر، لیکن دونوں کے اِجْتِمَاعْ سے وہ وضاحت حاصل ہو گئی جو اکیلے عبد اللہ یا اکیلے ابو بکر سے حاصل نہیں ہو رہی تھی۔ یہ معنی ہے بَلْ يَنْبَغِي أَنْ يَحْصُلَ مِنِ اجْتِمَاعِهِمَا بلکہ مناسب یہ ہے کہ ان دونوں کے ملنے سے، ان دونوں کے اِجْتِمَاعْ سے حاصل ہو، إِيضَاحٌ ایسی وضاحت لَمْ يَحْصُلْ مِنْ أَحَدِهِمَا عَلَى الْاِنْفِرَادِ جو ان دونوں میں سے ایک سے اکیلے حاصل نہ ہو رہی ہو، فَيَصِحُّ أَنْ يَكُونَ الْأَوَّلُ أَوْضَحَ مِنَ الثَّانِي تو صحیح ہے کہ اول جو ہے وہ زیادہ واضح ہو ثانی سے۔ جی۔ اول زیادہ واضح ہو ثانی اتنا واضح نہ ہو، لیکن دونوں کے ملنے سے کیا ہو گئی؟ وضاحت حاصل ہو گئی۔ تو اول بھی واضح زیادہ ہو سکتا ہے، ثانی بھی زیادہ واضح ہو سکتا ہے، لیکن بہرحال دونوں کے ملنے سے وضاحت ہونی چاہیے، عَطْفِ بَيَانْ ہی کا زیادہ واضح ہونا ضروری نہیں۔

یہ معنی ہے فَيَصِحُّ أَنْ يَكُونَ الْأَوَّلُ تو یہ بھی صحیح ہے کہ اول یعنی مَعْطُوفٌ عَلَيْهِ جو ہے أَوْضَحَ مِنَ الثَّانِي وہ زیادہ واضح ہو ثانی کے مقابلے میں یعنی عَطْفِ بَيَانْ کے مقابلے میں۔ مِثْلُ أَقْسَمَ بِاللهِ أَبُو حَفْصٍ عُمَرُ، قسم اٹھا لی ہے اللہ کی ابو حفص عمر رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُ نے۔ فَأَبُو حَفْصٍ كُنْيَةُ أَمِيرِ الْمُؤْمِنِينَ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ، پس ابو حفص جو ہے یہ کُنْيَتْ ہے امیر المؤمنین عمر ابن الخطاب رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُ کی، وَعُمَرُ عَطْفُ بَيَانٍ لَهُ، اور اس مثال میں عُمَرُ جو ہے یہ عَطْفِ بَيَانْ ہے ابو حفص کے لیے، اس کُنْيَتْ کے لیے۔ وَقِصَّتُهُ اور قصہ اس کا یوں ہے، اب وہ واقعہ ذکر کریں گے، أَنَّهُ أَتَى أَعْرَابِيٌّ إِلَى عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ کہ ایک دیہاتی آیا عمر ابن الخطاب رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُ کے پاس، فَقَالَ اس نے کہا إِنَّ أَهْلِي بَعِيدٌ میرے گھر والے جو ہیں دور ہیں، یعنی میرا گھر دور ہے، وَإِنِّي عَلَى نَاقَةٍ دَبْرَاءَ عَجْفَاءَ نَقْبَاءَ اور میں ایک ایسی اونٹنی پر ہوں دَبْرَاءَ، دَبْرَاءَ أَدْبَرُ کی مؤنث ہے، جیسے أَحْمَرُ کی مؤنث کیا؟ حَمْرَاءُ۔ أَبْيَضُ کی مؤنث کیا؟ بَيْضَاءُ۔ تو یہ صِفَتِ مُشَبَّہَہْ کی مؤنث ہے۔ دَبِرَ يَدْبَرُ کا معنی ہے اونٹ یا اونٹنی کی کمر کا زخمی ہونا، اس پر پھوڑے وغیرہ نکل آنا۔ تو أَدْبَرُ وہ اونٹ وہ مذکر جس کی پشت زخمی ہو۔ اور دَبْرَاءُ اس کی مؤنث ہے یعنی اونٹنی۔ اور یہ دَبْرَاءَ، عَجْفَاءَ، نَقْبَاءَ یاد رکھو یہ تینوں غیر منصرف ہیں، کیونکہ ان کے آخر میں الفِ تانیث آرہا ہے۔ اور آپ نے پڑھا ہے الفِ تانیث دو سببوں کے قائم مقام ہے بھئی۔ تو ایسی اونٹنی دَبْرَاءَ جس کی کمر زخمی ہے، عَجْفَاءَ، عَجِفَ يَعْجَفُ کے معنی ہیں دبلا ہونا، کمزور ہونا، لاغر ہونا، عَجْفَاءَ اور وہ لاغر ہے، نَقْبَاءَ، نَقِبَ يَنْقَبُ کے معنی ہیں کسی چیز کا پھٹنا یا اسی طرح پاؤں کی بیماری وغیرہ، اونٹ کے قدموں کی کوئی بیماری ہے، تو اس اونٹنی کے جو پاؤں تھے وہ بھی زخمی تھے، تو نَقْبَاءَ اور وہ ایسی اونٹنی جس کے کھروں میں بیماری ہے۔

وَاسْتَحْمَلَهُ فَظَنَّهُ كَاذِبًا۔ وَاسْتَحْمَلَهُ، یہاں یاد رکھو حَمَلَ يَحْمِلُ کے معنی ہیں کسی کو سواری کا جانور دینا، کسی کو سواری کا جانور دینا، یعنی کسی کو سواری دینا یوں کہو۔ تو اسْتَحْمَلَهُ اس پر سین بابِ استفعال میں لے گئے، اور سین کس لیے آتا ہے؟ طلب کے لیے۔ وَاسْتَحْمَلَهُ اور اس دیہاتی نے اونٹ دینے کو طلب کیا۔ جی۔ سواری دینے کو طلب کیا کہ مجھے سواری عنایت فرمائیں۔ وَاسْتَحْمَلَهُ اور اس دیہاتی نے حضرت عمر رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُ سے سواری کو طلب کیا، فَظَنَّهُ كَاذِبًا تو حضرت عمر رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُ نے اس کے بارے میں گمان کیا جھوٹا ہونے کا، فَلَمْ يَحْمِلْهُ، ابھی میں نے بتایا حَمَلَ يَحْمِلُ

کا کیا معنی؟ کسی کو سواری دینا، فَلَمْ يَحْمِلْهُ تو حضرت عمر نے اس کو سواری نہ دی، فَانْطَلَقَ الْأَعْرَابِيُّ تو وہ دیہاتی چل پڑا، فَحَمَلَ بَعِيرَهُ، اب حَمَلَ يَحْمِلُ یاد رکھو حَمَلَ يَحْمِلُ کا معنی بوجھ لادنے کے بھی ہے، سواری دینا بھی اور بوجھ لادنا بھی، تو یہاں بوجھ لادنے کے معنی میں ہے، فَحَمَلَ بَعِيرَهُ تو اس نے بوجھ لادا اپنے اونٹنی پر۔ بَعِيرٌ یاد رکھو سواری اور باربرداری والا اونٹ، چاہے مذکر ہو یا مؤنث، اونٹ ہو یا اونٹنی ہو۔ اس کو بَعِيرٌ کہتے ہیں، تو بَعِيرٌ صرف مذکر اونٹ کو نہیں کہتے، مذکر ہو یا مؤنث وہ اونٹ یا اونٹنی جو سواری کے قابل ہے اور بوجھ اس پر لادا جا سکتا ہے یعنی بچہ نہیں ہے بڑا ہے، اس کو کیا کہتے ہیں؟ بَعِيرٌ بھئی۔ فَحَمَلَ بَعِيرَهُ تو اس نے بوجھ لادا اپنی اونٹنی پر، اپنی سواری پر، ثُمَّ اسْتَقْبَلَ الْبَطْحَاءَ پھر وہ متوجہ ہوا وادی کی طرف، بَطْحَاءٌ کہتے ہیں کھلی وادی، کشادہ وادی۔ دو پہاڑوں کے درمیان کا جو علاقہ ہے وہ کیا کہلاتا ہے؟ وادی۔ ثُمَّ اسْتَقْبَلَ الْبَطْحَاءَ پھر وہ وادی کی طرف متوجہ ہوا، یعنی چل پڑا واپسی کا راستہ لیا، وادی میں جا رہا ہے۔ وَجَعَلَ يَقُولُ اور وہ یہ کہہ رہا تھا، وَهُوَ يَمْشِي خَلْفَ بَعِيرِهِ، یہ واو حالیہ ہے، اس حال میں کہ وہ چل رہا تھا خَلْفَ بَعِيرِهِ اپنی اونٹنی کے پیچھے۔ وہ اپنی اونٹنی کے پیچھے چل رہا تھا وَجَعَلَ يَقُولُ اور اس نے یہ کہنا شروع کیا:

▪ متنِ کتاب و تحقیقِ مسائلِ نحویہ

أَقْسَمَ بِاللّٰهِ أَبُو حَفْصٍ عُمَرْ

قسم اٹھالی ہے اللہ کی ابو حفص عمر نے،

مَا مَسَّهَا مِنْ نَقَبٍ وَلَا دَبَرْ

مَا مَسَّهَا، مَسَّ يَمَسُّ کے معنی چھونا لگنا، مَا مَسَّهَا ہا ضمیر اَلنَّاقَةَ کو راجع ہے، مَا مَسَّهَا کہ نہیں لگی میری اونٹنی کو مِنْ نَقَبٍ وہ نقب والی بیماری جو قدموں والی ہے وَلَا دَبَرٍ اور نہ ہی اس کی کمر زخمی ہے۔ تو مَا مَسَّهَا مِنْ نَقَبٍ وَلَا دَبَرٍ کہ اس اونٹنی کو جو ہے نقب اور دبر کی بیماری نہیں ہے۔ تو اس اونٹنی کو نقب اور دبر یعنی پاؤں اور کمر کی بیماری نہیں ہے۔

اِغْفِرْ لَهُ اللّٰهُمَّ إِنْ كَانَ فَجَرْ

اے اللہ ان کی مغفرت فرما ان کو معاف فرما اگر انہوں نے گناہ کیا ہے یعنی ان سے غلطی ہوئی ہے۔

وَعُمَرُ مُقْبِلٌ مِنْ أَعْلَى الْوَادِي، أَقْبَلَ يُقْبِلُ کا معنی ہے آنا، آنا، وَعُمَرُ مُقْبِلٌ مِنْ أَعْلَى الْوَادِي اور حضرت عمر رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ تشریف لا رہے تھے مِنْ أَعْلَى الْوَادِي وادی کے اوپر والے حصے سے، فَجَعَلَ إِذَنْ قَالَ تو اس نے یہ کہنا شروع کر دیا، وہی ایک جو تھا مصرع وہ بار بار دہرانے لگا، فَجَعَلَ إِذَنْ قَالَ تو اس نے یہ کہنا شروع کر دیا: اِغْفِرْ لَهُ اللّٰهُمَّ إِنْ كَانَ فَجَرْ، اے اللہ ان کی مغفرت فرما اگر ان سے غلطی ہوئی ہے۔ قَالَ حضرت عمر نے سنا تو فرمانے لگے: اَللّٰهُمَّ صَدِّقْ صَدِّقْ،

اے اللہ اس کو سچا کر دے، یعنی اے اللہ اس کی دعا قبول کر لے اور میری مغفرت فرما۔ حَتَّى الْتَقَيَا، اِلْتَقٰى کا معنی ملنا، اِلْتَقَيَا وہ دونوں ملے، حَتَّى الْتَقَيَا یہاں تک کہ ان دونوں کی ملاقات ہوئی، فَأَخَذَ بِيَدِهٖ تو حضرت عمر نے اس کو ہاتھ سے پکڑا فَقَالَ اور فرمایا: ضَعْ عَنْ رَاحِلَتِكَ، رَاحِلَةٌ سواری کا اونٹ بھئی، ضَعْ، وَضَعَ يَضَعُ کے معنی رکھنا، ضَعْ عَنْ رَاحِلَتِكَ یعنی رکھو اپنی سواری سے، یعنی سامان جو اس پر لادا ہوا ہے اس کو نیچے اتارو۔ ضَعْ عَنْ رَاحِلَتِكَ اپنی سواری سے سامان نیچے رکھو، فَوَضَعَ اس نے رکھ دیا نیچے، سامان اتار دیا، فَإِذَا هِيَ نَقْبَاءُ عَجْفَاءُ تو اچانک وہ نَقْبَاءُ یعنی اس کے قدموں کی بیماری بھی تھی، عَجْفَاءُ اور دبلی اور لاغر بھی تھی، اور اسی طرح کمر بھی زخمی تھی۔ فَحَمَلَهُ عَلٰى بَعِيرِهٖ تو حضرت عمر رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ نے اس کو سوار کیا عَلٰى بَعِيرِهٖ اپنے اونٹ پر، اس کو اپنے اونٹ پر سوار کر دیا، وَزَوَّدَهُ اور اس کو زَادِ رَاهٍ بھی دیا راستے کے لیے کھانے پینے کا سامان جو ضرورت تھی، وَكَسَاهُ اور اس کو کپڑے بھی پہنائے یعنی اس کو کپڑے بھی دے دیے۔ تو یہ واقعہ تھا بھئی، بات سمجھ میں آگئی۔

آگے دیکھیے: وَفَصْلُهُ أَيْ فَرْقُهُ مِنَ الْبَدَلِ لَفْظًا، اچھا تن تن دیکھیے آگے بھئی، وَفَصْلُهُ مِنَ الْبَدَلِ لَفْظًا فِي مِثْلِ أَنَا ابْنُ التَّارِكِ الْبَكْرِيِّ بِشْرٍ۔ وَفَصْلُهُ مِنَ الْبَدَلِ، فَصْلٌ کا معنی فرق، اور عَطْفِ بَيَانْ کا فرق بَدَلْ سے لَفْظًا باعتبار لفظوں کے جو ہے فِي مِثْلِ اس جیسی مثالوں میں ہوتا ہے۔ میں نے بتایا تھا آپ کو بھئی کہ بَدَلْ اور عَطْفِ بَيَانْ میں فرق بڑا مشکل ہے حتیٰ کہ صاحبِ جامی نے بھی ذکر فرمایا کہ شارحِ رضی فرماتے ہیں کہ مجھے آج تک عَطْفِ بَيَانْ اور بَدَلُ الْكُلِّ میں کوئی واضح فرق معلوم نہیں ہو سکا، میں نے جب بھی عَطْفِ بَيَانْ میں غور کیا مجھے وہ بَدَلُ الْكُلِّ معلوم ہوا۔ جیسے أَقْسَمَ بِاللّٰهِ أَبُو حَفْصٍ عُمَرُ، یہ أَبُو حَفْصٍ اور عُمَرُ دونوں کا مَدْلُولْ ایک ہے، اور دونوں کا مَدْلُولْ ایک ہو یہ کس کی تعریف تھی؟

بدل الکل کی۔ تو یہاں دیکھو بَدَلُ الْكُلِّ کی تعریف بھی اس پر صادق آ رہی ہے۔ تو وہ فرماتے ہیں میں نے جس عَطْفِ بَيَانْ میں بھی غور کیا میں نے اس کو بَدَلُ الْكُلِّ ہی پایا۔ تو اب صاحبِ کافیہ فرما رہے ہیں کہ عَطْفِ بَيَانْ کا فرق بَدَلْ سے لفظوں کے اعتبار سے اس جیسی مثالوں میں ہو جاتا ہے۔ اس جیسی مثالوں میں فرق ہو جاتا ہے عَطْفِ بَيَانْ کا۔ ایک لفظ آگے آئے گا بِشْرٍ، آپ اس بشر کو عَطْفِ بَيَانْ تو بنا سکتے ہیں آپ اس کو بَدَلْ نہیں بنا سکتے۔ تو دیکھو فرق ہو گیا دونوں میں۔ معنیٰ کے اعتبار سے تو فرق ہو چکا ہے پیچھے ذکر ہو گیا تھا۔ کہ بَدَلْ کے اندر تَابِعْ مقصود ہوتا ہے، اور عَطْفِ بَيَانْ میں مَتْبُوعْ مقصود ہوتا ہے۔ میر سید السند کا قول ذکر ہوا تھا وہ کیا فرماتے ہیں؟ کہ اگر آپ جَاءَنِي أَخُوكَ زَيْدٌ کہیں اور آپ کا اصل مقصود کیا ہو؟ أَخُوكَ ہو اور زید کو آپ وضاحت کے لیے لائے ہیں، تو یہ زید عَطْفِ بَيَانْ۔ اور اگر آپ کا مقصود یہ زید یعنی ثانی ہی ہے اور أَخُوكَ کو آپ بطورِ تَمْهِيدْ کے لائے ہیں، تو زید کیا ہے؟ یہی بَدَلْ ہے۔ توجہ ہے؟ تو کہتے ہیں معنیٰ کے اعتبار سے تو وہاں فرق ذکر ہو گیا تھا، کہ بَدَلْ میں تَابِعْ مقصود ہوتا ہے اور عَطْفِ بَيَانْ میں مَتْبُوعْ مقصود ہوتا ہے۔ اور لفظوں کے اندر بھی اس جیسی مثالوں میں فرق ہو جاتا ہے۔

دیکھیے بھئی۔ کہتے ہیں وَفَصْلُهُ مِنَ الْبَدَلِ لَفْظًا، اور یہ عَطْفِ بَيَانْ کا فرق بَدَلْ سے لفظوں کے اعتبار سے، فِي مِثْلِ اس

جیسی مثالوں میں ہے: أَنَا ابْنُ التَّارِكِ الْبَكْرِيِّ بِشْرٍ۔ أَنَا ابْنُ التَّارِكِ الْبَكْرِيِّ بِشْرٍ۔ دیکھیے بھئی، یہ أَنَا یہ ہے مُبْتَدَا، اِبْنُ التَّارِكِ اِبْنُ مُضَافٌ ہے اَلتَّارِكِ مُضَافٌ إِلَيْهِ۔ تو اَلتَّارِكِ مَاقَبْلَ اِبْنُ کے لیے مُضَافٌ إِلَيْهِ ہے، اور مَابَعْدَ اَلْبَكْرِيِّ کے لیے یہ پھر مُضَافٌ ہے۔ جی۔ یہ اَلتَّارِكِ کیا ہے؟ مُضَافٌ، اور اَلْبَكْرِيِّ کیا ہے؟ مُضَافٌ إِلَيْهِ۔ توجہ ہے؟ اور پھر اَلْبَكْرِيِّ جو ہے یہ مَعْطُوفٌ عَلَيْهِ ہے، اور بِشْرٍ یہ کیا ہے اس سے؟ اس سے عَطْفِ بَيَانْ ہے۔ اس سے کیا ہے؟ عَطْفِ بَيَانْ ہے۔ ترکیب سمجھ میں آ رہی ہے؟ پھر سنو، أَنَا کیا ہے؟ مُبْتَدَا، اور یہ اِبْنُ خبر بنے گا یہ بھی مَرْفُوعْ اسی لیے ہے، اور یہ اِبْنُ مُضَافٌ ہے اَلتَّارِكِ کی طرف، اور اَلتَّارِكِ اِبْنُ کے لیے تو مُضَافٌ إِلَيْهِ ہے لیکن آگے اَلْبَكْرِيِّ کے لیے یہ مُضَافٌ ہے، اور اَلْبَكْرِيِّ یہ مُضَافٌ إِلَيْهِ ہے یہ اَلتَّارِكِ کے لیے، اور یہی مَعْطُوفٌ عَلَيْهِ ہے اور اسی سے بِشْرٍ جو ہے یہ عَطْفِ بَيَانْ ہے۔

دیکھو أَنَا ابْنُ التَّارِكِ میں اس شخص کا بیٹا ہوں اَلتَّارِكِ جس نے چھوڑا ہے، تَرَكَ يَتْرُكُ کا کیا معنی؟ چھوڑنا۔ تَرَكْتُ الْكِتَابَ فِي الْغُرْفَةِ، میں نے کتاب کمرے میں چھوڑ دی۔ تَرَكَ کا کیا معنی؟ چھوڑنا، یہ ایک مَفْعُولْ چاہتا ہے۔ تو أَنَا ابْنُ التَّارِكِ میں بیٹا ہوں اس شخص کا اَلتَّارِكِ جس نے چھوڑا ہے، اَلْبَكْرِيِّ بِشْرٍ کس کو؟ بکری بشر کو۔ تو یہ اَلْبَكْرِيِّ کے اندر یہ یا نِسْبَتْ والی ہے۔ جیسے لاہور سے لاہوری۔ تو یہ یا تو نِسْبَتْ ہے قبیلۂ بکر کی طرف، قبیلۂ بکر والا، اَلْبَكْرِيِّ بِشْرٍ قبیلۂ بکر والا بشر۔ یا نام کی طرف کسی کے نِسْبَتْ ہے، مثلاً اس آدمی کا اصل نام بشر ہے لیکن مشہور کس نام سے تھا؟ بکر سے، تو وہ کیا کہتا ہے شاعر؟ کہ میرے والد نے چھوڑا ہے، کس کو چھوڑا ہے؟ وہ جو بکر والا بشر ہے، جو بکر نام سے مشہور ہے وہ والا بشر، اس کو میرے والد نے چھوڑا ہے۔ یاد رکھو یہ زمانۂ جاہلیت کے شاعر کا ایک شعر ہے، وہ زمانہ جب ہر طرف جہالت کا دور دورہ تھا اور لوگ قتل و غارت پر فخر کیا کرتے تھے، کسی شخص کا کوئی ایک رشتہ دار کوئی قتل کر دیتا تو وہ بدلے میں کئی کئی قتل کیا کرتے تھے بھئی۔ تو یہ جو شاعر ہے اس کے والد نے کسی مشہور آدمی کو قتل کیا تھا، تو شاعر بطورِ فخر کے کہتا ہے: میں اس شخص کا بیٹا ہوں جس نے بکری بشر کو قتل کیا تھا، بکر والے بشر کو جس نے قتل کیا تھا میں اس شخص کا بیٹا ہوں بھئی۔ بطورِ فخر کے کہہ رہا ہے۔

معنیٰ سمجھ میں آیا؟ تو اَلتَّارِكِ کا معنی چھوڑنے والا، چھوڑنے والا کیا معنی؟ اس کو اس حالت میں چھوڑا تھا۔ یہ جو شاعر ہے اس کے والد نے، یہ کوئی مشہور بہادر آدمی تھا عرب کا بھئی، یہ جو بکری بشر ہے یہ کوئی مشہور بہادر آدمی تھا عرب کا، اور اس بکری بشر کو شاعر کے والد نے قتل کیا تھا، اس کو خوب زخمی کر دیا بس صرف اس کی روح نکلنے والی تھی اور اسی حالت میں اس کو چھوڑ کر آ گیا۔ تو شاعر کہتا ہے میرے والد نے بکری بشر کو اس حالت میں چھوڑا تھا کہ بس اس میں چند سانسیں ہی باقی تھیں اور اس کے گرد جو گوشت خور پرندے ہوتے ہیں جو مردار کا گوشت کھاتے ہیں وہ پرندے آ کر بیٹھ گئے تھے، اور وہ پرندے انتظار کر رہے تھے کہ کب اس کی روح نکلتی ہے اور پھر ہم اس کا گوشت کھانا شروع کر دیں۔ تو یہ شاعر بیان کر رہا ہے بھئی۔ میرے والد نے بکری بشر کو چھوڑا تھا یعنی اس حالت میں چھوڑا تھا کہ وہ بالکل موت کے قریب تھا بھئی۔ تو کہتا ہے شاعر: أَنَا ابْنُ التَّارِكِ الْبَكْرِيِّ بِشْرٍ، میں بیٹا ہوں اس شخص کا جس نے چھوڑا تھا بکری بشر کو یعنی اس حال

میں۔

بھئی یہاں آپ کے ذہن میں اشکال آئے گا۔ میں نے آپ کو بتایا اَلتَّارِكِ مُضَافٌ اور اَلْبَكْرِيِّ کیا ہے؟ مُضَافٌ إِلَيْهِ۔ تو آپ کہیں گے یہاں تو مُضَافٌ پر بھی الف لام داخل ہے، اَلتَّارِكِ الْبَكْرِيِّ، حالانکہ مُضَافٌ تو نکرہ ہونا چاہیے۔ غُلَامُ زَيْدٍ دیکھو غُلَامٌ کیا ہے؟ نکرہ ہے۔ تو یہاں تو اَلتَّارِكِ پر الف لام داخل ہے۔ تو یاد رکھو، یاد رکھو یہ آپ اِضَافَتْ کی پوری تفصیل پیچھے پڑھ چکے ہیں۔ بھئی یہ اِضَافَتِ لَفْظِيْ ہے، آپ نے پڑھا ہے ایک اِضَافَتِ لَفْظِيْ ہوتی ہے اور ایک اِضَافَتِ مَعْنَوِيْ۔ اِضَافَتِ لَفْظِيْ کسے کہتے ہیں؟ کہ صیغہ صِفَتْ کا ہو اور مُضَافٌ ہو اپنے مَعْمُوْلْ کی طرف۔ صِفَتْ کا صیغہ یعنی اِسمِ فَاعِلْ، اِسمِ مَفْعُوْلْ اور صِفَتِ مُشَبَّہَہْ۔ اور یہ کس کی طرف مُضَافٌ ہے؟ اپنے مَعْمُوْلْ کی طرف۔ توجہ ہے؟ فَاعِلْ یا مَفْعُوْلْ وغیرہ کی طرف مُضَافٌ ہو جائے۔ جیسے مثلاً میں کہتا ہوں: زَيْدٌ ضَارِبٌ عَمْرًا۔ توجہ سے سنو۔ زَيْدٌ ضَارِبٌ عَمْرًا۔ یہ عَمْرًا کو نَصَبْ کس نے دیا؟ ضَارِبٌ نے۔ زید جو ہے ضَارِبٌ وہ پٹائی کرنے والا ہے عَمْرًا کس کی؟ عمرو کی، زید عمرو کی پٹائی کر رہا ہے یوں ترجمہ ہو گا۔ زَيْدٌ ضَارِبٌ عَمْرًا، زید عمرو کی پٹائی کر رہا ہے۔ اب آپ سے کوئی پوچھے یہ عَمْرًا کو نَصَبْ کس نے دیا؟ آپ کہیں گے یہ ضَارِبٌ اِسمِ فَاعِلْ نے۔ کیونکہ یہ اس صِفَتْ کا صیغہ ہے اور صِفَتْ کے صیغے بھی اپنے فعل جیسا عمل کرتے ہیں۔ اور ضَرَبَ مَفْعُوْلْ کو نَصَبْ دیتا ہے تو یہ ضَارِبٌ بھی کیا کرے گا اپنے مَفْعُوْلْ کو نَصَبْ دے گا۔ اور ضَارِبٌ صِفَتْ کا صیغہ ہے، صِفَتْ کے صیغے کے لیے کیا چاہیے؟ فَاعِلْ بھی چاہیے، تو ضَارِبٌ کے اندر ہُوَ ضمیر جو زید کو لوٹ رہی ہے وہ فَاعِلْ ہے۔ تو زَيْدٌ ضَارِبٌ عَمْرًا، یہ عمرو کو نَصَبْ کس نے دیا؟ ضَارِبٌ نے۔ تو یہ عمرو مَعْمُوْلْ ہے ضَارِبْ کا، اب آپ اسی کی طرف اِضَافَتْ کر دیتے ہیں: زَيْدٌ ضَارِبُ عَمْرٍو۔ زَيْدٌ ضَارِبُ عَمْرٍو، تو یہ اِضَافَتِ لَفْظِيْ ہے۔ دیکھو ضَارِبْ صیغہ صِفَتْ کا ہے اور مُضَافٌ ہو رہا ہے اپنے مَعْمُوْلْ یعنی مَفْعُوْلْ کی طرف۔ اور یہ اِضَافَتِ لَفْظِيْ کیوں کہلاتی ہے؟ کیونکہ یہ لفظوں میں تَخْفِيْف کا فائدہ دیتی ہے۔ ضَارِبٌ سے دیکھو تنوین گر گئی۔ ضَارِبٌ سے تنوین گر گئی، تو یہ تَخْفِيْف آ گئی۔ اور اگر تَخْفِيْف نہ آئے لفظوں میں پھر وہ اِضَافَتِ لَفْظِيْ جائز ہی نہیں۔

اسی لیے اَلضَّارِبُ زَيْدٍ نہیں جائز۔ اَلضَّارِبُ زَيْدٍ یہ جائز نہیں۔ کیونکہ اَلضَّارِبُ صِفَتْ کا صیغہ ہے اور زید اپنے مَعْمُوْلْ کی طرف مُضَافٌ ہو رہا ہے، تو یہ اِضَافَتْ کون سی ہوئی؟ اِضَافَتِ لَفْظِيْ، اور اِضَافَتِ لَفْظِيْ کس چیز کا فائدہ دیتی ہے؟ تَخْفِيْف کا۔ اور اَلضَّارِبُ زَيْدٍ یہاں اِضَافَتْ سے کوئی تَخْفِيْف نہیں آئی، کیونکہ اَلضَّارِبُ سے الف لام کی وجہ سے پہلے سے ہی تنوین گر چکی ہے۔ اَلضَّارِبُ الف لام آیا تھا تو تنوین گر گئی، اب آپ نے زید کی طرف اِضَافَتْ کر دی اَلضَّارِبُ زَيْدٍ، تو اِضَافَتْ کی وجہ سے تو کوئی تَخْفِيْف نہیں آئی، اور حالانکہ یہ تو اِضَافَتِ لَفْظِيْ ہے اور اِضَافَتِ لَفْظِيْ کا فائدہ ہی کیا ہے کہ وہ لفظوں میں تَخْفِيْف کا فائدہ دیتی ہے۔ تو لہٰذا اَلضَّارِبُ زَيْدٍ جائز نہیں ہے۔ اور یہ کون سی اِضَافَتْ ہے؟ اِضَافَتِ لَفْظِيْ ہے، لیکن یہ صورت جائز نہیں کیونکہ تَخْفِيْف نہیں آئی۔ بات سمجھ میں آ رہی ہے؟

لیکن اَلضَّارِبُ الرَّجُلِ جائز ہے۔ سوال: اَلضَّارِبُ الرَّجُلِ یہ کیوں جائز ہے؟ یہاں بھی تو اَلضَّارِبُ سے کوئی تنوین نہیں گری،

الف لام کی وجہ سے تنوین پہلے گر چکی ہے۔ اَلضَّارِبُ الرَّجُلِ اَلضَّارِبُ مُضَافٌ، اَلرَّجُلِ مُضَافٌ إِلَيْهِ۔ یہاں پر بھی تو اَلضَّارِبُ پر الف لام ہے، اَلضَّارِبُ سے کوئی تنوین نہیں گری اِضَافَتْ کی وجہ سے اور یہ بھی اِضَافَتِ لَفْظِيْ ہے، صیغہ صِفَتْ کا ہے اور مُضَافْ ہو رہا ہے اپنے مَعْمُوْلْ کی طرف۔ تو کہتے ہیں نہیں، اَلضَّارِبُ الرَّجُلِ یہ جائز ہے، کیونکہ یہ مَحْمُوْلْ ہے اَلْحَسَنُ الْوَجْهِ پر۔ کس پر مَحْمُوْلْ ہے؟ اَلْحَسَنُ الْوَجْهِ۔ دیکھو اَلضَّارِبُ الرَّجُلِ اور اَلْحَسَنُ الْوَجْهِ ایک جیسے ہیں، دونوں میں مُضَافْ صِفَتْ کا صیغہ ہے اَلْحَسَنُ الْوَجْهِ یہ حَسَنْ بھی صِفَتْ کا صیغہ اور اَلضَّارِبُ الرَّجُلِ ضَارِبْ بھی کیا ہے؟ صِفَتْ کا صیغہ، اور دونوں مُضَافْ ہو رہے ہیں اِسْمِ جِنْسْ کی طرف یعنی اِسْمِ جِنْسْ جو ذاتِ مُبْهَمْ پر دلالت کرے، کس پر؟ ذاتِ مُبْهَمْ۔ دونوں مُضَافْ ہو رہے ہیں اِسْمِ جِنْسْ کی طرف۔ دیکھو صرف وَجْهٌ کہوں گا تو کچھ پتہ چلے گا کس کا چہرہ مراد ہے؟ نہیں۔ صرف رَجُلٌ کہوں گا تو کیا پتہ چلے گا کون سا آدمی مراد ہے؟ نہیں۔ تو یہ رَجُلْ یہ بھی اِسْمِ جِنْسْ ہے یہ ذاتِ مُبْهَمْ پر دلالت کرتا ہے، اور وَجْهٌ یہ بھی اِسْمِ جِنْسْ ہے یہ بھی ذاتِ مُبْهَمْ پر دلالت کرتا ہے۔ تو دونوں مثالوں میں ادھر دیکھیے، اَلْحَسَنُ الْوَجْهِ صیغہ کون سا ہے مُضَافْ؟ صِفَتْ کا، صِفَتِ مُشَبَّهَہْ ہے، اور یہ وَجْهٌ بھی کیا ہے؟ اِسْمِ جِنْسْ۔ اَلْحَسَنُ الْوَجْهِ توجہ سے سنو۔ اَلْحَسَنُ الْوَجْهِ اس میں صِفَتْ کا صیغہ مُضَافْ ہو رہا ہے اِسْمِ جِنْسْ کی طرف اور دونوں مُعَرَّفْ بِاللَّامْ ہیں۔ دونوں اَلْحَسَنُ الْوَجْهِ، اور یہ تو بِالْاِتِّفَاقْ جائز ہے۔ اَلْحَسَنُ الْوَجْهِ، سوال یہاں کیسی تَخْفِيفْ آئی؟ کہ آپ نے پڑھا تھا اَلْحَسَنُ الْوَجْهِ اصل میں تھا اَلْحَسَنُ وَجْهُهُ، کیا تھا؟ اَلْحَسَنُ صِفَتِ مُشَبَّهَہْ ہے اور وَجْهُهُ آگے اِسْمِ ظَاهِرْ اس کا فَاعِلْ تھا۔ اَلْحَسَنُ اچھا ہے وَجْهُهُ اس کا چہرہ جو پیچھے مَوْصُوْفْ ذکر ہو رہا ہے۔ پھر وَجْهُهُ کے آخر سے ضمیر ختم کی اور اس کی طرف اِضَافَتْ کر دی تو اس پر الف لام لے آئے، تو کیا بن گیا؟ اَلْحَسَنُ الْوَجْهِ۔ تو یہ اِضَافَتِ لَفْظِيْ ہے لیکن اس نے تَخْفِيفْ کا فائدہ دیا۔ مُضَافْ یعنی اَلْحَسَنْ میں تو تَخْفِيفْ نہیں آئی کیونکہ اس پر سے تو تنوین الف لام کی وجہ سے ہی گر چکی ہے، لیکن اَلْوَجْهِ کے اندر تَخْفِيفْ آگئی کہ اس کے آخر سے ضمیر گر گئی۔ کیا گر گئی؟ ضمیر۔ تو مُضَافْ میں تو تَخْفِيفْ نہیں آئی اِضَافَتْ کی وجہ سے، لیکن مُضَافٌ إِلَيْهِ میں تَخْفِيفْ آگئی، تو اِضَافَتِ لَفْظِيْ کی وجہ سے تَخْفِيفْ آنی چاہیے بس، چاہے مُضَافْ میں آئے چاہے مُضَافٌ إِلَيْهِ میں آئے چاہے دونوں میں آجائے۔ تو اَلْحَسَنُ الْوَجْهِ یہ تو بِالْاِتِّفَاقْ جائز ہے، تو اَلضَّارِبُ الرَّجُلِ بھی بالکل اس جیسا ہے اس لیے وہ بھی جائز ہے، وہ اسی پر مَحْمُوْلْ ہے۔ کیونکہ اَلضَّارِبُ الرَّجُلِ اس میں مُضَافْ کیا ہے؟ ضَارِبْ صِفَتْ کا صیغہ، اور اِسْمِ جِنْسْ کی طرف مُضَافْ ہے اور دونوں مُعَرَّفْ بِاللَّامْ ہیں۔ اَلْحَسَنُ الْوَجْهِ یہاں بھی دونوں مُعَرَّفْ بِاللَّامْ تھے اور اَلضَّارِبُ الرَّجُلِ یہاں بھی دونوں مُعَرَّفْ بِاللَّامْ ہیں، صیغہ صِفَتْ کا ہے مُضَافْ ہے اِسْمِ جِنْسْ کی طرف اور دونوں مُعَرَّفْ بِاللَّامْ۔ تو جب اَلْحَسَنُ الْوَجْهِ بِالْاِتِّفَاقْ جائز تو اَلضَّارِبُ الرَّجُلِ کی شکل بھی بالکل اس جیسی ہے، تو یہ بھی اسی پر مَحْمُوْلْ ہے اور جائز ہے اگرچہ یہاں تَخْفِيفْ کوئی بھی نہیں آئی۔ بات سمجھ میں آگئی؟ تو اَلضَّارِبُ الرَّجُلِ دیکھو مُضَافْ اور مُضَافٌ إِلَيْهِ دونوں مُعَرَّفْ بِاللَّامْ ہیں اور یہ اِضَافَتْ جائز۔

تو یہاں بھی اسی طرح ہے: اَلتَّارِكِ الْبَكْرِيِّ۔ اَلتَّارِكِ مُضَافْ اور اَلْبَكْرِيِّ مُضَافٌ إِلَيْهِ۔ اَلتَّارِكِ کیا ہے؟ صیغہ صِفَتْ کا ہے

اِسْمِ فَاعِلْ ہے، اور مُضَافْ ہے بَكْرِيٍّ اِسْمِ جِنْس کی طرف، اس پر اگر الف لام نہ ہوتا تو پھر یہ بھی معرفہ نہیں تھا بھئی۔ توجہ ہے؟ تو دونوں مُعَرَّفْ بِاللَّامْ ہیں، صیغہ صِفَتْ کا ہے اَلتَّارِكِ مُضَافْ ہے اِسْمِ جِنْس کی طرف اور دونوں پر الف لام داخل ہے، تو یہ اِضَافَتِ لَفْظِيْ ہے اور یہ جائز ہے بھئی۔ یہ کس پر مَحْمُوْلْ ہے؟ اَلْحَسَنُ الْوَجْهِ پر مَحْمُوْلْ ہے۔

اب بات یہ چل رہی تھی کہ اس جیسی مثالوں میں عَطْفِ بَيَانْ کا فرق ہو جاتا ہے بَدَلْ سے، اس جیسی مثالوں میں عَطْفِ بَيَانْ کا فرق ہو جاتا ہے بَدَلْ سے۔ بھئی کس طرح فرق ہوتا ہے؟ کہتے ہیں یہ جو بِشْرٍ ہے اس کو آپ عَطْفِ بَيَانْ تو بنا سکتے ہیں آپ اس کو بَدَلْ نہیں بنا سکتے۔ توجہ ہے؟ اَلْبَكْرِيِّ یہ کیا ہے؟ مَعْطُوفٌ عَلَيْهِ، یہ ہے مَتْبُوعْ۔ اور بِشْرٍ یہ کیا ہے؟ یہ عَطْفِ بَيَانْ ہے، تَابِعْ ہے۔ توجہ ہے؟ پھر سنو اَلْبَكْرِيِّ یہ کیا ہے؟ مَعْطُوفٌ عَلَيْهِ، اور بِشْرٍ یہ کیا ہے؟ عَطْفِ بَيَانْ ہے۔ تو یہ عَطْفِ بَيَانْ بننا تو اس کا صحیح ہے، لیکن یہ بَدَلْ نہیں بن سکتا۔ بھئی کیوں بَدَلْ کیوں نہیں بن سکتا؟ کہتے ہیں وجہ یہ کہ بَدَلْ جو ہے آپ نے پڑھا ہے وہ مقصود ہوتا ہے میں نے آپ کو بتایا ہے، اور مقصود جب وہ مقصود ہے تو وہ تَكْرَارِ عَامِلْ کے درجے میں ہے۔ جَاءَنِي زَيْدٌ أَخُوكَ، جَاءَنِي زَيْدٌ أَخُوكَ، یہ زَيْدٌ کیا ہے؟ مُبْدَلٌ مِنْهُ، اور أَخُوكَ یہ کیا ہے؟ بَدَلْ۔ اور جَاءَ کی نِسْبَتْ کس کی طرف ہو رہی ہے؟ زید کی طرف غیرِ مقصود کی طرف، اور مقصود تو أَخُوكَ ہے اس کی طرف بھی نِسْبَتْ ہونی چاہیے۔ تو علماء فرماتے ہیں یہ بَدَلْ کے لیے گویا عَامِلْ دوبارہ آگیا، تو جَاءَنِي زَيْدٌ أَخُوكَ، یہ أَخُوكَ کے لیے ایک اور جَاءَنِي نکال لیں: جَاءَنِي زَيْدٌ، جَاءَنِي أَخُوكَ۔ تو گویا یہ کلام دو جملوں کے درجے میں ہے، ہے تو ایک جملہ لیکن کس کے درجے میں ہے؟ دو جملوں کے درجے میں ہے کیونکہ بَدَلْ تَكْرَارِ عَامِلْ کے درجے میں ہوتا ہے گویا اس پر عَامِلْ دوبارہ داخل

کو بو۔ رَقَبَ يَرْقُبُ یا تو نہیں ہے شروع میں تا ہے نا، تو مخاطب کا صیغہ تو نہیں ہو سکتا کہ مخاطب انتظار کر رہا ہے، بلکہ وہ پرندے انتظار کر رہے ہیں۔ تو تَرْقُبُ کے اندر ہِيَ ضمیر اور یہ ہِيَ ضمیر کس کو راجع؟ یہ بھی حال بنے گا۔ یہ بھی حال بنے گا۔ حال، اور اس کے اندر جو ضمیر ہے وہ مَاقَبْلْ میں ذُو الْحَالْ کو لوٹے گی۔ کس کو لوٹے گی؟ ذُو الْحَالْ کو لوٹے گی۔ اب حال کس سے بنانا ہے؟ یاد رکھو، اگر آپ نے اَلطَّيْرُ کو فَاعِلْ بنایا ہے، تو حال بھی کس کی حالت بیان کرتا ہے؟ فَاعِلْ یا مَفْعُولْ کی، تو اگر آپ نے اَلطَّيْرُ کو فَاعِلْ بنایا ہے، تو اس طَيْرُ سے حال ہے تَرْقُبُهُ۔ بکری بشر سے حال کیا تھا؟ عَلَيْهِ الطَّيْرُ۔ اور اَلطَّيْرُ سے حال کیا ہے؟ تَرْقُبُهُ۔ اور اگر آپ نے اَلطَّيْرُ کو فَاعِلْ نہیں بنایا بلکہ مُبْتَدَا مُؤَخَّرْ بنایا ہے، تو پھر عَلَيْهِ کے اندر وہ جو ضمیر ہے چھپی ہوئی ہِيَ ضمیر مثلاً، اسی سے یہ تَرْقُبُهُ حال بنے گا۔ تو جس سے حال بنے گا اسی سے آپ نے جوڑنا ہے۔ تو تَرْقُبُ کی ہِيَ ضمیر کس کو لوٹے گی؟ یا اَلطَّيْرُ کو یا عَلَيْهِ کے اندر جو ہِيَ ضمیر ذُو الْحَالْ ہے اس کو لوٹے گی۔

تو بات سمجھ میں آرہی ہے بھئی؟ تو تَرْقُبُ فعل اس کے اندر ہِيَ ضمیر فَاعِلْ، اور یہ جو ہا ضمیر ساتھ جڑی ہوئی ہے یہ ہا ضمیر پھر اسی بکری بشر کو لوٹ رہی ہے۔ اسی بکری بشر کو لوٹ رہی ہے۔ تو تَرْقُبُ کے اندر ہِيَ ضمیر یہ مَاقَبْلْ کے ذُو الْحَالْ کو راجع ہے، اور ذُو الْحَالْ کس کو بنایا تھا ابھی میں نے بتایا؟ اگر اَلطَّيْرُ کو فَاعِلْ بنایا ہے تو یہ ضمیر اس کو لوٹے گی، وہ ذُو الْحَالْ بنے گا۔ اور اگر اس کو فَاعِلْ نہیں بنایا مُبْتَدَا مُؤَخَّرْ بنایا ہے اور عَلَيْهِ کو خبرِ مُقَدَّمْ بنایا ہے، تو عَلَيْهِ کے اندر جو ضمیر تھی وہ اَلطَّيْرُ

کو لوٹ رہی تھی، اس ضمیر سے کیا کریں گے؟ یہ تَرْقُبُ کو حال بنائیں گے۔ توجہ ہے؟ تَرْقُبُهُ۔

اور پھر آگے وُقُوعًا، وُقُوعًا جمع ہے وَاقِعٌ کی۔ اور یہ وَاقِعٌ کے اندر ہُمْ ضمیر ہے، اور یہ ہُمْ ضمیر بھی اسی طرح حال ہے یا اسی اَلطَّيْرُ سے جو پیچھے تھا اگر وہ فَاعِلْ بنایا ہے۔ اگر اَلطَّيْرُ فَاعِلْ تھا تو یہ وُقُوعًا اسی سے حال ہوگا، اور اگر اس کو آپ نے مُبْتَدَا بنایا ہے تو پھر عَلَيْهِ جو اس کی خبرِ مُقَدَّمْ کے اندر اَلطَّيْرُ کی ضمیر تھی، اس ضمیر سے یہ حال بن جائے گا۔ کہ وہ پرندے اس حال میں ہیں کہ وَاقِعًا وُقُوعًا بیٹھے ہوئے ہیں اس کے آس پاس زمین پر۔

معنیٰ سمجھ میں آگیا؟ تو حاصلِ کلام کیا؟ کہ یہاں تین حال آرہے ہیں: عَلَيْهِ الطَّيْرُ یہ پورا جملہ حال ہے۔ اور اسی طرح تَرْقُبُهُ یہ پورا جملہ حال ہے، تَرْقُبُ فعل ہِيَ ضمیر فَاعِلْ اور یہ ہا ضمیر مَفْعُولْ کی ہے جو لوٹ رہی ہے بکری بشر کو۔ اور وُقُوعًا جمع ہے وَاقِعٌ کی اور یہ دیکھو مَنْصُوبْ ہے حال ہے۔ تو تین حال آئے۔ تو عَلَيْهِ الطَّيْرُ یہ حال ہے کس سے؟ بکری بشر سے۔ اور تَرْقُبُهُ اور وُقُوعًا یہ دونوں حال کس سے ہیں؟ یا تو اَلطَّيْرُ سے ہیں اگر اَلطَّيْرُ کو آپ فَاعِلْ بناتے ہیں، اور اگر آپ اَلطَّيْرُ کو مُبْتَدَا مُؤَخَّرْ بناتے ہیں تو پھر عَلَيْهِ کے اندر جو اَلطَّيْرُ کی ضمیر ہے اس سے یہ حال بنیں گے۔ بات سمجھ میں آگئی؟

دیکھیے اب ترجمہ شعر کا دوبارہ دیکھ لیجیے: أَنَا ابْنُ التَّارِكِ الْبَكْرِيِّ بِشْرٍ، میں بیٹا ہوں اس شخص کا کہ جس نے بکری بشر کو چھوڑا ہے اس حال میں، عَلَيْهِ الطَّيْرُ کہ اس پر پرندے ہیں، اور وہ پرندے اس حال میں ہیں، تَرْقُبُهُ وہ اس کا انتظار کر رہے ہیں یعنی اس کی روح کے نکلنے کا، وُقُوعًا اس حال میں کہ وہ پرندے اس کے ارد گرد زمین پر بیٹھے ہوئے ہیں۔ معنیٰ سمجھ میں آگیا؟

اب یہاں صاحبِ جامی ایک اور معنیٰ بھی بیان کریں گے۔ میں نے تو اَلتَّارِكِ کا کیا معنیٰ کیا؟ چھوڑنا۔ میرے باپ نے بکری بشر کو اس حال میں چھوڑا ہے۔ اور ایک تَرَكَ يَتْرُكُ کا معنیٰ کر دینے کے بھی ہیں۔ صَيَّرَ یعنی کر دینا۔ میرے والد نے بکری بشر کو کر دیا ہے۔ تو اس کے لیے یاد رکھو دو مَفْعُولْ چاہئیں۔ یہ تَرَكَ بِمَعْنٰى صَيَّرَ، صَيَّرَ کے معنیٰ میں ہو تو پھر اس کا معنیٰ ہے کر دینا۔ تو میرے والد نے بکری بشر کو کر دیا ہے، بھئی کیا کر دیا ہے؟ اس کے لیے پھر دو مَفْعُولْ چاہئیں۔ کس کو کیا؟ بکری بشر کو، اور کیا کیا؟ آگے ایک اور مَفْعُولْ بھی چاہیے۔ تو پھر اس صورت میں عَلَيْهِ الطَّيْرُ یہ پورا جملہ یہ مَفْعُولِ ثَانِي کے قائم مقام ہو جائے گا۔ یہ پورا جملہ عَلَيْهِ الطَّيْرُ، تَرْقُبُهُ نہیں صرف عَلَيْهِ الطَّيْرُ یہ کیا بن جائے گا؟ مَفْعُولِ ثَانِي کے درجے میں۔ اور مَفْعُولْ کے درجے میں کیسے کریں گے؟ مَضْمُونِ جملہ نکال لیں۔ میرے باپ نے بکری بشر کو کر دیا ہے، کیا کر دیا ہے؟ عَلَيْهِ الطَّيْرُ کہ اس پر پرندے ہیں۔ بھئی مَضْمُونِ جملہ نکالیں۔ مَضْمُونِ جملہ کیسے نکالتے ہیں میں نے آپ کو طریقہ بتلایا تھا۔ کہ مُسْنَدْ جو ہے مُسْنَدْ کا مَصْدَرْ نکالیں، اور اس کی اِضَافَتْ کر دیں مُسْنَدٌ إِلَيْهِ کی طرف۔ تو یہ عَلَيْهِ أَيْ ثَابِتٌ عَلَيْهِ یہ ہے مُسْنَدْ، اور اَلطَّيْرُ یہ کیا ہے؟ مُسْنَدٌ إِلَيْهِ۔ تو مُسْنَدْ کا مَصْدَرْ کیا؟ ثَابِتٌ عَلَيْهِ، ثُبُوتٌ عَلَيْهِ، اور اس ثُبُوتْ کی اِضَافَتْ کریں اَلطَّيْرُ کی طرف، ثُبُوتُ الطَّيْرِ عَلَيْهِ۔ تو شاعر کہتا ہے میرے باپ نے بکری بشر کو کر دیا ہے، کیا کر دیا ہے؟ ثُبُوتَ الطَّيْرِ عَلَيْهِ اس

پر پرندوں کو ثابت کر دیا ہے۔ میرے باپ نے بکری بشر کو ثَابِتَ الطَّيْرِ کر دیا ہے کہ اس پر پرندے ثابت ہیں۔ بات سمجھ میں آئی؟ اِسمِ فَاعِلْ بنا لیں۔ ثَابِتَ الطَّيْرِ بھئی، کیا کر دیا ہے؟ ثَابِتَ الطَّيْرِ کر دیا ہے کہ اس پر پرندے ثابت ہیں جمع ہیں۔

اب دیکھیے بھئی اس کو سارے کو شرح کے ساتھ۔ کہتے ہیں وَآخِرُهُ اور اس شعر کا آخر جو ہے یعنی آخری مصرعہ جو ہے، عَلَيْهِ الطَّيْرُ تَرْقُبُهُ وُقُوعًا۔ آگے دیکھیے۔ کہتے ہیں وَعَلَيْهِ الطَّيْرُ یہ جو عَلَيْهِ الطَّيْرُ آیا، ثَانِي مَفْعُولَيِ التَّارِكِ یہ اَلتَّارِكِ کے دو مَفْعُولوں میں سے دوسرا ہے۔ ثَانِي مَفْعُولَيِ التَّارِكِ، اصل میں تھا مَفْعُولَيْنِ، ثَانِي مَفْعُولَيْنِ دو مَفْعُولوں میں سے دوسرا۔ کس کے دو مَفْعُول؟ اَلتَّارِكِ کے۔ تو اس کی طرف مَفْعُولَيْنِ کی اِضَافَتْ کی تو نون اِضَافَتْ سے گر گیا۔ تو یہ کہتے ہیں وَعَلَيْهِ الطَّيْرُ یہ عَلَيْهِ الطَّيْرُ جو آیا نا، یہ ثَانِي مَفْعُولَيِ التَّارِكِ یہ اَلتَّارِكِ کے دو مَفْعُولوں میں سے دوسرا ہے، پہلا کیا ہے؟ بکری بشر، اور دوسرا کیا ہے؟ عَلَيْهِ الطَّيْرُ۔ إِنْ جَعَلْنَاهُ بِمَعْنَى الْمُصَيِّرِ اگر ہم اس اَلتَّارِكِ کو کس معنیٰ میں کر دیں؟ مُصَيِّرْ یعنی کر دینے والا کے معنیٰ میں کر دیں۔ وَإِلَّا اور اگر ایسا نہ ہو، یعنی اَلتَّارِكِ کو اگر آپ مُصَيِّرْ کے معنیٰ میں نہیں کرتے بلکہ تَارِكْ کا معنیٰ چھوڑ دینا، تو پھر فَهُوَ حَالٌ اس صورت میں یہ عَلَيْهِ الطَّيْرُ جملہ کیا ہو گا؟ حال۔ وَقَوْلُهُ تَرْقُبُهُ حَالٌ مِنَ الطَّيْرِ اور شاعر کا قول تَرْقُبُهُ جو ہے یہ حال ہے مِنَ الطَّيْرِ یہ کس سے حال ہے؟ اَلطَّيْرُ سے حال ہے۔ إِنْ كَانَ فَاعِلًا لِعَلَيْهِ اگر یہ اَلطَّيْرُ فَاعِلْ ہو لِعَلَيْهِ کس کے لیے؟ عَلَيْهِ کے لیے۔ وَإِنْ كَانَ مُبْتَدَأً اور اگر یہ اَلطَّيْرُ مُبْتَدَا ہے، فَهُوَ حَالٌ مِنَ الضَّمِيرِ الْمُسْتَكِنِّ فِي عَلَيْهِ تو پھر یہ تَرْقُبُهُ حال ہے مِنَ الضَّمِيرِ الْمُسْتَكِنِّ اس ضمیر سے جو چھپی ہوئی ہے فِي عَلَيْهِ کس کے اندر؟ عَلَيْهِ کے اندر۔ یہاں دیکھو طلباء پریشان ہوں گے کہ عَلَيْهِ کے اندر، عَلَيْهِ کے اندر تو ضمیرِ بَارِزْ آ رہی ہے عَلَيْهِ یہ ہا ضمیر، مُسْتَكِنْ کون سی ہے چھپی ہوئی کون سی ہے؟ میں نے بتا دیا کہ وہ جو ثَابِتْ یا ثَابِتَةٌ کے اندر تھی وہ اس کے اندر آ کر چھپ گئی۔ وَإِنْ كَانَ مُبْتَدَأً اور اگر یہ اَلطَّيْرُ کا لفظ مُبْتَدَا ہے، فَهُوَ حَالٌ مِنَ الضَّمِيرِ الْمُسْتَكِنِّ فِي عَلَيْهِ تو اس صورت میں یہ حال ہے اس ضمیر سے جو مُسْتَتِرْ ہے عَلَيْهِ کے اندر۔ وَوُقُوعًا جَمْعُ وَاقِعٍ اور وُقُوعًا جو ہے یہ جمع ہے وَاقِعْ کی، یعنی یہ مَصْدَرْ نہیں ہے بلکہ یہ وَاقِعْ کی جمع ہے، حَالٌ مِنْ فَاعِلِ تَرْقُبُهُ اور یہ حال ہے تَرْقُبُهُ کے فَاعِلْ سے۔ ہاں وُقُوعًا کو آپ چاہے اَلطَّيْرُ سے حال بنا لیں، چاہے تَرْقُبُهُ، تَرْقُبُهُ کے اندر تَرْقُبُ کے اندر کون سی ضمیر؟ ہِيَ، اور کس کو لوٹ رہی ہے؟ وہ پرندوں کو ہی لوٹ رہی ہے وہ پرندے انتظار کر رہے ہیں، تو اس حال میں کہ وہ زمین پر ہیں۔ تو یہ وُقُوعًا کو حال بنانا ہے پرندوں سے ہی بنانا ہے، چاہے براہِ راست اَلطَّيْرُ سے بنا لو، چاہے اس تَرْقُبُ کے اندر اس کی جو ضمیر ہے اس سے حال بنا لو۔ تو کہتے ہیں حَالٌ مِنْ فَاعِلِ تَرْقُبُهُ یہ تَرْقُبُهُ کے فَاعِلْ سے حال ہے یہ جو وُقُوعًا ہے۔ أَيْ وَاقِعَةً حَوْلَهُ یعنی وہ پرندے زمین پر بیٹھے ہوئے ہیں اس کے ارد گرد، مُتَرَقِّبَةً لِإِزْهَاقِ رُوحِهِ اس حال میں کہ وہ انتظار کر رہے ہیں لِإِزْهَاقِ رُوحِهِ اس کی روح کے نکلنے کا۔ اِزْهَاقْ کا کیا معنیٰ؟ روح کا نکلنا۔ أَيْ وَاقِعَةً حَوْلَهُ وہ پرندے اس حال میں ہیں کہ وہ اس کے ارد گرد بیٹھے ہوئے ہیں، مُتَرَقِّبَةً وہ انتظار کر رہے ہیں لِإِزْهَاقِ رُوحِهِ اس کی روح کے نکلنے کا، لِأَنَّ الْإِنْسَانَ مَا دَامَ بِهِ رَمَقٌ۔ رَمَقْ کہتے ہیں تھوڑی سی جان۔ رَمَقْ کا کیا معنیٰ؟ تھوڑی سی جان، تھوڑی سی سانسیں جو ہیں۔ لِأَنَّ الْإِنْسَانَ مَا دَامَ بِهِ رَمَقٌ اس لیے کیونکہ انسان کے اندر جب تک تھوڑی سی جان باقی رہتی ہے، فَإِنَّ الطَّيْرَ لَا

تَقْرُبُهُ تو پرندے اس کے قریب نہیں جاتے۔ جب تک اس میں جان ہوتی ہے تب تک پرندے اس کے قریب نہیں جاتے، تو وہ پرندے انتظار کر رہے ہیں روح نکلے گی تو ہم اس کے قریب جائیں گے اور پھر اس کا گوشت کھائیں گے۔

وَأَمَّا الْفَرْقُ الْمَعْنَوِيُّ، تو یہ تو لفظی فرق تھا دیکھو اس شعر کے اندر، آپ بِشْرٍ کو عَطْفِ بَيَانْ تو بنا سکتے ہیں بَدَلْ نہیں بنا سکتے۔ تو لفظی فرق تو اس مثال سے واضح ہو گیا۔ وَأَمَّا الْفَرْقُ الْمَعْنَوِيُّ بَيْنَهُمَا اور باقی جو معنوی فرق ہے عَطْفِ بَيَانْ اور بَدَلْ کے درمیان، فَقَدْ تَبَيَّنَ فِيمَا سَبَقَ تو وہ تحقیق ظاہر ہو چکا ہے وہ جو مَاقَبْلْ میں گزرا۔ مَاقَبْلْ میں ہم نے تفصیل بیان کر دی تھی بھئی، کہ میر سید السند کیا فرماتے ہیں؟ کہ دونوں میں واضح فرق ہے۔ دونوں میں واضح فرق ہے۔ عَطْفِ بَيَانْ تَوْضِيحْ کے لیے آتا ہے وہ غیرِ مقصود ہوتا ہے، اور بَدَلْ خود مقصود ہوتا ہے، اگرچہ اس کے ذریعے وضاحت حاصل ہو بھی جائے لیکن وہ خود مقصود ہے۔

وَالْمُرَادُ بِمِثْلِ، بھئی اس سے مراد کیا ہے أَنَا ابْنُ التَّارِكِ الْبَكْرِيِّ بِشْرٍ، اس کے ذریعے کیا مراد ہے؟ کہتے ہیں وَالْمُرَادُ بِمِثْلِ أَنَا ابْنُ التَّارِكِ الْبَكْرِيِّ بِشْرٍ اس جیسی مثالوں میں، صاحبِ کافیہ نے کیا فرمایا؟ اس جیسی مثالوں میں عَطْفِ بَيَانْ کا فرق ہو جاتا ہے کس سے؟ بَدَلْ سے کہ عَطْفِ بَيَانْ بنانا صحیح، بَدَلْ بنانا صحیح نہیں۔ تو اس سے کس قسم کی مثالیں مراد ہیں؟ تو صاحبِ جامی آپ کو بتلائیں گے کہ اس سے ہر وہ مثال مراد ہے، توجہ سے سنو، ہر وہ مثال مراد ہے جس میں عَطْفِ بَيَانْ مُعَرَّفْ بِاللَّامْ سے آئے۔ جس میں عَطْفِ بَيَانْ مُعَرَّفْ بِاللَّامْ سے آئے۔ یہ بِشْرٍ عَطْفِ بَيَانْ کس سے آیا؟ اَلْبَكْرِيِّ سے آیا، اور اَلْبَكْرِيِّ یہ جو مَعْطُوفٌ عَلَيْهِ ہے یہ مُعَرَّفْ بِاللَّامْ ہے۔ تو اس سے مراد ہر ایسی مثال ہے جس میں عَطْفِ بَيَانْ کس سے آئے؟ مُعَرَّفْ بِاللَّامْ سے، اور اس مُعَرَّفْ بِاللَّامْ کی طرف ایسی صِفَتْ مُضَافْ ہو رہی ہو کہ وہ صِفَتْ بھی مُعَرَّفْ بِاللَّامْ ہو۔ کہ وہ صِفَتْ بھی مُعَرَّفْ بِاللَّامْ ہو۔ جیسے دیکھو اس مثال پہ نظر رکھو، أَنَا ابْنُ التَّارِكِ الْبَكْرِيِّ بِشْرٍ، اس کے اندر بِشْرٍ یہ عَطْفِ بَيَانْ ہے اَلْبَكْرِيِّ سے جو مُعَرَّفْ بِاللَّامْ ہے، اور اس مُعَرَّفْ بِاللَّامْ یہ جو اَلْبَكْرِيِّ ہے اس کی طرف اَلتَّارِكِ مُضَافْ ہو رہی ہے ایسی صِفَتْ جو مُعَرَّفْ بِاللَّامْ ہے۔ تو اس قسم کی مثالیں مراد ہیں، کہ اس قسم کی مثالوں میں عَطْفِ بَيَانْ کا فرق ہو جاتا ہے بَدَلْ سے، اس کو عَطْفِ بَيَانْ بنانا تو صحیح ہے بَدَلْ بنانا صحیح نہیں کیونکہ بَدَلْ بنائیں گے تو وہ اَلضَّارِبُ زَيْدٍ کی صورت بن جائے گی اور وہ تو جائز نہیں ہے۔ تو یہی بیان کر رہے ہیں۔

کہتے ہیں وَالْمُرَادُ بِمِثْلِ أَنَا ابْنُ التَّارِكِ الْبَكْرِيِّ بِشْرٍ اس جیسی مثالوں سے مراد جو ہے، كُلُّ مَا كَانَ عَطْفَ بَيَانٍ ہر وہ چیز ہے جو عَطْفِ بَيَانْ ہو لِلْمُعَرَّفِ بِاللَّامِ کس کے لیے عَطْفِ بَيَانْ ہو؟ مُعَرَّفْ بِاللَّامْ کے لیے۔ كُلُّ مَا كَانَ عَطْفَ بَيَانٍ لِلْمُعَرَّفِ بِاللَّامِ ہر وہ چیز ہے جو عَطْفِ بَيَانْ ہو اس مُعَرَّفْ بِاللَّامْ کے لیے، الَّذِي أُضِيفَ إِلَيْهِ الصِّفَةُ الْمُعَرَّفَةُ بِاللَّامِ کہ جس کی جانب اِضَافَتْ کی گئی ہو اس صِفَتْ کی کہ وہ صِفَتْ بھی مُعَرَّفْ بِاللَّامْ ہو۔ جس میں عَطْفِ بَيَانْ مُعَرَّفْ بِاللَّامْ سے آئے اور اس مُعَرَّفْ بِاللَّامْ کی طرف بھی ایسی صِفَتْ کی اِضَافَتْ ہو رہی ہو کہ وہ صِفَتْ بھی مُعَرَّفْ بِاللَّامْ ہے۔ نَحْوُ مثال کے طور پر اَلضَّارِبُ الرَّجُلِ زَيْدٍ۔ اَلضَّارِبُ الرَّجُلِ زَيْدٍ، یہ زَيْدٍ عَطْفِ بَيَانْ ہے کس سے؟ اَلرَّجُلِ سے جو مُعَرَّفْ بِاللَّامْ ہے، اور یہ مُعَرَّفْ بِاللَّامْ ایسا ہے کہ

اس کی طرف ایسی صِفَتْ کی اِضَافَتْ ہو رہی ہے کہ وہ خود بھی مُعَرَّفْ بِاللَّامْ ہے یعنی اَلضَّارِبُ۔ توجہ ہے؟

وَيُمْكِنُ اب یہ دوسرا معنیٰ بیان کریں گے۔ ایک معنیٰ تو یہ اس قسم کی مثالیں مراد ہیں جن میں کیا ہو؟ عَطْفِ بَيَانْ کس سے آئے؟ مُعَرَّفْ بِاللَّامْ سے، اور وہ مُعَرَّفْ بِاللَّامْ کیسا ہو؟ کہ اس کی طرف ایسی صِفَتْ کی اِضَافَتْ ہو رہی ہے کہ وہ صِفَتْ بھی کیا ہے؟ مُعَرَّفْ بِاللَّامْ ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ آگے دیکھیے اب دوسرا معنیٰ بیان کریں گے۔ کہتے ہیں وَيُمْكِنُ أَنْ يُرَادَ بِهِ اور کہتے ہیں یہ بھی ممکن ہے کہ اس جیسی مثالوں کے ذریعے مراد جو ہے مَا هُوَ أَعَمُّ مِنْ هَذَا الْبَابِ وہ چیز ہو جو اس باب سے زیادہ عام ہے۔ جو اس باب سے زیادہ عام ہے۔ بھئی کیا معنی؟ یعنی أَيْ كُلُّ مَا خَالَفَ حُكْمُهُ یعنی ہر وہ چیز جس کا حکم مُخَالِفْ ہو إِذَا كَانَ عَطْفَ بَيَانٍ جب وہ عَطْفِ

بیان ہو۔ توجہ سے سنو۔ ہر وہ چیز جب وہ عَطْفِ بَيَانْ ہو تو اس کا حکم مُخَالِفْ ہو، کس چیز کے مُخَالِفْ ہو؟ آگے آرہا ہے، حُكْمَهُ اسی چیز کے حکم کے إِذَا كَانَ بَدَلًا جب وہ بَدَلْ ہو۔ ایک ہی چیز ہے، جب وہ عَطْفِ بَيَانْ ہو تو اس کا حکم الگ ہو اور جب وہی چیز بَدَلْ ہو تو اس کا حکم الگ ہو، تو ہو سکتا ہے یہ مراد ہو۔ پہلی بات کیا کی؟ کہ اس جیسی مثالوں سے کیا مراد ہے؟ ایسی مثالیں جس میں عَطْفِ بَيَانْ مُعَرَّفْ بِاللَّامْ سے آئے، اور وہ مُعَرَّفْ بِاللَّامْ بھی ایسا ہو کہ اس کی طرف جو مُضَافْ ہے وہ بھی مُعَرَّفْ بِاللَّامْ صِفَتْ ہو بھئی۔ یا ہو سکتا ہے کہتے ہیں کہ اس سے ایسی چیز مراد ہو جو اس باب سے عام ہو۔ کیا معنی حکم عام ہو؟ کہتے ہیں معنیٰ یہ ہے ہر وہ چیز جب وہ عَطْفِ بَيَانْ بنے تو اس کا جو حکم ہے وہ اسی چیز کے مُخَالِفْ ہے جب وہ بَدَلْ بنے۔ ایک ہی چیز ہے جب وہ عَطْفِ بَيَانْ بنتی ہے تو اس کا ایک حکم ہے اور وہی چیز جب بَدَلْ بنتی ہے تو اس کا دوسرا حکم ہے، اس سے وہ چیزیں مراد ہیں۔ اس قسم کی مثالیں مراد ہیں۔ اس قسم کی مثالیں مراد ہیں۔ اَلضَّارِبُ الرَّجُلِ زَيْدٍ اس جیسی مثالیں مراد نہیں بلکہ ہر وہ مثال اس میں داخل ہو گئی جس میں جب ایک چیز کو عَطْفِ بَيَانْ بنائیں تو اس کا حکم اور، اور اسی چیز کو بَدَلْ بنائیں تو حکم اور۔ کہتے ہیں جب تَعْمِيمْ پیدا کر دیں گے تو یہ مثال بھی اس کے اندر آگئی یہ والی، اور مُنَادٰی کی مثالیں بھی اس کے اندر آگئیں۔ وہ بھی اس کے اندر داخل، کس طرح دیکھو بھئی۔

کہتے ہیں أَيْ كُلُّ مَا خَالَفَ حُكْمُهُ إِذَا كَانَ عَطْفَ بَيَانٍ ہر وہ چیز کہ جس کا حکم جب وہ عَطْفِ بَيَانْ ہو تو اس کا حکم جو ہے وہ مُخَالِفْ ہو حُكْمَهُ اسی چیز کے حکم کے إِذَا كَانَ بَدَلًا جب وہ بَدَلْ ہو، فَيَتَنَاوَلُ صُورَةَ النِّدَاءِ أَيْضًا تو یہ نِدَا کی صورت کو بھی یہ بات شامل ہو جائے گی، جب عام ہو گئی نا، تو نِدَا کی صورت کو بھی عام ہو جائے گی۔ فَإِنَّكَ تَقُولُ اس لیے کیونکہ آپ کہتے ہیں، يَا غُلَامُ زَيْدٌ وَزَيْدًا بِالتَّنْوِينِ تَنْوِينْ کے ساتھ، مَرْفُوعًا حَمْلًا عَلَى اللَّفْظِ۔ بھئی دیکھیے۔ دیکھیے يَا غُلَامُ یہ غُلَامْ مُنَادٰی ہے اور مُنَادٰی مُفْرَدْ مَعْرِفَهْ ہو تو یہ مَبْنِيٌّ عَلَى الضَّمِّ ہوتا ہے۔ آپ کہیں گے غُلَامْ تو نکرہ ہے، بھئی یہ يَا حَرْفِ نِدَا نے اس کو کیا بنا دیا؟ مَعْرِفَهْ بنا دیا، تو مَعْرِفَهْ ہونا عام ہے چاہے قَبْلَ النِّدَاءِ ہی مَعْرِفَهْ ہو چاہے بَعْدَ النِّدَاءِ کیا بن جائے؟ مَعْرِفَهْ۔ تو يَا

غُلَامُ یہ غُلَامْ کیا ہے؟ مَعْرِفَہْ بھی ہے اور نیز یہ مُفْرَدْ بھی ہے یعنی مُضَافْ یا مُشَابَہِ مُضَافْ نہیں ہے، اور مُنَادٰی جب مُفْرَدْ مَعْرِفَہْ ہو تو وہ مَبْنِیٌّ عَلَی الضَّمِّ ہوتا ہے۔ تو یَا غُلَامُ یہ مَبْنِیٌّ ہے۔ یہ اس وقت مُعْرَبْ نہیں ہے یہ مَبْنِیٌّ ہے، کیوں؟ کیونکہ اس پر تَنْوِینْ نہیں آ رہی، اگر یہ مُعْرَبْ ہوتا تَنْوِینْ آنی چاہیے تھی۔ مَانِعِ تَنْوِینْ تو دو چیزیں ہیں: یا الف لام یا اِضَافَتْ، اور غُلَامْ پر نہ الف لام ہے اور نہ اس کی اِضَافَتْ ہو رہی ہے، لیکن پھر بھی تَنْوِینْ نہیں آ رہی، معلوم ہوا یہ کیا بن چکا؟ مَبْنِیٌّ بن چکا ہے۔ اس غُلَامْ سے آپ عَطْفِ بَیَانْ آگے زَیْدْ لانا چاہتے ہیں۔ یہ زَیْدْ کیا ہے؟ اسی غُلَامْ سے عَطْفِ بَیَانْ ہے۔ تو یاد رکھو عَطْفِ بَیَانْ لانا چاہتے ہیں تو اس پر آپ رَفْعْ بھی پڑھ سکتے ہیں نَصْبْ بھی: یَا غُلَامُ زَیْدٌ، یہ زَیْدٌ مُعْرَبْ ہے، غُلَامُ مَبْنِیٌّ اور زَیْدٌ مُعْرَبْ، اور جب یہ مُعْرَبْ ہے اس پر رَفْعْ بھی پڑھ سکتے ہو: یَا غُلَامُ زَیْدٌ، یہ عَطْفِ بَیَانْ ہے۔ اور آپ نَصْبْ بھی پڑھ سکتے ہیں: یَا غُلَامُ زَیْدًا۔ بھئی رَفْعْ کیوں پڑھ سکتے ہیں اور نَصْبْ کیوں پڑھ سکتے ہیں؟ تو کہتے ہیں نَصْبْ اس لیے پڑھ سکتے ہیں کیونکہ یَا غُلَامُ یہ غُلَامْ کیا ہے؟ مُنَادٰی، اور یہ کیا ہے؟ مَحَلِّ اِعْرَابْ اس کا کیا؟ مَنْصُوبْ ہے کیونکہ یَا قائم مقام أَدْعُو کے ہے: أَيْ أَدْعُو غُلَامًا۔ أَدْعُو فعل أَنَا ضمیر فَاعِلْ اور یہ غُلَامًا اس کے لیے مَفْعُولْ ہے۔ تو یہ مُنَادٰی کیا ہوتا ہے دراصل؟ مَفْعُولْ ہے، تو یہ یَا غُلَامُ اس وقت تو مَبْنِیٌّ ہے اور مَبْنِیٌّ کا اِعْرَابْ کیسے بتاتے ہیں؟ مَحَلًّا، تو یہ مَحَلًّا مَنْصُوبْ ہے مَفْعُولٌ بِہِ ہے۔ اور مَبْنِیٌّ کا جو تَابِعْ ہوتا ہے وہ اس کے مَحَلّ کے تَابِعْ ہوتا ہے۔ مثلاً میں کہتا ہوں هٰذَا الرَّجُلُ، یہ والا آدمی، هٰذَا مَوْصُوفْ اَلرَّجُلُ صِفَتْ، تو هٰذَا مَرْفُوعٌ مَحَلًّا مثلاً مُبْتَدَا ہے، تو اَلرَّجُلُ یہ بھی مَرْفُوعْ ہے، هٰذَا کے مَحَلّ کے تَابِعْ ہے اور مَحَلّ کے اعتبار سے هٰذَا کیا؟ مَرْفُوعْ، تو اَلرَّجُلُ بھی مَرْفُوعْ۔ تو مَبْنِیٌّ کا جو تَابِعْ ہوتا ہے وہ اس کے مَحَلّ کے تَابِعْ ہوتا ہے۔ تو یَا غُلَامُ کے اندر غُلَامْ بھی کیا ہے؟ مَحَلًّا مَنْصُوبْ، لہٰذا اس کا عَطْفِ بَیَانْ وہ بھی مَنْصُوبْ ہو گا: یَا غُلَامُ زَیْدًا، یوں بھی آپ کہہ سکتے ہیں، یہ عَطْفِ بَیَانْ ہے زَیْدْ۔

اور آپ یَا غُلَامُ زَیْدٌ بھی کہہ سکتے ہیں اسی عَطْفِ بَیَانْ میں۔ بھئی زَیْدٌ کیوں کہیں گے؟ تو کہتے ہیں زَیْدٌ جو ہے یَا غُلَامُ اس کے لفظوں پر حَمَلْ کرتے ہوئے۔ کس پر؟ لفظوں پر۔ بھئی لفظوں کے اندر تو غُلَامُ مَبْنِیٌّ ہے۔ کیا ہے؟ مَبْنِیٌّ ہے، تو اگر لفظوں پر حَمَلْ کرتے ہو تو زَیْدٌ کو بھی مَبْنِیٌّ ہونا چاہیے۔ کہتے ہیں بھئی یہ جو غُلَامْ پر ضَمَّہْ آیا، یہ مَبْنِیٌّ ہوا، کیا یہ ہمیشہ مَبْنِیٌّ عَلَی الضَّمِّ ہوتا ہے یا اس وقت یَا کی وجہ سے بنا ہے؟ یَا کی وجہ سے بنا ہے، تو یہ ہے تو ضَمَّہْ، رَفْعْ تو نہیں ہے، کیا ہے؟ ضَمَّہْ، لیکن یعنی مَبْنِیٌّ ہے مَبْنِیٌّ عَلَی الضَّمِّ، لیکن یہ ضَمَّہْ بھی کس کی وجہ سے آیا؟ یَا کا اثر ہے جو اس پر آیا ہے، تو یہ گویا اِعْرَابْ جیسا ہی ہو گیا۔ یَا کا اثر ہے تو یہ کہ جیسے عَامِلْ کی وجہ سے اِعْرَابْ آتا ہے تو یہاں جو ضَمَّہْ آیا وہ بھی کس کی وجہ سے آیا ہے؟ یَا کی وجہ سے، تو یہ ضَمَّہْ بھی رَفْعْ کے درجے میں ہے، یعنی یہ حُکْمًا رَفْعْ ہے۔ یہ حُکْمًا رَفْعْ ہے اور جب یہ رَفْعْ ہے تو تَابِعْ پر بھی کیا آئے گا؟ رَفْعْ آئے گا، تو یَا غُلَامُ زَیْدٌ اور یَا غُلَامُ زَیْدًا دونوں طرح پڑھ سکتے ہیں۔

اور اگر آپ اسی کو بَدَلْ بنائیں یہ زَیْدْ کو، تو پھر یوں پڑھیں گے: یَا غُلَامُ زَیْدُ، بس ایک ہی صورت ہے، یَا غُلَامُ زَیْدُ، کیونکہ غُلَامْ کیا ہے؟ مَبْنِیٌّ عَلَی الضَّمِّ، لیکن اس کو تو بطورِ تَمْهِیدْ کے ذکر کیا گیا ہے، اصل مُنَادٰی تو کون ہے؟ زَیْدْ ہے۔ توجہ

ہے؟ بَدَلْ بنا رہے ہو نا، بَدَلْ اصل مقصود ہوتا ہے اور مَتبُوعْ کو بطورِ تَمْهِيدْ کے ذکر کیا جاتا ہے، تو جب اصل مُنَادٰی زَيْدْ ہوا تو وہ بھی مَبْنِيٌّ عَلَى الضَّمِّ ہو گا: يَا غُلَامُ زَيْدُ۔ تو يَا غُلَامُ زَيْدٌ یا يَا غُلَامُ زَيْدًا یوں پڑھیں گے عَطْفِ بَيَانْ میں رَفْعْ بھی اور نَصْبْ بھی، اور اگر آپ بَدَلْ بناتے ہیں تو يَا غُلَامُ زَيْدُ پھر مَبْنِيٌّ عَلَى الضَّمِّ ہی پڑھیں گے۔ بات سمجھ میں آگئی؟

تو دیکھو دو صورتیں ذکر کیں صاحبِ جامی نے۔ انہوں نے کہا أَنَا ابْنُ التَّارِكِ الْبَكْرِيِّ بِشْرٍ اس جیسی مثالوں میں عَطْفِ بَيَانْ کا فرق ہو جاتا ہے بَدَلْ سے۔ اس سے کیا مراد ہے؟ کہتے ہیں اگر اس سے یہ مراد لیں: ایسا عَطْفِ بَيَانْ جو کس سے آئے؟ مُعَرَّفْ بِاللَّامْ سے آئے، اور اس مُعَرَّفْ بِاللَّامْ کی طرف مُضَافْ ایسی صِفَتْ ہو رہی ہے کہ وہ خود بھی کیا ہے؟ مُعَرَّفْ بِاللَّامْ۔ یا تو اس سے یہ مراد ہے، اور زیادہ ظاہر یہی ہے کہ یہی مراد ہے۔ اَلضَّارِبُ الرَّجُلِ زَيْدٍ یا اَلتَّارِكِ الْبَكْرِيِّ بِشْرٍ یہی مراد ہے۔ اور اگر آپ چاہیں تو اس کو عام کر سکتے ہیں کہ اس سے صرف یہی نہیں مراد اَلضَّارِبُ الرَّجُلِ زَيْدٍ جیسی مثالیں نہیں مراد بلکہ ہر ایسی مثال مراد ہے کہ جس میں ایک چیز کو آپ عَطْفِ بَيَانْ بنائیں تو اس کا حکم الگ ہو اور بَدَلْ بنائیں تو اس کا حکم الگ ہو۔ اس قسم کی مثالوں میں فرق ہو جاتا ہے۔ عَطْفِ بَيَانْ کا اس قسم کی مثالوں میں فرق ہو جاتا ہے، جہاں بھی ایک چیز کو عَطْفِ بَيَانْ بنائیں تو حکم اور ہوتا ہے اور بَدَلْ بنائیں تو حکم اور ہوتا ہے۔ تو اس کے اندر پھر مُنَادٰی بھی داخل ہو گیا، مُنَادٰی سے آپ بَدَلْ بنائیں تو اس کا حکم اور، مُنَادٰی سے عَطْفِ بَيَانْ بنائیں تو اس کا حکم اور ہے، تو مُنَادٰی کی صورتیں بھی اس میں داخل ہو جائیں گی۔ بات سمجھ میں آگئی؟

تو کہتے ہیں فَيَتَنَاوَلُ صُورَةَ النِّدَاءِ أَيْضًا تو یہ نِدَا کی صورت کو بھی شامل ہوا، فَإِنَّكَ تَقُولُ اس لیے کیونکہ آپ کہتے ہیں يَا غُلَامُ زَيْدٌ وَزَيْدًا بِالتَّنْوِينِ تَنْوِينْ کے ساتھ، مَرْفُوعًا حَمْلًا عَلَى اللَّفْظِ یہ مَحْمُولْ ہے لفظوں پر یعنی يَا غُلَامُ کے لفظوں پر حَمْلْ ہے، یعنی اس پر جو ضَمَّہْ آیا ہے وہ ضَمَّہْ بھی کس کی طرح ہے؟ رَفْعْ کی طرح ہے، تو اسی کی طرح کا اِعْرَابْ یعنی رَفْعْ لے آئے زَيْدْ پر۔ يَا غُلَامُ پر ضَمَّہْ تھا لیکن یہ ضَمَّہْ يَا کا اثر ہے، تو یہ ضَمَّہْ بھی کس کی طرح ہے؟ رَفْعْ کی طرح، تو اس کے تَابِعْ پر بھی کیا لے آئے؟ رَفْعْ لے آئے اسی کے لفظوں پر حَمْلْ کرتے ہوئے۔ یہ معنیٰ ہے مَرْفُوعًا حَمْلًا عَلَى اللَّفْظِ یہ مَرْفُوعْ ہو گا اس کے لفظوں پر حَمْلْ کرتے ہوئے، وَمَنْصُوبًا حَمْلًا عَلَى الْمَحَلِّ اور یہ مَنْصُوبْ ہو گا یہ عَطْفِ بَيَانْ حَمْلْ کرتے ہوئے اس کے مَحَلّ پر اس مُنَادٰی کے مَحَلّ پر، إِذَا جَعَلْتَهُ عَطْفَ بَيَانٍ جب آپ اس زَيْدْ کو عَطْفِ بَيَانْ بنائیں۔ وَيَا غُلَامُ زَيْدُ بِالضَّمِّ، یہ ضَمَّہْ کے ساتھ ہے۔ اس میں کہا تھا يَا غُلَامُ زَيْدٌ وَزَيْدًا بِالتَّنْوِينِ مَرْفُوعًا، تَنْوِينْ کے ساتھ ہے اور مَرْفُوعْ ہے۔ اور یہاں کہہ رہے ہیں يَا غُلَامُ زَيْدُ بِالضَّمِّ، کس کے ساتھ ہے؟ ضَمَّہْ کے ساتھ۔ میں نے آپ کو بتلایا تھا تین قسم کے نام ہیں: رَفْعٌ، نَصْبٌ، جَرٌّ، یہ مُعْرَبْ کے لیے۔ اور ضَمٌّ، فَتْحٌ، كَسْرٌ، یہ مَبْنِيٌّ کے لیے۔ اور ضَمَّةٌ، فَتْحَةٌ، كَسْرَةٌ، یہ دونوں کے لیے۔ پھر سنو: رَفْعٌ، نَصْبٌ، جَرٌّ کس کے لیے؟ مُعْرَبْ کے لیے، اسی لیے کہا پہلے مَرْفُوعًا حَمْلًا اور مَنْصُوبًا حَمْلًا۔ بات سمجھ میں آرہی ہے؟ تو رَفْعْ نَصْبْ جَرْ کس کے لیے؟ مُعْرَبْ کے لیے، تو ان صورتوں میں مُعْرَبْ ہے زَيْدْ تو اس پر تَنْوِينْ آئے گی: يَا

غُلَامُ زَيْدٌ اور يَا غُلَامُ زَيْدًا۔ اور جبکہ ضَمٌّ، فَتْحٌ، كَسْرٌ بغیر گول تا کے ہوں، یہ کس کے ساتھ خاص؟ مَبْنِيٌّ کے ساتھ۔ اور گول تا ساتھ ملا دیں، ضَمَّةٌ، فَتْحَةٌ، كَسْرَةٌ، تو یہ دونوں کے ساتھ استعمال ہوتے ہیں۔ تو یہاں کیا آیا؟ وَيَا غُلَامُ زَيْدُ بِالضَّمِّ، اور يَا غُلَامُ زَيْدُ اس کے اندر جو زَيْدْ ہے یہ بِالضَّمِّ کس کے ساتھ ہو گا؟ ضَمَّہْ کے ساتھ، معلوم ہوا یہ بھی مَبْنِيٌّ ہو گا۔ یہ نہیں کہا بِالرَّفْعِ رَفَعْ کے ساتھ، بلکہ کیا کہا؟ بِالضَّمِّ، اور ضَمٌّ تو کس کے لیے استعمال ہوتا ہے؟ مَبْنِيٌّ کے لیے۔ تو کہتے ہیں یہ بِالضَّمِّ ضَمَّہْ کے ساتھ ہو گا إِذَا جَعَلْتَهُ بَدَلًا جب اس زَيْدْ کو آپ بَدَلْ بنائیں۔

وَالْمَعْنَى الْأَوَّلُ أَظْهَرُ وَالثَّانِي أَفْيَدُ، اور پہلا معنیٰ جو ہے وہ زیادہ ظاہر ہے، وَالثَّانِي أَفْيَدُ اور دوسرا معنیٰ اس میں زیادہ فائدہ ہے، وہ زیادہ مُفِیدْ ہے۔ پہلا معنیٰ زیادہ ظاہر ہے بھئی، کہ وہ کس قسم کی مثال ذکر کرنا چاہتے ہیں؟ جس میں عَطْفِ بَيَانْ کس سے آئے؟ مُعَرَّفْ بِاللَّامْ سے، اور اس کی طرف جو صِفَتْ مُضَافْ ہو وہ بھی کیا ہو؟ مُعَرَّفْ بِاللَّامْ، اس قسم کی مثالیں مراد ہیں۔ اور دوسرا معنیٰ کیا کیا؟ ہر وہ مثال اس کے اندر آجائے گی جس میں ایک چیز کو عَطْفِ بَيَانْ بنائیں تو حکم اور ہو اور بَدَلْ بنائیں تو حکم اور ہو۔ اس کے اندر کہتے ہیں فائدہ زیادہ ہے، کیونکہ اس کے اندر نِدَا والی صورت بھی داخل ہو گئی۔ یہ جو شعر والی صورت تھی جو شعر میں آئی کہ عَطْفِ بَيَانْ مُعَرَّفْ بِاللَّامْ سے آرہا ہے اور اس کی طرف مُضَافْ ہو رہا ہے مُعَرَّفْ بِاللَّامْ ہی، یہ صورتیں بھی داخل ہو گئیں اور نِدَا والی صورتیں بھی داخل ہو گئیں، تو اس میں فائدہ زیادہ ہے کہ اس میں عُمُومْ آگیا۔ بات سمجھ میں آگئی؟ یہ معنیٰ ہے وَالْمَعْنَى الْأَوَّلُ أَظْهَرُ، تو پہلا معنیٰ جو ہم نے کیا وہ زیادہ ظاہر ہے، پہلا معنیٰ کون سا؟ وہ جو کہا تھا، وہ جو کہا تھا: كُلُّ مَا كَانَ عَطْفَ بَيَانٍ لِلْمُعَرَّفِ بِاللَّامِ الَّذِي أُضِيفَ إِلَيْهِ الصِّفَةُ الْمُعَرَّفَةُ بِاللَّامِ، یہ پہلا معنیٰ کیا۔ اور دوسرا معنیٰ کیا اسی سطر کے آخر میں ہے: أَيْ كُلُّ مَا خَالَفَ حُكْمُهُ إِذَا كَانَ عَطْفَ بَيَانٍ حُكْمَهُ إِذَا كَانَ بَدَلًا، یہ دوسرا معنیٰ کیا۔ تو پہلا معنیٰ زیادہ ظاہر ہے، وَالثَّانِي أَفْيَدُ اور دوسرا معنیٰ زیادہ مُفِیدْ ہے اس میں فائدہ زیادہ ہے۔ بات سمجھ میں آگئی؟ حل ہو گیا؟ چلیے بس بھئی، هَذَا هُوَ الْمَرَامُ، وَاللهُ أَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْكَلَامِ۔

تفصیلی فہرستِ مضامین، ابواب، فصول اور ذیلی عناوین

(مکمل ۲۱۶ اسباق مع ذیلی سرخیاں، ویکٹر نقشہ جات و نحوی جداول)

الْبَابُ الْأَوَّلُ: الْمُقَدِّمَةُ وَالتَّرَاكِيبُ النَّحْوِيَّةُ التَّمْهِيدِيَّةُ (تمہیدی مباحث و تراکیبِ نحویہ: مقدمۂ شرحِ جامی، جملہ اسمیہ و فعلیہ، موصوف صفت، جار مجرور اور موصول صلہ کی ترکیب — اسباق ۱ تا ۱۳) ۳

(۱) سبق نمبر ۱: تمہیدی درس: شرحِ جامی کا تعارف، نصاب اور مطالعہ کا منہج ۴

(۱.۱) تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث ۴

(۱.۲) متنِ کتاب و تحقیقِ مسائلِ نحویہ ۱۱

(۱.۳) متنِ کتاب و تحقیقِ مسائلِ نحویہ ۱۱

(۲) سبق نمبر ۲: تراکیبِ نحویہ (۱): جملہ اسمیہ اور جملہ فعلیہ کے بنیادی اصول ۱۶

(۲.۱) تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث ۱۶

(۳) سبق نمبر ۳: تراکیبِ نحویہ (۲): مبتدا و خبر کی اقسام اور جملہ اسمیہ کی مشق ۲۹

(۳.۱) تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث ۲۹

(۴) سبق نمبر ۴: تراکیبِ نحویہ (۳): موصوف اور صفت کی ترکیب کے قواعد ۵۰

(۴.۱) تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث ۵۰

(۵) سبق نمبر ۵: تراکیبِ نحویہ (۴): جملہ اسمیہ اور موصوف صفت کی تطبیق ۶۸

(۵.۱) تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث ۶۸

(۶) سبق نمبر ۶: تراکیبِ نحویہ (۵): فعلِ لازم و متعدی اور جملہ فعلیہ کی ترکیب ۸۸

(۶.۱) تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث ۸۸

(۷) سبق نمبر۷: تراکیبِ نحویہ (۶): فاعل، نائبِ فاعل اور مفعول کی پہچان ۱۰۵
(۷.۱) تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث ۱۰۵
(۸) سبق نمبر۸: تراکیبِ نحویہ (۷): معرفہ و نکرہ اور مبتدا و خبر کے باریک نکات ۱۲۳
(۸.۱) تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث ۱۲۳
(۹) سبق نمبر۹: تراکیبِ نحویہ (۸): جار مجرور کی ترکیب کا آغاز ۱۳۹
(۹.۱) تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث ۱۳۹
(۱۰) سبق نمبر۱۰: تراکیبِ نحویہ (۹): متعلقاتِ جار مجرور (آٹھ چیزوں کا بیان) ۱۵۳
(۱۰.۱) تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث ۱۵۳
(۱۱) سبق نمبر۱۱: تراکیبِ نحویہ (۱۰): ظرفِ لغو اور ظرفِ مستقر کی ترکیب ۱۶۸
(۱۱.۱) تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث ۱۶۸
(۱۲) سبق نمبر۱۲: تراکیبِ نحویہ (۱۱): اسمِ موصول اور صلہ کی ترکیب ۱۸۹
(۱۲.۱) تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث ۱۸۹
(۱۲.۲) متنِ کتاب و تحقیقِ مسائلِ نحویہ ۱۹۴
(۱۲.۳) متنِ کتاب و تحقیقِ مسائلِ نحویہ ۱۹۵
(۱۲.۴) متنِ کتاب و تحقیقِ مسائلِ نحویہ ۱۹۵
(۱۲.۵) متنِ کتاب و تحقیقِ مسائلِ نحویہ ۱۹۶
(۱۲.۶) متنِ کتاب و تحقیقِ مسائلِ نحویہ ۱۹۶
(۱۲.۷) متنِ کتاب و تحقیقِ مسائلِ نحویہ ۱۹۷
(۱۲.۸) متنِ کتاب و تحقیقِ مسائلِ نحویہ ۱۹۹
(۱۲.۹) متنِ کتاب و تحقیقِ مسائلِ نحویہ ۲۰۰
(۱۲.۱۰) متنِ کتاب و تحقیقِ مسائلِ نحویہ ۲۰۱
(۱۳) سبق نمبر۱۳: تراکیبِ نحویہ (۱۲): اسمِ موصول کے اعراب اور عائد کا بیان ۲۱۶
(۱۳.۱) تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث ۲۱۶

الْبَابُ الثَّانِي: خُطْبَةُ الْكِتَابِ، تَعْرِيفُ الْكَلِمَةِ وَالْكَلَامِ (خطبۂ کتاب، تعریفِ کلمہ و کلام: بسم اللہ، خطبۂ مصنف و شارح، لفظ، وضع، مفرد اور کلام و جملہ کی تحقیق — اسباق ۱۴ تا ۲۷) ۲۲۶

(۱۴) سبق نمبر ۱۴: خطبۂ کتاب (۱): «اَلْحَمْدُ لِوَلِيِّهِ وَالصَّلٰوةُ عَلٰى نَبِيِّهِ» کی نحوی و بلاغی تحقیق ۲۲۷
(۱۴.۱) تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث ۲۲۷
(۱۴.۲) متنِ کتاب و تحقیقِ مسائلِ نحویہ ۲۳۹

(۱۵) سبق نمبر ۱۵: خطبۂ کتاب (۲): «وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهِ الْمُتَاَدِّبِيْنَ بِاٰدَابِهٖ اَمَّا بَعْدُ» ۲۵۷
(۱۵.۱) تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث ۲۵۷

(۱۶) سبق نمبر ۱۶: مقدمۂ مصنف (۱): صاحبِ کافیہ کی حمد و ثنا سے ابتدا نہ کرنے کی حکمت ۲۸۶
(۱۶.۱) تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث ۲۸۶
(۱۶.۲) متنِ کتاب و تحقیقِ مسائلِ نحویہ ۲۹۹
(۱۶.۳) متنِ کتاب و تحقیقِ مسائلِ نحویہ ۳۰۷
(۱۶.۴) متنِ کتاب و تحقیقِ مسائلِ نحویہ ۳۰۹

(۱۷) سبق نمبر ۱۷: تعریفِ کلمہ (۱): «اَلْكَلِمَةُ» اور «اَلْكَلِمُ» کی لغوی و اصطلاحی تحقیق ۳۱۰
(۱۷.۱) تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث ۳۱۰

(۱۸) سبق نمبر ۱۸: تعریفِ کلمہ (۲): لفظ کی لغوی و اصطلاحی تعریف اور عوارضِ لفظ ۳۳۵
(۱۸.۱) تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث ۳۳۵
ضمیمۂ سبق ۱۸: مصور نقشۂ عُقُودُ الْاَنَامِل (۱ تا ۱۰٬۰۰۰ مع ۴۰ تصاویر) ۳۶۷

(۱۹) سبق نمبر ۱۹: تعریفِ کلمہ (۳): «لَفْظٌ» میں تائے وحدت نہ لانے کی وجہ ۳۷۶
(۱۹.۱) تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث ۳۷۶

(۲۰) سبق نمبر ۲۰: تعریفِ کلمہ (۴): «لِمَعْنًى» کا صرفی و معنوی تجزیہ ۳۹۳
(۲۰.۱) تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث ۳۹۳
(۲۰.۲) متنِ کتاب و تحقیقِ مسائلِ نحویہ ۳۹۸
(۲۰.۳) متنِ کتاب و تحقیقِ مسائلِ نحویہ ۴۰۳

(۲۱) سبق نمبر ۲۱: تعریفِ کلمہ (۵): وضعِ عام اور موضوع لہ خاص (ضمائر و اسمائے اشارہ کا اشکال) ۴۱۷
(۲۱.۱) تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث ۴۱۷
(۲۲) سبق نمبر ۲۲: تعریفِ کلمہ (۶): «مُفْرَدٍ» کی قید اور اعراب و مفہوم کی تحقیق ۴۴۲
(۲۲.۱) تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث ۴۴۲
(۲۲.۲) متنِ کتاب و تحقیقِ مسائلِ نحویہ ۴۴۹
(۲۲.۳) متنِ کتاب و تحقیقِ مسائلِ نحویہ ۴۶۴
(۲۲.۴) متنِ کتاب و تحقیقِ مسائلِ نحویہ ۴۶۷
(۲۲.۵) متنِ کتاب و تحقیقِ مسائلِ نحویہ ۴۷۹
(۲۲.۶) متنِ کتاب و تحقیقِ مسائلِ نحویہ ۴۸۱
(۲۳) سبق نمبر ۲۳: تعریفِ کلمہ (۷): وضع کا دلالت کو مستلزم ہونا اور حصرِ کلمہ در اقسامِ ثلاثہ ۴۸۶
(۲۳.۱) متنِ کافیہ و شرحِ ملا جامی کی قراءت ۴۸۶
(۲۳.۲) عبارت کی نحوی توضیح، ترکیب اور قواعدِ کافیہ ۴۸۶
(۲۴) سبق نمبر ۲۴: اقسامِ کلمہ (۱): حصرِ کلمہ سے اسم، فعل اور حرف کی تعریفات کا استخراج ۵۲۲
(۲۴.۱) تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث ۵۲۲
(۲۵) سبق نمبر ۲۵: تعریفِ کلام (۱): کلام کی لغوی و اصطلاحی تعریف («مَا تَضَمَّنَ كَلِمَتَيْنِ بِالْإِسْنَادِ») ۵۴۱
(۲۵.۱) تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث ۵۴۱
(۲۶) سبق نمبر ۲۶: تعریفِ کلام (۲): کلمتین حقیقتاً یا حکماً اور جملہ کا خبر واقع ہونا ۵۶۹
(۲۶.۱) تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث ۵۶۹
(۲۷) سبق نمبر ۲۷: تعریفِ کلام (۳): کلام اور جملہ کے درمیان ترادف یا تغایر کی تحقیق ۵۹۴
(۲۷.۱) تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث ۵۹۴
(۲۷.۲) متنِ کتاب و تحقیقِ مسائلِ نحویہ ۶۰۵
(۲۷.۳) متنِ کتاب و تحقیقِ مسائلِ نحویہ ۶۱۴

الْبَابُ الثَّالِثُ: تَعْرِيفُ الِاسْمِ وَخَوَاصُّهُ وَالْمُعْرَبُ وَأَنْوَاعُ الْإِعْرَابِ (تعریفِ اسم، معرب و مبنی اور اقسامِ اعراب: خواصِ اسم، شرائطِ اعراب، عامل، اعرابِ اسمائے ستہ، تثنیہ و جمع — اسباق ۲۸ تا ۵۱) ۶۱۹

(۲۸) سبق نمبر ۲۸: تعریفِ اسم (۱): «اَلِاسْمُ مَا دَلَّ عَلٰى مَعْنًى فِيْ نَفْسِهٖ» میں ضمیر کا مرجع ۶۲۰

(۲۸.۱) تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث ۶۲۰

(۲۹) سبق نمبر ۲۹: تعریفِ اسم (۲): ایضاح شرح المفصل کی روشنی میں معنی فی نفسہ کی تحقیق ۶۳۳

(۲۹.۱) تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث ۶۳۳

(۲۹.۲) متنِ کتاب و تحقیقِ مسائلِ نحویہ ۶۴۰

(۳۰) سبق نمبر ۳۰: تعریفِ اسم (۳): موجودِ مستقل و غیرِ مستقل اور معقولِ قصدی و تبعی کا فرق ۶۴۸

(۳۰.۱) تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث ۶۴۸

(۳۱) سبق نمبر ۳۱: تعریفِ اسم (۴): اسمِ معنی اور حرفِ معنی (مثلاً «اَلِابْتِدَاءُ» اور «مِنْ») کا فرق ۶۶۶

(۳۱.۱) تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث ۶۶۶

(۳۲) سبق نمبر ۳۲: تعریفِ اسم (۵): معانیِ کلیہ اور جزئیاتِ مخصوصہ کے مابین علامہ تفتازانی و جرجانی کی تحقیق ۶۷۹

(۳۲.۱) تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث ۶۷۹

(۳۳) سبق نمبر ۳۳: تعریفِ اسم (۶): «مُقْتَرِنًا» اور «فِيْ نَفْسِهٖ» کی قیود کا خلاصہ ۶۹۷

(۳۳.۱) تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث ۶۹۷

(۳۳.۲) متنِ کتاب و تحقیقِ مسائلِ نحویہ ۷۰۵

(۳۴) سبق نمبر ۳۴: تعریفِ اسم (۷): «غَيْرُ مُقْتَرِنٍ بِأَحَدِ الْأَزْمِنَةِ الثَّلَاثَةِ» سے فعل کا اخراج ۷۱۸

(۳۴.۱) تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث ۷۱۸

(۳۵) سبق نمبر ۳۵: تعریفِ اسم (۸): اسمائے افعال کا تعریفِ اسم میں دخول اور وضعِ اول کا اعتبار ۷۳۶

(۳۵.۱) تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث ۷۳۶

(۳۶) سبق نمبر ۳۶: خواصِ اسم (۱): «وَمِنْ خَوَاصِّهٖ» اور تنوین و لامِ تعریف کے خواص ۷۵۴

(۳۶.۱) تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث ۷۵۴

(۳۶.۲) متنِ کتاب و تحقیقِ مسائلِ نحویہ ۷۶۲

(۳۷) سبق نمبر ۳۷: خواصِ اسم (۲): دخولِ جر (لفظی و تقدیری) کا اسم کے ساتھ اختصاص ۷۷۱
(۳۷.۱) تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث ۷۷۱
(۳۷.۲) متنِ کتاب و تحقیقِ مسائلِ نحویہ ۷۷۶
(۳۸) سبق نمبر ۳۸: خواصِ اسم (۳): اسنادِ الیہ اور اضافت کا اسم کے خواص میں سے ہونا ۷۹۵
(۳۸.۱) تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث ۷۹۵
(۳۹) سبق نمبر ۳۹: المعرب (۱): تعریفِ معرب («اَلْمُرَكَّبُ الَّذِيْ لَمْ يُشْبِهْ مَبْنِيَّ الْأَصْلِ») ۸۱۸
(۳۹.۱) تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث ۸۱۸
(۴۰) سبق نمبر ۴۰: المعرب (۲): صاحبِ کشاف اور جمہور کے نزدیک اسمائے معدودہ کے اعراب کی بحث ۸۳۸
(۴۰.۱) تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث ۸۳۸
(۴۱) سبق نمبر ۴۱: المعرب (۳): اسمائے مبنیہ کی علتِ بناء اور مصنف کے مسلک کی توجیہ ۸۵۱
(۴۱.۱) تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث ۸۵۱
(۴۲) سبق نمبر ۴۲: المعرب (۴): حکمِ معرب («أَنْ يَخْتَلِفَ آخِرُهُ بِاخْتِلَافِ الْعَوَامِلِ») ۸۶۷
(۴۲.۱) تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث ۸۶۷
(۴۳) سبق نمبر ۴۳: تعریفِ اعراب (۱): «اَلْإِعْرَابُ مَا اخْتَلَفَ آخِرُهُ بِهِ» — حرکت یا حرف کا بیان ۸۸۵
(۴۳.۱) تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث ۸۸۵
(۴۳.۲) متنِ کتاب و تحقیقِ مسائلِ نحویہ ۸۹۶
(۴۳.۳) متنِ کتاب و تحقیقِ مسائلِ نحویہ ۸۹۹
(۴۴) سبق نمبر ۴۴: تعریفِ اعراب (۲): حدِ اعراب کی تکمیل اور «لِيَدُلَّ عَلَى مَعَانٍ» کی قید ۹۰۴
(۴۴.۱) تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث ۹۰۴
(۴۵) سبق نمبر ۴۵: تعریفِ اعراب (۳): اعراب کو اسم کے آخر میں رکھنے کی حکمت ۹۲۰
(۴۵.۱) تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث ۹۲۰

(۴۶) سبق نمبر۴۶: العامل و انواعِ اعراب (۱): عاملِ لفظی و معنوی کی تعریف اور اعراب بالحرکۃ و بالحرف ۹۳۸
(۴۶.۱) تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث ۹۳۸
(۴۷) سبق نمبر۴۷: انواعِ اعراب (۲): اسمائے ستہ مکبرہ کے اعراب کی شرائط ۹۵۵
(۴۷.۱) تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث ۹۵۵
(۴۸) سبق نمبر۴۸: انواعِ اعراب (۳): اسمائے ستہ کے مضاف ہونے اور یائے متکلم سے احتراز کی تحقیق ۹۷۳
(۴۸.۱) تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث ۹۷۳
(۴۹) سبق نمبر۴۹: انواعِ اعراب (۴): کِلَا و کِلْتَا کی اسمِ ظاہر اور ضمیر کی طرف اضافت کا اعراب ۹۹۱
(۴۹.۱) تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث ۹۹۱
(۵۰) سبق نمبر۵۰: انواعِ اعراب (۵): تثنیہ و جمع اور ان کے ملحقات کا اعراب بالحروف ۱۰۰۵
(۵۰.۱) تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث ۱۰۰۵
(۵۱) سبق نمبر۵۱: انواعِ اعراب (۶): اعرابِ تقدیری و لفظی کا اجمالی خلاصہ اور غیر منصرف کی تمہید ۱۰۲۳
(۵۱.۱) تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث ۱۰۲۳
الْبَابُ الرَّابِعُ: بَابُ غَيْرِ الْمُنْصَرِفِ وَأَسْبَابُ مَنْعِ الصَّرْفِ التِّسْعَةُ (بابِ غیرِ منصرف: تعریف، اسبابِ منعِ صرفِ تسعہ (عدل، وصف، تانیث، معرفہ، عجمہ، جمع، ترکیب، الف و نون، وزنِ فعل) — اسباق ۵۲ تا ۷۶) ۱۰۳۸
(۵۲) سبق نمبر۵۲: غیرِ منصرف (۱): تعریفِ غیر منصرف اور اسبابِ تسعہ کا تعارف ۱۰۳۹
(۵۲.۱) تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث ۱۰۳۹
(۵۲.۲) متنِ کتاب و تحقیقِ مسائلِ نحویہ ۱۰۴۸
(۵۳) سبق نمبر۵۳: غیرِ منصرف (۲): اسبابِ منعِ صرف کا شعر اور ان کی تقسیم ۱۰۵۲
(۵۳.۱) تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث ۱۰۵۲
(۵۴) سبق نمبر۵۴: غیرِ منصرف (۳): اسبابِ تسعہ میں علت و سبب اور شرعی و نحوی علت کا فرق ۱۰۶۲
(۵۴.۱) تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث ۱۰۶۲
(۵۴.۲) متنِ کتاب و تحقیقِ مسائلِ نحویہ ۱۰۶۵

(۵۵) سبق نمبر۵۵: غیرِ منصرف (۴): ضرورتِ شعری یا تناسب کے لیے غیر منصرف کو منصرف پڑھنے کا جواز ۱۰۸۰
(۵۵.۱) تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث ۱۰۸۰
(۵۶) سبق نمبر۵۶: غیرِ منصرف (۵): ضرورتِ شعری میں منصرف کو غیر منصرف پڑھنے کا حکم ۱۰۹۶
(۵۶.۱) تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث ۱۰۹۶
(۵۷) سبق نمبر۵۷: اسبابِ منعِ صرف (۱): «اَلْعَدْلُ» کی تعریف اور عدلِ تحقیقی و تقدیری ۱۱۱۲
(۵۷.۱) تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث ۱۱۱۲
(۵۸) سبق نمبر۵۸: اسبابِ منعِ صرف (۲): تعریفِ عدل پر وارد اعتراضات اور شارحین کے جوابات ۱۱۳۲
(۵۸.۱) تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث ۱۱۳۲
(۵۹) سبق نمبر۵۹: اسبابِ منعِ صرف (۳): «اُخَرَ» اور «سَحَرَ» میں عدلِ تحقیقی و تقدیری کی تحقیق ۱۱۵۶
(۵۹.۱) تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث ۱۱۵۶
(۶۰) سبق نمبر۶۰: اسبابِ منعِ صرف (۴): جُمَعُ، کُتَعُ، بُصَعُ اور شاذ جموع کا بیان ۱۱۷۲
(۶۰.۱) تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث ۱۱۷۲
(۶۱) سبق نمبر۶۱: اسبابِ منعِ صرف (۵): «اَلْوَصْفُ» کی تعریف اور وصفِ اصلی کی شرط ۱۱۹۷
(۶۱.۱) تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث ۱۱۹۷
(۶۲) سبق نمبر۶۲: اسبابِ منعِ صرف (۶): وصفیت کے غیر منصرف ہونے میں شرائط (عدمِ قبولِ تائے تانیث) ۱۲۱۶
(۶۲.۱) تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث ۱۲۱۶
(۶۳) سبق نمبر۶۳: اسبابِ منعِ صرف (۷): «اَلتَّأْنِیْثُ» (بالتاء و بالالف و المعنوی) کی شرائط ۱۲۲۹
(۶۳.۱) متنِ کافیہ و شرحِ ملا جامی کی قراءت ۱۲۲۹
(۶۳.۲) عبارت کی نحوی توضیح، ترکیب اور قواعدِ کافیہ ۱۲۲۹
(۶۴) سبق نمبر۶۴: اسبابِ منعِ صرف (۸): مؤنثِ معنوی کو مذکر کا نام رکھنے کا حکم اور «اَلْمَعْرِفَۃُ» ۱۲۴۸
(۶۴.۱) تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث ۱۲۴۸

(٦٥) سبق نمبر٦٥: اسبابِ منعِ صرف (٩): «اَلْعُجْمَةُ» کی تعریف، شرائط اور ثلاثی ساکن الوسط کا حکم . ١٢٦٣
(٦٥.١) تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث ١٢٦٣
(٦٦) سبق نمبر٦٦: اسبابِ منعِ صرف (١٠): «اَلْجَمْعُ» (صیغۂ منتہی الجموع) اور دو اسباب کے قائم مقام ہونا ١٢٨٦
(٦٦.١) تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث ١٢٨٦
(٦٧) سبق نمبر٦٧: اسبابِ منعِ صرف (١١): «حَضَاجِرُ» اور «سَرَاوِيلُ» میں جمع کے حکم کی تحقیق . . ١٣٠٢
(٦٧.١) تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث ١٣٠٢
(٦٨) سبق نمبر٦٨: اسبابِ منعِ صرف (١٢): «جَوَارٍ» اور «غَوَاشٍ» جیسے منقوص صیغۂ منتہی الجموع کا اعراب ١٣١٩
(٦٨.١) تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث ١٣١٩
(٦٩) سبق نمبر٦٩: اسبابِ منعِ صرف (١٣): «اَلتَّرْكِيبُ» (ترکیبِ مزجی) کی تعریف اور شرائط ١٣٤٠
(٦٩.١) تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث ١٣٤٠
(٧٠) سبق نمبر٧٠: اسبابِ منعِ صرف (١٤): «اَلْاَلِفُ وَالنُّونُ الزَّائِدَتَانِ» کی پہچان اور شرائط ١٣٥٧
(٧٠.١) تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث ١٣٥٧
(٧١) سبق نمبر٧١: اسبابِ منعِ صرف (١٥): «وَزْنُ الْفِعْلِ» کی تعریف، شرائط اور اوزانِ خاصہ و غالبہ ١٣٧٩
(٧١.١) تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث ١٣٧٩
(٧١.٢) متنِ کتاب و تحقیقِ مسائلِ نحویہ ١٣٩٠
(٧٢) سبق نمبر٧٢: احکامِ غیر منصرف (١): علمیتِ مؤثرہ والے غیر منصرف کو نکرہ بنانے کا حکم . . . ١٤٠٩
(٧٢.١) تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث ١٤٠٩
(٧٣) سبق نمبر٧٣: احکامِ غیر منصرف (٢): تنکیر کے بعد صرف ہونے اور عدمِ صرف کی علتیں ١٤٣١
(٧٣.١) تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث ١٤٣١
(٧٤) سبق نمبر٧٤: احکامِ غیر منصرف (٣): «أَحْمَرُ» جب علم ہو پھر نکرہ بنایا جائے (سیبویہ و اخفش کا اختلاف) ١٤٥٠
(٧٤.١) تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث ١٤٥٠

(۷۵) سبق نمبر ۷۵: احکامِ غیر منصرف (۴): وصفِ اصلی کے اعتبار پر سیبویہ کے دلائل ۱۴۷۲
(۷۵.۱) تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث ۱۴۷۲
(۷۶) سبق نمبر ۷۶: احکامِ غیر منصرف (۵): سیبویہ اور اخفش کے مسالک کا محاکمہ اور خلاصہ ۱۴۸۶
(۷۶.۱) تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث ۱۴۸۶
الْبَابُ الْخَامِسُ: الْمَرْفُوعَاتُ (الْجُزْءُ الْأَوَّلُ) — الْفَاعِلُ وَالتَّنَازُعُ وَنَائِبُ الْفَاعِلِ (مرفوعات (حصہ اول): تعریفِ مرفوع، فاعل، حذفِ فعل، تنازعِ فعلان (مذہبِ بصریین و کوفیین) اور نائبِ فاعل — اسباق ۷۷ تا ۹۲) ۱۵۱۲
(۷۷) سبق نمبر ۷۷: المرفوعات (۱): «اَلْمَرْفُوْعَاتُ» کے جمع آنے کی وجہ اور فاعل کا تعارف ۱۵۱۳
(۷۷.۱) تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث ۱۵۱۳
(۷۸) سبق نمبر ۷۸: المرفوعات (۲): مرفوع کی تعریف («مَا اشْتَمَلَ عَلَى عَلَمِ الْفَاعِلِيَّةِ») ۱۵۳۶
(۷۸.۱) تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث ۱۵۳۶
(۷۹) سبق نمبر ۷۹: الفاعل (۱): فاعل کی تعریف («مَا أُسْنِدَ إِلَيْهِ الْفِعْلُ أَوْ شِبْهُهُ») ۱۵۵۶
(۷۹.۱) تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث ۱۵۵۶
(۷۹.۲) متنِ کتاب و تحقیقِ مسائلِ نحویہ ۱۵۶۴
(۸۰) سبق نمبر ۸۰: الفاعل (۲): اسمِ حقیقتاً و حکماً اور «قُدِّمَ عَلَيْهِ» کی قید کا فائدہ ۱۵۷۹
(۸۰.۱) تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث ۱۵۷۹
(۸۱) سبق نمبر ۸۱: الفاعل (۳): فاعل پر فعل کے مقدم ہونے کی وجوہات اور مبتدا سے احتراز ۱۶۰۳
(۸۱.۱) تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث ۱۶۰۳
(۸۲) سبق نمبر ۸۲: الفاعل (۴): «عَلَى جِهَةِ قِيَامِهِ بِهِ» سے نائبِ فاعل کا اخراج ۱۶۲۷
(۸۲.۱) تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث ۱۶۲۷
(۸۲.۲) متنِ کتاب و تحقیقِ مسائلِ نحویہ ۱۶۴۶
(۸۳) سبق نمبر ۸۳: الفاعل (۵): فاعل و مفعول میں اعراب کے نہ ہونے پر تقدیمِ فاعل کا وجوب ۱۶۵۰
(۸۳.۱) تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث ۱۶۵۰

(۸۴) سبق نمبر ۸۴: الفاعل (٦): فاعل کا ضمیرِ متصل (بارز و مستتر) ہونا اور قصر و حصر کی صورتیں . . ١٦٧٢
(۸۴.۱) تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث ١٦٧٢
(۸۵) سبق نمبر ۸۵: الفاعل (۷): فاعل کے فعل کا جوازاً اور وجوباً حذف ہونا ١٦٩٦
(۸۵.۱) تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث ١٦٩٦
(۸۵.۲) متنِ کتاب و تحقیقِ مسائلِ نحویہ ١٧٠٤
(۸٦) سبق نمبر ۸٦: التنازع (۱): تنازعِ فعلان کی تعریف اور چار صورتیں ١٧١٧
(۸٦.۱) تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث ١٧١٧
(۸٦.۲) متنِ کتاب و تحقیقِ مسائلِ نحویہ ١٧٣٥
(۸۷) سبق نمبر ۸۷: التنازع (۲): اسمِ ظاہرِ متنازع فیہ کے بعد آنے کی شرط ١٧٤٠
(۸۷.۱) تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث ١٧٤٠
(۸۸) سبق نمبر ۸۸: التنازع (۳): فعلِ ثانی کو عمل دینے کا بیان (مذہبِ بصریین) ١٧٦٥
(۸۸.۱) تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث ١٧٦٥
(۸۹) سبق نمبر ۸۹: التنازع (۴): فعلِ اول میں مفعول کو حذف کرنے اور اضمار قبل الذکر کا حکم . . ١٧٨٥
(۸۹.۱) تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث ١٧٨٥
(۸۹.۲) متنِ کتاب و تحقیقِ مسائلِ نحویہ ١٧٩٨
(۸۹.۳) متنِ کتاب و تحقیقِ مسائلِ نحویہ ١٧٩٩
(۸۹.۴) متنِ کتاب و تحقیقِ مسائلِ نحویہ ١٨٠٠
(۸۹.۵) متنِ کتاب و تحقیقِ مسائلِ نحویہ ١٨٠٢
(۸۹.٦) متنِ کتاب و تحقیقِ مسائلِ نحویہ ١٨٠٢
(۸۹.۷) متنِ کتاب و تحقیقِ مسائلِ نحویہ ١٨٠٣
(۹۰) سبق نمبر ۹۰: التنازع (۵): کوفیین کے دلائل (قولِ امرؤ القیس) اور بصریین کا جواب ١٨١٢
(۹۰.۱) تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث ١٨١٢
(۹۰.۲) متنِ کتاب و تحقیقِ مسائلِ نحویہ ١٨١٦

(۹۰.۳) متنِ کتاب و تحقیقِ مسائلِ نحویہ ۱۸۱۷
(۹۰.۴) متنِ کتاب و تحقیقِ مسائلِ نحویہ ۱۸۲۴
(۹۰.۵) متنِ کتاب و تحقیقِ مسائلِ نحویہ ۱۸۲۸

(۹۱) سبق نمبر ۹۱: نائبِ فاعل (۱): «مَفْعُوْلُ مَا لَمْ يُسَمَّ فَاعِلُهُ» کی تعریف اور کن مفاعیل کو نائب بنایا جاتا ہے ۱۸۲۹
(۹۱.۱) تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث ۱۸۲۹

(۹۲) سبق نمبر ۹۲: نائبِ فاعل (۲): مفعولِ بہ کی موجودگی میں دیگر مفاعیل کو نائب بنانے کا حکم ... ۱۸۵۷
(۹۲.۱) تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث ۱۸۵۷

الْبَابُ السَّادِسُ: الْمَرْفُوعَاتُ (الْجُزْءُ الثَّانِي) — الْمُبْتَدَأُ وَالْخَبَرُ وَخَبَرُ إِنَّ وَلَا (مرفوعات (حصہ دوم): مبتدا و خبر، تعدد و حذفِ خبر، خبرِ إِنَّ و اخواتہا اور خبرِ لائے نفیِ جنس — اسباق ۹۳ تا ۱۱۲) ۱۸۸۳

(۹۳) سبق نمبر ۹۳: المبتدا والخبر (۱): مبتدا اور خبر کی تعریف اور عاملِ معنوی ۱۸۸۴
(۹۳.۱) تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث ۱۸۸۴

(۹۴) سبق نمبر ۹۴: المبتدا والخبر (۲): مبتدا کی دونوں اقسام (اسمِ صریح و مؤول اور صفتِ رافعہ لظاہر) ۱۹۰۷
(۹۴.۱) تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث ۱۹۰۷

(۹۵) سبق نمبر ۹۵: المبتدا والخبر (۳): خبر کی تعریف اور مبتدا سے مطابقت کے قواعد ۱۹۳۲
(۹۵.۱) تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث ۱۹۳۲

(۹۶) سبق نمبر ۹۶: المبتدا والخبر (۴): مبتدا کا معرفہ ہونا اصل اور نکرہ آنے کے مسوغات ۱۹۵۶
(۹۶.۱) تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث ۱۹۵۶

(۹۷) سبق نمبر ۹۷: المبتدا والخبر (۵): نکرہ کے مبتدا بننے کی مزید صورتیں (نفی، استفہام، تخصیص) ... ۱۹۸۲
(۹۷.۱) تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث ۱۹۸۲

(۹۸) سبق نمبر ۹۸: المبتدا والخبر (۶): خبر کا جملہ واقع ہونا اور رابط کی ضرورت ۲۰۱۵
(۹۸.۱) تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث ۲۰۱۵

(۹۹) سبق نمبر ۹۹: المبتدا والخبر (۷): بتدا کا وجوباً مقدم ہونا اور جوازاً و وجوباً مؤخر ہونا ۲۰۴۹
(۹۹.۱) تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث ۲۰۴۹
(۱۰۰) سبق نمبر ۱۰۰: المبتدا والخبر (۸): خبر کے وجوباً مقدم ہونے کے مواضع ۲۰۷۳
(۱۰۰.۱) تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث ۲۰۷۳
(۱۰۱) سبق نمبر ۱۰۱: المبتدا والخبر (۹): تعددِ خبر (ایک بتدا کی متعدد خبریں) کے قواعد ۲۱۰۰
(۱۰۱.۱) تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث ۲۱۰۰
(۱۰۲) سبق نمبر ۱۰۲: المبتدا والخبر (۱۰): بتدا متضمنِ معنیِ شرط کی خبر پر فاء کے دخول کا بیان ۲۱۲۵
(۱۰۲.۱) تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث ۲۱۲۵
(۱۰۳) سبق نمبر ۱۰۳: المبتدا والخبر (۱۱): «إِنَّ» مکسورہ اور «لَيْتَ وَلَعَلَّ» کے دخول سے فاء کا حکم ۲۱۴۱
(۱۰۳.۱) تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث ۲۱۴۱
(۱۰۴) سبق نمبر ۱۰۴: المبتدا والخبر (۱۲): بتدا یا خبر کے جوازاً حذف ہونے کے مواضع ۲۱۶۷
(۱۰۴.۱) تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث ۲۱۶۷
(۱۰۵) سبق نمبر ۱۰۵: المبتدا والخبر (۱۳): خبر کے وجوباً حذف ہونے کے چار مواضع (لولا اور مصدر) ۲۱۸۷
(۱۰۵.۱) تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث ۲۱۸۷
(۱۰۶) سبق نمبر ۱۰۶: المبتدا والخبر (۱۴): علامہ رضی کی تحقیق اور مصدرِ نایب عن الفعل کا اعراب ۲۲۰۷
(۱۰۶.۱) تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث ۲۲۰۷
(۱۰۷) سبق نمبر ۱۰۷: المبتدا والخبر (۱۵): «ضَرْبِي زَيْدًا قَائِمًا» میں خبرِ محذوف کی تقدیر ۲۲۳۴
(۱۰۷.۱) تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث ۲۲۳۴
(۱۰۸) سبق نمبر ۱۰۸: المبتدا والخبر (۱۶): واوِ مصاحبت اور «أَفْعَلُ» تفضیل کے بعد خبر کا وجوبی حذف ۲۲۵۲
(۱۰۸.۱) تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث ۲۲۵۲
(۱۰۹) سبق نمبر ۱۰۹: خبرِ إِنَّ و اخواتہا (۱): حروفِ مشبہ بالفعل کا عمل اور خبر کے احکام ۲۲۶۴
(۱۰۹.۱) تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث ۲۲۶۴

(۱۱۰) سبق نمبر ۱۱۰: خبرِ إنَّ و اخواتہا (۲): خبرِ إنَّ پر لامِ ابتدا کے دخول اور تقدمِ خبر کے قواعد . . . ۲۲۸۳
(۱۱۰.۱) تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث ۲۲۸۳
(۱۱۱) سبق نمبر ۱۱۱: خبرِ لائے نفیِ جنس (۱): «خَبَرُ لَا الَّتِیْ لِنَفْیِ الْجِنْسِ» کی تعریف و عمل ۲۲۹۸
(۱۱۱.۱) تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث ۲۲۹۸
(۱۱۲) سبق نمبر ۱۱۲: خبرِ لائے نفیِ جنس (۲): «لَا غُلَامَ رَجُلٍ ظَرِیْفٌ» کی مثال کی حکمت اور حذفِ خبر ۲۳۱۷
(۱۱۲.۱) تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث ۲۳۱۷
(۱۱۲.۲) متنِ کتاب و تحقیقِ مسائلِ نحویہ ۲۳۴۱
الْبَابُ السَّابِعُ: الْمَنْصُوبَاتُ (الْجُزْءُ الْأَوَّلُ) — الْمَفَاعِیلُ الْخَمْسَةُ وَالْمُنَادَی (منصوبات (حصہ اول): مفعولِ مطلق، مفعولِ بہ، منادیٰ (مبنی و معرب، ترخیم، ندبہ)، اشتغال، مفعولِ فیہ، مفعولِ لہ اور مفعولِ معہ — اسباق ۱۱۳ تا ۱۴۰) ۲۳۴۵
(۱۱۳) سبق نمبر ۱۱۳: المنصوبات (۱): تعریفِ منصوبات («مَا اشْتَمَلَ عَلَی عَلَمِ الْمَفْعُوْلِیَّةِ») ۲۳۴۶
(۱۱۳.۱) تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث ۲۳۴۶
(۱۱۴) سبق نمبر ۱۱۴: المفعول المطلق (۱): مفعولِ مطلق کی تعریف، وجہِ تسمیہ اور تین فوائد ۲۳۶۴
(۱۱۴.۱) تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث ۲۳۶۴
(۱۱۵) سبق نمبر ۱۱۵: المفعول المطلق (۲): مفعولِ مطلق کے ناصب کا جوازاً اور وجوباً حذف ہونا . . ۲۳۹۳
(۱۱۵.۱) تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث ۲۳۹۳
(۱۱۶) سبق نمبر ۱۱۶: المفعول المطلق (۳): تشبیہ اور ثنیٰ مفعولِ مطلق («لَبَّیْکَ وَسَعْدَیْکَ») کی تحقیق ۲۴۲۳
(۱۱۶.۱) تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث ۲۴۲۳
(۱۱۷) سبق نمبر ۱۱۷: المفعول المطلق (۴): «حَنَانَیْکَ وَدَوَالَیْکَ» اور سماعی مصادرِ محذوف الفعل . . ۲۴۴۵
(۱۱۷.۱) تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث ۲۴۴۵
(۱۱۸) سبق نمبر ۱۱۸: المفعول بہ (۱): تعریفِ مفعولِ بہ اور عامل کے وجوبی حذف کے مواضع . . . ۲۴۶۳
(۱۱۸.۱) تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث ۲۴۶۳

(۱۱۹) سبق نمبر ۱۱۹: المنادیٰ (۱): منادیٰ کی تعریف اور منادیٰ کے مبنی بر علامتِ رفع ہونے کا بیان ۲۴۹۰
(۱۱۹.۱) تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث ۲۴۹۰
(۱۲۰) سبق نمبر ۱۲۰: المنادیٰ (۲): منادیٰ کے منصوب اور مبنی بر ضم ہونے کی اقسام ۲۵۱۴
(۱۲۰.۱) تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث ۲۵۱۴
(۱۲۱) سبق نمبر ۱۲۱: المنادیٰ (۳): لامِ استغاثہ، لامِ تعجب اور یائے متکلم کی طرف مضاف منادیٰ ۲۵۴۲
(۱۲۱.۱) تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث ۲۵۴۲
(۱۲۱.۲) متنِ کتاب و تحقیقِ مسائلِ نحویہ ۲۵۷۰
(۱۲۲) سبق نمبر ۱۲۲: المنادیٰ (۴): «یَا أَبَتِ» اور «یَا أُمَّتِ» اور «اِبْنَ أُمَّ» کے اعراب کی تفصیل ۲۵۸۴
(۱۲۲.۱) متنِ کافیہ و شرحِ ملا جامی کی قراءت ۲۵۸۴
(۱۲۲.۲) عبارت کی نحوی توضیح، ترکیب اور قواعدِ کافیہ ۲۵۸۴
(۱۲۳) سبق نمبر ۱۲۳: المنادیٰ (۵): منادیٰ مبنی کے توابع (نعت، تاکید، عطفِ بیان، بدل، معطوف) کا اعراب ۲۵۹۶
(۱۲۳.۱) تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث ۲۵۹۶
(۱۲۴) سبق نمبر ۱۲۴: المنادیٰ (۶): معطوف بالالف واللام میں امام خلیل، سیبویہ اور یونس کا اختلاف ۲۶۲۲
(۱۲۴.۱) تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث ۲۶۲۲
(۱۲۵) سبق نمبر ۱۲۵: المنادیٰ (۷): «یَا زَیْدُ بْنَ عَمْرٍو» میں علمِ موصوف بابن کے فتحہ کا حکم ۲۶۵۰
(۱۲۵.۱) تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث ۲۶۵۰
(۱۲۵.۲) متنِ کتاب و تحقیقِ مسائلِ نحویہ ۲۶۷۲
(۱۲۵.۳) متنِ کتاب و تحقیقِ مسائلِ نحویہ ۲۶۷۷
(۱۲۶) سبق نمبر ۱۲۶: المنادیٰ (۸): «یَا تَیْمَ تَیْمَ عَدِیٍّ» میں تکرارِ منادیٰ کے دونوں اعراب ۲۶۸۱
(۱۲۶.۱) تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث ۲۶۸۱
(۱۲۷) سبق نمبر ۱۲۷: الترخیم (۱): ترخیمِ منادیٰ کی تعریف اور شرائطِ جواز ۲۷۰۵
(۱۲۷.۱) تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث ۲۷۰۵

(۱۲۸) سبق نمبر ۱۲۸: الترخیم (۲): ترخیم میں محذوف ہونے والے حروف کی مقدار اور دو لغات . . ۲۷۲۲
(۱۲۸.۱) تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث ۲۷۲۲
(۱۲۹) سبق نمبر ۱۲۹: المندوب (۱): مندوب کی تعریف، صیغۂ ندبہ اور آخر میں الف و ہا کے الحاق کا بیان ۲۷۴۶
(۱۲۹.۱) تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث ۲۷۴۶
(۱۳۰) سبق نمبر ۱۳۰: الاشتغال (۱): «مَا أُضْمِرَ عَامِلُهُ عَلٰى شَرِيْطَةِ التَّفْسِيْرِ» کا تعارف ۲۷۷۹
(۱۳۰.۱) تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث ۲۷۷۹
(۱۳۱) سبق نمبر ۱۳۱: الاشتغال (۲): فعل یا شبہِ فعل کے ضمیر میں مشغول ہونے کی صورتیں ۲۷۹۸
(۱۳۱.۱) تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث ۲۷۹۸
(۱۳۲) سبق نمبر ۱۳۲: الاشتغال (۳): اشتغال میں وجوبِ نصب اور وجوبِ رفع کے مواضع ۲۸۲۴
(۱۳۲.۱) تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث ۲۸۲۴
(۱۳۳) سبق نمبر ۱۳۳: الاشتغال (۴): عطفِ جملہ کی وجہ سے نصب کے راجح ہونے کی صورتیں . . . ۲۸۴۶
(۱۳۳.۱) تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث ۲۸۴۶
(۱۳۴) سبق نمبر ۱۳۴: الاشتغال (۵): اشتغال میں رفع اور نصب کے برابر ہونے کے مواضع ۲۸۷۲
(۱۳۴.۱) تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث ۲۸۷۲
(۱۳۵) سبق نمبر ۱۳۵: الاشتغال (۶): اشتغال کی مزید تفصیلات اور تنبیہات ۲۸۹۶
(۱۳۵.۱) تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث ۲۸۹۶
(۱۳۶) سبق نمبر ۱۳۶: المفعول فیہ (۱): مفعولِ فیہ (ظرفِ زمان و مکان، مبہم و محدود) کا بیان ۲۹۲۶
(۱۳۶.۱) تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث ۲۹۲۶
(۱۳۷) سبق نمبر ۱۳۷: المفعول لہ (۱): مفعولِ لہ کی تعریف اور شرائط ۲۹۶۴
(۱۳۷.۱) تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث ۲۹۶۴
(۱۳۸) سبق نمبر ۱۳۸: المفعول لہ (۲): مفعولِ لہ کے منصوب ہونے کی شرائط (اتحادِ فاعل و زمان) . ۲۹۸۳
(۱۳۸.۱) تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث ۲۹۸۳

(۱۳۹) سبق نمبر ۱۳۹: المفعول معہ (۱): مفعولِ معہ کی تعریف اور واوِ مصاحبت کا حکم ۳۰۱۱
(۱۳۹.۱) تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث ۳۰۱۱
(۱۴۰) سبق نمبر ۱۴۰: المفعول معہ (۲): مفعولِ معہ میں نصب و عطف کے جواز و وجوب کے مواضع ۳۰۴۲
(۱۴۰.۱) تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث ۳۰۴۲
الْبَابُ الثَّامِنُ: الْمَنْصُوبَاتُ (الْجُزْءُ الثَّانِي) — الْحَالُ وَالتَّمْيِيزُ (منصوبات (حصہ دوم): حال (تعریف، شرائط، ذوالحال، جملہ حالیہ) اور تمییز (تعریف، تمییز عن ذات و عن نسبۃ، احکام) — اسباق ۱۴۱ تا ۱۵۳) ۳۰۶۵
(۱۴۱) سبق نمبر ۱۴۱: الحال (۱): حال کی تعریف، ذوالحال اور مفاعیل سے ملحق ہونے کی وجہ ... ۳۰۶۶
(۱۴۱.۱) تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث ۳۰۶۶
(۱۴۲) سبق نمبر ۱۴۲: الحال (۲): عاملِ حال (فعل، شبہِ فعل، معنیِ فعل) اور ذوالحال کے احکام .. ۳۱۰۱
(۱۴۲.۱) تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث ۳۱۰۱
(۱۴۳) سبق نمبر ۱۴۳: الحال (۳): حال کا نکرہ اور ذوالحال کا معرفہ ہونا اصل، اور اس کے مستثنیات ۳۱۱۸
(۱۴۳.۱) تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث ۳۱۱۸
(۱۴۴) سبق نمبر ۱۴۴: الحال (۴): «وَأَرْسَلَهَا الْعِرَاكَ» اور حال کے معرفہ آنے کی تاویلات ۳۱۴۱
(۱۴۴.۱) تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث ۳۱۴۱
(۱۴۵) سبق نمبر ۱۴۵: الحال (۵): عاملِ معنوی پر حال کے مقدم نہ ہونے کا بیان ۳۱۵۹
(۱۴۵.۱) تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث ۳۱۵۹
(۱۴۶) سبق نمبر ۱۴۶: الحال (۶): حالِ جامد اور حال کے جملہ (اسمیہ و فعلیہ) واقع ہونے کی شرائط .. ۳۱۸۳
(۱۴۶.۱) تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث ۳۱۸۳
(۱۴۷) سبق نمبر ۱۴۷: الحال (۷): جملہ فعلیہ ماضیہ مثبتہ حال میں «قَدْ» اور واوِ حالیہ کا حکم ۳۲۱۹
(۱۴۷.۱) تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث ۳۲۱۹
(۱۴۸) سبق نمبر ۱۴۸: التمییز (۱): تمییز کی تعریف اور نعت، حال و بدل سے احتراز ۳۲۴۳
(۱۴۸.۱) تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث ۳۲۴۳

(۱۴۹) سبق نمبر ۱۴۹: التمییز (۲): ذاتِ مبہم کی چار قسمیں (عدد، کیل، وزن، مساحت) اور اسمِ تام . ۳۲۶۷
(۱۴۹.۱) تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث ۳۲۶۷
(۱۵۰) سبق نمبر ۱۵۰: التمییز (۳): تمییز کے مفرد آنے اور «عِشْرُوْنَ» تا «تِسْعُوْنَ» کی تمییز کا حکم ۳۳۰۱
(۱۵۰.۱) تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث ۳۳۰۱
(۱۵۰.۲) متنِ کتاب و تحقیقِ مسائلِ نحویہ ۳۳۰۶
(۱۵۱) سبق نمبر ۱۵۱: التمییز (۴): تمییزِ نسبت (مقدرہ) اور اس کی اقسام (منقول عن الفاعل و المفعول) ۳۳۳۳
(۱۵۱.۱) تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث ۳۳۳۳
(۱۵۲) سبق نمبر ۱۵۲: التمییز (۵): «لِلّٰہِ دَرُّہٗ فَارِسًا» اور تمییز کے صفت و معرفہ نہ ہونے کی بحث . . . ۳۳۶۶
(۱۵۲.۱) تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث ۳۳۶۶
(۱۵۳) سبق نمبر ۱۵۳: التمییز (۶): تمییز کا اپنے عامل پر مقدم نہ ہونا اور «طَابَ زَیْدٌ نَفْسًا» ۳۴۰۸
(۱۵۳.۱) تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث ۳۴۰۸
(۱۵۳.۲) متنِ کتاب و تحقیقِ مسائلِ نحویہ ۳۴۳۶
(۱۵۳.۳) متنِ کتاب و تحقیقِ مسائلِ نحویہ ۳۴۴۳
الْبَابُ التَّاسِعُ: الْمَنْصُوبَاتُ (الْجُزْءُ الثَّالِثُ) — الْمُسْتَثْنَى وَخَبَرُ كَانَ وَاسْمُ لَا وَخَبَرُ مَا وَلَا (منصوبات (حصہ سوم): مستثنیٰ (متصل، منقطع، مفرغ، غیر و سویٰ و حاشا)، خبرِ کان، اسمِ لائے نفیِ جنس اور خبرِ ما و لا — اسباق ۱۵۴ تا ۱۸۲) ۳۴۴۸
(۱۵۴) سبق نمبر ۱۵۴: المستثنیٰ (۱): مستثنیٰ کی تعریف اور مستثنیٰ متصل و منقطع کی تقسیم (مع نقشۂ اعرابِ مستثنیٰ) ۳۴۴۹
(۱۵۴.۱) تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث ۳۴۴۹
(۱۵۵) سبق نمبر ۱۵۵: المستثنیٰ (۲): مستثنیٰ کے منصوب ہونے کے چار مواضع (کلامِ موجب، مقدم، خلا و عدا) ۳۴۶۱
(۱۵۵.۱) تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث ۳۴۶۱
(۱۵۵.۲) متنِ کتاب و تحقیقِ مسائلِ نحویہ ۳۴۶۹

(۱۵۵.۳) متنِ کتاب و تحقیقِ مسائلِ نحویہ ۳۴۷۳
(۱۵۵.۴) متنِ کتاب و تحقیقِ مسائلِ نحویہ ۳۴۷۴

(۱۵۶) سبق نمبر ۱۵۶: المستثنیٰ (۳): کلامِ موجب میں مستثنیٰ کے وجوبِ نصب کی توجیہ ۳۴۸۴
(۱۵۶.۱) تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث ۳۴۸۴

(۱۵۷) سبق نمبر ۱۵۷: المستثنیٰ (۴): مستثنیٰ مقدم کے منصوب ہونے کا بیان ۳۵۰۳
(۱۵۷.۱) تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث ۳۵۰۳

(۱۵۸) سبق نمبر ۱۵۸: المستثنیٰ (۵): «خَلَا» اور «عَدَا» کے بعد مستثنیٰ کا اعراب ۳۵۲۳
(۱۵۸.۱) تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث ۳۵۲۳

(۱۵۹) سبق نمبر ۱۵۹: المستثنیٰ (۶): «مَا خَلَا»، «مَا عَدَا»، «لَیْسَ» اور «لَا یَکُوْنُ» کے بعد نصب ۳۵۴۷
(۱۵۹.۱) تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث ۳۵۴۷

(۱۶۰) سبق نمبر ۱۶۰: المستثنیٰ (۷): کلامِ غیر موجب میں مستثنیٰ متصل کا بدل یا نصب ۳۵۶۴
(۱۶۰.۱) تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث ۳۵۶۴

(۱۶۱) سبق نمبر ۱۶۱: المستثنیٰ (۸): مستثنیٰ مفرغ کی تعریف، شرائط اور «عَلٰی حَسَبِ الْعَوَامِلِ» اعراب ۳۵۸۰
(۱۶۱.۱) تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث ۳۵۸۰

(۱۶۲) سبق نمبر ۱۶۲: المستثنیٰ (۹): مستثنیٰ مفرغ کے کلامِ موجب میں نہ آنے اور اس کی تاویل کا بیان ۳۶۰۴
(۱۶۲.۱) تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث ۳۶۰۴

(۱۶۳) سبق نمبر ۱۶۳: المستثنیٰ (۱۰): جب لفظِ مستثنیٰ منہ پر بدل بنانا متعذر ہو تو محل پر بدل ۳۶۱۸
(۱۶۳.۱) تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث ۳۶۱۸

(۱۶۴) سبق نمبر ۱۶۴: المستثنیٰ (۱۱): «مَا جَاءَنِیْ مِنْ أَحَدٍ إِلَّا زَیْدٌ» اور «لَا إِلٰہَ إِلَّا اللّٰہُ» کی تحقیق ۳۶۳۸
(۱۶۴.۱) تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث ۳۶۳۸

(۱۶۵) سبق نمبر ۱۶۵: المستثنیٰ (۱۲): «غَیْرٌ»، «سِوًی»، «سَوَاءٌ» اور «حَاشَا» کے بعد مستثنیٰ کا مجرور ہونا ۳۶۵۷
(۱۶۵.۱) تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث ۳۶۵۷

(۱۶۶) سبق نمبر ۱۶۶: المستثنیٰ (۱۳): «غَیْرٌ» کی اصل صفت اور «اِلَّا» کا صفت واقع ہونا ۳۶۷۷
(۱۶۶.۱) تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث ۳۶۷۷
(۱۶۷) سبق نمبر ۱۶۷: المستثنیٰ (۱۴): جمع منکرِ غیر محصور کی صفت میں «اِلَّا» کو «غَیْرٌ» پر محمول کرنا ۳۶۹۲
(۱۶۷.۱) تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث ۳۶۹۲
(۱۶۸) سبق نمبر ۱۶۸: المستثنیٰ (۱۵): غیرِ جمع منکرِ غیر محصور میں «اِلَّا» کے صفت بننے کا ضعف ۳۷۰۸
(۱۶۸.۱) تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث ۳۷۰۸
(۱۶۹) سبق نمبر ۱۶۹: خبرِ کان و اخواتہا (۱): خبرِ کان کی تعریف اور اسمائے افعالِ ناقصہ کا تعارف ۳۷۳۰
(۱۶۹.۱) تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث ۳۷۳۰
(۱۷۰) سبق نمبر ۱۷۰: خبرِ کان و اخواتہا (۲): خبرِ کان کے اقسام و احکام اور تقدمِ خبر کے قواعد ۳۷۴۷
(۱۷۰.۱) تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث ۳۷۴۷
(۱۷۱) سبق نمبر ۱۷۱: اسمِ لائے نفیِ جنس (۱): «اَلْمَنْصُوبُ بِلَا الَّتِیْ لِنَفْیِ الْجِنْسِ» کی تعریف و شرائط ۳۷۶۹
(۱۷۱.۱) تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث ۳۷۶۹
(۱۷۲) سبق نمبر ۱۷۲: اسمِ لائے نفیِ جنس (۲): مفرد معرفہ اور نکرہ کے مبنی بر فتح یا منصوب ہونے کی وجہ ۳۷۸۵
(۱۷۲.۱) تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث ۳۷۸۵
(۱۷۳) سبق نمبر ۱۷۳: اسمِ لائے نفیِ جنس (۳): شبیہ بالمضاف اور مضاف کے منصوب ہونے کا بیان ۳۸۰۵
(۱۷۳.۱) تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث ۳۸۰۵
(۱۷۴) سبق نمبر ۱۷۴: اسمِ لائے نفیِ جنس (۴): شرائط کے مفقود ہونے پر «لَا» کا غیرِ عامل اور تکرار کا وجوب ۳۸۲۳
(۱۷۴.۱) تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث ۳۸۲۳
(۱۷۵) سبق نمبر ۱۷۵: اسمِ لائے نفیِ جنس (۵): «لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ» میں پانچ وجوہِ اعراب ۳۸۴۵
(۱۷۵.۱) تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث ۳۸۴۵
(۱۷۶) سبق نمبر ۱۷۶: اسمِ لائے نفیِ جنس (۶): پانچویں وجہ (رفعِ اول بضعف) اور تمام وجوہ کا خلاصہ ۳۸۶۲
(۱۷۶.۱) تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث ۳۸۶۲

(۱۷۷) سبق نمبر۱۷۷: اسمِ لائے نفیِ جنس (۷): «لَا» پر ہمزۂ استفہام کے داخل ہونے کے احکام . . ۳۸۷۳
(۱۷۷.۱) تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث ۳۸۷۳
(۱۷۸) سبق نمبر۱۷۸: اسمِ لائے نفیِ جنس (۸): اسمِ «لَا» مبنی کی صفت کا اعراب ۳۸۹۰
(۱۷۸.۱) تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث ۳۸۹۰
(۱۷۹) سبق نمبر۱۷۹: اسمِ لائے نفیِ جنس (۹): اسمِ «لَا» پر نکرہ کے عطف (بلاتکرار و مع تکرار) کا حکم ۳۹۱۳
(۱۷۹.۱) تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث ۳۹۱۳
(۱۸۰) سبق نمبر۱۸۰: اسمِ لائے نفیِ جنس (۱۰): «لَا أَبَا لَہٗ» اور «لَا غُلَامَیْ لَہٗ» میں اضافت و لام کا بیان . ۳۹۲۵
(۱۸۰.۱) تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث ۳۹۲۵
(۱۸۱) سبق نمبر۱۸۱: اسمِ لائے نفیِ جنس (۱۱): «لَا أَبَا لَہٗ» کے اعراب میں نحویوں کے مذاہب . . ۳۹۴۰
(۱۸۱.۱) تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث ۳۹۴۰
(۱۸۲) سبق نمبر۱۸۲: خبرِ مَا و لَا مشبہتین بلیس: شرائطِ عمل، بطلانِ عمل بالًا اور خبر پر باء کا دخول . . ۳۹۵۸
(۱۸۲.۱) تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث ۳۹۵۸

الْبَابُ الْعَاشِرُ: الْمَجْرُورَاتُ وَمَبَاحِثُ الْإِضَافَةِ (مجرورات اور مباحثِ اضافت: اضافتِ معنویہ و لفظیہ، الضارب زیدٍ، موصوف و صفت کی اضافت اور یائے متکلم کی طرف اضافت — اسباق ۱۸۳ تا ۱۹۶) ۳۹۷۲

(۱۸۳) سبق نمبر۱۸۳: المجرورات (۱): تعریفِ مجرورات اور حروفِ جر و اضافت کا اجمالی تعارف . ۳۹۷۳
(۱۸۳.۱) تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث ۳۹۷۳
(۱۸۴) سبق نمبر۱۸۴: الاضافۃ (۱): مضاف اور مضاف الیہ کی تعریف اور عاملِ جر کی تحقیق ۳۹۹۶
(۱۸۴.۱) تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث ۳۹۹۶
(۱۸۵) سبق نمبر۱۸۵: الاضافۃ (۲): اضافتِ معنویہ (بمعنی لام، مِن اور فی) کی تعریف اور مثالیں . . . ۴۰۲۱
(۱۸۵.۱) تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث ۴۰۲۱
(۱۸۶) سبق نمبر۱۸۶: الاضافۃ (۳): اضافتِ معنویہ کا فائدہ (تعریف یا تخصیص) اور شرائط ۴۰۴۷
(۱۸۶.۱) تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث ۴۰۴۷

(۱۸۷) سبق نمبر ۱۸۷: الاضافۃ(۴): اضافتِ معنویہ میں مضاف کا تنوین و ال سے مجرد ہونا ۴۰۷۰
(۱۸۷.۱) تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث ۴۰۷۰
(۱۸۸) سبق نمبر ۱۸۸: الاضافۃ(۵): اضافتِ لفظیہ کی علامت، تعریف اور فائدہ (تخفیف فقط) ۴۰۹۱
(۱۸۸.۱) تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث ۴۰۹۱
(۱۸۹) سبق نمبر ۱۸۹: الاضافۃ(۶): اضافتِ لفظیہ پر تفریعات («مَرَرْتُ بِرَجُلٍ حَسَنِ الْوَجْہِ» و «اَلضَّارِبَا زَیْدٍ») ۴۱۰۷
(۱۸۹.۱) تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث ۴۱۰۷
(۱۹۰) سبق نمبر ۱۹۰: الاضافۃ(۷): «اَلضَّارِبُ زَیْدٍ» کے عدمِ جواز پر امام فراء سے اختلاف ۴۱۲۵
(۱۹۰.۱) تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث ۴۱۲۵
(۱۹۱) سبق نمبر ۱۹۱: الاضافۃ(۸): «اَلضَّارِبُ الرَّجُلِ» اور «اَلضَّارِبُکَ» کے جواز کی توجیہ ۴۱۴۶
(۱۹۱.۱) تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث ۴۱۴۶
(۱۹۲) سبق نمبر ۱۹۲: الاضافۃ(۹): «ضَارِبُکَ» کی اصل اور صفت کی اپنے معمول کی طرف اضافت . ۴۱۶۷
(۱۹۲.۱) تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث ۴۱۶۷
(۱۹۳) سبق نمبر ۱۹۳: الاضافۃ(۱۰): موصوف کی صفت کی طرف اور صفت کی موصوف کی طرف اضافت کی ممانعت ۴۱۸۲
(۱۹۳.۱) تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث ۴۱۸۲
(۱۹۴) سبق نمبر ۱۹۴: الاضافۃ(۱۱): «جَرْدُ قَطِیْفَۃٍ» اور «صَلٰوۃُ الْاُوْلٰی» کی تاویلات ۴۲۰۷
(۱۹۴.۱) تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث ۴۲۰۷
(۱۹۵) سبق نمبر ۱۹۵: الاضافۃ(۱۲): یائے متکلم کی طرف اضافت (اسمِ صحیح، مقصور، منقوص، تثنیہ و جمع) ۴۲۲۳
(۱۹۵.۱) تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث ۴۲۲۳
(۱۹۶) سبق نمبر ۱۹۶: الاضافۃ(۱۳): یائے متکلم کی طرف اسمائے ستہ اور «أَخٍ / أَبٍ» کا اعراب . . ۴۲۴۰
(۱۹۶.۱) تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث ۴۲۴۰

الْبَابُ الْحَادِيَ عَشَرَ: التَّوَابِعُ (النَّعْتُ، الْعَطْفُ، التَّأْكِيدُ، الْبَدَلُ، عَطْفُ الْبَيَانِ) (توابع: تعریفِ توابع، نعتِ حقیقی و سببی، عطف بالحرف، تاکیدِ لفظی و معنوی، بدل کی چار اقسام اور عطفِ بیان — اسباق ۱۹۷ تا ۲۱۶) ۴۲۶۱

(۱۹۷) سبق نمبر ۱۹۷: التوابع (۱): توابع کی تعریف اور اقسامِ خمسہ کا تعارف ۴۲۶۲

(۱۹۷.۱) تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث ۴۲۶۲

(۱۹۷.۲) متنِ کتاب و تحقیقِ مسائلِ نحویہ ۴۲۶۶

(۱۹۸) سبق نمبر ۱۹۸: التوابع (۲): تعریفِ تابع میں اعرابِ لاحق و سابق کا اعتبار ۴۲۸۵

(۱۹۸.۱) تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث ۴۲۸۵

(۱۹۹) سبق نمبر ۱۹۹: النعت (۱): نعت کی تعریف، فائدہ (تخصیص، توضیح، مدح، ذم، ترحم، تاکید) اور اقسام ۴۳۰۷

(۱۹۹.۱) تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث ۴۳۰۷

(۲۰۰) سبق نمبر ۲۰۰: النعت (۲): نکرہ کی جملہ خبریہ سے صفت اور جملہ انشائیہ کی تاویل ۴۳۲۸

(۲۰۰.۱) تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث ۴۳۲۸

(۲۰۱) سبق نمبر ۲۰۱: النعت (۳): نعتِ حقیقی (دس امور میں سے چار میں مطابقت) ۴۳۵۱

(۲۰۱.۱) تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث ۴۳۵۱

(۲۰۲) سبق نمبر ۲۰۲: النعت (۴): نعتِ سببی (پانچ امور میں مطابقت اور باقی پانچ میں فعل کی طرح حکم) ۴۳۷۶

(۲۰۲.۱) تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث ۴۳۷۶

(۲۰۲.۲) متنِ کتاب و تحقیقِ مسائلِ نحویہ ۴۳۸۰

(۲۰۲.۳) متنِ کتاب و تحقیقِ مسائلِ نحویہ ۴۳۸۸

(۲۰۳) سبق نمبر ۲۰۳: العطف (۱): عطفِ نسق کی تعریف اور حروفِ عطف کا تعارف ۴۴۰۵

(۲۰۳.۱) تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث ۴۴۰۵

(۲۰۴) سبق نمبر ۲۰۴: العطف (۲): تعریفِ عطف کی تکمیل («يَتَوَسَّطُ بَيْنَهُ وَبَيْنَ مَتْبُوعِهِ أَحَدُ الْحُرُوفِ») ۴۴۲۷

(۲۰۴.۱) تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث ۴۴۲۷

(۲۰۵) سبق نمبر ۲۰۵: العطف (۳): ضمیرِ مرفوعِ متصل پر عطف (بلا تاکید و مع تاکید) ۴۴۵۱
(۲۰۵.۱) تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث ۴۴۵۱
(۲۰۶) سبق نمبر ۲۰۶: العطف (۴): ضمیرِ مجرور پر عطف میں اعادۂ خافض کا وجوب ۴۴۶۸
(۲۰۶.۱) تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث ۴۴۶۸
(۲۰۷) سبق نمبر ۲۰۷: العطف (۵): معطوف کا حکم معطوف علیہ کے حکم میں ہونے کا بیان ۴۴۹۲
(۲۰۷.۱) تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث ۴۴۹۲
(۲۰۷.۲) متنِ کتاب و تحقیقِ مسائلِ نحویہ ۴۵۰۵
(۲۰۸) سبق نمبر ۲۰۸: العطف (۶): عوارضِ لفظیہ و معنویہ میں معطوف کا معطوف علیہ کے تابع ہونا ۴۵۲۰
(۲۰۸.۱) تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث ۴۵۲۰
(۲۰۹) سبق نمبر ۲۰۹: العطف (۷): دو عاملوں کے دو معمولوں پر عطف («عَلٰی عَامِلَیْنِ») کے جواز و امتناع ۴۵۴۲
(۲۰۹.۱) تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث ۴۵۴۲
(۲۱۰) سبق نمبر ۲۱۰: التاکید (۱): تاکید کی تعریف اور تاکیدِ لفظی و معنوی کی تقسیم ۴۵۷۱
(۲۱۰.۱) تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث ۴۵۷۱
(۲۱۱) سبق نمبر ۲۱۱: التاکید (۲): الفاظِ تاکیدِ معنوی («نَفْسُہٗ، عَیْنُہٗ، کِلَاہُمَا، کُلُّہُمْ، أَجْمَعُ») ۴۵۹۶
(۲۱۱.۱) تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث ۴۵۹۶
(۲۱۲) سبق نمبر ۲۱۲: التاکید (۳): «کُلٌّ» اور «أَجْمَعُ» سے تاکید کے لیے ذو اجزاء ہونے کی شرط ۴۶۱۴
(۲۱۲.۱) تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث ۴۶۱۴
(۲۱۳) سبق نمبر ۲۱۳: البدل (۱): بدل کی تعریف اور عطفِ بیان و نعت سے فرق ۴۶۳۴
(۲۱۳.۱) تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث ۴۶۳۴
(۲۱۴) سبق نمبر ۲۱۴: البدل (۲): بدل کی چار اقسام (بدلِ کل، بدلِ بعض، بدلِ اشتمال، بدلِ غلط) ۴۶۶۳
(۲۱۴.۱) تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث ۴۶۶۳
(۲۱۴.۲) متنِ کتاب و تحقیقِ مسائلِ نحویہ ۴۶۸۱

(۲۱۵) سبق نمبر ۲۱۵: البدل (۳): بدلِ اشتمال و بدلِ غلط کی تحقیق اور بدل و مبدل منہ کی تعریف و تنکیر ۴۶۸۲
(۲۱۵.۱) تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث ۴۶۸۲
(۲۱۶) سبق نمبر ۲۱۶: عطفِ البیان (۱): عطفِ بیان کی تعریف، فوائد اور بدلِ کل سے فرق ۴۷۰۴
(۲۱۶.۱) تمہیدِ درس اور خلاصۂ مباحث ۴۷۰۴
(۲۱۶.۲) متنِ کتاب و تحقیقِ مسائلِ نحویہ ۴۷۱۵
(۲۱۶.۳) متنِ کتاب و تحقیقِ مسائلِ نحویہ ۴۷۱۹
تفصیلی فہرستِ مضامین و عناوین ۴۷۳۲